نامکمل

مندرجہ ذیل پارے شامل نہیں ہیں:

12 تا 14

21 تا 26

فیوض الرحمٰن

اردو ترجمہ

تفسیر روح البیان

شیخ القرآن والحدیث فیض ملت حضرت علامہ مفتی

محمد فیض احمد اویسی رضوی مدظلہ

مکتبہ اویسیہ رضویہ
سیرانی روڈ بہاولپور

فُیُوضُ الرَّحمٰن

اُردو ترجمہ

تفسیر روح البیان

شیخ القرآن والحدیث فیض ملت حضرت علامہ مفتی

محمد فیض احمد اویسی رضوی مدظلہ

مکتبہ اویسیہ رضویہ
سیرانی روڈ بہاول پور

تفسیر روح البیان

فیوض الرحمن

اردو ترجمہ

روح البیان

پارہ اول، دوئم

تالیف

الامام العالم الفاضل خاتمة المفسرین

حضرت العلامہ الشیخ **محمد اسماعیل حقی** رحمة اللہ علیہ

مترجم

عمدة المفسرین ، استاذ العلماء حضرت علامہ

مولانا **محمد فیض احمد اویسی** صاحب مدظلہ العالی

سعادت اہتمام

صاحبزادہ عطاء الرسول اویسی

ناشر
مکتبہ اویسیہ رضویہ جامع مسجد سیرانی ، سیرانی روڈ بہاولپور پاکستان
Mob. 0300-6843261

marfat.ocm

جملہ حقوق اشاعت بحق ناشر محفوظ ہیں

نام تفسیر ——— فیوض الرحمٰن ترجمہ اردو روح البیان

پارہ ——— اول، دوئم (جلد اول)

تالیف ——— حضرت الشیخ علامہ محمد اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم ——— شیخ القرآن حضرت علامہ محمد فیض احمد اویسی صاحب مدظلہ

پروف ریڈنگ ——— پروفیسر اللہ نواز ناصر، علامہ عاشق مصطفیٰ قادری

قاری محمد اسلم مہروی، قاری نذیر احمد نقشبندی، محمد طارق اویسی

سن طباعت ——— نومبر 2005ء

سعادت اہتمام ——— صاحبزادہ عطاء الرسول اویسی

نگران اشاعت ——— حافظ محمد فدا الرسول اویسی، محمد شفاعت رسول

سعادت کمپوزنگ ——— محمد صفدر علی صابر، محمد شمس الحق چشتی

0301-7597667 0300-7892820

ناشر ——— مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور پاکستان

0300.6843281

ہدیہ ———

انتساب

من بندہ فقیر یہ ھدیہ حقیر[1] عالی جناب سید الثقلین نبی الحرمین امام القبلتین وسیلتنا فی الدارین راحۃ العاشقین، مراد المشتاقین سید الانبیاء والمرسلین سیدنا ومولانا وشفیعنا یوم الجزاء حضور پرنور سیدنا **محمد مصطفٰی** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیارے نام سے معنون کرکے اس بارگاہ بے کس پناہ کو خداوند قدوس کا واسطہ دے کر اس ناچیز ھدیے کی قبولیت کی التجا کرتا ھوں ۔

برگ سبز است ہدیہ درویش

ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی غفرلہٗ

۱۹ صفرالمظفر ھ 11 جولائی 1963ء

بروز جمعرات

---

[1] خدمت ترجمہ تفسیر (مقدمہ صابر)

تعارف مترجم

از:۔ الحاج چودھری مشتاق محمد خان۔ ۹ ہربھجن داس سٹریٹ، بیرون موری گیٹ۔ لاہور

خدا کے فضل وکرم سے آج بھی بہت سے علماء اور مشائخ تبلیغ اسلام میں سرگرم ہیں۔ بعض نے تو اپنے روز وشب محض اسی مقصد کے لئے وقت کر رکھے ہیں کہ ان کا مقصد حیات صرف اور صرف اسلام کی تبلیغ اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقدیس بیان کرنا ہے۔ وہ نور رسالت سے شمع اسلام کے نور میں اضافہ فرما رہے ہیں۔ انہی بزرگوں میں عالم ربانی، متکلم لاثانی، کشاف الحقائق، مبین الدقائق، صاحب تصانیف کثیرہ، فیض ملت، حضرت، علامہ، الحاج، الحافظ

ابو الصالح مفتی **محمد فیض احمد اویسی** مدظلہ العالی

شیخ الحدیث جامعہ اویسیہ رضویہ ملتان روڈ بہاولپور

کی ذات بابرکات کا شمار ہوتا ہے۔

ولادت باسعادت:۔

علم وعرفان کا یہ پیکر، فاضل نبیل، عالم جلیل ۱۳۵۱ھ/1932ء میں حامد آباد ضلع رحیم یار خاں کے مقام پر پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی حضرت مولانا نور احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تھا۔

حلیہ مبارک:۔

یہ مرد درویش نہایت ہی سادہ، موزوں قامت، اکہرا جسم، موٹی پر کیف آنکھیں، سر پر سفید رنگ کی دستار، سفید تہبند، ٹخنوں تک نیچا کرتہ، دیسی جوتا، سفید وسیاہ ریش بزرگی کی علامت، طبیعت میں انکسار وتواضع، سرتاپا ایثار ومحبت، درس وتدریس مشغلہ اور تصنیف وتالیف اوڑھنا بچھونا ہے۔ مسلک اہل سنت کا داعی وعلمبردار ہے۔

تعلیم:۔

جب آپ چار پانچ سال کے ہوئے تو آپ کے والد محترم نے خود قرآن مجید ناظرہ کرایا۔ یوں آپ کی ابتدائی تعلیم گھر سے شروع ہوئی۔ ابتدائی تربیت کے بعد ۱۹۴۳ء میں والد ماجد کی ہدایت اور خواہش کے مطابق حافظ جان محمد صاحب قریہ کنلاں کے پاس حفظ قرآن پاک کے لئے حاضری دی۔ ڈیڑھ سال کے عرصہ میں آٹھ پارے حفظ کر لئے۔ اس کے بعد حضرت مولانا حافظ سراج احمد صاحب اور حافظ غلام یسین صاحب سے مکمل قرآن کریم حفظ

کرنے کی سعادت حاصل کی۔ پاکستان کے معرض وجود (اگست ۱۹۴۷ء) میں آنے پر آپ نے پہلی محراب سنائی۔ ستمبر ۱۹۴۷ء میں پندنامہ سعدی سے فارسی کا آغاز کیا اور حکیم مولانا اللہ بخش سے تعلیم حاصل کی۔ علوم عربیہ کی کتب متداولہ حضرت مولانا الحاج خورشید احمد صاحب سے پڑھنے کے بعد جامعہ رضویہ مظہر الاسلام فیصل آباد میں شیخ القرآن والحدیث علامہ سردار احمد رضوی نور اللہ مرقدہ سے درس حدیث کے لئے حاضری دی۔ حضرت مولانا موصوف کے ہاتھوں سے رسم دستار بندی ہوئی اور انہیں سے سند فراغت حاصل کی۔

اثنائے تعلیم میں بسلسلہ سلوک روحانی قادریہ اویسیہ سلسلہ کے سرچشمہ حضرت خواجہ محکم الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سجادہ نشین الحاج خواجہ محمد الدین صاحب کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ ۱۳۸۱ھ میں ان کے وصال کے بعد شیخ الاسلام مقتدائے اہل سنت حضرت مولانا الحاج شاہ مصطفیٰ رضا سجادہ نشین آستانہ عالیہ رضویہ بریلی شریف ومفتی اعظم ہند حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خان صاحب بریلوی جگر گوشہ امام اہل سنت مجدد دین وملت شاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ العزیز سے بیعت کی درخواست کی جو انہوں نے قبول فرمالی اور آپ کو سلسلہ قادریہ میں سند مجاز مرحمت فرمائی۔

اسمائے گرامی اساتذہ کرام:۔

حضرت مولانا موصوف نے حصول علم کے لئے مندرجہ اساتذہ کرام سے رجوع کیا۔

پرائمری:۔ مولانا خیر محمد صاحب ، مولانا کریم بخش صاحب ، مولانا اللہ بخش صاحب

ناظرہ وحفظ:۔ والد ماجد حضرت مولانا نور احمد صاحب ، مولانا عبد الکریم صاحب ، مولانا خورشید احمد صاحب
مولانا سراج احمد صاحب مکھن بیلوی ، شیخ القرآن والحدیث علامہ سردار احمد رضوی صاحب فیصل آباد

تبلیغ دین:۔

تحصیل علم سے فراغت کے بعد آپ نے اپنے آبائی گاؤں حامد آباد میں ایک تبلیغی ادارہ ''مدرسہ عربیہ منبع الفیوض اویسیہ رضویہ'' قائم کیا، وہاں تقریباً ۱۵ سال تک علم کی روشنی پھیلاتے رہے۔ چونکہ حامد آباد ایک معمولی سا گاؤں ہے اور آمد ورفت کا معقول انتظام نہیں ہے اس لیے سکونت ترک کر کے ۱۹۶۳ء میں بہاولپور منتقل ہو گئے۔ بہاولپور اس وقت بدعقیدہ لوگوں کی گرفت میں تھا اور اس مرد حق شناس نے جونہی مسلک اہل سنت کی شمع روشن کی اس پر مشکلات کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ان کی پرخلوص محنتیں بارآور ثابت ہوئیں اور ۱۹۶۷ء میں آپ نے ملتان روڈ پر زمین حاصل کر کے سیرانی مسجد اور جامعہ اویسیہ رضویہ کا سنگ بنیاد رکھا۔ راقم الحروف ان دنوں بسلسلہ ملازمت بہاولپور میں مقیم تھا اور اویسی صاحب کے درس قرآن سے کئی بار مستفید ہونے کا موقع نصیب ہوا۔ ان دنوں سے خواہش رہی کہ کبھی ان کے قدموں میں بیٹھ کر خدمت دین کا موقع ملے۔ آخر ایک مدت کے بعد اللہ تعالیٰ

نے تمنا کسی حد تک پوری فرمادی۔ آپ کی روشن کردہ شمع کے پروانوں کی تعداد متعد بہ اضافہ ہو رہا ہے۔ اشاعت دین کے علاوہ حضرت اویسی صاحب ہر سال رمضان المبارک میں اطراف واکناف سے آنے والے طلبہ کو قرآن پاک کی تفسیر بھی پڑھاتے ہیں۔ آپ کی سالہاسال کی مسلسل محنت سے ہزاروں فضلاء، علماء اور حفاظ پیدا ہوئے۔ جن کی فہرست بہت طویل ہے اور شمار سے باہر ہیں۔ نہ صرف پاکستانی بلکہ بیرونی ممالک میں بھی آپ کے تلامذہ ملکی وملی اور دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ چند مشاہیر کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں۔

مشاہیر گرامی:۔

مولانا حافظ عبدالحمید اویسی الہ آباد، مولانا مفتی مختار احمد درانی خانپوری، مولانا حافظ عبدالستار گھوٹکی، مولانا قاری عبدالرحمٰن ٹھٹھہ (سندھ)، مولانا سید محمد یوسف سرحد، مولانا محمد ریاض احمد امریکہ، مولانا حافظ عبدالواحد مدینہ طیبہ، مولانا عبدالرحمٰن سندھی مدینہ طیبہ، مولانا عزیز اللہ لاڑکانہ، مولانا مفتی غلام مصطفیٰ رضوی ملتان، مولانا غلام محمد کوئٹہ، مولانا محمد وارث خضدار بلوچستان، مولانا محمد جمیل الرحمٰن سعودی عرب، مولانا قاری منظور احمد سعودی عرب، مولانا سید معظم الدین میانوالی مولانا محمد قاسم کوئٹہ، مولانا محمد فاروق القادری کراچی، مولانا محمد فاروق احمد قادری گڑھی اختیار خان، مولانا صاحبزادہ محمد اسمٰعیل نقشبندی سرگودھا، مولانا مفتی غلام سرور لاہور، مولانا مقصود احمد لاہور، مولانا قاری محمود الحسن کولمبو سرانڈیپ، مولانا محمد اشرف گجرات، صاحبزادہ مولانا علی احمد مانگٹ، مولانا قاری محمد طیب لاہور، مولانا جمال الدین کوئٹہ، مولانا منیر الزماں ابوظہبی [1]

یہ عاشق رسول عقائد کے معاملہ میں بہت متصلب واقع ہوئے اور اہانت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کرنے والوں سے کسی قسم کی رورعایت کے قائل نہیں ہیں۔ آپ گستاخان رسول کے علاوہ سب کے لئے محبت وایثار کا مجسمہ ہیں۔ آپ کے ہاں ہروقت مسلک تصوف کی محفلیں برپا رہتی ہیں۔

سلسلہ تصانیف:۔

آپ جہاں ایک فاضل مدرس ہیں وہاں تحریر میں بھی خاصی مہارت اور ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ اب تک ایک تین ہزار کے لگ بھگ کتب ورسائل کی تصنیف فرما چکے ہیں۔ [2] ابھی آپ طفل مکتب تھے کہ ایک کتاب ''انگوٹھے چومنے کا بیان'' تالیف فرمائی چند دیگر تصنیفات وتالیفات درج ذیل ہیں۔

فیوض الرحمٰن اردو ترجمہ روح البیان ۔ ۳۰ پارے، نعم الجامی شرح جامی ۔ ۸ جلدیں، فتاوی اویسیہ ۔ ۸ جلدیں، صدائے نودی شرح مثنوی ۔ ۲ جلدیں، شرح مائۃ عامل، شہد سے میٹھا نام محمد، آئینہ شیعہ نما، چشمہ نور افزاء، تفسیر روح البیان کا

---

[1] ان میں بعض وہ حضرات ہیں جو آپ کے زمانہ طالبعلمی کے شاگرد ہیں اور بعض وہ ہیں جنہوں نے آپ سے چند اسباق پڑھے اور بعض مستقل شاگرد ہیں۔

[2] علم کے موتی کے عنوان سے آپ کی کتب کی فہرست کراچی اور مکتبہ اویسیہ بہاولپور سے شائع ہو چکی ہے

marfat.ocm

اردو ترجمہ ''فیوض الرحمٰن'' کر کے حضرت علامہ اویسی صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے دین اسلام کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔ اس کے لئے وہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا گو ہوں کہ ان کی خدمت دین متین کے لئے عمر دراز عطا فرمائے۔ ہر برس کے دن ہوں پچاس ہزار

خدا تعالیٰ ان کی اس کاوش کو شرف قبولیت بخشے۔ آمین ثم آمین

اولاد امجاد:۔

بفضلہٖ تعالیٰ علامہ اویسی صاحب کے چار صاحبزادے ہیں اور الحمد للہ تعالیٰ چاروں خدمت دین متین میں گوناگوں مصروف ہیں۔

۱۔ علامہ حافظ محمد صالح اویسی، مفتی جامعہ اویسیہ رضویہ بہاولپور، خطیب جامع مسجد

۲۔ علامہ حافظ محمد عطاء الرسول اویسی، مدرس جامعہ اویسیہ رضویہ بہاولپور، مدیر اعلیٰ فیض عالم، خطیب جامع مسجد

۳۔ علامہ حافظ محمد فیاض احمد اویسی، مدرس جامعہ اویسیہ بہاولپور، ایڈیٹر ماہنامہ فیض عالم، خطیب جامع مسجد

۴۔ علامہ حافظ ریاض احمد اویسی، ناظم جامعہ اویسیہ بہاولپور، خطیب جامع مسجد

اور ایک صاحبزادی صاحبہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان سب کو اپنے والد مکرم کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

مشتاق محمد خان

لاہور

وجہ تالیف تفسیر روح البیان

از:۔ حضرت علامہ مولانا محمد اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ھ)

الحمد للّٰہ الذی اظہر من نسخۃ حقایقۃ الذاتیۃ الکمالیۃ نقوش العوالم والاعلام واخرج من نون الجمع الفاقی انواع الحروف والکلام انزل من مقام الجمع والتریہ قرا ناً عربیاً غیر ذی عوج وجعلہ معجزۃ علیٰ وجہ کل زمان ساطعۃ البراھین والحج والصلوۃ والسلام علی من ھو فاتح باب الحضرۃ فی العلم والعین والیقین سیدنا محمد الذی کان نبیاً وادم بین الماء والطین وعلیٰ الہٖ واصحابہٖ المتخلیقین بخلق القراٰ ن ومن تبعھم باحسان الیٰ اخر الزمان۔

حمد و درود کے بعد عرض پرداز ہے بندہ فقیر حضرت ذبیح اللہ علیہ السلام کا ہم نام اسماعیل حقی واعظ مہاجر (رحمۃ اللہ علیہ، اللہ تعالیٰ انہیں صبح و شام اور دوپہر کے فتنوں کے محفوظ رکھے) جب میرے شیخ امام علامہ اور میرے استاد جو بڑے عالم اور فہیم اور اپنے وقت کے سلطان اور اپنے زمانہ میں بے نظیر ہیں اور وہ علم و عرفان کی وجہ سے مخلوق کے لئے اللہ تعالیٰ کی حجت اور انوار عنائت و توفیق کے مطلع اور اسرار خلافت کے علی التحقیق وارث اور ان کے لئے گیارہویں صدی کے مجدد ہونے پر لوگ متفق ہیں وہ الہام ربانی کے معدن اور حسبی نسبی سید ہیں۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہٗ کے ہم نام اور قسطنطنیہ میں مقیم ہیں اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے اور ان کے طفیل ہماری امداد فرمائے، کا ارشاد ہوا کہ تم شہر بروسا (جو اولیاء کرام کا مرکز ہے، اللہ تعالیٰ اسے ہر شر و فساد سے محفوظ رکھے) کی طرف چلے جاؤ۔ حسب الحکم ۱۰۶۰ھ میں وہاں پہنچا تو وہاں سوائے وعظ و نصیحت کے اور کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ یہ سلسلہ جامع مسجد کبیر (جو نورانی عبادت گاہ، مشہور و معروف مقام ہے) میں ہوا اس سے قبل جب کہ روم کے بعض شہروں میں مقیم تھا تو میرے پاس چند صحیفے جمع تھے ان میں تفاسیر و دیگر علوم جمع کئے گئے تھے۔ وہ بھی سورہ آل عمران سے کچھ تھوڑا سا آگے کی تفسیر پر مشتمل تھا اور ان میں طوالت کے باوجود متفرق اوراق تھے۔ میرا ارادہ ہوا کہ ان کا خلاصہ بیان کروں اور ان میں جو کمی بیشی ہو ترمیم و تنسیخ کروں اور جو مضامین بڑھانے کے لائق ہوں ان کا اضافہ کروں۔ اگرچہ میں قلیل البلاغۃ ہوں لیکن اگر اللہ تعالیٰ نے مہلت بخشی تو بوقت فرصت اسے تحریر میں لاؤں گا۔ تاکہ میرے لئے یوم آخرت کا ذخیرہ ہو بلکہ میرے لیے سفارشی

marfat.ocm

بنے اس یوم میں کہ جہاں نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سے سوال ہے کہ اسے صالحات الاعمال، خالصات الآثار اور آخر عمر تک باقیات الصالحات سے بنائے۔ کیونکہ وہ کریم جب کسی بندہ سے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے اعمال لوگوں کی نظروں میں اچھے بنا دیتا ہے اور اسے ان خیرات کا اہل بنا دیتا ہے جو نہایت اعلیٰ اور مرغوب ہیں اور وہی فیاض ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سبب ترجمہ ہذا

از:۔ شیخ القرآن والحدیث، فیض ملت علامہ مفتی محمد فیض احمد اویسی رضوی مدظلہ العالی

بحمدک یامفیض الجود الخیر علی عبادک الاخیار یاستار ویاغفار اغفر ذنوبنا واستر عیوبنا واعصمنا من فتن المبطلین والاشرار انت الباقی بلا زوال لم یطرء علیک ونقص ولا یجری علیک نکص انت القادر والقدیر والمختار علی حبیبک الاعظم ونبیک الاکرم ونورک المعظم وسرک الافخم سید الانبیاء والابرار امام الانبیاء وقدوۃ الاصفیاء وصفوۃ الانام واکرم الکرام ھادم بنیان الکفر والشر والاشرار وعلی الہ الاطہار واصحابہ الصغار والکبار۔

امابعد فقیر ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی غفرلہٗ کو عرصہ سے ایک جامع تفسیر تحریر کرنے کا شوق دامن گیر تھا علمی بضاعتی کے علاوہ کم ہمتی بھی مانع تھی اور نہ ہی تفسیروں کا ذخیرہ میسر تھا۔ طویل عرصہ گذر جانے کے بعد تفسیر روح البیان کا مطالعہ نصیب ہوا۔ اس نے میرے شوق سابق کے خوابیدہ تصورات کو بیدار کیا۔ وہی کچھ ملا جو میں تفاسیر شتی سے چاہتا تھا کہ لغت بھی ہو اور فقہ بھی، حدیث بھی ہو اور تفسیر بھی۔ اہل ظواہر بھی فائدہ اٹھائیں، اہل تصوف بھی مستفید ہوں۔ محققین بھی اس سے استفادہ فرمائیں اور مبتدی حضرات بھی۔ جس طرح مدرسین کی نظروں میں منظور ہوا اسی طرح واعظین کا مطمع نظر بھی ہو۔ چنانچہ اس کے ترجمہ کا آغاز یکم جنوری ۱۹۵۸ء سے ہوا اور یکم جنوری ۱۹۵۹ء میں "ماہ طیبہ" کوٹلی لوہاراں، ضلع سیالکوٹ کی مسلسل اشاعتوں میں شائع ہوتا رہا۔

فقیر ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ

marfat.ocm

روح البیان اور اس کا مصنف مرحوم

مصنف روح البیان جناب اسماعیل حقی قدس سرہٗ العزیز ایک عارف کامل اور علامہ دوراں اور یگانہ زمان تھے جن کے عرفان اور فضل وکمال کا اعتراف مخالفین کو بھی ہے۔ چنانچہ مولوی محمد صدیق حسن خان بھوپالی نے اپنی معروف تصنیف ''اکسیر فی اصول تفسیر'' صفحہ ۸۲ میں لکھا کہ: **روح البیان فی تفسیر القرآن للشیخ العارف الکامل الشیخ اسماعیل حقی رحمة الله علیه** ---- یعنی یہ تفسیر آپ نے اپنے شیخ عارف کامل حضرت عثمان قدس سرہٗ کے حکم سے قسطنطنیہ میں لکھی۔ خود مصنف رحمة الله تعالیٰ علیه نے بھی اسی پارہ اول کے مقدمہ میں لکھا۔

تفسیر روح البیان کا تعارف:۔

مولوی بھوپالی ''روح البیان'' کے تعارف میں لکھتا ہے کہ **وھو فی ستة مجلدات لم یذکرہ فی کشف الظنون وقد طبع فی ھذا الزمان بمصر القاھرہ یحتوی علی معارف وحقائق علی لسان التصوف** یعنی وہ چھ جلدوں میں ہے اسے کشف الظنون (جو تصانیف پر مشتمل ہے) میں نہیں لایا گیا یہ تفسیر معارف (معرفة کی جمع) اور حقائق (حقیقة کی جمع) کو حاوی ہے اور تصوف کے رنگ میں لکھی گئی ہے۔

صدیق حسن بھوپالی کا تعارف:۔

۱۔ مخالفین کا یہی محقق خود اپنے لیے یوں لکھتا ہے:۔ **الامام العلامه البحر الفھامه البرکة الشامله لمن ھو فی الھند والقھامه الخ**

(حاشیہ وہابی مذہب)

۲۔ مولوی اسماعیل سلفی گوجرانوالہ نے لکھا:۔ دقتِ نظر، وسعتِ مطالعہ، زہد وتقوی کے لحاظ سے ان کا مقام یقیناً اونچا ہے اور فہم قرآن میں ان کا ذہن بے حد صاف ہے بہت اکابر قدماء سے بھی ان کی رائے صائب معلوم ہوتی ہے۔

(حیات النبی، صفحہ ۴۶، ۴۷)

۳۔ مولوی اشرف سندھو نے لکھا ہے کہ:۔ نواب صدیق حسن خان اہلحدیث مسلک کے علمبردار ہیں اور وسیع النظر محقق ہیں۔

(تاریخ التقلید، صفحہ ۱۳۹)

۴۔ نواب صدیق حسن بھوپالی ''مجدد'' تھے۔

(اہلحدیث امرتسر ۱۹۱۲ء، صفحہ ۲۸)

marfat.ocm

انصاف اے اہل انصاف!

مولوی محمد صدیق حسن خان بھوپالی کی شخصیت سامنے آگئی اور ان کا اعتراف بھی پڑھ لیا گیا کہ یہ تفسیر معارف وحقائق کا گنجینہ ہے۔ پھر اس کے بعد خلجان کیوں؟ وہ صرف اسی لیے کہ تصوف کے مسائل بھی اس میں موجود ہیں اور پھر اس لیے کہ یہ تفسیر (روح البیان) عارف کامل حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہٗ کے اشعار پر مشتمل ہے اور کے بھی چھ دفتر ہیں اس لیے بعد صدیق حسن مذکور نے دل کی بھڑاس نکالی ہے:

"مزج فیه العربیة بالفارسیة من غیر امتیاز بینهما" یعنی مفسر نے عبارت عربی، فارسی ملا کر لکھی ہے۔

جواب:۔

i۔ اولاً تو تفسیر روح البیان پر مذکورہ بالا الزام غلط ہے اس لیے کہ فارسی عبارات تفسیر ہذا میں لائی ضرور گئی ہیں لیکن نہ ہونے کے برابر اور وہ بھی کسی معتبر اور مستند کتاب، تفسیر کی نقل کے طور پر، اس طرح سے مصنف کو داد دینی چاہیے کہ انہوں نے تفسیر بالرائے سے کام نہیں لیا بلکہ مضمون کو دوسرے محققین اور مستند علماء سے مؤید وموثق کیا ہے۔

ii۔ ہمارے دور میں انگریزی زبان علاج عروج پر ہے۔ جو مصنف اپنی تصنیف میں انگریزی حروف وجملے لاتا ہے اسے جدت کا تاج پہنا کر تحسین وآفرین کے ڈونگرے برسائے جاتے ہیں۔ صاحب روح البیان کے زمانہ میں فارسی زبان کا طوطی بولتا تھا۔ اسی لیے وہ اپنی تحریر میں فارسی جملے لائے تا کہ جدت پسند حضرات تفسیر کو سر آنکھوں پر رکھیں۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ جتنی مقبولیت تفسیر روح البیان کو حاصل ہے کسی دیگر تفسیر کو نصیب نہیں۔

صدیق حسن مذکور نے اور لکھا:۔

والی بارا جیف کثیرہ لاینبغی الالتفات لاینبغی الیها وفتاوی ضیعة لا یعتمد علیها ولیس فی الحقیقة من التفسیر للکتاب العزیز بشئی واورد فیه اشعار کثیرة من الفرس سیما من مثنوی الشیخ جلال الدین الرومی وهو من توابعه من الاعتقاد والمعرفة الذ اسمعی کل جزء من اجزاء التفسیر بالدفتر واجتراء علی کتاب الله بادخال لیس منه ۔

یعنی تفسیر میں اراجیف کثیرہ لایا ہے۔ یاد رہے کہ اراجیف بالفتح ارجاف کی جمع ہے بمعنی بیہودہ لوگ، جھوٹی اور بے بنیاد باتیں۔ (غیاث اللغات)

اویسی کی بھی سنیئے:۔

ناظرین! آپ نے دیکھ لیا، اسے کہتے ہیں تعصب اور سچ ہے دروغ را حافظہ نباشد ابھی تو اس تفسیر کو

marfat.ocm

''معارف وحقائق کا گنجینہ اور مصنف کو عارف لکھا'' اور پھر اس کی تفسیر کو اراجیف جیسے گندے الفاظ جڑ دیے۔ (انا للّٰہ وانا الیہ راجعون) اور ''فتاوی ضعیفہ'' کا الزام بھی بے بنیاد ہے۔ یہ تعصب کی کاروائی ہے ورنہ الحمد للّٰہ مصنف روح البیان قدس سرہٗ نے حوالہ جات تفسیر میں لکھے ہیں۔ ان میں کوئی بھی ضعیف حوالہ نہیں۔

مولانا روم کی اقتدا:۔

بھوپالی صاحب نے اپنے تئیں معقول الزام لگایا ہے کہ مصنف روح البیان مولانا روم کا نہ صرف متبع بلکہ اتنا بڑا معتقد ہے کہ تفسیر کو مثنوی کے چھ دفتروں کے مطابق چھ دفتروں میں لکھ دیا۔

عرض اویسی غفرلہٗ:۔

مخالف نے یہ الزام لگا کر اپنی بدمذہبی کا اظہار اور ہمارے ممدوح کی تفسیر پر علم وعرفان سے بھرپور ہونے کی مہر ثبوت لگا دی ہے۔ الحمد للّٰہ علی ذالک

اہل سنت اور صوفیہ کو دعوت مطالعہ:۔

مولانا روم قدس سرہٗ کی مثنوی کے عشاق بخوبی واقف ہیں اس مقدس کتاب کا صرف مطالعہ ہی صاحب عرفان بنا دیتا ہے۔ چنانچہ مولوی اشرف علی تھانوی نے فیوض الرحمٰن (ملفوظات) میں اعتراف کیا ہے کہ صرف مثنوی کے مطالعہ سے بے ایمانوں کو ایمان اور ایمان داروں کو عرفان کی دولت نصیب ہوئی جس کی تفصیل فقیر کی کتاب '' فیض القوی فی فضائل المثنوی '' میں ہے۔ یوں سمجھئے کہ تفسیر روح البیان اہل سنت کے مسلک اور احناف اور تصوف اسلام کا عطر ہے صرف یہی ایک تفسیر ان جملہ برکات کی جامع ہے۔

اہل سنت کے مایہ ناز عالم دین کی تصدیق:۔

حضرت مولانا فقیر محمد جہلمی یوں رقم طراز ہیں:۔ ''شیخ اسماعیل حقی آفندی عارف کامل، فاضل مفسر، مستند سراج العلماء، زبدۃ الفضلاء تھے۔ امام اعظم رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ کے مذہب کی تائید اور اعانت کی اور انہیں کے مذہب کے موافق آیات قرآنی کی تفسیر فرمائی۔'' (حدائق الحنفیہ)

اہل سنت خواص وعوام سے اپیل ہے کہ جب آپ حضرات مسلک سنی اور مذہب حنفی اور تصوف کے متلاشی بلکہ عاشق ہیں۔ تو پھر روح البیان سے بے اعتنائی اور لاپروائی کیوں؟ آپ مخالفین کے غلط پروپیگنڈے سے متاثر کیوں ہیں؟ جب کہ ان کی تنقید کا نشانہ نہ صرف تفسیر روح البیان ہے بلکہ انہوں نے تو تمہارے اکابر اسلاف صالحین کو بھی معاف نہیں کیا۔ امام اعظم رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہٗ جیسی شخصیت کے لئے کہتے ہیں وہ تو صرف سولہ سترہ احادیث جانتے تھے اور بس اور نبوت وولایت پر تو ان کی تنقید مشہور ہے۔ جب وہ مرکز

marfat.ocm

کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے تو پھر مرکز کو مضبوط کرنے والوں کو کب اچھی نگاہ سے دیکھ سکتے ہیں۔ اسی لیے مخالفین اہل سنت اور احناف اور اصفیاء کو اپنی تحریر و تقریر میں ہدف تنقید بناتے ہیں۔

یقین کیجئے!

عوام اہل سنت کو یقین ہونا چاہیے کہ تفسیر روح البیان نہایت معتبر اور مستند کتاب ہے۔ اصول تفسیر کے عین مطابق ہے۔ اس کے مفصل دلائل تو فقیر نے " الفیضان " میں لکھے ہیں یہاں بھی چند ایک ملاحظہ ہوں۔

شرائط تفسیر:۔

حضرت امام جلال الدین سیوطی قدس سرہٗ نے قرآن مجید کی تفسیر کے لیے پندرہ علوم و فنون میں مہارت تامہ کی شرط لگائی ہے اور لکھا ہے کہ جو شخص ان پندرہ علوم و فنون میں سے کسی ایک میں بھی ناقص ہو اسے قرآن مجید کی تفسیر کرنے کا حق نہیں۔ (اتقان) وہ پندرہ علوم یہ ہیں۔

۱۔ لغت عربیہ ۲۔ علم النحو ۳۔ علم الصرف ۴۔ علم الاشتقاق ۵۔ علم المعانی
۶۔ علم البیان ۷۔ علم البدیع ۸۔ علم القرأت ۹۔ قواعد شرعیہ ۱۰۔ اصول فقہ
۱۱۔ علم اسباب النزول ۱۲۔ علم ناسخ و منسوخ ۱۳۔ فقہ ۱۴۔ علم الحدیث ۱۵۔ علم الموہبہ

بعض دیگر مفسرین نے پچیس علوم کی شرط لگائی ہے۔ ان کی تفصیل فقیر نے اپنی کتاب ''احسن البیان'' حصہ اول میں لکھ دی ہے۔

افسوس! کہ آج کل بعض حضرات معمولی عربی گرائمر جاننے والے اور دو چار اردو کتابیں پڑھنے کے بعد قرآن مجید کی تفسیر کرنے لگ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے دور میں تفسیر قرآن کی کوئی قدر نہیں رہی بلکہ معاملہ الٹا ہو گیا کہ تحقیقی تفاسیر کو ضعیف اور غیر تحقیقی کو قوی سمجھا جا رہا ہے۔ مثلاً عوام کے سامنے ''تفسیر ابن کثیر'' کا پرچار کیا جاتا ہے اور اس کا اردو ترجمہ ہاتھوں ہاتھ لوگوں تک پہنچایا جا رہا ہے اور ''تفہیم القرآن'' کے مقابلے میں تمام سابقہ تفاسیر کو ہیچ ثابت کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ حالانکہ تاریخ شاہد ہے کہ "تفسیر ابن کثیر" ابن تیمیہ کے مقلد اور خارجی مذہب کے پیروکار کی لکھی ہوئی ہے جس میں ہزاروں بلکہ بے شمار غلیظ عقائد کو درج کر کے خارجیت کا درس دیا گیا ہے اور ''تفہیم القرآن'' کے مصنف کا تو سب کو پتا ہے کہ وہ ماڈرن دین کا داعی تھا یعنی وہ اسلام کا رخ مدینہ منورہ کی بجائے انگلینڈ اور امریکہ کی طرف پھیرنا چاہتا تھا فلہٰذا عوام خود سوچ لیں کہ ایسی تفاسیر کے مطالعہ سے انہیں کیا حاصل ہوگا!

ایسے ہی سابقہ تفاسیر میں " تفسیر کبیر " بلند پایہ سہی مگر شرائط مذکورہ سے یکسر خالی۔ اسی لیے علماء

کرام نے فرمایا: تفسیر کبیر رازی میں تفسیر کے سوا باقی سب کچھ ہے۔ یعنی فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں بہترین مضامین لکھے، لیکن تفسیری مضامین سے یکسر خالی۔ ایسے ہی "تفسیر ابن جریر" کو علماء کرام نے "ام التفاسیر" کا لقب دیا مگر وہ بھی شرائط مذکور پر صحیح نہیں اترتی اسی طرح آپ متعدد تفاسیر پڑھ جائیں گے لیکن تفسیری شرائط ان میں بہت کم ملیں گی۔

شرائط مفسر:۔

مفسر قرآن کے لئے جن شرائط کا ہونا مستند مفسرین نے ضروری قرار دیا ہے۔ وہ یہ ہیں:

۱۔ ذکی، فہیم ہو۔ قرآن فہمی کی کامل و مکمل مہارت رکھتا ہو۔

۲۔ علوم مذکورہ باضابطہ، ماہر و حاذق اور تجربہ کار اساتذہ سے سبقاً پڑھے ہوں۔

۳۔ علمائے معاصرین اور فضلائے ہم زمان کی نظر میں اس کا علم، فہم اور تقوی مسلم اور معتبر ہو۔

۴۔ خود رائے اور متکبر نہ ہو۔ ۵۔ سنی اور صحیح العقیدہ ہو۔

الحمد للہ جملہ اوصاف صاحب روح البیان رحمہ اللہ میں بدرجہ اتم موجود تھے۔ جس کا اعتراف مخالفین کو تھا اور ہے، ایک حوالہ بھوپالی کا اس کے ثبوت کے لئے پیچھے گذر چکا، تفصیل "الفیضان" میں دیکھئے۔

افسوس، اہل سنت!

بدمذاہب کی تفاسیر کو ہمارے اکابرین رحمہم اللہ تعالی ہاتھ تک نہیں لگاتے تھے بلکہ اپنے متبعین کو ان کے نہ پڑھنے کا حکم فرماتے۔ مثلاً زمخشری کتنا بڑا فاضل اور علامہ تھا لیکن ہمارے بزرگوں نے اس کے مطالعہ کو زہر قاتل قرار دیا، تو پھر آج کیوں تفسیر ابن کثیر اور بدمذاہب کی تفسیروں کو پڑھتے ہو؟ جب ان میں اہل سنت اور صوفیائے کرام کے خلاف زہر اگلا گیا ہے اور تفسیر روح البیان جو ہمارے سنی مسلک و مذہب حنفی اور مشرب صوفیہ کے عین مطابق ہے اور تفسیری شرائط کے مطابق ہے۔ پھر اس سے بے اعتنائی کیوں؟ صرف اس لیے کہ اسے مخالفین نہیں مانتے وہ کیوں مانیں جب مصنف عارف رومی اور شیخ اکبر اور امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا متبع ہے

قواعد تفسیر:۔

تفسیر کے پانچ قواعد ضروری ہیں۔

۱۔ تفسیر القرآن بالقرآن ۲۔ تفسیر القرآن بالحدیث ۳۔ تفسیر القرآن باقوال الصحابہ

۴۔ تفسیر امور سے جو لغت عربیہ اور قواعد اسلامیہ کے متعلق ہوں۔ ۵۔ تفسیر کی وہ قسم جو وجوہ مذکور میں سے کسی ذریعہ سے ثابت اور متین نہ ہو۔

marfat.ocm

"روح البیان" میں جملہ شرائط بدرجہ اتم موجود ہیں۔ طرفہ یہ کہ صاحب تفسیر کوئی مضمون حوالہ دیے بغیر درج نہیں کرتے بلکہ ہر ایک کو شرائط تفسیر کے مطابق بیان کرتے ہیں۔ انہوں نے احناف کے مسلک کے مطابق اور اہلسنت کے اصول کے مطابق اپنے اشہب قلم کو دوڑایا ہے اور تصوف کے وہ اسرار و رموز جو ہم عارف رومی، سعدی، جامی اور حضرت ابن العربی قدس اسرارھم سے سننا چاہتے تھے وہ صاحب روح البیان نے "روح البیان" میں یوں بیان کر دیے گویا کوزہ میں دریا بند کر دیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ "روح البیان" تفسیری قواعد و ضوابط اور جملہ اصول کی جامع ہونے کے ساتھ ساتھ فقہ حنفی اور تصوف اسلامی پر مشتمل ہے اور دور حاضرہ کے وہ مسائل جن میں اہلسنت کے ساتھ مخالفین کو اختلاف ہے ان سب کو علمی تحقیق سے واضح کیا گیا ہے۔ لیکن افسوس کہ اہل اسلام کو اس کے مطالعہ سے اندھیرے میں رکھا گیا ہے۔ مخالفین تو اپنی عادت پر مجبور ہیں لیکن سخت افسوس ان علمائے اہل سنت پر ہے جنہوں نے اس تفسیر سے بے اعتنائی برتی۔ جس سے عوام اہل اسلام کو یقین ہونے لگا کہ ممکن ہے کہ بقول مخالفین "روح البیان" غیر مستند ہو۔ حالانکہ ایسی محقق اور مستند اور کوئی تفسیر نہیں۔ فقیر نے اس تفسیر کے متعلق ایک کتاب " الفیضان علی روح البیان " لکھی ہے۔ جو انشاء اللہ تعالیٰ تفسیر کی تکمیل طباعت کے بعد علیحدہ علیحدہ مقدمہ ہدیہ ناظرین ہوگی!

خصوصیات تفسیر ہذا از مصنف روح البیان قدس سرہٗ

☆ ......اس تفسیر میں بکثرت وجوہ تفسیر بیان کرنے کے بجائے اختصار کو ملحوظ رکھ کر آیات کے اصل منشاء کو واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ البتہ متقدمین کی معتبر و مستند تفاسیر کا خلاصہ ضرور بیان کیا جائے گا اس سے میری تفسیر کو مقبولیت حاصل ہوگی۔

☆ ...... ہر آیت کے تحت مناسب لیکن دلپذیر پند و نصائح ضرور بیان کروں گا تا کہ ان سے قلوب کو جلاء اور ارواح کو سرور حاصل ہو۔

☆ ......موقعہ کے مطابق فارسی اشعار بھی لکھوں گا تا کہ اہل دل ان سے روحانی تسکین پائیں۔

☆ ......جن تفاسیر معتبرہ اور کتب فقہ و احادیث مبارکہ کا حوالہ دوں گا حتی المقدور ان کی اصل عبارت لکھنے کی کوشش کروں گا۔ البتہ کہیں کہیں بوقت ضرورت صرف عبارات میں ترمیم و اضافہ کروں گا لیکن مطالب و مقاصد میں حبہ بھر فرق نہیں آنے دوں گا۔

☆ ...... بہت کم ایسے مواقع آئیں گے جہاں اپنا نظریہ (بقول الفقیر سے) پیش کروں گا لیکن وہ بھی بحمدہٖ تعالیٰ کسی شیخ کامل اور معتبر ولی اللہ کی تقریر کا خلاصہ ہوگا۔

marfat.ocm

آغاز تصنیف روح البیان:۔

اس دفتر کا آغاز ۲۲ شعبان ۱۱۰۲ھ میں ہوا۔ پہلے دفتر کی طرح اس کا آغاز شہر بروسہ میں ہوا جب کہ اسی شہر کی طرف ہجرت کر کے مقیم ہو گیا تھا۔ خدا کرے یہ شہر ارواح قدسیہ والے حضرات کا مرکز بنا رہے۔

اے الہ العالمین! جس طرح تو نے مجھے اس کے دفتر کے اتمام کی توفیق بخشی ہے اپنے فضل و کرم سے اس کے بقایا حصص کی تکمیل بھی توفیق عطا فرما اور میری اس تحریر کو قیامت کے دن میرے چہرے کی سفیدی کا سبب بنا جیسے تیرے اولیاء کرام کے چہرے نورانی ہوں میرا بھی چہرہ نورانی ہو اور اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میرے گناہوں کے سیاہ دفتروں کو دھو ڈال اور میں بھی صبح و شام تا دم زیست تجھ سے دعائیں مانگتا رہوں گا اور اس میں مجھے ناامیدی بھی نہیں۔ فلک الحمد فی الاولی والاخری علی عنایتک الکبری واخر دعواھم ان الحمد للہ رب العالمین۔

سبب تالیف ''فیوض الرحمٰن'' ترجمہ تفسیر ہذا:۔

ناکارہ و آوارہ الفقیر القادری ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ عرض پرداز ہے کہ فقیر نے زمانہ طالبعلمی میں اپنے اکابر اہل سنت سے تفسیر روح البیان کا غلغلہ سنا۔ مخالفین اہل سنت نے اسے ضعیف اور غیر معتبر گردانا۔ تحصیل علوم و تکمیل فنون کے بعد ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۱ء میں اپنے گاؤں حامد آباد ضلع رحیم یار خاں میں تعلیم و تدریس میں مشغول ہو گیا۔ انہی دنوں تفسیر ابن کثیر کا اردو ترجمہ شائع ہوا۔ عوام میں تاثر پیدا کر دیا گیا کہ یہ زمانہ قدیم کی معتبر تفسیر ہے۔ حالانکہ ابن کثیر ابن تیمیہ کا شاگرد اور اس کے مذہب و مسلک کی خاطر سر دھڑ کی بازی لگانے والا ہے۔ اس نے تفسیر ابن کثیر میں اہل سنت کے خلاف بہت کچھ لکھا۔ یہ تفسیر اہلسنت و جماعت کے عقائد کے بھی خلاف ہے اور مسلک حنفیت کے بھی۔

فقیر قلیل البضاعۃ وعدیم الفرصت کو اتنی جرأت کہاں کہ تفسیر جیسے اہم و مشکل ترین فن کو اپنائے۔ لیکن فضل ایزدی پر امید رکھ کر روح البیان کے ترجمہ کا آغاز کیا۔ یہ تفسیر بحمدہٖ تعالیٰ اصول و ضوابط اور قوانین تفسیر کے عین مطابق ہے اور مخالفین حضرات اسے محض اس لئے غیر معتبر و ضعیف گردانتے ہیں کہ صاحب روح البیان نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور صوفیائے کرام میں سے سیدنا ابن العربی اور حضرت مولانا روم قدس سرھما کا مسلک پیش کیا ہے۔ بعینہٖ یہی ہمارا مدعا ہے اور مخالفین کے لئے موت اور سم قاتل۔

تفسیر ابن کثیر نہ صرف غیر مفید ہے بلکہ اس کا مطالعہ عقائد و مسائلِ احناف کے لئے مضر بھی ہے اور روح البیان کا مطالعہ عقائد اہلسنت و مسائلِ احناف کو جلا بخشے گا اور حضرت مولانا روم اور عارف باللہ سیدنا ابن

marfat.ocm

العربی قدس سرھما کے عارفانہ کلام سے ارواح کو تازگی بخشے گا۔

معتبر تفسیر روح البیان :۔

کسی کو زبان سے غیر معتبر اور ضعیف کہہ دینا صرف مخالفین کی اپنی بڑ ہے۔ ورنہ مطالعہ کے بعد قاری خود محسوس کرے گا کہ عالم اسلام کی جملہ تفاسیر سے بوجہ اصول وقواعد وضوابط فن تفسیر کے تفسیر ہذا کتنا بلند مرتبہ رکھتی ہے۔ طرفہ یہ کہ جناب اسماعیل حقی قدس سرہٗ نے ہر ایک مضمون کو مشہور ومعروف اور نہایت معتبر اور مستند تفاسیر وکتب احادیث وفقہ حنفی کے حوالہ جات سے مزین فرمایا ہے اور صوفیانہ تفسیر کو اصول تفسیر میں حق مانا گیا ہے۔ جس کا مخالفین کے اکابر نے اعتراف کیا ہے۔ اسی لیے تعصب سے بالا ہو کر اس تفسیر کا مطالعہ کیا جائے تو حق واضح اور روشن ہوگا۔

خصوصیات ترجمہ :۔

☆......فقیر نے ترجمہ میں کسی قسم کی ترمیم واضافہ نہیں کیا محض اس نیت سے کہ عوام اس تفسیر کے مطالعہ کے بعد خود اس نتیجہ پر پہنچیں اور سمجھیں کہ گیارھویں صدی میں عقائد ومسائل یہی تھے جن کی امام اہل سنت مجدد دین وملت شیخ الاسلام والمسلمین سیدنا شاہ احمد رضا خان صاحب بریلوی قدس سرہٗ نے چودھویں صدی میں ترجمانی کی ہے۔ ان کے دلائل ومسائل کو بدعت کہنا ایسے ہے جیسے امام الانبیاء، حبیب کبریاء، شافع روز جزا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مشرکین عرب نے بدعتی گردانا اور منافقین نے مشرک[۱] حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خارجیوں نے مشرک وبدعتی ہونے کا فتوی جڑا۔ اسی طرح ابن تیمیہ کی پارٹی اور عبدالوہاب نجدی نے تمام اہل حق کو مشرک وبدعتی گردانا۔ اب اگر اعلیٰ حضرت بریلوی اور ان کے تلامذہ اور معتقدین ومتعلقین کو وہابی، دیوبندی، مودودی، تبلیغی، پرویزی وغیرہ بدعتی اور مشرک کہیں تو وہ مجبور ہیں

تاریخ گواہ ہے کہ سوائے مشرکین عرب ومنافقین کے باقی ہر دور میں ہمارے اکابر واسلاف صالحین کو بدعتی اور مشرک گرداننے والے اپنے آپ کو موحد (اہل توحید) کہلاتے ہیں۔ تفصیل فقیر کی تصنیف "ابلیس تا دیوبند" میں دیکھئے

☆......چونکہ تفسیر ہذا عربی میں اور دور قدیم کی طرز پر لکھی گئی ہے اس لیے فقیر نے دور حاضرہ کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی ہے جگہ بہ جگہ عنوانات قائم کیے ہیں۔ حسب ضرورت کہیں قوسین میں کچھ لکھ دیا ہے یا مختصر احواشی میں۔

☆......ادیبانہ طرز پر نہیں اپنے جیسے عوام کی خاطر سادہ اور آسان ترین اردو زبان استعمال کی ہے اور چونکہ فقیر نے صرف پرائمری تک سکول میں تعلیم حاصل کی ہے، پھر حفظ قرآن اور عربی علوم وفنون کی تحصیل کی، پھر ان کی

---

[۱] دیکھئے فقیر کی تصنیف "الفیضان علی روح البیان"

تدریس وتعلیم میں مصروف ہوگیا، اس لیے ممکن ہے اردو قواعد میں غلطی ہوئی ہو۔ لیکن بفضلہ تعالیٰ تفسیر کا اصل منشاء ادا کیا ہے اسے صرف عوام تک پہنچانا مقصود ہے ادباء وعلماء سے داد لینا نہیں بلکہ میں ان سے نہایت عاجزی سے ملتجی ہوں کہ وہ اپنے علوم ودانش کے صدقے فقیر کے ٹیڑھے میڑھے ترجمے سے کیڑے نکالنے کی بجائے اصلاح فرما کر فقیر کو براہ راست مطلع فرما کر شکریے کا موقع دیں فقیر اور عوام الناس کے درمیان روڑے نہ اٹکائیں۔ ممکن ہے مناع للخیر کی وعید ان پر صادق آجائے۔

فقیر نے تفسیر روح البیان کے سمجھنے اور اسے معتبر ومستند تفسیر احناف ثابت کرنے کے لئے کتاب "الفیضان علی روح البیان" لکھی ہے۔ جو زیر طباعت ہے۔

تفسیر صوفیانہ:۔

اس بحث کو لکھنا ضروری ہے کہ صوفیہ کرام کی تفسیر حق ہے یا باطل؟ چونکہ صاحب روح البیان نے تفسیر عالمانہ کے ساتھ تفسیر صوفیانہ بھی بیان کی ہے۔ اس لیے مخالفین یہ تأثر دیتے ہیں کہ روح البیان میں زیادہ تر تفسیر صوفیانہ ہی بیان کی گئی ہے فلہٰذا یہ تفسیر صرف صوفی منش لوگوں کے لئے ہے اور بس۔ یہ ان کی نظروں کا دھوکا اور دماغ کا خلل ہے ورنہ تفسیر ہذا میں تفسیر عالمانہ اور تفسیر صوفیانہ ساتھ ساتھ چلتی ہیں اور صوفیانہ تفسیر اہل اسلام کے نزدیک حق ہے۔ چنانچہ مخالفین کے معتمد علیہ حضرت آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صوفیہ اور عارفین کا کلام آیات قرآنیہ میں بطریق تفسیر نہیں ہوتا اس لیے کہ تفسیر تو صرف آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہ اجمعین کی بیان کردہ مراد کا نام ہے۔ بلکہ وہ تو رموز واشارات اور وہ لطائف ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ ان کے قلوب پر فائض فرماتا ہے۔ ارباب سلوک کے قلب باطنی ریاضتوں کی وجہ سے منور ہوتے ہیں اور ان پر تجلیات غیبیہ کا ورود ہوتا رہتا ہے تو گاہ بگاہ ان کی زبان سے آیات کلام اللہ کی تشریح میں کچھ ایسے لطائف اور معارف جاری ہوتے ہیں جن کا تعلق ظاہری علوم سے نہیں ہوتا بلکہ وہ صرف روحانی تلقین اور تفہیم غیبی ہوتے ہیں۔ یہ باطنی اشارات کلام اللہ کے اس مفہوم اور مدلول قطعی کو برقرار رکھتے ہوئے معتبر ہوں گے جو اصول شریعت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تفسیر سے ثابت ہے اس لیے اگر ارباب تصوف سے کوئی ایسی چیز منقول ہو کہ جس سے ظاہر احکام شریعت اور حدود کا انکار لازم آتا ہو تو وہ ہرگز مقبول اور معتبر نہ ہوگی قابل اعتبار صرف وہی لطائف واشارات ہوں گے جن سے نہ احکام شریعت پر کوئی زد پڑتی ہو اور نہ کسی ایسے امر کا صراحۃً یا دلالۃً رد لازم آتا ہو جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کی تفسیر سے ثابت ہے۔

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے مروی ہے:۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لکل اٰیۃ ظھر وبطن ولکل حرف حد ولکل حد مطلعٌ

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

ہر آیت کے لیے ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک باطن اور ہر حرف کے لئے ایک حد یعنی حکم شرعی ہوتا ہے اور ہر حکم شرعی کے لیے ایک اطلاع پانے کی جگہ ہوتی ہے۔ (کتاب اللہ میں سے)

ابن النقیب بیان کرتے ہیں ظہر آیات سے وہ معانی ہیں جو اہل علم ظاہری اور قواعد شریعت کے ذریعہ جانتے ہوں اور بطن سے مراد وہ اسرار ہیں جن پر اللہ تعالیٰ ارباب حقائق (اور عارفین) کو مطلع فرماتا ہے اور لکل حرف حد کے معنی یہ ہیں کہ ہر حرف کے معانی اور حقائق کا ایک منتہی ہوتا ہے جو بھی اللہ تعالیٰ ارادہ فرمائے۔ یہی وہ اسرار و حقائق ہیں جن کے بارہ میں فرمایا گیا ہے:

ھوالذی لاتنقضی عجائبہ قرآن اللہ کا وہ کلام ہے کہ اس کے عجائب و لطائف کبھی ختم نہ ہوں گے۔

تو مدلول قرآنی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی تفاسیر سے مقررہ متعین ہے جس میں ادنیٰ تغیر اور ردوبدل کا امکان نہیں۔ اس مدلول قطعی اور طے شدہ مفہوم (جس پر تمام احکام شریعت کا دارومدار ہے) کے بعد باطنی اسرار و نکات اور معارف کی کوئی حد و انتہا نہیں۔

شیخ تاج الدین بن عطاء اللہ کتاب "لطائف المنن" میں بیان فرماتے ہیں کہ کلام اللہ اور حدیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تفسیر و تشریح میں حضرات صوفیہ اور عارفین کے بیان کردہ نکات اور اس قسم کے غرائب بیان کرنا کلام اللہ کو اس کے ظاہر مفہوم سے متغیر کرنا نہیں ہے۔ اس لیے کہ آیت کا ظاہری مفہوم تو وہی مراد ہوتا ہے جس پر آیت ناطق ہے اور وہ قواعد عربیہ اور اصول شریعت سے سمجھا جاتا ہے۔ اس کے بعد یہ غرائب محض رموز و اشارات اور باطنی تفہیم ہوتے ہیں جو غیبی طور پر اللہ کی طرف سے ارباب باطن پر القا کئے جاتے ہیں۔[1]

قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ آیت الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً کی تفسیر و تشریح فرمانے کے بعد آخر میں اسی نوع کے عارفانہ نکتہ بیان کرتے ہیں:۔

ولعلہ سبحانہ وتعالی اراد من الایت الاخیرۃ مع مادل علیہ الظاھر وسیق الکلام فیہ اشارۃ الی تفصیل خلق الانسان وما افاض علیہ من المعانی والصفات علی طریقۃ

---

[1] بحوالہ مفتاح السعادۃ جلد اول صفحہ ۳۲۲

marfat.ocm

التمثیل فمثل البدن بالارض والنفس باسماء والعقل بالماء وما افاض علیه من الفضائل العلمیه والنظریة المحصلة بوساطة استعمال العقل للحواس وازدواج القویٰ بالنفسانیة والبدنیة بالثمرات المتولدة من ازدواج القویٰ السماویة الفاعلیة والارضیة المنفعلة بقدرة الفاعل المختار فان لکل ایة ظهراً وبطناً ولکل حدٍ مطلعاً۔

(تفسیر بیضاوی جلد اول صفحه ۴۳)

اور شاید یہ کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے آیت اخیرہ (یعنی الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً) سے ارادہ فرمایا اس مدلول کے باوجود جس پر ظاہر کلام دلالت کر رہا ہے اور جس مقصد کے لئے کلام جاری فرمایا گیا اشارہ فرمانے کا تخلیق انسانی اور اس پر فائض کردہ اوصاف و معانی اور اس کے فضائل علمیہ اور نظریہ کی تفصیل کی جانب بطریق تمثیل، تو بدن انسانی کو تشبیہ دی گئی ارض (زمین) سے اور اس کے نفس کو سماء (آسمان) سے اور عقل کو ماء (پانی) سے اور انسان کو عطا کردہ فضائل عملیہ اور کمالات نظریہ کو جو حواس کے لئے استعمال عقل کے توسط اور قوائے نفسانیہ اور قوائے بدنیہ کے امتزاج واختلاط سے حاصل ہوتے ہیں ان ثمرات سے تعبیر فرمایا جو کہ آسمان کی قوت فاعلیہ اور زمین کی قوت منفعلہ (قابلیہ) کے امتزاج کی وجہ سے فاعل مختار کی قدرت سے پیدا ہوتے ہیں (اور یہ اشارہ) اس لیے کہ ہر آیت کے لیے ظہر وبطن ہے اور ہر حکم کے لئے ایک اطلاع کا مقام ہے۔

بہر حال عارفانہ لطائف کا کلام اللہ سے استنباط ایسا ہی ہے جیسا کہ اس شعر سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا نام "علی" اخذ کیا جاتا ہے۔

چشم بکشا زلف بشکن اے یار من بہر تسکین دل بریان من

انہی لطائف واسرار کو صاحب روح البیان حضرت علامہ محمد اسماعیل حقی نور اللہ مرقدہ نے بیان فرمایا ہے جسے ہم نے "تفسیر صوفیانہ" سے موسوم کیا ہے۔ سیدنا ابن العربی قدس سرہٗ اور ان کے معتقدین نے متعدد تصانیف وتفاسیر لکھیں اور اسی موضوع پر قلم اٹھایا ہے جسے فقیر نے تفاسیر کی بحث اور دیگر مقامات پر عرض کر دیا ہے۔ چونکہ فقیر کو صوفیہ کرام سے عقیدت ہے اور تمنا رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی محبت وعقیدت میں مارے اور انہی کے زمرے میں اٹھائے اور میدان حشر میں ان کی رفاقت نصیب فرمائے۔ اسی لیے مضمون کو انہی کے مقدس ذکر پر ختم کرتا ہوں۔

احب الصالحین ولست منهم لعل اللّٰه یرزقنی صلاحاً
شنیدم کہ در روز امید وبیم بداں را بہ نیکاں ببخشد کریم

marfat.ocm

١ سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ ٥

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ① الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ② مٰلِكِ يَوْمِ

سب خوبیاں اللہ کو جو مالک سارے جہان والوں کا بہت مہربان رحمت والا روز جزاء کا مالک

الدِّيْنِ ③ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ④ اِهْدِنَا

ہم تجھی کو پوجیں اور تجھی سے مدد چاہیں ہم کو

الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ⑤ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ

سیدھا راستہ چلا راستہ ان کا جن کو تو نے احسان کیا

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ⑦ ع ۱

نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ بہکے ہوؤں کا

تفسیر عالمانہ

قرآن پاک کی تلاوت سے پہلے اعوذ باللہ شریف پڑھنے میں حکمت یہ ہے کہ اعوذ باللہ شریف ایک قسم کی طلب اجازت اور بمنزلہ دروازہ کھٹکھٹانے کے ہے کیونکہ شاہانِ زمان کی عادت ہے کہ جب کوئی ان کے حضور میں حاضر ہونا چاہتا ہے کہ اس کے لیے لازم ہوتا ہے کہ پہلے اجازت طلب کرے پھر بارگاہ میں حاضر ہو اس کی طرح جس کا قرآن پاک کی تلاوت کا ارادہ ہوتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ میں اپنے محبوب کے ساتھ مناجات کا شرف حاصل کرلوں، تو مناجات جیسی باریابی کے لیے اسے زبان کو پاک و صاف کرنے کی ضرورت درپیش ہوتی ہے کیونکہ فضول کلام کرنے اور کسی پر بہتان باندھنے سے زبان نجس ہو جاتی ہے پھر زبان کو اعوذ باللہ سے پاک کر کے تلاوت شروع کرتا ہے۔ (کیونکہ اس سے زبان پاک ہو جاتی ہے)

marfat.ocm

تفسیر صوفیانہ اہل معرفت فرماتے ہیں کہ یہ کلمہ طالبینِ تقرب کا وسیلہ اور خائفین کی مضبوط رسّی اور مجربین کی مسرت گاہ اور ہالکین کا مرجع اور محبین کی فرصت ہے۔ یعنی خالقِ کائنات کے فرمان (جو کہ سورہ نحل میں ہے)

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ (کہ جب تم قرآن پڑھو تو اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو) کی تعمیل ہے)

مسئلہ : تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ اعوذ باللہ شریف قرآن پاک کی تلاوت سے پہلے پڑھی جاتی ہے۔

سوال : نحویوں کا قانون ہے کہ جزا شرط کے بعد ہوتی ہے اور (آیت میں) فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ جزا ہے تو چاہیے تعوذ قرآن کی تلاوت کے بعد ہو۔

جواب : آیت اِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ کا معنی اذا اردت القرأة ہے۔ یعنی تم تلاوت کا ارادہ کرو تو پھر اعوذ باللہ پڑھو۔ (گویا آیت مؤول ہے) اور یہ تاویل عام مشہور ہے۔ اس تاویل کو حقیقیہ عرفیہ کا قائم مقام کہتے ہیں۔

ف : مختار قول جمہور کا ہے وہ یہ کہ اعوذ باللہ شریف کے الفاظ اعوذ باللّٰه من الشیطٰن الرجیم ہیں کیونکہ باعتبار روایت کے یہی الفاظ زیادہ مناسب ہیں۔ حدیث شریف میں ہے:

اقرانیه جبریل عن القلم عن اللوح المحفوظ ۔ یعنی مجھے جبریل علیہ السلام نے قلم اور لوحِ محفوظ سے اسی طرح نقل کر کے سنایا ہے۔

اگرچہ باعتبار روایت اور مامور بہ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ کے مطابق استعیذ باللّٰه من الشیطٰن الرجیم ہے۔

شان نزول سب سے پہلے جو چیز جبریل علیہ السلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور کے لئے لائے وہ یہی تعوذ اور بسم اللہ شریف اور آیت اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ ہے۔

حل لغات : اعوذ بمعنی التجا ، یعنی پناہ چاہتا ہوں یا بمعنی استجیر یعنی امان چاہتا ہوں۔ یا بمعنی استعین یعنی امداد چاہتا ہوں۔ یا بمعنی استغیث یعنی فریاد چاہتا ہوں۔ عَوْذٌ عِیَاذٌ لَو ذ و لِیَا ذٌ اور صومٌ و صِیَامٌ کی طرح مصدر ہے۔

ف : تعوذ پڑھنے والے کا قول اعوذ باللّٰه الخ ایک قسم کی خبر ہے جو در اصل وہ اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کر رہا ہے۔ گویا کہہ رہا ہے: اَعِذْنِیْ یَا رَب اے میرے رب! مجھے پناہ دے دے۔

اور انشاء سے خبر کی طرف عدول کرنے میں تفاؤل بالوقوع (یعنی اچھی فال کے واقع ہونے) کا فائدہ حاصل ہوا۔ گویا پناہ مانگنا واقع ہو گیا اور یہ اسی کی خبر دے رہا ہے۔

نکتہ : تفسیر کبیر میں ہے اللہ تعالیٰ اور اس بندے کے مابین ایک وعدہ ہے۔ جس کو اللہ نے وَاَوْفُوْا

marfat.ocm

بِعَهْدِیٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ (تم میرا وعدہ پورا کرو میں تمہارا وعدہ پورا کروں گا) میں بیان فرمایا ہے۔ پس گویا بندہ کہتا ہے اے میرے اللہ! میں باوجود نقص بشریت کے اپنا وعدہ عبودیت پورا کر رہا ہوں کہ اعوذ باللہ یا استغفر اللہ کا ورد کر رہا ہوں۔ پس اے کریم! آپ کے شایان شان ہے کہ اپنے عہد ربوبیت کو پورا فرمائیو اور مجھے اپنی پناہ میں لے لیجیو۔

تفسیر عالمانہ

بِاللّٰهِ اہل حق کا مذہب ہے کہ یہ لفظ (اللہ) کسی کلمہ سے مشتق نہیں۔ کیونکہ اس کی کُنہ میں ادراک عاجز ہے۔ اسی لئے علامہ تفتازانی تفسیر کشاف کے حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ جس طرح اس کی ذات وصفات میں وہم وادراک حیران ہیں اسی طرح اس کے لفظ میں بھی جو اس پر دلالت کرتا ہے کے ادراک میں بھی حیران ہیں کہ نہ معلوم وہ اسم ہے یا صفت، مشتق ہے یا غیر مشتق، علم ہے یا غیر علم۔ واللہ اعلم۔

حضرت مولانا روم قدس سرہ فرماتے ہیں: ؎

ذات اورادر تصور کنج کو
تا در آید در تصور مثل او

ترجمہ: اس کی ذات تصورات کے گوشوں میں نہیں آسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی مثل کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

ف: استعاذہ کے تین کلمات ہیں:۔ ۱۔صفاتیہ ۲۔افعالیہ ۳۔ذاتیہ

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں کو اپنی اس دعا میں جمع فرمایا ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُ بِرَضَاکَ مِنۡ سَخَطِکَ وَبِمُعَافَاتِکَ مِنۡ عَقُوۡبَتِکَ وَاَعُوۡذُ بِکَ مِنۡکَ۔

ترجمہ: اے اللہ! میں تیری رضا کی بدولت تیری ناراضگی سے اور تیری معافی کی بدولت تیری عقوبت سے اور تیری ذات کی بدولت تجھ سے پناہ چاہتا ہوں۔

تعوذ میں اسم جلالی کو لیا گیا ہے جو جامع ہے تا کہ استعاذہ کی عبارت اپنے جمیع انواع کو شامل ہو جائے۔

ف: تفسیر کبیر میں ہے کہ شرور یا اعتقادیات سے ہیں اور تعوذ میں جمیع مذاہب اور تمام گمراہ فرقوں کے (جو کہ بہتر ہیں) کے عقائد داخل ہو جاتے ہیں۔ یا اعمال بدنیہ سے۔ پھر اعمال بدنیہ بعض تو وہ ہیں جو دین کو نقصان پہنچانے والے ہیں جو دین میں رخنہ تو نہیں ڈالتے مگر ہیں تباہ کن، جیسے امراض، جمیع قسم کے درد، آگ وغیرہ کا جلانا، پانی وغیرہ میں ڈوبنا، مفلسی، اندھاپن، ہاتھ پاؤں کا شل ہونا اور دیگر جملہ بلائیں اور مہلک بیماریاں کہ جن کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔

marfat.ocm

ف: تعوذ تمام اقسام مذکورہ (شرور اعتقادیات، اعمال بدنیہ) کو شامل ہے۔ پس عاقل پر لازم ہے کہ جس وقت اعوذ باللہ شریف پڑھنے کا ارادہ کرے تو ان مذکورہ بالا آفتوں کے جمیع اقسام ثلاثہ اور جمیع اقسام متناولہ کو دل میں لائے اور پہلے بتایا جا چکا ہے کہ امراض کا شمار غیر ممکن ہے اور مخلوق کی قدرت کی بھی اس کے دفع کرنے کے لئے غیر مکتفی ہے تو چاہیے یوں عرض کرے۔

اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ الۡقَادِرِ عَلٰى كُلِّ الۡمَقۡدُوۡرَاتِ مِنۡ جَمِيۡعِ الۡمَهَالِكِ وَالۡاٰفَاتِ

(میں اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں، وہ اللہ جو تمام مقدورات پر قادر ہے، تمام خوفناک مقامات و جمیع آفات سے)

ف: بعض لوگ کہتے ہیں کہ تمام علوم باری تعالیٰ نے چہار کتب سماویہ (توارۃ، انجیل، زبور، قرآن مجید) میں جمع فرمائے ہیں اور ان چہار کتب کا علم قرآن پاک میں اور قرآن کا علم سورۃ فاتحہ میں اور سورۃ فاتحہ کا علم بسم اللہ شریف میں اور بسم اللہ شریف کا علم بسم اللہ کی باء میں۔

نکتہ: تفسیر میں ہے کہ جمیع علوم کے بسم اللہ کی باء میں مجتمع ہونے میں یہ حکمت ہے کہ علم میں سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ کو اپنے مولا کا وصال نصیب ہو جائے اور بسم اللہ کی باء الصاق کی ہے اور اب معنی یہ ہوا کہ بسم اللہ کی باء بندہ کو اپنے مولا سے ملا رہی ہے۔ اس کے علاوہ باء کے متعلق نکتے ہیں جو بسم اللہ شریف کی تفسیر میں آئیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ

مِنَ الشَّيۡطٰنِ شیطان بمعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہونے والا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب شیطان نے اپنے مالک کی نافرمانی کی تو مالک لم یزل نے اسے اپنی رحمت سے دور فرمایا۔ اسی نافرمانی کی وجہ سے شیطان ہو گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ شیطان اس نام سے بعد از لعنت موسوم ہوا۔ ورنہ اس سے پہلے اس کا نام عزازیل یا نائل تھا۔

سوال: تعوذ میں مستعاذ منہ یعنی جس سے پناہ لی گئی ہے یعنی اس کے قبائح اور اس کے نقصانات مثلاً دھوکہ دینا، مکر و فریب کرنا، بہکانا، وسوسہ ڈالنا، ناچاقی کرانا وغیرہ وغیرہ کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا۔

جواب: (مترجم) قانون ہے کہ جب مفعول کا ذکر نہ کیا جائے تو فعل عام ہو جاتا ہے۔ یہاں بھی مفعول کو حذف کیا گیا ہے تا کہ شیطان کی تمام برائیوں سے پناہ کا ارادہ ہو۔

ف: روضۃ الاخیار امام غزالی میں ہے کہ شیطان مذکر بھی ہے مؤنث بھی، بچہ بھی جنتے مگر مرتے نہیں بلکہ ہمیشہ رہیں گے (تا نفخ صور) اور جنات مذکر بھی ہیں اور مؤنث بھی۔ یہ بھی بچہ جنتے ہیں مگر ان پر موت آتی ہے اور فرشتے نہ مذکر ہیں نہ مؤنث، نہ بچے جنتے ہیں نہ کھاتے پیتے ہیں۔ اس سے جنات کی حقیقت اور ان کا وجود

ثابت ہوا اور جنات کے وجود کا سوائے فلسفیوں کی چھوٹی سی جماعت کے بعض جاہل افراد یا بعض اطباء وامثالہا (یعنی ان جیسے اور) کے اور کسی نے انکار نہیں کیا۔

حکایت: ۔ محی السنۃ امام غزالی قدس سرہٗ (آپ ثقلین (جن وانس) کے مفتی اعظم تھے) نے ایک دن جنات سے دنیا کے کارناموں کے متعلق پوچھا انہوں نے عرض کی کہ زمخشری ایک کتاب تفسیر لکھ رہا ہے۔ جو اب تک نصف حصہ تحریر کر چکا ہے۔ آپ نے فرمایا وہی تحریر کردہ کتاب (تفسیر) لے آئے آپ نے اس کو نقل کر کے واپس کر دیا۔ ایک روز زمخشری کو امام غزالی قدس سرہٗ کے حضور میں حاضری کا شرف ملا تو آپ نے وہی تفسیر زمخشری کو دکھلائی۔ زمخشری دیکھ کر متعجب ہوا اور عرض کی کہ اگر کہوں کہ یہ وہی تفسیر ہے تو پھر یہاں کیسے آئی! اگر کہوں کسی دوسرے کی ہے تو بھی عقل نہیں مانتی کیونکہ اس کے الفاظ ومعانی اور وضع وترتیب بعینہٖ میری کتاب جیسی ہے تو دو مصنفوں کا ایک ہی طرح کے الفاظ ومعانی، وضع وترتیب پر غائبانہ متفق ہو جانا محال ہے۔ امام غزالی نے فرمایا کہ یہ کتاب تیری تفسیر کی نقل ہے۔ ہم کو جنات کے ذریعہ پہنچی ہے۔ زمخشری قبل ازیں جنات کے وجود کے قائل نہیں تھے۔ اس حیرت انگیز کرشمہ کو دیکھ کر اسی وقت جنات کے وجود کے قائل ہو گئے اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ جنات کو علم غیب حاصل ہے۔ مولا عزوجل بھی فرماتے ہیں: **تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ** یعنی جب سلیمان علیہ السلام زمین پر آئے جنوں کی حقیقت کھل گئی۔ (یعنی وہ غیب نہیں جانتے) اگر غیب جانتے ہوتے تو اس خواری کے عذاب میں مبتلا نہ ہوتے۔

ف: پھر ان کی حقیقت ان لوگوں کے نزدیک (جو جنات کو مجردات نہیں مانتے یہ ہے) جنات ہوائی اجسام ہیں۔ بعض کہتے ہیں۔ یہ ناری اجسام ہیں۔ یہ مختلف شکلوں میں متشکل ہونے پر قادر ہیں۔ مثلاً، بچھو، کتے، اونٹ، گائے، بکری، گھوڑے، خچر، گدھے اور انسان کی شکل اختیار کرنا بھی ان کے اختیار میں ہے۔ ان میں عقل بھی ہے اور فہم بھی اور بہت بڑے بڑے کام کر لیتے ہیں۔ جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے محل اور تصویریں اور بڑے حوضوں کے برابر لگن اور لنگر دار دیگیں تیار کرتے تھے اور وہ لوگ جو ان کے مجردات کے قائل ہیں تو وہ ان کی دو اقسام مانتے ہیں۔

i۔ ارضیہ سفلیہ **ii۔ عالیہ**

ارضیہ سفلیہ: ۔ یہ اس لئے کہ مجردات یعنی وہ مجردات جو نہ متحیز ہیں اور کسی متحیز میں حلول کرنے والے ہیں۔

عالیہ: ۔ ان میں بعض وہ عالی ہیں جو اجسام کی تدبیر سے مقدس ہیں اور وہ ملائکہ مقربین ہیں جنہیں مشائین حضرات عقول سے تعبیر کرتے ہیں اور اشراقین صاحبان ان کا انوار عالیہ قاہرہ نام رکھتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو

جسم کی تدبیر سے تعلق رکھتے ہیں ان کو مشائین نفوس سماویہ اور اشراقین انوار مدبرہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں ان سب سے برگزیدہ حاملین عرش ہیں جو اس وقت چار ہیں اور قیامت میں آٹھ ہو جائیں گے ان کے بعد وہ جو کہ عرش کے ارد گرد کھڑے ہیں۔ پھر کرسی والوں کا درجہ، پھر ساتویں آسمان والوں کا، اسی طرح درجہ بدرجہ آسمانوں کے ملائکہ کا، مثلاً آسمانوں کے ملائکہ میں سب سے اہم درجہ ساتویں آسمانوں والوں کا، اسی طرح اول تک۔ پھر کرہ اثیر اور اس ہوا والوں کا، جو نسیم کی طبع رکھتی ہے۔ پھر کرہ زمہریر والوں کا، پھر پہاڑ والوں کا، پھر ارواح سفلیہ والوں کا، جو نباتات اور حیوانات کے اجسام میں تصرف کرنے والے ہیں اور یہی پچھلے بعض تو نورانی شکل کے ہوتے ہیں اور نہایت درجہ کے صالح ہوتے ہیں جن کو جنات صالحین کہا جاتا ہے اور بعض کالے رنگ اور شریر قسم کے ہوتے ہیں اور شیطان اسی پچھلی قسم سے ہیں۔ (کذافی التفسیر الفاتحہ للفناری) ظاہر یہ ہے کہ لفظ شیطان سے ابلیس اور اس کے خدماء مراد ہیں۔

تفسیر صوفیانہ جو بھی متکبر اور سرکش ہو، جو ذکر الٰہی سے روکے، وہ شیطان ہے، خواہ وہ جن ہو یا انسان۔ کماقال تعالیٰ: شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ (شیاطین اور انسان بھی ہوتے ہیں اور جن بھی)

تفسیر عالمانہ الرَّجِيْمِ بمعنی فرشتوں کے ہٹانے سے آسمانوں سے زمین کی طرف پھینکا ہوا اور آسمانوں کی چنگاریوں کا مارا ہوا۔ جب کہ وہ آسمانوں کی جانب جانے کا ارادہ کرتا ہے۔ یہ شیطان کی بہت بڑی مذموم صفت ہے۔ قرآن پاک میں شیطان کے اسماء بہت منحوس قسم کے گنے گئے ہیں اور اس کی صفتیں بہت مذموم طرز کے ساتھ بیان کی گئی ہیں اور یہ لفظ رجیم اس کی تمام برائیوں کا مجموعہ ہے۔ کیونکہ جتنی عقوبات اس پر عائد ہوتی ہیں یہ لفظ ان سب کا جامع ہے۔ اسی لیے ابتداء میں اس کے اسماء صفات میں اسی لفظ الرَّجِيْمِ کو اختیار کیا گیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ استعاذہ میں فقط زبانی جمع خرچ نہ ہونا چاہئے بلکہ اس وقت حضور قلب کا ہونا نہایت ضروری ہے اور قول حال وفعل کے بالکل مطابق ہو۔ یعنی ایسا نہ ہو کہ زبان سے تو کہہ رہا ہو اعوذ باللہ، مگر حال وفعل کا ورد اعوذ بالشیطان ہو۔

عارف کا استعاذہ: عارف رویت غیر اللہ اور حجاب کثرت سے پناہ سے مانگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیطان عارف کے نور سے دور بھاگتا ہے۔

حکایت: حضرت ابو سعید خراز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ابلیس کو خواب میں دیکھا تو اسے اپنے عصا سے مارنے کا ارادہ فرمایا شیطان نے عرض کی:۔ اے ابو سعید! میں عصا کی مار سے نہیں ڈرتا۔ ہاں آفتاب معرفت کی

marfat.ocm

شعاع سے ضرور کانپ جاتا ہوں۔ یعنی وہ آفتاب معرفت جو قلب مبارک کے نورانی آسمان سے طلوع ہوتا ہے۔

سوال :۔ شیطان سے پناہ پناہ مانگنا غیر اللہ سے ڈرنا اور یہ عبودیت کے خلاف ہے۔

جواب :۔ دشمن کو دشمن سمجھنا بھی محبت کی نشانی اور غیر اللہ سے بھاگ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا بھی عبودیت کی علامت ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں طاعت کے لئے تیار ہونا یونہی نصیب ہوتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے نہ ڈرتا ہے اس سے ڈرنا اپنی عاجزی کا اظہار کرنا ہے جیسا کہ منقول ہے:

اَخَافُ مِنَ اللّٰہِ   اللہ سے ڈرتا ہوں یعنی اس کے عذاب وغضب سے

اور منقول ہے: اَخَافُ مِمَّنْ لَا یَخَافُ اللّٰہُ اس سے ڈرتا ہوں جو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا۔ یعنی اس کے برے افعال سے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

آدمی را دشمن پنہاں بسیست   آدمی با حذر عاقل کسیست

ترجمہ :۔ آدمی کے چھپے ہوئے دشمن بہت ہیں۔ سمجھدار آدمی وہ ہے جو دشمن سے ڈرتا ہو۔

ف :۱۔ تفسیر کبیر میں ہے کہ اعوذ باللہ پڑھنا مخلوق سے اعراض اور خالق کی طرف رجوع کرنا ہے اور حاجت کامل (جو نفس کو درپیش ہوتی ہے) سے روگردانی کر کے غنائے تام حقی کے ساتھ جمیع خیرات کے حصول کی طرف راغب ہونا اور اسی کی بدولت تمام بلیات کو دفع کرنا ہے۔ یہی راز ہے۔ فَفِرُّوْٓا اِلَی اللّٰہِ[1] میں اس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا قرب بجز عجز کے حاصل نہیں ہوتا اور عجز سالک کا انتہائی مقام ہے۔

۲۔ حضرت حسن فرماتے ہیں جس نے حقیقی طور پر پناہ مانگی، یعنی حضور قلب کے ساتھ، تو اللہ تعالیٰ اس کے اور شیطان کے درمیان تین سو پردے لٹکا دیتا ہے۔ ہر پردہ کے مابین زمین آسمان کے درمیان جتنی مسافت ہوتی ہے۔

حدیث در حکایت شیطان خبیث :۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے باہر نکلے تو وہاں ابلیس ملعون کھڑا تھا۔ آپ نے فرمایا: اے کم بخت! کیا چیز تجھے مسجد کے قریب لائی ہے؟ اس نے عرض کی: حضور! مجھے اللہ تعالیٰ نے آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے کا حکم دیا ہے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تجھے میرے ہاں کیوں بھیجا؟ شیطان نے عرض کی حضور! تا کہ آپ مجھ سے حسب منشاء کچھ پوچھیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ پہلے آپ نے اس سے نماز کے متعلق پوچھا، فرمایا کہ اے ملعون! میری امت کو نماز با جماعت سے کیوں روکتا ہے؟ عرض کی: حضور! جس وقت آپ کا کوئی امتی نماز با جماعت کے لئے گھر سے نکلتا ہے تو مجھے تپ محرقہ گھیر لیتا

---

[1] :۔ ترجمہ: پس اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگو۔ اویسی غفرلہ

ہے۔ جب تک وہ واپس نہیں ہوتا میں اس مرض میں مبتلا رہتا ہوں۔ پھر آپ نے پوچھا کہ تو ان کو علم و دعا سے کیوں روکتا ہے؟ عرض کی: اس لئے کہ ان کی دعا سے اندھا اور بہرا ہو جاتا ہوں۔ مجھے اس وقت شفا ہوتی ہے۔ جب وہ فراغت پاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ان کو قرآن پڑھنے سے کیوں روکتا ہے؟ عرض کی: قرأت سے میں قلعی کی طرح (آگ میں) پگھلتا رہتا ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا: ان کو جہاد سے کیوں روکتا ہے جب کہ وہ جہاد کے لئے نکلنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ عرض کی: جب وہ جہاد کے لئے نکلتے ہیں تو اس وقت میرے قدموں میں زنجیر ڈالے جاتے ہیں یہاں تک کہ واپس نہ لوٹیں، اسی طرح جب وہ حج کو جاتے ہیں تو ان کی واپسی تک میرے گلے میں طوق اور پاؤں میں زنجیر ڈالے جاتے ہیں۔ اسی طرح جب وہ صدقہ کا ارادہ کرتے ہیں تو میرے سر پر کلہاڑے چلتے ہیں جو مجھے ایسے کاٹتے ہیں جیسے لکڑیوں کو کاٹا جاتا ہے۔

روحانی نسخہ: ۱۔ شیطان بنی آدم کی طبیعتوں پر کھانے پینے کی وجہ سے مسلط کیا گیا۔ جب بنی آدم کھانے پینے کو خیر باد کہہ دے تو پیٹ اور فرج کی شہوت کی بیخ کنی ہوگی۔ بعد ازاں شیطان کی مداخلت (یعنی گمراہ کرنا) بھی نہ۔

۲۔ نفس کی اصلاح کا سبب یہی پانچ نمازیں ہیں کہ کیونکہ ان کی فرضیت بھی اصلاح نفس کے لئے ہے، اس لئے کہ نماز میں تین طرح کی عاجزی ہے۔

i۔ بہت بڑے بادشاہ کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا۔ ii۔ رکوع کر کے عاجزی ظاہر کرنا۔

iii۔ سجدہ کر کے اظہار عجز کرنا اور نفس بھی خشوع و خضوع اور عاجزی سے اصلاح پذیر ہوتا ہے۔

حکایت: ۔ حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں: ۔ کہ جب سیدنا نوح علی نبینا علیہ السلام کشتی سے (بعد از طوفان) باہر تو ابلیس ملعون حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا: اے بدبخت! یہ بتا کہ بنی آدم کے کون سے عادات تجھے اور تیرے لشکر کو گمراہ اور ہلاک کرنے میں معاونت کرتے ہیں؟ ابلیس ملعون نے جواب دیا کہ جب ہم بنی آدم کو کنجوس، بخیل، بدخواہ، سرکش اور جلد باز پاتے ہیں تو ہم گٹھڑی کی طرح اسے جھپٹ لیتے ہیں جب کسی انسان میں یہ تمام مذکورہ عادات جمع ہوتی ہیں تو ہم اس کا شیطان مرید (سرکش) نام رکھتے ہیں۔

اعجوبہ: ۔ حدیث شریف میں ہے کہ ابلیس ملعون کے سامنے ہر روز دنیا پیش ہوتی ہے۔ پھر یہ کم بخت اعلان کرتا ہوا کہتا ہے۔ کہ کوئی ہے جو مجھ سے وہ چیز خریدے جس میں اس کا نقصان اور پریشانی ہو۔ تو دنیا دار لوگ یہ منادی سن کر کہتے ہیں کہ اس کے خریدار ہم ہیں۔ شیطان انہیں سمجھاتا ہوا کہتا ہے: بھائیو! اتنی جلدی نہ کرو، ذرا سوچ لو، یہ تو بڑی عیب دار تجارت ہے۔ دنیا دار کہتے ہیں کوئی بات نہیں ہم اسے ضرور خریدیں گے۔ شیطان کہتا ہے اس کا ثمن نہ درہم ہیں نہ دنانیر بلکہ اس کا ثمن تمہارا وہ نیک نصیب ہے جو تمہیں بہشت سے عطا ہوگا۔ میں تم

marfat.ocm

سے تمہارے نصیبہ کو چار چیزیں دے کر خریدتا ہوں:

i۔اللہ تعالیٰ کی لعنت ii۔اس کا غضب iii۔اس کا عذاب iv۔اس کی دوستی سے انقطاع

یہ اشیاء دے کر میں تم سے بہشت خریدوں گا دنیا دار سن کر کہتے ہیں۔ بسر وچشم۔ یعنی ہیں یہ سودا منافع میں ہے۔ پھر شیطان کہتا ہے کہ میری خواہش ہے کہ مجھے ثمن کچھ بڑھا دو (کیونکہ مجھے تجارت میں نقصان معلوم ہوتا ہے) وہ اس طرح کہ اپنے قلوب پر ان اشیاء کا ایسا گھر نہ بناؤ اور پکا ارادہ کرلو کہ اس سے تم ہرگز نہ ہٹو گے۔ دنیا دار کہتے ہیں ہم پہلے ہی عزم بالجزم کر چکے ہیں۔ یہ کہہ کر دنیا دار دنیا لے لیتے ہیں۔ شیطان ہنس کر کہتا ہے:

بِئْسَتِ التِّجَارَۃ (یہ بہت بری تجارت ہے)

حافظ شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ؎

مجو درستی عہد از جہاں سست نہاد کہ ایں عجوزہ عروس ہزار داماد ست

ترجمہ:۔ اس جہان کمزور طبیعت سے وفا کی امید نہ رکھو اس لئے کہ اس بڑھیا نامراد کے ہزاروں داماد ہیں۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ فرماتے ہیں: ؎

بر مرد ہشیار دنیا خسیست کہ ہر مدتے جائے دیگر کسیست
منہ بر جہاں دل کہ بیگانہ ایست کہ مطرب کہ ہر روز در خانہ ایست
نہ لائق بود عشق با دلبرے چو ہر بامدادش بود شوہرے

ترجمہ:۔ ہوشیار مرد کے نزدیک دنیا کوئی شئے نہیں کیونکہ ہر آن اس کی جگہ بدلتی رہتی ہے۔

جہان دنیا سے دل نہ لگا کیونکہ یہ جہان بیگانہ ہے، جیسے کہ سرود بجانے والا ہر روز نئے گھر میں ہوتا ہے۔

اس محبوب سے دل لگانا اچھا نہیں جو ہر صبح نیا شوہر اپناتا کے

حدیث شریف: حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شیطان کے وسوسہ کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: چور اس گھر میں داخل نہیں ہوتا جس میں کوئی شئے نہ ہو۔ یہ وسوسہ تو ایمان کی وجہ سے ہوتا ہے۔

فرمان علی:۔ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں کہ ہماری نماز اور کتاب کی نماز میں فرق صرف وسوسہ کی وجہ سے ہے کیونکہ شیطان کفار کے عمل سے تو فارغ ہو چکا ہے۔ کفار کا ہر فعل اس کی مرضی کے موافق ہوتا ہے اور مومن چونکہ اس کی مخالفت اور اس کے ساتھ مجادلہ کرتے ہیں تو وہ بھی ان سے مقابلہ کرتا ہے۔ یعنی ان کے دلوں میں وسوسہ ڈال کر ان کی مخالفت کرتا ہے۔

حکایت:۔ ایک شخص خراسان سے عراق جاتا رہتا تھا اور ہر ایک دفعہ ایک مولوی صاحب کی خدمت میں

حاضری دیتا تھا۔ مولوی صاحب نے اسے رفتہ رفتہ علم وحکمت کی چار ہزار احادیث یاد کرادیں۔ واپس وطن جانے کے لئے اپنے استاد صاحب سے اجازت طلب کی۔ استاد صاحب نے فرمایا:۔ میں تجھے ایک ایسا کلمہ نہ سکھادوں جوان احادیث سے بھی زیادہ مفید ہو؟ عرض کیا: ہاں جی، ضرور سکھایئے۔ مولوی صاحب نے فرمایا: تمہارے خراسان میں شیطان بھی ہے؟ عرض کیا: ہاں جی فرمایا: کیا وسوسہ بھی ڈالتا ہے؟ عرض کیا: ہاں جی۔ فرمایا: تو پھر تم اس کے دفعیہ کے لئے کیا کرتے ہو؟ عرض کیا: اسے ہٹاتے ہیں۔ فرمایا: اگر پھر وسوسہ ڈالے تو؟ عرض کیا: پھر اسے دفع کرتے ہیں۔ مولوی صاحب نے فرمایا: جب یہ خدا کا دشمن تمہیں تکلیف دے اور عبادت سے روکے تو تم اس کے وسوسہ کے روکنے کے درپے نہ ہو بلکہ ایسے ہو جاؤ جیسے چرواہے کے کتے کے ساتھ کوئی اجنبی آدمی ہوتا ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو کیونکہ وہ منجملہ کتوں کے ایک کتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کے مکروشر سے بچائے۔ آمین۔

تفسیر عالمانہ

بِسۡمِ اللّٰہ کے نام کے ساتھ۔

مسئلہ :۔ زیادہ صحیح اور مقبول قول متاخرین احناف رحمھم اللہ تعالیٰ کا یہ ہے کہ بسم اللہ شریف ایک آیت ہے مگر کسی سورت کا جز نہیں۔ محض سورتوں کے فرق بتانے کے لئے نازل ہوئی ہے ہر کام شروع کرتے وقت اس سے تبرک لیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اس کے ذکر سے تبرک حاصل کیا جاتا ہے۔

ف: ا۔ بسم اللہ شریف قرآن پاک کی کنجی ہے۔ ۲۔ یہ وہ پہلا کلمہ ہے جو سیدنا آدم علیہ السلام پر نازل ہوا۔

شان نزول: کفار کی عادت تھی کہ ہر کام شروع کرتے وقت اپنے بتوں کے نام لیتے تھے۔ یعنی **بسم اللات والعزیٰ** کہتے۔ پس مومن اہل توحید پر لازم ہوا کہ اپنا ہر کام شروع کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک زبان پر لائے تاکہ اللہ تعالیٰ کا نام مقدس رہے اور فعل مؤخر۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں فعل مؤخر کر کے محذوف مانا جاتا ہے۔ یعنی اصل عبارت **بسم اللہ اقراہ یا اتلوا** وغیرہ تھی۔

تفسیر صوفیانہ

مفسرین فرماتے ہیں کہ جمیع علوم **بسم اللہ** کی باؔ میں امانت رکھے گئے ہیں۔ گویا بسم اللہ شریف کا اصل معنی یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ جو کچھ تھا مجھ سے تھا اور جو کچھ ہوگا مجھ سے ہوگا اور تمام عالم کا ہونا میرے توسط سے ہے اور میرے سوا کسی دوسرے کا وجود نہیں، اگر ہے تو مجازی واسمی۔ یہی مطلب ہے صوفیاءِ کرام کے اس قول کا، جو فرماتے ہیں میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ جس میں اللہ تعالیٰ کا جلوہ نہ ہو۔

حدیث شریف:۔ اور یہی مقصد ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث شریف کا فرماتے ہیں:۔

marfat.ocm

"دہر کو گالی مت دو، کیونکہ دہر تو اللہ تعالیٰ ہے"

سوال :۔ کیا وجہ ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کی ابتدا میں جمیع حروف میں سے بأ کو اختیار فرمایا، نہ الف سے بلکہ بسم اللہ شریف میں ہے تو الف کو حذف کر کے بأ کو اس کے قائم مقام رکھا گیا ہے۔

جواب :۔ اس میں دس حکمتیں ہیں۔

☆......الف میں بلندی، تکبر، تطاول اور بأ میں عجز، تواضع، انکساری ہے۔ پس بمطابق قاعدہ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ بأ الف سے رتبہ میں بڑھ گئی۔

☆......بأ الصاق کے لئے آتی ہے (جس کا معنی ملنا، ملانا ہے) بخلاف اکثر حروف، بالخصوص الف کے کہ وہ حرف قطع سے ہیں (جس کا معنی جدائی ہے)

☆......بأ ہمیشہ مکسور پڑھی جاتی ہے جب کہ اس کے ظاہر و باطن میں عجز و انکسار پایا گیا ہے۔ پس اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عندیت یعنی قرب کا درجہ نصیب ہوا۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں ان قلوب کے قریب ہوں جو میری خاطر ہمیشہ عجز و انکساری میں رہتے ہیں۔

☆......بأ میں بظاہر عجز و انکسار، مگر بہ باطن اس میں بلندی درجات و علو ہمت ہے اور یہ صفات صدیقین کے ہیں۔ یہ صفات الف میں نہیں ہیں۔ بلندی درجہ تو یہ کہ اس میں نقطہ ہے اور الف میں نہیں اور بلندی ہمت یہ کہ اس کو بہت سے نقطے پیش کیے گئے تو اس نے سوائے ایک کے باقی کو قبول نہیں فرمایا تا کہ اس کا حال اس عاشق صادق جیسا ہو جائے جو صرف ایک محبوب کی طلب رکھتا ہے۔

☆......بأ میں قربت حق کی طلب صادق ہے کیونکہ جب اسے نقطہ ملا تو کو اپنے قدموں میں پھینک دیا اور نقطہ ملنے سے ناز اں بھی نہیں ہوئی۔ جیم اور یا میں یہ بات نہیں اس لیے ان کے نقطے ان کے نیچے نہیں بلکہ باعتبار وضع حروف کے وسط میں ہیں۔ ان کو دوسرے حروف سے ملانے سے ان کے نقطے نیچے ہو جاتے ہیں۔ مگر اس وقت نقطوں کا نیچے ہونا اس لیے ہے کہ جیم کو خأ سے اور یأ کو تأ سے مشابہت نہ ہو جائے بخلاف بأ کے کہ اس کا نقطہ ہمیشہ اس کے نیچے ہوتا ہے خواہ وہ تنہا ہو یا کسی دوسرے حرف سے ملی ہوئی ہو۔

☆......الف حرف علت ہے بخلاف بأ کے۔

☆......بأ باعتبارِ معنی حرف تام اور متبوع ہے اگر چہ باعتبارِ ظاہر کے تابع ہو کر آئی ہے (یعنی حروف کی وضع کے وقت الف کے بعد میں واقع ہوئی ہے اور معنی کے لحاظ سے الف بأ کے تابع ہوا کرتا ہے بخلاف بأ کے کہ وہ الف کے تابع نہیں آئی اور جو چیز معنوی اعتبار سے متبوع ہو وہ اقوی ہوتی ہے)

☆......باَ حرف عامل اور متصرف اپنے غیر میں ہے۔ اسی وجہ سے یہ صاحب قدرت ہے بدیں وجہ ابتداء کے لائق ہوئی بخلاف الف کے وہ عامل نہیں۔

☆......باَ اپنے نفسی صفات کے اعتبار سے حرف کامل ہے بایں طور کہ الصاق واستعانت واضافت کے لئے آتی ہے۔ دوسری بات اس میں یہ ہے کہ اپنے غیر کو مکمل کرتی ہے۔ یعنی اپنے مدخول کو مجرور کرتی ہے اور اسے مکسور بمعنی متواضع بناتی ہے۔ ایسا متواضع کہ اپنے صفات اس میں پہنچاتی ہے اسے یہی بلند درجہ اور قدرت حاصل ہے کہ اپنے غیر میں توحید وارشاد کی تکمیل کراتی ہے۔ اسی تقریر کے موافق سیدنا علی کرم اللّٰہ وجھہ الکریم کا ارشاد ہے کہ میں وہ نقطہ ہوں جو باَ کے نیچے ہے۔ پس باَ کو ارشاد و دلالۃ علی التوحید کا مرتبہ عطا کیا گیا ہے۔

☆......باَ حرف شفوی ہے اس کے پڑھنے سے جتنے ہونٹ کھلتے ہیں کسی دوسرے حرف شفوی میں نہیں کھلتے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان نے عالم ارواح میں اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کے جواب میں بَلٰی بولتے وقت پہلے باَ سے اپنا منہ کھولا تھا۔ پس یہی پہلا حرف ہے جو انسان نے بولا اور اسی سے منہ کھولا (یہ خصوصیات باَ کی ہیں) اسی وجہ سے حکمت الٰہیہ کا تقاضا ہوا کہ اس کو باقی حروف سے چن لے۔ لہٰذا تمام حروف سے اس کو چنا اور اس کی قدر ومنزلت تمام حروف سے بلند فرمائی اور اس کے برہان کو ظاہر کیا اور اس کو کلام وکتاب وخطاب کا مفتح ومبتداء بنایا۔ **(کذافی التاویلات النجمیہ)**

اسم اللہ وہ ہے جو باعتبار ذات یا کسی صفت صفات سلبیہ میں جیسے قدوس (یہ صفت سلبیہ ہے) یا باعتبار کسی صفت صفات ثبوتیہ میں سے جیسے علیم (یہ صفت ثبوتیہ ہے) یا باعتبارِ کسی فعل اس کے افعال سے جیسے خالق کے اس پر اطلاق کرنا صحیح ہو۔ لیکن اس کے اسماء بعض علماء کے نزدیک توقیفیہ ہیں۔ **(شرح المشارق لابن الملک)**

ف : مختار یہ ہے کہ لفظ اسم اعظم ہے۔

سوال :. اسم اعظم تو وہ ہے کہ جس کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے جو کچھ طلب کیا جائے وہ عطا فرما دے۔ ہم تو اس کے وسیلہ سے بہت کچھ مانگتے ہیں مگر اکثر اوقات محروم رہتے ہیں۔

جواب :. دعا کے لئے چند آداب سب سے پہلے باطن کی اصلاح لقمہ اجل حلال سے کی جائے۔ جیسا کہ اس کے حق میں کہا گیا ہے: دعا آسمان کی کنجی ہے مگر اس کے دندانے لقمہ اجل ہے۔ سب سے آخری شرط اخلاص وحضور قلب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (اللہ کو پکارو نرے اس کے بندے ہو کر)

کیونکہ انسان کا فقط زبان کو متحرک کرنا اور فقط منہ سے آواز نکالنا، جس نکالنا، جس میں حضور قلب نہ ہو۔ دروازے پر ٹھہرنے والے کی طرح محض واویلا کرنا اور چھت پر چڑھ کر کسان کے آواز دینے کی مانند ہے۔ بہر حال قلب حاضر ہو تو حضوری قلب مالک کی بارگاہ میں دعا مانگنے والے کے لئے سفارش کرے گی۔

تحقیق اسم اعظم: ۔ حضرت شیخ مؤید الدین جندی قدس سرہٗ فرماتے ہیں وہ اسم اعظم کہ جس کا ذکر مشہور ہو گیا ہے اور جس کی خبر چار سو پھیل گئی ہے اور جس کا چھپانا لازم اور ظاہر کرنا حرام ہے وہ حقیقۃً ومعنیٰ عالم حقائق و معانی سے ہے اور صورۃً ولفظاً عالم صورت والفاظ سے ہے۔ جمیع حقائق کمالیہ سب کی سب احادیث کا نام حقیقت ہے اور اس کا معنیٰ وہ انسان کامل ہے جو ہر زمانہ میں ہوتا ہے۔ یعنی وہ قطب الاقطاب جو امانت الہیہ کا حامل اور اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہوتا ہے اور اسم اعظم کی صورت ولی کامل کی ظاہری صورت کا نام ہے۔

ف: اسم اعظم کا علم سابقہ امم پر حرام کر دیا گیا تھا جب تک کہ حقیقت انسانیہ کا اپنی اکمل صورت میں ظہور نہ ہوا، بلکہ اس کا ظہور اس زمانہ کے کامل کی قابلیت پر موقوف تھا۔ جس اسم اعظم کا معنیٰ اور اس کی صورت رسول پاک صاحبِ تاج لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مقدس سے پایا گیا تو محض اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ وسلم کے صدقے اسم اعظم کا علم مباح فرما دیا۔

اَلرَّحْمٰنِ رحمت لغت میں رقت یعنی نرمی قلب اور انعطاف یعنی کسی پر مہربانی کرنے کہتے ہیں۔ اسی لیے بچہ دانی کو رحم کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنے مافیہا پر مہربان ہوتی ہے۔ یہاں فضل واحسان مراد ہے یا بہ نسبت ہمارے سبب بول کر مسبب قریب یا بعید مراد لیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اسماء باعتبارِ نتائج لیے جاتے ہیں اور وہ غایات ونتائج افعال ہیں۔ باعتبار مبادی کے اور وہ مبادی انفعلات ہیں اور ذات باری تعالیٰ انفعال سے مبرا ہے۔ پس معنی یہ ہوا کہ وہ اپنی مخلوق پر مہربان فرمانے والا ہے ان کو رزق دینے سے یا ان سے بلیات کو دفع کرنے سے، نہ تو متقی کا رزق بوجہ تقویٰ بڑھاتا ہے نہ اور نہ مجرم کے جرم کو دیکھ کر اس کے رزق میں کمی کرتا ہے بلکہ ہر ایک کو اپنی مرضی کے مطابق رزق دیتا ہے۔ **الرَّحِیْم** وہ رحم کرنے والا ہے جس سے سوال کیا جائے تو عنایت کر دے اور جس سے طلب نہ کیا جائے تو غصہ کرے بخلاف بنی آدم کے کہ وہ سوال کیے جانے پر غضب ناک ہوتے ہیں۔

رحمت اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفات میں سے ہے اس لیے کہ رحمت بمعنی غیر پر ارادہ خیر کرنا اور اس سے دفع شر کرنا اور ارادہ ذات کی صفت ہے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ اس صفت سے موصوف نہ ہوتا تو جمیع موجودات کو پیدا نہ کرتا۔ پس جب اس نے جمیع مخلوق کو پیدا فرمایا تو ہمیں پتا چلا کہ رحمت اس کی ذاتی صفت ہے کیونکہ خلق بمعنی مخلوق کو وجود کی خبر پہنچانا اور ان کو عدم کے شر سے بچانا اور وجود سب کا بہتر ہے۔

ف: حضرت فرماتے ہیں کہ رحمت صفات الٰہیہ کی ایک صفت ہے اور رحمت ایک حقیقت ہے لیکن دو قسم پر ہے۔

i۔ ذاتی ii۔ صفاتی

اور اسمائے ذاتی وصفاتی کا تقاضا بھی یہی ہے (کہ رحمت دو قسم ہو) پھر ان دونوں کی دو دو قسمیں ہیں، عام وخاص۔ اس اعتبار سے رحمت چار قسم ہوئی۔ پھر ان کے کئی انواع ہیں جن کا مجموعہ ایک سو تک پہنچتا ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔ اللہ تعالیٰ کی ایک سو رحمتیں ہیں۔ ان میں سے صرف ایک رحمت تمام اہل دنیا کو عطا فرمائی اور ننانوے آخرت میں اپنے بندوں پر رحم فرمانے کے لئے مخفی رکھی ہیں۔

ف: رحمت عام وخاص ذاتی وہ ہیں کہ جن کا ذکر بسم اللہ شریف کے لفظ رحمٰن ورحیم سے ہوا ہے۔ ان میں سے رحمت رحمانیہ عام ہے اس لئے کہ وہ تمام اشیاء کو علماً وعیناً شامل ہوتی ہے اور رحمت رحیمیہ خاص ہے۔ کیونکہ یہ اس رحمت عامہ کی تفصیل ہے جو ہر ایک عین کی تعیین (جو استعداد خاص کے ساتھ فیض اقدس کے حصول کے لئے ہوتی ہے) کی موجب ہے اور رحمت عام وخاص صفاتیہ وہ ہے جو فاتحہ شریف کے رحمٰن ورحیم میں ہے۔ ان میں رحمت رحمانیہ عام ہے کیونکہ یہ ان فیوضات (رحمت عامہ ذاتیہ سے وجود عام علمی پر ہوئے) پر مرتب ہے اور دوسری رحمت خاصہ ہے اور اس کی تخصیص اس استعداد اصلی کے مطابق ہے جو ہر ایک عین میں پائی جاتی ہے اور یہ دونوں رحمتیں (صفاتیہ جو فاتحہ کے رحمٰن ورحیم میں ہیں) رحمت ذاتیہ عامہ وخاصہ ہیں۔

فضائل بسم اللہ شریف ☆...... بعض روایات سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تین ہزار اسماء ہیں۔ ایک ہزار کو سوائے ملائکہ کے کوئی نہیں جانتا اور ایک ہزار سوائے انبیاء علیہم السلام کے کسی کو معلوم نہیں اور تین سو توارۃ میں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم میں رکھا ہے۔ پس ان تین ہزار اسماء کا معنی ان تین اسماء اللہ، رحمٰن اور رحیم میں ہے۔ جس نے ان تینوں کو جانا یا ان کو پڑھا تو گویا اس نے اللہ تعالیٰ کو اس کے تمام اسماء کے ساتھ یاد کیا۔

☆...... حدیث شریف میں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب مجھے معراج ہوئی تو تمام بہشتیں میرے پیش کی گئیں تو ان میں میں نے چار نہریں دیکھیں۔

i۔ پانی کی ii۔ دودھ کی iii۔ شراب کی iv۔ شہد کی

میں نے جبرائیل سے نہروں کے متعلق پوچھا کہ یہ نہریں کہاں سے آتی ہیں اور کہاں جاتی ہیں؟

جبرائیل نے کہا: حضور! جاتی تو حوض کوثر میں ہیں اور یہ مجھے معلوم نہیں کہ آتی کہاں سے ہیں، آپ اپنے رب سے پوچھئے، وہ آپ کو بتائے گا یا دکھا دے گا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے التجا کی۔

رب تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ حاضر ہوا، تحفہ سلام پیش کر کے عرض کی: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آنکھیں بند کیجئے میں نے آنکھیں بند کیں۔ پھر عرض کی آنکھیں کھولئے۔ میں نے دیکھا تو مجھے ایک درخت نظر آیا جو مجھے سفید موتی کا ایک قبہ معلوم ہوا۔ اس کا ایک مقفل دروازہ سونے کا تھا اور وہ اتنا وسیع تھا کہ اگر دنیا کے جن وانسان جمع ہو کر اس پر بیٹھیں تو ایسے معلوم ہوں گے جیسے پہاڑ پر پرندے بیٹھے ہوں۔ پس میں نے ان نہروں کو دیکھا کہ وہ اس قبہ کے نیچے سے آرہی ہیں۔ یہ نظارہ دیکھ کر میں واپس ہونے لگا۔ فرشتے نے عرض کی: حضور! اس قبہ کے اندر داخل کیوں نہیں ہوتے؟ میں نے کہا: اس میں دخول کیسے ہو، اس پر تو تالا لگا ہوا ہے اور کنجی بھی نہیں ہے۔ اس نے عرض کی: اس کنجی تو بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے۔ پس میں نے تالا کے قریب بسم اللہ شریف پڑھی۔ بجر دبسم اللہ شریف کے میم سے اور دودھ کی اللہ کی ہاء سے اور شراب کی رحمٰن کے میم سے اور شہد کی رحیم سے اب مجھے معلوم ہوا کہ چار نہروں کا منبع بسم اللہ شریف ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم)! جو شخص تیری امت میں ریأ سے پاک ہو کر خالص نیت سے مجھ کو ان اسمأ سے یاد کرے گا اور کہے گا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ تو میں اسے چار نہروں سے پانی پلاؤں گا"

☆......حدیث شریف میں ہے۔ وہ دعا مردود نہیں ہوتی جس کے اول میں بسم اللہ شریف ہو۔

☆......حدیث شریف میں ہے کہ: جس نے وہ کاغذ کہ جس پر بسم اللہ شریف لکھی ہو اس کی تعظیم وتکریم اور اللہ تعالیٰ کے نام کی بزرگی کو دیکھ کر گرد وغبار اور کیچڑ وغیرہ سے زمین سے اٹھایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا صدیقین جیسا درجہ ہوگا اور اس کے والدین سے عذاب کی تخفیف کی جائے گی اگرچہ وہ مشرک ہی ہوں۔

☆......احمد بونی لطائف الاشارات میں تحریر فرماتے ہیں کہ شجر وجود بسم اللہ شریف سے متفرع ہوا اور تمام عالم اس کے سبب سے قائم ہے۔ باعتبار اجمال وتفصیل کے یہی وجہ ہے جو شخص اس کا ورد کرتا ہے عالم علوی وسفلی میں اس کی ہیبت چھا جاتی ہے۔

حکایت:۔ ☆......روم کے بادشاہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف عریضہ بھیجا کہ کہ مجھے سر میں ایسا درد ہے کہ اس کے علاج سے اطباء عاجز آگئے ہیں اگر آپ کے پاس کوئی دوا موجود ہے تو ارسال فرمائیے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ٹوپی بھجوائی۔ جب شاہ روم اس کو اپنے سر پر رکھتا تو اس کا درد تھم جاتا جب اسے اتارتا تو درد سر شروع ہو جاتا۔ بڑا متعجب ہوا ٹوپی کو کھولا تو اس میں ایک کاغذ رکھا ہوا پایا جس پر مرقوم تھا۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

☆......شیخ اکبر قدس سرہ العزیز فتوحات میں فرماتے ہیں کہ جب سورت فاتحہ پڑھی جائے تو بسم اللہ شریف کو

اس کے ساتھ ملا کر ایک دم پڑھنی چاہیے فصل درمیان میں ہرگز نہ ہو۔

☆...... حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم قسم کھا کر حضرت جبرائیل سے روایت کرتے ہیں وہ قسم کھا کر حضرت میکائیل سے اور وہ قسم کھا کر حضرت اسرافیل سے اور وہ قسم کھا کر اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے (اسرافیل کو) فرمایا اے اسرافیل! مجھے اپنی عزت وجلالت اور سخاوت کی قسم ہے جس نے ایک بار بسم اللہ شریف کو الحمد شریف کے ساتھ ملا کر پڑھا تم گواہ ہو جاؤ کہ میں نے اسے بخش دیا، اس کی تمام نیکیاں قبول فرمائیں اور اس کے گناہ معاف کر دیے اور اس کی زبان کو ہرگز نہ جلاؤں گا اور اس کو عذابِ قبر، عذابِ نار، عذابِ قیامت اور بڑے خوف سے نجات دوں گا اور وہ تمام انبیاء و اولیاء سے پہلے میرے حضور میں پہنچے گا۔

(واللہ اعلم)

سورۃ فاتحۃ الکتاب

اسماء سورۃ فاتحہ مع وجہ تسمیہ

☆...... اس کو فاتحہ اس لیے کہتے کہ مصاحف و تعلیم و تلاوتِ قرآن اور نماز کا آغاز اسی سے ہوتا ہے۔ یا اس لیے کہ حمد سے ہر کلام کی ابتدا ہوتی ہے۔ یا اس لیے کہ تمام سورتوں سے پہلے نازل ہوئی۔ یا اس لیے کہ لوحِ محفوظ پر پہلے اسی کو لکھا گیا۔ یا اس لیے کہ دنیا میں ابواب مقاصد کا افتتاح اور آخرت میں عذاب جنان کی ابتداء اسی سے ہے۔ یا اس وجہ سے کہ کتاب اللہ کے ابواب خزائن، اسرار کے کھلنے کا وسیلہ یہی سورت ہے۔ کیونکہ یہ سورت لطائفِ خطاب کے خزانوں کی کنجی ہے۔ یا اس لیے کہ اس کے جلا سے اہل بیان پر قرآن پاک کے مطالب منکشف ہو جاتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ جس نے اس کے معانی سمجھ لیے اس پر متشابہات کے تالے کھل جاتے ہیں اور اس کی نورانیت سے آیات کے انوار کا اقتباس کیا جاتا ہے۔

☆...... اس کا نام ام القرآن بھی ہے اور ام شے کے اصل کو کہتے ہیں اور یہ سورت ام القرآن اس لیے ہے کہ قرآن پاک سے چار چیزیں مقصود ہوتی ہیں۔

۱۔ الوہیت کا اقرار ۲۔ نبوت کا اقرار ۳، ۴۔ قضاء و قدر کا منجانب اللہ سمجھنا

پس اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ الوہیت پر دلالت کرتا ہے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ یوم آخرت پر اور اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ جبر و قدر کی نفی کرتا ہے اور قضائے الٰہی کو ثابت کرتا ہے۔

☆...... اس کو سبع مثانی بھی کہتے ہیں اس لیے کہ اس کی سات آیات ہیں یا اس لیے کہ اس کی ہر آیت قرآن پاک کے ساتویں حصہ کے برابر ہے یا جس نے اس سورت کو پڑھا گویا اس نے سارے قرآن کو پڑھ لیا یا اس

لیے کہ جس نے ان سات آیات کو پڑھا اس پر دوزخ کے ساتوں دروازے بند ہو گئے۔ یہ سبع کے وجوہ تھے۔ مثانی اس کو اس لیے کہا جاتا ہے کہ نماز میں دوبار پڑھی جاتی ہے یا مثانی سے مراد یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ ہر رکعت میں حقیقۃً یا حکماً دوسری سورت ہوتی ہے یا اس لیے کہ اس کا نزول دوبار ہوا، پہلی بار مکہ معظمہ میں، دوسری بار مدینہ طیبہ میں۔

☆......اس کا نام سورۃ الصلوۃ ☆......سورۃ الشفاء ☆......الشافیہ ☆......اساس القرآن

☆......الکافیہ ☆......الوافیہ ☆......سورۃ الحمد ☆......سورۃ السوال ☆......سورۃ الشکر

☆......سورۃ الدعا بھی رکھا گیا ہے۔ کیونکہ یہ سب چیزیں اس سورت میں پائی جاتی ہیں۔

☆......اس کو سورۃ الکنز بھی کہتے ہیں۔ حدیث قدسی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ سورۃ الفاتحہ میرے عرش کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔[1]

تفسیر عالمانہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اَلْحَمْدُ میں لام عہد کی ہے۔ یعنی الحمد بمعنی حمد کامل اور کامل وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی حمد خود فرمائی یا وہ جو انبیاء علیہم السلام کی زبانوں سے نکلی، یا وہ جو اولیاء ایزد تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں۔ یا لام عموم استغراق کے لئے ہے۔ اب الحمد بمعنی جمیع محامد و اثنیہ محمود (اصلی) اور ممدوح ماؤل اور معبود حق کے لئے، خواہ حامد عینی ہوں یا عرضی، فرشتوں سے ہوں یا آدمیوں سے یا ان کے غیر سے۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ مخلوق میں کوئی ایسی شے نہیں جو اللہ تعالیٰ کی حمد نہ کرتی ہو۔

تفسیر صوفیانہ صوفیہ کے نزدیک حمد محمود کے کمال ظاہر کرنے کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ کا کمال اس کے صفات و افعال اور اس کے آثار ہیں۔ شیخ داؤد قیصری فرماتے ہیں کہ حمد تین قسم ہے۔

۱۔ قولی ۲۔ فعلی ۳۔ حالی

حمد قولی:۔ زبان سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنا، جیسا کہ اس نے اپنی حمد انبیاء علیہم السلام سے کرائی ہے۔

حمد فعلی:۔ وہ ہے جو اعمال بدنیہ سے ادا کی جائے، خواہ عبادات خیرات سے۔ جس میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس بارگاہ تک پہنچنا مقصود ہو کیونکہ جیسے انسان کو حمد کا زبان سے ادا کرنا لازم ہے اسی طرح ہر عضو کے

---

[1] اسمائے سورت کے باقی: اسماء فقیر کی کتاب "احسن التحریر" میں ہیں ۱۲ اویسی

مطابق حمد کی ادائیگی ضروری ہے بلکہ اس کے ہر عضو پر حمد کی ادائیگی ایسے لازم ہے جیسے شکر کی ادائیگی ہر عضو پر بلکہ انسان اپنے ہر حال میں حمد کی ادائیگی کا ورد رکھے۔ **کما قال انبیاء علیہم السلام۔**

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ   ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد ضروری ہے۔

اور ہر عضو کا حمد بجالانا ناممکن ہے بجز اس کے کہ اپنے ہر عضو کو جس کام کے لیے وہ پیدا گیا ہے، محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی عبادت اور تعمیل سمجھ کر وہ مشروع میں استعمال نہ کرے۔ نہ تو اس میں نفس کی لذت کو دخل ہو اور نہ اس کی خوشنودی مقصود ہو۔

حمد حالی :۔ وہ ہے جو روح وقلب سے ادا کی جائے یعنی روح وقلب کا کمالات علمیہ وعملیہ سے موصوف ہونا اور متخلق باخلاق ہونا وجہ یہ ہے کہ لوگوں کو انبیاء علیہم السلام نے فرمایا کہ وہ ایسے متخلق باخلاق اللہ ہوں کہ کمالات ان کے نفوس وذات کا ملکہ بن جائیں اور دراصل یہ وہی حمد ہے جو اللہ تعالیٰ نے مقام تفصیلی میں خود اپنی حمد فرمائی۔ جس کو صوفیہ مظاہر کے ساتھ موسوم کرتے ہیں اسے مظاہر سے موسوم کرنے کی وجہ ظاہر ہے کہ ان مظاہر کو اس سے مغایرت نہیں اس کا اپنی حمد ذات کا مقام جمعی میں بطریق حمد قولی کے اپنی حمد کرنا وہ ہے جو اس نے اپنی ذات کے صفات وکمالات اپنے صحائف وکتب میں درج فرمائے ہیں اور اس کی حمد فعلی وہ ہے جو اس نے اپنے کمالات جمالی وجلالی غیوبت سے شہود کی طرف اور باطن سے ظاہر کی طرف اور علم سے عین کی طرف اپنی صفات کے میدانوں میں اور اپنے اسماء کی ولایت کے مقاموں میں ظاہر فرمائے ہیں۔

اور حمد حالی وہ تجلیات ہیں جو اس کی ذات میں بطریق فیض اقدس اولیٰ وبطریق ظہور انوار ازلی کے موجود ہیں اس سے معلوم ہوا کہ حامد بھی وہی ہے اور محمود بھی وہی۔ اجمالاً بھی تفصیلاً بھی۔

کسی شاعر نے کیا خوب فرمایا ہے:۔

لَقَدْ کُنْتُ دَهْرًا قَبْلَ اَنْ یَّکْشِفَ الْغِطَاءَ   اَخَاکَ اَنِّی ذَاکِرٌ لَّکَ شَاکِرٌ
فلما اضاء اللّیل اصبحت شاهدًا   بانک مذکورٌ ذکرٌ وَّ ذاکرٌ

ترجمہ:۔ پردہ کھلنے سے پہلے بہت عرصہ میں اس خیال میں رہا کہ شاید میں تیرا شاکر وذاکر ہوں۔ مگر جب اندھیرے سے اجالا ہوا تو دیکھتا ہوں، سبحان اللہ ! کہ یاالٰہی ! ذکر بھی تو ہے اور مذکور بھی تو اور ذاکر بھی تو اور ہر حمد قولی

marfat.ocm

ادا کرنے والا اپنے محمود کو ان صفات کمال سے جانتا ہے جو اس کی طرف منسوب ہیں۔ یہی بات تعریف کو مستلزم ہے

ف: حمد و ثناء شکر و مدح سب کو شامل ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو اس سے شروع فرمایا کہ لِلّٰہ میں اپنی حمد ثناء بیان فرمائی اور شکر کا بیان رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میں بیان فرمادیا اور مدح کا ذکر الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ میں آگیا۔

تنبیہ: بندے کو چاہیے کہ ان تینوں طریقوں کو حمد حقیقی سمجھ کر حمد نہ کرے بلکہ مقلد بن کر اور مجازی حمد سمجھ کر حمد کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مدح وثنا (جس طرح اس کی ذات وصفات کے لائق ہیں) اس کی ذات وصفات کی حقیقت سے واقف ہونے کی فرع ہے اور اس کی ذات وصفات کی معرفت حقیقت ہے۔ **کما قال تعالیٰ**

وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا اسے معلوم کرنے پر احاطہ نہیں کرسکتے۔

وقال تعالیٰ: وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر شناسی کا حق ادا نہیں کیا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج اللہ تعالیٰ کی حمد کا حکم ہوا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! میری حمد فرمائیے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لا احصی ثناء علیک مجھ سے تیری تعریف ناممکن ہے

اس سے معلوم ہوا کہ حمد کی ادائیگی میں صرف تعمیل فرمان اور اظہار عبودیت مقصود ہوتا ہے۔ پھر **لا احصی الخ** کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا:۔ **انت کما اثنیت علی نفسک**

اس سے ثابت ہوا کہ حمد سے مراد یہی تقلیدی حمد ہے اور ہمیں بھی حمد تقلیدی کا حکم ہے۔ **کما قال تعالیٰ:**

وقل الحمد للہ وقال فاتقوا اللہ ما استطعتم **(التاویلات النجمیہ)**

شیخ سعدی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:۔

عطائیست ہر موئے از وبر تنم
چگونہ بہر موئے شکرے کنم

ترجمہ: میرے جسم کا ہر بال اس کی نعمت ہے پھر مجھ سے کب ممکن ہے کہ میں ہر بال کے لئے علیحدہ طور پر شکر ادا کروں۔

شاہراہ سلوک: امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ منہاج العابدین میں فرماتے ہیں کہ حمد و شکر ان سات عقبات کا

آخری عقبہ ہے کہ جن کا عبور سالک کے لئے نہایت ضروری ہے تا کہ اپنے حصول مقاصد پر فتح مند ہو۔ سب سے پہلا وہ امر کہ جس کے سبب سے بندہ راہ سلوک پر چلنے کے لیے متحرک ہوتا ہے۔ الہام سماویہ وتوفیق خاص الٰہیہ ہے (چنانچہ) اسی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: کہ جس وقت بندے کے دل میں نور داخل ہوتا ہے اس کا دل کھل جاتا ہے۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کی اس کی کوئی علامت بھی ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں اس کا پہلا دار غرور سے کنارہ کشی، دوسرا دار خلود کی طرف رجوع، تیسرا موت کے نزول سے پہلے تیار رہنا۔ پس جب کہ بندے کے دل میں پہلے یہ بات کھٹکے کہ بے شک میرا ایک منعم ہے جس نے مجھے طرح طرح کی نعمتیں عطا کی ہیں اور پھر وہ مجھ سے ان نعمتوں کا شکرانہ اور خدمت طلب کرے گا، میں ان سے غفلت کروں تو شاید وہ نعمتیں چھین کر مجھے عذاب میں مبتلا کردے۔ اس کا یہ کیا تھوڑا احسان ہے کہ اپنے پیغمبران عظام کو معجزات دے کر ہماری طرف بھیجا اور ان کے ذریعہ ہمیں خبر دی کہ ہمارا رب ایک ہے جو عالم اس بات پر قادر ہے کہ مطیع کو ثواب دے اور مجرم کو سزا۔ نیکی کا حکم دینے والا بھی وہی ہے اور برائی سے روکنے والا بھی وہی۔ انہی خیالات سے بندہ کے دل میں مقام خوف پیدا ہوجاتا ہے۔ پھر اس سے خلاصی کی کوئی راہ نہیں بجز اس کے کہ اپنے صانع کی صنعت کو دیکھ کر اس کے وجود پر استدلال نہ ہو۔

اوصاف مذکورہ کی وجہ سے بندہ کو اپنے رب کے وجود کا یقین حاصل ہوجاتا ہے۔ اسی کو عقبہ علم ومعرفت کہتے ہیں یہی وہ پہلا عقبہ ہے جو سلوک کو راہ طے کرتے وقت درپیش ہوتا ہے اور اسی کی بدولت علم کے حصول کی بصیرت اور علماء آخرت سے سوال کرنا نصیب ہوتا ہے۔

جب اسے اپنے رب کے وجود کا یقین ہوجاتا ہے تو عبادت کے لئے معرفت اسے برانگیختہ کرتی ہے لیکن وہ عبادت کے طریقہ سے لاعلم ہوتا ہے۔ پھر فرائض شرعی ظاہری (جو اس پر لازم ہیں) سیکھتا ہے۔ جب علم معرفت کی فرائض سے تکمیل کی تو عبادت کے لیے تیار ہوتا ہے مگر اپنی بدکرداریوں سے شرمسار ہوتا ہے (جیسا کہ عام طور پر لوگوں کی حالت ہے) دل میں کہتا ہے کہ میں اطاعت کے کب لائق ہوں جب کہ مجھ سے بار بار گناہ ہوئے اور جرائم میں سرتاپا ملوث ہوں۔ اسی سے اسے خیال آتا ہے کہ کیوں نہ ہو اب تمام برائیوں سے تائب ہوجاؤں تا کہ گناہوں کی قید سے چھوٹ جاؤں اور اپنی برائیوں سے پاک وصاف ہو کر عبادت کے لائق

marfat.ocm

ہو جاؤں۔ یہی ہے وہ عقبہ جو راہ سلوک طے کرتے وقت بندے کے سامنے ہوتا ہے۔ جب سالک کو اپنے حقوق و شرائط کے ساتھ یہی توبہ نصیب ہو جاتی ہے۔ تو کیا دیکھتا ہے کہ اسے چاروں طرف سے ایسے چند عوائق گھیرے ہوئے ہیں جو اسے عبادت سے مانع ہو رہے ہیں۔ غور سے دیکھنے سے یہ چار چیزیں معلوم ہوئیں۔

i۔ دنیا   ii۔ خلق خدا   iii۔ شیطان   iv۔ نفس

اسی کو عقبہ عوائق کہتے ہیں۔ اسی عقبہ کو طے کرنے کے لیے چار چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے۔

i۔ دنیا سے کنارہ کشی   ii۔ خلق خدا سے علیحدگی   iii۔ نفس سے جنگ   iv۔ شیطان سے جنگ

ان سب امور سے نفس کے ساتھ جنگ کرنا سخت مشکل ہے کیونکہ اس سے علیحدگی بھی مشکل ہے اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ یکبارگی سختی کر کے تابع کیا جائے (جیسا کہ شیطان کو تابع کرنا مشکل ہے) کیونکہ یہ تو ہر وقت سوار اور ہر برائی کا آلہ ہے اور اس سے اطاعت الٰہیہ پر موافقت کی بھی امید نہیں کیونکہ یہ برائی کا خوگر ہے یہی امور خواہشات اور اس کے متعلقات کے اصل الاصول ہیں۔

ہمی تازد ایں نفس سرکش چناں   کہ عقلش تواند گرفتن عناں
کہ تا نفس و شیطاں بر آید بزور   مصاف پلنگاں نیاید ز مو

ترجمہ:۔ اس نفس سرکش کی جنگ کے لیے تقوی کی لگام کی ضرورت پڑتی ہے تا کہ اسے تابع کر کے نیکی کی راہوں پر بآسانی چلایا جا سکے اور برائی کے مقامات سے اسے روکا جا سکے۔

سالک جب یہ منزل طے کرنے کے بعد فارغ ہوتا ہے تو چند ایسی چیزیں عارض ہوتی ہیں جو عبادت سے رکاوٹ کا موجب بنتی ہیں۔ غور سے دیکھا جائے تو یہ چار چیزیں ہیں۔

☆...... رزق کہ جس کی طلب میں نفس دوڑتا پھرتا ہے، جس کی سے ضرورت ہے۔

☆...... ہر اس شئے سے خائف ہونا کہ جس سے وہ ڈرتا بھی ہے اور اس کے ساتھ امیدیں بھی وابستہ رکھتا ہے۔ اسے چاہتا بھی ہے اور اس سے کراہت بھی کرتا ہے۔ اسے یہ بھی علم نہیں کہ امر میں اس کی بہتری ہے یا نقصان.

☆...... وہ شدائد و تکالیف جو اس کو ہر سو گھیر لیتی ہیں، بالخصوص وہ مخالفت جو خلق خدا سے خلاف کرنے اور شیطان کی محاربت اور نفس کو نقصان پہنچانے سے لاحق ہوتی ہیں۔

marfat.ocm

☆......قضائے الٰہی کے مختلف امتحانات، اسی کا نام عقبہ عوارض ہے۔ جب سالک یہ عقبہ پیش آئے تو اس کے قطع کرنے کے لیے ان چار چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے۔

☆۔ رزق کے لئے اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا ☆۔ اپنے جمیع امور اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا

☆۔ قضائے حاجت الٰہی پر راضی ہونا ☆۔ صبر کرنا

جب سالک اس عقبہ کو طے کر لیتا ہے تو اپنے نفس کا جائزہ لیتا ہے تو اس کو انتہائی درجہ کا کاہل دست پاتا ہے۔ (جیسا کہ اس کے لائق ہے) نہ عبادت میں اس کا جی لگتا ہے اور نہ اس نے اس کو خوشی ہوتی ہے۔ بلکہ غفلت، دھوکہ بازی اور گمراہی منہمک ہے اور اسراف و فضول کا خوگر ہے (نفس کی اس بڑی خرابی کو دور کرنے کے لیے) اسے ایک راہنما کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کی اطاعت کی راہنمائی کرے اور گناہوں سے اسے باز رکھے۔ اس کے رہنما خوف و رجا ہیں۔ رجا ان کرامات کے لیے ہے جو سالک کو بھلائی کا وعدہ دیا گیا ہے اور خوف ان صعوبتوں سے ہے جو اس کی عقوبات اور اہانات سے دھمکایا گیا ہے۔ یہ عقبہ بواعث ہے جو سالک کو طے کرنا پڑتا ہے۔ اس عقبہ کو طے کرتے وقت وہ ان دونوں (خوف و رجا) کا محتاج ہوتا ہے۔

جب اس عقبہ سے فراغت پاتا ہے تو بعد ازاں نہ کوئی شے رکاوٹ پیدا کرتی ہے اور نہ کوئی مشغلہ۔ بلکہ عبادت کے موجب و باعث حاصل ہو جائیں گے کہ جن کے سبب سے عبادت بڑے شوق سے کرنے کو جی چاہے گا۔ لیکن تھوڑے سے تامل سے معلوم ہو گا کہ ابھی دو بڑی آفتیں باقی ہیں جن کا نام ریا و عجب (خود بینی) ہے (اگرچہ عبادت میں جی خوش ہو گا مگر) کبھی اطاعت لوگوں کو دکھاوے کی غرض پر کرے گا۔ کبھی اپنی عبادت کو عظیم الشان تصور کر کے اپنے آپ کا اکرم ترین سمجھے گا۔ اسی عقبہ کو عقبہ قوادح کہا جاتا ہے۔ اس کے قطع کرنے کے لیے خلوص اور باری تعالیٰ کے احسانات مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

جب اس عقبہ کو باری تعالیٰ کی حسن عصمت و تائید سے طے کرے گا تو اسے عبادت کماحقہٗ ادا کرنے کی توفیق نصیب ہو گی۔ اس حال میں اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے دریا میں ڈوبا ہوا دیکھ کر خائف ہو گا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے شکر کی ادائیگی میں غفلت ہو جائے اور کفران نعمت سے موصوف ہو کر مرتبہ رفیعہ (جو کہ صالحین کی روحانی غذا ہے) سے گر جائے (اس کی وفا کے لئے حمد و شکر کا دامن تھامے رکھے) یہی عقبہ حمد و شکر ہے جو

marfat.ocm

سالک کی راہ میں درپیش ہوتا ہے اور سالک اس کے ورد کی کثرت سے عقبہ ہذا کو طے کرتا ہے۔ جب اس عقبہ سے فارغ ہوتا ہے تو اپنے مطلوب و مقصود کو پہنچ جاتا ہے۔ پھر بقیہ عمر اسی نعمت میں بسر کرتا ہے۔ اس کا ظاہری جسم دنیا میں ہوتا ہے لیکن اس کا دل آخرت میں معلق رہتا ہے اور ہر روز پیک اجل کا انتظار کرتا ہے اور دنیا سے متنفر رہتا ہے یہاں تک کہ اس کا شوق اس کو ملاء اعلیٰ تک پہنچا دیتا ہے۔ اب رب العالمین کا قاصد آ کر اسے رب تعالیٰ کی خوشنودی کی بشارت دے کر کہتا ہے: مژدہ باد (اے سالک!) تیرا رب تجھ سے ناراض نہیں۔ اسی حال میں ملائکہ اس سے بہت خوش حالت میں ملاقات کرتے ہیں۔ باقی لوگ بھی اس دنیا فانی کر چھوڑ کر بارگاہ ایزدی میں اور جنت کے باغات میں جاگزیں ہوتے ہیں اور یہ سالک اپنے نفس فقیر کو کریم کی نعمتوں اور بہت بڑے ملک میں پاتا ہے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

عروسی بود نوبت ماتحت گرت نیک روزی بود خاتمت

ترجمہ:۔ وہ تیرے لیے موج بہار ہوگی جب کہ تیرا خاتمہ ایمان پر ہو۔

حضرت امیر خسرو قدس سرہٗ اپنے وقت وصال فرما رہے تھے:

زدنیا می رود خسرو بزیر لب ہمی گوید دلم بگرفت از غربت تمنائے وطن دارم

ترجمہ:۔ بوقت نزع حضرت امیر خسرو آہستہ آہستہ کہہ رہے تھے کہ دنیا سے جی گھبرا گیا ہے۔ اب دل کو وطن کی تمنا ہے۔

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ربط: حمد کو اسم ذاتی کے بالمقابل لانے میں جب اس طرف تنبیہ فرمائی کہ جمیع محامد کا بالذات مستحق میں ہوں۔ تو اس کے بعد اسمائے صفاتیہ لائے۔ تاکہ دونوں استحقاق کا یکجا اجتماع ہو جائے اور وہ یعنی رب العالمین اس بات کی برہان ہے کہ جمیع محامد ذاتی وصفاتی اور دنیوی واخروی کا وہی مستحق ہے۔ رب بمعنی تربیت واصلاح، عالمین کے حق میں یہ ہے کہ ان کی تربیت کی غذا اور ان کے وجود کو باقی رکھنے کے تمام اسباب تیار فرماتا ہے۔ انسان کی تربیت یہ ہے کہ اس کے ظاہر (نفس) کو نعمتوں سے مالا مال کرتا ہے اور اس کے باطن (دل) کو اپنی رحمت سے مزین کرتا ہے۔ عابدین کے نفوس کو احکام شریعت سے اور مشتاقین کے قلوب کو آداب طریقت سے، اسرار محبین کو انوار حقیقت سے روشن اور منور کرتا ہے۔ کبھی انسان کی تربیت اس کے نیک اعمال

marfat.ocm

سے کرتا ہے کبھی فیض کے قوی انوار کو اعضاء تک پہنچاتا ہے۔ اس کی بہت بڑی شان ہے کہ اس نے ہڈیوں کو سننے کی، چربی کو دیکھنے کی اور گوشت کو بولنے کی توفیق بخشی۔ کبھی انسان کی نباتات کے دانوں اور پھلوں کی غذاؤں سے تربیت کرتا ہے اور حیوانات کے لحوم وشحوم سے، زمینوں کے اشجار وانہار اور آسمانوں کے کواکب وانوار سے انسان کی تربیت کا سامان تیار کرتا ہے۔

نصیحت :۔ اے انسان! تیرا سکون رات میں بنایا۔ نقصان پہنچانے والے اور موذیوں کی حرکات کو رات میں چلنے پھرنے سے تیرے لیے روکا اور اپنے فضل کی طلب کے لئے تجھے دن جیسی نعمت بخشی۔ اے مغرور انسان! وہ بے پروا کیسی تربیت کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا گویا تیرے سوا کوئی عبد نہیں۔ مگر تو اس کی خدمت (عبادت) سے گریزاں ہے۔ اگر تجھے نصیب بھی ہوتی ہے تو تیرا مطمع نظر کوئی غیر ہوتا ہے۔

العالمین عالم کی جمع ہے اور لفظ عالم ایسی جمع ہے کہ جس کا اپنے لفظ سے کوئی واحد نہیں۔

ف: حضرت وہب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اٹھارہ ہزار عالم ہیں اور یہ دنیا ان میں سے ایک ہے اور اس کی آبادی اس کے ویرانے کے مقابلہ میں اتنی مقدار رکھتی ہے جتنی جنگل میں ایک خیمہ۔

ف: حضرت ضحاک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کل عالم تین سو ساٹھ ہیں ان میں تین سو ننگے پاؤں اور ننگے جسم والے ہیں اور وہ ایسے ہیں جن کو اپنے خالق کا بھی علم نہیں، وہ جہنم کا ایندھن ہیں اور باقی ساٹھ وہ ہیں جو کپڑے پہنتے ہیں۔ ذوالقرنین ان سے ملاقی ہوا ان سے ہم کلام بھی ہوا۔

ف: حضرت کعب الاحبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ عالم کا صحیح انداز کرنا محال ہے۔ **کما قال اللہ تعالیٰ**: وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ (اور تیرا رب اپنے لشکر کو خود جانتا ہے)

ف: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اولاً خلق کو چار قسم بنایا:

۱۔ ملائکہ ۲۔ شیاطین ۳۔ جنات ۴۔ انسان

پھر ان سب کے دس اجزا بنائے، ان میں سے نو حصے سالم فرشتگان ہیں، باقی ایک جزا انسان وجن وشیاطین ہیں۔ پھر ان کے دس اجزا ہوئے۔ ان میں نو حصے شیاطین ہیں، باقی ایک حصہ انسان وجنات کا ہے۔ پھر ان دونوں کو دس اجزاء پر منقسم فرمایا ان میں سے نو حصے جنات کے ایک حصہ انسان کا ہوا۔ پھر انسان کو ایک

marfat.ocm

سو پچیس اجزاء پر تقسیم فرمایا۔ ان میں سے پورا ایک سو بلاد ہند میں پیدا فرمایا، بعض ان میں سادہ لوح ہیں یعنی وہ انسان کہ جن کے سرکتوں جیسے ہیں۔ بعض ان میں سے مالوخ ہیں یعنی وہ انسان کہ جن کی آنکھیں سینہ پر پڑی ہوئی ہیں اور بعض ان میں ماسوخ ہیں یعنی وہ لوگ کہ جن کے کان ہاتھیوں کے کانوں جیسے ہیں اور بعض ان میں مالوف ہیں یعنی وہ انسان کہ جن کے پاؤں اپنے قابو میں نہیں ان کا نام دوال پاُ ہے۔ ان سب کا ٹھکانا جہنم ہے اور ان پچیس سے بارہ اجزاء کو بلادِ روم میں بھیجا جو کہ نسطوریہ، ملکانیہ، اسرائیلیہ کے نام سے موسوم ہیں۔ پھر ان ہر ایک کے چار گروہ ہیں۔ ان سب کا ٹھکانا بھی جہنم ہے اور باقی چھ بلاد مشرق میں بھیجے جنہیں یاجوج ماجوج، ترک، خاقان، ترک حد خلج، ترک خزر، ترک جریر کہا جاتا ہے اور باقی چھ بلاد مغرب میں بھیجے جوزنج، زط، حبشہ، نوبہ، بربر، مشرکین عرب کے نام سے موسوم ہیں ان سب کا ٹھکانا بھی جہنم ہے اور باقی ایک حصہ بنی نوع انسان سے اہل توحید کا ہے۔ باقی سب کے سب کافر و مشرک ہیں۔ پھر اہل توحید بھی تہتر فرقے ہو گئے بہتر سب کے سب خسارہ میں، یعنی اہل بدعت وضلالت ہیں، صرف ایک ان میں ناجی ہے اور وہ اہل السنت والجماعت ہیں اور گمراہ فرقوں کا حساب اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔ جنہیں چاہے بخش دے جنہیں چاہے عذاب میں مبتلا کرے

حدیث شریف:۔ میں ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ بنی اسرائیل کے بہتر گروہ ہوئے میری امت تہتر گروہ ہوگی ان میں سے ایک کے سوا باقی دوزخ میں جائیں گے۔ صحابہ نے عرض کی: حضور! وہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ لوگ ہیں جو میرے اور میرے صحابہ کے متبع ہیں یعنی جس اعتقاد اور قول و فعل کا میں اور میرے صحابہ پابند ہیں وہ بھی اس طرح ہوں گے۔ یہی قول حق ہے اور فلاح تک پہنچانے والی یہی راہ ہے۔ اس کے ماسوا باقی سب طریقے باطل اور دوزخ کی طرف کھینچ لے جانے والے ہیں۔ اگر وہ لوگ ان طریقوں کو جائز و حق سمجھ کر عمل کرتے ہیں تو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے ورنہ چند روز۔

تفسیر عالمانہ

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اس کے تکرار میں کئی وجوہ ہیں۔

☆......بسم اللہ شریف میں جن دو رحمتوں کا ذکر تھا وہ رحمتیں ذاتی تھیں اور فاتحہ میں دو رحمتیں صفاتیہ، کمالیہ کا بیان کیا جارہا ہے۔

☆......تاکہ واضح ہو کہ بسم اللہ شریف سورۃ فاتحہ کا جز نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو ایک سورت میں رحمت کا دوبار ذکر نہ

ہوتا کیونکہ قاعدہ ہے کہ دو ہم جنس چیزوں کو ایک مقام پر دوبارہ ذکر کرنا خلاف قاعدہ ہوتا ہے (اور یہ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں)

☆...... بندگان الٰہی کے لیے مستحسن ہے کہ اسے بار بار یاد کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اس کے ذکر کے ساتھ بھی محبت ہو۔ حدیث شریف میں ہے: مَنْ اَحَبَّ شَیْئاً اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ ۔ (جو کسی سے محبت کرتا ہے اس کا ذکر بہت زیادہ کرتا ہے)

☆...... جب بندہ نے (فاتحہ کی تلاوت کے وقت) کہا رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ تو گویا کسی نے پوچھا کہ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کون ہے؟ بتایا گیا کہ وہ رحمٰن ہے جو اپنے بندوں کو دنیا میں روزی دیتا ہے اور رحیم ہے جو ان کی قیامت میں مغفرت فرمائے گا۔ یہی نکتہ لفظ رحیم کے بعد مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کے بیان میں ہے۔ یعنی اس کی ربوبیت رحمانیہ یعنی دنیا میں روزی دینے کی وجہ سے ہے یا رحیمیت یعنی آخرت میں مغفرت فرمانے کی وجہ سے۔

☆...... قاعدہ ہے کہ حمد سے رحمت نصیب ہوتی ہے۔ جیسا کہ منقول ہے کہ سب سے پہلے حمد کرنے والے سیدنا آدم علیہ السلام ہیں۔ جب پیدا ہوئے تو انہیں چھینک آئی۔ اس پر انہوں نے کہا الحمد للہ ۔ ملائکہ نے انہیں جواب میں کہا: یَرْحَمُکَ رَبُّکَ وَلِذٰلِکَ خَلَقَکَ (تیرے اوپر رحم فرمائے اسی لیے اللہ نے آپ پیدا فرمایا) اسی لیے خداوند قدوس نے اپنے بندوں کو حمد سکھائی کہ میری رحمت کا حصول میری حمد سے ہوگا۔

☆...... تکرار تعلیل کے لئے ہے۔ کیونکہ الحمد شریف کو ان اوصاف پر مرتب کرنا ان اوصاف کے ماخذ کی علیت کی علامت ہے۔ مثلاً رحمانیت اور رحیمیت اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ باری تعالیٰ احسان کرنے میں مختار بالذات ہے کسی سبب کا محتاج نہیں۔

رحمٰن اور رحیم میں فرق:۔ رحمٰن و رحیم میں فرق یہ ہے کہ لفظ رحمٰن باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے (کسی دوسرے پر اس کا اطلاق جائز نہیں) یا یہ کہ اس سے رحمت عالم مراد ہوتی ہے (دنیا و آخرت میں) یا یہ کہ اس بہت بڑی نعمتیں مراد ہوتی ہیں۔ پس بہ بنائے وجہ اول رحمٰن وہ صفت ہوگی کہ اس جیسی جنس کا صدور بندگان سے محال ہے اور رحیم وہ صفت ہے کہ اس جیسی جنس کا صدور بندگان سے کچھ نہ کچھ ممکن ہے۔ جیسا کہ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت ذیل دلالت کرتی ہے۔

حکایت:۔ ف: حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے ایک دن ملال ہوا استراحت کے لیے دریائے نیل پر سیر کرنے کے لئے گیا۔ دریائے نیل کے کنارے پر ایک بچھو کو تیز دوڑتا ہوا دیکھا، میں بھی اس کے پیچھے ہولیا۔ بچھو مینڈک پر سوار ہو کر دریا عبور کرنے لگا، میں بھی کشتی پر سوار ہو کر پیچھے پیچھے چل دیا۔ بچھو دریا سے نکل کر پھر دوڑنے لگا۔ میں بھی اس کے ساتھ ساتھ ہولیا۔ بالآخر بچھو ایک نوجوان (جو ایک درخت کے نیچے آرام کر رہا تھا) کے پاس پہنچا۔ ایک بہت زہریلا سانپ درخت سے نیچے اتر رہا تھا قریب تھا کہ اس نوجوان کو ڈستا مگر بچھو نے جاتے ہی سانپ سے لڑائی شروع کر دی۔ بچھو اور سانپ نے ایک دوسرے کو خوب ڈسا، بالآخر دونوں مر گئے اور اس نوجوان کی جان بچ گئی۔

اعجوبہ:۔ کوے کا بچہ جب انڈے سے باہر نکلتا ہے تو وہ سرخ گوشت کی طرح ہوتا ہے۔ ماں اسے آگ کی چنگاری سمجھ کر چھوڑ جاتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے مچھر اسے آگ جان کر پروانہ بن کر خود بخود اس کے منہ میں گر کر اس کا لقمہ بنتے ہیں یہاں تک کہ اس کے بال و پر اگنے لگتے ہیں۔ اس کی ماں اسے آ کر اپنی پرورش میں لے لیتی ہے۔ اسی رحمت عامہ کا کرشمہ دیکھ کر کہا گیا ہے: **یارزاق الغراب فی عمعه** (اے پروردگار! کوے کے بچے کو آشیانہ میں پالنے والے) یا یہ کہ لفظ رحمٰن لفظ رحیم سے عام ہے۔

سوال:۔ جب رحمت کا یہی تقاضا ہے تو پھر ہم پر مرض و تکالیف کا نزول کیوں؟ بلکہ ہم قسم قسم کے حوادثات کا نشانہ بنتے ہیں؟

جواب:۔ بہت سی چیزوں کو ہم رحمت سمجھتے ہیں حالانکہ وہ دراصل زحمت ہوتی ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **عَسٰۤی اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْـًٔا وَّ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ** اور (جس کو ہم رحمت سمجھتے ہیں اصل میں وہ زحمت ہوتی ہے) اس کے متعلق کوئی شاعر کہتا ہے۔

ان الشباب والفراغ الجدة مفسدةٌ لکم ای مفسدة

ترجمہ:۔ بے شک جوانی و فراغت و غنا آدمی کو بہت نقصان پہنچانے والی ہیں۔

دیکھیے بظاہر یہ تینوں (جوانی، فراغت، غنا) رحمت ہیں مگر شاعر انہیں زحمت سے تعبیر کر رہا ہے اور دوسرا یعنی جسے ہم زحمت سمجھتے ہیں حقیقت میں وہ رحمت ہوتی ہے۔ جیسے چھوٹے بچے کو مدرسہ میں محبوس کرنا اور اسے مار پیٹ کر

تعلیم کے زیر بار کرنا، اور آکلہ کے مرض کے ہاتھ کو کاٹنا، بے وقوف تو ان کو برا محسوس کرے گا مگر دانا کی نظر باطنی اسرار پر ہوگی۔ پس مشقت و تکلیف میں رحمت وعطیہ الٰہی مضمر ہوتا ہے۔ ایک چھوٹے سے شر کو دیکھ کر خیر کو ترک کر دینا شر کثیر ہے۔

روحانی نسخے:۔ ☆...... تکالیف ارواح کو علائق جسدانیہ سے پاک کرتی اور دوزخ کو پیدا کرنے میں بھی یہی حکم تھے کہ ابرار و اشرار میں تمیز ہو سکے۔ اسی طرح شیطان کی پیدائش میں بھی یہی حکمت ہے کہ بندگان مخلصین وغیر مخلصین میں امتیاز ہو۔ پس محقق کی یہ شان ہے کہ حقائق کو مدنظر رکھے۔ جیسا کہ حضرت خضر و حضرت موسیٰ علیہما السلام کے قصہ میں ہوا۔

☆...... جس سے طبیعت کراہت کرے اس کے تحت بھی مخفی اسرار اور بلیغ حکمتیں مستتر ہوتی ہیں۔ اگر اس کی رحمت نہ ہوتی تو اس کا غضب سبقت کر جاتا ہے۔ تو پھر دنیا میں کوئی وجود بھی نہ ہوتا اور نہ اسم منعم کا ظہور رہوتا۔

ف: بہر حال بڑی نعمتوں کے لئے ہے اس کے بعد اسم رحیم کا ذکر فرمایا تا کہ اسم وہم کا دفعیہ ہو جائے کہ جب اسم رحمٰن بڑی نعمتوں کے لئے ہے تو پھر اس سے حقیر اشیاء کا طلب کرنا بے ادبی ہوگی۔ جیسا کہ دستور ہے کہ کسی بڑے آدمی سے کہا جائے کہ میں آپ سے معمولی چیز کا سوال کرتا ہوں تو وہ فرمائیں گے کہ اگر سوال معمولی ہے تو کسی معمولی آدمی سے طلب کیجئے۔ بنا بریں گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں فقط رحمٰن رہوں تو تم ڈر کے مارے مجھ سے ہر شے مانگنے سے باز رہو گے۔ لیکن تمہیں معلوم ہو کہ میں رحیم بھی ہوں لہذا مجھ سے ہر چیز طلب کرو، یہاں تک کہ اپنے جوتوں کا تسمہ اور ہنڈیا کا نمک بھی مجھ سے مانگو۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

محالست اگر سر بریں در نہی   کہ باز آیدت دست حاجت تہی

ترجمہ: اگر اسی دروازہ پر سر رکھو گے پھر محال ہے کہ اس کے بعد تیری ضرورت پوری نہ ہو۔

تفسیر صوفیانہ

اہل حقیقت فرماتے ہیں کہ وہ حضرات کلیہ جو اسم رحمٰن کے ساتھ مخصوص ہیں تین ہیں۔

۱۔ حضرت الظہور   ۲۔ حضرت البطون   ۳۔ حضرت الجمع

اور تمام موجودات کے یہی تین مراتب ہیں اور ان تینوں مراتب سے خالی ہیں اور انہی مراتب کے احکام ذیل کے لوگوں پر منقسم ہیں۔

☆...... سعداء   ☆...... اشقیاء

marfat.ocm

☆......وہ حضرات جو صرف روحانی نعمتوں سے مالا مال ہوتے ہیں لیکن جسمانی نعمتوں سے دور رہتے ہیں۔ جیسے ارواح مجردہ۔

☆......اس کے برعکس یعنی صرف جسمانی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور روحانی نعمتوں سے محروم۔

☆......اور جامعین بین الامرین یعنی روحانی اور جسمانی دونوں نعمتوں سے پردامن ہوتے ہیں۔

اسی طرح اہل جنت کی بھی کئی اقسام ہیں:

☆......روحانی اعتبار سے علوم سے منافع یافتہ سعادت مند حضرات، یعنی وہ نہ صرف ظاہری صورتوں سے نفع پانے والے ہیں۔ بلکہ روحانی طور پر بھی مزین ہوتے ہیں کیونکہ ان حضرات نے جنت کے لیے وہ اعمال نہیں کمائے جو صرف ظاہری نعمتوں کا فائدہ پہنچائیں بلکہ انہوں نے باطنی نعمتوں کے لیے بھی کچھ کیا، اگرچہ یہ لوگ بہ نسبت دیگر حضرات کے بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔

☆......مذکورہ حضرات کے برعکس، جیسے وہ زاہد وعابد جو لاعلم ہیں، کیونکہ ان کی ارواح روحانی نعمتوں سے کم نفع پانے والی ہیں۔ کیونکہ ان کو حضرات علیہ الہیہ کے ساتھ کوئی مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ عمل کرتے وقت ان کے ارادے میں سوائے عمل کرنے کے اور کچھ نہیں ہوتا، بلکہ اسی عمل کو اپنی غرض وغایت سمجھتے ہیں اسی لیے یہ لوگ موعودہ امور کی رغبت میں اور جن چیزوں سے ڈرایا گیا ہے۔ ان کی رہبت میں رہتے ہیں۔

☆......جامعین حضرات یعنی وہ مقدس گروہ جو روحانی جسمانی نعمتوں کے جامع ہیں۔ وہ علم وعمل کی لذتوں پر فائز المرام ہیں۔ جیسے انبیاء علیہم السلام اور ان کے کامل وارث یعنی اولیاء کرام علیہم الرحمة والغفران۔

مولانا روم قدس سرہٗ فرماتے ہیں:۔

ہر کبوتر می پرد در مذہبے   ویں کبوتر جانبِ بے جانبے

ترجمہ:۔ ہر کبوتر اپنی راہ چلتا ہے لیکن یہ کبوتر ایسی جانب اڑتا ہے جس کی کوئی جانب اور طرف نہیں۔

تفسیر عالمانہ

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ عرب میں یوم اس وقت کو کہتے ہیں کو مابین طلوع شمس تا غروب واقع ہو اور شریعت میں طلوع فجر یعنی صبح صادق اور غروب شمس کے مابین کا نام ہے اور یہاں مطلق مراد وقت ہے کیونکہ قیامت میں شمس نہیں ہوگا۔ معنی یہ ہوا کہ وہ قیامت میں مالک ہے اور مالک کی یوم کی

marfat.ocm

طرف اضافت ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے ہے جیسے تمام ظروف کی اضافت ان مظروف فیہ (کہ جن میں حوادثات واقع ہوئے ہیں) کی طرف ہوتی ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے: **یوم الاحزاب، یوم الفتح** ۔

اور مالک کی اضافت یوم کی طرف، یوم کے عظیم الشان ہونے اور اس کی سختی کو ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ یا اس کو علیحدہ کرنے میں یہ راز ہے کہ اس میں صرف احکام جاری ہوں گے۔ باقی جمیع تعلقات مابین مالک ومما لک کے بالکلیہ منقطع ہو جائیں گے۔ (ملک وملک میں ربط) سختی قوت کے لیے ملک کہتے ہیں۔

درحقیقت قوت کاملہ اور ولایت نافذہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور حکم کا نفوذ اور تصرف کا حق اگر بندگان کو حاصل ہے تو مجازاً کیونکہ ان کی ملک کا ابتداء وانتہاء ہے اور بعض پر کہ کل پر اس طرح جسم پر نہ کہ عرض پر اسی طرح نفس پر نہ کہ روح پر۔ اسی طرح ظاہر پر نہ کہ باطن پر، زندہ پر نہ کہ مردہ پر، بخلاف معبود حق کے کہ نہ اس کے ملک کو زوال ہے نہ انتقال۔

مسئلہ :۔ مالک کو الف کے ساتھ پڑھنے میں الف کے سوا (ملک) پڑھنے سے زیادہ ثواب ہے۔ کیونکہ مالک میں ایک لفظ زائد ہے۔

حکایت :۔ **ف**: ابوعبداللہ محمد بن شجاع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

کہ میری عادت تھی کہ میں ہمیشہ مالک کو الف کے ساتھ پڑھتا تھا۔ ایک دن کسی ادیب سے سنا کہ ملک (الف کے سوا) مالک (الف کے ساتھ) سے زیادہ بلیغ ہے۔ میں نے سن کر ملک (الف کے سوا) پڑھنا شروع کر دیا۔ نیند میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ تو نے اپنی دس نیکیاں کیوں کم کر دی ہیں۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس نے قرآن مجید کا ایک حرف پڑھا تو اسے ہر حرف کے عوض دس نیکیاں ملیں گی اور اس کے دس گناہ معاف ہوں گے اور دس درجے بلند ہوں گے۔ پھر میں نے برسم سابق مالک کو الف کے ساتھ پڑھنا شروع کر دیا۔ پھر مجھے نیند میں کسی کہنے والے نے کہا کہ تو نے ملک (الف کے سوا) کو کیوں ترک کر دیا؟ کیا تو نے حدیث شریف نہیں سنی کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: قرآن کو عظیم الشان کر کے اور بلیغ الفاظ سے پڑھو۔

پس میں نے امام قطرب (لغت کے ماہر) کی خدمت میں آ کر مالک اور ملک کا فرق پوچھا۔ انہوں نے

marfat.ocm

فرمایا ان کے مابین بہت بڑا فرق ہے۔ فرمایا: مالک وہ ہے جو دنیا میں کسی چیز کا مالک ہو اور ملک وہ ہے جو بادشاہوں کا بادشاہ ہو۔ تفسیر ارشاد میں ہے کہ اہل حرمین محترمین ملک کو الف کے بغیر پڑھتے ہیں اور ملک سے مشتق کرتے ہیں۔ جس کا معنی ہے سلطان قاہرہ، استیلائے جابر، غلبہ کامل، امور عامہ اور امر ونواہی میں تصرف کلی اور یوم کی طرف اضافت کی وجہ یہی یعنی ملک (الف کے بغیر) زیادہ مناسب ہے۔ دونوں کے لئے ترجیح ثابت ہے جو کتب تفاسیر میں مفصلاً مذکور ہے اگر مزید تحقیق مطلوب ہو تو تفاسیر کا مطالعہ کیجئے۔

ربط بین الاسماء الخمسہ:۔ اوصاف خمسہ کو بالترتیب ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے میرے بندے! میں نے تجھے پیدا کیا ہے اسی لیے عبادت کا مستحق میں ہوں۔ پھر میں نے تجھے نعمتوں سے پالا ہے اسی لیے میں تیرا رب ہوں پھر تو میرا نافرمان ہوا، میں نے تجھے بخش دیا، اسی لیے میں رحیم ہوں۔ پھر میں تیرے عمل فعلی وقولی پر تجھے جزو سزا دوں گا اسی لیے میں مالک یوم الدین ہوں۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ میں اشارہ ہے کہ دین سے مراد اسلام ہے، جیسے کہ اس کا فرمان اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہے) دلالت کرتا ہے۔

اسلام دو قسم کا ہے: ۱۔ اسلام ظاہری ۲۔ اسلام باطنی

اسلام ظاہری: زبان کے اقرار اور اعضاء کے اعمال کے نام ہے اسی کو اسلام جسدانی کہتے ہیں اور جسدانی ظلمانی ہے اسی لئے رات کو ظلمت سے تعبیر کرتے ہیں۔ یعنی یہ اسلام درجہ میں کم ہے اور دوسرا اسلام باطنی ہے۔ قلب اور صدر کا نور الٰہ سے منشرح ہونے کا نام اسلام باطنی ہے اور یہ اسلام روحانی نورانی ہے اسی لیے دن کو نور سے تعبیر کرتے ہیں (گویا اسلام دن کی طرح چمکتا دمکتا اور نہایت باطنی ہے) اور یہ اسلام جسدانی کا تقاضا ہے کہ جسم اوامر ونواہی کا پابند ہو جائے اور اسلام روحانی کا تقاضا ہے کہ قلب وروح احکام ازلی اور قضا وقدر کے لیے سر تسلیم خم ہو جائیں۔ پس ہر وہ شخص جو اسلام جسدانی تک پہنچا اور اس کو اسلام روحانی کا مرتبہ حاصل نہ ہوا تو وہ دین کی سیر میں متردد ومتحیر رہتا ہے اور اسے کئی ملوک وملاک دکھائی دیتے ہیں جیسا کہ سیدنا خلیل علی نبینا وعلیہ السلام کا واقعہ ہے کہ جب رات ہوئی اور آپ کو ستارہ نظر پڑا تو کہنے لگے: یہ میرا رب ہے اور جس کی سعادت کا

ستارہ چمک پڑنے اور اس کے جبل نفس کی طرف سے جب مشرق قلب سے شمس ایمان نورانی کا طلوع ہو جائے تو وہ رب کے نور تک پہنچا۔ پھر اس پر یوم الدین کے کشف واضح ہو جاتے ہیں۔ پس اس کے وقت کا ورد وَاَصْبَحْنَا اَصْبَحَ الْمُلْکُ (ہم اور اللہ تعالیٰ کا فرشتہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں) پر ہو جاتا ہے۔ پھر عین الیقین بلکہ حق الیقین سے اس بات کا اسے مکاشفہ ہو جاتا ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کا ملک حقیقی نہیں اور مالک یوم الدین کے سوا کوئی مالک حقیقی نہیں جب اسے نورانی تجلی نصیب ہوئی اور مالک کے آمنے سامنے ہو کر مخاطب ہوا تو بالمشافہ ایاک نعبد و ایاک نستعین کے مبارک الفاظ سے مناجات کرنے لگ جاتا ہے۔

شتات:۔ قانون ہے کہ شہنشاہ کی مخالفت جہان کی بربادی اور مخلوق کی تباہی کا باعث ہے۔ پس شاہوں کے شہنشاہ کی مخالفت کا کیا حال ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سورہ مریم میں خود فرماتا ہے: تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ (قریب ہے کہ آسمان اس سے پھٹ پڑیں)

۲۔ اطاعت بہت مصالح کا موجب ہے جیسا کہ سورہ طٰہٰ میں فرماتا ہے۔ نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى (ہم تمہیں رزق عطا فرماتے ہیں اور نیک انجام تقویٰ سے نصیب ہوتا ہے) رعیت پر لازم ہے کہ اپنے بادشاہ کی فرمانبردار رہے اور بادشاہ پر واجب ہے کہ شاہوں کے شاہ کی اطاعت میں سرگرم رہے تاکہ تمام عالم کے نظام کا نیک انجام ہو۔

۳۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ اس کا تمام ملک عدل و انصاف کے ساتھ ہے۔ **کما قال اللہ تعالیٰ:** وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا (ہم قیامت میں عدل و انصاف کا ترازو رکھیں گے۔ پس کسی پر ذرہ برابر بھی عذاب نہ ہوگا) پس بادشاہ مجازی اگر منصف مزاج ہو تو اس کی شاہی کے تمام انتظامات اچھے رہتے ہیں۔ چنانچہ جانوروں کے تھنوں میں دودھ بکثرت ہو جاتا ہے اور کھیت بکثرت سرسبز ہو جاتے ہیں۔ اگر بادشاہ ظالم ہو تو اس کی شاہی میں سراسر نقصان ہوتا ہے اور بھلائی دنیا سے اٹھ جاتی ہے۔

حکایت در موجب توبہ نوشیرواں:۔ نوشیرواں اپنے لشکر سے دور ہو کر ایک باغ میں پہنچا۔ وہاں ایک لڑکا بیٹھا تھا اس سے ایک انار مانگا۔ لڑکے نے انار پیش کیا۔ نوشیرواں نے انار کو توڑا تو اس میں بہت پانی تھا اور میٹھا بھی خوب تھا۔ اسے پینے سے اس کی پیاس بجھ گئی۔ متعجب ہوا اور دل میں ٹھان لی کہ وہ یہ باغ اس سے ضرور چھنے گا۔ دوسری بار لڑکے سے انار مانگا

تھوڑا پانی نکلا اور وہ بھی ترش۔ لڑکے سے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے عرض کیا: معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کا ارادہ ظلم کرنے کا ہو گیا ہے۔ نوشیرواں یہ بات سنتے ہی وہیں تائب ہوا۔ پھر انار طلب کیا۔ لڑکے نے پیش کیا۔ بادشاہ نے توڑا تو پہلے سے بھی زیادہ میٹھا پایا۔ لڑکے نے کہا اغلب امید ہے کہ بادشاہ نے اپنا ارادہ بدل لیا ہے اور توبہ کر لی ہے۔ نوشیرواں اس راز سے آشنا ہو گیا اور تہ دل سے توبہ کر کے آئندہ ظلم کرنے سے بالکل باز آ گیا، جس کی برکت سے تا ہنوز بادشاہ عادل کے نام سے مشہور ہے اور رہتی دنیا تک مشہور رہے گا یہاں تک کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فخراً یہ کلمات ارشاد فرمائے ہیں "میں بادشاہ عادل کے زمانے میں پیدا ہوا ہوں"

ازالہ:۔ تفسیر فناری نے سورۃ فاتحہ میں تحریر فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ نورانی میں ظہور فرمانے کی وجہ سے فخر فرمایا ہے جس کی دلیل نوشیرواں کے عدل وانصاف کے زمانے کو بنایا۔ کیونکہ وہ کافر کہ جس پر کفر کا غلبہ ہو اس کے اچھے حال یعنی عدل کے لفظ سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ مقاصد حسنہ میں فرماتے ہیں کہ حدیث مذکورہ کا کوئی اصل نہیں اور نہ ہی یہ درجہ صحت تک پہنچتی ہے اگر بفرض محال صحیح بھی ہو تو اس پر لفظ عادل کا اطلاق اس کے اسی اسم کے دعویٰ کی وجہ سے ہے نہ اس کو اس سے موصوف کرنا مطلوب ہے اور نہ اس کے عادل ہونے کی شہادت دینا مقصود ہے یا اس کو اس وصف سے موصوف کرنا محض ان کے معتقدین کے اعتقاد کی وجہ سے ہے جب لوگ کہتے ہیں کہ وہ عادل تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ (بتوں کے متعلق) فرماتا ہے۔ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمْ (پس انہیں ان کے خداؤں نے نہ بچایا) یہاں معبودانِ باطلہ کو الٰہ کہا گیا ہے ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو شخص غیر اللہ کے حکم کا پابند ہوا سے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اچھے لفظ سے تعبیر کریں۔

حدیث شریف:۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حاکم وقت کو قیامت میں حاضر کیا جائے گا، حکم ہو گا کہ اس کو پل صراط پر لے جاؤ، جب وہ پل صراط کے قریب جائے گا تو پل صراط اس کو دیکھ کر لرز جائے گا اور اس کا ہر ذرہ اپنی جگہ سے ہٹ جائے گا۔ پھر وہ حاکم اگر اللہ تعالیٰ کے فرمان کا پابند ہو کر آیا ہو گا تو پل صراط پر سے بآسانی گذر جائے گا اور اگر نافرمان ہو کر آیا ہو گا تو پل صراط پھٹ جائے گی جس کی وجہ سے وہ جہنم میں گر پڑے گا اور وہاں پچاس ہزار سال بسر کرے گا۔ **کذا فی تذکرۃ الموتی لام القرطبی**

شیخ سعدی فرماتے ہیں: ۔

مہا زور مندی مکن بر کہاں　　کہ بر یک نمط نماند جہاں
نماند ستم گار بد روزگار　　بماند برو لعنت پائیدار

ترجمہ: ۔ اے بڑے چھوٹے پر زیادتی مت کر، اس لیے کہ جہاں ایک طرز پر نہیں رہے گا۔ ظالم کا وقت بیت جائے گا لیکن اس پر ہمیشہ لعنت برستی رہے گی۔

اِیَّاکَ نَعۡبُدُ ربط: اس سے قبل حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے کلام کو ان چیزوں سے شروع فرمایا جو عارف کے حال وذکر وفکر اور اس کے اسماء میں تاویل کرنا اور اس کی نعمتوں میں نظر کرنا اور اس کے عظیم شان وتاثیر سلطان پر اس کے صنائع سے دلیل پکڑنے کے مساوی ہیں۔ اب عارف کے انتہائی امر کا ذکر فرماتا ہے اور اس کا انتہائی امر یہ ہے کہ اس کے کہنہ وصال میں غور وخوض کر کے اہل مشاہدہ سے ہو کر اس کو عین وعیاں دیکھے اس کے ساتھ آمنے سامنے مناجات کرے: اے اللہ تعالیٰ! ہمیں واصلین سے بنا، ہمیں ان لوگوں میں نہ رکھ جو سنی سنائی باتوں پر خوش رہتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ عابد پر واجب ہے کہ (عبادت سے) پہلے معبود اور اس کی ذات کو دیکھے پھر اس کی عبادت کی طرف رجوع کرے اس حیثیت سے نہیں کہ عبادت اس سے ظاہر ہو رہی ہے بلکہ اس حیثیت سے کہ اسے اللہ تعالیٰ سے نسبت وتعلق ہے۔ اس لئے کہ عارف وصال کو اس وقت حق سمجھتا ہے جب کہ جناب قدس کے مشاہدہ میں مستغرق ہو کر ماسوا سے غائب ہو جائے یہاں تک کہ اپنے آپ کو بھی ہرگز نہ دیکھے اور نہ کسی حال پر نگاہ رکھے۔ ہاں اس حیثیت سے ملاحظہ کرے کہ یہ اس کے ملاحظہ اور منتسب الیہ ہے۔ اسی لیے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول (جو حکایتاً قرآن نے نقل فرمایا جب کہ آپ نے غار ثور میں فرمایا: ۔ لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا خوف نہ کھائیے اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

یہاں حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی ذات کو ملحوظ رکھا کو سیدنا کلیم علی نبینا وعلیہ السلام کے قول پر فضیلت دی گئی ہے اس لئے کہ انہوں نے اپنا ذکر مقدم رکھا۔

تفسیر عالمانہ مفعول بہ کو مقدم کرنے میں اختصاص مقصود ہے۔ معنی یہ ہیں کہ تجھ کو عبادت کے لیے خاص

marfat.ocm

کرتے ہیں نہ کہ تیرے غیر کو۔ عبادۃ" نہایت درجہ کے خضوع وزاری کو کہتے ہیں (قانون) حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن میں ہر جگہ عبادت سے توحید اور تسبیح سے نماز اور قنوت سے طاعت مراد ہوگی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی کہ آپ پڑھیے اِیَّاکَ نَعْبُدُ اور اس سے مراد یہ ہو کہ تجھی سے تمنا اور امید رکھتے ہیں نہ کہ تیرے غیر سے۔

مسئلہ :۔ نَعْبُدُ اور نَسْتَعِیْنُ میں جو ضمیر مستتر ہے اس سے قاری اور اس کے ساتھ رہنے والے ملائکہ اور حاضرین نماز باجماعت مراد ہیں یا وہی اور تمام اہل توحید مراد ہیں۔

نکتہ :۔ اپنی عبادت میں اس توحید کو عبادت اور اپنی حاجت میں ان کی حاجت کو داخل کر رہا ہے تا کہ ان کے صدقے اور ان کی برکت سے اس کی عبادت قبول ہو جائے اور اس کی حاجت پوری ہو جائے۔

مسئلہ :۔ اسی نکتہ کی بنا پر نماز کو باجماعت پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

سیدی حضور شیخ الاکبر قدس سرہٗ اپنی کتاب "العظمۃ" میں فرماتے ہیں کہ جب۔ بندہ اپنے نفس کو نَفْعَلُ کے نون سے تعبیر کرتا ہے تو یہ نون عظمت کا نہیں ہوتا۔ اور جب اللہ تعالیٰ کو ضمیر مفرد سے بیان کرتا ہے تو یہ بندہ کے قلب پر سلطان پر توحید کے غلبہ اور تحقیق کی وجہ سے ہے کہ یہ اس کی کلیت میں ایسا سرایت کر چکا ہے کہ اس کے بولنے سے وہ لفظ ظاہر ہو رہا ہے جو کہ اس کے عقیدہ وعلم ومشاہدہ ومعائنہ میں ہے۔

مسئلہ :۔ نَعْبُدُ کا نون جمع کا ہے کیونکہ بندہ اگرچہ فراوانی اللطیفہ اور واحدانی فی الحقیقت ہے مگر دراصل بحیثیت اپنے لطیفہ اور ترکیب وشکل وقالب کے غیر وحدانی وفراوانی ہے۔

مسئلہ :۔ انسان کا کوئی جز ایسا نہیں کہ جس میں حق تعالیٰ کی حقیقت ربانیہ کا ظہور نہ ہو اور ان اجزاء کی لیاقت کے مطابق ان پر عبادت مقرر فرمائی اور یہ اجزاء اگرچہ مدبرہ ہیں مگر ان کے لئے مخصوص تکلیف (جو کہ ان کے ذاتی اعتبارات کے لئے مناسب ہے) مختص ہے اسی جمعیت کو دیکھ کر بندہ عرض کرتا ہے۔

وَلَکَ نُصَلِّیْ وَنَسْجُدُ وَاِلَیْکَ نَسْعٰی وَنَحْفِدُ وَنَرْجُوْا رَحْمَتَکَ وَاِیَّاکَ نَعْبُدُ

marfat.ocm

(ہم تیرے لئے نماز پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں اور تیری طرف رجوع رکھتے ہیں اور کوشاں رہتے ہیں اور تیری رحمت کے امیدوار اور صرف تیری عبادت کرتے ہیں)

ف: اسی طرح تمام خطابات جو قرآن مجید میں آئے ہیں ان کا یہی جواب ہے۔ علماء ظواہر سے کسی نے مجھ سے اس مسئلہ کا سوال کیا اور وہ مسئلہ میں بہت حیران تھا۔ میں نے اسے بہت سے جوابات دیے ان میں ایک جواب یہ بھی تھا۔ بِحَمْدِہٖ تعالی اس کی پوری تشفی ہوگئی۔

نکتہ : عبادت کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے اس لیے مخصوص ہے کہ عبادت نہایت درجہ کے خضوع کو کہتے ہیں اور اس جیسا خضوع اس ذات کے لیے شایان ہے جو نہایت درجہ کا منعم ہو اور وہ باری تعالی ایسا منعم ہے کہ اس نے ہمارے لیے نفع بخش چیزیں پیدا فرمائیں اور ہمیں حیات اعلی عطا فرمائی جس سے ہم نفع اٹھا رہے ہیں۔ کما قال اللہ تعالی: كُنْتُمْ اَمْوَاتًا تم مردہ تھے اور فرمایا: جو زمین میں ہے میں نے تمام تمہارے لیے پیدا کیا ہے۔

نکتہ : بندہ کے احوال تین زمانوں سے خالی نہیں:

۱۔ ماضی ۲۔ حال ۳۔ مستقبل

زمانہ ماضی میں اس کو عدم، موت، عجز، جہالت سے منتقل فرما کر حیات، قدرت، علم کا جامہ پہنایا اور زمانہ حال میں اس پر ابواب حاجات کھول دیے اور اسباب ضروریات لازم کردیے انہی وجوہ سے وہ اپنے بندہ کے لیے رب بھی ہے اور رحمٰن ورحیم بھی اور زمانہ استقبال میں مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہے کہ اپنے بندہ کو اعمال کی جزا دے گا معلوم ہوگیا کہ بندہ کے مصالح ان تین زمانوں سے خالی نہیں اور یہ امور سوائے اللہ تعالیٰ کی امداد کے پورے ہو بھی نہیں سکتے لہذا عبادت کا مستحق بھی وہی ہے۔

لغوی بحث: اس کا اشتقاق یا تو عبادت سے ہے یا عبودیت سے عبادت، عابدیت اور عبودیت، عبدیت کو کہتے ہیں اور صلوۃ بلا غفلت، صوم بلا غیبت، صدقہ بلا منت، حج بلا خصومت، صبر بلا شکایت، یقین بلا شبہت، شہود بلا غیب، ایصال بلا قطعیت عبادت کے اقسام ہیں۔

معتقدات وعبادت کے اقسام عبادت کے اقسام :۔ (جن کو حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب اربعین میں فرمائے ہیں) دس ہیں۔ جیسا کہ ان عبادات کے اقسام سے پہلے معتقدات دس ہیں۔

marfat.ocm

پس وہ ذات ازلی، ابدی جو کہ صفات جلال واکرام جیسی صفات سے موصوف ہے۔ وہی اول وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن ہے۔ یعنی اول ہے اپنے وجود میں اور آخر ہے اپنے صفات وافعال میں اور ظاہر ہے شہادت ومکونات کے ساتھ اور باطن ہے غیبت ومعلومات کی وجہ سے۔ ۲۔ وہ ان چیزوں سے مقدس ہے جو اس کے کمال کے لائق نہیں اور اس کے جمال کو عیب دار کرتی ہے نقائص ہوں یا رذائل۔ ۳۔ اس کی قدرت تمام ممکنات کو شامل ہے۔ ۴۔ اس کا علم تمام معلومات کو محیط ہے یہاں تک کہ چیونٹی کے سخت پتھر پر اندھیری رات میں چلنے کی آواز بلکہ اس سے زیادہ پوشیدہ باتیں جیسے کہ حرکات وسکنات کے علاوہ جتنی مخفی باتیں ہیں سب کو جانتا ہے۔ ۵۔ اس کا ارادہ تمام کائنات کو شامل ہے کوئی کام قلیل ہو یا کثیر، ملک میں ہو یا ملکوت میں اس کی قضا ومشیت کے سوا جاری ہو ہی نہیں سکتا۔ ۶۔ اشیاء کو اوقات معینہ میں پیدا کرنے میں ازل ہے اور نہ اس کی بصر سے تاریکی حائل ہے کانوں کے سوراخ کے بغیر سنتا ہے اور حدقہ واجفان کے بغیر دیکھتا ہے۔ ۷۔ اس کا کلام ازلی اور قائم بذاتہ ہے اس کے کلام کو آواز کی حاجت نہیں جیسا کہ مخلوق کا کلام آواز کا محتاج ہے اور قرآن مقرؤ ومکتوب (پڑھا ہوا اور لکھا ہوا) اور محفوظ ہے باوجود اس کے قدیم اور قائم بذاتہ ہے اور سیدنا موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام بغیر صورت وحرف کے سنا جیسا کہ اولیائے کرام رحمھم اللہ تعالیٰ مولا کریم کی ذات کو بغیر شکل ورنگ کے دیکھتے ہیں (یعنی خواب میں)۔ ۸۔ اس کے افعال خالص دل سے موصوف ہیں۔ کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کے فعل بے حادث اور اس کے عدل سے فائز نہ ہو۔ کیونکہ اس کے غیر کی طرف کوئی ملک منسوب نہیں۔ جب ہر شے اُس کی مِلک ہے فلہٰذا اس کے تصرف کو ظلم نہیں کہا جا سکتا بلکہ اس سے ظلم کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا (یعنی اس سے ظلم ممتنع ہے) اور نہ کوئی اس پر واجب ہے بلکہ اس کی ہر نعمت کو فضل اور اس کے ہر عذاب کو عدل کہا جائے گا ۹۔ یوم آخرت۔ ۱۰۔ نبوت کہ جس میں ملائکہ کا بھیجنا اور کتابوں کا نازل کرنا بھی اہل ہے اور وہ اس قسم کی عبادات یہ ہیں۔ ۱۔ نماز۔ ۲۔ زکوٰۃ۔ ۳۔ روزہ۔ ۴۔ حج۔ ۵۔ تلاوت قرآن۔ ۶۔ ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرنا۔ ۷۔ طلب حلال۔ ۸۔ مسلمانوں کے حقوق میں پابندی صحت کے حقوق۔ ۹۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر۔ ۱۰۔ اتباع سنت جو در اصل سعادت کی کنجی ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کی علامت ہے۔ کما قال تعالیٰ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ (اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو)

ف: ۔ مولانا جامی قدس سرہٗ فرماتے ہیں: ۔

یا نبی السلام علیک انما الفوز والفلاح لدیک
گر نہ رفتم طریق سنت تو ہستم از عاصیاں اُمت تو
ماندہ ام زیرِ بار عصیان پست رفتم از پائے گر نہ گیری دست

ترجمہ: ۔ اے نبی پاک! آپ پر سلام ہو۔ فلاح و بہبود آپ کے پاس ہے اگر میں آپ کی سنت پر عمل نہ کروں تو گنہگار ہو جاؤں۔ گناہوں کے بوجھ سے میں نہایت کمزور ہو گیا ہوں۔ اگر آپ دستگیری نہ فرمائیں تو میرا کوئی ٹھکانہ نہیں۔

مراتب عباد اللہ: ۔ متوجہین الی اللہ کے مراتب کے بیان میں آیا ہے کہ جب بندہ کوئی نیکی کا کام کرتا ہے تو اس سے اس کا ارادہ غیر حق کا ہو تو وہ ابھی تک حُر ہے بندہ نہیں اور اگر کسی خاص امر کا ارادہ نہیں کیا بلکہ اس ارادہ پر نیکی کرتا ہے کہ یہ اچھا امر ہے یا مامور بہ سمجھ کر اس لیے کر رہا ہے کہ اس کا اسے حکم دیا گیا ہے مگر مطلقاً نہیں بلکہ اس حیثیت سے کہ اپنے آمر کے ہاں حضوری کے حصول کی غرض پر تو وہ مرد ہے اگر اس سے زائد مرتبہ حاصل کیا یعنی امر کی ادائیگی کے وقت غیر حق کا ارادہ نہیں کرتا تو یہ کامل فی الرجولیت ہے۔ اگر مذکورہ بالا امور کے ساتھ ساتھ اپنے فعل میں حضور مع الحق ایسا رکھتا ہو کہ نفس کو بالکل ترک کر کے بعین حق، حق کا مشاہدہ کرتا ہو بایں حیثیت کہ مشہود کی اضافت اسی طرح فعل اور اس کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتا ہو نہ کہ اپنے نفس کی جانب، تو یہ عبد مخلص ہے اور اس کی عبادت خالص ہے اگر اس میں مذکورہ بالا امور کا غلبہ بھی اور ماقبل کے احکام بھی اس میں پائے جاتے ہوں تو یہ مقام فبی یسمع کا ہے (مگر وہ نہ تو ان مذکورہ اشیاء کی کسی شے سے مقید ہے نہ ان کے مجموعہ سے) جس میں ہر مرتبہ و نسبت میں سریان حکم مشہود واحدی کی شمولیت بھی ہے نہ یہ کہ کسی متعین امر میں ثابت ہے۔ بلکہ اپنی فراخی اور اپنے علم صحیح سے (جس سے وہ موصوف ہوا) اور جس سے وہ ہر وقت و ہر حال میں جدا ہوا ہے (نہ غفلت و حجاب سے) ہر وصف و حکم کو قبول کرنے کی وجہ سے ثابت ہے تو یہ کامل فی العبودیت والخلافۃ و الاحاطۃ والاطلاق ہے۔

(کذا فی تفسیر الفاتحہ للصدر القونوی قدس سرہٗ)

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں (اِيَّاكَ نَعْبُدُ کی تفسیر میں) مرقوم ہے کہ بندہ کے غیبت سے خطاب کی طرف رجوع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مالک و مملوک کے مابین سوائے مملوک کے نفس

marfat.ocm

کے ملک کے کوئی حجاب نہیں جب اس نے نفس کے ملک کے حجاب کو طے کرلیا تو مالک کے مشاہدہ کے ملک تک پہنچ گیا۔ جیسا کہ حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بعض مشاہدات میں اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ ''یا الٰہی! تجھ تک پہنچنے کی کون سی راہ ہے؟'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اپنے نفس کو ترک کر کے میرے پاس چلا آ''۔

نفس کے اوصاف چار ہیں:۔

۱۔ امّارہ ۲۔ لوّامہ ۳۔ ملہمہ ۴۔ مطمئنہ

پس عبد مملوک کو بھی چاہیے کہ اپنے مالک کو چار صفتوں سے یاد کرے۔

۱۔ الوہیت ۲۔ ربوبیت ۳۔ رحمانیت ۴۔ رحیمیت

پھر بعد از مدح الٰہیت و شکر ربوبیت و ثنائے رحمانیت و تمجید رحیمیت نفس کے ملک کے صفاتِ اربعہ کے حجابات کو ان چار اوصاف مبارکہ کی قوت جاذبہ کے طفیل عبور کرتا ہے۔ پھر اپنے نفس کی خرابی کی شبِ ظلمات سے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کی صبح صادق کے طلوع سے نجات پاتا ہے۔ ان منازل کو طے کرنے کے بعد عبد مملوک کسی شے پر قادر نہیں ہوتا بلکہ جماد کی مانند عاجز ہو کر رہ جاتا ہے تو پھر اس پر اس کا مالک رحم فرماتا ہے اور اس کو اپنی لسانِ کرم سے اپنا وعدہ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ یاد دلاتا ہے اور اسے اپنے پاس بلاتا ہے اور مخاطب ہو کر فرماتا ہے يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ پھر ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ کے پاک جذبہ سے غیبتِ نفس سے نکال کر شہودِ مالکیت میں کھینچ لیتا ہے جس سے عبد مملوک مشاہدہ جمال مالک حقیقی سے مالا مال ہو کر بندہ عاجز ذلیل، خاشع و خاضع کی طرح سامنے کھڑے ہو کر پکار اٹھتا ہے جیسا کہ بعض قرأت میں اِيَّاكَ نَعْبُدُ کی نداء کی وجہ سے مٰلِكَ يَوْمِ الدِّيْنِ کو منصوب پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔

ف:۔ نفس دینوی ہے اور عبادت بھی اپنی خواہشات دینوی کی کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ اور قلب اُخروی ہے اسی لیے عبادت بھی جنت کی کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۙ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (نفس کو خواہش سے روکا تو جنت اس کا ٹھکانہ) اور رُوح قربی ہے اس لیے عبادت بھی قربت و عندیت کی کرتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ (مالک قادر کے نزدیک ان کا قیام صدق مقعد میں ہے) اور سر حضرتی ہے عبادت بھی حق

تبارک وتعالیٰ کی کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس میں فرمایا ہے: **سِر" بینی وبین عبدی لا یسمعہ فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل**

پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنے عبد کو نعمتِ نماز جیسا انعام بخشا تو اس کو اپنے اور بندہ پر دو حصص پر منقسم فرمایا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس پر فرمایا:

قسمت الصلوٰۃ بینی وبین عبدی نصفین فنصفها لی ونصفها لعبدی ولعبدی ماسال

پس بندہ اس نصف سے اللہ تعالیٰ کے جلال و جمال پر حمد و ثناء و شکر ادا کرتا ہوا بارگاہِ لایزال کا قرب حاصل کر لیتا ہے اور پھر وہ مالک قدیم بھی محض اپنے کرم و انعام سے بندہ کے قریب ہوتا ہے۔ جیسا کہ خود فرماتا ہے:

من تقرب الی تقربت الیہ ذراعا (جو میرے قریب ہوا میں اس کے بالشت بھر قریب ہوا)

یہ سب اس کے اس نصف کی بدولت ہے جو اس کی بندگی عبودیت غیر سے نجات ہو رہی ہے۔ پھر اس کو خواہشات نفس بد کے ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ سے نکالا جاتا ہے اور قلب کی مراد اور روح کے تعلق کو غیر اللہ سے علیحدہ کر کے نورِ وحدانیت اور شہود و فردانیت کے ساتھ معلق کیا جاتا ہے، جس سے اس کے نفس کی زمین اور روح کا عرش اور راز کی کرسی رب کے نور سے چمکنے لگ جاتے ہیں اور ایسے بندگان اپنے معبودِ حق (جو ان کا خالق بھی ہے اور مالک و ملک بھی) کے ساتھ ایمان لاتے ہیں اور ان معبودانِ باطلہ (کہ جن کی پرستش میں شب و روز معروف تھے) سے روگرداں ہو کر بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى کو تمام کر ایک عبادت میں مشغول ہو کر کہتے ہیں اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ

تفسیر عالمانہ

وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ **سوال**:۔ اِيَّاكَ کو دوبارہ کیوں لایا گیا؟

جواب:۔ تاکہ اس بات پر نص ہو جائے کہ جیسے عبادت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اسی طرح استعانت (بالاستقلال) بھی اس کے ساتھ مخصوص ہے۔ اَلْاِسْتِعَانَةُ بمعنی طلب عون (مدد طلب کرنا)

قانون:۔ یہ باب با کے ساتھ اور بغیر با کے بنفسہٖ متعدی ہوتا ہے اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے معنی یہ ہیں کہ ہم تیری عبادت کرنے پر یا ان چیزوں پر کہ جن کی ہمیں طاقت نہیں ہے یا شیطان (جو کہ تیری عبادت کے مانع ہے) کی جنگ پر یا ان امور پر جو ہمیں دین و دنیا میں فائدہ پہنچائیں تجھ سے امداد طلب کرتے ہیں اور ان اقوال کے لئے جامع معنیٰ یہ ہے کہ اے اللہ! ہم تجھ سے امداد مانگتے ہیں کہ ہمیں ادائے حق اور اقامت فرائض اور تحمل تکالیف

marfat.ocm

اور طلب مصالح کی توفیق بخش۔

سوال :۔ عبادت کو استعانت پر مقدم کیوں لائے؟

جواب :۔ ۱۔ تاکہ آیات کے رؤس موافق رہیں۔

۲۔ اس لئے کہ معلوم ہو جائے کہ طلب کے لئے تقدیم وسیلہ سے اجابت جلد تر ممکن ہوتی ہے۔

ف :۔ جب اِيَّاكَ نَعْبُدُ کہا گیا تو اس سے تکبر و تعجب پیدا ہو گیا۔ پھر اس کے ازالہ کے لئے اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ بولا گیا تاکہ تکبر و تعجب بالکل مٹ جائیں۔

نکتہ :۔ اس آیت میں افتخار و افتقار کو یکجا جمع کیا گیا ہے۔ فخر تو اس طرح کہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ پڑھنے سے بندہ کو خیال گزرے گا کہ میں عبد بھی ہوں عابد بھی اور افتقار یوں کہ اقرار کرنا پڑا کہ یہ عبادت مجھے اللہ تعالیٰ کی امداد توفیق سے نصیب ہوئی۔

مسئلہ :۔ اس آیت سے اہل سنت کے مذہب کی تائید ہوگئی کہ فعل کا کسب بندہ سے ہے اور اس کی توفیق اللہ جل جلالہٗ سے ہے جیسا کہ کسب بندہ سے اور فعل کا پیدا کرنا اللہ تعالیٰ سے ہے اور اِيَّاكَ نَعْبُدُ سے جبریہ کا رد بھی ہے جو کہ بندہ سے کسی فعل کے صدور کے قائل نہیں ہیں اور اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں معتزلہ کا رد بھی ہے کہ وہ توفیق و خلق من اللہ کے قائل نہیں ہیں۔ پس حق عبادت و استعانت کا یہ ہے کہ سوائے اس مالِک لم یزل کی بارگاہ کے کسی کے آگے نہ سر جھکائے نہ کسی کو مستقل مستعان سمجھے۔

حکایت :۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ مغرب کی نماز پڑھ رہے تھے جب آپ نے اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ پڑھا تو بے ہوش ہو کر گر پڑے جب ہوش میں آئے تو سبب پوچھا گیا، آپ نے فرمایا کہ جب میں نے اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ پڑھا تو مجھے ڈر ہوا کہ میں اس وقت کیا جواب دوں گا جب مجھے کہا جائے گا کہ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ پڑھتا تھا تو پھر اطباء و سلاطین کے دروازہ کو کیوں کھٹکھٹایا تھا!

حکایت و فائدہ :۔ استعانت کو مخصوص باللہ کرنے میں حضرت سیدنا خلیل علیٰ نبینا و علیہ السلام کی اقتداء ہے جبکہ وہ نمرود لعین کی قید میں تھے تو اس وقت ان کی خدمت میں سیدنا جبریل علیہ السلام حاضر ہو کر کہنے لگے

کیا تجھے کوئی حاجت ہے؟ آپ نے فرمایا **حسبی من سؤالی علمه بحالی** [1] یہاں عبد عرض کرتا ہے الٰہی! میں اس وقت تیرے خلیل علیہ السلام سے عاجزی میں کچھ کم نہیں ہوں کہ تیرے خلیل علیہ السلام کے صرف دونوں ہاتھوں و پاؤں کو باندھا گیا اور میں سب کا سب باندھا ہوا ہوں کہ نہ پاؤں سے چلتا ہوں اور نہ ہاتھوں سے حرکت کرتا ہوں اور نہ آنکھوں سے دیکھتا ہوں اور نہ کانوں سے سنتا ہوں اور نہ زبان سے بولتا ہوں باوجود اس کے نارِ جہنم کے کنارے پر ہوں۔ پس جیسا حضرت خلیل علیہ السلام سے تجھ پر کچھ کم نہیں عطا فرماتا چنانچہ ان کے لئے فرمایا تھا **قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ** [2] اور تجھ کو تو نارِ جہنم سے نجات دے کر بہشت کے باغات بخشے۔ بلکہ کلام قدیم کے سننے کی تجھے توفیق بخشی اور نارِ جہنم کو تیرے لیے مامور فرمایا کہ جب اس کے قریب تیرا گذر ہوگا تو تجھے عرض کرے گی: اے مردِ مؤمن! مجھ سے جلد گذر جا کیونکہ تیرے نور نے میرے شعلوں کو سرد فرمادیا۔ سیدی مولانا جلال الدین رومی قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

آتش عشق ازیں روائے صفی　　　می شود دوزخ ضعیف و منطفی
گویدش بگور سبک اے محتشم　　　ورنہ ز آتشہائے تو مردآتشم

ترجمہ: ایسے نیک بخت سے دوزخ بھی کمزور ہو کر بجھ جائے گی اور عرض کرے گی یا حضرت! جلد گذر فرمائیے ورنہ آپ کے عشق کے شعلوں سے میری گرمی مٹ جائے گی۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ تعلق:۔ ۱۔ امداد مطلوبہ کا بیان ہے گویا کہا گیا ہے (اے میرے بندے) میں تمہاری مدد کیسے کروں؟ تو بندوں نے عرض کی: **اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ** ۲۔ نیز عبادت کے بعد دعا مانگنا قاعدہ شرعیہ (بھی) ہے۔

ف:۔ ۳۔ تفسیر تیسیر میں ہے کہ **اِيَّاكَ نَعْبُدُ** میں توحید کا اظہار ہے اور **اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ** میں توحید کی امداد طلب کرنا ہے اور **اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ** میں دین پر ثابت رہنے کی استدعا تحقیقِ عبادت اور اس پر ثابت رہنے کا نام ہے۔ کیونکہ ہدایت پر ثابت قدم رہنا جمیع حاجات کا خلاصہ ہے اسی لیے اس کو تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم الرضوان نے طلب فرمایا ہے۔ **کما قال یوسف علیٰ نبینا وعلیہ**

---

[1] سوالی کی ضرورت نہیں وہ میرے حال کو خوب جانتا ہے۔ [2] اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔

marfat.ocm

السلام :۔ تَوَفَّنِىْ مُسْلِمًا اے اللہ مجھے مسلمان فوت کرنا۔ اور فرعون کے جادوگروں نے (بعد از اسلام) کہا تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ اور صحابہ کرام نے عرض کیا: تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ اے اللہ ہمیں ابرار کے ساتھ فوت کرنا۔

یہ استدعا اس لیے ہے کہ ظاہر حال پر اعتماد نہ کیا جائے کیونکہ انجام کبھی تبدیل ہو جاتا ہے جیسے ابلیس و برصیصا وبلعم بن باعوراً کا حال ہوا۔ سیدی مولانا جلال الدین رومی قدس سرہٗ فرماتے ہیں ؎

صدھزاراں ابلیس وبلعم در جہاں ہم چنیں بودست پیدا و نہاں
ایں ھر دو را مشہور گردانید اللہ تا کہ باشند ایں دو بر باقی گواہ
ایں دو دزد آویخت بر دار بلند ورنہ اندر قہر بس دزداں بدند

ترجمہ :۔ بیشمار ابلیس اور بلعم ایسے ہی پوشیدہ اور چھپے ہوئے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے صرف ان دو کو مشہور فرمایا تا کہ ان دو کو دوسروں کی علامت بنائی جائے صرف ان دو کو سولی پر لٹکایا ورنہ ان جیسے ہزاروں چور اور بھی ہیں

تفسیر صوفیانہ

قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر میں ہے کہ جب اس کلمہ کو عارف واصل باللہ کہتا ہے تو اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اے الٰہ! ہمیں اپنی سیر کے طریق پر چلا تا کہ ہم سے ہمارے احوال کے ظلمات مٹ جائیں اور ہمارے ابدان کے پردے ہم سے ہٹ جائیں پھر ہم تیرے مقدس نور سے نورانی ہو کر تجلی کو دیکھیں۔

مسئلہ :۔ مولانا فناری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیر فی اللہ غیر متناہی ہے جیسا کہ قطب المحققین فرماتے ہیں کہ معلومات و مقدورات الٰہیہ کی کوئی انتہا نہیں، پس جہاں تک معلوم و مقدور ہے نہ بندہ کا شوق سکون پاتا ہے اور نہ وہ زائل ہوتا ہے۔

قانون :۔ فعل ہدایت کو لام اور الی سے متعدی کر کے اس کے ساتھ اختیار (جو کہ قرآن پاک میں وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ واقع ہوا ہے) جیسا معاملہ کیا جاتا ہے (یعنی مفعول ثانی کی طرف بلا واسطہ متعدی ہوتا ہے)

قانون :۔ صراط مستقیم ملت اسلام اور دین حق سے استعارہ ہے۔ وسیلہ مقصود کو وسیلہ مقصد سے، محل روحانی کو محل جسمانی سے تشبیہ دینا ہے۔

سوال :۔ دین کو صراط کیوں کہتے ہیں؟

marfat.ocm

جواب :۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اگرچہ مکانات سے ارفع واعلیٰ ہے مگر چونکہ بندہ کو قطع مسافات ومس آفات اور تکالیف کا نشانہ بننا لازم ہوگا تا کہ وصال وموافات سے نواز اجائے (اور یہ چیزیں دین کے ذریعہ حاصل ہوتی ہیں بنا بریں اس کا نام صراط ہوا) باوجود ہدایت یافتہ ہونے کے پھر ہدایت کی طلب کرنے میں کئی نکتے ہیں:

نکات :۔ ۱۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے بعد اس راہِ راست کی معرفت ضروری ہے جو اعمال شہوانیہ وغضبانیہ اور انفاقِ مال کے مابین افراط وتفریط سے پاجک ہو اور مطلوب بھی یہی ہے کہ راہِ راست کی ہدایت نصیب ہو۔

۲۔ اگرچہ بندہ کو اللہ تعالیٰ کی معرفت دلیل سے ثابت ہوگی مگر وہاں دلائل بھی ہوں گے۔ تو پھر اِهْدِنَا کے معنیٰ یہ ہوئے کہ اے اللہ! ہمیں وہ عرفان نصیب فرما جس کی وجہ سے ہر شے میں عین تیری ذات وصفات اور افعال کی معرفت کے دلائل کے جلوے نظر آئیں۔

۳۔ اِهْدِنَا کا معنیٰ بموجب **قولہ تعالیٰ** وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا ماسوا اللہ سے اعراض کی طلب ہے اگرچہ اس کا اپنا نفس کیوں نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف بالکلیہ متوجہ ہونے کی طلب میں اگرچہ بحکمِ ایزدی اپنے پیارے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم ہو جیسے سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کے ذبح کا حکم یا خود ذبح کے لئے تیار ہو جانا پڑے جیسا کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ذبح ہونے کے لئے تیار ہو گئے یا اپنے آپ کو دریا میں پھینکنا پڑے جیسا کہ حضرت یونس علیہ السلام نے کیا باوجود اعلیٰ درجات پر فائز ہونے کے تکالیف کا نشانہ بننا پڑے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں قتل یا ٹکڑے ٹکڑے ہونا پڑے تو صبر سے کام لے جیسا کہ حضرت یحیٰ وحضرت زکریا علیہما السلام نے کیا۔

ف :۔ یہ مقام بڑا خطرناک ہے۔ اس صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ میں آسانی ہے بہ نسبت اس کے کہ اگر فرماتے صراط الذین قتلوا وضروبوا، اور اس میں بحیثیت انعام کے انبیاء واولیاء علیہم السلام کے مقام کی طرف ترغیب ہے۔

استقامت کے فضائل :۔ استقامت اور پھر اس پر ثابت قدم رہنا بڑی مشکل بات ہے۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے سورہ ہُود اور اس کی ہم شکل سورتوں نے بوڑھا کیا۔ کیونکہ اس میں فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ کا حکم ہے۔ وجہ یہ ہے کہ انسان اپنے قوائے ظاہریہ وباطنیہ سے تین چیزوں پر مشتمل ہے:۔

۱۔صفات ۲۔اخلاق طبعیہ ۳۔روحانیہ

ان تینوں کے لئے افراط وتفریط کی دو دو طرفیں ہیں تو ان میں سے طرف وسط کی پہچان اور اس پر ثابت قدم رہنا ضروری ہوا۔ چنانچہ اسی پر بہت سی آیات ونصوص دلالت کرتی ہیں۔

۱۔ قال تعالی وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً الخ اس میں بخل واسراف میں اعتدال کی ترغیب ہے۔ ۲۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس صحابی کو جس نے گوشہ نشینی اور صیام الدہر وقیامت اللیل کی درخواست پیش کی۔ زجر وتوبیخ کے بعد فرمایا: تجھ پر تیرے نفس کا حق ہے اور تیری زوجہ کا تجھ پر حق ہے اور تیرے ملاقاتیوں کا تجھ پر حق ہے۔ پس روزہ رکھو اور افطار بھی کرو۔ رات کو قیام بھی کرو اور نیند بھی۔ اسی طرح اپنے جمیع امور میں فرمایا:

۳۔ قال تعالیٰ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا (اپنی نماز میں نہ آواز بلند کرو اور نہ پست)

۴۔ وقال تعالی لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا (اور نہ ہی وہ حد سے بڑھے اور نہ ہی تنگی، اور وہ اس کے درمیان میانہ رو ہیں)

۵۔ وقال تعالی مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى (نہ ہی آنکھ ٹیڑھی ہوئی اور نہ بہکی)

۶۔ ایک روز حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اونچی آواز سے قرآن پڑھتے سنا تو آپ نے سبب پوچھا۔ عرض کی: حضور! سوتوں کا جگاتا ہوں اور شیطان کو ہٹاتا ہوں آپ نے انہیں فرمایا: آواز ذرا نیچی رکھو پھر جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لائے تو ان کو آہستہ قرأت کرتے پایا۔ ان سے سبب پوچھا عرض کی: حضور! جس ذات سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہے اس کو تو سنا رہا ہوں آپ نے فرمایا اس سے ذرا اونچی آواز سے پڑھا کرو۔ اسی طرح تمام عادات واخلاق میں میانہ روی چاہیے۔ (مثلاً شجاعت ایک بہتر وصف ہے جو دلیری اور بزدلی کا درمیانہ امر ہے) اسی طرح بلاغت بھی اعلیٰ وصف ہے جو ایجاز ناقص اور اطناب زاید کے مابین ہے۔

ف: ہماری شریعت بھی میزانِ اعتدال کی دلیل ہے ہر ترغیب وترہیب میں اور ہر حکم ووصف وخلق میں یہاں تک کہ صفتِ مذمومہ کے حدود بھی بیان فرمائے۔ مثلاً جس وقت صفتِ مذمومہ کو اس حدِ شرعی کے مطابق استعمال کیا جائے تو وہ صفت مذموم محمود ہو جاتی ہے جیسے کسی کو برائی سے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے روکنا یا کسی کے ساتھ اللہ

تعالیٰ کی رضا کے لئے بغض رکھنا (اگر چہ یہ فعل مذموم ہے مگر جب رضائے الٰہی مدنظر ہو تو یہ صفتِ مذموم محمود ہو جائے گی)

مستقیم کے اقسام:۔ مستقیم کئی قسم پر ہے:

۱۔ مستقیم بفعله وقوله وقلبه

۲۔مستقیم بفعله وقلبه دون قوله

(یعنی کسی کو اپنی استقامت کا پتہ نہ دے۔ ان دونوں کے لئے کامیابی ہے مگر پہلے کا درجہ اعلیٰ ہے)

۳۔مستقیم بفعله وقوله دون قلبه (اس کے لئے بھی غیر سے نفع کی امید ہے)

۴۔مستقیم بقوله وقلبه دون فعله

۵۔مستقیم بقوله دون فعله وقلبه

۶۔مستقیم بقلبه دون قوله وفعله

۷۔مستقیم بفعله دون قوله وقلبه

ان چاروں (اواخر کے) عامل کو سراسر نقصان ہے ان کو نفع کی امید بھی نہیں چاہیے۔ اگر چہ مراتب میں یہ چاروں ایک دوسرے سے ادنیٰ و اعلیٰ ہیں۔

ف:۔ استقامت بالقول سے یہ مراد نہیں کہ غیبت و چغلی یا ان جیسے اور قبیح افعال کا ترک ہو۔ ان کو تو استقامت بالفعل بھی شامل ہے بلکہ استقامت بالفعل سے یہ مراد ہے کہ کسی کو راہِ راست کی رہنمائی کی جائے۔

ف:۔ جس کی طرف راہ دکھائی جاتی ہے اس بات سے یہ استقامت خالی بھی ہوتی ہے۔ استقامت بالفعل والقول والقلب کے اجتماع کی مثال یہ ہے کہ مثلاً ایک مرد مسائل فقہ سے واقف ہے اور پوری تحقیق سے اس کے مسائل کا عالم بن کر کسی کو یہ مسائل سکھا دے اس معنی پر یہ شخص مستقیم بالقول ہے اور جب نماز کا وقت آ گیا تو بہ مطابق مسائل ظاہری ارکان کے موافق نماز ادا کی تو اس بنا پر یہ شخص مستقیم بالفعل ہے۔ پھر اسے علم ہوا کہ نماز میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ سے اللہ تعالیٰ کی مراد حضورِ قلب ہے تو نماز میں حضورِ قلب بھی کیا تو اس اعتبار سے یہ شخص مستقیم بالقلب ہے۔ علیٰ هٰذا القیاس باقی اقسام۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہدایت تینگھ قسم پر ہے۔

ہدایت عامہ: یعنی عام حیوانات کو حصول منافع اور ترک نقصانات کی ہدایت کرنا۔ والیہ اشارہ قولہ تعالیٰ: الَّذِیْٓ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی اللہ نے ہر شئے کو صورت عطا کر کے ہدایت دی اور فرمایا وَهَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ ہم نے دو راستے بتائے۔

ہدایت خاصہ: یعنی مومنوں کو جنت کی راہ دکھلانا۔ والیہ اشارہ قولہ تعالیٰ: یَهْدِیْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِیْمَانِهِمْ اللہ انہیں ان کے ایمان کی ہدایت دیتا ہے۔

ہدایت اخص: درحقیقت ہدایت اسی کا نام ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس کی ذات کی رہبری کرنا۔ چنانچہ یہ آیات اس معنیٰ کی طرف اشارہ فرماتی ہیں۔

۱۔ قُلْ اِنَّ هُدَی اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰی فرمایا بیشک ہدایت صرف اللہ ہی کی ہے۔

۲۔ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں وہی مجھے ہدایت دے گا۔

۳۔ اَللّٰهُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْٓ اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ ۴۔ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی

یعنی آپ اپنے صحرائے وجود میں محوِ خیال تھے تو ہم نے آپ کو اپنے وجود سے طلب فرمایا اور آپ کو اپنے فضل ولطف میں پایا اور اپنے جذبات عنایت و نورِ ہدایت سے آپ کو اپنی طرف ہدایت دیتا ہوں۔ اب جو آپ کی تابعداری کریں گے اور آپ کی رضا کے طالب ہوں گے تو ان کو بشری وجود کی تاریکیوں سے نکال کر وجودِ روحانی کے نور تک پہنچادوں گا اور ان کو راہِ راست کی ہدایت بھی دوں گا۔ کما قال تعالیٰ:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِیْنٌ

صراط مستقیم: وہ دین قویم ہے کہ جس کی شہادت قرآن پاک میں درج ہے یعنی سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خلق مبارک۔ کما قال تعالیٰ: وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ بیشک آپ عظیم خلق والے ہیں

ف: صراط مستقیم سے مراد بہشت کی راہ ہے جو کہ اصحاب یمین کے لئے ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

وَاللّٰهُ یَدْعُوْٓا اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ اور اللہ دار السلام کی دعوت دیتا ہے۔

ف: صراط مستقیم سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف کا سلوک جو کہ سابقین مقربین کے لئے ہے کما قال تعالیٰ: اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ صِرَاطِ اللّٰهِ

marfat.ocm

ف:۔ ہر وہ راہ جو اصحاب یمین کو نصیب ہو وہ سابقین مقربین کو بھی حاصل ہے کیونکہ اصحابِ یمین کو جو شہود وجمال اور کشف وجلال حاصل ہوئے۔ سابقین مقربین حضرات کو ان سے پہلے نصیب ہوئے اور یہ سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ذات پاک کا خاصہ ہے یا ان کے صدقے ان کے تابعداروں کو بھی ہوا کما قال اللہ تعالیٰ: قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں ۔

اگر جز بحق میرود جادہ ات
بر آتش نشانند سجادہ ات

ترجمہ:۔ تیرا ٹھکانہ جہنم ہے اگر تیرا طریقہ صحیح نہ ہو۔

تفسیر عالمانہ

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یہ جملہ اول جملہ سے بدل الکل ہے اور انعام بمعنی ایصال نعمت ہے اور یہ دراصل اس حالت کا نام ہے جس سے انسان لذت پائے پھر اس کا اس لذت پر اطلاق کیا گیا جو دین سے حاصل ہوتی ہو۔

ف:۔ ابو العباس ابن عطا فرماتے ہیں کہ منعم علیہم (جن حضرات پر انعام کیا گیا) کے کئی طبقات ہیں:

۱:۔ عارفین، ان پر اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کا انعام کیا۔

۲:۔ اولیاء، ان پر صدق ورضا اور یقین وصفوۃ کا انعام ہوا۔

۳:۔ ابرار، ان پر علم ورافت کا لطف ہوا۔

۴:۔ مریدین، ان کو حلاوت طاعت کا لطف ہوا۔

۵:۔ مؤمنین، ان پر استقامت کا فضل ہوا۔

بعض کہتے ہیں کہ منعم علیہم انبیاء وصدیقین وشہداء وصالحین ہیں۔ کما قال تعالیٰ:

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ

ف:۔ یہاں **صِرَاطَ** کی اضافت بندوں کی طرف ہے اور **وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا** میں اللہ تعالیٰ نے صراط کو اپنی طرف مضاف کیا، جیسا کہ دین وہدایت کو بھی اپنی طرف مضاف کیا۔ کما قال تعالیٰ: **اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ** اور **اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى** اور کبھی بندوں کی طرف بھی کما قال تعالیٰ: **اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ**

اور فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ہدایت و دین و صراط کو کبھی اپنی طرف اور کبھی بندوں کی طرف مضاف کرنے کے چند نکتے ہیں:

نکات:۔ ا۔ یہ اشیاء اس نے مشروع فرمائیں صرف ہمارے نفع کے لئے۔ کما قال تعالیٰ: شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ تمہارے لئے دین شروع فرمایا۔

۲۔ ان میں اس کی رضامندی و اختیار ہے اور ہمارا کام ہے ان پر چلنا اور فرماں برداری۔

۳۔ جب اپنی طرف انہیں مضاف کیا تو بندہ کی رعونت کا قلع قمع کیا (کہ سب اشیاء اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں) پھر بندہ کی طرف مضاف کیا تا کہ اسے تسلی ہو۔

۴۔ بندہ کی طرف مضاف کرنے میں اس کی عزت افزائی کی اور اپنی طرف مضاف کیا تا کہ شیطان کو دخل اندازی کا طمع نہ ہو۔ جیسا کہ منقول ہے کہ جب آیت وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ نازل ہوئی تو شیطان نے کہا کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت چھیننے پر قادر نہیں ہوں لیکن مؤمنین کی عزت ضرور چھین لوں گا تو اللہ تعالیٰ نے فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا فرما کر اسے طمع سے مایوس فرما دیا۔

(کذا فی التیسیر)

ف: صراط کے تکرار میں اس طرف اشارہ ہے کہ صراط دراصل دو ہیں:۔

ا۔ عبد سے رب کی طرف۔ ۲۔ رب سے عبد کی طرف۔

وہ راستہ جو عبد سے رب کی طرف ہے وہ خطرناک ہے کہ بہت سے قافلے اس میں لٹ گئے اور بہت رہ گیر اس میں رہ گئے اور منادیٔ عزت اہل عزت کو ندا دیتا ہے کہ اس راہ کی طلب مردود اور راہ مسدود ہے کیونکہ اس راہ پر جانے والے پر ڈاکہ زنی ہوتی ہے۔ چنانچہ شیطان ملعون کا قول قرآن پاک میں ہے لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ لیکن وہ راہ جو رب سے عبد کی طرف ہے پر امن ہے اس راہ پر چلنے والے بسلامت جاتے ہیں اور ان کی منزلیں نعمتوں سے پُر ہیں۔ اس راہ پر چلنے والوں کو آسانی میسر ہوتی ہے۔ ان کے قائدین انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین ہیں۔ یہ وہ قائدین ہیں جن کے قلوب اللہ تعالیٰ کے انوار سے پر اسرار ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فیوضات و تجلیات کی بارش کے مورد ہیں اور شیطان کے مکر و فریب اور عیاریوں سے انہیں معصوم و محفوظ و مامون فرما لیا گیا ہے۔

ف: نعمتیں ظاہری ہیں یا باطنی۔ جیسے انبیاء علیہم السلام کو مع کتابوں کے بھیجنا اور ان کی دعوت کو قبول کرنے کی توفیق بخشنا اور اتباع سنت واجتناب بدعت اور پھر نفس کو اوامر ونواہی کا پابند کر دینا اور صدق پر ثابت قدمی عنایت فرمانا اور عبودیت کا لزوم عطا فرمانا وغیرہ۔

تفسیر صوفیانہ ارواح پر ابتدائے فطرت میں اپنے نور کے قطرات برسائے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو ظلمت میں پیدا فرما کر پھر ان پر اپنے نور کے قطرات برسائے۔ جس شخص پر اس نور سے کچھ پہنچا وہ ہدایت یافتہ ہو گیا اور جو اس سے محروم رہا وہ گمراہ ہو گیا۔ گویا صراط اللہ کی راہ کھلنا اس نور سے ہے اور پہلی بارش وہی قطرات ہیں جس کی وجہ سے مؤمنین برسانے والے کے مشاہدات سے بہرہ یاب ہوتے ہیں اور ہمیشہ اور ہمیشہ اس ابرِ رحمت کے منتظر ہو کر بارگاہِ لم یزل میں عرض کرتے ہیں: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ یعنی ہمیں ان لوگوں کی راہ پر چلا کہ جن پر تو نے اپنے الطاف خاص کے دروازے کھولے، جس کی بدولت تیری امداد سے تجھی کو پایا اور انہوں نے تجھے پا لیا ان الطاف کے واسطے جو تو نے انہیں عنایت کیے۔ **(کذا فی التاویلات النجمیہ)**

تشریح حدیث شریف:۔ شیخ صدرالدین قونوی قدس سرہ اس حدیث کی تاویل میں فرماتے ہیں کہ اس میں شک نہیں کہ وجودِ محض کے مقابلہ میں عدم (جو وجود کی نقیض ہے) سمجھا جاتا ہے کیونکہ لامحالہ عدم بنے کے لئے تعین متعین ہے اور عدم کے لئے ظلمت ہے جیسا کہ وجود کے لئے نور ہے۔ اس لیے ممکن کو ظلمت سے موصوف کیا جاتا ہے کیونکہ ممکن وجود سے نور پا کر ظاہر ہوتا ہے پس ظلمت ممکن عدم کی ایک وجہ سے ہے جو اسے متصل ہے اور ہر وہ کمی جو ممکن کو لاحق ہوتی ہے (اور اس کمی سے ممکن موصوف بھی ہوتا رہتا ہے) یہ اس نسبت عدمیہ کے احکام سے ہے۔ اسی طرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مذکورہ میں اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ ۔۔۔۔۔ الخ، **والخلق فی ظلمة**.. الخ (جس کا ترجمہ اوپر گزرا) اشارہ ہے اور اس حدیث شریف میں خلق بمعنی تقدیر ہے کیونکہ ایجاد سے سابق ہے اور رش النور سے ممکنات پر وجود کا پہنچنا مراد ہے۔

تفسیر عالمانہ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ یہ اَلَّذِيْنَ سے بدل ہے معنی یہ ہے کہ منعم علیھم وہ لوگ ہیں جو غضب اور گمراہی سے بچ گئے۔ کلمہ غَيْرِ کے تین معنی ہیں:

۱۔ بمعنیٰ مغایرت، فارسی میں بمعنیٰ جز۔ قال تعالیٰ لِتَفْتَرِیَ عَلَیْنَا غَیْرَهٗ تا کہ تو اس کے سوا ہمیں افترا کرے

۲۔ بمعنیٰ لا، فارسی میں بمعنیٰ نہ۔ قال تعالیٰ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ تو جو مجبور ہو جائے نہ بغاوت سے نہ حد سے بڑھ کر۔

۳۔ بمعنیٰ 'الا'، فارسی میں بمعنیٰ مگر، قال تعالیٰ فَمَا وَجَدْنَا فِیْهَا غَیْرَ بَیْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ تو ہم اس میں نہیں پایا سوائے مسلمانون کے گھر کے۔ یہاں ہر سہ معانی کا معنیٰ متحمل ہے۔

ف: جب غَیْر بمعنیٰ استثناء (الا) ہو تو غَیْر کو منصوب پڑھنا ہوگا اور غضب بمعنیٰ بدلہ کے وقت نفس کا جوش کرنے اور دل کے خون سے انتقام کے ارادہ سے حاصل ہوتی ہے اور یہاں بمعنیٰ رضا کی نقیض ہے یا ارادہ انتقام یا تحقیق الوعد یا اخذ الیم یا بطش شدید یا ہتک استار، یا تعذیب بالنار مراد ہے۔ کیونکہ علم تفسیر کا قاعدہ ہے کہ وہ افعال کہ جن کے اوائل ہدایات اور اواخر غایات ہوں اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف باعتبار ہدایت کے غیر ممکن ہوں تو اسناد کے وقت ان کے غایات کا ارادہ کیا جاتا ہے۔ جیسے غضب وحیا اور تکبر واستہزا وغیرہ۔ اسی طرح غم وفرحت اور ضحک وبشاشت وغیرہ اور ضلال بمعنیٰ سیدھی راہ سے عمداً یا خطاً ہٹ جانا۔

مسئلہ: الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ (جن پر غضب کیا گیا) سے بے فرمان اور الضَّآلِّیْنَ سے اللہ تعالیٰ کی ذات سے جاہل لوگ مراد ہیں۔ کیونکہ منعم علیہم وہ لوگ ہیں جو جامع بین العلم والعمل ہیں۔ اب ان کی نقیض وہ لوگ ہوں گے جو ان دونوں قوتوں عاقلہ وعاملہ میں کسی ایک میں سے ناقص ہوں پس عمل سے ناقص مغضوب علیہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ قاتل بالعمد کے متعلق فرماتا ہے۔ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ تو حق کے بعد گمراہی کے سوا کچھ نہیں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ سے یہودی مراد ہوں جیسا کہ اللہ تعالیٰ ان کے حق میں فرماتا ہے: مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَیْهِ (جس پر اللہ نے لعنت وغضب فرمایا) اور الضَّآلِّیْنَ سے نصاریٰ مراد ہوں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا ہے: قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا اس سے پہلے وہ گمراہ ہوئے اور گمراہ کیا۔

ف: غضب سے یہود کی طرف اور ضال سے نصاریٰ کی طرف منسوب ہونے سے تخصیص مراد نہیں کیونکہ غضب کی نسبت قرآن پاک میں نصاریٰ کی طرف بھی ہوتی ہے اور اسی طرح ضلال کی نسبت یہود کی طرف بھی، بلکہ مراد یہ ہے کہ جب یہ دونوں متقابل ہوں اور جب غضب بمعنیٰ ارادہ انتقام ہو تو اس معنیٰ یہود زیادہ لائق ہیں۔

کیونکہ یہ لوگ کفر کرنے میں بڑے سرکش ہیں۔ مثلاً حد سے تجاوز کرنا اور انبیاء علیہم السلام کو شہید کرنا اور ان کا یہ قول: لَمَّ اللّٰہَ فَقِیْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِیَآءُ بیشک اللہ فقیر ہے اور ہم غنی۔

سوال :۔ اگر اعتراض پیدا ہو کہ جب منعم علیہم ان دونوں فرقوں کے غیروں کو کہتے ہیں کہ تو پھر منعم علیہم کے بعد صرف ان کے ذکر سے کیا فائدہ۔

جواب :۔ اس میں فائدہ یہ ہے کہ منعم علیہم ایمان کے وصف کو کمال رجاء (جس کو اللہ تعالیٰ نے اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ سے تعبیر فرمایا ہے) سے بیان کرنے کے بعد ان دونوں فرقوں سے منعم علیہم کے ایمان کے وصف کو کمال خوف سے ذکر کرنا مطلوب ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر مؤمن کے خوف و رجاء کو تولا جائے تو دونوں برابر ہوں گے۔

ف: غضب الٰہی کا حکم مرتبہ و قبضہ بائیں ہاتھ کی تکمیل ہے اگرچہ اس کے دونوں مقدس ہاتھ مبارک ہیں لیکن ہر ایک کا حکم ایک دوسرے کے خلاف ہے تمام زمین اس کی ایک مٹھی ہے اور تمام آسمان اس کے سیدھے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہیں۔ اسی لیے اس کے ایک ہاتھ کے لئے عموم سعادت، رحمت اور نرمی اور دوسرے ہاتھ کے لئے قہر و غضب اور اس کے لوازمات کو منسوب کیا جاتا ہے۔

نکات : ۱۔ غضب کے حکم میں راز وہی تکمیل ہے جس کی طرف دونوں ہاتھوں کے مابین جمع کرنے کا اشارہ کیا گیا ہے

۲۔ غضب کرنے میں اپنے بندے کی حفاظت کرنا مقصود ہے جیسے آکلہ کا مریض جبکہ اس کے کسی عضو کے کاٹنے میں عجلت کریں گے اس لیے کہ اس میں اچھا ہونے کی صلاحیت نہیں رہی۔

۳۔ غضب کرنے سے اپنے بندے کو پاک کرنا ہے، جیسے سونا کہ جس میں قلعی اور تانبہ کی ملاوٹ ہو تو اس سونے کو قلعی و تانبہ کی ملاوٹ سے پاک کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس سونے کو جلتی آگ میں ڈالا جائے۔

تفسیر صوفیانہ

ضلال حیرت کو کہتے ہیں، یہ دو قسم ہے۔ ۱۔ مذموم۔ ۲۔ محمود۔

حیرت محمودہ کے تین مراتب ہیں:

۱۔ مبتدیوں کی حیرت۔ ۲۔ اہل کشف و حجاب کے متوسطین کی حیرت۔ ۳۔ اکابر محققین کی حیرت۔

پہلی یعنی مبتدیوں کی حیرت پانچ چیزوں سے دفع ہوتی ہے۔

i۔ موصل راجع کو متعین کرنا، مثلاً اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے قرب و شہود ذاتی کی طلب۔

ii۔ موصل الی المطلوب کی راہ کی پہچان، مثلاً شریعتِ کاملہ پر ثابت قدم رہنا۔

iii۔ وہ سبب جو مقصود حاصل کرادے، مثلاً مرشد کریم کا دامن پکڑنا۔

iv۔ اپنے مقصود کی تحصیل پر مدد دینے والی چیزوں کا التزام رکھنا، جیسے ذکر و فکر وغیرہ۔

v۔ مقصود سے روکنے والی چیزوں کی معرفت پھر اس کو دفع کرنے کی تجاویز کی پہچان، جب یہ پانچ چیزیں حاصل ہو جائیں گی تو حیرت خود بخود ہٹ جائے گی۔ اور اکابر کی حیرت سب کی سب محمود ہے اس میں گمان بھی نہ لانا کہ ان کی حیرت کا سبب قصور فی الادراک ہے اور کمال جلاو استجلاء سے نقص مانع ہے بلکہ یہ ایک ایسی حیرت ہے کہ جس کا حکم بعد کمال تحقیق بالمعروف والشہود اور ہر راز کے وجود کے معائنہ اور احدیت کے وجود پر اطلاع تام کے ہوگا

ف: تفسیر نجمیہ میں ہے کہ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ سے وہ لوگ مراد ہیں جن کو وہ نور مسطورہ بالا نہ مل سکا تو خواہش نفسانی کے جنگل میں گم ہو کر طمع و تقلید کی ظلمتوں میں جا پڑے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر یہود کی طرح غضب فرمایا اور طرد و تبعید کے ساتھ ملعون بھی ٹھہرایا۔ یہاں تک کہ شرع قویم کی طرف ہدایت نہ پا سکے اور صراطِ مستقیم سے بھی ہٹ گئے یعنی مرتبہء انسانیت (جسے فِيۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِيۡمٍ سے تعبیر کیا گیا ہے کہ جس میں انسان کو پیدا کیا گیا ہے) سے دور ہو کر بندر و خنزیر سے مسخ ہو گئے صورتاً بھی اور معناً بھی۔ یا جس وقت راہِ راست سے بھٹک کر سدِ بشریت میں پڑے تو الطافِ ربوبیت کو بھلا دیا۔ اور راہِ توحید سے چُوکے تو شیطان نے ان کے شرک کرانے پر تسلط پالیا جیسے نصاریٰ نے اپنی خواہشات اور دنیا کو معبود سمجھا اور اللہ تعالیٰ کے لئے کہتے تھے ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلایا تو اللہ تعالیٰ نے بھی بے توجہی فرمائی۔ یہ تقریر بموافق حال اوّل کے ہے۔ اس میں ایک وجہ اور بھی ہے اور اس وجہ میں عارض المآل معتبر ہے وہ وجہ یہ ہے کہ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ ۔۔۔ الخ سے وہ لوگ مراد ہیں کہ جس کو حضو کی غیبت اور سرور کے بعد محنت اور نُور کے بعد ظلمت نصیب ہوئی (نعوذ باللہ من الحور بعد الکور)

تفسیر عالمانہ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ یعنی ان لوگوں کی راہ نہ دکھا جنہوں نے فسق و فجور کے غلبہ سے سرور کو سرور کی تبدیلی کی وجہ سے گمراہ ہوئے۔ اس میں تیسری وجہ اور بھی ہے وہ یہ ہے کہ (صراط

مستقیم کو) ملک الملوک کی طرف راہ چلنا مراد ہو (اب معنی یوں ہوا کہ یا اللہ! ان لوگوں کی راہ پر نہ چلا کہ منازل کو طے کرنے سے رُک کر قافلوں سے منقطع ہوئے تو تو نے ان پر غضب کیا اور نہ ان گمراہوں کی راہ پر چلا جو مقصود سے دُور ہوئے)

آمِيْنَ آمِيْنَ اسم فعل بمعنی استجب ہے یا بمعنی افعل یا رب ہے۔

قانون:۔ یہ لفظ اَیْنَ اور کَیْفَ کی طرح التقائے ساکنین کی وجہ سے مبنی علی الفتح ہے۔

مسئلہ: سنت یہ ہے کہ اسے سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد ایک دفعہ پڑھا جائے جیسا کہ ذیل کی حدیث بتاتی ہے

۱۔حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے جبریل علیہ السّلام نے آمین سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد سکھائی اور عرض کیا کہ فاتحہ کے لئے آمِيْنَ ایسی ہے جیسے کتاب کی مُہر۔

ف: سیدنا علی کرم اللہ وجہہ ،اس حدیث کی توضیح فرماتے ہیں کہ آمِيْنَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ کی مُہر ہے جس سے اپنے بندہ کی دعا پر مہر لگاتا ہے۔

نکتہ:۔ جس طرح مہر لگے ہوئے لفافہ کے بعد مکتوب الیہ بغیر کسی کو مطلع ہونے اور تصرف کرنے کی اجازت نہیں ہوتی اسی طرح آمین بندہ کی دعا کو نقصان سے محفوظ کرتی ہے۔

۲۔حضرت وہب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آمین کے ہر حرف سے ایک ایک فرشتہ پیدا کیا جاتا ہے اور وہ فرشتے آمین کہنے والے کے لئے بخشش کی دعا طلب کرتے رہتے ہیں۔

مسئلہ:۔ حدیث شریف میں ہے کہ دعا مانگنے والا اور آمِيْنَ کہنے والا دونوں دعا میں شریک ہیں۔ اسی لیے حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام سے فرمایا: قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا حالانکہ فقط موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اور ہارون علیہ السلام نے آمین کہی مگر باری تعالیٰ نے ان دونوں کی طرف منسوب فرمایا۔

۳۔حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب امام وَلَا الضَّآلِّيْنَ کہے تو آمِيْنَ کہو کیونکہ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کے بعد فرشتے بھی آمین کہتے ہیں پس جس کا آمین کہنا فرشتوں کے آمین کہنے کے موافق ہوگا تو اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف ہوجائیں گے اس حدیث کا نکتہ حضرت وہب کے قول میں مذکور ہو چکا ہے۔

شرح:۔ ملائکہ کی موافقت میں علماء کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں زمانہ کی موافقت، بعض کہتے ہیں اخلاص اور توجہ احدی

marfat.ocm

یعنی انسان کے نگران فرشتے ہیں، بعض کہتے ہیں ان کے غیر ہیں اس کی تائید حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس قول سے بھی ہوتی ہے "فان وافق قولہ قول اہل السماء الخ "تو جس کا قول اہل آسمان کے قول کے موافق ہوا

ف: ان دونوں اقوال کا توافق یوں ہوسکتا ہے کہ دونوں مراد ہوں حفظہ بھی اور اہل سماء بھی۔

تفسیر صوفیانہ

مولانا فناری رحمۃ اللہ علیہ الباری فاتحہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ فاتحہ اس شخص کے لئے نسخہ کمال ہے جو ظلمتِ عدم سے نکل کر تکمیل تک پہنچا اور استہلاک نور قدم سے خارج ہو کر انوار و روحانیت کی طرف چلا۔ پھر نفخ کے واسطہ سے عالمِ جسمانیہ کی طرف پہنچ جائے تاکہ اس مرتبہ انسانیت کی تکمیل ہو جائے کہ جس کی جمعیت میں انانیت کا گمان ہے۔ بدیں وجہ جس راہ سے آیا ہے اس کی طرف ہدایت کی طلب کی محتاجی درپیش ہوئی تاکہ وجود سے عدم کی طرف حدوث سے قدم کی طرف واپسی ہو۔ پس سالک موجود کو ایسا مقصود سمجھے کہ گویا اس کا حاصل ہونا پھرنا ممکن ہے (اسی خیال سے) اسے گم شدہ مقصود ایسا حاصل ہو جائے گا کہ پھر اس کے مٹ جانے کا احتمال بھی باقی نہ رہے۔

ف: جب بندوں کو اس سوال کے قبول ہونے کے بعد مرتبہ کمال ہوا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا لعبدی ماسأل میں وعدہ تھا پھر اپنی طرف العبدی میں لا تعلیک کے ساتھ مضاف کیا پھر اکرم الاکرمین نے اس دعا کو آمین کی مُہر سے ختم فرمایا:

ف: یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندے ایسے مخلص ہیں کہ عام دنیا میں کسی کو طاقت نہیں کہ ان پر تصرف کر کے اللہ تعالیٰ کی لگائی ہوئی مہر کو توڑ سکے۔ اسی لیے تو شیطان خبیث (مخلص بندوں سے) ناامید ہو کر اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ کہہ چکا ہے۔

مسئلہ: جمہور کے نزدیک بالاجماع فاتحہ کی سات آیتیں ہیں۔ اختلاف صرف اس بات میں ہے کہ بسم اللہ شریف آیت مستقل نہیں اور آخری آیت غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ہے اور بعض اس کے برعکس بسم اللہ شریف کو مستقل سمجھتے ہیں اور غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ سے آیت نہیں سمجھتے بلکہ صِرَاطَ الَّذِيْنَ سے سمجھتے ہیں۔

ف: تفسیر تیسیر میں ہے کہ اس کے کل کلمات پچیس (۲۵) اور کل حروف ایک سو تیئس (۱۲۳) ہیں اور عین

معانی میں اس کے کل کلمات ستائیس (۲۷) اور کل حروف ایک سو بیالیس (۱۴۲) بیان فرمائے ہیں۔

فضائل فاتحہ:۔ (۱) جب اس سورہ کو حضرت جبریل علیہ السلام حضور علیہ السلام کی خدمت میں لائے تو ان کے ساتھ اس وقت سات ہزار فرشتے تھے۔

(۲) مروی ہے کہ شام سے ایک قافلہ ابو جہل کے لئے بہت سامال لیکر آیا یہ قافلہ سات گروہ پر مشتمل تھا رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ اس قافلہ کو دیکھ رہے تھے اس وقت اکثر صحابہ غریب تھے اس منظر کو دیکھ کر صحابہ کی وجہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے احساس فرمایا جس پر اللہ تعالیٰ نے اس سورہ کو نازل کیا اور فرمایا اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ یعنی ابو جہل کے ہر قافلہ کے عوض آپ کو فاتحہ عطا فرمائی پس باوجود آپ کے اس بڑی عطیہ کے ابو جہل آپ کے عطیہ کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا تو آپ بھی اس کی دنیائے کمینہ کو نظر انداز فرمایئے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آرزو جو کہ صرف صحابہ کے لئے تھی نہ کہ اپنے لیے تو ارشاد فرمایا اے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! غم نہ کھایئے اس سورت کی برکت اور نفع مال کے نفع سے بہت زاید ہے پس آپ اپنے صحابہ کے لئے اپنے بازو بچھا دیجئے کیونکہ آپ کا تواضع کرنا ان کے لیے ان کی آرزو پوری ہو جانے سے بہت مرغوب ہے۔

(۳) رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر یہ سورت تورات میں ہوتی تو موسیٰ علیہ السلام کو قوم یہودیت کی طرف میل نہ کرتی اور گر انجیل میں ہوتی تو عیسیٰ علیہ السلام کی قوم نصرانی نہ ہوتی اور گر زبور میں ہوتی تو داؤد علیہ السلام کی قوم کو مسخ نہ ہوتا۔ پس جس نے اسے پڑھا اللہ تعالیٰ اسے اتنا دے گا کہ گویا اس نے سارا قرآن پاک پڑھا ہے اور گویا اس نے تمام مؤمنین مرد و عورت پر صدقہ (خیرات) کیا ہے۔

(۴) اس کے حروف معجمہ بائیس (۲۲) ہیں اور حضور علیہ السلام کے بعد آغاز وحی بھی بائیس سال تھے۔

(۵) اس میں سات حروف نہیں، ثا ثبور کی، جیم جحیم کی، خا خوف کی، زا زقوم کی، شین شقاوت کی، ظا ظلمت کی، فا فراق کی، پس جو شخص اس سورۃ کو صحیح اعتقاد اور پوری تعظیم سے پڑھے گا تو وہ ان اشیاء مذکورہ سے پُر امن رہے گا

(۶) حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب بھیجنے کا پختہ ارادہ فرمالیتا ہے مگر جب اس قوم کے بچے مدرسہ میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ پڑھتے ہیں

تو اس قوم سے چالیس سال تک عذاب اٹھا لیتا ہے۔

(۷) پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جمیع علوم کتب سماویہ میں ہیں اور ان کے علوم قرآن پاک میں ہیں اور قرآن شریف کے علوم سورہ فاتحہ میں ہیں۔ پس گویا جو شخص اس سورت سے واقف ہو اور جس نے اسے پڑھا اس نے تمام علوم کو پڑھا۔

ف: تفسیر کبیر میں ہے کہ اس کا سبب یہ ہے کہ مقصود تمام کتب سے علوم اصول فروع، مکاشفات کا حاصل کرنا ہے اور یہ سورت تمام علوم کو شامل ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا۔

خلاصہ سورہ فاتحہ:۔ مولانا فناری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معلوم ہو چکا ہے کہ فاتحہ کے اوّل سے **يَوْمِ الدِّيْنِ** تک ان عقاید کا بیان ہے جو الٰہیات کے ساتھ ذاتاً وصفۃً وفعلاً متعلق ہیں کیونکہ حمد کا حصر کمالات ذاتیہ وصفاتیہ وافعالیہ کو مقتضی ہے بعد ازاں نبوت وولایت کا بیان ہے کیونکہ یہ سب سے بڑی اور مخصوص نعمتیں ہیں۔ پھر عقاید اخرویہ کا ذکر ہے کیونکہ وہ باری تعالیٰ آخرت کے جمیع امور کا مالک ہے۔ پھر ان دونوں کے مابین **اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ** واقع ہے یعنی عبادات کے وہ احکام جو عابد معبود کے مابین رابطہ پیدا کرتے ہیں یہ عبادات یا تو معاملات ہیں یا وعیدات۔ کیونکہ استعانت یا تو حصول نفع کے لئے ہوتی ہے یا نقصان کو دفع کرنے کے لئے۔ پھر اس کے آخری حصہ میں مؤمن کو وجوہ ہدایت کی طلب کا طریقہ ترتیب مذکورہ پر سکھایا گیا ہے۔ مثلاً قسمِ اول میں ایمان کی طرف اور قسم دوم میں اسلام کی طرف اشارہ فرمایا گیا یہی احسان کے وجوہ ہیں۔ یعنی مراتب ثلاثہ جو کہ اخلاق روحانیت محمودہ ہیں۔ پھر ان مراتب معہودہ کا بیان ہے جس کو سیدِ دو جہاں علیہ السلام نے اپنے ارشاد گرامی "ان تعبد ربک کانک تراہ" میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ پھر ان کمالاتِ مشہودہ کا ذکر ہے جو مطالع جلال کے استغراق کے وقت حاصل ہوتے ہیں۔ یعنی وہ استغراق جو کاف تشبیہ (جو کہ ان تعبد ربک کانک تراہ میں مذکورہ ہے) کو ہٹانے والا اور تنزیہ جبر کے غضب اور نسبت قدر کی گمراہی کا دافع ہے اسی کو علومِ مکاشفات سے موسوم کرتے ہیں۔

(واللہ اعلم باسرار کلیۃ المنطبقات)

marfat.ocm

۲ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِیَّةٌ ۸۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓمّٓ ﴿۱﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ ۚۛ فِیْهِ ۚۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۲﴾ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ

وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں اس میں ہدایت ہے ڈر والوں کو وہ جو بے دیکھے ایمان لائیں

بِالْغَیْبِ وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾ وَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ

اور نماز قائم رکھیں اور ہماری دی ہوئی روزی میں سے ہماری راہ میں اٹھائیں اور وہ کہ ایمان لائیں اس پر

بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾ اُولٰٓىِٕكَ

جو اے محبوب تمہاری طرف اترا اور جو تم سے پہلے اترا اور آخرت پر یقین رکھیں وہی لوگ

عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا

اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی مراد کو پہنچنے والے ہیں بے شک وہ جن کی قسمت میں کفر ہے

سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى

انہیں برابر ہے چاہے تم انہیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان لانے کے نہیں اللہ نے ان کے دلوں

قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَ عَلٰۤى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۗ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ

پر اور کانوں پر مہر کردی اور ان کی آنکھوں پر گھٹا ٹوپ ہے اور ان کے لیے بڑا

عَظِیْمٌ ﴿۷﴾ ع

عذاب

تفسیر عالمانہ

سورہ بقرہ مدینہ ہے اس کی ۲۸۶ آیتیں ہیں۔ اہل تفاسیر فرماتے ہیں کہ سب سے لمبی سورت بقرہ اور سب سے چھوٹی سورہ کوثر ہے اور سب سے لمبی آیت آیہ مداینۃ یعنی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَایَنْتُمْ (آل عمران ۲۸۲) اور سب سے چھوٹی آیت وَالضُّحٰی اور وَالْفَجْرِ ہے اور سب سے لمبا کلمہ فَاَسْقَیْنٰكُمُوْهُ ہے۔

سوال :۔ سورہ بقرہ سب سورتوں سے لمبی کیوں ہے، اس میں کیا حکمت ہے؟

جواب :۔ وہ یہ ہے کہ اس میں احکام کو تفصیل وار اور مثالیں دے کر اور دلائل قائم کر کے ذکر فرمایا ہے اور دوسری سورتوں میں یہ طرز نہیں ہے۔ اسی لئے اس کا نام فسطاط القرآن بھی ہے۔

ف :۔ ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ احکام القرآن میں فرماتے ہیں کہ میں نے بعض بزرگوں سے سنا ہے کہ اس میں ایک ہزار امر اور ایک ہزار نہی اور ایک ہزار حکمتیں اور ایک ہزار خبریں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی عظمِ فقاہت سے اسے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حفظ کرنے میں آٹھ سال صرف فرمائے (کذافی اسئلۃ الحکم)

حکایت :۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں کہہ بیٹھا کہ اس سورہ کریمہ کے فوائد ونفائس سے دس ہزار مسائل اخذ کیے جا سکتے ہیں اس بات کو بعض حاسدین اہل بغی (سرکشوں) نے بہت بعید سمجھا۔ جب میں نے قرآن کی تفسیر (کبیر) کی تصنیف کا ارادہ کیا تو پہلے اس کا مقصد لکھا تا کہ یہ مقدمہ تنبیہ کی طرح ہو جائے اس بات پر کہ جو کچھ ہم نے کہا ہے وہ امر ممکن الحصول اور قریب الوصول ہے۔

سوال :۔ سورتوں کو لمبا، درمیانہ، چھوٹا کیوں مقرر کیا گیا؟

جواب :۔ تا کہ تنبیہ ہو کہ معجزہ کے لئے سورہ کا لمبا ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ سورہ کوثر جس میں صرف تین آیتیں ہیں ایسے ہی معجزہ ہے جیسے سورہ بقرہ۔

ف :۔ سورتوں کو مقرر کرنے میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ تعلیم میں آسانی اور اطفال کو تدریجاً بڑی سورت پڑھانے میں سہولت ہو جائے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جو بندوں پر فرمایا اور اس میں ترغیب بھی ہے اور توسیع فضلیت بھی۔ نماز میں بھی اور دیگر اعمال میں بھی۔ مثلاً سورہ اخلاص کو ایک بار پڑھنے سے قرآن پاک کی تہائی کے برابر ثواب ملتا ہے جس نے یہ راز سمجھا وہ سورتوں کے مقرر کرنے کے بھید سے آشنا ہو گیا۔

سوال :۔ اس میں کیا حکمت ہے کہ نزولِ قرآن کے متعدد مقامات میں مختلف مشاہد ہیں مثلاً کوئی آیت مکیہ ہے اور کوئی مدینہ، کوئی لیلیہ ہے کوئی نہاریہ، کوئی سفریہ ہے کوئی حضریہ، کوئی شتائیہ ہے کوئی صیفیہ اور کوئی نومیہ کوئی برزخیہ ہے۔ یعنی لیل ونہار کے مابین نازل ہونے والی اور کوئی ارضیہ ہے کوئی سماویہ اور کوئی غاریہ ہے یعنی وہ جو غار میں نازل ہوئی۔ یعنی زمین کے تحت اور برزخیہ وہ جو کہ مکہ شریف ومدینہ طیبہ کے مابین نازل ہوئی اور کوئی عرشیہ معراجیہ ہے یعنی معراجیہ وہ جو معراج میں سورہ بقرہ کی آخری آیات نازل ہوئیں۔

جواب :۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وحیِ الٰہی کا نزول جن مقامات یا اوقات میں ہوا اس سے ان کو شرافت وبزرگی نصیب ہوئی جیسا کہ شبِ معراج کے نکات میں سے ایک نکتہ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ حضور سرورِ انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ان مقامات پر تشریف لے جانا محض ان مقامات کی عزت افزائی کے لئے تھا گویا کہ کون وعرش وجنات کا ہر بہ مقام لسانِ حال سے پکار رہا تھا کہ الٰہی! اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک قدموں کے قدوم سے ہمیں سرفراز فرما تا کہ اعیان وکبار کی آنکھیں تیرے محبوب سیّد السادات وفخر الموجودات کی نعلین مبارک کی غبار کو سُرمہ بنالیں تیرا محبوب وہ ہے کہ اگر وہ نہ ہوتا تو نہ کون کو وجود کی خوشبو نصیب ہوتی اور نہ حضرتِ کون سے لمعۂ شہود ظاہر ہوتا۔

حدیث شریف :۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں فرمایا گیا:

لولاک لما خلقت الافلاک یعنی اے محبوب! آپ نہ ہوتے تو میں افلاک کو پیدا نہ کرتا

(صلی اللہ علیٰ حبیبہ باعث الکونین ووراث الثقلین جدّ الحسن والحسین وعلیٰ آلہٖ واصحابہ اجمعین)

الٓمّٓ سوال : سورہ بقرہ کو الٓمّٓ (کلام متشابہ) اور سورہ فاتحہ کو حرف ظاہر (محکم) سے ابتدا فرمانے میں کیا حکمت ہے؟

جواب :۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اتقان میں فرمایا ہے کہ سورہ بقرہ کو الٓمّٓ سے شروع فرمانے کی نسبت میرا خیال یہ ہے کہ سورہ فاتحہ کو حرفِ ظاہر سے شروع کیا گیا تاکہ ہر خاص وعام کو اس کے سمجھنے میں کسی قسم کی دقت نہ ہو تو پھر سورہ بقرہ میں حرفِ متشابہ لایا گیا تاکہ اس کا مرتبہ عقلاء وحکماء کو معلوم ہوتا کہ وہ اس کے مقابلہ سے عاجز ہوکر کلامِ الٰہی میں ان حروف سے عبرت پکڑ کر اس کی آیات میں تدبر کریں۔

(کذا فی خواتم الحکم وحل الرموز وکشف الکنوز باللہ للشیخ المعروف بہ علی دده)

marfat.ocm

ف: مفسرین نے حروفِ مقطعات کے بارے میں بہت کلام کیا اور ان کی مراد میں بہت بڑی لمبی چوڑی بحث کی ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ علوم مستورہ و اسرار محجوبہ ہیں۔ یعنی ان متشابہات سے ہیں کہ جن کا علم اللہ تعالیٰ نے پوشیدہ رکھا ہے۔ یہ قرآن کا مخفی راز ہے۔ ہمارے لیے ان کے ظاہر پر ایمان لانا ضروری اور ان کا علم اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا لازمی ہے۔ ان کے ذکر کرنے میں ایک فائدہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ بھی ایمان ہونا چاہیے یا یوں کہو کہ الف اللہ کا ہے، لام لطیف کا اور میم مجید کا۔ گویا اللہ تعالیٰ لطیف و مجید ہوں اور الٓرٰ کا معنی کٓھٰیٰعٓصٓ ہے اور قٓ بمعنیٰ انا اللہ الکریم الھادی الحکیم الصادق ہے۔[1] اسی طرح نٓ میں اس طرف اشارہ ہے کہ میں اللہ قادر و قاہر ہوں اور اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا میں اشارہ ہے کہ میں اللہ و ناصر ہوں۔ خلاصہ یہ کہ یہ حروفِ مقطعات سب سے سب اللہ تعالیٰ کے کسی اسم سے لیے گئے ہیں اور کلمہ کے بعض حروف کو لیکر باقی کو حذف کرنا کلامِ عرب میں شائع ہے۔ **کما قال الشاعر:**

قلت لها قفی فقالت قٓ

یعنی میں نے اسے کہا ٹھہر جا تو اس نے کہا ق وقفت یعنی میں ٹھہر گئی ہوں۔

اور بعض فرماتے ہیں کہ یہ حروف بعض سورتوں کے اوائل میں ذکر کیے گئے ہیں تاکہ یہ حروف دلالت کریں کہ قرآن پاک ان حروف اب ت ث سے مرکب ہے پھر ان کے بعض علیحدہ ہو کر آئے اور بعض مرکب ہو کر، تاکہ قرآن کے مقابل کو تنبیہ ہو اور یہ آگاہ کرنا بھی مقصود ہے کہ قرآن شریف ان حروف سے مرکب ہے جن سے تم لوگ اپنے کلام مرکب کرتے ہو اگر یہ بشر کی طاقت سے باہر نہ ہوتا اور خالق کائنات کی طرف سے نازل کردہ نہ ہوتا تو وہ لوگ اس جیسا قرآن لانے پر قادر ہوتے یہ وہ تقریر ہے جس پر اہل تحقیق کامیاب ہوئے لیکن اس پر ایک اعتراض پڑتا ہے وہ یہ کہ اس تقریر کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے معنی و اسرار نہیں ہیں حالانکہ سرور انبیاء علیہ التحیۃ والثناء کو اولین و آخرین کے علوم دیے گئے ہیں۔

قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ اور باقی حروف مقطعات ان مواضع و مخفی اسرار سے ہیں کہ جن کے الفاظ سے مابین محبوب و محب کے پردہ دیا گیا ہے کہ ان کے سوا ان کا علم کسی اور کو نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا علم اپنے پیارے حبیب صلی

---

[1] میں اللہ کریم ہادی حکیم اور سچا ہوں۔

۱۔ قیام: کما قال اللہ تعالیٰ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ (فرمانبردار ہو کر اللہ کے لئے قیام کرو)

۲۔ رکوع:۔ کماقال اللہ تعالی وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ (رکوع والوں کے ساتھ رکوع کرو)

۳۔ سجود:۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (سجدہ کرو اور قریب ہو جاؤ)

پس الف سے (جو الم میں ہے) قیام کی طرف اشارہ ہے اور لام سے رکوع کی طرف اور میم میں سجدہ کی طرف یعنی جس نے سورۃ فاتحہ (جو کہ نماز میں اللہ تعالی سے ہم کلام ہونا ہے جو کہ مومنین کی معراج ہے) پڑھی تو اللہ تعالیٰ اسے وہ راہ ہدایت عنائت فرمائے گا جو بندہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں طلب کر رہا ہے۔

مسئلہ:۔ تلاوت کا اجر جیسے محکم سے حاصل ہوتا ہے ایسے ہی متشابہ سے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس نے کتاب اللہ سے ایک حرف پڑھا اسے ایک نیکی ملے گی جو کہ دس نیکیوں کے برابر ہے اور میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمّٓ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے اور لام ایک حرف اور میم ایک حرف پس الٓمّٓ پڑھنے سے تین نیکیاں (جو کہ تیس کے برابر ہوں گی) عطا ہوں گی۔

تفسیر عالمانہ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ یہ اشارہ جو ذٰلِكَ سے فرمایا گیا ہے اشارہ بعید ہے حالانکہ یہ کتاب بعید نہیں تو یہ اس لئے ہے کہ یہ کتاب (قرآن) چونکہ موعود تھی اور اس کا کتب سابقہ میں وعدہ کیا گیا تھا۔ اس لیے اس لحاظ سے اسے بعید قرار دے کر فرمایا گیا (کہ وہ کتاب، جس کا وعدہ کتب سابقہ میں کیا گیا تھا)

حدیث شریف: خدا تعالیٰ نے جب حضرت موسی علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی تو وہ ایک ہزار سورۃ پر اور ہر سورت ایک ہزار آیت پر مشتمل تھی۔ حضرت موسی علیہ السلام نے عرض کی: الٰہی! اس کتاب کو کون پڑھ سکے گا اور کون اسے زبانی یاد کر سکے گا؟ خدا تعالیٰ نے جواب دیا: اے موسی! میں اسے سے بھی زیادہ ضخیم کتاب نازل فرماؤں گا۔ حضرت موسی علیہ السلام نے عرض کی: کس پر؟ فرمایا؟ خاتم النبیین پر۔ موسی علیہ السلام نے عرض کی: الٰہی! ان کی امت اسے کیسے پڑھ سکے گی جب ان کی عمریں بہت تھوڑی ہوں گی۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا: میں ان پر وہ کتاب ایسی آسان کردوں گا کہ ان کے چھوٹے بچے بھی اسے پڑھ سکیں گے۔ موسی علیہ

marfat.ocm

السلام نے عرض کی: الٰہی! اور تو یہ کیسے فرمائے گا؟ فرمایا: میں نے زمین پر ایک سو تین کتابیں نازل فرمائی ہیں پچاس شیث علیہ السلام پر، تیس ادریس پر، بیس ابراہیم پر، تورات تجھ پر، زبور داؤد پر، انجیل عیسٰی پر اور ساری کائنات کا ان میں میں نے ذکر کیا اور ان ساری کتابوں کے جملہ معانی کو میں محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی کتاب میں ذکر کروں گا اور ان سب حقائق کو میں قرآن کی ایک سو چودہ سورتوں میں جمع کر دوں گا اور ان سورتوں کو میں تیس پاروں میں اور ان سب کے مطالب کو سورۃ فاتحہ کی سات آیتوں میں اور پھر ان کے معانی کو سات حرفوں میں اور وہ سات حرف بسم اللہ کے ہیں پھر ان سب حقائق کو الٓمّٓ کے الف میں جمع کر دوں گا پھر سورۃ بقر شروع فرماؤں گا۔ پس جب توراۃ میں اللہ نے اس کا وعدہ فرمایا اور پھر حضور علیہ السلام پر نازل فرمایا تو یہودیوں نے اس بات سے انکار کیا کہ یہ وہی کتاب موعود نہیں ہے تو اللہ نے فرمایا:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ یعنی یہ وہی کتاب ہے جس کا وعدہ فرمایا گیا تھا۔ (کذافی تفسیر التسیر تحت آیت ھذا)

اس کے علاوہ اعراب کے دیگر وجوہ بھی ہیں جو دیگر تفاسیر میں ہیں۔

لَا رَیْبَ ۛ فِیْهِ ۛ لفظ ریب لا کا اسم ہے اور فیہ اس کی خبر ہے اور ریب دراصل رابنی الشئی سے مشتق ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ متکلم کو کسی بات کا شک ہو اور نفس کے قلق واضطراب کو بھی ریب کہتے ہیں اور شک کو بھی ریب اسی لیے کہتے ہیں نفس کو اضطراب میں ڈال کر اس سے اطمینان زائل کر دیتا ہے۔

حدیث شریف: اسی لیے حدیث شریف میں فرمایا گیا:۔

دع ما یریبک الی ما لا یریبک (جو تجھے شک میں ڈالے چھوڑ اس کی طرف متوجہ ہو جو تجھے شک میں نہ ڈالے) اور ہے بھی اسی طرح کہ شک میں اضطراب ہے اور صدق میں اطمینان اسی لغت کی مناسبت سے حوادثات (جس میں خوف ہو) ریب سے تعبیر کرتے ہیں اور ریب شک سے اخص ہے۔ پس ہر ریب کو شک کہا جا سکتا ہے اور ہر شک کو ریب نہیں کہا جا سکتا اور شک اس تردد بین النقیضین کو کہتے ہیں جس میں شک کرنے والا (ایک) نقیض کو دوسری نقیض پر ترجیح نہ دے سکے۔

سوال:۔ ظرف کو یعنی فیہ کو ریب پر کیوں مقدم نہیں کیا گیا؟

جواب: تا کہ یہ گمان نہ ہو کہ دیگر کتب میں تو شک ہے مگر اس میں نہیں۔ کیونکہ قانون ہے کہ ظرف کی تقدیم

سے حصر مقصود ہوتی ہے۔

سوال :۔ کفار کو اس میں شک تھا، چنانچہ وہ اس کے کتاب اللہ ہونے کے منکر تھے اور مبتدعین اہل قبلہ کو متشابہات کے معانی میں شک تھا۔ چنانچہ وہ اس کے ظاہری معنوں کی وجہ سے گمراہ ہو گئے اور علماء کرام کو متشابہات کے وجوہ میں شک ہے۔ چنانچہ وہ کسی یقینی معنی پر نہیں جم سکے اور عوام کو خود متشابہات میں شک ہے کیونکہ وہ ان معانی سے بے خبر ہیں پھر آیت میں لاریب فرما کر نفی شک کا کیا معنی؟

جواب : یہ نفی کتاب سے ہے نہ کہ لوگوں سے یعنی یہ وہ کتاب ہے جس میں شک کا گزر بھی نہیں ہوا اور نہ اس میں عیب کی گنجائش ہے۔

ف: اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں خبر بمعنی نہی ہو یعنی لاریب بمعنی **فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ** جیسا کہ اس آیت میں (نفی بمعنی نہی ہے) بمعنی **لا تفسقوا ولا تجادلوا (كذافي الوسيط والعيون)**

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ، **هُدًى** بمعنی رشد و بیان، للمتقين یعنی یہ قرآن پاک ان لوگوں کے لئے ہدایت ہے جسے ہدایت کی طرف میلان ہے اور اس کی طرف رجوع رکھتے ہیں۔

اسی طرح حدیث میں **قتل قتيلا فله سلبه** کی تقریر ہو گی اور تفسیر الارشاد میں ہے کہ متقین وہ لوگ ہیں جو حالاً و مالاً تقوی سے موصوف ہیں۔

سوال : ہدایت میں صرف متقین کو کیوں مخصوص کیا گیا؟

جواب :۔ وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اس سے نور حاصل کرنے والے اور اس کے آثار سے نفع پانے والے ہیں اگرچہ اس کی ہدایت ہر ناظر مومن و کافر کو شامل ہے چنانچہ دوسری جگہ فرمایا:

هُدًى لِّلنَّاسِ یعنی یہ قرآن تمام لوگوں کے لیے ہدایت یعنی بیان ہے اور راہ دکھانے کی بنا پر (خصوصی طور) متقین کے لیے ہدایت ہے۔

تیسیر میں فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی شئے سے نفع حاصل کرنے والا ہو تو اسے کہا جا سکتا ہے کہ یہ صرف تیرے لیے ہے یعنی تو اس سے نفع حاصل کرنے والا ہے نہ کوئی اور۔ پس وہ لوگ جو اس کتاب سے ہدایت یاب نہ ہو سکے تو کتاب اللہ کے ہادی ہونے کے منافی نہیں، جیسے سورج سورج ہی ہے اگر چہ نابینا اس کی روشنی سے بے

marfat.ocm

بہرہ ہے اور شہد شہد ہی ہے اگرچہ صفراوی مزاج اس کے ذائقہ سے محروم ہے اور مشک مشک ہی ہے اگرچہ مزکوم کی ناک اس کی خوشبو سے بے نصیب ہے بہت بڑی خرابی ہے اس بدبخت کے لیے کہ اس کے سامنے بحر ذخار بھی موجود ہے مگر وہ ابھی پیاسا ہے اور ماہ بدر اپنی پوری روشنی میں چمک رہا ہے مگر وہ ابھی اندھیرے میں ہے اور پاک کرنے والا بھی حاضر ہے مگر وہ تاہنوز خباثت سے پاک نہیں ہوسکا۔ باغات پر رونق بھی سامنے ہیں مگر وہ ابھی سوکھا ہے بلکہ بڑی حسرت تو اس بدنصیب کے لئے ہے جو فسق و فجور سے پاک نہیں ہوسکا حالانکہ قرآن جیسا آمر وناہی اور رغبت ورہبت کے فرق بتانے والا (کہ جس کے وعدے متواتر اور اس کی وعیدیں متظاہر ہیں) اس کے گھر کا مہمان ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ

المتقی، افتعال کے باب کا اسم فاعل وقایۃ سے مشتق ہے (وقایۃ بمعنی بہت زیادہ بچاؤ) مفسر بغوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اتقاء" سے ماخوذ ہے اور اتقاء دراصل حاجز بین الشیئین کا نام ہے۔ اسی محاورے کو لے کر اہل عرب بولتے ہیں۔

اتقی بترسہ یعنی فلاں شخص نے اپنی ڈھال کو اپنے (اور جس کا وہ ارادہ کر رہا ہے) کے مابین حاجز بنا دیا۔

حدیث شریف:۔ میں ہے: کنا اذا احمر الناس اتقنا برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی جب جنگ اپنی شوخی میں آجاتی تو ہم خدا کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دشمنوں کے مابین حاجز ہو جاتے ہیں۔ پس گویا متقی اللہ کی فرمانبرداری اور اس کے نواہی سے اجتناب کو اپنے اور عذاب الٰہی کے مابین حاجز بناتا ہے۔ عرف شرع میں تقویٰ ہر اس چیز سے پوری طرح بچاؤ کو کہتے ہیں جو آخرت میں نقصان پہنچائے اس کے تین درجے ہیں۔

۱۔ کفر سے بری ہو کر ہمیشہ والے عذاب سے بچنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى اور ان تقویٰ کا کلمہ لازم کر دیا۔

۲۔ جو علم یا ترک عمل گناہ میں ڈالیا گرچہ صغائر ہوں (عند البعض) سے کنارہ کشی کرنا۔ یہی تعریف شرع میں متعارف ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے اس معنی کی مراد لی گئی ہے۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا اگر بستی والے ایمان لائیں اور خدا سے ڈریں۔

marfat.ocm

۳۔ اس چیز سے بچنا جو اللہ تعالیٰ کے راز سے باز رکھے اور اس سے باطل کو جدا کردے۔ درحقیقت یہ وہی تقوی ہے جس کا حکم قرآن پاک کی اس آیت میں دیا گیا ہے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ اے ایمان والو اللہ سے خوب ڈرو۔

ف : تقوی کے انتہائی مراتب وہ ہیں جہاں انبیاء کرام علیہم السلام پہنچے جنہوں نے ریاست نبوت وولایت دونوں کو حاصل فرمایا اور ان کو عالم اشباح کی کسی چیز نے عالم ارواح کو پرواز سے نہ روکا اور نہ مصالح خلق کے خلط وملط نے (انہیں) شئون حق کے استغراق سے رکاوٹ کی کیونکہ ان حضرات کے نفوس زکیہ (جو قوت قدسیہ سے تائید دیے گئے ہیں) کمال استعداد رکھتے ہیں۔

مسئلہ : کتاب مبین کی ہدایت ان تمام مذکورہ صاحبان مراتب کو شامل ہے (مثلاً) عوام کو ہدایت اسلام اور خواص کو ہدایت ایقان واحسان اور خاص الخاص کو ہدایت کشف حجاب ومشاہدہ اعیان نصیب ہوتا ہے۔

تفسیرِ صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ متقین وہ لوگ ہیں جنہوں نے میثاق کے بعد اللہ تعالیٰ کے عہد کی وفا کی اس تقریر کی تائید قرآن کی اس آیت وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ یعنی اے میرے بندے! جب تم نے روز میثاق میں اپنے قول بلی سے میری ربوبیت کا اقرار کیا تھا تو اب تمہیں چاہیے کہ جس کا عہد کر چکے ہو اسے ایفاء کرو اور وہ وعدہ یہ تھا کہ تم خالص میرے عبد ہو جاؤ پھر میں بھی جو تمہارے ساتھ وعدہ کر چکا ہوں اسے پورا کروں گا اور وہ وعدہ یہ تھا کہ میں تمہیں اپنی طرف پہنچاؤں اور سیدھی راہ پر چلاؤں گا۔

حکایات: ☆...... رسالہ قشیریہ میں ہے کہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ جیسا متقی ہونا چاہیے ان کے متعلق مشہور رہے کہ ان کے پاس گھی کے چالیس بڑے گھڑے تھے ان میں سے ان کے غلام نے چوہا نکالا۔ انہوں نے پوچھا: کس گھڑے سے نکالا؟ غلام نے کہا: یاد نہیں رہا۔ آپ نے یہ سنتے ہی ان تمام گھڑوں کو پانی کی طرح زمین پر بہا دیا

☆...... حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے مقروض کے درخت کے سایہ کے نیچے نہ بیٹھتے تھے آپ سے وجہ پوچھی جاتی تو آپ فرماتے حدیث شریف میں ہے: جس قرض سے نفع اٹھایا جائے وہ سود ہے۔

☆...... حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جنگل میں اپنا کپڑا دھویا تو آپ کے ساتھی نے عرض کی

کہ سامنے والے باغ کی دیوار میں میخ گاڑ کر کپڑے کو خشک کر لو۔ آپ نے جواب دیا کہ غیر کی دیوار میں میخ گاڑنا درست نہیں ہے۔ پھر اس نے عرض کی: کسی درخت کی ٹہنی پر لٹکا دیجئے آپ نے فرمایا: میرے کپڑے کے بوجھ درخت کی ٹہنیاں ٹوٹ پڑیں گی اور یہ بھی ٹھیک نہیں۔ پھر اس نے عرض کی کہ اس کو زمین پر ڈال دو۔ آپ نے فرمایا: میرے کپڑے کی وجہ سے جانوروں کی گھاس چھپ جائے گی اور یہ بھی نامناسب ہے۔ بالآخر آپ نے اپنی پیٹھ پر کپڑے کو ڈال دیا جس سے ایک جانب کو خشک کیا اسی طرح پھر جانب ثانی کو۔

تفسیر عالمانہ اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ یہ جملہ متقین کی صفت مقیدہ ہے۔ اگر تقوی کی تفسیر ترک ماینبغی سے کی جائے تو اس جملہ کا متقین کے بعد آنا ایسے ہوگا جیسے خالی از زیورات کو زیورات سے آراستہ کیا جائے اور صیقل شدہ لوہے پر تصویر بنائی جائے اور یہ صفت موضحہ بھی ہو سکتی ہے اگر تقوی کی تفسیر ایسی عام ہو جو فعل طاعت و ترک معصیت پر مشتمل ہو کیونکہ یہ تفسیر اصل اعمال و اساس حسنات یعنی ایمان، نماز، صدقہ کو شامل ہے اور یہ تینوں چیزیں اصل و اساس ہیں اس لیے کہ یہ تمام اعمال نفسانیہ اور عبادات بدنیہ و مالیہ کی جڑ ہیں اور تمام گناہوں سے بچنا انہی سے ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ "بے شک نماز فحش اور برائی سے روکتی ہے"

اور حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔ "نماز دین کا ستون اور زکوۃ اسلام کا پل ہے"

ف: ایمان تصدیق بالقلب کو کہتے ہیں اور ایمان بمعنی امن دینا۔ چونکہ تصدیق کنندہ مصدق (جس کی تصدیق کی جائے) کو امن دیتا ہے۔ یعنی اپنی تکذیب سے اسے امن والا بنا دیتا ہے یا اس لیے کہ تصدیق کنندہ اسی فعل سے اپنے آپ کو عذاب الٰہی سے بچا لیتا ہے (اسی لیے ایمان کو ایمان کہتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ کو مومن اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اپنے فضل سے اپنے بندوں کو عذاب سے امان دینے والا ہے۔

ف: کواشی میں فرماتے ہیں کہ شریعت میں ایمان تصدیق بالجنان و اقرار" باللسان و عمل بالارکان کو کہتے ہیں اور اسلام خضوع و انقیاد کا نام ہے۔ پس ہر اسلام ایمان نہیں۔ جب کہ کسی شخص میں تصدیق نہ ہو۔ مثلاً شخص ظاہر میں تو مسلمان ہے مگر باطن میں غیر مصدق۔

مسئلہ : ف :. ابو سعود رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ایمان شریعت میں نہیں متحقق ہو سکتا جب

marfat.ocm

تک کہ ضروریات دین (جن کے متعلق معلوم ہو چکا ہو کہ یہ ہمارے سچے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی ضروریات سے ہیں) جیسے توحید و رسالت اور قیامت کے بعد اٹھنا اور اس کی جزا وغیرہ کی تصدیق نہ کی جائے۔

ف : پھر اس میں اختلاف ہے کہ کیا اتنا کافی ہے یا اس میں اقرار کا ہونا بھی ضروری ہے۔ پہلا مسلک شیخ ابوالحسن اشعری اور ان کے تابعین کا ہے اور دوسرا مذہب (سیدنا) امام ابوحنیفہ اور ان کے متبعین رحمہم اللہ تعالیٰ کا ہے اور یہی حق ہے۔ کیونکہ امام صاحب نے ان دونوں کو ایمان کے دو اجزا قرار دیا ہے۔ صرف فرق اتنا ہے کہ اقرار ایسا رکن کہ عذر کے وقت ساقط ہو جانے کا احتمال رکھتا ہے جیسا کہ اکراہ کے وقت ساقط ہو جاتا ہے۔

ف: جمہور محدثین اور معتزلہ و خوارج کا خیال ہے کہ ایمان تین چیزوں کا نام ہے۔

تصدیق بالجنان (دل سے) **اقرار" باللسان** (زبان سے) **عمل بالارکان** (اعضاء سے)

پس جس کے اعتقاد میں خلل ہے وہ منافق ہے اور جس کے اقرار میں نقص ہے وہ کافر ہے اور جس کے عمل میں کمی ہے وہ ہمارے نزدیک بالاتفاق فاسق ہے مگر خوارج کے نزدیک کافر ہے اور معتزلہ کے نزدیک خارج از ایمان ہے مگر درجہ تک تا ہنوز نہیں پہنچا۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ غیب مصدر ہے مگر توسعاً بمعنی غائب ہے۔ جیسے اہل عرب زائر کو "زَوْر" کہتے ہیں اور عرف میں غیب وہ ہے جو حس اور عقل سے ایسا پوشیدہ ہو کہ ان دونوں کے ادراک میں ابتداء بطریق البداہۃ نہ آسکے۔

یہ دو قسم ہے: پہلا وہ کہ جس پر کوئی دلیل نہ ہو۔ وعندہ مفاتح الغیب میں یہی غیب مراد ہے۔

دوسرا وہ کہ جس پر دلیل قائم کی جاسکے۔ جیسے صانع اور اس کے صفات اور نبوات اور اس کے متعلقات جیسے احکام و شرائع اور یوم آخرت جیسے بعث و نشور حساب و جزا اور آیت میں بھی یہی غیب مراد ہے۔

قانون :۔ لفظ با (بالغیب میں) مفعول کے قائم مقام ہے اگر غائب کو اپنے حال پر چھوڑ کر بمعنی غیبۃ (مصدر) کیا جائے تو باء کا متعلق محذوف ہو کر فاعل سے حال واقع ہوگا۔ گویا اصل عبارت یوں ہے۔

یومنون بالغیب متلبسین بالغیبۃ ایمان لاتے ہیں غیب کے ساتھ حالانکہ وہ غیب سے ملتبس ہیں۔

یا یوں ہے: **یومنون غائبین عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم غیر مشاهدین لما فیہ من شواهد النبوۃ** اسی معنی پر روایت ذیل ولایت کرتی ہے۔

marfat.ocm

روایت مع حکایت :۔ حضرت حارث بن نفیر (تابعی) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ (صحابی) سے عرض کی: اے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ کو اس لیے افضل سمجھتے ہیں کہ تم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت وصحبت سے باریاب ہو چکے ہو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم بھی تمہیں اعلیٰ قدر تصور کرتے ہیں کہ تم نے بغیر زیارت ایمان قبول کیا۔ کیونکہ افضل ایمان وہ ہے جو بغیر دیکھے ہو پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (استشہاداً) یہ آیت **الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ** تلاوت فرمائی۔ (کذافی تفسیر ابی اللیث) یا یہ عبارت یوں ہے:

یؤمنون بالغیب ای غائبین عن المومنین یومنون بالغیب کا معنی ہے اہل ایمان سے وہ غائب ہیں۔ نہ منافقین کی طرح کہ وہ جب مومنین کو ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم مومن ہیں اور جب اپنے رؤسا کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہم تمہارے ہیں۔

ف : بعض کہتے ہیں کہ غیب سے مراد قلب ہے۔ کیونکہ قلب پوشیدہ یعنی غائب ہے اب معنی یہ ہوئے کہ لوگ دل سے ایمان لاتے ہیں نہ یہ کہ زبان سے تو دعویٰ ایمان مگر قلوب اس کے خلاف۔ پس اس معنی پر بالغیب میں باصرف آلہ کے لئے ہوگی۔

حدیث جبرئیل: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل پاک میں ہم بیٹھے تھے کہ ایک مرد تشریف لایا جو سفید پوشاک پہنے ہوئے تھا اور نہایت سیاہ بالوں والا تھا۔ اگرچہ دور کا معلوم ہوتا تھا مگر اس پر سفر کے آثار ناپید تھے ہم میں سے کوئی بھی اس کا واقف نہیں تھا تشریف لاتے ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت قریب بیٹھ گیا یہاں تک کہ اس کے گھٹنے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنوں کو مس کر رہے تھے۔ عرض کی۔

حضور! اسلام کیا شئے ہے؟ آپ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک اور مجھے اس کا رسول برحق ماننا اور نماز قائم کرنا اور زکوۃ ادا کرنا اور روزہ رمضان رکھنا اور بیت اللہ کا حج کرنا اگر وسعت ہو تو۔

لے ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غائب ہو کر ایمان لاتے ہیں یعنی آپ کے شواہد نبوت کا مشاہدہ نہیں کرتے۔

جواب سن کر: صدقت یارسول اللہ[1] صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس کے سوال اور پھر اس کی تصدیق پر بڑا تعجب ہوا۔ پھر عرض کی: حضور ایمان کسے کہتے ہیں؟

آپ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر اور موت کے بعد اٹھنے اور جنت ونار پر اور اس کی بری اور بھلی تقدیر پر ایمان لانا۔

جواب سن کر کہا: صدقت (آپ نے سچ فرمایا)

پھر عرض کی: حضور! احسان کے متعلق بھی تشریح فرما دیجئے۔

آپ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی عبادت ایسے کرو گویا اسے دیکھ رہے ہو۔ اگر ایسا نہیں ہوسکتا تو کم از کم اتنا ضرور خیال ہو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

عرض کی: صدقت

پھر عرض کی: حضور! قیامت کب آئے گی؟

آپ نے فرمایا کہ جس سے سوال ہو رہا ہے وہ سائل سے (اس معاملہ میں) زیادہ عالم نہیں۔

پھر عرض کی: حضور! اس کے علامات تو بیان فرما دیجئے۔

آپ نے فرمایا: قرب قیامت میں لونڈی اپنے سردار کو جنے گی اور ننگے جسم اور ننگے پاؤں والے اور چرواہے تنگدست اپنی اپنی بلڈنگوں پر نازاں ہوں گے۔ عرض کی: صدقت بعد ازاں وہ صاحب تشریف لے گئے۔

تھوڑی دیر بعد مجھ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! جانتے ہو یہ کون شخص تھا؟

میں نے عرض کی: اللہ ورسولہ اعلم

آپ نے فرمایا: یہ جبریل علیہ السلام تھے تمہارے ہاں تشریف لا کر تم کو دین کی باتیں سکھاتے ہیں اور میرے ہاں جس صورت میں تشریف لاتے ہیں میں انہیں پہچان لیتا ہوں اور اب بھی میں نے پہچان لیا تھا۔

---

[1] یارسول اللہ آپ نے سچ فرمایا۔

marfat.ocm

ف: غیب[لہ] دو قسم ہے ایک وہ جو تجھ سے غائب ہے دوسرا وہ جسے تو غائب ہے۔ پس وہ غائب جو تجھ سے غائب ہے وہ عالم ارواح ہے کہ تو اس کے ہاں حاضر تھا جب کہ تو اس عالم میں روح کے ساتھ تھا اور اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ میں ایک ذرہ کی طرح تیرا وجود تھا اور اس وقت حق کے خطاب سن رہا تھا اور آثار ربوبیت کا مطالعہ فرما رہا تھا اور فرشتگان کا مشہود بھی ہوتا تھا اور ارواح انبیاء اور اولیاء وغیرہم سے بھی تعارف ہوتے رہے۔ جب تو عالم جسمانیت سے متعلق ہوا اور جب تو حواس خمسہ کے ساتھ یعنی محسوسات جو کہ عالم اجسام سے ہے کو دیکھنے لگا تو پھر وہ غیب تجھ سے غائب ہو گیا اور وہ دوسرا غیب کہ جس سے تو غائب ہے وہ غیب الغیب ہے یعنی بارگاہ لم یزل کا حضور کہ تو اپنے وجود کے اعتبار سے اس سے غائب ہے مگر وہ اپنے وجود کے اعتبار سے تجھ سے غائب نہیں وہ تیرے ساتھ ہے جہاں بھی تو ہے تو اس سے بعید ہے مگر وہ تیرے ہر وقت قریب ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ؎

دوست نزدیک تر از من بمن است
وین عجب تر من از وے دورم
چہ کنم با کہ تواں گفت کہ او
در کنار من و من مہجورم

ترجمہ: میرا دوست میری ذات سے بھی زیادہ قریب ہے اور یہ بات اس سے بھی زیادہ عجیب ہے کہ میں اس سے دور ہوں میں کیا کروں کس سے بات کہی جا سکتی ہے کہ وہ میری بغل میں ہے اور میں اس سے جدا ہوں

وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ بمعنی الدعا ہے۔ جیسے آیت وَصَلِّ عَلَيْهِمْ میں صلوۃ بمعنی دعا ہے اور بمعنی ثنا بھی آیا ہے کہ میں اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ بمعنی ثنا ہے اور بمعنی قرأۃ بھی جیسا کہ وَلَا تَجْهَرْ

[لہ] ۔ جو شئے ہمیں نظر نہ آئے وہ ہمارے لیے غیب ہے مثلاً فرشتے، یہ ہمیں نظر نہیں آتے یہ ہمارے لیے غیب ہیں۔ ایک ذات پاک ایسی بھی ہے جو ان فرشتوں کے لیے بھی غیب ہے اور وہ ذات پاک خداوند کریم جل شانہٗ کی ہے گویا خدا تعالیٰ غیب در غیب ہے اور ہمارے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شب معراج اس غیب در غیب کو بھی دیکھ لیا۔ پھر غور فرمائیے کہ جس مبارک آنکھ نے غیب در غیب کو بھی دیکھ لیا ہو اس پیاری آنکھ سے اور کون سی چیز غائب رہ سکتی ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

اور کیا غیب تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

(اویسی غفرلہٗ)

بِصَلَاتِكَ میں صلوۃ بمعنی قرأۃ ہے اور بمعنی رحمت بھی جیسا کہ **أُولَٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّن رَّبِّهِمْ** میں بمعنی رحمت ہے اور بمعنی مخصوصہ افعال واذکار جنہیں شرع پاک نے مقرر فرمایا ہے اور شرع میں بھی صلوۃ کو صلوۃ اس لیے کہتے ہیں (کہ اس میں معانی مذکورہ پائے جاتے ہیں) مثلاً اس کے قیام میں قرأت ہے اور تعوذ میں ثنا و دعا ہے اور اس کے عامل کو رحمت نصیب ہوتی ہے اور آیت ہذا میں لفظ صلوۃ اسم جنس ہے جس سے پانچوں نمازوں کا ارادہ کیا گیا ہے اور اقامت بمعنی مواظبت ہے۔ **قَامَتِ السُّوق** سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ بازار کی رونق گرم ہو جائے یا یہ معنی کہ اس کی ادائیگی میں ایسی جدوجہد کرتے ہیں کہ اس میں فتور وستی کو راہ تک بھی نہیں ملتی جیسا کہ کہا جاتا ہے: **قَامَ الْاَمْرُ اَقَامَهٗ** یہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ کسی امر کو جدوجہد کے ساتھ کیا جائے اس کی نقیض **قعد عن الامر و تقاعد** ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی امر میں سستی برتی جائے۔ یا اقامت بمعنی ادائیگی ہے جیسا کہ مؤذن کہتا ہے: **قد قامت الصلوۃ** اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ لوگ نماز میں شروع ہو گئے اور ادائیگی کو اقامت سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ اس میں قیام جیسا کہ اسے قنوت اور رکوع وسجود سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ اس میں یہ اشیاء پائی جاتی ہیں یا اقامت بمعنی تعدیل ارکان وحفاظت ہے یعنی اس کی ایسے حفاظت کرتے ہیں کہ اس کے فرائض وسنن میں کسی قسم کا نقص واقع نہیں ہوتا اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ اس میں یہ اشیاء پائی جاتی ہیں یا اقامت بمعنی تعدیل ارکان وحفاظت ہے۔ یعنی اس کی ایسی حفاظت کرتے ہیں کہ اس کے فرائض وسنن میں کسی قسم کا نقص واقع نہیں ہوتا اس کی شہادت اہل عرب کے قول "**اقام العود**" سے ہوتی ہے کہ وہ اس قول کو اس وقت بولتے ہیں جب کہ لکڑی کو سیدھا اور پورے موقعہ پر کھڑا کیا جائے۔ یہی معنی زیادہ ظاہر ہیں کیونکہ زیادہ مشہور اور اقرب الی الحقیقت ہے اور مندرجہ تنبیہ پر متضمن ہونے کی وجہ سے زیادہ مفید ہے اور مدح کے لائق بھی وہی شخص ہے جو نماز کے حدود ظاہرہ از قسم فرائض وسنن اور حقوق باطنہ جیسے خشوع اور دل سے خدا کی طرف متوجہ ہوتے ہونے کی طرف رعایت کرتا ہے نہ وہ نمازی جو اپنی نمازوں میں غفلت کرتے ہیں۔

ف : حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کسی کو دیکھو کہ نماز پڑھتے وقت رکوع وسجود میں عجلت کر رہا ہے تو اس کے عیال پر رحم کرو (یعنی ایسا کرنے سے معاش میں تنگی ہوتی ہے)

marfat.ocm

حکایت: حاتم زاہد عاصم بن یوسف کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عاصم نے کہا: اے حاتم! تو نے نماز کو کبھی اچھا کر کے ادا کیا ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ عاصم نے کہا: وہ کیسے؟ حاتم نے کہا: جب نماز کا وقت قریب ہوتا ہے تو کامل وضو کر کے نماز پڑھنے کے مقام پر پہنچ کر اطمینان سے نماز پڑھنا شروع کر دیتا ہوں۔ پس نماز کی ادائیگی میں یہ خیال کرتا ہوں کہ گویا کعبہ میرے سامنے ہے اور مقام ابراہیم سینہ کے بالمقابل ہے اور میرا مالک میرے دل کو ملاحظہ فرما رہا ہے اور میرا یہ قدم پل صراط پر ہے اور جنت میرے دائیں اور دوزخ میرے بائیں اور ملک الموت میرے پیچھے ہے اور یہی تصور ہوتا ہے کہ یہ میری آخری نماز ہے۔ پھر تکبیر کہتا ہوں احسان کی اور قرأت پڑھتا ہوں تفکر کی اور رکوع کرتا ہوں تواضع کا اور سجدہ کرتا ہوں خشوع کا پھر قعدہ کرتا ہوں خوف و رجا کے مابین، پھر صبر پر پابند ہوں۔ عاصم نے کہا: اے حاتم! تم ایسے نماز ادا کرتے ہو؟ حاتم نے کہا: ایسے نماز ادا کرتا ہوں، نہ صرف ایک بار بلکہ تیس سال کامل ہو گئے۔ عاصم رو پڑے اور کہنے لگے: ہائے افسوس! میں ایسی نماز کبھی ادا نہ کر سکا۔ (کذافی تنبیہ الغافلین)

شیخ سعدی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

اگر بے وضو در نماز ایستی کہ داند چو در بند حق نیستی

فضائل ومسائل نماز: اللہ تعالیٰ نے نماز میں چند چیزوں کا حکم فرمایا ہے۔

۱۔ اقامت کا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ نماز قائم کرو

۲۔ محافظت ومداومت کا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ

۳۔ پورے وقت میں ادا کرنے کا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا نماز اہل ایمان پر فرض ہے۔

۴۔ جماعت کے ساتھ ادا کرنے کا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ رکوع والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

۵۔ خشوع کے ساتھ ادا کرنے کا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ بہ بنائے ایں

marfat.ocm

وجوہ لوگ بھی چند قسم ہوئے۔

۱۔ سرے سے نماز کے منکرین۔ ان سب کا سردار ابو جہل ہے اس کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی ان کا انجام بھی بیان فرمایا ہے: مَا سَلَكَكُمْ فِیْ سَقَرَ۝ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ تا وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِیَوْمِ الدِّیْنِ ۲۔ اس کی حقانیت کے قائل تو ہیں مگر ادا نہیں کرتے یہ اہل کتاب ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ خلف سے مراد اہل کتاب ہیں۔ پھر فرمایا: اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ پھر ان کے انجام کے متعلق فرمایا: فَسَوْفَ یَلْقَوْنَ غَیًّا عنقریب دوزخ میں داخل ہو گئے۔

ف: لفظ غی متعلق کہا گیا ہے کہ دوزخ کا ایک ایسا طبقہ ہے جو تمام طبقات سے زیادہ سخت ہے جس سے لوگ دن میں کئی بار فریادی ہوتے ہیں بعد ازاں فرمایا: اِلَّا مَنْ تَابَ یعنی یہودیت ونصرانیت سے توبہ کرنے اور فرمایا: وَاٰمَنَ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے وَعَمِلَ صَالِحًا یعنی نماز کا پابند ہو جائے تو پھر اس طبقہ سے بچ جائے گا ورنہ نہیں۔

۳۔ بعض وہ ہیں کہ بعض نمازیں ادا کرتے ہیں اور بعض قاصر اور کاہل ترین ہوتے ہیں۔ یہ لوگ منافق ہیں ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى اور ان کا انجام وَیْلٌ ہے اور وَیْلٌ جہنم میں ہے کہ اگر اس میں تمام دنیا کے پہاڑ ڈالے جائیں تو اس کی گرمی سے پگھل جائیں گے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔ جس نے نماز کو چھوڑ رکھا، یہاں تک کہ اس کا وقت چلا گیا تو اس کو جہنم میں ایک حقب تک رکھا جائے گا اور حقب اسی سال کا ہے اور سال تین سو ساٹھ دن کا اور اس کا ہر ایک دن تمہاری گنتی کے ہزار سال جیسا ہے۔

مسئلہ : نماز کو وقت سے بے وقت کر کے پڑھنا گناہ کبیرہ ہے اور کبیرہ گناہوں سے سب سے چھوٹے کے متعلق کہا گیا ہے، کہ گویا اس نے اپنی ماں کے ساتھ ستر بار زنا کیا۔ (کذا فی روضۃ العلماء)

۴۔ وہ حضرات ہیں جو اس کی فرضت کے قائل ہیں اور پورے وقت میں شرائط کے مطابق ادا کرتے ہیں۔ ان

marfat.ocm

سب کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ بے شک تیرا رب جانتا ہے کہ تم رات کی دو تہائی حصہ قیام کرتے رہو گے اور فرماتا ہے: قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وہ اہل ایمان کامیاب ہوئے جو نمازوں میں خشوع کرتے ہیں ان کے انجام کے متعلق بھی یہ مژدہ سنایا:

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝۱۰ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ وہی جنت الفردوس کے وارث ہیں۔

ف: بہشت کا ایک بلند مقام اور پر رونق مقام ہے۔ مومن وہاں پہنچ کر اپنی من بھاتی آرزو پائے گا اور اپنے مالک کے دیدار سے بھی سرشار ہو گا۔

لطیفہ : حکماء فرماتے ہیں کہ: ستارہ ہو جا، اگر تجھے طاقت نہیں تو چاند ہو جا، ورنہ سورج ہو جا۔

تشریح:۔ یعنی ساری رات عبادت میں معروف رہ جیسا کہ ستارہ تمام رات چمکتا ہے یا چاند کی طرح ہو جیسا کہ وہ رات کے بعض حصہ میں روشن رہتا ہے تو بھی رات کے بعض حصہ میں عبادت گذار ہو ورنہ سورج کی طرح ہو یعنی رات کو اگر تجھے عبادت کا موقع میسر نہیں ہوتا تو دن کی عبادت کو غنیمت سمجھ (کذا فی زھرۃ الریاض)

نماز با جماعت کے مسائل: نماز با جماعت ادا کرنا فرض کفایہ ہے مگر عام علماء کے نزدیک فرض نہیں یہاں تک کہ تنہا نماز پڑھنے سے ان کے نزدیک نماز ہو جاتی ہے مگر جماعت کی فضیلت سے محرومی ہے۔

۲۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نماز با جماعت ادا کرنا سنت نہیں بلکہ فرض ہے اگر کسی نے جماعت کے بغیر نماز پڑھی تو اس کی نماز نہ ہوئی۔

۳۔ لیکن ہمارے (احناف) کے نزدیک اگرچہ نماز با جماعت فرض نہیں مگر مسلمان پر ضروری ہے کہ اس کی حفاظت و مداومت ضرور کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ اے میری قوم اللہ کے داعی کا کہا مانو!

دَاعِيَ اللّٰهِ سے مراد بعض کے نزدیک وہ موذنین ہیں جو پانچوں اوقات نماز کے لئے بلاتے ہیں۔

مسئلہ : شرابی، قاتل ناحق، چغل خور، والدین کے بے فرمان، کاہن، ساحر، گلہ گوان سب سے تارک

marfat.ocm

جماعت برا ہے۔ توراۃ، انجیل، زبور، قرآن میں اسے ملعون کہا گیا ہے اور ملائکہ اسے ملعون کے نام سے پکارتے ہیں یہ جب بیمار ہو تو اس کی طبع پرسی نہ کرو اور جب مر جائے تو اس کے جنازہ پر بھی نہ جاؤ۔

نماز با جماعت کے فضائل: حدیث شریف:۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: تارک جماعت مجھ سے نہیں اور نہ میں اس سے ہوں اور اللہ تعالیٰ نہ اس کی فرضی عبادت قبول کرے گا نہ نفلی اگر اسی حالت میں اس پر موت آ گئی تو وہ جہنم کا مستحق ہوگا۔ (کذافی روضۃ العلماء)

حدیث شریف: نصاب الاحتساب میں ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: مجھے خیال آتا ہے کہ کسی کو نماز پڑھانے کا حکم دے کر اس قوم کا معائنہ کروں جو جماعت میں حاضر نہیں ہوتی۔ پس ان کی اس حالت (ترک جماعت) کو دیکھ کر ان کے گھروں کو جلا دوں۔

مسئلہ:۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو سنت مؤکدہ کا تارک ہو اس کے گھر کو جلانا جائز ہے۔

تنبیہ:۔ تارک سنت کے لیے اتنا سخت حکم ہے اب تم خود سوچ لو کہ فرض وواجب کے ترک پر کتنی سزا ہوگی۔[1]

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ معصیت کے آلات کو جلانا جائز بلکہ ضروری ہے۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کلمہ شہادت کے لئے مبعوث فرمایا۔ جب اس کی تصدیق ہوگئی تو نماز کا حکم دیا اس کی تصدیق کے بعد زکوٰۃ کا حکم دیا اس کے بعد روزہ رمضان کا حکم صادر فرمایا۔ پھر حج کا ارشاد نازل فرمایا بعد ازاں جہاد کا اس پر دین متین تکمیل کی ہوگئی۔

ف: حضرت مقاتل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام مکہ معظمہ میں دو رکعت صبح کو اور دو رکعت شام کو پڑھتے تھے پھر جب آپ کو معراج ہوئی تو آپ کو پانچوں نمازوں کا حکم ہو۔ (کذافی روضۃ الاخیار)

سوال: نماز شب معراج میں کیوں فرض ہوئی؟

جواب:۔ چونکہ شب معراج افضل الاوقات اور اشرف الحالات اور اعز المناجات ہے اور نماز بھی بعد از ایمان

---

[1] نیز منقول ہے کہ بے نماز کو قرض بھی نہ دینا چاہئے اس لیے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کا عائد کردہ "قرض" ادا نہیں کرتا تو وہ تمہارا قرض کب ادا کرے گا۔ اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

افضل الطاعات اور ادائیگی کے لحاظ سے احسن الہیات ہے پس افضل عبادت کو اس افضل وقت (کہ جس میں بندہ کو اپنے رب کا وصال اور اس کا قرب حاصل ہوا) فرض کیا گیا۔

نکات: ۔ ۱۔ نماز کی فرضیت میں ایک حکمت یہ ہے کہ جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم آسمانوں پر تشریف لے جا کر ملک سموت کے ذرہ ذرہ کی سیر فرمائی اور اس کے مکینوں یعنی ملائکہ کی عبادات کا بھی معائنہ فرمایا تو ان کی کثرت عبادت پر آپ کو رشک ہوا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے امت کے لئے ملائکہ کی عبادت کا عرض کیا اللہ تعالیٰ نے بمطابق معروض تمام ملائکہ کی عبادت کا مجموعہ صلوۃ خمسہ میں جمع فرما دیا۔ بایں طور کہ وہ فرشتے بعض قیام میں تھے اور بعض رکوع میں اور بعض سجدہ میں اور بعض تسبیح کہہ رہے تھے وغیرہ وغیرہ پس اللہ تعالیٰ نے ان تمام ملائکہ کی عبادات کے اجر وثواب صلوۃ خمسہ کی ادائیگی پر عطا فرما دیے۔

۲۔ نماز دو یا تین، چار رکعت اس لیے فرض ہوئی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج بعض ملائکہ کو دیکھا بعض دو پروں والے تھے بعض تین والے بعض چار والے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ہیئات کو انوارِ صلوات میں متشکل فرما دیا۔ بایں طور کہ جب اعمال کے ملائکہ ارواح عبادات کو آسمان کی طرف لے جاتے ہیں تو یہ عبادات نورانی شکلوں میں متمثل ہوتی ہیں چنانچہ اس کے متعلق احادیث میں وارد ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے پروں کو تین مراتب میں منقسم فرمایا اور نمازی کو بھی انہی تین قسموں کے پر عطا ہوئے کہ وہ ان سے ملائکہ کے موافق ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف پرواز کرے تا کہ ملائکہ اس کے لیے استغفار کریں۔

۳۔ نماز کو پانچ اوقات میں اس لیے فرض کیا گیا کہ جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج اللہ تعالیٰ سے امت کے لیے تخفیف کی عرض کی اور واپسی کا عزم فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یامحمد (صلی اللہ علیہ وسلم) **انہن خمس صلوت کل یوم ولیلۃ بکل صلوۃ عشر حسنات فتلک خمسون صلوۃ** یعنی اے میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) دن اور رات میں پانچ نمازیں ہیں اور ہر نماز دس کے برابر ہے اس لحاظ سے ان کی پچاس نمازیں ہوئیں۔

ف: ہم سے پہلی امتوں پر پچاس نمازیں فرض تھیں پس شب معراج امت پر تخفیف فرما کر پانچ مقرر کر دیں مگر اپنے فضل وکرم سے ثواب پچاس کا عنائت فرمائے گا۔

۴۔ سابقہ امتوں پر نماز متفرق طور پر فرض تھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ہمارے لیے تفریق کو جمع سے بدل دیا کیونکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دین ودنیا کے جمیع فضائل وکمالات کے جامع ہیں۔ اسی آپ کی امت سابقہ امم کے اعتبار سے۔

ف:۱۔ سب سے پہلے فجر کی نماز سیدنا آدم علیہ السلام نے پڑھی اور ظہر کی سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اور عصر کی یونس علیہ السلام نے اور مغرب کی عیسیٰ علیہ السلام نے اور عشاء کی موسیٰ علیہ السلام نے۔

تنبیہ:۔ یہی راز ہے نماز کو پانچ اوقات میں ادا کرنے کا۔

۲۔ بعض روایات میں ہے کہ ان پانچ نمازوں کو سب سے پہلے ادا کرنے والے سیدنا آدم علیہ السلام ہیں پھر بعد میں انبیاء علیہم السلام متفرق طور پر ادا فرماتے رہے۔

۳۔ وتر سب سے پہلے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں ادا فرمائے اسی لیے آپ نے فرمایا: میرے لیے میرے رب نے ایک اور نماز زائد فرمائی ہے۔ یعنی پنجگانہ سے یارات کی نماز ہے۔

۴۔ سب سے پہلے (آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کے حکم میں) سجدہ کرنے والے جبریل علیہ السلام ہیں جس کی وجہ سے وہ تمام انبیاء علیہم السلام کے خادم ورفیق مقرر ہوئے۔

۵۔ سب سے پہلے سبحان اللہ کہنے والے حضرت جبریل اور الحمدللہ کہنے والے حضرت آدم اور لا الٰہ الا اللہ کہنے والے حضرت ابراہیم اور **لاحول قوۃ الا باللہ العلی العظیم** کہنے والے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ تمام مذکورہ بالا تقاریر **کشف الکنوز وحل الرموز** کی ہیں۔

ف:۶۔ حکم شاذلیہ اور اس کی شرح میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ انسان سے کئی مذاہب ظاہر ہوں گے تو پھر (بہ بنائے مصلحت) اس کی طاعات کے انواع بھی کئی مقرر فرمائے۔ تاکہ جب ایک نوع سے ملال کرے تو دوسرے نوع میں شروع ہو کر راحت حاصل کرے اور یہ بھی علم تھا کہ انسان میں وہ حرص ہے جو اسے مختلف ملتوں کی طرف کھینچ کر اسے مقصود اعلیٰ تک پہنچنے سے روکے رکھے گا تو پھر اس پر چند واقعات کی پابندی لگادی۔ مثلاً آٹھویں پہروں میں پانچ وقت کی نماز اور سال میں ایک ماہ کا روزہ اور دوسو درہم سے پانچ درہم زکوٰۃ اور عمر بھر میں صرف ایک دفعہ حج بیت اللہ پھر فرض کی تفاصیل کے لیے وہ وقت ہے جو دوسرے فرض کی صلاحیت

نہیں رکھتا۔ یہ سب کچھ انسان کے لیے رحمت اور اس کے عبد بننے کی سہولت کے موجبات ہیں تا کہ اس سے ان کی ادائیگی کا خیال ہٹ نہ جائے اور اوقات میں وسعت کر دی تا کہ بندہ کو اس میں ادائیگی کا خیال باقی ہو۔

حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہٗ فرماتے ہیں ۔

گرنباشد فعل خلق اندر میاں — پس مگوراچراکردی چناں
یک مثال اےدل پئے فرقے بیار — تا بدانی جبر را از اختیار
دست کاں لرزاں بود از ارتعاش — وانکہ دستے را تو لرزانی زجاش
ہر دو جنبش آفریدہ حق شناس — لیک نتواں کرد ایں باآں قیاس

ترجمہ: ۱۔ اگر مخلوق کا درمیان میں دخل نہ ہو تو پھر تم آپس میں کیوں کہتے ہو کہ تم نے یہ کیوں کیا۔

۲۔ تمہیں صرف ایک مثال دیتا ہوں کہ تم جبر و اختیار کے درمیان فرق کر سکو۔

۳۔ دیکھئے ایک ہاتھ کانپتا ہے رعشہ کی بیماری سے، لیکن تم اپنا ہاتھ ہلاتے ہو اپنے اختیار سے۔

۴۔ اگر ان دونوں ہاتھوں کی حرکتوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے لیکن ایک مجبوراً کانپ رہا ہے دوسرا اختیار سے ہل رہا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ نماز کی ابتداء اقامت سے ہے۔ پھر اس پر مداومت کا حکم ہے نماز کی اقامت کا یہ مطلب ہے کہ اس کو اپنے اوقات میں ادا کرنے اور اس کے رکوع وسجود کو پورا کرنے اور اس کی حدود پر ظاہراً وباطناً پابندی کرنے پر محافظت کی جائے اور نماز پر مداومت کا مطلب یہ ہے کہ اس نفحات ربوبیت کے لئے جمع ہمت کے ساتھ مداومت کرنا اور وہ نفحات نماز میں امانت رکھے گئے ہیں جیسا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نماز کی ظاہری صورت صورت تعرض ہے اور اس امر کی صورت جذبۃ الحق ہے جو کہ غیر کی عبودیت کے ارتکاب سے روکتا ہے اور نماز کی باطنی صورت حقیقی تعرض ہے پس نماز کی ہر ظاہری شرط اور رکن اور سنت وہیئت میں ایک راز ہے جو حقیقی تعرض کی طرف دلالت کرتا ہے۔

صوفیہ کا وضو۔ نماز کی شرائط میں سے ایک شرط وضو ہے۔ جس کے ہر مستحب وسنت وفرض میں راز ہے جو ایسی طہارت پر دلالت کرتا ہے جس سے اقامت صلوٰۃ کی استعداد پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً ہاتھ دھونے میں نفس کو

گناہوں کے کیچڑ اور قلب کو صفات ذمیمہ، حیوانیہ اور سبعیہ، شیطانیہ کے کیچڑ سے صاف کرنے کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا ہے۔ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ یعنی اپنے ثیاب کو پاک کرو۔ تفاسیر میں ثیاب بمعنی قلب بھی آیا ہے اور منہ دھونے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اپنے ارادہ کے منہ کو ظلمتِ حبِ دنیا کی گرد وغبار سے پاک رکھا جائے کیونکہ حب دنیا تمام گناہوں کی جڑ ہے۔

صوفیہ کی نماز:۔ نماز کی شرائط سے ایک شرط استقبال قبلہ بھی ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ قرب مناجات کے لیے طلب حق کے ماسوا سے اعراض اور حضرتِ ربوبیت کی طرف توجہ ہونی چاہئے اور رفع الیدین میں اس طرف اشارہ ہے کہ ارادوں کے ہاتھ دنیا وآخرت کی طلب سے دور ہوں اور تکبیر میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم مقصود ہو۔ کیونکہ وہ کریم مومن کے دل میں باعتبار طلب ومحبت تعظیم کے سب سے بڑا ہے اور تکبیر کے ساتھ نیت کی۔ مقارنت میں اس طرف اشارہ ہے کہ طلب میں نیت ہو پس بندہ کو چاہیے کہ اس سے سوائے اللہ کی ذات کے کسی اور کی طلب نہ کرے۔ کیونکہ جس نے اس کے غیر کو طلب کیا تو گویا اس نے اسی کو اپنا بڑا اور اہم مطلوب سمجھا نہ کہ اللہ تعالیٰ کو۔ بنا بریں اس کی حقیقۃً نماز جائز نہ ہوگی۔ جیسا کہ بظاہر اس کی نماز سوائے تکبیر تحریمہ کے جائز نہیں ہوتی۔ مثلاً اگر کوئی شخص (بجائے اللہ اکبر کے) **الدینا اکبر یاالعقبی اکبر** کہے تو اس کی نماز جائز نہیں جب تک کہ اللہ اکبر نہ کہے۔ اسی طرح حقیقۃً بھی (نماز صحیح نہ ہوگی) جب تک کہ نماز میں اس کی ذات کو مقصود نہ سمجھے اور سیدھے ہاتھ کو بائیں ہاتھ اور سینے پر رکھنے میں اشارہ ہے کہ بندے اپنے مالک کے سامنے یونہی پیش ہوتے ہیں اور (سینہ پر ہاتھ رکھنے سے) قلب کو ماسوا اللہ کی محبت سے محفوظ کرنا ہے اور انی وجھت وجھی للذی سے شروع کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ حق کی طرف توجہ اور غیر سے اعراض ہونا چاہئے اور اس میں فاتحہ کے وجوب اور قرأۃ کی فرضیت اور ان کے سوا نماز کے عدم جواز میں بندے کی حقیقت تعرض (جو کہ نفحات الطاف ربوبیت کی طلب میں ہوتا ہے) کی طرف اشارہ ہے۔ اس لحاظ سے کہ اس کو باری تعالیٰ کی حمد وثنا وشکر اور طلب ہدایت سے طلب کیا جائے اور یہ ہدایت دراصل وہ جذبات الٰہیہ ہیں کہ جس کا ایک جذبہ ثقلین کے عمل کے برابر ہے اور بندے کا تقرب نصف نماز میں ہے جو کہ بندہ اور مالک لم یزل کے مابین نصف ونصف تقسیم کی گئی ہے اور قیام ورکوع وسجود میں اس طرف اشارہ ہے کہ بندہ کا رجوع عالم ارواح اور مسکن غیب کی طرف ہے اس

لیے کہ یہ (اس عالم وسکن سے آیا ہے) پھر اس کا پہلے تعلق نباتیہ سے ہوا پھر حیوانات سے، پھر انسانیت سے پس قیام انسان کا خاصہ ہے اور رکوع حیوانیت کا اور سجود نباتات کا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ بندے کا ان ہر سہ مراتب سے نفع بھی ہے اور نقصان بھی اور روح علوی جو کہ نورانی ہے اس کا اس جسد سفلی (جو کہ ظلماتی ہے) سے متعلق کرنے میں بھی نفع مقصود ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے۔

حدیث قدسی: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ”میں نے مخلوق کو اس لیے پیدا فرمایا کہ وہ مجھ سے بہرہ یاب ہو (نہ اس لئے کہ میں اس سے فائدہ حاصل کروں) تاکہ روح سفلیات کے تمام مراتب سے فائدہ اٹھائے جو کہ وہ مراتب علویات سے نہ پاسکا۔ اگرچہ وہ پہلے خسارہ کی آزمائش میں مبتلا ہوا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یعنی بندہ نور ایمان وعمل صالح سے بلائے خسران (جو کہ مراتب سفلیہ سے ہے) نجات پاکر ان مراتب علویہ کے منافع سے باریاب ہوگا۔ مثلاً نماز کے قیام (جو کہ عاجزی وتواضع کے ساتھ ہو) سے تکبر وتجبر (جو کہ انسان کا فطرتی ہے) سے نجات پاکر کامل انسان ہو جائے گا اور اس کے بعد اس کی زبان انا ربکم الاعلی کہہ اٹھے گی (مگر باجود اینہمہ) علو ہمت کے منافع سے کامیاب ہوگا۔ جو کہ یہ انسانی تکمیل ہے جب اس تکمیل سے کامیاب ہو جاتا ہے تو مکون (یعنی خالق کائنات) کی طلب میں عالم کون کی طرف التفات بھی نہیں کرتا جیسا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا (شب معراج) حال تھا۔ جس کو قرآن پاک یوں بیان فرماتا ہے۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى نہ آنکھ ٹیڑھی ہوئی اور نہ دوڑے بے شک اپنے رب کی بہت بڑی نشانی دے گی۔ پس جب بندہ تکبر انسانی سے نجات پاتا ہے تو قیام انسانی سے رکوع حیوانی کی طرف رجوع کرتا ہے جو کہ خضوع وانکسار کا حامل ہے۔ پس رکوع کی بدولت صفۃ حیوانیہ کے خسارہ سے نجات پاکر تحمل اذی اور حلم کی سعادتوں سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ پھر رکوع حیوانی سے فارغ ہوکر سجود نباتی کا رخ کرتا ہے۔ پس سجود کی برکت سے ذلت نباتیہ ودنأت سفلیہ کے خسران سے نجات پاکر اس خشوع کے منافع سے بہرہ یاب ہوا۔ جس میں فلاح ابدی ونور سرمدی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝ خشوع عبودیت کے عروج کا کامل آلہ ہے اسی سے انسان کو جسد نوران سے تعلق نصیب ہوا اور ایسا خشوع عالم میں کسی کو نہیں عنایت ہوا۔ یہ وہ

راز امانت ہے کہ جس کے تحمل سے ملائکہ وغیرہ نے انکار کردیا تھا جس کو آیت وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ میں ذکر کیا گیا ہے۔

کیونکہ اباءِ خشوع کی نقیض ہے اور انسان میں چونکہ استعداد خشوع موجود تھی اس کی بدولت امانت کا بوجھ اٹھالیا اور خشوع کی تکمیل سجدہ سے ہوتی ہے کیونکہ اسی سے صورتِ انسانی وہیئت نماز میں کمال درجہ کے عجز کا اظہار ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں اسی سے روح کا عالم سفلی سے قطع تعلق احسن طریق سے ہوتا ہے اور مراتب انسانیہ وحیوانیہ ونباتیہ سے اعراض وعالم روحانی علوی کی طرف اسی انانیت وجود کی بدولت ہوتا ہے اور نفحات الطافِ حق کے لئے تعرض اسی سے ہوتا ہے اور بذل المجهود جو کہ نمازی کے لیے شرط اول ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ اسی سے میسر ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ رزق لغت میں بمعنی عطا ہے اور عرف میں اہل سنت کے نزدیک وہ شئے ہے جس سے حیوان نفع اٹھائے خواہ حلال ہو یا حرام اور یہاں قرینہ کی وجہ سے حلال شئے مراد ہے کیونکہ یہ مدح کا مقام ہے اور مفعول کی تقدیم میں دو فائدے ہیں: ۱۔ اہتمام
۲۔ رؤس آیات کی محافظت اور مِن تبعیضیہ داخل کرکے اسراف (جو کہ شرعاً ممنوع ہے) سے منع کیا گیا ہے۔

سوال: رزقنا جمع کا صیغہ ہے اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ناجائز ہے کیونکہ وہ تو وحدہٗ لاشریک ہے۔

جواب: جمع کے صیغے بادشاہوں کے لئے بولے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ مالک الملک ہے اور شاہوں کا شاہ ہے

ف: بادشاہوں کی اپنی گفتگو چار طریقوں سے ہوتی ہے۔

۱۔ صیغہ واحد کے ساتھ، جیسے کوئی بادشاہ کہے: فَعَلْتُ كَذَا میں نے ایسے کیا۔

۲۔ جمع کے ساتھ، جیسے فَعَلْنَا كَذَا ہم نے ایسے کیا۔

۳۔ صیغہ مجہول کے ساتھ، جیسے رُسِمَ لَكُمْ تمہارے لیے کہا گیا۔

۴۔ اپنے آپ کو غائب قرار کرکے فعل کی نسبت اپنے اسم کی طرف کردینا۔ جیسے خود کہے: اَمَرَكُمْ سُلْطَانُكُمْ

اور قرآن پاک چونکہ عرب کی لغت میں نازل ہوا، بنابریں اللہ تعالیٰ نے انہی چار طریقوں کو اپنے لیے استعمال فرمایا ہے۔ چنانچہ اپنی ذات سے خبر دیتے ہوئے فرمایا۔ ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا یعنی صیغہ واحد کے

marfat.ocm

ساتھ مجھے اور اسے چھوڑ جسے میں نے اکیلا پیدا کیا۔ اور فرمایا: اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ صیغہ جمع کے ساتھ۔ بے شک ہم نے اسے لیلۃ القدر میں اتارا۔ اور فرمایا: کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ وغیرہ تم پر روزے فرض ہوئے اور طریقہ غیب بھی کئی بار فرمایا۔ کما قال: الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وغیرہ وغیرہ (کذافی تفسیر التیسیر) وہ جس نے تمہیں پیدا کیا۔

میرے شیخ قدس سرہٗ کی تقریر اس کے متعلق یوں ہے کہ واحد کا صیغہ باعتبار ذات کے ہے اور جمع کا باعتبار اسماء وصفات کے اور کثرت اسماوصفات وحدۃ ذات کے منافی نہیں کیونکہ مآل ہر ایک کا ایک ہی ہے۔ انفاق وانفاد ایک ہی شئے ہے۔ صرف فرق اتنا ہے کہ انفاد میں تمام مال خرچ کرنا مراد ہوتا ہے اور انفاق میں ایسا نہیں ہوتا اور یہاں انفاق سے نیک راہ میں خرچ کرنا مقصود ہے فرض ہو یا صدقہ یا نفل اور جس نے صرف زکوۃ مراد لی ہے تو اس نے خیرات کی بہترین نوع اور ان کے اصل کا ذکر کر کے باقیوں کو ترک کر دیا اور زکوۃ مراد لینا موزوں ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جمیع عطا کردہ معادن مراد ہیں خواہ ظاہری ہوں یا باطنی۔ اس کی تائید اس حدیث شریف سے ہوتی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس علم سے کچھ ظاہر نہ کیا جائے اس خزانہ کی طرح ہے کہ جس سے کچھ خرچ نہ کیا جائے اور جن حضرات نے اس آیت کی تفسیر[1] **ومما خصصنا هم به من انوار المعرفة يفيضون** سے کی ہے وہ بھی تعمیم کے قائل ہیں۔ مگر زیادہ مناسب یہ ہے کہ انفاق سے مراد زکوۃ ہے لیکن ہر شئے کی زکوۃ اس کی جنس سے ہوا کرتی ہے۔ جیسا کہ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ دار کی زکوۃ یہ ہے کہ اس میں ایک مہمان خانہ بھی تیار کیا جائے۔

(کذافی الرسالة القشیریه)

نمکین اقوال: ☆...... اہل شرع کا انفاق اموال کی حیثیت سے ہوتا ہے لیکن جاہل اہل حقیقت کا جان سے مولانا روم قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

آں درم دادن سخی را لائق است		جاں سپردن خود سخائے عاشق است

ترجمہ: عوام کی سخاوت پیسے خرچ کرنا اور عاشق کی سخاوت جان جانجاناں کو پیش کرنا ہے۔

---

[1] وہ جنہیں ہم نے انوار معرفت سے مخصوص کیا وہ فیض پہنچاتے ہیں۔

☆...... اغنیاء کا انفاق مال سے ہوتا ہے کہ مال کو ضرورت مندوں سے روک نہیں رکھتے اور عابدین کا انفاق نفوس سے ہوتا ہے کہ نفوس کو خدمات کے وظائف سے باز نہیں رکھتے اور عارفین کا انفاق قلوب سے ہوتا ہے کہ قلوب کو مراقبہ کے حقائق سے دور نہیں فرماتے اور عاشقین کا انفاق ارواح سے ہوتا ہے کہ ارواح کو جاری کردہ قضاء سے نہیں روکتے۔

☆...... اور یہ بھی کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اغنیاء کا انفاق جیب سے مال نکالنا اور فقراء کا انفاق قلوب سے اغیار کا نکالنا ہے۔

نکتہ : آیت میں اوّلاً ایمان کا ذکر ہے اسے قلوب سے تعلق ہے پھر نماز کا اسے بدن سے، پھر انفاق کا اسے مال سے، اور یہ تینوں عبادات کا مجموعہ ہیں چنانچہ ایمان میں نجات ہے اور صلوۃ میں مناجات اور زکوۃ میں درجات (یا یوں کہو کہ) ایمان میں بشارت ہے اور صلوۃ میں کفارہ اور زکوۃ میں طہارت (یا یوں کہو کہ) ایمان میں عزت ہے اور صلوۃ میں قربت اور زکوۃ میں زیادۃ۔

شان خلفائے راشدین: آیت ہذا میں چار چیزوں کا بیان ہے۔

۱۔تقوی ۲۔ایمان بالغیب ۳۔اقامت صلوۃ ۴۔ انفاق

اور یہی چار اوصاف خلفائے راشدین کے ہیں مثلاً آیت میں مومنین کی فضیلت تقوی سے بیان فرمائی اور یہ صفت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں فرمایا:۔

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۙ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۙ اور ایمان بالغیب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صفت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔ يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اور اقامت صلوۃ حضرت عثمانؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا

انفاق حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ

ف : بعض قوم یعنی صوفیہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک عطا کے لحاظ سے سخاوت پہلا رتبہ ہے۔ اس کے

بعد جود، اس کے بعد ایثار، مثلاً کوئی شخص اپنا کچھ مال اپنے لیے رکھ لے اور کچھ خیرات کر دے اسے صاحب سخاوت کہیں گے اور کوئی ایسا شخص ہو کہ کچھ مال اپنے لیے رکھ کر باقی اکثر خرچ کر دے اسے صاحب جود کہا جائے گا اور کوئی ایسا شخص ہو کہ خود تو اپنی ضرورت کے لیے تنگ ہو مگر جو کچھ اسے حاصل ہو وہ دوسروں کے لیے خرچ کر دے اسے صاحب ایثار کہا جائے گا۔ انفاق کے بہت سے فضائل ہیں منجملہ ان کے ایک حکایت ملاحظہ فرمائیے۔

انفاق کے فضائل :۔ حکایت۔ ابو عبد اللہ الحارث الرازی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی ایک نبی کی طرف وحی بھیجی کہ میں نے فلاں شخص کے لیے یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ اس کی نصف عمر فقر میں بسر ہو اور نصف دولت مندی میں آپ نے اسے بلا کر پوچھا کہ وہ کس طرح چاہتا ہے اسے بلایا گیا اور سارا ماجرا سن کر عرض کی: مجھے اجازت ہو تاکہ میں اپنی زوجہ سے مشورہ کر لوں اس نے اپنی عورت کو حال سنایا تو اس نے کہا: پہلے دولت مندی کی تمنا ظاہر کرو۔ مرد نے کہا میرا خیال ہے کہ پہلے فقر ہونا چاہئے کیونکہ سکھ کے بعد دکھ مصیبت عظیم ہے اور دکھ کے بعد سکھ نعمت عظمیٰ اور موجب راحت ہے۔ عورت نے کہا: آپ ٹھیک کہتے ہیں مگر اس بار میرے کہنے پر عمل کر لو اس شخص نے بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر دولت مندی کی آرزو ظاہر کر دی۔

نبی علیہ السلام کی دعا سے وعدہ پورا ہوا اور وہ شخص صاحب جائیداد ہو گیا۔ عورت نے کہا: اگر تو اس دولت کی پائیداری چاہتا ہے تو اسے خلق خدا پر خرچ کر۔ چنانچہ اس نے اس پر عمل کیا جب وہ کپڑا خریدتا تو دوسرا کسی مسکین کے لیے بھی خرید لیتا۔ جب نصف عمر ختم ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی طرف وحی بھیجی اور فرمایا کہ اگرچہ اب اس کی باری فقر کی آ گئی مگر چونکہ اس نے میری نعمتوں کا حق ادا کیا فلہٰذا اسے مژدہ سنا دو کہ اس کی باقی عمر بھی دولت مندی میں بسر ہو گی۔ مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ' فرماتے ہیں ؎

ہر کہ کارد گرد انبارش تہی   لیکش اندر مزرعہ باشد بہی
وانکہ در انبار ماند و صرفہ کرد   اسپش و موش حوادثہاش خورد

ترجمہ :۔ کھیتی بوتے وقت بندہ خالی ہاتھ ہو جاتا ہے لیکن اس کا ثمرہ کھیتی پیدا ہو جانے کے وقت ہوتا ہے اور اپنی گندم نہیں بوتا اسے گھر میں رکھ چھوڑتا ہے تو اسے جانور کھا جاتے ہیں یا چوہے، یا دیمک کا شکار ہو جائے گی۔

حضرت حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

احوال گنج قاروں کایام داد برباد
باغنچہ باز گوید تا زر نہاں ندارد

ترجمہ :۔ قاروں کے خزانے کے حالات سخاوت کے زمانے کی طرح برباد ہیں باغیچے سے کہو کہ وہ اپنا دفینہ پوشیدہ نہ رکھے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ **وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ** کا معنی یہ ہے کہ وہ وجود کے اوصاف (جو کہ ہم نے عطا کئے ہیں) اس نماز (جو کہ بندہ اور اس کے مولی کے مابین منقسم ہے) کے حق نصف میں خرچ کرتے ہیں۔ جب کار دشوار ہونے لگتا ہے اور تعرض منتہا کو پہنچتا ہے تو عنایت ازلیہ نفحات الطاف کے ساتھ بندہ کو مدرک ہوتی ہے اور اسے درجات قرب کی ہدایت دی جاتی ہے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج کے خطابات سے جذبہ حق حاصل ہوا۔ ایسے ہی بندہ کو **وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ** کے خطابات سے جذبہ حق نصیب ہوتا ہے۔

صوفیہ کی تشہد وفراغت از صلوۃ :۔ سجدہ کے بعد تشہد پڑھنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ بندہ حجابات انانیت سے نجات پا کر جذبات ربانیہ کی بدولت شہود جمال حق میں پہنچ رہا ہے اور اس میں الفاظ (مخصوصہ) پڑھنے میں یہ طریقہ سکھایا جا رہا ہے کہ بادشاہوں کی بارگاہ میں تحائف ثناء اور اظہار طلب دیدار کے ساتھ حاضری دینی چاہئے اور دائیں بائیں سلام پھیرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ دارین پر سلام ہو اور ہر اس داعی جاہل پر بھی جو بندہ کو دائیں جانب سے نعیم جنت کی طرف اور بائیں جانب سے لذات وشہوات کی طرف بلاتا ہے اور بندہ مقام اجابات ومناجات اور درجات قربات کا ہے اور وہ اس وقت بحر کرامات میں مستغرق ہوتا ہے بلکہ (یوں کہئے کہ) جذبات الہیہ کی قید میں مقید ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا

مسئلہ :۔ اس وقت اہل شرع تو نماز سے فارغ ہو جاتے ہیں مگر اہل حق دائمی صلوۃ میں ابھی داخل ہو رہے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ اور وہ نمازوں پر مداومت کرتے ہیں۔

marfat.ocm

ف : بعض لوگ ایسے ہیں جو نماز کی حفاظت کرتے ہیں اور نماز ان کی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ بے شک نماز فحش اور برائی سے روکتی ہے۔

یہ وہی لوگ ہیں جو ایمان بالغیب رکھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور اللہ کے دیے ہوئے سے ان نعمتوں کے عوض خرچ کرتے ہیں جو ان کے لئے آخرت میں تیار ہے جس کی جزا اللہ تعالیٰ نے دی ہے کہ میں نے اپنے بندوں کے لئے ایسی اعلیٰ شے تیار کر رکھی ہے کہ جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی بشر کے دل میں اس کا خیال گزرا ہے۔ ان کو جب معلوم ہوا کہ ہمارے لیے وہ شئے تیار کی گئی ہے جو نہ آنکھوں کے ادراک میں آسکتی ہے اور نہ کانوں کے، نہ قلوب کے اور یہ بھی انہیں معلوم نہیں ہوا کہ ان تیار شدہ نعمتوں اور ہمارے مابین سوائے ہمارے اپنے وجود کے کوئی شئے حائل نہیں ہے تو ان کی خواہش ہوئی کہ انہیں وہ نار نصیب ہو (جو ان کے لیے حجاب بنا ہوا ہے) اسے جلا دے۔ چنانچہ انہیں اس صلوۃ کی جانب نار محسوس ہوئی جب وہ اس کے قریب پہنچے تو ندا آئی کہ مبارک ہے وہ شخص جو اس نار کے اندر ہے اور جو اس کے قریب ہے پاکی ہے رب العالمین کے لیے۔ پھر وہ حضرات وجود کے اوصاف کو اس نار کا ایندھن بنا کر وجود کو اسی نار میں جلاتے ہیں۔ اسی طرز پر وہ حضرات نماز میں قائم رہتے ہیں یہاں تک کہ ہاتف غیبی ندا دیتا ہے کہ **اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ**[1] خلاصہ یہ کہ وجود اور اشیاء جو اس کے لیے تیار کی گئی ہیں، مال ہو، خواہ جاہ قربت الی اللہ کے راہ پر خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے وجود عنائت فرماتا ہے۔ جیسا کہ اپنے حبیب علیہ السلام کو فرمایا: **الحق علیک** جس کی وجہ سے یہ شخص انانیت الوجود کے ساتھ باقی رہے گا اور اسے اپنے نور سے دائمی صلوۃ نصیب ہوگی جس کی برکت سے یہ شخص انبیاء علیہم السلام پر ایمان لائے گا۔

تفسیر عالمانہ

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ **شان نزول** :۔ یہ آیت اہل کتاب (یعنی جو اہل اسلام ہیں) کے حق میں نازل ہوئی اور اس کا ماقبل **وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ** تک مومنین عرب کے حق میں نازل ہوا۔ **بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ** سے سالم قرآن اور تمام شریعت مراد ہے۔

سوال :۔ اگر اس سے تمام قرآن مراد ہو تو پھر اس کو ماضی سے تعبیر کرنا ٹھیک نہیں کیونکہ اس آیت کے نزول

---

[1] :۔ اور وہ جسے اللہ کے سوا پوجتے ہیں وہ جہنم کا ایندھن ہیں اور تم اس میں داخل ہونے والے ہو۔

کے بعد بہت کچھ نازل ہوا۔

جواب :۔ ۱۔ یہاں پر تغلیب کا حکم جاری کیا گیا ہے۔ یعنی جو نازل ہو چکا اس کو جو ابھی نازل نہیں ہوا غالب قرار دے کر تمام کو نازل شدہ تصور کیا گیا۔

۲۔ جو ابھی نازل نہیں ہوا اسے بمنزلہ واقع کے قرار دیا گیا جیسا جنات کے قصہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا:۔ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى بے شک ہم نے ایسی کتاب سنی جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد اتری یہاں جنات کہہ رہے ہیں کہ ہم نے وہ کتاب سن لی جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی تھی حالانکہ انہوں نے بعض آیات سنیں۔

۳۔ کواشی میں ہے کہ قرآن پاک حکماً ایک شئے ہے کیونکہ اس کے بعض پر ایمان لانا گویا تمام قرآن پر ایمان لانا ہے۔

بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ اس سے وہ قرآن مراد ہے جو تلاوت کیا جاتا ہے اور وہ وحی مراد ہے جو تلاوت نہیں کی جاتی اور تلاوت کردہ یہی سورتیں اور آیات ہیں تلاوت نہ کی ہوئی وحی وہ ہے جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تعداد رکعات اور نصاب زکوٰۃ اور حدود جنایات بیان فرمائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۞ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى

ف: آیت ہذا میں اُنْزِلَ بمعنی وحی ہے اور بمعنی اعلاء یعنی نیچے سے اوپر کو جانا اور اگر اُنْزِلَ کو اوپر سے نیچے آنے پر محمول کیا جائے تو معنی یوں ہوگا کہ جبریل علیہ السلام تبلیغ کے لئے اوپر سے نیچے لے آئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ یعنی اُنْزِلَ بمعنی اوپر سے نیچے آنا اور وہ اس طرح ہوا کہ معانی نیچے پہنائے گئے ان ذوات مقدسہ کے توسط سے جو ان معانی کی حامل تھیں۔

ف: باقی کتب الٰہیہ کے نزول کے متعلق صحیح علم اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے لیکن کہا جاتا ہے کہ فرشتہ اللہ تعالیٰ کی جناب سے لوح محفوظ سے حاصل کر کے انبیاء علیہم السلام پر نازل کرتا تھا پھر وہ حضرات اس فرشتہ سے یاد فرما لیتے وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ سے توراۃ، انجیل اور دیگر آسمانی کتابیں مراد ہیں۔

مسئلہ :۔ ان کتابوں پر مجملاً ایمان لانا فرض عین ہے اور قرآن پاک پر اس حیثیت سے کہ ہم اس کی تفاصیل

marfat.ocm

کے مطابق عبادت بجالانے والے ہیں۔ بالتفصیل ایمان لانا فرض کفایہ ہے کیونکہ اس کی تفصیل پر ایمان لانے کا وجوب تمام لوگوں پر خرج اور معاش میں خلل پڑنے کا موجب ہے۔

ف : تیسیر میں فرمایا ہے کہ تمام کتب پر ایمان لانا باوجود یہ کہ ان کے احکامات ایک دوسرے کے مخالف ہیں دو قسم ہے۔

۱۔ اس بات کی تصدیق کرنا کہ یہ تمام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔

۲۔ اور ان پر ایمان لانا کہ جن کے احکام منسوخ نہیں ہوئے۔

وَبِالْاٰخِرَةِ آخر (جو کہ اول کا مقابل ہے) کی تانیث ہے اور معدودات کا وہ اسم ہے جو کسی کا لاحق ہو، اور یہ دراصل دار (محذوف) کی صفت ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ دوسری جگہ فرماتا ہے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ اور یہ ان صفات سے ہے جن پر اسمیت غالب ہوتی ہے اور ایسے ہی لفظ الدنیا اور اخر (بفتح الخا) وہ جو اول کے قریب ہے یعنی دوسرا۔

ف : دنیا کو دنیا اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ باعتبار آخرت کے قریب ہے اور آخرت کو اسی لیے آخرت کہتے ہیں کہ وہ مؤخر ہے اور دنیا کے بعد ہے۔

هُمْ يُوقِنُونَ الایقان بمعنی نظر و استدلال سے شک اور شبہ کی نفی کر کے کسی شئے کے علم میں پختگی حاصل کر لینا اسی لیے اللہ تعالیٰ کے علم کو یقین سے موسوم نہیں کیا جاتا اور نہ ہی علوم بدیہہ کو اب **هُمْ يُوقِنُونَ** کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ لوگ ایسا یقین رکھتے ہیں کہ ان میں وہ اوہام و شکوک نہیں جو اہل کتاب میں پائے جاتے ہیں جو کہ منجملہ ان کے یہ شکوک بھی ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ بہشت میں یہود و نصاریٰ کے سوا اور کوئی نہیں داخل ہوگا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ہمیں نار جہنم مس نہیں کرے گی مگر چند روز، اور ان کا اس بات کا اختلاف کہ کیا بہشت کی نعمتیں دنیا کی نعمتوں کی طرح ہیں یا وہ دیگر نعمتیں ہیں اور کیا یہ نعمتیں دائمی ہیں یا چند روزہ ان میں سے ایک گروہ تو اس بات کا قائل تھا کہ بہشت میں کھانے اور پینے اور نکاح کی اشیاء کی لذتیں دنیوی لذتوں جیسی ہوں گی اور بعض کہتے ہیں نہیں بلکہ یوں ہوگا کہ دنیا میں ان اشیاء کی محتاجی جسم کے تزاید اور تناسل و توالد کی بنا پر ہے اور چونکہ اہل جنت ان باتوں سے مستغنی ہوں گے بنابریں صرف وہ نسیم و رواح عقبہ اور سماع لذیذ و سرور کی لذتیں پائیں گے

marfat.ocm

سوال :۔ یُوْقِنُوْنَ پر ھُمْ ضمیر کو مقدم کر کے حصر کیوں کیا گیا؟

جواب :۔ اہل کتاب پر تعریض ہے اس لئے کہ وہ جس طرح امر آخرت کو ثابت کرتے ہیں وہ حقیقت کے خلاف ہے کیونکہ آخرت کے بارہ میں جو اعتقاد رکھتے ہیں کسی حد تک صحیح نہیں، چہ جائیکہ انہیں مرتبہ یقین حاصل ہو اس سے معلوم ہوا کہ ضمیر کی تقدیم تخصیص کے لیے ہے یعنی جو لوگ قرآن پاک اور کتب سابقہ پر یقین رکھتے ہیں وہ آخرت حقیقت پر متصور جو اس عقیدہ کی طرف متجاوز نہیں کہ جس کا کفار و اہل کتاب اثبات کرتے ہیں۔

ف :۱۔ ابو الیث رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یقین تین قسم ہے۔

۱۔ یقین عیاں ۲۔ یقین خبر ۳۔ یقین دلالت

☆...... یقین عیاں وہ ہے جو بجز دیکھنے سے شک زائل ہو جائے۔

☆...... یقین دلالت وہ ہے کہ مثلاً کوئی دور سے دھواں دیکھے تو اس سے اسے آگ کا یقین ہو جائے اگرچہ اُسے آگ دکھائی بھی نہیں دے رہی۔

☆...... یقین خبر وہ ہے کہ کسی ایک کو مثلاً یقین ہے کہ اس عالم دنیا میں ایک شہر ہے جسے بغداد کہا جاتا ہے اگرچہ وہ وہاں تک نہیں پہنچا اور آیت میں یقین خبر اور یقین دلالت مراد ہیں کیونکہ آخرت حق ہے علاوہ ازیں خبر دیکھنے سے معائنہ ہو جاتی ہے۔

ظاہر شریعت کا نام علم الیقین اور اس میں خلوص کرنے کا نام عین الیقین اور اس کے مشاہدہ کا نام حق الیقین ہے علم الیقین وہ علم ہے جو ادراک باطنی کے ساتھ فکر صائب و استدلال سے حاصل ہو اور یہ علم ان علماء کو حاصل ہے جو مومنین بالغیب ہیں اور یہ مرتبہ علمیہ ارواح قدسیہ کی مناسبت کے بغیر زائد نہیں ہوتا اس مرتبہ کے حصول کے بعد یہ علم عین ہو جاتا ہے اور عین کا سوائے اس یقین (جو کہ معلوم کے مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے) کے کوئی مرتبہ نہیں اور یہ مرتبہ زائد نہیں ہوتا کہ دوئی دور نہ ہو پھر یہ مرتبہ حق ہو جائے گا اور اس مرتبہ یعنی حق الیقین کی زیادتی اس وقت ہوتی ہے جب کہ اس کے بعد کو حجاب کا ورود نہ ہو۔

۳۔ عین الیقین اولیاء کرام کو حاصل ہوتا ہے اور حق الیقین انبیاء عظام کو۔

روحانی نسخے :۔ یہ درجات و مراتب مجاہدہ کے بغیر حاصل نہیں ہوتے۔ ہمیشہ باوضو رہنا اور تھوڑا طعام کھانا

marfat.ocm

اور ذکر کثیر کرنا اور ملکوت السموت والارض میں فکر کے ساتھ خاموش رہنا اور سنن وفرائض ادا کرنا اور ماسوائے حق (اغراض نفسانی) کو ترک کرنا۔ اسباب دنیویہ قلیل اور نیند بھی کم اور اکل حلال وصدق مقال کا پابند رہنا اور قلب کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنا یہ امور مذکورہ بالا معائنہ ومشاہدہ کی کنجی ہیں۔

(کذافی شرح النصوص المسمی باسرار البرور بالوصول الی عین النور)

۲۔ آخرت سے عین الیقین کا ثمرہ اس بات میں ہے کہ اس کی تیاری میں رہنا چاہئے۔ چنانچہ بزرگوں کا قول کہ دس آدمی بہت بڑے دھوکہ میں ہیں۔

۱۔ جسے یقین ہے میرا خالق اللہ ہے مگر وہ اس کی عبادت سے قاصر ہے۔

۲۔ جسے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ میرا رازق ہے مگر وہ اس سے غیر مطمئن ہے۔

۳۔ جسے یقین ہے کہ دنیا فانی ہے مگر اس پر سہارا کرتا ہے۔

۴۔ جسے یقین ہے کہ میرے ورثہ میرے دشمن ہیں مگر ان کے لیے مال جمع کر رہا ہو۔

؎ تو با خود ببر توشہ خویشتن
کہ شفقت نیاید زفرزند وزن

ترجمہ :۔ تو اپنا زاد راہ اپنے ساتھ لے جا مرنے کے بعد نہ تیری عورت تیری خبر گیری ہوگی نہ تیرا لڑکا۔

۵۔ جسے یقین ہے کہ موت ہرگز نہیں چھوڑے گی مگر اس کی تیاری نہیں کرتا۔

۶۔ جسے یقین ہے کہ اس کا رہنا سہنا قبر میں ہے مگر اس کی تعمیر نہیں کرتا۔

۷۔ جسے یقین ہے کہ اس کا محاسب اس سے پائی پائی کا حساب لے گا مگر اپنے حساب کو درست نہیں رکھتا۔

۸۔ جسے یقین ہے کہ پل صراط پر سے اس کا گزر ہونا ہے مگر اپنے گناہوں کے بار کو ہلکا نہیں کرتا۔

۹۔ جسے یقین ہے کہ دوزخ فجار کا مقام ہے مگر اس سے نہیں بھاگتا۔

۱۰۔ جسے یقین ہے کہ جنت نیک لوگوں کی قرارگاہ ہے مگر اس کے لیے نیک عمل نہیں کرتا۔ (کذافی التیسیر)

۳۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یقین قصر امل اور قصر امل زُہد کا موجب ہے اور زہد حکمت پیدا کرتا ہے اور حکمت نیک انجام کی طرف غور کرنے کی توفیق بخشتی ہے۔

ف: حضرت ابوالآفاق رحمہ اللہ تعالیٰ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول مبارک (جو کہ آپ

marfat.ocm

نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے فرمایا ہے کہ اگر وہ ان کا یقین زیادتی میں نہ ہوتا تو وہ ہوا کی طرح نہ اڑتے) کے بارہ میں فرماتے یہ دراصل اپنا حال (جو کہ آپ کے ساتھ شب معراج میں ہوا) بیان فرمایا کیونکہ معراج کے لطائف سے ایک لطیفہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے براق کو دیکھا وہ اڑنے سے ٹھہر گیا مگر ہم اوپر کو جا رہے تھے۔

حکایات: ۱۔ حضرت ابوتراب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک لڑکے کو دیکھا جو خرچ کے بغیر جنگل میں جا رہا تھا میں نے دل میں کہا اگر اسے یقین نہ ہوتا تو جنگل میں ہلاک ہو جاتا۔ آخر میں نے لڑکے سے پوچھا: اے بیٹے! تو ایسے جنگل میں خرچ کے بغیر کیسے سفر کر رہا ہے؟ لڑکے نے جواب دیا: اے بزرگ! ذرا سر اٹھا کر غور سے دیکھئے، کیا آپ کو اللہ کا غیر دکھائی دیتا ہے؟ میں نے کہا: بیٹے! جاؤ جہاں دل چاہے، تمہارے لیے بہت کامیابی ہے۔

۲۔ حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں معاش کی طلب میں چلا اور خیال تھا کہ اکل حلال نصیب ہو۔ اسی اثنا میں مچھلی کا شکار کیا ایک دن میں نے جال دریا میں پھیلایا جس سے ایک مچھلی ہاتھ آئی دوسری بار دوسری ہاتھ آئی۔ تیسری بار ارادہ ہوا جس پر ہاتف غیبی نے کہا ”خدا کرے تجھے معاش نصیب نہ ہو۔ تو شکار بھی انہیں کرنے آیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہیں اور تو اللہ کے ذاکرین کو قتل کر رہا ہے“ میں نے یہ آواز سنتے ہی جال کو توڑ ڈالا اور ہمیشہ کے لئے شکار کرنا ترک کر دیا۔

تفسیر صوفیانہ جو شخص حجاب وجودی کی ذلت سے نجات پاتا ہے تو اسے امور اخرویہ کے ایقان کی عزت نصیب ہوتی ہے۔ اس سے قبل وہ من وراء الحجاب ایمان رکھتا ہے۔ اب حجابات اٹھ جانے سے موقن ہو گیا جیسا کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ اگر حجاب ہٹ جائے تو میں یقین میں زیادتی حاصل کر لوں گا کیونکہ جس سے حجابات ہٹ جائیں تو اس کے لئے امور اخرویہ کے پردے حائل نہیں ہوں گے۔ حجابات ہٹ جانے سے بندگان خدا مرتبہ ایمان سے خلاص پا کر مرتبہ ایقان تک پہنچ جاتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

لیکن یہ ایقان خاص ہوگا کیونکہ ایمان باللہ و بالکتب سے ہمیشہ تک خلاص نہیں پاتا یہ ایک راز کی بات ہے

اور میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ ان دونوں مراتب کے مابین فرق کرتا ہو کیونکہ انسان کے بس کی بات نہیں کہ وہ تمام امور اخرویہ کا دنیا میں کشف کے ساتھ مشاہدہ کرے۔ ہاں آخرت میں بطریق مشاہدہ کے ان امور سے ایقان حاصل کرے گا اگر چہ اس سے قبل ان سے صرف ایمان رکھتا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ تو ہم نے تیرا پردہ اٹھایا تو آج تیری آنکھ تیز ہے۔

باقی رہا اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات، یہ تو کسی انسان کے امکان میں نہیں کہ ان کا کلی طور پر مشاہدہ کرے کیونکہ وہ کل اور جز سے منزہ ہے اور ارباب مشاہدہ اگر چہ شہود وجمالیہ وجلالیہ کے مشاہدہ سے عین الیقین بلکہ حق الیقین کے ساتھ بہرہ ور ہوئے ہیں۔ لیکن وہ مشاہدات کہ جن کے مشاہدہ سے تاہنوز محروم ہیں ان کے ساتھ ایمان رکھنے کے مرتبہ سے انہیں خلاص میسر نہیں ہوا اور نہ تو الی ابد الآباد اس کے علم کو احاطہ کر سکتے ہیں بلکہ اس کے علم میں سے کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتے ہاں جس کے لئے وہ مالک حقیقی چاہے ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ الخ: اُولٰٓئِكَ یہ جملہ محل رفع میں ہے اگر متقین کے دو موصول سے ایک کو اس سے علیحدہ کیا جائے تو یہ جملہ اس کی خبر ہے (اور وہ مبتداء) گویا کہ جب هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ کہا گیا تو سائل نے پوچھا کہ ان کا کیا حال ہے کہ یہ لوگ ہدایت سے کیوں مخصوص ہو رہے ہیں تو جواب میں کہا گیا اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ اگر چہ یہ جملہ سابقہ کی خبر نہ ہو تو جملہ مستانفہ قرار دیا جائے گا۔ پھر مطلب یہ ہوا کہ یہ جملہ سابقہ احکام اور صفات متقدمہ کا نتیجہ ہوگا اور یہ ایسی جمع ہے کہ اس کا اپنے لفظ سے کوئی واحد نہیں۔ یہ مبنی علی الکسر ہے یہ کاف ذٰلِكَ کے کاف کی طرح خطاب "کا" ہے یعنی اس سے پہلے جو مذکور ہے۔ یعنی وہ متقین جو موصوف بالایمان بالغیب اور باقی دیگر اوصاف کے موصوفین تھے اور اس کے امور میں منسلک ہیں باقی رہا اس میں اسم بعید کے ساتھ اشارہ کرنا سو وہ ان کے بلند درجات اور فضل میں رفع مراتب کی وجہ سے ہے۔ اُولٰٓئِكَ مبتدا ہے اور عَلٰى هُدًى اس کی خبر اور هُدًى میں جو تنکیر سے ابہام سمجھا جا رہا ہے یہ تفخیم شان کے لئے ہے گویا کہا گیا ہے کہ وہ لوگ بڑی ہدایت پر ہیں کہ جس کی کنہ کو نہیں پہنچا جا سکتا اور نہ اس کی قدر معلوم ہو سکتی ہے جیسا کہ محاورہ عرب میں کہا جاتا ہے لَوْ اَبْصَرْتَ فُلَانًا اَبْصَرْتَ رَجُلًا

سوال :۔ لفظ علیٰ کو یہاں لانے سے کیا فائدہ حاصل ہوا؟

جواب :۔ ان کے حال کو (جو ہدایت کے ساتھ ملابس ہے) اس شخص کے حال سے تشبیہ دینا مقصود ہے جو کسی شئے کو قبول کر کے اس پر ایسا حاوی ہو جائے کہ اس میں وہ جیسے چاہے تصرف کرے۔

روحانی نسخہ :۔ یہ اوصاف یعنی جن کے لئے دلائل قائم کئے گئے ہیں، فکر کو فارغ کر کے ان کی طرف نظر کو دائما متوجہ رکھنے اور نیک عمل میں نفس کے محاسبہ کرنے سے حاصل ہوتے ہیں یعنی ان کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں قبل از موت ہدایت دے کر اور فلاح کی راہ جتلا کر مکرم فرمایا ہے۔

مِّنْ رَّبِّهِمْ سے محذوف سے متعلق ہو کر هُدًى کی صفت مبینہ ہے اور اس کی تاکید کر رہی ہے۔ یعنی یہ لوگ اس ہدایت پر ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں نصیب ہوئی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے تمام انواع اور اس کی توفیق کے جمیع فنون کو شامل ہے اور اس میں عنوان ربوبیت اور پھر ان کی طرف اضافہ کرنے میں صرف موصوف یعنی ہدایت اور مضاف الیھم یعنی مومنین کی تفخیم شان اور ان کی بزرگی کا اظہار مقصود ہے اور آیت ہذا میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ ہدایت ان لوگوں کے لئے ہے جو ان صفات مذکورہ کے موصوف ہیں اور ان آیات قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا سے لے کر فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا میں اشارہ ہے کہ یہ ہدایت طاعات کے بغیر اقرار اور اعتقاد سے حاصل ہوتی ہے اور یہ فرق اس لئے ہے کہ یہاں پر ایمان کی شرافت اور اس کی قدر سے عظیم شان اور اس کے امر علو کا تذکرہ ہو رہا ہے کیونکہ ایمان میں جب پختگی پائی جائے تو نفس کی مخالفات اسے نقصان نہ پہنچائیں گی بلکہ ان پر قابو پا کر نفس کو گناہوں کی سرکشی کے بعد توبہ کی راہ دکھلائے گی پھر وہ جیسے آج دنیا میں ایمان کی راہ حاصل کرے گا تو کل آخرت میں بہشت کی راہ پر سیدھا چلا جائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ

بے شک مومن اور نیک لوگوں کو اس ایمان کی دعوت دیتا ہے۔

اس وجہ سے کہ مطیعین کے سامنے اور دائیں جانب ان کے ایمان کا نور دوڑتا ہوگا اور وہ اپنی طاعات کی سواریوں پر سوار ہوں گے اور ملائکہ ان کے استقبال کے لئے آئیں گے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى

الرَّحْمٰنِ وَفْدًا اس دن ہم متقیوں کو وفد بنا کر ہم اس کے ہاں جمع کریں گے اور فرماتا ہے: وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ انہیں ملائکہ ملیں گے اور مجرمین تن تنہا پڑے ہوں گے قیامت کی تکالیف برداشت کر رہے ہوں گے نہ تو ان کے لئے نور طاعات ہوگا اور نہ ملائکہ استقبال کے لئے آئیں گے پھر نہ انہیں کوئی راہ ملے گی نہ راہ بتانے والا اور انہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے میرے مجرم بندے! جنت والے آج کے دن میوہ خوری میں مشغول ہیں اور وہ اپنے بہترین ثواب کے حصول کی وجہ سے تم سے تمہارے لئے فارغ بھی نہیں اور اہل نار خور شدت عذاب میں مبتلا ہیں وہ بھی تم پر رحم نہیں کر سکتے۔

اے مسکینو! تم پر میری طرف سے سلام ہو۔ اب تم کس حال میں ہو اگرچہ تمہارے ہم جنس لوگ تم سے سبقت لے گئے اور تمہیں ہدایت نہ دے سکے پس اس وقت تمہیں راہ راست دکھاتا ہوں اگر میں وہ معاملہ کروں کہ جس کے تم مستحق ہو پھر میرے کرم کا اظہار نہیں ہوگا۔ (کذافی تفسیر)

شیخ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

نہ یوسف کہ چنداں بدرید بلند   چوں حکمش رواں گشت قدرش بلند
گنہ عفو کرد آل یعقوب را   کہ معنے بود صورت خوب را
بکردار بدشاں مقید نہ کرد   بضاعات فرجات شان رد نکرد
ز لطف ہمیں چشم داریم نیز   بریں بے بضاعت بہ بخش اے عزیز
بضاعت نیاوردم الّا اُمید   خدایا ز عفو مکن نا امید

ترجمہ :۔ نہ حضرت یوسف علیہ السلام کہ جنہوں نے جلاوطنی اور قید و بند کی مصیبتوں کو جھیلا جب آپ کا حکم رواں ہوا تو آپ کی قدر بلند ہوگئی۔

۲۔ تمام آل یعقوب کے گناہوں کو معاف کردیا کیونکہ خوب صورتی کے لئے خوب سیرتی بھی لازمی ہے۔

۳۔ ان کے برے کردار کی وجہ سے ان کو قید نہ کیا، ان کے معمولی سامان کی طرف بھی توجہ نہ کی۔

۴۔ آپ کی مہربانی سے بھی ہم یہی امید رکھتے ہیں کہ اے عزیز! اس بے سروسامان کو بھی کچھ دے دے۔

۵۔ میں امید کے سوا کوئی سامان نہیں لایا۔ اے خدا! مجھے اپنی معافی سے نا امید نہ کر۔

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

سوال : اُولٰٓئِكَ کا تکرار کیوں؟

جواب :۔ تا کہ دلایت ہو کہ ہدایت یافتہ کی غیروں سے تمیز دینے میں دونوں ضروری ہیں اور حرف عطف میں درمیان میں لانے سے اس طرف تنبیہ ہے کہ دونوں در حقیقت متغایر ہیں اور مبتداء و خبر کے مابین ضمیر فصل کی لانے میں بتایا گیا ہے کہ اس کا مابعد خبر ہے صفت نہیں اور یہ بھی بتایا گیا کہ مسند صرف مسند الیہ کے لئے ثابت ہے نہ اس کے غیر کے لیے اب معنی یہ ہوگا کہ فلاح کی صفت صرف ان لوگوں پر مقصود ہے ان کے ماسوا کسی غیر یعنی یہود و نصاریٰ پر پہنچتی بھی نہیں اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ متقین کی صفت سوائے فلاح کے اور کوئی ہے بھی نہیں یہ قصر قصر الصفت علی الموصوف ہے کہ برعکس جب یہ بات ہے تو مذکورہ خرابی کیوں لازم آئے۔ المفلح فائز المرام کو کہتے ہیں۔ گویا مفلح وہ ہے جس کے لیے کامیابی کے دروازے کھلے ہیں اور ان پر بند نہیں ہوئے۔

قاعدہ : یہ ترکیب (ف ل ح) شق فتح قطع کے معنی پر دلالت کرتی ہے اسی لیے کسان کو فلاح کہتے ہیں کہ وہ زمین کو چیرتا ہے۔ عرب میں کہاوت مشہور ہے۔

الحَدِیۡدُ بِالۡحَدِیۡدُ یُفۡلَحُ اَیۡ یُقۡطَعُ لوہا لوہے کو کاٹا جاتا ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ وہ لوگ قیامت میں جنت میں فائز المرام اور دوزخ سے نجات پانے والے ہوں گے۔

مسئلہ :۔ متقین کے لئے دنیا اور آخرت میں فلاح بہبودی قطعی الثبوت اور یقینی ہے۔

ف : فلاح تین قسم ہے۔

۱۔ نفس پر قابو پالینا، بایں طور کہ اس کی خواہشات کی متابعت نہ کرنا اور دنیا کے امور پر قابو پانا، بایں طور کہ اس کے وسوسہ اور برے دوستوں کی صحبت میں مبتلا نہ ہونا ایسے لوگ نفس و شیطان سے محفوظ رہتے ہیں۔

۲۔ کفر اور ضلالت اور بدعت و ضلالت اور غرور نفس و وسوسہ شیطان اور زوال و فقدان ایمان اور وحشت قبور اور سہول یوم النشور اور پل صراط کی لغزش اور زبانیہ کی شدید و غلیظ کی تسلیط اور بہشت کی محرومی اور قطع رحمی اور دوستوں کے ساتھ چیں بجبیں کے اسباب سے نجات پانا۔

۳۔ ملک ابدی اور نعمت سرمدی اور لازوال ملک و نعمت غیر منتقلہ کے حصول اور وہ سرور کہ جس میں حزن نہ ہو اور وہ جوانی کہ جس میں بڑھاپا نہ ہو اور راحت کہ جس میں شدت نہ ہو اور وہ صحت کہ جس میں مرض نہ ہو اور وہ

marfat.ocm

حصول نعمت کہ جس میں حساب نہ ہو اور وہ دیدار کہ جس کے سامنے نقاب نہ ہو۔ (كذا فى تفسير التيسير)

ف: اسی آیت سے فرقہ وعیدیہ نے فساق اہل قبلہ کا دائمی عتاب میں مبتلا ہونے کا استدلال کیا ہے ان کو جواب یوں دیا جائے گا کہ مفلحون سے مراد کامل فی الفلاح نہیں بنابریں جو لوگ متقین کے ان اوصاف سے موصوف نہیں کہ ان کو فلاح کامل نصیب نہیں نہ یہ کہ انہیں سرے سے فلاح حاصل نہیں۔ (كذا فى التفسير البيضاوى)

تفسیر صوفیانہ

حضرت شیخ نجم الدین دایہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ **هُدًى** کو نکرہ کر کے اس لئے لایا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ وہ لوگ اپنے رب کے کشوف سے ایک کشف اور اس کے انوار سے ایک نور اور اس کے رازوں سے ایک راز اور اس کے الطاف سے ایک لطف اور اس کے حقائق سے ایک حقیقت پر ہیں۔ کیونکہ وہ انعامات جو انبیاء عظام و اولیاء کرام پر اپنے کمال ذات و صفات اور انعام و احسان سے فرماتے ہیں۔ یہ تمام بہ نسبت اس کے جو کہ اس کے ہاں ہے اس کے بحر محیط سے ایک قطرہ ہے۔ جس سے ہمیشہ ہمیشہ خرچ کرنے سے واقعی کمی نہیں ہوتی۔

حدیث شریف:۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ پُر ہے کہ جس کو شب و روز کی سخاوت کم نہیں کرتی۔

اس میں لطیف اشارہ ہے کہ متقین اس ہدایت کے سبب سے **بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ** پر ایمان لاتے ہیں اور آخرت پر بھی انہیں یقین ہے اور وہ ہیں بھی ایسے کامیاب کہ وہ نور نار حیات سے وجود کے حجابات سے نجات پا کر آخرت کا مشاہدہ کر چکے ہیں اور ان کو عنایت ربانی کشش فرما کر مقامات قربت اور اسرار پر عزت کی طرف رہنمائی فرمائی ہے اور کسی مرتبہ کو سوائے فنا ہیت کے نہیں چھوڑتے۔ ان حضرات نے سعادت عظمیٰ اور مملکت کبریٰ سے کامیابی پائی ہے اور درجہ عالیہ کو حاصل کر چکے ہیں اور قول حق ان کو محقق ہو چکا۔ حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں۔

گر ہمی خواہی کہ بفروزی چوں روز ہستی ہمچوں شب خود را بسوز
ہستیت دہ بدست آں ہستی نواز ہمچو مس از کیمیا اندر گداز

ترجمہ:۔ اگر تو چاہتا ہے کہ دن کی طرح چمکے اپنی ہستی کو رات کی طرح جلادے۔ اپنی ہستی کو اس ہستی نواز کے ہاتھ میں

دے دے جس نے تانبے کو پگھلا کر سونا کر دیا۔

تفسیر عالمانہ **اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ الخ** ۔ جب خداوند قدوس نے اپنے مخصوص بندوں اور مخلص ولیوں کے ذکر کے ساتھ ان کے ان اوصاف (کہ جن کے سبب سے وہ ہدایت وفلاح کے اہل ہوئے) کا ذکر کیا تو بعد میں ان کے ان اضداد و سرکش اور نافرمانوں کو بیان فرمایا کہ جن کو نہ ہدایت نے نفع پہنچایا اور نہ آیات و نذر نے فائدہ دیا۔

ف : اسم موصوف کی تعریف یا تو عہد کے لئے ہے تو اس سے مخصوص آدمی مراد ہیں جیسے ابولہب، ابوجہل، ولید بن مغیرہ اور احبار یہود وغیرہم۔ یا جنس کے لئے ہے اس صورت میں اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو کفر پر ایسے مُصر ہیں کہ جن کے پھرنے کا امکان بھی نہ ہو اور غیر مُصر دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔ مگر یہاں موصول کے مسند **سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ** مُصرین سے مختص ہونے کی دلیل سے غیر مصرین مراد نہیں ہو سکتے۔

الکفر لغت میں بمعنی تغطیہ وستر ہے اور شریعت میں ان احکامات اور اعتقادات کے انکار کو کہتے ہیں جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لانا واضح طور پر معلوم ہو چکا ہے۔

سوال :۔ لباس اغیار اور شد زنار بلا اضطرار و دیگر وہ شعائر کفریہ (جو ان دونوں کے مشابہ ہیں) کو کفر کیوں شمار کیا گیا ہے؟

جواب :۔ چونکہ یہ چیزیں تکذیب پر دلالت کرتی ہیں بنا بریں یہ بھی کفر میں شمار کی گئی ہیں کیونکہ جو شخص بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا دم بھرتا ہے تو اس کو ان اعمال کے ارتکاب کی جرأت نہیں ہو سکتی کیونکہ ان اعمال کے ارتکاب کی کوئی خاص وجہ نہیں ہے، جیسے زنا، شراب وغیرہ اسی بنا پر یہ کفر میں شمار ہوتے ہیں نہ یہ کہ تمام فی نفسہ کفر ہیں۔

ف : لفظ کافر قرآن پاک میں چار معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

☆...... **نقیض المومن**

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ** جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستہ سے روکا۔

☆......انکار از وجوب

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ وہ جو کفر کرے تو اللہ عالمین سے بے نیاز ہے۔ یہاں پر کفر بمعنی انکار عن وجوب الحج مراد ہے۔

☆...... نقیض الشاکر

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ میرا شکر کرو میری ناشکری نہ کرو۔ بری ہونے والا

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ یعنی قیامت میں اے کافرو! تم ایک دوسرے سے برأت ظاہر کرو گے۔ (کذافی التیسیر)

ف: بغوی فرماتے ہیں کہ کفر کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ کفر الانکار۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کو جانتا ہو نہ اس کی ذات کا معترف ہو۔

۲۔ کفر الجھود، وہ یہ کہ دل میں تو اللہ تعالیٰ کو خوب جانتا ہو مگر زبان سے معترف نہ ہو۔ جیسے ابلیس کا کفر۔

۳۔ کفر العناد، وہ یہ کہ دل میں تو جانتا ہو مگر زبان سے اقرار نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ لیکن اس عدم اعتراف کو اپنا دین نہ سمجھتا ہو۔ جیسے ابو طالب کا کفر چنانچہ وہ کہتا ہے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُ بِاَنَّ دِيْنَ مُحَمَّدٍ مِنْ خَيْرِ اَدْيَانِ الْبَرِيَّةِ
لَوْلَا الْمَلَامَةُ اَوْحِذَارُ مُسَبَّةٍ لَوَجَدْتَنِيْ سَمْحًا بِذَالِكَ مُبِيْنًا

یعنی بے شک مجھے علم ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین دنیا کے تمام ادیان سے بہتر ہے اگر ملامت اور عرب کی گالیوں کا خطرہ نہ ہوتا تو میں اس دین کو واضح طور پر بیان کرتا۔

۴۔ کفر النفاق، وہ یہ کہ زبان سے اقرار، مگر دل میں اعتقاد صحیح نہ رکھتا ہو۔

مسئلہ: ان تمام انواع کا حکم یہ ہے کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں حاضر ہوگا اگر ان چاروں میں سے کوئی ایک قسم اس میں پائی گئی تو اسے اللہ تعالیٰ نہیں بخشے گا۔

ف: ابو طالب کے متعلق وَلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ کی تفسیر میں مفصل بیان آئے گا۔ انشاء اللہ

تعالیٰ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ میں عَلَيْهِمْ بمعنی عِنْدَهُمْ اور سَوَآءٌ اسم ہے بمعنی اِسْتِوَاء" یہ بھی بطریق مبالغہ کے دوسرے مصادر کی طرح لغت میں بمعنی مستو واقع ہوا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ دوسرے مقام پر فرماتا ہے۔

تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اس کو مرفوع ہونا ان کی جر کی وجہ سے ہے۔

ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ اس کے مخاطب حضور علیہ السلام ہیں اس کا مرفوع ہونا بہ بنائے فاعلیت ہے۔ کیونکہ ہمزہ اور لفظ اَمْ کو ان کے مدخولین میں اِسْتِوَاء کے معنی کو محقق کرنے کے لئے استفہامیت سے خالی کیا گیا ہے جیسا کہ قرآن پاک کی اس آیت اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ میں امر و نہی کو اپنے معنی سے خالی کیا گیا ہے اور اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا اَيَّتُهَا الْعَصَابَة کو محض تخصیص کے لیے ندا سے خالی کیا گیا ہے گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور علیہ السلام کو کہا گیا ہے جن لوگوں نے کفر کیا ان کو آپ کا ڈرانا نہ ڈرانا برابر ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ ان زیدا مختصم اخوہ وابن عمہ الانذار دراصل اس اعلام کو کہتے ہیں کہ جس میں تخویف ہو۔ پس ہر منذر (ڈرایا ہو) معلم (خبر دیا ہوا) ہوتا ہے لیکن ہر معلم منذر نہیں ہوتا۔ (کذافی تفسیر ابی اللیث) یہاں اللہ تعالیٰ کے عذاب اور معاصی پر سزا ملنے سے خوف دلانا مقصود ہے۔

سوال۔ یہاں بدوں بشارت کے انداز پر اقتصار کیا گیا ہے، کیوں؟

جواب۔ یہ لوگ بشارت کے اہل نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں انداز اور نفوس پر زیادہ اثر کن ہے اس لیے کہ دفع ضرر جلب نفع سے اہم ہوتا ہے اور یہ لوگ نہ تو جلب نفع کے پیچھے لگے اور نہ بشارت کی طرف دھیان لگایا۔

سوال۔ یہاں پر سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ کے بجائے سواء" علیک کیوں نہ فرمایا۔ جیسا کہ بت پرستوں کے لیے فرمایا: سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ پکارو یا چپ رہو تمہارے لیے برابر ہے۔

جواب۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے انداز اور اعلام برابر نہیں تھا بلکہ آپ کو انداز کا ثواب ملتا تھا اگرچہ کفار ایمان نہ بھی لائیں بخلاف عبدۃ الاصنام کے کہ ان کے لیے دونوں امر برابر تھے۔ اس کی نظیر امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے۔ کہ آمر کو تو ثواب حاصل ہوگا خواہ مامور اس پر عمل بھی نہ کرے گویا یہ لوگ ہود علیہ السلام کی قوم کی طرح تھے کہ انہوں نے حضرت ہود علیہ السلام کو کہا۔

سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوَاعِظِيْنَ ہمیں نصیحت کرو یا نہ کرو ہمارے لیے برابر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان

کے متعلق فرماتا ہے۔ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اور یوم قیامت انہیں کہا جائے گا۔ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْلَا تَصْبِرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ [1] اور اللہ تعالیٰ ان کے قول جو کہ وہ یوم قیامت میں کہتے ہوں گے سے خبر دیتے ہیں۔ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ یعنی ہمارے لیے نصیحت وترک نصیحت دونوں برابر ہیں۔

ف: جوانی اور بڑھاپے میں یکساں نافرمان رہنا، اسی طرح حالت مرض وصحت میں اور نعمت ومحنت میں اپنے مالک سے اعراض کرتے رہنا۔ اسی طرح قریبی وبعیدی رشتہ داروں پر سنگدل رہنا، اسی طرح ظاہر وباطن میں ٹیڑھا رہنا وغیرہ مذکورہ افعال کے مرتکب کو ڈرنا چاہیے کہ جب اسے یہ افعال یکساں معلوم ہوتے ہیں تو کیا اسے ذیل کی باتوں سے کوئی بات بھلی لگتی ہے۔ موت کے وقت توبہ نصیب ہو یا نزع روح کے وقت گناہوں پر اصرار کرنا اور پھر توبہ سے سکوت، اولیاء اللہ کی زیارت یا اس سے محرومی اور مشکل امور میں سفارشی کا ہونا نہ ہونا۔ جب یہ باتیں یکساں اچھی نہیں لگتیں تو اس کے لئے گذشتہ افعال یکساں نہ ہونے چاہئیں بلکہ اچھے اعمال پر استقامت اور برے اعمال سے اجتناب چاہیے۔ (کذافی تفسیر التیسیر)

لَا يُؤْمِنُوْنَ (ترکیب) یہ مستقل اور علیحدہ جملہ اور ماقبل کی تاکید کرنے والا ہے اور ماقبل میں جو استواء کے اعتبار سے جمال تھا اس کو بیان کرنے والا ہے بنابریں اس پر اعراب کا کوئی محل نہیں ہے۔

اس میں حضور علیہ السلام کے لیے تخفیف بھی ہے اور ان کو تسلی بھی دلائی جارہی ہے کہ اے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو معلوم ہو کہ کفار ایمان نہیں لائیں گے۔ جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بہت طویل مدت نصیحت فرماتے اور دکھ درد اٹھاتے دیکھا تو فرمایا:۔ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ جب نوح علیہ السلام کو اس خبر کا یقین ہوا تو ان کی ہلاکت کے لئے دعا فرمائی۔ اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہوا۔

ف: اگر اسم موصول سے مخصوص لوگ مراد ہیں تو آیت میں غیبی خبر کا اظہار ہے یہ بھی حضور علیہ السلام کا معجزہ

---

[1] دوزخ میں داخل ہو کر پھر صبر کرو یا نہ کرو تمہارے لیے برابر ہے کہ تم اپنے کردار کی سزا بھگتو گے۔

marfat.ocm

ہے کہ قبل از وقت واقعہ کی خبر دے دی۔

مسئلہ :۔ آیت میں بندگان خدا کے افعال کا ثبوت ہے کیونکہ لَا یُؤْمِنُوْنَ کے فاعل بندگان ہی ہیں۔

آیت سے ثابت ہوا کہ بندہ کفر اپنے خیال سے کرتا ہے نہ اس پر جبر ہوتا ہے نہ اکراہ، ورنہ فرماتا: لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ بلکہ فرمایا: لَا یُؤْمِنُوْنَ

سوال : جب اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ کفار ایمان نہیں لائیں گے تو پھر اپنے پیارے محبوب کو تبلیغ کے لئے کیوں تکلیف دی؟

جواب :۔ جاننے کے باوجود انداز کا حکم اتمام حجت کے لیے تھا جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی ہدایت کے لیے بھیجا، حالانکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ فرعون ایمان نہیں لائے گا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ [1] اور فرمایا:۔ وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَکْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰیٰتِکَ ہم نے اس سے پہلے انہیں عذاب سے ہلاک کیا تو کہتے کہ ہمارے ہاں رسل کیوں نہ بھیجے کہ ہم تیری آیات کی تابعداری کرتے۔

سوال :۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خبر دی کہ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے تو پھر خبر دے کر انہیں ہلاک کیوں نہ کیا جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو کفار کے حال کی خبر دے کر انہیں ہلاک کر دیا۔

جواب :۔ چونکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ہے اور فرمایا: وَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِیْهِمْ وَمَا کَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ بنا بریں نہ انہوں نے عذاب کی دعا مانگی اور نہ اللہ تعالیٰ نے کفار پر عذاب بھیجا۔

ف : کسی چیز کے وقوع کی خبر دینے سے اس پر بندہ کی قدرت کی نفی نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ اپنے فعل یا کسی بندے کا اس کے اپنے اختیار سے کسی فعل کی خبر دے تو اس سے تکلیف مالا یطاق کا جواز لازم نہیں آتا۔

تفسیر صوفیانہ امام قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی صفت کے پردہ میں شہود حق سے محجوب ہوتا ہے اس کو یہ دونوں قول (ایک جو اسے حق کی راہ دکھائے، دوسرا وہ جو اسے حظ

---

[1] :۔ رسول کرام بھیجے خوشخبری دیں ڈرائیں تاکہ رسل کرام آنے کے بعد اللہ کی لوگوں پر کوئی حجت نہ ہو۔

نفسانی کے منافع حاصل کرنے پر امداد کرے) برابر معلوم ہوتے ہیں بلکہ ایسا دائمی غفلت کی طرف زیادہ مائل ہوتا ہے اور غفلت کی طرف زیادہ کان دھرتا ہے۔ جیسا کہ کافر (جسے ازل سے بدبختی نصیب ہو وہ) بھی شہود و غیب اور حق سے محجوب رہتا ہے۔ پھر وہ نہ ہو تو راہ راست کو دیکھ سکتا ہے اور نہ ہی اس پر چلنے کا قصد کرتا ہے اور فرمایا جو شخص وادی ظلمات میں جا پڑتا ہے تو اس کے سامنے ناصح کی نصیحت اور گمراہ کن لوگوں کی گمراہی یکساں معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس کے احوال سے اللہ تعالیٰ نے انصاف (حق و باطل کی تمیز) کی برکات چھین لی ہیں اسی لیے وہ دائمی ارشاد کی طرف دل بھی نہیں لگاتا جیسا کہ مقولہ مشہور ہے۔ وَعَلَى النَّصُوْحِ نَصِيْحَتِيْ وَعَلَى عِصْيَانِ النُّصُوْحِ نصوح کو میری نصیحت تو پہنچی لیکن نصوح گناہ پر کمربستہ ہے۔

تفسیر عالمانہ

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ **ربط** :۔ جب اللہ تعالیٰ نے کفار کی صفات اور ان کے حالات ذکر فرمائے تو بعد ازاں ان کی سزاؤں کا بیان شروع فرمایا گویا یہ آیت مضمون سابق کی بمنزلہ تعلیل کے ہے۔

حل لغات :۔ خَتَمَ بمعنی چھپانا۔ شئے کو مہر لگا کر پختہ کرنے کو ختم اس لئے کہا جاتا ہے کہ گویا اسے آخری منزل تک پہنچا کر لوگوں کی نگاہوں سے چھپایا گیا ہے۔ قرآن مجید کے ختم کو بھی اسی لحاظ سے ختم کہا جاتا ہے کہ یہ آخری فعل تھا کہ جہاں ہم اسے جمع کرتے کرتے آخر کو پہنچے، یہاں حقیقۃً ختم کرنے کا معنی نہیں بنتا۔

سوال :۔ کفار کے قلوب پر مہر لگانے کا کیا معنی ہے؟

جواب :۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے دلوں میں ایک ایسی ہیئت موجود ہے جو انہیں کفر کو پسند اور گناہوں پر جرأت کرنے اور ایمان اور طاعات کو قبیح سمجھنے پر مجبور کرتی ہے اس لیے کہ ان پر گمراہی سوار ہے اور تقلید کفر میں منہمک ہیں اور صحیح نظر کے استعمال سے دور پھرتے ہیں۔ بنا بریں ان کے قلوب نہ تو اب انداز سے گھبراتے ہیں اور نہ ہی ان پر حق اثر انداز ہوتا ہے استعارۃً اسے ختم سے تعبیر کیا گیا دوسری آیت میں اس ہیئت کو طَبَعَ'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ اللہ نے ان کے قلوب کانوں اور آنکھوں پر مہر لگائی اور ایک مقام پر اسے اغفال (غافل کر دینا) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا [illegible]

سے غفلت کی مہر لگائی ہے، اور ایک مقام پر اسے اقساء (دل کھوٹا کرنا) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کما قال اللّٰہ تعالیٰ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً اور ہم نے ان کے دل کھوٹے بنا دئے۔

سوال :۔ کیا وجہ ہے کہ ان کا اسناد کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے اور کبھی کفار کی طرف؟

جواب :۔ چونکہ تمام ممکنات کا وجود اس باری تعالیٰ کی قدرت سے ہے اسی اعتبار سے ان کا اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے اور پھر چونکہ ان کے اسباب خود کفار نے بنائے بنا بریں ان کی طرف ان کا اسناد ہوتا ہے۔ قال اللّٰہ تعالیٰ :۔ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر مہر لگائی اور فرمایا بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ بایں وجہ کہ وہ ایمان لائے پھر کافر ہوئے تو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی۔

ف : یہ آیت خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ الخ ان کی بری صفات کو ظاہر کرنے اور ان کے برے انجام کو بیان کرنے کے لئے ہے۔

حل اشکال: یہ مہر لگانا ان کے کفر کی جزا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ہدایت کے راستے آسان فرما دیے لیکن وہ ان سے عمداً روگرداں رہتے ہیں۔ اب وہ اعتراض خود بخود رفع ہو گیا جو کہا جاتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے تو ہدایت پانے سے تو معذور ہو گئے پھر ان کو سزا کا کیا معنی؟

ف : شیخ نے اپنی تفسیر میں فرمایا ہے کہ لفظ ختم کا اسناد اللہ تعالیٰ کی جانب اسی لیے ہے تا کہ تنبیہ ہو جائے کہ کفار کے قلوب وغیرہ پر مہر لگ جانا اہل حق کے نزدیک عقوبت الٰہی ہے جو کہ نہ تو بندے کو ایمان سے روکتی ہے اور نہ یہ کفر پر مجبور کرتی ہے۔ بلکہ یہ انہیں اس بات کی سزا ملی ہے جو انہوں نے اپنے اختیار اور سرکشی سے اختیار کی۔ (یعنی کفر) جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے اس لطف سے محروم ہو گئے جو اس نے ان کے لئے راہ ہدایت آسان فرمایا تا کہ اس کی وجہ سے ایمان کی دولت سے نوازے جاتے اور کفر جیسی مصیبت سے محفوظ ہو جاتے۔

مسئلہ : اس سے ثابت ہو گیا کہ ایمان لانے کے خطاب کا جو اللہ تعالیٰ نے عموماً حکم فرمایا:۔ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر میں داخل ہیں اور جو اس نے عموماً کفر

سے اپنے ارشاد گرامی میں فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ (ان کے لیے کیا ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے) روکا ہے رو کے گئے ہیں۔ اگر وہ ایمان لانے سے مجبور محض اور بالکل عاجز ہوتے تو ان کو نہ ہی خطاب ہوتا نہ ہی زجر و توبیخ کی جاتی جیسے قیامت میں ان کے منہ پر مہر لگ جائے گی اور وہ بول نہ سکیں گے۔ پھر چونکہ وہاں وہ لوگ حقیقۃً کلام کرنے سے عاجز ہوں گے اسی لیے ان سے خطاب نہیں ہوگا۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ بندہ اپنے افعال میں مختار ہے اگرچہ ان افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

حل لغات: القلوب قلب کی جمع ہے بمعنی دل اور قلب کو اس لیے قلب کہا جاتا ہے کہ وہ جملہ امور میں متقلب اور جملہ اعضا میں متصرف ہے۔ شیخ کی تفسیر میں ہے کہ قلب ایک گوشت کا ٹکڑا ہے صنوبری شکل کا رگ وتین کے ساتھ الٹا لٹکا ہوا ہے اور وتین ایک رگ ہے جو قلب کے اندر ہے۔ جب بندہ مرتا ہے تو اسے کاٹ دیا جاتا ہے اسے ابہر بھی کہتے ہیں اور تفسیر کواشی میں ہے کہ قلب دل میں کالے رنگ کا ایک گوشت کا ٹکڑا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ صنوبری شکل کا ہے جو وتین کے ساتھ الٹا لٹکا ہوا ہے۔ تعریفات سید میں ہے کہ قلب ایک لطیفہ ربانی ہے اسے اسی دل سے تعلق ہے جو صنوبری شکل کا سینہ کی دائیں جانب رکھا ہوا ہے۔ اور اسی لطیفہ کو ہی حقیقت انسان کہا جاتا ہے۔

عارف جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

نیست ایں پیکر مخروطی دل بلکہ ہست ایں قفس طوطی دل
گر تو طوطی ز قفس نشناسی بخدا اناس نہ نسناسی

ترجمہ: یہ ٹیلے جیسی شکل والا جسم نہیں ہے بلکہ دل کی طوطی کا یہ پنجرہ ہے اگر تو پنجرے میں سے طوطی کو نہ پہچانے خدا کی قسم تو انسان نہیں بلکہ نسناس ہے۔

آیت میں قلب سے دل کی قوت عاقلہ کا محل مراد ہے۔ کبھی اس سے معرفت اور عقل مراد لی جاتی ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ بے شک اس میں اس کے لئے نصیحت ہے جس کا دل ہے۔ یا مہر لگائی ان کے کانوں پر ان کے کانوں کو ایسا کر دیا کہ وہ حق سننے سے بالکل معطل ہو چکے ہیں اور نہ ہی حق کی طرف لو لگاتے ہیں نہ اسے محفوظ رکھ سکتے ہیں اور نہ اسے قبول کرتے ہیں گویا انہیں مہر لگا کر

marfat.ocm

حق سننے سے محفوظ کر لیے گئے ہیں یہ ان پر سزا ہے بوجہ اس کے کہ انہوں نے برائی کو اختیار کیا اور باطل کی طرف رجوع کیا بلکہ حق پر باطل کو ترجیح دی اور سمع قوت سامعہ کے ادراک کا نام ہے کبھی اس قوت پر اور کبھی اس عضو پر (جو اس قوت کا حامل ہے) پر بھی اطلاق کیا جاتا ہے۔ یہاں پر یہی عضو مراد ہے کیونکہ مہر لگانے کا یہی معنی مناسب ہے اور مہر بھی اسی پر لگائی گئی۔

سوال: قلوب کی جمع اور سمع کو واحد کیوں لایا گیا ہے؟

جواب: اس کے کئی جواب ہیں۔ ۱۔ سمع دراصل مصدر ہے اور مصدر نہ تثنیہ ہوتا ہے نہ جمع اس لئے کہ مصدر میں ہر سہ معانی یعنی واحد تثنیہ جمع کی صلاحیت ہے۔ **قال تعالیٰ**:

اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ۙ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ۚ بے شک وہ مکر کرتے ہیں اور میں ان کے مکر کی انہیں سزا دوں گا۔

سوال: لفظ بصر کو واحد اور جمع کے ساتھ کیوں استعمال کیا گیا حالانکہ وہ بھی تو سمع کی طرح مصدر ہے۔

جواب: بصر عین کا اسم ہے۔ جب وہ اسم ہوا تو مصدریت ختم ہوگئی اس کے بعد اسے جمع لانا بھی جائز ہوگیا۔

۲۔ (برائے سوال نمبر ۱) یہاں دراصل مضاف محذوف ہے۔ اصل عبارت یوں تھی۔

ای علی مواضع سمعھم وحواسہ (ان کی سمع وحواس کی جگہوں پر)

جیسے اس آیت میں مضاف محذوف ہے۔ **قال تعالیٰ**: وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ ای اَهْلَ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ اس محذوف سے ثابت ہوا کہ سمع فعل ہے اور فعل پر مہر نہیں بلکہ محل فعل پر لگائی جاتی ہے۔

۳۔ سمع سے سارے کافر مراد ہیں اس لیے کہ جمع کی طرف مضاف کرنے سے تمام افراد مراد ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں واحد کے صیغے میں التباس نہیں ہوتا، جیسے كُلُوْا فِىْ بَعْضِ بَطْنِكُمْ اَىْ بُطُوْنِكُمْ کیونکہ ایک بطن سب کو مشترک نہیں۔

۴۔ سیبویہ کا قول ہے کہ یہ دو جمعوں یعنی قلوب و ابصار کے درمیان واقع ہوا ہے فلہٰذا اس کی دلالت بھی جمع پر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ای الی الانوار یہاں ظلمات جمع کی وجہ سے نور بمعنی انوار ہوگا۔ (انہیں ظلمات سے انوار کی طرف نکالتا ہے)

سوال: مہر کے لئے قلوب کا ذکر پہلے کیوں؟

marfat.ocm

جواب : تا کہ پتا چلے کہ ایمان نہ لانے میں اصل دل ہے باقی اعضاء اس کی فرع ہیں۔

سوال : سمع کو ابصار پر کیوں مقدم کیا گیا ہے؟

جواب : اس لئے کہ سمع اور قلوب کا آپس میں اشتراک ہے بخلاف ابصار اور قلوب کے۔

ف: سمع بصر سے افضل ہے کیونکہ قرآن پاک میں اول سمع کا ذکر کیا گیا ہے بعد کو بصر کا۔ دوسرا یہ کہ کوئی نبی بہرا پیدا نہیں کیا گیا۔ اس بنا پر سمع نبوت کی شرط واقع ہوئی بخلاف بصر کے۔ تیسرے یہ کہ سمع بھی عقل کی تکمیل ہے اس لیے کہ وہ حصول عرفان کے لئے عقل کی مدد دیتی ہے۔

وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ ۔ اَبْصَار، بصر کی جمع ہے۔ بصر آنکھ کے ادراک کو کہتے ہیں۔ کبھی مجازاً قوت باصرہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اور اس معروف کو بھی کہا جاتا ہے اور یہاں پر یہی مراد ہے اس لئے کہ پردہ آجانے کے لیے عضو کا معنی زیادہ مناسب ہے۔ غِشَاوَةٌ بمعنی پردہ اور یہاں پر حقیقی پردہ مقصود نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ ان کی آنکھوں پر ایک ایسی حالت پیدا کر دی گئی ہے جس کی وجہ سے وہ آنکھیں آیات ربانیہ (جو ان کے نفوس اور زمانہ میں پائی جاتی ہیں) کا ادراک نہیں کرسکتیں جیسے کہ دیکھنے والوں کی آنکھوں کا کام ہے گویا کہ ان پر پردہ آگیا ہے جس کی وجہ سے وہ اشیاء کو نہیں دیکھ سکتیں۔ غِشَاوَةٌ کو نکرہ لانے میں اس طرف اشارہ ہے۔ کہ ان کی آنکھوں پر ایک قسم کا پردہ ہے جو عرفی معنی کے برعکس ہے یعنی آیات ربانیہ سے اندھا ہو جانا۔ غِشَاوَةٌ مبتدأ مؤخر اور عَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ اس کی خبر مقدم ہے۔

سوال : قلوب اور سمع کے لئے مہر اور ابصار کے لئے پردہ۔ اس کا کیا مطلب ہے۔

جواب : قلب اور سمع کا ادراک جمیع جوانب سے ہوتا ہے اسی لئے ان ان پر مہر لگانا جمیع جوانب کے لحاظ سے ہے اور بصر کا ادراک جانب مقابل سے ہوتا ہے اسی لیے اس کے لئے پردہ اس کے مقابلہ کے اعتبار سے ہے۔

ف: تیسیر میں ہے کہ آیت میں قلوب، سمع، ابصار کا ذکر اس لئے ہے کہ خطاب ان تینوں کے اعتبار سے ہے۔

کما قال تعالیٰ :

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (کیا نہیں سمجھتے ہو) اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (کیا نہیں دیکھتے ہو) اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ (کیا نہیں سنتے ہو)

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (**حل لغات**) یعنی وہ عذاب جو شدید القوۃ ہے اسی سے عظم (ہڈی) کو لیا گیا ہے

اور عذاب وزن اور معنیٰ کے لحاظ سے "نکال" کی طرح ہے۔ عرب میں کہتے ہیں:

اعذاب عن الشئی (وہ فلاں شئے سے زیادہ روکنے والا ہے) یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی شے سے روکا جائے اور عذاب کو عذاب بھی اسی لیے کہتے ہیں کہ عاقل اگر تامل سے کام لے تو یہ عذاب اسے برائی سے روک لیتا ہے اور اسی سے اَلْمَاءُ الْعَذَاب کو لیا گیا ہے کیونکہ میٹھا پانی پیاس کو ہٹا دیتا ہے بخلاف ملح (نمکین پانی) کے کہ وہ پیاس کو الٹا بڑھاتا ہے۔ اس پر یہ علامت بتاتی ہے کہ انہوں نے (میٹھے) پانی کا نام نقاح رکھا ہے کیونکہ یہ پیاس کو ہٹاتا ہے اور فرات کو اسی لیے فرات کہتے ہیں کہ وہ دل کو تسکین بخشتا ہے اور فرات میٹھے پانی کو کہتے ہیں۔ رفت سے ماخوذ ہے یعنی قلب اور بعض نے کہا: عذاب کو عذاب اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ اس کی وہ جزا ہے جس سے اس کا دل خوش ہوا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَذُوْقُوْا عَذَابِیْ وَنُذُرِ (پس میرے عذاب کو چکھو)

سوال: چکھنا تو اچھی شئے کے لئے ہوتا ہے اور یہاں اچھائی کیسی؟

جواب: یہ اس اچھائی کی جزا ہے جو اس نے دنیا میں اپنی خواہش پوری کرنے پر عمل میں لائی اور العظیم حقیر کی نقیض ہے۔ اسی اعتبار سے عظیم، کبیر سے فوق ہوگا جیسا کہ حقیر، صغیر سے کم ہے۔

ف: تفسیر تیسیر میں فرمایا کہ عظیم بمعنی کبیر یا کثیر یا دائم ہے یعنی دوزخ میں ہمیشہ کے لئے عذاب دینا۔ چونکہ وہ عذاب بہت بڑا ہوگا اسی وجہ سے اسے عظیم سے موصوف کیا گیا اور اس میں دوزخیوں کی بیڑیاں اور زنجیر بڑے بڑے ہوں گے اس لئے یہ آیت بمنزلہ وعید کے ہوگی اور جس کے وہ آخرت میں مستحق ہیں اس کا بیان ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ دنیا میں قتل اور قید کی سزا اور آخرت میں جہنم کی آگ میں جلانا اور عظیم سے اسی لیے موصوف کیا گیا کہ اس کے ہم جنس پر قیاس کیا جاسکے اور نکرہ بھی اس لیے کہ ان کو اتنا بڑا عذاب ہوگا کہ جس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ سمجھدار کو چاہئے کہ وہ عذاب الیم اور عقاب عظیم سے بچتا رہے یعنی گناہوں پر اصرار نہ کرے اور نہ ہی کسی گناہ کا ارتکاب کرے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ زبان کو ہر برائی سے روکے۔ شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

بگمراہ گفتن نکو میروی　　گناہ بزرگست و جور قوی
مگر شہد شیریں شکر فائقست　　کسی را کہ سقمونیا لائقست

marfat.ocm

ترجمہ : کسی کو گمراہ کہنا یہ بہت اچھی روش ہے دراصل گناہ بڑا اور ظلم قوی ہے یہ بات مت کہو کہ میٹھا شہد شکر سے بڑھ کر ہے اس شخص کے لئے کہ جس کی طبیعت کے لئے سقمونیا (زہریلی دوائی) زیادہ لائق ہے۔

حدیث شریف :۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔ بنی آدم کے قلوب لوہے کی طرح زنگ آلود ہو جاتے ہیں۔ عرض کیا گیا: ان کی صفائی کا کیا علاج ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ۱۔ تلاوت قرآن ۲۔ کثرت ذکر اللہ ۳۔ کثرت ذکر موت

ف : تمام گناہوں کی اصل تین چیزیں ہیں۔ ۱۔ حرص ۲۔ حسد ۳۔ کبر

پھر ان تین چیزوں سے چھ اور حاصل ہو جاتی ہیں جس سے کل نو ہوئیں۔

۱۔ سیر ہو کے کھانا، ۲۔ نیند بہت کرنا، ۳۔ دنیوی راحت کے در پے رہنا، ۴۔ مال، ۵۔ مرتبہ، ۶۔ حکومت کی محبت حب مال و ریاست بہت بڑے گناہ ہیں جو اپنے صاحب کفر و ہلاکت کی طرف کھینچ کر لے جاتے ہیں۔

حکایت : ایک نوجوان بادشاہ نے اپنے خادموں سے کہا مجھے بادشاہی کرنے میں بڑی راحت ہوتی ہے (بتاؤ) کیا تم لوگ بھی لذت پاتے ہو یا صرف مجھے اس کی لذت محسوس ہوتی ہے؟ سب نے کہا ہم لوگ بھی بادشاہی سے متلذذ ہوتے ہیں۔ اس نے کہا: تو پھر کیا کوئی ایسی تجویز ہے کہ جس سے مجھ سے یہ بادشاہی نہ چھنے اور میں ہمیشہ کے لئے بادشاہ رہوں۔ انہوں نے کہا: ہاں ایک تجویز ہے۔ وہ یہ کہ آپ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں سرگرم رہیں اور اس کی نافرمانی سے کنارہ کش رہیں۔

اس پر اس نے اپنے شہر کے تمام علماء و صلحاء بلائے اور ان سے کہا کہ تم لوگ میرے نگران رہو، جو کام نیک ہوں ان کا مجھے حکم دو اور جو برے ہوں ان سے مجھے روکے رہو۔ چنانچہ وہ اسی طرح کئی سال عامل رہا جس کی برکت سے اس کو چار سو سال بادشاہی کرنا نصیب ہوئی ایک دن اس کے پاس ابلیس ملعون انسانی شکل میں آ پہنچا اور آ کر پوچھا؟ آپ کون ہیں؟ بادشاہ نے کہا: بنی نوع انسان سے ایک انسان ہوں۔ اس نے کہا: نہیں اگر آپ بنی آدم سے ہوتے تو جس طرح باقی لوگ مر چکے ہیں آپ بھی مر چکے ہوتے، بلکہ آپ تو معبود ہیں آپ کو چاہئے کہ آپ تمام لوگوں سے اپنی پرستش کرائیں۔ یہ بات بادشاہ کے دل میں اتر گئی۔ چنانچہ اس نے ایک دن منبر پر علی الاعلان کہا کہ اے لوگو! اب تک جو بات میں نے تم سے چھپائے رکھی تھی اب اس کے اظہار

کا وقت آگیا ہے۔ وہ یہ کہ میں تم لوگوں کا عرصہ دراز سے مالک بنا بیٹھا ہوں۔ اگر میں بھی بنی آدم ہوتا تو مجھ پر موت آجاتی اس سے ثابت ہوا کہ میں بنی آدم سے نہیں ہوں بلکہ تمہارا خدا ہوں، اب تمہیں میری عبادت کرنی چاہئے اس پر اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کے نبی کی طرف وحی بھیجی اور فرمایا کہ آپ اس بادشاہ کو متنبہ کردیں کہ میں نے اسے بادشاہی اسی لیے دے رکھی تھی کہ اس نے میری عبادت سے منہ نہیں پھیرا تھا۔ اب جب کہ اس نے میری اطاعت سے منہ پھیر لیا ہے میں بھی اس سے بادشاہی چھین کر اس پر بخت نصر (بادشاہ) کو مسلط کرتا ہوں۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا اور اس پر اسی روز سے بخت نصر غالب آگیا، اس نے اس کی گردن ماری اور اس کے خزانہ کو اٹھانا شروع کیا۔ اس سے ستر کشتیاں سونے کی برآمد ہوئیں (علاوہ دیگر سامان کے)۔

مولانا روم قدس سرہ فرماتے ہیں ؎

جز عنایت کے کشد چشم را　　جز محبت کے نشاند خشم را
جهد بے توفیق خود کس را مباد　　در جهان واللہ اعلم بالرشاد

ترجمہ:۔ مہربانی کے سوا وہ اپنی آنکھ کو کب کھولتا ہے اور محبت کے سوا وہ غصہ کو کب پیتا ہے اس کی توفیق کے بغیر کس کی طاقت ہے کہ دنیا میں ہدایت کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ ختم میں سوابق احکام قدر کی طرف اشارہ ہے کہ جن کا خلیفہ کے لئے بموافق حکمت اور ارادہ ازلیہ سعادت وشقاوت کے ساتھ آغاز ہوا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ (بعض ان میں بد بخت اور بعض نیک بخت ہیں) باوجودیکہ ان میں ایمان وکفر قبول کرنے کی بہتر استعداد پائی جاتی ہے اس لیے جب اللہ تعالیٰ نے ان کے ذرات کو اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کے خطاب سے مخاطب فرمایا تو ان سب نے بَلٰی کہا۔ پھر ان ذرات کو ان کے قلوب میں امانۃً رکھا۔ پھر قلوب کو اجسام میں اور اجسام کو دنیا میں، گویا ذرات کو تین اندھیروں میں بند کیا گیا۔ پھر دل کا دریچہ عالم غیب کی طرف بواسطہ ذرات کے کھلا رہتا ہے جو کہ امانت رکھے ہوئے ہیں جنہوں نے اللہ کے خطاب کو سنا اور کمال حق کا مشاہدہ کیا یہاں تک کہ بچے کی ولادت ہوتی ہے۔

حدیث شریف: جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر بچہ اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی بنائیں یا نصرانی یا مجوسی۔

اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اشقیاء کو والدین کی تربیت میں سپرد فرماتا ہے۔ اَنْتُمْ وَاٰبَاءُ کُمْ فِیْ ضَلَالٍ مُّبِیْنٍ اس بنا پر اس کی شقاوت مقدرہ تقلید اور صفات نفسانیہ ظلمانیہ اور خواہش وطبیعت میں مضمر تھی۔ پھر اس شقاوت کی تاثیر وظلمت اور میل کچیل دل میں داخل ہو کر اس میں شقاوت اور سیاہی پیدا کر دیتی ہے اور اس پر پردہ ڈال دیتی ہے یہاں تک کہ وہ دریچہ جو ذرات کی طرف کھلا ہوا تھا اسے بند کر دیتی ہے جس کی وجہ سے دل اندھا اور بہرہ ہو جاتا ہے اسی وجہ سے اہل شقاوت نہ تو ذرات کے ساتھ (جو بجانب حق تھے) دیکھ سکتے ہیں اور نہ سن سکتے ہیں۔ اسی بنا پر انبیاء علیہم السلام کا انکار کرتے ہوئے کفر کی وجہ سے ان پر شقاوت کی مہر لگاتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا: بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ (ان کے کفر کی وجہ سے ان پر مہر لگائی)

تقدیر ایک پوشیدہ راز ہے جسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ سعادت مندی کے آثار سعادت مندوں کے اقرار اور بدبختی کے آثار بدبختوں کے انکار سے ظاہر ہوتے ہیں۔ تقدیر سے انکار کرنے کی مثال بیج جیسی ہے جو زمین میں پوشیدہ ہوتا ہے کہ اس کا اظہار شجر کی وجہ سے ہوگا۔ کیونکہ وہ شجرہ میں مستور ہے۔ اب درخت سے خارج ہو کر ٹہنیوں میں جاگزیں ہے لیکن ہے پوشیدہ۔ یہاں تک کہ ٹہنیوں سے خارج ہو کر ثمرہ کی شکل میں آجاتا ہے لیکن اب بھی مخفی ہے۔ یہاں تک کہ ثمرہ سے ظاہر ہو گیا اور بیج کے ظہور کا خاتمہ ہو گیا ثمرہ کی وجہ سے اسی طرح تقدیر کا راز ہے اور یہ بھی سعادت وشقاوت کا بیج ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں پوشیدہ ہے یہاں تک کہ انسان کے وجود کے شجرہ سے ظاہر ہوا۔ پھر اس انسانی شجرہ میں وہی سعادت وشقاوت پوشیدہ رہی پھر اس کا ظہور اخلاق کی ٹہنیوں سے ہوا لیکن وہی بیج اب بھی ان ٹہنیوں میں پوشیدہ ہے اب وہ اعمال کے ثمرہ میں ظاہر ہونے لگی۔ یعنی اقرار وانکار اور ایمان وکفر۔ اب جب کہ ان کا ظہور ہوگا تو تقدیر کے راز پر مہر لگ گئی اور وہی یعنی سعادت وشقاوت ثمرہ ایمان وکفر سے ظاہر ہوئی پس تقدیر کا راز سعادت وشقاوت کی مہر لگانے سے ظاہر ہو گیا۔ پس جن لوگوں کے دلوں پر کفر کی مہر لگائی اگرچہ اس مہر کے نقش احکام ازلیہ اور تقدیر کے راز سے ہیں یہاں تک کہ وصال کی دولت سے محروم ہو گئے اس سے ان کے کانوں پر مہر لگائی کہ اب وہ مالک ذوالجلال کے خطاب کو نہیں سن سکتے اور ان کی آنکھوں پر اندھاپن اور گمراہی کے پردے ہیں کہ اب وہ اس جلال وکمال کو نہیں دیکھ سکتے۔

marfat.ocm

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۘ۸

اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائے اور وہ ایمان والے نہیں

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ؕ۹

فریب دیا چاہتے ہیں اللہ کو اور ایمان والوں کو اور حقیقت میں فریب نہیں دیتے مگر اپنی جانوں کو مگر انہیں شعور نہیں۔

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ۬ بِمَا كَانُوْا

ان کے دلوں میں بیماری ہے تو اللہ نے ان کی بیماری اور بڑھائی اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے بدلہ ان کے

يَكْذِبُوْنَ ۱۰ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْۤا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۱۱

جھوٹ کا۔ اور جو ان سے کہا جائے زمین میں فساد نہ کرو تو کہتے ہیں ہم تو سنوارنے والے ہیں۔

اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۱۲ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَاۤ

سنتا ہے وہی فسادی ہیں مگر انہیں شعور نہیں اور جب ان سے کہا جائے ایمان لاؤ جیسے

اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ كَمَاۤ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ

اور لوگ ایمان لائے ہیں تو کہیں کیا ہم احمقوں کی طرح ایمان لے آئیں سنتا ہے وہی احمق ہیں مگر

لَّا يَعْلَمُوْنَ ۱۳ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْۤا

جانتے نہیں۔ اور جب ایمان والوں سے ملیں تو کہیں ہم ایمان لائے اور جب اپنے شیطانوں کے پاس اکیلے ہوں تو کہیں

اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۱۴ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ

ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو یونہی ہنسی کرتے ہیں۔ اللہ ان سے استہزاء فرماتا ہے (جیسا اس کی شان کے لائق ہے) اور انہیں

طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۱۵ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۪ فَمَا

ڈھیل دیتا ہے کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی تو

رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ (۱۶) مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ

ان کا سودا کچھ نفع نہ لایا اور وہ سودے کی راہ جانتے ہی نہ تھے۔ ان کی کہاوت اس کی طرح ہے جس نے آگ روشن کی

نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِيْ

تو جب اس سے آس پاس جگمگا اٹھا اللہ ان کا نور لے گیا اور انہیں اندھیریوں میں چھوڑ دیا

ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ (۱۷) صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ (۱۸) اَوْ كَصَيِّبٍ

کہ کچھ نہیں سوجھتا۔ بہرے، گونگے اندھے تو پھر آنے والے نہیں۔ یا جیسے آسمان سے

مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ

اترتا پانی کہ اس میں اندھیریاں ہیں اور گرج اور چمک اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس رہے ہیں

فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ؕ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ (۱۹)

کڑک کے سبب موت سے ڈرتے اور اللہ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا

بجلی یوں معلوم ہوتی ہے کہ ان کی نگاہیں اچک لے جائے گی جب کچھ چمک ہوئی اس میں چلنے لگے

فِيْهِ ۙ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ

اور جب اندھیرا ہوا کھڑے رہ گئے اور اللہ چاہتا تو

بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ (۲۰)

ان کے کان اور آنکھیں لے جاتا بیشک اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ (ربط) جب باری تعالیٰ نے اپنی مبارک کتاب کے حال کی شرح کا آغاز فرمایا تو اس کے بعد ان لوگوں کا ذکر فرمایا جو اس کی خاطر دین کو خالص

marfat.ocm

کرنے والے ہیں اور اس معاملہ میں ان کی زبانیں ان کے قلوب کے موافق ہیں۔ پھر دوسرے نمبر ان لوگوں کا بیان ہوا جنہوں نے ظاہراً و باطناً کفر سے حصہ لیا اور تیسرے نمبر پر ان لوگوں کا ذکر ہوا جو نمبر تیسرے میں ہیں۔ یعنی وہ لوگ جنہوں نے صرف زبان سے ایمان کا اظہار کیا لیکن ان کے قلوب نعمتِ ایمان سے بہرہ ور نہیں۔ اس تیسرے گروہ کا بیان تقسیم کی تکمیل کے لئے ہے۔

ف: یہ منافق کفار سے بہت زیادہ خبیث اور اللہ کے نزدیک مبغوض ترین لوگ ہیں کیونکہ انہوں نے فریب اور استہزاء کرتے ہوئے کفر میں خلط و ملط کر دیا اس لیے ان کی خباثت بیان کرنے میں طوالت کی گئی۔

نکتہ: قاشانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ان کفار (جو اپنے کفر پر اصرار کرنے والے ہیں اور ان کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے) کے ذکر میں صرف دو آیتوں پر اکتفا کرنے اور منافقین کے اوصاف (قبیحہ) بیان کرنے میں تیرہ آیتوں کو لانے میں نکتہ یہ ہے کہ کفار سے پوری طرح اعراض اس لئے کیا گیا کہ ہے اب ان میں نہ کلام اثر کرتا ہے اور نہ ان کو خطاب فائدہ پہنچاتا ہے بخلاف منافقین کے کہ کبھی ان میں توبیخ و تعبیر اثر کر جاتی ہے اور ان پر طعن و تشنیع اور ان کے اپنے حالات و عادات اور اندرونی امراض و خباثتِ نیت ظاہر کرائے جانے میں ہوسکتا ہے کہ شاید اس طریق سے اپنی بری عادات سے باز آجائیں اور ان کی صورتِ حال کو قبیح طرز میں بیان کرنے اور ان کو ان کے نفوس فرمانبرداری میں آجائیں گے اور وہ رذائل کہ جن میں وہ خراب ہو رہے ہیں ان سے دور ہو جائیں گے پھر وہ اس دائرہ میں آسکیں گے جس کو اللہ تعالیٰ نے اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ اعْتَصَمُوْا بِاللّٰہِ وَ اَخْلَصُوْا دِیْنَھُمْ لِلّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَسَوْفَ یُؤْتِ اللّٰہُ الْمُؤْمِنِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا۔ اَلنَّاس انسان کی جمع ہے، انسان کو انسان اس لیے کہا گیا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کا وعدہ بھلا دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَقَدْ عَھِدْنَآ اِلٰٓی اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَہٗ عَزْمًا اس معنی پر اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّہٖ لَکَنُوْدٌ کی تفسیر میں آیا ہے کہ لَکَنُوْدٌ بمعنی نعمتوں کے بھلا دینے والا اور تکالیف کو بہت زیادہ یاد کرنے والا۔

بعض کہتے ہیں کہ انسان کو انسان اس لیے کہا گیا کہ وہ ان ظہور کی وجہ سے اَنِس بمعنی اَبْصَرَ سے مشتق ہے اور یہ ظاہر ہیں اور نظر آنے والے ہیں اس لیے ان کو بھی بشر کہتے ہیں جیسا کہ جنات کو جن کہا گیا ہے ان کے پوشیدہ ہونے کی وجہ سے یعنی وہ لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ اُنس سے مشتق ہے (جو کہ وحشت

کی ضد ہے) کیونکہ وہ اپنے ہم جنس سے مانوس ہوتے ہیں یا اس لئے کہ ان کے ارواح ان کے اجسام سے ان کے اجسام ان کے ارواح سے مانوس ہیں۔

قانون: النَّاسِ میں لام جنس کی ہے اور مَنْ یَّقُوْلُ میں مَنْ موصوفہ ہے کیونکہ کوئی مخصوص انسان مراد نہیں، گویا کہ کہا گیا ہے ومن الناس ناس" من یقول یعنی صرف زبان سے اقرار کرتے ہیں۔

۳۔ وہ معنیٰ جو نفس میں متصور ہوتا ہے جسے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ۴۔ بمعنیٰ رائی۔ ۵۔ مذہب۔
پچھلے تینوں معانی مجازی ہیں۔

سوال: یَقُوْلُ میں ضمیر واحد کی لائی گئی ہے اور اٰمَنَّا میں جمع کی، اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: لفظ مَنْ میں دو اعتبار ہوتے ہیں: لفظی، معنوی، اس کے لفظی اعتبار سے یَقُوْلُ میں ضمیر مفرد کی لائی گئی کیونکہ لفظ مَنْ لفظاً مفرد ہے اور اٰمَنَّا میں اس کے معنیٰ کا اعتبار کیا گیا ہے کیونکہ مَنْ معناً جمع ہے۔ یا النَّاسِ میں لا عہد کی ہے اور معہود وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور مَنْ موصولہ ہے۔ اس سے مراد عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے ساتھی اور اس کے ہم شکل وہ منافقین ہیں کہ جنہوں نے اسلام کا معتقد ہونا اس لیے ظاہر کیا تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کرام علیھم الرضوان سے بچ جاویں حالانکہ ان کے اعتقادات فی الحقیقت ان کے خلاف تھے اکثر ان میں یہودی تھے وہ تو منافقت پر ہمیشہ کمربستہ رہتے اسی بنا پر ان کو بھی ان کفار میں گنا گیا جن کے قلوب پر مہر لگائی جا چکی ہے اور اس زیادتی سے جو کہ انہوں نے کفر پر زیادتی کی (یعنی منافقت) کی خصوصیت سے ان کا کفار میں داخل ہونے سے انکار کیا جا سکتا ہے کیونکہ ہر جنس کا نوع ہوتا ہے اور یہ بھی چند زیادتیوں سے ان کے بعض بعض سے متنوع ہیں۔ اس تقریر کی بنا پر دوسرے گروہ کی یہ تقسیم ہوئی۔

اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یعنی ہم اللہ تعالیٰ کو صدق دل سے مانتے ہیں اور آخرت پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور یوم آخر سے مراد حشر لے کر الی مانیایہ ہے یعنی وقت دائم جو کہ ختم ہونے والے اوقات کا آخری وقت اور اس سے مراد قیامت کا دن ہے یا حشر سے لیکر بہشتیوں کا بہشت میں اور دوزخیوں کا دوزخ میں داخل ہونے تک، کیونکہ ایام معدودہ کا یہ آخری یوم ہے کیونکہ اس کے ماسوا کی کوئی حد نہیں اور اس کو آخر بھی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ دنیا

میں بعد میں آنے والا ہے۔

سوال: ایمان کو ان دونوں یعنی باللہ وباليوم الآخر پر کیا تخصیص ہے؟

جواب: وہ لوگ مدعی تھے کہ ہم ایمان کی دونوں جانبین کو حاوی ہیں اور اس کی دونوں اطراف کو احاطہ کرنے والے ہیں اس پر انہیں خبردار کر دیا گیا کہ تم لوگ اپنے اس گمان پر پورے نہیں بلکہ منافقت کر رہے ہو۔ علاوہ ازیں وہ اس قول کے کرنے سے منافقت کر سکتے ہیں کیونکہ یہ لوگ یہودی تھے اور یہودی اگرچہ اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے تھے مگر ان کا یہ ایمان کالعدم تھا کیونکہ ان میں ذیل کی خرابیاں پائی جاتی ہیں۔ ان کے اعتقاد میں یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کو بندوں سے تشبیہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے۔

اور کہتے تھے کہ بہشت میں سوائے ہمارے کوئی بھی داخل نہ ہوگا۔

اور کہتے تھے کہ ہم دوزخ میں نہیں ہوں گے مگر چند روز، وغیرہ۔

اور گمان رکھتے تھے کہ ہمارے اور مومنین کے ایمان میں کوئی فرق نہیں۔

ف: ان کی عبارت کو بعینہٖ نقل کرنے میں ان کی کمال خباثت کا بیان کرنا ہے کیونکہ وہ باتیں جو وہ کہا کرتے تھے اگرچہ کبھی ان کے بلا دھوکہ اور فریب صادر بھی ہو جاتیں تو ان کو ایمان نہیں کہا جا سکتا کیسے کہا جائے جبکہ یہی اقوال مومنین کو دھوکا دینے اور ان کے ساتھ استہزاء کرنے کی بنا پر کہہ دیا کرتے تھے تو یہ خالص ان کی خباثت اور نرا کفر ہی کفر ہوگا۔

وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ لفظ لَیْسَ کا نائب ہے اس لیے اس کے بعد باء زائدہ آئی ہے اب معنی یہ ہوا کہ وہ لوگ تصدیق کرنے والے نہیں کیونکہ جو کچھ ظاہر کرتے ہیں اس کا خلاف دل میں رکھتے ہیں بلکہ یہ لوگ منافق ہیں۔

ف: ان پر یہ حکم لگانا کہ یہ لوگ مومن نہیں ہیں ان کے اس دعویٰ کی نفی ہے کہ وہ بالیقین والقطع مدعی تھے کیونکہ ما کی خبری باء داخل کر کے ان سے اصل ایمان کی نفی داخل کر دی گئی ہے اس لیے تو وما هم من المؤمنين نہیں فرمایا علاوہ ازیں وجہ کے پہلا جملہ یعنی وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ دوسرے یعنی وما هم من المؤمنين سے زیادہ بلیغ ہے۔

مسئلہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ وہ دعویٰ مردود ہوتا ہے کہ جس کی صحت پر دلائل صحیح نہ پائے جائیں۔

حکمت: اہل عرب کہتے ہیں کہ جس نے اپنے آپ کو اس بات سے سنوارا کہ جو اس میں نہیں ہے تو وہ اپنے

دعوٰی کرنے سے امتحان کے وقت شرمسار ہوگا اور جو شخص اپنی تعریف کرتا ہے ندامت اٹھائے گا اور جو اپنی مذمت کرتا ہے وہ تعریف کیا جائے گا جیسا کہ فرعون نے اپنی مدح میں کہا:

وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (اور میں مسلمانوں سے ہوں) تو اس کی مذمت ان الفاظ سے کی گئی۔

وَکُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ (اور تو مفسدوں سے تھا)

اور حضرت یونس علیہ السلام نے تواضعاً فرمایا: اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ (بیشک میں ظالموں سے ہوں)

تو ان کے لئے فرمایا گیا: فَلَوْلَآ اَنَّہٗ کَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ (اگر وہ نہ ہوتا تسبیح کرنے والوں سے)

حضرت حافظ شیرازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

خوش بود گر محک تجربہ آید بمیاں   تا سیہ رُو شود ہر کہ غش باشد

ترجمہ: اچھا ہے اگر پرکھنے اور امتحان کے لئے کسوٹی درمیان میں ہوتا کہ جس کسی کے اندر کھوٹ ہو وہ سیہ رو ہو جائے۔

حکایت: ایک شخص کا ایک شاگرد ہمیشہ اپنے لیے امانت کا دعوٰی کرتا تھا مگر شیخ کو اس کے خلاف آثار نظر آتے تھے مگر تلمیذ بہت اعتماد سے کہتا کہ مجھے آزما لیجئے۔ اس سے اس کا مقصود یہ تھا کہ مجھے اسرار الٰہیہ سے کسی ایک راز کا انکشاف بخشا جائے گا ایک دن شیخ نے اپنے ایک اور شاگرد جو اس کا ساتھی تھا پکڑ کر اپنے گھر چھپا لیا، اور مینڈھے کو پکڑ کر ذبح کر کے ایک صندوق میں رکھ لیا اس اثنا میں وہی امانت کا مدعی تلمیذ آ گیا استاد صاحب کو دیکھا کو خون آلود ہیں اور صندوق بھی سامنے پڑا ہے اور چھری ہاتھ میں ہے۔ تو عرض کی کہ حضرت جی! یہ کیا ماجرا ہے؟ استاد صاحب نے فرمایا کہ میں نے اس کی خواہشات نفسانیہ کی ایسی بیخ کنی کر دی ہے تا کہ وہ میری مخالفت نہ کرے۔ اس نابکار شاگرد نے سمجھا کہ وہ مقتول تلمیذ اسی صندوق میں ہے۔ پھر استاد صاحب نے اس شاگرد سے فرمایا کہ اے میرے عزیز! اس راز کو اپنے دل میں رکھنا اور اس مقتول تلمیذ کے صندوق کو جو میرے سامنے ہے میرے گھر دفن کر دو۔ (اس امر سے اصل میں نابکار شاگرد کی آزمائش کرنا مقصود تھا) اور بعد ازاں اتنے میں اس گمشدہ تلمیذ کا باپ جو اپنے بیٹے کی تلاش میں تھا وہی نابکار شاگرد اس کے باپ سے کہنے لگا کہ تیرے بیٹے کو ہمارے استاد صاحب نے قتل کر کے اپنے گھر میں دفن کر دیا ہے شدہ شدہ یہ بات سلطانِ زمان تک پہنچی۔ بادشاہ

marfat.ocm

نے سن کر توقف فرمایا کیونکہ اس بزرگ کی بزرگی سے وہ خوب واقف تھا مگر تاہم شیخ کی خدمت میں قاضی اور دیگر فقہاء کو بھیج کر تفتیش شروع کردی۔ اس واقعہ سے تلمیذ نابکار بڑا خوش ہوا اور استاد صاحب کا خوب گالیاں دیں اور گواہوں کو ساتھ لیکر آئے تاکہ مذبوح لڑکے کو بچشم خود دیکھ سکیں۔ چنانچہ جب صدوق کو کھولا گیا تو ذبح شدہ مینڈھا اس میں پایا اور اس گھر سے وہ لڑکا صحیح سلامت باہر نکل آیا جس سے اس شاگرد کو سخت شرمندگی اٹھانا پڑی۔ مگر اب ندامت سے کیا فائدہ؟ (**كذافى الرسالة الموسوم بالحكم المربوط فيمايلزم اهل طريق الله من الشروط مصفنه شيخ الا كبر ابن العربى قدس سرهٗ العزيز**)

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ اسرار امینوں کو دیے جاتے ہیں اور انوار ادیبوں کو دیے جاتے ہیں حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

حدیثِ دوست نہ گویم مگر بحضرت دوست
کہ آشنا سخن آشنا نگہ دارد

ترجمہ : دوست کی بات دوست کو کہی جاتی ہے اس لیے کہ راز دان راز دان کی بات کو باحفاظت رکھتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ مِنَ النَّاسِ سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے وعدہ یوم میثاق کو بھلا دیا۔ پھر ان میں بعض تو وہ ہیں جو منہ سے تو کہتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لائے لیکن ان کے قلوب اس کے خلاف گواہی دیتے ہیں۔ ایمان حقیقی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے نور سے ہو جس کو اللہ تعالیٰ اپنے خواص کے قلوب میں ڈالتا ہے اور یوم آخر پر ایمان لانے کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نور سے یوم آخرت کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر کے آخرت پر ایمان لاتے ہیں۔ پس جس نے اللہ تعالیٰ کے نور سے نہ دیکھا تو اسے عالم غیب کا مشاہدہ بھی نصیب نہ ہوا۔ نہ وہ غیب کو جان سکے گا نہ مومن باللہ ہوگا اور نہ مومن بالیوم الآخر اس لیے تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ یہ وہ لوگ نہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے نور سے ایمان لاتے ہیں۔ اس آیت کا معنی اور بھی ہے وہ یہ کہ وہ لوگ حقیقی ایمان کی طرف جانے کے لئے تیار نہیں کیونکہ وہ لوگ نہایت غفلت وخذلان میں ہیں۔

تفسیر عالمانہ

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ (ربط) جملہ سابقہ میں جو يَقُوْلُ گزرا ہے اس کا بیان ہے اور منافقین جو اپنی غرض اٰمَنَّا بِاللّٰهِ بیان کرتے تھے اس کی ان کو توبیخ ہو رہی ہے یا جملہ مستانفہ ہے

marfat.ocm

جو ایک سوال مقدر کا جواب۔ سوال یہ ہے کہ گویا سائل نے پوچھا کہ ان مفافقین کی جزا کیا ہے جو منہ سے تو گواہی دیتے ہیں لیکن وہ مومن نہیں۔ تو اس کے جواب میں یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ معلوم رہے کہ یُخٰدِعُوْنَ بمعنی یَخْدَعُوْنَ ہے۔ فَعَلَ کو فَاعَلَ کے وزن پر مبالغۃً لایا گیا ہے۔ یُخٰدِعُوْنَ اپنے ظاہری معنی پر نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے تو کوئی شے مخفی نہیں اور منافقین کا دھوکہ بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہیں بلکہ ان کی غرض دھوکا سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تھی۔ اس معنی پر مضاف محذوف ہوگا۔ یعنی یخدعون رسول اللہ، یا یوں ہو کہ جو معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا جا رہا ہے یہ دراصل اللہ تعالیٰ سے ہو رہا ہے کیونکہ آپ در اصل زمین پر اللہ تعالیٰ کے نائب ہیں اس کے بندوں کو اسکے اوامر و نواہی سناتے ہیں۔

مسئلہ : ثابت ہوا کہ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بہت ارفع و اعلیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ دھوکا کرنے کو اپنے ساتھ دھوکا کرنے سے تعبیر فرما رہا ہے۔

سوال: وہ منافقین تو کفار سے بھی زیادہ خبیث اور اھل الدرک الا سفل من النار تھے پھر ان پر مومنین کے احکام جاری کرنے کا کیا معنی ؟

جواب : یہ صرف مہلت دینے کی وجہ سے ہوا۔

سوال : رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین ان کی منافقت کو جانتے ہوئے بھی ان پر اسلام کے احکام جاری کرتے اور ان کے حال کو کسی پر ظاہر نہ کرتے مخفی رکھتے یہ کیوں؟

جواب : اللہ تعالیٰ کے فرمان کو مان کر، تاکہ مخادعہ دونوں جانت سے ہو جائے اگر ان پر یہ احکام جاری نہ ہوتے تو کافروں میں مل جاتے اور پھر ان کو اس دھوکا دہی کی جزا کیسے ملتی۔

حل لغات : خَدَع" بمعنی برائی کے پہنچانے کے ارادہ پر اپنے ساتھی کو اپنے ارادہ کے خلاف پا کر اسے دھوکا میں رکھ کر خود بآسانی مکروہ امر سے نجات پانا۔ اہل عرب کے قول خبّ"، خادع"، وخَدِع" سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ شکاری اپنا ہاتھ گوہ کے ہاتھ میں ڈالے اور سے خیال ہو کہ شاید وہ میری طرف متوجہ ہے حالانکہ وہ کسی دوسرے دروازہ سے نکل جائے یہاں پر دونوں معنی مناسب ہیں کیونکہ منافقین کا ارادہ بھی یہی تھا کہ مومنین کے مخالفین کو راز بتا کر خود تکالیف سے بچ جائیں جو باقی کفارک مومنین کی جانب سے بوجہ

marfat.ocm

قتل یا مال چھن جانے اور قید ہو جانے سے پہنچتی تھیں۔ علاوہ ازیں ان کا دنیاوی مصلحتوں کے نظم ونسق کو بھی حاصل کرنا مقصود تھا بایں طور کہ جس طرح مومنین کو عطیہ جات ملتے تھے انہیں بھی ملتے رہیں۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یعنی مومنین سے بھی دھوکا کرتے ہیں جبکہ انہیں دیکھ کر اٰمَنَّا بِاللہِ کہتے ہیں حالانکہ وہ ایماندار نہیں ہیں۔ اس کا عطف پہلے جملے پر ہے یہاں پر ''مُخَادَعَۃ'' کا حقیقی معنی ہوگا۔ کیونکہ حقیقی معنی ممکن ہے۔

وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ **حل لغات**: نفس'' شے کی ذات اور حقیقت کو کہتے ہیں کبھی روح کو بھی نفس کہتے ہیں۔ کیونکہ نفس اسی سے زندہ ہے اور قلب کو بھی نفس کہتے ہیں کیونکہ یہ قلب کا محل اور متعلق ہے۔ اور خون کو بھی نفس کہتے ہیں کیونکہ نفس کا قوام اسی کے ذریعے سے ہے اور پانی کو بھی نفس کہتے ہیں کیونکہ اس کی نفس کو بہت ضرورت ہے یہاں پر پہلا معنی مراد ہے کیونکہ بیان یہ کرنا ہے کہ دھوکا بازی کا نقصان دراصل صرف انہیں ہوگا کیونکہ ان کے فعل کا دائرہ نہیں پر بند ہے۔ جنہوں نے صیغہ (مفاعلہ) کے معنی صحیح رکھنے کا پورا اہتمام رکھا تو وہ اس طرح ترجمہ کریں گے کہ وہ معاملہ جو دھوکا بازوں کے معاملہ سے مشابہ ہے سوائے اپنے نفسوں کے کسی دوسرے کے ساتھ نہیں کرتے۔ کیونکہ یہ نقصان سوائے ان کے دوسرے کو محیط نہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی منافقت کی اطلاع دیدے گا جس کی وجہ سے وہ دنیا میں شرمساری اٹھائیں گے اور آخرت میں سخت عذاب کے مستحق ہوں گے۔ مولانا روم قدس سرہٗ فرماتے ہیں: ؎

بازی تو دیدم اے شطرنج باز   بازی خصمت ببیں پہن دراز

ترجمہ: اے شطرنج کھیلنے والے! میں نے تیرا کھیل دیکھا ہے اپنے دشمن کا کھیل بھی دیکھ جس کا میدان وسیع ہے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ جیسے یہ لوگ کر رہے ہیں قیامت میں بھی ان سے ایسا ہی کیا جائے گا چنانچہ مروی ہے کہ جب یہ لوگ جہنم میں ڈالے جائیں گے تو عرصہ دراز تک عذاب میں مبتلا رہیں گے پھر اللہ تعالیٰ سے فریادی ہوں گے اور بخشش کی طلب کریں گے تو کہا جائے گا دروازے کھلے ہیں جہنم سے نکل کر جب بہشت کے قریب پہنچیں گے تو دروازے بند کر دیئے جائیں گے اور انہیں لوٹا کر شیاطین وطواغیت کے ساتھ دوزخ میں بند کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّھُمْ یَکِیْدُوْنَ کَیْدًا ۝ وَّاَکِیْدُ کَیْدًا (بیشک وہ مکر کرتے ہیں اور میں ان کے مکر کی انہیں جزا دوں گا) (بیشک وہ مکر کرتے ہیں اور ہم بھی ان کے مکر کی انہیں سزا دیں گے)

حدیث شریف: بعض لوگوں کو بہشت میں داخل ہونے کا حکم ہوگا، جب وہ بہشت کے قریب ہوں گے اور اس کی خوشبوئیں ان کے دماغوں میں پہنچیں گے اور اس کے محلات پر نظر کریں گے اور ان اشیاء کو دیکھیں گے جو اللہ تعالیٰ نے بہشت کے لئے تیار فرمائیں انہیں ندا ہوگی کہ بہشت سے دور ہو جاؤ تمہارے لیے اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ حسرت وندامت کے ساتھ لوٹیں گے جس طرح ان کی یہ رسوائی ہوگی ایسی نہ پہلے کسی سے ہوئی اور نہ آئندہ کسی سے ہوگی۔ عرض کریں گے: الٰہ العالمین! قبل اس کے کہ وہ اشیاء جو تو نے اپنے اولیاء کے لئے بہشت میں تیار کی ہیں ہمیں دکھاتا اور دوزخ میں داخل فرمالیتا تو اچھا ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: یہ میں نے ارادہ کیا ہے کیونکہ تم وہی تو ہو کہ جب تم تنہائی میں ہوتے تو اپنے وساوس سے میرے ساتھ قسم قسم کے جنگ وجدال میں رہتے اور جب مومنوں سے ملتے تو بات کو چھپا کر ریا سے کام لیتے ہوئے کو کچھ دل میں ہوتا اس کے خلاف کا اظہار کرتے تم دنیا والوں سے تو ڈرتے تھے مگر میرا ڈر تم کو کبھی یاد نہ آیا۔ لوگوں کو تم نے بزرگ سمجھا مگر میری بزرگی کا تمہیں لحاظ نہیں تھا اور لوگوں کے لئے تم (غلط روی) کو چھوڑ دیتے مگر میرے لئے تم نے کوئی (برا عمل) نہ چھوڑا پس آج کے دن میں تم کو اپنی نعمتوں سے محروم رکھ کر عذاب شدید میں مبتلا کر رہا ہوں۔ (کذا فی روضۃ العلماء وتنبیہ الغافلین)

وَمَا يَشْعُرُونَ (ربط) یہ جملہ، جملہ **وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ** کی **هُمْ** ضمیر سے حال ہے یعنی اپنے نفوس پر دھوکا کے وبال سے کمی نہیں اور غفلت وغوایت میں منہمک ہونے کی وجہ سے اس خرابی کا انہیں علم بھی نہیں ہوتا۔ طوق وبال خداع اور پھر اس کے نقصان کا عود اس کی طرف لوٹنے کے ظہور کو ایسا کالمحسوس بیان کیا کہ سوائے ماؤف الحواس کے کسی پر مخفی نہیں۔ ان کو بمنزلہ جمادات کے بنایا گیا، بلکہ بہائم کے رتبے سے بھی انہیں گرا گیا بایں طور کہ ان سے حسن حیوانی سلب کی گئی ہے پس ان کے حق میں کہا جا سکتا ہے **بَلْ هُمْ أَضَلُّ** **وَمَا يَشْعُرُونَ** یہ **لَا يَعْلَمُونَ** سے زیادہ احسن اور بلیغ ہے۔ الشعور بمعنی الاحساس ہے یعنی علم الشئی بمعنی علم حسن ہے اور مشاعر انسان بمعنی حواس، انسان کی وجہ یہ ہے کہ انسان کا ہر حاسہ شعور اور نصیحت قبول کرنے کا محل ہے پس منافق جو بھی عمل کرتا ہے اس کا اس کے وبال کا اسے علم بھی نہیں ہوتا اور مومن چونکہ اپنے ہر عمل کے وبال کو جانتا ہے کہ بنا بریں اللہ تعالیٰ کے سامنے منافق کو کوئی عذر قبول نہیں ہوگا۔

سوال: اس آیت میں تو اس کے جاننے کی نفی کی گئی اور دوسری آیت میں ان کے جاننے کا ثبوت ہے۔

جواب: اس کا حقیقۃً تو انہیں علم تھا لیکن انہیں اپنے کیے کا علم نہیں ہوتا تھا لہٰذا وہ لاعلم ہی تھے ان کی مثال صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ والی آیت ہے وہ لوگ اگرچہ ناطق اور سامع اور ناظر تو تھے لیکن چونکہ وہ اس سے نفع نہ اٹھا رہے تھے بنابریں گویا وہ گونگے اور بہرے اور اندھے ہیں مثلاً ایک شخص کے پاس ہتھیار ہو مگر وہ اسے استعمال نہیں کرتا تو وہ اور وہ شخص جس کے پاس ہتھیار نہ برابر ہیں۔ اسی طرح وہ عالم جو اپنے علم کے مطابق عامل نہ ہوا اور جاہل برابر ہیں۔ اسی طرح دولت مند جو اپنے مال سے نفع نہیں اٹھاتا وہ اور مفلس برابر ہیں۔ پس کفار کے لئے علم ثابت الزام حجت کے لئے ہے اور ابوجہل کا اثبات ان کی کمی کے اظہار کے لئے ہے بخلاف اہل ایمان کے ان کے لئے علم کا اثبات ان کی کرامت کے اثبات کے لئے اور ذکر جہل معصیت میں معذور ہونے کی تلقین سکھانے کے لئے ہے۔ (كذافي التيسير)

سبق: مومن کے شایانِ شان یہ ہے کہ علم وعمل کے زیور سے آراستہ ہو اور خطا و گناہ سے کنارہ کش رہے اور اپنے رب کی خالص رضا کی خاطر اس کی اطاعت کرے اور قلب سلیم سے اس کی عبادت میں مصروف ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں اپنی امت پر جیسا کہ ان کے شرک اصغر سے خائف ہوں ان کے کسی اور عمل سے خائف نہیں۔ عرض کیا گیا: شرک اصغر کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: ریاء (شرک اصغر ہے) قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اعمال کی جزا دے گا تو ریاکار لوگوں کو فرمائے گا کہ تم ان حضرات کے پاس جاؤ جن کے سامنے دنیا میں اپنے اعمال ریاء کے طور پر کرتے تھے کیا تمہارے لیے ان کے پاس کوئی بھلائی ہے (نہیں ہرگز نہیں) یہ ان کو اس لیے کہا جائے گا کہ ان کا یہ عمل بطور دھوکا کے ہوگا بنابریں ان کے ساتھ بھی وہی معاملہ کیا جائے گا جو دھوکا بازوں کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔ (تنبیہ الغافلین)

شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

چہ قدر آور بندہ ریش　　کہ زیر قبا دارد اندام پیش

ترجمہ: اس آدمی کی کیا قدر جو ریاکاری کا لباس پہنے ہوئے ہے کہ وہ اپنی قبا کے نیچے کئی جسم رکھتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ جب اللہ تعالیٰ نے بعض بندوں کے لئے شقاوت مقدر فرمائی تو پوشیدہ تقدیر کا بیج ان کے

marfat.ocm

اعمال میں بویا جس سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دھوکا بازی کا پھل نمودار ہوا اور یہ اسے معلوم بھی نہیں ہوتا کہ یہ دھوکا وہی پوشیدہ تقدیر کے بیج کا نتیجہ ہے۔ جس اس کو نظروں میں زینتِ دنیا اور اس کے قلب میں حُبِّ شہوات کے ذریعہ ظاہر ہو رہا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ

(لوگوں کے لئے شہوات کی محبت سنگاری گئی ہے) تو یہ بندہ زینتِ دنیا اور طلبِ شہوات میں اللہ تعالیٰ اور سعادتِ اخرویہ سے دھوکا کھا بیٹھا پس دراصل وہی دھوکا باز مکر ساز ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ (وہ اللہ تعالیٰ سے دھوکا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے دھوکا کی انہیں سزا دے گا)

اس تقدیر پر اب معنی یہ ہوا کہ یہ لوگ درحقیقت دھوکا نہیں دیتے مگر اپنے آپ کو، جس کی حقیقت ان کے اللہ تعالیٰ اور مومنوں کے ساتھ دھوکا دہی سے ظاہر ہو رہی ہے۔ کیونکہ یہ لوگ کفر کی وجہ سے دھوکا دینے سے پہلے دوزخ کے مستحق ہو چکے تھے اگرچہ ان سے ایمان کا امکان تھا مگر چونکہ وہ بطور دھوکا دہی کے منافقت کے اظہار میں شروع ہوئے تو ان کے قدم درکِ اسفل من النار میں پھسلے جس سے ان کا ایمان قبول کرنا اور ان سے ممکن ہونے کی استعداد ختم ہو گئی پس ان کے دھوکا دینے اور مکر کرنے کا نقصان ان کی طرف راجع ہوتا ہے جس کی انہیں خبر بھی نہیں ہوتی وَمَا يَشْعُرُوْنَ یعنی انہیں تقدیر ازلی کے راز کا پتہ نہیں کہ ان کا مکر و فریب کرنا اس کی تقدیر کے راز کے نتائج سے ہے وجہ دراصل یہ ہے کہ ان کے قلوب بیمار ہیں اور روحانی مریض تقدیر کے راز سے واقف نہیں ہوتا۔

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا حل لغات: زاد کبھی متعدی ہو کر آتا ہے جیسا کہ اس آیت شریف میں ہے اور کبھی لازم ہو کر، جیسا کہ آیت وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ [1] میں ہے اور مَرَضٌ درحقیقت اس عارضہ کو کہتے ہیں جو بدن کو لاحق ہوتا ہے اور اس کو حدِّ اعتدال (جو اس کے لائق ہے) سے خارج کر کے اس کے اعضاء میں ایسا خلل واقع پیدا کر دے کہ اسے درجہ موت تک پہنچا دے اور مجازاً عوارض نفسانیہ پر بولا جاتا ہے کہ جن سے انسانی کمالات میں خلل واقع ہو جائے جیسے جہل سوءِ عقیدت، حسد، کینہ گناہوں کی محبت اور حقیقیہ ابدیہ کے زوال کے موجب ہیں اور آیت کریمہ اس مجازی و حقیقی دونوں معنوں کا احتمال رکھتی ہے کیونکہ ان کے قلوب اس ریاست جو انہیں حاصل تھی کے چھن جانے سے جل چکے تھے اور حضور

---

[1] ہم نے انہیں ایک لاکھ یا اس سے زائد لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے امر میں ترقی اور ان کی شان میں روز بروز زیادتی سے حسد میں آ کر آزار رسیدہ تھے اور علاوہ ازیں ان کے دل چونکہ کفر اور برے عقائد اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دشمنی کی وجہ سے صدمہ یافتہ ہیں اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی بیماریوں میں یوں اضافہ فرمایا ہے کہ ان کے دلوں پر مہر ثبت فرمائی (کیونکہ اسے علم تھا کہ ان پر نہ تو نصیحت اثر کرے گی اور نہ ہی کسی کا ڈر کارگر ہوگا) اس لیے جب بار بار وحی نازل ہوتی اور تکالیف شرعیہ کا حکم صادر ہوتا اور مسلمانوں کو فتح و نصرت نصیب ہوتی تو ان (منافقین) کے مرض میں اضافہ ہو جاتا ہے پھر جوں جوں تکالیف شرعیہ کا نزول ہوتا جاتا اسی قدر ان کی بیماری، کفر بڑھتی جاتی سب سے بڑا بوجھ ان پر شہادت کے کلمہ شریف کا تھا جس کے پڑھنے سے وہ کتراتے بعد ازاں طاعات کے احکام ہوتے گئے تو وہ بھی کفر میں بڑھتے گئے اسی وجہ سے کل قیامت میں انہیں لحظہ بہ لحظہ عذاب بڑھتا رہے گا کما قال اللہ تعالیٰ: وَزِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ (اور ان کا ہم نے عذاب پر عذاب بڑھا دیا) اور اسی طرح مومنین بھی روز بروز ہدایت میں بڑھتے رہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى (اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ہدایت میں بڑھاتا ہے) اس لیے کل قیامت میں انہیں فضل و کرم فراواں نصیب ہوگا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ (اور قیامت میں اپنا فضل انہیں بڑھ کر عطا فرمائے گا)

تفسیر صوفیانہ

حضرت قطب علامہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ دل کے امراض یا تو دین سے متعلق ہیں جیسے برے عقائد اور کفر، یا اخلاق سے متعلق ہیں۔ اخلاق کی دو قسمیں ہیں۔ رذائل فعلیہ، جیسے خیانت، حسد یا رذائل انفعالیہ، جیسے ضعف اور بزدلی پر مرض کو اولاً محمول کیا جائے کفر ہے۔ پھر ہیات فعلیہ پر، پھر ہیات انفعالیہ پر۔

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ بددعا ہے۔

جواب: یہ مطلب غلط ہے کیونکہ بددعا تو عجز پر دلالت کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ عجز سے پاک ہے۔

ف: بندوں کو دعا کا طریقہ سمجھایا گیا ہے کہ جب تم سے کام نہ بنے تو دعا کو عمل میں لایا کرو اور یہ بھی بتایا گیا کہ منافقین کے لئے بددعا کرنا جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے درک اسفل تیار کیا ہے اسی طرح محمول ہوں گے قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ و عَفَا اللّٰهُ وغیرہ وغیرہ۔

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ یعنی آخرت میں ان کے لئے سخت عذاب ہے اس عذاب کا درد ان کے قلوب تک پہنچے گا اور اَلِيْمٌ بمعنی مولم بفتح اللام، اسم مفعول از ایلام عذاب کو اَلِيْمٌ سے موصوف کرنا مبالغہ کی بنا پر ہے وہ دراصل معذب بفتح الذال کی صفت ہے جیسا کہ اہل عرب کے قول جد جدہ میں جدّ جادّ کی صفت ہے اور مبالغہ لانے میں وجہ یہ ہے کہ اَلَمْ ایسے درجہ پر پہنچ گیا ہے کہ معذب عذاب جو کہ اس کا متعلق بہ ہے کی طرف سرایت کر گیا ہے۔

بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ بـاء سببیت کی ہے یا مقابلہ کی اور ما مصدریہ، دراصل يَكْذِبُوْنَ پر داخل ہے اور لفظ كَانُوْا زائد ہے جو دوام اور تجدید کا فائدہ دے رہا ہے۔ یعنی ان کے کذب متجدد و مستمر جو کہتے ہیں اٰمَنَّا کی وجہ سے (انہیں) دردناک ہوگا اس میں اشارہ ہے کہ کذب قبیح اور بہت برا عمل ہے اور تنبیہ ہے کہ منافقین کو عذاب صرف ان کے کذب کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ عبارت کے ظاہر سے ثابت ہے کہ ان کے عذاب کا سبب صرف کذب ہے۔ حالانکہ سامع کو بخوبی معلوم ہے کہ عذاب مختلف وجوہ سے ہوگا اور صرف کذب کی وجہ پر اقتصار کرنے میں یہ سمجھانا مقصود ہے کہ کذب نہایت درجہ کا قبیح ہے اس سے کمال درجہ کی نفرت چاہیے۔

ف: واقعہ کے خلاف وقوع کی خبر دینے کا نام کذب ہے۔

سوال: سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے متعلق تین جھوٹ کی روایت کا کیا مطلب ہے؟

جواب: اس روایت میں کذب بمعنی تعریض ہے اور چونکہ ان باتوں کو لفظاً کذب سے مشابہت ہے بنا بریں ان پر کذب کا اطلاق کیا گیا۔

سوال: ان تین جھوٹی باتوں کی تفصیل کیا ہے؟

جواب: پہلا وہ قول جو کہ آپ نے کفار کو فرمایا: اِنِّيْ سَقِيْمٌ یعنی میں بیماری یا موت کی جانب جانے والا ہوں یا میں تمہارے برے عمل جو کہ تم جا کر نجوم پرستی کرو گے تو میں غصہ میں آ کر بیمار ہو جاؤں گا یہ آپ نے اس لیے فرمایا تا کہ وہ لوگ انہیں ساتھ لے جانے پر مجبور نہ کریں اور ان سے باز رہ کر ان کے بتوں کو ان کی عدم موجودگی میں پارہ پارہ کر دیں۔ دوسرا ان کا وہ قول ہے جو انہوں نے بتوں کو توڑ کر کلہاڑا بڑے بت کے کندھے پر رکھ دیا تو قوم نے پوچھا: یہ خرابی کس نے کی؟ تو آپ نے فرمایا: بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ (بلکہ یہ ان کے بڑے نے کیا ہے)

یہ قول آپ نے علیٰ سبیل الالزام فرمایا کہ بالفرض والتقدیر اگر اسے سمجھا جائے تو یہ کام اس نے ہی کیا ہے کیونکہ جو معبود ہوتا ہے تو اسے قدرت حاصل ہوتی ہے کہ یہ کام کر سکے اگر وہ ایسے کام نہیں کر سکتا تو وہ عاجز ہوگا اور عاجز الوہیت کے درجہ سے محروم ہوتا ہے اور نہ ہی وہ عبودیت کا مستحق ہے جب تم نہیں مانتے تو ان کو سجدہ کرنا بے سود ہے۔ گویا آپ نے یہ قول ان کے ساتھ بطور تمسخر واستہزاء کے فرمایا۔

تیسرا آپ کا وہ قول کہ جب ظالم بطور ظلم مسافرین کو پکڑ کر عورتوں سے بدفعلی کرتا تھا جب اس ظالم کے سپاہی پکڑنے آئے اور آپ سے بی بی سارہ کے متعلق پوچھا کہ یہ آپ کی کیا لگتی ہے تو آپ نے فرمایا ھٰذِہٖ اُخۡتِیۡ اس سے مراد آپ کی اخوت دینی تھی یہ آپ نے اس لیے فرمایا تا کہ ان کی بیوی اس ظالم کے پنجہ سے بچ جائے کیونکہ اس کی عادت تھی کہ وہ ان عورتوں کو پکڑتا جن کے شوہر موجود ہوتے کیونکہ اس کا خیال یہ تھا کہ جب یہ عورت اپنے شوہر سے راضی ہے تو بادشاہ اس کے شوہر سے زیادہ حقدار ہے اور جن عورتوں کے شوہر نہیں ہوتے تھے ان کی مرضی کے سوا اس کا کوئی چارہ نہیں تھا۔

سوال : سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں اور چاند سورج کو دیکھ کر کیوں فرمایا ھٰذَا رَبِّیۡ حالانکہ آپ کو یقین تھا کہ (یہ سورج، چاند، ستارے وغیرہ) معبود نہیں؟

جواب : یہ استدراج ہے یعنی خصم کے ساتھ نرم بات کہہ کر اپنی طرف مائل کرانا یہ بھی تعریض کی ایک قسم ہے کیونکہ اس قول سے آپ کی غرض ان کے قول کی نقل حکایت تھی تا کہ ان کے اپنے قول سے ان کا ابطال ہو جائے

کذب کی مذمت :۔ جھوٹ کبیرہ ذنوب اور برے عیوب میں سے اور تمام گناہوں کا سرچشمہ ہے اور اسی سے دل سیاہ ہو جاتا ہے اور تمام بری عادتوں سے مبغوض ترین اور ایمان کا بالمقابل بھی کذب ہے۔ بہر حال اس سے دور رہنا ہی بہتر ہے۔

حدیث شریف: میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا: میں تمہیں جھوٹ میں ایسے گرتا ہوا دیکھتا ہوں جیسے پروانہ آگ میں گرتا ہے۔

مسئلہ : جھوٹ کیسا ہی ہو جھوٹ لکھا جائے گا۔ ہاں تین ایسے جھوٹ ہیں جن کا گناہ نہیں لکھا جاتا۔

۱۔ جنگ میں جھوٹ بولنا اَلۡحَرۡبُ خَدۡعَۃٌ" (جنگ دھوکا ہے) ۲۔ دو آدمیوں کی آپس میں صلح کرانے میں۔

۳۔ اپنی عورت سے ایسی بات کرنا کہ جس سے وہ خوش ہو۔ مثلاً یوں کہے کہ دنیا میں مجھے تجھ سے زیادہ محبوب کوئی نہیں۔ اسی طرح عورت بھی اپنے مرد کو کہہ سکتی ہے۔

یہ تین ایسے فعل ہیں جن کے متعلق احادیث میں صراحۃً استثناء وارد ہوا ہے۔ اسی کے مطابق وہ مسئلہ ثابت کیا گیا ہے کہ اپنے یا غیر کے لئے کوئی ایسی بات خلاف واقعہ کہہ دے کہ جس سے جائز غرض ہو۔ فارسیوں کا مشہور مقولہ ہے: دروغ مصلحت آمیز بہ از راست فتنہ انگیز (جھوٹ مبنی بر مصلحت اس سچ سے بہتر ہے جو فتنہ انگیز ہے) لیکن یہ اس وقت ہے جبکہ غیر کی خاطر ہو اگر اپنے لیے ہو تو سچ بولنا ہی اولیٰ ہے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ فرماتے ہیں: ؎

تا نیک ندانی کہ سخن عین صوابست   باید کہ بگفتن دہن از ہم نکشائی
گر راست سخن گوئی و در بند بمانی   بہ زانکہ دروغت دہد از بند رہائی

ترجمہ: جب تک تجھے پتہ نہ ہو کہ بات اچھی ہے چاہیے کہ تو اس کے کرنے کے لئے منہ نہ کھولے۔ اگر تو سچی بات کہے اور منہ کو بند رکھے تو یہ اس بات سے بہتر ہے کہ تو جھوٹ کو قید سے رہائی دلائے۔

مسئلہ: کذب درحقیقت کذب فی العبودیت اور قیام حقوق الربوبیت ہی ہے جیسا کہ منافقین اور ان کے متبعین کا طریقہ تھا جو لوگ جھوٹ کے عادی ہیں ان کی اقتداء نہیں کرنی چاہیے کیونکہ وہ ہلاکت اور مالکِ کائنات کی رحمت سے دور ہٹاتے ہیں، مثنوی شریف میں ہے: ؎

صبح کاذب کاروانہا رزدست   کہ بوئے روز بیروں آمدست
صبح کاذب خلق را رہبر مباد   کہ دہد بس کاروانہا را بباد

ترجمہ: صبح کاذب نے بہت سے قافلے مارے اس لئے کہ دن کی خوشبو سے آئی ہے خدا کرے صبح کاذب کی رہبر نہ ہو، اس لئے کہ اس نے بہت سے قافلے برباد کیے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

علامہ قاشانی علیہ الرحمہ اس آیت کے معنی میں فرماتے ہیں کہ منافقین کے قلوب رذائل نفسانیہ، شیطانیہ اور صفات بشریہ کی وجہ سے تجلیات ربانیہ سے محجوب و مستور رہیں تاویلات نجمیہ میں ہے کہ منافقین کے دلوں میں مرض ہے یعنی وہ غیر اللہ کی طرف متوجہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مرض میں اضافہ فرمایا ہے۔ اس کی توضیح یوں ہے چونکہ وہ غیر اللہ کی طرف متوجہ ہو کر دعوکا دہی کی بیماری میں

مبتلا ہو گئے ہیں اس وجہ سے وصالِ حق اور دیدار رب سے محروم ہوئے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے کہ وصول الی اللہ سے محروم رہیں گے جھوٹ بولنے کی وجہ سے کہ صرف زبانی طور پر کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لائے حالانکہ درحقیقت وہ مومن نہیں ہیں۔ ایمان حقیقی ایک نور ہے جب کسی مومن کے دل میں داخل ہوتا ہے تو اسے اس کی حقیقت منکشف ہو جاتی ہے۔ جیسے حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ کو مکشوف ہوا کہ حضور علیہ السلام نے ان سے پوچھا: **کیف اصبحت یا حارثہ** (اے حارثہ! کیسے گزری؟) اس نے جواباً عرض کی: **اصبحت مومناً حقاً** (میں نے مومن برحق ہو کر گزاری) آپ نے فرمایا: مومن کے ایمان کی ایک حقیقت ہوتی ہے تیرے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ عرض کی: میں نے اپنے نفس کو دنیا سے روگرداں کر لیا ہے۔ اب شب و روز نہایت حسین گزر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ اب سونا اور پتھر میرے لئے برابر ہیں اور یہ کیفیت ہے کہ بہشت اور دوزخ میرے سامنے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **اَصَبْتَ فَالْزَمْ**۔ ٹھیک ہے اور اسی پر قائم رہ۔

مولانا روم قدس سرہٗ نے فرمایا:

اہل صیقل رستہ انداز بو و رنگ ہر دمی بینند خوبی بے درنگ
نقش و قشر و علم را بگذاشتند رایت عین الیقین بفراشتند
برتر اند از عرش و کرسی و خلا ساکنانِ مقعدِ صدقِ خدا
علم کاں نبود ز ہو بے واسطہ آں نپاید ہمچوں رنگ ماشطہ

ترجمہ : قلعی گر رنگ و بو سے آزاد ہو گئے ہر سانس میں بغیر کسی انتظار کے خوبی دیکھتے ہیں۔

انہوں نے نقش، چھلکے اور علم کو چھوڑ دیا ہے اور عین الیقین کی ولایت میں جھنڈے گاڑ دیے ہیں۔

وہ عرش، کرسی اور خلا سے بلند مرتبہ رکھتے ہیں وہ خدا کی سچائی کی بیٹھک میں رہنے والے ہیں۔

ان کا علم اللہ ہو سے بے واسطہ نہیں ہے۔ وہ کنگھی کرنے والی کے رنگ کی طرح ظاہری زیبائش نہیں ہوتا۔

تفسیر عالمانہ **وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ** یعنی جب ان منافقین کو اہلِ اسلام کہتے ہیں کہ زمین میں فساد نہ کرو۔ **لَا تُفْسِدُوْا** کا اسناد **قِيْلَ** کی طرف لفظی ہے۔ گویا انہیں یہی قول کہا گیا۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے تم کہو کہ یہ الف ان تینوں حرکتوں میں ایک ہے اور فساد بمعنی کسی شئے کا اعتدال سے خارج ہونا اور اصلاح کی ضد ہے۔ [illegible]

ہے کہ تم زمین میں جنگ اور ایسے فتنے (جو بندوں کے احوال کی استقامت کا زوال اور ان کی معاش و معاد کے امور میں اختلال کا موجب ہے) برانگیختہ نہ کرو اور جس فعل سے انہیں روکا گیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ یہ لوگ مومنین کے اسرار کو کفار تک پہنچاتے اور پھر ان کو مسلمانوں کی جنگ پر برانگیختہ کرتے۔ علاوہ ازیں طرح طرح کے شرور وفتن کے مرتکب ہوتے ہیں اور اس عمل سے چونکہ فساد برپا ہوجاتا ہے بنابریں انہیں کہا گیا لَا تُفْسِدُوْا الخ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کو کہا جائے۔

لا تقتل نفسک بیدک "یعنی اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو قتل مت کر" یا کہا جاتا ہے **لا تلق نفسک فی النار** "یعنی اپنے آپ کو آگ میں نہ ڈال" یہ جملے اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شخص ایسا عمل کررہا ہو جس کا انجام وہی ہو جس کا ذکر کیا گیا ہے۔

ف: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے قبل کھلے بندوں زمین پر معاصی ارتکاب ہوتا آپ کی بعثت شریفہ کی برکت سے وہ فسادات دفع ہوگئے تو پھر نتیجہ یہی ہوا کہ یہ لوگ نیکی و اصلاح کے بعد فساد برپا کرنے والے ہیں۔ (**کذا فی تفسیر ابی اللیث**)

قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ یہ جملہ کا جواب اور ناصح کا علی سبیل المبالغہ رد ہے اب اس عبارت کا معنی یہ ہوا کہ ہمیں ایسی نصیحت کرنا بے سود ہے کیونکہ ہمارا کلام تو اصلاح کے سوا کچھ ہے ہی نہیں اور ہمارا حال فساد کی ملاوٹوں سے بالکل پاک اور مبرا ہے اور ان کا یہ جواب اس لیے تھا کہ انہیں اپنا فسا بصورتِ اصلاح معلوم ہوتا تھا کیونکہ ان کے قلوب فساد کے مرض میں مبتلا تھے جیسا قرآن مجید پاک میں ہے:

اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا (تو کیا جس کا برا عمل ایسا سنگارا گیا کہ جسے وہ اچھا سمجھتا ہے) اسی لیے انہوں نے اپنے فعل کو فساد پر محمول کرنے کا انکار کرتے ہوئے اس کے لئے خالص اصلاح کا دعویٰ کردیا۔

ف: اس جملہ میں اِنَّمَا زَيْدٌ "مُنْطَلِقٌ" کی طرح **قصر الموصوف علی الصفة** ہے۔ ابن التمجید فرماتے ہیں کہ جب انہیں مسلمانوں نے کہا: لَا تُفْسِدُوْا تو انہوں نے سمجھا کہ مسلمانوں کا مقصد یہ ہے کہ ہم لوگ فساد و اصلاح میں خلط و ملط رکھتے ہیں تو ان کے جواب میں کہہ دیا کہ ہم تو صرف اصلاح کے کاربند ہیں۔ اصلاح سے ہم تجاوز کرکے افساد کی طرف جاتے بھی نہیں ہیں۔ جب ہمارا یہی کام ہے تو ہم میں لزوماً خلط نہ رہا ان کی یہ

marfat.ocm

تقریر قصر الافراد کے قبیل سے ہوگی کیونکہ یہ لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ مسلمان ہمارے لیے افساد و اصلاح کے مابین شرکت کا ارادہ رکھتے ہیں ان کے اس خیال کے جواب میں خداوند قدوس نے فرمایا:

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ خبردار! اے مسلمانو! جان لو کہ بیشک وہ لوگ فساد کرنے والے ہیں کیونکہ وہ لوگ اپنے لیے ان دونوں صفات میں سے ایک کا اثبات اور دوسری کی نفی کر کے اس کا اعتقاد ظاہر کر رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اعتقاد کا عکس کر کے جس بات کی اثبات کر رہے ہیں اس کی نفی کی اور جس کی وہ نفی کر رہے ہیں اس کا اثبات فرمایا۔ اب معنی یہ ہوا کہ یہ لوگ اپنے آپ کو فساد میں ڈالنے اور لوگوں کی ایمان سے ہٹانے والے ہیں یہ تو فساد سے نکل کر اصلاح کی طرف جاتے بھی نہیں۔ یہ تقریر قصر الشئی علی الحکم سے ہوگی بس یہ لوگ فساد سے گزر کر دوسری طرف چل بھی نہیں سکتے اس لیے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے سوا اور کوئی مفسد بھی نہیں۔ اس کے بعد استدراکا فرمایا وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ اور لیکن انہیں معلوم بھی نہیں ہوتا کہ ہم مفسد ہیں۔ باوجودیکہ انہیں امور محسوسہ کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ تم مفسد ہو لیکن ان میں ایسی حس نہیں کہ جس سے انہیں اپنا فساد محسوس ہو سکے۔

ف: شیخ صاحب اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ شعور کو افساد کے بالمقابل لانا نہایت موزوں ہے کیونکہ ان کا افساد عادۃً کالمحسوس ہے۔

مسئلہ : اس آیت سے مسلمانوں کی شرافت اور منافقین کی شرارت کا ثبوت ملا۔ منافقین نے جو اعتراضات مسلمانوں پر کیے ان کا جواب خود دیا۔ جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہے کہ جب ولید بن مغیرہ نے آپ کو کہا کہ آپ مجنون ہیں تو اس کے قول کی نفی میں خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ تم اپنے رب کی نعمت کی وجہ سے مجنون نہیں۔ پھر اس ملعون کی مذمت میں فرمایا:

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۝ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ ۝ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ

یعنی وہ بدبخت حلاف ہے حقیر عیب دار ہے لوگوں کے پاس چغل خوری کی غرض پر جاتا ہے مال کے نئے بخیل اور ظالم و فاجر غلیظ القلب اور خشک انسان ہے علاوہ ازیں ولد الزنا (حرام زادہ) ہے۔ اس کی اصل وجہ تو یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بمقتضائے قول باری تعالیٰ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا جس نے خداوند قدوس کو اپنے

معاملات کا کفیل کار سمجھ لیا تو پھر اللہ تعالیٰ بھی آپ کے جملہ امور کی کفایت فرماتا ہے جیسا کہ اہل حقائق فرماتے ہیں کہ خوارق عادات اقطاب اور خلفاء سے بہت سے کم صادر ہوتے ہیں بلکہ زیادہ تر ان کے وزراء اور خلفاء سے صدور ہوتا ہے کیونکہ وہ تو عبودیتِ تامہ میں مستغرق اور فقرِ کلی کے ساتھ موصوف ہوتے ہیں اسی لیے وہ اپنے لیے تصرف کرتے ہی نہیں اور اقطاب کے کمالات اور جو اللہ تعالیٰ کے ان پر الطاف ہوتے ہیں من جملہ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انہیں جہلاء کی صحبت میں مبتلا نہیں کرتا بلکہ انہیں علماء، ادباء، امنا کی صحبت نصیب فرماتا ہے۔ پھر یہی لوگ ان کے بار اٹھاتے ہیں اور ان کے احکام واقوال کا اجراء کرتے ہیں ان کی مثال کے لئے آصف بن برخیاء حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر کا واقعہ ہی کافی ہے کہ وہ اس وقت اپنے زمانہ کے قطب اور متصرف فی الامور اور اللہ تعالیٰ کے خلیفہ تھے اس سے جو ظاہر ہوا وہ ہر ایک کو ہی معلوم ہی ہے کہ بلقیس کا بہت بڑا تخت لے آئے جیسے کہ قرآن مجید نے بیان فرمایا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ان دونوں آیتوں وَاِذَا قِیۡلَ لَهُمۡ لَا تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ کی تحقیق میں اشارہ فرمایا کہ انسان کو اگرچہ ابتداءً زمین کی خلافت کا اہل بنا کر پیدا کیا جاتا ہے مگر وہ ہوا وہوس اور صفات نفسانیہ سے مغلوب ہو کر فساد کی طرف مائل ہو جاتا ہے اسی لیے ملائکہ نے اس کے متعلق کہا: قَالُوۡۤا اَتَجۡعَلُ فِیۡهَا مَنۡ یُّفۡسِدُ فِیۡهَا پس شریعت کے اوامر ونواہی ہی سے معدنِ نفس کے چنگل سے نکل کر جوہر خلافت کا اہل بن جاتا ہے پس اہل سعادت تو وہ مومن ہیں جو داعی الی الحق کے فرمانبردار ہو کر اس کے اوامر ونواہی کے پابند ہو جاتے ہیں اور اہل شقاوت وہ کافر، منافق ہیں جو دین سے خروج کر کے نفس کی خواہشات کے خوگر ہو جاتے ہیں جب انہیں کہا جاتا ہے کہ زمیں فساد نہ ڈالو یعنی اپنی حسنِ استعداد وصلاحیت للخلافۃ فی الارض کو خواہشات نفسانیہ کی اتباع اور دنیا کے حصول کے حرص میں آ کر ضائع نہ کرو تو اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ تو مصلح ہیں پس اسی دھوکا میں وہ کسی کی نصیحت قبول نہیں کرتے جس کی وجہ سے وہ حقیقت سے غافل ہو جاتے ہیں۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

کسے را پندار در سر بود   مپندار ہرگز کہ حق شنود

marfat.ocm

زعلمش ملال آید از وعظ ننگ　　　شقایق بباراں نروید زسنگ

ترجمہ: جس کسی کے دماغ غرور ہوتا ہے تو اس کے متعلق خیال نہ کرو کہ وہ سچی بات سنے گا اسے علم سے ملال پیدا ہوگا اور اسے وعظ سے بدنامی پیدا ہوگی پتھروں کے نیچے باوجود بارش ہونے کے بھی گلِ شقایق نہیں اُگتا۔

ان کے اس غلط خیال کی اللہ تعالیٰ نے تکذیب فرمائی اور فرمایا: اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ یعنی آخرت کی بہتری کو دنیا کی بہتری سے خراب کرتے ہیں۔ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ یعنی انہیں اپنے حال کو ضائع کر دینے اور برے اعمال اور بہت بڑے وبال جو کہ اچھے فعل کو خراب کرتا ہے اور پھر اس پر بہتری کے دعویٰ کرنے کا شعور بھی نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا الآیۃ (کیا ہم تمہیں ان لوگوں کی خبر نہ دیں جو اعمال کے لحاظ سے سب سے زیادہ خسارہ والے ہیں)

مولانا روم قدس سرہٗ فرماتے ہیں: ؎

اے کہ خود را شیرِ یزداں خواندہ　　　سالہا شد با سگے در ماندہ

چوں کند ایں سگ برائے شکار　　　چوں شکار سگ شدستی آشکار

ترجمہ: اے فلاں! تو جو اپنے آپ کو خدا کا شیر سمجھتا ہے بہت عرصہ گزر گیا لیکن تا حال کتا ہی رہا، جب تجھے کتا شکار کرتا ہے تو پھر تو کتے کے شکار کی صورت میں ظاہر ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا یعنی جب مومنین کی جانب سے انہیں بطریق امر بالمعروف ونہی عن المنکر (جو کہ نصیحت کا اتمام اور رہبری کا اکمال ہے) کہا جاتا ہے کیونکہ ایمان کا کمال ان دونوں چیزوں سے ہوتا ہے یعنی جو چیز بندہ کے شایاں نہیں اس سے اعراض کرنا، وہ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ میں بیان کیا گیا اور جو چیز حاصل کرنے کے لائق ہے اسے اٰمِنُوْا میں بیان فرمایا ہے۔

نکتہ: مومن بہ کو بیان نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ خود بخود ظاہر ہے یعنی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لاؤ۔

ف: اٰمِنُوْا بمعنی افعلوا الایمان ہے۔

كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ یہ کاف محلاً منصوب ہے بایں معنی کہ یہ مصدر محذوف کی صفت ہے اب عبارت یوں ہوگی: آمنوا مماثلا لایمانهم یعنی ایمان لاؤ جو کہ مومنین کے ایمان کے مماثل ہو۔

یہ ما مصدریہ کافہ ہے یعنی ایمان کو محقق کرو جیسا کہ مومنین کا ایمان محقق ہے النَّاس میں الف لام جنس کا ہے یعنی وہ لوگ جو کامل فی الانسانیۃ اور عاقل بالقضاء العقل ہیں یا الف لام عہد کا ہے اور اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ مراد ہیں یا ان منافقین کے دوست مراد ہیں یعنی ان کے ہم جنس لوگ جیسے عبد اللہ بن سلام اور اس کے اصحاب رضی اللہ عنہم اب معنی اس طرح ہوگا کہ وہ ایمان لاؤ جو کہ خالص غش اور نفاق کی ملاوٹوں سے پاک وصاف اور مومنین کے ایمان کے مماثل ہو یعنی امر بالمعروف سے بالتقابل صاف صاف انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں: قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ اس جملہ میں ہمزہ انکار کا ہے اور لام کا مشار بہا الناس الکاملین ہیں یا معہودین یا مطلق مومنین اور وہ بھی ان کے گمان فاسد کی بنا پر ان میں داخل ہیں۔ السفہ بمعنی خفۃ العقل اور سخافۃ رائے۔ یہ دونوں چیزیں قصور عقل کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس کے بالتقابل الحلم والاناۃ مستعمل ہوتے ہیں اور مومنوں کو اس صفت کی منسوب کر رہے ہیں باوجودیکہ وہ حضرات رشد وہدایت ووقار کے انتہائی مراحل طے کیے ہوئے ہیں وہ اس لیے کہ ان لوگوں کے نفوس کمال وجہ کے ساتھ سفاہت میں منہمک اور گمراہی میں غرق ہیں اور وہ برے اعمال کو اچھے سمجھنے والے لوگ ہیں پس جو شخص گمراہی کو ہدایت اور ہدایت کو گمراہی سمجھتا ہو اس کا کیا علاج ہے؟ یا مومنین کو ان کی حقارت کی وجہ سے سفاہت سے منسوب کرتے تھے کیونکہ اکثر مومنین فقراء تہیدست تھے بلکہ بعض ان میں سے غلام تھے جیسے حضرت صہیب اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما اور محض تکبر اور مومنین کی شان میں لاپرواہی کرتے ہوئے کہہ دیا۔ یہ اس وقت ہوگا جب النَّاس سے حضرت عبد اللہ بن سلام اور ان جیسے صحابہ مومنین مراد ہوں (رضی اللہ عنہم)

سوال: جب وہ کھلم کھلا قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ کہہ رہے ہیں تو پھر ان کو منافق کہنا کس طرح درست ہوسکتا ہے۔

جواب۔ منافقین لعنہم اللہ تعالیٰ یہ قول اپنے دل میں کہتے نہ کہ زبان سے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے راز فاش فرماتے ہوئے ان کے بھید ظاہر فرمادیے تا کہ ان کی عداوت کی انہیں سزا مل جائے۔ اس کی مثال مومنین کا وہ حال ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حسن کلام (جو کہ ایمان کی [illegible]

ظاہر فرما دیا۔ جیسا کہ سورہ دھر میں فرمایا یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۝ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا حالانکہ یہ قول مومنین کے دل میں تھا، انہوں نے زبان سے کہا تھا مگر خداوند قدوس نے ان کی عزت افزائی اور ان کی شان کو بلند فرماتے ہوئے ظاہر فرما دیا یہ قول صاحب تیسیر کا ہے۔

۲۔ یہ قول منافقین آپس میں کہتے اور مومنین سے بالکل مخفی رکھتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کو مطلع فرما دیا۔ یہ قول مفسر بغوی کا ہے۔

۳۔ ابو السعود تفسیر الارشاد میں فرماتے ہیں کہ یہ قول اگرچہ مومنین کے سامنے ظاہر بھی ہو گیا ہو جبکہ انہیں نصیحت کی گئی اور ان کی نصیحت کے جواب میں یہ کہہ دیا ہو تب بھی ان کی منافقت میں فرق نہیں آتا اور نہ ہی انہیں مجاہر کہا جا سکتا ہے کیونکہ کفر کے اقسام ہیں یہ ایک عجیب قسم اور اس کے فنون میں سے ایک عجیب فن ہے کہ اس میں بھی شر کا احتمال ہے اور خیر کا بھی یوں محمول کیا جا سکتا ہے کہ منافقین نے مومنین کو نصیحت کے جواب میں کہا کہ ہم اچھے لوگوں کی طرح ایمان لانے والے ہیں نہیں اور منافقت کی جو تم ہمیں تہمت لگاتے ہو اس سے ہم بری ہیں نہ ہی ہم سفہاء کی طرح ایمان لاتے ہیں اور نہ ہی پاگلوں کی طرح۔

۴۔ ناصحین کو نصیحت کرنے کے بعد منافقین نے استہزاء کیا۔

۵۔ ریا کرتے ہوئے جواب دیا اس میں ان کا ارادہ خیر بیان کرنے کا تھا اور مومنین تو انہیں پہلے معنی کی وجہ سے ایمان کا حکم دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید یوں فرمائی۔

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ یہی لوگ بیوقوف ہیں، بے وقوفی کی بیماری کی وجہ سے وہ اپنے نقصان کو معلوم نہیں کر سکتے اور مومنین چونکہ ایمان واخلاص کی وجہ سے بیوقوفی سے دور ہو کر علم وحق میں راغب ہیں یہ بنی اسرائیل کے علماء اور ان کے متبعین کا وصف ہے اس جملہ میں ان کے رد اور ان کی جہالت بیان کرنے میں بڑا مبالغہ ہے کیونکہ وہ جاہل جو خلاف واقعہ پر اپنی جہالت پر جما ہوا ہو وہ اس بیوقوف اور معترف بالجہل سے زیادہ گمراہ اور جہالت میں زیادہ مکمل ہے کیونکہ واقف معترف بالجہل کو معذور سمجھا جاتا ہے اور کبھی اسے آیات وعیدات نفع دے دیں گے۔

marfat.ocm

ف: پہلی آیت وَمَا يَشْعُرُوْنَ میں ان کی حس کی نفی ہے اور دوسری آیت میں دانائی کی (کہ جس میں صلاح وفساد کے مابین تمیز کی جاتی ہے) اور تیسری آیت میں علم کی نفی ہے اور ان تینوں کی اس طرز سے نفی کرنے میں ایک لطیف اور دقیق معنی پیدا ہو جاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے:

۱۔ حس کی نفی تو بدیہی ہے کہ ان کی دھوکا سازی کمال درجہ کی جہالت ہے جو کہ ان کی حس نہ ہونے کی دلیل ہے۔

۲۔ اور دوسری بات میں انہیں پتا نہیں چلتا، اس بات پر تنبیہ ہے کہ اس بات کا پتہ نہ چلنا انہیں لازم ہے کیونکہ جسے حس نہ ہو تو اس سے دانش خود بخود مفقود ہو جاتی ہے۔

۳۔ تیسری آیت میں علم کی نفی فرمائی۔ یہ بھی اس ملازمہ کی بدولت کہ جسے دانش نہیں اسے علم کی دولت سے بھی محرومی ہوتی ہے۔

مکالمہ جبریل و آدم علی نبینا و علیہم السلام

جب اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم کو پیدا فرمایا تو جبریل ان کے پاس تین تحفے لائے: ۱۔ علم ۲۔ حیا ۳۔ عقل اور فرمایا: اے آدم! ان تینوں میں جسے دل چاہے اختیار کرو۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عقل کو اختیار فرمالیا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے علم وحیا کو اشارہ کیا کہ تم اپنے اپنے مقامات پر واپس چلے جاؤ۔ انہوں نے کہا عالم ارواح میں ہم یکجا تھے اب عالم اشباح میں ایک دوسرے سے جدائی گوارہ نہیں فلہذا اب ہم عقل کے پیچھے ہوتے ہیں جبریل علیہ السلام نے فرمایا: اچھا چلو جاؤ۔ آدم علیہ السلام کے دماغ میں عقل ٹھہر گئی اور دل میں علم اور آنکھ میں حیا۔ مولانا روم قدس سرہ فرماتے ہیں: ؎

جملہ حیوان را پئے انسان بکش   جملہ انسان را بکش از بہر ہُش
ہُش چہ باشد عقل کل ہوشمند   ہوش جزی ہُش بود اما نزند
لطف او عاقل کند مر نمل را   قہر را ابلہ کند قابیل را

ترجمہ: تمام حیوانات کو انسان پر اور تمام انسانوں پر ہوش پر قربان کیجئے۔ ہوش کیا ہے؟ ہوشمند کی عقل اور وہ ہوش حقیقی کا جز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم نمل کا عاقل بنا دیتا ہے ایسے ہی اس کا قہر قابیل کو بیوقوف بناتا ہے۔

سبق: عاقل کو چاہیے کہ علم و معرفت کے حصول میں جلدی کرے تاکہ ان کی بدولت توحید الفعل والصفۃ کے

marfat.ocm

مرتبہ کو پائے۔

ف: امام قشیری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: عقل کے نجوم شیطان کے لئے رجوم اور علوم کے لئے چاند اور اصل قلب کے انوار واستبصار اور معارف کے سورج ہیں اور ان کا عارفین کے اسرار پر طلوع ہے۔

ف: علم لدنی وہ ہے جو کسی خارجی سبب مالوف کے بغیر بیتِ قلوب میں تشریف لائے اور قلب کے دو دروازے ہیں ایک الی الخارج جو کہ حواس سے علم حاصل کرتا ہے اور دوسرا الی الداخل جو الہام کے ذریعے علم حاصل کرتا ہے دل کی مثال اس حوض جیسی ہے جس میں پانچ نہریں جاری ہوتی ہیں جب تک اس میں نہروں سے پانی پہنچتا رہے گا پانی میلا کچیلا ہوگا بخلاف اس صورت کے کہ اس کا پانی اس کی گہرائی سے لیا جائے تو وہ پانی صاف شفاف ہوگا اسی طرح دل کا حال ہے کہ جب اسے حواس ظاہرہ سے علم ہوتا ہے تو اس میں میل کچیل اور شک وشبہ کی ملاوٹ ہوتی ہے بخلاف اس کے کہ جب اسے صمیم قلب سے بطریق فیض کے حاصل ہو تو وہ نہایت صاف اور افضل واعلیٰ ہوتا ہے اور شیخ زین الدین الحافی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: بڑا تعجب ہے اس شخص کے لئے کہ وہ اس طریقہ میں داخل ہو اور ارادہ کرے کہ حقیقت کی طرف پہنچ جائے اور اسے وہ اصطلاحات بھی نصیب ہو جائیں کہ جن سے وہ قرآن وحدیث سے معانی کا استخراج کرسکتا ہے مگر باوجود اس کے پھر بھی ذکر اللہ ومراقبہ اعراض ماسواء اللہ میں مشغول نہیں تاکہ اس کے دل میں علم لدنیہ کی بارش ہو اگر اسی طرح ہزار برس صرف اصطلاحات کی تدریس وتصنیف میں بسر کرے تو نہ علوم لدنیہ کی خوشبو نصیب ہوگی اور نہ ہی ان کے آثار وانوار سے روشنی میسر ہوگی پس وہ شخص جو عالم بلاعمل ہے وہ عقیم ہے اور عامل بلاعلم بیمار اور سقیم ہے اور عمل بالعلم صراطِ مستقیم ہے۔ مثنوی شریف میں ہے:

آنکہ بے ہمت چہ با ہمت شدہ　　وآنکہ با ہمت چہ با نعمت شدہ

ترجمہ: بے ہمت باہمت کیا ہوگا، باہمت نعمت سے بہرہ ور ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب اہل غفلت ونسیان کو کہا جاتا ہے کہ ان لوگوں کی طرح ایمان لاؤ کہ وہ بھی تمہاری طرح انسان ہیں کہ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کو بھلا چکے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی ہمتوں اور اس کی آیات میں تدبر کرکے سنبھل کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاہدہ علی التوحید والعبودیۃ

marfat.ocm

پر ملازمت کرلی جس سے وہی مواعد و مواثیق یاد آگئے۔ پھر انہوں نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم (اور جو احکام آپ اپنے ساتھ لائے) پر ایمان لایا تو ان کو اہل شقاوت کہتے ہیں کہ کیا ہم ایمان لائیں سفہاء کی طرح اسی طرح غافلین مدعیانِ اسلام کو جب ایمان تقلیدی (جو کہ انہیں آباء واجداد سے وراثت میں ملا ہے) سے ایمان حقیقی کی طرف جو سچی طلب سے حاصل ہوتا ہے اور ترک محبت دنیوی اور ترکِ اتباع ہوا وہوس اور رجوع الی الخلق اور باطل میں مشغلہ بازی سے چلا جاتا ہے تو اربابِ قلوب واصحاب کرامات عالیہ کو بیوقوفی اور جنوں کی طرف منسوب کرتے ہیں اور انہیں عجز وذلت وقلت ومسکینی کی حالت میں پاکر حقارت سے دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم دنیا کو چھوڑ دیں جیسے ان سفہاء، فقراء نے ترک کردی ہے پس ہم مخلوق کے محتاج رہیں جیسے کہ یہ لوگ مخلوق کے محتاج ہیں اور وہ اس بات سے لاعلم ہیں کہ دراصل وہی بیوقوف ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ (خبردار وہی بیوقوف ہیں لیکن وہ نہیں جانتے) یہ لوگ دو وجہوں سے بیوقوف ہیں۔ ایک تو اس طرح کہ یہ لوگ دنیا کو دین میں اور باقی کو فانی کے عوض بوجہ اپنی بیوقوفی اور عدمِ رشد کے بیچتے ہیں۔ دوسرے اس طرح کہ انہوں نے اپنی عقل کو بیوقوفی میں ڈالا اور یہ نہ جانا کہ ان میں قربت ودرجاتِ علیاء کی حسنِ استعداد ہے اس بناء پر وہ حیوٰۃ دنیا پر راضی ہوکر متقیوں کے مراتب اور عقل والوں کے مشارب سے منہ موڑ دیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ملت ابراہیمی سے بیوقوف ہی روگردانی کرتا ہے۔ کیونکہ جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا یعنی جس نے اپنے رب کو پہچان لیا اس نے غیر کو بالکل ترک کردیا اور اہل اللہ وخاصانِ خدا کو پہچان لیا پھر نہ تو ان سے منہ موڑتا ہے نہ انہیں سفاہت کی طرف منسوب کرتا ہے بلکہ ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے کیونکہ جو فقراء ہیں دراصل وہی تحت آسمان بادشاہ ہیں اور ان کے چہرے اللہ کی بارگاہ میں سورج اور چاند کی طرح نورانی ہوتے ہیں لیکن عزت کے قبوں کے نیچے پوشیدہ اور غیروں کی نظروں سے محجوب ہوتے ہیں۔ مثنوی شریف میں ہے:

مہر پاکاں درمیاں جاں نشاں   دل مدہ الا بمہر دل خوشاں
گر تو سنگ وصخرہ ومرمر شوی   چوں بصاحب دل رسی جوہر شوی
آنہم تحتِ قبائی آمنون   جز کہ یزدانشاں نداند آزمون

ترجمہ : نیک لوگوں کی محبت میں جان دے دے، دل صرف انہی کو دے جو خوش دل ہیں۔ اگر چہ تو سخت پتھر اور سنگِ مرمر ہے جب اللہ والوں کے ہاں حاضر ہوگا گوہر ہو جائے گا۔ وہ آمنون کی قبا میں مخفی رہتے ہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے ان کے حالات کو اور کوئی نہیں جانتا۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (ربط) اس آیت میں منافقین کے اس معاملہ کا بیان ہے جو کہ وہ مومنین اور کفار کے ساتھ کرتے تھے اور جو باتیں ان سے سرزد ہوئیں ان کا بیان ہے پس اس میں ان کے مذہب کا بیان اور ان کی منافقت کی تمہید ہے۔

ف: اس سے ثابت ہو گیا کہ یہ آیت مضمون کے لحاظ سے مکرر نہیں یعنی جب مومنین کو دیکھتے ہیں اور ان سے ملاقات اور ان سے باتیں کرتے ہیں۔

ف: اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے مراد مہاجرین و انصار ہیں۔ قَالُوْٓا بطور جھوٹ کہتے ہیں اٰمَنَّا تمہاری طرح ہم ایمان لاتے اور تصدیق کرتے ہیں۔

شانِ نزول: ۔ مروی ہے کہ ایک دن عبداللہ ابن اُبی رئیس المنافقین اور اس کے ساتھی شہر سے باہر نکلے۔ اُدھر صحابہ کرام بھی تشریف لا رہے تھے۔ عبداللہ بن ابی اپنے ساتھیوں کو کہنے لگا: دیکھئے میں ان سفہاء کو تم سے کیسے ہٹاتا ہوں۔ چنانچہ صحابہ کرام قریب ہوئے تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کو پکڑ کر خوشامد کرنے لگا کہ مرحبا، مرحبا! صدیق آپ ہیں بنی تمیم کے قبیلہ کے سردار اور شیخ الاسلام اور ثانی فی الغار ہیں اپنے جان و مال کو اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نثار کرنے والے ہیں، پھر سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی ایسے ہی کہنے لگا کہ مرحبا! آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد اور بنی ہاشم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا تمام کے سردار ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا "اے عبداللہ! خدا تعالیٰ سے خوف کر، منافقت چھوڑ دے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک منافقین بدترین ہیں" عبداللہ بن اُبی منافق نے کہا: "اے ابوالحسن! بات نہ بڑھائیے، واللہ باللہ ہم آپ لوگوں کی طرح ایمان دار ہیں اور لوگوں کو اسلام کی تصدیق کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ" جب وہ کمبخت اپنے دوستوں سے ملا تو کہتا تھا "تم نے دیکھ لیا میں نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے! اب تم بھی جب ان سے ملو تو ایسا ہی کیا کرو" اس کے ساتھی اس

marfat.ocm

کی تعریفیں کرتے ہوئے کہتے تھے کہ خدا کرے جب تک زندہ رہو عیش و آرام سے بسر کرو۔ جب مسلمان حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں واپس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سارا ماجرا سنایا جس پر یہی آیت اتری۔

وَاِذَا خَلَوْا اور جب وہ اپنی خلوت گاہ میں جمع ہوتے ہیں۔ اِلٰی بمعنی مع ہے یا یہ معنی ہے کہ جب خلوت میں جاتے ہیں۔ اب اِلٰی بمعنی باء یا مع کے ہوگا۔ اس محاورہ کے مطابق کہا جاتا ہے۔ خَلَوْتُ بِفُلَانٍ اِلَیْهِ (میں فلاں کے ساتھ خلوت میں رہا) یہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ متکلم کسی کے ساتھ خلوت میں جائے۔

اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ جو کہ تمرد و عناد میں ان کے ہم مثل ہیں اور ان کی طرح کفر کو ظاہر کرنے والے ہیں۔ شیاطین کی اضافت منافقین کی طرف مماثلت فی الکفر کی وجہ سے ہے یا شیاطین سے مراد ان کے سردار ہیں اور قائلین ان کے چھوٹے اور ہر متمرد کو شیطان کہا جاتا ہے۔ امام ضحاک فرماتے ہیں کہ شیاطین سے مراد ان کے کاہن ہیں وہ کاہن بنی قریظہ میں کعب بن اشرف اور بنی اسلم میں ابو بردہ اور جُہینہ میں عبدالدار اور بنی اسد میں عوف بن عامر اور شام میں عبداللہ بن سوداء تھے اور اہل عرب کا ان کے حق میں یہ اعتقاد تھا کہ یہ لوگ غیب پر مطلع ہیں اور پوشیدہ اسرار کو اچھی طرح جانتے اور مریضوں کا علاج کرتے ہیں عرب میں ایسا کوئی کاہن نہ تھا جس کے ساتھ ایک شیطان نہ ہو، جو اس کی طرف کہانت کا القاء نہ کرتا ہو اور ان کا قرآن نے شیطان نام اس لیے رکھا کہ یہ لوگ حق سے دور تھے اور شیطان کا اشتقاق بھی شطون سے ہے بمعنی بُعد (کذافی التیسیر)

قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ کہتے ہیں کہ ہم تمہارے دین و اعتقاد کے موافق ہیں یہاں تک کہ تم میں سے ہم کسی حال میں جدا نہیں ہوں گے۔ ان کی اس تقریر گویا ان پر اعتراض ہوا کہ جب تم لوگ ہمارے ساتھ ہو تو پھر مومنین کے کلمہ شہادت پڑھنے اور ان کی مجلسوں اور مسجدوں میں آنے جانے اور ان کے ساتھ حج کرنے اور جنگ کے لئے جانے میں کیا فائدہ؟ تو ان کے جواب میں کہتے ہیں اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ یعنی مومنین کے ہاں ایمان ظاہر کر کے ہم ان سے استہزاء کرتے ہیں یہاں تک کہ اس وقت ہمارے دلوں میں ایمان کی حقیقت کا خیال بھی نہیں گزرتا۔ انہیں ہم صرف یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ہم لوگ ظاہراً و باطناً تمہارے ساتھ ہیں حالانکہ ہم ان کے ساتھ صرف ظاہر میں ہیں تاکہ ہم ان سے اموال غنیمت اور ان کی لڑکیوں سے شادیاں اور ان کے پوشیدہ اسرار

سے مطلع اور ان سے اپنے اموال واولاد اور عورتوں کی حفاظت کر سکیں۔

حل لغات: الاستهزاء بمعنی دوسرے کو جاہل سمجھنا اور اس سے مسخری کرنا اور حقیر سمجھنا۔ اب معنی ہوں ہوا کہ ہم اپنا اسلام ظاہر کر کے حضور علیہ السلام اور ان کے اصحاب کو جاہل سمجھ کر ان کا تمسخر اڑاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی مذکورہ تقریر کے رد میں فرمایا: **اَللّٰہُ یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ** یعنی اللہ تعالیٰ انہیں استہزاء کی سزا دے گا یا یہ کہ اس استہزاء کا وبال ان کی طرف لوٹے گا پھر وہی استہزاء کیے ہوئے ٹھہریں گے یا ان پر حقارت وخرابی نازل ہوگی جو کہ استہزاء کو لازم ہے یا ان کے ساتھ مُسْتَھْزِی جیسا معاملہ کیا جائے گا یا دنیا میں ان پر مسلمانوں کے احکام جاری کر کے چند روز مہلت دے کر اور نعمتوں میں زیادتی کر کے ان کی سرکشی وطغیانی کر بڑھاتا ہے آخرت میں ان کے ساتھ ایسے ہی ہوگا۔

چنانچہ مروی ہے کہ جب یہ لوگ دوزخ میں ہوں گے تو ان کے لئے بہشت کا دروازہ کھولا جائے گا یہ لوگ بہشت کی طرف دوڑیں گے جب بہشت کے قریب پہنچیں گے تو دروازہ بند کر لیا جائے گا پھر ان کو دوزخ کی طرف لوٹایا جائے گا۔ مومنین تخت پر بیٹھ کر ان کی اس حالت کو دیکھ کر ہنسیں گے جیسا کہ وہ یہ لوگ دنیا میں مومنین پر ہنستے تھے۔ یہ فعل ان کے ساتھ دنیا کے فعل کے عوض ہوگا۔ اور اسی طرح ان کے ساتھ کئی بار کیا جائے گا۔

وَیَمُدُّھُمْ ان کو بڑھائے گا اور قوت دے گا۔

حل لغات: مَدَّ الْجَیْشَ و اَمَدَّہٗ سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جبکہ لشکر کو قوت ہو اَمَدَّ فی العمر (یعنی عمر میں زیادتی کرنا) سے ماخوذ نہیں کیونکہ وہ اُمْلِیْ لَھُمْ کی طرح لام سے متعدی ہوتا ہے۔ اسی پر ابن کثیر کی قرأت دلالت کرتی ہے۔

فِیْ طُغْیَانِھِمْ اس کا متعلق یَمُدُّھُمْ ہے اور طُغْیَان بمعنی مرمیں حد سے تجاوز کرنا اس سے سرکشی میں ان کی زیادتی اور ان کا کفر میں غلو کرنا مراد ہے اور طغیان مضاف ہونے میں اس طرف اشارہ ہے کہ سرکشی ان کے ساتھ مخصوص ہے اور اس بات کی تائید ہے کہ ان کے بُرے اختیار کی وجہ سے انہیں مہلت دی گئی ہے۔

یَعْمَھُوْنَ یعنی گمراہی میں حیران پھرتے ہیں یہ دنیا میں ان کو استہزاء کی سزا ہے اور **ھُمْ** ضمیر منصوب یا مجرور سے حال ہے کیونکہ مصدر مضاف ہے اور وہ حکماً مرفوع ہے اور اَلْعَمَہ بصیرت کا اندھاپن، جیسے عَمًیٌ کا

marfat.ocm

بصارت کا اندھا پن۔ بصیرت کا اندھا پن بمعنی تحیر اور تردد ہے، بایں حیثیت کہ اسے علم نہ ہو کہ وہ کہاں جا رہا ہے

تفسیر صوفیانہ ان دونوں آیتوں میں اشارات ہیں قولہ تعالیٰ: اِنَّا مَعَكُمْ یہ کہ شخص اپنے ارادہ اور لوگوں کی جبلی عادت کو جمع کرنا چاہے تو یہ محال ہے کیونکہ: اَلضِّدَّانِ لَا یَجْتَمِعَانِ (دو ضدیں کبھی جمع نہیں ہوتی) جس کے ہر طرف دوست ہوں اور اس کا ہر سو دل کا تعلق ہو تو اس کے کئی تصورات ہوں گے اور علائق میں بٹ جائے گا۔

یہی حال منافقین کا ہے کہ وہ ہمیشہ تردد میں رہتے ہیں کفار کے ساتھ رہ کر ان کے مفاسد اور مسلمانوں کے ساتھ اٹھ بیٹھ کر ان کی بھلائیاں جمع کرنا چاہتے ہیں اور یہ محال ہے جیسے اجتماع النقیضین محال ہے، بنا بریں بیچارے دار اور دروازے کے درمیان پھنس رہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

مُذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ

اسی طرح ان دونوں کا ہے جو چاہتے ہیں لیکن عادت کو نہیں چھوڑتے۔ مقاصدِ دارین کے طالب ہوتے ہیں اور دن کے مراتب کے متمنی ہوتے ہیں لیکن دنیا کی خواہشات میں تر بتر رہتے ہیں اس وجہ سے اپنے مقاصد میں پورے نہیں اترتے۔

حدیث شریف: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

لَیْسَ الدِّیْنَ بِالْمُتَمَنِّی (دین صرف آرزو کرنے سے نہیں حاصل ہوتا)

اور فرمایا: بُعِثْتُ لِرَفْعِ الْعَادَاتِ وَدَفْعِ الشَّهَوَاتِ (میں عادات کو بلند کرنے اور خواہشات کو مٹانے کے لئے مبعوث ہوا ہوں)

حدیث شریف: حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:۔

الدنیا والاخرہ ضرتان (دنیا و آخرت آپس میں سوکنیں ہیں)

جو شخص ان دونوں کو جمع کرنا چاہے وہ دھوکا میں ہے اور فریب خوردہ ہے اور جو شہوت رانی کر کے بلند درجات تک پہنچنے کا خواہش مند ہے اسے مسخرہ سمجھو جو اس راہ پر چلنے کے ساتھ استہزا کرتا ہے نقصان اٹھاتا ہے بہت سے اس راہ پر چلنے والے اس دریا میں غرق ہوئے اللہ تعالیٰ دنیا کے حرص رکھنے والوں کو مہلت دیتا ہے یہاں

تک کہ اس کی طلب میں حد احتیاج سے متجاوز ہو کر دنیاوی مقاصد کے دروازوں پر دستک دینے میں منہمک ہوتے ہیں۔ جس قدر زیادہ دنیاوی امور میں انہماک ہوتا ہے اسی قدر ان کی طلب میں حیران رہتے ہیں۔

کما قال اللہ تعالیٰ: اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰۤى ۙ﴿۶﴾ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى (بیشک انسان سرکش ہے یہ کہ اسے دیکھا تو بے پرواہ ہو گیا) اس لیے دنیا کی طلب میں قسم قسم کے حیلے کرتے ہیں اس کی سزا استہزاء ہے اور استہزاء کی سزا رسوائی اور مہلت دنیا ہے جس کی وجہ سے وہ سرکشی میں پھنسے اور سرکشی کی سزا حیرانی ہے جو ہمیشہ گمراہی میں حیران پھرتے ہیں جنہیں باطل سے نکلنا اور حق کی طرف رجوع کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

ف: اَللّٰهُ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ میں ایک اشارہ بھی ہے وہ یہ کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ مومنین کا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا مرتبہ ہے بایں معنیٰ کہ کفار کا ان سے استہزاء کا بدلہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم لگایا ہے کہ انہیں کفار کے استہزاء کے جواب کے لئے معارضہ کی ضرورت نہ پڑے مومنین کی طرف سے استہزاء کا معاملہ ایسا اتم فرمایا کہ جس کے بعد اس سے اور کوئی مزید بلیغ استہزاء نہیں ہے حالانکہ کسی دوسرے سے استہزاء سے روکا ہے کما قال: لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ (کوئی قوم کسی دوسری قوم سے استہزاء نہ کرے) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں استہزاء کو جہالت سے تعبیر فرمایا کما قال: قَالُوْۤا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا (انہوں نے کہا کیا آپ ہمارے ساتھ استہزائے کرتے ہیں) اور فرمایا: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ (میں پناہ مانگتا ہوں کہ جاہلوں سے ہو جاؤں)

ف: جب لوگوں سے استہزاء قبیح امر ہے پھر اللہ تعالیٰ سے استہزاء کس قدر قبیح ہوگا۔

حدیث شریف: ۔میں ہے: اَلْمُسْتَغْفِرُ مِنَ الذَّنْبِ وَهُوَ مُصِرٌّ" عَلَیْهِ كَالْمُسْتَهْزِیءِ بِهٖ (جو گناہوں کی معافی مانگنے بعد پھر اس پر اصرار کرے تو یوں سمجھو کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے استہزاء کیا) تیسرا اشارہ یہ بھی ہے کہ وَیَمُدُّهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ سے بتایا گیا ہے کہ بندوں کے لئے لائق نہیں کہ وہ اپنی لمبی لمبی عمروں سے فریب خوردہ ہوں اور مال واولاد کی زیادتی سے دھوکا کھائیں۔ چنانچہ طویل العمر اور کثیر المال والاولاد دشمنوں کے لئے فرمایا ہے۔ چنانچہ: وَیَمُدُّهُمْ یعنی ان کی عمریں بڑھا دیتا ہے اور اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِیْنَ یعنی وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کے مال اور اولاد میں اضافہ کرتے ہیں۔

marfat.ocm

پھر جتنی زیادتی ہو جائے گی اسی قدر سزا زائد ہو گی۔ کما قال: وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا (دنیا میں اپنے دشمن کا مال بڑھاتا ہے) کما قال: مَالًا مَّمْدُودًا (مال بڑھا ہوا) (اور اپنے دوستوں کے لئے بہشت کے باغات بڑھائے گا) کما قال: وَظِلٍّ مَّمْدُودٍ (اور سائے دراز)

قصہ معراج کا ایک عطیہ:۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی شب معراج میں فرمایا کہ یہ بھی ایک نعمت ہے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لوگوں کی عمریں چھوٹی بناؤں گا تا کہ ان کے گناہ زیادہ نہ ہوں اور ان کے مال تھوڑے کر دوں گا تا کہ قیامت میں ان کا حساب لمبا نہ ہو اور سب سے پیچھے انہیں اس لیے بھیجا تا کہ قبروں میں انہیں زیادہ دیر نہ رہنا پڑے۔

معراج میں حضور کو حکم ربانی:۔ مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ شب معراج میں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: اے محبوب! (صلی اللہ علیہ وسلم) اچھے لباس اور بہترین طعام اور اعلیٰ بچھونے سے احتراز فرمایئے اس لیے کہ نفس تمام برائیوں کا مرکز اور منبع ہے اسے نیکی کی طرف بلاؤ تو وہ برائی کی طرف کھینچتا ہے اور طاعت کے لئے تو اس کا جی چاہتا ہی نہیں۔ ہاں برائی کا شیدائی ہے اور جب سیر ہوتا ہے تو سرکشی کرتا ہے اور کثیر مال پاتا ہے تو تکبر کرتا ہے جو اچھی بات ہوتی ہے اسے بھلا دیتا ہے عیش و طرب میں غفلت کا خوگر ہے شیطان کا گہرا دوست ہے۔ (کذا فی مشکوٰۃ الانوار)

تفسیر عالمانہ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ وہ منافقین جن کے اوصاف شنیعہ بیان کیے گئے ہیں اب وہ لوگ اپنے ماسوا سے ایسے علیحدہ ہو چکے ہیں کہ گویا وہ موجود و مشاہد ہیں اور اس میں بُعد کا معنیٰ بوجہ ان کے سوء حال اور شر میں بُعد مرتبہ کے ہے أُولَٰئِكَ بوجہ مبتدا ہونے کے مرفوع ہے اور اس کی خبر الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ ہے۔

حل لغات: اشْتِرَاء دراصل مطلوبہ اشیاء کے حصول میں ثمن خرچ کرنے کا نام ہے۔ پھر اس چیز کے لئے استعارہ کیا گیا ہے جو قبضہ میں ہو۔ دوسرے چیز کے حاصل کرنے کے لئے، پھر اس سے بھی کچھ آگے وسعت دیتے ہوئے کسی شے میں رغبت کرنا اس طمع پر کہ اس کے عوض کوئی دوسری چیز ملے گی، کے لئے استعمال کیا جاتا

ہے اور یہاں پر اشْتِرَاء سے ان کا وہ معاملہ مراد ہے جو ان کے حالات میں گزر چکا ہے۔

اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ ضلالت سے کفر اور حق وصواب کرنا مراد ہے۔ بِالْهُدٰى، هدیٰ سے ایمان اور سلوک فی الصراط المستقیم اور اس پر استقامت پکڑنا مراد ہے۔ اس میں استعارہ کیا گیا ہے۔ یعنی ضلالت میں رغبت کرنے سے ایمان کی بجائے گمراہی لینا ہے اور پھر ایمان سے روگردانی کرنے کا مطلب لیا گیا ہے۔ یعنی انہوں نے ایمان کی بجائے گمراہی کو پسند کیا اور ایمان کو گمراہی سے تبدیل کر لیا اور ایمان کے بجائے گمراہی لے لی

سوال : انہوں نے ہدایت دے کر گمراہی خریدی۔ کیا ہدایت ان کے ہاتھ میں تھی؟

جواب: استعارہ تو آپ سن چکے، استعارہ کا یہ معنی ہے کہ ہدایت حاصل کرنے کی انہیں قدرت تھی اور وہ وہی استعداد ہے جو ہر شخص میں رکھی گئی ہے پھر انہوں نے گمراہی کی طرف میلان کر کے ہدایت کو ضائع کر دیا۔ یعنی ہدایت کو ترک کر دیا اور باء معاوضات میں متروک شئے پر داخل ہوتی ہے۔

مسئلہ : اس سے ثابت ہوا کہ اگر ایجاب وقبول نہ بھی ہو تب بھی لینے دینے سے بیع ہو جاتی ہے کیونکہ ان لوگوں کو ترک ہدایت واخذ ضلالت پر مشتری کہا جا رہا ہے اگرچہ اس تبادلہ میں انہوں نے کوئی کلام بھی نہ کیا۔

کذافی التیسیر

فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ یہ مجاز کے لئے ترشیح ہے یعنی انہوں نے اس تجارت میں نفع نہ پایا کیونکہ نفع کا اسناد تو درحقیقت اربابِ تجارت کی طرف ہوتا ہے اور اس میں خود تجارت کی طرف اسناد کرنا بہ بنائے توسع ہے کہ تجارت کو فاعل سے متلبس اور مشابہ کر کے فاعل کا حکم لگا دیا گیا یہاں تک اب ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ خود تجارت نفع ونقصان کا سبب ہے اور فاء کو اس لیے داخل کیا گیا کہ یہ کلام شرط کے معنی کو متضمن ہے دراصل عبارت یوں تھی **واذا شتروا فما ربحوا** (**کواشی**) (جب انہیں خریدا تو نفع نہ پایا) اور تجارت تاجروں کی ایک صنعت کا نام ہے جو نفع کے حصول کی غرض سے بیع وشراء کا کام کرتے ہیں اور ربح اس زیادتی کا نام ہے جو راس المال سے زائد ہوتی ہے۔

وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ یعنی تجارت کے طریق پر وہ ہدایت یافتہ نہیں ہیں کیونکہ تجارت سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ راس المال بھی بچ جائے اور نفع بھی حاصل ہو۔ اگر ایک نفع دستیاب نہ ہو سکے تو دوسری بیع میں اصل کی بقاء کی وجہ سے جبراً نقصان ہو جائے گا لیکن جس کا اصل مال بھی ضائع ہو جائے اس کی تجارت کا ہے کی اور ان لوگوں نے تو

اپنے راس المال کو ہی ضائع کر رکھا ہے کیونکہ ان کا **راس المال فطرۃ سلیمہ** اور عقل خالص تھا جب انہوں نے ان گمراہیوں کا اعتقاد اپنے میں راسخ کرلیا تو ان کی استعداد باطل اور عقل ختم اور سرے سے **راس المال** ہی نہ رہا جس سے وہ حق و کمال کو پہنچ کر کچھ فائدہ مند ہوں۔ لیکن اس لحاظ سے وہ خاسر ہو کر اپنے نفع سے ناامید ہو گئے اور اصل کو گم کرتے ہوئے تجارت کی راہ سے ہزاروں کوس دور جا پڑے۔

نکتہ : مہتدی: وہ ہے جو دنیا اور خواہشِ نفسانی ترک کر کے طاعت و عبادت میں مشغول ہو، نہ وہ جو کہ نفسانی خواہش کا حکم کرے تو اس پر عمل کر کے ہدایت کو خواہش سے مخلوط کر دے۔

حکایت: شیخ استاذ ابی علی وقاص رضی اللہ عنہ کا ایک دولت مند تاجر مرید تھا وہ بیمار ہو گیا، شیخ صاحب اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور بیماری کا سبب پوچھا، عرض کی، حضور! رات کو تہجد کی ادائیگی کا ارادہ ہوا اور اٹھ کر وضو کرنے کا قصد کیا تو گرمی کے آثار نمودار ہوئے اور اب یہاں تک نوبت ہے کہ مجھے سخت بخار ہے۔ شیخ نے فرمایا: بیٹے! فضول بات سے بچو، تجھے ایسی تہجد فائدہ نہیں دے گی جب تک کہ تم دنیوی معاملات کو ترک کر کے دنیا کی الفت دل سے خارج نہ کرو گے اب تیرے لیے پہلے یہ ضروری ہے، پھر نوافل ادا کرو۔ درد سر کے اندر ہو اور دوا پاؤں پر ملتے رہو، اسی طرح ہاتھ کو نجاست لگی ہو اور دامن وغیر کو دھوتے رہو تو اس سے کے فائدہ! ایسے ہی تم اپنا حال سمجھو۔

ف: بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ خواہشات کی ایک علامت یہ ہے کہ بندہ خیرات و نوافل میں تو تیز ہو مگر واجبات کے حقوق میں سست ہو اور یہ حالت عام مخلوق میں ہے (مگر جسے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے) چنانچہ تم خود ہی تجربہ کرلو کہ بعض صاحبان ایسے ہوتے ہیں کہ نوافل و اوراد غیر واجبہ (جو سخت سے سخت ہوں گے) کی ادائیگی میں بڑے چست و چالاک ہوں گے مگر ضروری فرض کی ادائیگی میں کماحقہٗ دلچسپی نہیں ہوگی۔ عاقل کو چاہیے کہ اولاً راس المال کو حاصل کرے پھر اس نفع کے حصول میں کوشش کرے کہ جو کہ اصل راس المال سے حاصل ہو اور یہ عمل اختیاری ہے نہ یہ اضطراری اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنے معاملہ میں سست و کمزور دیکھ کر اپنی طاعت و عبادت فرض فرمائی ہے کیونکہ انہیں اس کی اطاعت و عبادت کی طرف لے آنے والی کوئی ایسی شے نہیں جو انہیں مجبور کر کے لے آئے لیکن یہ حال اکثر مخلوق کا ہے ہاں اہل اللہ و اولیاء کرام اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں۔

مولانا روم قدس سرہٗ فرماتے ہیں: ؎

marfat.ocm

اختیار آمد عبادت را نمک　　ورنہ میگردد بنا خواہ ایں فلک
گردش اورا نہ اجرو نہ عقاب　　کہ اختیار آمد ہنر وقتِ حساب
ائتیا کرھا مہار عاقلاں　　ائتیا طوعا بہارِ عاشقاں
ایں محب دایہ لیک از بہر شیر　　واں دگر دل دادہ بہر آں ستیر

ترجمہ : اختیاری معاملہ عبادت کو فائدہ دیتا ہے ورنہ افلاک تو شب و روز عبادت میں گھوم رہا ہے۔
لیکن بے اختیار ہو کر افلاک کی گردش پر نہ ثواب نہ عذاب اس لیے کہ اختیار سے ہی عبادت لکھی جاتی ہے۔

ائتیا کرھاً (مجبور ہو کر آؤ) عاقلوں کی مہار اور ائتیا طوعاً (خود بخود آؤ) عشاق کی دام ہے۔ بچہ دایہ کا عاشق ہے لیکن صرف دودھ کے لئے اور وہ اپنے محبوب کا دائمی عاشق ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ پر اپنی اطاعت واجب فرمائی ہے اور دراصل اس پر طاعت واجب فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ وہ بہشت میں داخل ہو کیونکہ اس امر کا مرجع بہشت ہی ہے اور یہ اسباب عدمیہ ہیں اور نفس کی ہمیشہ یہی عادت ہے کہ اچھی باتوں سے ہٹ کر برے کام میں مشغول ہوتا ہے جسے خواہش ہو کہ اسے اللہ تعالیٰ اس خواہشِ نفسانی سے محفوظ رکھے جو نیکیوں سے باز رکھنے والی ہے اور اس غفلت سے بچالے جو اسے بہترین حالات سے دور رکھتی ہے تو اسے چاہیے کہ وہ قادرِ قدیر ہے کہ وہ قادرِ قدیر کی بارگاہ میں گڑگڑائے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا (اور اس کی قدرت ہر شے سے متعلق ہے) اور اس کی نیکی کو پالینا بھی ایک شے ہے جو اللہ تعالیٰ عطا فرمادے۔ اگر تو چاہتا ہے کہ تجھے یہ مقام حاصل ہو تو، تو اپنے جیسے لوگوں کو دیکھ کر انہوں نے ان مراتب کو کیسے حاصل کیا جیسے حضرت ابراہیم بن ادہم و فضیل بن عیاض و ابن المبارک و ذوالنون مصری و مالک بن دینا اور اسی طرح کے دیگر محرم رازِ حق (رضی اللہ عنہم) حافظ شیرازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

عاشق کے شند کہ یار بحالش نظر نہ کرد　　اے خواجہ درد نیست ورنہ طبیب ہست

ترجمہ: عاشق اپنے معشوق کے ہاں حاضر ہوا لیکن اس نے توجہ نہ فرمائی، اسے کہو کوئی حرج نہیں درد نہ ہو تب بھی طبیب موجود ہے تجھے بفضلہٖ تعالیٰ درد بھی ہے۔

تفسیر صوفیانہ قاشانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ آیت میں ہدایت سے نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ (سورہ نور) کا دوسرا نور مراد ہے اور وہ نورِ فطری ازلی ہے جسے محققین فیض ربانی کی استعداد مراد لیتے

ہیں اور ضلالۃ سے مراد وہ فطرۃ ہے جو اس نور ازلی کے لئے حاجب ہے جو طبیعت فاسدہ اور مقاصد ہیولانیہ فلسقہ خواہشات نفسانیہ اور طوقِ شیطانیہ کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی اور ربح سے مراد وہ نور اول ہے جسے بندگان حاصل کرتے ہیں لیکن توجہ حق واتصال بعالم قدس اور غیر اللہ سے بالکل علیحدگی اختیار کرنے کی وجہ سے اور پھر اس مالک کی قوت کو شاملِ حال سمجھ کر اور غیر وہم ایسا بھول جائے کہ روح صرف مشاہدہ ربانی میں مصروف ہو بلکہ ذاتِ حق کی تجلیات میں ایسا جل بھن جائے کہ ہستی موہوم بالکل رہے بھی نہ اور خسران سے مراد یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنا دارین کا فائدہ ضائع کر دیا اور اس خرابی سے نورِ حق ان سے مجوب ہو گیا۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ [1] اور

تاویلات نجمیہ میں ہے: ان لوگوں کا سرکشی میں پھنس کر اندھا ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دنیوی امور میں خوش ہیں اور اس سے مطمئن ہیں۔ اس وجہ سے گمراہی ان اسی وجہ سے گمراہی ان کے دلوں کی گہرائیوں پر اثر کر گئی ہے پھر یہی سزا نصیب ہوئی جس کا ذکر آیت میں ہے اسی لیے آیت اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ میں فعل کی نسبت ان کی طرف ہوئی اشْتِرَاء کا لفظ بھی اسی لیے فرمایا کہ انہوں نے ہدایت کی استعداد اپنے سے بالکل نکال دی ہے اب اس کی طرف راجع ہوتے بھی نہیں اور نہ ہی اس تجارت سے انہیں کوئی نفع ہے اور جو شخص آخرت کی بجائے دنیا سے سے راضی ہو اس کا نقصان بھی ظاہر ہے اور جو صرف دنیا و عقبیٰ کا طالب ہو اور مولا کا طالب نہ ہو۔ وہ تو بہت زیادہ گھاٹے میں ہے اور اس سے زیادہ محروم کوئی بھی نہیں۔ جب اخروی نعمتوں سے محروم ہو جائے تو اسے جہنم کی سزا ہے پھر جو اپنے محبوب کی طلب اور اس کے دیدار سے محروم ہو تو اس سزا کتنی زیادہ ہو گی اور پھر انہیں ہدایت بھی کب نصیب ہو جبکہ انہوں نے قبول ہدایت کی استعداد ہی ختم کر ڈالی ہے۔

تفسیر عالمانہ

مَثَلُهُمْ مثل دراصل نظیر کو کہتے ہیں پھر ہر اس قول کو کہا جانے لگا جو اس واقعہ واردہ کے مشابہ ہو اور پھر اس میں کسی قسم کی تبدیلی بھی نہ کی جائے اور مثل بھی ہر اس قول میں بیان کی جاتی ہے جس میں ایک قسم کی غرابت ہو اس لیے سے تغیر سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔ پھر استعارہ کیا گیا ہے ہر اس حال یا قصہ یا صفت کے لئے کہ جس میں عجیب و غریب شان اور غرابت ہو جیسا کہ قرآن پاک میں ہے:

---

[1] :۔ خبردار ان کے قلوب پر زنگ چڑھ گیا اس وجہ سے جو وہ عمل کرتے تھے خبردار ایسے لوگ اپنے رب سے حجاب میں ہیں۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ اور وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی یعنی وہ صفت کہ جس میں شانِ عظمت وجلال ہے۔

ربط: جب اللہ تعالیٰ نے منافقین کی حال حقیقت بیان فرمائی تو اس کے بعد مزید وضاحت کی خاطر مثال دی کیونکہ مثال عقل کا اچھا ذریعہ اور وہم کو قابو کرنے میں اقوی وسیلہ ہے۔ غبی جاہل کو سمجھانے اور منکر سرکش کے حملہ سے محفوظ ہونے میں کیونکہ نہ ہو جبکہ تمثیل میں منکر کو معروف کی صورت میں دکھایا جاتا ہے اور وحشی کے سامنے ہیئت مالوف میں ظاہر ہون اور خیالی شے کو محقق بنا کر دکھانا اور معقول کو محسوس کی شکل میں پیش کرنا اور معانی کو اشخاص (یعنی ملبوس) کی تصویر میں لانا یعنی مثال سے خفی کو جلی سے اور غائب کو حاضر سے تشبیہ دینا مقصود ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابوں میں انہی تمثیلات کو بہت بیان فرمایا ہے اور انجیل میں تو ایک سورۃ کا نام سورۃ الامثال ہے اور قرآن پاک میں ہزار آیات ہیں جن میں امثال وعبرتیں ہیں اور علامہ سیوطی علیہ الرحمہ ''اتقان'' میں لکھتے ہیں کہ قرآن پاک کے اعظم علوم میں سے علم امثال بھی ہے لیکن لوگ اس سے غافل ہیں۔

مَثَلُهُمْ کا معنی یہ ہے کہ ان کا حال عجیب الشان ہے۔

كَمَثَلِ الَّذِی اسْتَوْقَدَ تخفیف کی خاطر اسم موصول کی جمع کی بجائے واحد کو رکھا گیا کیونکہ یہ لفظ الَّذِی اپنے صلہ کی وجہ سے جمع کا معنی دیتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَخُضْتُمْ كَالَّذِیْ خَاضُوْا (اور تم نے ان کی طرح غور وحوض کیا جنہوں نے پہلے ایسے کیا تھا) اور الَّذِی بمعنی الذین پر کلام کا ماقبل وما بعد قرینہ ہی ہے علاوہ ازیں اسْتَوْقَدَ نَارًا میں ضمیر واحد کا لایا گیا ہے اس کے ظاہر کا اعتبار کر کے اور باقی آئندہ افعال میں صیغہ جمع کا ہے الَّذِی کے معنی کا اعتبار کر کے اسْتَوْقَدَ نَارًا الاستیقاد بمعنی طلب الوقود اور اس کے حصول میں سعی کرنا یعنی آگ کا روشن کرنا اور اس سے شعلے بلند کرنا نَارًا اور نار ایک جوہر لطیف ہے جو روشنی دینے والی اور جلانے والی شے ہے اور نور اس کے ضوء کا نام ہے اسی طرح ہر نورانی شے کے ضوء کو بھی نور کہتے ہیں جو ظلمت کی نقیض ہے یعنی جنگل میں اندھیری رات میں درندگان وغیرہ کے خوف سے بہت بڑی آگ جلائی فَلَمَّا اَضَاءَتْ الاضاءۃ یعنی فرط الانارۃ یعنی بہت زیادہ روشن ہونا یا کرنا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا سے پتہ چلتا ہے یعنی ان کی مثال اس شخص جیسی ہے جو آگ جلائے پھر جب روشن ہو جائے

مَاحَوْلَهٗ آگ جلانے والے کے اردگرد جو مکان واشیاء ہیں اگر اَضَآءَتْ متعدی ہو لفظ مـــا اس کا مفعول ہوگا اور مَاحَوْلَهٗ کی نصب علی الظرفیہ ہوگی اور اگر اسے لازم قرار دیا جائے تو فعل کا اسناد لفظ ما اور تانیث کی طرف ہوگا کیونکہ اس شخص کا گرداگرد وامکنہ واشیاء کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے اور حل بمعنی دوران ہے سال کو بھی اسی لیے حل کہتے ہیں کہ وہ چکر لگاتا ہے اور لـــمّـــا کا جواب ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ ہے یعنی اسے بالکلیہ لے جائے اور اس کی آگ بجھادے جو کہ ان کے نور کا دارومدار ہے۔

سوال: اذھاب کو نور سے کیوں معلق کیا گیا ہے نار سے کیوں نہیں کیا گیا؟

جواب: نار کے جلانے سے مقصود نور ہی ہوتا ہے۔

سوال: اذھاب کا اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف کیوں کیا گیا ہے؟

جواب: ا۔ ہر چیز کا خالق وہی ہے اس اعتبار سے اس کی طرف اسناد کیا گیا۔

۲۔ آگ بجھنا سبب خفی سے ہوا یا کوئی امر سماوی پہنچا جیسے ہوا یا بارش۔

۳۔ یا بطور مبالغہ کے ہے جیسا کہ اسے با سے متعدی کرنے سے پتہ چلتا ہے کیونکہ با میں مصاحبت وامساک کا معنی ہوتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے: **ذھب السلطان بمالہ** یہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ مال بادشاہ لے لے اور جسے اللہ تعالیٰ لے کر بند کر لے پھر اسے کون چھڑانے والا ہے۔ اسی لیے ضوء سے (اگرچہ بہ اقتضائے ظاہر یہی ہونا چاہیے تھا) سے عدول کر کے نور کو اختیار کیا کیونکہ ضیاء کے ذھاب سے نور کا بقاء ہو سکتا ہے کیونکہ ضعیف کا نہ ہونا قوی کے نہ ہونے کو مستلزم نہیں ہے اور یہاں پر مراد اس نور کا بالکلیہ زائل کرنا مراد ہے جیسا کہ وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ سے پتہ چلتا ہے کیونکہ ظُلُمٰتٍ بمعنی نور کا نہ ہونا بالخصوص اس وقت جبکہ دوسری (اس کی) تہ بہ تہ ہو کہ اس کے بعض پر ہو جیسا کہ اسے جمع اور تنکیر تضخیمی سے معلوم ہوتا ہے اور اس کا مابعد لَا يُبْصِرُوْنَ کا معنی بھی نہیں محقق ہو سکتا جب تک کہ یہ ثابت نہ ہو کہ نور کا نام ونشان نہ رہے اور ترک دراصل طرح دخلی کے ہے اسے ایک مفعول چاہیے لیکن صبر کے معنی کو ضمن میں رکھ کر افعالِ قلوب سے ہو کر دو مفعول کا

---

[۱] نقیض وہ ضد ہے جو دوسری ضد کو اپنے مقابل نہ آنے دے جیسے دن کی نقیض رات، موت کی نقیض زندگی، یعنی بیک وقت ان میں سے ایک ہی چیز کا ظہور ہوگا تو دوسری چیز مفقود ہوگی دونوں کا بیک وقت واقع ہونا محال ہے (مترجم)

طالب ہوتا ہے اب عبارت یوں ہوئی **صیرهم فی ظلمٰت لا یبصرون ما حولهم** اس عبارت کے اعتبار سے فِیْ ظُلُمٰتٍ اور لَا یُبْصِرُوْنَ ، **صیر** کے دو مفعول ہوں گے اور اگر اسے اپنے اصلی معنیٰ پر لیا جائے یہ دونوں مفعول یعنی ضمیر **هُمْ** سے حال ہوں گے مترادفین یا متداخلین اور معنیٰ یوں ہو گا کہ ان کا حال عجیب ہے کہ انہوں نے گمراہی کو خریدا جسے ظلمت کفر و نفاق کہا جاتا ہے جیسے ظلمت غضب الٰہی اور ظلمت یومِ قیامت (کہ جس دن دیکھو گے کہ نور ان کے دائیں بائیں دوڑتا ہو گا) اور ظلمت العقاب دائمی شامل ہے وہ ہدایت جو ان کو فطری نوری تھی کہ جس سے دلائل حق مشاہدہ کر چکے دے کر ان کا حال اس شخص جیسا ہے جو ایک بہت بڑی آگ جلائے قریب تھا کہ وہ اس سے بہرہ یاب ہو کہ اللہ تعالیٰ اس آگ کو بجھا کر انہیں ان ظلمات میں چھوڑ دے جو ان کے لئے حائل ہوں اور جس سے آنکھوں کو کچھ نظر نہ آسکے۔

التیسیر والعیون میں ہے کہ منافقین نے کلمہ ایمان زبان سے نکالا تو اس کی بدولت نور یاب ہوئے اور اس کی عزت کی وجہ سے عزت پائی اور اس کے سبب سے امن پایا، مسلمان عورتوں سے نکاح کیے مسلمانوں کے وارث بنے اور ان کو غنیمتیں تقسیم کیں اور اپنی اولاد و اموال میں امن پایا جب آخر العمر کو پہنچے تو ان کی زبان گنگ ہو گئی اور ہمیشہ ہمیشہ تک ظلمات کفر میں رہے جس کی وجہ سے خوف و ظلمت کی طرف لوٹے۔

صُمٌّۢ یعنی وہ منافقین حق کو سننے سے بہرے ہیں یعنی حق کو قبول نہیں کرتے اور جب وہ حق کو قبول نہیں کرتے تو گویا وہ سنتے ہی نہیں اور **الصُّمُّ** دراصل سننے کے مواضع کے سوراخوں کا ایسا بند ہو جانا کہ وہاں تک ہوا کا گزر بھی نہ ہو سکے کہ اس تموج سے آواز حاصل ہوتی ہے **بُكْمٌ** حق سے گنگ ہیں کہ اسے بیان نہیں کرتے جبکہ وہ چھپا رکھا ہے اس کے خلاف بولتے ہیں گویا کہ وہ بولتے بھی نہیں ہیں اور گنگ زبان کی ایسی آفت ہے جس کی وجہ سے مواضع الحروف پر اعتماد کرنے سے اسے قدرت نہیں ہوتی **عُمْیٌ** یعنی انہوں نے وہ آنکھیں گم کر دی ہیں کہ جن سے نظر کریں اور وہ نظر انہیں عبرت دے کر ہدایت کی طرف کھینچ کر لے جائے بلکہ یہ لوگ بصیرت کی بینائی بھی گم کر چکے ہیں کیونکہ جس کی بصیرت مٹ گئی گویا اس کی بصارت بھی مٹ گئی بنا بریں یہاں پر **عُمْیٌ** عدم **البصیرۃ والبصر** دونوں کے لئے مستعمل ہے اور یہ صفات ان کے دنیا میں ہیں اسی لیے آخرت میں انہیں ایسی ہی سزا ملے گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَنَحْشُرُهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ عُمْیًا وَّبُكْمًا** اور ہم

marfat.ocm

نے انہیں قیامت میں چہروں پر گونگے اور اندھے بنا کر اٹھائیں گے اس دن نہ تو وہ اللہ تعالیٰ کا کلام سن سکیں گے نہ اس سے کلام کر سکیں گے اور نہ ہی اس کے دیدار سے مشرف ہوں گے بخلاف اہلِ اسلام کے کہ وہ حق کے سننے والے اور حق کو دیکھنے والے ہیں اسی لیے قیامت میں اللہ تعالیٰ کے خطاب اور دیدار اور اسلام سے نوازے جائیں گے۔ لَا يَرْجِعُوْنَ یعنی بوجہ اوصاف مذکورہ کے وہ لوگ گمراہی سے ہدایت متروکہ کی طرف نہیں لوٹ سکتے یہ آیت تمثیل کا خلاصہ ونتیجہ ہے اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ لوگ سلامت آلات کی وجہ سے ہدایت کی طرف رجوع کر سکتے ہیں کیونکہ ہدایت کو ترک کرنے پر مذمت کے مستحق ہوئے اور صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ سے آلاتِ حس کی نفی تو نہیں ان کے استعمال نہ کرنے کی نفی ہے۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

زباں آمد ز بہر سپاس بغیبت مگر داندش حق شناسی
گزرگاہ قرآن و پند است گوش بہ بہتان باطل شنیدن مکوش
دو چشم از پئے صنع باری نکوست زعیب برادر فرو گیر و دوست

ترجمہ :i۔ زبان صرف شکر کرنے کے لئے ہے لیکن تم اسے کسی کی غیبت میں ملوث نہ کرو۔

ii۔ کان قرآن پاک اور نصیحت سننے کے لئے ہیں لیکن تم انہیں گندی باتوں کے سننے میں مت لگاؤ۔

iii۔ دو آنکھیں اللہ تعالیٰ کی صنعت کے نظاروں کو دیکھنے کے لئے ہیں انہیں اور دونوں ہاتھوں کو غلطیوں سے محفوظ رکھیے۔

ف: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو رجوع الی الائتمار بامرہ والانتہاء بنہیہ کا اختیار دیا ہے جیسا کہ فرمایا ہے: وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ وَلَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ اور ایسے ہی ہم آیات تفصیل سے بیان کرتے ہیں تا کہ لوٹ آئیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف بالاختیار راجع نہ ہوا تو اسے اس کی طرف موت سے راجع کریں گے کما قال: كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ ہر جی موت کا ذائقہ چکھے گا پھر وہ ہماری طرف لوٹ آئیں گے اور جس نے اس کی طرف دنیا میں بفضلہ رجوع کیا اور اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ کے قول کو محقق کیا تو اس کا یہ رجوع بالکرامۃ ہوگا اور وہ یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً کے خطاب سے مشرف ہوگا

حکایت: زمانہ سابقہ میں ایک جبار سرکش تھا جس نے ایک محل تیار کیا اور اسے بڑا پختہ بنوایا اور بہت سجایا پھر قسم کھائی کہ جو شخص اس کے قریب جائے گا یا اس کی طرف بری نظر سے دیکھے گا اسے قتل کرا دے گا اور بعد ازاں

کئی لوگوں کو اس جرم میں قتل کروا دیا گیا ایک شخص اس کے پڑوسیوں میں تھا اسے بڑی نصیحت کی مگر وہ نہ مانا ایک مرد صالح نے اس شہر سے باہر جا کر ایک جھونپڑی تیار کی جس کا کوئی دروازہ تھا نہ سوراخ عبادت کی خاطر تنہائی اختیار کی ادھر وہ سرکش بادشاہ اس محل میں عیش سے زندگی بسر کر رہا تھا ایک دن محل میں بیٹھا اس کے ساتھی اس کی خدمت میں حاضر تھے ادھر ملک الموت ایک حسین وجمیل نوجوان کی شکل میں تشریف لائے اور محل کے اردگرد گھوم رہے تھے اور بار بار اس کی چوٹیوں کو دیکھ رہے تھے کسی نے بادشاہ سے کہا کہ تیرے محل کو ایک نوجوان دیکھ رہا ہے۔ دیکھا تو کہا یہ پاگل معلوم ہوتا ہے کوئی ناواقف یا مسافر ہے لیکن تم سے کوئی جا کر اسے بلا لائے۔ چنانچہ ان میں سے ایک شخص گیا اور سختی سے یوں پیش آیا کہ نیام سے تلوار نکال کر اسے مارنے کا ارادہ کیا تو ملک الموت نے اس کی روح قبض کر لی، جس سے وہ بیہوش ہو کر گر پڑا۔ بادشاہ کو کسی نے آ کر کہا وہ دیکھو آپ کے فرستادہ کو اس نوجوان نے مار ڈالا ہے بادشاہ نے غصے میں آ کر دوسرے آدمی کو تلوار دے کر حکم دیا کہ جاؤ اسے قتل کر دو اس نے دوسرے کا بھی وہی حال کیا۔ بادشاہ کو اس دوسرے کے قتل ہو جانے کے غیظ وغضب نے محل سے نکلنے پر مجبور کر دیا تلوار پکڑ کر خود باہر آیا اور ملک الموت سے کہنے لگا: تجھے موت کا ڈر نہیں ایک تو تو میرے محل کے قریب گھوم رہا ہے دوسرے دو آدمیوں کو قتل بھی کر ڈالا۔ ملک الموت نے کہا: بادشاہ سلامت! ذرا سوچ کر بولیے آپ کو علم ہے میں کون ہوں! میں قابض ارواح عزرائیل ہوں۔ بادشاہ یہ کلمہ سنتے ہی کانپنے لگا اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی اور کہا: ہاں، میں نے آپ کو پہچان لیا۔ یہ کہہ کر واپس ہونے لگا، ملک الموت نے فرمایا شاہ جی! کہاں جا رہے ہو میں تو آپ کے لئے کھڑا ہوں اب تو آپ نے قبر میں جانا ہے۔ بادشاہ نے کہا: صرف ایک منٹ کی مہلت چاہیے تاکہ میں اپنے اہل وعیال سے کچھ بات چیت کر لوں اور انہیں کچھ وصیت بھی کر لوں ملک الموت نے فرمایا: اب تک آپ کہاں رہے، اب کوئی فرصت نہیں یہ کہہ کر ملک الموت نے روح قبض کر لی اور چلتے بنے مرنے کے بعد رونا کیسا؟

ملک الموت اس فراغت کے بعد سیدھے اس مرد صالح کے پاس پہنچے اور فرمایا: مبارک باد تمہارا وہ سرکش بادشاہ آج موت کے کڑوے گھونٹ پی کر مر گیا تمام واقعہ سنایا۔ مرد صالح کا ارادہ ہوا کہ واپس اپنے گھر جائے۔ ملک الموت کو اس کی موت کا حکم آ پہنچا، چنانچہ ملک الموت نے اس مرد صالح سے کہا: آیئے، اب آپ کی باری بھی

آ گئی۔ مرد صالح نے کہا: سر چشم، اگر مہلت عنایت ہو سکے تو میں گھر جا کر ان سے کچھ باتیں اور وصیت کر لوں حکم ایزدی ہوا کہ اسے مہلت دیدو، چنانچہ مہلت لے کر چند قدم چلے سوچا اور نادم ہو ملک الموت سے کہا مجھے خطرہ لاحق ہوا کہ اگر گھر جاؤں تو کہیں کسی برے فعل کا ارتکاب نہ کر بیٹھوں، اللہ تعالیٰ میرے اہل کا آپ مالک ہے وہ مجھ سے بہتر جانتا ہے آیئے میری روح قبض کر لیجئے۔

سبق: بعض عارفین فرماتے ہیں کہ بہت تعجب ہے اس شخص پر جو اس امر سے بھاگتا ہے جو ضروری ہونے والا ہے وہ مالک ہے جس نے بندہ پر ہر بھلائی کی منت اور ہر نعمت عطا فرمائی اور اپنے بندہ سے وہ چیز طلب کرتا ہے جو اس کے ساتھ باقی رہنے والی ہے یعنی خواہشات خواہ وہ دنیا سے متعلق ہیں یا آخرت سے اس لیے کہ بات نہ آنکھیں دیکھ رہی ہیں نہ ہی دل جو سینوں میں پوشیدہ ہے۔

ف: بصیرت کا اندھا ہونے کے تین اسباب ہیں۔

۱۔ اپنے اعضاء کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں مطلق العنان کر دینا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت ریا کے طور کرنا۔

۳۔ خلق خدا سے طمع بازی، کیونکہ جب دل اندھا ہو جاتا ہے تو سالک اللہ تعالیٰ سے منہ موڑ موڑ کر غیر اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ یہ مثال اس سالک کی ہے جو ابھی راہ حق میں گامزن ہوا ہے اور مدت تک آزمائش وتکالیف ومصائب کا نشانہ بنا رہتا ہے پھر وہ طلب کی آگ کو جلاتا ہے اور اپنے ارد گرد روشن پاتا ہے جس سے وہ اپنے سعادت وشقاوت کے اسباب دیکھ لیتا ہے تو پھر اسے کسی کامل کی صحبت میسر ہو جاتی ہے اس کی خدمت کرتا ہے خلوت گزیں ہوتا ہے نفس کو دنیا سے دور ہٹاتا ہے خواہشات کا قلع قمع کرتا ہے جس سے اس کا دل شوق کے انوار سے چمک اٹھتا ہے اور اس کی روح ذوق تجلیات سے اجاگر ہوتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے مامون ہو جاتا ہے اور نفس کی فریب کاریوں سے بچ جاتا ہے اس کے بعد اسے شیطانی خطرات اور اس کے وساوس اسے گھیر لیتے ہیں اب قہقہہ کے ساتھ الٹے پاؤں لوٹتا ہے یعنی دنیا کی پست حالتوں کو پہنچ جاتا ہے اور دینوی سوچ میں گم ہو جاتا ہے اور نفس کی اندھیریوں میں ڈوب جاتا ہے مقصد تک

marfat.ocm

پہنچنے سے پیشتر ہی وصال کی رسی ٹوٹ جاتی ہے باوجودیکہ نعمتوں کی جنت میں قدم رکھ پاتا ہے لیکن اس سے اسے نکال لیا جاتا ہے پھر بیچارہ ملال اور تنگدستی کے قدموں پر چل کر برے سے برے حال میں پہنچایا جاتا ہے کما قال: وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ اور اس کے لئے وہ ظاہر ہوا جس کا انہیں گمان نہ تھا صُمٌّ یعنی ان کے دل بہرے ہو چکے ہیں کہ جن سے یوم میثاق کا خطاب سنا تھا اور زبانیں بھی کہ جن سے بلیٰ کا لفظ عرض کیا تھا اور ان کی آنکھیں اندھی ہو چکی ہیں کہ جن سے جمال حق کے دیدار سے مشرف ہوئے اور پھر انہیں اس کا عرفان نصیب ہوا اسی وجہ سے وہ رجوع کرنے والے نہیں خطائر قدس کی منازل کی طرف رجوع کرنے والے نہیں ہیں بلکہ اُنس کے باغات کے رجوع سے بھی محروم ہو گئے کیونکہ ان کے دل کا دریچہ جو یوم میثاق کو کھولا گیا عالم قدس کی جانب کھلنے والا ہے اب انہوں نے اسے خود ہی بند کر دیا ہے اور تتبع شہوات اور لذات کے درپئے ہو کر اور دھوکا سازی اور منافقت کاری کی وجہ سے اب ان پر نہ تو جناب قدس کا ہوائیں چلتی ہیں اور نہ ہی نفحاتِ ارواح کی نسیم ان کو نصیب ہوتی ہے اس وجہ سے ان کے دل بیمار ہو گئے۔ پھر ان کیلئے ایسا طبیب بھیجا جو اپنے ساتھ بیماری کی شفاء بھی لایا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (اور ہم قرآن نازل کرتے ہیں جو عالمین کے لئے شفا اور رحمت ہے) مومنین سے مراد وہ ہیں جو اطباء کی تصدیق کرتے اور ان کی ادویات کو مانتے ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے نہ اطباء کو مانا، نہ ہی ان کی ادویات کو، تو سمجھ لو کہ انہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ان کے لیے دوا بیماری بن جائے گی اور شفاء وبا کما قال تعالیٰ: وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا (اور ظالموں کا خسارہ بڑھاتا ہے) جب یہ لوگ اہلِ رحمت نہ ہوئے تو ان کو لعنت نے گھیر لیا جو ان کے بہرے اور اندھے ہونے کا سبب بنی۔ کمال قال تعالیٰ: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ

تفسیر عالمانہ

اَوْ كَصَيِّبٍ یا منافقین کی کہاوت "صَیِّب" کی طرح ہے یعنی اصحاب صیب کی طرح ہے

حل لغات: صَیِّب'' اس بارش کو کہتے ہیں جو موسلا دھار ہو اور اس کا ماخذ الصَّوابُ ہے اور صَوْب'' بمعنی نزول ہے اور لفظ صَیِّب'' دراصل صیوب'' تھا اور کاف مرفوع المحل ہے جس کا عطف كَمَثَلِ الَّذِيْ کے کاف پر ہے اور تخیر و تساوی کے لئے ہے یعنی منافقین کا حال اور ان دو

قصوں کے مشابہ ہے اور چونکہ یہ دونوں قصے مستقل قصے ہیں اس لیے ہر ایک میں سے منافقین کے لئے مثال دی جائے تو بھی حق ہے اور اگر دونوں کو ان منافقین کے لیے مثال دی جائے تب بھی درست ہے۔

مِّنَ السَّمَآءِ صَيِّبٌ" کے متعلق ہے اور السَّمَآءِ بمعنی دنیا کی چھت اور اسے معروف باللام لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ بارش کا آنا صرف ایک کنارہ سے نہیں ہوتا کیونکہ ہر ایک کنارہ ان کے کناروں میں سے ہے یعنی ہر اس چیز کو جسے آسمان کا ایک کنارہ احاطہ کرتا ہے اسی کا نام علیحدہ آسمان ہے اب معنی یوں ہوا کہ وہ عام بارش جو بھرے ہوئے بادل سے نازل ہوتی ہے وہ بادل آسمان کے پکڑے ہوئے ہے اور آسمان سے بادل گرتا اور پانی بھی اسی سے لیتا ہے ایسا نہیں جیسا کہ بعض لوگوں نے گمان کیا ہے کہ بادل پانی دریا سے لیتا ہے۔

ف: امام ترمذی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ بارش ان بخارات سے حاصل ہوتی ہے جو کہ زمین سے نکل کر ہوا میں اوپر کو جاتے ہیں پھر وہاں خلاء کی ٹھنڈک کی سختی سے جم کر پانی بن کر گرتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی اس غلط فہمی کا ابطال **من السماء** سے فرمایا۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عرش کے نیچے ایک دریا ہے جس سے حیوانات کے رزق نازل ہوتے ہیں۔ اس کی طرف وحی کی جاتی ہے جس کی وجہ سے حسب مشیت ایزد متعال اپنا پانی نیچے والے آسمان کی طرف گراتا ہے پھر وہ نیچے والے کو، اسی طرح سب سے نیچے والے آسمان تک یہی سلسلہ رہتا ہے۔ پھر بادل کو حکم ہوتا ہے کہ تو چھلنی ہو جا، تو وہ چھلنی بن جاتا ہے جس سے وہی پانی قطرات کی شکل اختیار کر لیتا ہے پھر کوئی ایسا قطرہ زمین پر نہیں گرتا جس کے ساتھ ایک فرشتہ نہ ہو، جہاں ضرورت ہو وہی فرشتہ اس قطرہ کے لے کر وہاں پہنچاتا ہے اور یہ بھی ہے کہ ہر قطرہ کیل معلوم کے ساتھ گرتا ہے بخلاف یوم طوفان کے کہ وہ بارش بلا کیل وزن کے تھی۔ **(کذافی تفسیر التیسیر)**

فِيهِ ظُلُمٰتٌ یعنی بارش میں تاریکیاں ہوتی ہیں یعنی وہ تاریکیاں کئی قسم کی ہیں ان میں سے ایک تاریکی وہ ہے جو بہت سخت گھاٹی ہے بوجہ بارش کے قطرات کے پے در پے ہونے اور پھر بادل کے سایہ کرنے اور رات کی اندھیریوں کی شمولیت کی وجہ سے اور آیت میں ایسی کوئی بات نہیں جو دلالت کرے کہ اس میں رات کی تاریکی مراد نہیں لیکن ہوسکتا ہے کہ اس میں رات کی تاریکی بھی ہو جیسا کہ آنے والی آیت **يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ** اور

marfat.ocm

اس کے بعد والی آیت وَإِذَآ أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ برق کا آنکھ کو جھپک لینا عموماً اندھیری راتوں میں ہوتا ہے اور اسی طرح چلنے والے کا چلنے سے ٹھہرنا اس وقت ہوتا ہے جبکہ رات کی ایسی تاریکی ہو کہ چلنے والے کی آنکھوں کو آگے دیکھنے سے روک لے۔ بخلاف بادل کا سیاہ ہونا اور پھر اس کا کثیف ہونا دن میں ایسی صورت نہیں پیدا کرتا کہ چلنے والے کو چلنے سے روک دے۔

(کذافی حواشی ابن التمجید)

سوال: بارش ظلمات کا محل کیوں قرار دیا گیا ہے حالانکہ ضروری نہیں کہ بارش میں اندھیریوں کا محل ہو ہاں رات ہو تو پھر اس میں تاریکی کا وہم نہیں ہوتا ہے اس میں رات کی تاریکی کو تابع اور بارش کی تاریکی کو متبوع مقرر کیا گیا ہے حالانکہ معاملہ برعکس ہے۔

جواب: صرف مبالغہ مقصود ہے اور بارش سے ڈرانا مقصود ہے، تنبیہ کرنا ہے کہ بارش کی تاریکی ایسی سخت ہوتی ہے کہ رات کی تاریکی اس کے مقابلے میں کچھ نہیں ہے ظلمات کا مرفوع ہونا ظرف کی وجہ سے ہے کیونکہ اس کا اعتماد موصوف پر ہے کیونکہ جملہ محل جر میں ہے اس لئے کہ ایک قول کے مطابق صیب کی صفت ہے۔ وَّرَعْدٌ وہ سخت آواز جو بادل سے سنائی دیتی ہے وَّبَرْقٌ وہ چمک جو بادل سے (جبکہ اس کے اجزاء ایک دوسے ملیں) حاصل ہوتی ہے۔

سوال: وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ کا محل بارش کو کیوں قرار دیا گیا حالانکہ اس کا محل تو بادل ہے۔

جواب: بادل سے یہ دونوں بارش کے واسطہ سے متعلق ہیں اور اسی واسطہ کے لحاظ سے ان کا محل بارش کو بتایا گیا اور حکماء میں یہ مشہور ہے کہ رَعْد کی وہ آواز ہے جو بادل کے اجرام کے آپس میں ٹکرانے سے نکلتی ہے یا وہ آواز ہے جو ہوا کے جھونکوں سے جب بعض اجزاء بعض سے خارج ہوتے ہیں تو پیدا ہوتی ہے وہی رَعْد ہے لیکن حقیقت وہی ہے جو حضرت امام ترمذی علیہ الرحمہ نے روایت کی ہے۔

حدیث شریف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہود نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ فرمایئے: رَعْد کیا شئے ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ فرشتہ ہے جو بادل

پر مقرر کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ آگ کا چابک ہے جس سے وہ اس بادل کو ہانکتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ پھر انہوں نے عرض کی: یہ آواز (جو سنائی دیتی ہے) کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اس کی زجر ہے جو بادل کو وہاں پہنچنے کا حکم دیتا ہے جہاں پر حکم دیا گیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا: آپ نے سچ فرمایا۔ اس سے ثابت ہوا کہ آیت میں رَعْد سے مراد اس فرشتہ کی آواز ہے نہ کہ خود فرشتہ، جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ رَعْد ایک فرشتہ ہے جو بال کے پھیرنے، گھیرنے کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ جو اس بادل کو اس جگہ لے جاتا ہے جس جگہ کا حکم ہوتا ہے اور اپنے انگوٹھے سے پانی جاری کراتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتا ہے جب وہ تسبیح پڑھتا ہے تو آسمان میں کوئی ایسا فرشتہ نہیں ہوتا جو اس کے ساتھ مل کر تسبیح نہ پڑھے تب اس وقت سے پانی کے قطرے گرنے شروع ہو جاتے ہیں اور بَرْقٌ سے مراد چابک ہے جس سے فرشتہ بادل کو مارتا ہے اور مخاریق مخراق کو جمع ہے یہ دراصل اس کپڑے کو کہتے ہیں جس کو لڑکے لپیٹ کر ایک دوسرے کو مارتے ہیں اور یہاں پر وہ آلہ مراد ہے جس سے فرشتے بادل کو ہانکتے ہیں۔ ساکن جلوتیہ مرجع طریقت شیخ یعنی افتادہ آفندی فرماتے ہیں کہ ان دونوں اقوال میں کوئی اختلاف نہیں ان کی مطابقت یوں ہونی چاہیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ابتداء کا اعتبار کیا اور حکماء نے انتہاء کا۔

يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ یہ تمام ضمائر مضاف محذوف کے لئے ہیں کیونکہ دراصل عبارت یوں ہے۔ او **کاصحاب صیب** موسلا دھار بارش والوں کی طرح۔ جیسا کہ گزرا اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ جملہ مستانفہ ہو کیونکہ جب رَعْد اور بَرْقٌ وغیرہ کا بیان کیا گیا تو گویا سائل نے پوچھا کہ ایسی حالت میں اصحاب صیب کا کیا حال ہوگا؟ تو جواب میں فرمایا **يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ** اور اَصَابِعَهُمْ بمعنی انا ملھم ہے اور اس میں مبالغہ ہے جو انا ملھم کہنے سے ادا نہیں ہو سکتا تھا گویا کہ وہ لوگ شدت حیرت کی وجہ سے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے تھے نہ صرف (انگلیاں) انامل جیسا کہ عادت ہے یا اس طرف اشارہ ہے کہ وہ ایسی کمال حیرت اور سخت دہشت اور ایسے حال کو پہنچے ہوئے تھے کہ وہ اپنے اعضاء کو اصلی صورت پر استعمال کرنے سے عاجز تھے یہی بات ہے کسی خاص انگلی مثلاً سبابہ کے ذکر نہ کرنے میں لیکن یہ اس لئے ہوا کہ ادب کا تقاضہ یہی ہے کہ اس کا ذکر نہ کیا جائے کیونکہ وہ سب (گالی دینا) سے مشتق ہے اور قرآن کے آداب میں یہی اولیٰ ہے یہی وجہ ہے کہ

اہلِ عرب اب اسے مسیحہ اور مہلکہ وغرہما سے تعبیر کرتے ہیں اور اس جیسے الفاظ کو بھی ذکر نہ کیا۔ کیونکہ ایسے استعمالات جدیدہ ہیں کہ جس سے عوام بے خبر تھے۔

مِنَ الصَّوَاعِقِ، یَجۡعَلُوۡنَ کے متعلق ہے یعنی صواعق کی وجہ سے اور صواعق صاعقہ کی جمع ہے رَعۡد کی وہ گرج جس سے دل دھڑکتے ہیں پھر اس کے ساتھ ایک شعلہ بھی ہوتا ہے جہاں پھر وہ اپنی لطافت کی وجہ سے فوراً بجھ جاتا ہے۔

حکایت: ایک کھجور پر بجلی گری تو وہ آدمی جل گئی پھر بجھ گئی اس کے بعد لوگ کہتے ہیں کہ کھجور کی چوٹی اور آسمان کے مابین ایک آگ دکھائی دیتی پھر کھجور کی چوٹی ٹکڑے ہونے لگ جاتی جس سے ہلکی سی آواز خارج ہوتی۔

(کذافی روضۃ العلماء)

ف: بعض کہتے ہیں کہ صاعقہ سے مراد آگ کی وہ چنگاریاں ہیں جو بادل کے ٹکڑوں کے آپس میں ٹکرانے سے خارج ہوتی ہیں پھر وہ جب بھی کسی شے پر گریں تو اسے جلا کر رکھ دیتی ہیں پھر زمین کے اندر گھس کر پانی پر پہنچ کر بجھ جاتی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ جب سورج زمین پر چمکتا ہے تو اس کی چمک سے خشک زمین کے چند اجزاء ناریہ خارج ہوتے ہیں جن کے کچھ ارضی الجزات بھی شامل ہوتے ہیں ان دونوں کے اختلاط کا نام دخان ہے دونوں مل کر اوپر جاتے ہیں اور کرہ باردہ میں پہنچ کر بادل بن جاتے ہیں۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص رَعۡد کی آواز سن کر **سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ وَیُسَبِّحُ الرَّعۡدُ بِحَمۡدِہٖ وَالۡمَلٰٓئِکَۃُ مِنۡ خِیۡفَتِہٖ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ** پڑھے اگر اس کا نقصان ہو تو اس کا تاوان میرے ذمہ ہے۔

گرج کے وقت کی دعا: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رَعۡد اور اس کی گرج سنتے تو یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰھُمَّ لَا تَقۡتُلۡنَا بِغَضَبِکَ وَلَا تُھۡلِکۡنَا بِعَذَابِکَ وَعَافِنَا قَبۡلَ ذٰلِکَ

(کذافی تفسیر الشیخ وشرح الشرعہ)

حَذَرَ الۡمَوۡتِ کا مفعول لہٗ ہے اسی لیے منصوب ہے اور کانوں میں انگلیاں ٹھونسنے کی علت ہے یعنی ہلاک

marfat.ocm

ہونے کی وجہ سے۔

ف: موت حیات کی بنیاد کے فساد کا نام ہے۔

وَاللّٰہُ مُحِیْطٌ اَلْاِحَاطَۃُ بمعنی الاحداق بالشئی من جمیع جھاتہ اور یہ معنیٰ اللہ تعالیٰ کے لئے مجاز ہوگا اب معنی یوں ہوا کہ: واللّٰہُ محدق بعلمہ وقدرتہ [۱] بِالْکٰفِرِیْنَ یعنی اللہ تعالیٰ سے کافر نہیں چوک جائیں گے جیسے محیط سے محاط نہیں چوکتا۔ قیامت میں اللہ تعالیٰ انہیں جمع کر کے عذاب دے گا یہ جملہ معترضہ ہے اس میں تنبیہ ہے کہ کانوں میں انگلیاں ٹھونسنا وغیرہ۔ انہیں عذاب سے نہیں بچائے گا کیونکہ قدر کو حزر نہیں ہٹاتا اور نہ ہی حیلے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دفع کر سکتے ہیں اور ھُمْ ضمیر کی بجائے الکفرین لانے میں اشارہ ہے کہ ان کو یہ عذاب وغیر جو پہنچ رہا ہے ان کے کفر کی وجہ سے ہے۔ یَکَادُ الْبَرْقُ، یَکَادُ بمعنی یقرب۔ یہ دوسرا جملہ مستانفہ ہے ایک سوال کا مقدر کے جواب میں واقع ہوا ہے گویا سائل نے پوچھا کہ اس برق میں ان کا کیا حال ہوگا تو اس کے جواب میں فرمایا یَکَادُ الخ یَخْطَفُ اَبْصَارَھُمْ یعنی اپنی شدت ضوء کی وجہ سے ان کی آنکھیں اُچک لے کُلَّمَآ ظرف ہے اس کا عامل اس کا کُلَّمَآ اَضَآءَ لَھُمْ جواب ہے یعنی مَشَوْا اور اَضَآءَ متعدی ہے بمعنی انار البرق الطریق فی اللیلۃ المظلمۃ یہ تیسرا جملہ مستانفہ ہے۔ گویا کسی نے پوچھا کہ یہ لوگ بجلی کے ظاہر ہونے اور مٹنے پر کیا کرتے تھے کیا یہاں بھی وہی حالت تھی جو کانوں میں کرتے تھے یا اس کے خلاف، تو جواب میں فرمایا کہ بجلی کی روشنی میں ان کو راہ مل جاتی تھی تو مَشَوْا فِیْہِ اس راہ پر چل پڑتے جہاں پر نور کی شعاعیں پڑتیں تو چند قدم چلتے لیکن یہ خوف انہیں ہر وقت رہتا کہ شاید بجلی آنکھ کی بینائی اچک لے مشی ء" کی بجائے سعی اور رَعْدٌ نہ کہا۔ اس میں اشارہ ہے کہ ان پر اتنی دہشت طاری تھی کہ دوڑنے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَیْھِمْ یعنی جب بجلی گم ہو جاتی تو راستہ پر اندھیرا چھا جاتا قَامُوْا یعنی جہاں ہوتے متحیر ہو کر ٹھہر جاتے دوسری گھڑی کا انتظار کرتے کہ شاید انہیں مقصود تک پہنچنے کی راہ مل جائے یا کوئی پناہ مل جائے کہ جس سے وہ اس تکلیف سے بچ جائیں وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ اس کا مفعول محذوف ہے یعنی اگر چاہے کہ ان کے کان جو سر میں ہیں اور بینائی جو آنکھ میں ہے چھین لی جیسے کہ ان کے دل کی

---

[۱] اور اللہ تعالیٰ اپنے علم وقدرت سے محیط ہے۔

marfat.ocm

سمع و بصر چھین لی۔ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ صوت رعد اور نور برق سے ان کی سمع و بصر چھین لے انہیں سزا دینے کی بنا پر کیونکہ اس سے وہ باری تعالیٰ عاجز نہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ جو بھی ممکنات میں سے موجودات ہیں سب پر قادر ہے اور خود باری تعالیٰ پر اگرچہ شئے کا اطلاق کیا جاسکتا ہے لیکن وہ موجود بالوجوب ہے نہ بالامکان، اور عاقل پر مخفی نہیں کہ اس جیسی عبارت میں شئے سے ماسوا باری تعالیٰ مراد ہے اور دلالت عقل سے آیت ہذا میں جن کو لفظ شئے شامل ہے اللہ تعالیٰ کی ذات مستثنیٰ ہے اب معنیٰ یوں ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے ماسوا پر قادر ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے فلان " امین " یعنی وہ اپنے ماسوا تمام لوگوں میں سے امین ہے اس میں اس کا نفس داخل نہیں اگرچہ یہ بھی مجملۃ الناس ہے۔ (کذافی حواشی ابن التمجید)

ف: ہر شئے کا فاعل اللہ تعالیٰ جس طرح اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ نہ حکمت کی اقتضاء سے کوئی شئے زاید ہو سکتی ہے اور نہ کم اور یہ تمثیل کشف بعد کشف اور ایضاح بعد ایضاح کے پہلی تمثیل سے زیادہ بلیغ ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کی حیرت اور ان کا گمراہی میں مخبوط العقل ہونا اور پھر ان کے امر کی شدت اور ان کی رسوائی و فضیحت کو اس شخص سے تشبیہ دی کہ جیسے اندھیری رات میں بارش نے گھیرا ہو پھر اس میں بادل کی گرج اور بجلی کی کڑک اور صواعق کا خوف، پھر موت کا ڈر ہو۔ یہ اس وقت ہے کہ جبکہ یہ مثال مرکب ہو اسی وجہ سے قرآن پاک کو بلاغت کا اعلیٰ درجہ دیا جاتا ہے غور سے دیکھا جائے اور پھر اس ہیئت حاصلہ کو بھی کہ جس سے یہ صورت مرکب ہے تو اس میں عجیب قسم کی بلاغت حاصل ہوتی ہے جو مفردات میں نہیں ہے جیسا کہ مجموعہ آیت سے پتہ چلتا ہے کہ اس قسم کی بارش گھیر لیتی ہے کہ جس میں اندھیریاں ہوں اور بادلوں کی ظلمات ہوں علاوہ ازیں گرج اور کڑک بھی اور بجلی کا گرنا بھی اور جن پر بارش واقع ہو رہی ہے ان کا موت سے گھبرانا بھی تو ایک عجیب امر پیدا ہو جاتا ہے اور یہ کیفیت اس وقت پیدا نہیں ہوتی جب کہ ایک ایک شئے سے علیحدہ علیحدہ کو واقع۔

ف: قرآن مجید کے معارف و حقائق پر دائمی حیات کا دارومدار ہے کہ بارش سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ بارش زمین کی زندگی کا باعث ہے پھر اس بارش کی تکالیف سے جو انسان کو غم والم اور ملال پیش آتا ہے قرآن کی وعیدوں سے تشبیہ دی گئی اور رَعْد سے یہ وہ وعیدیں ہیں کہ جن سے انسان وعیدوں کو سن کر ڈرتا ہے جس کی وجہ سے کانوں میں انگلیاں ٹھونستا ہے حالانکہ اسے اس سے نجات نہیں ہے اور خوش اس لئے ہوتے ہیں کہ اس میں

marfat.ocm

ان کی خوشی کی باتیں ہیں اور غم اس لیے کہ ان کی وعیدوں کا بیان ہے بعینہٖ یہی منافقین کا حال ہے۔

سبق: دانا کے لئے ضروری ہے کہ شریعتِ مطہر پر ثابت قدم رہے اور اس کے خلاف باتوں سے کنارہ کرے تاکہ خاتمہ ایمانی کی دولت سے نوازا جائے۔

حکایت: حضرت حسن بصری علیہ الرحمہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کا کیا حال ہے؟ آپ ہنس کر فرمانے لگے: مت پوچھیے آپ نے فرمایا: ان لوگوں پر کیا گزرتی ہے جو دریا میں کشتی پر سوار ہوں لیکن کشتی راہ میں ٹوٹ جائے اور ہر ایک اپنے اپنے تختے پر لٹک جائے اب بتایئے ان لوگوں کا کیا حال ہوگا! اس شخص نے کہا: وہ بڑی سخت پریشانی میں ہوں گے، آپ نے فرمایا: میرا اس سے برا حال ہے کیونکہ موت میرا دریا اور حیات میری کشتی ہے اور گناہ تختے ہیں اب تو بتا کہ جس کی یہ حالت ہو اس کا کیا حال ہونا چاہیے فلہٰذا گناہ کو ترک کرتے ہوئے علام الغیوب کی طرف رجوع چاہیے۔

حدیث شریف: جس کی ہجرت اللہ جل شانہ' و رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف ہے پس اس کی ہجرت واقعی الٰہی کی طرف ہے اور جس کی طرف ہجرت دنیا کے حصول یا عورت کے بیاہ کے لئے ہے پس جس مقصد کے لئے اس نے ہجرت کی وہی اسے ملے گا۔ دیکھئے اس میں ہر ارادہ والے کو اس کے ارادہ پر کیسے جزا دی گئی ہے اور عبرت کا مقام ہے کہ دنیا کا دوبارہ ذکر نہیں کیا تاکہ اس کے عدمِ اعتبار کا پتہ چل سکے اور یہ بھی علم ہو جائے کہ دنیا صرف لہو و لعب کا نام ہے گویا اس کا وجود ہی نہیں کسی نے کیا خوب کہا ہے:

بہ مرد ہشیار دنیا خسیست　　　کہ ہر مدتے جائے دیگر کسیست

ترجمہ: ہشیار مرد کے نزدیک کچھ نہیں کیونکہ ہر آن اس کی نئی جگہ ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قولِ مقدس فھجرتہٗ الی ما ھاجر الیہ اور اس کا مضمون قابلِ غور ہے کہ ماسواہ کے ترک کا اشارہ ہے اور عورت اور دنیا کے ذکر میں ہر شئے جو دنیا میں شہوانی ہے سب آ گئی اور حدیث شریف کا مقصود یہ ہے کہ دنیا ومافیہا سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا چاہیے۔

حافظ شیرازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

غلام ہمت آنم کہ زیر چرخ کبود　　　ز ہر چہ تعلق پزیرد آزاد است

marfat.ocm

ترجمہ: یعنی ہر شئے خواہ مال ہو یا اولاد اسباب ہے سب سے تعلق توڑ کر مالکِ لایزال کے ساتھ محبت ہو۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے: اَوۡ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ الـخ دو آیتوں کے متعلق یہ اشارہ ہے کہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے تشبیہ دی اس حدیث کے آرزومند اور ذکر میں مشغول ہونے اور ہدایت میں قرآن کے پیچھے لگنے والے اور پھر اس کی طلب میں کوشش کرنے والے اور بعد ازاں جو اس پر عالم غیب کی جوبات ظاہر ہوتی ہے یہاں تک کہ نفس کا غلبہ ہوتا ہے اور پھر وہ فترۃ کی آفت میں جا پڑتا ہے اور وقفہ کو اس کے حال سے کہ اندھیری رات اور برسات میں چلنے والا ہو اور ذکر و قرآن کو مینہ سے تشبیہ دی کیونکہ یہ دل میں ایمان اور حکمت کو جنم دیتا ہے جیسے پانی انگوری کو فِيۡهِ ظُلُمٰتٌ یعنی ہم شکل اشیاء اور ملتی جلتی چیزیں جو سالک کو اثناء سلوک میں ظاہر ہوتی ہیں اور دقیق معانی کہ جن کا حل اور سمجھنا اور اس کے عہدہ آفات سے خارج ہونا ناممکن ہو سوائے اس کے کہ جس کی عقل تائید رحمٰن سے ایمان کے ساتھ منور ہو کما قال تعالیٰ: اَلرَّحۡمٰنُ ۝ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ رحمٰن نے قرآن سکھایا۔

جیسے اندھیرے میں چلنا سوائے چراغ مشکل ہے اسی طرح قرآن کے حقائق و دقائق کی سیر بھی ناممکن ہے اسی طرح ظلمات بشریہ کی سیر کا حال ہے جب تک ہدایت ربوبیت کی روشنی نصیب نہ ہو اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمۡ مَّشَوۡا یعنی نورِ ہدایت سے چلتے ہیں وَاِذَآ اَظۡلَمَ عَلَيۡهِمۡ قَامُوۡا یعنی جب ظلماتِ بشریہ ان پر چھا جاتی ہیں۔ وَّرَعۡدٌ یعنی خوف و خشیت و ہیبت جو ذکر اور قرآن کے جلال کے وجہ سے ہیبت دل میں پہنچتی ہے کما قال تعالیٰ: لَوۡ اَنۡزَلۡنَا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيۡتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ [1]

وَّبَرۡقٌ یعنی قرآن و ذکر کے انوار کا چمکنا جبکہ قلوب میں سرایت کرتا ہے کہ جس سے ان کو جلود و قلوب ذکرِ الٰہی کے لیے نرم ہو جاتی ہے پھر اس میں قرآن اور دین کی حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے جسے قلوب پہچانتے ہیں کما قال تعالیٰ: وَاِذَا سَمِعُوۡا مَآ اُنۡزِلَ اِلَى الرَّسُوۡلِ (اور جب وہ سنتے ہیں جو رسول کی طرف نازل کیا گیا) اور جب ان پر سعادت کے انوار چمک اٹھتے ہیں تو وہ طبیعت کی ظلمات سے نکل کر ارادہ کی حبل اللہ تھام لیتے ہیں تاکہ کامیاب لوگوں کے درجات کو پالیں۔ لیکن انگلیوں کو کانوں میں ٹھونسنے یعنی اپنے اعمال فاسدہ کی انگلیاں اپنے کانوں

---

[1] اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر اتارتے تو تم اسے ڈرنے پھٹنے والا دیکھتے اللہ کے ڈر سے ہے۔

marfat.ocm

میں ٹھونستے یعنی وہ کان جو صواعق اور داعی حق سے ڈرنے والے تھے موت کے خوف سے یعنی نفس کی موت سے کیونکہ نفس مچھلی کی طرح ہے اور دنیا اس کا دریا ہے اور خواہش اس کا پانی اگر اسے اس سے نکالا جائے تو وہ اسی وقت مر جائے گا یہی مطلب ہے قولہ علیہ السلام موتوا قبل ان تموتوا کا۔

وَاللّٰهُ مُحِيْطٌ بِالْكٰفِرِيْنَ اس میں اشارہ ہے کہ وہ کافر کہ جس کی حیات طبعیہ حیوانیہ ہے اگر مالوفات سے بالارادہ مر جائے تو اسے اللہ تعالیٰ انوارِ شریفہ سے زندہ کرے گا۔ کما قال تعالیٰ: اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ اگر وہ بالارادہ نہ مرے تو اللہ کفار کو محیط ہے یعنی انہیں ہلاک کرنے والا ہے اور دنیا میں انہیں صورت وقلب کی موت دینے والا ہے اور آخرت میں عذاب کی موت پھر نہ مریں گے نہ جئیں گے۔ يَكَادُ الْبَرْقُ یعنی ذکر اور قرآن کا نور يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ یعنی ان کے نفسِ امّارہ کے ابصار كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ یعنی ہدایت کا نور مَّشَوْا فِيْهِ قدمِ صدق کے ساتھ راہِ حق پر چلتے ہیں وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ یعنی نفس کی صفات کی ظلمات اور خواہشات ان پر غلبہ کرتے اور دنیا کی طرف رغبت کرتے ہیں قَامُوْا یعنی سیر سے ٹھہر جاتے اور متحیر و متردد ہوتے ہیں اصل وجہ سے ان پر آفات کی بھرمار ہوتی ہے اور فترات ان کو آ پہنچتے اور شیطان ان پر قابو پا لیتے ہیں اور نفس ان کو خواہشات کی طرف کھینچ لے جاتا ہے یہاں تک کہ وہ ہلاکت کے گڑھے میں جا گرتے ہیں۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ یعنی اگر اللہ تعالیٰ کا ان کی ہدایت کا ارادہ ہو جائے لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ تو ان کے کان لے جائے جو شیطان کے وساوس اور اس کے غرور کی طرف لو لگاتے ہیں وَاَبْصَارِهِمْ یعنی ان کی وہ آنکھیں جن سے زینت دنیا کو دیکھتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ: وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا اگر ہم چاہیں تو ہر نفس کو ہدایت دیں۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ یعنی اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ ان کی شنوائی و بصارت کو سلب کر لے یہاں تک کہ نہ وہ وساوسِ شیطانی و خطراتِ شہوانی کو سن سکیں اور نہ مقتضیات دنیوی اور لذّات حیوانی کو دیکھ سکیں تاکہ اس سے دھوکہ نہ کھائیں اور نہ دین بیچ کر دنیا خریدیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے ارادہ سے جس طرح چاہے کرتا ہے اور اپنے غلبہ سے جس طرح چاہتا ہے حکم فرماتا ہے۔

marfat.ocm

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ

اے لوگوں اپنے رب کو پوجو جس نے تمہیں اور تم سے اگلوں کو پیدا کیا یہ امید کرتے ہوئے کہ تمہیں پرہیزگاری ملے۔

تَتَّقُوْنَ ۝٢١ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً۪ وَّ اَنْزَلَ مِنَ

اور جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو عمارت بنایا اور آسمان سے

السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا

پانی اتارا تو اس سے کچھ پھل نکالے تمہارے کھانے کو تو اللہ کے لئے جان بوجھ کر برابر والے

وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝٢٢ وَ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ

نہ ٹھہراؤ۔ اور اگر تمہیں کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے اپنے خاص بندے پر اتارا تو اس جیسی ایک سورت

مِّثْلِهٖ ۪ وَ ادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝٢٣ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا

تو لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے سب حمایتیوں کو بلا لو اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر نہ لا سکو

وَ لَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ ۖۚ اُعِدَّتْ

اور ہم فرمائے دیتے ہیں کہ ہرگز نہ لا سکو گے تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں تیار رکھی

لِلْكٰفِرِیْنَ ۝٢٤ وَ بَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ

ہے کافروں کے لئے اور خوشخبری دے انہیں جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے کہ ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ

نہریں رواں جب انہیں ان باغوں سے کوئی پھل کھانے کو دیا جائے گا (صورت دیکھ کر) کہیں گے یہ تو وہی

رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَ اُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَ لَهُمْ فِیْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙۗ وَّ هُمْ فِیْهَا

رزق ہے جو ہمیں پہلے ملا تھا اور وہ صورت میں ملتا جلتا انہیں دیا گیا اور ان کے لئے باغوں میں ستھری بیبیاں ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ

marfat.ocm

خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖۤ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا

رہیں گے۔ بیشک اللہ اس سے حیا نہیں فرمایا کہ مثال سمجھانے کو کیسی ہی چیزوں کا ذکر فرمائے مچھر ہو یا

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اس سے بڑھ کر تو وہ جو ایمان لائے تو وہ جانتے ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے رہے کافر وہ کہتے ہیں

فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا

ایسی کہاوت میں اللہ کا کیا مقصود ہے اللہ بہتوں کو اس سے گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت فرماتا ہے اور اس سے

يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ

انہیں گمراہ کرتا ہے جو بے حکم ہیں۔ وہ جو اللہ کے عہد کو توڑ دیتے ہیں پکا ہونے کے بعد

وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ

اور کاٹتے ہیں اس چیز کو جس کو جوڑنے کا خدا نے حکم دیا ہے اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں وہی نقصان

الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ

میں ہیں۔ بھلا تم کیونکر خدا کے منکر ہو گے حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں جلایا پھر تمہیں مارے گا

ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۤ ثُمَّ

پھر تمہیں جلائے گا پھر اسی کی طرف پلٹ کر جاؤ گے۔ وہی ہے جس نے تمہارے لئے بنایا جو کچھ زمین میں ہے پھر آسمان کی طرف

اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَاۗءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۹﴾

قصد فرمایا تو ٹھیک سات آسمان بنائے وہ سب کچھ جانتا ہے۔

تفسیر عالمانہ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ یہ آیت توحید ورسالت کے اثبات و تحقیق (جو کہ ایمان کی اصل ہیں) کے لئے بیان کی گئی ہے اور لفظ ناس " مومنین اور منافقین کا اسم ہے اور نداء غافلین کی تنبیہ اور

marfat.ocm

غائبین کے احضار اور ساکنین کی تحریک اور جاہلین کی تعریف اور مشغولین کی تفریغ اور معترضین کی توجیہ اور محبین کی برانگیختی اور مریدین کی تشویق کے لئے ہے۔

بعض عارفین فرماتے ہیں کہ اب خطاب اس لیے ہورہا ہے تاکہ بندہ کو جو عبادت سے کلفت واقع ہوئی وہ لذتِ خطاب سے دفع ہو جائے اب معنی یہ ہوا کہ مونس نے میرے انس کو جو کہ قبلِ ولادت تھا نہ بھلایا یہ مطلب ہے کہ اے نسیان کے پتلے! تجھے متنبہ ہو جانا چاہیے اور اس وقت کو فراموش مت کر جبکہ تو ایک بھولا بھلایا تھا بلکہ ایک غیر مذکور شے تھا پھر میں نے تجھے پیدا کیا اور گارے میں تجھے ملا گیا تو ایک نطفہ کے بعد خون بنا پھر گوشت کا ایک لوتھڑا ہوا پھر نوجوان ہوا پھر تمام انتہائی بڑھاپے میں پہنچا ان تمام حالتوں میں میری نعمتوں میں پلتا رہا لیکن افسوس ہے کہ اب تو میرے غیر کی خدمت میں مصروف اور نفس و خواہش کی عبادت میں مشغول ہے دین بیچ کر دنیا خرید رہا ہے تجھے چاہیے کہ اسے فراموش نہ کر جس نے تجھے پیدا کیا اور شے غیر مذکور کی حالت سے نکال کر تجھے کریم اور مشکور العمل بنایا۔ تجھے قوت دی تجھے باعزت بنایا اور جو کچھ دینا تھا، دیا، یہ خطاب نفس اور بدن دونوں کو ہے۔

ف: تفسیر تیسیر میں فرمایا کہ اگر انسان کا ماخذ نسیان ہو تو اس میں عتاب بھی ہے اور تلقین بھی عتاب تو اس لئے کہ گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے لوگو! تم نے میری نعمتوں کے عوض ناشکری کی یا یہ کہ میرے حکم کے عوض نافرمانی کا مظاہرہ کیا اور تلقین عذر یوں ہوگی کہ گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ہمارے احکام کے مخالف (نسیان میں آکر نہ کہ عمداً و سہواً) ہم نے تیرے عذر کر تیرے نسیان کی وجہ سے قبول کر لیا اور تیرے ایمان کی وجہ سے گناہ معاف کر دیے۔

اُعْبُدُوْا رَبَّكُمُ کفار کو فرمایا جارہا ہے اپنے رب کی معرفت میں مخلص ہو جاؤ اور مطیعین کو فرمایا اپنے رب کی معرفت میں ثابت قدم رہو اور یہ لفظ ان تمام معانی کا احتمال رکھتا ہے اور اس کا نام جوامع الکلم ہے۔

(کذا فی التفسیر لابی اللیث)

ف: عبادت کہتے ہیں طاقت کو طاعت کی تکمیل میں خرچ کرنا اور خشیت کے استشعار میں معصیت سے بُعد حاصل کرنا۔ اَلَّذِیْ خَلَقَكُمْ یہ صفت ہے، تعظیم و تعلیل کے لئے جاری ہوئی یعنی تم اس اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا کہ تم نیست و نابود تھے اس نے تمہیں ہست کر دیا اور خلق بمعنی اختراع

marfat.ocm

الشئی یعنی شئے کا شئے سے ایسا پیدا کرنا کہ جس کی پہلے کوئی نظیر نہ ہو وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ اور ان لوگوں کو پیدا کیا جو تم سے پہلے تھے یعنی وہ امتیں جو تمہارے زمانے سے پہلے تھیں۔ مِنْ ابتدائیہ ہے اس کا متعلق محذوف ہے اور رَبَّکُمُ کو وصف سے موصوف کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس کی عبادت تم پر واجب ہے یعنی تمہارے اصول کو پیدا کرنا عبادت کے موجبات سے ہے اور اس میں شمول قدرت کی طرف دلالت بھی ہے اور غفلت کی نیند سے بیدار کرنے کی تنبیہ بھی یعنی وہ لوگ تھے آئے اور ختم ہوئے پس تم مقامِ رجوع کو نہ بھلاؤ اور نہ اس میں کوتاہی کرو۔ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ، اعْبُدُوْا کی ضمیر سے حال ہے یعنی اس امید میں رہو کہ شاید تم ان متقین سے ہو جاؤ جو ہدایت و فلاح سے کامیاب ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے جوار کے مستحق ہوئے۔ لفظ لَعَل امید اور طمع دلانے کے لئے آتا ہے اور وجوب کے لئے بھی آتا ہے کیونکہ کریم کو کسی قسم کا طمع نہیں ہوتا۔

ف: پہلے اور پچھلے سب اس امر بالتقویٰ میں داخل ہیں اور مخاطبین کو ذکر خاص کر کے غائبین کو تغلیباً داخل کر لیا۔

ف: اس میں تنبیہ یہ کہ تقویٰ سالکین کا انتہائی درجہ ہے اور تقویٰ بمعنی ماسویٰ سے بری ہو جانا۔

سبق: عابد کے لئے لائق ہے کہ وہ اپنی عبادت پر مغرور نہ ہو بلکہ اسے خوف و رجا میں رہنا چاہیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وہ اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں خوف اور طمع سے اور اس کی رحمت کی امید کرتے ہوئے شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:۔

اگر مردی از مردی خود مگو نہ ہر شہسوار بدر برد گوی

ف: یعنی ہر عابد ایسا نہیں کہ وہ اپنی عبادت میں مخلص ہو۔ اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ یہ جملہ رَبَّکُمُ کی دوسری صفت ہے۔

عجائبات دنیا

۱۔ عالم دنیا (کہ جسے بحر محیط گھیرے ہوئے ہے) کی فراخی چوبیس ہزار فرسخ ہے ہر ہر فرسخ تین میل کا اور ہر میل بارہ ہزار ہاتھ کا اور ہر ہاتھ چھتیس انگلی کا ہوتا ہے اور ہر انگلی جَو کے چھ دانوں کی ہوتی ہے اس زمین کے بارہ ہزار فرسخ پر سودان آباد ہیں اور آٹھ ہزار بیضان اور تین ہزار پر اہلِ فارس اور ایک ہزار میل پر اہلِ عرب، یہ اہل لغت کی تحقیق ہے۔

(کذا فی کتاب الملکوت)

marfat.ocm

ف: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ارض کو اس لیے ارض کہتے ہیں کہ جو کچھ اس کے اندر ہوتا ہے اُسے کھا جاتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ حوافر واقدام سے روندی جاتی ہے اس لیے اسے زمین کہا جاتا ہے۔

فِرَاشًا اسے فراش بنانے کا یہ مطلب ہے کہ اس کے بعض کو پانی سے ظاہر کر دیا حالانکہ اس کی طبیعت کا تقاضا یہ تھا کہ یہ بھیگی ہو اور اسے سختی و نرمی میں بین بین بنایا جس پر بیٹھنا اور سونا آرام سے ہو سکتا ہے جیسے بستر بچھا ہوا ہو اور اس کے لئے ضروری نہیں کہ اس کی سطح حقیقی ہو کیونکہ اس کی کُروی شکل باوجود جسم کی موٹائی کے افراش کا لائق ہے۔

وَّالسَّمَآءَ سماء اسے کہتے ہیں جو اوپر اور سایہ کیے ہوئے ہو۔ **بِنَآءً** یعنی آسمان تمہارے اوپر قبہ کی طرح بنایا ہوا ہے اور ہر آسمان دوسرے آسمان پر قبہ کی طرح ہے اور جو زمین کے اوپر ہو وہ آسمان ہے اس کے اطراف زمین کی جانب لٹکے ہوئے ہیں۔ **(کذا فی تفسیر ابی اللیث)**

وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً یعنی بارش جو کہ آسمان سے بادل پر پھر بادل سے زمین پر گرتی ہے اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو گمان کرتے ہیں کہ بادل دریا سے پانی لیتا ہے۔ **فَاَخْرَجَ بِهٖ** یعنی اللہ تعالیٰ انگوری اگاتا ہے اس پانی کے سبب جو آسمان سے نازل ہوتا ہے۔ **مِنَ الثَّمَرٰتِ** یعنی جو ہم کھاتے ہیں اناج، میوہ جات وغیرہا، جو زمین اور درختوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ **(کذا فی التیسیر)**

رِزْقًا لَّكُمْ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پانی میں قوتِ فاعلیت اور زمین میں قوتِ منفعلیت امانت رکھی ہے ان کے آپس میں ملنے سے پھل پھول وغیرہ پیدا ہوتے ہیں آسمان سے زمین پر پانی نازل ہونے کو عقدِ نکاح سے اور پھر اس پانی کے سبب سے اس زمین سے جو ثمر نکلتے ہیں نسل سے تشبیہ دی جو کہ حیوانات پیدا ہوتے ہیں یہ سب کچھ انسان کے رزق کا سامان ہے اور **مِنَ الثَّمَرٰتِ** میں **مِن** بیانیہ ہے **رِزْقًا** یعنی تمہارے لیے طعام اور تمہارے جانوروں کے لئے گھاس ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر انعام کیا تاکہ تم اس کی خالقیت و رزاقیت کا اقرار کرتے ہوئے اس کی توحید پر کاربند ہو جاؤ۔ **فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا۔ اَنْدَادًا** کی جمع ہے بمعنی ہم مثل یعنی اللہ تعالیٰ کا ہم مثل کسی کو نہ بناؤ تاکہ ان کی عبادت کرو۔

عقیدہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: یوں نہ کہو کہ فلاں نہ ہوتا تو مجھے مصیبت نہ آتی اور اگر کتا میرے گھر نہ بھونکتا تو میری چوری ہو جاتی۔

حدیث شریف: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: وَلَوْ سے بچو (یعنی گزشتہ بات جس کی تلقین ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمائی) کیونکہ یہ منافقین کا کام ہے۔ کما قال تعالیٰ: لَوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا اگر وہ ہمارے ہاں ہوتے تو نہ مرتے اور نہ قتل ہوتے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

اگر عز و جاہست واگر ذل وقید　　　من از حق شناسم نہ از عمرو زید

ترجمہ : یہ عز و جاہ اور قید و بند سب اللہ تعالیٰ سے ہیں نہ کہ زید و عمرو سے۔

وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ یعنی تم جانتے ہو کہ تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو اور آسمان و زمین اور تمہاری روزی اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی نہ کہ بتوں نے وہ تو نہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان۔

نصیحت : آیت میں فرمایا: جَعَلَ لَكُمُ اور فرمایا: رِزْقًا لَّكُمْ اگر قیامت میں بندہ سے اللہ تعالیٰ فرمائے کہ یہ سب کچھ تو میں نے تیرے لیے پیدا فرمایا، بتا تو نے میرے لئے کیا کیا؟ اس وقت بندہ کیا جواب دے گا؟

حکایت: ایک دن شیخ شبلی وعظ فرما رہے تھے لوگوں کو قیامت کے احوال واہوال سے ڈرا رہے تھے ادھر شیخ ابو الحسن نوری گزرے اور فرمایا: انہیں مت دھمکاؤ قیامت میں کوئی اتنا لمبا حساب نہیں ہوگا وہاں تو صرف یہ پوچھا جائے گا کہ:

من ترا بودم تو کرا بودی　　　(یعنی میں تو تیرا تھا، بتا اے بندے! تو کس کا تھا)

آیت میں یہ بتایا گیا کہ عبادت میں خلوص چاہیے اغیار دل سے دور ہو اور مالک لایزال کا تصور منقش ہو۔

شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

گرت بیخ اخلاص در بوم نیست　　　دریں در کسی چوں تو محروم نیست

ترجمہ : اگر تیرے ملک میں اخلاص کی جڑ نہیں تو تیرے جیسا محروم اور کوئی نہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو ایک دلچسپ وعظ:۔

۱۔ اے معاذ (رضی اللہ عنہ) میں تجھے ایک بات بتاتا ہوں تو نے اسے بھلا دیا تو سمجھ لینا کہ پھر تیری حجت اللہ تعالیٰ سے ختم ہوگئی اے معاذ (رضی اللہ عنہ) اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان پیدا کرنے سے پہلے سات فرشتے

فرمائے ان کو ہر ایک آسمان کے لئے علیحدہ علیحدہ نگران مقرر کیا۔ پھر جب نگہبانانِ عمل بندہ کے عمل جو کہ صبح سے شام تک ہوتے ہیں پہلے آسمان تک لے جاتے ہیں اور عمل کا نور سورج کے نور کی طرح ہوتا ہے جب پہلے آسمان میں پہنچتا ہے تو زیادہ صاف ہو جاتا ہے اور اس کی نورانیت میں اضافہ ہو جاتا ہے چنانچہ جب وہ اوپر کو جانے کا ارادہ کرتے ہیں کہ تو وہی فرشتہ کہتا ہے: ٹھہر جاؤ! اس عمل کو صاحب عمل کے منہ پر دے مارو۔ کیونکہ یہ گلہ گو ہے اور مجھے حکم ہے کہ جس بندہ کی عادت گلہ کی ہو اس کے اعمال اوپر نہ جانے دوں اور یہ بندہ چونکہ گلہ گو ہے بنابریں اس کے اعمال کو واپس زمین پر بھیج دو۔

زبان آمد از بہر شکر و سپاس بغیبت نگرداند حق شناس

ترجمہ: زبان صرف شکر اور تعریف کرنے کے لئے بنی ہے اس کو کسی کی غیبت کے ساتھ حق شناس یعنی خدا کو پہچاننے والی نہیں بنایا جا سکتا۔

۲۔ پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اس بندہ کے دیگر اعمال صالحہ حفظہ (فرشتے) لاتے ہیں: جس سے ان اعمال کو اوپر دوسرے آسمان کی جانب جانے کی اجازت ملتی ہے لیکن دوسرے آسمان تک پہنچتے ہی ملک فرشتہ مقرر شدہ آ جاتا ہے اور کہتا ہے: یہ عمل صاحب عمل کو لوٹا دو کیونکہ یہ متکبر انسان ہے اور مجھے حکم ہوا ہے کہ متکبر کے اعمال اوپر نہ جانے دو اور یہ بندہ اپنے اعمال سے اسباب دنیا کے حصول کا خواہشمند ہے۔

چہ زنار مغ در میانت چہ دلق کہ در پوشی از بہر پندار خلق

ف: ہوشمند اور عقلمند انسان عاجزی کو اختیار کیے ہوئے ہوتا ہے کیونکہ پھل سے بھری ہوئی شاخ اور ٹہنی زمین پر سر رکھے ہوئے ہوتی ہے یعنی جھکی ہوئی ہوتی ہے۔

۳۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ پھر اس کے اعمال اوپر چڑھائے جاتے ہیں جنہیں صوم و صدقہ اور صلوٰۃ کی وجہ سے نرالی رونق ہوتی ہے جسے حفظہ (فرشتے) دیکھ کر بہت خوش ہوتے ہیں لیکن جب تیسرے آسمان تک پہنچتے ہیں تو فرشتہ مؤکل کہتا ہے: ٹھہر جاؤ اس کے اعمال اوپر نہیں جا سکتے کیونکہ یہ شخص متکبر ہے جہاں بیٹھتا ہے تکبر کرتا ہے اور مجھے حکم ہے کہ ایسے آدمی کے اعمال اوپر نہ جانے دوں فلہذا اس کے اعمال اس کے منہ پر دے مارو۔

فروتن بود ہوشمند گزیں نہد شاخ پُر میوہ سر بر زمیں

ترجمہ: ہوشمند اور پسندیدہ انسان ہی تواضع والا ہے اس لئے کہ میوہ سے بھرپور ٹہنی ہی سر زمین پر رکھتی ہے۔

۴۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ پھر اس کے اعمال اوپر چڑھائے جاتے ہیں اس کی صلوٰۃ اور تسبیح و حج وعمرہ کی وجہ سے ستارہ کی طرح اعمال میں رونق ہوتی ہے یہاں تک کہ چوتھے آسمان میں پہنچتے ہیں وہاں پر مقرر شدہ فرشتہ کہتا ہے: ٹھہر جاؤ اس کے اعمال اس کے منہ دے مارو یہ ت خود بینی میں مبتلا ہے اور مجھے حکم ہے کہ خود بین کے اعمال اوپر کو نہ آنے دوں۔

چوں روئے بخدمت نہی برزمیں　　　خدا را ثنا گوئی خود را مبیں

ترجمہ : جب تم اپنا چہرہ خدمت کے طور پر زمین پر رکھ دو تو پھر خدا کی تعریف کر و اپنے آپ کو نہ دیکھو۔

۵۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: جب اسے پانچویں آسمان کی جانب لے جاتے ہیں ایسے معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ عمل نئی دلہن ہے جو اپنے دولہا کے ہاں بھیجی جا رہی ہے یہاں بھی وہی مؤکل فرشتہ کہتا ہے کہ ٹھہر جاؤ اس کے عمل اس کے منہ پر دے مارو اس میں حسد کا مرض ہے اور مجھے حکم ہے کہ جس میں حسد کی بلا ہے اس کے اعمال اوپر نہ جانے دوں۔

عقبہ زیں صعب تر در راہ نیست　　　ای خنک آنکس حسد ہمراہ نیست

ترجمہ : کوئی عقبہ راہ سلوک میں اس سے سخت تر نہیں، وہ خوش قسمت سالک ہے جس کے اندر حسد نہیں۔

۶۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ملائکہ عملِ صوم وصلوٰۃ و حج وعمرہ کو چھٹے آسمان پر لے جاتے ہیں تو حسبِ دستور فرشتہ آ جاتا ہے کہتا ہے: ٹھہر جاؤ اس کے عمل اس کے منہ پر مارو۔ یہ تو کسی پر رحم نہ کرتا تھا بلکہ انہیں اگر کوئی تکلیف پہنچتی تھی تو ان کو گالیاں دیتا اور مجھے حکم ہے کہ جو لوگوں پر رحم نہ کرے اس کے عمل اوپر نہ جانے دوں۔

اشک خواہی رحم کن بر اشکبار　　　رحم خواہی بر ضعیفاں رحم را

ترجمہ : اگر تجھے دائمی راحت مطلوب ہے تو آنسو بہانے پر رحم کر، رحم الٰہی کی طلب ہے ت ضعیفوں پر رحم کیجئے.

۷۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: بندہ کے اعمال کو ساتویں آسمان کی جانب لے جاتے ہیں جو کہ صوم وصلوٰۃ وفقہ واجتہاد و ورع پر مشتمل ہوتے ہیں اس کی آواز شہد کی طرح ہوتی ہے اور اس کی روشنی سورج کی روشنی کی طرح ہوتی ہے اور اس کے ساتھ تین ہزار فرشتے ہوتے ہیں تو مقرر فرشتہ کہتا ہے: ٹھہر جاؤ اس کے عمل اس کے منہ پر مارو کیونکہ یہ تو اس لئے عمل کرتا تھا کہ میرا فقہاء کے سامنے درجہ بلند ہوا۔ علماء پر میرا سکہ جما ہوا ہو شہروں میں میری شہرت ہو بنا بریں اللہ تعالیٰ کے دیدار سے محروم ہے اور اس کے دل پر مہر لگ چکی ہے اسے میں آگے

نہیں جانے دوں گا کیونکہ مجھے حکم ہے کہ جوریا کار ہو اسے دربارِ خداوندی میں مت آنے دوں۔

بروئے ریا خرقہ سہلست دوخت گرش با خدا در توانی فروخت

ترجمہ : ریا کا خرقہ پہننا آسان ہے لیکن بارگاہِ خداوندی میں ایسے خرقہ کی رسائی نہیں۔

۸۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں بندہ کے اعمال ساتوں آسمان سے گزر کر کے حجابات کو طے کرتے ہوئے مالکِ لایزال کے حضور میں جا پہنچتے ہیں اور ملائکہ عرض کرتے ہیں: اے الٰہ العالمین! یہ صرف تیرے لیے خالص مخلص ہو کر حاضر کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے فرشتو! تم اس کے ظاہر پر نگہبانی کرتے ہو مجھے اس کے دل کے اسرار کا علم ہے یہ تو خالص میرے لئے عمل نہیں کرتا تھا بلکہ اس کا میرے غیر کی طرف دھیان تھا پس اس پر میری لعنت ہے، فرشتے کہتے ہیں: تیری لعنت ہے تو ہم سب کی بھی اس پر لعنت، بلکہ ساتوں آسمانوں و زمین اور جو ان میں ہے سب اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔

معاذ رضی اللہ عنہ کی معروض: ۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ عرض کرتے ہیں: حضور! اب تو نجات مشکل ہے کیونکہ ہم میں نہ تو خلوص ہے اور نہ احسن عمل۔ آپ نے فرمایا: اے معاذ! میری اقتداء کو نہ چھوڑ، یقین پختہ رکھ عمل میں کوتاہی ہوا ہی کرتی ہے، اپنی زبان کو اپنے بھائیوں کے گِلہ سے بچا، اپنے آپ کو اچھا نہ سمجھ، اور دنیا کے عمل کو اُخروی امور میں داخل مت کر اور لوگوں میں تفریق نہ ڈال تاکہ تجھے دوزخ کے کُتے پھاڑ نہ ڈالیں اور اپنے اعمال میں ریاکاری مت کر۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

اے ہنرہا نہادہ برکف دست عیبہا برگرفتہ زیر بغل
تا چہ خواہی خریدن اے مغرور روز درماندگی بسیم دغل

ترجمہ : اے فلاں! تو ہنر تو ہاتھ کی ہتھیلی پہ لیے پھرتا ہے لیکن اپنے عیوب بغلوں میں اس سے تجھے کیا حاصل، جبکہ سودا خریدتے وقت تیرا سکہ ہی کھوٹا ہے۔

حکایت: حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ تیس سال متواتر عبادت سے ایک روز میرا جی اُکتا رہا تھا کہ نیند میں کسی کا یہ فرمان سنائی دیا کہ اے ابو یزید! اللہ تعالیٰ کے خزینے عبادت سے پُر ہیں اگر تو اسے ملنا

چاہتا ہے تو عجز اور زاری و ذلت اختیار کر، اسی بنا پر ابو یزید قدس سرہٗ نے عرض کی:

چار چیز آوردہ ام شاہا کہ در گنج تو نیست
نیستی و حاجت و جُرم و گناہ آوردہ ام

ترجمہ: اے شاہا! چار چیزیں تیرے خزانے میں نہیں۔ ۱۔ نیستی ۲۔ حاجت ۳۔ جرم ۴۔ گناہ۔

یہ آپ نے اس وقت کہا جبکہ اس پر حقیقت کے مبشرات نے طلوع کر کے کہا کہ ہمیں کچھ دیجئے، جب آپ نے یہی ہدیہ پیش کیا تو کہا گیا واقعی تو نے قابلِ تحسین ہدیہ پیش کیا اب دربار میں داخل ہونے کا مستحق ہے فلہٰذا بڑی خوشی سے دربار میں حاضر ہو جا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ میں لوگ مخاطب ہیں جو روزِ اول کے عہدِ الوہیت اور اقرارِ ربوبیت کو بھول گئے اور ان کے معاہدہ ہو چکا تھا کہ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ لیکن یہ اس کے برعکس ہوئے اور عہد کو توڑ کر اصنامِ دنیا و خواہش نفسانی اور شیطان کے پیچھے پڑ گئے جس سے ان کے اقدام راہِ توحید سے بھٹک کر شرک و ہلاکت کے گڑھے میں جا پہنچے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف انبیاء و رسل علیہم السلام کتابیں دیکر مبعوث فرمائے جو کہ انہوں نے آکر نسیان و شرک کی خبر دی اور توحید و عبادت کی دعوت دی اور فرمایا يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ یعنی تمہارے اور تم سے پہلے لوگوں کے ارواح پیدا کیے اور تم سے عہد و پیمان لیے فلہٰذا تم اپنے وعدوں کو پورا کرو زبان کو توحید سے تر اور دل کو تجرید سے مزین اور روح کو تفرید سے آراستہ اور ترکِ محظورات اور اقامتِ طاعات سے نفس کا تزکیہ کرو لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ تاکہ تم غیر اللہ کی عبادت کرنے کے شرک سے بچ جاؤ۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا فرمائے گا کہ تمہیں دوزخ کے عذاب سے نجات اور جنت میں رفع درجات اور دنیا میں قربات کی کرم بخشی اور آخرت میں کرامات سے نوازش فرمائے گا جیسا تمہیں دنیا میں نوازا کہ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کی تعریف اور بندوں پر منت اور انسان کو جمیع مخلوقات سے فضیلت کا بیان فرمایا۔ اپنی قدرتِ کاملہ کی تعریف الَّذِي جَعَلَ میں اور بندوں پر بیان لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً میں یعنی خاص طور پر یہ اشیا تمہارے لیے پیدا فرمائیں اور انسانوں کو جمیع مخلوقات پر فضیلت اس لحاظ سے ہے کہ یہ اشیا تمام ان کے لئے پیدا فرما کر پھر ان کے لئے مسخر فرما دیا۔ کما قال تعالیٰ: وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي

مخلوق کا وجود انسان کے وجود کا تابع ہے اور جو شے کسی کی تابع ہو وہ مقصود لذاتہٖ نہیں ہوا کرتی یہی وجہ ہے اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا اور آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد پر غیر اللہ کا سجدہ حرام کر دیا ملائکہ اگرچہ آدم علیہ السلام سے پہلے پیدا ہوئے اور تمام مخلوق سے افضل تھے لیکن جب آدم علیہ السلام پیدا ہوئے تو ملائکہ کے مسجود الیہ اور مخلوقات سے افضل واکرام قرار دیے گئے آدم زادے تمام کے متبوع اور باقی ان کے تابع ہوئے۔ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ تحقیق یہ ہے کہ مَآءً سے مراد قرآن شریف ہے اور ثمرات سے ہدایت، تقویٰ، نور، رحمت، شفا، برکت، ویمن، سعادت وقربت، حق الیقین، نجات ورفعت، صلاح وفلاح، حکمت وحلم وعلم، آداب واخلاق، عزت وغنیٰ، المتین عروۃ الوثقیٰ سے تمسک، حبل اللہ کا اعتصام، ہر بھلائی کو جمع کرنا، ہر سعادت پر خاتمہ اور باطل وجود انسانی کا مٹا جبکہ حقیقتِ صفاتِ ربانیہ کی تجلیات کا ورود مراد ہے۔ کما قال عزوجل: قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے سبب سے اپنے بندوں کو قلوب کی زمین میں مذکورہ ثمرات لگائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ثمرات (تمہارے رزق کے لئے) نکالنے پر بندوں پر منت لگائی۔

اگرچہ اس میں حیوانات کا رزق بھی ہے لیکن انسان کے تابع ہو کر، لیکن اس کا ادراک ان عقول کو ہو سکے گا جو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مؤید ہیں۔ اسی لحاظ سے فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا اللہ تعالیٰ کے لئے شریک مت ٹھہراؤ۔

اس میں تین تقریریں ہیں: ۱۔ یہ جو میں نے تمہاری پیدائش اور آسمان وزمین اور جو ان میں ہے صرف تمہارے لئے بنائے لیکن یہ میرے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا اسی لحاظ سے تمہیں چاہیے کہ میرے لئے شریک مت ٹھہراؤ۔ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اس کا تمہیں علم بھی ہے۔

۲۔ یہ آسمان وزمین اور سورج وچاند سب تمہارے رزق کے اسباب ہیں اور روزی رساں صرف میں ہی ہوں اب تمہیں چاہیے کہ وسائل مت پوچھو، اس لحاظ سے نہ سورج عبادت کے لائق ہے نہ چاند۔

۳۔ میں نے تمام موجودات کو پیدا کیا اور ہر موجود کے لئے شے دیگر خط مقرر فرمایا اور انسانوں کا خط میری محبت ومعرفت ہے اور قاعدہ ہے کہ جس سے خط منقطع ہو جائے وہ ہلاک ہو جاتی ہے اب تم بھی اپنے خطوط کو منقطع نہ کرو کہ میری محبت ومعرفت سے ہٹ کر بتوں کی محبت میں پھنس رہے ہو اور پھر شرک کے گڑھے میں ہلاک

ہور ہے ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ اس معنی پر یہاں اَنْدَادًا بمعنی کسی کا محبوب جو اللہ تعالیٰ کا غیر ہو پھر اس کے بعد ان کا ذکر کیا جو اللہ تعالیٰ کی محبت سے منقطع نہیں ہوئے۔ کما قال عزوجل: اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (وہ جو مومن ہیں وہ اللہ کی محبت میں سخت ہیں) یعنی جو لوگ محبت سے غیر اللہ کو معبود ٹھہراتے ہیں وہ حقیقۃً مومن نہیں اگرچہ دعویٰ کرتے ہوں کہ ہم مومن ہیں۔

تنبیه : اس مسئلہ کو اچھی طرح سمجھ لے۔ ایمان تقلیدی جو تجھے وراثت میں ملا ہے اس پر مغرور نہ ہو۔

تفسیر عالمانہ

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا یعنی وہ قرآن جو محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ہم نے نازل کیا ہے اگر تم اس میں شک کرتے ہو اس بات میں کہ اللہ تعالیٰ سے وحی منزل ہے یا نہ۔

حل لغات: تنزیل بمعنیٰ علی سبیل التدریج نازل ہونا، قرآن پاک کو پہلے یکبارگی آسمانِ دنیا میں بیت العزۃ کی طرف نازل کیا گیا۔ پھر اس سے تھوڑا تھوڑا حسبِ ضرورت تیئس سال کے عرصے میں نازل کیا گیا تاکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یاد کرلیں کیونکہ وہ اُمّی نبی تھے جو نہ لکھتے تھے اور نہ پڑھتے تھے بنابریں آہستہ آہستہ نازل کیا گیا تاکہ قرآن پاک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں اچھی طرح محفوظ ہو جائے بخلاف باقی انبیاء علیہم السلام کے کہ وہ لکھے پڑھے تھے ان پر کتاب کے تمام اجزاء یاد کرنا آسان تھا اسی لئے دیگر کتب کو یکبارگی نازل کیا گیا۔

فَاْتُوْا شرط کا جواب ہے اور یہ امر تعجیز کا ہے۔ بِسُوْرَةٍ تو لاؤ ایک سورت۔ سورت قرآن کے اس ٹکڑے کو کہتے ہیں جس کا اول و آخر معلوم ہو اور کم از کم تین آیتیں ہوں، اس کا مآخذ سورۃ الاسد و سورۃ الشراب ہے بمعنی قوت ہے اور چونکہ یہ آیت سے زیادہ قوی ہوتی ہے اس لیے اس نام سے موسوم ہوئی لیکن یہ اس وقت ہے جبکہ واؤ اصلی ہو اگر ہمزہ سے منقلب ہو تو اس کا مآخذ سئور بمعنی بقیۃ من الشئی ہوگا اور سورۃ بھی قرآن پاک کا ایک ٹکڑا ہوتی ہے اور دیگر سورتوں سے جدا ہو کر بمنزلہ بقیہ کے ہوتی ہے اس لیے اس نام سے موسوم ہوئی مِّنْ مِّثْلِهٖ یعنی وہ سورۃ قرآن کی طرح ہو گی غریب بیان اور علو طبقہ اور حسنِ نظم میں مِثْلِهٖ کی ضمیر اَنْزَلْنَا کی

marfat.ocm

طرف راجع ہوگی یعنی تم اس طرح لے آؤ اگر تمہارے گمان میں یہی ہے کہ یہ کلام بشر کا ہے تم اور وہ جو ہر خلقت وزبان میں برابر ہو وہ پیدائشی حیثیت سے تم سے اولیٰ نہیں ہے۔

مسئلہ : قرآن پاک چونکہ بے نظیر کلام ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت اور اس کا کلام اور وحی ہے اور اس کے صفات کی اس کی ذات کی طرح کوئی شے مثل نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے یہ اے کفار! تمہارے گمان کے مطابق اس کی کوئی مثل ہے تو لے آؤ، کیونکہ وہ لوگ کہتے تھے: **لو شئنا لقلنا مثل هذه** **(كذافى التيسير)** اگر ہم چاہیں تو ایسا کہہ دیں۔

وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ شہداء شہید کی جمع ہے بمعنی حاضر یا **قائم الشهادة** یا ناصر **مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** یہ یا تو **اُدْعُوْا** کے متعلق ہے اب معنی یوں ہوگا کہ تم انہیں بلاؤ جو اللہ تعالیٰ کے ماسوا تمہارے پاس حاضر ہیں جو بھی ہو قرآن کے معارضہ میں تمہاری مدد کریں یا وہ لوگ جو تمہارے مشاہد و محاضر میں تمہارے رؤسا و شرفاء کہ جن کی طرف تم اپنی تکالیف میں گڑگڑاتے اور اپنے دکھ و درد میں ان پر بھروسہ کرتے ہو یا وہ لوگ جو تمہاری شہادت (جو تمہارے مابین جاری ہے) پر قائم ہیں یعنی تمہارے گمان کے مطابق انسان ہیں یا جن تا کہ تمہاری مدد کریں یا یہ تو **اُدْعُوْا** کے متعلق ہے اب اس سے مراد ان کے بُت ہیں۔

ف: **دُوْنِ** بمعنی تجاوز ہے اور ظرف مستقر ہے جو مخاطبین کی ضمیر سے حال واقع ہوا ہے اور اس کا حال **شُهَدَآءَكُمْ** کا مدلول ہے اب عبارت یوں ہوگی: **اُدعوا اصنامكم اللذين اتخذتموهم الهة وزعمتم انهم يشهدون لكم يوم القيمة.** الخ یعنی اپنے ان بتوں کو بلاؤ جن کو تم اپنا معبود سمجھتے ہو اور تمہارا گمان ہے کہ وہ قیامت میں تمہارے لیے گواہی دیں گے کہ تم حق پر تھے تم اللہ تعالیٰ کے ماسوا ان کو اپنا معبود سمجھتے ہو۔

مسئلہ : مخلوق سے مدد طلب کرنے کا کوئی فائدہ نہیں اور نہ ہی وہ کسی تکلیف کو دفع کر سکیں گے فلہٰذا تمہیں چاہیے کہ اپنے حوائج صرف اس ذات کے سامنے پیش کرو جس پر ضرورت کا پورا کرنا مشکل نہ ہو اور سوال اس سے کرو جس کے خزینے نہ مٹنے والے ہوں اور سہارا صرف اسی پر کرو جو کسی سے عاجز نہ ہو کسی کی مدد کرنے میں کسی دیگر کی امداد نہ مانگے اور وہ ہر طرح کی حفاظت کرے کسی ذریعہ کے بغیر اور مال کے بغیر غنی کو دے اور جب کسی کو مدد کرنا چاہے تو اعداد کثیر قلیل ہو جائیں اور جب کسی کی کفایت کرے تو تھوڑا سا مال کثیر ہو جائے۔

marfat.ocm

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اگر تم سچے ہو کہ سید عربی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس قرآن کو اپنی طرف سے بناتے ہیں اور تمہارے معبود بھی تمہارے ساتھ ہیں یہ شرط ہے اس کی جزاء محذوف ہے یعنی فافعلوا یعنی تم اس جیسا لے آؤ اگر تم سچے ہو تو کرو۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا یعنی وہ جو تمہیں قرآن جیسی نظیر لانے کا حکم دیا گیا ہے اگر اپنی جدوجہد کرنے کے بعد بھی تم نہیں کر سکتے وَلَنْ تَفْعَلُوْا اور زمانہ مستقبل میں بھی تم ہرگز نہیں لاسکو گے اس میں قرآن کا معجزہ ظاہر کرنا ہے جو دراصل نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے شرط و جزاء کے مابین جملہ معترضہ لایا گیا ہے اور یہ ایسا معجزہ جو ایسے غیب کی خبر دی گئی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کا خاص تھا اور وہ ہو کر رہا کیوں نہ ہوا گر ان لوگوں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معارضہ کیا ہوتا تو سلف سے خلف میں کوئی ناقل اسے نقل کرتا لیکن نہ معارضہ ہوا نہ کسی نے نقل کیا فَاتَّقُوا النَّارَ یعنی جب تم معارضہ قرآن سے عاجز ہو گئے اور اس کی مثال نہ لاسکے تو تم پر حجت لازم ہو گئی کہ اس بات کا اقرار کرو کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم میرے رسول برحق ہیں اور قرآن پاک میری ہی نازل کردہ کتاب ہے کیونکہ تم پر بوجہ لزوم حجت ان کی تصدیق کرنا اور ان پر ایمان لانا لازم ہو گیا اگر تم پھر بھی ایمان نہ لاؤ گے تو تم اہلِ نار ہو گئے پس تم ڈرتے رہو۔

کشاف میں ہے کہ دوزخ سے بچنے کا سبب ترک عناد ہے اس حیثیت سے کہ اس کے نتائج سے جو عناد کو چھوڑے گا وہ دوزخ سے بچ جائے گا اس بنا پر فاترکوا العناد کی بجائے فَاتَّقُوا النَّارَ کہا گیا الَّتِیْ وَقُوْدُ، وَقُوْدُ ہر وہ شے (کہ جس سے آگ جلائی جائے) کو کہا جاتا ہے النَّاسُ یعنی مجرم لوگ وَالْحِجَارَةُ یعنی کبریت کا پتھر، اسے اس لئے ایندھن بنایا گیا کہ اس میں آگ جلدی اثر کرتی ہے اور پھر بجھتا دیر سے ہے اور اس میں گرمی بڑی شدت کی اور بدبو ہوتی ہے اور بدن پر جلد چمٹتا ہے یا الْحِجَارَةُ سے مراد کفار کے بُت ہیں جن کی وہ عبادت کرتے۔

سوال: بُتوں نے کون سا جرم کیا کہ ان کو بلاوجہ عذاب دیا جا رہا ہے؟

جواب: تا کہ یہ پتہ چل جائے کہ یہ عبادت کے مستحق نہ تھے اور کفار دیکھ لیں کہ جنہیں وہ عزیز ترین سمجھتے تھے دراصل ذلیل ترین ہیں اور کفار نے بتوں کی پرستش کی ان سے اس بات کی امید رکھ کر کہ اللہ تعالیٰ نے بتوں کو عذاب دیا تا کہ ان کی جہالت کا اظہار اور ان کی بت سے امید منقطع ہو جیسے بڑے لوگوں کے تابعدار ان سے فائدہ کی امید پر ان کی خدمت کرتے ہیں پھر کفار اپنے بتوں سمیت دوزخ میں جائیں گے تا کہ ان پر عذاب کی

marfat.ocm

شدت ہو اور ان سے امیدیں منقطع ہوں۔

سوال : کیا تمام جہنم کا ایندھن آگ اور پتھر ہوں گے یا مختلف مقامات اور مخصوص طبقات؟

جواب: مخصوص طبقات کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے، جیسے کہ نار" کی تنکیر بتاتی ہے۔ کما قال عزوجل قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (خود کو اور اپنے اہل کو آگ سے بچاؤ) اور فرمایا: فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى (میں نے ڈرایا ایسی آگ سے جو شعلہ مارتی ہے) اور ہو سکتا ہے کہ جنات، کفار اور ان کے شیاطین کے لیے قسم کی آگ ہو اور انس کی نسل اور شیاطین کے لئے دوسری قسم کی آگ ہو وہ اس کے ایندھن اس لئے بنائے جائیں گے تاکہ ان کے اعمال کی سزا ملے کیونکہ ہر جنس کا عذاب اعمال کے موافق ہونا چاہیے۔ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ یعنی جہنم ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی جو قرآن کو نہیں مانتے۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ دوزخ مخلوق ہے اور اس وقت موجود ہے معتزلہ فرقہ اس کا منکر ہے۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کا پڑھنا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار دوزخ سے بچنے کا ثمر ہیں کہ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں۔

مسئلہ : قرآن اور قرآن خواں کی فضیلت کا بیان بھی ہو گیا چنانچہ علامہ بغوی علیہ الرحمہ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ سورۃ سے ایک بلند مرتبہ حاصل کر لیتے ہیں یہاں تک کہ سورتوں کو ختم کرنے پر تمام مراتب طے کر لیتے ہیں۔

حکایت: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہر شام کو ہر شیطان اپنے سردار کی طرف واپس ہو کر اپنے کردار کا پتا دیتا ہے کوئی کہتا ہے میں نے یوں کیا، کوئی کہتا ہے کہ میں نے فلاں زاہد کو دھوکا کے در برائی کرائی یہاں تک کہ سب سے ذلیل ترین شیطان کہتا ہے کہ میں نے ایک لڑکے کو قرآن پڑھنے سے روک لیا ہے اس بات پر شیطان اٹھ کر اس کی تعظیم کرتا ہے اور اسے اپنے ساتھ بٹھاتا ہے اور بہت خوش ہوتا ہے۔

مسئلہ : ماں باپ پر اولاد کے تین حقوق ہیں:۔

۱۔ نام اچھا رکھنا ۲۔ قرآن و ادب سکھائیں ۳۔ لڑکے کا ختنہ کرائیں

ف: قرآن سے اصلی غرض اس پر عمل کرنا اور اس کے آداب سے متادب ہونا ہے مراد از نزول قرآن تحصیل

سیرت خوب است نہ ترتیل سورہ مکتوب۔ **ترجمہ** : (نزول قرآن کا مقصد اچھی سیرت بنانا ہے نہ کہ صرف اچھی ترتیل)

ف : قرآن کا ایک ظاہر اور ایک باطن، پھر اس کا باطن اور باطن کا باطن، یہاں تک کہ سات باطن مثنوی شریف میں ہے:

تو ز قرآن اے پسر ظاہر مبین — دیو آدم را نہ بیند جز کہ طین
ظاہر قرآن چو شخص آدمیست — کہ جسمش ظاہر و جانش خفیست

ترجمہ : اے بیٹے! تو قرآن کے ظاہر کو دیکھ صرف ظاہر تو شیطان نے آدم کی مٹی کا گارا دیکھا۔

ظاہر قرآن کی مثال انسان کے ظاہر چمڑے کی ہے اور اس کے باطن کی مثال اس کی روح کی ہے جو انسان کے اندر پوشیدہ ہے

تفسیر صوفیانہ

شیخ نجم دایہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ قرآن ظاہر تو وہی ہے جس کی تفسیر علماء نے فرمائی اور باطن وہ ہے جس کی حقیقت اہلِ حق نے بیان کی لیکن شرط یہ ہے کہ کتاب و سنت کے موافق ہو اور قرآن و حدیث اس تفسیر کی شہادت دیں ورنہ نرا الحاد و زندقہ ہے کما قال عزوجل:

وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ، وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا معترضین کے اعتراض کو اپنے حبیب علیہ السلام کے لئے اپنی غیرت کے نقاب کھڑے کر دیئے تا کہ اس حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ نہ کر سکیں اور معترضین کے اعتراض کو اپنے عزت کے پردے متعین کیے تا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کی کتاب کے اسرار سے یہ لوگ محروم رہیں۔

سوال : اپنے صلی اللہ علیہ وسلم پر عبد مطلق کا اطلاق کیوں کیا حالانکہ دیگر عباد کو مقید کر کے یاد فرماتا ہے۔ **کما قال تعالیٰ** : وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ اور فرمایا: وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ وغیرہما۔ ہمارے عبد ایوب اور داؤد وغیرہما کو یاد کیجئے۔

جواب : کمال عبودت کے لئے سوائے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی دوسرا تیار نہیں ہوا اور کمال عبودیت ماسوی اللہ سے آزاد ہونے کا نام ہے اور یہ رتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مخصوص ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے: مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ، فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ سے وہ لوگ مراد ہیں جو یوم میثاق میں تمہارے ساتھ تھے کیونکہ تم اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کا خطاب سننے والے تھے اور بلیٰ

کہنے میں سب شریک تھے پس اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے قرآن بنانے پر قادر ہیں تو تم بھی فطرتِ انسانی میں ان کے برابر ہو فلہٰذا تم بھی قرآن اپنے طور بنا کر لے آؤ۔ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اگر تم سچے ہو پس اگر نہیں کر سکتے اور ہرگز نہیں کر سکو گے تو آگ سے ڈرو یعنی قہر سے جو غضب حق کی صورت میں ظاہر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوزخ سے فرمایا: ''تو میرا عذاب ہے تیرے سبب سے جسے چاہوں عذاب دوں''

وَقُوْدُهَا النَّاسُ، وَقُوْدُهَا سے مراد انسان کی انانیت ہے جس کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بھلا دے وَالْحِجَارَةُ یعنی سونا کہ جس سے نفس کے شہوات وخواہشات اور اس کی طبعی اغراض حاصل ہوتی ہیں انسان کی انانیت عبادت کرتی ہے اسے الْحِجَارَةُ سے اس لیے تعبیر کیا کہ کفار کے بت اکثر پتھروں کے تھے اور انسان کی انانیت کو النَّاسُ سے اس لئے تعبیر فرمایا کہ وہ انانیت معاہدہ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ اور حق کو بھلا کر غیر کی پرستش کرتی اور غیر کی طالب رہتی ہے اسی لیے اسے نار کا ایندھن بنایا۔ کما قال عزوجل:

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ (بیشک تم اور تمہارے بت جہنم کا ایندھن ہیں)

اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ خصوصاً وہ آگ صرف کفار کے لئے تیار کی گئی ہے لیکن مجرموں مومنوں کو کفار کی تابعداری میں انہیں پاک کرنے کی خاطر دوزخ میں داخل کیا جائے گا۔

جیسا کہ بہشت پیدا تو متقین کے لئے کی گئی ہے لیکن گنہگار مومن کو دوزخ میں داخل کر کے طاہر و مطہر کر کے داخل کیے جائیں گے متقین کی تابعداری کے لحاظ سے جیسے کہ حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ''میں بہشت پیدا کی اور پھر اس کے اہل بھی پیدا کیے جو بہشت والے عمل کر کے بہشت میں داخل ہوتے ہیں اور دوزخ پیدا کی اور اس کے اہل بھی پیدا کیے جو دوزخ والے عمل کر کے دوزخ میں داخل ہوں گے۔''

تفسیر عالمانہ

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا **حل لغات**: بشارۃ ہر اس خبر کو کہتے ہیں جسے سن کر سرور وفرحت حاصل ہو۔ اب معنی یہ ہوا کہ محمد سید عربی صلی اللہ علیہ وسلم جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل ہوا ہے ان کے دلوں کو خوش فرمایئے اس معنیٰ کے لحاظ سے خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوگا۔

(بعض مفسرین) فرماتے ہیں کہ یہ خطاب ہر اس کے لئے ہے جسے یہ خوشخبری ملے گی جیسا کہ حدیث شریف میں

ہے: **بشر المشامین الی المساجد الخ**۔ (مساجد کو جانے والوں کو خوشخبری دو) یعنی مساجد کی طرف اندھیری راتوں میں جانے والوں کو قیامت میں نورِ تام کی خوشخبری ہو۔ یہ خطاب ہر اس شخص کو ہے جسے یہ خوشخبری حاصل ہوگی، یہ کسی ایک فردِ مخصوص کو خطاب ہے۔

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور نیک عمل کرتے ہیں اور صالح عمل وہ ہے جو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو۔

مسئلہ : عمل کے ایمان پر عطف لانے میں اشارہ ہے کہ ایمان و عمل ایک دوسرے کے غیر نہیں اور بتایا جا رہا ہے کہ بہشت کے داخلہ کا دار و مدار دونوں پر ہے کیونکہ ایمان بمنزلہ اساس کے ہے اور عمل صالح بمنزلہ تعمیر کے جس اساس پر تعمیر نہ ہو وہ اساس بھی بیکار اور عمل صالح کے بغیر بہشت کی طلب سفہاء کا کام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بہشت کے داخلہ کا سبب عمل صالح قرار دیا ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو صرف ایمان کی وجہ سے بہشت میں داخل کر دے لیکن عمل صالح ایمان کی نورانیت کو بڑھاتا ہے اور اسی سے انسان کا دل روشن ہوتا ہے ان میں سب سے پہلا عقبہ ایمان کا ہے اس میں دیکھا جاتا ہے کہ اس عقبہ سے اس کا ایمان بچ گیا یا نہ، اس لحاظ سے عمل صالح لازم ہوتا کہ باقی عقبات سہولت سے طے ہوں۔

اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ ان کے لئے باغات ہیں جن میں پھلدار درخت ہیں اور جنت اسے بھی کہتے ہیں جس میں کھجور کے درخت ہوں اور فردوس وہ ہے جس میں انگور ہوں۔ **کذا قال الضراء**، اور جنت کو جنت اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں درختوں کی ٹہنیاں ایک دوسری سے لپٹی ہوتی ہیں اور پھر وہ مقام درختوں سے ڈھکا چھپا ہوتا ہے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ ایک پردہ ہے اور جنۃ "بروزن **فعلۃ**" یکبار کرنے کے معنیٰ میں ہے۔

سوال : دار الثواب کو دار الثواب کیوں کہتے ہیں؟ حالانکہ وہ تو ایسی جگہ ہے کہ نہ تو اس کے محلات گنے جا سکتے ہیں اور نہ ہی دریچے۔

جواب : اس لیے کہ یہ نعمتوں کا بہت بڑا ماویٰ و ملاذ ہے۔

سوال : جنّات کو جمع اور پھر نکرہ کر کے کیوں لایا گیا؟

جواب : دراصل جنت دار الثواب کے مجموعے کا نام ہے اور اس میں کئی جنتیں ہیں اور عابدین کے مراتب کے مطابق ہر ایک کے درجات مقرر ہیں پھر ان کے ہر الگ الگ طبقہ کا نام جنت ہے اور وہ کُل آٹھ ہیں:

۱۔ دارالجلال: یہ تمام نور ہی نور ہے شہر، گھر، محلات، برتن، دروازے، کھڑکیاں، بالا خانے، اوپر نیچے، پردے اور زیورات غرضیکہ جو شئے بھی اس میں ہے تمام نور کی ہے۔

۲۔ دار القرار : اس میں تمام اشیاء مرجان کی ہیں۔

۳۔ دار السلام : اس میں تمام چیزیں یاقوت احمر کی ہیں۔

۴۔ جنة عدن: اس کی تمام اشیاء زبرجد کی ہیں۔

۵۔ جنة الماویٰ : یہ خالص سونے کی ہے۔

۶۔ جنة الخلد : یہ خالص چاندی کی ہے۔

۷۔ جنة الفردوس : یہ لؤلوٗ (موتی) کی ہے اور اس کی دیوار کی آینٹیں ایک سونے اور ایک چاندی کی اور ایک یاقوت اور ایک زبرجد کی اور اس کا گارا مشکِ خالص کا ہے اور اس کے محلات یاقوت اور بالا خانے لؤلؤ کے اس کا میدان سونے کا اور زمین چاندی کی اور روڑے مرجان کے اور مٹی مشک کی اور انگوری، زعفران وعنبر کی۔

۸۔ جنة النعیم: یہ زبرجد کی ہے۔

حدیث شریف: میں ہے کہ جب مومن بہشت میں داخل ہوگا ستر ہزار باغ دیکھے گا اس باغ میں ستر ہزار درخت ہوں گے اور ہر درخت پر ستر ہزار پتے ہوں گے اور ہر پتے پر لکھا ہوگا **لا الہ الا محمد رسول اللہ** (صلی اللہ علیہ وسلم اُمّۃ" مذنبة وربّ" غَفُوْر") اور ہر پتے کی چوڑائی کی مسافت مشرق ومغرب کے مابین فاصلہ ہے۔

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ یہ جملہ جنّات کی صفت ہے اور انہٰر، نہر بفتح الھاء وسکونہا کی جمع ہے یہ جدول سے بڑی اور دریا سے چھوٹی اور پانی کے جاری ہونے کا نام ہے جیسے نہل جو مصر کی نہر ہے اس سے اس کا پانی مراد ہے۔

سوال : باغات کے نیچے نہریں کیسے جاری ہوں گی؟

جواب: آپ نے دیکھا ہوگا کہ نہروں کے کنارے درخت ہوتے ہیں اور پھر ان کے نیچے پانی جاری ہوتا ہے

اسی طرح بہشت کے باغات ہوں گے۔

ف: مسروق فرماتے ہیں کہ بہشت کی نہریں بغیر گڑھے کے جاری ہوں گی۔

ف: سب سے زیادہ پاکیزہ اور اچھا باغ وہ ہوتا ہے کہ جس کے درخت گھنے اور ان میں نہریں جاری ہوں اس کے بغیر باغ میں حسن وکمال اور راحت وسرور پیدا نہیں ہوتا پھر وہ باغ تصویر کی مانند ہوگا جس میں روح نہ ہو یا مثل اس جسم کے کہ جس میں جان نہ ہو اس لیے اللہ تعالیٰ نے جہاں بہشت کا ذکر فرمایا ہے وہاں نہر جاری کا بیان بھی فرمایا۔

ف: نہریں چار قسم کی ہوں گی۔ ۱۔شرب کی ۲۔دودھ کی ۳۔شہد کی ۴۔پانی کی

جب پانی کی نہر سے کچھ پئیں گے تو ان کے بدنوں میں تربیت آجائے گی کہ اس کے بعد پھر کم نہیں ہوں گے جب شہد سے کچھ پئیں گے تو شفاء وتندرستی پائیں گے اس کے بعد پھر بیمار نہیں ہوں گے جب شراب کی نہر سے پئیں گے تو سرور وراحت پائیں گے پھر اس کے بعد غمگین نہیں ہوں گے مثنوی شریف میں ہے:

آب صبرت جوئے آب خلد تست   سوئے شیر خلد مہر تست
ذوق طاعت گشت جوئے انگبیں   مستی وشوخی تو جوئے خمر بیں
ایں سبہا چوں بفرمان تو بود   چار جوہم مرترا فرمان بود

ترجمہ: تیرے صبر کا بدلہ خلد بریں ہے غلق پر مہر محبت کا بدلہ بہشت کا دودھ۔
طاعت کی چاشنی کا بدلہ شہد جنت ہے عبادت کی شوخی اور چستی شرابا طہورا ہے۔
فرامین الٰہی کی بجا آوری اس کا سبب ہیں کہ یہ چار نہریں تیرے زیر فرمان ہوں۔

ف: عرش کے پائیں پر چوڑا کر کے بسم اللہ الرحمن الرحیم کو لکھا گیا ہے بسم کی میم سے پانی کا چشمہ اور اللہ کی ھا سے دودھ کا چشمہ اور الرحمن کی میم سے شراب کا چشمہ اور الرحیم کی میم سے شہد کا چشمہ جاری ہے یہ ان نہروں کا منبع ہے پھر یہ سب کی سب کوثر میں جاتی ہیں جسے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حوض کہتے ہیں وہ ابھی بہشت میں موجود ہے اور قیامت کے میدان میں صرف مومنین کی پیاس بجھانے کے لئے اسے نقل کیا جائے گا پھر وہاں سے اسے بہشت میں پہنچایا جائے گا۔

ف: بہشت میں ایک چشمہ کافور کا ہے دوسرا زنجبیل کا تیسرا سلسبیل کا اور چوتھا رحیق کا کہ جس کا مزا تسنیم سا ہے

ملائکہ کے واسطہ سے اہلِ جنت کو پلایا جائے گا لیکن مومنین کو اللہ تعالیٰ بلاواسطہ شراب طہور خود پلائے گا۔

كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا جبکہ دیے جائیں گے بہشت سے روزی یعنی جب کھلائے جائیں گے ثمر میں سے۔ ثمرہ سیب یا انار خاص ہی مراد نہیں ہیں بلکہ انواع اثمار میں سے ایک نوع مراد ہے اور لفظ مِنْ پہلا اور دوسرا دونوں ابتداء غایت کے لئے ہیں کیونکہ رزق کی ابتداء جنت سے اور جنت کے رزق کی ابتداء ثمرہ سے ہوگی مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا رِزْقًا، رُزِقُوْا کا مفعول ہے اور جس طعام سے حیوان نفع اٹھائے اور رزق کہتے ہیں۔ قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ یعنی یہ تو اس کی مثل ہے جو ہم کو اس سے قبل دنیا میں دیا جاتا تھا لیکن چونکہ ان میں مکمل مشابہت ہوگی بنابریں اسے ایک ہی کہا گیا بہشت کے میووں کو دنیا کے میوہ جات کی مثل اس لیے بنایا گیا تاکہ نفس انہیں دیکھ کر میلان کرے کیونکہ دیکھی ہوئی چیز کی طرف طبائع میل اور غیر معروف شے سے نفرت کرتی ہیں اور یہ بھی ہے کہ بہشت کے ثمرات کی فضیلت ظاہر ہو کیونکہ اگر غیر معہود جنس ہوتی تو گمان ہوسکتا تھا کہ یہ اسی طرح ہی ہوں گے اگرچہ اس سے اچھے ہوں پس جب دنیا کے کسی انار کو دیکھیں گے اور اس کے حجم وغیرہ پر غور کریں گے تو دنیا کے بڑے سے بڑا انار چھوٹے تربوز کے برابر بھی نہیں ہوسکتا لیکن اس کے برعکس جب بہشتی انار کو ایسا بڑا اور موٹا دیکھیں گے تو وہ تمام اہلِ دار کو سیر کردے گا بنابریں اس کی فضیلت ظاہر اور سرور و مستی حاصل ہوگی تعجب بھی بڑھے گا کہ موسم نہ ہونے کے باوجود بھی بہشت میں موجود ہے كُلَّمَا کا عموم دلالت کرتا ہے کہ ان کا یہ قول بار بار ہوگا کہ پہلے قول کے بعد مرۃ بعد مرۃ اس سرور و مستی اور فرطِ تعجب کا ظاہر کرتے ہوں گے جو ان کے مابین فرق ہوگا کہ لذت تو بہت بڑی ہے اور شکل و صورت بھی ایک ہے گویا کہیں گے کہ یہ بعینہٖ وہی میوہ جات ہیں جو ہم نے دنیا میں کھائے تھے لیکن یہ رتبہ لذت وخوشبو کا انہیں کہاں سے ملا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے: اِنَّهٗ لَیْسَ فِی الْجَنَّةِ مِنْ اَطْعِمَةِ الدُّنْیَا اِلَّا الْاَسْمُ یعنی بہشتی میوے صرف نام سے ہمارے میووں کے مطابق ہوں گے ورنہ ایں کجا آں کجا۔ بہشت کا میوہ نقصان نہیں دے گا تاکہ معلوم ہو کہ دنیاوی میوہ جات کے مقابلہ میں بہشت کے میوہ جات کتنے نرم، خوشنما اور لذیذ ہیں۔ اس سے وہم نہ ہو کہ دنیا اور بہشت کے میوہ جات کے مابین مشابہت ہی نہیں ہوگی یہ عقلاً بھی محال ہے اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ اسماء کا اطلاق اتحاد نوعی کے ساتھ ہوتا ہے۔

marfat.ocm

وَاُتُوْا بِهٖ وہ رزق یا مرزوق دنیوی اور اُخروی دیئے جائیں گے ضمیر کا مرجع فحوائے کلام ہے جو دارین دیئے گئے۔ اس کی نظریہ آیت ہے: **اِنْ یَّكُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا** **ای بجنس الغنی و الفقیر**

مُتَشَابِهًا یعنی رنگ اور جوت میں ایک دوسرے کے مشابہ ہوں گے پس جب اہل بہشت بہشت کے میوہ جات کھائیں گے تو اس کا مزہ غیر پائیں گے کہ بہشتی میوے بہتر اور لذیذ ترین ہوں گے یعنی ان کی کوئی شے ردّی نہیں ہوگی۔

ف: حضرت مسروق سے مروری ہے کہ بہشت کی کھجوریں جڑ سے لے کر ٹہنیوں تک تہ بہ تہ ہوں گی۔ یعنی ان کے بعض بعض پر منضود ہوں گے یعنی متراکب ومجتمع ہوں گے یعنی دنیا کے اشجار کی طرح نہیں ہون گے ان کی ٹہنیاں اور اثمار متفرق ہوتے ہیں جب اس کے ثمر توڑے جائیں گے تو پھر اس جگہ اور تیار ہوں گے اور ان کے گچھے بارہ ہاتھ کے ہوں گے اگر تمام مخلوق اس کے ایک گچھے پہ جمع ہو جائے تو سیر ہو جائے۔

حکایت: ایک شخص حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: اے ابوالقاسم! آپ کا گمان ہے کہ اہل جنت کھائیں گے بھی اور پئیں گے بھی۔ آپ نے فرمایا ہاں! اللہ کی قسم، جس کے قبضہ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے بیشک ایک بہشتی کو کھانے پینے اور جماع میں دنیا کے ستر آدمیوں کی طاقت دی جائے گی میں نے کہا جو کھاتا ہے تو قضائے حاجت کی بھی ضرورت ہوتی ہے حالانکہ بہشت اس سے پاک ہے آپ نے فرمایا: وہاں کی قضائے حاجت پسینہ ہے جو کہ مشک سے بھی زیادہ خوشبوناک ہوگا۔

وَهُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ان کے لئے بہشت میں **اَزْوَاجٌ** یعنی عورتیں اور حوریں ہوں گی۔ **مُطَهَّرَةٌ** پاک احوال یعنی حیض ونفاس اور بول وغائط اور منی مخاط، بلغم، وریم، میل وکچیل اور سر کا درد اور دیگر درد اور ولادت اور طبع کی کراہت اور بدخلقی اور طمع کا میلان الی الغیر وغیرہ وغیرہ سے صاف ستھری ہوں گی اور **مُطَهَّرَةٌ** متطہرۃ وطاہرۃ سے زیادہ بلیغ ہے اور خبر دے رہا ہے کہ انہیں کسی مطہر نے طاہر کیا ہے اور مطہر سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں۔

ف: حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: دراصل حوریں یہی عورتیں ہوں گی جو دنیا میں تھیں اب

marfat.ocm

انہیں صاف ستھرا کر کے بہشت میں بھیجا جائے گا۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حُورِعین پاؤں کی انگلیوں سے لے کر گھٹنوں تک زعفران سے پیدا کی گئی ہے اور پھر گھٹنوں سے پستان تک خالص مشک ہے، پھر پستانوں سے گردن تک عنبر اشہب یعنی ابیض سے پھر گردن سے سر تک کافور سے جب متوجہ ہوتی ہے تو اس کے منہ کے نور کی چمک ایسے معلوم ہوتی ہے جیسے اہلِ دنیا کے لئے سورج کے نور کی چمک۔

وَهُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ ہمیشہ زندہ رہیں گے مریں گے نہیں اور نہ ہی بہشت سے نکلیں گے۔

ف: حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اہلِ جنت تیس سال کے جوان معلوم ہوں گے مرد عورتیں ایک ہی سن کے ہوں گے ان کے قد اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی طرح ستر گز قد کے ہوں گے نوجوان اور بے عیب ہوں گے ان پر ستر پوشاکیں ہوں گی پھر ہر پوشاک ہر لحظہ ستر رنگ بدلے گی نہ تھوکیں گے نہ کھنکاریں گے اور نہ ہی بری اور مکروہ شے ان میں پائی جائے گی۔ ہر دن جمال وحسن میں بڑھتے رہیں گے جیسے اہلِ دنیا ہر دن بڑھاپے وکمزوری میں بڑھتے رہتے ہیں نہ ان کا شباب ختم ہو گا نہ ان کے کپڑے بوسیدہ ہوں گے۔

ف: جان اے جانِ من! لذات میں سب سے بڑی لذتیں مکان، طعام اور نکاح ہیں جیسے کہ استقراء کا تقاضا ہے اور ان سب کی اعلیٰ لذتِ دوام وثبات ہے کیونکہ ہر وہ نعمت خواہ وہ کتنی ہی بڑی ہو لیکن وہ زوال پذیر ہو تو وہ انسان کے ذوق کے منغض کرنے والی ہوتی ہے اب مومن کو ان نعمتوں کی خوشخبری سنائی گئی ہے اور ساتھ ہی اور ساتھ فرمایا گیا ہے کہ یہ نعمتیں ہمیشہ رہیں گی تاکہ ان کی خوشی ورونق میں اضافہ ہو۔

تفسیرِ صوفیانہ

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ یعنی انہیں حقیقی ایمان کے بیج اور ان کے اعمال صالحہ قلبیہ اور روحیہ وسریہ جن میں توحید وتجرید حقیقی ہے توکل ویقین وزہد وورع وتقویٰ وصدق واخلاص وہدایت وقناعت وعفت ومروت فتوت ومجاہدہ ومکاہدہ ورغبت ورہبت اور خوف وخشیت اور رجاء وصفاء وطلب وارادہ اور محبت وحیاء اور کرم وسخاوت وشجاعت۔ وحلم ومعرفت وعزت ورفعت وقدرت وعلم وعفو ورحمت وہمت عالیہ وغیرہ جو مقامات واخلاق ہیں کے اشجار۔ قربت کی بہشتیں حاصل ہوتی ہیں جن کے نیچے عنایت وتوفیق اور راحت وعظمت ونقل کی

marfat.ocm

نہریں جاری ہیں كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا جب ان کو اشجار کے ثمرات مشاہدات و مکاشفات معائنات سے عنایات ہوتے ہیں۔

رِزْقًا یعنی مہربانی وصحت وعطیہ حاصل ہوتا ہے تو قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ کہیں گے یہ تو وہی ہے جو ہم کو اس سے قبل دیا گیا تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اصحاب مشاہدات ومجاہدات کے ثمرات کی وجہ سے ایک صورت میں مختلف احوال دیکھتے ہیں تو جوان میں متوسط ہیں وہی کہتے ہیں کہ یہ مشاہدہ تو وہی ہے جو پہلے دکھائی دیا حالانکہ اس کی صورت ایک ہوتی ہے اور حقیقت دیگر اس کی نظریہ ہے کہ سالک نور کو نار دیکھتا ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نور ہدایت کو نار محسوس کیا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا پھر کبھی وہی نار بصورت غضب ناک نمودار ہوتی ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے متعلق مشہور ہے کہ آپ جب غصہ میں آتے تو آپ کی ٹوپی مبارک سے آگ کے شعلے نظر آتے تھے اور کبھی آگ محسوس ہوتی تھی اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ محبت کی نار نفس کی محبوب اشیاء میں پہنچ کر انہیں جلا دیتی ہے اور کبھی یوں ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آگ جلانے والی دلوں پر پہنچ کر ان کے وجود کو راکھ کر دیتی ہے پس ان کی شکلیں ایک دوسری سے ملتی جلتی ہیں اسی لیے فرمایا وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا لیکن سالک تو ہر نار سے نرا ذوق اور نئی لذت پاتا ہے وَلَهُمْ فِیْهَاۤ اَزْوَاجٌ یعنی ارباب کے لئے قربات کی جنت میں عورتیں ہیں جو ابکار غیب سے صاف وستھری، جن کو اغیار کی ملاوٹ تو کیا اغیار کی ہوا تک نہ لگی ہوگی وہ ان باکرہ عورتوں کی بکارت میں ہمیشہ رہیں گے جیسا کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: کہ بیشک بعض علوم خالص موتی کی طرح ہوتے ہیں انہیں عارفین باللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا جب وہ ان علوم کو ظاہر کرتے ہیں تو ان کا انکار سوائے جاہلین کے اور کوئی نہیں کرتا۔

ف: ہر وہ شئے جس کا عالم شہادۃ میں مشاہدہ کیا جاتا ہے جیسے اس کی صورت دنیا میں ہوتی ہے اس کا معنی غیب کے عالم میں بھی ہوتا ہے اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعا میں پڑھتے۔ اللهم ارنا الاشياء كماهي۔ قیامت میں اشیاء کی صورتیں وحقیقتیں حاصل ہوں گی لیکن اس وقت صورت پر معنی وحقیقت غالب ہوگی۔ اس لیے شے کی صورت بعینہ نظر آئے گی اسے دیکھ کر کہے گا۔

هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ پھر اس وقت صورت اور معنی ایک شئے ہوں گی جیسے کہ پہلے تھی لیکن ذوق پہلی

صورت کا غیر معلوم ہوگا اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: بہشت میں دنیوی اشیاء کے اسماء کا غیر ہوگا جیسا کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ بندہ جو کلمہ بھی اللہ کی راہ میں بولتا ہے قیامت کے بعد اس کی حالت ایسے ہوگی جیسے کہ کسی کو جسم میں تیر لگے اور اس سے خون جاری ہو۔ اس روز اس کا رنگ تو خون جیسا ہوگا لیکن اس کی خوشبو مشک جیسی۔ آج تو صرف خون کے رنگ کی شکل معلوم ہوتی ہے لیکن اس کی خوشبو کا پتہ نہیں چلتا لیکن قیامت میں اس کی دنیوی شکل بھی نظر آئے گی اور خوشبو بھی سونگھی جائے گی۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَسْتَحْیٖۤ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً **شان نزول**: حضرت حسن وقتادہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مکھی اور عنکبوت کا ذکر کتاب مجید میں فرمایا اور اس کے ساتھ کفار و مشرکین کے لئے کہاوت بیان فرمائی تو یہود ہنس پڑے، کہنے لگے کہ اسے اللہ کے کلام الٰہی سے کون سی مشابہت ہے۔

حیاء اس تغیر و انکسار کو کہتے ہیں جو انسان کو (بوجہ اس خوف کے جو اسے عیب دار کرے یا اسے مذمت کا نشان بنائے) سے عارض ہوتا ہے یہ بطریق تمثیل کے ہے۔ مچھر کی مثال دینے کو ترک نہیں کیا جاتا اس شخص کی طرح نہیں کہ حقارت بھری چیزوں سے اس کی تمثیل رک جاتی ہے۔ **اَنْ یَّضْرِبَ** کا محل نصب ہے یعنی بہ بنائے مفعولیت منصوب ہے اور ما اسمیہ ابہامیہ ہے اپنے قریب والے اسم کو ابہام میں بڑھاتا ہے گویا کہا گیا ہے کہ امثلہ میں سے کوئی مثال جس طرح بھی ہو پس یہ اپنے ماقبل کی صفت ہوگی اور **بَعُوْضَةً**، **مَثَلًا** سے بدل ہے **بَعُوْضَةً** چھوٹے مچھر کو کہتے ہیں اور اس نام سے بھی اسی لیے موسوم ہے گویا یہ بڑے مچھر کا بعض ہے۔

فَمَا فَوْقَهَا یعنی خواہ اس سے بڑے کی تمثیل ہو۔ جیسے مکھی اور عنکبوت یا اس سے صغر میں کم۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ اضداد میں سے ہے کہ چھوٹے اور بڑے دونوں اس پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور وہ ایسا جانور ہے کہ وہ ٹھہرنے میں چھپ جاتا ہے اور تحرک میں ظاہر ہوتا ہے یعنی ظاہر نہیں ہوسکتا جب تک اسے تحرک نہ ہو۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے ان کے معبودانِ باطلہ کی تمثیل عنکبوت کے گھر اور مکھی سے تو دی ہے لیکن مچھر کا ذکر کہیں نہیں آیا۔

جواب: ربیع بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مچھر سے تمثیل اہلِ دنیا کے لئے عبرت ہے کیونکہ وہ جب

تک بھوکا رہتا ہے زندہ رہتا ہے اور جب سیر ہوتا ہے مر جاتا ہے۔ اسی طرح انسان جب غنی ہو جاتا ہے تو سرکش ہو جاتا ہے اور اسے ردی خیالات حائل ہوتے ہیں۔

ف: امام ابومنصور علیہ الرحمہ فرماتے ہیں یہ ایک عجوبہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایک صغیر الجثہ دلالت کر رہا ہے اور کبیر الجسم تو بطریق اولیٰ، کیونکہ اگر تمام مخلوق جمع ہو کر مچھر یا مکھی کی شکل کی صورت بنائیں اور وہ ترکیب جس کی اسے ضرورت ہے جیسے منہ، ناک، آنکھ، پاؤں اور ہاتھ اور مدخل ومخرج تو قادر نہیں ہو سکیں گے چہ جائیکہ وہ بہت بڑے اجسام کو تیار کر سکیں علاوہ ازیں مچھر باوجودیکہ حقیر اور صغیر جانور ہے لیکن اسے ہاتھی (جو کہ کثیر الجثہ اور قوی القدرۃ ہے) کی طرح ہے تمام آلات رکھتا ہے۔

ف: اس میں انسان کے حال اور اس کے کمال استعداد کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: انّ اللّٰہ آدم علی صورتہ ای علی صفتہ (بیشک اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی صورت یعنی صفت پر پیدا فرمایا) پس باوجودیکہ انسان ضعیف القدر لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے جمال واجلال کے اوصاف کا ایک نمونہ اور عکس بنایا ہے تاکہ اپنے صفات کے شیشہ میں اللہ تعالیٰ کے صفات کا مشاہدہ کرے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ (جس نے خود کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا) اور یہ مخصوص صفت سوائے انسان کے کسی اور کو نصیب نہیں ہوئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ الخ مثنوی شریف میں ہے:

آدم خاکی زحق آموخت علم   تا بہفتم آسمان افروخت علم
نام وناموس ملک رادر شکست   کوریٔ آنکس کہ درحق شکست
قطرہ دل را یکے گوہر فتاد   کاں بدریا ہا وگردونہا نداد
چندصورت آخر صورت پرست   جان بے معنیت ازصورت نرست
گر بصورت آدمی انساں بُدے   احمد وبوجہل خود یکساں بُدے

ترجمہ: آدم خاکی نے اللہ تعالیٰ سے علم سیکھا اسی لیے تو اس نے ساتویں آسمان پر اپنا جھنڈا گاڑا۔ جس نے فرشتے کا نام

marfat.ocm

وناموس کو توڑ دیا وہ بڑا بد بخت ہے اور حق تک نہ پہنچ سکا۔ قطرہ دل میں ایک گوہر پہنچا تو اس نے دریا کو کچھ نہ سمجھا۔ اے صورت پرست! کب تک صورت پرستی میں کب تک رہو گے جان بے معنی ہو تو وہ صورت پرستی نے نجات نہ پا سکے گا۔

اگر صرف انسانی شکل کا نام انسان ہوتا تو حضرت احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ابوجہل ایک شے ہوتے۔

ف: بعض فرماتے ہیں کہ ضعیف کے ذکر سے ضعیف قلوب کو قوت بخشی گئی ہے اور مخلوق کو اپنی قوت دکھائی ہے کہ ضعیف جانوروں کو قوی جانوروں کی شکل وہیئت میں پیدا فرمایا گیا ہے کیونکہ مچھر صغیر ہے اور ہاتھی کبیر ہے لیکن ان کی ہیئت ایک ہے بلکہ مچھر میں الٹا دو پر زاید ہیں پس اس کے کرم سے کچھ بعید نہیں کہ قلیل العمل کو وہ عنایت فرمائے جو کثیر العمل کو عطا فرمائے گا جیسا کہ صغیر الجثہ کو وہ کچھ عطا فرمایا جو کثیر الجثہ کو عنایت ہوا۔

ف: عجیب تر بات یہ ہے کہ صغیر الجثہ کبیر الجثہ کو ایذاء پہنچاتا ہے پھر اس کریم کے کرم سے کیا بعید ہے کہ اس نے شیر کو بڑی قوت کے ساتھ پیدا فرمایا اور مچھر نہایت کمزوری میں لیکن مچھر اور مکھی میں اڑنے کی ہمت کے ساتھ وہ جرأت عنایت فرمائی کہ لوگوں کے سامنے اڑتے پھرتے ہیں باوجودیکہ لوگ ان کے ایذا دینے اور ہٹانے کی سرتوڑ کوشش کرتے ہیں لیکن شیر میں کتنی بزدلی ہے کہ وہ انسانوں سے دور رہتا ہے بلکہ ان کی راہوں کو بھی چھوڑ جاتا ہے اور اگر یہ بھی مچھر اور مکھی کی طرح جرأت دار ہوتا تو لوگ اس کی دلیری سے ہلاک ہو جاتے یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ ضعیف میں دلیری پیدا کر دی اور قوی میں بزدلی اور پھر ضعیف پر انسان کو عاجز بنا دیا لیکن قوی پر طاقت پیدا کر دی۔ **لاتثیروا الزنابیر الخ** یعنی بھڑوں کو مت چھیڑو ایسا نہ ہو کہ تمہیں ڈس دیں۔ اسی طرح جاہلوں کو مت چھیڑو کہ کہیں گالیاں نہ دیں اور انجیل میں ہے **لا تدخروز اذخائر کم الخ** یعنی اپنے ذخائر جمع نہ کرو کہیں انہیں دیمک نہ چٹ کر جائے اور نہ کہیں جنگلوں میں رکھو کہ چور یا زہر لیے جانور نہ ضائع کریں اور انجیل میں یہ بھی ہے کہ **ملکوت السماء** کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کسان اپنے گاؤں میں شاندار گندم بوئے لیکن جب لوگ سو جائیں تو اس کا دشمن آکر اس میں کڑوا بیج بو دے جب کھیتی بڑی ہو تو اس میں اس کڑوے بیج کے پودے بھی ہوں، مالک کو کہا جائے کہ یہ کیا ہوا تم نے تو اس میں گندم کا بیج بویا تھا وہ جواب دے کہ جب گندم کاٹنے کا وقت آئے تو گندم کو کاٹتے جاؤ اور کڑوے بیج کے پودوں کو جلا دو۔ اس تمثیل سے مقصد یہ ہے کہ کسان سے مراد ابوالبشر ہیں اور قریہ سے مراد عالم دنیا ہے اور گندم سے مراد طاعت ہے اور کڑوے بیج بونے والا شیطان ہے اور کڑوا بیج نافرمانی ہے اور کاٹنے والے ملائکہ ہیں جو بنی آدم پر موت طاری کرتے ہیں۔

حکایت: مامون بادشاہ خطبہ دے رہے تھے کہ مکھی اس کی آنکھ میں آپڑی کئی دفعہ اسے ہٹایا مگر پھر آ گئی یہاں تک کہ خطبہ بند کرنا پڑا جب نماز سے فارغ ہوا تو ابو ہذیل معتزلی کو بلایا اس سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے مکھیوں کو کیوں پیدا کیا؟ اس نے کہا: اس لیے کہ سرکش بادشاہوں کو ذلیل کرے اس نے کہا: ٹھیک ہے۔

(کذافی روضۃ الاصفیاء)

ف: مکھی جیسی شئے پیدا کرنے میں لاکھوں حکمتیں و مصلحتیں ہیں۔ حضرت وکیع فرماتے ہیں کہ اگر مکھیاں اور ہوا نہ ہوتیں تو دنیا بدبو سے بھر جاتی اس کے عجائبات سے ایک عجوبہ یہ بھی ہے کہ جب انسان کے منہ پر بیٹھتی ہے تو اس کا دل تنگ ہو جاتا ہے اور عیش فاسد اور باغ باغیچے بے لذت معلوم ہوتے ہیں۔ عجیب تر بات یہ ہے کہ باوجودیکہ یہ ضعیف ہے لیکن انسان کو عاجز کر دیتی ہے اور اس کے منہ پر بیٹھنے سے انسان کو عار ہوتی ہے۔ اب انسان سوچے کہ مکھی کے ہٹانے میں انسان کتنی جدوجہد کرتا ہے مگر سے خیال نہیں کہ قبر میں بڑے بڑے سانپ اور بچھو ہوں گے انہیں کیسے ہٹائے گا۔

عقیدہ: امام قشیری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے ہر شے کا پیدا کرنا ہوا میں اڑتی ہوئی غبار سے بھی آسان تر ہے بلکہ اس کی قدرت کے آگے مکھی اور عرش کا پیدا کرنا برابر ہے نہ اس پر عرش کا پیدا کرنا مشکل ہے نہ مکھی کا، اس کی ذات عسر و یسر کے لحوق سے مقدس ہے۔

ف: حقیر کی حقیر سے مثال دی جاتی ہے، جیسے اعلیٰ کی اعلیٰ سے مثال دی جاتی ہے اگرچہ تمثیل دینے والا بڑی اونچی شان والا ہو، جیسا کہ انجیل میں سینے کے کھوٹ کو آٹے کے چھان سے تمثیل دی۔ کما قال: لاتکونوا منخل یخرج منہ الدقیق۔ الخ یعنی چھلنی کی طرح نہ ہونا کہ اس میں سے اچھا آٹا نکل آتا ہے اور چھان اسی میں رہ جاتا ہے اسی طرح تمہارے منہ سے حکمت کی باتیں نکل آتی ہیں لیکن چھان کی طرح کھوٹ اندر رہ جاتا ہے اور بیوقوفوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کو بھڑوں کی چھیڑ چھاڑ سے تشبیہ دی۔ ویسے بھی اہل عرب کہاوتیں بیان کرتے ہیں: کما قالوا: "هُوَ جَمْعٌ" مِنْ ذَرَّةٍ (وہ ذرہ کا مجموعہ ہے) ان کا یہ خیال ہے کہ ذرہ میں سات سال کی قوت ہے اور کہتے ہیں: اَجْرَأُ مِنَ الذُّبَابِ (وہ مکھی سے زیادہ جرأت مند ہے) کیونکہ مکھی شاہوں کی ناک پر بیٹھنے سے نہیں ڈرتی اور کہتے ہیں: وَجَفْنُ الْاَسَدِ فَاِذَا ذُبَّ آبَ اَیْ اِذَا مُنِعَ رَجَعَ (شیر کا حملہ ہے کہ اسے

ہٹاؤ تو واپس آجاتا ہے) اور کہتے ہیں: اَسْمَعُ مَنْ قراد ان کا خیال ہے کہ یہ اونٹ کی ہلکی سی آواز سات راتوں کے سفر یا سات میل کے سفر سے سن لیتی ہے اور کہتے ہیں: فلان" اَعْمَرُ مِنْ قِرَادِ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی سات سو سال تک عمر ہوتی ہے اور کہتے ہیں: اَعْمَرُ مِنَ النَّسْرِ (وہ گدھ سے زیادہ عمر والا ہے) کیونکہ اس کی عمر تین سو سال تک ہوتی ہے اور کہتے ہیں: فلان" اَصْرَدُ مِنْ جَرَادَاةِ کیونکہ مکڑی سردیوں میں باہر نہیں نکلتی اور اصرد بمعنیٰ ابرو ہے اور کہتے ہیں: اَطْیَشُ مِنْ فِرَاشَةِ کیونکہ وہ گرم مزاج ہے۔ اور کہتے ہیں: اَعَزُّ مِنْ مُخَالبُعُوض کیونکہ مچھر کی چربی ہوتی ہے۔ اسے نادر الوجود شے کے لئے ہی بولا جاتا ہے اور کہتے ہیں: اَضْعَفُ مِنْ بُعُوْضَةِ (مچھر سے زیادہ کمزور ہے) اسی طرح کہتے ہیں: اَکَلُ مِنَ السُّوْسِ سُوس وہ کیڑا ہے جو گندم اور جو کھاتا ہے اور اس کیڑے کو بھی کہتے ہیں جو اُون وغیرہ کو خراب کرتا ہے۔

مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو سمجھانے کے لئے مثالیں دیتا ہے اور حق سے حیاء نہیں فرماتا اور اس کی مثالوں میں ہزاروں حکمتیں اور مصلحتیں ہوتی ہیں لیکن عقل والوں کے سوا کسی اور کو نصیب نہیں ہوتی ہیں۔

حضرت جلال الدین رومی قدس سرہ فرماتے ہیں:

بیت من بیت نیست اقلیمست   ہزل من ہزل نیست تعلیمست

ترجمہ: میرے اشعار نہیں بلکہ مستقل اقلیم ہیں، میرا مذاق بھی تعلیم ہے۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یعنی جو لوگ قرآن اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں۔ فا دلالت ہے کہ مابعد ماقبل کے مدلول پر مرتب ہے گویا کہا گیا ہے کہ پس یہ مثال بیان کی گئی تو مومن فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ جانتے ہیں کہ یہ مثال جو مچھر، مکھی کے ساتھ دی گئی ہے اَلْحَقُّ حق ہے یعنی ثابت ہے کہ جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ مِنْ رَّبِّهِمْ یہ جملہ جو ضمیر حق کی ضد ہے یا وہ ضمیر (جو مثل کی طرف عائد ہے) سے حال ہے یعنی یہ کہاوت اللہ تعالیٰ سے ہے پس مومن اس حق مثال میں تفکر کرتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر صغیر و کبیر کو پیدا کرتا ہے یہ سب کچھ اس کی قدرت کے آگے برابر ہے، اس لیے ان کا ایمان ہے۔ وَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یعنی یہود اور مشرک فَیَقُوْلُوْنَ مَاذَآ کہتے ہیں کہ یہ کیا بات ہے یا اس سے کیا شے اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا اس خسیس تمثیل سے اللہ تعالیٰ نے مراد لی ہے اور اس سے مشار" الیہ کی تحقیر مقصود ہے۔ مثلاً یہ مثال دے کر جب

marfat.ocm

اس سے الف ولام محذوف کیا گیا تو یہ حال واقع ہوا بمعنی مثلاً یا تمیز کی بنا پر منصوب ہے ان کے جواب میں ارشاد ہوا یُضِلُّ بِہٖ یعنی اس مثال کے سبب سے رسوا کرتا ہے اور اضلال بمعنی حق سے باطل کی طرف پھیرنا اور اضلال کی نسبت بمعنی خلق الضلال اللہ تعالیٰ کی طرف کرنے میں اشارہ ہے کہ ہر شئے اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے اگرچہ کسب کے لحاظ سے افعال بندوں کی طرف مسند ہوتے ہیں کَثِیْرًا یعنی بہت سے کفار، اس لیے کہ وہ ان مثالوں کا انکار کرتے ہیں جس کی وجہ سے وہ گمراہی میں بڑھ جاتے ہیں۔ وَیَھْدِیْ بِہٖ اس کی بدولت توفیق دیتا ہے۔ کَثِیْرًا بہت سے مومنوں کو کہ وہ اس کی تصدیق کرنے سے ہدایت میں بڑھ جاتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ یہ لوگ گمراہی کو اختیار کریں گے انہیں گمراہ کرتا ہے اور جن کے لئے جانتا تھا کہ ہدایت کو پسند کریں گے انہیں ہدایت دیتا ہے۔

سوال: ہدایت یافتہ لوگوں کو کثرت کا حکم کیوں لگایا، حالانکہ وہ تو قلیل تھے۔

جواب: درحقیقت اہل ہدایت کثیر ہیں اگرچہ وہ قلت سے موصوف ہوتے ہیں اور ان کی قلت اس لیے بیان ہوتی ہے کہ وہ بہ نسبت اہل ضلال کے قلیل ہوتے ہیں۔

عقیدہ: ہدایت یافتہ لوگ اگرچہ بظاہر قلیل ہوں درحقیقت کثیر ہوتے ہیں کیونکہ یہ حق پر ہوتے ہیں اور وہ (گمراہ) باطل پر۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: سوادِ اعظم وہ ہے جو حق پر ہو اگرچہ ایک ہو۔

وَمَا یُضِلُّ بِہٖٓ اس مثال کی تکذیب سے رُسوا نہیں کرتا۔ **اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ** مگر ان کافروں کو جو اللہ تعالیٰ کو نہیں جانتے اور اس کے فرمان سے باہر ہیں۔ فسق لغت میں بمعنی خروج ہے اور عرف شرع میں کبیرہ گناہ کے ارتکاب سے اللہ تعالیٰ کی طاعت سے خارج ہو جانا۔

مسئلہ: گناہِ صغیرہ بار بار کرنے سے کبیرہ ہو جاتا ہے۔

قاعدہ: فسق کی تین اقسام ہیں:

۱۔ تغابی یعنی کسی گناہ کو قبیح سمجھ کر عمل میں لانا۔

۲۔ اس گناہ کے ارتکاب میں منہمک ہونا۔

۳۔ گناہ کا ارتکاب کرنا اس کے قبح کا منکر ہو کر۔

عقیدہ: یہ تیسرا طبقہ کفر کے مراتب سے ہے جب تک فاسق اس تیسرے درجے تک نہ پہنچے اس کا ایمان سلب نہیں ہوتا کیونکہ اس میں تصدیق تو موجود ہے کہ جس پر ایمان کا دارومدار ہے۔

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ یعنی اللہ تعالیٰ کے امر کی مخالفت کرتے اور اس کے امر کو چھوڑتے ہیں۔ نقض بمعنی فسخ اور ترکیب کا توڑنا۔

سوال: ابطالِ عہد میں نقض کو کیوں استعمال کیا گیا؟

جواب: استعارہ کر کے عہد کو حبل (رسی) کے معنی میں لیا گیا اس لیے کہ دو عہد کرنے والوں کے مابین اتصال (دھاگے) کی طرح ہوتا ہے۔

عقیدہ: اللہ کے عہد تین ہیں:

۱۔ ذُرّیتِ آدم علیہ السلام سے یہ وعدہ لیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کرنا۔

۲۔ سادات انبیاء علیہم السلام سے وعدہ لیا گیا کہ اس کے دین کو قائم کریں گے اور اس میں تفرقہ پیدا نہ ہو۔

۳۔ علماءِ کرام سے وعدہ لیا گیا کہ حق ظاہر کریں اور اُسے ہرگز نہ چھپائیں۔

مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ یعنی وعدہ کی توثیق اور اسے قبول کرنے کے بعد۔ اس معنی پر ضمیر کا مرجع عہد ہے یا اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے کتابوں کو نازل کر کے انبیاء علیہم السلام کو بھیج کر اس وعدہ کو پختہ کیا۔ اس معنی پر ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہوگا اور یہاں میثاق اپنے مصدری میں ہے نہ کہ بمعنی عہد۔

حکایت: حضرت مالک بن دینار علیہ الرحمہ کے چچازاد بادشاہِ زمانہ کا ملازم تھا۔ لوگوں کو ستاتا اور ظلم کرتا تھا وہ ایک دفعہ بیمار ہو گیا اس حالت میں منت مانی اور اللہ تعالیٰ سے عہد کیا کہ اگر مجھے آرام آ گیا تو ملازمت سے مستعفی ہو جاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے شفاء دے دی۔ لیکن عہد بھلا کر ملازمت اختیار کر لی اور پہلے سے زیادہ ظلم شروع کر دیا پھر بیمار ہوا اور وہی نذر مانی، آرام آ گیا، پھر پہلے سے بھی زیادہ ظلم ڈھانے لگا اب بہت زیادہ بیمار ہوا۔ حضرت مالک بن دینار علیہ الرحمہ عیادت کے لئے تشریف لائے اور فرمایا: بھائی! کچھ نذر معین مانو اور اللہ تعالیٰ سے پختہ وعدہ کرو کہ آئندہ ہرگز ظلم نہیں کروں گا۔ امید ہے تجھے شفا نصیب ہوگی۔ بیمار نے کہا کہ

آج سے میرا پختہ وعدہ ہے کہ مجھے بیماری سے تندرستی نصیب ہو جائے تو میں ہرگز بادشاہ کی ملازمت اختیار نہیں کروں گا۔ اس حالت میں ہاتف نے ندا دی کہ اے مالک! ہم نے اسے بارہا آزمایا ہے اب اسے نذر کوئی فائدہ نہ دے گی یہ بہت جھوٹا ہے۔ چنانچہ وہ نوجوان اسی حالت میں مر گیا۔ (کذافی روضۃ العلماء)

مثنوی شریف میں ہے:

نقض[1] میثاق وشکست توبہا   موجب لعنت شود در انتہا

وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ، اَنْ يُّوْصَلَ کا محل نصب ہے کیونکہ یہ موصول کی ضمیر سے بدل ہے یہ ای ما امر اللہ بہ ان یوصل ہے۔ اس سے ہر وہ قطع مراد ہے جس سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں۔ مثلاً قطع رحمی اور مومنوں کی دوستی سے قطع اور انبیاء کرام علیہم السلام اور کتب سماویہ کے مابین تفرقہ اور فرض جماعات کا ترک اور اسی طرح ہر بھلائی کو چھوڑنا اور ہر برائی کا عمل کرنا اللہ تعالیٰ اور اس کے بندہ کے مابین قطع پیدا کر دینا ہے

احادیث:

۱۔ جب لوگ اپنا علم ظاہر اور عمل ضائع کریں اور زبان سے اُلفت کا اظہار اور دل میں بغض وعداوت اور قطع رحمی کریں تو اللہ تعالیٰ ان پر لعنت بھیجتا ہے خدا کرے وہ کانوں سے بہرے ہوں اور آنکھوں سے اندھے۔

۲۔ تین انسان ایسے ہیں کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کے عرش کے سایہ تلے ہوں گے۔

i۔ وہ عورت جس کا شوہر مر جائے اور اس کے ہاں چھوٹے چھوٹے یتیم ہوں اسے نکاح کے لئے کہا جائے تو وہ یہ کہہ کر انکار کر دے کہ میں اپنے بچوں کی پرورش کروں گی، یہاں تک کہ وہ نوجوان ہوں یا وہ یتیم مر جائے یا وہ عورت۔

ii۔ وہ جس نے اپنے مال سے اچھا طعام تیار کیا اور یتامیٰ ومساکین کو کھلا دیا۔

iii۔ وہ انسان جو صلہ رحمی کرے اس کے رزق میں وسعت کی جائے گی اور اجل میں بھی فراخی دی جائے گی اور قیامت میں عرش کے سایہ میں ہوگا۔

وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ایمان سے منع کر کے اور حق کے ساتھ استہزاء کر کے اور اس وصل کا قطع کہ جس پر نظام

---

[1] میثاق کے خلاف کرنا اور توبہ توڑنا بالآخر لعنت کا سبب بنتا ہے۔

marfat.ocm

عالم اور اس کے صلاح کا دار و مدار ہے۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ یہی لوگ آخرت میں بہشت میں پہنچنے کی بجائے عذاب میں مبتلا ہوں گے کیونکہ انہوں نے وفا کی بجائے نقض اور وصل کی بجائے قطع اور اصلاح کی بجائے فساد اور ثواب کی بجائے عتاب کو پسند کیا۔

مسئلہ : ہر مومن و کافر کی بہشت میں ایک منزل ہوتی ہے اور اس میں اس کے اہل و خدام ہوتے ہیں۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے تو وہ سب کچھ اسے دیا جاتا ہے ورنہ ان اشیاء کا مومن کو وارث بنایا جاتا ہے جس سے اس کافر کو رشک آتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا یَسْتَحْیٖۤ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا وَ اَمَّا الَّذِیْنَ یعنی جنہیں نور ایمانی نصیب ہے وہ معانی و حقائق کا صور و امثلہ میں مشاہدہ کرتے ہیں کہ وہ حق اور اللہ تعالیٰ سے ہے اور جو لوگ کافر ہیں وہ تو حق کا انکار کرتے ہیں پھر ان کے افکار کی ظلمت کے پردے میں ان کی آنکھوں میں لٹکائے جاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ حقائق کا مشاہدہ امثلہ کی کسوت میں نہیں کر سکتے۔ جیسے عجمی آدمی لغت عربیہ کے حقائق سے ناواقف ہوتا ہے اسی طرح کفار اور جہال حقائق امثال کے ادراک میں متحیر ہو کر کہتے ہیں: مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا پھر اپنے جہل کی وجہ سے انکار میں پڑ جاتے ہیں یہاں تک کہ جہالت کے قدموں کے ساتھ گمراہی کی وادی میں جا گرتے ہیں۔

یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًا گمراہ کرتا ہے ان لوگوں کو جو اس نور سے چوک گئے جو روز ازل ہر ایک کو عنایت ہوگا۔

حدیث شریف: میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ظلمت میں مخلوق کو پیدا کیا پھر ان پر اپنے نور سے قطرات نازل کیے جنہیں اس نور سے کچھ پہنچا وہ ہدایت یاب ہوئے اور جو اس نور سے محروم رہے وہ گمراہ ہو گئے اور جو عالم ارواح میں اس نور سے محروم رہا اسے دولتِ ایمانی نصیب نہ ہوئی اور جو دولتِ ایمان سے محروم رہے انہیں نورِ قرآن سے محروم رکھا گیا اور جو نورِ قرآن سے دور ہے انہیں ہدایت نہ ملی، اور جن کو عالم ارواح میں وہ نور پہنچا ان کو نورِ ایمان ملا اور جو نورِ ایمان سے بہرہ یاب ہوئے انہیں نورِ ایمان سے نوازا گیا اور جنہیں نورِ قرآن سے نوازا گیا وہ یہی لوگ ہیں جن کے متعلق ارشاد ہے۔ وَّیَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًا اسی لیے قرآن بعض لوگوں کے لئے شفاء اور بعض لوگوں کے لئے شقاوت و عذاب ہے۔ کیونکہ یہ اس کا کلام اور اس کی صفت ہے جو لطف اور قہر دونوں پر مشتمل

ہے۔ لطف سے صادقین کو ہدایت نصیب ہوتی ہے اور قہر سے فاسقین گمراہ ہوتے ہیں۔ **کما قال اللہ تعالیٰ:** وَمَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ یعنی فاسق وہ جو اس نورِ ازل سے محروم رہے۔ اب ان لوگوں کے نتائج کا پتہ دیتے ہیں جو اس نور سے خارج ہوئے اور عہدِ ازلی کا ایفاء نہ کر سکے۔ **کما قال عزوجل:** اَلَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ یعنی اس کو توڑتے ہیں جو روزِ میثاق وعدہ کر آئے کہ ہم خلوص سے عبادت واطاعت کریں گے وَيَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ یعنی اس راہِ سلوک پر پورے نہیں اترتے جن کا حکم ہے کہ یہ راہ اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والا ہے اور خلقِ خدا سے دور رہنے کا عمل بجا نہیں لاتے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے: وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا یعنی غیر اللہ سے بالکلیہ دور ہو جا۔

وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ یعنی اپنی عادات کی زمین میں توحید کے فطری بیج کے ساتھ شرک اور انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت قبول کرنے اور اس توحید کے بیج ایمان وعمل صالح کے پانی سے اعراض کی ملاوٹ کرتے ہیں اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ یعنی کمال انسان (جو ان میں فطرۃً موجود ہے) سے خسارہ پالیا۔ جیسے وہ گٹھلی کہ جس میں کھجور کے پیدا ہونے کی استعداد تھی زمین میں پہنچ کر پانی نہ ملنے کے سبب خسارہ میں آجاتی ہے۔ **کما قال عزوجل:** وَالْعَصْرِ ۝۱ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝۲ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

تفسیر عالمانہ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ لفظ كَيْفَ منصوب ہے تَكْفُرُوْنَ کی ضمیر سے حال ہے یعنی تم سرکش ہو۔ کفر کرتے ہو، یعنی انکار کرتے ہو۔ باللہ اس کی وحدانیت کا، باوجودیکہ تمہارے پاس دلائل انفسیہ وآفاقیہ بھی موجود ہیں جو تمہیں کفر سے ایمان کی طرف لے جانے والے ہیں اور استفہام انکاری ہے نہ بمعنی انکار الوقوع بلکہ بمعنی انکار الواقع ہے۔ یہ استفہام بات کو بعید بتانے اور تعجب میں ڈالنے کے لئے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے تعجب یونہی ہوتا ہے کہ بندے کو تعجب میں ڈالے اور اس کا یہی طریقہ ہے کہ بندے کو تعجب کی طرف بلائے۔ گویا فرماتا ہے کہ تم تعجب نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتے ہو۔

(کذافی تفسیر ابی اللیث)

اور قاضی صاحب فرماتے ہیں یہ استفہام استخباری ہے، گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے خبر دو کہ تم کس حال میں کفر کرتے ہو۔

marfat.ocm

كُنْتُمْ اَمْوَاتًا اموات "میت" کی جمع ہے جیسے اقوال "قِیل" کی جمع ہے یعنی حالانکہ تم مردہ تھے یعنی ایسے جسم تھے کہ ان میں حیات نہ تھی صرف عناصر تھے اغذیہ اور نطفے اور بوٹیاں، نقشہ نہ بنے ہوئے تھے۔

سوال: انہیں مردہ کیسے کہا گیا حالانکہ وہ تو جماد تھے میت تو اسے کہا جاتا ہے کہ جس میں پہلے حیات ہو۔

جواب: یہ غلط ہے بلکہ حیٰوۃ نہ بھی ملی ہو اسے بھی میت کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بَلْدَةً مَّيْتًا (شہر ویران)

فَاَحْيَاكُمْ ارواح پیدا کر کے تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں تمہاری ارواح پھونکیں۔ پھر دنیا میں بھیجا یہ الزام صرف قیامت میں اٹھنے کے لئے ہے اور فا دلالت کر رہی ہے کہ یہ امور متعاقباً ہوئے کیونکہ زندہ کرنے کا مفہوم تب ہوگا جب ان کو پہلے میت تصور کیا جائے اگرچہ اس حالت میں ان پر مختلف حالات وارد ہوں گے جو یکے بعد دیگرے ہوں گے جیسا کہ ابھی گزرا اور چونکہ دنیا میں کچھ مدت گزرے گی اس لیے ثُمَّ تراخی کا لایا گیا۔ کما قال اللہ تعالیٰ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ یعنی جب تمہارے اجل ختم ہوں گے تو تم پر موت طاری کر دے گا۔

سوال: اِمَاتَت کا قادر کی قدرت پر دال ہونا تو ظاہر ہے لیکن اُسے نعمتوں سے کیسے شمار کیا جا سکتا ہے اور یہاں پر نعمتوں کا بیان ہو رہا ہے۔

جواب: چونکہ یہ موت حیات ابدی کا وسیلہ ہے اسی لئے یہ بھی ایک نعمت ہے۔ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ پھر تمہیں قبروں میں سوال و جواب کے لئے زندہ کریں گے اس وقت بندہ زندہ ہوتا ہے یہاں تک کہ آنے جانے والوں کے لئے جوتوں کی آہٹ اور من ربک ومن نبیک وما دینک کا سوال سنتا ہے اور ثُمَّ تعقیب (جو علی التراخی کے لئے ہے) اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ یہاں پر احیاء سے بعث" مراد نہیں کیونکہ وہ احیاء تو رجوع الی اللہ اور حساب کے لئے ایسے فوراً ہوگا کہ جس میں تراخی کا احتمال بھی نہیں ہے۔

عقیدہ: آیت سے عذاب و راحتِ قبر کا ثبوت ملتا ہے۔ (کذا فی التیسیر)

ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ پھر اسی مالک کی طرف تم کو لوٹنا ہوگا، نہ کسی غیر کی طرف، پھر وہ تمہارے اعمال کے مطابق تمہیں جزا و سزا دے گا۔ اگر نیکی ہوگی تو بھلائی نصیب ہوگی اگر برائی ہوگی تو سزا پاؤ گے۔ اسی کی طرف قبروں سے اٹھو گے۔ اب بڑا تعجب ہے کہ تم اس حال جان کر کفر کر رہے ہو۔

سوال: کفار اس بات کو مانتے تھے کہ ہم پہلے نطفہ تھے پھر پیدا کیے گئے اور پھر مر جائیں گے لیکن یہ نہیں

مانتے تھے کہ مرنے کے بعد اٹھنا اور اللہ تعالیٰ کی حاضری بھی دینی ہے جب وہ اس بات کو مانتے بھی نہیں تھے تو اب انہیں تعجب دلانے کا کیا معنیٰ ؟

جواب: انہیں یہ تو قدرت حاصل تھی کہ دلائل سن سمجھ کر یہ بات مان لیں اب اس کی قدرت کو بمنزلہ علم کے قرار دیا گیا، اس بنا پر ان کے عذر کے ازالہ کے لئے اتنی بات کافی ہے۔

مسئلہ : آیت میں دلیل ہے کہ جو ذات پہلی بار پیدا کرنے پر قدرت رکھتی ہے وہ بارِ دیگر بھی پیدا کرنے پر قادر ہے کیونکہ اس کے لئے بارِ دیگر پہلی بار کی پیدائش سے مشکل نہیں ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ **ربط** : یہ دیگر نعمت کا بیان ہے یعنی ان تمام اشیاء کو تمہارے دینی و دنیوی فوائد کے لئے مقدر فرمایا "خَلَقَ" بمعنی تقدیر اس لیے ہے کہ اس وقت تمام اشیاء پیدا نہیں ہوئی تھیں مَا فِی الْاَرْضِ یعنی جو کچھ اس میں ہے۔ جَمِیْعًا منصوب ہے موصول ثانی سے حال ہے۔

قاعدہ : اس آیت سے اِنَّ الْاَصْلَ فِی الْاَشْیَاءِ الْاِبَاحَۃُ (یعنی اشیاء میں در اصل اباحت ہے) والا قاعدہ حاصل ہوا۔ (کذا فی الکواشی)

ف: بعض متصوفین اور جُہلاء یہاں سے **اباحۃ علی الاطلاق** کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ نہ کوئی خطرہ ہے اور نہ نہی نہ امر۔ جب معرفت حاصل ہوگئی اور محبت کا حصول ہو چکا تو اب خدمت کا کیا معنیٰ اور محبوب کو محب تکلیف نہیں دیتا اور نہ ہی اسے کسی بات سے روکتا ہے ان کی یہ بات صریح کفر ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے امور سے نہی فرمائی ہے اور بہت سے احکام کا امر فرمایا ہے اور اس کے اوامر میں خطر بھی ہے اور وعد بھی اور وعید بھی۔ بشارتیں بھی ہیں اور تہدیدات جس پر نصوص ظاہر ہیں اور بے پناہ دلائل موجود ہیں بنا بریں جو شخص اس آیت سے مطلق اباحت کا ثبوت دیتا ہے وہ دین سے خارج ہے۔ (کذا فی التیسیر)

ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ پھر آسمانوں کے پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا اور وہ ارادہ مقدسہ ایسا مضبوط کہ جو نہ کسی پھیرنے والے سے پھرے اور نہ کسی روکنے والے سے رُکے اور جیسے اشیاء کو پیدا فرمایا نہ کسی کے کہنے سے بڑھے اور نہ کم۔

سوال : یہاں پر آسمانوں کی پیدائش کا بیان زمین کی پیدائش کے بعد ہے اور دوسری جگہ فرمایا:

وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ؕ اس سے معلوم ہوا کہ زمین کو بعد میں پیدا کیا گیا آیات میں تناقص آگیا۔

جواب: یہ تناقص نہیں کیونکہ دَحٰہَا دَحْو" سے ماخوذ ہے بمعنی بچھانا، اور خَلْق" اور دَحْو" میں بہت بڑا فرق ہے۔

ف: حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے (جہاں اب بیت المقدس ہے) زمین کو ایک پتھر کی شکل میں پیدا فرمایا جو صرف ایک کفِ دست کے برابر تھا، اس پر ایک دُھواں چمٹا ہوا تھا اُس دُھویں کو اوپر اڑایا جس سے آسمان پیدا کیے اور اس پتھر والی شکل سے زمین بچھائی۔ (کذافی الکواشی)

ف: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ایک جوہر پیدا فرمایا جس کا طول وعرض ہزار در دہ ہزار سال کی مسافت کا تھا، پھر اس کی طرف ہیبت کی نگاہ فرمائی جس سے وہ جوہر پگھلا اور متحرک ہوا جس سے ایک دُھواں اُڑا اور باقی ماندہ شئے (جوہر) جمع ہو کر جھاگ کی طرح ہو گیا۔ جو پانی پر ٹھہر گیا باری تعالیٰ نے اس جھاگ سے زمین پیدا فرمائی اور اس اڑتے ہوئے دھوئیں سے آسمان بنائے۔ اسی لیے عربی کہتے ہیں: السَّمَاءُ مِنْ دُخَانٍ خُلِقَتْ الخ یعنی آسمان دھوئیں سے پیدا اور ہوا سے اونچے، پھر اشارہ سے متفرق ہوئے اور ستون کے بغیر قائم ہیں اور ایک پھونک سے ٹوٹ جائیں گے۔ **فَسَوّٰىهُنَّ** یعنی انہیں مکمل یعنی ابتداء ہی ٹیڑھے پن سے محفوظ کر کے سیدھا پیدا فرمایا: یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ پہلے ٹیڑھے تھے اب انہیں سیدھا کیا گیا۔ اس میں ضمیر مبہم ہے جس کی تفسیر سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ہے اور منصوب علی التمیز ہے جیسے رَجُلًا کا منصوب ہونا علی التمیز ہے۔

ف: حضرت سلمان فرماتے ہیں کہ آسمان سات ہیں:

پہلے آسمان کا نام رقیع ہے جو سبز زمرد کا ہے۔

دوسرے آسمان کا نام ارقلون ہے جو سفید چاندی کا ہے۔

تیسرے کا نام قیدوم ہے جو سرخ یاقوت کا ہے۔

چوتھے کا نام ماعون ہے جو سفید موتیوں کا ہے۔

پانچویں کا نام وبقاء ہے جو سرخ سونے کا ہے۔

---

[1] اس کے بعد یعنی آسمان کی پیدائش کے بعد زمین کو بچھایا۔

چھٹے کا نام وفاء ہے جو زرد یاقوت کا ہے۔

ساتویں کا نام عروباء ہے جو نور سے چمک رہا ہے۔

وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ اس میں علت بیان کی گئی ہے، گویا کہا گیا کہ چونکہ وہ اشیاء کی کُنہ کو جانتا ہے اسی لیے انہیں پیدا کیا، جیسے کہ ان کے لائق اور ان میں نفع تھا اس میں دلیل ہے کہ جس نے ان اشیاء کو بنایا وہ ان کو جانتا بھی ہے کیونکہ افعال کا اتقان واحکام اور احسن وانفع وجہ کے ساتھ خاص وہی کرتا ہے جو علیم وحکیم ورحیم ہو اور اس میں کفار کے وہم کا ازالہ بھی ہے کہ ان کا خیال تھا کہ جب اجسام ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زمین میں مل جائیں گے بلکہ مٹی ہو جائیں گے پھر کس طرح دوبارہ ان اجزاء کو جمع کیا جائے گا حالانکہ اس کی کوئی شئے باقی نہیں رہے گی اور نہ اس کے ساتھ کسی شئے کو ملایا جاسکتا ہے کہ جس سے وہ پہلی حالت میں عود کر آئے۔

تفسیر صوفیانہ اس آیت میں مراتب روحانیت کی طرف اشارہ ہے۔ پہلا عالم ملکوت ارضیہ اور قوائے نفسانیہ کا ہے، دوسرا عالم نفس کا، تیسرا عالم قلب کا ہے، چوتھا عالم عقل کا، پانچواں عالم سِرّ کا، چھٹا عالم روح کا، ساتواں عالم خفا کا ہے جسے سِرِ روحی کہتے ہیں، اسی طرف سیدنا شیرِ خدا رضی اللہ عنہ اشارہ فرماتے ہیں جیسے زہد، تقویٰ، توکل، رضا وغیرہا“

ف: حضرت شیخ المعروف بافتادہ آفندی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ”توحید کے بارہ باب ہیں جنہیں صوفیہ جلوتیہ توحید کے ذریعہ طے کرتے ہیں کیونکہ اس کا سِرّ یقین میں ہے اور وہ باب خلوتیہ اسماء کے ذریعہ بھی طے کیے جاسکتے ہیں کیونکہ ان کا سِرّ برزخ میں ہے کہ جنۃ تین قسم کی ہے:

۱۔ جنۃ الافعال ۲۔ جنۃ الصفات ۳۔ جنۃ الذات

کیونکہ بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جنتیں سات ہیں، ان میں سے چار اہل یقین کے لئے یعنی جلوتیہ کے لئے اور تین اہلِ برزخ کے لئے یعنی خلوتیہ کے لئے وہ بھی تین ہیں۔ یعنی جنۃ الافعال والصفات والذات۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ۔ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ یا یہ خطاب توحید کا ہے جو مومنین کو ہو رہا ہے۔ یعنی تم اللہ اور اس کے انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو حالانکہ تم روحانی طور پر آدم علیہ السلام کی پشت

میں تھے پھر تمہیں زندہ کیا یعنی تمہیں پشتِ آدم سے نکالا اور اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ جیسا لذیذ خطاب چکھایا اور اس خطاب کی لذت کے ساتھ تمہیں جواب باصواب کی توفیق بخشی کہ تم نے بَلٰی کہہ دیا طَوْعًا نہ کہ كَرْهًا تمہیں موت بخشی یعنی صلب آدم سے اصلابِ آباء میں پہنچا کر عالمِ طبعیہ انسانیہ کی طرف راجع کیا۔ پھر انبیاء کرام علیہم السلام کی تشریف آوری سے ان کی دعوت قبول کرنے سے پھر تمہیں زندہ کیا اور انبیاء کرام علیہم السلام کی رہبری سے میری طرف ہی لوٹ آؤ گے۔ یا یہ خطاب تشریف کا ہے جو اولیاء وانبیاء کو ہو رہا ہے یعنی تم کیسے کفر کرتے ہو حالانکہ تم اموات یعنی کتمِ عدم میں تھے پھر تمہیں عالمِ ارواح میں زندہ کیا پھر تمہارے ارواح کے گارے کو نورِ عنایت کے پانی سے بنایا جسے محبت کے ہاتھ نے وصال کی چالیس صبح سے تخمیر کیا۔ پھر تمہارے شہود وجمال سے جدا کر کے مقبرہ حسن وخیال کے طرف موت دے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کو نورِ وحی سے اور اولیاء کرام کو نورِ ایمان کی روح سے، پھر تم میری طرف لوٹ آؤ گے۔ انبیاء کرام علیہم السلام تو عروج سے اور اولیاء کرام جذباتِ حق کی طرف رجوع کرنے سے۔ کما قال تعالیٰ: اِرْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ (اپنے رب کی طرف لوٹ) جب یہ ثابت ہو گیا کہ اس کی طرف رجوع ضروری ہے یا تو اپنے اختیار سے، جیسے کہ یعقوب کی قرأۃ (بفتح التا وکسر الجیم) دلالت کرتی ہے یا اضطرار سے جیسے باقی قراء کی قرأۃ سے معلوم ہوتا ہے۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا یعنی تمام اشیاء کو تمہارے لیے اور تمہیں صرف اپنی ذات کے لئے پیدا کیا۔ کما قال تعالیٰ: وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ (میں نے تمہیں اپنے لیے چن لیا)

اس کا معنی یہ ہے کہ تو کسی اور کے لئے نہ ہو جب میں سوائے تیرے اور کسی کے لئے نہیں ہوں میں اپنی شان کے ساتھ صرف اور صرف تیرا ہوں جیسے کہ حدیث شریف میں ہے: "جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے"

سبق: موجودات میں کوئی ایسا نہیں جس کا یہ رتبہ ہو کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کا اور اللہ تعالیٰ اس کا ہو۔ اس میں راز ہے اور راز کا اظہار کفر ہے۔ اے سالک! تیرے لیے لائق ہے کہ اس کے سوا (کہ جس کے لئے تو ہے) مشغول نہ ہو ورنہ اس کے سوا باقی رہ جائے گا (اور یہ خسارہ ہے)

ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ اس سے معلوم ہوا کہ ساتوں آسمانوں کا وجود انسان

کے تابع ہے۔ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ یعنی تمام کی پیدائش جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ انہیں کس لیے پیدا کیا اور مخلوق کا کوئی ذرّہ ایسا نہیں جو اس کی ذات اور صفات کی حمد نہ کرتا ہو اور اس کی احدیت و صمدیت کی گواہی نہ دیتا ہو۔ ہر شئے گواہی دے کر کہتی ہے: رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا (اے ہمارے رب! تو نے اسے عبث پیدا نہیں کیا تو پاک ہے)

مولانا جامی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

در جہاں جلوہ گاہ وحدتِ تو   شہد اللہ گواہ وحدتِ تو

ترجمہ: جہان کی جلوہ گاہ میں تیرا ئی وحدت ہے شہد اللہ تیری وحدت کا گواہ ہے۔

marfat.ocm

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْٓا

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں بولے کیا

اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ

ایسے کو (نائب) کرے گا جو اس میں فساد پھیلائے گا اور خون ریزیاں کرے اور ہم تجھے سراہتے ہوئے

بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۰ وَعَلَّمَ

تیری تسبیح کرتے اور تیری پاکی بولتے ہیں فرمایا مجھے معلوم ہے جو تم نہیں جانتے۔ اور اللہ تعالٰی

اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِئُوْنِىْ

نے آدم کو تمام (اشیاء کے نام) سکھائے پھر سب (اشیاء) کو ملائکہ پر پیش کرکے فرمایا

بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۳۱ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ

سچے ہو تو ان کے نام تو بتاؤ۔ بولے پاکی ہے تجھے ہمیں کچھ علم نہیں

اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝۳۲ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ

مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا بیشک تو ہی علم و حکمت والا ہے۔ فرمایا اے آدم بتادے

بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ

انہیں سب اشیاء کے نام جب آدم نے انہیں سب کے نام بتادیے فرمایا میں نہ کہتا تھا کہ میں جانتا ہوں

اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ

آسمانوں اور زمین کی سب چھپی چیزیں اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے اور

تَكْتُمُوْنَ ۝۳۳ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ

جو تم چھپاتے ہو۔ اور (یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے

marfat.ocm

اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَقُلْنَا يٰاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ

منکر ہوا اور غرور کیا اور کافر ہو گیا۔ اور ہم نے فرمایا اے آدم! تو اور تیری بی بی

وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ

اس جنت میں رہو اور کھاؤ اس میں سے بے روک ٹوک جہاں تمہارا جی چاہے مگر اس پیڑ کے پاس نہ جانا

الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا

کہ حد سے بڑھنے والوں میں ہو جاؤ گے۔ تو شیطان نے جنت سے انہیں لغزش دی اور جہاں رہتے تھے

مِمَّا كَانَا فِيْهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِى

وہاں سے انہیں الگ کر دیا اور ہم نے فرمایا نیچے اترو آپس میں ایک تمہارا دوسرے کا دشمن اور تمہیں ایک وقت

الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾ فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ

تک زمین میں ٹھہرنا اور برتنا ہے۔ پھر سیکھ لیے آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمے

فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا

تو اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ قبول کی بیشک وہی ہے بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان۔ ہم نے فرمایا تم سب جنت سے اتر جاؤ

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کا پیرو کار ہوا اسے نہ کوئی

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

اندیشہ نہ کچھ غم اور وہ جو کفر کریں اور میری آیتیں جھٹلائیں گے وہ دوزخ والے ہیں

النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾ ع

ان کو ہمیشہ اس میں رہنا

تفسیر عالمانہ

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرمایا:

سوال: وقت کے ذکر کا حکم کیوں دیا گیا ہے حالانکہ مقصود تو ان حوادث کو یاد کرنا ہے جو ان میں واقع ہوئے۔

جواب: محض مبالغہ ہے کیونکہ جو اس وقت کو یاد کرے گا لامحالہ واقعات بھی اس کے سامنے آ جائیں گے۔

لِلْمَلٰٓئِكَةِ فرشتوں سے۔ لام تبلیغ کے لئے اور جار مجرور کی تقدیم اہتمام کے لئے ہے جیسے مطول میں تفصیلاً مذکور ہے اور مابعد کا شوق دلانا بھی ہے اور ملائکۃ" ملک" کی جمع اور تاء جماعت کی تانیث کی تاکید کے لئے ہے اور وہ اس نام سے اس لیے موسوم ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے مابین پیغام کے لئے مقرر ہیں کیونکہ مَلَک" دراصل ملاک" مالک" کا مقلوب ہے، اَلُوک" (بمعنی رِسالۃ") سے مشتق ہے اور ملائکہ اکثر مسلمانوں کے نزدیک اجسامِ لطیفہ ہیں یعنی وہ لطیف اجسام جو مختلف شکلوں میں متشکل ہوتے ہیں دلیل یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام انہیں دیکھا کرتے تھے۔ چنانچہ مروی ہے کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی تو فرشتوں کی ایک جماعت کو دیکھا کہ اوپر کو چڑھ رہے ہیں اور ایک دوسرے کے سامنے چل رہے ہیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کہاں جا رہے ہیں۔ انہوں نے کہا: مجھے اس کا کوئی علم نہیں، اتنا جانتا ہوں کہ جب میں پیدا ہوا تو سب سے پہلے انہیں آتے جاتے دیکھا، واللہ! یہ کب سے آ جا رہے ہیں۔ ان میں سے ایک فرشتے سے پوچھا: تم کب پیدا ہوئے؟ انہوں نے کہا: ہمیں بھی کوئی خبر نہیں، صرف اتنا جانتے ہیں کہ اللہ ہر چار ہزار سال کے بعد ایک ستارہ پیدا کرتا ہے اور جب سے میں پیدا ہوا ہوں میرے بعد چار ہزار ستارے پیدا کر چکا ہے۔ پاکی ہے اس ذات کے لئے جس کی اتنی بڑی شان اور اس کا اتنا وسیع ملک ہے۔

ف: جن ملائکہ سے مشورہ لیا گیا وہ زمین کے تھے، اس کی دلیل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا تو ملائکہ اور جنات بھی پیدا ہوئے۔ ملائکہ کو آسمان میں ٹھہرایا، جنات کو زمین میں، جنات کا بابا جانّ تھا جس طرح انسانوں کا بابا آدم (علیہ السلام) ہے اور جان صاحب کو ایسی آگ کے شعلہ سے پیدا کیا گیا کہ جس میں دھواں نہیں تھا اُسے زمین پر ٹھہرنے کا حکم ہوا جب پھر اس کی نسل بڑھی۔

marfat.ocm

ف: معلوم ہوا کہ یہ معاملہ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے ساٹھ ہزار سال کا ہے اور وہ زمین پر بہت طویل عرصہ تک ٹھہرے رہے، تقریباً ستر ہزار سال، پھر ان میں حسد اور بغاوت پھیلی اور لڑے مرے۔ ان کی طرف فرشتوں کو بھیجا، جن کا امیرِ قوم ابلیس تھا اس کا نام عزازیل تھا، ان سے علم میں زائد تھا، زمین پر اُترتے ہی جنات کو شکست دی اور انہیں زمین سے نکال کر دریاؤں کی غاروں میں بھگا دیا اور خود وہیں رہنے سہنے لگے۔ اب ان پر عبادت آسان ہوگئی کیونکہ قاعدہ ہے کہ ملائکہ جو آسمانوں پر بلند ہیں زیادہ خوف زدہ ہیں اور جو ملائکہ آسمانِ دنیا پر ہیں یہ بہ نسبت دوسروں کے آسانی میں ہیں۔ اس کے بعد ابلیس کو زمین و آسمانِ دنیا کی سلطنت دی گئی اور بہشت کا خزانہ بھی سپرد ہوا، اس کے دو زمرد کے پر تھے بنابریں کبھی زمین پر عبادت کرتا کبھی آسمان پر اور کبھی جنت میں، اسی وجہ سے اسے عجب لاحق ہوا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے یہی شاہی اس لیے دی کہ مجھ سے زیادہ مکرم ملائکہ میں کوئی ہے نہیں اور قاعدہ ہے کہ جو بھی دنیا میں آ کر بستا ہے اس کو ایک وقت ضرور دنیا سے برطرف ہونا پڑتا ہے بنابریں اللہ تعالیٰ نے ابلیس اور اس کے لشکر کو فرمایا: اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ اِنِّیْ جَاعِلٌ میں بنانے والا ہوں فِی الْاَرْضِ زمین میں، کیونکہ بغاوت اور ظلم زمین پر ہی تھا: خَلِیْفَةً یعنی آدم علیہ السلام کو، کیونکہ جنات کے خلف ہو کر اور ان کے بعد تشریف لانے والے یہی تھے۔ علاوہ ازیں زمین میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ یہی تھے۔ یعنی میرا ارادہ ہے کہ زمین میں تمہارے عوض ایک دوسرا پیدا کروں وہ تم سے ہوگا بھی بلند قدر یہ بات ان ملائکہ کو شاق گزری، کیونکہ یہ دیگر ملائکہ سے عبادت میں آسانی سے تھے۔

ف: اللہ تعالیٰ عالمِ دنیا کو خلیفہ کی بدولت محفوظ فرماتا ہے جیسا کہ خزائن کو مہر سے محفوظ کیا جاتا ہے اور عالمِ دنیا میں ہر زمانہ میں خلیفہ صرف ایک ہوتا ہے جس کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی ہے اور اس کی انتہاء حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ہوگی۔ خلیفہ بھیجنے میں ایک حکمت یہ ہوتی ہے کہ مخلوق میں فیض لینے کی استعداد کم ہوتی ہے اور بلا واسطہ برکات لینے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ کیونکہ فیض دینے والا تنزہ و تقدس میں ہے اور فیض لینے والے علائق دنیہ میں پھنسے ہوئے ہیں مثلاً اکل و شرب کا نشہ اور عوائق طبعیہ میں سرگرم اخلاق ذمیمہ میں مصروف اور اس سے فیض کا پہنچانا ذوجہتین کے واسطہ سے ہو سکتا ہے جو تجرد میں بھی یکجا ہوا اور تعلق دنیا سے بھی وابستہ ہو اور یہ صفات خلیفہ کی ہونی چاہئیں جو کسی بھی زمانہ میں ہوا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے نبی ملائکہ سے نہیں بھیجے کیونکہ

marfat.ocm

عام انسان ان سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے، کیونکہ وہ اس کی جنس سے نہیں ہیں۔

اس کی مثال یوں سمجھو کہ ہڈیاں گوشت سے غذا لینے میں عاجز ہیں کیونکہ ان کو آپس میں تباعد ہے تو درمیان میں غضروف (حلق) کو پیدا فرمایا تاکہ گوشت سے طعام لے کہ ہڈیوں تک پہنچائے اسی طرح بادشاہ اور رعایا کے مابین وزیر ہوتا ہے کیونکہ رعایا وزیر سے زیادہ قرب میں ہیں اس سے جلد مستفید ہو سکتے ہیں اسی طرح لکڑی اور آگ کے درمیان تو اوسیلہ بنایا جاتا ہے۔ وغیرہ۔

مسائل : اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے مشورہ چار وجھوں سے لیا:۔

۱۔ مشورہ لینے کی تعلیم ہو جائے کہ اپنے تمام امور میں مشورہ لینا سنتِ الٰہیہ ہے اور مشورہ معتمد علیہ اور خیر خواہی سے لیا جائے اگرچہ باری تعالیٰ اپنے علم وسیع اور حکمتِ بالغہ سے مشورہ لینے سے پاک ہے۔ مولانا روم قدس سرہ فرماتے ہیں:

مشورت ادراک وہشیاری دہد عقل ہا مر عقل را یاری دہد
گفت پیغمبر بکن رائے زن مشورت کالمستشار مؤتمن

ترجمہ: ☆...... مشورہ تمہیں ادراک اور ہشیاری دے گا عقل عقل کی مدد کرتی ہے۔

☆...... پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا رائے لے اس لیے کہ مشورہ مفید ہوتا ہے اور جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہوتا ہے۔

☆...... سکانِ ملکوت کے سامنے آدم علیہ السلام کے عظم شان کا اظہار مقصود ہے کہ وہ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے اور خلیفہ کے لقب سے نوازے جا رہے ہیں۔

☆...... اس کے اپنے فضل راجح اور ان کے مفاسد سیئہ مرجوعہ کا اظہار کہ جبکہ انہوں نے کہا: اَتَجْعَلُ فِیْهَا تو اس کے جواب میں فرمایا: اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ الخ

☆...... جس میں خیر کا غلبہ ہو وہاں حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ شر قلیل کے خطرے سے خیر کثیر کو نہ چھوڑا جائے جیسا کہ مرض آکلہ کے ماؤف عضو کو کاٹنا ایک قلیل شر ہے اور تمام بدن کی سلامتی خیر کثیر ہے۔ کیونکہ اگر اس عضو کو نہ کاٹا جائے تو اس مرض کا اثر تمام بدن میں پھیل جائے گا جو کہ موجب ہلاکت اور شر کثیر ہے۔

قَالُوْٓا یہ جملہ مستانفہ ہے گویا کہا گیا کہ ملائکہ نے کیا جواب دیا، انہوں نے کہا: اَتَجْعَلُ فِیْهَا یعنی تو زمین میں

marfat.ocm

اسے پیدا کرتا جو مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا فساد برپا کرے گا جیسا کہ جنات نے فساد برپا کیا، ظرف کے تکرار سے استبعاد کی تاکید کا فائدہ حاصل ہو رہا ہے۔ وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ظلماً خون ریزی کرے گا جیسا کہ جنات نے کیا تھا اور قتل کے بجائے یَسْفِكُ الدِّمَآءَ اس لیے استعمال کیا گیا ہے کہ قتل کے انواع میں یہ سب سے زیادہ قبیح فعل ہے۔

ف: بعض عارفین فرماتے ہیں کہ آدم کے حق میں جھگڑنے والے ملائکہ نہ جبروتی تھے اور نہ ملکوتی سماوی، کیونکہ وہ تو اپنے نوری غلبہ اور مراقبہ علیا کے احاطہ سے انسان کی شرافتِ کاملہ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے بلند مراتب کو جانتے تھے (اگر چہ وہ بھی اس کی اصل حقیقت سے عاجز تھے) بلکہ جھگڑنے والے زمین کے ملائکہ اور وہ جن شیاطین تھے جن پر ظلمت غالب تھی۔

ف: اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً میں صرف لفظی تخصیص بذکر الارض ہے، ورنہ وہ تو درحقیقت تمام عالم کا خلیفہ تھا، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ طاعنین زمینی ملائکہ تھے کیونکہ یہ گمان وہاں صادر ہوتا ہے جو اس منصب کے معرض میں ہو اور اہلِ سماوات تو اس سے بری ہیں اور بلند مرتبہ، اور ملائکہ ارضیہ نے جو کچھ کہا یہ اس کے مطابق تھا جس پر ان کی فطرت تھی کہ منصب خلافت فی الارض میں رشک اور اس ملک کے مرتبہ لینے کی غیرت اور اپنی اس عبادت کی وجہ سے تھا جو تسبیح و تقدیس کیا کرتے تھے، برتن سے وہی چیز اچھلتی ہے جو اس میں ہوتی ہے۔

ف: حکیم مطلق کے فعل پر اعتراض کرنا اور اس کی صنعت میں جھگڑنا محض اس کی کمال حکمت اور پختہ صنعت کی وجہ سے اس کے حضور میں معاف ہو جاتا ہے۔

مولانا روم قدس سرہٗ فرماتے ہیں:۔

زانکہ ایں دمہا اگر چہ نالائقست   رحمت من بر غضب سابقست
اپ زپے اظہار ایں سبق اے ملک   در تو بنہم داعیہ اشکال و شک
تا بہ گوئی در نگیرم بر تو من   منکر حلمم نیارد دم زدن
صد پر صد ما در حلم ما   ہر نفس زاید در افتد در فنا
حلمِ ایشاں کف غیر حلم ماست   کف رود آید ولے دریا بجاست

ترجمہ : ☆...... اس وقت وہ اگر چہ نالائق ہے لیکن اسے معلوم ہونا چاہیے کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے ☆......اسی وجہ سے اے میرے بندے! تیرے اندر غلطیاں پیدا کرتا ہوں۔ ☆...... تا کہ تجھے معلوم ہو کہ میں مجرم کی گرفت کر سکتا ہوں لیکن منکر کو یقین ہو کہ میں کتنا بردبار ہوں۔ ☆...... میرے حوصلہ کے ہزاروں حوادث پیدا ہو کر فنا ہو جاتے ہیں ☆......عوام کے حوصلے تو میرے حوصلہ کے بالمقابل ایسے ہیں جیسے جھاگ کو دریا سے نسبت ہوتی ہے۔

ف: فتوحات شریف میں ہے: آدم کے بارہ میں ہاروت و ماروت نے جھگڑا کیا اسی بنا پر ان پر فساد و خونریزی ظاہر کر کے جتلا فرمایا: یہی راز ہے حضور علیہ السلام کے اس قول میں کہ اپنے بھائی کو گالی مت دو، ورنہ اللہ تعالیٰ اسے تو معاف کر دے گا اور تمہیں کسی مصیبت میں مبتلا کر دے گا۔ طعنہ بازوں میں وہ ملائکہ تھے جو مجاہدین کی نصرت و امداد کے لئے آئے تھے کہ انہیں پتہ چلے کہ انسان کی خونریزی اللہ کے دین اور اس کی شریعت کی غیرت کے لئے ہے۔ (کذافی حل الرموز والکنوز)

وَنَحْنُ حالانکہ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ تیری تسبیح پڑھتے ہیں یعنی اس چیز سے تیری تنزیہ کرتے ہیں جو تیری شان کے لائق نہیں، یعنی وہ تسبیح جو تیری حمد سے ملتبس ہے اور حمد بھی اس لیے کہ تو نے ہمیں قسما قسم کی نعمتوں سے نوازا۔ منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ تو نے ہمیں اپنی عبادت کو توفیق بخشی پس تسبیح صفات جلالیہ کے اظہار کے لئے اور حمد صفات انعام کی تذکیر کے لئے ہوتی ہے وَنُقَدِّسُ تیری بہت تقدیس کرتے ہیں۔ لَكَ یعنی تیری وہ صفت کرتے ہیں جو تیری بلند شان اور عزت کے لائق ہے، لام بیان کے لئے ہے جیسے سقیا لک میں ہے اور یہ مصدر محذوف کے متعلق ہے اور ہو سکتا ہے زائد ہو یعنی نُقَدِّسُكَ

فائدہ : تیسیر میں فرماتے ہیں کہ جو شئے شان کے لائق نہیں اس کی نفی کا نام تسبیح اور جو شئے شان کے لائق ہے اس کے اثبات کا نام تقدیس ہے۔

ف: شیخ داؤد قیصری فرماتے ہیں کہ تسبیح تقدیس سے عام ہے کیونکہ تسبیح کہتے ہیں حدوث و امکان کے نقائص سے حق کو منزہ جاننے کو اور تقدیس کہتے ہیں حدوث و امکان کے نقائص سے بھی اور اکوان کے لوازمات سے بھی منزہ ماننا۔ کیونکہ وہ لوازمات کا اکوان کی جانب منسوب کرنے میں سے اطلاق سے خارج ہو کر تقلید میں واقع ہو جائیں گے۔ ملائکہ نے کہا کہ خلیفہ اسے بنایا جا رہا ہے جس کی اولاد سے فساد صادر ہوگا، حالانکہ خلیفہ سے اس کا صدور نہیں ہونا چاہیے، اس سے ان کا مقصود اپنے احق ہونے کا اظہار اور یہ بھی پوچھنا مقصود تھا کہ بنی آدم

کو کیوں ترجیح دی جا رہی ہے حالانکہ اس سے تو فساد کی توقع ہے، پھر گویا کہا گیا کہ ملائکہ کو اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا: تو جواب دیا گیا قَالَ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ یعنی آدم علیہ السلام کے خلیفہ بنانے کی مصلحت و حکمت جو میں جانتا ہوں تمہیں اس کا علم نہیں۔ آدم علیہ السلام کی اولاد میں فرمانبردار بھی ہوں گے اور عاصی بھی پھر عدل و فضل کا مظاہرہ ہوگا۔ تم میری حکمت و تقدیر کے پیچھے نہ پڑو اور نہ ہی میری پوشیدہ تدبیر کا انکشاف کراؤ۔ ہر مخلوق کا کام نہیں کہ خالق کے غیبی راز پر مطلع ہو نہ ہی تمام رعیت بادشاہ کے راز سے واقف ہوتی ہے۔

مسئلہ : آیت میں سالک کے لئے تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے خلفاء و مشائخ و علماء کے حضور میں با ادب رہے تاکہ ان کے سامنے انانیت اور علم کا اظہار نہ ہو جائے کیونکہ وہ طریق فناء کا سالک ہے اور فانی کو طاؤس کی طرح نہ ہونا چاہیے کہ اپنے آپ پر ہی عاشق ہوتا ہے اور اپنی ذات پر ہی نازاں ہوتا ہے بلکہ اسے چاہیے کہ اپنے وجود سے بھی بے خبر ہو، اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو اِنِّیْۤ اَعْلَمُ الخ زجر فرما کر نصیحت فرمائی ہے۔ شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ؎

نرود مرغ سوئے دانہ فراز چوں دگر مرغ بیند اندر بند
پند گیر مصائب دیگراں تا نہ گیرند دیگر از تو پند

تفسیر صوفیانہ

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں خالق" کی بجائے جَاعِلٌ فرمانے کی دو وجہیں ہیں۔

۱۔ جاعلیت خالقیت سے اعم ہے اس لیے کہ جاعلیت میں خالقیت کے معنی کے علاوہ ایک اور معنی بھی ہے وہ یہ کہ جسے پیدا کیا جائے اس میں صفت خلافت بھی ہو کیونکہ یہ اختصاص ہر ایک میں نہیں ہوتا۔ جیسا کہ داؤد علیہ السلام کے لئے فرمایا: یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ یعنی اے داؤد! ہم نے تجھے خلافت کا مستعد بنا کر پیدا کیا پھر تمہیں خلافت عنایت فرمائی۔

۲۔ جاعلیت کو عالمِ امور یعنی ملکوت سے خصوصی تعلق ہے اور یہ عالمِ خلق کی ضد ہے کیونکہ عالمِ اجسام و عالمِ محسوسات کا نام ہے۔ کما قال تعالیٰ: اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ یعنی ملک اور ملکوت اسی کے ہیں۔

قاعدہ نمبر ۱: جہاں پر عالمِ امر کا تعلق ہے وہاں اللہ تعالیٰ نے جاعلیت کو استعمال فرمایا ہے کیونکہ عالم

marfat.ocm

امر عالم خلق سے ممتاز ہے۔ کما قال تعالیٰ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ آسمان وزمین چونکہ عالمِ اجسام ومحسوسات سے ہیں اس لیے انہیں خلقیۃ سے اور ظلمات ونور عالمِ ملکوت غیر محسوس سے ہیں اس لیے انہیں جاعلیت سے تعبیر فرمایا۔

سوال: ظلمات ونور ملکوتیات سے کیسے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہ ظلمات اور نور ملکوتیات سے ہیں، ہاں وہ نور اور ظلمات جو محسوسات سے ہیں وہ آسمان وزمین کے حکم میں ہیں۔

قاعدہ نمبر ۲: جہاں پر صرف آدم علیہ السلام کی روحانیت کا ذکر ہے وہاں جعل کو لایا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا: اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ الخ

ف: اِنِّیْ جَاعِلٌ میں ایک اور اشارہ بھی ہے وہ یہ کہ ملائکہ پر آدم علیہ السلام کی عزت ظاہر ہو جائے تاکہ اسے بنظرِ تعظیم دیکھیں اور جو اس سے یا اس کی اولاد سے اوصاف بشریت ظاہر ہوتے ہیں دیکھ کر انکار نہ کریں، کیونکہ ان کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا۔

نکات: ۱۔ آدم علیہ السلام کو خلیفہ سے موسوم فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں ایسی کرامت کا شرف سوائے آدم علیہ السلام اور اس کی اولاد کے کسی کو نہیں بخشا۔

☆...... اسے خلیفہ سے موسوم کرنے میں دو وجہیں ہیں۔

۱۔ تمام مخلوق سے بعد میں تشریف لایا۔ ۲۔ اس کے بعد اور کوئی نہیں ہوا۔ اسی میں عالم کی پیدا کردہ روحانیات ہوں یا جسمانیات، سماویات ہوں یا ارضیات دنیویات ہوں یا اخرویات یا جمادات ہوں ملکوتیات کی ہر شئے موجود ہے۔ یہ درحقیقت ہر شئے کا خلیفہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اس پر خصوصی کرم ہے کہ اس میں اپنی روح بخشی۔ عالم کی کوئی شئے اس سے مکرم تر نہیں۔ بایں معنیٰ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ میں اشارہ ہے اسی اختصاص کی بنا پر عالم کا کوئی فرد صلاحیت نہیں رکھتا کہ سوائے آدم کے باری تعالیٰ کا خلیفہ بنے۔

۳۔ آدم علیہ السلام باری تعالیٰ کے صورۃً ومعناً خلیفہ اور نائب ہیں۔ صورۃً اس لیے کہ ظاہر انسان کا وجود درحقیقت حق کے وجود (موجود ہونا) کا خلیفہ ہے کیونکہ انسان کا وجود (موجود ہونا) اپنے موجد کے وجود (موجود ہونا)

marfat.ocm

پر دلالت کرتا ہے، جیسے بنا کی دلالت بانی پر ہوتی ہے اور انسان کی وحدانیت حق کی وحدانیت اور اس کی ذات حق کی ذات اور اس کی صفات کا خلیفہ ہیں۔ اسی طرح اس کی حیات حق کی حیات اور اس کی قدرت حق کی قدرت اور اس کا ارادہ حق کا ارادہ اور اس کی سمع حق کی سمع اور اس کی بصر حق کی بصر اور اس کا کلام حق کا کلام، اس کا علم حق کا علم اور اس کی روح حق کی لامکانیت اور اس کی لاجہتیت لاجہتیت کی خلیفہ ہے۔

ف: مخلوقات کا کوئی نوع حق کا خلیفہ نہیں ہو سکتا جیسے آدم اس کا خلیفہ ہے۔ اگرچہ ان کے بعض میں یہ صفات موجود ہیں لیکن صفات کا حق کا اجتماع سوائے انسان کے کسی اور میں نہیں اور نہ ہی اس کی صفت کا تجلی سوائے انسان کے قلب کے شیشہ کے کسی پر پڑتا ہے اور حیوانات میں اگرچہ بعض صفات موجود ہیں لیکن اپنے موجد کے وجود (وجود ہونا) کا علم نہیں اور ملائکہ کو گو اپنے موجد کے وجود کا علم ہے لیکن ان کے علم کا مبلغ اس مقام کو نہیں پہنچا کہ وہ اپنے نفوس کو اپنے جمیع صفات کے ساتھ پہچانیں۔ وہ حق کو بجمیع صفاتہ نہیں جانتے، اسی لیے تو کہہ بیٹھے سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا تو پاک ہے ہمیں صرف وہی علم ہے جو تو نے ہمیں سکھایا اور یہ انسان کا خاصہ ہے کہ اسے اپنے نفس کے لئے خلافت کے استحقاق کا بھی عرفان ہے اور اسمائے حق تعالیٰ کا بھی اور آدم حق تعالیٰ کا معنا خلیفہ اور نائب اس لیے ہے کہ عالم میں سوائے انسان کے کوئی ایسا چراغ نہیں کہ نور اللہ کی روشنی سے روشن ہو کر بطور خلافت زمین پر اس کی صفات کے انوار کو ظاہر کرے کیونکہ انسان میں اللہ تعالیٰ کے نور سے فیض قبول کرنے کی استعداد ہے کیونکہ اس کے قلب کے فانوس میں راز حقانی کا چراغ رکھا گیا ہے اور وہ فانوس جسد کے طاق میں ہے اور قلب کے فانوس میں روح کا تیل (زیتون) ہے۔ قریب ہے کہ اس کا تیل صفاتِ عقل سے بھڑک اٹھے اگرچہ اسے نور کی آگ نہ چھوئے اور راز حقانی کے چراغ فتیلہ خفا ہیں۔ پس جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے کہ زمین میں کسی کو خلیفہ بنائے تو سرِ انسانی کے چراغ کو اپنے جمال کے نور سے جلوہ دیتا ہے۔ پھر اپنے نور سے جس فتیلہ خفا کو چاہتا ہے راہ بتاتا ہے پھر وہ نور الٰہی کی آگ سے روشن ہوتا ہے۔ پس وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے۔ اسی درجہ سے وہ زمین پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہوتا ہے۔ اس کے صفات کے انوار عالم میں ظاہر کرتا ہے۔ عدل و احسان اور رافت و رحمت کے ساتھ ان کے مستحقین کے لئے اور قہر و غضب و انتقام میں ان کے مستحقین پر۔ چنانچہ فرمایا: یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَیُضِلَّكَ عَنْ

marfat.ocm

سَبِیْلِ اللّٰہِ اور اپنے حبیب علیہ السلام کے لئے فرمایا: بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ اور پھر اپنے محبوب علیہ السلام اور مؤمنین کے حق میں فرمایا: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ ایسے صفات کا ظہور نہ حیوانات پر ہوا اور نہ ملائکہ پر۔ اس تقریر کی دلیل کے لئے ہاروت و ماروت کا واقعہ ہی کافی ہے کہ جب انہوں نے اولادِ آدم علیہ السلام پر اتباعِ ہوئی اور قتل و ظلم و فساد کے متعلق اعتراض کیا اور کہا کہ اگر ہم ان کے بجائے زمین پر خلیفے ہوتے تو جس طرح یہ کر رہے ہیں ہم ہرگز نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں لباسِ بشریت پہنا کر زمین پر بھیجا اور فرمایا کہ لوگوں کے مابین حق کا فیصلہ کرنا اور شرک نہ کرنا اور نہ ہی ناحق قتل کرنا نہ زناء کا ارتکاب کرنا اور نہ شراب پینا، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان پر ایک ماہ بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ منہیات کے مرتکب ہو گئے شراب بھی پی لی، خون بھی بہایا، زناء بھی کیا اور ناحق قتل بھی اور بُت کو سجدہ بھی کیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ خلافت انسان کا خاصہ ہے اور نورِ الٰہی کے فیضان کو قبول کرنا بھی اس سے مخصوص ہے۔ اگر ملائکہ اس کے اہل ہوتے تو وہ ان اوصافِ مذمومہ بہیمیہ میں مبتلا نہ ہو جاتے۔ دیکھئے انبیاء کرام علیہم السلام ایسے رذیل صفات و خسیس اخلاق سے منزہ و معصوم ہیں۔ اگرچہ ان کے صفاتِ بشریہ کو یہ اوصاف لازم تھے لیکن تجلیٔ حق کے نور سے ان کے دل کے چراغ روشن ہو چکے اور ان کے قلوب کے نور سے ان کے اجسام کے فانوس نوریاب ہوئے ظاہراً بھی اور باطناً بھی اور ان کی زمین (اجسام و ارواح) اپنے رب کے نور سے جگمگا رہی ہے۔ بناء بریں ان صفاتِ رذیلہ کے ظلمات کو ظہور کی مجال بھی نہیں کیونکہ ان پر انوارِ حق کا غلبہ ہے۔ پس ملائکہ نے جب آدم علیہ السلام کے جسمِ اطہر کو ابتداءً دیکھا تو بنظرِ ملکوتی الملکی ان کو ملکوت جسد پر ظلماتِ بشریہ و حیوانیہ و سبعیہ سامنے آ گئیں اور یہ صفات ان سے غائب بھی نہیں تھیں بنا بریں کہہ بیٹھے: قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْہَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْہَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ ملائکہ کے اس قول میں چند نکتے ہیں:

۱۔ یہ قول دراصل اللہ تعالیٰ نے ہی ملائکہ سے کہلوایا تاکہ ہمارے لیے متحقق ہو جائے کہ یہ مذموم صفات ہماری طینت میں مُودع ہیں اور ہماری جبلت کی ترکیب انہی سے ہے ہمیں اپنے نفسِ امارہ کے مکر سے بے خوف نہ رہنا چاہیے اور نہ ہی اسے بے قصور سمجھیں جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے فرمایا: وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ۲۔ تاکہ ہمیں پتہ چل جائے کہ ہر وہ عمل صالح جو ہم بجالاتے ہیں یہ صرف اس کی

مہربانی ہے کہ اس نے ہمیں نیک عمل کرنے کی توفیق بخشی اور وہ فساد وظلم جو ہم سے سرزد ہوئے اسے اپنی طبعی شامت اور خاصہء فطرت سمجھیں۔ کما قال تعالیٰ: مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ اور ہر وہ فساد وظلم جس سے ہم بچ جاتے ہیں یا ہم اس کے مرتکب نہیں یہ اس کی حفاظت وکرم کا نتیجہ ہے۔ کما قال تعالیٰ: اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ۳۔ تاکہ ہمیں معلوم ہوا کہ اس کریم نے اپنے فضل وکرم سے اپنی عبودیت وخلافت کے لئے چن لیا (ورنہ ہم اس کے اہل کب تھے) اور پھر اپنے حسنِ کرم سے ہمارے لیے ملائکہ کو فرمایا: اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (ورنہ ہم اس کے لائق کب تھے) تاکہ ہم اس کی رحمت سے ناامید نہ ہو جائیں اور نہ اس کی خدمت (عبادت) سے دور نہ جا پڑیں۔

۴۔ تاکہ معلوم ہوا کہ استعداد کا فاسد ہونا ایک عظیم امر ہے اور خلافت کی بنا بھی استعدادِ قابلیت پر ہے اور ملائکہ کو بھی یہ استعداد اور قابلیت نصیب نہ ہوئی پھر ہمیں اس سعادتِ عظمٰی سے غفلت نہ کرنی چاہیے بلکہ اس کے حصول کے لئے سر توڑ کوشش کرنی چاہیے۔

۵۔ ملائکہ نے اَتَجْعَلُ فِيْهَا الـخ اس لیے کہا کہ انہوں نے جسدِ آدم کو قبل از نفخ روح دیکھا اور بنظر مَلَکی اس کے جسد کے ملکوت میں جو کہ عناصر اربعہ متضادہ سے پیدا ہے صفاتِ بشریہ، بہیمیہ اور سبعیہ (جو کہ اضداد وعناصر کی ترکیب میں متولد ہوتی ہیں) کو ملاحظہ فرمایا۔ جیسے کہ وہ حیوانات اور درندگان (پھاڑ کھانے والے) کے اجساد کو ملاحظہ کرتے تھے بلکہ ان سب کا آدم علیہ السلام کی پیدائش سے قبل معائنہ کر چکے تو آدم علیہ السلام کا ان پر قیاس کر لیا جبکہ آدم علیہ السلام ان احوال کا مشاہدہ محققانہ طور پر کر چکے اور یہ احوال ان سے غیب میں نہیں تھے بلکہ یہ احوال ہم سے غیب ہیں کیونکہ ہم تو بذریعہ حواس معلوم کرتے ہیں اور حس والوں کے لئے ملکوت غیب ہوتا ہے اور بعض ہم میں وہ بھی ہیں جو بنظر ملکوتی دیکھا کرتے ہیں جس کی وجہ سے وہ ملائکہ اور روحانی ملکوتیات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ: وَكَذٰلِكَ نُرِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور فرمایا: اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اس لحاظ سے اشیلہ غیب نہیں ہوں گی، کیونکہ غیب وہ ہے جو ہم سے پوشیدہ ہو اور جس کا مشاہدہ کر لیں تو وہ غائب نہیں ہوگی بلکہ شہادت (حاضر) ہوگی۔ پس ملکوت ملائکہ کے لئے شہادت ہوگی اور "الحضرۃ الالھیۃ" ان کے لئے غیب ہے کیونکہ حضرت الٰہیہ تک ملائکہ کی رسائی نہیں، اور انسان کو عالمِ شہادت محسوسہ سے

marfat.ocm

صورت حاصل ہوئی اور عالمِ غیب ملکوتی غیر محسوس ہے روح ملی اور ایک راز حقانیہ نصیب ہوا۔ جس کی بدولت اسے نورِ الٰہیہ کے فیضان کے قبول کرنے کی استعداد ہے۔ پھر تربیت شیخ سے عالمِ شہادت سے ترقی کر کے عالمِ غیب (جس کا نام عالمِ ملکوت ہے) تک پہنچتا ہے۔ پھر رازِ حقانی کی متابعت اور خصوصیتِ حصہ سے عالمِ ملکوت سے ترقی کر کے عالمِ جبروت و عظموت جس کا نام غیب الغیب ہے تک پہنچ جاتا ہے پھر نورِ ربانی (جو اسے رازِ حقانی کی متابعت کے ذریعہ نصیب ہوا) کے انوارِ جمال وجلال کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اس موقعہ پر خلافتِ حق میں غیب وشہادت کا جاننے والا ہو جاتا ہے۔ کما قال تعالیٰ: عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا یعنی مخصوص غیب، یعنی غیب الغیب پر اَحَدًا (کسی ایک) یعنی ملائکہ کو مسلط نہیں کرتا۔ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ مگر جس کسی ایک رسول یعنی انسان کامل سے راضی ہو پس یہی راز مخفی ہے جو اس انسان میں مرکوز (جو اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا اور ملائکہ سے یہ راز پوشیدہ تھا) کما قال تعالیٰ: اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ

۶۔ جب ملائکہ نے اپنی عبادات اور استعداد عصمت اور آدم علیہ السلام کی صفاتِ نفسانیہ کو دیکھا تو اپنے آپ کو اعلیٰ شان اور آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو حقیر سمجھ کر کہا: اَتَجْعَلُ فِیْهَا یعنی ان کو زمین کا خلیفہ بنا کر بھیج رہا ہے باوجودیکہ اس سے زمین میں فساد پھیلانے اور خونریزی کا امکان ہے، حالانکہ ہم تیری تسبیح وتقدیس میں مصروف ہیں۔ بنابریں ان اوصاف کی وجہ سے خلافت کے حقدار تو ہم ہیں، ان کا اعتراض بنی اسرائیل کی طرح ہے جبکہ ان پر اللہ تعالیٰ نے طالوت کو بادشاہ بنا کر بھیجا تو کہنے لگے: یہ ہم پر بادشاہ کیسے بن گیا، بادشاہی کے حقدار تو ہم ہیں کیونکہ اس کے پاس تو اتنا وسیع مال نہیں ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ بادشاہی کا استحقاق مال پر موقوف نہیں بلکہ یہ تو میرا اپنا انتخاب ہے بلحاظ: بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ اسی لئے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَیْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ یُؤْتِیْ مُلْكَهٗ مَنْ یَّشَآءُ اسی طرح یہاں بھی اجمالاً ملائکہ کو یونہی فرمایا کہ: اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ بیشک میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ پھر تفصیل فرمائی کہ:

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ بیشک آم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے چُن لیا اور فرمایا: وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا آدم علیہ السلام کو کل اسماء سکھائے اور فرمایا: مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ اس شے نے تجھے روکا کہ تو اسے سجدہ کرتا جسے میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا: تا کہ ملائکہ کو پتہ چل جائے کہ ملک خلافت کی استعداد واستحقاق کثرت

طاعات کی وجہ سے نہیں بلکہ وہ مالک الملک اپنا ملک جسے چاہے دے دے اور جس سے چاہے چھین لے اور جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کرے اور چونکہ ملائکہ نے اپنی طاعات کی وجہ سے آدم علیہ السلام پر فخر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو علمِ اسماء سے نوازا تا کہ فرشتگان کو معلوم ہو جائے کہ اگر ہم اہلِ طاعت وخدمت ہیں تو وہ آدم علیہ السلام اہلِ عقل ومنّت ہے۔ اہلِ طاعت وخدمت اور اہلِ عقل ومنّت میں بہت بڑا فرق ہے پس فخر کرنے پر انہیں حکم ہوا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں تا کہ انہیں پتہ چلے کہ اللہ تعالیٰ ان کی عبادت سے مستغنی ہے، اور آدم علیہ السلام پر احسان کی بناء پر ملائکہ کا مسجود بنایا تا کہ انہیں خبر ہو جائے کہ فضل اس کے ہاتھ میں ہے جسے چاہے دے۔

ف: اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ میں ایک اور اشارہ بھی ہے، وہ یہ کہ جس طرح آدم علیہ السلام کے ایسے فضائل ہیں جن کی ملائکہ کو خبر نہیں، اسی طرح ان کے رذائل اور اوصاف ہیں کہ جن کا ان کو علم نہیں، کیونکہ ان کو پتہ نہیں کہ آدم علیہ السلام کے ان اوصافِ مذمومہ کا جو ان کے جسم کا نتیجہ ہیں جو دیگر حیوانات میں مشترک ہیں، جو اس کے ملکوت میں مودع ہیں اور یہ ان اوصافِ مذمومہ کے غیر ہیں جو نفسِ لمّارہ کے نتائج سے ہیں جو کہ شرع کو استعمال نہ کرتے ہوئے روح کی نظر نفس کے تابع ہوتی ہے جیسے عُجب، ریاء، سمعہ، حسد، حُبِّ دنیا کو آخرت سے پسند کرنا، بدعۃ، دل کا کھوٹ اور برا اعتقاد اور دیگر وہ معاملات اس کے شریک ہیں۔

تفسیر عالمانہ

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو مٹی کو وحی الہام ہوا کہ تجھ سے اللہ تعالیٰ کے خلیفہ پیدا ہونے والے ہیں، ان میں بعض تو فرمانبردار ہوں گے جو بہشت میں داخل ہوں گے اور بعض نافرمان، جو دوزخ کا ایندھن ہوں گے، زمین نے عرض کی: کیا مجھ سے بھی نافرمان پیدا ہوں گے اور وہ دوزخ کے بھی مستحق ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ سے حکم ہوا: ہاں، ایسے ہی ہوگا، یہ حکم سن کر زمین روئی جس سے چشمے بہ نکلے جو قیامت تک جاری رہیں گے۔

آدم علیہ السلام کی پیدائش کا واقعہ

اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ جا کر زمین کے چار گوشوں سے سیاہ، سرخ، سفید، اطب

اخبث، نرم، سخت، پہاڑی ہر قسم کی مٹی لے آؤ۔ جبریل علیہ السلام زمین سے مٹی اٹھانے لگے تو زمین نے کہا: تجھے اس ذات کی قسم ہے جس نے تجھے میرے ہاں بھیجا، مجھ سے ذرہ برابر بھی مٹی نہ اٹھانا کیونکہ بادشاہ کے قرب میں اگرچہ بیشمار منافع ہیں لیکن اس سے خطرات بھی بہت ہیں، جیسے کہ کہا گیا ہے:۔

بدریا در منافع بے شمار است اگر خواہی سلامت بر کنار است

ترجمہ: اگر دریا میں بیشمار منافع ہیں، اگر سلامتی چاہتا ہے تو کنارے پر رہو۔

جبریل علیہ السلام خالی لوٹے اور بارگاہِ لایزال میں عرض کی کہ مجھے زمین نے تیری ذات کی قسم دی ہے اس لیے مٹی اٹھانے میں مجھے شرم محسوس ہوئی، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے میکائیل علیہ السلام کو بھیجا اس کے ساتھ بھی زمین نے وہی کیا جو جبریل علیہ السلام سے کیا تھا، وہ بھی خالی آ گئے اور جبریل علیہ السلام کی طرح معذرت کی، پھر اسرافیل علیہ السلام کو روانہ کیا گیا اس سے بھی زمین نے وہی التجا کی، وہ بھی خالی آئے، اور جبریل ومیکائیل علیہما السلام کی طرح معذرت ظاہر کی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ملک الموت علیہ السلام کو حکم فرمایا وہ جب مٹی اٹھانے لگے تو زمین نے کہا: میں تجھے اس ذات کا واسطہ دیتی ہوں جس نے تجھے مجھ سے مٹی اٹھانے کے لئے بھیجا، مجھ سے مٹی نہ لے جا کہ اس سے ایسی مخلوق پیدا ہوگی جو اپنے مالک کی نافرمان ہو کر دوزخ کا ایندھن بنے گی، عزرائیل علیہ السلام نے کہا: میں بھی تجھے اس ذات کا واسطہ دیتا ہوں کہ میں تجھ سے مٹی ضرور اٹھاؤں گا تاکہ مجھے نافرمانوں میں شمار نہ کیا جائے۔ عزرائیل علیہ السلام نے یہ کہہ کر زمین کے چار گوشوں سے چالیس گز برابر مٹی اٹھالی۔ زمین کے مختلف رنگوں کی وجہ سے بنی آدم کے بھی مختلف رنگ ہیں کہ ان میں بعض سفید ہیں، بعض سیاہ، بعض نرم، بعض سخت۔

ف: اس مٹی کا ہر ذرہ ہر انسان کا اصل بدن ہو گیا جس جگہ سے جس انسان کی مٹی کا ذرہ لیا گیا وہاں ہی وہ مدفون ہوگا مٹی لے کر حضرت عزرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے عزرائیل! کیا تمہیں زمین کی فریاد سے رحم نہ آیا۔ عرض کی: الٰہی! تیری فرمان کے آگے اس کی زاری کا کیا حق تھا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اب آدم کی ارواح قبض کرنے پر تجھے مامور کرتا ہوں۔

میت کو خوشبو لگانے میں حکمت:۔ روضۃ العلماء میں ہے کہ زمین نے شکایت کی: یا اللہ! مٹی اٹھانے سے

marfat.ocm

تو مجھ میں کمی آگئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: گھبراؤ مت، تجھ میں جب واپس آئے گا تو پہلے سے زیادہ حسین و خوشبودار ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ مُردے کو عطر و مشک سے معطر کیا جاتا ہے۔

پھر عزرائیل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اس کے نصف کو دوزخ اور نصف کو جنت میں ڈبو کر وادی نعمان جو مکہ و طائف کے درمیان ہے جا کر رکھ دو۔ اللہ تعالیٰ نے حسبِ منشاء اس مٹی کو وہاں رکھا۔ بعد ازاں اسے وہاں سے نکال کر اس پر ابرِ کرم کی بارش برسائی جس سے اس مٹی کا لیسدار گارا بن گیا۔ اس سے آدم علیہ السلام کا جسم تیار کیا گیا۔

ف: آدم علیہ السلام کی پیدائش میں علماء کا اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ آسمانِ دنیا میں پیدا ہوئے، بعض کہتے ہیں کہ زمین کے باغات میں سے ایک باغ ہے جو ایک عزت والا مکان ہے جس سے دریائے نیل جاری ہوتا ہے، اسی طرح دیگر نہریں، لیکن اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ جنتِ عدن میں پیدا کیے گئے، پھر وہاں سے نکالے گئے۔ **(کذافی کشف الکنوز)**

حدیث قدسی: میں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے آدم علیہ السلام کی مٹی کو اپنے ہاتھ سے خمیر کیا اور پھر اسے چالیس سال تک چھوڑے رکھا (یاد رہے) کہ اس عرصہ کا ایک دن دنیوی سالوں کے ایک ہزار سال کا تھا، یہاں تک کہ وہ خشک ہو کر صلصال ہو گیا، صلصال اس مٹی کو کہتے ہیں جو نہایت خشک ہو کر ٹھیکری کی طرح بجے، پھر اس پر انتالیس سال غم کا مینہ برسایا، بعد ازاں صرف ایک سال راحت و سرور کی بارش ہوئی، یہی وجہ ہے کہ بنی آدم کو غم و الم گھیرے ہوئے ہوتے ہیں۔ لیکن ان کا انجام سرور پر ہوتا ہے، جیسا کہ مقولہ مشہور ہے:

آغاز کا انجام ہوتا ہے   اور ہر دکھ کا آرام ہوتا ہے
انّ مع العُسرِ یُسرش قفاست   شاد برانم کہ سلامِ خداست

ف: ملائکہ ان کے پاس سے گزرے، ان کی اچھی صورت اور بلند قامت دیکھ کر تعجب کرتے کیونکہ ان کا قد پانچ سو گز کا تھا (واللہ اعلم) گز کتنا لمبا تھا کہ آدم کا سر آسمان کو مس کرتا تھا اور اس سے قبل اُس جیسی شکل انہوں نے دیکھی نہیں تھی۔

ایک روز ابلیس کا بھی گزر ہوا، دیکھ کر کہنے لگا کہ یہ کس وجہ سے پیدا ہوا ہے اپنا ہاتھ ان کے جسم پر مارا تو

کھوکھلا معلوم ہوا، اس کے اندر گھس گیا اور پیچھے سے نکل آیا اور اپنی جماعت (وہ ملائکہ جو اس وقت اس کے ساتھ تھے) سے کہنے لگا یہ (آدم) کھوکھلا پیدا کیا گیا ہے فلہٰذا یہ کسی بت پر ثابت قدم نہ رہ سکے گا۔ اب مجھے بتاؤ اگر اسے تم سے افضل بنایا گیا تو تم کیا کرو گے؟ انہوں نے کہا: ہم اپنے مالک کا فرمان مانیں گے۔ ابلیس ملعون نے اپنے دل میں کہا اگر اسے مجھ سے افضل بنایا گیا تو میں اس کے تابع نہیں رہوں گا۔ (اگر اسے میری فانبرداری میں دیا گیا تو ذلیل کروں گا)

عاقبت گرگ زادہ گرگ شود
گرچہ با آدمی بزرگ شود

پھر اپنی تھوک جمع کر کے مقامِ ناف (آدم علیہ السلام) پر ڈال دی۔ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ اس تھوک کو نافذ سے کرید لیں۔

انسان کی ناف سے کتے کی پیدائش: ناف کی گہرائی جبرائیل علیہ السلام کے مقامِ ناف (آدم علیہ السلام) سے مٹی کریدنے کی وجہ سے ہے۔ پھر اس کریدی ہوئی مٹی سے کتے کو پیدا کیا گیا۔ اسی لیے کتے میں تین عادتیں پائی جاتی ہیں:

۱۔ آدمی سے مانوس اس لیے ہے کہ آدم علیہ السلام کی مٹی سے اس کی پیدائش ہوئی۔

۲۔ رات بھر اس لیے بیدار رہتا ہے کہ مٹی کو جبرائیل علیہ السلام نے چھوا۔

۳۔ اس کا انسان وغیرہ کو کاٹنا اور دیگر شرارتیں کرنا شیطان کی تھوک کا اثر ہے۔

ف: حضرت آدم علیہ السلام کو جمعہ کی عصر کے بعد پیدا کیا گیا۔

آدم کی وجہ تسمیہ اور روح کا داخلہ:۔ آدم علیہ السلام کو اس نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ ان کی ترکیب اذیم الارض یعنی زمین کے مختلف رنگوں سے ہے۔

جب آدم علیہ السلام میں اللہ تعالیٰ نے نفخ روح کا ارادہ فرمایا تو روح کو حکم فرمایا کہ آدم علیہ السلام کے اندر داخل ہو جا۔ روح نے عرض کی: الٰہی! یہ جگہ نہایت گہری اور بہت تاریک مکان ہے، دوسری بار حکم ہوا تو اس نے پھر وہی معذرت کی۔ تیسری بار حکم ہوا تب بھی وہی کہا: اس کے بعد روح آدم علیہ السلام کے اندر خود بخود داخل ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بلا رضا (مجبورا) داخل ہو رہی ہے تو پھر نکلنے میں سخت دشواری ہوگی۔ یہی

وجہ ہے کہ جب روح نکلتی ہے تو سخت تکلف ہوتی ہے۔ جب نفخ روح کیا گیا تو پہلے سر اور پیشانی اور دونوں کانوں اور زبان میں پہنچی پھر تمام جسم میں پھیلنے لگی یہاں تک کہ قدموں تک پہنچی تو آگے کوئی راہ نہ تھی واپس ناک کے سوراخوں سے نکلی تو آدم علیہ السلام کو چھینک آ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا: کہو:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ آدم علیہ السلام نے کہی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یرحمک اللہ (اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے)

جب روح گھٹنوں کے اندر داخل ہوئی تو آدم علیہ السلام نے چلنے کو چاہا، لیکن چل نہ سکے۔ جب روح قدموں میں پہنچی تو چلنے لگے (آدم علیہ السلام کی عجلت کو دیکھ کر) باری تعالیٰ نے فرمایا: خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ (انسان جلد باز پیدا کیا گیا) اسی سے پورا بشر ہوا، جس میں گوشت، خون، ہڈیاں، عصب، آنتیں وغیرہ جمع کیے گئے۔ پھر ان کو ناخنوں کی طرح کا ایک لباس پہنایا، جس سے آدم علیہ السلام کے حسن میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا اسی سے ملبوس تھے اور اسی سے ان کا تاج تھا۔

آدم علیہ السلام کے جسم میں نو دروازے

ان میں سات دروازے تو ان کے سر میں رکھے گئے۔ (۲،۱) دو کان جن سے کلام سنیں۔ (۴،۳) دو آنکھیں جن سے اشیاء کو دیکھیں۔ (۶،۵) ناک کے دو سوراخ جن سے ہر بودار شئے کو سونگھیں۔ منہ میں زبان ہے جس سے بولیں۔ (۷) حلق کا باب ہے کہ جس سے ہر شئے کا ذائقہ محسوس ہو۔ (۹،۸) دروازے دیگر جسد میں یعنی قُبُل دُبُر کہ جس سے طعام کا فضلہ خارج ہو۔ عقل کو دماغ میں اور حرص کو رانوں میں اور غضب کو جگر میں اور شجاعت کو قلب میں اور رغبت کو حلق میں اور ضحک کو طحال میں، خوشی و غم کو منہ میں رکھا گیا، پاک ہے وہ ذات جس نے ہڈی کو سننے کی اور چربی کو دیکھنے کی اور گوشت کو بولنے کی اور خون کو پہچاننے کی طاقت بخشی۔

آدم علیہ السلام کا علم: جب آدم علیہ السلام کے جسم مبارک کی تکمیل ہو گئی تو انہیں تمام اشیاء کے اسماء کا علم دیا یعنی اسماء کا علم ان کے دل پر الہام کیا۔ پھر بات بھی زبان پر ظاہر ہوئی۔ مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جمیع لغات کے تمام مسمیات کے اسماء سکھا دیے۔ بایں معنیٰ کہ جس جنس کو جس طرح پیدا فرمایا اس کو سامنے لا کر فرمایا کہ اس کا نام گھوڑا ہے، اس کا نام اونٹ وغیرہ، ساتھ ہی یہ بھی بتایا گیا کہ ان کو فلاں منافع دینیہ و دنیویہ کے لئے پیدا فرمایا گیا ہے اور تمام ملائکہ کے اسماء بتائے اور تمام (اولاد آدم) کے اسماء اور اسی طرح جمیع

حیوانات و جمادات کے اسماء بتائے اور ہر کاریگری، تمام شہروں اور بستیوں کے نام اور تمام پرندوں اور درختوں کے نام اور ان سے جو ضروریات پوری ہوں گی وغیرہ، اور ہر ذی روح شئے جو بھی قیامت تک پیدا ہو گی، ہر معلوم اور ہر مشروب کے اسماء اور بہشت کی ہر نعمت کا نام، یہاں تک کہ پیالہ اور تھال اور ٹب کے اسماء بتائے۔

مسئلہ : کشف الکنوز میں فرماتے ہیں کہ اہلِ علم کے جم غفیر نے اجماع کیا ہے کہ تمام اسماء توقیفیہ ہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام میں علم ضروری پیدا فرمایا کہ جس سے انہیں الفاظ و معانی کی معرفت ہو جاتی اور انہیں معلوم ہو جاتا کہ یہ الفاظ فلاں فلاں معانی کے لئے موزوں ہیں۔

حدیث شریف نمبر ۱: جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو اس میں حروف کے اسرار کو پھیلا دیا جبکہ فرشتگاں اس بات سے محروم رہے، پھر حروف آدم علیہ السلام کی زبان سے فنون لغات خارج ہوتے۔ پھر اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کے لئے ان حروف کی صورتیں بنا دیتا جو مختلف اشکال میں متشکل ہو کر ان کے سامنے آ جاتے۔

حدیث شریف نمبر ۲: آدم علیہ السلام کو سات لاکھ لغت سکھائی گئیں۔ جب شجرِ ممنوعہ دکھایا تو لغت عربیہ کے سوا باقی تمام لغتیں سلب ہو گئیں۔ پھر جب انہیں نبوت عطا ہوئی تو تمام لغات لوٹا دی گئیں۔ یہ ان کا معجزہ تھا کہ قیامت تک ان کی اولاد جتنی لغات بولے گی سب آدم علیہ السلام جانتے اور بولتے بھی تھے۔ مثلاً عربی، فارسی، رومی، سریانی، یونانی، عبرانی، زنجی وغیرہ۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو کاروبار کی ہزار صنعتیں سکھائیں اور فرمایا کہ اپنی اولاد سے کہہ دو کہ ان صنعتوں سے دنیوی فوائد جس قدر چاہیں حاصل کریں، لیکن دین اور احکام شرع کو اپنا ذریعہ معاش نہ بنائیں۔

ف: آدم علیہ السلام کھیتی باڑی کرتے۔[1] نوح علیہ السلام بڑھئی تھے۔ ادریس علیہ السلام درزی۔ صالح علیہ السلام تاجر۔ داؤد علیہ السلام زرہ باف تھے۔ سلیمان علیہ السلام اپنی سلطنت میں زنبیل بنتے اور بیچ کر گزارہ کرتے۔ بیت المال سے ہرگز نہ کھاتے۔ حضرت موسیٰ، حضرت شعیب علیہما السلام اور حضرت محمد

---

[1] تفسیر "فتح القدیر" میں ہے کہ اَوَّلَ مَنْ حَاکَ آدَمُ علیہ السلام (سب سے پہلے آدم علیہ السلام نے کپڑا بُنا) اور شیث علیہ السلام بھی کپڑا بنتے تھے۔ (مترجم)

marfat.ocm

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم رائی تھے اور ہمارے پیارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں اکثر خیاطت کا کام کرتے۔

مسئلہ : حدیث شریف میں ہے کہ مردوں میں ابرار کا کام خیاطت ہے اور عورتوں کا کام چرخہ کاتنا۔

(کذافی روضۃ الاخیار)

ف : علماء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قول وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ، اَلْاَسْمَآءَ استغراق کا تقاضا کرتا ہے اور کُلَّهَا شمول کو واجب کرتا ہے اب جس طرح انہیں مخلوق کے اسماء بتائے اسمائے حق بھی ضرور بتائے ہوں گے۔ اب وہ مخلوق کے اسماء جاننے سے مخصوص ہو کر مسجود ملائکہ ٹھہرے۔ نہ معلوم اسمائے حق جاننے سے انہیں کیا رتبہ ملا ہوگا۔ ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ یعنی مسمیات کو ملائکہ کے سامنے پیش کیا۔

سوال : عَرَضَهُمْ میں ضمیر مذکر کیوں لائی گئی؟

جواب : مسمیات میں عقلاء بھی شامل ہیں ان کی وجہ سے تغلیباً ضمیر مذکر لائی گئی۔ العرض بمعنیٰ اظہار الشئی للغیر، تاکہ شئے کا حال معلوم ہو۔

حدیث شریف میں ہے:۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”سب چیزوں کے نمونے آدم علیہ السلام کے سامنے چھوٹی چھوٹی کیڑیوں کی طرح پیش کیے گئے“

ف : ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نوع کے افراد بطور نمونہ پیش فرمائے ہوں تاکہ اس سے باقیوں کے احوال واحکام معلوم ہوں۔

نکتہ : آدم علیہ السلام کو اسماء کی تعلیم پھر ملائکہ کے سامنے پیش کرنے میں آدم علیہ السلام کی بلند قدری اور ان کا چناؤ مقصود تھا اور اپنے اسرار اور علوم مکنونہ (جو اس کے مخصوص غیب سے ہیں) جس کی زبان پر چاہے ظاہر کردے وہ باری تعالیٰ آدم صفی اللہ علیہ السلام کو اسماء سکھائے اور مکرم بنایا تاکہ اپنے علم ومعرفت میں کسی فرشتہ وغیرہ کا محتاج نہ ہو، یہ اللہ تعالیٰ کی وہ رحمت ہے جو ہر شئے کو واسع ہے۔ فَقَالَ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو تعجیزاً و تبکیتاً فرمایا:

مسئلہ: تعجیز کا خطاب جائز ہے۔

قاعدہ: خطاب تعجیز وہ ہے جو کسی شئے کے لانے کا حکم کیا جائے لیکن اس شئے کا لانا مقصود نہ ہوتا کہ مخاطب کا عجز ظاہر ہو جائے۔ اگرچہ وہ شئے فی نفسہٖ محال ہو، جیسے قیامت میں مصورین کو اس صورت کے احیاء کا حکم ہو گا کہ بناؤ وہ صورتیں جسے وہ دنیا میں بناتے تھے تا کہ ان کا عجز ظاہر ہو جائے اور انہیں ندامت ہو۔ اگرچہ اس وقت ندامت کام نہیں آئے گی۔

اَنْۢبِـُٔوْنِیْ مجھے خبر دو۔ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ ان موجودات کی۔ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ اگر تم اپنے گمان میں سچے ہو کہ خلافت کے حقدار ہم ہیں۔ جیسے آدم علیہ السلام تمام حالات بتا رہے ہیں تم بھی بتاؤ۔

مسئلہ: علمِ توحید کے بعد علم لغت کا سیکھنا اولیٰ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو آدم علیہ السلام کی فضیلت اس کی وجہ سے ظاہر فرمائی۔

مسئلہ: مدعی سے دعویٰ پر حجت کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ جیسے ملائکہ نے اپنی فضیلت کا دعویٰ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے دلیل کا ارشاد فرمایا۔ انہوں نے غیب کی بحث چھیڑی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مشاہدہ کی بات سے عاجز کیا یعنی جس شئے کو دیکھ کر بھی تم معلوم نہیں کر سکتے، پھر جن کو تم نے دیکھا بھی نہیں ان کے لئے فساد کا دعویٰ کیسے کر رہے ہو۔

تنبیہ: اے لفظی مدعیو! حقیقت کی تلاش کرو، اور اے معرفت کے دعویدارو! محبت کا ہونا تمہارے لیے ضروری ہے اور محبت کا دم بھرنے والو! تمہارے لیے طاعت لازمی ہے۔

نکتہ: حضرت ابو بکر واسطی فرماتے ہیں محال ہے کہ بندہ اپنے آقا کو پہچان لے اور اس سے محبت نہ کرے اور پھر محال ہے کہ اس سے محبت تو ہو لیکن اسے یاد نہ کرے اور پھر یہ بھی محال ہے کہ اسے یاد کرے لیکن اسے یاد کرنے میں اس کے ذکر میں حلاوت نہ پائے اور محالات سے ہے کہ اس کے ذکر کی حلاوت پا کر غیر سے مشغول ہو۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا جملہ مستانفہ ہے۔ سوال کا جواب ہے گویا سوال کیا گیا کہ جب انہیں حکم ہوا تو کیا وہ اس حکم سے عہدہ برآ ہوئے یا نہ؟ جواب میں فرمایا گیا: سُبْحٰنَكَ ہم تیری ذات کی تنزیہ بیان کرتے ہیں ان امور سے جو تیری شان اقدس کے لائق نہیں۔ منجملہ ان کے یہ بھی کہ تیرے افعال مصلحتوں اور حکمتوں سے خالی نہیں ہوتے۔

marfat.ocm

قاعدہ :۔ دراصل یہ کلمہ توبہ سے پہلے لایا جاتا ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:۔ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ اِلَيْكَ تو پاک ہے میں نے تیرے ہاں توبہ کی اور یونس علیہ السلام نے کہا:۔ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ پاک ہے تو بے شک میں ظالموں میں سے ہوں۔

قاعدہ :۔ سُبْحٰنَ مصدر کا قائم مقام ہو کر آتا ہے اور اضافت کے بغیر نہیں ہوتا جب اضافت کے بغیر ہو تو اس وقت تسبیح کا علم ہو کر غیر منصرف پڑھا جائے گا بسبب علیت اور الف ونون زائدتان کے لَاعِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ملائکہ کو جس وقت تسبیح کا حکم کیا گیا اس کے لانے سے عجز کا اعتراف کر رہے ہیں کہ ہمیں صرف اتنا علم ہے جتنا تو نے ہمیں عطا فرمایا۔

مسئلہ :۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کا سوال استفسار اً تھا اعتراض کے طور نہ تھا۔ کیونکہ آیت کا معنی یہ ہے کہ ہمیں علم نہیں مگر وہ جو ہمارے لئے مناسب تھا ہماری قابلیت کے مطابق سکھایا اور جو شئے ہماری استعداد کے دائرہ سے خارج ہے ہماری قدرت میں نہیں۔ اگر ہم اس کے اہل ہوتے تو ہمیں عنائت فرما دیتا۔ ما مصدریہ ہے اب عبارت یوں ہوگی۔ ای لا علمنا علمنا مگر اتنا کہ تو نے ہمیں سکھایا۔ اس کا محل رفع ہے ترکیب میں لا علم کے موضع سے بدل ہے جیسے لا الٰہ الا اللّٰہ میں۔

اِنَّكَ اَنْتَ، اَنْتَ ضمیر فصل کی ہے اس پر اعراب کا کوئی محل نہیں اَلْعَلِیْمُ وہ ذات کہ جس پر کوئی شئے مخفی نہیں۔ ملائکہ "اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ" کہہ کر "اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ" کی تحقیق وتوثیق کر رہے ہیں۔ اَلْحَكِیْمُ اپنی مصنوعات کی حکمتوں کو پختہ کرنے والا ہے اور کوئی کام نہیں کرتا مگر اس میں بڑی حکمت مضمر ہوتی ہے۔

تنبیہ :۔ بندہ کو چاہئے کہ اپنے نقصان اور اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان سے غافل نہ ہو اور نہ ہی جس کا اسے علم نہیں اس سے لاعلمی کے اظہار میں عار کرے اور جس کا اسے علم ہے نہ چھپائے اسی لئے علماء فرماتے ہیں۔

لا ادری (میں نہیں جانتا) کہنا نصف علم ہے۔

حکایت: قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:۔ لا ادری لوگوں نے کہا بیت المال سے اتنا اتنا مال کھاتا ہے اور پھر کہتا ہے: لا ادری آپ نے فرمایا میں تو یہ اپنے علم کے اندازہ کے مطابق کھاتا ہوں۔ اگر جہالت کی وجہ سے مجھے کچھ ملتا تو پھر دنیا میرے پاس ان گنت ہوتی۔

حکایت: ایک عالم سے منبر پر ایک مسئلہ پوچھا گیا، انہوں نے فرمایا: لا ادری، لوگوں نے کہا: یہ منبر جاہلوں کے لئے نہیں۔ انہوں نے فرمایا: منبر پر بیٹھنے کا شرف مجھے علم کی وجہ سے ملا ہے۔ اگر مجھے جہالت کی وجہ سے بلندی ملتی تو اب تک میں آسمان پر پہنچ جاتا۔

قَالَ یہ جملہ بھی مستانفہ ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے یٰۤاٰدَمُ اَنۡۢبِئۡهُمۡ اے آدم ان کو خبر دے دو بِاَسۡمَآىِٕهِمۡ یعنی وہ اسماء کہ جن کے علم سے فرشتگان نے عاجز آ کر اسماء کے مراتب تک پہنچنے تک اپنی ہمت کے قصور کا اعتراف کر لیا۔ فَلَمَّاۤ اَنۡۢبَاَهُمۡ بِاَسۡمَآىِٕهِمۡ مروی ہے کہ آدم علیہ السلام کو منبر پر بٹھا کر حکم دیا گیا کہ اسماء کی خبر ملائکہ کو دیں۔ جب وہ منبر پر بیٹھے اور ملائکہ ان کے سامنے بیٹھے تھے۔ آدم علیہ السلام انہیں ہر اسم کا نفع بتا رہے تھے۔ قَالَ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّكُمۡ اِنِّىۡۤ اَعۡلَمُ غَيۡبَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ یہ استفہام تقریری ہے یعنی بیشک میں نے تمہیں فرمایا تھا کہ جو کچھ زمین و آسمان میں پوشیدہ ہے میں جانتا ہوں، اس غیب پر نہ کوئی دلیل ہے اور نہ کوئی راہ۔ وَاَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ جو تم ظاہر کر رہے تھے کہ اَتَجۡعَلُ فِيۡهَا مَنۡ يُّفۡسِدُ فِيۡهَا اسے میں بھی جانتا ہوں وَمَا كُنۡتُمۡ تَكۡتُمُوۡنَ وہ تم اپنے دل میں کہہ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہم سے زیادہ برگزیدہ اور کسی کو پیدا نہیں کرے گا، اس کا بھی علم ہے۔ یہ قول اِنِّىۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ کی طرح ہے یہ صرف اس سے زیادہ بسیط ہے تا کہ ان پر حجت قائم ہو سکے کیونکہ وہ کریم آسمان و زمین کے جمیع امور و احوال ظواہر و بواطن کو جانتا ہے اور جو کچھ ملائکہ کے علم میں نہیں اسے بھی جانتا ہے۔

ف: اس آیت میں ملائکہ کو ترک اولیٰ پر عتاب ہے ان کے لئے اولیٰ یہ تھا کہ فرمان کے منتظر رہتے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بات ظاہر کی جاتی۔

مسئلہ: یہ آیات انسان کی شرافت اور اس کے علم کی زیادت اور عبادت کی افضلیت پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ ملائکہ آدم سے فضیلت میں زیادہ ہیں لیکن اس کے باوجود خلافت کے مستحق ٹھہرے کیونکہ آدم علیہ السلام ان سے اعلم تھے اور اعلم افضل ہوتا ہے۔ کما قال تعالیٰ: قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِى الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُوۡنَ وَالَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ

تنبیہ: علم ایک اعلیٰ جوہر ہے لیکن بندوں کے لئے ضروری ہے کہ علم کے ہوتے ہوئے عبادت میں معروف

رہیں کیونکہ علم بمنزلہ شجر کے ہے اور عبادت بمنزلہ ثمر کے۔ اگرچہ بلحاظ اصالت کے شجر کو فضیلت ہے لیکن درخت سے نفع لینا ثمر کی وجہ سے ہوتا ہے۔

حدیث شریف ۱:۔ والد، کعبہ مکرمہ اور قرآن پاک اور عالم دین کی زیارت عبادت ہے:۔ جس نے عالم (دین) کی زیارت کی گویا اس نے میری (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) زیارت کی اور جس نے عالم سے مصافحہ کیا گویا اس نے میرے ساتھ مصافحہ کیا۔ جو عالم کی مجلس میں بیٹھا وہ گویا دنیا میں میری مجلس میں بیٹھا۔ اسے قیامت میں اللہ تعالیٰ میرے ساتھ بٹھائے گا۔

حدیث شریف ۲:۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہ اہل علم کی مجلس میں حاضر ہونا ہزار رکعت پڑھنے اور ہزار مریض کی طبع پرسی اور ہزار جنازہ کی حاضری سے افضل ہے۔ عرض کیا: یارسول اللہ! کیا تلاوتِ قرآن سے بھی؟ آپ نے فرمایا: قرآن علم کے بغیر نفع نہیں دیتا۔

مولانا روم قدس سرہٗ فرماتے ہیں: ؎

خاتم مُلک سلیمانست علم جملہ عالم صورت و جانست علم

ترجمہ: ملک سلیمان کی مہر علم ہے تمام جہان جسم اور علم جان ہے۔

حدیث شریف ۳:۔ جو چاہے کہ میں دوزخ سے آزاد شدہ لوگوں کو دیکھوں تو وہ دین کے طالب علموں کی زیارت کرے مجھے (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) اس ذات کی قسم کہ جس کے قبضہ قدرت میں میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے ہر وہ طالب علم جو علم کے دروازہ پر جاتا ہے اس کے ہر قدم پر سال کی عبادت لکھی جاتی ہے اور ہر قدم پر بہشت میں پورا شہر بنایا جاتا ہے۔ طالب علم زمین پر چلتا ہے زمین اس کے لئے بخشش کی دعا مانگتی ہے اور ہر صبح و شام اسے مغفورین میں شمار کیا جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے: عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا اسماء تین قسم ہیں:

۱۔ اسماء الروحانیات والملکوتیات۔ ۲۔ اسماء الجسمانیات۔ ۳۔ اسماء الالٰہیات۔

۱۔ اسماء الروحانیات والملکوتیات: یہ ملائکہ کا مقام اور مرتبہ ہے ان کو ان کے بعض کا علم ہوتا ہے اور جن کا

انہیں علم نہیں ہوتا ان کی خبر دینے کی انہیں استعداد ہے کیونکہ روحانیات اور ملکوتیات ان کے لئے ایسے ہیں جیسے ہمارے لیے جسمانیات۔

۲۔ اسماء الجسمانیات: یہ پہلے مرتبہ سے کم درجہ ہے۔ ان کی خبر دینا ملائکہ کے امکان میں ہے کیونکہ جسمانیات ان کے لئے ایسے ہیں جیسے حیوانات ہمارے لئے اس لیے کہ یہ مرتبہ انسان کے مرتبہ سے کم ہے اور انسان کے لئے اس کی خبر دینا ممکن ہے۔

۳۔ اسماء الالٰہیات: یہ ملائکہ کے مرتبہ سے فوق الدرجہ ہے۔ کما قال تعالیٰ: يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ اپنے رب سے اوپر سے ڈرتے ہیں۔

انسان کو ممکن نہیں کہ ان کی خبر دے سکے اور نہ ہی ملائکہ کو۔ جتنا کہ اللہ تعالیٰ نے علم دیا اس سے آگے کچھ بتا سکیں۔ کیونکہ غیب ہے اور انہیں عالمِ غیب کی جانب ترقی نہیں ملتی اس لیے کہ یہ عالم جبروت ہے اور ملائکہ اہلِ ملکوت ہیں ان کا مقام محدود و معلوم ہے اس سے متجاوز نہیں ہوتے۔ جیسا کہ جبریل علیہ السلام نے شب معراج سدرۃ المنتہیٰ پر ٹھہر کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: اگر میں انگلی کی مقدار آگے بڑھوں تو جل جاؤں گا۔

نکتہ ۱:۔ اس علم سے صرف آدم علیہ السلام کو مخصوص کیا گیا کیونکہ آپ عالم کے خلاصہ ہیں۔ آدم علیہ السلام کی روح شجر عالم کا بیج ہے اور آپ کا جسم شجرہ عالم کا ثمر۔ اسی لیے تمام عالم کی پیدائش کے بعد آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا۔ جیسے ثمر، درخت کی تکمیل کے بعد پیدا ہوتا ہے۔

نکتہ ۲:۔ جیسے ثمر تمام درخت کے اجزاء کو عبور کرتا ہوا درخت کے اوپر نمودار ہوتا ہے۔ ایسے ہی آدم علیہ السلام موجودات کے درخت کے اجزاء کو عبور فرمایا۔ خواہ علوی دنیا تھی خواہ سفلی اور موجودات کے ہر جز میں نفع بھی تھا اور مضرت بھی اور مصلحت بھی اور فساد بھی۔ پھر ہر شئے کا نام بمطابق نفع ونقصان رکھا گیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا آدم علیہ السلام سکھایا گیا۔ یہ وہ علم تھا جو آدم علیہ السلام کو دیا گیا۔ جس سے ملائکہ لاعلم تھے یہ آدم علیہ السلام کے کمال سے تھا کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کو بمطابق نفع ونقصان معلوم کرلیا۔ پھر غیر کے اسماء کا علم تو ادنیٰ درجہ تھا۔ اسماءِ الٰہی کے علم کا مطلب یہ ہے کہ آدم علیہ السلام مخلوق ہیں تو اللہ تعالیٰ خالق ہے اور آدم علیہ السلام مرزوق ہیں تو وہ رازق ہے۔ آدم علیہ السلام عبد ہیں تو وہ معبود ہے۔ آدم معیوب ہیں تو اللہ تعالیٰ

ستار ہے۔ آدم مذنب ہیں تو وہ غفار ہے۔ آدم تائب ہیں تو وہ تواب ہے۔ آدم نفع لینے والے ہیں تو اللہ نافع ہے آدم ضرر پانے والے ہیں تو اللہ ضار ہے۔ آدم علیہ السلام ظالم ہیں تو وہ عادل ہے۔ آدم علیہ السلام مظلوم ہیں تو اللہ تعالیٰ منتقم وغیرہ۔

تفسیر عالمانہ وَاِذْ قُلْنَا یعنی یاد کیجئے اے محمد! جبکہ ہم نے۔ لِلْمَلٰٓئِكَةِ تمام ملائکہ کو، جیسا کہ دوسری جگہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کما قال: فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۔ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ آدم علیہ السلام کے لئے سجدہ میں گر جاؤ۔

حل لغات : السجود: دراصل تذلل مع طمانیت کو کہتے ہیں: اور شرع میں وضع الجهة علی قصد العبادة والمامور به ۔ یہاں پر اگر شرعی معنیٰ لیا جائے تو ملائکہ دراصل سجدہ تو اللہ تعالیٰ کو کر رہے تھے اور آدم علیہ السلام کی شان بڑھانے کے لئے ان کو ملائکہ کا قبلہ قرار دیا گیا۔ اگر لغوی معنیٰ مراد ہو تو یہ تواضع پر محمول ہوگا جو ملائکہ آدم علیہ السلام کی تعظیم میں سجدہ کر رہے تھے وہ ایسے تھے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے سجدہ تحیۃ کیا۔

مسئلہ : سجدہ تحیہ پہلی امتوں میں جائز تھا پھر ہمارے لیے منسوخ ہوا، جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو فرمایا جب انہوں نے آپ کو سجدہ کرنے کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا: ”سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو سجدہ کرنا روا نہیں، اگر میں کسی کو سجدہ کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے“

مسئلہ : اس امت کا تحیہ السلام علیکم کہنا ہے۔ لیکن سر جھکانا مکروہ ہے کیونکہ اس سے یہود سے تشبیہ ہوتی ہے۔ (کذافی الدار)

ف : یہ ارشاد گرامی (سجدہ کا حکم) اسماء کے انباء کے بعد تھا۔

ف : بعض مفسرین فرماتے ہیں: جب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا تو ملائکہ کو وہم تھا کہ کیا ہم اعلیٰ ہیں یا آدم (علیہ السلام) پھر جب ان سے اسماء کے متعلق پوچھا گیا اور وہ بتا نہ سکے اور حضرت آدم علیہ السلام نے بتا دیا اب انہیں پتا چلا کہ آدم علیہ السلام اعلم ہیں۔ پھر ان کو اشکال ہوا کہ ہم افضل ہیں یا آدم۔ جب ان کو سجدہ کا حکم ہوا تو انہیں معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام افضل ہیں۔

marfat.ocm

نکتہ : ہمارے باپ کو سجدہ کرایا جارہا ہے لیکن ہمیں ارشاد ہوتا ہے لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا یہ اس کا خاص کرم ہے جو صرف ہمارے لیے ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اُسْجُدُوْا کے تین معانی ہیں:

۱۔ ملائکہ! تم اللہ تعالیٰ کو تو سجدہ باعتبار طبیعت ملکیہ وروحانیہ کرتے ہو اب آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کرو اگرچہ یہ تمہاری طبیعت کے خلاف ہے۔ یہ بھی **انقیاد للامر اور امتثال للحکم** ہے۔

۲۔ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو، اس کی شانِ عظمت کی تعظیم اور مخصوص فضیلت کی تکریم کی وجہ سے نیز اس لیے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا جلوہ پایا جاتا ہے۔ جس نے اسے سجدہ کیا تو گویا اس نے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ بیشک وہ جو آپ سے بیعت کرتے ہیں بیشک وہ میری بیعت کرتے ہیں۔

۳۔ اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ یعنی آدم علیہ السلام کی خاطر سجدہ کرو۔ کیونکہ اس کی طاعت وعبادت ان کے لئے ثواب وترقی درجات کا موجب نہیں بلکہ اس کا فائدہ انسان کی طرف راجع ہوگا۔ اس کی دو وجہیں ہیں اول تو یہ کہ انسان طاعت میں ملائکہ کی اقتدا کرے گا اور امتثال امر میں ان کی عادت سیکھے گا اور طاعت سے اِباء واستکبار سے ملائکہ کو دیکھ کر بچ جائے گا تا کہ لعن وطعن کا مستحق نہ ہو۔ جیسے ابلیس ہوا اور ملائکہ کی طرح اللہ تعالیٰ کا ممدوح ومکرم ومقبول ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے لئے فرمایا: لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ

۲۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل ورحمت سے ملائکہ کی طاعت اور تسبیح وتحمید کو انسان کی مغفرت کے لئے متعین فرمایا کما قال تعالیٰ عزوجل: وَالْمَلٰٓئِكَةُ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِی الْاَرْضِ اسی لیے ملائکہ کو سجدہ کا حکم دیا تا کہ انسان عبادت کا طریقہ سیکھے اور پھر ملائکہ کی عبادت انسان کی مغفرت کا سامان بنے۔

تفسیر عالمانہ

فَسَجَدُوْا یعنی ملائکہ نے سجدہ کیا اس لیے وہ نور سے پیدا کیے گئے **کما قال علیہ السلام** فرشتے نور سے پیدا کیے گئے ہیں اور نور کی شان انقیاد وطاعت ہے۔

ف: سب سے پہلے جبریل علیہ السلام نے سجدہ کیا اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں انبیاء کرام علیہم السلام خصوصاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیام رسانی کا شرف بخشا۔ پھر میکائیل پھر اسرافیل پھر عزرائیل

marfat.ocm

پھر تمام ملائکہ نے سجدہ کیا۔

ف: بعض کہتے ہیں کہ سب سے پہلے سجدہ کرنے والے اسرافیل ہیں۔ جب انہوں نے سجدہ سے سر اٹھایا تو ان کی پیشانی پر قرآن لکھا ہوا تھا۔ یہ صرف اس سجدہ کی برکت تھی۔

ف: فَسَجَدُوْٓا میں فا ان کے امتثال میں عجلت اور عدمِ غفلت کے اظہار کے لئے ہے کہ سجدہ کا حکم سنتے ہی فوراً سجدہ میں گر گئے۔

اِلَّآ اِبْلِيْسَ یعنی ابلیس نے سجدہ نہ کیا اس لیے کہ اس کی پیدائش نار سے تھی۔ نار کا کام استکبار اور علو کی طلب ہے۔

اس استثناء کے بارہ میں علماء کرام کے دو قول ہیں:

۱۔ استثناء متصل ہے کیونکہ ابلیس اگرچہ جن تھا لیکن ملائکہ کی کروڑوں کی تعداد میں ایک کا کیا شمار اور ان کے اوصاف سے بھی متصف تھا پھر تغلیباً فَسَجَدُوْٓا سے استثناء کیا گیا۔

ف: اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ ابلیس ملائکہ میں سے تھا کیونکہ سجدہ کا خطاب ملائکہ کو ہی تھا۔ بغوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں یہی اصح ہے۔

مسئلہ: تیسیر میں فرماتے ہیں کہ ملائکہ کو عدمِ عصیان و عدمِ استکبار کے ساتھ موصوف کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان سے بھی گناہ سرزد ہو سکتا ہے کیونکہ اس سے عصیان کا تصور نہ ہوتا تو ان کو عدمِ عصیان سے موصوف کرنا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ طاعت ان کی فطرت ہے اور عصیان ان سے تکلفاً ہوگا۔ جیسے بشر سے عصیان کا ہونا فطرت ہے اور اطاعت تکلف۔ ملائکہ سے عصیان کا امکان کیوں نہیں جبکہ ہاروت و ماروت کا واقعہ ہمارے سامنے ہے۔ مثنوی شریف میں ہے:

امتحان میکردشان زیر و زبر
کے بود سرمست رازینہا خبر

ترجمہ: ان کا زیر و زبر میں امتحان لینا ہے سرمست کو اس کی کیا خبر!

۲۔ استثناء منقطع ہے کیونکہ وہ ملائکہ سے تو تھا نہیں بلکہ وہ جن تھا۔

کما قال عزوجل: كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ وہ جن تھا کہ اس کے حکم سے پھر گیا۔

ف: حافظ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جن اور ملک ایک جنس ہے فرق صرف اتنا ہے جو طاہر رہتا ہے وہ ملک

ہو جاتا ہے اور جو خبیث رہتا ہے وہ شیطان، اور جو بین بین ہو وہ جن۔

اَبٰی یعنی جس کا سے حکم دیا گیا اس سے رُک گیا اور اِبـــا ءاس انکار کو کہتے ہیں جو اختیار سے کیا جائے۔

وَاسْتَکْبَرَ اور اس نے اپنے آپ کو عظیم الشان سمجھ کر اپنی بڑائی ظاہر کی۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت وتعظیم وتحیہ کو باطل سے مزین کر کے تکبر کی طلب کی۔

سوال: اِباء کی تقدیم درست نہیں کیونکہ استکبار اباء کا سبب ہے اور ہمیشہ سبب مقدم ہوتا ہے نہ کہ مسبب۔

جواب: اِباء استکبار سے ظاہر ہے اور اس کا اثر واضح ہے بخلاف استکبار کے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

ایں تکبر چیست غفلت از لباب منجمد چوں غفلت یخ زآفتاب
چو خبر شد ز آفتابش یخ بماند نرم گشت و گرم گشت تیز راند

ترجمہ: ۱۔ تکبر کیا ہے؟ عقل سے بے خبری۔ منجمد ہے غفلت کی طرح کہ پھر وہ یخ سورج کی گرمی سے پگھلتی ہے۔
۲۔ جب خبر ہوئی کہ سورج کی گرمی ہے تو یخ حالت ہوتی ہے کہ وہ نرم وگرم ہو کر تیز دوڑتی ہے۔

سجدہ میں ملائکہ کا قصہ: جب ملائکہ سجدہ میں گرے تو ابلیس نے آدم علیہ السلام سے منہ پھیر کر پیٹھ کر لی یہاں تک کہ وہ سجدہ سے فارغ ہوئے اور سجدہ میں ایک سو سال تک پڑے رہے۔ بعض روایات میں پانچ سو سال آیا ہے۔ جب انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا تو ابلیس کھڑا ہوا ہے بلکہ اُلٹا آدم علیہ السلام سے منہ پھیرے ہوئے ہے اور اس فعل سے نادم بھی نہیں ہوتا بلکہ اُلٹا عزم بالجزم میں ہے۔ تو اس کے امتناع اور اپنی فرمانبرداری کی توفیق کی وجہ سے دوبارہ سجدہ میں گرے۔ ان کے لئے دو سجدے ہو گئے۔ ایک آدم علیہ السلام کے لئے، دوسرا اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ جب یہ سجدہ کر رہے تھے ابلیس دیکھ رہا تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی صفت، حالت، صورت، ہیئت، نعمت سب کو متغیر فرمایا۔ **کما قال تعالیٰ**: **اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ** **ف**: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس کا جسم خنزیر کی شکل اور منہ بندر کی طرح مسخ ہو گیا۔

شیطان کی اولاد بھی ہے۔

سوال: جو مسخ ہو جائے اس کی تو اولاد نہیں ہوا کرتی۔

marfat.ocm

جواب : چونکہ اس نے انظرنی کہہ کر مہلت طلب کر لی۔ بناء بریں اس کے لئے نسل کا سلسلہ بھی باقی رکھا۔

حکایت : اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعد میں شیطان کو حکم ہوا کہ آدم علیہ السلام کی قبر کو سجدہ کر، میں تیری توبہ قبول کر کے تیرے گناہ معاف کر دوں گا۔ شیطان نے عرض کی: جب میں اس کے جسم کو ساجد نہ ہوا تو پھر اس کی قبر اور میت کو کیسے سجدہ کروں!

حدیث شریف : میں ہے کہ اللہ تعالیٰ شیطان کو قیامت میں ہزار سال دوزخ میں رکھنے کے بعد نکال کر آدم علیہ السلام کے سامنے کھڑا کر کے سجدہ کا حکم دے گا تب بھی وہ سجدہ سے انکار کرے گا۔ پھر اسے دوزخ میں ہمیشہ کے لئے داخل کیا جائے گا۔

وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ وہ ابلیس اللہ تعالیٰ کے علم میں کافرین میں سے تھا، یا اس وقت کافر ہوا جبکہ یہ اعتقاد رکھ کر کہ میں افضل ہوں اور افضل مفضول کے سامنے نہیں جھکتا اس لیے اس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا جبکہ اللہ تعالیٰ کا اسے حکم تھا۔ اس نے امر الٰہی کی اہانت کی جیسا کہ اس کا جواب بتاتا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے سے فرمایا: **مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ** صرف ترک واجب سے کافر نہیں ہوا۔

عقیدہ : اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ "سعید شقی ہو سکتا ہے" کافر جب اسلام لائے گا وقتِ اسلام تک اسے کافر سمجھا جائے گا، اسلام لانے پر اسے مسلمان کہیں گے۔ اب اس کی سرگزشت کے سب گناہ معاف ہو جائیں گے اور (معاذ اللہ) جو مسلم کافر ہو جائے اسے بھی وقتِ کفر تک مسلمان کہیں گے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ اس کے گزشتہ اعمال حبط ہو جائیں گے۔

سوال : كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ کیوں فرمایا حالانکہ اس وقت سوائے اس مردود کے اور کوئی کافر تھا نہیں۔

جواب : اللہ کے علم میں تھا کہ آنے والی مخلوق میں بہت سے بندے کافر ہوں گے۔ یعنی یہ ابلیس ان لوگوں میں

marfat.ocm

۲۔ آیت میں سمجھایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری لازمی ہے اس کے راز میں غور و خوض نہ کیا جائے۔

۳۔ امر وجوب کے لئے ہے۔

۴۔ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ یہ کفر پر مرے گا وہ ضرور کافر ہوگا۔ کیونکہ دار و مدار خاتمہ پر ہے اگرچہ اس کا ظاہر حال اہلِ ایمان جیسا ہو۔ اسے مسئلۃ الموافاۃ کہتے ہیں۔ یعنی تمام عمر کا اعتبار وفات کے وقت کا ہے۔

اب جبکہ اعتبار خاتمہ کا ہے انسان کو چاہیے کہ طاعات الٰہی بجالانے کی سعی کرے۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جس کے لئے جنت یا دوزخ پیدا کیا گیا اس کے اعمال بھی اس سے سرزد ہوتے ہیں خصوصاً عمر کے آخری سال اور خاتمہ کے وقت، اب نیک عمل کرے تاکہ اس کا خاتمہ نیک اعمال پر ہو۔

حکایت: حضرت رابعہ عدویہ سے سفیان ثوری علیہما الرحمہ نے فرمایا: دنیا میں تو نے چند روز رہنا ہے۔ جب زندگی ایک یوم گزر جائے تو سمجھ لو کہ عمر کا بعض حصہ گزر گیا۔ جب عمر کا بعض حصہ گزرا تو اسی طرح تمام عمر گزر جائے گی۔ اس کا سب کو علم ہے۔ جب یہ کیفیت ہے تو ہمیں نیک عمل کرنے چاہئیں۔ اس کا تو ہرگز افسوس نہ کرنا چاہیے کہ میرے پاس مال و جاہ درہم و دینار نہیں، بلکہ اس کا افسوس کرنا چاہیے کہ جو دن گزر گیا اس میں مَیں نے کون سا عمل کیا ہے۔ کیونکہ دن گزرنے سے عمر بسر ہوتی ہے۔

حکایت: ایک عابد پر حالتِ نزع تھی اور کہہ رہے تھے کہ مجھے موت سے تو کوئی خطرہ نہیں البتہ اس کا مجھے سخت افسوس ہے کہ جو رات نیند میں گزری اور جو دن روزہ کے بغیر بسر ہوا اور جو گھڑی اللہ تعالیٰ کے ذکر کے بغیر غفلت میں گزار دی۔

سبق: حضرت علاء بن زیاد نے فرمایا: دنیا کا کوئی دن نہیں جو آتے ہی نہ کہتا ہو: ”اے لوگو! میں نیا دن ہوں مجھ میں جو عمل بھی کرو گے قیامت میں اس کی گواہی دوں گا اور جب میرا سورج غروب ہوگا میں تمہارے پاس قیامت تک نہیں لوٹ کر آسکوں گا“

حدیث شریف: میں ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کی: ”یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ فرمایا: ”جس کی عمر لمبی ہو اور اس کے عمل اچھے ہوں“ پھر عرض کیا گیا: ”لوگوں میں بدبخت کون ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”جس کی عمر لمبی لیکن عمل اچھے نہ ہوں۔“ پھر عرض کیا گیا: ”لوگوں میں بدبخت کون ہے؟“ آپ نے فرمایا ”جس کی عمر لمبی ہو لیکن اس کے عمل بُرے ہوں، اس کے شر سے لوگوں کو خطرہ ہو اور اس سے خیر کی کسی کو امید نہ ہو“

حکایت: حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنی مجلس والوں سے فرماتے کہ اے بوڑھے لوگو! بتاؤ جب کھیتی کے پکنے کا وقت آجائے تو اس سے کس بات کی امید کی جاسکتی ہے؟ انہوں نے کہا: کاٹنے کی۔ پھر نوجوانوں سے فرمایا کہ اے نوجوانو! خوب سمجھ لو کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کھیتی کو پکنے سے پہلے آفت اور بلا دبوچ لیتی ہے۔ جس سے وہ کھیتی برباد ہوجاتی ہے۔ کسی نے کیا خواب فرمایا:

اَلا مَهِّدْ لِنَفسِکَ قَبْلَ مَوْتٍ   فَاِنَّ الشَّيْبَ تَمْهِيْدُ الْحَمَام
وَقَدْ جَدَّ الرَّحِيْلَ فَكُنْ مَجْداً   لِحَطِّ الرَّحْلِ فِیْ دَارِ الْمَقَام

ترجمہ: ۱۔ خبردار! موت سے پہلے تیار ہو جا اس لیے کہ بڑھاپا موت کا ہی پیغام ہے۔
۲۔ اور کوچ کا وقت ہر روز ہوتا ہے تمہیں بھی دار مقام میں اپنا سامان جا کر رکھنا ہے۔

سبق: حضرت حسن سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اے ابنِ آدم! سارے سال کا غم مت کھا، اور نہ ہی اس کے لئے سامان جمع کرنے کی تکلیف اٹھا۔ جس دن کو تو طے کر رہا ہے اس کی کفایت تیرے مالک سے ہوگی اگر سال تمام تیری زندگی کا باقی ہے تو اس کا رزق بھی اللہ تعالیٰ تجھے عنایت فرمائے گا۔ اگر تیری عمر ختم ہے تو پھر اس کے لئے کیوں دکھ اٹھا رہا ہے۔ جو تیرے لیے نہیں تو اسے ہرگز نہیں کھا سکے گا، بلکہ بسا اوقات وہ تیرے دشمن کا لقمہ بنے گا۔

حکایت: حضرت ابی درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہر آئے دن میں سورج کے کنارے دو فرشتے ہوتے ہیں اور وہ پکار کر کہتے ہیں (جسے جن وانس کے سوا زمین کے رہنے والے سب سنتے ہیں) اے لوگو! اپنے رب کی طرف دوڑو۔ جو رزق تھوڑے پر کفایت کرے، اس سے بہتر ہے کہ زیادہ ہو اور وہ اللہ تعالیٰ سے غافل کردے۔ پھر جب سورج غروب ہوتا ہے تو بھی اس کے کنارے پر دو فرشتے پکار کر کہتے ہیں (جسے جن وانس کے سوا تمام

زمین والے سنتے ہیں) ''اے اللہ! جو تیری راہ میں خرچ کرتا ہے تو اسے اس کا نعم البدل عطا فرما اور جو تیری راہ سے روکتا ہے تو اس کا مال جلد ضائع فرمایا''

مولانا روم قدس سرہٗ فرماتے ہیں: ؎

ناں دہی از بہر حق نانت دہند　　　جاں دہی از بہر حق جانت دہند

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے نام پر روٹی دو گے تو تجھے روٹی دیں گے حق کے لئے جان دو گے تو تمہیں جان دیں گے۔

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ قرطبی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو کفر کے بعد بہشت سے نکال دیا اور اس سے بالکل دور کر دیا بعد ازاں آدم علیہ السلام کو فرمایا کہ اے آدم! بہشت میں اقامت پذیر ہو جاؤ اور اسے اپنا مسکن بنا لو۔

اُسْكُنْ سے سکون کا محل مراد ہے نہ کہ حرکت کی ضد بلکہ معنیٰ یہ ہے کہ بہشت کو لبث و استقرار گاہ بنا لو۔

وَزَوْجُكَ یعنی بی بی حوا علیٰ نبینا وعلیہا السلام۔ عورت کے لئے زوج اور زوجہ دونوں جائز ہیں لیکن زوج زیادہ فصیح ہے۔ **کما قال فی تفسیر ابی اللیث**۔

سوال: اولاً دونوں کو کیوں مخاطب کیا؟

جواب: تاکہ پتہ چل جائے کہ اس خطاب سے مقصود آدم علیہ السلام ہیں اور معطوف علیہ اس کا تابع ہے۔

الْجَنَّةَ مفسرین کا اجماع ہے کہ جنت سے مراد دار الثواب ہے۔ معتزلہ اور قدریہ اختلاف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جنت سے مراد ایک باغ ہے جو فلسطین میں یا فارس اور کرمان کے مابین واقع ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے امتحان کے لئے پیدا فرمایا اور **ھبوط** '' جو کہ **اهْبِطُوْا مِنْهَا** کی تاویل کرتے ہیں کہ انہیں اس باغ سے زمین ہند کی طرف چلے جانے کا حکم فرمایا؛ جیسے **اِهْبِطُوْا مِصْرًا** میں **ھبوط** بمعنیٰ انتقال ہے۔ معتزلہ کی تاویل بیکار ہے۔ کیونکہ ہبوط بمعنیٰ انتقال اس وقت ہوتا ہے جبکہ حقیقی معنیٰ ممتنع ہو۔ یہاں پر حقیقی معنیٰ میں کسی قسم کا امتناع نہیں۔

ف: بی بی حوا کی پیدائش میں اختلاف ہے کہ وہ بہشت کے داخلہ سے قبل ہوئی یا بعد؟ پہلے قول کی تائید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی ایک جماعت کو

بھیجا کہ آدم وحوا علیہما السلام کو سونے کے تخت (جس کا جڑاؤ یاقوت، لولؤ اور زمرد سے تھا) پر بٹھا کر لے آئیں۔ اس وقت آدم علیہ السلام کے سر پر پٹکا تھا جس میں موتیوں اور یاقوت کا جڑاؤ تھا۔ ان دونوں کو بہشت میں لایا گیا۔

دوسرے قول کی تائید حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے بہشت کو پیدا فرمایا اور آدم علیہ السلام اس میں رہنے سہنے لگے تو اس وقت اکیلے تھے۔ ان پر نیند طاری کی گئی۔ ان کی بائیں پسلی سے ایک ٹکڑا لیا گیا، اس کے بجائے گوشت بھرا گیا اس سے بی بی حوا علیہا السلام پیدا کی گئیں۔

سوال: اگر کوئی اعتراض کرے کہ یوں کہنا کہ آدم علیہ السلام کے ایک ٹکڑے کو کاٹ کر بی بی حوا علیہا السلام پیدا کی گئیں یہ ایک نقص ہے اور انبیاء علیہم السلام ہر نقص سے پاک ہوتے ہیں۔

جواب: بظاہر آدم علیہ السلام کے لئے یہ نقص ہے۔ لیکن درحقیقت ان کی ایک تکمیل ہے کہ بی بی حوا علیہا السلام سے انہیں سکون ملا، وحشت دور ہوئی، جب آدم علیہ السلام بیدار ہوئے تو بی بی حوا علیہا السلام کو اپنے سرہانے بیٹھا پایا۔ ان سے پوچھا: تو کون ہے؟ بی بی نے کہا: میں عورت ہوں، انہوں نے فرمایا: تو کس لیے پیدا ہوئی؟ بی بی نے کہا: تیرے لیے، تاکہ تو مجھ سے قرار حاصل کرے اور میں تجھ سے سکون پاؤں۔

فرشتوں نے پوچھا: اے آدم! اس کا نام کیا ہو؟ آپ نے فرمایا: حوا (علیہا السلام) فرشتوں نے حوا کہ وجہ تسمیہ پوچھی۔ آپ نے فرمایا: اس لیے کہ زندہ انسان سے پیدا کی گئی ہے۔ یا اس لیے کہ یہ ہر حی کی اصل ہے۔ یا اس لیے کہ ان کی ذقن میں ایک مائل بسیاہی سرخ رنگ کا نشان تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ نشان لب پر تھا۔

ف: عورت کو امرأۃ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ امرأ سے پیدا کی گئی ہے۔ جیسے آدم علیہ السلام کو اس لیے آدم کہا گیا کہ انہیں ادیم الارض سے پیدا کیا گیا ہے۔ بی بی حوا علیہا السلام آدم علیہ السلام کی وفات کے بعد سات سال سات ماہ زندہ رہیں۔ اُن کی عمر نو سو ستانوے سال تھی۔

اعجوبہ: اللہ تعالیٰ نے ایک کو بغیر ماں باپ کے پیدا فرمایا۔ جیسے آدم علیہ السلام اور دوسرے کو بغیر باپ کے پیدا فرمایا: جیسے عیسیٰ علیہ السلام اور باقی وہ جنہیں ماں اور باپ دونوں کے ذریعے سے پیدا فرمایا۔ جیسے تمام

marfat.ocm

اولادِ آدم۔ **فسبحان من اظهر من عجائب صنعه ما يتحير افيه العقول**

حکمتیں: ۔ اللہ تعالیٰ نے بی بی کو حوا پیدا فرمایا، اس میں چند حکمتیں ہیں:

۱۔ تا کہ آدم علیہ السلام ان سے قرار پائیں اور ان سے وحشت دور ہو۔ کیونکہ بی بی انہی کی جنس سے تھیں۔

۲۔ تا کہ اولادِ آدم تا قیامت باقی رہے۔ کیونکہ ان کی بقاء انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت اور تشریع احکام شرعیہ کا سبب ہے اور یہی اولاد امر معرفتِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا فرمایا۔

نکاح کرنے کے دنیوی واخروی بڑے فائدے ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کسی ایک نبی کا ذکر نہیں فرمایا جس نے نکاح نہ کیا ہو۔ یحییٰ علیہ السلام کے لئے بھی منقول ہے کہ انہوں نے نکاح تو کیا تا کہ یہی فضیلت حاصل ہو لیکن جماع نہ کیا۔ کیونکہ ان کی شریعت میں جماع نہ کرنا عزیمت تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح میں حَصُوْرًا ارشاد فرمایا۔

۲۔ اشباہ میں ہے کہ کوئی ایسی عبادت نہیں جو آدم علیہ السلام سے لیکر ہم تک پہنچی ہو اور وہ قیامت تک ہمیشہ رہی ہو صرف نکاح اور ایمان ہے جو قیامت تک جاری رہے گا۔

مسئلہ: شادی شدہ کی غیر شادی شدہ پر ایسے فضیلت ہے جیسے مجاہد کی غیر مجاہد پر۔

مسئلہ: شادی شدہ کی ایک رکعت غیر شادی شدہ کی ستر رکعت سے بہتر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شادی (نکاح) بقائے نسل کا سبب اور زنا سے بچنے کا موجب ہے۔

ف: لیکن نکاح کرنے کی ترغیب گیارہ سال تک ہے۔ اس کے بعد نکاح نہ کرنا بہتر ہے۔ **کما قال علیہ السلام** جب میری امت پر ایک ہزار سال ایک سو اسی سال گزرے تو ان کے لئے نکاح نہ کرنا اور تنہا رہنا اور چوٹی پہاڑوں پر رہنا بہتر ہوگا کیونکہ (ایک ہزار کے بعد) دو سو سال کی مخلوق اہلِ حرب وقتل ہوگی۔ اس وقت بکری کا بچہ آدمی کے بچے کے پالنے سے بہتر ہے اور اگر اس وقت عورت بجائے انسان کے سانپ جنے تو کئی حصے افضل ہے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

زناں باردار اے مردِ ہشیار — اگر وقتِ ولادت مار زانید
ازاں بہ نزدیک خردمن — کہ فرزند ناہموار زانید

ترجمہ : اے مردِ ہشیار! اگر حاملہ عورت سانپ جنے تو بہتر ہے اس لڑکے سے جو نالائق ہو۔

وَكُلَا مِنْهَا یعنی بہشت سے کھاؤ۔ دونوں کو خطاب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مامور بہ کو عمل میں لانے میں دونوں برابر ہیں۔ بی بی حوا علیہا السلام کے کھانے میں برابر کی شریک تھیں بخلاف سکونت کے کہ اس میں آدم علیہ السلام کے وہ تابع تھیں پھر کھانے اور اس میں مشغول ہونے کا حکم دینے کی حکمت یہ تھی (اگرچہ ان کو خلافت کے لئے چنا اور مخصوص کیا) تاکہ پتہ چل جائے کہ آدم علیہ السلام بھی ایک مخلوق ہیں اور مخلوق کے لیے سکونت اور اشیائے خوردنی لازم ہوتے ہیں۔ رَغَدًا یعنی وسیع طور بغیر رکاوٹ اور اندازہ کے۔ بہشت میں جہاں سے چاہو ان کو بہشت کی ہر جگہ سے کھانے کی وسعت اس لیے دی جا رہی ہے تاکہ منہی عنہ شجرہ کے کھانے کے بعد کوئی عذر نہ پیش کر سکیں اور نہ ہی کوئی علت ثابت ہو سکے۔ وَلَا تَقْرَبَا اور اس درخت کے کھانے کے قریب بھی نہ جاؤ اگر صرف درخت کے قرب سے رکاوٹ ہوتی تو راء کو مضموم پڑھا جاتا۔ هٰذِهِ الشَّجَرَةَ شَجَرَةَ منصوب ہے یا تو هٰذِهِ اسم اشارہ سے بدل ہے یا هٰذِهِ بتاویل اسم مشتق کی صفت ہے یعنی عبارت یوں سمجھی جائے:

ھٰذہ الحاضرۃ من الشجرۃ — یہ موجود سامنے والا درخت

یعنی اس درخت سے مت کھانا۔ اس کے قریب نہ جانے سے کھانے کی نہی میں مبالغہ کیا گیا۔

شَجَرَةً سے مراد گندم کا دانہ ہے اور یہی زیادہ مشہور ہے اور صوفیہ کرام کے نزدیک بھی یہی معنیٰ زیادہ موزوں اور جامع ہے کیونکہ نوعِ انسانی کو گندم کا دانہ سے زیادہ مناسبت ہے اور اس میں ہر قسم کا رنگ موجود ہے اور اس کا ثمر شہد سے زیادہ میٹھا اور مکھن سے زیادہ نرم اور برف سے زیادہ سفید ہے اس کا ہر دانہ کلیہ بقرہ (گائے کا گردہ) کی طرح ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اسے اولادِ آدم کا رزق بنایا۔ اسی لیے مشہور ہے کہ آدم علیہ السلام نے گندم کا دانہ کھایا۔ اب ان کی اولاد اس کی کھیتی باڑی میں مبتلا ہے یا شجرہ سے مراد انگور ہے اسی لیے اب (اس کا نچوڑ جب شراب بن جائے) حرام ہے یا شجرہ سے مراد زیتون ہے اسی لیے اس کے پتوں کے لباس میں آدم علیہ السلام مبتلا ہوئے۔ اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں لیکن اس کا تعین نہ چاہیے کیونکہ اس کے لئے نص قطعی میں کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔

فَتَكُونَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔ لَا تَقْرَبَا پر عطف کی وجہ سے مجزوم ہے۔ یا اس نہی کا جواب ہے۔ بنا بریں منصوب ہے۔

پہلی تقریر کے مطابق یوں ہوگا: **لمالایکن منکما قربان الشجرۃ و کونکما من الظالمین** اور بمطابق دوسری تقریر معنیٰ یوں ہوگا۔ **ان تقربا ھذہ الشجرۃ تکون من الظالمین**۔ بہرحال جو بھی ہو مطلب یہ ہے کہ اکل شجرہ کے سبب سے تم ظالمین میں سے ہو جاؤ گے۔

الظّٰلِمِیْنَ بمعنیٰ وہ لوگ جو نفسوں پر ظلم کریں معصیت کے ارتکاب سے جو عمل ان کی کرامت و نعمت میں خلل انداز ہوا سے عمل میں لا کر اپنے حظوظ میں کمی یا حدود اللہ سے تجاوز کریں۔

ف: امام قرطبی فرماتے ہیں: اربابِ معرفت کا مسلک یہ ہے کہ وَلَا تَقْرَبَا سے اشارہ ہو رہا ہے کہ آدم علیہ السلام سے اس امر کا وقوع ضرور ہوگا اور وہ بہشت سے ضرور نکالے جائیں گے اور اس میں ہمیشہ نہیں رہیں گے کیونکہ جو اس میں ہمیشہ قیام پذیر ہوگا اس پر امر و نہی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس پر دلیل باری تعالیٰ کا یہ قول ہے: اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً خلافت کا وقوع زمین پر ہونا تھا۔ اس لیے بہشت سے باہر تشریف لانا پڑی۔

تفسیر صوفیانہ

شیخ نجم الدین قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو آزمائشی خطاب سے مخاطب کیا اور عشوہ و ناز کی نہی سے نوازا۔ گویا یوں فرمایا کہ اے آدم! میں تجھے شجرۃ کے سوا تمام بہشت عنایت کرتا ہوں یہ درخت چونکہ محبت و معرفت کا ہے اور محبت کے لیے سحنت کی سواری لازمی ہے اور اس شجرہ سے رکاوٹ الٹا اس کے کھانے کی تحریص ہے کیونکہ انسان کو جس فعل سے روکا جائے الٹا اس کے ارتکاب پر حرص کرتا ہے۔ آدم علیہ السلام کا نفس حوا علیہا السلام اور بہشت سے سکون و قرار پذیر ہوا لیکن شجرہ معرفت کا شوق دل میں جاں گزیں رہا کیونکہ یہ قلب کی غذا تھا اور اس میں من وجہ نفس کا حظ بھی تھا۔ بنابریں اس کا شوق بڑھتا رہا اور اس کے خیال میں رہا۔ یہاں تک کہ اسے چند روز بعد حاصل کر لیا۔ اس سے خلافت، محبت، محنت، راز کھلا، مظاہرِ جلال و جمال، جیسے توّاب، غفور، عفوّ"، قہار، ستّار ظہور پذیر ہوئے مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ کا علم میں تھا کہ آدم علیہ السلام اس شجرہ کو ضرور کھائیں گے۔ اس پر انہیں اس سے روک دیا گیا تا کہ ان کا کھانا عصیان کا ذریعہ بن جائے۔ جس سے توبہ، محبت، طہارت از تلوث ذنوب ظاہر ہوں گے۔ **کما قال عزوجل:** لنَ اللهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ اور اکل شجرہ سے بسبب نسیان عصیان کے مرتکب ہوئے پھر توبہ عصیان کے ذریعہ وراثت میں دی گئی پھر توبہ سے محبت نصیب میں آئی۔ محبت سے

marfat.ocm

طہارت کا شرف ملا۔

حدیث شریف: ”جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو اس کو گناہ نہیں دیتا۔ یعنی اسے گناہ سے محفوظ کر لیتا ہے۔ اگر اس سے گناہ سرزد ہوتا ہے تو اسے توبہ وندامت کی توفیق مل جاتی ہے اور ہر وہ لغزش کہ جس کا انجام توبہ، تشریف، اجتباء ہوا سے زلۃ تنزیھہ کہتے ہیں۔ آدم علیہ السلام کو نہی کے بعد ملامت کی گئی۔ یہ نہی تنزیہی اور حسنات الابرار سیئات المقربین سے ہے۔

ف: شیخ نے فرمایا کہ ہمارے طریقہ جلوتیہ جو شیخ ہدائی کی طرف منسوب ہے یہ ہے کہ دعوت الی الجنۃ سے مراد بنی آدم کے وجود دعوت الی مقام الروح ہے گویا قلب انسان کو فرمایا: ”اے انسان کے قلب! تو اور تیری زوج یعنی نفس انسانیہ روح میں طاعت وعبادات میں مصروف رہو اور کھاؤ بلا رکاوٹ اس سے یعنی معرفتِ الٰہیہ سے کیونکہ روح مقامِ معرفت ہے جو طاعات وعبادات سے حاصل ہوتی ہے۔

حَيْثُ شِئْتُمَا یعنی وہ عمل جو تمہیں محبوب ہو، خیرات وصالحات سے۔ **وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ** یعنی مخالفت کے شجرہ کے قریب مت جاؤ۔

مسئلہ: یہ خطاب چونکہ قیامت تک آنے والے تمام بندوں کو ہے (صرف آدم وحوا علیہما السلام پر منحصر نہیں) بنا بریں مومن کے لئے ضروری ہے کہ طاعات وعبادات سے اللہ تعالیٰ کی طرف ترقی کرے اور مخالفت سے اجتناب کرے تا کہ مہالک وتکالیف میں نہ پڑے۔

حضرت مولانا روم قدس سرہٗ فرماتے ہیں: ؎

داروی مری بخور اندر عمل　　تا شوی خورشیدِ کرم اندر حمل
جہد کن تا نور تو رخشاں شود　　تا سلوک وخدمت آساں شود
تا جلاء باشد مریں آئینہ را　　کہ صفا آید ز طاعت سینہ را

ترجمہ: ا۔ عمل میں خوشگوار دوائی کھا تا کہ تو حمل میں خورشیدِ کرم ہو۔

۲۔ کوشش کیجئے تا کہ نور چمک اٹھے اور سلوک وخدمت کی راہ آسان ہو۔

۳۔ تا کہ اس شیشہ میں روشنی تیز ہو اس لیے کہ طاعات سے ہی سینہ میں صفائی نصیب ہوتی ہے۔

تفسیر عالمانہ

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا یعنی آدم اور حوا علیہما السلام کو لے گیا اور بہشت سے دور کیا، جیسے کہا جاتا ہے زَلَّ عَنِّیْ کَذَا اِذَا ذَهَبَ. اِزْلَال بمعنی اِزلاق اور زَلّة'' بالفتح بمعنیٰ الخطاء یعنی قصد کے بغیر راہِ صواب سے ہٹ جانا۔ مقصد یہ ہے کہ شیطان نے انہیں وسوسہ ودھوکا اور دغا سے خطا پر اکسایا۔

سوال: شیطان کافر ہے اور کافر کا بہشت میں داخلہ ممنوع ہے۔

جواب: بہشت میں اس کا داخلہ علی وجہ التکریم (جیسے ملائکہ داخل ہوتے ہیں) ممنوع ہے نہ کہ آدم وحوا علیہما السلام کے امتحان کی خاطر وسوسہ ڈالنے سے۔

فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ جن نعمتوں اور کرامات میں آدم وحوا علیہما السلام تھے ان کو ان سے خارج کرالیا اور ابلیس کا مقصد ان کو بہشت سے نکالنا نہیں بلکہ ان کو مرتبہ علیا سے گرانا مقصود تھا۔ پورا نہ ہوا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى پس اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ قبول کر کے راہِ ہدایت بخشی۔

شیخ صدر الدین قدس سرہٗ فرماتے ہیں: جب آدم علیہ السلام نے ابلیس کو کہتے سنا: مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ تو آدم وحوا علیہما السلام نے اس کے اس قول کی تصدیق کی۔

صاحب الفکوک کو دو اشکال: ۔ صاحب الفکوک فرماتے ہیں کہ دو اشکال ایسے ہیں جن سے نہ میں متنبہ ہو سکا اور نہ ہی کسی اہلِ علم ظواہر و بواطن سے ان کا حل مل سکا۔

۱۔ جب آدم علیہ السلام کو ملائکہ سجدہ کر رہے تھے اور وہ آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ ان کو ملائکہ پر ترجیح دی جا رہی ہے اور انہیں تمام اسماء کا علم بھی نصیب ہوا اور خلافت سے بھی نوازے گئے اور وصیت حق کا شرف بھی ملا پھر کیسے ان سے مخالفت وقوع میں آئی اور ابلیس کے قول: اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا سے کیوں دھوکا کھا گئے۔

۲۔ انہیں کیوں نہ معلوم ہو سکا کہ جس بہشت کی شریعت نے تعریف فرمائی ہے اس میں جو داخل ہوتا ہے اس سے بھی وہ نہیں نکالا جاتا۔ نیز بہشت کا عالم کون وفساد کو قبول نہیں کرتا کیونکہ اس کی لذات خلود کی مقتضی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہشت وہ بہشت نہیں جس کی چوڑائی ہفت سمٰوات وارضین ہیں اور جس کی زمین کرسی ہے۔ جو آٹھواں آسمان ہے اور جس کی چھت عرشِ رحمٰن ہے۔ اس بہشت میں جو بھی داخل ہو وہ کون و

فساد سے محفوظ ہو جاتا ہے کما لایخفی اور نہ ہی اس کی نعمتیں مقرر وقت تک اور ممکن الانقطاع ہیں کیونکہ وہ ایسا مقام ہے کہ جس میں ایسی معرفت نصیب ہوتی ہے جو حقیقت کو مقتضی ہوتی ہے۔ یعنی ان کی نعمتیں غیر منقطع ہوں، خواہ موت سے یا کسی اور شئے سے۔ کما قال تعالیٰ عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ یعنی ایسی نعمتیں جو غیر منقطع اور غیر متناہی ہیں۔

نکتہ : بی بی حوا اور آدم علیہما السلام کا حال بنی اسرائیل جیسا ہے کہ ان کے حق میں فرمایا :
قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ الایۃ اسی مناسبت و مشارکت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ میں آدم علیہ السلام کے قصہ کے بعد موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا۔ اگرچہ ان کے مابین بہت طویل مدت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے حال اور فعل کی مناسبت کی رعایت فرمائی اور زمانے کا کوئی اعتبار نہ فرمایا۔ قرآن مجید کے اسرار میں سے ایک یہ بھی ہے۔

سوال : اللہ تعالیٰ نے انسان کو ابتداءً بہشت میں کیوں نہ پیدا فرمایا اور پھر اس کی آزمائش بعد خروج از بہشت کیوں ہوئی؟

جواب : ۱۔ نعمتوں کی تعظیم بندوں پر واجب ہے۔ اگر دنیا میں ابتداءً نہ پیدا کیے جاتے تو بہشت سے ناواقف رہتے۔

۲۔ تاکہ انہیں معلوم ہو کہ بہشت میں ان کا داخلہ جزاء سے ہو نہ کہ ابتداءً۔

۳۔ تاکہ ہم بعد داخلہ زوال سے بچ جائیں۔

۴۔ ہم دنیا میں اسی لیے پیدا کیے گئے تاکہ طیب و خبیث اور مطیع و مخالف کی تمیز ہو۔

صفات جلالیہ کا تقاضا یونہی تھا کیونکہ بہشت مظاہر جلال کا مقام نہیں۔ اگر ہم بہشت میں پیدا ہو کر بہشت میں رہ جاتے تو صفات جلالیہ کا ظہور نہ ہوتا۔ جیسا کہ ملائکہ میں ظاہر نہیں ہوا۔ اسی لیے حکمتِ الٰہی کا تقاضا یونہی ہوا کہ انسان کی پیدائش دنیا میں ہوتا کہ اس میں رحمت و غفران کا ظہور ہو۔ اگر آدم علیہ السلام بہشت میں رہ جاتے تو نصف کمال کا یعنی تجلیات قہریہ ظاہر نہ ہوتیں۔ انسان دنیا میں آیا تاکہ اس سے اسمائے جلال و جمال کے مظاہر کا تحقق ہو۔ پھر اسے عالمِ جنان میں فضائل و کمالات سے کامل و مکمل کر کے لوٹایا جائے۔ اس سے مقصود صرف

یہی تھا کہ خبیث وطیب کی تمیز ہو جائے۔

نکتہ : اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کی پشت میں مقدر کر چکا تھا کہ سردارِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیائے کرام اور دیگر مومنین پیدا ہوں گے اور پھر ان کی مٹی کے ساتھ ہر مومن وکافر کا بھی خمیر ہوا۔ اب انہیں زمین پر بھیجا تاکہ ان سے وہ خارج ہو جائیں جنہیں بہشت میں داخل نہیں ہونا ہے۔

حکایت: شیخ کامل علی رده کشف الکنوز وحل الرموز کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ سیدی ابن نور الدین کرسی پر جامع مسجد میں وعظ فرما رہے تھے کہ اہل ملحد نے حافظ شیرازی کا یہ شعر پڑھ کر ضمناً اعتراض کیا اور جواب کا منتظر تھا: ۔

من ملک بودم وفردوس بریں جایم بود　　آدم آورد دریں دیرِ خراب آبادم

ترجمہ : میں فرشتہ تھا اور فردوسِ بریں میرا قیام تھا آدم مجھے اس ویران دنیا میں لے آئے۔

شیخ صاحب فوراً اس کی مراد کو پہنچ گئے اور بلا تامل جواب میں فرمایا: "تو نے آدم علیہ السلام کو بہشت سے نکلوایا اس لیے کہ تو نے فساد والحاد کو ظاہر کرنے کے لئے ان کی پشت مبارک میں ہیجان پیدا کیا۔ پھر وہ اگر بہشت سے نہ نکلتے تو تجھ جیسے فاجر وملحد بہشت میں رہ جاتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی غیرت کا تقاضا ہوا کہ تجھ جیسوں کو بہشت سے خارج کرنے کے لئے چند ایام آدم علیہ السلام کو دنیا میں بھیج دیا۔

سوال : شیخ بومدین قدس سرہٗ سے پوچھا گیا کہ آدم علیہ السلام بہشت سے کیوں نکالے گئے۔ جب وہ جانتے تھے کہ اکل شجرہ سے روکا گیا ہوں پھر اس کا ارتکاب کیوں کیا؟

جواب : اگر آدم علیہ السلام جانتے کہ مجھ سے سید الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوں گے تو وہ درخت کا ثمر کیا اس کی جڑیں تک کھا جاتے تاکہ زمین میں جلد تر کمالِ محمدی اور جمالِ احمدی کا ظہور ہو۔

سوالِ خلیل اللہ علیہ السلام: ۔

الٰہی! تو نے آدم علیہ السلام کو بہشت سے کیوں نکالا؟

جوابِ باری تعالیٰ: ۔ اے خلیل! تو حبیب کا شہدِ بے جفا نہیں جانتا

نکتہ : سلسلہ جلوتیہ کے مرجع طریقت شیخ باقتادہ آفندی قدس سرہ' فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کا دنیا میں تشریف لانے میں راز یہ ہے کہ آدم علیہ السلام جس مرتبہ میں تھے اس سے توحیدی مرتبہ کا شانِ بلند پایا۔ عرض کی: الٰہی! یہی مرتبہ عطا کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ مرتبہ آہ وفغان سے ملے گا۔ عرض کی: آہ وفغان مجھے منظور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بہشت گریہ کا مقام نہیں بلکہ یہ تو سرور ومستی کا مرکز ہے۔ عرض کی: تو پھر مجھے دنیا میں ہی بھیج دے۔ اُن سے اس مرتبہ اعلیٰ کی وجہ سے بطریق **حسنات الابرار سیئات المقریب** فعل سرزد ہوا جس سے دنیا میں تشریف لائے۔

(کذافی واقعات الھدائی)

تفسیر صوفیانہ

شیخ نجم الدین قدس سرہ 'فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام جب **محمول العنایۃ** اور **مسجود الملائکۃ** قرار پائے اور ان کے سرِ مبارک پر کرامت کا تاج اور لباس سعادت سے ملبوس اور کمر بند قربت اور گردن میں نزدیکی کا طوق ڈالا گیا تو اس سے فوق کوئی مرتبہ اور آپ جیسا ہم مرتبہ کسی کو نہ پایا تو ہر لحظہ ندا آ رہی تھی: ''جب قضا آتی ہے تو تمام راستے بند ہو جاتے ہیں''

مولانا روم قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

چُوں قضا آید رود دانش بخواب
مہ سیہ گردد بگیرد آفتاب

ترجمہ : جب تقدیر آتی ہے عقل نیند میں چلی جاتی ہے چاند سیہ ہو جاتا ہے اور سورج گرفت میں آجاتا ہے۔

ابھی اسی دور میں تھے کہ ان سے لباس اتار کے ان سے اُنس چھینا جا رہا ہے۔ ملائکہ نہایت سختی سے کہہ رہے ہیں کہ ''ابھی بہشت سے نکل جاؤ۔ دیر کی ضرورت نہیں۔ نہ ہی بحث کا وقت ہے'' اپنی تدبیر سے تقدیر کے ہاتھ ان دونوں کو عزت وقرابت سے نکال رہے تھے اور شیطان مسکین اس امر میں یوسفی بھیڑیئے کی طرح تھا کہ اسے یوسف علیہ السلام کا قاتل قرار دے کر اس کے منہ کو جھوٹے خون سے خون آلود کیا گیا حالانکہ بھائیوں نے انہیں کنویں میں گرا دیا۔ اسی طرح شیطان کی عدمِ عنایت کی وجہ سے گرفت ہوئی اور اس کی سونڈ کو جھوٹی نصیحت سے خون آلود کیا گیا کہ شیطان نے ان دونوں کو سلامت سے نکال کر ملامت میں، خوشی سے نکال کر غم میں اور نعمت سے نکال کر عذاب میں اور محبت سے نکال کر محنت میں اور قربت سے نکال کر غربت میں اور الفت سے نکال کر کلفت میں اور وصال سے نکال کر فراق میں پہنچا دیا۔

marfat.ocm

اس سے قبل حضرت آدم علیہ السلام ہر شئے سے مانوس تھے اور ہر ایک سے دوستی تھی۔ اس لیے ان کا نام انسان ہے۔ لیکن جب شجرہ محبت کا مزا لیا تو ہر شئے سے غیر مانوس تھے بلکہ ہر ایک کو اپنا دشمن بنا لیا۔

مسئلہ : صحیح محبت میں بھی یہی شرط ہے کہ محبوب کے ماسوا کو دشمن بنا لے۔

جیسے محبوب حقیقی اپنی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک کرنا نہیں چاہتا اسی طرح محبت میں بھی کسی کی شرکت نہیں چاہتا۔ اسی لیے فرمادیا:

تفسیر عالمانہ

اِهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ابتداء حضرت خلیل علیہ السلام کا یہی حال تھا کہ چاند، ستارہ اور سورج کو دیکھ کر فرماتے: هٰذَا رَبِّيْ یہ میرا رب ہے۔

لیکن جب شجرہ خلت کا مزہ چکھا تو فرمایا: لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ میں گم ہونے والے کو دوست نہیں رکھتا اور فرمایا: اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ۔

وَقُلْنَا اهْبِطُوْا یہ خطاب حضرت آدم اور بی بی حوا علیہما السلام کو ہے اور جمع کی ضمیر اس لیے کہ وہ تمام جنس کے اصل ہیں۔ گویا وہ دونوں تمام جنس ہیں۔ یا پانچوں کو خطاب ہے، پانچواں مور ہو۔ یہ امر اگرچہ ایک کلمہ سے تمام کو شامل ہے لیکن ان سب کا اترنا یکبارگی نہیں تھا۔ بلکہ ابلیس تب اترا جب اسے لعنت کا طوق پہنایا گیا اور آدم وحوا علیہما السلام بعد کو اترے۔ ہاں یوں کہا جائے کہ ابلیس کو دوبارہ نکالا گیا جب وہ وسوسہ کے لئے داخل ہوا۔

ف: اِهْبِطُوْا سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم وحوا علیہما السلام جنت الخلد میں تھے جیسا کہ انحدار کے حکم سے ثابت ہو رہا ہے۔ کیونکہ انحدار اوپر سے نیچے اترنے کو کہتے ہیں۔ اس کے متعلق سابقہ آیات میں بہت کچھ کہا جا چکا ہے۔

آدم علیہ السلام کی زمین پر رہائش میں کیا حکمت تھی:۔

امام قرطبی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کا زمین پر اترنے اور پھر اس پر قیام فرمانے میں حکمت ازلیہ کا تقاضا یہ تھا یہ آپ کی اولاد زمین پر پھیلے اور پھر ان کو مکلف بنا کر ان سے آزمائش کر کے ان پر اُخروی سزا و جزا مرتب کی جائے کیونکہ دوزخ اور بہشت دار التکلیف نہیں۔ یہی اصل موجب ہے آدم علیہ السلام کا اکل شجرہ کا پھر بہشت سے نکالے گئے اور زمین پر اتارے گئے۔ کیونکہ ان کی پیدائش

زمین سے تھی اور وہ زمین پر اللہ تعالیٰ کے خلیفے بننے والے تھے اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اس سے کون پوچھنے والا خود بھی فرمایا: اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً بیشک میں زمین پر خلیفہ بنانے والا ہوں۔ یہی ان کی بڑی منقبت اور فضیلت و بزرگی ہے۔

مختصر یہ کہ آدم علیہ السلام کا بہشت سے زمین پر تشریف لانا الثان کی بزرگی و فضیلت پر دلالت کرتا ہے اور اولاد کے امتحان کے لئے بھی تھا تا کہ سعید وشقی کے مابین فرق ہو جائے۔ جیسا کہ خلافتِ الٰہیہ کا تقاضا ہے۔ اسی طرح کشف الکنوز میں ہے اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ اِهْبِطُوْا بمعنی اِنْزِلُوْا اِسْتِخْفَافاً بِکُمْ زمین پر اترو یہ تمہاری خفت ہے لیکن بات وہی صحیح ہے۔

مولانا ابن الکمال رسالہ قضاء وقدر میں فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ میں عتابِ دوستانہ ہے نہ کہ رنج وغصہ کا اور بہشت سے زمین پر اترنا۔ اِهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا کے قبیل سے ہے۔ یہ بھی تکمیل ہے۔ کیونکہ بسا اوقات بُعد بھی قرب ہوتا ہے۔ جیسا کہ شاعر کے قول سے مراد ہے:

سَاَطْلُبُ بُعْدَ الدَّارِ عَنْكُمْ لِتَقْرَبُوْا

(ہم تجھ سے دوری اس لیے اختیار کر رہے ہیں کہ تا کہ تم میرے قریب ہو جاؤ)

بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ یہ جملہ حال ہے لیکن ضمیر سے واؤ سے مستغنی ہے۔ یعنی ایک دوسرے سے مخالف ہو جاؤ گے اور ایک دوسرے کو گمراہ کرنے کی کوشش کرو گے۔ عَدُوٌّ واحد وجمع ہر دو طرح مستعمل ہے۔ اس لیے اعداء نہیں فرمایا جس طرح ابلیس ان دونوں کا دشمن ہے اسی طرح وہ اس کے دشمن ہیں اور سانپ بنی آدم کا دشمن ہے تو بنی آدم اس کے دشمن ہیں۔ وہ بنی آدم کو ڈستا ہے تو وہ بھی اسے زندہ نہیں چھوڑتے اور اگر ابلیس بنی آدم کو گمراہ کرنے سے باز نہیں آتا تو وہ بھی ہمیشہ لعنتی سے یاد کرتے ہیں۔ اسی طرح بنی آدم کی آپس میں عداوت کا حال ہے۔ مثلاً دنیوی حسد اور دینی اختلاف۔ ابلیس و بنی آدم کا اختلاف چونکہ دینی ہے اس لیے جب تک دین قائم ہے ان کا اختلاف مٹنے والا نہیں اور سانپ کے ساتھ طبعی دشمنی ہے۔ اسی طرح جب تک طبیعت قائم ہے دشمنی قائم ہے۔ پھر ہماری اور ان کی مخالفت مؤکد ہو چکی ہے۔ لیکن فتح ونصرت اس گروہ کو ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہے (یعنی انسان کے ساتھ)

مسئلہ: بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ جملہ خبریہ ہے امر نہیں کہ جس کے حصول میں کوشش کی جائے۔

نکتہ: جب باری تعالیٰ نے لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي فرمایا تو حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اَنَا لَكُمْ عَدُوٌّ" شکرِ خدا کہ میں تمارا دشمن ہوا۔ عَدُوٌّ اس دشمن کو کہتے ہیں جو اپنے مخالف کی ایذاء میں حد سے تجاوز کر کے دکھ پہنچائے۔ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ یعنی زمین پر قرار گاہ یا قبر میں۔

ف: انسان کی قرار گاہیں تین ہیں:

۱۔ ماں کا پیٹ۔ **قال تعالیٰ**: فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ یعنی باپ کی پشت میں امانت رکھا گیا۔ البتہ اس کی قرار گاہ ماں کا پیٹ ہے۔

۲۔ دنیا۔ **قال تعالیٰ**: وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ تمہارے لیے زمین میں قرار گاہ۔

۳۔ عقبیٰ یا بہشت میں۔ **قال تعالیٰ**: اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا دوزخ کس طرح قرار گاہ ہے۔ **قال تعالیٰ**: اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا الآیۃ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ بیشک وہ دوزخ تمہاری ٹھہرنے اور رہنے کی جگہ ہے۔ یعنی اسباب جس سے فائدہ اٹھائے اور اس نفع اٹھانا زندگی کے خاتمہ تک ہے۔ یعنی موت تک یا قیامت تک۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اِلٰى حِيْنٍ فرما کر آدم علیہ السلام کو خوشخبری سنائی جا رہی ہے کہ اس دنیا میں آپ چند روزہ کر پھر بہشت میں تشریف لائیں گے۔

آدم، حوا علیہما السلام سانپ اور شیطان کے زمین پر اترنے کا واقعہ:۔

جب ان سب کو بہشت سے نکال کر دنیا میں اتارا گیا تو آدم علیہ السلام ہند میں سراندیپ کے پہاڑ پر اترے۔ ان کی وجہ سے وہاں کے درخت خوشبوناک ہو گئے کیونکہ آدم علیہ السلام بہشت کی خوشبو ساتھ لائے تھے اور اس وقت بادل آپ کے سر مبارک کو مس کرتا تھا تو اس سے آپ کے بال گر گئے۔ آپ کی اولاد کو اسی سے گنجاپن کی بیماری میں مبتلا کیا گیا اور بی بی حوا علیہا السلام جدہ میں آئیں ان کے مابین سات سو فرسخ کا فاصلہ تھا اور مور کو ہند کے کھیتوں میں اور سانپ کو بجستان کا اصفہان کے علاقے میں اور شیطان کو یاجوج وماجوج کی دیوار کے قریب اتارا گیا۔ اگر بجستان میں عربدنہ ہوتا تو سانپ کو فنا کر دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ بجستان میں سانپ بہت زیادہ ہیں۔

marfat.ocm

ف: آدم علیہ السلام کو ہند میں کھیتی باڑی اور دیگر کاروبار میں لگایا گیا اور بی بی حوا حیض اور حمل اور طلاق اور نقصانِ عقل میں مبتلا کی گئیں اور سانپ کے پاؤں کو اس کے پیٹ سے چمٹایا گیا اور اس کی خوراک مٹی مقرر کی گئی اور مور کے پاؤں کو قبیح تر بنایا گیا اور ابلیس کی صورت بھدی بنائی گئی اور اس کو نہایت ذلیل حالت میں رکھا گیا۔

ف: آدم اور حوا علیہما السلام بہشت میں یومِ آخرت کے ایام میں صرف ظہر اور عصر کے مابین کے وقت ٹھہرے اور اس کے ہر یوم کی مقدار دنیا کے ہزار برس کے برابر ہے۔

ف: بہشت میں سانپ آدم علیہ السلام کا خادم تھا لیکن اس نے خیانت کرتے ہوئے شیطان کو پیٹھ پر بٹھا کر بہشت میں پہنچا کر اپنی دشمنی کا ثبوت دیا اور جب دنیا میں اترے تو اب دشمنی اور بڑھ گئی۔ اسی لیے اتارتے وقت کہا گیا تھا کہ تو بنی آدم کا دشمن ہے اور وہ تیرے دشمن ہوں گے۔ جہاں تجھے پائیں گے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

حدیث شریف: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اقتلوا الحیات واقتلوا ذات الطفتین و الا بتر فانہا یخطفان البصر ویسقطان الحمل

(سانپوں کو قتل کرو خصوصاً ابتر اور ذو طفتین کو کہ وہ آنکھ کو چھین لیتے اور حمل گرا دیتے ہیں)

اگرچہ وہ الحیات کے عموم میں داخل تھے اس لیے ان کا خاص ذکر کیا گیا تا کہ اس کے بہت بڑے ضرر پر تنبیہ ہو جائے۔

مسئلہ: جو سانپ گھروں کے سوا جہاں بھی مل جائے مار دیا جائے کیونکہ امر کے عموم اور ظاہری الفاظ سے ایسے معلوم ہوتا ہے۔

مسئلہ: اور سانپ گھروں میں ہوں انہیں مارنا نہیں چاہیے جب تک تین دن نہ گزریں اور اسے گھر سے نکل جانے کے لئے روزانہ کہہ بھی دیا جائے کہ (سانپ جی! نکل جاؤ)

حدیث شریف: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مدینہ شریف میں بعض ایسے جن بھی ہیں جو مسلمان ہو چکے ہیں انہیں دیکھو تو مارنے کی کوشش نہ کرو بلکہ ان کو تین دن کی مہلت دو۔

ف: ابن الملک شرح المشارق میں فرماتے ہیں کہ جن چونکہ لطیف جسم والے ہوتے ہیں اسی لیے وہ سانپوں کی شکل میں بھی آجایا کرتے ہیں اور جو جن سانپوں کی شکل میں آتے ہیں ان کو قتل کرنے سے روکا گیا ہے اور جو جن سانپ بن کر آتا ہے وہ سفید، چھوٹا ہوتا ہے اور جب چلتا ہے تو پیچھے نہیں مڑتا۔

مسئلہ: اور صحیح یہی ہے کہ سانپ کو گھروں میں مارنے کی ممانعت صرف مدینہ شریف میں ہی مخصوص نہیں بلکہ تمام بلاد میں ہے۔ جس گھر میں ہوں یہی حکم ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَیْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ

مسئلہ: جب کوئی گھر میں سانپ دیکھے تو اسے یہ سنوائے: اَنْشُدُكُمْ بِالْعَهْدِ الَّذِیْ اَخَذَهٗ عَلَیْكُمْ نُوْحٌ علیہ السلام اَنْشُدُكُمْ بِالْعَهْدِ الَّذِیْ اَخَذَهٗ عَلَیْكُمْ سُلَیْمٰنُ علیہ السلام اَنْ لَّا تُؤْذُوْنَا اس دعا کے بعد بھی سانپ اگر گھر کو نہ چھوڑیں تو مار دینا جائز ہے۔ سانپ اور بچھو سے بچنے کے لئے پڑھیے: سَلٰمٌ عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعٰلَمِیْنَ ۞ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ انشاء اللہ اس دعا کی برکت سے حفاظت ہوگی۔

مسئلہ: ہر جانور کی فطرت یہ ہے کہ وہ ایذا دے پس موذی کو قبل از ایذا قتل کر دینا جائز ہے۔ جیسے سانپ، بچھو اور چوہا اور چھپکلی وغیرہ۔ (اس پر تمام امت کا اتفاق ہے)

مسئلہ: حواشی الجنات علی الهدایہ میں ہے کہ حیوان کا قتل کرنا دو طرح سے ہے:

۱۔ ضرر دفع کرنے کے لئے۔ ۲۔ نفع حاصل کرنے کے لئے۔

مسئلہ: مذکورہ علت کی بنا پر شہد کی مکھی اور ریشم کے کیڑے وغیرہما کو اگر قتل کیے بغیر ان سے نفع حاصل کرنا ممکن نہ ہو تو ان کو قتل کرنا جائز ہے۔

ف: سانپ کی جبلی فطرت خیانت ہے کہ اس نے آدم علیہ السلام سے خیانت کرتے ہوئے اس کے دشمن ابلیس کو اپنے جبڑوں کے اندر چھپا کر بہشت میں لایا۔ اگر وہ آدم علیہ السلام سے ڈر کر ابلیس کا ساتھ نہ دیتا تو وہ کبھی بہشت میں نہ آتا اور ابلیس نے سانپ کو کہا تھا کہ تو کوئی فکر نہ کر تیری ذمہ داری میرے اوپر رہے گی۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سانپ کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔

حدیث شریف: اُقْتُلُوْهَا وَاِنْ كُنْتُمْ فِی الصَّلٰوةِ یعنی سانپ اور بچھو کو جہاں پاؤ قتل کر دو اگرچہ نماز کی

حالت میں ہو۔

ف: چھپکلی دیگر جانوروں کے مابین ابراہیم علیہ السلام کی آگ پر پھونک مارتی تھی اس لیے ملعون ٹھہری۔

حدیث شریف: میں ہے جس نے چھپکلی کو قتل کیا گویا اس نے کافر کو قتل کیا۔

ف: چھپکلی زہردار جانوروں سے ہے۔ اسی لیے طعام اس کے منہ لگانے سے خراب ہو جاتا ہے۔ ورنہ نمکین تو ضرور ہو جاتا ہے۔ اگر طعام کو خراب کرنے کا اسے موقعہ نہیں ملتا تو چھتوں پر چڑھ کر طعام کے بالمقابل گندگی ڈالنے کی کوشش کرتی ہے۔ بسا اوقات اس طریق سے کامیاب بھی ہو جاتی ہے۔

ف: اشیاء کو کاٹنا چوہے کی فطرت ہے۔ چنانچہ جب نوح علیہ السلام کی کشتی میں سے دنیا کی خبر لانے کے لئے بھیجا تو وہ مردار پر ٹوٹ پڑا اور وہاں مست ہو گیا۔

مسئلہ: گدھ اور تمام درندے (پھاڑ کھانے والے) اور باؤلا کتا، تمام کا حکم سانپ کی طرح ہے۔

مسئلہ: اُقتلوا کا امر ارشادی ہے۔ یعنی ان کے ضرر کو دفع کرنے کے لئے انہیں قتل کیا جاتا ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

سنگ بر دست و مار بر سنگ   خیرہ رائے بود قیاس و درنگ

ترجمہ: سانپ کو فوراً پتھر مار کر مار ڈالو اس میں دیر کرنا بیوقوفی ہے۔

اور فرماتے ہیں:

ترحم بر پلنگ تیز دنداں   ستمگاری بود بر گوسفنداں

ترجمہ: تیز دانتوں والے چیتے پر رحم کرنا بکریوں پر ظلم کرنا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ محبت کا سانپ آدم علیہ السلام کے دل میں بیج کی طرح مستقر ہوا تو اس کی ذات کی قرارگاہ قلب کو اور زمین کو اس کے جسم کی جائے قیام قرار دی گئی۔ اس لیے فرمایا: وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلٰى حِيْنٍ یعنی محبت کے بیج کو طاعات اور عبودیت کے پانی سے ملا کر ثمرہ معرفت کے حصول تک نفع اٹھاتے رہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا: تُؤْتِيْ أُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا اور محقق بات یہ ہے کہ مخلوق کا ثمر صرف معرفتِ الٰہی ہی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ یعنی جن و انس کو صرف معرفت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ معرفت کا ثمر اگرچہ

عبادت کی ٹہنیوں پر ظاہر ہو جاتا ہے لیکن اس کی جڑ دراصل محبت کے بیج سے ہی ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ یا اللہ! تو نے مخلوق کو کس لیے پیدا کیا؟ تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: میں ایک مخفی خزانہ ہوں، میں نے اپنی معرفت کے لئے مخلوق کو پیدا کیا مولانا روم قدس سرہ' مثنوی شریف میں فرماتے ہیں:

آفتابِ معرفت را نقل نیست　　مشرق او غیر جان و عقل نیست

ترجمہ : معرفت کے آفتاب کی نقل نہیں اس کا مشرق سوائے جان و عقل کے نہیں۔

تفسیر عالمانہ

فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فا دلالت کر رہی ہے کہ توبہ مامور بہ کے تحقق سے پہلے اور ہبوط کے امر کے بعد قبول ہوئی۔ اسی لیے قرطبی علیہ الرحمہ نے فرمایا: ''آدم علیہ الرحمہ کی توبہ پہلے قبول ہوئی۔ پھر بعد کو زمین پر اُترے۔

اِهْبِطُوْا کو دوبارہ لانے میں بھی اسی طرف اشارہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہبوط کا امر حقارت یا کسی رنج وغصہ کی وجہ سے نہیں تھا۔ کیونکہ توبہ قبول ہونے کے بعد رنج وغصہ کا ہے کا'' خلاصہ یہ ہے کہ آدم علیہ الرحمہ زمین پر بعد میں اترے ان کی توبہ پہلے قبول ہوئی۔ **تلقی الکلمات** کا معنی ہے ان کو حاصل کرنے کی طرف متوجہ ہوئے اور قبول ہو گئے اور جب انہیں جان لیا تو ان پر عمل کرنے کی توفیق مل گئی۔

سوال : وہ کلمات کون سے تھے؟

جواب : وہ کلمات وہی تھے جو اللہ تعالیٰ نے خوب بیان فرمائے یعنی رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا٘ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ الآیۃ حضرت حافظ شیرازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

زاہد درداشت سلامت نبرد راہ　　باند از رہ نیاز بدار السلام رفت

ترجمہ : زاہد کو غرور تھا اس لیے سلامت نہ جا سکا۔ ہاں راہ نیاز اختیار کرنے سے دارالسلام نصیب ہوتا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ محبوب وہ کلام ہے جو بابا آدم علیہ السلام نے پڑھا۔ یعنی **سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ اِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّاۤ اَنْتَ۔**

marfat.ocm

وسیلہ نبوی علیٰ صَاحبہا السلام: ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام نے کہا: بِحَقِّ مُحَمَّدٍ اَنْ تَغْفِرْلِیْ (اے اللہ! مجھے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل بخش دے) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَكَیْفَ عَرَفْتَ مُحَمَّداً صلی اللہ علیہ وسلم (اے آدم! تو نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے پہچانا) آدم علیہ السلام نے کہا: لَمَّا خَلَقْتَنِیْ وَنَفَخْتُ فِی الرُّوْحِ فَتَحْتُ عَیْنِیْ فَرَاَیْتُ عَلٰی سَاقِ الْعَرْشِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّد" رَّسُوْلُ اللّٰہِ فَعَلِمْتُ اَنَّہٗ اَکْرَمُ الْخَلْقِ عَلَیْکَ حَتّٰی رَاَیْتُ اِسْمَہٗ بِاِ سْمِکَ (اے اللہ! جب تو نے مجھے پیدا کر کے میرے اندر روح پھونکی تو میں نے آنکھ کھول کر عرش پر لکھا دیکھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سے مجھے معلوم ہوا کہ وہ تیرے ہاں تمام مخلوق سے برگزیدہ ہیں کہ ان کے اسم گرامی کے ساتھ تیرا نام لکھا ہوا ہے) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نَعَمْ (ہاں، ایسے ہی ہے)

ف: آدم علیہ السلام کی توبہ حضور علیہ الصلوٰة والسلام کے اسمِ گرامی کے طفیل قبول ہوئی۔

ف: بعض کے نزدیک کلمات سے وہ کلمات مراد ہیں کہ جب آدم علیہ السلام بہشت سے نکلے تو اللہ تعالیٰ سے کہا: یَا رَبِّ اَلَمْ تَخْلُقْنِیْ بِیَدِکَ مِنْ غَیْرِ وَاسِطَۃٍ۔ (اے اللہ! کیا تو نے مجھے بلا واسطہ پیدا نہیں فرمایا)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں ایسے ہی ہے۔

پھر کہا: یَارَبِّ اَلَمْ تُسْکِنِّیْ جَنَّتِکَ (اے اللہ! کیا تو نے مجھے اپنے بہشت میں نہیں ٹھہرایا)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں ایسے ہی ہے۔

پھر کہا: یَارَبِّ اَلَمْ تَسْبِقْ رَحْمَتُکَ غَضَبَکَ

(اے اللہ! کیا تیرے غضب سے تیری رحمت سبقت نہیں کر گئی)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں، ایسے ہی ہے۔

پھر کہا: یَارَبِّ اَرَاَیْتَ اَنْ اَصْلَحْتُ وَرَجَعْتُ وَتُبْتُ اَرَاجِعُ اَنْتَ اِلَی الْجَنَّۃِ

(اے اللہ! کیا ہو سکتا ہے اگر اپنی اصلاح کر کے تیری طرف رجوع کر لوں
اور اپنے کیے کی معافی مانگ لوں پھر تو مجھے بہشت میں جانے دے گا)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ضرور، ایسے ہی ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ کلمات سے عہود انسانیہ اور مواثیق آدمیہ اور وہ مناجات جو بندہ رب سے کرتا ہے۔ جیسا کہ آدم علیہ السلام نے معصیت سے توبہ کر کے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے اپنی خطاء و سہو کا عذر پیش کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا۔

فَتَابَ عَلَيْهِ یعنی آدم علیہ السلام کی توبہ اپنی رحمت سے قبول فرمائی۔ توبۃ" دراصل رجوع کو کہتے ہیں، جب وہ بندہ کی طرف منسوب ہو تو بمعنیٰ گناہوں سے طاعت کی طرف رجوع کرنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو تو بمعنیٰ عقوبت سے مغفرت کی طرف رجوع فرمانا۔

ف: فاء میں اس طرف اشارہ ہے کہ کلمات کے حصول میں ہی توبہ کی قبولت مضمر تھی۔

توبہ کی شرائط

۱۔ گناہ سے توبہ کے وقت سخت ندامت ظاہر کرے۔

۲۔ گناہ کو اب اور آئندہ بھی تادمِ زندگی چھوڑنے کا پختہ عزم کرے۔

۳۔ حقوقِ عباد واپس کرے۔

۴۔ اپنے خصم کو راضی کرے۔ زبان سے دکھ پہنچایا ہے یا ہاتھ سے، ہر طرح سے معافی مانگے۔

ف: بی بی حوا علیہا السلام کا ذکر آدم علیہ السلام کے ذکر میں تبعاً آ گیا۔ کیونکہ بی بی حوا بابا آدم علیہما السلام کی تابع تھیں۔ اسی لیے قرآن و حدیث میں اکثر جگہ عورتوں کا ذکر نہیں آیا۔ وہاں بھی تبعاً مردوں کے حکم میں ہیں۔ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ بندوں کی مغرفت کی طرف بہت رجوع کرنے والا۔ یا بندوں کی توبہ پر زیادہ مدد دینے والا الرَّحِيْمُ بہت رحم کرنے والا۔ ان دو وصفوں کو یکجا بیان کرنے میں تائب کو عفو و غفران کے بہت بڑے وعدے سے نوازا جا رہا ہے۔ یہ جملہ فَتَابَ عَلَيْهِ کے لئے تعلیل ہے۔ مولانا روم مثنوی شریف میں فرماتے ہیں۔

مرکب توبہ عجائب مرکبیست ــــ بر فلک تابد بیک لحظہ ز پست
چوں برآرند از پشیمانی انیں ــــ عرش لرزد از انیں المذنبیں

ترجمہ: ۱۔ تیرا گھوڑا عجائبات سے مرکب ہے ایک ہی منٹ میں آسمان تک پہنچ جاتا ہے۔

۲۔ جب وہ پریشانی سے روتے ہیں تو گنہگاروں کے رونے سے عرش لرز جاتا ہے۔

ف: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت حوا وحضرت آدم علیہما السلام بہشت کی نعمتوں کے چھن جانے سے دوسوسال روتے رہے۔ چالیس روز کچھ کھایا نہ پیا اور سوسال آدم علیہ السلام بی بی حوا علیہا السلام کے قریب نہ گئے۔

ف: شہر بن حوشت فرماتے ہیں کہ مجھے ایک روایت ملی ہے کہ جب آدم علیہ السلام زمین پر اترے تو اللہ تعالیٰ کے حیا سے تین سوسال اوپر سر نہ اٹھایا۔ اگر تمام زمین کے آنسو جمع کیے جائیں تو داؤد علیہ السلام کے آنسوؤں کا مقابلہ نہیں کرسکیں گے۔ پھر داؤد علیہ السلام اور تمام روئے زمین کے آنسو ملائے جائیں تو آدم علیہ السلام کے آنسوؤں کے سامنے کچھ نہیں ہوں گے۔

مولانا روم قدس سرہٗ فرماتے ہیں: ؎

چوں خدا خواہد کہ یاری کند　　میل مارا جانب زاری کند
اے خنک چشمے کہ آں گریان اوست　　اے ہمایوں دل کہ آں بریان اوست
آخر ہرگز بہ آخر خندہ ایست　　مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست
باش چوں دولاب نالاں چشم تر　　تا ز صحن جاں بر روید خضر

ترجمہ ۱۔ جب اللہ تعالیٰ کسی سے یاری کا ارادہ کرتا ہے تو ہماری طبیعت میں زاری کا میلان پیدا فرمادیتا ہے۔
۲۔ وہ آنکھ خوش قسمت ہے جو گریہ کرتی ہے، وہ دل مبارک ہے جو اس کے دل میں ہے۔
۳۔ انجام بکار خوشی حاصل ہوتی ہے، بخیر انجام پر نظر رکھنے والا شخص مبارک ہے۔
۴۔ دولاب کی طرح روتارہ تاکہ دل کے صحن میں روحانی سبزی پیدا ہو۔

تنبیہ: ۱۔ جب یہ معمولی خطا والے کا کام ہے تو جو گناہوں میں غرق ہو اسے کیسے کرنا چاہیے۔
۲۔ توبہ صابن کی طرح ہے۔ جیسے صابن ظاہر میل کچیل دور کرتا ہے اسی طرح توبہ باطنی خرابیوں کو صاف کردیتی ہے
۳۔ جب بندہ گناہوں سے رجوع کرکے اپنا حال درست بنائے تو اللہ تعالیٰ بھی اس بندے کا حال اچھا کردیتا ہے اور چھینی ہوئی نعمت لوٹا دیتا ہے۔

حکایت: حضرت ابراہیم بن ادہم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے ایک مرد نے بکرے کے

سامنے اس کا بچہ ذبح کیا تو فوراً ہی اس کا ہاتھ سوکھ گیا۔ ابھی اس حال میں بیٹھا ہی تھا کہ چڑیا کا بچہ گھونسلے سے گر کر نیچے آ پڑا۔ بچے کی ماں بچے کے ارد گرد گھومتی پھر رہی تھی اس نے مرد نے اٹھ کر بچے کے گھونسلے میں اسے رکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ہاتھ کو تندرست کر دیا۔ اس سے نتیجہ نکلا کہ نیکی کرنے سے خطائیں معاف ہو جاتی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ ہے کہ وہ پہلی انگوری جو محبت کے دانے سے الہاماتِ ربانیہ کی بارش نے قلب آدم میں بوئی گئی وہ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ تھی کیونکہ آدم علیہ السلام اپنے نور ایمان سے بہت زیادہ باخبر تھے کہ وہ ظالم لنفسہ ہیں۔ جب انہوں نے محبت کا دانہ کھایا اور محنت و مذمت کے جال میں پھنسے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ان کی کوئی امداد نہ کی جس کی وجہ سے بشریت کی پستی میں جا گرے اور وہ سعادت ازلیہ کہ جس کی استعداد رکھتے تھے وہ بھی چھین لی گئی اس کے بعد اصلی مقام تک نہ پہنچ سکے۔ آخر اللہ تعالیٰ سے فریاد کی اور کہا: رَبَّنَا ظَلَمْنَآ الخ اور اس کے ہبوط میں بھی یہی حکمت تھی کہ وہ مضطرب ہو کر اپنے مالک کو یاد کریں۔ پھر وہ اسے مضطرب دیکھ کر جواب دے اور سابقہ عنایات کی طفیل لطف فرمائے اور اپنی رحمت کی بارش برسائے یعنی توبہ قبول فرمائے اس لیے کہ وہ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ہے۔ کلمات کی انگوری سے اجتباء کا درخت پیدا فرمایا اور اس درخت پر توبہ کے شگوفے اگائے اور ہدایت کے ثمر سے اسے ثمر کیا۔ یعنی اپنی معرفت عنایت فرمائی جیسے کہ خود فرماتا ہے: ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَیْهِ وَهَدٰی

تفسیر عالمانہ

قُلْنَا یہ نیا جملہ ہے ایک سوال کے جواب میں واقع ہوا ہے۔ گویا کسی نے پوچھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو توبہ کے بعد کیا حکم ہوا تو فرمایا ہم نے: اهْبِطُوْا مِنْهَا اتر جاؤ بہشت سے۔ جَمِیْعًا سب کے سب۔ جمع کی ضمیر سے حال ہے۔ جماعت (یعنی آدم وحوا علیہما السلام اور سانپ ومور) کے معنی کے لئے تاکید ہے۔ گویا کہا گیا کہ تم سب اتر جاؤ۔ اس سے یک وقت ان سب کی یکبارگی اترنا ثابت نہیں ہوتا۔ اهْبِطُوْا کے تکرار نے بتایا ہے کہ جو اس کا مقتضی ہے وہ ضرور وقوع پذیر ہوا۔

تنبیہ : ہے کہ آدم علیہ السلام عنقریب توبہ کے پیچھے پڑیں گے اور ان کو معافی بھی مل جائے گی یا اس لیے کہ اهْبِطُوْا کے حکم سے ان کو زمین پر چلے جانے کے لئے ہے کہ وہاں جا کر بسیں گے لیکن اس میں ہمیشہ نہیں

marfat.ocm

رہیں گے۔ دوسرے اِهْبِطُوْا سے اشارہ ہے کہ ان کو دنیا میں مکلف بنا کر ٹھہرانا ہے۔ مختصر یہ کہ ان دونوں سے مقصود علیحدہ علیحدہ ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ان کو قریب قریب ذکر کیا جاتا۔ لیکن درمیان میں جملہ معترضہ تلقی الکلمات اور قبول توبہ کا ذکر فرمایا۔ پھر جب اِهْبِطُوْا کا تکرار ہوا تو سابقہ مضمون کا ربطہ نہ ٹوٹا۔ یعنی عبادات کا مکلف بنانا اور نیکی سے نجات دینا اور گناہوں پر سزا۔ ارشاد میں ہے کہ دوسرا اهبطوا ایتاء ُهُدًی کے وعدہ سے مقرون ہے جو کہ نجاتِ ابدی کی طرف پہنچانے والا ہے اور جو اس میں وعید عقاب ہے وہ ذاتی طور مقصود نہیں بلکہ وہ تو بندے کے برے اختیار کی وجہ سے لازم ہو جاتا ہے۔

تنبیہ: آیت سے ثابت ہوا کہ برے عمل سے نعمت چھین لی جاتی ہے کیونکہ بابا آدم علیہ السلام کی ایک خطا سے ان کو بہشت سے باہر بھیجا گیا۔ اس لیے شاعر نے فرمایا:

اِذَا تُمَّ اَمْراً فانقضه توقع زوالا قیل تم
اذا کنت فی نعمة فارعها فان المعاصی تنزیل النعم

ترجمہ: جب کوئی کام مکمل ہو جاتا ہے تو اس کا نقص بھی قریب ہو جاتا ہے۔ جب کہا جائے کہ کام مکمل ہو گیا تو اس کے زوال کا انتظار کرو۔ جب تجھے کوئی نعمت نصیب ہو جائے تو اس کی حفاظت کر۔ کیونکہ معاصی نعمتوں کو ملیا میٹ کر دیتے ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ

فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ اگر تمہارے پاس آئے۔ فا ترتیب کے لئے ہے جو اپنے مابعد کو اِهْبِطُوْا کے امر سے مرتبط کر رہی ہے۔ هُدًی نبی علیہ السلام اور کتاب کے ذریعے رشد و ہدایت اور شریعت کا بیان تمہیں نصیب ہوگا اور یہ خطاب آدم علیہ السلام اور شیطان کو ہے۔ ضمناً ان کی اولاد مراد ہے۔ شرط کا جواب شرط ثانی مع جواب شرط اول کا جواب ہے اور نیز قولہ تعالیٰ: فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ پس جس نے میری شریعت کی اقتداء کی۔

سوال: هُدًی کا تکرار نہ ہونا چاہیے تھا بلکہ اس کے لئے ضمیر لائی جاتی۔

جواب: دوسری ہدایت عام ہے۔ یعنی وہ احکام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے۔ اقتصادیات وعملیات یا وہ احکام جن کے لئے عقل مقتضی ہو۔ یعنی جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے احکام کی تابعداری کی وہ احکام جو دلائل آفاقیہ وانفسیہ کے علاوہ عقل کے تقاضا کے مطابق ہیں۔

marfat.ocm

فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ یعنی دونوں جہانوں میں ان کو مکروہ امر سے کوئی خوف نہیں وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ اور نہ ان سے ان کو کوئی خطرہ ہے کہ جو مطلوب فوت ہو گیا۔

ف: خوف کا اطلاق متوقع امر پر ہوتا ہے اور حزن کا واقعہ پر۔ یعنی ان پر ایسے عوارض وارد نہیں ہوں گے جو خوف وحزن کے موجب ہوں یہ معنیٰ نہیں کہ خوف وحزن کے اسباب ان پر وارد تو ہوتے ہیں لیکن وہ خائف ومحزون نہیں ہوتے اور یہ معنیٰ بھی نہیں کہ ان پر کبھی خوف وحزن وارد ہوتا ہے بلکہ وہ ہمیشہ مسرور ومفروح رہتے ہیں۔ یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے جبکہ ان پر اللہ تعالیٰ کے جلال کا خوف ہر وقت طاری ہے۔ اسی وجہ سے وہ ہمیشہ حقوقِ عبودیت میں سرگرم رہتے ہیں اور یہ کام خواص ومقربین کا ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَمَنْ تَبِعَ پر عطف ہے۔ گویا معنیٰ یہ ہیں کہ فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ الخ ومن لم يتبع الخ

سوال: ومن لم يتبع کو چھوڑ کر وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ کیوں فرمایا؟

جواب: تاکہ ضلالت کے حال کی تقطیع ہو جائے اور اس کے کمال قبح کا اظہار ہو جائے اسم موصول جمع لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ کفار بکثرت ہیں۔ یعنی وہ کفار جنہوں نے ہمارے رسولوں کے ساتھ کفر کیا۔

وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ یعنی جو کتابیں ہم نے ان کی طرف بھیجیں ان کو جھٹلایا۔ اُولٰٓئِكَ اس کا اشارہ الَّذِيْنَ موصول کی طرف ہے باعتبار اس کے کہ وہ کفر وتکذیب سے موصوف ہے کہ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا اس کا صلہ واقع ہوئے ہیں۔

اَصْحٰبُ النَّارِ یعنی دوزخ سے ایسی ملازمت وملابست کرنے والے کہ کبھی بھی ان سے جدا نہیں ہوتے۔ چونکہ صحبت میں میل جول ہوتی ہے۔ ان پر وہی اطلاق کیا گیا کہ یہ لوگ اس میں ہمیشہ گزریں گے گویا کہ اس کے مالک ہو کر اس میں ہمیشہ کی زندگی بسر کریں گے۔ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ وہ کفار اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ جملہ نصب کے سابقہ جملہ کا حال ہے۔

مسئلہ: ان دو آیتوں سے معلوم ہوا کہ بہشت اوپر کی جانب ہے۔ جیسے اهْبِطُوْا مِنْهَا سے ثابت ہو رہا ہے۔

مسئلہ: جو ہدایت کے متبع ہیں ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

مسئلہ: دوزخ کا عذاب دائمی ہے اور کفار اس میں ہمیشہ رہیں گے اور کافر کے بغیر اور کوئی اس میں ہمیشہ نہیں ٹھہرے گا جیسے هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ سے پتا چلا کیونکہ یہ جملہ حصر کا فائدہ دیتا ہے۔

marfat.ocm

مسئلہ : شرف وبزرگی اتباعِ ہدایت میں ہے۔ جیسا کہ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ۔

سگِ اصحاب کہف روزے چند پئے نیکاں گرفت مردم شد

ترجمہ : اصحابِ کہف کے لئے نیکیوں کا دامن پکڑا، ان کی صحبت میں رہا تو مرد بن گیا۔

تنبیہ : مؤمن اگر اطاعت کرے گا تو بہشت میں داخل ہوگا۔ اگر نافرمانی کرے گا تو دوزخ میں جائے گا۔

تعجب ہے کہ جمادات اور دیگر غیر مکلف چیزیں تو اللہ تعالیٰ کے خوف سے خائف رہتی ہیں اور ان کے حقوق کی پابندی کرتی ہیں لیکن مکلف بندے عموماً غفلت میں رہتے ہیں۔

حکایت: حضرت مالک بن دینار علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میرا ایک لڑکے کے پاس سے گزر ہوا جو مٹی سے کھیل رہا تھا کبھی ہنستا اور کبھی روتا تھا۔ میرا ارادہ ہوا کہ اسے السلام علیکم کہوں لیکن نفس نے تکبر دلا کر روکا کہ تو اتنا بڑا، تیرے لیے اس چھوٹے سے بچے کو سلام کرنا درست نہیں۔ میں نے کہا: اے نفس! تجھے معلوم نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر چھوٹے بڑے کو "السلام علیکم'' فرماتے تھے۔ میں نے لڑکے کو کہا: السلام علیکم لڑکے نے کہا: وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ یامالک بن دینار میں نے اسے کہا کہ تو نے مجھے کیسے پہچان لیا، حالانکہ اس سے قبل تو نے مجھے کبھی دیکھا بھی نہیں۔ اس نے کہا آپ کی اور میری روح کی روزِ میثاق ملاقات ہوئی تو میرا اور آپ کا ایک دوسرے سے اللہ تعالیٰ نے تعارف کرایا۔ میں نے کہا: بیٹے! بتایئے، عقل اور نفس میں کیا فرق ہے؟ اس نے کہا: تیرے نفس نے تو السلام علیکم سے روکا۔ لیکن تیری عقل نے تجھے اس عنایت سے سرفرازی بخشی میں نے کہا: پھر مٹی سے کیوں کھیل رہا ہے؟ جواب دیا: اس لیے کہ ہم اس سے پیدا ہوئے اور اسی میں دفن ہوں گے۔ میں نے کہا: کبھی روتے اور کبھی ہنستے ہو، اس کی کیا وجہ؟ اس نے کہا: جب اللہ تعالیٰ کا عذاب یاد کرتا ہوں تو رونے لگ جاتا ہوں اور جب مجھے اللہ تعالیٰ کی رحمت یاد آجاتی ہے تو ہنسنے لگ جاتا ہوں۔

میں نے کہا: بچے! تو تو گناہوں سے پاک ہے پھر رونے کا کیا معنیٰ؟

اس نے کہا: میں نے اپنی امی جان کو آگ جلاتے دیکھا کہ وہ آگ میں پہلے چھوٹی لکڑیاں ڈالتی تھی بعد میں بڑی

مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ۔

طفل یک روزہ ہمیں داند طریق کہ بگیریم تا رسد دایہ شفیق

تو نمے دانی کہ دانہ رایگاں کم دہد بے گریہ شیر او رایگاں
گفت فلیبکوا کثیرا گوش دار تا بریزد شیر فضل کردگار

ترجمہ : ۱۔ چھوٹا بچہ یہ جانتا ہے کہ روؤں گا تو ماں دودھ دے گی۔ ۲۔ تو نہیں جانتا کہ دانہ ضائع ہو رہا ہے اور بچہ جانتا ہے کہ رونے سے دودھ ملے گا۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا زیادہ روؤ تا کہ فضلِ الٰہی کی بارش ہو۔

جب آدم علیہ السلام کو زمین پر اترنے کا حکم ملا تو ساتھ ہی خوشخبری سنائی کہ میرے اور آپ کے مابین رابطہ الہام اور وحی کے ذریعے قائم رہے گا اور تیری اولاد سے ہدایت منقطع نہیں ہو گی۔ انبیاء علیہم السلام اور کتابیں بھیج کر ان کی رہبری کرتا رہوں گا۔ اس کے بعد جب میری ہدایت انہیں پہنچے تو انہوں نے اگر میری ہدایت قبول کر کے تابعداری کی جیسے آدم علیہ السلام نے توبہ سے اور نوح علیہ السلام نے بکاء و استغفار سے تابعداری کی اور جس نے محبت کے بیج بو کر اطاعت اور بندگی سے تربیت کی یہاں تک کہ توحید اور معرفت کا ثمر نکل آئے تو مستقبل میں ان پر کوئی خوف نہیں کہ محبت کے بیج میں صفاتِ حیوانیہ وسبعیہ افساد کا وبال آجائے یا استعداد سعادت ابدیہ، تمتعاتِ دنیویہ کی وجہ سے باطل ہو جائے اور نہ ان کو کوئی غم اور نہ حزن نیچے اترنے میں ہے کیونکہ ان کے محبت کے بیج تربیت یافتہ ہیں کیونکہ لوگ تو جذبا عنایت اور ہدایت کے تابع ہو کر حظائر قدس کے اعلیٰ مرتبہ کو پہنچے ہوئے ہیں۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ اِلٰی رَبِّکَ الرُّجْعٰی اور بیشک اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہے۔

پھر ان لوگوں کا ذکر کیا گیا جنہوں نے ان کی ہدایت سے کفر کیا اور اپنا ٹھکانہ جہنم کو بنایا وہ یہ ہیں۔ سے کفر کیا اور اپنا ٹھکانہ جہنم کو بنایا وہ یہ ہیں وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا یعنی جنہوں نے تعلقات شہوات نفسانیہ سے محبت کے بیج کو چھپایا اور جہالتِ انسانیہ کی وجہ سے آیات بینات کی تکذیب کر کے استعداد فطری کو ضائع کر دیا۔ وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ یعنی انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور کتابوں کی تکذیب اور انبیاء علیہم السلام وحی، الہام اور اس رُشد کی تکذیب کی حالانکہ ان سے محبت کے بیج کی تربیت ہوتی ہے اور توحید و معرفت اور بلند درجات کو پہنچا اور نعیم جنات اور عرفات کو حاصل کرنے سے شجرِ انسانیہ باثمر ہوتا۔ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا یعنی نارِ جہنم اور نارِ ہجر میں خٰلِدُوْنَ ہمیشہ رہیں گے کیونکہ وہ خود دنیا میں شہواتِ نفسانیہ کے پیچھے پڑے رہے۔ شریعت کے پانی سے ان کی محبت کا بیج انگوری نہ دے سکا جس کی وجہ سے درجات جحیم اور خسرانِ عظیم میں ہمیشہ ہمیشہ رہے۔

marfat.ocm

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا

اے یعقوب کی اولاد یاد کرو میرا وہ احسان جو میں نے تم پر کیا اور میرا

بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۴۰﴾ وَاٰمِنُوْا بِمَآ

عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا اور خاص میرا ہی ڈر رکھو۔ اور ایمان لاؤ اس پر

اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ وَلَا تَشْتَرُوْا

جو میں نے اتارا اس کی تصدیق کرتا ہو جو تمہارے ساتھ ہے اور سب سے پہلے اس کے منکر نہ بنو اور میری آیتوں کے

بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ

بدلے تھوڑے دام نہ لو اور مجھی سے ڈرو۔ اور حق سے باطل نہ ملاؤ اور دیدہ

تَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ

دانستہ حق نہ چھپاؤ۔ اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو

وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ

اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ کیا لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور

اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ

اپنی جانوں کو بھولتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو تو کیا تمہیں عقل نہیں۔ اور صبر اور

وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾ ۙ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ

نماز سے مدد چاہو اور بیشک نماز ضرور بھاری ہے مگر ان پر نہیں جو میری طرف جھکتے ہیں۔ جنہیں یقین ہے

اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾ ع

کہ انہیں اپنے رب سے ملنا ہے اور اسی کی طرف پھرنا

ع ۵ ۷ ۵

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ

يٰبَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ بنون کا لفظ مرد و زن دونوں کے لئے مستعمل ہے جب وہ کہیں یکجا واقع ہوں۔ اِسْرَآءِيْلَ یعقوب علیہ السلام کا نام ہے۔ اِسْرَآءِيْلَ کا معنی ہے عبد اللہ۔ کیونکہ اِسْرَآء لغت عبرانیہ میں (اور یہی یہودیوں کی لغت ہے) بمعنی عبد، اور اِیل بمعنی اللہ۔ یعنی اے یعقوب علیہ السلام کی اولاد۔ یہ خطاب ان یہودیوں کو ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں موجود تھے جو مدینہ طیبہ کے ارد گرد بنو قریظہ اور بنو نضیر وغیرہ تھے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔

سوال : صرف ان کے ذکر کرنے کی کیا تخصیص ہے؟

جواب : وہ لوگ اس وقت نعمتوں سے مالا مال تھے اور نعمت کا کفران بھی ان میں زیادہ تھا۔

اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ ذُکر" بضم الذال، دل کے یاد کرنے سے مختص ہے۔ یعنی وہ حفظ جو نسیان کی ضد ہے اور ذِکر" بالکسر عام ہے خواہ دل سے ہو یا زبان سے۔ اس میں حکم ہو رہا ہے کہ نعمت کا شکریہ دل سے بھی کرو اور زبان سے بھی۔ اذْكُرُوْا بمعنیٰ اِحْفَظُوْا وَاشْكُرُوْا بِاللِّسَانِ نِعْمَتِىْ (یعنی میری نعمت کو دل میں محفوظ رکھو اور زبان سے شکریہ ادا کرو) کیونکہ نعمت اسمِ جنس بمعنیٰ جمع ہے ہر قسم کی نعمت پر اس کا اطلاق ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا

الَّتِىٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ اس میں اشارہ ہے کہ انہوں نے نعمتوں کو ایسا بھلا دیا تھا کہ کبھی بھی ان کے دل پر اس کا خیال نہیں گزرتا تھا۔ یہ مطلب نہیں کہ وہ ادائیگی شکر میں تساہل کرتے تھے۔ نِعْمَۃ کو عَلَيْكُمْ سے اس لیے مقید کیا کہ انسان فطرۃً غیر تمند اور حاسد ہے جب کسی دوسرے کو نعمت سے مالا مال دیکھتا ہے تو اسے غیرت اور حسدِ کفران نعمت اور رنج و غصہ پر ابھارتے ہیں۔

حدیث شریف : میں ہے اپنے سے زائد نعمت والے کو نہ دیکھو تا کہ تمہیں پریشانی نہ ہو اور نعمتِ الٰہی سے روحانی نسخے کی ناقدری نہ ہو کیونکہ جس نے اپنے اوپر نعمت کی وجہ سے دیکھا تو اسے نعمت کی محبت رضامندی اور شکر کی ادائیگی پر ابھارے گی۔

نکتہ : اربابِ معانی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو نعمت کے ذکر کا حکم دیا اور امتِ محمدیہ علی

marfat.ocm

صاحبہا السلام کو ذکر نعمت سے علیحدہ کر کے صرف اپنے ذکر کا حکم دیا۔ کما قال: فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ (تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں) اس میں نکتہ یہ ہے کہ انہیں نعمت کو یاد کر کے منعم تک پہنچیں اور امت محمدیہ علیٰ صاحبہا السلام خود ذات کو بلا واسطہ یاد کریں نعمت خود بخود حاضر ہو گی کیونکہ جب منعم ملا تو نعمت کہاں محجوب رہ سکے گی۔

اَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ یعنی میری نعمت کو پورا کرو اس عہد کا ایفاء کرو جو تم نے روزِ میثاق قبول کیا تھا اور عہد عام ہے۔ تمام اوامر ایمان و طاعت اور نواہی و وصایا مراد ہیں۔ اس میں وہ عہد بھی شامل ہیں جو یہود سے توراۃ میں حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے لیے لیا گیا۔

عہد بمعنی ہر گھڑی شئے کی حفاظت و نگرانی کرنا۔ اس سے جمیع وعدے اور وصیتیں مراد ہیں۔ عھد" مصدر ہے اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے۔

اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ میں تمہاری جزا کو مکمل کروں گا بہتر ثواب دے کر، اور اسے قبول کر کے تمہیں بہشت میں داخل کروں گا عہد، معاہد اور معاہد دونوں کی طرف مضاف ہوتا ہے۔ لیکن یہاں پر مفعول کی طرف مضاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دلائل قائم کر کے اور رسولوں کو بھیج کر اور کتابیں نازل کر کے ان سے ایمان و عمل و صالح کا عہد لیا اور پھر ان سے ان کی نیکیوں پر ثواب دینے کا وعدہ کیا۔

مسئلہ : انسان سے اس وعدہ کا پہلا ایفاء کلمہ شہادت اور اس پر ایمان لانا ہے اور اللہ تعالیٰ سے تکمیل عہد یہ ہے کہ وہ ہمارے اموال اور جان کو محفوظ رکھے اور ہمارا آخری عہد یہ ہے کہ ہم توحید میں ایسے مستغرق ہو جائیں کہ غیروں کی خبر تو بجائے خود اپنے آپ کو بھی بھول جائیں اور اللہ تعالیٰ سے ایفائے عہد یہ ہے کہ وہ ہمیں دائمی بقاء سے باریاب فرمائے۔ چنانچہ رسالہ قشیریہ میں ہے کہ:

اَوْفُوْا بِعَهْدِيْ فِيْ دَارِ الْجَنَّةِ، اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ فِيْ دَارِ الْقُرْبَةِ الخ

یعنی تم دار جحت میں میرے عہد کی پاسبانی کرو میں دار القربۃ میں تمہارے ساتھ ایفاء عہد کروں گا۔ یعنی وصال کے فرش پر کھڑا کر کے دائمی انس اور رؤیت سے مالا مال کروں گا اور زمانِ دنیا سے رب رب کہہ کر تم میرے عہد کی پاسداری کرو اور میں تمہیں عبد کہہ کر ایفاءِ عہد کروں گا۔ وَاِيَّايَ محذوف فعل کی وجہ سے منصوب ہے دراصل یوں تھا: وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْ. فَارْهَبُوْنِ اگر تم کسی سے ڈرتے ہو تو صرف مجھ سے ڈرو۔

الرّھبۃ بمعنیٰ خوف سے تحرز۔

مسئلہ : آیت میں وعدہ بھی ہے، کما قال: اُوْفِ اور وعید بھی، کما قال: وَاِیَّایَ فَارْھَبُوْنِ اور حکم بھی ہے کہ شکر کی ادائیگی اور ایفائے عہد واجب کیا گیا ہے۔

تنبیہ : مومن کے لئے ضروری ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور سے نہ ڈرے۔ کیونکہ اِیَّایَ کی تقدیم از فعل حصر کا معنیٰ ثابت ہو رہا ہے۔ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ جسے میں نے نازل کیا اے بنی اسرائیل! تم اس پر ایمان لاؤ۔

سوال : جب اَوْفُوْا میں ہر شے مندرج تھی تو اب قرآن کو علیحدہ ذکر کر کے ایمان لانے کا حکم کیا دے رہے ہیں؟

جواب : ایفائے عہد میں یہ سب سے زیادہ اہم ہے یعنی ایمان لاؤ اس قرآن پر جسے میں نے سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا۔

مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ قرآن پاک کی یہ شان ہے کہ وہ تمہاری توراۃ کی بھی تصدیق کرتا ہے کیونکہ یہ اسی کے موافق نازل ہوا ہے کہ جس طرح تمہاری کتاب میں اس کا ذکر ہے۔ اَنْزَلْتُ عَلَيْكُمْ کو مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ نے اس لیے مقدم کیا گیا تا کہ حکم کی فرمانبرداری کے وجوب کی تاکید ہو جائے کیونکہ جس پر ان کا ایمان ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ جو شئے اس کی تصدیق کرے اس پر بھی ایمان لانا واجب ہے۔ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ یعنی سب سے پہلے قرآن کے ساتھ تم کافر نہ بنو کیونکہ مقتدی کا گناہ پہلے اس پر ہوتا ہے جس نے اس عمل کی بنیاد رکھی۔ مولانا روم قدس سرہ فرماتے ہیں ؎

ہر کہ بنہد سنت بد اے فتا ۔ تا در افتد او خلق از عما
جمع گردد بر وے آں جملہ بزہ ۔ کاو سرے بودست وایشاں دم غزہ

ترجمہ : اے عزیز! جو برے طریقے کی بنیاد رکھتا ہے اس خیال پر کہ لوگ بھولے سے بھٹکیں تو تمام گناہ پہلے اس کے نامہ اعمال میں لکھے جائیں گے کیونکہ یہ ان کی اصل ہے اور دوسرے اس کی شاخیں۔

یعنی تم کفر کرنے میں سبقت نہ کرو۔ کیونکہ تمہارا عمل تو یوں ہونا چاہیے کہ تم اس کے سبب سے پہلے ایمان لانے والے ہو، کیونکہ تم اس کی حقیقت اور اس کی شان اپنی کتابوں سے پڑھ، سن کر خوب جانتے ہو۔ جیسے تم اپنی اولاد کو جانتے ہو۔ اس سے قبل اس کی بدولت تم فتح طلب کرتے رہے اور اس کی آمد کے منتظر تھے۔ پس اب اپنی متوقع امید کو ضائع نہ کرو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو سب سے پہلے ان کی تکذیب کرنے والے مدینہ کے یہودی تھے، پھر بنو قریظہ اور بنو نضیر۔ پھر خیبر والے۔ پھر ان کے تابع ہو کر تمام یہود نے تکذیب کی۔

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ اپنے نفسوں کے لئے میری آیات کے بدلے **ثَمَنًا قَلِيْلًا** تھوڑا ثمن نہ لو۔ ثمن قلیل سے دنیوی لذتیں مراد ہیں کیونکہ اگرچہ یہ کتنی ہی بڑی ہوں لیکن وہ نعمتیں جو ایمان کی بدولت انہیں ملیں گی اور یہ چھوڑ بیٹھے۔ ان کی نسبت دنیوی نعمتیں نہایت قلیل اور بالکل لاشئے ہیں۔

ف: عام یہود اپنے احبار علماء کو کھیتوں کے پھلوں سے کچھ دیتے تھے اور انہیں ہدایا بھیجتے اور رشوتیں دیتے تاکہ وہ کتاب کے معانی کی تحریف کریں اور ایسے آسان مسائل تیار کریں جو بالکل نرم نرم ہوں۔ اسی طرح شاہانِ وقت بھی انہیں بہت کچھ دیتے تاکہ وہ حق چھپائیں اور کلمات کی تحریف کر ڈالیں۔ احبار کی معاش کا چونکہ صرف یہی ایک ذریعہ تھا انہیں خطرہ لاحق ہوا کہ ہم حق ظاہر کر دیں گے۔ یعنی سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر ان کی تابعداری قبول کریں تو ہماری شان و شوکت اور دنیا و دولت ہاتھ سے نکل جائے گی اگرچہ توراۃ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت اور صدق کا ذکر بھی تھا لیکن محروم رہے اور ہمیشہ کتاب توراۃ میں تبدیلیاں کرتے رہے۔

شانِ نزول: کعب بن اشرف نے ایک دن احبار یہود کو کہا کہ تم لوگ حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کیا جانتے ہو؟ انہوں نے کہا: وہ تو نبی ہیں۔ (صلی [illegible] علیہ وسلم) کعب بن اشرف نے کہا: تمہارا وہ انعام اور صلہ جو مجھ سے ملتا تھا آج سے ختم۔ اگر اس کے خلاف ثابت کرو تو پھر تمہارا انعام و صلہ بدستور جاری رہے گا۔ بعض اہل کتاب عذر کرتے ہوئے جواب دیتے کہ چونکہ انہوں نے ہمیں بلا سوچے سمجھے جواب دیا ہے ہمیں تھوڑی سی مہلت دے دو ہم تورات کو دیکھ کر جواب دیں گے۔ کچھ دیر کے بعد انہوں نے کعب بن اشرف

marfat.ocm

کوتورات دکھائی جہاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت شریف لکھی تھی وہاں دجال کی تعریف لکھ دی پھر کعب بن اشرف کو سنائی۔ کعب بن اشرف نے ہر ایک کو ایک صاع جَو اور چار گز کپڑا عطیہ دیا۔ اسی لیے مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

بود در انجیل نامِ مصطفیٰ　　آں سرِ پیغمبراں بحرِ صفا
بود ذکر حلیہا و شکل او　　بود ذکر غزو صوم و اکل او

ترجمہ: انجیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی تھا وہ بحرِ صفا اور سرتاجِ رسل ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ اور شکل مذکور تھی آپ کا کھانا پینا اور روزہ وغیرہ مندرج تھا۔

وَإِيَّايَ فَاتَّقُونِ مجھ سے ڈرو ایمان لا کر اور حق کی تابعداری کر کے اور دنیوی طمع سے روگردانی کر کے۔

سوال: فَارْهَبُونِ اور فَاتَّقُونِ دونوں تقریباً ہم معنیٰ ہیں پھر تکرار کا کیا فائدہ؟

جواب: فَارْهَبُونِ کا معنیٰ ہے مجھ سے ڈرو ایفائے عہد کے بارے میں اور فَاتَّقُونِ کا معنیٰ ہے کہ مجھ سے ڈرو نعتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم چھپانے کی وجہ سے۔ یا پہلے کا حکم عام تھا۔ ہر ایک مقلد اور عالم کو وہاں رهبت کا حکم دیا گیا کہ سلوک کی یہ پہلی منزل ہے اور دوسرے میں صرف علماء مطلوب ہیں کہ ان کو تقویٰ کا حکم ہوا جو آخری مرحلہ ہے۔ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ اس کے ماقبل پر عطف ہے۔ **اللبس بالفتح** بمعنی ملانا، یعنی وہ حق جو منزل من اللہ ہے اس کو باطل سے خلط ملط نہ کرو۔ اس باطل کے خلط سے جسے تم حق کے درمیان لکھتے ہو یا تاویل کر کے اسے بیان کرتے ہو۔ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ یہاں پر لا مقدر ہے یا اَن مقدر کی وجہ سے منصوب ہے اور واؤ بمعنیٰ جمع کے ہے۔ اب معنیٰ یوں ہوا کہ **لا تجتمعوا لبس بالباطل و کتمانہ** (حق کو باطل سے ملا چھپا کر جمع نہ کرو) لَا تَلْبِسُوا تغیر سے نہی کی گئی ہے اور وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ میں کتمانِ حق سے نہی کی گئی۔ کیونکہ وہ کہتے تھے کہ تورات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ہمیں نہیں ملی۔ اس سے معلوم ہوا کہ لبس اور ہے اور کتمان اور۔

وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ یعنی تمہارا حال یہ ہے کہ تم جانتے بھی ہو کہ تم حق میں ملاوٹ کر رہے ہو اور اسے چھپا رہے ہو یا یہ کہ تم جانتے بھی ہو کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم برحق نبی ہیں۔ حال کا لانا منہی کی تقیید کے لئے ہے بلکہ ان کے حال کی قباحت میں اضافہ مطلوب ہے کیونکہ جاہل کبھی معذور ہوتا ہے۔

marfat.ocm

ف: تیسیر میں ہے کہ یہ خطاب تمام مسلمانوں اور ان کی ہر صنف کو ہے۔ گویا یوں حکم ہے کہ اے شاہانِ وقت! عدل کو جور سے، اور اے قاضیان! حکم کو رشوت سے نہ ملاؤ۔ اسی طرح ہر فریق کو سمجھتے جاؤ اور اگر یہ خطاب صرف بنی اسرائیل کو ہو تو یہ حکم اس کو بھی شامل ہوگا جو ان جیسا عمل کرتے ہوں۔ مثلاً جو حق کی تغیر اور ابطال کے لئے رقم لیتا ہے یا جو کچھ اس پر علم سکھانا واجب ہے، پڑھانے سے رک جاتا ہے یا علم کے باوجود عمل نہیں کرتے۔ سب پر یہی حکم صادر ہوگا۔

حدیث شریف: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ تَعَلَّمَ عِلْماً لَا يَبْتَغِىْ بِهٖ وَجْهَ اللّٰهِ لَا يَتَعَلَّمُهٗ اِلَّا يُصِيْبَ بِهٖ
غَرَضاً مِّنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ غُرَفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

(جو شخص علم حاصل کرتا ہے اس میں رضائے الٰہی مقصود نہیں محض دنیا مطلوب ہے تو قیامت میں اسے بہشت کے بالا خانے نصیب نہیں ہوں گے)

تنبیہ: جس نے اللہ تعالیٰ سے ڈر کر تقویٰ کرتے ہوئے اپنے علم کا عوض نہ لیا اور نہ ہی وصیت و نصیحت سے کچھ طمع رکھی بلکہ حق کو ظاہر کرنے میں اسے دکھ و تکلیف بھی آئی تو صبر سے برداشت کی تو وہ اس زمرہ میں داخل ہوگا جن کو نہ خوف ہے نہ غم۔ یعنی اولیاء کے گروہ میں۔

حدیث شریف: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَمْنَعَنَّ اَحَدُكُمْ هَيْبَةُ اَحَدٍ اَنْ يَقُوْلَ اَوْ يَقُوْمَ بِالْحَقِّ حَيْثُ كَانَ

(مجھے کسی کی ہیبت حق بات کہنے سے نہیں روکتی خواہ وہ کیسے ہی ہوں)

قرآن پاک میں ہے: يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور وہ ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔

ابو حازم کی گواہی: سلیمان بن عبد الملک مکہ مکرمہ جا رہا تھا۔ راستہ میں مدینہ طیبہ چند روز قیام پذیر ہوا تو لوگوں سے پوچھا: کوئی ایسا آدمی بھی زندہ ہے جسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل ہو۔ لوگوں نے کہا: حضرت ابو حازم رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کی خدمت میں کسی کو بھیج کر اپنے ہاں بلایا۔ حضرت ابو

marfat.ocm

حازم تشریف لائے تو خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے ان سے کہا کہ اہلِ مدینہ کے بڑے بڑے لوگ میرے ملنے کے لئے آئے آپ کیوں تشریف نہ لائے۔ آپ نے فرمایا: اس سے قبل نہ آپ مجھ سے متعارف ہیں اور نہ ہی میں آپ کو جانتا ہوں۔

سلیمان نے ساتھ بیٹھے ہوئے محمد بن شہاب زہری کی طرف دیکھا تو انہوں نے کہا: واقعی شیخ سچ فرماتے ہیں: اب سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہو گیا:

سلیمان: اے ابو حازم! کیا وجہ ہے کہ ہم موت کو مکروہ سمجھتے ہیں؟

ابو حازم: اس لیے کہ تم نے آخرت کو خراب کر ڈالا اور دنیا کی تعمیر میں لگے رہے۔ اب تمہیں یہ بات شاق گزرتی ہے کہ آبادی کو چھوڑ کر ویران جگہ چلے جاؤ۔

سلیمان: اے ابو حازم! تو نے ٹھیک فرمایا اب بتایئے کل اللہ تعالیٰ سے کیسے ملاقات ہو گی۔

ابو حازم! اگر نیک ہے تو ایسے آئے گا جیسے کوئی گھر سے باہر چلا جائے پھر جب واپسی ہوتی ہے تو اہل و عیال میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ اگر بُرا ہے تو ایسے ہو گا جیسے بھاگا ہوا نوکر اپنے آقا کے ہاں لوٹ آئے۔ سلیمان رو پڑا اور کہا نا معلوم ہمارا اللہ تعالیٰ کے ہاں کیسے معاملہ ہو گا؟

ابو حازم: اپنے اعمال کتاب اللہ کے موافق بنانے کی کوشش کرو۔

سلیمان: آخرت میں مجھ سے کون اچھا ہے؟

ابو حازم: اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ۚ وَّ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ (ابرار بہشت کی نعمتوں میں ہوں گے اور فجار جحیم میں)

سلیمان: اے ابو حازم: اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ (اللہ تعالیٰ کی رحمت محسنین کے قریب ہے)

سلیمان: اے ابو حازم! اللہ تعالیٰ کے ہاں کون سا بندہ مکرم ترین ہے؟

ابو حازم: مروہ اور عقل والے۔

سلیمان: کون سا عمل افضل ہے؟

ابو حازم: فرائض کی ادائیگی اور محارم سے اجتناب۔

سلیمان: کون سی دعا زیادہ مستجاب ہے؟

marfat.ocm

ابوحازم: محسن الیہ کی دعا محسن کے لئے۔

سلیمان: کون سا صدقہ افضل ہے؟

ابوحازم: تنگدست، فقیر اور بڑی سخت تنگی والے کو صدقہ دے کر منت اور احسان نہ جتانا اور نہ ہی اسے ایذا دینا۔

سلیمان: کون سا قول اچھا ہے؟

ابوحازم: جس سے تو ڈرتا ہے یا جس سے کوئی امید وابستہ ہے۔

سلیمان: اللہ تعالیٰ کے ہاں کون سا مومن اعلیٰ مرتبہ والا ہے؟

ابوحازم: وہ مرد جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے اور دوسرے کو بھی اس کا حکم دے۔

سلیمان: کون سا مومن احمق ہے؟

ابوحازم: وہ شخص جو خواہشاتِ نفسانیہ پر ٹوٹ پڑے حالانکہ وہ ظالم ہے یہ ایسا احمق ہے کہ غیر کی خاطر اپنی آخرت کو دنیا کے عوض بیچ رہا ہے۔

سلیمان: بہت خوب! لیکن فرمایئے ہم کیسے ہیں؟

ابوحازم: اے امیر المومنین! مجھے اس کے متعلق معاف فرمایئے۔

سلیمان: نہیں، ضرور بتانا پڑے گا۔ یہ ایک نصیحت ہوگی جو مجھے آپ کی طرف سے حاصل ہوگی۔

ابوحازم: اے امیر المومنین! تمہارے آباء نے لوگوں پر تلوار کے ساتھ جبر و تشدد کیا اور لوگوں کے مشورے کے بغیر ظلماً یہ ملک چھینا یہاں تک کہ بہت بڑی خون ریزیاں ہوئیں اور آخر کار لوگ اپنا ملک چھوڑ کر چلے گئے۔ کاش! تجھے وہ کلمات معلوم ہوتے جو لوگوں نے تیرے آباء کے متعلق کہے۔

ایک ہم نشین نے کہا: اے ابوحازم! تو نے غلط بیانی کی۔

ابوحازم نے فرمایا: کیوں جھوٹ بول رہے ہو، علماء سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ لیا کہ وہ لوگوں کو حق کی بات بتائیں اور حق ہرگز نہ چھپائیں۔

سلیمان: اب ہم اپنی اصلاح کس طرح کریں؟

ابوحازم: لوگوں کو بلا کر مروّۃ سے کام لو اور ہر ایک کا حصہ برابر تقسیم کردو۔

سلیمان: ہم مال کہاں سے حاصل کریں؟

ابو حازم: حلال مال کما کر اس کے اہل کو دو۔

سلیمان: اے ابو حازم! چند روز ہمارے ہاں قیام فرمایئے تا کہ ہم آپ سے نصیحت حاصل کریں۔

ابو حازم: پناہ بخدا! یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ مجھ سے کوئی ایسا عمل نہ ہو جائے کہ جس سے مجھے دنیا و آخرت کی رسوائی اٹھانی پڑے۔

سلیمان: کم از کم اپنی ضروریات تو بتا دیجئے تا کہ ہم آپ کی امداد کریں۔

ابو حازم: مجھے جہنم سے نجات دلا کر بہشت میں داخل کرا دیجئے۔

سلیمان: سبحان اللہ! مجھ سا اس کام کو کب کر سکتا ہے!

ابو حازم: میری تو یہی حاجت ہے۔

سلیمان: اچھا، میرے لیے کوئی دعا فرمایئے۔

ابو حازم: یا اللہ! اگر سلیمان تیرا دوست ہے تو اس کی دنیا و آخرت کی بھلائی میں آسانی فرما۔ اگر تیرا دشمن ہے تو اسے تو پکڑ جیسا تو چاہے۔

سلیمان: کچھ نصیحت بھی فرمایئے۔

ابو حازم: اگر تو اہل ہے تو میں تجھے بہت کچھ کہہ چکا اور اگر تو نا اہل ہے تو پھر اب میری کمان میں تیر نہیں۔ یعنی اتنا ہی کافی ہے۔

سلیمان: مجھے کچھ نصیحت فرمایئے۔

ابو حازم: میں تجھے یہ وصیت کرتا ہوں کہ باری تعالیٰ کو بہت بڑی ذات سمجھنا اور جس عمل کا اس نے تجھے حکم دیا ہے اس کی ادائیگی میں کوشش کرنا اور جس سے تجھے روکا ہے اس سے بچتے رہنا۔ جب ابو حازم گھر جانے لگے تو سلیمان نے سو دینار روانہ کر کے لکھا کہ اسے خرچ کرو، اور اتنا اور بھی آپ کا میرے پاس باقی ہے۔

ابو حازم نے وہ رقم لوٹا کر لکھا کہ اے امیر المومنین! میں اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں۔ کیا تیرے وہ سوالات مسخری کے طور تھے اور یہ رقم واپس ہے میں اسے نہیں لینا چاہتا۔ میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سنت ادا کی ہے۔

marfat.ocm

شعیب و موسیٰ کی ملاقات کا ایک واقعہ:۔

جب موسیٰ علیہ السلام مدین میں تشریف لے گئے تو وہاں چرواہوں کو پانی کھینچتا ہوا پایا۔ ادھر دیکھا تو دو لڑکیاں بھی پانی کھینچنا چاہتی تھیں تو آپ نے ان کو کنویں سے پانی نکال دیا۔ آپ نے ان سے پوچھا: تم نے پانی پہلے کیوں نہیں لیا؟ انہوں نے کہا: جب تک یہ لوگ فارغ نہ ہوتے ہم پانی نہیں نکال سکتیں۔ ہمارا باپ (شعیب) بوڑھا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے پانی بھر کر سایہ کے نیچے بیٹھ کر کہا: ''یا اللہ تو نے مجھے فقر و فقیری میں ہی رکھا'' آپ نے یہ اس لیے کہا کہ آپ بھوکے تھے اور خوف زدہ بھی اور اطمینان بھی نہیں تھا۔ اسی لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا اور لوگوں سے کچھ نہ مانگا۔ چرواہوں نے تو کچھ نہ سمجھا لیکن وہ لڑکیاں بھانپ گئیں۔ باپ کے پاس جا کر سارا ماجرا سنایا اور وہ الفاظ بھی سنائے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: تم میں سے ایک جائے اور اسے بلا لائے۔ جب وہ لڑکی موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچی تو منہ چھپائے ہوئے کہا کہ میرا باپ آپ کو بلا رہا ہے تاکہ آپ کو وہ مزدوری دیں جو آپ نے ہمیں پانی بھر کر دیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کو یہ بات ناگوار گزری۔ لیکن جانے کے سوا کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ کیونکہ پہاڑی علاقہ تھا اور ویسے بھی آپ خوف زدہ تھے۔ جب چل پڑے تو تیز ہوا چلنے لگی۔ راستہ بتانے کے لئے وہ لڑکی آگے آگے چل دی۔ ہوا کے جھونکے سے لڑکی کا کپڑا ادھر ادھر ہوتا تو اس کی رانیں دکھائی دینے لگتیں۔ (اس لڑکی کی رانیں بھی کچھ موٹی تھیں) موسیٰ علیہ السلام نامحرم عورت کو دیکھنا گوارہ نہ کرتے اس لیے کبھی اپنا منہ چھپا لیتے اور کبھی کھول لیتے۔ آخر رہا نہ گیا آپ نے کہا: اے اللہ کی بندی! مجھے آگے چلنے دے اور تو مجھے راستہ بتاتی چل۔ بالآخر حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت میں وہ دونوں پہنچ گئے۔ حضرت شعیب علیہ السلام اس وقت شام کا کھانا کھانے کے لئے تیار بیٹھے تھے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر فرمایا: اے بیٹے! بیٹھیے اور طعام کھائیے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میں آپ کا طعام نہیں کھاؤں گا۔ شعیب علیہ السلام نے فرمایا: آپ بھوکے تو ہیں ہی۔ پھر کھاتے کیوں نہیں؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ''مجھے خطرہ ہے کہ جو کام میں نے فی سبیل اللہ کیا، کہیں یہ کھانا اس کا عوض نہ ہو جائے، کیونکہ میں اس قبیلہ سے ہوں کہ جو اپنے دین کے کسی عمل کو بیچتے نہیں۔ اگرچہ اس کے عوض دنیا کے برابر سونا ملے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ میں بھی تمہیں اس کا عوض نہیں دے رہا۔ بلکہ میری اور میرے آباء کی

marfat.ocm

عادت ہے کہ ہم مہمان نوازی کرتے ہیں اور بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے بیٹھ کر طعام تناول فرمایا۔

ف: اس حکایت کے بعد ابو حازم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر یہ سو دینار میرے اس کلام اور نصیحت کی بدولت ہیں تو مجبوری کے وقت خنزیر اور مردار اور دم مسفوح کھا پی لینا اس سے زیادہ بہتر ہے اور اگر بیت المال سے مجھے یہ حق مل رہا ہے تو میرے جیسے اور بہت آپ کو مل جائیں گے انہیں دے دیجئے۔ لیکن یاد رکھیے مجھے اس کی ضرورت نہیں۔

سبق: امام قرطبی نے اس حکایت کو نقل کر کے فرمایا اسی کا نام ہے **اقتداء بالکتاب و السنۃ**۔

مسئلہ: علماء کا اختلاف ہے کہ کیا تعلیم قرآن اور علم پر اجرت لینا اس آیت کی رو سے جرم و گناہ ہے یا نہیں آج کل کے زمانے میں تعلیم قرآن اور فقہ پر اجرت لینا جائز ہے تا کہ تعلیم و دیگر امور خیر ضائع نہ ہو جائیں۔

حدیث شریف: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **اِنَّ اَحَقَّ مَا اَخَذَ عَلَیْہِ اَجْرًا کِتَابُ اللّٰہِ** یعنی جس عمل کی تم مزدوری لیتے ہو ان میں سب سے زیادہ حق قرآن کریم کی تعلیم پر ہے۔

مسئلہ: آیت کی وعید اس شخص کے لئے ہے جو اس پر تعین کرے یہاں تک کہ جب تک اسے کچھ نہ ملے تو وہ تعلیم دینا چھوڑ دے اور وہ شخص جو اس پر تعین نہیں کرتا اس کے لئے اجرت لینا اس مذکور حدیث کے مطابق جائز ہے۔ جیسے غسال (مردہ نہلانے والا) کہ وہاں پر سوائے اس کے غسل نہیں دے سکتا۔ جیسے گاؤں اور دور افتادہ علاقوں میں ہوتا ہے تو اس کے لئے اجرت لینا جائز ہے کیونکہ وہاں پر سوائے اس کے اور کوئی نہیں۔ اگر اس کے سوا اور بھی موجود ہوں، جیسے عام شہروں میں ہوتا ہے تو پھر بھی اسے اجرت لینا جائز ہے لیکن تعین نہ کرے اس وقت اگر غسل نہ دے تب بھی گنہگار ہوگا۔

مسئلہ: اگر اس کی وجہ معاش سوائے اس عمل کے اور کوئی نہیں تو اسے تعلیم پر اجرت مقرر نہیں کرنی چاہیے بلکہ کسی اور صنعت و حرفت کو اجرت کے لئے متعین کرے، اور امام (حاکم وقت) کے لئے لازم ہے کہ اس کا کوئی وظیفہ مقرر کر دے ورنہ عام مسلمانوں کو چاہیے کہ اس کا وظیفہ مقرر کریں۔ کیونکہ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خلافت سپرد ہوئی تو آپ کے وجہ معاش کے لئے کچھ بھی نہ تھا کہ اپنے اہل و عیال پر خرچ کریں

تو آپ اپنا کپڑا بازار میں بیچنے کے لئے جا رہے تھے لوگوں نے کہا: اس طرح کیوں؟ آپ نے فرمایا: تو پھر میں کہاں سے خرچ کروں؟ لوگوں نے کہا: واپس جائیے ہم اس کا انتظام کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے مل جل کر آپ کی معاش متعین کر دی۔

مسئلہ: اسی طرح امام اور مؤذن وغیرہما کا حکم ہے کہ وہ اجرت اسی طور سے لے سکتے ہیں۔

مسئلہ: قرآن پاک کی بیع وفروخت جائز ہے اس لیے کہ یہ بیع اوراق اور کتابت کی اجرت ہے نہ کہ اصل قرآن کی۔

مسئلہ: ہمارے زمانے میں بعض مسائل کے لئے جواز کی صورت پیدا کرنی پڑی۔ کیونکہ زمان کے تغیر سے مسائل بھی متغیر ہو جاتے ہیں تا کہ علم اور دین نہ مٹ جائے۔ ان مسائل میں سے چند ایک یہ ہیں:

۱۔ علماء کا سلاطین کی ملازمت اختیار کرنا۔
۲۔ گاؤں میں جا کر اپنی معاش کا سبب تلاش کرنا۔
۳۔ تعلیمِ قرآن اور اذان وامامت کی اجرت لینا۔
۴۔ عزل حرۃ اس کے اذن کے بغیر۔
۵۔ شرابیوں وغیرہ کو السلام علیکم کہنا۔

ف: ان کے لئے جواز کا فتویٰ دیا گیا تا کہ ضرر ونقصان کے وقوع سے حفاظت ہو جائے۔

(کذافی نصاب الاحتساب)

مولانا روم قدس سرہٗ فرماتے ہیں ؎

عاشقاں را شادمانی وغم اوست   دست مزد و اجرت خدمت ہم اوست
غیر معشوق ز تماشائی بود   عشق نبود ہرزہ سرائی بود
عشق آں شعلہ است کہ چوں برفروخت   ہر کہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ یہ خطاب بنی اسرائیل کو ہے۔ یعنی اسے قبول کرو اور اس کی فرضیت کا اعتقاد رکھتے ہوئے اس کو شرائط وحدود کے ساتھ مسلمانوں کی طرح ادا کرو۔ کیونکہ اس کے سوا نماز نامقبول ہے۔ **وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ** مسلمانوں

marfat.ocm

کی طرح زکوٰۃ ادا کرو۔ کیونکہ اس کے سوا زکوٰۃ نا قابلِ قبول ہے۔

ف: نفس کو کرم کے ثمرہ سے حصہ مل جائے یا زکوٰۃ بمعنیٰ طہارت ہے۔ کیونکہ یہ مال کو خبث سے اور نفس کو بخل سے پاک کرتی ہے۔

مسئلہ : کفار ان اوامر کے مخاطب نہیں جو سقوط کا احتمال رکھتے ہیں۔ جیسے نماز، روزہ وغیرہ اور عند الاحناف ان کے ترک کرنے پر ان کو سزا نہیں ملے گی۔ ان پر ان کا مکلف ہونا عند الحنفیہ اعتقاد اور قبول کی وجہ سے ہے۔

وَارْكَعُوا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ نماز باجماعت ادا کرو۔

مسئلہ : جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا تنہا پڑھنے سے ستائیس درجے زیادہ ثواب رکھتا ہے۔

نکتہ : کیونکہ جماعت میں نفوس قدسیہ کا تعاون ہوتا ہے۔

نکتہ : نماز جنگ کی طرح ہے اسی لیے اس کے لئے محراب ہوتا ہے۔ بمعنیٰ محل حرب اور جنگ میں ضروری ہوتا ہے کہ وہاں جماعت میں صفیں ہوں۔

نکتہ : جماعت میں قوت ہے۔

حدیث شریف: میں ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَا اِجْتَمَعَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فِيْ جَمَاعَةٍ اَرْبَعُوْنَ رَجُلاً اِلاَّ وَفِيْهِمْ رَجُل "مَغْفُوْر" لَهٗ فَا اللّٰهُ تَعَالٰى اَكْرَمُ مِنْ اَنْ يَّغْفِرَ لَهٗ

(جہاں بھی مسلمانوں کی جماعت کے چالیس آدمی جمع ہوں گے وہاں ان میں سے ایک ضرور بخشا ہوا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے شان میں نہیں ہے کہ اسے تو بخش دے اور باقیوں کو محروم و خاسر لوٹا دے)

نکتہ : نماز باجماعت کو تنہا پڑھنے سے ستائیس درجے اس لیے فضیلت دی گئی کہ جماعت جمع سے ماخوذ ہے اور جمع کو کم از کم تین پر اطلاق ضرور ہوتا ہے۔ تنہا نماز پڑھنے سے دس نیکیاں ضرور ملتی ہیں ان دسوں میں ایک اصلی نیکی اور باقی نو فضلِ کریم نے عطا ہوئیں۔ جب یہ تضعیفات آپس میں جمع ہوں گے تو ستائیس ہو جائیں گے۔

مسئلہ : امام قرطبی فرماتے ہیں کہ جو شخص باجماعت نماز کے ترک کی ہمیشگی اختیار کرے اور عذر بہ نہ ہو تو اسے سزا دینی چاہیے۔

marfat.ocm

حکایت: حضرت ابوسلیمان درانی فرماتے ہیں: مجھے چالیس سال گزر گئے مجھے کبھی احتلام نہ ہوا۔ ایک روز میں مکہ مکرمہ میں پہنچا تو وہاں مجھ سے حدث واقع ہوئی۔ اب تو یوں ہوا کہ ہر شب احتلام میں مبتلا ہو جاتا اور حدث کا موجب یہ ہوا کہ ان سے عشاء کی نماز باجماعت ادا نہ ہو سکی۔

حدیث شریف: میں ہے کہ

مَا افْتَرَضَ اللّٰهُ عَلٰى خَلْقِهٖ بَعْدَ التَّوْحِيْدِ فَرْضاً اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنَ الصَّلٰوةِ وَلَوْ كَانَ بِشَيْءٍ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنَ الصَّلٰوةِ لِتَعَبُّدٍ بِهٖ مَلٰئِكَتُهٗ فَمِنْهُمْ رَاكِعٌ" وَسَاجِدٌ" وَقَائِمٌ"

(اللہ تعالیٰ نے توحید کی سب سے زیادہ محبوب عبادت اپنے بندوں کو نماز عنایت فرمائی اور اگر کوئی اور عبادت زیادہ محبوب ہوتی تو ملائکہ کو اسی عبادت کا حکم ہوتا۔ لیکن فرشتے بعض رکوع میں تھے اور بعض سجدہ میں اور بعض قیام میں)

تنبیہ: نمازیوں کے لئے ضروری ہے کہ نماز کو حضور قلب سے ادا کریں۔ سلف صالحین کا طریقہ یہ تھا کہ نماز میں اگر مال کا خیال آجاتا تو اس مال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیتے تاکہ حضورِ قلب کی فوتیدگی کا کفارہ ہو جائے۔ کیونکہ اصلی عبادت عمل باطن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى [1] یعنی جب تم (حب دنیا کے) نشہ میں یا کسی خیال میں مبتلا ہو جاؤ تو نماز کے قریب [2] نہ جاؤ۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ صرف اس نمازی کو دیکھتا ہے جو حضورِ قلب سے نماز ادا کر رہا ہو۔ اسی لیے ضروری ہے کہ نماز میں کوئی خطرہ نہ آئے۔

حضرت مولانا روم قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

اول اے جان دفع شرِ موش کن
وانگہ در جمع گندم کوش کن
بشنو از اخبار آں صدر الصدور
لَا صَلٰوةَ تَمَّ اِلَّا بِالْحُضُوْر

---

[1] : يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى (ایمان والو! نشہ کی حالت میں نماز کے پاس نہ جاؤ جب تک۔ اپنی ہوش نہ ہو کہ جو کہو اسے سمجھو اور ناپاکی کی حالت میں نہائے مگر مسافری میں اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں یا تم سے کوئی قضائے حاجت سے آیا یا تم نے عورتوں کو چھوا اور پانی نہ پایا تو پاک مٹی سے تیمم کرو تو اپنے منہ اور ہاتھوں مسح کرو بیشک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے)

[2] : قارئین حضرات اس کو ترجمہ قرآن کی تحریف خیال نہ فرمائیں حب دنیا بھی نشہ آور چیز ہے۔ یہ ترجمہ صوفیانہ ہے۔ (مترجم)

marfat.ocm

ترجمہ : اے عزیز! پہلے اپنے آپ سے چوہے کے شر کو دفع کر، پھر گندم جمع کرنے کی کوشش کر۔ حضور علیہ السلام کی حدیث سُن ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز حضورِ قلب کے بغیر نہیں ہوتی۔

نصیحت: حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ آفندی اپنے وصایا شریف میں عارف ھدائی قدس سرہما کو فرماتے ہیں کہ جب تم نماز میں شاغل ہو تو اس میں تمہیں اظہارِ عبودیت و تمیم کے سوا کوئی فکر نہ آئے کیونکہ جب عبودیت مکمل ہوتی ہے تو مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ نماز کے بعد اس ملاحظہ و مراقبہ میں گزارو کہ میں نہیں ہوں بلکہ وہ ذاتِ حق موجود ہے اور بس ۔ توحید سے بھی یہی مقصود ہے اور توحید سے کوئی اور عبادت اعلیٰ نہیں اسی لیے بندے کو اولاً اسی کا مکلف بنایا گیا۔ اس کے بعد نماز پھر روزہ کیونکہ ان دونوں میں نفس کی اصلاح ہوتی ہے ان کے بعد زکوٰۃ کا حکم دیا۔ اس سے بخل کو دور کرنے پر نفس کی اصلاح ہوتی ہے۔ اس کے بعد حج پر مامور ہوا۔ اس میں من وجہ مال خرچ کرنا ہے۔ پہلی تین عبادتوں کو اس لیے مقدم کیا گیا کہ ان میں اغنیاء و فقراء سب برابر ہیں اور باقی دو عبادتوں سے فقراء مستثنیٰ ہیں۔ اگرچہ اغنیاء کے گھر جواہرس پر ہوتے ہیں تو فقراء کے بطون بھی نور سے معمور ہیں یہاں تک کہ یوم آخرت اغنیاء تمنا کریں گے کہ کاش ہم بھی فقراء ہوتے۔ مثنوی شریف میں ہے:

مکر ہا در کسب دنیا بارو است مکر ہا در ترک دنیا وارداست
چیست دنیا از خدا غافل بدن نے قماش ونقرہ وفرزند وزن
کوزہ سر بستہ اندر آب رفت از دل پر باد فوق آب رفت
باد درویشی چوں در باطن بود! بر سر آب جہاں ساکن بود ۴

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ یعنی نماز قائم کرو مراقبہ قلوب وملازمت خشوع وخضوع کے ساتھ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ اور زکوٰۃ ادا کرو یعنی نفس کو حرص امور دنیویہ اور اخلاق ذمیمہ سے پورے طور پاک وصاف کرو اور دل کو اعمال سیئہ اور مطالبہ ماسوی اللہ سے پاک کرو، کیونکہ حق کی طلب میں تعدی ہے اور تعدی کمال کے لئے نقصان دہ ہے وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے

ترجمہ : ا۔ دنیوی کاروبار میں دکھو کر نقصان ہے، ترک دنیا کے لئے ہی احکام وارد ہیں۔ ۲۔ دنیا کیا ہے خدا سے غافل ہونا نہ مشاغل میں نہ دولت میں نہ فرزندوں کی مشغولی میں۔ ۳۔ کوزہ سربستہ پانی لینے گیا دل پر باد کر کے پانی کے اوپر خالی ہاتھ تیرتا نظر آیا۔ ۴۔ درویشی کی ہوا باطن میں ہے پانی کے اوپر ہی جہاں ساکن ہے۔

marfat.ocm

ساتھ یعنی انکسار اور نفی وجود میں ان لوگوں کی اقتدا کرو جو منکسر حال اور موجود کی طلب میں اپنے وجود کو نیست ونابود کرنے والے ہیں۔

اَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ یہ خطاب یہودیوں کو ہے۔ الامر بمعنی آپ سے کم درجہ والے کہنا (افعل) یہ کام کرو۔ النَّاسَ یہودیوں کے کم طبقہ کے لوگ مراد ہیں۔ بِالْبِرِّ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اعتراف اور اولہ نبوت کی پیروی۔ بِـر" بمعنی خیر میں توسیع اور دراصل برّ واسع فضا کو کہتے ہیں ہمزہ استفہامیہ تقریر مع توبیخ وتعجب کے لئے ہے۔ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ یعنی اپنے نفسوں کو نیکی سے دور رکھتے ہو گویا تمہیں یاد بھی نہیں۔

سہو ونسیان میں فرق:۔ نسیان اور سہو ہر دونوں بمعنی ترک مستعمل ہوتے ہیں لیکن جو چیز پہلے معلوم پھر کسی عارضہ سے اس کی طرف توجہ نہ ہو اسے سہو کہتے ہیں اور نسیان وہ ہے کہ اسے ذہن میں لائے لیکن بوجہ ضعف حافظہ ذہن میں اتر نہ سکے۔

شانِ نزول:۔ احبار ان فقراء کو کہا کرتے ہیں کہ جن سے انہیں نفع کی قطعاً امید نہ تھی کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لاؤ، کیونکہ یہ وہی برحق نبی ہیں اور دولت مندوں کو کہتے کہ ان میں آخر الزمان نبی کی علامات تو پائی جاتی ہیں اور بعض نہیں ہیں۔ لہٰذا ان بعض کا انتظار کرلو اور خود بالکل دور رہتے، حالانکہ ان کو عزم بھی تھا کہ ان کی تابعداری کرلیں۔

مسئلہ : اسی طرح اس عاصی کا حال ہے جو کہتا ہے کہ بڑھاپے میں گناہوں سے توبہ کریں گے لیکن جب موت کا شکار ہو گیا تو حسرت کا ہاتھ ملتا ہے۔

حضرت حافظ شیرازی فرماتے ہیں:

آں قہقہہ کبک خراماں حافظ
کہ زسر پنجہ شاہین فضا غافل بود [1]

وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ حالانکہ تم تورات پڑھتے بھی ہو۔ اس میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت واضح طور پر موجود ہے اور اس میں ان کے ساتھ ایمان لانے کا حکم بھی درج ہے۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کیا تم میں عقل نہیں کہ کہ سمجھو کہ بات بہت قبیح ہے کہ اپنی اصلاح تو کرتے ہو لیکن دوسروں کو سمجھانے میں مشغول ہو۔ (اَلْعَقْلُ) اصل

---

[1] اے حافظ اس کبک ٹہلنے والی (متکبر) کو دیکھ کر تعجب کیجئے کہ وہ فضا میں اڑنے والی شاہین کے حملہ سے غافل ہے۔

میں بمعنی منع وامساک ہے۔ اسی سے عقال ماخوذ ہے۔ یعنی وہ رسی کہ جس سے اونٹ کے پاؤں کو کھنیوں تک باندھا جاتا ہے تاکہ حرکت کرنے سے باز رہے۔ نیز نور روحانی کہ جس سے نفس کو علوم ضروریہ ونظریہ کا ادراک ہوتا ہے۔ کو بھی عقل اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ قبیح عمل سے روکتا اور اچھے عمل کو معلوم کرتا ہے اس کا محل دماغ ہے، کیونکہ دماغ حس کا محل ہے اور بعض کے نزدیک ایک کا محل قلب ہے کیونکہ قلب معدن حیٰوۃ اور مادہ حواس ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ ایک نور ہے جو آدمی کے بدن میں ہوتا ہے۔

ف: یہ توبیخ لوگوں کے امر کرنے کے لئے نہیں بلکہ اس سے برے عمل سے ترک کے لئے ہے۔ انکار وتوبیخ کا دارومدار جملہ معطوف یعنی وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ پر ہے۔ نہ وہ کہ جس پر اس جملہ کا عطف ہے یعنی اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ

ف: اس آیت سے وہ شخص استدلال نہیں کرسکتا جو قائل ہے کہ جو شخص خود عمل کا پابند نہ ہو وہ دوسرے کو امر بالمعروف نہیں کرسکتا بلکہ اس کے لئے لازم ہے کہ نیک عمل پر پابندی کرے اور امر بالمعروف کو بھی نہ چھوڑے

حدیث شریف:۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مُرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَاِنْ لَمْ تَعْلَمُوْا بِهٖ وَانْهَوْعَنِ الْمُنْكَرِ وَاِنْ لَمْ تَنْهَوْا عَنْهُ

نیکی کا حکم دو اگرچہ تم خود اس کے کاربند نہ ہو اور برائی سے روکو اگرچہ تم خود اس میں مبتلا ہو۔

مسئلہ: جس نے کسی دوسرے کو امر المعروف کیا اور خود اس کا عامل نہیں تو اس نے صرف ایک واجب کا ترک کیا اور اگر خود امر بالمعروف بھی ترک بیٹھے تو اس نے دو واجبوں کو چھوڑا اور خود امر بالمعروف بھی ایک نیکی ہے اگرچہ اس امر کے مطابق عمل نہیں کرسکتا۔

نصیحت: ہاں یہ ضرور ہے کہ بے عمل واعظ کا اثر بہت کم ہوتا ہے۔

مسئلہ: جو شخص امر بالعروف کرتا ہے پہلے خود اس کا پابند بنے۔ اسی طرح جو کسی کو برائی سے روکتا ہے اسے چاہیے کہ اس برائی سے پہلے خود باز آئے۔

ف: یہ آیت واعظِ بے عمل کی مذمت کررہی ہے کہ وہ دوسروں کو برائی سے روکتا ہے لیکن خود اس میں مبتلا رہتا ہے اور اس کے کردار بتاتے ہیں کہ وہ پکا جاہل اور نرا احمق ہے۔

سبق: معلوم ہاد کہ اس سے مراد یہ ہے کہ واعظ کو چاہیئے کہ تزکیہ نفس میں جدوجہد کرے اور اپنی تکمیل کے

لئے کوئی کسر باقی نہ رکھے تا کہ حق قائم ہو اور اس کے قدسی نفس کے طفیل دوسروں کو جلیل مرتبہ نصیب ہو لیکن اس بات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ واعظ فاسق سرے سے وعظ کرنا بھی چھوڑ دے کیونکہ دو مامور بہما میں سے ایک کی کمی دوسرے کے لئے خلل انداز نہیں۔

حکایت: ایک عالم دین بڑے مؤثر الکلام اور قلوب پر تصرف ڈالنے والے تھے۔ ان کے وعظ کی کوئی ایک مجلس خالی نہیں ہوگی کہ ایک یا دو تین اس کے وعظ کی تاثیر سے نہ مرے ہوں اور اس کے شہر کی ایک بڑھیا تھی اس کا ایک لڑکا تھا وہ رقیق القلب اور سریع الانفعال ہمیشہ اپنے بیٹے کو اس عالم کی مجلس میں جانے سے روکتی رہتی تھی۔ ایک روز وہ اپنی ماں سے چوری مجلس وعظ میں جا بیٹھا تو تقدیر الٰہی غالب آگئی آخر وہ مر گیا، ایک روز وہی بڑھیا اسی واعظ کو راستہ میں ملی اور یہ شعر پڑھ کر سنائے۔

اتهدی الانام ولاتهتدی الا انّ ذالک لا ینفع
فیا حجر الشحذ حتّٰی متٰی تسین الحدید ولا تقطع

ترجمہ: دوسروں کو تو ہدایت دیتا ہے لیکن خود ہدایت سے محروم ہے خبردار! یہ بات نفع مند نہیں۔ اے پتھر! کب تک تیز تر رہے گا کہ لوہے کو تو تیز کرتا ہے لیکن خود کاٹ نہیں سکتا یعنی بیکار ہے۔

جب اس واعظ نے یہ اشعار سنے تو ایک چیخ مار کر گھوڑے سے بے ہوش ہو کر نیچے گر پڑا اسے اٹھا کر گھر لے گئے، اور اسی حالت میں اس کا انتقال ہوا۔ حضرت حافظ شیرازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

واعظاں کیں جلوہ در محراب و منبر کنند چوں بخلوت میروند آں کارِ دیگر میکنند
مشکلے دارم ز دانش مند مجلس باز پرس توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر میکنند

ترجمہ:۔ ۱۔ یہ واعظین جو محراب و منبر پر جلوہ گر ہوتے ہیں تنہائی میں کچھ اور کام کرتے ہیں۔ ۲۔ پھر ایسے دانشوروں سے باز پرس بھی مشکل ہے دوسروں کو توبہ کی تلقین کرنے والے خود توبہ بہت کم کرتے ہیں۔

عالم بے عمل کی سزا (حدیث شریف)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شب معراج میرا ایک قوم پر گذر ہوا تو ان کے ہونٹ آگ کی مقراضوں سے کاٹے جا رہے تھے۔ میں نے کہا: اے جبرائیل! (علیہ السلام) یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل

marfat.ocm

علیہ السلام نے کہا کہ یہ آپ کی امت کے وہ خطباء ہیں جو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے لیکن خود اس کے کار بند نہیں ہوتے تھے۔ اسی لیے ان کا حصہ جہنم میں ایسے ہی مقرر ہوا۔ پھر ان سے پوچھا گیا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے کہا: ہم وہ ہیں کہ لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے تھے لیکن خود کو کبھی نصیحت نہ کرتے۔

حضرت اوزاعی نے فرمایا کہ نوالین نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کی کہ یا اللہ کفار کے مردار کی بدبو ہمیں سخت تکلیف دے رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ بدبو علمائے سوء کے پیٹ کی بدبو سے کہیں اور زیادہ ہے۔

حدیث شریف: حدیث شریف میں ہے:

ما من عبد یخطب خطبة الا و اللّٰہ سائلها عنهما یوم القیامة ما ارادبها

ہر وہ بندہ جو قوم کو خطاب کرتا ہے قیامت میں اللہ تعالیٰ اسے پوچھے گا کہ تیرا اس خطاب سے مطلب کیا تھا۔

ف: حضرت شیخ افتادہ آفندی نے فرمایا کہ اگر واعظ کو معلوم ہوتا کہ میری بھلائی وعظ سنانے کی بجائے سننے میں ہے تو وہ کبھی وعظ کرنے کے در پے نہ ہوتا۔

حدیث شریف: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كَمْ مِنْ وَاعِظٍ يَلْعَبُ بِهِ الشَّيْطَانُ بہت سے ایسے واعظ ہیں کہ جن سے شیطان کھیلتا ہے۔

ہاں اگر اس کا یہ ارادہ ہو کہ مجھ سے نفع یاب ہوں اگر اس کے باوجود بھی اسے عذاب ہو تو وہ اس کے لئے ایک قسم کی فنا ہوگی۔ لیکن پھر بھی دھیان رکھے کہ اس میں حظ نفسانی کو دخل بالکل نہ ہو۔ نیز فرمایا کہ لوگوں کو اگر اس لیے وعظ سناتا ہے کہ لوگوں کو اس کا پتہ چل جائے جس کا مجھے پتہ ہے یا یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ جس کا میں معتقد ہوں ان کو کوئی علم نہ چلے۔ پہلے کو تو وعظ کرنے کی ضرورت نہیں، دوسرا بھی غلطی میں مبتلا ہے کہ لوگوں کو جاہل تصور کرتا ہے اور خود کو فاضل، تو یہ ایک تکبر ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نفس کے حیلے بیشمار ہیں۔ اس سے خلاصی وہ پا سکتا ہے جسے فضلِ الٰہی نصیب ہو۔ کم از کم اس حدیث شریف کا مضمون ملحوظ رہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **ان اللّٰہ یؤید هذا الدین بالرجل الفاسق** اللہ تعالیٰ اپنے

دین کی تائید ایک فاسق سے کراتا ہے۔ جب تک سالک حقیقت تک نہ پہنچے تب تک گمراہی میں پڑنے سے خائف رہے۔

حدیث شریف: حدیث شریف میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الناس کلھم سکاری الا العالمون (تمام لوگ مخمور ہیں صرف علماء باہوش ہیں)

مخلصین تو ہمیشہ بڑے خطرے میں ہیں۔ البتہ مخلَصین (بالفتح) امن وسلامتی میں ہیں۔ مخلَص (بالفتح) تو وہ سالک ہے جو توحید حقیقی تک پہنچا اور فانی ہو کر قہر سے محفوظ اور اللہ تعالیٰ کا کرم وجود وعدم کی حد سے باہر ہے۔ اسی کا نام فنا کلی ہے اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطٰنٌ سے یہی لوگ مراد ہیں۔

تنبیہ: ہر مرتبہ میں شریعت کی پاسداری ضروری ہے، کیونکہ کمال اسی کا نام ہے ورنہ شریعت سے روگردان سالک ناقص ہے اسی لیے مجذوب نقصان سے خالی نہیں ہوتے۔ اس لیے کہ انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی ایک کے متعلق جنون اور سفاہت کا طاری ہونا نہیں سنا گیا کیونکہ وہ مرتبہ کمال میں کامل اور وہ عقل کل کے مالک ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ دروازہ کے بند ہونے والی آواز سے بھی وہ ہر حالتِ استغراق میں اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اوْصلنا الی الکمالِ (اے اللہ! ہمیں کمال کے مرتبہ تک پہنچا)

تفسیر عالمانہ وَاسْتَعِیْنُوْا اے بنی اسرائیل! اپنی ضروریات کو بِالصَّبْرِ صبر سے طلب کر کے فتح یابی کے منتظر رہو لیکن اس میں بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہو۔ یا صبر سے مراد روزہ ہے، کیونکہ روزے میں کھانے پینے والی چیزوں سے صبر کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے کہ اس میں کسر شہوت اور تصفیہ نفس ہے۔ وَالصَّلٰوۃِ یعنی نماز کو وسیلہ بناؤ اور اس کے ذریعے سے التجا کرو۔ یہاں تک کہ مقصود کو پہنچ جاؤ اور مصائب وتکالیف سے بچ جاؤ۔

ربط: جب بنی اسرائیل کو ایسے امور یعنی تکلیف اور ریاست ومرتبہ کا ترک اور مال سے روگردانی کا حکم دیا گیا جو ان پر شاق تھے۔ اب ان کا علاج بتایا جا رہا ہے۔

marfat.ocm

حدیث شریف: حدیث شریف میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی امر غم میں ڈالتا تو آپ نماز میں مشغول ہو جاتے۔

حکایت: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سفر میں تھے تو آپ کو لڑکی کی فوتیدگی کی اطلاع ملی۔ آپ نے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھ کر فرمایا کہ وہ ایک عورت تھی جسے اللہ تعالیٰ نے ڈھانپا اور وہ ایک بوجھ تھا جسے اللہ تعالیٰ نے میرے لیے آگے محفوظ فرمایا۔ پھر راستہ سے ہٹ کر آپ نے نماز ادا فرمائی اور سواری پر سوار ہو کر پڑھتے تھے۔ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (استعانت حاصل کرو صبر اور نماز سے) وَاِنَّهَا اور بیشک وہ نماز لَكَبِيْرَةٌ بہت بھاری ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لئے مقرر فرمایا جیسا کہ خود فرمایا: اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ہاں خاشعین پر نماز کوئی بوجھ نہیں۔ خاشعین بمعنی عاجز سوالی لوگ۔

ف: خشوع جوارح سے ہوتا ہے اور خضوع قلب سے۔ یا خشوع بصر سے ہوتا ہے اور خضوع باقی اعضا سے۔

سوال: خاشعین پر نماز کیوں ثقیل نہیں۔

جواب: اس لیے کہ وہ اپنے رب کی مناجات میں ایسے مستغرق ہوتے ہیں کہ ان کو تکالیف اور مشقتوں کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **وقرة عینی فی الصلوٰة** کیونکہ آپ کو نماز کی مشغولی میں راحت و سرور ملتا۔ اسی لیے آپ نے دنیوی امور کو الٹا تکلیف سے تعبیر فرمایا۔

اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ وہ لوگ جو یقین رکھتے ہیں۔ اس لیے کہ ظن کبھی یقین کا معنی دیتا ہے اور کبھی شک کا، کیونکہ یہ اضداد سے ہے۔ جیسے لفظ رجاء بمعنی امن و خوف کے لئے آتا ہے۔ **(کذا فی تفسیر الکواشی)**

اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ یعنی وہ اللہ تعالیٰ سے ملنے والے ہیں۔ اس میں قیامت کی حاضری کی طرف اور وہاں پر سوال ہونے کا اشارہ ہے یہی وجہ موزوں ہے۔

حدیث شریف:۔

۱۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **من احب القاء اللّٰہ احب اللہ لقائہ و من کرہ لقاء اللّٰہ کرہ اللہ لقائہ**۔ یعنی جسے اللہ تعالیٰ کی زیارت کا اشتیاق ہے، اس کے ملنے کو بھی اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے اور جو

marfat.ocm

اللہ تعالیٰ کو ملنا نہیں چاہتا اسے اللہ تعالیٰ بھی نہیں چاہتا۔ اس لقاء سے مراد موت ہے۔

حدیث شریف:۔

ا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من احب لقاء اللّٰہ احب اللہ لقاءَ ہ ومن کرہ لقاء اللّٰہ کرہ اللّٰہ لقائہ یعنی جسے اللہ تعالیٰ کی زیارت کا اشتیاق ہے، اس کے ملنے کو بھی اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کو ملنا نہیں چاہتا اسے اللہ تعالیٰ بھی نہیں چاہتا۔ اس لقاء سے مراد موت ہے۔

۲۔ لقی اللّٰہ وھو علیہ غضبان ۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ سے ملے گا، حالانکہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہو گیا۔ اس سے مراد موت ہے۔ اب معنیٰ یوں ہوا کہ انہیں یقین ہے کہ وہ عنقریب مریں گے۔

وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ اور انہیں یقین ہے کہ وہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کی طرف واپس ہونے والے ہیں۔ یعنی ان کو اپنے اعمال کی جزا و سزا ملے گی اور جن کو جزا کا یقین نہیں اور نہ ہی ثواب کی امید رکھتے ہیں اور نہ ہی عذاب سے ڈرتے ہیں تو پھر یہ نماز ان کے لئے بوجھ ہے۔ جیسے منافقین اور ریاکار لوگوں پر بوجھل محسوس ہوتی ہے۔

مسئلہ: طاعات کے دکھ پر صبر کرنا نفس کے ساتھ جہاد کرنا اور اسے شہوات سے روکنا اور لمبی آرزوؤں سے اسے باز رکھنا ہے۔ عادات انبیاء اور صالحین کے ہیں۔

ف: حضرت یحییٰ بن ایمان فرماتے ہیں کہ صبر یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مقسوم لکھ دیا ہے اس سے زائد کی طلب نہ کرنا اور رضا یہ ہے کہ جو فیصلہ تقدیر نے دنیا و آخرت کا کر دیا ہے اس پر خوش ہونا اور بس۔ یہ عمل سلوک میں ایسے ہے جیسے تمام بدن کے لئے روح۔

حضرت حافظ شیرازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:۔

گویند سنگ لعل شود در مقام صبر
آرے شود ولیک بخونِ جگر شود

ف: اللہ تعالیٰ نے ہر عمل کی علیحدہ علیحدہ تعریف فرمائی ہے۔ اور ہر ایک کی حد و انتہا بیان فرمائی ہے مثلاً فرمایا: **مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا** اور صدقہ فی سبیل اللہ کے متعلق فرمایا: **مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ** الآیۃ اور صابرین کے متعلق اجرِ بے حساب کا وعدہ فرمایا چنانچہ صبر والوں کے متعلق فرمایا: **اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ** اور اپنے لیے صبر کی تعریف فرمائی

marfat.ocm

جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے: **لیس بشیء اجر علی اذی سمعه من اللّٰہ تعالیٰ انهم لیدعون له ولد او انه لیعافیهم ویرزقهم** (اللہ تعالیٰ سے زیادہ صبر والا کوئی نہیں ہوگا کہ وہ اپنے متعلق مکروہ امر سنے اور صبر کرے لوگ میرے لیے اولاد ثابت کرتے ہیں، لیکن میں ان کو معاف کر دیتا ہوں اور روزی بھی بدستور جاری رکھتا ہوں)

حلیم اور صبور میں فرق:۔

اللہ تعالیٰ کے لئے صبر کا معنی حلم ہے یعنی مستحقین سے عقوبت کی تاخیر خطا کار گناہ کے بعد صبور کے عذاب سے مطمئن نہیں ہوتا، لیکن حلیم کے عذاب سے مطمئن ہوتا ہے۔

ف: خشوع کو کہا گیا کہ تو لوگوں کی امامت کرنا چاہتا ہے اور یہ بھی معلوم ہو کہ خشوع غصہ پینے کو نہیں کہا جاتا بلکہ خشوع یہ ہے کہ شریف اور کمینہ کو حق میں برابر سمجھنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ نے جو فرض مقرر فرمائے اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے پورا خوف دل میں رکھ کر ادا کرنا چاہیے۔ جس نے دل و جان سے خوف خدا نہ کیا اس نے منافقت کا ثبوت دیا۔

ف: حضرت سہل بن عبداللہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ تجھے خشوع کی تکمیل اس وقت ہوگی جب کہ جسم کا ہر بال خوف خدا سے سرشار ہو یہی اعلیٰ درجہ کا خشوع ہے کیونکہ جب دل پر اثر ڈالتا ہے تو اس کا ظہور جسم کے ہر ذرہ پر نمایاں ہوتا ہے پھر وہ جتنا اپنے آپ کو چھپائے نہیں چھپ سکے گا۔ اس کا سرنگوں اور ادب سے بھرپور اور تواضع کا مجسمہ ہوگا۔ سلف صالحین تو ایسے عمل کو چھپانے کی کوشش میں رہتے۔

مسئلہ: خشوع مذموم بھی ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ تکلف کر کے رونی شکل بنائے اور سر نیچے رکھے جیسے جاہلوں کی عادت ہے کہ وہ اس طرح کر کے لوگوں کو پھنسانے کی ٹوہ میں رہتے ہیں تاکہ لوگ ہمیں نیک اطوار سمجھیں۔ یہ شیطان کا ایک دھوکہ ہے اور نفس کا ایک مکر ہے۔

ف: حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب بولتے تو کھلے لفظوں میں اور جب چلتے تو نہایت تیز چلتے اور جب کسی کو سزا دیتے تو سخت ترین اور نہایت درجہ کے عبادت گذار اور صدق کے پتلے اور خشوع سے پُر اور حق کے مظہر تھے۔

(کذافی تفسیر القرطبی)

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے: وَاسۡتَعِیۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ یعنی نفس کو شہوات اور اس کی خواہش کے

marfat.ocm

متابعت پر صبر کے ذریعہ مدد طلب کرو۔ وَالصَّلٰوةِ یعنی بابِ غیب اور بارگاہ رب پر حاضر باشی کا التزام کرو۔ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ یعنی صبر اور نماز سے استعانت امر عظیم اور سخت ترین شئے ہے۔ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ یعنی ان لوگوں پر سخت نہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی جلوہ گری ہے۔ اسی لیے ان کے نفوس قدس اللہ تعالیٰ سے خاشع رہتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اذا تجلی اللّٰہ شیئا خضع لہٗ۔ جب اللہ تعالیٰ کسی شئے پر جلوہ گری فرماتا ہے تو اسے خضوع نصیب ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا خشوع قلبی تجلی حق مع الحق کا وارث بناتی ہے اور مخلوق سے دوری پیدا کرتی ہے۔

الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ یعنی وہ لوگ جو تجلی حق کا یقین رکھتے ہیں۔ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ یعنی انہیں یقین ہے کہ انہیں جمال حق کا مشاہدہ نصیب ہوگا۔ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ جذبات حق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں اور جذباتِ حق کا ایک جذبہ ثقلین کے عمل کے برابر ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

marfat.ocm

يٰبَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (٤٧)

اے اولادِ یعقوب! یاد کرو میرا وہ احسان جو میں نے تم پر کیا اور یہ کہ سارے زمانہ پر تمہیں بڑائی دی

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّ

اور ڈرو اس دن سے جس دن کوئی جان دوسرے کا بدلہ نہ ہو سکے گی اور نہ (کافر کے لئے) کوئی سفارش مانی جائے گی اور

لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ (٤٨) وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ

نہ کچھ لے کر (اس کی) جان چھوڑی جائے اور نہ ان کی مدد ہو۔ اور (یاد کرو) جب ہم نے تم کو فرعون والوں سے

يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِىْ

نجات بخشی کہ تم پر بُرا عذاب کرتے تھے تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رکھتے اور اس میں

ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ (٤٩) وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ

تمہارے رب کی طرف سے بڑی بلا تھی (یا بڑا انعام) اور جب ہم نے تمہارے لئے دریا پھاڑ دیا تو تمہیں بچا لیا.

اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ (٥٠) وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ

اور فرعون والوں تمہاری آنکھوں کے سامنے ڈبو دیا۔ اور جب ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا وعدہ فرمایا پھر اس کے پیچھے تم نے

اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ (٥١) ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْ بَعْدِ

بچھڑے کو پوجا شروع کر دی اور تم ظالم تھے۔ پھر اس کے بعد ہم نے تمہیں معافی دی

ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (٥٢) وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ

کہ کہیں تم احسان مانو۔ اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی اور حق و باطل میں تمیز کر دینا

تَهْتَدُوْنَ (٥٣) وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ

کہ تم راہ پر آؤ۔ اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم تم نے بچھڑا بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا تو اپنے پیدا کرنے والے کی

marfat.ocm

الْعِجْلَ فَتُوبُوٓا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوٓا أَنفُسَكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِندَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ

طرف رجوع لاؤ تو آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو یہ تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک بہتر ہے

عَلَيْكُمْ إِنَّهُۥ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿٥٤﴾ وَإِذْ قُلْتُمْ يَٰمُوسَىٰ لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَى

تو اس نے تمہاری توبہ قبول کی بیشک وہی ہے توبہ قبول کرنے والا مہربان۔ اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ہرگز تمہارا یقین نہ

اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْكُمُ الصَّٰعِقَةُ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ ﴿٥٥﴾ ثُمَّ بَعَثْنَٰكُم مِّنۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ

لائیں گے جب تک اعلانیہ خدا کو نہ دیکھ لیں تو تمہیں کڑک نے آلیا اور تم دیکھ رہے تھے۔ پھر مرے پیچھے ہم نے تمہیں زندہ کیا کہ کہیں تم احسان مانو۔

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٥٦﴾ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ

اور ہم نے ابر کو تمہارا سائبان کیا اور تم پر من و سلویٰ اتارا

كُلُوا مِن طَيِّبَٰتِ مَا رَزَقْنَٰكُمْ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَٰكِن كَانُوٓا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٥٧﴾

کھاؤ ہماری دی ہوئی ستھری چیزیں اور انہوں نے کچھ ہمارا نہ بگاڑا ہاں اپنی ہی جانوں کو بگاڑ کرتے تھے۔

وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَادْخُلُوا الْبَابَ

اور جب ہم نے فرمایا اس بستی میں جاؤ پھر اس میں جہاں چاہو بے روک ٹوک کھاؤ اور دروازہ میں سجدہ کرتے داخل ہو

سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطَٰيَٰكُمْ وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٨﴾ فَبَدَّلَ الَّذِينَ

اور کہو ہمارے گناہ معاف ہوں ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے اور قریب ہے کہ نیکی والوں کو اور زیادہ دیں۔ تو ظالموں نے

ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ

اور بات بدل دی جو فرمائی گئی تھی اس کے سوا تو ہم نے آسمان سے

بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿٥٩﴾ ع ۶ ۱۲

ان پر عذاب اتارا بدلہ ان کی بے حکمی کا۔

تفسیر عالمانہ یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ بنی اسرائیل ذکر کرو یعنی شکر کرو۔ نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ میری ان نعمتوں کو جو میں نے تمہیں عطا فرمائیں۔ مثلاً من و سلویٰ کا نازل کرنا اور بادل کو سایہ بنانا اور پتھر سے پانی نکالنا۔

سوال: یہ انعامات تو ان کے آباؤ اجداد کو ملے ان کو یاد دلانے کا کیا فائدہ؟

جواب: باپ کی شرافت کا اثر بیٹے پر ہوتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

وَاَنِّیۡ فَضَّلۡتُکُمۡ میں نے تمہیں فضیلت دی یعنی فضلت آبائکم (میں نے تمہیں تمہارے آباء و اجداد کو فضیلت دی) نہیں فرمایا، کیونکہ آباء کی فضیلت ہوتی ہے وَ اور یاد کرو۔ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ میں نے تمہیں اہلِ عالَم پر فضیلت بخشی۔ یہ عطف الخاص علی العالم ہے۔ صرف ان کی بزرگی کے اظہار کے لئے یعنی میں نے انہیں علم و ایمان اور عمل صالح اور انبیاء اور عاقل بادشاہ بنا کر ان کے ہم زمان لوگوں پر فضیلت دی اور یہ وہی حضرات تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ اقدس میں تھے۔ ان کے بعد والے بھی وہی لوگ مراد ہیں جنہوں نے فساد اور بگاڑ پیدا نہیں کیا اس آیت کی نظیر وہ آیت ہے جو بی بی مریم علیہا السلام کے لئے فرمایا۔ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ تیرے رب نے تجھے تمام عالم سے برگزیدہ فرمایا۔ یعنی تیری ہم زماں عورتوں پر، کیونکہ بی بی خدیجہ اور بی بی عائشہ اور بی بی فاطمہ (رضی اللہ عنہن) ان سے افضل ہیں۔ (صرف مصنف کے خیال کے مطابق، جمہور کے نزدیک توقف بہتر ہے) اسی بنا پر بنی اسرائیل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے فرمایا ہے:

کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّۃٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَاۡمُرُوۡنَ (تم بہترین امت ہو لوگوں کو نصیحت کے لئے بھیجے گئے ہو) (کذا فی التیسیر)

اس سے معلوم ہوا کہ الۡعٰلَمِیۡنَ استغراقی عرفی ہے حقیقی نہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بنی اسرائیل میں سے جو بھی ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے انہیں دوسرے لوگوں پر فضیلت ہوگی اور انہیں دوہرا اجر ملے گا ایک لحاظ سے کہ وہ اپنے نبی پر ایمان لایا، دوسرا ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی وجہ سے۔

حدیث شریف: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ تین شخص ایسے ہیں جن کو دوہرا ثواب ملتا ہے: ۱۔ جس نے لونڈی خریدی اور اس کی تربیت کر کے اسے مفت آزاد کر دیا اور نکاح بھی کر دیا

۲۔ وہ عبد جو اپنے آقا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے۔

۳۔ وہ اہلِ کتاب جو ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہو کر ان کی رسالت کی گواہی دے

ف: امام قشیری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی نفوس کی فضیلت کی شہادت دی ہے چنانچہ ان کے متعلق فرمایا: وَاَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کو فضل ربی سے تعبیر فرمایا۔ کما قال: قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ (فرمایئے! اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت سے) اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ ان کی گواہی دی ان کی نفوس کی وجہ سے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضل کی گواہی دی ہوئی فضل ربی ہے جس فضل میں نفس کو دخل ہو اس پر عجب پیدا ہوتا ہے اور جس فضل میں رب تعالیٰ کی رحمت ہو تو اس میں ایجاب ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

شانِ نزول: یہود کہتے تھے کہ ہم "خلیل اللہ علیہ السلام" کی اولاد سے ہیں اور ہمارا باپ ذبیح اللہ حضرت اسحاق علیہ السلام ہے اللہ تعالیٰ ان دونوں کی شفاعت ہمارے حق میں قبول فرماتا ہوا ہمیں معاف کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ردّ میں آیت نازل فرمائی:

وَاتَّقُوْا اے بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ یَوْمًا قیامت کے دن سے یعنی حساب وعذاب کے دن سے۔ یَوْمًا محل کا ذکر کر کے حال کے ارادہ کرنے کے قبیل سے ہے۔ لَّا تَجْزِیْ یعنی اس میں نہ کسی کی کوئی کفایت کرنے والا اور نہ کچھ ادا کرنے والا اور نہ کسی کو بچانے والا ہوگا۔ عائد اس میں محذوف ہے اور یہ جملہ نَفْسٌ کی صفت ہے۔ عَنْ نَّفْسٍ (مومن) کافر سے شَیْئًا کسی چیز کا جو اس پر حقوق لازم ہوں گے اس کی نصب مفعول بہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ لفظ نَفْسٌ کو نکرہ لانے میں تعمیم مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ [1] اور یہ نفع بھی کیسے دے سکیں گے جب کہ یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ [2] میں حکم عام ہے۔ مولانا روم قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

چوں یفر المرء آید من اخیہ — یہرب المولود من بابیہ
زاں شود بر دوست آں ساعت عدو — کہ بت تو بود دازرہ مانع او

---

[1] تمہاری رشتہ داریاں اور تمہاری اولاد تمہیں فائدہ نہیں دے گی۔ [2] اس دن مرد اپنے بھائی سے بھاگے گا۔

ترجمہ : يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ قرآن میں آیا ہے کہ بچہ باپ سے بھاگے گا اس وقت دوست دوست کا دشمن ہوگا تیرا بیٹا راہ حق سے مانع ہے۔

مسئلہ : یہ زجر کفار کے لئے ہے۔ مومن کو اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ فرمایا ہے۔ **کما قال** : يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ یعنی جو قلب شرک سے خالی ہوگا صرف اسے مال اور اولاد نفع دے گا یعنی قیامت میں۔

وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چھڑانے کے لئے کافر کے حق میں مؤمن کی شفاعت قبول نہیں ہوگی۔ شَفَاعَةٌ شافع اور شفیع کا مصدر ہے۔ شافع و شفیع اسے کہتے ہیں جو دوسرے کی قضائے حاجت کا طلب گار ہو۔ شفیع سے ماخوذ ہے، کیونکہ یہ شخص اپنے نفس کو (جس سے اپنی طلب مراد کر رہا ہے) کا ساتھی بناتا ہے۔

مسئلہ : کافر کے لئے کوئی شفاعت نہیں ہے۔ ہاں مؤمن کی شفاعت ضرور ہوگی۔

حدیث شریف : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: میری امت کے اہلِ کبائر کے لئے میری شفاعت ضروری ہوگی۔

مسئلہ : جو آپ کی شفاعت کی تکذیب کرتا ہے اسے شفاعت نصیب نہیں ہوگی۔

قاعدہ : جہاں پر شفاعت کی نفی ہے وہاں کفار مراد ہیں۔

وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا مشفوع لہ سے نہیں لیا جائے گا اور مشفوع لہ سے نفس ثانیہ یعنی عاصی کار مراد ہے۔ عَدْلٌ فدیہ مال سے یا کوئی دوسرا نفس اس کے عوض یا توبہ جو اسے نار سے نجات دلائے۔ العدل بالفتح شے کا مثل خلاف جنس سے اور (بالکسر) شئے کا مثل اس کی جنس سے اور فدیہ کو اس نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ وہ اس کے مساوی اور اس کے قائم مقام ہوتا ہے۔ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ان کو کوئی بچانے والا نہیں ہوگا اور نہ اس وقت ان کے لئے کوئی نافع ہوگا اور نہ شافع اور نہ دافع۔

سوال : ضمیر جمع اور پھر مذکر کی کیوں حالانکہ پہلے نفس کا لفظ مستعمل ہو رہا ہے۔ جو واحد مؤنث ہے؟

جواب : نفس ثانیہ نفی کے تحت واقع ہے جو نفوس کثیرہ پر دال ہے اور چونکہ نفس سے مراد عباد اور انسان مراد ہیں بنابریں جمع کا صیغہ لایا گیا۔

فائدہ: یہاں پر نصرۃ معونۃ سے عام ہے۔ کیونکہ نصرۃ صرف دفع ضرر سے مخصوص ہے اور معونۃ عام ہے۔ یہ آیت غایت بلاغت میں ہے۔ کیونکہ اس میں ان تمام وجوہ کو جمع کرلیا ہے کہ جن سے انسان دنیوی مصیبتوں سے چھوٹ جاتا ہے اور وہ چار ہیں:

۱۔ اپنے بوجھ اٹھانے کے لئے دوسرے کو قائم مقام مقرر کردے۔

۲۔ مال دے کر آئی مصیبت سے بچ جائے۔

۳۔ کوئی شخص اس کا سفارشی ہوا جو سفارش کر کے اسے چھوڑا لے۔

۴۔ کوئی مددگار مدد کر کے عذاب سے بچالے۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے تمام وسائل سے کفار کو ناامید کردیا۔

روایت بطرز حکایت: حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص قیامت میں اپنے لڑکے کو لپٹ کر بولے گا۔ اے میرے پیارے بیٹے! میں دنیا میں تیرا باپ تھا آج مجھے تیری نیکیوں میں سے صرف رتی برابر ایک نیکی کی ضرورت ہے۔ براہ کرم مجھے دیدے تاکہ میں اس مصیبت سے بچ جاؤں۔ لڑکا جواب دے گا جس طرح آج تجھے خطرہ ہے مجھے بھی ہے لہٰذا مجھ سے دور ہو میں تجھے کچھ نہیں دے سکتا۔ پھر وہ شخص اپنی زوجہ سے جاکر کہے گا: اے فلانی! دنیا میں تیرا شوہر تھا۔ وہ عورت اسے دیکھ کر اس کی بہت تعریف کرے گی۔ مرد کہے گا: مجھے تیری ایک نیکی درکار ہے، براہ مہربانی ایک نیکی دیدے۔ وہ عورت جواب دے گی کہ اس خوف سے تو میں بھی کانپ رہی ہوں۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: وَإِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى یعنی جس پر گناہوں کا بھاری بار آپڑے گا تو اس سے اس کا گناہ کوئی دوسرا نہیں اٹھائے گا۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

[1] برفتند ہر کس درود آنچہ کشت　　نماند بجز نام نیکو وزشت
ہر آں خورد سعدی کہ بیخ نشاند　　کسے برد خرمن کہ تخمے فشاند

---

[1]:۔ ۱۔ ترجمہ۔ لوگ گئے اور اٹھائیں گے وہی جو بویا دنیا میں یا نیک نامی رہی یا بدنامی۔ ۲۔ اے سعدی! جیسا بیج بویا وہی اٹھائے گا خرمن وہی اٹھائے گا جو بیج بوئے گا۔

marfat.ocm

تفسیر صوفیانہ

یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ اس کا ظاہر عام ہے لیکن اس باطن خاص ہے۔ اس کا تعلق اس قوم سے ہے جو بنی اسرائیل سے تھی۔ اللہ تعالیٰ نے بھلائی جان کر انہیں پوشیدہ طور پر اپنا خطاب سنایا۔ جس پر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کیا جو ان کو عطا ہوئی اور نور کے قطرات کے قبول کرنے کی استعداد پیدا کی۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو ظلمت میں پیدا کیا تو پھر اس پر اپنے نور سے قطرات ڈالے اس کی برکت سے انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لایا۔

حدیث شریف: حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: ”جسے اس نور سے قطرہ نصیب ہوا اسے ہدایت نصیب ہوئی اور جو اس سے چوک گیا وہ بہک گیا“

وَاَنِّیۡ فَضَّلۡتُکُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ اس نعمت کی بدولت یعنی میں نے تمہیں حضرات کے ساتھ رفاقت کی فضیلت عطا فرمائی جن پر میرا انعام ہے یعنی انبیاء و صدیقین و شہداء و صالحین بسبب اس نعمت کے جو اس وقت نور کے قطرہ کے عطا ہوئی اور فضیلت ان لوگوں پر ہے جن کو وہ قطرہ نصیب نہیں ہوا۔ وَاتَّقُوۡا یَوۡمًا یعنی اس دن کے عذاب سے ڈرو کہ جس سے عوام کو اپنے افعال سے ڈراتا ہے جیسا کہ فرمایا: فَاتَّقُوا النَّارَ الخ اور خواص کو اپنے صفات سے، جیسا کہ فرمایا: اِنَّا نَعۡلَمُ مَا یُسِرُّوۡنَ وَمَا یُعۡلِنُوۡنَ بیشک ہم جانتے ہیں اسے جو وہ چھپاتے اور ظاہر کرتے ہیں اور فرمایا: لِیَسۡـَٔلَ الصّٰدِقِیۡنَ عَنۡ صِدۡقِہِمۡ اور سچوں سے ان کے صدق کے متعلق سوال فرمائے گا اور خاص الخاص کو اپنی ذات سے جیسا کہ فرمایا: وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفۡسَہٗ اور فرمایا: اِتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ اور اللہ تعالیٰ سے مکمل طور ڈرو۔

لَا تَجۡزِیۡ نَفۡسٌ عَنۡ نَّفۡسٍ کیونکہ اس دن امر صرف اسی کے ہاتھ میں ہوگا۔ وَلَا یُقۡبَلُ مِنۡہَا شَفَاعَۃٌ صرف اسی کے حق میں نہ اس کے غیر کے لئے اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر جیسا کہ فرمایا: مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَشۡفَعُ عِنۡدَہٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِہٖ

ترجمہ: کون ہے جو اس کے ہاں سفارش کرے سوا اس کی اجازت کے۔

تفسیر عالمانہ

وَلَا یُؤۡخَذُ مِنۡہَا عَدۡلٌ یعنی کوئی فدیہ کیونکہ انسان کو صرف اپنی کمائی ہی ملے گی اور اپنی سعی کو خود ہی دیکھ لے گا اور اسے پتہ چلے گا۔ آج کس کی سعی قبول ہے۔

وَلَا ہُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ کیونکہ انہوں نے حق کی امداد نہ کی۔ اس لیے ان کی مدد نہ کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنۡ تَنۡصُرُوا اللّٰہَ یَنۡصُرۡکُمۡ اگر اس کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا۔

marfat.ocm

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ یہ خطاب بنی اسرائیل کو ہے یعنی یاد کرو جب کہ ہم نے تمہیں یعنی تمہارے آباء کو نجات دی۔ کیونکہ پہلے لوگوں کو نجات دینا پچھلے لوگوں کو نجات دینا ہے۔ جیسا کہ اہل عرب کہتے ہیں: **قتلنا یوم عکاظ** (عکاظ کے دن ہمارے آباء نے تمہارے آباء کو قتل کیا) اور نجوی دراصل اس مکان کو کہتے ہیں جو زمین سے اونچا ہو کیونکہ جو شخص اس پر مکین ہوتا ہے وہ بچ جاتا ہے۔ اب ہر فائز کو ناجی کہتے ہیں، کیونکہ وہ تنگی سے نکل کر فراخی میں جا پہنچتا ہے۔ یعنی ہم نے تمہارے آباء کو ایک محفوظ مکان میں کر دیا اور ایذاء سے اٹھالیا۔ **مِنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ** فرعون اور اس کے متبعین اور اس کے اہلِ دین سے۔ **فِرْعَوْنَ** دراصل عمالقہ کے بادشاہوں کا لقب ہے جیسے کسریٰ فارسیوں کے بادشاہوں کا اور قیصر روم کے بادشاہوں کا اور خاقان ترکوں کا اور نجاشی حبشہ کا تبع اہل یمن کا لقب ہوتا ہے۔

ف: عمالقہ ایک جابر قوم تھی جو لاؤ بن ام بن سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد سے تھی۔ ان میں شام کے ساکنین کو جابرہ اور مصر کے بادشاہوں کو فراعنہ سے تعبیر کیا جاتا۔ جو سرکشی کرتا ہو اسے کہتے ہیں۔ **تفرعن الرجل** یہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ وہ سرکش اور متمرد ہو جائے۔ یہاں پر استغراق یعنی عموم نہیں بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جو مصر میں رہتے تھے۔

فرعون کی مختصر سوانح:

موسیٰ علیہ السلام کے فرعون کا نام ولید بن مصعب بن الریان تھا۔ قبطیوں میں سے تھا۔ اس نے چار سو سال عمر گذاری منقول ہے کہ وہ اصفہانی عطار تھا۔ اس پر قرض غالب آ گئے۔ تنگ آ کر اپنے اصلی مسکن کو چھوڑ کر شام میں چلا گیا۔ وہاں بھی اسے آسانی میسر نہ ہوئی۔ پھر مصر میں جا بسا۔ وہاں کی ایک الٹی چال دیکھی کہ گاؤں میں تو سالم بوری تربوز کی صرف ایک درہم میں دستیاب ہو جائے لیکن بازار میں صرف ایک درہم سے ایک تربوز بکتا تھا۔ دل میں خیال کیا کہ اس طریق سے میرا قرض بہ آسانی ادا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ گاؤں سے ایک بوری ایک درہم میں خریدی۔ راستہ میں ایک ایک درہم میں خریداروں کو بیچتا جاتا پھر بازار میں ایک ایک درہم میں ایک ایک تربوز بیچتا۔ اسی طرح کئی روز کرتا رہا۔ لیکن شہریوں وغیرہ کو دیکھا کہ بھولے بھالے ہیں کسی کو کسی سے خطرہ نہیں اور نہ ہی وہ سیاسی امور سے واقف ہیں۔ اچانک شہر میں وباء پھیلی موت بکثرت واقع ہونے لگی۔

گورستان میں جا بیٹھا اور اہل اموات سے کہتا کہ قبرستان میں میت دفن کرنے کی اجازت نہیں جب تک پانچ درہم تاوان نہ ادا کرو۔ چنانچہ ہر ایک نے بغیر سوچے تاوان ادا کر دیا اور کئی عرصہ تک ادا کرتے رہے اور اس کے پاس تین، ماہ کے عرصہ تک ادا کرتے رہے اور اس کے پاس تین ماہ کے عرصہ میں بہت دنیا جمع ہو گئی کوئی بھی اسے پوچھنے والا نہیں تھا۔ بالآخر ایک روز اسی شہر کے لوگ آئے اور حسب دستور ان سے تاوان مانگا۔ انہوں نے انکار کیا اس نے بھی ضد کی۔ آخر بادشاہِ مصر (جس کا لقب فرعون تھا) اس تک نوبت پہنچی اسے بلایا گیا۔ اس نے کہا تمہیں کس نے تاوان کے لئے مقرر کیا ہے۔ اس نے کہا: مجھے کسی نے مقرر نہیں کیا اور نہ ہی مجھے یہ دنیا درکار ہے یہ بہانہ اس لیے کیا کہ کسی طرح میں آپ کے ہاں بلایا جاؤں اور حاضر ہو کر آپ کو آگاہ کروں کہ آپ کی قوم بڑی نااہل ہے اور تو ان سے بالکل بے خبر ہے۔ دیکھئے! یہ مال میں نے اسی معمولی ڈھنگ سے جمع کر لیا ہے۔ لیجئے! یہ آپ کا ہے لیکن مجھے اپنی سلطنت کا متولی مقرر کر دیجئے۔ میں نہایت دیانت داری و وفاداری سے کام کروں گا۔ چنانچہ اس نے تمام امور اس کے سپرد کر دیئے۔ اس نے ایسی احسن کارکردگی دکھائی کہ لشکر کے مصالح نہایت منتظم ہو گئے اور رعیت کا حال بھی بالکل ٹھیک ہو گیا۔ ان میں کافی عرصہ رہا عدل وانصاف میں بے نظیر ثابت ہوا یہاں تک کہ وہاں کا بادشاہ مر گیا۔ اس کے بعد سلطنت کا مالک اسی کو قرار دیا گیا۔ پھر جس عروج کو وہ پہنچا دنیا جانتی ہے۔

ف: حضرت یوسف علیہ السلام کے فرعون کا نام ریان تھا لیکن اس فرعون اور موسوی فرعون کے مابین چار سو سال سے کچھ زائد عرصہ کا فاصلہ ہے۔ یَسُوْمُوْنَكُمْ تم سے طلب کرتے۔ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ برا عذاب اور سب سے زیادہ قبیح بہ نسبت دیگر امور کے اس کا تمہارے لیے ارادہ کرتے اور اعمال شاقہ کا مکلف بناتے، تمہیں عذاب چکھاتے اور اسی پر مداومت کرتے۔ یَسُوْمُوْنَكُمْ سام السلعة سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب سامان طلب کرے اور "سوم" بمعنیٰ یبغی ہے۔ بلا واسطہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہے اسی لیے سُوْٓءَ الْعَذَابِ یَسُوْمُوْنَكُمْ سے منصوب اور مفعول بہ ہے اور جملہ نَجَّيْنٰكُمْ کی ضمیر مفعول سے حال ہے۔ اب معنیٰ یہ ہے: تم اقبح عذاب کے لئے طلب کیے گئے تھے۔ اس کی نظیر اہلِ عرب کا وہ قول ہے جو کہتے ہیں:

رایت زید یضربه عمر ۔ یعنی میں نے زید کو اس حال میں دیکھا کہ وہ عمرو کا مضروب تھا۔

marfat.ocm

اس کی وجہ یہ تھی کہ فرعون نے انہیں خادم اور نوکر بنا رکھا تھا۔ بعض ان میں سے اس کے ملازم اور بعض ان سے مکانات کے معمار اور بعض ان میں سے کسان تھے جو کھیتی باڑی کرتے اور بعض ان میں سے اس کی ہر وقت خدمت میں رہتے اور جو کوئی خدمت نہ کرتا اس سے جزیہ لیا جاتا۔

ف: حضرت وہب بن معبہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل فرعون کی مختلف خدمات پر متعین تھے۔ جو بہت بڑی قوت والے ہوتے وہ پہاڑوں کو کھود کر چٹانیں سر پر اٹھا کر لاتے یہاں تک کہ ان کی گردنیں اور ہاتھ زخمی اور ان کی پیٹھیں پھٹ گئیں اور بعض ان میں سے وہ تھے جو پتھر اور گارا اٹھا کر مکانات کی تعمیر کرتے۔ بعض ان میں سے وہ تھے جو کچی اینٹیں تیار کر کے پھر انہیں پختہ کرتے۔ بعض ان میں سے درود گر تھے۔ بعض لوہار اور جو کمزور تھے وہ روزانہ جزیہ ادا کرتے۔ اگر سورج ڈوبنے سے پہلے نہ ادا کر سکتے تو ان کے ہاتھ گردن سے منہ تک باندھے جاتے اور ان کی عورتوں سے چرخہ کا کام لیا جاتا اور کاتنے کے بعد وہ سوت بنتیں۔

ف: بعض کہتے ہیں: يَسُوْمُوْنَكُمْ کی تفسیر يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ ہے۔ گویا انہوں نے کہا: فرعونی کون سا عذاب ہم پر کرتے۔ تو جواب میں فرمایا: يُذَبِّحُوْنَ الخ یعنی انہیں مار ڈالتے تھے اور تشدید تکثیر کے لئے ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ **فتحت الابواب** اور ابناء سے مراد صرف مذکر نہیں۔ اگرچہ یہ لفظ نر و مادہ دونوں کے لئے بولا جاتا ہے جیسا کہ لفظ بنین یا بنی اسرائیل سے معلوم ہوتا ہے اور ابناء سے مراد لڑکے ہیں اور وہ بھی چھوٹے نہ بڑے۔ کیونکہ وہ صرف چھوٹوں کو ذبح کرتے تھے۔ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ لڑکیوں سے سبقت کر جاتے یعنی انہیں زندہ چھوڑتے۔

سوال: یہاں پر نِسَآءَ کیونکہ بولا گیا ہے حالانکہ نساء بڑی عورتوں کو کہتے ہیں اور یہاں پر چھوٹی لڑکیاں مراد ہیں؟

جواب: مال وانجام کے اعتبار سے نِسَآءَ بولا گیا ہے۔ کیونکہ جب انہیں زندہ چھوڑا گیا تو وہ لامحالہ بڑی ہی ہوئیں۔ علاوہ ازیں وہ لڑکیوں سے درگذر کرتے تو ان کی مائیں بھی بچ جاتیں اور قاعدہ ہے کہ اختلاط کے وقت بڑی اور چھوٹی دونوں پر لفظ نِسَآءَ بولا جاتا ہے۔

فرعون کے ظلم کا آغاز:۔ فرعون نے خواب میں ایک آگ کو دیکھا کہ بیت المقدس سے آئی ہے اور مصر کو

احاطہ کرتے ہوئے قبطیوں کو مصر سے نکال لیا، لیکن بنی اسرائیل کو کچھ نہ کہا۔ یہ بات اسے بہت خوفناک معلوم ہوئی۔ کاہنوں اور جادوگروں سے تعبیر پوچھی۔ انہوں نے کہا: بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے جو تمہاری ہلاکت کا موجب ہوگا اور تمہارا ملک تم سے چھین لے گا۔ اس پر فرعون نے ہر بنی اسرائیل کے نومولود بچے کو مار ڈالنے کا حکم دیدیا اور شہر کی ہر دایہ کو بلایا اور کہا کہ بنی اسرائیل کے ہر نومولود بچے کو مارتی جاؤ اور لڑکیوں کو زندہ چھوڑتی جاؤ۔ انہوں نے حکم بجالایا۔ حتی کہ اس نومولود یعنی موسیٰ علیہ السلام کے قتل کرنے کے ارادہ پر بارہ ہزار زندہ موجود اور نوے ہزار نومولود لڑکے مارے گئے۔

ف: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان تمام لڑکوں کی قوت دی گئی۔ اگر وہ زندہ ہوتے تو ان سب کی قوت اور موسیٰ علیہ السلام کی قوت برابر ہوتی۔ اسی وجہ سے ان کے معجزات میں ایک معجزہ ان کا زور بازو بھی تھا۔ بہرحال ادھر لڑکوں کی کشت خون ادھر بڑے بڑے مرنے لگے۔ قبطیوں کے سردار فرعون کے پاس پہنچے اور کہنے لگے: بڑوں کو موت فنا کر رہی ہے اور چھوٹوں تو مروا رہا ہے۔ عنقریب یہ تمام امور ہمارے سروں پر آجائیں گے فرعون نے یہ سن کر حکم جاری کر دیا کہ ایک سال بچوں کو مار دو اور ایک سال زندہ رہنے دو۔

جس سال کے بچے زندہ رکھے جاتے تھے ہارون علیہ السلام پیدا ہوئے اور جس دوسرے سال مارے جاتے تھے موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی قضا ان کی کوشش پر غالب آگئی چنانچہ فرعون نے کوشش میں کوئی کسر نہ چھوڑی کہ قضا سے سبقت کر جائے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے ارادہ کی تکمیل فرمائی کہ موسیٰ علیہ السلام بچ ہی گئے۔ وَفِیْ ذٰلِکُمْ یہ اشارہ ذبح اور لڑکیوں کو زندہ رکھنے کی طرف ہے۔ بَلَآءٌ مشقت اور بلاء اور لڑکیوں کو زندہ رکھنا ان کے لئے تکلیف اور بلاء تھی۔ باوجودیکہ بظاہر معافی اور ترک عذاب تھا کیونکہ بعد میں انہیں لونڈیاں بنایا جاتا اور بہت بڑے مشقت بھرے امور میں انہیں لگایا جاتا۔ یا اس لیے کہ نرینہ اولاد کے قتل ہونے کے بعد لڑکیوں کے بچ جانے میں آباء کے لئے مصیبت عظیم تھی۔ مِنْ رَّبِّکُمْ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کا تم پر مسلط ہو جانا عَظِیْمٌ بلاء کی صفت ہے اور دونوں کا نکرہ ہونا تفخیم کے لئے ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ذٰلِکُمْ کا اشارہ فرعون سے نجات دینے کی طرف ہے اور بَلَآءٌ بمعنی نعمت ہو کیونکہ دراصل بَلَآءٌ آزمائش کو کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کبھی نعمت دے کر آزمائش کرتا ہے تاکہ بندے شکر کریں۔ پھر وہی آزمائش عطیہ اور نعمت

marfat.ocm

ہو جاتی ہے اور کبھی مصائب کے ساتھ آزماتا ہے تا کہ صبر کریں پھر وہی آزمائش محبت ہو جاتی ہے اور آزمائش خیر وشر دونوں میں ہوتی ہے۔ کما قال تعالیٰ: وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ الخ ہم تمہیں خیر وشر سے آزماتے ہیں۔

مِنْ رَّبِّكُمْ میں اشارہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو بھیج کر اور انہیں توفیق دے کر تمہیں فرعون سے نجات دیں گے

تفسیر صوفیانہ

آل فرعون سے نجات میں نفس امارہ سے نجات دینے کی طرف اشارہ ہے اس سے نجات کا یہ مطلب ہے کہ اس کے صفات ذمیمہ اور اخلاق رذیلہ سے نجات ملی۔ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یعنی روح کے صفات روحانیہ حمیدیہ کو ذبح کر کے ان کی خدمات بجالانے کے لئے قدرت حیوانیہ کے اعمال میں اس کے بعض صفات جلیلہ کو باقی رکھنا اور صفاتِ ذمیمہ سے نجات پا جانا سوائے اللہ تعالیٰ کی مہربانی کے مشکل بلکہ ناممکن ہے۔

حدیث شریف: حضور علیہ السلام نے فرمایا: ”تم میں کسی کو عمل نہیں نجات دلانے کا“ صحابہ کرام نے عرض کی: حضور! آپ بھی۔ آپ نے فرمایا: ”ہاں، میں بھی لیکن مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل میں لے لیا ہے۔

وَفِیْ ذٰلِكُمْ یعنی نفس صفات کا غلبہ روح وقلب پر بلاء عظیم بڑا امتحان ہے۔ خیر وشر میں بڑا امتحان ہے جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے اور اس کے حال کو بہتر بنا دے تو اسے نجات دینے میں لطف فرماتا ہے اور وہ نجات پا جاتا ہے جسے اللہ تعالیٰ گمراہ اور رسوا کرے تو وہ زمین میں رہ کر نفس کی اتباع کرتا ہے پھر اس کا انجام برا ہوتا ہے۔

سبق: آیت میں تنبیہ ہے کہ بندہ کو جو دکھ اور سکھ پہنچے تو وہ اللہ تعالیٰ کی آزمائش سمجھے۔ اسے چاہئے کہ راحت میں شکر اور مصیبت میں صبر کرے۔

حافظ شیرازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: اگر

[۱] بلطف بخوانی مزید الطافست وگر بقہر برانی درون ما صاف است

اور اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ ہے کہ اپنے بندوں کو اپنی عبادت کی طرف رزق فراخ اور دائمی عافیت دے کر بلاتا ہے تا کہ اس کی طرف اس کی نعمت سے رجوع کریں۔ پس اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو پھر انہیں دکھ اور سکھ میں مبتلا کرتا ہے تا کہ وہ اس کی طرف راجع ہوں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ اس کے بندے اس کی طرف طوعاً یا

۱۔ اگر لطف سے بلاؤ تو بڑی مہربانی، اگر ہٹا دو تو بھی ہمارا دل صاف ہے۔

کرھا رجوع کریں۔ لیکن پہلا طریقہ احرار کا ہے اور طریقہ ثانی اغیار کا۔

حکایت: داؤد بن رشید جو کہ محمد بن حسن کے تلامذہ میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ میں ایک رات نماز کے قیام میں تھا کہ سردی نے آن گھیرا میں اپنی مفلسی پر رو پڑا۔ آخر مجھے نیند آ گئی۔ خواب میں مجھے کوئی کہہ رہا ہے: اے داؤد! ہم نے تجھے قیام کی توفیق دی اور دوسروں کو نیند دیدی۔ اس کے بعد داؤد بن رشید رات کو کبھی نہ سوتے تھے۔ **(کذا فی روضۃ الاخیار)**

مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

در دچشم داد حق تا من زخواب　　برجہم در نیم شب باسوز وتاب
دردہا بخشید حق از لطف خویش　　تانخسم جملہ شب چوگادمیش

حدیث شریف: مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں میں سے کسی ایک نبی علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی اور فرمایا: میں نے اپنے بندے پر بلاء نازل فرمائی ہے اس پر اس نے مجھے پکارا۔ لیکن میں نے اس میں تاخیر کی جس پر وہ شکایت کرنے لگتا ہے۔ میں کہتا ہوں اے میرے بندے! میں اس سے اور کس طرح رحم کروں۔

نسخہ روحانیہ: اگر کوئی تکلیف سے یہ سمجھے کہ مجھ سے اللہ تعالیٰ کا لطف دور ہو گیا ہے تو وہ نہایت غلطی کا شکار ہو گیا عقلاً بھی عادتاً بھی اور شرعاً بھی۔ عقلاً تو اس طرح کہ عقل کے امکان میں ہے کہ اس سے بہت بڑی مصیبت میں اپنے بندے کو مبتلا کر دے اور آخرت میں کافر کو اس سے کہیں اور زیادہ عذاب دے تو وہ قادر ہے جب وہ اتنی بڑی قدرت والے نے بڑے عذاب یا مصیبت سے بچا کر معمولی میں مبتلا کیا ہے تو یہ بھی اس کی نوازش ہے اس سے زیادہ دکھ پہنچاتا تو اس سے کون پوچھتا اور عادتاً اس طرح کہ ہر دکھ اور تکلیف کا انجام نیک ہوتا ہے اور یہ بھی ہے کہ اسے دوسری بڑی مصیبت میں مبتلا نہیں کیا گیا۔ مثلاً جو جذام میں مبتلا ہے وہ نابینائی کی مصیبت سے اچھا ہے۔ اگر دونوں میں مبتلا ہو جائے تب بھی فقر و افلاس کا تو شکار نہیں اور اگر فقر و افلاس بھی گھیر لے تب بھی اسے خوش ہونا چاہئے کہ اس کا دین تو محفوظ ہے اور شرعاً اس طرح کہ حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس بندے کو اللہ تعالیٰ اپنا محبوب بناتا ہے تو اسے کسی مصیبت میں

مبتلا کر دیتا ہے۔ اگر وہ اس پر صبر کرتا تو اس پر راضی ہوتا ہے، تو اسے اپنے خاص بندوں میں داخل فرما لیتا ہے۔

سبق: مصیبت میں گرفتار بندے کو یہ بات معمولی نہ سمجھنی چاہیے کہ اسے مصیبت میں کس نے مبتلا کیا اور پھر اس پر جو اس نے عطیات اور اجر و ثواب مقرر فرمایا ہے اس کے مقابلے میں یہ دکھ درد کیا حقیقت رکھتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاِذْ فَرَقْنَا اور یاد کرو اے بنی اسرائیل! جب کہ ہم نے بِکُمْ تمہاری نجات کے لئے دریا کو چیرا۔ باء سببیت کی ہے اور یہی اولیٰ ہے۔ کیونکہ یہاں پر اپنے احسانات و انعامات شمار فرما رہے ہیں اور سببیت میں ان کی تعظیم بھی ہے اور یہ بھی منجملہ انعامات کے ہے اور بعض کہتے ہیں: باء بمعنی لام کے ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے اس قول ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ میں ہے۔ الْبَحْرَ دریائے قلزم مراد ہے جو فارس کے دریاؤں میں سے ایک دریا ہے۔ یا کوئی اور دریا تھا جس کا نام اساف ہے یہاں تک کہ اس میں بنی اسرائیل کے اسباط کی گنتی کے مطابق بارہ راستے ہو گئے۔

ف: سبط پوتے کو کہتے ہیں اور اسباط بنی اسرائیل میں عرب کی طرح قبائل کو کہا جاتا ہے اور وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہے۔

فَاَنْجَیْنٰکُمْ یعنی تم کو کنارے لگا کر غرق نہ ہونے دیا۔ وَاَغْرَقْنَا غرق بہنے والی شئے میں ڈوبنے کو کہا جاتا ہے۔ اسی طرح رسوب چنانچہ اہلِ عرب کہتے ہیں:

رسب الشئی فی الماء رسوبا۔ یہ اس وقت ہیں جب کہ کوئی چیز پانی میں نیچے ہو جائے۔ الاغراق بمعنی پانی میں ہلاک کرنا۔ اٰلَ فِرْعَوْنَ فرعون اور اس کی قوم مراد ہے۔ کیونکہ اس میں وہی داخل ہوئے اور یہی مراد لینا اولیٰ ہے۔ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ تم آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ جب تم دریا میں چلے تو وہ پھٹ گیا اور جب وہ آئے تو دریا ان پر بہہ چلا اور تم بسلامت پار کنارے لگ گئے اور تم دیکھ رہے تھے کہ ان کے مردے غرق ہو کر دریا کے کنارے سے باہر نکالے جا رہے تھے۔

ف: امام قرطبی فرماتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو نجات دی اور فرعونیوں کو غرق کیا تو بنی اسرائیل کہنے لگے: اے موسیٰ علیہ السلام! ہمارے قلوب تا ہنوز مطمئن نہیں کہ فرعون غرق ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے دریا کو حکم دیا کہ فرعون کو باہر پھینک دو۔

فرعون اور اس کے لشکر کے غرق ہونے کا مختصر حال: مروی ہے کہ جب فرعون کی ہلاکت کا وقت قریب آیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ اپنی قوم کو رات کے وقت مصر سے لے چلیں۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام کو رات کو چلنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ قبطیوں سے زیورات عاریۃً لے لیں۔ لیکن جب نکلیں تو ایک دوسرے کو بلائیں نہیں اور صبح سے پہلے تک منتظر رہیں اور جب نکلیں تو اپنے گھروں کے دروازوں کو خون سے آلودہ کر کے چلیں تا کہ انہیں پتہ چل جائے کہ بنی اسرائیل اپنے گھروں سے چل چکے ہیں۔ چنانچہ رات کا نکل چلے۔ اس وقت وہ چھ لاکھ اور بیس ہزار جنگی تھے۔ بیس سال کے لڑکے اور ساٹھ سال کے بوڑھے ان کے علاوہ تھے۔ قبطی اس سے بے خبر تھے اور ان پر موت واقع ہوگئی اور وہ مردگان کے دفن میں مصروف ہوئے جس سے ان کی طلب میں رک گئے۔

مزار یوسف علیہ السلام:۔

بنی اسرائیل جب رات کو چلے تو آگے جنگل میں جا کر راستہ بھول گئے اور انہیں پتہ نہ چل سکا کہ کہاں جا رہے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کے بوڑھوں کو بلا کر سبب پوچھا تو انہوں نے کہا کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے انتقال کا وقت قریب ہوا تو اپنے بھائیوں سے وعدہ لیا کہ جب مصر سے باہر نکلو تو مجھے بھی ساتھ لے جانا۔ اس وجہ سے راستہ بند رہے گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: ان کا مزار کہاں ہے؟ ان کے مزار کا علم سوائے ایک بڑھیا کے کسی کو نہ تھا۔ اس بڑھیا سے دریافت کیا گیا۔ تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی: اگر میں بتا دوں تو کیا میری منہ مانگی بات مان لو گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اللہ تعالیٰ سے پوچھتا ہوں جیسا کہ فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ معاملہ پیش کیا تو حکم ہوا کہ اسے کہہ دیجئے کہ تیرا سوال پورا کیا جائے گا۔ بوڑھی نے کہا: میں ایک طویل عمر بوڑھی ہوں چل نہیں سکتی مجھے ایک سواری عطا ہو اور مصر سے مجھے بھی نکال لے چلو۔ یہ تو دنیاوی سوال ہے اور آخرت میں یہ چاہتی ہوں کہ جہاں تیری قیام گاہ ہو میں تیرے ساتھ رہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: تیرے سوال دونوں پورے کیے جائیں گے۔ بوڑھی نے کہا: یوسف علیہ السلام کی مزار دریائے نیل کے اندر ہے۔ دعا فرمائیے! اس سے پانی ہٹ جائے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگی اور ساتھ یہ بھی عرض کی کہ طلوع فجر نہ ہو جب تک کہ ہم یوسف علیہ السلام کا مزار

marfat.ocm

تلاش کر کے انہیں ساتھ نہ لے چلیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اس جگہ کو کھدوا کر قبر سے صندوق مبارک (جو صنوبر کا تھا) نکال لیا۔

ف: مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کا صندوق دریا کی موج سے اللہ کی دی ہوئی توفیق سے نکالا۔ یہ وہ پہلا علم ہے جو اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمایا اور سب سے پہلے یہ علم حضرت آدم علیہ السلام کو عنایت ہوا پھر توراثاً عطا ہوتا رہا۔ آخر یوسف علیہ السلام کے صندوق کو اٹھایا گیا اور شام میں جا کر دفن کیا گیا۔ اس کے بعد ان پر راہ کھل گئی اور چل پڑے۔ حضرت ہارون علیہ السلام قوم کے آگے اور موسیٰ علیہ السلام قوم کے پیچھے پیچھے۔ ۱ جب فرعون کو علم ہوا تو قوم کو جمع کر کے بنی اسرائیل کے تعاقب کو نکلا۔ ان سب کے آگے والے لشکر (جو کہ ستر لاکھ تھا) میں ہامان کو بھیج کر روانہ کیا کہ جس میں تمام گھوڑوں پر سوار تھے۔ ان میں کوئی مادہ گھوڑی نہ تھی اور ہر ایک کے سر پر خود اور ہاتھ میں تلوار تھی۔ ادھر بنی اسرائیل چل کر جب دریا کے کنارے پہنچے تو دیکھا کہ دریا اپنی پوری طغیانی میں تھا۔ یہاں تک کہ فرعون کا لشکر قریب آ گیا۔ اشراق کا وقت تھا فرعون نے بنی اسرائیل کو دیکھ کر اپنی جماعت سے کہا: یہ تو بہت قلیل جماعت ہے۔ ادھر بنی اسرائیل فرعونیوں کو دیکھ کر گھبرائے اور حیرانگی میں موسیٰ علیہ السلام کو کہنے لگے: اے موسیٰ علیہ السلام! تم ابھی پیدا نہیں ہوئے تو بھی ہم دکھ میں تھے اور اب تمہاری پیدائش کے بعد بھی ہمیں تکلیف سے نجات نہیں، کیونکہ ہمارے دریا آگے ہے اگر آگے بڑھیں تو ڈوبتے ہیں اور پیچھے فرعون ہمارے قریب آ پہنچا ہے جو ہمیں مارے بغیر نہیں رہے گا۔ اب کیا کیا جائے؟ بتایئے تمہارے رب کا وعدہ کہاں ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: گھبرایئے مت۔ میرا رب عنقریب اور ضرور بالضرورت کوئی راہ نجات نکالے گا۔ ابھی گفتگو ہو رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اپنا عصا پتھر پر مارو۔ انہوں نے عصا مارا لیکن کچھ نہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے پھر حکم ہوا کہ اب مارو۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے عصا بھی مارا اور کہا: راستہ دیجئے اے ابو خالد! اتنا کہنے پر دریا پھٹ دیا اور اس میں بارہ راستے بن گئے اور ہر راستہ پہاڑ

---

۱ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قوم کے پیچھے پیچھے چلنے کا مقصد یہ تھا کہ قوم کو پیچھے سے تعاقب کرنے والوں کا خطرہ تھا اس لیے اس خطرہ کے مقابلہ کے لئے ہر وقت اور سب سے پہلے نفس بہ نفس تیار رہے۔ کاش! آج کل کے رہنما اس اصول کو سمجھیں اور اپنائیں۔ (اویسی غفرلہٗ)

برابر تھا اور ہر ایک علیحدہ علیحدہ بارہ قبیلوں کے لئے، جن پر وہ لوگ گذرے۔ دریا پھٹنے پر اللہ تعالیٰ نے ہوا کو چلنے کا حکم دیا اور دھوپ تیز کر دی جس سے وہ بالکل خشک ہو گئے۔ بنی اسرائیل اس میں کود پڑے۔ لیکن ہر ایک کے راہ کے آگے پہاڑ کے برابر پانی حائل ہو گیا جس سے ایک دوسرے کو دیکھ نہ سکتے تھے کہنے لگے: کیا بات ہے کہ ہم ایک دوسرے کو نہیں دیکھ رہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے بھائی مارے گئے۔

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: چلو وہ بسلامت چل رہے ہیں۔ ان کا راستہ بھی تمہارے جیسا ہے۔ لیکن انہوں نے نہ مانا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: یا اللہ! تو ان کی بری عادتوں کو دیکھ رہا ہے، جس طرح کہتے ہیں اسی طرح کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ اپنا عصا دائیں بائیں دریا کے پانی میں مارو۔ چنانچہ ایسا کرنے پر ہر ایک قبیلہ کے مابین چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں ہو گئیں۔ (سوراخوں کی طرح) جن سے وہ سب ایک دوسرے کو دیکھ کر باتیں سن رہے تھے اسی طرح چلتے چلتے آخر کار دریا کو عبور کر گئے۔ جب موسیٰ علیہ السلام کی قوم دریا سے پار ہو گئی تو فرعون کا لشکر دریا کے کنارے آ پہنچا اور دیکھا پہاڑ پھٹا ہوا تھا۔ فرعون لشکر کو کہنے لگا: دیکھو! یہ میرے خوف سے پھٹ گیا ہے قوم نے کہا: اگر تو خدا ہے تو دریا میں چل جیسے موسیٰ علیہ السلام چلے۔ فرعون سیاہ گھوڑے پر سوار تھا اور لشکر میں کسی کی بھی مادہ گھوڑی نہ تھی۔ جبریل علیہ السلام ایک تیز رو گھوڑی پر سوار ہو کر آگے سے گذرے فرعون کے گھوڑے نے اس کی بو سونگھی اور پیچھے دوڑا۔ جبریل علیہ السلام دریا میں چلے گئے اور فرعون کا گھوڑا بھی چلا آیا۔ فرعون نے بہت روکا مگر وہ نہ رکا۔ گھوڑا دریا میں کود پڑا۔ قوم نے فرعون کو دریا میں جاتے دیکھ کر اپنے گھوڑے پیچھے پیچھے کر لیے اور وہ جبریل علیہ السلام نہ دیکھ سکا اور میکائیل علیہ السلام ایک اور گھوڑے پر ان سب کے پیچھے تمام قوم کو ہانکتے ہوئے دریا میں لائے یہاں تک کہ ایک بھی باقی نہ رہا۔ سب کے سب دریا میں کود پڑے۔ ادھر فرعون کا لشکر تمام داخل ہوا ادھر موسیٰ علیہ السلام کی قوم دریا سے باہر نکلی فرعون کا پہلا لشکر دریا سے باہر نکلنے والا تھا کہ دریا موج مارتا ہوا ان سب کو ڈبو گیا۔

فرعون نے ڈوبتے وقت کہا: ''میں مانتا ہوں کہ معبود وہی ایک ہے اور میں ایمان لایا ہوں اس معبود پر جس پر بنی اسرائیل نے ایمان لایا اور میں سچا پکا مسلمان ہوں'' ادھر بنی اسرائیل دیکھ کر کہہ رہے تھے کہ اب فرعون باہر آ کر ہمیں قتل کر دے گا۔

marfat.ocm

اللہ تعالیٰ کے حکم سے چھ سو بیس ہزار افراد دریا سے باہر نکلے جن کے سروں پر لوہے کے زنجیر جکڑے ہوئے تھے اور فرعون کی لاش بھی باہر پھینکی گئی۔ جس کو دیکھ کر ایسے معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ سرخ بیل ہے۔ اس کے بعد ڈوبے کو پانی سے ظاہر کر دیا۔ یہ واقعہ موسیٰ علیہ السلام کا ایک بہت بڑا معجزہ تھا اور ان کی نعمت کے لئے ادائیگی شکر کا موجب تھا۔

نبی علیہ السلام کا علمِ غیب اور معجزہ:

بعینہٖ یہی قصہ ہمارے نبی علیہ السلام کا معجزہ جلیلہ ہے کہ اس سے ہر منکر کا دل اور عقل مند کی عقل مطمئن ہو سکتی ہے۔ انہیں چاہیے کہ بطیب خاطر اسے قبول کریں، کیونکہ ہمارے نبی علیہ السلام نے باوجودیکہ آپ امّی تھے خبر دی۔ حالانکہ آپ نے کسی کتاب سے پڑھا اور نہ ہی کسی سے سنا۔ یہ ایک غیب ہے، جس کا اہلِ عرب کو علم نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کی خبر دینا دلیل ہے کہ آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اور یہی بات نبوت کی پختہ علامت ہے۔

ف: جس طرح بنی اسرائیل کے اسلاف اس واقعہ کو آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود دریا سے نجات پا جانے کے بعد بچھڑے کی پرستش میں مبتلا ہو گئے اور بعد میں سادات انبیاء و رسل علیہم السّلام کو قتل کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر احسان کیا لیکن احسان کا بدلہ عجیب دیا کہ نافرمان ہو گئے۔ دین سے دور جا پڑے اور بُرے اخلاق کے خوگر ہو گئے اسی طرح ان کے اسلاف کا حال ہے کہ وہ واقعہ صحیح ماننے کے باوجود اثر پذیر نہ ہوئے بلکہ الٹا تورات کو بدل ڈالا اور اللہ تعالیٰ پر طرح طرح کے بہتان باندھے اور اپنی مرضی کے مطابق قوانین بنا ڈالے۔ صرف کوڑی کے چند ٹکوں کے طمع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں تل گئے۔ وغیرہ وغیرہ۔

سبق: آیت میں کافروں کو تہدید کی جا رہی ہے تا کہ ایمان لائیں اور مومنوں کو تنبیہ ہو رہی ہے تا کہ عبرت پکڑیں اور ہر وقت گناہوں سے بچ جائیں خصوصاً اس روز جب کہ موسیٰ علیہ السلام کو مع بنی اسرائیل کے غرقابی سے نجات ملی۔ یعنی دسویں محرم کا دن۔

عاشورہ کے فضائل و مسائل:۔ **حدیث شریف**:۔ ا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو یہودیوں کو دسویں محرم کے دن روزہ

رکھتے دیکھ کر فرمایا: **ماھذا الیوم الذی تصومونه** (اس دن تمہارے روزہ رکھنے کا موجب کیا ہے) تو انہوں نے کہا: وہ بڑا دن ہے۔ جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو دریا سے نجات ملی اور فرعون اور اس کی قوم غرق ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ادائیگی شکر پر روزہ رکھا ہم بھی ان کی اقتداء کرتے ہیں اور روزہ رکھتے ہیں۔ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **نحن احق و اولی بموسیٰ منکم وامر بصیامه** (رواه مسلم) (ہم موسیٰ علیہ السلام کی اقتداء کے زیادہ لائق وحقدار ہیں بہ نسبت تمہارے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روز روزہ رکھنے کا حکم دیا)

ف: اس حدیث شریف کی اقتداء کرتے ہوئے خود بھی روزہ رکھا اور امت کو بھی حکم دیا۔ حالانکہ یہ اس حدیث شریف کے خلاف ہے جسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا کہ عاشورہ کا وہ مقدس دن ہے کہ جاہلیت میں اس روز قریش روزہ رکھتے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قبل از دعویٰ نبوت تا ہجرت اس روز روزہ رکھا اور صحابہ کرام کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ لیکن جب رمضان شریف کے روزوں کی فرضیت نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کا روزہ چھوڑ دیا اور فرمایا جو چاہے عاشورہ کا روزہ رکھے اور جو چاہے ترک کردے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فرضیت کے منسوخ ہونے کے بعد صرف اباحت باقی تھی۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کے بعد وہ اباحت سنت سے بدل گئی اس سے دو متضاد روایتوں میں تطبیق واضح ہوگئی۔

حدیث شریف:۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"التمسوا فضله فانه مبارک اختاره الله من الایام من صام ذالک الیوم جعل الله له نصیبا من عبادة جمیع من عبده من الملائکة والانبیاء والمرسلین والشهداء والصالحین"

(اس دن کی فضیلت حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ کیونکہ یہ وہ مبارک دن ہے جسے اللہ تعالیٰ نے باقی ایام پر فضیلت بخشی ہے (سوائے رمضان شریف کے) جس نے اس دن روزہ رکھا تو اللہ تعالیٰ اس کی عبادت کو وہ حصہ عطا فرمائے گا جو ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام اور صدیقین و صالحین کو عطا فرمایا۔ یعنی وہ عبادت مقبول ہوگی۔ یہ فضائل روزے کے متعلق تھے۔ نماز کے متعلق بھی فضائل وارد ہیں۔

عاشورہ کے دن نماز:۔ عاشورہ کے دن کی نماز کے متعلق حضور غوث پاک سیدنا محی الدین شیخ عبدالقادر

جیلانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اپنی ایک طویل حدیث میں فرماتے ہیں کہ جس نے عاشورہ کے دن چار رکعت نماز اس طریق سے پڑھی کہ ہر رکعت میں ایک دفعہ فاتحہ شریف اور پچاس دفعہ سورہ اخلاص تو اس کے آئندہ زندگی کی پچاس سال کے گناہ معاف ہو جائیں گے اور ملاء اعلیٰ میں اس کے لئے نور کے ہزار منبر بنائے جائیں گے۔

مسئلہ : عاشورہ کی ساری رات جاگنا مستحب ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

"من احیا لیلۃ عاشور افکانما عبد اللّٰہ بعبادۃ ملائکۃ القربین"

(جو عاشورہ کی ساری رات جاگتا رہا اس نے گویا مقربین ملائکہ جیسی عبادتِ الٰہی بجالائی)

تفسیر صوفیانہ

بحر سے مراد دنیا ہے اور اس کا پانی لذات وشہوات ہیں اور موسیٰ سے قلب اور قوم سے صفات مطلوب ہیں۔ فرعون نفس امارہ ہے اور اس کی قوم سے نفس کے صفات مراد ہیں۔ یہ سب موسیٰ (قلب) اور اس کی قوم کے اعداء ہیں وہ چاہتے ہیں کہ ان کو بالکل مٹا دیں اور قلب اور اس کے صفات اللہ تعالیٰ کی طرف جانے والے ہیں اور ان کا دشمن ان کے پیچھے ہے اور دنیا کا دریا ان کے آگے ہے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف اس دریا کو عبور کر کے جانا اور دریا کا پار کرنا ہے۔ لا الہ الا اللّٰہ کے عصا کی ضرب کے بغیر پہنچانا ناممکن ہے اور وہ عصا موسیٰ (قلب) کے ہاتھ میں ہے کیونکہ اس کا بھی سفید ہاتھ ہے اگر وہ عصا اس کے ہاتھ میں نہ ہوتا تو وہ غرق ہو جاتے فرعون اور اس کی قوم غرق ہوگئی اور اگر یہی عصا فرعون اور اس کی قوم (نفس امارہ اور اس کے صفات) کے ہاتھ میں ہوتا تو یہ معجزہ دریا کا پھٹنا ان سے سرزد نہ ہوتا۔ جب موسیٰ کا ذکر کا عصا مارتا ہے تو بحر (دنیا) اور اس کا پانی (شہوات ولذات) دائیں بائیں ہٹ جاتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے لطف کی ہوا اور ہدایت کے سورج کو دنیا کے دریا کے گڑھے پر چلاتا ہے تو وہ دریا (دنیا) شہوات ولذات کے پانی سے خشک ہو جاتا ہے۔ پھر موسیٰ (قلب) اور اس کی قوم (صفات) دریا میں کود پڑتے ہیں اور دنیا کے دریا کو صحیح وسالم ہو کر عبور کر جاتے ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ کے لطف نے نجات بخشی اور کنارے پہنچ کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ واصل ہوئے پھر فرعون (نفس) اور اس کی قوم (شہوات) کو حکم ہوا کہ تم ڈوب کر جہنم کی آگ میں داخل ہو جاؤ۔

(کذا قال صاحب التاویلات النجمیہ قدس اللّٰہ تعالیٰ نفسہ اکذ کیہ)

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ

وَإِذْ وٰعَدْنَا مُوسٰى اور یاد کرو اے بنی اسرائیل! جب کہ ہم نے وعدہ دیا۔ مفاعلہ کا صیغہ بمعنیٰ ثلاثی ہے یا اپنے اصل پر ہے۔ کیونکہ یہ وعدہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا لیکن موسیٰ علیہ السلام نے اسے قبول کیا تھا اور قبول کرنا وعدہ کرنے کے مشابہ ہے یا اس طرح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے وحی بھیجنے کا وعدہ کیا اور موسیٰ علیہ السلام نے طور پہاڑ پر حاضری کا وعدہ کیا۔

مُوسٰى، وٰعَدْنَا کا مفعول ثانی ہے۔

موسیٰ کی وجہ تسمیہ: ۔ عبرانی لغت میں مُو بمعنیٰ آپ اور شی بمعنیٰ شجر، شین کو عربیت میں سین سے تبدیل کیا گیا ہے اور اس نام سے اس لیے موسوم ہوئے کہ ان کی امی جان نے فرعون کے ڈر سے انہیں صندوق میں رکھ کر پھینک دیا۔ پھر دریا کی موجوں نے انہیں فرعون کے گھر کے قریب درختوں کے مابین کھڑا کر دیا۔ آسیہ (فرعون کی گھر والی) کی نوکرانیاں نہانے کے لئے آئیں تو صندوق کو دیکھ کر فرعون کے گھر لے گئیں۔ بنا بریں اس مکان کی وجہ سے کہ جس میں وہ پائے گئے۔ اس سے موسوم ہوئے اس لیے کہ وہاں پانی اور شجر تھا۔

موسیٰ علیہ السلام کا نسب نامہ: ۔

موسیٰ بن عمران بن یصہر بن قاہت بن لاوی بن یعقوب اسرائیل اللہ بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام۔

اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً چالیس راتوں کو مکمل کرنا۔ یہاں دراصل مضاف محذوف ہے۔ دراصل (تمام اربعین لیلة) تھا یہ وٰعَدْنَا کا مفعول ثانی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو تیس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا اور وہ ذیقعدہ کا مہینہ تھا۔ پھر اس پر دس دن ذوالحج کے اور بڑھائے اور انہیں لَیْلَةً سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ مہینوں کی ابتداء رات سے ہوتی ہے اور عرب کے مہینوں کی وضع بھی چاند کی سیر پر وضع کی گئی ہے۔ اسی لیے تاریخ پر واقع ہوتی ہے۔ اسی حیثیت سے مہینوں میں اصل رات ہے دن اس کے تابع ہوتے ہیں۔ یا اس لیے کہ ظلمت روشنی سے پہلے ہوتی ہے۔ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ عِجْلَ بقرہ گائے کے بچے کو کہتے ہیں۔ یعنی سامری نے بچھڑے کا مصنوعی معبود بنا کر پیش کیا تو تم نے اس کی پرستش شروع کر دی۔ مِنْ بَعْدِهٖ وعدہ کے وقت گذرنے کے بعد اور لفظ ثُمَّ اس لیے لایا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وعدہ دیا کہ تم طور پر تشریف لاؤ تمہیں تورات دی جائے گی جس میں بنی اسرائیل کی فضیلت ہے تاکہ خاصری کو بلند درجات پر تنبیہ اور غائبین کے لئے تعریف اور

marfat.ocm

دین کی تکمیل ثابت ہو چونکہ توراۃ بہت بڑی نعمتوں سے ایک نعمت تھی۔ جب انہوں نے سب سے زیادہ قبیح قسم کا کفر و جہل کا عمل کیا تو یہ بات محل تعجب ہوئی کہ بڑے انعام کے بعد بڑی بے فرمانی کیوں اس لیے ان کی عقل کی قباحت کی دلالت پر لفظ ثُمَّ لائے اس کی مثال ہوگی کہ جیسے کوئی شخص کسی کو کہے کہ میں نے تجھ پر احسان کیا اور فلاں فلاں انعام دیئے۔ لیکن تو نے میرے لیے فلاں برائی اور نقصان کا ارادہ کیا۔

وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ اور تم ظالم ہو شریک ٹھہرانے اور عبادت کو اپنے محل سے غیر محل میں رکھنے کی وجہ سے یعنی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بچھڑے کی عبادت کرتے ہو۔ یہ جملہ **اتَّخَذْتُمُ** کی ضمیر سے حال ہے۔

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْکُمْ توبہ کے بعد ہم نے تمہارے گناہ معاف کر دیئے **مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ** بچھڑے کی پرستش کے بعد جو قبح میں انتہائی درجہ کا عمل بد تھا۔ اس پر ہم نے تمہیں کوئی سزا نہ دی۔ بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی واپسی تک مہلت دیدی۔ انہوں نے آ کر تمہیں متنبہ فرما کر اور تمہارے گناہوں کے کفارہ کی خبر دی۔ **لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ** تاکہ تم نعمت کی معافی کا شکریہ ادا کرو اور اس کے بعد طاعت پر دوام حاصل کرو کیونکہ انعام شکر کا موجب ہے۔ دراصل شکر کہتے ہیں: نعمت کے تصور و اظہار کو اور اس کی حقیقت یہی ہے کہ شکر سے اپنا عجز ظاہر کرے۔

شیخ سعدی قدس سرہ فرماتے ہیں:

خردمن طبعان منت شناس
بدوزند نعمت بمیخ سپاس

ترجمہ: منت شناس اور دانا طبع لوگ شکر کی میخ سے ہی نعمت کو سیتے ہیں۔

وَاِذْ اٰتَیْنَا اور جب کہ ہم نے دیا۔ **مُوْسَی الْکِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ** تورات جو اس بات میں جامع تھی کہ وہ کتاب بھی تھی اور حق و باطل کے فرق بتانے میں حجت بھی۔ جیسے کوئی کہتا ہے: لقیت الغیث و اللیث یعنی میں اس شخص کو ملا جو جود و جرأت جامع ہے۔ اس لحاظ سے کتاب و فرقان سے ایک ہی شئے مراد ہے۔ **لَعَلَّکُمْ تَهْتَدُوْنَ** تاکہ اس میں تدبر اور جو اس میں موجود ہے اس پر عمل کرو۔ یہ جملہ حکمت بیان کرنے کے لئے ہے نہ کہ علت بیان کرنے کے لئے یعنی اس میں نازل کرنے کی ایک حکمت یہ ہے کہ تم اس میں تدبر کرتے ہوئے عمل کرو۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے اس لیے نازل کیا تاکہ نبی علیہ السلام کی نبوت کی صحت پر دلالت کرے۔ پھر تم اس کی ہدایت کی اتباع میں کوشش کرو۔ جب تم یہ عمل کرو گے تو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لا چکے

کیونکہ یہ بھی معجزات لے آئے ہیں جوان کے دعویٰ نبوت کی صحت پر دلالت کر رہے ہیں۔

تورات کا شانِ نزول:۔ مروی ہے کہ جب بنی اسرائیل اپنے دشمن سے بے خوف ہوئے کیونکہ وہ تو دریا میں غرق ہو گیا اور یہ مصر میں آئے تو ان کے پاس کوئی کتاب تھی اور نہ کوئی شریعت کہ جس سے اپنے دینی و دنیوی مسائل کا حل سوچیں۔ اللہ تعالیٰ نے تورات دینے کا وعدہ فرمایا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے پاس کتاب لانے کے لئے جاتا ہوں جس میں تمہارے لیے اوامر و نواہی کا بیان ہوگا اور چالیس روز کا وعدہ فرمایا اور ان پر ہارون علیہ السلام کو خلیفہ مقرر فرمایا۔ جب وعدہ کا دن آگیا تو جبریل علیہ السلام ایک گھوڑے پر تشریف لائے (جسے فرس الحیاۃ) کہا جاتا ہے کہ جس شئے پر اس کا قدم آتا تو وہ زندہ ہو جاتا۔ اس گھوڑے پر وہ موسیٰ علیہ السلام کو لینے آئے تھے۔

سامری نے بچھڑا کس طرح تیار کیا:۔ جب سامری نے جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کی یہ کیفیت دیکھی اور تھا وہ سنار اہل باجرمی کے قبیلہ سے تھا۔ اس کا نام میخا تھا۔ گھوڑے کی یہ کیفیت دیکھی کہ جہاں بھی قدم رکھتا ہے وہ جگہ سرسبز ہو جاتی ہے وہ دراصل منافق تھا اور اس قوم سے تھا جو گاؤ پرست تھی جب گھوڑے کا وہ کرشمہ دیکھ چکا تو دل میں سوچا کہ اس میں ضرور کچھ ہے۔ چنانچہ اس کے قدموں سے ایک مٹھی بھر مٹی لے لی۔

جبریل کا موسیٰ:۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ جبریل علیہ السلام کو پہچانتا تھا، کیونکہ یہ بھی اس سال پیدا ہوا کہ جس سال فرعون کے زمانہ میں بچوں کو قتل کیا جاتا تھا۔ اس کی ماں نے خوف کے مارے جنگل میں جنم لیا۔ تو جبریل علیہ السلام آکر اسے غذا دے جاتے۔ چنانچہ وہ سیدھے انگوٹھے کو چوستا تو اس سے شہد پیتا اور بائیں انگوٹھے سے دودھ (یہاں تک کہ جوان ہو کر واپس قوم میں چلا گیا) جب دریا عبور کرتے وقت جبریل علیہ السلام کو پہچانا تو اس کی گھوڑی کے پاؤں کے نیچے سے ایک مٹھی بھر مٹی لے لی اور اپنے قابو میں رکھی یہاں تک کہ اسے یہ وقت میسر ہوا

بچھڑے کی صفت و پرستش اور موسیٰ علیہ السلام کی واپسی:۔

جب موسیٰ علیہ السلام طور کی طرف چلے تو بھی سامری بنی اسرائیل کا وقت یاد رکھتا تھا جب کہ ان کا ایک قوم پر گذر ہوا (جو بت کی پرستش میں مست تھی) دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام کو کہنے لگے: ہمارا خدا بھی ایسا ہی ہونا چاہیے جیسے ان لوگوں کا معبود ہے۔ سامری کو یہ قول یاد تھا اور خیال رکھتا تھا کہ اسی ذریعہ سے بنی اسرائیل کو گمراہ

کروں گا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی روانگی کے بعد وہ زیورات جو بنی اسرائیل نے فرعونیوں سے ایک شادی کے لئے مانگے تھے وہ ان کے پاس موجود تھے۔ بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کے وعدہ کو گنتے رہے اور بیس دن گزرنے پر کہنے لگے: اب موسیٰ علیہ السلام کا وعدہ ختم ہو گیا۔ انہوں نے رات اور دن علیحدہ علیحدہ ایک ایک یوم قرار دیا۔ کہنے لگے: موسیٰ علیہ السلام نے وعدہ خلافی فرمائی۔ سامری نے کہا: وہ زیورات مجھے دو جو تم فرعونیوں سے لے آئے تھے۔ وہ دراصل موسیٰ علیہ السلام نے جمع کر کے ایک گڑھے میں دفن کرا دیئے تھے۔ سامری نے وہ اٹھا کر تین دنوں کے اندر بچھڑا تیار کر لیا اور اس میں وہی مٹی ڈال دی جو کہ جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے سے اٹھائی تھی۔ اس سے وہ بچھڑا نہایت خوبصورت تیار ہو گیا اور اس سے بچھڑے جیسی آواز نکلتی تھی۔ اس میں گوشت پوست خون بال وغیرہ سب کچھ تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ آواز پیچھے سے داخل ہو کر آگے منہ سے نکلتی تو بچھڑے کی آواز کے مشابہ ہو جاتی۔

بچھڑے کو سامنے لا کر قوم سے کہنے لگا: یہ تمہارا اور موسیٰ علیہ السلام کا معبود ہے۔ موسیٰ علیہ السلام بھول گئے ہیں۔ یعنی انہیں راستہ نہیں ملا۔ حالانکہ ان کا معبود تو یہیں پر تھا۔ سب کے سب بچھڑے کی عبادت میں ٹوٹ پڑے سوائے حضرت ہارون علیہ السلام اور ان کے بارہ ہزار متبعین کے۔ ہارون علیہ السلام نے انہیں بہت روکا اور کہا: اے میری قوم! تم اس گناہ میں مبتلا ہو چکے ہو۔ تمہارا رب رحمٰن ہے۔ تم میری اتباع کرو اور میرا کہا مانو۔ انہوں نے کہا: نہیں ہم تو اس کی پرستش کو نہیں چھوڑیں گے۔ جب تک موسیٰ علیہ السلام واپس نہیں آئیں گے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں: موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو تیس دنوں کا وعدہ دے کر گئے تھے پھر دس دن بعد میں بڑھا دیئے گئے۔ انہی دس دنوں میں قوم گمراہ ہوئی کیونکہ موسیٰ علیہ السلام پر تیس دن گذرے اور واپس نہ آئے تو قوم نے سمجھا کہ فوت ہو گئے۔ ادھر بچھڑے کی خوبصورتی اور سامری کی گمراہ کن باتوں سے بہک گئے اور بچھڑے کی عبادت میں منہمک ہو گئے۔ **(کذا فی تفسیر امام ابی اللیث اور فرمایا یہی طریق صحیح ہے)**

جب موسیٰ علیہ السلام واپس ہوئے تو قوم کی اس حالت کو دیکھ کر غصہ میں آ گئے اور تختیاں پھینک دیں ان میں سے چھ جز آسمان پر اٹھا لیے گئے صرف ایک جز باقی رہ گیا کہ جس میں حلال و حرام تھا اور جس کی طرف ان کی ضرورت تھی پھر بچھڑے کو آگ میں جلا دیا اور اسے ذرہ ذرہ کر کے دریا میں پھینکا گیا۔ لوگوں نے اس سے پانی

marfat.ocm

پیا، صرف بچھڑے کی محبت سے اس کا اثر ان کے ہونٹوں سے زردی کی طرح ظاہر ہوا۔ پھر پیٹ پھول گئے۔ اس کے بعد توبہ ظاہر کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اب توبہ اس طرح قبول ہو سکتی ہے کہ تم اپنے آپ کو قتل کر ڈالو۔ اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔

مسئلہ : گذشتہ حکم موسوی امت کے لئے تھا۔ ہمارے لیے ظاہری جسم کو قتل کرنے کا حکم نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے نفس امارہ کو قتل کرنے کا حکم ہے جو کہ خواہش کے بچھڑے کی پرستش کرتا ہے۔

مولانا روم قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

اے شہاں کشتیم ما خصم بروں ماند خصمے زو بتر در اندروں
کشتن ایں کار عقل و ہوش نیست شیر باطن سخرہ خرگوش نیست
نفس اژدھاست او کے مردہ است از غم و بے آلتی افسردہ است
گر بیابد آلتِ فرعون او کہ بامر ادہمی رفت آب جو
آنکہ او بنیاد فرعونی کند راہ صد موسیٰ و صد ہاروں زند [1]

عدد چالیس کے فضائل :۔

چونکہ چالیس کو درجہ کمال حاصل ہے اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چالیس روز تورات کے لئے ٹھہرایا گیا۔ اس کی فضیلت کی چند وجوہ ہیں :۔

ا۔ گنتی کے اعداد اصول حیثیت سے صرف چار ہیں۔

۲۔ احاد (یعنی ایک سے نو تک) عشرات (یعنی بیس، تیس، چالیس تا نوے) ۳۔ مآت (یعنی سو، دو سو، تین سو تا نو سو)

۴۔ الوف (یعنی ایک ہزار، دو ہزار تا نوے ہزار۔ عشر کا عدد خود کامل ہے۔ کما قال تعالیٰ: تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ

جب عشرہ کے عدد کو چار بار دہرا کیا جائے (گنتی کے اعداد کا کمال اسی میں ہے) تو چالیس ہو جاتے ہیں۔ اسی کا نام

---

[1] **ترجمہ** :۔ ا۔ اے بزرگو! ہم نے باہر دشمنوں کو تو ختم کر ڈالا لیکن اندرونی دشمن نہیں مر سکا حالانکہ اس سے بدتر ہے۔ ۲۔ اس کا مارنا عقل و ہوش کا کام نہیں شیر باطنی کو خرگوش مارے یہ کوئی مذاق ہے۔ ۳۔ نفس اژدھا ہے اسے مردہ کیسے ہو سکتا ہے اور غم و ہلچ نہ کرنے سے دور ہے۔ ۴۔ اگر اسے فرعون کی قوت مل جائے تو اس کے حکم سے امور طے ہوں گے ۵۔ وہ اس وقت فرعونت کرتا ہے اور وہ کئی سینکڑے گمراہ کرے گا۔

کمال الکمال ہے۔

۱۔ حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی کی تخمیر چالیس روز ہوئی جیسے کہ حدیث قدسی ہے:

طینت طینة آدم بیدی اربعین صباحاً۔ (میں نے آدم علیہ السلام کی مٹی کو چالیس روز تک خمیر میں رکھا)

۲۔ چالیس کے عدد میں ایسی تاثیر رکھی گئی ہے جو دوسرے اعداد میں نہیں۔ جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **ان خلق احدکم مجمع فی بطن اُمه اربعین یوماً نطفة ثم یکون علقة مثل ذالک ثم یکون مفغة مثل ذالک ۔(الحدیث)**

ترجمہ: تم سب کی تخلیق کے آغاز کا حصہ تمہاری ماؤں کے پیٹ میں نطفہ کی صورت میں چالیس روز تک جمع رہتا ہے۔ پھر وہ علقہ بنتا ہے تو وہ بھی چالیس روز میں، پھر گوشت کا لوتھڑا ہوتا ہے تو بھی چالیس روز میں اسی طرح وغیرہ وغیرہ۔

۳۔ جس کے طلسم کو کنز روحانی کا کا پتلا بنانے میں بھی چالیس روز لگتے ہیں۔

۴۔ پھر اسے صحیح کرنے میں بھی چالیس روز صرف ہوتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک ایسا دستور ہے کہ کبھی اس کے برعکس ہونے والا نہیں۔

اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً میں رات کی تخصیص کی دو وجوہ ہیں:

۱۔ رات صرف تعبد و تقرب الٰہی کے لئے مخصوص ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: **ان اقرب مایکون العبد من الرب فی جوف اللیل** (بندے کا اپنے مولیٰ سے قرب کا بہترین وقت آدھی رات ہے)

دوسرے حدیث شریف میں ہے: **ینزل اللہ کل لیلة الی السماء الدنیا (الحدیث)**

(اللہ تعالیٰ کی (رحمت خاص) کا ہر شب آسمانِ دنیا میں نزول ہوتا ہے) اسی معنیٰ کو لے کر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ (الآیة) (اور رات کو تہجد پڑھیے اور آپ کے لئے زائد ہے) اور فرمایا: سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (الآیة) (پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے عبد مقدس کو راتوں رات مسجد حرام سے سیر کرائی)

۲۔ اگر لَیْلَةً کی بجائے دن کا ذکر کیا جاتا تو وہم پیدا ہوتا کہ شاید عبادت صرف دن کو کی جائے اور رات محض استراحت کے لیے ہے۔ **کما قال تعالیٰ**: هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا (وہ اللہ تعالیٰ جس نے تمہارے لیے رات بنائی تاکہ تم اس میں سکون کرو اور دن کو بنایا تاکہ تم اس سے دیکھو)

جب رات کا نام لیا گیا تو موسیٰ علیہ السلام کو یقین ہو گیا کہ جس طرح عبادت دن کو کی جاتی ہے اسی طرح رات کو بھی کی جائے۔ (کذا فی تاویلاتِ النجمیہ)

مسئلہ : شیخ شہیر با فتادہ آفندی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس روز کو عبادت کے لئے متعین نہیں فرمایا بلکہ آپ نے رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف اختیار فرمایا۔ ہاں، ہاں موسیٰ علیہ السلام کے عمل کا بھی اس سے ثبوت ملتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ (اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو تیس راتوں کا وعدہ دیا اور ہم نے اسے دس راتوں کو مکمل کیا) جو حضرات خلوت میں بیٹھ کر عبادت کرتے ہیں وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔

(کذا فی واقعات الشیخ الہدائی قدس سرہٗ اللہ نفسہ الزاکیہ)

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ شکر تین وجوہ سے کیا جاتا ہے:

۱۔ اقوال سے ۲۔ اعمال سے ۳۔ احوال سے

اقوال سے تو اس طرح کہ نعمت کا بیان یوں کیا جائے کہ نفس کو اس نعمت کا اقرار ہو اور لوگوں کے سامنے اظہار ہو اور اپنے مالک کے سامنے اپنی عاجزی کا اعتراف ہو۔ کما قال تعالیٰ : وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: التحدث بالنعم شکر (یعنی نعمت کو بیان کرنا بھی شکر ہے) اور اعمال سے شکر کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو اس کی اطاعت میں صرف کیا جائے اور بے فرمانی سے بچے اور جو طاعات اس سے رہ گئیں ان کے تدارک میں کوشش کی جائے اور گناہوں سے کنارہ کشی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا (اے آل داؤد شکر کا کام کرو) احوال سے شکر کا طریقہ یہ ہے کہ صفت شکوریہ سے اپنے نفس کو معمور کرے۔ ہر نعمت میں اپنے منعم کے سوا کسی دوسرے کا تصور نہ کرے اور شکر میں صرف شکور کا خیال ہو۔ نعمتوں میں منعم کو دیکھے اور نعمت کو منعم سے سمجھے اور اسی طرح شکور کو شکر میں دیکھے اور شکر کو شکور سے۔ اس اعتبار سے منعم کا تصور اور شکر کو دو نعمتیں خیال کرے یہ نعمت بھی میرے منعم سے مجھے ملی۔ جس سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ وجودِ نعمت منعم کے جمال کا آئینہ ہے اور نعمت کا شکر شکور کے جمال کے آئینہ ہے پھر منعم اور نعمت کا دیکھنا دیگر نعمت ہو جائے گی۔ الی غیر نہایہ اس سے معلوم ہوا کہ اس کے شکر کی ادائیگی نہیں ہو سکتی اور اس کا شکر

marfat.ocm

شکور کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ (اور جو نیکی کا کام کرتا ہے ہم اس کو نیکی میں بڑھاتے ہیں بیشک اللہ تعالیٰ غفور و شکور ہے)

تفسیر عالمانہ

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ یہ پانچواں انعام ہے یعنی جب کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی اس قوم کو جو بچھڑے کی پجاری تھی سے فرمایا کہ تم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔ يٰقَوْمِ کی اضافت شفقت کے لئے ہے۔ جانوں پر ظلم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے عذاب کو واجب کر کے ضرر پہنچایا اور اس ثواب کو جو موسیٰ علیہ السلام کی خدمت گذاری سے نصیب ہوتا تھا اسے کم دیا۔ بِاتِّخَاذِكُمُ بچھڑے کو معبود بنا کر۔ اس کے بعد انہوں نے عرض کی: اب ہم کیا کریں؟ تو فرمایا: فَتُوْبُوْٓا یعنی توبہ کا پختہ ارادہ کرلو۔ فاء سببیت کی ہے کیونکہ ظلم توبہ کا سبب تھا۔ اِلٰى بَارِئِكُمْ یعنی جس نے تمہیں پیدا کیا جو تمام عیوب و نقائص اور تفاوت سے بری ہے اور تمہارے بعض کو بعض سے مختلف ہیئات اور شکلوں میں ممیز کیا اور لفظ بـاری'' اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ یہ لوگ جہالت اور عبادت کی انتہا کو پہنچ چکے ہیں کہ اس علیم و حکیم کی عبادت کو چھوڑ بیٹھے کہ جس نے انہیں پیدا کیا۔ اپنی لطیف حکمت سے جو تمام تفاوت و تنافر سے بری ہے اور اس بچھڑے کی عبادت میں مصروف ہوئے جو عبادت میں مشہور ہے اور جو شخص اپنے منعم حقیقی کے حقوق کو پہچانے تو اس کا مستحق ہے کہ اس سے نعمتیں چھینی جائیں۔ اسی لیے وہ خود آپ کو قتل کرنے اور ترکیب انسانی کو توڑنے پر مامور ہوئے پھر انہوں نے عرض کی: ہم کیسے توبہ کریں ہو جواب میں فرمایا: فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ یعنی تمہارا بے گناہ تمہارے مجرم کو قتل کریں اور اَنْفُسَكُمْ اس لیے فرمایا کہ مومن آپس میں بھائی ہوتے ہیں اور بھائی گویا دوسرے بھائی کی جان ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ یعنی اپنے بھائی مسلمان کے شکوے مت کرو۔

(کذا فی التیسیر)

تفسیر ابی اللیث میں ہے کہ فاء تعقیب کی ہے اور ان کی توبہ کا نام نفس کا قتل ہے یعنی توبہ کا پختہ ارادہ کر کے اپنے نفسوں کو قتل کرو۔

(کذا فی الکشاف)

تفسیر کبیر میں ہے کہ توبہ کی تفسیر قتل نفس نہیں بلکہ قتل نفس اس توبہ کا بیان ہے۔ گویا فرمایا کہ تمہاری توبہ نہیں مکمل ہو سکتی جب تک کہ تم اپنے نفسوں کو قتل نہ کرو۔ وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ

مرتد کی توبہ کی تکمیل قتل میں ہے۔

ذٰلِكُمْ تمہاری توبہ اور قتل خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ اللہ تعالیٰ کے دربار میں زیادہ نافع ہے تمہارے اس فعل سے رک جانے سے جو سراسر عذاب ہے اور قتل شرک کے لئے طہارت اور دائمی زندگی اور سرمدی رونق کا وسیلہ ہے۔ فَتَابَ عَلَيْكُمْ یہ خطاب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے یعنی تم جس کے مامور ہوئے اسے بجالاؤ۔ پس اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی اور تم سے درگذر فرمایا۔

سوال: فتاب علیهم کیوں نہ فرمایا تاکہ ضمیر قوم کی طرف لوٹائی جاتی؟

جواب: چونکہ یہ نعمت کی تذکیر ہو رہی ہے اور یہ زیادہ مناسب مخاطبین کے لئے ہے نہ کہ گذشتہ لوگوں کے لئے

سوال: اللہ تعالیٰ نے تو انہیں قتل کرنے کا حکم دیا اور قتل کرنا نعمت نہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت بڑے گناہ پر متنبہ اور اس پر آگاہ فرمایا کہ اس بڑی مصیبت سے یوں چھوٹ سکتے ہو اور یہ بھی دینی نعمتوں سے ایک نعمت ہے۔

اِنَّهٗ وہ اللہ تعالیٰ: هُوَ التَّوَّابُ بندوں کی توبہ کی بکثرت توفیق دینے والا اور ان کی توبہ کو بہت قبول کرنے والا ہے الرَّحِيْمُ مطیعین کے لئے **کثیر الرحمة** ہے یہاں پر ان کے قتل کو ان کے گناہوں کا کفارہ مقرر فرمایا۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

فرو ماندگان را برحمت قریب　　　تضرع کنان را بدعوت مجیب

ترجمہ: عاجزوں کو رحمت سے قریب ہے عاجزوں کی دعا کو قبول کرنے والا ہے۔

بنی اسرائیل کی توبہ کا واقعہ:۔ مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کے قتل کا حکم فرمایا تو وہ جنگل میں نہایت عاجزی و انکساری سے بیٹھ گئے اور انہیں کہا کہ جو بھی اپنے قاتل کی طرف ہاتھ بڑھائے گا یا اسے دیکھے گا یا اپنے ہاتھ یا پاؤں سے اسے ہٹانا چاہے گا وہ ملعون اور مردود التوبہ ہوگا۔ پھر وہ اپنی گردنوں کو اوپر اٹھاتے تاکہ آسانی سے مارنے والے گردن اڑائیں لیکن مارنے والے کے سامنے کسی کا بیٹا ہوتا کسی کا باپ کسی کا بھائی۔ کسی کا دوست تو مارنے سے ہاتھ رک جاتے اور موسیٰ علیہ السلام کو عرض کی: اب کیا کیا جائے اس پر اللہ تعالیٰ نے سیاہ بادل بھیجا تاکہ ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکیں۔ چنانچہ شام تک اسی طرح قتل کرتے رہے

marfat.ocm

جب کشت وخون بکثرت ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام نے رب سے دعا مانگی اور رونے لگے زاری سے کہا: یا اللہ! بنی اسرائیل بہت مارے گئے اب انہیں کچھ تو باقی رکھ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بادل ہٹالیا اور توبہ قبول فرمائی اور انہیں قتل کرنے سے روکا گیا۔ اس وقت ستر ہزار افراد قتل ہو چکے تھے۔ جو مر گئے وہ شہید کے حکم میں اور جو بچ گئے ان کے گناہ معاف کردیئے گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ قاتل ومقتول دونوں بہشت میں داخل کیے جائیں گے یہ اس روایت کے مطابق ہے جس میں ہے کہ مجرم کو مجرم قتل کرے۔ اب فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ کا یہ معنیٰ ہوا کہ مجرم ایک دوسرے کو قتل کریں ورنہ گذشتہ روایت کے مطابق قاتل سے مراد وہ مرد ہے جو بے گناہ تھا۔

سابقہ امتوں کے مسائل:۔

مسئلہ : اپنے نفسوں کو قتل کرنا وہ سخت امر ہے جو انہیں اس پر عمل کرنا لازم تھا۔ اسے اغلال سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

مسئلہ : جس عضو سے خطا ہو جاتی اسے کاٹنا ضروری تھا۔

مسئلہ : نماز سوائے مسجد کے اور جگہ جائز نہ تھی۔

مسئلہ : پانی کے بغیر ان کی طہارت نہیں ہوسکتی تھی۔

مسئلہ : روزے دار کو شام کے افطار کے بعد اگر نیند آجائے پھر طعام کھانا حرام تھا۔

مسئلہ : گناہوں کی وجہ سے بہت پاک چیزیں ان پر حرام ہوگئیں۔ اسی وجہ سے من وسلویٰ کی بندش ہوئی۔

مسئلہ : زکوٰۃ تمام مال سے چوتھائی حصہ دینا لازم تھی۔

مسئلہ : جو گناہ ان سے رات کے وقت سرزد ہوتا تو صبح کے وقت ان کے دروازوں پر لکھ دیا جاتا۔

مسئلہ : مروی ہے کہ بنی اسرائیل جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اون کا موٹا لباس پہنتے اور اپنے ہاتھوں کو گردنوں سے باندھ دیتے۔

مسئلہ : یوں بھی ہوتا کہ کھوپڑی میں سوراخ نکال کر لوہے کی زنجیر اس پر رکھ کر ستون سے باندھ دیتے اور اس حالت میں عبادت ادا کرتے۔

ان سب امور کو اَصْر "یعنی اعمال شاق" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

marfat.ocm

ف : یہ تمام امور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے ہم سے اٹھا لیے گئے۔

توبہ کے مراتب:۔ توبہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے جو خداوند قدوس نے صرف امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عنایت فرمائی ورنہ اگلی امتیں اس طرح کی توبہ سے محروم رہیں۔ اس کے چار مراتب ہیں:۔

۱۔ پہلے مرتبہ کا نام توبہ ہے اور سالک کی یہ پہلی منزل ہے اور یہ نفس امارہ کے لئے مقرر کی گئی ہے اور یہ ہے بھی عوام کے لئے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ تمام برائیوں سے رک کر ماموراتِ الٰہی بجالانے پر مستعد ہو جائے اور فوت شدہ نماز وغیرہ کو ادا کرے اور جن کے حقوق دینے ہیں انہیں واپس لوٹائے جن لوگوں کو ناراض کیا ہے انہیں راضی کرے اور گذشتہ بُرے اعمال پر افسوس کا اظہار کرے اور پختہ ارادہ کرے کہ آئندہ کسی برائی کے نزدیک نہ جائے گا۔

۲۔ توبہ کے دوسرے مرتبہ کا نام "اِنَـــابَة" ہے (یعنی رجوع الی اللہ) یہ نفسِ امارہ کے لئے ہے اور ہے بھی خواص مومنین اولیاء اللہ کے لئے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو اور دنیا سے روگردانی اور اس کے اسباب سے بالکل دوری اور عاداتِ سنجیدہ کا اختیار اور نفس کو بری عادات سے باز رکھ کر اس کا تزکیہ اور اس کی خواہشات کی مخالفت اور اس کے ساتھ جہاد کرنے پر مداومت کرنا کیونکہ نفس جب رجوع الی اللہ کا خوگر ہو جاتا ہے تو قلب کے حکم میں اور اس کے اوصاف سے موصوف ہو جاتا ہے۔ کیونکہ رجوع الی اللہ قلب کی صفت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ الخ

۳۔ تیسرے مرتبہ کا نام "رَوْبَة" (رغبت الی اللہ ہے) اور یہ مرتبہ خواص الیاء کا ہے اور رغبت الی اللہ شوق لقائے الٰہی کی علامات سے ہے جب نفس رغبت الی اللہ سے تکمیل پاتا ہے تو وہ روح کا مقام حاصل کر لیتا ہے اور راغب الی اللہ مشتاق لقائے الٰہی کی علامات سے ایک علامت یہ ہے کہ وہ اپنی طبعی عادت کو تنہائی کا عادی کرے اور بظاہر نشست و برخاست دوستوں سے رکھے بخلوق سے دور رہے اور حق سے انس پیدا کرے اور نفس سے کونین کے تعلقات قطع کرنے کے لئے سخت جہاد کرے۔

۴۔ چوتھا مرتبہ یہ نفس مطمئنہ کو نصیب ہوتا ہے اور یہ مقام بھی سادات حضرات انبیاء علیہم السلام اور اخص الخواص اولیاء کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ یہ ایک جذبہ عنایت ربانیہ ہے جو انبیاء

marfat.ocm

علیہم السلام اور اخص اولیاء کے نفوس قدسیہ کا انانیت سے کھینچ کر ھُوِیَتِ حق کی جانب پہنچاتی ہے یعنی ان کے نفوس طاعتِ الٰہی میں لقائے ربانی کے لئے مطیع رہتے ہیں پھران کو اسیر الی اللہ کی راہ میں چلنے کا موقع ملتا ہے۔ گویا اپنے نفوسِ قدسیہ کو مشاہدہ لقائے ربانی میں مٹا کر دُوئی کا تصور ختم کر کے دائمی لقا حاصل کر لیتے ہیں۔

حکایت: جب حضرت حلاج علیہ الرحمہ کو قتل گاہ میں لایا گیا تو پہلے ان کا دایاں ہاتھ کاٹا گیا تو آپ ہنس پڑے۔ پھر دوسرے ہاتھ کو کاٹا گیا تو بہت ہنسے اور خیال کیا کہ شاید خون سے منہ میں تغیر نہ آئے تو اپنے منہ کو جہاں سے خون بہہ رہا تھا اس کے آگے کر دیا جس سے اس کا رخ مبارک خون آلود ہو رہا تھا اور آپ اشعار ذیل پڑھ رہے تھے۔

اَللّٰهُ يُعَلِّمُ اَنَّ الرُّوْحَ قَدْ تَلَفَتْ   شَوْقاً اِلَيْکَ وَلٰکِنِّیْ اُمَنِّيْهَا
وَنَظْرُکَ يَا سَوُّ نِیْ وَيَا اَمَلِیْ   اَشْی اِلَیَّ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا
يَا قَوْمِ اِنِّیْ غَرِيْبٌ" فِیْ دِيَارِکُمْ   سَلَّمْتُ رُوْحِیْ اِلَيْکُمْ فَاحْکُمُوْا فِيْهَا
مَا اُسَلِّمُ النَّفْسَ لِلْاِسْلَامِ تَتْلَفُهَا   اِلَّا لِعِلْمِیْ بِاَنَّ الْوَصْلَ يُحْيِيْهَا
نَفْسُ الْمُحِبِّ عَلَی الْاٰلَامِ صَابِرَةٌ"   لَعَلَّ مُسْقِمُهَا يَوْماً اَرْمَلِيْهَا

ترجمہ ۱۔ اے اللہ! تجھے معلوم ہے کہ میں اپنی روح کو تیرے شوق میں خرچ کر رہا ہوں اور میری آرزو بھی یہی ہے۔ ۲۔ اے میرے محبوب! اور میری تمنا تیری ہی نظر میرے لیے دنیا اور مافیہا سے زیادہ پیاری ہے۔ ۳۔ اے قوم! میں تمہارے دیار میں اجنبی ہوں اور میں نے اپنی روح تمہیں دیدی اب تمہاری مرضی جس طرح چاہو کرو۔ ۴۔ میں اپنے نفس کو ان بیماریوں سے دور رکھنا چاہتا ہوں جو اسے مٹا رہی ہیں کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ وصال کے بعد میرا نفس ہمیشہ کے لئے زندہ ہو جائے گا۔ ۵۔ عاشق دکھ اور درد سے صبر کرتا ہے امید پر کہ جس نے زخمی کیا وہ کبھی تو مرہم بھی لگائے گا۔

اس کے بعد حضرت حلاج نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا: اے میرے آقا! میں تیرے بندوں میں ایک اجنبی ہوں اور تیرا ذکر مجھ سے غریب ہے اور غریب کو غریب سے محبت ہوتی ہے۔ اسی حال میں ایک مرد نے ان سے پوچھا: یَا شَیْخُ مَا الْعِشْقُ عشق کسے کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اس کے ظاہر کو تم دیکھ رہے ہو لیکن

اس کا باطن مخلوق سے نہایت ہی مخفی راز ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ ہر قوم کا ایک بچھڑا ہوتا ہے جو اس کی پرستش کرتے ہیں اور وہ دراہم وہ ہیں کہ جن کی پرستش میں ہر وقت لگے رہتے ہیں اور دوسری ایک قوم ہے جو شہوات کے بچھڑے کی پرستش کرتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو جاہ و جلال کے بچھڑے کی پرستش میں سرمست ہیں یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں مبغوض ترین ہیں پھر اللہ تعالیٰ ہر سعید کے موسیٰ (قلب) پر الہام کرتا ہے اور فرماتا ہے: یٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ اے قوم! ماسوائے دور رہ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو اور یہ سوائے نفس کو مارنے کے بغیر حاصل نہیں ہو سکے گا۔ کیونکہ شہوات نفس کی حیات ہے۔ انہی شہوات کی وجہ سے فرعون ربوبیت کا مدعی ہوا اور بنی اسرائیل بھی شہوات کی وجہ سے بچھڑے کے پجاری بنے اور شہوات سے ہی شیطان نے سجدہ سے انکار کیا اور متکبر بنایا یہ معنیٰ ہے کہ نفس کو منہیات سے دور رکھ کر اسے قتل کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے قتل کرو۔ کیونکہ نفس کو ظاہری قتل کرنا مومن اور کافر کے لئے آسان ہے لیکن باطن میں بڑا مشکل امر ہے صرف خواص اولیاء کے لئے سہل ہے جو صدق کی تلوار لے کر نفس کو اللہ تعالیٰ کی مدد سے قتل کرتے ہیں اسی لیے صدیقین کا مرتبہ شہداء سے بلند ہے۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ سے واپس لوٹتے تو فرماتے: رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ (ہم جہاد اصغر سے فارغ ہو کر اب جہاد اکبر کی طرف جا رہے ہیں) اس کی وجہ یہ ہے کہ مجاہد جب کافر کی تلوار سے مارا جاتا ہے تو وہ دکھ سے صرف ایک بار راحت پاتا ہے۔ لیکن جب صدق کی تلوار سے مارا جائے تو وہ دن میں ہزار بار نفس کو زندہ کرتا ہے اور ہر بار اسے نئی بصیرت نصیب ہوتی ہے اور نفس کے مکر میں ہر بار اضافہ ہوتا ہے۔ اسی لیے مجاہد اس جہاد سے آنکھ جھپکنے کی دیر بھی راحت نہیں پا سکتا اور نہ ہی اس کے مکر سے اسے اطمینان ہوتا ہے۔ اصل صورت یہ ہے کہ نفس تدبیر حق کی ایک صورت ہے اور اللہ تعالیٰ کی تدبیر خفی سے صرف خاسرین ہی مطمئن رہتے ہیں۔ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ یعنی نفس کو صدق کی تلوار سے قتل کرنا تمہارے لیے بہتر ہے کیونکہ ہر ایک قتل کے وقت مالک کے ہاں تمہارے لیے رفع درجات ہوتے ہیں کیونکہ نفس کو قتل کرنے اور شہوات کے دور کرنے سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور قرب توبہ کی توفیق سے نصیب ہوتا ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جیسے

marfat.ocm

حدیث قدسی میں ہے: مَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبرًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ ذِرَاعًا ۔ جو بندہ میرے ہاں ایک بالشت نزدیک ہوتا ہے میں اس کے ایک گز قریب ہو جاتا ہوں ۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۚ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ

مثنوی شریف میں ہے:۔

ثمر اگر بگذشت بیخش ایں دم است　　آب تر بش دہ اگر او بے نم است
بیخ عمرت را بدہ آب حیات　　تا درختِ عمر گردد با نبات [1]

تفسیر عالمانہ

وَاِذْ قُلْتُمْ یہ چھٹا انعام ہے یعنی یاد کرو ۔ اے بنی اسرائیل! اپنے اسلاف کے ان ستر افراد کے قول کو کہ جب موسیٰ علیہ السلام انہیں کوہ طور پر گوسالہ پرستی کے عذر پیش کرنے کے لئے لے گئے تھے لیکن یہ ستر افراد ان ستر افراد کے غیر ہیں۔ جن کو فرعون کے غرق ہونے کے بعد تورات لینے کے لئے کوہ طور پر پہلی بار لے گئے تھے ۔ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ ہم تیرے اس قول کی تصدیق نہیں کریں گے یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور میں نے اس کا کلام سنا ہے اور تیرا یہ کہنا کہ ہمیں اس کتاب کے قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حَتّٰی نَرَی اللّٰهَ یہاں تک کہ اسے ایسا ظاہر دیکھ لیں کہ اس کے اور ہمارے مابین کوئی چیز حائل نہ ہو۔

ف: جہر مسموعات میں ہوتا ہے جس طرح معائنہ مبصرات میں ہوتا ہے۔

ف: اس کا نصب علی المصدریہ ہے۔ کیونکہ یہ بھی رؤیت ہے کی ایک قسم سے ہے گویا کہ فعل ناصب کا مصدر ہے یا فاعل سے حال ہے۔ ای حتی نری اللہ مجاھراً (بفتح الھاء)

فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ ، الصّٰعِقَةُ اس جلانے والی آگ کو کہتے ہیں کہ جس میں آواز ہو اور وہ آسمان سے نازل ہو اور دراصل ہر اس امر کو کہتے ہیں جو ڈرانے والا مار دینے والا یا عقل و فہم کو زائل کرنے والا ہو۔ اس میں آواز بھی ہوتی ہے اور آگ بھی وغیرہ وغیرہ۔

فائدہ: انہیں صاعقہ نے اس لیے جلایا کہ انہوں نے وہ سوال کیا جو کہ دنیا میں محال ہے یا اس لیے کہ ان کی سرکشی اور ضد حد سے بڑھ گئی۔

---

[1] **ترجمہ:** ۔ ۱۔ ثمر گیا جڑ تو باقی ہے اسے تر پانی سے تروتازہ کر کہ نمی سے خالی نہیں ہے۔ ۲۔ اپنی زندگی کی جڑ کو آب حیات دے تاکہ تیرے ثمر کا درخت پھل دے سکے۔

marfat.ocm

عقیدہ: رؤیت مقدسہ بحیثیت کیفیت کے مومنین کو نصیب ہوتی لیکن آخرت میں بعض انبیاء کو دنیا میں باعتبار بعض احوال کے دنیا میں حاصل ہوئی۔ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ تم اس صاعقہ کو آسمان سے نازل ہوئے دیکھ رہے تھے اگر وہ نار تھی تو پھر تمام نے دیکھا اگر وہ آواز تھی تو پھر جو مر گئے ان کے بقایا نے سنی دیکھی جو مر گئے۔ اسے مجازاً رؤیۃ الموت سے موسوم کرتے ہیں۔

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ پھر ہم نے تمہیں زندہ کیا۔ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ اس صاعقہ سے سبب تمہاری موت کے بعد۔

سوال: بعث کو مِّنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ سے کیوں مقدم کیا گیا حالانکہ بعث بھی موت کے بعد اٹھنے کا نام ہے؟

جواب: کبھی بعث کا اطلاق اغماء اور نیند پر بھی ہوتا ہے اس لیے وہم پیدا ہوتا ہے کہ یہاں بھی یہی معنی ہے۔ اس وہم کے زائل کرنے پر من بعد موتکم اضافہ کیا گیا۔

ف: حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: انہیں زندہ اس لیے فرمایا تا کہ وہ اپنی بقایا زندگی اور رزق پورا کر لیں کیونکہ ان کی یہ موت وقت سے پہلے تھی اور ان کے حق میں یہ موت ایسے تھی جیسے دوسروں کے لئے سکتہ طاری ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ اپنی میعاد پر مرتے تو پھر قیامت تک نہ اٹھتے۔

سوال: موت کے بعد مکلف بنانا اگر جائز ہے تو پھر آخرت میں بعد از موت کیوں نہیں مکلف بنایا جاتا؟

جواب: ان کے مکلف بننے سے مرنے کے بعد زندہ ہونے سے مانع ہے کہ انہیں قیامت کے دن بہشت کی لذتوں اور دوزخ کی تکالیف کی معرفت پر مجبور کیا گیا۔ علم بدیہی کے بعد تکلیف ہٹ جاتی ہے اور ان کو علم بدیہی حاصل نہ تھا اور نہ ہی معرفت۔ قیامت بہشت کی نعمتوں اور دوزخ کی تکالیف کی معرفت پر ان کو مجبور کیا گیا۔ بلکہ موت کے بعد زندہ ہونا بمنزلہ نوم و اغماء کے تھا اب ان کو مکلف بنانے میں کسی قسم کا اشکال نہیں۔

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ تا کہ تم اس کی نعمتوں کا اظہار اور اس کی توحید بیان کر کے اور فرمانبردار ہو کر صاعقہ سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دیکھ کر ایمان کی نعمت کا شکریہ ادا کرو بعد اس کے کہ تم حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً کہہ کر کافر ہو چکے تھے۔ کیونکہ نعمت کی زیادتی کی طلب میں نعمت کا ترک کفرانِ نعمت ہے۔ یعنی تم ایمان کی نعمت کا شکریہ ادا کرو۔ پس اس معجزہ کے ظہور کے بعد کسی اور شئے کی طلب ہرگز ہرگز نہ کرنا۔

بنی اسرائیل پر صاعقہ کا وقوع: ۔ جب موسیٰ علیہ السلام طور سے واپس قوم کے ہاں پہنچے تو ان کی قوم

حالت کو دیکھ کر اپنے بھائی اور سامری سے جو گفتگو فرمائی وہ مشہور ہے۔ پھر بچھڑے کو جلا کر اس کی راکھ دریا میں ڈال دی۔ اب قوم نے نادم ہو کر موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی: اگر ہمارے رب نے ہمارے گناہ نہ بخشے تو ہم خاسرین سے ہوں گے۔ آپ ہمارے لیے سفارش فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: آپ ان کو لے کر ان کی کوتاہی کی معافی چاہیں۔ چنانچہ آپ نے ان میں سے برگزیدہ ستر افراد کو چن لیا۔ جب کوہ طور کے قریب پہنچے تو انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے لیکن ہوا یوں کہ ہم اس کا کلام بلا واسطہ سن لیں۔ موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور کے قریب گئے تو آپ کو ایک بادل نے گھیر لیا آپ خود اس میں داخل تھے اور قوم کو بھی فرمایا کہ تم بھی اس میں داخل ہو جاؤ۔ چنانچہ وہ بھی داخل ہوئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا۔ جس میں امر و نہی تھی۔ جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام فرمایا تو موسیٰ علیہ السلام کی پیشانی سے ایک نور چمکا کہ جس کو وہ ستر آدمی دیکھ نہ سکتے تھے۔ جب انہیں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلامِ الٰہی کے سننے کا شرف حاصل ہوا اور اوامر و نواہی کے فرامینِ مقدسہ سنے تو دیدار الٰہی میں طمع ظاہر کر بیٹھے۔ اس پر انہیں صاعقہ نے گھیرا تو بیہوش ہو کر گر پڑے اور ایک دن اور ایک رات مرے رہے۔ اب موسیٰ علیہ السلام روئے اور اللہ تعالیٰ کے دربار اقدس میں گڑگڑاتے ہوئے آسمان کی طرف ہاتھ پھیلا کر عرض کرتے ہیں کہ الٰہی میں نے بنی اسرائیل کے برگزیدہ ستر آدمی چنے تاکہ ان کی توبہ قبول ہونے پر وہ میرے گواہ بنیں۔ اب میں ان کے پاس جا کر کیا جواب دوں گا؟ تو نے انہیں ہلاک کر دیا۔ اگر انہیں بچھڑے والوں کے ساتھ ہلاک کر دیتا تو اچھا ہوتا۔ کیا تو مجھے قوم کے ذریعہ ہلاک کرنا چاہتا ہے۔ ان کی عجز و زاری سے اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ فرمایا۔ ان کے ارواح واپس لوٹائے۔ اب توبہ کی قبولیت اس شرط میں مشروط ہوئی کہ وہ لوگ اپنے آپ کو قتل کریں۔

سوال: موسیٰ علیہ السلام نے بھی تو دیدار کا سوال کیا تھا۔ لیکن ان پر موت طاری نہ ہوئی کیونکہ ان پر جو بیہوشی طاری ہوئی وہ موت نہیں تھی بلکہ غشی تھی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَلَمَّآ اَفَاقَ لیکن قوم کا کونسا جرم تھا کہ جب اپنی توبہ قبول کرانے جا رہے ہیں اور اس میں دیدار کا سوال کر بیٹھے جس پر ان بے چاروں کو موت کا تیر کھانا پڑا۔

جواب: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سوال محض اشتیاق اور عاجزی کے اظہار کی بناء پر تھا اور قوم کا سوال

تکذیب اور گستاخی پر مبنی تھا۔ ان کا سوال استرشادی نہ تھا۔ بلکہ عنادی تھا کیونکہ ان کا خیال یہ تھا کہ شاید باری تعالیٰ کسی جسم میں متشکل ہے اس ظن کے مطابق اس کے دیدار کو جسم کی شکل میں تصور کر کے دیدار کا شوق کر بیٹھے اور یہ بات محال تھی۔

مسئلہ : آیت سے نفی رویت کا ثبوت نہیں ملتا۔ بلکہ اس میں الٹا رویت کے امکان کو ثبوت مل رہا ہے۔ کیونکہ ان ستر افراد نے دیدار کی تمنا ظاہر کی تو انہیں اس سے روکا نہ گیا۔ اسی طرح خود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رویت کی التجا کی تھی۔ ان کو بھی منع نہیں کیا گیا۔ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَکَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ رویت کو استقرار مکان پر معلق کر کے ثبوت دیا جا رہا ہے کہ رویت از قبیل ممکنات ہے۔

دنیا میں دیدار الٰہی کے امتناع کے وجوہ:۔

۱۔ دنیا دار الاعداد ہے اسی لیے اسے جنت الکافر سے تعبیر کیا گیا ہے اور اغیار میں محبوب کا جلوہ نہیں دکھایا جاتا۔

۲۔ اگر مومن کو دیدار نصیب ہو جائے تو کافر کہیں گے کہ ہم بھی اگر اسے دیکھ لیں تو اس کی عبادت کریں گے۔ اب سلسلہ مساوی ہو تو پھر ان دونوں میں کیا فرق رہے گا۔

۳۔ جو مزا (غیب) انتظار میں ہے وہ (عین) دیدار میں نہیں۔

۴۔ دنیا محل معشیت ہے اگر اس کا دیدار نصیب ہو جائے تو پھر معاش اور بود و باش کے سلسلہ میں خلل پڑ جائے گا

۵۔ اس زیارت کو قلب سے متعلق کیا گیا تا کہ ملائکہ کو مومنین کے قلب کی صفائی کا اندازہ ہو۔

۶۔ اس کی شان کی رفعت مطلوب ہے۔ کیونکہ جس امر سے روکا جائے تو اس کے حصول میں طبیعت کا اشتیاق زوروں پر ہوتا ہے۔

۷۔ اس دیدار کی ممانعت سے بھی بندوں پر رحم کرنا مقصود ہے۔ کیونکہ دنیا میں بندوں کی فطرت کو غیرت سے مزین کیا گیا ہے اگر دیدار الٰہی ان کے علاوہ کسی دوسرے کو نصیب ہو جائے تو ان کے دل پھٹ جاتے ہیں جیسے پہاڑ سے ان کی کیفیت ہوئی کہ اسے دیدار الٰہی کے جلوے تو نصیب تھے ہی لیکن جب موسیٰ علیہ السلام نے بھی شرکت چاہی تو پہاڑ غیرت سے پاش پاش ہو گیا۔

ف: دیدار کا مطالبہ کر کے پھر اس کے دیکھنے سے غفلت کر جانا بڑی بے ادبی اور ترک تعظیم تھی اور یہ بعیدی اور

marfat.ocm

شقاوتِ قلبی کی علامات سے ہے اس کے بعد عدل کی بناء پر جلالِ الٰہی نے ان کو صاعقہ سے گرفت کر کے ان پر نعمتوں سے نوازا۔ کمال قال تعالیٰ: ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ

اس میں بھی اپنے فضل کا اظہار فرمایا سعادت اور قرب کی ایک علامت و دلالت یہ ہے کہ بندہ اپنے مولیٰ کے جلووں کے مکاشفے حاصل کرتا جائے اور ساتھ اس کے الطاف کریمانہ کا ملتجی رہے۔

ف: جس کے حال کی اصلاح باری تعالیٰ فرماتا ہے اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ لسانِ جہل کو بند کر کے رحمت کے دروازے پر سوالی بن کر سوال و جواب میں ادب کو ملحوظ رکھتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے:

پیش شاہاں میکنی ترک ادب نار شہوات را ازاں کشی حطب
چوں نداری فطنت و نور ہدی بہر کوراں روئے را میزن جلا

ترجمہ: ۱۔ بادشاہوں کے سامنے ترک ادب کرتا ہے وہ یہ نار شہوت کی لکڑیاں جمع کر رہا ہے۔ ۲۔ جب تیرے ہاں سمجھداری اور نور ہدایت نہیں تمہیں اندھوں کے لئے کوئی روشنی تیار کرنی چاہیے۔

نفس امارہ کو قتل کرنا ضروری ہے۔ اسے قتل کر کے عالم حقیقت میں جو چاہے حکم دے۔ امام قشیری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: توبہ میں نفوس کو قتل کرنے کا حکم اس امت کے لئے منسوخ نہیں ہوا صرف فرق یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو نفوس کا قتل کرنا ظاہری طور پر تھا اور ہم اپنے نفوس کو قتل کرنے میں اپنے تک محدود رکھتے ہوئے باطنی طور پر یہ حکم بجالائیں۔ اس سے صرف اللہ تعالیٰ تک پہنچنا اور نفس کا خرابیوں سے نکلنا مقصود ہو۔ بعض کا یہ گمان ہے کہ توبہ میں بنی اسرائیل کے لئے نفوس کا قتل کرنا سخت امر تھا۔ یہ غلط ہے بلکہ ہمارے لیے یہ حکم سخت ہے۔ کیونکہ وہ تو ایک بار قتل ہو کر جان چھڑا گئے لیکن خواص اولیاء کے لئے ہر آن اپنے نفوس کو قتل کرنے کا حکم ہے جیسا کہ کسی نے کہا ہے:

لَیْسَ مَنْ مَاتَ فَاسْتَرَاحَ بِمَیِّتٍ اِنَّ الْمَیِّتَ مَیِّتُ الْاَحْیَاءِ

ترجمہ: یعنی جو مر گیا اسے میت مت کہو وہ تو مر کر جان چھڑا گیا بلکہ موت اس کے لئے ہے جو زندہ ہو کر ہر موت کا مزا چکھتا ہے

مثنوی شریف میں ہے:

قوت از حق خواہم و توفیق ولاف تا بسوزن بر کنم ایں کوہ قاف

ترجمہ: میں اللہ تعالیٰ سے ہی قوت و توفیق و مدد چاہتا ہوں۔ تا کہ سوئی سے کوہ قاف کو ٹکڑے ٹکڑے کر سکوں۔

تفسیر عالمانہ

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ یہ ساتواں انعام ہے۔ یعنی اے بنی اسرائیل! ہم نے تم پر بادل کو سایہ بنایا۔ واقعہ یوں ہے کہ جب بنی اسرائیل مصر سے نکلے اور دریا عبور کر کے آگے جنگل میں (جو کہ مصر و شام کے درمیان ہے) جا پڑے اس میں کوئی مکان وغیرہ نہ تھا اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ جبارین کے شہر میں داخل ہو کر ان سے لڑو۔ اس حکم کو قبول کرتے ہوئے جب شہر کے قریب پہنچے تو سنا کہ وہاں کے لوگ بڑے سرکش اور سنگ دل اور بڑے لمبے قد والے ہیں۔ ہر ایک کا قد ستر گز کا تھا ان سے لڑنے کیلئے رک گئے اور کہا: اے موسیٰ! تو اور تیرا رب جا کر ان سے لڑو ہم تو یہیں بیٹھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر سزا مقرر فرمائی کہ چالیس سال جنگل میں حیران پھرتے رہیں اور وہ جنگل بارہ فرسخ یعنی چھتیس میل لمبا چوڑا تھا۔ اس سے انہیں سخت گرمی پہنچی اور بھوک نے ستایا تو موسیٰ علیہ السلام کو عرض کیا: اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا کہ آسمان سے نور کا ستون نازل فرمایا۔ جو رات کو ان کے ساتھ رہتا اور جس رات چاند نہ ہوتا بجائے چاند کے چمکتا رہتا اور ان پر ایک سفید بادل نرم نرم بھی بھیجا جو برسانے والے بادلوں سے نہایت اطیب تھا جو انہیں سورج کی گرمی سے بچاتا چھتری کی طرح ان کے اوپر رہتا۔ بادل کو غمام اس لیے کہتے ہیں کہ وہ آسمان کو چھپا لیتا ہے اور حزن کو بھی غم اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ قلب کو ڈھانپ لیتا ہے بعد ازاں انہوں نے طعام طلب کیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی۔ دعا مستجاب ہوئی۔ چنانچہ فرمایا: وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ یعنی ہم نے ترنجبین (بفتح الراء وتسکین النون) اتاری۔ یہ سفید رنگ برف کی طرف ایک طعام جو شہد جیسی تھی سے مرکب غذا تھی۔ یا مَن ان نعمتوں کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں پر بلا تکلیف اور بغیر کھیتی باڑی کرنے کے عنایت فرمائیں۔

کھمبی کے فضائل:۔ یہ بھی اسی مَن سے ہے جس کے متعلق حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: **اَلْكَمْاَةُ مَنٌّ**۔ یعنی کھمبی مَنّ سے ہے جس کا پانی آنکھوں کی شفا ہے۔

ف: ظاہر بات یہ ہے کہ صرف اس کا پانی بغیر کسی دوسری چیز کی ملاوٹ کے آنکھوں کی شفا ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے بلا قید ذکر فرمایا۔ جس میں کسی چیز کی ملاوٹ کا بیان نہیں۔

marfat.ocm

حکایت: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے تین کھمبیاں نچوڑیں اور ان کا پانی ایک شیشی میں بند کر کے رکھ دیا۔ اس سے میری لونڈی نے سرمہ کی طرح استعمال کیا جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے صحت یاب ہوگئی۔

بقایا واقعہ: جب وہ لوگ اس سے اکتا گئے تو کہنے لگے: اے موسیٰ علیہ السلام! ہم اس کی چاشنی سے تنگ آ گئے ہیں ہمیں گوشت چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر سلویٰ نازل فرمایا۔ وَالسَّلْوٰی یعنی سلویٰ کو جنوب کی ہوا جمع کر کے ان کے سامنے کر دیتی۔ ہوا سے ان کا حلق کاٹا جاتا اور پیٹ چیرا جاتا اور بادل دور ہو جاتے۔ پھر سورج کی گرمی سے پک جاتا۔ اس کے بعد اس مَنّ کے ساتھ کھاتے (گویا سلویٰ ایک پرندہ تھا)

ف: اکثر مفسرین یوں فرماتے ہیں کہ انہیں پکڑ کر ذبح کرتے اور مَنّ برف کی طرح طلوع فجر سے لے کر غروب شمس تک آسمان سے نازل ہوتی رہتی اور سلویٰ بھی۔ ہر شخص کل تک کی کفایت کا روزینہ لے لیتا۔ صرف جمعہ کے روز دونوں کا اکٹھا لیتے کیونکہ ہفتہ ان کی عبادت کا دن تھا اور نہ ہی ہفتہ کو نازل کیا جاتا۔ اگر کوئی شخص روزینہ کفایت سے زائد لیتا تو وہ کل سڑ کر بدبودار ہو جاتا۔

كُلُوْا اور ہم نے کہا: کھاؤ۔ **مِنْ طَيِّبٰتِ** حلال چیزوں سے۔ **مَا رَزَقْنٰكُمْ** جو کچھ ہم نے عطا فرمایا۔ من و سلویٰ سے۔ لیکن یاد رہے کہ اسے ذخیرہ بنانے کی خاطر نہ اٹھانا اور نہ ہی میری نافرمانی کرنا لیکن انہوں نے ضرورت سے زائد اٹھایا اور گوشت کو خشک کر کے رکھا۔ اس خطرہ سے کہ شاید ختم ہو جائے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو ہمیشہ تک جاری رہتا۔ طیب ہر اس شئے کو کہتے ہیں کہ جس سے نہ طبع نفرت کرے اور نہ شرع کراہت کرے۔

وَمَا ظَلَمُوْنَا اور ہم نے ظلم نہ کیا بلکہ انہوں نے خود ہی اس بہت بڑی نعمت سے ناشکری کر دی اور رکاوٹ کے باوجود بھی اسے ذخیرہ کرنے لگے اور نہ ہی ہمارے حق کا خیال رکھا۔ **وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ** لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے کہ میرے عذاب کی طلب کی اور وہ رزق جو ان پر بلا مشقت و بلا تکلیف نازل ہوتا تھا، ناشکری کر کے اسے بند کرا دیا۔ وہ طعام ایسا تھا کہ نہ دنیا میں انہیں تکلیف اور نہ آخرت میں ان سے حساب ہم نے وہ طعام ان سے ہٹا لیا جب کہ انہوں نے ہم سے بھروسہ چھوڑ دیا۔

مثنوی شریف میں ہے:

marfat.ocm

سالہاں خوردی و کم نامد زخور — ترک مستقبل کن و ماضی رانگر

ترجمہ : تو نے بہت سال کھایا لیکن کم نہ ہوا مستقبل کا خیال چھوڑ کر ماضی کو غور سے دیکھ۔

حدیث شریف :۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو نہ کوئی طعام بدبودار ہوتا اور نہ گوشت خراب ہوتا اور اگر بی بی حوا علیہا السلام کی خیانت نہ ہوتی تو ہمیشہ تک عورتیں اپنے شوہروں کی خیانت نہ کرتیں۔ کیونکہ بدبو اس وقت سے شروع ہوئی۔

قاعدہ یہ کہ جو شخص کسی امر کی ابتداء کرتا ہے تو وہ امر دوسرے کے لئے سبب بنتا ہے۔ اسی طرح عورتوں کے لئے خیانت جاری رہے گی۔ ان کی ماں نے سب سے پہلے یوں خیانت کی کہ ابلیس کی بات مان کر گندم کا دانہ کھالیا پھر آدم علیہ السلام کے پاس آ کر انہیں طرح طرح کی باتوں سے رغبت دلا کر گندم کا دانہ کھلا دیا۔ اسی روز سے عورتوں کی خیانتیں اپنے شوہروں کے لئے شروع ہوئیں۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

کراخانہ آباد و ہمخوابہ دوست — خدارا برحمت نظر سوئے اوست

ترجمہ : کسی کا گھر آباد اور گھر والی موافق ہے تو سمجھو کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت ہے۔

مسئلہ : (الاشباہ والنظائر) میں فرماتے ہیں کہ طعام جب متغیر ہو جائے اور اس کا تغیر بڑھ جائے تو وہ نجس ہے اس کا استعمال حرام ہے۔

مسئلہ : تیل، دودھ اور گھی جب بدبودار ہو جائیں تو ان کا استعمال حرام نہیں۔

تفسیر صوفیانہ جب اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو غربت کی سزا دی تو عین اس غم میں رحمت سے بھی نوازا اور انعامات عنایت فرمائے کہ ان کے سروں پر بادل کو سایہ اور من و سلویٰ جیسے بہشتی طعام بھجوائے۔ اس سفر میں نہ تو ان کے بال لمبے ہوئے اور نہ ہی ناخن بڑھے اور نہ ہی ان کے کپڑے پھٹے۔ بلکہ میل کچیل سے بھی صاف ستھرے رہے اور جو صغیر لڑکے تھے جوں جوں وہ بڑے ہوتے کپڑے بھی ان کے جسموں کے مطابق بڑھتے رہے اور سورج بھی اپنی شوخی سے باز رہا۔ اسی طرح اس کا حال ہے جس نے اپنا سارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔ تو اس کے لئے بھلائی کے اسباب تیار ہو جاتے ہیں لیکن بنی اسرائیل کی

marfat.ocm

شومیٔ قسمت کہ وہ الٹا خرابیوں کی طرف جھک گئے۔

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ یعنی امر شرع کے مطابق تم ہمارے رزق کو کھاؤ۔ وَمَا ظَلَمُوْنَا یعنی جب کہ انہوں نے شرعی امور میں اپنی طبع کے مطابق تصرف کرنا شروع کیا تو انہوں نے ہمارا کیا بگاڑا۔ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ بلکہ انہوں نے اپنی جانوں پر خود ظلم کیا حرصِ دنیا اور شہواتِ نفسانیہ کی طرف جھک گئے۔

ف: تنویر میں فرماتے ہیں کہ جس امر میں تمہارا داخلہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہوتا ہے تو اس کی تولیت اللہ تعالیٰ خود اپنے ذمہ کرم لگا لیتا ہے۔ جس کی وجہ سے تجھے اس کی امداد شاملِ حال رہتی ہے اور اگر تو اپنی مرضی کے مطابق اس امر کو شروع کرتا ہے تو پھر تجھے نفس کے سپرد کیا جاتا ہے۔ (پھر وہ جس گھڑے میں ڈال دے)

حکایت:۔ ایک شخص جنگل میں جا رہا تھا اسے پیاس نے ستایا تو بڑی تلاش کے بعد اسے کنواں مل گیا۔ کنویں پر پہنچا تو پانی خود بخود باہر آ گیا۔ اب وہ آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہنے لگا یا الٰہ العالمین! مجھے یقین ہے کہ تو اس پر قادر ہے، لیکن مجھے تو اتنی طاقت بھی نہیں کہ اس سے پانی اٹھا کر پیوں۔ براہ کرم کسی اعرابی کو بھیج تا کہ وہ اس سے چلو بھر کر میرے منہ میں ڈالے مجھے یقین ہے کہ یہ بھی تیرے الطاف خفیہ سے ہے۔ لیکن میں تیری تدبیر سے بھی بے خوف نہیں ہوں۔

سبق: بندے کو اس کی ظاہری اور باطنی نعمتوں سے مغرور نہ ہونا چاہیے بلکہ اسے چاہیے کہ اس کی نعمتوں کے شکر کی ادائیگی میں جدوجہد کرے اور نعمتوں کو فرمانبرداری میں صرف کرنے کی کوشش کرے ورنہ گمراہ ہو کر بدبختی کا شکار ہو جائے گا۔

حضرت شیخ ابو عبد اللہ قرشی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جو شخص (ولی) اور خوارق عادات سے کراہت نہیں کرتا جیسے عامی آدمی اپنے گناہوں سے کراہت نہیں کرتا وہ حق کے مابین حجاب اور رحمت و نعمت کے لئے اس سے پردہ بن کر ثابت ہو گی جیسے وہ بھی سعادت کا سبب بنتی ہے۔ اسی طرح وہ شقاوت و استدراج کا موجب بھی ہو جاتی ہے۔

جیسے کہ مثنوی شریف میں ہے:۔

بندہ می نالد بحق از درد و نیش ‌ ‌ صد شکایت میکند از رنج خویش

حق ہمی گوید کہ آخر رنج و درد — مر ترا لابہ کناں او دوست کرد
ایں گلہ زاں نعمتی کن کت زند — از یاد در مطرودت کند!

ترجمہ :۔ ا۔ بندہ اپنے درد والم سے حق کے آگے روتا ہے اپنے درد و رنج کی ہزاروں شکایتیں عرض کرتا ہے۔ ۲۔ حق تعالیٰ اسے کہتا ہے کہ رنج و درد تیرے ساتھ مذاق کرتے ہیں کہ یہ تو مجھے دوست سے نصیب ہوتے ہیں۔ ۳۔ یہ گلہ تجھے نعمت سے ہونا چاہیے جو تجھے حق تعالیٰ سے مردود بناتی ہے۔

سبق: مومن سالک کے لئے ضروری ہے کہ ذات وصفات وافعال سے مستغنی ہو کر امر و نہی پر ہر حال میں عمل پیرا ہو تا کہ وہ صدیقین اور اہلِ یقین سے ہو جائے۔ اے اللہ ہمیں ان لوگوں سے بنادے جو ہر آن تیرے ساتھ ہوتے ہیں اور اپنے تمام معاملات میں تجھے مقدم رکھتے ہیں۔ آمین آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم۔

تفسیر صوفیانہ وَاِذْ قُلْنَا یہ آٹھواں انعام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر شہر کا داخلہ مباح کر کے جنگل کی وحشت دور فرمائی یعنی یاد کرو اے بنی اسرائیل! جب کہ تمہارے آباء کو جنگل کی تکلیف سے نجات پانے کے بعد ہم نے فرمایا: اُدْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ اس گاؤں میں داخل ہو جاؤ۔ قریہ کی نصب علی الظرفیہ ہے۔ بیت المقدس کو قریہ سے تعبیر فرمایا اور قریہ کے قاف کو بالفتح وبالکسر وہ جگہ جہاں لوگ جمع ہوں قری (بمعنی جمع ہونا) سے ماخوذ ہے۔ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا بغیر روک ٹوک کے خوشگوار جہاں سے چاہو کھاؤ۔ رَغَدًا کی نصب علی المصدریہ ہے۔ كُلُوْا سے حال ہے۔ ای راغدین متوسعین اس میں اشارہ ہے کہ انہیں داخلہ کا حکم اقامت وسکنیٰ کے لئے تھا۔ تیسیر میں فرمایا کہ ہم نے تمہارے لیے ہر شئے مباح کی اور تم پر فراخی کر دی کہ اس میں عیش کرو۔ جہاں سے چاہو نہ کوئی تنگی ہے اور نہ کوئی رکاوٹ۔ ہر شئے کا مالک کر دیا۔ بطریق غنیمت کے اور صرف کھانے کا ذکر اس لیے ہے کہ اصلی مقصود وہی ہے۔

وَادْخُلُوا الْبَابَ یعنی قریہ کے ابواب کے کسی دروازہ سے داخل ہو جاؤ اس کے اس وقت سات دروازے تھے اور اس سے مراد دوسرا باب ہے جسے ہمارے زمانہ میں باب الحطہ اور باب القبہ کہتے ہیں۔ جس میں موسیٰ وہارون علیہما السلام عبادت کرتے اور بنی اسرائیل ساتھ ہو کر اس میں نماز ادا کرتے۔ سُجَّدًا یعنی سر کو تواضعاً نیچے

marfat.ocm

کرتے ہوئے جب کہ اس کا حقیقی معنی کیا جائے یا یہ سجدے کرتے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری میں کہ اس نے تمہیں جنگل سے نکالا تو یہ معنی شرعی ہوگا۔

وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ حطه بالخبر یہ مرفوع ہے۔ اس کا مبتدا محذوف ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی۔ مَسْئَلَتُنَا مِنَ اللّٰهِ اَنْ يُّحَطَّ ذُنُوْبُنَا ۔ یا منصوب ہے۔ "اَیْ حُطَّ عَنَّا ذُنُوْبَنَا حِطَّةً بعض کہتے ہیں کہ اس سے کلمہ شہادت مراد ہے۔ یعنی تم وہ کلمہ شہادت کہو جو گناہوں کو گرا دینے والا ہے۔ یعنی اور کہو: حِطَّةٌ

نَغْفِرْ لَكُمْ مجزوم ہے۔ اس لیے کہ امر کا جواب ہے۔ نغفر غفر سے مشتق ہے بمعنی ستر ای نستر علیکم۔ ہم تمہارے گناہ بخش دیں گے۔ خَطٰيٰكُمْ خطیة۔ خطاء سے (جو کہ صواب کی ضد ہے) مشتق ہے۔ یعنی اس کے طفیل تمہیں سزا نہیں دی جائے گی۔ جب کہ تم اس سجدہ اور دعا کے امر کو بجالاؤ گے۔ یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے گوسالہ پرستی کی تھی اور پھر تائب ہوئے۔ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ہم ان میں محسنین کو اپنے فضل سے ثواب میں بڑھائیں گے اور ان سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے گوسالہ پرستی نہ کی۔ الْمُحْسِنِيْنَ اسے کہتے ہیں جو اپنے اور غیر کے فعل میں نیکی کرے۔ بعض کہتے ہیں: محسن وہ ہے جو عقیدہ توحید پر مداومت کرے اور اپنے نفس کے جملہ امور کو ٹھیک رکھے اور ادائیگی فرائض میں چست و چالاک رہے اور برائیوں سے رکے۔ بعض کہتے ہیں: محسن وہ ہے جو ان اعمال پر پابند ہو جو نفس کو سنواریں اور شرعاً محمود ہوں۔

ف: اس جملہ کو امر کے جواب سے بدل بنا کر وعدہ کے ساتھ ذکر کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ محسن دائماً زیادتی ثواب کے درپے رہتا ہے۔ اگرچہ حِطَّةٌ نہ بھی کہے اور استغفار کرے پھر تو سبحان اللہ! مختصر یہ کہ ان کو دو چیزوں کا حکم ہوا۔ عمل یسیر اور قول صغیر ہے یعنی داخلہ کے وقت سر جھکا کر منہ سے حِطَّةٌ پکاریں تا کہ گناہ معاف اور حسنات میں زیادتی نصیب ہو۔

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا یعنی ظالموں نے استغفار اور توبہ کے لفظ کو معصیت سے تبدیل کر ڈالا۔ قَوْلًا یعنی دوسرا وہ جو مامور بہ کے خلاف تھا (بدل) کا مفعول ثانی محذوف ہے۔ غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ ، غَيْرَ الَّذِيْ قَوْلًا کی صفت ہے۔

سوال: بدل میں مغایرت کا مفہوم تو نکل سکتا تھا، اسے دوبارہ ذکر کرنے میں کیا فائدہ؟

جواب: تا کہ ان کی مخالفت پر نص ہو اور معلوم ہو جائے کہ ان کی مخالفت ہر طرح تھی قولاً بھی اور فعلاً بھی۔

ف: مروی ہے کہ انہوں نے حِطَّةٌ کی بجائے حنطہ (گندم) کہا۔ بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنی بولی میں حِطَّةٌ کے بجائے حطا سمقانا (یعنی سرخ گندم) اور اس سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی حقارت مقصود تھی۔

ف: حضرت مجاہد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ قریہ کا دروازہ بہت نیچے رکھا گیا تا کہ وہ داخل ہوتے وقت اپنے سر سجدہ کے لئے جھکا دیں۔ لیکن چونکہ وہ سجدہ کے منکر تھے اسی لیے اپنے آپ کو گھسیٹتے ہوئے داخل ہوئے۔ اس وقت انہوں نے قولاً کی طرح فعلاً بھی حکم کی مخالفت کی اور نیک لوگوں نے ہر طرح کی فرمانبرداری کی اسی لیے: فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا الخ فرمایا ورنہ فبدلوا ہونا موزوں تھا۔

ف: ظاہری عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے صرف قولاً مخالفت کی عملاً نہیں جیسا کہ بعض جماعت کا خیال ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کی مخالفت جس طرح قولاً تھی اسی طرح عملاً بھی۔ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ کا معنٰی یہ ہے کہ انہوں نے اس امر کو تبدیل کیا جس کا انہیں حکم ہوا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا امر بھی تو ایک قول ہے۔ اس بنا پر انہوں نے تمام امر الٰہی کی مخالفت کی۔ فَاَنْزَلْنَا۔ ان کی مخالفت کے بعد۔ عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ہم نے ظالموں پر نازل کیا یعنی ان لوگوں پر جنہوں نے ہمارے فرمان کو تبدیل کیا۔

سوال: عَلَيْهِمْ کیوں نہ فرمایا تا کہ کلام مختصر ہوتا۔ حالانکہ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اس سے قبل بھی گذر چکا ہے؟

جواب: اس سے تکرار لازم آیا۔ اس سے قبل الْمُحْسِنِيْنَ کا لفظ بھی گذرا ہے۔ اگر عَلَيْهِمْ کہتے تو الْمُحْسِنِيْنَ کے دخول کا احتمال ہوتا اور الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا سے تکرار لازم نہیں آتا اس لیے کہ ظلم کا اطلاق صغیرہ اور کبیرہ ہر دونوں پر ہوتا ہے اور فسق صرف کبائر کے لئے مستعمل ہوتا ہے یہاں ظلم سے کبیرہ گناہ مراد ہیں کیونکہ اس کے بعد فسق کا ذکر آ گیا۔ اس قرینہ سے ظلم کا معنیٰ گناہ کبیرہ ہوگا اور پہلے ظلم سے صغیرہ مراد ہے۔

رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ ہم نے ان پر وہ عذاب مقدر کیا جو آسمان سے نازل ہوا۔ رِجْزًا کی تنوین تہویل و تفخیم کے لئے ہے بِمَا یہ ما مصدریہ ہے۔ كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ یعنی یہ عذاب انہیں اس لیے مل رہا ہے کہ وہ طاعتِ الٰہی سے نکل گئے۔ رِجْزًا دراصل اس مکروہ شئے کو کہتے ہیں جس سے طبیعت نفرت کرے۔ اسی طرح رجس سے یہاں طاعون مراد ہے۔ مروی ہے کہ صرف ایک گھڑی میں چوبیس ہزار افراد مر گئے اور یہ بیماری ان کے لئے لگا تار رہی یہاں تک کہ ستر ہزار افراد فوت ہو گئے۔

طاعون کے فضائل و مسائل:۔

حدیث شریف:۔ حدیث شریف میں ہے کہ طاعون ایک عذاب ہے جو بنی اسرائیل پر یا پہلے لوگوں پر نازل کیا گیا۔ جس گاؤں کے متعلق تمہیں معلوم نہیں وہاں طاعون ہے تو اس گاؤں میں ہرگز نہ جاؤ اور اگر تمہارے گاؤں میں طاعون آجائے تو اس سے ہرگز نہ نکلو۔

حدیث شریف:۔ حدیث شریف میں ہے کہ میرے پاس حضرت جبریل علیہ السلام بخار اور طاعون دونوں کو لائے۔ میں نے بخار کو مدینہ شریف میں رہنے کا حکم دیا اور طاعون کو شام کی طرف بھیج دیا پس طاعون میری امت کے لئے رحمت ہے اور کافروں کے عذاب۔

مسئلہ: طاعون میں مرنے والا شہید ہے اور قبر کے عذاب سے بھی محفوظ رہے گا اسی طرح طاعون میں صبر کرنے والا اگرچہ طاعون کے بغیر کسی دوسری بیماری میں مرجائے تو قبر کے عذاب سے محفوظ رہے گا۔ کیونکہ وہ مرابط فی سبیل اللہ کی طرح ہے۔ خلاصہ یہ کہ طاعون کی بیماری اور اسہال اور استسقاء سے مرنے والا بھی شہید ہے کیونکہ مرتے دم تک اس کا ذہن اور عقل صحیح رہتا ہے۔

مسئلہ: سل کی بیماری سے مرنے والا شہید ہے اسی طرح پانی میں غرق ہونے والا اور دیوار کے نیچے دب کر مرنے والا شہید ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں مرنے والا تو شہید ہے ہی۔

مسئلہ: ذات الجنب اور جل کر مرنے والا شہید ہے جو عورت وضع حمل کے وقت مرجائے وہ بھی شہید کے حکم میں ہے۔

مسئلہ: جو اچانک کی موت مرے اور سرسام یا برسام اور بخارات اور قولنج اور پتھری سے مرنے والے شہید کے حکم میں داخل نہیں۔ اس لیے کہ ان کی عقلیں شدت درد سے مختل اور دماغوں پر ورم اور مزاجوں میں فساد آجاتا ہے۔

ف: طاعون ایک مرض ہے جو لوگوں میں اکثر واقع ہوتا ہے لیکن وہ صرف ایک قسم کی بیماری ہے اور وباء عام بیماری ہے کبھی تو وہ طاعون کے ساتھ آجاتی ہے اور کبھی اس کے بغیر۔

حدیث شریف:۔ حدیث شریف میں ہے: **فناء امتی بالطعن والطاعون**

(میری امت طعن اور طاعون سے فنا ہوگی)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام نے پوچھا کہ طعن تو ہم جانتے ہیں اور طاعون کیا شئے ہے؟ آپ نے فرمایا: **ورجز اعدائکم من الجن** (تمہارے اعداء جنوں کی سزا کو طاعون کہا جاتا ہے) لیکن ہر دونوں سے مرنے والا شہید ہوگا۔

ف: ابن الاثیر فرماتے ہیں: طعن بمعنی تیر سے قتل کرنا اور وخزاً بمعنی طعن بلا نفاذ ہے اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے منافی نہیں جو آپ نے فرمایا: **غدة کغدة البعیر تخرج فی مراق البطن** طاعون اونٹ کے غدہ کی طرح ایک غدہ ہے جو مراق بطن سے خارج ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جن مراق بطن کی رگ میں نشتر لگاتا ہے اس کی نشتر اندازی سے ایک غدہ نکلتا ہے جن کی نشتر اندازی غدہ کے خروج کا سبب بنتی ہے اور غدہ گوشت کے اندر سے نکلتا ہے اور مراق پیٹ کے نچلے حصہ پر ہے۔

حدیث شریف:۔ حدیث شریف میں ہے: **اذا بخس المکیال حبس القطر اذا کثر الزنیٰ کثر القتل واذا کثر الکذب الھرج** یعنی جب تول میں کمی ہوگی تو بارش بند ہو جائے گی اور جب زنا بکثر ہو جائے گا تو خون ریزی بہت واقع ہوگی اور جب جھوٹ عام پھیل جائے گا تو فتنے اور فساد برپا ہو جائیں گے۔ وجہ یہ ہے کہ زنا سے جیتے جی کو مار ڈالنا ہے کیونکہ جو نطفہ زنا سے ٹھہرا وہ حکمی طور پر مارا گیا۔ اسی لیے اس کی سزا فوری موت مقرر ہے۔ (یعنی سنگساری) کیونکہ عمل کے مطابق سزا دی جاتی ہے۔ اسی لیے تو کم تولنے کی سزا بارش کی بندش بندوں کے رزقوں کی کمی کا باعث ہے یونہی کذب کو سمجھو کہ وہ بندوں میں تفرقہ اور عداوت کا موجب ہے۔ اس لیے اس کی سزا بھی ہرج متعین ہوئی جو کہ فتنہ اور فساد کا سبب ہے۔

سوال: طاعون اس جیسی اور بیماری کو عام کیوں کر دیا جاتا ہے؟

جواب: تاکہ وہ بیماری شیطانوں کے لئے عذاب اور اہلِ ایمان کے لئے شہادت اور رحمت ثابت ہو۔ کیونکہ موت مومن کے لئے تحفہ اور فاسق کے لئے حسرت ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ ہر ایک کو قیامت میں اعمال دنیا کے مطابق اٹھائے گا اور اجر و سزا ہوگی۔

مسئلہ : طاعون سے بھاگنا حرام ہے۔ کیونکہ طاعون سے بھاگنا اپنے مالکِ مختار کو فراموش کرنے کا ثبوت دینا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ طاعون سے بھاگنے والے اور مقیم کے لئے خود طاعون فتنہ ہے بھاگنے والا کہے گا کہ مجھے اس سے بھاگنے سے نجات ملی اور مقیم کہے گا کہ میں ٹھہر گیا اس لیے مجھے موت آئی۔

حدیث شریف :۔ حدیث شریف میں ہے کہ طاعون سے بھاگنے والا جنگ سے بھاگنے والے کی طرح ہے اور اس میں صبر کرنے والا جنگ میں صبر کرنے والے کی طرح ہے۔

ف : زحف سے وہ جنگ مراد ہے جس میں مخالف کی جماعت بکثرت معلوم ہوتی ہو اس فرار سے لشکر سے جنگ میں بھاگ جانا مراد ہے۔ لیکن ضروری ہے کہ اسے مثل اور ضعف سے مقید کیا جائے۔

مسئلہ : اس حدیث سے ثابت ہوا کہ طاعون سے بھاگنا حرام ہے کیونکہ یہ بھی گناہ کبیرہ ہے۔

نکتہ : ہوسکتا ہے کہ اس جنگ سے بھاگنا کوتاہی عمر کا سبب بن جائے جیسے کہ جہاد سے بھاگنا قصر عمر کا سبب بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا (فرمایئے تمہیں بھاگنا نفع نہ دے گا اگر موت یا قتل سے بھاگو گے تو اس وقت تم زندگی کا نفع نہ اٹھاؤ گے مگر تھوڑا)

مسئلہ : فرار کی نیت کے بغیر کسی اور وجہ سے چلا جانا جائز ہے۔ لیکن رخصت کے لئے چند شرائط ہیں اور ہیں بھی سخت۔ صرف محدود افراد اس پر کامیاب ہوسکیں گے۔

۱۔ اعتقاد کی حفاظت۔ ۲۔ مرض کے اسباب عادیہ سے احتراز مثلاً چلنے سے یہ نہ سمجھے کہ بیماری اسی ہوا سے پھیلی ہے وغیرہ وغیرہ۔ موت سے بچنے کے لئے مختلف تدابیر سوچنا بیوقوفی اور عبث فعل ہے۔ اس کی حرمت کو عوام الناس جانتے ہیں پھر خواص کا کیا کہنا۔

ف : بعض بیماریاں متعدی ہوتی ہیں۔ لیکن ان میں بھی اذنِ الٰہی کا تصور ذہن میں ضرور رہے حدیث شریف میں ہے: حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان من القرف التلف یعنی بعض ملاقاتیں ہلاکت ہیں قرف بالتحریک بمعنی بیماروں سے ملنا جلنا۔

سوال : حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا عدویٰ۔ یعنی کسی ایک کی

marfat.ocm

بیماری دوسرے کو نہیں لگتی۔ یہ تو پہلی حدیث کے خلاف ہے؟

جواب: اس میں طبعی تعدی کی نفی ہے۔ مطلقاً سرایت کی نفی نہیں چونکہ جاہلیت کے لوگ تعدی کے قائل تھے اس لیے ان کے غلط نظریہ کو دور کرنے کے لئے یہ ارشاد ہوا عوام اور مبتدی سالک کی ایک اسباب پر نظر ہونی چاہیے اور متوسطین کو توکل کا کاربند ہونا چاہیے اور کاملین کے احوال کسی معاملہ کے پابند نہیں۔ توکل اور تسبب ان کے ہاں یکساں ہیں۔ مثنوی شریف میں ہے:

در حذر شوریدن شور و شراست رو توکل کن توکل بہتر است
با قضا پنجہ مزن اے تند و تیز تا نہ گیرد ہم قضا با تو ستیز
مردہ باید بود پیش حکم حق! تا نیاید زخم از رب الفلق

ترجمہ: ۱۔ خطرہ کے وقت شور مچانا شور و فغان ہے جا توکل کر اس لیے کہ توکل بہتر ہے۔ ۲۔ اے تند و تیز مزاج قضا سے پنجہ نہ اڑا تا کہ تیرے ساتھ قدر کی جنگ نہ ہو جائے۔ ۳۔ حکم الٰہی کے آگے مردہ کی طرح ہونا چاہیے تا کہ تجھے رب الفلق سے سزا نہ ہو۔

حکایت: جالینوس نے اپنے شاگردوں کو دو ٹکیاں فندق کے برابر کی دے کر فرمایا کہ میرے مرنے کے بعد ایک کو لوہے کی سنان پر رکھ دینا اور دوسری کو پانی کے بھرے ہوئے گھڑے میں ڈال کو توڑ دینا۔ اس کی وصیت کے مطابق عمل کیا گیا تو جس گولی کو لوہے کے سنان پر رکھا گیا تو لوہے کی طرح بہ کر نیست و نابود ہو گیا اور جسے پانی میں ڈالا گیا تو پانی منجمد ہو کر پتھر بن گیا۔

حکماء فرماتے ہیں: جالینوس کا اس سے مطلب یہ تھا کہ میرے پاس وہ ادویہ موجود ہیں جو لوہے جیسی شدید شے کو پانی پانی کر سکتی ہیں اور بہتے ہوئے پانی کو بہنے سے روک سکتی ہیں لیکن موت ایک ایسا مرض ہے کہ جس کا کوئی علاج نہیں کسی نے کیا خوب فرمایا:

الا یا ایھا المغرور تب من غیر تاخیر فان الموت قد یاتی ولو صیرت قارونا
بسل مات ارسطالیس بقراط با فلاج وافلاطون بسرسام وجالینوس مبطوناً

ترجمہ: اے دھوکہ میں آیا ہوا انسان جلد گناہوں سے توبہ کر لے۔ کیونکہ موت ضرور آئے گی۔ اگر چہ قارون جیسا بھی مالدار بن جائے۔ ارسطو سل سے مرا اور بقراط فالج سے اور افلاطون برسام سے اور جالینوس اسہال سے۔

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی مانگا تو ہم نے فرمایا اس پتھر پر اپنا عصا مار دفوراً اس میں سے

مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ

بارہ چشمے بہ نکلے ہر گروہ نے اپنا گھاٹ پہچان لیا کھاؤ اور پیو خدا کا دیا

رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿٦٠﴾ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ

اور زمین میں فساد اٹھاتے نہ پھرو۔ اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم سے

نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ

تو ایک کھانے پر ہرگز صبر نہ ہوگا تو آپ اپنے رب سے دعا کیجئے کہ زمین کی اگائی ہوئی چیزیں

مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ

ہمارے لئے نکالے کچھ ساگ اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز فرمایا کیا ادنیٰ چیز کو

الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ

بہتر کے بدلے مانگتے ہو اچھا مصر یا کسی شہر میں اتر دوہاں تمہیں ملے گا

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ

جو تم نے مانگا اور ان پر مقرر کردی گئی خواری اور ناداری اور خدا کے غضب میں لوٹے یہ بدلہ تھا

بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ

اس کا کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے اور انبیاء کو ناحق شہید کرتے

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٦١﴾ ع ٧

یہ بدلہ تھا ان کی نافرمانیوں کا اور حد سے بڑھنے کا۔

تفسیر عالمانہ

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى یہ دیگر نعمت ہے جس کا بنی اسرائیل نے کفران کیا۔ یعنی یاد کرو اے بنی اسرائیل! جب موسیٰ علیہ السلام نے پانی کی طلب کی۔ لِقَوْمِهٖ اپنی قوم کی خاطر یہ اس وقت تھا جب جنگل میں پیاس سے مر رہے تھے تو موسیٰ علیہ السلام کے ہاں فریادی ہوئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے پانی طلب کیا فَقُلْنَا پس ہم نے وحی کے ذریعہ فرمایا کہ: اضْرِبْ بِّعَصَاكَ اپنے عصا کو مارو وہ جنت کے مورد کے درخت سے تیار شدہ تھا جس کا طول بمطابق موسیٰ علیہ السلام کے قد مبارک کے دس گز تھا اس کی شاخیں تھیں جو اندھیرے میں روشن ہو جاتی تھیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے بہشت سے اٹھایا تھا۔ توارثاً انبیاء علیہم السلام کو ملتا رہا۔ یہاں تک کہ شعیب علیہ السلام کے ہاں پہنچا پھر انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیدیا۔ الْحَجَرَ لام عہد کی ہے۔ مخصوص پتھر کی طرف اشارہ ہے۔

حجرِ موسوی کا واقعہ:۔ مروی ہے کہ یہ پتھر طوری تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھ اٹھا رکھا تھا بالکل ہلکا اور آدمی کے سر کی طرح چوڑا تھا۔ اس کی طرفین چار تھیں اور ہر طرف میں تین آنکھیں تھیں۔ یا یہ وہ پتھر تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے اٹھا کر بھاگ گیا تھا جب کہ موسیٰ علیہ السلام نے نہاتے وقت اپنے کپڑے اس پر رکھے اور وہ قوم کے پاس پہنچا۔ اس سے اللہ تعالیٰ نے اس کی برأت ظاہر کی ہے جس کے متعلق قوم موسیٰ علیہ السلام کو ایک عیب لگاتی تھی۔ جبریل علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ اس کو اٹھا لیجئے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے اور تیرے لیے معجزہ بن کر رہے گا۔

حدیث شریف:۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

بنی اسرائیل کی عادت تھی کہ وہ نہاتے وقت ایک دوسرے کے ستر کو دیکھا کرتے لیکن موسیٰ علیہ السلام اس قبیح عادت سے بری تھے۔ وہ اکیلے جا کر غسل فرماتے ایک دن اپنے کپڑے پتھر پر رکھے تو وہ کپڑے لے کر بھاگا اور موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے ہو لیے جب قوم کے نزدیک پہنچے تو انہیں دیکھ کر کہنے لگے کہ انہیں تو اُدرہ نہیں ہے اور وہ بالضم خصیہ کی پھونک (موٹاپن) کو کہا جاتا ہے۔ یا الحجر کی لام جنس کی ہے یعنی اپنا عصا ایسی شئے کو مارو جو کہ پتھر کی جنس سے ہو اور حجۃ میں بھی زیادہ ظاہر ہے کیونکہ کسی ایک پتھر پر عصا مار کر پانی نکالنا زیادہ دلالت ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے ثبوت میں بہ نسبت معین پتھر کے کیونکہ احتمال ہو گا کہ

marfat.ocm

شاید اس مخصوص پتھر میں پانی کی تاثیر موجود ہو جیسا کہ مخصوص پتھر میں مقناطیس ہوتا ہے کہ لوہے کو کھینچ لیتا ہے۔

فَانْفَجَرَتْ پس انہوں نے مارا جس سے بہ نکلے۔ اضْرِبْ محذوف کے ساتھ متعلق ہے اور انفجار بمعنی انسکاب اور بخاس بمعنی ترشح۔ پہلے پانی اچھلتا ہے پھر بہتا ہے۔ مِنْهُ اس پتھر سے۔ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا بارہ چشمے میٹھے پانی کے۔ قوم کی تعداد کے مطابق بہ نکلے تا کہ ہر قبیلہ کا علیحدہ چشمہ ہو۔

فائدہ: جب کسی جگہ پر نازل ہوتے تو عصا مارتے تو پانی بہنا شروع ہو جاتا۔ جب کوچ کرتے تب بھی عصا مارتے تو پانی بند ہو جاتا۔ قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ ہر ایک نے بارہ قبیلوں میں سے جان لیا۔ مَشْرَبَهُمْ یعنی اپنا خاص چشمہ یا اپنے پانی پینے کی جگہ تا کہ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کے پانی پر نہ جائے۔ مشرب مصدر میمی ہے یا ظرف مکان ہے۔

بارہ چشمے کیوں تھے:۔ چونکہ ان بارہ قبیلوں کی اپنی اپنی جماعت تھی اور ایک دوسرے پر فوقیت رکھنے کا شوق رکھتے تھے اسی لیے ایک قبیلہ کا آدمی دوسرے قبیلہ میں عقد نکاح نہ کر سکتا تھا۔ محض طبعی فاخرانہ عادت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے ہر ایک قبیلہ کے لئے علیحدہ علیحدہ نہر تیار کر دی تا کہ خود بھی پئیں اور جانوروں کو بھی پلائیں اور ایک دوسرے کے ساتھ نہ لڑیں نہ جھگڑیں اور پتھر کے ہر ایک گوشے کی تین راہوں سے ایک ایک چشمہ بہتا ہوا نہروں کی شکل بنکر ہر قبیلہ کے پاس پہنچتا اور وہ چھ ہزار افراد تھے اور لشکر بارہ میل تک پھیلا ہوا تھا۔

سوال: اللہ تعالیٰ قادر ہے بغیر پتھر کے پانی جاری کر سکتا تھا اور عصا کی ضرورت کے بغیر نہریں جاری فرما سکتا تھا۔ عصا کے ذریعے پانی بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟

جواب: یہ اس کی حکمتِ بالغہ ہے کہ مسببات کو اسباب سے متعلق کرتا ہے تا کہ بندے اپنی مراد کو اسباب سے حاصل کریں پھر ان اسباب کے ذریعہ ان کے لئے ثواب مرتب ہو اور آخرت میں سزا و جزا مقرر ہو سکے۔

منکر معجزہ کی تردید:۔ جو شخص اس جیسے معجزہ کا منکر ہے وہ اپنی جہالت و قلب تدبر کا ثبوت دیتا ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کریمہ سے یہ بات بعید سمجھی کیونکہ جب پتھر سے یہ بات ممکن مانتا ہے کہ پھر بال کاٹ اور لوہے کو کھینچ سکتا ہے تو کون سی شئے مانع ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں زمین میں سے پانی نکالنے کی قدرت پیدا کر دے یا ہوا کو اطراف سے کھینچ لے جس میں تدبر کی قدرت ہے اس کے سبب سے پانی ٹھنڈا ہو جائے۔

محمدی وموسوی معجزہ کا موازنہ:۔

امام قرطبی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں اور انگلیوں سے جو معجزات دکھلائے وہ بہت بڑے معجزات شمار کیے جاتے ہیں۔ کیونکہ ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ رات دن پتھروں سے پانی نکل رہا ہے۔ لیکن جو معجزہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھایا وہ پہلے کسی نبی علیہ السلام سے ہرگز ہرگز ظاہر نہیں ہوا۔ کیونکہ گوشت اور خون سے پانی کا نکلنا ایک لاحل عقدہ ہے اس بات کی [1] تہہ کو پہنچنے والا نہ کوئی دماغ اور نہ کوئی میٹر آج تک پیدا ہوا نہ آئندہ ہوگا عجز کے سوا چارہ نہیں گویا حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بھی تا قیامت اس قدر بزور عاجز کن ہیں کہ کسی کو کچھ کہنے کی مجال ہی نہیں۔ کُلُوْا یہاں قُلْنَا مقدر ہے یعنی ہم نے کہا یا انہیں کہا گیا کہ کھاؤ۔ وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وہ جو ہم نے من وسلویٰ اور پانی عنایت فرمایا کھاؤ اور پیو۔ اکل کا تعلق پہلے دو یعنی من وسلویٰ سے اور شرب کا تعلق پانی سے ہے۔

سوال: من رزقنا کیوں نہ فرمایا۔ حالانکہ فَقُلْنَا سابقہ کا تقاضا یونہی ہے کہ رزقنا ہونا چاہیے۔؟

جواب: اشارہ ہے کہ اکل وشرب کا حکم بذریعہ خطاب نہ تھا بلکہ موسیٰ علیہ السلام کے واسطہ سے تھا۔

وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ "عثی" بمعنی سخت فساد برپا کرنا یعنی انہیں کہا گیا کہ فساد میں سرکشی مت کرو۔ درآنحالیکہ تم فساد کرنے والے ہو۔ اس حال سے ان کی تعریف مقصود ہے کہ وہ فساد میں رہتے ہیں۔ عامل کو مقید کرنا مطلوب نہیں ورنہ معنیٰ یوں ہوگا۔ تمادوا فی العناد حال کونکم مصلحین اور یہ بالکل ناجائز ہے نیز یوں ہو کہ عَثٰی کا اصل معنیٰ ہے: مطلقاً تعدی۔ اگرچہ بمعنیٰ فساد میں اکثر آتا ہے پس حال سے مقید کرنا عامل کے معنیٰ کو خاص کرنا ہے۔

امتِ محمدی کی امتِ موسوی وغیرہ پر فضیلت:

آیت سے امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا السلام کی فضیلت پر دلالت ہو رہی ہے کہ بنی اسرائیل جب پانی کے محتاج ہوں تو موسیٰ علیہ السلام کو عرض کریں اسی طرح بقل و قثاء وغیرہ کے محتاج ہو کر موسیٰ علیہ السلام کو

---

[1] یہ عبارت ہماری ہے بطور تبصرہ بر تفسیر امام قرطبی علیہ الرحمہ۔ اویسی غفرلہ

marfat.ocm

کہتے رہے۔ لیکن ہمارے لیے یہ حکم ہے کہ تم جب محتاج ہو تو براہِ راست اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کرو۔ چنانچہ فرمایا: ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ یہ بہت بڑی بشارت ہے۔ دوسرا یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لئے پانی وغیرہ طلب کیا اور عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لئے مائدہ مانگا۔ لیکن ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے مغفرت چاہی اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔ چنانچہ فرمایا: وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طلب پر قوم کی ضرورت پوری کر دی تو ہمیں بھی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سوال پورا فرمالیا ہوگا۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ پانی طلب کرنے کے لئے دعائیں کرنا جائز ہے۔ یہ اس وقت جبکہ بارش نہ ہوئی ہو اور اس کی ضرورت سخت ہو پس اس وقت حکم ہے کہ اپنی عبودیت اور فقیری و مسکینی و ذلت کو ظاہر کریں کیونکہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم بھی عیدگاہ کی طرف متواضع و متذلل ہو و متخشع و متوسل و متضرع ہو کر پانی کی طلب میں کئی بار تشریف لے گئے۔

معجزہ: ۔ حضرت جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن ایک اعرابی حاضر ہوا اور عرض کی کہ حضور: **ھلکت الکراع والمواشی واجدبت الارض** (ہماری بھیڑ بکریاں جانور مرتے جا رہے ہیں اور زمین سوکھی پڑ گئی) دعا فرمائیے اللہ تعالیٰ ہمیں بارش عطا فرمائے۔ حضور علیہ السلام نے ہاتھ اٹھائے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت آسمان گویا شیشہ تھا یعنی بادل کا نشان بھی نہیں تھا ادھر ہاتھ اٹھے ادھر بادل اٹھا اور لگا برسنے۔ دوسرے جمعہ تک لگاتار بارش ہوتی رہی۔

مثنوی شریف میں ہے: ۔

تا فرود آید بلا بے دافعے — چوں نباشد از تضرع شافعے
تا سقاہم ربہم آید خطاب — تشنہ باش اللہ اعلم بالصواب

ترجمہ: ۱۔ نہ ٹلنے والی بلا جب نازل ہو تو درگاہِ حق میں تضرع کے سوا کوئی بہتر سفارشی نہیں۔

۲۔ پیاسا رہ تا کہ سقاہم ربہم (انہیں انکا رب پلائے گا) کا خطاب آئے۔

مسئلہ: دکھ دور کرنے کے لئے دعا نہ مانگنا اہلِ طریقت کے نزدیک بہت برا ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ

marfat.ocm

کے ساتھ مقابلہ کرنا اور اس کی تکالیف کو برداشت کرنے کا دعویٰ کرنا ہے۔

شیخ محقق ابن الفارض قدس سرہٗ فرماتے ہیں: ۔

ویحسن اظهار التجلد للعدی   ویقبح غیر المعجز عنه الا حبة

(دشمن کے سامنے اپنی طاقت ظاہر کرنا ضروری ہے، لیکن دوستوں کے سامنے قوت کا اظہار قبیح ہے)

حدیث شریف: ۔

زمین چالیس مردوں سے (جو کہ خلیل الرحمٰن علیہ السلام کی طرح ہوں گے) خالی نہیں رہے گی۔ ان کی بدولت تمہیں بارش حاصل ہوتی ہے اور ان کے صدقے تم مدد دیئے جاتے ہو ان میں سے جب ایک فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض دوسرا مقرر فرما دیتا ہے۔ ۔

گر نہ داری تو دم خوش در دعا   رو دعا ے خواہ از اخوان صفا

ترجمہ: اگر تمہیں دعا کا کوئی طریقہ نہیں آتا تو جاؤ محبوبان خدا سے دعا مانگنے کا عرض کرو۔

حدیث شریف: ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی سال دوسرے سال سے بارش میں کم نہیں ہوتا۔ لیکن جب کوئی قوم گناہوں میں زیادہ مبتلا ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان سے بارش کو پھیر کر دوسرے لوگوں کو دے دیتا ہے۔ جب سب لوگ گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بارش کو جنگلوں اور ویرانوں میں برساتا ہے۔

مسئلہ: شیخ بافتادہ آفندی فرماتے ہیں کہ سالک کی ترقی سنن مصطفویہ علی صاحبها التحیة والثناء پر مداومت کرنے میں ہوتی ہے۔

حکایت: ایک سال حجاج کے زمانہ میں بارش بند ہو گئی۔ لوگ کئی بار نماز استسقاء پڑھ چکے لیکن کچھ نہ ہوا۔ انہیں کسی ذریعہ سے فرمایا گیا کہ اگر وہ شخص دعا کرے کہ جس کی عصر اور عشاء سے پہلی والی چار رکعتیں ترک نہ ہوئی ہوں، تو بارش ہو جائے گی ورنہ اگر چالیس سال دعا مانگتے رہو گے تب بھی بارش نہیں ہو گی۔ ایسی عادت کا

marfat.ocm

انسان بہت تلاش کیا گیا لیکن مل نہ سکا آخر حجاج نے ظاہر کیا کہ مجھ سے کبھی یہ سنتیں ترک نہیں ہوئیں۔ اس نے دعا مانگی تو فوراً بارش شروع ہوگئی۔

سبق: دیکھئے! یہ حجاج کتنا ظالم تھا، لیکن سنتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے بارش حاصل ہوگئی۔

مسائلِ استسقاء:۔

مسئلہ: استسقاء سے پہلے سب لوگ گناہوں سے توبہ کریں اور حسبِ توفیق خیرات کریں اور روزے رکھیں اور نیک لوگوں کو سفارشی بنائیں اور پانی جانوروں اور بہائم اور ضعیف لڑکوں کے لئے طلب کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے پانی عطا فرمائے گا۔

مسئلہ: داعی دعا کے وقت یقین رکھے کہ میری دعا ضرور مستجاب ہوگی۔ کیونکہ دعا قبول نہ ہونے کے تین اسباب ہیں۔ یا تو اللہ تعالیٰ اجابت دعا سے عاجز ہے۔ یا اللہ تعالیٰ کا کرم بالکل نہیں یا اللہ تعالیٰ داعی کی دعا سے بے خبر ہے اور یہ سب امور اللہ تعالیٰ کے لئے منفی ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کریم ہے عالم ہے قادر ہے۔ اجابت دعا سے عاجز ہرگز نہیں۔ وہ مومنین کے بالکل قریب ہے وہ دعا سنتا ہے اور زاری قبول کرتا ہے۔ دعا جب بھی ہو ہر وقت اجازت ہوتی ہے۔

مسئلہ: چاہیے کہ دعا کے لئے ان نیک لوگوں کو ساتھ لے جائیں جن کی اجابت میں قوی امید ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بعض کی دعا قبول فرمائے گا تو اس کے کرم کے خلاف ہے کہ باقیوں کی دعا کو رد کرے۔

حدیث شریف:۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان زبانوں سے دعا کراؤ کہ جن سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ ہوئی ہو۔ صحابہ کرام نے عرض کی: حضور! ہم میں وہ کون ہیں جو ایسی زبانیں رکھتے ہوں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: تمہارے بعض تمہارے بعض کے لئے دعا کریں کیونکہ نہ تو نے اس کی زبان سے اللہ تعالیٰ کی بے فرمانی کی ہے اور نہ اس نے تیری زبان سے۔

مسئلہ: تفسیر الفاتحہ للفناری میں ہے کہ طلب کے وقت توجہ میں استقامت اور دعا کے وقت ندا کا ہونا ضروری ہے تاکہ قبولیت حاصل ہو۔ اس میں پھر اپنے آپ کو ملامت کرے کہ اللہ تعالیٰ کو اجابت کے لئے نہ

پکار سکا کیونکہ اس کا خیال تو ان تصورات کی طرف مبذول ہے جو اس پر غالب ہیں۔ پھر اجابت دعا کا کیا معنیٰ.

حکایت: فرعون نے قبل از دعویٰ الوہیت حکم دیا تھا کہ اس کے دروازہ پر بسم اللہ شریف لکھ دی جائے۔ جب موسیٰ علیہ السلام پر وہ ایمان نہ لایا تو موسیٰ علیہ السلام نے اس پر عذاب کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی لیکن اس سے کچھ نہ ہوا۔ پھر بارگاہِ الٰہی میں عرض کی: یا اللہ! میں اس کے لئے التجا کر رہا ہوں، لیکن تو توجہ نہیں فرماتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تیرا خیال تو یہ ہے کہ اسے عذاب میں مبتلا کروں لیکن تو اس کے کفر کو دیکھ رہا ہے اور میں اس کے ان کلمات کو دیکھ رہا ہوں جو اس کے مکان کے دروازے پر لکھے ہوئے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ انسانی روح اور اس کے صفات عالم قلب میں بمنزلہ موسیٰ علیہ السلام کے ہیں کہ وہ اپنے رب سے پانی اس لیے طلب کرتے ہیں تا کہ وہ حکمت اور معرفت سے معمور ہو جائیں اور اسے **لا الٰہ الا اللّٰہ** والے عصا کی ضرب کا حکم ہے اور اس عصا کی دو طرفیں نفی اور اثبات کی ہیں جن سے نور چمکتا ہے جب کہ صفاتِ نفس کی تاریکیاں حملہ آور ہوتی ہیں اور اس عصا کو حضرت باری تعالیٰ کی جنت سے اٹھایا گیا اور حجرِ قلب پر مارا جاتا ہے اور یہ قلب پتھر سے بھی زیادہ سخت ہے۔ پھر اس سے بارہ چشمے حکمت کے پانی کے بہ نکلے، کیونکہ **لا الہ الا اللّٰہ** کے حروف ہیں کہ انسانی صفات کی ہر صفت نے اپنا گھاٹ معلوم کر کے **لا الہ الا اللّٰہ** کے ہر حرف کو اپنا سائق اور قائد بنالیا۔ **لا الہ الا اللّٰہ** کے چشموں سے کسی کا گھاٹ میٹھا اور اعلیٰ ذائقہ دار ہے اور کسی کا کڑوا اور بے لذت ہے۔ نفس کا چشمہ تو خواہشات و شہوات کا ہے اور قلب تقویٰ و طہارت اور اطاعت سے پیاس بجھاتی ہے اور روح کی سیرابی کشف و مشاہدہ اور اسرار سے ہوتی ہے جو اسے حقائق کے چشموں سے تجلی صفات کے پیالے ساقی کے ہاتھوں نصیب ہوتے ہیں ایسے لوگوں کو باری تعالیٰ شراب میں حقیقتِ ذات کے جلوے ملا کر خوب سیراب کرتا ہے۔

كُلُوا وَاشْرَبُوا اے حقیقت شناس لوگو! اللہ تعالیٰ کے امر سے اس کے رزق کو خوب کھاؤ اور پیو۔ **وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ** لیکن اس کے امر کی نافرمانی اور گناہوں کو اختیار کر کے اور دین کو دنیا سے بیچ کر کے اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہوئے اور ان دونوں کو اپنے مولیٰ سے اعلیٰ سمجھ کر زمین پر فساد مت پھیلاؤ۔

(کذا فی التاویلات النجمیہ)

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ

وَاِذْ قُلْتُمْ ان کے اسلاف کی اور خرابی کی یا دہانی ہو رہی ہے کہ انہوں نے نعمتِ الٰہی کی ناشکری کی۔ موجودہ اہل کتاب کو بمنزلہ گذشتہ اہلِ کتاب کے قرار دے کر ان سے خطاب فرمایا، کیونکہ ان کے اور ان کے مابین اتحاد ہے اور اس قول کے قائلین وہ لوگ تھے جو جنگل سے نکل کر من و سلویٰ عطا کیے گئے۔ جب وہ اس کھانے سے اکتا گئے اور انسان کی فطرت کا تقاضا بھی یونہی ہے کہ جب ایک شئے پر مداومت کرتا ہے تو پریشان ہو جاتا ہے۔ انہیں وہی پہلی معاش یاد آ گئی جو انہیں مصر میں حاصل تھی اور تھے وہ جاٹ اسی لیے ان کی طبیعتوں نے اپنی عادات کی طرف شوق کیا تو کہنے لگے: يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ طعام وہ ہے جو غذا کے کام آئے۔ اس سے مراد منّ و سلویٰ ہے۔

سوال: طَعَامٍ وَّاحِدٍ کہہ رہے ہیں حالانکہ وہ تو دو تھے۔ منّ و سلویٰ؟

جواب: ان کو آپس میں ملا کر کھاتے۔ اسی لیے واحد کہا۔ یا طعام واحد اس لیے کہا کہ اس میں تبدل و اختلاف نہ تھا۔ اگر ایک شخص کے دستر خوان پر مختلف قسم کے کھانے نہ ہوں ہو تو اچھا ہے، تو اس کے لئے کہا جاتا کہ ایک طعام پر اکتفا کرتا ہے۔ تفسیر بغوی میں ہے کہ عرب کی عادت ہے کہ دو چیزوں کو ایک سے تعبیر کرتے ہیں جیسے قرآن شریف میں ہے: يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ حالانکہ لؤلؤ اور مرجان نمکین پانی سے خارج ہوئے تھے نہ کہ میٹھے سے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں: انہوں نے کہا ہم دولت مندی پر اکتفا نہیں کرتے۔ کیونکہ ہم سب غنی ہیں تو اس لحاظ سے ایک دوسرے کی امداد نہیں کرتے کیونکہ ہر ایک دولت مند ہے یہی ہیں سب سے پہلے نوکر و خادم مقرر کرنے والے۔

فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے سوال کیجئے۔ فاء سببیت کی ہے یعنی دعا سے صبر نہ کرنے کے سبب سے يُخْرِجْ لَنَا یعنی ہمارے لیے ظاہر کرے اور کوئی شئے پیدا کرے۔ مفعول محذوف ہے اور جزم امر کے جواب کے لیے ہے۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کی دعا اجابت کا سبب تھی یعنی اگر آپ نے اپنے رب سے ہمارے لیے دعا مانگیں تو آپ کو رب ہمارے لیے ظاہر کرے۔

مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ یہ اسناد مجازی ہے۔ قابل (ارض) کو فاعل (اللہ) کے قائم مقام رکھا گیا ہے۔ من تبعیضیہ

اور ما موصولہ ہے۔ مِنْ بَقْلِهَا مِنْ بیانیہ ہے۔ ضمیر سے حال کے قائم مقام ہے۔ ای مما تنبت کائنا من بقلها بقل وہ سبزی جو زمین اگاتی ہے۔ لیکن یہاں پر مطلق سبزیاں مراد ہیں اور وہ چیزیں جنہیں لوگ عمل میں لاتے ہیں جیسے پودینہ وکرفہ اور گندنا وغیرہ وغیرہ۔

وَقِثَّآئِهَا کھیرا۔ یہ ایک شئے ہے جو ککڑی کے مشابہ ہوتی ہے۔ وَفُوْمِهَا یعنی گندم۔ کیونکہ عدس، کا ذکر دلالت کرتا ہے کہ یہاں پر گندم مراد ہو۔ کیونکہ وہ اس کی جنس ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ "فوم" سے مراد تھوم ہے کیونکہ بصل کا ذکر دلالت کرتا ہے کیونکہ تھوم پیاز کی جنس سے ہے۔

ابن التمجید فرماتے ہیں کہ فوم سے تھوم مراد لینا زیادہ موزوں ہے کیونکہ اس کے قریب قریب بصل اور عدس کا ذکر ہوا اور عدس کو پیاز اور تھوم سے پکایا جاتا ہے۔ وَعَدَسِهَا مشہور دانہ ہے کہ جس کی کیل وزن برابر ہی ہے وَبَصَلِهَا مشہور سبزی ہے۔ اس سے ہانڈیوں یعنی سالن کو درست کیا جاتا ہے۔ قَالَ جملہ مستانفہ ہے۔ سوال مقدر کے جواب میں واقع ہوا ہے۔ گویا پوچھا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یا موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کیا جواب دیا تو کہا گیا کہ اس نے بطور انکار فرمایا: اَتَسْتَبْدِلُوْنَ اپنے نفسوں کے لئے بدلتے ہو اور وہ چیز پسند کرتے ہو۔ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی جو نہایت کم مرتبہ اور گھٹیا درجہ کی ہے۔ بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ اس کے عوض میں اچھی چیز کیونکہ "باء" زائل شئے کی مصاحبت میں آتی ہے نہ کہ جو شئے آنے والی ہو۔ من و سلویٰ کی لذت اور بلا مشقت حاصل ہونے کی خیریت بیّن ہے اور تھوم اور مسور اور پیاز وغیرہ کی خساست بھی ظاہر ہے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ گندم اگرچہ من و سلویٰ سے افضل ہے لیکن اب تو قیمت کے لحاظ سے کم ہے۔ آیت سے قطعی ثابت نہیں ہوتا کہ انہوں نے یہ ارادہ کیا ہو کہ من و سلویٰ بالکل نہ ہوں اور ان کے عوض وہ اشیاء ہوں اور استبدال صرف صوری ہے بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ کبھی من و سلویٰ ہو اور کبھی یہ چیزیں اسی لیے تو انہوں نے کہا: لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ

اِهْبِطُوْا جنگل سے نکلو اگر تمہارا ارادہ ان اشیاء کے حصول کا ہے۔ مِصْرًا کسی ایک شہر میں۔ کیونکہ تم جنگل میں ہو اور جس چیز کے خواہشمند ہو وہ یہاں نہیں مل سکے گی۔ بلکہ اس کا حصول آبادیوں میں ہے۔

فوائد :۔ ف :۱۔ اس مصر سے مصرِ فرعون مراد نہیں کیونکہ انہیں فرمایا گیا: **یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ**

marfat.ocm

كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ جب انہیں اس ارض مقدسہ کے داخلہ کا حکم دیا گیا تو اب مصر کا فرعون مراد لینا کیسے ہوسکتا ہے۔ لہٰذا یہی مطلب زیادہ مناسب ہے۔

ف: ۲۔ مصر ہر بڑے شہر کو کہتے ہیں۔ **مصر الشیء یمصرہ** سے ماخوذ ہے بمعنیٰ انقطاع۔ چونکہ مصر اپنی عمارت کے اعتبار سے خالی میدان سے منقطع ہوتا ہے۔ بنابریں اس نام سے موسوم ہوا۔

ف: ۳۔ کبھی قریہ کو مصر کہا جاتا ہے جیسے کبھی مصر کو قریہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ف: ۴۔ مصر منصرف بھی ہوتا ہے اور غیر منصرف بھی۔ یہاں پر منصرف ہے کیونکہ ایک غیر معیّن شہر مراد ہے۔

ف: ۵۔ بعض مفسرین کہتے ہیں یہاں پر مصر فرعون ہی مراد ہے۔ لیکن اس کا منصرف ہونا سکون الاوسط کی وجہ سے ہے۔ جیسے ''ھِنْد'' و ''دَعْد'' اور ''نُوح'' ہیں۔ یا تاویلاً منصرف ہے کہ اس سے شہروں سے کوئی شہر مراد ہے نہ خاص مصر پھر اس میں صرف علمیت پائی گئی بنابریں منصرف ہے۔

فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ شہر میں چلے جانے کی علت ہے۔ یعنی اب تمہارے لیے وہی زمین سے اگائی ہوئی سبزیاں ہیں جن کی تمہیں طلب ہے۔ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ ذلت اور خواری وَالْمَسْكَنَةُ فقر و افلاس۔

ف: فقیر کو مسکین اس لیے کہا جاتا ہے کہ فقر اسے ساکن کر دیتا ہے اور گویا چلنے پھرنے سے بٹھا دیتا ہے یعنی انہیں ہر دونوں قبلہ کی طرف محیط ہو گئے یا انہیں چمٹ گئے اور انہیں ذلت و فقر اس لیے لازم کیا گیا کہ انہوں نے کفرانِ نعمت کیا۔ اس کی سزا یہ ملی کہ ذلت و فقر کا نشانہ ہو گئے۔ جیسے گارا دیوار کو لازم ہوتا ہے انہیں بھی فقر و افلاس یونہی لازم ہوا کہ اب یہود کو دیکھا جاتا ہے کہ اگرچہ وہ دولت مند ہوتے ہیں لیکن فقراء معلوم ہوتے ہیں۔

وَبَآءُوْ راجع ہوئے۔ بِغَضَبٍ بڑے بڑے رنج کے ساتھ۔ مِّنَ اللّٰهِ جو اللہ تعالیٰ سے ہوا۔ اس کے مستحق ہوئے اور ان کو لازم ہو گیا۔ اسی محاورہ سے حضور علیہ السلام کا قول ہے: اَبُوْءُ بِنِعْمَتِكَ علی یعنی اپنے نفس پر تیری نعمت کا لازم پکڑنا اور نفس کو اس کے قریب کرتا ہوں۔

ف: اللہ تعالیٰ کے غضب کا یہ معنیٰ ہے کہ دنیا میں ان کی مذمت کی اور آخرت میں انہیں بُری سزا دے گا۔

ذٰلِكَ ذلت و مسکنت اور عظیم غضب کا لازم ہونا۔ بِاَنَّهُمْ اس سبب سے ہے کہ یہود كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

marfat.ocm

ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے آیات سے کفر کرتے ہیں۔ آیات سے یہی معجزات مراد ہیں جو موسیٰ علیہ السلام سے ظاہر ہوئے اور یہ بھی ہے کہ وہ قرآن پاک اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ صفات جو تورات میں تھیں ان کا انکار کرتے اور عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کو جھٹلاتے ہیں۔ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ نبیوں کو ناحق شہید کرتے تھے جیسے شعیب و زکریا و یحییٰ علیہم السلام کو شہید کر دیا تھا۔

ف: بِغَيْرِ الْحَقِّ کی قید سے اشارہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا قتل حق کی وجہ سے محال ہے اور وہ کفار قاتلین بھی ان کے قتل کو قتلِ ناحق سمجھتے تھے۔

سوال: انبیاء علیہم السلام کی شان بڑھانا اور ان کے مراتب میں اضافہ تھا تاکہ ان سے وہ معاملہ ہو جو کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہوتے ہیں نہ کہ اس میں معاذ اللہ ان کی رسوائی مطلوب ہوتی۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قتل وہ انبیاء علیہم السلام ہوئے جنہیں جہاد کرنے کا حکم نہیں ملا تھا اور جنہیں جہاد کرنے کی اجازت تھی۔ ان میں سے کوئی نبی بھی شہید نہیں ہوا۔ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ آیات ذیل میں تعارض نہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ (اور انبیاء علیہم السلام کو ناحق شہید کرتے تھے) اور فرمایا: إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا (ہم اپنے رسولوں کی مدد کریں گے) اور فرمایا: وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ (اور بیشک ہمارا کلمہ ہمارے بندوں یعنی رسل کرام پر سبقت کر گیا اور مدد کیے جائیں گے) علاوہ گذشتہ تقریر کے یہ معنیٰ بھی ہو سکتے ہیں کہ نصر سے حجۃ اور حق کا بیان مراد ہے۔ اس معنیٰ سے تمام انبیاء علیہم السلام مدد دیئے ہوئے تھے۔

ف: مروی ہے کہ صرف ایک دن میں ستر نبی شہید ہوئے (علیہم السلام) مولانا روم قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

چوں سفیہاں راست ایں کاروکیا لازم آید یقتلون الانبیاء
انبیاء را گفتہ قوم راہ گم از سفہ انا تطیرنا بکم

ذٰلِكَ یہ جو مذکور ہوا۔ یعنی ان کا آیات عظام سے کفر اور انبیاء علیہم السلام کو شہید کرنا۔ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ بسبب اس کے ہے کہ وہ میرے امر سے متجاوز ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کے محارم کے مرتکب ہو بیٹھے۔ یعنی انہیں چھوٹے گناہوں نے ان بڑے گناہوں اور سرکشی کی طرف کھینچا کہ جن کی طرف پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے

کیونکہ قاعدہ ہے کہ چھوٹے گناہوں کی مداومت سے بڑے گناہوں کا ارتکاب ہو جاتا ہے جیسا کہ چھوٹی عبادات کی عادات سے بڑی عبادات ادا کرنے کی طلب حاصل ہو جاتی ہے۔

نسخہ روحانی: ۔ قلب کی غفلت ایک بیماری ہے جو ایمان کی لذت سے محروم رکھتی ہے کیونکہ بیمار بسا اوقات میٹھے کو کڑوا محسوس کرتا ہے اسی لیے کہا گیا ہے کہ غفلت دل کے لئے زہر قاتل ہے جس طرح ہم زہر دار طعام سے کوسوں دور بھاگتے ہیں اسی طرح اللہ والے غفلت سے دور ہو رہتے ہیں۔

ف: بندے اور مولیٰ کی مراد میں بہت بڑا فرق ہے۔ جس چیز کا اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے اس میں بھلائی ہوتی ہے بخلاف بندے کے کہ ضروری نہیں کہ اس کے ہر ارادے میں بھلائی ہو۔

ف: اگر بنی اسرائیل کے بجائے امت محمدیہ علی صاحبہا التحیۃ والثناء ہوتی تو یہ بنی اسرائیل کی طرح باتیں نہ بناتے کیونکہ ان کے قلوب انوار سے معمور اور سینے اسرار سے مسرور ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف میں فرمایا: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا

تفسیر صوفیانہ جس طرح بنی اسرائیل ایک طعام پر صبر نہ کرتے ہوئے غیر معقول باتیں کہہ بیٹھے۔ اسی طرح انسان کا نفس اپنی کم ہمتی کی بنا پر اس طعام (یعنی اسرار غیبی جو اللہ تعالیٰ سے اسے نصیب ہوتے ہیں) کہتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صبر کرتے جب کہ آپ پر واردات ہوتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا: لَسْتُ كَاَحَدِكُمْ فَاِنِّیْ اَبِیْتُ عِنْدَ رَبِّیْ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِیْ

(مجھ جیسے تم کب ہو سکتے ہو مجھے تو میرا رب کھلاتا پلاتا ہے)

بلکہ یہ انسان صبر نہ کر کے قلب موسیٰ سے کہتا ہے: فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ یعنی اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ ہمیں بشریت کی زمین شہوات حیوانیہ کی سبزی اور لذات جسمانیہ کی ککڑی عنایت فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَتَسْتَبْدِلُوْنَ کیا تم باقی پر فانی کو ترجیح دیتے ہو۔ اِهْبِطُوْا مقامات روحانی علوی سے اتر کر قالب سفلی کے شہر میں چلے جاؤ۔ فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ تمہیں وہی کچھ ملے گا جو تم نے خسیس مطالب طلب کیے۔

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ جانوروں اور حیوانوں کی طرح تم پر ذلت وخواری مسلط کی جائے گی بلکہ اس سے بھی زیادہ ذلیل رہو گے کیونکہ تمہارا انجام اللہ تعالیٰ کے غضب کا مستعد ہو چکا ہے۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ یہ

اس لیے کہ وہ لوگ وارداتِ غیبیہ اور مکاشفات روحانیہ سے کفر کرنے والے تھے۔ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ اور عالمِ غیب سے انبیاء علیہم السلام کے مقام سے جو کچھ ان کو علیہ ملا اس کا باطل قرار دیتے اور ان کے اسرار کا انکار کرتے ہیں اور یہ خرابیاں انہیں ان کی شامتِ اعمال ہیں جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے عہد توڑ کر اپنی جدوجہد طاعت کے بجائے معصیت میں جاری رکھی اور حق کی طلب کے بجائے ماسوا کی تمنا میں رہتے ہیں

مسئلہ : آیت سے ثابت ہوا کہ اچھا اور لذیذ طعام کھانا جائز ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میٹھے طعام اور شہد کو محبوب رکھتے اور ٹھنڈا میٹھا پانی نوش فرماتے تھے۔

مسئلہ : مسور کی دال اور زیتون صالحین کا طعام ہے۔

مسور کی دال کے فضائل:۔

۱۔ حدیث شریف میں ہے: **عَلَیْکُمْ بِالْعَدَسِ فَاِنَّهٗ مُقَدَّسٌ**" مسور کی دال کو لازم پکڑو اس لیے کہ وہ مبارک اور مقدس اناج ہے۔ اس لیے کہ وہ قلب کو رقیق کرتی اور آنکھوں سے آنسو لاتی ہے۔ اس کے لئے ستر انبیاء اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی ہے۔

۲۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمہ کا معمول تھا کہ ایک روز زیتون سے، ایک روز مسور کی دال سے، ایک روز گوشت سے کھانا کھاتے تھے۔ اگر اس میں کچھ فضیلت نہ ہوتی تو ان کا یہ معمول نہ ہوتا۔

۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مہمان نوازی کا کوئی طعام ضیافت سے خالی نہ تھا جس میں مسور کی دال نہ ہو۔

۴۔ اس کا خاصہ ہے کہ جسم کو ہلکا پھلکا رکھتی ہے جس سے عبادت میں راحت میسر ہوتی ہے۔

۵۔ اس سے شہوتِ نفسانیہ میں اضافہ نہیں ہوتا جیسے گوشت اور گندم سے ہوتا ہے۔

مسئلہ : پیاز اور لہسن کی طرح ہر بدبودار پاک شئے کا کھانا مباح ہے۔

حدیث شریف میں ہے: **مَنْ اَکَلَ الْبَصَلَ وَالثُّوْمَ وَکُرَّاثَ فَلَا یَقْرِبَنَّ مَسْجِدَنَا**

(جس نے پیاز، لہسن اور گندنا کھایا وہ ہماری مساجد کے قریب نہ آئے)

کیونکہ جس طرح بدبو سے بنی آدم کو دکھ ہوتا ہے اسی طرح ملائکہ کو بھی ہوتا ہے۔

ف: اس سے وہ ملائکہ مراد ہیں جو عبادت کے وقت اترتے ہیں نہ کہ وہ فرشتے جو بندوں کے ساتھ ہر وقت رہتے ہیں

ف: ملائکہ کو بدبو سے دکھ ہوتا انہی مخصوص اشیاء سے یا عام ہر بدبودار شئے سے ہوتا ہے اس کا علم شارع کو ہے۔

مسئلہ: اس علت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں اگرچہ کوئی بھی نہ ہو تب بھی یہ اشیاء کھا کر نہ جانا چاہیے۔ کیونکہ مسجدیں فرشتوں کی نزول گاہ ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنْ کُنْتُمْ لَابُدَّ لَکُمْ مِنْ اَکْلِھَا فَاَمِیْتُوْھَا طَبْخاً

(یعنی اگر تمہیں ضرور کھانا ہی ہے تو ان کی بدبو کو مٹا کر، یعنی پکا کر کھاؤ)

مسئلہ: اسی سے فقہاء نے مسئلہ اخذ کیا ہے کہ جہاں بھی لوگ جمع ہوتے ہوں وہاں بدبودار چیزیں کھا کر نہیں جانا چاہیے۔

مسئلہ: اسی طرح لہسن و پیاز پر قیاس کرتے ہوئے ہر بودار شے کے مسئلے کا قیاس کیا گیا ہے۔

نکتہ: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے پیاز وغیرہ سے اس لیے کراہت فرمائی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی آیا کرتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ سے ہمکلام ہوتے لیکن اپنے ماسوا باقیوں کے لئے مباح فرمادیا۔ چنانچہ کہا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری عمر میں اسے بیانِ جواز کی خاطر تناول فرمایا۔

مسئلہ: رخصت کے ساتھ سالک کے لئے عزیمت (اعلیٰ طریقہ) یہ ہے کہ اپنے قول و فعل و حال میں اپنے نبی پاک شہ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرے۔ حضرت عارف رومی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

یَا نَبِیَّ اللّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ — اِنَّمَا الْفَوْزُ وَ الْفَلَاحُ لَدَیْکَ
گر نرفتم طریقِ سنت تو — ہستم از عاصیانِ امت تو
ماندہ ام زیر بار عصیاں پست — رفتم از پا بگیری دست

marfat.ocm

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِـِٕیْنَ مَنْ اٰمَنَ

بیشک ایمان والے نیز یہودیوں اور نصرانیوں اور ستارہ پرستوں میں سے کہ وہ سچے دل سے اللہ اور پچھلے دن پر ایمان

بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ

لائیں اور نیک کام کریں ان کا ثواب ان کے رب کے پاس ہے اور نہ انہیں کچھ اندیشہ ہو

عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (۶۲) وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ

اور نہ کچھ غم۔ اور جب ہم نے تم سے عہد لیا اور تم پر طور کو اونچا کیا

خُذُوْا مَاۤ اٰتَیْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (۶۳) ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ

تو جو کچھ ہم تم کو دیتے ہیں زور سے اور اس کے مضمون کو یاد کرو اس امید پر کہ تمہیں پرہیزگاری ملے۔ پھر اس کے بعد تم پھر گئے

مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ

تو اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم ٹوٹے والوں میں سے ہو جاتے۔

الْخٰسِرِیْنَ (۶۴) وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِیْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِی السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ

اور بیشک ضرور تمہیں معلوم ہے کہ تم میں کے وہ جنہوں نے ہفتہ میں سرکشی کی تو ہم نے ان سے

كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕیْنَ (۶۵) فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهَا وَمَا خَلْفَهَا

فرمایا کہ ہو جاؤ بندر دھتکارے ہوئے۔ تو ہم نے (اس بستی کا) یہ واقعہ اس کے آگے اور پیچھے والوں کے لئے عبرت کر دیا

وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِیْنَ (۶۶) وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ

اور پرہیزگاروں کے لئے نصیحت۔ اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا خدا تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو

تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْۤا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ

بولے کہ آپ ہمیں مسخرہ بناتے ہیں فرمایا خدا کی پناہ کہ میں

marfat.ocm

اَلْجٰهِلِیْنَ (۶۷) قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ یُبَیِّنْ لَّنَا مَا هِیَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ یَقُوْلُ اِنَّهَا

جاہلوں سے ہوں۔ بولے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں بتادے گائے کیسی کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے

بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَیْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ (۶۸)

نہ بوڑھی اور نہ اوسر بلکہ ان دونوں کے بیچ میں تو کرو جس کا تمہیں حکم ہوتا ہے۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ یُبَیِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ یَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ

بولے اپنے رب سے دعا کیجئے ہمیں بتادے اس کا رنگ کیا ہے کہا وہ فرماتا ہے وہ ایک پیلی گائے ہے

صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِیْنَ (۶۹) قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ یُبَیِّنْ

جس کی رنگت ڈہڈہاتی دیکھنے والوں کو خوشی دیتی۔ بولے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ ہمارے لئے صاف

لَّنَا مَا هِیَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَیْنَا ؕ وَاِنَّاۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ (۷۰)

بیان کردے وہ گائے کیسی ہے بیشک گایوں میں ہم کو شبہ پڑ گیا اور اللہ چاہے تو ہم راہ پا جائیں گے۔

قَالَ اِنَّهٗ یَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِیْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِی الْحَرْثَ ۚ

کہا وہ فرماتا ہے وہ ایک گائے ہے جس سے خدمت نہیں لی جاتی کہ زمین جوتے اور نہ کھیتی کو پانی دے

مُسَلَّمَةٌ لَّا شِیَةَ فِیْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا

بے عیب ہے جس میں کوئی داغ نہیں بولے اب آپ ٹھیک بات لائے تو اسے ذبح کیا اور ذبح کرتے

یَفْعَلُوْنَ (۷۱) ع

معلوم نہ ہوتے تھے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یعنی وہ لوگ جو صرف زبان سے ایمان رکھتے ہیں لیکن دل ان کے موافق نہیں وہ منافق ہیں جیسا کہ انہیں کفار کے بیان میں ذکر کرنے کا قرینہ بتاتا ہے اور

marfat.ocm

انہیں ایمان کے ساتھ تعبیر اور نفاق کی تصریح نہ کرنا اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ اگرچہ ان کو مومن کہا جارہا ہے لیکن ان کو ایمان کوئی فائدہ نہیں دے گا اور نہ ہی انہیں کفر کے گڑھے سے بچا سکتا ہے۔

وَالَّذِیْنَ هَادُوْا یہ لفظ یا تو عربی ہے هَادَ سے مشتق ہے۔ یہ لفظ اس بولتے ہیں جب کوئی برے فعل سے توبہ کرلے اور ان کو یہود اس لیے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے گوسالہ پرستی سے توبہ کی تھی اور ان کو اس نام سے اس لیے خاص کیا گیا کہ ان کی ایسی توبہ تھی کہ جان دینے پر قبول ہوئی۔ یا یہودا کا معرب ہے گویا یعقوب علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے کے نام سے منسوب ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ انہیں یہود اس لیے کہا جاتا ہے کہ جب ان کے پاس نبی یا رسول تشریف لاتے تو اسے بادشاہ کی طرف لا کر شہید کردیتے۔

وَالنَّصٰرٰی، نَصران" کی جمع ہے جیسے نَدمیٰ، ندمان کی جمع ہے۔ اس نام سے اس لیے موسوم ہیں کہ انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی نصرت کی تھی یا اس لیے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اس بستی میں تھے جس کا نام ناصرہ ہے یا وہ نصرت کی طرف منسوب ہیں کہ وہ ایک بستی ہے کہ جس میں عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے۔

وَالصَّابِئِیْنَ، صَبَاءَ" سے مشتق ہے۔ یہ اسے کہتے ہیں جو دین سے خارج ہوجائے اور انہیں صابی اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ یہودیت و نصرانیت سے خارج ہو کر ستارہ و ملائکہ پرستی میں مشغول ہوگئے۔

مسئلہ : ان کا بت پرستوں جیسا حکم ہے کہ نہ کہ ان کے ذبائح کھائے جائیں اور نہ ان کی عورتوں سے نکاح کیا جائے اگرچہ وہ زبور بھی پڑھتے تھے۔

حدیث شریف :۔ ایک اعرابی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: حضور! صابئین کو صابئین کیوں کہا جاتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وجہ یہ ہے کہ جب ان کے پاس کوئی نبی یا رسول تشریف لاتا تو وہ انہیں گرفتار کرلیتے اور پانی گرم کر کے ان کے سروں پر ڈالتے رہتے یہاں تک کہ وہ زخمی ہو کر پھٹ جاتا۔ (کذافی روضة العلماء)

مَنْ مبتدا ہے اور اس کی خبر فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ ہے پھر یہ جملہ اِنَّ کی خبر ہے۔ اٰمَنَ جو بھی ایمان لایا ان کفار میں سے بِاللّٰهِ اللہ اور تمام نبیوں پر اور جو کچھ ان پر نازل کیا گیا (اس پر بھی ایمان لایا) وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یوم قیامت پر یعنی جو

شخص ایمان ظاہر کرے مبدا اور معاد کے لئے لائق طریق پر اور اسلام میں پوری طرح داخل ہو جائے۔

وَعَمِلَ اور عمل کرے **صَالِحًا** جو اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہے۔ **فَلَهُمْ** فـــا سببیت کی ہے۔ پس ان کے لئے **اَجْرُهُمْ** ان کا اجر جس کا ان کو وعدہ دیا گیا ہے۔ **عِنْدَ رَبِّهِمْ** ان کے مالک کے نزدیک اور ان کا انجام کمال لائق کی طرف ہوگا اور **عِنْدَ** کا متعلق وہ ثبت (فعل) ہے جو لھم کا متعلق ہے اس میں خبر دی جا رہی ہے کہ ان میں سے جو بھی ایمان لائے اور نیک عمل کرے تو ان سے برے اعمال اور ان کے آباء کی غلطیوں کا مواخذہ نہیں ہوگا اور نہ ہی ان کے ثواب میں کچھ کمی ہوگی۔

وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ اس کا عطف جملہ پر ہے۔ ای **فلهم اجرهم ولا خوف عليهم** یعنی انہیں اس وقت کوئی خوف نہیں ہوگا جبکہ کفار خوف سے ڈرتے ہوں گے۔

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اور نہ ہی انہیں کوئی ڈر ہوگا اس وقت جبکہ قصور وار لوگ عمر کو ضائع کرنے اور ثواب کے فوت ہو جانے سے ڈر رہے ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ کے لئے ان سے خوف و حزن اٹھا لیا جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ جو بھی مخلص ہو کر ایمان لائے اور اچھے عمل کرے اسے بہشت میں داخل کیا جائے گا۔

ف: اسلام کے حسن کی دھاک تو ہر نفس میں سمائی ہوئی ہے اس سے روگردانی بشری بیماری یا اندھی تقلید سے کی جاتی ہے کیونکہ پیدائش کے وقت فطرتاً اور طبعاً ہر ایک میں دین موجود ہوتا ہے اگر اسے اسی حالت میں چھوڑا جائے تو سوائے دین کے اور کچھ اس سے سرزد بھی نہ ہو۔ جیسے کہ حدیث شریف میں ہے:

كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلٰى فِطْرَةِ الْاِسْلَامِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ

یعنی ہر نو مولود میں فطرۃ اسلامی موجود ہوتی ہے پھر ماں باپ کی مرضی کہ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنائیں

ف: ابن الملک اس حدیث شریف کی شرح میں فرماتے ہیں کہ فطرتِ اسلام سے مراد وہ لفظ بَلٰی ہے جو روزِ میثاق بندوں نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کے جواب میں فرمایا۔

سوال: جس لڑکے کو حضرت خضر علیہ السلام نے قتل کر دیا اس کے بارے میں آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کی فطرت میں کفر سمایا ہوا ہے اور حدیث ان کے خلاف ہے۔

جواب: حضرت خضر علیہ السلام نے اس کی فطرۃ کے متعلق نہیں فرمایا بلکہ آپ فرما رہے ہیں کہ پیدائش سے

اس کے متعلق کفر لکھا جا چکا ہے اور حدیث شریف کا اشارہ اس سے قبل یعنی میثاق کی طرف ہے۔ چنانچہ تحقیق یہ ہے کہ جب اللہ تعالٰی نے ذریت آدم علیہ السلام کو ان کی پشت سے ظاہر کر کے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ فرمایا اس وقت تو ذاتِ باری تعالٰی کے مشاہدہ سے ہر ایک نے ایمان ظاہر کر دیا لیکن کفار کو اس قول سے نفع نہ ہوا کیونکہ وہ تو اس سے قبل ہی ایمان کے دائرہ سے خارج تھے۔ اس وقت سے مومن اور کافر سب ایک ہو گئے ان کے مابین کوئی تمیز نہ تھی جب اپنی اپنی ماؤں کے بطون میں آئے تو اس وقت کافر و مومن کے مابین امتیاز نہ ہوا کیونکہ وہ فرشتہ جو اس وقت شقاوت و سعادت لکھنے پر متعین ہے اس نے بطونِ امہات میں سعید و شقی اس لحاظ سے لکھا کہ انہوں نے آگے چل کر مومن بننا ہے یا کافر۔ اقرار والے قول کا اعتبار نہیں کرتا۔ اب اسی فطرت یعنی بلٰی والے قول پر پیدا ہوتے ہیں۔

مقاماتِ اربع کی تحقیق:۔ مقامِ اول، علمِ الٰہی، اسے بطن معنوی اور صوفیہ کی اصطلاح میں **بطن الام اور بطن ام الکتاب** کہتے ہیں۔ مقامِ ثانی، مقامِ بلٰی ہے اسے مولودِ معنوی کہا جاتا ہے۔ مقامِ ثالث **بطن الام الصوری** ہے۔ مقامِ رابع مولود صوری یعنی صورۃ مولود معنوی۔ اس مقام پر سعید و شقی میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا۔ جیسے عالم اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ میں امتیاز نہیں تھا البتہ بطن صوری جسے صورۃ علم اللہ کہا جاتا ہے اس وقت سعید و شقی کے مابین امتیاز ہوا کرتا ہے۔ یہاں حدیث شریف: **اَلسَّعِیْدُ سَعِیْدٌ "فِیْ بَطْنِ اُمِّهٖ وَالشَّقِیُّ شَقِیٌّ" فِیْ بَطْنِ اُمِّهٖ** (سعادت مند اپنی ماں کے پیٹ سے ہی سعید ہے اور بد بخت اپنی ماں کے پیٹ میں بد بخت ہے) کا معنٰی واضح ہو گیا اور اس حدیث کا مطلب بھی ظاہر ہو گیا کہ فرمایا گیا ہے: **السعید قد یشقیٰ والشقی قد یسعد۔** یعنی سعید کبھی بد بخت ہو جاتا ہے اور کبھی شقی کو بھی سعادت نصیب ہو جاتی ہے اور **کل مولودٍ یولود علی فطرۃ الاسلام** کا مفہوم بھی سامنے آ گیا۔ **(کذا حققہ الشیخ بالی الصوفیوی قدس سرہٗ)**

صاحبِ روح البیان کی تحقیق:۔ میں (اسماعیل حقی علیہ الرحمہ) کہتا ہوں کہ میرے شیخ **کتاب اللائحات الباقیات** میں فرماتے ہیں کہ **بطن الام** اہل مشرب کے نزدیک **باطن الغیب المطلق الذاتی** کا نام ہے۔ یعنی **السعید** سعید باطنی غیب مطلق ہے۔ ازلاً اور ظاہر شہادت مطلقہ میں ابداً ان دونوں حالتوں میں اس کی سعادت میں شقاوت بالکل داخل نہیں ہو سکے گی اور **اَلشَّقِیُّ شَقِیٌّ** غیب مطلق کے باطن میں ازلاً اور شہادۃ

marfat.ocm

مطلقہ کے ظاہر میں ابداً ان دونوں حالتوں میں اس کی شقاوت میں سعادت کو کسی قسم کا دخل نہیں البتہ عالمِ برزخ جوان دونوں کا جامع ہے کبھی سعادت مند کی سعادت میں شقاوت اور شقی کی شقاوت میں سعادت داخل ہو سکے گی۔ اس لحاظ سے سعادت مند ذاتی اعتبار سے سعید ہوگا اور عارضی طور پر شقی ہوگا اور شقی ذاتی طور پر شقی ہوگا اور عارضی طور پر سعید۔ پھر اس کا خاتمہ ذاتی اعتبار پر ہوگا۔ اگر وہ ذاتی طور پر سعید ہے تو اس کی عارضی شقاوت دور ہو جائے گی اور سعادت ذاتی کا غلبہ ہو جائے گا جس کی وجہ سے خاتمہ خیر پر ہوگا اور اسے سعید لوگوں میں داخل کیا جائے گا اور جس کی شقاوت ذاتی ہے اور سعادت عارضی تو خاتمہ کے وقت سعادت دور ہو جائے گی اور شقاوت ذاتی کے غلبہ سے اشقیاء کے زمرہ میں داخل ہوگا۔ یہی مطلب ہے اس حدیث شریف کا، جس میں فرمایا: السعید قد یشقی و الشقی قد یسعد۔ معلوم ہوا کہ تبدل عارضی میں ہے نہ کہ ذاتی میں اور اعتبار ذاتی کا ہوتا ہے نہ کہ عارضی کا۔

تفسیر صوفیانہ

جس کے قلب کا انشراح اللہ تعالیٰ کے نور سے ہوتا ہے تو اس کا ایمان تقلیدی نہیں ہوتا اور نہ کسی رسم و عادت اور آباء کی اقتداء سے ہوتا ہے ایسے لوگوں کے لئے فرمایا گیا: لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ یعنی ان کو انانیت کے حجاب سے کوئی خوف نہیں۔ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ اور نہ ان کو دوئی کا خطرہ ہے کیونکہ وہ تو وحدیت اور ہُویت کے نور سے حاصل ہو چکے ہیں۔

تفسیر عالمانہ

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ اہلِ کتاب کے اسلاف کی دیگر خیانت کا تذکرہ ہے یعنی اے بنی اسرائیل! یاد کرو جب ہم نے تمہارے اسلاف سے وعدہ لیا کہ تورات پر عمل کرو۔

ف: یہ حکم جنگل میں جانے سے پہلے کا ہے جب موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مصر سے نکلے اور غرقابی سے نجات پائی۔ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ہم نے تمہارے اوپر پہاڑ چھتری کی طرح بلند کیا۔ یہاں تک کہ تم نے احکام قبول کر لیے اور وعدے لیے گئے۔ طور سریانی زبان میں پہاڑ کو کہتے ہیں۔

واقعہ یوں ہوا کہ جب موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس تورات لے کر آئے تو اس میں دیکھا کہ تکالیف اور مشقت بھرے احکام ہیں تو قبول کرنے سے انکار کر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ پہاڑ کو ان کے سروں پر چھتری کی طرح لا کر کھڑا کر دیں۔ اب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اگر احکام قبول کر لو تو درست (چنانچہ

پہاڑ ان کے سروں پر کھڑا کر دیا) ورنہ یہ پہاڑ تمہارے اوپر گرا دیا جائے گا۔ جب انہوں نے سوائے قبول کرنے کے کوئی چارہ نہ دیکھا تو قبول کر لیا اور سجدہ میں گر گئے لیکن آنکھ کے گوشہ سے پہاڑ کو دیکھتے رہے۔ اب بھی یہود کی یہی عادت ہے منہ کی ایک طرف سے سجدہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چونکہ ہمارے بڑوں سے اسی طرح سجدہ سے عذاب ہٹا تھا لہٰذا ہم ایسے ہی سجدہ کرتے رہیں گے لیکن یہ رفعِ طور اس لیے نہیں تھا کہ وہ تورات کو قبول کر لیں کیونکہ یہ تو جبر ہے اور اسلام میں جبر نہیں اور جبر اختیار کو سلب کر لیتا ہے۔ یہ امر تشریعی ہے جیسا کہ کفار کے لئے جنگ کرنے کا حکم ہے۔

سوال : یہ جبر ہی تو ہے اور قرآن پاک فرماتا ہے: لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ دین میں جبر و اکراہ نہیں؟

جواب : یہ آیت لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ آیۃ قتال سے منسوخ ہے۔

ف : ابن عطیہ فرماتے ہیں کہ ایسا کرنا سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سجدہ کے وقت ایمان پر مجبور فرمایا۔ بظاہر مجبوراً ایمان قبول کر رہے تھے اور قلوب غیر مطمئن تھے۔

خُذُوْا یہاں قولوا مقدر ہے یعنی ہم نے فرمایا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ جو حکم ہم نے کتاب میں دیا اسے لے لو۔ بِقُوَّةٍ ساتھ جد و جہد و عزیمت و مواظبت کے وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ حفظ کر لو جو کچھ اس میں ہے اور اس سے پڑھ لو نہ اسے بھلاؤ نہ اس سے غفلت کرو۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ تم کو امید وار ہونا چاہیے کہ تم متقی ہو جاؤ گے۔ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ پھر تم نے میثاق اور اس کے ایفاء اور اس کی مداومت سے اعراض کیا مِّنْۢ بَعْدِ بعد پختہ وعدہ ہو جانے کے۔ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ اس کا عطف مہلت دینے اور عذاب کی تاخیر کی وجہ سے ہے۔ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ہو جاتے تم خاسرین میں سے۔ لیکن تم پر اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا کہ طور کو اٹھایا یہاں تک کہ تم نے توبہ کی پھر تم سے ہٹ گیا اگر اس کا فضل نہ ہوتا تو تم پر گر پڑتا اور تم مارے جاتے۔ الخسران دراصل راس المال کے چلے جانے کو کہتے ہیں۔ یہاں پر ہلاکتِ نفس مراد ہے۔

ف : اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ علی صاحبہا التحیۃ والسلام پر فضل فرمایا ہے کہ احکام یکے بعد دیگرے فرض فرمائے جب ایک کا استقرار ان کے دلوں پر ہو جاتا پھر دوسرا نازل ہوتا اور بنی اسرائیل پر احکام یکبارگی فرض ہوئے۔ بنا بریں ان پر شاق گذرا جس کی وجہ سے منکر ہو گئے۔ یہاں تک کہ عذاب دیکھ کر قبول کیا۔

marfat.ocm

مسئلہ : اللہ تعالیٰ نے آیت میں چار چیزوں کا حکم دیا:

۱۔ حفظ الاحکام۔ ۲۔ ان پر عمل کرنا۔ ۳۔ ان کو فراموش نہ کرنا۔ ۴۔ انہیں ضائع نہ کرنا۔

پھر فرمایا: وَاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ کتب الٰہیہ سے مقصود بھی یہی ہوتا ہے کیونکہ ان کا مقتضیٰ صرف تلاوت و ترتیب ہی نہیں بلکہ ان پر عمل کرنا مطلوب ہے۔

عجیب تمثیل :۔ اس کی مثال یوں ہے کہ بادشاہ اپنے کسی ملازم کی طرف مراسلہ بھیجے کہ اتنے عرصے کے اندر ایک عظیم الشان کوٹھی تیار کرادو۔ اب اس مراسلہ کو ملازم صاحب پڑھتے تو روزانہ ہیں لیکن کوٹھی تیار نہیں کراتے یہاں بادشاہ تشریف لائے اب وہ اس ملازم کو صرف زجر و توبیخ نہیں فرمائیں گے بلکہ سخت سزا دیں گے۔ اسی طرح قرآن بھی ہمیں اپنے مالک کی طرف سے اس حکم کو لایا ہے کہ ہم اس کے ارکانِ اسلام یعنی نماز، روزہ وغیرہما کی تعمیر کریں ورنہ سزا پائیں گے۔ اس کی محض تلاوت پر اکتفا نہ کریں بلکہ اس پر عمل کرنے کی جدوجہد کریں۔ مثنوی شریف میں ہے:

ہست قرآن حالہائے انبیاء ماہیان بحرِ پاک کبریا
در بخوانی و نہ قرآن پذیر انبیاء و اولیاء را دیدہ گیر

ترجمہ : قرآن انبیاء کے حالات ہیں وہ بحرِ کبریا کے شناور ہیں اگر قرآن پڑھو یا نہ پڑھو کوئی فرق نہیں پڑتا انبیاء و اولیاء وابستگی پیدا کرو۔

حدیث شریف :۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز آسمان کی طرف دیکھ کر فرمایا: یہ وہ وقت ہے جس میں لوگوں سے علم چھینا جائے گا یہاں تک کہ اس سے تھوڑی سی مقدار پر بھی قابو نہیں پا سکیں گے حضرت زیاد بن لبید انصاری نے عرض کی کہ حضور! ہم سے کیسا علم چھینا جائے گا جبکہ قرآن کو ہم خود بھی پڑھتے اور اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی پڑھاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے زیاد! تجھے تیری ماں روئے، یہی تورات اور انجیل یہود و نصاریٰ کے پاس نہیں تھی، پھر ان کو ان سے کیا فائدہ ہوا؟

حکایت : حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کسی کو فرما رہے تھے کہ تو ایسے زمانے میں ہے کہ جس میں فقہاء کثیر ہیں اور قراء قلیل۔ اس وقت قرآن کے حدود کی حفاظت کی جاتی ہے اگرچہ حروف کی نگہداشت نہیں

ہو رہی۔ اس وقت سائل تھوڑے ہیں اور عطا کرنے والے بکثرت ہیں۔ لمبی نمازیں پڑھنے والے ہیں اور خطبہ میں اختصار کرنے والے ہیں۔ اعمال پہلے اور خواہشات بعد میں ظاہر کرتے ہیں۔ ایک زمانہ آنے والا ہے جس میں فقہاء قلیل ہوں گے اور قرأ بکثرت اس وقت قرآن کے حروف کی تو بڑی حفاظت کی جائے گی لیکن حدود کی پابندی بالکل نہ ہوگی۔ سوالی بکثرت ہوں گے اور معطی تھوڑے۔ خطبے لمبے لمبے اور نمازوں میں اختصار کریں گے اور اعمال سے پہلے اپنی خواہشات ظاہر کریں گے۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ وعدہ لینا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ میں عام تھا پھر بعض نے دل وجان سے قبول کیا اور بعض نے خوف سے۔ یہ وعدہ اس لیے کیا تا کہ ثابت ہو کہ ہر حال میں تمام امور اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں جسے چاہے ہدایت کا خطاب سنائے اور جسے چاہے گمراہی کا۔ کیونکہ کوئی برہان رفع طور سے زیادہ اظہر نہیں جو کہ ان کے سروں پر کھلم کھلا تھا۔ شومی قسمت سے جب وہ ذلیل وخوار ہوئے تو اظہار برہان نے انہیں کوئی فائدہ نہ دیا۔

خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰكُمْ میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اوامر ونواہی اور طاعات کو لینا قوتِ انسانیہ کے بس کی بات نہیں جب تک کہ اس میں تائید الٰہی اور قوت ربانی نہ ہو۔ وَاذْكُرُوْا مَا فِیْهِ اس میں جو رموز واشارات اور دقائق وحقائق ہیں ان کو یاد کرو۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ تا کہ تم ماسوا اللہ کے کسی سے نہ ڈرو۔ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ یعنی اس کے بعد تم نے اتباع شرع اور طریق حق سے طبعیہ کے غلبہ کی وجہ سے باوجود یہ کہ تم سے وعدہ بھی لیا گیا اور طریق حق پر چلایا گیا لیکن تم نے روگردانی کی۔ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ یعنی ابتداء میں سبقت عنایت اور وسط میں اخذ میثاق بالقوۃ کی توفیق اور انتہا میں قبول توبہ اور اس کی توفیق پھر اس پر ثابت قدم رکھنا نہ ہوتا لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ تو تم گناہوں پر اصرار کرنے والے اور عقوبت وخسران میں گرفتار اور دنیا وآخرت کو چھین کر عذاب دنیا وآخرت مین مبتلا ہو جاتے۔ جیسا کہ تم میں سے بعض کو یہ تمام خرابیاں پیش آئیں۔

تفسیر عالمانہ

وَلَقَدْ عَلِمْتُمْ یہ خطاب حضور علیہ السلام کے ہم زمان یہود سے ہے۔ ای باللہ قد عرفتم الخ۔ اللہ تعالیٰ کی قسم کہ اے بنی اسرائیل! بیشک تمہیں معلوم ہے۔

marfat.ocm

اَلَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ (ظلما) حد سے بڑھ گئے تمہارے اسلاف میں سے۔ مِنْكُمْ کا محل نصب ہے کیونکہ حال ہے فِى السَّبْتِ ہفتہ کے دن یعنی تجاوز کر گئے اس حد سے جو ان کے لیے مقرر کی گئی کہ صرف عبادت کے لئے مستعدر ہیں اور اس کی تعظیم کریں لیکن شکار میں مشغول ہوئے۔

ف: سبت: دراصل قطع کو کہتے ہیں اور یہود کو بھی یہی حکم تھا کہ وہ دیگر اعمال سے قطع تعلق کر کے صرف عبادت میں مشغول رہیں اور نیند کو بھی سُبات اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ بھی حرکاتِ اختیار کو قطع کرتی ہے۔

سبق: اس میں تحذیر و تہدید ہے گویا فرماتے ہیں کہ تم جانتے ہو کہ ایسا انہیں کیسا عذاب پہنچا۔ پس تم بھی بچو شاید تم پر بھی ان کی طرح عذاب آ پہنچے۔

واقعہ یوں ہے کہ داؤد علیہ السلام کے زمانہ اقدس میں ایلہ (ایک مقام ہے دریائے قلزم کے کنارے پر شام و مدینہ کے مابین) کے ساکنین پر اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار حرام فرما دیا اور ادھر یہ ہوا کہ سوائے ہفتہ کے باقی تمام دنوں میں مچھلی چھپی رہتی اور ہفتہ کے روز ظاہر ہوتی تا کہ ان کی آزمائش ہو یا اس لیے کہ اسی دن اس مچھلی (کہ جس نے حضرت یونس علیہ السلام کو پیٹ میں محفوظ رکھا) کی زیارت کے لئے تمام دریا کی مچھلیاں حاضر ہوتیں چنانچہ ہفتہ کے دن اتنا ہجوم ہوتا کہ پانی کے اوپر مچھلی ہی مچھلی ہوتی پانی کی ایک بوند بھی نظر نہ آتی۔ ہفتہ کے دن کے بعد متفرق ہو کر دریا کے اندر ایسی گم ہو جاتی کہ کہیں مچھلی کی بو تک نہ آتی۔

بالآخر شیطان نے ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ تمہارے لئے ہفتہ کے روز شکار حرام ہے نہ کہ کوئی اور امر۔ چنانچہ انہوں نے دریا کے کنارے گہرے گڑھے کھود لیے اور جمعہ کی شام کو ان گڑھوں کی طرف دریا سے نالیاں بنا لیں۔ اب صبحِ ہفتہ کو مچھلیاں ان گڑھوں میں آ پہنچتی تھیں لیکن ان کی گہرائی کی وجہ سے باہر نہ نکل سکتی تھیں۔ ان لوگوں نے اتوار کے دن ان مقید مچھلیوں کو پکڑنا، بیچنا اور اپنے کھانے میں لانا شروع کر دیا جس سے انہیں بکثرت مال حاصل ہوتا۔ اب اس طرح ان کی عادت ہو گئی یہاں تک کہ چالیس سال یا ستر سال تک یہی عمل جاری رہا۔

لیکن کوئی عذاب نازل نہ ہوا وہ خائف ضرور تھے مگر جب کچھ نہ ہوا تو خوش ہوئے اور یقین کر لیا کہ اب ہفتہ کا شکار ان کے لئے حلال ہے۔ بنا بریں دیگر گناہوں پر بھی جرأت کرتے گئے۔ یہی طریقہ ان کی اولاد میں جاری

marfat.ocm

رہا۔ اگر وہ ایک دو بار کرتے تو انہیں کچھ نہ ہوتا۔ جب یہ عمل کیا تو اس وقت ستر ہزار اس کے مرتکب تھے۔ ان کے تین گروہ ہو گئے ایک تو اس کام سے کلی طور پر باز آ گیا بلکہ دوسروں کو بھی روکا۔ دوسرے گروہ والے خود تو رک گئے لیکن دوسروں کو نہ روک سکے۔ تیسرا گروہ کہ جنہوں نے فرمانِ ایزدی کی بے قدری کی۔ روکنے والے گروہ کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ انہوں نے کہا اے بھائیو! تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور سنتِ نبی کے خلاف کیا ہے۔ تمہیں چاہیے کہ ایسی برائی سے رک جاؤ قبل اس کے کہ ہم پر کوئی عذاب نازل ہو۔ انہوں نے سُنی اَن سنی کر دی اور ان کی نصیحت کو قبول نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں عذاب میں مبتلا کر دیا۔

فَقُلْنَا لَهُمْ پس ہم نے بطور قہر کے فرمایا: كُوْنُوْا قِرَدَةً بندر ہو جاؤ۔ قرد کی جمع ہے جیسے **دیکة دیک**" کی جمع ہے۔ فارسی میں اسے بوزینہ (بندر) کہتے ہیں۔

ف: یہ امر تحویل کا ہے کیونکہ انہیں ایک صورت سے دوسری صورت کی طرف بدلنے کی قدرت تو نہیں تھی اس میں اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ کی طرف اشارہ ہے جب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ یہ شئے ہو جائے تو وہ ہمارے ارادہ کے مطابق کسی رکاوٹ اور تاخیر کے بغیر فوراً ہو جاتی ہے۔

خٰسِئِیْنَ یہ اور قِرَدَةً دونوں كُوْنُوْا کی خبریں ہیں ای **کونوا جامعین بین القردة والخسیء** اور **خٰسِئِیْنَ** خسیء سے ہے بمعنیٰ صغار وطرد" یعنی ذلت وخواری۔

واقعہ یوں ہوا کہ مجرمین نے نصیحت قبول کرنے سے انکار کیا تو روکنے والوں نے کہا ہم تمہارے ساتھ اس بستی میں نہیں ٹھہرتے۔ چنانچہ بستی میں ایک دیوار کھینچی گئی۔ اس کے بعد داؤد علیہ السلام نے ان پر لعنت کی اللہ تعالیٰ کا قہر نازل ہوا صرف ان کے گناہ پر اصرار کی وجہ سے رات کے وقت ان کی شکلیں بگڑیں۔ صبح کو روکنے کے لئے سارا گروہ ان کے گھروں میں گیا۔ دروازے بند تھے اب نہ ان سے کوئی آواز آتی نہ ان کے گھروں سے آگ کا دھواں ظاہر ہوتا۔ دیواروں کو پھاند کر اندر داخل ہو گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان کے نوجوان بندر بنے بیٹھے ہیں اور بوڑھے خنزیر، ان کے کان بھی ہیں اور بندروں اور خنزیر جیسی آواز بھی، اس گروہ نے انہیں نہ پہچانا لیکن ان بندروں اور خنزیروں نے انہیں پہچان لیا۔ اب وہ بندر اور سور اپنے رشتہ داروں کے قریب ہوتے ہوئے ان کے کپڑے سونگھ کر آٹھ آٹھ آنسو روتے ہیں وہ انہیں جواب میں کہتے ہیں کہ کیا ہم نے تمہیں روکا

marfat.ocm

نہیں تھا؟ لیکن تم نے نہ مانا۔ وہ سروں کو ہلا کر نعم کا اشارہ کرے اور آنسو بہاتے۔

مسئلہ : اس سے ثابت ہوا کہ بعد از مسخ ان میں فہم و عقل باقی تھا۔

ف: بندروں کی ابتداء یہاں سے نہ ہوئی بلکہ اس سے پہلے بھی بندر تھے۔ یہ صرف ان جیسی شکل میں تبدیل ہوئے کیونکہ یہ شکل قبیح ہے اور ان کے اعمال و افعال بھی قبیح ہیں اور وہ تین دن کے بعد مر گئے ان سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ یہ بندر جو دنیائے عالم میں پھیلے ہوئے ان بندروں کی اولاد ہیں جو ان سے پہلے موجود تھے۔

فَجَعَلْنٰهَا پس ہم نے اس امت کے مسخ و عقوبت کو نکالاً عبرت بنایا۔ اس سے عبرت پکڑے جو عبرت کا ارادہ رکھتا ہے۔ یعنی یہ عبرت ان جیسے عمل کرنے سے روک لے گی۔ **نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا** یعنی جو امم و قرون پہلے تھے اور جو بعد میں آئیں گے۔ کیونکہ ان کے مسخ کا ذکر پہلے لوگوں کی کتابوں میں آیا ہے۔ تو انہوں نے عبرت پکڑی اور وہ بھی عبرت حاصل کریں گے جو بعد میں آئیں گے۔ پس **مَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا** ماضی کے لئے **وَمَا خَلْفَهَا** مستقبل کے لئے مستعار ہیں۔

وَمَوْعِظَةً اور نصیحت ہے **لِّلْمُتَّقِيْنَ** متقیوں کے لئے۔ وہ نیک لوگ جنہوں نے ایسے برے عمل سے روکا تھا یا ہر وہ متقی جو اس واقعہ کو سنے گا۔ پس بہر دو تقدیر لام استغراقی عرفی کے لئے ہے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:

نرود مُرغ سوئے دانہ فراز　　چوں دگر مرغ بیند اندر بند
پند گیر از مصائب دگراں　　تانہ گیرند دیگر از تو پند

ترجمہ :۔ ۱۔ پرندہ اس دانے کی طرف نہیں جاتا جب وہ دیکھتا ہے کہ دوسرا اسی وجہ سے پھنسا ہے۔ ۲۔ دوسروں کی مصیبتوں سے نصیحت حاصل کر نہ کہ دوسرے تجھ سے نصیحت پائیں۔

تفسیر صوفیانہ یہ سزا ان لوگوں کے لئے ہے جو احسان کی قدر نہیں جانتے نہ ہی منعم کی نعمتوں کا بدلہ بجائے شکر کے ناشکری سے دیتے ہیں۔ پس انہیں وصال کی عزت سے ہجر کی ذلت میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ اگلی امتوں کو جسموں کے خسف و مسخ سے سزا دی جاتی اور اس امت کی سزا قلوب پر ہوتی ہے

marfat.ocm

اور قلوب کی سزا اجسام کی سزا سے شدید تر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ (اور ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو پھیر دیتے ہیں)

اسی طرح وہ سزا کا مستوجب ہے جو بادشاہوں کی خدمت میں پورا نہیں اترتا اور سلوک کی راہ میں صحیح طور پر نہیں چلتا اور جو شخص قربت کے فرش پر حرمت کے قدموں سے نہیں چلتا تو وہ محرومی اور خسارہ اٹھاتا ہے اور بادشاہ کی نظروں سے گر جاتا ہے۔

ف: مسخ کی علامت خنزیر جیسی ہے اور وہ حرام کھاتا ہے جسے حرام کا کھاتا دیکھو، یقین کر لو کہ اس کا دل مسخ ہو چکا ہے۔ قلب کے مسخ کی تین علامتیں ہیں:

۱۔ طاعت کی لذت نہ پائے۔ ۲۔ بلا خوف و خطر نافرمانی کرے۔ ۳۔ کسی کی موت سے عبرت نہ لے بلکہ ہر روز وہ دنیوی امور میں منہمک رہے۔ (کذا فی زهرة الریاض)

ف: حضرت عوف بن عبد اللہ اہلِ خیر سے تھے جسے کچھ لکھتے تو تین نصیحتیں فرماتے:

۱۔ جو آخرت کے کام میں معروف ہو اس کی دنیوی معاش خود بخود درست ہو گی۔

۲۔ جو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے مابین نیک اطوار بنائے اللہ تعالیٰ اس کے لئے لوگوں کے مابین اچھائی پیدا کر دے گا۔ ۳۔ جو اپنے باطن کو درست رکھے گا اس کے ظاہر کو اللہ تعالیٰ درست کر دے گا۔

ف: محمد بن علی ترمذی فرماتے ہیں: صلاح کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ لڑکوں کی اصلاح کتابوں سے ہوتی ہے۔ ۲۔ ڈاکوؤں کی اصلاح قید خانے سے۔ ۳۔ عورتوں کی گھر میں۔

۴۔ بوڑھوں کی مساجد میں۔

تفسیر عالمانہ

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ بنی اسرائیل کے اسلاف کی غلط کاریاں یاد دلا کر زجر و توبیخ فرمائی جا رہی ہے۔ یعنی یاد کرو اپنے آباء و اجداد کے اس وقت کو جب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

لِقَوْمِهٖٓ اپنی قوم سے اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً اللہ تعالیٰ تمہیں بقرہ (گائے) ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔

ف: بیل کی قسموں سے ایک مادہ گائے کو بقرہ کہتے ہیں۔ یا بقرہ کا واحد ہے۔ خواہ مذکر ہو یا مؤنث۔ بقر سے مشتق ہے بمعنی چیرنا۔ اس نام سے اس لیے موسوم ہے کہ یہ بھی زمین کو کھیتی کے لئے چیرتا ہے۔

واقعہ یوں ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک بوڑھا دولت مند تھا اسے اس کے چچازاد بھائیوں نے میراث کی طمع میں قتل کر کے شہر کے دروازے کے سامنے یا کسی دوسری بستی کے قریب میدان میں چھوڑ آئے اور پھر خود ہی آ کر واویلا کرتے ہوئے اس کی دیت کے مطالبے کے درپے ہوئے۔ بلکہ چند لوگوں پر اس کے قتل کا الزام لگا دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان سے پوچھا وہ منکر ہو گئے۔ موسیٰ علیہ السلام پر یہ بات شاق گزری اور یہ واقعہ قسامۃ [1] کے حکم کے نزول سے پہلے کا ہے۔ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی التجا کی تا کہ بات ظاہر ہو کہ کس نے قتل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ایک گائے ذبح کر کے اس کے بعض حصہ کو مقتول کے جسم پر لگاؤ وہ زندہ ہو کر خود بتادے گا کہ اس کا قاتل کون ہے۔ قَالُوٓا گویا سوال کیا گیا کہ پھر انہوں نے اس حکم پر کیا کیا۔ کیا فرمانبرداری کی یا رک گئے؟ تو جواب میں کہا: قَالُوٓا اَتَتَّخِذُنَا ھُزُوًا کیا تو ہمیں ٹھٹھا کی جگہ خیال کر کے ہمارے ساتھ استہزاء کرتا ہے۔ ہم قتیل کے بارے میں پوچھتے ہیں تم گائے کے ذبح کا حکم دیتے ہو ان کے مابین مناسبت بھی نہیں ہے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ جواب انہوں نے جہالت کی وجہ سے دیا، نہ تو ان کا فرمانبرداری کا ارادہ تھا اور نہ ہی ذبح کرنے کا خیال تھا۔

قَالَ جملہ مستانفہ ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اَعُوْذُ بِاللّٰہِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰھِلِیْنَ پناہ کا طالب ہوں کہ میں جاہلین میں سے ہو جاؤں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تبلیغ میں استہزاء کرنا جہل اور بیوقوفی ہے۔

مسئلہ : اس سے ثابت ہوا کہ دین کے مسائل میں استہزاء کرنا گناہِ کبیرہ ہے۔

مسئلہ : اسی طرح اہلِ اسلام سے استہزاء کرنا بھی گناہِ کبیرہ ہے۔

مسئلہ : اسی طرح صاحب عزت و تعظیم سے استہزاء کرنا گناہِ کبیرہ ہے کیونکہ یہ جہالت ہے اور استہزاء کرنے والا مستحق وعید ہے۔

مسئلہ : مزاح استہزاء سے نہیں کیونکہ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ایسا مزاح کہ اس سے انسان غصہ آور شکل سے بچ جانے کے لئے کرے تو جائز ہے۔

---

[1] ادائیگی دیت کا حکم۔

marfat.ocm

حکایت: ایک شخص عبیداللہ بن حسین کوفہ کے قاضی کے پاس آیا تو اس پر اون کا جبہ تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا: یہ جبہ مادہ کی اون سے ہے یا نر کی اون سے؟ اس نے کہا: اے قاضی! تو تو جاہل ہے۔ عبیداللہ قاضی نے پوچھا: تجھے کیسے معلوم ہوا کہ مزاح بھی جہالت ہے۔ تو اس نے یہی آیت پڑھی۔ قاضی صاحب نے اس سے روگردانی کی اور کہا کہ یہ ایسا جاہل ہے کہ اسے تمیز نہیں کہ استہزاء کیا ہے اور مزاح کیا ہے۔

ف: قوم نے جب دیکھا کہ بقرہ کا ذبح کرنا ضروری ہے تو اس کی صفتیں پوچھنے لگے: جیسا کہ مفصل بیان ہوتا ہے اگر وہ کوئی گائے بھی ذبح کر لیتے تو جائز ہوتا۔ لیکن چونکہ انہوں نے جتنی زیادہ کرید کی سختی بڑھتی گئی لیکن اس کے تحت ایک حکمت تھی۔

ایک ولی کی کرامت کا بیان:۔ بنی اسرائیل میں ایک مرد صالح تھا اس کا ایک چھوٹا لڑکا اور ایک بچھیا تھی بچھیا کو جنگل میں لے جا کر اللہ تعالیٰ سے عرض کی:

اللّٰھم انّی استودعک ھٰذہ العجلۃ لِاَبنِیْ حتّٰی یکبو

(اے اللہ! میرا لڑکا جب تک جوان نہ ہو یہ بچھیا تیری امان میں ہے)

اس کے بعد وہ فوت ہو گیا اور وہ بچھیا جنگل میں جوان ہوئی اور اس کی عادت تھی کہ جس آدمی کو دیکھتی تو بھاگ جاتی یہاں تک کہ لڑکا جوان ہو گیا اور تھا بہت نیک۔ اپنی ماں کا بڑا خدمت گزار تھا۔ رات کے تین حصے کرتا، ایک حصہ میں نماز ادا کرتا، ایک حصہ میں نیند کرتا اور ایک حصہ ماں کے سرہانے بیٹھا رہتا۔ صبح کو لکڑیاں جمع کر کے بازار میں بیچ کر جو کچھ حاصل کرتا ایک حصہ اللہ کی راہ میں، ایک حصہ خرچ کرتا، ایک ماں کی خدمت میں حاضر کرتا۔ ایک دن اس کی ماں نے کہا: بیٹا! تیرے باپ نے تیرے لیے ایک بچھیا چھوڑی تھی اور فلاں جنگل میں ہے۔ جا اور ابراہیم واسحٰق علیہما السلام کے معبود سے دعا مانگ، امید ہے کہ وہ تیرے پاس آ جا۔ اس کی علامت یہ ہے کہ جب تو اسے دور سے دیکھے گا تو تجھے ایسا معلوم ہوگا کہ اس کے چہرے سے شعاعیں نکل رہی ہیں اس کی خوب صورتی اور زردی کی وجہ سے اس کا نام مُذہبہ بھی تھا۔ کیونکہ اس کی حسن کی تھی نہ کہ عیب کی۔ نوجوان جب جنگل میں آیا تو اسے دیکھا گھاس چر رہی ہے آواز دیتے ہوئے (تجھے ابراہیم واسحٰق ویعقوب علیہم السلام کے رب کی قسم دیتا ہوں) میرے پاس آ جا۔ چنانچہ وہ سن کر دوڑتی ہوا

کے پاس آکر ٹھہری۔ نوجوان اس کی گردن کو پکڑے ہوئے روانہ ہوا۔ گائے بول پڑی۔ کہنے لگی: حضور! مجھ پر سوار ہو جائیے۔ یہ تیرے لیے زیادہ سہولت کی بات ہے۔ نوجوان نے کہا: میری ماں نے مجھے سوار ہونے کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ فرمایا تھا کہ گردن سے پکڑ کر گھر لے آؤں۔ گائے نے کہا: بنی اسرائیل کے رب کی قسم! اگر تو مجھ پر سوار ہو جاتا تو میں کبھی تیرے قابو میں نہ آتی، اب کے بعد اگر تو پہاڑ کو بھی حکم دے کہ اپنی جگہ سے ہٹ جا۔ تو وہ ہٹ جائے گا کیونکہ یہ سب کچھ تجھے اپنی والدہ کی خدمت گزاری سے مل رہا ہے۔ آخر وہ گائے کو اپنی والدہ کے پاس لے آیا۔ ماں نے کہا! بیٹا! تو مفلس ہے اور بہت دکھ اٹھاتا ہے، رات کو قیام کرتا اور دن کو لکڑیاں اکٹھی کرتا ہے، جاؤ اسے بیچ آؤ۔ عرض کی: کتنے میں بیچوں؟ ماں نے کہا: صرف تین دینار میں۔ لیکن پھر بھی مجھ سے مشورہ کر لینا۔ دراصل اس کی قیمت تھی بھی صرف تین دینار ہی۔ وہ اسے فروخت کرنے کے لئے بازار میں لیے جا رہا تھا ادھر اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو بھیجا یہ دیکھنے کے لئے کہ وہ لڑکا ماں کا کہا مانتا ہے یا دنیا کی لالچ میں آ جاتا ہے اگرچہ وہ علیم وخبیر ہے تاہم لڑکے کی آزمائش کے لئے فرشتہ بھیج دیا۔ فرشتے نے لڑکے کے پاس آکر کہا: اے نوجوان! اس گائے کی کیا قیمت ہے؟ اس نے کہا: صرف تین دینار، لیکن شرط خیار ہے کہ میں اپنی والدہ سے پوچھ کر بیچوں گا۔ فرشتے نے کہا: چھ دینار لے لے مگر والدہ سے مشورہ مت لے۔ نوجوان نے کہا: اگر اس گائے کو سونے سے تول کر بھی قیمت دے دو تب بھی ماں کے مشورہ کے بغیر نہیں دے سکتا۔ ماں کے پاس پہنچ کر ماجرا سنایا۔ ماں نے کہا: چلو چھ دینار میں بیچ دو لیکن پھر بھی مجھ سے پوچھ لینا۔ نوجوان نے واپس آکر فرشتے سے کہا: مجھے چھ دینار منظور ہیں لیکن شرط وہی ہے۔ فرشتے نے کہا: بارہ دینار لے لے مگر ماں سے مشورہ لینے کے لئے مت جا۔ نوجوان نے کہا: ہرگز نہیں، مشورہ تو ضروری ہے۔ نوجوان پھر ماں کے پاس پہنچا۔ ماں نے کہا: بیٹا! جو خریدار ہے وہ اللہ تعالیٰ کا فرشتہ ہے، جو تیرے امتحان کے لئے آدمی کی شکل بن کر آیا ہے۔ اب جاؤ اسے کہو کہ میری ماں کہتی ہے کہ اس گائے کو بیچ دیا جائے یا نہ؟ نوجوان نے واپس جا کر اس آدم نما فرشتے سے کہا: میری ماں یوں کہتی ہے۔ اس نے کہا: اسے اب فروخت نہ کرو اسے موسیٰ بن عمران علیہما السلام بنی اسرائیل کے ایک مقتول کے لئے خریدیں گے تو اسے دنانیر سے تول کر فروخت کرنا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ سے بنی اسرائیل کے لئے جوں جوں صفات پوچھتے گئے اللہ تعالیٰ اس گائے کی صفتیں بیان فرماتا

گیا۔ یہاں تک کہ اس گائے کی صفات مکمل ہو گئیں۔

ف: یہ صلہ ماں کی خدمت گزاری کا ہے جو اس نوجوان کو نصیب ہوا۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا فضل ہے۔

سوال: جانوروں سے اس گائے کی تخصیص کس لیے؟

جواب: وہ گائے اور بچھیا کے پجاری تھے۔ اس کی محبت میں وارفتہ تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت گھر کر گئی۔

پھر تائب ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت وعبادت میں مشغول رہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی محبوب شئے کے ذبح کا حکم دیا تاکہ ان سے توبہ کی حقیقت کا اظہار ہو اور وہ چیز ہٹ جائے جس کی محبت میں مبتلا تھے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ گائے کا حکم اس لیے ہوا کہ ان دنوں ان کے ہاں بہترین قربانی گائے کی تھی تاکہ تقرب افضل واعلیٰ شئے سے ہو۔

قَالُوا گویا سوال ہوا کہ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کیا جواب دیا؟ تو اس کے جواب میں کہا گیا کہ وہ لوگ حکم کی تعمیل کی طرف مائل ہوئے اور کہا اے موسیٰ! اُدْعُ لَنَا ہمارے لیے دعا کیجئے رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا اپنے رب سے کہ واضح کرے اور ہمیں بتائے مَا هِيَ۔ مَا مبتدا ہے اور هِيَ اس کی خبر ہے اور جملہ محل نصب میں ہے۔ یعنی بیان کرے ہمارے اس سوال کو۔ انہوں نے اس کے حال اور صفت سے سوال کیا جبکہ انہوں نے اس گائے کا ذکر سنا کہ جس کا بعض حصہ لگانے سے مردہ زندہ ہو جائے۔ پس لفظ مَا اس جگہ صفت وحال سے سوال کے لئے ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے: ما زید" ؟ تو جواب میں کہتے ہیں: طبیب او عالم یعنی انہوں نے پوچھا کہ اس کا سن اور اس کی صفت کیسی ہے؟ چھوٹی ہے یا بڑی؟ قَالَ یعنی موسیٰ علیہ السلام نے کہا بعد اس کے کہ انہوں نے دعا فرمائی اور وحی آئی حکم ہوا۔ اِنَّهٗ کہ وہ اللہ تعالیٰ يَقُوْلُ اِنَّهَا فرماتا ہے وہ ذبح کرو کہ جس کے متعلق ذبح کرنے کا حکم ہے۔ بَقَرَةٌ وہ گائے ہے۔ لَّا فَارِضٌ بوڑھی سن رسیدہ نہیں۔

فرض سے مشتق ہے بمعنی قطع۔ گویا وہ سن کو قطع کر کے آخر وقت کو پہنچ چکی ہے۔ وَّلَا بِكْرٌ اور نہ ہی چھوٹی ہے

سوال: بِكْرٌ اور فَارِضٌ پر تانیث کیوں نہ لائی گئی؟

marfat.ocm

جواب: یہ لفظ حائض کی طرح مؤنث کے لئے خاص ہے اس لیے تانیث کی حاجت نہیں ہوئی۔

عَوَانٌ درمیانی ہے۔ بَیْنَ ذٰلِكَ اس ذکر کردہ فَارِضٌ و بِكْرٌ کے مابین فَافْعَلُوْا یہ امر موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے ہے۔ مامور بہ مذکور کی صفت بیان کرنے پر متضرع ہے۔ مَا تُؤْمَرُوْنَ، مَا تُؤْمَرُوْنَ بہ کے حکم میں ہے۔ یعنی جس کا حکم تمہیں دیا گیا ہے۔ گائے کے ذبح کرنے کا۔ اس فعل میں جارہ کا حذف کرنا عام ہو چکا ہے یہاں تک کہ متعدی بدو فعل کے احکام میں لاحق ہو چکا ہے۔ قَالُوْا گویا پوچھا گیا۔ اس بیان ثانی اور امر متکرر کے بعد انہوں نے کیا کیا تو جواب میں فرمایا: اُدْعُ لَنَا رَبَّكَ یُبَیِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا دعا فرمایئے تاکہ ہمیں پتہ چلے کہ اس کے الوان میں سے کون سا لَون ہے جس کا ہمیں حکم دیا جا رہا ہے۔ لَوْن عرض مشاہد کو کہتے ہیں۔ جو بعض جوہر میں پایا جاتا ہے۔ قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے بعد از مناجات کے فرمایا: اِنَّهٗ وہ اللہ تعالیٰ یَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ فرماتا ہے کہ وہ زرد رنگ کی گائے ہے۔ صفرۃ وہ رنگ ہے جو بیاض و سواد کے مابین ہوتا ہے اور مشہور رنگ ہے اور یہاں پر صفرۃ سے سیاہ رنگ مراد نہیں جیسا کہ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ میں صُفْرٌ سے سیاہ رنگ والے اونٹ مراد ہیں اور اس میں سواد کو صُفْرٌ سے تعبیر کرنا اس لیے ہے کہ صفرۃ سواد کے مقدمات سے ہے یا اس لیے کہ اونٹوں کی سیاہی زردی کے اوپر ہوتی ہے۔ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا مبتدا اور خبر ہے اور یہ جملہ بَقَرَةٌ کی صفات ہے فقوع بمعنیٰ زردی کی اور اس کا خالص ہونا تاکید میں کہا جاتا ہے۔ اصفر فاقع جیسا کہ کہتے ہیں اَسْوَدُ حَالِک''۔

سوال: فَاقِعٌ کا اسناد لون کی طرف کیوں ہے حالانکہ یہ بھی تو ملوّن یعنی گائے کے احوال سے ہے۔

جواب: فَاقِعٌ کو لون سے ملابست ہے جیسا کہ اس کی تاکید بتاتی ہے۔ گویا دراصل عبارت یوں تھی: **صفراء شدیدا لصفرۃ صفرتھا** ۔ جیسا کہ جدّ جدہ کہنا صحیح ہے۔ یعنی اس کا رنگ پکا ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں وہ گائے تمام زرد تھی یہاں تک کہ اس کے سینگ اور کھر بھی۔

تَسُرُّ النّٰظِرِیْنَ دیکھنے والے اسے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں یعنی اس کا حسن اور اس کے رنگ کی صفائی دیکھنے والوں کو بھاتی اور دلوں کو لبھاتی تھی بوجہ تکمیل خلقت اور سینگوں اور کھروں کی لطافت کے، اور السرور نفع کے حصول یا اس کی امید سے دل میں لذت پانا۔

مسئلہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جس نے زرد رنگ کا جوتا پہنا اس کے غم قلیل ہو جامیں گے

کیونکہ اس رنگ کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ دیکھنے والوں کو خوش کرتی ہے۔

مسئلہ : حضرت ابن الزبیر اور محمد بن کثیر سیاہ رنگ کے جوتے پہننے سے روکتے تھے کیونکہ سیاہ رنگ غم والم ڈالتا ہے۔

مسئلہ : مذکورہ حضرات فرماتے ہیں کہ سرخ رنگ کا موزہ فرعون کا تھا۔ اس کے وزیر ہامان کا سفید رنگ کا۔

مسئلہ : علماء کا موزہ سیاہ ہونا چاہیے کیونکہ مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا موزہ سیاہ رنگ کا تھا۔ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ کیا وہ گائے سائمہ ہے یا کام کرنے والی اور کشاف میں ہے کہ سوالات کا تکرار صرف اس کے حال اور صفت کے پوچھنے اور زاید معلومات کے انکشاف کے لئے تھا تاکہ اس کے وصف معلوم کرنے میں تزاید حاصل ہو۔

مسئلہ : کسی بات کے کھوج میں پڑنا نحوست ہے۔

حکایت : عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمہ نے اپنے خادم سے فرمایا: اگر میں تجھے کہتا ہوں میرے پاس فلاں بکری لے آ، تو تم پوچھنا شروع کر دیتے ہو اَضَائِنٌ" اَمْ مَاعِزٌ۔ اگر میں بیان کر دیتا ہوں تو تم پھر پوچھتے تو نر یا مادہ۔ اگر اس کی بھی خبر دے دیتا ہوں تو پھر کہتے ہو: سیاہ یا سفید۔ اس کی کیا ضرورت ہے؟ پس جب میں کہوں لے آؤ تو پھر بار بار سوال نہ کرو، جو مرضی ہو لے آؤ۔

حدیث شریف : میں ہے: بہت بڑا مجرم وہ شخص ہے کہ اس شئے کے متعلق پوچھتا ہے جس کی تحریم نازل نہیں ہوئی پھر اس کے سوال کی وجہ سے حرام ہو جائے۔

اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا یعنی گائے مذکورہ کی جنس باعتبار عوان ہونے اور زرد ہونے کے ہمیں پتہ نہیں چلتا کہ کیا کیا جائے۔

سوال : پہلے بَقَرَةٌ بولتے رہے اب بقر کیوں بول رہے ہیں؟

جواب : اس لیے کہ اس سے بقرہ کی جنس مراد ہے یا اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ جمع کے حروف اپنے واحد سے کم ہو جائیں تو اس سے مذکر و مؤنث دونوں مراد لینا جائز ہوتا ہے۔

marfat.ocm

وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ یعنی ہمیں گائے ذبح کرنے کی ہدایت نصیب ہو جائے گی۔

حدیث شریف میں ہے: اگر استثناء یعنی اِنْ شَآءَ اللّٰهُ نہ کہتے تو ان کے لئے گائے کا بیان کبھی نہ ہوتا۔

قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اِنَّهٗ کہ بیشک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ یعنی وہ ایسی گائے نہیں کہ کام کاج سے ذلیل وخوار ہو۔

ف: عرب کہتے ہیں: دَابَّة" ذَلُوْل" بَيِّنَةُ الذِّلَّة ۔صعوبۃ کی ضد کا نام ہے۔ یہ بقرہ کی صفت ہے یعنی وہ گائے غیر ذلول ہے۔

سوال: ذلولة کیوں نہ کہا؟

جواب: فعول جب وصف ہو کر واقع ہو تو اس وقت اس پر تاء تانیث داخل نہیں ہوتی۔ جیسے صبور وغیرہ۔

تُثِيْرُ الْاَرْضَ زمین کو کھیتی کے لئے چیرتی ہے اور یہ ذَلُوْلٌ کی صفت ہے گویا کہا گیا لا ذَلُوْلٌ مُثِيْرَة"۔

وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ یعنی وہ سانیہ نہیں ہے کہ جس پر پانی لادا جاتا ہو۔

ترکیب: پہلا لَا نافیہ ہے اور دوسرا تاکید کے لئے، اور یہ لَا زاید ہے پہلے کی تاکید کر رہا ہے۔ کیونکہ معنیٰ یہ ہے کہ انه ذلول تثیر وتسقی۔ علاوہ ازیں یہ دونوں فعل ذَلُوْلٌ کی صفت ہیں۔ گویا کہا گیا ہے۔ لا ذلول مثیرة وساقية ۔(كذا فى الكشاف)

ف: امام ابو منصور فرماتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ گائے نہیں تھی بلکہ بیل تھا کہ زمین کا چیرنا اور کھیتی کا چلانا بیل کا کام ہے نہ کہ گائے کا۔ باقی رہا تانیث کے ساتھ افعال کا لانا صرف لفظ کی وجہ سے ہے نہ کہ تانیث کی وجہ سے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ تانیث جو افعال میں بیان ہوتی رہی وحدت کے لئے ہے۔

لیکن امام ابو یوسف علیہ الرحمہ بعد از تسلیم کہ الثارة الارض واسقا الحرث بیل کا نام ہے۔ ابو منصور کے خلاف ہو کر فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ اس زمانہ کے لوگ گائے سے کھیتی وغیرہ کا کام لیتے ہوں جیسا کہ ہمارے زمانے میں بیل سے کام لیتے ہیں۔

مُسَلَّمَةٌ اسے اللہ تعالیٰ نے عیوب سے پاک رکھا اور کام کاج سے محفوظ فرمایا۔ یا یہ معنیٰ ہے کہ اس کا رنگ خالص ہے مُسَلَّم" سے مشتق ہے یہ اس وقت ہو سکتا ہے کہ جبکہ سمجھا جائے کہ ایسی خالص تھی کہ اس میں کسی

marfat.ocm

دوسری قسم کی ملاوٹ نہ تھی ۔ اس کی تائید اگلا لفظ کرتا ہے لَاشِيَةَ فِيهَا کوئی دوسرا رنگ نہیں، جو کہ اس کے چمڑے کے رنگ کے مخالف ہو یہ زرد رنگ کی تھی یہاں تک کہ سینگ اور کُھر بھی، شِيَة "کا اصل وشی" تھا جیسے عدة وصفة وزنة" کا اصل وعد" اور وصف" اور وزن" تھا اس کا ماخذ وشیُ الثوب ہے بمعنیٰ استعمال الوان الغزل فی نسجه ۔

قَالُوا ان اوصاف کے سننے کے بعد کہنے لگے: الْئٰنَ یہ اسم اشارہ کے معنیٰ کو متضمن ہونے کی وجہ سے مبنی ہے۔ جِئْتَ بِالْحَقِّ گائے کا حقیقی وصف اب بیان کیا ہے اس سے پہلے تمام اشکال کا بیان تھا۔ فَذَبَحُوهَا فا فصیحیہ ہے یعنی انہوں نے اوصافِ مذکورہ جیسی گائے حاصل کر لی جو ایک نوجوان کے پاس تھی اسے سونے کے برابر خریدا گیا۔ وَمَا كَادُوا نہیں قریب تھا۔ يَفْعَلُوْنَ کہ یہ عمل کرتے۔ یہ جملہ ذَبَحُوْا کی ضمیر سے حال ہے۔

ای ذبحوا والحال انهم كانوا الخ یعنی اسے ذبح کر دیا۔ لیکن اس سے قبل اس سے بچنے کے در پے تھے یعنی بعد توقف اور بہت دیر کے ذبح کرنے پر آمادہ ہوئے۔

ف: بعض مفسرین کہتے ہیں کہ سوالات کرنے میں از ابتداء تا انتہا چالیس سال گزر گئے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ سنتے ہی فرماں برداری کا عمل شروع کر دے اس میں کھوج میں نہ پڑے۔ کیونکہ توحید کا اصلی مقصد اسی کا مقتضی ہے۔

مثنوی شریف میں ہے:

تا خیالِ دوست در اسرارِ ماست　　چاکری و جاں سپاری کارِ ماست

ترجمہ: جب تک دوست کا تصور ہمارے دل میں ہے تو غلامی اور جاں سپاری ہمارا کام رہے گا۔

تفسیر صوفیانہ

حِکَمِ عطائیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو صرف اپنا عبد بنانے کے لئے اسے بشریت کے ہر منافق وصف سے خارج کر لیا تاکہ وہ اپنے معبود کی نداء کا جواب دے اور اس کے قہر سے بچ کر اس کے قُرب کا اہل ہو جائے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی حفاظت کاملہ پر موقوف ہے۔ یہ اس وقت ہے جب کسی معصیت کا مرتکب نہ ہو۔ اگر کسی وقت ارتکاب ہو جائے تو اس پر اصرار نہ کرے کیونکہ اصطلاح میں حفظ الٰہی اسی کا نام ہے کہ بندہ گناہوں سے دور رہے لیکن ان کا صدور اس سے ممکن ہو بخلاف

عصمت کے کہ وہاں گناہوں کا صدور محال ہوتا ہے۔ اسی لیے اصطلاحاً عصمتِ انبیاء علیہم السلام کے لئے اور حفظ اولیاء کرام کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

اَلْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ دلالت کرتا ہے کہ بندہ اپنی غلطیوں اور ان پر اصرار نہ کرنے کی بنا پر کہتا ہے، اسی کا نام ایمان خالص ہے۔

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً اس میں نفس بہیمیہ کے ذبح کا حکم ہے کیونکہ اس کے ذبح سے قلب روحانی کو زندگی نصیب ہوتی ہے۔ یہی وہ جہادِ اکبر ہے جس کے متعلق سرورِ عالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر**

(جہاد اصغر سے فارغ ہو کر جہاد اکبر کی طرف جا رہے ہیں)

اور فرمایا: **المجاهد من جاهد نفسه** (مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرتا ہے)

اور فرمایا: **مُوتو اقبل انت مُوتوا** (مرنے سے پہلے مر جاؤ)

اسی معنیٰ کی طرف اشارہ ہے: اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا کیا تم ذبح نفس کے بارے میں ہمارے ساتھ استہزاء کرتے ہو۔ نفس کو ذبح کرنا ہر ذی ہمت کا کام نہیں۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ یعنی میری پناہ ان جاہلوں سے جو گمان کرتے ہیں کہ نفس کو ذبح کرنا بیکار بات ہے۔ یہ بات وہ کہیں گے جو نفس کے تابع اور دنیا کے طالب ہیں قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ انہوں نے کہا کہ اپنے رب سے دعا فرمایئے کہ وہ نفس کون سا ہے جسے صدق کی تلوار سے ذبح کیا جائے اب اس کی صفتوں کو بیان فرمایا کہ: لَا فَارِضٌ وہ نہ تو بوڑھا ہو کہ بڑھاپے کے ضعف اور نفسانی قویٰ کی کمزوری سے سلوک کی راہ طے نہ کر سکے جیسا کہ صوفیہ کرام فرماتے ہیں:

"اَلصُّوْفِيْ بَعْدَ الْاَرْبَعِيْنَ بَارِدٌ" (صوفی چالیس سال کے بعد ٹھنڈا پڑ جاتا ہے)

وَّلَا بِكْرٌ اور نہ ہی ایسا نوجوان ہو کہ جوانی کی مستی سے سلوک کی باتوں سے روگردانی کرے۔ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ یعنی کامل العقل ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً (یہاں تک کہ جوانی کو پہنچے اور چالیس سال کا ہو جائے)

فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ پس جس کا تمہیں حکم ہوا ہے بجا لاؤ۔ جب تم اس کے قریب ہو گے تو وہ بھی تمہارے

قریب ہو جائے گا کیونکہ وہ کسی کا عمل ضائع نہیں کرتا خواہ جوان ہو یا بوڑھا قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا انہوں نے کہا کہ ہمارا رب بیان فرمائے کہ وہ نفس کس طرز کا ہو جو جہاد کے کام آ سکے۔ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ فرمایا کہ اس کا حکم ہے کہ وہ نفس زرد رنگ کا ہو، اس میں ریاضت کرنے والوں کے منہ کی زردی اور مجاہدہ کرنے والوں کی نشانی کی طرف اشارہ ہے۔ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا اس کا رنگ پکا ہے یعنی ان کا یہ رنگ زینت ہے نہ کہ عیب۔ جیسا کہ ولیوں کے دیدار سے نصیب ہوتا ہے کہ ان کے رخساروں سے رونقِ بہار معلوم ہوتی ہے جو جماعت الٰہی کی غمازی کر رہی ہوتی ہے اور ان کے چہروں سے شواہد غیب کے آثار ٹپکتے ہیں کہ انہوں نے سینے میں بشریت کے اوصاف کو مٹا کر ربوبیت کے اوصاف کو اپنا لیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ (ان کے رخساروں میں سجدوں کے آثار چمکتے ہیں)

اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا بیشک بقرہ کے آثار ہم پر ملتبس ہو گئے۔ اس میں اشارہ ہے کہ بہت سے گمراہ طالبانِ حق کے لباس میں پھرتے ہیں ان کا بھیس بدل کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ بیشک اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہمیں راہِ راست نصیب ہو جائے گا۔ یعنی کسی اللہ والے کو پا لیں گے جب تیری مشیت نے ہمارا ساتھ دیا۔ جیسے موسیٰ اور خضر علیہما السلام کی ملاقات نہ ہوتی۔

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ اس میں اشارہ ہے کہ طالب صادق وہ ہے جو حرص سے دنیا حاصل کرتا ہوا خواہشاتِ نفسانیہ اور دنیا کی رونقوں کے پیچھے نہ پڑے۔ جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عَزَّ مَنْ قَنَعَ وَذَلَّ مَنْ طَمَعَ (جس نے قناعت کی وہ عزت پائے گا اور جس نے طمع کیا وہ ذلیل ہوگا)

اور فرمایا: لَيْسَ لِلْمُؤْمِنِ اَنْ يُّذِلَّ نَفْسَهٗ۔ (مومن اپنے آپ کو ذلیل نہیں کرتا)

وَلَا تَسْقِى الْحَرْثَ دنیا کی کھیتی کے لئے لوگوں کے ساتھ میل ملاپ نہیں رکھتا۔

چنانچہ فرمایا: مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِىْ حَرْثِهٖ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ

(جو دنیا کی کھیتی کا خواہشمند ہوگا اسے ہم دنیا میں دیں گے لیکن آخرت میں اسے کچھ نہیں ملے گا)

مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا یعنی نفوس قدسیہ ایسے ہیں جو نفسی صفات سے بالکل آزاد ہو کر خالص مخلص ہو کر اللہ تعالیٰ

marfat.ocm

کے احکام کے پابند رہتے ہیں ان کی طلب اور ان کا مقصد صرف ذاتِ حق ہے۔ جیسا کہ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا

(ان فقراء کے لئے جو روکے گئے اور سفر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے جاہل انہیں دولت مند سمجھتے ہیں تم انہیں ان کے چہروں سے پہچان جاؤ گے وہ لوگوں سے سوال نہیں کرتے)

فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ انہوں نے ذبح کیا لیکن قریب تھا کہ ذبح نہ کرتے۔ اس میں اشارہ ہے کہ نفس کو ذبح کرنا طبیعتِ انسانیہ کے خلاف ہے لیکن صادق لوگوں نے صدق کی تلوار سے اسے ذبح کر دیا لیکن یہ بھی صرف اس کے فضل اور حسنِ توفیق کی بدولت ورنہ طبیعتِ انسانیہ کی رُو سے وہ ہرگز نفس کو ذبح نہ کرتے۔

marfat.ocm

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيهَا ۭ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۚ ﴿۷۲﴾

اور جب تم نے ایک خون کیا تو ایک دوسرے پر اس کی تہمت ڈالنے لگے اور اللہ کو ظاہر کرنا جو تم چھپاتے تھے

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۭ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ

تو ہم نے فرمایا اس مقتول کو اس گائے کا ایک ٹکڑا مارو اللہ یوں ہی مردے جلائے گا اور تمہیں اپنی نشانیاں

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ

دکھاتا ہے کہ کہیں تمہیں عقل ہو پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے تو وہ پتھروں کی مثل ہیں

اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۭ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا

بلکہ ان سے بھی زیادہ کرے جو پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی نکلتا ہے اور کچھ وہ ہیں

لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ

جو پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی نکلتا ہے اور کچھ وہ ہیں جو اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾ اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ

اور اللہ تمہارے کوتکوں سے بے خبر نہیں تو اے مسلمانو! کیا تمہیں یہ طمع ہے کہ یہودی تمہارا یقین لائیں گے

كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ

اور ان میں کا تو ایک گروہ تھا کہ اللہ کا کلام سنتے پھر سمجھنے کے بعد

مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ښ وَاِذَا خَلَا

اسے دانستہ بدل دیتے اور جب مسلمانوں سے ملیں تو کہیں ہم ایمان لائے اور جب آپس میں

بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ

اکیلے ہوں تو کہیں وہ علم جو اللہ نے تم پر کھولا مسلمانوں سے بیان کیے دیتے ہو کہ اس سے تمہارے رب کے یہاں تمہیں پر حجت

marfat.ocm

بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۶﴾ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ

حجت لائیں کیا تمہیں عقل نہیں۔ کیا نہیں جانتے کہ اللہ جانتا ہے

مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ

جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں اور ان میں کچھ ان پڑھ ہیں کہ جو کتاب کو نہیں جانتے مگر

اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۷۸﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ

زبانی پڑھ لینا یا کچھ اپنی من گھڑت اور وہ نرے گمان میں ہیں۔ تو خرابی ہے ان کے لئے جو کتاب

بِاَيْدِيْهِمْ ۤ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ

اپنے ہاتھ سے لکھیں پھر کہہ دیں یہ خدا کے پاس سے ہے کہ اس کے عوض تھوڑے دام حاصل کریں

فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَقَالُوْا

تو خرابی ہے ان کے لئے ان کے ہاتھوں کے لکھے سے اور خرابی ان کے لئے اس کمائی سے۔ اور بولے

لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ۭ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا

ہمیں تو آگ نہ چھوئے گی مگر گنتی کے دن تم فرمادو کہ خدا سے تم نے کوئی عہد لے رکھا ہے

فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾ بَلٰى مَنْ كَسَبَ

جب تو اللہ ہرگز اپنا عہد خلاف نہ کرے گا یا خدا پر وہ بات کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں۔ ہاں کیوں نہیں جو گناہ

سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْۗــــَٔــتُهٗ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾

کمائے اور اس کی خطا اسے گھیر لے وہ دوزخ والوں میں ہے انہیں ہمیشہ اس میں رہنا۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع ۹

اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے وہ جنت والے ہیں انہیں ہمیشہ اس میں رہنا۔

تفسیر عالمانہ وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا یہ مضمون لفظاً مؤخر ہے لیکن معناً مقدم ہے کیونکہ مذکورہ بالا کی ابتدا اسی سے ہے۔ یعنی یاد کرو بنی اسرائیل مقتول کو قتل کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آ کر اس کے متعلق سوال کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے۔ انہوں نے کہا: اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ الآية۔

سوال: یہ آیت قصہ کی ابتدا میں کیوں مذکور نہ ہوئی؟

جواب: کیونکہ اس مضمون سے قصہ بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ گائے ذبح کر کے مقتول کا پتہ دینا مطلوب ہے۔ پھر جو شئے مقصود مدنظر ہو وہی مقدم ہوا کرتی ہے۔

سوال: حضور علیہ السلام کے ہم عصر یہود کی طرف یہ قصہ کیوں منسوب کیا جا رہا ہے؟

جواب: یہ لوگ اپنے اسلاف کے اس فعل سے راضی تھے۔

سوال: جمع کو کیوں مخاطب کر رہے ہیں حالانکہ قتل کرنے والی کوئی جماعت تو نہ تھی؟

جواب: مقتول جماعت میں ملا تھا۔ القتل اس بنیاد کو توڑنا جس سے زندگی ختم ہو جائے۔ یعنی یاد کروائے بنی اسرائیل! اپنے اسلاف کے برے عمل کو، جبکہ انہوں نے ایک نفس محرمہ کو قتل کیا۔

ف: مقتول کا نام عامیل بن شراحیل تھا۔

فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا، **فَادّٰرَءْتُمْ** دراصل **تدارئتم** تھا۔ درء سے مشتق ہے۔ بمعنی **دفع**، **ای تدافعتم وتخاصمتم فی شانها**۔ یعنی اس کے حق میں ایک دوسرے کے ساتھ لڑتے جھگڑتے تھے کیونکہ **عصماء** میں سے ہر ایک مدافعت کرتا اور کہتا میں تو اس فعل سے بری ہوں کوئی اور ہوگا۔ **وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ** وہ جو تم چھپاتے تھے اسے اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا ہے۔ یعنی وہ جو تم چھپاتے تھے اللہ تعالیٰ اسے **مستور و مکتوم** نہیں رکھے گا بلکہ ظاہر کر دے گا۔

سوال: **مُخْرِجٌ** کا عمل کیسے صحیح ہو سکتا ہے حالانکہ وہ ماضی کے معنی میں ہے؟

جواب: گویا یہ حکایت ہے جو کہ آئندہ **تدارء** "میں ہوگا" بمعنی حاضر کے، جیسے **باسط ذراعیه** میں حکایت ہے۔

فَقُلْنَا۔ **فَادّٰرَءْتُمْ** پر عطف ہے۔ درمیان میں کلام بطور جملہ معترضہ کے استعمال کیا گیا ہے۔ **اِضْرِبُوْهُ** اس

marfat.ocm

نفس کو مارو۔

سوال: نفس مؤنث سماعی کے لئے ضمیر مذکر کیوں لایا گیا؟

جواب: بتاویل شخص اور انسان کے۔

بِبَعۡضِهَا بقرہ کے بعض کے ساتھ جو بھی ہو یا اس کی زبان سے۔ کیونکہ وہ کلام کا آلہ ہے۔ یا ذم کی ہڈی کیونکہ یہی سب سے پہلے پیدا ہوتی ہے اور سب کے بعد گلتی سڑتی ہے اور اسی پر دیگر تمام اعضاء کی تخلیق کی ترکیب ہوتی ہے یا اس کے علاوہ کوئی اور عضو مراد ہے۔

ف: بعض نصف سے کم کو کہتے ہیں۔ معنیٰ یہ ہے کہ پھر انہوں نے اسے مارا جس سے وہ زندہ ہو گیا۔

سوال: اس میں عبارت فضربوا فیحیٰ کیوں محذوف ہے؟

جواب: چونکہ کَذٰلِكَ يُحۡيِ اللّٰهُ الۡمَوۡتٰى دال موجود ہے مدلول کا ذکر نہیں کیا گیا۔

واقعہ: مروی ہے کہ انہوں نے وہی ٹکڑا جسم سے لگایا تو وہ مردہ باذن اللہ تعالیٰ زندہ ہوا اور اس کی رگوں سے بدستور خون جاری تھا اور کہا مجھے فلاں بن فلاں نے قتل کیا ہے جو کہ اس کے چچازاد بھائی تھے پھر وہ مر گیا۔ پھر ان دونوں کو پکڑ کر قتل کیا گیا اور انہیں مقتول کی وراثت سے محروم کیا گیا۔

سوال: موسیٰ علیہ السلام نے ان کو اس کے ٹکڑے لگانے کا حکم دیا خود کیوں نہ لگایا۔

جواب: تا کہ ان کی طرف سحر یا حیلہ کی نسبت نہ ہو۔ کَذٰلِكَ یہاں قلنا مقدر ہے۔ یعنی جب انہوں نے مارا اور وہ زندہ ہوا تو ہم نے کہا: كَذٰلِكَ اسی طرح كَذٰلِكَ کا خطا ان لوگوں کو ہے جو مقتول کے زندہ ہونے کے وقت موجود تھے یعنی مثل اس زندہ کرنے عجیب کے۔ يُحۡيِ ا '' الۡمَوۡتٰى قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زندہ کرے گا۔

سوال: بنی اسرائیل کو تو قیامت میں اٹھنے کا اقرار تھا تو پھر انہیں كَذٰلِكَ يُحۡيِ اللّٰهُ کہہ کر کیوں الزام لگایا جا رہا ہے؟

جواب: واقعی وہ قولاً اور تقلیداً تو اقراری تھے لیکن انہیں عیان وایقان کے طور ثبوت دے رہے ہیں۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام کا قول لِيَطۡمَئِنَّ قَلۡبِىۡ ایمان وایقان کے لئے تھا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ خطاب ان لوگوں کو ہو جو منکرین

marfat.ocm

قیامت حضور علیہ السلام کے ہم زمان آیات مبارکہ نزول کے وقت موجود تھے۔ اب دیگر تاویلات کی ضرورت نہیں بلکہ حکایت کا بِبَعۡضِهَا ختم ہو جاتا ہے۔

وَیُرِیۡکُمۡ اٰیٰتِهٖ اپنے دلائل تمہیں دکھاتا ہے کہ بیشک وہی ہر شئے پر قادر ہے۔ لَعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ عقل کا مادہ عَقَلۡتُ نَفۡسِیۡ عَنۡ کَذَا ہے یعنی میں نے نفس کو اس سے روکا۔ یعنی یہ اس لئے ہوا تاکہ تمہارے عقول کی تکمیل ہو جائے اور تم جان لو کہ وہ جب ایک نفس کے زندہ کرنے پر قادر ہے تو وہ تمام نفوس کے زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔

سوال: اس قتیل کے زندہ کرنے میں اتنی شرائط بیان فرمانے میں کیا حکمت تھی کہ گائے ذبح ہو پھر اس کا ایک ٹکڑا مقتول کے بعض حصہ کو لگایا جائے جبکہ وہ باری تعالیٰ بلا واسطہ اس کے زندہ کرنے پر قادر ہے؟

جواب: اس میں تقرب الی اللہ کا اشتمال اور ادائے واجب اور یتیم کو تجارت سے نفع دینا اور اللہ تعالیٰ پر متوکل ہونے کی برکت اور اولاد پر شفقت کرنا اور والدہ کے خدمت گزار کو فائدہ دینے کی وجہ سے بیان کیا گیا ہے۔

مسئلہ: سالک کو چاہیے کہ اپنی قربانی مالک کے حضور پیش کرے۔ اسے یہ بھی لائق ہے کہ اچھی قربانی کرے اور قیمتی ہو۔ جیسا کہ مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دُنبہ تین سو دینار کی قیمت کا ذبح کیا تھا۔

عقیدہ: مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ اسباب تاثیر کے صرف علامات ہیں ان میں کسی قسم کی تاثیر نہیں ہوتی کیونکہ دو موتیں جو دو جسموں (مقتول بنی اسرائیل اور گائے) سے حاصل ہوئیں کسی لحاظ سے بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ ان سے حیات پیدا ہو سکتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ قادر ہے اس نے حیات پیدا کر دی۔

تفسیر صوفیانہ جسے چاہیے کہ میں اپنے سب سے بڑے دشمن کی حقیقت معلوم کر لوں جو کہ میری حقیقی موت کے درپے رہتا ہے تو اسے اپنے نفس کی خواہشات کو مٹانا چاہیے۔ جب اس سے طفولیت کی حرص زائل ہو جائے گی کیونکہ اس کے بعد اس کا حال عجیب اور خوش منظر طلب دنیا سے دور اس کی گرد وغبار سے ایسا صاف ہو جائے گا کہ خود نفس ایسی باتوں کو قبول کرلے گا جس کی وجہ سے اسے حیات طیبہ نصیب ہو جائے گی اور احوال اس کے سامنے منکشف ہو جائیں گے اور عقل و وہم کا جھگڑا بھی دور ہو جائے گا۔

فَقُلۡنَا اضۡرِبُوۡهُ بِبَعۡضِهَا الخ۔ اس میں بعض عارفین فرماتے ہیں کہ جو شخص چاہتا ہے کہ مجھے احیاء قلب نصیب

marfat.ocm

ہو جائے تو اسے چاہیے کہ اپنے نفس کی خواہشات کو مٹا دے کیونکہ جس نے نفس کی خواہشات کو ریاضاتِ شاقی کے ذریعے سے مٹایا تو اس کے دل کو اللہ تعالیٰ انوارِ مشاہدات سے زندہ کر دے گا۔ جو نفسانی خواہشات کو مٹا کر طبعی موت سے مرے گا اسے حقیقی حیات نصیب ہو گی۔ پھر جیسے گائے کے ذبح کے بعد اس کی زبان مقتول کو ماری گئی اور وہ زندہ ہو گیا اور کہا کہ مجھے فلاں شخص نے قتل کیا ہے۔ اسی طرح جس نے نفس کو جو کہ سچائی کے چھرے سے مذبوح ہو اس کی زبان کو دائمی ذکر کے ساتھ مقتول کے قلب پر مارا جائے تو بھی اس دل کو اللہ تعالیٰ اپنے نور سے زندہ کرے گا پھر وہ بندہ کہے گا: وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

شخصم بچشم آدمیاں خوب منظر است ۔۔۔ وز خبثِ باطنم سر خجلت فتادہ پیش
طاؤس را بنقش ونگاری کہ ہست خلق ۔۔۔ تحسین کنند او خجل از پائے زشت خویش

ترجمہ: ۱۔ میرا ظاہر تو لوگوں کو اچھا نظر آتا ہے لیکن میں اپنی اندرونی خباثت کی وجہ سے شرمساری سے سر جھکائے ہوئے ہوں۔ ۲۔ مور کی حسین وجمیل شکل پر لوگ تحسین کہتے ہیں وہ اپنے پاؤں کی وجہ سے شرمسار ہے۔

قاعدہ صوفیہ: ۔ کسی بزرگ سے اسلام کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: ۔

"مخالفت کر کے نفس کو ذبح کرنا اور نفس کی مخالفت کا مطلب ہے کہ اسے خواہشات سے دور رکھنا"

حکایت: ۱۔ حضرت سری سقطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: مجھ سے تیس یا چالیس سال نفس مطالبہ کرتا رہا کہ میں اخروٹ کو کھجور کے شیرہ میں ملا کر کھاؤں لیکن میں نے اسے اس خواہش سے محروم رکھا۔

حکایت: ۲۔ ایک مرد کو ہوا میں اڑتا ہوا دیکھ کر اس سے پوچھا کہ آپ نے یہ مرتبہ کہاں سے پایا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ جب سے میں نے خواہشاتِ نفسانی کو چھوڑا اللہ تعالیٰ نے ہوا کو میرے تابع کر دیا ہے۔

نسخہ روحانی: کسی نے بزرگ سے پوچھا کہ مجھے ایسا طریقہ بتاؤ جس سے میں تجریدی حج ادا کروں۔ بزرگ نے فرمایا: پہلے دل کو سہو سے صاف کرو۔ پھر نفس کو لہو ولعب سے دور رکھو۔ اس کے بعد زبان کو لغویات سے بچاؤ

پھر جہاں چاہو جاؤ۔

تفسیر عالمانہ

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ یہ خطاب اہلِ کتاب کے ان علماء کو ہے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم زمان تھے۔ ثُمَّ ان کی قساوتِ قلبی کے بعد کی وجہ سے ہے کہ بعد ذکر کرنے یعنی باوجودیکہ ہم نے تمہیں وہ امور بتائے ہیں جو دل کو نرم کرتے ہیں اور اس میں رقت پیدا کرتے ہیں لیکن پھر بھی تم شک میں ہو۔

ف :قسوۃ'' اور قساۃ''غلیظ وشدید ہونے کو کہتے ہیں جیسے کہ پتھر میں ہوتی ہے اور قلوب کو اس سے اس لیے موصوف کیا گیا کہ وہ عبرت پکڑنے سے دور ہیں اور نصائح ان پر اثر نہیں کرتے۔

مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ بعد ان واقعات کے سننے کے کہ مقتول زندہ ہوا اور وہ لوگ بندر وخنزیر ہوئے اور پہاڑ ان کے سروں پر آیا اور دیگر آیاتِ بینات اور وہ حالات کہ جن کو سُن کر پہاڑ پگھل جائیں اور پتھر ریزہ ریزہ ہو جائیں۔

فَهِيَ پس یہ قلوب كَالْحِجَارَةِ اپنی شدت وقساوۃ کی وجہ سے پتھر کی طرح ہیں۔ فاء تفریع کے لئے ہے جو قلوب کو پتھر سے مشابہت دی گئی ہے کہ وہ قساوت میں برابر ہیں یہ التشبیہ علیٰ وجہ الشبہ کے قبیل سے ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے۔ اَحْمَرُ خُدُهٗ فَهُوَ كَالْوَرْدِ (اس کا چہرہ گلاب کی طرح سرخ ہے)

اَوْ اَشَدُّ یا اس سے بھی زیادہ سخت۔ قَسْوَةً تمیز ہے اور اَوْ بمعنی بَلْ ہے یا تخییر کے لئے ہے۔ یعنی اگر تم چاہو اس سے بھی زیادہ سخت شئے۔ مثلاً لوہے سے تشبیہ دو تب بھی موزونیت سے خالی نہیں۔

سوال : اَوْ کا اصلی معنیٰ یعنی شک وتردد کیوں نہیں کیا گیا؟

جواب : شک وتردد اللہ تعالیٰ علام الغیوب سے محال ہے۔

سوال : اَشَدُّ قَسْوَةً کیوں کہا گیا تو یہ ان افعال میں ہوتا ہے جن سے افعل التفضیل و افعل التعجب کی بنانہ ہو سکے حالانکہ یہ مجرد کا فعل ہے اور اس سے افعل التفضیل و افعل التعجب دونوں مشتق ہو سکتے ہیں؟

جواب : یہی معنیٰ مراد پر زیادہ ظاہر اور قسوۃ کی زیادتی پر زیادہ دال ہے کیونکہ اس میں جو لفظ یعنی قسوۃ بھی موجود ہے اور پھر زیادتی کے معنیٰ کے لئے لفظ اَشَدُّ بھی بخلاف اقسیٰ کے کہ اس میں صرف جوہر کلمہ یعنی قَسْوَةً کی دلالت ہوگی۔

marfat.ocm

سوال: قساوۃ کی تشبیہ حجارۃ سے کیوں ہے حالانکہ اس سے بہت بڑے سخت لوہا اور تانبہ تو موجود ہیں۔

جواب: وہ آگ وغیرہ سے نرم ہو جاتے ہیں مثلاً لوہے کو آگ نرم کر دیتی ہے اس میں نرمی کا مادہ ہے، جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں نرم ہو جاتا تھا اور تانبے سے برتن وغیرہ تیار کیے جاتے ہیں بخلاف پتھر کے کہ نہ اسے آگ نرم کر سکے اور نہ کوئی اور شئے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے کفار کے دلوں کو اس سے تشبیہ دی۔ اللہ تعالیٰ عالم ہے کہ تشبیہ دے رہا ہے اور اسے علم ہے کہ یہ قوم ایمان نہیں لائے گی۔

وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ **ربط**: اب ان کے دلوں کی پتھر سے زیادہ سختی کا بیان فرماتے ہیں کہ کفار کے قلوب کس طرح پتھر سے شدت میں زیادہ ہیں۔ گویا اب اَشَدُّ قَسْوَةً کی دلیل کو زیادہ پختہ بنانا مطلوب ہے۔

ترکیب: مِنَ الْحِجَارَةِ، اِنَّ کی خبر ہے اور اس کا اسم لَمَا الخ ہے۔ لام تاکید کے لئے ہے اور ما سے مراد پتھر ہے۔

لَمَا يَتَفَجَّرُ بہت بار پھٹ جاتا ہے۔ مِنْهُ اس کی ضمیر ما کی طرف راجع ہے۔ الْاَنْهٰرُ نہر کی جمع ہے۔ نہر پانی کے جاری ہونے کے مقامات سے ایک جاری ہونے کی وسیع جگہ کا نام ہے۔ یعنی بعض پتھر وہ ہیں کہ ان میں پھٹنا ہوتا ہے کہ جس سے پانی فراوانی سے نکل کر بہتا ہے۔ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ اور بعض پتھروں میں سے وہ ہیں لَمَا يَشَّقَّقُ یہ دراصل يَتَشَقَّقُ تھا یعنی پھٹ جاتے ہیں اور صدع بمعنی شئے کے اطراف کو چیرنا۔

فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ اس سے پانی طول یا عرض میں چلتا ہے اور اس سے پانی اُبلتا ہے۔ اس سے چشمے مراد ہیں نہ کہ نہریں۔ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ پہاڑ کی اونچائی سے گر کر نیچے آتا ہے مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ خشیۃ اس خوف کو کہتے ہیں جو علم سے ہو۔ یہاں مجاز ہے کہ وہ ڈرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی وجہ سے اور یہ ممتنع نہیں جس کا ارادہ کیا جا رہا ہے اور کفار وہ ہیں کہ نہ وہ تابعدار ہوتے ہیں اور نہ ہی نرم اور اور نہ ہی ڈرتے ہیں اور نہ وہ جس کے مامور ہیں اس پر عمل کرتے ہیں وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ اور اللہ تعالیٰ بھولنے والا نہیں ہے۔ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ یعنی جو تم عمل کر رہے ہو اس سے بے خبر نہیں۔ یہ شدید وعید ہے اس عمل کی وجہ سے جس پر ان کے قلوب ہیں اور اعمال سیئہ کی وجہ سے جن پر یہ وعید مرتب ہو رہی ہے۔

نکتہ: کافر کا دل پتھر سے پختہ اس لیے ہے کہ پتھر میں فہم و فراست کے اسباب و خطاب نہ ہونے کے باوجود

اللہ سے ڈر رہا ہے اور اس کے لئے فرمانبردار ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ

اور کافر کا دل باوجودیکہ اس میں عقل وفہم کے اسباب ہیں اور قبول کرنے کی ہیئت بھی موجود ہے، نہ ڈرتا ہے اور نہ نرم ہوتا ہے۔

مسئلہ: معتزلہ کہتے ہیں: "خشیۃ الحجر علی وجہ المثل" یعنی اگر ان میں عقل ہوتی تو وہ عمل ضرور کرتے اور اہل سنت وجماعت فرماتے ہیں: پتھر اگرچہ جماد ہے لیکن اللہ تعالیٰ اسے فہم دیتا ہے اور الہام فرماتا ہے پھر اس الہام کی بدولت وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جمادات اور تمام حیوانات میں علم رکھا ہے (خلافاً للعقلاءِ) اور اس کے سوا دیگر کوئی واقف نہیں ہوتا، ان کی صلوٰۃ بھی ہے اور تسبیح وخشیت بھی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ اور فرمایا: وَالطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ اور كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِیْحَهٗ

سبق: سالک کے لئے ضروری ہے کہ اس پر ایمان لائے اور اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سپرد کرے۔

معجزاتِ محمدی: ۔ ۱۔ حضور علیہ السلام ایک دن کوہِ ثبیر پر تھے اور کفار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں تھے۔ کوہِ ثبیر نے عرض کی: مجھ سے اتر جائیے، ایسا نہ ہو کہ کافر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ لیں اور میں اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آ جاؤں۔ اُدھر حرا پہاڑ نے عرض کی: حضور! میرے ہاں تشریف لے آئیے۔

۲۔ جس کھجور کے تنے کا، جو کہ مسجد کے ستونوں میں سے ایک تھا، آپ سہارا لے کر وعظ فرماتے۔ منبر تیار ہونے پر آپ نے اس سے ٹیک لگانا چھوڑ دیا تو وہ آپ کے فراق میں رو پڑا اور اونٹنی کی طرح اس سے چیخ وپکار کی آواز آ رہی تھی یہاں تک کہ عام مسجد والوں نے سنا۔ آپ نے نیچے اتر کر اسے گلے سے لگایا۔ تب اسے سکون نصیب ہوا۔[1] مثنوی شریف میں مولانا روم قدس سرہ فرماتے ہیں:

آنکہ او را نبود اسرار داد	کے کند تصدیق او نالہ جماد

ترجمہ: جسے عطیہ ایزدی سے اسرار نصیب نہ ہوں وہ جماد کے نالہ کی کب تصدیق کرتا ہے۔

۳۔ ایک یہودی بکریاں چرا رہا تھا کہ بھیڑیئے نے بکری پر حملہ کر کے بکری اٹھا لی۔ وہی یہودی اس کے پیچھے بھاگا اور اس سے بکری چھڑا لی۔ بھیڑیا یہودی کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا ایک دن ایسا بھی ہوگا کہ ان کا چرواہا

---

[1] ۔ فقیر نے اس واقعہ کو شرح مثنوی شریف میں تفصیل سے لکھا ہے۔ اویسی غفرلہٗ۔

میرے سوا اور کوئی نہیں ہوگا۔ لوگوں نے کہا سبحان اللہ! بھیڑیا بھی کلام کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تو ایمان رکھتا ہوں اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی۔ بھیڑیئے کا بولنا کونسی عجیب بات ہے قیامت کے دن کفار کے چمڑے بولیں گے۔

۴۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں کنکریاں تسبیح پڑھتی تھیں۔

۵۔ زہر آلود بکری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بول پڑی۔

۶۔ دو درخت چل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے (اور جھک گئے) جن کی اوٹ میں بیٹھ کر آپ نے قضاءِ حاجت فرمائی پھر وہ اپنی جگہوں پر چلے گئے۔ وغیرہ۔ اس طرح کے بیشمار واقعات ہیں۔ [1]

حکایت: قطب وقت شیخ ہدائی اسکداری کے واقعات میں ہے کہ پانی جاری میں چلتے وقت پانی کا ذکر یا دائمُ یادائمُ اپنے کانوں سے سنتے تھے۔

حضرت مولانا روم مثنوی شریف میں فرماتے ہیں:

نطق آب و نطق خاک و نطق گِل ہست محسوس حواس اہلِ دل
فلسفی کو منکر حنانہ است از حواسِ اولیاء بیگانہ است
ہر کرا در دل شک و پیچا نیست درجہان او فلسفی پنہا نیست

ترجمہ: ۱۔ پانی مٹی اور گارے کا بولنا اہلِ دل کے حواس کو محسوس ہوتا ہے۔ ۲۔ وہ فلسفی جو حنانہ کے نالہ کا منکر ہے وہ حواسِ اولیاء سے بیگانہ ہے۔ ۳۔ جس کے دل میں شک اور ٹیڑھا پن نہیں جہان میں اس کے نزدیک فلسفی بے عقل ہے۔

ف: بعض حکماء فرماتے ہیں کہ: ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ کا معنی یبس " بمعنی خشکی ہے۔ یعنی تمہارے دل خشک ہوگئے اور دل کی خشکی کا یہ مطلب ہے کہ دل دو پانیوں سے محروم ہو جاتا ہے۔

ایک اللہ تعالیٰ کے خوف کے پانی سے، دوسرا مخلوق پر شفقت کے پانی سے۔

جس دل میں نہ خوف خدا ہو اور نہ مخلوق پر شفقت، تو وہ دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتا ہے۔

---

[1] تفصیلی معجزات کے لئے فقیر کی کتاب "المعجزات" پڑھیے۔ اویسی غفرلہٗ۔

روحانی نسخے: ۔حدیث شریف: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ذکر کے بغیر کثرتِ کلام سے بچو۔ اس لیے کہ ذکرِ الٰہی کے بغیر کثرتِ کلام سے دل سخت ہو جاتا ہے اور جس کا دل سخت ہو وہ اللہ تعالیٰ کے قرب سے دور ہو جاتا ہے۔

حدیث شریف: فرمایا: چار چیزیں بدبختی کی علامت ہیں:

۱۔ آنکھ کا خوف خدا سے آنسو نہ بہانا۔ ۲۔ دل کا سخت ہو جانا۔ ۳۔ طویل آرزو۔ ۴۔ دنیوی معاملات میں حریص ہونا۔

ف: آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہودیوں نے جبکہ بہت بڑے بڑے معجزات دیکھے لیکن چونکہ عنایت ربانی ان کے شامل نہ ہوئی اسی لیے بختی قلت کے سوا انہیں کچھ نصیب نہ ہوا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آیاتِ ظاہرہ تو دکھائے اور انہوں نے ظاہری حواس سے انہیں دیکھا لیکن انہیں اس برہان سے محروم رکھا جسے قلب سے دیکھا جاتا ہے۔ یہی بات ان کے لئے آڑ بن گئی اور ان سے تکذیب و انکار سرزد ہوا۔ چنانچہ وَهَمَّ بِهَا ۚ لَوْلَآ أَن رَّءَا بُرْهَانَ رَبِّهِۦ سے معلوم ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

کچھ یہی کیفیت ان بعض سالکین کی ہے کہ جب وہ ریاضت میں شاغل ہوتے ہیں تو روحانیت کی صفائی کی وجہ سے ان پر بعض آیات کا ظہور ہو جاتا ہے اور ان سے خرق عادات کرامات سرزد ہونے لگتے ہیں پھر جبکہ عنایت ربانی ان کے شامل حال نہیں ہوتی تو پھر سوائے عجب وغرور کے انہیں کچھ نصیب نہیں ہوتا اور یہ واردات عموماً رہبانوں کو حاصل ہوتے ہیں اور ان فلسفیوں کو بھی جنہیں اللہ تعالیٰ خسارہ میں ڈالنے کی وجہ سے مہلت دیتا ہے اور انہیں اس کا علم تک نہیں ہوتا اسی لیے گمراہی میں بڑھتے رہتے ہیں۔

سوال: قلوب کو پتھر سے کیوں تشبیہ دی گئی ہے؟

جواب: جیسے پتھر نرم نہیں ہو سکتا اسی طرح یہ دل بھی ذکر حقیقی سے نرم نہیں ہو سکتے۔ ذکر حقیقی وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اہتمام سے بیان فرمایا: فَاذْكُرُونِيٓ أَذْكُرْكُمْ (تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا)

اقسامِ قلب: ۔سختی کے لحاظ سے دل کئی قسم کے ہیں: ۱۔ بعض اس پتھر کی طرح ہیں کہ ان سے نہریں جاری ہوتی ہیں یہ وہ ہیں جن میں صفائی کی وجہ سے روح کے انوار کے غلبوں سے بعض ایسے امور ظاہر ہوتے ہیں جو

خرق عادات کے مشابہ ہوتے ہیں اور یہ راہبوں اور کاہنوں میں ہوتا ہے۔

۲۔ بعض ان پتھروں کی طرح ہیں کہ جن کے پھٹنے سے پانی نکلتا ہے۔ یہ وہ ہیں جن پر بعض اوقات (جبکہ بشریت کے حجابات انوارِ روح سے دور ہو جاتے ہیں) وہ بعض آیات اور معانی کا مشاہدہ کر لیتے ہیں اور یہ بعض فلسفیوں اور بعض شعراء کو حاصل ہوتا ہے۔

۳۔ بعض ان پتھروں کی طرح کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے گر جاتے ہیں۔ یہ وہ ہیں جن میں بعض صفائی ہوتی ہے کہ وہ بقدر صفائی قلب حجابات سے آگے بڑھ کر روح کے انوار کے عکس کے قابل ہوتے ہیں ان میں خوفِ الٰہی بھی ہوتا ہے اور خشیت بھی۔ یہ بات بعض اہلِ الادیان و الملل میں ہوتی ہے۔ یہ مراتب مشترک ہیں اہلِ اسلام میں ہوتے ہیں اور ان کے غیروں میں بھی۔

سوال: جب یہ مراتب مسلم وغیر مسلم میں مشترک ہیں تو پھر فرق کیا رہا؟

جواب: یہ مراتب اہلِ اسلام کو ایمان کی تائید سے نصیب ہوتے ہیں۔ اسی لیے یہ کرامات وفراسات کی وجہ سے اپنے قرب میں بڑھتے رہتے ہیں اور ان کی یہ کرامات وغیرہ تجلی انوارِ حق سے ظاہر ہوتی ہیں۔ کما قال تعالیٰ: اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ

(جس کا اللہ تعالیٰ اسلام کے لئے سینہ کھول دیتا ہے تو وہ اپنے رب کے نور پر ہوتا ہے)

۴۔ بعض قلوب ایسے پتھر کی مانند ہیں کہ نہ ان پر قرآن کا اثر ہوتا ہے اور نہ احادیث کا اور نہ ہی وعظ ونصیحت کا اور نہ ہی حکمت کا اور یہ قلوب کفار اور منافقین کے ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ وہ قلوب ہیں جن پر مہر لگ چکی ہے۔

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں تمہیں یا تو جلد از جلد سزا دے گا یا دیر سے۔ جلد سزا یوں کہ تمہارے انکار کو تمہاری قساوۃ قلبی کا سبب بنا دے گا جس سے تم انکار کیے جاؤ گے اور تمہارے قلوب کا میلان اعمالِ فاسدہ کی طرف رہے گا پھر تمہارے اس انکار کی وجہ سے تمہارے قلوب پر یہ مہر لگ جائے گی۔

حدیث شریف:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ہردلی اللہ تعالیٰ کی انگلیوں (قدرت) میں ہے، چاہے تو وہ تمہارے دلوں کو سیدھا رکھے یا انہیں ٹیڑھا کر دے"

marfat.ocm

اور دیر سے سزا دینے کا مطلب یہ ہے کہ کل قیامت میں تمہارے اعمال کی وجہ سے تمہیں سزا دے گا۔

(کذا فی التاویلات النجمیه)

تفسیر عالمانہ

اَفَتَطْمَعُوْنَ ربط : حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعوت الی الحق اور کفار کو اس کے قبول کرنے کے بڑے حریص تھے پھر ان کے عناد اور سرکشی سے آپ کا سینہ تنگ ہو جاتا یعنی ملال میں پڑ جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بنی اسرائیل کے گذشتہ حالات سنوائے کہ باوجود آیات کے مشاہدات کے، پھر بھی انہوں نے نہ مانا۔ اس میں صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا مقصود تھا اس بارے میں کہ آپ کے ہمعصر اسرائیل حق قبول نہیں کر رہے تو کیا ہوا۔ آپ سے پہلے بھی ایسے ہوتا رہا۔ یہ خطاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام سے ہے اور ہمزہ واقعہ کے انکار و استبعاد کی وجہ سے ہے جیسے کہتے ہیں:

"اَتَضْرِبُ اَبَاکَ" (کیا تو اپنے باپ کو مار رہا ہے؟)

یعنی یہ ہمزہ انکاری ہے نہ کہ وقوع کے انکار کے لئے جیسے کہا جاتا ہے: "ءَ اَضْرِبُ اَبِیْ" اور فاء عطف کے لئے جو مقدر پر عطف ہے جس کا مقام مقتضی ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی اَتَسْمَعُوْنَ اَخْبَارَهُمْ وَتَعْلَمُوْنَ اَحْوَالَهُمْ فَتَطْمَعُوْنَ خلاصہ کلام یہ کہ تم ان کے مایوس کن احوال کی تفصیل جانتے ہو پھر بھی تم طمع رکھتے ہو کہ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ ایمان لے آئیں گے تمام یہود یا ان کے علماء۔ کیونکہ یہ شدت طمع اور اخلاق ذمیمہ میں ان کے برابر ہیں۔ لہٰذا ان میں سے سوائے ان اعمال کے جو ان اسلاف سے صادر ہوئے کچھ نہیں حاصل ہوگا۔ پس ان کی تکذیب پر غم نہ کھاؤ اور لام لَکُمْ میں استجابت کے معنیٰ کی تضمین کی وجہ سے ہے ای فی ایمانهم مستجیبین لکم، یا تعلیل کے لئے ہے ای فی ان یحدثوا الایمان لاجل دعوتکم، واؤ حالیہ ہے۔ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ان میں سے ایک گروہ پہلے تھا۔ فَرِیْقٌ ایک ایسی جمع ہے جس کا اپنے لفظ سے واحد نہیں ہے۔ جیسے رھط"۔

يَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللّٰهِ جو تورات سے کلامِ الٰہی سنتے تھے۔ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ اس میں جو احکام تھے انہیں تبدیل کرتے جیسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت اور آیہ رجم۔ بعض کہتے ہیں کہ ستر منتخب شدہ یہود نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا جبکہ طور پر موسیٰ علیہ السلام نے سنا، جس میں امر و نہی تھا۔ پھر انہوں نے کہا ہم نے اللہ تعالیٰ سے

marfat.ocm

کلام سنا تو اس نے آخر میں فرمایا اگر تم سے ہو سکے تو اسے عمل میں لانا اگر نہ ہو سکے تو کوئی حرج نہیں۔

(کذافی التیسیر)

ازالہ وہم:۔ لیکن بات یہ ہے کہ انہوں نے بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں سنا تھا کیونکہ یہ تو موسیٰ علیہ السلام کا خاصہ تھا۔ ان کے ساتھ دنیا میں کسی کی شرکت نہیں تھی۔ اب معنیٰ یوں ہوا کہ تم اللہ تعالیٰ کا کلام یعنی تورات سنتے تھے جبکہ موسیٰ علیہ السلام پڑھتے تھے۔ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ یعنی بعد اس کے کہ انہوں نے عقل سے اس کلام کو سمجھا اور ضبط کیا کہ ان کو کسی قسم کا شک وشبہ نہ رہا۔ معنیٰ یہ ہے کہ لوگ کیسے ایمان لا سکتے ہیں جبکہ یہ اپنے اسلاف کی تقلید کرتے ہیں۔ یہ بھی ان اہلِ سوء سے ہیں جو پہلے گذر چکے ہیں لہٰذا ان سے ایمان لانے کی طمع نہ کرو۔ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ جسے تحریف کرتے ہیں انہیں علم تھا کہ ہم کاذب ومفتری ہیں۔ وَاِذَا لَقُوْا جب یہود ملاقی ہوتے ہیں۔ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ان لوگوں سے جو ایمان دار ہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قَالُوْٓا منافقین کہتے ہیں اٰمَنَّا ہم بھی تمہاری طرح ایمان رکھتے ہیں کہ حضور سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم وہی رسول مبشر بہ ہیں۔ وَاِذَا خَلَا جب واپس چلے جاتے ہیں بَعْضُهُمْ وہ لوگ جو منافق نہیں ہیں یعنی جب فارغ ہوتے ہیں مومنین کے مشغلہ سے اور متوجہ اور ملنے والے ہوتے ہیں اِلٰى بَعْضٍ ان لوگوں کی طرف جو منافق ہیں اس وقت کہ ان کے نزدیک سوائے ان کے اور کوئی نہیں ہوتا۔ قَالُوْٓا تو وہ گھر میں بیٹھنے والے عتاب دیتے ہیں اس نے اس عمل پر اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ کیا تم خبر دیتے ہو۔ استفہام بمعنیٰ نہی ہے۔ یعنی مومنین کو خبر مت دو۔ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ وہ باتیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں خصوصی طور پر تورات میں بتائی ہیں یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف۔ فتح' سے اس لیے تعبیر کر رہے ہیں کہ وہ ایک پوشیدہ راز اور بند دروازہ کی طرح ہے کہ کوئی اس سے واقف نہیں ہے۔ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ لام تحدیث سے متعلق ہے نہ کہ فتح سے، اور ضمیر بہ میں بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ کی طرف راجع ہے یعنی تاکہ وہ حجت پکڑیں۔ پس تم پر حجت قائم کرتے ہوئے تمہیں عاجز کر دیں گے۔

عِنْدَ رَبِّكُمْ اس کے حکم اور کتاب میں جیسے کہتے ہیں۔ ھو عند اللہ اس کی کتاب اور شریعت میں۔ اس واقعہ کو سن کر یہود وغیرہ اگرچہ اس غرض کو حاصل نہیں کر سکتے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے حجت بازی کرنا لیکن ان کی حماقت اور بیوقوفی کے اظہار کے لئے ایسے ہی بیان فرمایا۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ان کے کلام سے متصل ہے بطور

توبیخ وعتاب کے ہے یعنی کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔ پھر اس ظاہر فاحش کو معلوم کرلو گے۔ ان کا یہی بیان تم پر حجت ہو جائے گا۔ اس اعتبار سے ان کا عدمِ تعقل ابتداءً ہوگا۔ یا یہ معنیٰ ہے کہ کیا یہ عمل تم کرتے ہو اور فاحش ظاہر کو سمجھتے بھی نہیں ہو جبکہ یہ بات بالکل واضح ہے اس لحاظ سے ان کا عدمِ تعقل فعل کے بعد ہوگا۔ اَوَلَا یَعْلَمُوْنَ ہمزہ انکار وتوبیخ کا ہے اور واؤ عاطفہ ہے اس کا عطف مقدر ہے کہ جس کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے اور ضمیر توبیخ دینے والوں کی طرف لوٹتی ہے یعنی حجت کے خطرہ پر انہیں بیان کرنے پر کیوں ملامت کرتے ہیں۔ کیا انہیں معلوم نہیں ہے کہ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ اللہ تعالیٰ جانتا ہے تمام وہ جو چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ وہ کفر کو چھپاتے تھے اور ایمان کو ظاہر کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ مومنین پر اپنے نبی علیہ السلام کی طرف وحی بھیج کر ظاہر کر دے گا۔ اہلِ ایمان حجت پکڑ کر کفار کو عاجز کر دینے پر قادر ہو جائیں گے۔ جیسے کہ رجم کی آیت اور بعض محرمات کو حرام قرار دینے کی آیات سے ہوا۔ پس ملامت وعتاب کرنے میں کیا فائدہ؟ وَمِنْهُمْ اور یہودیوں میں سے بعض اُمِّیُّوْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ تورات کو نہیں جانتے کہ مطالعہ کرکے نبوت کے دلائل کی تحقیق کرکے ایمان لائیں۔ اِلَّآ اَمَانِیَّ اُمْنِیَّة" کی جمع ہے تمنّی سے ماخوذ ہے اور استثناء منقطع ہے کیونکہ وہ جنس کتاب سے نہیں۔ یعنی نہیں جانتے سوائے شہوات باطلہ کے جو ان کے ہاں ہیں اور وہ مفتریات جن کے وہ مرتکب ہوئے۔ مثلاً: ۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت کی تبدیلی۔ ۲۔ ہمیں (یہود کو) چند دنوں کے سوا عذاب نہیں مس کرے گا۔ ۳۔ انبیاء علیہم السلام ہماری شفاعت کریں گے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ ہمارے (یہود کے) گناہوں پر مواخذہ نہیں کرے گا بلکہ ہم پر رحم فرمائے گا۔ یہ اقوال ایسے ہیں کہ ان کی کوئی دلیل ان کے پاس موجود نہیں تھی۔

وَاِنْ هُمْ اور نہیں ہیں وہ اِلَّا یَظُنُّوْنَ مگر گمان کرتے ہیں، ان پر یقین نہیں رکھتے، یعنی وہ نہیں ہیں مگر قصوروار۔ یعنی ان کا امر گمان اور تقلید پر مبنی ہے۔ ان کے پاس کوئی ایسا امر نہیں کہ جس سے وہ مرتبہ علم کو پہنچ سکیں۔ جب ایسی بات ہے تو پھر ان سے ایسے ایمان کی امید کیسے کی جا سکتی ہے کہ جس کی بنیاد یقین پر ہو۔ فَوَیْلٌ ۔ ویل" یہ وہ کلمہ ہے جو ہلاکت میں پڑنے والا کہتا ہے۔ یعنی کسی کے لئے عذاب کی دعا مانگنا بمعنیٰ بہت بڑی سزا۔ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر اس کا مابعد ہے۔

marfat.ocm

حدیث شریف:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وَیْل " : جہنم کی ایک وادی ہے جس میں کافر کو ڈالا جائے گا تو چالیس سال تک وہ اس کی تہ تک نہیں پہنچ پائے گا۔

قولِ حضرت سعید رضی اللہ عنہ:۔ حضرت سعید بن المسیّب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: وَیل جہنم کی ایک وادی ہے جس میں اگر دنیا کے پہاڑ ڈالے جائیں تو جل کر راکھ ہو جائیں۔

لِلَّذِیْنَ یَکْتُبُوْنَ الْکِتٰبَ ان کے لئے خرابی ہے جو تحریف شدہ کتاب کو لکھتے ہیں: بِاَیْدِیْھِمْ اپنے ہاتھوں سے۔ بِاَیْدِیْھِمْ تاکید ہے۔ تاکہ کسی کو یہاں مجازی معنیٰ کا وہم نہ ہو۔ مثلاً کہا جاتا ہے۔ کَتَبْتُ اِلٰی فُلَانٍ (میں نے فلاں کو لکھا) اس میں مجازی معنیٰ کا وہم ہے کہ اس نے دوسرے کو لکھنے کو حکم دیا اگرچہ اس نے خود نہیں لکھا لیکن امرِ کتابت کو اپنی کتابت سے تعبیر کیا ہے۔ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ پھر عوام کو کہتے ہیں ھٰذَا یہ تحریف شدہ کتاب مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یعنی یوں کہتے ہیں کہ یہی وہ اصل توراۃ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام پر اتری تھی۔

شانِ نزول:۔ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا تو یہود کے علماء کو خطرہ لاحق ہوا کہ آپ کے اوصاف جو توراۃ میں درج ہیں عوام کو معلوم ہو گئے تو پھر ہمارے کھانے پینے اور عزو جاہ کے تمام راستے بند ہو جائیں گے۔ انہوں نے توراۃ کے اندر جو حضور علیہ السلام کے اوصاف درج تھے تبدیل کر ڈالے عوام کو وہی تحریف شدہ اوصاف سناتے جو حضور علیہ السلام کے اوصاف کے برعکس تھے۔ اسی لیے ان کے عوام حضور علیہ السلام کی تکذیب کرتے رہے۔ اس حیلہ سے ان یہودی علماء کے حلوے مانڈے بحال رہے۔ [1]

اصل توراۃ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک:۔

حسین چہرے والے، گھنگریالے بالوں والے، شرمیلی آنکھوں والے اور متوسط قد والے صلی اللہ علیہ وسلم بقدر حسن جمالہ وعلی آلہ وبارک وسلم۔

تحریف شدہ حلیہ کا ذکر: لمبے قد والے، نیلی آنکھوں والے، لٹکے ہوئے اور سیدھے بالوں والے (معاذاللہ)

---

[1] اس سے وہ لیڈر نما مولوی عبرت پکڑیں جو احکامِ خداوندی کو پسِ پشت ڈال کر امراء و احکام کی خوشنودی کے لئے مسائل بتاتے ہیں ہیرا پھیری کرتے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ۔

marfat.ocm

ف: توارۃ میں حضور علیہ السلام کا بیان تھا اور آپ کے حسن و جمال کا ذکر بھی۔ جب یہود اپنے علماء سے پوچھتے تو وہ پچھلے اوصاف سناتے جس کی وجہ سے عوام یہود حضور علیہ السلام کی پیروی سے محروم رہے۔

لِيَشْتَرُوْا بِهٖ تا کہ یہودی علماء تحریف شدہ مسائل کے عوض میں اپنے لیے حاصل کریں ثَمَنًا روپے، پیسے۔ ثمن وہ رشوت مراد ہے جو تحریف اور غلط تاویل کے عوض مال لیتے تھے۔

سوال: ثمن تو وسیلہ ہوتا ہے اور مقصود مبیع۔ یہاں اس کے برعکس کیوں کہا گیا ہے؟

جواب: ان کی غلطی کے اظہار کے لئے کہ جو شئے مقصود بالذات تھی اسے انہوں نے وسیلہ بنایا اور وسیلہ کو اصل مقصود سمجھا ان کی الٹی چال کی وجہ سے آیت میں یوں ذکر ہوا۔ قَلِيْلًا اتنا تھوڑا کہ وہ کسی شمار میں نہ ہو۔

سوال: یہود کے علماء تو بہت مال حاصل کرتے تھے آیت میں اسے قلیل سے تعبیر کیا گیا ہے؟

جواب: اس کا قلیل ہونا یا تو اس کے فناہ ہو جانے کی وجہ سے ہے یا اس لیے کہ اس کا انہیں کوئی ثواب نہیں ملے گا بلکہ الٹا عذاب۔ یا اس لیے کہ وہ حرام تھا اور حرام میں برکت نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں حرام مال کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ (کذافی تفسیر القرطبی)

فَوَيْلٌ لَّهُمْ ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ اس وجہ سے جو ان کے ہاتھوں نے لکھا۔ یعنی انہیں یہ سزا ان کی تحریف کی وجہ سے ہے وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ اور انہیں بڑا سخت عذاب ان کے برے عمل کی وجہ سے۔ مثلاً رشوت لینا اور گناہوں کا ارتکاب کرنا وغیرہ۔

اَلْكَسْبُ: اصل میں ایسا فعل جو حصولِ نفع اور دفعِ ضرر کے لئے کیا جائے۔ اسی لیے اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات پر نہیں ہوتا۔

فوائد و لطائف: ۔ آیات مذکورہ میں چند لطیف اشارے ہیں: ۔

☆...... بندے کا علم اور یقین اور معرفت اور اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہو جانا وغیرہ اسے اس وقت تک فائدہ نہیں پہنچاتا جب تک اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت شاملِ حال نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا

(اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحمت شاملِ حال نہ ہوتی تو تم سے کوئی ایک بھی نہ بچ سکتا)

marfat.ocm

یہ بات حق ہے، دیکھئے شیطان ابلیس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بلاواسطہ کلام کیا اور اس سے مخاطب ہوا۔ کما قال تعالیٰ: یٰٓاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَکَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ (اے ابلیس! میں نے تجھے حکم دیا میرے اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے کو سجدہ کیوں نہ کیا) ابلیس کو اتنی قدر افزائی کے باوجود اسے ایمان حقیقی نے فائدہ نہ بخشا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اس کے شاملِ حال نہ تھا۔ وہ ابلیس مشاہدہ کے باوجود ایمان پر ثابت قدم نہ رہ سکا تو برہان دیکھنے والوں کی کیا امید رکھی جائے مثنوی شریف میں ہے:

جز عنایت کے کشاید چشم را   جز محبت کہ نشاید خشم را
جہد بے توفیق خود کس را مباد   در جہاں واللہ اعلم بالسداد
جہد فرعونے چو بے توفیق بود   ہرچہ اومی دوخت آں تفتیق بود

ترجمہ: ا۔عنایت الٰہی کے سوا کب آنکھ کھل سکتی ہے جہاں محبت ہو وہاں غصہ کیسا۔ ۲۔بے توفیق الٰہی کوشش نہ ہو جہاں میں کوشش سے راہ سیدھی نصیب نہیں ہوتی۔ ۳۔چونکہ فرعون کی کوشش توفیقِ الٰہی سے نہ تھی اسی لیے اس نے جو کچھ کیا ضائع ہوا۔

☆...... عالم بے عمل (سرکش) اور عوام گمراہی میں برابر ہیں۔ کیونکہ عالم کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے علم کے مطابق عمل پر کاربند ہو اور عوام کو چاہیے کہ ایمان و عقائد میں کسی کی تقلید نہ کریں اور نہ ہی گمان کی راہ پر چلیں کیونکہ ایمان صرف آرزو کا نام نہیں بلکہ تحقیق کا نام ہے۔ جو لوگ محض تقلید آبائی کے پابند ہیں اور اپنے ظنونِ فاسدہ پر عمل کرتے ہیں اور اپنے خیالات کو پیشوا مانتے ہیں انہیں اپنی کتابوں سے سوائے ظاہری قرأت کے اور کوئی فائدہ نہیں ہوتا نہ انہیں معانی کی معرفت نصیب ہوتی ہے اور نہ ہی اسرار و حقائق کا ادراک حاصل ہوتا ہے ہمارے زمانہ کے اکثر لوگوں کا یہی حال ہے کہ ادھر دیکھو تو اسلام کے علمبردار ہیں لیکن اسلام کی تعلیمات سے کوسوں دور ہیں ایسے مدعی اور صرف اسلام کے متمنی کا انجام برا ہوتا ہے۔ انہیں سوائے خسران اور گمراہی اور حسرت و ندامت و وبال کے اور کچھ نصیب نہیں ہوگا۔ مثنوی شریف میں ہے:

تشنہ را گر ذوق آید از سراب   چوں رسد در وے گریزد جوید آب
مفلساں گر خوش شوند از زر قلب   لیکن آں رسوا شود در دار ضرب

marfat.ocm

ترجمہ: ۱۔ پیاسے کو اگرچہ سراب سے پیاس بجھانے میں مزہ محسوس ہوتا ہے لیکن جب اس کے قریب پہنچ کر اسے خالی پاتا ہے تو پانی کی تلاش کرتا ہے۔ ۲۔ اگرچہ کھوٹے سونے سے تنگدست خوش ہو جاتا ہے لیکن جب کسوٹی پر پرکھتا ہے تو سرمسار ہوتا ہے۔

☆...... جس نے دین کے کسی مسئلہ کو تبدیل کیا یا تحریف کی یا اس میں وہ عمل بدعت کے طور پر شامل کیا جو اصول دین سے خارج ہے تو وہ بھی اس آیت کی وعید میں داخل ہے۔

حدیث شریف: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے آخری دور کے لوگوں کے حالات کو معلوم کر کے فرمایا کہ خبردار! تم میں سے جو اہلِ کتاب تھے بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ وہ سب کے سب جہنمی ہوں گے سوائے ایک فرقہ کے کہ وہ بہشتی ہوگا۔

ف: حدیث شریف میں اس طرف اشارہ ہے کہ دین میں اپنی طرف سے ایجاد بندہ شامل نہ کرو جو کتاب اللہ سنتِ رسول اور سنتِ صحابہ کے خلاف ہو جس سے لوگ گمراہ ہو جائیں۔ جن باتوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو ڈرایا وہی باتیں ان میں گھس گئیں اور جہان میں وہ بیماریاں عام ہو گئیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:

نخواہی کہ نفرین کنند از پست　　نکو باش تابد نگوید کست
نہ ہر آدمی زادہ از دوبہست　　کہ دوز آدمی زادہ بد بہست

ترجمہ: ۱۔ اگر تو چاہتا ہے تیرے بعد تجھے کوئی برا نہ کہے تو نیک ہو جاتا کہ کوئی تیری برائی نہ کرے۔ ۲۔ ہر آدمی جانور سے اچھا نہیں، ظالم آدمی سے جانور بہتر ہے۔

☆...... بعض لوگ نمائشی صوفی بن کر اولیاء اور اہلِ دل لوگوں کی صف میں شامل ہو جاتے ہیں لیکن ان کا دل ان کے طریقوں سے دور ہوتا ہے اور وہ غفلت کی طرف جھکے ہوئے ہوتے ہیں بلکہ ان کے اقوال غمازی کرتے ہیں کہ یہ ان میں سے نہیں اور وہ ہمیشہ اپنی خواہشات کے پابند ہوتے ہیں جہاں خواہشات لے جاتی ہیں اُدھر بھاگ جاتے ہیں۔ اگر انہیں احکامِ الٰہی کی طرف بلایا جائے تو اس سے کتراتے ہیں ان کو اولیاء اللہ کے طریقوں سے ذرہ بھر بھی حصہ نصیب نہیں ہوتا۔ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُونَ ان کی ان خرابیوں کا انہیں بہت عذاب ہوگا اور وہ جو الحاد عن الحق اور بُرے عقائد اور مخلوق کو دھوکا دینے اور انہیں

گمراہ کرنے کا عمل کرتے ہیں، تو اس وجہ سے انہیں وعیدِ شدید ہے۔ وہ خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ مثنوی شریف میں ہے:

صد ہزاراں دام ودانہ است اے خدا ماچو مرغانِ حریص بے نوا
دمبدم مابستہ دام نویم ہر یکے گر باز وسیمرغ شویم

ترجمہ: ا۔ لاکھوں دام ودانے ہیں اے اللہ! ہم پرندے کی طرح حریصِ بے نوا ہیں۔ ۲۔ ہم ہر لحظہ نئے دام میں پھنسے ہیں خواہ ہم باز وسیمرغ ہو جائیں تب بھی دام سے نہیں بچ سکتے۔

تفسیر صوفیانہ

سالک کے لئے ضروری ہے کہ موجود حق کی طرف پہنچنے کی کوشش کرے اور موہوم مطلق سے بچے بطون امتیازات سے غافل ہو کر حالات کے دھوکہ میں نہ آجائے۔ اُس لیے راہِ حق ہر دقیق سے دقیق اور ماء عمیق سے زیادہ گہرا اور دور دراز راہوں سے بھی زیادہ دور ہے۔

ف: سب سے بڑا جاہل وہ آدمی ہے جو نفس کی شرارتوں کے یقین ہونے پر لوگوں کی مدح کی وجہ سے نفس کی اصلاح ترک کر دیتا ہے۔ حضرت حارث بن اسد المحاسبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جو شخص کسی کی مدح سے خوش ہوتا ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جس کی مسخریاں کی جاتی ہیں۔ اسے یوں کیوں نہ کہا جائے کہ تیرے پیٹ سے جو فضلات خارج ہوتے ہیں وہ بڑے خوشبودار ہیں۔ کیا اس بات سے خوش ہوگا؟ نہیں ہرگز نہیں۔ تو ایسے ہی مدح سن کر خوش ہونے والے کی کیفیت ہے۔

سبق: دانا کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایسی باتوں کی طرف دھیان نہ کرے بلکہ وہ حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کرے۔

ف: اس واعظ کے لئے بھی خرابی ہے جو لوگوں کے ہاتھ پاؤں چومنے پر تکبر کرتا ہے اور فخر محسوس کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں ان لوگوں سے افضل ہوں ایسا شخص صرف مدح وذم کی خرابیوں میں مقید رہتا ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ جس کے دل سے ایسے باطل خیالات دور فرما دے تو وہ بچ جائے گا ورنہ مشکل ہے۔

نسخہ: اچھے لوگوں کے پرکھنے کا خاص طریقہ یہ ہے کہ انہیں تعریف کرنے والے اور طمانچہ مارنے والے برابر

marfat.ocm

نظر آئیں اور غلط طریقے والے اس کے برعکس ہیں۔

حکایت: حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے اپنی مجلس میں فرمایا کہ اگر میں نے حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد نہ سنا ہوتا کہ: اِنَّ اللّٰهَ يُؤَيِّدُ الدِّيْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ (اللہ تعالیٰ اپنے دین کی مدد فاجر بندے سے کراتا ہے) تو میں کبھی وعظ کرنے کی جرأت نہ کرتا۔ اب مجھے سہارا مل گیا کہ وہی فاجر میں سہی دین کو تو فائدہ ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَقَالُوْا اور یہودیوں نے اپنے گمان پر کہا: لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ ہمیں آگ ہرگز نہیں چھوئے گی۔ یعنی آخرت میں ہمارے ہاں آگ نہیں پہنچے گی۔ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ہاں چند گنتی کے دنوں تک وہ یا تو سات دن ہوں گے اس لحاظ سے کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے اور دنیا کے ایک ہزار کے مقابلے میں ایک دن سزا ملے گی اس کا مجموعہ سات یوم ہے یا چالیس یوم مراد ہیں اتنی مقدار کہ ان کے آباء نے بچھڑے کی پرستش کی۔

ف: حضرت ابو منصور علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہودیوں نے ان ایام کو محصور رکھا جتنے دن ان کے آباء نے نافرمانی میں گزارے۔ یہ لوگ فرقہ جہمیہ کے عقیدہ کی طرح خلود نار کے قائل نہیں یا اس لیے کہ انہوں نے ایام قلیل سے تعبیر کیا کہ ان کا عقیدہ تھا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ابناء اور احباء ہیں اور باپ بیٹے کو اور دوست دوست کو اتنا بڑا عذاب نہیں پہنچاتا۔ ہاں کسی وقت زجر و توبیخ ہوتی تو مختصر وقت میں پھر وہ اس سے راضی ہو جاتا ہے۔

مسئلہ : ان کا یہ مذکورہ خیال فاسد ہے کیونکہ کفر کی سزا دائمی ہے۔ جیسا کہ ایمان کی جزاء دائمی ہے۔ اس لیے جو بھی اپنے کسی دین پر عقیدہ رکھتا ہے تو وہ عقیدہ اس کا دائمی ہوتا ہے نہ کہ مذبذب۔ اسی طرح پھر اس کی جزا کا حال ہے کہ وہ بھی دائمی ہونی چاہیے۔

قُلْ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! انہیں تبکیتاً و زجراً! فرمایئے اَتَّخَذْتُمْ، اَتَّخَذْتُمْ کا ہمزہ قطعی نہیں ہے کیونکہ یہ ہمزہ استفہامیہ ہے بمعنیٰ توبیخ کے اور ہمزہ وصلی کلام کے ادراج سے گر گیا ہے۔ دراصل ءَ اِتَّخَذْتُمْ تھا۔

عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا کیا اللہ تعالیٰ سے تم نے کوئی وعدہ لے رکھا ہے۔ کیا تمہیں اللہ تعالیٰ سے اس قسم کی کوئی خبر پہنچی ہے یا تمہارے گمان کے مطابق کوئی تمہارے ہاں اللہ تعالیٰ کا عہد نامہ ہے کیونکہ یہ باتیں کسی عہد قوی کی بنا پر کہی جا سکتی ہیں۔ اس لیے اسے عہد سے تعبیر کیا گیا ہے فَلَنْ یہ فاء فصیحیہ ہے شرط محذوف کا پتہ دے رہی ہے دراصل

عبارت یوں تھی۔ اِنِ اتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰہِ عَهْداً وَ اَمَاناً فَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰهُ۔ یعنی اگر تمہارے پاس اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد و پیمان ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف ہرگز نہیں کرے گا۔ یُخْلِفَ اللّٰهُ اخلاف سے ہے یعنی وعدہ توڑنا۔ عَهْدَهٗٓ یعنی وہ عہد جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کر رکھا ہے۔ یعنی وہ تو اپنا وعدہ پورا کرتا ہے۔

ف: امام منصور علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: اس آیت میں دو وجہیں ہیں:

۱۔ کیا تمہارے پاس اے اہلِ کتاب! اللہ تعالیٰ سے کوئی خبر آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دائمی عذاب میں مبتلا نہیں فرمائے گا اگر کچھ تمہارے پاس خبر ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے عہد و پیمان کے خلاف نہیں کرتا۔

۲۔ تمہارے پاس کوئی ایسے نیک اعمال ہیں جن کی وجہ سے تمہیں اللہ تعالیٰ نے بہشت کا وعدہ دے رکھا ہے اس اعتبار سے بھی وہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا۔

اَمْ تَقُوْلُوْنَ کیا تم افتراء کہہ رہے ہو۔ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ اللہ تعالیٰ پر ایسا افتراء کر رہے ہیں جس کا تمہیں علم تک نہیں کہ کیا ہونے والا ہے۔ یہ اَمْ ہمزہ استفہام کے مضمون کو برابر کرنے کے لئے ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ ان دو امروں میں سے ایک بات تو ضرور ہوگی کیونکہ ان دونوں میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ اگر تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کا کوئی وعدہ ہے تو وہ وعدہ خلافی نہیں کرے گا لیکن اس کا تمہارے ساتھ کوئی وعدہ نہیں تم اپنے خیالی پلاؤ میں مست ہو۔

حدیث شریف میں ہے:۔ جب قیامت میں ان پر یہی گنتی کے ایام گزریں گے تو جہنم کا داروغہ جہنمیوں کو فرمائے گا اے اللہ تعالیٰ کے دشمنو! تمہارے گمان کے مطابق تو وہ مدت ختم ہوگئی اور تم جہنم میں پڑے ہو، یقین کرلو کہ تم نے اس جہنم میں ہمیشہ رہنا ہے۔

بَلٰی یہ لفظ نفی کے بعد اثبات کے لئے آتا ہے۔ گویا کہ یہ نفی کا جواب ہے۔ (اثباتا) اور لفظ نعم ایجاب کے جواب میں آتا ہے یعنی اے یہودیو! تم کہتے ہو کہ ہمیں صرف چند روز جہنم میں رہنا ہوگا۔ تمہارا یہ گمان غلط ہے تم نے ہمیشہ جہنم میں رہنا ہے۔ جیسا کہ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ کا جملہ بتاتا ہے اسی لیے اس مضمون کو شرط و جزا کے طریقہ پر بیان فرمایا۔ مَنْ مرفوع اور مبتدا ہے متضمن بمعنی الشرط کے۔ اسی لیے اس کی خبر میں فاء داخل ہوئی ہے اگرچہ یہ جزا ہے شرط کی کَسَبَ اَلْکَسْبُ بمعنی اِستجلابُ النفع کے ہے۔ یعنی نفع کمانا۔

marfat.ocm

سوال : کفار کے لئے کون سا نفع ہے؟

جواب : مجازاً نقصان حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا گیا بطریق تحکم کے۔ جیسے ان کے لئے سیئۃ تحکما استعمال ہوا ہے۔ سَيِّئَةً کوئی بڑا گناہ، کبائر سے کوئی ایک کبیرہ وَاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ اور اسے وہ گناہ محیط ہوگیا۔ اس کی جمیع جوانب کو یعنی قلب، زبان ہاتھ کو محیط ہوگیا۔ جیسے دشمن گھیر لیتا ہے۔ یہ معنیٰ صرف کافر کے لئے ہوسکتا ہے اسی لیے اسلاف نے سَيِّئَةً کا ترجمہ کفر کیا ہے۔ فَاُولٰٓئِكَ یہ مذکورہ لوگ کہ جنہوں نے برے اعمال کیے اور خطایا وغیرہ ان کے محیط ہوگئے۔

سوال: یہ اشار جمع کے لئے اور مَنْ کے لیے صیغہ واحد استعمال ہوتا آرہا ہے؟

جواب : مَنْ میں دو پہلو ہیں:

۱۔ لفظاً مفرد اسی لیے اس کے لئے ضمائر واحد لگائے گئے ہیں۔ ۲۔ معناً جمع۔

اَصْحٰبُ النَّارِ جہنم کے ساتھی۔

سوال : کفار کو جہنم کا ساتھ کیوں کہا گیا ہے؟

جواب : ساتھی، ساتھی کے ساتھ رہتا ہے وہ لوگ ہمیشہ اس میں رہیں گے جیسے دنیا میں جہنم کے اسباب کے ساتھ رہے بنابریں انہیں جہنم کا ساتھی کہا گیا۔

جہنم کے داخلہ کے اسباب:۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کے کلام پاک کی تحریف۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ پر افتراء پردازی وغیرہ۔

ترکیب: اَصْحٰبُ النَّارِ، اُولٰٓئِكَ کی خبر ہے اور جملہ مبتداء گذشتہ کی خبر ہے۔

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے نہ ان کو ساتویں دن چھٹکارا نصیب ہوگا نہ چالیسویں دن۔ جیسا کہ ان کا گمان ہے۔ یہ جملہ نصب علی الحالیہ کے موقعہ پر ہے۔ چنانچہ دوسرے مقام پر اسے صراحۃً حال بنایا گیا۔ کما قال : اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اس آیت سے کبیرہ کے مرتکب کے لئے جہنم کا خلو ثابت نہ ہوا کیونکہ یہ آیت تو خاص کفار کے لئے ہے۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تہ دل سے تصدیق کرتے ہیں وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور اچھے عمل کرتے ہیں یعنی

فرائض کی ادائیگی کرتے اور گناہوں سے بچتے ہیں۔ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ یہی لوگ بہشتی ہیں اور وہ اس میں رہیں گے۔ یعنی ان پر نہ موت ہوگی نہ ہی اس سے نکالے جائیں گے۔

سوال: جہنمیوں کے ذکر کے بعد بہشتیوں کے ذکر کی ضرورت کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ وعدہ کرتا ہے تو وعید کو بھی ساتھ ذکر کر دیتا ہے جیسا کہ اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ بندوں کو صحیح راستہ بتانے پر کبھی ترغیب دے دے تو کبھی ترہیب کبھی خوش کر دیا تو کبھی ڈرا دیا۔ نرمی و درشتی سے انسان کمال کو پہنچتا ہے اور اسی طریق سے جمال و جلال کے جلووں سے نوازا جاتا ہے۔

حکایت: ایک شیخ نے اپنے مرید سے فرمایا کہ اگر تو حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ کی زیارت کر لے تو تیرے لیے اس شغل سے بہتر ہے کہ جس میں تو مشغول ہے۔ مرید نے کہا حضرت بایزید کا دیکھنا کیسے بہتر ہو سکتا ہے جبکہ وہ ایک مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ کے جلوے ہر روز ہمیں ستر بار دکھائی دیتے ہیں اور جو آخرت میں نصیب ہوں گے وہ ان کے علاوہ ہیں۔ ایک دن شیخ موصوف اپنے اس مرید کو لے کر حضرت بایزید کی زیارت کے لئے انکے در اقدس پر پہنچے۔ پتہ کیا تو ان کی محترمہ نے فرمایا: اس کی کیا زیارت کرو گے وہ تو ایک عام آدمی ہے ابھی آجاتا ہے گھر کے لیے جنگل سے لکڑیاں اکٹھی کرنے گیا ہے۔ چنانچہ وہ دونوں حضرت بایزید کے راستے میں کھڑے ہو گئے۔ دور سے دیکھا کہ حضرت بایزید لکڑیاں شیر پر لادے آرہے ہیں چابک کی جگہ ان کے ہاتھ میں ایک اژدھا ہے، شیر کو اس چابک (اژدھا) سے کبھی کبھی مارتے ہیں۔ مرید حضرت بایزید کی اس کیفیت کو دیکھ کر جاں بحق ہو گیا۔ حضرت بایزید نے اس کے شیخ سے فرمایا کہ تو نے جہاں مرید کو تجلیاتِ جمالیہ کی تلقین کی تھی وہاں اسے تجلیاتِ جلالیہ کی تلقین بھی کرنا تھی اب وہ اسی وجہ سے جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ وہ تجلیاتِ جلالیہ کا پرتو برداشت نہ کر سکا۔ آئندہ محتاط رہنا۔ مریدوں کو تجلیات جلالیہ کا مشاہدہ بھی کروایا کرو۔

ف: حضرت الشیخ مشہود با فتادہ آفندی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ حضرت بایزید چونکہ تجلیاتِ جمالیہ اور جلالیہ دونوں کے مظہر تھے اس لیے وہ مرید آپ کی تجلیات جلالیہ کا بوجھ نہ اٹھا سکا۔

حضرت مولانا روم قدس سرہٗ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں:

عاشقم بر قہر و بر لطفش بجد بوالعجب من عاشق ایں ہر دو ضد

واللہ ارزیں خار دربستاں شوم ہمچو بلبل زیں سبب نالاں شوم
ایں عجب بلبل کہ بکشاید دہاں تا خورد اوراخاررا باگلستاں
ایں چہ بلبل ایں نہنگ آتشیت جملہ ناخوش ماز عشق اورا خوشیت

ترجمہ : ۱۔ میں محبوب کے لطف وقہر دونوں پر بہ دل عاشق ہوں مجھ پر تعجب بھی ہے کہ میں دو متضاد باتوں کا عاشق ہوں۔ ۲۔ بخدا اگر میں اس کانٹے سے نکالا جاؤں اور باغ میں پہنچایا جاؤں تو اس کی جدائی سے بلبل کی طرح گریہ کروں گا۔ ۳۔ اس بلبل پر تعجب ہے جو باغ کے گل کے ساتھ کانٹے کو بھی کھا جائے۔ ۴۔ یہ بلبل تو نہ ہوئی بلکہ آتشیں مگرمچھ ہوا اس سے تمام لوگ ناخوش ہیں لیکن وہ عشقِ محبوب میں خوش ہے۔

تفسیر صوفیانہ

آیات سے ثابت ہوا کہ بعض مغرورین بالعقل جیسے فلاسفر اور طبائعیہ وغیرہ کو غلط فہمی ہے جو کہتے ہیں کہ روح کی صفائی کو افعال واقوال اور اعمال کی قباحت کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ جب ارواح اپنے اجسام سے نکل جاتی ہیں تو یَرْجِعُ کُلُّ شَیْءٍ" اِلٰی اَصْلِہٖ (ہر شے اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے) کے مطابق اجساد وعناصر میں مل جاتے ہیں اور ارواح حظائرِ قدس میں پہنچتی ہیں۔ بنابریں ارواح کو اعمال کے نتائج مزاحم نہیں ہاں صرف چند ایام کے لئے۔ لیکن ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے کیونکہ حساً اور عقلاً جانتا ہے کہ شہواتِ حیوانیہ کی تابعداری اور لذاتِ نفسانیہ کو پورا کرنا اخلاق ذمیمہ (حرص، آرزو، حسد، کینہ، بغض، بخل تکبر، کذب، افتراء وغیرہ) پیدا کرتا ہے اور یہ صفات نفس امارہ کے ہیں جو ہمیشہ برائی کا حکم دیتا ہے۔ ارواح کا ان سے متعلق ہونا ان کی صفائی میں تکدر پیدا کر دیتا ہے۔ وہ اپنے اخلاق (حلم، کرم، مروّت، صدق، حیاء، عفت، صبر شکر وغیرہ) سے تبدیل ہو کر اخلاقِ حیوانیہ شیطانیہ میں پہنچ جاتے ہیں۔ ہاں خواہشاتِ نفسانیہ کا قلع قمع کرتا ہے۔ تو اس کو مکارمِ اخلاق سے حصہ نصیب ہوتا ہے اور اس کی روح کو بھی صفائی نصیب ہوتی ہے اور پھر وہ اپنے اصلی وطن کی طرف لوٹنے کا متمنی رہتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس بیّن فرق کو معلوم کرنے کے بعد وہ روح جو ہمیشہ نفس امّارہ کی تابع ہو جیسے عوام کی کیفیت ہے اس روح کا کب مقابلہ کر سکتی ہے جو الہامات حق کے تابع ہے جیسے خواص اولیاء اللہ کی ارواح کا حال ہے۔

ف: بعض لوگ کہتے ہیں کہ ارواح اگرچہ دنیا میں چند خرابیوں میں مبتلا رہیں لیکن جب اجسام سے جدا ہوتی ہیں

تو جس قدر ان کو خواہشاتِ طبعیہ سے تعلق تھا اسی قدر چند روز عذاب میں مبتلا ہوں گی جب اس کے کدورتِ دنیویہ اور خواہشاتِ نفسانیہ زائل ہو جائیں گے تو پھر وہ اپنی اصلی حالت پر آ جائیں گے۔ ان لوگوں کا خیال بھی باطل ہے کیونکہ اس کے اس خیال کا رد قرآن پاک نے کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا: بَلٰی مَنْ کَسَبَ سَیِّئَۃً وَّاَحَاطَتْ بِہٖ خَطِیْٓـَٔتُہٗ یعنی جب گناہوں کا قلب پر غلبہ ہو جاتا ہے تو گناہوں کی مقدار قلب پر ایک سیاہی جم جاتی ہے۔ اگر بندہ اس گناہ سے توبہ کر لے تو اس کی وہ سیاہی دور ہو جاتی ہے اگر وہ اس گناہ پر ڈٹا رہے تو وہ سیاہی دل کو گھیر لیتی ہے یہاں تک کہ اس سے فطری صفائی بھی دور ہو جاتی ہے اور نورِ ایمان سے فارغ اور اعمال کی روشنی سے محروم ہو جاتا ہے۔ پھر خطیأت جب اس کا احاطہ کر لیتی ہیں تو وہ جہنمی ہو جاتا ہے اور وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔

ف: ان آیات سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بعض سالکین اثنا طلبِ سلوک میں شہوات کی طرف اگر میل کرے تو شیطان اس پر غالب ہو کر اپنے زہد کا دھوکا دیکر عُجب و کبر میں ڈال دیتا ہے جس سے وہ اپنے آپ کو معظم الشان اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے، اسی وجہ سے پھر وہ مارا جاتا ہے۔

بعض سالکین کو یوں دھوکا لگتا ہے کہ سلوک اثناء میں اسے بعض کرامات اور رؤیاء صالحہ نظر آتے ہیں۔ ان کے علاوہ اسے مشاہدات اور مکاشفات روحانیہ سے نوازا جاتا ہے نہ کہ رحمانیہ سے۔ تو اسے گمان ہوتا ہے کہ اب عبادت کی منزل طے ہو گئی اور میں کامل اولیاء کے مرتبہ کو پہنچ گیا ہوں فلہٰذا مجھے اب عبادت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس سے دھوکا کھا کر وہ سلوک کی منازل طے کرنے سے رک جاتا ہے اسی وجہ سے اس پر آفات کا حملہ ہوتا ہے تو گرتا ہوا اپنی حالت پر لوٹ آتا ہے۔ ہاں جو مومنین اہلِ طلب ہیں اور قانونِ شریعت پر اپنے شیخ کی ہدایت کے مطابق عمل کرتے ہیں تو وہ حقیقت تک پہنچنے والے ہیں۔ اسی لیے یہی لوگ اصحابِ وصول ہیں۔ جنات الاصول تک انہیں راستہ مل جائے گا اور وہ اس میں سیر کرتے رہیں گے اگرچہ منازل و مقاصد کی حد اور انتہا سے ہے لیکن سیر فی المقصد کی کوئی حد اور انتہا نہیں بخلاف ان لوگوں کے جن پر خطاؤں نے گھیرا پالیا۔ وہ جدائی کے نار میں جلتے رہیں گے۔ نہ ان کے مجاہدات فائدہ دیں گے اور نہ استدلالات بالشبہات انہیں مقصد تک پہنچائیں گے۔

marfat.ocm

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وقفہ وَبِالْوَالِدَيْنِ

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ

اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا

بھلائی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں سے اور لوگوں سے اچھی بات کہو

وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ

اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو پھر تم پھر گئے مگر تم میں سے تھوڑے اور تم

مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ

روگردان ہو۔ اور جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ اپنوں کا خون نہ کرنا اور اپنوں کو اپنی

اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾ ثُمَّ اَنْتُمْ

بستیوں سے نہ نکالنا پھر تم نے اس کا اقرار کیا اور تم گواہ ہو پھر یہ جو تم ہو

هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ

اپنوں کو قتل کرنے لگے اور اپنے میں سے ایک گروہ کو ان کے وطن سے نکالتے ہو ان پر

عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؕ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ

مدد دیتے ہو (ان کے مخالف کو) گناہ اور زیادتی میں اور اگر وہ قیدی ہو کر تمہارے پاس آئیں تو بدلہ دے کر چھڑا لیتے اور

اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ

ان کا نکالنا تم پر حرام ہے تو کیا خدا کے بعض احکام پر ایمان لاتے ہو اور بعض سے انکار کرتے ہو تو جو تم

مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ

میں ایسا کرے اس کا بدلہ کیا ہے مگر یہ کہ دنیا میں رسوا ہو اور قیامت

marfat.ocm

يُرَدُّوْنَ اِلٰۤى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۸۵ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

میں سخت تر عذاب کی طرف پھیرے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے داؤ سے بے خبر نہیں۔ یہ ہیں وہ لوگ

اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؗ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ

جنہوں نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی خریدی تو نہ ان پر عذاب ہلکا ہوگا

يُنْصَرُوْنَ ۝۸۶ ع ۱۰ ۱۰

اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔

تفسیر عالمانہ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ یاد کرو جب کہ تورات میں ہم نے بنی اسرائیل سے وعدہ لیا۔ مِیْثَاق پختہ وعدہ کو کہتے ہیں۔ وہ دو قسم کا ہے:

۱:۔ عہدِ خلقت وفطرت ۲:۔ عہدِ نبوت ورسالت

اور اِذْ منصوب بفعل اذکر مقدر ہے۔ ہمارے نبی علیہ السلام اور اہل ایمان کو خطاب ہے تاکہ انہیں ان لوگوں کے ایمان لانے سے طمع منقطع ہو جبکہ ان کے اسلاف نے ایمان نہ لایا کیونکہ سانپ سے سانپ پیدا ہوتا ہے۔ سچ ہے: اِذَا طَابَ اَصْلُ الْمَرْءِ طَابَتْ فُرُوْعُهٗ (جب مرد کا جوہر اچھا ہو تو اس کی تمام نسل اچھی ہوگی) یا وہ یہود جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم زبان تھے مراد ہیں انہیں زجر کی جارہی ہے کہ تمہارے اسلاف کا یہ عمل قبیح تھا۔ یعنی یاد کرو جبکہ ہم نے ان سے وعدہ لیا کہ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔

۱:۔ اَنْ گرایا گیا تو تَعْبُدُوْنَ کو مرفوع پڑھا گیا۔ ۲:۔ اس لئے کہ ناصب نہیں رہا۔ ۳:۔ اس لئے کہ مضارع بمعنی نہی ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے۔ تَذْهَبُ اِلٰى فُلَانٍ تَقُوْلُ كَذَا ۔ اس مضارع سے بھی امر مراد لیا گیا ہے۔ یعنی تَذْهَبُ بمعنی اِذْهَبْ ہے۔

۴:۔ یہ کہ امر و نہی سے زیادہ بلیغ ہے۔

اس لئے کہ اس میں ابہام ہے کہ ممنوع انسان پر لازم ہے کہ جس فعل سے اسے روکا گیا ہے اس سے رکنے کے لئے

marfat.ocm

اتنی عجلت کرے کہ جسے نہی کے صدور کے بعد کہا جا سکے وہ رک چکا ہے اور اس کی خبر ناہی دے رہا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی توحید کے قائل نہ ہو اور نہ ہی اس کے سوا کسی کے لئے الوہیت ثابت کرو۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ قسم کا جواب ہے۔ چنانچہ اس کا معنیٰ اس پر دلالت کرتا ہے۔ گویا کہا گیا ہے۔ وَاَحْلَفْنَا هُمْ وَقُلْنَا بِا اللّٰهِ الخ

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ای تُحْسِنُوْنَ اِحْسَاناً بمعنیٰ تعبدون ۔ کیونکہ یہ جملہ خبریہ ہے یا اَحْسِنُوْا یہاں محذوف ہے جبکہ اسے جملہ انشائیہ قرار دیا جائے۔ یعنی بہت احسان اور بہت بڑی خدمت اور ان کے فرمان کی پابندی کرو جبکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ ہو۔ وَذِی الْقُرْبٰی یعنی قرابت داروں کے ساتھ بھی احسان کرو۔ قُرْبٰی، حُسْنٰی کی طرح مصدر ہے۔ وَالْيَتٰمٰى یتیم کی جمع ہے۔ یتیم اس چھوٹے بچے کو کہتے ہیں جس کا باپ اس کے بالغ ہونے سے پہلے فوت ہو جائے اور حیوانات میں وہ چھوٹا بچہ جس کی ماں مر گئی ہو۔ ان سے احسان کا یہ معنیٰ ہے کہ ان کی تربیت اچھی طرح کرو اور ان کے حقوق کو ضائع نہ ہونے دو۔ وَالْمَسٰكِيْنِ مِسْكِيْن" کی جمع ہے، سُکُوْن" سے مشتق ہے۔ گویا اسے فقر نے حرکت سے اور چلنے پھرنے سے عاجز کر دیا ہے اور ہم نے کہا وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ لوگوں سے کہو حُسْنًا اچھا قول۔ اس قول کو حسن سے موسوم کرنے سے مبالغہ مطلوب ہے اس کے زیادہ حسن میں احسان کرنے کا مخصوص قوم کے لئے حکم دیا گیا ہے۔ وہ والدین، اقربا، یتامیٰ اور مساکین ہیں اور چونکہ مال تمام کے لئے اکتفا نہیں کر سکتا اس لئے حسنِ قول کا حکم دیا گیا کہ اس سے عقلمند عاجز نہیں ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ان کے ساتھ حسنِ معاشرت اور حسنِ قول سے نرمی کرو اور انہیں نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو یعنی اے یہودیو! تم سچ اور حق بات کہو۔ میرے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں سچ اور حق بات کہو۔ جو شخص تم سے ان کے متعلق کوئی بات پوچھے تو سچ بولو اور ان کی جو صفت ہے صحیح طور پر بیان کر دو۔ ان کے فضائل مت چھپاؤ۔ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ اور نماز قائم کرو زکوٰۃ دو جیسے کہ ان کی شریعت میں تھی انہیں علیحدہ بیان فرمایا۔ اگرچہ یہ بھی تعمیماً عبادت مذکورہ میں داخل تھیں۔

خلاصہ : یہ کہ ہم نے تم سے اے بنی اسرائیل! مذکورہ احکام کا وعدہ لیا، تم نے قبول کر لیا اور تم ان پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوئے۔

marfat.ocm

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ بطریقہ التفات، یعنی پھر تم نے اعراض کیا ان کی ادائیگی سے باقتضائے میثاق اور وعدہ کو ترک کردیا۔ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ مگر تم میں سے چند ایک نے ایفائے عہد کیا اسلام میں سے جو یہودیت پر قائم رہے اور اخلاف میں سے جو مسلمان ہوئے، جیسے حضرت عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھی وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ یہ جملہ تذلیلیہ ہے یعنی تمہاری عادت ہے کہ اطاعت سے منہ پھیرتے رہے ہو اور حقوق کی رعایت نہیں کرتے۔ یہ واؤ حالیہ نہیں ہے کیونکہ اعراض اور تــولّــی ایک شئے ہیں۔ یہ جملہ معترضہ ہے، توبیخ کی خاطر تاکیداً لایا گیا ہے۔ اعراض دراصل بجائے سامنے سے بجانب عرض چلے جانے کو کہتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر : آیت میں چند مسائل بیان ہوئے۔

۱:۔ **عبــادت** : عبادت کے شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ بندہ صرف معبود کی عبادت کے لئے تفرد اختیار کرے اور ہر مقصود سے متجرد ہو جائے۔ پس جو شخص اپنی عبادت میں مخلوق کا خیال رکھتا ہے اور اپنی تعریف کا خواہشمند ہے اور اخروی و دنیوی فوائد میں سے اپنے نفس کے لئے عبادت کی آڑ میں کوئی فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے یا کسی اور وجہ کو مخلوط کرتا ہے تو وہ اخلاص سے گرا ہوا ہے۔

حجاب راہ توئی حافظ از میاں برخیز خوشا کسے کہ ازیں راہ بے حجاب رود

ترجمہ : اے حافظ! حجاب راہ تو خود ہے وہ انسان بڑا خوش قسمت ہے جو اس راہ بلا حجاب جاتا ہے۔

۲:۔ **احسـان الـی الـوالـدین** : اللہ تعالیٰ نے ان کے حقوق کی عظمت فرمائی کہ ان کے حقوق کو اپنے حقوق سے ملا کر قرآن پاک میں جابجا بیان فرمایا کیونکہ پہلی نشاۃ تو اللہ تعالیٰ ہی سے ہوئی ہے اور نشاۃ ثانیہ والدین سے اور نشاۃ ثانیہ یہی تربیت ہے جو والدین کرتے ہیں۔

ف: مفسرین فرماتے ہیں کہ تین آیات ایک ساتھ نازل ہوئی ہیں جو ایک کو دوسری سے ملائے بغیر قبول نہیں کی جاتی

۱:۔ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۲:۔ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۳:۔ اَنِ اشْكُرْلِيْ وَلِوَالِدَيْكَ

مسئلہ : والدین سے احسان کا معنیٰ یہ ہے کہ ان سے معاشرہ اچھا ہو اور ان کے ساتھ تواضع ہو اور ان کے فرمان کی پابندی اور ان کے دوستوں اور تعلق داروں سے پیار اور ان کی وفات کے بعد مغفرت کی دعائیں کرنا۔ شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:۔

marfat.ocm

سالہا تو بگور دکہ گزر نکنی سوئے تربت پدرت
توبجائے پدر چہ کردی خیر تاہماں چشم داری از پسرت

ترجمہ : کئی سال گزر جاتے ہیں تیرا باپ کی قبر پر گزر نہیں ہوتا۔ بتایئے تو نے باپ سے کون سی بھلائی کی ہے جو اپنے بیٹے سے امید رکھتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا میں اس طرف اشارہ ہے کہ تمام مخلوق میں زیادہ معزز ماں باپ ہیں کیونکہ بندہ کے ظاہری وجود کے یہی سبب ہیں لیکن ان کی خدمت کا حق عبودیت الٰہیہ سے عہدہ برآ ہونے کے بعد ہے کیونکہ در حقیقت سب کے وجود کا موجد وہی اللہ تعالیٰ ہے۔

سبق : جب والدین کے حقوق سے ذاتِ حق کی عبادت مقدم ہے پھر دیگر معاملات کس قطار میں فلہٰذا بندہ کو چاہیے کہ عبادتِ الٰہی میں غیر کا وہم بھی ختم کر دے۔ دوسرا حکم یتامیٰ کی پرورش کے متعلق ہے۔

برحمت بکن آبش از دیدہ پاک بشفقت بیفشانش از چہرہ پاک

ترجمہ: رحمت سے یتیم کے منہ سے آنسو پوچھ اور شفقت سے اس کے چہرے سے گرد صاف کر۔

فضائل یتامیٰ : حدیث شریف: جس قوم کے دستر خوان میں یتیم شامل ہوں اس کے دستر خوان کے قریب شیطان نہیں بھٹکتا۔

حدیث شریف: جس نے کسی یتیم کو اپنے ساتھ کھانے میں شریک کیا اور اسے گھر کا ایک فرد سمجھا یہاں تک کہ وہ بڑا اور کاروبار کرنے کے لائق ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کے گناہ ضرور بخش دے گا۔ ہاں کوئی ایسا عمل اس کے اعمال نامے میں نہ ہو جو بخشش کے لائق نہ ہو۔ (یعنی شرک وغیرہ) اسی طرح اللہ تعالیٰ جس شخص کی دو پیاری چیزیں لے لے اور وہ اس پر صبر کرے اور اسے ثواب جانے تو اس کے بھی گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ آپ سے پوچھا گیا کہ دو پیاری چیزیں کون کونسی ہیں؟ آپ نے فرمایا: دو آنکھیں، یعنی وہ نابینا ہو جائے۔ اسی طرح جس کی تین بیٹیاں یا تین بہنیں ہوں ان پر وہ خرچ کرے اور ان کے ساتھ احسان کرے یہاں تک کہ وہ بڑی ہو جائیں یا مر جائیں تو اس شخص کے بھی گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ ہاں کوئی ایسا عمل اس کے سرزد نہ ہوا ہو جو

marfat.ocm

بخشش کے لائق نہ ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو سن کر ایک اعرابی مہاجر نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر کسی کی دو لڑکیاں یا دو بہنیں ہوں ان کے لئے کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہی، یعنی اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یتیم کی پرورش کرنے والا اور میں بہشت میں اکٹھے ہوں گے جیسا یہ دو انگلیاں'' آپ نے درمیانی انگلی اور سبابہ کی جانب اشارہ فرمایا۔ (سبابہ اس انگلی کو کہتے ہیں جو انگوٹھے کے ساتھ ہے) اس کا یہ نام زمانہ جاہلیت میں پڑا کہ کسی کو گالی دیتا تو اس انگلی سے اشارہ کرکے اسلام کے ظہور پر اس نام کو اہلِ اسلام نے مکروہ سمجھا تو اس کا نام مشیرہ رکھا گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی توحید بیان کرتے وقت اہلِ اسلام اسی انگلی سے اشارہ کرتے تھے۔

ف: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشیرہ انگلی مبارک دوسری انگلیوں سے بڑی تھی پھر درمیان والی انگلی پھر اس کے ساتھ والی بنصر یعنی چھوٹی انگلی۔

سوال: اس حدیث شریف نے یتیم کو تربیت کرنے والے کو اپنے قریب بتایا حالانکہ دوسری میں تو یوں ہے: اُحْشَرُ اَنَا وَاَبُوْبَکْرٍ وَعُمَرُ ھٰکَذَا۔ (میں اور ابو بکر اور عمر قیامت میں یوں ہی اٹھیں گے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تین انگلیوں سے اشارہ کیا۔ یہ تناقض ہے۔

جواب: تناقض نہیں اس لئے کہ قیامت میں منازل و مراتب مختلف ہوں گے اور جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے تعلق نہیں تو وہ انضمام اور اقتراب کو قربت پر محمول کرتا ہے جو مقصد کے بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ رسل کرام، انبیاء عظام، صدیقین، شہداء اور صالحین کے درجات مختلف ہوں گے، پھر یہ مرتبہ کفل الیتیم کا کہاں، اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کا مرتبہ کہاں، صرف مطلق فضیلت ہی مطلوب ہے۔

(کذا فی تفسیر القرطبی)

ف: آیت میں تیسرا حکم مساکین پروری کا ہے۔ مساکین وہ لوگ ہیں جنہیں حالات کی جستجو آیاتِ مذکورہ کے خاص موضوع ہیں۔

حدیث شریف: بے شوہر عورتوں اور مسکینوں کی خبر گیری کرنے والا مجاہد فی سبیل اللہ کی طرح ہے:

ف: حضرت طاؤس علیہ الرحمہ اپنی بہنوں کی خبر گیری کرنے کو جہاد سے افضل سمجھتے تھے۔

نخواہی کہ باشی پراگندہ دل　　　پراگندہ را از خاطر مہل
پریشان کن امروز گنجینہ چست　　　کہ فردا کلیدش نہ دردست تست

ترجمہ: اگر نہیں چاہتے کہ تمہیں پریشانی ہو تو پریشانوں کی خبر گیری کر۔ آج ہی اپنا خزانہ لٹا دے کیونکہ مرنے کے بعد تیرے ہاتھ میں کچھ نہ ہوگا۔

ف: آیت میں چوتھا حکم قولِ حسن ہے۔ جب بندہ عبودیت کے حق کی ادائیگی سے عہدہ برا ہوا اور اس کی رحمت وشفقت اپنے والدین وغیرہ پر عام ہوئی تو اس پر لازم ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرکے لوگوں کو نرم گفتگو سے حکمت اور موعظہ حسنہ کی طرف بلائے اور حق کا راستہ دکھائے بایں طور کہ بات نرم اور چہرہ کشادہ اور نیک اور برے کے ساتھ نرم لہجہ سے پیش آئے خواہ مذہبا سنّی ہو یا متبدع، اسے منہ پر شرمسار نہ کرے اور ہاں متبدع سے ایسی بات کرکے کہ اسے محسوس ہو کہ تم اس کے مذہب سے راضی نہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ وہارون علیٰ نبینا وعلیہما السلام کو فرعون کے بارے میں فرمایا: فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا (اس کے ساتھ نرم کلام کرنا) دنیا میں حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام سے (بعض انبیاء کے سوا) کون افضل ہوسکتا ہے اور فرعون جیسا کوئی اور کمینہ کون! حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ نرم کلام کرنے کا حکم دیا اور یہ حکم یہود ونصاریٰ کے لئے بھی ہے جب ایسے گمراہوں کے لئے یہی حکم ہے تو پھر اپنے مذہب سے نرم کلامی تو بطریق اولیٰ ہے۔ حضرت حافظ شیرازی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

آسائش دوگیتی تفسیر ایں دوحرفست　　　بادوستاں تلطف بادشمناں مدارا

ترجمہ: دونوں جہان کی آسائش صرف دولفظوں میں ہے: دوستوں پر لطف اور دشمن کی خاطر مدارات (دنیوی امور میں)

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ فرماتے ہیں:

درشتی نہ گیرد خردمند پیش　　　نہ سستی کہ ناقص کند قدر خویش

ترجمہ: دانا سخت گیری کو عمل میں نہیں لاتا، نہ اتنی سستی کہ اس کی اپنی قدر گھٹ جائے۔

تفسیر عالمانہ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ اے یہود! اس وقت کو یاد کرو جبکہ تورات میں ہم نے تم سے اقرار

اور وعدہ لیا اور تمہیں کہا کہ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ بعض تمہارا بعض کی خونریزی مت کرے۔

ف: غیر کو اپنا قرار دیا گیا اصل نسبت کی وجہ سے یا دین کی وجہ سے۔ اس لئے کہ جب اتصال قوی، نسبی اور دینی انہیں بیان کر دیا گیا تو پھر ان کے ہر ایک کو اپنا نفس قرار دیا گیا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ جب کسی نے اپنے غیر کو قتل کیا گویا اس نے اپنے نفس کو قتل کیا۔ کیونکہ اس سے اس کا قصاص لیا جائے گا اور یہ خبر بھی بمعنیٰ نہی کے ہے اس لیے کہ فعل سے رکنے میں اتنی عجلت ہوئی کہ گویا وہ فعل ہو بھی ہو گیا اور پھر اس کی خبر بھی دی گئی۔

وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ تم میں سے کوئی کسی کو اس کے گھر سے نہ نکالے یا یہ کہ اپنے ہمسایوں کو گالی مت دو ایسا نہ ہو کہ وہ تنگ آ کر گھروں سے نکل جائیں۔ اخراج الدیار کو قتل کے ساتھ ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ اخراج بمنزلہ قتل کے ہے۔ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ پھر تم نے میثاق کا اقرار کیا اور معترف ہوئے کہ واقعی یہ میثاق ہم پر لازم و واجب ہے کہ ہم اس کی حفاظت کریں وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ اور اس پر تم شاہد ہو یہ اقرار کی تاکید ہے۔

جیسے کہا جاتا ہے: فلان" مقر علی نفسه هکذا شاهد" علیها۔ یا یہ کہ تم اے یہودیو! آج اپنے اسلاف کے اقرار پر شاہد ہو کہ انہوں نے واقعی پختہ وعدہ کیا تھا۔

ثُمَّ اَنْتُمْ مبتدا ہے۔ هٰٓؤُلَآءِ خبر ہے اور صفات ہونے کے افادہ کا دارومدار اس پر ہے کہ اختلافات صفات بمنزلہ اختلاف ذات کے ہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے: رجعت بغیر الوجه الذی خرجت به۔ اب معنیٰ یوں ہوا کہ اس کے بعد تم شاہدین، ناقضین، متناقضین ہوئے۔ یعنی تم لوگ ان اقرار کنندگان کے غیر ہو۔ گویا انہوں نے پوچھا کہ ہم کیسے ہیں؟ جواب میں فرمایا: تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ تم انہیں قتل کرتے تھے جو تمہارے نفوس کے قائم مقام تھے اور یہ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ کا بیان ہے۔ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ کا مرجع فریق ہے اور اس سے مراد ایک طائفہ ہے۔ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ اس میں ایک تاء کو حذف کیا گیا ہے۔

تُخْرِجُوْنَ کے ضمیر سے حال ہے یا اس کے مفعول سے اخراج کی کیفیت کے بیان کرنے کے لئے یہ حال لایا گیا یا اس وہم کو مٹانے کے لئے ہے کہ انہوں نے سمجھ رکھا تھا کہ اخراج کی حرمت صرف بطریق اصالۃ و استقلال کی وجہ سے ہے اور مظاہرہ سے کوئی گناہ نہیں۔ معنیٰ یہ ہے کہ ان پر غلبہ پانے کی وجہ سے تم اپنی تمام قوت خرچ کرتے ہو۔

بِالْاِثْمِ، تَظٰهَرُوْنَ کی ضمیر سے حال ہے۔ معنیٰ یہ ہے کہ معلبسین بالاثم اور اثم وہ فعل ہے کہ جس کا فاعل ذم

وملامت کا مستحق ہو۔ وَالْعُدْوَانِ بمعنی ظلم میں تجاوز کرنا۔ یعنی گناہ اور تجاوز کر کے ان پر مظاہرہ کرتے ہو۔

مسئلہ: جیسے ظلم کرنا گناہ ہے اسی طرح ظلم اعانت بھی گناہ ہے۔ (کذا فی التفسیر الکبیر)

وَإِنْ يَأْتُوكُمْ أُسٰرٰى اگر وہ تمہارے پاس قیدی ہو کر آتے ہیں۔ یعنی تمہارے سامنے اسی حالت میں ظاہر ہوتے ہیں اور اس میں اختیاری طور پر حاضر ہونا مراد نہیں۔

حل لغات: اُسٰرٰی اور اَسْرٰی، اَسِیر کی جمع ہیں۔ اَسِیر وہ ہے جسے قہراً پکڑا جائے۔ فعیل بمعنی مفعول ہے اَسر بمعنی شدّ“ اور اِیثاق“ سے ماخوذ ہے۔ اُسٰرٰی اور اَسْرٰی میں فرق یہ ہے کہ جب قیدیوں کو باندھ کر لاتے تو اسے اُسٰرٰی کہتے اور جب بغیر باندھنے کے پکڑ کر لاتے تو اس کا نام اَسْرٰی رکھتے۔

تُفٰدُوْهُمْ یعنی انہیں قید سے نکالتے ہو فدیہ دے کر۔

ف: فدیہ قیدی اور قابلِ فدیہ دونوں پر بولا جاتا ہے۔

وَهُوَ مبتدا ہے اور یہ ضمیر شان کا ہے۔ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ إِخْرَاجُهُمْ تم پر ان کا نکالنا حرام تھا۔ مُحَرَّمٌ میں ایک ضمیر ہے جو فاعل کے قائم مقام ہے اور یہ اخراج کے لئے خبر واقع ہوئی ہے اور جملہ ضمیر شان کی خبر ہے۔

واقعہ: اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے تورات میں وعدہ لیا کہ:

۱:۔ ایک دوسرے کو قتل نہ کرنا۔ ۲:۔ ایک دوسرے کو گھروں سے نہ نکالنا۔
۳:۔ بنی اسرائیل کے کسی عبد یا لونڈی کو جہاں دیکھو اسے خرید کر مفت آزاد کرنا۔

یہوذ میں سے دو گروہ قریظہ اور نضیر دونوں بھائی تھے۔ اسی طرح اوس اور خزرج، اور تھے مشرک، بتوں کے پجاری نہ ہی قیامت کو جانتے نہ ہی جنت و دوزخ کو اور نہ ہی حلال وحرام کو۔ ان کی آپس میں جنگ چھڑ گئی۔ بنو قریظہ اوس کے معین وحلیف بن گئے اور نضیر خزرج کے۔ پھر جب اوس اور خزرج کے مابین جنگ ہوتی تو بنو قریظہ اوس کے ساتھ اور بنو نضیرہ خزرج کے ساتھ ہو جاتے۔ پھر ہر قوم اپنے خلفاء کی مدد کرتی جس سے خوب خوں ریزی ہوتی۔ جب کوئی گروہ کسی دوسرے پر غالب آ جاتا تو ان کے گھروں کو خراب کرتے اور انہیں وہاں سے نکال دیتے۔ حالانکہ ان کے پاس تورات بھی تھی جس میں ہر قسم کی جزاوسزا کا بیان تھا۔ جب جنگ ختم ہو جاتی تو قریظہ خزرج کو اپنے حلفاء کا ہدیہ دے کر ان کے قیدی چھڑا لیتے اور نضیر اوس کو فدیہ دے کر اپنے حلفاء

marfat.ocm

کے قیدی چھڑا لیتے۔ جب عرب انہیں عار دلاتے ہوئے کہتے کہ تم ان کے ساتھ قتال کی امداد کیوں نہیں کرتے بلکہ فدیہ دے دیتے ہو۔ تو جواباً کہتے اس لئے کہ ہم صرف فدیہ دینے پر مامور ہیں اور جنگ کرنا ہمارے لئے حرام ہے پھر وہ کہتے کہ تم ان کے ساتھ جنگ بھی تو کرتے ہو۔ تو جواباً کہتے کہ جنگ اس لیے کرتے ہیں تا کہ ہمارے حلفاء ذلیل وخوار نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس منافقت کی مذمت فرمائی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ تم لوگ ہر ایک حکم سے اعراض کرتے ہو صرف فدیہ دینے پر رضامند ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے چار چیزوں کا وعدہ لیا۔

۱: ترک القتل ۲: ترک الاخراج ۳: ترک المظاہرہ علیہم مع اعدائھم ۴: فداء اُساریٰ
مگر انہوں نے فدیہ کے سوا تمام امور سے اعراض کیا۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ اس سے فدیہ مراد ہے اور ہمزہ توبیخی انکار کے لئے ہے اور فاء کا مقدر فعل پر عطف ہے۔ یعنی دراصل عبارت یوں تھی: **اَتَفْعَلُوْنَ ذٰلِكَ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ**۔ یعنی تم ان جملہ امور کے خلاف مرتکب ہو کر کتاب کے بعض احکام پر ایمان لاتے ہو۔ **وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ** اس سے مراد حرمۃ قتال واخراج ہے۔ لیکن چونکہ میثاق کا دارومدار تمام احکام پر تھا اس لئے بعض سے انکار اور بعض پر ایمان لانے پر توبیخ کی گئی۔ **فَمَا جَزَآءُ** نفی ہے یعنی نہیں جزاء **مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ** وہ جو ایسا کرتا ہے یعنی بعض کے ساتھ کفر اور بعض پر ایمان۔ **مِنْكُمْ** اے یہودیو! تم میں سے۔ **يَفْعَلُ** کے فاعل سے حال ہے۔ **اِلَّا خِزْيٌ** استثناء مفرغ ہے جو مبتدا کی خبر واقع ہوا ہے۔

حل لغات: **خِزْيٌ** بمعنی ذلت وخواری۔ یہ کہ بنو قریظہ قتل کئے گئے اور قیدی ہوئے اور بنو نضیر، اذرعات اور ریحا (جو کہ شام سے ہیں) کی طرف جلاوطن ہوئے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ **خِزْيٌ** سے جزیہ لینا مراد ہے۔ یعنی ان کی جزا صرف رسوائی اور ذلت وخواری ہے۔

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا حیاۃ دنیا میں خزی کی صفت ہے بطریق قصر مذکورہ کے ان کی جزا کا بیان ہے تا کہ انہیں اپنے (جو کہ بعض کتاب پر ایمان رکھتے ہیں) سے ناامیدی ہو اور ظاہر کرتا ہے کہ بعض کو کتاب سے کفر کرنے کی وجہ سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا **وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ** قیامت میں سزائیں ملیں گی **يُرَدُّوْنَ** لوٹائے جائیں گے۔

marfat.ocm

حل لغات: الردّ بمعنی الرجع بعد الاخذ ۔ (پکڑ کر لوٹانا)

إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ سخت ترین عذاب کی طرف۔ یعنی جہنم کے عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے۔ دنیا کی رسوائی کے علاوہ قیامت میں ہر وہ عذاب انہیں ملے گا جو انہیں پہلے دنیا میں مل چکا ہے۔ ہر دوسرا اس سے سخت تر ہوگا۔ کیونکہ پہلے والے عذاب منقطع ہو گئے اور یہ منقطع نہیں ہوگا۔

حدیث شریف: میں ہے: ”دنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی سے کم تر ہے“ اس لئے کہ ان کی معصیت سب معصیتوں سے سخت تر ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

ہر کہ ظالم تر جہش با ہولتر عدل فرمودست بدتر را بتر

ترجمہ: جو بڑا ظالم ہے اس کی جگہ (آخرت میں) ہولناک ہے عدل ایسے آدمی کو بدتر سے بدتر کہتا ہے۔

وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ اللہ تعالیٰ بھولنے والا نہیں۔ عَمَّا تَعْمَلُونَ اس سے جو تم برے عمل کرتے ہو۔ منجملہ ان کے یہ برا عمل بھی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے تمہارے اعمال سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ اس کی قیامت میں تمہیں سزا دے گا۔ یہ تہدید شدید ہے تا کہ گناہوں سے بچے رہیں اور طاعت پر بشارت عظیم سنائی جا رہی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سے غفلت ممتنع ہے اور ہر شئے پر قادر ہے۔ اسی بناء پر تمام حقوق ان کے مستحقین کو ضرور پہنچیں گے۔ أُولَٰئِكَ وہ لوگ جو اوصاف قبیحہ مذکورہ سے موصوف ہیں الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا دنیا سے تبادلہ کی خواہش رکھتے ہیں۔ بِالْآخِرَةِ آخرت کے عوض میں یعنی آخرت سے اعراض کرتے ہیں باوجود یہ کہ اس کے حاصل کرنے پر قادر ہیں کیونکہ مذکورہ احکام میں بعض سے کفر کرنا صرف حلفاء کی رعایت کی وجہ سے تھا وہ اس لئے کہ ان سے ان کو دینی یا دنیوی منافع حاصل ہوتے تھے۔

فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ ان سے نہ دنیوی عذاب ہلکا ہوگا اور نہ ہی اخروی وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ان سے عذاب نہیں روکا جائے گا۔ کیونکہ ان کا عذاب نہ کسی کی سفارش سے ٹلنے والا ہے اور نہ کسی کے جبر سے۔ ملذات دنیوی واخروی کو جمع کرنا ممتنع اور غیر ممکن ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو یہ قدرت دی ہے کہ ان میں کسی ایک کو حاصل کرے جسے چاہے۔ پس جب ایک کے حصول میں مشغول ہوتا ہے تو دوسرے کو اپنے اوپر حرام کرتا ہے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہود کے اعراض عن الایمان بما فی کتبھم اور ان کے حصول ما فی ایدیھم اور

لذات دنیا کو بیع وشرا سے تعبیر فرمایا ہے۔

اس میں اہل کتاب کی بہت بڑی مذمت بیان کی گئی ہے کیونکہ دنیوی کاروبار میں جسے خسارہ ہوتا ہے وہ لوگوں کی نظروں میں حقیر سمجھا جاتا ہے۔ تو جو آخرت کے امور میں خسارہ میں ہو اس کو تو حقیر سمجھنا بطریقِ اولیٰ ہے۔

تفسیر صوفیانہ سالک پر لازم ہے کہ وہ آخرت کی بہتر تجارت کی کوشش کرے اور فقط دنیوی امور کی طرف نہ جھکے اور نہ ہی خواہشاتِ نفسانیہ سے شیطان کے کہنے پر کسی کا خون بہائے اور نہ ہی اصل فطرت کے ملک سے ہٹے۔ اگر ایسا کرے گا تو گمراہ اور بدبخت ہو جائے گا لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ میں ایک لطیف اشارہ اور بھی ہے وہ یہ کہ اپنے آپ کو کسی مصیبت یا دکھ کی وجہ سے قتل نہ کرے اور نہ جنگلوں میں حیران و سرگردان پھرے۔ اگر ایسا کرتے تو وہ اپنے دین سے جہالت کا ثبوت دیتا ہے اور کم عقلی کی دلیل بنتا ہے اسی طرح جمیع باتوں کو سمجھئے۔

حدیث شریف: میں ہے کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ارادہ ہوا کہ وہ کپڑوں کے بجائے ٹاٹ لپیٹیں اور گھروں میں رہنے کی بجائے جنگلوں میں چلے جائیں اور پھر وہ واپس نہ آئیں اور نہ ہی گوشت کھائیں اور نہ اپنی بیویوں سے ہم بستری کریں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نماز پڑھتا ہوں اور نفلی روزہ کبھی رکھتا ہوں کبھی نہیں رکھتا اور بیویوں کے پاس جاتا ہوں اور گھروں میں گزارتا ہوں اور گوشت کھاتا ہوں۔ یہ سارے کام میری سنتیں ہیں، جو بھی میری سنتوں سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے نہیں۔ جب صحابہ کرام علیہم الرضوان نے سنا تو ارادوں کو ترک کردیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَاٰتِ كُلَّ ذِیْ حَقٍّ حَقَّهٗ (اور صاحب حق کا حق ادا کرو)

کمال صرف اسی میں ہے کہ قیود سے تجاوز کر کے عالمِ شہود تک پہنچنے کی کوشش کی جائے۔ عارف کامل تو ہر شئے میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کچھ نہیں دیکھتا۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ کس سے مانگوں اور کہاں بھاگوں جبکہ اسی کا حکم ہے:

اَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (جہاں جاؤ گے وہاں اللہ تعالیٰ ہی ہوگا)

یہاں پر مقولہ مشہور ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے لئے علم حاصل کرتا ہے اسے اگر کہا جائے کہ تو کل مر جائے گا تو پھر بھی کتاب کو نہیں چھوڑتا کیونکہ اسے معلوم ہے کہ میں پڑھتا تو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لئے ہوں فلہٰذا بقیہ زندگی

تک کتاب کیوں چھوڑ دوں۔ اسی لئے طالبِ حق کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی نیت کو خالص رکھے کیونکہ خلوصِ نیت سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں پھر کیوں نہ نیت کو خالص رکھا جائے تاکہ اسی نیک نیتی پر موت آئے۔

قیدی کئی قسم کے ہیں:

۱:۔ بعض وہ جو اپنی خواہشات کے پابند ہیں۔ ان کا علاج یہ ہے کہ انہیں راہِ حق کی رہبری کی جائے۔

۲:۔ بعض وہ ہیں جو دنیا کی محبت میں گرفتار ہیں، ان کا علاج یہ ہے کہ انہیں موت بار بار یاد دلائی جائے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

ذکر حق کن بانگ غولاں رابسوز   چشم نرگس رازیں کرگس بدوز

ترجمہ : ذکرِ الٰہی ایسا کر کہ اُلو (نفس) کی آواز دب جائے نرگس کی آنکھ کو اس گدھ سے دور رکھ۔

۳:۔ بعض وہ ہیں جو وسوسہ کے مرض میں مبتلا ہیں۔ ایسے لوگوں پر شیطان ہر وقت سوار رہتا ہے۔ ان کا علاج یہ ہے کہ دلائل اور براہین کے ذریعے انہیں یقین کا راستہ دکھایا جائے تاکہ وہ شکوک وظنیات اور اندازہ سے بچ جائیں اور تقلید آبائی سے نجات پاکر درجہ یقین کو پہنچ جائیں۔

۴:۔ بعض اپنے صفات کے خیالات اور اپنے وجود کے توہمات میں پھنسے ہوئے ہیں۔ انکا علاج یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو وجودِ حق کا ایسے طریق سے سمجھایا جائے کہ وہ اپنی ہستی موہوم کو تصور میں بھی نہ لاسکیں۔

۵:۔ بعض ایسے قیدی ہیں جو بے مثال ذات کے قبضہ میں آجاتے ہیں۔ ایسے قیدی کا نہ کوئی علاج ہے اور نہ ہی نجات کا امکان اور نہ ہی کسی کو ان کے چھڑانے کی طاقت اور نہ ہی ان کے لئے کوئی فدیہ یا بدلہ اور نہ ہی وہاں کسی کی رسائی، بلکہ ان تک پہنچنا ممکن ہی نہیں اور نہ ان کو وہاں سے بھاگنے کا چارہ۔ یہ اولیاء کاملین کا مقام ہے جس نے یہ طریقہ اختیار کیا وہ اپنے مطلوب تک پہنچ جائے گا اور وہ دل کے اندھاپن سے جائے گا۔ مشاہدہ حق سے باریاب ہو کر دنیا و آخرت کی اندھیریوں سے محفوظ ہو جائے گا۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

اصل صد یوسف جمال ذوالجلال   اے کم از زن شو فدائے آں جمال

اصل بیند دیدہ چوں اکمل بود   فرع بیند چونکہ مرد احول بود

سرمہ توحید از کحال حال   یافتہ رستہ زعلت واعتدال

ترجمہ : ہزاروں یوسف (حسین) کے جمال کے ذات ذوالجلال ہے عورت سے کم نہ ہو تو بھی جمال حقیقی کا فدائی بن جا۔ سرمہ والی آنکھ اصل دیکھتی ہے جس کی آنکھ ہے وہ فرع (مجازی حسن) کو دیکھتی ہے۔ تجھے اگر حال کا سرمہ نصیب ہوا تو علت واعتدال تو نجات پا جائے گا۔

نسخہ : طریقِ حق کے لئے عشق ضروری ہے۔

حکایت : ایک بڑھیا دھاگے کی اٹی لے کر بازار کو چلی اور کہہ رہی تھی مجھے بھی یوسف علیہ السلام کے خریداروں میں شامل کر لو تاکہ قیامت میں میرا نام بھی یوسف علیہ السلام کے عشاق میں لکھا جائے۔

دعا : اے اللہ! ہمیں اپنی ذات اور اپنے جمال سے دور نہ رکھنا اور ہمیں ان لوگوں میں پہنچا جو تیرے وصال سے نوازے جاتے ہیں۔

marfat.ocm

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ وَاٰتَيْنَا

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی اور اس کے بعد پے در پے رسول بھیجے اور ہم نے

عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ

عیسیٰ بن مریم کو کھلی نشانیاں عطا فرمائیں اور پاک روح سے اس کی مدد کی تو کیا جب تمہارے پاس

رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا

کوئی رسول وہ لے کر آئے جو تمہارے نفس کی خواہش نہیں تکبر کرتے ہو تو ان (انبیاء) میں ایک گروہ کو تم جھٹلاتے ہو اور ایک گروہ

تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا

شہید کرتے ہو اور یہودی بولے ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہیں بلکہ اللہ نے ان پر لعنت کی ان کے کفر کے سبب تو ان میں تھوڑے

مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا

ایمان لاتے ہیں اور جب ان کے پاس اللہ کی وہ کتاب (قرآن) آئی جو ان کے ساتھ والی کتاب (توریت) کی تصدیق فرماتی ہے

مَعَهُمْۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْاۚ فَلَمَّا

اور اس سے پہلے ہو اسی نبی کے وسیلہ سے کافروں پر فتح مانگتے تھے تو جب تشریف لایا

جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖۤ

ان کے پاس وہ جانا پہچانا اس سے منکر ہو بیٹھے تو اللہ کی لعنت منکروں پر۔ کس برے مولوں انہوں نے اپنی جانوں

اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ

کو خریدا کہ اللہ کے اتارے سے منکر ہوں اس کی جلن سے کہ اللہ اپنے فضل سے اپنے جس بندے

فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍؕ

پر چاہے وحی اتارے تو غضب پر غضب کے سزاوار ہوئے

marfat.ocm

وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿٩٠﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

اور کافروں کے لئے ذلت کا عذاب ہے اور جب ان سے کہا جائے کہ اللہ کے اتارے پر ایمان لاؤ

قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۗ وَهُوَ الْحَقُّ

تو کہتے ہیں کہ وہ جو ہم پر اترا اس پر ایمان لاتے ہیں اور باقی سے منکر ہوتے ہیں حالانکہ وہ حق ہے

مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ؕ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ

ان کے پاس والے کی تصدیق فرماتا ہوا تم فرماؤ پھر اگلے انبیاء کو کیوں شہید کیا اگر تمہیں اپنی کتاب

كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٩١﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ

پر ایمان تھا اور بے شک تمہارے پاس موسیٰ کھلی نشانیاں لے کر تشریف لایا پھر تم نے

الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿٩٢﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ

اس کے بعد بچھڑے کو معبود بنا لیا اور تم ظالم تھے اور یاد کرو جب ہم نے تم سے پیمان لیا

وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا

اور کوہ طور کو تمہارے سروں پر بلند کیا لو جو ہم تمہیں دیتے ہیں زور سے اور سنو بولے ہم نے سنا

وَعَصَيْنَا ۗ وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا

اور نہ مانا اور ان کے دلوں میں بچھڑا رچ رہا تھا ان کے کفر کے سبب تم فرمادو کیا برا حکم دیتا ہے

يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٩٣﴾ قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ

تم کو تمہارا ایمان اگر ایمان رکھتے ہو۔ تم فرماؤ اگر پچھلا گھر اللہ کے نزدیک

الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ

خالص تمہارے لئے ہو نہ اوروں کے لئے تو بھلا موت کی آرزو تو کرو

marfat.ocm

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ

اگر سچے ہو اور ہرگز کبھی اس کی آرزو نہ کریں گے بداعمالیوں کے سبب جو آگے کر چکے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے

عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚۛ وَمِنَ

ظالموں کو اور بے شک تم ضرور انہیں پاؤ گے کہ سب لوگوں سے زیادہ جینے کی ہوس رکھتے ہیں

الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚۛ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ

اور مشرکوں میں سے ایک کو تمنا ہے کہ کہیں ہزار برس جئے اور وہ اسے عذاب سے دور نہ کرے گا

مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ ع ۱۰

اتنی عمر دیا جانا اور اللہ ان کے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا اور اللہ تعالیٰ کی قسم بیشک اے بنی اسرائیل ہم نے مُوْسَى موسیٰ علیہ السلام کو۔ موسیٰ عبرانی لغت کا کلمہ ہے۔ اس کی تفصیل وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى میں گزر چکی ہے۔ الْكِتٰبَ تورات یکبارگی وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ان کے لئے پے در پے ہم نے رسول بھیجے قَفَّيْنَا، قفاہ بہ سے ہے بمعنیٰ کسی کو کسی کے بعد بھیجنا۔ اب اس جملہ کا معنیٰ یوں ہوا کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے بعد پے در پے رسول بھیجے اور وہ یہ حضرات ہیں: یوشع، شمویل، داؤد، سلیمان، شمعون، شعیا، ارمیا، عزیز، حزقیل، الیاس الیسع، یونس، زکریا، یحیٰی وغیرہم علی نبینا وعلیہم السلام وَاٰتَيْنَا عِيْسَى اور ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو دیا۔ عیسیٰ جنہیں سریانی میں الیسوع کہا جاتا ہے بمعنیٰ مبارک۔ لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ اور اس طرح اور اسماء جو عربیت میں استعمال ہوتے ہیں۔ کسی سے مشتق نہیں۔ ابنَ کے الف کو ثابت رکھ کر پڑھنا چاہیے۔ جیسے عبداللہ ابن عمر۔ اگر الف نہ لکھا جائے تو بھی جائز ہے۔

سوال: لفظ ابنَ کا قاعدہ ہے کہ جب دو ناموں کے درمیان واقع ہو تو اس کا الف نہیں لکھا جاتا، یہاں اس کے برعکس ہے۔

marfat.ocm

جواب : ان اسموں کے مابین الف گرتا ہے جہاں ابن باپ کی طرف مضاف ہو جب ماں کی طرف ہو۔ جیسے یہاں ہوا تو الف نہیں گرتا۔

مَرْیَمَ سریانی لغت میں بمعنی خادمہ و عابدہ، چونکہ ان کی والدہ نے انہیں بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف کیا اور کثیر العبادۃ بھی واقع ہوئیں۔ بنابریں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے ساتھ اپنی کتاب میں سات بار ذکر فرمایا اور اس کا نام مریم رکھا اور اس سے خطاب اسی طرح فرمایا جیسے انبیاء کرام علیہم السلام سے خطاب کیا جاتا ہے۔ کما قال تعالیٰ: یٰمَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِیْ وَارْكَعِیْ مَعَ الرّٰكِعِیْنَ۝ یہاں بی بی مریم کو مردوں کے ساتھ شریک کیا۔ الْبَیِّنٰتِ اس سے معجزات مراد ہیں۔ جیسے مردے زندہ کرنا، برص والوں اور کوڑھیوں کو تندرست کرنا اور غیبی خبریں دینا اور انجیل۔ وَاَیَّدْنٰهُ اور ان کو ہم نے قوت دی۔ بِرُوْحِ الْقُدُسِ روح اقدس سے یہ اضافۃ الموصوف الی الصفۃ کے قبیل سے ہے۔ اصل بالروح المقدسۃ المطہرۃ تھا۔ اس سے عیسیٰ علیہ السلام کی روح مراد ہے۔ قدس سے کرامت کے وجہ سے موصوف کیا گیا ہے۔ کیونکہ قدس اللہ تعالیٰ خود ہے یا جبریل علیہ السلام ہیں اور انہیں مطہرہ سے اس لیے موصوف کیا گیا ہے کہ ان سے گناہ کبھی سرزد نہیں ہوا تھا اور جبریل علیہ السلام کو روح اس لیے کہا جاتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے پاس ایسے امور پیش کرتے جن میں قلوب کی زندگی کے اسباب ہیں اور انہیں تقویت دینے کا یہ معنی ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے ابتداء سے لے کر بڑھاپے تک شیطان سے محفوظ رکھا۔ یہاں تک کہ بوقتِ ولادت بھی ان کے قریب نہ جا سکا اور جب یہودیوں نے ان کے قتل کرنے کا ارادہ کیا تو انہیں آسمان پر اٹھا لیا۔

سوال : ایسی تقویت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخصیص کیوں، کہ صرف ان کو عطیہ معجزات اور تائید بروح القدس سے موصوف کیا گیا ہے؟

جواب : باقی حضرات صرف تورات کے احکام کے اجراء کے لئے بھیجے گئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بہت سے احکام منسوخ کرنے پر مامور کیا گیا اور ان کے زمانہ کے لوگوں کے جتنے غلط عقیدے اور بری رسمیں تھیں ان سب کو مٹانے کا حکم دیا۔ پھر ظاہر ہے کہ غلط عقائد اور بری رسموں کے مٹانے پر مردِ میدان کی ضرورت ہے اور وہ بغیر تائید ایزدی کے مشکل ہے۔

ف: حضرت موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے مابین چار ہزار نبی بھیجے گئے۔ بعض کے نزدیک ستر ہزار

اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى یہ خطاب ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم زمان اہل کتاب کو ہے مذکورہ امور ان کے بڑوں سے سرزد ہوئے۔ ان سے صرف تکبر کا ارتکاب ہوا۔ لیکن چونکہ ان کے ان امور سے یہ راضی تھے اس لیے ان کو مخاطب کیا گیا۔ یہ **فاء عاطفہ** ہے، مناسب مقام کے لحاظ سے فعل مقدر ہے۔ مثلاً: ای لم تطیعوهم افکلما جاء کم رسول" بمالا تهوىٰ ۔ تمہارے پاس رسول علیہ السلام وہ احکام لے آئے جن کو تمہارے نفوس نہیں چاہتے۔

اَنْفُسُكُمُ ان کے لائے ہوئے احکام تمہاری خواہش کے مطابق نہیں اسْتَكْبَرْتُمْ تمہیں ان کی فرمانبرداری اور ان پر ایمان لانے سے انکار ہے اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر فَفَرِيْقًا ایک گروہ کی (ان انبیاء علیہم السلام میں سے) كَذَّبْتُمْ تم نے تکذیب کی جیسے عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ایک گروہ کو تم قتل کرتے تھے جیسے زکریا و یحیٰ وغیرہما علی نبینا و علیہم السلام۔

سوال: دونوں مقامات میں فریق کو کیوں مقدم کیا گیا ہے؟

جواب: اہتمام کے لئے، تاکہ سامع کو شوق ہو جائے کہ انہوں نے ان حضرات سے کیا کیا۔ قصر کے لئے نہیں کہ صرف یہ مانا جائے کہ انبیاء علیہم السلام صرف یہی دو گروہ تھے اور بس۔

سوال: تَقْتُلُوْنَ ماضی کی بجائے مضارع کیوں استعمال کیا گیا ہے۔؟

جواب: ۱۔ مضارع استعمال کیا گیا ہے لیکن مراد تو ماضی ہے۔ ان کو اس حال پر ان کی رسوائی کا اظہار کرنے کی وجہ سے مضارع لایا گیا ہے۔ یوں ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ معاملہ اگرچہ گزر گیا لیکن وہ چونکہ انتہائی طریق سے برا تھا گویا ابھی حاضر ہے اور یہ بھی ظاہر کرنا ہے کہ اس واقعہ کی تذکیر سے عمل کرنے والوں اور ان کی اولاد کو عار دی جائے

۲۔ یا یہ مطلب ہے کہ ایک گروہ کو تم قتل کرو گے اور ابھی تک وہ تمہاری نیت تمہارے دل کی گواہی دے رہی ہے کیونکہ تمہیں تو ہو کہ میرے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے منصوبے بناتے تھے۔ اگر میری حفاظت ان کے شاملِ حال نہ ہوتی تو عرصہ سے ان کا کام تمام کر ڈالتے۔ اسی طرح تم نے ان پر جادو چلایا اور پھر ان کے کھانے (بکری کے گوشت) میں زہر ملا دیا یہاں تک کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے وصال

marfat.ocm

شریف کے وقت فرمایا "ہمیشہ میرے حلق میں خیبر والا لقمہ عود کرتا رہا اب میری رگِ جاں کے ٹوٹنے کا وقت آ گیا"

ف: ابہر وہ رگ ہے جو دل کے اندر ہے جب وہ ٹوٹ جائے تو انسان مر جاتا ہے۔

یہودیوں کے زہر دینے کا واقعہ

واقعہ کی تفصیل یوں ہے کہ جب خیبر (ایک مشہور مقام کا نام ہے جو حجاز میں واقع ہے) فتح ہوا حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بکری کا گوشت ہدیۃً پیش کیا گیا۔ اس میں زہر ملائی گئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے فرمایا: میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں، کیا تم سچ کہو گے؟ انہوں نے کہا: ہاں ہم سچ بولیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں اس بکری کے گوشت میں زہر ملانے کا خیال کیونکہ پیدا ہوا؟ انہوں نے کہا: بات دراصل یوں ہے کہ ہم نے سوچا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم جھوٹے ہیں تو زہر سے مر جائیں گے ہماری جان چھوٹ جائے گی اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں تو زہر آپ کو نقصان نہ دے سکے گی۔

تفسیر صوفیانہ یہود اس لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری اختیار نہ کرتے کہ انہیں اپنے جاہ و جلال اور دنیوی شوکت چھن جانے کا خطرہ تھا اسی طرح جب دل میں دنیا کی محبت ہو ایمان کامل نصیب نہیں ہو سکتا۔

ف: نفس کی سات صفتیں نہایت گندی ہیں:

۱۔ عجب۔ ۲۔ تکبر۔ ۳۔ غضب۔ ۴۔ ریاء۔ ۵۔ حسد۔ ۶۔ مال کی محبت۔ ۷۔ مرتبہ کی محبت۔

اور جہنم کے بھی سات دروازے ہیں جس نے اپنے نفس سے یہ سات گندی عادات دور کیں تو قیامت میں اس سے دوزخ کے ساتوں دروازے بند کر دیئے جائیں گے اور وہ بہشت میں داخل کیا جائے گا۔

حکایت: حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بعض خلفاء کو فرمایا:

كُنْ ذَنَبًا وَلَا تَكُنْ رَأْسًا (دم بن سر نہ بن)

یعنی سرداری ترک کر کے کسی کا نوکر بن کر رہنا کیونکہ بوقتِ حادثہ سر کٹ جاتا ہے لیکن دم بچ جاتی ہے۔

مثنوی شریف میں ہے:

marfat.ocm

تاتوانی بندہ شو سلطاں مباش — زخم کش چوں گوئی شو چوگاں مباش
اشتہار خلق بند محکمت — دررہ ایں از بندہ آہن کے کم است

ترجمہ: ۱۔حتی الامکان نوکر بننا بادشاہ نہ بننا، گیند کی طرح چوٹیں کھاتا رہ لیکن ڈنڈہ نہ بننا۔ ۲۔مخلوق میں مشہور ہونا ایک مضبوط قید ہے اس راہ میں ایسی قید لوہے کی بیڑی سے کم نہیں۔

حکایت: بعض مشائخ نقشبندیہ سے منقول ہے کہ وہ شیخ المعروف بدوہ عمر روشنی کی طبع پرسی کے لئے تشریف لے گئے۔ چونکہ ان کے دل میں کچھ حبِ ریاست گھر کر چکی تھی اس لیے کہ شہر تبریز میں مرجع اصاغر و اکابر سمجھے جاتے تھے۔ اسی لیے ان کا حال دگرگوں تھا۔ ڈر کے مارے خوفزدہ تھے کہ کہیں موت کے بعد ان کا نتیجہ برا نہ ہو۔

ف: شرح حکم میں ہے کہ اپنے وجود کو یعنی وہ امور جو مخلوق میں شہرت کا سبب بنتے ہیں جیسے علم اور حال، گمنامی کی زمین میں دفن کر دے اور وہ بھی تین باتیں ہیں:

۱۔اپنے آپ کو ہمیشہ گھاٹے میں سمجھ اور جو تیرے علم سے ظاہر ہو اس پر مت اعتبار کرتا کہ اس سے تیرے نفس کی خرابیاں تجھے خرابی میں نہ ڈالیں۔

۲۔اپنے آپ کو اس حیثیت سے دیکھ جیسے کہ تو ہے، اپنی اس حیثیت کو نہ دیکھ کہ جس حیثیت سے چند القابات سے نوازا گیا ہے کیونکہ یہ بھی گھاٹے والی بات ہے کہ تو اپنے آپ کو القابات کی حیثیت سے دیکھے۔ اپنے مالک کو ہر کمال سے موصوف سمجھ۔ جو کچھ تم سے ظاہر ہوتا ہے اسے مالک کی مہربانی سمجھ۔ اپنی طرف کسی بات کو منسوب نہ کر۔ اس سے گمنامی کی صفت حاصل ہو جائے گی۔

۳۔نفس کے ہر دعوی کو مٹا دے اسے کوئی بات نہ ظاہر کرنے دے، جس سے عُجب پیدا ہو وہ تجھے خرابی میں لے جائے گی۔ جیسے بیج ایسی زمین میں ڈالا جاتا ہے جو زرخیز ہو نہ کہ ردی۔

تفسیر عالمانہ وَقَالُوْا وہ یہودی جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں موجود تھے کہتے تھے کہ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ غُلف ، اَغلف کی جمع ہے۔ اس اغلف (جلد پردہ دار) سے مستعار ہے جو ابھی ختنہ نہ کیا گیا ہو۔ یعنی ہمارے دل جبلی پردوں سے مستور ہیں ان کی طرف (جو احکام نبی پاک صلی

marfat.ocm

اللہ علیہ وسلم لے آئے ہیں) نہیں پہنچ سکتے اور نہ ہی وہ انہیں سمجھ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی کہ ان کے دل ایسے ہی پیدا نہیں ہوئے کیونکہ وہ تو فطرت اور قبول کے تمکن پر پیدا کیے گئے ہیں ان کے اس قول سے اعراض فرماتے ہوئے کہا: بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ انہیں رسوائی میں ڈالا ہے اور اپنے دربار سے انہیں ہٹا دیا ہے۔ ان کا یہ حال ان کے کفر کی وجہ سے ہے جو انہیں عارض ہوا اور استعداد کو ایک بار نہ قبول کرتے ہوئے اپنے برے اختیار اور باطل کر دینے کی وجہ سے ہے۔ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ فاء زائدہ ہے مبالغہ کے لئے لائی گئی ہے۔ یعنی تھوڑا ایمان رکھتے ہیں اور وہ جو بعض کتاب سے ایمان تھا اور بعض سے کفر۔ فاء سببیت لعنت کے لئے جو انہیں ایمان نہ لانے کی وجہ سے نصیب ہوئی۔ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ كِتٰبٌ سے مراد قرآن مجید ہے اور اسے مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ سے موصوف کرنا عزت سے مخصوص ہو جانے کے لئے ہے۔ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ یعنی تورات اور توحید اور بعض شرائع کے موافق ہے۔ ابن العجید فرماتے ہیں کہ مُصَدِّقٌ صرف بعثت نبویہ علی صاحبھا السلام کے ساتھ اور ان کی علامات صفات سے مخصوص ہے نہ کہ شرائع و احکام سے۔ کیونکہ قرآن تو اس کے اکثر احکام و شرائع کا ناسخ ہے۔ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ جلیلہ سے مشرکینِ عرب اور کفار مکہ فتح و نصرت کی دعائیں مانگی جاتی تھیں۔ کہا جاتا تھا:

اَللّٰهُمَّ انْصُرْنَا بِالنَّبِيِّ الْمَبْعُوْثِ فِيْ آخِرِ الزَّمَانِ الَّذِيْ نَجِدُ نَعْتَهٗ فِي التَّوْرَاةِ [1]

اور اپنے اعداء سے کہتے کہ وہ وقت قریب ہے کہ نبی آخر الزماں تشریف لائیں گے اور ہماری تصدیق کریں گے ہم ان کے ساتھ ہو کر تمہیں عاد و ارم کی طرح قتل کریں گے۔ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا وہ جو کتاب سے جانتے تھے کیونکہ مَا اُنْزِلَ کی معرفت دراصل مَا اُنْزِلَ عَلَيْهِ کی معرفت ہے۔ اور فاء دلالت کر رہی ہے کہ ان کی طلب فتح کے بعد آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری میں کوئی لمبی مدت نہ گزری تھی کہ وہ اس بات کو بھول جاتے۔ كَفَرُوْا بِهٖ حسد اور حرص علی الرياسة کی وجہ سے ان کے ساتھ کفر کیا اور ان کی صفت کو بدل ڈالا اور یہ

---

[1] اے اللہ! اس نبی علیہ السلام کی برکت سے ہماری مدد فرما جو آخر زمانہ میں مبعوث ہوں گے جن کا ذکرِ خیر ہم تورات میں پاتے ہیں۔

marfat.ocm

جملہ لَمَّا اُوْلٰی کا جواب ہے اور لَمَّا ثانیہ محض لما اولی کی تائید وتکریر کے لئے ہے۔ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ لعنة اللّٰہ علیھم (ضمیر) کے بجائے اسم ظاہر لایا گیا۔ اس دلالت کی بنا پر کہ لعنت انہیں صرف ان کے کفر کی وجہ سے لاحق ہوئی ہے اور فاء اس دلالت کے لئے ہے کہ لعنت کا ورود کفر کے بعد ہے۔

ف: کفار پر لعنت کا معنیٰ "طـــرد" اور رحمت اور جنت سے مطلقاً دور کرنا اور مومنین جو گنہگار ہیں ان کے لئے لعنت سے یہ مطلب ہے کہ انہیں اس کرامت سے دور کرنا جو ان گناہوں سے پاک ہیں اور انہیں کرامت کا وعدہ دیا گیا جو اس گناہ سے بری ہیں۔

حدیث شریف: حضور اکرم صلی اللّٰہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "جس نے احتکار کیا وہ ملعون ہے"

یعنی وہ شخص جو کسی چیز کو خریدے اور اس لئے جمع رکھ دے کہ اسے مہنگائی کے وقت بیچے گا تو وہ شخص ابرار کے درجہ سے دور ہے نہ رحمت غفار سے۔

تحقیق لعنت علی الغیر: ۔وہ صفات کہ جن کی وجہ سے لعنت کی جاتی ہے تین ہیں:

۱۔کفر ۲۔بدعت ۳۔فسق اور ان میں سے ہر ایک کے تین مراتب ہیں۔

۱۔وصف اعم کو لے کر لعنت کرنا۔ جیسے کہا جائے: لعنة اللّٰه على الكٰفرين او المبتدعة او الفسقة۔ کافرین یا مبتدعین یا فاسق پر لعنت۔

۲۔وصف اعم سے اخص کو لے کر لعنت کرنا جیسے کہا جائے: لعنة اللّٰه على اليهود و النصارىٰ او على القدرية والخوارج و الروافض او على الزناة و الظلمة و اكل الربٰوا۔ اس طرح سب پر مطلقاً لعنت کرنا جائز ہے

۳۔ایک متعین شخص پر لعنت کرنا۔ یہ اس وقت جائز ہے جبکہ کفر شرعاً اس سے ثابت ہو چکا ہو بشرطیکہ اس میں کسی مسلم پر ایذاء کا موجب نہ بنے اور اگر ان کا کفر شرعاً ثابت نہ ہو، جیسے کہا جائے: لعنة اللّٰه على زيد او عمرو وغیرھما۔ معین اشخاص پر لعنت کرنا ناجائز ہے کیونکہ اس کے خاتمہ کا حال غیر معلوم ہے۔ بہت بار کا مشاہدہ ہے کہ جسے ہم کافر سمجھتے ہیں وہ مرنے سے پہلے اسلام لاتا ہے یا اپنی غلطی سے توبہ کر کے مرتا ہے تو اللّٰہ تعالیٰ کا مقرب ہو جاتا ہے۔ اس بناء پر اس پر لعنت کا حکم کیسے دیا جا سکتا ہے۔

حضرت وحشی رضی اللّٰہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللّٰہ عنہ کو شہید کیا

marfat.ocm

لیکن پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے جنت کی بشارت دی اور یہی حجت پکڑتے ہیں جو لوگ یزید پر لعنت نہ کرنے کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ اس نے توبہ کی ہو اور اپنے کیے ہوئے فعل سے رجوع کر لیا ہو اس احتمال سے اس پر لعنت نہ کرنا چاہیے اور جو لوگ لعنت کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ یزید کا کفر مشہور ہے اور اس کے شدید شر کی خبر متواتر ہے اس لیے کہ جب اس نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دیا تو اس نے کفر کیا علاوہ ازیں اس قول سے کافر ہوا جیسا کہ اس نے شراب نوشی کے وقت کہا: فَاِنْ حُرِمَتْ يَوْماً عَلٰى دِيْنِ اَحْمَدْ. فَخُذْهَا عَلٰى دِيْنِ الْمَسِيْحِ ابْنِ مَرْيَمْ ۔ یعنی آج یہ شراب احمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی وجہ سے حرام ہے تو اسے دین عیسوی کی وجہ لے کر پی لے۔

اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قاتل اور ان کے قتل کے آمر اور مجوز اور راضی ہونے والے تمام پر لعنت جائز ہے۔ جیسا کہ سعد الملۃ و الدین التفتازانی فرماتے ہیں:

”حق بات یہ ہے کہ یزید کا قتلِ حسین رضی اللہ عنہ پر راضی ہونا، اس سے خوش ہونا اور اہلِ بیت کی اہانت کرنا اگرچہ اس کے تفاصیل احاد تواتر بالمعنی ہیں“ تو پھر ہم اس کے شان بلکہ ایمان میں کیا شک کریں بلکہ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ اس پر اور اس کے انصار و اعوان پر لعنت بھیجے۔ الصاحب بن عباد کی عادت تھی کہ جب پانی میں برف ملا کر پیتے تو یہ شعر پڑھتے:

قَعْقَعَةُ الثَّلْجِ بِمَاءٍ عَذْبٍ   تَسْتَخْرِجُ الْحَمْدُ مَنِ الْصَى الْقَلْبِ

یعنی برف میٹھے پانی کے ساتھ حمد کو اقصیٰ قلب سے نکالتی ہے۔

پھر کہتے: اَللّٰهُمَّ جَدِّدْ اللَّعْنَ عَلٰى يَزِيْدَ   اے اللہ! یزید پر لعنت کی تجدید فرما۔

عقیدہ: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی لعنت سے زبان کو روکا جائے کیونکہ اس میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے اس لیے کہ کاتب وحی اور ذو السابقہ اور صاحب فتوحات کثیرہ تھے۔ فاروق و عثمان رضی اللہ عنہما کے عامل تھے لیکن ان سے اجتہادی غلطی سرزد ہوئی اور وہ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت کے طفیل معاف فرما دے گا۔

حکایت: خیاط علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: مجھے آج تک کسی نے لاجواب نہیں کیا صرف ایک لڑکے سے لاجواب ہو گیا تھا جبکہ اس نے مجھ سے پوچھا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں تیرا کیا خیال ہے؟ میں نے کہا اس کے بارے میں توقف کرتا ہوں۔ پھر اس نے پوچھا: اس کے بیٹے یزید کے حق میں کیا رائے ہے؟ میں نے کہا: اس پر لعنت بھیجتا ہوں۔ پھر پوچھا: جو یزید سے محبت رکھتا ہو اس کے متعلق کیا گمان ہے؟ میں نے کہا: اس پر بھی لعنت۔ لڑکے نے کہا: یقین جانئے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے یزید کو دوست نہیں رکھتے تھے۔ (کذا فی روضۃ الاخیار)

مسئلہ: لعنت پھر لعنت ادا کرنے والے کی طرف لوٹتی ہے جبکہ جس پر لعنت کی جائے وہ اس کا اہل نہ ہو۔

مسئلہ: کسی شئے پر لعنت کرنے سے بسا اوقات اس سے برکت چھن جاتی ہے۔

مسئلہ: اللہ کی مخلوق میں کسی شے پر لعنت نہ کی جائے یہاں تک کہ نہ جماد پر نہ حیوان پر اور نہ انسان پر۔

حدیث شریف: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: مجھے دوزخ دکھائی گئی تو میں نے اس میں زیادہ عورتوں کو پایا وہ لعنت بکثرت بھیجتی ہیں اور اپنے شوہروں کی نافرمانی کرتی ہیں اگرچہ زمانہ بھر ان کے ساتھ احسان کرتے رہو جب کسی وقت کسی قسم کی کمی دیکھیں گی تو کہیں گی: میں نے تجھ سے کبھی بھلائی دیکھی ہی نہیں۔

مسئلہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:

"جو شخص علم کے بغیر فتویٰ دیتا ہے تو اسے آسمان و زمین لعنت کرتے ہیں"

حکایت: علی بلخی کی بیٹی نے اپنے باپ سے پوچھا کہ جب قے حلق تک خارج ہو کیا وضو باقی رہتا ہے؟ علی بلخی نے کہا: نہیں، بلکہ اس پر وضو کا اعادہ ضروری ہے۔ پھر علی بلخی کے ہاں خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: نہیں اے علی بلخی! وضو نہیں ٹوٹا جب تک قے سے منہ بھرا نہ ہو۔ میں نے یقین کر لیا کہ ہر فتویٰ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر کیا جاتا ہے۔ بعد ازاں میں نے قسم اٹھالی کہ آئندہ کسی قسم کا فتویٰ نہیں دوں گا۔ (کذا فی الروضۃ)

بِئْسَمَا ما نکرہ منصوبہ بئس کے فاعل کے لئے مفسر ہے ای بئس شیئا۔ اِشْتَرَوْا صفت ہے۔ اشتری بمعنی

marfat.ocm

باعَ و ابتاعَ۔ یہاں پر پہلا معنیٰ مراد ہے۔ بِهٖٓ اس شئے کے سبب سے۔ ای بذٰلک الشئی۔ اَنْفُسَهُمْ اس سے مراد ایمان ہے نفس کو ایمان کی بجائے ذکر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ نفس کی خلقت علم وعمل کے لئے ہے۔ جسے ایمان کے لئے تعبیر کیا جاتا ہے اور جبکہ انہوں نے ایمان کو چھوڑ کر کفر کا جامہ پہنا تو گویا کہ انہوں نے نفسوں کو کفر سے تبدیل کیا اور مخصوص بالام ہے۔ اَنْ یَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کتاب (جوان کے احکام کا تعین کرتی ہے) کے ساتھ کفر کرتے ہیں باوجودیکہ اس کی حقیقت جانتے ہیں۔ بَغْیًا، اَنْ یَّكْفُرُوْا کی علت ہے۔

ف: حسد اس چیز کو طلب کرنا جو اس کے پاس نہ ہو۔ حاسد کا کام ہے جو مرتبہ وقدر اور خصلت حمید محسود کو حاصل ہے وہ چاہتا ہے وہی مجھے مل جائیں اور باغی وہ ظالم ہے جو اس فعل کو بوجہ حسد کے کرتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ بہت بری شئے ہے یہ کہ انہوں نے ایمان دے کر کفر خریدا۔ جس میں بغی کے سوا اور کچھ ہے نہیں اور وہ بغی اس لیے اَنْ یُّنَزِّلَ اللّٰهُ یا حسد اس لئے کہ اَنْ یُّنَزِّلَ الخ کیونکہ حسد کا صلہ علی آتا ہے یعنی نازل کرے مِنْ فَضْلِهٖ اپنے فضل سے عَلٰى مَنْ یَّشَآءُ جسے چاہے اور جسے چن لے مِنْ عِبَادِهٖ اپنے بندوں میں سے۔ یعنی اس کے وہ بندگان جو اعبائے رسالت کے تحمل کے اہل ہیں۔ اس سے مراد سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

ف: یہود کا عقیدہ تھا کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لانے والے ہیں لیکن آرزومند تھے کہ سیدنا اسحٰق علیہ السلام کی اولاد سے ہوں۔ جب حضور علیہ السلام حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے تشریف لائے تو یہود کو حسد ہوا کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی اسرائیل سے ظاہر ہونا چاہیے تھا لیکن ان کے غیر میں ظاہر ہوا ہے۔

فَبَآءُوْ لوٹے جو حلس ہیں۔ بِغَضَبٍ ساتھ غضب کے جو ہونے والا ہے۔ عَلٰى غَضَبٍ پے در پے غضب اور لعنت در لعنت کے مستحق ہوئے موافق اس کے کہ انہوں نے کفر در کفر کیا کیونکہ نبی برحق کے ساتھ کفر کیا اور بغاوت کی۔ وَلِلْكٰفِرِیْنَ ضمیر کے بجائے اسم ظاہر میں اس طرف اشارہ ہے کہ کفر انہیں محیط تھا عَذَابٌ مُّهِیْنٌ اور کفار کے لئے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔ اس سے کفار کی اہانت اور ذلت مراد ہے کیونکہ انہیں لالچ تھا کہ قرآن کا نزول ہماری قوم میں ہوتا۔ اب دوسری قوم میں نازل ہوا تو ان میں حسد پیدا ہو گیا۔ تو اس کی یہ سزا ملی جس ذات سے حسد کرتے ہو ان کی وجہ سے ہی تمہیں ذلیل وخوار کیا جا رہا ہے۔

marfat.ocm

ف: اس سے ثابت ہوا کہ مومنین کا عذاب ان کو ادب سکھانے اور گناہوں سے پاک کرنے کے لئے اور کافروں کو عذاب ان کو ذلیل اور ان پر سختی کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

ف: دین و دنیا کا فیض و فضل اللہ تعالیٰ کے کرم پر مبنی ہے۔ کسی پر فیض و فضل ہو جائے تو دوسرے کو اس پر حسد نہیں کرنا چاہیے اور پھر نبوت اور ولایت امور اکتسابیہ سے نہیں کہ بندہ جد و جہد اور خاص اہتمام سے انہیں حاصل کرے۔ نبوت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی خاص بندے کو بھیجے۔ تجلی جو اعیان فی العلم کی موجب ہے عنایت کر کے جسے ہی بنا دے اور یہ اس کا ایک فیض ہے جسے جو چاہے دے دے۔ [1]

اسی طرح ولایت بھی ایک خاص عطیہ ہے جسے کسب سے کوئی تعلق نہیں بلکہ تمام مقامات علیا کو یونہی سمجھو کہ وہ اختصاصیہ عطائیہ ہیں کسبیہ نہیں اسے نصیب ہوتے ہیں جس کو فیضِ الٰہی منتخب فرمائے۔ [2]

سوال: عام طور پر مشہور ہے کہ ولایت کسبی ہے اور آپ اسے بھی عطائی کہہ رہے ہیں۔

جواب: چونکہ اس کا ظہور چند شرائط و اسباب کے تحت ہوتا ہے اور وہ شرائط و اسباب آہستگی پذیر ہوتے ہیں اسی لیے محجوب انسان سمجھتا ہے کہ ولایت کسبی ہے حالانکہ ولایت بھی عطائی ہے۔

ف: حسد کرنے سے کیا بنتا ہے صرف اتنا ہوتا ہے کہ جہاں زبانی باتوں سے اپنے محسود کو کچھ نہ کچھ کہہ بیٹھتے ہیں اس سے محسود کو کون سا نقصان پہنچا، بلکہ اسے تو فائدہ ہوا کہ حاسد کے حسد سے اس کے درجات بڑھ گئے۔ ویسے اللہ تعالیٰ کا طریقہ جاری ہے کہ اہل جمال سے اہل جلال ملائے رکھتا ہے تاکہ کمال کا ظہور اچھی طرح ہو۔

حافظ مرحوم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ؎

دریں چمن گل بے خار کس نچید آرے
چراغ مصطفوی باشرار بولہبیست

ترجمہ: اس چمن میں کوئی گل کانٹے کے بغیر نہیں مصطفیٰ کے چراغ کے ساتھ ابولہب کی چنگاری بھی تھی۔

حکایت: حضرت عارف رومی علیہ الرحمہ جب حضرت شمس تبریز علیہ الرحمہ سے جدا ہوئے تو ان کی تلاش میں گرمی کی پروا کیے بغیر بڑے بڑے شہر چھان مارے۔ ایک سنار کی دکان کے آگے سے گزرے اور وہ

---

[1]: اس سے مرزائیوں کے عقیدے کی تردید ہوئی کہ وہ قائل ہیں کہ نبوت بھی کسبی ہے۔

[2]: اگرچہ اس میں کسب عمل کو بھی دخل ہوتا ہے۔ اویسی غفرلہ

marfat.ocm

دکان شیخ صلاح الدین زرکوب کی تھی۔ آپ کو شیخ موصوف نے فرمایا: مولانا! کیوں حیران پھر رہے ہیں؟ مولانا نے فرمایا کہ فلک جب اپنے آفتاب کو گم پاتا ہے تو وہ حیران و ششدر ہو کر چکر لگاتا ہے تاکہ اپنے سورج کو پاکر ظلمت کے دکھ سے بچ جائے۔ شیخ موصوف نے فرمایا: میں تیرا سورج ہوں میرے قریب آجایئے۔ مولانا نے فرمایا: میں کیسے یقین کرلوں کہ آپ میرے شمس ہیں۔ شیخ موصوف نے مولانا کو ان کے مراتب کو پوری تفصیل بتادی کہ جن مراتب سے حضرت شمس تبریز نے مولانا کو آگاہ فرمایا تھا۔ مولانا نے شیخ موصوف کے ہاتھ چوم لیے اور معذرت کی اور کہا میرے شمس نے پہلے مجھے اپنی جھلک دکھائی اب مجھے اپنے چہرے کی جانب سے نوازا اس کے بعد مولانا ان کے ہاں رہنے لگے اور بہت بڑے مراتب حاصل کیے۔ مولانا کے بعض ہوا خواہوں کو معلوم ہوا تا حسد کے طور شیخ موصوف کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن مولانا نے اپنے سلطان ولد کو بھیج کر ان کو اس ارادہ بد سے روکا۔ شیخ موصوف نے فرمایا: مولانا! فکر مت کیجئے اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنی طاقت بخشی ہے کہ آسمان کو زمین پر دے ماروں اور اپنے حاسدوں کو پاش پاش کردوں لیکن بہتر ہے کہ اس میں صبر کروں۔ آیئے مل کر ان کی اصلاح کی دعا کریں۔ شیخ نے دعا فرمائی تو ان لوگوں کے ارادے ٹھنڈے پڑ گئے اور وہ اس ارادہ بد سے تائب ہو کر استغفار کرنے لگے۔ مثنوی شریف میں ہے:

چوں کنی بر بے حسد مکر و حسد زاں حسد دل را سیاہیہا رسد
خاک شو مردان حق را زیر پا خاک بر فرق حسد کن ہمچوں ما

ترجمہ: جب بے حسد پر مکر و حسد کرو گے تو اس سے تیرے دل کی سیاہی بڑھے گی۔ مردان خدا کا خاکپا اور زیر ہو جا ہماری طرح حسد کے سر پر مٹی پھینک۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ اور اس کے گردونواح کے یہودیوں کو کہتے ہیں اور لام بمعنی انہاء تبلیغ کے ہے۔ **اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ** تمام کتب الٰہیہ پر ایمان لاؤ۔ **قَالُوْا نُؤْمِنُ** کہتے ہیں ہم ایمان پر استمرار رکھتے ہیں۔ **بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا** اس سے مراد تورات اور جو کچھ بنی اسرائیل کے انبیاء پر نازل ہوا اس کے ماسوا ہم پر نازل ہوتا ہے کیونکہ اس پر عمل کرنا ان کو لازم ہوتا ہے۔ **وَ** اور وہ **يَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ** ماسوا اس کے جو ان پر نازل ہوا، کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔ **وَهُوَ** حالانکہ تورات کے ماسوا قرآن **اَلْحَقُّ** حق ہے۔ یعنی معروف

بالحقیقت ہے اور اس کو لائق ہے کہ علی الاطلاق حق کا اسم اس کے لئے خاص ہو۔ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ تورات کی تصدیق کرتا ہے اس کا مخالف نہیں۔ حق سے حال مؤکدہ ہے اور اس کا عامل فعل ہے اور ذوالحال وہ ضمیر ہے جس پر کلام دلالت کرتا ہے۔ یعنی اُحِقّہٗ مُصَدِّقًا یعنی اس کا حال یہ ہے کہ جو کچھ ان کے پاس ہے اس کی تصدیق کنندہ ہے اس میں ان کے اپنے قول کی تردید بھی ہے۔ کیونکہ جب اس کا انکار کر رہے ہیں جو تورات کا انکار ہے اس کے بعد اعتراض فرمایا کہ تم نے انبیاء علیہم السلام کو شہید کر دیا باوجودیکہ تمہارا دعویٰ ہے کہ ہم ایمان دار ہیں۔ حالانکہ تورات میں کسی نبی کے قتل کی اجازت نہیں تھی۔ قُلْ اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! فرمایئے۔ یہ امر تبکیت کا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو رہا ہے۔ ان کے متناقض اقوال کی وجہ سے۔ فَلِمَ دراصل لِمَا تھا۔ اس کی لام تعلیل کی ہے جو ما استفہامیہ پر داخل ہوئی ہے۔ الف گر گیا ہے تا کہ استفہامیہ و خبریہ کے مابین فرق رہے۔ تَقْتُلُوْنَ اَنْبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ استقبال صیغہ حکایت حال ماضیہ کے لئے ہے اور یہ جواب ہے شرط محذوف کے لئے۔ دراصل عبارت یوں تھی: قل لهم ان كنتم مؤمنين بالتورات. الخ آپ فرمایئے کہ اگر تم تورات پر ایمان رکھتے ہو تو پھر اس سے قبل کس وجہ سے انبیاء علیہم السلام کو شہید کرتے تھے۔ حالانکہ یہ فعل تورات میں بھی حرام ہے۔ ان کے آباء کے فعل یعنی قتل کا اسناد اِبْنَـــا کی طرف صرف ان کی آپس میں ملابست کی وجہ سے ہے۔

مسئلہ : ابواللیث علیہ الرحمہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے ثابت ہوا کہ گناہ سے راضی ہونے والا گویا اس کا مرتکب ہوا ہے۔ کیونکہ یہود اپنے آباء کے انبیاء کے قتل کرنے پر راضی تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں قاتل الانبیاء قرار دیا۔ چنانچہ فرمایا: فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ الخ

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ شرط کا جواب محذوف ہے جیسا کہ گزشتہ مضمون دلالت کرتا ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی: ان كنتم مؤمنين فلم تقتلوهم ۔ اعتراض کا تکرار محض الزام کی تاکید اور تشدید تہدید کے لئے ہے۔ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ تبکیت و توبیخ کا تکملہ ہے۔ یہ بھی امر کے تحت داخل ہے اور یہ لام قسم کی ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی: بِاللّٰهِ قَدْجَآءَكُمْ مُّوْسٰى الخ ۔ اللہ تعالیٰ کی قسم بیشک موسیٰ علیہ السلام تمہارے پاس معجزات لائے جو ظاہر اور واضح تھے۔ یعنی عصا اور ہاتھ کا نورانی ہونا اور دریا کا پھٹ جانا وغیرہ وغیرہ۔

marfat.ocm

ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ پھر تم نے بچھڑے کو معبود بنالیا۔ مِنْ بَعْدِهٖ بعد ان معجزات لانے کے اور ثُمَّ رتبہ کی تراخی کے لئے ہے اور اس پر دلالت کر رہا ہے کہ ان کا یہ عمل نہایت قبیح تھا۔ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ یہ حال ہے۔ اِتَّخَذْتُمْ کی ضمیر سے۔ یعنی تم بچھڑے کے پجاری ہوئے حالانکہ تم عبادت کو اس کے غیر محل میں رکھنے والے تھے۔ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ تم میں سے وعدہ لیا۔ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ تم پر پہاڑ کھڑا کر دیا اور ہم نے کہا: خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ اسے بڑی جد و جہد سے پکڑو۔ وَاسْمَعُوْا اور جو کچھ تورات میں ہے اسے قبول کرو اور اطاعت کرو۔ گویا قَالُوْا اپوچھا گیا کہ پھر انہوں نے کیا جواب دیا تو فرمایا: قَالُوْا انہوں نے کہا: سَمِعْنَا ہم نے تیرا قول سنا تو ہے لیکن ہم عمل نہیں کریں گے۔ وَعَصَيْنَا بلکہ تیرے امر کے خلاف کریں گے۔ اگر پہاڑ کے گرنے کا خطرہ نہ ہوتو ظاہراً بھی نہ مانتے جب ان کے اسلاف کا یہ حال ہے کہ تو غور فرمایئے کہ ان کے اخلاف کا کیا حال ہوگا۔

فردوسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

زبد گوہراں بدنباشد عجب	سیاہی نباشد بریدن زشب
زبد چشم بہی داشتن	بود خاک در دیدہ بناستن

ترجمہ:

۱۔ بدگوہروں سے برائی نہ ہو تعجب ہے کیا رات سے بھی سیاہی مٹائی جاسکتی ہے؟
۲۔ برے سے بھلائی کی امید رکھنا ایسے ہے جیسے آنکھوں میں مٹی ڈالنا۔

وَاُشْرِبُوْا بیشک وہ پلائے گئے۔ فِیْ قُلُوْبِهِمُ یہ ان کے پلانے کے مقام کا بیان ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے: اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا۔ الْعِجْلَ بچھڑے کی محبت۔ مضاف محذوف ہے۔ کہا جاتا ہے: اُشْرِبَ فُلَانٌ كَذَا ای مَحَلَّ الشَّرَابِ۔ یا معنی ہے کہ ان میں بچھڑے کی محبت مخلوط ہوگئی۔ جیسے رنگ کپڑے میں مل جاتا ہے۔ دراصل اَشْرَبَهٗ اور جَعَلَهٗ شَارِبًا۔ کا ایک ہی معنی ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے بچھڑے کی محبت کو پی لیا تھا اور بچھڑے کی محبت ان کے دل میں ایسے سرایت کر گئی جیسے پانی جسم میں مل جاتا ہے۔

ف: امام راغب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اہل عرب کی عادت ہے کہ جب کسی شئے کی محبت یا بغض کسی میں دیکھتے ہیں تو پینے کے فعل کو اس کے لئے استعمال کرتے ہیں کیونکہ پینے کی شئے جسم کے ذرہ ذرہ میں سرایت

marfat.ocm

کر جاتی ہے۔ اسی لئے اطباء نے کہا ہے کہ پانی اغذیہ اور ادویہ کی سواری ہے۔

بِكُفْرِهِمْ ان کے کفر کی وجہ سے جو ان سے پہلے سرزد ہوا وہی اس برے عمل کا سبب بنا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ مجسمہ یا حلوتیہ مذہب کے لوگ تھے اور بچھڑے کا جسم نہایت اچھا لگا اس لیے اس کی طرف جھک گئے اور ان کا دل بچھڑے سے لگ گیا۔ ادھر سامری نے بھی غلط فہمی میں ڈال دیا۔ ان کی لذت پرستش کو (جو ان کو بچھڑے سے حاصل ہوئی) کفر سے مجازاً تعبیر کیا گیا ہے۔

حکایت: حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اپنی قوم کے پاس واپس تشریف لائے تو بچھڑے کو ٹکڑے ٹکڑے کرا کر تمام نہروں میں ذرہ ذرہ کر کے ڈالا پھر فرمایا کہ تم ان نہروں سے پانی پی لو۔ جس کے دل میں بچھڑے کی محبت رچی ہوئی تھی اس کے منہ سے سونے کا پانی ظاہر ہو جاتا۔

قُلْ یہ توبیخی امر ہے اور ان یہودیوں سے خطاب ہے جو حضور علیہ السلام کے ہم زمان تھے صرف اس ارادہ پر کہ وہ اپنے آباء واجداد کی تقلید میں پھنس کر صرف ان کے اعمال کی اقتداء کرتے تھے۔ بِئْسَمَا برا ہے وہ فعل يَأْمُرُكُمْ بِهٖ جو تمہیں ایسی قباحتوں کا حکم دیتا ہے۔ اِيْمَانُكُمْ تمہارا وہ ایمان جو تم نے اپنی بنائی ہوئی تورات سے تیار کیا ہے۔ مخصوص بالام محذوف ہے۔ یعنی وہ مضمون جو پہلے مذکور ہوا۔ جیسے سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا اور ان کا بچھڑے کو پوجنا۔ ایمان کی طرف ان کے فعل کی نسبت محض تہکماً ہے اور پھر ایمان کو ان کی طرف مضاف کرنے میں اشارہ ہے۔

کہ ان کا در حقیقت ایمان ہی نہیں کیونکہ ایمان ان کا اپنا تیار کردہ ہے۔ چنانچہ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ سے معلوم ہوتا ہے یعنی اگر تم صحیح معنی پر تورات پر ایمان لاؤ تو تورات تمہیں ایسی قباحتوں سے روک لے گی۔ لیکن تمہاری یہ کیفیت بتاتی ہے کہ تم مومن نہیں ہو۔

مسئلہ: جو منہ سے کہے کہ مومن ہوں۔ اس کا عمل بھی تصدیق کرے کہ واقعہ وہ مومن ہے ورنہ وہ کامل مومن نہیں۔

سبق: حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ صوفیہ کرام کے نزدیک توحید کا مطلب یہ ہے کہ بندہ

marfat.ocm

حدوث سے ہٹ کر قدم میں پہنچے۔ اس عالم کے بکھیڑوں اور دلی تمناؤں کو مٹا کر عمل اور جہل سے دور ہو کر ذاتِ حق کے ملک میں جا بسیرا کرے۔

طالب توحید را باید قدم بہ لا زدن بعد ازاں در عالم وحدت دم الا زدن

ترجمہ : طالب توحید کو پہلا قدم لا پر رکھنا ہے پھر عالمِ وحدت میں الاّ کا دعویٰ کرنا۔

حکایت: حضرت یعقوب علیہ السلام کو جب قاصد نے خوشخبری سنائی کہ حضرت یوسف علیہ السلام ابھی زندہ ہیں، تو آپ نے اس سے پوچھا: زندہ تو ہیں لیکن یہ بھی تجھے خبر ہے کہ ان کا دین کیا ہے؟ اس نے کہا: ان کا دین اسلام ہے۔ تو آپ نے فرمایا: الحمدللہ! اب میں خوش ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کی تکمیل ہوگئی۔

ف: آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ توحید اصل الاصول ہے اور قبولیت کا دار ومدار اسی پر ہے اور اس سے گناہوں کی معافی ملتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی عطائیں اسی سے نصیب ہوتی ہیں۔

اسلامِ دحیہ کلبی: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ دحیہ کلبی مسلمان ہو جائے۔ کیونکہ اس کے ماتحت ستر قبیلے تھے اس کے اسلام لانے سے وہ بھی مسلمان ہو جائیں گے۔ چنانچہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں دعا فرمائی: اَللّٰھُمَّ ارْزُقْ دِحْیَۃَ الْکَلْبِیَّ الْاِسْلَامَ۔ (اے اللہ! دحیہ کلبی کو دولت اسلام سے نواز) اس کے بعد جب دحیہ کلبی نے اسلام لانے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی بھیجی اس وقت حضور علیہ السلام صبح کی نماز سے فارغ ہو چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بعد سلام ارشاد فرمایا کہ اے پیارے حبیب! ابھی آپ کے پاس دحیہ کلبی حاضر ہوگا۔ لیکن آپ کے صحابہ میں سے بعض کی زمانہ جاہلیت سے اس کے ساتھ ناراضگی ہے فلہٰذا خیال رہے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے جب سنا تو دل سے یہ بات نکال دی اگرچہ حضور علیہ السلام نے انہیں نہیں فرمایا تھا۔ چنانچہ جب حضرت دحیہ کلبی مسجد نبوی میں حاضر ہوئے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دحیہ کے لئے اپنی چادر مبارک بچھا دی اور فرمایا کہ اس پر بیٹھ جاؤ۔ حضرت دحیہ کلبی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلقِ عظیم کو دیکھ کر رونے لگے اور آپ کی چادر مبارک کو اٹھا کر چوما اور اسے آنکھوں سے لگایا اور ادب سے اسے سر پر رکھ لیا اور عرض کی: حضور! مجھے اسلام کے شرائط بتائیے۔ آپ نے فرمایا: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) دحیہ نے کلمہ

شریف پڑھا۔ اس کے بعد زاروقطار رونے لگے۔ آپ نے فرمایا: دولتِ اسلام کے حصول کے بعد اب رونے کا کیا معنیٰ؟ عرض کی: اپنے گناہوں کو یاد کرتا ہوں تو بے ساختہ رونا آتا ہے اس کا کفارہ جو ہو گا میں ادا کروں گا اپنے رب سے پوچھیئے۔ اس کے عوض مجھے اپنے آپ کو قتل بھی کرنا پڑا تو کروں گا۔ اگر سارا مال بھی خرچ کرنا پڑے تو دریغ نہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا: وہ گناہ کیسا ہے؟ عرض کی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہے کہ میں ایک بادشاہ ہوں اور مجھے عار تھی کہ میں اپنی لڑکیوں کو کسی کے نکاح میں دوں۔ اسی لیے میں نے یکے بعد دیگرے اپنی ستر لڑکیوں کو قتل کیا ہے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم متحیر ہوئے۔ اتنے میں جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی: اللہ تعالیٰ سلام کے بعد فرماتا ہے کہ دحیہ کو فرما دیجئے: مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم! جبکہ تو نے کلمہ پڑھا ہے ہم نے تمہارا ساٹھ سال کا کفر اور ساٹھ سال کے تمام گناہ بخش دیئے۔ اسی طرح لڑکیوں کے مارنے کے گناہ بھی بخش دیئے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام علیہم الرضوان آبدیدہ ہو گئے اور کہنے لگے: یا اللہ! جب تو دحیہ کلبی کے گناہ ایک بار کلمہ شریف پڑھنے سے بخش دیتا ہے تو مومنین تو کئی بار یہ کلمہ شہادت پڑھیں گے پھر کیوں نہ ان کے گناہ بخش دیئے جائیں گے کیونکہ وہ صدقِ دل اور خالص عمل سے یہ کلمہ شریف پڑھیں گے۔ مثنوی شریف میں ہے:

اُذْکُرُ واللہ کار ہر اوباش نیست
ارجعی بر پائے ہر قلاش نیست

ترجمہ: اللہ کا ذکر ہر اوباش کو نصیب نہیں اور ارجعی کا خطاب بھی ہر قلاش کو نہیں ہوگا۔

حضرت شیخ سعدی نور اللہ مرقدہ نے فرمایا ہے:

گر بمحشر خطاب قہر کند
انبیاء۔ راچہ جائے معذرتست
پردہ از روئے لطف معذرتست
کا شقیا را امید مغفرتست

ترجمہ:

۱۔ اگر قیامت میں قہر کا خطاب ہو تو انبیاء بھی معذرت نہ کر سکیں گے۔

۲۔ لطف سے پردہ اٹھایئے اس لیے کہ اب تو اشقیاء بھی مغفرت کی امید میں ہیں۔

قُلْ اِنْ کَانَتْ لَکُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَۃُ فرمایئے اگر تمہارے لیے آخرت یعنی بہشت خاص ہے۔ **عِنْدَ اللّٰہِ خُلَاصَۃً** اللہ

تعالیٰ کے نزدیک ظرف جز میں استقرار کے لئے ہے لَکُمُ حال ہے دَار“ سے۔ یعنی سالم اور خالص تمہارے لیے۔ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ سوائے لوگوں کے۔ یہ خَالِصَةً سے مل کر محل نصب میں ہے یعنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کے سوا۔ لام عہد کے لئے ہے اور یہ اختصاص کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے: هٰذَا لِیُ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ ۔ یعنی میں اس کے ساتھ مخصوص ہوں۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اگر تمہارا قول صحیح ہے کہ بہشت میں یہود کے سوا اور کوئی داخل نہیں ہوگا۔ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ تو موت کو محبوب سمجھو اور اس کا بہ دل و جان سوال کرو اور کہو: اَللّٰهُمَّ مَيِّتْنَا ۔ (اے اللہ! ہمیں موت دے دے) کیونکہ جسے بہشت کے داخلہ کا یقین ہوتا ہے وہ لامحالہ موت کا اشتیاق ظاہر کرتا ہے اور اس کی نعمتوں کی طرف جلد پہنچنے کا متمنی ہوتا ہے اور خواہش رکھتا ہے کہ اس دار ہلاکت اور پریشانیوں کی قرارگاہ سے چھوٹ جائے۔ اس کی طرف پہنچنے کی کوئی راہ نہیں سوائے موت کے۔ بناء بریں اے یہود! تم اس کی آرزو میں جلدی کرو۔

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اگر تم اپنے قول میں (کہ بہشت صرف تمہارے لیے ہی ہے) سچے ہو تو اس کی آرزو کرو۔ تَمَنِّی دراصل نفس میں کسی شئے کو مقدر کرنے کا نام ہے اور اکثر اس میں استعمال ہوتی ہے کہ جس کی کوئی حقیقت نہ ہو وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اور اس موت کی ہرگز آرزو نہیں کریں گے۔ اَبَدًا ہمیشہ، یعنی زمان مستقبل میں۔ کیونکہ لفظ اَبَدًا مستقبل کے جمیع اوقات کے لئے آتا ہے جیسے لفظ قط ماضی کے جمیع اوقات کے لئے ہوتا ہے اور یہ دلیل ہے کہ لفظ لَنْ تابید کے لئے نہیں۔ کیونکہ آخرت میں تو موت کی آرزو ضرور کریں گے اگرچہ دنیا میں نہیں کرتے۔ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ بسبب اس کے کہ وہ برے عمل کرتے ہیں جو نار کے موجب ہیں۔ جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پاک کے ساتھ کفر کرنا اور تورات کی تحریف کرنا اور ہاتھوں کی تخصیص اس لیے ہے کہ عموماً اعمال انہیں سے ہوتے ہیں اور انسان کے جوارح میں عام صنائع اور اکثر منافع کا دارومدار انہیں اور ان بے جو صادر ہوتا ہے جاننے والا ہے۔ یہ تہدید ہے۔

حدیث شریف: اگر یہود موت کی آرزو کرتے تو اپنی تھوک نگلنے کے فوراً بعد مر جاتے۔ اس کے بعد پھر کوئی یہودی روئے زمین پر زندہ نہ رہتا۔

پس وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ معجزات سے ہے کیونکہ یہ لَنْ تَفْعَلُوْا کی طرح غیبی خبر ہے اور اگر کسی ایک نے موت کی آرزو کی

ہوتی تو ضرور منقول ہو کر مشہور ہوتا۔

سوال : تمنیٰ قلب سے ہوتی ہے کیا پتہ انہوں نے آرزو کی ہو۔

جواب : آرزو قلب سے نہیں ہوتی بلکہ زبان سے ہوتی ہے۔ جیسے کوئی آرزو کرتے ہوئے کہتا ہے: لَيْتَ لِيْ كَذَا۔

حکایت: حضرت نافع فرماتے ہیں کہ ہم ایک یہودی کے پاس بیٹھے تھے وہ ہمارے ساتھ جھگڑ رہا تھا کہ تمہاری کتاب میں فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ ہے اور میں موت کی آرزو کرتا ہوں لیکن مجھ پر موت واقع نہیں ہوگی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے سنا تو گھر میں داخل ہو کر تلوار لٹکائے ہوئے باہر آئے تو یہودی فوراً بھاگ گیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر میرے آنے تک ٹھہرتا تو اس کی گردن ضرور اڑاتا۔ کیونکہ یہ جاہل خیال رکھتا ہے کہ یہ حکم یہود کے لئے ہر آن کے لئے ہرگز نہیں وہ تو صرف ان لوگوں کے لئے تھا جو اس وقت قرآن پاک کی مخالفت اور نبوت کا انکار کرتے تھے جبکہ انہیں نہیں تھا۔

سوال : مؤمن بھی تو یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ جنت کا سوائے ان کے کوئی مستحق نہیں لیکن ان یہود سے ایسی آرزو کسی نے منقول نہیں۔ پھر یہود پر یہ حجت قائم کرنا کیسا؟

جواب : ا۔ مومنین یہ دعویٰ نہیں رکھتے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑے فضل و شرف اور مرتبہ والے ہیں جیسا کہ یہود کا اپنے لیے دعویٰ تھا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ابناء اور احباء ہیں اور جنت صرف ہمارے لئے ہی ہے اور انسان جس سے محبت رکھتا ہے اس سے ملنے سے کراہت نہیں کرتا اور نہ ہی اس کے انتقام سے خوف رکھتا ہے بلکہ وہ تو اپنے محبوب تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ پس جب کہا گیا کہ اے یہود! تم موت کی آرزو کرو۔ جب انہوں نے آرزو سے گریز کیا تو ان کے اپنے دعویٰ از خود ختم ہو گئے اور ان کا کذب ظاہر ہو گیا۔

۲۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کی آرزو سے روکا ہے۔ فرمایا:

”کوئی تم میں سے دکھ کی وجہ سے موت کی آرزو نہ کرے، لیکن یوں کہہ سکتا ہے اے اللہ! مجھے زندہ رکھ اگر میرے لیے زندگی بہتر ہو اور اگر میرے لیے موت بہتر ہے تو مجھے موت دے دے“

حضرت مقاتل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

لَوْلَا بَنَاتِیْ وَ سَیِّئَاتِیْ لَلُمْتُ شَوْقًا اِلَی الْمَحَالِیْ

یعنی اگر میری لڑکیاں اور میرے گناہ نہ ہوتے تو میں موت کی ضرور کرتا۔

اسی وجہ سے جو الزام یہود پر ہوا وہ مومنین پر نہیں آسکتا۔

مسئلہ : حضرت عبداللہ تستری قدس سرہٗ فرماتے ہیں: تین آدمیوں کے سوا موت کی آرزو کوئی شخص نہیں کرتا

۱:۔ موت کے بعد حالات سے بے خبر۔

۲:۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے بھاگنے والا۔

۳:۔ اللہ تعالیٰ کے دیدار کا مشتاق۔

مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:۔

شدا ہوائے مرگ طوق صادقاں کہ جہوداں را بدیں دم امتحاں

ترجمہ : موت کی آرزو سچوں کے گلے کا طوق ہے کیونکہ یہودیت کے لئے تو موت ذلت ہے۔

حکایت: حضرت مولانا روم قدس سرہٗ کا جب انتقال قریب ہوا تو حضرت ملک الموت متمثل ہو کر سامنے ہوئے تو آپ نے فرمایا:۔

پیشتر آ پیشتر آ جانِ من پیک در حضرت سلطانِ من

ترجمہ : اے حبیب! آگے آیئے کیونکہ تو تو میرے سرکار کا پیام ہے۔

حکایت: ابو حازم کو کسی بادشاہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی حاضری کیسے ہوگی ؟ تو آپ نے فرمایا کہ فرماں بردار تو ایسے حاضر ہوگا جیسے کوئی غائب اپنے گھر والوں کے پاس جو اس کے مشتاق ہوں اور مجرم کی حاضری ایسے ہوگی جیسے بھاگا ہوا نوکر اپنے خصوص مالک کے پاس لوٹے۔

انبیاء رانکہ آمد ایں جہاں چوں شہاں رفتند اندر لامکاں
چوں مرا سوئے اجل عشق و ہواست نہی لا تلقوا بایدیکم مراست
زانکہ نہی از دانہ شیریں بود تلخ را خود نہی حاجت کے شود

marfat.ocm

ترجمہ :۱۔انبیاء علیہم السلام کو یہ جہاں تنگ نظر آتا تھا بادشاہوں کی طرح لامکاں کو تشریف لے گئے۔

۲:۔چونکہ ہماری خواہش و تمنا موت کی ہے اسی لیے ہمیں لا تلقوا (ہلاکت کی طرف ہاتھ نہ بڑھاؤ) کا حکم ہے۔

۳:۔اس لیے کہ میٹھے میوے سے ہی روکا جاتا ہے کڑوے پھل کی رکاوٹ کی ضرورت ہی نہیں۔

ف: موت ایک مصیبت عظمیٰ اور بڑی آزمائش کا نام ہے۔ سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ اس سے غفلت کی جائے اور اس کے ذکر سے اعراض کیا جائے اور اس کے بارے میں کوئی فکر بھی نہ ہو۔ اس کے لئے کوئی عمل بھی نہ ہو۔ صرف اسی کے متعلق بڑی عبرت نصیب ہو۔ اگر کوئی عبرت کرے تو اس میں فکر کیا جائے تو بہت کچھ نصیب ہوتا ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ ”موت ہی بڑا واعظ ہے اور موت کے ذکر سے لذتِ نفسانیہ کا قلع قمع ہوتا ہے اور مستقبل کی آرزو ختم ہو جاتی ہے۔ پھر جتنی بھی دنیاوی تمنائیں ہوتی ہیں سب مٹ کر رہ جاتی ہیں۔ اگرچہ غافل دل بہت بڑے واعظ کی محتاج ہیں اور ان کے لئے کچھ الفاظ کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ اَکْثِرُوْا ذِکْرَ ھَاذِمِ اللَّذّٰتِ لذتوں کو مٹانے والی موت کو زیادہ یاد کرو) اور کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ (ہر جی موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے) جیسے ارشادات سمجھدار کے لئے کافی ہیں۔

سبق: دانا کو ضروری ہے کہ مرنے سے پہلے ہی اپنی تیاری کر لے نہ کہ اس وقت جبکہ موت سر پر آ جائے۔

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے:۔

اے برادر چو عاقبت خاکست　　خاک شو پیش از انکہ خاک شوی [1]

دعا: اے اللہ! ہمارا راستہ آسان فرما۔ آمین۔

وَلَتَجِدَنَّھُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ، ولتجدن وجدانِ عقل سے ہے اور وہ علم کے قائم مقام ہوتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وجدان تجربہ وغیرہ کے بعد استعمال ہوتا ہے۔ لام قسم کی ہے اصل عبارت یوں تھی وَ اللّٰہِ لَتَجِدَنَّ الْیَھُوْدَ الخ۔ اے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم! آپ یہود کو لوگوں سے زیادہ حریص پاؤ گے۔ عَلٰی حَیٰوةٍ وہ موت کی آرزو ہرگز نہیں کریں گے اور حَیٰوة کی تنکیر نوعی ہے اور اس حَیٰوة سے متداولہ مراد ہے اور یہ حَیٰوة وہ ہے جس میں لوگ بسر کر رہے ہیں کیونکہ وہ بھی مطلق الحیاة کی ایک نوع ہے۔ وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا معنوی لحاظ

---

[1] اے بھائی! جب انجام خاک ہے اس سے پہلے خاک ہو جا جبکہ تجھے خاک میں جانا ہے۔

marfat.ocm

سے ماقبل پر عطف ہے گویا یوں کہا گیا ہے: اَحْرَصُ مِنَ النَّاسِ ۔

سوال : جب مشرکین بھی ناس کے افراد میں سے ہیں تو پھر انہیں علیحدہ کیوں ذکر کیا گیا ہے؟

جواب : ا۔ مشرکین سب سے زیادہ حیاۃ ظاہری کے حریص ہیں۔

۲۔ یہودیوں کو توبیخ بھی ہے کہ مشرکین اگرچہ حیوۃ ظاہری کے حریص ہیں تو ہوں کیونکہ ان کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ مرنا تو ہے ہی نہیں اور ہمیشہ زندہ رہنا ہے اور یہ حیات ان کے لئے جنت ہے اس لیے ان کا حریص ہونا بجا ہے لیکن اہل کتاب کے حریص ہونے سے تعجب ہے کہ ان کے پاس کتاب ہے جس میں مرقوم ہے کہ یہ حیوۃ عارضی ہے۔

سوال : پھر یہودیوں کو مشرکین سے زیادہ حریص کہنے کا کیا معنیٰ ؟

جواب: مشرکین کا تو حریص ہونا بجا ہے کہ وہ جاہل ہیں اور یہ یہود عالم ہونے کے باوجود حیات کے لئے حرص کرتے ہیں فلہٰذا یہ ان سے زیادہ حریص ہوئے۔

یَوَدُّ اَحَدُهُمْ ان کی حرص کا بیان ہے اور جملہ مستانفہ ہے یعنی ان مشرکین میں سے ایک فرد آرزو رکھتا ہے۔

لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ کاش ہزار سال عمر دیا جائے۔ یہ ان کی آرزو کی حکایت ہے۔ اگر یہ جملہ تمنائیہ ہوتا تو عبارت یوں ہوتی: لَوْ اُعَمَّرُ الخ ۔ لیکن غائب کا صیغہ لایا گیا ہے۔ یَوَدُّ اَحَدُهُمْ کی وجہ سے جیسے کہا جاتا ہے: حَلَفَ بِاللّٰهِ لَيَفْعَلَن۔ یہ جملہ محلا منصوب ہے کہ یہود کا معمول ہے۔ قَالَ يَقُوْلُ کے باب کا قانون جاری کیا گیا اس لیے کہ یَوَدُّ قلبی فعل ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ وہ مشرکین ہزار سال زندہ رہنے کی آرزو کرتے ہیں۔ یہ دراصل مجوس سے خاص ہے۔

سوال : ہزار سال کی حد بندی کیوں، حالانکہ وہ دائمی بقا چاہتے تھے۔

جواب : یہ ان کے اپنے قول کے مطابق ہے کہ جب ان میں سے کسی کو چھینک آتی تو دوسرا دعا دیتے ہوئے یوں کہتا: عِشْ اَلْفَ سَنَةٍ (تو ہزار سال زندہ رہ) اور علیک سلیک کے وقت بھی یونہی کہتے یا یوں کہتے: عِشْ الف نوروز والف مهرجان۔ جس کا فارسی میں ترجمہ ہوگا: ذی ہزار سال (ہزار سال تک زندہ رہ)

سوال : مجوس کو مشرک کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب : مجوس دو خداؤں کے قائل تھے، خالق نور اللہ اور خالق ظلمة اهرمن۔

marfat.ocm

وَمَاهُوَ اہل حجاز کے قانون پر مشبہ بلیس ہے اس کا اسم ھُوَ ہے یعنی کوئی ایک ان میں بِمُزَحْزِحِهٖ لفظ مَا کی خبر اور باء زائدہ ہے۔ زَحْزَحَ یعنی بعید کرنا۔ یعنی اسے بچانے والا نہیں۔ مِنَ الْعَذَابِ عذاب سے اَنْ یُّعَمَّرَ یہ کہ اسے عمر دی جائے۔ یہ جملہ مُزَحْزِحِہٖ کا فاعل ہے۔ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال دیکھتا ہے۔ بصیر وہ ہے جو شے کی کنہ کو جانے اور خبیر وہ ہے جو شے کی کنہ سے باخبر ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کی کنہ کو جانتا ہے۔ اس سے کوئی شے مخفی نہیں۔ دنیا میں ان کو رسوائی اور ذلت کی سزا دے گا اور آخرت میں انہیں سخت عذاب میں مبتلا کرے گا یہ حیاۃ چند دنوں کے بعد ختم ہو جائے گی خواہ کوئی ہزار سال یا اس سے زائد عمر گزارے۔

مسئلہ: جو بڑی عمر صرف اس لیے چاہتا ہے کہ اس میں نیکی ہی کرتا رہے تو وہ کامیاب لوگوں میں سے ہے۔ حدیث شریف میں ہے: طُوْبٰی لِمَنْ طَالَ عُمْرُهٗ وَاَحْسَنَ عَمَلُهٗ۔ (مبارک ہو اس بندے کو جس کی عمر لمبی ہو اور عمل نیک ہوں)

مسئلہ: جو لمبی عمر صرف گناہوں کے لئے چاہے اس جیسا بدبخت کوئی اور نہ ہو گا۔ موت سے ڈرنے سے کیا فائدہ آخر اس نے ایک دن آ کر ہی رہنا ہے۔

مسئلہ: تمام امت کا اتفاق ہے کہ موت کا کوئی سن مقرر نہیں، نہ ہی میعاد متعین ہے۔ نہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ فلاں مرض میں موت ہے اور فلاں میں نہیں۔ یہ صرف اس لیے کہ مرد اس کی تیاری میں ہر وقت مستعد رہے۔

حکایت: ایک بزرگ ہمیشہ شہر کے قلعہ کے اردگرد چکر لگا کر کہتے تھے: **الرحیل الرحیل** (لوگو! موت کی تیاری کر لو) جب وہ فوت ہو گئے تو اس شہر کے امیر نے پوچھا اب اس بندہ خدا کی آواز نہیں آتی۔ لوگوں نے کہا: وہ فوت ہو گئے ہیں۔ امیر نے کہا: ؎

ما زال یلہج بالرحیل وذکرہ　　حتی اناخ ببابہ الجمال
فاصابہ متیقظا متشمرا　　فارعبۃ لم تلہہ الآمال

ترجمہ: ا: وہ بزرگ ہمیشہ کوچ کا اعلان کیا کرتے تھے آخر موت نے ان کے دروازے پر اونٹ لا کر بٹھا دیا۔

marfat.ocm

۲:۔ موت نے انکو بیدار اور جانے کے لئے بالکل تیار پایا کیونکہ انہوں نے پہلے ہی سے رختِ سفر باندھ رکھا تھا انہیں دنیا کی آرزوؤں نے غافل نہیں کیا تھا۔

بانگ طبلت نمی کند بیدار   تو مگر مردہ نہ در خوابی
تو چراغے نہادہ درراہ باد   خانہ درمر سیلابی

ترجمہ :

۱:۔ تجھے نقارہ کی آواز بیدار نہیں کرتی تو خواب میں نہیں بلکہ مردہ ہے۔ ۲:۔ تو نے ہوا کے راستہ چراغ رکھا ہوا ہے اور تیرا گھر سیلاب کی گزرگاہ میں ہے۔

سبق: موت کا آنا حق ہے اگرچہ طویل عمر ہی کیوں نہ گزرے آخرکار وہ آکر ہی رہے گی۔ کوئی اسے چاہے یا نہ چاہے۔

حکایت: شارح خطیب حضرت وہب بن منبہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت دانیال علیہ السلام ایک جنگل سے گزر رہے تھے کہ آواز آئی: **یا دانیال قف ترعجبا** (اے دانیال! ذرا ٹھہریئے ایک کرشمہ دیکھتے جایئے) دانیال علیہ السلام نے اِدھر اُدھر دیکھا مگر کچھ نظر نہ آیا۔ دوبارہ ندا آئی۔ دانیال علیہ السلام کہتے ہیں میں ٹھہر گیا اور دیکھا کہ ایک گھر سے مجھے کوئی بلا رہا ہے۔ میں اندر گیا تو دیکھا کہ ایک چارپائی موتیوں اور یاقوت سے مرصع ہے اور کچھ دکھائی نہیں دیتا چارپائی کے اوپر سے آواز آئی: اے دانیال! آپ عجیب معاملہ دیکھنے والے ہیں۔ میں چارپائی کے اوپر چڑھ گیا اور اس کے اوپر سنہری بستر بچھا ہوا پایا جو مشک اور عنبر سے پُر ہے اور اُس کے اوپر ایک نوجوان مرا پڑا ہے۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ آرام فرما رہا ہے۔ اس کے اوپر نہایت شاندار پوشاکیں اور زیورات تھے جن کا وصف بیان سے باہر ہے۔ اس کے بائیں ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی اور سر پر سونے کا تاج تھا اور کمر میں سبز رنگ کی ایک تلوار بندھی تھی۔ وہ کہنے لگا: ”اس تلوار کو اٹھایئے اور اس پر لکھی ہوئی عبارت پڑھیے“ میں نے دیکھا کہ اس پر یہ عبارت مرقوم ہے ”یہ تلوار صمصام بن عوج بن عنق بن عاد بن ارم کی ہے“ پھر کہا: میں نے ایک ہزار سات سو برس عمر پائی اور بارہ ہزار باکرہ عورتوں سے شادی کی اور چالیس ہزار شہر بنوائے۔ افسوس! کہ یہ زندگی ظلم و تشدد اور بے انصافی اور بے وقوفی سے گزری۔ میرے خزانے کی چابیاں چار سو خچر اٹھاتے اور دنیا کے بادشاہ مجھے خراج ادا کرتے اور میری شاہی میں کوئی میرا ہمسر نہ تھا۔ بنابریں میں نے ربوبیت کا دعویٰ

marfat.ocm

کر دیا۔ آج مجھے بھوک نے ستایا میں نے ایک ہزار موتی صرف جوار کے ایک دانہ کے عوض دے کر طلب کیا۔ لیکن افسوس کہ آج میں بھوک سے مر گیا ہوں۔ اے دنیا والو! میری موت سے نصیحت پکڑو۔ موت کو بکثرت یاد کرو۔ کسی دھوکے میں نہ رہو میری طرح مارے جاؤ گے۔ اب میرے اقارب میرے گناہوں کی ڈھال نہیں بن سکے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:۔

چوں ہمہ نیک وبد بباید مرد   خنک آنکس کہ گوئی نیک برد
برگ عیشے بگور خویش فرست   کس نیارد زپیش فرست

ترجمہ : ۱:۔ جب تمام نیک اور بروں نے مرنا ہے اسے مبارک جو نیکی کی گیند لے گیا۔ ۲:۔ عیش کا سامان اپنی قبر میں بھیج تیرے پیچھے اور کوئی نہ لائے گا تو اپنا سامان خود بھیج۔

غافل قلوب کا علاج :۔ پانچ باتوں سے ہوتا ہے :۱۔ وعظ و نصیحت ۔ ۲۔ تخویف ۔ ۳۔ ترغیب کی مجالس میں بیٹھنا، اولیاء اللہ کے واقعات سننا۔ اس طریق سے دل نرم پڑ جاتے ہیں اور شاغل الی اللہ ہو جاتے ہیں۔ ۴۔ موت کو بکثرت یاد کرنا کیونکہ اس سے نفس کی خواہشات مٹتی ہیں اس لیے موت کا کام بھی ہے کہ جماعتوں کو منتشر کرتی ہے اور بچوں کو یتیم کرتی ہے۔ ۵۔ جس کو سکرات جاری ہو اس کو دیکھنا۔ کیونکہ موت والے اور اس کی سکرات پر نگاہ ڈالنا نفس کی لذتوں کو ختم کرتا ہے اور دل کی خوشیوں کو بھگاتا ہے اور نیند کو دفع کرتا ہے اور خوشی کو دور کرتا ہے نیک عمل کے لئے برانگیختہ کرتا ہے اور موت کے لئے تیار رہتا ہے کیونکہ یہ کیفیت بھی عجیب ہے۔

حکایت : حضرت کعب سے پوچھا گیا کہ آپ موت کی کیفیت بتایئے۔ آپ نے فرمایا کہ موت ایسے ہے جیسے کانٹا انسان کے پیٹ میں دیا جائے پھر ہر کانٹے کے ساتھ ایک ایک کر کے آنتوں کو اس طرح نکالا جائے کہ انہیں سختی سے ایک بڑے زور والا آدمی کھینچے۔ اب خود اندازہ لگایئے کہ انسان کی اس وقت حالت کیا ہوگی۔ حدیث شریف میں ہے کہ اگر میت کا درد صرف بال برابر اھل السمٰوٰت والارض پر رکھا جائے تو اس کی سختی سے سب مر جائیں۔ قیامت میں ستر قسم کے درد ہوں گے۔ ان میں سب سے معمولی کی یہ کیفیت ہے کہ سکرات موت کے درد سے ستر گناہ زیادہ ہوں گے۔

marfat.ocm

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ

تم فرمادو جو کوئی جبریل کا دشمن ہو تو اس (جبریل) نے تو تمہارے دل پر اللہ کے حکم سے

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾ مَنْ

یہ قرآن اتارا اگلی کتابوں کی تصدیق فرماتا اور ہدایت و بشارت مسلمانوں کو

كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ

جو کوئی دشمن ہو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبریل اور میکائیل کا تو اللہ دشمن ہے

عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا

کافروں کو اور بیشک ہم نے تمہاری طرف روشن آیتیں اتاریں اور ان کے منکر نہ ہوں گے مگر

الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ؕ بَلْ

فاسق لوگ اور کیا جب کبھی کوئی عہد کرتے ہیں ان کا ایک فریق اسے پھینک دیتا ہے بلکہ

اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ

ان میں بہتیروں کو ایمان نہیں اور جب ان کے پاس تشریف لایا اللہ کے یہاں سے ایک رسول ان کی کتابوں کی

لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ

تصدیق فرماتا تو کتاب والوں سے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب اپنے پیٹھ پیچھے پھینک دی گویا وہ کچھ علم

ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ

ہی نہیں رکھتے اور اس کے پیرو ہوئے جو شیطان پڑھا کرتے تھے

عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا

سلطنت سلیمان کے زمانہ میں اور سلیمان نے کفر نہ کیا ہاں شیطان کافر ہوئے

يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ق وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ

لوگوں کو جادو سکھاتے اور وہ (جادو) جو بابل میں دو فرشتوں

هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ط وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ

ہاروت و ماروت پر اترا اور وہ دونوں کسی کو کچھ نہ سکھاتے جب تک یہ نہ کہہ لیتے کہ ہم تو نری

فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ط فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ط

آزمائش ہیں تو اپنا ایمان نہ کھو تو ان سے سیکھتے وہ جس سے جدائی ڈالیں مرد اور اس کی عورت میں

وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ط وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ

اور اس سے ضرر نہیں پہنچا سکتے کسی کو مگر خدا کے حکم سے اور وہ سیکھتے ہیں جو انہیں نقصان دے گا

وَلَا يَنْفَعُهُمْ ط وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ

نفع نہ دے گا اور بیشک ضرور انہیں معلوم ہے کہ جس نے یہ سودا لیا اور آخرت میں اسکا کچھ حصہ نہیں

خَلَاقٍ ط قف وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ط لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠٢﴾

اور بیشک کیا بری چیز ہے وہ جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانیں بیچیں کسی طرح انہیں علم ہوتا

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ط لَوْ كَانُوْا

اور اگر وہ ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو اللہ کے یہاں کا ثواب بہت اچھا ہے کسی طرح

يَعْلَمُوْنَ ع ﴿١٠٣﴾

انہیں علم ہوتا۔

تفسیر عالمانہ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ شانِ نزول: جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو ابن صوریا یہودی نے (جو فدک میں رہتا تھا) حاضر ہو کر عرض کی:

marfat.ocm

”اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی نیند کیسی ہے کیونکہ ہمیں علم دیا گیا ہے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی نیندیوں ہوگی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میری آنکھیں نیند کرتی ہیں لیکن دل بیدار ہوتا ہے“

اس نے کہا: ”صَدَقْتَ“ پھر پوچھا: ”فرمائیے بچہ باپ سے ہوتا ہے یا ماں سے“ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ہڈیاں، عصب، عروق باپ سے ہوتے ہیں اور خون، گوشت، ناخن، بال ماں سے ہوتے ہیں“ اس نے کہا: ”صَدَقْتَ“ پھر پوچھا: کیا وجہ ہے کہ بچہ کبھی اپنے چچاؤں کے مشابہ ہوتا ہے جس میں اخوال (ماموں) کی کوئی علامت بھی اس میں نہیں ہوتی اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس میں ماموں کی مشابہت تو ہوتی ہے لیکن چچا صاحبان کی کوئی ایک علامت بھی نہیں ہوتی“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس کا پانی غالب ہوگیا اسی سے مشابہت ہوگی“ اس نے کہا: ”صَدَقْتَ“ اور اس طعام کے متعلق پوچھا جو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے لیے حرام قرار دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یعقوب علیہ السلام سخت بیمار ہوئے تو آپ نے منت مانی کہ اگر مجھے اللہ تعالیٰ شفا دے تو میں اپنے لیے اپنا محبوب ترین طعام (اونٹ کا گوشت) اور محبوب ترین مشروب (اونٹنی کا دودھ) حرام قرار دوں گا۔ اس نے کہا: ”صَدَقْتَ یَا مُحَمَّدُ“ پھر پوچھا کہ بہشت میں سب سے پہلے کون کونسا طعام ملے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مچھلی“ اس نے کہا: ”صَدَقْتَ“ اس نے کہا: ”باقی صرف ایک سوال رہ گیا ہے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا صحیح جواب دے دیا تو میں آپ پر ایمان لے آؤں گا اور آپ کی فرمانبرداری بھی کروں گا۔ وہ یہ کہ آپ کے پاس کونسا فرشتہ آتا ہے جو کہ عرض کرتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”وہ جبریل علیہ السلام ہیں“ اس نے کہا: وہ تو ہمارا دشمن ہے کیونکہ عذاب کا فرشتہ ہے جو قتال وعذاب اور کشتیوں کے ٹوٹنے اور تکالیف کے احکام نازل کرتا ہے ہمارے احکام لانے والا فرشتہ تو حضرت میکائیل علیہ السلام ہے کیونکہ وہ رحمت کا فرشتہ ہے جو برسات اور خوشخبریاں اور فراخی رزق کے احکام نازل فرماتا ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کب سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی تمہارے ساتھ عداوت شروع ہوئی۔

اس نے کہا: اس نے تو کئی بار ہمارے ساتھ دشمنی کی اور ہم سے سخت عداوت رکھتا ہے۔ چنانچہ ہمارے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم سنایا کہ بیت المقدس ایک مرد کے زمانہ میں خراب ہوگا جس کا نام بخت نصر ہے۔

پھر جب اس کی خرابی کا وقت آیا تب بھی ہمیں بتایا جب اس نے خرابی کی خبر دی تو ہم نے اپنے بنی اسرائیل میں سے ایک بہادر آدمی اس کی طلب میں بھیجا تو وہ اس کی طلب میں بابل پہنچا تو وہاں ایک لڑکا پایا جو نہایت کمزور تھا اس نے اسے پکڑ کر مارنے کا ارادہ کیا تو اسے جبریل علیہ السلام نے روکا اور کہا اگر اس کریم نے اسی کو تمہاری ہلاکت کے لئے مسلط کیا ہے تو تم اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے اور اگر یہ نہیں ہے تو پھر بلا وجہ کیوں مارتے ہو۔ تو ہمارے فرستادہ اس بات کو مان کر واپس آئے اور بخت نصر جوان ہوا اور بادشاہ بن کر ہمارے ساتھ لڑا اور بیت المقدس کو خراب کر ڈالا اور ہمارا قتال کیا۔ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اسے نبوت کے لئے حکم فرمایا کہ بنی اسرائیل کو دے تو اس نے ہماری بجائے کسی اور دیدی۔ اس وجہ سے ہم اسے دشمن سمجھتے ہیں۔ علاوہ ازیں میکائیل علیہ السلام بھی اس کے دشمن ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جیسے تم کہتے ہو ایسے نہیں ہے وہ تو ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ تم حمیر سے زیادہ کافر اور ایک اگر دوسرے کا دشمن ہے تو وہ ضرور اس کا دشمن ہوگا اور جوان دونوں کا دشمن ہے وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے اس پر یہ آیات نازل ہوئیں: مَنْ کَانَ الخ میں مَنْ کا جواب محذوف ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی: ای من عادیٰ جبریل من اهل الکتاب الخ یعنی جو اہل کتاب یہود میں سے حضرت جبریل علیہ السلام کا دشمن ہے تو اس کی دشمنی کی کوئی وجہ نہیں کہ بلکہ اس کی محبت واجب ہے۔

فَاِنَّہٗ پس جبریل علیہ السلام نے قرآن کو نازل کیا۔ قرآن کو مضمر کر کے بیان کیا اس کی کمال شہرت کی وجہ سے عَلٰی قَلْبِکَ تمہارے دل پر۔ تنزیل کی زیادہ تقریر اور محل وحی کا بیان ہے کیونکہ وہ وحی کا سب سے پہلے قبول کرنے والا ہے اور حفظ وفہم کا مرکز ہے۔ یعنی اس نے آپ کو یاد کر کے سنایا اور سمجھایا کہ کلام کا حق یہ ہے کہ عَلٰی قَلْبِکَ کے بجائے عَلٰی قَلْبِیْ ہونا چاہیے تھا۔ لیکن چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی حکایتِ کلام واقع ہوا تو وہ جس طرح کلام کرے گا ویسے ہی بیان ہوگا کیونکہ نقل میں عبارت کا بعینہٖ آنا مضمون میں زیادتی کا موجب ہوتا ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ کَمَا تَکَلَّمْتُ الخ۔ یعنی آپ وہ بیان فرمایئے جو میں نے فرمایا ہے کہ اس نے آپ کے قلب انور پر اتارا۔ بِاِذْنِ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کے امر وتیسیر سے۔ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ جو کتابیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے نازل ہوئیں ان کے موافق ہے۔ توحید اور بعض شرائع کے بیان میں یہ نَزَّلَہٗ کی ضمیر مفعول

marfat.ocm

سے حال ہے۔ وَھُدًی دین حق کی طرف ہادی ہے۔ وَبُشْرٰی اور جنت کی خوشخبری دینے والا ہے۔ لِلْمُؤْمِنِیْنَ اہل ایمان کے لئے۔ اس بنا پر اس کی دشمنی کی کوئی وجہ نہیں بلکہ اگر انصاف کریں تو اسے محبوب سمجھیں بلکہ اس انزال کتب سے (جو ان کے لئے نفع بخش اور ان کے نازل شدہ احکام کا مصحح ہے) کا شکریہ ادا کریں بعد ازاں شرط و جزاء کی تعمیم سے تردید فرمائی کہ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ جو اللہ کے امر کا بوجہ عناد کے مخالف اور بوجہ مکابرہ کے اس کی اطاعت سے خارج ہے۔ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ ان دونوں کو علیحدہ ان کے افضل شان کے اظہار کی وجہ سے بیان فرمایا گیا گویا وہ کسی اور جنس سے ہیں۔ جو دوسرے ملائکہ سے افضل ہیں کبھی تغایر فی الاوصاف تغایر فی الجنس کا سبب بن جاتا ہے۔ یہاں بھی ایسے ہی ہے۔

ف: حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ جبر و میک و اسراف سریانی لغت میں بمعنی عبد ہیں اور ایل اور آئیل اللہ تعالیٰ کو کہتے ہیں۔ اب معنیٰ ہوا: عبداللہ یا عبدالرحمٰن۔

فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ شرط کا جواب ہے اور فَاِنَّهٗ نہیں فرمایا تا کہ اس ضمیر کے متعلق وہم نہ ہو کہ اس کا مرجع جبریل و مکائیل ہیں۔ لِلْكٰفِرِيْنَ یعنی اللہ تعالیٰ ان کا دشمن ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ جو ان کو دشمن رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے دشمن رکھتا ہے انہیں سخت عذاب میں مبتلا کرے گا۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن صوریا نے کہا: آپ کونسی چیز لائے ہیں کہ جس سے ہم اسے پہچانیں؟ اور آپ کے پاس کونسی دلیل ہے کہ جس پر ہم آپ کی فرمانبرداری کریں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ واضح دلیلیں جو معانی اور اس بات پر دلالت کرنے والی ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اور ان آیات کے ساتھ جو حلال و حرام کو واضح کرنے والی اور حدود و احکام کی تفصیل کرنے والی ہیں ان کے کفر سے نہیں کرتا اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ مگر معرد دین الکفر اور خارجین عن الحدود۔ کیونکہ جو شخص اہل کتاب کی طرف ہو۔ حضرت حسن فرماتے ہیں وہ جب فسق معاصی کے کسی نوع میں استعمال ہو تو اس کے بڑے نوع کفر وغیرہ پر واقع ہوا کرتا ہے۔

ف: قرآن پاک ایک نور الٰہی ہے۔ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے تاریکیوں کو دور فرمایا۔ یہود اسے بجھانا چاہتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے نور کو مکمل کرنے والا ہے۔ اس میں انہیں سوائے رسوائی اور شرمساری کے کچھ حاصل نہیں

marfat.ocm

ہوتا۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے لوگ اندھیری رات میں حمام میں داخل ہوں اور اس میں اچھے بھی ہوں اور برے بھی۔ اس کے بعد کوئی شخص روشن چراغ لے آئے تو اس کے بجھانے کے لئے سوائے اہلِ عیوب کے کوئی عجلت نہیں کرے گا اس خطرہ پر کہ ان کے عیوب ظاہر نہ ہوں اور نہ اسے خرابی کا نشانہ بننا پڑے۔

شمع درخشندہ دراں جمع نخواہند کہ تا　　عیب شاں در شب تاریک بماند مستور
وائے آں وقتیکہ روشن شود ایں راز چو روز　　پردہ بر خود ایں باید بظہور

ترجمہ: ۱۔ روشن شمع میں نہیں آئیں گے اس لیے کہ ان کے عیوب اندھیری رات میں پوشیدہ رہتے ہیں۔
۲۔ افسوس اس وقت ہوگا جب یہ پوشیدہ رازوں کی روشنی کی طرح روشن ہوگا پردہ اٹھے گا تو یہ ظاہر ہو جائے گا۔

اَوَ ہمزہ انکار کے لئے ہے اور باقتضائے کلام مقدر فعل پر عطف ہے۔ یعنی اکفروا بالآیات البیّنات (کیا کفر کرتے ہیں ان آیات بینات کے ساتھ جو نہایت واضح ہیں) كُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا یہ مفعول مطلق ہے۔ فعل عٰهَدُوْا کی تاکید کے لئے واقع ہوا ہے۔ نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ انہوں نے عہد کو توڑ ڈالا۔

ف: فریق طائفہ کو کہتے ہیں جو قلیل و کثیر کو شامل ہوتا ہے۔ نَبَذَ کا اسناد بعض کی طرف اس لیے ہے کہ ان میں بعض نے عہد نہیں توڑا تھا۔

بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ بلکہ ان کے اکثر تورات پر ایمان نہیں رکھتے اور وہ دین میں سے کوئی شئے نہیں اس لیے عہد کے توڑنے کو گناہ نہیں سمجھتے اور نہ ہی اس کی پرواہ کرتے ہیں اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو وہم کرتے ہیں کہ عہد توڑنے والے تھوڑے تھے۔ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ جب ان کے ہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ اللہ کی طرف سے۔ جَآءَ کے متعلق ہے۔ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ان کی کتاب تورات کی تصدیق فرماتے ہیں۔ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اہل کتاب کے ایک گروہ نے کتاب کو پھینک مارا۔ کتاب سے مراد تورات ہے۔ كِتٰبَ اللّٰهِ، نَبَذَ کا مفعول ہے یعنی وہ شئے جو ان کو عطا ہوئی ہے۔ یعنی تورات۔ کیونکہ جب انہوں نے رسول علیہ السلام سے کفر کیا جو ان کی تورات کا مصدق ہے تو گویا انہوں نے تورات کو چھوڑا۔ باوجودیکہ اس میں موجود تھا کہ سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور وہ یہ بھی

marfat.ocm

جانتے تھے کہ واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تشریف لائے ہیں وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ عناد کی وجہ سے تورات کو پسِ پشت ڈال دیتے ہیں اور انہیں اس کا علم بھی نہیں ہوتا۔ اس کے تارک اور روگردان کی مثال اس کے ساتھ دی جو کسی چیز کو اس کی لاپرواہی کی وجہ سے اور اس سے روگردانی کرتے ہوئے پس پشت ڈال دیا جائے۔

كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ جملہ حالیہ ہے یعنی اسے پسِ پشت ڈالا ان کا یہ حال تھا کہ انہیں اس کے ساتھ مشابہت تھی جو نہ جانتا ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔

ف: یہود کے چار گروہ تھے:

۱۔ تورات پر ایمان والے اور اس کے حقوق پر پابندی کرنے والے جیسے مومنین اہل کتاب، وہ بہت تھوڑے تھے جس کا اشارہ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ میں ہوا۔

۲۔ کھلم کھلا عہد کو توڑ کر متمرد اور فاسق ہوئے نَبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ سے یہی گروہ مراد ہے۔

۳۔ کھلم کھلا عہد کو توڑا لیکن بوجہ جہالت یہی اکثر و بیشتر تھے۔

۴۔ تورات پر بظاہر تو عمل کیا لیکن خفیہ طور پر عہد توڑتے رہے۔ اپنے کو متجاہل کہتے ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ جو شخص جاہلوں جیسا عمل کرے اور باوجود جاننے کے عمداً خلاف کرے تو اسے بھی جاہلوں میں سے سمجھا جاتا ہے یہی اور جاہل رتبہ میں برابر ہیں۔ جیسے جاہل سے نیکی کا ظہور مشکل ہے اسی طرح عالم بے عمل سے بھی خیر کی امید نہیں کرنی چاہیے۔

اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ زبانی واعظ کا کلام ضائع ہے اور قلبی واعظ کا تیر چلنے والا ہے۔ پہلے مراد عالم بے عمل ہے اور دوسرے سے مراد عالم باعمل ہے کہ جس کا کلام دل پر اثر کرتا ہے اور اس کی بات حکمت و عبرت و فکر انگیز ہوتی ہے۔ عاقل کے لئے ضروری ہے کہ ذوالجلال کی گرفت کے خوف سے فرمانبرداری کی طرف جلدی کرے۔

ف: ندامت چار قسم ہے۔

۱۔ ندامت یومی، یعنی وہ شخص جو گھر سے بغیر کھائے پئے نکلے۔

۲۔ ندامت سال بھر، یعنی وہ شخص جو موقع پر کھیتی نہ کرسکے۔

marfat.ocm

۳۔ندامت عمر بھر، یعنی وہ شخص جو اپنی غیر مواقع عورت سے بیاہ کرے۔

۴۔ندامت ابدی، یعنی وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے فرمان پر نہ چلے۔

ف: تریاق ظاہر کا کتاب سے مطالعہ کرنا باطل کی زہر کو دور نہیں کرتا، بلکہ اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شخص بیمار ہوا اور طب کی کتابوں کو صرف لکھتا رہے تو بیکار ہے جب تک علاج نہ کرے گا ادویہ کا محض دیکھنا کسی کام کا نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا۔ یعنی اس کے اوامر پر عمل فرماتے اور اس کے نواہی سے بچتے۔

ف: علوم ظاہری پر عمل کرنا ناممکن ہے جب تک چار مراتب حاصل نہ ہوں۔ مثلاً علم ظاہری سے یہ جانے کہ زانی کا حکم رجم وجلا وطنی ہے۔ لیکن بایں معنیٰ کہ جو انسان کے اندر ایک ایسی فطرت بھی ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان جماع، زنا میں مشغول ہو دانا لوگ سرے سے اس بری خصلت کو ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح کھانے پینے کے متعلق سمجھے کہ انسان میں کھانے پینے کا بھی ایک محل ہے سمجھدار آدمی اس پر محل پر قابو پاتا ہے جس سے اسے خواہشات پریشان نہیں کرتیں۔ انسان کتنا ہی بڑا عالم کیوں نہ ہو اور ماہر فی الفنون ہو۔ سب کچھ ہو لیکن جب تک اپنے علم پر عمل نہ کرے اس سے اس کا جہل بہتر ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

حَفِظْتَ شَیْئًا وَّغَابَتْ عَنْکَ اَشْیَاءُ

(تو نے ایک شے کو تو قابو کر لیا لیکن بہت سی تجھ سے نکل گئیں)

حکایت: نصیر الدین طوسی ولی اللہ کی خدمت میں زیارت کے لئے حاضر ہوا ان کی خدمت میں عرض کیا گیا: یہ بہت بڑے عالم ہیں جن کا نام نصیر الدین طوسی ہے۔ ولی اللہ نے پوچھا: ان کا کیا کمال ہے؟ لوگوں نے کہا: نجوم میں اپنی نظیر آپ ہیں۔ ولی اللہ نے فرمایا: سفید گدھا اس سے زیادہ عالم ہے۔ طوسی سن کر لوٹ آیا۔ ان کی مجلس میں بیٹھنا بھی گوارہ نہ کیا۔ آئندہ شب آٹے کی چکی کے دروازے پر شب باشی کا اتفاق ہوا آٹا پینے والے نے کہا: مولانا گھر کے اندر تشریف لائیے اگر آپ نے دروازہ بند نہ کیا تو آپ کو برسات گھیر لے گی۔ مولانا نے اس سے پوچھا: بھائی! تجھے کیسے معلوم ہوا ہے؟ اس نے کہا: میرا ایک سفید گدھا ہے جب وہ اپنی دم آسمان کی طرف تین بار ہلاتا ہے تو بارش نہیں ہوتی اور جب زمین کی طرف ہلاتا ہے تو بارش ہو جاتی ہے۔ جب

طوسی نے سنا تو اپنے عجز کا اعتراف کرتے ہوئے ولی اللہ کی تصدیق کی اور ان کے متعلق رنج وغصہ زائل ہو گیا۔

حکایت: ایک ولی اللہ نے ابنِ سینا سے فرمایا: تو نے اپنی عمر علومِ عقلیہ میں ضائع کر دی بتایئے تو اس وقت تک کس مرتبہ کو پہنچا ہے؟ اس نے کہا: ہاں مجھے ایک گھڑی معلوم ہوئی ہے جس میں لوہا مٹی ہو جاتا ہے۔ ولی اللہ نے فرمایا: اس گھڑی کے متعلق مجھے بتایئے۔ جب وہ وقت آیا تو خبر دیتے ہوئے لوہے میں انگلی دبا دی۔ انگلی اس کے اندر دھنس گئی۔ وہ گھڑی گزرنے کے بعد ولی اللہ نے فرمایا: اب بھی انگلی لوہے کے اندر دبائی جا سکتی ہے؟ اس نے کہا: نہیں، کیونکہ وہ اس گھڑی کی خصوصیات سے ہے اب تو کوئی امکان نہیں۔ ولی اللہ نے لوہا پکڑا اور اپنی انگلی اس میں دبا دی۔

سبق: عاقل کے لئے ضروری ہے کہ اپنی عمر مٹنے والی اشیاء میں ضائع نہ کرے۔ جیسا کہ ابن سینا نے طریقِ وصول میں استقلال العقل کا دعویٰ کیا تو وہ نار کا مستحق بنا۔

اسی طرح یہود (اللہ ان کو رسوا کرے) نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے روگردانی کی اور استقلال کا دعویٰ کیا جس کی وجہ سے نقصان وخسارا میں پڑے اور رجہل وکفر کی ظلمت میں رہے۔ مثنوی شریف میں ہے:

اے کہ اندر چشمہ شوراست جات　　تو چہ دانی شط جیحون وفرات
وائے آنکہ زندہ کہ بامردہ نشست　　مردہ گشت وزندگی ازوے برست

ترجمہ: اے فلاں! چشمہ شور میں تیری جگہ ہے تو کیا جانے کہ شط جیحون وفرات کیا ہیں۔
۲۔ اس زندہ پر افسوس کہ مردہ کی صحبت میں بیٹھ کر مردہ ہو گیا اور اس سے زندگی چلی گئی۔

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ یہود نے کتاب اللہ کو پس پشت ڈالا اور جادوگروں کی کتابوں کی فرمانبرداری کی جنہیں شیاطین پڑھتے اور عمل کرتے۔ **شیٰطین** سے مراد سرکش جن ہیں۔ **تَتْلُوا** ماضی حال کی حکایت ہے اور اتباع سے مراد محل وتحفظ اور اس کی طرف اچھی طرح متوجہ ہونا مراد ہے۔ **عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ** ان کے ملک کے زمانہ میں، یہاں پر مضاف محذوف ہے اور **عَلٰى** بمعنیٰ **فِی** ہے۔

marfat.ocm

حضرت سُدی فرماتے ہیں کہ شیاطین آسمان کی طرف چڑھ جاتے تھے تو ملائکہ کی وہ باتیں سن لیتے جو زمین پر موت وغیرہ سے متعلق واقعات ہونے والے ہوتے۔ پھر جادوگروں کے پاس آ کر سنی ہوئی ایک ایک بات کے ساتھ ستر جھوٹ ملا لیتے اور خبر دیتے۔ ان باتوں کو لوگ لکھ لیتے۔ بنی اسرائیل میں مشہور ہو گیا کہ جنات غیب جانتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے لوگوں کے ذریعہ وہ کتابیں جمع فرمائیں اور ایک صندوق میں بند کر کے کرسی کے نیچے دفن کر دیں اور فرمایا: میں آئندہ کسی سے یہ نہ سننے پاؤں کہ جنات غیب جانتے ہیں۔ جو یہ کہے گا اس کی گردن مار دوں گا۔ پھر جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا وصال ہو گیا اور دیگر متعدد علماء بھی خدا کو پیارے ہو گئے جو سلیمان علیہ السلام کے فرمان اور کتابوں کے دفن کے مقام کو جانتے تھے۔ صرف نا اہل لوگ باقی رہ گئے تو شیطان بصورتِ انسان کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ کیا میں تمہیں ایسے خزانے کی نشان دہی نہ کروں جو تم ہمیشہ کھاتے رہو تب بھی ختم نہ ہو؟ انہوں نے کہا: ضرور، ہمیں اور کیا چاہیے۔ اس نے کہا: کرسی کے نیچے سے کھودو۔ وہ خود بھی ساتھ تھا انہیں وہ جگہ دکھا دی اور خود دور کھڑا رہا۔ انہوں نے کہا: آپ بھی ہمارے قریب آ جائیے۔ اس نے کہا: نہیں، میں یہیں ٹھہرتا ہوں اور تم گڑھا کھودو اگر وہ خزانہ نہ ملے تو بیشک میرا سر تن سے جدا کر دینا۔ اس کے خود قریب نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اگر کوئی شیطان اس کرسی کے قریب ہوتا تو جل جاتا۔ چنانچہ اس کے حکم کے مطابق گڑھا کھودا گیا اور اس میں وہ کتابیں نکال لی گئیں۔ شیطان نے کہا: سلیمان علیہ السلام جن وانس وشیطان و پرندوں کو انہی کتابوں کے ذریعے قابو کر لیتے تھے۔ بعد ازاں یہ بات کہہ کر شیطان اڑ گیا اور لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ سلیمان علیہ السلام جادوگر تھے۔

بنی اسرائیل نے یہ کتابیں لے لیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہود میں اکثر جادو پایا جاتا ہے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی برأت فرمائی: اِتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ۔

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ سلیمان علیہ السلام سحر کے علم سے کافر نہیں تھے یعنی وہ ساحر نہیں تھے۔ ساحر کافر ہوتا ہے۔ جادو کو تاکیداً کفر کرنے کی وجہ یہی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نہایت پاکیزہ انسان تھے انہیں کفر سے کیا واسطہ!

یہ سب کذب بیانی یہود کی ہے۔ وَلٰکِنَّ الشَّیٰطِیْنَ کَفَرُوْا لیکن شیاطین جادو کے استعمال اور اس کی تعلیم وتدوین کی وجہ سے کافر ہوئے۔ یُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ انہوں نے کفر کیا اس لحاظ سے یہ وہ لوگوں کو اغواء وضلالت کے لئے سکھاتے تھے۔ مروی ہے کہ سحر شیطان کا استخراج ہے اس لیے کہ شیطان کا جوہر لطیف ہے اور فہم وذکاء دقیق وَمَآ اور سکھاتے تھے لوگوں کو وہ اُنْزِلَ عَلَی الْمَلَکَیْنِ دو فرشتوں پر نازل کیا گیا۔ یعنی جو انہیں الہام سے معلوم ہوا۔ یعنی علمِ سحر۔ وہ دونوں لوگوں کے امتحان کے لئے اتر کر جادو سکھانے آئے جو بھی اسے سیکھتا اور عمل کرتا تو وہ کافر ہو جاتا اور جو اس کو سیکھ کر کنارہ کش ہوتا یا سیکھ تو لیتا اور اس پر عمل پیرا نہ ہوتا اور اس سے بچتا تو وہ مومن ہوتا۔

عَرَفْتُ الشَّرَّ لَا لِلشَّرِّ وَلٰكِنْ لِلتَّوَقِّيَةِ

(میں شر کو شر کی خاطر نہیں بلکہ بچاؤ کی خاطر سیکھتا ہوں)

مسئلہ : اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کاہن کے پاس آئے صرف بطور امتحان اس سے سوال کرے تا کہ اس کے متعلق معلومات حاصل کر کے صدق وکذب کی تہ تک پہنچے تو یہ جائز ہے۔

ف: امام فخر الدین فرماتے ہیں کہ ان کے نازل کرنے میں ایک حکمت یہ تھی کہ جادوگر شیطان سے باتیں چرا لیتے پھر جو کچھ سنتے اس میں خلط ملط کر کے لوگوں کو سناتے۔ یہ وحی نازل علی الانبیاء پر اشتباہ کا سبب بن گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان دو فرشتوں کو نازل کیا تا کہ لوگوں کو جادو کی کیفیات سکھائیں تا کہ انہیں جادو اور اللہ تعالیٰ کے کلام میں فرق معلوم ہو۔

بِبَابِلَ باء بمعنی فِی ہے۔ اُنْزِلَ کے ساتھ یا محذوف سے متعلق ہے۔ الْمَلَکَیْنِ سے حال ہے۔ اس بابل سے مراد عراق یا بابل ارض کوفہ مراد ہے۔

اس کا غیر منصرف ہونا عجمیت اور علمیت کی وجہ سے ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ میں قولِ حسن یہ ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام جودی پہاڑ سے نیچے اترے تو آپ نے ایک گاؤں تیار کرایا جس کا نام ثمانین رکھا۔ ایک دن اٹھے تو ان کی اسی بولیاں ہوگئیں۔ ان میں سے ایک لغتِ عربی تھی اور وہ ایک دوسرے کی بولی نہ سمجھتے تھے۔ (کذا فی القرطبی) گویا یہ تبلبل "بمعنی مختلف ہونا ہے۔ ھَارُوْتَ وَمَارُوْتَ، الْمَلَکَیْنِ سے عطف بیان ہے۔ یہ ان دونوں فرشتوں کا نام ہے اور ان کا منع صرف ہونا عجمیت اور علمیت کی وجہ سے ہے ہاروت و ماروت کے متعلق بہترین

توضیح ان کے متعلق جو مشہور ہے کہ (معاذ اللہ) انہوں نے شراب پی اور خونریزی کی اور زنا کیا اور ایک شخص کو قتل کیا اور بت کو بھی سجدہ کیا۔ یہ بات قابلِ اعتماد نہیں کیونکہ اس کا دارومدار یہود کی روایت پر ہے۔ علاوہ ازیں دلائلِ عقلیہ ونقلیہ کے بھی خلاف ہے۔

تفسیر صوفیانہ

یہ مقولہ امثال اور موز سے ہے جس میں دانا اور سمجھدار کے لئے ارشاد کی خاطر ترغیب و ترتیب کی گئی ہے اس لیے کہ اَلْمَلَکَیْنِ سے عقل نظری اور علمی مراد ہے اور زہرہ عورت سے نفسِ ناطقہ مراد ہے۔ نشاۃِ اولیٰ میں ظاہر ہے کہ یہ دونوں اس کی تعلیم کے لئے معترض ہوتے ہیں جو نشاۃِ ثانیہ میں اس کی استعداد ہے۔ لیکن وہ نفس انہیں گناہ کی طرف رغبت دلاتا ہے اپنی اصلی عادت کے مطابق جو کہ اس کا تقاضا ہے کہ وہ ہمیشہ ردی امور کی طرف جائے اور آسمان کی طرف اس کا اڑ جانا اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ نفس جب ان دونوں سے کچھ سیکھ لیتا ہے تو وہ ملأ الاعلیٰ کی جماعت سے مل جاتا ہے کیونکہ وہ قدوسین کے اوصاف سے موصوف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بعض صوفیہ کرام نے فرمایا ہے۔

ہاروت وماروت کے متعلق صاحب روح البیان کا نظریہ:۔

ان مجلس کا جامع فقیر کاتب الحروف (حقی) عرض کرتا ہے کہ میں نے بڑی بڑی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے خواہ وہ صوفیہ کرام ہوں یا اہلِ شرع، سب اس بات پر متفق ہیں کہ ہاروت وماروت کا واقعہ درست ہے۔ پھر یہ بات دور ہے کہ تمام لوگ یہود کے غلط نظریہ پر اتفاق کریں۔ ہاں میرا نظریہ اس میں یہ ہے کہ ان سے عصیان کا وقوع ممکن ہے۔ اگرچہ بالتکلف ان کی فطرت میں طاعت ہے۔ جیسے انسان کی فطرۃ عصیان ہے لیکن اس سے نیکی بالتکلف ہوتی ہے دلیل اس کی یہی آیات ذیل ہیں جنہیں جمہور نے بیان کیا ہے۔

یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ (وہ رات دن اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اور وہ اس سے تھکتے نہیں)

اور فرمایا: وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ (اور وہی عمل کرتے ہیں جس کا انہیں حکم ہوا ہے) دیکھئے ان سے گناہ کا سرزد ہونا ممکن نہ ہوتا تو ان کی مدح کیوں ہوتی۔ مدح تو اس فعل پر ہوتی ہے جس کا کرنا ممتنع نہ ہو۔ (کذا فی التیسیر)

شانِ نزول:۔ قطع نظر اس کے شانِ نزول سے بھی یونہی معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ ادریس علیہ السلام کے زمانے میں جب ملائکہ کرام نے بنی آدم پر عار کا اظہار کیا کہ یہ لوگ گناہ زیادہ کرتے ہیں اور نیکی کم۔ پھر ان

کے درجات بھی جلد بلند ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر تم ان کی جگہ ہوتے اور تمہارے اندر بھی ان کی طرح شہوات ہوتے تو تم سے بھی گناہ سرزد ہوتے۔ فرشتوں نے کہا: نہیں یارب! ہرگز نہیں ہم سے ایسا ہونا غیر متوقع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم اپنے سے اپنی پسند کے دو فرشتے لو جنہیں میں زمین پر بھیج دوں۔ انہوں نے ہاروت و ماروت کو چنا۔ یہ دونوں تمام فرشتوں سے زیادہ نیک اور عبادت گزار تھے۔ ان دونوں کو بشری خواہش دے کر زمین پر اتارا گیا پھر اس نے وہی کچھ سرزد ہوا جو ان کے بارے میں مشہور ہے اور یہ کوئی بعید بھی نہیں۔ ویسے فرشتوں کا زمین پر اترنا گناہ کے لئے نہیں جب تک ان میں بشری تقاضے پیدا نہ کیے جائیں۔ ابلیس میں شہوت کا مادہ رکھا گیا ہے اور اس کی ضروریات میں بھی۔ لیکن اس کے باوجود اس کا ملائکہ میں شمار ہوتا ہے جیسے کہ بعض کا قول ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ شہوات اس میں اس وقت رکھی گئی جبکہ اس کا نام فرشتوں سے کاٹا گیا۔ اسی اعتبار سے جائز ہے کہ ہاروت اور ماروت میں زمین پر اتارتے وقت شہوت رکھی گئی ہوتا کہ ان میں ترکیب بشریت کا مادہ پایا جائے اور ان کا امتحان لیا جا سکے۔

ف: آکام المرجان میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان، فرشتہ اور جن میں فرق رکھا ہے صورت میں بھی اور شکل میں بھی۔ یہاں تک کہ اگر فرشتے کو انسان کی صورت میں تبدیل کر دے تو ملکیت سے خارج ہو جاتا ہے۔ اسی طرح شیطان کو انسان کی صورت میں تبدیل کر دے تو وہ شیطانیت سے خارج ہو جائے گا۔

حکایت: ہاروت و ماروت سے جب غلطی سرزد ہوئی تو حضرت ادریس علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ان کے متعلق سفارش کی کہ ان کے لئے تخفیف کی جائے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان سے پوچھئے کہ آخرت اور دنیا کے عذاب سے جسے چاہیں انہیں دیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں دنیا کا عذاب دیا جائے کیونکہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے کم تر ہے۔ چنانچہ اب وہ بابل کے ایک کنوئیں میں لٹکے ہوئے ہیں اور ان کو ان کے بالوں سے لٹکایا گیا اور انہیں قیامت تک ایسے ہی رکھا جائے گا۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کنوئیں کو آگ سے بھر دیا گیا ہے پھر اس میں ان کو لٹکایا گیا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ انہیں الٹا لٹکایا گیا ہے ان کی زبان اور پانی کے درمیان چار انگل کا فاصلہ ہے اس طرح وہ پیاس کے عذاب میں مبتلا کیے گئے ہیں۔

ف: حضرت شیخ مشہور بافتادہ آفندی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ وہ موم جو چربی سے تیار ہو اس کی بدبو بہت گندی ہوتی ہے ملائکہ کو اس کی بدبو سے سخت تکلیف پہنچتی ہے۔ بنا بریں ہاروت و ماروت کو اس بدبو سے عذاب دیا جاتا ہے ہاں وہ موم جو شہد سے حاصل ہوتی ہے اس کی بو اچھی ہوتی ہے۔ (کذافی واقعات الهرائی)

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”دنیا سے بچو، اللہ کی قسم وہ ہاروت و مارت سے بھی زیادہ جادو رکھتی ہے“

ف: علماء فرماتے ہیں کہ دنیا شہوت اس لیے زیادہ رکھتی ہے کہ اس سے دنیوی خواہشات بڑھتی ہیں اور ان کی رغبت زیادہ ہوتی ہے اسے جمع کرنے نہ کرنے کا یہی نتیجہ ہے کہ جو اسے جمع کرتا ہے وہ اللہ کی اطاعت اور اس کے دیدار سے محروم ہو جاتا ہے اور جو اسے اپنے سے دور رکھتا ہے وہ اللہ کی اطاعت اور اس کے دیدار سے سرشار ہوتا ہے۔

ف: دنیا کے سحر کا معنیٰ یہ ہے کہ دنیا کی محبت اور اس کی لذتوں میں مبتلا ہو جانا اور پھر اس کے ذریعے جھوٹی آرزوئیں سر ہو جائیں۔ یہاں تک کہ اس کا دل پر قبضہ ہو جائے اس لیے حدیث شریف میں ہے:

”جب تیری کسی سے محبت ہو جاتی ہے تو پھر تو نہ اس کے عیب کو دیکھ سکتا ہے اور نہ اس کے عیب سن سکتا ہے“

ف: اس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ دنیا کی محبت میں نہ حق کا راستہ دکھائی دیتا ہے اور نہ ہی حق کی بابت سنی جا سکتی ہے اور ہے بھی اسی طرح جب کسی کی محبت غالب ہو جاتی ہے اور عقلی دلائل بھی اس سے منع کرنے والے نہ ہوں تو وہ حق سے اندھا ہو جاتا ہے۔ کسی شئے کی محبت سے رُوکنے کا یہی معنیٰ ہے کہ اس کی محبت میں مستغرق نہ ہو جاؤ۔

حضرت امیر خسرو دہلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

برایں مردار چندت گاہ زاری گاہ زور چوں غلیوانی کہ شش ماہ مادہ و شش ماہ نرست

ترجمہ: اس مردار پر کتنی مدت گزارے گا کبھی اس کے لئے زاری کرتا ہے کبھی زور لگاتا ہے جیسے چیل کہ وہ چھ ماہ نر رہتی ہے اور چھ ماہ مادہ۔

سبق: اس قصہ میں اشارہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل پر بھروسا ہو اور بس اور کسی گناہ سے بچاؤ ہو تو بھی اس کی مہربانی سے ہے۔ مثنوی شریف میں ہے:

ہمچو ہاروت وماروت شہر   از بطف خوردند زہر آلود تیر
اعتماد بود شان بر قدس خویش   چیست بر شیر اعتماد گاؤمیش
گرچہ او با شاخ صد چار کند   شاخ شاخش شیر نر پارہ کند
گر شود پر شاخ ہمچوں خار پشت   شیر خواہد گاؤ را نا چار مشت

ترجمہ: ۱۔ مشہور ہاروت وماروت کی طرح انہوں نے کبر سے زہر آلود تیر کھایا۔ ۲۔ انہیں اپنے تقدس پر ناز تھا، گائے کو شیر پر اعتماد کیسا۔ ۳۔ اگر چہ وہ اپنی سو شاخوں سے کئی سیکڑے بھی لائے تب بھی شیر اسے پاش پاش کردے گا۔ ۴۔ بلکہ وہ سراپا سینگ بن کر بھی شیر کا مقابلہ کرے تب بھی شیر اسے دبوچ لے گا۔

تفسیر عالمانہ

وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ مفعول بہ ہے اور مِنْ زائدہ ہے۔ وہ استغراق (جو کہ اَحَد سے معلوم ہو رہا ہے) تاکید کا فائدہ دے رہا ہے۔ لیکن شیاطین نے کفر کیا کہ لوگوں کو وہی باتیں سکھاتے ہیں اور اکسانے کے لئے فرشتے لے آئے تاکہ لوگ سخت گمراہ ہو جائیں اور وہ فرشتے بھی لوگوں کو جادو نہ سکھاتے۔ حَتّٰی یہاں تک کہ پہلے نصیحت کرتے اور اسے عمل سے روکتے تھے۔ يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ کہتے ہیں کہ بیشک ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش بن کر آئے ہیں جس نے ہم سے جادو سیکھ کر اس کی حقیقت کا اعتماد رکھا تو وہ کافر ہو جائے گا اور جو اس پر عمل کرنے سے بچا بلکہ اسے دھوکہ دہی سے بچنے کا ذریعہ سمجھا تو وہ ایمان پر باقی رہے گا۔

اَلْفِتْنَةُ آزمائش وامتحان کو کہتے ہیں۔ مثلاً اہل عرب کہتے ہیں فَتَنْتُ الذَّهَبَ بِالنَّارِ ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب سونے کو پوری طرح پرکھ لیا جائے پھر کہا جاسکے کہ یہ کھرا ہے یا کھوٹا۔ اس فتنہ سے وہ افعال مراد ہیں جو مکروہ ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ یا بندوں کی طرف سے آئیں بلاء، مصیبت، قتل، عذاب وغیرہ۔ کبھی یہ فتنہ دین میں بھی ہوتا ہے۔ جیسے ارتداد و معاصی، اور کسی کو معاصی پر مجبور کرنا۔

سوال: فِتْنَةٌ واحد ہے اسے تثنیہ ہونا چاہیے تھا کیونکہ فرشتے دو تھے؟

جواب: فِتْنَةٌ مصدر ہے اور مصدر میں تثنیہ نہیں ہوتا۔

سوال: مصدر کسی پر محمول نہیں ہوتا؟

marfat.ocm

جواب: جب مبالغہ مقصود ہو تو جائز ہے۔ یہاں مبالغہ مقصود ہے۔

فَلَا تَكْفُرْ اس کی حقیقت کا اعتماد رکھ کر یہ کفر نہ کر۔ یہ اس لیے کہ اس کا سیکھنا گویا فتنہ کا عین ہے۔

سوال: فرشتے فتنہ نہیں تھے حالانکہ آیت میں ان کو صرف فتنہ کہا گیا ہے؟

جواب: چونکہ اس وقت ان کا یہی کام تھا اس لیے ان کو صرف فتنہ کہا گیا ہے۔ جادوگر اہی نہیں اور نہ ہی اس پر عمل کرنا گمراہی ہے اگر ہے تو اس کو حق سمجھنے میں، یہ قول کفر مت کر اس کو سات بار کہتے، اور اگر وہ کہتا کہ ضرور سیکھوں گا تو اسے سکھاتے۔

فَيَتَعَلَّمُوْنَ جملہ منفیہ پر عطف ہے کیونکہ یہ مثبت کی قوت میں ہے۔ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ کہنے کے بعد اسے سکھاتے اور ضمیر واحد کے لئے جو معنوی اعتبار سے النَّاس کے لئے ہے یعنی لوت سیکھتے تھے۔

مِنْهُمَا ان فرشتوں سے مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ اس کے سبب اور استعمال سے بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ وہ جو زن و شوہر کے درمیان تفریق ڈالے بایں طور کہ اللہ تعالیٰ ان کے مابین تفرقہ اور نافرمانی پیدا کر دے جبکہ وہ سحر استعمال کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ مسببات کے بعد اسباب عادیہ پیدا کرتا ہے آزمائش کی خاطر، کیونکہ بظاہر وہی سحر مؤثر تھا۔

جادو سیکھنے کے بعد لوگوں کی کیفیت:۔

حضرت سُدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی جادو سیکھنے آتا تو اسے کہتے کہ ہم سے جادو مت سیکھ کیونکہ ہم فتنہ ہیں۔ اگر وہ نہ مانتا تو اس کے سامنے راکھ رکھ کر اس پر پیشاب کر دے۔ جب اس پر وہ پیشاب کرتا تو اس سے آسمان کی طرف نور چمک اٹھتا۔ وہ ایمان و معرفت ہوتا اور ایک سیاہ چیز دھوئیں کی طرح آسمان سے نازل ہوتی جو اس کے کانوں میں داخل ہو جاتی وہ کفر اور غضب الٰہی ہوتا۔ جب وہ فرشتے اسے خبر دیتے تو وہی بات ہوتی جو مرد و عورت کے مابین جدائی ڈالنے والی تھی ویسے وہ اس سے مزید بھی جانتے تھے چونکہ وہ لوگ زیادہ تر یہی سوال کرتے تھے اس لیے وہ بھی یہی سکھاتے۔

بعض کہتے ہیں کہ جادو کے ذریعے مرد پر گرفت یوں ہوتی کہ وہ اپنی عورت سے جماع پر قادر نہیں ہو سکتا تھا۔

جادو کی علامت:۔ نصاب الاحتساب میں ہے کہ جو شخص دیکھے کہ میں اپنی اہلیہ سے جماع پر قادر نہیں ہوں لیکن غیر سے یہ قدرت حاصل ہے تو سمجھ لے کہ اس پر جادو کیا گیا ہے۔

marfat.ocm

جادو دفع کرنے کا طریقہ:۔ سرکنڈے (کانے) جمع کر کے یعنی ایک گٹھڑی بنا کر اس کے درمیان کلہاڑا رکھ کر آگ سلگا دو۔ جب کلہاڑا گرم ہو جائے تو اسے نکال کر اس پر پیشاب کر دو، اللہ تعالیٰ شفا دے گا۔

وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ اور نہیں وہ جادوگر نقصان پہنچانے والے جو کچھ کہ وہ عمل کریں یا لوگوں کو سکھائیں۔

مِنْ اَحَدٍ کسی ایک کو اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر استثناء مفرغ ہے۔ اور باء کا متعلق محذوف ہے۔ اور ضارین کی ضمیر سے حال ہے یا اس کے مفعول سے، اگرچہ نکرہ ہے لیکن اسے نفی پر اعتماد ہے اسی لیے: والحال بننے کے لائق ہے۔ یا بِهٖ کی ضمیر مجرور سے حال ہے۔ یعنی وہ کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے اور فحشاء کا امر نہیں فرماتا اس لحاظ سے جادو قضاء ساتھ نہ ہو اس کے امر سے کیونکہ اللہ تعالیٰ کفر اور کسی کو نقصان پہنچانے اور فحشاء کا امر نہیں فرماتا۔ اس لحاظ سے جادو کا کام ساحرت کا ہے لیکن اس کی تخلیق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ جب جادوگر جادو کا عمل کرتا ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ اسے پیدا فرماتا ہے۔ یہ صرف بندوں کی آزمائش کی خاطر پیدا کرتا ہے۔ گویا یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہوتا ہے۔ اس کا کسی کو انکار نہیں کہ سحر سے دلوں میں محبت و بغض اور شرور وغیرہ پیدا ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ بندہ کے دل پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس سے بڑے بڑے دکھوں اور بیماریوں میں مبتلا کیا جا سکتا ہے۔ یہ سب کچھ مشاہدہ سے معلوم ہوا ہے اس کا انکار ہٹ دھرمی ہے۔

سحر کی تحقیق:۔ جادو ایک ایسا امر ہے جو خارق للعادۃ ہے۔ لیکن ایسے نفس سے جو شرارت کا مجسمہ ہو اور وہ مخصوص اعمال کو عمل میں لا کر اس میں تعلیم و تعلم کو بھی دخل ہے ان دو باتوں سے معجزہ و کرامت اور سحر میں فرق ہو گیا۔ خارج میں اس کے ثبوت میں اختلاف ہے۔ علمائے اہل حق اس کے خارج کے وجود کے قائل ہیں اور معتزلہ منکر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ خارج میں سحر کا نہ کوئی وجود ہے اور نہ ایسا کوئی ثبوت ہے بلکہ وہ ایک شعبدہ بازی اور خیالی بات ہے اور وہ صرف ایسے ہوتا ہے کہ آنکھوں میں ایسی باتیں دکھائی جاتی ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ مثلاً رسیوں کا سانپ بن جانا اور وہ دفعۃً معلوم کر لینے کی بات ہے جس کا سبب صرف ہاتھ کی چالاکی اور اپنے حیلوں کو دیکھنے والوں سے پوشیدہ رکھنا ہے اور بس۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى

(اب کے خیال میں تھا کہ یہ رسیاں سانپ ہیں جو بھاگتے ہوئے نظر آئے)

marfat.ocm

معتزلہ کی تردید: ۔ اہل حق معتزلہ کی تردید میں فرماتے ہیں کہ جادو کے خارج میں موجود ہونے کی دو دلیلیں ہیں: ۱۔ جادو فی نفسہٖ ممکن الوقوع ہے جس میں قدرت ایزدی کو دخل ہے کیونکہ جادوگر تو صرف سبب ہے۔ خالق تو اس کا پروردگار ہے۔ ۲۔ آیہ مذکورہ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۚ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ اس کا مؤثر حقیقی میں ہوں فلہٰذا یہ محض خیالی بات نہیں بلکہ فی الواقع امر ہے۔

فائدہ عجیبہ :۔ شعبدہ بازی یا ایسے امور ظاہر کرنا جن میں ہاتھ کی چالاکی کو دخل ہو، یا ادویہ کے ذریعے عجیب و غریب امور ظاہر کرنا، یا ہندسہ کے آلات کے سبب سے یا کسی پتھر کے خواص سے کوئی بات دکھائی جائے یہ معاملہ اور ہے جسے جادو سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ مجاز ہے۔ حقیقی جادو اور ہے۔ یہ باتیں دراصل ایسی ہیں کہ جن کا ماخذ دقیق اور سبب لطیف ہے جو ہر ایک نہیں جان سکتا۔ بعض لحاظ سے جادو حلال بھی ہوتا ہے۔

جادوگروں کے اقسام: ۔ عام طور پر جادو عورتوں سے زیادہ ہوتا ہے خصوصاً حالتِ حیض میں اور یہ ہوتا ہی ان ارواحِ خبیثہ میں ہے جن کی طبائع خرابیوں اور فساد کی طرف راغب ہوں۔ اس کے لئے کسی قسم کی ریاضت بھی نہیں ہوتی۔ اس قسم کی عادت عورتوں، بچوں اور مخنثوں میں ہوتی ہے۔ جب کسی انسان کا مزاج فاسد ہو جاتا ہے تو وہ ایسی باتوں کی طرف میلان رکھتا ہے جو نقصان دہ ہوں اور انہی سے اسے لذت حاصل ہوتی ہے۔ بہت بار دیکھا گیا ہے کہ وہ ایسی باتوں کا عاشق ہوتا ہے، اس سے وہ اپنی عقل، دین، شکل و صورت جسم و جان اور مال کو برباد کر ڈالتا ہے۔ شیطان کی خباثت مشہور ہے جب دیکھتا ہے کہ کسی میں اس قسم کی خرابی ہو گئی ہے تو اس کا حامی ہو جاتا ہے اور وہ امور کی طبیعت میں گھس جاتے ہیں جیسے راشی کو رشوت کی عادت ہوتی ہے پھر ان کے ذریعے اپنے مقاصد پورے کرتے ہیں۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے کسی کو مال دے کر کہا جائے کہ فلاں کو جا کر قتل کر دو یا برائی پر اعانت کی نیت سے مال دیا جائے۔ اس وجہ سے جادوگر اور ایسے بدمعاش لوگ آیات کلام الٰہی کو نجاسات اور خون سے لکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں کئی دوسرے غلیظ طریقے استعمال کرتے ہیں اور دھونیاں وغیرہ بھی دیتے ہیں۔ نماز و روزے کے قریب نہیں جاتے، ناجائز طریقے سے ناحق قتل کرا دیتے ہیں۔ ذی محرم عورتوں سے نکاح کر لیتے ہیں۔ قرآن پاک کو نجاست میں پھینکنے سے گریز نہیں کرتے وغیرہ وغیرہ۔ ایسے برے اعمال کا

marfat.ocm

وہ ارتکاب کرتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔ جب وہ کوئی برا عمل کرتے ہیں تو شیطان ان کی مدد کرتا ہے۔ بعض دفعہ یوں ہوتا ہے کہ وہ پانی پر تیرتے ہیں، ہوا میں اڑتے ہیں، دور دور کے مقامات پر پہنچ جاتے ہیں۔ لوگوں کے مال جمع کر کے لادیتے ہیں، بعض کے دشمنوں کو مروا دیتے ہیں، بعض کو بیمار کر ڈالتے ہیں، بسا اوقات جادوگر عرفات میں حاجیوں کے سامنے نظر آتا ہے کہ تاکہ لوگوں کو نیک گمان ہو کہ فلاں صاحب بڑے بزرگ ہیں۔ حالانکہ وہ شیطان جادوگر کی صورت میں متصور ہو کر جاتا ہے۔ بظاہر وہ لوگوں کو کرامات محسوس ہوتی ہیں لیکن ہوتا وہ شیطان کی مکاری کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادات واجبات سے ہیں یا مستحبات، لیکن یہ جادوگری کے اعمال نہ واجبات سے ہیں نہ مستحبات سے بلکہ ان افعال سے تو منع کیا گیا ہے اور انہیں حرام قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے حرام اعتقادات سے بچائے۔

جادوگروں کی رہائشی علامتیں:۔ گمراہ لوگوں کی عبادات بھی عجیب وغریب ہوتی ہیں ان کے تمام امور غیر مشروع ہوتے ہیں۔ پھر ان سے کبھی کبھار مکاشفات کا ظہور بھی ہوتا ہے اور عجیب تاثیریں ظاہر ہوتی ہیں۔

وہ ایسے مقامات پر بسر کرتے ہیں جو شیاطین کے مسکن ہیں۔ مثلاً: ۱۔ جہاں نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ ۲۔ حمام۔
۳۔ کوڑا کرکٹ پھینکنے کی جگہیں۔ ۴۔ اونٹوں وغیرہ کے بیٹھنے کے مقامات۔ ۵۔ نجاست آلود مقامات۔

ایسے مقامات پر شیطان ان سے ملتا اور انہیں اپنی باتیں بتاتا ہے جیسے وہ بتوں کے اندر گھس کر کفار کو عجیب وغریب باتیں بتاتا تھا۔

مسئلہ: علماء فرماتے ہیں کہ جادو کے عمل سے اگر ایمان کے شرائط میں سے کوئی فعلی یا قولی شرط ضائع ہوتی ہو تو ایسے جادو کو اپنانا کفر ہے ورنہ نہیں۔

مسئلہ: عوام کے جھاڑ پھونک کے بعض طریقے ایسے ہیں جن کا کوئی معنی ومطلب معلوم نہیں ہوتا یا وہ شرکیہ کلمات ہوتے ہیں یا جنات کی تعظیم کے الفاظ ہوتے ہیں۔ علمائے اسلام نے ایسی جھاڑ پھونک سے روکا ہے کیونکہ ان میں شرکیہ الفاظ کا خطرہ ہے اگرچہ جھاڑ پھونک والے کو معلوم بھی نہ ہو کہ یہ شرک ہے یا نہیں۔

مسئلہ: حدیث صحیح سے جھاڑ پھونک کی اجازت ثابت ہے جبکہ اس میں شرکیہ الفاظ نہ ہوں اور حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جہاں تک ہو سکے اپنے مسلمان بھائی کو نفع پہنچاؤ۔

مسئلہ: ہمارے نزدیک بیمار کے لئے آیات الٰہی لکھنا جائز ہے بشرطیکہ سیاہی میں کسی قسم کی ملاوٹ نہ ہو۔ [1]

مسئلہ: اسی طرح آیات کو دھو کر پلانا یا لکھ کر گلے میں تعویذ کے طور پر ڈالنا جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کے اسماء میں شیطان کو دفع اور ذلیل کرنے کی تاثیر ہے۔

مسئلہ: بزرگوں کی جھاڑ پھونک اور دم کرنے میں بڑی برکتیں ہیں کیونکہ ان حضرات نے جب سے شہرت کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت شرعی احکام کے مطابق بجالائی تو آیت قرآنیہ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ کا حکم ان کے لئے ثابت ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن اور شیاطین ان حضرات کی اطاعت کرتے ہیں۔ ان کی ایسے ہی فرمانبرداری کرتے ہیں جیسے وہ سلیمان علیہ السلام کی کرتے تھے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اذن وعطا سے ہوتا ہے۔

حکایت: حضرت الہدائی قدس سرہٗ اپنے واقعات میں اپنے شیخ حضرت الشیخ مشہور با فتادہ آفندی قدس سرہٗ سے بیان فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنا ایک خط جنات کے بادشاہ کو لکھا کہ فلاں شخص کو تمہارے ایک جن نے پکڑا ہوا ہے اسے حکم دو کہ اسے چھوڑ دے۔ چنانچہ جنات کے بادشاہ نے حکم مان لیا اور ان کے لکھے کی تعلیم کی کہ پکڑنے والے جن کی گرفت کی، جس پر بیمار تندرست ہو گیا۔ مثنوی شریف میں ہے:

ہم پیمبر فرد آمد در جہاں　　فرد بود وصد جہانش در نہاں
عالم کبریٰ بقدرت سحر کرد　　گرد خودرا کہن نقش لورد
ابلہانش فرد دیدند ضعیف　　کے ضعیفت آنکہ باشد خریف

ترجمہ: ا۔ پیغمبر زمین پر تشریف لاتا ہے، ہوتا تو وہ ایک فرد ہے لیکن اس میں کئی عالم پوشیدہ ہوتے ہیں۔
۲۔ قدرت الٰہی کے ساتھ عالم کبریٰ نے ظہور فرمایا ہے اپنے آپ پرانے نقش میں لپیٹا ہے۔
۳۔ بیوقوفوں نے اسے کمزور دیکھا وہ ضعیف کیسے ہو سکتا ہے جو ہر وقت تازہ ہو۔

مسئلہ: جادوگر کو قتل کرنا واجب ہے۔ وہ مرد ہو یا عورت، جبکہ ان کا طریقہ زمین میں فساد اور نقصان ڈالنے کا

---

[1] اسی لیے مرشدی مفتی اعظم سیدنا حضرت مصطفیٰ رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور استاذی مولانا سردار احمد لائلپوری قدس سرہٗ پین کی سیاہی استعمال نہیں فرماتے تھے۔ ایسے ہی دیگر اولیاء کرام کا طریقہ منقول ہے۔ اویسی غفرلہٗ

ہو۔ اگر ان کا مقصد کفر پھیلانا ہو تو صرف مرد کو قتل کرنا چاہیے عورت کو صرف سخت سزا دے کر اسے قید کیا جائے۔ کیونکہ ساحر کافر ہوتا ہے اور کافر کو قتل کرنا واجب ہے اور کافرہ عورت اہل حرب سے نہیں۔ جب اسے اصل کفر کی وجہ سے قتل نہیں کیا جاتا تو پھر عارضی کفر کی وجہ سے اسے کیوں قتل کیا جائے۔

مسئلہ:: اگر ساحر گرفتاری سے پہلے توبہ کر لے تو توبہ قبول، ورنہ نہیں۔

نبوت وصحابیت کے بے ادب کی سزا:۔

اشباہ (فقہ کی کتاب) میں ہے کہ ہر کافر کی توبہ دنیا میں قابل معافی ہے لیکن جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کرے یا شیخین (صدیق وعمر رضی اللہ عنہما) کو گالی دے یا ان پر جادو کا عمل کرے اس کی توبہ قبول نہیں جبکہ توبہ سے پہلے گرفتار کر لیا جائے۔ اگرچہ عورت ہی ہو اور وہ بے دینی پھیلائے۔

ف: زندیق وہ ہے جو زمانہ کو قدیم سمجھے اور تمام حوادث کو اس کی طرف منسوب کرے اگر وہ نبوت کا اقرار کرے اور شریعت کا بھی قائل ہو۔ گزشتہ مضامین میں زیادہ تر آکام المرجان سے منقول ہیں، ان مضامین کو دل پر لکھے

وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ اور سیکھتے تھے وہ باتیں جو انہیں نقصان پہنچاتی ہیں کیونکہ ان کا اس سے عمل کا ارادہ تھا یا اس لیے کہ علم اکثر عمل کی طرف کھینچتا ہے۔ وَلَا يَنفَعُهُمْ اور انہیں نفع نہ دیتیں۔ اس کی تصریح اس لیے فرمائی تا کہ پتہ چل جائے کہ وہ ان امور سے نہیں جن میں خیر وشر دونوں ہوں بلکہ اس میں خالص شر اور ضرر محض ہے کیونکہ وہ لوگ اس سے یہ ارادہ نہیں رکھتے تھے کہ جادو سے جھوٹے نبی کی خرابیوں سے بچ جائیں یا لوگوں کو اس سے بچائیں گے۔ اس لحاظ سے اس میں کسی قسم کا نفع نہ ہو بلکہ سراسر نقصان ہی نقصان۔

مسئلہ: جس علم میں اس کی خرابیوں سے بچنے کی کوئی صورت نہ ہو تو اس سے اجتناب بہتر ہے۔ جیسے فلسفہ کا پڑھنا، اس کے پڑھنے سے گمراہی میں پڑنے سے نہیں بچا جا سکتا۔ اگرچہ کسی شاعر نے کہا:

عَرَفْتُ الشَّرَّ لٰكِنْ لِلتَّوَقِّيْهِ (میں نے شر کو شر کی وجہ سے نہیں سیکھا لیکن صرف بچنے کی خاطر)

اور جو شخص شر کو نہیں جانتا وہ ضرور شر میں واقع ہوگا۔

مسئلہ: تجنیس میں ہے: نجوم کا سیکھنا حرام ہے۔ ہاں قبلہ کی طرف پہچاننے اور سایہ اصلی کی خاطر سیکھا جائے تو جائز ہے۔

حدیث شریف: مصابیح کی بعض احادیث سے ایک حدیث یہ بھی ہے کہ جس نے نجوم کے علم سے سیکھا تو وہ سمجھ لے کہ اس نے سحر کے شعبہ کو سیکھا۔

مسئلہ: جب اس علم کے سیکھنے میں کچھ بھلائی نہیں تو جن کتابوں میں فلاسفہ وغیرہ کے بیانات ہوں تو اپنے پاس رکھنا بلکہ ان کی طرف دیکھنا بھی ناجائز ہے۔ (کذا فی نصاب الاحتساب)

وَلَقَدْ عَلِمُوْا ان یہود نے تورات سے جان لیا تھا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ کہ جس نے سحر اختیار کیا شیطان کی باتوں کو کتاب اللہ کے عوض لیتے تھے۔ پہلی لام قسم محذوف کا جواب ہے اور دوسری لام ابتدا کی ہے۔ مَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ اس کے لئے آخرۃ میں کوئی حصہ نہیں۔ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ البتہ بری شئے ہے وہ جو انہوں نے خریدی۔ کیونہ شراء اضداد میں سے ہے اور لام قسم محذوف کا جواب ہے اور مخصوص بالذم بھی محذوف ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی۔ وَاللّٰهُ لَبِئْسَ مَابَاعُوْا بِهٖ اَنْفُسَهُمُ السِّحْرَ وَالْكُفْرَ اور ایمان کو نفس سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ نفس صرف علم وعمل اور ایمان کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ۔ لَوْ کا جواب محذوف ہے۔ ای لَمَا فَعَلُوْا یعنی اگر انہیں علم ہوتا تو وہ سحر اور اس پر عمل کرنا نہ سیکھتے۔

سوال: پہلے ان کے لیے علم ثابت کیا پھر اسکی ان سے نفی کردی۔

جواب: اس لیے جب اپنے علم پر عمل نہ کیا تو گویا حقیقۃً انہوں نے کچھ نہ پڑھا تو یہاں پر علم سے نفع لینے کی نفی ہے نہ کہ علم کی نفی۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اور اگر وہ یہود اٰمَنُوْا ایمان لاتے نبی علیہ السلام پر اور قرآن پر وَاتَّقَوْا اور بچتے سحر اور شرک سے لَمَثُوْبَةٌ تو ان کے لئے ثواب ہے۔ لمثوبۃ بروزن مَفْعَلَة اس کی گردان ثَابَ يَثُوْبُ بمعنی رَجَعَ ہوگی اور جزاء کو ثواب اس لیے کہتے ہیں کہ وہ نیکی کرنے والے کے اس اجر کا بدلہ ہے جو اس کی طرف لوٹتا ہے۔ مبتدا ہے اور لَوْ کا جواب محذوف ہے اور تنکیر تقلیل کے لئے ہے۔ یعنی ثواب سے شئے قلیل جو ہونے والی ہے۔

مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر۔ یہ مبتدا کی خبر ہے۔ مطلب یہ کہ انہوں نے اللہ سے کوئی خیر کا اجر پایا اس کے عوض ان کے نفوس نے خریدا۔ یہاں فعل محذوف ہے۔ عبارت کے طریقہ کو تبدیل کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان کے لئے خیریت کا ہونا یقینی ہے۔ مفضل علیہ کو محذوف کرنے میں مفضل کی شان بلند کرنا

marfat.ocm

مطلوب ہے تاکہ ہر بات اسی کی طرف منسوب ہو۔ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ اگر جانتے کہ اللہ تعالیٰ کے ثواب میں بہتری ہے

ف: صرف زبان پر علم کو محدود رکھنے میں کوئی فائدہ نہیں جب تک اس کا دل پر اثر نہ ہو اور دل پر تاثیر کی نشانی یہی ہے کہ اس پر عمل کرنے کو جی چاہے اور کتاب وسنت کی پابندی کرے۔ جو اپنے اوپر کتاب وسنت مسلط کرلے اس سے حکیمانہ باتیں سرزد ہوتی ہیں اور جو اپنے اوپر خواہشاتِ نفسانیہ کو مسلط کرلے اس سے بدعت کی باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

علم نافع کی علامت:۔

حضرت شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر وہ علم کہ جس میں خطراتِ نفسانیہ اور تصورات غلط دور ہوں اور روحانی امور بھی اس میں شامل ہوں اور طبیعت کو بھی اس سے لذت نصیب ہو تو اسے حاصل کر۔ یہ وہی علم ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول علیہ السلام پر نازل فرمایا۔ نبی علیہ السلام اور خلفاء راشدین وتابعین وتبع تابعین اور ائمہ دین (جو خواہشات نفسانیہ سے مبرا ہیں) کی اقتدا میں اپنی نجات سمجھو۔

ان کی فرمانبرداری ظنون وشکوک واوہام اور غلط دعاوی سے بچاتی ہے۔ اگر تو چاہتا ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کا خالص بندہ بنے تو علم وعمل میں کسی کی اقتدا حاصل کر۔ ورنہ گمراہی ہے۔ پہلے وہ علم سیکھ جس میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا بیان ہو اور عمل بھی وہی مقبول ہے جس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول علیہ السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت ہو اور اہل السنۃ والجماعت کے اعتقادات کے مطابق اعتقاد رکھ ورنہ عمل بیکار ہے۔

ف: بعض علماء کرام نے فرمایا کہ برے آدمی میں علم کا اضافہ ایسے ہے جیسے اندرائن کو پانی دیا جائے اسے جتنا پانی دیا جائے گا اس کا کڑواپن بڑھتا جائے گا۔ اسی طرح جس نے علمِ دین صرف اس لئے پڑھا کہ وہ دنیوی کاروبار چلائے گا اور اس سے دنیاوی فوائد حاصل کرے گا، تو وہ شخص ایسے ہے جیسے گندگی کو یاقوت کے آسے اٹھائے۔ یہ بہت برا وسیلہ ہے۔ اصل بات تو یوں ہے کہ بندے کو چاہیے کہ اپنی آخرت پر تمام دنیا کے امور کو قربان کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے وہ بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔

ف: اگر تو یہ جانتا ہے کہ اللہ کے ہاں تیرا مرتبہ کیا ہے تو اپنے اعمال کی طرف دیکھ۔ یہی اعمال علامات اور احوال کرامات اللہ تعالیٰ کے قرب کی دلیلیں ہیں۔ علوم تو صرف وسیلہ ہیں۔

marfat.ocm

تفسیر صوفیانہ

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جو شخص معلوم کرے کہ میرا اللہ تعالیٰ کے ہاں کتنا مرتبہ ہے تو اپنے دل کو غور سے دیکھے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی کتنی عظمت ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے اتنی الفت کرتا ہے جتنی بندے کو اس سے الفت ہے، انسان تو لطیفہ ربانی ہے۔ واردات الٰہیہ کے قابل صرف یہی ہے اس کا نچلا حصہ ملکی ہے اور اوپر والا ملکوتی ہے یا یوں کہو کہ طبیعت اور نفس ملکی اور سر وروح ملکوتی ہیں۔ جو شخص عبادت حقانیہ سے علائق کو توڑ لیتا ہے تو وہ ملک وملکوت میں پورا تصرف کرتا ہے اور یہ دونوں اس کے وجود میں ملک ملکوت عالم خارج میں ہیں وہ اسی کے دروازہ ہیں۔

ف: علماء بقدر علوم واستدلال قرب حق تک پہنچتے ہیں لیکن اولیاء اللہ اپنے مشاہدہ ومعائنہ کے مطابق قرب حاصل کرتے ہیں۔ مگر یہ مشاہدہ وہ نہیں جو دوسری اشیاء کا ہوتا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ایسی تشبیہات سے منزہ ہے کہ اس کے لئے کیف یا این کہا جا سکے۔ بلکہ یہ مشاہدہ ہے کہ دیکھنے والا پہلے اپنے وجود کو فنا کر دے۔

ف: سالک کو سب سے پہلے افعال کی تجلی نصیب ہوتی ہے۔ پھر صفات کی ذات کی تجلی تو اس وقت نصیب ہوتی ہے جب کلی فنا حاصل ہو۔ لیکن وہ ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی اور وہ فنا بقا کا عین ہوتی ہے صرف لفظی فرق ہے۔
حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ میں اخلاص صرف ان فقراء کے لئے مانتا ہوں جنہیں فنا کا درس حاصل ہے۔ حضرت چراغ الشہاب کہ از خود بجو قندیل اداب۔

marfat.ocm

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ

اے ایمان والو! راعنا نہ کہو اور یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر نظر رکھیں اور پہلے ہی سے بغور سنو

وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ

اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ وہ جو کافر ہیں کتابی یا مشرک وہ نہیں چاہتے

وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ

کہ تم پر کوئی بھلائی اترے تمہارے رب کے پاس سے اور اللہ

يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾

اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے جسے چاہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ

جب کوئی آیت ہم منسوخ فرمائیں یا بھلادیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی لے آئیں گے کیا تجھے

تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۶﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ

خبر نہیں کہ اللہ سب کچھ کرسکتا ہے کیا تجھے خبر نہیں کہ اللہ ہی کے لئے آسمانوں

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۰۷﴾

وزمین کی بادشاہی اور اللہ کے سوا تمہارا نہ کوئی حمایتی نہ مددگار۔

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ

کیا یہ چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے ویسا سوال کرو جو موسیٰ سے پہلے ہوا تھا

وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۰۸﴾

اور جو ایمان کے بدلے کفر لے وہ ٹھیک راستہ سے بہک گیا۔

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّنۢ بَعْدِ إِيمٰنِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا

بہت کتابیوں نے چاہا کاش تمہیں ایمان کے بدلے کفر کی طرف پھیر دیں

مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّنۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوا

اپنے دلوں کی جلن سے بعد اس کے کہ حق ان پر خوب ظاہر ہو چکا ہے تو تم چھوڑو

وَاصْفَحُوا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهٖ ۗ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۰۹﴾

اور درگزر کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۗ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ

اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور اپنی جانوں کے لئے جو بھلائی آگے بھیجو گے

تَجِدُوهُ عِندَ اللّٰهِ ۗ إِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۱۱۰﴾ وَقَالُوا لَن

اسے اللہ کے یہاں پاؤ گے بیشک اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔ اور اہل کتاب بولے

يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُودًا أَوْ نَصٰرٰى ۗ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ

ہرگز نہیں جنت میں جائے گا مگر وہ جو یہودی یا نصرانی ہو یہ ان کی خیال بندیاں ہیں تم فرماؤ

هَاتُوا بُرْهٰنَكُمْ إِن كُنتُمْ صٰدِقِينَ ﴿۱۱۱﴾ بَلٰى مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ

لاؤ اپنی دلیل اگر سچے ہو۔ ہاں کیوں نہیں جس نے اپنا منہ جھکایا اللہ کے لئے

وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ أَجْرُهٗ عِندَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

وہ محسن نیکوکار ہے اور اس کا نیگ اس کے رب کے پاس ہے اور انہیں نہ کچھ اندیشہ ہو اور نہ

يَحْزَنُونَ ﴿۱۱۲﴾ ع ۱۳ ۱۳

کچھ غم۔

تفسیر عالمانہ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا اے ایمان والو! رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو رَاعِنَا مت کہو۔ اس میں مومنین کو راہ خیر کی رہبری کی جا رہی ہے۔ رَاعِنَا مُرَاعَاة" سے رَعْع" کا مبالغہ ہے بمعنی حِفْظُ الْغَيْرِ اور اس کے امور کی تدبیر اور اس کے مصالح کا تدارک۔

شان نزول: مومنین کا طریقہ تھا کہ جب ان پر کوئی علمی خبر بیان ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و عرض کرتے رَاعِنَا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی ہماری رعایت اور ہماری طرف توجہ فرمایئے تاکہ آپ کا چہرہ ہماری طرف ہو اور ہم آپ کا کلام اچھی طرح سمجھ سکیں۔ اس سے یہود کو موقعہ مل گیا کہ ان کے ہاں لفظ رَاعِنَا لغت عبرانیہ یا سریانیہ میں گالیوں کا کلمہ تھا جو ایک دوسرے کو اس سے گالیاں دیتے تھے۔ جب انہوں نے یہ کلمہ مومنین کے منہ سے سنا تو موقع پا کر اس کلمہ سے حضور علیہ السلام کو بلانے لگے اور ان کا مقصد اس سے گالیوں کا ہوتا۔ مومنین کو اس کلمہ سے روکا گیا کیونکہ اس میں یہود کی زبان سے التباس ہوتا تھا اور انہیں حکم ہوا کہ اس کے ہم معنی لفظ کو استعمال کریں کہ جس میں کسی قسم کا التباس نہ ہو۔

وَقُوْلُوا انْظُرْنَا ہماری طرف توجہ فرمایئے۔ نَظْرَةٌ سے ماخوذ ہے بمعنی اِنْتَظِرْهُ وَاسْمَعُوْا اور اس طرح سنو وہ کلام جو تمہارے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اور ان مسائل کو یاد کر لو جو آپ تمہیں فرماتے ہیں صرف یاد ہی نہیں بلکہ انہیں دل میں جگہ دو یہاں تک کہ تم استعداد اور طلب مراعات کے محتاج نہ رہو۔ وَلِلْكٰفِرِيْنَ یہود کے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کی اور انہیں گالیاں دیں عَذَابٌ اَلِيْمٌ عذاب دردناک ہے جبکہ انہوں نے بہت بڑی گالیاں دینے پر جرأت کی۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ ایسے لفظ سے احتراز کیا جائے جن میں تعریض ہو۔

سوال: فقہاء کرام فرماتے ہیں: لَا بَاسَ بِالْمَعَارِيْضِ۔ (یعنی کلے استعمال کرنا جائز ہے) تم کہتے ہو تعریض کلمات کا استعمال ناجائز ہے؟

جواب: تعریض اسے کہتے ہیں کہ انسان منہ سے ایسا کلمہ بولے جس کا ظاہر تو کچھ اور ہو اور مراد کچھ اور۔ یہ اس وقت ہے جب انسان کو جھوٹ بولنے سے بچاؤ حاصل ہو ورنہ بلاضرورت ایسے کلمات کا استعمال ہرگز جائز نہیں

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ

marfat.ocm

سے مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچے" یعنی ان کی عزت وحرمت کے در پے نہ رہے۔

ف: حدیث شریف میں زبان کو ہاتھ سے اس لیے مقدم کیا گیا ہے کہ زبان سے عموماً ایسی بات سرزد ہوتی رہتی ہے پھر باقی اعضاء سے ہاتھ کو دکھ دینے میں زیادہ دخل ہے اسی لئے ہاتھ کا ذکر حدیث شریف میں صراحۃً ہوا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے:

این زباں چوں سنگ وہم آہن وش است　　وآنچہ بجہد از زباں آتش است
سنگ وآہن رامزن برہم گزاف　　کہ زروئے نقل وگاہ ازروئے لاف
زاں کہ تاریک است وہر سوپنبہ زار　　درمیان پنبہ چوں باشد شرار
عالمے رایک سخن ویراں کند　　روبہاں مردہ راشیراں کند

ترجمہ: ا۔ یہ زبان پتھر اور لوہے کی طرح ہے جو کچھ زبان سے نکلتا ہے وہ آگ ہے۔
۲۔ پتھر اور لوہے کو ایک دوسرے پر خواہ مخواہ نہ مار نہ ہی کسی کی نقل کر کے نہ ہی لاف وگزار سے۔
۳۔ اس لیے کہ ہر طرف سے تاریکی اور روئی پڑی ہے روئی پر انگارہ پڑ جائے تو بربادی کے سوا کچھ نہیں۔
۴۔ صرف ایک سخن جہاں کو ویران کر ڈالتا ہے بلکہ یہ مردہ لومڑیوں کو شیر بنا دیتا ہے۔

آیت سے دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ فعل کے صدور کے ذرائع اور اسباب اور وہ اعمال جو اس کی حمایت کرتے ہوں ان کو بند کرنا ضروری ہے۔

ف: ذریعہ وہ شئے ہے جو فی نفسہٖ غیر ممنوع تو نہ ہو لیکن اس کے عمل سے دوسرے ممنوع فعل کا صدور لازم آتا ہو۔ وجہ استدلال یوں ہے کہ یہود اس کلمہ کو اپنی لغت میں گالیوں پر اطلاق کرے۔ اللہ تعالیٰ نے روک دیا کہ یہ کلمہ چونکہ گالیوں کا سبب اور ذریعہ ہے فلہٰذا مسلمانوں کو بھی اس کا ایسے اطلاق نہ کرنا چاہیے۔ دوسرے مقام پر فرمایا:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ

(تم کفار کو گالی مت دو ورنہ لاعلمی میں وہ تمہارے معبودوں کو گالیاں دیں گے)

اس آیت میں ان معبودوں کو گالیوں سے اس لیے روکا گیا ہے کہ یہ عمل معبود حقیقی کو گالیوں کا سبب بنتا ہے اور فرمایا: وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ (ان سے سوال کیجئے اس گاؤں کے بارے میں جو دریا کے کنارے پر تھا)

marfat.ocm

حکایت: واقعہ یوں ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے دن شکار کرنے سے منع کیا۔ قدرت کی شان کہ ہفتہ کے روز مچھلیاں زیادہ آنے لگیں جنہیں وہ گڑھوں کی مدد سے شکار کرنے لگے، چونکہ ہفتہ کے دن شکار کی ممانعت ذریعہ اور سبب بنا اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں بندر اور خنزیر کی صورت میں بدل دیا۔

حدیث شریف: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ بی بی ام حبیبہ اور بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر حبشہ کے گرجا میں دیکھی۔ اس کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ آپ نے فرمایا ان لوگوں کا طریقہ تھا کہ جب کوئی ان کا کوئی نیک آدمی فوت ہوتا تو اس کی قبر کے اوپر مسجد بنا کر اس نیک آدمی کی تصویر کھنچوا کر اس مسجد میں آویزاں کر دیتے۔ ایسے لوگ اللہ کے نزدیک بہت برے ہیں۔

ف: علماء کرام فرماتے ہیں کہ ان لوگوں نے صالحین کی تصاویر اس لئے بنائیں تا کہ وہ لوگوں کو دکھائی جائیں اور لوگ انہیں دیکھ کر ان کے حالات دریافت کریں اور ان کی طرح عبادت کرنے کی سعی کریں۔ یہی طریقہ ان کے سابقین کا تھا کہ تصاویر قبروں پر آویزاں ہوتیں اور لوگ انہیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے۔ بعد ازاں نا اہل پیدا ہو گئے ان کو اپنے اسلاف کے اطوار کا صحیح علم نہ تھا شیطان نے انہیں وسوسہ میں ڈالا کہ تمہارے آباؤ اجداد ان تصاویر کی پرستش کرتے تھے۔ چنانچہ وہ شیاطین کے بہکاوے میں آ گئے اور ان کی پرستش کرنے لگ گئے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تصاویر کھنچوانے سے روک دیا اور اس پر سخت وعیدیں سنائیں اور فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کا سخت غضب ہے ان لوگوں پر جو اپنے انبیاء و اولیاء کی قبور کو سجدہ گاہ بناتے ہیں"

اور فرمایا: "یا اللہ! میری قبر کو نہ بنانا کہ اس کی پرستش ہو" اور فرمایا: بندہ متقیوں کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ امور ترک نہ کر دے جو اباحت کا حکم تو رکھتے ہوں لیکن ان میں خطرہ ہو" اور فرمایا: "گناہ کبیرہ ہے اس شخص کے لئے جو اپنے ماں باپ کو گالیاں دیتا ہے" عرض کیا: "کون بد بخت ہے جو اپنے ماں باپ کو گالیاں دیتا ہے" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں جو کسی کے باپ کو گالیاں دیتا ہے تو وہ بھی اس کے باپ کو گالیاں دے گا" اس میں ماں باپ کی گالیوں کے سبب اور ذریعہ کو بھی روکا گیا ہے اور فرمایا: حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی لیکن ان کے درمیان چند مشتبہات ہیں جو ان مشتبہات سے بچتا ہے اس نے اپنے دین اور عزت کو

marfat.ocm

بچالیا۔ جوان کا ارتکاب کرتا ہے وہ حرام کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی راعی چراگاہ کے ارد گرد پھرے تو کسی نہ کسی طریق سے اس میں واقع ہو جائے گا" اس میں حرام سے بچنے سے پہلے ان کے اسباب مشتبہات سے بھی روکا ہے۔

حدیث شریف: میں ہے کہ عینہ کی بیع کرنے لگو گے اور گاؤ کے دُم سینے پر لگاؤ گے اور کھیتی باڑی میں انتہائی مصروف ہو جاؤ گے اور جہاد ترک کر دو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر ذلت مسلط کر دے گا۔ جس سے تم مرتد ہو جاؤ گے۔

ف: عینہ وہ بیع ہے کہ کسی کو کوئی چیز میعادِ مقررہ تک بیچ دی جائے پھر تھوڑے پیسے نقد دے کر واپس لے لی جائے
۲۔ اسے بیع عینہ اس لئے کہتے ہیں کہ صاحبِ بیع کو نقد رقم مل جاتی ہے اور مشتری اس لئے خریدتا ہے کہ اسے وہ نقد رقم جو اسے فوراً مل جائے۔ عینہ حاضر شئے کو کہتے ہیں۔
۳۔ اس حدیث میں زراعت کی مذمت کی گئی ہے۔ یہ اس وقت ہے جب زراعت جہاد کے ترک کا سبب بنے۔

حدیث شریف: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کے گھر میں کھیتی باڑی کا سامان ملاحظہ فرمایا تو ارشاد فرمایا: "یہ وہ گھر ہے جس میں ذلت آئے گی" اس کی وجہ یہ ہے کہ کھیتی دنیا کے کاروبار سے ہے اور جہاد سے روکنے کا سبب ہے اس لیے اس کی مذمت کی گئی ہے اور دنیوی کاروبار میں زیادہ منہمک رہنا کافروں کا کام ہے۔ مسلمان کے لئے تو یہ ایک عارضی عمل ہے کیونکہ مسلمان تو اس عمل کو صرف آخرت کا سبب سمجھتا ہے اور کفار اسے زیب و زینت سمجھتے ہیں انہیں آخرت سے غفلت ہے۔

حدیث شریف: حضور علیہ السلام نے فرمایا: "دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت" یعنی بہ نسبت اس کے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے آخرت کی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں۔ یہ دنیا کافر کے لئے جنت ہے۔ یعنی بہ نسبت اس کے کہ جو عذاب اس کے لئے آخرت میں تیار ہے۔

مَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا دوست نہیں رکھتے وہ لوگ جو کافر ہیں۔

شانِ نزول: یہود کا ایک گروہ تھا جو مومنین کے لئے محبت کا اظہار کرتا اور دعویٰ کرتا کہ ہم تمہارے لئے بھلائی

marfat.ocm

کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ان کی تکذیب کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔

اَلْـــوَدُّ: کسی شئے کی آرزو رکھتے ہوئے محبوب رکھنا۔ محبت کی نفی سے کراہت مقصود ہے۔ یعنی دوست نہیں وہ لوگ جو کافر ہیں۔ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ، مِنْ بیانیہ ہے کیونکہ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا جنس ہے کے تحت دو نوع ہیں۔

ا۔ اہلِ کتاب ۲۔ مشرکین۔

یوں کہا گیا ہے کہ دوست نہیں رکھتے وہ لوگ جو کافر ہیں۔ یعنی اہل کتاب اور مشرکین۔ پھر بیان کیا کہ وہ جو کافر ہیں وہ عموم میں باقی ہیں یعنی ہر دو نوع مراد ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ کفار دوست نہیں رکھتے۔

اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ یہ کہ تمہارے نبی علیہ السلام پر کچھ نازل ہو۔ کیونکہ جو نبی علیہ السلام پر نازل ہوا وہی امت پر نازل ہوا۔ مِنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فاعل کے قائم مقام ہے۔ اور مِنْ زائدہ ہے۔ خَيْرٍ کے استغراق کے لئے اور خَيْرٍ سے وحی اور قرآن اور نصرۃ مراد ہے۔ مِنْ ابتداء غایت کے لئے ہے۔ معنی یہ ہے کہ اپنے آپ کو تو زیادہ حقدار سمجھتے ہیں کہ وحی ہم پر نازل ہونی چاہیے تھی یہ تمہارے ساتھ حسد کرتے ہیں اور مکروہ سمجھتے ہیں کہ تم پر وحی کی کوئی شئے نازل ہو۔ یہود تو اس لئے حسد کرتے ہیں کہ وہ انبیاء علیہم السلام کی اولاد میں سے ہیں اور ان کا خاندان وحی کا گہوارہ رہا اور تم لوگ عموماً ان پڑھ رہے اور مشرکین اس سے حسد کرتے ہیں کہ ان میں اکثر ذی مرتبہ اور مالدار ہیں اور ان کا گمان تھا کہ دنیوی منصب کی طرح منصب نبوت بھی صرف انہی کو ملتا ہے جو ذی مرتبہ اور صاحب جائیداد اور جس کے پاس ظاہری اسباب بہت زیادہ ہوں۔ اسی لئے وہ کہتے تھے: وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (یہ قرآن دو گاؤں کے درمیان رہنے والے بڑی شوکت مرد پر کیوں نہ اترا)

اس سے طائف کا نعیم بن مسعود ثقفی یا مکہ کا ولید بن مغیرہ مراد ہے۔ ان دونوں کی آرزو یہی تھی کہ نبوت ان میں سے کسی ایک کو ملتی۔ ان کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے مختص فرماتا ہے۔

حل لغات: عربی میں کہتے ہیں: خَصَّهٗ بِالشَّيْءِ وَاخْتَصَّهٗ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی معاملہ میں صرف اسی کو مخصوص کیا جائے۔

مَنْ يَّشَآءُ کا مفعول بہ محذوف ہے۔ رحمۃ سے نبوت، وحی، حکمت اور نصرت مراد ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ

marfat.ocm

تعالیٰ اپنی رحمت سے جسے چاہتا ہے نوازتا ہے اور اپنا خاص فضل وکرم صرف اسی کو عطا کرتا ہے جو اس کا مستحق ہوتا ہے۔ لیکن یہ اس کی مرضی پر موقوف ہے کہ جسے چاہے نوازے۔ نہ ہی یہ اس پر واجب اور نہ ہی کسی کا کوئی حق اس پر واجب ہے۔

سوال : بعض مشائخ کی عبارات میں واقع ہوا ہے کہ فلاں بات واجب ہے؟

جواب : اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ اس شئے کا حق اسی طرح تھا کہ وہ مستحقین کے لئے واجب ہے اور ثابت نہ ہو کہ اللہ پر دوسرے واجب کرنے والے سے واجب ہے۔

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل وکرم سے نبوت ووحی کے لئے چن لیتا ہے۔ اس سے معتزلہ پر حجت قائم ہوگئی کہ کسی پر اس کا فضل وکرم کرنا اس کا اپنا احسان ہے اس پر کوئی شئے واجب نہیں کیونکہ جس پر کوئی شئے واجب ہوتی ہے اسے قاضی مَاوَجَبَ کو ادا کرنے والا کہا جاتا ہے نہ کہ فضل واحسان کرنے والا اور یہ بھی ہے کہ جس پر بہتر فضل کا عمل میں لانا واجب ہوتا ہے تو وہ ذوالجلال کہا جاتا ہے نہ کہ ذوالفضل۔ اس سے ثابت ہوا کہ نبوت ووحی کے لئے کسی بندے کو چن لینا اس کا فضل محض ہے اور ان کے علاوہ دوسروں کو اس نعمت سے محروم رکھنا فضل وکرم کی تنگی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی اپنی مشیت وحکمت ہے۔ پھر جو شخص اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے سے اعراض کرتا ہے تو وہ اس کی حماقت وجہالت ہے۔

ف : اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے دو قسم کے ہیں: ۱: وہ جن کو اللہ تعالیٰ نے حق کی تائید وحمایت کے لئے منتخب فرمایا مخصوص عباد وزہاد اور اہل الاعمال والاوراد ہیں۔ ۲: وہ حضرات جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کے لئے مخصوص فرمایا ہے وہ اہل محبت اور اہل عشق ہیں وہ سب کے سب اس کی خدمت کے لئے اور اس کے حکم کے ماتحت ہیں کیونکہ ان سب کا مقصد اور توجہ وہی ذات ہے اور بس اور عبودیت ایک ایسی صفت ہے کہ بندہ جب تک زندہ رہے اس سے کبھی جدا نہیں ہوتی اور عبودیت کے اسرار میں سے ایک یہ ہے کہ قلب سے حسد کو خارج کردے۔

ف : بعض حکماء نے فرمایا ہے کہ حاسد اللہ تعالیٰ سے پانچ وجوہ سے مقابلہ کررہا ہے۔

۱: اس نے اللہ تعالیٰ کی ہر اس نعمت سے بغض کیا جو اللہ تعالیٰ نے اس کے غیر کو عطا فرمائی۔ ۲: اللہ تعالیٰ کی تقسیم سے غصہ کیا۔ گویا اللہ تعالیٰ سے کہتا ہے یارب! تو نے یہ تقسیم غلط کی تجھے چاہیے تھا کہ یوں تقسیم کرتا۔

۳: اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنے فضل و کرم سے دیتا ہے اور حاسد اللہ تعالیٰ کے فضل فراوان سے بخل کرتا ہے۔

۴: جس پر اللہ تعالیٰ کی عطا ہوئی تو وہ گویا اللہ تعالیٰ کا منتخب بندہ ہے اور حاسد اسے رسوا کرنا چاہتا ہے اور اس کے لئے زوالِ نعمت کا خواہاں ہوتا ہے۔ ۵: حاسد اللہ تعالیٰ کے دشمن ابلیس کی مدد کر رہا ہے کہ وہ بھی آدم علیہ السلام پر حسد کر کے رسوا ہوا۔ حسد کا روحانی نقصان اور عالمِ مثال میں اس کی مثال: جان اے جانِ من! حسد کا نقصان تیرے دشمن پر تو اثر انداز نہیں ہوگا البتہ اس کا خمیازہ تجھے بھگتنا پڑے گا۔

اے بھائی! اگر حسد کی خرابی تیرے سامنے منکشف ہو جائے تو خواہ بیداری میں یا خواب میں، تو تجھے نظر آئے گا حسد سے تو ایک بھاری پتھر اٹھا کر جس پر حسد کر رہا ہے اس کو مارنا چاہتا ہے جو تو اس پتھر کو اپنے دشمن کی طرف پھینکتا ہے تو وہ تیری دائیں آنکھ کو پھوڑ دیتا ہے۔ پھر تیرا غضب بڑھ جاتا ہے پھر دوبارہ زور سے مارتا ہے تو تیری بائیں آنکھ پر لگتا ہے جس سے تو اندھا ہو جاتا ہے بعد ازاں پھر غصہ سے اور زور لگا کر مارتا ہے تو تیرا سر پھوڑ دیتا ہے۔ اس سے تیرے دشمن کا تو کچھ نہیں بگڑتا لیکن تو نے اپنا بیڑا غرق کر لیا جس سے تیرے ارد گرد تیرے دشمن خوش گپیاں اڑاتے ہیں۔ یہ انجام ہے حسد کرنے کا۔ دراصل یہ شیطان کا کھلونا ہے۔

حکایت: شیخ ابوبکر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص بادشاہ کے پاس آیا کرتا تھا اور کہتا کہ محسن پر احسان کر، تاکہ برے کی برائی تیرے اوپر اثر انداز نہ ہو سکے۔ ایک شخص میں حسد جاگا اور تدبیر سوچی کہ اس کو اس مرتبہ سے گرائے۔ اس نے بادشاہ سے کہا جو شخص تجھ سے ہم کلام ہوتا ہے کہتا ہے کہ بادشاہ کے منہ سے بدبو آتی ہے۔ بادشاہ نے کہا: کیسے یقین ہو کہ وہ ایسے کہتا ہے۔ حاسد نے کہا: آزمائش شرط ہے، دیکھنا کل جب وہ آپ کے قریب آئے گا کلام کرتے وقت اپنے منہ پر رومال ڈال کر بات کرے گا۔ وہ صرف تیرے منہ کی بدبو کی وجہ سے ایسا کرے گا۔ ادھر حاسد بادشاہ کو یہ الفاظ کہنے کے بجائے سیدھا اس شخص کے پاس پہنچا اور اپنے گھر اسے دعوت پر بلایا اس نے دعوت قبول کر لی۔ حاسد نے طعام میں کچھ کچا لہسن ملا دیا۔ طعام سے فارغ ہو کر وہ سیدھا بادشاہ کے ہاں چلا گیا اور حسبِ دستور کلام شروع کر دیا لیکن قدرے دور کھڑا ہو کر۔ بادشاہ نے فرمایا: ذرا قریب ہو جائیے۔ اس نے اس خطرہ سے کہ بادشاہ کو اس کے منہ سے لہسن کی بدبو کی وجہ سے نفرت نہ ہو اپنے منہ پر رومال ڈال دیا۔ بادشاہ کو حاسد کی بات کا یقین آ گیا۔ چنانچہ غصہ میں آ کر ایک خط لکھا اور اسے کہا

کہ یہ خط فلاں حاکم کو دے آؤ۔ اس میں لکھا تھا کہ جب یہ شخص تمہارے پاس آئے اسے قتل کر دو اور گوشت کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے کھال اتار کر میرے ہاں بھیج دو۔ یہ شخص خط لے کر باہر نکلا تو راستے میں وہی حاسد مل گیا۔ ماجرا پوچھا تو اس شخص نے کہا: مجھے بادشاہ نے یہ خط دیا ہے تاکہ فلاں حاکم کو پہنچاؤں۔ حاسد نے نہایت عجز و انکساری سے خط مانگا اس لالچ سے کہ شاید اس میں انعام واکرام لکھا ہو جیسا کہ اس سے قبل بادشاہ کی عادت تھی۔ اس شخص نے حاسد کے عجز کو دیکھ کر خط حاسد کو دے دیا۔ جب حاسد نے خط حاکم کو پہنچایا۔ حاکم نے خط پڑھا اور حاسد کو بتایا اس میں لکھا ہے کہ تمہیں قتل کروں اور گوشت کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے کھال اتار کر بادشاہ کو بھیجوں حاسد چیخا چلایا اور قسمیں کھائیں کہ یہ خط میرے نام کا نہیں دوسرے شخص کا ہے چلیے بادشاہ سے تحقیق کر لیجئے۔ حاکم نے کہا: یہ میرے بس کی بات نہیں۔ حاکم نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور گوشت کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے کھال اتار کر بادشاہ کو بھیج دیئے۔ اگلے روز حسب معمول وہ شخص بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بادشاہ متعجب ہوا اور پوچھا کل جو میں نے تجھے خط دیا تھا اس کا کیا ہوا؟ عرض کیا: فلاں شخص مجھ سے بہ منت ساجت لے گیا۔ بادشاہ نے پوچھا: کل مجھ سے ہم کلام ہوتے وقت تو نے منہ پر رومال کیوں ڈالا؟ عرض کی: حضور! اسی شخص نے مجھے طعام کھلایا جس میں کچا لہسن تھا۔ ادھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بات کرتے ہوئے شرم آئی کہ کہیں میرے منہ کی بدبو آپ کو تکلیف نہ دے میں نے منہ پر رومال ڈال لیا۔ بادشاہ ہنس دیا اور کہنے لگا: واقعہ برے کا انجام برا ہوتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا: ؎

ہر کہ او نیک ے کند یابد نیک و بد ہر چہ ے کند یابد

ترجمہ: جو بھی نیکی یا برائی کرتا ہے نیکی یا برائی جیسی کرے گا ویسی پائے گا۔

مَا شرطیہ اور جازم ہے اور بہ بنائے مفعولیت منصوب ہے۔ بمعنی ای شئی **نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ** کا محل نصب ہے۔ لفظ نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ کی تمیز ہے نسخ لغت میں ازالہ اور نقل کو کہتے ہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے: **نَسَخْتُ الْكِتٰبَ اَیْ مِنْ نُسْخَةٍ اِلٰی نُسْخَةٍ** اور آیت کا نسخ بمعنی عبادت کے وقت کا انتہاء قراۃ، یا وہ حکم جو منسوخ ہو جو اس قراۃ سے حاصل ہو۔

اقسامِ نسخ: ۔ نسخ کی کئی قسمیں ہیں: ۱: صرف قراۃ کا منسوخ ہونا، جیسے آیہ رجم۔ مروی ہے کہ یہ آیت یوں تھی

اِنَّ مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِىْ كِتَابِ اللّٰهِ الشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ اِذَا زَنَيَا فَارْجِمُوْهُمَا اب یہ آیت منسوخ التلاوت ہے لیکن حکم موجود ہے اور اس کا نسخ کا معنیٰ یہ ہے کہ نسخ تلاوت کے وقت اس کی قراۃ کی تکلیف اٹھالی گئی۔

۲۔ حکم منسوخ، جیسے متوفی عنہا زوجہا کی عدت کا ایک سال ہونا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ یہ غیر اخرج ہے اس کا حکم منسوخ ہے، آیت سے کہ جس میں حکم ہے کہ متوفی عنہا زوجہا کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔ کما قال تعالیٰ: وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ پہلے حکم تھا کہ ایک فرد مسلمان دس کفار کے ساتھ صبر کرے۔ بعد میں یہ منسوخ ہو کر حکم ہوا کہ ایک دو کے ساتھ صبر کرے۔ اسے منسوخ الحکم کہا جاتا ہے لیکن اس کی تلاوت موجود ہے۔ یہی قسم نسخ فی القرآن میں زیادہ مشہور ہے۔ آیتِ ناسخہ و منسوخہ دونوں میں تلاوت میں ثابت ہوگی لیکن منسوخہ آیت پر عمل ہرگز نہیں کیا جائے گا۔

اس جیسے نسخ کا معنی یہ ہے کہ اس حکم کے ساتھ جو بندہ کو مکلف بنایا گیا تھا اس آیت سے اس کے انتہاء کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ حکم منسوخ ہو جانے کے بعد تلاوت کا حکم باقی رکھا گیا تاکہ اس کی قرأت سے بندوں کو ثواب حاصل ہو کیونکہ قرآن کو جس طرح کہ اس کے حکم کی وجہ سے حفظ کیا جاتا ہے تاکہ اس پر عمل کرنا بآسانی نصیب ہو اسی طرح اس کی تلاوت اس لیے کی جاتی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جس پر اسے ثواب حاصل ہوتا ہے۔ جس کا حکم و تلاوت دونوں منسوخ ہو جائیں۔ جیسے بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کتاب اللہ میں پہلے دس رضعات یعنی دودھ چوسنے کا حکم تھا پھر پانچ کا کہ جس سے تحریم نکاح ثابت ہو جائے۔ اس قول کے مطابق اب یہ حکم بھی منسوخ ہے اور قرأت بھی اس جیسے نسخ کا مطلب یہ ہے کہ اس قرأت اور اس سے جو حکم حاصل ہو رہا تھا کی تکلیف بندہ سے اٹھالی گئی۔ یہ آیت منسوخ ہوئی۔

قاعدہ: امام قرطبی فرماتے ہیں کہ جمہور کا اتفاق ہے کہ نسخ اوامر و نواہی میں ہوتا ہے نہ کہ اخبار میں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ پر کذب کا احتمال نہ ہو۔ (کذب اللہ تعالیٰ سے محال ہے) اَوْ نُنْسِهَا یا ان کے دلوں سے آیات مٹادیں۔

شانِ نزول:۔ ۱: مروی ہے کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رات گزرنے کے بعد صبح کو جب اٹھے کہ سورۃ پڑھیں لیکن انہیں وہ سورۃ سوائے بسم اللہ کے اور کچھ یاد نہ تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

marfat.ocm

خدمت میں حاضر ہوئے اور صورت حال بتائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ سورۃ اب منسوخ ہوگئی ہے اب نہ اس کی تلاوت ہوگی نہ ہی اس کا حکم باقی رہا۔

۲: مروی ہے کہ مشرکین اور یہود نے کہا کہ نبی علیہ السلام کی عجیب کیفیت ہے کہ ایک دن صحابہ کو کہتے ہیں کہ یہ کام کرو۔ پھر اسی سے انہیں روک دیتے ہیں بلکہ بسا اوقات اس حکم کے خلاف امر فرماتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جو کچھ کہتے ہیں ان کا اپنا من گھڑت ہے۔ مثلاً آج کوئی بات کہی اور کل اس سے رجوع فرمالیا۔ مثلاً زنا کی سزا پہلے یوں بتائی کہ زانی مرد و عورت کو زبانی سزا کافی ہے۔ چنانچہ کہا: فَاٰذُوْهُمَا (انہیں زبانی سزا دو) پھر حکم فرمایا کہ انہیں ان کے مرتے دم تک گھروں سے باہر نہ جانے دو۔

پھر یہ فرمایا: فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ یعنی انہیں سو کوڑے لگاؤ۔ اس سے یہودیوں کا مقصد صرف اسلام پر طعن و تشنیع کے سوا اور کچھ نہیں تھا تا کہ جو لوگ بھی اسلام میں داخل ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں وہ اس ارادہ سے باز آجائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی وجہ سے آیات منسوخ ہونے کی حکمت بتائی۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ جس آیت اللہ تعالیٰ منسوخ کرتا ہے اس میں حکمت اور مصلحت ہوتی ہے کہ اس کی تلاوت یا حکم دونوں منسوخ کردے۔ پھر اس کے عوض دوسری آیت وغیرہ نازل فرمائے یا نہ۔ یہ اللہ کی مرضی پر منحصر ہے۔

نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اس سے اور بہتر حکم (جو بندوں کی مصلحت کے مطابق ہے) لاتے ہیں کہ منسوخ ہونے والی آیت کے بجائے اس آیت میں بندوں کا نفع اور ثواب زائد ہے۔

ازالہ وہم:۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آیتِ ناسخہ آیتِ منسوخہ سے افضل ہے یا بہتر ہے، بلکہ دونوں شان میں برابر ہیں کیونکہ دونوں اللہ تعالیٰ کے کلام ہیں اور اسی کی کتاب ہیں۔ صرف چونکہ بندہ کے فوائد و منافع اور ثواب ناسخہ آیات میں زائد ہیں۔ اسی لئے ان کو برقرار رکھا گیا اور ان منسوخہ آیات کو اٹھالیا گیا۔

اَوْ مِثْلِهَا یا یہ کہ آیتِ منسوخہ کی مثل نفع اور ثواب کے لحاظ سے دوسری آیت نازل کی گئی۔ اس کے دو طریقے ہیں

۱: آیت ناسخہ عمل کے لحاظ سے منسوخہ آیت سے آسان ہے۔

۲: آیت ناسخہ میں عملی لحاظ سے مشقت کرنی پڑتی ہے۔ اسی لئے اس میں منسوخہ آیت کی نسبت زائد ثواب ہے۔

پہلے کی مثال جیسے عورت متوفی عنہا الزوج کی عدت کا ایک سال کی بجائے چار ماہ دس دن کا حکم ہے۔

دوسرے کی مثال کفار سے پہلے جنگ کرنا اختیاری تھا پھر واجب ہو گیا۔

۳۔ ان دو صورتوں کے علاوہ ایک تیسری صورت بھی ہے، یہ کہ منسوخہ اور ناسخہ آیات مشقت یا آسانی میں برابر ہوں جیسے بیت المقدس کے بجائے بیت اللہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنا۔

مسئلہ: ضروری نہیں کہ نسخ آیت یا اس سے زائد پر جاری ہو بلکہ آیت کے کسی ایک ٹکڑے کو بھی منسوخ کیا جاتا ہے۔

سوال: آیت میں تو پوری آیت کا حکم ہے اور تم نے ایک ٹکڑے کا حکم کہاں سے ثابت کر لیا؟

جواب: آیت کا حکم بیان کرنا اغلبیت کے لحاظ سے ہے کہ اکثر نسخ تو آیت یا اس سے زائد میں ہوتا ہے لیکن کبھی کم میں بھی نسخ جاری ہو جاتا ہے۔

عقیدہ: ہر حکم کا حقیقی ناسخ اللہ تعالیٰ ہے یا خطابِ شرعی کو مجازاً ناسخ کہا جاتا ہے کیونکہ نسخ اسی سبب سے ہوا۔ بنا بریں فعل کا اسناد اسی کی طرف کیا جاتا ہے۔

ف: منسوخ وہی حکم ہے جو بندوں سے ہٹایا گیا ہے اور منسوخ عنہ وہ بندہ ہے جسے اس حکم کے ہٹائے ہوئے سے دور رکھا گیا ہے۔ یعنی بندہ مکلف عاقل بالغ۔

نسخ کی حکمت:[1]

تم نے اطباء کو دیکھا ہو گا کہ مریض کے مزاج کے مطابق ادویہ اور اغذیہ تبدیل کرتے ہیں۔ اسی طرح حضرات انبیاء علیہم السلام ہمارے روحانی معالج ہیں۔ ہمارے نفوس کے کوائف کو دیکھ کر اعمالِ شرعیہ اور احکامِ خلقیہ کو تبدیل کرتے رہتے ہیں۔ کیونکہ ارواح کو بھی اس کی ضرورت ہے۔ جیسے اجسام کو اغذیہ کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ اعمال و احکام ارواح کی اغذیہ ہیں۔ انہیں مزاجوں کے مطابق تبدیل کرنا پڑتا ہے۔ دیکھئے کسی وقت ایک دوائی کسی انسان کے لئے مفید ہوتی ہے اور وہی دوائی کسی دوسرے وقت اسی انسان کے لئے زہر قاتل بن جاتی ہے۔ اسی طرح اعمال کے کوائف ہیں کہ کسی وقت مفید ہوتے ہیں اور کسی وقت نقصان دہ۔ کچھ ایسی ہی کیفیت پیر و مرید کی بھی ہے کہ سلوک کی راہ میں مختلف عادات و اطوار انہیں استعمال کرنے پڑتے ہیں۔ اس کا علم اسے ہے جس نے کسی مرشد کا دامن پکڑا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے:

---

[1] نسخ کی مزید تفصیل فقیر کی کتاب "القول الراسخ فی تحقیق المنسوخ والناسخ" یا "احسن البیان" کا حصہ اول میں پڑھیے۔ اویسی۔

marfat.ocm

رمز ننسخ آیت او ننسھا   نات خیراً درعقب می دان مہا
ہر شریعت را کہ حق منسوخ کرد   اوکیا بر دوعوض آوردہ ورد
اندریں شہر حوادث میرا وست   درممالک مالک تدبیر اوست
آنکہ داند دوخت او داند درید   ہر چہ رابفروخت نیکو تر خرید

ترجمہ :

ا:۔ رمز آیت ننسخ اوننسھا پڑھ، اس کے بعد نات بخیر کو بھی۔ اے میرے عزیز! سمجھ۔
۲:۔ جس شریعت کو حق تعالٰی نے منسوخ کیا، لکڑی کو لے لیا لیکن پھول عطا فرمایا۔
۳۔ اس شہر میں حوادث ہیں جن کا مالک وہی ہے اپنے ملکوں کی تدابیر کا خود مالک ہے۔
۴۔ جو سینا جانتا ہے وہ پھاڑ بھی سکتا ہے۔ جو کچھ بیچا اس سے بہتر خریدا۔

اَلَمْ تَعْلَمْ یہ خطاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور استفہام تقریری ہے یعنی بیشک آپ جانتے ہیں کہ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وہ ہر شئے پر قادر ہے۔ جب وہ ہر شئے پر قادر ہے تو نسخ کر کے آیۃ منسوخ کی طرح دوسری آیت یا اس سے بہتر لانے پر بھی قادر ہے۔ اَلَمْ تَعْلَمْ کیا تو نہیں جانتا۔

سوال : اس خطاب سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں خاص فرمایا؟ حالانکہ غیر بھی اس میں شامل ہے؟

جواب : اس کی وجہ یہ ہے کہ خطاب سے مذکور شئے کے متعلق مخاطب کے علم کی تقریر مطلوب ہوتی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی بشر زیادہ عالم نہیں ہے کیونکہ ملک السموٰت والارض کے اسرار کے عالم آپ ہیں۔ کسی دوسرے کو کیا خبر!

علم غیب کا بیان: اذقد وقف من اسرار ملکوت السموٰت علی ما یطلع علیہ غیرہ وعلم غیرہ بالنسبۃ الی علمہ علیہ السلام ملحق با لعدم لان علم الاولیاء من علم الانبیاء بمنزلۃ قطرۃ من مبعۃ ابحر وعلم الانبیاء من علم نبینا علیہ السلام بھٰذہ المنزلۃ وعلم نبینا من علم الحق سبحانہ بھٰذہ المنزلۃ . (روح البیان جلد ا، صفحہ ۱۲۷)

کیونکہ آسمان وزمین کے ملکوت کے اسرار جو کچھ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں کسی

marfat.ocm

دوسرے کو ہوا بھی نہیں لگی کیونکہ دوسروں کے علم آپ کے علم کے سامنے کالعدم ہیں اسی لئے اولیاء کرام کے علوم انبیاء علیہم السلام کے علوم کے آگے ایسے ہیں جیسے قطرہ کو دریا سے نسبت ہے پھر انبیاء علیہم السلام کے علم کے سامنے ایسے ہے جیسے حضور کے علم کو اللہ تعالیٰ کے علم کے آگے اسی طرح۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور حکم دیتا ہے جو ارادہ کرتا ہے۔ بیشک آسمانوں اور زمین کے ملک اسی کے ہیں۔ یہ آیت عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ کے بمنزلہ دلیل کے لئے ہے۔ مُلْكُ بمعنی تمام القدرۃ اور اس پر قابض ہونا۔

سوال: السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی تخصیص بالذکر کیوں ہے حالانکہ تمام دنیا وآخرت اس کے قبضہ قدرت میں ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی مصنوعات سے یہ دونوں اعظم بالشان اور عجیب ترین ہیں۔

وَمَا لَكُمْ تمہارے لئے نہیں اے مومنو! مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ کے ماسوا۔ یہ جملہ وَلِيٍّ سے حال ہونے کی وجہ سے نصب کے محل میں ہے۔ دراصل وَلِيٍّ کی صفت ہونا چاہیے تھا لیکن چونکہ وہ مقدم واقع ہوا ہے بنابریں اسے منصوب ہونا زیادہ لائق ہے۔ مِنْ استغراق کے لئے اور وہ زائد ہے۔ وَلِيٍّ بمعنی قریب وصدیق، بعض کہتے ہیں وَلِيٍّ بمعنی والی۔ یعنی وہ جوامر کی درستی کرنے والا ہو وَلَا نَصِيْرٍ یعنی معین وناصر۔

ف: وَلِيٍّ اور نَصِيْرٍ میں فرق یہ ہے کہ ولی کبھی مدد کرنے سے ضعیف ہوجاتا ہے اور نصیر نہیں ہوتا اور نصیر کبھی اجنبی ہوتا ہے اور ولی نہیں ہوتا۔ اس میں مومنین کو تسکین دی گئی ہے کہ تمہارا یار ومددگار اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں۔ فلہٰذا اس کے ماسوا کسی دوسرے پر اعتماد مت کرو اور اس کے ماسوا کسی سے التجا بھی نہیں کرنی چاہیے۔

عقیدہ: خلاصہ یہ ہے کہ تین امور کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے۔ ۱: اللہ تعالیٰ ہر شئے پر قادر ہے۔ ۲: اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں زمین وآسمان ہیں۔ ۳: اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی حامی وناصر نہیں۔

اور یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ دینی اور دنیوی معاملات میں سوائے بھلائی کے اور کچھ نہیں کرے گا اور اس آیت پر عمل کا موجب ہے کہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا چاہیے اور ہر امر اس کے سپرد کرنا چاہیے۔ کفار کی طرف نہ دھیان کرنا چاہیے اور نہ ہی ان کے شک آمیز اقوال (منجملہ ان کے امر نسخ بھی ہے) کی طرف خیال کرنا چاہیے۔

اَمْ تُرِيْدُوْنَ یہ لفظ اَمْ ہمزہ استفہام جو اَلَمْ تَعْلَمْ میں واقع ہے کہ وجہ سے ہے۔ یعنی اے لوگو! کیا تمہیں معلوم

marfat.ocm

نہیں کہ اللہ تعالیٰ جملہ امور کا مالک ہے اور ہر شے پر قادر ہے۔ وہ امرونہی جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے۔ کیا تم عمداً سوال کرتے ہو جیسے یہودیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا تھا۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو تنبیہ ہو جائے کہ وہ اپنے امور خصوصاً نسخ کے معاملہ میں مضبوط ہو جائیں اور اس کی تحقیق و تفتیش کے در پے نہ ہوں اور نہ ہی سوچے سمجھے بغیر اعتراض کریں۔

اَنْ تَسْئَلُوْا یہ کہ تم اے مسلمانو! سوال کر بیٹھو رَسُوْلَكُمْ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے چونکہ ان کی شان بہت بلند ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اپنی خواہشات سے مغلوب ہو کر ان سے ناجائز سوال کر بیٹھو۔ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر۔ وہ جو کچھ تمہارے پاس بھیجتا ہے یہ اس کا فضل ہے۔ تمہیں اللہ تعالیٰ کے اسرار سے کیا خبر۔ یہ ان کو اس وقت فرمایا جب صحابہ خواہ مخواہ نسخ کے احکام کی حکمتوں اور اس کی تفصیل کے پیچھے پڑ گئے۔

كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى یہ ما مصدریہ ہے اور یہ فعل مصدر بن کر تشبیہ کا فائدہ دے رہا ہے۔ اسی لیے اسے مصدر تشبیہ کہتے ہیں۔ پھر یہ مصدر محذوف کی صفت ہے اور اصل عبارت یوں تھی سوالا مشبها بسوال موسیٰ علیہ السلام.
یعنی ایسا سوال نہ کرو جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوال کے مشابہ ہو۔

وہ سوال یہ تھا کہ ان کے متبعین نے جب دیکھا کہ بعض لوگ گوسالہ پرستی کرتے ہیں تو انہوں نے بھی کہہ دیا: اجْعَلْ لَّنَا اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ (ہمارا معبود بھی ایسا ہونا چاہیے) دوسرا سوال یہ کیا کہ ہمیں اپنا خدا دکھاؤ اور وہ بالکل آمنے سامنے ہو کر آئے علاوہ ازیں وہی سوالات کیے جو اس پارہ کے اول میں گزرے۔

مِنْ قَبْلُ حضور علیہ السلام کی تشریف آوری سے پہلے۔ یہ سُئِلَ کے متعلق اور تاکید کے لئے ہے۔

وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ جو کفر کو اپنے لئے اختیار کرتا ہے۔ بِالْاِيْمَانِ ایمان کی بجائے۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ وہ آیات جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری مصلحت کے لئے نازل ہوتی ہیں اگرچہ وہ ناسخہ سہی۔ ان پر جو شخص بھی اعتبار نہ کرے۔ (حالانکہ یہ اس وقت تمہاری بہودی اور خالص حق کے لئے ہیں) ان کے برعکس چاہے۔ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ تو وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔ یعنی ایسے راستے سے بھٹکا جو ہدایت اور حق کا راستہ ہے اور وہ خواہشات نفسانیہ کے جنگل میں پھنس گیا اور ہلاکت کے گڑھے میں جا گرا۔

ف: سَوَآءَ السَّبِيْلِ ہر وہ راستہ جو زیادتی و کمی سے پاک ہو اور وہی حق کی راہ ہے۔

marfat.ocm

شانِ نزول: یہودیوں نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید یکبارگی کیوں نہیں اترتا۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات یکبارگی نازل ہوئی۔ تب یہ آیت اتری۔

کما قال اللہ تعالیٰ: یَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰۤى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً اس لحاظ سے اَمْ تُرِيْدُوْنَ کے مخاطب یہود ہوں گے۔

سوال: رَسُوْلَكُمْ کا خطاب تو اسی تفسیر کے خلاف ہے کیونکہ حضور علیہ السلام یہودیوں کے بھی تو رسول تھے۔

جواب: آپ صلی اللہ علیہ وسلم رسالتِ عامہ میں وہ بھی شامل ہیں کیونکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امتِ دعوت میں داخل ہیں۔ ان کے تبدّل کفر کا یہ معنیٰ ہے کہ انہوں نے اپنی قدرت کو صرف کرنے کو ترک کیا انہیں قدرت حاصل ہونے کے باوجود وہ کفر اختیار کیے ہوئے ہیں۔ امام صاحب فرماتے ہیں: یہی تفسیر زیادہ صحیح ہے کیونکہ یہ آیت مدنیہ ہے اور اس سورۃ کے ابتداء یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ تک ان کی حکایت نقل ہے اور ان پر جو حجت قائم کرنی تھی قائم کردی۔

مسئلہ: اس آیت میں آدابِ غلامانہ بھی سمجھائے گئے ہیں جو اپنے آقا اور رسول اور خلیفہ کا ادب نہیں کرتا وہ سمجھ لو کہ وہ کفر کو پسند کررہا ہے۔

ف: ادب کا معنیٰ یہ ہے کہ بھلائی کو جمع کرلیا جائے۔

حدیث شریف: میں ہے: حضور علیہ السلام نے فرمایا:

"والد پر اولاد کے حقوق میں سے ہے کہ اولاد کا اچھا نام رکھے اور اسے اچھی عورت کا دودھ پلائے اور اسے اچھے آداب سکھائے ورنہ اس سے قیامت میں سوال ہوگا اور گرفت ہوگی اگر اس نے ان کے حقوق میں کمی کی۔"

ف: بستان العارفین میں ہے کہ ایمان کی مثال ایک ایسے شہر کی ہے کہ جس کے پانچ دروازے ہوں:

۱۔ سونے کا۔ ۲۔ چاندی کا۔ ۳۔ لوہے کا۔ ۴۔ تانبے کا۔ ۵۔ کچی اینٹ کا۔

جب تک شہر والے اس شہر کے پانچویں دروازے کی حفاظت کریں گے دشمن ان پر حملہ نہیں کرسکے گا جب اس کی حفاظت سے غفلت کریں گے تو دشمن اس میں گھس کر سارے شہر کو تباہ کر ڈالے گا۔

اسی طرح ایمان کے پانچ قلعے ہیں۔ ۱۔ یقین۔ ۲۔ اخلاص۔ ۳۔ اداء الفرائض۔ ۴۔ اتمام سنن۔ ۵۔ مستحبا۔

جب مستحبات کی پابندی کی جائے تو شیطان دور رہتا ہے۔ جب مستحبات کو ترک کر دیا جائے تو شیطان کو حملہ کرنے کا موقعہ مل جاتا ہے۔ پھر وہ سنت کو چھڑانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے بعد فرائض، پھر اخلاص میں خلل ڈالتا ہے، پھر یقین ختم کرالیتا ہے۔

سبق: سالک کو چاہیے کہ مستحبات کی پابندی کرے۔ کسی ایک معاملہ میں وضو ہو یا نماز بیع شراء ہو یا دوستی رفاقت وغیرہ، کوتاہی نہ کرے۔

ف: شریعت احکام کا نام ہے۔ طریقت ادب کو کہتے ہیں۔ جتنے گمراہ ہوئے ادب کے ترک کرنے کی وجہ سے ہوئے۔ مثال کے طور پر ابلیس کو دیکھئے۔ ایسے ہی دوسرے گمراہیوں کو جانیے:

بے ادب مرد کے شود مہتر گرچہ اورا جلالت نسب است
باادب باش تا بزرگ شوی کہ بزرگی نتیجہ ادب است

ترجمہ:

۱: بے ادب کب سردار بن سکتا ہے، چاہے اس کی نسبت کتنی ہی بزرگ ہو۔

۲۔ باادب ہوتا کہ بزرگی نصیب ہو کیونکہ بزرگی ادب کا نتیجہ ہے۔

ف: حضرت ابنِ سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ کون سا ادب اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہے؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی معرفت اس کی طاعت پر عمل اور ہر سکھ پر حمد اور دکھ پر صبر۔

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ یہ لوگ علماءِ یہود کا ایک گروہ تھا۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ فنحاص بن عازوا اور زید بن قیس یہود کے چند افراد حضرت حذیفہ بن یمان اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو جنگِ احد کے بعد کہنے لگے: ''کیا تم سوچتے نہیں کہ تمہیں اس موقع پر کتنی تکلیف پہنچی ہے۔ اگر تم حق پر ہوتے تو تمہیں شکست نہ ہوتی۔ بنابریں تمہیں چاہئے کہ ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ۔ تمہارے لئے یہی بہتر ہے۔ ہم تم سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں''

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تمہارے نزدیک عہد شکنی کتنا گناہ ہے؟'' انہوں نے کہا: ''گناہ کبیرہ ہے''

marfat.ocm

حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اب تم جواب دو کہ میں عہد کر چکا ہوں کہ جب تک زندہ رہوں گا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر نہیں کروں گا“

یہود نے کہا: ”افسوس! کہ عمار ہمارے دین سے صابی ہو گیا اور ایسا خارج ہو گیا کہ اب اس کے لوٹنے کی امید بھی نہیں ہے۔“ پھر پوچھا: ”اے حذیفہ! تیرا کیا حال ہے؟“ انہوں نے فرمایا: ”میں اللہ کے رب اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے اور اسلام کے دین اور قرآن کے امام اور کعبہ کے قبلہ اور مومنین کے بھائی ہونے پر راضی ہوں“ یہود نے کہا: ”اس رب کی قسم جو موسیٰ علیہ السلام کا معبود ہے تم دونوں کے دلوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری گئی ہے“ وہ دونوں حضور علیہ السلام کے حضور میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم نے بہت اچھا جواب دیا اور بڑی کامیابی حاصل کی“

خلاصہ یہ کہ بہت سے یہود لَوْ یَرُدُّوْنَكُمْ تمہارے دین سے پھر جانے کی تمنا رکھتے ہیں۔ کیونکہ لَوْ مصدریہ ہے یہ جب فعل کے بعد واقع ہوتا ہے تو اس میں تمنّٰی کا معنی ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ یعنی آرزو رکھتے ہیں کہ تمہارے لئے توحید سے پھر جانے کا۔

مِنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِكُمْ اے مومنین کے گروہ كُفَّارًا کہ تمہیں مرتد بنا دیں۔ لفظ كُفَّارًا، یَرُدُّوْنَكُمْ کی ضمیر مخاطب سے حال ہے اور ہو سکتا ہے کہ یَرُدُّوْنَكُمْ کا مفعول ثانی ہو جبکہ وہ یُصَیِّرُوْنَكُمْ کے معنی کو متضمن ہو۔

حَسَدًا یہ فعل وَدَّ کی علت ہے۔ گویا کہا گیا ہے کہ حسد کی وجہ سے بہت سے یہود تمہارے مرتد ہونے کی خواہش رکھتے ہیں۔ مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ فعل وَدَّ کے متعلق ہو تو بھی جائز ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ وہ لوگ اپنے نفسوں کی آرزو اور خواہش کے مطابق تمہارے مرتد ہونے کے متمنی ہیں نہ کہ بحیثیت دین کی تائید اور میل الی الحق کی خاطر۔ اگرچہ ان کا یہی خیال ہے کہ ہم دین کی محبت سے یہ آرزو رکھتے ہیں۔ یہ غلط ہے۔ کیونکہ جب ان کی ذاتی خواہش ہے تو دعویٰ حق کا کیا مطلب اور جائز ہے کہ حَسَدًا کے متعلق ہو۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ یہ خواہش ان کے اصل نفسوں سے حسد کی وجہ سے بھڑک اٹھتی ہے اور حسد کے انتہائی درجہ تک پہنچ جاتی ہے۔ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ بعد اس کے کہ انہیں یقین ہو چکا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے برحق رسول

marfat.ocm

ہیں۔ ان کا ہر قول برحق ہے اور ان کا دین بھی حق ہے۔ اس لیے کہ ان کی تائید معجزات سے بھی ہو رہی ہے اور ان کی کتاب تورات میں بھی ان کے اوصاف درج ہیں۔ فَاعْفُوْا پس درگزر کرو۔

حل لغات: عفو بمعنی ترک عقوبت المذنب۔ جیسے کہا جاتا ہے: عَفَتِ الرِّيْحُ الْمَنْزِلَ یعنی گھر کو ہوا نے مٹا دیا اور کہتے ہیں: عفا المنزل ویعفو بمعنی دَرَسَ متعدی ولازم دونوں طرح استعمال ہوتا ہے اور مجرم کے گناہ کو ترک کرنا۔ گویا اس کے گناہ کو مٹا دینا ہے۔ اس حیثیت سے کہ اس سے بدلہ لینے اور اسے سزا دینے سے گریز کیا جاتا ہے۔ چونکہ یہ معنی صَفح کو مستلزم نہیں، اسی لیے فرمایا: وَاصْفَحُوْا کیونکہ انسان کبھی معاف تو کر دیتا ہے لیکن اعراض نہیں کرتا۔

حل لغات: الصفح بمعنی ترک التقریع باللسان او الاستقصاء فی اللوم۔ جیسا کہ کہتے ہیں: صفحت عن فلان۔ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جبکہ اس کے گناہ سے بالکل روگردانی کی جائے۔

اور اہل عرب کہتے ہیں: قَدْ ضَرَبْتُ عَنْهُ صَفْحًا (یعنی میں نے اس سے اعراض کر لیا اور اسے چھوڑ دیا)

اور عفو و صفح سے یہ مراد نہیں کہ ان کے افعال سے رضا کا اظہار کیا جائے۔ کیونکہ انہوں نے تو اللہ تعالیٰ سے کفر کیا اور کفر کا اللہ تعالیٰ حکم نہیں دے گا۔ بلکہ مراد ہے کہ ان سے جنگ کرنا ان کی بری باتوں کا جواب دینا چھوڑ دو۔

حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ اللہ تعالیٰ اس حکم کے ساتھ حکم دیتا ہے جو اذن بالقتال اور جزیہ کا مقرر کرنا یا بنی قریظہ کو قتل کرنا اور بنی نضیر کو جلاوطن کرنا وغیرہ۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ صحابہ کرام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی اور کہا کہ ہمیں اجازت دے دیں کہ جن یہود نے کفر کیا اور مسلمانوں کو کفر کی طرف بلایا ہم ان سے لڑیں۔ یہ آیت نازل ہوئی اور حکم کیا گیا کہ جنگ ترک کرو اور ان کے مقابلہ سے روگردانی کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوا۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ آپ سے انتقام لینے پر قادر ہے اور جب وقت آئے گا تو ان سے ضرور انتقام لے گا۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ اس کا فَاعْفُوْا پر عطف ہے۔ گویا انہیں صبر اور استقامت اور عبادت و نیکی کی طرف

marfat.ocm

رجوع کرنے کا حکم ہوا۔ مراد یہ ہے کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں فرائض وواجبات وتطوعات میں سرگرم رہو جیسا کہ قرینہ بتاتا ہے۔ وَمَا تُقَدِّمُوا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ اگرچہ خیر تمام عبادات کو شامل ہے لیکن نماز اور زکوٰۃ کو خصوصی طور پر بیان فرمایا۔ ان کے عظیم الشان اور بلند قدر ہونے پر متنبہ کیا گیا ہے۔ کیونکہ نماز عبادت بدنیہ ہے تاکہ انسان کا ہر عضو عبادت کر کے اللہ تعالیٰ کی نعمت عطا کردہ کی شکر گزاری کرے اور زکوٰۃ عبادتِ مالیہ ہے۔ اس میں اغنیاء کو ان نعمتوں کی شکر گزاری کا موقع مل جائے جو انہیں لذیذ عیش کی وسعت نصیب ہوئی وَمَا تُقَدِّمُوا جملہ شرطیہ ہے یعنی جو خیرات بھی ہو خواہ نماز ہو یا زکوٰۃ وغیرہ اپنی بہتری کے لئے آخرت کی طرف بھیجو۔ تَجِدُوْهُ یعنی عمل کا ثواب وجزاء نہ وہی بعینہٖ کیونکہ وہ باقی نہیں رہتے۔ علاوہ ازیں ان اعمال کے عین کے حصول میں رغبت دلائی جاتی۔ عِنْدَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے ہاں یعنی آخرت میں محفوظ پاؤ گے۔ یعنی اس کا ثمرہ جو کہ ایک لقمہ جو کہ احد پہاڑ کے برابر ہو جائیں گے۔ تقدیم (آگے بھیجنے کے حکم) میں اشارہ ہے کہ جو انعام اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فرمائے ہیں۔ ان سے مقصد اصلی یہ ہے کہ اپنے لیے آخرت کا سامان بھیجیں اور آنے والے دن کے لئے ذخیرہ بنائیں۔

حدیث شریف: جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

جب بندہ مرتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ اس نے کیا چھوڑا؟ فرشتے کہتے ہیں اس نے آخرت کے لئے کیا بھیجا۔ یعنی لوگ دنیا کی باتیں کرتے ہیں، فرشتے آخرت کے متعلق۔

اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ یعنی وہ اللہ تعالیٰ ہر شئے کو جانتا ہے خواہ تمہارے اعمال قلیل ہوں یا کثیر۔

ف: عمل کا لفظ عام ہے۔ نیک ہو یا برا۔ ترغیب ہو یا ترہیب۔ اعمال کی ترغیب اسی لیے ہونی چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر نیک عمل پر اچھی جزا دیتا ہے۔ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ۔ جیسے کہ برے کی سزا دے گا۔ خواہ وہ برا عمل تھوڑا ہو یا زیادہ۔ اس کی بارگاہ میں کوئی عمل ضائع نہیں جاتا۔

حکایت: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جنت البقیع سے گزر ہوا تو فرمایا: "السلام علیکم یا اھل القبور" ہمارے حالات سنتے ہیں تو سن لو۔ وہ یہ کہ تمہاری عورتوں کے نکاح کر دیے گئے اور تمہارے مکانات میں اور لوگ بسنے لگے ہیں اور تمہارے مال تقسیم ہو گئے" آپ کے ان کلمات کے بعد ہاتف نے جواب دیا: اے ابن

marfat.ocm

الخطاب! ہمارا حال یہ ہے کہ جو اعمال ہم نے کیے ان کی ہمیں جزا مل گئی اور جو مال ہم نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا اس کا اچھا بدلہ مل گیا۔ لیکن افسوس ہے کہ ہم جو مال پیچھے چھوڑ آئے وہ گھاٹے میں ہے۔

کسی نے کیا خوب فرمایا ہے: ؎

قدّم لنفسک قبل موتک صالحاً   واعمل فلیس الی الخلود سبیل

ترجمہ: اپنے لئے اگلے ملک میں موت سے پہلے کوئی نیکی بھیج اور اچھے عمل کر اس دنیا میں کسی نے نہیں رہنا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

تو غافل در اندیشہ سود ومال   کہ سرمایہ عمر شد پائمال
غبار ہوا چشم عقلت بدوخت   سموم ہوا کشتِ عمرت بسوخت
بکن سرمہ غفلت از چشم پاک   کہ فردا شوی سرمہ در چشم خاک

ترجمہ:

۱: سود و مال کے فکر میں غافل ہو گیا، اسی طرح زندگی کا سرمایہ ضائع ہو گیا۔
۲: خواہشات کی غبار نے تیری عقل کی آنکھ سی دی، خواہشات کی زہریلی ہوا نے تیری کھیتی جلادی۔
۳۔ غفلت کا سرمہ آنکھ سے صاف کر، عن قریب تو خود خاک کی آنکھ کا سرمہ بننے والا ہے۔

ف: دنیا کے ہر عمل کا ثواب مرنے کے بعد ختم ہو جاتا ہے۔ صرف چند اعمال ایسے ہیں جن کا مرنے کے بعد ثواب ملتا رہتا ہے۔ وہ یہ ہیں۔ پہلا اپنی نیک کمائی سے مسجد بنوانا۔ پل تعمیر کروانا۔ رباط اور اوقاف فقراء کے لئے مقرر کر جانا۔ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ اپنی بوستاں میں فرماتے ہیں: ؎

لزاں کس کہ خیرے بماند رواں   دمادم رسد رحمتش بر رواں
نمرد آنکہ ماند پس از وے بجائے   پل و مسجد و خان و مہمان سرائے
ہر آنکو نماند از پسش یادگار   درخت وجودش نیاورد بار
دگر رفت و آثار خیرش نماند   نشاید پس مرگ الحمد خواند

ترجمہ: جس کی مرنے کے بعد خیرات (نیکی) جاری رہی ہر لحظہ اس پر رحمت کی بارش ہوتی رہے گی۔ وہ مرتا نہیں جس کے

marfat.ocm

پیچھے پل، مسجد اور خیرات اور مہمان خانہ باقی رہا۔ جس کی مرنے کے بعد کوئی یادگار نہ ہو اس کے وجود کا درخت پھل نہ لائے گا۔ کوئی مرا اور نیکی چھوڑ کر نہ گیا اس کے پیچھے فاتحہ بھی نہ پڑھنی چاہئے۔

حدیث شریف: اسی طرح حدیث شریف میں اشارہ ہے کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے اپنے اعمال کی جزا ختم ہوجاتی ہے صرف تین عمل ایسے ہیں جن کا ثواب ملتا رہتا ہے دوسرا یہ کہ وہ عقل راجح سے فائدہ اٹھائے (یعنی علم پڑھے اور اس پر عمل کرے) حدیث کے الفاظ یہ ہیں: اَوْعِلْمٌ یُنْتَفَعُ بِہٖ۔

بعض کہتے ہیں کہ وہ قوتِ عقلیہ جس سے شرعی امور کا مخصوص قرآن وحدیث سے استنباط کرے۔ صحیح یہ ہے کہ حکم عام ہے خواہ علم کا فائدہ تصنیف سے ہو یا تعلیم وتدریس سے، لیکن علوم شرعیہ میں یا ایسے علوم ہیں جن سے شرعی امور متعلق ہیں۔ علم کو مفید ہونے کی قید اس لئے لگائی جاتی ہے کہ وہ علم جو کہ غیر مفید ہو اس سے ثمرہ کے حصول کا کیا معنی، وہ الٹا وبالِ جان اور موجب عذاب بنے گا۔

حدیث شریف: من کتم علما یعلمه الجم یوم القیٰمة بلجام من النار

(جو شخص اپنے علم کو چھپاتا ہے قیامت میں اس کے منہ میں جہنم کی لگام دی جائے گی)

امام سخاوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: یہ وعید اس شخص کے لئے بھی ہے جو اپنی کتاب کسی کو مطالعہ کے لئے نہیں دیتا۔ تیسرا وہ جو اس کے وجود سے صادر ہوں، جیسے نیک اولاد چھوڑ جائے حدیث شریف میں اسی طرف اشارہ ہے ۔ وولد صالح یدعوله (یا نیک اولاد جو اس کے لئے دعائے خیر کرے)

ولد کو صالح سے اس لیے مقید کیا گیا ہے کہ غیر صالح اولاد سے فائدہ کے حصول کا کیا معنی؟

مسئلہ: اولاد کا گناہ والد کے نام نہیں لکھا جائے گا جبکہ اس کا ارادہ نیک ہو کہ اس کی اولاد نیک ہو۔ لیکن اولاد بد نکلی "یدعوله" کی قید میں ہر اولاد کو تنبیہ ہے کہ وہ اپنے والدین کے لئے ہر وقت دعائیں مانگیں نہ یہ کہ صرف مرنے کے بعد۔

مسئلہ: اولاد نیک دعا مانگے یا نہ مانگے والدین کو تو ثواب ضرور ملے گا۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شخص درخت بوئے اور اس کی نیت لوگوں کو اس کے ثمرات سے فائدہ پہنچانے کی ہو تو اس کو اس کی نیت سے ثواب ملے گا خواہ لوگ اس کے ثمرات کھا کر اس کے لئے دعا مانگیں یا نہ مانگیں۔

مسئلہ: حدیث کے حکم میں اولاد کے ثواب میں ماں بھی داخل ہے۔

سوال: حدیث مذکورہ کو اس حدیث سے کیا مطابقت ہوگی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

من سن فی الاسلام سنة حسنة فلهٗ اجرها واجر من عمل بها الی یوم القیٰمة

(جس نے کوئی نیک طریقہ اسلام میں جاری کیا اس کا ثواب اور اس پر عمل کرنے والے کا ثواب بھی اسے قیامت تک ملتا رہے گا)

پہلی حدیث میں تین شخصوں کے لئے مرنے کے بعد ثواب ملنے کا وعدہ تھا اب ایک اور بھی نکل آیا۔ اسی طرح دوسری حدیث میں ہے: **من مات بختم عمله الا المرابط فی سبیل الله فانه له عمله الی یوم القیٰمة**۔ (جو شخص مرجاتا ہے اس کے عمل کے ثواب پر مہر لگ جاتی ہے (یعنی عمل کا ثواب آگے کوئی نہیں ملتا) ہاں مجاہد فی سبیل اللہ کا ثواب قیامت تک بڑھتا رہے گا)

جواب: پہلی حدیث میں جو کہا گیا کہ جس نے اچھا طریقہ جاری کیا وہ علم مفید کے کھاتے میں شامل ہو گیا اور مجاہد فی سبیل اللہ کے عمل میں بڑھنے کا یہ معنی ہے کہ عمل تو اس کا وہی ہے جو اس نے زندگی میں کیا لیکن اس عمل کے ثواب میں برکت ہوگی اور حدیث میں ان اعمال کا حکم ہے وہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد اس کے مرنے کا اثر موجود ہے۔ اسی عمل سے ہی اس کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ ان دونوں میں فرق ہے۔

چوتھا یہ کہ اس کی روح کی پرورش سے اولاد معنوی پیدا ہو۔ مثلاً پیران عظام، مشائخ کرام، صوفیہ حضرات کہ جنہوں نے شریعت مطہرہ کے قواعد کے مطابق اپنے مریدین کی تربیت فرمائی تو ان کو بھی ان کے مرنے کے بعد ثواب ملے گا۔ ممکن ہے یہ حدیث کی پہلی قسم میں داخل ہو۔

وَقَالُوْا اور کہتے ہیں:

شانِ نزول: یہ آیت نجران کے وفد کے حق میں نازل ہوئی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں نصاریٰ مع یہود جمع ہو کر ایک دوسرے کی تکذیب کرنے لگے۔ یہودی بنی نجران کے متعلق کہتے ہیں کہ نصاریٰ بہشت میں نہ جائیں گے۔ یہود نے کہا ہمارے سوا کوئی بہشت میں داخل نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اہل کتاب میں سے یہود و نصاریٰ کہتے ہیں: لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی

مَنْ كَانَ کے بجائے كَانُوْا نہیں فرمایا: مَنْ کے لفظاً مفرد ہونے کی جانب پر محمول کر کے اور خبر کو جمع لایا گیا۔ لفظ

marfat.ocm

مَنْ کے معنی پر محمول کرتے ہوئے اور هُوْدًا، ھائد کی جمع ہے۔ بمعنی تائب۔ جیسے فرمایا "هُدْنَآ اِلَيْكَ" پہلے تو مدح کے طور پر ان لوگوں پر اس کا اطلاق ہوتا تھا جنہوں نے گؤسالہ پرستی سے توبہ کی تھی لیکن پھر جب ان کی شریعت منسوخ ہوئی تو اب ایک جماعت لازمی پر استعمال ہونے کی وجہ سے اس کا اسم علم کی طرح ہو گیا۔

نَصٰرٰى، نصران کی جمع ہے۔ جیسے سکریٰ، سکران کی جمع ہے۔

تِلْكَ یعنی وہ غلط دعویٰ جو کرتے پھرتے ہیں کہ بہشت میں سوائے یہود و نصاریٰ کے اور کوئی داخل نہیں ہوگا۔

اَمَانِيُّهُمْ یہ صرف ان کی خواہشات فاسدہ ہیں کہ جن کی کوئی حقیقت ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں آرزوئیں پیش کرتے ہیں۔

حل لغات: اَمَانِيُّهُمْ، "اُمْنِيَة" کی جمع ہے۔ بمعنی وہ شے کہ جس کی آرزو کی جائے۔ بروزن افعولہ، اعجوبہ کی طرح ہے۔ اہلِ عرب ہر اس چیز کو، جس میں کسی قسم کی دلیل نہ ہو، مجازاً تمنی و غرور و اضلال و احلام سے موسوم کرتے ہیں۔

ف: اَمَانِيُّهُمْ جمع اس لیے لایا گیا کہ یہ تمنائیں دونوں یعنی یہود و نصاریٰ سے صادر ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کی لسانِ مبارک سے ان کے اقوال کے بطلان کی طرف اشارہ فرمایا۔

قُلْ هَاتُوْا **حل لغات:** هَاتُوْا دراصل اٰتُوْا تھا۔ ہمزہ سے تبدیل کیا گیا اور یہ عجمی امر ہے۔ ای احضروا۔

بُرْهَانَكُمْ یعنی وہ حجت پیش کرو جس میں ثابت ہو کہ بہشت میں صرف تم لوگ داخل ہو گے۔

سوال: براہین کو جمع کر کے کیوں نہ لایا گیا؟

جواب: ان سب کا دعویٰ ایک تھا وہ یہ کہ بہشت میں ہمارا غیر داخل نہیں ہوگا۔ لہٰذا اس دعویٰ پر حجت ایک ہی پیش ہوگی۔

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو، کیونکہ جس دعویٰ پر کوئی دلیل نہ ہو وہ دعویٰ ثابت نہیں ہوا کرتا۔

بَلٰى ان کا قول لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ الخ اثبات اور نفی دونوں پر مشتمل تھا۔ اثبات اس طرح کہ کہتے ہیں بہشت میں یہود و نصاریٰ داخل ہوں گے اور نفی اس طرح کہ وہ قائل تھے کہ ہمارے سوا اور کوئی بہشت میں داخل نہیں ہوگا۔

marfat.ocm

لفظ بَلٰی اس کلام کے اثبات کے لئے آتا ہے جس کی وہ نفی کر رہے تھے۔ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ اللہ تعالیٰ کے لئے خلوص کرے کہ اس میں دوسرے کی شرکت نہ ہو۔ اَسْلَمَ ایک شئے کو دوسری شئے کے لئے خاص کرنا۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ سالم اسی کے لئے مخصوص کرنا کہ اس میں کسی دوسرے کا حق نہ ہو۔ نہ بحیثیت تخلیق کے نہ بحیثیت مالکیت کے نہ بحیثیت استحقاق عبادت و تعظیم کے۔

سوال : اسے وَجْهَهٗ سے کیوں تعبیر کیا گیا؟

جواب: یہ تمام اعضاء سے اشرف ہے۔ اس حیثیت سے کہ وہ تمام حواس اور فکر و تخیل کا معدن ہے۔ یہ وہ مجاز ہے کہ جزء کا ذکر کر کے کل مراد لیا گیا ہے۔ کَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ اسی سے ہے جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے بولا جاتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ "وجہ" کے اخلاص سے مراد ذات کا اخلاص کرنا مراد ہو کیونکہ جو شخص اپنے منہ سے سخاوت کرتا ہے وہ اپنے دیگر اعضاء سے بخل نہیں کرتا۔ اب "وجہ" سے مراد عضو مخصوص ہی ہوگا۔

وَهُوَ مُحْسِنٌ، اَسْلَمَ کی ضمیر سے حال ہے۔ یعنی وہ شخص اپنے اخلاص اور نفس کو اللہ تعالیٰ کی طرف خضوع و فرمانبرداری کے ساتھ سپرد کرنے کی وجہ سے تمام اعمال میں محسن ہے بایں طور کہ جو عمل بھی کرتا ہے وہ ٹھیک ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کا اللہ تعالیٰ کے لئے خالص کرنا اسے مستلزم نہیں ہے کہ وہ شرعاً بھی مستحسن ہو اور [illegible] احسان اور عمل کی ادائیگی علی الوجوہ اللائق یہی حسن صفاتی ہے جو حسن ذاتی کے تابع ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عبادت ایسے کرو گویا کہ تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو اگر ایسے نہیں ہوسکتا تو اتنا ضرور خیال رکھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

یہی ایمان کی حقیقت اور احسان کا ظاہری معنیٰ ہے اور احسان کا باطنی معنیٰ وہی ہے جو حدیث قدسی میں فرمایا گیا: كُنْتُ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ۔ (میں بندے کا کان اور آنکھ بن جاتا ہوں)

اور یہ مرتبہ نوافل کی ادائیگی سے ملتا ہے وہ یہی ذات حق اور اس کی ہستی بندہ کے صفات کا آئینہ بن جاتی ہے اور بندہ کے احوال ذات حق کا آئینہ اور اس کی ہستی کا مظہر ہوتے ہیں۔ بندہ باعتبار قرب النوافل کے ظاہر مرئی اور مشہور ہوتا ہے اور باعتبار قرب الفرائض کے حق ہوتا ہے۔

فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ اسے اس کا ثواب ملے گا اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بہشت کا وعدہ فرمایا ہے۔ گویا وہی اعمال بہشت

marfat.ocm

میں اس کے داخلہ کا سبب ہیں۔ ان کے بغیر اس کا داخلہ قطعی محال ہے۔ عِنْدَ رَبِّهٖ اس کے اعمال اس کے مالک کے پاس محفوظ ہیں۔ وہ اس کے امور کی تدبیر کرنے اور انہیں کمال تک پہنچانے والا ہے۔ وہ نہ کسی کے اعمال کو ضائع کرتا ہے اور نہ ہی گھٹاتا ہے۔ یہ عِنْدَ تشریفیہ ہے ورنہ عِنْدَ مکانیت کا متقضی ہے اور اللہ تعالیٰ مکانیت سے پاک ہے۔ یہ جملہ مَنْ کا جواب ہے اگر اسے شرطیہ سمجھا جائے۔ ورنہ خبر ہے اگر اسے موصولہ بنایا جائے اور چونکہ وہ متضمن بمعنی الشرط ہے اسی لیے اس کی خبر میں فاء آئی ہے۔ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ نہ انہیں دنیا کا ڈر ہے اور نہ وہ آخرت میں غمگین ہوں گے جبکہ انہیں بہشت میں داخل کیا جائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بہشت میں داخل ہونے کے خبر دی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ

(سب تعریف ہے اس ذات کے لئے جس نے ہم سے تمام غم اور حُزن دور فرمائے ہیں)

دنیا میں انہیں غم تھا کہ شاید زندگی میں کوئی مصائب اور تکالیف ہوں اور انہیں غم ہوتا ہے کہ جو اعمال کرنے کے لائق تھے وہ ان سے رہ گئے۔ اسی طرح ایسی عبادات سے وہ جنت کا غم رکھتے ہیں کہ جن کی ادائیگی سے دائمی سعادت نصیب ہوتی ہے اس لئے کہ مومن کامل جس طرح اس کی رحمت سے ناامید نہیں ہوتا اس طرح اس کے غضب اور عذاب سے بھی بے خوف نہیں ہوتا اور کوتاہ اندیش تو ضائع شدہ عمر اور ثواب کی محرومی سے روئیں گے کیونکہ خوف اسے کہا جاتا ہے کہ جس کی مستقبل میں امید ہو اور حزن وہ ہے جو زمانہ ماضی میں واقع ہو۔ جو دنیا میں بے خوف ہو کر گزرے وہ آخرت میں غمگین ہوگا۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

لاتخافوا ہست نزل خائفاں ہست درخود از برائے خائف
ہر کہ ترسد مرد را ایمن کنند آں مردل ترسندہ را ساکن کنند
آنکہ خوفش نیست چوں گوئی مترس درس چہ دہی نیست او محتاج درس

ترجمہ:

۱:۔ خائفین کی مہمانی ہے لا تخافوا (نہ ڈرو) خائف اس مہمانی کے لائق بھی ہے۔

۲:۔ جو ڈرتا ہے اسے بے خوف بناتے ہیں خوف والے دل کو تسکین بخشتے ہیں۔

۳:۔ جسے خوف نہ ہو اس کے لئے بے سود ہے کہ کہا جائے نہ ڈرو، اسے سبق کیا دیا جائے وہ سبق کے لائق نہیں ہے۔

marfat.ocm

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَىْءٍ ۖ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ

اور یہودی بولے نصرانی کچھ نہیں اور نصرانی بولے

الْيَهُودُ عَلٰى شَىْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُونَ الْكِتٰبَ ۗ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ

یہودی کچھ نہیں حالانکہ وہ کتاب پڑھتے ہیں اسی طرح جاہلوں نے ان کی

مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۱۳﴾

سی بات کہی تو اللہ قیامت کے دن ان میں فیصلہ کردے گا جس بات میں جھگڑ رہے ہیں۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو روکے ان میں نام خدا لئے جانے سے اور ان کی ویرانی

فِى خَرَابِهَا ۭ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوهَآ اِلَّا خَآئِفِينَ ۬ لَهُمْ

میں کوشش کرے ان کو نہ پہنچتا تھا کہ مسجدوں میں جائیں مگر ڈرتے ہوئے ان کے لئے

فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ

دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب اور پورب

وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَقَالُوا

پچھم سب اللہ ہی کا ہے تو تم جدھر منہ کرو ادھر اللہ (خدا کی رحمت تمہاری طرف متوجہ) ہے بیشک اللہ وسعت والا علم والا ہے۔ اور بولے

اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ لَّهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ

خدا نے اپنے لئے اولاد رکھی پاکی ہے اسے بلکہ اسی کی مِلک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اس کے حضور

قٰنِتُونَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُولُ لَهٗ

گردن ڈالے ہیں۔ نیا پیدا کرنے والا آسمانوں اور زمین کا اور جب کسی بات کا حکم فرمائے تو اس سے یہی فرماتا ہے کہ

marfat.ocm

كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ

ہوجا وہ فوراً ہوجاتی ہے ۔ اور جاہل بولے اللہ ہم سے کیوں نہیں کلام کرتا یا ہمیں کوئی نشانی ملے

كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ

اللہ سے اگلوں نے بھی ایسی ہی کہی ان کی سی بات ان کے دل ایک سے ہیں بیشک

بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ

ہم نے نشانیاں کھول دیں یقین والوں کے لئے ۔ بیشک ہم نے تمہیں حق کے ساتھ بھیجا خوشخبری دیتا اور ڈرسناتا

وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا

اور تم سے دوزخ والوں کا سوال نہ ہوگا ۔ اور ہرگز تم سے یہود اور

النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ

نصاریٰ راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کے دین کی پیروی نہ کرو تم فرمادو اللہ ہی کی ہدایت ، ہدایت ہے اور (اے سننے والے کسے باشد) اگر تو

اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِىْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ

ان کی خواہشوں کا پیروکار ہوا بعد اس کے کہ تجھے علم آچکا تو اللہ سے تیرا کوئی بچانے والا نہ ہوگا

وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ

اور نہ مددگار ۔ جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ جیسی چاہئے اسکی تلاوت کرتے ہیں وہی

يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ۱۴ ع ۱۴

اس پر ایمان رکھتے ہیں اور جو اس کے منکر ہوں تو وہی زیاں کار ہیں ۔

تفسیر عالمانہ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ اس میں ہر ایک فریق یہود و نصاریٰ کے ایک دوسرے پر گمراہی کا فتویٰ دینے کا بیان ہے عموم کے بعد خصوص ہے کہ اس میں علی العموم ہر ایک اپنے ماسوا تمام کو

marfat.ocm

گمراہی کا فتویٰ دے رہا تھا۔ لَیْسَتِ النَّصٰرٰی عَلٰی شَیْءٍ یعنی نصاریٰ ایسے امر پر نہیں کہ جو صحیح قابل اعتماد ہو وَقَالَتِ النَّصٰرٰی لَیْسَتِ الْیَهُوْدُ عَلٰی شَیْءٍ وَّهُمْ ہر ایک نے کہا حالانکہ ہر ایک یَتْلُوْنَ الْکِتٰبَ کتاب پڑھتا ہے اَلْکِتٰبَ میں الف لام جنس کا ہے۔ یعنی بے شک وہ اہل علم واہلِ کتاب واہلِ تلاوت ہیں اور جو بھی اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں دوسری کتاب کی تلاوت کرتا ہے اس کا حق یہ ہے کہ وہ باقی کتب کی تکفیر نہ کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ہر ایک کتاب میں دوسری کی تصدیق ہوتی ہے۔ کَذٰلِکَ مثل اس قول کے کہ جو گمراہ علماء کا تم نے سنا ہے۔

یہ معنیٰ اس وقت درست ہے جبکہ کاف مثلیہ ہو اور اس کا محل نصب اور قَالَ کا مفعول بہ ہو۔

قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ کہتے ہیں وہ لوگ جو لاعلم ہیں یعنی بتوں کے پجاری اور فرقہ معطلہ ودیگر گروہ گمراہ فرقے یعنی ہر ایک گروہ کہتا ہے کہ دیگر ہر ایک کسی قطار میں نہیں۔ مِثْلَ قَوْلِهِمْ کاف کے محل سے بدل اور اس میں بڑی توبیخ ہے اس حیثیت سے کہ ان کے نفوس کو باوجودیکہ اہلِ علم ہیں ان جاہلوں کے ساتھ ملا دیا گیا جو علم سے بالکل بے خبر ہیں۔ فَاللّٰهُ یَحْکُمُ بَیْنَهُمْ ان فریقوں کے مابین فیصلہ فرمائے گا۔ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا کَانُوْا فِیْهِ اس میں کہ اختلاف کرتے ہیں قیامت میں فِیْمَا الخ کا متعلق یَخْتَلِفُوْنَ ہے اس کو مقدم صرف آیات کی محافظت کے لئے کیا گیا ہے۔ یَخْتَلِفُوْنَ اختلاف کرتے ہیں امرِ دین میں۔

سوال: اللہ تعالیٰ ان کے مابین کیسے فیصلہ فرمائے گا؟

جواب: گروہ کے لائق سزا مقرر فرمائے گا۔

ف: فعل یَحْکُمُ باء اور فِی کے ساتھ متعدی ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

هکذا حکم الحاکم فی هذه القضیة۔ (فلاں حاکم نے اس قضیہ کا فیصلہ یونہی فرمایا ہے)

آیت میں صرف محکوم فی کا ذکر ہے محکوم بہ کا ذکر نہیں۔

ف: کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ (ہر گروہ صرف اپنے معاملے پر خوش ہے)

یہ صرف گمراہ فرقوں میں نہیں بلکہ ہر شعبہ میں یہ خیالات جاری وساری ہیں۔ یہاں تک کہ ایک صوفی اپنے مشن کو دوسرے کے مشن سے بہترین سمجھتا ہے۔ اسی طرح ہر شیخ اپنے طریقے کو دوسرے کے طریقے سے اعلیٰ سمجھتا ہے اسی طرح ہر عالم اپنے مسلک کو دوسرے کے مسلک سے نمایاں محسوس کرتا ہے اور پھر ایک جماعت دوسری

marfat.ocm

جماعت کو غلط کار کہتی ہے اور یہ طریقہ ہمیشہ سے جاری ہے اور جاری رہے گا۔ لیکن ایسا نہیں ہونا چاہیے بلکہ راہِ ہدایت پر چلنے کی کوشش کرنی چاہیے جس سے فائدہ بھی ہو۔

ف: جو شخص دعویٰ کرے کہ وہی صاحبِ ارشاد اور اہلِ دل ہے لیکن تزکیہ نفس سے محروم اور اسے مبداء کا علم ہے نہ معاد کا، یقین کرو کہ یہ سب کچھ دنیوی لالچ میں کرتا ہے۔ ایسے آدمیوں کو ان عورتوں سے بھی زیادہ عذاب ہوگا جنہیں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج میں دیکھا کہ ان کے سینے کاٹے جا رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا: یہ کون ہیں؟ انہوں نے عرض کی: یہ وہ عورتیں ہیں جنہوں نے زنا کیے اور حرام بچے جنے اور دعویٰ دلیل کے بغیر باطل ہے اور ایسا مدعی خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو گمراہ کرے گا۔ اسے اسی زانیہ عورت کی طرح سمجھو اور اسی کی طرح وہ خواہش نفسانی میں گرفتار ہے۔ اسی عورت کا یہ ولد الحرام حقیقۃً ہلاک ہونے والا ہے کہ اس کی کوئی تربیت نہیں کرے گا اور بدعتی گمراہ کی فرمانبرداری بھی ایسے ہی ہے کہ اس سے بدعتِ سیئہ اور بے دینی کے سوا کچھ حاصل نہیں۔

حکایت: حضرت شیخ صدرالدین تبریزی سے عرض کیا گیا کہ تبریز میں ایک بہت مشہور شخص ہے اور علمِ عرفان میں یکتا ہے۔ اسی لیے لوگ اسے عارف کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ ایک دن وہی شخص کسی ایک بزرگ کامل کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے پوچھا: تیرا نام کیا ہے؟ عرض کی: نام تو محمود ہے لیکن لوگ مجھے عارف کہتے ہیں۔ اس بزرگ نے فرمایا: تجھے اپنی حقیقت معلوم ہے؟ اس نے کہا: میں نے بڑے بڑے مشائخ اور صوفیہ کی کتابیں اور مقالے پڑھے ہیں۔ کثرت مطالعہ کی وجہ سے عارف کہلاتا ہوں۔ بزرگ نے فرمایا: ان کا کلام تو حق ہے لیکن بتا تجھے اس سے کیا فائدہ! ؎

پر خویش باید کرد پرواز ببال دیگر نتواں پریدن

ترجمہ: اپنے پروں سے اڑنا چاہیے دوسروں کے پروں سے اڑنا ناممکن ہے۔

ف: نسخہ پر جب تک عمل نہ کیا جائے صرف اس کے لکھنے سے کیا فائدہ؟ یہ تو ایسے ہے جیسے کسی تاجر کو غلام لکھے کہ میں نے فلاں شہر سے فلاں فلاں سامان خریدا ہے۔ اب تاجر اعلان کر دے کہ میرے ہاں فلاں فلاں سامان ہے اب جب تک وہ سامان اس کے پاس نہیں پہنچے گا صرف غلام کا لکھا ہوا کیا کام دے گا۔ اعلان کے مطابق

تک اس میں وہی مقصود حاصل نہ ہوگا۔ گویا وہ گری ہوئی اور خراب شدہ ہے اور مسجد کی تعمیر جیسے بنا و اصلاح سے ہوتی ہے۔ اسی طرح اس کی حاضری و لزوم بھی تعمیر سمجھی جاتی ہے جیسے کہا جاتا ہے: فُلَانُ عَمَرَ مَسْجِدَ فُلَانٍ (فلاں شخص فلاں مسجد میں حاضر ہوا کرتا ہے) آسمانوں کے ملائکہ کے مکینوں کو عمار یعنی تعمیر کنندگان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

فضائلِ حاضری مسجد

حدیث شریف: ☆......حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جسے دیکھو کہ اسے مسجد کی حاضری کی عادت ہے اس کے متعلق ایمان کی گواہی دو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ مسجد کی حاضری کو تعمیر قرار دیا گیا ہے۔

☆......حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:۔ چھ خصلتیں حاصل کرو۔ تین سفر کی، تین حضر کی۔

تین حضر کی جو حاصل کرنی چاہئیں۔

☆......تلاوت قرآن ☆......مسجد کی حاضری ☆......اللہ تعالیٰ کی محبت میں دوست بنانا

تین سفر کی جو حاصل کرنی چاہئیں۔

☆......خرچ ☆......خوش خلقی ☆......خوش طبعی، بشرطیکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ ہو۔

قیامت کی علامات میں سے ہے مساجد کے مینار بلند کرنا، انہیں منقش کرنا اور سنگارنا، لیکن حاضری نہ دینا اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غیر آباد رکھنا، اللہ تعالیٰ کی مساجد کو صلوٰۃ و تلاوت قرآن سے غیر آباد رکھنا اور ان میں شعائرِ اسلام ظاہر نہ کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ بالخصوص جب دیکھو کہ شراب کے ابواب کھلے ہوئے اور مساجد کے دروازے بند ہیں وغیرہ۔ ہم نے اپنے زمانے میں روم کے اکثر بلاد کا مشاہدہ کیا ہے۔ اب تو دین کی غربت پر رونا چاہیے بلکہ خون کے آنسو بہانے چاہئیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ

تفسیر صوفیانہ حضرت امام قشیری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:۔ اس شخص سے کون زیادہ ظالم ہے جو شہوت سے عبادات کے مقامات کو ویران کرتا ہے۔ یعنی عبادت گزار لوگوں کے قلوب کو غلط آرزو اور گندے تعلقات سے خراب کرے اور محبت کے اوطان کو لذاتِ نفسانیہ اور خواہشات نفسانیہ سے تباہ کرنے والا بھی بڑا ظالم ہے اور اوطان المحبۃ سے وجد والوں کے ارواح مراد ہیں اور غیروں کی طرف متوجہ ہو کر

مشاہدات کے مقامات کو خراب کرنے والا بھی بہت ظالم ہے۔ اور اوطان المشاہدات اہلِ توحید کے قلوب ہیں۔

ف: آیت سے بیت المقدس اور بیت اللہ کی فضیلت بھی ثابت ہوئی۔

حدیث شریف: میں ہے: ’’جو شخص ثواب کی نیت سے بیت المقدس کی زیارت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ہزار شہید کا ثواب عطا فرمائے گا اور اس پر آتشِ جہنم حرام ہے۔ اسی طرح جو شخص عالم باعمل کی زیارت کرتا ہے گویا اس نے بیت المقدس کی زیارت کی‘‘ (کذافی مشکوٰۃ الانوار)

مسئلہ: قنیہ (کتاب) میں ہے کہ بیت اللہ شریف کی مسجد تمام مساجد سے افضل ہے۔ پھر مدینہ طیبہ کی مسجد، پھر بیت القدس کی مسجد، پھر دنیا کی جامع مساجد (جن میں جمعہ ادا کیا جاتا ہے) پھر اپنے محلہ کی مسجد، پھر شارع عام پر واقع ہونے والی مسجدیں، مرتبہ میں یہی مسجدیں کم درجہ والی ہیں۔ یہاں تک کہ ان میں اعتکاف بیٹھنا بھی جائز نہیں اگر ان میں امام اور مؤذن مقرر نہ ہوں۔ ان کے بعد جو مساجد جو گھروں میں بنائی جاتی ہیں ان میں مردوں کو اعتکاف بیٹھنا جائز نہیں البتہ ان میں عورتیں اعتکاف بیٹھ سکتی ہیں۔

مسئلہ: حضرت شیخ مشہور با فتادہ آفندی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مسجد حرام اور مسجد مدینہ لور مسجد بیت المقدس کے بعد تمام مقامات کی مساجد سے زیادہ افضل شہر بروسہ کی بڑی جامع مسجد ہے۔ اس لیے کہ یہ جگہ اس بڑھیا کے مکان کی ہے جو حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لائی لیکن کشتی پر سوار نہ ہو سکی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اسے طوفان سے بچالیا۔ یہ بات کسی اہل کشف بزرگ کو کشف کے ذریعے معلوم ہوئی۔

مسئلہ: جو شخص یہاں (یعنی بروسہ کی جامع مسجد میں) عبادت میں مشغول ہو تو اللہ تعالیٰ اسے غفلت سے بچالے گا

مسئلہ: مکہ مکرمہ میں صرف ایک دن نہایت خشوع و خضوع سے عبادت کی جائے تو باقی مقامات کی ایک سال کی عبادت جیسی ترقی نصیب ہوتی ہے اور فرمایا: ہمارے ملک میں شغلِ عبادت کے دو بہترین مقام ہیں۔

۱:۔ شہر بروسہ میں سید بخاری علیہ الرحمہ کی جامع مسجد۔

۲:۔ قسطنطنیہ میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر میں۔

؎ عابد اندر نماز و عارفاں اندر نیاز عاشقاں از شوق وصل یار در سوز و گداز

ترجمہ: عابد نماز میں، عارف نیاز میں، عاشق محبوب کے شوق وصال کے سوز و گداز میں۔

marfat.ocm

دعا: یا اللہ! ہمیں ان لوگوں سے بنا جو تیرے شوق میں مستغرق ہیں۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ اس سے زمین کی دو طرفیں مراد ہیں کیونکہ اس کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ صرف مشرق و مغرب مراد لیے جائیں جبکہ تمام زمین اس کی مِلک ہے کوئی خاص زمین ملک و تصرف کے لئے مقرر نہیں اور نہ ہی عبادت کے لئے کوئی خاص محل معین ہے کہ فلاں مکان پر نماز جائز ہے اور فلاں پر نہیں۔ پھر اے کافرو! مسجد حرام یا مسجد اقصیٰ سے روکو گے تو ہم کسی دوسرے مقام پر نماز ادا کرلیں گے کیونکہ ہمارے لیے روئے زمین مسجد مقرر کی گئی ہے۔

فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا جس طرف منہ پھیرو گے وہی تمہارا قبلہ ہے۔

حل لغات: وَلّٰی قبیل اضداد سے ہے۔ وَلّٰی بمعنی سامنے کو منہ کیا اور بمعنی پیچھے منہ پھیر۔

فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ یعنی وہاں پر وہی قبلہ کی جہت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا اور اسی سے راضی ہے کیونکہ اس کی طرف منہ کرنا کسی خاص مسجد یا مکان کے ساتھ مخصوص نہیں یا ثم سے اس کی ذات یعنی حضور علمی مراد ہے۔ اس لحاظ سے فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ جز بول کر کل مراد لینا مجازاً ہے۔ اب معنی یوں ہوگا کہ جس طرف بھی منہ کر کے نماز پڑھو گے مجھے وہاں پاؤ گے۔ یعنی اس ذات تک پہنچنے کے لئے کسی مقام کی محتاجی نہیں کیونکہ وہ ذات نہ جوہر ہے نہ عرض، اسے کسی ایسے مکان کی ضرورت نہیں کہ جس میں وہ سمائے۔ جب اس کے لئے مکانیت ممتنع ہے تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ اس کا علم جمیع جہات اور مکانات کو محیط ہے۔ یعنی وہ تمہارے اعمال کو جانتا ہے اسی لیے ان کی جزا بھی وہی دے گا۔

حدیث شریف میں ہے: "تم اپنی رسی زمین کی تہ تک پھینکو تو اللہ تعالیٰ کی ذات وہاں بھی موجود ہوگی" یعنی اللہ تعالیٰ کا علم کائنات کے ذرہ ذرہ کو محیط ہے۔ مطلب یہ کہ تمہاری رسی اس کے علم سے باہر نہیں ہوگی۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تو مکانیت سے پاک ہے کیونکہ وہ تو مکانات کو پیدا کرنے سے بھی پہلے ہے۔ (کذا فی المقاصد الحسنہ)

ف: اَیْنَ ہمیشہ مکانیت میں استعمال ہوتا ہے یہاں بھی ایسے ہی ہے اور وہ تُوَلُّوْا کی وجہ سے منصوب ہے۔

اَیْنَمَا میں لفظ ما زائدہ ہے۔ صرف تاکید کے لئے لایا گیا ہے۔ اور ثَمَّ ظرف مکان یعنی هُنَاك (وہاں پر) کے معنی میں آتا ہے۔ کہا جاتا ہے: لَمَّا قَرُبَ مِنْ هٰهُنَا بَعُدَ ثَمَّ وهنا (جب وہ اس مکان کے قریب ہوا تو وہاں سے بعید ہو گیا)

marfat.ocm

ترکیب: وَجْهُ اللّٰهِ مبتدا موخر ہے اور لفظ ثَمَّ خبر مقدم ہے اور جملہ محلا مجزوم ہے اس لیے کہ شرط کی جزا واقع ہوا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ اللہ تعالیٰ مالک اور خالق ہونے کے لحاظ سے تمام اشیاء کو محیط ہے یہ جملہ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ کا تتمہ ہوگا۔ اسی طرح وسعت سے مراد وسعتِ رحمت بھی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ اس معنیٰ پر مشتمل نہیں کہ عبادت اور صلوٰۃ صرف بعض مساجد سے مخصوص ہو، بلکہ جہاں چاہو زمین کے ہر گوشے پر عبادت اور نماز ادا کر سکتے ہو۔ تمام زمین تمہارے لئے سجدہ گاہ ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ شرعی احکام میں وسعت دیتا ہے اپنے بندوں کو ایسے امور پر مجبور نہیں فرماتا کہ جن کی ادائیگی ان کے لئے مشکل ہو۔ اس سے صرف بندوں کی سہولت مقصود ہے تاکہ وہ بآسانی عباداتِ الٰہی بجالائیں۔ قبلہ کی جہت بھی آسانی میں شامل ہے یہ عموم ہم نے لفظ واسع کی وجہ سے سمجھا ہے۔

ف: حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ نے اسماء الحسنیٰ کی شرح میں فرمایا ہے: اَلْوَاسِعُ "سِعَة" سے مشتق ہے۔ یہ وسعت کبھی وسعتِ علم سے منسوب ہوتی ہے جب کسی کی وسعت علمی معلوماتِ کثیرہ کو محیط ہو اور کبھی وسعت الی الاحسان اور وفورِ نعمت کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ لیکن علی الاطلاق واسع ذاتِ حق ہے اور بس۔ کیونکہ جب اس کے علم کو دیکھا جاتا ہے تو اس کی معلومات کا کنارہ نہیں ملتا۔ بلکہ وہ دریاؤں کو روشنائی بنا کر اس کے کمالات تحریر کیے جائیں تو دریا ختم ہو جائیں گے مگر کمالات ختم نہ ہونے پائیں گے اگر اس کے احسانات اور انعامات پر غور کیا جائے تو بھی اس کے مقدرات کا کوئی حساب نہیں اور مخلوق میں جس کی وسعت کو دیکھو کوئی نہ کوئی انتہا ضرور ہے لیکن اس کی وسعت کی کوئی انتہا نہیں ہے جس کی کوئی انتہا نہ ہو اسی کو وسعت لائق ہے۔ اس سے نتیجہ نکلا کہ علی الاطلاق واسع وہی اللہ تعالیٰ ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ ہر وسیع سے وسیع تر ہے اور ہر وسیع اوسع سے تنگ ظرف نظر آئے گا اور پھر جو وسعت کسی کنارہ تک ٹھہر جائے اس پر زیادتی مقصود ہے اور ہمارا رب تعالیٰ ایسا ہے کہ نہ تو اس سے کوئی اور اوسع ہے اور نہ ہی زیادتی تصور میں آ سکتی ہے۔ بندہ اپنے عرفان میں جتنی ترقی بھی کر لے تاہم اپنی وسعت علمی کے مطابق محدود رہے گا بندہ کو چاہیے کہ اخلاق میں اتنی وسعت دکھائے جس میں فقر اور حاسدوں کا غیظ و غضب اور غلبہ حرص اور دیگر بری عادات کی گنجائش نہ ہو اسے بھی (مظہر) واسع کہا جا سکتا ہے۔ لیکن پھر

marfat.ocm

بھی محدود ہوگا۔ واسع مطلق صرف وہی حق تعالیٰ ہے۔ مثنوی شریف میں ہے۔

اے سگ گرگیں زشت از حرص و جوش
پوستن شیر را بر خور مپوش

غرہ شیرت بخواہد امتحاں
نقش شیر و بانگ و اخلاق سگاں

ترجمہ : اے گندگی کے کتے حرص وہوس سے بھرپور شیر کی کھال مت پہن، شیر کا دعوکا تجھ سے امتحان لے گا کیونکہ تیری شکل شیروں کی اور آواز وعادات کتوں کی ہیں۔

عَلِیْمٌ بندوں کی مصلحتیں اور اعمال اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں یہ تہدیداً فرمایا تا کہ بندہ عبادت میں سستی اور کمی نہ کرے۔ پھر اس میں نیک لوگوں کو خوشخبری بھی ہے کہ انہیں یقین ہوگا کہ جس کی وہ عبادت کرتے ہیں وہ انہیں ہروقت جانتا ہے۔

ربط : یہ آیت وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ الخ سے مرتبط ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اے مومنو! اللہ تعالیٰ کے شہروسیع ہیں اللہ تعالیٰ کی مساجد کو خراب کرنے والوں کی تخریب تمہیں عبادت سے نہیں روک سکتی۔ کیونکہ جس طرف بھی منہ کر کے نماز ادا کرو گے خدا کی ذات موجود ہوگی۔ فلہٰذا تمہاری عبادت ہر طرف منہ کرنے سے منظور ہوگی۔

شانِ نزول : حضرت مجاہد اور حسن فرماتے ہیں: جب آیت قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (تمہارا رب فرماتا ہے کہ مجھ سے دعا مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں گا) نازل ہوئی تو لوگوں نے کہا: ہم اللہ تعالیٰ سے کہاں دعا عرض کریں۔ اس پر یہ آیت: وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ الخ یعنی جس جہت جاؤ گے اللہ تعالیٰ موجود ہوگا۔ اسے کسی جہت اور تحیز کی محتاجی نہیں۔

سوال : جب اللہ تعالیٰ جہت اور تحیز سے پاک ہے تو پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟

جواب : ۱۔ تمام انبیاء اور اولیاء علی نبینا وعلیہم السلام نے دعا کے وقت ہاتھ اٹھائے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے رحمت کے خزانے آسمانوں میں ہیں۔ کما قال: وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ (جن باتوں کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے اور تمہارا رزق آسمانوں میں ہیں) اور فرمایا: وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ (کوئی شے ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں اور ہم ہر شے کو انداز سے معلوم کر کے نازل کرتے ہیں) نیز عرشِ معلی صفاتِ رحمانیہ کے استقرار کا مرکز ہے۔ اسی لیے

marfat.ocm

دعا کے وقت آسمان کی طرف ہاتھ اٹھایا جاتا ہے اے آقا! مجھے اسی خزانہ سے عطا فرمادے۔

حکایت: حضرت امام الحرمین قدس سرہٗ ایک بڑے بزرگ کے مہمان ہوئے وہاں بڑے بڑے علماء بھی مدعو تھے اور عوام بھی۔ ان میں سے ایک شخص اٹھ کھڑا ہوا اور عرض کی: حضرت! میرا ایک عقدہ حل فرمایئے۔ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی مکانیت سے تنزیہ پر کون سی دلیل ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰى (رحمٰن عرش پر اپنے شان کے لائق مستوی ہے) اس پر حضرت امام صاحب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مکانیت سے تنزیہ کی دلیل حضرت یونس علیہ السلام کا قول ہے جو انہوں نے مچھلی کے پیٹ میں عرض کیا:

لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنۡتَ سُبۡحٰنَكَ اِنِّىۡ كُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ (تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، بیشک میں ظالموں میں سے ہوں)

سب لوگ متعجب ہوئے کہ تنزیہ پر یہ دلیل کیسی؟ میزبان نے عرض کیا: حضرت! اس کی وضاحت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا: اسی مجلس میں ایک فقیر محتاج ایک ہزار روپے کا مقروض ہے اس کا قرض ادا کرو پھر اس کی وضاحت کرتا ہوں۔ میزبان نے قبول کرلیا۔ آپ نے فرمایا: جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج بہت بلندیوں پر تشریف لے گئے تو وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لا احصی ثناء علیک انت علی نفسک" (میں تیری تعریف کب بیان کر سکتا ہوں جیسے کہ تو نے اپنی تعریف فرمائی ہے) اور حضرت سیدنا یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ کے اندھیروں اور دریا کی تہ کے اندر پڑھا: لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنۡتَ سُبۡحٰنَكَ الخ دونوں حضرات اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہوئے اور یہ خطاب حضوری ہے۔ اس سے معلوم ہوا ہے کہ وہ کسی مکان میں نہیں

حدیث شریف: میں ہے: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے (تواضعاً) فرمایا: "مجھے یونس علیہ السلام پر فضیلت مت دو کیونکہ انہوں نے مچھلی کے پیٹ میں اسی ذات کے جلووں کو دیکھا جسے میں نے عرش کے وراء الوراء میں دیکھا" اس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی سمجھایا کہ مجھے اور یونس علیہ السلام کو ذات حق کے جلوے نظر آئے۔

شان نزول: بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ آیت یہودیوں کی طعن و تشنیع پر نازل ہوئی۔ جب کعبہ مکرمہ کی تبدیلی کا حکم ہوا۔ مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ساتھ مکہ کی

marfat.ocm

طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا تا کہ یہودیوں کی تالیف قلوب ہو اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تصدیق کریں۔

اس پر دوسرے لوگ بھی اسلام میں جلد شامل ہو جائیں گے۔ سولہ ماہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے رہے لیکن دل کی تمنا یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بیت اللہ کی طرف منہ کرنے کا حکم فرمائے کیونکہ یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ تھا اور اول القبلتین بھی وہی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا آپ مسجد بنی سلمہ میں ظہر کی نماز ادا فرما رہے تھے ابھی دو رکعت پڑھی تھیں کہ ارشاد ہوا: فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر دیجئے) اس حکم پر نماز میں ہی اپنے رخ مبارک کو پھیر دیا۔ اسی لیے اس مسجد کا نام مسجد القبلتین پڑ گیا۔ جب پھرنے کا حکم نازل ہوا تو اس میں بعض لوگ مرتد ہو گئے۔ مسلمانوں کے لئے یہ ایک بڑی آزمائش تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ

وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ

(ہم نے قبلہ نہیں بنایا جس پر تم ہو صرف اس لیے تا کہ ہم ظاہر کر دیں کہ کون رسول کی تابعداری کرتا ہے اور کون پیچھے ہٹتا ہے اور یہ سخت ہے مگر ان لوگوں پر آسان ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی)

اے اللہ! ہمیں ہدایت نصیب فرما اور اپنے دین پر ثابت قدم رکھ اور کافروں پر فتح و نصرت نصیب فرما۔

سبق: مومن کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر مضبوطی سے عمل کرے جیسے اس کا حکم ہو۔ سر تسلیم خم کرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری میں کوئی کسر نہ چھوڑے۔ عقلِ عاجز کو ان کے حکم کے سامنے جھکا دے اور فہم قاصر کو اس میں دخل نہ بنائے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے مدرسہ سے آداب حاصل کرے کہ جب بیت المقدس کو قبلہ بنانے کا حکم ہوا تو ادب سے سر جھکا دیا۔ یہ نہیں سوچا کہ کیوں ایسا ہوا ہے پھر جب تک حکمِ ربانی نہیں ہوا چون و چرا کو گنجائش نہ دی بلکہ ارشادِ ربانی کے منتظر رہے۔ اللہ تعالیٰ

marfat.ocm

نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم فرمائی کہ جس طرح آپ چاہتے تھے ویسا ہی کیا بلکہ آپ کو تمام انبیاء علیہم السلام کا سرتاج بنا دیا۔

ف: تحویلِ قبلہ کا معاملہ دو گروہوں کو شاق گزرا اور دونوں ہی ذات حق سے محجوب تھے۔

پہلا گروہ وہ تھا جنہوں نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ جب بھی بیت اللہ سے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا تھا یہی مقام مکاشفہ سے عروج کی صورت تھی۔ یعنی آپ کو مقامِ قلب سے مقامِ مشاہدہ (جسے ~~مقام~~ عروج کہا جاتا ہے) کا عروج ہوا۔ پھر ان کا گمان تحویلِ قبلہ کو بعد القرب اور نزول بعد العروف سمجھ بیٹھے اور انہیں بدگمانی ہوئی کہ پہلے والا مرتبہ اشرف تھا۔ وہ (معاذ اللہ) ضائع ہو گیا اور معاذ اللہ ثم معاذ اللہ ان کا یہ خیال تھا کہ اب تحویل قبلہ سے آپ اپنے عروف مرتبہ سے گر گئے۔ اس بدگمانی سے ان پر تحویلِ قبلہ شاق گزرا اور اسلام کی دولت سے محروم ہو گئے۔ انہیں یہ علم نہیں تھا کہ یہ وہ صورت ہے جسے رجوع الی مقام القلب کہا جاتا ہے۔ جو دعوت کے لئے حالت تمکین میں نصیب ہوتی ہے۔ بلکہ اسی کا نام مشاهدة الجمع فی عین التفصیل اور مشاهدة التفصیل فی الجمع ہے۔ اسی مقام تک پہنچ کر بندہ نہ وحدت کے ساتھ کثرت سے محجوب ہوتا ہے اور نہ کثرت کے ساتھ وحدت سے محجوب ہوتا ہے۔

دوسرا گروہ وہ تھا جنہیں اپنے اعمال سے پیار تھا۔ انہیں تحویل قبلہ کا راز معلوم نہیں تھا انہیں گمان تھا کہ تحویل قبلہ سے ہماری عبادت ضائع ہو گئی اور جن کا ازلی بخت یاور تھا وہ کسی گمان میں نہ پھنس سکے اس پر انہیں راہِ راست نصیب ہوا اور توحید ذاتی محمدی کے شرف سے مشرف ہو گئے۔

اے اللہ! ہمیں ہدایت یافتہ لوگوں سے بنا اور انبیاء و مرسلین کے ساتھ محشر میں اٹھا۔

تفسیر صوفیانہ

اہل تاویل حضرات فرماتے ہیں کہ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ سے مراد عالم نور و ظہور ہے کہ جس جہت کو نصاریٰ نے قبلہ سمجھا ہوا ہے ان کا قبلہ تو دراصل اس کا باطن چاہیے تھا اور عالمِ ظلمت و مستورہ ہے جسے یہود نے اپنا قبلہ سمجھا ہے ان کا قبلہ خود درحقیقت اس کا ظہور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو سمجھایا کہ تم جس جہت کی طرف متوجہ ہو گئے جائز ہے اس لیے کہ وہ متجلی وانور روشن ہے کیونکہ جب وہ اپنے جلوے تمہارے قلوب پر ظاہر فرماتا ہے تو وہ جلوہ اس کا صفتِ جمالیہ سے ہے جو تمہیں مشاہدہ اور فانی

marfat.ocm

ہونے کے بعد نصیب ہوتا ہے۔ لیکن جب تم اس سے دور ہو جاتے ہو اور درمیان میں پردہ آ جاتا ہے تو یہ صفتِ جلالیہ ہے جو تمہیں بحالتِ بقا بعد الفنا نصیب ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے تم جہاں توجہ کرو گے وہاں ہی اللہ تعالیٰ کے جلوے ہوں گے کیونکہ اس کے سوا تو ہے بھی کچھ نہیں۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

میانِ کعبہ و بت خانہ ہیچ فرقے نیست ہر طرف کہ نظر میکنی برابر اوست

ترجمہ: کعبہ و بت خانہ میں کوئی فرق نہیں جہاں سے دیکھو گے وہی نظر آئے گا۔

سبق: بندہ کو وہ مقام حاصل ہو جائے کہ نہ وہ حق سے محجوب ہو اور نہ حق اس سے محجوب ہو۔ اس کیفیت میں تمام پردے ہٹا دیے جاتے ہیں۔ اسے صوفیہ کرام کی اصطلاح میں مقام جمع الجمع اور بقا کہا جاتا ہے۔ یہ مرتبہ تجلی عینی سے حاصل ہوتا ہے۔ حضرت شیخ بہ افتادہ آفندی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام اپنے اہل کے لئے آگ حاصل کرنے کی غرض سے کوہِ طور پر پہنچے تو انہیں پہلے یہ حکم ہوا اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّكَ دیکھئے یہاں سب سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کو ربوبیت کے جلوے دکھائے گئے بعد ازاں فرمایا:۔

وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰى ۝ اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ (اے موسیٰ! میں نے آپ کو اپنے لئے چن لیا۔ اب وحی سنیے۔ میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں اور میری ہی عبادت کرنا) اس میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کا جلوہ دکھایا بعد ازاں بھی ذات کے جلوؤں سے نوازا پھر حکم فرمایا کہ اب جاؤ فرعون کی رہبری کرو۔ موسیٰ علیہ السلام اہل و عیال کی پرواہ کئے بغیر سیدھے فرعون کے پاس پہنچے۔ جب آپ رسالت کا پیغام لے کر ملکِ مصر میں داخل ہوئے آدھی رات تھی۔ فرعون کے دروازے پر اپنے عصا سے دستک دی تاکہ تعمیلِ ارشادِ خداوندی میں تاخیر واقع نہ ہو۔ کہتے ہیں کہ دروازہ کی دستک سے ہیبت کے مارے فرعون کی داڑھی سفید ہو گئی۔ جب اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو کہا: تو ہمارا پروردہ نہیں ہے؟ ایک عرصہ تک ہمارے ہاں رہا ہے۔ آپ نے فرمایا: ہاں، میں وہی ہوں۔ اسی لیے تو میں تیرا حق ادا کرنے آیا ہوں کہ سب سے پہلے تجھے ہی دعوتِ حق دوں۔ اس بات کو سن کر فرعونیوں نے آپ کے قتل کا ارادہ کیا۔ آپ نے اپنا عصا نیچے پھینکا تو وہ بڑا اژدہا بن گیا جو سب کو ہڑپ کرنا چاہتا تھا۔ تو سب نے موسیٰ علیہ السلام سے پناہ کی التجا کی۔ آپ نے ان کو امان دے دی۔ اس معجزہ کے پیشِ نظر فرعون تو مومن ہونا چاہتا تھا لیکن ہامان بدبخت نے اسے روکے رکھا۔

فرعون کو دعوتِ حق دے کر آپ وہاں پہنچے جہاں اپنے اہل وعیال کو چھوڑ آئے تھے۔ دیکھا کہ آپ کی اہلیہ جن چکی ہیں۔ قدرت نے ان کی حفاظت کے لئے بھیڑیے مقرر فرما دیے۔ بھیڑیاں کی نگرانی سے کسی کا بھی وہاں سے گزرنا ممکن نہ تھا۔

سبق: سبحان اللہ! قادر قدیر کی کیا ہی نرالی شان ہے۔

فضیلتِ حنفیت: ہمارے امام اعظم (سیدنا ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ) نے بہ ذاتِ خود اپنے مسلک کی اشاعت کا کبھی ارادہ نہ فرمایا لیکن حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ابوحنیفہ! اس مذہب کو خوب پھیلاؤ۔'' یہ حکم آپ کو عالمِ رؤیا میں ہوا۔ حالانکہ خود امام صاحب اس سے دور رہنا چاہتے تھے۔ آپ کی دلیل ہمارے حنفی مذہب کی حقانیت کے لئے شاہد وعادل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود حکم فرمائیں۔ اس کے وصول الی الحقیقۃ میں کسی قسم کا وہم تک نہیں ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ قدس سرہٗ ساری ساری رات عبادت میں مشغول رہتے تھے ایک دن کعبہ میں ہی ہاتف سے سنا کہ اے ابوحنیفہ! تو نے میرے دین کے لئے مخلصانہ خدمات انجام دیں اور میری معرفت کا حق ادا کر دیا فلہٰذا میں نے تجھے اور تیرے مذہب پر چلنے والوں کو بخش دیا۔ (کذا فی عین العلم للشیخ محمد بلخی)

مسئلہ: بعض عارفین سے منقول ہے کہ انسانوں کا قبلہ کعبہ مکرمہ، آسمان والوں کا قبلہ بیت المعمور، کروبیوں کا قبلہ کرسی اور حاملین عرش کا قبلہ عرشِ معلٰی ہے۔ سب کا مقصودِ اعظم ذاتِ حق ہی ہے۔

تفسیر عالمانہ وَقَالُوا اور کہا: **شانِ نزول:** جب یہود نے کہا کہ عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ اسی طرح نصاریٰ نے کہا: عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور کفار نے کہا: ملائکہ اللہ تعالیٰ بیٹیاں ہیں۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ قَالُوا کی ضمیر ان تینوں کی طرف لوٹتی ہے۔ یہود ونصاریٰ نے صراحۃً اور مشرکین نے اشارۃً کہا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ یعنی یہود ونصاریٰ کی طرح یہ لوگ کہتے ہیں اور جو کچھ یہ جاہل کہا کرتے ہیں یہ یہود ونصاریٰ بھی ان کے شریک ہیں۔ اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا

marfat.ocm

حل لغات : اتخاذ یا تو بمعنی الصنع والعمل کے ہے۔ اس معنی پر صرف ایک مفعول کی طرف متعدی ہوگا یا بمعنی تصبیر کے ہے۔ (جسے دو مفعول چاہیے) اس معنی پر یہاں پر اول محذوف ہوگا۔ عبارت یوں ہوگی: اتخذ ای صیراً. یعنی یہ لوگ کہتے ہیں کہ بنایا اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض مخلوق سے اور فلاں فلاں کو اولاد بنایا ہے۔ (معاذ اللہ) یہ بات ہرگز نہیں کیونکہ اس کی کوئی اولاد نہیں، نہ وہ کسی کی اولاد یا متبنیٰ بناتا ہے اور نہ ہی اس کی شان ہے کہ کسی کو بیٹا بنائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی تنزیہ بیان کی۔ سُبۡحٰنَهٗ

حل لغات : سُبحَان دراصل سَبحَۃ، سبحاناً تھا۔ اگر سبحان" کو بمعنی تسبیح کا مصدر قرار دیا جائے۔ یعنی سبحان کو بمعنی تنزیہ کہا جائے تو اب مطلب یوں ہوا کہ وہ باری تعالیٰ اس سبب سے بھی منزہ ہے۔ جو اولاد کا مقتضی ہو۔ یعنی وہ اس کی طرح محتاج ہے کہ زندگی میں اس کی اعانت کرے اور مرنے کے بعد اس کے قائم مقام ہو اور اس سے بھی منزہ ہے کہ اسے ولدیت کا تقاضا ہے یعنی تشبیہ سے کیونکہ ولد اپنے والد کی جنس سے ہوگا پھر اللہ تعالیٰ کے لئے کس طرح ولد کا ہونا صحیح ہوسکتا ہے کہ اس کی مثل کوئی شئے ہو حالانکہ اس کی مثل کوئی شئے نہیں۔

مولانا روم قدس سرہٗ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں:

لم یلد ولم یولد است او ز قدم   نے پدر دارد نہ فرزند و نہ عم

ترجمہ: وہ قدیم سے لم یلد ولم یولد ہے نہ اس کا باپ ہے نہ بیٹا نہ چچا۔

بَلۡ لَّهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ؕ

ربط: ان کے قول مذکور کی تردید اور ان کے قول کے فساد کا بیان ہے۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ باطل لوگوں کے قول سے اعراض کرنا بھی ان کے قول کی تردید ہے اور وسیط میں ہے:

بَلۡ ای لَیۡسَ الۡاَمۡرُ الخ۔ یعنی جس طرح وہ گمان کرتے ہیں اس طرح نہیں۔ اب معنی یہ ہوا کہ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے جس میں عزیر و عیسیٰ اور ملائکہ علیہم السلام بھی ہیں۔

خلاصہ : یہ ہوا کہ جو کچھ زمین و آسمان میں ہے اس میں سے اللہ تعالیٰ کی کوئی بھی اولاد نہیں۔

كُلٌّ سب کے سب جو زمین میں ہے، ذوی العقول یا غیر ذوی العقول لَّهٗ اللہ تعالیٰ کے لئے قٰنِتُوۡنَ فرماں بردار ہیں۔ اس کی مشیت و تکوین سے کوئی شئے ممتنع نہیں اور ہر وہ شئے کہ جس کی بھی شان ہو کہ وہ ایک

marfat.ocm

مخلوق ہو تو وہ اپنے خالق واجب بذاتہٖ کی ہم جنس نہیں ہوا کرتی۔

نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے لئے اولاد نہیں۔ کیونکہ بیٹے کا حق ہے کہ وہ اپنے بیٹے کا ہم جنس ہو۔

سوال: پہلے ان تمام کو غیر ذوی العقول سے تعبیر فرمایا اور اب انہیں قٰنِتُوْنَ فرما کر ذوی العقول سے تعبیر کیا جا رہا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: ان عقلمندوں کی تحقیر مطلوب ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد ثابت کر رہے ہیں۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا۔

حل لغات: بَدِيْعُ بمعنی مُبْدَع" اور مُبْدَع" اسے کہتے ہیں جو کسی شئے کو اس طرز میں پیدا کرے جس کی پہلے کوئی مثال نہ ملے اور اِبْدَاع" بمعنی اِخْتِرَاعُ الشَّیْءِ الخ یعنی کسی شئے سے دفعۃً پیدا کرنا۔ یعنی نہ ان کا پہلے کوئی مادہ موجود ہو نہ اس کے پیدا کرنے میں کوئی مدت گزرے اور بدعتی کو بھی مُبْدِع" اس لیے کہتے ہیں کہ جس طرح بدعت ہے اس کی نظیر اربابِ شرع میں نہیں ملتی یا آیت کا یہ معنیٰ ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ پہلے معنیٰ کے اعتبار سے اَبْدَعَ سے ماخوذ ہوگا اور اضافت معنوی ہوگی۔ دوسرے معنیٰ کے اعتبار سے بَدَعَ سے ماخوذ ہوگا۔ جبکہ کسی شکل میں فوقیت اور دل لبھانے والا حسن ہو۔ اب اضافت لفظیہ ہوگی یہ ان کے برے قول کی دوسری تردید ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ والد ولد کا عنصر ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ولد اس کے مادہ سے اثر گیر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو علی الاطلاق مخلوق کو پیدا کرنے والا ہے۔ اثر لینے دینے سے پاک ہے۔ نتیجہ نکلا کہ وہ کسی کا والد نہیں۔ علاوہ ازیں جب وہ آسمان و زمین کو بغیر کسی مادہ کے پیدا کرنے پر قادر ہے تو وہ صرف عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کرنے پر کیوں نہ قادر ہوگا۔

وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا جب کسی شئے کے متعلق ارادہ کرتا ہے۔

حل لغات: قَضَاء" بمعنی احکام، یعنی کسی شئے کو کسی شئے کے سہارے کے بغیر مضبوط کرنا۔

جب وہ ہر شئے پر قادر ہے تو پھر عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کرنے پر کیوں قادر نہیں۔

فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ بیشک اللہ تعالیٰ جس شئے کو فرماتا ہے "ہو جا" تو وہ ہو جاتی ہے۔ جس میں کسی قسم کا توقف نہیں ہوتا اور نہ ہی انکار ہوتا ہے۔ یہ دونوں کَانَ تامہ ہیں بمعنی اَحْدَثَ فَيَحْدِثُ یعنی فرماتا ہے ہو جا

marfat.ocm

تو وہ ہو جاتی ہے۔

عقیدہ: اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ اشیاء کے وجود کا تعلق کُن سے متعلق ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق و ایجاد اور تکوین سے متعلق ہے۔ یہ ازلی صفت ہے۔ کُن کا مطلب ہے کہ صرف اتنا کہنے سے اللہ تعالیٰ اشیاء کو پیدا کرتا ہے، جس میں کسی قسم کی تاخیر نہیں یہ اس کی کمال قدرت کی علامت ہے۔

یہ کسی کے علم میں نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اشیاء سے تعلق کس طرح ہے اس کی بحث نہیں چھیڑنی چاہیے اور نہ ہی خالق کی کیفیت سے بحث کرنی چاہیے اور نہ ہی بعد از موت کے عذاب سے بحث کرنی چاہیے۔ اسی طرح کے اور بہت سے مسائل ہیں۔ کیونکہ یہ دقیق اسرار ہیں۔

مسئلہ: وہ لوگ دو باتوں سے گمراہ ہوئے:

☆......اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد ثابت کرنے سے۔ ☆......یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے لیے اولاد منتخب فرماتا ہے۔

حدیث قدسی: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''بنو آدم میری تکذیب کرتے ہیں (یعنی مجھے کذب کی طرف منسوب کرتے ہیں، حالانکہ یہ بات اس کے شایانِ شان نہیں) اور پھر مجھے گالیاں دیتے ہیں (یہ بھی اسے لائق نہیں تھا) میری تکذیب تو یوں کرتے ہیں کہ ان کا گمان ہے کہ میں انہیں مرنے کے بعد اٹھانے پر قادر نہیں، اور ان کی گالیاں یوں ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے حالانکہ میں اس بات سے منزہ ہوں کہ اولاد و ازواج اپنے لیے بناؤں'' یہ گالیاں اس لیے کہ ولد بمعنیٰ جز کا کل سے نکالنا اور یہ ترکیب کو چاہتا ہے اور ہر مرکب محتاج ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ترکیب سے پاک ہے۔

سوال: جس طرح اس کے لئے اولاد کی نسبت کرنا گالیاں ہیں اسی طرح اس کے لئے مرنے کے بعد لوٹانے کی قدرت سے انکار بھی گالیاں ہیں۔ کیونکہ کسی شئے پر قادر نہ ہونا عجز کی علامت ہے اور اس کے لئے عجز کی نسبت کرنا بھی گالیاں ہیں۔ پھر ایک کو گالیوں سے اور دوسرے کو تکذیب سے تعبیر کیا جاتا ہے، کیوں؟

جواب: قیامت میں دوبارہ لوٹانے کی نفی سے اس کی صفتِ کمال کی نفی ہوتی ہے اور اس کے لئے اولاد کی نسبت ایک صفت نقصان ثابت کرنا ہے۔ پھر یہ قاعدہ ہے کہ شتم تکذیب سے زیادہ فحش ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے جھوٹ کی نسبت نبی علیہ السلام پر جھوٹ کی نسبت سے زیادہ بُرا ہے۔

marfat.ocm

حدیث شریف: میں ہے کہ مجھ پر جھوٹ کی نسبت عام آدمیوں کی طرح نہیں۔

یعنی مجھ پر جھوٹ کی نسبت بہت بڑا گناہ ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات مستثنیٰ ہے کیونکہ حضور علیہ السلام پر جھوٹ باندھنے سے قواعدِ اسلام کو مٹانا اور شریعت واحکام میں فساد ڈالنا ہے۔

حدیث شریف: حضور علیہ السلام نے یہ بھی ارشاد فرمایا: ”جو شخص میری طرف جھوٹ کی نسبت کرتا ہے وہ جہنمی ہے“

مسئلہ : پہلی شریعت میں اللہ تعالیٰ کو باپ کہہ لینا جائز تھا۔ اسی طرح کسی بڑے کو الٰہ کہنا بھی جائز تھا۔ یہاں تک کہ یوں بھی کہہ دیتے کہ باپ رب اصغر اور اللہ تعالیٰ رب اکبر۔ مقصد یہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ بندہ کے پیدا کرنے میں سببِ اول ہے اور باپ پرورش کے لحاظ سے سببِ آخر ہے۔ اسی اعتبار سے باپ بیٹے کا من وجہ معبود ٹھہرا۔ معبود بمعنیٰ مخدوم سمجھا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کو رب کہنے کے جواز سے جاہلوں نے سمجھ لیا کہ یہ اس کے محبوب بندے طبعی ولادت کے لحاظ سے اس کی اولاد ہیں۔ اس کے بعد اندھی تقلید سے بعد والوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد ثابت کرنی شروع کردی۔

مسئلہ : چونکہ جاہلوں کو ایک شرعی مسئلہ سے غلط فہمی ہوئی اس لیے اب مصلحتاً اللہ تعالیٰ کو باپ کہنے اور اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کو انبیاء کہنے سے روکا گیا ہے بلکہ اس کے قائل کو کافر قرار دیا گیا ہے۔ خواہ اس کی ولادت سے ولادتِ سببیہ مراد ہو یا ولادت طبعیہ۔ تاکہ غلط عقیدے کی جڑ سرے سے ہی کاٹ دی جائے۔

مسئلہ : اللہ تعالیٰ کسی کو حبیب یا خلیل بنائے اسے اللہ تعالیٰ کا حبیب یا خلیل کہا جائے تو جائز ہے کیونکہ محبت کے الفاظ سے کسی قسم کی غلط فہمی نہیں پیدا ہو سکتی۔

☆......ان کی کتاب میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی:

وَلَّدْتُکَ وَاَنْتَ نَبِیّ“ (میں نے تجھے پیدا فرمایا اور تو میرا نبی ہے)

لیکن یار لوگوں نے ولدتک کی لام کو مخفف کر کے پڑھا اور لام کی شد کو بالکل اڑا دیا تاکہ معنیٰ یہ ہو جائے کہ میں نے تجھے بیٹا بنا دیا (معاذ اللہ) کیونکہ لام مشدد سے تولید مشتق ماننا پڑتا ہے۔ جس کا معنیٰ ہے کہ پیدا کرنا۔

☆......نبیٌّ“ میں ”ی“ کو ”ن“ کی جگہ پر اور نون کو ”ی“ کی جگہ پر قلب مکانی کر کے پڑھا، جس کا نبی کی

بجائے بُنَیَّ (میرا بیٹا) کا معنیٰ بن جائے۔ (تعالی اللہ عما یقول الظالمون)

☆...... ایک وحی یوں تھی، اللہ تعالیٰ نے انہیں خطاب فرمایا: یَـا اَحْبَـارِیْ وَیَـا اَبْنَـا ءَ رُسُلِی (اے میرے علماء اور میرے رسولوں کی اولاد) انہوں نے احباری کے بجائے **احبائی** اور اَبْناء رُسلی کی بجائے یاابنائی پڑھا۔ اللہ تعالیٰ نے انکار فرمایا۔ کماقال : وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (یہود و نصاریٰ نے کہا ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے محبّ ہیں) **پھر فرمایا**: قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ (ان سے پوچھیے اگر ایسی بات ہے تو پھر اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کی وجہ سے تمہیں عذاب کیوں دیتا ہے، بلکہ تم بشری مخلوق ہو)

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ حدود و جہات سے منزّہ ہے اور ازواج بنین و بنات سے پاک ہے نہ اس کی کوئی مثل ہے زمین میں نہ آسمان میں۔

سبق: مومن پر لازم ہے کہ وہ ٹیڑھا پن اور گمراہی اور بُرے اعمال اور گندے اقوال سے بچتا رہے اور ہر صبح و شام توحید کا پابند رہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے اندر شرکِ خفی کو بھی نہ گھسنے دے۔

حدیث شریف: اگر امیر کو معلوم ہو جائے کہ ذکرِ الٰہی میں کیا فائدے ہیں تو امیری کو اور تاجر اپنی تجارت کو ختم کر دے۔ اسے صرف اس کی ایک بار تسبیح (سبحان اللہ) کہنے کے ثواب کو تقسیم کیا جائے تو اس دنیا کو دس دنیا بنایا جائے تو اس کی تسبیح کا ثواب ہر ایک کو پہنچے گا۔

حدیث شریف: مومن کے تین مضبوط قلعے ہیں:

☆...... ذکر اللہ ☆...... قراۃ القرآن ☆...... مسجد شریف

ف: مسجد سے اس کی نماز پڑھنے کی جگہ مراد ہے خواہ اس کے گھر میں ہو یا باہر۔ لیکن عبادت میں صدق اور اخلاص ضروری ہے۔ یہاں تک کہ اس کی عبادت کی جھلک مُلک و ملکوت میں نمایاں ہو۔

حضرت مولانا روم قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

ہست تسبیحت بخار آب و گل مُرغ جنت شد ز نفخ صدقِ دل

ترجمہ : تیری تسبیح آب و گل کا بخار ہے صدق دل کا پھونکا جنت میں مرغ بنے گا۔ (یعنی بہترین کمانے)

اے اللہ! ہمیں یقین کے درجہ تک پہنچا اور ہمارے لیے تمکین کے مقامات میں سے کوئی مقام تیار فرما۔ آمین۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مشرکین عرب (جو حقیقۃً جاہل ہیں) ایک اہل کتاب (جو عمداً جاہل بننے والے ہیں) کہتے ہیں ان سے علم کی نفی عدمِ انتفاع کی وجہ سے ہے کیونکہ علم سے مقصود عمل ہوتا ہے۔

لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ ترکیب: لَوْلَا تخصیص کے لئے ہوتا ہے اور تخصیص کے حروف جب ماضی پر داخل ہوتے ہیں تو اس وقت توبیخ اور کسی فعل سے روکنا ای لم یفعل اور مضارع میں فاعل کو فعل کی طلب پر ابھارنا مقصود ہوتا ہے اور نیز فعل پر ابھارنا بھی بمعنی امر کے ہوتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ بالمشافہ گفتگو کیوں نہیں فرماتا۔ تاکہ ہمیں معلوم ہو کہ واقعی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں جیسا کہ ملائکہ کے ساتھ بلاواسطہ کلام کرتا ہے۔ یا ہمارے ہاں فرشتہ کیوں نہیں بھیجتا تاکہ اس فرشتہ کے واسطہ سے ہمارے ساتھ کلام فرمائے کہ واقعہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ جیسا کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اسی طریقہ سے کلام فرمایا۔ یہ قول جہلاء بطور تکبر کرتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ ہم بھی ملائکہ وانبیاء علیہم السلام کی طرح معظم بالشان ہیں۔ جب ہم ان کی طرح ہیں تو یہ کلام کا اختصاص ان کے ساتھ کیسا۔

اَوْ تخییر کے لئے ہے۔ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ یا ہمارے پاس کوئی ایسی حجت آئے جو آپ کی صداقت پر دلالت کرے۔ یہ بھی ہٹ دھرمی تھی ورنہ یہ قرآن اور دیگر معجزات کیا معمولی دلائل ہیں۔

ف: جحود انکار مع علم کو کہتے ہیں۔ بڑے تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ نفس (جو حقیر ترین ہے) کو اشرف سمجھ کر ان آیات بینات کی اہانت کر رہے تھے جو سب سے عظیم الشان تھیں كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ سابقہ امتیں بھی یونہی کہا کرتیں۔ چنانچہ یہود نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً اور لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ اور نصاریٰ کہتے تھے: هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ وغیرہ وغیرہ۔

ف: كَذٰلِكَ قَالَ پھر مِّثْلَ قَوْلِهِمْ میں دو تشبیہیں ہیں۔

☆...... تشبیه المقول بالمقول مؤدیٰ وماحصل میں۔

☆...... تشبیه القول بالقول لغیر رؤیة میں۔

[illegible]

غرض پر) اور كَذٰلِكَ منصوب المحل اور قَالَ کا مفعول ہے مِثْلَ قَوْلِهِمْ اور مفعول مطلق ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی: قال الكفار الامم الماضيه۔

یعنی گزشتہ امتوں کے کفار بھی انکی طرح کہا کرتے تھے جس طرح یہ کہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک تشبیہ دوسری تشبیہ سے بے پرواہ نہیں کرتی۔

تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ان کے اور گزشتہ لوگوں کے قول سے وجہ تشبیہ کی وجہ تعلیل بیان کرنے میں ان کے ولد آپس میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں کیونکہ زبان دل کی ترجمان ہے دل میں اگر کفر و قسوۃ اور اندھا پن، بے وقوفی اور عناد گھر کر جائے تو زبان سے بھی تعلل اور تباعد عن الایمان کا پتا چلتا ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے:

مرد پنہاں بود بزیر زبان چوں بگوید سخن بداننداش
خوب گوید لبیب گویندش زشت گوید سفیہ خوانندش

ترجمہ:

☆ ...... انسان زبان کے نیچے چھپا ہوا ہے جب بولتا ہے تب معلوم ہوتا ہے۔ ☆ ...... خوب بولے تو اسے دانا سمجھتے ہیں غلط بولے تو اسے بیوقوف کہا جاتا ہے۔

قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ انہیں ہم نے حجت بیان کردی کہ ان کو اب یقین ہے کہ واقعی ان کا کوئی معبود ہے۔ جیسا کہ اہلِ عرب کہتے ہیں: سبحان من صغر البعوض الخ۔ (وہ ذات پاک ہے جس نے مچھر کو چھوٹا کر کے اور ہاتھی کو بڑا کر کے پیدا کیا) اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ چیزیں پہلے حجت نہ تھیں اب حجت ہوگئیں بلکہ ہمیشہ حجت ہیں۔

لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ان لوگوں کے لئے جو یقین کے طالب ہیں، طلب کرتے ہیں۔

ف: یقین علم سے ابلغ اور مؤکد ہوتا ہے اور ایسا جازم ہوتا ہے کہ اس میں شک کا احتمال نہیں ہوتا اور ایسا ثابت ہوتا ہے کہ شک ڈالنے سے زائل نہیں ہوتا اور وہ واقع کے بھی مطابق ہوتا ہے۔ پس ایقان کا طلب الیقین مجازی معنی ہے۔ جیسا کہ مسبب بول کر سبب کا ارادہ کیا جاتا ہے۔ طالبانِ یقین کے لئے دلائل قائم کرنا کوئی بڑی بات نہیں تاکہ اسی یقین کو ان دلائل سے حاصل کریں۔ البتہ اسے مجاز پر محمول کیا جائے تو بہتر ہے کیونکہ معنی مذکور کے یقین کرنے والا دلائل کے قائم کرنے اور آیات کے بیان کرنے کا محتاج نہیں ہے۔ اس معنی پر اسے تحصیل حاصل کا انکار کرے گا

marfat.ocm

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ ہم نے آپ بھیجا دریں حال کہ آپ بِالْحَقِّ حق سے مؤید ہیں۔ اس سے حجت آیات مراد ہے۔ ان کو حق سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اشیاء حق کی طرف لے جانے والی ہیں۔ بَشِيْرًا دریں حال کہ آپ اس شخص کو جو آپ پر ایمان لائے اسے ان چیزوں کی خوشخبری سنائیں کہ جنہیں نہ آنکھ نے دیکھا نہ کان نے سنا اور نہ ہی کسی کے وہم میں ہوں۔

وَنَذِيْرًا اسے ڈر سنائیں جو آپ کے ساتھ کفر اور آپ کی نافرمانی کرے۔ معنیٰ یہ ہے کہ آپ کی شان یہ ہے کہ آپ دلائل و معجزات سے انہیں دعویٰ رسالت کے صدق کے اظہار کے بعد آپ پر ضروری نہیں کہ آپ انہیں ایمان اور احکام قبول کرنے پر مجبور کریں صرف آپ انہیں خوشخبری اور ڈر سنا کر دعوتِ حق دیجئے۔ ان کے کفر وعناد پر اصرار کرنے سے آپ کا کوئی نقصان نہیں۔ کیونکہ احوال ذی الحال کے اوصاف ہوتے ہیں اور اوصاف موصوف سے مقید ہوتے ہیں۔

وَلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ جو ایمان نہیں لاتے، ان کے متعلق آپ سے سوال نہیں ہوگا کیونکہ ان کا انجام جہنم ہے۔

ف: جحیم: ایک سخت گرم مکان کا نام ہے۔ ایک قرأت میں بفتح التاء ہے اور لام کی جزنہی کے لئے ہے یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوین کی دعائے خیر سے روکا جا رہا ہے۔ جیسا کہ روایت میں آیا ہے کہ کاش میرے والدین سے وہ نہ ہوتا جو ان سے ہوا۔ نبی علیہ السلام کے والد مومن تھے۔

عقیدہ: اسلاف میں اختلاف رہا ہے کہ نبی علیہ السلام کے والدین کافر ہو کر مرے یا مسلمان ہو کر۔ دوسرا قول راجح اور صحیح ہے۔ دلائل یہ ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب شریف کفر کی گرد وغبار سے پاک ہے۔ اگرچہ قریش میں بتوں کی پرستش عام تھی لیکن خلیل علیہ السلام کی دعا وَاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ (مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی پرستش سے بچا) سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے وہ بتوں کی پرستش کے مرتکب نہیں ہوئے۔ دوسری آیت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ہے: وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ شرک سے دور تھے۔ تو پہلے قول والے لوگوں کی دلیل یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کو جب حکم ہوا کہ آپ مومنوں کو خوشخبری اور کافروں کو ڈر سنایئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کی سزائیں سنائیں۔ اندریں اثناء

ایک مرد کھڑا ہو کر عرض کرنے لگا: یارسول اللہ! میرے والدین کہاں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہنم میں۔ اس سے وہ شخص غمگین ہوا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا: غم نہ کھا اس لیے کہ میرے اور ابراہیم علیہ السلام کے والدین بھی تو جہنم میں ہیں۔ اس پر وَلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ آیت نازل ہوئی یہ آیت لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ کی طرح ہے۔ یہ قول صاحب تیسیر کا ہے۔

تحقیقی قول: بعض لوگ اس طرف گئے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے والدین ماجدین ناجی ہیں۔ یہی قول امام قرطبی کا ہے (اور یہی صحیح ہے) امام مذکور نے تذکرہ میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہمارے ساتھ حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو آپ قصبة الحجون سے گزرے تو آپ غمگین ہو کر آنسو بہانے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر میری آنکھیں بھی پرنم ہو گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی سے اترے اور فرمایا: اے حمیرا (عائشہ رضی اللہ عنہا) ذرا رکیے۔ میں وہاں ٹھہر گئی۔ آپ تادیر وہاں ٹھہرے رہے۔ آخر آپ تبسم فرماتے ہوئے واپس تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا: آپ پر میرے ماں باپ قربان، آپ یہاں پہلے غمگین ہوئے، گریہ فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر میرے بھی آنسو بہ نکلے۔ لیکن جب آپ لوٹے ہیں تو مسرور و متبسم، آخر اس کا سبب کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کو دیکھا تو رو دیا۔ میں والدہ کی قبر پر گیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کی یا اللہ! میری والدہ کو زندہ کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کیا اور انہوں نے میرا کلمہ پڑھا۔

ف: مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر اللہ تعالیٰ نے آپ کے والد، والدہ، چچا ابو طالب اور دادا عبد المطلب کو زندہ کیا اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھا۔

حضرت حافظ شمس الدین دمشقی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

حبا اللّٰہ النبی مزید فضل — علی فضل و کان بہ رؤفا
فاحیا امہ و کذا ابا — لایمان بہ فضلا لطیفا
فسلم فالقدیم بہ قدیر — وان کان الحدیث بہ ضعیفا

ترجمہ : ☆...... اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر بڑا فضل کیا اور وہ ان کے لئے بڑا رحیم ہے۔ ☆...... ان کی خاطر ان کی والدہ اسی طرح والد کو زندہ کیا تا کہ آپ پر ایمان لائیں یہ بہت بڑا فضل ہے۔ ☆...... مان لینا چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ اس امر پر قادر ہے۔ اگر چہ یہ مسئلہ حدیث ضعیف سے ثابت ہے۔

مسئلہ : الاشباہ والنظائر میں ہے کہ جو بھی کفر پر مرے اس پر لعنت بھیجنا جائز ہے مگر حضور علیہ السلام کے والدین پر لعنت نہ کی جائے کیونکہ ان کا زندہ ہو کر اسلام لانا (حدیث سے) ثابت ہے۔ (کذا فی مناقب الکردی)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا ایمان لانا:۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنے والدین کی قبروں پر بہت گریہ فرمایا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر خشک درخت کھڑا کر دیا اور فرمایا: اگر یہ درخت سبز ہو گیا تو ان کے ایمان کی نشانی ہے اور اگر خشک رہا تو ان کے کفر کی علامت ہے۔ خدا کی شان وہ درخت سبز ہو گیا۔ وہ دونوں حضرات قبر سے باہر نکلے۔ یہ حضور علیہ السلام کی دعا مبارک کا نتیجہ تھا۔ وہ زندہ ہوتے ہی حضور علیہ السلام پر ایمان لا کر اپنی قبروں میں واپس چلے گئے۔

ف: حضرت شیخ شہیر با فنادہ آفندی قدس سرہٗ فرماتے ہیں یہی قول صحیح ہے کیونکہ آپ کے والد ماجد کا نام عبداللہ تھا اور لفظ اللہ کسی بت کا نام نہیں تھا کیونکہ کہ لفظ اللہ تعالیٰ کے مخصوص علم میں سے ہے۔ جاہلیت میں ان بتوں کے نام لات و عزیٰ وغیرہ تھے۔

ف: ان حضرات کا زندہ ہونا نہ عقلاً ممتنع ہے نہ شرعاً۔ کیونکہ قرآن شریف میں بنی اسرائیل کے مقتول کا زندہ ہو کر اپنے قاتل کا نام بتانا ثابت ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے۔ اسی طرح ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مردے زندہ فرمائے۔ جب یہ ثابت ہے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے زندہ ہو کر اسلام لانے پر کون سا اشکال ہے۔ بلکہ یہ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر مزید لطف و کرم کی دلیل ہے۔

سوال: حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ السلام ایک روز اپنی والدہ ماجدہ کی قبر پر تشریف لے گئے خود بھی خوب روئے اور ساتھ والوں کو بھی رلایا۔ پھر فرمایا: میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کے استغفار کی اجازت

چاہی تو مجھے روکا گیا، پھر میں نے ان کی قبر کی زیارت کی اجازت چاہی تو قبر کی زیارت کی اجازت مل گئی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قبور کی زیارت کیا کرو وہ موت یاد دلاتی ہے۔

جواب: یہ حدیث مذکورہ احادیث سے پہلے یعنی حجۃ الوداع کے موقعہ کی ہے اور آپ ہر گھڑی بڑے درجات کو پہنچتے رہے یہاں تک کہ وصال شریف تک بڑے درجات آپ نے طے فرمائے۔ ممکن ہے یہ درجہ بھی اسی اثناء میں حاصل ہوا ہو۔

سوال: جب کافر کا ایمان موت کے معائنہ کے وقت غیر قابلِ قبول ہے پھر مرنے کے بعد ایمان لانا کیسا قبول ہوسکتا ہے۔؟

جواب: معائنہ موت کا ایمان خوف کی وجہ سے ہوتا ہے اسی وجہ سے نہ قابلِ قبول ہے البتہ موت کے بعد زندہ ہونے میں خوف کا ہے کا۔ چنانچہ وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ آیتِ قرآنی سے بھی ثبوت ملتا ہے۔

اصحابِ کہف کا بیان:۔

حدیث شریف: اصحاب کہف علیہم الرحمہ آخر زمانے میں اپنی قبور سے اٹھائے جائیں گے اور وہ حج پڑھیں گے اور وہ اسی امت میں شمار ہوں گے۔ یہ ان کی شرافت وکرامت سے ہوگا۔

دوسری مرفوع حدیث میں ہے کہ حضرت امام مہدی علی نبینا وعلیہم السلام کے مددگاروں میں سے بھی اصحاب کہف ہوں گے اور جو کچھ اصحاب کہف اس زندگی میں عمل کریں گے انکے اعمال نامے میں لکھا جائے گا اور یہ کوئی نئی بات بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نبی علیہ السلام کے والدین کی تقدیر میں یہ لکھا ہو کہ ان کی عمر اتنی ہوگی لیکن وقت سے پہلے انہیں موت دی جائے گی پھر ان کی بقایا عمر اسی لحظہ میں شمار ہوگی جس میں وہ زندہ ہو کر نبی علیہ السلام پر ایمان لائے اور ان کا ایمان لانا اصحاب کہف کے اعمال کی طرح ان کے لئے اعمال نامے میں شمار ہو۔ یہ فاصلہ جو ان کے مرنے اور پھر اٹھنے تک کا ہے صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وکرامت کے لئے ہو تو کچھ بعید نہیں جیسے اصحاب کہف کو اس مدت کے لئے مؤخر کر کے زندہ کیا گیا صرف ان کی شرافت وکرامت کے پیش نظر ہے تاکہ وہ حضور علیہ السلام کے امتی ہونے کے شرف سے مشرف ہوں۔

[illegible] کے متعلق توقف کا ہے۔

چنانچہ مقاصدِ حسنہ میں حضرت حافظ شمس الدین دمشقی علیہ الرحمہ کا شعر مذکور نقل کر کے فرمایا کہ اس مسئلہ پر میں نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے۔ لیکن میرا مسلک اس میں یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان وکفر کے متعلق توقف بہتر ہے۔

ف: حضرت قاضی ابوبکر ابن العربی علیہ الرحمہ مالک مسلک کے امام ہیں سے سوال ہوا کہ آپ اس شخص کے متعلق کیا فرماتے ہیں جو حضور علیہ السلام کے آباؤ اجداد کے متعلق کہتا ہے کہ وہ جہنمی ہیں؟ آپ نے فرمایا: ایسا شخص ملعون ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ (بیشک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں ملعون بنایا ہے) اور حدیث شریف میں ہے: **لا تو ذوا الاحیاء بسبب الاموات** (زندہ لوگوں کو ان کے مردوں کی وجہ سے ایذا نہ دو)

ف: حضرت امام رستغنی علیہ الرحمہ سے پوچھا گیا کہ ایسے شخص کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جو کہتا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی تو آپ کا سارا جسم سیاہ ہوگیا۔ پھر جب آپ زمین پر اترے تو اس کے بعد آپ کو نماز اور روزے کا حکم ہوا۔ آپ نے نماز اور روزہ ادا فرمایا پھر آپ کا جسم سفید ہوگیا۔ کیا اس کا یہ قول صحیح ہے؟

آپ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کے حق میں ایسے قول نہ کہے جائیں کہ جن میں ان کا عیب یا نقص ظاہر ہوتا ہو۔ ہم ان کے متعلق خاموشی پر مامور ہیں کیونکہ ان کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بلند ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ”جب میرے صحابہ کا ذکر تمہارے سامنے نقص وعیب کے ساتھ آئے تو تم خاموش رہو“ جب ہمیں حضور علیہ السلام کے صحابہ کے متعلق کفِ لسان کا حکم ہے تو پھر انبیاء علیہم السلام کے متعلق بطریق اولیٰ ہے کہ خاموشی سے کام لیں۔

مسئلہ: مسلمان پر لازم ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے متعلق جو امور خلل اور عیب پر دلالت کریں ان پر زبان درازی نہ کرے۔ کیونکہ یہ مسائل ایسے اعتقادیات سے نہیں کہ جن سے کوئی فائدہ ہو۔ زبان کے

حقوق میں سے ایک یہ ہے کہ جس میں نقص وعیب کی بات ہو زبان کو بند رکھا جائے۔ خصوصاً ایسی باتیں جن کا عوام میں پھیلنے سے ایسا خطرہ ہو کہ پھر ان کا سنبھلنا مشکل ہو جائے۔ یہ وہ بیان شافی ہے جو میں نے مختلف کتابوں سے چن کر عرض کر دیا ہے اور ہر مسئلے کی نظیر بھی پیش کر دی ہے۔ (الحمد للہ تعالیٰ وحدہٗ)

وَلَنْ تَرْضٰی عَنْکَ الْیَھُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَھُمْ اس میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو یہودیوں کے اسلام کے داخلہ میں طمع کرنے سے روکا ہے۔ کیونکہ انہوں نے حضور علیہ السلام کو ان کی ملت سے راضی ہونے پر معلق کیا ہے کہ ہم اس شرط پر ایمان لائیں گے اور یہ ایسی شرط ہے کہ بالکل ناممکن بلکہ اس کا وجود بھی ممتنع ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جب وہ آپ سے راضی نہیں پھر آپ کی ملت کی اتباع کیسے کر سکتے ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ آپ سے یہود راضی نہیں ہوں گے جب تک آپ یہودی نہ ہوں اور ان کے قبلہ (جو کہ مغرب ہے) کی طرف منہ کر کے نماز ادا نہ کریں۔ اسی طرح نصاریٰ بھی آپ سے راضی نہ ہوں گے جب تک کہ آپ نصرانی نہ ہوں اور ان کے قبلہ یعنی مشرق کی طرف منہ کر کے نماز ادا نہ کریں۔

سوال: ملۃ کو واحد کر کے کیوں استعمال کیا گیا ہے؟

جواب: کفر وملت ایک شئے ہے یہ ان کے قول کی حکایت ہے کیونکہ وہ کہتے تھے کہ ہم آپ سے راضی نہیں ہوں گے جب تک آپ ہماری ملت کی فرمانبرداری نہ کریں اور مدعی تھے کہ صرف ان کی ملت میں ہدایت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: قُلْ ان کی تردید بطریق قلب کے ہے۔ یعنی اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! انہیں فرمایئے! اِنَّ ھُدَی اللّٰہِ بیشک صرف اسلام ہی ھُوَ الْھُدٰی سیدھے راستے کی طرف لے جانے والا ہے۔ نہ وہ جس کی طرف تم بلا رہے ہو۔ اس لیے کہ وہ ملت زائغہ (ٹیڑھی) اور نری خواہشِ نفسانی ہے۔ جیسے کہ یہ قول اشارہ کرتا ہے: وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَھْوَآءَھُمْ یعنی ان کی ملت زائغہ جو ان کی خواہشاتِ نفسانیہ سے صادر ہونے والے ہیں جنہیں پہلے ان کی ملت فرمایا جس کی طرف وہ خوش ہو کر چلتے ہیں درحقیقت وہ راہ جو اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کی زبانِ قدس کے ذریعہ سے بیان فرماتا ہے یہی ملت ہے جسے انہوں نے بالکل تبدیل کر دیا۔

حل لغات: اَھْوَآءَ ھوی کی جمع ہے۔ وہ شہوات داعیہ جو گمراہی کی طرف بلائے۔ یہ اس نام سے اس لیے

موسوم ہے کہ اپنے صاحب کو دنیا میں برے امر اور آخرت میں دوزخ ھاویہ کی طرف کھینچ لے جانے والی ہے

سوال: اَھْوَآءَھُمْ کی بجائے ھَوَائَھُمْ کیوں نہ فرمایا؟

جواب: تنبیہ فرمائی کہ ہر ایک کی خواہش اپنی اپنی، اور پھر ہر ایک کی خواہش دوسرے کی خواہش کی غیر تھی اور پھر ہر ایک کی خواہش کی کوئی انتہا نہیں تھی اس لیے خبر دی کہ ان میں سے کوئی بھی راضی نہیں جبکہ ہر ایک کی خواہش کی اتباع نہ کرو گے۔

ف: شروع راہ کو ملت اس لیے کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام نے اسے اپنی امت کے لئے ظاہر کر کے لکھا ہے جیسا کہ دین کو دین اس لیے کہتے ہیں کہ جس راہ کا طریقہ مقرر ہے اس کی بندے اطاعت کرتے اور اس کی حکمت کے تابع ہوتے ہیں اور اس کا نام شریعت بھی اس لیے ہے کہ گویا وہ پیاسوں کی جائے ورود ہے۔ جو اپنے ثواب اور رحمت کے شفاف پانی کے لئے حاضر ہوتے ہیں اور وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ میں خطاب حضور علیہ السلام کو ہے۔

سوال: ادھر تو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں اور جانتا ہے کہ یہ حضرات نافرمانی کرنے والے نہیں۔ نہ اس کے حکم کے خلاف ورزی کرتے ہیں نہ ہی نہی کا ان سے ارتکاب ہو سکتا ہے۔ بلکہ ان کا معصوم ہونا واجب ہے اس تقریر کے مطابق وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ کا خطاب امت کو ہو نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو۔

جواب: کسی کو کسی کے عمل کا مکلف بنانے اور اس کو کسی فعل سے ڈرانے کے لئے ضروری ہے کہ اس کی ذات میں ایسے قوی آلات موجود ہوں کہ جن پر تکلیف و تعذیر کا توقف ہے۔ چونکہ وہ باتیں ان میں محتملاً یا متصوراً پائی جاتی ہیں اسی لیے ان کو خطاب کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

خلاصہ: یہ کہ انبیاء علیہم السلام کا معصوم ہونا اور پھر اللہ تعالیٰ کا ان کو حکم دینے میں منافات نہیں کیونکہ ان باتوں میں امکان ذاتی تو ہے اور ایسی بات تکلیف و تعذیر کے لئے شرط ہے۔

بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ بعد ازاں آپ کے پاس قرآن کا علم ہے۔ یہ جملہ جَآءَكَ کی ضمیر سے حال ہے۔

مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ سے آپ کا کوئی مِنْ وَّلِیٍّ دوست نہیں ہوگا جو آپ کو نفع پہنچائے۔ وَلِیٍّ ولی سے مشتق

marfat.ocm

ہے۔ بمعنی قرب۔

وَلَا نَصِيْرٍ اور نہ آپ کا کوئی مددگار ہوگا جو آپ سے عذاب کو دفع کر سکے۔ وَلِيٍّ اور نَصِيْرٍ کے مابین عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہے۔ کیونکہ ولی مدد کرنے سے کمزور پڑ جاتا ہے اور نصیر کبھی غیر واقف ہونے کے باوجود مدد کرتا ہے۔ گویا کہ وہ مدد کیے جانے والے کا بہت قریبی ہے اسی لیے ان کو ایک جگہ جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ مِنْ وَّلِيٍّ محلاً مرفوع مبتدا اور مَالَكَ اس کی خبر مقدم ہے اور مِنْ اتصال کے لیے ہے اور مِنَ اللّٰهِ منصوب المحل ہے اس لیے حال ہے کہ یہ صفت تو نہیں بن سکتا اس لیے کہ مِنْ وَّلِيٍّ سے مقدم ہے اور صفت اپنے موصوف سے مقدم نہیں ہو سکتی۔ اس لیے اس کا صفت بنا ممتنع ہوا۔ جیسے لعزة موحشا طلل قديم . اس میں موحشا کو حال تو بنایا جا سکتا ہے لیکن صفت نہیں بن سکتا۔

ربط: جب ان لوگوں کا بیان ہوا جو حضور علیہ السلام کی نبوت سے تکبر اور حبِ ریاست کو ترک کر کے اقرار کیا اور اس میں ان کا صرف رضائے الٰہی اور ثوابِ آخرت مقصود ہے اور خطوطِ نفسانیہ فنا کر کے آخرت کی نعمتوں کے طلب گار ہوئے تو اب ان کا ذکر فرمایا۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب دی اس سے حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی مراد نہیں یہ لوگ یہودی تھے لیکن دولتِ اسلام سے نوازے گئے۔

سوال: کتاب صرف ان کو تو نہیں دی گئی تھی بلکہ جنہوں نے نبی علیہ السلام کی نبوت کا انکار کر دیا تھا ان کے پاس بھی تو کتاب تھی پھر ان کی تخصیص کیسی؟

جواب: چونکہ انہوں نے اس کی کتاب پر عمل کیا تو گویا صرف کتاب انہیں ہی ملی جنہوں نے عمل بھی نہ کیا ان کو ملنا نہ ملنا برابر ہے۔ (کتاب سے مراد تورات ہے)

يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اس کتاب کا حق ادا کر کے پڑھتے ہیں۔ یہ جملہ منکرین نبوت کے مقابلہ میں ہے کہ وہ کتاب کی تحریف وترمیم کرتے ہیں۔

ف: معانی والفاظ کے لحاظ سے ان میں بڑی عجیب مناسبت ہے کہ وہ لوگ اپنی کتاب کی تحریف کرتے ہیں اور یہ اس پر عمل اور (جو کچھ اس کے اندر ہے) اس پر تدبر کرتے ہیں۔ یہ جملہ اٰتَيْنٰهُمُ کی منصوب ضمیر سے یا الْكِتٰبَ

marfat.ocm

سے حال مقدر ہے اس لئے کہ کتاب کے بھیجنے کے وقت یہ لوگ تلاوت کرنے والے نہیں تھے اور حَقَّ تِلَاوَتِهٖ صفت ہے اور اس کا موصوف مصدر محذوف ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی: **یتلونه تلاوة حق تلاوته** مولانا کواشی مرحوم فرماتے ہیں کہ: حَقَّ تِلَاوَتِهٖ کا منصوب ہونا مفعول مطلق کے لحاظ سے ہے۔ اب عبارت یوں ہوگی تِلَاوَةَ حَقاً۔

اس لیے قاعدہ نحو یہ ہے کہ مصدر کی صفت کو اس پر مقدم کر کے مضاف کیا جائے تو اس کا منصوب ہونا مفعول مطلب کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ جیسے ضَرَبْتَ اَشَدَّ الضَّرْب. اشد کا منصوب ہونا مفعول مطلب کے لحاظ سے ہے۔

اُولٰٓئِكَ وہ لوگ جن کو کتاب دی گئی ہے اور وہ اس کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں۔ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ہے۔ یعنی وہ اپنی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں۔ محرفین کی طرح نہیں ہیں کہ ان کو اپنی کتاب پر ایمان نہیں۔ کیونکہ اس فعل کی بناء اپنے مبتدا پر ہے اگرچہ اسم ظاہر حصر کا فائدہ دے رہا ہے جیسے اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ میں ہے۔ جو ان کی کتاب کی تصدیق کرتی ہے۔ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ یہی لوگ خسارہ میں ہیں یعنی وہ ایمان کی بجائے کفر کا ارتکاب کر کے ہلاکت میں گرنے والے ہیں۔

marfat.ocm

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ

اے اولاد یعقوب یاد کرو احسان جو میں نے تم پر کیا اور وہ جو میں نے

فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ

اس زمانے کے سب لوگوں پر بڑائی دی تمہیں بڑائی دی۔ اور ڈرو اس دن سے کہ کوئی جان دوسرے کا بدلہ نہ ہوگی

شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

اور نہ اسکو کچھ لے کر چھوڑیں اور نہ کافر کو کوئی سفارش نفع دے اور نہ ان کی مدد ہو۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ۭ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ

اور جب ابراہیم کو اس کے رب نے کچھ باتوں سے آزمایا تو اس نے وہ پوری کر دکھائیں فرمایا میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے

اِمَامًا ۭ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ۭ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

والا ہوں عرض کی اور میری اولاد سے فرمایا میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ۭ وَاتَّخِذُوْا مِنْ

اور (یاد کرو) جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لئے مرجع اور امان بنایا اور

مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ۭ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ

ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کا مقام بناؤ اور ہم نے تاکید فرمائی ابراہیم واسمٰعیل کو

طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّاۗىِٕفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾ وَاِذْ

کہ میرا گھر خوب ستھرا کرو طواف والوں اور اعتکاف والوں اور رکوع و سجود والوں کے لئے۔ اور جب

قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ ھٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ

عرض کی ابراہیم نے کہ اے میرے رب اس شہر کو امان والا کر دے اور اسکے رہنے والوں کو طرح طرح

marfat.ocm

مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِؕ قَالَ وَمَنْ

کے پھلوں سے روزی دے جو ان میں سے اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائیں اور فرمایا جو

كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِؕ وَبِئْسَ

کافر ہو تھوڑا برتنے کو اسے بھی دوں گا پھر اسے عذاب دوزخ کی طرف مجبور کردوں گا اور وہ بہت بری

الْمَصِيْرُ ﴿۲۶﴾ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُؕ

جگہ ہے پلٹنے کی۔ اور جب اٹھاتا تھا ابراہیم اس گھر کی بنیادیں اور اسمٰعیل

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّاؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا

یہ کہتے ہوئے اے رب ہمارے! ہم سے قبول فرما بیشک تو ہی ہے سنتا جانتا۔ اے رب ہمارے اور کر ہمیں

مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ۪ وَاَرِنَا

تیرے حضور گردن رکھنے والا اور ہماری اولاد میں سے ایک امت تیری فرمانبردار اور ہمیں

مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَاۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۲۸﴾ رَبَّنَا

ہماری عبادت کے قاعدے بتا اور ہم پر اپنی رحمت کے ساتھ رجوع۔ اے رب ہمارے

وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ

اور بھیج ان میں ایک رسول انہیں میں سے کہ ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور

يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۹﴾ ۱۵ ع ۸ ۱۵

انہیں تیری کتاب اور پختہ علم سکھائے اور انہیں خوب ستھرا فرمادے بیشک تو ہی غالب حکمت والا۔

تفسیر عالمانہ يٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ اے بنی اسرائیل! میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تمہارے اوپر انعام کیا ہے۔ منجملہ ان انعامات کے تورات بھی ہے۔

اور نعمت کا ذکر کرنا شکر سے ہوتا ہے اور اس کے شکر مع جمیع مافیہ کا نام ایمان ہے اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرنا بھی ایمان میں شامل ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا بھی ضروریاتِ ایمان میں سے ہے اور ایمان کی ضروریات سے اور یاد کرو۔ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ یعنی میں نے تمہارے ہم عصروں سے تمہیں برگزیدہ کیا۔

وَاتَّقُوْا اگر تم ایمان لاتے تو ڈرو۔ یَوْمًا اس دن کے عذاب سے اور وہ یوم قیامت ہے۔ لَا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا اس کا مادہ جزی عنی ہذا الامر یجزی ہے جیسے کہا جاتا ہے: قضی عنی یقضی یہ دونوں ہم وزن اور ہم معنیٰ ہیں۔ یعنی ادا نہیں کرے گا اس دن کوئی نفس عَنْ نَّفْسٍ دوسرے سے شَیْئًا اس کے حقوق سے جو اس پر لازم ہوئے ہیں۔ کوئی شئے یعنی نہیں ادا کرے گا۔ وہ نفس کہ اس پر کوئی شئے نہیں ہے۔ اس حقوق سے جو دوسرے پر لازم ہیں۔ یعنی ایک نفس کو دوسرے کے عوض نہیں پکڑا جائے گا۔ یعنی اس سے کسی تکلیف کو رفع نہیں کر سکے گا۔ ہاں اگر اس پر کوئی حق ہو تو وہ ضرور لیا جائے گا۔ اس کی نیکیوں سے لے کر جو حقوق اس پر لازم ہوں گے اسے دیا جائے گا۔

حدیث شریف: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس پر کسی بھائی کے حقوق ہوں۔ عزت سے یا کوئی اور حق اس دن سے پہلے پہلے اس وقت تمہارے پاس درہم ہوں گے نہ دنیا۔ اس کی نیکیاں ہوں تو وہ اس سے لیکر اس صاحب کو دی جائے گی۔ اگر اس کے کوئی گناہ ہوں گے اس کے گناہ اسے کو دیئے جائیں گے۔ وَلَا یُقْبَلُ مِنْهَا یعنی نفس اولی سے قبول نہیں کیا جائے گا۔ عَدْلٌ یعنی فدیہ۔

عَدْلٌ بفتح العین وہ ہے جو کسی شئے کے قیمتاً مماثل ہو اگر چہ اس کی جنس سے نہ ہو اور عدل بالکسر ی وہ ہے۔

حل لغات : کسی شئے کی جنس اس لیے وزن اور جسم میں مساوی ہو۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ نہ تو اس سے فدیہ لیا جائے گا جو اسے نار سے نجات دلائے اور نہ ہی اس وقت وہ حاصل ہو سکے گا جو اسے دے کر نجات پا سکے اور فدیہ کو عدل سے بھی اسی لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ اس سے وہ نجات کا ارادہ رکھتا ہے وہ اس کے مساوی ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے: " فداہ" وہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ کوئی شئے دے کر اپنے آپ کو چھڑا لے۔

وَلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ اگر چہ نفس اولی نفس کی شفاعت کرے تو بھی اسے شفاعت نفع نہ دے گی۔

marfat.ocm

وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے روک سکیں گے۔

دنیاوی چار چیزیں ایسی ہیں جو عذاب سے بچنے کی سبب ہیں:

☆......طاقتور دوست اور مددگار کہ اپنی طاقت کو استعمال کر کے اسے عذاب سے بچالے۔

☆......کسی کے حق کے بدلے میں فدیہ دے۔☆......یا خود ایسی طاقت رکھتا ہو جس سے عذاب سے بچ سکے

☆......کسی کو کوئی سفارش کر کے چھڑالے۔

اللہ تعالیٰ نے کفار کے لئے ان سب کو غیر مفید بتایا ہے کہ وہاں کفار کے حق میں طاقت استعمال ہو نہ فدیہ اور نہ سفارش۔

شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

قیامت کہ نیکاں باعلی رسند　　زقعر ثریٰ بہ ثریا رسند
تراخود بماند سراز ننگ پیش　　کہ گردت برآید علم ہائے خویش
برادر زکارِ بداں شرم دار　　کہ درروئے نیکاں شوی شرمسار
دراں روز کہ فعل پرسند وقول　　اولوالعزم راتن بلرزد زہول
بجائے کہ دہشت خورد انبیاء　　تو عذر گناہ راچہ داری بیا

ترجمہ:

☆......قیامت میں کہ لوگ اعلیٰ مراتب پائیں گے تحت الثریٰ سے بلندیوں تک پہنچیں گے۔

☆......تیرا سر رسوائی سے نیچے ہوگا اور تیرے اردگرد عمل حاضر ہوں گے۔

☆......اے بھائی! برے کاموں سے شرم کر اس لیے کہ نیکیوں کے سامنے شرمسار ہوگا۔

☆......قیامت میں فعل وقول کی پرسش ہوگی کہ بڑوں بڑوں کو لرزہ ہوگا۔

☆......وہاں انبیاء علیہم السلام پر رعب ہوگا تیرے گناہ کا کوئی عذر ہے تو لے آئے توبہ کر۔

ف: بنی اسرائیل کا قصہ ان دو آیتوں سے شروع فرمایا ہے پہلی آیت میں نعمت کی تذکیر اور دوسری میں اپنے عذاب سے ڈر کا بیان فرمایا ہے اور پھر انہی دو آیتوں پر ان کے قصہ کو ختم فرمایا تا کہ ان کی نصیحت میں مبالغہ ہو اور انہیں معلوم ہو کہ قصہ سنانے کا مقصد صرف یہی ہے نہ کچھ اور۔

مسئلہ : وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ میں اشارہ ہے کہ اہل ہوا اور اہل بدعت (سیئہ) کی صحبت سے کنارہ کشی کی جائے۔ ان کے اقوال وافعال کے اتباع سے کلی احتراز ہو۔

حدیث شریف : حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص کسی قوم کے افعال واقوال کا تابع ہے قیامت میں اس کا حشر انہی سے ہوگا اور انہی کے ساتھ اس کا حساب ہوگا۔ اگرچہ ان کے تمام کردار کا پابندہ بھی نہ ہو۔

مسئلہ : حدیث شریف میں ہے جو کسی معصیت کے موقعہ پر پہنچا لیکن اسے دلی نفرت ہے تو اسے اس فعل میں شریک نہیں سمجھا جائے گا۔

مسئلہ: کسی فعل میں اگرچہ شرک نہیں لیکن اس فعل پر خوش ہے تو اسے شریکِ کار سمجھنا چاہیے۔

مسئلہ : کسی گناہ کی مجلس میں حاضری کا یہ معنیٰ ہے کہ اتفاق سے وہاں چلا گیا یا کسی ضرورت کے پیش نظر وہاں جانا پڑا یا اتفاقاً اس کے سامنے گناہ کی مجلس قائم ہوئی جس کا دفعیہ اس کے بس میں نہیں تو وہ معذور ہے اور اسے کوئی گناہ نہیں ہوگا اور عمداً شریکِ مجلس ہونا ممنوع ہے۔ اسلاف کا طریقہ تھا کہ وہ اہل لہو ولعب کی مجالس سے کنارہ کشی فرماتے اور اہل ہوئی اور اہل بدعت (سیئہ) کی اتباع سے دور بھاگتے تھے۔

حکایت : کسی نے حضرت ابن المبارک علیہ الرحمہ کو ان کی موت کے بعد خواب میں دیکھا کر پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا کیا؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے اپنے سامنے تیس سال کھڑا کر دیا اور سخت زجر وتوبیخ کی، صرف اس وجہ سے کہ ایک دن میں نے گمراہ بدعتی کو نظرِ شفقت سے دیکھا۔ اس سے اندازہ لگایئے کہ ان لوگوں کا جو بے دینوں کے ساتھ نشست وبرخاست رکھتے ہیں۔

مسئلہ : جب کہ مذاہب کا اختلاف اور شر وفساد کا زور ہو تو اس وقت حضور علیہ السلام کی سنت پر عمل کرنا سو شہیدوں کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔

حدیث شریف : حضور علیہ السلام نے فرمایا: میری امت پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ میری سنت پرانی ہو جائے گی لیکن بدعات کا دور دورہ ہوگا۔ جو شخص اس وقت میری سنت پر عمل کرے گا وہ غریب یعنی ان نظروں میں اجنبی سمجھا جائے گا اور وہ ان کی مجلس کے لائق نہ ہوگا فلہذا وہ اسے علیحدہ کر دیں گے اور جو بدعات (سیئہ) پر عمل

marfat.ocm

کرے گا اس کے ساتھ پچاس یا اس سے بھی زائد ہو جائیں گے۔

مسئلہ : صحبت کا دوسرے پر بڑا اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ کہا گیا ہے:

عدوی البلید الی الجلید سریعۃ   والجمر یوضع فی الرماد فیخمد

ترجمہ : بیوقوف کی بیوقوفی دانا پر جلد اثر کرتی ہے، جیسے انگارے کو راکھ میں رکھو وہ بجھ جاتا ہے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

نخست موعظہ پیر مجلس حرفست   کہ از مصاحب ناجنس احتراز کنید

ترجمہ : بزرگ کا ایک کلمہ بہترین وعظ ہے، وہ یہ کہ ناجنس ساتھی سے کنارہ کرو۔

تفسیر عالمانہ

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ قرطبی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس کی تفسیر سریانی میں تو وہ ہے جو مذکور ہے اور عربیۃ میں سے ہے وہ جو ابن عطیہ فرماتے ہیں کہ بمعنی اب رحیم۔

سہیلی فرماتے ہیں: بہت بار عربی و سریانی میں اتفاق ہو جاتا ہے یا لفظاً متقارب ہو جاتے ہیں جیسے ابراہیم کی تفسیر اب رحیم ہے۔ چونکہ وہ بچوں سے رحمت فرماتے بنابریں اس نام سے موسوم ہوئے اور یہی وجہ ہے کہ جو بچے اہل اسلام کے صغر میں مر جاتے ہیں وہ قیامت تک ان کی کفالت حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی زوجہ محترمہ کے سپرد ہوتی ہے۔

ف : تذکرۃ الموتی میں ہے کہ ان کا نام ابرم تھا۔ پھر اس میں ہا بڑھائی گئی۔ اور "ہا" سریانی لغت میں تفخیم و تعظیم کے لئے آتی ہے۔ رَبُّهٗ کی ضمیر ابراہیم علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے اور مفعول لفظاً مقدم ہے۔ اگرچہ رتبۃً مؤخر ہے اور تقدیم محض اہتمام کی وجہ سے ہے تاکہ ذہن میں اس کا شوق اور طلب رہے کہ آزمانے والے کون ہیں یعنی یاد کرو جب کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش کی۔ ذکر سے مقصود حوادثات سے ایک واقعہ کا یاد کرنا مقصود ہے۔ کیونکہ وقت اس پر شامل ہوتا ہے۔ پس جب اسے حاضر کرنے کی طلب کی تو وہ اپنی تفاصیل سمیت حاضر ہو گیا گویا وہ آنکھوں کے سامنے ہے۔

حل لغات : ابتلاء بمعنی اختیار آزمائش یعنی جس سے آزمائش مقصود ہے، ان کے سامنے ایسے فعل یا ترک فعل کا حکم پیش کرنا کہ جو نہایت مشکل ہوتا ہے کہ اس کے متعلق معلوم ہو جائے کہ فرمان بجا لاتا ہے یا نہ۔ عموماً آزمائش اس سے ہوتی ہے جسے امور کے انجام سے خبر نہ ہو۔

سوال: اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہو کر بندوں کی آزمائش کیوں کرتا ہے؟

جواب: اس کے لئے لفظ کا اطلاق مجازاً ہے۔ بایں معنیٰ کہ بندے کو دو امروں میں سے ایک امر کا اختیار دے کر ظاہر کرتا ہے کہ بندہ اپنی خواہش کے پیچھے پڑتا ہے یا اللہ تعالیٰ کی رضا پہ چلتا ہے۔ گویا اس کی آزمائش صرف بندہ کی خاطر ہے کہ اس نے میری رضا جوئی کی ہے تو خبردار رہیے ورنہ مزہ دیکھئے، مثلاً اللہ تعالیٰ ابلیس کے کفر کو جانتا تھا لیکن لعنتی اس وقت کیا جب ان نے اپنی خواہش پر عمل کیا۔ جب تک اس سے لعنت کا موجب امر سرزد نہ ہوا اسے لعنتی نہیں بنایا۔

بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ کَلِمَات، کلمہ کی جمع ہے۔ وہ لفظ جو کسی معنیٰ مفرد کے لئے موضوع ہو۔ اب کلمات سے الفاظ منظومہ مراد ہوں گے۔ لیکن کبھی مجازاً انہی الفاظ کے معانی پر بھی بولے جاتے ہیں کیونکہ دال، مدلول کی آپس میں کوئی کوئی نسبت ضرور ہوتی ہے اور متضافیان دو امروں کو کہا جاتا ہے۔ جو وجود تعقلی میں برابر ہوں۔ جیسے تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا میں ہے کہ کلمہ بمعنیٰ قبضہ وحکمت اور فرمایا: قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ یعنی انہیں اچھے طور ادا کیا کم وبیشی کے بغیر اسی لیے کہا جاتا ہے کہ دن میں جب بھی کسی کی آزمائش ہوئی تو صرف ابراہیم علیہ السلام ہی کامیاب ہوئے کہ انہوں نے حکم کی پوری تعمیل فرمائی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی فضیلت کا بیان فرمایا: اِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى یعنی وہ معانی جو کلمات سے ظاہر ہوئے ہیں انہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پورا کیا۔

ف: کلمات کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں:

۱:۔ وہ دس اعمال جو سنت ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دس عادات جو ان کی شریعت میں فرض تھیں وہ ہماری شریعت میں سنت ہیں۔ ان میں سے پانچ سر میں ہیں:

☆...... کلی کرنا۔ ☆...... ناک میں پانی ڈالنا۔ ☆...... مانگ نکالنا۔

☆...... مونچھیں کٹوانا۔ ☆...... مسواک کرنا۔

اور پانچ دیگر بدن میں ہیں:

☆...... ختنہ کرنا۔ ☆...... زیر ناف کے بال مونڈنا۔ ☆...... بغلوں کے بال اکھیڑنا

☆...... ناخن کترنا۔ ☆...... استنجا کرنا یعنی بول وغائط کے مقام کو پانی سے دھونا۔

marfat.ocm

مذکورہ سنتوں میں سے بعض کی تشریح:۔

☆...... **مانگ نکالنا:** یعنی سر کے بالوں کو دو حصے کرنا، کیونکہ مشرکین کی عادت تھی کہ وہ اپنے بالوں میں تفریق کرتے تھے اور اہل کتاب سدل کرتے۔ یعنی بالوں کو پیشانی پر لٹکاتے اور انہیں بکری کے بالوں کی طرح کرتے۔ یعنی پیشانی کے بالوں کی مانند اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عموماً اس امر میں کوئی حکم نازل نہ ہوتا تو اہل کتاب کی موافقت فرماتے۔ اس احتمال سے کہ شاید یہ حکم منزل من اللہ ھو ۔ پھر جبرائیل علیہ السلام نازل ہو کر مانگ نکالنے کا حکم سنا گئے۔

ف: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بال رکھوانا عام تھا لیکن چند بار بال کٹوائے بھی تھے۔

امام غزالی فرماتے ہیں: ہمارے زمانہ میں بال لٹکانا مکروہ ہے کیونکہ یہ شعار علویوں کا ہے۔ اگر وہ علوی نہ ہوگا تو التباس پڑ جائے گا۔

مسئلہ: حیات الذخیرہ میں ہے کہ چوٹی رکھنا حرام ہے کیونکہ لوگ چوٹی رکھوانے میں طرح طرح کے غلط خیالات وتوہمات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

حکایت: ایک شخص نے اپنے بچے کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لایا۔ اس کے بچے کا آدھا سر مونڈا ہوا تھا اور آدھا باقی تھا۔ حضرت نے اس شخص کے قتل کرنے کا حکم دیا، لیکن اس نے توبہ واستغفار کی جس پر حضرت نے اسے معاف فرمادیا۔

ف: حضرت شیخ المعروف باقتادہ آفندی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اس قتل سے حقیقی قتل مراد نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ جو ایسا فعل کرے گا وہ قتل کا مستحق ہوگا۔ اس مسئلہ کی نظیر حکایت ہے۔

گستاخِ نبوت کا واقعہ:۔

☆...... حضرت قاضی ابویوسف کی مجلس میں ذکر کیا گیا کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کدو شریف کو محبوب سمجھتے تھے۔ ایک شخص نے کہہ دیا کہ کدو مجھے پسند نہیں، تو ابویوسف علیہ الرحمہ نے اس کے قتل کرنے کا حکم دیا لیکن اس نے توبہ واستغفار کی۔ تب ابویوسف نے اسے معاف فرمادیا۔

marfat.ocm

☆ ..... مونچھوں کے بال کترنا، انہیں مقراض سے کتروانا چاہیے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر جمعہ قبل صلوٰۃ اپنی مونچھیں کترواتے تھے۔

مسئلہ : امام نووی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس میں مختار مذہب یہ ہے کہ مونچھیں اتنی کتروائے کہ ہونٹ کا ایک کنارہ ظاہر ہو اور ابرو کی طرح ہو جائے۔

مسئلہ : احیاء العلوم میں ہے کہ سبالہ چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں، یعنی مونچھوں کے دو کنار چھوڑنا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ و دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان یونہی کیا کرتے تھے۔ کیونکہ یہ سبالۃ تو منہ کو ڈھانپتا ہے اور نہ ہی اس میں طعام کا بقایا رہ سکتا ہے۔

مسئلہ : دار الحرب میں مجاہد کے لئے جیسے ناخنوں کا بڑھانا مندوب ہے اسی طرح مونچھوں کا بڑھانا بھی مندوب ہے اگرچہ ان دونوں کا کاٹنا فطرتی امر ہے اس لیے کہ دشمنوں کو یہ ہیبت زیادہ ہیبت ناک نظر آتی ہے۔

مسئلہ : مونچھوں کا کاٹنا مستحب ہے۔ حدیث شریف میں ہے: مونچھیں کاٹو اور داڑھی بڑھاؤ۔

ف : العفو بمعنی کاٹنا اور اعفاء بمعنی بڑھانا اور اپنے حال پر چھوڑنا۔

داڑھی کے فضائل و مسائل :۔

مسئلہ : داڑھی کا مونڈنا قبیح بلکہ حرام اور مثلہ ہے۔ جیسے عورتوں کے سر کے بال مونڈنا ان کے حق میں مثلہ ہے۔ ایسے عورتوں کو مردوں کے مشابہ ہونا حرام ہے۔

اسی طرح مردوں کے لئے داڑھی منڈوانا ان کے لئے مثلہ اور عورتوں سے تشبیہ اور زینت کو ضائع کرنا ہے۔

مسئلہ : فقہاء فرماتے ہیں کہ داڑھی اپنے وقت میں سنگار ہے اور اسے مونڈنا حسن کو پورے طور پر ضائع کرنا ہے اور ملائکہ یوں تسبیح پڑھتے ہیں: سبحان من زین الرجان بلحیعۃ الخ (پاک ہے وہ ذات جس نے مردوں کو داڑھی سے مزین کیا اور عورتوں کو زلفوں سے)

ف : کشاف میں لکھتے ہیں کہ الرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ الخ میں وہ مرد مراد ہیں جو داڑھی اور پگڑیوں والے ہیں۔

مسئلہ : نصاب الاحتساب میں ہے کہ اگر داڑھی ایک بالشت سے زائد ہو جائے تو زائد کو کٹوا دینے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ حضور علیہ السلام طول و عرض میں اپنی ریش مبارک کٹوا دیتے تھے۔ جب ایک بالشت سے

marfat.ocm

زائد ہو جاتی، کیونکہ زیادہ لمبی داڑھی پیدائشی صورت کو بگاڑ دیتی ہے۔

مسئلہ : سفید بال اکھیڑنا مکروہ ہے جیسا کہ آج کل بعض لوگ کرتے ہیں صرف اس خیال پر کہ بڑھاپا نہ ہو اور جوانی ہی جوانی نظر آئے۔

حافظ شیرازی قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

سواد نامہ موئے چوں طے شد　　بیاض کم نہ شود گر صد انتخاب رود

ترجمہ : چہرے کے بال سیاہ کی جب منزل طے ہوگئی اس کی جڑ سفید رہے گی خواہ اسے ہزاروں سیاہ خضاب لگایا۔

گو ان کے اوپر والے حصہ کو سیاہ کر لیا جائے لیکن اصل تو سفید رہے گا۔ اس اعلیٰ میں کیا بھلائی ہے کہ جس کا اصل فاسد ہو۔

☆...... ختنہ کرنا یعنی ذکر سے زائد ٹکڑا گوشت کا کاٹنا۔

مسئلہ : جمہور علماء کا خیال ہے کہ یہ سننِ مؤکدات سے ہے اور فطرتاً اسلام میں وہ درجہ رکھتا ہے کہ مردوں کے لئے اس کتاب کے ترک میں کوئی گنجائش نہیں ہاں اگر لڑکا ختنہ شدہ پیدا ہو۔

ف : تمام انبیاء علیہم السلام ختنہ شدہ اور ناف بریدہ پیدا ہوئے۔ یہ ان کے لئے کرامات ہے، سوائے ابراہیم علیہ السلام کے کہ انہوں نے قدوم شہر میں اپنا ختنہ خود کیا۔

ف : بالتخفیف و التشدید ہر دونوں پڑھنا جائز ہے۔ آپ ابراہیم علیہ السلام نے جس وقت اپنا ختنہ خود کیا تو اس وقت آپ کی عمر ایک سو بیس سال یا اسی سال تھی اس لیے آپ نے اپنا ختنہ خود کیا تا کہ سنت جاری ہو۔

مسئلہ : بچہ جب تک حدِ بلوغ کو نہ پہنچے ختنہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ ختنہ طہارت کے لئے ہے اور قبل از حدِ بلوغ اس پر طہارت کا حکم نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ بچہ جب دس سال کا ہو جائے، بعض کہتے ہیں کہ جب نو سال کا ہو، بعض کہتے ہیں کہ دس اور سات کے مابین ہونا چاہیے۔

مسئلہ : دس سال تک ختنہ نہ کرنا مکروہ ہے۔

ف : اس کی میعاد بتانے میں امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ نے توقف فرمایا ہے۔

مسئلہ : علماء فرماتے ہیں کہ مرد اگرچہ بڑی عمر میں مسلمان ہو تب بھی ختنہ کرنا مستحب ہے اگرچہ اسی سال کا ہو۔

marfat.ocm

مسئلہ : حضرت امام حسن بوڑھے کو ختنہ کی اجازت نہ دیتے اور فرماتے کوئی حرج نہیں اگر اس کا ختنہ نہ کیا جائے اور نہ ہی اس کی گواہی رد کرتے۔ اور نہ اس کی ذبح کردہ شئے کو اور نہ ہی اس کی نماز و حج کے عدمِ جواز کا فتوٰی دیتے۔ ابن عبد الرب فرماتے ہیں: علماء اسی قول پر عمل کرتے رہے۔

۴۔ ناخن کٹوانا اور قلامہ بالضم ناخن کا وہ ٹکڑا جو کاٹ کر پھینکا جاتا ہے۔

مسئلہ : ناخن کٹوانا مستحب ہے کیونکہ جنب کی حالت میں غسل کرتے وقت بوجہ میل کچیل کے کسی وجہ سے پانی اس کے اندر نہیں پہنچ سکے گا اس بنا پر وہ ہمیشہ جنب رہے گا۔

مسئلہ : جنبی کے جسم پر سوئی برابر کوئی حصہ رہ جائے تو وہ بدستور جنب ہے جب تک کہ تمام جسم نہ دھل جائے۔

حدیث شریف : جس نے اپنے ناخن جمعہ کے دن کاٹے تو اللہ تعالیٰ اگلے جمعہ بلکہ اس سے تین روز اوپر بلا سے محفوظ رکھے گا۔

حدیث شریف : جو چاہتا ہے کہ فقر اور آنکھ کی شکایت سے محفوظ رہے تو اسے چاہیے کہ عصر کے بعد خمیس کے دن اپنے ناخن کاٹے۔

ف : مقاصد حسنہ میں ہے ناخن کاٹنے کی کیفیت اور اس کے تعین یوم کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت نہیں ملتی اور شعر جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے، باطل ہے۔ وہ یہ ہے:

تقلیمک الاظفار فیہ سنۃ و ادب یمینھا خوابس یسارھا او خسب

حدیث شریف : جو شخص اپنے ناخن مختلف طور کاٹتا ہے تو اس کی آنکھ میں درد اور بیماری نہیں ہوگی۔

ف : یہ بہت سے ائمہ کا قول تو ہے لیکن احادیث کی روایات سے نہیں ملا، ہاں حافظ شریف ومیائی اس بات کو اپنے مشائخ سے بیان فرماتے ہیں اور اس طریق کو امام احمد مستحب قرار دیتے ہیں۔ **(انتھی کلام المقاصد الحسنہ)**

مسئلہ : امام نووی فرماتے ہیں کہ ناخن کٹوانے میں مستحب یہ ہے کہ پہلے ہاتھوں کے ناخن کاٹے جائیں بایں طور کہ پہلے سیدھے ہاتھ کی شہادت کی انگلی پھر درمیان والی پھر بنصر پھر انگوٹھا، پھر دائیں ہاتھ سے پہلے بنصر خنصر پھر بنصر، یہاں تک کہ انگوٹھا تک ترتیب وار چلائے۔ پھر سیدھے پاؤں کی خنصر سے شروع کر کے

marfat.ocm

ترتیب وار چلاے جائے۔ یہاں تک کہ بائیں کنج بنصر ختم کرے۔ (یہی تقریر امام غزالی کی احیاء العلوم میں ہے)

حدیث شریف: ”نقوا براجمکم“ اپنے براجم کو صاف رکھو۔ براجم انگلیوں کے جوڑوں اور ان عقود کو کہتے ہیں جو ان کے پٹھوں میں ہے کہ جن میں میل کچیل جمع ہو جاتی ہے۔

براجمہ کی جمع برجمہ بضم الباء والجیم اور ان کے مابین راسا کن پر جوڑ کے عقدہ کی پشت کو کہا جاتا ہے۔ عقدہ کی پیٹھ کا نام برجمہ ہے اور عقدہ تین کے مابین کا نام راجبہ جس کی جمع رواجب ہے۔ یعنی وہ ان پٹھوں کے قریب ہے یعنی انگلیوں کی گانٹھ۔ پس ہر انگلی میں دو براجم اور تین رواجب ہیں سوائے انگوٹھے کہ اس میں صرف ایک برجمہ اور دو رواجب ہیں۔

ف: ان کی صفائی کا حکم اس لیے ہوا کہ جنابت باقی نہ رہے۔ کیونکہ میل کچیل پانی اور چمڑہ کے مابین ہو جائے گی

(کذافی تفسیر القرطبی)

حدیث شریف: مجاہد فرماتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے سے چندروز رک گئے۔ جب آئے تو آپ نے فرمایا: ”رکنے کی وجہ کیا تھی۔“ انہوں نے عرض کی کہ ہم کیسے حاضر ہو سکتے ہیں جب کہ آپ کے ہاں نہ تو ناخن کاٹے جاتے ہیں اور نہ مونچھیں اور نہ ان کے جوڑوں کو صاف کیا جاتا ہے اور نہ ہی مسواک کرتے ہیں۔ پھر یہ آیت پڑھی: نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۔

قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ **ربط:** گویا کہا گیا کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے کلمات کی تکمیل کی تو اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا جواب ملا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ابراہیم ہم نے آپ کو لوگوں کا امام بنا دیا ہے۔

اِمَامًا یعنی تیری ان عادتوں میں لوگ آپ کی پیروی اور صالحین آپ کی اقتدا کریں۔

ف: ابراہیم علیہ السلام اپنے زمانہ کے نبی تھے اور قیامت تک تمام لوگوں کے پیشوا ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا وغیرہ وغیرہ۔ اسی لیے تمام اہل ادیان آپ کی تعظیم پر متفق ہیں اور حضور علیہ السلام کی تمام امت اپنی نمازوں کے آخر میں کہتے ہیں: **اللّٰھم صل علی محمد وعلی ال محمد الخ۔**

ف: بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس کا سبب یہ ہے کہ جب ہم نے **اللّٰھم صل علی محمد وعلی ال محمد**

کہا تو ہمیں فرمایا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام وہ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ ان کی طرف وہ رسول بھیجیں جو رحمۃ للعالمین ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي۔ پس تمہارا ان کے لئے کیا تحفہ ہے۔ تو ہم نے کہا کما صلیت علی ابراھیم الخ پھر ہم نے غور کیا کہ یہ احسانات سب کے سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو ہم نے عرض کی: انک حمید مجید۔ تا کہ اس کے احسانات کی شکرگزاری ہو جائے۔

حکایت: خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک بڑا لمبا چوڑا باغ دیکھا جس کے ہر درخت پر لکھا ہوا تھا: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جبریل علیہ السلام سے اس کے متعلق دریافت کیا: تو جبریل علیہ السلام نے تمام ماجرا سنایا۔ ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی: یا اللہ! میرا نام امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر چلا دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرماتے ہوئے امتِ مصطفویہ علی صاحبہا والتحیۃ والسلام کو نماز میں درود بھیجتے وقت ابراہیم علیہ السلام پر درود بھیجنے کا حکم دیا۔

قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي کہا ابراہیم علیہ السلام نے اور میری اولاد سے بھی۔ اس کا عطف جَاعِلُكَ کے کاف پر ہے اور مِنْ تبعیضیہ اور جاعل کے متعلق ہے۔ یعنی میرے اللہ! میری اولاد سے بھی امام بنا دے تا کہ لوگ ان کی اقتدا کریں۔ اصل میں اجعل ہونا تھا لیکن ادب کی رعایت کر کے صیغہ امر استعمال فرمایا تا کہ بے ادبی نہ ہو اور بعض کی تخصیص اسی لیے کہ بدیہی بات ہے کہ سب تو امامت کے لائق نہیں، کیونکہ یہ محال ہے کہ سارے کے سارے امام بن جائیں اگرچہ سارے حق پر ہوں۔

(ذریۃ) مرد کی نسل کو کہتے ہیں۔ کبھی آباؤ و ابناء پر استعمال کیا جاتا ہے مرد ہو یا عورتیں، چھوٹے ہو یا بڑے۔ زکریا علیہ السلام کی دعا میں ہے: رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً (اے اللہ! مجھے نیک لڑکا عطا فرما) وَآيَةٌ لَّهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ یہاں ذریۃ سے مراد ان کے آباء ہیں جو کشتی میں سوار ہوئے۔ کبھی ذریۃ کالفظ واحد کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

قَالَ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ جملہ مستانفہ ہے لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ میرے عہد کو ظالمین حاصل نہیں کر سکتے کیونکہ تیری اولاد میں سے بعض مومن ہوں گے بعض کافر۔ پھر وہ کیسے نبوت و امامت و خلافت کو حاصل کر سکیں گے۔

marfat.ocm

جس امامت کا میں نے آپ سے وعدہ کیا ہے اسے وہ حاصل کریں گے جو ظلم سے بری ہوں نہ کہ ہر ایک مسلمان ہو یا نہ۔ کیونکہ امام تو ظلم کو روکنے کے لئے ہوتا ہے۔ پھر جب وہ خود ظالم ہو تو امامت کیسے کرے گا۔ جیسے مثال مشہور ہے: من استرعی الذئب انفتح الظلم۔ (بھیڑیے کو بکریوں کا چرواہا بنانا ظلم ہے)

ف: معتزلہ نے یہاں سے دلیل پکڑی ہے کہ فاسق نہ امامت صغریٰ کے لائق ہے اور نہ ہی کبریٰ کے۔ اس لیے اسے نماز میں امام نہ بنایا جائے۔ اہل سنت اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہاں ظالم سے مراد کافر ہے۔

مسئلہ: امام ظالم کے ظلم پر صبر کرنا اس کی بغاوت سے افضل ہے کیونکہ اس کی بغاوت میں نقصِ امن اور خونریزی اور بدمعاش گروہ کی چابکدستی اور لوٹ مار اور فساد فی الارض کا خطرہ ہے۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام بعثت سے پہلے اور بعد کو معصوم ہوتے ہیں۔

ف: ابن شیخ اپنے حواشی میں لکھتے ہیں: "اس مسئلہ یعنی عصمۃ انبیاء علیہم السلام میں بحث ہے۔ وہ یہ ہے کہ آیت کا مدلول ہے کہ ظالم جب تک ظالم ہے امامت کا اہل نہیں۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کسی وقت اس سے غلطی ہو جائے اور پھر وہ تائب بھی ہو گیا تب بھی امامت کے لائق نہیں۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ ظلم جو ہے وہ اسے امام بننے کے لئے مخل ہے کیونکہ امامت کا مقصد یہ ہے کہ زمین کو فساد سے خالی کیا جائے اور لوگوں کی عزت و آبرو اور مال و جائیداد کی مفسدین اور شرارتی لوگوں سے حفاظت کی جائے۔ بخلاف اس کے جس سے پہلے کسی زمانہ میں غلطی ہوئی تو وہ اس مقصد کے لئے مخل نہیں۔ کیونکہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہوتا ہے گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں"

مسئلہ: حضرت شیخ افتادہ آفندی قدس سرہٗ فرماتے ہیں: ولد الزنا کو بھی امامت سپرد نہ کی جائے فرمایا اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے اور اس کا شکر کرتا ہوں کہ میں وہ ہوں جسے ماں نے جنا اور اس نے کبھی ماں باپ کی نافرمانی نہیں کی۔

حضرت مولانا الہدائی قدس سرہٗ فرماتے ہیں: مولیٰ تعالیٰ نے میرے اوپر بھی یہی فضل فرمایا ہے۔

سخاوی مقاصد حسنہ میں فرماتے ہیں: حدیث شریف میں ہے کہ ولد الحرام بہشت میں ہرگز نہیں جائے گا۔ اگر یہ صحیح ہوا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس نے اپنے باپ کی طرح عمل کیا تو تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ یہ

دیث اپنے ظاہری معنیٰ پر محمول نہیں یا اس سے مراد یہ ہے کہ جو شخص زنا کا ارتکاب کرتے کرتے مرے اور ے ولد الزنا کہنا مجاز ہے۔ جیسے مشاہدین کو ولد الصحف اور بہادروں کو ولد الحرب اور مسلمانوں کو ولد لاسلام کہا جاتا ہے۔

آیت سے ثابت ہوا کہ جسے اللہ تعالیٰ یہ مرتبہ امامت عطا فرمائے اسے چاہیے کہ وہ حرج کش اور اپنے ں کو اطاعتِ الٰہی میں لگا دے۔ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

چوں یوسف کہ در صلاح وتمیز بسے سال باید کہ گردد عزیز

یوسف علیہ السلام جیسی صلاح وتمیز ہو تو پھر بھی کئی سالوں کے بعد ہی شاہی میسر آئے گی۔

تفسیر عالمانہ

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ یعنی یاد فرمایئے، اے پیارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم! اس وقت کو جب ہم نے کعبہ معظمہ کو بنایا۔ مَثَابَةً جائے رجوع۔ لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا حجاج اور عمرہ کرنے والوں کے لئے جو اس سے جدا ہو کر پھر اس کی طرف لوٹتے ہیں۔ یعنی اس کی طرف وہ لوگ لوٹتے ہیں یعنی وہ زائرین جو کئی بار کعبہ شریف کی زیارت کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ پھر ان جیسے اور آتے ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کا وفد یا اس کے زائرین کہا جاتا ہے۔

الناس: میں الف لام عہد ذہنی ہے۔ لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا یعنی امن کا مقام کیونکہ مشرکین حرم کے ساکنین کو کچھ نہ کہتے بلکہ ان کا عقیدہ تھا یہ بیت، اللہ کا گھر ہے اور اس کے ساکنین اہل اللہ ہیں یعنی اس کے اہل بیت یہاں تک کہ کوئی شخص اپنے باپ کے قاتل کو حرم شریف میں دیکھتا تو بھی اسے کچھ نہ کہتا۔ البتہ اس کے باہر والے کو ضرور پکڑ لیتے یہ طریقہ حضرت اسماعیل علیہ السلام سے چلا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس تک بدستور جاری رہا۔ یا یہ معنیٰ ہے کہ بیت اللہ شریف حاجی صاحب کو عذاب آخرت سے امن میں رکھتا ہے۔ اس حیثیت سے کہ اس کے پہلے گناہ معاف نہیں ہوتے۔ (کذافی حواشی ابن الشیخ)

لیکن روایت ذیل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی معاف ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا مزدلفہ میں قبول فرمائی۔ یہاں تک کہ امت کے ایک دوسرے حقوق قتل و دیگر مظالم بھی معاف فرما دیئے۔ (کذافی الکافی وتفسیر الفاتحہ للفناری وغیرہما)

marfat.oem

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى یعنی اور ہم نے یہ بھی حکم دیا: اِتَّخِذُوْا یہ عبارت بارادہ قول ہے تاکہ انشائیہ کا عطف خبریہ پر لازم نہ آئے۔ مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى یعنی بنالو مقامِ ابراہیم کو نماز کی جگہ۔ اس میں مِنْ تبعیضہ ہے اور مقامِ ابراہیم اس پتھر کا نام ہے جس میں آپ کے قدم کا نشان ہے یا وہ جگہ ہے جہاں پر آپ کھڑے ہو کر لوگوں کو حج کی طرف بلایا یا وہ جگہ ہے جہاں آپ کھڑے ہو کر کعبہ کی تعمیر فرماتے رہے جسے آج مقامِ ابراہیم کہا جاتا ہے یہ وہی پتھر کی جگہ ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو مکہ کی جگہ میں بٹھا گئے تو عرصہ گزرا واپس تشریف نہ لائے اور ان کے پاس قبیلہ جرہم اترا اور ان کے ہاں قیام پذیر ہوئے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے ان کی ایک عورت سے نکاح کیا اور حضرت ہاجرہ فوت ہو گئیں ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بی بی سارہ سے ان کے ملنے کی اجازت چاہی۔ انہوں نے فرمایا: بیشک تشریف لے جائیں لیکن ان کے ہاں قیام مت فرمانا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لائے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گھر پہنچے وہاں ان کی زوجہ کو دیکھ کر پوچھا: تیرا شوہر کہاں ہے؟ اس نے کہا: شکار کو گیا ہے۔ ان کی عادت تھی کہ حرم کے باہر عموماً شکار کو جاتے۔ ابراہیم علیہ السلام نے اس بی بی سے فرمایا کہ کیا مجھے کچھ کھلا سکتی ہو۔ اس نے کہا: میرے پاس تو کچھ نہیں ہے۔ پھر پوچھا: گزر اوقات کیسی ہے؟ اس نے کہا: تنگ اور پریشان ہیں۔ (بہت شکایت کی) آپ نے فرمایا: جب تیرا شوہر واپس آئے تو اسے میرا سلام کہنا اور کہہ دینا کہ اپنے گھر کی چوکھٹ بدل دے۔ اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ اس عورت کو طلاق دے دے۔ کیونکہ وہ عورت ان کے لائق نہیں تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام چلے گئے۔ بعد ازاں اسماعیل علیہ السلام تشریف لائے اور اپنے باپ کی خوشبو پائی۔ اپنی عورت سے پوچھا: میرے گھر میں کون تشریف لائے تھے۔ اس نے حقارت بھرے طرز سے کہا: ایک بڈھا مرد آیا تھا۔ اس کے علاوہ بھی کم وبیش الفاظ استعمال کیے۔ ان کے اوصاف بھی بتائے۔ آپ نے پوچھا: کچھ اور بھی فرمایا: اس نے کہا ہاں، وہ تمہیں سلام بھی کہتے تھے اور فرماتے تھے کہ اپنے گھر کی چوکھٹ تبدیل کر دو۔ آپ نے فرمایا: وہ تو میرے ابا جان تھے اور مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں تجھے طلاق دے دوں تم اپنے میکے چلی جاؤ میں نے تجھے طلاق دے دی ہے۔ پھر آپ نے اس قبیلہ سے دوسری عورت نکاح کر لیا۔ حضرت ابراہیم

علیہ السلام چند روز ٹھہر کر اپنی بیوی سارہ سے اجازت طلب فرمائی تا کہ اسماعیل علیہ السلام سے ملاقات کر آئیں۔ بی بی نے پھر بھی وہی شرط فرمائی کہ جائیں بڑی خوشی سے لیکن ان کے ہاں ہرگز نہ ٹھہرنا۔ اب بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گھر تشریف لائے اور ان کی زوجہ سے فرمایا کہ تیرا شوہر کہاں ہے؟ اس نے کہا: وہ شکار کو گئے ہیں۔ چنانچہ دودھ اور گوشت لائی۔ آپ نے فرمایا: وجہ معاش کیسی ہے؟ عرض کی: اچھی اور الحمد للہ فراخدستی ہے۔ ان کے لئے برکت کی دعا کی۔

ف: اگر وہ بی بی گندم یا جو کی روٹی یا کھجور لاتیں تو زمین میں یہ اشیاء بکثرت ہوتیں۔ عرض کی: حضور! نیچے اتریئے، آرام فرمایئے اور سر مبارک دھوئیں، لیکن آپ نہ اترے پھر بھی پتھر سامنے لائی اور سیدھی جانب رکھ دیا۔ آپ نے صرف اپنا قدم اس پر رکھا۔ لیکن بدستور سوار رہے اور اپنے سر کی دائیں جانب دھوئی۔ پھر اس بی بی نے دوسری طرف پھیر کر دائیں جانب دھوئی۔ اس وجہ سے اس پتھر پر آپ کے قدم مبارک کے نشان باقی رہے اور روانگی کے وقت فرمایا: اپنے شوہر کو میرا سلام کہنا اور کہہ دینا کہ اپنے گھر کی چوکھٹ کو مستقیم رکھیں۔ جب اسماعیل علیہ السلام واپس آئے اپنے باپ کی خوشبو پائی۔ بیوی سے پوچھا کون آئے تھے؟ بیوی نے کہا: ایک بزرگ تشریف لائے تھے جو نہایت حسین اور نہایت خوشبودار اطیب انسان تھے اور مجھے ایسے ایسے کلمات ارشاد فرمائے اور اپنا سر مبارک بھی دھویا اور یہ ان کے قدم مبارک کا نشان ہے۔ اسماعیل علیہ السلام نے کہا: وہ میرے والد ماجد تھے اور چوکھٹ سے مراد تو ہے اور مجھے حکم فرما گئے ہیں کہ میں تجھے ہمیشہ کے لئے اپنی رفیقہ حیات بناؤں۔

ف: یہی کیفیت انبیاء و اولیاء کی ہے کہ جب انہیں کوئی ستاتا ہے تو وہ اس کے لئے رحمت کی دعا مانگتے ہیں۔ دیکھئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا: کے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے، کیونکہ وہ میری شان سے بے خبر ہیں۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین خون کے آنسو برساتے جب کہ نفس کی شرارتوں کو دیکھتے اور ہمیشہ حضور علیہ السلام سے نفس کی غلط راہ رویوں سے نجات پانے کی دعا کرواتے رہتے تھے اور دائما ظاہری باطنی صفائی میں لگے رہتے تا کہ عذابِ مہین سے نجات نصیب ہو اور سب سے بڑا عذاب یہ سمجھتے کہ کہیں ہمیں فراق میں مبتلا کیا جائے۔

marfat.ocm

تعمیر کعبہ کا واقعہ:۔

چند روز ٹھہر کر پھر تشریف لائے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام زمزم کے قریب ایک بڑے درخت کے نیچے تیر اندازی فرمار ہے تھے۔ جب اباجی کو دیکھا تو وہی کیا جو بیٹا باپ سے کرتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک حکم دیا ہے۔ کیا تو میرے ساتھ تعاون کرسکتا ہے؟ اسماعیل علیہ السلام نے عرض کی: ہاں، ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ یہاں پر ایک گھر تیار کروں۔ چنانچہ پھر اس کی تعمیر شروع کردی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر سر پر لاتے اور ابراہیم علیہ السلام انہیں تعمیر میں لاتے۔ جب بنا کچھ اونچی ہوئی تو اسماعیل علیہ السلام یہی پتھر لائے جس پر ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہو کر بنا کرتے تھے اور اسماعیل علیہ السلام پتھر وغیرہ دیتے رہے۔ اور دونوں حضرات پڑھتے: رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

دور سے پکارنا اور حج کا اعلان:۔

جب کعبہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو انہیں حکم دیا گیا کہ لوگوں کو حج کا اعلان فرمائے۔ ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی: یا اللہ! کسے ندا دوں؟ حالانکہ آگے پہاڑ ہیں اور آدمی بھی سامنے کوئی موجود نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہارا کام اعلان کرنا ہے پہنچانا میرا کام ہے۔ ابراہیم علیہ السلام ابوقبیس پہاڑ پر چڑھے تو یہی پتھر بھی اونچا ہو گیا۔ طوفان کے دنوں ابوقبیس میں ہی اسے رکھا گیا۔ چنانچہ جتنا ابراہیم علیہ السلام اونچے ہوتے گئے یہ پتھر بھی اونچا ہوتا گیا یہاں تک کہ تمام پتھروں سے اونچا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے لئے زمین کو دسترخوان کی طرح سمیٹ دیا پھر اعلان کیا: اے لوگو! تمہارے رب نے تمہارے لیے گھر تیار کیا ہے اور حکم دیا ہے کہ اس کا حج کرو۔ یہ اعلان سن کر تمام لوگوں نے (جو اپنے آباء امہات کے اصلاب و ارحام میں تھے) جواب دیا: جس نے ایک بار جواب دیا اسے ایک بار حج نصیب ہوا جس نے دس بار جواب دیا اسے دس بار نصیب ہوا وغیرہ وغیرہ۔

حدیث شریف: رکن اور مقام یواقیت جنت کے یاقوت ہیں اور اگر کفار و مشرکین ہاتھ نہ لگاتے تو ان کے

marfat.ocm

نور سے مشرق و مغرب چمک اٹھتے (یہاں پر حجر اسود اور مقام سے یہ پتھر جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ شریف کی تعمیر کے وقت کھڑے ہوئے تھے) مراد ہے۔

وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ یعنی ہم نے انہیں تاکیدی حکم دیا اور وصیت فرمائی۔

حل لغات: عهد بمعنیٰ امر وصیت۔ جیسا کہا جاتا ہے: عهد اليه اى امره ووصاه ۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ اور اسمٰعیل کو اسماعیل اسی لیے کہتے ہیں کہ جب ابراہیم علیہ السلام دعا مانگتے تو کہتے: اسمع یا ایل اور ”ایل“ بمعنیٰ اللہ۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو آپ اسی نام سے موسوم ہوئے۔

اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ یعنی میرے گھر کو بتوں اور پلیدیوں اور جو اس کے لائق نہیں پاک کرو۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ اس کی حفاظت کرو اور اس کے اردگرد کوئی گندی چیز کھڑی نہ ہونے دو۔

سوال: طہارت کا حکم کیوں ہوا حالانکہ کعبہ خود طاہر تھا؟

جواب: اس سے برقرار رکھنا مقصود ہے جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا: وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ انہیں نجاست سے پاک ہونے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ وہ تو خود ہی طاہرات ہیں۔ یہ ایسے ہے جیسے درزی کو کہا جاتا ہے کہ قمیص دراز رکھنا۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ اس سے تنگی ہٹا دے بلکہ مراد یہ ہے کہ ابتداءً اسے فراخ رکھنا۔

لِلطَّآئِفِيْنَ اس کے اردگرد کے زائرین کے لئے وَالْعٰكِفِيْنَ یعنی وہ جو اس کے مجاور ہیں یعنی اس کے نزدیک ٹھہرے رہتے ہیں اور باہر نہیں جاتے اس سے حرم شریف کے مقیم لوگ مراد ہیں اور طائفین سے وہ مسافرین مراد ہیں جو مکہ کی زیارت کے لئے باہر سے آتے ہیں۔

سوال: طواف کی ان کے لئے کیوں تخصیص ہے؟

جواب: اس لئے کہ وہ میقات سے احرام کی حالت سے آئے تھے۔ اس زیادہ عمل کی وجہ سے ان کا نام خصوصیت سے لیا گیا۔

وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ نمازی لوگ۔ رکع، راکع کی اور سجود، ساجد کی جمع ہے۔ کیونکہ قیام و رکوع و سجود نماز کی ہیہات سے ہیں۔

سوال: ان کے مابین عطف کیوں ترک کیا گیا؟

marfat.ocm

جواب: رکوع وسجود ذاتاً وزماناً قریب ہیں۔ اسی اتحاد کی وجہ سے عطف ترک کیا گیا ہے۔

حدیث شریف: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ کی ایک دن میں ایک سو بیس رحمتیں کعبہ پر نازل ہوتی ہیں۔ ساٹھ طواف کرنے والوں کے لئے اور چالیس نمازیوں کے لئے اور بیس دیکھنے والوں کے لئے۔

مسئلہ: بیت کی طہارت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی جمیع بیوت کو پاک رکھا جائے کہ جس طرح کعبہ کی طہارت ونظافت ضروری ہے اسی طرح تمام گھروں کو۔

سوال: صرف کعبہ کو ذکر کرنے کی وجہ کیا ہے؟

جواب: وہاں پر سوائے اس کے اور کوئی نہ تھا اسی بنا پر اسی کا نام لیا۔

حکایت: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد میں ایک شخص کی اونچی آواز سنی۔ اسے فرمایا: تجھے پتہ نہیں تو کس متبرک مقام پر ہے؟

حدیث شریف: حضور علیہ السلام نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی کہ اے ڈرنے والوں کے صاحب اور مرسلین کے رفیق! اپنی قوم کو فرما دو کہ جب میرے کسی گھر آئیں تو انہیں چاہیے کہ اس وقت ان کے دل صاف اور زبانیں سچی اور ہاتھ ستھرے اور فروج طاہر ہوں اور ایسے وقت میرے کسی گھر میں نہ آئیں جبکہ ان کے پاس اندھیریوں میں سے کوئی اندھیری ہو کیونکہ ایسی حالت میں آئے گا تو جتنی دیر وہاں ٹھہرا رہے گا میری اس پر لعنت رہے گی۔ یہاں تک کہ اس اندھیری کو دور نہ کرے۔ (یعنی اس سے توبہ نہ کرے) جب صحیح حالت میں حاضری دیتا ہے تو میں اس کے کان ہوتا ہوں جن سے سنتا ہے اور آنکھ ہوتا ہوں جن سے دیکھتا ہے اور وہ میرے خالص دوستوں اور اولیاء سے ہے اور کل قیامت میں انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین کی معیت میں میرے قریب ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ جس گھر کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا وہ دراصل قلب مومن ہے۔ اس کی صفائی کا یہ مطلب ہے کہ اسے غیر اللہ سے متوجہ ہونے سے بچائے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت کا مرکز ہے۔

marfat.ocm

دل بدست آور کہ حج اکبر است　　از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است
کعبہ یاد خلیل آزر است　　دل نظر جلیل اکبر است

ترجمہ:

دل ہاتھ میں کرو کہ وہ حج اکبر ہے ہزاروں کعبہ سے ایک دل بہتر ہے۔
کعبہ کو خلیل کی بنا ہے اور دل جلیل کی نظر گاہ ہے۔

بنابریں اسے صاف رکھنا ضروری ہے یہاں تک کہ اس پر انوار وتجلیات اور اسرار رحمانیہ کا نزول ہو اور ساتھ ہی اسے سکون ووقار نصیب ہوگا۔ جب بندہ اس مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے تو حقیقی سجدہ ورکوع سے مشرف ہوتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی اور خصوصی رازداری سے نوازا جاتا ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّ یاد کیجئے اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم جب کہ ابراہیم نے دعا مانگی اور کہا: اے رب! اجْعَلْ ھٰذَا کردے اس گھر کو۔ ھٰذَا کا مشار الیہ مکان ہے یعنی حرم شریف۔ بَلَدًا اٰمِنًا امن والا شہر۔ اس کو اہلِ قحط وتکلیف اور خسف ومسخ اور زلازل اور جنون وجذام وبرص اور دیگر تکالیف (جو عام شہروں میں اترتی ہیں) سے محفوظ رکھ۔ یہ باب انسب سے ہے۔ یعنی وہ شہر جو امن کی طرف منسوب ہے جیسے لفظ لابن دودھ والا اور تامر کھجور والا۔ کیونکہ ان کا موصوف ماخوذ کی طرف منسوب ہے۔ گویا لابن کو لبنی (دودھ والا) اور تامر کو تمری کھجور والا کہا گیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ اسنادِ حقیقی ہے اور یہ معنی ہے کہ اس شہر کے اہل امن والے ہیں۔ یہ اسناد مجازی ہوگا کیونکہ امن حقیقتاً اہل بلاد کی طرف منسوب ہوا کرتا ہے۔ لیکن چونکہ مکان کو اسی سے ملابست ہے بنابریں اس کی طرف منسوب ہونا بھی جائز ہے۔

ابراہیم علیہ السلام جب پہلی بار مکہ میں تشریف لائے تو یہی دعا مانگی۔ کیونکہ جب سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ صاحبہ کو جو مکہ میں ٹھہرا کر اپنے ملک شام کو واپس روانہ ہونے لگے تو بی بی ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے پوچھا کہ آپ ہمیں کس کے سہارے اس جنگل سنگستان میں چھوڑے جا رہے ہیں۔ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں کوئی جواب نہ دیا۔ آخر جب یہ کہا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے؟ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: ہاں، بی بی نے کہا: اب میں راضی ہوں کیونکہ وہ کریم مجھے کہیں ضائع نہیں کرنے والا۔ ان سے الوداع کر کے کدا وادی پر ٹھہرے اور کہا: رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ الآیۃ۔

marfat.ocm

وَارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ اور انہیں ثمرات عطا فرما۔ ثمرات ثمرہ کی جمع ہے۔ یعنی کھانے کی چیزیں جو زمین اور درخت سے نکلتی ہیں۔ اس سے طعام اور میوہ جات مراد ہیں۔

سوال: صرف ثمرات کا سوال کیوں؟

جواب: کیونکہ طعام معہود تو ہر جگہ مل جاتا ہے۔ لیکن میوہ جات نادر ہوتے ہیں۔ اسی لیے اس کے اہل کے لئے امن اور اسی فراخی کا سوال کیا جس سے عیش اچھا اور دائمی ہو۔ ان کی اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی۔

اعجوبہ: مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو ثمردار بستیوں کو فلسطین سے نقل کرنے کا حکم دیا۔ جبریل علیہ السلام انہیں اٹھا کر لائے اور کعبہ کے اردگرد سات پھیرے لگا کر تین مراحل تک مکہ سے دور رکھا وہ یہی طائف شریف ہے۔ اسی لحاظ سے اسے طائف کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے مکہ شریف میں ثمرات بکثرت ہوتے ہیں اور نیز مختلف مقامات سے بھی میوہ جات آتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس میں ایک دن میں سردیوں اور گرمیوں کے میوہ جات مل جاتے ہیں۔

مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ یہ اَهْلَهٗ سے بدل ہے۔ یعنی وہ نعمتیں کہ صرف مومنین کو عطا ہوں۔ قال اللہ تعالیٰ: قَالَ وَمَنْ كَفَرَ اس کا عطف محذوف ہے۔ یعنی ارزق من آمن ومن کفر۔ پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رزق کا قیاس امامت پر فرمایا۔ اس لیے صرف مومنین کے لئے سوال کیا۔

جب پہلے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے امامت کو ان کے لے خاص فرمایا: کما قال: لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ابراہیم علیہ السلام نے جب دیکھا کہ میں نے اپنی اولاد کے لئے امامت کا عرض کیا، تو سب کے بجائے بعض کو اجازت ہوئی۔ اسی طرح رزق بھی شاید سب کے لئے نہ ہو تو آپ نے مَنْ اٰمَنَ کی قید لگائی تا کہ سوال میں بے ادبی نہ ہو اس پر اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی کہ رزق کو رحمت رحمانیہ سے تعلق ہے اور اسی لیے یہ مومن و کافر سب کو ملے گا۔ بخلاف امامت اور پیشوائی کے کہ وہ خاص لوگوں کو نصیب ہوگی۔

فَاُمَتِّعُهٗ پھر اس کے لئے عام کر دوں گا تا کہ وہ دنیا کی تمام لذتوں کو حاصل کر لے۔ پھر قیامت میں اس پر حجت قائم کی جائے گی۔ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ لیکن یہ نفع اندوزی چند دنوں تک ہوگی۔ کیونکہ دنیا چند روزہ ہے اور آخرت کی نعمتیں تو بے پایاں ہیں۔ اسے اس سے کیا نسبت بنا بریں کافر اس سے جتنا ہی نفع اٹھائے بہت

marfat.ocm

تھوڑا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی دنیوی نعمتیں اگرچہ کتنی ہی ہوں لیکن آخرت کی نعمتوں کی نسبت بہت تھوڑی ہیں۔

قَلِیلًا صفت ہے اس کا موصوف محذوف ہے۔ اصل عبارت یوں تھی: امتعہ زمانا قلیلا اور یہ قلیل مدت کافر کی زندگی کی طرف اشارہ ہے۔

پھر میں اسے جہنم کی طرف کھینچ لے جاؤں گا۔ اضطرار لغت میں انسان کو ایسی شئے کی طرف کھینچ لے جانا جو اسے نقصان پہنچائے۔ عرف میں اضطرار یہ ہے: کسی کو کفر پر مجبور کرنا۔ جب کہ وہ کفر نہ کرے۔ یعنی اسے ہر طرح کا اختیار حاصل ہو۔ لیکن اسے مجبور کر دیا جائے کہ کفر کرو نہ کرو گے قتل کر دیئے جاؤ گے۔ کفر و قتل میں سے ایک انسان امر کو اختیار کرنے سے کفر پر مجبور ہو جاتا ہے۔ لیکن کفار کو یہ بات پسند ہے کہ عذابِ نار کو اختیار کر رہے ہیں۔ جو ان کے نزدیک ایمان لانے سے آسان نظر آتا ہے اب اس مقام پر کفار کے لئے اضطرار کا استعمال مجازی ہوگا۔ اس معنیٰ پر کہ یہ امر ان پر لازم ہو رہا ہے اور ان پر ایسا چسپاں کیا جا رہا ہے کہ اب اس سے بچنا مشکل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یُسْحَبُونَ فِی النَّارِ عَلٰی وُجُوهِهِمْ اس دن جہنم میں منہ کے بل گھسیٹے جائیں گے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عذاب میں انہیں کوئی دخل نہیں ہوگا ہاں، انہیں مضطرین بمعنیٰ مختار کہا جائے تو بجا ہے کہ کفر کو انہوں نے اپنے اختیار سے کیا۔ بنا بریں انہیں جہنم میں دھکیلا جائے گا۔ اس معنیٰ پر تشبیہاً انہیں مضطرین کہا گیا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے کفر کی وجہ سے عذابِ نار میں مضطر کی طرح کھینچا۔ اس لحاظ سے کہ انہیں دی ہوئی نعمتوں کو ضائع کر دیا جواب سوائے جہنم کے داخلے کے انہیں کوئی چارہ نہیں۔

وَبِئْسَ الْمَصِيرُ بہت برا ہے ان کا ٹھکانہ۔ اس میں مخصوص بالذم محذوف ہے۔ اصل عبارت یوں تھی: بئس المرجع الذی یرجع الیہ ۔ الخ۔ یعنی ان کا بہت برا ٹھکانا ہے جہاں وہ جا کر اقامت کریں گے۔ اس سے مراد جہنم یا عذاب ہے۔

ف: بندہ کو یہاں دنیا فانی میں چند روز مہلت دی گئی ہے۔ مہلت کو دیکھ کر مہمل ہو کر نہ رہے کیونکہ یہاں کے اعمال کے مطابق وہاں جزا و سزا ملے گی۔ اے برادر! دنیا کی جگمگی تجھے دھوکہ میں نہ ڈال دے اطاعت کرو گے تو فائدہ ہوگا۔ معصیت کرو گے تو عذاب ہوگا۔ دنیا کا ٹھاٹھ کچھ آخرت میں بلندی درجات کا سبب نہیں بنے گا۔

حضرت حافظ شیرازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ؎

marfat.ocm

بمہلتی کہ سپہرت وہد زراہ مرد
ترکہ گفت کہ آں زال ترک دستان کفت

ترجمہ : وہ مہلت جو تجھے زمانہ نے بخشی ہے راہ سے نہ ہٹ تجھے کیا ہے کہ وہ مکروفریب والی تیرے ہاتھ میں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ (ہم ایسی مہلت دیتے ہیں کہ انہیں علم ہی نہیں)

حکایت: حضرت سہیل تستری علیہ الرحمہ اس آیت کا معنیٰ یوں بیان فرماتے ہیں کہ ہم بندے کو نعمتیں دیکر مہلت دیتے ہیں پھر وہ ان کا شکر کرنا بھول جاتا ہے جب وہ نعمتوں میں غرہ ہو کر اپنے مالک کو پورے طور پر بھول جاتا ہے پھر ہم اس کی گرفت کرتے ہیں۔

سبق: سمجھدار کو چاہیے کہ دنیا کی رنگینیوں کو دیکھ کر دھوکہ میں نہ آجائے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی شئے پر خوشی نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا باقی سب فنا ہے مٹنے والی شئے سے دل لگانا کچھ دانائی کا کام نہیں۔ نہ ہی یہ عقل وفہم اور عرفان ہے۔

سوال : اللہ تعالیٰ عاصیوں کو دنیا میں کیوں مہلت دیتا ہے؟

جواب : بندوں کو گناہوں کے باوجود مہلت اس لیے دیتا ہے تاکہ بندوں کو پتہ چل جائے کہ اللہ تعالیٰ کو عفو واحسان زیادہ پسند ہے بہ نسبت گرفت اور انتقام کے۔

سبق: اس سے بندے معلوم کریں کہ وہ کریم وشفیق ومحسن ہے۔ یہ مسئلہ یوں سمجھ میں آئے گا کہ ایک شخص کا ایسا اعلان ہو کہ میری ضیافت کو جو قبول کرے گا اس کی میں عزت کروں گا وہ میرا یوں اعلان کرے کہ جو میری ضیافت کے لئے آئے اس کی عزت کروں گا جو نہیں آئے گا اسے سخت سزا دوں گا پہلے نسبت دوسرے کا احسان اور شفقت اور کرم زائد سمجھا جائے گا۔ بلا تمثیل یوں سمجھئے کہ ادھر اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاں ضیافت کا یوں اعلان فرمایا: وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی بہشت کی دعوت دیتا ہے۔ ادھر اپنے نبی علیہ السلام کے ہاتھ میں تلوار دیدی اور فرمایا جو بھی میری ضیافت قبول نہ کرے اس کی گردن اڑادو۔

سبق : دانا کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی دعوت کو قبول کر کے اپنے مالک کی طرف لوٹے اور دل سے ہی لوٹے مجبور ہو کر نہیں، کیونکہ وہی مقصود اعظم اور وہی دل کا حقیقی قبلہ ہے۔ تمام قافلے اسی کی طرف پہنچیں گے۔

تفسیر صوفیانہ اس آیت میں بلا سے مراد صورہ جسمانیہ اور کعبہ سے مراد قلب ہے اور طواف حقیقی یہ ہے کہ قلب بارگاہِ ربوبیت کا طواف کرے۔ یہ بیت اللہ جو ظاہری طور پر اس ملک میں ہے، اسی بارگاہ کے لئے ہے جس کا آنکھوں سے مشاہدہ نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ عالم ملکوت میں ہے۔ جیسے انسان کی ظاہری شکل عالم شہادت میں مثال ہے۔ اس قلب کی جس کا آنکھوں سے مشاہدہ نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ عالم غیب ن شئے ہے اور عارفین کو طواف قلبی حقیقی نصیب ہوتا ہے۔ جن کے متعلق مشہور ہے کہ کعبہ ان کی زیارت کے لئے حاضر ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے: **ان اللہ عباد الطوف بھم الکعبۃ** (بیشک اللہ تعالٰی کے بعض ایسے بندے ہیں جن کا خود کعبہ طواف کرتا ہے) ایک صرف کعبہ کی زیارت کا ارادہ رکھتا ہے ایک وہ ہے جو رب کعبہ کا طالب ہے ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔

حکایت: ایک بزرگ حج کو روانہ ہوئے ان کے صاحبزادے نے پوچھا: ابا جی کہاں کا ارادہ ہے؟ بزرگ نے فرمایا: بیت اللہ کی زیارت کا۔ صاحبزادے نے خیال کیا کہ جو کسی کے گھر کو دیکھتا ہے تو لامحالہ وہ گھر کے مالک کو بھی ملے گا صاحبزادے نے کہا: مجھے بھی ساتھ لے چلئے۔ بزرگ نے فرمایا: تو اس کا اہل نہیں۔ صاحبزادہ رونے لگا مجبوراً اسے ساتھ لے جانا پڑا۔ جب میقات میں پہنچے، تو احرام باندھا۔ لبیک پکاری اور حرام میں داخل ہوئے جب بیت اللہ نظر آیا تو لڑکے نے چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر مر گیا۔ بزرگ رونے لگا، ہائے! میرے لڑکے کو کیا ہوگیا۔ بیت اللہ سے آواز آئی تو گھر کو دیکھنے آیا تھا تو نے اسے دیکھ لیا اور وہ گھر والے کا طالب تھا۔ وہ گھر والے کو ملنے گیا ہے۔

اسی اثناء میں بچہ غائب ہوگیا۔ اس پر ہاتف نے آواز دی وہ لڑکا کسی مکان میں ہے نہ زمین پر اور نہ بہشت مین بلکہ اسے وہاں پہنچایا گیا ہے جہاں مالک حقیقی کا ٹھکانہ ہے۔

سبق: جو بھی ان جہالت کی پابندیوں سے بچ گیا۔ اس کا قبلہ اللہ تعالٰی ہوتا ہے۔ پھر وہ جمیع کائنات کا قبلہ بن جاتا ہے۔ جیسے آدم علیہ السلام ملائکہ کرام کا قبلہ ٹھہرے۔ کیونکہ وہ فرشتوں کے لئے وسیلہ حق ہے اس لیے ان پر

marfat.ocm

جلال و جمال کا جامہ تھا۔

حضرت شیخ سعدی عطار علیہ الرحمہ منطق الطیر میں فرماتے ہیں:

حق تعالیٰ گفت آدم غیر نیست　　کور چشمی وترا ایں سیر نیست
شد نفخت فیہ من روح آشکار　　سرّ جاناں گشت بر خاک استوار
از دمِ حق آمدی آدم توئی　　اصل کرّمنا بنی آدم توئی
قبلہ کل آفرنیش آمدی　　پائے تا سر عین بینش آمدی

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آدم غیر نہیں تو اندھا ہے اس کا تجھے علم نہیں۔

۲۔ نفخت فیہ من روحی صاف بتلا رہا ہے محبوب کے اسرار خاک کے رنگ میں ہیں۔

۳۔ حق کے دم سے آیا ہے تو ہی آدم ہے کرّمنا بنی آدم اصل میں تو ہی ہے۔

۴۔ تمام کائنات کا قبلہ تو ہی تو ہے سر سے پاؤں تک تم سراسر بینائی ہو۔

یا اللہ! ہمیں عین تک پہنچا اور جدائی سے نجات دے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ **سوال**: مضارع کیوں استعمال ہوا ہے حالانکہ واقعہ تو ماضی میں ہوا؟

جواب: یہ حال واقعہ کو وجہ سے ہے گویا ابھی واقع ہو رہا ہے اور مخاطب کے تصور میں ایسے ہوا کہ ابھی میری آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے۔

حل لغات: اَلْقَوَاعِدَ بقاعدہ کی جمع ہے۔ دراصل صفت ہے اور بمعنی ثابتۃ" کے ہے۔ پھر بوجہ غلبہ اسم ہو گیا یہاں تک کہ اب اس کے ساتھ موصوف مذکور بھی نہیں ہوتا اور نہ ہی مقدر مانا جاتا ہے اور لفظ قعود دراصل اس ہیت کو کہتے ہیں جو قیام کے بالمقابل ہے اب استعارۃً استقرار پر بولا جاتا ہے۔ اس تشبیہ سے کہ دونوں حالت انتقال ونزول کے مباین ہیں۔

ترکیب: مِنَ الْبَیْتِ ، اَلْقَوَاعِدَ سے حال ہے اور مِنْ ابتدائیہ ہے نہ کہ بیانیہ کیونکہ مِنَ الْبَیْتِ کے بجائے البیت

marfat.ocm

نہیں کہا جا سکتا۔

سوال: رفع بمعنیٰ کسی شئے کو زمین سے علیحدہ کر کے زمین سے بلند و بالا کیا جائے اور اساس تو ہمیشہ زمین پر مستقر ہوتا ہے اب رفع کا کیا مطلب؟

جواب: رفع اساس سے مراد اس پر بنا کرنا اور بنا علی الاساس مراد لے کر رفع کو استعمال کیا گیا، کیونکہ بنا کو نچائی کی ہیت سے نقل کر کے اونچائی کی ہیت میں لے جاتے ہیں۔ اب رفع کا حقیقی معنیٰ مل گیا۔

سوال: بیت کا اساس تو ایک تھا لیکن قواعد جمع سے کیوں تعبیر کیا گیا؟

جواب: اس کے اجزاء کے اعتبار سے گویا اس کا ہر ایک جزاپنے مافوق کے لئے اساس تھا۔ اب معنیٰ یہ ہے کہ یاد فرمایئے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کو جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی بنیاد کو بلند فرمایا۔

وَاِسْمٰعِیْلُ اور انکے بیٹے اسماعیل علیہ السلام نے۔

ف: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چار بیٹے تھے۔

۱:۔اسماعیل ۲۔اسحٰق۔ ۳۔مدین۔ ۴۔مدائن۔

ف: اس کا عطف ابراہیم پر ہے۔

سوال: اسے مفعول سے کیوں موخر کیا گیا ہے حالانکہ اس کا عطف فاعل پر ہے تو اسے مفعول سے مقدم ہونا چاہیے؟

جواب: اس میں اشارہ ہے کہ رفع بیت میں اصل ابراہیم تھے اور اسماعیل ان کی فرع۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اسماعیل علیہ السلام پتھر اٹھا کر دیتے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کی بنا کرتے۔

تاریخ کعبہ: رفع اساس جس پر کعبہ کی بنا کی گئی دلالت کر رہی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے وجود مسعود سے پہلے کعبہ کی بنیاد رکھی گئی۔ پھر ابراہیم علیہ السلام نے آکر اس پر تعمیر فرمائی۔ لیکن اختلاف یہ ہے کہ سب سے پہلے اس کی بنیاد کس نے رکھی۔؟

بعض کہتے ہیں: فرشتوں سے سب پہلے اس کی بنیاد ڈالی۔

marfat.ocm

چنانچہ مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا: میں اپنا خلیفہ پیدا کرنے والا ہوں تو انہوں نے کہا: مفسد اور خونریز کو پیدا کر رہا ہے۔ ہم تیری تسبیح وتقدیس کے لئے کافی نہیں؟ اللہ تعالیٰ ان پر ناراض ہوا تو انہوں نے اس کے عرش کے پاس آکر پناہ لی اور اس کے ارگرد سات بار طواف کیا تا کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور فرمایا کہ میرا زمین پر ایک گھر تیار کرو۔ اس کے قریب آکر جس بنی آدم پر میں ناراض ہوں گا پناہ مانگے گا اور جس طرح تم نے میرے عرش کا طواف کیا ہے وہ اس کا طواف کرے گا جس سے میں راضی ہو جاؤں گا۔ اس حکم کے بعد ملائکہ نے اسی بیت اللہ کو تیار کیا۔

ف: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان پر ایک بیت تیار کرایا ہے جس کا نام بیت المعمور ہے اس کا نام ضراح ہے ملائکہ کو حکم فرمایا کہ زمین میں اس کے مقابل اس کی قدر اس جیسا کعبہ تیار کرلو۔

ف: بعض مفسرین کہتے ہیں کہ سب سے پہلے کعبہ کی بنیاد آدم علیہ السلام نے رکھی۔ پھر طوفانِ نوح سے وہ تعمیر مٹ گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اس کا نشان بتایا۔

چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آدم علیہ السلام جنت سے زمین پر اترے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! زمین پر جا کر ایک گھر تیار کرو اور اس کے اردگرد طواف کرو اور وہاں پر مجھے یاد کرو۔ جیسے فرشتگان کو میرے عرش کے گرد دیکھتے ہو۔ آدم علیہ السلام حکم سن کر روانہ ہوئے ان کے لئے زمین لپیٹ لی گئی اور جنگل قبض کر لیے گئے۔ جہاں پر قدم رکھتے وہاں آبادی ہو جاتی۔ یہاں تک کہ بیت اللہ شریف کی جگہ تک پہنچ گئے۔ جبریل علیہ السلام نے زمین پر اپنے پر مارے جس سے ساتویں نیچی زمین تک اس کی بنیاد کا نشان نظر آنے لگا اور فرشتوں نے ایک پتھر لایا جس کو ستر آدمی بھی نہ اٹھا سکیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر پانچ پہاڑوں سے کی۔

۱:۔ طور سینا۔ ۲:۔ طور زیتا۔ ۳:۔ لبنان جو شام میں ایک پہاڑ ہے۔ ۴:۔ جودی، جو جزیرہ میں ایک پہاڑ ہے۔

۵:۔ حراء جو مکہ میں ہے جس کی بنیاد چوڑی رکھی گئی اور پتھروں سے بھر دی گئی تھی۔ یہ تھی آدم علیہ السلام کی بنا۔

ف: بعض روایات میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کعبہ کے مقام کو زمین سے دو ہزار سال قبل پیدا فرمایا جو اس وقت سفید جھاگ کا ٹکڑا پانی پر تھا۔ اس سے زمین کو بچھایا گیا۔ جب آدم علیہ السلام زمین پر اترے تو انہیں وحشت

ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف شکایت پیش کی۔ اللہ تعالیٰ نے بیت المعمور (جو اس کے یاقوت بہشت کے یواقیت سے تھا اس کے دو باب زمرد اخضر کے تھے باب شرقی ، باب غربی) کو اس بیت کی جگہ پر رکھ کر فرمایا: اے آدم! ہم نے تمہارے لیے اس بیت کو آسمان سے اتارا ہے۔ اس کا طواف کرو جیسے میرے عرش کے گرد طواف کیا جاتا ہے اور اس کے قریب نماز پڑھیے۔ جیسے میرے عرش کے قریب پڑھی جاتی ہے۔ بعد ازاں ایک پتھر نازل فرمایا جو پہلے سفید تھا اب زمانہ جاہلیت کی حیض والی عورتوں کے ہاتھ لگانے سے سیاہ ہو گیا ہے۔ آدم علیہ السلام مکہ کی طرف زمین ہند سے پیدل روانہ ہوئے۔ آپ کی رہبری کے لئے ایک فرشتہ مقرر کیا جو انہیں راستہ بتاتا تھا۔ (امام مجاہد سے پوچھا گیا کہ آپ سوار ہو کر کیوں نہ آئے؟ آپ نے فرمایا: اس وقت کون سی سواری تھی جو آپ کو لے آتی) آپ کے ایک قدم کی مسافت تین دنوں کے سفر کے برابر تھی۔ آپ مکہ میں آئے حج کے مناسک ادا کیے۔ جب فارغ ہوئے تو ملائکہ حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آدم علیہ السلام! آپ کا حج مبرور ہے ہم نے آپ کی پیدائش پیچھے دو ہزار سال پہلے اس کا حج کیا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام نے ہند سے مکہ تک چالیس پیدل حج کئے تھے اسی طرح وہ اور دیگر مومنین (ان کی اولاد سے) طوفان نوح تک طواف کرتے رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے چوتھے آسمان کی طرف اٹھا لیا۔ جہاں ہر یوم ستر ہزار فرشتے حاضر ہوتے (جنہیں پھر حاضری کا موقعہ نہ ملتا) اور جبریل علیہ السلام کو بھیج کر حجرِ اسود کو جبل ابی قبیس میں چھپانے کا حکم دیا گیا تا کہ وہ غرق ہونے سے محفوظ رہے پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ تک یہ مقام خالی رہا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اس کی بنا کا حکم فرمایا کہ جس میں وہ رہ کر اس کی یاد کریں۔

اللہ تعالیٰ سے عرض کی: الٰہی! مجھے اس مقام کی رہبری فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ نے سکینہ کو بھیج کر ان کی رہبری کی۔ (سکینہ الجحوج کو کہتے ہیں جس کے دونوں سرے سانپ کی طرح ہوتے ہیں) پھر ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ جہاں یہ سکینہ ٹھہر جائے وہاں کعبہ کی بنیاد رکھنا۔ آپ اس کے پیچھے چل پڑے۔ یہاں تک کہ وہ سکینہ اس بیت اللہ والے مقام پر آ کر رک گئی اور گھومنے لگی جیسے ڈھال گھیرا مار کر گھومتی ہے اور ابراہیم علیہ السلام سے عرض کی: اسی جگہ پر قبلہ کی بنیاد رکھیے۔ ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام نے مل کر تعمیر کا کام شروع کر دیا تھا۔

marfat.ocm

یہاں تک کہ جب حجر اسود والے مقام پر پہنچے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے فرمایا: کوئی سفید کا خوشنما پتھر لائیں اور یہاں نشان کے طور پر رکھ دیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام ایک خوشنما سفید رنگ کا خوشنما رنگ کا پتھر لے آئے۔ لیکن آپ نے فرمایا: اسے بھی زیادہ کوئی اور ہو تو بہتر ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام اس کی تلاش میں نکلے تو ابو قبیس نے پکار کر عرض کی: اے ابراہیم علیہ السلام میرے پاس ایک امانت ہے وہ لے جائیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں تشریف لے گئے۔ وہاں ایک شاندار بہشت کا یاقوتوں میں سے ایک یاقوتی پتھر موجود ہے۔ اور اسے حضرت آدم علیہ السلام بہشت سے اپنے ساتھ لے آئے۔ جیسے بعض روایات میں آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے بیت المعمور کو نیچے اتارا تو اس کے ساتھ بھیجا تھا۔ جیسے اس کی تفصیل گزری ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے اسی مقام پر رکھا۔ پھر جب تعمیر کچھ بلند ہوئی تو ایک مربع شکل کا بادل اترا جس کا ایک سر تھا اس نے ندا دی کہ میری صورت کے مطابق ہی اس کی تعمیر کیجئے۔ یہ تھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کی تفصیل۔

گھوڑا پہلے وحشی جانور تھا:۔

مروی ہے کہ جب باپ بیٹا دونوں کعبہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں سواری کا گھوڑا انعام میں عطا فرمایا در اصل یہ گھوڑا پہلے دوسرے وحشی جانوروں کی طرح جنگلی جانور تھا۔

ف: مروی ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام کعبہ مکرمہ کی تعمیر کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا کہ میں تمہیں اپنے خزانوں میں سے ایک خزانہ عطا فرماؤں گا۔ پھر جب تعمیر مکمل ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو فرمایا: کہ پہاڑوں کی طرف جایئے وہاں دعا مانگیے۔ آپ پہاڑوں میں گئے لیکن انہیں نہ دعا مانگنا معلوم ہوا اور نہ خزانہ کا پتہ۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک دعا سکھائی۔ جب آپ نے دعا مانگی تو تمام دیارِ عرب کے گھوڑے آپ کے پاس آ گئے اور آپ کے قبضہ قدرت میں دے دیے گئے۔

حدیث شریف: حضور علیہ السلام نے فرمایا:

"اے لوگو! ان گھوڑوں کو سواری بناؤ اور گھاس کھلاؤ، ان میں بڑی برکتیں ہیں اور تمہارے یہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی وراثت سے تمہیں عطا ہوئے ہیں"

گھوڑے کو عربی بھی کہا جاتا ہے۔ اس لیے کہ ایک تو اسماعیل علیہ السلام کو ان کے لئے دعا کا حکم دیا گیا تھا دوسرا یہ کہ عربی کی نسبت عربہ (بفتحتین) کی طرف ہے اور عربہ بمعنی باحۃ العرب کیونکہ اسماعیل علیہ السلام نے عرب میں پرورش پائی تھی۔

ف: ابراہیم علیہ السلام سریانی میں بولتے اور اسماعیل علیہ السلام عربی میں۔ لیکن ایک دوسرے کی بولی سمجھ جاتے۔ ایک دوسرے کی بولی بول نہیں سکتے تھے۔

کعبہ کی تعمیر ثالث: قریب کی تعمیر کعبہ کا واقعہ تو مشہور ہے اور سانپ کا واقعہ بھی مشہور ہے۔ وہ اس طرح ہے کہ قریش نے جب کعبہ کی تعمیر کا ارادہ کیا تو ایک سانپ اس کی تعمیر میں حائل ہوا وہ کعبہ کی پرانی عمارت کو ڈھانے نہ دیتا تھا۔ تمام قریش جمع ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گڑگڑا کر عرض کرنے لگے:

"یا اللہ! تو جانتا ہے کہ ہم تیرے گھر کو سنگارنا چاہتے ہیں سوائے اس کی زیبائش کے ہمارا اور کوئی ارادہ نہیں۔ اگر تو اس سے راضی ہے تو ہمیں توفیق دے ورنہ جیسے تو چاہے ہم راضی ہیں"

چنانچہ ان کی دعا مستجاب ہوئی۔ آسمان سے ایک موٹے سے پرندے کے اترنے کی آواز انہوں نے سنی۔ دیکھا کہ وہ پرند چیل سے کچھ بڑا ہے۔ اس کی پیٹھ سیاہ اور پیٹ اور پاؤں سفید ہیں۔ اس نے سانپ کے سر کو چنگل میں دبایا اور اوپر لے اڑا۔ قریش دیکھتے رہے کہ اس کی دُم بہت چوڑی تھی۔ اس نے اس سانپ کو پہاڑوں میں جا پھینکا۔ اس پر قریش نے پرانی عمارت کو منہدم کر دیا اور نئے سرے سے تعمیر شروع کر دی۔ وادیوں سے پتھر اٹھا اٹھا کر بیس گز اونچی عمارت تیار کر دی۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ:۔

زہری سے مروی ہے کہ جب وہ رکن یمانی کے مقام پر پہنچے تو ان کا آپس میں جھگڑا ہو گیا کہ حجر اسود کو وہاں رکھنے کی ہر قبیلہ کی خواہش تھی تا کہ یہ برکت انہیں حاصل ہو۔ آخر طے پایا کہ جو اس کوچہ سے سب پہلے گزرے گا اسی کو فیصلہ کا حاکم ٹھہرایا جائے گا۔

چنانچہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر سے گزر ہوا۔ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو

marfat.ocm

درست ماننے کے لئے تیار ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حجر اسود کو ایک بڑے کپڑے پر رکھ دو اور اس کپڑے کو قبیلے کا سردار پکڑے یوں قبیلوں کے سردار سے اس مقام کے قریب لے آئیں۔ چنانچہ وہ اس فیصلہ پر راضی ہو گئے۔ جب سب سے اسے اٹھا کر دیوار کے قریب کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے دست مبارک سے اٹھا کر وہاں رکھ دیا۔

ف: بعض روایات میں ہے کہ قریش کے رکن میں ایک کتاب سریانی لغت کی ملی۔ لیکن اسے وہ پڑھنا نہیں جانتے تھے ان میں ایک یہودی عالم سریانی لغت کو جانتا تھا۔ اس نے پڑھا تو لکھا تھا ہوا پایا: کعبہ کا مالک میں اللہ ہوں۔ میں نے کعبہ اس وقت پیدا کیا جب زمین و آسمان بنائے اور سورج چاند پیدا کیے اور میں نے اس کی حفاظت کے لئے سات فرشتے مقرر کیے ہیں وہ اس وقت اس سے ہٹیں گے جب اس کی آخری تعمیر ہو گی یہ اپنے اہل کے لئے مبارک اور اس کا پانی اور دودھ مبارک ہے۔

ف: حضرت ابو جعفر فرماتے ہیں کہ عمالقہ اور جرہم اور ابراہیم کے زمانے میں مکہ کا دروازہ زمین پر تھا قریش نے اسے اونچا کیا۔

حدیث شریف: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے دیوار کے بارے میں پوچھا کہ کیا یہ بھی کعبہ کے حکم میں ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، پھر میں نے عرض کیا کہ قریش نے کعبہ کے اندر کیوں نہ داخل کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کے پاس گنجائش نہیں تھی۔ میں نے پھر کہا: اس کا دروازہ اونچا کیوں ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تیری قوم قریش کی کارگزاری ہے۔ اگر ان میں زمانہ جاہلیت کے تاثرات نہ پائے جاتے تو میں ان کے اس دروازہ کو توڑ کر زمین کے برابر کر کے اس کے دو دروازے مقرر کر دیتا۔ ایک بجانب مشرق، دوسرا بجانب غرب۔ اور حجر اسود کی طرف سے چھ اور بڑھاتا۔ چونکہ قریشیوں نے اسی طرح تعمیر کی تو میں بھی اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ یہ تھی تعمیر ثالث کی تفصیل۔

تعمیر رابع:۔

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اہل شام سے جنگ کی۔ ان کی زیادتیوں سے

کعبہ کی تعمیر کچھ جل گئی۔ تو آپ نے اسے گرا کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق کعبہ از سرِ نو تعمیر کیا۔ اس کے دو دروازے رکھے گئے۔ ایک دروازے سے لوگ داخل ہوتے اور دوسرے سے باہر نکلتے۔ حجرِ اسود کے قریب سے چھ گز کا اضافہ کیا۔ اس سے قبل کعبہ معظمہ کی لمبائی اٹھارہ گز تھی۔ حجرِ اسود کی طرف سے تعمیر میں اضافہ کی وجہ سے اب طول میں کچھ کمی آ گئی۔ نو گز کم ہو گئے۔

تعمیرِ خامس:۔ جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہو گئے تو حجاج ظالم نے ان کی تعمیر کردہ عمارت کو گرانے کا حکم دیا جتنا اضافہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تھا وہ ختم کر کے پہلی تعمیر قریش کی طرح کی عمارت تیار کرائی اور مغربی دروازے کو بند کرا دیا۔

تعمیر سادس:۔

مروی ہے کہ ہارون الرشید کو خیال گزرا کہ حجاج ظالم کی تعمیر کو گرا کر کعبہ کی تعمیر ویسے ہی کرائے جس کی خبر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے انہیں دی کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کعبہ معظمہ یوں تعمیر کرایا تھا۔ حضرت امام مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کام کا مشورہ کیا گیا ت آپ نے فرمایا: اے ہارون! تجھے رب کعبہ کی قسم! ایسا نہ کر۔ کیونکہ اس طرح ہر آنے والا بادشاہ عمارت کو منہدم کر کے پہلے کے خلاف تعمیر کرتا رہے گا یوں کعبہ معظمہ ایک مذاق بن کر رہ جائے گا اور لوگوں کے دلوں سے اس کی ہیبت نکل جائے گی۔

تعمیر کعبہ دس بار:۔

کہتے ہیں کہ کعبہ کی تعمیر دس بار ہوئی: ۱:۔ تعمیر ملائکہ آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے۔ ۲:۔ تعمیر آدم علیہ السلام۔ ۳:۔ آپ کی اولاد میں سے شیث علیہ السلام۔ ۴:۔ ابراہیم علیہ السلام ۵:۔ عمالقہ۔ ۶:۔ جرہم ۷:۔ قصی بن کلاب۔ ۸:۔ قریشِ مکہ۔ ۹:۔ عبداللہ زبیر رضی اللہ عنہ ۱۰:۔ حجاج بن یوسف۔

ف: تعمیر کا مطلب یہ ہے کہ اس کی دیواروں کو درست کیا جاتا، نہ کہ اس کی اصل مکانیت کو۔

قولِ دیگر: حافظ سہیلی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

سارے زمانے میں اس کی تعمیر صرف پانچ بار ہوئی۔ پہلی بار حضرت شیث علیہ السلام نے کی۔

marfat.ocm

تعمیر کعبہ پندرہ بار:۔

حدیث شریف: پانچویں تعمیر ان پندرہ تعمیروں میں سے ہے جو اس سے پہلے ہو چکی تھیں۔ سات بار ان میں سے آسمانوں میں یوں ہوئی کہ ساتویں تعمیر اس کے عرش تک پہنچی۔ پھر ساتویں بار زمین تک اترنے کی تھی۔ جس کا نچلا حصہ زمین میں اور اوپر والا عرش کے نیچے بیت المعمور میں ہے۔ لیکن جہاں جہاں اس کی تعمیر ہوتی رہی وہاں اس کے ایسے ہی حرم مقرر ہوئے جیسے یہاں اس کا حرم شریف ہے۔ ان ساتوں میں سے کوئی ایک گرے تو ساتوں گرتے گرتے اس کو بھی گرا دیں گے۔ جیسے زمین پر اس کی تعمیر کی جاتی ہے ویسے ہی آسمانوں میں بھی۔ اسی طرح محدث کازرونی علیہ الرحمہ نے اپنے مناسک میں ذکر فرمایا ہے۔

حدیث شریف: میں ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عرش آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش سے پہلے پانی پر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک ہوا چلائی جس سے پانی متحرک ہوا تو اس کے اندر سے اس کعبہ معظمہ کے مقام سے لکڑی ظاہر ہوئی۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک قبہ ہے۔ اس کا حدود اربعہ اس بَیْتُ اللّٰہ کے مطابق تھا جیسے آج ہمارے ہاں موجود ہے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ نے زمین کو بچھانے کا حکم دیا وہاں سے زمین پھیلتی گئی۔ اسے پھر پہاڑوں کی میخوں سے مضبوط کر دیا گیا۔ پہاڑوں میں سے سب سے پہلے ابو قبیس کو رکھا گیا۔ اسی لیے مکہ مکرمہ کو ام القریٰ کہا جاتا ہے۔

ف: حضرت کعب فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کی تعمیر اس طریق سے فرمائی جیسے ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر فرمائی۔ ان دونوں کی تعمیر قدیمی تعمیر کے مطابق تھی۔ یعنی ملائکہ کی تعمیر پانی پر۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام جب کعبہ تعمیر کر رہے تھے کہ تو یہی کہتے تھے: رَبَّنَا اے ہمارے رب تَقَبَّلْ مِنَّا ہم سے قبول فرما۔

مسئلہ: دعا وغیرہ منجملہ ان قربتوں اور طاعتوں سے ہے کہ تَقَبَّلْ تکلفات کے افعال سے ہے کہ ہمارا عمل تو ناقص ہے مگر تو اپنے فضل و کرم سے قبول فرما اور قبول اس استعمال میں نہیں آتا۔ اس میں اشارہ ہے کہ ہم اپنے

عمل میں عجز وانکساری اور قصور کا اعتراف کرتے ہیں۔

اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ بیشک تو تمام مسموعات کو سنتا ہے منجملہ ان کے ہماری اس دعا وتضرع کو بھی تو سننے والا ہے۔ تو تمام معلومات کو جانتا ہے۔ منجملہ ان کے ہماری نیتیں بھی، جو ہمارے اعمال میں پائی جاتی ہیں۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ ان سے اللہ تعالیٰ کے کسی حکم میں کمی تو کوئی واقع نہیں ہوئی تھی بلکہ ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے فرمان کی تعمیل میں پوری ہمت سے کام لیا ورنہ وہ اتنی جرأت کب کرنے والے تھے کہ اسے نہایت کھلے الفاظ سے اور دل کی گہرائیوں سے کیسے کہتے کہ تو ہی سن رہا ہے اور تو ہی جانتا ہے۔

مسئلہ : آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کوئی بندہ مامور بہ کی تعمیل سے فارغ ہو جائے اور اپنی وسعت کے مطابق اس میں خلوص سے حکم کی تعمیل ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تضرع کا اظہار کرے تاکہ اس سے وہ عمل قبول ہو جائے اور اس کے منہ پر نہ مارا جائے اور اس کی تمام کوششیں ضائع نہ ہو جائیں۔

مسئلہ : کچھ ضروری نہیں کہ ہر عمل اگرچہ بڑی کوشش سے کیا جائے وہ قبول ہو جائے کیونکہ اگر ایسی بات ہوتی تو وہ حضرات اس قسم کی دعا نہ مانگتے۔ کیونکہ قبول کرنا نہ کرنا اس ذات کے ارادہ مقدسہ پر منحصر ہے۔ اس پر کوئی شئے واجب نہیں۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ یعنی اے رب! ہمیں اپنا مخلص بنا دے۔ مسلم سے وہ شخص مراد ہے جو اپنی ذات اور نفس کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے خالص کر دے۔ یعنی جسم وجان اور زبان ودل سے عجز وزاری کا اظہار کرے اور اس کی تعظیم جیسی کسی اور کی نہ کرے اور یہ عقیدہ رکھے کہ میری ذات وصفات وافعال ہر لحاظ سے اللہ کی ملک ہیں۔ وہی ان کا خالق ہے۔ کسی دوسرے کو اس میں دخل نہیں۔ یا یہ معنیٰ ہیں کہ یا اللہ! ہمیں اپنا فرماں بردار بنا کہ ہم اپنے مقدور بھر تیری رضا کے سوا اور کوئی کام نہ کریں۔ تیرے احکام کی ادائیگی میں حجت بازی سے کام نہ لیں۔

قاعدہ: جب لفظ اسلام کے بعد سلام آئے تو وہاں اسلام بمعنیٰ فرمانبردار اور رضا طلبی مراد ہوتی ہے۔

سوال: جب وہ دونوں حضرات اس دعا کے وقت نہایت درجہ کے فرمانبردار مخلصین تھے تو پھر دعا مانگنے کا کیا معنیٰ؟

جواب: اخلاص وتوجہ کی زیادتی اور اس پر ثابت قدمی مطلوب تھی۔ اس سے لوگوں کو تعلیم بھی ہے کہ اپنے ایمان پر

ثابت قدمی کی دعائیں مانگیں۔ کیونکہ وہ حضرات جبکہ ہر طرح سے معصوم اور مصئون و مامون تھے لیکن ثابت پھر بھی ثابت قدمی کی دعا مانگ رہے ہیں تو ماد شما کہاں! باوجودیکہ ہم ہر طرح سے معرضِ نقصان میں ہیں۔ پھر اس فرماں برداری پر ثابت قدمی بھی مقصود تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی دعا مستجاب ہوئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نار گلزار بن گئی اور اسماعیل علیہ السلام ذبح ہونے سے بچ گئے۔

وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ اور ہماری اولاد میں سے ایک جماعت کو اپنی فرمانبردار بنا تاکہ وہ تیری عبادت میں مخلص ترین ثابت ہوں۔

سوال: صرف اولاد کے لئے دعا مانگنے کا کیا معنیٰ، حالانکہ ایسے حضرات کے ظرف تو وسیع ہوتے ہیں بالخصوص انبیاء علیہم السلام کہ ان کو ہر عام و خاص کو اپنی دعا میں شامل کرنا چاہیے۔

جواب: ۱:۔ شفقت کے لحاظ سے اولاد کو ترجیح دی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا اولاد کی تخصیص سے اپنے ثواب میں اضافہ مقصود تھا۔

حدیث شریف: جو شخص اپنی ایسی اولاد چھوڑ جائے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت گزار ہو اسے قیامت تک اس کے ثواب سے ثواب ملتا رہے گا۔

۲:۔ بظاہر اس میں اولاد کی تخصیص ہے لیکن درحقیقت یہ دعا سب کو شامل ہے اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کی اولاد کی اصلاح عوام کی اصلاح کا ذریعہ بنتی ہے۔ گویا یوں دعا کی ہے: یا اللہ! ہماری بعض اولاد کی اصلاح عوم کی اصلاح کا ذریعہ بنا۔

سوال: اولاد میں سے بعض کی تخصیص کیوں؟

جواب: ان کو معلوم تھا کہ ان کی اولاد میں سے بعض نیک ہوں گے بعض بد۔ اس سے قبل اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔

ف: اللہ تعالیٰ کی حکمت نے چاہا کہ عالمِ دنیا میں تین قسم کے آدمی ہوں۔

۱:۔ افاضل۔ ۲:۔ اوساط۔ ۳:۔ اراذل۔

افاضل:۔ تو وہ اولیاء اللہ ہیں جو اس کی اطاعت میں ہر ساعت سرگرم ہیں۔

اوساط: ۔ وہ جنہیں آخرت کا خوف ہے، گناہوں سے اجتناب کرتے ہیں تو جہنم کے خطرہ سے اور نیکی کرتے ہیں تو بہشت کی لالچ میں۔

اراذل: ۔ وہ ہیں جو شب وروز دنیوی امور میں منہمک ہیں جنہیں آخرت کی کوئی فکر نہیں ۔ وہ اسی کوشش میں ہیں کہ دنیا کے کاروبار خوب چلیں اور اسباب فراوانی سے ہوں۔

ف: دنیا کی تعمیر تین چیزوں سے ہے:

ف: دنیا کی تعمیر تین چیزوں سے ہے:

۱:۔ زراعت وباغبانی۔ ۲:۔ حمایت وحرب۔ ۳:۔ ایک شہر سے دوسرے شہر سامان کی نقل وحرکت۔ جو بھی ان تینوں کاموں میں الجھ گیا اسے آخرت بالکل یاد نہیں رہے گی۔ جو دنیاوی مشاغل میں اس قدر پھنس گیا کہ آخرت کو بھلا ہی دیا تو یوں سمجھو کہ اس نے جہالت کا ٹھیکہ لے لیا ہے۔ اسی لیے عربی مقولہ ہے: لولا الحمقی لخربت الدنیا (اگر احمق دنیا میں نہ ہو تو دنیا خراب ہو جائے) مثنوی شریف میں ہے:

ایں جہاں ویراں شدے اندر زماں — حرصہا بیروں شدے از مرد ماں
ایں عالم اے جانِ غفلت است — ہوشیاری ایں جہاں رافت است
ہوشیاری زاں جہاں است وجواں — غالب آید پست گردد ایں جہاں
ہوشیاری آفتاب وحرص وخ — ہوشیاری آب وایں عالم وخ

ترجمہ: ۱:۔ یہ جہاں برباد ہو جاتا اگر لوگوں کے دلوں سے حرص نکل جاتی۔
۲:۔ یہ جہاں سراسر غفلت ہے ہوشیاری اس عالم کے لئے آفت ہے۔
۳:۔ ہوشیاری سے جہان جوان ہے، غالب آئے گی تو جہان ویران ہوگا۔
۴:۔ ہوشیاری آفتاب ہے اور حرص یخ، ہوشیاری پانی ہے اور جہان میل کچیل۔

وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا مناسک، منسک کی جمع ہے۔ منسک بفتح السین و کسرھا یعنی ہمیں نسک کے مقامات دکھا اور ہمارے متقدرات کی خبر دے۔ یعنی ان مقامات کی اطلاع دے جہاں حج کے افعال ادا کیے

marfat.ocm

جاتے ہیں۔ یعنی وہ مواقیت جہاں سے احرام باندھا جاتا ہے اور وہ جگہ جہاں عرفات میں ٹھہر کر دعا کی جاتی ہے اور طواف اور صفا و مروہ اور ان کے مابین سعی کی جگہ اور رمی جمار وغیرہ۔ یا مناسک سے یہاں صرف حج کے افعال مراد ہیں نہ کہ اس کے مقامات۔ بایں معنیٰ کہ منسک مصدر میمی ہو نہ کہ اسم مکان اور اس کا جمع ہونا باعتبار مختلف انواع کے ہے اور اَرِنَا عرفنا ہے کیونکہ افعال حج کی آنکھ سے نہیں دیکھے جاتے بلکہ قلب کی آنکھ سے دیکھے جاتے ہیں۔ اور نسک اللہ تعالیٰ کی عبادت کو کہتے ہیں۔ اب حج کے افعال میں استعمال ہوا ہے۔ اسی لیے حج کے افعال نہایت مشقت بھرے ہیں کہ تکلیف اور جدوجہد کے بغیر ادا نہیں ہو سکتے۔ وَتُبْ عَلَيْنَا جو صغار یا خلاف اولیٰ ہم سے سرزد ہوا اس کی توبہ قبول فرما، یا ہماری اولاد سے جو کبائر واقع ہوئے ہیں ان کی توبہ قبول فرما۔ یہ جملہ آپ نے کسی تفسیر سے کہا ہے یا اپنی اولاد کی رہبری کے لئے فرمایا ہے کیونکہ جب انہوں نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کا ارادہ فرمایا تو یہ مقصد مدِ نظر رکھا تھا کہ لوگوں کو نیکی کا طریقہ معلوم ہو جائے اور انہیں پتہ چل جائے کہ اس گھر کے متعلق جتنے افعال و اعمال کیے جائیں گے سب میں مقصدِ اعلیٰ گناہوں سے بچنے اور ان سے توبہ کرنے کے طریقے بتائے جائیں گے۔

اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ بیشک تو توبہ قبول کرنے والا رحیم ہے۔ توبہ کا لغوی معنیٰ ہے رجوع کرنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت ہو تو بمعنیٰ بندہ کی توبہ قبول کرنا اور اس میں اپنی طرف رجوع کرنے کی توفیق اور گنہگاروں کے دل میں رجوع الی اللہ کی توفیق ڈالنا اور اس کے ظاہری اعضاء کو طاعات کی زینت بخشنا بعد اس کے کہ اس نے انہیں گناہوں اور غلطیوں سے ملوث کر دیا ہے۔

ف: تواب مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اللہ تعالیٰ پر اس کا اطلاق اس لیے ہوتا ہے کہ یہ فعل اس سے بکثرت ہوتا ہے اور اپنے بندوں کے گناہ کثرت سے معاف کرتا ہے۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ اے اللہ! ان میں بھیج یعنی ہماری اولاد کی جماعت امتِ مسلمہ میں سے رَسُوْلًا مِّنْهُمْ انہی کے نفسوں میں سے۔ مِنْهُمْ کی قید بڑھانے سے یہ فائدہ ہے کہ ضروری نہیں ہوتا کہ ان میں کوئی رسول تشریف لائے اور ان کی اولاد میں سے نہ ہو۔ ان دونوں کی اولاد میں سے سوائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی اور تشریف نہیں لایا یہ ان کی دعا کی قبولت کی نشانی ہے۔

ف: مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسی وقت فرمادیا کہ ہم نے تم دونوں کی دعا قبول فرمائی ہے۔ چنانچہ تمہاری منشاء کے مطابق آخرالزمان نبی علیہ السلام تشریف لائیں گے۔

حدیث شریف: ''میں اس وقت سے اللہ تعالیٰ کے ہاں خاتم النبین لکھا جا چکا ہوں جبکہ آدم علیہ السلام اپنے گارہ میں تھے اور میں تمہیں اپن اول امر کی خبر دیتا ہوں، تمہیں معلوم ہو کہ میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں سے آیا ہوں اور میں وہی ہوں جس کی خوشخبری حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سنائی تھی اور میں وہی نور ہوں جبکہ میری والدہ ماجدہ نے مجھے جنتے وقت دیکھا کہ اس نور کی وجہ سے شام کے محلات روشن ہو گئے''

اور دعوتِ ابراہیم سے مراد یہی دعا ہے جو آیت میں مذکور ہوئی کہ ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی کہ اللہ تعالیٰ بنی اسماعیل میں ایسا ہی نبی بھیجے۔

یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِکَ ان پر تیری آیات پڑھیں۔ یعنی انہیں تیری توحید اور اپنی نبوت کی تبلیغ کریں جو تو انہیں حکم فرمائے وَیُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ اور انہیں ان کے نظریہ کی قوت کے مطابق قرآن پاک کی تعلیم دیں۔ وَالۡحِکۡمَۃَ اور حکمت اور ایسے اعمال کہ جن سے معارفِ حق سے ان کے نفوس مکمل ہوں اس سے احکامِ شریعت مراد ہیں۔

ف: حضرت ابن درید فرماتے ہیں کہ جس کلمہ سے نصیحت نصیب ہو اور وہ عمل جو عزت کی طرف لے جائے اور برے اعمال سے روکے وہی حکمت ہے۔

وَیُزَکِّیۡہِمۡ ان کی قوتِ عملیہ کے مطابق ان کا تزکیہ فرمائیں۔ یعنی انہیں شرک کی غبار سے بچائیں اور گناہوں کی خرابیوں سے دور رکھیں۔ گناہوں کا صدور ترک واجبات یا برائیوں کے ارتکاب سے۔

ربط: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین دعائیں مانگ کر ان کو اللہ تعالیٰ کی ثنا پر ختم کیا۔

چنانچہ کہا: اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ بیشک وہ غالب ہے کہ جس پر کسی دوسرے کے غلبے کا امکان ہی نہیں بلکہ تو وہ ہے جس پر چاہے غلبہ کر سکتا ہے۔ الۡحَکِیۡمُ وہ حکیم کہ اس کا ہر کام حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں۔ وہ سب پر غالب ہے اور باقی سب اس کے عاجز بندے ہیں۔ وہ اپنی ذات کو خود ہی جانتا ہے اس کے سوا اور کون جانے، بلکہ بندے تو اپنی حقیقت سے بھی بے خبر ہیں۔

حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ شرح اسماء الحسنٰی میں فرماتے ہیں عزیز'' وہ ہے جس کا ثانی ممتنع ہو اور اسی کے

marfat.ocm

آگے ہر حاجت پیش کی جائے۔ لیکن اس کی طرف پہنچنا مشکل ہو۔ جس میں یہ تین اوصاف نہ ہوں اسے عزیز کہنا ٹھیک نہیں۔ بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن کا ثانی ملنا مشکل تو ہوتا ہے لیکن وہ ایسی نہیں کہ ان کی طرف حاجات پیش کیے جاسکیں۔ جب وہ ایسے ہو تو ان کے وجود سے اتنے بڑے منافع بھی حاصل نہیں ہو سکیں گے۔ اسی لیے انہیں عزیز کہنا مناسب نہ ہوگا۔ بہت سی چیزیں ایسی بھی ہیں جن کی شان تو بہت بلند ہیں اور ان کے وجود سے فوائد بھی بہت حاصل ہوتے ہیں اور ان کی نظیر ملنا بھی مشکل ہے اور ان تک پہنچنا بھی دشوار، تاہم انہیں عزیز نہیں کہا جاسکتا۔ مثلاً سورج، اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ اسی طرح زمین ان دونوں (سورج اور زمین) سے بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں اور ان کی حاجت بھی ہے لیکن انہیں عزیز سے موصوف نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ ان کے مشاہدات کی طرف پہنچنا کچھ مشکل نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ مذکورہ تین امور ان کے لئے ضروری نہیں پھر ان میں کمال ونقص کا اعتبار بھی ہے۔ مثلاً قلتِ وجود کو دیکھئے کہ یہاں آخری وجود کا ورود نہ ہونے کے بعد۔ کوئی عدد ہے ہی نہیں۔ پھر وہ ایسا واحد کہ اس کی نظیر ممتنع ہے اور وہ صرف باری تعالیٰ ہے اور بس۔ سورج بھی اگرچہ وجود میں ایک ہے لیکن اس کا ثانی پایا جانا دائرہ امکان میں ہے۔ اسی طرح وہ عزیز ایسا ہو کہ اس کی طرف ہر شے کا رجوع ہو۔ یہاں تک کہ ہر شے اپنے وجود اور بقا اور صفات کی وجہ سے اس کی محتاج ہو۔ یہ کمال صرف اللہ تعالیٰ کی ذات میں ہے اس سے ثابت ہوا کہ مطلقاً عزیز وہی ذاتِ حق ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

ف: اس کے بندوں میں بھی بعض حضرات عزیز ہیں کہ جن کی طرف عام بندوں کو ان کی احتیاج ہے کہ وہ اپنے اہم امور میں ان کی خدمت میں اپنی حاجات پیش کرتے ہیں۔ خصوصیات حیات خرویہ اور سعادات ابدیہ کے بارے میں اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کے بندوں میں قلیل ہیں جن کی طرف پہنچنا مشکل ہے اور یہ مرتبہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا ہے اور ان کے مرتبہ کے قریب قریب وہ حضرات بھی ہیں جو ان کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں جیسے خلفاء راشدین اور ان کے وارثین اور ان کا یہ مرتبہ ان کے حسب استعداد ہوتا ہے۔ جتنا ارشاد خلق اور طاعاتِ حق میں تکلیف اٹھاتے ہیں اتنا ہی یہ شان ملتی ہے۔

ف: حکمت کا مطلب یہ ہے کہ اجل الاشیاء یعنی ذاتِ باری تعالیٰ کی معرفت اجل العلوم سے حاصل ہو اور اس ذات کی کنہ سے تو ادراک عاجز ہے اور ہی حکیم مطلق ہے جو اپنے اجل العلوم کو جانتا ہے اور اس کا اجل العلوم

علم ازلی اور دائمی ہے کہ جس کا زوال ممتنع ہے اور وہ معلوم کے مطابق علم رکھتا ہے جس میں خفاء اور شبہ کا شائبہ تک نہیں اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے۔ مجازاً اور کو حکیم کہا جاتا ہے۔ جو صناعات کے دقائق سے واقف اور ان کی صنعت میں پختگی رکھتا ہو۔ لیکن کما صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے۔ ورنہ مجازی حکم میں کئی نقائص ہوتے ہیں۔

مسئلہ : جو صناعات کی حقیقت سے تو واقف ہو لیکن اللہ تعالیٰ کے عرفان سے محروم ہو وہ بھی (شرعاً) حکیم نہیں کیونکہ وہ اجل اور افضل اشیاء کے عرفان سے خالی ہے۔ **مسئلہ** : حکمت اجل العلوم سے ہے۔

مسئلہ : حکمت معلوم کی قدر کے مطابق ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے کون زیادہ اجل ہو سکتا ہے۔

مسئلہ : جسے عرفان حاصل ہے (حقیقتاً) وہی حکیم ہے اگرچہ وہ رسمی علوم سے غیر واقف ہو اور بولنے میں اتنی مہارت نہ رکھتا ہو یعنی ولی اللہ۔

مسئلہ : بندہ کی معرفت کی نسبت کو اللہ تعالیٰ کی اپنی ذات کو جاننے کے مابین بہت بڑا فرق ہے۔ کہاں بندہ کا عرفان اور کہاں خلاق کون و مکان کا اپنی ذات کا عرفان۔ باوجود اس کے یہ بندہ نفیس ترین عارف سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ اسے ہی ہر بھلائی کا مرکز سمجھا جاے۔ کیونکہ جسے ایسی حکمت دی جاتی ہے وہ خیر کثیر کا مجمع ہوتا ہے۔ لیکن اسے عقل والوں کے سوا اور کون جانے۔ مگر جو اللہ تعالیٰ کا عرفان رکھتا ہو اس کا کلام عام حکماء کے خلاف ہوتا ہے۔ اس کا کلام تو عین حکمت کے مطابق ہوتا ہے۔ وہ وقتی منافع کا خواہاں نہیں ہوتا۔ اسے تو وہ چاہیے جو آخرت میں اسے نفع دے۔ چونکہ عوام کی نظروں میں رسمی حکماء کی باتیں مفید نظر آتی ہیں اور عارف کا کلام سمجھ نہیں آتا اسی لیے رسمی حکیم پر حکمت کا اطلاق کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے وہ منطقی کو بھی حکیم کہتے ہیں۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حکمت کا سرتاج خوف خدا ہے اور جو اپنے نفس کو حقیر سمجھے اور آخرت کے لئے ہر وقت تیار رہے اور جو اپنے نفس کو اپنی خواہشات کا تابع نہ بنائے وہ عاجز بندہ ہے اور اللہ تعالیٰ سے وہ مانگتا ہے جو بالکل کچھ نہیں اور اعلیٰ بندوں کو اپنے اوپر ترجیح دیتا ہے۔ نیک بخت وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت کرے۔ قناعت ایسا مال ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔ صبر ایمان کا نصف ہے۔ یقین سارے کا سارا ایمان ہے'' مذکورہ جملے حکمتیں ہیں اور ان کا عامل حکیم ہے۔

امام غزالی کی تقریر شرح اسماء الحسنیٰ یہاں ختم ہوئی۔

marfat.ocm

خلاصہ تفسیر: آیت میں اشارہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو بھیجنے میں حکمت میں ہے۔ وہ ایک ایسی مصلحت ہے جو انجام بخیر کی طرف پہنچاتی ہے کیونکہ ان حضرات کے صدقے ہی ظاہر و باطن سنورتا ہے اور عالم کا نظام انہی کی بدولت صحیح رہتا ہے مگر ان کے ورثہ اولیاء کاملین کو بھی ان کی تعلیم کے صدقے یہ مرتبہ حاصل ہے کہ وہ عوام کی صحیح رہنماء کریں۔ عوام کو مرشد کی بیعت ضروری ہے تا کہ ان کے ذریعے منزل مقصود تک پہنچ سکیں۔ جس کا کوئی مرشد نہ ہو اس کا مرشد شیطان ہوتا ہے۔ حضرت حافظ شیرازی علیہ الرحمہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

عشق منہ بے دلیل راہ قدم   کہ من بخویش نمودم صد اہتمام نشد

ترجمہ: عشق میں رہبر کے بغیر قدم رکھنا میں نے اس کے لئے ہزاروں اہتمام کیے تو منزل پر پہنچا۔

مسئلہ: مرشد کامل اس کی رہبری کرتا ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے۔ وہ کسی کو اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر منزل مقصود تک نہیں پہنچاتا۔ پھر وہ ایسی صفائی کرتا ہے کہ مرید کو غیر اللہ کی توجہات سے ہٹا دیتا ہے اور ایسے انفسیہ اور آفاقیہ کے اسرار سے واقف کراتا ہے تا کہ مرید کو اہلِ یقین کا درجہ نصیب ہو اور وہ بھی نعیم روحانی سے حظ وافر حاصل کر کے اولیاء اللہ کے زمرہ میں داخل ہو جائے۔ وَيُزَكِّيهِمْ کا اشارہ انہی سلوک کی منازل کی طرف ہے۔

سبق: سالک کو چاہیے کہ یہ اسباق یاد کرلے۔ یہ اس کے لیے بہت مفید ہیں۔

اے اللہ! ہمیں ان راستوں سے بچا جو تجھ تک پہنچنے سے روکیں کیونکہ ہر امید کی پناہ گاہ تیری درگاہ ہے۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ

اور ابراہیم کے دین سے کون منہ پھیرے سوا اس کے جو دل کا احمق ہے اور بیشک ضرور

اصْطَفَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾

ہم نے دنیا میں اسے چن لیا بیشک وہ آخرت میں ہمارے خاص قرب کی قابلیت والوں میں ہے۔

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَوَصّٰى

جبکہ اس سے اس کے رب نے فرمایا گردن رکھ عرض کی میں نے گردن رکھی اس کے لئے جو رب ہے سارے جہان کا۔ اور اسی دین کی وصیت

بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ

کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے کہ اے میرے بیٹو بیشک اللہ نے یہ دین تمہارے لئے

الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ

چن لیا تو نہ مرنا مگر مسلمان۔ بلکہ تم میں کے خود موجود تھے

اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ

جب یعقوب کو موت آئی جب کہ اس نے اپنے بیٹوں سے فرمایا میرے بعد کس کی

بَعْدِىْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ

پوجا کروگے بولے ہم پوجیں گے اسے جو خدا ہے آپ کا اور آپ کے آباء ابراہیم و اسمٰعیل

وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ

اور اسحٰق کا ایک خدا اور ہم اس کے حضور گردن رکھتے ہیں۔ یہ ایک امت ہے

قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا

کہ گزر چکی ان کے لئے ہے جو انہوں نے کمایا اور تمہارے لئے ہے جو تم کماؤ اور ان کے کاموں کی تم سے

marfat.ocm

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۱۳۴) وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ

پرستش نہ ہوگی۔ اور کتابی بولے یہودی یا نصرانی ہوجاؤ راہ پاؤ گے تم فرماؤ بلکہ ہم تو

مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (۱۳۵) قُوْلُوْۤا اٰمَنَّا

ابراہیم کا دین لیتے ہیں جو ہر باطل سے جدا تھے اور مشرکوں سے نہ تھے ۔ یوں کہو کہ ہم ایمان لائے

بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ

اللہ پر اور اس پر جو ہماری طرف اترا اور جو اتارا گیا ابراہیم و اسمٰعیل و اسحٰق

وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَاۤ اُوْتِىَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَاۤ اُوْتِىَ

و یعقوب اور ان کی اولاد پر اور جو عطا کیے گئے موسیٰ و عیسیٰ اور جو عطا کیے گئے

النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ

باقی انبیاء اپنے رب کے پاس سے ہم ان میں کسی پر ایمان میں فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے حضور

مُسْلِمُوْنَ (۱۳۶) فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَاۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ

گردن رکھے ہیں ۔ پھر اگر وہ بھی یوں ہی ایمان لائے جیسا تم لائے جب تو وہ ہدایت پاگئے اور اگر

تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِىْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ

منہ پھیریں تو وہ نری ضد میں ہیں تو اے محبوب عنقریب اللہ ان کی طرف سے تمہیں کفایت کرے گا اور وہی سنتا

الْعَلِيْمُ (۱۳۷) ؕ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ

جانتا ہے ۔ ہم نے اللہ کی رینی لی اور اللہ سے بہتر کس کی رینی اور ہم اسی کو

عٰبِدُوْنَ (۱۳۸) قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِى اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَاۤ

پوجتے ہیں۔ تم فرماؤ کیا اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو حالانکہ وہ ہمارا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی اور ہماری

marfat.ocm

أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهُ مُخْلِصُونَ ۝۱۳۹ لا أَمْ

کرنی ہمارے ساتھ اور تمہاری کرنی تمہارے ساتھ اور ہم نرے اسی کے ہیں۔ بلکہ تم یوں

تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرٰهِمَ وَإِسْمٰعِيلَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ

کہتے ہو کہ ابراہیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب

وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا هُودًا أَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَأَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللّٰهُ ؕ

اوران کے بیٹے یہودی یانصرانی تھے تم فرماؤ کیا تمہیں علم زیادہ ہے یا اللہ کو

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ

اور اس سے بڑھ ظالم کون ہے جس کے پاس اللہ کی طرف گواہی ہواور وہ اسے چھپائے اور خدا تمہارے

عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝۱۴۰ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ

کوتکوں سے بے خبر نہیں۔ وہ ایک گروہ ہے کہ گزر گیا ان کے لئے ان کی کمائی

۱۶ ع ۱۲ ۱۶ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝۱۴۱ ع

اور تمہارے لئے تمہاری کمائی اور ان کے کاموں کی تم سے پرسش نہ ہوگی۔

تفسیر عالمانہ

وَمَنْ يَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ إِبْرٰهِمَ، مَنْ استفہامیہ ہے اس سے انکار وتقریع مراد ہے۔ یعنی مَنْ استفہامیہ وتقریعیہ ہے۔

ف: رَغِبَ کا صلہ جب لفظ فی آئے تو اس کا معنی ارادہ کرنا ہوگا۔ اگر اس کا صلہ عن آئے تو اس کا معنی ترک کرنا ہوگا۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام کے دین کو نہ ترک کرے اور نہ ہی اس کی شریعت وطریقت سے کوئی اعراض کرے۔ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ مگر جس نے اپنے نفس کو ذلیل وخوار کیا۔ نَفْسَهُ کا منصوب ہونا مفعول بہ کی وجہ سے ہے۔

marfat.ocm

شانِ نزول: حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اپنے بھتیجوں سلمہ اور مہاجر کو اسلام کی طرف بلایا اور فرمایا کہ تورات میں موجود ہے کہ میں اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے ایک پیغمبر بھیجوں گا جس کا اسم گرامی احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا جو ان پر ایمان لائے گا وہ ہدایت پائے گا اور جو انکار کرے گا وہ ملعون ہوگا۔ سلمہ نے اسلام قبول کر لیا لیکن مہاجر نے انکار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا قسم ہے اللہ کی ہم نے ابراہیم کو نبوت و حکمت میں تمام مخلوق سے چن لیا۔

وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ اس کا تعلق **لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ** سے ہے۔ یعنی وہ آخرت میں ان لوگوں سے ہیں جن کی صلاح و خیر اور ثبات علی الاستقامۃ کی شہادت دی گئی ہے اور جس شخص کی دنیا میں آخرت کے لئے چناؤ کی گواہی دی گئی ہو اس کی اتباع کی جانی چاہیے اس کی اتباع سے سوائے اس بیوقوف کے کوئی اعراض نہیں کرے گا جو اصل خلقت کے لحاظ سے بے عقل ہے وہ عمداً جاہلوں جیسا عمل کرتا ہے اور اپنے اختیار سے اور اپنے نفس کو ذلیل و خوار کرتا ہے۔ جہالت کی وجہ سے اور نظر و تامل سے اعراض کر کے **وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ** الخ میں اس کے حسنِ خاتمہ اور اس کے وعدہ کی بشارت ہے ورنہ بہت سے لوگ ہیں جو پہلے وقت تو صالح رہے لیکن ان کا انجام برا رہا اور آخرت میں سخت عذاب میں مبتلا ہوئے۔ جیسے بلعم برصیصا، قارون وغیرہ۔

اِذْ قَالَ لَهٗ کی ظرف اور تعلیل ہے۔ جب اسے کہا: **رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ** اپنے دین کو اپنے رب کے لئے خالص کرو اور اس کے دین پر ثابت قدم رہو۔ یہ اس وقت ہے جب آپ نے غار سے نکل کر ستاروں اور سورج کو دیکھا تو ان کے دل میں اللہ تعالیٰ نے اخلاص الہام فرمایا: **قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ** میں نے اس کے لئے اپنا دین خالص کیا۔ چنانچہ فرمایا: **اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا** جس کا انہیں حکم دیا گیا اسے خلوص اور فرمانبرداری سے پورا کیا اور اپنے قول پر مستقل رہے اپنا جسم و جان اور مال و اولاد سب اسی کے سپرد کر دیا اور جب انہیں جبریل علیہ السلام نے سجدے میں گرتے دیکھا تو فرمایا: اگر کوئی حاجت ہو تو بتایئے آپ نے فرمایا: اگرچہ ضرورت ہے لیکن تجھ سے نہیں۔ جبریل علیہ السلام نے کہا تو پھر اسی سے سوال کیجئے آپ نے فرمایا: اس کا علم میرے حال کو محیط ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کی ولادت کا واقعہ: مفسرین فرماتے ہیں کہ آپ کی ولادت نمرود بن کنعان کے زمانہ میں

marfat.ocm

ہوئی۔ نمرود پہلا بادشاہ ہے جس نے تاج سر پر رکھا اور لوگوں کو اپنی عبادت کا حکم دیا۔ اس نے نجومی اور کاہن رکھے ہوئے تھے۔ انہوں نے خبر دی کہ اسی سال ایک لڑکا تیرے شہر میں فلاں طرف سے پیدا ہونے والا ہے جو اہلِ ارض کے دین کو تبدیل کر کے تجھے ہلاک کر دے گا اور تیرا ملک بھی چھین لے گا۔ نمرود نے سنتے ہی اسی سال شہر کی اس جانب کے تمام نومولود بچے ہلاک کرنے کا حکم دے دیا۔ جب ابراہیم علیہ السلام کی ولادت کا وقت قریب ہوا تو آپ کی والدہ ماجدہ وہاں سے بھاگ کر ایک خشک نہر میں پہنچیں۔ اس خطرہ سے کہ شاید بچے کو ذبح کر دیا جائے۔ جب آپ پیدا ہوئے تو ماں نے ایک کپڑے میں لپیٹ کر حلفاء میں رکھ دیا۔ حلفاء ایک گھاس کا نام ہے جو پانی میں پیدا ہوتی ہے۔ جسے ترکی زبان میں حصیر قمشی کہتے ہیں۔ واپس آ کر آپ کے باپ کو اطلاع دی اور بتایا کہ بچہ فلاں جگہ پڑا ہے۔ انہوں نے وہاں جا کر بچے کو اٹھایا اور زمین میں ایک گڑھا کھود کر مکان کی طرح بنا کر ابراہیم علیہ السلام کو اس میں چھپا دیا تا کہ درندوں سے محفوظ رہیں۔ اور اس گڑھے کے اوپر پتھر رکھ دیا۔ آپ کی والدہ ماجدہ روزانہ آ کر آپ کو دودھ پلا جاتیں۔ شباب قوت کے لحاظ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک دن دیگر لڑکوں کی نسبت ایک ماہ کے برابر ہو جاتا تھا اور ایک ماہ سال کے برابر۔ آپ اس غار میں پندرہ ماہ یا سات یا اس سے زائد رہے۔ جب آپ اس غار میں نوجوان ہوئے اپنے ماں سے پوچھا: میرا رب کون ہے؟ والدہ نے کہا: میں ہوں۔ آپ نے پوچھا: تیرا رب کون ہے؟ اس نے کہا: تیرا باپ۔ آپ نے فرمایا: اس کا رب؟ بی بی نے فرمایا: چپ رہو۔ اس کے بعد واپس چلی گئی۔ اور اپنے شوہر کو کہا کہ واقعی بات سچی ہوئی کہ جو بچہ اہل ارض کے دین کو تبدیل کر دے گا وہ یہی ہے۔ آپ کا سارہ گزشتہ واقعہ سنایا۔ پھر آپ کے باپ یعنی چچا آذر آئے۔ ابراہیم علیہ السلام نے انہیں فرمایا: تیرا رب کون ہے؟ کہا: نمرود۔ آپ نے فرمایا: نمرود کا رب کون ہے؟ آذر نے آپ کے منہ پر طمانچہ دے مارا اور کہا: چپ ہو جاؤ۔ پھر رات ہوئی تو غار کے دروازے کے قریب ہو کر پتھر کے سوراخ میں سے آسمان اور اس کے مافیہا (یعنی ستاروں وغیرہ) کو دیکھ کر آسمان و زمین کی پیدائش میں تفکر کیا اور کہا: بیشک وہ ذات جس نے مجھے پیدا کیا مجھے روزی اور پانی عطا کیا میرا رب ہے۔ میں اس نے ماسوا کی پرستش ہرگز نہیں کروں گا۔ پھر آسمان کو دیکھ کر ستارے پر غور فرما کے سوچا کہ یہی میرا رب ہے۔ اسے دیکھتے رہے حتی کہ وہ غائب ہو گیا تو فرمایا: میں گم ہونے والے سے محبت نہیں کرتا۔ پھر چاند کو دیکھا پھر سورج کو۔ وہ بھی غائب ہو گئے تو آپ نے وہی فرمایا: جو ستاروں کے بارے میں فرمایا تھا۔

ف: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس واقعہ کو بعض نے اس کے ظاہر پر محمول فرمایا ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ چونکہ اس

marfat.ocm

وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام توحید کی تلاش میں تھے اس لیے یہ کہہ دیا، بنابریں ان کا یہ کہنا کوئی غلطی نہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے توحید کی راہ کھول دی۔ از راہِ استدلال اس میں کوئی برائی نہیں۔ بعض نے فرمایا کہ آپ اس وقت بچے تھے اور بچے مرفوع القلم ہوتے ہیں لہٰذا ان کا یہ کہنا کفر نہ ہوگا۔ متاخرین نے ان تقریروں کا انکار کیا ہے۔ اس لیے کہ جب یہ کلمات کفریہ ہیں تو پھر ان سے کیسے متصور ہوسکتا ہے کہ وہ عقیدہ رکھیں کہ یہ ستارے وغیرہ خدا ہیں اور یہ عقیدہ ہمیشہ کفر ہے خواہ طفولیت کا دور ہو یا بعد کا۔ انہوں نے اس کا مطلب کچھ اور بیان کیا ہے۔ جس کی تفصیل امام محی السنۃ کی تفسیر سورہ انعام میں موجود ہے۔

خلاصہ تفسیر: ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کو پورے طور مانا اور وہ صحیح راستہ پر تھے۔ لہٰذا اب جو بھی ان کی اقتدا نہ کرے گا وہ احمق ہوگا۔ یعنی جیسے انہوں نے انفس و آفاق میں تفکر کیا ویسے کرنا چاہیے۔

کما قال تعالیٰ: وَفِيٓ أَنفُسِكُمۡۚ أَفَلَا تُبۡصِرُونَ

ف: سفاہت بمعنی جہالت وضعف الرائی۔ ہر سفیہ جاہل کرتا ہے کیونکہ جو غیر اللہ کی پرستش کرتا ہے اس جیسا احمق اور کون ہوگا اس نے یہ نہ جانا کہ ہم سب کا خالق اللہ ہے۔

ف: جس نے خود کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔

ف: اخبار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی طرح وحی بھیجی کہ اپنے آپ کو عاجز وکمزور اور ضعیف سمجھ اور اللہ تعالیٰ کو قادر اور صاحب بقاء۔ مثنوی شریف میں ہے کہ:

چیست تعظیم خدا افروشتن — خویشتن را خاک وخواری داشتن
چیست توحید خدا آموختن — خویشتن در پیش واحد سوختن
ہست در ہست آں ہستی نواز — ہمچو مس در کیمیا اندر گداز
جملہ معشوق است عاشق پردہ — زندہ معشوقست وعاشق مردہ

ترجمہ: ۱: تعظیم الٰہی یہ ہے کہ اسے بلند سمجھا جائے اور خود کو خاک وخواری میں ملایا جائے۔

۲: توحید الٰہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پہچانا جائے اور اپنے آپ کو اس کے آگے جلا کر راکھ بنا دیا جائے۔

marfat.ocm

۳: اس کی ہستی میں ہمارے وجود کی وہی کیفیت ہے جیسے تانبہ کیمیا میں مل کر کیمیا بن جائے۔

۴: تمام عالم معشوق ہے عاشق صرف پردہ ہے زندہ تو صرف معشوق ہے اور عاشق تو مردہ ہے۔

وَوَصّٰى بِهَآ **وصط**: جب ابراہیم علیہ السلام خود کمال کو پہنچے تو دوسروں کو بھی اکمل بننے کی وصیت فرمائی۔

یعنی کسی کے سامنے وہ امر پیش کرنا جس میں قولاً و فعلاً بہتری ہو بطریق تفضل و احسان کے۔ خواہ وہ امر دینی ہو یا دنیوی۔

بِهَآ یعنی بملۃ جو وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ میں مذکور ہوئی ہے۔

اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ بعض کے نزدیک اپنی اولاد ذرینہ میں سے آٹھ افراد کو وصیت فرمائی۔

☆..... اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ہاجرہ۔ ☆..... اسحٰق علیہ السلام اور ان کی والدہ سارا۔

باقی چھ کو قطورا بنت یقطن کنعانیہ سے تھے۔ اس کے ساتھ ابراہیم علیہ السلام نے بی بی سارا کے انتقال کے بعد نکاح کیا اور چھ لڑکے پیدا ہوئے۔

☆...... مدین ☆...... مدائن ☆...... زمران

☆...... یقشان ☆...... یشبق ☆...... نوح

وَيَعْقُوْبُ مرفوع ہے اور اِبْرٰهٖمَ پر عطف ہے۔ یعنی یعقوب علیہ السلام نے بھی وصیت فرمائی تھی۔ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام کے بارہ صاحبزادے تھے:

☆...... ومیل ☆...... شمعون ☆...... لاوی

☆...... یہودا ☆...... یسعوخر ☆...... زبولون

☆...... زوانا ☆...... نفتوتا ☆...... کوزا

☆...... روشیر ☆...... بنیامین ☆...... یوسفؑ

یعقوب علیہ السلام کی وجہ تسمیہ:۔

یعقوب کو اس نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ اپنے بھائی عیصو کے ساتھ جوڑا ہو کر ایک بطن سے پیدا ہوئے۔ عیصو نے عجلت کر کے پہل کی آپ اس کے پیچھے آئے۔ عقب بمعنی پیچھے آنا۔

واقعہ یوں ہے کہ یعقوب علیہ السلام کی والدہ بیک وقت دو بچوں سے حاملہ ہو گئیں۔ جب حمل کی مدت پوری

marfat.ocm

ہونے کے بعد وضع حمل کا وقت مقرر قریب آیا تو یہ دونوں پیٹ کے اندر بول رہے تھے ان کی والدہ ان کی باتیں سن رہی تھی۔ ایک دوسرے سے کہتے کہ پہلے مجھے راستہ دو میں باہر جاتا ہوں۔ ان میں سے ایک نے کہا: اگر تو نے مجھے راستہ نہ دیا تو میں ماں کے پیٹ کو چاک کر کے کمر کی طرف سے نکل جاؤں گا۔ دوسرے نے کہا: اتنی غلطی نہ کرو۔ پہلے تمہی چلے جاؤ۔ لیکن والدہ ماجدہ کی جان نہ گنواؤ۔ والدہ دونوں کی بات سن کر رہی تھی۔ پہلے پیدا ہونے والے کا نام عیصور کھا کیونکہ اس نے پیٹ میں نافرمانی کی تھی اور دوسرے کا نام یعقوب رکھا بوجہ پیچھے آنے کے۔ عیصو میں تو سختی اور شدت تھی۔ وہ دائما شکاری رہا۔ یعقوب علیہ السلام میں شفقت و نرمی تھی، ہمیشہ کھیتی باڑی میں مصروف رہتے۔

اعجوبہ: بعض روایات میں آیا ہے کہ جیسے وہ دونوں ایک ہی دن پیدا ہوئے اسی طرح ایک ہی دن فوت ہوئے اور بعض روایات میں آیا ہے کہ یعقوب علیہ السلام کی ایک سو سینتالیس سال عمر تھی اور مصر میں انتقال ہوا آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ بیت المقدس میں دفن کیا جائے۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کے قریب یوسف علیہ السلام نے انہیں اٹھا کر حسب وصیت دفن کیا۔

یٰبَنِیَّ یہاں قول کا فعل مصریوں کے نزدیک محذوف ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک یٰبَنِیَّ جملہ ہے اور جملہ سوائے افعال قلوب اور قول کے اور کسی فعل کا مفعول نہیں ہوتا۔ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ دین سے اسلام مراد ہے۔ کیونکہ تمام ادیان سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی دین پسندیدہ ہے اور اس کے نزدیک دین صرف یہی دین اسلام ہے۔ فَلَا تَمُوْتُنَّ تمہیں موت نہ آئے لیکن اس خیال میں: اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ کہ تم مخلصین بالتوحید اور اپنے رب سے نیک گمان کرنے والے ہو۔ اس میں بظاہر موت سے نہی ہے۔ لیکن حقیقت میں ترک اسلام سے نہی مطلوب ہے کیونکہ موت ان کے ہاتھ میں نہیں تھی۔

ماحصل واقعہ یوں ہے کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام مصر میں تشریف لائے تو وہاں کے لوگوں کو اصنام پرستی میں مبتلا پایا۔ بنا بریں اپنی اولاد کو اسلام پر ثابت قدمی کی وصیت فرمائی کیونکہ ان کی موت کہ جس میں ثبات علی الاسلام نہ ہو اس موت میں کوئی خیر نہیں۔ کیونکہ ایسی موت سعادت مندوں کی موت نہیں ہے اس لیے کہ موت کے حقوق سے ایک حق یہ ہے کہ اس میں کسی قسم کا خلل نہ ہو۔

سوال: وصیت میں بیٹوں کی خصوصیت کیوں، حالانکہ ابراہیم علیہ السلام کے خصائل میں سے تو یوں ہونا چاہیے کہ وہ تمام

marfat.ocm

لوگوں کو دین و اسلام کی طرف بلائیں؟

جواب: اس طرف اشارہ ہے کہ امر اسلامی افضل ترین امور سے ہے کہ جس میں اہتمام کیا جائے۔ چنانچہ اپنے قریبی لوگوں کو وصیت فرما رہے ہیں جو کہ شفقت و محبت اور ارادہ خیر کے زیادہ مستحق دلائل ہیں۔ علاوہ ازیں اپنی اولاد کی اصلاح عام لوگوں کی اصلاح کا موجب ہے کیونکہ متبوع اپنے جمیع احوال میں اچھا ہو جائے تو اس کے تابع بھی اچھے ہو جاتے ہیں

حدیث شریف: جب آیہ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ نازل ہوئی تو حضور علیہ السلام نے اپنے اقارب کو جمع کر کے نصیحت فرمائی کہ اے بنی کعب بن لوی! اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ۔ اے بنی مرہ کعب! اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ اے بنی عبد شمس! اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ۔ اے بنی عبد المطلب! اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ۔ اے فاطمہ! اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ۔ کیونکہ میں تمہارے لیے کسی قسم کا مالک نہیں ہوں یعنی میں قادر نہیں ہوں کہ آخرت میں تم سے کوئی دفع کر سکوں اگر اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دینے کا ارادہ کرلے تو میں اس کی سفارش کروں گا جس کی مجھے اجازت ہوگی۔ مجھے ان کی سفارش کی اجازت نہ ہوگی جن کے لئے وہ عذاب دینے کا ارادہ کرے یعنی کافر کے لئے۔

ف: یہ کلمات حضور علیہ السلام نے محض ایمان و عمل کی ترغیب کے لئے فرمائے ہیں تا کہ کوئی قرابت و رشتہ داری پر بھروسہ کر کے عمل صالح میں سستی نہ کرے۔ اسی لیے دین کے معاملہ میں وصیت ضرور کرنی چاہیے کیونکہ جب کوئی اہل شر سے مانوس ہوتا ہے تو اسے خوف ہوتا ہے کہ کہیں اس میں بھی وہ عادت نہ آ جائیں جن سے وہ جہنم کا ایندھن بن جائے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

نفس از ہم نفس بگیرد خوے　　پُر حذر باشی از لقائے خبیث
باد چوں بر قضائے بد گزرد　　سوئے بد گیرد از ہوائے خبیث

ترجمہ: ۱۔ ایک نفس دوسرے نفس سے خصلت لیتا ہے لہٰذا خبیث انسان کے میل جول سے بچیے۔
۲۔ ہوا جب بدبودار جگہ سے گزرتی ہے تو اس خبیث طرف سے بدبو لے کر جاتی ہے۔

ف: ابو عبید صوری نے اپنے بعض احباب کو لکھا کہ اگر تو نے اللہ تعالیٰ سے درازی عمر چاہی تو پھر تیرے اندر برے اعمال کی آرزو بھی پیدا ہو جائے گی اب سرے سے آرزو کو ہی دبا دے۔

marfat.ocm

مسئلہ: حال کی اصلاح ہو تو پھر حسنِ ظن بھی فائدہ دیتا ہے۔

ف: حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بہت لوگ آرزو میں پھنسے رہتے ہیں یہاں تک کہ مرتے وقت نیکیوں سے خالی ہاتھ جاتے ہیں۔

مسئلہ: جو شخص یوں کہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی رحمت پر حسنِ ظن ہے وہ غلط کہتا ہے جبکہ اس کے اعمال برے ہوں۔ چنانچہ آیت وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ سے معلوم ہوتا ہے۔

یا اللہ! ہمیں مرنے سے پہلے علم و عمل کی توفیق عطا فرما۔

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ یہ حکم ان اہل کتاب کو ہے جو ابراہیم علیہ السلام سے روگردان تھے اور اَمْ منقطعہ ہے جو بل اور ہمزہ کے ساتھ مقدر ہے۔ تیسیر میں فرمایا کہ اَمْ سے پہلے اگر ہمزہ استفہام نہ ہو تو وہ بمنزلہ استفہام کے ہوتا ہے اور یہ ہمزہ استفہام انکار کے لئے ہے۔ یعنی کیا تم حاضر تھے۔ شُهَدَآءَ شہید کی جمع ہے بمعنی حاضر۔ معنی یہ ہوا کہ تم حاضر نہیں تھے اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ یعنی اس پر موت کے علامات واسباب پائے گئے اور روح کے خروج کا وقت قریب آیا۔

شانِ نزول: جب یہود نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ آپ نہیں جانتے کہ یعقوب علیہ السلام کا جب انتقال ہوا تو اپنی اولاد کو یہودیت کی وصیت فرمائی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم ان کے وصال شریف کے وقت حاضر نہیں۔ تمہیں کیا خبر کہ انہوں نے کیا فرمایا۔ ورنہ تم ایسا دعویٰ نہ کرتے بلکہ ملتِ اسلام پر تمہیں حرص ہوتی۔

اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ، اِذْ حَضَرَ سے بدل ہے اور اس کا عامل شُهَدَآءَ ہے۔ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ یعنی میرے انتقال کے بعد تم کس کی عبادت کرو گے۔ اس سے ان کی اسلام و توحید پر ثابت قدمی مقصود تھی۔

امام راغب فرماتے ہیں کہ یعقوب علیہ السلام کا ارادہ عبادت سے عبادتِ مشروعہ کا نہیں تھا بلکہ یہ ارادہ فرمایا کہ تمہارا ہر عمل اس کی رضا کی خاطر ہو اور جو عمل اس کی راہ سے روکے اسے چھوڑ دو۔ گویا انہیں اس بات کی دعوت دی کہ اپنے اعمال میں سوائے اس ذات باری تعالیٰ کی رضا کسی کی خوشنودی کو جگہ نہ دو اور ان سے یہ خوف بھی نہ تھا کہ وہ بتوں کی پرستش میں مبتلا ہو جائیں گے۔ بلکہ اس خوف میں تھے کہ دنیوی امور میں منہمک ہو جائیں گے اسی لیے کہا جاتا ہے:

جو شے اللہ تعالیٰ کی راہ سے پھیر دے اس کا نام طاغوت ہے۔

اسی لیے فرمایا: وَاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ یعنی ماسوا اللہ کی خدمت کریں۔

مثنوی شریف میں ہے:۔

چیست دنیا از خدا غافل بدن
نے قماش و نقرہ و میزان وزن

ترجمہ: دنیا کیا ہے اللہ تعالیٰ سے غافل ہونا نہ کھیل تماشہ نہ دنیا دولت اور نہ عورت وغیرہ۔

قاعدہ: علامہ تفتازانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مَا عام ہے۔ یعنی ضرورت کے وقت ذوی العقول وغیرہ پر اس کا اطلاق جائز ہے۔ خواہ استفہام کے لئے ہو یا غیر استفہما کے لئے اور سب کو معلوم ہے کہ مَنْ ذوی العقول والعلم کے لئے آتا ہے۔ یہی فرق ہے مَنْ و مَا میں کہ مَنْ ذوی العقول کے لئے آتا ہے اور مَا غیر ذوی العقول کے لئے۔

یہاں علامہ کا کلام ختم ہوا۔ یہاں ان کی انکار کی تردید ہو گئی اور ان کے گمان کے خلاف بیان نکلا کہ یعقوب علیہ السلام نے یہودیت کی نہیں بلکہ توحید کی وصیت فرمائی تھی۔

قَالُوْا گویا کہا گیا کہ انہوں نے کیا جواب دیا۔ تو فرمایا: نَعْبُدُ اِلٰھَکَ وَاِلٰہَ اٰبَآئِکَ اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ ہم اس معبود کی عبادت کرتے ہیں جس کے واجب الوجود ہونے پر اور اس کی الوہیت اور عبادت پر اتفاق ہے۔

سوال: حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اس کے آباء میں کیوں گنا گیا ہے حالانکہ وہ تو یعقوب علیہ السلام کے چچا تھے۔

جواب: ۱۔ جد کی وجہ سے تغلیباً انہیں بھی آبا میں شمار کیا گیا۔

جواب: ۲۔ چچا بمنزلہ باپ کے ہوتا ہے جیسے خالہ بمنزلہ ماں کے ہوتی ہے کیونکہ وہ دونوں ایک ہی تاگ کے دانے ہوتے ہیں بوجہ اخوت کے اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے عم الرجل صنو ابیہ۔ (چچا بمنزلہ باپ کے ہے)

یعنی وہ ایک ہی ہیں۔ جیسے کھجور کے درخت ایک تنے میں ہوتے ہیں یہ بھی اسی طرح ہیں۔

اِلٰھًا وَّاحِدًا ایک ہی معبود کی پرستش کریں گے۔ اِلٰھًا وَّاحِدًا۔ اِلٰہَ اٰبَآئِکَ سے بدل ہے۔

سوال: اسے بدل بنانے سے کیا فائدہ؟

جواب: ۱۔ توحید کے متعلق پوری تصریح مقصود ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ ان کا کوئی اور معبود ہوگا۔

جواب: ۲۔ اس وہم کا دفعیہ کہ اِلٰہَ اٰبَآئِکَ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ عوام کا معبود اور ہے اور ان کو کوئی اور ہے اس لیے کہ اِلٰہَ کو اٰبَآئِکَ سے مضاف اور پھر اسے منصوب پڑھنے سے اختصاص پیدا ہو جاتا ہے۔ گویا اب یوں کہا گیا ہے کہ اِلٰہَ اٰبَآئِکَ

marfat.ocm

سے ہماری مراد وہ ایک معبود ہے نہ کوئی اور۔

وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ اور ہم اسی کو ہی مانیں گے۔ یہ جملہ نَعْبُدُ کے فاعل سے حال ہے۔ تِلْكَ امت مذکورہ کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی حضرت ابراہیم واسماعیل واسحٰق ویعقوب علیہم السلام اور ان کی اولاد جو اہل توحید تھے

اُمَّةٌ امت بمعنی مقصود، جیسے عہدہ بمعنی معہود ہے۔ جماعت کو امت اس لیے کہا جاتا ہے کہ لوگ اپنے دینی معاملہ میں انہیں مقصود سمجھتے ہیں اور شرعی امور میں انہی کی اقتدا کرتے ہیں۔ تِلْكَ مبتدا اور اُمَّةٌ اس کی خبر ہے۔ قَدْ خَلَتْ وہ بھی چل بسے۔ یعنی انہیں موت نے گھیر لیا اور اپنے عزیزوں سے بچھڑ گئے۔ اصل میں خَلَتْ بمعنی جنگل کے ایسے کونے میں چلے جانا جہاں کوئی ساتھی نہ ہو۔ قَدْ خَلَتْ، اُمَّةٌ کی صفت ہے۔

لَهَا مَا كَسَبَتْ انہیں وہ ملے گا جو وہ عمل کریں گے۔

سوال: مسند کو مسند الیہ پر کیوں مقدم کیا؟

جواب: صرف اس لیے کہ مسند مسند الیہ کے لیے محصور ہے یعنی انہیں صرف وہی ملے گا جو انہوں نے عمل کیا۔

وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ اور تمہیں وہی ملے گا جو تم عمل کر رہے ہو نہ کہ کسی دوسرے کا۔ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ان کے اعمال کی وجہ سے تمہارا مواخذہ نہیں ہوگا۔ چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا: لَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا اَجْرَمْنَا (ہمارے جرموں کے متعلق تم سے سوال نہیں ہوگا) (اس طرح مجرمین کہیں گے)

شانِ نزول: جب یہودیوں نے دعوی کیا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام تو یہودیت پر مرے ہیں اور انہوں نے مرتے وقت اپنی اولاد کو بھی یہودیت پر کار بند رہنے کی وصیت فرمائی تھی تو ان کا یوں رد کیا گیا۔

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ

پھر انہوں نے کہا ہاں بات اسی طرح ہے لیکن ہمیں فخر تو ہے کہ ہم ان حضرات کی اولاد سے ہیں اور ہمیں ان کی اس نسبت سے بہت فائدہ ہوگا۔ اس کا بھی رد ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نسب کا کوئی فائدہ نہیں۔ وہاں اعمال صالح اور تقویٰ وطہارت کی ضرورت ہے۔

چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے بنو ہاشم! میرے ہاں اعمال لے کر آؤ، جس کے پاس اعمال نہیں اسے نسب کوئی فائدہ نہیں دے گا۔"

marfat.ocm

یعنی جس نے توشہ آخرت تیار نہیں کیا، برائی میں وقت بسر کیا اور صالح اعمال کوئی نہ کیا تو نسب اسے کوئی فائدہ نہ دے گا لہٰذا نسب پر فخر نہیں کرنا چاہیے۔ کسی شاعر نے خوب فرمایا:

اتفخر باتصالک من علیّ واصل البؤسة الماء القراح
ولیس بنافع نسب زکیّ یُدَنِّسُهٗ صنائعک القباح

ترجمہ: کیا تجھے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نسب کے اتصال کا فخر ہے ہر ایک کی اصل پانی ہے۔
پاکیزہ نسب کوئی فائدہ نہ دے گی جبکہ اسے تیرے گندے کردار گرد آلود بنا چکے ہیں۔

ف: اگرچہ اولاد اپنے آباء سے نفع پاتی ہے لیکن نفخ صور کے بعد نسب کا معاملہ ختم ہو جائے گا۔ اس پر فخر کرنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ یہ تو ایسے ہے جیسے کسی دوسرے کے اسباب پر فخر کا اظہار کیا جائے۔ اگر کوئی ایسا کرے تو اسے پاگل کہا جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ نیکی میں نیتِ خالص کا ہونا ضروری ہے۔ یہی بات اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات دلانے والی ہے۔

حدیث شریف: ایک طویل حدیث میں وارد ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں نے گزشتہ شب خواب میں ایک عجیب بات دیکھی، وہ یہ کہ میرے ایک امتی کے پاس ملک الموت تشریف لائے اور ان کی روح قبض کرنے لگے۔ وہ والدین کا فرمانبردار تھا۔ اس لیے اسے مہلت مل گئی۔ ایک دوسرے کو دیکھا کہ اس پر عذابِ قبر کا حملہ ہوا، وہ چونکہ وضو پر مداومت کرتا تھا اس لیے عذابِ قبر سے بچ گیا۔ ایک اور کو دیکھا جس پر شیاطین حملہ آور ہوئے وہ چونکہ ذکر اللہ کا عادی تھا اس لیے ان کے شر سے بچ گیا۔ ایک اور کو دیکھا جسے عذاب کے فرشتے ڈرانے لگے چونکہ وہ نمازی تھا اس لیے عذاب کے فرشتے دور ہو گئے۔ ایک اور کو دیکھا کہ وہ پیاس سے جاں بلب تھا اور میرے حوض سے بھی اسے ہٹا دیا گیا، وہ چونکہ روزے رکھتا تھا اس لیے روزہ نے آ کر اسے جامِ طہور پلایا اور بالکل سیراب کر دیا۔ ایک اور منظر سامنے آیا۔ وہ یہ کہ انبیاء علیہم السلام حلقہ بنا کر تشریف فرماتے میرا ایک امت ان کے قریب ہونا چاہتا تھا لیکن اسے دور بھگا دیا گیا تھا۔ چونکہ وہ غسلِ جنابت میں کبھی سستی نہیں کرتا تھا اس لیے عمل نے اسے پکڑ کر میرے قریب بٹھا دیا۔ ایک اور امتی کو میں نے دیکھا کہ اس کے دائیں بائیں، آگے پیچھے، اوپر نیچے اندھیرا ہی اندھیرا ہے اور وہ اس حالت میں حیران

marfat.ocm

و پریشان ہے اس کا حج اور عمرہ اسے اجالے میں لے گئے اور وہ ہمیشہ کے لیے مسرور و مفروح ہو گیا۔ اسی طرح ایک اور امتی کو دیکھا کہ وہ مومنین سے بولتا ہے لیکن وہ اس سے بات نہیں کرتے اس کا صلہ رحمی کا ایک عمل آیا اس نے مومنین سے کہا بھائیو! اس سے کلام ضرور کرو۔ ایک اور کو دیکھا کہ جس کے منہ پر آگ چڑھتی ہے جسے وہ ہاتھ سے ہٹاتا ہے لیکن پھر بھی اس سے بچ نہیں پاتا۔ اس کا صدقہ آ کر اسے بچا لیتا ہے اور اس آگ کے سامنے پردہ بن کر اس کے سر پر چھتری کی طرح کھڑا ہو جاتا ہے۔ ایک اور کو دیکھا کہ دوزخ کے فرشتے اسے ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں لیکن اس نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا عمل کیا تھا جس سے وہ بچ گیا اور یہ دونوں عمل اسے وہاں سے لے کر رحمت کے فرشتوں کی جماعت میں لے گئے اور ایک کو دیکھا کہ وہ گھٹنوں کے بل پڑا ہے اس کے اور اللہ تعالیٰ کے مابین پردہ ہے اور وہ دیدار الٰہی سے محروم ہے اس کا حسنِ خلق آیا اس نے اسے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر دیا۔ ایک اور کو دیکھا کہ اس کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں پکڑا گیا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا تھا اس لیے اس کے اسی خوف نے اس کا نامہ اعمال لے کر اس کے دائیں ہاتھ پکڑا دیا اور ایک کو دیکھا کہ اس کے اعمال نامہ کے ترازو میں نیکی کا پلڑا ہلکا ہے۔ تو اس کی وہ اولاد جو بچپن میں فوت ہوئی اس کے نیکی کے پلڑے میں بیٹھ گئی۔ جس سے اس کا نیکی کا پلڑا بوجھل ہو گیا اور ایک کو دیکھا کہ وہ جہنم کے کنارے تک پہنچ گیا ہے۔ لیکن وہ اللہ تعالیٰ ڈرتا تھا اسی ڈر نے اسے بہشت کے دروازے پر پہنچا دیا۔

ایک اور کو دیکھا کہ اسے جہنم میں جھونکا جا رہا ہے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے گریہ کرتا تھا اس کے وہی آنسو آئے اور اسے جہنم سے بچا لے گئے۔ ایک اور کو دیکھا کہ وہ پل صراط سے گزر رہا ہے لیکن لرزہ طاری ہے قریب ہے کہ وہ گر کر جہنم رسید ہو۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دنیا میں نیک گمان رکھتا تھا، اس نیک عمل کی وجہ سے لرزہ ختم ہو گیا اور پل صراط سے باسلامت گزر گیا۔ ایک اور کو دیکھا کہ وہ پل صراط پر گزر رہا ہے کسی وقت تو وہ رینے لگ جاتا ہے اور کبھی چھلانگیں لگاتا ہوا جاتا ہے اور کبھی پل صراط سے چمٹ جاتا ہے اور گزر نہیں سکتا۔ اس کی نماز آئی اور اس کا ہاتھ تھام کر سلامت پل صراط سے پار لے گئی۔ ایک اور کو دیکھا کہ وہ بہشت کے دروازے تک پہنچ گیا ہے لیکن اس کے آگے دروازے بند کیے جاتے ہیں۔ کلمہ شہادت آتا ہے بہشت کے دروازے کھلوا کر اسے بہشت میں لے جاتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بھی خلوص قلب سے کلمہ شہادت پڑھتا ہے وہ ضرور بہشت میں جائے گا۔

عرض کیا گیا: حضور! اخلاص کس طرح سے ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے محارم سے بچ کر رہنا۔

marfat.ocm

ف: اس طویل حدیث سے معلوم ہوا کہ اگرچہ نجات اللہ تعالیٰ کے فضل سے نصیب ہو گی لیکن اس کا دارومدار اعمال صالح پر ہے۔

مسئلہ: اگر برے عمل ہوں تو قرابت بھی کوئی فائدہ نہیں دے گی۔

سوال: کسی شاعر نے کہا:

اِذَا طَابَ اَصْلُ الْمَرْءِ طَابَتْ فُرُوْعُهٗ

(جب کسی کی اصل اچھی ہے تو اس کی اولاد بھی اچھی)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نسب سے فائدہ حاصل ہو گا۔

جواب: یہ شعر ضابطہ کے طور پر نہیں بلکہ اکثریت پر مبنی ہے کیونکہ وہ مالک مُردے کو زندہ سے اور زندہ کو مُردے سے زندہ فرماتا ہے۔ کسی نے کیا خوب فرمایا:

اصل را اعتبار چنداں نیست   روئے تر گل زخار خنداں نیست
می زغورہ شود شکر از نے   عسل از نحل حاصلت بقے

ترجمہ: اصل کا کوئی اعتبار نہیں گل کا چہرہ کانٹے سے خوش نہیں۔
شراب نچوڑ (انگور وغیرہ) سے اور شکر نے سے بنتی ہے شہد مکھی کی قے سے حاصل ہوتا ہے۔

ف: اگر بتی بھی ایک لکڑی ہے لیکن اس سے خوشبو مہکتی ہے اگرچہ وہ بھی درخت ہے لیکن خوشبو کی وجہ سے اس کی لکڑی تمام لکڑیوں سے فائق ہو گئی۔ چونکہ اس میں اس کی استعداد ہے اسی لیے اتنا بڑا مرتبہ حاصل کر کے اپنے ابنائے جنس سے ممتاز ہو گئی۔ ایسے ہی مشک کا حال ہے کہ وہ بھی خوشبودار ہے۔ بہت تھوڑے لوگ ہیں جو اپنے اصل عہدے کو سنبھال سکیں۔ اسی طرح بالعکس ہو جاتا ہے کہ باپ اگرچہ فاسق ہوتا ہے لیکن بیٹا بلند پایہ متقی۔ اس کا اندرونی فساد بیٹے پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ اصل اچھی ہو تو کچھ ضروری نہیں کہ فرع بھی اسی طرح ہو۔ بہت کم ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ فرع اصل کے مطابق ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام کیسے تھے اور ان کے دو صاحبزادے ہابیل اور قابیل کیسے ہوئے۔ اسی طرح تا قیامت یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى

marfat.ocm

شانِ نزول: مدینہ کے یہود اور نجران کے سرداروں کے متعلق نازل ہوئی۔ یعنی یہود کہتے ہیں کہ یہودی ہو جاؤ۔ کیونکہ ہمارے نبی موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ جو افضل الانبیاء ہیں۔ اور ہماری کتاب تورات ہے جو تمام کتابوں سے افضل ہے اور ہمارا دین بھی تمام ادیان سے افضل اور انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے ساتھ کفر کیا اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ نصرانی ہو جاؤ کیونکہ ہمارے نبی عیسیٰ علیہ السلام تمام نبیوں نے افضل ہیں اور ہماری کتاب انجیل جو افضل الکتب ہے اور ہمارا دین بہترین ہے۔ انہوں نے بھی موسیٰ علیہ السلام اور تورات اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے ساتھ کفر کیا۔

تَهْتَدُوْا امر کا جواب ہے۔ یعنی اسی طرح ہو جاؤ تو گمراہی سے ہدایت پالو گے۔

قُلْ اے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بطریق تردید کے فرمایئے کہ جو تم کہتے ہو ہم نہیں ہوں گے۔ **بَلْ** بلکہ ہم تو ہوں گے **مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ** ابراہیم علیہ السلام کی ملت و دین پر۔ اصل یہاں مضاف محذوف ہے۔ فرماؤ کہ ابراہیم علیہ السلام کی ملت کے فرمانبردار ہوں گے۔ **حَنِيْفًا** ہر باطل دین سے ہٹ کر دین حق کی طرف رجوع کرنے والے اور یہودیت ونصرانیت سے دور رہنے والے۔ یہ مضاف الیہ سے حال ہے یعنی ابراہیم سے جیسے اس عبارت میں رأیت فی وجه هند هنده کے منہ کو دیکھنا سے دیکھنا ہے۔ یہاں پر حال مفعول یا مضاف بمعنی ملت کی ہیئت بیان کرتا ہے۔ **حَنِيْفًا** کو مذکر لایا گیا ہے۔ ملت کو دین سے مؤول کر کے، کیونکہ وہ دونوں ذاتی طور پر متحد ہیں اگرچہ اعتبارا مختلف۔ **وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ** وہ مشرکین سے نہیں تھے۔ یہ جملہ بطور تعریض کے ہے اور انہیں ان کے دعویٰ کے بطلان کا پتا دیتا ہے کہ تم جو کہتے ہو کہ ہم ابراہیم علیہ السلام کے فرمانبردار ہیں تو پھر شرک کیوں کرتے ہو۔ وہ تو مشرک نہیں تھے تم عزیر اور مسیح علی نبینا وعلیہما السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہو۔

مسئلہ: آیت میں ابراہیم علیہ السلام کی فرمانبرداری کا حکم ہے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ اور اولیائے ملت رضی اللہ عنہم انہی کی ملت پر ہیں۔

قُوْلُوْٓا اے مومنو تم انہیں کہو۔ **اٰمَنَّا بِاللّٰهِ** ہم اللہ واحد پر ایمان لائے۔ **وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا** اور اس پر ایمان لائے جو ہماری طرف نازل ہوا۔

سوال: آیت میں قرآن کو امت کی طرف کیوں منسوب کیا گیا ہے؟

جواب: امت اپنے نبی علیہ السلام کے تابع ہوتی ہے تابع اور متبوع کا ایک ہی حکم ہوتا ہے۔

وَمَآ اُنۡزِلَ اِلٰۤى اِبۡرٰهٖمَ اور ان صحیفوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر نازل ہوئے اور ان احکام پر بھی ایمان ہے جو وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ حضرت اسماعیل، حضرت اسحٰق، حضرت یعقوب علیہم السلام پر نازل ہوئے۔

وَالۡاَسۡبَاطِ اور جو کچھ ان کی اولاد پر نازل ہوا اس پر بھی ہمارا ایمان ہے۔

اسباط سبط کی جمع ہے اور سبط دراصل اس درخت کو کہتے ہیں جس کی بہت سی ٹہنیاں ہوں اور یہاں حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد مراد ہے۔ وہ بارہ تھے۔ انہیں اسباط اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان ہر ایک کی اولاد کثرت سے ہوئی اور سبط پوتے کو کہتے ہیں۔ بنی اسرائیل کے لئے اسباط کا اطلاق ایسے ہے جیسے عرب کے لئے قبائل کا اطلاق ہوتا ہے اور شعوب عجم کے لئے یعنی وہی قبیلے جو ماں باپ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ اسباط میں انبیاء علیہم السلام تھے ان پر صحیفے بھی نازل ہوئے۔

سوال: صحیفے تو صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اترے پھر اسباط کی طرف صحف کی نسبت کیسی؟

جواب: چونکہ وہ حضرات سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے صحائف پر عمل کرتے ان کی طرف نسبت کا جواب وہی ہے جو وَمَآ اُنۡزِلَ اِلَيۡنَا میں گزرا۔ یعنی تابع اور متبوع کا ایک ہی حکم ہوتا ہے۔

وَمَآ اُوۡتِىَ مُوۡسٰى وَعِيۡسٰى اور ہمارا ان کتابوں پر ایمان ہے جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر نازل ہوئیں یعنی تورات وانجیل پر۔

سوال: اس آیت میں اسباط کے بعد موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کا نام خصوصی طور پر کیوں لیا گیا؟

جواب: چونکہ نبی علیہ السلام کی گفتگو یہود ونصاریٰ سے تھی، اور وہ ان کے پیروکار تھے اس لیے ان کو مخصوص کر کے بیان کیا گیا۔

وَمَآ اُوۡتِىَ النَّبِيُّوۡنَ اور ہمارا باقی نبیوں پر نازل شدہ کتب پر ایمان ہے خواہ ان کا ذکر قرآن میں ہے یا نہیں۔

مِنۡ رَّبِّهِمۡ ترکیب میں حال کے مقام پر ہے جو ایک محذوف ضمیر سے واقع ہے اصل عبارت یوں تھی:

وما اوتی النبیون منزلاً علیھم من ربھم لانفرق بین احد منھم۔

لَا نُفَرِّقُ بَيۡنَ اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ ہم کسی ایک نبی علیہ السلام میں فرق نہیں کرتے سب پر ہمارا ایمان ہے۔ یہودیوں کی طرح

marfat.ocm

نہیں کہ بعض انبیاء پر ایمان لائیں اور بعض کے ساتھ کفر کریں اور ہم انکار کیسے کر سکتے ہیں جبکہ ہمارے پاس سب پر ایمان لانے کی دلیل موجود ہے۔ کیونکہ ہمیں ان کی خبر ایسے نبی علیہ السلام نے دی ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی تائید سے معجزات کا صدور ہوا ہے۔ اگر ہم بعض انبیاء سے کفر کریں تو پھر اپنے نبی علیہ السلام کے خلاف ہو جائیں اور ایسا ہم سے نہیں ہو سکتا۔ یہ جملہ اٰمَنَّا سے حال واقع ہوا ہے۔

سوال: ایمان لانے کی بات تو کتابوں کے بارے میں ہو رہی تھی اب انبیاء علیہم السلام میں فرق کرنے کا کیا مطلب؟

جواب: جب ان کی کتابوں پر سب کا ایمان ہے تو ان کی ذات میں تفرقہ کا کیا معنیٰ۔ اس لیے واجب ہوا کہ تصریح ہو جائے کہ جس طرح ہمارا ان کی کتابوں پر ایمان ہے اسی طرح ان کی ذات پر بھی ہے اور ایک کے انکار سے سب کا انکار لازم آتا ہے۔

وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ہم سب اسی اللہ تعالیٰ کے لئے گردن جھکانے والے ہیں۔ یعنی حال یہ ہے کہ ہم اس ذات کے لیے مخلص اور یقین رکھنے والے ہیں۔ فَاِنْ اٰمَنُوْا اگر یہود و نصاریٰ ایمان لے آئیں۔ بِمِثْلِ مَآ مثل اس دین کے اٰمَنْتُمْ بِهٖ جس کے ساتھ تم ایمان لے آئے ہو۔ یہ تعجب و تبکیت کے باب سے ہے۔ یعنی مخالف کو الزام دے کر اور اسے حق کے لئے اعتراف کرنے پر مجبور کرنا ہے۔ معاملہ کو ڈھیلا کر کے اس کے جھگڑے کی راہ بند کرنا ہے۔ یہ لفظ مثل زاید کے ہے۔ کیونکہ اٰمَنْتُمْ بِهٖ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے اور اللہ تعالیٰ پاک ہے نہ ہی دینِ اسلام کا کوئی مثل ہے۔

فَقَدِ اهْتَدَوْا بیشک وہ حق کی طرف ہدایت یافتہ اور حقیقت کو پہنچ جائیں گے اور نہ تم ہدایت پا گئے ہو اور تمہارے مابین اتحاد و اتفاق ہو گیا ہے۔ وَاِنْ تَوَلَّوْا اگر جس طور کہ بیان ہوا ہے اس سے روگردان ہو بایں طور کہ اس میں کسی قسم کا خلل پیدا کر دیں کہ بعض پر ایمان لائیں اور بعض سے کفر کریں جیسا کہ ان کا طریقہ ہے۔

فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ یعنی وہ خلاف عظیم میں حق سے بالکل دور ہیں اس سے لازماً تو ہم کیا گیا ہے کہ شاید ان سے اتحاد کا یہ معنیٰ ہے کہ بعض باتوں کو وہ مان جائیں تو پھر تم ان سے مل جاؤ۔ ایسا ہرگز نہ ہو بلکہ جب تک وہ تمام اسلام کی باتوں کا اعتراف نہ کر لیں تم ان سے ملنے کا نام تک نہ لو۔ فِيْ شِقَاقٍ خبر اور هُمْ مبتدا ہے اور فِيْ شِقَاقٍ، هُمْ کی ظرف بھی ہے اور هُمْ، فِيْ شِقَاقٍ کا مظروف ہے۔ بطور مبالغہ کے ایسا کیا گیا کہ وہ اتنے شریر ہیں کہ اختلاف ان پر سوار ہے۔ یہ هُمْ مُخَالِفُوْنَ سے زیادہ بلیغ ہے۔ شقاق شق سے مشتق ہے بمعنی جانب۔ گویا ایک گروہ دوسرے گروہ کی جانب دوسرے

marfat.ocm

کنارے پر ہے بوجہ عداوت کے۔ اور شِقَاقٍ کی تنکیر بتاتی ہے کہ ان سے موافقت کا صدور ممتنع ہے کیونکہ ان کا کام جدال وقتال ہی ہے۔ اور بس۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی اور اہل اسلام کو خوش فرمایا کہ ان کو نصرۃ اور غلبہ کا وعدہ فرمایا اور تائید واعزاز کا ارشاد فرمایا۔

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ کا سین تاکید کے لئے ہے جو دلالت کرتا ہے کہ جو وعدہ دیا گیا وہ ضرور ہو کر رہے گا۔ چنانچہ فرمایا: پس عنقریب تمہاری ان سے کفایت کرے گا۔

حل لغات: فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ کی دونوں ضمیریں منصوب المحل ہیں اس بنا پر کہ یہ دونوں یکفی کا مفعول بہ ہیں جیسے کہتے ہیں: کَفَاهُ مَئُوْنَةً کِفَايَةً. اگرچہ اس کا استعمال متعدی بیک مفعول سے ہے۔

چنانچہ کہا جاتا ہے: کَفَاکَ الشَّیْءُ۔ اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کا ایفا فرمایا کہ بنو قریظہ کو قتل کرایا اور بنی نضیر کو شام کی طرف جلا وطن کیا اور جزیہ وذلت نجران کے نصاریٰ کو دی۔

وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ اور وہ سمیع وعلیم ہے۔ وعدہ کے ایفا کی طرف اشارہ ہے پھر اس کی تاکید بھی ہے۔ کیونکہ معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری سنتا ہے اور تمہاری نیتوں کو جانتا ہے اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا دین غالب ہو تو وہ تمہاری توبہ قبول کر کے تمہیں اپنے مقصود تک پہنچائے گا۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ **حل لغات**: الصبغ: جس سے کپڑا رنگا جائے۔ اور صبغ مصدر ہے۔ اور صبغۃ بروزن فِعْلَة ہے۔ نوع وحالت کے لئے ہے۔ الصبغ سے جیسے جلسۃ جلس۔ یعنی وہ حالت جس پر رنگ واقع ہو اور صبغۃ آیت ہذا میں مستعار ہے اس فطرت سے جس پر لوگوں کو پیدا کیا۔ خلقتِ سلیمہ (کہ جس سے انسان ایمان ودیگر عبادات کی استعداد حاصل کرتا ہے) کو کپڑے سے اس لیے تشبیہ دی گئی کہ جیسے رنگ زیب وزینت کا سبب ہے ویسے ہی یہ فطرت بھی روحانی زیب وزینت کا سبب ہے۔ اصل عبارت یوں تھی صبغنا اللّٰہ صبغۃ (ہم نے اس کو اسی فطرت پر پیدا کیا ہے) کہ اس کی استعداد دے حق اور ایمان کو قبول کرتا ہے۔ صبغۃ مصدر اور مفعول مطلق مؤکد لنفسہ ہے کیونکہ یہ اپنے عامل مقدر سے مل کر بعینہٖ وہی جملہ مقدرہ کا مضمون بن جاتا ہے۔

اٰمَنَّا بِاللّٰهِ اور اس کے سوائے مصدری معنی کے اور کوئی معنی نہیں بنتا کیونکہ ان کا اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ان میں اسی استعداد کی

بناپر ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے ان میں پیدا فرمائی ہے کہ اس کے ذریعے وہ ایمان کے نور سے آراستہ ہوئے ہیں۔

اس کا معنی یوں بھی ہوسکتا ہے کہ طَهَّرَنَا اللّٰهُ تَطْهِيرَةً یعنی ہم نے انہیں پورے طور پر پاک کیا اس لیے کہ ایمان کفر کی تمام غلاظتوں سے پاک کرتا ہے۔ مشاکلت کی وجہ سے اسے صِبْغَةَ سے تعبیر کیا گیا ہے اس لیے کہ وہ شے اپنی غیر کی صحبت میں ہے یا تو وہ غیر محقق طور پر مذکور ہو یا مقدر ہو اور مقدر بھی مذکور کے حکم میں ہوتا ہے۔ کیونکہ اس پر قرینہ دلالت کرنے والا ہوتا ہے یا جیسے دو اسموں کے مابین جاری ہوتا ہے اسی طرح دو فعلوں کے مابین جاری ہوتا ہے۔ جیسے تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ۔ اللہ تعالیٰ پر لفظِ نفس کا اطلاق کیا گیا ہے۔ جبکہ وہ نفس کے لفظ کے مقابلہ میں واقع ہوا ہے۔ اسی طرح فطرت کو صبغۃ سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ یہ نصاریٰ کے صبغۃ کے مقابلہ میں واقع ہوا ہے کہ وہ ساتویں دن اپنے بچوں پر رنگ ڈالتے، بجائے ختنہ کرنے کے۔ کیونکہ مسلمان اپنے بچوں کا ختنہ کرتے ہیں اور وہ اپنے بچوں پر پیلا رنگ ڈالتے ہیں۔ وہ اسے معمودیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ پانی میں غوطہ دینے کا اگرچہ ذکر نہیں۔ چونکہ ان کا فعل ہی ایسا تھا اس لیے وہ مذکور ہے قرینہ حالیہ سے معلوم ہوتا ہے اور پھر آیت ان کے رد میں نازل ہوئی ہے کہ تمہارا رنگدار کرنا بے سود ہے۔ اصل میں رنگ اللہ تعالیٰ کا چاہیے کہ وہ اپنے بندوں کو پاک کرتا ہے نہ کہ بچوں کو معمودیہ (حنا) میں ڈبو دینے سے۔ معمودیا ایک پانی کا نام ہے جس سے عیسیٰ علیہ السلام نے غسل فرمایا۔ انہوں نے اسے دوسرے پانی میں ملا دیا تھا جب بھی کسی کو رنگدار کرتے تو اس میں دوسرے پانی کی ملاوٹ سے غوطہ دیتے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ مبتدا خبر میں یا استفہام انکاری ہے۔ یعنی کون زیادہ اچھا ہے۔ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً، صِبْغَةً منصوب اور اَحْسَنُ سے تمیز ہے۔ مبتدا سے منقول ہے۔ اصل یوں تھا کہ اللہ تعالیٰ کی صِبْغَةً سے اور کون زیادہ احسن ہے۔ یہ تفصیل صبغۃ میں ہے نہ کہ تعلیمن میں۔ اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی صِبْغَةً سے اور کون زیادہ احسن ہوسکتا ہے کیونکہ وہ اپنے بندوں کو ایمان سے رنگدار کرکے انہیں کفر کے رنگ سے پاک کرتا اور شرک سے بچاتا ہے۔ بنابریں اس سے کوئی اور زیادہ احسن نہیں ہوسکتا۔

وَنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ اور ہم اسی کے لئے ہی عبادت گزار ہیں۔ یعنی اس ذات کے لئے جس نے ہمیں نعمتوں سے نوازا۔ اس کی شکر گزاری کے لئے بلکہ تمام نعمتوں کی وجہ سے ہم اس کی عبادت کرتے ہیں۔ ظرف کی تقدیم، اس کی اہمیت اور فواصل کی رعایت کی وجہ سے ہے۔ اس کا عطف اٰمَنَّا پر ہے اور یہ امر قُوْلُوْٓا کے تحت ہے۔ جب بندے کا کام عبادت گزاری ہے

marfat.ocm

تو پھر اللہ تعالیٰ نے بھی اس کے نفس کو اچھے رنگ سے رنگ کر مزین کیا اور جملہ عیوب سے دور رکھا۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

صبغۃ اللہ نام آں رنگِ لطیف لعنۃ اللہ بوئے ایں رنگِ کثیف [1]

ترجمہ: صبغۃ اللہ اس لطیف رنگ کا نام ہے اور لعنۃ اللہ اسی رنگِ کثیف کی بدبو ہے۔

تفسیر صوفیانہ

وَنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ میں اشارہ ہے کہ عارفین صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی عبادت کرتے ہیں۔ زبور میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس سے بڑھ کر اور کون ظالم ہوگا جو میری عبادت محض اس لیے کرتا ہے کہ میں اسے جنت دوں اور دوزخ سے بچاؤں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر میں بہشت و دوزخ کو پیدا نہ کرتا تو وہ میری عبادت ہی نہ کرتا۔

ف: عابد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو معبود سمجھ کر صرف اس کی رضا طلبی کے لئے عبادت کرے اور بس۔ عبادت درجہ میں عبودیت سے کم ہے اور عبودیت عبودۃ سے کم ہے۔ کیونکہ جو اپنے مالک پر روح کو قربان کر دے اس کا نام عبودۃ ہے اور عبادۃ یہ ہے کہ وہ اپنے مالک کی مرضی میں نفس کو قربان کرے اس لحاظ سے عبادت کا درجہ عبودۃ سے کم ہوا۔

حضرت سہیل بن عبداللہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

عبادت کا حق ادا نہیں ہو سکتا جب تک چار چیزوں پر عمل نہ کیا جائے:

۱۔ بھوک ۲۔ ننگ ۳۔ فقر ۴۔ ذلت

---

[1]: مطبوعہ پارہ میں اشعار غلط اور ادھورے ہیں صحیح یوں ہیں: ؎

کو گل رنگ از برون مرد را از درون چوں رنگ سرخ و زرد را
رنگ ہائے نیک از خُمِ صفاست زشتان از سیاہا بہ جفاست
صبغۃ اللہ نام آں رنگِ لعنۃ اللہ بوئے ایں رنگِ کثیف

ترجمہ: ۱۔ کسی کا جو گل رنگ جو باہر سے نظر آتا ہے وہ اصل اندرونی سرخ و زرد رنگ کا نتیجہ ہے۔
۲۔ منکا صاف ہو تو رنگ بھی صاف ہوگا، گندے رنگ وہ اصل غلط کرداری کی وجہ سے ہیں۔
۳۔ صبغۃ اللہ اسی لطیف رنگ کا نام ہے لعنۃ اللہ اس کثیف رنگ کی بدبو ہے۔ اویسی غفرلہٗ۔

marfat.ocm

حضرت شیخ ابو العباس علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ بندے کے لئے چار ضروری اوقات ہیں۔

۱۔ طاعت ۲۔ معصیت ۳۔ نعمت ۴۔ مصیبت

ان سب میں عبودیت کا حق ہے۔ حق تعالیٰ بحکم ربوبیت ان میں سے اپنا حق چاہتا ہے۔ جسے نعمت نصیب ہو اس کے لئے شکر کرنا ضروری ہے اور اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے قلبی فرحت کا اظہار کرے۔ اگر مصیبت آئے تو صبر کرے۔ بندے کو چاہیے کہ اپنی عبادت کی ادائیگی میں سستی نہ کرے تاکہ بلند درجات حاصل ہوں۔

مثنوی شریف میں ہے:

کافرم من گر زیاں کردست کس   دورہ ایمان طاعت یک نفس
سر شکستہ نیست ایں سر رامبند   یک دو روزہ جہد کن باقی بخند
تازہ کن ایمان نہ از گفت زبان   اے ہوا را تازہ کردہ درنہاں
تا ہوا تازہ است ایمان تازہ نیست   کیں ہوا جز قفل آں دروازہ نیست

ترجمہ :۱۔ میرے نزدیک وہ کافر ہے جو ایمان اور طاعت میں پل بھر بھی نقصان کرتا ہے۔
۲۔ یہ سر شکستہ نہیں اس کا سر بند کر ایک دو دن کوشش کر پھر زندگی بھر خوشی سے گزار۔
۳۔ ایمان کو صرف زبان سے نہیں حقیقی طور تازہ کر تو تو اندر سے خواہشات سے بھرا ہے۔
۴۔ جب تک خواہشات نفسانی تازہ ہیں ایمان تازہ نہیں ہو سکتا یہ خواہشات تو ایمان کی نورانیت کا تالہ ہیں۔

حکایت: حضرت سری سقطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

میں بیس سال خلق خدا کے تجسس میں رہا۔ صرف ایک ہی بندہ خدا مجھے ملا۔ وہ جامع مسجد بغداد میں جمعہ کا خطبہ دیتا تھا۔ میں نے کہا مجھے اس ضعیف پر بڑا تعجب ہے کہ اپنی بڑی طاقت کی نافرمانی کرتا ہے۔ جب کل صبح ہفتہ کے دن میں صبح کی نماز ادا کی تو ایک نوجوان آیا اور اس کے پیچھے چند سوار تھے جن آگے آگے حسین نوجوان لڑکے اور وہ خود بھی سواری پر تھا میرے قریب آ کر سواری سے اترا اور پوچھا سری سقطی کہاں ہیں؟ میرے ساتھیوں نے میری طرف اشارہ کیا مجھے السلام علیکم کہ کر بیٹھ گیا اور کہا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ مجھے اس ضعیف سے تعجب ہے جو اپنے قوی کی نافرمانی کرتا

marfat.ocm

ہے اس سے آپ کی مراد کیا ہے۔ میں نے کہا: تمام ابن آدم سے۔ بہت کمزور اور کون ہو سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمام بڑی قوت والوں سے قوی ہے۔ ابن آدم اپنی کمزوری کے باوجود اس کی نافرمانی کرتا ہے۔ یہ سن کر اس نے ایک دردبھری آہ سے کہا کہ بھلا بتاؤ مجھ جیسے گناہوں میں غرق شدہ کے گناہ معاف کردے گا۔ کہا اے سری سقطی! آپ کو معلوم ہو کہ میں بڑا مجرم و گنہگار ہوں اور مجھ پر حقوق العبادت لاتعداد ولاتحصیٰ ہیں۔ اب میں کیا کروں۔ میں نے کہا: جب تیرا ارادہ اسی ذات کو راضی کرنے کا مکمل ہو جائے گا تو وہ تیرے حقدار سے تیری معافی کرا کے تجھے بخش دے گا۔

حدیث شریف: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل قیامت میں اللہ تعالیٰ کے بندے کے جب حقدار جمع ہوں گے تو ان کے لئے ایک فرشتہ آکر کہے گا اس بندہ کو کچھ نہ کہو تمہارے معاملے اللہ تعالیٰ کے سپرد ہو گئے۔

سرّی سقطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں جب میں نے اسے یہ حدیث سنائی تو وہ بندہ خدا رونے لگا اور کہنے لگا اب مجھے اللہ تعالیٰ سے ملنے کا راستہ بتایئے۔ میں نے اسے کہا اگر سالکین کا راستہ چاہتے ہو تو دن کو روزے رکھو اور رات کو جاگو اور گناہوں کو چھوڑ دو اور اگر تجھے ولیوں کا راستہ چاہیے تو مخلوق سے علیحدگی اختیار کر کے صرف اللہ تعالیٰ کے ہو جاؤ۔ یہ بات سن کر وہ خوب رویا اور اس کا رومال آنسوؤں سے تر ہو گیا۔ مجھ سے فارغ ہو کر اہل وعیال چھوڑ کر چین اور قرار ختم کر کے گورستان میں رہنے لگا۔ نہایت مغموم و محزون رہتا اور اسی حالت میں فوت ہو گیا۔ میں نے اسے خواب میں دیکھا کہ ریشمی لباس میں نہایت فخر و ناز سے بہشت میں ٹہل رہا ہے اور مجھے دیکھ کر کہنے لگا: اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ میں نے پوچھا: کیسی گزری؟ کہا: مجھے اللہ تعالیٰ نے مرتے ہی بہشت میں داخل فرمایا اور گناہوں کا نام تک نہیں لیا۔

تفسیر عالمانہ

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا **حل لغات**: المحاجۃ: بمعنی مجادلہ و دعویٰ حق ہو اور اس پر جانبین سے ہر ایک کی دلیل قائم کرنا۔ ہمزہ انکار و توبیخ کے لیے ہے۔

شانِ نزول: اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کہتے تھے کہ انبیاء علیہم السلام ہم میں سے اور ہمارے دین پر تھے اور ہمارا دین سب سے پہلے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! یہود و نصاریٰ سے فرمایئے کہ تم ہمارے ساتھ مجادلہ و مخاصمت کرتے ہو۔ فی اللہ اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے میں اور دعویٰ کرتے ہو کہ ہمارا دین حق ہے یعنی یہودیت

ونصرانیت، پھر اس پر دخولِ جنت اور ہدایت کی امید رکھتے ہو۔ لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى اور کبھی کہتے ہو: كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى

وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ حالانکہ جھگڑے کی کوئی بات ہی نہیں کیونکہ وہی ہمارے اور تمہارے جملہ امور کا مالک ہے۔ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا ہمارے لیے نیکی ہے جو اس کے امر کے موافق ہے۔ وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ تمہارے لیے تمہاری بُرائی ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مخالف ہے، پھر کیوں دعویٰ کرتے ہو کہ تم اولیٰ ہو۔ وَنَحْنُ لَهٗ اور ہم اللہ تعالیٰ کے لئے مُخْلِصُوْنَ اس کی عبادت میں مخلص ہیں کہ ہم سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے کسی کی طلب نہیں۔ پس تم کیسے دعویٰ کرتے ہو اور اپنے مذہب کی حقیقت پہ کیوں جھگڑتے ہو اور اس کے سبب دخولِ جنت کی امید کیوں رکھتے ہو اور لوگوں کو اس کی طرف کیوں بلاتے ہو حالانکہ اصل میں تم مشرک ہو۔ اخلاص بمعنی عمل کو شرک وریاء سے پاک رکھنا۔ دراصل اخلاص کا معنی ہے اپنے فعل کو مخلوق کے ریاء سے پاک رکھنا۔

اَمْ تَقُوْلُوْنَ: اَمْ ہمزہ کا عوض ہے جو کہ اَتُحَآجُّوْنَنَا میں ہے امر کے مقام میں واقع ہے اب مطلب یوں ہوا کہ تم دو امروں میں سے کسے پسند کرتے ہو یا تو حجت اور دلیل مضبوط پیش کرو کہ واقعہ تم حق پر ہو جیسے کہ تمہارا گمان ہے یا یہ مانو کہ تم اندھی تقلید میں پھنسے ہوئے ہو اور خواہ مخواہ انبیاء علیہم السلام پر افترا بازی کرتے ہو اور یہ کہتے پھرتے ہو کہ بیشک ابراہیم، اسماعیل، اسحٰق، یعقوب علیہم السلام یہود و نصاریٰ تھے۔

اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ اسباط یعنی یعقوب علیہ السلام کے پوتے یعنی ان بارہ صاحبزادوں کی اولاد۔

زجاج فرماتے ہیں کہ اسباط اسحٰق بمنزلہ قبائل کے ہے۔ یعنی اسحٰق علیہ السلام کی اولاد کو سبط اور اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کو قبیلہ کہتے ہیں۔

كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تم کہتے ہو کہ وہ حضرات یہود و نصاریٰ تھے (معاذ اللہ) اور ہم ان کے مقتدی ہیں آیت میں ان دونوں باتوں کا انکار ہے اور ان کو توبیخ ہے۔ یعنی اے یہود و نصاریٰ! ان انبیاء علیہم السلام کے لئے ایسی باتیں کیوں کہتے ہو جبکہ تو تورات وانجیل کے نزول سے پہلے گزر چکے ہیں۔ جب وہ تم سے پہلے گزر چکے ہیں تو پھر وہ کیسے یہود و نصاریٰ تھے اور تم کیسے ان کے مقتدی ہوئے۔

marfat.ocm

قُلْ ءَاَنْتُمْ استفہام تقریر وتوبیخ کے لئے ہے۔ اَعْلَمُ کیا تم ان کے دین کو زیادہ جاننے والے ہو۔ اَمِ اللّٰہُ یا اللہ تعالیٰ زیادہ علم والا ہے۔ وَمَنْ اَظْلَمُ اور کون زیادہ ظالم ہے۔ اس میں یہ بات ہے کہ تم میں سے کوئی زیادہ ظالم نہیں۔ استفہام بمعنی نفی ہے۔ مِمَّنْ کَتَمَ چھپاتا ہے۔ یعنی اس سے کون زیادہ ظالم ہے جو حق چھپاتا ہے۔ شَھَادَۃً شہادت کو جو ثابت ہے۔ عِنْدَہٗ جو اس کو معلوم ہے۔ مِنَ اللّٰہِ یعنی اللہ سے گواہی چھپانے والا بہت بڑا ظالم ہے۔ عِنْدَہٗ اور مِنَ اللّٰہِ دونوں صفتیں ہیں۔ ان کا موصوف شہادت ہے۔ یعنی ایسی شہادت جو اسے معلوم ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے صادر ہونے والی ہے۔ یعنی اے کتاب! تم شہادت کو جانتے ہو اور تمہیں حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ سے ہی صادر ہونے والی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد (علیہم السلام) پکے سچے مسلمان تھے اور اس کی خبر اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہاری کتاب میں بیان فرمائی ہے جسے تم چھپاتے ہو اور حقیقی گواہی کے خلاف ظاہر کرتے ہو۔ اس لحاظ سے تم میں سے اور کون زیادہ ظالم ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی تکذیب کی جرأت کرتے ہو۔ جبکہ اس نے کچھ کہا اور تم کچھ اور اس کے خلاف بیان کرتے ہو اور ظلمیت کو مطلق کتمانِ شہادت سے معلق کیا گیا ہے۔ اس طرف اشارہ ہے کہ جو شخص حق کو عمداً مخفی رکھتا ہے اس کی سزا اتنی زیادہ ہے کہ دائرہ بیان سے باہر ہے۔ وَمَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ اور اللہ تعالیٰ تمہارے کردار سے بے خبر نہیں ہے۔

حدیث شریف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کبیرہ گناہوں سے ہے شرک اور جھوٹی گواہی اور شہادت کو چھپانا۔"

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "کہ جو حق کو چھپاتا ہے اس کا دل آثم ہے۔"

یعنی اس کا دل مسخ ہو جائے گا (نعوذ باللہ من ذالک)

تِلْکَ اُمَّۃٌ یعنی انبیاء علیہم السلام کی جماعت۔ قَدْ خَلَتْ گزری ہے موت کے ذریعے۔ لَھَا مَا کَسَبَتْ ان کے لئے اعمالِ صالح ہیں جو انہوں نے کیے۔ وَلَکُمْ مَّا کَسَبْتُمْ اور تمہارے لیے جو تم کر رہے ہو۔ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ یعنی کوئی کسی سے نہ پوچھا جائے گا ہر ایک اپنے عمل سے سوال کیا جائے گا۔ پھر اسے جزا دی جائے گی۔

سوال: آیت کا تکرار کیوں ہے؟

marfat.ocm

جواب : مبالغہ ہے ان کی تردید میں کہ تم اپنے آباء کے کردار کی وجہ سے فخر کر رہے ہو بے جا ہے۔ انہیں ڈر سنایا جا رہا ہے کہ تم اپنے اعمال کا محاسبہ کرو ورنہ تمہیں اپنے نسب کا تعلق کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ اس لیے کہ جب نفخ صور ہو گا اس کے بعد تو نسب ختم ہی ہو جائے گا۔

حکایت: ہارون الرشید حج سے فراغت کے بعد چند روز کے لئے کوفہ میں مقیم ہوا، جب وہ باہر نکلا تو اسے راستے میں بہلول مجنون ملے انہوں نے بآواز بلند تین بار کہا: اے ہارون الرشید! ہارون الرشید نے تعجبا پوچھا: کون ہے جو مجھے پکار رہا ہے؟ لوگوں نے کہا: بہلول مجنون۔ ٹھہر کر حکم دیا کہ پردہ ہٹا دو۔ اس کی عادت تھی کہ لوگوں سے باپردہ ہو کر کلام کرتا تھا۔ اس نے بہلول سے کہا: کیا تو مجھے نہیں جانتا؟ بہلول نے جواب دیا: جانتا ہوں، تو وہ ہے کہ اگر کوئی مشرق میں ظلم کرے اور تو مغرب میں ہو تو تب بھی تجھ سے اللہ تعالیٰ اس کے متعلق پوچھے گا۔ ہارون الرشید نے کہا: تو میرا حال کیسے جانتا ہے؟ بہلول نے کہا: میں تیرے حال کو کتاب اللہ کے سامنے پیش کرتا ہوں، اس میں ہے کہ ابرار جنت میں ہوں گے اور فجار جہنم میں۔ ہارون الرشید نے کہا: ہمارے اعمال کس طرح ہوں گے؟ بہلول نے کہا: اللہ تعالیٰ متقین کے اعمال قبول فرماتا ہے۔ ہارون الرشید نے کہا: ہماری قرابت جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے اس کا کیا حال ہوگا؟ بہلول نے کہا: جب نفخ صور ہو گا تو تمام حسب نسب منقطع ہو جائیں گے۔

ہارون الرشید نے کہا: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کہاں جائے گی؟ بہلول نے کہا: اس دن شفاعت نفع نہیں دے گی مگر اللہ تعالیٰ جس کے متعلق اجازت دے گا اور جس سے وہ راضی ہو گا۔

خلاصہ یہ کہ اعمال صالح میں خلوص ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے اعمال کو قبول کرے گا۔

جنید قدس سرہ فرماتے ہیں: کہ اخلاص اور بندہ کے مابین راز ہے کہ فرشتے کو بھی پتہ نہیں چلتا کہ اسے لکھ سکے۔ نہ ہی شیطان کو خبر ہوتی ہے کہ اسے خراب کر سکے۔

مسئلہ : فضیل فرماتے ہیں کہ عمل کو لوگوں کی خاطر ترک کرنا بھی ریاء ہے۔ اور لوگوں کی خاطر عمل کرنا شرک ہے لیکن اخلاص دونوں کو خلاصی دیتا ہے۔

مسئلہ : تاتارخانیہ میں ہے کہ شروع تو کی خلوص سے لیکن بعد میں ریاء کا دخل ہوا تو وہ ریاء نہیں۔ ریاء یہ ہے کہ اگر لوگوں سے علیحدہ ہوتا تو نماز نہ پڑھتا۔

marfat.ocm

مسئلہ : لوگوں کے سامنے ہوتا ہے تو نماز اچھی کر کے پڑھتا ہے لیکن تنہائی میں ایسا نہیں کرتا تو اسے نفس صلوٰۃ کا ثواب ملے گا لیکن احسان کا درجہ اسے نصیب نہیں ہوگا۔

حکماء فرماتے ہیں اس شخص (جو ریاء کی طاعت کرتا ہے) کی مثال ایسی ہے جو بازار کی طرف اپنا دامن کنکریوں سے پُر کر کے نکلتا ہے تو لوگ دیکھ کر کہتے ہیں: دیکھئے اس کا دامن بھرا ہوا ہے نا اسے اس میں کوئی فائدہ نہیں۔ صرف لوگوں کی باتیں ہی سنتا رہے گا اور بس۔

حدیث شریف: میں ہے کہ اپنے اعمال کو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان اعمال کو قبول کرتا ہے جو صرف اسی کے لیے کیے جائیں اور یوں بھی نہ ہو کہ یہ عمل اللہ تعالیٰ اور صلہ رحمی کی خاطر ہو۔ اللہ تعالیٰ سے اس میں کوئی ثواب نہیں۔

مشارق الانوار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے لعنت کرتا ہے جو غیر اللہ کی خاطر ذبح کرتا ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں: غیر اللہ کے لیے ذبح کا مطلب یہ ہے کہ اس کی خاطر ذبح کیا جائے۔ مثلاً بت کے لیے یا موسیٰ علیہ السلام وغیرہ کے لئے۔

مسئلہ : شیخ ابراہیم مرادوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ بادشاہ کے استقبال کی خاطر اس کی تقریب کے لیے ذبح کرتے ہیں اہلِ نجارا کا فتویٰ ہے کہ وہ حرام ہے کیونکہ یہ بھی مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ میں داخل ہے۔

امام رافعی فرماتے ہیں کہ یہ حرام نہیں کیونکہ یہ تو صرف خوشی کی خاطر ذبح کیا جاتا ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے بچے کی ولادت میں عقیقہ کی خوشی میں ذبح کیا جاتا ہے اور یہ حرام نہیں ہے۔ اسی پر مسلمانوں کے افعال کو نیکی پر محمول کرنا چاہیے تا کہ وہ کفر سے بچ جائیں اور ان کے اعمال ضائع نہ ہوں کیونکہ موحد کا مطمح نظر مولا کی رضا اور اس کی عبادت ہی ہوتی ہے۔ جس طرح بھی جو عبادت میسر ہو۔

(اللّٰھم اعصمنا من الزلات) (اے اللہ! ہمیں لغزشوں سے محفوظ رکھ)

تحقیق اویسی غفرلہٗ۔

الحمد للہ امام رافعی علیہ الرحمہ نے صدیوں پہلے وہی فرمایا جو آج امام احمد رضا قدس سرہٗ فرما رہے ہیں اور مخالفین بادشہ کی دعوت والے قول کی آڑ میں مسلمانوں کی بہت سی نیکیاں برباد کا فتویٰ بلکہ انہیں مشرک گردان رہے ہیں۔ اس موضوع

پر مفصل بحث فقیر کی کتاب "فیصلہ حق وباطل" میں بقدر ضرورت یہاں عرض ہے۔

مخالفین کی تقریر: ۔ جس طرح بادشہ کی دعوت میں بادشہ کی خوشنودی سے جانور حرام ہو گیا ایسے ہی میلا گیارہویں، پیر کا بکرا اور دیگر وہ اشیاء جس میں پیروں، فقیروں کی خوشنودی کو دخل ہو اگرچہ اس پر اللہ تعالیٰ کا نام بھی آیا ہو جیسے بادشہ کی دعوت وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ سے ہے۔

جواب :ا۔ بادشہ کی دعوت کا قول مرجوح ہے۔ راجح قول فقہ حنفی میں امام رافعی علیہ الرحمہ کا قول ہے جو اوپر مذکور ہوا ہے اور اس کی علت بھی واضح فرما دی جو روحِ اسلام کے عین مطابق ہے اور مرجوح قولِ اسلامی اصول کے بھی خلاف ہے کہ مسلمان کی نیت پر حملہ کے علاوہ بدظنی اور محبوبان خدا سے رابطہ جوڑنے کے بجائے توڑنے والی بات کرتے ہیں مخالفین ان سے رشتہ توڑ چکے ہیں وہ توڑنے والی بات کریں تو انہیں سلامت۔

جواب : ۲۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء کرام کی خوشنودی ورضا کو بادشہ کی خوشنودی پر قیاس، قیاس مع الفارق ہے اس لیے کہ رضائے مصطفیٰ اور رضائے اولیاء عین رضائے خدا ہے۔ اسی کو ہم عین اسلام سمجھتے ہیں اور مخالفین اسے شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔ ہم اپنے فتویٰ کے مطابق حق پر ہیں اور مخالفین منافقین کے نقشِ قدم پر کہ وہ بھی رضائے مصطفیٰ سے روگرداں ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تنبیہ فرمائی۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اور وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ ان کا یہ فتویٰ غلط بھی ہے کہ غیر اللہ کی رضا جوئی وخوشنودی کی طلب شئے کو حرام کر دیتی ہے۔ تو پھر مہمان نوازی بھی حرام ہو اور فقر ومساکین اور غرباء مسلمین کو خوش کرنا حرام اور ماں باپ، استاذ، مرشد اور دیگر جملہ اہلِ اسلام کو خوش کرنا حرام ہو بلکہ روحِ اسلام کا تقاضا تو یہ ہے کہ ؎ دل بدست آور کہ حج اکبر است

لیکن مخالفین اسلام کی روح کو مجروح کرتے ہیں کیونکہ منافقین کے وارث جو ہیں۔

عبارت فقہاء کرام کا جواب: جن فقہاء کرام نے بادشاہوں کی دعوت کا کہا ہے وہ ان کے دور کے مطابق ہے کہ ظالم بادشاہ جہاں جاتے غرباء ومساکین کے اوپر ظلم وستم کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے کہ ان کی دعوتوں پر غرباء ومساکین کے جانور ظلماً پکڑ کر دعوتیں اڑائی جاتیں ایسے ظالموں کی دعوت کے جانوروں کا فتویٰ حرمت ہو تو مبنی بر صواب ہے نہ کہ صلاح الدین ایوبی اور عالمگیر اور نور الدین اور سلطان محمود علیہم الرحمۃ جیسے بادشاہ جو بظاہر امیر لیکن درحقیقت فقیر (ولی اللہ) تھے۔

جواب استدلال: ۔ آیت وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ سے ان کا استدلال ایسے غلط ہے۔ جیسے وہ خود غلط ہیں۔ فقیر نے اس

آیت کی تشریح اسی تفسیر "فیوض الرحمٰن ترجمہ روح البیان" کے پارہ نمبر ۲ کے حاشیہ میں لکھ دی ہے۔ یہاں بقدر ضرورت حاضر ہے۔

یہ آیت قرآن مجید میں چار جگہ ہے۔ تمام جگہوں میں الفاظ کے تقدم وتاخر کا فرق ہے۔ مطلب ایک ہے فقیر (پارہ ٦ رکوع ٥ (کنز الایمان) امام احمد رضا خان قدس سرہٗ کے ترجمہ وتفسیر سمیت مختصر عرض کرتا ہے آیہ مبارکہ یوں ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ

تم پر حرام ہے مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جس کے ذبح میں غیر خدا کا نام پکارا گیا۔

ف: اصل مطلب یہی ہے جو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے جملہ تفاسیر ومباحث کا خلاصہ نچوڑ پیش کرتے ہوئے "کنز الایمان" میں لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ جانور ہے "جس کے ذبح میں غیرِ خدا کا نام پکارا گیا" اور یہی معنی عقل ونقل کے مطابق ہے۔ اس لیے کہ اس میں ان مشرکین کا رد ہے۔ جو جو بوقتِ ذبح "بسم اللات والعزیٰ" پکارتے تھے لہٰذا اس کے بالمقابل بوقتِ ذبح بسم اللہ اکبر کی تعلیم دی گئی۔

یہی مفہوم ومطلب قرنِ اوّل سے تا حال کے جملہ محققین ومفسرین (صحابہ، تابعین تبع تابعین وغیرہم) نے بیان فرمایا۔ جن کے اسماء گرامی اور چند عبارات فقیر نے پارہ نمبر ۲ کی تفسیر آیت ہٰذا میں نقل کیے ہیں لیکن افسوس کہ مخالفین کسی کی بھی نہیں مانتے

تحریفِ قرآن:۔ مخالفین کے تراجم وتفاسیر (نام نہاد) پڑھیں تو وہ آیت قرآنی وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ میں تحریف کر کے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء کرام سے منسوب مثلاً میلاد شریف اور عرس وگیارہویں پر چسپاں کر کے حرام ٹھہراتے اور یہ تأثر دیتے ہیں کہ ان پر چونکہ غیر اللہ کا نام دیا گیا ہے اس لیے یہ حرام ہے۔ (لا حول ولا قوۃ الا باللہ)

حال آنکہ: آیہ مبارکہ کا مذکورہ مفہوم بیان کرنا اس کی معنوی تحریف کے مترادف ہے کیونکہ اس کا اگر "بوقت ذبح کے نام کا اطلاق واستعمال ہوتا ہے تو کیا منکرین گیارہویں ان سب کو حرام قرار دیں گے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو پھر صرف گیارہویں ہی کو کیوں نشانا بنایا جاتا ہے۔ کیا یہ محض بغض وعناد کا مظاہرہ نہیں ہے؟

سلطان اورنگ زیب عالمگیر کے استاذِ محترم حضرت ملا جیون علیہ الرحمہ صاحب نور الانوار وتفسیرِ احمدی کی تحقیق وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ کے تحت اختصار کے باوجود بہت جامع وقول فیصل ہے۔ فرماتے ہیں "اس کا معنی یہ ہے کہ جانور کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے مثلاً لات وعزیٰ وغیرہ (جیسا کہ مشرکین کا طریق تھا) لیکن اگر بسم اللہ اللہ اکبر کہنے

اور جانور لٹانے سے پہلے یا ذبح کے بعد غیر اللہ کا نام لے تو کوئی حرج نہیں جیسا کہ "ہدایہ" میں مذکور ہے۔ اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ اولیاء کے ایصال ثواب کے لئے جو گائے کی نذر مانی جاتی ہے جیسا کہ ہمارے زمانہ میں اہل اسلام کا دستور ہے تو یہ حلال وطیب ہے۔ اس لیے کہ بوقتِ ذبح اس پر غیر اللہ کا نام نہیں لیا گیا۔ اگرچہ پہلے اس نام کی نذر مانی گئی ہے۔

(تفسیرات احمدیہ پارہ ۲، صفحہ ۲۹)

معلوم ہوا کہ صاحب "تفسیر احمدی" وغیرہ مفسرین ومحققین کی وہی تحقیق ہے جسے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے "کنزالایمان" میں نقل کیا ہے۔ نیز نذرِ اولیاء کا سلسلہ پہلے سے مسلمانوں میں جاری ہے۔ مزید تحقیق وتفصیل فقیر کی تفسیرِ اویسی اور کتاب "فیصلہ حق وباطل" میں ہے۔

ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی غفرلہٗ

پارہ اول کی کی تفسیر کا ترجمہ بہ شب بدھ بتاریخ ۱۶ محرم ۱۳۸۲ھ دس بج کر پچیس منٹ پر ختم ہوا

مطالعہ گاہ مدرسہ منبع الفیوض حامد آباد

marfat.ocm

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ

اب کہیں گے بیوقوف لوگ کس نے پھیر دیا مسلمانوں کو ان کے اس قبلہ سے

كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ

جس پر تھے تم فرمادو کہ پورب پچھم سب اللہ ہی کا ہے جسے چاہے

اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا

سیدھی راہ چلاتا ہے اور بات یوں ہی ہے کہ ہم نے کیا تمہیں سب امتوں میں

شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَمَا

افضل کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ

جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ

اور اے محبوب اتم پہلے جس قبلہ پر تھے ہم نے وہ اسی لیے مقرر کیا تھا کہ دیکھیں کون رسول کی پیروی کرتا ہے

مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى

اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے اور بیشک یہ بھاری تھی مگر ان پر جنہیں

الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اللہ نے ہدایت کی اور اللہ کی شان نہیں کہ تمہارا ایمان اکارت کرے بیشک اللہ آدمیوں

بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ ۚ

پر بہت مہربان رحم والا ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمہارا آسمان کی طرف منہ کرنا

فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ

تو ضرور ہم تمہیں پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں تمہاری خوشی ہے ابھی اپنا منہ پھیر دو مسجد حرام کی طرف

marfat.ocm

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

اور اے مسلمانو! تم جہاں کہیں ہو اپنا منہ اسی کی طرف کرو اور وہ جنہیں کتاب ملی ہے ضرور جانتے ہیں

الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے اور اللہ ان کے کوتکوں سے بے خبر نہیں۔

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَا

اور اگر تم ان کتابیوں کے پاس ہر نشانی لے کر آؤ وہ تمہارے قبلہ کی پیروی نہ کریں گے

اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ وَلَئِنِ

اور نہ تم ان کے قبلہ کی پیروی کرو اور وہ آپس میں بھی ایک دوسرے کے قبلہ کے تابع نہیں

اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ

اور (سننے والے کے باشد) اگر تو ان کی خواہشوں پر چلا بعد اس کے کہ تجھے علم مل چکا تو اس وقت تو ضرور

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ

ستم گار ہوگا۔ جنہیں ہم نے کتاب عطا فرمائی وہ اس نبی کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے آدمی

اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾

اپنے بیٹوں کو پہچانتا ہے اور بیشک ان میں ایک گروہ جان بوجھ کر حق چھپاتے ہیں۔ (اے سننے والو)

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے (یا حق وہی ہے جو تیرے رب کی طرف سے ہو) تو خبردار تو شک نہ کرنا

تفسیر عالمانہ سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ عنقریب وہ لوگ کہیں گے جن کے عقل کمزور ہیں مِنَ النَّاسِ اس سے وہ منکرین مراد ہیں جو تغیر قبلہ کو اچھا نہ سمجھتے یعنی منافقین، یہود اور مشرکین ان کو بے عقل اس

لیے کہا گیا کہ وہ دین ابراہیم سے روگرداں تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ابراہیم کے دین سے وہ روگردانی کرتا ہے جو ذلیل النفس اور جاہل نابکار ہے۔

سوال: واقعہ کے وقوع سے پہلے خبر دینے کا کیا فائدہ؟

جواب: تا کہ وہ واقعہ کے وقت پریشانی کا اظہار نہ کریں۔ کیونکہ جو واقعہ اچانک ہو اس سے طبیعت سخت پریشان ہو جاتی ہے اور دستور ہے کہ ضرورت سے پہلے تیار رہنا دشمن کے فساد ڈالنے کو زیادہ روکتا ہے بہ نسبت عین موقعہ کی تیاری کے تیر پھینکنے سے پیشتر ہی تیر پر تیر لگایا جاتا ہے نہ کہ عین موقعہ پر۔ یہ مثال عرب میں اس وقت دی جاتی ہے جب کہ ضرورت سے پہلے سامان تیار کرایا جائے۔

مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ کَانُوْا عَلَیْهَا، مَا استفہامیہ انکاریہ مرفوع المحل مبتداء ہے اور وَلّٰهُمْ اس کی خبر ہے جملہ یَقُوْلُ کی وجہ سے محل النصب ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں: تَوَلّٰی عَنْ ذَالِکَ یعنی انصرف اور کہتے ہیں: وَلّٰی غَیْرَهٗ یعنی صَرَفَهٗ۔

ف: قبلہ دراصل انسان کی اس حالت کو کہتے ہیں جو اس کے آمنے سامنے ہو شرع میں منقول ہو کر اس جہت کو کہا جاتا ہے جس کی طرف انسان منہ کر کے نماز پڑھے۔ قبلہ مقابلہ سے ماخوذ ہے اور قبلہ کو اسی لیے قبلہ کہتے ہیں کہ نمازی اس کے بالمقابل کھڑا ہوتا ہے۔

ف: آیت کا معنی یہ ہے کہ ان لوگوں کو کون سی شئے نے اس جہت یعنی بیت المقدس سے پھیرا ہے کہ بیت المقدس کو چھوڑ کر کعبہ کی طرف منہ کرنے لگ گئے ہیں۔

حدیث شریف: مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لانے کے بعد یہود کی تالیف قلوب کے لئے تقریباً سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ اس کے بعد مسلمانوں کا قبلہ نفخ صور تک کعبہ شریف کو ٹھہرا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب منکرین کو کیا جواب دینا چاہیے تو حکم ہوا کہ قُلْ آپ فرما دیجئے: لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ تمام امکنہ اللہ تعالیٰ کے ملک اور تمام جہتیں اس کے تصرف میں ہیں کوئی شے ذاتی طور مستحق نہیں کہ وہ خود قبلہ بن جائے کہ اس کے سوا کوئی اور قبلہ بھی بن سکے اور یہ جہات اس لیے قبلہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم میری عبادت کے لئے ان کی طرف منہ کرو۔ اس کی

مرضی اپنی قدرت وتصرف کے تحت جس کی طرف منہ کرنے کا حکم دے اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ وہ جس طرح چاہے جیسے چاہے حکم دے۔ مخلوق کے لئے تو خالق کا فرمان ماننا اور اس کی اطاعت کرنا ہی ہے اور بس اسے کیا ضرورت ہے کہ سوال کرتا پھرے اس کا حکم اس طرح کیوں ہوا اور یہ مامور اسی طرح کیوں ہے اسے تو فرمانبرداری کرنی ہے۔ اسے علل واغراض سے کیا مطلب؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ احکام وافعال اغراض وعلل کا محتاج نہیں۔

یہود ونصاریٰ کی ایک غلطی: یہود نے بیت المقدس کی غربی جانب قبلہ اپنی خواہش کے مطابق بنایا ہوا تھا ان کو حکم ربانی تو ہوا نہیں ان کا اپنا یہ خیال تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غربی جانب شرف وحی وکلام حاصل ہوا کما قال تعالیٰ: مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَآ إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ بنا بریں ہمارا قبلہ اسی جانب زیادہ موزوں ہے اور نصاریٰ نے بیت المقدس کی مشرقی جانب کو قبلہ اختیار کیا۔ اس لیے کہ وہ یہ خیال رکھتے تھے کہ بی بی مریم (علیٰ نبینا وعلیہا السلام) جب شہر سے نکلیں تو بیت المقدس کی شرقی جانب گئیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا اور مومن صرف اللہ کی اطاعت سمجھ کر اور اس کا فرمان مانتے ہوئے قبلہ کعبہ کی جانب منہ کر کے نماز ادا کرتے ہیں اور اہل اسلام اپنی طرف سے کسی جہت کا یقین نہیں کرتے اور یہ قبلہ خلیلی بھی ہے اور اسے مولد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف بھی حاصل ہے۔

يَهْدِي مَنْ يَّشَآءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ سیدھے راہ کی طرف جسے چاہتا ہے راہ دکھاتا ہے یعنی بیت المقدس کی طرف اور کبھی کعبہ کی جانب۔ اسے استقامت سے اس لیے موصوف کیا گیا ہے کہ یہ حکمت ومصلحت پر مشتمل ہے۔

ف: بعض ارباب حقیقت فرماتے ہیں کہ یہود نصاریٰ ومنافقین کو بیوقوف اس لیے کہا گیا کہ دین واسلام کی حقیقت نہ سمجھنے سے ان کے عقول پر پردے آگئے ہیں۔ اگر انہیں حق سمجھنے کا کچھ حصہ نصیب ہوتا تو مومنوں کی طرح مخلص ہوتے اور اگر ان کے عقول صحیح وسالم ہوتے تو وہ آیات سے صحیح استدلال کرتے اور تحویل قبلہ کا انکار بھی اس لیے کر بیٹھے کہ وہ خود جہت کے پابند تھے اور انہیں توحید کی معرفت نہ تھی کہ کل جہات اسی ذات کے لئے ہیں۔

عارف جامی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

جہاں مرآت حسن شاہد ماست　　　فشاہد وجہہ فی کل ذرات

ترجمہ: یہ جہاں ہمارے محبوب کا آئینہ ہے اسی لیے عارف ہر شے سے اسی کا مشاہدہ کرتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ یہ اشارہ متقدم کے مفہوم کی طرف ہے۔ جس طرح ہم نے تمہیں راہِ مستقیم کی ہدایت بخشی اسی طرح جَعَلْنٰكُمْ ہم نے تمہیں بنایا۔

سوال: كَذٰلِكَ میں کاف خطاب مفرد کا اور جَعَلْنٰكُمْ میں جمع کا اس کی کیا وجہ ہے حالانکہ ہر دونوں میں مومنین مراد ہیں؟

جواب: یہاں صرف حاضر و غائب کا فرق بتایا ہے۔ اُمَّةً وَّسَطًا یعنی ہم نے تمہیں پسندیدہ امت بنایا۔ چونکہ اوسط ہر لحاظ سے محفوظ ہوتا ہے اور چونکہ اطراف اسے گھیرے ہوئے ہوتے ہیں اسی لیے وہ ہر دکھ و تکلیف سے بچا رہتا ہے۔

لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ تاکہ تم لوگوں پر قیامت میں گواہی دو کہ واقعی رسل علیہم السلام کو احکام الٰہی پہنچا چکے۔

وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا تم پر گواہی دیں۔

سوال: جب شاہد کی شہادت سے ضرر مقصود ہو تو اس وقت علٰی سے متعدی ہوتا ہے اور جب اس کی شہادت سے نفع مطلوب ہو تو اس وقت لام سے متعدی ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے: شَهِدَ لَهٗ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی صفائی بیان فرمائیں گے اور ان کی شہادت کی اہلیت بتائیں گے تو یہ شہادت ان کے مفید ہوگی۔ بہتر یوں تھا کہ کہا جاتا: وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ لَكُمْ شَهِيْدًا۔

ف: بخلاف امت کی شہادت کے کہ امم کو اس امت کی شہادت سے ضرر ہوگا اسی لیے وہاں پر شہدا کے بعد علٰی کا آنا اپنے محل میں ہے۔

جواب: الشهيد بمعنی الرقيب المطلع ہے۔ اس بنا پر اس کا علٰی سے متعدی ہونا صحیح ہے۔ شهيد الرقيب والمطلع کے معنی کو اس لیے متضمن ہے کہ کسی کی صفائی یا عدالت بیان کرنے میں ضروری ہوتا ہے کہ وہ اس کے حال سے مطلع ہو۔ کیونکہ وہ اگر ان کے کردار سے بے خبر ہے تو پھر تزکیہ و عدالت اور صفائی کا کیا معنی اگر وہ اس کی صفائی و عدالت سے واقف ہے تو اس کی صفائی بیان کرے گا ورنہ خاموشی اختیار کرے گا۔

سوال: عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا میں "صلہ" یعنی عَلَيْكُمْ مقدم کیوں ہے؟

جواب: کیونکہ ان کی عدالت و تزکیہ کی شہادت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخصوص ہے اگرچہ آپ

marfat.ocm

دیگر انبیاء علیھم السلام کی تبلیغ کی شہادت اور منکرین کی تکذیب کے بھی شاہد ہیں لیکن امت کی تعدیل وتزکیہ صرف آپ نے ہی فرمایا ہے گویا یہ حصر حقیقی ہے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو ایک جگہ جمع فرما کر امم سابقہ کے کفار کو فرمائے گا کہ کیا تمہارے پاس کوئی حکم سنانے والا آیا تھا وہ انکار کرتے ہوئے کہیں گے یا اللہ ہمارے پاس نہ تو کوئی بشیر آیا اور نہ نذیر پھر اللہ تعالیٰ انبیاء علیھم السلام سے پوچھیں گے کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ انبیاء علیھم السلام کہیں گے یا اللہ کفار جھوٹ بولتے ہیں۔ ہم نے تیرے احکام مکمل طور پر پہنچائے۔ اللہ تعالیٰ انبیاء علیھم السلام کو فرمائے گا اپنی صفائی کے گواہ پیش کرو۔ حالانکہ اسے خوب معلوم ہے صرف حجت قائم کرنے کی بناء پر ایسے ہوگا۔ انبیاء علیھم السلام کی گواہی کے لئے امت محمدیہ علی صاحبہ السلام حاضر ہوگی اور گواہی دے گی کہ واقعی یا اللہ انبیاء علیھم السلام تیرے احکام اپنی امتوں کو پہنچا چکے۔

امم سابقہ کے کفار کہیں گے یا اللہ انہیں کیسے معلوم ہوا یہ تو ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ امت محمدیہ علی صاحبہ السلام سے سوال کیا جائے گا کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا تو وہ عرض کریں گے کہ یا اللہ تو نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اور ان پر کتاب نازل فرمائی اس میں انبیاء علیھم السلام کی تبلیغ کا ذکر بھی تھا اور تو اپنی بات میں صادق ہے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے۔ آپ سے امت کے متعلق پوچھا جائے گا۔ آپ بھی اپنی امت کی صفائی پیش فرمائیں گے اور ان کے صدق کی گواہی دیں گے اس کے بعد کفار کو واصل جہنم ہونے کا حکم صادر ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ

ارباب حقیقت فرماتے ہیں کہ امت کا لوگوں پر شہادت دینے کا معنی یہ ہے کہ امت کو ادیان سابقہ کے حقوق پر نور توحید کی وجہ سے آگاہی حاصل تھی اور ان کو ہر دین کے حقوق کا علم تھا اور ان کے باطل کو بھی جانتے تھے۔ لیکن وہ باطل کو حق سے تعبیر کرتے حالانکہ وہ حق نہیں بلکہ وہ ان کے نفوس کے مخترعات ہیں جسے دین کی تحقیق نصیب ہوا سے تمام ادیان کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔ خصوصا دین اسلام جسے حق اعظم کہا جائے تو بجا ہے۔

ف: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کا معنی یہ ہے کہ رسول کو ہر دیندار کے دین کا علم ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ اس کے دین کی حقیقت کیا ہے اور اس حجاب کو بھی جانتے ہیں کہ جس سے وہ اپنے دین کے کمال

سے محجوب ہے اور آپ اپنی امت کے گناہوں کو اور ان سے ایمان کی حقیقت کو اور اعمال کو نیکیاں ہوں یا برائیاں اور ان کے اخلاق اور نفاق کو خوب جانتے ہیں۔[1] اور آپ کی امت کو نبی علیہ السلام کے نور کے صدقہ تمام امت کے گذشتہ امور بخوبی معلوم ہیں۔

ف: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو آخرالامم بنایا ہے صرف اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کو شرف بخشنے کی بنا پر ہے کیونکہ اگر ہم ان سے پہلے ہوتے تو ہمیں قبروں میں ان کا انتظار کرنا پڑتا جیسے اب وہ قبروں میں ہمارے لئے منتظر ہیں نیز ہم اس لئے آخر میں آئے تا کہ قیامت میں ان کے گواہ بنیں۔ یہ بھی ایک ہماری شرافت کی دلیل ہے اور اس امت کی بزرگی صرف یہی ایک دلیل کافی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت کے علماء کرام کے متعلق فرمایا: عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ۔ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء جیسے ہیں۔

حکایت: امام راغب اصفہانی علیہ الرحمہ محاصرات میں تحریر فرماتے ہیں کہ صاحب حزب البحر نے فرمایا کہ ایک روز میں مسجد اقصیٰ میں سو رہا تھا کہ خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ مسجد اقصیٰ کے باہر حرم شریف کے وسط میں ایک تخت بچھایا گیا اور بڑی مخلوق جمع ہو رہی ہے۔ میں نے پوچھا یہ جماعت کون ہے؟ مجھے کہا گیا یہ انبیاء اور رسل علیہم السلام کی جماعت ہے۔ یہ اس لئے جمع ہو رہے ہیں تا کہ حضور سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حسین حلاج سے جو غلطی شرعی واقع ہوئی اس کے بارہ میں سفارش کریں۔ جب میں نے تخت کو دیکھا تو اس پر صرف ہمارے نبی پاک شہ لولاک سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز ہیں اور دیگر سادات انبیاء علیہم السلام جیسے ابراہیم وموسیٰ ونوح علیہم السلام نیچے زمین پر تشریف فرما ہیں۔ میں وہاں پر ٹھہر گیا اور ان کے پیارے کلام سننے کا منتظر ہو گیا۔ اس مجمع انبیاء علیہم السلام میں حضرت موسیٰ علیہم السلام بولے اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر عرض کیا کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام جیسے ہیں آپ ان میں ایک تو ہمیں دکھائیں۔ ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ ہیں۔

---

[1] کذا قال الشاہ عبد العزیز الدھلوی فی تفسیرہ فتح العزیز فی ھذا المقام.

حضرت موسیٰ علیہم السلام نے امام غزالی سے ایک سوال کیا۔ امام غزالی نے اس کے دس جواب دیئے۔ حضرت موسیٰ علیہم السلام نے فرمایا کہ سوال کے مطابق جواب ہونا چاہیے میں نے سوال تو ایک کیا ہے لیکن آپ نے دس جواب دیئے۔ امام غزالی نے عرض کی: حضور! یہی اعتراض تو پہلے آپ پر وارد ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے پوچھا تھا: وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى (تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے اے موسیٰ) آپ کو جواب میں صرف کہنا تھا هِیَ عَصَایَ (یہ میرا عصا ہے) لیکن آپ نے بڑا طویل جواب دیا۔ امام شاذلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے نبی سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند قدر اور شان وشوکت کو دیکھ رہا تھا۔ سبحان اللہ! آپ اکیلے ہی تخت پر ہیں اور دیگر انبیاء خلیل وکلیم اور عیسیٰ علیہم السلام نیچے ہیں۔ ابھی میں اس حال میں تھا کہ کسی نے میرے سینہ پر پاؤں مارا جس سے میں جاگ اٹھا۔ امام بوصیری علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے:

فَانْسُبْ اِلٰى ذَاتِهٖ مَا شِئْتَ مِنْ شَرَفٍ
وَانْسُبْ اِلٰى قَدْرِهٖ مَاشِئْتَ مِنْ عِظَمٖ
اَللّٰهُمَّ يَسِّرْ لَنَا شَفَاعَتَهٗ

ترجمہ: آپ کی بزرگی کے لئے جتنا چاہو بیان کرو آپ کی قدر و منزلت جتنا دل چاہے ظاہر کرو۔ اے اللہ! ہمیں آپ کی شفاعت نصیب فرما۔

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ۔ اَلْقِبْلَةَ، جَعَلْنَا کا مفعول اوّل ہے۔ اَلَّتِیْ كُنْتَ عَلَيْهَا یہ جَعَلْنَا کا مفعول ثانی ہے اور الجهة موصوف محذوف ہے۔ اصل عبارت یوں تھی: الجهة العی کنت علیها۔ اس سے مراد کعبہ ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے پر مامور تھے اور کعبہ شریف بکہ معظمہ میں ہے پھر جب آپ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو آپ کو اس پتھر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا جو بیت المقدس میں تھا اور اس مقام سے ملائکہ آسمان کی طرف چڑھتے پھر چند روز بعد کعبہ شریف کی طرف جکم دیا گیا۔ اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے آپ کو جس طرح کا حکم دیا ہے یعنی وہ جہت کہ جس کی طرف آپ نے متوجہ ہونا ہے ہم نے آپ کو صرف اس لیے لوٹایا ہے۔

اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ تا کہ ہمیں معلوم ہو کہ کون حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتا ہے مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ اور کون اپنے گنوں کی طرف پھر جاتا ہے عقب قدم کی طرف کو کہتے ہیں اور گنوں کی

طرف لوٹنا ارتداد سے استعارہ ہے اور دین سے باطل کی طرف پھر جانا مقصود ہے آیت کا معنی یہ ہے کہ ہمارا علم مظاہر رسول اور مومنین پر ظاہر ہو جائے اور واضح ہو جائے کہ ان میں صادق الاسلام کون ہے اور متردد کون۔ جو کہ معمولی سبب سے دین سے ہٹ جاتا ہے اور اس کا ایمان کمزور پڑ جاتا ہے اس کا معنی ہرگز نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے قبل نہیں جانتا تھا اور اب جان لیا ہے کیونکہ وہ تو ازل سے جانتا ہے اور ان کے تمام حالات جو کسی وقت بھی واقع ہونے والے تھے تمام کو جانتا تھا اسی طرح ہر وہ شخص جو ان حالات کو جانتا ہے اسے بھی یہ علم ظاہر ہوتا ہے۔

ف: اس تقریر کے موافق ہے جو کہا جاتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین جان لیتے ہیں اس لیے کہ ان کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے کیونکہ وہ اس کے خواص اور اس کے قرب والے ہیں (الحمدللہ یہی اہل سنت کہتے ہیں اور یہی ہمارا عقیدہ ہے اویسی غفرلہ) یہ مطلب امام قاشانی کا اختیار کردہ ہے جو انہوں نے تاویلات میں بیان فرمایا ہے۔ انہوں نے اس مطلب کے ماسوا کو ضعیف قرار دیا ہے۔

ف: لِنَعْلَمَ میں علم بمعنی معرفت ہے اب معنی یہ ہوا کہ اس کی معرفت ہو کہ کون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کرتا ہے علم کو معرفت لینے سے مفعول ثانی کی ضرورت نہیں۔

سوال: اللہ تعالیٰ کو معرفت سے موصوف نہیں کیا جاتا اَللّٰهُ عَارِف " نہیں کہا جا سکتا جب ایسے ہے تو پھر یہاں پر لِنَعْلَمَ بمعنی لِنَعْرِفَ کیسے مانا جائے؟

جواب: اللہ تعالیٰ معرفت سے اس وقت موصوف نہیں مانا جاتا ہے جب کہ معرفت کا معنی اِدْرَاک مسبوق بالعدم کیا جائے۔ اگر معرفت بمعنی ادراک مطلق ہو کہ اسے دوسرے مفعول کی ضرورت نہیں ہوتی اس وقت اللہ تعالیٰ پر معرفت کا اطلاق جائز ہے۔

ف: مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ کے فاعل سے حال ہے یعنی ہم معلوم کر لیں کہ کون اہل ایمان سے علیحدہ ہوتا ہے۔

وَاِنْ كَانَتْ یعنی قبلہ موحولہ لَكَبِيْرَةً سخت اور ثقیل ہے اس کے لئے جو قبلہ منسوخہ سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ انسان کو ہر وہ بات سخت محسوس ہوتی ہے جس سے متوجہ ہو کر پھر اس سے توجہ ہٹائی جائے۔

ف: ان مخففہ میں من المثقلہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے یعنی القبلہ اور لام جو لَكَبِيْرَةً " پر داخل ہے یہ لام فارقہ مابین ان نافیہ اور مثقلیہ کے ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں واقع ہے۔ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ،

marfat.ocm

اِلَّا عَلَى الَّذِیْنَ هَدَى اللّٰهُ ہاں ان لوگوں پر یہ ثقیل نہیں ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے احکام کے حکم کی طرف انہیں راہ دکھائی ہے اور انہیں عرفان دیا ہے کہ جن احکام کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مکلف بنایا ہے ان میں کوئی حکمت مضمر ہے اگرچہ انہیں ان احکام کی حکمت معلوم بھی نہ ہو سکے۔ پھر بھی انہیں یقین ہوتا ہے سعادت مند وہ ہے جو اپنے رب حکیم کے احکام کی فرمانبرداری کرے اور وہ بڑا بد بخت ہے جو اپنے رب حکیم کی بے فرمانی کرے اس کے بعد بیان فرمایا کہ وہ لوگ اس ثابت قدمی اور فرمانبرداری پر اجر و ثواب کے مستحق ہیں اور ان کا کوئی عمل ضائع ہونے والا نہیں۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ نہیں کہ لِیُضِیْعَ اِیْمَانَكُمْ تمہاری ثابت قدمی اور اس تصدیق کو ضائع کرے جو کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے احکام کو مانا اور ان میں ذرہ برابر بھی شک نہیں کرتے۔

اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ بیشک اللہ تعالیٰ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رؤف سے متعلق ہے لَرَءُوْفٌ لوگوں کے لئے بڑی رحمت والا ہے کہ انہیں اس قبلہ کعبہ کی طرف منتقل فرمایا ہے جو ان کے لئے یہی زیادہ مناسب رہے رَّحِیْمٌ رحم کرنے والا ہے کہ ایمان کی وجہ سے ان کے گناہ بخشا اور انہیں رزق دیتا ہے۔

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

فرو ماندگاں را برحمت قریب ۔۔۔ تضرع کناں را بدعوت مجیب

(عاجزوں کو اپنی رحمت کے لحاظ سے قریب اور عاجزی کرنے والوں کی دعا قبول کرتا ہے)

حکایت: سیدنا داؤد علی نبینا وعلیہ السلام کے زمانہ میں ایک بڑا ظالم کافر تھا اسے گرفتار کر کے سولی پر چڑھایا گیا۔ عشاء کے وقت اسے سولی پر چھوڑ کر تمام لوگ اپنے گھروں کو چلے گئے اور یہ اکیلا سولی پر چھوڑ دیا گیا اس نے اپنے معبود باطلہ کو پکارا لیکن کوئی جان رہائی نہ ہوئی پھر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے نہایت زاری اور انکساری سے عرض کیا کہ الٰہ العالمین مجھے اس پھانسی سے نجات دے۔ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام سے فرمایا اس نے اپنے معبودوں کو پکارا انہوں نے اس کی کیا مدد کرنی تھی اب وہ مجھے پکار رہا ہے مجھے اس کے حال پر رحم آتا ہے اسے بآرام سولی سے اتار کر زمین پر پہنچائیے۔ چنانچہ جبریل علیہ السلام نے حکم بجالایا صبح کو لوگ آئے دیکھا تو باعافیت اور زندہ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے

اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے الٰہ العالمین ماجرا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو بندہ میرے سامنے عاجزی وانکساری کرے مجھے اس کے حال پر رحم آتا ہے اس نے عاجزی کی میں نے اس کی عاجزی سے اسے چھوڑ دیا ہے اگر میں ایسے نہ کرتا تو پھر میرے اور اس کے باطل معبودوں میں کیا فرق رہتا۔

تفسیر صوفیانہ

ایک جماعت تحویل قبلہ کے وقت مرتد ہوگئی اس کی وجہ وہی تھی کہ ان کا تعلق ماسوی اللہ سے تھا اور فنا فی اللہ نہیں تھے اور اس قضا پر راضی نہ ہوئے جو ان پر آنے والی تھی انہیں میلان الی الباطل نے گھیر لیا اور گمراہی کے سیلاب میں بہہ گئے اور وہ لوگ جو ازل سے سعادت مند تھے نہ وہ بیت المقدس کے خوگر تھے اور نہ ہی انہیں کعبہ سے غرض تھی بلکہ وہ تو اپنے مالک حقیقی کے عاشق تھے۔ اسی لیے مشیت ایزدی نے انہیں ارتداد سے بچالیا اور ارادہ الٰہی کی شہد سے نوازے گئے جس سے انہیں دائمی سرور وصفا نصیب ہوا۔ حضرت صائب مرحوم نے فرمایا:

مہیا نے فنا از علائق نیست پروانے نیدلیش غبار آنکس کہ داماں بر کمر دارد
(فانی فی اللہ کو علائق کی پرواہ نہیں ہوتی اسے گرد کیا پہنچے گی جس کا دامن غبار سے اونچا ہو)

حکایت: سیدنا ابوالقاسم جنید بغدادی قدس سرہٗ کو لوگوں نے عشق حقیقی میں دیکھ کر سمجھا کہ وہ یا تو مریض ہیں یا مجنون ہوگئے ہیں۔ اس لیے انہیں ہسپتال میں داخل کرا دیا۔ ان کے معتقدین زیارت کے لئے حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے عرض کی ہم آپ کے غلام ہیں۔ آپ نے سنتے ہی انہیں پتھر مارے جس سے وہ لوگ آپ سے بھاگے اور کہنے لگے کہ آپ پر جنون کا غلبہ ہے۔ آپ نے سن کر فرمایا کہ دعوی محبت کا کرتے ہو اور تمہارا عمل اس کے برعکس ہے کیونکہ محب تو وہ ہوتا ہے جو محبوب کی ہر دی ہوئی تکلیف کو دل وجان سے قبول کرے۔

ف: انبیاء کرام علیہ السلام واولیا عظام کے ہاں مصائب حلوہ سے زیادہ لذیز ہوتے ہیں اسی لیے وہ صبر ورضا کا جام پی لیتے ہیں اور مشکلات ومشاہدات کی گہرائیوں میں غوطہ زن ہوتے ہیں اور حال وقال سے توحید اور ذکر حق میں مشغول رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ غیر اللہ کی طرف التفات حتی کہ طعام کے لقمہ اٹھانے کو بھی عبث اور مانع سمجھتے ہیں اسی لیے وہ حضرات فنا وبقاء سے اپنے اعلیٰ مقاصد پر فائز المراد ہوتے ہیں۔

حکایت: سیدنا موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام نے جب کہا: رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ

marfat.ocm

تو مجھے فانی جسم میں نہیں دیکھ سکے گا۔ صبر کیجئے تاکہ میں آپ کو بقا عطا کروں پھر مجھے دیکھ لینا اے موسیٰ دس سال تو نے شعیب علیہ السلام کی بکریاں چرائی ہیں کیا صرف چالیس دن کی عبادت سے مجھے دیکھنا چاہتا ہے اس کے بعد انہیں اللہ تعالیٰ نے چن لیا اور جو کچھ عنایت کرنا تھا عطا فرما دیا۔

جب موسیٰ علیہ السلام واپس لوٹنے لگے تو راستہ میں ایک بہت بڑے اونچے پہاڑ کو دیکھ کر متعجب ہوئے کہ یہ پہاڑ کہاں سے آ گیا۔ پہاڑ بولا کہ اے موسیٰ علیہ السلام تم میرے اندر بکریاں چراتے تھے آپ کے سر پر ٹوپی ہوتی تھی اور تمہارے ہاتھ میں عصا ہوتا تھا اب اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی رسالت سے اور کلام سے نوازا ہے اور مجھے بھی اپنے فضل و کرم سے بلند و بالا بنا دیا ہے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ وَاِتِّبَاعِ رَسُوْلِكَ الْكَرِيْمِ وَاهْدِنَا اِلٰى كَعْبَةِ ذَاتِكَ وَالا نجذاب اِلَيْكَ وَالْوُصُوْلُ اِلٰى مُشَاهِدَتِكَ آمين يا رب العالمين بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ. صلى الله عليه وعلى آله اجمعين.

ترجمہ : اے اللہ! ہمیں سیدھے راستہ پر چلا اور اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع نصیب فرما اور اپنی ذات کے کعبہ کی توجہ عطا فرما اور اپنی طرف میلان اور اپنے مشاہدہ تک پہنچنے کی توفیق نصیب فرما۔

اس سے ثابت ہوا کہ جہاں محبوبان خدا کا گزر ہوتا ہے وہ جگہ اور وہ مقام اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبارک و مقدس بن جاتا ہے اگرچہ ہمیں اس کا علم نہ ہو لیکن حقیقت میں نگاہوں میں اس کے متبرک ہونے میں شک نہیں اور جہاں ان کا مستقل قیام ہو اس کی بلندی شان کا کیا کہنا (اویسی غفرلہ)

اس آیت سے حدیث **کلهم يطلبون رضائي وانا اطلب رضاك يا محمد (صلى الله عليه وسلم)** جس کا ترجمہ امام اہلسنت مجدد دین وملت فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے اس شعر میں بیان فرمایا ہے:

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم   خدا چاہتا ہے رضائے محمد (ﷺ)

آیت خداوند کریم سے اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہٗ کے شعر مذکور کی تائید ہوئی اور یہ شعر ہے **کلهم يطلبون رضائي الخ** کا ترجمہ۔ اگرچہ یہ روایت سند میں ضعیف ہو تب بھی باصطلاح محدثین معناً صحیح ہوگی اس لیے کہ اصول حدیث کا مسلمہ قانون ہے کہ جو روایت سند کے اعتبار سے ضعیف ہو اگر اس کا معنی آیت قرآن یا کسی دوسری صحیح حدیث سے موید و موثق ہو جائے تو وہ روایت معنیً صحیح کہلاتی اور حدیث مذکورہ آیت مذکورہ کے علاوہ

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى (عنقریب تیرا رب تمہیں اتنا عطا فرمائے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے) سے موثق ہے اور احادیث مبارکہ تو اس بارہ میں بکثرت ہیں۔ چند مندرجہ ذیل ہیں۔

خصائص کبریٰ میں ہے کہ:۔

۱:۔ حدیث میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محمد راضی نہیں ہوگا جب تک اس کی امت کا ایک آدمی بھی دوزخ میں رہے گا۔

۲:۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں راضی نہیں ہوں گا جب تک میرا ایک امتی بھی دوزخ میں ہوگا" (تفسیر نیشاپوری حاشیہ طبری جلد ۱۲، صفحہ ۱۰۹)

۳:۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی آیت مذکورہ کے تحت یہی مروی ہے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ ان کا ایک امتی بھی دوزخ میں ہوگا۔

(تفسیر درمنثور جلد ۶ صفحہ ۳۶۱ از امام سیوطی علیہ الرحمہ)

سبحان اللہ! کیا مقام ناز وشان محبوبیت ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے حبیب کریم کو اتنا عطا فرمانے کا وعدہ فرماتا ہے کہ حبیب راضی ہو جائیں اور حبیب پاک رحمت خداوندی وا پنی شان محبوبیت کے ساتھ فرماتے ہیں کہ میں راضی نہ ہوں گا جب تک ایک امتی بھی دوزخ میں رہے۔

۴:۔ سیدنا حسان صحابی رضی اللہ عنہ نے بھی اسی شان محبوبیت کی بناء پر حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا ہے کہ آپ ہر عیب سے مبرا پیدا کئے گئے ہیں۔ كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ۔ گویا کہ جیسا آپ نے چاہا۔ آپ کے خالق نے ویسا ہی آپ کو بنا دیا ہے۔

۵:۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھی حضور کی بارگاہ میں اسی طرح عرض کی کہ مَا اَرٰى رَبَّكَ اِلَّا يُسَارِعُ فِىْ هَوَاكَ۔ یا رسول اللہ! میں آپ کے رب کو نہیں دیکھتی مگر حضور کی خواہش پورے کرنے میں جلدی وشتابی کرتا ہوا۔ (بخاری شریف جلد ۳ صفحہ ۲۴۵)

۶:۔ بروز حشر بھی اسی شان محبوبیت ودرجائے مصطفیٰ کا یوں مظاہرہ ہوگا کہ جب حبیب اپنے رب کریم کے حضور سربسجدہ ہوں گے تو رب کریم فرمائے گا:

marfat.ocm

یا محمد ارفع راسک قل تسمع سل تعطه اشفع تشفع

اے محمد اپنا سر سجدہ سے اٹھاؤ جو کہے گا سنا جائے گا جو مانگے گا دیا جائے گا جو شفاعت کرے گا قبول ہوگی۔

(مسلم شریف جلد ۱ صفحہ ۱۰۹)

۷:۔ یہاں تک کہ رب کریم کو اپنے حبیب کریم کی رضا اتنی مطلوب ہے کہ بعض دفعہ رب کریم نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ فرمایا۔ فرماتے ہیں: اِنَّ رَبِّیْ اِسْتَشَارَنِیْ فِیْ اُمَّتِیْ مَاذَا اَفْعَلُ بِھِمْ

(الحدیث امام احمد، بن عساکر، عن حذیفہ رضی اللہ عنہم)

ترجمہ: بیشک میرے رب نے میری امت کے بارے میں مجھ سے مشورہ طلب فرمایا کہ میں ان کے ساتھ کیا کروں۔

سبحان اللہ! شان محمدی و مقام محمدی اور رضائے مصطفیٰ کی کیا بات ہے مگر جن بے دین اور گستاخ لوگوں کا عقیدہ باطلہ ہو کہ نبی کریم ہمارے جیسا بشر ہے ان کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجئے۔ رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا اور ان کی خواہش کچھ نہیں چلتی وغیرہ۔ ذالک من الخرافات۔ ایسے بدنصیبوں کو شان محمدی و رضائے مصطفیٰ کے جلووں کی کیا خبر۔

ؔ آنکھ والا تیرے جلووں کے نظارے دیکھے
دیدۂ کور کو کیا نظر آئے کیا دیکھے

۸:۔ حدیث یطلبون شیخ محقق علامہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے نقل فرمایا کہ خداوند کریم فرماتا ہے:

"اے محمد! سب میری رضا کے طالب ہیں اور میں تیری رضا کا طالب ہوں" (تکمیل الایمان صفحہ ۲۲)

شیخ عبدالرحمٰن صفوری نے علامہ ابن جوزی سے نقل کیا ہے کہ "بیشک اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی فرمائی کہ اے محمد! سب میری رضا چاہتے ہیں اور میں تیری رضا چاہتا ہوں" (نزہۃ المجالس جلد ۲ صفحہ ۱۳۵)

۹:۔ مولوی ثناء اللہ امرتسری کے استاذ مولوی محمود حسن اور ان کے استاذ پیر مولوی رشید احمد گنگوہی کے فتاویٰ کا سوال و جواب ملاحظہ ہو۔

سوال: ایک روایت بطور حدیث قدسی کے اس ملک میں مشہور ہے۔ بعض علماء کو دیکھا ہے کہ خطبہ میں بھی پڑھتے ہیں یہاں تک کہ تکمیل الایمان تصنیف شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ میں بھی مندرج ہے"

کلھم یطلبون رضائی وانا اطلب رضاک یامحمد صلی اللہ علیہ وسلم

جواب: اس کی صحت و سند بندہ کو معلوم نہیں اور اس کے معنی آیت۔ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی کے لئے

جائیں تو معنی صحیح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ رشیدیہ کمل صفحہ ۴۳۷)

۱۰:۔ امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ نے بھی مذکورہ روایت والفاظ نقل فرمائے ہیں اور لکھا ہے کہ انہ تعالیٰ یفعل کل مایرضاء الرسول (کہ اللہ تعالیٰ وہی کرتا ہے جو اس کا رسول چاہتا ہے) (تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۱۰۶)

۱۱:۔ حضرت مجدد الف ثانی کے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم قیومی نے لکھا ہے کہ حدیث قدسی میں آیا ہے اطلب رضاک یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم (مکتوبات خواجہ صفحہ ۳۷)

امام نسفی نے روایت نقل فرمائی کہ موسیٰ علیہ السلام کے کلیم اللہ اور حبیب اللہ میں فرق پوچھنے پر رب تعالیٰ نے فرمایا: الکلیم یعمل برضا مولاہ والحبیب یعمل مولاہ برضاہ

ترجمہ : کلیم اپنے مولا کی رضا پر عمل کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کی رضا کو پورا فرماتا ہے۔ (نزہۃ المجالس جلد ۲ صفحہ ۱۳۵)

۱۳:۔ ملا علی قاری علیہ الرحمہ الباری نے خلیل وحبیب میں فرق نقل کیا ہے کہ خلیل کا فعل اللہ کی رضا کے لئے ہوتا ہے اور اللہ کا فعل اپنے حبیب کی رضا کے لئے ہوتا ہے۔ والحبیب یکون فعل اللہ برضاہ۔

(مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۵ صفحہ ۳۲۹)

قَدْ یہ لفظ جب مضارع پر داخل ہوتا ہے تو بمعنی تقلیل کے لئے آتا ہے اور کبھی تکثیر کے لئے لیکن بطریق استعارہ بوجہ مجانست مابین الضدین کے بھی مستعمل ہوتا ہے۔ نَرٰی لفظاً مضارع اور معنی ماضی تلاوت کے لحاظ سے مؤخر اور معنی کے لحاظ سے مقدم ہے اس لیے کہ قصہ تحویل قبلہ کی اصل بنیاد یہی ہے اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے مشاہدہ کیا اور معلوم کیا تَقَلُّبَ وَجْهِكَ آپ کا بار بار منہ پھیرنا اور آنکھیں اٹھا اٹھا کر دیکھنا فِی السَّمَآءِ آسمان یعنی ہماری طرف وحی کے انتظار میں۔

تفسیر عالمانہ

شان نزول: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دل ہی دل میں خیال فرما کر اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے تھے کہ ان کا نماز کے لئے کعبہ کی طرف منہ پھیرا جائے کیونکہ وہ آپ کے داداجان سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ اور اقدام القبلتین ہے۔ علاوہ ازیں اہل عرب کی دعوت الی الاسلام کے لئے زیادہ موثر ثابت ہوگا۔ اس لیے کہ انہیں اس قبلہ پر فخر اور اسی کو اپنی پناہ گاہ مانتے تھے اور اس کی زیارت کے لئے بار بار حاضر ہوتے اور اسی کا طواف کرتے اسی سے یہودیوں کی مخالفت بھی مطلوب تھی کہ

وہ کہتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ادھر تو ہماری مخالفت پہ تلے ہوئے ہیں اور ادھر ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے ہیں۔ اگر ہم نہ ہوتے تو انہیں معلوم نہ ہوتا کہ کس طرف منہ کر کے نماز پڑھی جاتی ہے اسی وجہ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنا نہیں چاہتے تھے یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا: **وددت ان اللہ صرفنی عن قبلة الیہود الی غیرھا ۔**

ترجمہ : یعنی میں چاہتا ہوں اللہ تعالیٰ یہود کے قبلہ سے میرا رخ پھیر کر کسی دوسرے قبلہ کی طرف متوجہ فرما دے۔

جبریل علیہ السلام نے عرض کی میں آپ کی طرح ایک اللہ کا عبد ہوں اور آپ کی اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی عزت ہے آپ خود ہی اپنے رب سے عرض کیجئے یہ کہہ کر جبریل علیہ السلام آسمان کی طرف چلے اور حضور علیہ السلام نے آسمان کی طرف آنکھیں لگا دیں۔ اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبریل کوئی نیا پیغام لائیں۔ یعنی جس کا میں نے عرض کیا ہے اس پر جبریل علیہ السلام یہی آیت لائے۔

ف: قرآنی احکام میں سب سے پہلا ناسخ و منسوخ یہی حکم ہے کہ پچاس نمازوں سے پانچ ہوئیں۔ پھر تحویل قبلہ کا نسخ ہوا کہ کعبۃ اللہ سے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کا حکم ہوا اور یہ نسخ مکہ معظمہ میں ہوا۔ اس سے مشرکین کی آزمائش مطلوب تھی یہ بھی ان کے بعد جب کہ نمازی کو حکم تھا کہ جس طرف چاہے منہ کر کے نماز پڑھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ اس کے بعد پھر بیت المقدس سے کعبۃ اللہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنے کا حکم ہوا اور وہ بھی مدینہ طیبہ میں اس سے یہود کا امتحان مقصود تھا۔

(کذا فی التفسیر الفاتحہ للمولیٰ الفناری)

فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً یعنی بخدا ہم تجھے وہی قبلہ عنایت فرمائیں گے یا ہم تمہیں اس طرف منہ کرنے کی قدرت دیں گے یہ مشتق ہے **ولیتہ کذاری صیغرتہ والیا** اور **ولی الرجل ولایعہ** سے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ کوئی کسی سے قدرت پائے یا اس کا معنی یہ ہے کہ تجھے کر دیں گے اسی سمت کی جانب جس کے تم قریب ہو نہ کہ بیت المقدس کی سمت کی جانب یہ مشتق ہے۔

قُرِّبَهُ وَدَانِيَهُ وَأَوْلَيْتُهُ إِيَّاهُ أَيْ أَدْنَيْتُ ۔ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی کو کسی کے قریب کر دیا جائے۔

تَرْضٰهَا جس قبلہ سے آپ راضی ہوتے ہیں یہ محبت واشتیاق سے مجاز ہے کیونکہ حضور علیہ السلام بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے سے غصہ میں نہیں تھے اور نہ ہی اسے مکروہ سمجھتے اور نہ ہی اس سے ناراض تھے۔ اب تَرْضٰهَا کا معنی ہوگا تُحِبُّهَا وَتَشُوْقُ اِلَيْهَا یعنی آپ اس قبلہ کی محبت اور اس کا اشتیاق رکھتے ہیں نہ اس لیے کہ اس سے آپ کی نفسانی خواہش یا طبعی غرض ہے بلکہ مقاصد دینیہ کی وجہ ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے موافق ہے۔

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اپنا چہرہ اس طرف کیجئے جو کعبہ کی طرف کے قریب ہے۔ وجہ سے یہاں پر تمام بدن مراد ہے کیونکہ مکلف پر ضروری ہے کہ وہ اپنے تمام بدن کو قبلہ کی طرف متوجہ کر دے نہ صرف اپنا چہرہ۔

سوال: چہرہ کی تخصیص کس لیے؟

جواب: چونکہ چہرہ بدن کا اصل ہے اور قاعدہ ہے جب متبوع کا ذکر آجائے تو توابع خود بخود مذکور ہو جاتے ہیں

ف: مسجد حرام سے متبادر وہی بڑی مسجد مراد ہوتی ہے جس میں کعبہ مکرمہ ہے اور حرم سے وہ مقام مراد ہے جس میں جنگ وجدل حرام ہے یا اسے اس لئے حرام کہتے ہیں کہ ظالموں پر حرام ہے اور ان کے لئے ممانعت ہے کہ وہ اس مقام پر ظالمانہ تصرف کریں۔

سوال: لفظ کعبہ کی بجائے مسجد حرام کا نام کیوں لیا گیا؟

جواب: اس طرف اشارہ ہے کہ نماز کے لئے کعبہ کی جہت ہی کافی ہے اور یہی مذہب حنفیہ اور شافعیہ کا ہے کیونکہ جو بعید ہے اسے کعبہ کے عین کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنا حرج بلکہ ناممکن ہے بخلاف قریب کے وہ عین کعبہ کی طرف توجہ کرتا ہے۔

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ یعنی زمین کے جس مقام پر بھی تم گزر رہے ہو، دریاؤں میں یا جنگلوں میں، مشرق میں یا مغرب میں، جب بھی تم نماز کا ارادہ کرو تو فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ اس کی طرف تم اپنے چہرے پھیر دو۔ کیونکہ نسخ صورتک تمہارا وہی قبلہ ہے اس میں جمیع مومنوں کو حکم دیا گیا ہے بعد اس کے کہ حضور علیہ السلام کو حکم دیا گیا

مسئلہ: آیت کے عموم سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حکم تمام بندوں کو ہے خواہ وہ شہری ہو یا دیہاتی۔ اس میں امت کو تنبیہ ہے کہ نبی علیہ السلام کی متابعت سب پر لازم ہے۔ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بیشک وہ لوگ جو کتاب دیئے گئے ہیں اہل کتاب کے ہر دو گروہ یعنی یہود ونصاریٰ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ تا کہ انہیں معلوم ہو کہ کعبہ کو قبلہ بنانا اَلْحَقُّ

marfat.ocm

حق ہے۔ ثابت ہے مِنْ رَّبِّهِمْ ان کے رب کی طرف سے اس لیے ان کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دونوں قبلوں کی طرف منہ کر کے نماز ادا کریں گے پہلے وہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں گے پھر ان کا رخ پھیر کر کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہوگا۔

مِنْ رَّبِّهِمْ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے نہ کہ اسے رسول علیہ السلام نے اپنی طرف سے اختراع فرمایا ہے۔ یہ اس لئے کہ ان کا گمان تھا کہ یہ حکم نبی علیہ السلام نے اپنی طرف سے دیا ہے۔ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ اللہ تعالیٰ اس سے غافل نہیں جو تم عمل کرتے ہو۔ یہ خطاب تمام مسلمانوں اور یہود کو ہے اس میں مسلمانوں کو ثواب اور بہترین جزا دینے کا وعدہ ہے اور یہودیوں کو ان کے عناد پر تہدید ہے۔ وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ اور اگر آپ اہل کتاب کو تمام آیات لا کر دیں یعنی کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کے متعلق جو کہ حق ہے برہان قاطع پیش کریں مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ تو وہ آپ کے قبلہ کی عناد مکابرۃ تابعداری نہیں کریں گے اور یہ ایک مخصوص گروہ کے حق میں ہے جنہیں اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ ایمان لانے والے نہیں ورنہ بعض ان میں ایسے بھی تھے جو ایمان لائے اور قبلہ کی اتباع بھی کی جیسے حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ اور نہ ہی آپ ان کے قبلہ کی تابعداری کرنے والے ہیں ان کے طمع کو پورے طور ختم کرنا مقصود ہے جبکہ وہ اسی امید میں تھے کہ حضور علیہ السلام ہمارے قبلہ کی طرف لوٹ آئیں گے اور کہتے تھے کہ اگر نبی علیہ السلام ہمارے قبلہ پر ثابت رہے تو ہم سمجھیں گے جس نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم منتظر تھے وہ یہی ہے اس لئے انہیں طمع تھا کہ حضور علیہ السلام بیت المقدس کی طرف رجوع فرمائیں گے۔ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ اور نہ ہی ان کے بعض ایک دوسرے کے تابع ہونے والے ہیں اس لئے کہ یہود کا قبلہ بیت المقدس کا پتھر اور نصاریٰ کا قبلہ مطلع الشمس ہے۔ ان کے آپس کے توافق کی امید نہیں جیسے ان کا آپ کے ساتھ موافق ہونا ناممکن ہے کیونکہ ہر گروہ اپنے خیالی قبلہ پر مضبوط ہے۔ پھر ان میں جو حق پر ہے وہ موقف سے کیسے ہٹ سکتا ہے جبکہ اس کے پاس اپنے خیالی دلائل و براہین ہیں اور باطل تو اپنے غلط ارادوں سے ہٹ سکتا ہی نہیں اس لئے جبکہ وہ عناد سرکشی میں پھنسا ہوا ہوتا ہے۔ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ۔ اور اگر تم ان کی خواہشات کی تابعداری کرو گے۔

ف: اَهْوَآءَ ھوی کی جمع ہے، بمعنی ارادہ و محبت یعنی اگر آپ ان کے ارادوں کی بایں طور موافقت کریں کہ ان

کے قبلہ کی طرف منہ کرے نماز پڑھیں تا کہ وہ خوش ہو کر آپ پر ایمان لائیں۔

مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ بعد اس کے کہ آپ نے وحی سے معلوم کر لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قبلہ یہی کعبہ ہے۔ اِنَّكَ اِذًا بیشک تم اس وقت یہ "اِذًا" جواب وجزء کا کہلاتا ہے اِنَّ کے اسم اور اس کی خبر کے درمیان کی تاکید وتقریر جوان کے مابین نسبت ہے کے لئے واقع ہوا ہے لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ بہت بڑے ظلم کے ارتکاب کرنے والوں سے ہو جاؤ گے یہ جملہ شرطیہ فرضیہ ہے اس میں قبلہ کعبہ کے لئے برانگیختہ کرنا اور حق پر ثابت قدم رکھنا مقصود اور سامعین کو لطف وکرم کا اظہار بھی ہے اور انہیں خواہشات نفسانی سے دور رہنے کی تلقین بھی اس لئے کہ جب یہ بات ایسی ذات سے کی جارہی ہے کہ اس سے ایسے امور کا صدور ممتنع ہے اور نہ ہی ان کی یہ شان ہے کہ وہ منہی عنہ کا ارتکاب کریں بلکہ ان سے بفرض المحال ایسا معاملہ کیا جارہا ہے تو پھر اس کا کیا حال ہوگا جو برائیوں کا ارتکاب کرتا ہے حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

تازہ کن ایمان نہ آں گفت زبان   اے ہوا را تازہ کردہ در نہاں

اے دل میں خواہش نفسانی پر دل لگانے والے ایمان کو تازگی کے اسباب تلاش کیجئے اور صرف زبانی جمع خرچ سے کچھ نہیں بنے گا حقیقی طور جدوجہد کیجئے اس لئے کہ جب تک خواہش نفسانی زندہ رہے گی ایمان کی تازگی نصیب نہیں ہوگی۔ خواہش کو بند کر دو تو ایمان کا دروازہ کھلے گا)

تاہوا تازہ است ایمان   کیں ہوا اخیر قفل آں دروازہ نیست

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ جنہیں ہم نے کتاب دی یعنی فہم وذکا عطا کیا اس سے ان کے علماء مراد ہیں۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتے ہیں كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ جیسے وہ اپنے بچوں کو پہچانتے ہیں یعنی حضور اکرم کی رسالت پر کسی قسم کا شک وشبہ نہیں تھا۔

سوال: اَبْنَآءَ کی تخصیص کیوں جب کہ اولاد میں بچیاں بھی تو ہوتی ہیں؟

جواب: بچے بہ نسبت بچیوں کے زیادہ مشہور ومعروف ہوتے ہیں علاوہ ازیں بچے آباء کے ساتھ اکثر ساتھ رہنے کی وجہ سے ان کے قلوب کے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔

سوال: كَمَا یَعْرِفُوْنَ کی بجائے اَنْفُسَهُمْ کیوں نہ فرمایا اس لئے کہ انسان کو اپنے نفس کی معرفت بہت زیادہ ہوتی ہے بہ نسبت دیگر اشیاء کے۔

جواب: امام راغب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں انسان اپنے آپ کو بہت بڑی مدت کے بعد پہچانتا ہے

بخلاف اپنی اولاد کے انہیں پیدا ہوتے ہی پہچان لیتا ہے۔

وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ اور بے شک ایک گروہ اس سے ان کے اکابر مراد ہیں حق سے انہیں عناد تھا لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ وہ حق چھپاتے ہیں حالانکہ انہیں علم ہے کہ حضور اکرم اور اللہ کا قبلہ ہے ان کے سوا باقی وہ حضرات جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے وہ حق کو ظاہر کرتے ہیں اور اسے چھپاتے نہیں ہاں وہ جہال جو ان میں ہیں نہ انہیں کتاب کی معرفت ہے اور نہ ہی کتاب کے احکام کا علم اسی لئے انہیں اظہار سے واسطہ اور نہ چھپانے سے تعلق۔ وہ تو صرف اپنے آباء کے کفر میں محض مقلد ہیں اَلْحَقُّ جس پر آپ ہیں اے محمد وہ حق ہے مِنْ رَّبِّكَ تیرے رب کی طرف سے یہ الحق کی خبر ہے۔ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ نہ ہو جاؤ شک کرنے والوں میں سے مثلاً شک ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یا نہ بظاہر یہ خطاب تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو ہے اور مراد آپ کی امت ہے کہ وہ شک میں مبتلا نہ ہوں اور شک سے روکنے سے یقین اور طمانیت قلب مقصود ہے۔

تفسیر صوفیانہ امام قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ انہیں پوشیدہ حسد اور سو اختیار کرنے مکابرہ پر ابھارا جب کہ انہیں معلوم ہوا کہ ہماری شان وشوکت چھنی جائے گی اسی طرح ہر وہ شخص جو نفس کے ظلمات میں غوطہ زن ہو جب کہ وہ چہرے سے حیا کی چادر ہٹا دیتا ہے تو اس پر کسی قسم کی علامت اثر نہیں کرتی اور نہ اسے انہیں خرابیوں سے کوئی بات دور کر سکتی ہے۔

ف: حضرت الشیخ الشہیر با فتادہ آفندی فرماتے ہیں:۔ ہمارے نزدیک انسان کے تین مراتب ہیں۔

☆......مرتبہ التقلید یہ عوام کا مرتبہ ہے۔

☆......مرتبہ التحقیق والایقان یہ مجتہدین کو حاصل ہوتا ہے جیسے ائمہ اربعہ اور وہ حضرات جو ان کے ہم پلہ ہوں۔

☆......مرتبہ المشاہدہ والعیان یہ کاملین کا مرتبہ ہے جو اہل سلوک ہیں انہوں نے فرمایا جس کا نفس گندی عادات سے پاک نہیں ہو سکتا اسے معارف الٰہیہ نصیب نہیں ہو سکتے اگرچہ وہ علم وعقل کے مراتب میں کتنا ہی با کمال کیوں نہ ہو دیکھئے شیطان نے بوجود عقیل اور صاحب علم ہونے کے تکبر کیا اور اللہ تعالیٰ کی بے فرمانی کی اس کے دل میں یہی کبر اور حسد تو تھا ہی کہ جس کی وجہ سے مارا گیا یہی حال تھا اہل کتاب کا قبلہ اور حضور نبی کریم ﷺ کے بارے میں حسد و کبر کی وجہ سے مارے گئے اور مبنی بر ازالہ شبہ مخالفین تھا نہ انہیں علم نے فائدہ دیا اور نہ ہی فہم ومعرفت نے ان کی اندرونی خباثت نے انہیں ذلیل وخوار کیا اس لئے ضروری ہے کہ انسان تزکیہ نفس اور قلب کی صفائی اور استقامت فی باب الحق میں کوشاں رہے یہاں تک کہ اسے یقین نصیب ہو۔

حکایت: یونس نے اپنے شیخ کی تیس سال [illegible] صدق سے خدمت کی اور ان کے ہر حکم کی تعمیل میں پورا

اترا یہاں تک کہ ان کے لنگر کے لئے لکڑیاں اٹھاتے اٹھاتے اس کی پیٹھ پر ورم آ گئے باوجود اس کے کہ ایسی تکلیف کسی کے سامنے بیان تک نہ کی ان کے شیخ کی ان پر نظر کرم بڑھنے لگی۔ اس کے ساتھیوں پر یہ بات گراں گزری از راہ حسد کہنے لگے کہ یہ شیخ کی خدمت صرف اس لئے کرتا ہے شیخ کی لڑکی سے اسے محبت ہے اور یہی بات اپنے شیخ تک پہنچادی۔ جب شیخ نے سن پایا تو ایک دن حضرت یونس لکڑیوں کا گٹھڑا لے کر آئے تو شیخ نے فرمایا لکڑیوں کا گٹھڑا کیسا ہی موزوں ہے اے یونس! اس نے عرض کیا یا حضرت اس دربار میں ٹیڑھے کو حاضری کب نصیب ہوتی ہے اور نہ ہی اس درگاہ کے لائق ہے اور ساتھیوں نے اس پر بوجہ حسد کے ایسے کلمات تراشے تھے کہ جب یونس اتنا بہت سخت کام سرانجام دیتا ہے تو ان کو سوائے اس کے کہ وہ کہتے بلکہ انہیں سمجھ نہ آیا یا ڈر ہے کہ یونس کا جواب صرف ان کی رہبری سمجھا کہ الزام تراشی سے شیخ کے ہاں حضرت یونس کی عزت میں کمی واقع ہو جائے گی لیکن شیخ کے سوال سے حضرت یونس نے بہترین جواب دیا تو شیخ کا دل مطمئن ہو گیا اگرچہ مخالفین کے ازالہ شبہ کی وجہ سے تھا ورنہ شیخ کو تو یونس کے حالات معلوم تھے انہیں اس پر ذرہ برابر بھی بدگمانی نہ تھی۔ اس لئے کہ مرشد اپنے مرید کے حالات غیر کی مدح ذم سے نہیں جانتا بلکہ اس کے خلوص و نفاق کو براہ راست جانتا ہے شیخ نے اپنی صاحبزادی کا نکاح حضرت یونس سے کر دیا اور فرمایا میں نے اس لئے یونس سے نکاح کر دیا ہے تاکہ اس کے ساتھی اپنے قول میں جھوٹے ثابت نہ ہوں اور نہ ہی اپنی بات کی وجہ سے شرمسار ہوں۔ صاحب زادی بھی ایسی باکمال تھی کہ جب قرآن شریف پڑھتی تو اس کی آواز سے چلتا پانی ٹھہر جاتا اور یونس بھی ایسا باادب واقع ہوا کہ تازیست صاحبزادی کو ہاتھ نہ لگایا اور کہتا کہ میں کس لائق کہ اپنے شیخ کی صاحبزادی کے قریب جاؤں۔

مسئلہ : سالک کے لئے ضروری ہے کہ طبیعت کے تقاضوں کو ترک کرے اور بقدر کفایت قناعت پذیر رہے کھانے کے امور ہوں یا پینے کے اپنی طبیعت کے خواہشات میں مفید نہ ہے بھلائی اسی میں ہے کہ خواہشات کی مخالفت کرے۔

مسئلہ : نفس کی تربیت اس طرح ہوتی ہے کہ اسے مال و اولاد کی محبت سے دور رکھے کیونکہ یہ دونوں نفس کے لئے فتنہ ہیں جتنا زائد ہوں گے اسی قدر نفس کو کبر میں مبتلا کریں گے ان کی زیادتی سے ایسا کبھی نہیں ہوگا کہ نفس انہیں راہ حق میں صرف کرے بلکہ ان کو جمع کرنے کی فکر میں رہے گا اور وہ اسے کبر میں مبتلا کرنے کے معین

marfat.ocm

ثابت ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۙ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ

مسئلہ : جب تک طبیعت ونفس اصلاح پذیر نہیں ہوں گے سالک اپنے مطلوب کو کبھی نہیں پاسکے گا۔

نکتہ : حج کی ادائیگی میں اسی طرف اشارہ ہے کہ حاجی جب تک بدن کے آرام وقرار اور مال کو راہ حق میں قربان نہیں کرتا اپنے مقصود کو نہیں پہنچتا اسی طرح ذات حق کا طالب جب تک ماسوی اللہ سے فارغ نہیں ہوتا اور اس کی توجہ ذات بحث میں فنا نہیں ہوتی اسے مشاہدہ نہیں ہوتا اور جب کلی طور پر فانی ہو جاتا ہے پھر مشاہدات سے بقا پاتا ہے۔

مسئلہ : اسی طرح نماز کی کیفیت کا حال ہے کہ نماز میں مسجد حرام کی بجائے ذات حق مستغرق ہو جائے کیونکہ بارگاہ صمدیہ کے لئے ایک مثال ہے کہ اس کی طرف توجہ سے مطلوب ذات حق کی طرف ہونا ہے ورنہ در حقیقت اس کی توجہ کے لئے طرف کی کوئی قید نہیں صرف ظاہری طور کعبہ کی طرف متوجہ ہونا ادب ملحوظ خاطر ہے کہ اس کا حکم اسی طرح ہے اس لئے اس کی ہر شے میں حکمت ومصلحت ہے قاعدہ ہے جو قیود سے چھوٹا اس نے ذات معبود کو پالیا پھر فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ کے تجلیات اس پر متجلی ہو جائیں گے اور ظاہر مظہر کا ہر طرح سے مشاہدہ کرے گا۔

عاشقی دید از دل پر تاب حضرت حق تعالی اندر خواب
دامنش را گرفت آں غمخور کہ ندارم من از تو دست گر
چوں برآمد ز خواب خویش درویش دید محکم گرفتہ دامن خویش

(کسی عاشق الٰہی کو خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوئی تو اس عاشق نے اللہ تعالیٰ کا دامن مضبوط پکڑ کے عرض کیا کہ اے اللہ کریم میرا تو تیرے سوا کوئی غمخوار نہیں اسی اثناء میں بیدار ہوا تو اپنا دامن پکڑے ہوئے تھا)

ترجمہ : مبارک ہے اسے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کا پابند ہے اور اسے اس کے کسی حکم پر اعتراض نہیں اس سے اسے انقباض سے ایسا چھٹکارا ملے گا کہ اپنی ہستی کو بھی بھلا دے گا اور باقی باللہ ہو کر کمالات سے فائز الحرام ہوگا۔

اے اللہ ہمیں ہدایت یافتہ لوگوں سے بنا تا کہ ہمیں بھی یہی مرتبہ اور درجہ علیاء نصیب ہو اور ہمیں ان راہوں پر چلا جو دنیا وآخرت کے خیالات دل سے بھلا دینے والے ہوں۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ

اور ہر ایک کے لئے توجہ کی ایک سمت ہے وہ اسی کی طرف منہ کرتا ہے تو یہ چاہو کہ نیکیوں میں اوروں سے آگے نکل

بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۴۸﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ

جائیں تم کہیں ہو اللہ تم سب کو اکٹھا لے آئے گا بیشک اللہ جو چاہے کرے۔ اور جہاں سے آؤ اپنا منہ مسجد حرام کی طرف

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَمَا

کرو اور وہ ضرور تمہارے رب کی طرف سے حق ہے اور اللہ

اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ

تمہارے کاموں سے غافل نہیں اور اے محبوب! تم جہاں سے آؤ اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کرو

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ

اور اے مسلمانو تم جہاں کہیں ہو اپنا منہ اسی کی طرف کرو کہ لوگوں کو تم پر

لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۗ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ۗ

کوئی حجت نہ رہے مگر جو ان میں ناانصافی کریں تو ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور یہ اس لئے ہے کہ میں

وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ

اپنی نعمت تم پر پوری کروں اور کسی طرح تم ہدایت پاؤ۔ جیسا ہم نے تم میں بھیجا ایک رسول تم میں سے کہ تم پر ہماری آیتیں

يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ

تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور کتاب اور پختہ علم سکھاتا ہے اور تمہیں وہ تعلیم فرماتا ہے

مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾ ۱۸ ع ۲

جس کا تمہیں علم نہ تھا۔ تو میری یاد کرو میں تمہارا چرچا کروں گا اور میرا حق مانو اور میری ناشکری نہ کرو۔

تفسیر عالمانہ

وَلِكُلٍّ اور ہر امت کے لئے وہ مسلمان ہوں یا یہود نصاریٰ وِّجْهَةٌ قبلہ اور جہت ہے۔ هُوَ وہی اپنے اپنے قبلہ کی طرف مُوَلِّيهَا منہ پھیرنے اور توجہ کرنے والا ہے۔

ف: ادیان مختلفہ میں ہر ایک گروہ کا اپنا قبلہ ہے جو ہر ایک کا قبلہ اس کے دوسرے اور غیر اور مختلف ہے۔

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ پس تم اے مسلمانوں نیکیوں کی طرف سبقت کرو یہاں الی کو حذف کر کے الْخَيْرَاتِ کو منصوب پڑھا گیا اور اس سے خیرات کے جمیع اقسام مراد ہیں یہ وہ امر قبلہ سے متعلق ہے۔ کسی ایسے امر سے کہ جن سے سعادت دارین حاصل ہو۔ اب معنی یہ ہوا کہ ہر ایک گروہ کا اپنا قبلہ ہے کہ جس کی طرف منہ کر کے عبادات الٰہی بجالاتے ہیں اور ایسے مضبوط ہو کر کے اس سے منہ ہٹا کر قبلہ حق کی طرف منہ کرنے کا نام تک نہیں لیتے۔ اگر چہ آپ انہیں ہر قسم کے دلائل دے کر سمجھائیں کہ قبلہ تو تمہارا کعبہ ہے لیکن پھر بھی نہیں مانیں گے۔ یہ بات ہے تو تم نیک افعال مثلاً خیرات کی طرف سبقت کرو۔

ف: خیرات ان امور کو کہا جاتا ہے جن کا حکم اللہ سے ہو اور ان لوگوں کے پیچھے نہ لگو۔ جو تمہارے لیڈروں کو اپنے گھڑے ہوئے خواہشات نفسانی کے تقاضوں پر تیار ہوئے۔ ان کا نام یہ ہے۔ کہ وہ حق کے خلاف ورزی کرے یعنی وہ لوگ احکام خداوندی کو پس پشت ڈال کر شر اور فساد کی پیروی میں لگے رہتے ہیں۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے تو صرف فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ فرمایا ہے کہ تم نے مفہوم مخالف کیوں بیان فرمایا ہے۔ جب کہ احناف کے نزدیک ناجائز ہے۔

جواب: حق کے پس پشت ڈالنے سے لازماً گمراہی ہی حاصل ہوگی۔ اس لئے ہم نے بھی مطلب بیان کیا ہے اس کا نام مفہوم مخالف نہیں بلکہ اسے اجمال کی تفصیل کہتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

بعض اہل حقیقت نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہر وہ قوم جو ہمارے غیر کے ساتھ مشغول ہو اور اس کی توجہ ہمارے غیر سے ہو تو عارفین کا وہ گروہ تم ہمارے غیر سے ہٹ کر ہمارے ساتھ مشغول ہو جاؤ کیونکہ تمہارے مرجع اور مطمح نظر صرف ہماری ذات ہے اور بس چنانچہ فرمایا کہ أَيْنَ مَا یعنی جہاں بھی تَكُونُوا اور تم اور تمہارے دشمن ہوں گے۔ يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا تم سب کو اللہ تعالیٰ محشر میں جزا وسزا کے لئے جمع فرمائے گا۔ اس کے بعد حق باطل کا فیصلہ ہو جائے گا۔

مسئلہ : اس آیت میں اہل طاعت کو وعدہ اور گناہ گاروں کو وعید سنائی گئی ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اللہ تعالیٰ ہر شئے پر قادر ہے اسلئے وہ تمہارے مارنے اور زندہ کر کے جمع کرنے پر قادر ہے۔ وَمِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ جس مکان یا شہر سے نکل کر تم سفر کو جاؤ فَوَلِّ وَجْهَكَ تو تم نماز کے لئے اپنا منہ پھیرو شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ مسجد حرام کی طرف اس لئے کے سفر وحضر میں توجہ الی الکعبہ کے لئے حالت اختیار میں فرق نہیں پڑتا بلکہ حالت سفر کا وہی حکم ہے جو حالت اقامتہ فی البلد کا ہے وَاِنَّهٗ اور بے شک وہ معمور بے معنی تحویل القبلہ الی الکعبہ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ حق ہے میرے رب سے یعنی وہ ثابت اور حکمت ایزدی کے موافق ہے۔ وَمَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ اور اللہ غافل نہیں اس سے تم جو عمل کر رہے ہو۔ پھر تمہیں اس کی بہت اچھی جزاء دے گا۔

مسئلہ : اس آیت میں مومنین کو جزاء کا وعدہ ہے وَمِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ اور جہاں سے تم نکلو یعنی اپنے سفروں اور جنگوں میں وہ قریب منزلیں ہوں یا دور کی فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَیْثُ مَا کُنْتُمْ پس اپنے منہ کو مسجد حرام کی طرف پھیرو اور جہاں بھی تم ہو اے مومنوں یعنی زمین کے کناروں پر مقیم ہو یا مسافر اور نماز پڑھنے لگ جاؤ۔ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ تم اپنے چہروں کو پھیر دو اپنے اپنے مقامات پر شَطْرَهٗ اسی مسجد حرام کی طرف۔

سوال :: اس جملہ کو یعنی تحویل قبلہ اور مسجد حرام کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کو مکرر لانے کا کیا فائدہ۔

جواب : چونکہ قبلہ کے مسئلہ کو اہمیت حاصل ہے اور اس کے منسوب ہونے کے شبہات اور فتنوں اور شیطانی عملوں کا خطرہ تھا۔ اسی لئے حکم ایزدی کا تقاضہ ہوا۔ کہ اسے بار بار ذکر کیا جائے تاکہ مذکورہ خرابیوں کا وہم دفع ہو ویسے یہ دونوں موقعوں میں عجیب وغریب فوائد بھی حاصل ہوئے جو ہر ایک اپنے اپنے مقام پر مستقل حکمت کو لئے ہوئے ہے۔ لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَیْکُمْ حُجَّةٌ تاکہ لوگوں کی تمہارے اُوپر حجت نہ ہو اور یہ جملہ فَوَلُّوْا سے متعلق ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ بیت المقدس سے کعبۃ اللہ کی طرف منہ پھیرنے سے یہودیوں کا اعتراض دفع ہو گیا وہ کہا کرتے کہ تورات میں لکھا ہے کہ آخر زمان نبی ﷺ کا قبلہ کعبہ ہوگا لیکن اس کے برعکس بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ لہذا یہ وہ آخر زمان نبی ﷺ نہیں اور اس سے عرب کا اعتراض بھی اُٹھ گیا ہے۔ وہ کہتے کہ جب یہ نبی ﷺ ملت ابراہیمی کے مدعی ہیں تو پھر ان کے بتائے ہوئے قبلہ کی مخالف کیوں کرتے ہیں۔

ف: عَلَیْکُمْ ترکیب میں حُجَّةٌ سے محلا منصوب واقعہ ہے۔

marfat.ocm

سوال: اسے حُجَّةٌ کی صفت کیوں نہیں بنایا جاتا۔

جواب: قاعدہ ہے کہ صفت ہمیشہ اپنے موصوف سے مؤخر ہوا کرتی ہے اور یہ حجتہ سے مقدم ہے۔ لہٰذا وہ بوجہ امتناع تقدیم الموصوف حجتہ کی صفت نہیں بنایا جا سکتا۔ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ مگر ان میں وہ لوگ جو ظالم ہیں یہ جملہ النَّاسِ سے مستثنیٰ ہے اب معنی یہ ہوا کہ حجت صرف ان یہودیوں کے حق میں ہے جو ان میں ضدی ہیں اور کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہمارے قبلہ بیت المقدس کو چھوڑ کر کعبہ کو صرف اس لئے قبلہ بنایا کہ انہیں اپنی قوم کے دین کی طرف جھکاؤ ہو گیا اور اپنے شہر کی محبت نے انہیں مجبور کیا ہے کہ اگر انہیں حق پرستی کا خیال ہوتا تو یہ قبلہ انبیاء کو ہرگز نہ چھوڑتے اسی طرح بعض اہل مکہ جو ان میں آپ کے دشمن تھے انہوں نے بھی حضور علیہ الصلوۃ و السلام کو معلون ٹھہرایا کہ اب ان پر حق ظاہر ہوا کہ اپنے آباء کی طرف واپس لوٹے ہیں اُمید ہے اب عنقریب اپنے آباء کے دین کی طرف لوٹ آئیں گے۔

سوال: ایسے کبھی کلمات کو اللہ تعالیٰ نے حُجَّةٌ سے کیوں تعبیر فرمایا کیوں کہ حُجَّةُ اللّٰہ ایک مقدس کلمہ ہوتا ہے اور ان معاندین کے اقوال تو افحش الاباطیل تھے۔

جواب: ۱۔ ان کے ایسے گندے اقوال حُجَّةٌ سے تعبیر کرنا مجازاً ہے۔ کیونکہ وہ لوگ اپنی باتوں کو قوی سمجھ کر انہیں حُجَّةٌ کے طور پر پیش کرتے جیسے ہمارے دور میں تم بد مذہب اپنے غلط عقائد اور مراسم پر دلائل کر کے انہیں حُجَّةٌ سے تعبیر کرتے۔

جواب: ۲۔ ان کی گندگی باتوں کو حجتہ سے تعبیر کرنا تہکما ہے (جیسے کفار کو ڈرانی خبر سنا کر اسے بشارت سے تعبیر کیا گیا ہے) فَلَا تَخْشَوْهُمْ بس ان سے نہ ڈرو اپنی توجہ کو کعبہ کی طرف ہٹانے میں اور نہ ہی وہ تم پر غالب ہو سکتے ہیں اس لئے ان کی ملعن و تشنیع تمہیں کسی قسم کا نقصان نہیں دے سکتی وَاخْشَوْنِيْ اور مجھ سے ڈرو اور میرے احکام کی فرمان برداری کر کے اور میرے حکم کی خلاف ورزی نہ کرو جس میں تمہاری بہتری ہوگی۔ میں اس کا تمہیں حکم دے کر تمہاری مدد کروں گا۔ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ تاکہ میں تمہارے اُوپر اپنی نعمتوں کو مکمل کروں یہ جملہ ایک محذوف امر کی علت ہے۔ یعنی میں نے قبلہ کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم اس لئے دیا ہے تاکہ میں اپنی نعمتوں کو تمہارے اُوپر مکمل کروں اس لئے کہ وہ بہت بڑی جلیل القدر نعمتیں ہیں۔

مسئلہ : ہر وہ اوامر و تکالیف جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ بندے پر وارد ہوں جیسے اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر بندے کا قبلہ کی طرف متوجہ ہونا اسی طرح اگرچہ وہ نعمتیں ظاہر ہوں تو ان کی ادائیگی سے بندے کو ثواب ملتا ہے۔

سوال : قبلہ ابراہیمی کو بنانے میں کون سی نعمت ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے اسے نعمت سے تعبیر فرمایا ہے۔

جواب : قوم عرب اپنے تمام معاملات اور رسومات کو ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کر کے ان کو بجالا کر فخر محسوس کرتے جب انہیں قبلہ ابراہیمی سے ہٹا کر بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم ہوا تو اسے انہوں نے ایک حادثہ سمجھا۔ حالانکہ اس میں ایک مصلحت تھی۔ پھر جب انہیں قبلہ ابراہیمی کا حکم ہوا تو انہوں نے اسے ایک عظیم نعمت تصور کیا۔

ف : جتنی نعمتیں بندوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت ہوتی ہیں۔ دو قسم کی ہیں، ۱۔ عطائی ۲۔ کسبی عطائی جیسے صحۃ البدن و صلامتہ الاعضاء (وغیرھما) اور کسبی جیسے ایمان عمل صالح اسی طرح اللہ تعالیٰ کے احکام بجالانا اور اس کی گمراہی سے بچنا ان سب جملہ امور سے بندے کو سعادت دارین نصیب ہوتی ہے۔

وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ اُمید رکھو کہ تم ہدایت پالو گے یعنی میرا ارادہ ہے کہ میں تمہیں ملت حنفیہ کے شعائر اور دین قیم کے شرائع کی طرف ہدایت دوں۔ جیسے ہم نے تم میں سے رسول بھیجا یہ جملہ ماقبل سے متصل ہے۔ تاکہ میں تمہارے اُوپر تمام نعمت کروں عمل قبلہ کہ بارے میں حضور علیہ السلام کو تم میں سے بھیج کر۔

ف : یہاں رسول سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں۔ اس لئے کہ انہیں کی جنس میں سے رسول بھیجنا یہ ایک ایسی نعمت ہے کہ جس کا کوئی نعمت مقابلہ نہیں کر سکتی **یَتْلُوْا عَلَیْكُمْ اٰیٰتِنَا** ہماری آیات یعنی قرآن مجید تلاوت کریں گے۔

وَیُزَكِّیْكُمْ یعنی تمہیں تیار فرمائیں گے۔ ایسے اعمال کے لئے کہ جن کی بدولت تم گناہوں کی گندگی میل سے جو کہ نفس پر ہوتی ہے۔ دھل کر پاک اور صاف ہو جاؤ گے۔ کیونکہ رسل کرام علی نبینا و علیہم السلام کا کام ہے کہ عوام کو دعوت دیں اور ان کو ایسے اعمال کے لئے تیار کریں جن کی وجہ سے ان کے نفوس کو شرک و معاصی سے صفائی نصیب ہو اور عوام کو صفائی طہارت پہلی ہی ملاقات سے حاصل نہیں ہوتی۔ جب تک بار بار ان کے فیض و برکات کی طلب میں ان کی صحبت سے باز یاب نہ ہوں **وَیُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ** اور وہ تمہیں کتاب سکھائیں گے یعنی تمہیں قرآن کے معنی و اسرار و شرائع اور احکام کی تعلیم دیں گے۔ انہیں وجوہ مذکورہ کی وجہ سے قرآن کو نور اور

marfat.ocm

ہدایت سے موصوف کیا جاتا ہے۔

ف: حضور نبی علیہ الصلوۃ السلام ان کے سامنے قرآن پڑھتے تا کہ وہ قرآن کے نظم اور اس کے الفاظ یاد کر لیں اور اہل اسلام کی زبانوں پر باقی رہ کر تحریف تصحیف سے محفوظ اور قیامت تک معجزہ ہو جائے۔

مسئلہ : قرآن پاک کی تلاوت اندرون نماز اور خراج از نماز ہر طرح سے عبادت اور قرب الٰہی کا سبب ہے لیکن ضروری ہے کہ جو اس کے حقائق اسرار کے جاننے کی بھی کوشش کی جائے۔ تا کہ اللہ تعالیٰ کی حقیقی ہدایت اور نور حاصل ہو وَالْحِكْمَةَ حکمت اصبت فی الاقول و العمل کو کہتے ہیں اور حکیم وہی ہوتا ہے جس میں دونوں باتیں پائی جائیں۔ کذاقال الامام حکمت الشئی رددتہ عالا یعینہ سے مشتق ہے۔ یعنی میں نے اسے ایسی باتوں سے روک دیا ہے۔ جو اس کے لئے غیر مفید ہیں۔ چونکہ حکمت عقل کو جہل اور خطا سے روکتی ہے۔ اسی لئے نام سے معصوم ہوئی۔

ف: قرآن پر عمل کرنا موقوف ہے۔ اس کے معنی سمجھنے پر اور معنی موقوف ہیں الفاظ کی پہچان اور تذکیہ ان سب کا خلاصہ ہے اور اس کا دارومدار قرآن پاک پر عمل کرنے پر موقوف ہے۔

سوال : جب تزکیہ کا حصول ان سب کے بعد ہوتا ہے تو پھر اسے سب سے پہلے ذکر کیوں کیا گیا۔

جواب : ان میں سے سب سے پہلے تصور تزکیہ کا ہی آتا ہے اسی لئے اسے سب سے پہلے ذکر کیا گیا وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ اور تم کو سکھائیں وہ امور جنہیں تم نہیں جانتے تھے۔

سوال : امام راغب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس جملہ کی ضرورت ہی کیا ہے جب کہ اس کا مفہوم الکتاب الحکمۃ ہی ادا ہو گیا ہے۔

جواب : اس جملہ سے وہ علوم مراد ہیں جو انبیاء کرام علی نبینا علیہم السلام کی زبانوں سے از جہتہ وحی صدور ہوتے ہیں ان میں عقلیات کو کسی قسم کا دخل نہیں ہوتا اگر ان کو علوم کلیات و جزیات بھی حاصل ہوتے ہیں تو اسی وحی کے ذریعے ہی [1] **ف:** اور الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ سے مراد وہ علوم ہیں جن کے حصول میں عقل کو دخل ہو۔

سوال : لفظ وَيُعَلِّمُكُمْ کا تکرار کیوں؟

---

[1] اسی لئے ہم اہلسنت انبیاء علیہم السلام کو دین و دنیا کے علوم کا عالم مانتے ہیں اور وہابی دیوبندی اسے شرک سے تعبیر کرتے ہیں اس کی تفصیل فقیر کی کتاب "آئینہ دیوبند" میں دیکھئے۔

جواب : تا کہ تنبیہ ہو جائے کہ پہلے علوم سے یہ علوم منفرد ہیں ان کا ان مذکورہ علوم سے کوئی واسطہ نہیں۔

فَاذْكُرُونِىٓ پس تم مجھے یاد کرو اطاعت سے جیسے حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ من اطاع اللّٰہ فقہ ذکر اللّٰہ وان قلت صلوتہ وصیامہ قرائتہ القرآن ومن عصی اللّٰہ فقد نسی اللّٰہ وان اکثرت صلوتہ قرائتہ القرآن (جو اللہ تعالیٰ کا مطیع ہے وہ اسے بہت یاد کرتا ہے اگر چہ اس کی نماز روزہ اور تلاوت جیسی عبادات بہت تھوڑی ہوں اور وہ اللہ تعالیٰ کا بے فرمان ہے جو اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کرتا اگر چہ اس کی نماز اور تلاوت قرآن بہت زیادہ ہوں)

اَذْكُرْكُمْ میں تمہیں یاد کروں گا یعنی ثواب اور لطف اور احسان اور خیر و برکت بہت زیادہ عطا کر کے سعادت کے دروازے کھول دوں گا۔

سوال : ذکر کہتے ہیں ایسی بات کے ادراک جو مسبوق النسیان ہو اور اللہ تعالیٰ تو نسیان سے منزہ اور پاک ہے

جواب : یہاں اللہ تعالیٰ کے لئے اس کا اطلاق مجازاً ہے۔

جواب : ۲۔ عباد کے ذکر کے بعد اس کی مشاکلت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پر مستعمل ہوا۔ وَاشْكُرُوا لِى اور میرا شکر ادا کرو اور اس کے کہ میں نے تمہارے اوپر انعامات کئے ہیں ذکر بالطاعۃ کا نام شکر ہے اور اس میں خصوصیات کے ساتھ شکر کا حکم اسی لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں پر انعامات واحسانات ہیں۔ فلہذا اسی کا شکر کریں نہ کسی غیر کا۔

ف : صاحب تیسیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا فَاذْكُرُونِىٓ میں قولی عبادات کا حکم ہے اور " واشکر والی " میں عملی عبادات کا۔

سوال : امام راغب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شکرت الزید وشکرت زید یعنی باب شکر کے بعد لام صلہ واقع ہو تو کیا معنی ہوگا۔ اگر وہ بلا واسطہ متعدی ہو تو پھر کیا مفہوم ہوگا۔

جواب : جب شکر کا باب بواسطہ لام ہو تو اس وقت مطلب یہ ہے کہ کسی نے تیرے اوپر احسان کیا ہے اسی احسان کو مدنظر رکھ کر تو نے اسی کی تعریف کی اور جب یہ بلا واسطہ متعدی ہوا تو اس وقت مقصود یہ ہے کہ قطع نظر اس کے احسانات کے اس کی ذات کو مدنظر رکھ کر اس کی تعریف کی گئی ہے اسی لئے یہ بات جب بلا واسطہ متعدی ہو تو زیادہ بلیغ ہوتا ہے۔

سوال : جب شکر بلا واسطہ لام بلیغ ہے تو پھر یہاں متعدی بواسطہ لام سے کیوں مستعمل ہے جبکہ یہ غیر بلیغ ہے۔

جواب : اس طرف اشارہ ہے کہ اس کی ذات کی کنہ سے ادراک عاجز ہے بلکہ اسکی نعمتوں کا شمار بھی ناممکن ہے چنانچہ فرمایا۔ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا

(یعنی اگر اس کی نعمتیں گنو تو شمار نہیں کر سکو گے اس لئے بندوں کو متنبہ کیا گیا کہ اگر اس کا شکر کرنا ہے تو اس کی بعض نعمتوں کو مدنظر رکھو وَلَا تَكْفُرُوْنِ اور کفران نعمت نہ کرو اس کی نعمتوں کی ناشکری اور نافرنی کر کے)

سوال : جب یہی مفہوم وَاشْكُرُوْا لِيْ میں ادا ہو جاتا ہے پھر اس کے بعد تَكْفُرُوْنِ کے ذکر کا کیا فائدہ؟

جواب : اگر صرف وَاشْكُرُوْا لِيْ ہو تو تَكْفُرُوْنِ نہ لایا جائے تو وہم باقی رہتا ہے کہ اگر کسی نے اللہ تعالیٰ کی کسی نعمت کو مدنظر رکھ کر ایک بار شکر کیا تو گویا اس نے شکر کا حق ادا کر لیا۔ حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ اس کی کسی نعمت کا شکر ادا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح وَلَا تَكْفُرُوْنِ کے ذکر کے ساتھ " واشکرولی "کو لانا بھی ضروری ہوا اسی لئے کہ صرف وَلَا تَكْفُرُوْنِ سے اتنا سمجھا جا سکتا ہے کہ بندے کو چاہیے کہ قبیح فعل سے بچتا رہے اس سے اچھے افعال کی ترغیب کا مفہوم نہیں سمجھا جا سکتا ہے حالانکہ بندے کو جہاں برائی سے بچنا ضروری ہے وہاں نیکی کا خوگر ہونا بھی ضروری ہے۔ چونکہ ان دونوں کا ذکر اہمیت رکھتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے دونوں کو بیان فرمایا ہے۔

جواب : ۲۔ وَلَا تَكْفُرُوْنِ میں تنبیہ ہے کہ شکر کا ترک بھی کفران ہے۔

سوال : وَلَا تَكْفُرُوْنِ کی بجائے ولا تکفرولی کیوں نہیں فرمایا۔ جیسے وَاشْكُرُوْا لِيْ فرمایا ہے؟

جواب : کفران ذات کا زیادہ قبیح ہے بہ نسبت کفران نعمت کے۔ کیونکہ نعمت کی ناشکری کی معافی ہو سکتی ہے لیکن ذات کا کفران کبھی نہیں بخشا جائے گا۔

(کذا فی تفسیر الراغب الاصفهانی)

نکتہ : اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ علی صاحبہا التحیۃ والثناء کو فضل وقوت وکمال بصیرت میں بنی اسرائیل سے برگزیدہ بنایا ہے چنانچہ انہیں فرمایا یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ یعنی انہیں ایسی نعمت کے یاد کرنے کا حکم دیا ہے جو ان کے ذہنوں سے نکل چکی تھی کہ اس کے ذکر کے واسطہ سے منعم حقیقی کو یاد کریں لیکن امت محمدیہ علی صاحبہا السلام کو حکم ہے کہ وہ خود عین ذات کو یاد کریں تاکہ ثابت ہو جائے ان میں بنی اسرائیل سے قوت ب بصیرت بہت زیادہ ہے حضرت صائب نے فرمایا۔

در سر ہر خادم طینت نشہ منصور نیست
ہر سفالے را صدائے کاسہ فغفور نیست

ترجمہ۔ ہر سر میں منصور کا نشہ نہیں ہوتا اور نہ ہی ہر پیالے کا فغفور کا پیالہ کہا جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ذکر کبھی زبان سے ہوتا ہے اور کبھی دل سے اور کبھی دیگر اعضاء سے اللہ تعالیٰ کی تحمید و تسبیح و تمجید اور تلاوت قرآن لسانی ذکر ہے

قلبی ذکر کی تین اقسام ہیں۔

۱۔ ان دلائل پر تفکر جو اللہ کی ذات وصفات پر دلالت کرتے ہیں اور وہ اعتراضات جو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر وارد ہوتے ہیں ان کے جوابات سوچنا۔

۲۔ ان دلائل کا تفکر جو بندوں کو مکلف بنائے و دیگر احکام اور لوامر ونواہی اور وعدہ وعید کے کوائف پر دلالت کرتے ہیں جب انہیں مکلف ہونے کی کیفیت معلوم ہو جائے گی اور پتہ چل جائے گا کہ اس عمل کے ارتکاب پر وعدہ اور دوسرے عمل کے اجتناب کی نہی میں کیا کیا حکمتیں مضمر ہیں تو اسے ان کی ادائیگی میں آسانی ہو جائے گی۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کے اسرار میں تفکر یہاں تک کہ عالم کا ذرہ ذرہ عالم قدس کے لئے صاف وشفاف شیشہ ہو جائے جب وہ اس آئینہ پر نگاہ ڈالے تو اس کی آنکھ عالم جلال کو دیکھ لے اور یہ وہ مقام ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں۔

ذکر اعضاء :۔ یہ ہے کہ تمام اعضاء ان اعمال میں مستغرق ہو جائیں کہ جن کا انہیں حکم دیا گیا ہے اور ان افعال سے اجتناب کریں جن سے انہیں روکا گیا ہے۔

نکتہ : اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے نماز کو بھی ذکر قلب دیا ہے کما قال اللہ تعالی فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللہِ اللہ تعالیٰ کے ذکر یعنی نماز کی طرف دوڑ کر آؤ۔ مذکورہ بالا۔ تقریر کی بنا پر فَاذْکُرُوْنِیْ کا حکم جمیع طاعات پر مشتمل ہوگا۔

حدیث شریف :۔ حضرت سعید بن جبیر نے فرمایا اُذْکُرُوْنِیْ بِطَاعَتِیْ ایسے اجمالی طور بیان فرمایا تا کہ طاعات کے جمیع اقسام اس میں شامل ہو جائیں۔

marfat.ocm

حکایت: ۔ حضرت لقمان علی نبینا علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا۔ جب تم ذکر کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے ساتھ بیٹھ جاؤ اس لئے کہ تم عالم دین ہو تو تجھے تیرا علم نفع دے گا اور اگر تو جاہل ہے تو تجھے وہ تعلیم دیں گے اگر ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت برسے گی تو تجھے بھی اس سے حصہ نصیب ہو گا اگر تمہارا گزر ایسی قوم سے ہو جو ذکر الٰہی سے محروم ہیں تو ان کے پاس نہ بیٹھنا اگر تم عالم دین ہو تو تیرا علم اسے نفع نہ دے گا اگر تم جاہل ہو تو الٹا اس کی صحبت سے جہل اور گمراہی میں اضافہ ہو گا۔ بلکہ جب ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو گا۔ تو تم بھی اس کے ساتھ بیٹھنے سے مارے جاؤ اے اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے ذکر کرنے والوں سے بنا۔

صحبت صالح ترا صالح کند   صحبت طالح ترا طالح کند
نیک کی صحبت تجھے نیک بنائے گی   برے کی صحبت تجھے برا بنائے گی

اسی لئے ہم اہل سنت بدمذاہب کی یاری دوستی سے عوام بلکہ خواص کو سختی سے روکتے ہیں۔ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ یاد آنے کے بعد ظالموں کے پاس مت بیٹھو اور رسول اکرم ﷺ نے بدمذاہب سے دور رہنے کی یوں تاکید فرمائی۔

ان مرضوا فلا تعودوھم وان ماتوا فلا تشھدوھم ان لقیتموھم فلا تسلموا علیھم (ابن ماجہ)
اگر بیمار ہوں تو ان کی تیمارداری نہ کرو اگر مر جائیں تو ان کے نماز جنازہ میں شرکت نہ کرو اگر ملیں تو انہیں سلام نہ کرو

الحمد للہ یہی طریقہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا چنانچہ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ نے لکھا کہ:

کان داب الصحابۃ ومن بعدھم من المؤمنین فی جمیع الازمان فانھم کانوا یقاطعون
من حاد اللہ ورسولہ مع حاجتھم الیہ والروا رضاء اللہ تعالٰی علی ذالک

(مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۱۰ ص ۲۹۰)

یعنی صحابہ کرام اور ان کے بعد والے ہر زمانہ کے ایمان والوں کی یہ عادت رہی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے مخالفوں، دشمنوں کے ساتھ بائیکاٹ کرتے رہے۔ حالانکہ ان ایمانداروں کی دنیاوی طور پر ان مخالفوں کی احتیاط بھی ہوتی تھی۔ لیکن وہ مسلمان خدا تعالیٰ کی رضا کو اس پر ترجیح دیتے ہوئے بائیکاٹ کرتے تھے۔ خدا تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو اپنی رضا جوئی کی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔ (آمین)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ

اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد چاہو بیشک اللہ صابروں

الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ

کے ساتھ ہے۔ اور جو خدا کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو

بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ

بلکہ وہ زندہ ہیں ہاں تمہیں خبر نہیں۔ اور ضرور ہم تمہیں آزمائیں گے

الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَ

کچھ ڈر اور بھوک سے اور کچھ مالوں اور جانوں

الثَّمَرٰتِ ۭ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ۙ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ

اور پھلوں کی کمی سے اور خوشخبری سنا صبر والوں کو۔ کہ جب ان پر کوئی مصیبت پڑے

قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ۭ اُولٰۗىِٕكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ

تو کہیں ہم اللہ کے مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھرنا۔ یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی درودیں

مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۣ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝ اِنَّ الصَّفَا

اور رحمت اور یہی لوگ راہ پر ہیں۔ بیشک صفا

وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَاۗىِٕرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا

اور مروہ اللہ کے نشانوں میں سے ہیں تو جو اس گھر کا حج یا عمرہ کرے

جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۭ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ

اس پر کچھ گناہ نہیں کہ ان دونوں کے پھیرے کرے اور جو کوئی بھلی بات اپنی طرف سے کرے تو

اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ

اللہ نیکی کا صلہ دینے والا خبردار ہے ۔ بیشک وہ جو ہماری اتاری ہوئی روشن باتوں

وَالْهُدٰى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ أُولٰٓئِكَ

اور ہدایت کو چھپاتے ہیں بعد اس کے کہ لوگوں کے لئے ہم اس کتاب میں واضح فرما چکے

يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُونَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا

ان پر اللہ کی لعنت ہے اور لعنت کرنے والوں کی لعنت ۔ مگر وہ جو توبہ کریں اور سنواریں

وَبَيَّنُوا فَأُولٰٓئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ إِنَّ

اور ظاہر کریں تو میں ان کی توبہ قبول فرماؤں گا اور میں ہی ہوں بڑا توبہ قبول فرمانے والا مہربان ۔ بیشک

الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ

وہ جنہوں نے کفر کیا اور کافر ہی مرے ان پر لعنت ہے اللہ

وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝ خٰلِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ

اور فرشتوں اور آدمیوں سب کی ۔ ہمیشہ رہیں گے اس میں نہ ان پر سے عذاب ہلکا ہو

عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ۝ وَإِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَاحِدٌ

اور نہ انہیں مہلت دی جائے ۔ اور تمہارا معبود ایک معبود ہے

لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيمُ ۝

اس کے سوا کوئی معبود نہیں مگر وہی بڑی رحمت والا مہربان

تفسیر عالمانہ

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ان امور میں مدد مانگو جو تم نے ادا کرنے ہیں اور جن کا تم کو ترک کرنے کا حکم ہے بِالصَّبْرِ صبر کے ساتھ امور پر جو نفس پر شاق ہیں جیسے گناہوں اور نفس کی لذتوں سے بچنا وَالصَّلٰوةِ اور نماز کے ساتھ کہ یہ ام العبادات اور معراج المومنین اور رب العالمین کی محبوب عبادت ہے۔

حدیث شریف :۔ مروی ہے کہ حضور ﷺ کو جب کوئی غم لاحق ہوتا تو آپ نماز پڑھتے اس کی دلیل کے لئے یہی آیت تلاوت کرتے۔

سوال: صبر و نماز کی تخصیص کیوں جب کہ خدا تعالیٰ کی دوسری عبادات بھی ہیں؟

جواب :صبر باطنی عبادات میں بدن کے لئے بہت سخت ہے جیسے ظاہری طور نماز بدن پر سخت ہے کیونکہ وہ نماز کسی قسم کی طاعات مثلاً ارکان وسنن ومستحبات اور خشوع وخضوع اور توجہ وسکون و دیگر جملہ ان عبادات شاقہ (کہ جن کی نگرانی سوائے توفیق ایزدی کے ناممکن ہے) کا مجموعہ ہے کہ جن کی ادائیگی سوائے توفیق ایزدی کے ناممکن ہے۔

سوال : حضرت عصام الدین نے فرمایا صبر کو (جو کہ منزلہ ترک کے ہے) اور صلوٰۃ (جو کہ بمنزلہ فعل کے ہے) پر مقدم کیوں کیا گیا ہے؟

جواب: اس لئے کہ صبر بمنزلہ تخلیہ کے ہے صلوۃ بمنزلہ تحلیہ (زیورات وغیرہ سے شے کو سنوارنا) کے ہے اور تخلیہ (خرابیوں سے اس کو پاک کرنا) ہمیشہ تحلیہ سے مقدم ہوا کرتا ہے۔

نکتہ : یہی وجہ ہے کہ کلمہ توحید میں نفی پہلے ہے۔

سوال :ارکان اسلام میں صرف نماز پر کیوں اکتفا کیا گیا؟

جواب : آیت میں خطاب صرف مومنین کو ہے اور یہ دونوں فعل بعد از ایمان تمام مومنین میں مشترک ہیں۔ کیوں کہ ہر گناہ سے بچنا (جسے صبر سے تعبیر کیا گیا) ہر مومن پر فرض ہے اور نماز بھی اسی طرح ہے۔ بخلاف زکوٰۃ کے وہ صرف صاحب نصاب پر فرض ہے اور حج صرف اصحاب استطاعت پر اور روزہ صرف کھانے پینے کی خواہشات سے روکتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے مدد کرنے اور دعا قبول کرنے میں۔

ف : معیت کا معنی ہے ولایت دائمہ جس میں پورے طور نصرت واجابت دُعا ہو۔

سوال : معیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تابع ہے اور صابرین متبوع اور ایسا اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف ہے؟

جواب : وہ لوگ جو حقیقی صبر کرنے والے ہیں وہ اس معنی پر متبوع ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ایسے لوگوں کی باتوں کو نہیں ٹالتا اور یہ اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف نہیں۔

ف : حضرت عصام الدین اپنی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ صابرین اللہ تعالیٰ کے ذکر کو کبھی نہیں بھلاتے بخلاف صبر سے محروم لوگوں کے کہ ان کے قلوب اللہ تعالیٰ کے ذکر الٰہی سے غافل ہو جائیں تو اسے دنیا کے حرص وہوا سے بھر دیا جاتا ہے۔ اگرچہ تمام دنیا اسکے حوالے کی جائے تب بھی اس کا جی نہیں بھرے گا۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ تو فرمایا اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُصَلِّیْنَ کیوں نہیں فرمایا حالانکہ دوسرے مقام پر فرمایا وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ وَاِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ اس میں نماز کی فضیلت کی طرف اشارہ ہے لیکن یہاں پر نماز کو کوئی اہتمام نہیں دیا گیا۔

جواب : اپنے مقام پہ ثابت ہے کہ نماز صبر سے اشرف واعلیٰ ہے کیونکہ نماز صبر سے جدا ہو سکتی ہے لیکن صبر نماز سے جدا نہیں ہوتا اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی معیت صابرین کے ساتھ بیان فرمائی تو اس سے ثابت ہوا کہ جب وہ صابرین کیساتھ ہے تو نماز والوں کے ساتھ بطریق اولیٰ ہے کہ وہ ان کے ساتھ ہو کیونکہ ادنیٰ کے ذکر سے اعلیٰ کا ذکر خود بخود ہوتا ہے دوسری آیت اِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ میں صبر کے ذکر نہ کرنے میں تنبیہ ہے کہ نماز مرتبہ میں صبر سے اشرف وافضل ہے۔

تفسیر صوفیانہ

بہت بڑے دکھ سر پر اُٹھا لینا اور جزع واضطراب نہ کرنا یہ ذریعہ ہے ہر بھلائی کے حصول کا اور ہر فضیلت کا اصل ہے اور توبہ کا پہلا درجہ بھی ہے کہ انسان گناہوں سے بچ جائے اور زہد کا پہلا درجہ یہی ہے کہ مباحات سے بھی دور رہتا ہے اور ارادہ کا اوّل صبر اور ماسوی کی طلب ہے اسی لئے حدیث شریف میں ہے حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نے فرمایا ایمان کے شعبوں میں سے صبر ایسے ہے جیسے جسم میں سر اور فرمایا صبر کا کل فضیلت ہی فضیلت ہے جو شخص بھی صبر سے آراستہ ہوگا اس کو طاعات پر عمل اور برائیوں سے

رکنا آسان ہوگا اسی طرح نماز کا حال ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ یعنی نماز برائیوں سے روکتی ہے۔

صبر کن حافظ بسختی روز و شب عاقبت روزے بیابی کام را

ترجمہ: اے حافظ شب و روز کی سختیوں پر صبر سے کام لے اسلئے کہ صبر کی برکت سے ایک دن منزل مقصود کو پالوگے۔

حدیث شریف: میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو جمع کرے گا تو ایک منادی اعلان کرے گا کہ اہل فضیلت کہاں ہیں یہ سن کر کچھ لوگ دوڑتے ہوئے بہشت تک پہنچیں گے انہیں ملائکہ کی ملاقات ہوگی فرشتے پوچھیں گے اے لوگو تم بہشت کی طرف تیز دوڑے جارہے ہو اس کی وجہ کیا ہے وہ کہیں گے ہم اہل فضیلت ہیں وہ پوچھیں گے تمہاری فضیلت کی وجہ کیا ہے؟ کہیں گے کہ ہمارے اوپر ظلم ہوتا تو ہم صبر کرتے جب ہمارے ساتھ زیادتی کی جاتی تو ہم معاف کردیتے اس پر انہیں کہا جائے گا بہشت میں داخل ہو جاؤ ایسے نیک عمل والوں کا بہترین اجر بھی ہے اس کے بعد منادی پکارے گا کہاں ہیں اہل صبر اس پر بہت سے لوگ بہشت کی طرف تیز دوڑتے ہوئے جائیں گے ان سے پوچھا جائے گا تم کون ہو کہیں گے ہم صبر کرنے والے ہیں ان سے پوچھا گیا تم نے کن باتوں پر صبر کیا وہ جواباً کہیں گے ہم اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر صبر کرتے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے دور رہتے تھے اس پر انہیں کہا جائے گا بہشت میں داخل ہو جاؤ اس کے بعد منادی اعلان کرے گا کہاں ہیں وہ لوگ جو ایک دوسرے سے صرف اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرتے تھے اس پر بہت سے لوگ بہشت کی طرف تیز بھاگتے ہوئے جائیں گے ان کی ملائکہ سے ملاقات ہوگی ان سے فرشتے پوچھیں گے تم کون لوگ ہو وہ کہیں گے ہم ہیں وہ صاحبان جنہوں نے آپس میں صرف اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کی تھی اس پر فرشتے کہیں گے تمہاری آپس کی محبت اللہ تعالیٰ کے لئے کیوں تھی وہ کہیں گے ہم اللہ تعالیٰ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے اور بہشت میں داخل ہونے کی وجہ بھی یہی ہے۔ (کذا فی نزھۃ القلوب)

تفسیر عالمانہ

شان نزول: وَلَا تَقُوْلُوْا آیت شہدائے بدر کے حق میں نازل ہوئی اور وہ کل چودہ افراد تھے۔ چھ مہاجرین اور آٹھ انصار یعنی جو لوگ بدر میں شہید ہوئے تو لوگ کہتے تھے کہ

افسوس کہ وہ لوگ مردہ ہو گئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور نہ کہو لِمَنْ یُّقْتَلُ ان لوگوں کے لئے جو شہید کئے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں یہ بات کہ فلاں مر گیا اور وہ دنیا کے عیش اور اس کی لذتوں سے محروم ہو گیا۔

ف : قتل حیوانی زندگی کی نقیض کو کہتے ہیں۔

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اس سے مراد جہاد ہے کیونکہ یہی اللہ تعالیٰ کے ثواب اور رحمت کا ذریعہ ہے۔ اَمْوَاتٌ یعنی شہیدوں کو مردہ نہ کہو بَلْ اَحْیَآءٌ یعنی وہ زندوں کے حکم میں ہیں۔ یعنی ان کے اعمال کا ثواب منقطع نہیں ہوتا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرتے مارے گئے ہیں پھر جب تک دین دنیا میں باقی ہیں جو بھی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں شہید کیا جائیگا اسے ثواب ملتا رہے گا۔ وَلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ لیکن تم نہیں جانتے کہ ان کی زندگی کا (اس عالم برزخ میں) کیا حال ہے اس میں اشارہ ہے کہ شہداء کی حیات کا علم ان حواس ظاہرہ (جو اس کے ساتھ ہیں) معلوم نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک روحانی امر ہے جس کا ادراک نہیں ہو سکتا ہاں وحی کے ذریعہ سے معلوم ہو سکتا ہے۔ (اسے ہم اہلسنت علم غیب سے تعبیر کرتے ہیں)

عقیدہ: آیت سے معلوم ہوا کہ ارواح جواہر قائم بنفسہا ہیں۔ یعنی جن باتوں کو حواس جسمانی معلوم کر سکتے ہیں یہ ان کے مغائر ہیں اور روح موت کے بعد بھی باقی رہ جاتا ہے اور اس کے اندر ادراک ہوتا ہے اور یہی جمہور کا مذہب ہے۔ (اسی پر سماع موتی اور بعد وصال اولیاء اللہ سے استمداد وغیرہ کے مسائل حل ہوتے ہیں دیکھئے تفسیر اویسی حصہ اول)

سوال: حیات روحانیہ تو سب کی لذت اور درد والم کو محسوس کرتی ہے پھر یہاں شہدا کی تخصیص کیوں؟

جواب: ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خصوصی قرب نصیب ہوتا ہے ان کو بہ نسبت دوسروں کے مزید رونق اور کرامت حاصل ہوتی ہے اور قاعدہ ہے کہ جو شخص بھی کسی بہت بڑے اونچے مرتبہ والے کے مرتبہ کو نہ پا سکے تو اس کو کالعدم سمجھا جاتا ہے اسی طرح شہداء کے مراتب کو نہ پہنچنے پر دوسروں کو معدوم قرار دے کر صرف شہداء کو زندہ قرار دیا گیا۔ لَا یَمُوْتُ فِیْھَا وَلَا یَحْیٰی یعنی دوزخ میں نہ مرے گا نہ زندہ ہوگا۔

عقیدہ: انسانی نفس یعنی اس کی ذات روح مخاطب اور وہی مکلف اور وہی اوامر و نواہی کا مامور اور نواہی حق سے رو کے ہوئے ہے جو روح جسمانی اور لطیف ہے اور اسی ظاہری بدن محسوس میں سرایت کئے ہوئے ہے جیسے

آگ کوئلے میں اور گلاب کا پانی پھول میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ جس کی طرف ایک بات کرتے وقت کہتا ہے ''انـا'' میں ہوں۔ حقیقتاً انسان وہی ہے اور وہی ولی اور وہی نبی ہے اسی کو اعمال کا ثواب ملے گا اسی کو عذاب ہوگا وہی صلب آدم علیـہ السلام میں تھا جب کہ انہیں ملائکہ نے سجدہ کیا۔ وہی ہے جس نے اللہ تعالیٰ کو اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے جواب میں بلٰی کہا۔ وہی خواب میں جسم سے نکل کر سیر کرتا ہے اور وہی خواب دیکھتا ہے اور اسی باتوں سے خوش ہوتا ہے اور غم والی باتوں سے غمگین ہوتا ہے اور اگر اسے اللہ تعالیٰ روک لیتا ہے تو وہ رک جاتا ہے اور جسم کثیف جسے بدن سے تعبیر کیا جاتا ہے روح کے تابع ہوتا ہے اور روح سلطانی کا مرکز قلب صنوبری ہے اور روح حیوانی کا مرکز دماغ ہے اسی لئے وہ اس کے مظاہرین میں زیادہ قوی ہے اور روح حیوانی اسی مخصوص ہیکل میں روح سلطانی کے تعلق کے بعد حادث ہوا ہے یہ روح حیوانی روح سلطانی کے انوار کا عکس ہے تاکہ وہ افعال کا مبداء ہو سکے کیونکہ حیات ایک غیبی امر ہے اور زندہ شئے میں پوشیدہ اسے صرف آثار و علامات سے معلوم کیا جاسکتا ہے جیسے حس و حرکت علم ارادہ وغیرہ اور یہ روح حیوانی پر چکر لگاتا رہتا ہے جب تک یہ بخار باقی ہے تو حیات قائم ہے اور جب یہ ختم ہو جاتا ہے اور روح بدن سے اضطراری طور خارج ہو جاتی ہے یہی حقیقی موت ہے۔

ف: جیسے روح بدن سے اضطراری طور خارج ہو جاتی ہے اسی طرح اختیاری طور بھی اور وہ واپس لوٹتی ہے جب چاہتی ہے اسے صوفیا کرام کی اصطلاح میں انسلاخ کہتے ہیں۔

عقیدہ: اہل سنت و جماعت فرماتے ہیں کہ روح جسم لطیف ہے اور اسی ہیکل محسوس کا مغائر ہے اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ روح کیا ہے اسرار برزخ اور احوال قبر بھی معلوم ہوئے اور ثابت ہوا کہ قبر کا عذاب و ثواب جسمانی ہے اور قبر رَوْضَۃٌ مِّنْ رِّیَاضِ الْجَنَّۃِ اَوْ حُفْرَۃٌ مِنْ حُفَرِ النِّیْرَان (یعنی قبر بہشت کے باغات میں سے ایک باغیچہ ہے اور جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے کہ مسئلہ حق ہے)

عقیدہ: شہدا کی حیات برزخیہ ہے وہ اس میں اسی حال کے مطابق نعمتیں پاتے ہیں کہ یعنی وہ ملائکہ کی طرح اجسام لطیفہ اور وہ اس وقت موجود اور زندہ ہیں۔

ف: علامہ فناری تفسیر الفاتحہ میں لکھتے ہیں کہ وہ ہر نعمت جو صدیقین اور شہداء و صالحین برزخ میں پاتے

ہیں وہ خیالی ہیں اسی طرح ہر وہ عذاب جو جہنمیوں کو ملتا ہے وہ بھی خیالی ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ جب نفخ صور ہوگا تو تمام مخلوق اس وقت اُٹھے گی تو ہر ایک اپنی برزخ کی ہر بات کو محسوس کرے گا کہ گویا وہ خواب میں تھا جیسے نیند سے جاگ اٹھتا ہے اسے خواب کی باتیں خیالی معلوم ہوتی ہیں اسی طرح جب انسان مرتا ہے اسے برزخ کی طرف منتقل کرنے میں اسے ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی نیند سے اُٹھنے والے کو خواب کی بات محسوس ہوتی ہے کیونکہ حیات دینا اس کے لئے بمنزلہ خواب کے تھی جب عالم آخرت میں اٹھے گا تو اسے برزخ اور حیات دنیا اسے نیند ہی محسوس ہوں گی۔ حقیقی بیداری تو وہی ہے جو کہ آخرت میں اٹھ کھڑا ہوگا۔

ف : اسئلہ الحکم میں ہے کہ برزخ اور آخرت کے جملہ امور دنیا کے کسی ایک امر سے بھی مناسبت نہیں رکھتے تا کہ اسے مثال دے کر سمجھایا جاسکے ارواح کو بعد الموت نعمت اور عذاب حسی وجسمانی نہیں بلکہ وہ ایک معنوی شئے ہوں گے۔ البتہ اجسام کو ارواح میں نعمت حسی ومعنوی دونوں نصیب ہوتی ہیں۔

حکایت: حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ کو وصال کے بعد خواب میں دیکھ کر کہا گیا کہ آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا کیا؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے بخش کر آدھی جنت عطا فرمادی۔

ف : اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ نعمتیں جو روح کے لائق تھیں وہ روح کو دی گئیں یہ انکے لئے آدھی بہشت تھی اور بہشت کا دوسرا آدھا حصہ وہی ہے جو انہیں (حشر میں اٹھا کر) بہشت میں داخل کیا جائیگا اس طرح سے اس کے بہشت کے دوسرے حصہ کی تکمیل ہوگی۔

ف : مردہ موت کے بعد برزخ میں کھانے پینے کو ایسے محسوس کرتا ہے جیسے خواب میں نیند والے کو کھانے پینے کا احساس ہوتا ہے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

حدیث شریف : نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ کے ہاں رات گزارتا ہوں وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے اسی طرح برزخ میں ہوگا کہ میت اللہ تعالیٰ سے ایسی غذا پاتا ہے جس کا ہمیں احساس نہیں ہوتا البتہ میت کو محسوس ہوتا ہے۔

سوال: نبی زندہ اور غیر نبی (نیند والے) میں کیا فرق رہا؟

جواب: نبی علیہ السلام بھوکے سوتے جب بیدار ہوتے تو پیٹ کھانے سے پر پاتے یعنی سیر ہوتے ہیں اور

غیر نبی خواب میں نیند میں کھاتا پیتا تو ہے لیکن جب جاگتا ہے تو بدستور بھوکا ہوتا ہے۔

سوال: اولیاء اللہ (تعالیٰ) تو خواب میں کھاتے پیتے ہیں لیکن جب اُٹھتے ہیں تو بھوک محسوس نہیں کرتے۔

جواب: چونکہ اولیاء اللہ وارث نبی کریم ﷺ ہوتے ہیں اسی لئے وہ کھانے پینے کا وہ اثر پاتے ہیں تو وہ نبوت کی وارثت کی وجہ سے ہے جس کا انہیں وارث بنایا گیا کیونکہ سچا خواب نبوت کے چھیالیسویں حصے سے ہے بہت سے اولیا اللہ کے واقعات (مشاہدات سے ثابت ہوتا ہے) کہ جو کچھ وہ خواب میں کھاتے پیتے ہیں تو جب اُٹھتے ہیں تو اس طعام و مشروب کی خوشبو اپنے منہ سے پاتے ہیں اور جو کچھ کھاتے ہیں اس سے سیر ہو کر اُٹھتے ہیں یہ نبوت کی وارثت کی دلیل ہے۔

ف: فرمان نبوی کہ اَلَسْتُ کَھَیْئَتِکُمْ میں تمہاری طرح نہیں ہوں یہ باعتبار اغلب الحال کے ہے نہ باعتبار کل کے

نتیجہ: شہدا کا نعمتوں کا برزخ میں حاصل کرنا ایسے ہے جیسے ولی اللہ کا خواب میں نعمتوں کا پانا ہے اسے اچھی طرح سمجھ لو کیونکہ جس جسم سے بحث کی جارہی ہے وہ جسم لطیف ہے اور وہ بھی لائق ہے اسے برزخ میں اس مرتبہ کے مطابق نعمتیں دی جاتی ہیں خواہ انہیں خیالی نعمتوں سے تعبیر کیا جائے یا معنوی سے یا جسمانی سے مراد لطیف ہے کثیف اور دنیا میں جسم کثیف کو وہ نعمتیں چاہیں جو کثیف ہوں نہ غیر۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیا بہشت میں شہدا کیساتھ بھی کسی دوسرے کا حشر ہوگا آپ نے فرمایا ہر وہ شخص شہیدوں کے ساتھ اُٹھے گا جو دن و رات یعنی چوبیس گھنٹوں میں موت کو چوبیس بار یاد کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ اس شخص کے متعلق گمان بھی نہ کرو جو جہاد میں اللہ تعالیٰ کے جلال کی تلوار سے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں شہید کیا گیا ہے وہ مردہ ہیں اگرچہ ان کے وجود کے اوصاف فانی ہو چکے ہیں۔ لیکن وہ اپنے موجد کے شہود کے ساتھ زندہ ہیں جسے فنافی اللہ اور بقا باللہ نصیب ہو جاتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کبھی تجلیات جلال کے سطوات سے فنا کرتا ہے اور کبھی اسے الطاف و جمال کے نفحات سے زندہ کرتا ہے بے شک وہ لوگ ریاض الجمال کی سیر کرتے ہیں لیکن تم ان کے احوال کو نہیں جانتے اور نہ ہی ان کے مطالعات سے مطلع ہو سکتے ہو

marfat.ocm

ف: امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگرچہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں ان کے اجسام فنا ہو جاتے ہیں لیکن ان کے ارواح کو بقا ہوتی ہے۔

ف: شیخ جنید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جس کی زندگی اپنے نفس تک محدود ہوتی ہے اس کی موت روح کے نکل جانے کو کہتے ہیں اور جو اپنے رب کی ذات کی وجہ سے زندہ ہے تو وہ حیات طبع سے منتقل ہو کر اصلی حیات کی طرف لوٹ جاتا ہے اس کی حقیقی حیات یہی ہے۔ مثنوی شریف میں ہے۔

میکند دندان بدرا آں طبیب   تا رہد از درد و بیماری حبیب
پس زیادہ تہا دروں نقصاست   مر شہیداں را حیات اندر فناست
گر یکے سر را ہبرو از بدن   صد ہزاراں سر برآرد در زمن
حلق ببریدہ خورد شربت ولا   خلق از الا رستہ مردہ در بلا

ترجمہ: گندے دانت ڈاکٹر نکال دیتا ہے تاکہ بندے کو درد والم سے نجات نصیب ہو یہ زیادتیاں اس کے اندرونی حصے سے ہوئیں ورنہ ظاہر ہے شہیدوں کی حیات فنا میں ہے اگر کسی کو شہادت دے کر اس کا ایک سر کاٹ لیتا ہے تو فوراً اسے سینکڑوں سر نصیب ہو جاتے ہیں شہید سر کٹوا کر دوستی حق کے شربت پیتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ محذوف کا جواب ہے یعنی اللہ کی قسم تمہارے ساتھ آزمائش کئے ہوئے لوگوں جیسا معاملہ کریں گے (اس کے بعد دیکھا جائے گا) کیا تم بلا پر صبر کرتے ہو تقدیر کے سامنے سر جھکاتے ہو یا نہ کیونکہ آزمائش جوہر نفس کے لئے کسوٹی ہے اس میں ظاہر کر کے دکھا دیں گے کہ تم میں سے مطیع کون ہے اور نافرمان کون اس کا معنی یہ نہیں کہ پہلے ہم نہیں جانتے تھے اور اب جانیں گے بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ تھوڑے سے دشمنوں کے خوف سے۔

سوال: خوف اعداء کو تھوڑا کیوں فرمایا؟

جواب: اعداء کے نقصان سے ان سے حفاظت ہزار درجے بہتر ہے اور تھوڑی سی وَالْجُوْعِ بھوک یعنی قحط وغیرہ۔

سوال: ابھی تو ان پر بھوک واقع نہیں ہوئی تھی پھر قبل از وقت اس کی خبر کیوں دی گئی؟

جواب: تاکہ ان کے نفوس پہلے سے تیار رہیں اور اس پر صبر کرنا آسان ہو کیونکہ اچانک تکلیف بہ نسبت انتظار

کے بعد زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے۔

وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ اس کا عطف شَیءٍ پر ہے تمہارے تھوڑے سے مال بھی گھٹا کر یعنی چوری اور لوٹ مار اور بادشاہوں کے ظلماء مال چھیننے اور اس کے ہلاک کرنے اور گھاٹے میں ڈالنے سے تمہاری آزمائش کریں گے وَالْاَنْفُسِ اور نفسوں کو گھٹانے سے قتل اور موت اور مرض اور بڑھاپا مراد ہے وَالثَّمَرٰتِ یعنی آمائش ہوگی انگوروں کے ثمرات کے چلے جانے اور درختوں کو گرمی سردی پہنچا کر اور ایسے ہی ہوا اور رنڈی بھیجنے سے اسی طرح دیگر آفات ہیں۔

ف: کبھی نقص ثمرات تعمیرات کے ضیاع سے ہوتا ہے جہاد کی وجہ سے۔

مسئلہ: حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں اَلْخَوْفِ سے خوف الٰہی اور اَلْجُوْعِ سے صیام رمضان اور وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ سے زکوٰۃ صدقات اور الانفس سے امراض اور الثمرات سے اولاد مراد ہے۔

جواب: قاعدہ ہے جب توبہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس وقت یہی معنی مراد ہوتے ہیں مثلاً کہا جاتا ہے تَابَ اللّٰہُ یَتُوْبُ بمعنی قبول التوبۃ جو کہ مغفرت کے معنی کو متضمن ہے یعنی جس نے توبہ کی اس سے اللہ تعالیٰ نے عذاب کو ہٹا دیا۔

وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ اور میں توبہ قبول اور رحم کرنے والا ہوں یعنی توبہ کرنے اور رحمت بھیجنے میں بہت زیادہ فضل و کرم کرتا ہوں۔

ربط: جب اللہ تعالیٰ نے زندہ ملعونوں کا ذکر فرمایا تو انکے ساتھ ان لوگوں کا ذکر بھی فرما دیا جو مرے ہوئے ملعون ہیں چنانچہ فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کیا یعنی اپنے کفر پر مصر رہے اور کتمان حق کے پیچھے لگ رہے لیکن توبہ نہ کر سکے وَمَاتُوْا وَھُمْ کُفَّارٌ اور مر گئے اس حال میں کہ وہ کافر تھے یعنی اپنے کفر پر اصرار کرتے رہے اور اپنی اسی حالت کفریہ سے بدل نہ سکے۔

اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ لَعْنَۃُ اللّٰہِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ان پر اللہ اور اس کے فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے یعنی وہی لوگ لعنت کے مستحق ہیں زندگی میں اور موت کے بعد بھی اور وہ حضرات جو ان پر لعنت کرتے ہیں وہ

marfat.ocm

اہل ایمان ہیں کیونکہ النَّاسِ درحقیقت اہل ایمان ہی ہیں اس لئے کہ انسانیت سے یہی حضرات نفع اُٹھانے والے ہیں اور کافر تو جانوروں کی طرح بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا کوئی اعتبار نہیں یا النَّاسِ سے عام لوگ مراد ہیں اس لئے کہ قیامت میں کافر بھی ایک دوسرے پر لعنت کریں گے پھر ان پر فرشتے لعنت کریں گے پھر باقی لوگ اسی طرح ظالمین ایک دوسرے پر لعنت کریں گے۔

مسئلہ: جب ظالم پر کوئی لعنت کرتا ہے حالانکہ لعنت کرنے والا خود بھی ظالم ہو تو گویا وہ اپنے آپ پر لعنت کرتا ہے خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وہی اس میں ہمیشہ رہیں گے کیونکہ جب وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو جائیں گے۔ لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ ان سے عذاب ہلکا نہیں کیا جائے گا یہ نیا جملہ ہے ان پر کثرت سے عذاب من حیث الکیف کا بیان ہے جب کہ اس سے پہلے کثرت عذاب من حیث الکم کا بیان تھا۔ یعنی نہ ان سے عذاب اُٹھایا جائے گا اور نہ ہی ہلکا کیا جائے گا وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ اور نہ ہی وہ مہلت دیئے جائیں گے ینظرون الانظار سے مشتق ہے یعنی الامہال مہلت دینا و التاجیل معیاد مقرر کرنا یعنی نہ انہیں لوٹنے کی مہلت ہوگی اور نہ توبہ کا موقعہ دیا جائے گا اور نہ ان کی معذرت قبول کی جائے گی۔ یا معنی یہ ہے کہ ان پر ہمیشہ عذاب ہوتا رہے گا۔

ف : جب ہم کہتے ہیں اِنَّا لِلّٰهِ اس میں ہم اقرار کرتے ہیں کہ تمام ملک اسی کا ہے وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ اور ہم اس کی طرف لوٹنے والے ہیں اس میں ہم اقرار کر رہے ہیں۔ کہ ہم نے ایک دن فنا ہونا ہے۔

سوال : رجوع الی اللہ کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے مکانیت و جہت ہو حالانکہ وہ مکانیت و جہت سے پاک ہے۔

جواب: اس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ وہاں حاضر ہوگا جہاں سوائے اس مالک کے کسی کا حکم نہیں چلے گا اور وہ دار آخرت ہے کہ اس میں سوائے اللہ کے کسی کا حکم نہیں نہ حقیقۃً نہ ظاہراً بخلاف دار دنیا کے کہ اس میں ظاہری طور بعض کو کچھ نہ کچھ حاصل ہے۔

ف : مصیبت کے وقت اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ کہنے میں چند فائدے ہیں۔

۱۔ بندہ اس کلمہ کے پڑھنے سے لغویات سے بچ جائے گا۔

۲۔ جب دوسرا اس سے پڑھتا ہوا سنے گا تو وہ اس کی تقلید کرے گا تو اس کو بھی ثواب ملے گا اور اس کو بھی۔

۳۔ جب زبان سے یہ کلمہ پڑھے گا تو قلب پر حسن اعتقاد کا اثر یعنی تقدیر ربانی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کا خیال اترے گا کہ دیتا بھی وہی ہے اور لیتا بھی وہی۔

نکتہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ مصیبت پر بندے کا دل گھبرا جاتا ہے اور اس کے لئے ایسے کلمہ کی ضرورت ہے جو اسے قضا و قدر کے سامنے جھکانے کا ادب سکھائے۔

حدیث شریف: میں ہے جب بھی مصیبت کسی بندے کو پہنچتی ہے تو کہتا ہے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ اللّٰھم اجرنی من مصیبتی واخلف لی خیرا منھا ان کلمات کی برکت سے اللہ تعالیٰ اسے اس مصیبت کا بڑا اجر اور نعم البدل عنایت فرماتا ہے۔

ف: مصیبت کے وقت اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کہنا صرف امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو نصیب ہوا ہے ورنہ اگر کسی کو اس کلمہ کے کہنے کی اجازت ہوتی تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو ہوتی۔ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی گمشدگی پر کہا تھا۔ يٰٓاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ

مسئلہ: مصیبت کے وقت صرف زبان سے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کہنا ہی نہیں بلکہ قلبی طور ماننا ضروری ہے زبان سے یہ کلمات کہے اور دل سے انکی تصدیق کرے مثلاً یہ تصور کرے کہ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کی ہے اور جتنا احکامات کا اسے مکلف بنایا ہے ان کو سر تسلیم کر کے فرمانبرداری کرنا اور قضا کو پورے طور پر ماننا یعنی جو کچھ دیتا اور لیتا ہے سب اسی کی تقدیر ہے جس نے ملک و ملک اللہ تعالیٰ کا مانا پھر کسی کی کیا مجال ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے چھین سکے اور اس کی تقدیر نہ مانے اور یقین کرے کہ جو کچھ عالم ملک میں ہے وہ سب کا سب اللہ تعالیٰ کا ہے اسے چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرے کہ جو کچھ لے لیا ہے وہ تو کچھ بھی نہیں اور جتنی بندے کے لئے نعمتیں باقی رکھی ہیں وہ اتنی ہیں کہ ان کا شمار نہیں ہو سکتا۔

ف: مبشر بہ محذوف ہے جس پر اس کا قول اُولٰٓئِكَ کرتا ہے اس سے وہ صابرین مراد ہیں جو اوصاف مذکورہ کے موصوف ہیں۔

عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ ان پر رحمتیں نازل ہوں۔ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ان کے رب کی طرف سے اور رحمت نازل ہو۔

سوال: صَلَوٰتٌ کو جمع اور رَحْمَةٌ کو واحد کیوں؟

جواب ۱: ان کی کثرت اور تکرار کی طرف اشارہ ہے۔

جواب ۲: رَحْمَةٌ کی تنوین نے جمع کے صیغے لانے سے مستغنی کر دیا ہے۔

جواب ۳: بندے کو جتنا رحمت عنایت ہوتی ہے اس سے دنیا کے نقصانات دفع کیے جاتے ہیں اور صلوت سے آخرت کے جمیع برکات و عنایات مراد ہیں۔

ف: صَلَوٰتٌ وَّرَحْمَةٌ کو جمع کرنے میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت غیر منقطع ہے اب معنی یہ ہوا کہ رحمت کے جمیع فنون سب ان کے مالک امور کی طرف اور وہی انہیں کمالات تک پہنچانے والا ہے جو ان کے لائق ہیں۔

سوال: اس سے یعنی صَلَوٰتٌ وَّرَحْمَةٌ کو جمع کرنے میں تکرار لازم آتا ہے اور یہ نامناسب ہے۔

جواب: صَلَوٰتٌ سے مراد مدح و ثنا اور تعظیم مراد ہے اور رحمت سے لطف و احسان اس طریق سے تکرار لازم نہیں آتا۔

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ یہی لوگ حق و صواب کے ہدایت پانے کے ساتھ مخصوص ہیں اس کے لئے انہوں نے مصیبت کے وقت اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے سامنے سر جھکایا۔

حدیث شریف: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں آسمان سے نیچے گرائے جانے کو پسند کر سکتا ہوں لیکن یہ گوارہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے متعلق کہوں کہ کاش کہ یہ واقع نہ ہوتی۔

ردشیعہ: وہ تکالیف جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچیں ان پر صبر کرنا ضروری ہے کیونکہ جو اللہ تعالیٰ عادل حکیم کی طرف سے پہنچتا ہے۔ اس میں عدل اور حکمت ہوتی ہے اس عدل و حکمت کا تقاضہ یونہی تھا۔ اس بناء پر بندہ کو اس پر راضی ہونا واجب ہے۔ کیونکہ اسے معلوم ہے کہ سوائے حق کے کوئی فیصلہ نہیں کرتا۔

مسئلہ: اگر ظالموں کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچے تو اس پر صبر کرنا واجب نہیں بلکہ ہر ممکن اس کے لئے مدافعت کرنا ضروری ہے بلکہ لڑنا ممکن ہو تو لڑے اگر ایسی صورت میں مارا گیا تو شہید ہوگا۔

ف : ابتلاء و آزمائش تصفیہ قلوب کا سبب ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جتنی مجھے ایذاء دی گئی اتنی کسی اور نبی کو نہیں دی گئی۔ یعنی جیسے میرے لئے صفائی قلوب کے اسباب بنائے گئے کسی نبی کے لئے نہیں بنائے گئے۔

ف : عاشق صادق کی نگاہ میں وفاء جفا برابر ہے جیسے حضرت صائب نے فرمایا۔

صائب شکایت از ستم یار چوں کند
ہر جا کہ عشوہ ہست وفاء و جفا یکست

(صائب اپنے دوست کے ستم کی کیوں شکایت کرے اس لئے کہ محبوبوں کے ہاں اشارے ہوتے ہیں وہاں وفا و جفا برابر سمجھا جاتا ہے)

حدیث شریف : حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اپنے جد رسول خدا ﷺ سے سنا آپ فرمایا کرتے اے میرے بیٹے قناعت کو لازم پکڑو۔ لوگوں سے مستغنی ہو جاؤ گے اور فرض کی ادائیگی میں کمی نہ کرو۔ تمام لوگوں سے زیادہ عابد رہو گے۔ اے میرے بیٹے بہشت میں ایک درخت ہے اسے شجرة البلوی کہا جاتا ہے اور قیامت میں جب اہل آزمائش کو بلایا جائے گا۔ تو نہ تو ان کے لئے حساب کا دفتر کھولا جائے گا اور نہ ہی ان کے لئے ترازو رکھا جائے گا ان پر موسلا دھار بارش کی طرح اجر و ثواب برسایا جائے گا اس کے بعد یہ آیت پڑھتے۔ صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر و ثواب عنایت ہوگا۔

ف : صبر کے متعلق اور مضامین نہ ہوتے تو صرف ایک سلیمان علیہ السلام کے پرندہ کی حکایت کافی تھی۔

حکایت : حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں ایک پرندہ تھا جو بہت خوش آواز تھا اور اس کی صورت بھی بڑی اچھی تھی۔ ایک شخص نے اسے ہزار درہم میں خریدا اس کے پنجرے کے قریب آ کر اس کا ہم جنس ایک آواز دے کر اُڑ گیا اس کے بعد وہ پرندہ بولنے سے خاموش ہو گیا۔ اس مرد نے اس پرندہ کی شکایت حضرت سلیمان سے کی۔ آپ نے فرمایا پرندے کو میرے پاس لاؤ جب وہ حاضر کیا گیا تو آپ نے پرندے سے فرمایا کہ تیرے مالک کا تیرے اوپر حق ہے جب کہ اس نے تجھے بھاری قیمت دے کر خریدا ہے لیکن تو آج کل خاموش ہے پرندے نے عرض کی اے اللہ کے نبی علیہ السلام میرے مالک سے فرمائیں کہ اب وہ مجھے قید سے رہا کر دے میں جب تک پنجرے میں ہوں ہرگز نہیں بولوں گا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا اس کی کیا وجہ ہے۔ پرندے نے عرض کی میرا چیخنا چلانا اپنے وطن اور اولاد کے فراق کی وجہ سے تھا لیکن میرے ساتھی پرندے نے مجھے سمجھایا کہ تجھے قید صرف تیری خوش آوازی کی وجہ سے کیا گیا ہے۔ جب تک تو اپنی آواز کو دبائے گا نہیں تیری

نجات ناممکن ہے حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندے کے مالک کو فرمایا سنا تو نے وہ کیا کہتا ہے اس شخص نے کہا اے اللہ تعالیٰ کے نبی علیہ السلام واقعی میں نے اسے اس کی آواز کے لئے محبوس کیا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندے کے مالک کو ہزار درہم دے کر اس کو چھوڑ دیا وہ پرندہ اُڑتا ہوا خوش آواز سے پڑھتا جا رہا تھا۔ سبحان اللہ من صورنی فی الھوا طیر نی فی القفس صبرنی پاک وہ ذات جس نے مجھے حسین بنایا اور ہوا میں اُڑنے کی طاقت بخشی اور پنجرے میں مجھے صبر کی توفیق بخشی۔ اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا جب تک پرندہ جزع فزع کرتا رہا محبوس رہا اور جب اس نے صبر کیا اسے نجات ملی۔

تفسیر صوفیانہ

دراصل اس میں اشارہ ہے اوصاف نفس کے فنا کی طرف بندہ جب تک اضطراری موت اختیار نہ کرے وہ حیات حقیقیہ کی طرف نہیں پہنچ سکتا۔ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی شریف میں فرمایا ہے۔

دانہ باشی مرغانت پر چنید　　　غنچہ باشی کودکانت بر کنند

ترجمہ: دانہ ہوگا تو تجھے پرندے کھا جائیں گے غنچہ بنے گا تو تجھے لڑکے کاٹیں گے۔

ہر کہ داد حسن خود در ام زہراد　　　صد قضائے بد سوائے او ررونہاد
تن قفس شکاست وتن شد خار جاں　　　در فریب داخلان وخارجاں

ترجمہ: جو اپنے حسن کو بکاؤ کا مال بناتا ہے تو اس کی طرف ہزاروں مصیبتیں آتی ہیں جسم دیکھنے والوں کا پنجرہ ہے۔ اسی لئے یہ ہر ایک کے فریب میں پھنس جاتا ہے۔

حضرت الشیخ الشہیر با فتادہ آفندی قدس سرہ نے فرمایا انانیت کی نفی نہایت ضروری اور وجود عارضی کو بحر الوجود الحقیقی میں فنا کرنا واجب ہے تاکہ مقصود حاصل ہو یعنی روحانی تکمیل ہو۔ حضرت صائب نے فرمایا۔

ترک ہستی کن کہ آسودا ست از تارج سیل
ہر کہ پیش از سیل رخت خود ابروں از خانہ ریخت

ترجمہ: ہستی کا وہم بھی ختم کر ڈالو اسی لئے سب سے آسودہ تر وہی ہے جو سیلاب کے پہنچنے سے پہلے ہی اپنا سامان محفوظ جگہ پر لے جائے۔

ف : حضرت الشیخ افتادہ آفندی قدس سرہ نے فرمایا کہ مراتب سے عبور کرنا چاہیے اور عبور کا محل ایک مرتبہ ہے جسے وادی الحیرۃ کہا جاتا ہے اس میں سالک اپنے مطلوب کو جانتا تو ہے لیکن پہنچ نہیں سکتا پھر اسی وادی حیرۃ وحرارت سے چکر لگاتا ہے اس حرارت سے وہ اپنی انانیت کو جلا دیتا ہے۔

ف : اسے وادی حیرت اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہاں پر سالک حیران سا ہو جاتا ہے پھر نہ تو وہ آگے جا سکتا ہے اور نہ پیچھے آسکتا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اللھم زدنی حیرہ اے اللہ میری حیرت میں اضافہ فرما۔ اسی حیرت کی طرف اشارہ ہے بہت سے سالکوں کو یہ مرتبہ نصیب ہی نہیں ہوتا جب تک مرشد کامل رہبری نہ کرے اس کا عبور بالکل ناممکن ہے اے اللہ ہمیں اسماء وصفات کی تجلیات کے لئے تیار فرما اور اپنی ذات کے مشاہدات کے پیالے عطا فرما۔ آمین۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّ الصَّفَا مکہ معظمہ کی ایک پہاڑی کا نام ہے۔

سوال : اس پہاڑی کو صفا کیوں کہتے ہیں۔

جواب : چونکہ اس پر سیدنا آدم صفی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بیٹھے تھے۔ ان کے لقب شریف صفی اللہ کی وجہ سے اس کا نام الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ ہے یہ ایک پہاڑی کا نام ہے جو کہ مکہ معظمہ میں ہے۔

سوال : مروہ کو مروہ کیوں کہتے ہیں؟

جواب : اس پر بی بی حوا علیہا الصلوٰۃ والسلام بیٹھی تھیں۔ امرأۃ آدم کی نسبت سے اس کا نام مروہ پڑ گیا۔

مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ کے شعائر سے ہیں شعائر شعیرہ کی جمع ہے۔ بمعنی علامت یعنی صفا مروہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی علامات سے ایک علامت ہے کیونکہ یہ ہر دونوں حجاج کے ٹھہرنے اور دوڑنے اور قربانی کرنے کے مقامات ہیں انہیں اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے اطاعت کا نشان بنا دیا تاکہ ہم انہیں دیکھ کر مخصوص عبادت کریں۔

ف : مروی ہے کہ صفا پر ایک بت تھا مرد کی صورت میں جسے اساف کہا جاتا۔ اسی طرح مروہ پر بھی ایک بت تھا عورت کی صورت میں اسے نائلہ کہا جاتا اسلام کے تشریف لاتے ہی انہیں ہٹا دیا گیا۔

شان نزول : بعض روایات میں آیا ہے کہ یہ دونوں ایک مرد اور عورت تھی انہوں نے کعبہ میں زنا کیا اللہ تعالیٰ نے ان کی صورتیں مسخ کر کے پتھر کر دیا پھر یہاں رکھ دیئے گئے تاکہ لوگوں کو عبرت حاصل ہو جب بہت بڑا

marfat.ocm

عرصہ گزرا تو ان کی پرستش ہونے لگی جاہلیت کے لوگ کعبۃ اللہ کا طواف کرتے تو انہیں تعظیم کے طور پر ہاتھ لگاتے جب دور اسلام شروع ہوا تو تمام بت توڑ دیئے گئے ان میں یہ صفاء مروہ والے بت بھی تھے۔ مسلمانوں کو صفاء مروہ کی سعی کا حکم ہوا تو ان کو یہاں صفاء مروہ پر جانے سے نفرت ہوتی صرف انہی بتوں کی وجہ سے۔ کیونکہ صحابہ کرام ہر فعل جاہلیت سے کراہت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ ان کے مابین طواف کرنا چاہیے اور فرمایا یہ تو شعائر اللہ ہے۔

نکتہ : صفاء مروہ کے مابین دوڑنے کا حکم صرف اس لئے مشروع ہوا تا کہ بی بی ہاجرہ کی یاد تازہ ہو چنانچہ ان کی حکایت مشہور ہے جب انہیں اور ان کے صاحبزادے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو پیاس نے تنگ کیا تو بی بی صاحبہ یہاں پر دوڑتیں اور پہاڑ پر چڑھ کر دعا مانگتیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی بدولت چشمہ زمزم کھولا اور انکی دُعا قبول فرمائی اور قیامت تک بندوں پر ان کے مابین دوڑنا اور پہاڑوں پر چڑھنا اور وہاں دُعا مانگنا عبادت بنا دیا۔

حدیث شریف : یہ ہے صفا مروہ بہشت میں دو دروازوں کا نام ہے دو مقام ایسے ہیں جن کے درمیان دُعا مستجاب ہو جاتی ہے۔ ان دونوں کے درمیان ستر ہزار نبیوں کے مزارات ہیں اور ان کے درمیان دوڑنے سے ستر غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ اور وہ جو حج یا عمرہ کرے۔

ف : الحج لغت میں قصد کو کہتے ہیں جو عمرہ معنی زیارت اور ان دونوں میں قصد و زیارت ہوتی ہے اسی لئے اس نام سے موسوم ہوئے فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ پس اس پر کوئی گناہ نہیں۔

ف : جُنَاحَ کا اصل جنح بمعنی مال عن العقد والخير الى الشر ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ کوئی اپنے ارادہ سے بدل جائے اور خیر سے شر کی طرف جھک جائے أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا یہ کہ ان دونوں کا طواف کرے۔

ف : طواف کے ہر چکر سے گناہ معاف ہوتے ہیں اور یہ اس لئے فرمایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خیال گزرا کہ ان کے چکر لگانا گناہ نہ ہو جب کہ ہم جاہلیت میں بھی طواف کے ایسے چکر لگاتے تھے۔

سوال : اس سے ثابت ہوا کہ یہ طواف واجب نہیں حالانکہ حنفیہ کے نزدیک یہ طواف واجب ہے۔

جواب : ایسی عبادت وجوب کے لئے بھی مستعمل ہوتی ہے۔

ف: اَنْ یَطَّوَّفَ (بقانون علم صرف ان طوف ہوا)

سوال: تفعل کے باب میں کون سی حکمت ہے جب کہ مجرد کے باب سے بھی یہ مقصد حاصل ہو سکتا تھا۔

جواب: چونکہ تفعل کے باب میں تکلف ہوتا ہے اس لئے اس میں یہ حکمت ہے کہ طواف کرنے والے کو چاہئے کہ اس عمل میں جد و جہد کرے اور اپنی کوشش کو اس میں صرف کرے۔

وَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا جو اپنے طور پر نیکی کرتا ہے تَطَوَّعَ اصل میں اپنے طور پر فعل کو کہتے ہیں نہ کہ کسی کے مجبور کرنے سے گویا کہا گیا کہ جس نے کوئی عمل کیا یا طاعت گزار ہو کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا۔ تَطَوَّعَ فِعلاً کو متضمن ہے یا متعدی بنفسہ ہے یا تبرع کے معنی میں ہے جیسے کہا جاتا ہے طاع بطوع ای یتبرع اب معنی یہ ہوا کہ جو شخص اس عمل کو جو اس پر فرض نہیں محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب کی وجہ سے بجالاتا ہے اس معنی پر خیرا کا منصوب بنزع الخافض ہوگا اصل عبادت یوں تھی من تطوع تطوعا بخیر، فَاِنَّ اللّٰہَ شَاکِرٌ عَلِیْمٌ بے شک بندوں کا شکر قبول کرنے والا ہے یعنی انہیں ان کے عمل کی جزا دینے والا ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ شاکر جب اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہوتا ہے تو معنی اللہ تعالیٰ کو ان کے نیک عمل پر جزا دینے والا مستعمل ہے۔

ف: حضرت ابن التمید اپنے حواشی میں فرماتے ہیں کہ جب شکر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو رضی عن العبد کے معنی میں آتا ہے اور ثواب دینا تو رضا کو لازم ہے۔ اس طرح شکر کی ملزوم ہوئی۔ پس شکر مجازاً معنی رضی ہوگا۔ پھر رضا سے معنی ثواب دینا میں مجاز ہوگا۔ اس طرح شکر بمعنی ثواب دینے کے مجاز دوسرے مرتبہ پر ہوگا۔

عَلِیْمٌ عبادت گزار کی عبادت کو جانتا ہے اور اس کی نیت کو بھی۔

مسئلہ: آیت میں نفلی طاعات کی ایسے ترغیب دی گئی ہے جیسے فرائض پر ترغیب دی جاتی ہے۔

سبق: اندازہ کیجئے کہ جو صرف ایک نفلی عبادت کی بھی اللہ تعالیٰ جزا دیتا اور اسے جانتا ہے تو پھر ایک سے زائد نفلی عبادات کا کیا کہنا۔

حکایت: حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک سال میں حج کے لئے گیا مجھے خیال گزرا کہ اب کی بار جبل عرفات سے لوٹ کر آئندہ حج کے لئے حاضر نہیں ہوں گا۔ (مشاہد عرفات کی دھوپ سے آپ کو

تکلیف پہنچی ہوگی) یہی خیال میرے دل میں تھا کہ میں نے حجاج (حاجیوں) میں دیکھا کہ ان میں ایک بوڑھا جو عصا کے سہارے چل رہا تھا مجھے وہ غور سے تھوڑی دیر دیکھتا رہا میں نے السلام علیکم عرض کیا تو انہوں نے جواباً وعلیکم السلام یا سفیان ارجع عما نویت (اے سفیان اپنے دل کے ارادے کو بدل دیجئے) میں نے کہا سبحان اللہ آپ کو میری نیت کا علم کیسے ہوا۔ انہوں نے فرمایا میرے رب نے مجھے بتایا ہے میں نے اس کے بعد پینتیس حج پڑھے۔ میں پینتیسویں حج کے لئے جبل عرفات میں کھڑے ہو کر حاجیوں کے ٹھٹھ جانے والوں کو دیکھ کر متفکر ہوا کہ یا اللہ میرا اور ان سب حاجیوں کا حج قبول ہوتا ہے یا نہیں اسی تفکر میں میرا سارا دن گزر گیا یہاں تک کہ حجاج جبل عرفات مزدلفہ کی طرف لوٹنے لگے ان میں کوئی بھی باقی نہ رہا رات ہونے لگی میں اسی فکر میں وہاں سو گیا۔ نیند میں دیکھتا ہوں قیامت قائم ہوگئی ہے اور لوگ حساب وکتاب کے لئے میدان حشر میں جمع ہونے لگے اور سب کے اعمال نامے اڑ کر ہاتھوں میں پہنچنے لگے اور عملوں کی ترازو نصب کی گئی اور پل صراط بچھائی گئی بہشت و دوزخ کے دروازے کھلنے لگے میں نے جہنم کی آواز سنی وہ کہہ رہی تھی اے اللہ میری گرمی اور سردی سے حاجیوں کو بچا۔ اللہ تعالیٰ سے ندا آئی اے جہنم ان کے غیر کے متعلق اپنے لئے ہی سوال کر کیونکہ حجاج تو تیرے اندر آ ہی نہیں سکتے۔ اس لئے کہ انہوں نے جنگلوں کی پیاس اور گرمی برداشت کی۔ اس وجہ سے قیامت کی گرمی سے حفاظت ہے اور انہیں شفاعت کرنے کا بھی حق دیا گیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے میری رضا کو اپنے نفسوں اور اموال پر ترجیح دی۔ حضرت شیخ سفیان ثوری فرماتے ہیں اس کے بعد مجھے جاگ ہوئی اور میں نے شکرانے کا دوگانہ پڑھا اور سو گیا اس کے بعد خواب میں اسی طرح دیکھا اس پر مجھے خیال گزرا نہ معلوم مجھے یہ بات رحمٰن سے دکھائی دیتی ہے یا شیطان سے مجھے آواز دی گئی کہ یہ بات حق سے دکھائی دیتی ہے اس کے بعد حکم ہوا ہاتھ پھیلایئے میں نے ہاتھ پھیلائے تو میرے ہاتھ پر ایک پرچہ لکھا ہوا رکھا تھا اس میں یہ مضمون تھا کہ جو بھی میدان عرفات میں ٹھہرے گا اور بیت اللہ شریف کی زیارت کرے گا اسے اپنے گھر والوں سے ستر آدمیوں کی شفاعت کا حق حاصل ہوگا۔ حضرت شیخ سفیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے اس پرچے کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور پڑھا حضرت شیخ موصوف فرماتے ہیں اس کے بعد میرا کوئی سال بغیر حج کئے نہیں گزرا یہاں تک کہ اس وقت میں ستر حج پڑھ چکا ہوں۔ (کذا فی زہرۃ الریاض)

الاشباہ و النظائر میں ہے کہ سرائے اس لئے بنوانا کہ اس سے لوگ نفع اٹھائیں گے حج ثانی سے افضل ہے اور نفلی حج صدقہ و نافلہ سے افضل ہے اور حج فرض نفلی حج سے افضل ہے اور نفلی حج صدقہ و نافلہ سے افضل ہے حج فرض والدین کی اطاعت سے افضل ہے بخلاف نفلی حج کے کہ اس سے والدین کی اطاعت افضل ہے دولتمند کا حج تنگدست کے حج سے افضل ہے کیونکہ تنگدست کا حج تو کعبہ میں جا کر فرض ہوگا اور باقی آنا جانا اس کا نفلی ہوگا بخلاف تونگر کے کہ اس کا حج اس پر ابتداءً فرض ہے تو اس کا آنا جانا بھی فرضی عبادات میں شامل ہوگا۔

سبق: عاقل کو چاہیئے کہ وہ بیت اللہ کی طرف جائے اور زیارت کعبہ کی کوشش کرے اگرچہ مالی حالات ناساعد ہوں جب ارادہ کرے گا تو مالی حالات بھی سازگار ہو جائیں گے کیونکہ اصلی بات تو توجہ القلب الی جانب الغیب ہے نہ صرف جسمانی ڈھانچے کی جدوجہد، حضرت مولانا روم قدس سرہ فرماتے ہیں۔

میل توئے مغیلانست وریگ　　　توچہ گل چینی ز خار مردہ ریگ

ترجمہ: تیرا خیال صرف درختوں (کیکر وغیرہ) اور ریت میں ہے پھر اور کس طرح ان خاروں سے پھول حاصل کرسکتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات قاشانیہ میں ہے کہ صفات سے وجود القلب اور مروہ سے وجود النفس مراد ہیں اس لئے کہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے دین کے علامات سے ہیں قلب کے مناسک یہ ہیں۔

۱۔ یقین ۲۔ توکل ۳۔ رضا ۴۔ اخلاص

اور نفس کے مناسک یہ ہیں۔

۱۔ صبر ۲۔ شکر ۳۔ ذکر ۴۔ فکر

جس نے بیت اللہ کا حج بہ فنائی کل ذات سے تو وہ وحدۃ ذاتیہ کے مقام تک پہنچ کر حضرت الٰہیہ میں داخل ہوا یا عمرہ کیا یعنی توحید صفات اور انوار تجلیات الجمال والجلال کے ذریعے سے مقام مشاہدہ تک پہنچ کر بارگاہ حق کی زیارت کی پس اس وقت اس پر گناہ نہیں کہ ان دونوں کا طواف کرے یعنی ان دونوں مقامات کی طرف لوٹ کر ان کے درمیان چکر لگائے لیکن ان کے وجود تکوینی کو مد نظر رکھ کر بلکہ ان کی حقیقت پر توجہ کر کے کیونکہ ایسا کرنا بہت بڑا ہے وجود موہوبی حقانی جو کہ تمکین کے وقت فنا کے بعد حاصل ہوتا ہے اس لئے گناہ کی نفی

marfat.ocm

کی گئی ہے کیونکہ اس وجود میں وسعت ہے بخلاف اول کے کہ اس میں اتنی وسعت نہیں پس جس نے نفلی عبادت خود بخود کی یعنی جو کسی کے ساتھ بھلائی کرتا ہے یا تکمیل و تعلیم وارشاد اور شفقت خلق سے مقام قلب میں اور باب اخلاق وطرف بر وتقوی اور ضعفاء و مساکین کی معاونت اور شفقت مخلوق میں تحصیل الہم میں مقام نفس میں لیکن سلوک کے کمال حاصل کرنے کے بعد جس نے کسی کے ساتھ بھلائی کی اللہ تعالیٰ بندوں کی طاعت قبول کرنے والا اور جاننے والا ہے یعنی ان کے عمل پر ان کو مزید ثواب عطا فرماتا ہے اشیاء میں یہ باب تکوین وابتداء اور فترت میں سے نہیں بلکہ باب تصرف میں ہے۔

یا خفی الذات محسوس العطاء   انت کالریح و نحن کالغبار
انتا کالماء و نحن کالرجباء   یختفی الریح و غیرہ جهار

ترجمہ: اے وہ ذات جو خود تو پوشیدہ ہے لیکن تیری عطائیں محسوس ہیں تو پانی کی طرح ہے اور ہم پانی کی چکی کی طرح ہیں تو ہوا اور ہم غبار کی طرح ہیں اور ہوا پوشیدہ رہتی ہے لیکن اسکی غبار کھلی فضاء میں نظر آتی ہے۔

تفسیر عالمانہ

شان نزول: اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ یہ آیت یہود کے لیڈروں اور ان کے علماء کی مذمت میں نازل ہوئی یا ہر اس آدمی کے لئے جو دین کے احکام میں سے کسی شئے کو چھپاتا ہے یہی مطلب زیادہ قریب ہے کیونکہ لفظ عام اور عموم سبب خاص کو منع نہیں کرتا الکتمان کے اظہار کو قصداً ترک کرنا باوجودیکہ اس کے اظہار کی ضرورت ہو اس کے اظہار کا سبب حاصل بھی ہو حق چھپانے کے کئی طریقے ہیں۔

۱۔ اصلی بات کو پوشیدہ رکھنا۔

۲۔ اصل شئے کو زائل کر کے اس کے قائم مقام کسی دوسرے شے کو بیان کرنا اور یہودیوں کا کتمان حق یہی تھا کہ وہ حضور ﷺ کے اوصاف شریفہ بیان نہیں کرتے تھے۔

مَآ اَنْزَلْنَا جو ہم نے نازل کیا مِنَ الْبَيِّنٰتِ دلائل سے جو نبی اکرم ﷺ کے فضائل مبارکہ اور مسئلہ رجم اور تحویل قبلہ اور حرام وحلال پر وضاحت کے ساتھ دلالت کرنے والے ہیں۔ وَالْهُدٰى اور ہدایت سے یعنی ایسی آیات جو کہ حضور نبی پاک ﷺ کے مناقب شریف اور آپ کی اتباع اور آپ پر ایمان لانے کی طرف رہبری کرنے والی ہیں۔ مِنْۢ اس کا تعلق يَكْتُمُوْنَ سے ہے بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ بعد اس کے ہم نے اسے واضح اور ملخص کر کے بیان

فرمایا لِلنَّاسِ تمام لوگوں کو نہ صرف حق کو چھپانے والوں کے لئے فِی الْكِتٰبِ کتاب یعنی توریت میں اور ان کے دلائل وغیرہ کو بیان کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دلائل وغیرہ ایسے واضح ہیں کہ انہیں ہر ایک سمجھ سکتا ہے ان میں کسی قسم کا شبہ نہیں رہتا۔

ف : حضرت ابن الشیخ رحمۃ اللہ علیہ اپنے حواشی میں لکھتے ہیں کہ الْبَيِّنٰتِ سے مراد وہ کتابیں ہیں جو انبیاء کرام علی نبینا علیہم السلام پر نازل ہوئیں ان میں عقلی دلائل کو کسی قسم کا دخل نہیں اور الھدی میں عقلیہ و نقلیہ ہر قسم کے دلائل شامل ہیں الْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ میں دونوں باتوں کا اتحاد لازم نہیں آتا ممکن ہے یہ عطف محض تغایر اللفظین کی بناء پر ہو کیونکہ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ جیسے جملۃ التنزیل سے ہوتا ہے ایسے ہی فائدہ ملخصہ کے طور پر بھی آتا ہے تا کہ اس سے استفادہ کیا جا سکے۔

اُولٰٓئِكَ یعنی جن لوگوں کی یہ صفت ہے يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ ان پر اللہ تعالیٰ لعنت کرتا ہے اور انہیں دھتکارتا ہے یعنی انہیں اپنی رحمت سے دور کرتا ہے بوجہ ان کے حق چھپانے کے يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ان سب پر لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں یعنی جن سے لعنت کرنا صادر ہوتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان پر وہ حضرات بد دعا کرتے ہیں جیسے ملائکہ کرام اور تمام اہل ایمان انس و جان۔

مسئلہ : حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب کسی پر لعنت کی جائے اگر لعنت کرنے والا اور جس پر لعنت کی گئی ہے ان دونوں میں کوئی لعنت کا مستحق نہیں تو پھر وہی لعنت ان یہودیوں پر لوٹتی ہے جو حضور اکرم ﷺ کے اوصاف مبارکہ کو چھپاتے تھے۔

مسئلہ : لعنت کرنے والوں سے جانور اور موذی مراد ہیں جو کہ نافرمان لوگوں پر لعنت کرتے ہوئے یوں عرض کرتے ہیں۔ اے اللہ تعالیٰ بنی آدم کے ان نافرمانوں پر لعنت بھیج جن کی نحوست سے ہمیں بارش سے محروم رکھا گیا ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مگر وہ لوگ جنہوں نے حق چھپانے سے توبہ کر لی۔

ف : یہ استثناء متصل ہے اور مستثنیٰ يَلْعَنُهُمُ کی ضمیر ہے وَاَصْلَحُوْا اور انہوں نے اصلاح کی۔ یعنی جن باتوں میں فساد ڈالا تھا اب ان کی اصلاح کر لی کیونکہ توبہ کے بعد یہ ہوتا ہے کہ جن باتوں میں فساد ڈالا ان کی اصلاح

کرلی جائے مثلاً دین میں ایسا شبہ پیدا کیا کہ جس سے فساد عقیدہ کا خطرہ ہے اب اس پر ضروری ہے کہ اس شبہ کو دور کرے اسی طرح حق کو چھپانے والے پر ضروری ہے کہ توبہ کے بعد حق کو واضح طور پر بیان کرے یہی مراد ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول وَبَيَّنُوْا سے یعنی ظاہر کر دیا وہ امر جو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی کتابوں میں بیان فرمایا تاکہ ان کی توبہ مکمل ہو جائے۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ یہ توبہ قبول نہیں ہوتی جب تک وہ عمل بجا نہ لائے جو کرنے کے لائق اور جس کا ترک کرنا ضروری ہے۔

فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ یہی وہ لوگ ہیں جن کی میں توبہ قبول کرتا ہوں اور ان پر رحمت کرتا اور ان کے گناہ معاف کرتا ہوں۔

سوال: توبہ کے معنی میں تم نے قبول اور رحمت و مغفرت کہاں سے نکال لئے۔

حدیث شریف: میں ہے کہ جب کسی کا بچہ فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کیا تم میرے بندے کے بچے کو فوت کر آئے ہو۔ عرض کرتے ہیں ہاں پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا تم میرے بندے کے دل کا ثمر توڑ آئے ہو عرض کرتے ہیں ہاں پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرا بندہ کیا کہتا ہے عرض کرتے ہیں وہ تیری حمد کر کے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھتا تھا پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے کے لئے بہشت میں محل تیار کرو اور اس کا نام رکھو بیت الحمد۔

تفسیر صوفیانہ اہل معرفت فرماتے ہیں کہ مطالبات غیب یا حال سے یا نفس سے یا اقارب سے یا قلب سے یا روح سے ہیں جو حال کو قبول کر لیتا ہے تو اسے نجات کے درجات نصیب ہوتے ہیں جو نفس مال سے قبول کرتا ہے تو اسے درجات ملتے ہیں اور اقارب کی موت پر صبر کرتا ہے تو اس کو نعم البدل کے علاوہ قرب الٰہی نصیب ہوتا ہے اور جس نے روح کو قربان کرنے سے دریغ نہ کیا اسے دائمی وصال نصیب ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَبَشِّرِ رسول پاک ﷺ کے علاوہ انہیں خطاب ہے جن کو خوشخبری دینے کی صلاحیت ہو گی۔ اس میں صبر کی عظمت وجلال کا پتہ چلتا ہے کیونکہ صبر ایک عظیم الثواب عمل ہے اور

یہ انبیاء واولیاء کے بہترین خصائل میں سے ایک خصلت ہے پھر اس کا عامل مستحق ہے کہ اسے ہر ایک خوشخبری سنائی جائے۔

الصّٰبِرِیْنَ مصائب پر صبر کرنے والوں کو الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ وہ لوگ جنہیں مصیبت پہنچتی ہے الاصابة خطاء کی نقیض کو کہتے ہیں ہر وہ شئے جو مؤمن کو ایذا دے مصیبت ہے۔

ف : مصیبت دراصل الوصول کو کہتے ہیں مثلاً کہتے ہیں مصیبت ہر اس تکلیف کو کہتے ہیں جو انسان کو پہنچے حضور علیہ السلام نے فرمایا کل لشئی یوذی المومن فهو له مصیبته ہر وہ شے جو انسان کو ایذا دے وہ اس کے لئے مصیبت ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو تیر پہنچے قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ کہتے ہیں بے شک ہم اللہ کے بندے ہیں۔

مسئلہ : بندہ خود جو اس کے ہاتھ میں ہو وہ سب اس کے مولیٰ کا ہے مولیٰ کی مرضی چاہے وہ بندے کے ہاتھ میں باقی رکھے چاہے اس سے لے لے پھر ہم اس کی اپنی شئے کو واپس لینے پر کیوں روئیں بلکہ ہمیں صبر کرنا چاہیے اگر ہم زندہ رہے تو وہی سب کچھ دے گا اگر مر گئے تو ہم اس کی طرف جانے والے ہیں کیونکہ ہم نے اس کی طرف لوٹنا ہے اور اس کے پاس ہمارا ثوب ہے اسی لئے ہم اس کے ہر حکم پر راضی ہیں جو کچھ ہمیں وہ عطا فرمائے وہ اس کا فضل ہے اور کریم ہے عطایا واپس لینے میں اسے ضرورت بھی نہیں اگر اس نے واپس لیا ہے تو یہ بھی ہمارے لے ذخیرہ بنائے گا۔ عذاب ہو گا ان کی ہر دوسری حالت پہلی حالت سے بہت زیادہ ہو گی انہیں عذاب سے نہ مہلت دی جائے گی اور نہ ہی کسی ایک لحہ کے لئے فرصت ہو گی کہ استراحت کرسکیں۔ یا تنظرون نظر سے مشتق ہے۔ بمعنی انتظار یعنی انہیں کسی قسم کا انتظار نہ ہو گا کہ وہ عذر کرسکیں۔ یا نظر بمعنی رویہ ہے اب معنی یہ ہوا کہ ان پر نظر رحمت نہیں ہو گی۔

سوال : انہیں نار جہنم میں ہمیشہ کیوں رکھا جائے گا؟

جواب : کیونکہ اپنے کفر پر انکی نیت دائمی تھی اور وہ عزم بالجزم رکھتے تھے کہ وہ اپنی بت پرستی پر منہمک رہیں گے جب تک وہ زندہ رہیں گے بت پرستی کو نہیں چھوڑیں گے بدیں وجہ ان کے لئے دائمی عذاب مقرر کیا گیا۔

ف: جہنم کے طبقات اور ان پر عذاب مختلف طور سے ہوں گے جتنا کفریات میں انہماک زیادہ اتنا عذاب زیادہ کیونکہ کفار کی نیات مختلف تھیں جیسے اعمال کے تفاوت سے بہشت کے درجات مختلف ہوں گے۔

marfat.ocm

ف: تادیب یعنی ادب سکھلانا حکمت ربانی کے لئے ضروری ہے جب کہ کفار نے ذات باری تعالیٰ کے حق میں بڑے عقیدے گھڑے تو انہیں بہشت کی نعمتوں سے محروم اور جہنم میں دائمی طور پر رکھ کر ادب سکھا گیا کسی نے کیا خوب فرمایا۔

سفیاہ نرابوتادیب نافع   جنونا نراچو شربت گشت واقع

(بیوقوفوں کو سزا فائدہ پہنچاتی ہے جیسے پاگلوں کو دوائی)

سوال: یہود کے اس فعل کو کتمان حق وغیرہ اور حب ریاست سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے؟

جواب: اس لئے کہ انہیں خطرہ تھا کہ وہ اپنے عوام سے وظائف لیتے تھے وہ بند نہ ہو جائیں حالانکہ انہیں معلوم نہیں تھا کہ ان کا یہ فعل جہنم سے نہیں بچائے گا۔

حکایت: حدیث شریف میں ہے کہ زمانہ سابق میں ایک مومن اور کافر شکار کو گئے کافر تو اپنے بتوں کا نام لے کر مچھلی پکڑ لیتا اور مسلمان اللہ کا نام لیتا لیکن مچھلی ہاتھ نہ لگتی۔ آخر اسی طرح ہوتا رہا شام کے وقت مسلمان کو صرف ایک مچھلی میسر ہوئی وہ بھی چھلانگ لگا کر پانی میں چلی گئی مومن خالی ہاتھ واپس لوٹا اور کافر تو بورے بھر کر لایا۔ اس پر مسلمان کے ساتھ رہنے والے کراما کاتبین فرشتوں کو افسوس ہوا اور حیران ہوئے بارگاہ حق میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا اس مومن کی رہائش گاہ کو ملاحظہ کر لو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب مومن کی بہشت میں اتنی بڑی شان ہے تو دنیا میں اسے کچھ ہاتھ نہ آنا اس کا نقصان نہیں۔ اسی طرح کافر کا مسکن جہنم میں دکھایا اور فرمایا کہ اسے مچھلیوں وغیرہ کا ڈھیر جمع کر لینا کوئی فائدہ نہ دے گا۔ جب کہ اس کا ٹھکانہ جہنم میں ہے۔

(کذافی شرح الخطب)

نرگس اندر خواب غفلت یافت بلبل صد وصال   خفتہ نابینا بود دولت بہ بیداراں رسد

ترجمہ: نرگس خواب غفلت میں سوتی رہی لیکن بلبل نے بیداری سے مزے لوٹے سونے والا اندھے کی طرح ہے بیدار رہنے والے ہی دولت پا لیتے ہیں۔

سبق: (گناہ کے مرتکب کو اگر معلوم بلکہ یقین ہو جائے کہ گناہ کی سزا ایسے ایسے ہے تو وہ کبھی گناہ کے قریب بھی نہ پھٹکے جیسے کسی کو صرف گمان ہو کہ اس سوراخ میں سانپ ہے تو وہ کبھی اس سوراخ میں ہاتھ نہ ڈالے گا)

مسئلہ: یہود کے علماء نے جب اپنے علم سے عملی نفع نہ اٹھایا تو خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا اللہ تعالیٰ انہیں رسوا کرے اور ان پر لعنت بھیجے۔

مسئلہ: خانہ میں مذکور ہے کہ کوئی قوم اپنی غلطیوں کی وجہ سے نہیں ماری جاتی بلکہ وہ اپنے لیڈروں کی غلطیوں سے تباہ و برباد ہوجاتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ

صرف شیخ الشہیر بافتادہ آفندی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بعینہ یہی حال پیری مریدی کے متعلق ہے کہ مریدوں کی تباہی و بربادی کا دارومدار پیرو مرشد پر ہے کہ جب تک پیرو مرشد راہ ہدایت پر ہوں تو اللہ تعالیٰ اس کے مرید کو بھی گمراہی سے بچاتا رہتا ہے اس لئے کہ کسی قوم کا مصائب میں مبتلا ہوجانا اس کے لیڈر کی نحوست کی وجہ سے ہوتا ہے۔

ف: مروی ہے کہ شجرہ ممنوعہ پہلے پہلے بی بی حوا نے کھایا لیکن اس وقت اس پر کسی قسم کا عتاب نازل نہ ہوا لیکن جب حضرت آدم علیہ السلام نے کھایا تو پھر زجر و توبیخ ہوئی۔

سبق: افسوس ہے ارباب حکومت پر کہ وہ اپنے آپ کو تباہی میں ڈال رہے ہیں۔ کہ ان کا ظلم عوام پر بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ دیکھ لینا وہ عنقریب یقینا جہنم میں جائیں گے اور انہیں مفارقت و جدائی کے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اللہ تعالیٰ کے دیدار اور اس کی رحمت سے انہیں محروم رکھا جائے گا۔ اللھم احفظنا (اے اللہ ہمیں بچا)

تفسیر عالمانہ

وَاِلٰـهُكُمْ یہ خطاب عوام کو ہے یعنی تمہاری عبادت کا مستحق **اِلٰهٌ وَّاحِدٌ** ایک ہی ہے وہ اپنی الٰہیۃ میں واحد لاشریک ہے کسی دوسرے کو الٰہ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ وہی معبود ہے اور پس یہ مبتدا کی خبر ہے اور **اِلٰهٌ وَّاحِدٌ** کی صفت ہے کیونکہ فائدہ اسی پر مرتب ہوتا ہے کیونکہ اسے اس صفت کے بغیر ہیت لاتا جاتا تو **لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ** کے لانے میں کوئی فائدہ حاصل نہ ہوتا یعنی اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں کہ جملہ وحدانیت کی تقریر ہے اور اس کے وہم کو زائل کرنے کے لئے ہے کہ کوئی یہ سمجھے کہ عالم میں اور بھی معبود ہے لیکن وہ عبادت کا مستحق نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کی ذات کو پورے طور سمجھ لو اور ہمیشہ صرف اسی کی عبادت کرو اس کے غیر سے کسی قسم کی اُمید نہ رکھو اور نہ اس کے سوا کسی سے ڈرو پس اس کی عبادت کرو اور مستثنیٰ اسم سے بدل ہے لیکن **لا علی المحل** کیونکہ اس کا محل تو رفع ہے **علی الا بتداء** اور اس کی

خبر محذوف ہے یعنی دراصل عبادت "لا الہ الا کائن لنا موجود فی الوجود الا اللّٰہ" تھی۔

قاعدہ: اسم دو قسم کے ہیں۔ ۱۔ اسم ظاہر ۲۔ اسم ضمیر

اور کلمہ ھو اسم ضمیر ہے اس سے ثابت ہوا کہ کلمہ کا ضمیر ہونا اس کی اسمیت کے منافی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ نے تفسیر کبیر میں ثابت فرمایا کہ ھو کی ضمیر (ہر رنگ میں راضی) کی حیثیت رکھتی ہے اور محققین فرماتے ہیں کہ ھو اسم بحث ہے کیونکہ ہر وہ ذات احدیث پر دلالت کرتی ہے وہ ان کے نزدیک اسم محض ہے وہ اسم ظاہر ہو یا ضمیر اسی لئے اسے عالم الہو یہ کہتے ہیں الف ولام کو ملا کر اس قاعدہ کو یاد کر لے تجھے بہت نفع دے گا۔

مثنوی شریف میں ہے۔

از ہوا کے ہوی بے جام ہو　　اے ز ہو قانع شدہ با نام ہو
ہیچ نامے بے حقیقت دیدہ　　باز کاف ولام گل کل چیدہ
اسم خواندی رو مسمّی را بجو　　نہ ببالا دان نہ اندر آب جو

ترجمہ: ہوا ہے ہو کے جام کے بغیر صرف لفظ ہو سے ہونے والے اس کی حقیقت کی تلاش کرو اس لئے کہ کوئی نام حقیقت کے بغیر نہیں ہوتا تو صرف لفظوں پہ خوش رہے حقیقت کو نہیں پہنچے ہو۔ اے بھائی جہاں کسی نام کو دیکھا ہے تو اس کے مسمّی کو ڈھونڈو وہ نہ اوپر نہ نیچے بلکہ ہر جگہ

گر ز نام حرف خواہی بگذری　　پاک کن خود را ز خود ہیں یکسری
ہم چو آہن ز آہنی بے رنگ شو　　در ریاضت آئینہ بے زنگ شو
خویش را صافی کن از اوصاف خود　　تا بینی ذات پاک صاف خود
بینی اندر دل علوم انبیاء　　بے کتاب و بے معید و اوستا
علم کان جلوہ ز ہو بے واسطہ　　آن نیابد رنگ ماشطہ

ترجمہ: اگر صرف نام پر اکتفا کرتے ہو تو بے کار رہو گے تمہیں اپنے آپ سے فارغ ہو کر اس کام کو ہاتھ لگاؤ لوہے کی طرح بے رنگ کر ایسے حرج کش بن جاؤ جیسے شیشہ کو تکلیف ہوتی ہے خودی کے اوصاف اپنے سے دور

کردیا س کے بعد تجھے ذات حق صاف نظر آئے گی اس کے بعد تیرے دل میں انبیاء علیہم السلام کے علوم آجائیں گے اور ان کے حصول کے لئے نہ استاد کی ضرورت نہ کتاب کی جو علم ہو کے واسطہ کے بغیر حاصل ہو وہ سنگارنے والے کے رنگ کی طرح دائمی نہیں ہوتا۔

اَلرَّحۡمٰنُ الرَّحِیۡمُ رحم کرنے والا مہربان یعنی وہ تمام نعمتوں کا مالک ہے خواہ وہ نعمتیں اصولی ہوں یا فرعی اس صفت کا صرف وہی مستحق ہے کیونکہ اس کا ماسوایا نعمت ہے یا منعم علیہ اس سے ثابت ہوا کہ اس کے سوا کوئی دوسرا عبادت کا مستحق نہیں ہے جب کوئی عبادت کا استحقاق نہیں رکھتا تو وہ معبود نہیں ہوسکتا اَلرَّحۡمٰنُ الرَّحِیۡمُ اس کی روحانیت کی حجتہ ہے۔

نسخہ روحانی: اسماء بنت یزیدؓ فرماتی ہیں کہ میں حضور سرور عالم ﷺ سے فرماتے سنا کہ یہ دو کلمے اسم اعظم ہیں۔ ۱۔ وَاِلٰـهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحۡمٰنُ الرَّحِيۡمُ ۲۔ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلۡحَىُّ الۡقَيُّوۡمُ

marfat.ocm

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی

بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات و دن کا بدلتے آنا اور کشتی کہ دریا میں لوگوں کے فائدے

الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ

لے کر چلتی ہے اور وہ جو اللہ نے آسمان سے پانی اتار کر مردہ زمین کو اس سے جلا دیا اور

بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ

زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیے اور ہواؤں کی گردش اور وہ بادل کہ آسمان و زمین کے بیچ

السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

میں حکم کا باندھا ہے ان سب میں عقل مندوں کے لئے ضرور نشانیاں ہیں اور کچھ لوگ اللہ کے سوا اور معبود بنا لیتے ہیں

اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ وَلَوْ یَرَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا

کہ انہیں اللہ کی طرح محبوب رکھتے ہیں اور ایمان والوں کو اللہ کے برابر کسی کی محبت نہیں اور کیسے ہو اگر دیکھیں ظالم وہ

اِذْ یَرَوْنَ الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعَذَابِ ۝ اِذْ

وقت جب کہ عذاب ان کی آنکھوں کے سامنے آئے گا اس لئے کہ سارا زور خدا کو ہے اور اس لئے کہ اللہ کا عذاب بہت سخت ہے جب

تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ

بیزار ہوں گے پیشوا اپنے پیروؤں سے اور دیکھیں گے عذاب اور کٹ جائیں گی ان سب کی ڈوریں

الْاَسْبَابُ ۝ وَقَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا

اور کہیں گے پیرو کاش ہمیں لوٹ کر جانا ہوتا (دنیا میں) تو ہم ان سے توڑ دیتے جیسے انہوں نے

مِنَّا كَذٰلِكَ یُرِیْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَیْهِمْ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنَ النَّارِ ۝ ع

ہم سے توڑ دی یونہی اللہ انہیں دکھائے گا ان کے کام ان پر حسرتیں ہو کر اور وہ دوزخ سے نکلنے والے نہیں۔

تفسیر عالمانہ شان نزول اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کعبہ کے ارد گرد تین سو ساٹھ بت تھے جب کفار نے یہ آیت یعنی اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ سنی تو متعجب ہوئے ہو کر کہنے لگے کہ یک معبود سب کو کیسے اکتفا کرسکتا ہے اگر محمد ﷺ اپنے دعویٰ توحید کے لئے کوئی ایسی دلیل دیں جس سے ہم سمجھیں کہ وہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی یعنی بے شک آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے میں یعنی انہیں نئی طرف میں بنانے میں جو کہ یہ دونوں اپنی اپنی شان میں ہیں اور ان کے اندر جو عجائبات اور عبرتیں اور عجیب وغریب صنعتیں تیار فرمائی ہیں جن کے ادراک سے عقول عاجز ہیں۔

سوال: السَّمٰوٰتِ کو جمع اور وَالْاَرْضِ کو واحد کیوں لایا گیا؟

جواب: آسمان مختلف الاجناس ہیں بخلاف زمین کے کہ وہ ایک جنس ہے۔

ف: ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک پانچ سو سال کی مسافت ہے۔

جواب ۲: ایک آسمان کا فلک دوسرے کے خلاف ہے بخلاف زمین کے کہ اس میں یہ باتیں نہیں کیونکہ سب مٹی کی ہیں۔

ف: ابن التمید اپنے حواشی میں لکھتے ہیں کہ ہر آسمان کا محدب دوسرے آسمان کی مقعر مافوق کو مس کرتا ہے بخلاف نانویں آسمان عرش الٰہی کے کہ اس کا محدب کسی فلک کی مقعر نافوق کو مس نہیں کرتا کیونکہ اس کے بعد ہمارے نزدیک غیر متناہی خلاء وبعد ہے حکماء فرماتے ہیں نہ اس میں خلاء ہے اور نہ ملا۔

عقیدہ: اس کے متعلق ہونا چاہیے العلم عند اللہ یعنی ان کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اور شب وروز کے مختلف ہونے میں یعنی ان کے ایک دوسرے کے آگے پیچھے آنے جانے میں بایں طور کہ ان میں ایک جاتا تو دوسرا آتا ہے مثلاً ایک آئے گا اور دوسرا اس کے چلے جانے کے بعد آئے گا ان کے اختلاف سے ظلمت ونور کی زیادتی ونقصان مراد ہے۔

وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ اور کشتیوں کے دریاؤں کے اندر جاری ہونے میں یہاں تک کہ کشتیاں دریا کی تہ میں نہیں چلتیں باوجود یہ کہ کشتیاں ثقیل وکثیف ہیں اور پانی لطیف وخفیف ہے پھر ان کا آنا جانا ایک قسم کی ہوا سے ہے۔

marfat.ocm

ف : آیت میں الفُلْكِ جمع ہے تجری اس کے لئے صیغہ مونث کا بوجہ جمع **تباویل الجماعة** ہے۔

بِمَا يَنفَعُ النَّاسَ ساتھ اس کے کہ لوگوں کو نفع پہنچاتی ہیں اس میں ما موصولہ ہے اور البناء مصاحبت کی ہے اور جملہ محلاً منصوب **تجری** کے فاعل سے حال ہے اب عبارت یوں ہوگی۔

تجری مصحوبتةً باالاعیان و المعانی "الخ "یعنی کشتیاں جاری ہوتی ہیں اور اعیان ومعانی کے مصاحب ہو کر اور یہ وہ کشتیاں ہیں کہ لوگوں کو نفع دیتی ہیں بایں طور کہ لوگ ان پر سوار ہو کر اور بوجھ اُٹھا کر نفع پاتے ہیں اس معنی پر یہ کشتیاں اپنے سوار کو نفع پہنچاتی ہیں کیونکہ وہ ان کے ذریعے اپنی تجارت سے نفع پاتے ہیں اطرح وہ بھی نفع پاتے ہیں جن کی طرف کشتیوں پر سوار ہو کر ان کے لئے سامان لے جا رہے ہیں اس لئے یہ کہ محمول الیہ یعنی جس کے لئے سامان لیا جارہا ہے **بما محمل الیہ** یعنی جو شئے اٹھا کر لے جا رہی ہے سے نفع پائے گا وَمَآ یعنی ان چیزوں میں جو کہ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ اللہ تعالٰی نے آسمانوں سے نازل کیا ہے یہ معنی ابتداغایت کے لئے ہے یعنی آسمان کی جہت سے من ماء پانی سے یہ من بیانیہ ہے اس لئے کہ جو شئے بھی آسمان سے نازل ہوتی ہے وہ عام پانی ہو یا شے اور آسمان سے مراد یا فلک ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ بارش اولاً آسمان سے اترتی ہے اس کے بعد بادل سے یا اس سے بلندی کی جہت مراد ہے خواہ وہ آسمان ہو یا بادل کیونکہ ہر وہ شئے جو انسان کے سر پر اوپر ہے اسے عرف میں آسمان کہا جاتا ہے۔ اسی عرف کی وجہ سے ہے کہ مکان کی چھت کو **سماء البیت** کہا جاتا ہے۔

فَاَحْيَا بِهِ اس کا عطف وَمَآ اَنْزَلَ پر ہے یعنی اترنے والے پانی کے ذریعے سے زمین کو بارونق فرمایا ہے الْاَرْضَ زمین کی مختلف انگوریاں اور پر بہار پھول ان کے علاوہ جو زمین پر مختلف قسم کے درخت ہیں بَعْدَ مَوْتِهَا اس کے ویران ہونے کے بعد یعنی اسکی کھیتی ختم ہونے کے بعد جب کہ درختوں کے پتے جھڑ جاتے ہیں جس وقت کہ ان پر خشکی کا غلبہ ہوتا ہے جیسا کہ اسکی طبیعت کا تقاضا ہے۔

ف: حضرت الشیخ اپنے حواشی میں فرماتے ہیں جب زمین کو انگوریوں کے نکلنے کے اسباب ملتے ہیں تو اس کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔

سوال : ایسے حیوان کی زندگی سے کیوں تشبیہ دی گئی ہے؟

جواب: اس لئے کہ جیسے حیوان کو زندگی ملنے پر حسن اور رونق بڑھ جاتی ہے ایسے ہی جب زمین کو قوت اور انگوریوں کے مختلف انواع حاصل ہوتے ہیں تو زمین کی زندگی میں بہار آ جاتی ہے۔

وَبَثَّ فِيهَا اور زمین میں پھیلائے ہیں مِن كُلِّ دَآبَّةٍ ہر قسم کے جانوروں میں سے

ف: دَآبَّۃ ہر اس حیوان کو کہتے ہیں جو زمین پر چلے ذوی العقول ہوں یا غیر ذوی العقول۔ اس جملہ کا عطف فـا حیـا پر ہے۔ ان دونوں کی مناسبت ظاہر ہے کہ زمین کو بارش سے زندگی ملے گی تو بیج سے پھل پھول پیدا ہوں گے اور انہیں پر حیوان وغیرہ کی زندگی کا دار و مدار ہے۔

وَتَصْرِيفِ الرِّيٰحِ اور ہواؤں کے چلنے میں اس کا عطف مَآ اَنْزَلَ پر ہے یعنی ہواؤں کے اپنے اپنے مقامات سے چلنے میں باد صبا ہو یا باد شمالی۔ غربا ہو یا جنوبا اور ان کی کیفیات میں مثلاً گرم اور سرد ہو کر اسی طرح ان کے احوال میں کہ زوردار ہو کر یا نرم نرم ہو کر اور ان کے آثار میں کہ عقیم ہو کر یا مفید ہو کر۔

ف: بعض نے فرمایا ہے کہ تَصْرِيفِ الرِّيٰحِ کا مطلب یہ ہے کہ کبھی ان ہواؤں کو رحمت اور کبھی ان کو عذاب بنا دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لشکر:۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہوا اور پانی اللہ تعالیٰ کے لشکر ہیں۔

ف ١۔ ریح کو ریح اس لئے کہتے ہیں کہ یہ نفوس کو راحت پہنچاتی ہے۔

٢۔ حضرت وکیع بن جراح فرماتے ہیں کہ اگر ہوائیں نہ چلیں اور کھیاں نہ ہوں تو دنیا بدبو سے بھر جائے۔

٣۔ شریح قاضی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہوائیں بیمار کو تندرست اور تندرست کو بیمار بنانے کے لئے چلتی ہیں۔

٤۔ یہی چار ہوائیں بادل کے بارش میں کام آتی ہیں۔

I۔ صبا بادل کو ابھارتی ہے۔

II۔ باد جنوبی بادل کو بارش لانے کی قدرت دیتی ہے۔

III۔ باد غربی اس کے اندر نفع پیدا کرتی ہے۔

iv۔ بادشمالی بادل کو منتشر کرتی ہے۔

۵۔ ہواؤں کی اصولی ہوائیں بھی چار ہیں۔

i۔ بادشمالی جو شمال کی طرف سے آتی ہیں۔

ii۔ جنوبی اس کی بالمقابل کو کہا جاتا ہے۔

iii۔ بادصبا جو کہ از جانب مشرق چلتی ہے۔

iv۔ بادبور اس کی بالمقابل کا نام ہے۔

۷۔ ہر وہ ہوا جو دو ہواؤں کے چلنے کے درمیان سے چلے اسے نکباء (ٹیڑھی چلنے والی) کہا جاتا ہے اس لئے کہ وہ ان چاروں کے چلنے کے مقام سے روگردانی کر کے چلتی ہے۔

۶۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہوا آٹھ قسم کی ہے چار رحمت کی چار عذاب کی۔ رحمت کی چار یہ ہیں۔

i۔ النا شرات یہی بہت بڑی خوش ہوائیں ہیں۔

ii۔ المبشرات جو بادل کو ابھارتی ہیں۔

iii۔ اللوقح یہ درختوں کے اندر پھل پیدا کرتی ہیں۔

iv۔ الذاریات یہ مٹی وغیرہ اڑاتی ہیں۔

اور عذاب کی چار یہ ہیں۔

i۔ الصرصر

ii۔ العقیم۔ یہ دونوں جنگلوں میں ہوتی ہیں۔

iii۔ العاصف

iv۔ القاصف یہ دونوں دریاؤں میں ہوتی ہیں العقیم یہ وہ ہے کہ درختوں اور بادل وغیرہ میں کسی قسم کا فائدہ نہیں ہونے دیتی۔ العاصم ہر وہ تند ہوا جو خیمے اکھیڑ دیتی ہے۔

وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ اس کا عطف **تَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ** پر ہے یعنی وہ بادل جو اللہ کے حکم سے مذلل و منقاد ہو کر

چلتے ہیں یہ اسم جنس ہے اور اس کا واحد سحابتہ آتا ہے۔

ف : سحاب کو سحاب اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ خلا میں جلدی سے چلتا ہے گویا کہ وہ کسی شے کو کھینچتا چلا جارہا ہے بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ یہ باعتبار لفظ کے سحاب کی صفت ہے اور کبھی اس کے معنی کا اعتبار کر کے صفت جمع لائی جاتی ہے جیسے (سحابا ثقالا) ثقالا بمعنی لاینزل الارض ولا ینکشف یعنی ایسا بادل جو نہ زمین پر اترے اور نہ کھلے حالانکہ بادل کا طبعی تقاضا ہے کہ وہ ان دونوں میں کوئی ایک ضرور ہو یعنی نزول وانکشاف یا اس لئے کہ وہ لطیف وخفیف ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ آسمان پر چڑھ جائے اگر وہ کثیف ہے تو اس کا تقاضا ہے کہ وہ زمین پر گرے۔

لَاٰیٰتٍ اِنَّ کا اسم ہے اس پر لام داخل ہوئی ہے اس لئے کہ وہ اپنے اسم سے مؤخر ہو کر آیا ہے اگر وہ اپنے مقام پر ہوتا تو اس پر لام داخل نہ ہوتی اور اس کا نکرہ تفخیم کے لئے ہے کما مر یعنی وہ بہت بڑی آیات جو اس کی قدرت قاہرہ اور حکمت باہرہ اور اور رحمت واسعہ پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ یہ اوصاف تقاضا کرتے ہیں کہ الوہیت صرف اسی ذات حق کے ساتھ مخصوص ہو لِقَوْمٍ یہ محلا منصوب ہے کیونکہ یہ آیات کی صفت اور اس کا متعلق مخصوص ہے یَعْقِلُوْنَ یہ محلا وقوع اس لئے کہ قوم کی صفت ہے یعنی یہ آیات ایسی قوم کے لئے ہیں جو ان میں تفکر کرتے اور انہیں عقول وقلوب کی آنکھوں سے دیکھتے اور ان سے عبرتیں حاصل کرتے ہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی عظمت اور اس کی روشن حکمت پر دلالت کرتی ہیں۔ ان اشیاء سے اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے اور انہی وجوہ سے اسے واحد لاشریک لہ مانا جاتا ہے۔

خلاصہ تفسیر : اس میں مشرکین کی جہالت پر تعریض ہے۔ جنہوں نے نبی اکرم ﷺ سے ایسی دلیل مانگی تھی جو وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ کی تصدیق کرتی ہو ان آیات کو بیان فرما کر ایک طرف توحید کی دلیل دی گئی دوسری طرف کافروں کی بے وقوفی پر مہر ثبت کی گئی اس لئے کہ اگر انہیں عقل ہے تو مذکورہ بالا دلائل کافی ہیں۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا خرابی ہو ہر اس شخص کو جو یہ آیات پڑھتا ہے تو اسے تھوک دیتا ہے یعنی اس کی حقیقت پر غور نہیں کرتا۔

ف : لفظ المج حدیث مذکور میں واقع ہوا ہے لغت میں تھوک وغیرہ منہ سے پھینکنے کو کہتے ہیں۔

سوال: مج جب خود متعدی ہے تو پھر اسے حدیث شریف میں باء کے ساتھ کیوں استعمال کیا گیا۔

جواب : یہاں پر رمی کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے باء متعدی کیا گیا ہے یعنی اس کے عدم اعتبار وعدم اعتبار کی وجہ سے اس لئے کہ جس نے ان آیات میں تفکر کیا تو گویا اس نے پورے طور محفوظ کرلیا اور گویا اس نے منہ سے باہر نہ پھینکا۔

تفسیر صوفیانہ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ رتبہ کے لحاظ سے توحید کی یہ سب سے پہلی آیت ہے یعنی سب سے قدیم توحید از جہت حق ہے نہ ہماری جہت سے کیوں کہ ہماری جہت کے لحاظ سے توحید کا پہلا رتبہ توحید الافعال کا ہے اور توحید از جہت حق یہی توحید الذات بھی کہتے ہیں توحید الذات کے بعد مقام توحید الصفات کی طرف نزول فرمایا۔ چنانچہ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ سے معلوم ہوتا ہے اس کے بعد توحید الافعال کی طرف تاکہ توحید الافعال سے اس کی ذات کے متعلق استدلال کیا جاسکے چنانچہ فرمایا۔ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ

(کذافی التاویلات القاشانیہ)

مزید تشریح: انسان کے حق میں جو صفت الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ کے نتائج ہیں وہ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ میں بیان فرماتے ہیں یعنی ان اشیاء کے پیدا کرنے کی ایک حکمت یہ ہے کہ ہر شے اللہ تعالیٰ کی آیات کی مظہر ہو اور یہ ظاہر ہے کہ جو آیات ان اشیاء میں امانت کے طور رکھی گئی ہیں ان سے کوئی خاص مرتبہ نہیں ہوتا کیونکہ ان کا فائدہ انسان کی طرف لوٹتا ہے اس لئے کہ حضرت انسان سب کچھ سمجھتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَفِیْ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ اس سے ثابت ہوا کہ تمام عالم حضرت انسان کی تبعیت میں پیدا کیا گیا ہے کیونکہ تمام عالم آیات حق کا مظہر ہے اور آیات انسان کی ذات کا آئینہ ہیں اور انسان معرفت حق کا خاص مظہر ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ای لیعرفون یعنی عبادت بمعنی معرفت ہے اگر یہ انسان معرفت حق کے لئے نہ ہوتا تو اسے پیدا بھی نہ کیا جاتا اور یہ عالم حضرت انسان کے لئے نہ ہوتا تو اسے ہرگز نہ بنایا جاتا جیسا کہ حدیث قدسی میں فرمایا۔

لولاک لما خلقت الکون اے محبوب ﷺ اگر آپ نہ ہوتے تو میں اس عالم کو پیدا نہ فرماتا اس سے معلوم ہوا کہ تمام عالم ایک آئینہ ہے کہ جس میں کمال حق اور اس کے جلال کی آیات کا ظہور ہوتا ہے انسان

جمال وجلال کی آیات کو آئینہ عالم میں مشاہدہ کرتا ہے اور انسان ایک ایسا آئینہ ہے کہ اس میں آئینہ عالم جو اس ظل پر ہوتا ہے کا ظہور ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَفِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ

حدیث شریف: من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کی یہی تحقیق ہے کہ انسان کا نفس اپنے رب کے جمال کا آئینہ ہے اور انسان کے سوا کوئی ایسا نہیں جو آئینہ حق کے ساتھ مرأۃ عالم کو بھی دیکھے اور اپنے آئینے کو بھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ ذکر حقیقی کے ذریعے مقصود اصلی کی طرف پہنچے کیونکہ توحید اغیار اور باطل کو مٹاتی ہے۔

حکایت: نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو حصین سے پوچھا کہ آج کل تو کتنے معبودوں کی پرستش کرتا ہے۔ عرض کی سات معبودوں کی ان میں سے چھ زمین میں ہیں اور صرف ایک آسمان پر۔ آپ نے پوچھا انہیں کیسے رغبت ومحبت سے پوجتا ہے عرض کی جو آسمان میں ہے آپ نے فرمایا۔ بس وہی تجھے کافی ہے پھر فرمایا! اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو میں تجھے ایسے کلمات سکھاؤں گا کہ تجھے ہمیشہ فائدہ دیتے رہیں گے۔ جب وہ مسلمان ہوئے تو عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مجھے وہ دو کلمات سکھایئے جن کا آپ نے وعدہ فرمایا آپ نے فرمایا وہ کلمات یہ ہیں۔

اللھم الھمنی رشدی واعذنی من شر نفسی اے اللہ مجھے میری ہدایت بتا دے اور مجھے نفس کے شر سے بچا

تفسیر عالمانہ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اور ان میں بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ماسوا کو معبود بناتے ہیں۔ من دون میں من ابتدا الغایۃ کے لئے ہے اور دون دراصل ظرف مکان ہے لیکن یہاں پر مجازاً بمعنی غیر کے مستعمل ہوا ہے اور اتخاذ بمعنی الضع والعمل کے ہے اور وہ یہاں پر ایک کی طرف متعدی ہوا ہے اور اس کا مفعول اَنْدَادًا ہے اس سے مراد بت ہے اس لئے کہ وہ ایک دوسرے کے ہم مثل تھے یا اس لئے کہ وہ اپنے ظن فاسد کی بناء پر انہیں اللہ تعالیٰ کا ہم مثل مانتے یعنی ان سے ہی نفع اور نقصان کی امید رکھتے اور اپنی ضروریات انہیں پیش کرتے اور ان سے ہی قربت کے متلاشی رہتے تھے۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ یُحِبُّوْنَهُمْ میں ضمیر عقلاء کی اسی لئے ہے کہ وہ مشرکین اپنے غلط خیال اور فاسد گمان کے تحت انہیں عقلاء سمجھ کر ان سے ذوی العقول جیسا معاملہ کرتے یا اس لئے کہ ضمیر ذوی العقول سے ان کے وہ

marfat.ocm

لیڈر مراد ہیں کہ جن کی وہ اطاعت کرتے تھے۔

فائدہ صوفیانہ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ دونوں تقریروں سے ایک اور تقریر بہتر ہے وہ یہ کہ اندادا سے ہر وہ شئے مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل کردے اس تقریر پر یہ معنی ان دونوں سے عم ہے اس لئے صوفیاء اور عارفین فرماتے ہیں کہ ہر وہ شئے جو تیرے دل کو ذکر الٰہی سے غافل کردے۔ اس سے سمجھنا چاہئے کہ ہم نے اپنے دل میں نفسانی خواہشات اللہ تعالیٰ کے شریک کو بٹھایا ہوا ہے اس تقریر کی تائید اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ سے بھی ہوتی ہے۔

اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَهُمْ یہ جملہ اندادا کی صفت ہے یعنی ان بتوں کی تعظیم و تکریم کرتے اور ان کے سامنے جھکتے اور ان کی اطاعت ایسے کرتے ہیں جیسے محبوب کی اطاعت کی جاتی ہے کَحُبِّ اللّٰهِ یعنی ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ سے محبت کی جاتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ بتوں کو اللہ تعالیٰ کے برابر مانتے ہیں طاعت و تعظیم میں اس تشبیہ سے مقصود صرف وہ وصف ہے جو قوت و ضعف پر دلالت کرتا ہے لیکن اس سے مراد معبودوں کو اللہ تعالیٰ کے برابر کا شریک ماننا ہے۔

سوال : اگر وہ معبودوں کو اللہ تعالیٰ کے برابر شریک مانتے تھے تو پھر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے قرار کا کیا معنی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں فرمایا۔ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ

جواب : معبودوں کو جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے برابر کا شریک تعظیم و عبادت میں مان لیا تو اب اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کسی قسم کا فائدہ نہیں دے گا۔

سوال: دانہ کو محبت سے کیا نسبت؟

جواب: حب القلب سے قلب کی خلط مراد ہے اور اسے دانہ سے قوی مشابہت ہے بایں معنی کہ دانے میں منشاء مبداء کا مادہ ہے اور قلب میں بھی آثار عجیبہ کے جمع رکھنے کا اثر ہے اسی لئے یہ لفظ اس کے لئے استعارہ کیا گیا ہے پھر اس سے مجاز محلان القلب کے معنی میں آتا ہے کیونکہ قلبی میلان اس پر اثر انداز اور اس کے اندر راسخ ہوتا ہے۔

مسئلہ :محبۃ العبد کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے مطیع بندے کی تعظیم و اکرام اور اسے طاعت کی توفیق دینے اور اسے گناہوں سے بچانے کا ارادہ رکھے اس کے بعد بندوں کی محبت کی تفصیل یوں بیان فرمائی ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ اور ایمان والے اللہ تعالیٰ سے بہت محبت کرتے ہیں بہ نسبت کفار کے جو کہ وہ اپنے معبودوں سے محبت کرتے ہیں کیونکہ اہل ایمان کی اللہ تعالیٰ سے محبت غیر منقطع ہے بخلاف بت۔ کے پجاریوں کی بتوں سے مٹ جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ جب انہیں مصائب وشدائد ستاتے ہیں تو وہ اپنے بتوں کو چھوڑ کر اللہ کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ وَرَاَوُا الْعَذَابَ اور جب کہ عذاب دیکھیں گے اس میں واوٗ حالیہ ہے اور لفظ قد یہاں پر محذوف ہے یعنی اپنے تابعداروں سے عذاب کو دیکھتے ہی بیزار ہو جائیں گے۔

وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ اس کا عطف تبرا پر ہے اور ان سے ان کے اسباب منقطع ہو جائیں گے۔

سوال: معطوف ومعطوف علیہ کے درمیان میں جملہ حالیہ لانے کا کیا فائدہ؟

جواب : تا کہ ان سے بیزاری کی علت پر تنبیہ ہو یعنی ان سے وہ واسطے اور ذرائع ٹوٹ جائیں گے کہ جن سے وہ ایک دین پر تھے اسی طرح ان کی رشتہ درایاں اور محبت کی تعلق داریاں اور ایک دوسرے کی اتباع واستباع ختم ہو جائے گی اور باد بہم میں بمعنی عن ہے جیسے اللہ کے ارشاد گرامی میں ہے کہ فاسئل به خبیر ای نسئل عنه یہ باء سببیہ ہے اب معنی یہ ہوگا بسبب کفر کے یعنی ان کے آپس کے وہ تعلقات ختم ہو جائیں گے جن کی وجہ سے اس اُمید میں تھے کہ انہیں نجات نصیب ہوگی یا یہ باء تعدیہ کی ہے یعنی قطعهم الاسباب جیسے کہ ہے تصرقت بهم الطریق میں ہے بمعنی فرقتهم الطریق كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا جیسے آج وہ ہم سے بیزار ہو گئے یہ کاف منصوب المحل ہے اس لئے کہ یہ صفت ہے اور اس کا موصوف مصدر محذوف ہے كَذٰلِكَ یعنی ان کو خوفناک حالات دکھانا یعنی ان پر عذاب کا نزول اور ان کا ایک دوسرے سے بیزار ہونا يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ انہیں اللہ تعالیٰ ان کے اعمال حسرتیں اور نداشتیں بنا کر دکھائے گا الحسرة بمعنی شدة المندامت والكمد کو کہتے ہیں اور کمد بمعنی دل کا دکھ یعنی وہ باتیں کھل کر سامنے آجائیں گی جو ان کے دلوں کی جلن اور دکھ اور درد میں اضافہ کریں گی اور وہ اپنی حسرت میں نادم اور رسوارہ جائیں گے جیسا کہ جانوروں میں ایک کمزور جانور کی حالت ہوتی ہے جبکہ اس کی قوت وطاقت نے جواب دے دیا ہو تو اب اس سے کسی قسم کا فائدہ نہیں اُٹھایا جا سکتا۔ دراصل الحسر الکشف کو کہتے ہیں اور ہراس شخص کو بھی کہتے ہیں جو اپنی مطلوبہ شئے سے محروم ہو اور ندامت لازم ہو جائے اگر رویت بصری ہے تو حسرات اعمالهم سے حال واقع ہے اب معنی یہ ہوگا کہ وہ

marfat.ocm

اپنے اعمال حسرتوں سے نہ دیکھیں گے اور گر رویت قلبی مراد ہے تو حسرات یری کا تیسرا مفعول ہے اور عَلَيْهِمْ یا تو حسرات کے متعلق ہے اور اس کا مضاف محذوف ہے یعنی وہ اپنی کوتاہی سے حسرت کریں گے یا اس کا تعلق محذوف ہے اور یہ اپنے متعلق سے مل کر منصوب ہوگا اور حسرات کی صفت ہوگی ای حسرات مستولیتہ علیھم یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگ کر آجاتے اور یہ بھی ہوتا کہ ایک عرصہ تک کسی بت کو پوجتے جب کوئی دوسرا نہیں اچھا لگتا تو پہلے بت کو چھوڑ کر دوسرے کی پرستش میں لگ جاتے۔

اعجوبہ : باہلہ قبیلہ کے لوگوں نے خس سے بتؒ تیار کیا لیکن قحط سالی کے دوران اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے کھا گئے۔

وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اور اگر جان لیں یہ لوگ جنہوں نے معبودان باطلہ کو اپنا معبود بنا کر ایک غیر مستحق کو اس کے غیر مقام میں رکھ کر ظلم کیا۔ اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ جب کہ اس عذاب کو دیکھیں گے جو قیامت میں ان کے لئے تیار کیا گیا ہے یہاں رویۃ بالعین مراد ہے اَنَّ الْقُوَّةَ بے شک قوت اور غلبہ وقدرت لِلّٰهِ جَمِيْعًا سب کی سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور جمیعا جملہ سے حال واقع ہے اور جملہ یری کے دو مفعول کے قائم مقام ہے وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ اور بیشک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے اس کی عطف وَاَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ پر ہے ایسی تاکید سے معاملہ کو سخت بتانے اور امر کو خوفناک بنانے میں مبالغہ مطلوب ہے اس لئے کہ اختصاص القوۃ بباری تعالیٰ اس کا مقتضی نہیں کہ خواہ مخواہ وہ سخت بتانے اور امر کو خوفناک بنانے میں مبالغ مطلوب ہے اس لئے کہ یہ بھی تو ہے کہ وہ معاف فرمادے باوجود کہ اس کو قدرت ہے اور لو کا جواب محذوف ہے اب عبارت یوں ہوگی لو علم ھؤلاء اگر انہیں نے یعنی جنہوں نے شرک کر کے ظلم کا ارتکاب کیا ہے علم ہوتا کہ تمام قوت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے ثواب اور عذاب دینے میں ہر شے پہ قادر ہے (نہ کہ معبودان باطلہ) اور اگر انہیں معلوم ہوتا کہ ظالمو کو کتنا سخت عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے جب کہ وہ قیامت میں عذاب کو دیکھیں گے تو بتوں کی پرستش سے نادم ہوتے اور نفرت کرتے اور جیسے اب وہ اپنے بتوں کو سمجھتے ہیں اس سے دور جاتے اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا یہ اِذْ يَرَوْنَ سے بدل ہے تبری بمعنی تخلص اور لنفی و العصل کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے یعنی ہر اس چیز سے (کہ جس کے ساتھ رہنے سے طبیعت کو نفرت ہو) دور اختیار کریں گے

مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا ان لوگوں سے جنہوں نے ان کی تابعداری کی یعنی ان سے جن کی تابعدار اور وہ اپنے تابعداروں کے سامنے اعتراف کریں گے کہ جن باتوں کا ہم دنیا میں دعویٰ کرتے ہیں اسی طرح کفر کے مختلف اطوار اور گمراہی کی طرف بلاتے تھے۔ اب وہ ہمارے تمام دعاوی اور امور باطل ہو گئے یہاں تک کہ وہ لیڈر اپنے تابعداروں کے ساتھ نہ صرف بیٹھنے سے نفرت کریں گے۔ حسرتیں غالب ہوں گی اس لئے کہ وہ نیکیاں جو انہوں نے کیں کفر کی وجہ سے ضائع ہو جائیں گی اس کے بعد وہ حسرت کریں گے اس پر جو وہ نیکیاں ان سے ضائع ہوں گی اور ان پر ان کے کردار کی ڈائری کھل جائے گی حسرت کرتے ہوئے کہیں گے کاش کہ ہم یہ عمل نہ کرتے۔

ف: حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انہیں بہشت دکھائی جائے گی وہ بہشت کو اور اس کے اندر کے مکانات دیکھیں گے تو افسوس کرتے ہوئے کہیں گے کاش ہم بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے پھر انہیں کہا جائے گا کہ یہ محلات تمہارے تھے لیکن چونکہ تم نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اس لئے اب تمہارے محلات مومنوں پر تقسیم کر دیئے گئے ہیں یہ اس وقت کہا جائے گا جب کہ وہ ندامت و حسرت کریں گے۔

وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ اور وہ جہنم سے ہرگز نہیں نکلیں گے اس لئے کہ وہ اسی لئے پیدا کئے گئے ہیں۔

حدیث شریف: میں ہے دوزخیوں کو دوزخ کی طرف دھکیلا جائے گا۔ تو دوزخ ان کے ہر عضو کو چمٹ جائے گی کوئی عضو بھی اس کی گرفت سے نہیں بچ سکے گا ایک طرف دوزخی سانپ ڈنس لگائے گا۔ دوسری طرف فرشتہ چابک مارے گا پھر وہ جہنم میں دھنس جائے گا پھر جب وہ جہنم سے سر باہر نکالے گا تو اسی طرح پھر فرشتہ چابک مارے گا اور جب اس کا چمڑا جہنم کی آگ سے سڑ جائے گا تو از سر نو تیار ہو جائیگا۔ کما قال تعالیٰ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ جب ان کے چمڑے پک جائیں گے تو پھر ان کے دوسرے چمڑے تبدیل کر دیں گے تا کہ عذاب چکھیں، اس پر کوئی کافر پیاسا ہو کر پانی مانگے گا تو اسے گرم پانی دیا جائے گا۔ جب وہ گرم پانی اس کے منہ کے قریب لایا جائے گا تو پانی ایسا گرم ہو گا کہ اس کے چمڑے کو ادھیڑ کر رکھ دے گا۔ اس کے باوجود کافر پانی منہ میں ڈالے گا تو پانی کی گرمی سے اس کی داڑھیں اکھڑ جائیں گی جب وہ پیٹ میں پہنچے گا تو اس کی آنتیں گل سڑ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گی اور چمڑا ادھیڑ ادھیڑ کر رکھ دے گا۔ اسی طرح انہیں جہنم کی سزا ملے گی اس پر وہ نہ مریں گے نہ جئیں گے اور نہ ہی انہیں جہنم سے نکالا جائے گا۔

حدیث شریف: حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں حکم فرمائے گا کہ جس نے اپنے نفس کو بتوں کے لئے جلایا تھا وہ خود بتوں سمیت دوزخ میں داخل ہو تو وہ دوزخ میں نہیں جائیں گے صرف اس خطرہ سے کہ انہیں تو دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ رہنا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ کفار کے سامنے اہل ایمان کو فرمائے گا۔ تم اے مسلمانو جہنم میں داخل ہو جاؤ اہل ایمان سنتے ہی جہنم میں چھلانگ لگا دیں گے اس پر عرش الٰہی کے نیچے سے آواز آئے گی۔

اہل ایمان اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اولاً ان سے محبت کرتا ہے پھر وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے محبت کی گواہی دی محبت میں کامل ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ

تفسیر صوفیانہ جو شخص ازل سے اللہ تعالیٰ کی محبت کا اہل نہیں تھا اسے عزت و محبت اصنام کی طرف دھکیل دیتی ہے اسے محبت ماسوی اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے جسے نفسانی محبت کے سپرد کیا جاتا ہے تو وہ اصنام میں سے ہوائے نفس کی محبت میں پھنس جاتا ہے جیسے کفار میں سے کوئی لات کی محبت میں گرفتار ہو کر اس کی عبادت میں مصروف تھا کوئی اولاد کی محبت میں مبتلا ہو کر گویا ان کی پرستش میں لگا رہتا اور قاعدہ ہے کہ اولاد اموال اور ازواج کی محبت کی اللہ تعالیٰ کی محبت سے روکتی ہے اور یہ بھی قاعدہ ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ سے محبت ہوتی ہے وہ ماسوی اللہ کی محبت کو عداوت سمجھتا ہے جیسے حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ اور جو بھی ازل سے اللہ تعالیٰ کی محبت کا اہل تھا تو اسے عنایت ربانی نے اپنی طرف کھینچا تو اس پر جلوہ حق متجلی ہوا جس سے اس محبت کے آثار اس کے قلب کے آئینہ پر منعکس ہو جاتے ہیں پھر اسے ماسوی اللہ سے کسی قسم کا تعلق نہیں رہتا کیونکہ ایسی محبت عالم وحدیث سے ہوتی ہے اس لئے کہ وہ غیر کی شرکت کو قبول نہیں کرتی دشمنوں نے فانی محبت سے بتوں سے محبت کی اور اللہ والوں نے باقی اور ربانی سے محبت سے اللہ تعالیٰ سے محبت کی بلکہ انہوں نے اپنے جمیع اجزا فانی اور باقی سے اللہ تعالیٰ سے محبت کی اللّٰھم اوصلنا الی حقیقة المحبة وایقین التمکین اے اللہ ہمیں محبت اور یقین و تمکین کی حقیقت تک پہنچا۔ آمین

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا

اے لوگو! کھاؤ جو کچھ زمین میں حلال پاکیزہ ہے اور شیطان کے قدم پر

خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۸﴾ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْۗءِ

قدم نہ رکھو بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ وہ تو تمہیں یہی حکم دے گا

وَالْفَحْشَاۗءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَاِذَا قِيْلَ

بدی اور بے حیائی کا اور یہ کہ اللہ پر وہ بات جوڑو جس کی تمہیں خبر نہیں۔ اور جب ان سے

لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَاۗءَنَا ۭ

کہا جائے اللہ کے اتارے پر چلو تو کہیں بلکہ ہم تو اس پر چلیں گے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا

اَوَلَوْ كَانَ اٰبَاۗؤُھُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَـيْــــًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَمَثَلُ

کیا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ عقل رکھتے ہوں نہ ہدایت۔ اور کافروں کی

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَاۗءً وَّنِدَاۗءً ۭ

کہاوت اس کی سی ہے جو پکارے ایسے کو کہ خالی چیخ و پکار کے سوا کچھ نہ سنے

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا

بہرے، گونگے، اندھے تو انہیں سمجھ نہیں۔ اے ایمان والو کھاؤ ہماری دی ہوئی ستھری چیزیں

مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾

اور اللہ کا احسان مانو اگر تم اسی کو پوجتے ہو۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ

اس نے یہی تم پر حرام کیے ہیں مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور

marfat.ocm

بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ

جو غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا تو جو ناچار نہ ہو یوں کہ خواہش سے کھائے اور نہ یوں کہ ضرورت سے آگے بڑھے

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۷۳ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ

تو اس پر گناہ نہیں اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ وہ جو چھپاتے ہیں اللہ کی اتاری کتاب

الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ

اور اس کے بدلے ذلیل قیمت لے لیتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ ہی بھرتے ہیں

بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۖ

اور اللہ قیامت کے دن ان سے بات نہ کرے گا

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۱۷۴ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى

اور انہیں ستھرا کرے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی مول لی

وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۝۱۷۵ ذٰلِكَ بِاَنَّ

اور بخشش کے بدلے عذاب تو کس درجہ انہیں آگ کی سہار ہے۔ یہ اس لئے کہ

اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ

اللہ نے کتاب حق کے ساتھ اتاری اور بیشک جو لوگ کتاب میں اختلاف ڈالنے لگے

لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ۝۱۷۶ ع

وہ ضرور پرلے درجے کے جھگڑالو ہیں۔

تفسیر عالمانہ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ شان نزول: یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے اپنے اوپر بہترین خوراک و پوشاک کو حرام قرار دیا اے لوگو! كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ کھاؤ

اس سے جو زمین میں ہے یعنی اس کے ہر ان اجزاء کو جو کھانے کے اقسام میں سے ہیں کیونکہ زمین کے تمام اجزاء کو نہیں کھایا جاتا۔ حَلٰلًا یہ اسم موصول سے حال ہے یعنی درآں حالیکہ وہ شئے جو حلال ہو۔ حلال ہر اس شئے کو کہا جاتا ہے جس سے رکاوٹ کی ہر عقد ہٹ جائے طَيِّبًا ہر شک وشبہ سے پاک ہو یہ حَلٰلًا کی صفت ہے حلال ہر اس شئے کو کہا جاتا ہے جسے شرع اچھا سمجھے اور اچھی ہر وہ شئے ہے جسے طبع مستقیم چاہے یعنی اس سے طبیعت کو لذت حاصل ہے۔

وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو۔ **الخطوه بالفتح المرة من نقل القدم** یعنی قدم کو ایک بار اٹھانا اور بالضم ہو تو چلنے والے کے ہر دونوں قدموں کے بعد ومسافت کے معنی میں ہوگا مثلاً کہا جاتا ہے **اتبع خطواته ووطی علی عقبه** بیشک وہ تمہارا دشمن ہے وَلَا تَتَّبِعُوْا یہ شیطان کی دشمنی کی علت ہے یعنی شیطان تمہارے ساتھ کھلی دشمنی رکھتا ہے اور یہ صاحب بصیرت کو معلوم ہے ہاں جو خواہشات کی طرف ابھار کر غلط ارادوں اور گندی لذتوں کی طرف لے جاتا ہے۔

ف: مُّبِيْنٌ "ابان" سے مشتق ہے بمعنی "**بان فظهر**" لیکن امام واحدی فرماتے ہیں کہ "ابان" خود متعدی ہے اب معنی یہ ہوگا کہ شیطان نے تمہارے لئے دشمنی ظاہر کردی۔ جب کہ اس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کردیا اور ان کے بہشت سے نکالے جانے کا سبب بنا اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بے شک وہ تمہیں حکم دیتا ہے یعنی وسوسہ ڈالتا ہے۔

سوال: شیطان کے وسوسہ کو امر سے کیوں تشبیہ دی ہے؟

جواب: شیطان وسوسہ ڈال کر انسان پر مسلط ہو جاتا ہے گویا یہ اس کا حکم وامر ہے شیطان کے وسوسہ کو قبول کرنے اور اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ گویا یہ اس کا مطیع ہے اس سے ثابت ہوا کہ یہ لوگ شیطان کے تابع فرمان ہیں۔ عقل وفکر کی دنیا سے گئے گزرے ہوگئے اس سے ان کے عقل کی کمزوری اور ان کی شان کی کمی کی طرف اشارہ ہے۔

بِالسُّوْٓءِ سوء ہر اس خرابی کو کہتے ہیں جس کا انجام بُرا ہو پھر اس ہر گناہ پر اطلاق ہوتا ہے وہ اعمال جوارح سے ہوں یا قلوب سے کیونکہ ان ہر دونوں کے افعال انسان کو دکھ اور غم پہنچانے میں اشتراک ہے وَالْفَحْشَآءِ عطف

marfat.ocm

الخاص علی العام کے قبیل سے ہے یعنی انواع معاصی میں زیادہ قبیح اور بہت زیادہ برا اس معنی پر زنا اور بخل وغیرہ فواحش میں داخل ہیں اسی طرح ہر قبیح گناہ فاحش ہے۔

ف: لغت کی اصل وضع میں الفَحْشَآء مجاورۃ القدر فی کل شئی کو کہتے ہیں۔

ف: قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سوء اور فحشاء میں بحسب المفہوم فرق ہے ورنہ ذاتی طور وہ ایک ہیں۔

سوال: گناہ کو سوء کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب: اس لئے کہ گناہ بندے کی عقل پر پردہ ڈال دیتا ہے اور فحشاء کو کلی اسی لئے فحشاء کہا جاتا ہے کہ یہ انسان کو قبیح کر دیتا ہے اور ان دونوں یعنی سوء و فحشاء سے معصیت کو موصوف کرنا زید عدل کی طرح مبالغہ ہے۔

وَاَنْ تَقُوْلُوْا یعنی شیطان تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم افترا کو کرو عَلَى اللهِ اللہ پر بایں طور کہو کہ فلاں فلاں شے کو اللہ نے حرام کیا یا فلاں پر حرام کیا ہے مَالَا تَعْلَمُوْنَ وہ جو تم نہیں جانتے کہ نا معلوم اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے یا نہ یہ شیطان کے قبائح سے قبیح تر ہے اس لئے کہ ان اوصاف سے اللہ تعالیٰ کو موصوف کرنا جو اس کی شان کے لائق نہیں بہت بڑا گناہ جیسے الفَحْشَآء گناہوں کے انواع سے بہت قبیح ہے اسی طرح یہ۔

سوال: ہمیں شیطان ان برائیوں کا کیسے حکم دیتا ہے جب کہ نہ ہم اس کو دیکھتے ہیں اور نہ اس کا کلام سنتے ہیں اسی طرح اس کے وسوسہ کا کیا معنی یا اس کا ہمارے دل میں پہنچنا کیسی بات ہے؟

جواب: اس کا ایک خفی کلام ہے جسے صرف قلب سنتا ہے اور سنتے ہی قلب اور طبع اس کی طرف جھک جاتی ہے بعض نے کہا کہ وہ بنو آدم کے اندر گھس جاتا ہے۔ اس لئے کہ وہ جسم لطیف ہے جاتے ہی وسوسہ یعنی ردی افکار نفس پر ڈالتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا يُوَسْوِسُ فِىْ صُدُوْرِ النَّاسِ

حدیث شریف: حضور نبی اکرم ﷺ کی دعاؤں سے ایک دعا یہ بھی تھی اللھم اعمر قلبی من وساوس ذکر کواطرو عنی وساوس الشیطن اے اللہ میرا قلب اپنے ذکر کے افکار سے معمور اور میرے قلب سے شیطان کے غلط افکار دور فرما دے۔

شیطان کے وسوسہ ڈالنے کے مراتب ستہ: ۔ آکام المرجان میں ہے کہ شیطان انسان کو کچھ باتوں میں

مبتلا کرتا ہے۔

☆...... سب سے پہلے انسان کے لئے یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ کفر و شرک اور نبی پاک ﷺ کی عداوت میں مبتلا ہو جائے جب شیطان ابن آدم پر اس کاروائی میں کامیاب ہو جاتا ہے تو شیطان اپنی جد و جہد کی تھکان اتارتا ہے اس لئے کہ وہ منزل مقصود کی آخری منزل تک پہنچ گیا ہے اور یہی اس کا پہلا کام ہے جو انسان پر کر گزرتا ہے اور اس کے لئے سرتوڑ کوشش کرتا ہے۔

☆...... اگر کوئی اس کے اس حملہ سے بچ جاتا ہے تو پھر اس بدعت (سیہ) کی طرف کھینچ لانے کے درپے ہوتا ہے اور یہ مشغلہ اس کے لئے دیگر فسق و فجور اور معاصی سے زیادہ محبوب ہوتا ہے اس لئے کہ فسق و فجور و دیگر معاصی کی توبہ منظور ہو جاتی ہے لیکن بدعت کی توبہ بھی قبول نہیں ہوتی اس کی وجہ یہ ہے کہ بدعتی اپنی اس بدعت سیہ کو حقیقت صحیحہ یقین کر کے اس کا دائمی طور پر مرتکب رہتا ہے جس کی وجہ سے اسے توبہ نصیب نہیں ہوتی۔

☆...... جب شیطان کسی سے بدعت (سیہ) کے ارتکاب سے عاجز آ جاتا ہے کہ باوجود سعی بسیار کے وہ شخص بدعت سیہ نہیں کرتا تو اسے گناہ کبیرہ کرنے پر مجبور کرتا ہے اور گناہ کبیرہ کے کئی اقسام ہیں ان میں سے کسی ایک کا ارتکاب سہی۔

☆...... جب کوئی کبیرہ گناہ بھی نہیں کرتا تو اس کے متعلق صغیرہ گناہ کرنے کی کوشش کرتا ہے جو کہ چند صغائر کے اجتماع سے گناہ کبیرہ بن جاتا ہے۔

ف: یاد رہے کہ گناہ کبیرہ مہلک شئے ہے چنانچہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ وایاکم و محقرات چھوٹے چھوٹے گناہوں سے بچو اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شخص جنگل میں کسی مقام پر اترے تو اس نے اپنی ضروریات کے لئے پہلے چھوٹی لکڑیاں جمع کی اس سے آگ جلائی اور اپنا طعام وغیرہ پکایا دیکھیں ان چھوٹی لکڑیوں سے ہی بڑی آگ تیار ہوئی اسی طرح صغائر کی کیفیت ہے کہ اس سے انسان کا بڑا نقصان ہوتا ہے۔

☆...... جب کوئی انسان شیطان کے صغائر گناہ کرانے سے بچ جاتا ہے تو اسے مباح فعل میں مشغول کرتا ہے وہ صرف اس خیال پر کہ اس میں ثواب نہیں تو گناہ بھی نہیں لیکن اسے معلوم ہے کہ اس کا عذاب تھوڑا ہے کہ وہ ایک ثواب کی نعمت سے محروم ہو گیا۔

marfat.ocm

☆...... اگر اس سے یہ بھی نہ ہو تو اسے افضل عمل سے محروم کر کے فاضل عمل میں مشغول کرتا ہے اسی طرح فاضل عمل سے مفضول میں شیطان کو یہ فائدہ ہوتا ہے کہ انسان کو سستی وغفلت کی عادت پڑ جاتی ہے مثلاً افضل کو چھوڑ کر فاضل کو لے گا تو مرتبہ گھٹ گیا۔ اسی طرح فاضل کو چھوڑ کر مفضول کو لے گا تو بھی مرتبہ کم ہو گیا اس کے بعد سستی سوار ہو گئی مشقت سے گھبرانے لگا مثلاً جسے سو رکعت پڑھنے کی عادت ہے اسے ایک دوگانہ بڑی بات نہیں لیکن جب مشقت سمجھ کر سو کی بجائے ایک دوگانہ پڑھا تو شیطان کو گمراہ کرنے کا موقع مل گیا اس کے بعد اسے عبادت سے نفرت کے مواقع ڈھونڈے گا پھر مشقت کے خطرے کے بعد نفرت میں مبتلا ہو گا جس سے شیطان اپنا کام بنا لے گا یعنی انسان کو گمراہ کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

شیطان کی تخلیق کا موجب: شیطان کو صرف اس لئے پیدا کیا گیا تا کہ نیک اور بد میں امتیاز ہو حضرت انبیاء علیہم السلام کو پیدا کیا گیا تا کہ نیک لوگ ان کی اقتدا کریں اور ابلیس کو پیدا کیا تا کہ بدبخت اس کی پیروی کریں اس طرح سے نیک اور بد کے درمیان امتیاز ہو گا ابلیس جہنم اور اختلافات کا رہبر اور دلال ہے اور اس کا سامان دنیا ہے جب اس نے اسے تمہارے سامنے پیش کیا تو کفار نے اپوچھا اس کا ثمن کیا ہے شیطان نے کہا اس کا ثمن ہے دین یعنی دنیا لو اور دین چھوڑو انہوں نے دین دے کر دنیا لے لی۔ زاہدوں نے دنیا دے کر دین کو حاصل کیا اور طالب دنیا نے دینا کو تو لے لیا لیکن دین کو نہ چھوڑا انہوں نے ابلیس سے کہا کہ ہمیں تو کچھ دنیا چکھنے کے لئے دیجئے اس سے کہہ دیتا ہوں لیکن کوئی شے میرے پاس گروی رکھوں انہوں نے کہا ہماری آنکھیں اور کان حاضر ہیں شیطان نے دنیا کے طالبین سے آنکھیں اور کان گروی رکھ کر دنیا صرف چکھنے کے لئے دے دی یہی وجہ ہے کہ طلب دنیا دنیوی باتوں کے سننے اور اس کی زیب وزینت کا عاشق ہوتا ہے اسلئے کہ اس کی آنکھیں اور کان شیطان کے ہاں گروی ہیں جب اس نے یہ دونوں چیزیں اس سے قبض کر لیں تو اب اہل دنیا نہ تو اللہ والوں سے دنیا کی مذمت سن سکتے ہیں اور نہ ہی اس کے قبائح دیکھ سکتے ہیں بلکہ اس کے انہماک میں مست اور اس کے عجائبات اور اسباب میں پھنسے رہتے ہیں۔

حدیث شریف: میں ہے تجھے جس سے محبت ہو جاتی ہے پھر اس سے عیوب دیکھنے سے اندھا اور نقائص سننے سے بہرہ ہو جاتا ہے۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ دنیا کو ترک کرے اور اس سے روگردانی کر کے اس سے صرف لقمہ حلال حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

مسئلہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حلال لقمہ وہ ہے کہ جس کے متعلق قیامت میں پرسش نہ ہو اور پرسش ہر اس عمل کے لئے نہیں ہوگی جس کے بغیر انسان کا گزارہ نہ ہو۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ان کی ضرورت کی اشیاء عنایت فرماتا ہے مثلاً کپڑا کہ بند ڈھانپ سکے اور روٹی کہ جس سے پیٹ کی بھوک مٹا سکے اور گھر پرندے کے گھونسلے کی طرح بنائے کہ جس میں زندگی بسر کر سکے عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ نمک کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے آپ نے فرمایا نمک کے متعلق بھی قیامت کے روز سوال ہوگا جب کہ ضرورت سے زیادہ خرچ کیا جائے۔

تفسیر صوفیانہ حلال وہ ہے جس کا کھانا اللہ تعالیٰ نے مباح فرمایا اور طیب وہ ہے جس میں خلق خدا کے حقوق کا اشتباہ نہ ہو اور نہ ہی اس میں حظ نفس کو دخل ہو اس سے معلوم ہوا کہ ہر طیب حلال ہے لیکن ہر حلال طیب نہیں اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ طیب ہے اور صرف طیب پاک اشیاء کو قبول کرتا ہے کہ جن میں نہ تو عیب ہو نہ اس میں غیر کے حق کی ملاوٹ ہو اور یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ھو حلال نہیں کہا جاتا بخلاف اس کے کہ اسے کہا جاتا ہے ان اللہ طیب جیسے حدیث شریف میں گذرا

مسئلہ: جو شخص حلال کمائی کھانے کی عادت کرتا ہے اسے طاعت الٰہی کے لئے آسانی نصیب ہوتی ہے اور شیطان کے وساوس سے محفوظ ہو جاتا ہے لقمہ حلال کا عمل صالح کا مغز ہے۔

علم وحکمت زائد از لقمہ حلال   عشق ورقت اید از لقمہ حلال
چو ز لقمہ تو حسد بینی و دام   جہل وغفلت زائد آنرا دان حرام
ہیچ گندم کاری و جو بر دہد   دیدہ اش پے کہ کرہ خر دہد
لقمہ تخم است برش اندیشہا   لقمہ بحر و گوہرش اندیشہ
زائد از لقمہ حلال اندر دہاں   میل خدمت عزم رفتن آن جہاں

علم وحکمت لقمہ حلال سے پیدا ہوتی ہے عشق کی رقت بھی لقمہ حلال سے نصیب ہوتی ہے لقمہ سے حسد و مکر اور جہل وغفلت پیدا ہو

marfat.ocm

سمجھو وہ لقمہ حرام ہے ایسا کبھی نہیں ہوگا کہ گندم بوئی جائے اور جو پیدا ہوں یہ بھی کبھی کہیں نہیں دیکھا گیا کہ گھوڑے کے نطفہ سے گدھا پیدا ہو لقمہ بیج ہے اور اس کا ثمر فکرات یا لقمہ دریا ہے اور اس کے موتی تفکرات (نیک یا بد) لقمہ حلال منہ میں ہوتا ہے تو اس کی برکت سے آخرت کے امور کی طرف توجہ ہو جاتی ہے۔

مسئلہ: حلال رزق کے اسباب تلاش کرنا انبیاء علی نبینا وعلیھم السلام کی سنت ہے۔

فوائد کسب حلال: کسب حلال کے بہت سے فائدے ہیں۔

☆..... اصل مال پر زیادتی جب کہ اس مال کو تجارت وزراعت اور باغات بونے میں خرچ کرتا ہے پھر اس میں صدقات ہی صدقات نصیب ہوتے ہیں مثلاً اس سے پرندے وغیرہ کھائیں گے۔

☆..... لغویات وبکواسات سے حفاظت ہوتی ہے جب کہ کمانے والا اپنے کام میں مشغول ہوتا ہے۔

☆..... کسر نفسی اور نفس بہت سی غلطیوں کے ارتکاب سے بچ جاتا ہے۔

☆..... کسب حلال فقر سے امان کا ذریعہ ہے وہ فقر جو کہ دارین میں روسیاہ بنانے کا سبب ہے۔

☆..... جب بھی کوئی مزدور نیک مزدوری کے لئے چلتا ہے تو دو نگران فرشتے کہتے ہیں۔ بارک اللہ لک فی حرکاتک اللہ تعالیٰ تیرے جانے اور آنے اور کاروبار میں برکت دے اور تیرے ان معاملات کو تیرے لئے بہشت میں ذخیرہ بنائے۔ نگران ملائکہ اور آسمان وزمین کے فرشتے آمین کہتے ہیں۔

مسئلہ: سب سے افضل کسب جہاد ہے اس کے بعد کھیتی باڑی اس کے بعد صنعت۔

تفسیر عالمانہ

وَاِذَا قِیۡلَ لَہُمُ **شان نزول**: یہ آیت مشرکین عرب اور کفار قریش کے حق میں نازل ہوئی جب انہیں قرآن اور اللہ تعالیٰ کے باقی احکام کا حکم دیا گیا تو انکار کرے۔ صرف یہ بات کہہ کر کہ ہمیں آباؤ اجداد کی تقلید کافی ہے آیت کا معنی یہ ہوا کہ جب مشرکین کو نصیحت وارشاد کے طور کہا جاتا ہے کہ اِتَّبِعُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ اس پر عمل کرو جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا یعنی کتاب اللہ پر عمل کرو یعنی جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حلال فرمائیں انہیں حلال اور جنہیں اس نے حرام کیا انہیں حرام سمجھو قَالُوۡا بَلۡ یہ بل عاطفہ ہے اس کے متصل جو جملہ واقع ہے اس کا عطف اس جملہ محذوفہ پر ہے جو اس سے پہلے ہے نَتَّبِعُ مَاۤ اَلۡفَیۡنَا بلکہ ہم اس کی تابعداری کریں گے جس پر پایا عَلَیۡہِ اٰبَآءَنَا اپنے آباؤ اجداد کو وہ بتوں کو معبود بناتے اور طیبات کو

حرام قرار دیتے رہے وغیرہ وغیرہ اس لئے کہ وہ ہم سے بہتر جانتے تھے اس لئے ہم اپنے آباؤ اجداد کی پیروی کو نہیں چھوڑ سکتے۔

سبق : اے عقلمندو ذرا دیکھو تو سہی ان احمقوں کو کہ حق کا کیا جواب دے رہے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے انکار و تعجب کا ہمزہ اور واؤ حالیہ سے تردید کرتے ہوئے فرمایا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ چونکہ ہمزہ صدارت اور واؤ اوسط کلام کا تقاضا کرتی ہے اسی لئے واؤ اور ہمزہ کے درمیان ایک جملہ لایا گیا تا کہ ہمزہ کی صدارت بحال رہے اب آیت کا معنی یہ ہوا کیا وہ اپنے آباؤ اجداد کی تابعداری کرتے ہیں۔ اس حال میں کہ ان کے آباؤ واجداد لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا دین کی کوئی بات بھی نہ جانتے ہوں اس لئے وہ تو صرف دنیا کی باتیں جانتے ہیں وَّلَا يَهْتَدُوْنَ اور نہ ہی وہ حق اور صواب کی طرف راہ پا سکتے ہیں۔ یعنی یہ تو نہایت ہی قبیح اور سخت غلط معاملہ ہے کہ جسے نہ کوئی عقل ہو اور نہ ہی طریق حق کی طرف راہ پا سکتا ہو اور نہ ہی کوئی صحیح بات اسے نصیب ہو تو اس کی تابعداری کی جائے وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور کافروں اور ان کی داعی الی الحق کی مثال كَمَثَلِ اس راعی کی ہے الَّذِيْ يَنْعِقُ جو آواز دیتا ہے عرب کا مقولہ ہے ینعق الراعی ولا مؤذن [1] عین مہملہ کے ساتھ ہو تو بمعنی صوت اور عین معجمہ کے ساتھ کہا جاتا ہے نغق الغراب اب يَنْعِقُ کا معنی ہو اصوت یعنی آواز دیتا ہے بِمَا لَا يَسْمَعُ ساتھ اس کے کہ وہ نہیں سنتا جیسے بہم یعنی وہ استماع کا ادراک بھی نہیں رکھتا اِلَّا دُعَآءً یعنی صرف آواز کو سنتا ہے وَّنِدَآءً وہ صرف زجر و توبیخ کو سمجھتا ہے سوائے اس کے اسے اور کوئی سمجھ نہیں ہوتی نہ ہی اسے کچھ یاد رہتا ہے بخلاف عاقل کے کہ اسے سمجھ بھی ہوتی ہے اور وہ اس کا جواب بھی دیتا ہے۔

دعا و ندا میں فرق: دعا قریب کے لئے ہوتی ہے ندا بعید کے لئے اور یہ بھی احتمال ہے کہ ندا دعا سے اہم ہے اور آیت مذکور میں تشبیہ مفرق ہے کافر کے داعی کو ناحق سے اور کافروں کے نفس کو بہائم معوت بہا سے اور کفار کے داعی کو ناحق کی آواز سے (جو جانوروں کو آواز دیتا ہے) سے تشبیہ دی گئی ہے اب آیت کا معنی یوں ہوگا۔ کہ اے محمد ﷺ آپ کا کفار کو وعظ کرنے اور دعوت الی اللہ دینے اور پھر ان کا ہدایت نہ پانے کی مثال اس داعی کی ہے جو بکریوں کو آواز دیتا ہے اور ان سے کلام کرتا ہے اور انہیں کہتا ہے کھاؤ پیو اور چرو۔ حالانکہ وہ اس کی کوئی بات

---

[1] : بمعنی کوے نے کائیں کائیں کی۔

marfat.ocm

بھی نہیں سمجھتیں ایسے یہ کفار جانوروں کی طرح ہیں کہ وہ نہ آپ کی کوئی بات سمجھتے ہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی۔ صُمٌّ وہ بہرے ہیں یعنی وہ حق سننے سے بہرے ہو چکے ہیں بُکْمٌ اور گونگے ہیں اس معاملہ میں کہ جس کی طرف انہیں بلایا جائے وہ اسے قبول نہیں کرتے عُمْیٌ اور وہ نابینا ہیں کہ وہ دلائل سے روگردان ہیں۔ گویا وہ انہیں دیکھتے ہی نہیں۔

ربط: جب انہیں ایسے لوگوں سے تشبیہ دی گئی جو ان تینوں (کلام سمع اور بصر) سے محروم ہیں اور ان کی وجہ سے حق و باطل کے درمیان تمیز کر کے حق کو اختیار کیا جاتا ہے اب اس تشبیہ پر تفریع کرتے ہوئے فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ پس وہ عقل نہیں رکھتے یعنی اس لئے کہ اکتساب حق نظر و استدلال سے ہوتا ہے اور جو شخص بہرے اور اندھے کی طرح ہو جائے کہ نہ دلائل دیکھے نہ سنے تو پھر وہ کیسے حق پر استدلال کر سکتا ہے اسی لئے کہاوت بن گئی۔ من فقد حسا فقد فقد علما جو حس کھو بیٹھتا ہے وہ دولت علمی سے محروم ہو جاتا ہے۔

ف: آیت میں اصلی عقل کی نفی نہیں کیونکہ اس کا بالکلیہ نفی دم کی صلاحیت نہیں رکھتا اور قیامت تک انہیں وعظ فائدہ بھی نہیں دے گا کیونکہ ان لوگوں کے کان استماع حق سے مسدود اور ان کے اذہان قبول سے رکے ہوتے ہیں شیخ سعدی قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا۔

فہم سخن چوں نکند مستمع قوت طبع از متکلم مجو
فسحت میدان ارادت بیار تا بزند مرد سخن گوی گو

ترجمہ: سننے والا اگر سخن فہمی کی استعداد نہیں رکھتا تو اس سے بولنے والے کا کیا قصور اے مخاطب تمہی اپنے ارادات کو بلند کرو تا کہ نصیحت کرنے والا کھلے دل سے نصیحت کر سکے یعنی عقل عزیزی سے حق کو حاصل نہیں کرتے۔

تفسیر صوفیانہ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ میں اشارہ ہے کہ برے اسلاف سے منہ موڑنا چاہیے اور اہل بدع سیئہ کی اتباع سے دور بھاگنا ضروری ہے اس لئے کہ وہ طریق حق میں سے کسی شے کو نہیں جانتے بلکہ وہ صحرائے دنیا کی محبت میں حیران و سرگردان پھرتے ہیں ان کا دعوی تو ہوتا ہے کہ اہل علم ہیں حالانکہ انہیں علم کی بو تک نصیب نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنے علوم کو مال اور جاہ و جلال کا ذریعہ سمجھتے ہیں اہل طلب کیلئے وہ رہزن ڈاکو ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے بعض آسمانی کتب میں فرمایا کہ اس کے متعلق مت پوچھ جسے جب دنیا

نے مخمور و مسحور کر ڈالا کیونکہ وہ تو میرے بندوں کے لئے رہزن اور ڈاکو ہیں ہاں جسے جادہ حق اور شریعت کا راستہ نصیب ہے اسے طریقت کے مقامات کے راستے معلوم ہوتے ہیں ان کی اقتداء جائز ہے وہی اس کے اہل ہیں کہ ان کو حقیقت کی طرف راہ ملتا ہے نہ وہ جو کہ مدعی ہیں کہ انہیں آباؤ سے یہ وراثت ملی ہے انہیں راہ ہدایت سے کچھ بھی نصیب نہیں ہوتا اور نہ ہی اقتداء کے لائق ہیں۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

چوں کنعاترا طبیعت بے ہنر بود — پیمبر زادگی قدرش نیفزود
ہنر بنما اگر دار داری نہ گوہر — گل از خاراست وابراہیم از آزر

ترجمہ: جب کنعان بن نوح کی طبیعت بے ہنر تھی پیغمبر زادگی سے اسکی قدر و منزلت بڑھ نہ سکی ہنر دکھا اگر کچھ تیرے پاس ہے دنیاو دولت دکھانے کا کوئی فائدہ نہیں دیکھئے گل کانٹے سے اور ابراہیم علیہ السلام آزر کی برادری سے پیدا ہوئے ہیں۔

تاویلات نجمیہ کی صوفیانہ نفیس تفسیر: عالم ارواح میں میثاق کے وقت کافروں کی مثال ایسی تھی جب اللہ تعالیٰ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ فرمایا تو انہوں نے اس آواز کو ایسے سنا جیسے جانور کو آواز دینے والا آواز دیتا ہے تو وہ کچھ نہیں سنتے تھے کیونکہ وہ آخری صف میں تھے اس لئے کہ اس وقت ارواح بہت بڑے لشکر میں بٹے ہوئے تھے اس وقت ان کی چار صفیں تھیں صف اول حضرت انبیاء کرام علیٰ نبینا علیہم السلام کی صف دوئم حضرات اولیاء عظام رحمۃ اللہ تعالیٰ کی تیسری صف مومنین کی چوتھی کافروں کی۔ اس وقت وہ ذرات حاضر کئے گئے جو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں تھے ہر ذرہ کو اپنی روح کے بالمقابل کھڑا کیا گیا تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ حضرات انبیاء کرام علیٰ نبینا علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ کی مکمل آواز بلا واسطہ سنی اور اس کے جمال کے انوار کا بلا حجاب مشاہدہ کیا اسی وقت وہ نبوت و رسالت اور مکالمہ اور وحی کے مستحق ٹھہرے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ اللہ تعالیٰ جس سینے کو موزوں دیکھتا ہے وہاں رسالت رکھتا ہے اولیا کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی اللہ تعالیٰ کا کلام سنا اور اس کے جمال کے انوار کا حجاب ارواح انبیاء علیہم السلام کے انوار سے مشاہدہ کیا اسی لئے انبیاء کرام علیہم السلام کی تابعداری کے لائق ٹھہرے اور متابعت کے حقوق کی ادائیگی کی بدولت کلام الہام اگرچہ حجاب سے ہی کے مستحق ہوئے اور مومنین نے بھی حق کا خطاب

marfat.ocm

سنا لیکن حضرات انبیاء اولیاء کے حجاب کے واسطہ سے اسی لئے وہ ایمان بالغیب سے نوازے گئے اور حضرت انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کو قبول کیا جب انہیں جبریل اور حضرات انبیاء علیہم السلام کی رسالت کے پردے سے پیغامات الٰہی پہنچتے ہیں تو کہتے ہیں وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا نے مانا اور اطاعت کی اس تقریر کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ہوتی ہے مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ یعنی حجاب کے واسطہ سے اولیاء سے کلام کرتا ہے اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا بھیجتا ہے مومنین کے لئے جب کافروں نے تین پردوں سے کلام سنا تو ان کی مثال ایسے ہوگئی جیسے کوئی آواز دے رہا ہو۔ ایسی چیز کو کسی کی پکار کو سنتا ہی نہیں ان بے چاروں کو کمال حق کے انوار کا ذرہ بھر بھی مشاہدہ نہ ہوا اور نہ ہی وہ کلام حق کو کچھ سمجھ سکے ہاں انہیں مومنین کے ذراسے حجاب کی آڑ میں ہلکی ہلکی آواز سنی گئی تو اس بناء پر اپنے آباؤ اجداد کی غلط تقلید میں پھنس گئے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا اور فرمایا وَاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ پھر جب ان کی ارواح اجسام سے متعلق ہوئی اور حواس کے میل کچیل اور قوی سے ملے اور صفات حیوانیہ کی ظلمات سے تاریکی میں پڑے اور حیوانی عادتوں اور شیطانی اخلاق کی عادت ڈالنے پر ان کے دلوں پر غفلت کا دھبہ چھا گیا اور لذت جسمانیہ میں منہمک ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اندھا اور بہرہ بنا دیا۔ اس لئے اب وہ دعوت انبیاء علیہم السلام کو سماع قبول سے بہرے اور حق کی بات اور توحید کے اقرار سے گونگے اور آیات معجزات کے دیکھنے سے اندھے ہیں اس لئے اب وہ ہمیشہ ہمیشہ تک کچھ نہیں سمجھتے کیونکہ اپنے عقول کی چمک کو غفلت کے دھبہ سے خراب کر دیا اور انوار روحانی کے فیوضات سے محروم ہو گئے۔ حضرت صائب نے فرمایا:۔

چرا از غیر شکایت کنم کہ ہمچو حباب   ہمیشہ خانہ خراب ہوائے خویشتم

ترجمہ: میں غیر سے کیوں شکایت کروں میری مثال حباب کی ہے کہ اس کا خانہ خراب اس کی اپنی ہوا نے کیا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے۔

گرچہ ناصح را بود صد داعیہ   پند را اذنے بباید واعیہ
تو بصد تلطیف پندش می دہی   او ز پندت میکند پہلو تہی
یک کس نامستمع ز استیز و رد   صد کس گوینده را عاجز کند

زانبیا ناصح ترو خوش لہجہ تر   کے بود کہ رفت ومشاں در حجر
زانچہ کوہ وسنگ درکار آمدند   می نشد بدبخت را بکشادہ بند
آنچناں دلہا کہ بدشاں مادمہ   نقشاں شد بل اشد قسوہ

ترجمہ: اگر ناصح کو نصیحت کے کئی اسباب حاصل ہوں لیکن اس کی نصیحت کے لئے بھی حق کو قبول کرنے والا کان ضروری ہے جب نہ ماننے والے کان ہوں تو اسے کتنا بہتر کرو وہ ہرگز نہ مانے گا۔

سبق: دانا پر ضروری ہے کہ رضائے الٰہی کے راستہ پر چل کر اپنے حال کا تدارک کرے اور گذشتہ زندگی پر ندامت کا اظہار کرے یہ محقق کامل کی ترتیب کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا اس لئے عام انسان اپنے رب سے محجوب ہوتا ہے اور اس کا پردہ یہی غفلت ہے اور فضل ربانی کے بغیر یہ غفلت دور نہیں ہوسکتی ہاں اس کے ہٹانے کے اسباب بھی ہیں اور اس کا علاج سوائے تجربہ کار حکیم کے اور کوئی نہیں کرسکتا اور وہ حکیم مرشد کامل ہے جب یہ غفلت قلب سے ہٹ جاتی ہے اور غیب کے علاقہ کی طرف قلب کا دریچہ کھل جاتا ہے تو سالک توحید کا اقرار تحقیقا کرتا ہے نہ تقلیدا اس وقت ان کی توحید تفریدا ہوتی ہے اس کے بعد اس کا معاملہ برعکس ہوجاتا ہے بایں معنی کہ محبوب کے ماسوی کی خبروں سے وہ بہرا اور حقیقت سے راز کے افشاء سے گونگا اس دار فانی میں اغیار کے دیکھنے سے اندھا ہوجاتا ہے اے اللہ ہمیں غلط تقلید سے بچا کر حقیق توحید تک پہنچادے تو حمید و مجید ہے۔

تفسیر عالمانہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا اے ایمان والو رزق کھاؤ مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ان حلال رزقوں سے جو ہم نے تمہیں عطا کیا۔

سوال: آیت میں حلال کی قید کیوں لگائی گئی؟

جواب: مَا رَزَقْنٰكُمْ عام ہے حلال ہو یا حرام اور اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ حلال و حرام رزق کا رازق وہی ہے لیکن مومن کو حکم ہے کہ صرف حلال رزق کھائے یا طیبات سے لذیذ اشیاء مراد ہیں کیونکہ مَا رَزَقْنٰكُمْ کا رزق شامل ہے لذیذ ہو یا ناپسندیدہ۔

ف: حضرت ابن الشیخ فرماتے ہیں یہی معنی اس مقام کے لئے مناسب بلکہ اولیٰ ہے اس لئے کہ وہ اشتباہ سے پاک ہے اس کی وجہ یہ بتائی کہ یہ مقام مقام انسان ہے اس نے لذائذ بطور احسان عنایت فرمائے ہیں اور شکر

marfat.ocm

منعم منان کا بھی انہیں لذائذ ضروری ہے۔

ف: طیب کے تین مراتب ہیں۔ ۱۔ طبعی طور لذیذ ۲۔ شرعاً مباح ۳۔ وضعاً پاک

تفسیر صوفیانہ

آیت میں ارشارہ ہے کہ قسم وقسم کے میوہ جات سے نفع اٹھاؤ اس لئے کہ وہ طیبات ہیں۔ لیکن اس کا ترک افضل ہے تاکہ سالک اپنے مرتبہ سے گر نہ جائے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِىْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا

ف: کل طیبات کے امر میں دو فائدے ہیں۔

۱۔ ان طیبات کا کھانا امر الٰہی کی تعمیل ہو نہ کہ طبعی طور پر تاکہ دیگر حیوانات سے ممتاز ہوں اور نور شریعت کی برکت سے طبیعت کی تاریکی کے حجاب ہٹ جائیں۔

۲۔ طیبات کو امر الٰہی کی وجہ سے کھائیں اور ثواب پائیں۔

وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرو اس پر کہ اس نے تمہیں طیبات عنایت فرمائے اور یہ چیزیں تمہارے لئے حلال فرمائیں شکر، ظاہری اور باطنی اعضا کو اسی پر صرف کرنا جن کے لئے وہ پیدا کئے گئے ہیں۔

مسئلہ: یہ امر وجوبی ہے استحبابی نہیں اس لئے کہ عاقل پر واجب ہے کہ یوں اعتقاد رکھے کہ وہ ذات کہ جس نے اسے پیدا کیا اور پھر لا تعداد ولا تحصی نعمتوں سے نوازا وہ نہایت درجہ کی تعظیم کا مستحق ہے اور اسے زبان اور دیگر اعضاء سے ظاہر کرے۔

تفسیر عالمانہ

اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ اگر تم اسی کی عبادت کرے ہو یعنی اگر اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے اور صرف اسی کو عبادت کا مستحق سمجھتے ہو تو اس کا شکر کرو کیونکہ ایمان تو شکر کو واجب قرار دیتا ہے بلکہ یہ شکر ایمان کے شرائط میں سے مثلاً کوئی شخص کہے مجھے تیرے ساتھ محبت ہے تو وہ اسے کہتا ہے ان کنت لی محبا فافعل کذا اگر تجھے میرے ساتھ محبت ہے تو تم ایسے کر کے دکھلاؤ اس جملہ میں صرف شرط اسی لئے داخل کرتا ہے تاکہ محب کو اس کے حکم کردہ امر کی ادائیگی میں جوش آجائے اور ظاہر ہو جائے کہ محبت کی علامت ایک یہ بھی ہے کہ محبوب کے حکم کی تعمیل کی جائے۔

ف: یہ بھی یاد رہے کہ یہ ان شرائط میں سے نہیں کہ انتفاء شرط سے مشروط کی نفی ہو اس لئے کہ اگرچہ بندہ عبادت

نہیں کرتا تب بھی اس پر شکر لازم ہے۔

قدسی حدیث شریف: میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرا انس و جن کا عجیب معاملہ ہے کہ ان کا خالق میں ہوں لیکن وہ میرے غیر کی پرستش کرتے ہیں اور انہیں رزق میں دیتا ہوں لیکن شکر میرے غیر کا کرتے ہیں۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا۔

مکن گردن از شکر منعم بپیچ کہ روز بہ پسیں سر برآری ہیچ

ترجمہ: ایسا نہ کر اللہ تعالیٰ کے حکم سے گردنہ پھیر تیرے حکم سے بھی کوئی شئے گردن نہیں پھیرے گی۔

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر مردار کو حرام کیا الْمَيْتَةَ وہ جانور جو ذبح کے لائق تھا۔ لیکن ذبح کے بغیر مر گیا۔

مسئلہ: عرف کی رو سے ٹڈی اور مچھلی اس حکم سے مستثنیٰ ہیں مثلاً کوئی کہے فلاں نے مردار کھایا تو یہ دونوں یعنی مچھلی اور ٹڈی ذہن میں آئیں گی بھی نہیں۔

مسئلہ: شرعاً عادت کا اعتبار نہیں ہے مثلاً کوئی قسم کھائے کہ میں گوشت نہیں کھاؤں گا اس کے بعد مچھلی کھائی تو حانث نہ ہوگا اگرچہ اس نے حقیقۃً گوشت کھایا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا تا کہ تم تازہ گوشت کھاؤ۔

مسئلہ: مردار کی تحریم سے اس کے کھانے اور اس کے دودھ پینے اور اسے بیچ کر نفع اٹھانے کی حرمت مراد ہے کیونکہ احکام شرعیہ کا تعلق افعال سے ہوتا ہے نہ کہ اعیان سے۔ وَالدَّمَ اور بہتے ہوئے خون کو حرام فرمایا۔

مسئلہ: جگر اور تلی اس حکم سے مستثنیٰ ہیں باعتبار عرف کے اس لئے وہ دونوں حلال ہیں۔

وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ اور خنزیر کے گوشت کو حرام کیا۔

مسئلہ: اہل اسلام کا اجماع ہے کہ خنزیر نجس العین ہے اس لئے کہ اس کے جسم کے جمیع اجزاء حرام ہیں۔

سوال: جب خنزیر کے تمام اجزاء حرام ہیں تو پھر صرف گوشت کا نام کیوں لیا گیا۔

جواب: حیوان سے نفع اٹھانے کی سب سے اعلیٰ چیز گوشت ہے نیز حیوان کے اجزاء کا اصل یہی ہے جب اصل کا ذکر ہو جاتا ہے تو فرع اس میں خود بخود شامل ہو جاتا ہے۔

marfat.ocm

وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ اور حرام کیا اللہ تعالیٰ نے وہ جو پکارا ہے غیر اللہ کے لئے یعنی حرام کیا گیا ہے جو کہ بتوں کے لئے ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہے۔

ف: اہلال کا اصلی معنی رفع الصوت ہے اور بت کے پجاریوں کے عادت تھی کہ جب بتوں کے لئے جانور ذبح کرتے تو ان کے نام لے کر آواز کو بلند کرتے اور کہتے باسم الات والعزی پھر اس طرح سے ان کی ایسی عادت بن گئی کہ ہر ذبیح کو مہل کہا جاتا اگرچہ وہ ذبح کے وقت بسم اللہ جہر سے نہ بھی کہتا۔

مسئلہ: علماء کرام فرماتے ہیں کہ کوئی مسلمان کسی جانور کو ذبح کرے اگرچہ اس پر بسم اللہ بھی پڑھے لیکن اس کا ارادہ تقرب الی غیر اللہ یعنی غیر اللہ سے ثواب اور قربت کا طالب ہو تو وہ شخص مرتد خارج از اسلام اور وہ ذبح کیا ہوا جانور حرام ہے۔

مسئلہ: اہل کتاب کا ذبح کیا ہوا جانور ہمارے لئے حلال ہے۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ اہل کتاب کے طعام تمہارے لئے حلال ہیں۔

مسئلہ: جب یہ اہل کتاب جانور پر غیر اللہ کا نام لے تو وہ حرام ہے وہ اس آیت کے حکم سے خارج ہے اس لئے کہ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ عام ہے اور یہ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ خاص ہے اور علم تفسیر کا قاعدہ ہے کہ خاص کو حکم میں عام سے مقدم کیا جاتا ہے۔

اضافہ اویسی: اس آیت کو لے کر ہمارے دور کے معتزلہ دیوبند وغیرہ طرح طرح کے مغالطے ڈالتے ہیں صاحب روح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اگرچہ وضاحت فرمادی لیکن ناظرین کے لئے چند اور حوالہ جات حاضر ہیں۔ تاکہ مزید تسکین وتسلی ہو یاد رہے کہ یہ آیت قرآن پاک میں چار مقامات پر وارد ہوئی۔

☆...... پ۲ع ☆...... پ۱ع۵ ☆...... پ۵ع۵ ☆...... پ۱۴ع۲۱

ان آیات کا مفہوم متقدمین نے جس طرح بیان فرمایا ہے وہ ہدیہ ناظرین کرتا ہوں مزید تحقیق کے لئے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد دین وملت سیدنا الحاج علامہ امام اہلسنت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہ کی تصانیف اور امام الاولیاء، مقدام العلماء اعلیٰ حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی قدس سرہ کی کتاب اعلاء کلمۃ اللہ کا مطالعہ کیجئے۔ فی الحال چند حوالے ملاحظہ ہوں۔

۱۔ مفر دات راغب اصفہانی (صفحہ ۵۶۶ مطبع مصر)

وما اھل بہ لغیر اللّٰہ ای ماذکر علیہ غیر اسم اللّٰہ وھو کان یذبح لاجل الاصنام

(وَمَآ اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ یعنی وہ جس پر غیر نام خدا ذکر کیا گیا یہ وہ جانور ہے جو بتوں کیلئے ذبح کیا جاتا تھا)

وما اھل بہ لغیر اللّٰہ الذی ای ذبح علی اسم غیر ولا ھلا رفع الصوت

وکانوا یرفعونہ عند الذبح لالھتم

(وَمَآ اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ یعنی جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا اور اہلال کا معنی آواز بلند کرنا ہے
اور مشرکین اپنے معبودوں کے لئے ذبح کرنے کے وقت آواز بلند کرتے تھے)

۲۔ تفسیر مدارک تحت آیت مذکورہ بالا

وما اھل بہ لغیر اللّٰہ ای ذبح الاصنام فذکر علیہ غیر اسم اللّٰہ واصل الاھلال رفع الصوت

رفع بہ الصوت للصنم وذالک ولک قول اھل الجاھلیہ باسم اللات والعزی

(وَمَآ اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ یعنی جو بتوں کے لئے ذبح کیا گیا اس پر غیر نام خدا ذکر کیا گیا اور اصل میں اہلال آواز بلند کرنا ہے یعنی اس کے ساتھ بت کے لئے آواز بلند کی گئی اور یہ اہل جاہلیت کا بنام لات وعزی کہلاتا تھا لات وعزی مشرکین کے بتوں کے نام ہیں ان کے لئے جو جانور قربانی کرتے تھے ان کو بنام لات وعزی کہہ کر ذبح کرتے تھے۔

۳۔ تفسیر لباب التاویل (صفحہ ۱۱۵ ج ۱)

وما اھل بہ لغیر اللّٰہ یعنی ماذبح الاصنام والطواغیت واصل الاھلال رفع الصوت

وذالک انھم کانوا یرفعون اصواتھم بذکر الھتھم اذا ذبحوا لھا

(وَمَآ اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ یعنی جو بتوں اور باطل معبودوں کے لئے ذبح کیا گیا اہلال اصل میں آواز بلند کرنا ہے اور یہ بات یوں ہے کہ مشرکین اپنے معبودوں کے ذکر کے ساتھ آوازیں بلند کرتے جس وقت کہ ان کو ذبح کرتے تھے)

۴۔ تفسیر کبیر (صفحہ ۱۲۰ ج ۲)

وما اھل بہ لغیر اللّٰہ یعنی ماذبح الاصنام وھو قول مجاھد وضحاک وقتادہ وقال

ربیع انس وابن زید یعنی ماذکر علیہ غیر اسم اللّٰہ وھذا القول اولی لانہ اشد مطابقۃ

(وَمَآ اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ کے معنی یہ ہیں کہ جو بتوں کے لئے ذبح کیا گیا ہو یہ قول مجاہد وضحاک وقتادہ کا ہے ربیع ابن انس اور ابن زید نے کہا یعنی وہ جس پر غیر نام خدا ذکر کیا گیا ہو اور یہ قول اولیٰ ہے کیونکہ اس میں مطابقت لفظی زیادہ ہے)

۵۔ تفسیر علامہ ابی السعود (صفحہ۲۱ج۲)

وما هل به لغير الله رفع به الصوت عند ذبحه الصنم

(وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ یعنی وہ چیز جس کو بت کے لئے ذبح کرنے کے وقت آواز بلند کی گئی ہو)

ان تمام تفاسیر سے ثابت ہوا کہ وقت ذبح جس جانور پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے اس کا کھانا حرام ہے مشرکین عرب بتوں کی قربانی کے جانور وقت ذبح غیر خدا کا نام لیتے تھے اور جس جانور پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو وہ حلال ہے اگر چہ عمر بھر اس کو غیر نام سے پکارا ہو مثلاً یہ کہا زید کی گائے، عبد الرحمٰن کا دنبہ، عقیقہ کا بکرا، ولیمہ کی بھیڑ مگر وقت ذبح بسم اللہ اللہ اکبر کہا ہو اللہ، اللہ کے سوا کسی اور کا نام نہ لیا گیا ہو تو وہ حلال طیب ہے اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ میں داخل نہیں اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے۔ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ اور نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا اور بے شک یہ حکم عدولی ہے تو جس پر اللہ کا نام لیا گیا اور وہ نام خدا پر ذبح کیا گیا اس پر اللہ کا نام لیا گیا اگر تم اس کی آیتیں مانتے ہو اس کے بعد ارشاد فرمایا وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اور تمہیں کیا ہوا کہ اس میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو۔

۵۔ تفسیر احمدی (مطبوعہ کلکتہ صفحہ۴۰)

وما اهل به لغير الله به ذبح به لاسم غير الله مثل لات وعزى واسماء الانبياء وعزى ذالک فان افر دبه اسم غير الله اوذاكر معه اسم الله اطفا بان يقول باسم الله ومحمد رسول الله بالجرحرم الذبيحته وان ذكر معه مرصولا لا معطوفا بان يقول باسم الله محمد رسول الله كره ولا يجرم وان ذكر مفصولا بان يقول قل السميه وقبل ان يضبح الذبيحه اديعد الاباس به هكذا فى الهدايته من هاهنا علم ان البقره المندورة فلا اولياء كما هولارسم زماننا حلال طيب لانه لم ينكر اسم غير الله عليها وقت الذبح وان كانو اينلرونها له

(وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کے معنی یہ ہیں کہ غیر خدا کے نام پر ذبح کیا گیا ہو مثلاً لات وعزیٰ وغیرہ بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا ہو یا انبیاء علیہم السلام وغیرہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو تو اگر تنہا غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا یا اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ عطف کر کے دوسرے کا نام ذکر کیا اس طرح باسم اللہ ومحمد رسول اللہ کہا لفظ محمد کے جر یعنی زیر کے ساتھ عطف کر کے تو ذبیحہ حرام ہے۔

اور اگر نام خدا کے ساتھ ملا کر دوسرے کا نام بغیر عطف کے ذکر کیا مثلاً یہ کہا باسم اللہ محمد رسول اللہ تو مکروہ ہے حرام نہیں اور اگر غیر کا نام خدا ذکر کیا اس طرح کہ بسم اللہ کہنے سے پہلے اور جانور کو لٹانے سے قبل یا اس کے بعد غیر کا نام لیا تو اس سے کچھ مضائقہ نہیں ایسا ہی ہدایہ میں ہے یہ اس سے معلوم ہوا جو گائے اولیاء کے لئے نذر کی جاتی ہے جیسا کہ ہمارے زمانہ میں رسم ہے حلال طیب ہے اس لئے کہ اس پر وقت ذبح غیر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اگرچہ ان کے لئے نذر کرتے ہوں)

ان عبارات سے روز روشن کی طرح معلوم ہو گیا کہ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ سے اس ذبیحہ کی حرمت ثابت ہوتی ہے جس کو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا گیا ہو اور وقت ذبح غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو اس کے علاوہ کوئی اور چیز یہ آیت حرام نہیں کرتی نہ فقیر والا آم جس پر ہمیشہ فقیر کا نام لیا جاتا ہے اور نہ کوئی اور چیز جو کسی کے نام سے مشہور ہو نہ وہ ذبیحہ جس پر ذبح سے قبل یا بعد غیر خدا کا نام ذکر کیا گیا جو حتیٰ کہ اگر ذبح میں خاص قربانی کے دن یہ کہا جائے کہ پہلے عبدالرب کی گائے ذبح ہوگئی پھر عبدالکبیر کی پھر رسول بخش کی اور اس کے بعد وہ گائیں صرف بسم اللہ ، اللہ اکبر کہہ کر ذبح کی جائیں تو وہ حلال ہیں۔ قربانی مقبول ہے اور ایسے اطلاقات احادیث میں بکثرت ملتے ہیں لہٰذا فاتحہ دینا و صدقات و خیرات وغیرہ کو وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ میں داخل کرنا قرآن کریم کے معنی کی تبدیلی اور تمام تفاسیر معتبرہ کی مخالفت ہے۔ اویسی غفرلہ.

فَمَنِ اس مَن کے متعلق احتمال ہے کہ شرطیہ و موصولہ ہو اضْطُرَّ پس وہ شخص جو محتاج اور مجبور ہو جائے اس شے کے کھانے پر جسے اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا کہ سوائے اس حرام کے اور کوئی شے میسر نہ ہو تو پھر کھا پی لے۔

ف: اضطرار کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس شے کو عمل میں نہیں لائے گا تو زندہ نہیں بچ سکے گا اس کا کوئی عضو تلف ہو جائے گا۔

غَيْرَ اس غیر کا منصوب ہونا بنانے حال ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب وہ الا کے قائم مقام کھڑے ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو تو اس وقت وہ غیر حالیہ ہوتا ہے اگر وہ الا کے معنی کی صلاحیت رکھتا ہے تو اس وقت وہ استثنائیہ ہوگا۔

اگر ان دونوں کے لائق نہیں تو وہ غیر صفت کا معنی دے گا۔ اور یہاں پر فعل محذوف کا فاعل ہے جو کہ اضطر کے بعد محذوف ہے اصل عبارت یوں تھی فمن اضطر احدام بن الی تناول شئی من هذا المحرمات یعنی پس جس شخص کو ان حرام اشیاء کو عمل میں لانے پر ایک دو امروں سے مجبور کر دے ان دونوں میں سے ایک یہ کہ اسے سخت بھوک لاحق ہو اور اسے اس حرام شے کے سوا اور کوئی ایسی شے نہ ملے کہ جس سے قوت لایموت ہو

سکے دوسرا یہ کہ اس حرام شئے کے عمل میں لانے سے جبر کیا جائے لیکن شرط یہ ہے کہ کھاتے وقت بغاوت کرنے والا نہ ہو۔ دوسرے مجبور و مضطر پر۔ مثلاً کسی دوسرے مضطر کو بھی اس شئے کی ضرورت ہے لیکن یہ اس سے چھین کر اپنی زندگی بچالے حالانکہ دوسرا اسی حالت میں مر جائے۔ یہ بالکل حرام ہے کیونکہ دوسرے کو بھوکا ماردینا اور خود زندہ بچ جانا اچھا نہیں۔

وَلَا عَادٍ اور نہ ہی حد سے متجاوز کرنے والا ہو عاد، عدو سے مشتق ہے بمعنی کسی امر کا حد سے بڑھ جانا اور اس سے تجاوز کر جانا جب کہ اس امر کے متعلق حد مقرر کی گئی ہو یعنی کھاتے وقت بھوک کی جب ضرورت پوری ہو جائے تو اس کی حد سے تجاوز نہ کرے۔

مسئلہ: حرام شئے بوقت اضطرار اتنا کھائے کہ جس سے جان بچا سکے یعنی معمولی طور پر بھوک رفع کرے۔

فَلَآ اِثۡمَ عَلَیۡهِ تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ شدید ضرورت کے وقت حرام شئے کو عمل میں لائے بے شک اللہ تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ ہے اس لئے کہ جس نے بوقت اضطرار کھایا رَّحِیۡمٌ ہے اس کے رخصت دینے پر۔

سوال: اس آیت میں باقی محرکات کا ذکر کیوں نہیں ہوا؟

جواب ۱: یہ آیت حصر کے لئے نہیں بلکہ کفار کی غلط روی کے نمونے بیان کئے جو کہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء کو حلال سمجھ کر کھا جاتے تھے مثلاً مردار کو کھاتے ہوئے کہتے کہ جسے تم خود مارتے ہو وہ حلال ہے اور جسے اللہ تعالیٰ مار دے وہ کیوں حلال نہ ہو اسی طرح دم مسفوح پی جاتے اور خنزیر اور بتوں پر ذبح کئے ہوئے جانور کھا جاتے اللہ تعالیٰ نے ان کی حلال کردہ اشیا کو حرام کر کے واضح فرمایا۔

خلاصہ جواب: یہ قصر اس معنی پر ہے کہ جن اشیاء کو وہ حلال سمجھتے تھے یہ قصر مطلق نہیں۔

جواب ۲: بعض نے اس سوال کا جواب یوں دیا ہے کہ مَیۡتَه کے لفظ میں المتردیه بھی داخل ہے یعنی وہ جانور جو کنوئیں یا پانی میں یا اوپر سے نیچے گر کر مر جائے اور المنخنقه یعنی وہ جانور جس کا گلا گھونٹ کر مارا جائے اور الموقوذة یعنی وہ جانور جو لکڑی سے مارا جائے اور المنخنقه وہ جانور جسے دوسرے جانور نے سینگ مار کر مارا ہو اور وہ جسے درندہ کھا جائے اور جس پر عمداً اسم اللہ ترک کی جائے وغیرہ وغیرہ سب المَیۡتَةَ کے حکم میں داخل ہیں۔

مسئلہ: حلال جانور کی دس چیزیں مکروہ ہیں۔

۱۔ خون ۲۔ غدود ۳۔ قبل ۴۔ دبر ۵۔ ذکر

۶۔ دونوں خصیے ۷۔ پتہ ۸۔ مثانہ ۹۔ پیٹھ کی ہڈی۔ ۱۰۔ تلی

خون تو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ اور باقی اس لئے کہ یہ تمام خون سے بنتے ہیں۔

حدیث شریف: شیخ الشہیر بافتادہ آفندی قدس سرہ نے فرمایا حضور ﷺ نے حلال جانور کی تلی کبھی نہیں کھائی اور نہ ہی گردہ اور نہ ہی تھوم اگرچہ ان کے کھانے سے رکا بھی نہیں بہتر یہی ہے کہ یہ اشیاء نہ کھائی جائیں تا کہ آپ کی تابعداری صحیح معنی پر نصیب ہو۔

ف: بعض لوگ کہتے ہیں کہ پتہ نہ کھانے کی ایک وجہ یہ ہے کہ منی خروج کرتی ہے تو سب سے پہلے اسی پتے میں پہنچ کر پھر یہاں سے خارج ہوتی ہے اور تلی نہ کھانے کیوجہ یہ ہے کہ یہ جہنمیوں کا کھانا ہے۔

(کذافی واقعات والھدائی قدس سرہ)

مسئلہ: حرام شئے سے علاج جائز نہیں اگرچہ اس کے استعمال سے شفا ممکن بھی ہو اگر حرام شئے کو استعمال نہیں کیا اور مر گیا تو گنہگار نہیں ہوگا۔ کیونکہ حرام شئے کے استعمال سے شفا ظنی ہے یقینی نہیں اس لئے ممکن ہے کہ اسے اس شئے کے استعمال کے بغیر بھی شفا ہو جائے۔

مسئلہ: الاشباہ و النظائر میں ہے کہ نجاستوں اور شراب سے مریض کا علاج کرنا جائز ہے بہ بنائے احد القولین.

مسئلہ: قاضیخان میں ہے کہ نجاسات وغیرہ سے علاج کرنا جائز ہے اور قاضیخان نے اس کو مختار بتایا۔

مسئلہ: طبیب کو غیر کے ستر کو دیکھنا علاج کی خاطر جائز ہے اسی طرح بیگانی عورت اور مخصوص اعضاء کو بھی۔

مسئلہ: خانیہ میں تصریح فرمائی ہے کہ پیاسے کو بحالت اضطرار شراب بقدر ضرورت پینا جائز ہے۔

سوال: حضرت صدر الشہید رحمۃ اللہ فرماتے ہیں الاستشفاء بالحرام یعنی حرام شئے سے علاج کرنا حرام ہے۔

جواب: یہ ان کا ضابطہ کلیہ نہیں نہ وہ اپنے اطلاق میں ہے کیونکہ حرام شئے سے علاج کرنا اس وقت حرام ہے جبکہ ہمیں معلوم نہ ہوا کہ اس سے شفا ہوگی یا نہ لیکن جب ہو اس علاج سے شفا ضرور ہوگی تو حرام نہیں مگر اس میں

شرط ہے کہ یہ معلوم ہو کہ اس کے سوا اس کا کوئی علاج نہیں ہے تب جائز ہے۔

سوال: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا ان اللّٰہ لم یجعل شفاؤ کم فیما حرم علیکم بے شک اللہ تعالیٰ نے حرام اشیاء میں تمہاری شفا مقدر نہیں فرمائی۔

جواب: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہی مطلب ہے کہ جس بیمار کے متعلق معلوم ہو کہ اس کا علاج حلال شئے سے ہو سکتا ہے تو پھر اس وقت حرام شئے سے علاج کرنا حرام ہے اس لئے کہ اس وقت حلال سے روگردانی کر کے حرام شئے کی طرف رجوع کرنا لازم آتا ہے اور وہ ناجائز ہے البتہ جب یقین ہو کہ اس بیماری کا علاج اسی حرام شئے سے ہے تو پھر بامر مجبوری حرام شئے سے علاج کرنا جائز ہے۔

مسئلہ: تہذیب میں ہے کہ جس کی بیماری لاعلاج ہو اور اسے کوئی مسلمان طبیب بتائے کہ تیری شفا پیشاب یا خون پینے میں ہے تو اسے پیشاب یا خون پینا جائز ہے لیکن شرط یہ ہے کہ مباح شئے میں اس کا عوض اور بدل نہ مل سکے۔

(کذافی شرح چہل حدیث لعلامہ الروم ابن اکمال رحمة اللہ تعالیٰ)

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے یہ ظاہری اشیاء حرام فرمائی ہیں اسی طرح تمہارے لئے چند باطنی امور بھی حرام فرمائے ہیں وہ ہیں غیر اللہ کے مشاہدات مثلاً اَلْمَيْتَةَ سے مراد دنیا سے ہے دم سے شہوات نفسانیہ۔

حدیث شریف: حضور کریم ﷺ نے فرمایا ان الشیطان لیجری فی ابن ادم مجری الدم بے شک شیطان ابن آدم خون کے مجاری میں ہے اس لئے کہ اگر خون میں شہوات پوشیدہ نہ ہوتیں تو شیطان کو انسان کے گمراہ کرنے کی طاقت نہ ہوتی اس لئے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا دوسجاری الشیطان بالجوع کی گذر گاہوں کو بھوک سے بند رکھو اس کی وجہ یہ ہے کہ بھوک شہوات کے غلیظ مادہ کو کاٹ کر رکھ دیتی ہے اور الخنزیر میں خواہشات نفسانیہ کی طرف اشارہ ہے۔ نفس کی خنزیر سے تشبیہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ خنزیر میں چار گندی عادتیں ہیں۔ ۱۔ حرص ۲۔ لالچ ۳۔ کمینہ پن ۴۔ ظاہری حیثیت کا مجسمہ اور یہی عادات نفس میں پائی جاتی ہیں وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ سے وہ عبادات اور قربات الٰہی کے اعمال مثلاً خیرات بدنیہ و مالیہ مراد ہیں جو بغیر خلوص کے ادا کئے جائیں۔ اور ان سے رضائے الٰہی مطلوب نہ ہو بلکہ ریا اور سمعہ مقصود ہو۔

فَمَنِ اضْطُرَّ الــــخ یعنی مجبور ہو جائے حاجت نفسانیہ کی ضروریات کی وجہ سے یا امر شرعی سے یعنی وہ امور جو اس نے بطور وجوب کے قائم کر لئے ہیں وقت مجبوری انہیں عمل میں لائے لیکن غیر باغ یعنی دنیا کے حرص اور اس کے جمع کرنے سے بطریق حلال کے یا حرام کے پاک وصاف اور نہ ہی شہوات سے حرام کی طرف جھک کر اور حفوظ نفس فی الحلال و الحرام کی طرف متوجہ ہو کر اور نہ ہی طاعات وخیرات، سنن ہوں یا بدعات حسنہ، میں ریا کرتا ہوا وَلَا عَادٍ دینوی ضروریات میں قناعت کی حد سے آگے بڑھ کر اور حد قناعت یہ ہے کہ کھائے اتنا کہ سد رمق ہو اور پہنے ایسا کہ صرف ستر عورت ہو فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ اس پر کوئی گناہ نہیں یعنی اس شخص پر جو ان شرائط کا پابند ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ بخشتا ہے عالمین کے گناہ آثار رحمت سے اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ انوار رحمت سے قائم اور اوصاف رحمت سے موصوف ہو کر اس میں فانی ہو گئے ہیں۔

تاویلات نجمیہ کی صوفیانہ نفیس تفسیر: الغفور و الغفار وہ ہے جو حسن وجمال کو ظاہر کرے اور قباحتوں و گناہوں کو چھپائے یعنی بندہ کے تمام گناہ جو اس سے صادر ہوتے ہیں دنیا میں انہیں چھپائے اور آخرت میں انہیں معاف فرما دے اور بندے کو اس اسم سے فیوض و برکات ملنے کی نشانی یہ ہے کہ وہ اپنے دوسرے بھائیوں کے عیوب چھپا کر درگزر کرے۔

حدیث شریف: حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے مسلم بھائی کے عیوب ڈھانپتا ہے یوم قیامت میں اللہ تعالیٰ اس کے عیوب چھپائے گا۔

مسئلہ: غیبت کرنے والا اور دوسروں کے عیوب تلاش کرنے والا اور برائی کا بدلہ برائی سے دینے والا اس اسم کے فیوض و برکات سے محروم ہو گا ہاں وہ شخص اس صفت غفوری سے موصوف ہو سکتا ہے جو خلق خدا کے عیوب چھپاتا ہے اور اس کی نیکیاں بیان کرتا ہے۔

حکایت: سیدنا عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک مردہ کتے کے قریب سے گزرے جس کی ہڈیوں سے دماغ باہر نکلنے کو آ جاتا آپ نے ساتھیوں سے فرمایا کتے کی بدبو کتنی خراب ہے آپ نے فرمایا اس کتے کے دانت کتنے عجیب ہیں۔

marfat.ocm

سبق: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس طرح سے تنبیہ فرمائی کہ شے گندگی کیوں نہ ہو لیکن ہمیں اس کی گندگی سے آنکھ چرا کر اس کی بھلائی کو دیکھنا چاہیے (کذا فی شرح اسماء الحسنی الامام الغزالی قدس سرہ)

تفسیر عالمانہ

اِنَّ الَّذِیْنَ شان نزول: یہ آیت یہود کے علماء کے حق میں نازل ہوئی جن کو یہ امید تھی کہ وہ نبی آخر الزماں ﷺ جن کی خوشخبری تورات میں ہے ان کی قوم سے ہوں گے لیکن جب حضور ﷺ تشریف لائے اور وہ عربوں میں بنی ہاشم اور قریشیوں سے ظہور پذیر ہوئے تو انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کے اوصاف اور تعریف کی تقریریں تورات میں بدل لیں جب ان کے چیلے تورات میں حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کی سیرت وصورت کو دیکھتے تو برعکس پاتے اس لئے وہ آپ کی اتباع کی بجائے مخالفت پر تل گئے تا کہ ان کے جاہ جلال میں آنچ نہ آئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری اِنَّ الَّذِیْنَ بے شک وہ لوگ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ چھپاتے ہیں وہ جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا کتاب میں سے یہ حال ہے عائد محذوف سے انزلہ اللہ حال انہ من الکتب اس سے مراد ہی تورات ہے جو حضور ﷺ کی نعت پر مشتمل تھی۔ وَیَشْتَرُوْنَ بِهٖ اور حضور علیہ السلام کی نعت چھپانے کے عوض خریدتے ہیں ثَمَنًا قَلِیْلًا تھوڑا ثمن یعنی اپنے سے کم مرتبہ لوگوں سے دنیا کی حقیر اشیاء یعنی کھانے پینے کی چیزیں حاصل کرتے ہیں اُولٰٓئِكَ مَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ یعنی وہ لوگ ہیں جو نہیں کھاتے اپنے پیٹ میں سوائے نار کے آخرت میں تو نار کا کھانا ظاہر ہے کہ آخرت میں آگ کے انگارے ان کے پیٹ میں بھر دیئے جائیں گے اور دنیا میں ان کے نار کھانے کا معنی یہ ہے کہ نار میں جہنم کے انگارے کھانے کے سبب کو کھاتے تھے اس لئے کہ اپنے سے کم مرتبہ لوگوں سے جو کچھ لیتے رہے وہ جہنم کے انگاروں کا سبب بن کر انہیں جہنم میں کھینچ لے گیا۔

ف: اس پر نار کا اطلاق از قبیل اطلاق المسبب علی المسبب کے ہے اور فِیْ بُطُوْنِهِمْ کا معنی یہ ہے کہ ان کے پیٹ بھر دیئے جائیں گے اکل فی بطنہ و اکل فی بطنہ بطونہم کے ذکر سے مقصود اسے متعلق بنانا ہے یَاْكُلُوْنَ کا کے اکل کا محل اور قرار گاہ وہی پیٹ ہے پھر جب کہ بعض بطونہم نہیں فرمایا بلکہ فِیْ بُطُوْنِهِمْ فرمایا ہے تو اس سے مقصود یہی ہے کہ ان کے پیٹ بھرے ہوئے ہوں گے اس میں مبالغہ ہے کہ وہ گویا پیٹ پر سہارا کر کے نہیں کھاتے بلکہ اسے کھلا رکھ کر کھاتے تا کہ وہ پورے طور پر بھر جائے۔

وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ قیامت میں غضب ناک ہو کر کلام کرے گا۔

سوال: اس میں کفار سے اللہ تعالیٰ کے کلام کی نفی ہے حالانکہ دوسرے مقام پر اثبات کما قال تعالی فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ وغیرہ

جواب: آیت وَلَا يُكَلِّمُهُمْ میں کلام کی بالکلیہ نفی نہیں بلکہ ایک قسم کے غضب سے کنایہ ہے کیونکہ عرف کا قانون ہے کہ کسی سے کلام نہ کرنے کا معنی ہے ناراضگی کا اظہار اور بادشاہوں کی عادت ہے کہ جب کسی سے ناراض ہوتے ہیں تو مغضوب علیہ سے اعتراض کرتے اور ان سے ہمکلام نہیں ہوتے اور کسی سے راضی خوشی کے وقت اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں مہربانی اور لطف و کرم سے۔

وَلَا يُزَكِّيْهِمْ اور وہی انہیں صاف اور ستھرا کرے گا یعنی ان کی تعریف نہ کرے گا اور نہ ہی ان کو قیامت میں گناہوں سے صاف و ستھرا کرے گا جیسے مومنین کی مغفرت فرما کر انہیں گناہوں سے پاک اور ستھرا کرے گا۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ اور ان کے لئے عذاب دردناک ہوگا یعنی دائمی درد و الم کے حقدار ہوں گے اُولٰٓئِكَ یعنی ہولوگ جو کتاب اللہ کو ثمن قلیل لے کر بیچنے والے تھے وہ قلیل ثمن لینے والے نہیں تھے الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا جنہوں نے خریدا جیسے دنیا میں خرید و فروخت کا کاروبار ہوتا ہے الضَّلٰلَةَ گمراہی کو وہ گمراہی کہ جس کا خریدنا بالکل ناممکن ہے بِالْهُدٰى ہدایت کے عوض۔

ف: ہدایت بظاہر ایسی شے نہیں کہ اس پر کوئی دنیا کی شے (اگر بہت ہو) خرچ کر کے لیا جا سکے وَالْعَذَابَ اور عذاب عذاب کے یعنی انہوں نے عذاب خریدا اور یہ بھی ایسی شے نہیں کہ اسے دنیوی اعتبار سے خریدا جا سکے بِالْمَغْفِرَةِ مغفرت کے عوض وہ مغفرت کہ جس کے حصول کے لئے لوگ بڑی رغبت رکھتے ہیں فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ (پس کس چیز نے انہیں جہنم پر صبر دلایا ہے) یعنی وہ کون سا امر ہے جو انہیں اہل نار کے اعمال پر کشاں کشاں لے جا رہا ہے جب کہ وہ راہ ہدایت چھوڑ کر گمراہی کے راستوں پر چل رہے ہیں اور نار سے مراد اس کا سبب ہے ان کے آپس کی ملابست کی وجہ سے نار بول کر اس کا سبب مراد لیا گیا ہے اور یہ تعجب بندوں کی طرف راجع ہے یعنی بندوں کو تعجب میں ڈالا گیا ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ تو تعجب سے پاک ہے اور نہ اس کی شان ہے کہ تعجب کرے کیونکہ تعجب تو جہل سے ہوتی ہے قاعدہ ہے کہ تعجب نفس کو اس لئے لاحق ہوتی ہے کہ نفس سے شئے کا سبب مخفی ہوتا

marfat.ocm

اور وہ اپنے نظائر کے خلاف آتا ہے اس لئے نفس کو تعجب لاحق ہے اور رب تعالیٰ ایسے معاملہ سے پاک ہے۔

ذٰلِكَ کا سبب یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے بِاَنَّ اللّٰهَ کتب مطلق کو اتارا بِالْحَقِّ حق کے ساتھ یعنی اس حال میں کہ وہ کتاب منزل من اللہ حق کے ساتھ متلبس ہے پھر لامحالہ جو بھی تکذیب کر کے حق کو چھپا کر جہل و گمراہی کی سواری پر سوار ہو کر چھوڑے گا تو وہ جہنم کے عذاب میں مختلف طریق سے مبتلا ہوگا۔

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِى الْكِتٰبِ اور بے شک وہ لوگ جنہوں نے کتاب کے بارے میں اختلاف کیا یعنی جنس کتاب کے متعلق اختلاف یوں کیا کہ اس کتاب اللہ کے بعض مضامین پر ایمان لایا اور بعض سے کفر کیا یا اس کتاب سے مراد تورات ہے اس کا معنی بھی یہی ہوگا کہ وہ کتاب تورات کے بعض مضامین پر ایمان لائے اور بعض کے ساتھ کفر کیا مثلاً ان آیات پر ان کا ایمان نہیں تھا جو حضور نبی اکرم ﷺ کی تعریف پر مشتمل تھیں یا آپ کی تشریف آوری کے متعلق تھے۔ یا الکتاب سے قرآن مجید مراد ہے کہ کافروں نے کفر کیا بامعنی کہ بعض کہتے تھے کہ یہ شعر بعض نے کہا یہ جادو ہے بعض نے کہا یہ کہانت ہے لَفِىْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ البتہ وہ بہت بڑے اختلاف میں ہیں یعنی ایسا اختلاف جو حق اور صواب سے بعید اور بہت بڑے عذاب کا موجب ہے۔

مسئلہ: ان آیات سے بہت بڑی وعید ہے ہر اس شخص کے لئے جو کسی دنیاوی یا غلط حرص کی وجہ سے حق کو چھپاتا ہے۔

سبق: علماء کرام کو چاہیے کہ وہ کتمان حق کی خرابیوں سے بچیں جب وہ حق کو جانتے ہیں تو پھر اسے کیوں چھپاتے ہیں۔

کتمان حق کے اسباب: بادشاہوں اور امراء و وزراء اور ارباب دنیا سے حق چھپانے کے چند وجوہ ہوتے ہیں۔

☆...... خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں یہ مرتبہ چھن نہ جائے جس پر وہ ہے اور وہ قدر و منزلت کم نہ ہو جائے جو ان کی طرف سے اسے حاصل ہے۔

☆...... ان حضرات کے احسانات کی وسعت حق گوئی سے باز رکھتی ہے۔

☆...... وہ حضرات خود ان کے ساتھ جب دنیا اور دنیا جمع کرنے کی حرص و ہوا وغیرہ میں شریک ہوتے ہیں اب

شرم کے مارے انہیں کچھ نہیں کہہ سکتے۔

☆...... چونکہ ماکول و مشروب اور طبوس و مرکوب اور مکانات اور دیگر زیب و زینت مثلاً مکانات کے اندر بہترین برتن و دیگر از و سامان جمع کرتا اور خدام کی خدمات اور داریوں کے مشاغل وغیرہ میں ایسے منہمک ہوتے ہیں کہ انہیں حق گوئی کا موقع نہیں ملتا انہی وجوہ سے حق گوئی سے چشم پوشی بلکہ ان سے بسا اوقات کھانے پینے کی خاطر غلط باتیں تقویت کے طور کہہ دیتے ہیں۔

ف: وہ نار حرص اور شہوت اور حسد کے انگارے کھا رہے ہیں جو کہ ان کے دلوں پر جا کر انہیں جلا دیتے ہیں اور یہ امور ان کی نیکیوں کو ایسے کھا جاتے ہیں جیسے آگ سوکھی لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ

ہر وہ بندہ کہ جس سے وہ عمل اور فعل و قول صادر ہو جو خلاف شرع ہوتا ہے وہ انگارے کی طرح اس پر اثر کرتا ہے جسے وہ جہنم کی آگ میں دھونس دیتا ہے اس وجہ سے فوراً ہی اس کے قلب کو جلا کر راکھ بنا دیا جاتا ہے اسی طرح جس بندے سے نیکی سرزد ہوتی ہے تو اس پر بھی وہ انگارے کی طرح اثر کرتی ہے جسے وہ محبت کی آگ میں دھونس دیتی ہے جس کا اثر قلب پر اس وقت بھی ظاہر ہوتا ہے (اور ایسا کہ اس کے قلب کو ہر محبوب جو اللہ تعالیٰ کے ماسوا ہو) کو جلا دیتی ہے پھر جیسے نار سعیر کہ وہ قلب میں صفات اور اخلاق حمیدہ کو جلا دیتی ہے اسی طرح یہ ماسوی اللہ کو جلا دیتی ہے پھر وہ آگ کو فوراً کھانے لگ جاتے ہیں۔

سوال: مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ کیوں فرمایا؟

جواب: اس لئے کہ ان کا فساد باطن میں تھا اس لئے ان کو عتاب بھی ہوگا۔

سوال: لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ کیوں فرمایا؟

جواب: اس لئے کہ عالم دنیا میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام چھپایا اور حق کی بات ظاہر نہ کی اسی لئے اللہ تعالیٰ ان سے کلام نہ کرے گا تاکہ برائی کی سزا برائی سے ہو۔

سوال: انہیں صاف وستھرا کیوں نہیں کیا جائے گا؟

جواب: تزکیہ نفس انسان کے لئے ان کے ایمان اور اعمال صالحہ بصدق النیۃ اور تہذیب الاخلاق بآداب شریعت کی وجہ سے مقدر ہوا جب انہوں نے اللہ تعالیٰ سے روگردانی کی تو پھر ان کا تزکیہ نفس کیسا؟

ف: روگردانی کرنے والے علماء تھے جنہوں نے دنیا کے اظہار حق جیسی نعمت کو بیچ ڈالا اور حق تعالیٰ پر خلق کو ترجیح دی اور افضل جہاد سے روگردانی کی۔

حدیث شریف: افضل الجہاد کلمۃ الحق عند سلطان جابر ظالم باشاہ کے سامنے حق کہنا بہت بڑا جہاد ہے۔

مسئلہ دلائل : دلائل اور براہین قائم کرنا جہاد اکبر ہے بخلاف تلوار اور نیزوں کے ساتھ جہاد کرنے کے کیونکہ یہ جہاد اصغر ہے۔

نسخہ روحانی : کتمان حق کا دارومدار حب دنیا پر ہے اور قاعدہ ہے دنیا کی محبت تمام خطاؤں کی جڑ ہے۔

بے عمل علماء حفاظ کی سزا کا نمونہ:۔

قیامت کے دن قرآن پاک کے بے عمل حفاظ کو دوزخ کی آگ تیزی سے گرفت کرے گی بہ نسبت بتوں کے پجاریوں کے۔ حفاظ عرض کریں گے یا اللہ اس کی کیا وجہ ہے کہ ہمیں سخت سزا مل رہی ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا عالم اور جاہل میں فرق ہے جو شخص دین دے کر دنیا خریدتا تھا اسے وہ سودا گھاٹے میں پڑا جس کی سزا آج مل رہی ہے اور ایسا شخص ہمیشہ شیطان کے جھگڑے میں معاون رہتا ہے۔

حکایت: کسی شخص نے شیخ ابو مدین سے پوچھا کہ شیطان کو ہمارے سے کیا شکایت ہے؟ شیخ نے فرمایا وہ تمہارے آنے سے پہلے تھا جب کہ اسے معلوم ہوا کہ یہ لوگ میری شکایت کریں گے وہ کہتا ہے میرا کام تو صرف اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دنیا کا مالک بنا دیا مجھ سے جو بھی میری دنیا چھینتا ہے تو میں اس وقت تسلی اور آرام سے نہیں بیٹھتا جب تک اس سے اس کا ایمان نہ چھین لوں۔

سبق: مبارکبادی کا مستحق ہے ہر وہ انسان جو دنیا اور اس کی زیب و زینت سے ہاتھ دھو بیٹھا اور دنیا کے گورکھ دھندوں سے جی چرا گیا۔ حضرت سکندر ذوالقرنین کا ایک ایسی قوم پر گذر ہوا جنہوں نے دنیا کو ایک لخت طلاق دے دی اور اپنے گھروں کے دروازے گورستان کی طرف کر دیے اور خوراک کے لئے ساگ اور پتوں پر گزارہ

بنالیا اور صرف طاعت الٰہی میں مصروف تھے حضرت سکندر نے ان کی سردار کے طرف پیغام بھیجا کہ تمہیں سکندر ملنا چاہتا ہے انہوں نے کہا ہمیں سکندر کی کوئی ضرورت نہیں۔ پھر خود سکندر ان کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی تمہارے پاس سونا چاندی کیوں نہیں۔ انہوں نے کہا ہمارے ہاں ان کا کوئی طالب نہیں۔ پھر وہ ہمارے پاس کیوں ہو اور نہ ہی دنیا کسی کا پیٹ بھر سکتی ہے اس لئے ہم نے اہل قبور سے دوستی جوڑ لی ہے تا کہ ہم کسی وقت بھی موت نہ بھولیں اس کے بعد ان نیکوں کے سردار نے ایک کھوپڑی نکالی اور سکندر کو کہا یہ سر ایک بادشاہ کا ہے جو رعایا پر ظلم کرتا تھا اور دنیا کے تمام اسباب اس کے پاس موجود تھے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اسے موت کے گھاٹ اُتارا تو اس پر گناہوں کی سزا کے سوا کچھ بھی نہیں اس کے بعد دوسری کھوپڑی دکھائی اور کہا یہ اس بادشاہ کا سر ہے جو رعایا سے عدل و انصاف کرتا تھا اور رعایا کے لئے بڑا شفیق تھا لیکن موت نے آنا تھا آ گئی۔ مگر اب وہ بہشت کی خوش فضاؤں میں گزار رہا ہے۔ اور اکے درجات بھی بہت بلند ہیں اس کے بعد اس اللہ والے نے سکندر کے سر پر ہاتھ رکھ پو پوچھا بتایئے تیرا سر ان دونوں میں سے کونسا ہے یہ بات سن کر سکندر رو پڑے اور عرض کی حضرت جی مجھے اپنے پاس رہنے کی عرض قبول کیجئے میں آپکو اپنی بادشاہی لکھ دیتا ہوں بلکہ وزارت عظمیٰ کا قلمدان آپ کے سپردرتا ہوں اللہ والے نے کہا توبہ ذوالقرنین نے کہا کیوں حضور، اس اللہ والے نے فرمایا کہ تمام لوگ تیرے صرف اس لئے دشمن ہیں کہ تیرے پاس جاہ وجلال اور مال واسباب ہے اور یہ سب کے سب میرے دوست ہیں کہ میرے پاس جاہ وجلال اور مال واسباب نہیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا۔

در گوشہ قناعت نان پارہ دینہ   در پیش اہل معنی بہتر از صد خزینہ

ترجمہ: اہل حقیقت کے نزدیک قناعت کے گوشہ میں باسی روٹی کا ٹکڑا سو خزانوں سے بہتر ہے۔

marfat.ocm

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ

کچھ اصل نیکی یہ نہیں کہ منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرو

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ

ہاں اصل نیکی یہ کہ ایمان لائے اللہ اور قیامت اور فرشتوں اور کتاب

وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ

اور پیغمبروں پر اور اللہ کی محبت میں اپنا عزیز مال دے رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں

وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ

اور راہ گیر اور سائلوں کو اور گردنیں چھڑانے میں اور نماز قائم رکھے اور زکوۃ دے

وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ

اور اپنا قول پورا کرنے والے جب عہد کریں اور صبر والے مصیبت اور سختی میں

وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (۱۷۷)

اور جہاد کے وقت یہی ہیں جنہوں نے اپنی بات سچی کی اور یہی پرہیزگار ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِى الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ

اے ایمان والو! تم پر فرض ہے کہ جو ناحق مارے جائیں ان کے خون کا بدلہ لو آزاد

بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِىَ لَهٗ مِنْ

کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت تو جس کے لئے اس کے بھائی

اَخِيْهِ شَىْءٌ فَاتِّبَاعٌ ۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ

کی طرف سے کچھ معافی ہوئی تو بھلائی سے تقاضا ہو اور اچھی طرح ادا یہ تمہارے رب

تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَرَحْمَۃٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَلَہٗ

کی طرف تمہارا بوجھ ہلکا کرنا ہے اور تم پر رحمت تو اس کے بعد جو زیادتی کرے اس کے لئے

عَذَابٌ اَلِیْمٌ (۱۷۸) وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ یّٰاُولِی الْاَلْبَابِ

دردناک عذاب ہے۔ اور خون کا بدلہ لینے میں تمہاری زندگی ہے

لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ (۱۷۹) کُتِبَ عَلَیْکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ اِنْ

اے عقلمندو کہ تم کہیں بچو۔ تم پر فرض ہوا کہ جب تم میں سے کسی کو موت آئے

تَرَکَ خَیْرَا ۖۚ الْوَصِیَّۃُ لِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا

اگر کچھ مال چھوڑے تو وصیت کر جائے اپنے ماں باپ اور قریب کے رشتہ داروں کے لئے موافق دستور یہ واجب ہے

عَلَی الْمُتَّقِیْنَ (۱۸۰) ؕ فَمَنْۢ بَدَّلَہٗ بَعْدَ مَا سَمِعَہٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُہٗ

پرہیزگاروں پر۔ تو جو وصیت کو سن سنا کر بدل دے اس کا گناہ انہیں

عَلَی الَّذِیْنَ یُبَدِّلُوْنَہٗ ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (۱۸۱) ؕ فَمَنْ خَافَ

بدلنے والوں پر ہے۔ بیشک اللہ سنتا جانتا ہے۔ پھر جسے اندیشہ ہوا

مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَیْنَہُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْہِ ؕ

کہ وصیت کرنے والے نے کچھ بے انصافی یا گناہ کیا تو اس نے صلح کرا دی اس پر کچھ گناہ نہیں

اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (۱۸۲) ع

بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تفسیر عالمانہ **لَیْسَ الْبِرَّ** ہر وہ نیک عمل جو عامل کو بہشت میں لے جائے اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْہَکُمْ یعنی اے اہل کتاب نماز میں تم اپنے مونہوں کو پھیر دو قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ مشرق

marfat.ocm

اور مغرب کی طرف۔ یعنی ان کے مقابلہ میں یہ ظرف مکان ہے اَنْ تُوَلُّوْا اور لَيْسَ الْبِرَّ کی خبر مقدم کی وجہ سے منصوب ہے اور اَنْ تُوَلُّوْا ہو اور اسم مؤخر ہے۔

سوال: اَنْ تُوَلُّوْا کو اسم مؤخر اور البر کی خبر مقدم بنانے میں کیا حکمت ہے باوجود یہ کہ اَلْبِرَّ معرف بالام اسم بن جاتا ہے اس لئے کہ اسے ضمیر سے مشابہت ہے کہ جس طرح ضمیر نہ موصوف بن سکتی ہے اور نہ صفت اسی طرح اَلْبِرَّ اموول با لمصدر بھی۔ فلہذا اس کا اسم ہونا زیادہ اہم ہے۔

شان نزول: جب حضور کریم ﷺ نے بیت المقدس کو چھوڑ کر کعبہ شریف کو قبلہ بنایا تو یہود و نصاریٰ چہ میگوئیاں کرنے لگے اپنے اس گمان فاسد پر کہ نیکی تو اس کا نام ہے کہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے عبادت کی اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی اور فرمایا نیکی اس کا نام نہیں کہ جس نظریے پر تم ہو اب بیت المقدس کو قبلہ بنانے کا حکم منسوخ ہو گیا اور منسوخ الحکم پر عمل کرنا نیکی نہیں۔

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ لیکن نیک وہ ہے جو نیکی کے لئے اہتمام اور جدوجہد کرے یعنی یہاں پر بر کا مضاف محذوف ہے۔

سوال: مضاف محذوف ماننے کی کیا حکمت ہے۔

جواب: لٰكِنَّ کا اسم اسمائے معانی سے ہے اور خبر اسمائے اعیان سے ہے اگر مضاف محذوف نہ مانا جائے تو اسم کا خبر محمول ہونا ممتنع ہو جاتا ہے بنابریں مضاف ماننا پڑا۔

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ یعنی نیکی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان ہو کہ جس میں شرک کا شائبہ بھی نہ رہے جیسے یہود نصاریٰ کا غلط عقیدہ ہے کہ حضرت عزیر علی نبینا علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔

سوال: ایمان میں اللہ تعالیٰ کا ذکر پہلے کیوں لایا گیا؟

جواب: یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا جمیع کمالات علیہ و عملیہ کا اصل ہے۔

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ یعنی قیامت کے دن پر ایمان ہو اس لئے کہ اس میں اعمال کی جزا دی جائے گی اور وہ لامحالہ واقع ہونے والا ہے نہ یہود و نصاریٰ کے گمان فاسد پر کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں صرف چند دن جہنم میں ڈالا جائے گا اور ہمارے آباء یعنی انبیاء علیہم السلام ہماری سفارش فرمائیں گے۔

سوال: آخرت پر ایمان لانے کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کو کیوں ذکر کیا گیا؟

جواب: آخرت پر ایمان لانا اللہ تعالیٰ نے متفرع ہے اس لئے کہ جب تک ہم یقین نہ کریں کہ وہ عبادت کا مستحق ہے اور وہ تمام ممکنات پر قادر ہے اس وقت تک ہمیں بعث ونشر یعنی قیامت پر ایمان لانا ممکن ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اس بات کا محرک وموجب ہے کہ اس کی رحمت پر امید اور اس سے خوف کر کے اس کی عبادت کی جائے اور جن امور سے اس نے روکا ہے ان سے بچا جائے۔

وَالْمَلٰٓئِكَةِ تمام ملائکہ پر ایمان ہو۔ اس طریق پر کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں نہ وہ مرد ہیں نہ عورتیں اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کی اولاد بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اللہ تعالیٰ اور انبیا علیھم السلام کے مابین واسطہ ہیں یعنی القائے وحی اور انزال کتب پر مامور ہیں یہود نے غلطی کھائی کہ وہ جبریل علیہ السلام کے لئے کہتے کہ وہ ان کے دشمن ہیں وَالْكِتٰبِ یعنی کتابوں پر ایمان ہو یہاں الکتاب جنس کتاب مراد ہے یعنی فرقان حمید اور یہود نے اپنی عادت کے مطابق قرآن مجید کو کتب الٰہیہ نہیں مانا اگرچہ انہیں دلائل سے سمجھایا گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے لیکن انہوں نے یہ قبول کرنے سے انکار کر دیا وَالنَّبِيّٖنَ اور تمام انبیاء علیھم السلام پر ایمان ہو بایں طور کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے مخلوق کی طرف بھیجے جاتے اور حق پر قائم امر ونہی اور وعدہ وعید بتانے میں سچے ہوتے ہیں ہمارا سب پر بلا تفریق ایمان ہے لیکن بنی اسرائیل کی بدقسمتی کہ بعض انبیاء علیھم السلام کو شہید کر ڈالا اور نبی اکرم ﷺ کی نبوت سے انکار کر دیا۔

سوال: ملائکہ اور کتب پر ایمان لانا انبیاء علیھم السلام پر ایمان لانے کے بعد کا عقیدہ ہے لیکن یہاں ان دونوں کو نبیوں پر ایمان لانے سے پہلے ذکر کر دیا گیا۔

جواب: صرف اس بات کا لحوظ رکھ کر کہ وجود میں ملائکہ اور کتب پہلے ہیں اس لئے کہ ملائکہ کرام پہلے وجود میں آئے پھر ان کے واسطہ سے کتابیں نازل ہوئیں بعد میں انبیاء علیھم السلام نے دعوت حق کے احکام سنائے۔

عقیدہ: جو امور پانچ مذکور ہوئے انہیں دین کے اصول اور عقائد کے قواعد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

وَاٰتَى الْمَالَ اور جس نے مال یا صدقہ اپنی کمائی سے دیا عَلٰی حُبِّهٖ یہ اتی کی ضمیر سے حال ہے اور حبہ کی ضمیر مال کی طرف لوٹتی ہے اب عبارت یوں ہوگی واتی المال کانه اعلی حب المال یعنی باوجود مال سے محبت ہے تب بھی اللہ تعالیٰ کے نام پر دیتا ہے۔

حدیث: حضور علیہ السلام نے فرمایا جب آپ سے پوچھا گیا الصدقۃ الافضل یعنی کونسا صدقہ افضل ہے؟ آپ نے فرمایا۔

تـوتیـہ وانـت صـحیـح شیح فامل العیش وتخشی الفقر ولا تمهل حتی اذا بلغت الحلقوم قلت بفلان کذاوغلان کذاوقد کان بفلان یعنی مال اس وقت خرچ کیا جائے جب کہ تجھے صحت ہو اور بخل دامن گیر ہو جس میں تجھے عیش کی خواہش اور فقر کا خطرہ ہو اور اسے اس انتظار تک نہ چھوڑے رکھے یہاں تک کہ روح حلق سے نکل رہی ہو اور تم کہہ رہے ہو کہ فلاں فقیر کو اتنا دو اور فلاں کو اتنا دو اور میں نے فلاں کو اتنا دینا تھا۔

شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا۔

پریشان کن امروز گنجینہ چست　　کہ فردا کلیدش نہ در دست تست
کنوں بر دست نہ ہر چہ ہست　　کہ فردا بدنداں گزی پشت دست

ترجمہ: آج ہی اپنا خزانہ جلد خرچ کر دے اس لئے کہ چند روز کے بعد اس خزانہ کی چابی تیرے ہاتھ میں نہ ہوگی جو کچھ ہے آج ہی اپنے ہاتھ پر رکھ کر خرچ کر دے اس لئے کہ کل کو پریشانی سے ہاتھ کو چبائے گا۔

اتی کا مفعول بہ ہے بد لا لتہ الحال

سوال: دوسرے مستحقین پر اسے کیوں مقدم کیا گیا ہے؟

جواب: اس لئے کہ دوسرے مستحقین سے اسے ترجیح حاصل ہے۔

حدیث: حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا۔ عام مسلمانوں پر صدقہ کرنے سے ایک ثواب اور اپنے عزیز رشتہ دار کو صدقہ دینا دوہرا ثواب ہے اس لئے کہ اس میں صدقہ کے علاوہ صلہ رحمی کا ثواب بھی شامل ہے۔

حدیث: افضل الصدقۃ علی ذی الرحم الکاشح بہترین صدقہ وہ ہے جو اپنے عزیز رشتہ دار کو دیا جائے

وَالْیَتٰمٰی یتیم سے وہ یتیم مراد ہے جو مفلس ہو نہ کہ دولت مند۔

سوال: یتیم کو دوسرے مستحقین پر کیوں مقدم کیا گیا ہے؟

جواب: اس لئے کہ وہ یتیم جو صغیر ہو اور پھر فقیر بھی تو ضرورت کے لحاظ سے دیگر مستحقین سے زیادہ محتاج ہے۔

وَالْمَسٰکِیْنَ مسکین کی جمع ہے مسکین دو قسم ہے ایک وہ جو کسی سے کچھ نہ مانگے اور یہاں بھی یہی مراد

ہے دوسرا وہ جو لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا پھرے اور یہ دوسرا مسکین سائلین کے زمرہ میں داخل ہے۔ مسکین لفظ ساکن کا مبالغہ ہے چونکہ مسکین کو اپنی ضرورت کی مقدار کے لئے لوگوں کے ہاں سکون ملتا ہے اس لئے اسے مسکین کہا جاتا ہے۔

وَابْنَ السَّبِيْلِ یعنی وہ مسافر جو اپنے مال سے بعید ہو چونکہ مسافر سفر کا التزام رکھتا ہے بنا بریں اسے ابْنَ السَّبِيْلِ کہا جاتا ہے جیسے ڈاکو کو ابن الطریق اور بوڑھے کو ابن اللیالی اور پانی کے پرندے کو ابن الماء کہا جاتا ہے ضعیف یعنی مہمان کو بھی ابْنَ السَّبِيْلِ کہا جاتا ہے اس لئے کہ وہ راستہ کو طے کر کے آتا ہے گویا اس سے پیدا ہوا

حدیث شریف: حضور سرور عالم ﷺ فرماتے ہیں من کان یومن باللّٰہ والیوم الاخر فلیکرم ضیفہ جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ وہ مہمان کی عزت کرے۔

حدیث شریف: اور فرمایا اگر اکرموا الضیف ولو کان کافر مہمان کی عزت کرو اگرچہ کافر ہو۔

وَالسَّآئِلِيْنَ یعنی وہ لوگ جنہیں ضرورت سوال پر مجبور کرے۔

حدیث شریف: السائل حق و لو جاء علی ظہر فرسہ سائل کا تم پر حق ہے اگرچہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

نہ خوابندۂ بر در دیگراں   شکرانہ خواہند از در مراں

(تم دوسروں کے دست نگر نہیں ہو اس لئے کہ بطور شکر یہ سائل کو اپنے دروازے سے خالی نہ لوٹا)

وَفِي الرِّقَابِ گردنیں آزاد کرانے میں یعنی مکاتبین کی معاونت کر کے رقاب، رقبہ کی جمع ہے دراصل رقبہ گردن کے پچھلے حصہ کو کہتے ہیں جمراقبہ سے مشتق ہے اس لئے کہ جگہ قوم کے منتظر رقیب کی انتظار گاہ ہے جب کہا جائے کہ اعتق اللہ رقبۃ اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انتظار کے بعد اسے عذاب سے خلاصی دی بعض مفسرین فرماتے ہیں یہاں پر وہ عبد مراد ہیں جنہیں دولت مند لوگ آزاد کرانے کے لئے خریدتے ہیں بعض کہتے ہیں وہ قیدی مراد ہیں جنہیں دولت مند رقم دے کر قید سے چھڑاتے ہیں یہی وہ مقامات ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کے حسب الحکم اپنی جائیداد تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کی جاتی ہے لیکن یہود نے ان مصارف میں بھی

marfat.ocm

خیانت کی کہ لوگوں کے ناحق مال کھائے اسلام کی حقیقت کے دلائل لوگوں سے چھپائے اور لوگوں سے معمولی رقم لے کر دین کو بیچا جیسے کہ ان کی عادت تھی کہ اپنے سے کم درجہ کے لوگوں سے مال لیا کرتے وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ اور فرض نماز ادا کرے۔ اس کا عطف مــن کے صلہ یعنی اٰمَنَ و وَاٰتَی پر اور یہود اس کے برعکس لوگوں کے نماز اور زکوٰۃ سے روکتے ہیں۔ وَاٰتَی الزَّكٰوةَ اور زکوٰۃ دے یعنی مذکورہ مصارف پر مال خرچ کرے۔

سوال: فرضی صدقہ کو نفلی صدقہ سے کیوں مؤخر کیا؟

جواب: ان لوگوں پر خرچ کرنے کی ترغیب میں مبالغہ کیا گیا ہے پہلے زکوٰۃ کے مضاف کا ذکر کیا اب وجوب ادا کا ذکر ہے۔

وَالْمُوْفُوْنَ اس کا عطف مَنْ اٰمَنَ پر ہے دراصل عبارت یوں تھی ومن اوفو . بعهدهم یعنی اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرنے والے ہیں یعنی اس کے اوامر و نواہی یا منتیں پوری ادا کرنے والے ہیں اِذَا عٰهَدُوْا یعنی ان کے اور اللہ تعالیٰ کے یا ان کے اور لوگوں کے مابین وعدے ہیں جو وعدہ کرتے ہیں تو پورا کرتے ہیں یا جب منت مانتے ہیں تو اسے ادا کرتے ہیں اور جو بات کرتے ہیں تو سچ بولتے ہیں اور جب کسی کی امانت رکھتے ہیں تو اسے پورا کرتے ہیں۔

حدیث شریف: ومن اعطی عهد الله ثم نقضه فالله ينظر اليه یعنی جو اللہ تعالیٰ کا عہد دے کر توڑ دیتا ہے قیامت میں اللہ تعالیٰ اس پر نظر عنایت نہیں فرمائے گا۔

حدیث شریف: ومن اعطی ذمته رسول الله عليه وسلم ثم فالنبی خصمه يوم القيمة جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا ذمہ دے کر دھوکے کرتا ہے تو قیامت میں اللہ تعالیٰ کا نبی اس سے جھگڑے گا یہود نے اللہ تعالیٰ کے عہد کو توڑا اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ یعنی تم میرے عہد کو پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا۔ مثنوی شریف میں ہے۔

چوں درخت آدمی و بیخ عہد
بیخ را تیمار ی بایذ الجہد
عہد فاسد بیخ بوسیدہ بود
در شمار و لطف بریدہ بود
شاخ و برگ نخل گرچہ سبز بود
چوں تبہ شد بیخ سبزے نیست بود

ورندارد برگ و سبز و بیخ چست   عاقبت بیروں کند صد برگ و بست

ترجمہ : آدمی درخت اور اس کا عہد بمنزلہ جڑ کے ہے جڑ کو مضبوط کرنا لازم ہے جب عہد کمزور ہو سمجھو جڑ کمزور ہے تو درخت بے کار پھر اسے سوائے کاٹنے کے چارہ نہیں ہوتا کوئی کجھور سرسبز تازہ ہو لیکن جب اس کی جڑ کھوکھلی ہو جائے تو اسے کاٹ لیا جاتا ہے اگر پتے سبز اور جڑ سوکھ جائے تو اس درخت کی ہستی ختم ہو جاتی ہے۔

وَالصّٰبِرِيْنَ یہ مدح کے طور منصوب ہے یعنی یہاں لفظ اعنی محذوف ہے اور اس کا درحقیقت معنوی طور مَنْ اٰمَنَ پر عطف ہے تا کہ صبر کی فضیلت پر تنبیہ ہو اب عبارت یوں ہوگی الذین صبروا فی الباساء یعنی وہ لوگ فقر و شدۃ میں صبر کرنے والے ہیں وَالضَّرَّآءِ اور مرض و تکلیف میں وَحِيْنَ الْبَأْسِ یہ الصّٰبِرِيْنَ کی وجہ سے منصوب ہے یعنی وقت الشدۃ و الباس بمعنی سختی خصوصاً جنگ کی سختی دراصل بامطلق شدۃ کو کہتے ہیں اور پھر حِيْنَ کے اضافہ سے اس طرف اشارہ ہے کہ جنگ کا خوف کبھی کبھی ہوتا ہے اور پھر جلد ہی ختم ہو جاتا ہے اہل کتاب اس وصف میں بھی ناقص ہیں کہ انہیں جنگ سے نہایت درجہ کا خوف ہوتا ہے اور بے حد بزدل ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اہل کتاب نے تحویل قبلہ کے بعد ڈھونگ رچا رکھا تھا کہ نیکی صرف مشرق مغرب کی طرف منہ کرنے کا نام ہے اور کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے قبلہ کو منسوخ کرنے سے نیکی کا کام نہیں کیا گویا انہوں نے نیکی کا دارومدار استقبال قبلہ کو سمجھ رکھا تھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا نیکی صرف استقبال کا نام نہیں نیکی کے لئے دوسرے ارکان بھی ہیں فلہذا تمہیں چاہیے کہ جہاں استقبال قلب کو نیکی سمجھتے ہو وہاں دوسرے ارکان کو بھی عمل میں لاؤ۔

اُولٰٓئِكَ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دین میں سچ کہا اور حق کی تابعداری کی اور نیکی میں جدو جہد کی تو ان کو حالات کی تبدیلی نقصان پہنچاتی ہے اور نہ ہی حالات کے بدلنے سے اپنے حال کو بدلتے ہیں الَّذِيْنَ صَدَقُوْا اور یہ وہی لوگ ہیں جو کفر اور دیگر تمام رذیل کردار سے بچتے ہیں۔

سوال: اُولٰٓئِكَ کا تکرار کس لئے؟

جواب: تا کہ معلوم ہو کہ ان لوگوں کی شان بلند ہے۔

سوال: درمیان میں ھم ضمیر لانے کا کیا فائدہ؟

جواب: تا کہ اشارہ ہو جائے کہ تقوی صرف انہی اوصاف سے موصوف ہونے کا نام ہے۔

تفسیر صوفیانہ یہ آیت تمام کمالات انسانیہ کی جامع ہے اور اس کے کمالات کو صراحۃً اور ضمناً تمام پر دلالت کرنے والی ہے۔

ف : معلوم باد کہ کمالات انسانیہ جو کثیر اور ان کے مختلف شعبہ جات ہونے کے باوجود صرف تین چیزوں میں منحصر ہیں۔ ۱۔ اچھا معاشرہ ۲۔ اعتقاد صحیح ۳۔ تہذیب نفس

مَنْ اٰمَنَ تک پہلے کی طرف اور النَّبِیّٖنَ تک دوسرے کی طرف اور اَقَامَ الصَّلٰوۃَ تک تیسرے کی طرف اشارہ ہے اسی لئے صحت ایمان اور اعتقاد کی وجہ سے انہیں صدق سے (جامع صفت ہے) اور خلق سے حسن معاشرہ اور حق سے نیک معاملہ کی وجہ سے انہیں تقوی سے موصوف کیا گیا۔

حدیث شریف: حضور علیہم السلام نے فرمایا من عمل بھذا الایۃ فقد استکمل الایمان جس نے اس آیت پر عمل کیا اس نے اپنے ایمان کی تکمیل کر لی۔

ف : ہمارے شیخ البقا اللہ تعالیٰ بالسلامۃ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں مجھے دل میں القاء ہوا کہ مرد کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بہترین اخلاق تسلیم و رضا ہیں اور خلق سے بہترین معاملہ عفو سخا ہے۔

ف : مال کی محبت نفس کی عادت سے ہے اور عجلت اخلاق ردیہ میں شمار ہوتی ہے اسی لئے کہا گیا یعنی صبر شکر سے افضل ہے۔

حدیث شریف: قیامت میں عالی شاکر کو لایا جائے گا اور اسے شکر گزار لوگوں کی طرح جزا دی جائے گی پھر صابر انسان کو لایا جائے گا اور اسے اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ انعام تجھے عطا کر رہا ہوں۔ تو اس کا شکر ادا کر اس لئے کہ میں نے تجھے مصیبت میں مبتلا کیا تو تو نے صبر کیا میں تجھے دوگنا اجر دیتا ہوں اس کے بعد اسے شکر گزار لوگوں کا اجر دیا جائے گا۔

ف: حقیقت یہ ہے کہ تہذیب النفس توحید بطریق المخصوص سے حاصل ہوتی ہے جیسے کہ ایمان توحید شہادت سے۔

تفسیر عالمانہ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی یہ خطاب مومنین کے آئمہ کو ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے امام یا اس کے قائم مقام پر واجب فرمایا ہے کہ وہ قصاص کے حدود قائم

کرے اصل عبارت یوں تھی۔ یا ایھا الائمۃ یعنی اے آئمہ تم پر قصاص کے حدود قائم کرنا فرض ہے جب کہ ولی الدم اس کا مطالبہ کرے یہ بھی احتمال ہے کہ یہ خطاب قاتلین کو ہو۔ اب معنی یوں ہوگا کہ اسے عمداً قتل کرنے والو تمہارے اوپر اپنے نفسوں کا حدود کے لئے پیش کر دینا واجب ہے جب کہ تم سے ولی الدم اس کا مطالبہ کرے یہ اس لئے کہ قاتل کو قصاص سے روگردانی درست نہیں اس لئے کہ یہ حقوق العباد میں سے ہے بخلاف زانی اور شرابی کے کہ وہ حدود سے روگردانی کریں تو کر سکتے ہیں اس لئے کہ وہ حقوق اللہ کے گمراہ ہیں۔

ف: قصاص یہ ہے کہ انسان کے ساتھ اسی طرح کیا جائے جس طرح اس نے کیا اگر کسی کو قتل کیا تو اسے قتل کیا جائے اگر کسی کی آنکھ نکالی تو اس کی بھی آنکھ نکالی جائے۔ وغیرہ وغیرہ در اصل قصاص برادری اور مماثلت **فی الانفس والاطراف والاعضاء** کو کہا جاتا ہے **قتلی** قتیل کی جمع ہے اور فی سببیہ ہے **فِي الْقَتْلَى** میں اسی سبب قتل **الْقَتْلَى** جیسے کہ حدیث شریف میں ہے **ان امرأۃ دخلت النار فی ھرۃ وطھا بسبب وبطھا ایاھا** یعنی ایک عورت دوزخ میں جائے گی ایک بلی کی وجہ سے کہ اس نے اسے باندھ رکھا تھا۔ یہاں فی سببیہ ہے اور وقف لفظ **الْقَتْلَى** پر بہتر ہے **اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ** یہ دونوں مبتدا خبر ہیں یعنی آزاد آدمی آزاد آدمی کی طرح ماخوذ اور مقتول ہے **وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى**

شان نزول: عرب کے دو قبیلوں کے زمانہ جاہلیت کے قصاص یوں تھے کہ ان میں ایک دوسرے پر فوقیت و فضیلت حاصل تھی اس بناء پر آپس میں معاہدہ کر رکھا تھا فوقیت والے کے عبد کے عوض میں آزاد اور عورت کے عوض مرد اور ایک مرد کے عوض دو کو قتل کیا جائے جب اسلام کا دور آیا تو انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں یہی فیصلہ پیش کیا تو مذکورہ آیت نازل ہوئی گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپس میں عدل و انصاف قائم کرو۔

ف: **اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ** حصر کے لئے نہیں کہ قصاص صرف دو آزاد مردوں یا دو عورتوں پر ہی جاری ہو۔ بلکہ اس سے ہر دیت ثابت ہو رہی ہے کہ مذکورہ لوگوں پر بھی قصاص واجب ہے قطع نظر جس کے کہ اس میں دیگر اقسام کی طرف اشارہ ہے یا نہیں اس لئے کہ **كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى** یہ مستقل جملہ ہے اور **اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ** جملہ مذکورہ کے جزئیات میں سے ایک جزو ہے اور قاعدہ ہے کہ جملہ کے بعض جزئیات کا ذکر اس کے باقی جزئیات کی نفی نہیں کرتا بلکہ ممکن ہے کہ یہ تخصیص کسی اور فائدے کے لئے ہو کہ جس میں اس کے باقی اقسام کی نفی مقصود نہ ہو اور وہ

فائدہ یہی ہے کہ زمانہ جاہلیت کی بری رسم مٹ جائے کہ وہ ایک قبیلے کے آزاد کی بجائے دوسرے قبیلہ کے آزاد کو قتل کرتے وغیرہ اس میں اس بات کی بھی نفی نہیں کہ حر و عبد اور مرد و عورت کے مابین قصاص جاری نہ ہو بلکہ اس میں اس سے روکا گیا ہے کہ قاتل کی بجائے غیر قاتل سے قصاص نہ لیا جائے۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہ اور امام ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عبد کا آزاد سے اور کافر کا مومن سے قصاص لیا جائے اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ یعنی ہم نے ان پر فرض کیا تھا کہ نفس کا نفس کے عوض قصاص ہے اس آیت میں عموم ہے مومن کافر آزاد اور حر کی کوئی تخصیص نہیں اور قاعدہ ہے کہ سابعہ شرائع کے احکام کے لئے جب ناسخ نہ ملے تو احکام ہماری شریعت میں بھی جاری رہتے ہیں فلہٰذا یہ حکم بھی ہم پر جاری ہوگا دوسرے یہ کہ مسلمان کی شان ہے کہ وہ ایک کے خون کی پاسداری کرے۔ تیسرا یہ کہ تفاصل فی النفس ہے اس لئے شرع نے حکم دیا ہے کہ اگر جماعت نے ایک کو قتل کیا تب بھی جماعت پر قصاص واجب ہے چوتھا یہ کہ قصاص مساوات کو چاہتا ہے تا کہ جان و مال کی حفاظت ہو۔

مسئلہ: امام شافعی و امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مومن کو کافر کے عوض قتل نہیں کراتے چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

خذو ا بدلی هذالغزال فانه　　زمانی بسمهی معلیهه علی عمد
و لا نقعلوا اننی انا عبده　　وفی ملهبی لایفتل الحر بالعبد

ترجمہ: اسی غزال کو میرے خون کے عوض پکڑو کہ جس نے عمداً اس کی آنکھوں کے پروں نے مجھے قتل کیا ہے لیکن اسے قتل مت کرنا اس لئے کہ میں اس کا عبد ہوں اور میرا مذہب ہے کہ حر کے عوض قتل نہیں کیا جاتا۔

پس وہ شخص مَنْ سے مراد قاتل ہے خواہ من شرطیہ ہو یا موصولہ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ اس جملہ کی دونوں ضمیریں قاتل کی طرف مرجوع ہیں شَيْءٌ یعنی معافی کا کچھ تھوڑا سا حصہ۔

سوال: شَيْءٌ مرفوع کیوں ہے؟۔

جواب: عُفِيَ کے فاعل کا قائم مقام ہے اس لئے کہ شئے مصدر کے حکم میں ہے اب عبارت یوں ہوگی۔

سوال: عُفِيَ تو فعلِ لازم ہے پھر میں کا مفعول کیسا؟

جواب: فعل لازم کا مفعول مطلق آتا ہے بنابریں ہم نے شَیْءٌ کو مصدر کے معنی میں کر کے فاعل کے قائم مقام بنانا پڑا جیسے اللہ تعالیٰ کے فرمان میں فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ نَفْخَةٌ یعنی صور کو پھونکا جائے گا۔ یہاں پر نُفِخَ السیر وشئی تاویلاً نائب فاعل ہے۔

ف: شئی میں اس طرف اشارہ ہے کہ قاتل سے جب تھوڑا سا حصہ معاف کیا جائے یا مقتول کے ورثا میں سے کوئی ایک اپنا حق معاف کر دے تو قاتل سے قصاص معاف ہو جائے گا البتہ دیت ادا کرنی پڑے گی۔

قاعدہ: لفظ عفی ذنب اور جانی کی طرف متعدی ہوتا ہے پھر جب یہ ذنب کی طرف متعدی ہو تو ذنب پر عن داخل ہوگا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ اور جب جانی کی طرف متعدی ہو تو جانی پر لام داخل ہوگا جیسے عفوت لفلاں۔ جانی کو معاف کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے جنایت کا موجب چھوڑ دیا جائے یہاں پر جنایت کا موجب قصاص ہے گویا یوں فرمایا گیا ہے جب قاتل کو اس کا وارث یعنی مقتول کا بھائی معاف کر دے خواہ مکمل معافی ہو بایں طور کہ تمام ورثا مقتول کے حق کا مطالبہ نہ کریں خواہ معافی غیر مکمل ہو کہ بعض ورثا معاف کریں اور بعض کا مطالبہ ابھی قائم ہو ان ہر دونوں صورتوں میں قاتل سے قصاص ساقط ہو جائے گا۔

شان نزول: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس لئے نازل ہوئی کہ قصاص کی سطح مالی پر ہو یعنی قاتل مقتول کے ورثا کو مال دے کر راضی کر کے اپنے سے قصاص ساقط کرائے۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے ولی الجنایعہ کو بھائی سے کیوں تعبیر فرمایا؟

جواب: تاکہ اسے قاتل کے لئے اخوت کا تصور آئے اور اس پر نرمی کرے اور اس میں لطیف اشارہ ہے کہ قتل جیسے بڑے گناہ سے بھی اخوت اسلام باقی رہتی ہے اس میں معتزلہ کی بھی تردید ہو گئی جو کہتے ہیں کہ انسان کبیرہ گناہ کرنے سے خارج از ایمان ہو جاتا ہے۔

فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ یہ خبر ہے اس کا مبتداء محذوف ہے دراصل عبارت یوں تھی و اذا حصل شئی من العفو بطل الدم بعفو البعض فالامر اتباع بالمعروف یعنی جب قاتل کو معاف کیا جائے یا بعض ورثا کی وجہ سے اس سے قصاص ساقط ہو جائے تو مقتول کے ورثا پر لازم ہے کہ نیکی کا اتباع کریں یعنی مقتول کے ولی پر لازم ہے کہ قاتل سے صلح کے وقت جائز طور پر مطالبہ کرے اس کے ساتھ تنگی و تلخی سے پیش نہ آئے اور جب معا

ملہ صلح پر طے ہو تو شئے زائد کا مطالبہ نہ کرے۔

وَاَدَآءٌ اِلَیۡہِ بِاِحۡسَانٍ اس میں معفو عنہ یعنی قاتل کو تنبیہ ہے کہ مال کو احسان و مروت کے طور ادا کرے یہ یعنی قاتل پر لازم ہے کہ معاف کرنے والے مال کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے اور نہ ہی کھوٹا مال دے اور نہ ہی اسے ستائے کہ اس کا معاف کرنا اس پر عظیم احسان ہے کہ اس نے اس کی جان بچائی ذٰلِكَ تَخۡفِیۡفٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ یعنی معاف کرا دینا اور قصاص کے عوض دیت ادا کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسانی اور توسیع ہے اور ورحمۃ کمال مہربانی ہے کہ نہ ہی تو علی الاطلاق معافی کا حکم دیا اور نہ ہی مطلقاً دیت لینے کا حکم صادر فرمایا بلکہ ہمیں تین امور میں سے ایک کا اختیار بخشا۔ ۱۔ قصاص ۲۔ دیت ۳۔ معافی اس لئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں صرف قصاص ہی واجب تھا تا کہ قاتل و مقتول کا پورا انصاف ہو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں معافی کا حکم تھا اور یہ فضل و احسان پر مبنی تھا لیکن ہماری شریعت میں ہر تین امور کو روا رکھا گیا ہے کہ اگر مقتول کے ورثا کا دل ٹھنڈا یوں ہوتا ہے کہ قاتل کو مقتول کے عوض قتل کیا جائے تو قصاص لازم اور اگر مقتول کے ورثا قاتل پر نرمی کرنا چاہیں تو دیت واجب ہے اگر مقتول کے ورثا کرم و احسان کا مظاہرہ کریں تو سرے سے قاتل کو معاف ہی کر دیں فَمَنِ اعۡتَدٰی بَعۡدَ ذٰلِكَ جو شخص معاف کر دینے کے بعد کسی قسم کی زیادتی کرے مثلاً قاتل کی بجائے اس کے کسی عزیز کو قتل کر دے یا خود قاتل کو قتل کر دیا جائے فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ پس اس کے لئے اس زیادتی کی وجہ سے دردناک عذاب ہے دنیا میں تو قتل کا قصاص لے کر اور آخرت میں جہنم کی آگ کا عذاب ہے۔

شانِ نزول: زمانہ جاہلیت میں عادت تھی کہ قاتل سے دیت لے کر اسے معاف کر دیا جاتا اور اسے ہر طرح سے مطمئن کرا کے جب بھی موقعہ ملتا تو اسے قتل کر دیتے پھر مال اس کے ورثا کو لوٹا دیتے۔

وَلَكُمۡ فِی الۡقِصَاصِ حَیٰوةٌ یعنی اس قسم کے حکم یعنی قصاص میں بڑی زندگانی حاصل ہوگی چنانچہ زمانہ جاہلیت کی رسم تھی کہ ایک کے عوض جماعت کو قتل کر دیتے جیسے مہلل بن ربیعہ نے اپنے بھائی کے عوض میں قلب قبیلہ کو مار ڈالا یا یوں ہوتا کہ قاتل کے بجائے کسی دوسرے کو قتل کر دیا جاتا تو اس کے فتنہ کی آگ بھڑک اٹھتی اس سے ان کا اختلاف لڑائی جھگڑا طول پکڑ جاتا یہاں تک کہ اسلام تشریف لایا تو قصاص شروع فرمایا جس سے ان

لوگوں کو چین نصیب ہوا جوان کے لئے ایک بڑی زندگانی ہے کیونکہ جب قاتل کو معلوم ہوگا کہ اگر میں کسی کو قتل کروں گا مجھے اس کے عوض قتل کر دیا جائے گا تو وہ کسی دوسرے کو قتل کرنے سے رک جائے گا اسی طرح دوسروں کو بھی عبرت ہوگی اسی وجہ سے قصاص دو نفوس یا بہت زیادہ نفوس کی جان بچ جائے گی۔

ف : یہ کلام فصاحت و بلاغت کمال اعلیٰ درجہ کا رکھتا ہے اس حیثیت سے کہ ایک شئے کو اپنی ضد کے قائم مقام کھڑا کیا گیا بایں طور کہ ایک کا تحقق دوسرے کو مٹا دے مثلاً قصاص حیوۃ کو ختم کرنے کا نام ہے لیکن باوجود اس کے حیوۃ کا سبب ہے نیز قصاص کو حیوۃ کا ظرف بنا کر ظرف حقیقی سے تشبیہ دی گئی ہے بایں طور کہ ظرف جب مظروف کو جاری ہوتا ہے تو مظروف کو ہر طرح کے فساد و نقصان سے محفوظ کر لیتا ہے اسی طرح قصاص (ظرف) نے ظروف (حیوۃ) کو ہر طرح کی خرابیوں سے بچالیا اس طریق سے قصاص حیوۃ کے لئے ظرف ہے اس سے کلام کی لطافت واضح ہوگئی کہ شئے کی ضد کو اس کا حامی و حافظ بنایا یہ بلاغت کے طریق میں سے ایک احسن طریقہ ہے۔

یٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ ایسے عقل والوں کہ جن کی عقل پر ایک غلط خیال و وہم کے اختلاط سے محفوظ ہے ان کو اس لئے ندا فرمائی کہ ان کو غور کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے قصاص کا حکم دے کر کسی عجیب حکمت سے ارواح و نفوس کو بچالیا **لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ** تا کہ تم اہل تقوی کا عمل یعنی قصاص پر محافظت اور اس کا یقین کے ساتھ حکم دو یا قصاص کے خوف سے دوسرے کو قتل کرنے سے بچ جاؤ اس میں ناحق قتل کرنے کے فعل سے خوف دلایا گیا ہے اس لئے کہ حقوق العباد میں سب سے بڑا گناہ ناحق قتل کرنا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے سب سے بڑا حق نماز ہے۔

حدیث شریف: قیامت میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقتول حاضر ہوگا ایک ہاتھ پر اپنا سر لئے ہوئے اور دوسرے ہاتھ میں قاتل کی گردن میں کپڑا ڈالا ہوگا اور اس کی رگیں خون سے بہہ رہی ہوں گی دونوں اللہ تعالیٰ کے حضور میں ٹھہرے ہوں گے مقتول عرض کرے گا یا اللہ اس نے مجھے مار ڈالا تھا اللہ تعالیٰ قاتل کو جھڑک دے کر فرمائے گا کہ اسے جہنم میں لے جاؤ پھر اسے جہنم میں ڈالا جائے گا۔

ف: گناہ تین قسم ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے بندے کے متعلق جیسے زنا اور لواطت اور غیبت اور بہتان۔

مسئلہ : اگر اس کا گلہ کیا ہے لیکن اس کو معلوم نہ ہو جب اس کو معلوم ہو جائے اور گلہ کی اس سے معافی لے اور

اس گناہ سے توبہ کرلی ہو تو امید ہے شاید اللہ تعالیٰ اسے بخش دے۔

مسئلہ: زانی نے کسی شخص کی عورت سے زنا کیا ہو اگر اس کا شوہر زندہ ہے اور اس نے معافی بھی نہیں دی تو اللہ تعالیٰ زانی کو ہرگز نہیں بخشے گا اس لئے قیامت میں زانی کا خصم بندہ ہے ہاں اگر زانی توبہ کرے اور وہ شخص اس زانی کو معاف بھی کردے تو اللہ تعالیٰ بخش دے گا۔

مسئلہ: زانی اس شخص سے اس طرح معافی حاصل کرسکتا ہے مثلاً کہے جو تیرے حقوق میرے اوپر ہیں وہ معاف کردے وہ کہے کہ میں نے معاف کردیئے اسے **صلح المعلوم علی المجہول** کہتے ہیں اور یہ جائز ہے اور یہ طریقہ صرف اسی امت سے خاص ہے سابقہ امتوں کے گناہ معاف نہیں ہوسکتے تھے جب تک کہ اپنے گناہوں کی تفصیل نہ سنائی جاتی اللہ تعالیٰ کے حقوق بندے پر جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی توبہ کا مطلب یہ ہے کہ اس نماز کی قضا دے یا کفارہ (اسقاط کیا جائے) کیونکہ اس قسم کی توبہ کا معنی یہ ہے کہ جو عمل کو ترک کیا ہے اسے عمل میں لائے جب تک اسے عمل میں نہ لائے گا تو گویا اس نے توبہ ہی نہیں کی بندے کے بندے پر حقوق مثلاً اس کا مال غصب کرے یا اسے ضرب ستم کرے یا اسے قتل کردے اس میں توبہ قبول نہیں ہوتی جب تک خصم معاف نہ کرے یا اتنی نیکیاں کرے کہ قیامت میں خود اس کی آپس میں صلح کرادے کیونکہ جب بندہ سچے دل سے توبہ کرتا ہے تو اگر اس پر بندوں کے حقوق ہوتے ہیں اولاً تو اسے چاہیے کہ ارباب حقوق کو ان کے حقوق لوٹا دے اگر حقوق نہ لوٹا سکا تو اگر اللہ تعالیٰ اس کی بخشش کا ارادہ فرمائے گا تو اس خصم کو بلا کر اس کے سامنے شاندار بلڈنگ کھڑی کردے گا بندہ عرض کرے گا یا اللہ یہ بلڈنگ کس کی ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو اس کو حاصل کرسکتا ہے اس کا ثمن صرف یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کو اپنے حقوق معاف کردے عرض کرے گا یا اللہ میں نے اپنے حقوق اپنے اس بھائی کو معاف کردیئے اللہ تعالیٰ فرمائے گا اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ کر دونوں بہشت میں چلے جاؤ۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمہارے لئے فرض کیا ہے کہ کسی کو قتل کرنے پر قصاص ہے جس طرح اپنے ذمہ کرم فرمایا ہے کہ جس شخص سے میں محبت کرتا ہوں تو اسے قتل کردیتا ہوں اور جسے قتل کرتا تو اسے ہم کلامی کا شرف بخشتا ہوں مثنوی شریف میں ہے۔

گر یکے ررا ببرو از بدن ۔ صد ہزاراں سر برآرد در زمن

اقتلونی یا ثقاتی لائما ای فی قتلی حیاتی دوائما
ان فی موتی حیاتی یافتی لم افارق موطنی حتی متی
شیر دنیا جوید اشکار و برگ شیر مولی جوید آزادی و مرگ
چونکہ اندر مرگ بیند صد وجود ہمچو پروانہ بسوزاند وجود

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ جب تمہارے ایک کے کو موت آئے تو تمہارے اوپر فرض ہے یعنی جب موت کے آثار ونشانات پائے جائیں مثلاً سخت بیماری ہو اور کوئی تکلیف ہو اس لئے کہ موت کے وقت تو وصیت کی طاقت مفقود ہو جاتی ہے اِذَا کا عامل کتب کا مولول ہے کیوکہ کتاب بمعنی ایجاب ہے اس لئے کہ ایجاب موت کے حاضر ہوئے وقت نہیں ہوتا بلکہ اس کا تعلق مکلف کے ساتھ ہوتا ہے گویا یوں کہا گیا اللہ تعالیٰ کا ایجاب اور اسکا اقتضا تمہارے لئے متوجہ ہوا توجہ ایجاب اور اس کے تعلق کو۔

نکتہ: کتب سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ بات ازل سے لکھی جا چکی ہے۔

اِنْ تَرَكَ خَيْرًا اگر خیر چھوڑ جائے یعنی مال قلیل یا کثیر مال کثیر کو کہا جاتا ہے فلاں دو مال یعنی فلاں مال کثیر کا مالک ہے یہ استعمال قلیل مال کیلئے نہیں آتی۔

حکایت: مرتے وقت ایک مرد نے وصیت کا ارادہ کیا تو بی بی عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے پوچھا تیرا کتنا مال ہے عرض کی تین ہزار آپ نے پوچھا تیرے عیال میں کتنے فرد ہیں عرض کی چار آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنْ تَرَكَ خَيْرًا یعنی بہت مال چھوڑے اور تیرا یہ مال بہت تھوڑا ہے فلہٰذا یہی مال اپنے ورثا کیلئے چھوڑ کر جا۔

ف: اصل میں خیر اس شئے کو کہتے ہیں جس کی طرف طبائع راغب ہوں اور وہ نافع بھی ہو کیونکہ یہ شر کی ضد ہے۔

ف: اخوان الصفا کتاب میں فرمایا کہ خیر ہر اس فعل کو کہا جاتا ہے جو مناسب وقت میں ہو کہ اس وقت اس کا ہونا لائق مناسب ہے الْوَصِيَّةُ کتب کا نائب فعل ہے ای فرض الایصاء یعنی وصیت فرض کی گئی ہے۔

لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ والدین اور ان رشتہ داروں کے لئے جو وراثت کے حق دار ہیں یا نہ بِالْمَعْرُوْفِ یہ مالٌ ہے یعنی وصیت عدل کے طور پر ہو تو ثلث سے زائد اور نہ غنی صرف دولت مند کیلئے کہ فقیر کا نام تک نہ لے

شان نزول: اہل جاہلیت کی عادت تھی کہ وصیت دور کے رشتہ داروں کے لئے کرتے صرف ریاء اور شہرت اور فخر کے پیش نظر اور قریب رشتہ دار اگرچہ نہایت مفلس اور غریب ہوتے تو اپنی وصیت سے انہیں محروم رکھتے اللہ تعالیٰ نے ان کی بری رسم کا پہلو تبدیل فرمایا کہ والدین کے ساتھ ان رشتہ داوں کیلئے وصیت کرو جو قریبی ہوں اس میں صلاح وحکمت کا واضح پہلو ان کے سامنے رکھا۔

ف: یہ حکم آیت میراث سے منسوخ ہوگیا جو سورۃ النساء میں موجود ہے یہ حکم کسی قریبی یا بعیدی رشتہ دار کے لئے وصیت جاری نہ ہوگی۔

مسئلہ: اگر وصیت کرے تو قریبی بعیدی سب کو مدنظر رکھے لیکن جسے وراثت کا حق حاصل ہے اس کے لئے وصیت جاری نہ ہوگی۔

حقًّا ای لازمًا (مفعول مطلق ہے) اصل عبارت یوں تھی (احق ھذا لوصیۃ حقا) **عَلَى الْمُتَّقِيْنَ** یعنی یہ وصیت ان لوگوں پر واجب کرتا ہوں جو مال کو ضائع کرنے اور قریبی رشتہ داروں کو محروم کرنے سے بچتے ہیں یعنی اے لوگو! اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہو تو اس عمل کو نہ چھوڑو۔

سوال: ابن الشیخ اپنے حواشی میں فرماتے **عَلَى الْمُتَّقِيْنَ** سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم صرف متقین کو ہے حالانکہ اجماع سے ثابت ہے کہ تمام واجبات وتکالیف (امور) متقین وغیر متقین سب پر واجب ہے۔

جواب: **حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ** سے مراد ہے کہ یہ حکم ہر اس شخص پر واجب ہے جو تقوی کے نشانات وطہارت کا عاشق اور اس کے حصول میں کوشاں اور اس کو اپنا مشغل سمجھتا ہے اس لحاظ سے ہر ایک کو یہ حکم شامل ہوگا۔

حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ پس وہ شخص جو ویت کو تبدیل کرے۔

سوال: وصیت مونث ہے اور ہو ضمیر مذکر ہے۔

جواب: وصیت مؤول بہ ایصاء ہے یعنی وصیت کے بجائے غیر وصیت جو شرع کے خلاف بتاتا ہے مشہور یہی ہے کہ وصیت کا تبدیل کرنا وصی مختصر جس پر موت کے آثار ہیں یا گواہ کا کام ہے وصی تو اس معنی پر کہ وہ ناجائز طور پر وصیت لکھے یا تقسیم کے وقت غلط طریقہ اختیار کرے اور گواہ بامعنی کہ وہ شہادت غلط دے یا اسے سرے سے بیان نہ کرے۔

ف: یہ تبدیلی تمام لوگوں سے سرزد ہونے کا امکان ہے کہ وصیت کا مال مستحق کو نہ دیں اس معنی پر آیت عام ہوگی اور ہر ایک کو یہ حکم شامل ہوگا۔

بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ سننے کے بعد یعنی جب انہیں یہ حکم پہنچا اور اس کی اسے تحقیق ہو چکی فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ یعنی یہ گناہ صرف ان لوگوں پر ہے جنہوں نے اس وصیت کو تبدیل کیا کیونکہ انہوں نے ہی خیانت اور خلاف شرعی امر کا ارتکاب کیا یہ گناہ موصی یعنی وصیت کرنے والے میت پر نہیں وہ ایسے گناہ سے بری ہے اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ بے شک وہ اللہ سمیع ہے وصیت کرنے والے اور وصیت تبدیل کرنیوالے کو جانتا ہے۔ اس کے ثواب و جزا وغیرہ کو کہ وہ قیامت میں ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق جزا دے گا فَمَنْ خَافَ پس وہ شخص جو خوف کرتا اور جانتا ہے یہاں لازم کا ملزوم پر اطلاق ہے مِنْ مُّوْصٍ یعنی اس شخص سے کہ جس نے وصیت کی ہو سکتا ہے کہ اس کا متعلق خَافَ ہو کیوں کہ یہ من ابتدائیہ عارضی کے لئے ہے اور اس کا متعلق محذوف اور جَنَفًا سے حال ہو۔

سوال: اسے مقدم کیوں کیا گیا؟

جواب: دراصل یہ جَنَفًا کی صفت تھی لیکن چونکہ صفت اپنے موصوف سے مقدم نہیں ہو سکتی اور حال ذوالحال سے مقدم ہو سکتا ہے اس لئے اسے مقدم کیا گیا۔

جَنَفًا یعنی وصیت میں خطا کر کے حق سے روگردانی کرے اَوْ اِثْمًا یعنی یا عمداً حق سے روگردانی کریں یعنی یا تو وصیت کرنے والا وصیت کے مقام کو بھول کر وصیت کر دے یا وصیت کی مقدار کو بڑھا دے یا ایسے شخص کے لئے وصیت کرے جس کے لئے اسے وصیت جائز نہیں۔

فَاَصْلَحَ ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد وصیت کرنے والا ہو کیونکہ وصیت کو اس سے زیادہ تعلق ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس سے صرف وصی مراد نہ لیا جائے بلکہ ہر وہ شخص جس سے میت کی وصیت کے متعلق فساد کا دفعیہ حاصل ہو خواہ وہ ولی ہو یا والی یا وصی خواہ وہ نیکی کا حکم دے یا وہ مفتی ہو یا قاضی یا وارث بَيْنَهُمْ یعنی موصی لهم یعنی اس کے والدین اور اس کے اقربا کے مابین اصلاح کرے یعنی میت کی وصیت کو تبدیل کر دے لیکن شرع کے مطابق بَيْنَهُمْ اس تبدیلی کرنے والے پر کوئی گناہ نہیں کیونکہ اس میں باطل کو حق کی طرف

لانا مطلوب ہے اور یہ جائز ہے بخلاف پہلی بات کے کہ اس میں حق کی تبدیلی تھی اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اس میں صلح کے لئے رب کا وعدہ ہے اور اثم کی وجہ سے مغفرت کا ذکر کیا گیا یہ وہ فعل ہے جو لفظاً اثم ہے ہاں بعض تبدیلیاں گناہ ہوتی ہیں اور یہ تبدیلیاں وہ ہیں جو حق کو باطل کی طرف پھیر دیں یہ ظاہرہ طور پر حقیقۃ اثم نہیں کیونکہ خیر کی طرف تبدیلی گناہ نہیں ہاں صرف لفظ اثم ہے۔

مسئلہ: وصیت کرنا مستحب ہے کیونکہ لوگوں کو اس کی ضرورت ہے اس لئے کہ انسان اپنی امیدوں کا فریب خوردہ ہے یعنی اسے مدت طویل کی ہمیشہ ہی امید رہتی ہے اور عمل سے ہمیشہ کوتاہی کرتا رہتا ہے پس جب اسے موت دکھائی دیتی ہے اور سمجھتا ہے کہ اب میں نہیں بچنے والا تو وہ اپنے مال کو کسی جائز جگہ خرچ کرنے کی فکر کرتا ہے تاکہ اگر وہ اس حالت میں مر بھی جائے تو مال کے بارے میں اس کا مقصد پورا ہو اور اگر اسے موت چھوڑ دے تو پھر بھی مال کو اپنے مقصد پر خرچ کر سکے۔

حدیث شریف: ان اللّٰہ تصدق علیکم بثلث اموالکم فی اخر اعمارکم زیادة لکم فی اعمالکم تفعلونها حیث شئتم بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری آخری عمروں میں تمہارے تہائی اموال کو تمہارے اوپر صدقہ فرمایا ہے تاکہ تم اپنے اموال کو بڑھا کر اس وصیت کے مال کو جہاں چاہو خرچ کرو۔

ثبوت اسقاط: ہر نماز اور ہر روزے کے لئے گندم کا نصف صاع وصیت کرے اسی لئے ہر وتر کے لئے بھی نصف صاع ضروری ہے اسی طرح رمضان اور نذر کے روزہ کا حکم ہے۔ **(کذافی تفسیر الشیخ)**

مسئلہ: جس شخص پر حج یا کفارہ فرض ہے تو اسے وصیت کرنا ضروری اگر واجب نہیں تو پھر وصیت کرنے میں مختار ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

مسئلہ: اپنے خصما اور قرضداروں کو راضی کرنے کے لئے وصیت کرے۔

حکایت: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا جب انتقال ہونے لگا تو فرمایا جب میں مر جاؤں تو فلاں کو میرے غسل کا کہنا جب ان کا انتقال ہو گیا تو اسی شخص کو بلایا گیا تو اس نے آتے ہی کہا امام صاحب کا وصیت نامہ دکھاؤ اسے وصیت نامہ دکھایا گیا تو اوپر تھا کہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ پر ستر ہزار دینار قرض ہے اس شخص نے کہا کہ اس کی ادائیگی میرے ذمہ ہے اور امام صاحب نے بھی غسل سے یہی مراد لی تھی اور میرے غسل دینے کا بھی یہی

مطلب ہے۔

حدیث شریف: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قال من لم یومن لم یؤذن له فی الکلام مع الموتی قیل یارسول اللہ وهل تتکلم الموتی قال نعم ویتزاورون حضور سرور دو عالم ﷺ سے مروی ہے آپ نے فرمایا جو وصیت کر کے نہیں مرتا تو اہل اموات سے اسے کلام کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ عرض کیا گیا اہل اموات آپس میں ہم کلام ہوتے ہیں آپ نے فرمایا ہاں بلکہ وہ تو ایک دوسرے کی ملاقات کو بھی جاتے ہیں۔

ف: امام صاحب بعض آئمہ عظام سے نقل کر کے فرماتے ہیں کہ ارواح دو قسم ہیں۔

۱۔ انعام والے ۲۔ عذاب والے

عذاب والے تو عذاب میں مبتلا ہیں۔ انہیں نہ تو کہیں جانے دیا جاتا ہے اور نہ ہی وہ کسی کی ملاقات کو جاتے ہیں اور انعام والے کو کسی قسم کی رکاوٹ نہیں وہ ملاقات کے لئے آتے جاتے ہیں اور ملتے ملاتے ہیں اور دنیا میں آ کر دنیا کے معاملات کو دیکھتے ہیں اور جو باتیں اہل دنیا سے ہوتی ہیں ان کا مشاہدہ کرتے ہیں ہر روح ہر اس شخص کے ساتھ رہتی ہے جو شخص اس کے عمل کے مشابہ ہوتا ہے اور یہ رفاقت عالم برزخ میں بھی ثابت ہے اور دار الجزاء میں بھی اور ہر مرد ان تین داروں میں مقام پر اس کے ساتھ رہتا ہے جس سے اسے محبت ہے۔

سبق: دانا کو چاہیے کہ وہ نیک بزرگوں کی صحبت اختیار کرے رات دن اسی مشغلہ میں گزارے مال و منال میں مغرور نہ پھرے اور نہ ہی عمر بھر اللہ کے ذکر سے غافل رہے کیونکہ یہ دنیا فانی ہے اور جو بھی اس میں آیا وہ فنا ہو کر رہا پھر چاہیے کہ ہر لحہ اور ہر گھڑی اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں ہو صائب نے فرمایا۔

دہرائے غافلاں طول امل دانی کہ چیت آشیاں کر دست ماری در کبوتر خانہ

ترجمہ: غفلت کی سزائیں تمہیں معلوم ہے کہ لمبی آرزوئیں کیا ہیں یہ سانپ ہیں جنہوں نے کبوتر دلیس میں رہائش رکھ لی ہے

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ غنیا پر وصیت فرض ہے مال دینے کے لحاظ سے اور اللہ والوں پر کی وجہ سے دولتمند تو اپنی آخری عمر میں تہائی مال کو وصیت کر لیتے ہیں لیکن اللہ والے ابتداء سے ہی تمام ماسوی اللہ سے فارغ ہو جاتے ہیں اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ جب تمہارے کسی ایک کا دل اللہ تعالیٰ کے حضور میں ہو اور صفات طبیعہ حیوانیہ سے ارادۂ موت کے گھاٹ اتر جائے جیسا کہ حضور علیہ السلام

marfat.ocm

نے فرمایا موتوا قبل ان تموتوا بمعنی مرنے سے پہلے مرجاؤ اور خیر وشر کو خیر باد کہہ دے اور دنیا و عقبیٰ کے گورکھ دھندے سے فارغ ہو جائے تو اس پر لازم ہے کہ اپنے والدین کے لئے وصیت کرے یعنی روح علوی جسم اور سفلی کے لئے اس لئے کہ روح اور جسم کے اجتماع سے نفس کا تولد ہوا اور اقربین کے لئے یعنی قلب اور سر اور باقی خواہشات بشریہ کو ترک کی وصیت کرے یعنی ان کے مشارب کو خواہ مشارب روحانہ باقیہ ہوں یا مشارب فانیہ نیکی کی وصیت کرے لیکن حد اعتدال پھر اسراف پر مشتمل ہے جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا بعثت لرفع العادات وترک الشهوات یعنی بری عادت اور ترک شہوات کو ہٹانے کے لئے مبعوث ہوا ہوں اور فرمایا لاتمم مکارم الاخلاق میں اس لئے مبعوث ہوا ہوں تا کہ اچھے اخلاق کی تکمیل کروں بایں طور کہ تمام مشارب کو چھوڑ کر ایک مشرب کو اختیار کیا جائے اور تمام محبوبوں سے ہٹ کر ایک محبوب بنایا جائے اور تمام مذاہب کو ترک کر کے ایک مذہب کو اختیار کیا جائے حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ یعنی جو شرک خفی سے بچنے والے ہیں ان پر یہ مجموعہ احکام واجب ہے اسی لئے فرمایا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ، عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ یا عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ نہیں فرمایا کیونکہ وہ اہل ظواہر میں اور متقین اہل بواطن اور حضور علیہ السلام نے دل کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تقوی یہاں ہے۔

ف: جیسے قرآن مجید اہل ظواہر کے لئے نازل ہوا ہے اسی طرح اہل بواطن کیلئے بھی کما قال علیہ السلام ان للقرآن ظهرا وبطناً یعنی قرآن کے ظاہری احکام بھی ہیں اور باطنی بھی ظاہری احکام تو اہل ظواہر کے لئے ہیں اور ان میں بعض احکام منسوخ نہیں یعنی اگرچہ اس کے ظاہر حکم میں منسوخ کا حکم ہے لیکن اہل بواطن کے لئے کوئی نسخ نہیں ہوتا بلکہ ان میں بدستور مواعظ و اسرار و حقائق موجود ہوتے ہیں حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ متقی پر اس لئے واجب ہے کہ وہ لوگ متقین والی ہدایت سے مختص ہیں جیسے هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ خلاصہ یہ کہ اہل حق کے لئے وصیت کا حکم منسوخ نہیں۔

(کذا فی تاویلات نجمیہ)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسے اگلوں پر فرض ہوئے تھے کہ

قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ

کہیں تمہیں پرہیزگاری ملے۔ گنتی کے دن ہیں تو تم میں جو کوئی بیمار یا سفر میں ہو

عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ

تو اتنے روزے اور دنوں میں اور جنہیں اس کی طاقت نہ ہو وہ بدلہ دیں

مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

ایک مسکین کا کھانا پھر جو اپنی طرف سے نیکی زیادہ کرے تو وہ اس کے لئے بہتر ہے اور روزہ رکھنا تمہارے لئے زیادہ بھلا ہے

تَعْلَمُوْنَ ۝ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ

اگر تم جانو۔ رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اترا لوگوں کے لئے ہدایت و رہنمائی

مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ

اور فیصلہ کی روشن باتیں تو تم میں جو کوئی یہ مہینہ پائے ضرور اس کے روزے رکھے

مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ

اور جو کوئی بیمار یا سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں

بِكُمُ الْعُسْرَ ؗ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ

چاہتا اور اس لئے کہ تم گنتی پوری کرو اور اللہ کی بڑائی بولو اس پر کہ اس نے تمہیں ہدایت کی اور کہیں تم حق گزار ہو

تَشْكُرُوْنَ ۝ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا

اور اے محبوب جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں دعا قبول کرتا ہوں

marfat.ocm

دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿١٨٦﴾ أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ

پکارنے والے کی جب مجھے پکارے تو انہیں چاہیے کہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں کہ کہیں راہ پائیں۔ روزوں کی راتوں میں

الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ

اپنی عورتوں کے پاس جانا تمہارے لئے حلال ہوا وہ تمہاری لباس ہیں اور تم ان کے لباس اللہ نے جانا کہ

اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ ۖ فَالْآنَ

تم اپنی جانوں کو خیانت میں ڈالتے تھے تو اس نے تمہاری توبہ قبول کی اور تمہیں معاف فرمایا تو اب ان سے

بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ

صحبت کرو اور طلب کرو جو اللہ نے تمہارے نصیب میں لکھا ہو اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ تمہارے لئے ظاہر ہو جائے

الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ

سپیدی کا ڈورا سیاہی کے ڈورے سے (پو پھٹ کر) رات آنے تک روزے پورے کرو

وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا

اور عورتوں کو ہاتھ نہ لگاؤ جب تم مسجد میں اعتکاف سے ہو یہ اللہ کی حدیں ہیں ان کے پاس نہ جاؤ

كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿١٨٧﴾ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم

اللہ یوں ہی بیان کرتا ہے لوگوں سے اپنی آیتیں کہ کہیں انہیں پرہیزگاری ملے۔ اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ

بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ

اور نہ حاکموں کے پاس ان کا مقدمہ اس لئے پہنچاؤ کہ لوگوں کا کچھ مال ناجائز طور پر کھالو

۲۳ ع ۶

وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٨٨﴾

جان بوجھ کر۔

تفسیر عالمانہ

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اے ایمان والو

ف: اہل لغت کہتے ہیں کہ صرف یا محبوب کی ندائے محبت کے لئے اَیُّهَا محبوب کی تنبیہ محبوب کے لئے اور لفظ آمنو المحبوب کی شہادت محبوب کے لئے آتا ہے۔

ف: حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ سے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ کا ارشاد سنائی دے تو غفلت کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاؤ اس لئے اس کے بعد یا تو وہ کسی امر کے لئے مامور فرمائے گا یا کسی برے عمل سے روکے گا۔ حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حرف ندا کی لذت عبادت کی تکلیف کو دور کرتی ہے اور اس میں ایک لطیف اشارہ بھی ہے کہ محبّ کو چاہیے کہ اپنے محبوب کا ہر حکم مانے خواہ وہ فرمائے کہ اپنے آپ کو آگ میں ڈال دے تو محبّ کو چاہیے کہ فوراً آگ میں چلا جائے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ یعنی تمہارے اوپر ماہ رمضان کا روزہ فرض ہے کیونکہ اس کے بعد فرمایا اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ اور فرمایا فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ اور اس سے قبل فرمایا شَهْرُ رَمَضَانَ

روزہ کے اصطلاحی معنی: ☆...... اہل شرع کے نزدیک دن کو کھانے پینے اور جماع سے باز رہنے کا نام ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس میں نیت بھی روزہ کی ہو اور روزہ میں ان رکاوٹوں میں ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان اشیاء کو نفس خوب چاہتا ہے اس کی مخالفت کی بنا پر ان اشیاء سے روکا گیا یہ عوام کا روزہ ہے ☆...... خواص کے نزدیک تمام منہیات سے رکنے کا نام روزہ ہے ☆...... اخص الخواص کا روزہ ترک ماسوی اللہ کا نام ہے كَمَا كُتِبَ جیسے فرض کیا گیا۔

ترکیب کما: منصوب ہے اس لئے کہ یہ مصدر محذوف کی صفت ہے دراصل عبارت یوں تھی کتب کتابا کالنا مثل ما کنت اور ما مصدریہ ہے یا الصیام سے حال ہے اور اس وقت ما موصلہ ہوگا اب عبارت یوں گی کتب علیکم الصیام شبیہا الذی کتب تمہارے اوپر ان لوگوں کی طرح روزہ فرض ہے۔

عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ اور اوپر ان لوگوں کے جو تم سے پہلے تھے یعنی دیگر انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتیں یعنی سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک اس میں حکم کی تاکید اور اس کی

marfat.ocm

ترغیب اور نفوس کو خوش کرنا ہے اس لئے کہ روزہ ایک مشقت بھری عبادت ہے اور قاعدہ ہے کہ جب مشقت بھری عبادت عام ہو جائے تو وہ آسان معلوم ہوتی ہے اس کی ادائیگی میں ہر ایک کو رغبت ہوتی ہے۔

ف: یہ شبہ اصل روزہ میں ہے نہ کہ اس کی مقدار میں اور نہ ہی وقت کے تعین میں کیونکہ آدم علیہ السلام کے زمانہ میں ایام بیض کے روزے فرض تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں عاشورا کے روزے فرض تھے اور یہ بھی ہے کہ تشبیہ میں من کل الوجوہ برابری نہیں ہوتی جیسے ہم دعا میں کہتے ہیں اللّٰھم صلی محمد وعلی ال محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی ال ابراھیم اسی طرح انکم سترون ربکم کالقر لیلۃ البدر میں تشبیہ رؤیت کی رؤیت سے ہے کہ مری کی مری سے۔

ف: مری صیغہ مفعول از رؤیت ہے۔

لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ تا کہ تم گناہوں سے بچو اس لئے کہ روزہ شہوت کو توڑتا ہے۔

حدیث: یا معر الشباب من استطاع منکم الباۃ فلیتزوج فانہ اعض للبصر واحصن للفروج ومن لم فعلیلہ الصوم فان الصوم لہ اے نوجوانو! تم میں سے جس کی طاقت زوروں پر ہو تو اسے چاہیے کہ وہ نکاح کرے کیونکہ نکاح سے آنکھ برائی سے بچ جاتی ہے اور فرج زنا سے محفوظ ہو جاتا ہے اور جسے نکاح کی طاقت نہیں تو اس پر لازم ہے کہ وہ روزے رکھے کیونکہ روزہ صرف اسی لئے مقرر کیا گیا ہے۔

ف: اشباب شاب کی جمع ہے شاب اسے کہتے ہیں جو بالغ ہو جائے اور تیس سال کی عمر کو نہ پہنچے۔

(کذا قال النووی)

ف: الباۃ بمعنی بیاہ اور نکاح کرنا یہ للباء فی المنزل سے ماخوذ ہے یعنی گھر تیار کر دینا کیونکہ جب کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرتا ہے تو وہ اسے گھر تیار کر دیتا ہے۔ الوجاء خصی ہونے کی ایک قسم ہے وہ یہ کہ کسی کے خصیے کی رگوں کو ست کیا جائے لیکن خصیوں کو کچھ نہ کیا جائے یہ بھی تشبیہ کی بناء پر ہے کہ جس طرح خصی ہونے سے شہوت کا اندفاع ہو جاتا ہے اسی طرح روزہ رکھنے سے شہوت نفسانیہ کمزور پڑ جاتی ہے۔

ف: حدیث میں امر وجوب کے لئے ہے کیونکہ روزہ کا حکم اس وقت ہے جب کہ شہوت کا غلبہ ہو جیسے یا شباب سے معلوم ہوتا ہے یعنی نوجوان اپنی فطری صحیح سالم عادت سے تجاوز کر جاتا ہے۔

روحانی نسخے: علماء کرام فرماتے ہیں کہ شہوت چند ایک چیزوں سے ست پڑ جاتی ہے۔

۱۔ دن کا روزہ رکھنا۲۔ رات کو نماز کے لئے کھڑا ہونا۔ ۳۔ شہوت بھری اشیاء کو چھوڑ دینا۔

۴۔ شہوانی اشیاء کا تصور دل سے مٹا دینا۔ ۵۔ نفس امارہ کو شہوانی خیالات سے دور رکھنا۔

سوال: اگر کوئی شخص سوال کرے کہ بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو باوجود یکہ روزہ رکھتے ہیں رات کو نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اور کھانا پینا بھی ترک کرتے ہیں لیکن شہوت نفسانیہ کا شکار ویسے ہی رہتے ہیں اس کا کیا علاج ہے؟

جواب: یہ بیماری دراصل اس کی شہوت کی وجہ سے ہے جو اس کے اندر گھسی ہے اس کے چند علاج ہیں۔

☆...... نفس کو غم والم کی خبروں میں ہر وقت جلا رکھے۔

☆...... موت کا ذکر ہر وقت سامنے رکھے۔

☆...... نفس کو سمجھائے کہ موت کا وقت بالکل قریب ہے تو کب تک یہ خرابیاں کرتا رہے گا۔

☆...... آہستہ آہستہ آرزوئے نفس کو گھٹاتا جائے۔

☆...... نفس پر عبادت و اطاعت کے ذریعے کنٹرول کرے۔

أَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ یعنی دن نہایت قلیل اور گنتی کے ہیں یعنی جو مال گنتی کا ہو اسے گنا جاتا ہے اور جو مال ان گنت ہو اسے ایسے ہی ڈالا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر زندگی بھر کا روزہ فرض نہیں فرمایا اور نہ ہی کثیر التعداد روزے واجب فرمائے ہمارے لئے تخفیف اور رحمت بہ نسبت دوسری امتوں کے سہولت فرمائی اور ایاما کا منصوب ہونا فعل محذوف کی وجہ سے ہے۔ جو اس کا ماقبل یعنی صوموا دلالت کرتا ہے یعنی دراصل عبارت یوں تھی صوموا ایاما بطریق توسع کے مفعول قرار پائے گا۔

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا پس تم میں سے جو مریض ہو یعنی ایسا مریض کہ اسے روزہ نقصان پہنچائے یا روزہ کے ہوتے اسے نقصان ہو۔ **أَوْ عَلٰى سَفَرٍ** یا سفر میں ہو لفظ علی سے تعبیر میں اس طرف اشارہ ہے کہ گویا مسافر سفر پر ہوتا ہے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ دن کے کسی حصے میں سفر کا آغاز کرے تو روزہ رکھے کیونکہ اس لئے اس سے

marfat.ocm

سوار ہونے کا مفہوم ادا نہیں ہوتا بلکہ وہ سفر سے ایک قسم کی علابست حاصل ہوئی اور رخصت اس وقت ہے جب کہ ہر طرح سفر پر سوار ہونے کا مفہوم حاصل ہو۔ آیت میں لفظ استعارہ تبعیہ ہے کہ سفر اور مسافر کی سواری اور سوار سے مشابہت دی گئی ہے جس طرح سوار اپنی سواری پر جیسے چاہے تصرف کرے اسی طرح مسافر بھی اپنے سفر کو جس طرح چاہے استعمال کرے اس معنی کی دلالت کی وجہ سے اسم سے عدول کیا ورنہ فرماتے او مسافر کیونکہ اس میں وہ مفہوم نہیں جو عَلٰی سَفَرٍ میں سوار ہونے کا مفہوم ادا ہوتا ہے۔

فَعِدَّةٌ پس گنتی چاہے یعنی کہ مرض اور سفر کے دن گن کے دورے ایام میں روزے رکھے فَعِدَّةٌ سے ہے بمعنی معدودہ جماعت جو لوگوں میں شمار ہوا سے عدت کہتے ہیں۔

مِنْ اَيَّامٍ اُخَرَ یعنی اس کے سفر اور مرض کے ایام کے بغیر چاہے مسلسل قضا کرے یا غیر مسلسل آیت کا مطلب یہ کہ تندرست لوگوں پر ان گنی کے ایام میں روزے فرض ہیں باقی رہے بیمار اور مسافر سو وہ ان ایام کے بغیر بعد میں جب چاہیں قضا کرلیں وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ اور اوپر ان لوگوں کے کہ جنہیں طاقت ہے اکثر مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ سے وہ لوگ مراد ہیں جو تندرست اور مقیم ہیں لیکن ابتدائے اسلام میں اللہ تعالیٰ نے انہیں اختیار دیا تھا کہ چاہے روزہ رکھیں چاہے فدیہ دیں تاکہ ان کو دکھ نہ ہو کیونکہ اس سے قبل ان کی روزہ رکھنے کی عادت نہ تھی پھر یہ آیت منسوخ ہوگئی او ر لازم کیا گیا کہ جب ہی رمضان کا مہینہ ہو روزہ رکھنا فرض ہے اس آیت کی ناسخ یہ آیت ہے۔ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ یعنی جن لوگوں کے پاس رمضان شریف کا مہینہ آجائے تو ان پر لازم ہے کہ روزے رکھیں فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ یعنی ایک مسکین کا فدیہ گندم سے ایک صاع اور گندم کے سوا پورا صاع ادا کرنا ہوگا۔ فدیہ جزاء کے معنی میں ہے دراصل فدیہ کہتے ہیں کسی کا قائم مقام ہو کر بدل بن جانا شیخ کی تفسیر میں ہے۔ یطیق اطاق فلان سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب اس فلاں سے طاقت چھن جائے یہاں ہمزہ سلب کے لئے ہے یعنی وہ لوگ روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے یعنی یہی وہ لوگ تھے کہ جوانی کے وقت تو انہیں روزہ رکھنے کی طاقت تھی لیکن اب بڑھاپے میں انہیں طاقت نہیں رہی۔

فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا پس وہ شخص جو احسان کرتا ہے ساتھ بھلائی کے پھر فدیہ کا اضافہ کر دیتا ہے یا نیکی کا کوئی عمل کرتا

ہے فَھُوَ پس وہ نیکی خَیْرٌ لَّہٗ اس کے لئے بہتر ہے۔ خیر مطوع میں تین وجہیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ ایک مسکین پر ایک اور مسکین کا اضافہ کرے یعنی ایک کی بجائے دو مسکینوں یا اس سے زائد کو طعام دے۔

۲۔ مسکین واحد کو قدر واجب سے زائد دے۔

۳۔ فدیہ بھی دے اور روزہ بھی رکھے یہ سب کی سب بھلائی ہی بھلائی ہے۔

وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ مصدر مرفوع بالابتدا ہے یعنی اے مسافر اور وہ لوگ جنہیں روزہ رکھنے کی طاقت نہیں ہے خَیْرٌ لَّکُمْ تمہارے اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ فدیہ سے بہتر ہے اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اگر تمہیں معلوم ہوتا کہ روزے کے کتنے بڑے فضائل ہیں اس جملہ کا جواب محذوف ہے اس کے واضح طور پر ظاہر ہونے کی وجہ سے وہ مجذوف اخترتموہ ہے یعنی تم اسے اختیار کرتے۔

مسئلہ :الاشباہ میں ہے کہ سفر میں روزہ افضل ہے ہاں جب اسے خوف ہو کہ روزہ رکھنے سے بہت تکلیف ہوگی یا اس کے دوست اس کے زادِ راہ میں شریک ہیں لیکن نہیں رکھتے تو پھر روزہ نہ رکھنا جائز ہے۔

سوال: مسافر کو روزہ رکھنا افضل کیوں ہے؟

جواب: اس لئے کہ روزہ رکھنا عزیمت ہے اور نہ رکھنا رخصت اور عزیمت پر عمل کرنا افضل ہے۔

سوال: حدیث شریف میں ہے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: **لیس من البر الصیام فی السفر.** سفر میں روزہ رکھنا نیکیوں میں سے نہیں اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا گناہ ہے۔

جواب: یہ حدیث شریف محمول ہے اس معنی پر جب کہ سفر میں روزہ نقصان دیتا ہو یہاں تک کہ اسے مرجانے کا خطرہ ہو جائے۔ **(کذا فی شرح الجمع الا بن الملک)**

مسئلہ: روزے کی معافی ہر اس شخص کو ہے جسے نماز قصر کی اجازت ہے یعنی تین شب و روز کا سفر جو بہ تحقیق اعلیٰ حضرت سیدنا احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہ ساڑھے ستاون میل ہے یہی قول امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب کے مطابق ہے۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ نے ہمیں ماہ رمضان کے روزوں کا حکم اس لئے دیا کہ بندے کو سال کی گنتی کے مطابق ثواب

نصیب ہو اور یہ اس کا وعدہ ہے کما قال مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا اور ماہ کامل تیس دنوں کا ہوتا ہے اس حساب سے تین سو روزں کا ثواب ملا۔ پھر اس کے ساتھ ماہ شوال کے چھ روزے ملا لئے گئے جو ساٹھ روزے بنے اس طرح بندے کو سارے سال کے تین سو ساٹھ روزے نصیب ہوئے۔

مسئلہ: کسی ماہ کے ایک دن کی کمی سے روزوں کی کمی نہیں کی جاتی۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم ﷺ نے اپنی زندگی مبارک میں کل آٹھ ماہ رمضان کے روزے رکھے ان میں پانچ روزے انتیس دنوں کے اور تین تیس دنوں کے۔

ف: رمضان کے روزے کا حکم نبوت کے پندرہ سال اور ہجرت کے تین سال بعد ہوا۔

ف: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سرور عالم ﷺ نے اظہار نبوت کے بعد کلمہ شہادت کا اعلان فرمایا جب اس کی مکمل تصدیق ہو گئی تو پھر نماز کا حکم فرمایا جب اس کی تصدیق ہو گئی پھر زکوٰۃ کا اعلان فرمایا جب اس کی تصدیق ہو گئی پھر روزے کا اعلان فرمایا جب اس کی تصدیق ہو گئی پھر حج کا اعلان فرمایا جب اس کی تصدیق ہو گئی پھر جہاد کا اعلان فرمایا اس کے بعد دین مکمل ہو گیا۔

ف: فقرا کی وجہ سے دولتمندوں پر سب سے پہلے روزے کا حکم طہمورث بادشاہ کے زمانے میں فرض ہوا جو بنی آدم کے بادشاہوں میں تیسرا بادشاہ ہو گزرا ہے۔

روزے کی فرضیت کا سبب: روزے کی فرضیت کا سبب یوں ہوا کہ بادشاہ طہمورث کے زمانے میں سخت قحط پڑا اس نے دولتمندوں کو حکم فرمایا کہ غروب شمس کے بعد ایک ایک مسکین کو کھانا کھلائیں اور دن کو سارا دن بھوکے رہیں تا کہ فقرا کے حال پر شفقت کا موقع ملے اور دولت مندوں کے دن کا طعام فقراء کو نصیب ہو اور پھر اس سے عبادت الٰہی بجالا کر اس کے سامنے تواضع و انکسار کا اظہار کریں۔

فائدہ روحانیہ: روزہ رکھنے سے انسان جسمانیت کے تاریک و تنگ گوشہ (جسے نشأۃ ثانیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے) سے خارج ہو کر ملکوت السموٰت میں داخل ہو جاتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان ہے کہ کوئی بھی ملکوت السموٰت میں ہرگز داخل نہیں ہو سکتا جب تک اس کی ولادت نہ ہو بلکہ مجاہدہ صوم تو مشاہدہ ربانی کا

بہترین رابطہ ہے اسی کی طرف (حدیث قدسی کا بھی اشارہ ہے) روزہ میرے لئے اور میں ہی اسے جزا دوں گا یعنی میں ہی اس کی جزا ہوں نہ اس میں زیادتی ہوگی اور نہ کمی اسی لئے اللہ تعالیٰ نے زیارت کی رؤیت کو بھوک سے متعلق فرمایا چنانچہ ارشاد ہوا کہ جب عیسیٰ علیہ السلام نے خطاب فرمایا کہ تجوع ترانی بھوکے رہو تب مجھے دیکھو گے۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا۔

ندارند تن پروراں آگہی　　　کہ پر معدہ باشد زحکمت تہی

ترجمہ: تن پرور شہوت پرستوں کو کسی قسم کی آگاہی نصیب نہ ہوگی اس لئے جو پیٹ بھر کر کھائے گا وہ حکمت سے محروم رہے گا۔

سوال: روزے کو حدیث شریف میں اللہ تعالیٰ کی طرف کیوں منسوب کیا گیا؟

جواب: روزہ دار ریا سے پاک ہوتا ہے اس لئے کہ وہ ایک مخفی فعل ہے سوائے خدا تعالیٰ کے اسے کوئی نہیں جانتا لیکن شرط یہ ہے کہ بندہ روزہ کے وقت اپنے قلب اور سِر اور روح کو ماسوی اللہ سے پاک رکھے اور خواص کے ہاں حقیقی روزہ بھی یہی ہے۔

حضرت مولانا روم قدس سرہ نے فرمایا۔

ہر کرا دارد ہوسہا جان پاک　　　زود بیند حضرت وایوان پاک

(**ترجمہ**: جو اپنی روح کو خواہشات سے پاک رکھتا ہے وہ بہت جلد ذات حق کا مشاہدہ کرے گا)

تفسیر صوفیانہ جیسے ظاہر کا روزہ ہوتا ہے اسی طرح باطن کا بھی ہوتا ہے اور باطن کا خطاب اشارہ کرتا ہے یہ کہ مومن کے قلب روح کا روزہ یہ ہے کہ بندہ کو انوار الحضور مع اللہ کا شہود حاصل ہو قلب کا صوم یہ ہے کہ قلب معقولات کے مشروں کے حصول سے رک جائے اور روح کا روزہ یہ ہے یہ روح روحانیت کے مشاہدات سے دور رہے اور سر کا روزہ یہ ہے کہ وہ غیر اللہ کے شہود سے محفوظ ہو جو صرف کھانے پینے کی اشیاء وغیرہ سے رکا ہوا ہے اس کے روزے کی انتہا صرف یہ ہے کہ رات آئے گی اور وہ خوش ہوگا اور جو غیر اللہ سے رکا ہوا ہے اس کے روزے کی انتہا مشاہدہ حق ہے۔

حدیث شریف: حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا صوم الرویعہ والفطر والرؤیعہ اس کا مطلب حقیقۃً یہ ہے رؤیت سے مراد مشاہدہ حق ہے یعنی روزہ رکھو تو صرف مشاہد حق کی آرزو کے لئے اور افطار کرو تو مشاہدہ حق کی تمنا میں روزے دار کو چاہیے کہ وہ ظاہر اور باطن ہر طرح کا روزہ رکھے مثلاً زبان کا روزہ جھوٹ اور فواحش اور غیبت سے اور آنکھ کا روزہ یہ ہے کہ غفلت اور شک وشبہ سے بچے اور کان کا روزہ یہ ہے کہ مناہی وملاہی کے سننے سے محفوظ رہے اسی طرح باقی اعضاء کا قیاس کیجئے۔ مثلاً نفس کا روزہ ہے کہ وہ غلط تمنا اور حرص وشہوات سے بچے اور قلب کا روزہ یہ ہے حب دنیا اور اس کے نقش ونگار میں نہ پھنسے اور روح کا روزہ یہ ہے کہ وہ آخرت اور اس کی لذات کے نشہ میں نہ رہے اور سر کا روزہ یہ ہے کہ غیر اللہ کے وجود واثبات کو معوم کرے كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ میں اشارہ ہے کہ وجد انسان کے اجزاء جسمانیہ روحانیہ کی ترکیب سے قبل مشارب وغیرہ سے روزہ دار تھے۔ جب جسم روح سے متعلق ہوا تو ارواح کی امداد سے جسم اور روح کو حظوظ حیوانیہ ونفسانیہ کی آرزو پیدا ہوئی اس کے بعد جسم کے قالب کے حواس کی وجہ سے روح کو مشارب حیوانیہ وروحانیہ کی ضروریات محسوس ہوئیں اس پر اللہ تعالیٰ نے روزہ فرض فرمایا جیسے کہ وہ عالم ازل میں روحانیت میں فرداً فرداً ان پر روزے کا حکم تھا لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ تاکہ تم مشارب مرکبات سے بچ جاؤ اور روزے رکھو کو شراب طہور کی استعداد کے ساتھ اور ان مشارب سے افطار کریں جن کے لئے خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو پلائے گا جب کہ انہیں شراباً طہوراً سے نواز کر انہیں پورے طور پاک کردے گا یہ شراب حظوظ حیوانیہ روحانیہ کی آلائش سے پاک کردے گا۔ جیسا کہ فرمایا۔ وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ اور اللہ تعالیٰ کا تمہارے متعلق پاک کرنے کا ارادہ ہے مگر جب بندے کے حظوظ کی تمنا کا ستارہ گم ہوگا تو مطلع بقائے ربانی سے شمس لقاء طلوع فرمائے گا اس وقت ایفائے وعدہ ہوگا جو حضور علیہ السلام نے روزہ داروں کے لئے فرمایا۔ للصائم فرحتان روزے دار کو دو خوشیاں نصیب ہوتی ہیں۔ ۱۔ افطار کے وقت ۲۔ دیدار ربانی کے وقت۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو گنتی کی قلت کی خوشخبری سنائی یعنی اے میرے بندو! تمہارے روزہ رکھنے کے ایام تو بالکل معمولی اور گنتی کے ہیں۔ لیکن تمہارے روزوں کے ثمرات ان گنت ہیں پس روزے کا نام سن کر گھبراؤ نہیں۔ (کذا فی التاویلات نجمیہ)

تفسیر عالمانہ شَهْرُ رَمَضَانَ یہ مبتدا اور اس کا مابعد اس کی خبر ہے اس کے ذکر سے بندے کو رمضان

شریف کی فضیلت اور اس کے علو مرتبہ پر تنبیہ کرنا مقصود ہے اور اشارہ ہے اس طرف کہ یہ مہینہ دوسرے مہینوں سے خصوصی شان رکھتا ہے کہ اس کا روزہ فرض فرمایا فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ اس آیت سے مراد ماہ رمضان ہے اور روزے کی فرضیت فَلْيَصُمْهُ سے فرمائی۔

سوال: ماہ کو شہر کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب: اس کی شہرت کی وجہ سے جب شروع ہوتا ہے تو سب کے ہاں مشہور ہو جاتا ہے۔

حل لغات: رمضان رمض کا مصدر ہے بمعنی احتراق شہر کو رمضان کی طرف مضاف کر کے مجموع کو علم اور غیر منصرف مانا جاتا ہے اس میں دو سبب ہیں معرفہ اور الف نون زائدتان رمضان کو رمضان اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں بھوک اور پیاس کی وجہ سے جگر کمزور اور جل جاتا ہے اس وجہ سے کہ روزوں سے گناہ جھڑ جاتے ہیں یا اس وجہ سے کہ جب اس ماہ کے نام رکھنے کی باری آئی تو اس وقت سخت گرمی تھی بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مہینوں کے اسماء لغات قدیمہ سے منقول ہوئے ہیں پھر جس ماہ کے نام رکھنے کی باری آئی تو جو موسم تھا اس کے مطابق اس کا نام رکھا گیا ماہ رمضان کے نام کی باری آئی تو موسم گرما تھی جیسے ربیع الاول والآخر کا نام رکھتے وقت موسم بہار تھا اسی طرح جمادی الاولی والاخری کی باری آئی تو پانی کے جم جانے کا موسم تھا۔

ف: رمضان اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک نام ہے اب شہر اس کی طرف مضاف ہے اسی لئے مروی ہے **لاتقولوا جاء رمضان و ذهب رمضان** نہ کہو کہ رمضان آیا اور گیا بلکہ کہو ماہ رمضان آیا اور گیا اس لئے کہ رمضان اللہ تعالیٰ کے اسماء سے ہے۔

الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن پاک نازل ہوا یعنی پہلے ایک بارگی بیت العزۃ (جو کہ آسمان دنیا میں واقع ہے) میں نازل ہوا اس کے بعد تیئس سال کی عمر میں آہستہ آہستہ نازل ہوتا رہا جیسے مشیت ایزدی کا تقاضا ہوتا۔

حدیث شریف: حضور نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ صحف ابراہیم علی نبینا و علیہ السلام رمضان المبارک میں نازل ہوئے اور توارت رمضان المبارک کی چھٹی تاریخ کو نازل ہوئی اور انجیل تیرہ تاریخ رمضان میں نازل ہوئی اور قرآن پاک چوبیس رمضان کو نازل ہوا قرآن قرء سے مشتق ہے بمعنی الجمع کیونکہ قرآن پاک

میں علوم الاولین و آخرین جمع ہیں۔

هُدًى لِلنَّاسِ یعنی وہ قرآن نازل ہوا ہے اس کا حال یہ ہے کہ لوگوں کو اپنے اعجاز وغیر کے ذریعے جو لوگوں کو سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى اور اس کا یہ حال ہے کہ اس میں آیات واضحات ہیں جو ان سے حق کی طرف راہ دکھاتا ہے اور حق و باطل کے مابین فرق کرتا ہے اس اعتبار سے کہ اس میں حکمتیں اور احکام ہیں۔

ف: ہدایت دو اقسام کی ہیں۔ ۱۔ جو بالکل واضح اور کھلی ہو۔ ۲۔ اتنی واضح اور کھلی نہ ہو۔ پہلی قسم دوسری سے افضل ہے پہلے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی جنس عمومی طور بیان فرمائی اسکے بعد جو اشرف و اعلیٰ کا ذکر فرمایا بلکہ اس میں مبالغہ فرمایا گویا کہا گیا ہے کہ وہ قرآن ہدایت ہے بلکہ کھلی اور واضح ہدیت ہے اور ظاہر ہے کہ ایسی عبادت میں انتہا درجے کا مبالغہ ہے کیونکہ یہ مرتبہ ثالث میں ہے (یعنی ادنیٰ سے اوسط پھر اعلیٰ) اس کا عطف بینات پر از قبیل تشریف ہے۔

فَمَنْ یہ فاء تفریع و ترتیب کی ہے شَهِدَ پس وہ جو حاضر ہوا سکا استعمال وہاں ہوتا ہے جو کسی کو کسی شہر یا گاؤں میں اقامت حاصل ہو مِنْكُمُ الشَّهْرَ شہر کا منصوب ہونا علی الظرفیہ ہے فِی الشَّهْرِ یہ مفعول بہ نہیں اس لئے کہ مقیم و مسافر شہر میں حاضر ہوتے فَلْيَصُمْهُ پس چاہیے کہ اس میں روزہ رکھے اس میں حرف جار محذوف ہے اصل عبارت فلیصم فیہ تھی اور حرف جار کے بغیر پہچانے میں اتساع مطلوب ہے اور شاہد سے عاقل و بالغ و تندرست مراد ہے کیونکہ صبی مجنوں اگر چہ موضع میں حاضر ہوں تب بھی ان پر روزہ فرض ہے اس سے روزہ رکھنا یا نہ رکھنا یا اس کے بدلے فدیہ دینے کا حکم منسوخ ہو چکا ہے وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا اور وہ شخص جو مریض ہو اگر چہ مقیم یعنی گھر میں ہو اَوْ عَلٰى سَفَرٍ یا سفر میں ہو اگر تندرست ہو یہاں پر علی بمعنی فی ہے۔ قاعدہ ہے کہ حروف جارہ ایک دوسرے کے قائم مقام کھڑے ہو سکتے ہیں۔

فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ پس گنتی کے اور دنوں میں یعنی ان اعذار کی وجہ سے یہ لوگ دوسرے دنوں میں روزے رکھ لیں۔

سوال: حرف تخییر یعنی حرف اور عاطفہ کو دوبارہ کیوں لایا گیا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں جب تندرست مقیم اور مسافر اور مریض کے متعلق روزے رکھنے اور نہ رکھنے کا اختیار دے کر دوسری آیت میں اس حکم کو منسوخ فرمایا اگر صرف اسی منسوخ کے مضمون تک بات محدود رہتی تو حکم کی یکسانیت کا احتمال رہتا اس لئے ضروری ہوا کہ منسوخ کے بعد پھر مقیم و مسافر اور مریض کی وضاحیت ہوتا کہ معلوم ہو کہ ان احکام سابقہ میں بعض اپنے اصل پر ہیں۔

یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ اللہ تعالیٰ تمہارے متعلق آسانی کا ارداہ فرماتا ہے اور دکھ کا ارادہ نہیں رکھتا یعنی یہ نہیں فرماتا کہ دکھ کے وقت بھی روزہ رکھو یعنی سفر اور مرض میں روزہ رکھنے کی اجازت نہیں بخشی یہ اس کی نہایت درجہ کی مہربانی اور بے حد درجہ کی رحمت ہے۔

ف: امام محمد بن علی الترمذی (صاحب نوادر الوصول) قدس سرہ فرماتے ہیں کہ الصوایک بہشت کا نام ہے کہ تمام آسانیاں اسی میں رکھی گئی ہیں اور الیسر ایک جہنم کا نام ہے جس میں ہر قسم کے دکھ رکھے گئے ہیں اب آیت کا معنی یوں ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں روزے رکھنے کا حکم دیتا ہے تا کہ تمہیں بہشت میں داخل کرے اور دوزخ سے بچائے۔

ف: ہمارے شیخ العلامہ الفضلی قدس سرہ اس آیت کی تفسیر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے روزے رکھنے کے حکم میں تمہاری دارین کی سعادت کا ارادہ رکھتا ہے نہ کہ دارین کی بدبختی۔

ف: دنیا کی سعادت کی یہ معنی ہے کہ بندے کو ملکیت اور روحانیت کی طرف ترقی اور یہ لفظ و معرفت کی جانب پہنچنا نصیب ہوتا ہے اور دنیا میں بدبختی کا یہ معنی ہے کہ انسان اپنی بشریت و حیوانیت میں محدود رہے اور اوصاف طبعیہ و انسانیہ میں مقید رہے اور یسر یعنی آخرت کی سعادت کا یہ مطلب ہے کہ اسے جنت و نعمت اور قرب وصال اور رویت حق نصیب ہو اور آخرت کی بدبختی کا یہ معی ہے کہ اسے جہنم اور اس کے عذاب اور اور اس کے مختلف درکات نصیب ہوں۔

تفسیر صوفیانہ

شیخ نجم الدین قدس سرہ اپنی تاویلات نجمیہ میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے یسر کے ساتھ عسر کا ارادہ رکھتا ہے بمعنی کہ تعمیل ارشاد میں بندے کو اس کا انتظار بھی نہ ہو کہ مجھے اس کی وجہ سے عسر نجات ملے گی۔ (گویا نیکی کر اور دریا میں ڈال کا مصداق بن جائے) ہاں اس آسانی

کے خیال میں رہے کہ جس سے دکھ ٹل جاتے ہیں تو کوئی حرج نہیں اس لئے کہ جب دانا کو طبیب کڑوی دوائی مرض کی تکلیف کی وجہ سے پلاتا ہے (جو ہی دوائی تندرستی لانے والی ہوتی ہے) تو دانا دوائی پیتے ہوئے دوا کے کڑوا پن کو نہیں دیکھتا بلکہ اس کی نگاہ اس کڑوا پن سے تندرستی کی چاشنی پر لگی ہوتی ہے اسے دوائی کے کڑوا پن کی پرواہ نہ کرتے ہوئے قوت وہمت سے کڑوی دوائی پی جاتا ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا۔

وبالست دادن برنجور قند کہ داروئے تلخش بو سود مند
زعلت مداری خردمند بیم چو داروئے تلخت فرستد حکیم

(بیمار کو میٹھا کھلانا نقصان دہ ہے اس لئے کہ اسے کڑوی دوائی مفید ہے بیماری سے
دانا کو خوف نہیں کرنا چاہئے جب حکیم کڑوی داوئی دے تو فوراً پی لینی چاہئے)

وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ اور تا کہ تم اپنی گنتی پوری کرو یعنی اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے واجب کرنے کے بعد گنتی کی رعایت اس لئے دی ہے تا کہ تم سفر یا مرض کی وجہ سے جتنے دن تم نے روزے نہیں رکھے اتنی مقدار دوسرے دنوں میں مکمل کرلو۔ چنانچہ فرمایا فعدۃ ای فعلیکم عدۃ ما افطر تم وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ اور تا کہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو یعنی ہم نے جو تمہیں روزوں کی قضا کا حکم (جو متا یام اخر سے معلوم ہو رہا ہے) دیا مطلق ہے خواہ وہ مسلسل رکھو یا مختلف ایام میں تا کہ اللہ تعالیٰ کی بزرگی بیان کرو حمد کرتے ہوئے عَلٰی مَا هَدٰىكُمْ جس پر اس کے کہ اس نے تمہیں ہدایت بخشی ہے یہاں پر ما مصدریہ ہے ای علی ھدا یہ ایا کم ۔۔۔۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں تکلیف سے عہد برا ہونے کے لئے سیدھے راستے بتائے وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ یعنی ہم نے تمہیں سفر اور مرض میں روزے نہ رکھنے کا حکم فرمایا تا کہ تم شکر کرو اس نعمت کا زبان اور قلب اور بدن سے۔

احادیث شریفہ

حدیث شریف ۱۔ میں ہے کہ جس نے تین چیزوں کی حفاظت کی وہ یقیناً ولی اللہ ہے اور جوان تینوں کو ضائع کردیتا ہے۔ یقین جانو وہ اللہ کا دشمن ہے۔

۱۔ نماز ۲۔ روزہ ۳۔ جنابت کا غسل

حدیث شریف ۲۔ اللہ تعالیٰ کی تمام بہشتیں چار آدمیوں کی مشتاق رہتی ہیں۔

۱۔ رمضان کے روزے رکھنے والا ۲۔ قرآن پاک کی تلاوت کرنے والا ۳۔ زبان کی حفاظت کرنے والا۔ ۴۔ بھوکے ہمسایوں کو کھانا کھلانے والا۔

ف: اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کے تمام گناہ بخش دیتا ہے جو روزہ افطار کراتا ہے خواہ اس نے وہ گناہ پاؤں سے چل کر کئے یا ہاتھوں یا آنکھوں سے کئے اور کانوں سے سنے اور زبان سے کئے یا اس کے قلب سے صادر ہوئے

حدیث شریف: جب قیامت میں اللہ تعالیٰ اہل قبور کو قبروں سے اُٹھنے کا حکم دے گا تو اللہ تعالیٰ ملائکہ کو فرمائے گا کہ اے رضوان میرے روزے داروں کو آگے چل کر ملو کیونکہ وہ میری خاطر بھوکے پیاسے رہے اب تم بہشت کی خواہش کی تمام اشیاء لے کر ان کے پاس پہنچ جاؤ اس کے بعد وہ رضوان زور سے پکار کر کہے گا اے جنت کے غلمان وولدان نور کے بڑے بڑے تھال لاؤ اس کے دنیا کے ریت کے قطرات اور بارش کی بوندوں کے اور آسمان کے ستاروں اور درختوں کے پتوں کے برابر میوہ جات اور کھانے پینے کی لذیذ اشیاء جمع کر کے روزہ داروں کے سامنے رکھ دی جائیں گی اور ان سے کہا جائے گا جتنا مرضی کھاؤ پیو یہ ان روزوں کی جزاء ہے جو تم نے دنیا میں رکھے۔

ایک عجیب الخلقت فرشتہ: حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے شب معراج سدرۃ المنتہیٰ پر ایک فرشتہ دیکھا جسے میں نے اس سے قبل نہیں دیکھا تھا اس کے طول وعرض کی مسافت لاکھ سال کے برابر تھی اس کے ستر ہزار سر تھے اور ہر سر میں ستر ہزار منہ اور ہر منہ میں ستر ہزار زبانیں اور ہر سر پر ستر ہزار نورانی چوٹی تھی اور ہر چوٹی کے سر پر بال میں لاکھ لاکھ موتی لٹکے ہوئے ہر ایک موتی کے پیٹ پر لکھا ہوا ہے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اور اس فرشتے نے اپنا سر اپنے ایک ہاتھ پر رکھا ہے اور دوسرا ہاتھ اس کی پیٹھ پر ہے اور وہ حظیرۃ القدس یعنی بہشت میں ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتا ہے تو اس کی خوش آواز سے خوشی سے عرش الٰہی کانپ جاتا ہے میں نے جبریل امین علیہ السلام سے ان کے متعلق پوچھا تو انہوں نے عرض کیا کہ یہ وہ فرشتہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے دو ہزار سال پہلے پیدا کیا تھا پھر میں نے کہا اس کی لمبائی چوڑائی کہاں سے کہاں تک ہے؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے بہشت میں ایک چراگاہ بنائی ہے اور یہ اسی میں رہتا ہے اس جگہ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ وہ آپ کے اور آپ کی امت کے ہر شخص کے لئے تسبیح پڑھے جو روزہ رکھتے ہیں حضور علیہ الصلوۃ

والسلام نے اس فرشتہ کے آگے دو صندوق دیکھے اور ہر صندوق پر ہزار نورانی تالہ تھا میں نے پوچھا اے جبریل علیہ السلام یہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا اس فرشتہ سے پوچھئے میں نے اس سے پوچھا یہ صندوقیں کیسے ہیں اس نے کہا اس میں آپ کی روزہ رکھنے والی امت کی برأت کا ذکر ہے آپ کو آپ کی امت کے روزہ رکھنے والوں کو مبارک ہو۔

مسئلہ: ہر عمل میں نیت ضروری ہے خصوصاً روزہ میں؟

مسئلہ : نیت کا مطلب یہ ہے کہ کم از کم دل سے جانتا ہو کہ آج میرا روزہ ہوگا اور یہ تقریباً رمضان کی ہر رات خیال ہی ہوتا ہے۔

سوال: روزہ میں نیت کو کیوں ضروری قرار دیا گیا؟

جواب: کھانے پینے وغیرہ سے رک جانا کبھی عادتاً اور کبھی بھوک کے نہ ہونے کی بناء پر اور کبھی مرض کی وجہ سے اور کبھی ریاضت کی بنا پر اور کبھی عبادت کے طور پر ہوتا ہے اس لئے ضروری ٹھہرا کہ نیت کرلے تاکہ خالص عادت متعین ہو۔

مسئلہ: یہ نیت ہر روز کے لئے علیحدہ شرط ہے کیونکہ ہر دن کا روزہ ایک علیحدہ فرض ہے کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جو شخص روزہ رکھ کر توڑ دے تو وہی روزہ ٹوٹے گا یہ نہیں کہ اس کے تمام روزے خراب ہوگئے بخلاف تراویح کے کہ اس میں تمام کے لئے ایک ہی نیت کافی ہے کہ وہ تمام (بیس رکعات) گویا ایک ہی نماز ہے یہی صحیح تر ہے۔

مسئلہ: روزے رمضان کی نیت دوپہر سے پہلے ہوسکتی ہے اگر کھانا پینا نہ ہو تو روزہ ہو جائے گا۔

سوال: احادیث تو اس کے خلاف ہیں؟

جواب: وہ احادیث مبارکہ جو اس کے خلاف آئی ہیں ان میں فضیلت کی نفی ہے کہ جو رات کو روزہ کی نیت نہیں کرتا اس کا روزہ نہیں یعنی اس کو روزہ کی فضیلت حاصل نہیں ہوگی۔ جیسا کہ شریعت کا قاعدہ مشہور ہے۔

مسئلہ: قضا اور کفارات اور نذر مطلق میں رات کو نیت ضروری ہے کیونکہ ان امور کے لئے اوقات متعین نہیں اسی لئے ضروری ہے کہ رات کو نیت کی جائے تاکہ دوسرے اعمال کی مزاحمت ہوسکے۔

مسئلہ: جو کہا گیا ہے کہ رمضان کے روزے کی نیت دوپہر سے پہلے جائز ہے اس سے نصف النہار مراد ہے

یعنی صبح صادق سے لے کر ضحوہ کبریٰ یعنی چاشت کے وقت تک اس وقت سے پہلے نیت کا ہونا ضروری ہے تا کہ اکثر وقت اس کا روزہ میں گزرے اس میں کل کا حکم ہوگا یہاں تک کہ اگر کسی نے اس کے بعد نیت کی تو وہ روزہ نہ ہوگا لیکن اس کا اکثر وقت روزہ کی نیت سے خالی گزرا ہے اس میں اکثریت کے غلبہ کا اعتبار کیا گیا ہے۔

مسئلہ: تراویح میں احتیاط اسی میں ہے کہ ان میں تراویح یا قیام اللیل یا سنۃ الوقت یا قیام رمضان کی نیت کرے۔

مسئلہ: تراویح سنت مؤکدہ ہے اسی پر خلفاء راشدین نے مواظبت فرمائی ہے۔

حدیث شریف: حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر رمضان کے روزے فرض فرمائے ہیں اور میں تمہارے لئے اس کی راتوں کا قیام سنت مقرر کرتا ہوں۔

سوال: حدیث مذکورہ سے تو تراویح کا سنت ہونا ثابت ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اے نعمة البدعة هذا یعنی رمضان کی راتوں میں قیام اچھی بدعت ہے فرما کر بدعت کہا ہے (بدعت اور سنت میں تضاد ہے)

جواب: حضور کریم ﷺ نے تراویح چند راتیں پڑھ کر پھر ترک کر دیں آپ نے ان پر مواظبت نہیں فرمائی اور نہ ہی ان کے لئے لوگوں کو جمع فرمایا البتہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی مواظبت فرمائی اور ان کے لئے لوگوں کو جمع بھی فرمایا اسی ہیئت کذائیہ کی بناء پر انہوں نے اسے بدعت سے تعبیر فرمایا اور گروہ بدعت بھی ہے تو بدعت محمودہ ممدوحہ حسنہ ہے اور بدعت حسنہ سنت کے منافی نہیں ہوتی۔

(کذافی تفسیر القرطبی جلد اول، تحت قولہ تعالیٰ بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ)

فضائل رمضان: حضور نبی اکرم ﷺ رمضان المبارک کی تشریف آوری سے اپنے صحابہ کرام کو خوشخبری سناتے ہوئے فرماتے تمہارے ہاں ماہ رمضان آیا اور یہ ماہ بہت بڑی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر اس کے روزے فرض فرمائے ہیں اور اس ماہ میں آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیطانوں کو باندھ دیا جاتا ہے اور اس ماہ میں ایک ایسی رات ہے جو ہزار ماہ سے افضل ہے جو اس کی برکت سے محروم ہو گیا اس جیسا محروم دنیا میں نہیں ہوگا۔

مسئلہ: بعض لوگوں نے اس حدیث سے مسئلہ استنباط کیا ہے کہ خوشی کے وقت ایک دوسرے کو مبارک باد پیش کرنا اسی حدیث سے ثابت ہے جب کہ بعض مقامات پر رواج ہے کہ رمضان شریف کی تشریف آوری کے

وقت ایک دوسرے کو مبارک باد پیش کرتے ہیں امام سخاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ مقاصد حسنہ میں لکھتے ہیں کہ مہینوں اور عیدوں کی آمد پر مبارک باد پیش کرنا لوگوں کی عادت ہے ورنہ کوئی مسئلہ نہیں۔

حدیث شریف: حضرت ابن عباس مرفوعا روایت فرماتے ہیں کہ بھائی کو حج کی واپسی پر ملو اور اسے کہو تقبل اللہ منا و منک اللہ تعالیٰ ہم تم سب سے قبول فرمائے۔ یہ بھی ایک خوشی پر مبارک باد ہے۔

حدیث شریف و مسئلہ: مرفوع حدیث میں ہے کہ ہمسایہ کے حقوق میں سے ایک حق یہ ہے کہ اس کو خوشی کے وقت مبارک باد پیش کرو اور اس کے غم کے وقت اس کے پاس تعزیت کے لئے جائے اور وہ بیمار ہو جائے تو اس کی طبع پرسی کرے۔

مسئلہ: روزے کے مستحبات میں سے ہے کہ اپنے ظاہری اعضاء کو گناہوں سے بچائے اور خواطر باطنہ کی نگرانی کرے اور اللہ تعالیٰ کا قرب ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا جب تک اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء کو ترک نہ کرے۔

ف: حضرت شمس الدین دارانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ میں دن کو روزہ رکھوں اور رات کو حلال لقمہ سے افطار کروں مجھے زیادہ محبوب ہے کہ رات دن نوافل پڑھتے گزاروں۔

تفسیر صوفیانہ شمس توحید پر حرام ہے کہ بندے کے قلب پر حرام کا لقمہ اثر کرے خصوصاً روزے کے افطار کے وقت سالک کو چاہیے کہ حرام لقمے سے اجتناب کرے اس لئے کہ یہ دین کے لئے زہر قاتل ہے۔

مسئلہ: ہم اہل اسلام کی تین عیدیں ہیں۔

☆......عید الافطار اور یہ طبعی عید ہے۔

☆......عید الموت جب کہ خاتمہ ایمان پر ہو بہت بڑی عید ہے۔

☆......عید التجلی آخرت میں تو پھر تمام عیدوں سے بہت بڑی عید ہے۔

حدیث شریف اور مسئلہ: امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں اور اس روایت کی تصحیح بھی فرمائی

حضرت زید بن حارث سے مروی ہے کہ جس نے روزہ دار کو کھانا کھلایا تو اسے روزہ دار کے روزہ کا ثواب ملے گا بغیر اس کے کہ روزہ دار کے روزہ میں کمی آئے۔

حکایت: حضرت امام حافظ حماد بن لمہؒ رمضان کی ہر رات میں پچاس آدمیوں کو روزہ افطار کراتے تھے جب عید الفطر کی رات آئی تو پچاس آدمیوں کو علیحدہ علیحدہ پوشاک عنایت فرمائی اسی لئے انہیں ابدال اولیا میں شمار کیا جاتا ہے۔

حدیث شریف: حضرت امام سیوطی جامع صغیر میں اور امام سخاوی نے مقاصد حسنہ میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ فرمایا کہ میری امت کے ہر زمانہ میں پچاس برگزیدہ انسان اور چالیس ابدال ہوتے ہیں نہ ان پچاس میں کمی آتی ہے اور نہ ہی ان چالیس میں۔ جب ان میں سے کوئی ایک فوت ہوتا ہے تو اس کے عوض دوسرے کو مقرر کیا جاتا ہے تاکہ تعداد مکمل رہے۔ صحابہ کرام نے عرض کی حضور ہمیں ان ان کے اعمال سے آگاہ کیجئے۔ آپ نے فرمایا وہ لوگ ہیں کہ جب ان پر ظلم ہوتا ہے تو معاف کرتے ہیں اور انہیں جو تکلیف پہنچاتا ہے تو وہ ان کے ساتھ احسان کرتے اور اسی پر راضی ہوتے ہیں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت ہوتا ہے۔

حدیث شریف: میں ہے کہ جس نے بھوکے کو کھانا کھلایا اور ننگے کو کپڑا پہنایا اور مسافر کو پناہ دی تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کی تکالیف سے محفوظ رکھے گا۔

حکایت: حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ فقراء اور طلبائے اسلام پر ہر سال لاکھ درہم خرچ فرماتے اور حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے فرماتے اگر تم لوگ نہ ہوتے تو میں کبھی تجارت نہ کرتا اور ساتھ ہی انہیں یہ فرماتے اے طالب علمو! دنیا کے کسی معاملہ میں مشغول نہ ہونا صرف طلب علم میں بسر کرو تاکہ تمہاری ضروریات پورا کرنے میں کافی ہوں۔

حکایت: حضرت یحیٰی برمکی رحمۃ اللہ علیہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ پر ہر ماہ ہزار درہم خرچ کرتے اور حضرت یحیٰی برمکی کے لئے حضرت سفیان سر سجدہ میں رکھ کر یوں دعا کرتے اے اللہ تعالیٰ یحیٰی نے دنیا میں میری

ضررویات کا ذمہ اُٹھایا ہے تو آخرت میں اسے اپنے ذمہ لے لے۔ جب یحیی برمکی کا انتقال ہوا تو انہیں بعض دوستوں نے خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ تمہارے ساتھ کیسی گزری انہوں نے کہا حضرت ابوسفیان کی دُعا سے میری بخشش ہوگئی۔ حضرت صائب مرحوم نے فرمایا۔

تیرہ روزان جہانرا بجر نے ادریاب　　تا پس از مرگ ترا شمع مزارے باشد

ترجمہ: ان کمزور لوگوں کو تاریکیوں میں تلاش کرو جو روزی سے عاجز ہیں ان کی برکت سے تیری قبر روشن ہو۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی کتاب کے مقتضی اور اپنے خطاب کے مدلول کے مطابق بنائے (آمین)

تفسیر عالمانہ

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ ، **ربط**: اس مضمون کا سابق سے ربط یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ماہ رمضان کے روزے رکھنے اور اس کی گنتی کی حفاظت کا حکم فرمایا اور ساتھ اس کی راتوں کے جاگنے اور ان میں عبادت کرنے کی ترغیب فرمائی کہ ان ایام میں بندے اس کی عظمت و بڑائی بیان کریں اور اس کا شکر ادا کریں تو اس کے بعد اس آیت کو ذکر کیا تا کہ بندوں کو معلوم ہو کہ رب تعالیٰ ان کے حالات سے باخبر اور ان کے ذکر و شکر پر مطلع اور ان کی باتوں کو سنتا ہے اور ان کی دُعاؤں کو قبول کرتا اور ان کے اعمال کی انہیں جزا دینے والا ہے۔

شان نزول: اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ سے ایک عربی نے سوال کیا کیا ہمارا رب تمہارے قریب ہے تا کہ ہم اس سے مناجات کریں یا بعید ہے تا کہ اسے پکار کر معروضات پیش کریں اس کے جواب میں فرمایا کہ مجھ سے میرے بندے جب بھی کوئی بات عرض کرتے ہیں تو میں ان کے سوال کی اجابت بہت جلد کرتا ہوں۔

فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اے پیارے حبیب ﷺ میرے ان بندوں کو فرما دیجئے کہ میں تمہیں علم کے لحاظ سے قریب اور محیط ہوں۔

ف: اس میں اللہ تعالیٰ کے علمی کمال کی تمثیل ہے کہ وہ کریم بندوں کے تمام افعال و اقوال کو جانتا ہے اور ان کے تمام احوال پر مطلع ہے جیسے کوئی کسی کے قرب مکانی کے لحاظ سے قریب ہوتا ہے۔

ف: اس اعتبار سے قرب کا لفظ استعارہ تبعیہ تمثیلیہ ہوگا۔

سوال: یہاں پر قرب حقیقی یعنی قرب مکانی کیوں مراد نہیں لیا جاتا؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے قرب مکانی ممتنع ہے کیونکہ اگر وہ کسی مکان میں ہوتو پھر وہ سب کے ساتھ قریب نہ ہوگا اس لئے کہ اگر وہ عرش کے حاملین کے قریب ہوگا تو اہل زمین سے بعید ہوگا اور اہل مشرق کے قریب ہوگا تو اہل مغرب سے بعید ہوگا اسی طرح برعکس۔

حدیث: حضرت ابوموسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ جب حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اپنی آوازوں کو پست کرو اس لئے کہ تم کسی بہرے اور غیب کو نہیں پکار رہے بلکہ جسے تم پکارتے ہو وہ تو سمیع اور قریب اور تمہارے ساتھ ہے۔

مسئلہ: یہ باعتبار مشارب مقامات کے ہے ورنہ اہل غفلت کے لئے تو ذکر بالجہر مناسب ہے تا کہ دل کا نشہ دور ہو اور حضور قلب کے لئے ذکر خفی مناسب حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا۔

دوست نزدیکتر از من بمن است ویں عجبتر کہ من از وے دورم

ترجمہ: دوست تو میرے نزدیک تر ہے لیکن افسوس کہ میں اس سے دور ہوں۔

اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ دعا مانگنے والا جب مجھ سے مانگتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔

ف: اس میں قرب مجازی کی تقریر ہے یعنی جہاں اللہ تعالیٰ کے لئے کیف قرب کو قرب مکانی سے تشبیہ دی گئی ہے جیسا کہ علم معانی میں ہے کہ مستعار منہ کے مناسبات کو مستعار لہ کے لئے ثابت کرنا جس سے استعارہ کی ترشح بلکہ اس مستعارہ کو ثابت کرنا مطلوب ہوتا ہے۔

مسئلہ: اس آیت میں دعا مانگنے والے کو اجابت دعا کا وعدہ ہے۔

سوال: ہم نے بہت سے دعا مانگنے والوں کو دیکھا کہ باوجود یہ کہ دعا میں عجز و انکسار کرتے ہیں لیکن ان کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

جواب: یہ آیت مطلق ہے اور دوسری جگہ مقید اور قاعدہ ہے کہ مطلق مقید پر محمول ہوتا ہے چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ اب آیت کا معنی یوں ہوا کہ میں بندے کی دعا قبول کرتا ہوں اگر چاہوں ورنہ نہیں۔

دعا کی شرائط: دعا کی قبولیت کے لئے چند شرطیں ہیں۔

۱۔ مشیت ایزدی ۲۔ قضاء وقدر کی موافقت ۳۔ کسی محال بات کا سوال نہ ہو۔ ۴۔ اس کے لئے دُعا کی قبولیت مفید بھی ہو۔

ف: اجابت کا معنی ہے جیسے کوئی مانگے ویسے دینا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا سوال پورا کرتا اس کی دعا قبول کرتا اور مجبور لوگوں کی ضروریات کی کفایت فرماتا ہے۔

فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي بندوں کو چاہئے کہ وہ میری بات کو مانیں یعنی جب میں انہیں ایمان واطاعت کے لئے بلاؤں تو وہ اسے قبول کریں جیسے میں ان کی بات مانتا ہوں جبکہ وہ اپنے مقاصد کے لئے مجھے پکارتے ہیں۔

ف: استجابہ واستجاب لہ واجابہ ایک ہی ہیں یعنی بندے کے سوال کو ختم کر کے اپنے مقصد تک پہنچانا۔ یہ دراصل الجوب سے ہے بمعنی کاٹنا وَلْيُؤْمِنُوا بِي ایمان پر ثابت قدم رہنے کا امر ہے حضرت ابن الشیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہا الاستجابۃ بمعنی الانقیاد والاسلام اور ایمان قلب کی صفت ہے۔

نکتہ: استجابت کو ایمان پر مقدم کرنے میں اشارہ ہے کہ کورونق ونورانیت نصیب نہیں ہوتی جب تک پہلے طاعات وعبادات ادا نہ کی جائیں۔

نکتہ: اس جملہ کی فا میں اشارہ ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تیری دُعا قبول کرتا ہوں باوجود یہ کہ بے پرواہ اور غنی ہوں پھر اے میرے بندے تو بھی میرے بلانے پر سر جھکا دے اور میرے کہنے پر چل باوجود یہ کہ ہر لحاظ سے تو میرا محتاج ہے سبحان اللہ کیسا ہی کرم ہے اس کریم کا کہ اپنے بندے کو اپنے پاس کیسے محبت اور پیار سے بلاتا ہے۔

لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ انہیں رشد کی امید میں رہنا چاہئے رشد بمعنی ہدایت پانا دنیا کی مصالح ہوں یا آخرت کی اب آیت کا معنی یوں ہوگا کہ بے شک انہوں نے جب اللہ تعالیٰ کے احکام کو قبول کیا اور ایمان لائے دین دنیا کے مصالح سے ہدایت پا گئے کیونکہ ہدایت پانے والے کے یہی علامات ہیں۔

مسئلہ: دکھ کو ٹالنے کے لئے دعا مانگنا مذموم ہے اہل شریعت بھی یہی کہتے ہیں اور اہل طریقت بھی کیونکہ دُعا نہ مانگنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مقابلہ کرنے کے مترادف اور دکھ درد کو سر پر رکھنے کا دعویٰ کرنا مثنوی شریف میں ہے۔

تا فرود آید بلا بے دافع چوں بنا شد واز تفرع شافع

ترجمہ: دافع کے بعد بلاٹل جائے جب زاری جیسا شافع نہ ہو۔

مسئلہ: عوام اور مبتدی الکون کو اسباب کی تلاش ضروری ہے اور اوسط درجہ کے سالکوں کو توکل مناسب ہے اور کاملین کے احوال کی تو کوئی انتہا نہیں ان کے لئے اسباب اور توکل برابر ہیں۔

حکایت: مروی ہے کہ سیدنا ابراہیم علی نبینا علیہ السلام کو جب نار میں ڈالا جارہا تھا حضرت جبریل علیہ السلام ان کو ہوا میں اُڑتے ہوئے یعنی آگ میں پہنچنے سے پہلے ملاقی ہوئے اور عرض کی حضرت کوئی ضرورت ہو تو فرمایئے آپ نے فرمایا تمہارے ہاں مجھے ضرورت نہیں ہے جبریل علیہ السلام نے عرض کی تو اللہ تعالیٰ سے عرض کیجئے آپ نے فرمایا وہ میرے سوال کو جانتا ہے میں اسے کیوں عرض کروں۔

ف: دراصل یہ مقام کامل و مکمل حضرات کا ہے جو انانیت سے فارغ ہیں بلکہ وجود کے متعلقات سے بھی جدا یعنی ہر حال میں فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہیں اے سالک ذرا غور کر تو کس حال میں ہے تجھے اللہ تعالیٰ سے عفو اور مغفرت مانگنی چاہئے۔

حدیث شریف: حضور نبی اکرم ﷺ لوگوں کو ان کے اپنے مراتب کی مقدار کے مطابق گفتگو فرماتے ہیں اس لئے اعرابی سے فرمایا۔

حدیث شریف: ایک اعرابی حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں اپنے اُونٹ کو باندھے بغیر حاضر ہوا صرف اس خیال سے کہ یہ بھی توکل ہے آپ نے فرمایا اُونٹ کو باندھو اور اس کے بعد اللہ پر توکل کرو۔

شرح الحدیث: اس حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ السلام نے اعرابی کو اونٹ کا باندھنا ہی توکل فرمایا جب کہ اس نے اونٹ کو چھوڑ کر چلے آنے کو توکل سمجھا اس پر حضور نبی پاک ﷺ نے اعرابی کو توکل پر برانگیختہ کیا جیسے پرندوں کی حالت ہے کہ وہ توکل کے عامل ہیں اور انہیں روزی کی تنگی نہیں۔

ف: توکل کا یہ معنی ایسے ہے جیسے قضاء وقدر پر تو ایمان ہے لیکن تسکین و تسلی کی نعمت سے محروم ہے۔

ف: اجابت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ایسا وعدہ کرے جس کا خلاف محال ہے۔

حل اشکال: جس نے دُعا مانگی لیکن فوراً اجابت نہ ہوئی تو اس کے چند وجوہ ہوتے ہیں بندے کو یقین رکھنا

marfat.ocm

چاہیے کہ دُعا قبول تو ضرور ہوتی ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ اسے منہ مانگی بات ملے اس لئے کہ منہ مانگی بات کا نام اجابت نہیں اور نہ ہی منہ مانگی بات کو اجابت کہا جاتا ہے بلکہ اجابت اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے جو بندے کے مناسب حال پر اس کا کام کر دیتا ہے۔

ف: اجابت دعا کا مطلب یہ ہے کہ جب بندہ عرض کرے اے میرے رب اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتا ہے لبیک۔ حاضر ہوں اے میرے بندے تو کیا کہتا ہے یہ وعدہ مانگنے والے اور ہدایت پانے والے اور توجہ کرنے والے کے لئے ہوتا ہے اور دُعا کی اجابت کا یہی معنی ہے کہ بندے کا مقصد پورا کر دیا جائے اور اسے اس کی مراد تک پہنچایا جائے اور یہ کبھی جلد تر ہوتا ہے اور کبھی دیر بعد اور کبھی آخرت میں۔

ف: کبھی اجابت دُعا یوں ہوتی ہے کہ اس کی مانگی شئے کی بجائے اور شئے عنایت کی جائے اجابت صرف ایک وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ اس کے مختلف طریقے ہوتے ہیں۔

حدیث شریف: مسلمان کی دُعا صرف چھ وجہوں سے رد ہوتی ہے۔

۱۔ گناہ کی دُعا مانگے ۲۔ یا اس سے قطع رحم لازم آتی ہے۔

۳۔ اس کی دُعا کو اعمال نامہ میں ثواب بنا کر اس کے لئے ذخیرہ بنایا جاتا ہے۔

۴۔ اجابت اللہ تعالیٰ کی مشیت سے مقید ہوتی ہے جیسا کہ گزرا ہے۔

۵۔ اس اجابت کو بندے کے قبول کرنے سے مشروط فرمایا ہے چنانچہ گزرا۔

۶۔ اجابت دُعا کے لئے چند شرائط اور آداب ہیں جو دراصل دُعا کے قبول ہونے کے اسباب ہیں جو انہیں مکمل کرے گا تو وہ اہل اجابت سے ہوگا جو ان میں ایک میں خلل کرے گا تو وہ اہل اعتدا سے ہوگا یعنی حد سے گزرنے والوں سے ہوگا اور نہ ہی وہ جواب کا مستحق ہوگا اور وہ اسباب جو عوام سے متعلق ہوں ان کی تو کوئی حد اور حساب نہیں اور ان کے ذکر میں بہت طوالت ہے یہاں پر انہیں لکھا نہیں جا سکتا اور ان میں بعض خواص سے تعلق رکھتے ہیں جو چند ایک یہ ہیں۔

تزکیہ صفائی: اس لئے کہ دُعا مانگنے والے کیلئے صفائی کا ہونا ضروری ہے دعا مانگنے والے کو چاہیے کہ پہلے اپنے بدن کو صاف کرے یعنی لقمہ حلال سے اصلاح کرے اس لئے کہا کہ دعا آسمان کی کنجی ہے لیکن اس کنجی کے دندانے

لقمہ حلال ہے۔

حدیث شریف: کوئی بہت بڑا لمبا سفر کر کے مسافری میں ہاتھ پھیلا کر اگر چہ بال بکھرتے ہوئے اور غبار آلودہ ہوتے ہوئے عرض کرتا ہے اے میرے رب میرا کام بنا دے لیکن اس کا کھانا پینا اور لباس حرام کا ہوتا ہے اور اس کی غذا حرام کی ہوتی ہے۔ پھر اس کی دُعا قبول کیسے ہو۔

حکایت: کوفہ میں ایک جماعت ایسی تھی جن کی ہر دعا مستجاب ہوتی جب بھی کوئی حاکم کوفہ میں آتا اس کے لئے بددعا کرتے تو وہ ہلاک ہو جاتا حجاج بن یوسف ظالم نے ان کے لے ایک تدبیر کی جب کہ مروان کی طرف سے وہ کوفہ کا حاکم بنا تو ان تمام حضرات کو دعوت دی جب وہ دعوت کھا بیٹھے تو کہا اب میں ان کی بددعا سے محفوظ ہو گیا اس لئے کہ اب ان کے پیٹ میں حرام کا طعام داخل ہو گیا ہے چنانچہ ایسے ہی ہوا۔

سبق: سالک کو چاہیے کہ وہ اپنے نفس کو اوصاف بشریہ اور اخلاق ذمیمہ سے پاک وصاف رکھے اس لے کہ دعا کی اجابت کو اوصاف بشریہ وغیرہ روکنے والے ہیں اسی طرح قلب کو بھی تعلقات انسانیہ جو انسانی و روحانی طریق سے متعلق ہوتے ہیں اسے پاک رکھے قلب کو اذکار سے صاف کرے اور اسے اخلاق حمیدہ کے نور سے نورانی بنائے اس لئے کہ یہ اجابت کے اسباب ہیں اور انہیں کے ذریعے سے دُعا بارگاہ الٰہی میں پہنچتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُہٗ اور روح کو التفات الی غیر اللہ کی میل و کچیل سے دھوئے تا کہ الطاف ربانی کے نفحات کو حاصل کر سکے اور سر کو شرک کی آلائش سے بچائے بایں طور کہ سر کو دعا کے وقت صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف متوجہ رکھے اور صرف طلب بھی حق کی ہو اور غیر حق کو سر میں جگہ نہ دے۔ تا کہ اس کی دُعا قبول ہو اور خائب خاسر ہو کر نہ لوٹے چنانچہ حدیث قدسی میں ہے خبردار جو مجھے طلب کرتا ہے وہ مجھے ضرور پا لے گا اور جو میرے غیر کا طالب ہے وہ مجھے ہرگز نہیں پا سکے گا۔

ف: اللہ تعالیٰ نے اپنی اجابت کا وعدہ کیا ہے جو اسے دُعا سے طلب کرتا ہے چنانچہ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

خلاف طریقت بود کاولیاء   تمنا کنند از خدا جز خدا

(**ترجمہ**: یہ خلاف طریقت ہے کہ اولیاء اللہ غیر اللہ کی تمنا کریں)

سبق: جو شخص بھی ان شرائط میں سے کسی ایک کو چھوڑے گا وہ اجابت کو ہرگز نہیں پا سکے گا جیسے ارکان نماز میں سے کسی ایک رکن کو چھوڑ دے تو نماز قبول نہیں ہوتی ہاں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنے بندے کے ہر نقصان اور کمی پورا کرے تو وہ علیحدہ بات ہے۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ کا فضل بندے کے اعمال سے مقدم ہے کیونکہ وہ سوال کئے بغیر بھی دیتا ہے سوال کرنے پر تو عطا کرتا ہے۔

ف: دُعا دو اقسام کی ہیں۔ ۱۔ نیت دُعا سے دُعائیہ کلمات کہنا۔ ۲۔ دُعائیہ کلمات صرف زبان سے بولنا جو دُعا کی نیت سے کلمات کہتا ہے تو اس کے لئے تمام آسمانوں کے دروازے کھل جاتے اور اسکی دُعا عرش معلیٰ تک پہنچ جاتی ہے اور صرف دُعائیہ کلمات منہ سے نکلتے رہیں تو وہ دعا آسمانوں تک نہیں پہنچتی جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت نہ ہو۔

ف: تفسیر فاتحہ میں امام فناری رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دعا کے وقت تصور اور حضور قلب کو دعا کی قبولیت میں بڑا اثر ہے خود سرور عالم ﷺ اس پر عمل کرتے اور سیدنا حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ عنہ کو اس پر ترغیب دلائی جب کہ انہیں دعا مانگنے کا طریقہ سکھایا اور وہ دعا یہ ہے اللھم اھدنی وسددنی مجھے راہ ہدایت پر سیدھا چلا اور فرمایا اے علی رضی اللہ عنہ اپنی دعا میں ہدایت سے ہدایت طریق کا خیال رکھنا اور ایسی راہ کے تصور میں بیٹھے جیسے تیر سیدھا ہوتا ہے۔

ف: اس سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ عنہ کو دعا کے وقت ان دونوں باتوں کی خصوصی ہدایت فرمائی۔

نکتہ: انبیاء مرسلین اور اولیاء کاملین اور پھر ان جیسے اور بزرگوں کی دعاؤں کی قبولیت میں یہی راز ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ دعا مانگتے وقت توجہ خاص اور ندا کا ہونا شرط اولین ہے جس نے دعا کے وقت خصوصی توجہ رکھی اور دعا کے وقت اس کا نگاہ اولین و آخرین کے طریقوں پر لگی ہو۔ خصوصاً اس وقت دعا مانگے جب اسے دعا مانگنے کا حکم ہے تو بفضلہ تعالیٰ اس کی دعا قبول ہو جائے گی اور جو شخص بلاتے وقت ارادہ تو زید کا رکھتا ہے لیکن گفتگو دوسرے سے کرے اس کا مقصد حاصل نہ ہو تو وہ اپنے آپ کو ملامت کرے جب کہ اللہ کو دعا کی اجابت کے طریق سے نہ

پکارے وہ اس وجہ سے کہ اسکا یہ خیال اس کے تصورات کے صفات سے پیدا ہوا ہے جو اس کی حالت پر غالب ہو گیا ہے۔ یاد رہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنے میں اگرچہ خطا کر رہا ہے تو اسے بھی کسی ایک وجہ سے فائدہ حاصل ہو گا۔ مجتہد مخطی کو اجر و ثواب ملتا ہے اسے محروم نہیں رکھا جاتا۔

حدیث شریف: رسالہ قشیری میں لکھتے ہیں کہ حدیث شریف میں ہے کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس بندے سے محبت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ جبریل علیہ السلام کو فرماتا ہے کہ اے جبریل علیہ السلام میرے بندے کی ضرورت کو چند دن کے لئے تاخیر کی جائے کیونکہ مجھے بندے کی دُعا پیاری لگتی ہے اور جس بندے سے غصہ ہو تو اس کے لئے جبریل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے جبریل علیہ السلام جلدی پوری کر دو اس کی آواز مجھے پسند نہیں ہے۔

حکایت: بغداد میں ایک وقت سخت قحط واقع ہوا تو بادشاہ نے صرف اہل اسلام کو استسقاء کے لئے شہر سے باہر نکلنے کا حکم دیا۔ حکم سے تمام مسلمان شہر سے نکل کر استسقاء کی دعائیں پڑھتے رہے لیکن بارش نہ ہوئی اس کے بعد بادشاہ نے صرف یہود کو حکم دیا کہ اب وہ بارش کے لئے دعا کریں چنانچہ جب یہودیوں نے دعا کی تو بارش ہو گئی اس سے بادشاہ حیران ہو گیا علما کرام کو بلا کر اس کے متعلق پوچھا کہ ماجرا کیا ہے مسلمان دعا مانگیں تو قبول نہ ہو اور یہود مانگیں تو فوراً قبول ہو جائے۔ یہ عقدہ علماء سے حل نہ ہو سکا۔ حضرت سہیل بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور فرمایا اے بادشاہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسلام کی وجہ سے ہم مسلمانوں سے محبت کرتا ہے اور اس کی مہربانی ہے کہ اس نے ہمیں راہ ہدایت بخشی وہ ہماری دعا مانگنے اور تضرع و زاری سے پیار رکھتا ہے اسی لئے ہمارے دینے میں تاخیر فرماتا ہے اور چونکہ یہودیوں سے ناراض ہے اور ان پر اس کی لعنت برستی ہے اس لئے ان کی دعا مانگنے پر انہیں دینے میں جلدی کرتا اور دروازے سے ہٹاتا ہے۔

حدیث شریف: حضور علیہ السلام نے فرمایا دنیا کا نظام چار چیزوں پر ہے۔

۱۔ علماء کرام کے علم پر۔

۲۔ بادشاہوں کے انصاف پر۔

۳۔ دولت مند کی سخاوت پر۔

۴۔ فقرا کی دعاؤں پر بندے کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے مانگے اس کے اسماء الحسنیٰ کے صدقے سے اوراد عیہ ماثورہ کی برکت سے اور وہ ادعیہ ماثورہ جو نیک لوگوں سے منقول ہیں اور لائق ہے کہ اپنی دعا میں انبیاء و اولیاء و صالحین کو وسیلہ بنائے۔ دعا کے لئے چند ایسے مقامات ہیں جہاں قبولیت یقینی ہے۔

☆......کعبۃ اللہ ☆...... مساجد ثلاثہ یعنی بیت اللہ۔ بیت المقدس۔ مسجد نبوی کو دیکھتے وقت۔ ☆......سورہ انعام کے جلالتین کے مابین ☆......طواف میں ☆......ملتزم کے وقت ☆......بیت اللہ کے اندر ☆......زمزم کے نزدیک ☆......زمزم کا پانی پیتے وقت ☆......صفا پر ☆......مروہ پر ☆......سعی میں ☆......مقام ابرہیم کے پیچھے ☆......عرفات میں ☆......مزدلفہ میں ☆......منیٰ میں ☆......تینوں دن کنکریوں کو پھینکتے وقت ☆......حضرات انبیاء کرام علی نبینا علیہم الصلوٰۃ و السلام کے مزارات کے نزدیک۔

ف: بعض نے کہا سوائے ہمارے نبی کریم ﷺ کے مزار کے باقی کسی نبی علیہ السلام کے مزار کے نزدیک دعا مانگنا صحیح نہیں یہ قول ضعیف ہے۔

ف: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مزار کعبہ کی چاردیواری کے اندر ہے لیکن یقین نہیں۔

اولیاء کرام کی مزارات پر دعا مستجاب ہوتی ہے۔ اہل اللہ کے نزدیک چند شرائط ادا کرنے پر اولیاء اللہ کے مزارات پر دعا یقیناً مستجاب ہوتی ہے اور وہ شرائط صرف اللہ والے جانتے ہیں اللھم افض علینا من برکات الصالحین (اے اللہ ہمارے اوپر نیک لوگوں کی برکات نازل فرما)

تفسیر عالمانہ اُحِلَّ لَکُمْ

سوال: فاعل کے قائم مقام پر ظرف کی تقدیم کیوں؟

جواب: شوق دلانے کی وجہ سے کیونکہ قاعدہ ہے کہ جس چیز کا ذکر پہلے کرتا تھا اسے موخر کیا جائے تو نفس ان کے لئے منتظر اور شائق رہتا ہے پھر اس کا ذکر آتا ہے تو دل پر اس کا گہرا اثر پڑتا ہے یعنی تمہارے لئے حلال یعنی مباح کیا گیا ہے۔

لَیۡلَۃَ الصِّیَامِ روزے کی رات میں یہ وہ رات ہے کہ جس کی صبح کو اٹھتے ہی بندہ روزہ دار ہوتا ہے

الرَّفَثُ بمعنی قول فحش اور قبیح بات۔ بولنا اور عرف میں نام ہے اس بات کا جو عورتوں کے سامنے میل وجول وغیرہ کی گفتگو کی جائے پھر کنایہ ہوتا ہے جماع سے کیونکہ جماع نہیں ہوتا مگر تفریح سے کہ جس کے لئے لائق ہوتا ہے کہ اسے الفاظ فاحشہ سے کنایہ کیا جائے۔

ف: حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ رفث ایسا جامع کلمہ ہے کہ جو عمل بھی مرد اپنی عورت سے کرے وہی الرَّفَثُ کہلائے گا مثلاً اشارہ یا بوسہ لینا وغیرہ اِلٰی نِسَآئِکُمْ

سوال: رفث تو ہمیشہ جاء سے متعدی ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے رفثت بالمراۃ اور یہاں الیٰ کے ساتھ کیوں؟

جواب: رفث الفضاء کو متضمن ہے اور افضاء الی سے متعدی ہوتا ہے چنانچہ قرآن مجید میں ہے بَعْضُكُمْ اِلٰی بَعْضٍ یہاں افضی سے مراد جماع ہے۔

شان نزول: ابتدائے اسلام میں دستور تھا کہ روزہ میں شام کے وقت افطار کا کھانا پینا جماع وغیرہ حرام ہو جاتا جب عشاء کی نماز تک جائز تھا یا جب تک نیند نہ آتی اس کے بعد کھانا پینا جماع وغیرہ حرام ہو جاتا جب عشاء کی نماز پڑھی جاتی یا کوئی سو جاتا تو اس کے بعد اس پر کھانا پینا اور جماع وغیرہ آئندہ شام تک حرام ہو جاتا۔

ایک روز سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ نے نماز عشاء کے بعد اپنی عورت سے جماع کر لیا جب غسل کیا تو رونے لگے اور اپنے نفس کو ملامت کرتے ہوئے حضور سرور عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں اللہ تعالیٰ کی طرف معذرت کرتا ہوں اور اپنے گناہ کی معافی چاہتا ہوں اس لئے کہ میں عشاء کی نماز کے بعد گھر گیا تو میں نے اپنی عورت کو دیکھا اس سے ایک عجیب خوشبو صادر ہوئی مجھ سے رہا نہ گیا آخر جماع ہو گیا حضور علیہ السلام نے فرمایا اے عمر یہ بات تیرے لائق نہ تھی اور اس پر چند آدمی اُٹھ کھڑے ہوئے اور اسی غلطی کا اعتراف کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

نکتہ: حضرت عمرؓ کی یہ غلطی تمام اُمت کے لئے رحمت بن گئی۔

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ یہ نیا جملہ ہے اس میں اپنی عورتوں کے ساتھ میل جول کی حلت کا سبب بیان کیا گیا ہے اور ان کے ساتھ میل جول رکھ کر اور اکٹھے رہ کر بچ جانا بہت مشکل ہے۔

سوال: عورت مرد کا اور مرد عورت کا لباس کیوں؟

جواب ۱: کا ہے دونوں بوقت نیند ننگے ہو کر اور گلے لگا کر سوتے ہیں۔

جواب ۲: یا بوقت جماع ایک دوسرے پر مشتمل ہونے کی وجہ سے

جواب ۳: یا اس لئے کہ ایک دوسرے کا حال چھپانے

جواب ۴: یا اس لئے کہ ایک دوسرے کو غلط کاری سے بچاتے اور ایسی خرابیوں سے ایک دوسرے کو محفوظ رکھتے ہیں کہ جن کا صدور ان سے نامناسب ہے۔

حدیث شریف: جس نے نکاح بیاہ وغیرہ کر لیا اس نے اپنے دین کا دو تہائی حصہ بچا لیا۔

جواب بطرز دیگر: آیت کا مطلب یہ ہے تم اپنی عورتوں کا سکون ہو اور وہ تمہارا سکون ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اور یہ بھی مشاہدہ ہے کہ جتنا مرد عورت کو آپس میں سکون ملتا ہے ایسے کسی اور شئے سے نہیں سکون نصیب ہوتا بشرطیکہ ان کی آپس میں محبت اور سلوک اچھا ہو ورنہ پناہ بخدا۔

عَلِمَ اللّٰهُ نے ازل سے جان لیا **اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ** بے شک تم اپنے نفسوں کے ذریعے خیانت کرو گے یعنی اپنے نفسوں کی خیانت کرو گے بامعنی کہ اپنے نفسوں پر ظلم کر کے اپنے آپ کو عذاب کے لئے پیش کرتے ہو پھر رمضان کی راتوں میں جماع کر کے اپنے نفس کے ثواب کو گھٹاتے ہو اور الخیانۃ امانت کی ضد ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اوامر و نواہی سے نواز کر احسان فرماتا ہے لیکن جب بندے پوشیدگی میں گناہ کرتے ہیں تو وہ گویا اپنے آقا کی خیانت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا **لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ**

حضرت صائب نے فرمایا۔

ترا بگوہر دل کردہ اند امانتدار رور وامانت حق نگاہ دار محتسب

(اے انسان تجھے دل کا گوہر دے کر اللہ تعالیٰ نے اپنا امانت دار بنایا ہے فلہذا تم اس امانت کی خوب حفاظت کرو)

فَتَابَ عَلَيْكُمْ اس کا عطف علم پر ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول کرتا ہے اور جو گناہ تم سے سرزد ہوئے ہیں۔ انہیں معاف فرماتا ہے **وَعَفَا عَنْكُمْ** یعنی گناہ کے نشانات تمہارے سے مٹاتا ہے **فَالْـٰٔنَ** یعنی اب جب کہ اس کی

حرمت منسوخ ہو چکی یہ ظرف ہے اس کے قول بَاشِرُوْهُنَّ کا الان اصل میں یہ فعل ہے بمعنی حان اب زمانہ حاضر کا نام بن گیا ہے اس کے بعد اس پر الف لام تعریف کا داخل ہونے لگا اور اس کی اصلی فتح اپنے مقام پر باقی رہی والمباشرہ لغت میں چمڑے کو چمڑے سے چمٹانے کو کہتے ہیں اب جماع سے کنایہ ہے چونکہ جماع میں چمڑے سے چمڑے کا چمٹانا لازمی امر ہے۔

ف: اس کے تمام توابع اس میں داخل ہیں۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ کتاب اللہ حدیث رسول اللہ کی ناسخ ہو سکتی ہے جب کہ کھانا پینا و جماع حدیث سے ثابت ہوا اور اگر اس کا ثبوت پہلی شریعتوں سے ہو تو پھر یہ نسخ اس قانون میں داخل نہ ہو گا۔ جیسے بعض کا مذہب ہے۔

وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ اور اسے طلب کرو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے اولاد لوح محفوظ میں مقدر فرمائی ہے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ جماع کرتے وقت یہ نیت ہو کہ اللہ تعالیٰ صاحب اولاد بنائے اور نسل انسانی میں اضافہ ہو۔

نکتہ: شہوت کی تخلیق اور نکاح کی مشروعیت میں ایک حکمت یہی ہے یعنی اولاد بڑھے اور نسل انسانی میں اضافہ ہو نہ صرف شہوت رانی۔

حدیث شریف: نکاح کر کے نسل انسانی بڑھاؤ اور انسانی افراد کی کثرت کرو تاکہ میں تمہاری وجہ سے قیامت میں امتوں پر فخر کر سکوں۔

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا اس کا عطف بَاشِرُوْهُنَّ پر ہے حَتّٰى يَتَبَيَّنَ یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ تمہارے لئے سفید دھاگہ اس سے مراد وہ سفیدی ہے جو صبح صادق کے آغاز میں ظاہر ہوتی ہے اور وہ باریک دھاگے کی طرح ابتداء پھیلتی ہے مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ کالے دھاگے سے رات کی وہ سیاہی مراد ہے جو دن کے غروب کے بعد سپیدی میں مل کر آسمان میں پھیل جاتی ہے اس لئے کہ جب صبح صادق کا آغاز ہوتا ہے تو ایسے معلوم ہوتا ہے کہ گویا سفید دھاگہ افق آسمان میں پھیلا ہوا ہے اور اس میں شک نہیں کہ صبح صادق کے وقت رات

marfat.ocm

کی سیاہی سپیدی میں ملی ہوئی ہوتی ہے ایسے معلوم ہوتا ہے گویا سیاہی سفیدی میں ہے اور سفیدی سیاہی میں اس لئے کہ صبح کا نور رات کی اندھریوں کو چیر کر نکلتا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے دو دھاگوں یعنی سفید اور سیاہ دھاگے سے تشبیہ دی ہے مِنَ الْفَجْرِ یعنی صبح کے عمود کا اشتقاق یہ من بیانیہ ہے۔

سوال: الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ کا بیان تو کر دیا الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ کا بیان کیوں نہیں کیا؟

جواب: الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ کے بیان سے ضمن الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ کا بیان بھی ہو گیا اصل عبارت یوں تھی حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الفجر من الخیط الاسود من الیل امور ثلاثہ مذکور یعنی۔ ۱۔ مباشرہ ۲۔ اکل ۳۔ شرب کے لئے غایت ہے۔

مسئلہ۔ جماع کو صبح صادق سے تھوڑا پہلے جائز رکھنے سے ثابت ہو کہ اگر غسل میں تاخیر ہو تو کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ: اس طرح اس شخص کے روزے میں بھی کوئی فرق نہیں آئے گا جو صبح کو جب ہو کر اٹھتا ہے اس لئے کہ جب صبح صادق سے تھوڑا پہلے جماع کرنا جائز رکھا گیا تو پھر اس کے بعد غسل کا موقع بھی نہیں ملے گا لامحالہ ثابت ہوا کہ صبح کے بعد جب کو غسل کرنا جائز ہے ورنہ ایسے شخص کو صبح صادق سے اتنی دیر پہلے جماع کرنا حرام ہو جسے صبح صادق سے پہلے غسل کرنے کا موقعہ نہ ملے اور یہ کلمہ حتیٰ کے استعمال کے خلاف ہے۔

ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ یعنی نہار (دن) کے تمام اجزاء میں کھانے پینے اور جماع بس رک جاؤ إِلَى غایت کے لئے ہے الَّيْلِ یعنی رات کے داخل ہونے کے وقت تک اور سورج کے غروب کے بعد رات شروع ہو جاتی ہے اور تمام بمعنی شئے کو مکمل طور پر ادا کرنا۔

حدیث شریف: میں ہے جب رات آئے اور دن چلا جائے اور سورج پورے طور چھپ جائے تو اب روزہ دار اپنا روزہ افطار کرے۔

نکتہ: رات کے جانے اور دن کے آنے کے سورج کے چھپ جانے میں یہی نکتہ ہے کہ روزہ افطار کرنا ہوگا جب کہ سورج پورے طور پر چھپ جائے تاکہ کوئی گمان نہ کرے کہ سورج غروب ہوا یا نہ۔ سورج کے غروب کے متعلق جب پورا اطمینان ہو جائے پھر روزہ افطار کرے۔

نکتہ: اس کی دوسری وجہ ایک اور بھی ہے وہ یہ کہ کسی وقت وادی میں ہو اور سورج نظر نہیں آتا اسے ضرورت

ہے کہ سورج کے یقینی گم شدگی کی کوئی دلیل ملے اس کے لئے یہی بتایا گیا کہ سورج کے چھپ جانے کا پورا اطمینان کر لے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ رمضان کے روزے کی نیت دن کو بھی کر سکتے ہیں۔

مسئلہ: صوم وصال کی کراہت بھی یہاں سے معلوم ہوئی پہلے مسئلہ کی وجہ ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے صبح صادق تک کھانے پینے جماع کی اجازت بخشی ہے تو روزہ کی نیت اس کے بعد ہوگی اور وہ دن کی گھڑی ہے اب عبارت یوں ہوگی اتموا الم ابتدئو ا الم بالصوم واتمو االی اللیل یعنی مکمل کر کے پھر روزے کو شروع ہو جاؤ اور اسے رات تک مکمل کرو اس سے نتیجہ نکلا کہ روزے کا حکم فجر کے بعد ہوگا روزہ صرف کھانے پینے سے رک جانے کا نام نہیں بلکہ اس کے ساتھ نیت کا ہونا بھی ضروری ہے۔ دوسرے مسئلہ کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روزے کی غایت رات بتائی ہے اور قاعدہ ہے کہ غایتہ الشئی مقبطعوہ یعنی شئے کی غایت شے کے اختتام پر ہوتی ہے جب روزہ رات کے ابتدائی حصہ میں بتایا گیا تو اس کے بعد روزہ نہ رکھنے کا حکم ہوا یہی ہم کہتے ہیں کہ صوم وصال نہ ہونا چاہیے بعض نے فرمایا کہ رات روزہ کے وجوب کی انتہا کا نام ہے جب رات داخل ہو جائیگی روزے کا وجوب نہیں رہے گا بہر حال رات کی گھڑیوں میں روزہ نہ ہونا چاہیے اس سے یہ ثابت نہیں کہ صوم وصال مکروہ ہے اس لئے ان جیسے اوامر سے یعنی تُبَاشِرُوْهُنَّ اور کلو او اشربوا اباحتہ اور رخصت کے لئے ہیں وجوب کے لئے نہیں اس سے صوم وصال کی نفی کا ثبوت نہیں۔

ربط: گمان پڑتا تھا کہ اعتکاف کا حال بھی روزہ کی طرح ہوگا بمعنی کہ مباشرت یعنی اپنی عورت سے جماع دن کو تو حرام ہو لیکن رات کو جائز۔ اس کی وضاحت فرمائی کہ اعتکاف والے کو جس طرح دن کو جماع حرام ہے اس طرح رات کو بھی چنانچہ فرمایا وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ اور عورتوں سے جماع نہ کرو وَاَنْتُمْ جب کہ تم لوگ عٰكِفُوْنَ فِی الْمَسٰجِدِ جب کہ تم اعتکاف کی نیت سے مساجد میں ٹھہرے ہوئے ہو۔

مسئلہ: اعتکاف شریعت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے تقرب کے لئے مسجد میں ٹھہرنے کو کہتے ہیں اور یہ شرائع قدیمہ سے ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ

شان نزول: یہ آیت اس شخص کے حق میں نازل ہوئی جو مسجد میں اعتکاف بیٹھتا لیکن جب اسے جماع کی

marfat.ocm

خواہش ہوتی تو مسجد سے نکل کر اپنی عورت سے جماع کر لیتا ہے اور غسل کر کے مسجد میں لوٹتا اس آیت کے بعد مسلمان اعتکاف کی حالت میں جماع سے رو کے گئے۔

مسئلہ: معتکف پر جماع حرام ہے بلکہ جماع سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے۔

مسئلہ: لفظ مساجد سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر مسجد میں اعتکاف بیٹھنا جائز ہے لیکن جامع مسجد میں افضل ہے تا کہ اسے جمعہ کے لئے کہیں جانا نہ پڑے۔

مسئلہ: اعتکاف افضل الاعمال ہے جب کہ خالص نیت سے ہو اس لئے کہ اس میں قلب ماسوی اللہ سے فارغ ہو جاتا ہے۔

نکتہ: حضرت عطاء رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں معتکف اس شخص کی طرح ہے جسے کسی سے کوئی کام نہ ہو اور وہ جا کر اس کے دروازے پر بیٹھ جائے اور کہے کہ یہاں سے نہیں جاؤں گا جب تک میرا کام پورا نہ ہو اسی طرح معتکف بھی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتا ہے اے الہ العالمین میں تیرے دروازے سے اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک میرے گناہ بخش نہ دیئے جائیں۔

حدیث شریف: میں ہے کہ جو شخص کسی بھائی کے کام کے لئے جاتا ہے گویا وہ بیس سال اعتکاف بیٹھا رہا یعنی بیس سالہ اعتکاف کا ثواب ملے گا۔

فضائل اعتکاف: ☆...... جو شخص صرف ایک دن اعتکاف بیٹھا ہے اس کے اور جہنم کے درمیان تین خندقیں حائل کی جائیں گی ہر خندق کے درمیان کی مسافت ایسی ہے جیسے مشرق و مغرب کے مابین کی مسافت۔

☆......لوگوں سے تنہائی میں اور خلوت میں رہنے کے بڑے فوائد ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے لوگوں کے غلط رویوں سے بچ جاتا ہے اور لوگ اس سے۔ ☆...... نفس کشی نصیب ہوتی ہے۔ ☆...... دنیا سے اعراض کا سبق ملتا ہے۔ ☆...... اعتکاف طریق صدق اور اخلاص کا پہلا باب ہے۔ ☆...... اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ ☆...... توکل علی اللہ۔ ۸۔ قناعت پر راضی رہنا نصیب ہوتا ہے قاعدہ جو شخص لوگوں سے میل جول رکھتا ہے وہ معشیت میں تکلف کا شکار ہو جاتا ہے اسے پھر حرام و حلال کی تمیز نہیں رہتی جس کی وجہ سے ہلاکت کے گھاٹ اتر جاتا ہے۔ ☆...... تنہا رہنے والا لوگوں کے لڑائی جھگڑے سے بچ جاتا ہے۔

☆......بہت بڑے گناہوں میں مبتلا نہیں ہوتا جو کہ عام طور پر لوگوں کے اختلاط سے صادر ہوتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ آفندی قدس سرہ نے فرمایا کہ اس امر سے بچ جانا جس میں حرام معمولی سا اشباہ ہو اور زبان کو لغویات سے روکنا اور لوگوں کے میل جول سے دور رہنا اسے ہم تصوف کہتے ہیں چلہ کشی میں بھی یہی بات ہوتی ہے کہ کثرت کے تخیلات سے ہٹ کر وحدت میں محو ہو جانا اور خلوت کا مقصد عظیم بھی یہی بات ہے اور کثرت میں ان باتوں کا حصول تو اعلیٰ درجہ ہے اس لئے کہ جو بھی خلوت میں ہوتا ہے لوگوں کے میل جول سے بچ جاتا ہے لیکن ان کی خدمات سے محروم ہوتا ہے ہم تو حضور نبی اکرم ﷺ کے طریقے پر ہیں اور ان کے صحابہ کرامؓ کا بھی یہی طریقہ تھا اسی لئے حضور نبی کریم ﷺ نے کسی چلہ کشی کا طریقہ متعین نہیں فرمایا بلکہ آپ کا طریقہ یہی تھا کہ رمضان المبارک کے آخری دس دن اعتکاف میں گزارتے ہاں یہ چلہ کشی کا طریقہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا۔ چلہ کشی کرنے والوں نے اپنے طریقے کا استدلال اسی آیت سے کیا ہے۔ (ذاقی و اقعات الہدای قدس مرہ)

تفسیر عالمانہ

تِلْكَ یہ احکام آیت صیام سے لے کر یہاں تک مذکور ہوئے حُدُوْدُ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں۔

ف: حُدُوْد حد کی جمع ہے دو چیزوں کے درمیان کی آڑ کو حد کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے اپنے احکام حدود مشروع فرمائے تا کہ وہ حق و باطل کے درمیان آڑیں بنیں اور اس لئے کہ ان کی حدود کی وجہ سے بندہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت اور ان حدود سے تجاوز کرنے سے بچ جائے۔

فَلَا تَقْرَبُوْهَا پس ان حدود کے قریب بھی نہ جاؤ نہ یہ کہ ان سے آگے تجاوز کر جاؤ۔

ف: بندے کو اس آڑ (جو حق و باطل کے درمیان واقع ہے) کے قریب پھٹکنے سے روک دیا تا کہ باطل سے دور رہے نہ یہ کہ ان حدود سے آگے قدم رکھے۔

حدیث شریف: میں ہے حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہر شئے کی آڑ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی آڑ کا مطلب یہ ہے کہ اسکے روکے ہوئے امور کے قریب نہ جائے جو شخص بھی اس آڑ کے قریب پھٹکتا ہے پھر لامحالہ وہ اس کے اندر چلا جاتا ہے فَلَا تَقْرَبُوْهَا، فَلَا تَقْرَبُوْهَا سے زیادہ مبالغہ ہے۔

ربط: جب اللہ تعالیٰ نے ان مختصر الفاظ میں روزے کے مکمل احکام بیان فرمائے اور یہ بیان کافی وافی ہے تو اس کے بعد فرمایا کَذٰلِكَ اس طرح یعنی ایسا بیان جسے تم نے پڑھا اور سنا جو کہ وافی اور واضح ہے۔

ف: یہ کاف محل نصب میں ہے اس اعتبار سے کہ مصدر محذوف کی صفت واضح ہوئی ہے۔

یُبَیِّنُ اللّٰهُ اٰیٰتِهٖ لِلنَّاسِ اللہ تعالیٰ اپنی آیات لوگوں کو بیان فرماتا ہے۔

ف: آیات دین کے دلائل اور احکام کے نصوص کو کہا جاتا ہے بیان کی عظمت ظاہر کرنے سے بندوں کو ہادیت دینا اور ان پر رحمت کرنا مقصود ہے۔ تقوی کے تین مرتبے ہیں۔

۱۔ شرک سے بچنا ۲۔ معاصی وسیات سے ۳۔ شہوات سے بچنا۔ اس کے بعد پھر فضول باتوں سے بچنے کی کوشش کرے۔

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ تا کہ تم اللہ تعالیٰ کے اوامر کی مخالفت سے ڈرو۔

حدیث شریف: میں ہے کہ بندہ متقین کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ معمولی فضول بات سے نہ بچے اس خوف سے کہ کہیں کسی گناہ میں مبتلا نہ ہو جائے۔

سیدنا شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ترا آنکہ چشم ودہاں داد وگوش اگر عاقلی در خلافش مکوش
چو پاک آفریدت بہش باش وپاک کہ ننگ است ناپاک رفتن بخاک

(**ترجمہ**: تجھے جب تک اللہ تعالیٰ نے آنکھ منہ اور کان عطا فرمائے ہیں اگر تم عاقل ہو تو اس کے خلاف کوشش مت کرو جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہوش کے ساتھ اور پاک پیدا فرمایا تو نہایت شرم کی بات ہے کہ تم ناپاک ہو کر قبر میں جاؤ) یعنی ان حدود تک رک جاؤ۔

مروز یر بار گنہ اے پسر حمال عاجز بود در سفر
مکن عمر ضائع بافسوس وحیف کہ فرصت عزیز است والوقت سیف

(**ترجمہ**: قبر میں گناہوں کا بوجھ اٹھا کر مت جا اس لئے کہ بوجھ اٹھانے والے سفر میں تنگ ہو جاتے ہیں افسوس وحیف کے ساتھ)

عمر ضائع نہ کرو فرصت کو عزیز سمجھو اس لئے کہ وقت تلوار کی طرح تمہاری زندگی کا ٹتا جا رہا ہے۔ اللہ ہم سب کو اہل یقظ و یقین سے بنائے آمین۔

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اور آپس میں باطل سے ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ یعنی آپس میں ایک دوسرے کا اس طریقے سے مال نہ کھاؤ کہ جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی اور نہ ہی اس طریق سے مباح فرمایا جیسے۔ ☆......غضب کر کے ☆......چھین کر ☆......چوری کر کے ☆...... جھوٹی قسم کھا کر ☆...... قماری بازی کے ذریعے سے ☆......رشوت لے کر ☆...... کاہن کے پاس جا کر ☆......سرود بجا کر ☆......نوحہ کر کے ☆......غلط حیلوں سے ☆......اور خیانت کر کے مختلف طریقوں سے اسی طرح سینما وغیرہ کی کمائی اور بلیک وغیرہ کی کمائی وغیرہ وغیرہ۔

ف: بَيْنَكُمْ منصوب علی الظرفیتہ ہے لَا تَاْكُلُوْٓا کے متعلق ہے اب معنی یوں ہوا کہ ایک دوسرے کو لینا دینا صرف ایک دوسرے کو کھانے کے لئے ہو۔

مسئلہ: آیت میں صرف کھانے کی اشیاء مراد نہیں بلکہ اسباب باطلہ کے ذریعے سے جتنے معاملات ہوں سب حرام ہیں اسے کھانا عرف عام میں بولا جاتا ہے لیکن اس سے ہر قسم کے تصرفات مراد ہوتے ہیں علاوہ ازیں ان امور میں مقصود اعظم کھانا ہوتا ہے اس لئے اس کا نام لیا گیا۔

بِالْبَاطِلِ بھی فعل مذکور کے متعلق ہے لَا تَاْكُلُوْٓا کے یعنی اموال کے باطل کے سبب نہ کھاؤ۔

شان نزول: ان دو شخصوں کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی جن کا آپس میں زمین کا جھگڑا تھا ان دونوں کو خیال ہوا کہ جھوٹی قسم کھا کر زمین پر قابض ہو جائیں چنانچہ دونوں حضور سرور عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے انہیں نصیحت کے طور پر فرمایا کہ سن لو میں تمہاری طرح بشر ہوں میری طرف اللہ تعالیٰ سے وحی آتی ہے تم لوگ میرے پاس فیصلے کے لئے آتے ہو اور تم میں سے بعض ایسے ہوتے ہیں کہ چالاکی سے حجت قائم کر لیتے ہیں اور میں بھی ان کی حجت پر فیصلہ کر دیتا ہوں اور اس کے ساتھی سے مال لے کر اس کی حجت کے مطابق اس کے قبضہ میں دے دیتا ہوں کیونکہ میں تو ویسے ہی فیصلہ کروں گا جیسے تم سے سنوں گا لیکن یاد رکھو جس کے لئے میں ظاہری طور پر فیصلہ کروں اور حق دوسرے بھائی کا ہو تو پھر

یوں سمجھ لو کہ آگ کا ٹکڑا اسے دے رہا ہوں وہ دونوں حضور نبی کریم ﷺ کی نصیحت سن کر رو پڑے اور ہر ایک کہنے لگا حضور میں اپنی یہ زمین اپنے بھائی کو دینا چاہتا ہوں حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا جاؤ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ الٰہی کی حاضری کو سامنے رکھ کر قرعہ اندازی کر لو اس طرح ایک دوسرے کو اپنا حق حلال کرو۔[۱]

حدیث شریف مذکور کے بعض مشکل الفاظ کی تشریح: الحس الحجتہ اقوام بہا و اقدر علیہا من صاحبہ یعنی خصم کی دلیل مان کر مال اس کے قبضہ میں دے دوں اور اس کے ساتھی چھین کر مال کا مالک بنا دوں التوحی قصد الحق یعنی توحی بمعنی حق کا ارادہ کرنا الاستہام ، الاقتراع یعنی قرعہ اندازی۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ قاضی کو اپنے علم پر فیصلہ نہ کرنا چاہیے چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا یہی مذہب ہے۔

مسئلہ: سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف اموال و مالک تک محدود رکھتے ہیں کہ ظاہر پر فیصلہ کرنا جائز ہے لیکن عقود النکاح اور اس کا فسخ اس سے مستثنیٰ ہوں گے اس کے مکمل مسائل و دلائل فقہ کی کتاب استعصاء میں ہیں۔

وَتُدْلُوا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ اور انہیں احکام کی طرف نہ لٹکاؤ اس کا عطف منی عنہ پر ہے یعنی وَلَا تَاْكُلُوْٓا پر اسی وجہ سے یہ ناہیہ مذکورہ کی وجہ سے مجزوم بواسطہ حرف عطف کے اور یہ الادلاء سے ہے بمعنی الالقاء اور ضمیر بہا کی اموال کی طرف لوٹتی ہے ساتھ مقدر کرنے مضاف کے ہے جیسے وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ میں (باء زائدہ) ہے اب معنی یہ ہوا کہ اموال کے معاملات کو نہ لٹکاؤ اور فیصلہ نہ لے جاؤ احکام کی طرف۔

لِتَاْكُلُوْا تا کہ تم کھاؤ حکام کی طرف فیصلہ لے جانے سے فریقاً ایک حصہ کو اور بعض اموال سے مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ لوگوں کے مالوں سے گناہ کے سبب سے یہ باء سببیہ ہے لِتَاْكُلُوْا کے ساتھ متعلق ہے یعنی بسبب اس کے

---

[۱] ایسی احادیث سے وہابیوں دیوبندیوں نے غلطی کھائی کہ وہ نبی علیہ السلام کو اپنے جیسا بشر سمجھنے لگے حالانکہ حقیقت مسئلہ کی یہ کہ حضور علیہ السلام کی حقیقت بشر نہیں اگرچہ ظاہر میں ہماری طرح بشر ہیں ہمارا اور ان کا اختلاف حقیقت کے متعلق ہے ہم کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ کی حقیقت نور ہے اور وہ اسے بشریت کی حقیقت کہتے ہیں۔ مزید تفصیل فقیر کی کتاب نور و بشر میں دیکھئے۔

جو گناہ کو واجب کر دے جسے شہادۃ الزور جھوٹی قسم اور صلح کرانا جب کہ معلوم ہو کہ جسے مال دلایا جا رہا ہے وہ ظالم ہے اور جس سے مال لیا جا رہا ہے وہ حق پر ہے بعض نے اس کا معنی یوں کہا ہے کہ ان کے فیصلے ایسے حکمرانوں کی طرف لے جاؤ جن کا کام ظلم اور رشوت لے کر غلط فیصلہ کی عادت ہو وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ حالانکہ تم جانتے ہو کہ بے شک تم باطل پر ہو۔

مسئلہ: گناہ کو گناہ جانتے ہوئے اس کا ارتکاب بہت زیادہ قبیح ہے اور اسکے مرتکب کو توبیخ زیادہ ضروری ہے۔ **ف**: دنیا میں تین چیزیں ہوتی ہیں۔

☆...... حلال ☆...... حرام ☆...... مشتبہ

حرام سزا کا مستحق بناتا ہے اور مشتبہ عتاب کا سبب بنتا ہے اور حلال ثواب کا موجب ہوتا ہے۔

حضرت حکیم سنائی فرماتے ہیں۔

ایں جہاں بر مثال مردار است　　　کرگساں اندوں ہزار ہزار

ترجمہ: یہ جہاں مردار کی مثال ہے اس میں بے شمار گدھ ہیں

ایں مرا زاہمی زند مخلب　　　واں مریں راہمی زند منقار
آخر الامر بگذرند ہمہ　　　واز ہمہ باز ماند ایں مردار

ترجمہ: کوئی گدھ اسے چنگل مارتی ہے تو کوئی اسے اپنی چونچ سے کھاتی ہے تمام
کھا کر چلی جاتی ہیں لیکن وہ مردار جوں کا توں پڑا ہوتا ہے۔

سبق: دانا کو چاہیے کہ وہ حقوق العباد اور ظلم کے معاملات سے اجتناب کرے۔

حکایت: نوشیرواں جب فوت ہوا تو اس کی وصیت کے مطابق اس کے جنازہ کو اٹھا کر گلی کوچوں اور شہر بازار جنگل اور دیہات میں پھر لیا گیا اور اعلان ہوتا رہا کہ جس کا کوئی حق نوشیرواں پر ہو تو وہ آ کر شاہی خزانے سے لے باوجود کافی دیر تک اعلانات ہونے کے بعد کوئی ایک بھی نہ آیا کہ جس نے کہا ہو کہ نوشیرواں کے پاس میرا کوئی حق ہے۔

حکایت: حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک مجوسی نے قرضہ دینا تھا آپ اس سے قرضہ وصول

marfat.ocm

کرنے کے لئے اس کے گھر تشریف لے گئے جب اس کے گھر کے قریب پہنچے تو آپ کے جوتے کو نجاست لگ گئی آپ نے جوتا جھاڑا تو نجاست مجوسی کے مکان کو جا لگی آپ حیران تھے کہ اگر نجاست رہنے دیتا ہوں تو مجوسی کا مکان بدزیب ہوتا ہے اگر نجاست کو کھرچ دوں تو نجاست کے ساتھ مکان کی دیوار کی مٹی بھی ساتھ نکل کر نیچے گرے گی یہ بھی مجوسی کی حق تلفی ہے آپ نے مجوسی کو بلایا مجوسی کی لونڈی آئی آپ نے اسے فرمایا مجوسی کو کہو کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ بلا رہے ہیں مجوسی نے سمجھا شاید قرضہ مانگنے کے لئے تشریف لائے ہیں اسی فکر میں باہر آتے ہیں معذرت کرنے لگا آپ نے فرمایا معذرت چھوڑیے مجھے اس مخمصے سے بچائیے کہ نجاست دیوار کو لگ گئی ہے اسے کیسے پاک کیا جائے مجوسی کے دل پر اس واقعہ کا گہرا اثر ہوا کہنے لگا حضرت میں اپنے دل کو کفر کی نجاست سے پاک کرتا ہوں فوراً کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔

سبق: سیدنا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے جب معمولی سے ظلم سے احتراز کیا تو مجوسی کو آپ کے اس نیک عمل کی برکت سے سعادت ابدی نصیب ہوئی ورنہ ہمیشہ کی بے دینی کی خرابی میں رہتا۔

حکایت: ایک نصرانی اپنی عورت کو گدھے پر بٹھا کر کہیں جا رہا تھا مسلمانوں کے گاؤں سے اس کا گذر ہوا تو وہاں کے ایک بے حیا نے گدھے کی دم کاٹ دی جس سے گدھا تڑپنے لگا اور نصرانی کی عورت گر پڑی اور اس بچاری کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ حاملہ تھی اس حادثہ سے اس کا حمل بھی گر گیا نصرانی نے وقت کے قاضی سے فریاد کی قاضی رشوت خور تھا۔ اس نے اسی ظالم مسلمان کو کہا اس نصرانی کا گدھا لے جا جب تک گدھے کی دم اس پیمانہ پر نہ ہوگی گدھے کو تم اپنے پاس رکھو اور اعورت کو بھی اپنے قبضہ میں لے لو جب تک حاملہ ہو کر اتنے ماہ کا حمل نہ ہو اور اسی طرح جب تک اس کی عورت کے دونوں ہاتھ صحیح اور درست نہ ہو جائیں نصرانی کو واپس نہ دینا نصرانی نے رو کر کہا مسلمانو! کیا تمہاری شریعت پاک کا یہی حکم ہے نصرانی آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہنے لگا اے الٰہ العلمین! تو حلیم تو ہے ہی لیکن میرے صبر کا جام چھلک پڑا ہے یہ قاضی کا فیصلہ ہے سراسر ظلم ہے تو ہی فیصلہ فرما اے عاجزوں کو دیکھنے والے اور مظلوموں کی مدد کرنے والے خدا۔ نصرانی کی فریاد آسمان کی چھت کو چیرتی ہوئی بارگاہ حق میں پہنچی اور داد انصاف لائی کہ قاضی رشوت خور کی شکل فوراً گدھے کی صورت میں تبدیل ہو گئی۔

سبق: اس واقعہ سے دو سبق حاصل ہوئے۔ ا۔ قاضی رشوت خور ظلم کی اعانت کی وجہ سے ایک بڑے عذاب

میں مبتلا ہوا۔ ۲۔ ظلم سے بچنا ضروری ہے اگرچہ مظلوم کار ہو کیونکہ کافر کی دعا بھی کبھی قبول ہو جاتی ہے۔

تفسیر عالمانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ اموال اقوام نفس کی مصالح کی خاطر پیدا کئے گئے ہیں اور نفوس کو مراسم عبودیت کی ادائیگی کیلئے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ تا کہ معلوم ہو جائے کہ اموال ونفوس صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں ان میں اللہ تعالیٰ کے سواء کوئی تصرف نہیں کر سکتا وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ کا مطلب یہ ہے کہ خواہش نفسانی اور حرص وشہوت اور غفلت میں پھنس کر اموال نہ کھاؤ ہاں حق اور قناعت اور تقویت علی الطاعۃ اور قیام بالعبودیت کو مدنظر رکھ کر کھاؤ۔

وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ یہاں پر حکام سے مراد نفس امارہ ہے لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِنْ أَمْوَالِ تا کہ ایک حصہ اموال سے کھاؤ اور وہ اموال جو عبادت کی استعانت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں بِالْإِثْمِ سے دنیا کا پھنس، پھنساؤ اور غفلت مراد ہے یعنی اموال کو گناہ پر مدد دینے کی خاطر نہ کھاؤ جیسے حیوانات اور بہائم نری غفلت میں رہتے ہیں تم ان کی طرح نہ ہو جاؤ اگر ایسا طریقہ کرو گے تو پھر تمہارا ٹھکانا اور رہنا سہنا جہنم میں ہو گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور کھانے پینے میں ایسے مست نہ ہو جاؤ جیسے جانور کھانے پینے میں مست ہیں وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ یعنی اس کے انجام کو جانتے ہوئے بھی لاعلمی میں گزار رہے ہو۔ (کذافی التاویلات النجمیہ)

اس کا انجام برا نکلے گا انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے لئے آخرت کیلئے نیک انجام کا ہر وقت خیال رکھے بلکہ میرا تو مسلمانوں بھائیوں کو یہی مشورہ ہے کہ اس آرزو میں مست ہوتے رہو کہ مرنے کے بعد مصطفیٰ ﷺ کا دیدار نصیب ہو صحابہ کرام کا یہی مشغلہ تھا صرف دو واقع ملاحظ ہوں۔

۱۔ حضرت خالد بن صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کام کاج سے فارغ ہو کر بستر پر سونے کے لئے آتے تو (ان کا وظیفہ یہ تھا) حضور ﷺ اور آپ کے مہاجر وانصار صحابہ نام لے لے کر ان کی یاد میں روتے اور کہتے میرا سب کچھ وہی ہیں میرا دل (ہمہ وقت) انہی کی یاد میں تڑپتا رہتا ہے لیکن ہجر وفراق کی گھڑیاں لمبی ہوتی جارہی ہیں اے میرے رب میری روح کو جلد قبض فرمالے (تا کہ میں ان سے جاملوں) انہی حسین یادوں میں محویت کے عالم میں سسکیاں لیتے لیتے سو جاتے۔

۲۔ حضرت زید بن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے

میں مروی ہے ایک رات آپ نے ایک گھر میں دیکھا کہ چراغ جل رہا ہے اور ایک بوڑھی خاتون اون کاتتے اشعار پڑھ رہی ہے۔ محمد پر اللہ کے تمام ماننے والوں کی طرف سے سلام ہو اور آپ کے تمام متعلقین کی طرف سے بھی آپ ﷺ راتوں کو اللہ کی یاد میں کثیر قیام اور سحری کے وقت آنسو بہانے والے تھے۔ ہائے افسوس اسباب موت متعدد ہیں کاش مجھے یقین ہو جائے کہ روز قیامت مجھے آقا ﷺ کا قرب نصیب ہو سکے۔ یہ اشعار سن کر حضرت فاروق اعظم کو اپنے آقا کی یاد شدت سے آئی جس پر وہ زار و قطار روئے اور دروازے پر دستک دی۔

خاتون نے پوچھا کون ہے۔ آپ نے کہا عمر بن الخطاب خاتون نے کہا رات کے ان اوقات میں عمر کو یہاں کیا کام؟ آپ نے فرمایا اللہ تجھے جزاء خیر دے دروازہ کھولا اور آپ کے پاس بیٹھ گئے اور کہ کہ جو اشعار تو پڑھ رہی تھی ان کو دوبارہ پڑھ اس نے جب دوبارہ اشعار پڑھے تو آپ خوب روئے۔ (اویسی غفرلہ)

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ۭ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۭ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا

تم سے نئے چاند کو پوچھتے ہیں تم فرمادو وہ وقت کی علامتیں ہیں لوگوں اور حج کے لئے اور یہ کچھ بھلائی نہیں کہ گھروں میں

الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۠ وَاتَّقُوا

پچھیت توڑ کر آؤ ہاں بھلائی تو پرہیزگاری ہے اور گھروں میں دروازوں سے آؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو

اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۱۸۹ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ

اس امید پر کہ فلاح پاؤ۔ اور اللہ کی راہ میں لڑو ان سے جو تم لڑتے ہیں اور حد سے نہ بڑھو

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝۱۹۰ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ

اللہ پسند نہیں رکھتا حد سے بڑھنے والوں کو۔ اور کافروں کی جہاں پاؤ مارو اور انہیں نکال دو جہاں سے

مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ

انہوں نے تمہیں نکالا تھا اور ان کا فساد تو قتل سے بھی سخت ہے اور مسجد حرام کے پاس ان سے نہ لڑو

الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ۭ كَذٰلِكَ جَزَاۗءُ

جب تک وہ تم سے وہاں نہ لڑیں اور اگر تم سے لڑیں تو انہیں قتل کرو کافروں کی یہی سزا ہے

الْكٰفِرِيْنَ ۝۱۹۱ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۹۲ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ

پھر اگر وہ باز رہیں تو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور ان سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فتنہ

فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۭ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَي الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۹۳

باقی نہ رہے اور ایک اللہ کی پوجا ہو پھر اگر وہ باز آئیں تو زیادتی نہیں مگر ظالموں پر۔

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ

ماہ حرام کے بدلے ماہ حرام اور ادب کے بدلے ادب ہے جو تم پر زیادتی کرے اس پر زیادتی کرو

marfat.ocm

فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ

اتنی ہی جتنی اس نے کی اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے۔

الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛۚ

اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو

وَاَحْسِنُوْا ۛۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۹۵﴾ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ

اور بھلائی والے ہو جاؤ بیشک بھلائی والے اللہ کے محبوب ہیں۔ اور حج اور عمرہ اللہ کے لئے پورا کرو پھر

اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ

اگر تم روکے جاؤ تو قربانی بھیجو جو میسر آئے اور اپنے سر نہ منڈاؤ جب تک قربانی

الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ

اپنے ٹھکانے نہ پہنچ جائے پھر جو تم میں بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہے تو بدلہ دے

مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ ٘ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى

روزے یا خیرات یا قربانی پھر جب تم اطمینان سے ہو تو جو حج سے عمرہ ملانے کا فائدہ اٹھائے

الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَ

اس پر قربانی ہے جیسی میسر آئے پھر جسے مقدور نہ ہو تو تین روزے حج کے دنوں میں رکھے

سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي

اور سات جب اپنے گھر پلٹ کر جاؤ یہ پورے دس ہوئے یہ حکم اس کے لئے ہے جو مکہ کا رہنے والا نہ ہو

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾

اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے

تفسیر عالمانہ

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَھِلَّۃِ [1] شانِ نزول: معاذ بن جبل انصاری اور ثعلبہ بن غنم انصاری نے عرض کیا! یا رسول اللہ ﷺ چاند کے گھٹنے اور بڑھنے کی کیا وجہ ہے کہ پہلے دھاگے کی طرح ہوتا ہے پھر بڑھتا ہوا مکمل ہو کر گھٹنے لگ جاتا ہے یہاں تک کہ آخر میں اس طرح کا ہو جاتا ہے جیسے پہلی شب کا تھا ایک ہی حالت پر کیوں نہیں رہتا اللہ تعالیٰ نے یہی آیت اتاری کہ آپ سے چاند کے متعلق سوال کرتے ہیں۔

حل لغات: اَھِلَّۃ ہلال کی جمع ہے ہلال بمعنی پہلی رات سے تیسری رات تک چاند کی روشنی۔

سوال: ہلال کو ہلال کیوں کہتے ہیں؟

جواب: چونکہ پہلے دوسری راتوں میں چاند کو دیکھ کر آواز بلند کرتے ہیں چنانچہ اہل عرب کہتے ہیں **استھل الصبی** یہ اس وقت بولتے ہیں جب نومولود بچہ پیدائش کے وقت چیخ مارے اور کہتے **اھل القوم بالحج** یہ اس وقت بولتے ہیں جب حج کے ایام لوگوں کو تلبیہ پڑھتے ہوئے سنتے۔ **قل** اے محبوب محمد عربی ﷺ فرمائیے **ھی** یعنی چاند کا گھٹنا بڑھنا اوقات ہیں۔

حل لغات: مواقیت وقت سے مشتق ہے۔

ف: وقت اور مدت اور زمان میں فرق یہ ہے کہ مدت فلک کی حرکات کا امتداد از مبدا تا منتہا کا نام ہے اور زمان ان گھڑیوں کو کہا جاتا ہے جو ماضی حال استقبال میں منقسم ہیں اور وقت اس زمانہ کو کہتے ہیں جو کسی امر کے لئے فرض کیا گیا ہو۔

لِلنَّاسِ لوگوں کے لئے یعنی ان امور کے لئے چاند گھٹتے بڑھتے ہیں جو ان کی ضروریات اور مصالح اور معاملات اور حج کے لئے یعنی وہ امور جو اوقات مخصوصہ سے متعلق ہے۔

---

[1] : اس آیت سے ثابت ہوا کہ اگر سائل میں استعداد نہ ہو تو اس کے سوال کے مطابق جواب نہ دینا لاعلمی اور عدم اختیار کی دلیل نہیں جیسے یہاں ہے کہ سائلوں نے تو سوال کیا ہے چاند کے گھٹنے بڑھنے کا لیکن جواب مطابق نہیں اس لئے کہ اس کا گھٹنا بڑھنا علم ہیت سے متعلق ہے اور اس کا استعداد عوام میں کہاں اسی لئے جواب کے طرز کو بدل دیا اسی قاعدہ پر ہم سینکڑوں سوالات وہابیہ کا جواب دیتے ہیں کہ جہاں حضور ﷺ نے سوالات کے جوابات مطابق نہیں دیئے وہاں بھی استعداد کی کمی یا کوئی اور مصلحت ہوگی۔ (اویسی غفرلہ)

marfat.ocm

سوال: جب پہلے بتایا گیا ہے کہ چاند کا گھٹنا بڑھنا انسان کو ان اوقات کے بتانے کے لئے ہے جو اسے اپنی ضروریات و معاملات کی وجہ سے متعلق ہیں اور حج بھی منجملہ انہیں سے ہے پھر اسے علیحدہ ذکر کرنے کا کیا معنی؟

جواب: قاعدہ عاتہ الورود ہے کہ عام کے بعد خاص کا ذکر ہوا کرتا ہے دوسرا اس سے تنبیہ بھی مقصود ہے کہ حج باقی امور سے فضیلت رکھتا ہے اس لئے کہ حج ایک ایسی مخصوص عبادت ہے کہ اس کی ادائیگی مخصوص اوقات میں ہوتی ہے اور قضاء ہو جائے تو اس کی ادائیگی بھی ان مخصوص اوقات کے بغیر نہیں ہو سکتی بخلاف باقی عبادت کے کہ ان کی ادائیگی میں خصوصی اوقات کی کوئی پابندی نہیں خلاصہ کلام یہ ہوا کہ چاند صرف تمہارے مصالح اور ضروریات کی وجہ سے گھٹتا بڑھتا ہے اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ چاند جتنا سورج کے قریب ہوگا اتنا نورانیت میں گھٹ جائے گا اور جتنا دور ہوگا اتنا اس کی نورانیت زیادہ ہوگی جیسا کہ فن ہیت میں مفصلاً مذکور ہے۔

ف: تفسیر تیسیر میں ہے کہ سورج ایک ہی حالت پر رہتا ہے اس لئے کہ اس سے صرف عوام کو روشنی پہنچانا اور اس سے لوگوں کے مصالح کا قیام مقصود ہے اور چاند گھٹتا بڑھتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ ہی انسانی ضروریات و معاملات کے متعلق فرمایا ہے اور وہ معاملات ضروریات پورے نہیں ہو سکتے جب تک کہ چاند میں اسی طرح تغیر و تبدیل نہ ہو اسی لئے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ضروریات پورا کرنے کے لئے چاند کو ایسے ہی بنایا ہے۔

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا اور نیکی نہیں کہ تم گھروں کی پچھلی طرف سے آؤ۔

شان نزول: انصار کی عادت تھی کہ جو مرد حج یا عمرے کا احرام باندھتا تو وہ باغ اور گھر اور حویلی کے دروازے سے داخل نہ ہوتا اگر اس کا گھر مٹی کا ہوتو بجائے دروازے کے گھر کے پچھلے جانب سے نقب لگا کر داخل ہوتا اور وہاں سے نکلتا یا مکان کی پچھلی طرف سیڑھی لگا کر مکان کے اوپر چڑھ کر آتا جاتا اگر اس کا مکان خیمہ نما ہوتا تو پھر خیمے کی پچھلی جانب سے آمد و رفت ہوتی بہر حال ان کا یہی طریقہ تھا کہ احرام سے فراغت پر گھر کی پچھلی طرف سے آنا جانا ہوتا تھا گھروں کے عام دروازوں سے آنا ان کے لئے حرام تھا اسی طریقہ کو وہ اپنے لئے نیکی سمجھتے تھے تمام اہل عرب کا یہی طریقہ تھا سوائے حمس کے یعنی قریش کا طریقہ اور تھا اس گمان پر کہ احرام کے وقت اپنی تمام عادت کو بدلنا چاہیے اس لئے انہوں نے احرام کے دوران اپنی عادات کو لباس اور خوشبو وغیرہ کے بارہ میں بدل دیا وہ کہتے تھے ہم اپنے گھروں کے دروازوں سے ہرگز داخل نہیں ہوں گے جب تک اللہ تعالیٰ کے گھر

داخل نہ ہو لیں۔ ان میں بعض تو ایسے تھے کہ انہیں احرام کی حالت میں مکان کی چھت کے سایہ تلے بیٹھنا گوارہ نہ تھا اور نہ وہ پنیر بنا کر کھاتے اور نہ ہی ان دنوں بکریوں کے بال کاٹتے اور یہ باتیں اپنی طرف سے گھڑلی تھیں انہیں کسی شریعت سے یہ امر معلوم نہیں ہوئے ان کی ان غلط عبادتوں کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ یہ سختیاں جو تم نے احرام کی حالت میں مقرر کر رکھی ہیں نہ نیکی ہے اور نہ ان سے قرب الٰہی نصیب ہو سکتا ہے۔

وَلَيْسَ الْبِرُّ لیکن نیک وہ ہے مَنِ اتَّقٰى جو ڈرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء اور خواہشات نفسانی سے بچنے کا نام نیکی ہے صرف احرام کی حالت میں گھروں میں پیٹھ کی طرف آنے کو نیکی نہیں کہا جاتا۔

ربط: کشاف میں سوال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس مضمون کو سابق مضمون سے کیا رابطہ ہے پھر اس کا خود جواب دیتے ہیں کہ جب انہیں ان کے چاند کے گھٹنے اور بڑھنے کے سوال کا جواب بتایا گیا اور چاند کے گھٹنے اور بڑھنے کی حکمت بھی بتائی گئی ویسے ان کو یہ بھی معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ کا ہر فعل بہت بڑی حکمتوں کا حامل ہوتا ہے اور اس میں بندوں کے لئے کئی مصلحتیں مضمر ہوتی ہیں اس لئے ان کو حکم ہوا کہ سوال کو چھوڑ دو اور غور کرو کہ احرام کے دوران گھروں میں دروازوں سے نہ آنا کوئی نیکی ہے حالانکہ وہ کوئی نیکی نہیں۔ وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا حالت احرام اپنے گھروں میں دروازوں کی طرف سے آؤ کیونکہ اس کے برعکس دروازوں کی بجائے پیٹھ کی طرف سے آنا کوئی نیکی نہیں وَاتَّقُوا اللّٰهَ اس کے احکام کو تبدیل اور اس کے افعال پر اعتراض کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ تاکہ تم نیکی اور ہدایت پانے میں کامیاب ہو جاؤ۔

دوسرا شان نزول: حضرت حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت کے لوگوں کی عادت تھی کہ جن کا سفر کا ارادہ ہوتا یا کسی کام کو سفر کے لئے جانا ہوتا یا کوئی کام کرنے کا ارادہ کرتا تو وہ جب تک اپنی منزل مقصود تک نہ پہنچتا مکان کے دروازے سے نہیں بلکہ اس کی پیٹھ سے آتا۔

تیسرا شان نزول: قریش اور قبائل عرب کی عادت تھی کہ جس کا سفر کا ارادہ ہوتا یا کسی کام کو جاتا اور ناکام ہو کر لوٹتا تو اسے بدفال سمجھ کر بجائے مکان کے دروازے سے داخل ہونے کے اس کی پیٹھ سے آتا اللہ تعالیٰ نے انہیں اس غلط روی سے روکا اور فرمایا کہ بدفالی کوئی نیکی نہیں بلکہ حقیقی نیکی وہ ہے جو غیر اللہ سے نہیں ڈرتا اسے بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہے۔

marfat.ocm

حکایت: جاحظہ نے فرمایا کہ ابراہیم بن یار جو نظام کے نام سے مشہور معروف ہیں بدفالی کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے اس نے کہا کہ میں ایک دفعہ بہت بھوکا ہوا یہاں تک کہ میں مٹی کھانے لگا تب بھی بھوک ستاتی رہی میں نے سوچا یہاں کسی آدمی کو ملوں جو مجھے طعام کھلائے میں اس ارادہ پر اہواز کی طرف روانہ ہوا۔ (اہواز فارس کے شہروں سے ایک شہر ہے) میرا کوئی وہاں واقف نہ تھا اور نہ ہی میرے پاس کوئی ایسی شئے تھی جس سے اس پریشانی کو دور کر سکتا۔ آگے چلا تو دریا کا کنارا ملا لیکن کشتی نہیں کہ اسے پار کر سکوں اسے میں نے بدفالی پر محمول کیا آگے دیکھا ایک کشتی ہے جس کے اندر سوراخ ہے یہ دوسری بدفالی ہوئی میں نے اس کے ملاح کا نام پوچھا تو معلوم ہوا کہ اس کا نام دیوزادہ ہے فارسی لفظ ہے جسے عربی میں شیطان کہا جاتا ہے یہ تیسری بدفالی تھی آخر میں اس کشتی پر سوار ہو گیا۔ جب ہم دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچے تو میں نے چیخ کر پکارا یا حمال اے بوجھ اٹھانے والے مزدور میرا سامان لے جا اس وقت میرے پاس پرانا لحاف اور ایک ضروری سامان تھا جس مزدور نے مجھے جواب دیا وہ (اعور) کانا تھا میں نے کہا یہ چوتھی بدفالی ہے ارادہ ہوا اب یہاں سے واپس لوٹ جاؤں اسی میں سلامتی ہے لیکن چونکہ آ چکا تھا اس لئے ارادہ ہوا کہ کسی سے کم از کم اپنا مقصد تو ظاہر کروں جب میں نے کسی سے کہا کہ میں کئی روز سے بھوکا ہوں یہاں تک کہ بھوک کے مارے مٹی کھا رہا ہوں اب میں موت کے گھاٹ اتر چکا ہوں اس کے بعد میں ایک سرائے میں چلا گیا لیکن حیران تھا کہ اب کیا کروں ابھی اس حال میں تھا کہ جس گھر میں تھا اس کا دروازہ کھٹکا میں نے کہا تو کون ہے اس نے کہا میں تجھے بلانے آیا ہوں میں نے کہا میرا نام ابراہیم بن سیار ہے نظام کے نام سے معروف ہوں اس کے بلانے پر مجھے یہ خیال گزرا کہ یہ کوئی دشمن ہے یا بادشاہ کا قاصد ہے میں نے دروازہ کھولا اس نے کہا مجھے تیرے بلانے کے لئے ابراہیم بن عبدالعزیز نے بھیجا اور انہوں نے فرمایا ہے اگرچہ ہم اور آپ بعض باتوں میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن ہمیں حقوق الاخلاق والحرمۃ کی ادائیگی ضروری ہے ہم نے تمہاری داستان سنی اور تمہارا در بدر کی ٹھوکریں کھانا ہمیں ناگوار گزرا ہے اس لئے ہمارے اوپر واجب ہے کہ ہم تمہاری ضروریات کی کفالت کریں اب اگر آپ یہاں ہمارے ہاں ایک یا دو ماہ قیام فرمائیں تو آپ کی زندگی بھر کی کفالت کے متعلق کچھ سبب بنا لیں گے اگر آپ جانا چاہتے ہیں تو لیجئے یہ تیس دینار ہیں انہیں اپنی ضروریات پر خرچ کیجئے اور تشریف لے جایئے آپ کی معذوری ہے ہمیں انکار نہیں میں

نے سوچا کہ اس وقت تک بہت سی پریشانیاں لاحق ہیں فلہذا واپس جانا مناسب ہے اس لئے کہ مجھے اس سے قبل تین دینار تک میسر نہیں ہوئے اب بفضلہٖ تعالیٰ تیس دینار ملے ہیں بہت کافی ہیں زیادہ کا حرص کیوں اور گھر اور بال بچوں سے جدا ہوئے کافی وقت ہوا ہے زیادہ دیر ٹھہرنا نا مناسب ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ بدفالی نہایت ہی مذموم ہے ورنہ مجھے اتنا مال اور سہولت میسر نہ ہوتی۔ (کذافی شرح رسالۃ الزبیر بن زیدون)

سبق: اس سے ثابت ہوا کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض امور طبع ناگوار گذرتے ہیں لیکن ان میں بہت بھلائی ہوتی ہے۔

حکایت: شیخ وقت کے دور میں قحط پڑا انہوں نے اپنے طلباء کے لئے قرعہ اندازی فرمائی کہ کس کام میں بھلائی ہے چنانچہ ان کے ایک کے نام ڈاکہ زنی کا قرعہ پڑا وہ طالب علم چل پڑا۔ اس کا ڈاکوؤں کے ایک گروہ سے واسطہ پڑا وہ ان کے ساتھ ایک تاجروں کے گھر میں نقب زنی کرنے لگا بعد فراغ کے ڈاکوؤں نے تاجروں کو قید کر کے اس شخص کو کہا جا کر انہیں ذبح کر دے اس کے دل میں خیال گذرا کہ انہیں مارنے میں کوئی فائدہ نہیں بلکہ یوں چاہیے کہ انہیں چھوڑ دوں اور ہتھیار لے کر ڈاکوؤں کو قتل کر دیا جائے تا کہ آئندہ ہمیشہ تک ڈاکہ زنی کی لعنت ختم ہو جائے چنانچہ انہیں تمام ماجرا سنایا تاجروں نے اس کے مشورہ کو قبول کر لیا وہ لوگ ڈاکوؤں کے پاس پہنچے وہ غفلت کے نشہ میں چور چور تھے ان پر یکبارگی حملہ کر دیا انہوں نے ڈاکوؤں پر قابو پالیا انہوں نے ماجرا پوچھا تو اس نے کہا کہ میں فلاں بزرگ کا شاگرد ہوں ڈاکوؤں نے کہا اب ڈاکہ زنی سے ہماری توبہ ہے ہمیں اپنے شیخ کے پاس لے جایئے ہم تمام گناہوں سے توبہ کرتے ہیں اور لوٹا ہوا مال و اسباب بھی واپس کرتے ہیں چنانچہ ایسے ہی کیا گیا وہ ڈکو سب کے سب شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر تائب ہو گئے اور ان کے غلاموں اور شاگردوں میں شمار ہوئے۔

سبق: سالک کو چاہیے کہ ہر معاملہ میں صبر اور سکون سے کام لے تا کہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہو۔ حضرت صائب فرماتے ہیں۔

چوں سرو در مقام رضا استادہ ام آسودہ خاطرم ز بہار و خزاں خویش

(**ترجمہ:** سرو کی طرح مقام رضا پہ با آرام کھڑا ہوں اب نہ مجھے بہار سے خوشی ہے اور نہ خزاں کا خطرہ)

marfat.ocm

تفسیر صوفیانہ

وَلَيْسَ الْبِرُّ میں اشارہ ہے کہ ہر شئے کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوتا ہے کہ اس شئے تک اس سبب کے بغیر پہنچنا ناممکن ہوتا ہے چنانچہ اللہ فرماتا ہے وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا فَاَتْبَعَ سَبَبًا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچنے کا ایک ذریعہ اور سبب ہے اور اس کا نام تقویٰ اور تقویٰ لفظ ایسا جامع ہے کہ اعمال ظاہرہ باطنہ اور جملہ مامور بہا پر عمل کرنے اور تمام منہی عنہا سے بچنے اسی طرح قلوب کی صفائی اور سرائر کا مراقبہ ب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

فائدہ: مراتب تقویٰ میں جتنا مرتبہ بندے کو نصیب ہوتا ہے اتنا قدر وہ بارگاہ ربوبیت تک باریاب ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اور حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا علیکم بتقوی اللہ فانہ جماع کل خیر تقوی حاصل کرو اس لئے کہ وہ تمام نیکیوں کا جامع ہے اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ نیکی اسے نہیں کہا جاتا کہ مکانوں کی پیٹھ سے آؤ یعنی شئے کے سبب کے بغیر شئے کو حاصل کرو کہ اعمال ظواہر کو پابندی سے ادا کرو اور تقویٰ کا دامن چھوڑ کر ان اعمال کے بواطن کی پرواہ نہ کرو بلکہ نیک وہ ہے جو تقوی کا عامل ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ آیت کا معنی یہ ہے کہ بندہ فرمانبرداری میں ایسا منہمک ہو کہ اس سے نافرنانی کی بو تک نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کو ایسا یاد کرے کہ کبھی بھولنے کا نام نہ لے اور شکرگزار ایسا ہو کہ اسے ناشکری کا وہم نہ ہو وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا یعنی امور کو ان کے اسباب سے حاصل کرو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے منزل مقصود تک پہنچنے کا ذریعہ بتایا ہے وہ یہ کہ وَاتَّقُوا اللّٰهَ یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرو یعنی ماسوی اللہ سے دور ہو جاؤ ایسے ہے جیسے کہا جاتا ہے فلان تقی بترھیہ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب ڈھال کو سامنے رکھ لیتا کہ دشمن کے حملوں سے بچ جائے بندے کو چاہیے کہ وہ اپنے مولیٰ سے ہی ڈرے اور اس کی پناہ کو اپنی پناہ سمجھے اور ایس کو اپنا ملجا وماویٰ مانے اور اسی کی طرف رجوع ہو اور بس جیسے حضور اکرم ﷺ کی عادت کریمہ تھی آپ فرمایا کرتے اعوذبک منک اے اللہ تعالیٰ تیری مدد سے تیرے ماسوی سے پناہ مانگتا ہوں لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ تاکہ اپنے مالک قدوس کی اعانت سے نفوس قدسیہ کی ہلاکتوں سے چھٹکارا پاؤ۔ (کذافی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ

وَقَاتِلُوْا اور جہاد کرو فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے راستہ کے لئے اور اس کے اعزاز میں آیت میں سبیل اللہ اور اللہ کا دین مراد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی رضا کا

راستہ یہی ہے الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ اور لوگوں سے جو تمہارے ساتھ لڑتے ہیں یعنی قریشیوں سے یہ آیت اس حکم سے پہلے کی ہے جو کہ تمام مشرکین سے جہاد کرنے کا حکم نازل ہوا یعنی ان لوگوں سے جو تمہارے ساتھ لڑتے ہیں یعنی لوگوں سے جہاد کرو جو تمہارا مقابلہ کرتے اور جو تمہیں دین کے راستے سے روکتے ہیں۔

ف: جہاد کے متعلق مدینہ طیبہ میں سب سے پہلے یہی آیت نازل ہوئی جب یہ آیت اتری تو حضور نبی کریم ﷺ صرف ان سے جہاد کا حکم دیتے جو ان کا مقابلہ کرتے یا جو آپ کے دینی امور میں آڑے ہوتا جو آپ کا نہ مقابلہ کرتا اور نہ ہی آڑے آتا تو اس کے مقابلہ کا حکم نہ فرماتے اگرچہ کفار کا ہر معاملہ آپ سے لڑائی اور دین سے روکاٹ کا تھا چنانچہ روایت ذیل اس مضمون کی تائید کرتی ہے۔

شان نزول: حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ یہ آیت صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی اس کی وجہ یہ ہوئی کہ حضور سرور عالم ﷺ اپنے صحابہ کرام کو لے کر مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ میں صرف عمرہ کے لئے تشریف لے گئے آپ کا تشریف لے جانا ذیقعدہ ۶ ہجری میں ہوا۔ اس وقت آپ کے ساتھ کل تعداد ایک ہزار چار سو اصحاب کی تھی آپ نے مکہ شریف کو جاتے ہوئے حدیبیہ میں قیام فرمایا حدیبیہ ایک مقام کا نام ہے جو مکہ معظمہ کے قریب ہے یہاں پر پانی کی فراوانی اور درختوں کی کثرت تھی لیکن مشرکین نے آپ کو مکہ معظمہ میں داخل ہونے سے روک دیا آپ یہیں پر ایک ماہ قیام فرما رہے اور مشرکین سے چند شرائط پر صلح فرمالی وہ شرائط یہ تھیں ہم اس سال واپس لوٹ جاتے ہیں اور انشاء اللہ آئندہ سال مدینہ طیبہ سے بیت حرام کی زیارت کے لئے آ کر عمرہ کریں گے یہ شرائط مشرکین کی طرف سے تھیں آپ نے قبول فرمالیں اور اپنے ارادہ مبارک کو بدل کر واپس لوٹنے کا ارادہ فرمایا لیکن صحابہ کو یہ بات ناگوار تھی کہ مشرکین سے شہر حرام اور حرم شریف میں لڑیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَقَاتِلُوْا الخ یعنی جب میرا حکم ہے تو پھر شہر حرام اور حرم کا ڈر کیوں۔

وَلَا تَعْتَدُوْا حد سے نہ بڑھو یعنی حرم میں جب کہ تم احرام باندھ کر آؤ تو جنگ وجدال کا آغاز تمہاری طرف سے نہ ہو۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں سے محبت نہیں کرتا یعنی ان کے لئے بھلائی کا ارادہ نہیں رکھتا وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ انہیں قتل کرو جہاں بھی ملیں حرم ہو یا حل یعنی غیر حرم خواہ ماہ حرام ہو اس کیلئے کہ حرم اور ماہ حرام کی توہین کا آغاز انہیں سے ہوا ہے پھر تم بھی اتنا قدر ان کے ساتھ کر لو۔

marfat.ocm

حل لغات: ثقف دراصل الحذق فی ادرک الشئی علما کان او عملا کو کہتے ہیں یعنی شئے کو علماً یا عملاً پورے طور پر پالیتا اور یہ غلبہ کے معنی کو متضمن ہے۔

وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ اور انہیں وہاں سے نکال دو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا یعنی مکہ معظمہ سے اس لئے کہ مشرکین نے اہل اسلام کو ابتدائے اسلام میں مکہ معظمہ سے نکالا تھا پھر فتح مکہ کے موقع پر حضور علیہ السلام نے مکہ معظمہ سے ہر اس شخص کو نکال دیا جس نے اسلام سے روگردانی کی۔

حل لغات: دراصل فتنہ کہتے ہیں سونے کو آگ پر ڈالنے کو تا کہ آگ کے جوش سے اس کے اندر کھوٹ دور ہو جائے اب اس کا استعمال ہر اس امر پر ہوتا ہے جو آزمائش کا سبب ہو اس لئے کہ اس کو سونے کو آگ پر رکھنے سے مشابہت ہے یعنی وہ محبت و مشقت پھر فعل کہ جس سے انسان کی آزمائش کی جائے مثلاً اسے اپنے وطن سے نکال دینا وغیرہ۔

وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ اور آزمائش قتل سے زیادہ سخت ہے کہ اس کی تکلیف دائمی ہے اور نفس کو اس کی مشقت ہر لحاظ سے ستاتی رہتی ہے یہ جملہ وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ سے تعلق رکھتا ہے تا کہ اس کے مضمون کا تتمہ بن کر کفار کو مکہ معظمہ سے نکالنے پر برانگیختگی کا سبب بنے اب معنی یہ ہوا کہ اے مسلمانو! تمہارا کفار کو مکہ معظمہ سے خارج کرنا ان کے قتل سے آسان نہیں بلکہ قتل کرنے کے بجائے انہیں مکہ معظمہ سے نکالنا زیادہ سخت ہے یہ بہترین سزا ہے کہ ان کے کفر پر اصرار کرنے اور تمہارے ساتھ ان کا مقابلہ بازی سے۔

ف: کسی دانا سے پوچھا گیا کہ موت سے بھی کوئی اور شئے زیادہ سخت ہے؟ اس نے فرمایا ہاں وہ امر موت سے زیادہ سخت ہے کہ جس کی وجہ سے موت کی تمنا کی جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وطن سے نکالنے کی آمائش سے تعبیر فرمایا ہے اس لئے کہ اس میں موت کی آرزو کی جاتی ہے۔

ف: دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ آیت وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ سے تعلق رکھتی ہے اب اس کا مطلب یہ ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو مشرکین کو حرم میں قتل کرنے کی ترغیب دیتا ہے کہ اے مسلمانو! اس کی کچھ پرواہ نہ کرو کہ مشرکین کو ہم حرم میں قتل کر رہے ہیں اس میں حرج ہی کیا ہے جب کہ میرا حکم ہے فلہٰذا جہاں بھی وہ تمہیں ملیں انہیں قتل کر دو کیونکہ انہوں نے کون سی کمی کی ہے انہوں نے تمہیں حرم شریف میں قتل کرنا روا رکھا اور پھر تمہیں مکہ

معظمہ کی حاضری سے روک دیا یہ امور بہت بڑے ہیں یہ انہیں حرم میں قتل کرنے سے۔

وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ یعنی تم مسجد حرام کے قریب مشرکین کے قتل کرنے کا آغاز نہ کرنا حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ جب تک کہ وہ حرم میں جنگ کرنے کا آغاز نہ کریں اور یہ جملہ صرف اسی مقام پر جنگ کی کیفیت کے ساتھ مخصوص ہوگا ورنہ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ کا حکم عام ہے فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ اگر وہ لوگ اس مقام یعنی بیت اللہ شریف میں بھی تمہارے ساتھ لڑنے لگ جائیں فَاقْتُلُوْهُمْ تو تم بھی ان کے ساتھ لڑو یہ پرواہ نہ کرو کہ بیت اللہ تو امن کی جگہ ہے ہم کیسے لڑیں اس لئے کہ یہاں کی لڑائی کا آغاز اور بیت اللہ کی ہتک کا سلسلہ مشرکین نے شروع کیا ہے فلہذا اب وہ سخت سے سخت عذاب کے مستحق ہیں اور عذاب کی ایک صورت یہ ہے کہ تم انہیں جہاں پاؤ مار ڈالو كَذٰلِكَ یعنی اس جزا کی مثل یہ کاف محل الرفع با لا بتداء سے ہے جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ کفار کی جزا ہے یعنی ان کے ساتھ وہی کیا جائے جو انہوں نے اپنے غیروں سے کیا فَاِنِ انْتَهَوْا پس اگر وہ جنگ سے یا کفر سے رک جائیں اس سے معلوم ہوا کہ ان سے جنگ روک دینے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اب وہ مغفرت کے مستحق ہو گئے ہیں چہ جائے کہ انہیں رحمت کا مستحق ٹھہرایا جائے فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ بیشک اللہ تعالیٰ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ہے ان کی گزشتہ غلطیاں بخش دے گا۔ وَقٰتِلُوْهُمْ اور مشرکین سے جنگ کرو حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ یہاں تک کہ نہ پایا جائے یا نہ باقی رہے فِتْنَةٌ یعنی شرک ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔

مسئلہ: بت پرست کو اسلام پیش کیا جائے اگر بت پرستی سے پورے طور پر تائب ہو کر اسلام قبول کر لیں تو درست ورنہ اسے قتل کر دینا جائز ہے۔

وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ اور ہو جائے دین خالص اللہ تعالیٰ کے لئے شیطان کو اس میں ذرا بھر بھی کچھ نصیب نہ ہو فَاِنِ انْتَهَوْا پس اگر وہ شرک کرنے سے اور تمہارے جنگ کرنے سے رک جائیں فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ پس نہیں تجاوز مگر ظالمین پر یعنی جو لوگ شرک کرنے سے رک گئے ہیں ان کو کچھ نہ کہو کیونکہ ایسی سختی اس پر ہونی چاہیے جو کفر وغیرہ کا ارتکاب کرتا ہے ظلم صرف ظالم پر کیا جائے اس سے تجاوز نہ کیا جائے اس جملہ میں نفس جزا کو محذوف کر کے اجزا کی علت کا ذکر کیا گیا ہے اور چونکہ علت حکم کو مستلزم ہے اسی لئے علت بول

marfat.ocm

کرحکم سے کفار کیا گیا ہے گویا یوں کہا گیا فان انتھوا فلا تعدوا علیھم اس لئے کہ عدوان ظالموں کے ساتھ خاص ہے اور چونکہ شرک کرنے سے رکنے والے ظالمین نہیں ہیں فلہذا ان پر عدوان بھی نہ ہو۔

سوال: کفار کو جن امور سے سزا دی جائے گی اس سے عدوان اور ظلم سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے حالانکہ اس کے ساتھ جو کچھ کیا جائے گا وہ سراسر حق اور عدل وانصاف پر مبنی ہو گا کیونکہ وہ ظلم کی سزا ہے۔

جواب: صرف لفظی مشارکت کی وجہ سے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا اس آیت میں برائی کی سزا کو سیئہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

تفسیر عالمانہ

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ حرام کے مہینے عوض بنتے ہیں بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ حرام مہینوں کے اللہ تعالیٰ کی معظمات کی ہتک اور توہین ہے جسے مشرکین نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ذیقعدہ میں بیت اللہ شریف کی زیارت سے روکا۔

شان نزول: حضور نبی کریم ﷺ اپنے معاہدے کے مطابق دوسرے سال یعنی ساتویں سن ہجری کو عمرۃ القضاء کے لئے تشریف لائے جب حرم شریف میں داخل ہوئے تو مشرکین نے تیروں اور پتھروں کا نشان بنایا صحابہ کرام ان کی جوابی کاروائی سے خاموش رہے تھے کہ ماہ حرام اور حرم شریف میں انکا کیا کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری اور فرمایا ماہ حرام ماہ حرام کے عوض ہو گیا اور بیت اللہ کی ہتک اور توہین اس کا بدلہ بن جائے گی بے فکر ہو کر تم بھی تیر چلاؤ۔

وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ یعنی جو بھی اللہ تعالیٰ کی معظمات کی ہتک کرتا ہے جیسی معظمات ہوں وہ ماہ حرام ہو یا حرم شریف اس کا بدلہ لینا جائز ہے اس لئے ان عظمات کی رعایت اس وقت ضرور ہے جو ان کی رعایت کرتا ہے اور اس کے ساتھ رعایت ضروری ہے جو ان کی رعایت نہیں کرتا پھر ان کی ہتک کرتا ہے تو تم بے شک ان کا بدلہ لے سکتے ہو اس کے ساتھ وہی کر سکتے ہو جیسے اس نے تمہارے ساتھ کیا ہے۔

مسئلہ: زیادہ واضح یہ ہے کہ حرمات سے حرمت مراد ہے اور حرمت ہر وہ شئے کہ جسکی محافظت ضروری ہو خواہ وہ نفس ہو یا عرض یعنی جس سے قصاص کے احکام جاری کئے جا سکیں۔

آیت کا خلاصہ: یہ ہوا کہ اے مسلمانو! جس طرح مشرکین نے تمہیں مکہ شریف کی حاضری سے روکا جو

جنگ کرنے کا پیش خیمہ اور ماہ حرام کی توہین ہے تو تم بھی ان کے ساتھ اسی قدر کر لو اور ان پر جبراً قہراً داخل ہو جاؤ اور اگر وہ اس سال بھی تمہیں قضاء العمرہ جنگ وغیرہ کر کے روکتے ہیں تو تم بھی انہیں بے شک قتل کرو چنانچہ فرمایا۔

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ پس جو بھی تمہارے اوپر ماہ حرام میں جنگ کر کے زیادتی کرتا ہے فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ پس تم بھی اس پر اتنا کرو جتنا قدر اس نے تمہارے اوپر زیادتی کی ہے یعنی جزا مماثلت کے طور پر تاکہ انہیں تجاوز کرنے کی سزا حاصل ہو یہ تجاوز بمنزلہ قصاص کے ہوگا اسی طرح اس کی حرم شریف اور ماہ حرام میں اجازت دی گئی لیکن اسی قدر کہ جس قدر مشرکین کاروائی کریں ورنہ ابتداء تو ویسے ہی حرام ہے بلکہ ظلم عظیم ہے یہی مراد اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کی ہے چنانچہ فرمایا وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ اللہ سے ڈرو اور یقین کرو کہ اللہ تعالیٰ متقین کے ساتھ ہے۔

ف: معیت سے قرب معنوی مراد ہے اس کی تائید یوں ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی نگرانی کرتا ہے ان کے امور میں انہیں قدرت اور فتح و نصرت دیتا ہے۔

حدیث شریف: مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرامؓ اسی سال مکہ معظمہ میں آئے اور ہمیشہ بیت اللہ شریف کا طواف کیا قربانیاں بھی کیں لیکن مشرکین نے آپ سے شرط کر لی تھی کہ آپ تین دن قضاء العمرہ کے بعد واپس چلے جائیں حضور نبی پاک ﷺ نے بی بی میمونہ بنت حارثؓ سے نکاح کیا تھا آپ چاہتے تھے یہاں مکہ معظمہ میں قیام فرمائیں تاکہ صحابہ کرام کو دعوت ولیمہ دی جائے لیکن مشرکین آپ کو مکہ سے تشریف لے جانے کا مطالبہ کر رہے تھے اور کہتے کہ آپ نے معاہدہ فرمایا تھا وہ پورا کریں چنانچہ آپ ایفائے عہد کے مطابق مکہ سے چل پڑے اور مقام سرف پر پہنچ کر بی بی کے لئے صحابہ کرام کو دعوت ولیمہ دی اور وہاں پر رسم بیاہ ادا فرمائی اور مندرجہ ذیل تقریر فرمائی۔

فوائد اور جامع تقریر نبوی ﷺ: اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں ہمیں جنگ کرنے کا حکم فرمایا تاکہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جان خرچ کرنے والے مدعی کا دعویٰ ظاہر ہو اسی طرح ہمیں مال خرچ کر کے زکوٰۃ کا حکم ہے تاکہ اس مدعی کو جو اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے معلوم ہو جائے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ کرنا محبت الٰہیہ کا معیار

ہے کیونکہ انسان جبلی طور حیات اور مال کی محبت میں مبتلا ہے اس لئے قطعی طور جنگ اور زکوٰۃ فی سبیل اللہ سے آزمائش کی گئی تا کہ مدعی کا دعوی سچا یا جھوٹا ثابت ہو۔ کیونکہ ہر ایک اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعوی کرتا ہے جہاد کے حکم میں ایک راز یہی ہے

ف: سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا سب سے بہترین خصلت شجاعت وسخاوت ہے اور یہ دونوں جڑوان کی طرح ہیں یعنی ہر بہادر سخی بھی ہوتا ہے۔

ف: حضرت عبداللہ بن عمر اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ اسلام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اچھا کلام کرنا، بھوکے کو طعام کھلانا، اور السلام و علیکم کی عادت ڈالنا پھر پوچھا گیا مسلمانوں میں افضل کون ہے؟ آپ نے فرمایا اچھا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ محفوظ ہوں پھر عرض کیا گیا کون سی نماز بہتر ہے آپ نے فرمایا جس نماز میں قیام لمبا ہو پھر پوچھا گیا بہترین صدقہ کون سا ہے آپ نے فرمایا جس کی آمدنی قلیل ہو اور خرچ زائد ہو پھر اللہ تعالیٰ کیلئے خرچ کرے آپ سے عرض کیا گیا کہ کون سا ایمان افضل ہے آپ نے فرمایا صبر اور مروت پھر سوال ہوا کون سا جہاد افضل ہے فرمایا وہ کہ جس کی سواری ماری جائے اور خود بھی لت پت ہو جائے پھر سوال ہوا کون سی گردن آزاد کرانا افضل ہے آپ نے فرمایا وہ جو قیمت کے لحاظ سے مہنگی ہو۔

ف: جہاد دو اقسام کے ہیں: ۱۔ ظاہری ۲۔ باطنی۔ ظاہری تو یہ ہے کہ کفار و مشرکین سے لڑنا باطنی نفس وشیطان کی مخالفت کرنا یہ جہاد ظاہری جہاد سے زیادہ سخت ہے کیونکہ کافر کبھی اپنے ارادہ سے باز آجاتا ہے مثلاً جنگ سے یا صلح کر کے یا مر جائے گا یا مال دے کر جان چھڑا جائے گا ان وجوہ سے کوئی نہ کوئی وجہ اس کے مقابلہ میں پیش آئے گی لیکن شیطان تو جب تک کسی کے دین کو برباد نہیں کر لیتا ان کی جان نہیں چھوڑتا۔

مثنوی شریف میں ہے۔

اے شہان کشتیم باخصم بروں   ماند خصمی زو بتر در اندروں
کشتن ایں کار دہش نیست   شیر باطن خرہ خرگوش نیست
سل شیری دان کہ صفات شکند   شیر آنست کہ خو دار شکند

ترجمہ: عزیزو! ہم اپنے ظاہر دشمنوں سے بہت بڑے ہیں لیکن باطنی دشمن اندر میں ہیں اور وہ بہت برا ہے اس دشمن کو مارنا معمولی کام نہیں اور وہ تو ایک بہت بڑا شیر ہے فلہذا بہادر وہ ہے جو اندر والے شیر کو مار ڈالے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات قاشانیہ میں ہے وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ ان لوگوں سے جہاد کرو جو شیطان اور نفس امارہ کے حامی بن کر تمہارے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں وَلَا تَعْتَدُوْا جنگ کرنے میں حد سے نہ بڑھو نفس کے حقوق کی کمی کر کے اسے یک لخت نہ مٹا دو کہ جس سے وہ اپنی حدود پر قائم نہ رہ سکے پھر اس سے قصور وفتور اور کوتاہی سرزد ہو اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ بے شک اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا اس لئے کہ یہ لوگ ظل محبت اور وحدت جو کہ دراصل عدل ہے خارج ہیں وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ یعنی انہیں یکسر مٹا دو اور انہیں ان کی خواہشات سے روکو وہ خواہشات ان کی روح ہیں جہاں بھی ہوں وَاَخْرِجُوْهُمْ اور انہیں مکہ صدر سے نکالو جب کہ وہ حملہ کریں مِنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ جیسے انہوں نے تمہیں بقعہ نفس میں اتارا اور مقر قلب سے تمہیں دور پھینکا ہے۔

وَالْفِتْنَةُ فتنہ سے ان کی خواہشات کی پرستش اور لذات وشہوات کے بتوں کی عبادت مراد ہے اور زیادہ سخت ہے بہ نسبت خواہشات وجڑ سے نکالنے اور خواہشات کو یکسر ختم کرنے سے یا یہ مطلب ہے کہ تمہارا محنت اور بلا میں مبتلا ہونا جب کہ ان کا حملہ ہوتا ہے تمہارے لئے زیادہ سخت ہے قتل سے جو کہ اسے مارنے اور بالکل مٹانے سے کیونکہ درد والم کا ضرر بہت زیادہ ہے وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ مسجد الحرام کے ہاں انہیں قتل نہ کرو یہاں مسجد حرام سے مقام قلب یعنی حضور قلبی کے وقت ان سے لڑائی نہ کرو جبکہ وہ توجہات کے موافق ہو جائیں کیونکہ وہ تمہارے سلوک کے لئے تمہارے معین ومددگار ہیں حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ یہاں تک کہ تمہارے ساتھ لڑائی کریں یعنی تمہارے سلوک کے مطالب میں تمہارے ساتھ جھگڑیں اور تمہیں حیات قلب اور دین حق سے کھینچ کر مقام نفس کی طرف پہنچا دیں اور ان کے دین سے ان کے بچھڑے کی پرستش مراد ہے وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے ان کے جھگڑے اور ان کے اسباب کی طرف کھینچ لے جانے اور خواہشات کی پرستش ہے وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ پھر سب کا سب اللہ کا دین ہو جائے

تمام توجہات کو جناب قدس کی طرف پھیرنا اور ان خواہشات کو راز الٰہی کے حصول کیلئے توجہ حق میں صرف کرنا تا کہ شیطان اور نفسانی خواہشات کو کسی قسم کا حصہ نہ ہو پس اگر وہ رک جائے ان پر کوئی زیادتی نہ کرو ہاں تجاوز ان پر ہونا چاہیے جو حد سے بڑھنے اور تجاوز کرنیوالے ہیں۔

حضرت شیخ نجم الدین رحمۃ اللہ علیہ کی صوفیانہ تقریر:۔ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ الخ میں اشارہ ہے کہ وہ جو تمہارے نفس کی سستی اور اس کی خرابیوں سے اور اوراد وظائف میں کمی واقع ہوئی تو اس کے پورے کرنے میں کوشش کرو مہینے کی غلطیاں مہینوں سے اور دن کی دن سے گھڑی کی گھڑی سے اور وقت کی وقت سے اور اوراد کی وارراد سے غرضیکہ جو اعمال فوت ہوئے ان کی قضا کرو اور ہر ایک کے حقوق ادا کرو نفس کی کوئی بری عادت بھی جب غلبہ پا جائے تو اس کی ضد سے علاج کرو مثلاً بخل کی عادت ہو تو سخاوت کی عادت ڈالو اور غیظ وغضب کی عادت ہو تو حوصلہ سیکھو حرص کا غلبہ ہو تو ترک ارادات کرو شہوات غالب ہیں نفس کو ریاضت ومشقت میں ڈالو اسی طرح تمام امور کو سمجھئے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ حد سے بڑھتے وقت اللہ تعالیٰ کا خوف مدنظر رکھو اور یہ بھی ہے کہ کثرت مجاہدات سے نفس کو ہلاک نہ کر ڈالو وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ متقیوں کو نفس کی شرارت کو دبانے میں مدد دیتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو انفاق بمعنی مال کو ضروریات میں خرچ کرنا اور سبیل سے مراد دین ہے جو اللہ تعالیٰ کے ثواب اور علیہ رحمت کی طرف پہنچائے۔

مسئلہ: ہر وہ امر جو اللہ تعالیٰ نے اعزاز دین اور اس کے قائم کرنے کی خاطر خرچ کرنے کا حکم فرمایا ہے وہ تمام اس آیت میں داخل ہیں خواہ وہ حج کا معاملہ ہو یا عمرہ کا جہاد کفار کے امور ہوں یا صلہ رحمی کے متعلق ہو۔ مساکین اور فقرا کے ضعفا کی مدد کرنا ہو یا اہل وعیال اور آل واولاد کے حقوق کی رعایت غرضیکہ قرب الٰہی میں خرچ کے جو معاملات ہیں وہ تمام اس آیت میں داخل ہیں۔

ف: پہلے اللہ تعالیٰ نے نفس سے جہاد کرنے کا حکم دیا ہے اس کے بعد خرچ کرنے کا۔ اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ خرچ کرو اپنے مالوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں اور انہیں پورے طور روکے نہ رکھو۔

وَلَا تُلْقُوْا یہ القاء سے مشتق ہے بمعنی شئے کو ایسے مقام پر پھینکنا جہاں پر وہ نظر آ رہی ہو عرف میں ہر پھینکنے پر بولا جاتا ہے یہ الیٰ کے ساتھ متعدی ہوتا ہے متضمن بمعنی الانتہاء بِاَیْدِیْکُمْ مفعول بہ ہے اور یہ باء زائدہ ہے کیونکہ اعلیٰ کا فعل بلا واسطہ متعدی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَاَلْقٰی مُوْسٰی عَصَاهُ ہاں اَلْقٰی بِیَدِهٖ وہاں مستعمل ہوتا ہے جہاں شر کا معنی مطلوب ہو۔

ف: آیت میں ایدی سے مراد نفوس ہیں کیونکہ بدنفوس کو مستلزم ہے تمام اعضا سے صرف ید کی تخصیص اسی لئے ہے کہ نفس کو ید لازم ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر اعمال ہاتھ کے ذریعہ سے صادر ہوتے ہیں اب معنی یہ ہوا اپنے نفسوں کو نہ پھینکو۔

اِلَى التَّهْلُكَةِ فضول خرچی کر کے اور معاش کے اسباب کو ضائع کر کے ہلاکت میں یہ آیت دوسری آیت کی نظر ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَكَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا یا یہ معنی ہے کہ اے لوگو! اپنے نفسوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو غزوات میں رک کر اور جنگ کی ضروریات میں خرچ کر کے کیونکہ اس طرح سے تمہارے دشمن کو تقویت ملے گی اور وہ تمہارے اوپر مسلط ہو جائے گا۔ اس ترجمہ کی تائید حدیث شریف سے ہوتی ہے یعنی مندرجہ ذیل سے۔

شان نزول: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب دین اسلام کو غلبہ دیا وار اپنے رسول کریم ﷺ کی مدد فرمائی تو ہم آپس میں سوچنے لگے کہ ہم اپنے اہل و عیال مکہ میں چھوڑ آئے اور ہمارے مال و اسباب بھی وہاں رہ گئے اب بفضلہ تعالیٰ اسلام ہر جگہ پھیل گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی مدد کی ہے اگر ہم واپس اپنے اہل و عیال اور مال و اسباب کی طرف لوٹ جائیں وہاں جا کر قیام کریں اور جو ہمارے سے ضائع ہوا اس کو واپس قبضہ میں کر کے اس کی اصلاح کریں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ مقولہ مہاجرین کی گفتگو کی نقل ہے ورنہ ان کا کہنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے وہ تو انصاری تھے یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ پر خرچ کرو اور نہ ڈالو اپنے ہاتھوں کو ہلاکت کی طرف یعنی ایسے اسباب میں جو تمہاری ہلاکت کا سبب بنیں مثلاً یہ خیال آ جائے کہ کاش ہم اپنے وطن میں مقیم رہتے اور مال اسباب کی نگرانی کرتے اس سے جہاد تمہارے سے رک جائے گا۔

حکایت: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کو سننے کے بعد جہاد فی سبیل اللہ میں زندگی بسر کی یہاں تک کہ آخری لمحات بھی آپ کے مسافری اور جنگ میں ختم ہوئے جب آپ کا وصال ہوا تو اس وقت قسطنطنیہ کی جنگ لڑائی جاری تھی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بزمانہ خلافت حضرت عثمان رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں قسطنطنیہ میں لڑتے لڑتے فوت ہوئے[1] وہاں ہی آپ کو دفن کیا گیا یعنی آپ کو قسطنطنیہ کے قلعہ کے نیچے دفنایا گیا اور وہاں کے لوگ آپ کے مزار شریف پر حاضری دے کر آپ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کا وسیلہ بنا کر اپنی حاجات پوری کراتے ہیں (اس سے وہابی دیوبندی سوچیں کہ مزارات کی حاضری اور انہیں قضاء حاجات کا وسیلہ بنانا تمہارے نزدیک شرک کیوں؟)

حدیث شریف: میں ہے جو شخص مر جائے اور اسے جہاد فی سبیل اللہ کا خیال تک نہ ہو تو وہ منافقت کے کھاتے میں لکھا جائے گا۔

وَاَحْسِنُوْا اور احسان کرو یعنی فقراء پر کرم واحسان کرو اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ بیشک اللہ تعالیٰ تمہاری بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے۔

حکایت: مروی ہے کہ جب حجاج عراق کا حاکم مقرر ہوا تو ہر روز ہزار دستر خوان طعام کا تیار کرتا اور ہر دستر خوان پر دس آدمی کھانا کھاتے اور لوگوں کو دعوت کا اعلان کرتا اس کی دعوت پر لوگ بکثرت جمع ہوتے حجاج نے ایک دن کہا اے لوگو! اب کے بعد سورج میرا قاصد ہے یعنی سورج کے طلوع ہوتے ہی کھانا کھانے آجایا کرو اور جب سورج غروب ہو تو شام کا کھانا بھی میرے ہاں آکر کھاؤ۔ اسی طرح ہوتا رہا ایک دن لوگ بہت کم جمع ہوئے حجاج نے پوچھا آج لوگ تھوڑے کیوں جمع ہوئے ایک مرد نے کہا تو نے لوگوں کو یہاں کی حاضری سے بے پرواہ کر دیا ہے اس لئے کہ لوگوں کے گھروں میں آپ کی طرف طعام پہنچ جاتا ہے حجاج نے کہا تیری اس

---

[1] حضرت ابوایوب انصاری رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ کا وصال ۵۲ھ میں ہوا چونکہ اس غزوہ کی قیادت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ہوئی اسی لئے مفسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا نام لکھا ہے اور خود امیر معاویہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں قسطنطنیہ کی پہلی جنگ لڑی تھی۔ اسی لئے مفسر سے ایسا تسامل ہوا اور قسطنطنیہ میں قیادت یزید محلِ نظر اور تفصیل طلب ہے۔ (اُویسی غفرلہ)

اطلاع دینے کا شکریہ اللہ تعالیٰ تجھے خوش رکھے۔

سبق: باوجودیہ کہ حجاج بہت بڑا ظالم تھا لیکن دیکھئے اس کا لوگوں پر کتنا احسان اور فضل و کرم تھا۔ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

کرم کن کہ فردا کہ دیوان نہند
منازل بمقدار احسان نہند

(**ترجمہ**: سخاوت کیجئے اس لئے کہ کل قیامت میں ہر ایک کو مراتب احسان و مروت کے مطابق عطا ہوں گے)

حکایت: ہدائی حکایت کرتے ہیں کہ چند ایک سوار قبیلہ بنی اسد اور قیس یعنی نعمان حاتم کو ملے اور وہ سخاوت میں بہت بڑا مشہور تھا آنے والے لوگوں نے کہا کہ اے حاتم تیری سخاوت کا بڑا شہرہ ہے لوگوں نے تیری طرف خط بھیجا ہے اگر اجازت ہو تو پیش کیا جائے حاتم نے کہا کیوں نہیں اسدیوں نے نابغہ کے اشعار پڑھ کر سنائے جب اشعار پڑھ لئے تو کہنے لگے کہ ہمیں شرم آتی ہے کہ آپ سے کوئی سوال کریں صرف ایک ضرورت درپیش ہے وہ یہ کہ ہمارے ساتھی کی سواری گم ہوگئی ہے اگر از راہ عنایت عطا فرمادیں تو زہے کرم۔ حاتم نے اپنی سواری پیش کردی اور کہا اسے لے جائیں گھوڑی لے کر چلے تو لونڈی نے گھوڑی کا بچہ کپڑے کے ساتھ باندھا لیکن وہ بچہ لونڈی کا کپڑا لے کر اپنی ماں کے پیچھے بھاگا۔ لونڈی نے ہر چند کوشش کی لیکن وہ بچہ گھوڑی کے پیچھے بڑھتا رہا حاتم کو معلوم ہوا تو پکار کر کہا اے بھائیو! جو شئے تمہارے پیچھے آرہی ہے وہ تمہاری ہے یعنی گھوڑی اور اس کا بچہ بلکہ لونڈی بھی میں نے تمہیں دی۔ (کذافی شرح رسالہ ابن زید و ن الوزیر)

حکایت: حضور سرور عالم ﷺ جب معراج پر تشریف لئے گئے جہنم کے طبقات کو ملاحظہ فرمایا تو انمیں ایک جہنم کا طبقہ دیکھا جس میں ایک مرد ہے جسے آگ نہیں لگتی آپ نے پوچھا اسے آگ مس کیوں نہیں کرتی جبریل علیہ السلام نے عرض کی یہ حاتم طائی ہے اللہ تعالیٰ نے اسے اس کی جود و سخا کی وجہ سے جہنم کی آگ سے دور رکھا ہے۔ (کذافی انیس الوحدۃ و جلیس الخلوۃ)

حدیث قدسی: اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا اے عیسیٰ علیہ السلام اگر تم چاہتے ہو کہ تم آسمان پر ملائکہ مقربین کے ساتھ لڑتے رہو تو شفقت میں سورج کی طرح ستر عیوب میں رات کی طرح اور تواضع میں زمین کی طرح اور حوصلہ میں مردہ کی طرح اور سخاوت میں جاری نہر کی طرح ہو جاؤ۔

تفسیر صوفیانہ

اہل حقیت فرماتے ہیں اور یہی قول غایت ہی احسن ہے کہ وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اپنی ارواح کو خرچ کرو وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ اور اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں نہ پڑو کہ تم شہادت فی سبیل اللہ سے رک جاؤ دراصل یہی شہادت حیات ابدیہ ہے اور اگر قوت کرو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے اور نیکی کرو اپنے نفسوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کر کے جو اس نے تمہارے نفسوں کو تم سے خریدا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے۔

مرگ بے مرگی بود ما را حلال　　برگ بے برگی بود ما را نوال
ظاہر مرگ و بباطن زندگی　　چوں مرا سوئے اجل عشق و ہواست
زانکہ نہی از دانہ شیریں بود　　تلخ راہ خود نہی حاجت کی شود
دانہ کش تلخ باشد مغز و پوست　　تلخی و کروہش خود نہی اوست
دانہ مردن مرا شیریں شداست　　بل ہم احیا پے من آمد ست

ترجمہ: بقا کی موت ہمارے لئے حلال ہے بے سامانی ہمارا سامان ہے اسلئے کہ ایسی موت ظاہراً موت لیکن حقیقتاً بقا ہوتی ہے اسی طرح بے سروسامانی بظاہر ذلت اور بباطن خوش منظر ہے میرے اجل کی منزل عشق ہے لَا تُلْقُوْا کی نہی ہمارے لئے بھی اسی لئے ہے اس لئے کہ نہی کا ذائقہ بہت بڑا میٹھا ہے اگر تلخ ہوتا تو اس کے لئے نہی نہ ہوتی جو شئے کڑوی ہو اس کی وہی تلخی نہی ہے بہشت کا دانہ میٹھا ہے اس لئے وہیں جا کر ہر کس زندہ ہوگا۔

تاویلات نجمیہ کی صوفیانہ تقریر: تاویلات نجمیہ میں ہے وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اپنے اموال اور نفوس کو خرچ کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ اور نہ ڈالو اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں ساتھ روک دینے بیج کے سپرد کرنے سے اس طرح تم ہلاک ہو جاؤ کہ تمہیں اس کا ثمر نہیں ملے گا اور وہ ثمر بہشت ہے اور حد سے بڑھ کر یعنی جہاد سے کوئی ایک مجاہد بھاگ جائے وَاَحْسِنُوْا اور اپنے نفسوں کے ساتھ نیکی کرو انہیں شہوت کی آگ سے بچا کر اور اپنے قلوب کے ساتھ غفلتوں کے زنگ سے محفوظ کر کے اور اپنی روحوں کے ساتھ تعلقات کے حجابات سے بچا کر اور اپنے اسرار کے ساتھ مکونات کے ملاحظہ

سے حفاظت کر کے اور مخلوق کے ساتھ ان سے اذیات دفع کر کے اور ان پر احسانات کر کے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اظہار عبودیت مامورات ومنہیات میں اور دکھ دینے والی چیزوں اور بلیات سے صبر کر کے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور راحت دینے والی اشیاء سے شکر کر کے اور تمام حالات میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اور جزئیات و کلیات کے تمام امور اس کی طرف سپرد کر کے اور تمام احکام ازلیہ میں تسلیم اور اس کے اولیات کے فیصلوں پر رضا اور اللہ تعالیٰ کے ارادہ قدیم کے سامنے اپنے جمیع نئے ارادوں کو فنا کر کے اسی ذات کو مدنظر رکھ کر اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ بے شک اللہ تعالیٰ ان نیکوں سے محبت کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں بوصف مشاہدہ نیکی کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ حج اور عمرہ کو پورا کرو۔

مسئلہ: حج اس شخص پر فرض ہے جو حج کے راستہ پر خرچ کرنے کی طاقت رکھتا ہو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک عمرہ سنت ہے۔

مسئلہ: عمرہ اس پر واجب ہوتا ہے جب کوئی اپنے اوپر واجب کر دے جیسے نفل اس وقت واجب ہوتی ہے جب شروع کر دے اب معنی یہ ہوا کہ جو شخص ان دونوں میں سے کسی ایک کو شروع کرے تو وہ اسے تمام کرے۔

مسئلہ: فقہاء فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ابتداء کسی شئے کو شروع کرنا واجب نہیں لیکن جب شروع ہو جائے تو اس کا اتمام اس پر واجب ہے۔

لِلّٰهِ سے متعلق ہے اور یہ لام مفعول کی ہے یعنی تمام حج اور عمرہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے ہو۔

شان نزول: اس میں وجہ تحقیق یہ ہے کہ اہل عرب حج کو اس لئے جاتے تھے کہ وہاں اجتماع ہو گا ایک دوسرے سے ملیں گے بازاروں کا چکر لگائیں گے یہ حج اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں تھا نہ ہی اس کی اطاعت اور نہ ہی اس میں قرب الٰہی نصیب۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ تم حج کو جاؤ صرف اس غرض پر کہ اللہ تعالیٰ کا فرض حق ادا کریں گے اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ حج اور عمرہ کے ارکان اور شرائط اور ان کے دو جمیع اور افعال جو شرعاً مشہور ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے مشروع فرمایا ہے صرف اسی کو راضی کرنے کے لئے مکمل کرو ان میں کسی قسم کا خلاف نہ ہو صرف عبادت سمجھ کر ادا کرو ان میں کسی قسم کی غلط نیت نہ ہو مثلاً تجارت کا خیال اسی طرح

marfat.ocm

دیگر دنیوی امور کے ارادے اور حلال مال سے خرچ کرو۔ حج کے ارکان پانچ ہیں۔

۱۔ احرام ۲۔ عرفات میں ٹھہرنا ۳۔ طواف ۴۔ سعی بین الصفاء والمروہ

۵۔ سر کے بال منڈوانا کٹوانا

ف: حج کے رکن کا مطلب یہ ہے کہ جب تک یہ ادا نہ ہو حج کی دولت نصیب نہ ہو گی واجب وہ ہے کہ جو کسی غلطی سے ترک ہونے پر دینی پڑے۔ سنن حج کی وہ ہیں کہ جنکے ترک سے کوئی شئے لازم نہ آئے۔

عمرہ کے لئے بھی یہی تین امور ہوتے ہیں عمرہ کے ارکان چار ہیں۔

۱۔ احرام ۲۔ بیت اللہ شریف کا طواف ۳۔ سعی بین الصفاء و المروہ ۴۔ حلق

حج کے دو تحلل ہیں اور تحلل کے اسباب تین ہیں ۱۔ دسویں کے دن جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارنا

۲۔ طواف زیارت ۳۔ حلق۔ جب ان تینوں میں سے دو ادا ہو جائیں تو احرام سے فراغت ہو گی۔ ان میں تیسرے کی ادیگی دوسرا تحلل ثابت اور پہلے سے تمام روکے ہوئے افعال مباح ہو جاتے ہیں یعنی وہ روکاوٹیں جو احرام کی حالت میں سوائے اپنی عورت کے ساتھ جماع کے پھر دوسرے سے اپنی عورت سے جماع بھی جائز ہو گا تمام امت کا اجماع ہے کہ حج اور عمرہ کی تین اقسام ہیں۔ ۱۔ افراد، ۲۔ تمتع ۳۔ قرآن، افراد حج کی صورت یہ ہے کہ افرادی نیت سے احرام باندھے اس کی فراغت کے بعد حل سے یعنی مواقیت وحرم کے درمیان سے عمرہ کرنے۔

۱۔ کی صورت یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کا احرام باندھے اور اس کے تمام مناسک ادا کر کے چھوڑ دے پھر حج کا احرام مکہ شریف سے باندھے اور حج کے ایام میں مناسک ادا کرے۔

۲۔ کی صورت یہ ہے کہ حج اور عمرہ دونوں اکٹھا ہی احرام باندھے اور نیت کے وقت دونوں کا ارادہ کرے پھر حج کے مناسک۔

۳۔ ادا کرنے سے عمرہ کے بھی ادا ہو جائیں گے کیونکہ حج اور عمرہ کے ایک ہی مناسک ہیں اور بالعکس نہیں یعنی حج کے مناسک عمرہ کے نہیں بلکہ حج کے مناسک عمرہ کے مناسک سے زائد ہیں اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ عمرہ کا احرام باندھ کر پھر اس میں حج کا احرام داخل کر دے لیکن طواف سے پہلے کر سکتا ہے بعد میں حج کا احرام

داخل کر دے لیکن طواف سے پہلے کر سکتا ہے بعد میں نہیں اس وجہ سے اسے قارن کہا جائے گا۔ اگر کسی نے حج کا احرام باندھا پھر عمرہ کا بعد تو اس طریق سے عمرہ کا احرام منعقد نہ ہو گا۔ احناف کے نزدیک قرآن تمتع اور افراد سے افضل ہے۔

حدیث شریف: حج کے ساتھ عمرہ کو ملاؤ اس لئے کہ دونوں افلاس اور گناہ کو ایسے مٹاتے ہیں جیسے لوہار کی بھٹی لوہے اور چاندی اور سونے کے رنگ کو کاٹتی ہے۔

مسئلہ: حج مبرور کی جزا بہشت ہی ہے۔

فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ اگر تم روکے جاؤ حج اور بیت اللہ شریف تک پہنچنے سے بوجہ مرض یا دشمن یا عجز یا خرچ ختم ہونے یا سواری نہ ہونے سے یا کسی اور عوائق سے احرام کے بعد حج وعمرہ میں سے کسی ایک کی ادائیگی سے۔

مسئلہ: سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ حکم عام ہے یعنی تمام لوگوں کے لئے ہے اگرچہ یہ خطاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہے جو اس وقت دشمن کی وجہ سے حج وعمرہ سے روکے گئے لیکن اعتبار لفظ کے عموم کا ہوتا ہے۔

فَمَا اسْتَيْسَرَ پس جو آسان ہو جس طرح تجھے آسانی ہو **مِنَ الْهَدْيِ** قربانی سے یہ مِنْ تبعیضیہ یا بیانیہ ہے یعنی دار الخلیفہ قربانی کا بعض ہو یا کل حصہ هدی هدیه کی جمع جیسے ثمر ثمرہ کی جمع ہے یعنی ہر وہ شئے جو اللہ تعالیٰ کی قربت کے لئے جانوروں کی قسم دی جائے اس کا ادنیٰ درجہ بکری کا ہے۔ درمیانہ گائے اور سب سے اعلیٰ اونٹ ہے اور اسے اس لئے ہدی کہتے ہیں کہ یہ عرض ہے بندے کی اس عبادت کا جو بندہ اپنے مولیٰ تعالیٰ کی طرف یعنی بیت اللہ شریف بھیجتا ہے۔

مسئلہ: اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ محرم کو جب روک دیا جائے اور چاہتا ہے کہ وہ احرام سے فارغ ہو جائے تو اسے چاہیے جس طرح اسے آسانی ہو اونٹ یا گائے یا بکری جہاں روکا گیا یعنی جس جگہ روکا گیا ہے وہاں انہیں ذبح کرے یہ امام شافعی کا مذہب یہ احناف کے نزدیک اس قربانی کو حرم شریف میں بھیج دے اور بھیجے ہوئے کے ہاتھ میں نشانی دے تاکہ وہ حرم میں پہنچ کر اس کی قربانی خیرات کرے جب اندازہ لگائے کہ اب میری قربانی حرم شریف میں پہنچ کر ذبح ہو گئی تو اب احرام سے فارغ ہو جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَا تَحۡلِقُوۡا رُءُوۡسَكُمۡ یعنی احرام سے فراغت نہ پاؤ سر کے بال منڈوا کر حَتّٰى يَبۡلُغَ الۡهَدۡىُ مَحِلَّهٗ یہاں تک کہ قربانی اپنی جگہ تک پہنچ جائے یعنی یہاں تک کہ تمہیں یقین ہو جائے کہ بھیجی ہوئی قربانی حرم شریف میں اس جگہ تک پہنچ گئی ہوگی جہاں جا کر قربانی کو ذبح کیا جاتا ہے۔

المحل (بکسر الحا) الحاءل سے مشتق ہے بمعنی النزول اس کا اطلاق زمان و مکان ہر دونوں پر ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے محل الدین قرضہ ادا کرنے کے وجوب کا وقت اور محل الھدی یعنی وہ جگہ جہاں قربانی کو ذبح کیا جائے اور وہ ہم احناف کے نزدیک حرم شریف ہے چنانچہ اللہ فرماتا ہے ثُمَّ مَحِلُّهَاۤ اِلَى الۡبَيۡتِ الۡعَتِيۡقِ اس قربانی کے ذبح کی جگہ عزت والا گھر ہے۔

مسئلہ: یہ حکم ہر قسم کے حاجی کے لئے ہے مفرد ہو یا متمتع یا قارن اور اسی طرح عمرہ کرنے کے لئے بھی یعنی اسے یہ جائز نہیں کہ وہ قربانی کی جگہ پر پہنچنے سے پہلے سر منڈائے۔

مسئلہ: احرام کے بعد سر منڈانا سر کتروانے سے افضل ہے۔

مسئلہ: صرف چوتھائی حصہ سر کا منڈانا بھی جائز ہے لیکن سالم سر منڈوانا افضل ہے تاکہ حضور اکرم ﷺ کی اقتدا نصیب ہو اور یہ مسئلہ حق کے متعلق ہے۔

مسئلہ: حج کے علاوہ حضور نبی اکرم ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ سر کے بال نہیں منڈواتے تھے گنتی کے چند ایک بار منڈوایا بھی تھا لیکن اکثر اوقات سر مبارکہ کے بال رکھوائے [1]

مسئلہ: سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے بال اکثر منڈوایا کرتے جب سے حضور نبی کریم ﷺ سے سنا کہ ہر بال کے بن میں جنابت ہے فَمَنۡ یہ مَنۡ شرطیہ ہے اور موصولہ بھی كَانَ مِنۡكُمۡ مَّرِيۡضًا پس وہ جو مریض ہو یعنی اسے ایسا مرض ہے جو ادائیگی فرض کیلئے احرام کے وقت حرج پیدا کرتا ہے مَّرِيۡضًا، كَانَ کی خبر اور مِنۡكُمۡ حال ہے یہ دراصل صفت ہے لیکن مقدم واقع ہوا ہے اسی کے لئے اب اسے محلا منصوب حال قرار دیا جائے اَوۡ بِهٖۤ اَذًى یا

---

[1]: وہابی دیوبندی وغیرہ ایک طرف تو سنت پر عمل کرنے کے مدعی ہیں لیکن سر کے بالوں کے دشمن ہیں اس سے ان کی محمد بن عبدالوہاب کی سنت سے پیار کی محبت ٹپکتی ہے تفصیل کے لئے فقیر اویسی کی کتاب الاحادیث النبویہ فی علامات الوھابیہ میں ہے۔ (اویسی غفرلہ)

اسے درد ہے جو ہونے والا ہے من راسه اس کے سر سے یعنی سر میں زخم ہو جاویں یا سر میں جوئیں پیدا ہو جائیں یا سر کا درد ہو اب آیت کا معنی یہ ہوگا کہ حج کرنے والا اپنے احرام میں ثابت ہے سر نہ منڈائے یہاں تلکہ اس کی قربانی ذبح کی جائے ہاں سر کے بال منڈانے کے لئے اگر مجبور ہو کہ سر کے بال منڈائے بغیر چارہ کار نہیں فَفِدْيَةٌ تو اس پر فدیہ لازم ہے مِّنْ صِيَامٍ روزہ سے یعنی اس پر تین دن کے روزے واجب ہیں اَوْصَدَقَةٍ یعنی صدقہ دینا یعنی چھ مسکینوں کو صدقہ دے ہر مسکین کے لئے نصف صاع گندم کا ہونا چاہیے اَوْنُسُكٍ بضمتین نسیکتہ کی جمع ہے بمعنی ذبیحہ اس کے تین درجے ہیں ۱۔ اعلیٰ اونٹ ۲۔ متوسط گائے ۳۔ ادنی (بکری) اَوْ تخیر کے لئے ہے فَاِذَآ اَمِنْتُمْ جب تمہیں خوف سے امن ملے اور تندرست ہو جاؤ اور وسعت میسر ہو جائے نہ کہ بندش ابھی تک موجود ہو فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ پس جو شخص کہ تقرب الی اللہ کا نفع پالے عمرہ سے قبل نفع اٹھائے تقرب الی اللہ یعنی حج سے اس کے مہینوں میں یا وہ شخص جو کہ عمرہ کے احرام سے فراغت پا کر احرام کے ممنوعات کے مباح ہونے سے نفع پائے حتی کہ وہ حج کا احرام باندھ سکے فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ پس جو آسان ہو قربانی سے یعنی اس پر دم ہے جسے وہ آسانی سے ادا کر سکے بسبب تمتع کے اس سے تمتع کی قربانی مراد ہے۔

مسئلہ: سیدنا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ وہ قربانی ہے جو دسویں کے دن کی جاتی ہے اور اس کے گوشت کا حکم عید کی قربانی جیسا ہے۔

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ پس وہ شخص کہ جسے قربانی میسر نہیں فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ تو اسے تین دن روزے رکھنے چاہیں۔ صیام مصدر ہے اپنے ظرف کی طرف (معنی) مضاف ہے اگرچہ علی الاتساع لفظاً مفعول بہ ہے یعنی اسے تین روزے رکھنا ضروری ہیں فِى الْحَجِّ یعنی حج کے ایام میں اور اس کے مہینوں میں دو احراموں یعنی عمرہ اور حج کے درمیان۔

مسئلہ: یہ روزے چاہے متفرق کر کے رکھے چاہے پے در پے۔

مسئلہ: مستحب ہے کہ یہ روزے ساتویں آٹھویں اور نویں ذوالحج کو رکھے۔

مسئلہ: دسویں ذوالحج اور ایام تشریق یعنی ذوالحج کی گیارہ، بارہ، تیرہ کو روزہ رکھنا ناجائز ہے۔

marfat.ocm

وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ اور سات روزے رکھو جب تم واپس لوٹو یعنی جب اعمال حج سے فارغ ہو جاؤ۔

ف: اس پر رجوع کا اطلاق سبب بول کر سبب خاص کے ارادہ کے قبیل سے ہے یعنی رجوع سے واپس اور فارغ ہو جانا اور ہے اور یہ رجوع کے سبب ہیں۔

تِلْكَ وہ تین اور سات روزے عَشَرَةٌ کل میزان دس روزے ہوئے۔ ان کو علیحدہ ذکر کر کے پھر کل دس کی گنتی سے کیا فائدہ تا کہ کوئی وہم نہ کرے کہ واؤ بمعنی او کے ہے جیسے مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ میں واؤ بمعنی اور ہے دوسرا فائدہ یہ ہے کہ جیسے اس عدد کو اجمالاً معلوم کر لیا جائے اور قاعدہ ہے کہ دو ایک سے افضل ہے تیسرا فائدہ کہ اکثر اہل عرب حساب نہیں جانتے تھے عام طور پر عادت تھی کہ جو کوئی اپنے کسی ساتھی سے اعداد متفرقہ گفتگو کرتا تو اسے مجموعی طور حساب لگا کر گفتگو کرتا تا کہ اسے سمجھنے میں آسانی ہو۔

ف: یہاں سَبْعَةٍ سے پورے سات مراد ہیں اس سے کثرت مراد نہیں اگرچہ اس کا استعمال ہر دونوں کے لئے ہوتا ہے كَامِلَةٌ، عَشَرَةٌ کی صفت موکدہ ہے کیونکہ کبھی وصف تاکید کے لئے بھی آتی ہے جب کہ موصوف اسی معنی کا فائدہ دیتا ہو جیسے اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ میں اور تاکید اس وقت مطلوب ہوتی ہے جب کہ اس حکم مؤکدہ میں اہتمام اور اس کی قطعت مقصود ہو اور یہاں پر مؤکدہ یہ ہے کہ اس روزے میں عدد کی رعایت رہے اس کی اس لئے تاکید کی کہ اس کے اہم مقاصد سے یہ ہے کہ انہیں پورا کیا جائے اور انہیں ہرگز ترک نہ کیا جائے ذٰلِكَ یہ اشارہ ہم احناف کے نزدیک نفس تمتع کی طرف ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک تمتع کے حکم کی طرف ہے یعنی متمتع کو اگر قربانی میسر ہے تو اس پر قربانی لازم ہے اگر قربانی میسر نہیں تو اس پر روزے لازم ہیں ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ یہ اس کے لئے ہے جو مسجد حرام کے قرب و جوار کا نہیں حاضر بمعنی لازم ہے یعنی وہ جو کہ مکہ میں اقامت پذیر نہیں اہل سے شخص کے اخص لوگ مراد ہیں اہل کا ذکر اس لئے ہے کہ عموماً انسان جہاں بھی ٹھہرتا ہے تو اس کے اہل و عیال بھی ساتھ ہوتے ہیں۔

مسئلہ: جس شخص کا مسکن مواقیت کے اندر ہے اس کے لئے تمتع ہے نہ قرآن۔

مسئلہ: جو شخص بھی ان میں تمتع یا قرآن کی نیت کرے گا اس پر دم لازم آئے گی اور اس کا گوشت بھی نہیں کھا سکے گا۔

وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ اور سات روزے رکھو جب تم واپس لوٹو یعنی جب اعمال حج سے فارغ ہو جاؤ۔

ف: اس پر رجوع کا اطلاق سبب بول کر سبب خاص کے ارادہ کے قبیل سے ہے یعنی رجوع سے واپس اور فارغ ہو جانا اور ہے اور یہ رجوع کے سبب ہیں۔

تِلْكَ وہ تین اور سات روزے عَشَرَةٌ کل میزان دس روزے ہوئے۔ ان کو علیحدہ ذکر کر کے پھر کل دس کی گنتی سے کیا فائدہ تا کہ کوئی وہم نہ کرے کہ واؤ بمعنی او کے ہے جیسے مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ میں واؤ بمعنی اور ہے دوسرا فائدہ یہ ہے کہ جیسے اس عدد کو اجمالاً معلوم کر لیا جائے اور قاعدہ ہے کہ دو ایک سے افضل ہے تیسرا فائدہ کہ اکثر اہل عرب حساب نہیں جانتے تھے عام طور پر عادت تھی کہ جو کوئی اپنے کسی ساتھی سے اعداد متفرقہ گفتگو کرتا تو اسے مجموعی طور حساب لگا کر گفتگو کرتا تا کہ اسے سمجھنے میں آسانی ہو۔

ف: یہاں سَبْعَةٍ سے پورے سات مراد ہیں اس سے کثرت مراد نہیں اگرچہ اس کا استعمال ہر دونوں کے لئے ہوتا ہے كَامِلَةٌ، عَشَرَةٌ کی صفت موکدہ ہے کیونکہ کبھی وصف تاکید کے لئے بھی آتی ہے جب کہ موصوف اسی معنی کا فائدہ دیتا ہو جیسے إِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ میں اور تاکید اس وقت مطلوب ہوتی ہے جب کہ اس حکم مؤکدہ میں اہتمام اور اس کی قطعت مقصود ہو اور یہاں پر مؤکدہ یہ ہے کہ اس روزے میں عدد کی رعایت رہے اس کی اس لئے تاکید کی کہ اس کے اہم مقاصد سے یہ ہے کہ انہیں پورا کیا جائے اور انہیں ہرگز ترک نہ کیا جائے ذٰلِكَ یہ اشارہ ہم احناف کے نزدیک نفس تمتع کی طرف ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک تمتع کے حکم کی طرف ہے یعنی متمتع کو اگر قربانی میسر ہے تو اس پر قربانی لازم ہے اگر قربانی میسر نہیں تو اس پر روزے لازم ہیں ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ یہ اس کے لئے ہے جو مسجد حرام کے قرب و جوار کا نہیں حاضر بمعنی لازم ہے یعنی وہ جو کہ مکہ میں اقامت پذیر نہیں اہل سے شخص کے اخص لوگ مراد ہیں اہل کا ذکر اس لئے ہے کہ عموماً انسان جہاں بھی ٹھہرتا ہے تو اس کے اہل و عیال بھی ساتھ ہوتے ہیں۔

مسئلہ: جس شخص کا مسکن مواقیت کے اندر ہے اس کے لئے تمتع ہے نہ قرآن۔

مسئلہ: جو شخص بھی ان میں تمتع یا قرآن کی نیت کرے گا اس پر دم لازم آئے گی اور اس کا گوشت بھی نہیں کھا سکے گا۔

مسئلہ: مکہ شریف کے قرب وجوار کے لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ حج کے مہینوں کے سوا وہ کسی دوسرے مہینہ میں عمرہ کریں واور افراد کا حج کریں صرف حج کے ایام میں۔

مسئلہ: قرآن اور تمتع صرف افاقیوں یعنی مکہ شریف سے دور رہنے والوں کے لئے ہیں ان کی قربانی کا حکم عام نسک کا ہے یعنی ایسے لوگ قربانی کا گوشت کھا سکتے ہیں۔

مسئلہ: امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک حَاضِرِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ سے اہل حرم اور وہ لوگ مراد ہیں جنکی نماز قصر نہیں ہوتی۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اللہ تعالیٰ سے اس کے اوامر ونواہی کے محافظت کے بارہ میں خصوصاً حج کے مسائل میں ڈرو۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ اور جان لو بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔ اس کے لئے جو اس سے نہیں ڈرتا تاکہ اس کا علم اسے گناہ کرنے سے روکے۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

مرو زیر بارے گنہ اے پسر کہ حمال عاجز بود در سفر
تو پیش از عقوبت در عفو کوب کہ سودے ندارد فغان زیر چوب

(**ترجمہ:** اے عزیز گناہ کے بوجھ تلے جانے کی کوشش نہ کرو اس لئے سفر میں بوجھ تکلیف دیتا ہے سزا سے پہلے ہی اپنی غلطیوں کی معافی مانگ لے اس لئے کہ لکڑی جب سر پر پڑتی ہے تو اس وقت آہ وفغاں کوئی فائدہ نہیں دیتی)

ف: جیسے اتمام الحج ظاہری طور ہوتا ہے اسی طرح باطنی طور پر ہوتا ہے۔

حکایت: بعض بزرگوں کا واقعہ ہے کہ وہ حج کو گئے جب حج سے فارغ ہوئے تو ساتھی سے پوچھا کیا ہم نے حج مکمل کرلیا حالانکہ اس طرح حج تو نہیں ہوتا کیا تم نے ذی الرمہ کا قول نہیں سنا۔

تمام الحج ان تقف المطایا علی خرقا و واضعته اللثام

حل لغات: خرقا شاعر کی محبوبہ کا نام ہے واضعۃ لثام یعنی کھلے طور آمنے سامنے آجانا شاعر نے محبوبہ کے سامنے سواریوں کے کھڑے ہونے کو مناسک حج کہ وہ امور مراد لئے جن کے بغیر حج نامکمل ہوتا ہے ترجمہ حج اس وقت مکمل ہوتا جب کہ ہمارے حج کے بعد ہمارا محبوب آمنے سامنے ہو۔

حقیقی حج: بزرگ کی بات حق ہے کہ جو کوئی حج کو جائے تو سفر طے کرتا ہوا جب بیت اللہ اور اس کے حرم میں

پہنچے تو وہ اپنی تمام خواہشات کو طے کر لے اور قلب کے تمام پردے اٹھ جائیں یہاں تک کہ مشاہدہ کے مقام میں پہنچ جائے اور حرم سے فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ کے کرم کے آثار آنکھوں سے ملاحظہ کرے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ عوام کا حج یہ ہے کہ وہ بیت اللہ شریف کا قصد اور اس کی زیارت کا ارادہ رکھتے ہیں اور خواص کا حج یہ ہے کہ رب البیت اور اس کا شہود کا ارادہ رکھتے ہیں چنانچہ سیدنا خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا اِنِّىْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّىْ سَيَهْدِيْنِ یا اس شخص کی طرح کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کا مقصد رکھے اور اس کی طلب میں رہے اور بالکلیہ اسی کی طرف متوجہ ہو اور اپنے نفس مال و اولاد کو اس پر قربان کر دے اور ماسوی اللہ کو اپنا دشمن سمجھے چنانچہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّىْۤ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کے پورے پابند تھے یہی سب کے سب حقیقی حج کے مناسک ہیں اور اسی کے لئے انہیں اللہ تعالیٰ نے یہی وہ پہلا انسان پیدا کیا جس نے اللہ تعالیٰ کے گھر کی بنیاد رکھی اور اس کا طواف کیا اور حج بھی پڑھا اور پھر لوگوں کو حج کی دعوت دی اور طریقہ مناسک حج کا آغاز فرمایا۔

حبیب و خلیل کا فرق: حضرت ابراہیم علیہ السلام ظاہری اور باطنی حج کے جامع تھے اور یہ انہیں کا مقام تھا لیکن ان سے ہمارے نبی اکرم ﷺ کا مرتبہ مقام بلند و بالا ہے کیونکہ مقامات و منازل اور احوال عطائے الٰہی پر منحصر ہیں۔ سلوک مقامات عطائے الٰہی کے بغیر بھی ممکن ہے لیکن مواجب ربانی سلوک المقامات کے بغیر نصیب نہیں ہوتے چونکہ حضرت خلیل علیہ الصلوۃ والسلام اہل مقامات سے تھے اس لئے کہا اِنِّىْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّىْ سَيَهْدِيْنِ اور چونکہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام اہل مواہب سے تھے آپ کے لئے کہا گیا سُبْحٰنَ الَّذِىْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ پھر چونکہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا حج حقیقی کی طرف جانا خود بخود تھا اس لئے انہیں ساتویں آسمان پر روک کے کہا گیا کہ اگر تم رک گئے ہو تو جو میسر ہو سکے قربانی دو چنانچہ انہوں نے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو قربانی کے لئے پیش کیا اور ہمارے نبی پاک ﷺ نے حج حقیقی کی طرف خود بخود نہیں جانا تھا اس لئے انہیں کوئی رکاوٹ نہ ہوئی بلکہ انہیں کہا گیا اپنا حج اور عمرہ مکمل کر لو انہوں نے حج کو مکمل فرمایا بایں طور کہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہوئے جیسے خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۙ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ پھر آپ نے عمرہ کیا بایں طور

کہ آپ پر مقصود کے چاند شہود کے معزز مرتبہ سے منکشف ہو کر متجلی ہوئے اور وصال کے سورج سے عنائت محبت حاصل ہوئی پھر دو محبوں کے درمیان ہوا جو کچھ ہوا یا وہ جانے یا پھر یہ جانے پھر اللہ تعالیٰ نے وحی کو جیسے چاہا واللہ اعلم کیا چاہا پھر آپ کو جلال کے پردوں سے حج اکبر کے دن حجۃ الوداع میں جبل عرفات کے قریب پکارا گیا کہ اے محبوب حج پورے طور پر ادا کرلو یہی اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا کی آخری حجت ہے۔

صوفیانہ وعظ: اے عزیز معرفت رب کے لئے ہر قلب صلاحیت نہیں رکھتا اور نہ ہی ہر نفس خدمت ربانی کے لائق ہے اور نہ اچھا مال اللہ تعالیٰ کے خزانے کے لئے ہوتا ہے پس اے عزیز اپنے حال کو سنوارنے کی کوشش کیجئے اپنے مال کو خرچ کرنے کے لئے سخاوت کے خوگر بنو اگر تیرے پاس مال نہیں تو اس کی راہ میں نفس کو خرچ کرو بلکہ اگر تمہیں دونوں یعنی مال اور نفس کے خرچ کی توفیق ہے تو بسم اللہ کر کے دونوں کو ہی اللہ تعالیٰ کی راہ میں لوٹا دے کیا تمہیں سیدنا ابرہیم علیہ الصلوۃ والسلام کا واقعہ یاد نہیں کہ وہ اپنا مال مہمانوں پر کتنی محبت سے خرچ کرتے اور عشق میں آکر اپنے آپ کو کیسے ہی آگ میں ڈال دیا آپ کی اس قربانی پر ملائکہ کرام دنگ تھے اسی وجہ ہی سے اللہ تعالیٰ نے انہیں خُلّت جیسے اعلیٰ مرتبہ پر فائز المرام فرمایا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا

حکایت: حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں میں ایک دفعہ مکہ شریف کی طرف روانہ ہوا تو راستہ میں ایک نوجوان کو دیکھا کہ رات کے وقت سر آسمان کی طرف اٹھا کر عرض کر رہا ہے اے وہ ذات جو طاعات سے خوش ہوتی ہے اور کسی کے گناہ سے نقصان نہیں پہنچاتی مجھے وہ کردار عطا فرما جس سے تیری خوشی ہو اور میری وہ غلطیاں معاف فرما جو مجھ سے سرزد ہوئیں لیکن اس سے تیرا کوئی نقصان نہ ہوگا۔ جب لوگوں نے احرام باندھا اور لبیک پکارنے لگے تو میں نے اسے کہا اے عزیز تم لبیک کیوں نہیں کہتے کہنے لگا اے شیخ میرا لبیک کہنا میرے ان گناہوں اور غلطیوں سے مجھے نہیں بچا سکتا جو مجھ سے سرزد ہوئیں مجھے خطرہ ہے کہ میں کہوں لبیک اور وہ جواب دے لا لبیک تو پھر کیا ہوگا اور ساتھ مجھے یہ بھی جواب دیا کہ میں تیری کوئی بات نہیں سنتا اور نہ ہی تیری طرف دیکھتا ہوں یہ کہہ کر وہ نوجوان وہاں سے چل پڑا اس کے بعد صرف منیٰ میں نظر آیا اور وہاں یہ کہہ

رہا تھا اے میرے رب مجھے عشق دے ۔ اے اللہ لوگوں نے آج کے دن قربانیاں کیں اور تیرا قرب حاصل کر لیا میرے پاس اور تو کچھ نہیں کہ میں بھی تیرا قرب حاصل کر سکوں سوائے میرے اس بچے حسن کے یا اللہ اسی کو قبول فرما ۔ یہ کہہ کر نعرہ لگایا اور نعرہ لگاتے ہی جاں بحق ہو گیا ۔ اے اللہ اپنے کمال و کرم کے صدقے میں ہمیں بھی اپنے لائق [illegible] آمین ۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِیْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ

حج کے کئی مہینے ہیں جانے ہوئے تو جو ان میں حج کی نیت کرے تو نہ عورتوں کے سامنے صحبت کا

وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ یَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؔؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ

تذکرہ ہو نہ کوئی گناہ نہ کسی سے جھگڑا حج کے وقت تک اور تم جو بھلائی کرو اللہ اسے جانتا ہے اور توشہ لو کہ سب سے

خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی ۫ وَاتَّقُوْنِ یٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ ۞ لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ

بہتر توشہ پرہیزگاری ہے اور مجھ سے ڈرتے رہو اے عقل والو۔ تم پر کچھ گناہ نہیں کہ اپنے رب کا

تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَاۤ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ

فضل تلاش کرو اور جب عرفات سے پلٹو تو اللہ کی یاد کرو

عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ

مشعر حرام کے پاس جیسے اس نے تمہیں ہدایت فرمائی اور بیشک اس سے پہلے تم

الضَّآلِّیْنَ ۞ ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

بہکے ہوئے تھے۔ پھر بات یہ ہے کہ اے قریشیو تم بھی وہیں سے پلٹو جہاں سے لوگ پلٹتے ہیں اور اللہ سے معافی مانگو بیشک اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۞ فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ

بخشنے والا مہربان ہے۔ پھر جب اپنے حج کے کام پورے کرچکو تو اللہ کا ذکر کرو

اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا وَمَا لَهٗ

جیسے اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے تھے بلکہ اس سے زیادہ اور کوئی آدمی یوں کہتا ہے کہ اے رب ہمارے ہمیں دنیا میں دے

فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۞ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی

اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں اور کوئی یوں کہتا ہے کہ اے رب ہمارے ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور ہمیں آخرت میں بھلائی دے اور ہمیں

الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝٢٠١ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ

عذاب دوزخ سے بچا۔ ایسوں کو ان کی کمائی سے بھاگ ہے

وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝٢٠٢ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ

اور اللہ جلد حساب کرنے والا ہے۔ اور اللہ کی یاد کرو گنے ہوئے دنوں میں تو جلدی کر کے دو دن میں چلا جائے

فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا

اس پر کچھ گناہ نہیں اور جو رہ جائے اس پر کچھ گناہ نہیں پرہیزگار کے لئے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو

اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝٢٠٣ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

کہ تمہیں اسی کی طرف اٹھنا ہے۔ اور بعض آدمی وہ ہے کہ دنیا کی زندگی میں اس کی بات تجھے بھلی لگے

وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝٢٠٤ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى

اور اپنے دل کی بات پر اللہ کو گواہ لائے اور وہ سب سے بڑا جھگڑالو ہے۔ اور جب پیٹھ پھیرے

فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝٢٠٥

تو زمین میں فساد ڈالتا پھرے اور کھیتی اور جانیں تباہ کرے اور اللہ فساد سے راضی نہیں۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ

اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈرو تو اسے اور ضد چڑھے گناہ کی ایسے کو دوزخ کافی ہے اور وہ

الْمِهَادُ ۝٢٠٦ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ

ضرور بہت برا بچھونا ہے۔ اور کوئی آدمی اپنی جان بیچتا ہے اللہ کی مرضی چاہنے میں اور اللہ بندوں

رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝٢٠٧ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَلَا تَتَّبِعُوْا

پر مہربان ہے۔ اے ایمان والو اسلام میں پورے داخل ہو اور شیطان

خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا

کے قدموں پر نہ چلو بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور اس کے بعد بھی بچلو کہ

جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ

تمہارے پاس روشن حکم آچکے تو جان لو کہ اللہ زبردست حکمت والا ہے۔ کاہے کے انتظار میں ہیں مگر

يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِیَ الْاَمْرُؕ وَاِلَى

یہی کہ اللہ کا عذاب آئے چھائے ہوئے بادلوں میں اور فرشتے اتریں اور کام ہو چکے اور سب کاموں کی

اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾

رجوع اللہ کی طرف ہے۔

تفسیر عالمانہ اَلْحَجُّ یہاں مضاف محذوف ہے ای وقتہ یعنی حج کا وقت اس لئے کہ حج ایک فعل ہے اور فعل اَشْهُرٌ نہیں ہوسکتا اشھر چند مہینے ہیں اور وہ یہ ہیں ۱۔ شوال ۲۔ ذیقعدہ ۳۔ ذوالحج کے دس دن ہیں یہ احناف کے نزدیک ہے۔

سوال: انہیں اَشْهُرٌ (جمع) سے کیوں تعبیر کیا گیا حالانکہ اشھر جمع ہے اور اس کے لئے کم از کم تین کا مکمل عدد ضروری ہے اور یہاں پر دو ماہ مکمل اور تیسرے کے دس دن ہیں۔

جواب: قاعدہ ہے کہ کبھی بعض کل کے قائم مقام آتا ہے نیز کبھی جمع کا اطلاق مافوق الواحد پر بھی ہوتا ہے وہ مہینے لوگوں کو معلوم اور معروف ہیں کیونکہ ان کا علم انہیں توارثاً چلا آرہا ہے پھر شریعت اسلامیہ نے بھی ان کی توثیق کردی یعنی جسے وہ پہلے جانتے تھے شریعت نے اس میں کسی قسم کا تغیر وتبدل نہ فرمایا بلکہ جوں کا توں رہنے دیا۔

سوال: حج کو انہی ایام میں متعین فرمانے کا کیا فائدہ؟

جواب: تاکہ معلوم ہو جائے کہ حج صرف انہی ایام میں ادا ہوسکتا ہے اور بس۔

مسئلہ: سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک احرام صرف انہیں مہینوں میں باندھا جاسکتا ہے اگر ان کے سوا کسی [illegible]

مسئلہ: امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک انہی مہینوں کے اندر احرام باندھنا حج کے شرائط میں سے ہے۔ پھر جیسے نماز کے لئے وقت سے پہلے وضو جائز ہے ایسے ہی حج کے اوقات سے پہلے احرام باندھنا جائز کیونکہ احرام بمنزلہ وضو کے ہے۔

سوال اہل عرب کہتے ہیں وقت اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ حج کا وقت وہی مخصوص مہینے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ احرام وقت سے پہلے نہ ہو کیونکہ احرام حج کا جزو ہے

جواب اس مقولہ سے ثابت نہیں ہوتا کہ احرام وقت سے پہلے ناجائز ہے بلکہ اس مقولہ کا مقصد یہ ہے کہ حج کے مناسک اور دیگر امور انہیں ایام میں ادا کرنے چاہییں۔

مسئلہ: یہ تینوں مہینے ہی حج کے اوقات ہیں جس وقت بھی احرام باندھے جائز ہوگا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ اس آیت میں مہینہ کی ہر گھڑی کو حج کے اوقات سے مخصوص فرمایا ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ ان تمام دنوں میں حج نہیں ہوتا بلکہ مخصوص دنوں میں ہوتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ ان مہینوں میں احرام باندھا تو بھی جائز ہے اور اس میں کسی قسم کی کراہت ہی نہیں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی مذہب ہے۔ **(کذا فی حواشی ابن الشیخ)**

فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ پس جس شخص نے انہی دنوں میں اپنے اوپر حج فرض کیا اس کے اوپر لبیک پکارنا اور قربانی کے جانور کی گردن میں چمڑے کا ہار باندھنا واجب ہے۔

سوال: آپ نے یہاں سے سمجھ لیا کہ آیت میں لبیک پکارنا اور قربانی وغیرہ بھی فرض ہے؟

جواب: حج کے مناسک میں احرام باندھنا اور اس سے فارغ ہو جانا ہوتا ہے اور اس میں نماز کی طرح صرف نیت ہی کافی نہیں جب تک کہ حج کے امور میں کوئی امر بجا نہ لائے اور وہ بھی لبیک پکارنا اور قربانی کے جانور کے گلے میں چمڑہ باندھنا ہی ہے اس سے معلوم ہوگا کہ حج کرنے والا اس کام کو شروع کر رہا ہے۔

ف تقلید الهدی بمعنی قربانی کے جانور کے گلے یا اس کے پاؤں میں چمڑہ وغیرہ باندھنا۔

فَلَا رَفَثَ پس جماع اور اس کے ماسوا وہ افعال جو جماع کے سبب بنتے ہیں جیسے بوسہ دینا اور آنکھوں

— [illegible] نا چاہیے کیونکہ یہ امور احرام میں حرام ہیں بلکہ [illegible] کے دنوں سے پہلے تو اس سے حج فاسد ہو

جاتا ہے اس کے بعد بھی قربانی واجب ہو جاتی ہے اور جماع کے اسباب یعنی بوسہ وغیرہ بھی حرام ہیں تا کہ ان کے ارتکاب سے جماع کا مرتکب نہ ہو جائے۔

مسئلہ: رَفَثَ اور اس کے ساتھ جو دیگر امور مذکور ہیں مثلاً فسوق اور جدال اگر چہ بظاہر بصیغہ نفی مذکور ہوئے ہیں جس کا مطلب یہ ہوا ہے کہ ان امور میں سے کوئی امر واقع نہ ہوگا لیکن اس سے نہی مراد ہے اس لئے کہ اسے اپنے اصلی بمعنی نفی پر رکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کی خبر میں کذب واقع ہوگا اور وہ کذب سے منزہ و پاک ہے اس لئے ظاہر ہے کہ ان امور میں اکثر کا حج کے دوران وقوع ہوتا ہے اس طرح نفی کو اپنے معنی پر رکھنا مناسب نہیں۔

سوال: پھر صاف طور پر نفی کا صیغہ کیوں نہیں لایا گیا۔

جواب: اس طریق سے مبالغہ ہوتا ہے یعنی نفی لا نہی مراد لی جائے تو مبالغہ ہو جاتا ہے اور یہاں بھی مبالغہ مطلوب تھا گویا مکلف انسان کو جب معلوم ہوا کہ مجھے ان امور سے روکا گیا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے خوف کو مدنظر رکھ کر ان امور سے اجتناب کرے گا اس کے بعد گویا اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ حج کے دوران ان امور کا کوئی بھی مرتکب نہیں ہوگا۔

وَلَا فُسُوْقَ اور نہ ہی ارتکاب کر کے حدود شرع سے باہر نکلنا چاہیے تلاش میں اس کے تمام انواع داخل ہیں یہاں تک کہ حج کے دوران گالیاں بکنا یا کسی دوسرے کو گندے اور برے القاب سے یاد کرنا سب ناجائز ہیں **وَلَا جِدَالَ** اور نہ ہی اپنے خادموں اور ساتھیوں اور برائی کرنے والوں سے لڑائی کرو اس لئے کہ لڑائی سے بغض و عداوت بڑھتے ہیں اور ایک دوسرے سے محبت الفت کم ہوتی ہے۔

مسئلہ: دینی شرعی مسائل میں محبت کرنا وغیرہ جائز ہے خواہ بطریق مناظرہ کے بھی ہو۔

فِی الْحَجِّ حج کے دنوں میں۔

سوال: یہ امور حج کے علاوہ دیگر اوقات میں بھی حرام ہیں پھر حج کے ساتھ خصوصی طور پر ذکر کرنے کا کیا فائدہ؟

جواب: تا کہ معلوم ہو کہ یہ امور دیگر اوقات میں نامشروع ہیں وہ دوران حج بہت زیادہ برے ہیں جیسے ریشم پہننا ویسے ہی حرام ہے لیکن نماز میں پہننا اس سے زیادہ اسی طرح نغمہ سرائی ویسے بھی ناجائز ہے لیکن قرآن میں اس سے اور زیادہ۔

ف: تطریب یعنی حروف میں ایسا الحان اور آواز نکالنا جو سرور اور گانے کے مشابہ ہو اور یہ قرآن میں حرام ہے۔

مسئلہ: قرآن مجید کو اچھے لہجہ سے اور اس کے قواعد کے ساتھ پڑھنا جائز ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ اپنی آواز کو قرآن پاک پڑھتے وقت اچھا بناؤ اس لئے کہ قرآن میں اچھی آواز بنانا قرآن پاک کے حسن کو بڑھاتا ہے اور اچھا لہجہ بنانا رقت قلبی اور دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کا سبب ہے اور یہ امام ابو حنیفہ اور دیگر اسلاف رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول ہے۔

وَمَا یہ شرطیہ ہے **تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ** اور وہ جو تم کرتے ہو اسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے یعنی جو نیکی بھی بندہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اس سے ثواب دینا مراد ہے۔

ف: تین گناہوں سے روکا ہے اور ہر نیکی کو حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے شر سے روکنے کے بعد نیکی کے ذکر میں کار خیر کی طرف برانگیختہ کرنا ہے۔

ف: اچھا کلام کرنا برے کلام کے عوض اور تقوی کا عمل فسق کے بدلے عوام سے موافق اور اخلاق حسنہ حلال کے بجائے بہتر ہے۔

وَتَزَوَّدُوْا یعنی میدان حشر اور آخرت کے لئے سامان تیار کرو برائیوں سے بچ کر **فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى** پس بہترین زادِ راہ پرہیزگاری ہے کہ طعام وغیرہ جمع کیا جائے۔

ف: اس میں تحقیق یہ ہے کہ انسان کیلئے دو سفر ہیں ۱۔ دنیا کا سفر ۲۔ دنیا سے کوچ کر جانے کا سفر۔

دنیا کے سفر میں بھی زادِ راہ ضروری ہے اور اس کا زادِ راہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی معرفت یہ ہے کہ بندہ ماسوی اللہ سے روگردانی کرے اور اس کی اطاعت میں مشغول رہے اور اس کے احکام پر پابندی کرے اور اس کی مناہی کی مخالفت کرے اور یہ زادِ راہ اس مسافر کی زادِ راہ سے افضل ہے جو دنیا کا مسافر ہے اس لئے کہ دنیا کا زادِ راہ چند روز کے دکھ سے بچاتا ہے اور آخرت کا زادِ راہ دائمی عذاب سے محافظت کرتا ہے علاوہ ازیں دنیا کا زادِ راہ فانی ہے اور آخرت کا زادِ راہ دائمی لذات کی طرف پہنچاتا ہے۔

شان نزول: اہل یمن کا طریقہ تھا کہ حج کے لئے روانہ ہو جاتے لیکن زادِ راہ ساتھ نہ لے جاتے اور کہتے کہ ہم تو متوکل الی اللہ ہیں اور یہ بھی کہتے کہ جب ہم بیت اللہ کو جا رہے ہیں تو پھر وہ ہمیں طعام کھلائے گا لیکن اس

طرح سے لوگوں پر بوجھ بن جاتے اور مکہ پہنچتے ہی لوگوں سے سوال کرنے شروع ہو جاتے بلکہ لوٹ گھسوٹ تک نوبت پہنچ جاتی اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا خرچ لے جاؤ یعنی جو کچھ طلب کرتے ہو اور اپنے وجوہ کو روک دو کیکر اور زیتون اور ستوں اور کھجور وغیرہ وغیرہ کے حصول سے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو کہ لوگوں سے طعام نہ مانگو اور لوگوں کو تنگ نہ کرو اور ان پر بوجھ نہ ہو اس لئے کہ بہترین زادراہ سوال اور لوٹ گھسوٹ سے بچنا ہے۔

وَاتَّقُوْنِ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ اور مجھ سے ڈرو اے عقل والو! اس لئے کہ عقل کا خلاصہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں اور تقوی کی عادت ہو اس میں اللہ تعالیٰ نے تقوی کی ترغیب دی ہے اس سے مقصد اصلی وہی خود ذات حق ہے۔

ف: سالک کو چاہیے کہ ماسوی اللہ سے بالکل آزاد ہو جائے اور عقل جو خواہشات نفسانیہ کی خرابیوں سے محفوظ ہے کا تقاضہ بھی یہی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے صرف عقل والوں کو مخاطب فرمایا ہے کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا گویا اسے عقل کی دولت نصیب نہیں۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ وہ عقل کو تمام غلط ملاوٹوں سے دور رکھے اور نفس کے تزکیہ میں لگا رہے اور اسے بلند مراتب اور اعلی مناصب تک پہنچانے کی جدوجہد کرے کسی شاعر نے کہا۔

و لم ارنی عیوب للناس شیا   کنقص القادر بن علی التمام

ترجمہ: میں لوگوں میں سب سے بڑا نقص یہ پاتا ہوں کہ وہ اپنی تکمیل پر قادر ہونے کے باوجود پھر بھی کوتاہ ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

حضرت امام قدس سرہ فرماتے ہیں کہ انسان میں تین قوتیں رکھی گئی ہیں۔

۱۔ قوت شہوانیہ بہیمیہ ۲۔ قوت غضبیہ شیطانیہ ۳۔ قوت وہمیہ عقلیہ ملکیہ

ان تمام عبارات سے مقصود یہی ہے کہ یہ قوتیں مغلوب ہو جائیں اسی اعتبار سے فَلَا رَفَثَ میں قوت شہوانی بہیمیہ کو مغلوب کرنا اور وَلَا فُسُوْقَ میں قوت غضبیہ سبعیہ شیطانیہ کو دبانا مطلوب ہے قوت وہمیہ عقلیہ ملکیہ وہ قوت ہے کہ جس سے معصیت اور گناہوں پر غرور ہو جاتا ہے وَلَا جِدَالَ میں اشارہ ہے کہ قوت وہمیہ عقلیہ کو اپنے قابو میں رکھو یہ ایسی قوت ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کے افعال واحکام اور اسماء میں جھگڑنے پر بھارتی ہے یہی قوت لوگوں کو آپس میں لڑاتی ہے اور فتنہ اور شرارت اور دنگا فساد اسی قوت کی وجہ سے ہوتے

ہیں چونکہ تمام شرور ان تین قوتوں میں محصور ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کی معرفت اور محبت کا ارادہ رکھتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کے نور وجلال کی طلب ہے اور اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندوں کی لڑی میں منسلک ہونا چاہتا ہے تو اسے ان تین امور کے ارتکاب سے بچنا چاہیے۔

مسئلہ: اہل شرع فرماتے ہیں جسے پیدل چل کر حج کرنے کی طاقت ہے تو اس کیلئے پیدل چل کر جانا افضل ہے لیکن اس طرح سے ضعف وکمزوری ہو جاتی ہے اور بد خلقی کا مظاہرہ کرنے لگ جاتا ہے اسی عمل سے کوتاہی کر جاتا ہے تو اسے سوار ہو کر حج پڑھنا افضل ہے جیسے مسافر اور مریض کو روزہ رکھنا افضل ہے۔

حکایت: سیدنا ابو جعفر باقر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حج کرنے والے کا حج نامنظور ہے جب تک کہ وہ تین کام نہ کرے۔ (۱) پرہیزگاری جو اللہ تعالیٰ کے محارم سے بچائے (۲) حوصلہ جو اللہ تعالیٰ کے غضب سے محفوظ رکھے (۳) جس کے ساتھ دوستی کرے اس کی صحبت اور دوستی کا حق ادا کرے مسافر کو ان تینوں چیزوں کی اشد ضرورت ہوتی ہے خصوصاً حج کے مسافر کے لئے بہت زیادہ ضروری ہے جو بھی ان تینوں کو مکمل طور ادا کرتا ہے اسی کا حج مکمل طور ادا ہوتا ہے ورنہ جتنی کوتاہی ہوگی اتنی ہی کم ہوگی۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا۔

از من بگو حاجی مردم گزائے را　　کو آستیں خلق بازاری درد
حاجی تو نیستی شتر است از برائے آنکہ　　بے چارہ خاری خوردہ باری برد

(**ترجمہ:** میری طرف سے اس حج کرنے والے کو کہو کہ تمہارا لوگوں کو ستا کر حج پڑھنا بے کار ہے تیرے سے تو وہ اونٹ بہتر ہے جو گھاس کھا کر لوگوں کے بوجھ سر پر اٹھاتا ہے)

ف: حج کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ اپنے ساتھی اور اونٹ والے سے الوداع سے پہلے ایک دوسرے کے حقوق بخشوالیں مثلاً غیبت وشکوہ یا کسی دوسرے کی عزت پر حملہ کرنا یا کسی کا مال لینا اس لئے کہ ان باتوں سے بہت تھوڑے لوگ بچتے ہیں اور چاہیے کہ اپنے رفیق کو تعریف کے کلمات سے یاد کرلے اور ایسے ہی وہ شخص بھی اپنے آپ کو بچائے کہ جس کا عمل نامہ پاک ہے یعنی اس کے گناہ معاف کردیے ہیں تاکہ وہ پھر گناہوں میں

مبتلا نہ ہو جائے۔

تقریر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ بندے کا اللہ تعالیٰ کی طلب کا قصد چند معلوم مہینوں یعنی اس ظالم دنیا میں ہوسکتا ہے اس کے بعد جب اجل ختم ہو گیا تو کوشش کوئی فائدہ نہیں دے گی جیسے حج کے مہینوں کے بعد حج کا ارادہ رکھنے والے کی جد و جہد کوئی فائدہ نہیں دیتی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یَوۡمَ یَاۡتِیۡ بَعۡضُ اٰیٰتِ رَبِّکَ لَا یَنۡفَعُ نَفۡسًا اِیۡمَانُهَا جیسے حج والوں کے لئے حج کے میقات ہیں کہ وہاں سے احرام باندھتے ہیں اسی طرح سالک کے میقات ہیں یعنی جوانی کے ایام یعنی بالغ ہونے سے چالیس سال کی عمر تک یہی مطلب ہے۔ اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ کے لئے مشائخ صوفیاء نے فرمایا کہ بعد الاربعین نادر یعنی اگرچہ اس کے ارادہ اور طلب کا ظہور چالیس سال کے بعد ہوتا ہے لیکن باجود ارکان کی تکمیل کے مقصد حقیقی کو پانا نادر ہوتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کو طلب وصدق فی الارادۃ چالیس سال سے پہلے ہوتی ہے ہاں وہ اسباب جو وصال الٰہی کے لئے متعین ہیں ان میں احتمال یہ ہے کہ وہ چالیس سال کے بعد ہوں کہ اس عمر میں اپنا مقصود حاصل ہو جائے بایں طور کہ اپنی کوشش پر انتہائی طور اس کے شرائط و حدود ادا کر کے اس کے حدود کے دائرہ میں رہ کر زور لگائے۔ خلاصہ یہ کہ جس نے شباب کی وقت کے طلب ضائع کر دی تو بڑھاپے میں منزل مقصود تک پہنچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس وقت افسوس کے ہاتھ ملنے کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنا دودھ بگاڑ دے اور پھر امید چھاچھ اور گھی کی رکھے۔

البتہ: بڑھاپے میں اللہ تعالیٰ کی عبادت سے محروم نہ ہے اس عبادت سے اسے بہشت تو میسر ہوگی۔

حکایت: ایک اللہ کا بندہ جامع مسجد کے دروازہ پر کھڑا خلق خدا کا منظر دیکھ رہا تھا یہاں تک کہ مسجد لوگوں سے بھر گئی پھر اس سے کوئی جا رہا ہے کوئی آ رہا ہے وہ بندہ خدا کہتا تھا کہ یہ سب سے بہشت کی بھرتی ہے اللہ تعالیٰ کے ہمنشین کوئی اور لوگ ہیں۔ (کذا فی تاویلات نجمیہ)

ف: حضرت قاشانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حج کے وقت کے اوقات مقرر ہیں وہ یہی ہیں کہ بالغ ہونے سے چالیس سال کی عمر تک تین دور ہیں ہر زمانہ بمنزلہ ایک ماہ کے ہے پہلا دور نشو و نما کا دوسرا جوانی کا تیسرا

بڑھاپے کا اور وہ بعض ہے بہ نسبت پہلے دو دوروں کے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے گائے کے وصف میں یوں فرمایا لَا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ عَوَانٌ بَيْنَ ذٰلِكَ اس میں ان تین فرمانوں کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت حافظ شیراز قدس سرہ نے فرمایا۔

عشق و شباب و رندی مجموعہ مرادا ست
چوں جمع شد معانی گوئے بیاں تواں زد

تفسیر عالمانہ

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ تمہارے اوپر کسی قسم کا گناہ نہیں جُنَاحٌ میں عن القصد کو کہتے ہیں اَنْ تَبْتَغُوْا یہ کہ ارادہ وار طلب کرو فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ اپنے رب کے فضل اور اس سے رزق کو اس سے مراد وہ نفع ہے جو تجارت میں ایام حج میں حاصل ہوتا ہے۔

شان نزول: یہ آیت ان لوگوں کے رد میں نازل ہوئی جو کہتے تھے کہ حج کے ایام میں تجارت کے معاملات سے حج نہیں رہتا اور نہ ہی اونٹ والے کو حج کا ثواب ملتا ہے۔

مسئلہ: حج کے ایام میں تجارت مباح ہے کسی قسم کا گناہ نہیں لیکن افضل یہ ہے کہ ان ایام میں تجارت نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ اخلاص کا تقاضا یہی ہے کہ ان دنوں میں سوائے اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کے اور کوئی کام نہ ہو۔

حل لغات: اَفَضْتُمْ میں ہمزہ تعدیت کا ہے اور اس کا مفعول محذوف ہے ای دعفعتم انفسکم یعنی اپنے نفسوں کو عرفات سے نکالو لیکن غروب شمس کے بعد وہاں سے وقوف کے بعد رجوع کرو۔

ف: تفسیر تیسیر میں ہے کہ یہاں پر افاضہ کا معنی اجتماع الکثیر الذھاب و المیسر ہے یعنی واپس ہونے اور چلنے میں کثیر اجتماع سے جانا۔

ف: عرفات جہاں حجاج ٹھہرتے ہیں اس جگہ کا علم ہے درحقیقت یہ جمع بلکہ یہ ان اسماء میں سے ہے کہ جس پر کوئی حرف خواہ مخواہ زائد کیا جائے اس کے معنی زیادتی کی وجہ سے معرفت کی خبر دینے کے لئے مبالغہ کیا گیا ہے۔

عرفات کی وجہ تسمیہ: عَرَفٰت کو عَرَفٰت نام رکھنے کی کئی وجہیں ہیں۔

۱۔ مروی ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس جگہ کی تعریف سنائی تو انہیں اس کے دیکھنے کا اشتیاق ہوا جب انہوں نے اس مقام کو جانا پہچانا تو اس کا نام عرفات پڑ گیا۔

۲۔ مناسک میں حضرت جبریل علیہ السلام نے عرفت کا دور تھا یعنی اسے بار بار ذکر کرتے ابراہیم علیہ السلام سے کہتے عرفت وہ کہتے عرفت اس بار بار کے تکرار سے اس کا نام عرفات ہوا۔

۳۔ مروی ہے کہ جب سیدنا آدم علیہ السلام کو بہشت سے نکالا گیا تو انہیں ہند میں اور بی بی حوا علیہا السلام کو جدہ میں رکھا گیا پھر یہ دونوں حضرات ایک دوسرے کو تلاش کرتے رہے آخر اسی مقام عرفات میں ان دونوں کی ملاقات ہوگئی اور وہ دن بھی عرفہ کا تھا ان کی ملاقات اور ایک دوسرے کو پہچاننے کی بنا پر اس مقام کا نام عرفات رکھا گیا ان کے علاوہ دیگر وجوہ بھی تفاسیر میں مذکور ہیں۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ ٹھہرنا عرفات میں ہی واجب ہے جیسا کہ افاضہ کی اضافت سے معلوم ہوتا ہے اور مامور بہ بھی وہی ہے جب تک عرفات میں حاضری نہ دی جائے اور اس میں آکر ٹھہرا نہ جائے ادائیگی واجب نہیں ہوگی اس سے نتیجہ یہی نکلا کہ عرفات میں ٹھہرنا واجب ہے۔

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ تلبیہ و تہلیل و تحمید اور ثناء و دعوات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو یاد کرو عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ مشعر حرام کے ہاں اس سے قزح مراد ہے اور قزح ایک پہاڑی ہے جس پر امام کھڑا ہوتا ہے مغرب (کتاب) میں ہے کہ مئے قدہ مشعر حرام میں قزح پر ایک مقام ہے چونکہ اس پر اہل جاہلیت آگ جلاتے تھے اس لئے اسے میقدہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

سوال: ذکر اللہ اور وقوف کے لئے اس مقام کی تخصیص کیوں؟

جواب : اس میں تنبیہ ہے کہ اگرچہ مزدلفہ کی ساری زمین پر کھڑے ہو کر ذکر اللہ جائز ہے لیکن افضلیت قزح پہاڑی کے قرب میں ہے۔

ف: اس میں منافات نہیں ہے کہ مزدلفہ کی ساری زمین بھی مراد ہو اور افضلیت قزح کی پہاڑی کے قرب میں ہے جیسے عرفات کی ساری زمین ٹھہرنے کے لئے لیکن جبل رحمت کے قرب میں ٹھہرنا افضل و اعلیٰ ہے اور المشعر بمعنی المعلم یعنی عبادت کرنے لے جاننے کی جگہ الشاعر یعنی العلامات شعار سے ہے بمعنی علامت

سوال: مشعر کو حرام سے کیوں موصوف کیا گیا؟

جواب: اس مشعر کی حرمت کی وجہ سے کہ جن امور سے روکا گیا ہے ان میں ان امور کے ارتکاب کو حرام کیا گیا ہے۔

وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ اور اللہ کو یاد کرو جیسے اس نے تمہیں ہدایت دی ہے یعنی جیسے اس نے تمہیں ہدایت کی کہ اسے یوں یاد کیا جاتا ہے مثلاً اس کا بہت زیادہ ذکر کرنا لیکن علی وجہ الخیفتہ ایسے ذکر کرو کہ جس میں رغبت و ہیبت اور اللہ تعالیٰ کے جلال و جمال کے مشاہدہ کی طلب ہو جیسے حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ احسان یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت کرو گویا کہ تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو کانک تراہ جو حدیث میں کاف واقع ہے یہ کاف تشبیہ کا ہے اور اس سے مقصود محض تقلید ہے نہ کہ تشبیہ یعنی اسے یاد کرو اور اوپر ایسے طریق کے کہ جیسے اس نے تمہیں ہدایت دی ہے جس طرح اس نے تمہیں ہدایت دی اس سے تم روگردانی نہ کرو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہا جاتا افعل کما علمتک ایسے کرو جیسے میں نے تمہیں سکھایا یعنی اس عبارت میں کاف تشبیہ کا نہیں بلکہ تقلید کا ہے۔

سوال: اس آیت میں ذکر اللہ کا تکرار کیوں یہ تو فصاحت و بلاغت کے خلاف ہے؟

جواب: فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ میں ذکر کرنے کا محل و مقام بتایا ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہاں ذکر کے لئے یوں ٹھہرنا ہے اور اس میں ان مناسک کی تعلیم دی گئی ہے جو اس محل کے لائق ہیں دوسری یعنی وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ میں اس کے وجوب کا اظہار ہے کہ تم اسے ایسے یاد کرو جیسے اس نے تمہیں ہدایت دی گویا ہدایت کے بدلہ میں تم اس کا ذکر کر کے اسکا شکرانہ ادا کرو اس میں ذکر کے وجوب اور اس کیف و کم کا بیان ہے۔

وَاِنْ مخففہ المتقلہ ہے اور یہ واؤ فارقہ ہے۔ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ اور بے شک اللہ تعالیٰ کی ہدایت پانے سے پہلے لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ تم گمراہوں میں سے تھے یعنی تم ایمان و اطاعت سے لاعلم تھے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے انسان کو مقام نفس میں لسانی ذکر کی ہدایت دی پھر ذکر قلبی یعنی ذکر الافعال کی یعنی اس کی نعمتوں کا تصور پھر ذکر سر یعنی معاینۃ الافعال کی یعنی تجلیات وصفات کے علوم مکاشفہ کی پھر ذکر روح یعنی انوار و تجلیات الصفات کے انور کا مشاہدہ مع ملاحظہ نو الذات کی پھر ذکر نفی یعنی مشاہدہ جمال الذات میں بقاق الاثنینیۃ کی پھر ذکر ذات یعنی مشہود ذاتی کی کہ جس سے بندے اور ذات حق کے درمیانی حجابات اٹھ جائیں اور اگرچہ تم ان مقامات کی طرف ہدایت پانے سے پہلے ان اذکار کے طریقوں سے گمراہ تھے۔

تفسیر عالمانہ ثُمَّ اَفِیْضُوْا بندوں کو ذکر اللہ کا حکم ہوا جبکہ واپس لوٹیں پھر حکم ہوا لوٹیں وہاں سے جہاں سے بزرگ لوٹیں اس میں ثم کے لفظ سے دوسرے کو پہلے پر مرتب کیا چنانچہ فرمایا ثُمَّ اَفِیْضُوْا پھر لوٹو مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ جہاں سے لوگ لوٹتے ہیں یعنی عرفہ سے نہ کہ مزدلفہ سے۔

شان نزول: قریش مکہ اور ان کے خلفاء یعنی حمس مزدلفہ میں ٹھہرتے اور کہتے ہم اللہ والے اور حرم کے مکین ہیں ہم تو حرم سے نہیں نکلیں گے عرفات میں وہ لوگوں کے ساتھ ٹھہرنے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے اس لئے کہ عرفات حل میں ہے باقی اہل عرب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اتباع میں عرفات میں ٹھہرتے جب دوسرے لوگ مزدلفہ سے واپس لوٹنے لگے تو وہ حمس بھی عرفات سے لوٹنے شروع ہوئے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور انہیں حکم فرمایا کہ وہ عرفات میں ٹھہریں اور عرفات سے ہی لوٹیں جیسے دیگر لوگ کرتے ہیں۔

ف: النَّاسُ سے حمس کے سوا تمام عربی مراد ہیں اور حمس دراصل احمس کی جمع ہے اور احمس بہادر مرد کو کہتے ہیں نیز سخت اور متصلب فی الدین والقتال کو کہا جاتا ہے اب قریش اور کنانہ وجذیلہ اور قیس کہ کہا جاتا ہے اس لئے کہ اپنے معاملات میں بڑے سخت اور مضبوط تھے ایام منیٰ میں سایہ کے نیچے نہیں بیٹھتے تھے اور نہ ہی انہی ایام میں گھروں میں دروازوں سے داخل ہوتے بلکہ جو انکا حلیف بنتا یا رشتہ ناطہ کرتا تو اس سے بھی یہی سلوک کراتے۔

وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو ان غلطیوں کی جو تم نے زمانہ جاہلیت میں کیں حج کے مناسک کو تبدیل کر کے اور موقف کے بارے میں مخالفت کر کے اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ بے شک اللہ تعالیٰ نے بخشش مانگنے والوں کو بخشا بلکہ ان پر انعام فرماتا ہے اس کے بعد حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ تمام لوگوں کو لے کر عرفات جا ٹھہریں۔

حدیث شریف: مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ملائکہ کرام کے سامنے اہل عرفات کو دیکھ کر خوشی کا اظہار فرماتا ہے اور فرماتا ہے اے ملائکہ میرے بندوں کو دیکھو کہ دور دور سے میلے کچیلے کپڑے پہن کر آئے ہیں تم گواہ ہو جاؤ میں نے ان کو بخش دیا ہے۔

حدیث شریف: شیطان کسی ایک دن بھی ذلیل وخوار اور پریشان نظر نہیں آتا جتنا کہ عرفات کے دن نظر آتا ہے اس کی وجہ وہی ہے کہ اس دن دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت موسلا دھار بارش کی طرح حجاج پر برستی ہے اور ان کے تمام بڑے بڑے گناہ معاف فرماتا ہے اور اس کا سبب صرف یہی ہوتا ہے کہ انہیں اسی دن عرفات میں ٹھہرنے کا موقع نصیب ہوتا ہے۔

حدیث شریف: سب سے بڑا گنہگار وہ ہے جو عرفات میں ٹھہرتے وقت گمان کرتا ہے کہ اس کے گناہ اللہ تعالیٰ بخش دے گا یا نہیں؟

مسئلہ: ایک حج بیس غزوات فی سبیل اللہ سے افضل ہے۔

فضائل حج: جو اونٹ پر سوار ہو کر حج پر جاتے ہیں اس اونٹ کو چالیس پشتوں تک برکت دی جاتی ہے اور جس پر سات بار حج کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر واجب ہے کہ اس اونٹ کے لئے بہشت کے باغیچوں میں چراگاہ بنائے اس فضیلت کی تائید ذیل کی حکایت سے بھی ہوتی ہے۔

حکایت: حضرت نہرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ ایک آگ جلانے والا حمام کو گرم کرنے کے لئے کسی اونٹ کی ہڈیاں لے کر آیا اور انہیں آگ میں ڈال دیا تا کہ آگ بھڑک اٹھے وہ خود کہتا ہے کہ میں نے جونہی آگ میں ڈالا تو وہ ہڈیاں باہر آ پڑیں دوبارہ میں نے انہیں ڈالا وہ باہر آ گئیں۔ تیسری بار میں نے انہیں آگ میں ڈالا وہ ہڈیاں میرے سینے کو چمٹ گئیں اور وہاں سے ایک غیبی ہاتفی آواز آئی کہ تیرے لئے افسوس ہے تمہیں معلوم نہیں کہ یہ ہڈیاں کس اونٹ کی ہیں جو مکہ شریف کی طرف بار ہا گیا اور اب انہیں آگ کیسے جلا سکتی ہے۔

سبق: جب حج کرنے والے کی سواری کی یہ شان ہے تو پھر حج کرنے والے کا کتنا مرتبہ ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ

فضیلت با لنسبه الی العبد تین قسموں کی ہے۔

سوال: فضیلت کو با لنسبه الی العبد کیوں کہا گیا ہے؟

جواب: نوع بہ نوع ہونا بندے کے احوال کے تغیر وتبدل کی وجہ سے ہوتا ہے حق کی صفات میں کسی صفت کو تغیر د

تبدل نہیں ہوتا ان تینوں اقسام میں سے پہلی قسم یہ ہے کہ اسے معاش تفسیر سے تعلق ہوگا جیسے مال جاہ اور غذا اسی طرح ضروری لباس اس افضلی کو رزق سے تعبیر کیا جاتا ہے چنانچہ فرمایا وَ ابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ دوسرا وہ جو بندے کے لئے اخروی مصالح سے تعلق ہو یہ دو اقسام کی ہے ایک وہ جسے اعمال بدن سے تعلق ہے بموافق شرع اور بمتابعت شارع اور شیطان شرارتی کے فساد اور جھگڑے سے بچ کر چنانچہ فرمایا یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا دوسرا یہ کہ اسے اعمال قبل اور تزکیہ نفس سے تعلق ہے یہ دو قسم پہلی یہ کہ اسے مواہب قربت سے تعلق ہو اللہ تعالیٰ نے فرمایا بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا افضل کبیر سے قرب کبیر مراد ہے اس لئے کہ یہ دنیا و آخرت سے بہت بڑا ہے دوسرا وہ ہے کہ اسے مواہب وصلۃ سے تعلق ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ یہاں فضل عظیم سے مواہب وصلۃ مراد ہے اور یہی تمام اقسام سے اعظم ہے۔

ف: طلب میں ان تمام کا علیحدہ علیحدہ مقام ہے مثلاً وہ کہ جسے مصالح اخرویہ سے تعلق ہے جسے فضل الرحمۃ سے تعبیر کرتے ہیں اس کی طلب میں ترک الموجود و بذل المجہود کرنا پڑتا ہے اور بزل المجہود سے یہی سیر الی عرفات مراد ہے اور وہ جسے ذات اللہ تعالیٰ سے تعلق ہے یعنی فضل المواہب اس کی طلب عرفات میں ٹھہرنے کا نام ہے اور عرفات کا اشارہ معرفۃ کی طرف ہے اور ارکان الوصلۃ سے یہی بہت بڑا رکن ہے اور وہ جسے مصالح دینویہ سے تعلق ہے یعنی فضل الرزق اس کی طلب کا مقام وفات المعرفۃ کے وقوف کی تکمیل کے بعد عند الرجوع میں ہے۔

ف: آیت میں تقدیم وتاخیر ہے دراصل عبارت یوں تھی اذا افضیتم من عرفات فلیس علیکم یہ اس لئے کہ سالک کا ابتدائی مقام یہ ہے ابتدا ترک دنیا کرے یعنی اس سے بالکل علیحدگی اختیار کرے اور اس کی درمیانی منزل یہ ہے کہ توکل و تفرید کو اپنائے اور اس کی آخری منزل یہی ہے کہ اسے معرفۃ و توحید کا مرتبہ نصیب ہو مصالح دینویہ میں بھی وہ بچ کر آخری منزل تک پہنچ سکتا ہے جسے قوت فی المعرفت حاصل ہوتی ہے لیکن اس کے لئے اس کی ہمت بلند ہو ورنہ مشکل ہے اس لئے اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے قلوب حب دنیا کی نجاست سے پاک وصاف کر کے الطاف خفیہ سے منور فرما دیتا ہے ایسے حضرات کے ہاں دنیا اور اسی کی شہوات کا کوئی اعتبار نہیں اور

marfat.ocm

نہ ہی آخرت کی نعمتوں اور اس کے درجات کی انہیں پرواہ ہوتی ہے وہ کسی چیز میں کوئی تصرف نہیں کرتے۔ ہاں ں کا تصرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کی ذات میں گم ہو کر اور صرف اسی کے لئے ہوتا ہے حظوظ النفس کے لئے نہیں بلکہ وہ جو کچھ تصرف کرتے ہیں مصالح دین کے پیش نظر اور دوسروں کو بھلائی پہنچانے کی غرض سے اور بس۔

(کذا فی التاویلات النجمیہ)

حضرت عارف رومی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

کار پاکاں را قیاس خود مگیر　　گرچہ یکساں در نوشتن شیر و شیر
شیر آں باشد مرد اورا خورد　　شیراں باشد کہ مردم راہ درد

ترجمہ: پاک لوگوں کا اپنے اوپر قیاس مت کرو دیکھئے شیر شیر لکھنے میں یکساں ہیں
(دودھ) وہ ہے جو لوگ پیتے ہیں اور شیر وہ ہے جو لوگوں کو پھاڑتا ہے۔

اے اللہ ہماری ہمت صرف اپنے تک محدود رکھ۔ آمین۔

تفسیر عالمانہ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ جب تم اپنی عبادات کو مکمل کرو جن کا تمہیں حج کے بارے میں حکم ہوا اور ان سے فارغ ہو جاؤ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ پس اللہ تعالیٰ کو یاد کرو جیسے تم اپنے آباؤ اجداد کو یاد کرتے ہو یعنی جاہلیت کی تمام عادات کو چھوڑ کر صرف اسلام کے طریقے اپناؤ اور اپنے رب کریم کے ذکر پاک میں مشغول ہو جاؤ۔

شان نزول: اہل عرب کی عادت تھی کہ موسم حج میں جب حج کے مناسک ادا کرتے تو مسجد اور جبل کے درمیان منیٰ میں ٹھہر جاتے اور پھر یہاں اپنے آباؤ اجداد کی تعریف کے پل باندھ دیتے اور ان کی کارگزاریاں بیان کرتے اس سے ان کا مقصد یہی ہوتا کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کی وجہ سے شہرت پا لیں گے اور ان کی بدولت ہمارا نشان بلند ہوگا اللہ تعالیٰ نے ایسے غلط طریق سے روکا اور حکم فرمایا کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کی بجائے اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی بزرگی اور اس کی ثنا کریں کیونکہ تمام بھلائی اس کے ذکر میں ہے اور تمام خیر اسی سے ہی ملتی ہے اور ان کے آباؤ اجداد تو اس کے بندے ہیں انہیں یہ مراتب اللہ تعالیٰ نے ہی عطاء فرمائے۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

گر از حق نہ توفیق خیر رسد   کے از بندہ خیرے بغیرے رسد

ترجمہ: اگر اللہ تعالیٰ کی نوازش نہ ہو تو کون کسی کو خیر و بھلائی پہنچا سکتا ہے۔

اَوۡ اَشَدَّ ذِكۡرًا یہ مجرور ہے اور اس کا عطف ذکر پر ہے اسے مجاز ذکر بنایا گیا ہے یعنی اسے ایسے یاد کرو جیسے تمہارا ذکر تمہارے اباؤ اجداد سے متعلق ہے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ بہت زیادہ ذکر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر تمہارے آباؤ اجداد کے ذکر پر غالب ہو۔

قاعدہ: افعل التفضیل کا قاعدہ ہے کہ اپنے مابعد کی طرف اس وقت مضاف ہوتا ہے جب کہ مابعد اس کے ماقبل کا ہم جنس ہو۔

جیسے کہا جاتا ہے وجھک احسن وجہ یعنی تیرا چہرہ تمام چہروں سے حسین و جمیل ہے اور جب افعل التفضیل کا مابعد ماقبل کا غیر ہو تو پھر اس کا مابعد منصوب ہوتا ہے جیسے زید افرہ عبدا اس مثال میں فراہت صرف عبد تک محدود ہے زید کا اس سے کوئی تعلق نہیں آیت میں اشد سے پہلے ذکر مذکور ہے وہ ذکر مذکور نہیں ہو سکتا جب تک اسے اشد ذکرا نہ کہا جائے۔

سوال: قیاس کا تقاضا تو یہی ہے کہ یہاں پر اشد کو مضاف اور ذکر کو مضاف الیہ بنایا جائے جیسا کہ تم نے قاعدہ لکھا ہے۔

جواب: یہاں پر ذکر کو ذاکر مجاز اقرار دیا گیا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ذکر سے مراد ایسا ذکر جو انسان کا ذکر ن کر پہلے ذکر سے منسوب کیا گیا۔

فَمِنَ النَّاسِ پس ایسے لوگ بھی ہیں جو حج پہ حاضری دیتے ہیں مَنۡ يَّقُوۡلُ جو کہتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر کو حصول دنیا کا ذریعہ بناتے ہیں رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنۡيَا ہمارے رب ہمیں صرف دنیا ہی میں عنایت فرمادے جو کچھ بھی دنیا میں دینا چاہتا ہے یعنی ہمیں دنیاوی مال و متاع چاہیے جیسے جاہ و غنا اور نصرت علی الاعداء اور یہ حظوظ نقد ہیں یہ مشرکین تھے جو ایام حج میں صرف دنیا مانگتے تھے وَمَا لَهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنۡ خَلَاقٍ اور اسے آخرت میں کسی قسم کا حصہ حاصل نہیں ہوگا اس لئے کہ اس کا مقصد تو صرف حصول دنیا ہے کہ اس نے ایک اعلیٰ مقام پہ خسیس سے خسیس شئے مانگی ہے اس کو چاہیے تھا کہ آخرت کی دائمی نعمتوں کا سوال کرتا اور مانگتا کہ اے اللہ مجھے

marfat.ocm

آخرت کا دائمی اور بہت بڑا ملک عطا فرما لیکن اس نے اس سے اعراض کیا ہے فلہذا اسے آخرت میں کچھ نہیں ملے گا۔

وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ اور بعض ان میں وہ ہیں جو حج کی حاضری میں اس کے ذکر کے ساتھ دارین کی بھلائی کا سوال کرتے ہیں رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھلائی عنایت فرما یعنی صحت و وجہ معاش بقدر ضرورت اور بھلائی کی توفیق۔ تفسیر تیسیر میں ہے کہ لفظ الحسنہ جامع ہے ہر ان تمام بھلائیوں کو جو دارین میں نصیب ہوتی ہے۔

وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً اور آخرت میں بھلائی اس سے ثواب اور رحمت مراد ہے۔

ف: حضرت ابوالقاسم حکیم رحمۃ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ حسنہ دنیا سے سعادت کی زندگی اور شہادت کی موت اور حسنہ آخرت سے قبر سے خوشخبری دیا ہوا اٹھنا اور پل صراط سے آسانی سے گزرنا مراد ہے۔

وَقِنَا اور ہمیں بچا عَذَابَ النَّارِ دوزخ کے عذاب سے۔

ف: حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ حسنہ سے حسین و جمیل عورت اور آخرت سے حور مراد ہے اور عذاب النار سے بری عورت مراد ہے۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

چوں مرد باشد زن خوب روئے بدیدار او بہشت ست شوئے

ترجمہ: جس کی عورت حسین اور نیک ہو اسے دنیا میں بہشتی حور ملی۔

خلاصۃ التفسیر: خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بکثرت کرو اور اپنی دارین کی سعادت اسی سے مانگو۔

سوال: آیت میں اس کا ذکر کیوں چھوڑا گیا جو صرف آخرت کا طالب ہو۔

جواب: وہ طالب آخرت جسے دنیا کی کسی شئے کی حاجت نہ ہو ایسے لوگ عالم دنیا میں نہیں اور نہ ہی ایسے ہو سکتا ہے۔ (الا نادرا)

أُولَٰئِكَ اس میں دوسرے گروہ کی طرف اشارہ ہے یعنی وہ لوگ جو دنیا و آخرت کی بھلائی کے طالب ہیں اس لئے کہ پہلے گروہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ فرما کر ان کا ذکر ختم کر دیا لہٰذا

نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا اس آیت میں مِنْ تبعیضیہ ہے یعنی بہت بڑا عظیم حصہ ہے ان سے جو اعمال حسنہ صادر ہوتے ہیں اس سے وہ ثواب مراد ہے جسے ان کی نیکیوں کے منافع سے تعبیر کیا جاتا ہے یا مِنْ اَجْلِ کے معنی میں ہے اَیْ مِنْ اَجْلِ مَا کَسَبُوْا اس لئے کہ وہ لوگ اس ثواب حسن کے انہی اعمال کی وجہ سے مستحق ہوئے اس تقریر سے مِن ابتدائیہ ہوگا علت حکم کا مبدا ہوا کرتی ہے۔

ربط: اس کے بعد اپنی قدرت کی طرف اشارہ فرمایا موت سے ڈرا کر اور اعمال خیر کی طرف برانگیختہ کر کے چنانچہ فرمایا وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔

ف: حساب سے نفس جزء مراد یہ جو کہ اعمال کی وجہ سے حاصل ہوگی اس لئے کہ حساب گرفت اور عطا کا سبب ہے اور سبب بول کر سبب مراد لینا جائز اور شائع و ذائع ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی کثرت اور ان کے بکثرت اعمال کے باوجود ایک لحہ میں حساب لے گا اس لئے کہ اسے ہاتھ کی گنتی اور قلب کی یادداشت اور نظر و فکر کی محتاجی نہیں ہے اسی لئے اے لوگو جس کی اتنی بہت شان ہے اس کی اطاعت میں کمی نہ کرو اور اس سے ڈرو یا یہ معنی ہے کہ قریب ہے قیامت قائم کر کے حساب لے گا۔

ف ۱: بعض حقدمین کے خطبات میں یہ کہ اب دنیا کے آخری لمحات ہیں اس کا صرف اتنا وقت رہ گیا یہ جسے برتن سے پانی نکال لیا جائے تو اس سے چند قطرات ٹپک رہے ہوتے ہیں مومن کو ضروری ہے کہ وہ طاعات میں عجلت کرے اور نیکیوں کو عمل میں لائے اور ہر حال میں ذکر الٰہی میں مشغول رہے۔

ف ۲: سیدنا حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایسے یاد کرو جیسے چھوٹا بچہ بچپن میں ماں باپ کو یاد کرتا ہے اور بار بار کہتا ہے ابا جی ابا جی وغیرہ اس لئے ہر مسلمان کا فرض یہ کہ وہ ہر وقت کہے یا رب یا رب۔

حدیث شریف ۱: حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ کل قیامت میں لوگ سب سے زیادہ اس بندہ پر رشک کریں گے جو آمدنی میں کم اور کثیر الصلوٰۃ اور حسن العبادۃ ہوگا اور تنہائی میں اس کی اطاعت میں سرگرم ہو اور لوگوں کی نظروں میں اتنا اوجھل کہ لوگ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں اور اس کی آمدنی معمولی سی ہو اور وہ اسی پر خوش ہو پھر آپ نے اپنے ہاتھ مار کر فرمایا کہ اسی طرح اس کی موت آئے گی اور اس پر رونے والی بہت کم ہوں گی اور گھر کا ساز و سامان بھی بہت کم۔

حدیث شریف ۲: حضور نبی کریم ﷺ دعا میں اکثر فرمایا کرتے رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ

تفسیر صوفیانہ کہ فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ یعنی جب تم تعلقات حقانیہ کے مناسک مکمل کرلو اور اہل کمال لوگوں کے مراتب علیا کو پہنچ جاؤ تو پھر بھی اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بے خوف نہ رہو اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے افکار و وظائف سے غفلت کرو پس اللہ تعالیٰ کو یاد کرو جیسے تم طفولیت کے زمانہ میں اپنے آباء کو اپنی ضروریات کے لئے عجز و انکسار کی وجہ سے پکارتے تھے اور حالت رجولیت میں محبت کے لئے محبت و اشتیاق کی بناء پر فخر کرکے پس اللہ تعالیٰ کو یاد کرو اپنے آپ کو محتاج ظاہر کرکے اور اس کی ذات پر فخر و ناز کرکے کیونکہ ممکن ہے کہ بچہ اپنے متولی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے مستغنی ہو اور بڑا آدمی بھی غیر اللہ پر فخر کرے لیکن اللہ تعالیٰ کے بندے تو سوائے اپنے مالک کے نہ کسی کو حامی سمجھتے ہیں اور نہ دوست پس بعض اہل طالب اور اہل سلوک ایسے ہیں جو نفس کے حملہ اور اس کے دھوکہ وفریب کی وجہ سے کہ وہ اصل اور باکمال ہیں انہیں یہ بھول ہو گی اور حالات کے تبدل کی وجہ سے کہیں گے رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً یعنی ان کے نفوس دنیا کی طرف مائل ہوں گے اور اصلی مقصد کو بھول جائیں گے اور طالب ناقص گمان میں مبتلا ہوگا جو کہ اجتہاد کی دولت سے محروم ہو کر اللہ تعالیٰ کے ذکر کے طریق اور ریاضت نفس اور قلب کی نگرانی اور مراقبہ سر کو چھوڑ بیٹھے گا جس کی وجہ سے اس پر غلبہ نفس اور شہوات نفسانیہ کا حملہ ہوگا اور شیطان اسے زمین میں حیران کرکے پچھاڑ دے گا جہاں تک کہ اس جدائی اور فراق میں ڈال دے گا اس لئے آخرت میں اسے کوئی حصہ نصیب نہ ہوگا وَمِنْهُمْ اور بعض اہل وصول اور ارباب الفتوۃ ایسے ہیں جو کہتے ہیں رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً اے ہمارے رب ہمیں ظاہری نعمتوں میں سے کوئی نعمت جیسے کشوف و مشاہدات و انواع القربات و مواصلات عطا فرما وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ یعنی جدائی و مفارقت کی نار اور فرقت کی گرمی سے بچا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِیْبٌ ان لوگوں کے لئے (یعنی وہ جو واصل باللہ ہیں) بہت بھاری حصہ ہے مِّمَّا كَسَبُوْا اس وجہ سے کہ انہوں نے مقامات و کرامات حاصل کئے اور جو انہوں نے مانگا انہیں حسنات سے عطا ہوا وَاللّٰهُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ اللہ ہر گروہ سے جلد حساب لینے والا ہے۔ یعنی جو کچھ مانگتے ہیں انہیں عطا ہوتا یہ ان کے ارادوں کے مطابق اور ان ہی ہمتوں کے موافق۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ نمازوں اور قربانیوں کے ذبح اور رمی الجمار وغیرہ کے بعد اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ گنتی کے دنوں میں یعنی ایام تشریق میں وہ قربانی کے بعد تین یوم ہیں پہلا ان کا ذوالحجہ کی گیارہویں کا دن ہے اسے یوم القر کہا جاتا ہے اس لئے کہ اس دن لوگ منیٰ میں قرار پاتے ہیں دوسرا بارہویں کا دن یہ اسے یوم النهار لاول کہا جاتا ہے اس لئے کہ اس دن لوگ منیٰ سے چلے جاتے ہیں تیسرا دن تیرھویں ذوالحج کا ہے اسے یوم النفر الثانی کہا جاتا ہے یہی ایام مع یوم النحر نمازوں کے بعد تکبیرات اور کنکریوں کے مارنے کے ہوتے ہیں۔

حدیث شریف: یوم عرفہ سے لے کر ایام تشریق کے آخر تک ہر نماز کے بعد تکبیر کہو۔

سوال: انہیں معدودات سے کیوں تعبیر کیا گیا؟

جواب: اس لئے کہ وہ چند گنتی کے دن ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا دراهم معدودات ای قلیلته اسی طرح الایام المعلومات اللہ تعالیٰ کے قول وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ جو کہ سورہ حج میں واقع ہوا یہ ان ایام سے مراد ذوالحج کے ایام ہیں آخری دن ان کا یوم النحر ہے۔

ف: تفسیر کواشی میں ہے معدودات معدودہ کی جمع ہے اور ایام یوم کی جمع۔

سوال: اور قاعدہ ہے کہ مذکر کی صفت مؤنث نہیں ہوتی اس لحاظ سے یوم معدودہ نہیں کہا جائے گا یہاں پر قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ کہا جائے اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ اس لئے کہ جمع مذکر و واحد مؤنث کے ساتھ موصوف ہوتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے قول میں ہے۔ لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ

جواب: اسکی وجہ یہ کہ معدودات کو ایام کے لفظ پر جاری کیا گیا یعنی جمع کو جمع کے مقابلے میں مجازاً کہا گیا ہے۔

فَمَنْ تَعَجَّلَ پس جو شخص عجلت کرے اور منیٰ سے نکلنے کا اردہ کرے فِيْ يَوْمَيْنِ یوم النحر کے بعد مکمل دو دن ہیں۔

مسئلہ: انہی تین دنوں سے مکمل دو دن تو رمی جمار کے لئے گزارے پھر تیسرے روز صرف رمی جمار کر کے روانہ ہو جائے فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ اس تعجیل میں اسے کوئی گناہ نہیں۔ اس کے لئے اجازت ہے کہ پہلے چلا جائے۔

مسئلہ: سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس تیسرے روز میں طلوع فجر سے بے شک چلا جائے۔

خلاصۃ التفسیر: حج کرنے والے پر ضروری ہوتا ہے کہ ایام تشریق کی پہلی اور دوسری رات منیٰ میں گزارے اور انہی دنوں بعد زوال الشمس ہر روز شیطان کو اکیس کنکریاں مارے جو جمرہ عقبہ پر سات کنکریاں مارتا ہے اور یہاں پر رات نہ گزارنے کی اجازت صرف اس لیئے دی گئی تا کہ مسافر لوگ رات کو باہر جنگلوں میں اپنے اونٹ چرا سکیں اسی طرح حجاج کو پانی پلانے والے لوگ آرام و سکون حاصل کر سکیں۔

مسئلہ: جو شخص چاہے کہ پہلے اور دوسرے دن کنکریاں مار لی ہیں اب تیسرے دن کی کنکریاں دوسرے روز اکٹھی مار لے اور اسی دوسرے روز منیٰ میں چلا جائے تو جائز ہے اس کے لئے شریعت پاک نے وسعت رکھی ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے فَلَآ اِثْمَ سے معلوم ہوتا ہے۔

مسئلہ: جو شخص ایام تشریق کے دوسرے روز کنکریاں سے فارغ ہو کر غروب شمس کے بعد منیٰ سے نہ جا سکا تو اب اس کے لئے ضروری ہے کہ اب منی سے نہ جائے بلکہ یہ تیسری رات یہاں گزارے یہاں تک کہ تیسرے روز کی کنکریوں سے فراغت پا کر پھر منیٰ سے نکلے۔

وَمَنْ تَاَخَّرَ اور وہ جو منیٰ کو موخر کر دے یہاں تک کہ تیسرے روز رمی جمار کر کے جائے زوال سے پہلے یا بعد کو پھر نکلے جب رمی جمار سے فارغ ہو جائے جیسے آج کل کیا کرتے ہیں۔ یہی امام شافعی اور امامین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کا مذہب ہے فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ تو اس پر کوئی گناہ نہیں ترخص کر ترک کی وجہ سے آیت کا معنٰی یہ ہے کہ حجاج تعجیل و تاخیر دونوں میں مختار ہیں۔

سوال: کیا تاخیر افضل نہیں پھر آپ نے کیوں کہا کہ حجاج تاخیر و تعجیل میں با اختیار ہیں۔

جواب: یہ اختیار فاضل اور افضل کی حیثیت سے ہے جیسے روزہ کے دنوں اختیار ہوتا ہے کہ وہ روزہ رکھے یا نہ رکھے لیکن اس کے لئے روزہ رکھنا افضل ہوتا ہے۔

سوال: اس میں فَلَآ اِثْمَ کا تکرار اور بار بار تصریح کیوں؟

شان نزول اور جواب: اہل جاہلیت کا رد کرنا مطلوب ہے کہ ان میں دو گروہ تھے ایک کا خیال تھا عجلت کرنے میں گناہ ہے ایک نہیں یہ کہتا کہ تاخیر میں گناہ ہے اللہ تعالیٰ نے دونوں کا رد فرمایا۔

لِمَنِ اتَّقٰى یہ خبر ہے اس کا مبتدا محذوف ہے اصل عبارت یوں تھی۔

یعنی وہ جو مذکورہ ہوا اختیار اور عجلت کرنے اور تاخیر کرنے والے کی نفی اس کے لئے ہے جو اللہ تعالیٰ کا ڈر دل میں رکھتا ہے یعنی یہ حکم مخصوص ہے اس کے لئے جو مناہی سے بچتا ہے کیونکہ حقیقۃً حاجی تو وہی ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہے اور حج سے صحیح معنی میں نفع اٹھاتا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ متقین سے محبت کرتا ہے اور انہیں کے اعمال قبول فرماتا ہے اور جو شخص گناہوں میں ملوث ہو کر حج ادا کرے اس کا حج قبول تو ہو جاتا ہے لیکن اسے ایسے حج سے فائدہ کوئی نہیں اگرچہ ایسے شخص کا فریضہ تو ادا ہو جائے گا لیکن حج کی روح اسے نصیب نہیں ہو گی اور وہ حج اسے نفع نہیں دے سکے گا۔

وَاتَّقُوا اللّٰہَ حج کرتے وقت اور اس کے بعد بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرو تا کہ تمہارے اعمال کا تمہیں ثواب ملے ورنہ گناہ تو نیکیوں کو کھا جاتے ہیں جب قیامت میں اعمال تولے جائیں گے تو برائیاں نیکیوں پر غالب آ جائیں گی۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ اور جان لو کہ تم قیامت میں اپنے اعمال کی جزاء وسزا کے لئے جمع کئے جاؤ گے اس آیت میں تقویٰ کی تاکید ہے اور اس پر عمل کرانے کا سبب ہے اس لئے کہ جسے یہ ذہن میں آئے گا کہ میں نے قیامت میں اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو کر اپنی زندگی کے ایک ایک لمحہ کا حساب دینا ہے تو لازماً تقوی طہارت اور اس کے جمیع اسباب پر عمل کرنے کی جدوجہد کرے گا۔

ربط: حج کی فراغت کے بعد لوگ گناہوں کا ارتکاب کرتے اللہ تعالیٰ نے انہیں گناہوں سے روکا تا کہ حج کی حقیقت ضائع نہ ہو جائے۔

ف: حضرت ابو العالیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حاجی قیامت میں حاضر ہو گا لیکن اس کے اعمال نامے میں کوئی گناہ لکھا ہوا نہیں ملے گا لیکن شرط یہ ہے کہ دوران حج اس نے طہارت وتقوی کو ہاتھ سے نہ جانے دیا ہو اور حج کے بعد اپنی بقایا عمر میں بھی حتی الامکان کسی گناہ کا ارتکاب نہ کیا ہو جب کہ حج کے دوران اس کے تمام گناہ بخش دیئے گئے۔

مسئلہ: حج مبرور کی علامت یہ ہے کہ حج کے دوران اسے دنیا کے ساتھ خس برابر بھی لگاؤ نہ ہو بلکہ اس کا دل آخرت میں لگ جائے جب ایسے طریق سے حج سے لوٹے تو اسے حج مبرور نصیب ہو گا اور گناہ سے مغفور ہو گا اور اس کی ہر دعا مستجاب ہو گی۔

marfat.ocm

نکتہ: حاجی کو واپسی پر استقبال کے حکم میں یہی راز ہے کہ اگر وہ حج مبرور کر کے آرہا ہے تو اس کی دعا مستجاب ہوگی اس لئے جب اسے السلام علیکم کہا جائے گا تو وہ ملنے والے کے لئے دعا مانگے تو ملاقاتی کو اس کی مستجاب الدعوۃ سے وافر حصہ نصیب ہوگا۔

حکایت: حج مبرور کی ایک کہانی بڑی مشہور ہے وہ یہ کہ حضرت ابرہیم بن ادہم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ساتھی کے ساتھ حج سے واپس لوٹے جو وہ بھی بڑا نیک تھا اور اس کی رفاقت بلخ سے ہوئی۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رفیق کی کیفیت ہوگئی کہ وہ دنیا کو سہ طلاق دے چکا ہر وقت آخرت کے امور میں محو اور اپنے تمام مِلک مُلک مال کو چھوڑ کر اہل وعیال اور خویش واقارب سے علیحدگی اختیار کر چکا اور اپنے شہر سے دور کہیں جنگلوں میں گزارنے لگا اور مزدوری کر کے گزر اوقات کرتا کھیتی باڑی کرتا کبھی باغات کی نگرانی کرتا وغیرہ وغیرہ۔

سبق: بہترین اور نیک انسان وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے وعدہ قدیم کو نہ توڑے سالک کو چاہیے کہ جب نفس اسے اللہ تعالیٰ کا وعدہ توڑنے کا کہے تو اسے جواب دے مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ یعنی ایسی غلطی سے پناہ مانگتا ہوں اس لئے کہ میرے رب نے مجھے بڑی شان بخشی ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ۔

نقض میثاق وشکست توبہا موجب لعنت شود در انتہا
چونکہ ارادئے تو کثر بود دغا راست چوں چوبی ترازوی جزا

(**ترجمہ:** میثاق کی خلاف ورزی اور توبہ توڑنے سے لعنت نصیب ہوتی ہے۔
اگر آج تم اپنے ترازو کو غلط رکھتے ہو تو کل قیامت میں تمہارا حال برا ہوگا۔

حکایت: کسی بزرگ کا واقعہ ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب میں حج سے فارغ ہو کر گھر آیا تو نفس امارہ نے مجھے بُرائی کی طرف ابھارا ہاتف غیبی کی آواز میرے کانوں میں سنائی دی کہ افسوس ہے ابھی تو تو حج سے واپس آیا ہے اور پھر ایسی غلطی اس طریق سے مجھے اللہ تعالیٰ نے ایسی غلطی سے بچالیا اور بفضلہٖ تعالیٰ اس وقت تک گناہوں

سے محفوظ ہوں۔

سبق: بعض گناہ بندے کے لئے دیدار حق سے حائل ہو جاتے ہیں جب کہ بندہ صرف اعمال پر بھروسہ کرے اور انہی پر اعتماد رکھے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے غافل ہو جائے۔

حکایت: بعض ترک حضرت شیخ الاسلام احمد لا نافقی الجامی قدس سرہ کی صحبت سے باریاب رہتا اور اس کی گدی کے اوپر ڈھال کی طرح نور چمکتا دکھائی دیتا تھا اتفاقاً حج پر چلا گیا واپس لوٹا تو وہ نور اس سے جاتا رہا حضرت الشیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا پہلے تیرے دل میں عجز و انکسار اور تواضع و عاجزی بہت تھی اب تیرے اندر غرور آ گیا یہ تو نے حج پڑھتے ہی دھوکہ کھایا اور سمجھا ہے کہ اب میں کچھ اور ہو گیا ہوں اس لئے تو اس بلند مرتبے سے گر گیا اب وہ نور تیرے سے چلا گیا ہے اس لئے اب وہ نظر نہیں آتا۔

سبق: حاجی کے لئے خصوصاً ضروری ہے کہ حج کی واپسی سے اللہ تعالیٰ کے منہیات سے بچتا رہے اور صرف رزق حلال پر اکتفا کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ صرف پاک شئے کو قبول کرتا ہے۔

حکایت: ایک صاحب حج کر کے واپس لوٹے تو راستہ میں اسے اجل آ پہنچی اسے ساتھیوں نے قبر میں دفن کر دیا دفن کرنے کے بعد یاد آیا کلہاڑا قبر میں رہ گیا چنانچہ اس کی قبر کھودی گئی اس کی حالت یہ تھی کہ اس کے دو ہاتھ اور پاؤں کلہاڑے سے باندھے گئے ہیں۔ اس کے متعلق پوچھا گیا تو معلوم ہوا کہ اس نے حرام مال سے حج پڑھا تھا یعنی ایک ساتھی کا مال چرایا تھا اب اسی چرائے ہوئے مال سے حج پر گیا تھا۔

سبق: حدیث شریف میں ہے جو شخص حلال کمائی سے حج کو جاتا ہے تو اس کے ایک ایک قدم پر ستر ستر نیکی لکھی جاتی ہے اور ستر ستر گناہ معاف ہوتے ہیں اور ستر ستر مرتبے بلند ہوتے ہیں اسی طرح خالصہ کتاب میں مذکور ہے

مسئلہ: اگر کسی کو اپنے مال پر کسی قسم کا اشتباہ ہو تو وہ دوسرے کسی دوست سے قرضہ لے اور اپنا مال اپنے قرض کی ادائیگی میں دے۔ (یہ ایک شرعی حیلہ ہے)

حکایت: حضرت ابوالقاسم الحکیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عادت کریمہ تھی کہ وہ بادشاہوں سے نذرانے و تحائف منظور نہ فرماتے اگر اتفاقاً ان کا کوئی مال آپ کے ہاں پہنچتا اور آپ اسے اپنی ضرورت میں صرف کرنا

چاہتے ہیں تو اسی قدر کسی دوست سے قرض لیتے اور بادشاہ کا دیا ہوا مال اسی قرضہ میں دے دیتے۔

مسئلہ: حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بادشاہوں سے بادشاہوں کے وظائف کا مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے وہی طریقہ بتایا جو صرف ابوالقاسم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا تھا۔ (کذافی حزانۃ الفتاوی)

تفسیر عالمانہ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ اور ہر وہ انسان جس کا قول ظاہری طور تم کو اچھا لگتا ہے اور تم بھی اچھا اور مستحسن سمجھتے ہو اعجاب کہتے ہیں ہر اس اچھے اور مستحسن عمل کو جسے ظاہراً بہت اچھا سمجھا جائے اور دل اس کی طرف میلان رکھے اور اسے بہت بہتر ماننا پڑے لیکن اس کی حقیقت معلوم نہ ہو سکے۔

ف: حضرت امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ تعجب اس حیرت کو کہتے ہیں کہ جو انسان کو بوقت جہل کسی سبب سے عارض ہو امام موصوف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اعجاب کی حقیقت مجھے اس طرح معلوم ہوتی ہے لیکن اس کے ظہور کا سبب ابھی تک مجھے معلوم نہیں ہو سکا۔

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا یہ قول سے متعلق ہے یعنی تمہیں اس کی تقریر پر خوشی لگتی ہے کہ بایں معنی کہ اسے دنیا سے تعلق ہے اور اس کا تمہارے سے دعوی محبت کا اظہار بھی صرف حصول دنیا کی خاطر ہے اسی بناء پر اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں اسکا قول اچھا لگتا ہے اس کی حلاوت فصاحت کی وجہ سے وہ بھی صرف دینوی لحاظ سے ورنہ آخرت میں تو اس کے کلام کا کذب اور قبح ظاہر ہو جائے گا۔

وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ اور کہا جاتا ہے کہ جو بات میں کہہ رہا ہوں اللہ تعالیٰ شاہد ہے کہ میرے دل میں آپ کی محبت ہے اور اسلام کا میں شیدائی ہوں اور یہی میرا قلبی کلام ہے جس کی ترجمان میری زبان ہے یعنی میری زبانی بات میرے قلب کے موافق ہے وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ یعنی وہ مسلمانوں کی عداوت اور ان کے ساتھ دشمنی میں ان کے ساتھ جھگڑالو ہے۔ خصام قتال وجدال کی طرح مصدر یہ اور یہ اضافت بمعنی فی کے ہے اور لد بمعنی شدۃ الخصومۃ۔

شان نزول: یہ آیت شریف ابن اخنس بن شریف ثقفی کے حق میں نازل ہوئی اور وہ ویسے بھی حسین وجمیل اور شیریں کلام انسان تھا حضور اکرم ﷺ سے محبت کا دم بھرتا تھا۔

عقیدہ: محبت کا دم بھرنا اور خلوص کا دعوی کرنا لیکن اس میں صحیح طور موافقت نہ ہو صرف منافقت ہی منافقت ہو

تو یہ ملاحدہ اور نادقہ کا شیوہ ہے ورنہ محب اور اصلی مسلمان وہ ہے جو وہی کرے جس پر اس کا محبوب راضی ہو۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

تعصی الالہ وانت تظہر حبہ   ہذا العمری فی الفحال بدیع
توکل حبک صادق الاطعتہ   ان الصاحب لمن احب مطیع

ترجمہ: اپنے معبود کی نافرمانی کرتا ہے اور پھر اسکی محبت کا اظہار کرتا ہے واللہ قسم ہے یہ عجیب بات ہے کہ اگر تو محبت میں سچا ہوتا تو اس کی اطاعت کرتا کیونکہ محب وہ ہوتا ہے جو اپنے محبوب کا مطیع ہو۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا۔

بصدق کوش کہ خورشید زاید از نفست   کہ از دروغ سیہ روئے گشت صبح نجست

وَاِذَا تَوَلّٰی اور جب واپس لوٹتا اور آپ کی مجلس سے ہٹتا ہے یا اس کا مطلب یہ کہ جب وہ غلبہ اور کسی طرح کی حکومت پاتا ہے تو سَعٰی فِی الْاَرْضِ بمعنی قدموں کے چلنے میں بہت تیزی کرنا یعنی دوڑنا کبھی عمل اور کسب میں کوشش کرنے کے لئے استعارہ کیا جاتا ہے۔

سوال: سعی ہر دو معنوں میں زمین میں ہوتا ہے پھر اس کے بعد فی الارض کے لانے کا کیا مطلب۔

جواب: اس طریق سے فساد کے لئے مبالغہ ہو جائے گا اس لئے کہ عرض کا لفظ عام ہے اپنے جمیع اجزاء کو اور قاعدہ ہے کہ ظرف اپنے تمام مظروف کو حاوی ہوتا ہے اب مطلب یہ ہوا کہ وہ شخص زمین کے جس حصہ سے گزرتا ہے تو وہیں فساد ڈالتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ اس عبارت سے اس کی مراد فساد ہی فساد ہے۔

لِیُفْسِدَ فِیْهَا یہ سعی کی علت ہے یعنی وہ اس لئے جھگڑا کرتا ہے تا کہ زمین میں فساد ہو وَیُهْلِكَ اہلاک سے مشتق ہے۔ بمعنی اضاعت یعنی ہلاک کرنا اَلْحَرْثَ کھیتی وَالنَّسْلَ اجناس حیوان سے جو شئے بھی مادنی سے پیدا ہوا سے نسل کہا جاتا ہے جیسے نسل ینسل یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شئے کسی سے منفصل ہو کر خارج ہو۔

ف: حرث ونسل اگرچہ دراصل مصدر ہیں لیکن یہاں مفعول کے معنی ہیں اس لئے کہ اولاد اپنے والدین کی نسل ہوتی ہے یعنی بچہ اپنے والدین سے منفصل ہو کر نکلا اور یہ ایسے ہی جیسے ثقیف میں اخنس (منافق) نے کہا جب کہ اس کے پاس رات گزاری تو ان کے جانوروں کو ہلاک کر ڈالا اور ان کی کھیتی کو جلا دیا اس لئے کہ اس کے اور

marfat.ocm

ثقیف کے درمیان عداوت تھی اسی طرح ظالم حکام کی عادت ہے کہ وہ اپنی رعایا پر ظلم کرتے ہیں ان کے بچے مروا دیتے ہیں وارثان کے اموال کو ضائع کرا دیتے ہیں یا یہ کہ ظالم پر ظلم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بارش بند کر دیتا ہے تو ان کی کھیتی اور نسل میں نقصان پڑ جاتا ہے۔

حدیث شریف: جب قیامت میں حاکم کو جہنم کی سیڑھی پر ڈالا جائے گا سیڑھی حرکت میں آجائے گی اور اس کی حرکت اس قدر ہو گی کہ جہنم کا جوڑ جوڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے گا اگر وہ حاکم عادل اور اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہو گا تو اس سیڑھی سے باسلامت گزر جائے گا اور اگر وہ بے فرمان حاکم ظالم ہو گا تو وہ سیڑھی پھٹ جائے گی تو وہ ظالم حاکم جہنم کے اندر گر جائے گا اور پچاس سال کی مقدار جہنم کے گڑھے میں چلا جائے گا۔

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ اور اللہ تعالیٰ فساد کو دوست نہیں رکھتا بمعنی اس سے راضی نہیں اور اسے مبغوض رکھتا ہے بلکہ اس کا مرتکب ہوتا ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کا مبغوض ہے۔

سوال: اگر سوال کیا جائے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے جب فرمایا لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ حالانکہ وہ خود بھی تو اشیاء میں تغیر و تبدل فرماتا ہے یہی تو افساد کی حقیقت ہے۔

جواب: افساد کا لغوی معنی ہے اخراج الشئی من حالته محمودة لا لغرض صحیح یعنی اچھی شئے کو غرض فاسد کے لئے ظاہر کرنا اور اللہ تعالیٰ کے کسی فعل میں غرض فاسد نہیں بلکہ اس کا ہر فعل محمود ہے اور نہ ہی وہ کسی کو غرض فاسد کا حکم دیتا ہے اور نہ ہی اسے دوست رکھتا ہے اگرچہ ہم اپنی ظاہر بینی کے لحاظ سے کسی فعل میں غرض فاسد دیکھیں تو وہ ہماری اپنی نگاہ کا قصور ہوتا ہے خلاصہ یہ کہ افساد کی نسبت اگر مخلوق کی طرف ہو تو اس میں غرض فاسد کا اعتبار ہو سکتا ہے اور جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس میں خیر ہی خیر ہوتی ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اور جب اس منافق و مفسد کو بطور وعظ نصیحت کہا جاتا ہے اِتَّقِ اللّٰهَ اللہ سے ڈرو اور اپنے گندے فعل و قول اور وہ فساد و نفاق جو تیرے سے سرزد ہوتا ہے اس سے باز آ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ تو اسے وہ عار روکتی ہے جو اس کے اندر ہے اور وہ جاہلیت کے رسومات معاصی و ماثم پر ابھارتے ہیں جن سے روکا گیا ہے۔

مسئلہ: اس میں رد ہے اس واعظ جو چاپلوسی اور عناد کے درپے رہتا ہے یہ اس محاورہ سے ہے جو اہل عرب کہتے ہیں اخذته كذا یہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ کسی کو کسی فعل پر انگیختہ کیا جاتا ہے اور اس پر اس کی لزومی

بات کا اظہار کیا جائے اس میں با تعدیہ کی ہے اس فعل کو ما بعد کے ساتھ ملانے کے لئے جو اس کے ماقبل میں ہے۔

فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ یہ مبتدا خبر ہیں یعنی ایسے بندے کی سزا اتنا کافی ہے کہ وہ جہنم میں دائمی طور داخل ہوگا اور یہ خلود اس فعل کی سزا ہے جو اس نے ارتکاب کیا ہے اس میں وعید شدید ہے وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ یہاں قسم محذوف ہے دراصل عبارت یوں ہے واللہ بئس الفراش جهنم بخدا برا بچھونا جہنم ہے۔

حدیث شریف: حضور علیہ السلام نے فرمایا سب سے بڑا کبیرہ گناہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کو کہے اللہ تعالیٰ سے ڈر اور وہ شخص اسے جواب میں کہے تو اپنا کام کر۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے عرض کیا گیا اللہ سے ڈرو آپ نے یہ الفاظ سنتے ہی اپنا چہرہ زمین پر رکھ دیا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ عمل اللہ تعالیٰ کے سامنے عبودیت کے اظہار کے لئے کیا۔

ربط: آیت بالا میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر فرمایا جو اپنے دین کو دنیا کی طلب میں صرف کرتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ اور بعض لوگ وہ ہیں جو اپنے نفس کو بیچتے ہیں اور خرچ کرتے ہیں۔

سوال: آیت میں نفس کے بیچنے کا کیا معنی؟

جواب: بندہ جب نماز روزہ اور حج وجہاد اور زکوۃ میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر کے اپنے نفس کو خرچ کرتا ہے اور اس اطاعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے ثواب کو حاصل کر لیتا ہے تو گویا اس طریق سے اللہ تعالیٰ کے یہاں نفس بیچ کر اللہ تعالیٰ کے ثواب کو پایا۔ گویا اس نے اپنے نفس کو بیچا اس کے عوض جو اسے اللہ کی طرف سے ثواب اور فضل نصیب ہوا۔

اِبْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی رضا کی طلب کر کے وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے رؤف ہے اسی لئے اپنے بندوں کو تقوی کا مکلف بنایا ہے اور ان کو ثواب کے لئے امور کی تابعداری کا حکم فرماتا ہے۔ بندوں پر اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں میں سے ایک مہربانی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو نفوس واموال خریدتا ہے حالانکہ تمام اشیاء اس کی ملک اور اس کا اپنا حق ہے اور پھر یہ ہے کہ بندوں کے نفوس واموال لے کر اپنا بے بہا فضل اور بے پایاں رحمت عطا فرماتا ہے۔

شان نزول: حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ سے ہجرت کر کے نبی اکرم ﷺ کی طرف مدینہ منورہ کو جار ہے تھے اس وقت آپ کی عمر ایک سو سال تھی آپ کے پیچھے مشرکین آدھمکے آپ کے ساتھیوں کو مشرکین نے آتے ہی قتل کر دیا حضرت صہیب کے پاس تیروں کا کشکول تھا اور آپ چوٹی کے تیرانداز تھے اور تیر بھی نشان پر لگتا تھا آپ نے کہا اے قریشیو سن لو میری تیراندازی اور نشانہ پر تیر لگانا میرا خاصہ ہے فلہٰذا میرے پاس جتنے تیر ہیں ایک ایک تیر تمہارے ایک ایک کے دل پر ضرب کاری لگے گا اور تیر ختم ہو جائیں گے تو میرے پاس شمشیر برآں ہے اس سے تمہارے بقایا کا صفایا کروں گا اب تم جو چاہو کر لو اور میرا واپس لوٹ کر تمہارے پاس رہنا تمہیں کوئی فائدہ بھی نہیں اور سن لو میں بوڑھا آدمی ہوں میں نے چند روز کے بعد مرنا ہی ہے اور میرے پاس بہت مال ہے جو مکہ میں میرے گھر مدفون ہے تم واپس چلے جاؤ میں وہ مال تمہیں دیتا ہوں لیکن مجھے مدینہ جانے دو اور میں اسلام قبول کر چکا ہوں اور اس مرتے دم تک رجوع نہیں کر سکتا۔ انہوں نے حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات مان لی ان کا مال کفار نے لے لیا اور آپ مدینہ طیبہ کی طرف چل پڑے جب حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ طیبہ میں پہنچے تو سب سے پہلے آپ کی سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملاقات ہوئی تو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مبارک دی اور فرمایا تجارت میں بہت نفع ہوا۔ حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا وہ کیسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیت مذکور کے نزول کا واقعہ سنایا اس سے حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت خوش ہوئے۔

ف: یہاں پر یَشْرِیْ بمعنی یشتری یہ اس لئے کہ اس میں ظاہر کے مطابق خرید و فروخت ہوئی ہے کیونکہ حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا نفس بچا لیا۔

تفسیر صوفیانہ مومنین اپنے اختیار سے اپنے نفوس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیتے ہیں ان کا ثمن انہیں بہشت نصیب ہوتی ہے لیکن اولیاء اللہ تعالیٰ اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تو انہیں ثمن ملتا ہے۔ یعنی رضائے الٰہی عام مومنین اور اولیاء اللہ کے احوال میں بہت بڑا فرق ہے۔

سبق: سالک کو لازم ہے کہ اوطان بشریت سے نکل کر اپنی خودی سے اجنبی بن جائے بلکہ اپنے اقران سے

بیگانہ ہو جائے یہاں تک کہ وہ مجاہد حقیقی اور شہید معنوی کے درجہ تک پہنچ جائے اس لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا: غریبوں کو مبارک ہو یہاں پر غریب سے یہی سالک مراد ہے ان احادیث میں اشارہ ہے کہ سالک کو چاہیے کہ مخلوق سے منقطع ہو کر خالق سے تعلق جوڑے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ سالک عوام کی عادات و شہوات کے معاملات میں مخالفت کرے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا اے انس جہاں تک تم سے ہو سکے باوضو رہا کرو اس لئے کہ جب ملک الموت روح قبض کرتے ہیں اور جو شخص باوضو ہو تو وہ شخص شہیدوں میں شمار ہوتا ہے لیکن یہاں پر وضو سے انقطاع عن الخلق الی الحق مراد ہے یعنی ماسوی اللہ سے فارغ ہو کر مرے۔ جیسے تصوف کے قانون میں نماز سے اتصال باللہ مراد ہے۔

حدیث شریف: حضور علیہ الصلوۃ و السلام نے فرمایا وضو پر مداومت کرو اس سے رزق میں وسعت پیدا ہوتی ہے جب ظاہری وضو ظاہری رزق کی وسعت کا سبب ہے تو پھر باطنی طہارت سے معارف والہامات و واردات کیوں نہ نصیب ہوں۔ اس سے قبل زندہ ہو کر حیاۃ طیبہ نصیب ہوتی ہے اور نفس اپنے اوصاف رذیلہ کے ساتھ مٹ جاتا ہے یہ صرف اسے نصیب ہوتا ہے جسے جہاد حقیقی سے کوئی اثر حاصل ہو۔ قاعدہ ہے جو شخص نفس کی قیود سے چھوٹ جاتا ہے تو موت اس کے اپنے اختیار میں ہو جاتی ہے اور وہ دائمی طور پر زندہ رہتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے۔

اے بسا نفس شہید معتمد　مردہ در دنیا و زندہ می رود

(**ترجمہ:** بہت سے اعلیٰ درجہ کے شہیدوں کو ظاہری طور موت آتی ہے لیکن در حقیقت وہ زندہ ہوتے ہیں)

سبق: بندے پر فرض ہے کہ وہ خلق سے عروج کر کے حق تک پہنچے نفس کی تمام ضروریات وحاجات سے بچ کر حق کے غنائے تام کو حاصل کرے یہی ہے تحصیل کل الخیرات و دفع کل الآفات جو شخص اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف جاتا ہے تو اس کے جمال کو پالیتا ہے پھر اس کے جلال کے مشاہدات میں غرق ہو جاتا ہے بلکہ راز حق کا راز دان بن جاتا ہے چنانچہ فرمایا قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ سالک کی پہلی منزل ترک الاولا، تیسری منزل ترک النفس ہے پہلی منزل طے کرنے پر سالک کو توحید الافعال کے جلوے نصیب ہوتے ہیں دوسری منزل سے توحید

marfat.ocm

الصفات تیسری منزل سے توحید الذات اور یہی منزل تمام منازل سے اعلیٰ ہے۔

سبق: دانا کو ضروری ہے کہ وہ ذکر اللہ کی کثرت کرے کیونکہ ذکر اللہ تصفیہ قلوب بلکہ اس کا مصقلہ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ اور سالک کو سب سے بڑی کامیابی یہی ہے کہ اسے اپنا مطلوب حاصل ہو جائے اے اللہ ہمیں مفلحین سے بنا۔

تفسیر عالمانہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اے لوگو جو صرف زبان سے کلمہ پڑھتے ہو یہ اس وقت ہے جب کہ خطاب منافقین کو ہو ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً اسلام میں پورے طور پر داخل ہو جاؤ یعنی پورے طور ظاہری و باطنی طور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو۔

ف: اسلم بمعنی استسلام واطاعت ہے اور وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ کی ضمیر سے فاعل ہے اور یہ حال بمعنی عموم (جو کہ جمع کے صیغہ میں ضمیر ہے) کی تاکید کرتا ہے یہ ایسے ہے جیسے کہا جاتا ہے قام القوم کافة بمنزلہ قاموا کلھم کے ہے۔

ف: کافة وقاطبة وعامة کی تا تانیث کی ہیں اگرچہ دراصل یہ تا تانیث پر دلالت کرتی یہاں پر تا تانیث اس لئے داخل ہوگئی تاکہ ان الفاظ کو بمعنی کل جمیع کے منقول ہو یا معنی یہ ہے کہ فالقوم کافة یعنی اسلام میں کلی طور داخل ہو جاؤ اس میں غیر کو مخلوط نہ کرو۔

شان نزول: اس تفسیر کی تقریر کے مطابق اہل کتاب کے اہل اسلام مراد ہیں کیونکہ اس کی عادت تھی کہ اسلام میں داخل ہو کر پھر بھی اپنے بعض پرانے مسائل کی رعایت کرتے تھے جیسے کہ مروی ہے کہ سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے ساتھی تورات کے بعض مسائل کے پابند تھے مثلاً ہفتہ کی تعظیم اور اونٹ کے گوشت اور دودھ کی تحریم اسی طرح دیگر اشیاء بھی جس سے دور رہنا اسلامی طور مباح سمجھتے تھے اگرچہ ان کے دین میں اشیاء واجب تھیں اور وہ اسی طرح اس پر ثابت رہے جب کہ حلت کے معتقد تھے صرف طبعی طور ان کو عمل میں لانے سے وحشت کرتے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ تورات بھی اللہ کی کتاب ہے فلہٰذا ہمیں اجازت بخشئے تاکہ ہم اسے رات کی نماز میں پڑھا کریں اس پر انہیں حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو امور منسوخ ہو گئے ان سے تم کسی پر بھی عمل نہ کرو اگرچہ ان میں بعض امور سے تم مانوس ہو تب انہیں ترک کرنا پڑے گا اور ان

کے ترک سے وحشت بھی نہ کرو اس لئے کہ حق سے وحشت کیسی بلکہ وہ تو شیطان کو خوش کرنا ہے چنانچہ فرمایا۔

وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ قدموں کی درمیانی مسافت کو کہتے ہیں یعنی ان راستوں پر نہ چلو جو شیطان کے ہیں اور نہ ہی ان کی اطاعت کرو جو کہ وہ اپنے ٹیڑھے راستوں کی طرف تمہیں بلاتا اور گندے وسوسے ڈالتا ہے اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور وہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے وساوس کے ذریعے تمہارے اسلام میں رخنہ ڈالے فَاِنْ زَلَلْتُمْ اگر تم ڈگمگا جاؤ گے زلل دراصل قدم کے پھسلنے کو کہا جاتا ہے اور عرف میں حق اعتقاد اور صحیح عمل سے روگردانی کو کہتے ہیں اب معنی یہ ہوا کہ حق سے بھٹک کر علماً عملاً حق سے تجاوز کر جاؤ گے۔

مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ بعد اس کے تمہارے پاس دلائل آئے الْبَيِّنٰتُ بمعنی حج یعنی دلائل و شواہد اس پر موجود ہیں جو تم اپنے داخل فی الاسلام ہونے پر دعوی کرتے ہو فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ پس جان لو کہ اللہ تعالیٰ بے شک اپنے امر پر غالب ہے تمہارے انتقام سے عاجز نہیں حَكِيْمٌ حکیم ہے حق ہی کا انتقام لیتا ہے۔

مسئلہ: آیت میں غلط کاروں کے لئے زجر و توبیخ ہے خصوصاً ان کو جو داخل فی الاسلام ہو کر پھر عملاً و اعتقاداً مذبذب تھے آیت کا محاورہ ایسے ہے جیسے باپ بیٹے کو کہے انت عصیتنی وانت عارف بی وبشمرہ اگر تو میری نافرمانی کرے گا پھر تو مجھے جانتا ہے کہ میں اپنے مخالف سے کیا کرتا ہوں یہ اس سے بلیغ ہے جب کہ زجر و توبیخ کو صراحۃً ذکر کیا جائے۔

مسئلہ: جیسے آیت میں وعید ہے اسی طرح اس میں وعدہ کریمہ بھی ہے جیسا کہ لفظ حکیم سے معلوم ہوتا ہے کہ حکیم وہ ہوتا ہے جو اچھے اور برے امور کی تمیز رکھے جیسے حکیم برے کو سزا دیتا ہے اس طرح اس سے امید رکھی جاتی ہے کہ وہ اچھے کو انعام و کرام سے نوازے بلکہ یہ اس کی حکمت کے لائق اور اس کی رحمت کے زیادہ قریب ہے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ یہ استفہام بمعنی نفی ہے اور نظر بمعنی انتظر ہے اب معنی یہ ہوا کہ جو دخول فی الاسلام کے تارک اور شیطان کا پیروکار ہیں وہ نہیں انتظار کر رہے اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ان پر آئے یہاں مضاف محذوف ہے ای عذاب اللہ کیونکہ اللہ آنے جانے سے پاک ہے اس لئے کہ ان دونوں کو حرکت و سکون مستلزم ہے کیونکہ یہ دونوں حادث ہیں اور قاعدہ ہے کہ جس پر حرکت و سکون صادق آسکیں وہ حادث اور مخلوق ہوا کرتا ہے حالانکہ ان سب کو خالق وہی اللہ تعالیٰ ہے اور الٰہ قدیم کی شان میں مستحیل ہے کہ وہ مخلوق کی

marfat.ocm

صفات سے موصوف ہو۔

حکایت: سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوا کہ زمین و آسمان پیدا کرنے سے پہلے اللہ کہاں تھا آپ نے فرمایا اس کی ذات کے متعلق مکان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جب کہ وہ مکان سے پاک ہے جیسے زمین و آسمان کی پیدائش سے پہلے تھا اب بھی ویسے ہی ہے۔ (الآن کما کان)

عقیدہ: اس آیت اور اس طرح کی دیگر آیت میں متقدمین کا عقیدہ ہے کہ ہمارا ان آیات کے ظاہر پر ایمان ہے اور باطن کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں اس لئے کہ ایک معنی متعین کرنے پر اللہ تعالیٰ کی مراد کے خلاف خطا ہوگا اسی لئے ان میں سکوت اولیٰ ہے لیکن متکلمین کا خیال ہے ان جیسی آیات میں تاویل لازمی ہے ہر آیت میں علیحدہ علیحدہ مطلب لینا ہوگا۔

فِیْ ظُلَلٍ سایوں میں جو کہ ہونے والے ہیں ظل ظلة بادل سے ظلل، ظللة کی جمع ہے جو شئے بھی اوپر سایہ کے طور ہو اسے عربی میں ظلة کہتے ہیں (انعمام) سفید رنگ اور رقیق بادل کو کہا جاتا ہے اور غمام کو اس لئے غمام کہتے ہیں کہ غمام بمعنی چھپانا اور چونکہ بادل سورج اور آسمان کو چھپا دیتا ہے اس لئے اس نام سے موہوم ہوتا ہے اور بادل کو اس وقت ظللعه کہا جاتا ہے جب کہ وہ مجتمع اور تہ بہ تہ ہو اب ظل من الغمام کا مطلب ہوا متفرق قطعات جس کا ہر قطعہ نہایت ہی کثافت و عظمت کے ساتھ ہو اس اعتبار سے ہر قطعہ ظلة ہوگا۔ **وَالْمَلٰٓئِكَةُ** اور ان کے ہاں فرشتگاں آئیں اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے امر لانے کے وسائط ہیں بلکہ حقیقۃً عذاب لاتے بھی وہی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اب تمہارے ہاں دلائل مکمل ہو چکے ہیں اب سوائے عذاب کے تمہارے لئے اور کوئی چارہ کار نہیں۔

سوال: انہیں بادل میں عذاب کیوں نہ نازل ہوا جیسے یونس علیہ السلام اور عاد اور شعیب علیہ السلام کی قوموں پر بادل میں عذاب آیا۔

جواب: دراصل بادل میں رحمت (بارش) کا گمان ہوتا ہے۔

قاعدہ: جب اس شئے سے خلاف توقع عذاب نازل ہو تو زیادہ ڈراؤنا اور خوف ناک ہوتا ہے اس لئے وہ شر جو ہمارے گمان کے خاف ہو تو وہ زیادہ ہی غم میں ڈالتا ہے جیسے خلاف توقع کسی سے بھلائی حاصل ہو تو اس میں

بہت زیادہ سرور ہوتا ہے اور پھر شر میں اس طریق سے زیادہ غم کیوں نہ لاحق ہو یہی وجہ ہے کہ سابقہ امم کے لئے صاعقہ گھبراہٹ میں ڈالنے والی کو شدید ترین عذاب قرار دیا گیا جب کہ انہیں بادل سے صرف بارش کی امید تھی لیکن خلاف توقع ان پر عذاب آ گیا اس لئے اہل تفکر و تدبر پر آیت وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ کا سمجھنا مشکل ہو گیا اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جن اعمال میں بہت سخت منہمک تھے اور اس خیال میں تھے کہ اعمال سے ہمیں بہت بری جزا ملے گی۔ لیکن ان کی توقع کے خلاف انہیں سزا ملی کیونکہ ان کا گمان یہی تھا کہ یہ ہماری نیکیاں ہیں حالانکہ وہ برائیاں تھیں جب ان پر معاملہ برعکس ظاہر ہوا تو گھبرائے۔

حکایت: حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ یہی آیت پڑھی اور اس میں تدبر و تفکر کیا تو آہ آہ کرتے وفات پا گئے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ان کے ہلاک کرنے کا معاملہ مکمل ہو گیا اور اللہ تعالیٰ انہیں مٹا کر فارغ ہوا اس کا عطف يَاْتِيَهُمُ اللّٰهُ پر ہے یہ بھی هَلْ يَنْظُرُوْنَ یعنی ان کی انتظار کے چیز میں داخل ہے

سوال: يَاْتِيَهُمُ اللّٰهُ الخ ماضی ہے مضارع سے ماضی کی طرف عدول میں کیا حکمت ہے۔

جواب: تاکہ حقیقت پر دلالت ہو گویا اشارہ کیا گیا ہے کہ وہ معاملہ ہو چکا ہے۔

وَاِلَى اللّٰهِ صرف اللہ تعالیٰ نہ کہ غیر کی طرف تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ لوٹائے جاتے ہیں تمام مخلوق کے امور اور ان کے اعمال قیامت میں اللہ تعالیٰ ان کے مابین فیصلہ فرمائے گا ثواب اور عذاب دینے والا صرف وہی ہے۔

سبق: مومن پر لازم ہے کہ وہ فرمانبرداری میں ہی گزارے اور نافرمانی سے بچتا رہے اور خواہشات نفسانیہ اور شیطان کی پیروی سے کنارہ کش رہے۔

حدیث شریف: حضور نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ میرے اللہ نے میری امت کے متعلق مجھے فرمایا کہ میں ان سے شیطان کو دور بھ[illegible]تا ہوں لیکن وہ الٹا میری نافرمانی اور شیطان کی تابعداری کرتے ہیں۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

کجا سر بر آریم ازیں عار و ننگ — کہ با او بصلحیم و با حق جنگ
نظر دوست نادر کند سوئے تو — چو در روئے دشمن بود روئے تو
ندانی کہ کمتر نہد دوست پائے — چو بیند کہ دشمن بود در سرائے

marfat.ocm

(**ترجمہ**: ہمارے شرم سے سر جھکے ہوئے ہیں کہ شیطان سے ہماری صلح اور حق سے جنگ ہے تیرا دوست تجھے کس طرح نظر شفقت سے دیکھے جب تیری توجہ اس کے دشمن کی طرف ہے تجھے معلوم ہے کہ دوست اس گھر میں نہیں آتا جہاں اس کا دشمن قیام گزیں ہو)

سبق: انسان کی سب سے بڑی عبادت اپنے شیطان کے دور رکھنے اور نفس کو ملامت کرنے میں ہے۔

حکایت: ایک شخص نے مسلسل چالیس سال روزے رکھے اسے ایک ضرورت درپیش تھی اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی جو قبول نہ ہوئی اس پر اس نے اپنے نفس کو ملامت کرتے ہوئے کہا کہ یہ ساری تیری ہی نحوست ہے اس کے اس عمل سے اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کے نبی علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی اور فرمایا اے میرے نبی علیہ السلام اس بندہ کو بلا کر فرمایئے کہ تیرا نفس کو زجر توبیخ اور ملامت کرنا میرے نزدیک چالیس سال کے روزوں سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

خورندہ کہ خیرے برآید ز دست به از صائم الدہر دنیا پرست

(اس روزہ دار دنیا پرست سے وہ روزہ نفلی نہ رکھنے والا بہتر جو دوسروں کو خیر اور بھلائی سے نوازتا ہے)

تفسیر صوفیانہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا اس کا معنی عام بھی ہے اور خاص بھی عام تو یہی ہے کہ یہ خطاب عام مومنین کو ہے یعنی جتنے لوگ اس آیت پر ایمان لائے اب معنی یہ ہوا کہ اے لوگو اسلام کے ظاہری اور باطنی شرائط کے ساتھ اسلام میں داخل ہو جاؤ اسلام کے مجملہ شرائط میں سے ایک وہ ہے جو حضور علیہ السلام نے فرمایا مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے اہل اسلام کو سلامتی ہو اور مومن وہ ہے کہ جس کے شر سے اہل ایمان کو امن ہو اور معنی خاص یہ ہے کہ آیت میں خطاب خاص ہے یعنی اس میں حضرت انسان کے تشخص اور اس کے جمیع اجزا ظاہرہ و باطنہ کو خطاب ہے اس لئے انسان پر لازم ہے کہ اپنے ہر عضو کو اسلام میں داخل کرے مثلاً آنکھ کو دیکھنے کے اسلامی عمل میں اور کان کو سننے اور منہ کو کھانے اور فرج کو شہوات اور ہاتھ کو پکڑنے اور پاؤں کو چلنے میں مشغول رکھے اور ان اعضاء کا اسلام میں داخل کرنے کا معنی یہ ہے کہ ہر ایک عضو امر الٰہی میں بجالانے اور نواہی سے بچنے میں چست و چالاک ہو بلکہ جہاں تک ہو سکے لایعنی امور سے دور رہیں اور جو امور قابل عمل ہیں ان کے بجالانے کے درپے ہیں۔ یاد رہے کہ اجزاء ظاہرہ کو شرائع

اسلام میں داخل کرنا تو منافق کو بھی حاصل ہے مقصد تو یہ ہے کہ اجزاء باطنہ کو شرائع اسلام میں داخل کیا جائے اور وہ یہ کہ دشمنان اسلام کے سامنے سینہ سپر ہو جائے اور کامل اکمل بزرگوں کے مراتب تک پہنچنے کی جدو جہد کرے باقی رہا نفس کے اسلام میں داخل ہونے کا معنی وہ یوں ہے کہ نفس اپنے صفات ذمیمہ کے کفر سے توبہ کرے اور اپنی من بھاتی باتوں کو یک لخت طلاق دے دے اور عبادت الٰہی میں مطمئن نظر آئے تا کہ اسے بھی اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندوں اور مخلصین میں شمولیت کا استحقاق حاصل ہو جنہیں اللہ تعالیٰ نے یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىٕنَّةُ ارْجِعِیْۤ خطاب فرمایا یہ اور قلب کا اسلام میں داخل ہونے کا معنی یہ ہے کہ اسے نفس کے اخلاق رذیلہ سے پاک وصاف رکھے اور اسے روحانی اخلاق و عادات سے سنگارے اور روح کا اسلام میں داخل ہونے کا معنی ہے کہ اسے اخلاق الٰہی سے متصف کیا جائے اور احکام الٰہیہ سے متصف کیا جائے اور احکام ازلیہ کے سامنے سر جھکانے کی عادت ڈالی جائے اس پر تصرف جذبات الٰہیہ کا دباؤ ڈال کر ماسوی اللہ کے تعلقات اور ان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنے سے دور رکھا جائے اور اسلام میں داخل ہونے کا معنی یہ ہے کہ بندہ فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہو جائے وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ یعنی شیطانی سیرت اور اس کے طریقے جیسے حق کا انکار اور تکبر کو نہ اپنائے کیونکہ یہ اسلام کے نقیض ہیں اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ تمہاری عداوت اس کے دل میں راسخ ہو چکی ہے فطرتی طور تم اور وہ ایک دوسرے کے مخالف ہو وہ تمہارے نور فطرتی کو نہیں مانتا بلکہ وہ خود بھی ناری الخلقت ہے اس لئے چاہتا ہے کہ تم بھی اس کی طرح بھٹک جاؤ نوری نبد ہو وہ تمہارا دوست نما دشمن ہے۔ فَاِنْ زَلَلْتُمْ جب کہ تمہارے پاس افعال الصفات کے تجلیات کے دلائل آ چکے ہیں۔ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ وہ عزیز ہے اس لئے کہ اپنی اس بلندی مرتبہ کی وجہ سے اپنی طرف کسی ذلیل اور کمینے کو راہ نہیں دیتا جو نہایت کمزور اور اہمیت اور ضعیف النظر ہو حَكِیْمٌ وہ ایسا حکیم ہے کہ وہ اپنی عزت کے پردوں کے قریب جسے چاہتا ہے راہ دکھاتا ہے هَلْ یَنْظُرُوْنَ نہیں انتظار کرتے مگر اللہ تعالیٰ انہیں جلوہ دکھائے صفات قہریہ کے سایوں میں جو وہ بھی منجملہ ان صفات کے تجلیات سے ہیں جو ذات کے شمس کو چھپاتی ہیں یعنی قوی سماویہ کے ملائکہ اور لوح محفوظ میں ان کے ہلاک کرنے کا فیصلہ ہو چکا ہے فانی فی اللہ بن کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

(کذافی التاویلات النجمیہ)

marfat.ocm

سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ

بنی اسرائیل سے پوچھو ہم نے کتنی روشن نشانیاں انہیں دیں اور جو اللہ کی

اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ

آئی ہوئی نعمت کو بدل دے بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے۔ کافروں کی

كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا

نگاہ میں دنیا کی زندگی آراستہ کی گئی اور مسلمانوں سے ہنستے ہیں اور ڈر والے

فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾ كَانَ

ان سے اوپر ہوں گے قیامت کے دن اور خدا جسے چاہے بے گنتی دے۔

النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۣ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۠

لوگ ایک دین پر تھے پھر اللہ نے انبیاء بھیجے خوشخبری دیتے اور ڈر سناتے

وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا

اور ان کے ساتھ سچی کتاب اتاری کہ وہ لوگوں میں ان کے اختلافوں کا فیصلہ کردے

فِيْهِ ۭ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ

اور کتابوں میں اختلاف انہیں نے ڈالا جن کو دی گئی تھی بعد اس کے کہ ان کے پاس

الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ

روشن حکم آچکے تھے آپس کی سرکشی سے تو اللہ نے ایمان والوں کو وہ حق بات سمجھا دی ہے جس میں جھگڑ رہے تھے

مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾

اپنے حکم سے اور اللہ جسے چاہے سیدھی راہ دکھائے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ

کیا اس گمان میں ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی تم پر اگلوں کی روداد نہ آئی

خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ

پہنچی انہیں سختی اور شدت اور ہلا ہلا ڈالے گئے یہاں تک کہ

الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ

اٹھا رسول اور اس کے ساتھ کے ایمان والے کب آئے گی اللہ کی مدد سن لو بیشک اللہ کی مدد

قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ

قریب ہے۔ تم سے پوچھتے ہیں۔ کیا خرچ کریں تم فرماؤ جو کچھ مال نیکی میں خرچ کرو تو وہ

فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ

ماں باپ قریب کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور راہ گیر کے لئے ہے

وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ

اور جو بھلائی کرو بیشک اللہ اسے جانتا ہے۔ تم پر فرض ہوا خدا کی راہ میں لڑنا

وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰۤى

اور وہ تمہیں ناگوار ہے اور قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں بری لگے اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور قریب ہے کہ کوئی بات

اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ ع ۲۶ ع ۶ ۱۰

تمہیں پسند آئے اور وہ تمہارے حق میں بری ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے

تفسیر عالمانہ

سَلْ یہ خطاب حضور نبی کریم ﷺ کو ہے یعنی اے رسول پوچھیئے یا یہ خطاب ہر اس شخص کو ہے جو اس خطاب کا اہل ہے **بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ** اے بنو اسرائیل اس سے وہ بنی اسرائیل مراد ہیں

marfat.ocm

جو حضور اکرم ﷺ کے زمانہ اقدس میں موجود تھے اور ان میں سے بھی وہ جواب سب کے سردار تھے کَمْ اٰتَیْنٰهُمْ ہم نے ان کے آباؤ اسلاف کو کتنے عنایت فرمائے مِّنْ اٰیَةٍۭ بَیِّنَةٍ ان کے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے معجزات ظاہرہ۔

ف: اہل فہم کو معلوم ہے کہ معجزات اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئے مثلاً موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور ان کا ہاتھ سفید ہو جانا اور من وسلوی کا نازل کرنا وغیرہ وغیرہ اور آیات سے ان کی وہ کتابیں جو آپ کے دین اسلام کی شاہد ہیں۔

کَمْ اٰتَیْنٰهُمْ یہ محلاً منصوب ہے یا مجرور اَعنی کو سَل کا مفعول ثانی ہے اس لئے کہ یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے پہلے کی طرف خود اور دوسرے کی طرف بواسطہ حرف جر یا عن یا باء سے جیسے کہا جاتا ہے سالته عن كذاو هكذاء اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِیْرًا کبھی حرف جر محذوف بھی ہوتا ہے اسی قاعدے کے اعتبار سے اٰتَیْنٰهُمْ کو منصوب اور مجرور ہر دونوں طرح پڑھنا جائز ہے اور لفظ کم کی تمیز مِّنْ اٰیَةٍۭ بَیِّنَةٍ ہے۔

قاعدہ: نحوی قاعدہ ہے کہ جب کم اور اس کی تمیز میں فاصلہ ہو تو مِنْ کا لانا احسن و افضل ہے جیسے یہاں ہوا۔

ف: یہ سوال تقریع وتبکیت کا ہے جیسے قیامت میں کفار سے سوال ہوگا تو وہ بھی جھکیا ہوگا نیز معجزات کے آنے کی تقریر بھی ہے یہ کم استفہامیہ خبریہ ہے اس لئے استفہام مراد نہیں۔

وَمَنْ یُّبَدِّلْ تبدیل بمعنی تغير الشئ على غير ما كان عليه یعنی شئے کا اپنے اس حال سے بدل دینا جس پر وہ پہلے تھی یعنی وہ جو تبدیل کرتا ہے نِعْمَةَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یعنی اس کی آیات روشن اس لئے کہ یہی ہدایت کا اصل ہیں اور ہدایت ہی تمام نعمتوں سے افضل نعمت ہے اور ان کا نعمت کو تبدیل کرنے کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو ان کے لئے اس لئے ظاہر فرمایا تا کہ یہی آیات ان کی ہدایت کا سبب بن جائیں لیکن انہوں نے ان آیات کو گمراہی کا سبب بنا لیا۔ انہی کی وجہ سے وہ کافر ہو گئے اور ان نعمتوں کے شکر کو چھوڑ دیا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ اس کے بعد انہیں وہ نعمتیں نصیب ہوئیں اور وہ انہیں پہچان بھی چکے۔

سوال: آیات کے لئے جائتہ سے تصریح کیوں کی ہے حالانکہ ان کی تبدیلی قبل از وقت ناممکن ہوتی ہے۔

جواب: اس طرف اشارہ ہے کہ کفار نے ان آیات کو تفاصیل سے جاننے کے باوجود تبدیلی میں کسی قسم کی کسر نہ

چھوڑی۔ فَاِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے یہ من شرطیہ کے جواب کی علت ہے گویا پوچھا گیا کہ وہ دنیا و آخرت کے سخت عذاب دینے والا ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا میں قتل کرا کر عذاب دیا جیسے بنی قریظہ کا حشر ہوا اسی طرح انہیں جلا وطن کر دیا۔ جیسے بنو نضیر کے ساتھ ہوا اور قیامت میں جہنم کی آگ میں عذاب دیئے جائیں گے۔

مسئلہ: حضرت ابن الجید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا نعمت کو لاعلمی میں تبدیل کرنا بھی جرم ہے اور عمداً تبدیل کرنا تو اس سے زیادہ گناہ ہے اس لئے ان علماء کو سخت سزا ملے گی جو علم ہوتے ہوئے گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں بہ نسبت لاعلم اور جاہل لوگوں کے کیونکہ کبھی جہل کا عذر بھی قبول ہو جاتا ہے اگرچہ ہا ب التکا لیف میں عذر نا قابل قبول ہوتا ہے۔

زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا کافروں کے لئے حیوۃ دنیا کی زینت دی گئی یعنی ان کی آنکھوں میں دنیا کی محبت حسین بنا دی گئی اور ان کے دل میں اس کی محبت راسخ کر دی گئی یہاں تک کہ اس محبت میں اندھے ہو گئے اور اس پر ٹوٹ پڑے ہیں اس کے غیر سے روگردان ہیں۔

سوال: تزئین کو اللہ تعالیٰ کی طرف کیوں منسوب کیا گیا؟

جواب: اس کا خالق اور موجد وہی ہے خلق اور ایجاد کی نسبت کی حیثیت سے اس کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور ہے بھی ایسے ہی کہ کوئی شئے نہیں کہ جس کا خالق اللہ تعالیٰ نہ ہو وہ شیاطین ہو یا قوائے حیوانیہ دنیا میں جتنے ہی عجیب امور اور اچھی چیزیں ہیں سب کی سب عارضی طور پر جری ہیں۔

وَیَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اور کفار مؤمنین فقراء سے ہنسی مذاق کرتے ہیں جیسے عبد اللہ بن مسعود اور عمار اور صہیب اور بلال اور خبیب وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور انہیں رذیل سمجھتے ہیں اور انہیں کہتے ہیں کہ ان حضرات نے خواہ مخواہ ہی دنیا کی لذات کو ترک کیا اور عبادت سے اپنے نفوس کو نقصان میں ڈال رہے ہیں اور دنیا کی خوشیاں اور کرامات کو ترک کر رہے ہیں اس کا عطف زین پر ہے اور جملہ میں من ابتدائیہ ہے گویا تتمہ مخول کا آغاز کفار کی طرف سے ہوا وَالَّذِیْنَ اتَّقَوْا اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور فقر کو اختیارا قبول کیا۔

marfat.ocm

سوال: جب یہاں پر اطاعت اور اختیار فقر مراد ہے تو پھر اسے تقوی سے معنون کرنے کا کیا فائدہ ہے؟

جواب: تا کہ اشارہ ہو جائے کہ اہل ایمان کا دنیا کا ترک اس کی خرابیوں کے ڈر سے ہے کہ وہ دنیا بہت سے دینی امور میں خلل ڈالتی ہے بلکہ جناب قدس تک پہنچنے نہیں دیتی اور اپنے میں ایسے مشغول کر دیتی ہے کہ لحہ بھر بھی یاد الٰہی کے لئے فرصت نہیں دیتی اس میں ایک اور اشارہ بھی ہے کہ ہاں قرب صرف اسے نصیب ہو سکتا ہے جو مومن متقی پرہیز گار ہو۔

فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ یعنی مؤمنین قیامت میں کفار سے مراتب میں بلند ہوں گے اس لئے کہ مومن اعلی علیین میں ہوں گے اور کفار اسفل السافلین میں اس اعتبار سے مومنین کو کفار پر حقیقی فوقیت حاصل ہو گی یا کہ مؤمنین اکراً اکراماً و اعزازاً بہت بلند مرتبہ پر ہوں گے اور مشرکین نہایت ہی ذلت و خوار میں۔ اس تقریر پر یہ فوقیت مجازی ہو گی اور یوم منصوب ہے اس فعل استقرار سے جو متعلق ہے وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ اور اللہ دارین میں جسے جو چاہتا ہے عطا کرتا ہے کثیر اور بے انداز اس لئے کہ اس ذات کو عطا کرنے میں شئے کے ختم ہونے کا کوئی خوف نہیں کیونکہ وہ غنی ہے اور اس کی مقدورات بھی لانہایت ہیں پھر وہ اپنی حکمت اور مشیت کے تحت وسعت فرماتا ہے چنانچہ بعض بندوں پر وسعت اس لئے ہوتی ہے کہ اسے چند روز مہلت مل جائے جیسے بھی کفار اور قارون اور ان جیسوں کو مہلت ملی اور ملتی رہتی ہے اور بعض لوگوں کو یہ وسعت کرامۃ نصیب ہوتی ہے جیسے اغنیاء مومنین سلیمان علیہ السلام اور ان جیسے دیگر حضرات ہے۔

حدیث شریف: میں ہے حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا میں بہشت کے دروازہ پر ٹھہر کر دیکھا کہ اس میں اکثر مساکین ہیں۔ پھر میں نے دوزخ کے اندر جھانکا تو اس میں اکثر عورتیں تھیں ادھر اچانک دوزخ کے دروازہ پر چند لوگ محبوس نظر آئے ان میں جو اہل نار تھے انہیں نار میں بھیجا گیا۔

حضرت حافظ شیرازی نے فرمایا۔

ازیں رباط دو در چون ضرورتست رحیل   رواق وطاق معیشت چہ سر بلند وچہ پست
نہست ونیست مرنجاں ضمیر وخوش دل باش   کہ نیست سرانجم ہر کمال کہ ہست
ببال و پر مرواز رہ کہ تیر پرتابی   ہوا گرفت زمانے ولے بخاک نشست

(**ترجمہ**: اس دو دروازے والی حویلی سے ہر ایک نے کوچ کرنا ہے خواہ کوئی بلند محلوں میں بسر کرے خواہ جھونپڑیوں میں فلہٰذا تمہیں اس میں خوشی دل ہو کر زندگی بسر کرنی چاہیے اس لئے کہ یہاں ہر کمال کو زوال ہے تم اس دنیا میں بلند پرواز بھی نہ کرو اس لئے کہ ہر بلند پرواز والے کو سختی سے تیر مار کر مٹایا جاتا ہے)

حکایت: سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سفر کر رہے تھے آپ کے ساتھ ایک یہودی تھا حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس تین سونے کے ٹکڑے تھے۔ وہ یہودی کو دے دیئے اور فرمایا انہیں محفوظ رکھنا بوقت ضرورت کام آئیں گے ان میں سے ایک قرص یہود نے صرف کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ضرورت محسوس ہوئی تو یہودی سے وہ قرص طلب کیے یہودی نے صرف دو قرص پیش کیے آپ نے فرمایا تیسرا قرص کہاں گیا یہودی نے کہا یہی تو تھے آپ خاموشی سے چل پڑے یہودی ساتھ تھا اثناء سفر میں یہودی نے آپ کے بڑے بڑے کمالات دیکھے اس پر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے قسم دے کر فرمایا اب بتایئے وہ تیسرا قرص کہاں ہے یہودی پھر بھی انکار کر گیا آگے چل کر تین سونے کی اینٹیں ملیں آپ نے یہودی سے فرمایا ایک اینٹ میری اور دوسری تیری اور تیسری اس کی جس نے قرص خرچ کیا یہودی نے کہا وہ قرص میں نے ہی خرچ کیا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اب میرے سے دفع ہو جب کہ تو نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کرشمے دیکھے اور قرص کھانے کا اقرار نہ کیا اب دنیا کے لالچ میں آ کر اقرار کر رہا ہے فلہٰذا تیرا اور میرا ساتھ نہیں نبھ سکتا آپ نے دو اینٹیں سونے کی یہودی کو دے دیں یہودی کو تین ڈاکو ملے انہوں نے یہودی کو قتل کر کے اینٹیں چھین لیں۔ ان تین ڈاکوؤں نے ایک کو طعام لینے کے لئے بھیجا جب وہ چلا گیا تو باقی دونوں نے مشورہ کیا کہ اسے آتے ہی قتل کر دیا جائے تاکہ اینٹیں ہم دونوں کو بچ جائیں طعام لینے والے نے خیال کیا کہ طعام میں زہر ملا دیا جائے جب وہ کھائیں گے تو مر جائیں گے اور اینٹیں میں ہی لے لوں گا جب وہ پاس لوٹا تو ان دونوں نے اسے قتل کر دیا اور بھوکے تھے طعام کو کھانے لگے اور طعام کھاتے ہی مر گئے۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام لوٹے تو دیکھا یہودی اور تینوں ڈاکو مرے پڑے ہیں اور سونے کی اینٹیں بچ گئی ہیں آپ متعجب ہوئے جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام حاضر ہوئے اور سارا واقعہ سنایا۔

سبق: دانا کو چاہیے کہ وہ کثرت دنیا سے دھوکہ نہ کھائے اور نہ ہی اس کے جمع کرنے کا اہتمام کرے بلکہ اس دنیا

marfat.ocm

کی کھیتی میں نیک عمل کا بیج ڈالے تاکہ آخرت میں اس کا پھل اٹھائے اس لئے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے نیز دنیا داروں کو بھی چاہیے کہ کثرت دنیا کے غرور سے فقیروں کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھیں اور نہ ہی ان سے ٹھٹھہ مخول کریں۔

کیونکہ یہ کفار کا طریقہ ہے۔ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

چو منعم کند سفلہ را روزگار   نہد بر دل تنگ درویش بار
چو بام بلندش بود خود پرست   کند بول و خاشک بر بام پست

(**ترجمہ**: جب کسی کمینے کو اللہ تعالیٰ دولت بخشتا ہے تو وہ غریبوں کو ستاتا ہے جب کسی نالائق کی چھت اونچی ہو تو وہ خس و خاشاک اپنے سے نیچے والوں پر ڈالتا ہے)

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کے دل پر ملکوت کا دروازہ کھولتا ہے تو اسے ملک و ملکوت کی آیات دکھاتا ہے اگر اس سے وہ بندہ مغرور ہوتا ہے اور اپنے اس کمال سے عجب کرتا ہے تو وہ اپنے نفس کی مرادوں میں سے کسی مراد کو قبول کر لیتا ہے اس کی نحوست سے نفس کی موافقت اور اس کی رضا میں اللہ تعالیٰ کی نعمت کو تبدیل کر لیتا ہے پھر اسے اللہ تعالیٰ سخت عذاب میں مبتلا کرتا ہے اس لئے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کو بدلا اس لئے اس کے حال کو اللہ تعالیٰ بدل دیتا ہے اور اس سے دیا ہوا وہ کمال چھین لیتا ہے اس تقریر پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی تائید کرتا ہے (کمال قال)

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ اللہ تعالیٰ کے شدت عذاب کا ایک نمونہ یہ ہے کہ جب گناہ صغیرہ کا مرتکب ہوتا ہے اور پھر اس سے وہ تائب نہیں بلکہ اس پر اصرار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے گناہ کبیرہ کے ابتلاء کی سزا دیتا ہے نیز اس کے شدت عذاب کا ایک نمونہ یہ ہے کہ کافر کو حیوۃ دنیا کی زینت دی جاتی ہے تو وہ اس میں دھوکہ کھا جاتا ہے جس کی وجہ سے اس پر حب دنیا کا غلبہ ہوتا ہے پھر وہ ان ایمان والوں سے ٹھٹھہ مخول کرتا ہے فقراء سے دین کے پیشوا مراد ہیں اس کی علامت یہ ہے کہ اس عذاب میں مبتلا ہونیوالا اولیاء اللہ کی عیب چینی میں لگا رہتا ہے اور اولیاء اللہ کے ماننے والوں اور ان سے محبت کرنے والوں پہ طعن و تشنیع کرتا ہے (جیسے وہابیوں دیوبندیوں اور ان کی پارٹیوں کی عادت ہے) اس کا نتیجہ عنقریب وہ معلوم کر لیں گے۔ کہ وہ ظالم

کون سی کروٹ بدلتے ہیں اور وہ لوگ جن کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہے وہ قیامت میں کافروں پر فوقیت رکھتے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اعلیٰ علیین کے درجات عنایت فرماتا ہے اور جسے چاہتا ہے اسفل سافلین کے درکات سے عذاب دیتا ہے جس کی نہایت ہی کوئی نہ ہو تو پھر اسے دینے سے کمی نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کے ہاں کوئی حساب ہوتا ہے۔

ف: بغیر حساب کا معنی اور بھی ہے وہ یہ کہ بندوں کو دنیا میں دنیا کو عطا فرماتا ہے حرام سے سزا اور حلال سے جزاء ہاں جو انہیں آخرت میں میں عطا کرے اس کا کوئی حساب نہیں۔ (کذافی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً تھے لوگ ایک ہی جماعت یعنی ایمان و اتباع حق میں حضرت آدم سے لے کر نوح علیہ السلام تک متفق تھے اور ان دونوں حضرات کے مابین بیس قرن گزرے ہیں اور اکثر کے نزدیک ہر قرن اسی سال کا تھا۔ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ پس اللہ تعالیٰ نے انبیا کرام کو بھیجا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ دلالت کرتا ہے یعنی انبیاء علیہم السلام کو بھیجا تا کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے لوگوں کے اختلاف کا فیصلہ کرے مُبَشِّرِيْنَ خوشخبری سنانے والے ہیں اس پر جو ایمان کا تا اور اطاعت کرتا ہے وَمُنْذِرِيْنَ اور عذاب سے ڈرانے والے اسے جو نافرمانی کرتا ہے وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ اور ان کے ساتھ کتاب بھی اتاری یا معنی یہ ہے کہ ان ہر ایک کے پاس کتاب ہوگی کتاب سے خاص کتاب مراد ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان میں ہر ایک کے پاس علیحدہ علیحدہ ہوگی بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان پر مطلقاً کتاب نازل ہوئی اس لئے کہ ان میں بعض حضرات ایسے بھی تھے جن کے ہاں علیحدہ کوئی کتاب نہیں اتری تھی بلکہ وہ اپنے سابق انبیاء علیہم السلام کی کتابوں پر عمل کرتے اور کراتے۔

سوال: عموم کے لحاظ سے یہی مطلب نکلتا ہے کہ ہر نبی علیہ السلام کو علیحدہ علیحدہ کتاب ملی ہو اس لئے کہ ہم ضمیر کا تقاضا یہی ہے۔

جواب: قاعدہ ہے کہ ضمیر کی عمومی حیثیت سلب کر کے اسے مخصوص گروہ کی طرف سے راجع کیا جاتا ہے یہاں بھی ایسے ہی ہوا جیسا کہ مقام کا تقاضا ہے۔

بِالْحَقِّ حال ہے الکتاب کا کہ وہ حق سے ملتبس اور عدل و صدق اس پر گواہی دیتا ہے لِيَحْكُمَ تا کہ

marfat.ocm

اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْہِ لوگوں کے درمیان اس حق میں کہ جس میں انہوں نے اتفاق کے بعد اختلاف کیا وَمَا اخْتَلَفَ فِیْہِ اور انہیں اختلاف کیا اس میں اِلَّا الَّذِیْنَ اُوْتُوْہُ مگر ان لوگوں نے جو کتاب آسمانی دیئے گئے اور انہیں کتاب اسی لئے دی گئی تا کہ وہ اختلاف کو مٹائیں۔

سوال: اسے انزال کی بجائے ایتاء کیوں تعبیر کیا گیا؟

جواب: تا کہ تنبیہ ہو کہ یہ لوگ شروع میں احکام کتاب کے حق پر پورا یقین آسمانی کتب کی حقانیت پر پورے طور واقفیت رکھتے تھے اسے ایتاء سے بیان کیا گیا اور یہ مطلب انزال سے حاصل نہیں ہو سکتا یعنی ان لوگوں نے کتاب کے امور کو برعکس کر دیا کہ کتب اس لئے اتاری گئیں تا کہ ان کا اختلاف مٹ جائے الٹا انہوں نے اس اختلاف کو مضبوط اور راسخ کر دیا۔

مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ بعد اس کے ان کے پاس جنابت آئے لیکن ان کے باوجود ان میں اختلاف راسخ ہو چکا مَا اخْتَلَفَ سے متعلق ہے اور یہ جائز ہے جیسے عربی عبارات میں آتا ہے مثلاً ماقام الا زید یوم الجمعۃ یوم جمعہ کو قائم نہ رہا سوائے زید کے بَغْیًا بَیْنَهُمْ یہ مَا اخْتَلَفَ الخ کا مفعول لہ ہے یہ استثناء تینوں اشیاء سے متعلق ہے اصل عبارت یوں ہے وَمَا اخْتَلَفَ فِیْہِ اِلَّا الَّذِیْنَ الـــخ وَمَا اخْتَلَفَ فِیْہِ اِلَّا الَّذِیْنَ اُوْتُوْہُ مِنْ بَعْدِ الخ وماکان الا ختلاف الا للبغی یعنی ان کا اختلاف صرف بغاوت کی بنا پر ہے اور اس لئے کہ وہ دنیا کی محبت میں مبتلا ہیں اور اس لئے کہ ان پر حسد اور ظلم سوار ہے جیسے قابیل نے ہابیل سے کیا اس نے ہابیل اس لئے قتل نہیں کیا کہ اسے حق معلوم نہیں تھا۔ بلکہ قتل کیا تو صرف حسد کی بنا پر جو اسے اپنے بھائی پر تھا اور یہ حسد کی بیماری ہر زمانہ میں ہوتی ہے اور یہ فعل ان کے سردار کا تھا اور عوام تو اس کے توابع تھے اور ان کا ہر فعل ان کے روساء کی طرف منسوب ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا اختلاف فی الحق دین کا ایک قدیمی معاملہ ہے۔

فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو ہدایت دی جو کتاب پر ایمان لائے لِمَا اخْتَلَفُوْا فِیْہِ یہ یھدی کے متعلق ہے اور ما موصولہ ہے اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کی طرف ہدایت دی جو اس میں انہوں نے اختلاف کیا مِنَ الْحَقِّ حق سے موصولہ کا بیان ہے باذنہ اللہ تعالیٰ کے اذن اور امر اور آسان کر دینے اور لطف اور نیک ارادہ اور رحمت سے یہاں تک کہ انہوں نے نور توفیق کے ساتھ باطل سے حق کو دیکھ لیا۔

وَاللّٰہُ یَہْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ اور جسے اللہ چاہتا ہے سیدھی راہ پر چلاتا ہے اور پھر اسے گمراہی کی راہ پر چلنے نہیں دیتا۔ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ

ربط: یہ خطاب حضور اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہے سابقہ نبیوں سے اختلاف کا ذکر کر کے اب نبی اکرم ﷺ اور آپ کے غلاموں کو خطاب فرمایا تا کہ ان کی بہادری بڑھے اور کفار کی مخالفت پر صبر کرنے میں ثابت قدمی کا درس سیکھیں کہ صبر کا انجام کامیابی ہی ہے۔

ف: یہ ام منقطعہ ہے اور اس میں لفظ بل اور ہمزہ مقدر ہے بعض نے کہا کہ یہ اس خبر سے جو پہلے بیان ہوئی ہے سے عارض ہے اور اس انکار کی طرف رجوع ہے جو ہمزہ استفہام سے مفہوم ہوتا ہے اب معنی یہ ہوا کہ تمہیں لائق نہیں کہ تم گمان کر دیا مطلب یہ ہوا کہ مسلمانو! تم کیوں گمان میں مبتلا ہوئے۔

وَلَمَّا یَاْتِکُمْ اور حال یہ کہ تمہارے پاس نہیں آئی مَثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا ان لوگوں کی کہاوت جو تمہارے سے پہلے گزرے ہیں یعنی طریقہ ان لوگوں کا جو تمہارے سے پہلے گزرے ہیں مِنْ قَبْلِکُمْ تمہارے سے پہلے گزرے ہیں۔ یعنی انبیاء علیہم السلام اور ان کے ساتھ جو مومنین تھے جیسے تم مبتلا ہوئے ہو اس طرح وہ لوگ بھی مبتلا ہوئے تھے اس میں فضیحہ وشدۃ کی تمثیل مقصود ہے اگرچہ تمہیں ان کی طرح تکالیف ومصائب نہیں پہنچیں۔ مَسَّتْھُمُ الْبَاْسَآءُ سابقہ مضمون کا بیان ہے لیکن جملہ مستانفہ کی صورت میں گویا سوال ہوا کہ ان کی کہاوت کیا ہے اور ان کا عجیب حال کیسا ہے تو فرمایا پہنچا انہیں سخت خوف اور سخت فاقے وغیرہ وَالضَّرَّآءُ یعنی درد اور بیماریاں وَزُلْزِلُوْا اور انہیں جو سختیاں اور درد پہنچے ان کی وجہ سے وہ بہت زیادہ ہلائے گئے حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ یعنی ان کا معاملہ اتنا سنگین ہو چکا تھا کہ وہ اضطراب کے اظہار پر مجبور ہو گئے یہاں تک کہ رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے معاملات کو بہت ماننے والے ہوتے ہیں اور مومنین بھی جو صحیح طور پر رسول خدا ﷺ کے نقش قدم پر چلنے اور ان کے انوار کی چمک پانے والے ہوتے ہیں مَتٰی کب آئے گی نَصْرُ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کی وہ مدد جس کا اس نے ہمیں وعدہ دیا مدد طلب کرتے اور اس کی آرزو کے اظہار میں یہی کہتے کہ ان کو دکھ اور تکلیف اٹھاتے بڑی مدت گزر گئی ویسے بھی دکھ اور درد کا وقت اگرچہ تھوڑا ہو طویل محسوس ہوتا ہے اسی لئے مدد الٰہی کو دیکھ کر انہوں نے کہا اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ خبر

marfat.ocm

دار بے شک اللہ تعالیٰ کی مدد قریب یہ چونکہ انہوں نے مدد مانگی اور جلد ملنے کی تمنا کی اس لئے کہ ان کی تمنا پوری کرنے پر نہ صرف فرمایا بلکہ وعدہ پورا کر کے دکھایا یعنی میں اپنے دوستوں کا مددگار ہوں اور میری مدد ان کے قریب ہے یہ اس لئے فرمایا کہ جب وعدہ ہو گیا تو وہ پورا ہو کر رہے گا یہ بھی گویا سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ مدد الٰہی قریب ہے یا بعید اس پر فرمایا۔ اَلَآ اِنَّ نَصۡرَ اللّٰہِ الخ

سوال: آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ سوال کا جواب ہے؟

جواب: قرینہ بتاتا ہے وہ قرینہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مدد الٰہی قریب ہے قرب کی خبر دینا پتہ دیتا ہے کہ اس سے کسی کے سوال کا جواب دینا ہے۔

سوال: ممکن ہے کہ سوال اصل مدد کے بارے میں ہو؟

جواب: اگر اصل مدد کے بارے میں سوال ہوتا تو عبارت اس طرح نہ ہوتی اور یہ عبارت اس سوال کے مطابق بھی نہیں حالانکہ سوال اور جواب کی عبارت میں تطابق ضروری ہے۔

تقریر دلپذیر: آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ جب تک انسان خواہشات نفسانیہ اور لذات دنیویہ نہیں چھوڑے گا اور شدائد و ریاضات پر صبر نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ تک پہنچنا مشکل ہے چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

فلک مشام سے خوش کند بوئے مراد　　　که خاک معرکہ باشد عبیر و عنبر او

(**ترجمہ:** فلک اس کو بامراد ہے جو مصائب و تکالیف کو اپنے لئے راحت جان سمجھے)

حکایت و حدیث: حضرت خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں کفار و مشرکین کی تکالیف پیش کیں۔ آپ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ تمہارے سے پہلے امتوں کو بہت بڑی سخت تکالیف دی جاتیں تب بھی وہ اپنے دین سے نہ ہٹے انہیں ایسے عذاب میں مبتلا کیا جاتا کہ ان کے مرد کے سر پر آرہ رکھا جاتا تو اس کا جسم دو ٹکڑے ہو جاتا اور کسی کے سر پر لوہے کا کنگھا رکھا جاتا تو ہڈیاں گوشت اور پٹھے علیحدہ علیحدہ ہو جاتے پھر بھی اپنے دین پر جمے رہتے ہمارے اس امر یعنی اسلام پر احسان فرمائے گا کہ تمہارا سوار صنعاء سے حضرموت تک اکیلا چلا جائے گا اس وقت اسے سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کا

خوف وخطرہ نہ ہوگا اور ایک وقت آئے گا کہ بکری کو بھیڑیئے سے کوئی خوف نہ ہوگا لیکن تم پر معاملہ میں عجلت کرتے ہو گذشتہ دور میں نبی جو اپنی امت کے لئے مبعوث ہوتے تو انہیں جب مصائب وتکالیف کا سامنا ہوتا تو کہتے مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کی مدد کب آئے گی۔

ف: حضور نبی اکرم ﷺ کو بھی ایک موقع ایسا درپیش ہوا وہ فتح مکہ سے پہلے آپ کو تکالیف ومصائب پہنچے آپ نے یوم احزاب میں جب کہ آپ کے صحابہ کرام کے صبر کا جام لبریز ہوا اور آپ کو بھی طرح طرح کی تکلیفیں پہنچیں تو اللہ تعالیٰ سے فتح ونصرت کی دعا مانگنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے بہترین ہوا بھیجی اور کفار کے مقابلہ کی وقت اپنا لشکر لینے ملائکہ کرام کو بھیجا جس کی وجہ سے کفار ومشرکین کو شکست ہوئی۔

ف: حضور نبی کریم ﷺ کی منجملہ تکالیف وشدائد کے ایک خندق کا موقع بھی ہے جب کہ مسلمانوں کی سخت سے سخت تکلیف کے علاوہ شدید خوف اور سردی اور رزق کی تنگی اور مختلف قسم کے دکھ پہنچے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ) بہر حال انہیں جو دکھ اور مصائب یہود ونصاریٰ سے پہنچے اور جتنی تکلیفیں انہیں منافقین ومشرکین وغیرہ سے پہنچیں کہ ہر ممکن مسلمانوں کو پریشان کرنے کی کوشش کی جاتی خصوصاً مکہ مکرمہ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کا دور بہت بڑا پرفتن تھا لیکن ان حضرات نے صبر کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیا ان حضرات کے ان واقعات سے ہمیں عبرت حاصل کرنی چاہیے ان کی طرح ہمیں بھی اسلام کی راہ میں درد وآلام میں صبر وتحمل سے کام لینا چاہیے۔

سبق: ہمارا زمانہ بھی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ جیسے آلام ومصائب سے کم نہیں جب کہ ہمیں اسلامی روایات پر عمل کرنے کی وجہ سے عوام سے قسم قسم کی طعن وتشنیع سنائی دیتی ہے۔ ہمیں ان کی طعن وتشنیع سے صبر کرنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ مصائب وآلام سب سے زیادہ حضرات انبیاء کرام علیھم السلام پر ہوتے ہیں ان کے بعد ان کی اتباع میں اولیاء اللہ کو پھر اسی طرح جتنا ہی قرب نبوت سے ہوگا اتنا قدر مصائب وآلام پہنچیں گے کسی نے فرمایا۔

غبار لازمہ آسیا بود صائب　　　اماں زحادثۂ آسمان چہ میخواہی

(**ترجمہ**: چکی پر غبار کا ہونا لازمی ہے اور تم بھی ایسے ہو تو آسمان کے مصائب سے پناہ مانگنے کا کیا معنی)

marfat.ocm

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ شریف میں ہے کَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً (الآیۃ) جتنی گندی عادت انسانوں میں پائی جاتی ہیں یہ سب ان کے لئے عارضی ہیں اس لئے کہ جب روز میثاق میں اللہ تعالیٰ کے سامنے ایمان واسلام کی گواہی دی تھی تو سب کے سب نیک اور برابر تھے اور جب پیدا ہوئے تو فطرت انسانی پر تھے یعنی ان میں برائی تھی۔ چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہر بچہ فطرت اسلامی پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ یہودی یا نصرانی بنا دیتے ہیں۔

جواب ۱: کفر کسی کی تقلید سے حاصل ہوتا ہے اور ایمان حقیقی ہوتا ہے اسے کسی کی تقلید کی ضرورت نہیں ہوتی۔

جواب ۲: اصلی ابوین ستارے اور اربع عناصر ہیں ان کی وجہ سے اسلام کو بھی عارضی کہا گیا خلاصہ یہ کہ بچہ اپنے ماں باپ کی تربیت پر چلتا ہے ان کی تربیت سے جادہ حق اور صراط مستقیم سے بھٹکتا ہے اگرچہ انبیاء کرام علیہم السلام کو ہادی مطلق کی ہدایت سے عصمت ہوتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے لئے فرمایا وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى معلوم ہونا چاہیے کہ ہر ایک کے لئے سعادت شقاوت کی تقدیری کتاب ہوتی ہے چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کوئی بھی ایسا نہیں جسے کتاب میں نہ لکھ دیا جاتا ہو کہ وہ اہل جنت سے ہے یا اہل نار سے اور اسے لکھا جاتا ہے کہ یہ سعید ہے یا شقی صحابہ کرام نے عرض کی تو پھر ہمیں اس لکھی ہوئی تقدیر پر بھروسہ کرنا چاہیے عملی کی ضرورت ہی کیا ہے۔ آپ نے فرمایا عمل کی بڑی ضرورت ہے اس لئے کہ جو بھی کسی کی اہلیت رکھتا ہے اسے اس کے عمل کی توفیق ملتی ہے جو اہل شقاوت سے ہوتا ہے وہ اہل شقاوت کے اعمال میں منہمک ہوتا ہے اور اگر وہ اہل سعادت سے ہوتا ہے تو نیک اعمال کی طرف لگا رہتا ہے۔

سبق: سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ ترک وتجرید کرے اور فقر وفقیری کے شدائد کو نبھائے یہاں تک کہ اسے جمال الٰہی کی جنت اور دار القرار کا داخلہ نصیب ہو اس پر انہیں جواب میں طویل مدت نہیں رہنا پڑے گا۔ اور کثرت جہاد سے صبر کا پہاڑ مشاہدہ جمال اور ذوق وصال سے حائل نہ ہوگا انہوں نے اللہ تعالیٰ کی مدد طلب کی تجلی کے ساتھ نفوس کے صفات کے قلع قمع کے لئے مع قوت صبر اور اس پر حوصلہ کرنے کے جوان کا محبوب انہیں کہتا اور ان کے لئے ارادہ کرتا ہے یہاں تک کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی مدد پہنچی تو ان کے حجابات اٹھ جاتے ہیں اور جمال الٰہی کے انوار روشن ہوتے ہیں۔

جیسے حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہ نے فرمایا ۔

کھولی عشق کلید وے
ہر وقت یار تے دید وے

(یعنی عشق کی چابی نے پردے ہٹائے تو اب میری نگاہ ہر وقت یار پہ ہے) (اویسی غفرلہ)

تفسیر عالمانہ

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ اپنے اموال میں سے کون سی چیز کو خرچ کریں۔

شان نزول: یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کہ نبی کریم ﷺ نے صدقہ دینے کی ترغیب دلائی تو عمر بن جموع (جو بہت بڑا آدمی تھا) نے سوال کیا اور اس کا بہت بڑا مال تھا۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم اپنے اموال میں سے کیا خرچ کریں تو یہ آیت نازل ہوئی۔

قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فرمایئے اے پیارے رسول ﷺ بھلائی میں سے جو بھی خرچ کرو گے یہ خرچ کا بیان ہے۔

سوال: مال کو خیر سے کیوں تعبیر کیا گیا؟

جواب: مال کا حق یہ ہے کہ اسے خیر میں خرچ کیا جائے اس اعتبار سے وہ مال سب کا سب خیر ہی خیر ہے فَلِلْوَالِدَيْنِ پس اولاً ماں باپ پر۔

سوال: یہ جواب سوال کے مطابق نہیں سوال تو انہوں نے کیا تھا کہ اپنے اموال میں سے کونسا مال خرچ کریں جواب دیا گیا مصرف کے متعلق؟

جواب: مال کے خرچ کرنے کا کوئی اعتبار نہیں جب تک کہ اس کا مصرف صحیح نہ ہو۔

وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى اور وہ لوگ جو رشتہ میں زیادہ قریب ہیں اور یتامی بشرطیکہ وہ محتاج بھی ہوں وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اور مساکین و مسافرین۔

سوال: اس میں سائلین اور گردن آزاد کرنے کا ذکر نہیں حالانکہ وہ بھی اموال کا مصرف ہیں۔

جواب ا: چونکہ ان کا ذکر دوسرے مقامات پر آچکا ہے اسی پر اکتفا کیا گیا۔

جواب ۲: اگلے مضمون کے عموم کے تحت یہ بھی شامل ہیں چنانچہ فرمایا وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ اور وہ جو تم عمل میں

marfat.ocm

لاتے ہو خیر سے یہ تمام نیکی کی مصارف کو شامل ہے۔

فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ یعنی جو بھی خیر کا کام کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کی حقیقت کو جانتا ہے اور اس کا ثواب دیتا ہے۔

مسئلہ: اس آیت میں والدین کے ساتھ نیکی اور صلہ رحمی **علی سبیل التطوع** ہر ذی حاجت کی حاجت پوری کرنے کی ترغیب ہے۔

ف: یہ آیت زکوٰۃ اور اس کے مصارف کے منافی نہیں جو دوسرے مقام پر فرمایا اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰکِیْنِ وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْھَا وَالْمُؤَلَّفَۃِ قُلُوْبُھُمْ وَفِی الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِیْنَ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَابْنِ السَّبِیْلِ اس کا **تفصیلی بیان دسویں پارہ** میں آرہا ہے۔ فرض کیا گیا ہے عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ تم پر جہاد یعنی تمام کفار (حربی) کے ساتھ جہاد کرنا تمہارے اوپر فرض ہے۔

مسئلہ: جمہور کے نزدیک جہاد فرض کفایہ ہے جیسے نماز جنازہ اور سلام کا جواب دینا فرض کفایہ ہے وَھُوَ حالانکہ وہ جہاد کُرْہٌ لَّکُمْ تم پر شاق ہے اور تمہاری طبیعتیں اس سے کراہت کرتی ہیں۔

فائدہ: کرہ مصدر ہے بمعنی کراہت۔

سوال: اسے مصدر کے ساتھ کیوں لایا گیا؟

جواب: مبالغہ مطلوب ہے گویا یہ جہاد فی نفسہ کراہت ہے اس لئے کہ لوگ اس سے سخت کراہت کرتے ہیں اور اس کی کراہت طبیعتوں کی نفرت کی وجہ سے ہے اس لئے کہ مال کا خرچ کرنے کے علاوہ نفس کو مشقت میں ڈالنا پڑتا ہے اور روح اس سے اکتا جاتی ہے اور اس کا مطلب نہیں کہ صحابہ کرام **رضی اللہ تعالیٰ عنہم** نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کراہت کی اور طبعی کراہت مذموم نہیں بلکہ اس میں عبودیت کا معنی متحقق ہو جاتا ہے بجب کہ اس پر حکم شرع مان کر عمل کیا جائے تا کہ باوجود یہ کہ طبیعت نفرت کرتی ہے لیکن پھر بھی عمل کیا جا رہا ہے۔

مسئلہ: اسے اعتقادی صورت میں مکروہ سمجھنا منافقین کا کام ہے۔

وَعَسٰٓی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا بہت سی چیزوں کو تم مکروہ سمجھتے ہو اس سے وہ امور مراد ہیں جن میں تکالیف اور مشقت ومنجملہ ان کے جہاد بھی ہے وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ اور حالانکہ اس میں تمہاری بھلائی ہے اس کے لئے جہاد میں دو بھائیوں میں سے ایک کا ہونا لازمی ہے۔ فتح و نصرت اور اس پر حصول مال غنیمت، شہادت اور اس پر جنت۔

قاعدہ: کلمہ عَسٰی بمعنی لعل ہے اس کی نسبت بندوں کی طرف ہو تو بمعنی ترجی یعنی امید رکھنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو بمعنی ترجئہ بمعنی امید لانا۔

وَعَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا اور بہت سی چیزوں سے تم محبت کرتے ہو اس سے وہ تمام امور لذیذہ مراد ہیں جن سے روکا ہے۔ منجملہ ان کے جہاد بھی ہے۔ وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ اور اس میں تمہاری خرابی ہے اس لئے اس میں ایک تو غنیمت اور اجر و ثواب سے محروم ہو جاؤ گے دوسرا تمہارے اوپر دشمنوں کو غلبہ ملے گا اور پھر وہ تمہارے شہر کو تباہ و برباد کریں گے۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس میں تمہاری دینی اور دنیوی بھلائی ہے اسی لئے تمہیں اس کا حکم دیتا ہے۔ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اور اسے تم نہیں جانتے اسی لئے تو تم اس سے کراہت کرتے ہو۔

مثنوی شریف میں ہے۔

مالتصوف قال و جدان لفرح　　فی فوادی عند ایتان الترح
جملہ در زنجیر بیم و ابتلاء　　میروند ایں راہ بغیر اولیاء

(**ترجمہ**: تصوف کیا ہے قلبی فرحت جو روحانی سرور سے نصیب ہوتی ہے یہی تصوف ہے دنیا میں ہر ایک خوف و ہراس میں مبتلا ہے سوائے اولیا کرام کے) یعنی مقلد تو بارگاہ حق تک اضطرار سے پہنچتا ہے لیکن ولی اللہ کو یہ اضطرار نہیں۔

ف: سیدنا ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ خلق خدا کو چھ چیزوں سے تباہی و بربادی پہنچتی ہے۔

۱۔ عمل کے لئے نیت کی غلطی

۲۔ بندے جب اپنے جسموں کو شہوات میں ڈال دیں۔

۳۔ باوجود یہ کہ جانتے ہیں کہ آخر مرنا ہے لیکن آرزو اور حرص و ہوا میں مبتلا ہو جائیں۔

۴۔ خالق کی مرضی پر مخلوق کی رضا کو ترجیح دیں۔

۵۔ خواہشات نفسانیہ سے پیار اور سنت نبویہ علی صاحبہا السلام کو پس پشت ڈال دیں۔

۶۔ اسلاف کی معمولی غلطی پر اپنی ضروریات کے لئے دلیل بنائیں لیکن ان کے مناقب اور اچھے اعمال کی پیروی نہ کریں۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ وہ اپنے نفس اور طبیعت کے ساتھ جہاد کرے تا کہ اس سے خواہشات و شہوات اور

بدعات دور ہوں اور اس کے دل پر کتاب وسنت کی محبت غلبہ کرے۔

حکایت: سیدنا ابراہیم الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں جبل لکام میں تھا دیکھا کہ انار پر بہت سے بھڑ جمع ہیں میری خواہش ہوئی کہ میں بھی اس سے کچھ لے لوں چنانچہ آگے چل کر ایک انار اٹھایا اور اسے چیرا تو وہ کھٹا نکلا اسے چھوڑ کر میں آگے چلا تو ایک مرد کو زمین پر پڑا ہوا دیکھا کہ اسے بھڑ چمٹے ہوئے ہیں میں نے کہا السلام علیک اس نے کہا وعلیک السلام یا ابراہیم میں نے پوچھا جناب آپ نے مجھے کیسے پہچانا انہوں نے فرمایا من عرف اللہ لا یخفی علیہ شی جسے اللہ تعالیٰ کی معرفت نصیب ہوتی ہے اس سے کوئی چیز او جھل نہیں ہوتی میں نے کہا جب اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کا اتنا بڑا مرتبہ ہے تو اس سے سوال کیوں نہیں کرتے تا کہ وہ آپ کو ان بھڑوں سے بچائے انہوں نے فرمایا تم کیوں نہیں اس سے سوال کرتے کہ وہ تمہیں انار کی شہوات نفسانی سے بچائے پھر فرمایا یاد رکھیے کہ انار کی ڈنس کا درد انسان کو آخرت میں محسوس ہوگا اور بھڑ کے ڈنس کا درد صرف دنیا میں ہوتا ہے اس ولی اللہ کو اس حال میں چھوڑ کر چلا گیا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا۔

مبر طاعت نفس شہوت پرست　　　کہ ہر ساعتش قبلہ دیگر است
کند مرد نفس امارہ خوار　　　اگر ہوشمندی عزیزش مدار

(**ترجمہ**: نفس شہوت پرست کا کہنا مت مان اس لئے کہ نفس کا ہر لحظہ نیا قبلہ ہوتا ہے نیک بخت مرد وہ ہے جو نفس امارہ کو ذلیل وخوار رکھتا ہے تمہیں بھی اگر عقل ہے تو نفس سے پیار مت کرو)

تفسیر صوفیانہ تاویلات قاشانیہ شریف میں ہے کہ تمہارے اوپر نفس وشیطان کا مقابلہ کرنا فرض ہے اور یہ تمہارے لئے مکروہ محسوس ہوتا ہے یعنی اندرائن سے زیادہ کڑوا اور شیر کے حملہ سے بھی زیادہ حملہ محسوس کرتے ہو حقیقی جہاد یہ ہے کہ وجود مجازی کو درمیان سے ہٹا دیا جائے اسلئے کہ یہ عبد اور رب تعالیٰ کے درمیان آڑ ہے جیسا کہ منقول ہے کہ تیرا وجود خود گناہ ہے پھر اس سے دیگر اور گناہ کیا ہوگا اس طرح حضرت منصور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا۔

بینی و بینک انی قد یز حمنی　　　فارفع بجودک لمی من البین

(ترجمہ: اے اللہ میرے اور تیرے درمیان میں خود حجاب ہوں براہ کرم مجھے درمیان سے ہٹا دے)

اور بہت سی چیزوں کو تم مکروہ سمجھتے ہو حالانکہ اس میں تمہاری بھلائی ہے اس لئے کہ وہی وجود خواہشات اور لذات کے درمیان حجاب ہے اس سے جو اسی کے اندر خیر کثیر اور لذت عظیمہ روحانیہ ہے یہی شدت سریعہ الا نقضاء حقیر سمجھی جاتی ہے بہ نسبت اسی خیر باقی اور لذت سرمد کے اور بہت سی چیزوں سے تم محبت کرتے ہو یعنی لذات جسمانیہ اور تمتعات نفسانیہ سے اور وہ تمہارے نفس کے لئے بری ہیں کہ وہ نفس لذات روحانیہ سے محروم ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کراہت نفوس میں اور راحت قلوب میں رکھی گئی ہیں اور تم نہیں جانتے ہو کہ حیات قلوب نفوس کو ہٹانے میں ہے اور حیات نفوس قلوب کے مٹانے میں ہے جیسے کسی نے کہا ہے۔

اقتلونی یا ثقاتی ۔ ان فی قتلی حیاتی

(**ترجمہ**: اے میرے دوستو! مجھے مار ڈالو اس لئے کہ میری دائمی زندگی میری موت میں ہے)

مثنوی شریف میں ہے۔

خنجر شمشیر شد ریحان من مرگ من شد بزم و نرگسدان من

(**ترجمہ**: میری ریحان خود میری خنجر و شمشیر ہے میری بزم و نرگستان ہی میری موت ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَصَدٌّ

تم سے پوچھتے ہیں ماہ حرام میں لڑنے کا حکم تم فرماؤ اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ

اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اس پر ایمان نہ لانا اور مسجد حرام سے روکنا اور اس میں بسنے والوں کا نکال دینا

اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ

اللہ کے نزدیک یہ گناہ اس سے بھی بڑے ہیں اور ان کا فساد قتل سے سخت تر ہے اور ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے

حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ

یہاں تک کہ تمہارے دین سے پھیر دیں اگر بن پڑے اور تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھرے

دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا

پھر کافر ہوکر مرے تو ان لوگوں کا کیا اکارت گیا دنیا میں

وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

اور آخرت میں اور وہ دوزخ والے ہیں انہیں اس میں ہمیشہ رہنا۔ وہ جو

اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ

ایمان لائے اور وہ جنہوں نے اللہ کے لئے اپنے گھر بار چھوڑے اور اللہ کی راہ میں لڑے وہ رحمت الٰہی

رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۱۸﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ

کے امیدوار ہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ تم سے شراب اور جوئے کا حکم پوچھتے ہیں

قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ

تم فرمادو کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے کچھ دنیوی نفع بھی اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑا ہے

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ەۭ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ

اور تم سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں تم فرماؤ جو فاضل بچے اسی طرح اللہ تم سے آیتیں

الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝۲۱۹ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ

بیان فرماتا ہے کہ کہیں تم دنیا اور آخرت کے کام سوچ کر کرو ۔
اور تم سے یتیموں کا

الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ

مسئلہ پوچھتے ہیں تم فرماؤ ان کا بھلا کرنا بہتر ہے اور اگر اپنا ان کا خرچ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں

يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اور خدا خوب جانتا ہے بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے اور اللہ چاہتا تو تمہیں مشقت میں ڈالتا

عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۲۲۰ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ

بیشک اللہ زبردست حکمت والا ہے۔
اور شرک والی عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک مسلمان نہ ہو جائیں اور بیشک مسلمان لونڈی

خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ

مشرکہ سے اچھی ہے اگرچہ وہ تمہیں بھاتی ہو اور مشرکوں کے نکاح میں نہ دو جب تک وہ ایمان نہ لائیں

وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ

اور بیشک مسلمان غلام مشرک سے اچھا ہے اگرچہ وہ تمہیں بھاتا ہو وہ

اِلَى النَّارِ ۚۖ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ

دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ جنت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے اپنے حکم سے اور اپنی آیتیں

اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝۲۲۱ ع ۲۷ ۵ ۱۱

لوگوں کے لئے بیان کرتا ہے کہ کہیں وہ نصیحت مانیں ۔

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ آپ سے حرام کے مہینوں کے متعلق سوال کرتے ہیں۔

شان نزول: مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے پھوپھی زاد حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو بدر کی جنگ سے دو ماہ قبل جمادی الاخری میں بھیجا جب کہ آپ مدینہ تشریف لائے ان کے ساتھ آٹھ حضرات (مہاجرین میں سے) بھیجے وہ آٹھ حضرات یہ تھے۔

۱۔ سعید بن ابی وقاص الزہری ۲۔ عکاشہ بن محصن الاسدی

۳۔ عتبہ غزوان مازنی ۴۔ ابوحذیفہ بن ربیعہ

۵۔ سہیل بن بیضا ۶۔ عامر بن ربیعہ

۷۔ واقد بن عبداللہ ۸۔ خالد بن بکیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم

ان کے امیر یعنی حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک تحریر لکھ کر فرمایا اس تحریر کو لے کر اللہ تعالیٰ کے نام سے چلے لیکن اسے کھول کر نہ دیکھنا دو یوم کے بعد اسے کھولنا جب کہیں آرام کے لئے اترو اور اس کا مضمون اپنے تمام ساتھیوں کو سنا دینا اور اس میں جو حکم مکتوب ہو اس پر عمل کرنا لیکن اپنے ساتھیوں کو اس پر مجبور نہ کرنا جس کی مرضی آئے تیرا ساتھ دے جو نہ چاہے وہ مختیار ہے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ تحریر لے کر چل پڑے اور حسب الارشاد دوسرے روز وہاں جا کر کھولا جہاں آرام کے لئے ٹھہرے اس میں لکھا ہوا تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم اما بعد فسر علی برکۃ اللہ بمن تبعک من اصحابک

حتی تنزل بطن نخلۃ فترصد بہا عیر قریش لعلک ان تاتینا منہا بخیر

(اللہ کا نام لے کر چلے یہاں تک کہ جب بطن نخلہ (مقام کا نام) میں پہنچو تو وہاں

قریش کا قافلہ ملے گا امید ہے اس میں تم بھلائی لے کر واپس لوٹو گے)

جب حضرت عبداللہ نے تحریر پڑھی تو کہا سمعا و طاعۃ مجھے یہ حکم بدل و جان قبول ہے اپنے ساتھیوں سے کہا اب تمہاری مرضی میرے ساتھ چلو ورنہ تمہیں اختیار ہے مجھے روکا گیا ہے کہ میں تمہیں اس امر پر مجبور کروں چاہو ورنہ واپس جانا چاہو تو میری طرف سے اجازت ہے یہ کہہ کر چل پڑے اور آپ کے ساتھی بھی آپ کے

ساتھ ہو لئے کوئی ایک بھی پیچھے نہ رہا یہاں تک کہ مقام قرع (حجاز میں ایک مقام کا نام ہے جسے بحران کہا جاتا ہے) تھوڑی دیر کے لئے بیٹھے یہاں حضرت سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اونٹ گم ہو گئے یہ دونوں ان کی تلاش کرنے لگے اس وجہ سے یہ بچھڑ گئے لیکن باقی حضرات حضرت عبداللہ بن جحش کے ساتھ چلتے رہے۔ یہاں تک کہ بطن نخلہ میں پہنچ گئے بطن نخلہ (مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان واقع ہے) یہ حضرات جب یہاں پہنچے تو ان کے ساتھ قریش کا قافلہ بھی پہنچ گیا یہ لوگ طائف سے کشمش اور گندم اور دیگر تجارتی سامان لے کر آ رہے تھے وہ بھی یہاں بطن نخلہ میں آرام کے لئے اترے ان میں عمر بن الحضرمی اور حکیم بن کیسان مولی ہشام بن المغیرہ اور اس کا بھائی نوفل بن عبداللہ مخزومی تھے جب انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کے غلاموں کو دیکھا تو گھبرا گئے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ مشرکین ہمیں دیکھ کر ڈر گئے ہیں فلہذا اپنے میں سے کسی ایک کا سر مونڈ دو اور وہ ان کے پیچھے پڑ جائے چنانچہ ان حضرات نے حضرت عکاشہ کا سر مونڈا اور وہ ان مشرکین کو جھانک کر دیکھنے لگے تو انہوں نے کہا کوئی خطرہ نہ کرو یہ اپنا آدمی ہے اور یہ واقعہ جمادی الاخری کی آخری تاریخ کو ہوا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اسے جمادی الاخرۃ سمجھ کر یہ کاروائی کر رہے تھے۔ حالانکہ رجب کا چاند چڑھ گیا تھا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے مشورہ کیا کہ اگر رات تک معاملہ چھوڑ دو گے تو رجب کا چاند چڑھ جائے گا اور اس میں جنگ حرام ہے فلہذا ابھی وقت ہے اس سے جو کاروائی کرنی ہے کر لو چنانچہ حضرت واقد بن عبداللہ السہمی نے عمر بن الحضرمی کو تیر مارا وہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا مشرکین میں ہجرت کے بعد یہ پہلا مقتول ہے پھر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حکم بن کیسان اور عثمان بن عبداللہ کو قید کر لیا اسلام میں سب سے پہلے یہی قیدی ہیں جنہیں مسلمانوں نے قید کیا نوفل اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگ گیا تلاش بسیار کے باوجود نہ مل سکا۔ صحابہ کرام قافلہ اور قیدیوں کو لے کر بارگاہ رسالت علی صاحبہا الصلوۃ والسلام میں حاضر ہوئے اس پر قریش نے شور مچایا کہ حضرت محمد ﷺ نے ماہ حرام میں جنگ کو حلال کیا اب تو دنیا سے امن اٹھ گیا اور ان کی وجہ سے معاش تنگ ہو جائے گی کوئی بھی اپنی معاش کے لئے باہر نہیں جا سکے گا کیونکہ یہ لوگ شہروں میں پھیل جائیں گے اور ناحق قتل کریں گے۔ قریش نے ان مسلمانوں کو ستانا شروع کر دیا جو مکہ میں رہتے تھے اسی قافلہ کے بدلہ میں بلکہ وہاں کے لوگوں کو شہید کرنا

شروع کر دیا اور ان کے مال بھی چھینے اور کہا کہ اے صحابیو! تم نے ماہ حرام کو حلال کر دیا اور خود تم نے ہی اس میں ہمارے لوگوں کو مارا اور لوٹا (یعنی وادی نخلہ میں صحابہ کرام نے) پھر ہم کیوں نہ تمہیں ماریں اور لوٹیں یہ بات حضور نبی کریم ﷺ کو پہنچی تو آپ نے حضرت عبداللہ بن جحش اور ان کے ساتھیوں سے فرمایا کہ میں نے تمہیں ماہ حرام میں لڑائی کے لئے نہیں بھیجا تھا آپ نے فرمایا اب قافلہ اور قیدیوں کے بارے میں توقف کرو یعنی مال کو تقسیم کرو اور نہ ہی قیدیوں کو کچھ کہو اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کرو جو حکم ہوگا اسی پر عمل ہوگا حضرت عبداللہ اور ان کے ساتھیوں کو پریشانی ہوئی اور حضور نبی کریم ﷺ سے عرض کی یا رسول اللہ ہم نے ابن حضرمی کو دن میں مارا پھر شام کو چاند رجب کا دیکھا یہ ہمیں معلوم نہ تھا کہ ہم نے یہ معاملہ رجبؔ میں کیا ہے یا جمادی الاخری میں۔ غرض یہ معاملہ لوگوں کے لئے بہت بڑی پریشانی کا موجب بن گیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اس کے بعد حضور نبی کریم ﷺ نے قافلہ کا سامان منگوا کر پانچواں حصہ نکالا اور باقی حضرت عبداللہ اور ان کے ساتھیوں کے حوالے کر دیا اور یہ اسلام میں سب سے پہلا مال غنیمت ہے۔

واقعات

۱۔ اہل مکہ نے اپنے دو قیدیوں کو چھڑانے کے لئے فدیہ بھیجا۔ آپ نے فرمایا جب تک ہمارے دو اصحاب حضرت سعید اور عتبہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) واپس نہیں آئیں گے ہم انہیں نہیں چھوڑیں گے۔ اگر وہ واپس نہ آئے تو ہم قتل کر دیں گے۔ جب وہ دونوں حضرات آگئے تو آپ نے فدیہ لے کر ان دونوں مشرک قیدیوں کو چھوڑ دیا۔

۲۔ ان میں حضرت حکم بن کیسان تو مسلمان ہو گئے (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر باش رہے یہاں بئر معونہ کے موقع پر شہید ہوئے لیکن عثمان بن عبداللہ مکہ کی طرف لوٹا اور کافر ہو کر مرا۔

۳۔ اور نفل احزاب کی لڑائی میں کفار کی طرف سے گھوڑے پر سوار ہو کر مسلمانوں کی خندق میں چھلانگ لگائی تاکہ انہیں شکست دے لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے گھوڑے سمیت خندق میں دبا دیا اور وہیں گھوڑے سمیت مر گیا مشرکین نے حضور نبی کریم ﷺ سے اس کی لاش قیمتاً مانگی حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: خذه فانه خبيث

الجیفته و الدیته اس لے جاؤ خبیث کو اس کی لاش بھی مردار ہے اور اس کی دیت بھی۔

خلاصہ تفسیر: اے پیارے حبیب ﷺ آپ سے مسلمان تو مسئلہ معلوم کرنے کی بنا پر سوال کرتے ہیں لیکن کفار بوجہ سرکشی اور ضد کے پوچھتے ہیں ماہ حرام کے بارے میں یعنی رجب کے متعلق۔

ف: ماہ حرام کو اس لئے حرام کہا جاتا ہے کہ اس ماہ میں جنگ کرنا حرام ہے۔

قِتَالٍ فِيْهِ الشَّهْرِ سے بدل الاشتمال ہے اس لئے کہ ماہ حرام قتال کو بھی مشتمل ہے قل اے پیارے حبیب ﷺ ان کے سوال کے جواب میں فرمایئے قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ اس میں جنگ کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا گناہ ہے قتال مبتدا ہے اور اس کی خبر کبیر ہے۔

سوال: نکرہ مبتدا نہیں ہو سکتا اور یہاں قتل نکرہ مبتدا کیسے کیا گیا؟

جواب: جب نکرہ موصوف ہو تو وہ نکرہ مبتدا بن سکتا ہے یہاں یہ نکرہ لفظ فیہ کی وجہ سے موصوف ہے۔

مسئلہ: اکثر اہل علم کے نزدیک یہ آیت فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ سے منسوخ ہے۔

وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ صد مبتدا اور مابعد کے عمل کی وجہ سے موصوف ہے اگرچہ نکرہ ہے لیکن اس تاویل سے مبتدا ہوتا ہے جائز ہوا اب معنی یہ ہوا اور اس کا اسلام سے روکنا جو کہ بندے کو اللہ سے ملاتا ہے وَكُفْرٌ بِهٖ یعنی اللہ تعالیٰ سے کفر کرنا وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اس کا عطف سبیل اللہ پر ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے راستہ سے روکنا بھی کفر کے افراد میں ہے۔

سوال: یہ عطف احسن نہیں کیونکہ اس طرح سے اجنبیت پیدا ہوتی ہے؟

جواب: اس طرح کے عطف سے معطوف علیہ اور معطوف میں اجنبیت ہے ہی نہیں کیونکہ دونوں کا مفہوم ایک ہو جاتا ہے مثلاً کہا جائے منع المسلمين عن دخول مكته وزيادة بيت الله دخول اور زیارت ایک ہی بات ہے اس اعتبار سے عطف صحیح ہوا۔ (اگرچہ تفسیری)

وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ یعنی مسجد حرام کے اہل ان سے نبی کریم ﷺ اور مومنین مراد ہیں منہ یعنی مسجد حرام سے۔ اس کا عطف کفر بہ پر ہے۔

سوال: تمام اہل اسلام کو مسجد حرام کا اہل کیوں قرار دیا گیا کیونکہ اہل عرف میں اس کو کہا جاتا ہے جو وہاں کا

marfat.ocm

مکین ہو اور تمام اہل اسلام تو مکہ کے مکین نہیں تھے۔

جواب: دلالت التزامی کے لحاظ سے وہ بھی مکہ کے مکین ہیں کہ اہل اسلام کہیں بھی ہوں تب بھی ان پر مسجد حرام کی ادائیگی واجب ہے اور پھر وہ بالاخر اس کے مکین ہی ہوں گے کیونکہ عاقبت اہل اسلام کی مسجد حرام میں ہی ہے اس لئے اس کا نام عاقبت ہے اور کفار کو اس کا اہل نہیں کہا جا سکتا اس لئے کہ ان کی مسجد حرام کی مکانیت عارضی ہے۔

اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ سابقہ جملہ بوجہ عطف کے مبتدا ہوا اور یہ جملہ ان سب کی خبر ہے یعنی مذکورہ بالا چار امور گناہ اور بدانجام کے لحاظ سے بہت بڑے ہیں بہ نسبت ابن الحضرمی کو ماہ حرام میں مسلمانوں کے قتل کرنے سے کیونکہ ماہ حرام میں قتل کرنا کسی وقت تو حلال ہو سکتا ہے لیکن کفر کا تو کسی وقت بھی حلال ہونے کا امکان نہیں اس لئے کہ مسلمانوں نے اس وقت ماہ رجب کا ہونا نہ سمجھا تھا اور وہ اس تاویل کی وجہ سے ماہ حرام میں قتل کر بیٹھے اور یہی ان کے لئے جواز کی دلیل ہے اور کفر تو کسی وجہ سے بھی تاویل کی گنجائش نہیں رکھتا۔ وَالْفِتْنَةُ یعنی وہ امور جن کے کفار مرتکب ہوئے مثلاً مسلمانوں کو مکہ مکرمہ سے نکالا اور شرک میں مبتلا ہیں اور لوگوں کو اسلام سے روکتے ہیں یہ فتنہ ابتداء بھی ہے اور بقاء بھی اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ بہت سنگین امر ہے ابن الحضرمی کو ماہ حرام میں قتل کرنے سے۔

ف: جب آیت اتری تو حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکہ مکرمہ کے رہنے والے مسلمانوں کو کہا کہ اگر کفار تمہیں ماہ حرام میں جنگ کرنے کی عار دیں تو انہیں یہی کہو کہ تم کفر میں مبتلا ہو اور تم نے اللہ تعالیٰ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کیا اور اب مسلمانوں کو بیت اللہ شریف کی زیارت سے روکتے ہو۔

وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ اس آیت میں کفار کے مسلمانوں کی عداوت میں مستحکم ہونے اور فتنہ پر مصر رہنے کا بیان ہے یعنی اے مسلمانو! کفار تمہارے ساتھ لڑائی پر تلے رہیں گے حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ تاکہ تمہیں دین حق سے پھیر کر اپنے باطل دین کی طرف لے جائیں۔ اِنِ اسْتَطَاعُوْا اس میں اشارہ ہے کہ وہ اپنے دین پر بڑے مضبوط اور ثابت قدم ہیں گویا کسی کے سوال پر یہ جواب دیا گیا ہے سوال یہ کہ یہ بات کیسے ہو سکتی ہے اس کا جواب مثال کے طور پر یوں ہے کہ کوئی کسی سے کہے اگر تو میرے اوپر قابو پالے تو جو مرضی آئے کرنا۔ جب اسے

یقین ہو کہ نہ وہ میرے اوپر قابو پا سکے گا اور نہ ہی وہ مجھے کچھ کہہ سکے گا۔

ف: اس میں مسلمانوں کو تسلی دی جا رہی ہے کہ تم یقین رکھو کہ تمہارے دشمن تم پر غالب نہیں ہو سکیں گے (بشرطیکہ تمہارے اندر اسلام کے اطوار موجود ہوں)

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ ادغام نہیں کیا گیا اور اس کی دوسری دال کو ساکن پڑھا جائے اور اس کی فتح بھی جائز ہے جب کہ پہلی دال میں ادغام کیا جائے اور فتح اس لئے کہ یہ اخف الحرکات ہے اور الارتداد بمعنی ہٹنا۔ اس میں ارتداد سے ڈرایا گیا ہے یعنی جو بھی یہ عمل ان کے گمراہ کرنے اور اغواہ کرنے سے کرے فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ وہ دین اسلام کی طرف نہ لوٹے اور اسی حالت میں یعنی کافر ہو کر مرے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا موت سے پہلے اگر ارتداد سے توبہ کر کے لام داخل ہو جائے تو بھی اس کا اسلام قبول ہے۔

فَاُولٰٓئِكَ یعنی وہ لوگ جو موت تک اپنے ارتداد پر رہے۔ حَبِطَتْ باطل اور لاشی ہو گئے۔ اَعْمَالُهُمْ ان کے وہ اعمال جو انہوں نے بحالت اسلام کئے اور ایسے کہ پھر ان کا حصول ناممکن ہے فِي الدُّنْيَا یعنی دنیا میں ایسے کہ ان کا مارنا قتل کرنا اس کے ارتداد کی وجہ سے اور مسلمانوں سے موالات ختم اور نہ ہی وہ اس کی مدد کریں اور نہ ہی وہ اس کی تعریف کریں گے اور نہ ہی ان کے ساتھ نکاح و بیاہ کا سلسلہ ہو گا اور اہل اسلام کے ساتھ وراثت کے حقوق بھی ضائع وغیرہ وغیرہ یعنی وہ احکام جو مرتد اور اس کے اہل و عیال اور مال و اسباب پر جاری ہو سکتے ہیں دنیا میں اس پر تمام جاری ہوں گے وَالْاٰخِرَةِ یعنی آخرت میں ثواب اور حسن انجام سے محرومی کیونکہ مرتد کی عبادت جب دنیا میں اس لائق نہ تھی کہ قبول ہو پھر اس ثواب آخرت میں کیسا فلہذا آخرت میں ثواب اور حسن انجام سے محروم۔

فائدہ: حبط اعمال سے نفس اعمال کا ابطال مراد نہیں کیونکہ وہ تو اعراض ہیں اور ان کی حقیقت یہ کہ وہ ہوئے اور مٹے اور مسلم ہے کہ اعدام المعدوم محال (معدوم کو مٹانا محال ہے) بلکہ وہی مراد ہے جو ہم نے پہلے عرض کیا کہ ارتداد ایمان کے ثواب اور اس کے ثمرات کو ضائع کر دیتا ہے اور بس۔

مسئلہ: آیت کا بظاہر تقاضا یہ ہے کہ ثبوت احکام مذکورہ یعنی آخرت و دنیا میں حبط اعمال کے لئے وفات کے

وقت ارتداد شرط ہے اس بناء پر وہ شخص دائمی طور پر جہنم میں رہے گا اگر اس ارتداد کے بعد پھر اسلام قبول کرے تو اسے حبط شدہ اعمال کا ثواب نہیں ملے گا اسی لئے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے استدلال فرمایا ہے کہ ارتداد سے سابقہ اعمال کا اعادہ نہیں ہوتا اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور ارتداد سے پہلے جو فرائض ادا کئے اب ارتداد پر وہ سب ضائع ہو گئے فلہٰذا اسے دوبارہ ان کی قضا کرنی چاہیے اس طرح حج کے متعلق مسئلہ ہوگا۔

ف: ارتداد اعمال کو ضائع نہیں کرتا ہاں وہ شخص اسی حالت یعنی ارتداد میں فوت ہوا تو پھر اس کے اعمال ضائع ہوں گے اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ارتداد مطلقاً حبط اعمال کرتا ہے اگرچہ وہ بعد میں مسلمان ہو جائے کیونکہ آیت وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اور وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ کے عموم کا تقاضا یونہی ہے۔

مسئلہ: اس آیت سے دو مسئلہ ثابت ہوئے۔ ۱۔ متکلمین کہتے ہیں کہ ایمان وکفر کے لئے شرط ہے کہ بوقت وفات ان دونوں میں سے ایک کا ہونا لازمی ہے ان کے نزدیک وہ شخص کافر ہے جسے وقت وفات ایمان نہیں۔ اسی طرح وہ شخص مومن ہے جسے بوقت وفات دولت ایمان حاصل ہوتی ہے۔ ۲۔ کسی شخص نے نماز پڑھی پھر معاذ اللہ مرتد ہو گیا پھر ابھی نماز کا وقت باقی ہو تو پھر مسلمان ہو گیا امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک اس نماز کا اعادہ نہیں اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اس شخص پر نماز کا اعادہ ضروری ہے اسی طرح حج وغیرہ کا مسئلہ ہے۔

وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ وہی لوگ جہنم والے ہیں هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ دوسرے کافروں کی طرح ان کو بھی دائمی طور پر جہنم میں رہنا ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ

مومن کے لئے ضروری ہے کہ اعمال صالحہ میں مشغول رہے اور ان برائیوں سے بچے جو ارتداد کا سبب بنتی ہیں دراصل ارتداد کا سبب یقین کا معدوم ہونا ہے ورنہ شیطان اور مشرک موحد کے قریب تک نہیں پھٹکتے کیونکہ موحد تو برزخ وقیود کے گورکھ دھندوں سے آزاد ہے اور وہ اپنے معبود حقیقی سے واصل ہے۔

ف: عمل صالح وہ ہے جس میں صرف اور صرف رضائے حق مطلوب ہو اور بس کیونکہ اس کے ماسوا کے ارادہ سے عبادت فاسد ہوتی ہے اس سے صاحب عمل کا کوئی فائدہ نہیں۔

حضرت حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

فردا کہ پیشگاہ حقیقت شود بدید　　شرمندہ رہونے کہ عمل برمجاز کرد

(**ترجمہ:** کل قیامت میں ہر حقیقت ظاہر ہو جائے گی اس وقت وہ شرمندہ ہوگا جو مجاز کے رہ پر چلتا ہے)

مسئلہ: بہترین نیکیوں میں سے توحید ہے کیونکہ یہ سب نیکیوں کی سرتاج ہے اس لئے اس کی بھر تول بھی نہیں ہوگی۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا **کل حسنۃ تعملاھا توزن یوم القیمتہ الاشہادۃ ان الاالہ الااللہ** ہر نیکی جسے بندہ عمل میں لاتا ہے اسے قیامت میں تولا جائے گا سوائے کلمہ شہادت کے اس لئے جو بھی اُسے خلوص دل سے پڑھتا ہے اگر اسے میزان میں ایک طرف اور ساتوں آسمان زمین اور جو کچھ ان کے اندر ہے کو دوسری طرف رکھا جائے تو کلمہ توحید کا پلڑا بھاری ہوگا۔

ف: تمام اعمال صالحہ سے نور ایمان میں اضافہ ہوگا انسان کو چاہیے کہ اعمال صالح اور اطاعت الٰہی اور معارف حقیہ کا مشغل رکھے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا عرفان تمام عبادات سے افضل ہے حضور **علیہ الصلوٰۃ والسلام** سے سوال ہوا **ای الاعمال افضل** آپ نے فرمایا **اعلم باللہ** عرفان الٰہی آپ سے عرض کیا گیا کہ ہم آپ سے عمل کا عرض کرتے ہیں اور آپ علم کا بتاتے ہیں آپ نے فرمایا **ان قلیل العمل ینفع مع العلم وان کثیر لا نفع مع الجھل** علم ہو تو تھوڑا عمل بھی مفید ہے اگر عمل زیادہ ہو اور جہالت کا غلبہ ہو تو اتنا مفید نہیں ہاں یہ اس وقت حاصل ہو جب کہ باطن کی صفائی توحید کے صیقل سے کی جائے باقی رہا ذکا کا انواع سو وہ صرف اولیاء اللہ ہی جانتے ہیں۔ مثنوی شریف میں ہے۔

ذکر حق کن بانگ غولاں راسبوز　　چشم نرگس راازیں کرگس بدوز

(**ترجمہ:** اللہ تعالیٰ کا ذکر کر کے غولوں کی آواز کو جلا دے نرگس کی آنکھ کو گدھ سے سی دو)

حکایت: حضرت شیخ حسن محمد بن السراج فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں ابلیس کو دیکھا کہ وہ ننگا پھر رہا تھا میں نے اسے کہا تجھے لوگوں سے

شرم نہیں آتی شیطان نے کہا اگر یہ انسان ہوتے تو میں انہیں گیند بنا کر نہ کھیلتا حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے پوچھا بتایئے انسان کون ہیں۔ شیطان نے کہا انسان وہ لوگ ہیں جو شونیزی میں جنہوں نے میرے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور میرے دل کو جلا کر راکھ بنا دیا جب میں ان کے پاس وسوسہ ڈالنے کے لئے گذرتا ہوں تو وہ مجھے اللہ تعالیٰ کے ذکر کا اشارہ کرتے ہیں اور ان کے ذکر کے نور سے میرا دل پارہ پارہ ہو جاتا ہے حضرت جنید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نیند سے جاگا اور جاتے ہی رات کو فوراً شونیزی کی طرف چلا گیا میں مسجد میں گیا تو وہاں صرف تین آدمی موجود تھے اور انہوں نے اپنے سروں کو پھٹے پرانے کپڑوں سے ڈھانپا ہوا تھا جب انہوں نے مجھے محسوس کیا ان میں سے ایک نے اپنا سر باہر نکالا اور کہا اے ابوالقاسم (حضرت جنید کی کنیت ہے) آپ وہی ہیں کہ جو بات آپ سے کی جاتی ہے آپ اسے سن کر قبول کر لیتے ہیں۔

سبق: ان کے جہاد فی اطاعت اللہ کو اور ان کے باطنی صفائی پر غور کیجئے کہ انہوں نے اپنے دل سے ماسوا اللہ کو ہٹا دیا تھا دراصل یہی اسلام حقیقی سے موصوف ہیں فقیر ناظم ھذہ اللدر یعنی صاحب روح البیان قدس سرہ فرماتے ہیں مجھے میرے شیخ نے فرمایا حضور علیہ السلام کی حدیث شریف بدا غریبا وسیعود غریبا کا معنی یہ ہے کہ اسلام سے مراد یہی اسلام حقیقی ہے ایسا صاحب اسلام کبھی مرتد نہیں ہو سکتا اور ان کا غریب ہونا یہ ہے کہ کوئی ساتھی نہیں۔

مثنوی شریف میں حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ **حکایت**

بود گبرے در زمان بایزید — گفت ورا یک مسلمان سعید
کہ چہ باشد گر تو اسلام آوری — تا بیابی صد نجات و سروری
گفت ایں ایمان گر ہست اے مرید — آنکہ دارد شیخ عالم بایزید
مومنم و ایمان آرم در نہاں — گرچہ مہرم ہست محکم بر دہاں
باز ایمان خود گر ایمان شما است — نے بداں میلستم و نے مشتہا است
آنکہ صد میلش سوئے ایمان بود — چوں شمارا دیدزاں فاتر شود
زانکہ نامے بیند و معنیش نے — چوں بیاباں را مفازہ گفتے

(خلاصہ: حکایت یہ ہے کہ کسی نے ایک کافر سے کہا تم مسلمان ہو جاؤ اس نے کہا اگر مومن بایزید جیسا ہو تو میں مومن ہوں اگر مومن تمہارے جیسے ہوں تو میرا اسلام کو سلام اس لئے کہ تمہارے اندر اسلام کی خوشبو تک نہیں)

تفسیر عالمانہ

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا شان نزول: یہ آیت حضرت عبداللہ بن جحش اور ان کے ساتھیوں کے حق میں نازل ہوئی جب کہ اللہ تعالیٰ نے سابقہ آیت میں انہیں خوشخبری سنائی کہ انہیں اس بات کا غم تھا کہ نا معلوم ہمارے لئے کیا سزا مقرر ہوتی ہے جب کہ ہم نے ماہ حرام میں جنگ کی لیکن فضل و کرم ہوا کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے مژدہ سنایا تو پھر وہ لوگ اس طمع میں پڑ گئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں ثواب نصیب ہوگا چنانچہ انہوں نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ تو ہمیں معلوم ہو گیا کہ جو کچھ ہم نے کیا اس پر ہمیں سزا نہیں لیکن یہ تو بتائیے کہ ہمیں اس پر کوئی اجر و ثواب بھی ہوگا کیا ہم طمع کر سکتے ہیں کہ ہمارا یہ سفر جنگ کے ثواب اور اطاعت میں لکھا جائے گا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ان کے خیال کے مطابق نازل ہوئی کیونکہ وہ مومن بھی تھے اور مہاجر بھی اور وہ اس جنگ کی وجہ سے مجاہد بھی ٹھہرے اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ وہ اپنے ایمان پر مستحکم رہے اور مرتد نہ ہوئے۔

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا اور وہ لوگ جو اپنے منال اور اہل سے جدا ہو گئے وَجَاهَدُوا (المجاهدہ) بمعنی اپنی تمام طاقت کو صرف کرنا یعنی وہ لوگ جو مشرکین سے لڑتے ہیں فی سبیل اللہ کے راستے میں اس کی اطاعت سمجھ کر اس کے دین کو بلند رکھنے کے لئے أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ وہی اس کی امید رکھتے ہیں جو انہیں کامیابی کے مبادی ہیں رَحْمَتَ اللَّهِ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب اور نہ ہی ان کے اعمال حبط ہوں گے جیسے مرتدین کے عمل حبط ہو گئے۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے ان کی رجا تو ثابت فرمائی ہے اس سے کامیابی کا ثبوت تو نہیں ملا؟

جواب: سب کو معلوم ہے کہ اجر و ثواب کا حصول اعمال پر منحصر نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا اپنا فضل و کرم ہے اس سے یہ ثابت ہوتا کہ انہیں کامیابی بھی حاصل نہیں۔

وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ وہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی بہت مغفرت فرماتا ہے اگرچہ ان سے بہت زیادہ کوتاہیاں ہو جاتی ہیں۔ رَحِيمٌ ایسا رحیم کہ ان کا اجر و ثواب وافر اور بکثرت عنایت فرمایا ہے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے

فرمایا کہ اس سے حضور نبی کریم ﷺ کے پسندیدہ لوگ مراد ہیں انہیں اللہ تعالیٰ نے اہل رجاء فرمایا ہے کیونکہ اصول ہے کہ من رجا طلب ومن خاف هرب جو امید کرتا ہے وہ طلب کرتا ہے اور جو خوف کرتا ہے وہ بھاگتا ہے۔

حکایت: حضرت ابو عمر بیکندی رحمۃ اللہ تعالیٰ ایک دن ایک کوچہ سے گزرے ایک قوم کو دیکھا کہ وہ ایک نوجوان کو اپنے محلہ سے باہر نکال رہے ہیں اس لئے کہ وہ بڑا مفسد تھا اور اس نوجوان کی ماں اس پر رو رہی تھی لوگوں سے کہا لوگو! اسے آج میری وجہ سے چھوڑ دو آئندہ اگر غلطی کرے تو تم جانو تمہارا کام جانے نوجوان کو چھڑا کر حضرت ابو عمر اپنے کام کو چلے گئے چند روز بعد اسی محلہ سے گزرے تو اس بڑھیا کے رونے کی آواز سنی آپ نے سمجھا شاید اسی نوجوان سے غلطی ہوئی اور لوگوں نے اسے نکال دیا ہوگا اس پر بڑھیا رو رہی ہے آپ نے بڑھیا کا دروازہ کھٹکایا اور نوجوان کا حال پوچھا بڑھیا نے کہا میرا وہی نوجوان بیٹا فوت ہو گیا ہے آپ نے فرمایا اس کی موت کیسے واقع ہوئی ہے بڑھیا نے عرض کیا جب اسے موت نزدیک ہوئی تو اس نے کہا ماں جی میری موت کی خبر ہمسایوں کو نہ دینا کیونکہ میں نے انہیں عمر بھر ستایا اور اب وہ میری موت پر مجھے گالیاں دیں گے اور نہ ہی جنازہ پر آئیں گے لیکن اتنا ضرور کریں کہ جب مجھے دفن کر لو تو یہ میری مہر ہے اسے میرے ساتھ دفن کر دینا اور دفن کی فراغت کے بعد میرے لئے دعا کریں میں نے اس کی وصیت کو پورا کیا اس کی مہر پر لکھا ہو بسم اللہ الرحمن الرحیم جب میں اس کی قبر سے فارغ ہو کر اٹھی تو قبر کے اندر سے آواز آئی میرا بیٹا کہہ رہا تھا اماں جی آپ چلے جاؤ کیونکہ اب میں رب کریم کے سامنے حاضر ہو گیا ہوں۔ (یعنی بخشا گیا ہوں)

کسی نے خوب فرمایا ہے۔

بہ بہانہ می دہد بہانے دہد (یعنی کسی خاص سبب سے معاف کر دیتا ہے وہ قیمت لے کر نہیں بخشا)

حکایت: حجاج بن یوسف پر جب موت کا وقت قریب آیا تو کہتا تھا اللھم اغفرلی فان الناس یزعمون انک لاتفعل (اے اللہ مجھے بخش دے لوگوں کا میرے متعلق گمان ہے تو مجھے نہیں بخشے گا مگر مجھے امید ہے کہ تو کریم ہے اس لئے مجھے تیری رحمت کی امید ہے) حجاج واسطہ (وہ ایک شہر جو اس نے خود بنایا تھا) میں سن ۹۵ میں فوت ہوا اس کی موت کے دن کا نام لوگوں نے عرس العراق رکھا (اس لئے کہ اس کی موت تمام عراق کے لئے نجات کا سبب بنی) پہلے

اس کی موت کا کسی کو علم نہ تھا آخر اس کی لونڈی محل پر چڑھ کر روتی ہوئی کہتی تھی الا ان مطعم الطعام ومفلق الهام مات طعام کھانے والے مگر لوگوں کی کھوپڑیاں اڑانے والا (دینی قتل عام کرنے والا) مر گیا جب اسے دفن کیا گیا تو ایک شخص اس کی قبر پر کھڑا ہو کر کہتا تھا اللهم لاتحرمنا شفاعته الحجاج اے اللہ ہمیں حجاج کی شفاعت سے محروم نہ فرما وہاں ایک شخص نے قسم کھائی اگر حجاج بخشا گیا تو میری عورت کو طلاق ہے (کیوں کہ وہ بڑا ظالم تھا کسی کو اس کی بخشش کی امید نہ تھی) حضرت طاؤس سے اس شخص کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا وما اظنها الاطلقت اللہ تعالیٰ جسے چاہے بخش دے میرا گمان ہے کہ تیرے اس جملے سے تیری عورت مطلقہ ہو گئی پھر یہی فتوی حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا جا تو اپنی عورت کو لے جا اور اس سے ازدواجی زندگی گزار اگر حجاج جہنم میں جائے تو تمہیں اس سے کون سا نقصان ہے۔

سبق: اس سے مجھے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ہے اپنے بندوں کے گناہ بخش دیتا ہے خواہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر کیوں نہ ہوں۔

نصیحت: امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابۡتَغُوۡۤا اِلَیۡهِ الۡوَسِیۡلَةَ وَجَاهِدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِهٖ یہی تین باتیں یعنی ایمان مہاجرت جہاد مراد لی گئی ہیں کیونکہ مہاجرت نصیب نہیں ہوتی جب تک ایمان نہ ہو اور شہوات کے ترک کا نام جہاد ہے جسے یہ تینوں مراتب حاصل ہو جائیں اسے حق پہنچتا ہے کہ وہ بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار ہو۔

تفسیر صوفیانہ

ہجرت دو اقسام کی ہیں۔ ظاہری، باطنی۔ ظاہر کا حکم تو منقطع ہو گیا جب کہ فتح مکہ ہوئی جیسا کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا لاهجرة بعد الفتح یعنی فتح مکہ کے بعد کوئی ہجرت نہیں اور معنوی ہجرت یہ ہے کہ نفس کی خواہشات کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ تک پہنچنا قلب کے کعبہ کو فتح کی وجہ سے یعنی اسے خواہشات نفسانیہ اور شرک کے بتوں سے خالص کر لینا ایسی ہجرت قیامت تک جاری رہے گی جہاد دو قسم کے ہیں۔

۱۔ اصغر یعنی کفار کے ساتھ لڑائی کرنے کا نام جہاد اصغر ہے۔ ۲۔ اکبر یعنی نفس کے ساتھ جہاد کرنے کا نام جہاد اکبر ہے اس کا نام اکبر اور پہلے کا نام اصغر اس لئے ہے کہ پہلے سے ظاہر کی اور دوسرے سے باطن کی اصلاح

ہوتی ہے اور باطن کی صفائی ظاہری صفائی کے لحاظ سے سخت تر ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ پہلے جہاد سے جنت و رحمت اور دوسرے سے مشاہدہ حق اور جمال مطلق کی زیارت نصیب ہوتی ہے تیسری وجہ یہ ہے کہ پہلے شہادت اور دوسرے سے صدیقیت نصیب ہوتی ہے اور صدیقیت شہداء سے مرتبہ کے لحاظ سے اعلیٰ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّهَدَآءِ آیت میں اللہ تعالیٰ نے صدیقوں کو پہلے اور شہدا کو بعد میں ذکر فرمایا ہے جب بندہ جہاد اکبر کر کے نفس کی اصلاح کرتا ہے (جو کہ کبریت احمر سے زیادہ نفیس ہے) تو اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم کرتا ہے اور اسے نقصان نہیں پہنچاتا۔

حکایت: ایک شخص کسی بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کی بہت خدمت کی اور ایک دن اس نے بزرگ سے عرض کی کہ مجھے اسم اعظم سکھایئے بزرگ نے فرمایا کیا تجھے اس کی اہلیت بھی ہے اس نے عرض کی ہاں جی۔ بزرگ نے فرمایا شہر کے دروازہ پر جو واقعہ درپیش ہو دیکھ کر مجھے سنایئے وہ شخص شہر کے دروازہ کے کنارے جا کر بیٹھ گیا دیکھا ایک بوڑھا لکڑیاں کا گٹھر گدھے پر لادے ہوئے آرہا ہے ایک سپاہی آیا اور لکڑیوں کا لدا ہوا گدھا چھین لیا اور اسے دو چار چابک بھی رسید کر دیے۔ جب وہ شخص اسی بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا شیخ نے ماجرا پوچھا تو سارا واقعہ سنایا بزرگ نے فرمایا اگر تجھے اسم اعظم معلوم ہوتا تو اس سپاہی سے کیا کرتا تو اس نے کہا اگر مجھے اسم اعظم معلوم ہوتا تو میں اس کی برکت سے بددعا کر کے اسے تباہ و برباد کرتا بزرگ نے فرمایا جس لکڑہار کو تو نے مار کھاتے ہوئے دیکھا وہ شخص ہے جس نے مجھے اسم اعظم سکھایا ہے اور اسم اعظم اس شخص کو سکھایا جاتا ہے جو مصائب کے وقت صبر کرے اور خلق خدا سے دکھ اٹھا کر ان پر شفقت کرے۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

مکن تا توانی دل خلق ریش　　وگر میکنی میکنی بیخ وخویش

(**ترجمہ:** جب تک تمہارے میں طاقت ہے کسی کا دل نہ دکھا اگر کسی کا دل دکھاتا ہے تو اپنی جڑ کاٹتا ہے)

نسخہ روحانی: قلت کلام۔ اصلاح نفس کے لئے بہترین علاج ہے جیسے مکلف غذا کو طبیعت کے لئے نافع سمجھا جاتا ہے اصلاح نفس سے قلب کی صفائی نصیب ہوتی ہے۔

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

طفل جاں از شیر شیطاں باز کن   بعد از انش با ملک انباز کن
تا تو تاریک وطو تیرہ   وانگہ با دیو لعیں ہمشیرہ
لقمہ کو نور افزود و کمال   آں بود آوردہ از کسب حلال
روغنی آید چراغ ما کشد   آب خوانش چوں چراغی را کشد

(**ترجمہ**: روح کو شیطان کے دودھ سے دور رکھو اس کے بعد اسے اپنے ملک اسے شریک بناؤ جب تک تم تاریک اور طول اور ظلمات میں ہو اس وقت تک دیو لعین کے ساتھ تم ساتھ ہو کسب حلال کا لقمہ نور اور کمال بڑھاتا ہے)

تفسیر عالمانہ

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ روغن سے ہی ہمارا دیا روشن ہوتا ہے دیا بجھا دے تو اسے روغن مت کہو بلکہ وہ پانی ہے۔

شان نزول: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے کسی قوم کو حضور نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرامؓ سے بہتر نہیں دیکھا کہ انہوں نے کل تیرہ مسلموں کے متعلق اپنے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا اور وہی سب کے سب قرآن پاک میں ہیں اور وہ سب کے سب ان کے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے نافع ہیں۔

شراب الخمر یعنی شراب پینے کے متعلق سوال کرتے ہیں جیسا کہ جواب کے قرینے سے معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ حلت وحرمت اور گناہ وثواب مکلفین کے افعال کے عوارض سے ہیں ورنہ اشیاء کے ذوات بذاعیاں میں کوئی گناہ نہیں۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ شراب کے بیع وشراء کے علاوہ جملہ امور اس کی حرمت میں شامل ہو گئے جن میں تصرف شرعی کو دخل ہے یعنی وہ جملہ امور جو غیر مشروع ہیں۔

ف: الْخَمْرِ، خمرہ کا مصدر ہے بمعنی سترہ یعنی اسے ڈھانپا شراب کو خمر اس لئے کہا جاتا ہے کہ اسے انگور سے نچوڑا جاتا ہے پھر وہ جوش مارتا ہو جب سخت ہو جاتا ہے پینے والے کی عقل وتمیز کو مخمور (مستور) کر دیتا ہے بوجہ مبالغہ اسے خمر کہا گیا گویا کہ وہ خود بہتر ہے جیسے کہ سکر (گنا) کورس کہا جاتا ہے کہ وَالْمَيْسِرِ یعنی آپ سے میسر کے متعلق سوال کرتے ہیں میسر یسر کا مصدر میمی ہے جیسے موعد و مرجع مصدر میمی ہیں مثلاً کہا جاتا ہے

ایسرتہ ای فمرتہ یعنی میں نے اس سے قمار بازی کی یا یہ تو یسر سے مشتق ہے اس لئے کہ اس کے ذریعے بلا تکلف مال حاصل ہوتا ہے یا یسارء سے ماخوذ ہے اس لئے کہ اسی کے لئے مال حاصل کیا جاتا ہے۔

مسئلہ: میسر سے قمار و شطرنج وغیرہ جا کے جمیع اقسام شامل ہیں یہاں تک کہ کھیل جوڑ کے اخروٹ کے کھیلتے ہیں وہ بھی اس کی حرمت میں شامل ہیں قُلْ فِيهِمَآ یعنی شراب اور خمار کے کاروبار اور اس کے استعمال میں اثم کبیر بڑا گناہ ہے اس لئے شراب عقل کو سلب کر لیتا ہے اور عقل دین و دنیا کا قلب ہے اور یہ دونوں شراب و قمار مال اسباب کو ضائع کرنے والے ہیں۔ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ اور لوگوں کے اس میں منافع بھی ہیں۔

شراب کے فائدے

۱۔ سرور و مستی ۲۔ شراب کے بیوپار میں مال کا حصول اس کے ذریعے بہت سا مال جمع کیا جا سکتا ہے۔ ۳۔ اس میں کمزور کو تقویت ملتی ہے ۴۔ طعام ہضم کرتا ہے۔ ۵۔ قوت باہ میں مدد کرتا ہے ۶۔ غمگین کو خوشی دلاتا ہے ۷۔ بزدل کو بہادر بناتا ہے ۸۔ بخیل کو سخی کرتا ہے۔

۹۔ جسم کے رنگ کو نکھارتا ہے ۱۰۔ بچے کو بولنے پر قدرت دیتا ہے ۱۱۔ ارادے بلند کرتا ہے۔

قمار کے فائدے

۱۔ بلا تکلف مال و دولت حاصل ہوتی ہے ۲۔ فقراء کو نفع پہنچاتا ہے اس زمانہ کے قمار باز گوشت و دیگر اشیا خرید کر محتاجوں پر تقسیم کرتے تھے۔

حکایت: امام واقدی فرماتے ہیں کہ اگر ایک ہی مجلس میں کوئی قمار باز سو اونٹ حال کرتا تو وہ عوام میں تقسیم کر دیتا اس سے اسکا بڑا چرچا ہوتا۔

وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا اور ان کا گناہ ان کے منافع سے بہت بڑا ہے۔

شراب کے نقصانات

۱۔ آپس میں بغض و عداوت بڑھتی ہے ۲۔ اللہ کے ذکر اور نماز سے روکتا ہے۔ ۳۔ آدمی کو بے حوصلہ اور اتنا بیوقوف احمق بنا دیتا ہے کہ بسا اوقات شرابی اپنے پیشاب سے لکھنے لگ جاتا ہے اسی طرح ٹٹی اور قے سے لہولعب اس کا مشغلہ بن جاتا ہے۔ (کذا ذکرہ ابن ابی الدنیا)

حکایت: حضرت ابن ابی الدنیا کا ایک شرابی کے پاس سے گزر ہوا وہ اپنے پیشاب کے ساتھ کھیل رہا تھا اور اسے ہاتھ میں لے کر وضو کرنے والے کی طرح اپنے منہ پر مل رہا تھا اور کہتا تھا الحمد للہ الذی جعل الاسلام نورا والماء طھورا شکر ہے اس ذات کا جس نے اسلام کو نور اور پانی کو پاک کرنے والا بنایا۔

قمار کے نقصانات

جس کسی کا مال بغیر کسی کاروبار کے چلا گیا تو وہ اپنے بالمقابل کا جانی دشمن بن جاتا ہے اور اس کی دشمنی کا انجام یہ ہوتا ہے کہ جب تک وہ اپنے بالمقابل کو زک نہیں پہنچاتا اسے چین نہیں آتا۔

فائدہ تفسیریہ: مفسرین فرماتے ہیں کہ شراب کے متعلق چار آیات پے در پے نازل ہوئیں وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا اس پر اہل اسلام انگور وغیرہ سے شراب وغیرہ نچوڑ کر پیتے تھے اس وقت یہ ان کے لئے حلال تھا اس پر حضرت عمر حضرت معاذ اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالی عنھم نے عرض کی یارسول اللہ فرمایئے شراب کیوں حلال ہے؟ جب کہ یہ عقل کو سلب کرتا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ اس سے بعض حضرات نے اسے پینا چھوڑ دیا اور کہتے کہ ہمیں اس کی ضرورت نہیں جب کہ اس کے اندر بہت بڑا گناہ ہے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دعوت دی اور انہوں نے شراب پی اس پر انہیں نشہ طاری ہو گیا نماز کا وقت تھا ان میں ایک نے نماز پڑھائی تو پڑھنے لگے قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۙ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ یعنی لا کو چھوڑ دیا جس سے کفر لازم آتا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى اس سے اکثر نے شراب پینا چھوڑ دیا اور کہتے ہم ایسا عمل کیوں کریں جو ہماری نمازوں میں خلل ڈالے لیکن بعض اس کے بعد بھی پیتے رہے لیکن رات کو عشا کی نماز کے بعد پی لیتے جس کا صبح سے پہلے نشہ اتر جاتا پھر نماز صبح کے بعد پیتے جس کا ظہر تک نشہ اتر جاتا ایک دن عتبان بن مالک نے ان کی دعوت میں اونٹ کے سر کا گوشت پکایا انہوں نے گوشت کھا کر شراب پیا تو مخمور ہو گئے اس پر فخر کرتے ہوئے اشعار پڑھنے لگے سعد نے ایسے اشعار پڑھے جس میں انصار کی ہجو اور اپنی قوم کی تعریف کی اس پر ایک شخص نے اونٹ کی ہڈی اٹھا کر سعد کے سر پر ماردی جس سے سعد کا سر پھٹ گیا سعد حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انصاری کی شکایت کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دعا مانگی اللھم بین للنا فی الخمر بیانا شافیا یا اللہ شراب کے متعلق واضح راہبری فرمایئے

marfat.ocm

اس پر آیت اتری اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ جو کہ سورہ مائدہ میں موجود ہے جس کا آخری جملہ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ہے حضرت عمر نے کہا فانتهینا یارب ہم شراب خوری سے رک گئے۔

فوائد شراب نوشی

ف: شراب کی مکمل تحریر غزوہ احزاب کے چند دن بعد سن ۸ ہجری میں ہوئی۔ حضرت قفال فرماتے ہیں کہ شراب کی حرمت اس ترتیب میں ایک حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ قوم عرب شراب خوری کی خوگر ہے اور اس سے انہیں بہت بڑے منافع ہوتے تھے اگر انہیں یکبارگی روکا جاتا تو انہیں شاق گذرتا اس لئے اس ترتیب سے شراب کی حرمت تدریجاً اور نرم حقوق سے ہوئی۔

ف: جب شراب کی حرمت مکمل طور پر نازل ہوئی تو اس کے بعد تمام شراب ضائع کر دیئے گئے۔

حکایت: حضرت ابن عمر نے فرمایا ہم سب شراب کے بڑے بڑے مٹکے لے کر راستہ پر چلے ہم میں سے بعض نے مٹکے راستے میں توڑ دیے اور بعض نے مٹکے گارے میں بہا دیے مدینہ کی گلیاں کوچے بڑی دیر تک شراب سے موسلار دھار بارش کی طرح بہتے رہے۔ شراب کا رنگ گلی کوچوں میں بکھرا ہوا تھا اور شراب کی بو سارے شہر میں پھیل گئی عرب میں اس دن سے کوئی دن زیادہ عجیب تر نہیں ہوا اور نہ ہی شراب سے کوئی اور سخت آرڈر رہا۔

حدیث شریف: حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ کو جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی چار خصلتیں بڑی پسند آئی ہیں جن کے وہ زمانہ جاہلیت میں بھی پابند رہے اور اسلام میں بھی حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا وہ کون سی چار خصلتیں ہیں۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو ان کے متعلق مطلع نہ فرماتا تو میں ہرگز ظاہر نہ کرتا وہ چار خصلتیں یہ ہیں۔

۱۔ میں نے شراب کبھی نہیں پی اس لئے کہ وہ عقل کو سلب کرتی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ عقل تیز ہو۔

۲۔ میں نے بت کے سامنے کبھی سر نہیں جھکایا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ یہ نہ نفع دیتے ہیں نہ نقصان۔

۳۔ میں نے زنا بھی نہیں کیا صرف اپنے اہل پر غیرت کی بناء پر اس لئے کہ جس طرح میں غیر عورت سے

زنا کروں اسی طرح میرے اہل سے بھی کوئی کرے تو۔

۴۔ میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اس لئے کہ اس کے اندر خسیس پن ہے۔

حکمت: حضرت عمر بن اوہم جو بنی تمیم کے سادات سے ہیں شراب کی مذمت کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ عقل اگر خرید و فروخت کی شئے ہوتی تو دنیا میں کوئی شئے نہ ملتی جو اس کے بدلہ میں دی جاتی لیکن تعجب ہے اس بیوقوف پر جو پیسے دے کر حماقت خریدتا اور اس اپنے سر کے اندر ڈالتا ہے (یعنی شراب پی کر مال ضائع کر کے عقل کھو دیتا ہے پھر اسے قے کرتا ہے اور اپنے دامن پر بیٹ کر دیتا ہے)

ف: حضرت علی کرم اللہ وجھہ الکریم فرماتے ہیں اگر کسی کنوئیں میں شراب کا قطرہ ڈال دیا جائے پھر کنوئیں پر مکان تیار ہو اور اس پر اذان کا کہا جائے تو میں اس منارہ پر ہرگز اذان نہیں دوں گا اسی طرح کسی دریا میں شراب کا ایک قطرہ ڈالا جائے پھر وہ دریا خشک ہو جائے اور اس میں گھاس اگ جائے تو میں اس گھاس میں اپنے جانور کو ہرگز نہیں چراؤں گا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اگر میری انگلی شراب میں پڑ جائے تو وہ میرے ہاں واپس نہیں آئے گی۔ یعنی میں اسے کاٹ ڈالوں گا یہی حقیقی ایمان اور تقوی ہے۔

سبق: مسلمان کو چاہیے کہ دل میں شراب پینے کا خیال تک نہ لائے چہ جائیکہ اسے خریدے۔

مسئلہ: شراب خور سے قطع تعلق رکھے تاکہ اس کے ساتھ میل جول سے کہیں شراب نہ پی بیٹھے یا کم از کم اس کے قطرات تو اس کے جسم پر پڑیں گے اس طرح سے ایک پلید اور نجس شئے اسے لگ گئی۔

حضرت حسین واعظ کاشفی فرماتے ہیں۔

ترا رحمان ہمی گوید کہ اے مومن مخور بادہ ترا ترسا ہمی گوید کہ در صفرا مخور حلوہ
نے مانی زنا پاکی برائے گفتہ رحمان بمانی شہد و شکر را برائے گفتہ ترسا

ف: بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس نے اپنی لڑکی شراب خور کے نکاح میں دی گویا اس نے اپنی لڑکی کو زنا میں جھونک دیا اس لئے کہ شراب خور مستی میں اسے طلاق دے گا جس کا اسے علم نہیں ہوگا پھر وہ اس سے وطی کر کے زنا کا مرتکب ہوتا رہے گا۔

مسئلہ: متولی کو چاہیے کہ اپنی لڑکی اور بہن وغیرہ کا نکاح فاسق سے نہ کرے اور نہ ہی ایسے سے جو جرائم کا

مرتکب ہوتا ہے۔

مسئلہ: شراب کا سرکہ بنانا جائز ہے اگر علاج کے لئے ہو مثلاً گرم پانی یا نمک یا روٹی ڈال کر اس اعتبار سے شراب کا سرکہ بنانا مکروہ نہیں۔

حدیث شریف: میں ہے خیر خلکم خل خمر کم تمہارے لئے بہترین وہ سرکہ ہے جو شراب سے تیار ہوتا ہے۔

قمار کی تحقیق: عربی میں میسر قمار کو کہتے ہیں اور قمار باز کو یاسر کہا جاتا ہے دراصل میسر اونٹ کے متعلق ہوتا تھا کیونکہ عرب کے اہل ثروت اونٹ کو خرید لیتے تھے لیکن قیمت ادا نہ کرتے تھے صرف اس نیت پر وہ قمار میں غلبہ پالیں گے۔

ف: جس پر وہ اونٹ واجب ہو جاتے اس کے اونٹ لے کر ذبح کر لئے جاتے اور ان کے دس حصے ہوتے بعض کے نزدیک اس کے اٹھائیس حصے ہوتے پھر اس کو دس تیروں پر حصہ بناتے ان تیروں کو ازلام واقلام کہا جاتا ہے ان میں سات وہ ہیں جن کے حصص متعین تھے۔

۱۔ الفذ۔ ہر اس کا ایک تھا ۲۔ التوام اس کے دو حصے۔ ۳۔ الرقیب۔ اس کے تین حصے۔
۴۔ الحس۔ اس کے چار حصے ۵۔ النافس۔ اس کے پانچ۔ ۶۔ المسبل۔ اس کے چھ۔ ۷۔ المعلی اس کے سات حصے۔

تین ایسے ہیں ان کا کوئی حصہ نہیں تھا وہ تین یہ ہیں۔

۱۔ المیخ ۲۔ المسفیح ۳۔ الوعد۔ پھر ان تیروں کو ایک کپڑے کے ٹکڑے میں لپیٹتے اس کا نام ربابہ ہوتا اس ہر ایک کو معتبر آدمی کے ہاتھ پر رکھ دیتے جس کے نام وہ تیر نکلتا وہی متعین حصے اس کو دیے جاتے اور جس کے نام ان تینوں میں سے کوئی نکلا جس کا کوئی حصہ متعین نہیں اسے کچھ نہ ملتا بلکہ ان اونٹوں کے مطابق قیمت ادا کرتا اور ان اونٹوں کا گوشت فقراء پر تقسیم کیا جاتا اور خود اس سے نہ کھاتے اس پر انہیں بڑا ناز تھا اور جو اس میں داخل نہ ہوتا اس کی مذمت کرتے اور اسے البرم کہتے اس کا معنی ہوتا لئیم بد بخت یعنی (عدیم المروۃ والکرم) یہ وہ قمار ہے جو عرب میں رائج تھی جس سے مسلمانوں کو روکا گیا۔

مسئلہ: اس میں اختلاف ہے کہ کیا قمار سے وہی مخصوص قمار مراد ہے یا اس کے دیگر تمام انواع جیسے نرد شطرنج وغیرہ۔

حکایت: ایک مرد نے کسی سے شرط لگائی کہ اگر اتنے انڈے (کثیر المقدار) کھا جائے تو اس کی شرط یہ ہے کہ اسے اتنے اتنے دراہم ودنانیر ملیں گے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ ناجائز ہے اس لئے کہ یہ قمار ہے۔

مسئلہ: حضرت ابن سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس بات میں شرط لگائی جائے وہی قمار ہے

حدیث شریف: حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا وایاکم وھاتین الکعبتین المشؤمتین فانھما من میاسر العجم حضور نبی کریم ﷺ کی مراد اس سے نرد اور شطرنج ہے اور وہ دونوں حرام ہیں۔

سوال: گھوڑ دوڑ اور اونٹ بھگانا اور تیر اندازی بھی تو ایک قسم کی کھیل ہے پھر یہ کیوں جائز ہے؟

جواب: یہ امور جنگی ضروریات ہیں فلہذا خض عنہ البعض کے قبیل سے ہیں اسی لئے جائز ہیں۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

کہن گشتی و ہمچناں طفلی   شیخ بودی وہمچناں شابی
تو بازی نشستہ در چپ وراست   میرسد تیر چرخ پرتابی
جائے گر چہ جست بر مصیبت پیر   کہ تو کردک ہنوز لعابی

(**ترجمہ**: تم بوڑھے ہو گئے لیکن تا حال تیرا مزاج بچوں کا سا ہے کھیل کود کے لئے دائیں بائیں بیٹھا رہتا ہے لیکن اچانک تجھے موت کا تیر پہنچیگا ایسے بوڑھے کی اس مصیبت پہ رونا چاہیے جب کہ اس کی بچوں کی سی طبیعت ہے)

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جیسے ظاہر کی شراب مختلف اجناس جیسے کھجور اور زبیب اور مختلف اناج جیسے گندم اور جو اور جوار سے بنتا ہے اسی طرح باطن کا شراب بھی مختلف برائیوں سے تیار ہوتا ہے مثلاً غفلت وشہوت، ہوا وہوس اور حب دنیا اس طرح کے اور بھی یہ وہ شراب ہے جس نے انسانی عقل اور حواس مخمور ہو جاتے ہیں اور اس میں گناہ بھی بڑا ہے اس لئے کہ ہر نشہ دینے والی شے حرام ہے اور

---

[1] یعنی ان دونوں منحوس سے بچو اس لئے کہ یہ دونوں عجمیوں کی قمار ہیں۔

marfat.ocm

قاعدہ ہے کہ جو شئے نشے دے اس کا قلیل و کثیر حرام ہوتا ہے کہ وہ فعل کہ جس سے قلوب و ارواح اور اسرار مخمور ہوتے ہیں وہ اردات کا شراب ہے جو ساقی تجلی الصفات کے ہاتھوں مشاہدات کے پیالوں سے نصیب ہوتا ہے جو بہ نفوس پر وار ہوتا ہے تو قلب مست ہو جاتا ہے اور ایسے وجد میں شرشار ہوتا ہے جو وحدت کے ملک سے حاصل ہوتا ہے اس سے ارواح شہود عن الوجود اور اسرار و جمال کے غمزوں کے ذریعے ملاحظہ کمال سے پاتے ہیں ایسا شراب لوگوں کے لئے منافع اور حلال ہے بہت بڑا تعجب ہے کہ بعض ایسے ہیں جنہیں شراب وجود نشہ دیتا ہے اور بعض کو ساقی کا مشاہدہ ہوتا ہے جیسے کسی عربی شاعر نے کہا۔

فاسکر القوم ودر کاس   وکان من المدیر

(**ترجمہ**: لوگ پیالہ کے دور سے مخمور ہوئے جو دراصل ساقی کی نگاہ کا نشہ تھا)

مثنوی شریف میں ہے۔

ما اگر قلاش اگر دیوانہ ایم   مست آں ساقی وآں پیانہ ایم
مست می شیار بنود ور نشور   مست حق ناید بخود تا نفخ صور
جرعہ چوں ریخت ساقی الست   برسرایں خاک شد ہر ذرہ مست
جوش کرد آں خاک ماازاں جوشیشم   جرعہ دیگر کہ بس کموشیشم

(**ترجمہ**: ہم اگر چہ تنگدست اور دیوانے ہیں لیکن ازلی شراب اور اس کا پیانہ اور ساقی سے ہم مست ہیں شراب ازلی کا مست بھی ہوش میں نہیں آئے گا اس لئے کہ حق کا مست نفخ صور تک بے خبر رہے گا شراب ازلی کا جب ایک گھونٹ عالم دنیا پر ہو تو اس سے دنیا کا ذرہ ذرہ مست ہے جب اس کے نشہ میں زمین کو جوش ہوا تو ہم دسرے گھونٹ کی خواہش میں کوشاں ہیں)

شراب کے پیالوں سے روگ دانی کا بہت بڑا گناہ ہے بہ نسبت ہدایت کے ہزار سال نفع کی طلب کے جیسے شراب کے نشے میں نماز ممنوع ہے اسی طرح غفلت کا نشہ وصال یار سے ماجب ہے اور میسر کا گناہ قمار کے نشانوں سے ہے اور یہ ان دیار کے شعار سے ہے کہ جس کا راستہ حیلوں کی طرف جاتا ہے جن میں اسرار عملی دھوکے اور قولی فحش و گناہ ہی ہیں اور یہ بزرگوں کے نزدیک بہت بڑا گناہ اور نیکوں کی عادات سے بہت دور ہیں باقی رہا اس کا نفع اس میں سوائے عدم التفات الی الکونین اور نقش العافین کے فردیۃ بحقش الکعجبین کے صرف کرنے کے اور کچھ نہیں لیکن ان کا گناہ عوام کے لئے زائد ہے خواص کے نفع سے اور عوام خواص سے زائد

ہیں بلکہ خواص بالکل تھوڑے ہیں۔ (کذا فی التاویلات النجیمہ)

تفسیر عالمانہ یَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ خرچ کریں یہ سوال جس طرح خرچ کی ہوئی شئے کے متعلق ہے اسی طرح اس کی مقدار کے متعلق بھی ہوسکتا ہے۔

شان نزول: جب قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ اتری تو عمر بن الجموح نے سوال کیا کہ کتنا خرچ کروں تو فرمایا قُلِ الْعَفْوَ فرمایئے اے میرے پیارے حبیب محمد ﷺ خرچ کرو جو زائد ہو۔

ف: عفو جہد کی نقیض کو کہتے ہیں اور جہد بمعنی مشقت جو یسر و سہولت کی نقیض ہے گویا کہا گیا ہے وہ خرچ ہو تجھے میسر ہو اور آسانی سے ہو سکے ایسا نہیں کہ تمہارے اوپر اس کا خرچ کرنا بارگراں ہو۔

قاعدہ: لعفو من المال سے کہا جاتا ہے کہ جس کا خرچ کرنا آسان ہو اور الجهد من المال وہ ہے جس کا خرچ کرنا مشقت ہو اور آسانی سے وہ مال خرچ کیا جاتا ہے جو نفس اور اہل و عیال اور جن لوگوں کو خرچ دینا ضروری ہو ان کی ضرورت پر خرچ کیا جائے كَذٰلِكَ اس طرح یعنی مثل اس کے کہ بیان کیا گیا ہے عفو جہد سے زیادہ مناسب ہے۔

ف: كَذٰلِكَ کا کاف محل نصب میں ہے اور مصدر محذوف کی صفت ہے۔

سوال: کاف واحد کیوں ہے حالانکہ خرچ کرنیوالے تو لا تعداد و لا تحصی ہیں؟

جواب: انہیں ایک گروہ یا فریق یا قوم یا وہ اسم جو لفظاً مفرد اور معناً جمع ہے قرار دیا گیا ہے۔

یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے وہ آیات بیان کرتا ہے جو احکام شرعیہ پر دلالت کرتی ہیں۔

ف: آیات کے ساتھ تبیین کا ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کا نازل کرنا ابتداً واضح طریق اور روشن مدلول سے ہے نہ یہ کہ وہ پہلے مشتبہ و ملتبس تھیں پھر انہیں واضح کیا گیا ہے۔

لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ تا کہ تم دنیا و آخرت کے امور میں تفکر کرو پھر ان سے جو چیزیں تمہارے لئے مناسب ہیں انہیں باقی چھوڑ دو اسی طرح وہ چیزیں جو تمہیں دنیا میں آسانی دیں اور آخرت میں نجات دیں ان کو حاصل کرو اور جو تمہیں آخرت میں نقصان دیتی ہیں ان سے دور رہو۔

ف: امام بغوی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ امر دنیا و آخرت کے آیات بیان کرتا ہے تا کہ تفکر کرو کہ

دنیا کو زوال اور فنا ہے اس لئے اس سے کنارہ کش رہو اور آخرت کو بقا ہے پس اس میں رغبت کرو۔

مسئلہ: اس آیت میں صدقہ دینے کی فضیلت ہے بشرطیکہ مال زائد از حاجات ضروریہ ہو

حکایت و حدیث: ایک شخص حضور سرور عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مرغی کے ایک انڈے برابر سونا لایا جو اسے بعض غزوات میں مال غنیمت سے حاصل ہوا اور عرض کی حضور! یہ مال صدقہ ہے اور آپ اسے جہاں چاہیں خرچ کریں لیکن یہ بھی آپ کو معلوم ہو کہ گھر میں بس یہی تھا جو حاضر کر دیا آپ نے سنتے ہی اس سے چہرہ مبارک پھیر لیا پھر وہی شخص آپ کے دائیں جانب حاضر ہوا اور وہی کلمات دہرائے جو اس نے پہلے عرض کئے لیکن آپ نے اس سے چہرہ مبارک پھیر لیا پھر وہی شخص آپ کی بائیں جانب حاضر ہوا آپ نے غصہ کے لہجہ میں فرمایا! مجھے دیجئے آپ نے اس سے وہی سونا لیتے ہی ایسے زور سے زمین پر دے مارا کہ اگر اس شخص کو لگتا تو پھٹ جاتا یا زخمی ہو جاتا پھر فرمایا تم لوگ سالم مال لے کر صدقہ کے لئے پیش کر دیتے ہو پھر بھیک مانگنے لگ جاتے ہو جان لو صدقہ اس وقت دو جب تمہارے پاس وافر مال ہو اب اپنا یہ سونا لو ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں لفظ عفو میں اشارہ ہے کہ بندہ مال خرچ کرتے وقت اس کا نشان دل سے بالکل مٹا دے یعنی بطیب خاطر کرے اس لئے کہ عفو کا حقیقی معنی ہے **محو طمس (مٹانا)** زائد مال سے بقدر کفایت خرچ کرنا خواص کا طریقہ ہے باقی رہے خاص الخاص ان کا طریقہ ایثار ہے ان کا کام بھی یہی ہے کہ وہ اپنے نفس پر دوسرے کو ترجیح دیں اگرچہ انہیں فاقہ کی مشقت اٹھانی پڑے یہاں تک کہ جب تک اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ نہیں لٹاتے انہیں قرار نہیں آتا اگرچہ ان کا دوسرا ساتھی دولتمند ہو لیکن اسے ضرورت ہو تو وہ اس کی دولت مندی کو نہیں دیکھتے آخر مال اس پر خرچ کر ہی دیتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ

حدیث شریف: سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کریں ایک دفعہ مجھے بہت سا مال حاصل ہوا مجھے خیال گذرا کہ ہمیشہ مجھ سے حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سبقت لے جاتے ہیں اس دفعہ ان سے بڑھ جاؤں گا چنانچہ میں

نے اپنے تمام مال کے دو حصے کئے آدھا مال گھر رکھ لیا اور آدھا بارگاہ رسالت میں حاضر کیا تاکہ صدقہ کروں حضور نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے پوچھا اے عمر اپنے بال بچوں کے لئے کیا چھوڑ کر آئے ہو میں عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آدھا مال ان کے لئے رکھ کر آیا ہوں اس کے بعد آپ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے پوچھا انہوں نے عرض کی ابقیت لھم اللہ ورسولہ حضور میں ان کے لئے اللہ جل جلالہ اور اس کے رسول ﷺ کو چھوڑ کر آیا ہوں اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا آئندہ میں کبھی بھی ان سے سبقت لے جانے کا ارادہ نہیں کروں گا اس کے بعد حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تمہارے مابین ایسے ہی فرق ہے جیسے تمہارے دونوں کے کلام میں فرق ہے۔

ف: اس سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر فضیلت کا مسئلہ معلوم ہوا۔

قاعدہ: یہ ضروری نہیں کسی کو ہر کسی پر ہر لحاظ سے فضیلت ہو بلکہ ممکن ہے کہ کسی دوسرے اعتبار سے افضل پر فضیلت حاصل ہو کیونکہ قاعدہ ہے کہ کامل ہر طرح سے یعنی من کل الوجوہ کامل نہیں ہوتا اس لئے کہ تقدم تأخر کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے (لیکن یہ عقیدہ تو اجماعیہ ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فاروق رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں)

حضرت الشیخ الشہیر با فتادہ قدس سرہ نے فرمایا کہ حضرت صدیق پر معرفت اور عمر پر شریعت اور حضرت عثمان پر طریقت اور حضرت علی پر حقیقت غالب تھی اگرچہ چاروں مراتب میں یکتا تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، حضرت امام حسین واعظ کاشفی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

ما یہ توفیق کرم کردنست   گنج یقین ترک دام کردن است
زاردہ رہ مرگ زنان دادن است   زندگی عشق ز جاں دادن است

(**ترجمہ**: توفیق الٰہی کا کام کرم کرنا ہے یقین کا کام یہ ہے کہ اسے دام کا خیال نہ ہو موت کا زادراہ مساکین کو کھانا کھلانا ہے عشق کی حیات جان قربان کرنے میں ہے)

مسئلہ: عوام کی سخاوت مال خرچ کرنا اور خواص کی سخاوت روح کرنا ہے لیکن ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں۔

ہست جوانمرد درم صد ہزار   کار جو یا جاں فتد آنست کار

حکایت: حضور نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کو صدقہ کی فضیلت کی ترغیب دی تو لوگ حسب استطاعت مال خرچ

marfat.ocm

کرنے لگے۔ حضرت ابوامامہ حضور نبی کریم ﷺ کے سامنے بیٹھے تھے وہ صرف لب ہلانے لگے حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کیا کہہ رہے تھے جب تم لب ہلا رہے تھے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ مال خرچ کر رہے ہیں اور میرے پاس مال نہیں تھا میں بھی کچھ خرچ کرتا پھر دل میں پڑھتا تھا سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر آپ نے فرمایا یہی کلمات تیرے ثواب کے لئے بہترین ہیں اس لئے کہ تو ایک بار (چار سیر) سونا اللہ تعالیٰ کی راہ پر خرچ کرتا۔

تا زندہ ایم ذکر بش درزبان ماست یادش ومونس جان وروان ماست

(**ترجمہ**: جب تک ہم زندہ ہیں اس کا ذکر ہماری زبان پر جاری رہے گا اس کی یاد ہماری جان ودل کی انیس ومونس ہے)

ف: مروی ہے کہ سب سے پہلے جس نے سبحان اللہ کہی وہ آدم صفی اللہ علیہ الصلوۃ والسلام ہیں وہ اس طرح جب کہ ان میں روح پھونکی گئی تو یہی کلمہ ان کے منہ سے نکلا پھر فرمایا جو شخص بھی یہ کلمہ کہتا ہے اسے آدم علیہ السلام جیسی فضیلت ہوگی۔

ف: سب سے پہلے جس نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا وہ نوح نجی علیہ السلام ہیں جب کہ انہوں نے طوفان اور اس کی شدت کو ملاحظ فرمایا تو یہی کلمہ کہا پھر فرمایا جو شخص اسے پڑھتا ہے تو اسے بہت سی فضیلت اور نوح علیہ السلام جیسا ثواب ملتا ہے۔

ف: جس نے سب سے پہلے اللہ اکبر پڑھا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں جب کہ انہوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ یعنی دنبہ کو دیکھا جو شخص یہ کلمہ کہتا ہے تو اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فیوضات سے فیض نصیب ہوتا ہے۔ اے اللہ ہمیں ذاکرین وشاکرین سے بنا۔ (آمین یا رب العالمین)

تفسیر عالمانہ

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى آپ سے یتیموں کے اموال سے اپنے اموال ملانے کے متعلق سوال کرتے ہیں اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ جب بھی کسی شئے کے متعلق سوال ہوتا ہے تو اس سے وہ شئے مراد ہے جو مقاصد میں سے اہم ہو اور مال سے مال لانا ان کے نزدیک اہم مقابلہ تھا۔

شان نزول: جب یہ حکم نازل ہوا کہ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا تو مسلمانوں نے یتامی کو اپنے سے علیحدہ کر دیا بلکہ اپنے ساتھ کھلانے سے بھی احتراز کرتے یہاں تک کہ کسی کے گھر کوئی یتیم ہوتا تو اس کے لئے

ایک علیحدہ کمرہ تیار کرنا پڑتا اور اس کا طعام بھی علیحدہ پکتا اس طرح سے انہوں نے یتامی کو بالکلیہ علیحدہ کر دیا طعام میں قیام میں وغیرہ وغیرہ بلکہ وہ طعام جو یتامی کے لئے پکتا ان کے کھانے سے جتنا وہ صاحبان کھا لیتے باقی جو بچتا اسے ڈر کے مارے کوئی نہ کھاتا اسی طرح پڑا خراب ہو جاتا یہ کام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شاق گذرا۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ سے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم سب کے پاس مکانات نہیں کہ یتامی کو علیحدہ علیحدہ ٹھہرائیں اور نہ ہی سب کے ہاں طعام وغیرہ کا انتظام ہو سکتا ہے تو یہ آیت اتری۔

قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ اے میرے محبوب محمد ﷺ فرمایئے کہ ان کا ساتھ نبھانا ان کی اور ان کے اموال کی اصلاح کرنا خَيْرٌ اس سے اچھا ہے کہ انہیں اپنے سے دور رکھو اور ان کے ساتھ مل کر نہ رہو بلکہ مقصد تو یہ ہے کہ ان پر نظر عنایت رہے۔

ف: اصلاح مصدر ہے اس کا فاعل محذوف ہے یعنی مصلح اور مصلح کہ یعنی یتیم کو مال کی افرت اور کثرت حاصل ہو گی۔

وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ اور اگر تم ان کے ساتھ ایسا گذارہ کرو اس میں ان کا فائدہ ہو تو فَاِخْوَانُكُمْ تمہارے دین کے بھائی ہیں اور یہ نسبی علاقہ سے بہت زیادہ قوت رکھتا ہے اور بھائیوں کے حقوق میں سے ایک حق یہ ہے کہ ایک دوسرے کی اصلاح اور انہیں نفع پہنچایا جائے۔

مسئلہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مخالفت کا یہ معنی ہے کہ تم یتیم کی کھجور اور دودھ وغیرہ اور اس کے برتنوں میں کھاؤ اور وہ تمہاری کھجور اور دودھ وغیرہ اور تمہارے برتنوں میں کھائیں لیکن شرط یہ ہے کہ ضرورت کی مقدار کے مطابق ہو بلکہ اس سے بھی کم حد سے زائد نہ ہو اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ

مسئلہ: حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس آیت سے مسئلہ کا استخراج ہو سکتا ہے کہ عام طور پر سفروں میں ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر کھانا کھایا جاتا ہے یعنی اگر بقدر ضرورت اپنے ساتھی سے کھاتا ہے تو جائز ہے ورنہ حرام اس لئے کہ عام طور پر ہم سفروں کی عادت ہے کہ کبھی برابر برابر مال ایک دوسرے کے پاس جمع رکھتے ہیں اور کبھی ان میں کمی بیشی بھی ہوتی ہے اس میں اگر ساتھی کے قلب و

marfat.ocm

کثرت کے خرچہ پر راضی ہو تو جائز ہے ورنہ ناجائز اس لئے کہ جب اس میں یتامی کے لئے وسعت رکھی گئی ہے تو باقی تو بطریق اولی جواز کے حقدار ہیں اگر اس کا جواز یونہی ثابت نہ کیا جائے تو لوگوں پر معاملات تنگ ہو جائیں گے۔

مسئلہ: مخالطت کا مسئلہ مصاہرت یعنی رشتہ ناطہ کے مسئلہ پر قیاس کیا گیا ہے صورت مسئلہ یوں ہے کہ کسی کو اپنی لڑکی کا نکاح کرے انس ومحبت کے اضافہ کی نیت پر انہیں اپنے ساتھ ملالے اور اسی طرح اپنے تمام برادری میں ان کے رشتہ ناطہ و دیگر معاملات کے مراسم جاری کردے صرف اس ارادہ سے کہ ان سے وحشت دور ہو اور انہیں غیرت کا خیال تک نہ رہے۔ یہی حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اور اللہ تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے۔

سوال: علم کے باب کو دو مفعول چاہئیں اور یہاں متعدی بیک مفعول ہے۔؟

جواب: یہاں علم معرفت کے معنی کو متضمن ہے اسی لئے کہ متعدی بیک مفعول ہے۔

الْمُفْسِدَ اس فسادی کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو یتیم کے مال خراب اور برباد کر دیتا ہے مِنَ الْمُصْلِحِ اور اس مصلح کو بھی جانتا ہے جو یتیم کے مال کے منافع کے درپے رہتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں کہ تم میں فسادی کون ہے اور مصلح کون وہ تو ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا دے گا۔ فلہٰذا تم ایسی غلطیوں سے بچو اور اصلاح کے سوا باقی اقدام نہ کرو۔

سوال: مصلح سے مفسد کو پہلے کیوں ذکر کیا گیا؟

جواب: مزید تہدید مطلوب ہے یعنی تاکہ مفسد کو تنبیہ ہو کہ جو غلطی میں کرتا ہوں اسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

سوال: علم کے باب کے بعد مِنْ کیوں آتا ہے؟

جواب: علم تمیز کے معنی کو متضمن ہے اور تمیز کے بعد من آتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جانتا ہے جو یتامی کے اموال کو اپنے اموال میں ڈال کر خرابی ڈالتے ہیں بلکہ اسے میں نمایاں کرتا ہوں اس سے جو یتامی کے متعلق اصلاح کا ارادہ رکھتا ہے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ اور اگر اللہ تعالیٰ تمہیں تکلیف میں ڈالنا چاہے (اعنات) بمعنی کسی کو ایسے مکروہ امر میں مبتلا

کرنا جو امر کو بجالانے کی طاقت نہ رکھتا ہو چنانچہ فرمایا لَاَعْنَتَكُمْ تمہیں مشقت میں ڈالے۔ العنت بمعنی مشقت یعنی جب تمہیں مشقت میں ڈالا جائے تو تم اس کو بجالانے کی طاقت نہیں رکھ سکو گے عربی میں کہا جاتا ہے عنت فلان یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کہ کوئی ایسے معاملہ میں پھنس جائے کہ جس میں اس کے ضائع ہو جانے کا احتمال ہو اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ بے شک اللہ تعالیٰ غالب ہے تمہارے مشقت میں ڈالنے پر حَكِيْمٌ وہی فیصلہ فرماتا ہے جو اس کی حکمت تقاضا کرتی ہے۔

ف: اس سے لفظ لو کا قاعدہ ثابت ہوا کہ اس کا کام ہے کہ وہ مقدم کی نفی کرے جسے منطقی کہتے ہیں۔

یتیم پروری کے فوائد: یتیم پروری وہ کرتے ہیں جو فطرۃ کریم ہوتے ہیں ویسے بھی ان پر نظر عنایت رکھنے میں بہت بڑے فائدے ہیں منجملہ ان کے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص یتیم کے سر پر رحم کرتے ہوئے ہاتھ رکھتا ہے تو یتیم کے جتنے بال اس کے ہاتھ کے نیچے سے گزریں گے اسے اسی قدر ثواب ملے گا اور حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کل قیامت میں تین شخصوں کو عرش الٰہی کے نیچے جگہ ملے گی۔ ۱۔ وہ عورت کہ جس کا شوہر فوت ہو کر چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ جائے اس عورت کو نکاح کرنے کی ضرورت بھی ہے اور اسے نکاح کے لئے کہا بھی جاتا ہے لیکن وہ چھوٹے بچوں پر ترس کھا کر نکاح نہیں کرتی بلکہ بچوں کی تربیت میں لگی رہے بشرطیکہ پاک دامنی سے گذارے اور کہے کہ میں یتامی کی پرورش میں ہی زندگی بسر کروں گی یہاں تک کہ یہ بچہ جوان ہو جائے یا اس پر موت آجائے یا میں مر جاؤں۔ ۲۔ دوسرا وہ شخص جو بہترین اور اعلیٰ سے اعلیٰ طعام پکا کر صرف یتیم کو بلا کر کھلائے۔ تیسرا وہ جو صلہ رحمی کرے ان کے رزق و عمر میں برکت دی جاتی ہے اور اسے مرنے کے بعد عرش الٰہی کے نیچے جگہ دی جائے گی اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ یتیم سے شفیق باپ کی طرح اور بیوہ کے ساتھ شوہر سا سلوک اور مسافر کے لئے بہترین دوست کی طرح گزارا کرو پھر میں بھی تمہارے ساتھ نیک سلوک کروں گا حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا۔

تیمار غریباں سبب ذکر جمیلست — جاناں مگر ایں قاعدہ در شہر شما نیست

(**ترجمہ:** غریبوں کی غم خواری ایک بہتر طریقہ ہے لیکن اے محبوب شاید تمہارے ملک میں یہ رواج نہیں)

حدیث شریف: حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں اور یتیم کی تربیت کرنے والا یعنی وہ شخص جو یتیم کی

ضروریات پوری کرتا ہے اپنے مال سے یا یتیم کے مال سے (یتیم اس کا قریبی رشتہ دار ہو یا نہ) وہ ان دونوں انگلیوں کی طرح اکٹھے ہوں گے ان دونوں انگلیوں یعنی سبابہ اور وسطی کی طرف اشارہ کر کے یعنی یتیم کی پرورش کرنے والا بہشت میں حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں ہوگا۔ اس کا معنی یہ نہیں کہ جس مرتبہ پر حضور نبی پاک ﷺ ہوں گے اسی مرتبہ پر وہی ہو۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

چو بینی یتیمے سر افگندہ پیش　　مدہ بوسہ بر روئے فرزند خویش
الا تا نگرید کہ عرش عظیم　　بلرزد ہمی چو بگرید یتیم

(**ترجمہ**: جب کوئی یتیم تمہارے ہاں موجود ہو تو تم اپنے بیٹے کو بوسہ مت دو خبردار یتیم نہ رونے پائے اس لئے کہ جب یتیم روتا ہے تو عرش الٰہی کانپ جاتا ہے)

مسئلہ: انسان کو چاہیے کہ یتیم کے حقوق میں کسی ایک حق میں کمی نہ کرے اور اس کے مال میں سے ایک رتی کے برابر نہ کھائے اور نہ ہی اس پر ظلم کرے اور نہ تشدد۔

حکایت: رستم بن زال اسفندیار سے کشتی لڑا لیکن اسے قابو نہ پا سکا باوجود یہ کہ اس سے قوت میں زائد تھا بلکہ الٹا ہر بار اسفندیار سے مار کھاتا اور اسفندیار کا جسم مچھلی کے چھلکے کی طرح تھا اس میں کوئی شئے اثر نہ کرتی تھی رستم نے اپنے باپ سے مشورہ لیا اس کے باپ نے فرمایا تم اس پر غلبہ نہیں پا سکو گے ہاں یوں کیجئے کہ ایک تیر بنایئے جس کے دو پر ہوں اور انہیں اسفندیار کی آنکھوں میں چبوئیں تب کہیں کام بن سکتا ہے چنانچہ رستم نے ایسے ہی کیا اور وہی تیر اسفندیار کی آنکھ میں مارا اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا دراصل یہ سزا اسفند کو ایک یتیم کو ستانے کی وجہ سے ملی چنانچہ اس کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ اسفندیار نے جوانی میں ایک یتیم بچے کو لکڑی ماری تھی تو اس سے اس یتیم بچے کی آنکھ نکل پڑی وہ یتیم رو پڑا اور وہ لکڑی لے کر باغ میں گاڑ دی ایک عرصہ کے بعد وہ لکڑی ایک درخت بنا رستم نے اس درخت سے ہی اپنا تیر تیار کیا اور وہی تیر اسفندیار کی آنکھ میں پہنچا جس طرح اس یتیم کی آنکھ نکالی تھی اسی طرح ہی اس کی آنکھ نکالی گئی۔

مسئلہ: یتیم کی ایسی پرورش کرے جیسے اپنے بچے کی تربیت کی جاتی ہے ورنہ اس کے متعلق قیامت میں سوال

ہوگا اس لئے ضروری ہے کہ یتیم کی اصلاح میں جدوجہد کرے۔

یتیم کو آداب سکھانا

تربیت کی کئی قسمیں ہیں۔ ا۔ وعید اور ڈرسنانا ۲۔ مارنا ۳۔ بعض ضروریات کے منافع سے روکنا۔ ۴۔ یتیم کو عطیات دینا۔ ۵۔ اس کے ساتھ احسان کرنا اس لئے کہ انسان کی طبیعتیں مختلف قسم کی ہوتی ہیں۔ بعض ایسے ہوتے ہیں جو سختی اور شدت سے نرم ہوتے ہیں الثاان کے ساتھ نرمی اور احسان کرنا انہیں نقصان دیتا ہے اور بعض اس کے برعکس ہوتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے حدود اور تعزیزات مقرر فرمائے تا کہ بندوں کو سرزنش ہو اور برائیوں سے بچ جائیں احرار کو بادشاہوں سے آدب سکھائے اور ممالیک اور اولاد کو بزرگوں اور والدین سے۔

مسئلہ: ادب سکھانے والے کو ادب سکھانے سے ثواب ملتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا اور حدیث شریف میں ہے کہ تم سب کے سب راعی ہو اور تم سب کے سب سوال کئے جاؤ گے اپنی رعیت سے۔

تفسیر صوفیانہ

وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ میں اشارہ ہے کہ سالک کو چاہیے کہ وہ اکیلا کھانے کی عادت نہ بنائے بلکہ لوگوں سے مل کر کھانا کھائے اس لئے کہ شرور کا بنیاد اکیلا کھانے میں ہے۔

حدیث شریف: اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ پسندیدہ وہ طعام ہے جس میں ہاتھوں کی کثرت ہو عوارف میں ایسے ہی مذکور ہے اور مصابیح میں مذکور ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم نے حضور نبی کریم ﷺ سے عرض کی یارسول اللہ ﷺ ہم کھاتے ہیں لیکن سیری نہیں ہوتی آپ نے فرمایا شاید تم کیلے کھاتے ہو عرض کی ہاں آپ نے فرمایا اب جمع ہو کر کھایا کرو۔

حکایت: کسی صاحب لطیفہ نے کسی صاحب نوادر کو کہا کہ آپ نے فلاں کے ساتھ صبح کا کھانا کھایا ہے اس نے کہا نہیں البتہ میں صبح کے وقت گزر رہا تھا تو وہ صبح کا کھانا کھا رہا تھا اس سے پوچھا گیا تمہیں کیسے معلوم ہوا اس نے کہا مجھے یوں معلوم ہوا کہ اس کے لڑکے بندوق اور تیر لے کر آسمان کے خلا میں پرندوں کے مارنے کے لئے خالی فائر کر رہے تھے۔

حکایت: بخیل سے پوچھا گیا تمہارے نزدیک سب سے بہادر کون ہے اس نے کہا ہر وہ شخص جو کسی کھانے کے وقت ڈاڑھ سے طعام چبانے کی آواز سنتا ہے لیکن اس کا جگر ٹکڑے نہیں ہوتا۔

حدیث شریف: جو کسی مومن کی مہمانی کرتا ہے گویا اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو مہمانی دی اور جو مسلمان کو مہمان دیتا ہے گویا اس نے حضرت آدم علیہ السلام اور حوا علیہ السلام کو مہمان بنایا۔

(کذافی الرسالتہ العلیہ لحسین الواعظ)

تفسیر عالمانہ وَلَا تَنْكِحُوا بفتح التا یعنی نکاح نہ کرو الْمُشْرِكٰتِ حربی مشرک عورتوں سے۔ اس لئے کہ کتابیات [1] اگرچہ مشرکات ہیں لیکن جمہور کے نزدیک ان کے ساتھ نکاح جائز ہے انہوں نے سورہ مائدہ کی آیت وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ سے استدلال کیا ہے اور قاعدہ ہے کہ سورہ مائدہ سب کی سب محکمہ ہے اس میں کوئی آیت بھی منسوخ نہیں۔ حَتّٰى يُؤْمِنَّ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد ﷺ کی تصدیق کریں۔

شان نزول: مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت مرثد غنوی رضی اللہ عنہ کو مکہ شریف بھیجا تا کہ وہ چپکے چپکے مسلمانوں کو مکہ شریف سے لائیں آپ، مکہ معظمہ پہنچے آپ کے ہاں عناق عورت (کافر) حاضر ہوئی اور اس سے زمانہ جاہلیت میں آپ کو عشق تھا اس نے کہا اے مرثد میرے ساتھ خلوت کیجئے اب میں اسلام قبول کر چکا ہوں اور اسلام ایسی باتوں سے روکتا ہے اس نے عرض کیا نکاح کر لوں گی لیکن حضور علیہ السلام سے مشورہ کر لوں آپ نے حضور علیہ السلام سے مشورہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ اور مومنہ لونڈی باوجود یہ کہ اس کے وہ بوجہ لونڈی ہونے شان میں کمی ہے لیکن خَيْرٌ وہ بہتر ہے دین و دنیا کے لحاظ سے مِّنْ مُّشْرِكَةٍ مشرکہ عورت سے باوجود یہ کہ اس کے پاس مال اور حریت کی شرافت بھی اسے حاصل ہے اور شان میں رفیع المنزلتہ ہے وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ اگرچہ وہ مشرکہ عورت اپنے حسن و جمال اور مال و اسباب نور نسب کی شرافت کے علاوہ اس کے پاس تمام زیب و زینت کے سامان ہیں اور وہ تمہیں اپنے حسن و جمال میں پھنسا لے اور یہ واؤ حالیہ ہے اور حال کے معنی کے باوجود عاطفہ بھی ہے اس لئے کہ اس کا مدخول حال محذوف ہے۔

---

[1] لیکن دور حاضر میں اس کے ساتھ نکاح نہیں چاہیے کیونکہ وہ لفظاً کتابیہ ہیں لیکن حقیقتاً دہریہ۔ اویسی غفرلہ

کیونکہ اصل عبارت یوں ہے۔ خیر من مشرکتہ علی کل حال ولو فی هذه الحال یعنی وہ مومنہ عورت ہر حال میں مشرکہ عورت سے بہتر ہے اگرچہ وہ اس حال میں ہو جس کا ذکر اوپر آیا ہے اس ترکیب سے تمام احوال کا احاطہ مقصود ہے۔ (کذافی تفسیر الکواشی)

ف: یہاں پر لو بمعنی ان ہے اسی طرح ہر اس مقام پہ لو بمعنی ان ہوگا جہاں اس کا مابعد ماضی اور اس کا جواب اس سے مقدم ہو اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ اگرچہ تمہیں مشرک عورت اپنے حسن و جمال میں پھنسا لے لیکن تمہارے لئے عورت مومنہ کئی درجہ بہتر ہے۔

وَلَا تُنْكِحُوْا بضم التاء الانکاح سے مشتق ہے الْمُشْرِكِيْنَ یعنی کفار وہ بت پرست ہوں یا کوئی اور نئی مشرکین کو اپنی عورتیں مومنات نکاح میں نہ دو خواہ وہ آزاد ہوں یا لونڈیاں حَتّٰى يُؤْمِنُوْا یہاں تک کہ وہ ایمان لائیں یعنی وہ تمام کفریہ امور ترک کریں۔

ف: ابن الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے حواشی میں فرمایا اے مسلمانو اپنی چھوٹی لڑکیاں یا جوان کے حکم میں ہیں اور وہ تمہاری ولایت میں ہیں اسی طرح چھوٹی مومنہ بالغہ عورتیں کفار سے نکاح نہ کریں۔

ف: ولا تنکحوا تغلیب الذکور علی الاناث کے قبیل سے ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

ف: ابھی تک مشرک کا حکم باقی ہے کہ مومنہ عورت کا کسی قسم کے کافر کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔ ولعبد مومن اور مومن غلام باوجودیہ کہ اس میں ملوکیت کی کمی ہے خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ مشرک سے بہتر ہے اگرچہ اس میں آزادی کی شرافت ہے وَلَوْ اَعْجَبَكُمْ اگرچہ وہ مال و جمال اور نیک خصال کی وجہ سے تمہیں اچھا لگے وہ جو مذکور ہوئے مشرکین اور مشرکات سے يَدْعُوْنَ بلاتے ہیں انہیں جو ان کے ساتھ گذارتے اور ساتھ رہتے ہیں اِلَى النَّارِ جہنم کی طرف یعنی ان اعمال کی طرف بلاتے ہیں جو جہنم کی طرف لے جاتے ہیں جیسے کفر و فسق۔

مسئلہ: کافر و مشرک مرد و عورت سے اجتناب ضروری ہے اور نہ ہی ان کے ساتھ رہنا چاہیے اور نہ دوست چاہیے۔ وَاللّٰهُ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے اولیاء یعنی مومن یہاں پر مضاف محذوف ہے اس کے قائم مقام پر مضاف الیہ کو رکھا گیا ہے تاکہ اولیاء اللہ کی عظمت کا اظہار ہو۔ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بلاتا ہے بہشت مغفرت کی طرف یعنی حق کے اعتقاد اور عمل صالح جو کہ بہشت و مغفرت پہنچانے والے ہیں کی طرف بلاتے ہیں اور وہی

marfat.ocm

ایسے تعلق کے حقدار ہیں بِاِذْنِهٖ یہ یَدْعُوْٓا کے متعلق ہے یعنی اللہ تعالیٰ بلاتا ہے اور حالانکہ اس کی توفیق سے ملتبس ہے منجملہ اس کے مومنین کی رہبری ہے جو کہ وہ خیر و رحمت سے ملے ہوئے ہیں اور ان کا نصیحت کرنا بھی وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ اور اپنے آیات بیان کرتا جو کہ عجیب احکام اور بہترین حکمتوں پر مشتمل ہیں لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ لوگوں کے لئے تا کہ نصیحت حاصل کریں اور معلوم کریں جو اس کے اندر ہے تا کہ (جس کی طرف بلائے جاتے ہیں) کامیاب ہو جائیں یعنی بہشت و مغفرت نصیب ہو۔

سوال: آیت میں تذکّر کیوں کہا گیا؟

جواب: اس طرف اشارہ ہے کہ وہ امر ایسا واضح ہے کہ اس میں تفکر کی ضرورت نہیں جیسے سابقہ انبیاء علی نبینا و علیہم السلام کے احکام میں تفکر کی ضرورت ہوتی تھی۔

مسئلہ: آیت میں کفار کے ساتھ دوستی و تعلق سے روکا گیا ہے اور مومنین سے محبت و الفت و دوستی کی ترغیب دی گئی ہے۔

مسئلہ: مومن کے لئے ضروری ہے کہ وہ مشرکہ عورت کے مال و جمال کو دیکھ کر حیران نہ ہو اس لئے کہ مسلمان عورتوں میں بعض اس جیسی ہوتی ہیں بلکہ اس سے بڑھ کر بھی تو مومن خواہ مخواہ کیوں جہنم خریدتا ہے۔

مسئلہ: محیط میں ہے کہ کوئی مسلمان نصرانیہ کے حسن و جمال کو دیکھ کر دل میں آرزو کرے کہ کاش وہ نصرانی ہوتا تا کہ اس سے نکاح کر لیتا اس آرزو کی وجہ سے وہ کافر ہو جائے گا علاوہ ازیں اس کی حماقت بھی ہے اس لئے کہ اس جیسی حسین و جمیل اسلام میں بھی بیشمار ہیں یہ آرزو اسے جہنم کی طرف لے گئی کیونکہ اس سے نکاح مشکل تھا جب تک ایک جنس نہ بنتا چنانچہ اس کی علت قرآن مجید میں موجود ہے اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً اس لئے مشہور ہے کہ گندی طبیعتیں ہی گندی دنیا کی لالچ کرتی ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ کسی نے کیا خوب کہا۔

همہ مرغاں کنند با جنس پرواز   کبوتر با کبوتر باز با باز

(**ترجمہ**: ہر مرغ اپنے ہم جنس کی طرف پرواز کرتا ہے کبوتر کبوتر کے ساتھ اور باز باز کے ساتھ)

ف: زمخشری کے اس بلاغت بھرے قول کو سراہا گیا ہے چنانچہ اس نے کہا **لا تعرض لمجالسة الا بمجانسة** ک

یعنی اس پر ہرگز راضی نہ ہونا جب تک تیرا انیس تیرا ہم جنس نہ ہو کیونکہ سب سے بڑا عذاب یہی ہے کہ انسان کا رفیق غیر جنس ہو۔

تفسیر صوفیانہ

اسائتہ الحکم میں ہے کہ عادات کے اختلاف کی ایک وجہ ہے وہ یہ کہ عالم شہادت میں ملاقات سے پہلے عالم ارواح میں ارواح کو ارواح سے آپس میں روشناسی ہوئی جسے نیک روح سے تعارف ہوا اسے ازل سے نیکی نصیب ہوئی اسی وجہ سے بعض میں نیکی کی عادت ہوتی ہے اور بعض میں بری عادت اس لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنے کسی ہم جنس سے تعلق جوڑے وہ ہم جنس از جہت جسمانیہ ہو یا از جہت روحانیہ لیکن یاد رہے کہ جہت جسمانیہ کا کھچاؤ مٹی کی طرف ہوگا اور جہت روحانیہ کا روحانیہ کی طرف سے جو کہ روز اولین کی مناسبت سے ایک دوسرے سے تھی۔ حضرت امام سخاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ مقاصد حسنہ میں فرماتے ہیں۔ حدیث الارواح جنود مجندۃ تمام ارواح ایک بڑا لشکر تھے جسے ایک دوسرے سے اس وقت تعارف ہوا وہ آج ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور جنہیں ایک دوسرے سے روشناسی نہ ہوئی ان کا زندگی بھر آپس میں اختلاف رہا۔

شان ورود: اس حدیث کے ورود کے متعلق سیدنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ مکہ معظمہ میں ایک عورت تھی جس کا کام تھا کہ وہ قریش کی عورتوں کو ہنساتی تھی جب عورتوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ نے اسلام کو وسعت بخشی تو وہ بھی مدینہ شریف آگئی میں نے اس عورت کے بارے میں پوچھا کہ وہ کہاں مہمان ہوئی تو کہا گیا کہ وہ فلاں عورت کے ہاں مہمان ٹھہری اور وہ بھی ہنسانے والی مشہور تھی۔ بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ فرماتی ہیں حضور سرور عالم ﷺ تشریف لائے تو فرمایا کہ فلاں ہنسانے والی عورت مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے آئی ہے ہم نے کہا ہاں جی آپ نے فرمایا پھر وہ کہاں مہمان ہوئی ہم نے کہا مدینہ طیبہ کی فلاں عورت جو یہاں مدینہ طیبہ میں عورتوں کو ہنساتی ہے آپ نے فرمایا الحمد للہ ان الارواح جنود مجندۃ الخ کسی شاعر نے کہا ہے۔

بینی وبینک فی المحبۃ نسبتہ　　مستورۃ عن سر ھذا لعالم
نحن اللذان تحابت ارواحنا　　من قبل خلق اللہ طینتہ آدم

(**ترجمہ**: تیرے اور میرے مابین محبت کے بارے میں ایک نسبت ہے جو اس عالم سے پوشیدہ ہے ہم وہ ہیں جو روحیں آپس میں محبت کرتی تھیں جب کہ ابھی اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کا گارا بھی نہیں بنایا تھا)

حضرت حسین کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

جاذب ہر جنس را ہم جنس داں   جنس بر جنس است عاشق جاوداں
تلخ با تلخاں یقین ملحق شود   کے دم باطل قرین حق شود
طیبات آمد بسوئے طیبین   الخبیثات للخبیثین است ہم نشیں

(ترجمہ: ہم جنس کو ہم جنس کھینچتا ہے اس لئے کہ ہم جنس اپنے ہم جنس کا عاشق ہے کڑوے کو یقینا کڑوے سے الحاق ہوتا ہے باطل ایک گھڑی کے لئے بھی حق کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا طیبات کو طیبین کی طرف میلان ہوتا ہے اور خبیثات کو خبیثین سے تعلق ہے)

تفسیر صوفیانہ

عقول میں بھلائی کا میدان اور برائی سے نفرت طبعی طور ہے اس لئے دانا پر لازم ہے کہ وہ نصیحت حاصل کرے وہ شخص بڑی سمجھ رکھتا اور اپنے مال سے باخبر ہوتا ہے تو جو لوگ حق سے دور ہوتے ہیں وہ ان سے علیحدگی اختیار کر لیتا اور برائی کے داعی سے نفرت کرتا ہے عجم کے بعض اہل قربت بزرگوں نے فرمایا اللہ بس باقی ہوس۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا اور مقربین وہ ہیں جو مَا فِی الْاَرْضِ کے باوجود کو فانی سمجھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ماسوی ذات حق کے وہ کسی طرف متوجہ نہیں ہوتے اور اپنے مولیٰ سے ماسوی اس کے اور کچھ نہیں مانگتے اور نیت اور عمل کے لحاظ سے بہتر سے بہتر ہوتے ہیں اور یہی سیدھا راستہ ہے اے اللہ ہمیں ہماری ہدایت کی باتیں الہام فرما اور ہمیں اپنے نفس کے شر سے بچا اس لئے کہ تو مجیب الدعوات ہے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا

اور تم سے پوچھتے ہیں حیض کا حکم تم فرماؤ وہ ناپاکی ہے تو عورتوں سے الگ رہو

النِّسَآءَ فِى الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ

حیض کے دنوں اور ان سے نزدیکی نہ کرو جب تک پاک نہ ہولیں

فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

پھر جب پاک ہولیں تو ان کے پاس جاؤ جہاں سے اللہ نے تمہیں حکم دیا بیشک اللہ

يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۪

پسند کرتا ہے بہت توبہ کرنے والوں کو اور پسند رکھتا ہے ستھروں کو۔ تمہاری عورتیں تمہارے لئے کھیتیاں ہیں

فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۫ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

تو آؤ اپنی کھیتیوں میں جس طرح چاہو اور اپنے بھلے کا کام پہلے کرو اور اللہ سے

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾ وَلَا تَجْعَلُوا

ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اس سے تمہیں ملنا ہے اور اے محبوب بشارت دو ایمان والوں کو۔ اور ایمان والوں کو

اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ

اپنی قسموں کا نشانہ نہ بنالو کہ احسان اور پرہیزگاری اور لوگوں میں صلح کرنے کی

النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِىْٓ

قسم کرلو اور اللہ سنتا جانتا ہے۔ اللہ تمہیں نہیں پکڑتا ان قسموں میں جو بے ارادہ

اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ

زبان سے نکل جائیں ہاں اس پر گرفت فرماتا ہے جو کام تمہارے دلوں نے کئے اور اللہ

غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ

بخشنے والا حلم والا ہے۔ وہ جو قسم کھا بیٹھتے ہیں اپنی عورتوں کے پاس جانے کی انہیں چار

اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَاِنْ عَزَمُوا

مہینے کی مہلت ہے پس اگر اس مدت میں پھر آئے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور چھوڑ دینے کا ارادہ پکا

الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ

کرلیا ہے تو اللہ سنتا جانتا ہے۔ اور طلاق والیاں اپنی جانوں کو روکے رہیں

بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ

تین حیض تک اور انہیں حلال نہیں کہ چھپائیں وہ جو اللہ نے ان

اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ

کے پیٹ میں پیدا کیا اگر اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتی ہیں

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ۭ وَلَهُنَّ

اور ان کے شوہروں کو اس مدت میں اندر ان کے پھیر لینے کا حق پہنچتا ہے اگر ملاپ چاہیں

مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۭ

اور عورتوں کا بھی حق ایسا ہی ہے جیسا ان پر ہے شرع کے موافق اور مردوں کو ان پر فضیلت ہے

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۸﴾ ع

اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

ع ۱۲

تفسیر عالمانہ

سوال: تین وَیَسْئَلُوْنَکَ واؤ کے ساتھ ہیں اور باقی واؤ کے بغیر اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب: دراصل لوگوں نے ان تینوں کے متعلق بیک وقت سوال کیا اور اس کے ماسوا

کے متعلق متفرق اوقات میں سوال کئے اسی لئے انہیں واؤ کے ساتھ اور باقیوں کو واؤ کے بغیر ذکر کیا گیا ہے۔

عَنِ الْمَحِيْضِ یہ مصدر ہے جیسے ''محی اور میت'' مصدر ہیں اور حیض وہ گندی الائش ہے جو عادت کے طور رحم سے خارج ہوتی ہے یعنی آپ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔

فائدہ: سوال میں ابہام تھا لیکن جواب میں پوری تفصیل کی گئی ہے اس لئے کہ ان کے سوال کا منشاء یہ تھا کہ حیض کی حالت میں عورتوں سے اختلاط جائز ہے یا نہ قُلْ هُوَ اَذًى فرمایئے اے حبیب ﷺ وہ اذی ہے یعنی حیض ایک ایسی شے ہے جسے طبیعت کو نفرت ہوتی ہے اور وہ اسے ایذاء دینے والی ہے یعنی بحالت حیض عورتوں سے قربت کرنے سے طبعی نفرت اور کراہت بھی ہے اور موجب ایذاء بھی۔

شان نزول: مروی ہے کہ اہل جاہلیت اپنی عورتوں کو بحالت حیض اپنے گھروں سے نکال دیتے تھے اور نہ ہی ان کے ساتھ کھاتے پیتے مجوس اور یہود کی عادت تھی اور اسی رسم پر قائم رہے یہاں تک کہ ابولادحداع (صحابہ کرام میں سے تھا) نے سوال کیا یارسول اللہ ﷺ کیا ہم اپنی عورتوں سے حیض کی حالت میں ہمبستری کریں یا نہ اس کے سوال پر یہ آیت نازل ہوئی۔

فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ، الْمَحِيْضِ یہاں پر اسم مکان ہے اس لئے کہ فرج سے ہی حیض ظاہر ہوتا ہے یعنی حیض کے دوران عورتوں کے جماع سے پرہیز کرو۔

شان نزول: مروی ہے کہ اہل اسلام نے ظاہری طور پر عورتوں سے علیحدگی اختیار کرلی اس لئے کہ عورتوں کو اپنے گھروں سے نکال دیا چند اعرابیوں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ سخت سردی ہے اور کپڑوں کی کمی ہے اگر ہم ان کو کپڑے دیتے ہیں تو تمام کنبہ ہلاک ہوتا ہے اور اگر ہم خود استعمال کرتے ہیں تو حیض والی عورتیں ہلاک ہوتی ہیں آپ نے فرمایا جب وہ حیض کی حالت میں ہوں تو تم صرف جماع سے روکے گئے ہو یہ نہیں کہ عجمیوں کی طرح حیض والی عورتوں کو گھروں سے نکال دو اسلام میں میانہ روی کا ایک مسئلہ یہ ہے اور یہود حیض والی عورتوں کو گھروں سے نکال دیتے تھے اور نصاری حیض کی پرواہ کئے بغیر ان سے جماع کرتے تھے اسلام میں فرمایا گیا کہ نہ بالکل حیض والی عورتوں کو گھروں سے نکالو اور نہ ہی ان سے جماع کرو۔

وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ اور نہ ہی ان سے جماع کرو حَتّٰى يَطْهُرْنَ یہاں تک کہ حیض سے پاک ہو جائیں

marfat.ocm

یعنی ان کا حیض پورے طور ختم ہو۔

مسئلہ: سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب عورت کے حیض کے ایام دس پورے ہوں تو اس سے جماع کرنا جائز ہے اگرچہ عورت غسل کر سکے اور دس دنوں سے کم مدت میں حیض ختم ہو تو جماع نہ کرے یہاں تک کہ حائضہ غسل کر لے اور اس پر نماز کا وقت گزر جائے۔

فَاِذَا تَطَهَّرْنَ پس جب وہ نہالیں اس لئے کہ تطہر بمعنی اغتسال ہے فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ پس ان کے پاس آجاؤ جہاں سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے یعنی عورت کے ساتھ جماع کرو اس مقام پر جو تمہارے لئے حلال ہے یعنی قبل میں اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ بے شک اللہ تعالیٰ گناہوں سے توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ اور پاک رہنے والوں سے بھی محبت کرتا ہے یعنی فواحش اور طبع سے نفرت والی اشیاء سے تنزہ کرتے ہیں جیسے حائضہ کا جماع اور قبل کے بغیر دوسرے مقام میں وطی کرنے سے نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں یعنی وہ کھیتی کی جگہ ہیں۔

ف: عورتوں کے اندر نطفہ ڈالنے کو زمین کے اندر بیج ڈالنے سے اس لئے تشبیہ دی گئی ہے کہ ان دونوں کو آپس میں مشابہت ہے۔ بایں معنی کہ ہر دونوں میں ایسا مادہ پایا جاتا ہے جو کہ اصل مقصود ہے۔

ف: حرث اور زرع میں فرق یہ ہے کہ حرث کو بیج ڈالنے اور زمین کو اس لئے تیار کرنے اور مرع بیج کے اگانے اور پھر انگوری کی نگرانی وغیرہ کرنے کو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ کفار کے لئے حرث اور زرع کی نفی کی ہے۔ فَاْتُوْا اپنی کھیتی کے پاس آؤ۔

ف: عورتوں کو کھیتی سے اور ان سے جماع کرنے کو اتیان تعبیر کیا گیا ہے اَنّٰى شِئْتُمْ السی یہاں پر بمعنی کیف ہے یعنی جیسے اور جس طرح اور جہت سے چاہوں بعد اس کے کھیتی اور وطی کی جگہ ایک ہو اس لئے کہ دبر کھیتی کی جگہ نہیں ہے اَنّٰى شِئْتُمْ کے عموم میں مکانات کا عموم مراد نہیں کہ عورتوں کو دبر میں بھی وطی کرنا جائز ہے البتہ یہ عموم کیفیات میں ہو سکتا ہے اور کیفیات کے عموم پر اس آیت کا شان نزول بھی دلالت کرتا ہے۔

شان نزول: مروی ہے کہ یہودیوں کا گمان تھا کہ جو شخص اپنی عورت سے قبل میں پیچھے کی طرف سے جماع کرے تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے۔ یہودیوں کی یہی بات حضور سرور عالم ﷺ کو پیش کی گئی تو یہی آیت نازل ہوئی اور عقد نکاح

سے یہی مقصود ہے کہ عورت کھیتی کی جاہ ہے اور اس کے کھیتی کی جگہ پر جیسے ہی اور جس طرح سے جماع ہو جائز ہے۔

لواطت کی مذمت

حدیث شریف: لعنتی ہے جو اپنی عورت کی دبر میں وطی کرے۔

مسئلہ: عورت کی دبر میں وطی کرنا لواطت صغریٰ ہے اور مرد سے دبر وطی کرنا لواطت کبریٰ ہے۔

مسئلہ: حضرت امام نے فرمایا جس نے کسی بے ریش لڑکے کو شہوت کے طور بوسہ دیا گویا اس نے اپنی ماں سے ستر بار وطی کی اور جس نے اپنی ماں سے زنا کیا گویا اس نے ستر باکرہ عورتوں سے زنا کیا اور جس نے ستر باکرہ عوتوں سے زنا کیا گویا اس نے ستر ہزار عورت سے زنا کیا۔

مسئلہ: لواطت کی سزا تعزیر ہے اور اسے جیل خانہ میں محبوس کیا جائے یہاں تک کہ توبہ کرے اور صاحبین کے نزدیک اسے زانی جیسی حد لگانی چاہیے یعنی سو کوڑا اور اگر وہ شادی شدہ نہیں ہے اگر شادی شدہ ہے تو اس کو سنگسار کرنا لازمی ہے۔

وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ اور اپنے نفسوں کے لئے اعمال صالحہ مقدم کرو یعنی وہ ثواب جس کا تمہیں وعدہ کیا گیا ہے وہ اللہ کے ہاں اس دین کے لئے ذخیرہ محفوظ ہے جس دن کہ تمام محتاج ہوں گے اور عورتوں کے ساتھ جماع کرنے پر اس قید میں بھی نہ پھنسو کہ ان سے شہوت رانی مقصود ہے بلکہ اس ارادہ سے جماع کرو کہ شرع کا جو اس میں مقصود ہے یعنی اولاد پیدا کرنا تمہارا بھی وہی مقصود ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور اللہ سے ڈرو گناہوں سے اجتناب کر کے یعنی وہ امور جن سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ اور یقین کرو کہ بے شک تم اللہ تعالیٰ سے ملنے والے ہو مُّلٰقُوْهُ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے لیکن یہاں پر مضاف کا حذف ضروری ہے ای ملاقوا جزائه یعنی اللہ تعالیٰ کی جزاء سے تم ملنے والے ہو اس دن کے لئے ایسا زادراہ تیار کرو کہ جس سے تمہیں شرمساری نہ ہو۔ وَبَشِّرِ اور اے میرے محبوب محمد ﷺ خوشخبری سنایئے الْمُؤْمِنِيْنَ مومنین کو یعنی ان لوگوں کو جو اوامر و نواہی کے مخاطب ہیں اور وہ انہیں سن کر بدل و جان قبول کرتے ہیں اور جس کا انہیں حکم ہے اس پر بطیب خاطر عمل کرتے ہیں انہیں کرامت اور دائمی نعمتوں کی خوشخبری سنا دو کہ۔

دار امان خانہ ایمان بنشیں ایمن باش
کہ امان بایدت البتہ مرو زیں مسائمن

(**ترجمہ**: ایمان کے امن خانہ میں اطمینان سے بیٹھو اگر امن چاہتے ہو تو اس امن خانہ سے باہر قدم مت رکھو)

ف: اس کی علامت یہ ہے کہ جس بندے کا ایمان گناہوں سے روکے اور نیکی کی رغبت دے تو سمجھو ایسا مؤمن خوشخبری کا مستحق ہے اور اگر اس کا ایمان نہ اسے برائی سے روکتا ہے اور نہ ہی اطاعت الٰہی میں دلچسپی دلاتا ہے تو وہ خوشخبری کا حق نہیں رکھتا اس لئے کہ وہ ایمان کے رہنے کی جگہ نہیں کیونکہ ایمان ایسے مقام پر نہیں ٹھہرتا جہاں اس کے رہنے کی جگہ صاف ستھری نہ ہو یعنی گناہوں سے منزہ اور پاک نہ ہو۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ میں اشارہ ہے کہ سالک پر لازم ہے کہ وہ اپنے مرجع اور انجام کو یاد کرے اور کوشش کرے ان چیزوں کے حصول کی جو اسے نفع پہنچائیں یعنی اعمال صالحہ اور گھٹیا درجہ ہے کہ عمل آخرت کے لئے میسر ہوں اور بلند مراتب فضل مقاصد اور اعلیٰ مطالب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے کما قال تعالیٰ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ وہ اسلئے کہ عمل صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے کئے جاتے ہیں نہ کہ جنت کی طلب کے لئے اور نہ ہی دوزخ سے بچنے کے لئے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ عورتوں کے لئے حیض مقرر کیا گیا ہے یہ ان کے ایمان کا نقصان ہے اس لئے کہ یہ روزے نماز کی حقیقت سے مانع ہے جو کہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا موجب ہے اور یہ روزے کی حقیقت سے مانع یہ اور یہ مشتہیات نفس سے روکتا ہے اور جیسے حیض فرج سے نکلنے کا نام ہے اسی طرح خواہشات بھی صفات بشریہ کے غلبات اور حاجات انسانیہ کو کہا جاتا ہے خواہشات نفسانیہ کے غلبہ سے روحانی صفائی مکدر ہو جاتی ہے اور اذی پہنچتا ہے بزرگوں نے فرمایا کہ خواہشات نفسانیہ کا ایک قطرہ روحانی صفائی کے دریا کو مکدر کرتا ہے اس لئے حقیقۃً نفس کو نماز روزہ سے روکا گیا ہے اگرچہ وہ بظاہر ان میں مشغول ہو۔

ف: مومنین کے تین طبقات ہیں۔ ۱۔ عوام ۲۔ خواص ۳۔ خاص الخاص عوام چونکہ اہل غیب سے ہیں ان کے لئے ہم شکل لوگوں میں ٹھہرنے کی اجازت ہے جب کہ علی وصف الاذن ہو ان کے لئے کہا گیا ہے نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ اور خواص چونکہ وصف حضور سے موصوف ہیں ان پر لازم ہے کہ وہ اپنے ہم مثل لوگوں میں گذرایں اور ان کے لئے کہا گیا ہے قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ اس کے بعد وہ لوگ تفرید کے راہ چلتے ہیں یہاں تک کہ

کعبہ توحید تک پہنچ جاتے ہیں اور خاص الخاص وہ حضرات ہیں جو حق تک پہنچتے اور حقیقت کے ملنے والے ہوتے ہیں خلافت حق سے عالم حقیقت میں ماسوی اللہ کے متصرف ہوتے ہیں یہی مردان حق کہلاتے اور اللہ تعالیٰ کے قرب میں بیٹھنے والے ہوتے ہیں ان کی عورتیں ماسوی اللہ ہیں انہیں کہا جاتا ہے یہ ماسوی اللہ تمہاری کھیتی ہے اور اس کے پاس جس طرح چاہو آؤ یہ حضرات انبیاء کرام اولیاء علی نبینا و علیھم السلام ورحمۃ اللہ علیھم ہیں پس جیسے ایک قوم کے لئے دنیا آخرت کی کھیتی ہے لیکن ان لوگوں کے لئے دنیا و آخرت دونوں کھیتی باڑی ہیں ان میں جو چاہیں بیج بوئیں جہاں چاہیں اور جیسے چاہیں اور یہ بھی قاعدہ ہے کہ یہ لوگ وہی چاہتے ہیں جو اللہ چاہتا ہے اس لئے کہ ان کی مشیت کا انحصار اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے اور ان کی قدرت کا تصرف اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت ہے وہ جو کچھ کرتے ہیں اپنے نفع کے لئے کرتے ہیں نہ کہ اپنے نقصان کے لئے بلکہ یہ وہی شئے مقدم کرتے ہیں جس کی تقدیم کا انہیں حکم ہے اور وہی چیز مؤخر کرتے ہیں جس کا انہیں تأخر کا حکم ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ یعنی اے اللہ تعالیٰ کے خواص ولی و دنیا و آخرت کی کھیتی میں تصرف کرنے والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اس لئے کہ تم اللہ تعالیٰ کو ملنے والے ہو اللہ تعالیٰ سے تمہیں کوئی شئے آڑ نہیں بنتی اور مؤمنین کو خوشخبری دو کہ بے شک وہ اللہ تعالیٰ کو ملنے والے ہیں اگر اللہ تعالیٰ سے ڈریں یعنی خواص اولیا کا مرتبہ مومنین کو آسانی سے میسر ہوتا ہے جب کہ وہ اس کی طلب میں جدوجہد کا حق ادا کریں۔

حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

جمال یار ندارد حق نقاب و پردہ ولے غبار رہ بنشاں تا نظر توانی

(**ترجمہ**: جمال یار پر کسی قسم کا پردہ نہیں ہے تم اپنے سے غبار کو دور کر دتا کہ تم دیدار پا سکو)

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ

تفسیر عالمانہ

شان نزول: مروی ہے کہ بشر بن نعمان انصاری نے اپنی عورت کو طلاق دے دی اور یہ حضرت عبداللہ بن رواحہ کی بہن تھیں پھر بشر بن نعمان کا ارادا ہوا کہ ان سے نکاح کریں اور حضرت عبداللہ نے قسم کھائی تھی کہ اب بشر بن نعمان سے علیک سلیک ختم اور نہ ہی اس سے سلام وکلام ہوگا اور نہ ہی اپنی بہن کے بارے میں ان کے ساتھ صلح کریں گے جب انہیں کہا گیا کہ آپ کی بہن کے ساتھ بشر بن نعمان دوبارہ شادی کرنا

marfat.ocm

چاہتے ہیں تو انہوں نے یہی فرمایا کہ اب میں قسم کھا چکا ہوں کہ اپنی بہن کا نکاح دوبارہ بشر بن نعمان سے نہیں کروں گا اور میں اپنی قسم پر پختہ ہوں اس سے کسی طرح حانث نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

حل لغات: عُرْضَةً بمعنی معروض نام ہے اس شئے کا جو کسی شئے کے آگے عارض ہو یعنی وہ شئے جو آگے کی بجائے اس حیثیت سے کہ وہ حاجز و مانع بن جائے یہ مشتق ہے عرض العود علی الاناء سے یعنی لکڑی کو برتن میں ڈال کر اس کا اسے سترہ بنایا اس حیثیت سے کہ اسے برتن یا جس کی طرف توجہ کی جاری ہے سے عاجز و حائل بنایا جائے اب آیت کا ترجمہ یہ ہوا جس پر کہ تم قسم کھاتے ہو انواع خیر سے جیسے پاک دامنی اور پرہیزگاری کا اظہار اور اصلاح کرنا یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کے نام کی قسم کھانے کو آڑ نہ بناؤ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھانا اس سے مانع نہیں یہاں پر قسم کھانا مجاز مرسل ہو گا اس خیرات سے کہ جس پر قسم کھائی جارہی ہے۔

سوال: محلوف علیہا یعنی جس پر قسم کھائی جارہی ہے اسے یمین (قسم کھانے) سے کیوں تعبیر کیا گیا؟

جواب: اس لئے کہ قسم کو اس سے تعلق ہے۔

ترکیب: لایمانکم عرضۃ سے متعلق ہے اور اس کا اس سے معولیت کا تعلق ہے نہ کہ علیت کا کیونکہ عرضہ وہ ہے جو کسی شئے کو عارض اور وہ شئے اس سے معرض ہو یعنی وہ شئے جسے تم کسی دوسری کے آگے مقدم کرو تو پہلی شئے اس دوسری شئے کے آگے ہو اب مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم کو ایسی شے نہ بناؤ جو عارض اور وہ محلوف علیہ یعنی بر اور خیر کے آگے واقع اور وہ قسم شئے کی ادائیگی سے مانع ہو۔ اَنْ تَبَرُّوْا بیان ہے لِاَيْمَانِكُمْ کے لئے یعنی اَنْ تَبَرُّوْا ان امو کے لئے عطف بیان ہے جس پر قسم کھائی جارہی ہے۔ یعنی بر و تقوی اور اصلاح کے لئے۔

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ اور اللہ تمہاری قسم کو سنتا ہے اور عَلِيْمٌ تمہاری نیات کو جانتا ہے یہاں کہ تم قسمیں کھانا چھوڑ دو صرف اللہ تعالیٰ کے نام کی تعظیم اور اس کے اجلال و اکرام کی وجہ سے جو کہ تم اسے اپنی دینویہ اغراض پر استعمال کرتے ہو اور وہ تمہارے قلوب و نیات کو جانتا ہے بلکہ اس پر پورے طور محافظت کرو جس کا مکلف بنائے گئے ہو۔ مثنوی شریف میں ہے۔

از پے آن گفت خودرا حق سمیع
تا بندی لب ز گفتار شنیع

از پے آں گفت خودرا حق بصیر
کہ بود دیدویت ہردم نذیر

از پے آں گفت خود را حق علیم تا نیندیشی فسادے تو زبیم

(**ترجمہ**: اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو اس لئے سمیع فرمایا ہے تا کہ تم اپنی زبان کو بری باتوں سے روکو اور اس نے اپنے آپ کو بصیر اس لئے فرمایا ہے کہ تمہیں دیکھنے کے متعلق اس کا خوف ہو اور اس نے اپنے آپ کو علیم اس لئے فرمایا ہے تا کہ تم فساد کے اندیشے سے پاک وصاف رہو)

تفسیر صوفیانہ

آیت عام ہے ہر اس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی قسم اس لئے کھاتا ہے کہ وہ کسی سے احسان نہ کرے اور نہ ہی گناہوں سے بچے اور وہ کام کرے جو اس کا جی چاہے اور نہ ہی لوگوں کے درمیان صلح وصفائی کرائے جب کہ ان کے مابین بغض وعداوت پھیلے گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہارا ہر معاملہ خیر اور بھلائی ہے اس سے تمہاری قسم مانع نہیں پس اگر تم قسم کھاؤ تو پہلے اسے سوچ لیا کرو اور نیکیاں یعنی احسان وتقویٰ اور اصلاح مابین الناس کا معاملہ کرو پس ایسے نہ کہو کہ قسم کھا کر کہو کہ ہم یہ کام اس لئے نہیں کرتے کہ اس پر قسم کھا چکے ہیں اگر ہم یہ کام کریں تو ہم اپنی قسم میں حانث ہو جائیں گے اس لئے انہیں چاہیے کہ ایسے مواقع پر حانث ہو جائیں کیونکہ ان کا حانث ہونا فعل بر واحسان سے یعنی وہ کہ جس سے احسان وتقویٰ اور اصلاح مابین الناس سے تعلق رکھتا ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا جس نے قسم کھائی اور وہ جانتا ہے کہ اس کے غیر میں بھلائی ہے تو اسے چاہیے کے قسم کا کفارہ دے اور وہ کرے جس میں بھلائی ہے۔

مسئلہ: کام پہلے کرے کفارہ بعد کو ادا کرے۔

مسئلہ: یہ جائز نہیں ہاں حانث ہونے کے بعد کفارہ بالاتفاق واجب ہے۔

مسئلہ: اسحاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک بھی حانث ہونے سے پہلے کفارہ نا جائز ہے۔

مسئلہ: شرح کتاب میں کہ اہل شرع فرماتے ہیں کہ قسم کھا کر اپنے سامان کو رواج نہ دو قسم سچی ہو یا جھوٹی اس لئے کہ اگر وہ جھوٹی قسم کھاتا ہے تو وہ یمین غموس ہے اور کبیرہ گناہ ہے اور کبیرہ گناہ ملک کو تباہ کرتا ہے اور سچی قسم سے اللہ تعالیٰ اس کے سامان کیلئے اچھا سبب تو بنائے گا لیکن تجارت کو فروغ دینے کے لئے سچی قسم کھا کر اس نے برا کیا کیونکہ دنیا خسیس ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر مبارک رفیع الشان اور رفیع الشان کو ایک خسیس شئے کے لئے

بلاضرورت سبب بنانا بہت برا ہے۔

نکتہ: جس کی ہر چھوٹی بڑی بات پر قسم کھانے کی عادت بن جائے تو اس کی زبان قسم کھانے پر مجبور ہو جائے گی جس کی وجہ سے قسم کی قدر و منزلت اس کے دل سے اٹھ جائے گی اس اعتبار سے جھوٹی قسم کا کھا جانا اس کے لے کوئی بری بات نہ سمجھی جائے گی اور اصل غرض کے لئے جو قسم سے مطلوب تھا وہ مقصود ہو جائے گا۔

حدیث شریف: بہت بڑی خرابی ہے اس تاجر کے لئے جو اپنے تجارتی کاروبار کے ہر معاملہ میں کہتا ہے اللہ تعالیٰ کی قسم اللہ کی قسم۔

مسئلہ: بستان العارفین میں ہے کہ اپنے سامان کی ترویج کے لئے درود پڑھتا ہوا کہے کہ یہ بہتر سامان ہے وہ اس سے برا کرتا ہے۔

حدیث شریف: حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا تاجر لوگ بہت برے فاجر ہیں عرض کی گئی اس کی وجہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے تو بیع کو حلال اور سود کو حرام کیا ہے آپ نے فرمایا یہ لوگ اس لئے فاجر ہیں کہ یہ سامان بیچتے ہوئے جھوٹی قسم کھاتے ہیں اس وجہ سے گنہگار ہو جاتے بلکہ بات بات پر جھوٹ بولتے ہیں۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ کو کسی قسم کی قسم نہ دے مثلاً یوں نہ کہے واللہ لیفعلن اللہ کذا اللہ تعالیٰ کی قسم اللہ تعالیٰ ایسے ہی کرے گا۔

مسئلہ: اگر ولی اللہ مذکورہ بالا قسم اللہ تعالیٰ کو پیش کرے تو اللہ تعالیٰ اس قسم میں ولی اللہ کو حانث نہیں ہونے دیتا بلکہ اس قسم میں اسے سچا بنا دیتا ہے تاکہ ولی اللہ کی عظمت کا اظہار ہو۔

حکایت باکرامت: حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک دن کہیں جا رہے تھے تو راستہ میں آپ کو ایک مزدور درویش پڑا ملا آپ نے اسے ہوش میں لا کر پوچھا کیا ہوا اس نے کہا میرا گدھا گم ہو گیا ہے اور میرے گھر کا ساز و سامان صرف وہی گدھا تھا حضرت ابو حفص کھڑے ہو گئے اور کہا وعزتک لا اخطوا خطوۃ مالم نزد حمرا اے اللہ مجھے تیری عزت کی قسم میں یہاں سے ایک قدم نہیں بڑھوں گا جب تک اس شخص کا گدھا واپس نہیں لوٹے گا ابھی یہ بات ہو ہی رہی تھی دیکھا تو گدھا سامنے ہے۔

(کذا فی شرع المشارق)

تفسیر عالمانہ

لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغْوِ اللہ تعالیٰ تمہاری لغو قسم سے تمہارا موٴخذہ نہیں کرے گا۔

فائدہ: لغو وہ کلام ہے جو درجہ اعتبار سے ساقط ہو جائے مثلاً کہا جاتا ہے لغو یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی باطل کلام بولے فِیْٓ اَیْمَانِکُمْ تمہاری قسموں میں۔

ف: ایمان یمین کی جمع ہے بمعنی قسم اسے اس معنی میں دو جہتوں سے مستعمل کیا گیا ہے ۱۔ یمین بمعنی سیدھا ہاتھ چونکہ اہل عرب کی عادت تھی کہ جب کسی سے معاہدہ کرتے تو قسم کھاتے وقت ایک دوسرے کو دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرتے اسی مناسبت سے اسے یمان کہا گیا۔ ۲۔ یمین بمعنی قوت اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ اور ہم نے اسے مضبوطی سے پکڑا اس لئے کہ قسم کھانے والا فعل کے کرنے یا نہ کرنے کی مضبوطی کی بناء پر قسم کھاتا ہے۔

یمین لغو وہ ہے کہ نہ اس میں عقد ہو اور نہ قصد مثلاً ب کسی معاملہ میں اللہ کی قسم کھا کر اقرار یا انکار کرے اور اس کا گمان ہو کہ وہ اپنے فعل میں سچا ہے حالانکہ معاملہ برعکس ہے خواہ وہ معاملہ جس پر قسم کھاتا ہے زمانہ ماضی کا ہو یا کوئی یا اسی قسم پر نہ گناہ ہے اور نہ کفارہ یہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک لغو یمین اسے کہا جاتا ہے جو زبان سے بلا قصد کوئی لفظ نکل جائے مثلاً کہے لا واللہ دبلی واللہ اسی طرح وہ الفاظ کہ جن سے کلام کو موکد کیا جاتا ہے جن میں قسم کھانے کا دل میں خیال تک نہیں گزرتا یہاں تک کہ اگر کسی کو کہا جائے کہ میں نے تجھے بیت الحرم میں قسم کھاتے دیکھا تو وہ اس کا انکار کر جائے آیت کے دو معنی ہیں ایک ان میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری قسموں پر تمہاری گرفت نہیں کرے گا تمہارے اس گمان پر کہ تم اپنی قسموں میں سچے ہو۔

وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ لیکن تمہاری گرفت کرے گا المواخذۃ اخذ سے ہے یہاں پر بمعنی معاقبت کے ہے۔ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ اس پر کہ تمہارے قلوب اس کے مرتکب ہوئے اور اس قسم کا طریقہ یہ ہے کہ جان بوجھ کر خلاف واقعہ کے قسم کھانے اسے یمین غموس کہا جاتا ہے۔

سوال: اسے غموس کیوں کہتے ہیں؟

جواب: اس لئے یہ قسم کھانے والے گناہ میں غوطہ دیتی ہے اب معنی یہ ہوا کہ تمہیں یمین لغو پر کوئی گناہ نہیں اور نہ

marfat.ocm

ہی کفارہ اس لئے کہ اس میں تمہاری نیت نہیں البتہ جس قسم پر تمہاری نیت ہے اور قصداً قسم کھاتے ہو تو اس پر تمہیں کفارہ لازم ہے۔

ف: تفسیر تیسیر میں ہے کہ آیت آخرت کے مواخذہ کے متعلق ہے اور اسی مواخذہ سے وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ میں مواخذہ کفار مراد ہے لیکن کفارہ کا مواخذہ صرف یمین معقودہ میں ہے خلاصہ یہ کہ دونوں آیتیں مواخذہ کے بارہ میں مختلف ہیں۔

الْاَیْمَانَ اور اللہ غفور ہے بایں معنی کہ تمہاری غلطی کو معاف کر دیتا ہے مثلاً یمین لغو پر تمہارا مواخذہ نہیں فرماتا باوجودیہ کہ یمین بھی قابل گرفت تھی اس لئے کہ لاپرواہی سے قسم کھائی گئی حَلِیْمٌ حلیم ہے کہ مواخذہ میں عجلت نہیں فرماتا۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ مواخذہ سے معاقبت مراد ہے ایجاب الکفارہ اس لئے کہ مغفرت اس میں ہو سکتی ہے جس میں کفارہ نہ ہو نہ یہ کہ جس پر کفارہ لازم ہو اور اس کی مغفرت فرمائے۔

فائدہ: الحلیم و الصبور میں فرق ہے صبور وہ ہے جس کسی امر سے نفرت نہ کرے اور نہ ہی اس پر غیظ وغضب طاری ہو اور نہ ہی وہ کسی پر طیش اور عجلت پر انتقام لیتا ہے باوجودیہ کہ قدرت اور بڑی قدرت کا مالک ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰہُ النَّاسَ بِظُلْمِہِمْ مَّا تَرَکَ عَلَیْہَا بندے کا حلیم کی صفت سے فائدہ اٹھانا ظاہر ہے اور ایسا علم بندے کے بہترین اوصاف سے شمار ہوتا ہے۔

حدیث شریف: مسلمان مرد کو حوصلہ سے روزہ دار اور شب بیدار کا ثواب نصیب ہوتا ہے۔ جناب حسین واعظ الکاشفی مرحوم فرماتے ہیں۔

علم باحلم حال روئے بود   علم بے حلم خاک کوئے بود
بردباری چو زینت خراست   ہر کرا علم نیست زیور است

(**ترجمہ:** علم حلم کے ساتھ ہو تو وہ علم مفید ہے علم بے حلم ہو تو وہ خاک ہے بردبار ایسے ہے جیسے گدھے پر زیور یعنی بردباری انسان کے عیب چھپا دیتی ہے جسے حوصلہ نہیں سمجھو بے زیور ہے)

یمین کے اقسام: یمین کے تین اقسام ہیں۔

☆......حسین کاشفی نے فرمایا کہ علماء فرماتے ہیں کہ کوئی عمدہ قسم کھائے تو اس پر کفارہ ہے اسے یمین منعقد کہتے ہیں۔

☆......اس نے جو قسم کھائی ہے اگر اسے زمانہ ماضی سے تعلق ہے اور قسم کھانے والا واقعہ کو جانتا بھی ہے لیکن قسم اس کے خلاف کھاتا ہے تو اس پر صرف گناہ ہے اور وہ بھی کبیرہ لیکن اس پر کفارہ نہیں یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مذہب ہے کیونکہ کبائر پر کفارہ نہیں ہوتا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس پر کفارہ واجب ہے۔ اسے یمین غموس کہتے ہیں۔

☆......اگر قسم کھانے والا واقعہ سے بالکل بے خبر ہے اور قسم کھاتے وقت اپنے موقف کو سچا سمجھ کر قسم کھاتا ہے حالانکہ معاملہ برعکس ہے لیکن اسے اس کا علم نہیں تو اس میں کسی قسم کا کفارہ نہیں اور اسے یمین لغو کہا جائے گا امام ابوحنیفہ کے نزدیک لیکن امام شافعی اسے یمین غموس کہتے ہیں اور وہ فرماتے ہیں کہ اس قسم میں بھی کفارہ ہے۔

مسئلہ: قسم اللہ تعالیٰ کی یا اس کے اسماء میں سے کسی ایک اسم کی یا اس کی صفت میں سے کسی صفت کی ہونی چاہیے مثلاً اللہ تعالیٰ کی قسم میں یوں کہے والذی اصلی لہ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کی میں نماز پڑھتا ہوں یا یوں کہ والذی نفسی بیدہ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔

مسئلہ: اس کے اسماء سے قسم کھانے کی صورت یوں ہے واللہ والرحمن ونحوہ مجھے اللہ کی قسم، مجھے رحمٰن کی قسم وغیرہ وغیرہ۔

مسئلہ: جو شخص غیر اللہ کی قسم کھائے مثلاً کہے والکعبۃ وبیت اللہ ونبی اللہ مجھے کعبہ اور اللہ کے گھر اور نبی علیہ السلام کی قسم یا اپنے باپ کی قسم کھائے وغیرہ وغیرہ تو وہ شرعی قسم نہ ہوگی اور نہ ہی اس سے کفارہ واجب ہے ایسی قسم مکروہ ہے۔

مسئلہ: حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسی قسم کھانے والے کے لئے مجھے خوف ہے کہ وہ گنہگار نہ ہو جائے۔

حدیث شریف: جو شخص غیر اللہ کی قسم کھاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے کو شریک ٹھہراتا ہے۔

شرح: اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص اگر غیر کی قسم کھا کر اس کی تعظیم کا اعتقاد رکھتا ہے تو اس

marfat.ocm

نے محلوف بہ کو اللہ تعالیٰ کا اس قسم میں شریک ٹھہرالیا جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص تھی (نہ کہ مطلقاً مشرک ہوا)۔

مسئلہ: اگر اس کا اس قسم میں تعظیم مقصود نہیں اور نہ ہی محلوف بہ کو معظم بالشان رکھ کر قسم کھاتا ہے تو کوئی حرج نہیں مثلاً سبقت لسانی یا بطریق عادت کے کہتا ہے لاوابی وغیرہ وغیرہ تو مشرک نہیں۔

مسئلہ: علی رازی مرحوم فرماتے ہیں جو شخص قسم کھاتے وقت کہتا ہے بحیاتی وبحیاتک وغیرہ مجھے اپنی تیری زندگی کی قسم ہے وغیرہ وغیرہ تو ایسے شخص کے متعلق مجھے خطرہ ہے کہ وہ کافر نہ ہو جائے۔

مسئلہ: اگر ایسے کلمات عوام کی زبان زد نہ ہوں اور انہیں مسئلہ کا علم ہو تو ایسے قسم کھانے والے کو مشرک کہا جا سکتا تھا اس لئے کہ قسم صرف اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے اور بس۔

مسئلہ: اسلام سے برأت کی قسم نہ کھائے اگر وہ سچی قسم اس طریق سے کھاتا ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ وہ اسلام کی دولت سے محروم ہو جائے گا اگر جھوٹی قسم اس طریق کی کھائی تو اس کے لئے کفر کا خطرہ ہے۔

حدیث شریف: جو شخص جھوٹی قسم غیر ملۃ الاسلام کی کھاتا ہے تو وہ جیسے کہتا ہے ویسے ہی ہو گا۔

شرح: حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص یوں کہے کہ اس نے اگر یہ کام یونہی کیا تو وہ یہود ہو جائے گا تو جیسے وہ کہہ رہا ہے ویسے ہی وہ گا یعنی وہ کافر ہو جائے گا یہی امام شافعی کا معمول ہے ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ کافر نہ ہو گا اس حدیث کو انہوں نے تہدید پر محمول فرمایا ہے۔

مسئلہ: اگر صورت مذکورہ کو ماضی زمانہ سے متعلق کیا مثلاً کہا اگر اس نے یہ فعل کیا ہو تو وہ یہودی ہو حالانکہ وہ فعل اس نے کیا تھا تو اس صورت میں احناف کا اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ وہ شخص کافر نہ ہو گا اگرچہ جانتا ہے کہ یہ صورت قسم کی ہے۔

مسئلہ: ہاں اگر صورت مذکورہ میں اسے معلوم ہے کہ ایسے کلمات کہنے سے بندہ کافر ہو جاتا ہے پھر بھی وہ کلمات استعمال کرتا ہے تو کافر ہو جائیگا کیونکہ کفر پر راضی ہوا یہی حدیث شریف کا صحیح محمل ہے اور اسی پر اکثر کا اتفاق ہے۔

مسئلہ: فتاویٰ بزازیہ میں ہے کہ صورت مذکورہ میں فتویٰ اس پر ہے کہ وہ یمین ہے اس پر کفارہ واجب ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جو قول ظاہر بلا قصد اور ارادہ زبان پہ جاری ہو جاتا ہے اور اس کا

باطن سے کوئی تعلق نہیں تو اسے اگرچہ شر سے کوئی تعلق نہیں لیکن خیر سے بھی اسے امید نہ رکھنی چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی مذمت فرمائی ہے جو زبان سے کچھ اور دل سے کچھ چنانچہ فرمایا:

يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ اسی طرح جو شخص زبان پر جو کچھ چلاتا ہے اس پر اس کا دل بھی شاہد ہے لیکن عمل اس کے خلاف ہو تو اسے بھی اللہ تعالیٰ نے غلط کار کہا ہے چنانچہ فرمایا كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ اگر ایسی بات بولنے والے کا مقصد صرف یہ ہو کہ اتہام سے بری ہو جاؤں تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے وسعت رکھی ہے چنانچہ فرمایا لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ اسی طرح ہی مجبوری کے وقت کفریہ کلمات بولنے پر معاف فرماتا ہے چنانچہ فرمایا اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کا دل بمنزلہ زمین کے ہے اور اعضاء بمنزلہ ان ہتھیاروں کے ہیں جو کھیتی باڑی کے لئے ہوتے ہیں اور اعمال و اقوال بمنزلہ زمین کے ہیں جو شخص ایسے عمل بجالاتا ہے اس کا معمولی طور قلب پر اثر اترتا ہے اگرچہ بقدر مثقال ذرہ کے تب بھی اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کے اعمال کو ضائع نہیں ہونے دیتا اس لئے کہ وہ قلیل کو کثیر اور صغیر کو عظیم بناتا ہے اگر اس کے اعمال ظاہری سے قلب پر معمولی شر اثر انداز ہوتا ہے تب بھی اپنے لطف و احسان سے اس بندے سے مواخذہ نہیں فرماتا بلکہ حوصلہ فرماتا ہے اس کی توبہ قبول کر کے اس کے گناہ بخش دیتا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ (کذافی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ، الایلاء بمعنی قسم کھانا ایلا دراصل علی سے مستعمل ہوتا ہے لیکن چونکہ ایسے افعال بعد کے معنی کو متضمن ہوتے ہیں اس لئے ان کا صلہ من آتا ہے اب معنی یوں ہوا کہ ان لوگوں کے لئے جو اپنی عورتوں کو دور رکھتے ہیں قسمیں کھا کر تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ چار ماہ کا انتظار ضروری ہے تَرَبُّصُ مصدر ظرف کی طرف مضاف ہے اس لئے کہ ظرف میں وسعت ہے کہ وہ ظرفیت کے باوجود مفعول بہ کا بھی کام دے چنانچہ کہا جاتا ہے بینهما میرۃ یوم ای مسیرۃ فی یوم انہیں چاہیے وہ اس مدت تک انتظار کریں کہ نہ رجوع کریں اور نہ طلاق دیں۔

مسئلہ: ایلاء کی صورت یہ ہے کہ مرد عورت سے کہے کہ میں چار ماہ تک تیرے قریب نہیں آؤں گا اسے چار ماہ کی یا زائد کی قید لگائے بہر حال مہینوں کی قید ضروری ہے یا یوں کہے کہ میں تیرے قریب نہ آؤں گا یعنی کسی قسم کی

marfat.ocm

قید نہ لگائے۔

مسئلہ: ایلاء دو حکم ہیں۔ ۱۔ حکم الحنث ۲۔ حکم البر۔ حکم الحنث میں کفارہ ضروری ہے مدت ایلا میں اگر اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کھائی تو جزا لازم ہوگی اگر اس قسم کا طلاق وعتاق سے مقید کیا ہو تو نذر معین ہوگی اگر اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کھائی اگر قسم ثانی سے ہو تو اس میں ایلاء کی مدت گزرنے کے بعد طلاق بائنہ واقع ہوگی۔

مسئلہ: ایلاء کی مدت کم از کم چار ماہ ہے اگر عورت آزاد ہو اگر عورت لونڈی ہو تو دو ماہ گزرنے کے بعد وہ لونڈی بائنہ ہو جائے گی۔

ف: حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ اہل جاہلیت کے نزدیک ایلاء بھی طلاق کی ایک قسم ہے حضرت سعید بن المسیب فرماتے ہیں کہ اہل جاہلیت کے ہاں عورتوں کو دکھ پہنچانے کا ایک طریقہ یہی ایلاء بھی تھا مثلاً کوئی شخص اپنی عورت کو نہ تو خود اپنے پاس رکھنا چاہتا اور نہ وہ چاہتا کہ کوئی دوسرا اس سے نکاح کرے تو قسم کھاتا کہ وہ اپنی عورت سے ہمیشہ ہمیشہ تک جماع نہ کرے گا اس کے بعد سے چھوڑے رکھتا وہ عورت اس طرح سے نہ غیر شادی شدہ سمجھی جاتی ہے اور نہ ہی شادی شدہ ابتدائے اسلام میں بھی اس پر عمل کرتے رہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اسلام کی برکت سے عورتوں سے یہ عظیم ضرور دور فرمادیا اور مرد کے لئے ایلا کی مدت متعین کردی تا کہ اس مدت کے اندر وہ سوچ بچار کر سکے اس کے بعد چاہے تو اپنی عورت کو پاس رکھے اور چاہے اسے طلاق دے۔

فَاِنْ فَآءُوْ پس اگر وہ جماع کریں اس سے جو انہوں نے قسم کھائی ترک جماع کی تو فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اس رجوع کا گناہ بخش دیتا ہے یہ بھی توبہ کی طرح ہے کہ اس کے خلاف عمل کرنا گناہ ہے اس لئے کہ ایلاء سے عورت کو ضرر پھر جب اس سے رجوع کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دے گا وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ دراصل کسی شئے کا دل سے ارادہ کر کے اسے کر گزرنے کو کہتے ہیں اب معنی یہ ہوا کہ جب وہ طلاق دینے پر تل جائیں اور پختہ ارادہ کرلیں کہ اس مدت کے اندر اپنی عورت سے ہرگز ہرگز جماع نہ کریں یہاں تک کہ مدت گزر جائے۔ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ بے شک اللہ ان کی طلاق کو سنتا اور ان کی غرض کو جانتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ دونوں آیتوں کی تحقیق میں اس طرف اشارہ ہے کہ بندے کو یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کا حق ضائع نہیں کرتا جب عورت کی زبان بولنے سے کوتاہ ہو جائے کہ

وہ اپنے مرد کی قید میں آجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے امور کا متولی ہو جاتا ہے زوج کو چاہیے کہ یا تو اس سے گزارہ اچھا کرے یا طلاق دے دے یہاں تک کہ مرد اگر عورت سے اچھا گزارہ کرے تو فبہا ورنہ اس کی وجہ سے مرد کو سخت گرفت ہوگی اس لئے کہ سالک کو ضروری ہے کہ وہ ہر ایک کے حقوق کی رعایت میں اہتمام کرے۔

نکتہ: چار ماہ کی قید میں ایک عجیب نکتہ ہے وہ یہ کہ جنین یعنی پیٹ میں نطفے کے ٹھہرنے کے بعد بچے کا روح سے تعلق چار ماہ کے بعد ہوتا ہے چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ان احدکم یجمع خلقه فی بطنی امه اربعین یوم بے شک نطفہ ماں کے پیٹ کے اندر چالیس دن میں جمع کیا جاتا ہے۔

شرح: یہاں یجمع بمعنی یحزر و یقر ہے یعنی تمہاری پیدائش کے مادہ کو اکٹھا کرتا اور ایک جگہ جمع فرماتا ہے فی بطن امه ای فی رحمها یہاں پیٹ بول کر رحم مراد لی گئی ہے جیسے عام طور عرب کا دستور ہے کہ کل بول کر جز مراد لیتے ہیں۔

ف: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نطفہ رحم میں قرار پکڑتا ہے اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے کہ اس سے بچہ پیدا کرے تو نطفہ کے پہنچتے ہی وہ عورت کے جسم کے ذرہ ذرہ کے اندر پھیل جاتا ہے یہاں تک کہ ناخنوں اور بال بال کے نیچے تک پھیل جاتا ہے اس حالت میں چالیس دن گزار دیتا ہے پھر وہ خون بن کر رحم میں اترتا ہے یہی مطلب ہے جمع کرنے کا جو کہ حدیث شریف میں واقع ہوا۔ پھر خون کا لوتھڑا ہو جاتا ہے جسے قرآن نے علقہ سے تعبیر کیا ہے اور وہ اس حالت میں بھی چالیس دن گذارتا ہے اس کے بعد وہ گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے اتنا قدر کہ اسے دانتوں میں دے کر چبایا جا سکے جسے قرآن میں "مضفقه" سے تعبیر کیا گیا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ روح پھونکنے کے لئے ایک فرشتہ بھیجتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ صورت کشی یعنی نفخ روح تیسرے اربعین (چلہ) کے بعد ہوتا ہے اس وقت فرشتے کو چار کلمات لکھنے کا حکم ہوتا ہے حدیث کے الفاظ یہ ہیں ویومر باربع کلمات کلمات یعنی فرشتے کو ان چار چیزوں کے لکھنے کا حکم ہوتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے پہلے مقدر فرمایا ہے اس کا عطف قولہ تکون علقہ پر ہوگا جو حدیث شریف میں واقع ہے اس لئے کہ ان چار کلمات کی کتابت دوسرے چلہ میں ہوتی ہے ویکتبہ رزقہ اور اسے بصیغہ مجہول بھی پڑھا گیا ہے اور بصیغہ

marfat.ocm

معلوم بھی یعنی اس کا رزق لکھا جاتا ہے اور اس کا اجل بھی اور اجل کا اطلاق انسان کی تمام زندگی پر آتا ہے اور یہی مراد ہے ویسے انسان کی آخری زندگی کو بھی اجل کہا جاتا ہے اس استعمال سے اللہ تعالیٰ کا قول اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ اس کے بعد عمل لکھا جاتا ہے کہ یہ بدبخت ہے کہ اس کی عادت اہل نار کی ہوگی یا لکھا جاتا ہے کہ وہ سعید نیک بخت ہوگا یعنی کہ اس کی فطرت اہل جنت کی ہوگی۔

ف: بدبخت کو نیک بخت سے اس لئے مقدم کیا گیا کہ اکثریت بدبختوں کی ہے۔ **(کذا قال القاضی)**

ف: کتابت سے مراد یہ ہے کہ ان امور کو فرشتہ کے سامنے ظاہر کیا گیا ورنہ تقدیر ربانی کا لکھا جانا تو اس سے مدت پہلے ہے اس مختصر تمہید کے بعد جاننا چاہیے کہ جس سالک سے اثناء سلوک میں کوئی ایسی خرابی واقع ہو جو اسے نقصان دہ ہے یعنی اس سے نفس کو ملال ہو اور طبع کو نفرت تو شیخ یا سالک کے ساتھیوں پر واجب ہے کہ اس سے جدائی اختیار نہ کریں بلکہ اس کی بہتری کے لئے اسے مدد دیں تاکہ وہ اپنے حقیقی امور میں نفع یاب ہو سکے اور اس کے رجوع کے لئے چار ماہ کا انتظار کریں اگر وہ شخص طلب صدق اور رعایت حق صحبت کی طرف رجوع کرلے اور اس غلطی سے استغفار کرے جو اس سے سرزد ہوئی ہے پھر چابک دستی سے اپنے ارادوں میں دوبارہ کام کرے تو یہ بھی اس کی طرف متوجہ ہو کر اسے درگزر کریں اس لئے کہ یہ ایسی چراگاہ ہے کہ جسے صرف کمزور لوگ ہی حاصل کر سکتے ہیں اور ایسا چشمہ ہے کہ جس پر یہ لوگ اترتے ہیں جو نہایت ہی غافل قسم کے ہیں اور یہ وہ دروازہ ہے جسے وہ کھٹکا سکتے ہیں اواس در پر ٹھہرنے رہتے ہیں بلکہ یہ ایسی شراب ہے جس کا مزہ صرف عارفین کو نصیب ہوتا ہے اور یہ ایک ایسا غنا ہے جسے صرف عشاق ہی سنتے ہیں اگر یہ لوگ چار ماہ کی مدت گزرنے کے بعد کی منکوحہ کو طلاق دنے دیں اور پھر جدائی کے گناہ پر اصرار کریں تو پھر انہیں حق کی رسی کو تھامنا پڑے گا اللہ تعالیٰ ان کی گفتگو کو سنتا اور ان کے حال کو جانتا ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا:۔

نہ درمیان ما را وفا و عہد بود   جفا کردی و بد عہدی نمودی
ہنوز گر سر صلحت باز آئی   کز اں محبوب تر باشی کہ بودی

(**ترجمہ:** ہمارے درمیان وفا کا معاہدہ تھا لیکن تو نے خلاف عہد کرکے ہم پر ظلم کیا اگر اب تمہیں صلح کا خیال ہے تو ہم حاضر

ہیں صلح کے بعد تم پہلے کی طرح محبوب بلکہ اس سے بھی محبوب تر ہو گے)

حکایت: اپنے وقت کے شیخ حضرت ابو عبداللہ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں نے حضور نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا وہ فرما رہے ہیں جو شخص اللہ تعالیٰ کے ملنے کی راہ جانتا اور اس پر چلتا ہوا واپس لوٹتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ ایک ایسے عذاب میں مبتلا کرے گا کہ کسی کو عالمین میں ایسا عذاب نہیں دیا ہو گا۔

(کذافی الواقح الانوار القدسیہ فی مناقب العلماء و الصوفیاء)

تفسیر عالمانہ

وَالْمُطَلَّقٰتُ ان سے وہ آزاد عورتیں مراد ہیں جو مدخول بہا ہیں اور جنہیں حیض آتا ہے ورنہ غیر مدخولہ عورتوں کی کوئی عدت نہیں ہوتی اور وہ عورتیں جنہیں صغرسنی یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہیں آتا ان کی عدت تو مہینوں کی گنتی پر ہوتی ہے اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔

مسئلہ: لونڈیوں کی عدت دو قرء دو ماہ۔

حل لغات: تطلیق لغت میں قید ہٹانے کو کہا جاتا ہے یعنی وہ عورتیں جو اپنے شوہروں کی رسیوں سے آزاد کی گئی ہیں یَتَرَبَّصْنَ یعنی چاہئے کہ وہ عورتیں انتظار کریں۔ بِاَنْفُسِهِنَّ یہ با تعدیہ کی ہے یعنی اپنے نفسوں کو برانگیختہ کریں انتظار پر یا یہ کہ وہ اپنے آپ کو انتظار کرنے والی بنائیں ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ کی جمع ہے کلام عرب میں واضداد میں سے ہے کبھی طہر کے لئے اور کبھی حیض کے لئے مستعمل ہوتا ہے اور مشہور یہی ہے کہ یہ دونوں معنی اس کے لئے حقیقت ہیں جیسے شفق کی سرخی اور سپیدی دونوں کے لئے مستعمل ہوتا ہے سیدنا ابوحنیفہ اور آپ کے متبعین کا مذہب ہے کہ یہاں پر قرء بمعنی حیض ہے اس لئے کہ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے عورت کی عدت کو قروء کی بجائے مہینوں کو عدت قرار دیا ہے چنانچہ فرمایا وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ۔ پھر جب کہ اس عورت سے حیض کی حیثیت مرتفع ہوئی تو اس کی اصلی حالت لوٹی اس سے ثابت ہوا کہ قروء بمعنی حیض ہے۔

مسئلہ: حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ سے استدلال کیا ہے کہ قرء بمعنی طہر ہے اس لئے کہ لِعِدَّتِهِنَّ کی لام وقت کے لئے ہے اور عدت کا وقت صرف طہر ہی ہو سکتا ہے اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے طلاق کا حکم فرمایا اور طلاق حیض میں ممنوع ہوتی ہے احناف کا جواب اس کے متعلق یہ ہے کہ فَطَلِّقُوْهُنَّ

marfat.ocm

بِعِدَّتِهِنَّ معنی ہے فَطَلِّقُوْهُنَّ مستقبلاً لِعِدَّتِهِنَّ یعنی ان عورتوں کو طلاق دو در آں حالیکہ وہ عورتیں اپنی عدت کے وقت کی طرف متوجہ ہونے والی ہوں اور ان کی عدت یہی تین حیض ہیں اب مطلب یہ ہوا کہ انہیں طلاق واقع ہوگی تو وہ اپنی عدت کی طرف رجوع کریں گی اور عدت کی گنتی میں شروع ہو جائیں گی آیت کا معنی یہ نہیں کہ انہیں طلاق عدت میں واقع ہو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عورت مطلقہ کی عدت تھوڑی ہے اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک بہت بڑی ہے یہاں تک کہ جس نے اپنی عورت کو طہر میں طلاق دی تو عورت کی عدت وہی طہر اور باقی دو طہر ہوگی اگرچہ طلاق والے طہر کے بعد فوراً ہی اس عورت کو حیض شروع ہو جائے اور جب تیسرا حیض شروع ہوگا تو اس کی عدت ختم ہو جائے گی اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک جب تک کہ وہ تیسرے حیض سے فارغ نہ ہو لے اس کی عدت ختم نہیں ہوگی اگر اسے طہر کی حالت میں طلاق دی گئی ہے اور اگر اسے حیض کی حالت میں طلاق دی گئی ہے تو اسے چوتھے حیض کو ختم کرنا ضروری ہے تب اس کی عدت ختم ہوگی۔

وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ اور ان کے لئے حلال نہیں کہ وہ چھپائیں مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ جو اللہ تعالیٰ نے ان کی رحموں میں پیدا فرمایا یعنی حمل یا حیض کو چھپالیں مثلاً یوں کہ میں حاملہ یا حائضہ نہیں ہوں حالانکہ وہ حائضہ ہوتا کہ زوج کا حق باطل ہو اولاد سے یا اسے رجعت کا حق نہ ملے یہ اس وقت ہے جب کہ عورت چاہے کہ وہ جلدی اپنے شوہر سے گلو خلاص کرے اس لئے کہ وہ حمل کو چھپاتی ہے تاکہ طلاق کے بعد اسے وضع حمل کا انتظار نہ کرنا پڑے اور بسا اوقات ایسے خوف سے حمل گر بھی جاتے ہیں یا حمل اس لئے چھپاتی ہیں تاکہ اس کا شوہر اپنے بچہ کی لالچ میں شفقت پر رجوع کر لے اس طرح سے عورت کی تمنا پوری نہ ہو یا حیض کو اس لئے چھپاتی ہے تاکہ اسے دوسری طلاق جلد حاصل ہو اس لئے کہ طلاق السنۃ کا قاعدہ ہے کہ وہ طہر میں واقع ہوگی ہے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ ایسے معاملات میں عورت کا قول معتبر ہے اثبات ہو یا نفی۔

اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اگر وہ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہیں یعنی عورتیں مذکورہ بالا غلطی کا ارتکاب نہیں کر سکتیں اس لئے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لا چکی ہیں تو ان سے ایسے امور کا صدور اس کے منافی ہے۔

مسئلہ: اس میں عورتوں کے لئے سخت وعید ہے۔

مسئلہ: یہ حکم عام ہے خواہ وہ عورت مومنہ ہو یا کافرہ ایمان کی قید اتفاقی ہے۔

وَبُعُوْلَتُهُنَّ بعول۔ بعل۔ کی جمع ہے اور بعلۃ عورت کو کہتے ہیں دراصل بعل سردار اور مالک کو کہا جاتا ہے مرد کو اس لئے بعل کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی عورت کے معاملات میں خود کفیل ہوتا ہے گویا کہ وہ اپنی عورت کا مالک اور مربی ہے اور البعولته میں تا تانیث الجمع کی ہے اس لئے کہ جمع بمعنی الجماعۃ مونث کے حکم میں ہے اور تاء تانیث کی تاکید کی وجہ سے ہے۔

مسئلہ: طلاق کے بعد بھی زوج کو بعل کہا گیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بعد طلاق بھی مرد کا نکاح باقی ہے اور اس کے لئے حلت ثابت ہے۔

ف: ھن کی ضمیر مطلقات کے افراد کے لئے ہے اس لئے کہ ھن عام ہے جو جمیع مطلقات کو شامل ہے خواہ وہ طلاق رجعی ہو یا بائنہ۔ لیکن بائنہ طلاق میں شوہر کا کوئی حق نہیں ہوتا نہ نکاح میں نہ رجعت میں۔

اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ وہ شوہر زیادہ حقدار ہیں نکاح اور ان کی طرف رجوع کرنے کے متعلق فِیْ ذٰلِكَ یعنی انتظار کے زمانہ میں اس لئے کہ شوہر کو رجعت کا حق اس وقت تک حاصل ہے جب تک کہ عورت عدت میں ہو جب عدت ختم ہو جائے تو رد اور رجعت ختم یہاں پر احق افعل التفضیل بمعنی اسم فاعل ہے اب معنی یہ ہے کہ مرد اپنی عورت کے رد اور رجعت کے حقدار ہیں اس لئے کہ یہاں پر افعل التفضیل کا معنی نہیں ہو سکتا کیونکہ عورتوں پر مردوں کے سوا اور کسی کا حق نہیں۔

مسئلہ: طلاق وغیرہ میں صرف مردوں کا حق ہے۔ عورتوں کو اس میں انکار یا اقرار کی کوئی گنجائش نہیں اگر مرد طلاق دے کر رجوع کرنا چاہے تو عورت کا انکار غیر معتبر ہے اِنْ اَرَادُوْٓا اگر مرد رجوع کرنا چاہیں اِصْلَاحًا آپس میں اصلاح اور احسان و مروت نہ کہ عورتوں کو نقصان دینے کا جیسے دور جاہلیت میں کرتے تھے۔

شان نزول: زمانہ جاہلیت میں عادت تھی کہ جب کوئی شخص اپنی عورت کو طلاق دے دیتا جب عورت کی عدت قریب الاختتام ہوتی تو وہ عورت سے رجوع کر لیتا پھر اسے طلاق دے دیتا پھر رجوع کر لیتا اس طرح سے اس کی عدت لمبی ہو جاتی اور اس کا مقصد بھی یہی ہوتا کہ کسی طرح عورت کی عدت طویل ہوتا کہ اسے ضرر پہنچے۔

مسئلہ: عورت مطلقہ رجعی کے رجوع کو حرف شرط سے ذکر کرنا ضروری نہیں کہ رجوع صرف اصلاح نیت سے ہو سکتا ہے بلکہ ضرر دینے کی نیت سے اگر رجوع کرے تو وہ بھی جائز ہے اسے اصلاح سے مشروط کرنے میں اصلاح کی ترغیب اور ضرر دینے سے زجر و توبیخ مطلوب ہے۔

ربط: جب اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ عورتوں کو طلاق دینے کے بعد رجوع کرنے سے مقصود صرف اصلاح ہو نہ کہ عورتوں کو ضرر دینا اب بتانا چاہتے ہیں کہ مرد و عورت کے ایک دوسرے پر حقوق کیا ہیں چنانچہ فرمایا وَلَهُنَّ اور ان مردوں پر عورتوں کے حقوق ہیں مِثْلُ الَّذِیْ جیسے ان کے لئے عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ عورتوں پر حقوق ہیں ساتھ نیکی کے بالمعروف اور لَهُنَّ کا ایک ہی متعلق ہے یعنی استقرار در اصل عبارت یوں تھی استقر لهن بالمعروف حقوق الزوجین میں وہ حقوق داخل ہیں جسے شرع نے انکار نہیں کیا لوگوں کے عادات بھی اس میں شامل ہیں عورتوں کو ایسی باتوں کا مکلف نہ بنایا جائے جنہیں ان کا ضرر اور مردوں کا فائدہ ہو۔

مسئلہ: زوجین کو ایک دوسرے سے نفرت نہ ہونی چاہیے اور دونوں حقوق کے درمیان وجہ مماثلت صرف وجود و استحقاق المطالبہ ہے نہ اتحاد فی جنس الحقوق مثلاً عورت پر مرد کا حق ہے کہ زوج سے حق مہر وصول کرے اور اس سے نفقہ اور مسکن حاصل کرے لیکن مرد عورت سے یہ امور حاصل نہیں کر سکتا جنس حقوق میں مرد اور عورت برابر ہیں۔

وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ اور مردوں کا عورتوں پر درجہ ہے یعنی مرد کا عورت پر زیادہ حق ہے اور اسے عورت پر فضیلت ہے اور مرد کی عورت پر فضیلت عقل اور دین اور ان امور جو ان سے متفرع ہو سکتے ہیں کی وجہ سے ہے اور اس میں کسی قسم کا شک بھی نہیں اور وہ فضیلت جو اس مقام کے مناسب اس کے دو وجوہ ہیں ا۔ مرد مستحق ہے اس بات کا کہ وہ عورت سے افضل ہے اور اس سے زیادہ استحقاق رکھتا ہے جو عورت کا اس پر حق ہے اس لئے کہ وہ مرد اپنی عورت کا مالک ہے اور اس کے نفس پر حق رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ عورت نفلی روزے نہیں رکھ سکتی جب تک کہ مرد کی اجازت نہ ہو اور نہ ہی مرد کے گھر سے مرد کی اجازت کے بغیر نکل سکتی ہے اور مرد عورت کی طلاق پر قدرت رکھتا ہے اور جب طلاق دے دے تو اس کے رجوع پر قادر ہے عورت چاہے نہ چاہے عورت ان جملہ امور میں کسی ایک امر کی بھی مالک نہیں اس کا حق مرد پر اتنا ہے کہ وہ اس سے حق مہر وصول کرے اور نان و نفقہ

اور مسکن حاصل کرے اور مرد اس کے ضرر کے درپے بھی نہ ہو ۲۔ یہ وہ حق ہے جو زجاج نے فرمایا جیسے مرد کو نکاح سے عورت سے لذت حاصل ہوتی ہے اسی طرح عورت کو بھی لذات نصیب ہوتی ہیں عورت کے لئے نفقہ مرد پر ضروری ہے اور اس کے جملہ امور کا انتظام بھی یہ فضیلت اس وجہ سے ہے کہ مرد نے اپنی عورت کے حقوق اپنے ذمہ لگائے ہیں اور یہ رحمت اور احسان کا موجب ہے جیسے حق مہر کی ادائیگی اور نفقہ اور گھر میں ٹھہرانا اور عورت سے تکالیف دور رکھنا اور اس کی ضروریات پوری کرنا اور جمیع آفات سے حفاظت کرنا۔

حدیث شریف: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں کسی کو غیر اللہ کے لئے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے اس لئے کہ اللہ تعالی نے مرد کے عورت پر بڑے حقوق مقرر فرمائے ہیں اللہ تعالی فرماتا ہے اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ اس سے معلوم ہوا کہ عورت پر مرد کے حقوق زائد ہیں۔

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ اور اللہ تعالی قدرت رکھتا ہے اس پر کہ جو بھی اس کے احکام کی مخالفت کرے اس سے بدلہ لے حکیم ایسا حکیم ہے کہ اس کی شریعت کئی اسرار و رموز اور حکمتوں اور مصلحتوں کی حاوی ہے۔

زوجیت کے مقاصد نامکمل رہتے ہیں جب تک کہ ہر دونوں ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت نہ کریں اور ہر دونوں کا خیال رہے کہ ہم نے دوسرے کے احوال کی اصلاح کرنی ہے۔ مثلاً ۱۔ طلب النسل ۲۔ تربیت اولاد ۳۔ ہر دونوں کے معاشرہ کی اصلاح کا خیال ۴۔ گھر کی حفاظت ۵۔ گھر کی چیزوں کی اچھی تدبیر بنانا ۶۔ ایک دوسرے کے معاملات میں سیاسی طور پر معاملہ کا سلجھانا اسی طرح وہ جملہ امور جو شرعاً مستحسن اور عادت کے موافق ہیں۔

حدیث شریف: جهاد المراة حسن التبعل یعنی عورت کا جہاد یہ ہے کہ وہ اپنے مرد کے حقوق میں شاطر و چالاک ہر عربی کا مقولہ ہے امرأة حسنة التبعل یہ اس وقت بولتے ہیں جبکہ عورت اپنے شوہر کے ساتھ گزارنے میں بہتر کارکردگی میں مشہور اور گھریلو امر سنوارنے میں۔ بے مثل ہو۔

مسئلہ: مرد کے عورت پر حقوق میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنے مرد کے سامنے زیب و زینت کے ساتھ پیش ہو۔

حکایت: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا میں اس لئے زیب وزینت سے رہتا ہوں کہ میری عورت میرے لئے زیب وزینت کے ساتھ رہتی ہے اور یہ بھی حکم ربانی ہے چنانچہ فرمایا۔ **ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف.**

حکایت: ایک شخص نے کہا میرے گھر میں کبھی شر اور فساد داخل نہیں ہوا ایک دانا نے فرمایا تو یہ عورت تیرے گھر میں کیسے داخل ہوئی یعنی عورت بھی شر ہے تو پھر تو کیوں کہتا ہے کہ میرے گھر میں شر داخل نہیں ہوا۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالی نے فرمایا

دلارام باشد زن نیک خواہ ولے از زن بد خدایا پناہ

(**ترجمہ:** خدا کرے عورت محبوب اور خیر خواہ ہو ورنہ بری عورت سے پناہ بخدا)

کسی دوسرے شاعر نے کہا۔

عصمت زن رابمقام جمال جلوہ حرام است مگر باحلال

(**ترجمہ:** حسن وجمال کے ساتھ عورت کو عصمت ضروری ہے ایسی عورت کو حلال امر کے ساتھ دوسروں کے سامنے نکر کا جلوہ حرام ہے)

حکایت: بنی اسرائیل میں ایک نیک مرد تھا اس کی عورت تھی اس کے ساتھ اس کی بڑی محبت تھی اللہ تعالی نے اس نیک کے ہاں پیغام بھیجا کہ تیرے لئے میں نے تین خصوصی دعائیں قبول کر لی ہیں مانگ لے جو تیری مرضی ہو اس نے اپنی عورت سے کہا میری ضروریات تو بہت ہیں اور اللہ تعالی نے صرف تین دعائیں قبول کرنے کا فرمایا ہے اب میں کیا کروں عورت نے کہا دعائیں مانگ لے دو اپنے لئے اور ایک میرے لئے اس نے کہا تیرے لئے کیا حاجت مانگوں عورت نے کہا میرے لئے یہ مانگئے کہ میں حسین وجمیل ہو جاؤں کہ میرے جیسی اور کوئی دنیا میں حسین وجمیل نہ ہو اس نے پہلے یہی دعا مانگی چنانچہ وہ عورت ایسی حسین وجمیل ہو گئی کہ اس کے حسن وجمال سے گھر روشن ہو گیا اس حیثیت کو دیکھ کر عورت گھر سے باہر جانے لگی مرد نے پوچھا کیا اس نے کہا اب میں تیرے لائق نہیں رہی اب تو میں کسی بادشاہ کے یہاں گزاروں گی کیونکہ میں اپنے اس حسن وجمال

کو تیرے جیسے کے ہاں رہ کر ضائع نہیں کرنا چاہتی۔ مرد نے اسے سختی سے روک لیا بادشاہ کو اس عورت کے حسن و جمال کا شہر پہنچا تو اس نے اپنے نوکروں وغیرہ کو بھیج کر اس عورت کو اس مرد سے جبراً پکڑ لیا کہا یا اللہ اب میری باقی دو دعائیں ایک تو یہ اس عورت کو بندریہ بنادے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس عورت کو بندریا بنادیا بادشاہ نے اسے واپس اس مرد کے ہاں بھیج دیا جب وہ عورت اس حال میں اپنے شوہر کے پاس پہنچی تو مرد نے کہا اے اللہ اسے ویسے ہی بنادے جیسے پہلی تھی اس مرد کی وہی تین مستجاب دعائیں ویسے ہی ضائع گئیں نہ تو اس مرد کو ان سے کوئی فائدہ ہوا اور نہ ہی اس کی عورت کو۔

مسئلہ: مطلقہ عورتوں کو حکم ہے کہ عدت گزاردیں اس میں اشارہ ہے کہ اس عدت سے صحبت کا حق ادا کریں اگرچہ یہ جدائی (طلاق) مرد سے واقع ہوئی ہے لیکن عورت کے لئے ضروری ہے کہ اسی مقام پر رہ کر عدت کے ایام گزارے تاکہ صحبت کا حق پورے طور پر ادا ہو سکے۔

تفسیر صوفیانہ اس سے اہل حق کو معلوم ہوا کہ عبودیت پر ربوبیت کے حقوق کیسے ہیں اللہ تعالیٰ ہر طرح سے اپنے بندے پر فضل و کرم سے مہلت ہی مہلت عطا فرماتا ہے اور اس پر قسم قسم کے انعامات کرتا ہے اگرچہ بندے کی طرف سے نالائقی وار غلط کاری کا صدور ہوتا ہے لیکن وہ کریم اپنے فضل و احسان کو ترک نہیں فرماتا اور اسے مہلت دے کر ثابت فرماتا ہے کہ تو جفا کئے جا اور ہم وفا کئے جائیں گے اپنی وفا و احسان کی وجہ سے جلد تر بندے کی گرفت نہیں کرتا تاکہ وہ مہلت لے کر اس مدت کیا اندر اپنی غفلت سے بیدار ہو اور اپنے دل میں ندامت کر کے محبت حق کی طرف متوجہ ہو اس سے فرقت کی محنت میں اس لئے مبتلا کیا ہے تاکہ وہ کسی وقت نادم ہو کر راجع الی اللہ اور اصل مقصود سے بہرہ ور ہو گویا اسے اس ابتلاء میں کہا گیا ہے اے دروازہ کھٹکانے والے پہلے تو اپنے حضور میں حاضر ہو کر ہم سے اپنی کامیابی کی دعا مانگ اسی طرح تجھے ہماری بارگاہ کی حاضری نصیب ہوگی۔

marfat.ocm

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ

یہ طلاق دو بار تک ہے پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے یا نکوئی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے اور تمہیں روا نہیں کہ جو کچھ عورتوں کو دیا

شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا

اس میں سے کچھ واپس لو مگر جب دونوں کو اندیشہ ہو کہ اللہ کی حدیں قائم نہ کریں گے پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ دونوں ٹھیک انہی حدوں پر نہ رہیں گے تو ان پر کچھ گناہ نہیں

فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ

اس میں جو بدلہ دے کر چھٹی لے عورت سے یہ اللہ کی حدیں ہیں ان سے آگے نہ بڑھو اور جو اللہ کی حدوں سے آگے بڑھے تو وہی

هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا

لوگ ظالم ہیں۔ پھر اگر تیسری طلاق اسے دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے پھر وہ دوسرا اگر اسے طلاق دیدے

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا

تو ان دونوں میں کچھ گناہ نہیں کہ پھر آپس میں مل جائیں اگر سمجھتے ہوں کہ اللہ کی حدیں نبھائیں گے اور یہ اللہ کی حدیں ہیں جنہیں بیان کرتا ہے

لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ

دانش مندوں کے لئے۔ اور جب تم عورتوں کو طلاق دو ان کی میعاد آ لگے تو اس وقت تک یا بھلائی کے ساتھ روک لو یا

سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ

نیکی کے ساتھ چھوڑ دو اور انہیں ضرر دینے کے لئے روکنا نہ ہو کہ حد سے بڑھو اور جو ایسا کرے وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۫ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ

اور اللہ کی آیتوں کو ٹھٹھا نہ بنالو اور یاد کرو اللہ کا احسان جو تم پر ہے اور جو تم پر کتاب

۲۸ ع ۷ ۱۲ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۳۱﴾

اور حکمت اتاری تمہیں نصیحت دینے کو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے

تفسیر عالمانہ

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ یعنی وہ طلاق رجعی جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ یعنی دو دفعہ اس لئے کہ یہ متفرق طور پر ہوگا کیونکہ جو شخص کسی کو دو درہم دیتا ہے اس کے لئے جائز نہیں کہ کہا جائے اس نے دو بار دیا ہے یہاں تک کہ وہ اسے دو درہم دے تب مرتان (دو دفعہ) کا محاورہ صادق آئے گا

مسئلہ: حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک دو یا تین یکبارگی طلاق واقع کرنا حرام ہے انہیں سنی الوقوع تو کہا جا سکتا ہے لیکن سنی الایقاع نہ کہا جائے گا۔

مسئلہ: مرد کو دو طلاق دینے کے بعد رجوع کا حق حاصل ہوتا ہے (اگرچہ تجدید نکاح کی ضرورت ہے) لیکن جب وہ دو طلاق کے بعد تیسری طلاق دے گا تو اب سے رجعت کا حق نہ ہوگا اور نہ ہی یہ عورت اس کے لئے حلال ہو سکتی ہے جب تک کہ حلالہ نہ ہو۔

ف: اگرچہ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ جملہ خبریہ ہے لیکن معنی امر ہے یعنی یہ جملہ انشائیہ ہے اس لئے کہ اگر اسے اپنے ظاہر پر باقی رکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کے حکم میں خلاف امر واقع ہوتا ہے اس لئے کہ کبھی ایقاع الطلاق علی وجہ الجمع بھی ہوتا ہے اس طور سے اللہ تعالیٰ کی خبر میں خلاف واقع ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ہر خبر خلاف لینے کذب سے منزہ ہوتی ہے گویا اس جملہ سے امر مراد ہے گو دراصل عبارت یوں ہے فطلقوھن مرتین ای دفعتین فامساک ان دو طلاقوں کے بعد حکم ہے انہیں بند رکھنا بِمَعْرُوْفٍ ساتھ نیکی کے وہ یہ کہ عورت کو طلاق کے بعد اس سے رجوع کر لے لیکن ضرر کا ارادہ نہ ہو بلکہ اصلاح اور حسن معاشرہ کے ارادہ پر اَوْ تَسْرِيْحٌ یا چھوڑ دینا بِاِحْسَانٍ ساتھ احسان کے بایں طور کہ رجوع کا معاملہ ترک کر دے عدت کے ختم ہونے پر اور احسان فی التسریح کا مطلب یہ ہے کہ اس چھوڑ دینے کے بعد اس کے حقوق مالیہ پورے ادا کرے اور طلاق کے بعد اس کا برائی سے ذکر نہ کرے اور نہ ہی لوگوں کو اس سے نفرت دلائے۔

مسئلہ: تمام حکم اس باب میں یہ ہے کہ جب آزاد مرد اپنی عورت کو بعد دخول ایک یا دو طلاقیں دے مرد کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی عورت کی رضا کے بغیر ہی رجوع کر لے لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ وہ عورت اپنی عدت میں ہو۔

مسئلہ: اگر اس کے ساتھ اس کی عدت میں رجوع نہیں کر سکا یہاں تک کہ اس کی عدت ختم ہوگئی اس کو قبل دخول طلاق دے دی یا عورت سے خلع کر لے تو اس کے ساتھ تجدید نکاح ضروری ہے اور وہ بھی عورت کی اجازت پر موقوف ہے یا اس کا ولی اجازت دے۔

مسئلہ: اگر اسے تین طلاقیں دی ہیں تو اس عورت سے نکاح جائز نہیں جب تک کہ حلالہ نہ ہو یعنی وہ عورت عدت گزارے عدت گزارنے کے بعد کسی مرد سے نکاح کرے پھر وہ اپنی مرضی سے طلاق دے پھر اس کی عدت گزرے پھر عورت کی مرضی سے نکاح لے۔

مسئلہ: غلام کے نکاح میں لونڈی ہو تو اسے دو طلاق دینے سے حلالہ ضروری ہو جاتا ہے۔

مسئلہ: طلاق کی گنتی میں مرد کا اعتبار ہے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کے نزدیک یہی وجہ ہے کہ عبد حرہ عورت سے نکاح کرے تو اس پر تین طلاقیں واقع ہونگی اگر آزاد مرد لونڈی سے نکاح کرے تو اس پر دو طلاقیں واقع ہوگی۔ وَلَا يَحِلُّ

شان نزول: مروی ہے کہ جمیلہ بنت عبداللہ بن ابی سلول اپنے شوہر ثابت بن قیس سے محبت کرتی تھی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی میرے اور میرے شوہر کی نہیں بن رہی اس کا سر میرے سر کے موافق نہیں یعنی آپس میں طبعی موافقت نہیں اور یہ بھی ہے کہ نہ مجھے اس کے دینی معاملہ میں اعتراض ہے اور نہ ہی کسی عادت سے اس کے ساتھ بغض ہے لیکن مجھے اس کے ساتھ ایسا بغض ہوا کہ اب مجھے ڈر ہے کہ اس کی وجہ سے کسی وقت کفر میں مبتلا نہ ہو جاؤں واقعہ یوں ہوا کہ میں عدت گزار رہی تھی تو ایک دفعہ میں نے اپنے خیمہ سے اسے دیکھا تو اس کی صورت بہت سیاہ اور قبیح نظر آئی اور قد و قامت میں بہت چھوٹا اور شکل میں قبیح ترین نظر آیا اس پر آیت نازل ہوئی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر وہ مرد سے نہیں گزار سکتی تو اسے چاہیے کہ اپنے شوہر کو کچھ مال دے کر طلاق حاصل کر لے یعنی خلع کر لے چنانچہ اس کے بعد جمیلہ نے اپنا وہ باغ جو اسے حق مہر ملا تھا ثابت بن قیس کو واپس لوٹا دیا اور یہ بھی اس وقت جب کہ ثابت بن قیس نے جمیلہ سے ایسی باتیں سنی تو حضور نبی کریم ﷺ سے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ جمیلہ کو فرمائیں مجھے وہ باغ واپس لوٹا دے جو میں نے حق مہر میں دیا ہے اسے میں طلاق دیدوں گا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے جمیلہ کو کہا کیا خیال ہے۔ جمیلہ نے عرض

کی یارسول اللہ ﷺ مجھے منظور ہے بلکہ میں تو اس سے اور بھی کچھ زائد دینے کے لئے تیار ہوں آپ نے فرمایا صرف پانچ باغ کافی ہیں زائد کی ضرورت نہیں آپ نے ثابت بن قیس کو فرمایا باغ لے کر طلاق دے دے اس نے جمیلہ کو باغ لے کر طلاق دے دی۔

ف: اسلام میں یہ پہلا خلع ہے

ف: لَکُمْ کا خطاب جیسے عوام کو ہے ایسے ہی حکام کو بھی تا کہ اللہ تعالیٰ کے قول فَاِنْ خِفْتُمْ کے مطابق اس لئے کہ یہاں پر عوام کی طرح حکام بھی مراد ہیں۔

سوال: حکام کو داخل کرنے کا کیا معنی کہ وہ مال لینے والے اور نہ دینے والے۔

جواب: چونکہ وہ دینے اور لینے کا حکم نافذ کرتے ہیں جب کہ ان کے پاس فیصلہ جات جاتے ہیں گویا اب وہی دینے اور لینے والے ہیں اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ یعنی ان عورتوں سے لے لو طلاق کے مقابلہ میں وہ مال جو تم نے انہیں حق مہر میں دیا ہے شَیْئًا معمولی سی چیز مراد ہے چہ جائیکہ بہت بڑا مال دیا ہو اِلَّآ اَنْ یَّخَافَآ مگر یہ کہ زن و شوہر خوف کریں اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ یہ کہ حقوق زوجیت کی رعایت نہیں کرسکیں گے۔ اِلَّآ اَنْ یَّخَافَآ استثنا مفرغ ہے۔ ان یخافا محلاً منصوب اور مفعول ہے اسی وجہ سے یہ عام محذوف سے مستثنیٰ ہے عبارت یوں تھی۔ **ولا یحل لکم ان تاخزو السبب من الاسباب شیا الا بسبب خوف عدم اقامته حدو داللّٰه** پس اگر تمہیں خوف ہوا اے حاکمو اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ یہ کہ وہ حدود اللہ کی پابندی نہیں کریں گے یعنی وہ حقوق جو نکاح کی وجہ سے ان پر مقرر ہوئے ہیں۔ یہ قرآن اور طرز روشن سے معلوم ہو جاتا فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِهٖ پس ان پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ عورت اپنے مرد کو کچھ دے کر اپنی گلوخلاصی کرالے یعنی جو کچھ عورت اپنے مرد کو خلع کا بدل دیتی ہے نہ ہی مرد کو گناہ ہے کہ وہ اپنی عورت کا مال لے کر اسے طلاق دیتا ہے اور نہ ہی عورت کو مال دے کر طلاق لینا گناہ ہے یہ اس وقت ہے جب کہ عورت کی طرف سے زیادتی ہو کہ وہ مال دے کر طلاق لے اس لئے کہ عورت کو منع کیا گیا ہے کہ وہ بلا وجہ مال ضائع نہ کرے۔

مسئلہ: اگر زیادتی مرد کی طرف سے ہو تو جائز نہیں کہ وہ عورت سے مال لے کر طلاق دے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْئًا

مسئلہ: مرد کے لئے چاہئے کہ اس کے ساتھ ایسے امور نہ برتے کہ جس سے وہ عورت طلاق لینے پر مجبور ہو جائے اور کچھ مال دے کر طلاق لے کیونکہ اس طرح سے مرد کو روکا گیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ نساء میں فرمایا وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ یعنی انہیں تنگ نہ کرو تا کہ جو کچھ تم نے انہیں دیا اس کا بعض مال واپس لے لو۔

مسئلہ: فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ کے عموم سے معلوم ہوا کہ عورت کا مرد سے خلق کرنا جائز ہے خواہ وہی مال واپس لوٹا دے جو مرد سے حق مہر میں لیا ہے خواہ اسے زائد دے یا اس سے کم کر کے اسی پر جمہور فقہا متفق ہیں۔

مسئلہ آیت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ خلع صرف اس وقت جائز ہے جب کہ غصہ میں ہو یا مرد اور عورت کا گزارہ بظاہر ناممکن ہو لیکن جمہور مجتہدین فرماتے ہیں کہ خلع ہر طہر سے جائز ہے خواہ ان کا گزارہ خطرہ میں ہو یا نہ ہو۔

ترکیب: اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ کے لئے ضروری ہے کہ یہ استثناء منقطع ہو جیسے اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا میں استثناء منقطع ہے اِلَّا خَطَـًٔا کا معنی لکن ان قتل خطاء فدیته مسلمته الی اهله.

مسئلہ: امام بغوی نے فرمایا مرد عورت سے زیادتی ہو یا نہ ہو ہر حالت میں خلع جائز ہے لیکن زیادتی نہ ہو تو اس وقت خلع مکروہ ہے اس لئے کہ اس میں بلاوجہ قطع تعلق کرنا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ کی مغبوض ترین حلال طلاق ہے۔

تِلْكَ یعنی وہ احکام جو مذکور ہوئے حُدُوْدُ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے حدود ہیں اس کے اوامر و نواہی فَلَا تَعْتَدُوْهَا پس ان سے مخالفت کر کے یا ان احکام کو چھوڑ کر حدود سے تجاوز نہ کرو وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ اور جو اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں وہی لوگ حد سے بڑھنے والے هُمُ الظّٰلِمُوْنَ وہی ظالم ہیں یعنی اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں اس لئے کہ وہ نفسوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب اور ناراضگی کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

مسئلہ: جب عورت تمام غلط کاریوں سے بری الذمہ اور پاک دامن ہو تو مرد پر لازم ہے کہ ایسی عورت سے اچھا معاشرہ رکھے اور اس کی سخت کلامی پر صبر کرے اور اس کی معمولی غلطیوں سے چشم پوشی کرے اور حضور نبی کریم ﷺ کی عادات مبارکہ کے مطابق عمل کرے حضور نبی کریم ﷺ اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ احسن

سلوک رکھتے تھے۔

مسئلہ: عورتوں کے ساتھ نیک معاشرہ رکھنا اور ان کی معمولی غلطیوں کی چشم پوشی کرنا بھی اچھے اخلاق سے شمار ہوتا ہے بلکہ ایسے شخص کو ایسے صبر پر مجاہدین فی سبیل اللہ میں شمار کیا جاتا ہے۔

حکایت: مروی ہے کہ ایک عابد اپنی عورت سے اچھا معاشرہ رکھتا تھا یہاں تک کہ فوت ہوگئی اسے کہا گیا کسی دوسری عورت سے نکاح کر لیجئے اس نے انکار کر دیا ایک عورت نے کہا میرے ساتھ ضرور نکاح کرو تا کہ میرا جی خوش ہو لیکن وہ عابد نہ مانا اس کے بعد اس عابد نے کہا میں نے اپنی عورت کی وفات کے بعد شب جمعہ کو دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھلے ہوئے ہیں اور لوگ ہوا میں اترتے اور اوپر کو بھی چڑھتے ہیں اور اسی طرح ایک دوسرے کے آگے پیچھے جاتے ہیں جب ان میں کسی ایک کی نگاہ میرے اوپر پڑتی تو وہ اپنے پیچھے والے کو دیکھ کر کہتا ہے یہی ہے وہ بدبخت دوسرا اس کے پیچھے والا کہتا ہے ہاں تیسرا کہتا ہے یہی ہے یہی ہے مجھے ان سے ماجرا پوچھنے سے ڈر لگتا جب آخری آدمی میرے سامنے سے گزر رہا تھا تو میں نے پوچھا کون ہے بدبخت جسے یہ لوگ بار بار کہتے اور ایک دوسرے کی تصدیق کر رہے ہیں اس نے کہا تم ہی ہو میں نے کہا وہ کیوں اس نے کہا وہ اس لئے کہ اس سے قبل ہم تیرا عمل مجاہدین فی سبیل اللہ کے ساتھ لے جاتے لیکن ایک ہفتہ سے ہمیں حکم ہے کہ ہم تیرا عمل مخالفین کے ساتھ لے جائیں اس کی وجہ پس معلوم نہیں اسے احساس ہوا کہ یہ نحوست نکاح کرنے کی ہے چنانچہ اٹھتے ہی کہا میرا نکاح کرو چنانچہ دیکھا گیا کہ اس کے بعد اس کے پاس دو عورتیں نکاح میں بیک وقت ہوتیں۔ حضرت کاشفی لکھتے ہیں کہ

مرد گمان مبر بزور ست و بزدلی   بانفس اگر جہاد کنی مرد کاملی

(**ترجمہ**: جوانمردی زور اور بزدلی سے نہیں بلکہ نفس سے جہاد کی جاتی ہے فلہذا جوانمرد ہے جو نفس سے جہاد کرتا ہے)

اور یہ ایک دوسرے کے بعد حاصل جیسے کہا گیا ہے کہ جہاد کے لئے بھی مرد میدان چاہیں اور کہا گیا ہے اگر تو طلاق دینا چاہتا ہے تو اپنے نفس کو طلاق دے۔ کسی نے خوب کہا

ہر کہ زن نفس شوم را داد طلاق   ہفتش بنود بزید این نیلی طاق
از زمانہ نفس قدم بیروں نہ   تا روحت کز نسیم وصل استشاق

(**ترجمه**: جو بھی نفس کو طلاق دیتا ہے تو اس کی شادی اس نیلی چھت کے نیچے نہیں بلکہ اوپر ہوگی نفس کی خرابیوں سے دور رہو پھر تمہیں روحانی ملک کی خوشبو سونگھائی جائے گی)

سبق صوفیانہ: جب تک تیرے نفس کی بڑھیا تیرے اندر کو پریشان اور تیرے قلب کو خراب کرتی رہے گی تو عروس یعنی تجلی روح نقاب کی وجہ سے نظر نہیں آئے گی اور نہ ہی وہ عروس تیرے مشاہدہ کے کمرے میں آئے گی اللہ تعالی اس مرد پر رحم کرے جس نے اپنی قدر پہچانی اور وہ طریق حق سے متجاوز نہ ہوا۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ اہل سلوک حریم یار سے جدا نہیں ہوتے وہ حریم جو دوست شفیق اور نہایت ہی سچے دوست سے نصیب ہوتا ہے اسے تو صرف وہ ایک ہی حریم کافی ہو جاتا ہے دہ حریموں سے لاتعلق ہوتا ہے ہاں تجاوز کرتا ہے تو ایک یا دو بار پھر تیسری بار اسے حکم ہوتا ہے یا تو بندر کھے ساتھ معروف کے یا چھوڑ دے ساتھ احسان کے یعنی صحبت رکھے تو بہتر سے بہتر یا چھوڑ دے تو احسن طریق سے جیسے حضرت خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کے لئے ایک دو بار تو درگزر فرمایا لیکن تیسری بار فرمایا هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ اور وہ صحبت کہ جس میں تعظیم دوست نہ ہو اور بد اخلاق سے زندگانی کی لذت کو ضائع کرنا اور عذاب کو خریدنے میں تضیع اوقات کی جائے تو ایسی صحبت طریقت سے اچھی ہے نہ شریعت میں پسندیدہ بلکہ طریقہ حق کے لئے سخت ترین مضر۔ اہل صحبت کے لئے ضروری ہے کہ جب اتفاقاً جدائی پڑ جائے تو یاران صحب سے کلی طور پر دل ہٹا نہ لیں اور نہ ہی دینی بھائیوں سے قطع تعلق کرلیں نہ ہی ان سے ہم عالیہ دے کر ان سے قلوب واپس نہ کرلیں اس لئے کہ ہبہ سے رجوع ہے جیسے قے کر کے پھر کھالی جائے ہاں اگر ان سے اللہ تعالی کی حدود یعنی حقوق صحبت کی رعایت سے تجاوز کرنے کا خوف ہو اور تمہیں خطرہ ہو کہ وہ حدود اللہ تعالی کو قائم نہیں رکھ سکیں گے بایں طور کہ مقابلہ پر تل آئیں گو یا دینی حقوق میں سے کسی حق کو چھوڑ دیں گے تو ان پر گناہ نہیں رعایت حقوق کے لئے لذتوں میں سے اس کا فدیہ دیں یہ حظوظ و حقوق اللہ کے حدود ہیں حظوظ کے حاصل کرنے کے لئے ترک حدود کر کے حد سے نہ بڑھو۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ قدس اللہ تعالی نفسہ الزکیۃ القدسیہ)

تفسیر عالمانہ

فَاِنْ طَلَّقَهَا پس اگر وہ مرد اپنی عورت کو دو طلاقوں کے بعد طلاق دے فَلَا تَحِلُّ لَهٗ تو وہ عورت اس مرد کے لئے حلال نہیں مِنْۢ بَعْدُ تین طلاقوں کے بعد نہ بطریق رجعت کے

اور نہ ہی تجدید نکاح سے حَتّٰی تَنْکِحَ نکاح کرے عورت زَوْجًا غَیْرَهٗ طلاق دہندہ کے غیر سے۔

سوال : ابھی غیر تو اس کا شوہر ہوا نہیں لیکن قرآن۔ نے اسے زوج سے تعبیر کیا اس کی وجہ کیا ہے؟

جواب: چونکہ جو شخص اس عورت سے نکاح کرے گا اور اس کا شوہر ہو جائے گا اس عمل کے انجام کے اعتبار سے اسے زوج کہا گیا۔

مسئلہ یہاں پر نکاح، بمعنی عقد نکاح نہیں بلکہ وطی رد ا یہی معنی حضرت سعید بن المسیب نے وطی مراد لی ہے اور آیت کا لفظ بھی یہی شہادت دیتا ہے اس لئے وہ نکاح بمعنی وطی ہو تو عبارت یوں ہو گی تطاء المرا ۃ الزوج ایسا کلام عرب میں نہیں اس لئے کہ عورت موطوءۃ ہوتی ہے نہ کو وطی کرنے والی۔

سوال : آیت مطلق ہے تو نے اسے مقید کیوں کیا اس کی تقریر یہ ہے کہ آیت دلالت کرتی ہے کہ عورت شوہر اول کے لئے حلال نہیں جب تک کہ شوہر ثانی اس سے وطی نہ کرے اور ان دونوں کا اس عقد کے بغیر بھی نکاح ہو سکے اس کے ساتھ شوہر کا وطی کرنا ضروری نہیں لیکن تم ضروری سمجھتے ہو۔

جواب: تم نے آیت کو حدیث شریف اور اجماع امت سے مقید کیا یہ کہ جب تک اس عورت سے وطی نہ ہو تو وہ پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں جیسا کہ مروی ہے کہ رفاعہ کی عورت حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی رفاعہ نے مجھے مغلظہ طلاق دی ہے اس کے بعد میرے ساتھ عبدالرحمٰن بن زبیر نے نکاح کیا ہے اس کے پاس وہ شئے نہیں اور وہ نامرد ہے اور مجھے اس کی ضرورت نہیں اور اس کی قوت مردی کی طرف اپنا کپڑا پکڑ کر اشارہ کیا یعنی جیسے کہ کپڑا بے زور ہے ایسے ہی اس کی قوت مردی کا حال ہے آپ اس بات پر ہنس پڑے اور فرمایا کیا چاہتی ہو کہ تو اپنے پہلے شوہر یعنی رفاعہ کو واپس چلی جائے عرض کی ہاں آپ نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ تیری شہد نہ چکھ لے اور تو اس کی شہد نہ چکھ لے تو واپسی نہیں ہو سکتی۔

ف: حدیث شریف میں شہد چکھنے سے مراد جماع کرنا ہے اور شہد چکھنے کو جماع کی لذت سے تشبیہ دی ہے فَاِنْ طَلَّقَهَا پس اگر شوہر ثانی اس عورت کو دخول کے بعد طلاق دے دے فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا تو شوہر اول اور عورت کو کوئی گناہ نہیں اَنْ یَّتَرَاجَعَا یہ کہ دونوں عقد جدید سے رجوع کر لیں اِنْ ظَنَّاۤ اَنْ یُّقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ اگر ان کے گمان میں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم رکھ سکیں گے حدود سے مراد وہ احکام ہیں جو اللہ تعالیٰ نے زن و شوہر کے

marfat.ocm

درمیان متعین فرمائے ہیں۔

سوال: اِنْ ظَنَّآ کی بجائے ان علما کیوں نہیں فرمایا؟

جواب: اس لئے کہ عوام کو امور کا انجام کار معلوم نہیں اور نہ ہی انہیں معلوم ہوتا ہے کہ کل کیا ہوگا البتہ گمان کے طور پر کچھ باتیں معلوم کر لیتے ہیں۔ وَتِلْكَ ان احکام کی طرف اشارہ ہے جو ابھی مذکور ہوئے حُدُوْدُ اللّٰهِ یعنی اللہ تعالیٰ کے وہ احکام جو معین ہیں جن کی تبدیلی وتغیر اور مخالفت سے حفاظت کی گئی ہے یُبَیِّنُهَا اللہ تعالیٰ انہیں بیان کرتا ہے لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ان لوگوں کے لئے جو اپنے مقتضی کے مطابق جانتے سمجھتے ہیں۔

سوال: یہاں پر علم والوں کو مخصوص کیا گیا ہے کیوں؟ باوجود یہ کہ قرآن کے احکام کی دعوت وتبلیغ عام ہے۔

جواب: ان احکام سے صرف اہل علم ہی نفع اٹھاتے ہیں باقی رہے جاہل وہ اولاً تو احکام کو یاد نہیں رکھتے اگر کچھ یاد ہوتا ہے تو اس پر عمل نہیں کرتے۔

نکتہ گفتن پیش کر فہماں ز حکمت بیگماں جوہری چند از جواہر پیش خراست رہاں

(**ترجمہ**: بدفہموں کو نکتہ کہنا ایسے ہے جیسے جوہرات گدھے کے سامنے ڈالے جائیں)

نکتہ: طلاق مغلظہ کے لے حلالہ کی شرط سے اس عورت سے نکاح کافی نہیں جب تک اس کے ساتھ شوہر ثانی جماع نہ کرے اس میں حکمت یہ ہے کہ عموماً مرد کی غیرت اجازت نہیں دیتی کہ اس کی عورت کے ساتھ کوئی دوسرا جماع کرے اس غیرت کی بنا پر وہ طلاق دینے سے رکتا رہے گا یہ اس وقت ہوگا جب اس کے ذہن میں آئے گا کہ عورت کو طلاق دوں گا تو میری عورت کے ساتھ غیر جماع کرے گا طلاق سے نفرت کا یہی بہت بڑا سبب ہے اور غیرت کے ابھارنے کا بھی اس لئے شرط لگائی گئی ہے کہ جب تک دوسرا شوہر اس مطلقہ مغلظہ سے جماع نہ کرے پہلے شوہر کے لئے حلال نہ ہوگی۔

مسئلہ: حلالہ کی شرط پر نکاح کرنا اور کہنا کہ حلالہ کرکے طلاق دے دینا اکثر کے نزدیک یہ نکاح فاسد ہے لیکن امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک جائز ہے مگر مکروہ۔

مسئلہ: اگر اس شرط کو دل میں رکھ کر زبان پر نہ لائیں اور حلالہ کے بعد طلاق ہو جائے تو بلا کراہت جائز ہے

مسئلہ: شرح الزیلعی میں ہے اگر عورت کو خوف ہو کہ یہ شوہر ثانی میرے ساتھ نکاح کر کے حلالہ کے بعد بھی

طلاق نہ دے گا تو اس کے ساتھ نکاح کرتے وقت یوں کہے کہ میں تیرے ساتھ نکاح کرتی ہوں لیکن طلاق کا معاملہ میرے ہاتھ میں ہوگا کہ جب چاہوں گی طلاق لے لوں گی اور اس مرد نے قبول کر لیا تو ایسی شرط لگانا جائز ہے۔

مسئلہ: اسی شرح الزیلعی میں ہے کہ لطائف الحیل میں سے ایک حیلہ یہ ہے کہ عورت مطلقہ مغلظہ کسی چھوٹے عبد سے نکاح کر لے کہ جس کا آلہ تناسل حرکت کرتا ہے جب اس سے وطی کرا لے تو اسے قیمۃً خرید لے اب وہ اس کا مالک ہو جائے گا تو ان دونوں کا نکاح خود بخود فسخ ہو جائے گا۔

حدیث شریف: حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ لعن اللہ المحلل والمحلل لہ۔

حل لغات: المحلل (آیت اسم فعال بکسر اللام بصیغہ اسم فاعل) حلالہ کرنے والا (بفتح الام بصیغہ اسم مفعول) جس کے لئے حلالہ کیا جائے یعنی حلالہ کرنے والے اور جس کے لئے حلالہ کیا جائے اللہ تعالیٰ دونوں پر لعنت کرتا ہے (بکسر اللام) المحلل حلالہ کرنے والا اس سے دوسرا شوہر مراد ہے اور المحلل لہ (بفتح اللام) جس کے لئے حلالہ کیا جائے اس سے شوہر اول مراد ہے۔

سوال: ان دونوں کو لعنتی کیوں کہا گیا؟

جواب: محلل حلالہ کرنے والے پر تو لعنت اس لئے ہے کہ اس نے عورت سے جدائی کی نیت پر نکاح کیا حالانکہ نکاح میں استمرار و دوام ہوتا ہے اس محلل کی مثال (مانگے ہوئے) تیس کی ہے۔

ف: عربی میں تیس اس نر بکرے کو کہا جاتا ہے جو بکریوں کا گابھن کرانے کے لئے مانگ کر بکریوں میں چھوڑا جاتا ہے اور محلل لہ پر اس لئے لعنت ہے کہ وہ اس قبیح فعل کا سبب بنا اور قاعدہ ہے کہ سبب اور مسبب ہر دونوں جزا و سزا میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔

ویسے لعنت سے مراد ان کی خاست کمینہ پن کا اظہار ہے محلل کی خساست بالمعنی ہے کہ وہ اس قبیح امر کا مرتکب ہوا حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں تمہیں تیس کا پتہ دوں یعنی محلل کی اسے حضور نبی کریم ﷺ نے مستعار تیس جیسی قبیح صفت سے موصوف فرمایا ہے اور محلل لہ کی خساست اور کمینہ پن یہ ہے کہ وہ ایسے فعل کا سبب بنا ہے جس سے اچھی طبیعتوں کو نفرت ہے کہ جب اس کی عورت دوسرے کے قبضہ میں آ چکی پھر وہ اس کے لئے چاہتا ہے کہ وہ دوبارہ اس کے قبضہ میں آ جائے اور وہ اس سے نفع اٹھائے یہ غیرت کے بھی خلاف ہے۔

ف: یہاں حقیقی لعنت مراد نہیں کیونکہ یہ منصب رسالت کے خلاف ہے کہ اپنی امت کو لعنت جیسے قبیح صفت سے موصوف فرمائیں خود فرمایا میں لعنت کرنے والا ہو کر مبعوث نہیں ہوا۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ جب کوئی اپنے دوستوں کی صحبت کے حقوق میں ایک یا دو بار کوتاہی کرے تو درگزر کیا جاسکتا ہے لیکن جب وہ تیسری بار بھی اس کا مرتکب ہوتا ہے تو سمجھ لو کہ اس نے جدائی اور مفارقت کے طریق کو اختیار کیا اور دوستی کے حقوق سے نکل گیا پس دوستوں کے لئے بھی لائق نہیں کہ ایسے لوگوں سے حقوق دوستی ادا کریں ایسا آدمی خائن ہے جو دوست کے ساتھ گزار رہا ہے اگر ایسا شخص اپنے کئے پہ نادم ہو اور اپنے دوست سے معافی چاہے اور اظہار ندامت کرے کہ مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں نے تجھ سے علیحدگی کی ٹھان لی اب میں ان قبائح سے باز آیا اور آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ ساتھ رہ کر حق صحبت ادا کروں گا تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ آپس میں اتفاق سے گزاریں بشرطیکہ انہیں گمان ہو کہ ہم شرائط عبودیت اور صحبت فی اللہ کے حقوق ادا کرسکیں گے جان لو کہ یہی ہیں اللہ تعالیٰ کی قربت کی راہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف جانے والے لوگوں کے طریقے انہیں اللہ تعالیٰ کبھی صراحۃً اور کبھی دلالۃً اور کبھی عبارت اور کبھی اشارات سے بیان کرتا ہے صرف ان حضرات کے لئے جو اشارات: کنایات کو جانتے اور اشارات کو سمجھتے ہیں۔

(کذا فی التاویلات النجمیہ)

حضرت احمد بن خضریہ فرماتے ہیں کہ حق کا راستہ واضح اور دلائل روشن ہیں اور داعی بھی اس کا زور زور سے سنا رہا ہے اس کے باوجود بھی اندھا پن ہے کہ اس راہ پر نہ چلا جائے یعنی امور مذکورہ کے باوجود بھی کوئی سیدھی راہ سے بھٹک جائے تو وہ اندھا ہے۔

حضرت حافظ شیخ شیرازی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

وصل خرشید بشیرہ اعمی نرسد — کہ دریں آئینہ صاحب نظراں حیرانند

(**ترجمہ:** سورج کی روشنی اور چمک کا اندھے کو کیا پتہ اس شیشہ کی روشنی سے نظر والوں کو حیرانی ہے)

تفسیر عالمانہ

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں یعنی عدت کے آخری ایام تک پہنچیں یعنی وہ وقت آجائے کہ عدت قریب

الاختتام ہے اس سے حقیق عدت کی انتہا مراد نہیں اس لئے کہ جب مطلق عورت کی عدت ختم ہو جائے تو مرد کو حق نہیں پہنچتا کہ اسے اپنے پاس روکے۔

شان نزول: یہ آیت اس انصاری شخص کے حق میں نازل ہوئی جسے ثابت بن یسارہ کے نام سے پکارا جاتا ہے جس نے اپنی عورت کو طلاق دے دی جب کہ اس کی عدت قریب الاختتام ہوئی تو اس سے رجوع کر لیا کچھ عرصہ کے بعد پھر اسے طلاق دے دی اس سے اس کا صرف عورت کو دکھ پہنچانا مقصود تھا تو یہی آیت اتری۔

فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ انہیں نیکی کے ساتھ روکو یعنی ان سے رجوع صرف اس نیت پر کرو کہ انہیں دکھ نہ پہنچاؤ المعروف سے مراد وہ عمل ہے جس سے عقل کو الفت حاصل ہو اور شرعاً و عرفاً و عادتاً اسے نفوس مستحسن سمجھیں یہاں اچھا معاشرہ مراد ہے اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ یا انہیں نیک طریقہ سے چھوڑ دو یعنی پورے طور پر چھوڑ دو یہاں تک کہ بلا تطویل ان کی عدت ختم ہو جائے وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا اور نہ ہی دکھ کے ارادہ پر ان کی عدت لمبی کر کے رجوع کرو یعنی اس عورت کو اپنے پاس بند رکھ کر نقصان دینا مقصود نہ ہو اس میں ضرار علت یا ضرار حال ہے بمعنی مضارین۔

سوال: اَمْسِكُوْهُنَّ بمعروف اور لَا تُمْسِكُوْهُنَّ میں بظاہر کوئی فرق نہیں اس لئے کہ کسی شئے کا حکم دینا اس شئے کی ضد سے روکنا ہوتا ہے پھر تکرار میں کیا فائدہ؟

جواب: اس امر میں نہ تکرار ہے اور نہ ہی مامور بہ کی فرمانبرداری ہر وقت مطلوب ہوتی ہے بلکہ اس سے کبھی مبالغہ مطلوب ہوتا ہے یہاں بھی وہی مبالغہ مطلوب ہے کہ مرد عورتوں کے ساتھ احسان و مروت کریں۔

لِّتَعْتَدُوْا ضراراً سے متعلق ہے کیونکہ اسے مقید کرنے سے ہی یہی مطلوب ہے یعنی ان کو اس لئے روکتے اور ان پر ظلم کرتے ہو کہ وہ طلاق لینے کے لئے فدیہ دینے پر مجبور ہو جائیں وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ اور وہ شخص جو مذکورہ امور مثلاً عورت کو اپنے پاس روکے رکھے (جو سراسر ظلم ہے) کا ارتکاب کرتا ہے۔ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ تو بیشک وہ اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے یعنی عورتوں کو ظلم کا نشانہ بنا کر اپنے آپ کو ظلم میں ڈال رہا ہے وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ اور اللہ تعالیٰ کی آیات کو مذاق آیات سے یہی احکام مذکورہ مراد ہیں یا اللہ کی جمیع آیات مراد ہیں اور ان کا اس حکم میں داخل ہونا بھی ہے۔ هُزُوًا اللہ تعالیٰ کی آیات سے روگردانی اور ان پر عمل کرنے میں سستی دکھا کر ان سے ٹھٹھا نہ کرو۔

ف: اس نہی سے امر مقصود ہے اس لئے کہ اس کے مخاطب مومن ہیں اور مومن کی شان نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی آیات

marfat.ocm

سے ٹھٹھا کرے اب معنی یوں ہوا کہ اے مومنو! اللہ تعالیٰ کی آیات کو لینے اور ان پر عمل کرنے میں پوری کوشش کرو اور ان کے حقوق کی ادائیگی میں پوری پابندی کرو۔

حضرت حکیم سنائی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

داشت ہست وکار بستن کو   خنجرت ہست وصف شکستن کو

(**ترجمہ**: اپنی ہستی کا تصور باندھکر دنیا کے کاروبار میں پھنسنا کیا معنی جب خنجر تیرے پاس ہے تو پھر شکست کا تصور کیسا)

ربط: جب اللہ تعالیٰ نے امور تکلیفیہ کی نگہداشت اور ان پر عمل کرنے کی ترغیب دی اور ان سے سستی برتنے کی سزا سنائی تو انہیں اب انعامات عطا کرنے سے مؤکد فرماتا ہے اس لئے کہ جو ان پر کاربند ہو کر اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا اور تمام حقوق کی ادائیگی میں پوری کرتا ہے چنانچہ فرمایا۔ **وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ** اور اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو یاد کرو جو ہونے والی ہیں **عَلَيْكُمْ** تمہارے اوپر کہ تمہیں اس راستہ کی طرف ہدایت دی جس میں تمہاری دینی دنیوی سعادتیں ہیں یعنی ان نعمتوں کو شکر سے قبول کر کے ان کے حقوق ادا کرو بعض نے اس کا یہ معنی کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر انعام کو یاد کرو بایں طور کہ تمہیں اس نے عدم سے وجود بخشا پھر انسان بنا کر مرد پیدا فرمایا پھر عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت بخشی تا کہ تم ان کے ساتھ رہ کر سکون حاصل کرو پھر نکاح وطلاق ورجعت کے امور تمہارے قبضہ میں دیے اور تمہارے اوپر کوئی تنگی نہیں رکھی جیسے سابقہ امتوں پر تنگی رکھی تھی یہاں تک کہ انہیں صرف ایک عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت دی جاتی اور عورت کو اس کے مرد کے فوت ہونے کے بعد اسے دوسری جگہ نکاح کرنے کی اجازت نہیں تھی۔

وَمَا اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ اسکا عطف **نِعْمَتَ اللّٰهِ** پر ہے یعنی جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا **مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ** کتاب اور حکمت یعنی قرآن اور حدیث سے انہیں خصوصی طور پر ذکر کرنے سے ان کی شرافت کا اظہار مطلوب ہے **يَعِظُكُمْ بِهٖ** اللہ تعالیٰ تمہیں اسکی نصیحت کرتا ہے یعنی وہ جو تمہارے اوپر نازل فرمایا یہ انزل کے فاعل کی ضمیر سے حال ہے عبارت یوں تھی اذکروا نعمت اللہ وما انزل علیکم واعظا بہ لکم ومحفوفا یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو اور وہ جو تمہارے اوپر نازل کیا وہ تمہارے لئے واعظ اور ڈرانے والا ہے **وَاتَّقُوا اللّٰهَ** اللہ تعالیٰ سے ڈرو اس کے حقوق کی محافظت اور اس کے حقوق واجبہ کی ادائیگی کر کے۔

وَاعْلَمُوٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالی ہر شئے کو جانتا ہے اس سے کوئی شئے مخفی نہیں جو تم عمل میں لاتے ہو یا چھوڑتے ہو اس متقیو مختلف قسم کے عذاب سے تمہارا مواخذہ نہیں ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ کسی کو دکھ پہنچانا اسلام اور ایمان کے شعار میں نہیں اور نہ ہی مسلمانوں کے شعار سے ہے چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا مومن وہ ہے کہ جس سے لوگ امن میں رہیں اور فرمایا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کی ایذا سے دوسرے مسلمان سالم رہیں۔

مسئلہ : اچھا معاشرہ ویسے تو تمام مخلوق کے ساتھ ضروری ہے لیکن زن و شوہر کی خصوصیت رکھی گئی ہے کہ مرد کو چاہئے کہ عورت کے ساتھ اچھا معاشرہ رکھے نہ اسے ایذا دے اور نہ ہی اس پر غصہ کا اظہار کرے یہ عام مجمع کی بات یہ اور وہ نہی بطریق جھگڑا کے ورنہ تخلیہ یعنی تنہائی میں جس میں لڑائی جھگڑا کے لحاظ سے نہ ہو بلکہ صحبت کی ادائیگی حقوق کی بنا پر بطریق محبت کے اور اس میں حد سے تجاوز بھی نہ ہو اور جو شخص ان افعال یعنی اذیت اور دکھ پہنچانے اور تجاوز کر کے ظلم کرنے کا مرتکب ہوتا ہے تو وہ اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے اور اس لئے کہ قیامت میں اللہ تعالی ظالم و مظلوم دونوں کو جزا دے گا کوئی کسی پر برائی کرتا ہے وہ سمجھے کہ میں اپنے نفس پر ظلم کر رہا ہوں بلکہ ظالم کی نیکیاں مظلوم کو دے کر اور مظلوم کی برائیاں ظالم کے پلڑے میں ڈال دے گا اور جو کسی پر احسان کرتا ہے وہ سمجھے کہ میں اپنے ساتھ نیکی کر رہا ہوں اس سے معلوم ہوا کہ ظالم جو برائی کر رہا ہے وہ کسی دوسرے پر نہیں بلکہ در حقیقت وہ اپنے اوپر ظلم ڈھا رہا ہے اللہ تعالی نے فرمایا اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالی نے فرمایا۔

مکن تا توانی دل خلق ریش وگر میکنی میکنی بیخ خویش

(**ترجمہ**: جب تک تیرے امکان میں ہے کسی کا دل زخمی نہ کر اگر کرتا ہے تو اپنی جڑ کاٹ رہا ہے)

وَلَا تَتَّخِذُوٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا اور اللہ تعالی کی آیات سے ٹھٹھا نہ کرو انہیں ظاہری طور پر پڑھو لیکن ان کے معانی میں تدبر نہ ہو اور ان کے اشارات کے سمجھے بغیر اور ان اسرار کے تحقق کے سوا اور ان کے حقائق کے تتبع کو چھوڑ کے اور ان کے انوار سے نورانیت حاصل کرنے کی غرض نہ ہو اور ان کے مواعظ اور حکمتوں سے نصیحت نہ کی جائے۔

marfat.ocm

نکتہ: وعظ شاہین کی طرح ہے اور شاہین کی پکڑ زندہ پر ہوتی ہے نہ مردہ پر جس کا دل مر چکا ہو وہ قرآن سے اثر نہیں لے گا ہم پناہ مانگتے ہیں اس سے کہ وہ دل مواعظ سے اثر پذیر نہیں ہوتا۔

حدیث شریف: حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا آج تم اللہ تعالیٰ کی دلیل پر ہو یعنی ایسے بیان پر ہو کہ اس نے اپنا راستہ تمہارے لئے واضح طور پر بیان فرمایا ہے وہ ایسے ہی واضح رہے جب تک کہ تم میں سکراتوں کا ظہور نہ ہو ۱۔ سکرات العین ۲۔ سکرات الجہل

حکایت: سیدنا حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حج کے راستہ میں سواری گم ہوگئی آپ کو اس راہ پر ایک لڑکا ملا آپ نے اس سے پوچھا تو اس نے سواری کا پورا پتہ بتایا جب سواری مل گئی تو اس لڑکے نے حضرت حسن بصری سے سوال کیا کہ اے شیخ آپ کیا کھاتے اور پہنتے ہیں آپ نے فرمایا کہ روٹی کھاتا ہوں اور اون کا کپڑا پہنتا ہوں تاکہ شہوت نفسانی کا زور ٹوٹے۔ لڑکے نے کہا اے شیخ کھاؤ اور پہنو جو مرضی میں آئے لیکن حلال کے مال سے ہو، پھر لڑکے نے پوچھا آپ رات کہاں گزارتے ہیں۔ آپ نے فرمایا جھونپڑے میں۔ اس نے کہا کسی پر ظلم نہ کرو پھر جہاں مرضی آئے گزارو حضرت حسن بصری نے کہا اگر تو لڑکا نہ ہوتا تو میں تجھ سے کچھ حاصل کرتا۔ اس پر وہ ہنس پڑا اور کہا آپ تو بہت بڑے غافل ہیں میں نے دنیا کی باتیں سنائیں ہیں تو تم قبول کرتے چلے گئے اور دین کی بات آئی تو تم میرے کلام سے نفرت کر رہے ہو اب گھر جاؤ تمہارا حج قبول نہیں۔

(اللہ اکبر وہ لڑکا اتنا بلند قدر ولی اللہ تھا کہ حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے کامل کو جھڑک دیا)

شیخ سعدی قدس سرہ نے سچ فرمایا:۔

بزرگی بعقل است نہ بسال   بزرگی ایک اور شئے ہے بزرگی بڑی عمر کا نام نہیں (اویسی غفرلہ)

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔

فرد باید کرد اندر گوش   در نوشتہ است پند بر دیوار

ترجمہ: نصیحت کو کان میں جگہ دو اگرچہ دیوار پر لکھی ہو

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ

اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور ان کی میعاد پوری ہو جائے تو اے عورتوں کے والیو انہیں نہ روکو اس سے کہ اپنے شوہروں سے نکاح کر لیں

أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ۗ ذَٰلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ

جبکہ آپس میں موافق شرع رضا مند نہ ہوجائیں یہ نصیحت اسے دی جاتی ہے جو تم میں سے

مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ ذَٰلِكُمْ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَأَطْهَرُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ

اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو یہ تمہارے لئے زیادہ ستھرا اور پاکیزہ ہے اور اللہ جانتا ہے

وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۲۳۲﴾ وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ

اور تم نہیں جانتے ۔ اور مائیں دودھ پلائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس

لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۚ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ

اس کے لئے جو دودھ کی مدت پوری کرنی چاہے اور جس کا بچہ ہے اس پر عورتوں کا کھانا اور پہننا ہے

بِالْمَعْرُوفِ ۚ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا

حسب دستور کسی جان پر بوجھ نہ رکھا جائے گا مگر اس کے مقدور بھر ماں کو ضرر نہ دیا جائے اس کے بچہ سے

وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَٰلِكَ ۗ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا

اور نہ اولاد والے اس کی اولاد سے یا ماں ضرر نہ دے اپنے بچہ کو اور نہ اولاد والا اپنی اولاد کو اور جو باپ قائم مقام ہے اس پر بھی ایسا ہی واجب ہے

عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۗ وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ

پھر اگر ماں باپ دونوں آپس کی رضا اور مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر گناہ نہیں اور اگر تم چاہو کہ

تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا آتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ

دائیوں سے اپنے بچوں کو دودھ پلواؤ تو بھی تم پر مضائقہ نہیں جب کہ جو دینا ٹھہرا تھا بھلائی کے ساتھ

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ

انہیں ادا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔ اور تم میں جو مریں

مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ

اور بیبیاں چھوڑیں وہ چار مہینے دس دن اپنے آپ کو روکے رہیں

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ

تو جب ان کی عدت پوری ہو جائے تو اے والیو تم پر مواخذہ نہیں اس کام میں جو عورتیں اپنے معاملہ میں موافق شرع کریں

بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ

اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے ۔ اور تم پر گناہ نہیں اس بات میں جو پردہ رکھ کر

بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاۗءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ

تم عورتوں کے نکاح کا پیام دو اپنے دل میں چھپارکھو اللہ جانتا ہے کہ

سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ڛ

اب تم ان کی یاد کرو گے ہاں ان سے خفیہ وعدہ نہ کر رکھو مگر یہ کہ اتنی بات کہو جو شرع میں معروف ہے

وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

اور نکاح کی گرہ پکی نہ کرو جب تک لکھا ہوا حکم اپنی میعاد کو نہ پہنچ لے اور جان لو کہ اللہ

يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۳۵﴾ ع ۳۰ ع ۱۴

تمہارے دل کی جانتا ہے تو اس سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ بخشنے والا حلم والا ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ یہاں پر فَبَلَغْنَ کا بلوغ اپنے حقیقی یعنی انتہاء بے معنی میں ہے اس لئے کہ اس کے بعد نکاح کا ذکر ہے اور نکاح مکمل عدت ختم ہونے کے بعد ہو سکتا ہے فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ پس انہیں مت روکو العفل بمعنی الجس و المنع اور کسی کو تنگ کرنا پہلے خطاب کی مخاطب ازواج ہیں اور دوسرے کے عورتوں کے متولی۔

شان نزول: مروی ہے کہ یہ آیت معقل بن یسار کے حق میں نازل ہوئی جب کہ اس نے اپنی بہن جمیلہ کو روکا تھا جب کہ وہ اپنے پہلے شوہر البداح بن عبداللہ بن عاصم کے پاس واپس جانا چاہتی تھی۔

القصہ عدت کے بعد اسے البداح نے دوبارہ نکاح کا کہا اور اس کی عورت جمیلہ بھی چاہتی تھی کہ وہ اپنے شوہر کے پاس چلی جائے تو یہ آیت اتری تو حضرت معقل نے کہا میری ناک گھس جائے میں اپنی ہمشیرہ کا نکاح کر دوں گا تا کہ میں اپنے رب کے فرمانبردار بندوں میں شمار ہو جاؤں گا اب معنی یہ ہوا کہ جب تم اے شوہر اپنی عورتوں کو طلاق دو تو اے عورتوں کے متولیو تم انہیں مت روکو۔

سوال: ایک ہی جملہ میں دو علیحدہ علیحدہ خطاب کیوں؟

جواب: اگر چہ ایسی عبارت اہل عرب کے ہاں نہایت ہی رکیک سمجھی جاتی ہے اس جملہ کے جواز کی تقریر یہ ہے کہ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کی علم حضوری میں حاضر ہے چونکہ وہ تمام مخلوق اس کے آگے بمنزلہ ایک ہی جماعت کے ہے اس لئے جملہ میں دو علیحدہ علیحدہ مخاطبوں کو خطاب کرنا جائز ہے جب کہ ایک مخاطب کے لئے توجیہہ ہو اور دوسرے کے لئے کوئی اور۔

سوال: شوہر اول تو عدت کے اندر بھی نکاح یا رجوع کر سکتا ہے لیکن آیت میں واضح ہوتا ہے کہ اس کا نکاح بھی بعد انقضاء عدت ہو۔

جواب: عورت کے متولیوں سے روکنے کی نہی ہے خواہ وہ شوہر اول کا نکاح عدت کے اختتام کے بعد ہو یا پہلے۔

سوال: عورت نکاح کی خود کفیل ہے جب کہ وہ بالغ ہے تو یہاں پر عورت کے متولیوں سے خطاب کیوں؟

جواب: اس میں عورتوں سے ضرر کا دفع کرنا مقصود ہے اگر چہ وہ خود بھی قادر ہیں کہ وہ اپنا نکاح جہاں چاہیں کریں لیکن انہیں اس سے احتراز کرنا چاہیے تا کہ ان پر علامت نہ ہو اور اپنے خیال پر عمل کرنے پر متولیوں سے

قطع تعلق نہ ہو۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ دونوں خطاب ازواج کو ہیں اس لئے کہ عام طور مردوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنی عورتوں پر ظلم اور تکلیف ڈھاتے ہوئے مراسم جاہلیت کی بنا پر نہ عورتوں کو طلاق دیتے ہیں اور نہ ہی ان سے اچھا سلوک کرتے ہیں ان کے لئے یہ آیت اتری۔

اَنْ يَّنْكِحْنَ یہ کہ انہیں نہ روکو جہاں چاہیں نکاح کریں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کی اپنی کاروائی سے بھی نکاح ہو جائے گا اپنے شوہروں سے نکاح کر لیں اس سے مراد ان کے وہ شوہر ہیں جنہوں نے انہیں طلاق دے دی اس لئے کہ زوجیت دو اعتباروں سے ہوتی ہے۔ ۱۔ پہلے تعلق کی وجہ سے اگر چہ اب وہ ان سے مطلقہ ہو گئی ہیں ۲۔ بعد کے تعلق کی وجہ سے کہ اب نکاح کر کے وہ عورتیں ان کی ہو جائیں گی اور دوسرے معنی کو لے کر ترجمہ یوں ہو گا کہ عورتیں جن سے چاہیں نکاح کر لیں اب نکاح کے بعد وہ مرد ان کے شوہر ہوں گے اِذَا تَرَاضَوْا جب کہ وہ ایک دوسرے سے راضی ہوں یہ خطاب نکاح چاہنے والوں اور عوتوں کو ہے اور اَنْ يَّنْكِحْنَ کے لئے ظرف ہے عبارت یوں ہوگی اَنْ يَّنْكِحْنَ وقت التراضی وہ عورتیں نکاح کریں رضامندی کے وقت بَيْنَهُمْ ان کے مابین تَرَاضَوْا کا ظرف ہے یہ رضامندی کے رسوخ واستحکام کا فائدہ دیتا ہے بِالْمَعْرُوْفِ تَرَاضَوْا کے فاعل سے حال ہے ای اذا تراضوا ملتبین بالمعروف یعنی جب کہ راضی ہوں اور دریں حال کہ ملنے والے ہیں ساتھ معروف کے عقد صحیح اور جائز طور حق مہر اور اچھے معاشرہ اور نیک عادل گواہوں سے المعروف وہ امر جسے شرع اچھا سمجھے اور عند المروۃ مستحسن ہو۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ عورت کو غیر کفو میں اور مہر مثل سے کم میں نکاح کرنے سے روکنا عضل سے نہیں یعنی شرعاً ممنوع نہیں ذٰلِكَ گزشتہ مضمون کی طرف اشارہ ہے یعنی وہ مضمون جو تمہیں سنایا گیا ہے اعضل (وغیرہ یعنی اے عورتوں کے متولیوں یعنی شوہرو)

سوال: خطاب واحد کے لئے ہے اور وہ جہاں مناسب نہیں اس لئے مخاطب تو جمع ہیں۔

جواب: تاویلاً جمع کو واحد قرار دے کر واحد کا صیغہ لایا گیا یا بتاویل کل واحد کے ہے یا محض کلام کو حاضر کی طرف متوجہ کرنا مطلوب ہے قطع نظر اس کے وہ واحد ہے یا جمع يُوْعَظُ بِهٖ اس کی تمہیں نصیحت کی جاتی ہے یعنی اس سے

روکا جاتا ہے یا اس کا حکم دیا جاتا ہے مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ جو ایمان رکھتا ہے اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر اس لئے کہ صرف مومن ہی اس سے نصیحت حاصل کرتا ہے یا اس سے صرف نفع اٹھاتا ہے (ورنہ قرآن کا وعظ تو عام ہے) ذٰلِكُمْ قرآن سے نصیحت حاصل کرنا اور اس کے حکم کے مقتضیٰ پر عمل کرنا اَزْكٰى لَكُمْ تمہارے لئے بہت زیادہ پاکیزہ اور بابرکت اور زیادہ نافع ہے اَزْكٰى زکی الزرع سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کھیتی نشو ونما کے دور میں ہو اس سے بندے کو ثواب کے استحقاق کی خوشخبری سنانا مطلوب ہے وَاَطْهَرُ زیادہ پاک ہے گناہوں کی میل وکچیل اور اس کی آلائش سے اور یہ افعل التفضیل کے صیغے ہیں ان کا مفضل علیہ محذوف ہونے کا قرینہ واضح اور معلوم ہے یعنی وہ مفضل علیہ محذوف من الفضل ہے وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اور اللہ تعالیٰ منع اور اصلاح اور تفصیل کو جانتا ہے وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اور تم نہیں جانتے کیونکہ تمہارے علوم قاصر ہیں اس لئے کہ بندہ اگرچہ ان تکالیف کو اجمالی طور پر کچھ نہ کچھ جانتا ہے مگر تفصیل کو تو نہیں جانتا کیونکہ جن احکام کا حکم دیا یا روکا ہے اور پھر وہ بندوں کو بھی بیان کیا ہے انہیں تفصیلی طور وہی جانتا ہے۔

بر و علم یک ذرہ پوشیدہ نیست　　　که پنہاں و پیدا بنزدش یکسیت

(**ترجمہ**: اس کے علم کے آگے ذرہ برابر چیز کوئی شئے پوشیدہ نہیں کہ ظاہر و باطن اس کے ہاں برابر)

تفسیر صوفیانہ

اے اللہ کے بندو! اپنی رائے کو ترک کر کے ان کے فرمان کو بجالاؤ اور اس کے روکے ہوئے سے رک جاؤ اس کی مثال ایسے ہے جیسے باپ بیٹے کو بعض کھانے پینے کی اشیاء سے روکتا ہے جب کہ باپ کو معلوم ہے کہ یہ اشیاء بیٹے کے مزاج کے ناموافق ہیں اس سے باپ کو صرف بیٹے کی اصلاح مطلوب ہوتی ہے کیونکہ جو کچھ باپ جانتا ہے بیٹا نہیں جانتا اس سے یقین کرنا چاہیے کہ جن امور کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں عمل کرنے کا حکم دیا ہے ان میں ہماری خیر ہے اور جن امور سے روکا ہے ان میں ہماری تباہی و بربادی ہے لیکن نصیحت سن کر قبول کرنا صرف اہل و دانش کو نصیب ہے۔

ف: حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا نصیحت کرنا آسان ہے لیکن اسے قبول کرنا مشکل ہے اس لئے کہ جو شخص خواہشات نفسانیہ میں منہمک ہو اسے نصیحت کڑوے گھونٹ محسوس ہوتے ہیں اصلی وجہ یہ ہے قلوب کو مناہی برے اعمال محبوب ہوتے ہیں۔

marfat.ocm

ف: نصیحت سے صرف حقیقی مومن ہی نفع پاتا ہے اور حقیقی مومن وہ ہے جس کی تعریف اللہ تعالی نے فرمائی۔

حدیث شریف: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا نیک بخت وہ ہے جو دوسرے سے نصیحت حاصل کرے۔

سبق: اے عوام تمہارے وعظ سننے کی مثال اس شخص جیسی ہے جیسے کہ مذکور ہے کہ ایک مرد نے پرندہ شکار میں پکڑا جب اسے ذبح کرنے بیٹھا تو پرندے نے کہا مجھے ذبح نہ کر میرے ذبح کرنے سے تجھے کوئی فائدہ نہیں ہوگا میں تجھے تین کام کی باتیں بتاتا ہوں شرط یہ ہے کہ انہیں سن کر مجھے چھوڑ دینا اس شخص نے پرندے کو اس شرط پر چھوڑنے کا وعدہ کیا پرندے نے کہا وہ تین باتیں یہ ہیں۔

☆...... یقینی فائدہ کو ظنی فائدہ کی امید پر ترک نہ کرنا۔

☆...... جو شئے عادتاً محال ہو اس کے حصول میں کوشش کرنا۔

☆...... جہاں تیرا ہاتھ نہ پہنچے اس کی طرف ہاتھ نہ بڑھانا۔

یہ نصیحت سن کر اس شخص نے پرندے کو چھوڑ دیا یہ پرندہ اڑنے لگا اور کہا ہمارے گھونسلہ میں ایک بہت بڑا جوہر ہے اسے ہاتھ بڑھا کر اٹھا لے اگر تو اسے اٹھا لے گا تو اپنے جمیع احکام میں کامیاب رہے گا جب اس شخص نے گھونسلہ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو پرندہ گھونسلہ سے ہٹ کر دوسری جگہ بیٹھ کر کہنے لگا اے فلاں تو بڑا احمق ہے کہ جلد ہی میری بتائی ہوئی نصیحتوں کو بھول گیا، میں تیرا یقینی فائدہ تھا اس امید پر کہ وہ تین فائدے معلوم ہو جائیں گے تو نفع پاؤں وہ تیرا ظنی فائدہ تھا مجھے چھوڑ دیا تو میری پہلی نصیحت پر عمل نہ کر سکا اور ادھر میرے گھونسلے کی طرف ہاتھ بڑھا رہا ہے اس لئے دوسری نصیحت کو چھوڑ دیا ہے کہ میں نے کہا تھا کہ وہاں ہاتھ نہ بڑھانا جہاں تیرا ہاتھ نہ پہنچے اور میری تیسری نصیحت تھی کہ محال امر کی تصدیق نہ کرنا لیکن تو نے اسے بھی ترک کیا کہ میرے گھونسلے میں موتی جواہر کا ہونا مان لیا حالانکہ تو دیکھ رہا ہے کہ میرا گھونسلہ اتنا چھوٹا ہے کہ اس میں ایک دانہ یا دو دانے مشکل سے سا جائیں گے چہ جائے اتنا بڑا موتی اور جواہر۔

حکایت: حضرت شفیق بلخی قدس سرہ ابتداز مانہ میں بہت بڑے تاجر تھے انگریزوں کے علاقوں میں تجارت کے لئے تشریف لے جاتے ایک دن ایک انگریز کے امیر نے پوچھا جناب شفیق بلخی تمہیں ہمارے ہاں آنے

جانے کے لئے کتنا عرصہ لگتا ہے آپ نے فرمایا تین ماہ ہوتے ہیں آپ نے فرمایا تین ماہ آتے ہوئے خرچ ہوتے ہیں اور تین ماہ جاتے ہوئے۔

سوال: جب عقد نکاح میں لباس وخوراک ہر دونوں ضروری ہیں کہ جب بھی عورت کو گھر میں لائے گا تو ہر دونوں کو یہ ضروری ہوں گی لیکن رضاع میں ان کی تصریح سے کیا فائدہ؟

جواب: عقد نکاح کے بعد اس وقت خوراک اور پوشاک دینا ضروری ہے جب وہ عورت جماع کرنے دے اگر جماع سے انکار کرے تو پھر نان ونفقہ ضروری نہیں اور یہ بھی ہے کہ کبھی بچے کی تربیت میں اتنا انہماک و اشتغال ہوتا ہے کہ عورت کو اپنے مرد سے جماع کا موقع بھی میسر نہیں ہوتا اس پر کسی کو وہم ہو کہ جب وہ عورت مرد کو جماع کا موقعہ نہیں دیتی تو اب نان ونفقہ کا کیا معنی تو اس وہم کو دور کرنے کے لئے فرمایا دودھ پلانے والی عورتوں کے لئے لباس وخوراک ضروری ہے خواہ وہ جماع کا موقع دے یا نہ۔ **کذاقال الوحدی فی البسیط)**

لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا کسی نفس کو صرف اس کی وسعت پر تکلیف دی جائے۔

حل لغات: التکلیف یعنی واجب کرنا اور کسی امر کے مکلف بنانے کا یہ معنی ہے کہ کسی پر اس امر کا اثر ظاہر کرنا۔

ترکیب: وُسْعَهَا لَا تُكَلَّفُ کا مفعول ثانی ہے اس لئے کہ مکلف متعدی بدو مفعول ہوتا ہے گویا یہ جملہ دو سوالوں کا جواب ہے۔

سوال: یہ ہے کہ دودھ پلانے والی عورتوں کی ضروریات پوری کرنا مردوں پر کیوں ضروری ہیں دوسرا یہ کہ ان ضروریات کو مردوں کی ضروریات سے کیوں مقدم کیا گیا ہے تو اس کے جواب میں فرمایا لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عورتوں کی ضروریات مردوں پر اس لئے ضروری ہیں کہ عورتیں ضعیف البیان ہیں اس لئے وہ اپنی ضروریات کے لئے کمائی کی قدرت نہیں رکھتیں دوسرا وہ اپنے ازواج کی خدمات میں لگی رہتی ہیں بنا بریں انہیں فرصت ہی کہاں کہ وہ کمائی کریں اسی بنا پر ان کی کفالت مردوں پر رکھی گئی تا کہ اسلام پر تکلف العاجز کا شکوہ نہ رہے اسی طرح دوسرے سوال کی تقریر ہے کہ کفالت میں کفایت بالمعروف کی قید بھی اس لئے ہے۔ تا کہ اسلام سے تکلیف العاجز کا شکوہ نہ ہو۔

لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا ماں کو بچے کی وجہ سے دکھ نہ پہنچایا جائے۔

حل لغات: نہی ہے دراصل لَاتُضَارِرْ (بکسر الراء الاولی) تھا اس وقت اس کا فاعل یہی عورت یعنی وَالِدَةٌ ہوگا اور اگر (بفتح الراء الاولی) ہو تو پھر وَالِدَةٌ مفعول بہ ہوگا اور ضِرَارًا فعل سے مفعول بہ واقع ہوگا پہلی ترکیب کے لحاظ سے معنی یوں ہوگا کہ وہ عورت اس بچہ کو سبب بنا کر بچے کے والد کو نقصان نہ پہنچائے مثلاً یہ کہ وہ دودھ پلانے سے انکار کردے تا کہ بچے کی وجہ سے اس کا باپ خوراک ولباس میں اضافہ کرے اس کے بعد دودھ پلائے گی ایسے عورت کو نہ چاہئے۔

وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ اور نہ باپ بچہ کی وجہ سے ماں کو دکھ پہنچائے مثلاً عورت سے بچہ چھین لے باوجود یہ کہ عورت خود دودھ پلانا چاہتی ہے اور اسے اپنے بچے سے محبت بھی ہے بہر حال مرد کو لائق نہیں کہ وہ عورت کو بچہ کی وجہ سے دکھ پہنچائے اور نہ ہی عورت کو چاہیے کہ وہ مرد کو بچہ کی وجہ سے تکلیف دے کر بچہ جنتے ہی جواب دیدے کہ میں اسے دودھ نہیں پلا سکتی۔ دونوں مطالب کا حال ایک ہے وہ یہ کہ ہر دونوں مرد اور عورت کو چاہئے کہ ایک دوسرے پر بچہ کی وجہ سے رنج وغصہ نہ کریں۔

سوال: اس جملہ میں بچہ دونوں کی طرف کیوں منسوب ہوا ہے حالانکہ پہلے تو صرف باپ کی طرف منسوب ہوا

جواب: تا کہ ان دونوں کو بچہ کی محبت اور ملاطفت ذہن میں اترے کیونکہ وہ ان کا اپنا جگر ہے غیر تو ہے نہیں پھر اس کی وجہ سے جھگڑنے کا کیا معنی دونوں پر حق ہے کہ اس پر شفقت کریں یا اس میں تنبیہ ہے کہ وہ بچہ اس کا مستحق ہے کہ تم دونوں مل کر اس کی اصلاح کرو یہ بالکل نامناسب ہے کہ اسے تم ضرر پہنچاؤ یا اس کی وجہ سے تمہیں ضرر پہنچے۔

وَعَلَى الْوَارِثِ سے مراد یہ ہے کہ اگر وہ مرے تو اس کی وراثت کا حقدار یہی بچہ ہو کہ جسے اب دودھ پلانا ہے یعنی بچے کو دودھ پلانے کے لئے دودھ پلانے والی کی ضروریات وارث کو ادا کرنا واجب ہیں یہ اس وقت ہے جب کہ بچہ کا باپ نہ ہو تو پھر ہر وہ ذی رحم محرم خرچ ادا کرے کہ ان میں کسی ایک کو مرد اور دوسرے کو عورت قرار دیا جائے تو نکاح جائز نہ ہو سکے اس سے ہر قسم کے وارث مراد نہیں خواہ وہ ذی رحم محرم ہو یا نہ بلکہ وہی مخصوص وارث مراد ہیں جس کو ابھی ہم نے کہا خواہ وہ مرد ہو یا عورت مِثْلُ ذٰلِكَ یعنی جتنا مقدار بچہ کے باپ پر عورت دودھ پلانے والی کا نان نفقہ اور لباس وخوراک کا خرچہ واجب ہے اب اس کے نہ ہونے پر وارث ادا کرے۔

مسئلہ: حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا یہ آیت مدت استحقاق پر محمول ہے اس لئے کہ اجماع امت ہے کہ مدت رضاع تک باپ پر دودھ پلانے کی مزدوری دینا ضروری ہے اور وہ دو سال کی مدت مقرر ہے یہاں تک کہ اس کے بعد باپ کو مزدوری دینے پر مجبور نہ کیا جائے گا اللہ تعالی نے فرمایا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ (آلایۃ)

مسئلہ: اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دو سال کے بعد بھی حرام نہیں ورنہ حرام ہوتا تو اللہ تعالی کے اس ارشاد لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ کا کوئی فائدہ نہیں۔

مسئلہ: حرمت مصاہرۃ کا ثبوت اڑھائی سال کے اندر دودھ پینے پلانے سے ہوگا امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کے نزدیک اڑھائی سال کے بعد دودھ پینے پلانے سے حرمت ثابت نہ ہوگی اور وہ سال کے بعد ان کے نزدیک حرمت نہ ہوگی اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے۔

مسئلہ: دو سال تک تکمیل بھی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کے نزدیک شرط نہیں وہ بھی اس آیت سے ثابت ہوتا ہے وہ اس لئے کہ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ دلالت کرتی ہے کہ دو سال سے پہلے وہ دونوں راضی ہو کر دودھ چھڑا لیں تو کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ: مرد پہلے دودھ چھڑانا چاہتا ہے لیکن عورت اس کی تکمیل دو سال چاہتی ہے تو مرد پر اس کا خرچہ دینا ضروری ہے۔

مسئلہ: اگر مدت رضاع سے پہلے ہی بچہ کا دودھ چھڑا لے اور بچہ اتنا قوی محسوس ہوتا ہے کہ اسے دودھ چھڑا دینے سے نقصان نہ ہوگا اور دودھ کے علاوہ طعام پر گزارا کر سکتا ہے تو عورت کو تکمیل مدت پر مجبور نہ کیا جائے گا ہاں اگر بچہ کو دودھ پیتا ہے لیکن عورت نے خواہ مخواہ ایسے ہی دودھ چھڑا دیا ہے تو اب جہاں بھی دودھ پئے گا حرمت نکاح ثابت ہو سکے گی یہی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اور اسی پر فتوی ہے۔ (ذکرہ الزیلعی)

ف: جیسے اللہ تعالی نے وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ میں بچے کی ماں کو حکم دے کر بچہ کی رعایت فرمائی ہے اسی طرح بچہ کے باپ کو اس کی ماں کی بھی رعایت فرمائی تا کہ بچہ کی تربیت صحیح طور پر ہو مثلاً دودھ والی عورت کے لئے کہا کہ اس کا طعام اور لباس بچے کے باپ پر ضروری ہے جب کہ دودھ پلانے سے پہلے عقد نکاح کرتے وقت متعین

کیا جائے اور طعام ولباس بھی مقدار معین ہو اور کبھی عرف کی وجہ سے یہ شرط متعین نہیں ہوتی مثلاً کہہ دیا جاتا ہے کہ جتنا تجھے خوراک اور لباس کی ضرورت ہوگی وہ میں ادا کروں گا اب اجرت کی تعین کی ضرورت ہی کیا ہے جب وہ جملہ امور کا کفیل بن رہا ہے چنانچہ مذکورہ بالا مسائل کو یوں بیان فرمایا وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ اور جس کے لئے بچہ پیدا ہوا ہے یعنی باپ پر ضروری ہے۔

سوال: وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ کیوں نہیں فرمایا؟ مختصر بھی ہے اور مقصد بھی ایک ہے؟

جواب: تا کہ معلوم ہو کہ اولاد صرف آبا کے لئے ہوتی ہے اگر ولد کا لفظ ہوتا تو اس سے یہ مقصد ظاہر نہ ہوتا اس لئے اولاد باپ کی طرف منسوب ہوتی ہے۔

حکایت: مامون الرشید بن ہارون الرشید نے جب خلافت کا مطالبہ کیا تو اسے ہشام بن علی نے کہا کہ تم خلافت کے حقدار کیسے ہو جب تو لونڈی کا بچہ ہے مامون نے جواباً کہا درست ہے لیکن حضرت اسماعیل علی نبینا وعلیہ السلام بھی ہاجرہ لونڈی کے صاحبزادے تھے اور حضرت اسحاق علی نبینا وعلیہ السلام بی بی سارہ عورت کے صاحبزادے تھے لیکن ساری خدائی کے آقا حضرت محمد ﷺ حضرت اسماعیل کی اولاد سے ہیں اس کے بعد مامون نے یہ اشعار پڑھے۔

لا تر عین بفتی من ان یکون لہ ام من الروم او سوداء و عجاء
فا نما امہات الناس او عیہۃ مستو دعات وللا بناء آباء

(**ترجمہ:** کسی کو طعنہ مت لگاؤ کہ اس کی ماں روم کی نسل سے ہے یا سیاہ رنگ اور زشت رو اس لئے کہ مائیں تو صرف بچوں کی حفاظت گاہ ہیں ورنہ اصل تو آباء ہیں لیکن میری ماں اگرچہ لونڈی ہے لیکن ہارون الرشید کا بیٹا تو ہوں) کسی نے کیا خوب کہا۔

مکن زنہا اصل عود چوبست دودش کہ چو مشکی و خوبست

رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ ان کا طعام اور لباس جب کہ اپنے بچوں کو دودھ پلائیں اسی طرح ہر دودھ پلانے والی دائیاں جب کہ دودھ پلانے کے لئے متعین ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر بچہ کی ہر طرح کی نگہداشت ان کے ذمہ ہے اسی طرح طعام بھی کیونکہ کھانے کی بوجہ دودھ پلا سکے گی اس لئے دودھ غذا ہی سے پیدا ہوتا ہے چونکہ لباس

اور خوراک ہر دونوں حوائج ضروریہ سے ہے ان کا دینا ضروری ٹھہرا بالمعروف ساتھ معروف کے یعنی جیسے حاکم مناسب دیکھے اور باپ بھی وسعت رکھتا ہو ماہ اسباب خریدنے پر پھر تین ماہ واپسی پر اور تین ماہ اسباب بیچنے پر اس انگریز نے کہا سال کے بارہ ماہ ہوتے ہیں اور یہ بارہ ماہ تو تو نے بیع و شرا پر خرچ کر دیئے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے کونسا وقت باقی رہا انگریز کی بات حضرت شقیق کے قلب پر اثر کر گئی آپ نے یک بار تجارتی امور ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت شروع کر دی اور مرتے دم تک آپ اسی مشغلہ میں رہے۔

سبق: اگر توفیق ربانی کسی رفیق ہو تو بندہ منازل طے کر لیا کرتا ہے اگرچہ اس کے مقابلہ میں کئی آفات آئیں یہاں تک کہ وہ مقصود کو پا لیتا ہے اگر وہ نفس کا بندہ بن جائے تو اسے نہ کسی کی نصیحت اثر کرتی ہے اور نہ ملامت۔

حدیث شریف: حضور اکرم ﷺ کی نصیحتوں میں سے ایک نصیحت یہ ہے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بندے سے منہ پھیرنے کی ایک علامت یہ ہے کہ بندہ غیر مفید کلام میں مشغول رہے۔

ف: جس بندے کا کوئی لمحہ خدا کی یاد کے بغیر گزرے اسے سخت سخت ندامت کرنا چاہئے اور جس پر چالیس گھڑیاں گزریں لیکن اس کی نیکی اس کی برائی پر غالب نہ ہو تو اسے جہنم کے لئے تیار رہنا چاہیے اہل علم کے لئے یہ نصیحت کافی ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا۔

بگو آنچہ دانی سخن سودمند — وگر ہیچ کس نیاید پسند
کہ فردا پشیمان بر آرد خروش — کہ اوخ چرا حق نہ کردم بگوش

(**ترجمہ:** اے اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے ارشادات گرامی کے نصائح کی نصیحت قبول کرنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین)

تفسیر عالمانہ

وَالْوَالِدٰتُ اس سے تمام مائیں مراد ہیں خواہ وہ مطلقہ ہوں یا غیر مطلقہ کیونکہ یہ لفظ عام اور اس پر تخصیص کی کوئی دلیل بھی نہیں اس لئے اسے اپنے عموم میں رکھنا ضروری ہے خبر ہے لیکن بمعنی امر يُرْضِعْنَ یعنی ماؤں پر ضروری ہے کہ وہ دودھ پلائیں بمعنی پستان کو دودھ کے لئے چوسنا اَوْلَادَهُنَّ اپنی اولاد کو والد، ولد کی جمع ہے بچہ کو کہتے ہیں نر ہو یا مادہ اور یہ امر ندب کا ہے اور وہ اس لئے کہ بچہ کی تربیت کے لئے دودھ ماں کا ہی اچھا ہوتا ہے بہ نسبت دوسری کے دودھ کے اس لئے کہ ماں کی ممتا مشہور ہے دوسروں کی

marfat.ocm

شفقت ماں کی شفقت میں کالعدم ہے اور خدب کا حکم اس لئے کہ بچہ کو صرف اس کے دودھ پر مجبوری نہیں ہاں اگر مجبوری ہو مثلاً وہاں اس کی ماں کے بغیر اور کوئی دودھ پلانے والا نہ ہو صرف بچہ ماں کے دودھ کے بغیر اور کسی کا دودھ پیتا ہی نہیں یا والد دودھ پلانے کی مزدوری ادا نہیں کر سکتا تو اس وقت ماں پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے بچے کو دودھ پلائے جیسے بھوک سے مرنے والے کے لئے ہر اس شخص پر واجب ہو جاتا ہے کہ اس کی خبر گیری کریں۔

مسئلہ: دودھ پلانے کے حقوق میں سے ایک یہ ہے کہ وہ عورتیں سوائے اولاد کے قریبی رشتہ داروں کے اوروں سے نکاح نہ کریں اگر وہ مطلقہ ہیں اس لئے کہ نکاح کے بعد وہ اپنے شوہروں کی خدمت میں مشغول ہو جائیں گی تو وہ اپنے بچوں کی تربیت کا حق ادا نہیں کر سکیں گی علاوہ ازیں تربیت پانے والے پر عورت کے شوہر کی نظر شفقت بہت کم ہوتی ہے اس لئے اس پر خرچ وغیر ہا میں تنگی کرے گا۔

حَوْلَیْنِ یہ حال المشی سے مشتق ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شے منقلب ہو جائے اور سال چونکہ وقت اول سے وقت ثانی کی طرف منقلب ہوتا ہے اس لئے اسے حول کہا جاتا ہے کَامِلَیْنِ مکمل دو سال حَوْلَیْنِ کو کَامِلَیْنِ کی صفت سے اس لئے مؤکد کیا ہے کہ کبھی حولین میں چشم پوشی کی جا سکتی ہے اس لئے کبھی حولین بول کر ایک سال کامل اور دوسرے سال کا بعض حصہ مراد لیا جاتا ہے اقمت عند فلاں حولین میں فلاں شخص کے ہاں فلاں مکان میں دو سال ٹھہرا لیکن وہاں وہ ایک سال کامل اور دوسرے سال کا بعض حصہ ٹھہرتا ہے اس اعتبار سے اسے کاملین کی صفت مؤکد کیا گیا تاکہ مجاز کا احتمال باقی نہ رہے لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ اس کے لئے جو دودھ پینے کی مدت مکمل کرنا چاہتا ہے یہ بیان اس کا ہے جس کی طرف دودھ پلانے کا حکم متوجہ ہو گویا پوچھا گیا کہ یہ حکم کس کے لئے ہے تو اس کے جواب میں کہا گیا یہ حکم اس کے لئے ہے جو دودھ پینے کی مدت کو مکمل کرنا چاہتا ہے مراد وہ دودھ پلانے والی مائیں ہیں یا ان کے ساتھ ان کے آباء بھی مراد ہیں۔

مسئلہ: حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کے نزدیک مدت رضاع دو سال چھ ماہ ہے اور صاحبین کے نزدیک صرف دو سال ہیں دونوں کا استدلال اسی آیت سے ہے۔

مسئلہ: مدت رضاع علی اختلاف القولین کے بعد دودھ پلانا غیر مباح ہے اس لئے کہ اباحت بوجہ ضرورت

کے تھی اس لئے کہ دودھ انسان کا ایک جزو ہے اور انسان کا ایک جزو دوسرے کے اندر ڈالنا مناسب نہیں اس لئے اتنی مدت تک مقدر کیا جائے جتنی ضرورت ہے۔

مسئلہ: دودھ پلانے والی عورتوں اور ذی رحم محرم عورتوں کا نان ونفقہ کا وجوب ہم احناف اسی آیت سے ثابت کرتے ہیں فَاِنْ اَرَادَا پس اگر ماں باپ ارادہ کریں فِصَالًا دودھ چھڑانے کا۔

ف: دودھ چھڑانے کو فِصَالًا سے اس لئے تعبیر کیا جاتا ہے کہ اس وقت بچہ کو اپنی ماں کے دودھ سے جدا کر کے دوسری غذاؤں کی طرف لگایا جاتا ہے یعنی جب بچہ کو مدت رضاع سے پہلے دودھ چھڑانے کا ارادہ کرلیں بشرطیکہ عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وہ دونوں آپس میں اس بات پر راضی ہوں ان میں ایک کی رضا کافی نہیں اس لئے ممکن ہے۔ کہ دودھ چھڑانے سے بچہ کو تکلیف دینا مطلوب ہو مثلاً عورت دودھ پلانے سے تھک گئی ہے یا مرد خرچ دینے میں بخل کرتا ہے اور بسا اوقات قبل از وقت دودھ چھڑانے سے بچہ کو جسمانی تکلیف لاحق ہوجاتی ہے۔ وَتَشَاوُرٍ اور احوال کے متعلق پورے طور تفتیش وتحمیص کے بعد طے کیا اور اس پر دونوں متفق ہوجائیں۔

حل لغات: وَتَشَاوُرٍ مشورۃ سے مشتق ہے بمعنی اسعخراج الرای من المستار جس سے مشورہ لیا جائے اس کی رائے کا اظہار۔

سوال: ماں باپ دونوں کی رائے کا متفق ہونا ضروری کیوں ہے۔

جواب: باپ کی رائے اس لئے کہ اسے ولایت حاصل ہے اور ماں کی اس لئے کہ وہ بچہ پر زیادہ شفقت رکھتی اور اس کے حال کو بہت اچھا جانتی ہے فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا پس دونوں پر اس کے متعلق کوئی گناہ نہیں اور نہ ہی کوئی حرج ہے جب کہ دونوں دودھ چھڑانے پر راضی ہوں جب کہ دونوں کی رائے متفق ہوگئی اور دونوں نے سوچ بچار کے بعد طے کیا کہ اب بچے کی بہتری دودھ چھڑانے میں ہے اور بہت کم اتفاق ہوا ہے کہ اس معاملہ میں دونوں کی رائے میں خطا واقع ہو۔

مسئلہ: کلام یہ کہ جب دونوں ماں باپ بچہ کے متعلق اڑھائی سال یا دو سال سے کم میں چھڑانے پر راضی ہیں تو انہیں بچہ کے دودھ چھڑانے میں کوئی گناہ نہیں جب کہ دونوں بچہ کی بھلائی اسی میں سمجھتے ہیں وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اور اگر تم اے بچہ کے اباء ارادہ رکھتے ہو اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا یہ کہ دودھ پلانے والی عورتوں سے دودھ پلانے کا

marfat.ocm

مطالبہ کرو اَوْلَادَكُمْ اپنی اولاد کے لئے۔

ترکیب: اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا کا مفعول ثانی محذوف ہے اس لئے کہ استرضاع بلا واسطہ بدو مفعول ہوتا ہے مثلاً اہل لغت کہتے ہیں رضع الولد امه بچے نے ماں کا دودھ پیا اور رضعت المراۃ ولدها ماں نے اپنے بچے کو دودھ پلایا و استرضعتها الولد اس عورت سے بچہ کے دودھ پلانے کا مطالبہ کیا پچھلا فعل بلا واسطہ متعد بدو مفعول کی طرف حرف جر کے واسطہ سے متعدی ہوتا ہے اس کا اصل اَوْلَادَكُمْ تھا یعنی جب تم اپنی اولاد کے لئے دودھ پلانے کے لئے دودھ پلانے والی کو بچوں کے دودھ پلانے کا کہو۔ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ تو تمہیں اس کا کوئی گناہ نہیں دودھ پلانے کا کہو۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ باپ کو حق پہنچتا ہے کہ غیر عورت کو دودھ پلانے کے لئے کہے اور بچہ کی ماں کو دودھ پلانے سے روک دے اِذَا سَلَّمْتُمْ جب تم دودھ پلانے والی کے سپرد کرو مَّآ اٰتَيْتُمْ وہ جو تم انہیں دودھ پلانے کی اجرت دینے کا ارادہ رکھتے ہو یہ محاورہ وہی ہے جو دوسری آیت میں ہے فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ یعنی یہاں نفس فعل مراد نہیں بلکہ اس فعل کا ارادہ مقصود ہے بالمعروف اس کا تعلق سَلَّمْتُمْ ساتھ ہے یعنی وہ شے انہیں دو جو شرعاً عرفاً اچھی اور مستحسن ہے۔

مسئلہ: یہ عطیہ دودھ پلانے کے لئے شرط نہیں کہ بلکہ ندبہاً استحساناً کہ انہیں دودھ پلانے کے لئے کچھ دینا بہت مناسب ہے اس لئے دودھ پلانے کی مزدوری یا عطیہ عورتوں کو نقد اور دست بدستی دیا جائے تو بچوں کے دودھ پلانے میں انہیں آسانی ہوگی اور بچوں کی اصلاح و تربیت احسن طریق سے ہوگی۔

ف: بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اَلْمَعْرُوْف سے مرد حلال کی کمائی سے دودھ پلانے والی مزدوری دی جائے اس لئے کہ دودھ پلانے والی اگر حلال کا رزق کھائے گی تو بچہ کو نفع ہوگا اور اس کی تربیت کے لئے زیادہ مفید ہوگا اہل حکمت کہتے ہیں فطر کا تقاضا ہے جو شخص کسی عورت کا دودھ پیتا ہے تو اس کے اخلاق کا اثر اسی بچہ پر پڑتا ہے اچھے اخلاق ہوں یا برے اسی لئے کہا گیا ہے کہ بچہ کو ایسی عورت کا دودھ پلانا چاہیے جو احسن الاخلاق اور صلاحیت کی مالک ہو اس لئے کہ بیوقوف اور غلط کار عورت کا دودھ بچے کے اخلاق پر برا اثر انداز ہوتا ہے جس کا ظہور کسی نہ کسی وقت ضرور ہوگا۔

حدیث شریف: دودھ عادات کو تبدیل کردیتا ہے۔

حکایت: شیخ ابن محمد الجوینی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہوئے دیکھا کہ ان کے صاحبزادے امام محمد ابوالمعالی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کو ان کی والدہ کے بغیر کوئی دیگر عورت دودھ پلا رہی ہے آپ نے آتے ہی بچے کو اس عورت سے چھین لیا اور اس لٹا کر الٹا کر کے اس کے اندر جو دودھ داخل ہوا انڈیل دیا بلکہ بچے کے پیٹ کو مل کر اور منہ میں نگلی ڈال کر جتنا دودھ پیٹ کے اندر گیا تھا سب کا سب باہر نکال دیا اور فرماتے تھے کہ بچے کا مر جانا مجھے اتنا تکلیف دہ نہیں ہوگا جتنا کہ اس کی طبیعت بیگانی عورت کے دودھ سے بگڑنے کا غم ہوگا یہی وجہ تھی کہ جب امام ابوالمعالی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کو کسی وقت مناظرہ میں تنگی محسوس ہوتی تو فرماتے کہ افسوس ابھی اس عورت کے دودھ کا بقایا میرے اندر موجود ہے ورنہ اتنی تنگی محسوس نہ کرتا۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ مذکورہ احکام کی رعایت اور بچوں کے دودھ پلانے اور دودھ پلانے والی عورتوں کے حقوق کے بارہ میں اللہ سے ڈرو وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ یقین جانو کہ بے شک اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے اس پر تمہیں جزا و سزا دے گا بعض نے کہا اس میں وعید اور تہدید ہے جیسا کہ اہل فہم سے مخفی نہیں۔

حضرت حسین کاشفی فرماتے ہیں۔

گر برہنہ برہ بروں آئی　　زود در تہمت جنون آئی
جامعہ ظاہری کہ نیست ببر　　تو فضیحت شوی میان بشر
فکر آں کن کہ بے لباس ورع　　چہ کنی در مقام ہول وفزع
خویشتن در لباس تقوی دار　　تا شوی در دکون برخوردار

تفسیر صوفیانہ یہ آیت قواعد صحت کی تمہید اور احکام معاشرہ میں محاسن اخلاق کی عظمت بیان کرنے پر مشتمل ہے بلکہ مخلوق کے لئے جمیع انواع رحمت و شفقت کو حاوی ہے اس لئے کہ قاعدہ ہے جو کسی پر رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جائے گا۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک شہ لولاک ﷺ نے اس شخص کے لئے فرمایا جس نے کہا میں نے تو کبھی اپنی اولاد کو بوسہ نہیں دیا فرمایا کہ اللہ تعالی ہر بدبخت سے رحمت چھین لیتا ہے۔

حدیث شریف: اولاد کی محبت نار جہنم کی آڑ ہے اور ان کو با عزت بنانے میں پل صراط سے با آسانی گزرنا نصیب ہوگا اور ان کے ساتھ مل کر کھانا کھانے میں نار جہنم سے برأت حاصل ہوگی۔

حدیث شریف: بندے سے چار خرچوں کے بارے میں سوال نہ ہوگا۔

۱۔ ماں باپ پر خرچ کرنا۔ ۲۔ افطار ۳۔ سحری ۴۔ اپنے عیال پر

ف: نرمی و مہربانی ایسے امور ہیں جو فطرتاً ممدوح ہیں جس کی عوام و خواص تعریف کرتے ہیں چنانچہ حدیث شریف میں ہے حدیث شریف کا مضمون حکایت کی صورت میں مندرجہ ذیل ہے۔

حکایت: ایک عورت تھی بدکار اس نے ایک دن کتے کو گرمی میں ایک کنوئیں کے اردگرد پھرتے دیکھا کہ وہ پیاس کے مارے زبان باہر نکالے ہوئے تھا اس نے کنویں سے پانی نکال کر پیاسے کتے کو پلایا اللہ تعالیٰ نے اسے اس عمل پر بخش دیا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس عورت نے اپنا موزہ اتار کر اسے اپنے دوپٹہ سے باندھ کر کنویں کے اندر پانی نکال کر پیاسے کتے کو پلایا تو اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا۔

سبق: توبہ کے بغیر بھی اہل کبائر کی بخشش ہو سکتی ہے یہی اہل سنت کا مذہب ہے دوسرا یہ بھی معلوم ہوا کہ جو بھی کسی بھوکے محتاج کو کچھ کھلائے تو وہ ثواب کا مستحق ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ اور وہ جو تم میں فوت ہو جاتے ہیں یعنی ان کی روحیں موت کی وجہ سے قبض کی جاتی ہیں۔

ف: يُتَوَفَّوْنَ کی یاء کو فتح سے پڑھا جاتا ہے یعنی وہ لوگ جو اپنے اجل اور عمروں کو ختم کر چکے ہیں۔

حل لغات: دراصل شے کو پورا اور مکمل کر لینے کو کہتے ہیں مثلاً کہا جاتا ہے توفی الشئی واسعر فاہ مردے پر اس کا اطلاق اس لئے ہے کہ اس نے اپنی عمر اور اجل کو پورا کیا ہے وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا اور اپنے پیچھے عورتیں چھوڑ جاتے ہیں۔

ف: ازواج، زوج کی جمع ہے منکوحہ پر زوج اور ازواج کا اطلاق ہوتا ہے لیکن اکثر لفظ زوج مرد پر مستعمل ہوتا ہے اور عورتوں کے استعمال کی مثال قرآن پاک میں ہے اُسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ اور مرد کے لئے جمع ازواج

آئے گی اور عورت کے لئے زوجات يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ یہ باء تعدیہ کی ہے یعنی وہ اپنے نفسوں کو انتظار میں ڈالیں جب کہ ان کے شوہر فوت ہو جائیں یہ ترجمہ ہم نے اس لئے کیا ہے تا کہ مبتداء عائد کے بغیر نہ ہو اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا چار ماہ اور دس دن یعنی اتنی مدت کسی سے نکاح نہ کریں اور عشرہ کی تمیز محذوف ہے یعنی عشرۃ ایام اور عشر کی تانیث لیالی کے اعتبار سے ہے اس لئے کہ اہل عرب کے نزدیک تاریخ اعتبار راتوں سے ہے اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ مہینہ کا آغاز رات سے ہوتا ہے اس لحاظ سے دن رات کا تابع ہے۔

نکتہ: متوفی عنہا عورت کی عدت چار ماہ دس دن اس لئے متعین ہوئی کہ پیٹ کے اندر اگر لڑکا ہے تو تین ماہ پر متحرک ہوگا اگر لڑکی ہے تو چار ماہ پر ان دونوں میں جو مدت تھی اسی کا اعتبار کیا ہے اور دس دن بڑھانے میں اس مدت کو مزید تقویت پہنچانا مطلوب ہے تا کہ یقین ہو جائے کہ عورت کو حمل نہیں اور وہ یقینی طور پر کسی سے نکاح کر سکتی ہے ویسے بھی دس دن بڑھانے کی ضرورت بھی پڑتی ہے کیونکہ ابتدا میں پیٹ میں رہنے والا بچہ ضعف کی وجہ سے معمولی سی حرکت کرے گا اور معمولی سی حرکت سے معلوم نہیں ہو سکتا۔

فائدہ: آغاز اسلام میں متوفی عنہا عورت کی عدت مکمل ایک سال تھی اس کے بعد اسی آیت سے وہ حکم منسوخ ہو گیا صرف حاملہ کے حکم کو باقی رکھا گیا کہ ان کی عدت وضع حمل کے بعد ختم ہوگی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ

مسئلہ: اگر متوفی عنہا لونڈی ہو اور ہو بھی منکوحہ تو اس کی عدت آزاد کی عدت کا نصف ہوتی ہے اور اسی پر اسلاف کا اجماع ہے۔ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ کا خطاب مومنین کو ہے۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ عورت کا کتابیہ کے لئے یہ عدت نہیں۔ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ پس جب کہ عدت ختم ہو جائے فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ پس تمہیں کوئی گناہ نہیں یہ خطاب حکام اور نیک مسلمانوں کو ہے اس لئے کہ اگر عورت اس عدت کے اندر کہیں نکاح کرنا چاہیے تو یہ حضرات اسے روک سکتے ہیں اگر انہیں روکنے کی طاقت ہے ورنہ سلطان وقت کو درخواست دے کہ اس عورت کو روک دیں۔ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ اس معاملہ میں جو نفسوں کے بارہ میں کرتی ہیں مثلاً زیب و زینت اور نکاح کے طالبین سے میل جول اسی طرح وہ امور جو عورت کو عدت کے دوران ناجائز اور حرام ہیں بِالْمَعْرُوْفِ یہ فعلن کے فاعل سے مفعول ہے اب عبارت یوں ہوگی یعنی وہ عمل

کرتی ہیں دریں حال کہ ملانے والی ہیں اسی وجہ کو جس کا شریعت انکار کرتی ہے۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ اور جو بھی تم عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل کو جانتا ہے اور وہ تمہیں جزا دے گا فلہذا ان کے خلاف عمل نہ کرو۔

ہر کہ عاصی شود بامر خدا!
بیخ او را بکند قہر خدا

ف: اس آیت میں تربص سے تین چیزیں مراد ہیں۔

ا۔ عدت کے اندر نکاح نہ کرنا اور یہ فرض ہے۔ ۲۔ جہاں اس کا شوہر فوت ہوا یہ اس جگہ کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ جا کر عدت گزارنا الا بقدر ضرورت اور یہ واجب ہے۔ ۳۔ زیب و زینت نہ کرے۔

سوال: آیت تو مجمل ہے اس میں کہاں لکھا ہے کہ عورت فلاں کام نہ کرے اور گھر سے باہر نہ جائے اور زیب و زینت بھی نہ کرے۔

جواب ا: عدت میں عورت کا نکاح نہ کرنا اجماع اسلاف سے ثابت ہے اسی طرح جہاں اس کے شوہر کی وفات ہوئی ہے وہاں عدت گزارنا اور گھر سے باہر نہ جانا الا بقدر ضرورت اسی طرح زیب و زینت بھی نہ کرے یہ تمام مسائل اجماع سے ثابت ہیں۔

جواب ۲: حدیث پاک سے ثابت ہے چنانچہ بی بی عائشہ وحفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا جو عورت اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہے حلال نہیں کہ وہ کسی میت پر تین دن سے زائد سوگ منائے ہاں اپنے شوہر کے لئے اسے چار ماہ دس دن کی اجازت ہے۔

سوال: عورت پر سوگ منانا کیوں ضروری ہے؟

جواب: وہ اس لئے کہ جب اسے عدت کے اندر نکاح کرنا حرام ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ انہی ایام میں زیب و زینت سے پرہیز کرے تاکہ کوئی وہم نہ کرے کہ یہ نکاح کی طالبہ ہے علاوہ ازیں سوگ سے ظاہر ہوگا کہ واقعی اسے نعمت نکاح کے چھن جانے سے بہت سخت افسوس ہے اور وہ نعمت ایسی تھی کہ اسے ہر طرح کی تکلیف سے بچاتی تھی اور نان ونفقہ اور قیام وطعام کی ضروریات پوری کرتی تھی وغیرہ وغیرہ۔

مسئلہ: سوگ صرف تین دن ہوتا ہے البتہ تیسرے روز عورت کو چاہیے کہ خوشبو لگائے تاکہ سوگ تین یوم سے زائد از حکم کے جرم کا ارتکاب کر بیٹھے گی اور وہ اس کے لئے حرام ہے۔

مسئلہ: یہ بھی سنت میں شامل ہے کہ جاہلیت کی تمام رسوم کو مٹایا جائے تاکہ وہ مردوں کے لئے دامن پھاڑے اور چہروں پر تھپڑ اور بال نوچے جیسے جاہلیت کے دور میں اہل عرب کی عادت تھی اس طرح کپڑے پھاڑنا عجمیوں کی عادت تھی اور چیخ مار کر رونا اور نوحہ کرنا۔

حدیث شریف: میں ہے حضور نبی کریم ﷺ نے ایسے امور کے مرتکب سے برأت کا اظہار فرمایا ہے اور جاہلیت کے امور کا ارتکاب کرتا ہے لیکن ہمارے دور کے لوگوں کے اکثر شہروں میں عادت ہے کہ وہ ان عادتوں میں مبتلا ہیں خصوصاً عورتیں ان کی عادت ہے کہ وہ سیاہ لباس پہنتی ہیں کئی ماہ تک ایسے ہی کرتی رہتی ہیں بہت تھوڑے لوگ ایسے ملیں گے جو میت کی فوتیدگی کے بعد اچھے اور نئے کپڑے پہنتے ہوں ورنہ اکثر سیاہ اور پرانے کپڑے پہنتے ہیں ان سے پوچھا جائے کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو تو جواباً یہی کہتے ہیں کہ ماں مرگئی ہے باپ مرگیا ہے وغیرہ وغیرہ اور یہ سلسلہ کئی ماہ تک رہتا ہے۔

شیعہ کی تردید: اسی طرح رافضیوں کی عادت ہے کہ سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ کی مصیبت کے خون پر بہت غلو کرتے ہیں اور عاشورہ کے ایام حضرت امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ کے وصال کا ہر سال سوگ مناتے ہیں اور اس کا نام رکھتے ہیں اور ان ایام میں علاوہ مذکورہ خرابیوں کے اور زیادتیاں کرتے ہیں بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہ کو غلیظ گالیاں بکتے ہیں اور یہ کام تو ان لوگوں کا ہوسکتا ہے جن پر اللہ تعالی کا غضب اور عذاب ہوا وہ لوگ گمراہ ہیں شیعوں نے گویا سوگ کی ممانعت کی احادیث سنی بھی نہیں ہیں اللہ تعالی ہدایت دے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ مومن کی موت اپنی عورت کی جدائی کیلئے اختیاری ہوئی اور یہ جدائی بہت بڑی طویل ہوتی ہے اسی طرح بندہ سالک کا حال ہے کہ اس کی موت بھی اس کے مابین غیر اختیاری ہوتی ہے پھر اس کی عدت وفاء کی تکمیل بھی مطلوب کے حصول پر موقوف ہے جب اس کا محبوب کرم فرمائے تو اسے وصال کی دولت سے نوازے چنانچہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ مومنین کو تسلی دی جارہی ہے تاکہ اسے شیطان کے وساوس مطلوب کی ملاقات کے اسباب سے منقطع نہ کریں مثلاً شیطان کا بہت بڑا وسوسہ یہ ہے کہ اللہ تعالی کا

وصال تو ایک بہت امر ہے بلکہ وہاں تک پہنچنا تو ناممکنات سے ہے پھر اے سالک تو تو نہایت کمزور ہے اور اتنا دور دراز سفر اور تیری عمر تو کچھ بھی نہیں پھر کیسے وہاں پہنچ سکے گا اس پر مولیٰ تعالیٰ کا کرم پکار اٹھتا ہے کہ اے سالک گھبرایئے مت جو شخص مجھے تلاش کرتا ہے وہ مجھے ضرور پالیتا ہے اور تیرے جیسے بہت سے عشاق اب بھی میری طلب میں موجود ہیں (کذافی التاویلات النجمیه قدس اللّٰہ تعالی لینفسه الزکیه القدسیه الرضیه)

تفسیر عالمانہ

وَلَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ جب عورت کا شوہر فوت ہو جائے اور وہ عورت صاحب مال اور حسین وجمیل ہو اور اس میں بہت سی ایسی خوبیاں پائی جاتی ہوں جن کی وجہ سے اسکے نکاح کے لئے رغبت ہے تو پھر ان کے لئے گناہ نہیں کہ نکاح میں اشارہ وکنایہ سے کام لیں چنانچہ فرمایا فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ التعریض بمعنی افهام المعنی بالشی المتحمل له ولغیره کسی شئے کا مطلب ایسے طریق سے بیان کرنا کہ اس میں مطلوب کے علاوہ کوئی دوسرا مفہوم بھی ہوسکتا ہو۔

مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ الخطبه (بالکسر) بمعنی نکاح کی منگنی وبالضم بمعنی وہ کلام جو وعظ اور زجر پر مشتمل ہو خطاب سے ماخوذ بمعنی کلام مثلاً کہا جاتا ہے خطب المراۃ ای خاطبها فی امر النکاح یعنی فلاں نے عورت سے نکاح کی بات کی۔

ف: یہاں پر اَلنِّسَآء سے مراد عورت منکوحة الغیر مراد ہے یا طلاق رجعی کے سوا کسی دوسری طلاق کی وجہ سے عدت گزار رہی ہے تو اسے صراحت کے ساتھ نکاح کا پیغام بھیجا ہے تو اس کی حق تلفی نہ کرے اس وقت اس عورت سے نکاح کا صراحۃً پیغام بھیجنا جائز ہے چنانچہ حضور پاک ﷺ نے فرمایا تمہارے میں سے کوئی نکاح کا پیغام نہ بھیجے جب اس کے بھائی نے اس سے پہلے نکاح کی بات کی ہو۔

مسئلہ: اس سے قبل کسی نے نکاح کا پیغام بھیجا ہے تو اس کی حق تلفی نہ کرے اس وقت اس عورت سے نکاح کا صراحۃً پیغام بھیجنا ناجائز ہے چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا تمہارے میں سے کوئی نکاح کا پیغام نہ بھیجے جب اس کا بھائی اس سے پہلے نکاح کی بات کر چکا ہو۔

مسئلہ: اگر کسی عورت کو نکاح کا پیغام بھیج کر پھر صراحۃً اس کے نکاح کی بات سے باز آجائے تو پھر ایسی عورت کو نکاح کا پیغام بھیجنا جائز ہے۔

مسئلہ: جس عورت کو نکاح کا پیغام تو بھیجا جا چکا ہے لیکن شک ہے کہ نا معلوم شخص نے اس کے ساتھ نکاح کا ارادہ ترک کر دیا ہے تا حال بدستور ہے تو ایسی عورت کو نکاح کے پیام کے متعلق اختلاف ہے بعض کہتے ہیں جائز ہے بعض کہتے ہیں ناجائز ہے۔

مسئلہ: اسی طرح وہ عورت جسے طلاق مغلظہ ہوئی یا جائز ہے بوجہ لعان یا تو اس کو نکاح کا پیغام بھیجنا اشارۃً کنایۃً جائز ہے یا نہ بعض کہتے ہیں جائز ہے اور بعض کہتے ہیں ناجائز ہے۔

مسئلہ: وہ عورت جو بائنہ ہوتی ہے لیکن شرعاً اس کے شوہر کے لئے روا ہو کہ وہ عدت کے اندر دوبارہ نکاح کرے مثلاً جس عورت سے خلع ہوا ہے یا جس عورت کا نکاح فسخ ہوا یہ بوجہ عیب کے یا نامرد ہونے کے تہمت سے یا مرد کی تنگدستی کے ثبوت پر تو اس وقت صرف اس عورت کو صراحۃً نکاح کا پیغام بھیجے یا کنایۃً ہاں اس کے شوہر کے غیر کو اجازت نہیں کہ وہ صراحۃً یا کنایۃً نکاح کا پیغام بھیجے کیونکہ وہ معتدہ ہے صرف زوج کو اس کے پیغام بھیجنے کا حق پہنچتا ہے اور وہ بھی صرف عدت تک اس کے بعد حکم تبدیل ہو جاتا ہے اور وہ عورت رجعی طلاق کی عدت میں ہو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

تعریض کی چند صورتیں: تعریض کی صورت یہ ہے کہ مثلاً کہے کہ میں اچھے اخلاق کا مالک ہوں میں بہت زیادہ خرچ کرتا ہوں اور معاشرہ کے لحاظ سے میرے جیسا اور کوئی نہیں اسی طرح اپنے نفس کی خوب تعریف کرے (مگر نہایت مہذب اور شائستہ طریقہ سے) تاکہ اس عورت کو اس کے ساتھ نکاح کی رغبت ہو یا یوں کہے اے فلانی تیرے چاہنے والے بہت اور تیرے لئے بہت لوگ حرص رکھتے ہیں اسی طرح ایسے الفاظ استعمال کرے جس میں اس عورت کو محسوس ہو کہ وہ اس سے نکاح کا ارادہ رکھتا ہے تاکہ عدت گزارنے کے بعد وہ عورت کسی کو نکاح کا وعدہ نہ دے اگر اس سے نکاح کا ارادہ رکھتی ہے اور عدت اور نکاح کی تصریح نہ کرے مثلاً یوں نہ کہے کہ میرا ارادہ ہے کہ میں تیرے ساتھ نکاح کروں یا تیرے ساتھ میرا بیاہ یا تیرے ساتھ میری منگنی ہو جائے وغیرہ وغیرہ بہرحال جیسے معتدہ (عدت والی عورت کے) ساتھ عدت میں نکاح حرام ہے اسی طرح صراحت کے ساتھ اسے نکاح کی دعوت دینا بھی حرام ہے۔

اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِىٓ اَنْفُسِكُمْ ۔ **اَوْ اَكْنَنْتُمْ** کا مفعول بہ محذوف ہے اور وہ ضمیر ہے جو ما موصلہ کی طرف لوٹتی ہے جو کہ

فِيمَا عَرَّضْتُمْ میں یہ بمعنی یا تم ان کے ساتھ نکاح کرنے کو چھپاؤ اپنے دلوں میں کہ نہ اسے زبان پر لاؤ اور نہ ہی اسے اشارہ و کنایہ سے کچھ پوچھو۔

مسئلہ: پہلی آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ عدت میں نکاح کے لئے اشارہ کنایہ مباح ہے لیکن تصریح حرام ہے اور اس آیت کے دوسرے بمعہ یعنی اَوْ اَكْنَنْتُمْ سے ثابت ہوتا ہے کہ نکاح کی ضرورت کو دل ہی دل میں رکھے اس کا عزم ہو تو بالجزم ہو کہ عدت کے گزارنے کے بعد ضرور بالضرور اسی عورت سے نکاح کروں گا۔

هُنَّ عدت میں اشارہ کنایہ کے ساتھ نکاح کی اباحت بتا کر اب اس اباحت کی وجہ جواز بتاتے ہوئے فرمایا عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ بے شک تم انہیں ضرور یاد کرو گے اور تمہیں چونکہ ان سے رغبت ہے اس لئے ان کے ساتھ بولنے سے رکو گے نہیں اس سے مقصود وہی ہے کہ تمہارے لئے عدت میں نکاح کی دعوت اشارہ کنایہ سے جائز ہے وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا، سِرًّا کا منصوب ہونا تو تُوَاعِدُوْهُنَّ کے دوسرے مفعول بہ ہونے کی وجہ سے ہے اور یہ جملہ محذوفہ استدراک ہے جس پر سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ دلالت کرتا ہے یعنی انہیں یاد کرو اور بے شک انہیں اپنی رغبت کا اظہار کرو لیکن اس نے عدت ختم ہونے تک نکاح کا وعدہ نہ لو بلکہ جس قدر تمہیں رخصت دی گئی ہے اسی قدر اس پر اکتفا کرو مثلاً یہ کہ نکاح کے لئے صرف اشارہ و کنایہ سے کام لو اور صرف اسے دل ہی دل میں رکھو کیونکہ اس کا سبب وہی وطی ہے جس سے تم خوشی پاؤ گے اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا یہ استثناء مفرغ ہے مستثنی منہ وہ ہے کہ جس پر نہی دلالت کرتی ہے یعنی ان متعدد عورتوں سے کسی قسم کا وعدہ نہ لو ہاں وہ وعدہ لے سکتے ہو جس میں شرعاً کسی قسم کی قباحت نہ ہو یعنی جس میں وہ نکاح کا وعدہ بطریق تعریض و تلویح ہو وَلَا تَعْزِمُوْا یہ عزم سے مشتق ہے العزم عبارۃ عن عقد القلب علی فعل من الافعال قلبی ارادہ میں کسی فعل پر پختہ ارادہ کرنا یہ خود بخود بھی اور الی کے ساتھ بھی متعدی ہوتا ہے۔

فائدہ لغویہ: انسان سے فعل کے صدور کے اسباب کے چند مراتب ہیں۔

۱۔ سانح ۲۔ خاطر ۳۔ تفکر ۴۔ ارادہ ۵۔ ہمت ۶۔ عزم ۷۔ ہمت نفس کے کسی امر پر جمع ہونا اور عزم اس امر کو کر گزرنے کا نام ہے۔

عُقْدَةَ النِّكَاحِ یعنی عقد نکاح کے لئے پختہ ارادہ نہ کرو کیونکہ عزم دلی ارادہ کو کر گزرنے کو کہتے ہیں اس کا نکاح

تعلق فعل سے ہوگا اور عقد النکاح کی اضافت بیانیہ ہے اس لئے کہ یہاں پر عقدہ بمعنی ربط المکلف اجراہ تصرف نہیں کیا جائے گا بلکہ اس سے حاصل مصدر مراد ہے یعنی ارتباط شرعی جوکہ ارتباط شرعی جوکہ عاقدین یعنی زن وشوہر کے نکاح سے حاصل ہوگا۔

مسئلہ: اس میں نہی کی گئی ہے کہ عورت جب عدت گزار رہی ہو اس کے ساتھ نکاح نہ کرو۔

سوال: آپ نے نکاح کی نہی کہاں سے سمجھی جب کہ آیت میں صرف عزم نکاح کی نہ کا ذکر ہے؟

جواب: اس میں مبالغہ ہے کہ جب نکاح کا عزم ناجائز ہے تو نکاح تو بطریق اولی ناجائز ہے اور ویسے عزم فعل کے صدور سے مقدم ہوا کرتا ہے جب مقدم الشئی سے نہی کی گئی تو شئی کی نہی خود بخود ہوگئی کیونکہ قاعدہ ہے مقدمات الشئی کی نہی مستلزم ہے شئی کی نہی کو۔

حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ یہاں تک کہ کتاب اپنی میعاد تک پہنچ جائے یہاں کتاب پر مکتوب یعنی فرض کیا ہوا حکم اب معنی یہ ہوا کہ عدت مقررہ اپنی آخری میعاد کو پہنچے وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالی جانتا ہے وہ جو تمہارے نفسوں میں ہے یعنی وہ تمہارے ارادہ جو شرعاً ناجائز ہیں اور جان لو بے شک اللہ تعالی بخشنے والا ہے تمہارے ان ارادوں کو جو صرف خیال میں ہیں لیکن اللہ تعالی کے خوف سے عمل درآمد نہیں ہوا حلیم حوصلے والا ہے کہ سزا دینے میں جلد نہیں کرتا اس لئے تم دلیل نہ پکڑو کہ جن امور سے تم روکے گئے اس کے ارتکاب پر سزا میں تاخیر کرتا ہے تو اس وجہ سے تمہارے لئے جواز نکل آتا ہے تمہارا یہ خیال غلط ہے فلہٰذا جن اوامر کا اللہ تعالی نے تمہیں حکم فرمایا ہے ان پر کاربند ہو جاؤ اور زندگی کو غنیمت سمجھ کر حکم الٰہی مانو اور اس پر عمل کرو ورنہ پھر پچھتاؤ گے جیسے کہ کوتاہی کرنے والے حسرت کرتے ہوں گے۔

چوں توانستم ندانستم چہ سود
چوں بدانستم توانستم نبود

فائدہ: آیات میں اللہ تعالی نے اس شخص کو زجر و توبیخ فرمائی ہے جو خواہشات نفسانیہ اور شہوات کی طرف میلان رکھتا ہے اور پھر ان کی کسی طرح بھی رخصت شرعیہ نہیں۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالی کی خوشنودی کو اپنی خواہشات پر ترجیح دے اور آل واولاد اور جان اور عورت میں اگر کوئی مطلب ہو تو صرف اللہ تعالی کے لئے۔

حدیث شریف: حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول ﷺ کی طرف ہو تو اس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے ہے اور جس کی ہجرت دنیا کی طرف ہو جس کی طرف اس نے ارادہ کیا ہے غور کیجئے کہ رسول اللہ ﷺ نے جزا کا ترتب ویسے فرمایا جیسے ان کی آرزو اور تمنا ہے اور ہر ارادہ کرنے والے کو وہی ثواب ملتا ہے جو اس کی قصد اور ارادہ ہے۔

تنبیہ: حدیث شریف میں دوبارہ دنیا کا ذکر نہیں فرمایا اس میں غور خوض کا سبق ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے نزدیک دنیا اتنی خسیس و ذلیل ہے کہ اس کا ذکر کرنا بھی گوارہ نہیں کرتا اور حق یہ ہے کہ دنیا صرف لہو ولعب ہے گویا اس کا وجود نہیں غور کیجئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فهجرته الی ماهاجر الیه فرما کر کیسی حکمت سے ماسوی اللہ سے دور رہنے کا درس دیا ہے۔

حدیث شریف: میں مزید تدبر کا مقام ہے کہ ایک ہی مقام پہ دنیا اور عورت کا ذکر فرمایا ہے باوجود یہ کہ ان دونوں کی آپس میں بظاہر کوئی مناسبت نہیں لیکن حقیقت میں نکاح سے مخفی نہیں کہ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ دنیا کی ہر شئے کا مقصد اعلیٰ شہوت ہے یا مال شہوت کی طرف امراۃ سے اور مال کی طرف دنیا سے کنایہ فرمایا۔

سبق: حدیث شریف میں اشارہ ہے کہ انسان کو چاہیے کہ دنیا بلکہ ہر ماسوی اللہ سے علیحدگی اختیار کرے۔

ف: حضرت ابوسفیان دارانی قدس سرہ نے فرمایا جس نے تین چیزیں طلب کیں وہ دنیا کی طرف جھک گیا۔

۱۔ طلب معاش ۲۔ طلب تزوج عورت ۳۔ طلب قصص وکہانیاں

تفسیر صوفیانہ

سالک کو چاہیے کہ علوم شرعیہ میں سے وہ علوم حاصل کرے جو حق و باطل کے مابین امتیاز پیدا کریں اور علوم رسمیہ اور فنون متداولہ سے بھی اتنا قدر پڑھے جتنا کہ حدیث وتفسیر کو سمجھنے کی تقویت نصیب ہو اس سے زائد جھگڑے میں نہ پڑے مثلاً فلسفیات یا دیگر دقیق علوم وفنون ہیں اس لئے کہ قدر ضرورت ہے زائد بلکہ حقیقت کی رو سے انہیں پڑھنا ممنوع ہے یہی اہل شریعت وطریقت کا اصول ہے اور یہ مبتدی کے احوال نے ہے اور اہل نہایت کی بات کچھ اور ہے اور یہ کہ سالک علوم ظاہر سے بھی اتنا مشغلہ رکھے جو ضرورت کے مطابق ہو ضرورت سے بڑھے گا تو حق سے محروم ہو جائے گا اس لئے کہ اس کے وظائف میں سے کہ وہ تنہا رہے اور انقطاع ماسوی اللہ کا حاصل ہو صحبت کم کلام اس کا شیوہ ہے بلکہ کسی سے بات کرنا ہی

گوارہ نہ کرے اور باطل کو علائق سے فارغ رکھے اگرچہ وہ علائق علوم ہی کیوں نہ ہوں اپنے سے مشاغل خارجیہ وداخلیہ کو دفع کرے ومشاغل خصوصی ہوں یا عمومی لیکن یادرہے کہ ان مشاغل کا بالکلیہ ترک کا حکم نہیں اور بلکہ ان مشغولیت غیر مقصود ہے نہ کہ جیسا کہ بعض جہال صوفیہ کا خیال ہے (نعوذباللہ من ھذا) اس لئے کہ علم مطلقاً نور علی نور ہے اور سی سے سالک اپنی منازل طے کرتا ہے باقی رہے منتہی سالکین ان کے احوال کا تو کوئی کنارہ ہی نہیں نہ وہ کثرت کی وجہ سے وحدت سے محجوب ہوتے ہیں اور نہ ہی وحدت کی وجہ سے بلکہ وہ مقام اغیار سے پار ہوتے ہیں بلکہ عین مشاہدہ میں مستغرق ہوتے ہیں وہ جہاں نظر ڈالتے ہیں انہیں حق کا مشاہدہ ہوتا ہے بلکہ انہیں غیریت بھی حقیقت نظر آتی ہے ان کی نظروں میں حقیقت غیرت یکساں ہو جاتی ہے نہ صرف اعتبار بلکہ حقیقۃً حضور علیہ السلام نے عورتوں کو محبت کا اظہار فرمایا ہے وہ یہی محبت نہیں جیسے عوام سمجھتے ہیں اس محبت کا راز مخفی خزانہ ہے اسے وہی جانتے ہیں جنہیں حضور سرور عالم ﷺ کی وارثت کبریٰ نصیب ہو۔

تنبیہ: فقیر جامع ہذہ المجالس النفسہ یعنی مصنف روح البیان قدس سرہ کہتا (فرماتے ہیں) ہے کہ ہم نے یہ کلام اس لئے طویل کردیا یہ تاکہ کوئی گمان نہ کرے کہ بعض صوفیانہ جنہیں جہال سے تعبیر کیا گیا ہے ان کے اقوال خرافات اور اباطیل ہیں بلکہ ان کا بھی کوئی محمل ہے ان میں بعض کی طرف میں نے اشارہ کردیا ہے ہاں وہ شخص معذور ہے جو یہ راستہ نہیں چلا جب وہ اس راہ پر آیا نہیں تو وہ اہل تحقیق وتدقیق کے تعارف میں کیسے واقف ہوسکتا ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ

تم پر کچھ مطالبہ نہیں تم عورتوں کو طلاق دو جب تک تم نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہو یا کوئی مہر مقرر کرلیا

فَرِيْضَةً ۖۚ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ

ہو اور ان کو کچھ برتنے کو دو مقدور والے پر اس کے لائق اور تنگ دست پر اس کے لائق حسب دستور کچھ برتنے کی چیز

حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ۲۳۶ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ

یہ واجب ہے بھلائی والوں پر۔ اور اگر تم نے عورتوں کو بے چھوئے طلاق دیدی اور ان کے لئے کچھ مہر

لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ

مقرر کر چکے تھے تو جتنا ٹھہرا تھا اس کا آدھا واجب ہے مگر یہ کہ عورتیں کچھ چھوڑ دیں یا وہ زیادہ دے جس کے ہاتھ میں

النِّكَاحِ ۭ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۭ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا

نکاح کی گرہ ہے اور اے مردو تمہارا زیادہ دینا پرہیزگاری سے نزدیک تر ہے اور آپس میں ایک دوسرے پر احسان کو بھلا نہ دو بیشک اللہ

تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۲۳۷ حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ۲۳۸

تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔ نگہبانی کرو سب نمازوں کی اور بیچ والی نماز کی اور کھڑے ہو اللہ کے حضور ادب سے

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ

پھر اگر خوف میں ہو تو پیادہ یا سوار جیسے بن پڑے پھر جب اطمینان سے ہو تو اللہ کی یاد کرو جیسا اس نے سکھایا

تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۲۳۹ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِيَّةً

جو تم نہ جانتے تھے۔ اور جو تم میں مریں اور بیبیاں چھوڑ جائیں وہ اپنی عورتوں کے لئے وصیت

لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ

کر جائیں سال بھر تک نان ونفقہ دینے کی بے نکالے پھر اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر اس کا مواخذہ نہیں جو انہوں نے اپنے معاملہ میں

فِیْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ (۲۴۰) وَلِلْمُطَلَّقٰتِ

مناسب طور کیا　　　اور اللہ غالب حکمت والا ہے　　　اور طلاق والیوں

مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِؕ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِیْنَ (۲۴۱) كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ

کے لئے بھی مناسب طور پر نان ونفقہ ہے یہ واجب پرہیزگاروں پر اللہ یونہی بیان کرتا ہے　　　تمہارے لئے اپنی

۳۱ ع۷ ۱۵ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (۲۴۲)

آیتیں کہ کہیں تمہیں سمجھ ہو

تفسیر عالمانہ

لَاجُنَاحَ عَلَیْكُمْ تمہارے اوپر کوئی گناہ نہیں اس آیت میں جناح سے مراد حق مہر ہے یعنی تمہارے حق مہر کا مطالبہ نہیں اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَالَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اگر تم ان عورتوں کو طلاق دے دو جب ان سے تم نے جماع نہیں کیا۔

ف: اب الشیخ نے فرمایا کہ آیت میں کلمہ ما مصدر یہ ظرفیہ ہے اور اس کا ظرف زماں محذوف ہے اصل عبارت یوں تھی اَوْتَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِیْضَةً؟ کہ ان کے لئے مقرر کردہ حصہ ادا کرو یہاں پر الا لازمنک او تعطینی حقی کی طرح بمعنی الا ان ہے یعنی ادا کروان کے لئے وہ جو عقد کے وقت حق مہر مقرر کی تھی خلاصہ یہ ہوا کہ کوئی مطالبہ نہیں حق مہر کا طلاق دینے والے پر جب کہ طلاق جماع سے پہلے ہو۔

مسئلہ: اگر حق مہر مقرر کر دی گئی ہو تو اس وقت نصف حق مہر ادا کرنا لازمی ہے۔

مسئلہ: جب عورت کے لئے حق مہر کی بالکل نفی کی گئی ہو تو اس عورت کے لئے حصہ چند کپڑے ہے نہ نصف حق مہر۔

مسئلہ: اگر جماع کے بعد طلاق دی گئی تو مہر دیکھا جائے گا یعنی اگر حق مہر مقرر کی گئی ہے تو کامل حق مہر ادا کرنا ہوگی اگر مقرر نہیں کی گئی تو پھر مثل کامل ادا کرنی ہوگی۔

وَمَتِّعُوْهُنَّ اس کا عطف مقدر فعل پر ہے اصل عبارت یوں تھی فَطَلِّقُوْهُنَّ وَمَتِّعُوْهُنَّ یعنی انہیں طلاق دے کر انہیں متعہ کی ادائیگی سے وحشت کا بدلہ دیا ہے۔

شرعی متعہ کی تفسیر: متعہ تین کپڑوں کا نام ہے ۱۔ درع یعنی وہ کپڑا ہے جو تمام بدن کو ڈھانپتا ہے۔ ۲۔ ملحفہ وہ کپڑا جو عورت کو چھپالیتا ہے جب وہ گھر سے باہر نکلتی ہے ۳۔ خمار وہ کپڑا جو عورت کے سر کو چھپالیتا ہے یعنی دوپٹہ یہ کپڑے شوہر کے حال کے مطابق ہوتے ہیں چنانچہ اللہ تعالی نے فرمایا عَلَى الْمُوْسِعِ یہ اوسع الرجل سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کی حالت وسعت پذیر ہو یعنی وہ شخص صاحب وسعت ہو کر دولت مند ہو جائے یعنی وہ شخص کہ جسے دنیوی وسعت حاصل ہو۔ قَدَرُهٗ اس کی طاقت اور امکان کے مطابق وَعَلَى الْمُقْتِرِ اور تنگدست پر۔ یہ اقتر الرجل سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ کوئی محتاج اور تنگدست ہو تتر غبار کو کہتے ہیں یعنی مٹی کے ذرات قلیل آمدنی والے اور تنگدست پر بولا جاتا ہے قَدَرُهٗ اس کی طاقت وامکان کے مطابق اس سے نتیجہ نکلا کہ متعہ کا اعتبار مرد کے حال کے مطابق ہوگا نہ عورت کے حال کے مطابق وہ پانچ درہم سے کم اور نصف مہر مثلی سے زائد نہ ہو اس لئے کہ جو حق مہر ہو جائے وہ مہر مثلی پر فوقیت رکھتی ہے اور حد بھی مقرر کردہ مہر کے نصف سے زائد نہ ہو قدر بالسکون وبفتح تین ہر دونوں کا ایک ہی معنی ہے بعض کہتے ہیں کہ اگر بالساکن ہو تو مصدر ہے اگر متحرک ہو تو اسم مصدر ہے جیسے عد وعدہ اور مد ومدد اور قدر باسکون بمعنی وسعت جیسے کہا جاتا ہے ینفق علی قدرہ یعنی وہ خرچ کرتا ہے اپنی طاقت وامکان کے مطابق اور بالتحریک بمعنی حقدار مَتَاعًا فعل مذکورہ کا مصدر یہ انبتکم من الارض نباتا کے قبیل سے ہے یعنی فعل مزید کے ابواب سے ہے اور مصدر مجرد کے ابواب سے یعنی نفع اٹھانے میں جو کچھ حاصل ہونے والا ہے بِالْمَعْرُوْفِ اس وجہ کے ساتھ جسے شریعت اور مروت نے مستحسن فرمایا حَقًّا یہ مَتَاعًا کی صفت ہے یعنی عورتوں کو نفع دینا واجب ہے عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ نیک لوگوں پر یعنی وہ لوگ جو اپنے نفسوں کے لئے اللہ تعالی کی فرمانبرداری میں نیکی کرنے میں جلدی کرتے ہیں۔

فائدہ اصولیہ: ابن التجید فرماتے ہیں کہ مطلقہ عورتوں کے چار احوال ہیں۔

۱۔ طلاق سے پہلے اس عورت سے دخول نہیں ہوا اور اس کے لئے حق مہر مقرر بھی نہیں ہوئی۔

۲۔ اس سے دخول بھی ہوا ہے اور حق مہر بھی مقرر ہوئی ہے۔

۳۔ اس سے دخول ہوا ہے لیکن حق مہر مقرر نہیں ہوئی۔ ۴۔ اس سے دخول نہیں ہوا لیکن حق مہر مقرر نہیں ہوئی ہے

ف: رفع الجناح سے مہر کی نفی مراد ہے وہ بھی مذکورہ بالا صورتوں میں سے صرف پہلی صورت میں اور باقی صورتوں میں حق مہر ادا کرنی پڑیگی اور پہلی صورت میں بھی حق مہر نہ تمام واجب اور نہ بعض اس لئے کہ مہر مثلی کو نصف نہیں کیا جاتا ہے کل حق مہر اس لئے نہیں کہ وہ غیر مدخول ہوتا ہے ہاں اس کے لئے متعہ ہے جیسے اللہ تعالی نے فرمایا ہے وَمَتِّعُوهُنَّ یہ ان کے حق میں ہے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے یعنی وہ عورتیں جو غیر مدخولہ بھا ہیں اور ان کی حق مہر متعین بھی نہیں ہاں جب ان کے لئے حق مہر مقرر ہو جائے تو اس وقت کامل حق دینی ہوگی نہ متعہ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً یعنی اگر انہیں طلاق دے دو جماع کرنے سے پہلے جب کہ نکاح کے وقت ان کے لئے تم نے مہر مقرر نہیں کی فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ پس ان کے لئے نصف مہر ہے اس کا جو تم نے مقرر کیا ہے۔

مسئلہ: اگر مرد عورت میں سے کوئی دخول سے پہلے فوت ہو جائے تو کامل حق مہر ادا کرنی پڑے گی جب کہ وہ متعین کر چکے ہیں اگر متعین نہیں ہوئی تو مہر مثلی کامل دینی ہوگی۔

اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ یہ استثناء ازعم الاحوال ہے یعنی پس ان کے لئے مہر مقرر کردہ شدہ کا آدھا حصہ ہے ہر حال میں ہاں اس وقت جب کہ وہ عورتیں حق مہر معاف کر دیں یعنی اگر مطلقہ عورتیں اپنی حق مہر معاف کر دیں پس اس وقت وہ حق مہر معاف ہو جاتی ہے اگر چہ اس سے قبل حق مہر واجب ہے اَوْ يَعْفُوَا الَّذِىْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ یا وہ معاف کر دے جس کے ہاتھ میں عقد نکاح ہے یعنی عقد نکاح کا مالک یعنی زوج چھوڑ دے وہ جو نکاح کی وجہ سے واجب ہوا تھا نصف مہر سے مکمل طور جیسا کہ عام عادت تھی ہے عزت واحترام کی بناء پر ہے اس لئے کہ جب مرد اپنی عورت سے اپنا حق معاف کر سکتا ہے تو عورت بھی اپنا حق معاف کر دے تو کیا حرج ہے۔

ف: اَلَّذِىْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ سے مرد زوج ہے کہ متولی اور عفو کا مطلب یہ ہے کہ وہ مرد عورت کو حق مہر کامل طور پر دے آدھا حصہ تو اس لئے کہ اس پر واجب ہے اور دوسرا آدھا حصہ جو اس سے معاف ہو گیا تھا وہ بھی دے دے

سوال: عفو تو وہ شئے ہوتی ہے جو وجوب سے زائد ہو یہاں پر زائد از وجوب کا کیا معنی؟

جواب: اہل عرب کی عادت تھی کہ نکاح کرتے ہی عورت کو مکمل حق مہر ادا کر دیتے لیکن از دخول طلاق مرد کو حق

پہنچتا کہ وہ آدھا حصہ واپس نے لے واپس لوٹانے کے وقت مرد عورت کو آدھا بچایا حصہ معاف کر دیتا اس بناء پر اسے عفو سے تعبیر کیا گیا وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی تقوی کی لام علت کی ہے جو کہ قرب عفو کی علت پر دلالت کرتی ہے اصل عبارت یوں تھی العفو اقرب من زجل التقوی یعنی عفو زیادہ قریب ہے تقوی کی وجہ سے اس لئے کہ اس وقت مرد کا کچھ مال لینا سمجھا جائے گا کہ گویا یہ عوض معوض عنہ کے بغیر لے رہا ہے یا یوں کہو کہ ترک مروت بھی تقوی کے خلاف ہے۔

حدیث شریف: مرد کے بخل پر اتنا دلالت کافی ہے کہ وہ کہے کہ میں حق کیوں چھوڑوں میں تو مکمل طور پر لوں گا۔

حکایت: اصمعی کی کہانیوں میں ہے کہ ایک اعرابی کسی قوم کے ہاں آیا تو انہوں نے پوچھا کہ بہتر کیا شئے ہے اعرابی نے کہا معاف کر دینا دوسرے پر احسان کر کے حق کا مطالبہ نہ کرنا کسی سے اپنا حق وصول کرنے سے بہتر ہے۔ **(کذافی المقاصد الحسنہ)**

وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَیْنَکُمْ اور آپس میں اللہ تعالی کے فضل کو مت بھولو یہاں پر نسیان کا عین مراد نہیں کیونکہ انسان کے امکان میں نہیں بلکہ نسیان سے ترک الفضل مراد ہے اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالی کے فضل کو نہ بھلاؤ اور فِیْمَا بَیْنَکُمْ کا مطلب یہ ہے کہ مرد اپنی عورت کو مکمل طور پر ادا کرے اور عورت اپنے حق مہر کا مکمل حصہ حاصل کرے آیت میں زن وشوہر سب کو احسان وافضال پر برانگیختہ کرنا مطلوب ہے اور بَیْنَکُمْ، لَا تَنْسَوُا کی وجہ سے منصوب ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا۔

کسے نیک بیند بہر دو سرا	کہ نیکی رساند بخلق خدا

ترجمہ: (دونوں جہانوں میں ہر وہ شخص نیکی دیکھے گا جو خلق خدا کو نیکی پہنچاتا ہے)

اِنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ بے شک تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے جو کچھ بھی تفضل واحسان کرتے ہوا سے ضائع نہیں کرتا اور بصر اللہ تعالی کے حق میں عبارت ہے اس وصف سے کہ جس سے مبصرات کے اوصاف مکمل طور پر منکشف ہو جائیں اس سے واضح اور روشن تر ہے کہا گیا ہے ھو ادرک البصر یعنی بصر کا ادراک عاش لئے کہ یہ ظاہری اشیاء تک محدود رہتا ہے۔

ف: انسان کو بصر سے دینی فائدے دو ہیں۔

ا۔اسے معلوم ہو کہ آنکھ اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ آیات اور عجائب الملکوت و السموت کو دیکھے اس کی نظر صرف عبرت کے لئے ہو۔

حکایت: حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے کہا گیا آپ جیسا کوئی اور بھی دنیا میں ہے آپ نے فرمایا ہاں وہ شخص کہ جس کی نگاہ عبرت کے اور اس کی خاموشی فکر اور فکر اور اس کا کلام ذکر کے طور ہو تو وہ میرے مثل ہے۔

۲۔اسے معلوم ہو کہ اس کی آنکھ اللہ تعالی کے دیکھنے اور سننے کی جگہ ہے پس اللہ تعالی کے دیکھنے اور سننے اور اس کی اطلاع کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھے جو شخص غیر اللہ سے چھپ کر کام کرتا ہے حالانکہ جانتا ہے کہ وہ اللہ تعالی سے مخفی نہیں تو پھر وہ اللہ تعالی کی نگاہ کی حقارت کرتا ہے۔

ف: مراقبہ اسی طریق سے ہو تو ایمان کے ثمرات میں سے ہے وہ شخص جو جانتا ہے کہ اللہ تعالی میرے حال کو دیکھ رہا ہے پھر بھی گناہ کرتا ہے پھر اس جیسا خسارہ اور نقصان کسے حاصل ہوگا اور جسے گناہ کے وقت یہ گمان ہو کہ وہ مجھے نہیں دیکھ رہا تو اس جیسا کافر اور کون ہوگا۔ (کذلک فی شرح الاسماء الحسنی الامام الغزالی قدس سرہ)

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جب اپنے ہمجولیوں اور دوستوں اور اہل و عیال سے دنیوی لحاظ سے جدا رہنا کوئی گناہ نہیں تو پھر دینی مصلحت پر ان سے جدا ہونا کیسے گناہ ہو سکتا ہے بلکہ جب بیت اللہ کی زیارت کے لئے ان سے جدا ہونے پر تم مامور من اللہ ہو تو پھر اللہ تعالی کی زیارت کے لئے جدا ہونے پر تمہیں کیسے گناہ ہو سکتا ہے بیت اللہ کی زیارت کے لئے اہل و عیال اور وطن سے جدا ہونا واجب ہے لیکن اللہ تعالی کی زیارت کے لئے ارواح اور ابدان سے جدا ہونا واجب ہوتا ہے اور درگاہ میں پہنچنے سے پہلے اپنے نفس کو چھوڑ دو پھر آؤ اللہ تعالی نے فرمایا قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ اور مَتِّعُوْهُنَّ کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے چاہنے والے اور ارادتمند بہت ہوں اس کے لئے چاہیے کہ وہ اپنا مال اپنے قرباء اور احبا کو دے کر اللہ تعالی کی طلب میں جائے تاکہ انہیں مال کی لذت میں اس کی جدائی کا درد محسوس نہ ہو کیونکہ قاعدہ ہے کہ جسے کسی شئے سے محبت ہوتی ہے تو اس سے جلدی سے جان چھڑانا مشکل ہے اور ان پر وہ مال ان کے قرب و بعد کی وجہ سے خرچ نہ کیا جائے بلکہ حکم الہی کے مطابق تقسیم کیا جائے جیسے علم میراث کا قانون ہے اس لئے کہ یہ حقیقی طور پر فوت ہو گیا ہے وَاَنْ تَعْفُوْۤا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى میں اشارہ کہ تقوی کی طرف دامن تھام لینا اللہ تعالی کے تقوی کا حق ادا

کرنا ہے اور تقوی یہ ہے کہ ماسوی اللہ کو بالکل ترک کر دے بلکہ ماسوا کی نفی اللہ تعالی کا وصال اتنا ہی اس کا قرب نصیب ہوگا وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ اس دنیا میں اللہ تعالی کا فضل مت بھولو آخرت میں داخل ہونے اور اس میں پہنچنے کے بعد تو تمام فضل ہی فضل ہوگا۔ جیسے اللہ تعالی نے فرمایا۔ بے شک اللہ تعالی جانتا ہے جب تم اس کے فضل کو پاتے ہو یا اسے چھوڑتے ہو اور بے شک وہ دیکھنے والا ہے (کذافی التاویلات النجمیہ)

یہ قاعدہ ہمیشہ یاد رکھنے کا ہے کہ بندہ جب مخلوق کی طرف التفات کرتا ہے تو اس سے وہ نور ہٹا لیا جاتا ہے جس کی وجہ سے اس پر مخلوق کے حالات منکشف ہو جاتے ہیں ورنہ اگر اس پر یقین کا نور کھل جائے جو کہ اسے اس علم کی طرف دے اس سے معلوم ہوا کہ دار آخرت دنیا سے بہتر اور جو کچھ اللہ تعالی کے پاس ہے وہ اعلی اور باقی رہنے والا ہے اور اسے یہ عین الیقین کی طرح نظر آئے بلکہ اسے ایسے دیکھے جیسے کسی شخص کو اپنے زیادہ قریب دیکھتا ہے اور اسے یہ بھی معلوم ہو جائے کہ دنیا میں کون سی شئے اچھی ہے اور یہ بھی خبر ہو جائے گی کہ کس کو فنا ہے قاعدہ ہے کہ جو چیز آنے والی ہو وہ یوں سمجھو کہ وہ موجود ہے خصوصا جب کہ قرینہ بتا رہا ہے کہ دنیا کے احوال تبدیل ہو رہے ہیں اور اس کے رہنے والے فنا پا رہے ہیں۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا بے شک جب کسی کے قلب میں نور داخل ہوتا ہے تو دل کھل کر روشن ہو جاتا ہے عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ کیا اس کی کوئی علامت ہے جس سے ہم معلوم کرلیں کہ واقعی یہ دل روشن ہے آپ نے فرمایا اس کی علامات یہ ہیں۔

۱۔ دار الغرور سے دوری ۲۔ دار الخلود کی طرف رجوع ۳۔ موت کے نزول سے پہلے تیار رہنا۔ اے اللہ ہمیں ان لوگوں سے بنا جو تیرے دیدار کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں اور انہیں تڑپ رہتی ہے کہ کسی طرح تیرے وصال کا لقمہ نصیب ہو۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوٰتِ نمازوں پر محافظت کرو یعنی ان کے اپنے اوقات میں مداومت کر کے انہیں ادا کرو اور الصلوٰت سے دن اور رات کی پانچ نمازیں مراد ہیں جن کی گنتی آیا تو احادیث متواترہ سے ثابت ہوتی ہے اور اس آیت شریف کے اشارہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آگے فرمایا وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى اور وہ ہے جسے برابر کے دو عدد آگے پیچھے لگیں اور اس کا کم درجہ پانچ ہے اور تین کو یہ درجہ حاصل

نہیں اس لئے کہ اس کے آگے اور پیچھے دو عدد نہیں بلکہ ایک ایک یہ اور ایک عدد نہیں اس لئے کہ عدد اسے کہتے ہیں جس میں دو طرفین آ کر جمع ہو سکیں اور دونوں طرفین اس سے دوگنی ہوں اور واحد کے آگے پیچھے کوئی طرف نہیں بلکہ کوئی شے بھی نہیں وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى اور درمیانی نماز پر یعنی جو ان دو کے درمیان واقع ہے الوسطی صفت مشبہ کا صیغہ ہے یعنی ان سب سے بڑی فضیلت والی یا افضل التفضیل کا صیغہ اوسط کی تانیث ہے اور اوسط الشیء وہ ہوتی ہے جو کسی دوسری سے بہتر اور اعلیٰ ہو۔

الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى کی تفسیر ترجیح کے دلائل وفضائل: الوسطی سے صلوۃ العصر مراد ہے جو کہ نماز دن اور رات کی دو دو نمازوں کے درمیان واقع ہے۔

۱۔ خود حضور نبی کریم ﷺ نے بھی یوم الاحزاب میں اسی نماز عصر کے فوت ہونے پر کفار کے لئے فرمایا اللہ تعالیٰ ان کی قبروں اور ان کے گھروں کو آگ سے بھر دے۔

۲۔ یہ وقت لوگوں کے کاروبار کا ہے کوئی اپنی تجارت میں کوئی اپنی ضروریات میں مصروف ہوتا ہے اس لئے ضروریات کو ترک کر کے اسے ادا کرنے میں بہت بڑی فضیلت ہوگی۔

۳۔ اسی وقت دن اور رات کے ملائکہ کا اجتماع ہوتا ہے۔

۴۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس سے عصر کی نماز فوت ہوگئی گویا اس نے اپنے مال اور اہل وعیال سے نقصان اٹھایا اس کے اوپر خوف خدا نازل ہوگا جیسے وہ اپنے مال وعیال کے ضائع ہونے سے خوف کرتا ہے۔

ف: حدیث یوم الاحزاب سے اس پر حجت ہے جو کہتا ہے کہ صلوۃ الوسطی سے نماز عصر مراد نہیں۔

ف: بعض لوگ کہتے ہیں کہ جمعہ کی اجابت کی گھڑی کی طرح یہ نماز مخفی رازوں سے ایک راز ہے تا کہ لوگ اس کی ادائیگی میں جدوجہد کریں۔

سوال: سیدنا بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور پاک ﷺ نے فرمایا کہ نمازوں پر محافظت کرو اور صلوۃ وسطی اور صلوۃ وسطی اور صلوۃ العصر پر بھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى سے عصر کی نماز مراد نہیں۔

جواب: اس میں احتمال یہ ہے کہ الوسطی نماز عصر کا لقب ہے عصر کا لفظ اس کا نام ہے حدیث شریف میں حضور علیہ

السلام نے پہلے عمر کا لقب ذکر فرمایا ہے اس کے اس نام۔ (کذا فی شرح المشارق لابن الملک)

وَقُومُوا لِلّٰهِ قٰنِتِينَ اور اللہ تعالی کے لئے قیام کرو نماز میں قٰنِتِينَ فرمانبردار ہو کر یہ قُومُوا کے فاعل سے حال ہے ای ذاکرین له فی القیام یعنی اللہ تعالی کو یاد کرو نماز کے قیام میں اس لئے کہ قنوت کا لفظ نماز میں ذکر کو کہتے ہیں یا قٰنِتِينَ بمعنی خاشعین ہے یعنی اللہ تعالی سے ڈرتے ہوئے۔

ف: مروی ہے کہ صحابہ کرام نماز میں کھڑے ہوتے تو اللہ تعالی کا خوف طاری ہو جاتا نہ وہ آنکھ کھولتے نہ ادھر ادھر دیکھتے اور نہ ہی نماز میں کنکریوں کو ہٹاتے اور نہ ہی دنیوی بات دل میں لاتے البتہ نسیان ایسے امور سرزد ہو جاتے ہیں نماز کے اختتام تک ان کی یہی کیفیت رہتی۔

فَاِنْ خِفْتُمْ اگر تمہیں دشمن یا کسی کا خوف ہو فَرِجَالًا یہ حال ہے اور اس کا عامل محذوف ہے اصل عبارت یوں تھی وصلوا راجلین پس نماز ادا کرو پیدا ہو کر رجال ، رجل کی جمع ہے جیسے صحاب صاحب کی جمع ہے اَوْ رُكْبَانًا یا سوار ہو کر رُكْبَانًا راکب کی جمع ہے جیسے فرسان فارس کی جمع ہے۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کا مذہب ہے کہ نماز پیدل یا سوار ہو کر پڑھنا جائز ہے جب ٹھہرنا ناممکن ہو جائے تو پھر جائز ہے اور جب اسے ٹھہرنا ممکن ہو تو پھر پڑھے ان کی دلیل یہی آیت فَاِنْ خِفْتُمْ ہے فَاِذَآ اَمِنْتُمْ جب تمہیں امن نصیب ہو اور خوف چلا جائے فَاذْكُرُوا اللّٰهَ تو اللہ کو یاد کرو یعنی نماز پڑھو اس لئے کہ نماز ہی اللہ کا ذکر ہے چونکہ نماز کا معظم بالشان رکن ذکر الٰہی ہے اس لئے اسے ذکر الٰہی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

كَمَا عَلَّمَكُمْ جیسے اس نے تمہیں بتایا یعنی اس کا ایسے ذکر کرو جیسے اس نے تمہیں تعلیم دی مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ جو تم نہ جانتے تھے یعنی نماز کی کیفیت تمہیں معلوم نہ تھی اس تشبیہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ نماز اس طرح ہو جو اللہ تعالی ے ارشاد گرامی کے موافق ہو اور اس عنوان سے بیان کرنے میں ایک راز یہ ہے کہ بندے اللہ تعالی کی نعمتیں یاد کریں یا اُذْكُرُوا اللّٰهَ بمعنی اُشْكُرُوا اللّٰهَ یعنی اللہ تعالی کا شکر کرو ان نعمتوں کے عوض میں کہ اس نے تمہیں احکام شرائع کی تعلیم دی کہ تم انہیں نہیں جانتے تھے منجملہ ان کے بوقت امن و خوف اقامۃ الصلوۃ ہے۔

نماز کا فلسفہ: نماز بمنزلہ مہمانی کے ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے ماننے والوں کے لئے پانچ وقت مہمانی کے طور مقرر فرمائے جیسے مہمانی میں مختلف قسم کے طعام چنے جاتے ہیں اور ہر طعام میں نرالی لذت اور نرالہ رنگ ہوتا

ہے اسی طرح نمازوں میں بھی مختلف قسم کے احکام مقرر کئے گئے ہیں کہ ان میں ارکان ہیں اور دیگر افعال مختلف بھی پھر ہر فعل میں نرالی لذت کے علاوہ گناہوں کا کفارہ بھی ہیں۔

حکایت: حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام چار رکعتیں ایسی ہیں جنہیں میرا محبوب (احمد صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی امت پڑھے گی (یعنی نماز ظہر کی چار رکعت) تو میں انہیں پہلی رکعت پر مغفرت فرماؤں گا اور دوسری رکعت میں ان کے نامہ اعمال کے پرچے کو میزان میں بھاری کردوں گا تیسری رکعت پر ان کے لئے فرشتوں کو ان کی بخشش کے لئے دعا مانگنے پر مامور فرماؤں گا جو ان کے لئے تسبیح پڑھیں گے آسمان اور زمین میں کوئی فرشتہ نہ ہوگا جو ان کے لئے بخشش اور تسبیح نہ پڑھیں، بخشش نہ مانگیں۔ اسے میں بھی عذاب میں مبتلا نہیں کرتا اور چوتھی رکعت پر ان کے لئے آسمان کے دروازے کھول دوں گا انہیں حوریں دیکھیں گی اے موسیٰ علیہ السلام چار رکعت اور ہیں میرا محبوب احمد ﷺ اور ان کی امت پڑھے گی یعنی (صلوٰۃ العصر) اس نماز کے پڑھنے والے مجھ سے جو مانگیں گے میں انہیں عطا کروں گا اے موسیٰ علیہ السلام تین رکعتیں اور ہیں جنہیں میرا محبوب احمد صلی "اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت پڑھے گی (یعنی صلوٰۃ المغرب) جو انہیں پڑھے گا میں اس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دوں گا اے موسیٰ علیہ السلام چار رکعتیں اور ہیں انہیں میرا محبوب محمد ﷺ اور ان کی امت پڑھیں گی یعنی (صلوٰۃ العشاء) وہ ان کے لئے دنیا ومافیہا سے بہتر ثابت ہوں گی اور دنیا سے کوچ کریں گے تو گناہوں سے ایسے پاک اور صاف ہوکر جائیں گے گویا انہیں ماں نے ابھی جنا ہے۔

مسئلہ: جو شخص اذان سن لے تو اسے نماز باجماعت ترک کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی اس لئے کہ وہ سنت مؤکدہ ہے اور اس کی بہت بڑی سخت تاکید آئی ہے یہاں تک کہ جس علاقہ کے لوگ نماز باجماعت ترک کرنے کے عادی ہیں ان کے ساتھ جنگ کرنا واجب ہے کیونکہ وہ شعار اسلام سے ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی ایک شخص ترک جماعت کی عادت کرے تو اس پر تعزیر لازم ہوگی اور اس کی گواہی بھی قابل قبول نہ ہوگی اسے نصیحت نہ کرنے کی وجہ سے اس کے ہمسائیگان اور موذن وامام بھی گنہگار ہوں گے۔

مسئلہ: منیۃ الفتاوی میں ہے جامع مسجد سے محلہ کی مسجد میں نماز پڑھنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے اگرچہ جامع

مسجد میں جماعت کی کثرت بھی ہو اور محلہ کی مسجد میں اگرچہ تھوڑے لوگ بھی ہوں کیونکہ محلہ کی مسجد کا اس پر حق ہے دوسری مسجد کی نہ کثرت جماعت فائدہ دے گی اور نہ لمبا سفر کر جانا اسے مفید ہے۔

مسئلہ: پہلی صف اور امام کے بالمقابل کھڑے ہونے میں بہت بڑا ثواب ہے۔

حدیث شریف: حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص صف اول اور امام کے بالمقابل کھڑا ہوتا ہے اس کے اعمال نامے میں سو نماز کا ثواب لکھا جائے گا اور جو شخص صف اول کی دائیں جانب کھڑا ہو اسے پچھتر نماز اور جو بائیں جانب کھڑا ہو اسے پچاس نماز اور جو باقی صفوں میں جہاں بھی ہو اسے پچیس نمازوں کا ثواب ملے گا **(کذافی التفسیر)**

مسئلہ: صف اول میں پہنچنے کے لئے لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر نہ جائے اگرچہ درمیان میں کوئی کشادگی بھی ہو۔

مسئلہ: گٹے سے گٹا (ٹخنہ) ملا کر کھڑے ہوں یہاں تک کہ ایک دوسرے کی گردنیں اور مونڈھے بالمقابل نظر آئیں

حدیث شریف: حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا صفوں کو برابر رکھو اور ایک دوسرے کے بالکل قریب کھڑے ہو جاؤ اور گردنوں کو ایک دوسرے کے بالمقابل بناؤ مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم میں شیطان کو تمہاری صفوں کے سوراخوں سے بکری کے بچہ کی طرح گھستا ہوا دیکھتا ہوں۔

شرح الحدیث: **قوله الخليل بفتح الخا المعجمة الفرجه يعنى سراغ قوله الحذف بفتحتى الى المهملة و الذال المعجمة الغم اسود الصغار الحجازيه.**

ترجمہ: (یعنی حجازی سیاہ بکریوں کا چھوٹا بچہ، کذافی التنویر، حقیقی نماز حضور قلب اور توجہ تام کا نام ہے)

کسی نے کیا خوب کہا۔

محراب ابروائی تو اگر قبلہ ام بنود　　　کے بر فلک برند ملائکہ نماز من

حکایت: حضرت شیخ ابوالعباس الجوالقی ابتدائی دور میں بوری فروشی کا کام کرتے تھے ان کی خرید و فروخت سے گزارہ چلاتے تھے ایک دن چند بوریاں ادھار پر بیچیں لیکن وہ شخص چند بوریاں بھول کر وہاں چھوڑ گیا نماز کا

وقت ہوگیا حضرت شیخ نماز میں کھڑے سوچتے رہے کہ نا معلوم یہ کون چھوڑ گیا بعد از فراغت اپنے نوکر سے پوچھا کہ بوریاں کس کی ہیں اور یہ بھی معلوم نہیں کہ میں نے یہ کسے دی تھیں نوکر نے کہا آپ نماز پڑھتے رہے یا بوریاں بیچتے رہے یہ بات ان کے دل پر اثر کر گئی آپ نے تمام کاروبار ترک کر دیا اور بوریاں پھینک کر ذکر الٰہی میں مشغول ہو گئے پھر وہ مرتبہ پایا کہ دنیا یاد کرتی ہے۔ چنانچہ کسی نے کہا۔

مردان بسعی ورنج بجائے رسیدہ اند   تو بے ہنر کجا رسی از نفس پروری

تفسیر عالمانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے حفظ نماز کے متعلق بطور مبالغہ کے فرمایا ہے جو کہ دو کے درمیان معاملہ ہے چنانچہ فرمایا حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ یعنی اس نماز پر محافظت کرو جو میرے اور تمہارے مابین ہے جیسا کہ میں نے اپنے اور بندے کے درمیان نماز کو تقسیم فرمایا اس کا آدھا حصہ میرے لئے اور دوسرا آدھا حصہ بندے کے لئے ہے میرے بندے کے لئے وہ ہے جو مجھ سے مانگے اب اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں تمہاری حفاظت کروں گا توفیق اور اجابت وقبول اور اس پر ثواب دینے سے اور تم نماز پر محافظت کرو صدق واخلاص اور حضور قلب اور خشوع وخضوع اور عجز وانکسار کے ساتھ مناجات قلب کی محافظت کر کے اسی سے استعانت اور اسی سے ہدایت طلب کرو سکون ووقار اور تعظیم اور دوام شہود کے لئے اسی کو صلوٰۃ وسطی کہتے ہیں اس لئے کہ وہ انسان کے وسط میں واقع ہے کیونکہ وہ روح اور جسم کے درمیان واسطہ ہے اسلئے اسے صلوٰۃ القلب کہا جاتا ہے اور جس نماز کی محافظت کا حکم ہے وہ یہی صلوٰۃ القلب ہے جس پر دائمی طور شہود نصیب ہو اس لئے کہ جسم تو کبھی ارکان نماز کے ظاہری مسائل پر محافظت کرتا ہے لیکن کبھی انہیں ترک بھی کر دیتا ہے اس لئے اسے محافظت کی صفت سے موصوف نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اسے حضور شہود کے وصف پر اس کے معانی کی محافظت کی جا سکتی ہے اس لئے کہ یہ قلب کی شان ہے کہ وہ اس طرح اس کی محافظت کرے جسے حضور وشہود کا حق ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ اس لئے کہ یہ ارباب القلوب کے اوصاف میں سے ہے کیونکہ وہ ہمیشہ نماز میں رہتے ہیں۔

(کذافی التاویلات النجمیہ)

سبق: سالک کو چاہیے کہ وہ موت اور قبر میں داخل ہونے سے پہلے حضور کے حرم میں پہنچنے میں جلدی کرے

اس لئے کہ جس نماز میں کمی واقع ہو وہ کبھی منظور و مقبول نہیں ہو سکتی کیونکہ اللہ تعالی بڑا غیور ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ کائنات سے پورے طور پر روگردانی کرے تاکہ اسے نور ذات کا جلوہ نصیب ہو ورنہ اس پر اس شخص کی مثال صادق آئے گی جو عمر کی تلاش میں زید کو پکارتا ہے تو مرتے دم تک اسے کوئی جواب نہ ملے گا۔

حضرت شیخ سعدی شیرازی قدس سرہ نے فرمایا۔

آنکہ چوں پستہ دیدیش ہمہ مغز	پوست بر پوست بود ہمچو پیاز
پارسایاں روئے در مخلوق	پشت بر قبلہ میکنند نماز

اللہ تعالی سے توفیق کی درخواست ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ اور وہ لوگ مرجاتے ہیں یہاں پر موت کے منہ کا لقمہ بننے والے کو میت کہا گیا ہے یہ مجاز ہے کہ شئے کا نام لے کر اس سے اس کا مال و دل مراد لیا گیا ہے اور مجازی معنی پر قرینہ یہ ہے کہ میت کو وصیت نہیں کرتا بلکہ زندہ یا زندگی کے آخری لمحات والا وصیت کرتا ہے وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا اور اپنے بعد اپنی ازواج کو چھوڑ جاتے ہیں وَصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ ان کی ازواج کے لئے وصیت ہے یعنی وہ اپنی ازواج کو وصیت کریں یہ جملہ اَلَّذِيْنَ کی خبر ہے مَتَاعًا یعنی اسباب کی وصیت کریں اِلَى الْحَوْلِ سال تک

یا یوں وصیت کریں کہ ان کی عورتوں تک سال تک نفع پہنچاؤ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ازواجھم سے حال ہے (ای غیر مخرجات) اب معنی یہ ہوا کہ ان لوگوں کے لئے ضروری ہے جو فوت ہونے والے ہیں کہ مرنے سے پہلے اپنی عورتوں کے لئے وصیت کر جائیں کہ ہماری موت کے بعد ہماری عورتیں ہمارے گھروں میں سال تک ٹھہری رہیں اور انہیں نان و نفقہ ملتا رہے اور انہیں گھروں سے باہر نہ نکالا جائے۔

شان نزول: یہ آیت طائف کے ایک شخص کے حق میں نازل ہوئی اس کا نام حکیم بن الحارث تھا جو طائف سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ حاضر ہوا اس کی اولاد بھی تھی اور ماں باپ اور ایک زوجہ بھی اور وہ یہاں فوت ہو گیا تو اللہ تعالی نے یہی آیت نازل فرمائی حضور نبی کریم ﷺ نے اس کی وراثت اس کے ماں باپ اور اس کی اولاد کو دے دی اور اس کی عورت کے لئے انہیں حکم دیا کہ سال بھر تک اسے خرچہ دیتے رہیں اور اسے اپنے زوج کے گھر سے

باہر نہ نکالیں اس عورت کو میراث سے کچھ نہ دیا۔

ف: ابتدائے اسلام میں عورت معوفی عنہا الزوج کی عدت ایک سال تھی ورثاء پر حرام تھا کہ متوفی عنہا الزوج کی عورت کو گھر سے باہر نکالیں اس عورت کے لئے طعام وقیام شوہر کے مال سے ضروری اور واجب تھا جب تک وہ گھر سے خود بخود نہ چلی کجائے البتہ اسے میراث سے اور کچھ نہیں ملتا تھا اگر وہ گھر سے چلی جاتی تو اس کا نان ونفقہ بھی ختم ہو جاتا اور مرد پر بھی موت سے پہلے وصیت کرنا واجب تھی یہاں تک کہ آیت میراث نازل ہوئی تو اللہ تعالی نے یہ حکم منسوخ فرمایا کہ اس کے لئے سال تک قیام وطعام واجب ہے بلکہ میراث سے چوتھائی حصہ ہے اگر زوج کی اولاد نہ ہو ورنہ آٹھواں حصہ آیت میراث سے قیام کا انتظام بھی مسنوخ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنکا یہی مذہب ہے۔

مسئلہ: متوفی عنہا زوجہا کی سال تک کی عدت چار ماہ دس دن کے حکم سے منسوخ ہوگئی اگرچہ وہ تلاوت کے لحاظ سے مقدم ہے لیکن نازل ہونے کے لحاظ سے یہی آیت مقدم ہے فَاِنْ خَرَجْنَ پس اگر وہ عورتیں اپنے شوہروں کے گھر سے اپنے اختیار سے چلی جائیں فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ تو تمہارے اوپر اے ائمہ وحکام کوئی گناہ نہیں فِیْ مَا فَعَلْنَ فِیْۤ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ اس میں جو وہ کرتیں ہیں نیکی جس سے شرع پاک انکار نہیں کرتی مثلاً زیب و زینت اور خوشبو لگانا وغیرہ اور سوگ ترک کر دینا اور نکاح کے خواہشمندوں سے بات چیت کے پیچھے لگی رہنا۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ ابتدائے اسلام میں شوہروں کے گھروں میں رہنا ان کے لئے ضروری نہیں تھا اور نہ سوگ واجب بلکہ انہیں ان امور پر اختیار تھا کہ شوہروں کے گھروں میں رہ کر نان ونفقہ لیں یا گھروں سے چلی جائیں اور پھر نان ونفقہ کا کوئی مطالبہ نہ کریں۔ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ اور اللہ تعالی اپنے حکم کے اجراء پر اپنے مخالف کو سزا دینے پر غالب ہے حَكِیْمٌ اپنے احکام کی رعایت اور اپنے بندوں کے امور کی مصلحتوں کے متعلق حکیم ہے۔ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ اور مطلقہ عورتیں خواہ مدخولہ ہوں یا غیر مدخولہ مَتَاعٌ نفع دینا یعنی مطلقہ عورتوں کو متعہ دو یہ عام ہے واجب ہو یا مستحب۔

مسئلہ: وہ مطلقہ مفوضہ لیکن اس سے دخول نہیں ہوا تو اس کے لئے متعہ واجب ہے ورنہ اسے (چند کپڑے) دینا مستحب ہے۔

فائدہ: پہلی آیت میں مَتِّعُوْهُنَّ سے معلوم ہوا تھا کہ متعہ دینا ملتبس و معروف ہے یعنی وہ جسے شرع و عادت مستحسن سمجھے۔ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ متقین پر ضروری ہے یعنی متقین کے لئے لائق ایسے ہی ہے یہ حکم وجوبی نہیں لیکن تقوی کے شرائط میں سے ہے کہ عورت سے بترع ہوتا کہ اس کے قلب کو تسلی ہو اور طلاق سے جو وحشت طاری ہوئی ہے وہ دور ہو جائے كَذٰلِكَ یہ اشارہ ان حکام کی طرف ہے جو پہلے اللہ تعالی نے اپنے بندوں کے لئے مشروع فرمائے ہیں۔

ف: قاضی صاحب نے فرمایا اللہ تعالی نے وعدہ فرمایا ہے کہ عنقریب وہ اپنے بندوں کو وہ دلائل واحکام بیان فرمائے گا جن کے لئے وہ معاش اور آخرت کے لحاظ سے محتاج ہیں لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ تمہیں معلوم ہو کہ ان میں کیا اسرار ہیں پھر ان کے لئے اپنی عقل کو عمل میں لاؤ اور ان کے موجبات کے مطابق عمل کرو۔

مثنوی شریف میں ہے۔

کشتی بے لنگر آمد مرد شد — کے ز باد کژ نیابد او حذر
لنگر عقلست عاقل را اماں — لنگرے دریوزہ کن از عاقلاں

تفسیر صوفیانہ

مطلقہ عورت جب طلاق کے معاملہ میں مبتلا ہوئی تو اللہ تعالی نے اس کے دل کی تسلی کے لئے متعہ (چند کپڑے) واجب فرمائے یہ اس طرف اشارہ ہے کہ مرید صادق جب اپنی طلب صادق میں دوست و اقارب اور رفیقوں کی جدائی اور مال دنیا اور اس کے مرتبہ سے فراق کی وجہ اور اپنے اوطان اور اس کے رہنے والوں سے ہجرت کر کے خواص عباد کے شہروں میں اور طلب فوائد کے لئے دکھ درد اٹھائے تو اللہ تعالی اس پر احسان فرما کر اس کے درد والم کو دور فرماتا ہے اور اس کے قلب کو انا عند المنكسرة قلوبهم من اجلی میں ان قلوب کے قریب ہوں جو میرے وجہ سے منکسر ہوں گے متعہ سے جبر نقصان کرتا ہے یہی پریشان حال سالک کے لئے متاع معروف ہوتا ہے جسے وہ حاصل کرنے کے در پے ہے اسی طرح اللہ تعالی اپنے آیات قسم وقسم الطاف اور ذیشان مہربانیاں ظاہر کرتا ہے تا کہ تم اس کے انوار الطاف سے کمالات الطاف کو سمجھ سکو۔

(كذا فى تاويلات النجميه)

سبق: عاقل کو چاہیے کہ وہ نہ تو دنیا کو دیکھے اور نہ اس کی رنگینیوں پر مست ہو بلکہ اس کے منافع اور اس کے

اغراض سے تیزی سے گزر جائے بلکہ طریق حق کے حصول کے لئے تکالیف کو سر پر اٹھائے تا کہ لذات ذات مطلق تک پہنچ سکے۔

حکایت: حضرت شقیق بلخی قدس سرہ کا واقعہ ہے کہ انہیں تین دن تک طعام نہ ملا لیکن عبادت الٰہی میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آنے دیا جب عبادت میں بھوک کی وجہ سے ضعف ہونے لگے تو آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر کہنے لگے اے میرے رب مجھے طعام عنایت فرما جب دعا سے فارغ ہوئے تو ایک شخص کو دیکھا کہ وہ انہیں دیکھ رہا ہے جب حضرت نے انہیں دیکھ کر السلام علیکم کہا تو اس نے کہا اے شیخ میرے ساتھ چلئے تا کہ میں آپ کو طعام پیش کروں حضرت شقیق اس کے ساتھ چل پڑے اس نے حضرت شیخ کو اپنے گھر داخل کیا تو دیکھا کہ گھر میں مختلف قسم کے تختے ہیں اور ان پر قسم وقسم کے طعام چنے ہوئے ہیں اور دستر خوان کے قریب غلمان اور نوجوان لڑکیاں کھڑی ہوئی ہیں شیخ صاحب نے اس سے کچھ کھایا وہ شخص اس کے ساتھ کھڑا رہا جب حضرت شیخ طعام سے فارغ ہوئے تو باہر جانے کا ارادہ فرمایا اس شخص نے کہا اے شیخ کہاں جاتے ہیں آپ نے فرمایا مسجد میں اس نے عرض کی آپ کا نام کیا ہے آپ نے فرمایا شقیق اس نے عرض کی میں آپ کے والد گرامی کا غلام تھا مجھے انہوں نے تجارت کے لئے بھیجا اس دن سے آج تجارت سے واپس لوٹا ہوں لیکن آپ کے والد مرحوم فوت ہو چکے ہیں۔ حضرت شقیق اب یہ تمام مال آپ کا ہے آپ نے فرمایا اگر یہ لونڈیاں اور غلام میرے ہیں تو میں نے انہیں سبیل اللہ آزاد کیا اور یہ مال میرا ہے تو میں نے اسے تمہیں ہبہ کیا اسے لے جاؤ آپس میں تقسیم کر لو مجھے اس دولت کی کوئی ضرورت نہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے روکے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا۔

تعلق حجابست د بے حاصلی ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ چو پیوندہا بگسلی واصلی

سبق: دنیا ایک ایسا تعلق ہے خصوصاً دور حاضر میں اس لئے کہ یہ دور بڑا پرفتن ہے اس میں دنیا سے دور ہونے والا اس میں مشغول ہونے والے سے افضل ہے۔

حکایت: حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے بہشت کا شراب پیش کیا گیا اور عرض کی گئی کہ آپ اسے پی

لیں تو موت نہیں آئے گی آپ نے اپنے لشکر سے مشورہ لیا سب نے پینے کا مشورہ دیا صرف قنفذ رہ گیا اس سے مشورہ لینے کے لئے گھوڑے اور بازی کو لینے کے لئے بھیجا اس نے آنے سے انکار کر دیا پھر کتے کو بھیجا وہ اس کے ساتھ چلا آیا آپ نے پہلے یہ پوچھا کہ تو گھوڑے اور بازی کے ساتھ نہیں آیا اور کتے کے ساتھ کیوں چلا آیا اس نے کہا گھوڑے اور بازی کے ساتھ اس لئے نہیں آیا کہ وہ دونوں پاؤں سے ننگے ہیں گھوڑا تو دشمن کے ساتھ بھی ہو لیتا ہے اور بازی بھی اپنے مالک کے غیر کی اطاعت کر دیتا ہے اور کتا باوفا ہے کہ اپنے مالک کے سوا کسی دوسرے کی بات نہیں مانتا اور اگر اسے مالک اپنے دروازہ سے ہٹائے تب بھی کہیں نہیں جاتا بلکہ بار بار اپنے مالک کے گھر لوٹتا ہے آپ نے فرمایا کیا بہشت کا شراب پی لوں اس نے کہا نہیں اس لئے کہ آپ کی دنیا کے قید خانے میں عمر بڑھ جائے گی عزت کی موت بھلی اس عیش سے جو قید خانے میں گزاری جائے۔

بہمہ حال اسیری کہ ز بندی بدہد بہترش داں ز امیر یکہ گرفتار آید

آپ نے فرمایا بہتر کیا تو نے اس کے بعد آپ نے اس شراب بہشت کو دریا میں بہا دینے کا حکم فرمایا یہی وجہ ہے کہ اس روز سے دریا کا پانی میٹھا ہے۔

تزود من الدنیا فانک راحل وبادر فان الموت لاشک نازل
وان امرا قد عاش سبعین حجۃ ولم یتزود للمعاد الجاھل
ودنیاک ظل فاترک الحرص بعدما علمت فان الظل لابد زائل

ترجمہ: دنیا میں آخرت کا سامان تیار کر اس لئے کہ یہاں سے تو کوچ کرنے والا ہے اور اس میں عجلت سے کام لے اس لئے کہ موت یقیناً آنے والی ہے اور بے شک اگر کوئی شخص ستر ہزار برس گزارے لیکن آخرت کا سامان تیار نہیں کیا تو وہ بہت بڑا جاہل ہے اور تجھے معلوم ہے کہ یہ دنیا تیرے سایہ کی طرح ہے اور یہ بھی تمہیں یقین ہے کہ سایہ آخر مٹ جاتا ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا۔

کہ اندر نعمتی مغرور غافل گہے از تنگ دستی خستہ ریش
چو در سرا و ضرا حالت نیست ندانم کے بحق پردازی از خویش

اے اللہ ہمیں موانع سے محفوظ فرمائیے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ

اے محبوب! کیا تم نے نہ دیکھا تھا انہیں جو اپنے گھروں سے نکلے وہ ہزاروں تھے موت کے ڈر سے تو اللہ نے ان سے فرمایا

لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۟ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَ

مر جاؤ پھر انہیں زندہ فرمادیا بیشک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے

لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝٢٤٣ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا

مگر اکثر لوگ ناشکرے ہیں۔ اور لڑو اللہ کی راہ میں اور جان لو کہ

اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝٢٤٤ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا

اللہ سنتا جانتا ہے۔ ہے کوئی جو اللہ کو قرض حسن دے

فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ؕ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۪ وَاِلَيْهِ

تو اللہ اس کے لئے بہت گنا بڑھادے اور اللہ تنگی و کشائش کرتا ہے اور تمہیں اسی کی

تُرْجَعُوْنَ ۝٢٤٥ اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ

طرف پھر جانا۔ اے محبوب! کیا تم نے نہ دیکھا بنی اسرائیل کے گروہ کو جو موسیٰ کے بعد ہوا

اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ

جب اپنے ایک پیغمبر سے بولے ہمارے لیے کھڑا کر دو ایک بادشاہ کہ ہم خدا کی راہ میں لڑیں نبی نے فرمایا

هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَمَا

کہ کیا تمہارے انداز ایسے ہیں کہ تم پر جہاد فرض کیا جائے تو پھر نہ کرو بولے ہمیں کیا ہوا

لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَ

کہ ہم اللہ کی راہ میں نہ لڑیں حالانکہ ہم نکالے گئے ہیں اپنے وطن اور اپنی اولاد سے

أَبْنَآئِنَا ۖ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۗ وَ

تو پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا منہ پھیر گئے مگر ان کے تھوڑے اور

اللّٰهُ عَلِيمٌۢ بِالظّٰلِمِينَ ﴿۲۴۶﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ

اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو۔ اور ان سے ان کے نبی نے فرمایا بیشک اللہ نے طالوت کو

لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوٓا أَنّٰى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ

تمہارا بادشاہ بنا کر بھیجا ہے بولے اسے ہم پر بادشاہی کیونکر ہوگی اور ہم اس سے زیادہ

بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ

سلطنت کے مستحق ہیں اور اسے مال میں وسعت نہیں دی گئی فرمایا اسے اللہ نے تم پر چن لیا

عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللّٰهُ يُؤْتِى مُلْكَهٗ

اور اسے علم اور جسم میں کشادگی زیادہ دی اور اللہ اپنا ملک جسے چاہے دے

مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۴۷﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ

اور اللہ وسعت والا علم والا ہے اور ان سے ان کے نبی نے فرمایا اس کی بادشاہی کی

أَنْ يَّأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ

نشانی یہ ہے کہ آئے تمہارے پاس تابوت جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلوں کا چین ہے اور کچھ بچی ہوئی

اٰلُ مُوسٰى وَاٰلُ هٰرُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۗ إِنَّ فِى ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ

چیزیں معزز موسیٰ اور معزز ہارون کے ترکہ کی اٹھاتے لائیں گے اسے فرشتے بیشک اس میں بڑی نشانی ہے

إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿۲۴۸﴾

تمہارے لئے اگر ایمان رکھتے ہو۔

تفسیر عالمانہ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ دیار، دار کی جمع ہے یعنی اپنے گھروں سے اگرچہ بظاہر یہ خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے لیکن معنوی اعتبار سے یہ خطاب ہر اس شخص کو ہے جو بھی ان اہل کتاب و اہل تواریخ کا قصہ سنے گا پھر بمقتضائے ظاہر الم تسمع قصتهم کہنا چاہیے تھا لیکن ان کے سماع کو بمنزلہ رویت کے قرار دیا گیا ہے اس بات پر تنبیہ ہے کہ ان کا واقعہ اتنا ظاہر اور مشہور ہے کہ گویا وہ آنکھوں کے آگے ہے اس لیے اَلَمْ تَرَ سے خطاب کیا گیا اس سے ان کے قصہ سے تعجب دلانا اور ذہنوں میں راسخ کرنا مطلوب ہے یعنی اس پر نفی داخل ہوئی اس کا اقرار کرنا مقصود ہے۔

ف: امام واحدی علیہ الرحمہ فرماتے تھے کہ یہاں رویت سے رویت قلبی بمعنی علم مراد ہے۔

سوال: اَلَمْ تَرَ کو الیٰ سے متعدی کیا گیا ہے حالانکہ یہ باب تو متعدی بنفسہ ہوتا ہے کیونکہ اس سے ادراک قلبی مراد لیا جاتا ہے۔

جواب: یہ اصول انتہاء کے معنی کو متضمن ہے اب معنی یوں ہوا المنتهه علمک اليهم کیا تمہارا علم ان کے واقعہ تک نہیں پہنچا اس لیے اسے الیٰ سے متعدی کیا گیا ہے۔

قاعدہ: مفسرین فرماتے ہیں جہاں پر بھی قرآن پاک میں اَلَمْ تَرَ کا لفظ آیا ہے اور وہ واقعہ بظاہر حضور علیہ السلام نے معائنہ نہیں فرمایا تو وہاں پر یہی معنی مراد ہوگا اگرچہ بہ باطن وہ واقعہ حضور علیہ السلام کے پیش نظر ہوتا ہے۔

ف: تفسیر تیسیر میں ہے کہ اَلَمْ تَرَ بمعنی اعلم ذالک یعنی میرے محبوب ﷺ اس واقعہ کو جان لیجئے۔

ف: کواشی کی تفسیر میں ہے کہ اس میں معنی وجوب کا ہے اس لئے قاعدہ ہے کہ جب ہمزہ استفہام نفی یا استفہام پر داخل ہو تو اس وقت تقریر و ایجاب کا معنی ہوتا ہے اب معنی یہ ہوا کہ آپ کو ان لوگوں کا واقعہ معلوم ہے جو اپنے گھروں سے نکلے تھے۔

ف: ابن الصمید اپنے حواشی میں فرماتے ہیں کہ اَلَمْ تَرَ کے لفظ سے کبھی وہ شخص مخاطب ہوتا ہے جس کو اس قصہ کا علم پہلے ہو اور کبھی وہ شخص مخاطب ہوتا ہے جسے اس کا علم پہلے نہ ہو مثلاً کوئی شخص دوسرے سے کہے: الم تر الی فلان ای شئی فلاں کو تم نے نہیں دیکھا کہ وہ کیا شئے ہے اس سے اس کی ابتداً التعریف کرنا مطلوب ہوتی ہے۔

ف: اس کے مخاطب یہاں پر وہ لوگ ہیں جو اس کا حکم سنیں لیکن انہیں اس واقعہ کا علم خطاب سے پہلے تھا۔ مثلاً مورخین وغیرہ انہیں یہ واقعہ اللہ تعالیٰ نے یاد دلا کر عبرت دلائی ہے یا اس کا مخاطب ہر وہ ہے جسے اس کی رویت حاصل ہو سکے اس لئے کہ یہ واقعہ اتنا عام اور مشہور ہے کہ ہر شخص کے لئے ضروری ہے کہ اسے معلوم کر کے اس کا آنکھوں سے مشاہدہ کرے تا کہ اسے عبرت حاصل ہو۔ وَهُمْ أُلُوفٌ (الف کی جمع ہے) جو کہ یہ بھی منجملہ اسمائے عدد سے ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ وہ لوگ گھروں سے نکلنے والے کل کتنے تھے اس کے ظاہر سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دس ہزار سے زائد تھے اس لیے کہ الوف جمع کثرت تھی اور قاعدہ ہے کہ دس ہزار اور اس سے کم پر الوف کا استعمال نہیں ہوتا۔ حَذَرَ الْمَوْتِ یہ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِمْ کا مفعول لہ ہے یعنی وہ لوگ موت کے خوف سے اپنے گھروں سے نکلے۔ فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ پس اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے فرمایا:

سوال: اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف کیوں مسند کیا گیا ہے؟

جواب: صرف ڈرانے اور دھمکانے کی وجہ سے اس لیے کہ قادر قہار اور مالک جبار کے قول کی شان کچھ اور ہے اور مخلوق کی کچھ اور۔ مُوتُوا مرجاؤ عبارت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے بعد فماتوا ہو (پس وہ مر گئے) جیسے قول باری تعالیٰ ثُمَّ أَحْيَاهُمْ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کر کے لوٹایا تا کہ وہ اپنی بقایا عمریں گزاریں اور سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے بھاگنے کی یہ سزا ہے۔

ف: حضرت ابن العربی علیہ الرحمہ نے فرمایا یہ موت انہیں سزا کے طور طاری ہوئی اور یہ عام قاعدہ ہے کہ سزا کی موت کے بعد زندہ کیا جاتا ہے[1] لیکن حقیقی موت کے بعد پھر زندہ نہیں کیا جاتا۔

ف: حضرت حسن بصری علیہ الرحمہ نے بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سزا کے طور پر موت طاری کر کے پھر انہیں بقایا زندگی گزارنے کے لئے زندہ فرمایا۔

واقعہ کی تفصیل: ان کے واقعہ کی تفصیل یوں ہے جسے مفسرین نے لکھا کہ وہ بنی اسرائیل کی ایک قوم تھی جو واسط کے دیہاتوں میں داوردان نامی گاؤں میں رہائش رکھتی تھی اس میں طاعون آیا جو ان میں اہل دولت اور دنیا دار

---

[1] غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے جس بڑھیا کے بیٹے کی بارات کشتی سمیت زندہ کر کے دکھلایا وہ اسی قسم کی موت تھی۔ تفصیل فقیر کے رسالہ "اماطتہ الاذی" میں ہے۔

قسم کے لوگ تھے طاعون کی وجہ سے چلے گئے لیکن غرباء اور عوام وہاں ہی قیام پذیر رہے جو نہ جا سکے ان میں اکثر طاعون کی وجہ سے مر گئے اور جو چلے گئے تھے انہیں کچھ نہ ہوا اور وہ صحیح سالم گھروں کو واپس لوٹے وہ غرباء اور عوام جو بچ گئے انہوں نے کہا ہمارے وہ صاحبان اچھے رہے جو گھروں کو چھوڑ کر چلے گئے اب اگر طاعون آیا تو ہم بھی اپنے گھروں کو چھوڑ کر چلے جائیں گے اور وہاں جا کر بسیں گے جہاں وباء طاعون نہ ہوگا۔ چنانچہ پھر دوسرے سال طاعون آیا تو وہ غرباء اور عوام بھی گھروں کو چھوڑ کر چل نکلے اور دو پہاڑوں کے درمیان ایک وادی میں ڈیرہ جما لیا جب وہ پھر پورے طور پر اس وادی میں اتر چکے اور اب ان کا خیال تھا کہ ہم ہلاکت سے بچ گئے لیکن جونہی آرام وسکون کا سانس لیا تو ایک فرشتے نے اس وادی کے نیچے سے اور دوسرے نے اوپر سے آواز دی مر جاؤ! اس آواز سے بغیر کسی بیماری کے وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی مشیت سے مر گئے۔ یہاں تک کہ ان کے جانور بھی جو ان کے ساتھ تھے وہ بھی مر گئے انہیں صرف آٹھ دن گزرے تھے کہ ان کے اجسام سوج کر پھوٹنے لگے اور بدبو پھیلنے لگی اس علاقہ کے لوگ انہیں دفنانے آئے لیکن عفونت کی وجہ سے انہیں دفن نہ کر سکے۔ چنانچہ یہ تجویز ہوئی کہ ان کے اردگرد چار دیواری کھڑی کر دی جائے تاکہ انہیں درندے نہ کھا سکیں۔ چنانچہ ایسے ہی کیا گیا اس کے بعد ایک عرصہ گزرا جس میں ان کے اجسام گل سڑ گئے اور ہڈیاں چور چور ہو گئیں اس کے بعد ان پر وقت کے نبی بنام حضرت حزقیل بن بوزی علیہ السلام کا گزر ہوا یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد تیسرے خلیفہ تھے جو بنی اسرائیل میں نبوت موسوی کے پیغام پہنچانے پر مامور تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد بنی اسرائیل کے لئے موسیٰ علیہ السلام کی خلافت میں یوشع بن نون نبی مقرر ہوئے پھر کالب بن یوحنا پھر حزقیل علیہ السلام انہیں ابن العجوز بھی کہا جاتا ہے کیونکہ ان کی والدہ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ مجھے بچہ عطا ہو جب کہ وہ بوڑھی اور بالکل بانجھ ہو چکی تھیں اس کی دعا مستجاب ہوئی بڑھاپے میں بچہ پیدا ہوا حضرت حسن فرماتے ہیں کہ یہ وہی ذوالکفل علیہ السلام تھے اور ان کو اسی لیے ذوالکفل کہا جاتا ہے کہ وہ ستر نبیوں کے کفیل ہوئے ان کی وجہ سے انہیں قتل سے نجات ملی۔

ستر نبیوں کا واقعہ: واقعہ یوں ہوا کہ ستر نبیوں کے قتل پر یہود آمادہ تھے۔ حضرت ذوالکفل نے نبیوں سے کہا تم چلے جاؤ میں تمہارے عوض مارا جاؤں گا اور کہا تمہارے لئے میرا قتل کیا جانا میرے لئے بہتری ہے۔ چنانچہ

جب وہ چلے گئے تو یہود آ گئے ذوالکفل بیٹھے ہوئے تھے ان سے نبیوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: واللہ اعلم وہ کہاں گئے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ذوالکفل کو بھی یہودیوں کے قتل سے بچالیا۔

بنی اسرائیل کا بقایا واقعہ: جب حضرت حزقیل علیہ السلام کا ان مرے ہوئے لوگوں پر گذر ہوا ان کی کیفیت سے متعجب ہوئے اور بڑی دیر تک انہیں دیکھتے رہے اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ اگر آپ چاہیں تو آپ کو ان کے متعلق عجوبہ دکھائیں۔ عرض کی ہاں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ ان پر کھڑے ہو کر کہیں اے ہڈیو! اللہ تعالیٰ تمہیں فرماتا ہے کہ تم اکٹھی ہو جاؤ۔ آپ نے یہی کلمات کہے تو وہ ہڈیاں اوپر نیچے سے ایک دوسرے کے ساتھ مل گئیں اور پھر مجسم بن گئیں۔ جن میں نہ خون اور نہ ہی ان پر گوشت تھا صرف خالی ڈھانچے پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انہیں فرمایئے اے ارواح اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم ان میں قائم ہو جاؤ۔ چنانچہ آپ کے اس طرح کہنے پر وہ سب لوگ زندہ ہو گئے اور زندہ ہوتے ہی کہنے لگے:[1]

سبحانک اللھم وبحمدک لا الہ الا انت ۔ اس کے بعد ان میں اور ان کی اولاد میں آج تک وہی بو آتی ہے۔ پھر وہ لوگ زندہ ہو کر اپنے اپنے گھروں کو واپس لوٹے اور ایک عرصہ تک زندہ رہے۔ لیکن موت کے آثار ان کے چہروں سے نمودار تھے۔ وہ جب کپڑے پہنتے تو کفن کی طرح پرانے اور غبار آلودہ ہو جاتے یہاں تک کہ وہ پھر طبعی موت سے مرے۔

سبق: اس واقعہ سے سبق ملتا ہے کہ مسلمانوں کو جہاد کے لئے بہادری دکھانی چاہیے اور شہادت کے اسباب میں در پے رہنا چاہیے یہ واقعہ توکل پر برانگیختہ کرتا ہے اور مسلمان پر لازم ہے کہ وہ سر تسلیم خم رہیں اس لیے کہ موت نے تو چھوڑنا نہیں جہاں بھی کوئی ہو موت سے بھاگنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ پھر موت کے منہ میں جانا جہاد فی سبیل اللہ سے کم نہیں۔ **لَذُوْ فَضْلٍ** بے شک اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔ **عَلَی النَّاسِ** تمام لوگوں پر ان لوگوں کو اس لیے زندہ کیا گیا تا کہ وہ عبرت پکڑیں اور پھر سعادت عظمی حاصل کرنے کے لئے کوشاں رہیں اور وہ لوگ جو اس واقعہ کو سنیں انہیں عبرت اور غور فکر کی جانب ہدایت ملے گی۔

---

[1] یہی ہمارا عقیدہ ہے کہ مردوں کو زندہ اور حیات بخشنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے لیکن سبب اولیاء وانبیاء کرام علیہم السلام بنتے ہیں اور اسی سبب سے ہم مجازاً کہہ دیتے ہیں کہ اولیاء وانبیاء مردہ زندہ کرتے ہیں۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ اور لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے اہل اسلام تو اپنے عجز کے اظہار سے اور اہل کفر کر کے

وَقَاتِلُوْا یہ خطاب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو ہے اور اس کا محذوف مقدر پر عطف ہے۔ اصل عبارت یوں تھی۔ فاطیعوا و قاتلوا پس اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر کے جنگ کرو۔ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اس کے دین کو بلند کرنے کے لئے یہ یقین کر کے کہ جنگ سے بھاگنے سے موت سے جان نہیں چھوٹے گی اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہو کر رہے گی پھر دو لذتوں میں سے کسی ایک سے محروم نہ ہو جاؤ۔

۱:۔ مدد الٰہی اور ثواب ۲:۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مر جانا۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ اور یقین کرو بیشک اللہ تعالیٰ سَمِيْعٌ ہے۔ اس کی بات بھی سنتا ہے جو کسی دوسرے کی ترغیب سے جنگ پر حاضر ہوا اور اس کی بات بھی جو کسی دوسرے کی نفرت دلانے سے جنگ پر نہ جا سکا۔ عَلِيْمٌ جانتا ہے تمہارے وہ اعمال جو تم اپنے دلوں میں چھپاتے ہو اور اسے یہ بھی معلوم ہے کہ جنگ سے محروم رہنے والا جنگ پر کیوں نہ حاضر ہو سکا اور مجاہد کے جہاد اور اس کی غرض اور نیت کو بھی جانتا ہے کہ وہ جنگ پر حاضر ہوا تو کیوں اسے دینی مفاد مدنظر تھا یا دنیوی اس کی اگر دنیوی غرض ہے تو اسے اخروی ثواب نصیب نہ ہوگا۔

ف: اَلَمْ تَرَ الخ سے ان لوگوں کی مذمت کرنا مطلوب ہے جو اپنے گھروں سے نکل گئے پھر ان کی سزا ان کی موت مقرر فرمائی اور جس بات کو وہ اپنی نجات سمجھتے تھے ان کو ان کے لئے خسارہ اور نقصان بنا دیا۔

مسئلہ: اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ جنگ سے بھاگنا مکروہ ہے۔

مسئلہ: اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ طاعون آ جائے تو توکل علی اللہ کر کے وہاں ثابت قدم رہنا بہت بڑا ثواب ہے۔

حدیث شریف: میں ہے طاعون سے بھاگنا جنگ سے بھاگنے کی طرح ہے اس حدیث سے ثابت ہوا کہ منہی عنہ فعل کا ارتکاب کرنا حرام ہے اور وہ کبائر سے ہے۔

حکایت: مروی ہے کہ عبدالملک طاعون سے رات کو سواری پر سوار ہو کر بھاگ نکلا اور ایک نوکر کو ساتھ لیا طاعون کے ڈر کے مارے سواری سے نہ اترتا تھا یہاں تک کہ نیند بھی سواری پر کرتا تھا۔ ایک دن اپنے غلام سے کہا: مجھے کوئی نصیحت کیجئے۔ اس نے کہا میں کون لگتا ہوں کہ آپ کو نصیحت کروں۔ اس نے کہا کچھ تو سنائیے اس

نے پھر بھی انکار کیا۔ عبدالملک نے کہا کوئی سنی سنائی بات سناؤ۔ غلام نے کہا میں نے سنا ہے کہ ایک لومڑی شیر کی خدمت کرتی تھی اور اس کے ذمہ تھا کہ وہ شیر کی نگرانی کرے اور ہر اس برائی کو روکے جو شیر کو نقصان دینے کے درپے ہو۔ لومڑی نے دیکھا کہ عقاب اوپر اڑ رہا ہے۔ لومڑی نے شیر کو کہا کہ کہیں آپ کو عقاب اٹھا کر نہ لے جائے۔ لومڑی نے یہ تدبیر کی کہ شیر کو پیٹھ پر اٹھا کر وہاں سے بھاگ نکلے۔ شیر لومڑی کی پیٹھ پر بیٹھ گیا اور لومڑی اسے اٹھا کر وہاں سے بھاگ نکلی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو کون روک سکتا ہے۔ جونہی عقاب نے نیچے نظر دوڑائی اسے وہی شیر نظر آیا اس نے ایک جھپٹ ماری اور شیر کو اٹھا چلا لومڑی روتی رہی اور کہتی تھی اسے ابو الحارث (شیر کی کنیت ہے) میں نے اپنا پورا زور لگایا ہے لیکن خدا تعالیٰ کی تقدیر کا کون مقابلہ کر سکتا ہے۔ زمین والوں سے تو میں تیری حفاظت کرتی تھی لیکن آسمان والوں کی حفاظت سے میں بے بس ہوں یہ کہانی سن کر عبدالملک نے اپنے غلام سے کہا اس نے مجھے بہترین نصیحت کی ہے۔ بس اب واپس لوٹتے ہیں۔

سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے۔ یہ کہانی سن کر عبدالملک اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی ہو گیا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:

قضا کشتی آنجا کہ خواہد برد وگر ناخدا جامہ برتن درد
در آبیکہ پیدا نباشد کنار غرور شناور نباید بکار

مسئلہ: تقدیر مبرم ہو کر رہتی ہے وہاں کوئی تدبیر کام نہیں دیتی۔

حدیث شریف: حضور علیہ السلام نے فرمایا: خطرہ تقدیر کو نہیں روکتا۔

مسئلہ: تقدیر معلق صدقہ وغیرہ سے ٹل جاتی ہے۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ صدقہ اور صلہ رحمی عمروں کو بڑھاتے ہیں۔

فائدہ: بعض محققین فرماتے ہیں کہ مقدرات دو قسم پر ہیں:

۱۔ مخصوص بالکلیات۔ ۲۔ مخصوص بالجزیات التفصیلیہ۔

کلیات مخصوصہ بالاسنان وہ ہیں کہ جن کی حضور نبی کریم ﷺ نے خبر دی اور وہ چار ہیں۔

۱۔ روزی۔ ۲۔ عمر۔ ۳۔ اجل۔ ۴۔ سعادت وشقاوت۔

یہ امور تغیر پذیر نہیں ہوسکتے انہیں دعا بھی صدقہ کی طرح کوئی فائدہ نہیں دیتی ہاں بطریق فرض محال کہا جاسکتا ہے کہ اگر کسی کا رزق بڑھتا۔ صلہ رحمی کرنے والے کا بڑھتا اگر کسی کی عمر بڑھتی تو اس کی بڑھتی یہ اس وقت ہے جب کوئی حکمت بتانا مطلوب ہو۔ چنانچہ بطریق فرض محال کے اللہ تعالیٰ کی اولاد کا کہا گیا۔ قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ باقی رہے جزیات اور اس کے لوازم تفصیلیہ تو ان کے متعلق یہ ہے کہ کبھی ان کا ظہور ہو ہی جاتا ہے اور انہیں انسان کبھی پالیتا ہے جب کہ ان کے اسباب و شرائط پائے جائیں ان کے اسباب کے بغیر ناممکن ہوتا ہے۔

حکایت: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے ایک دھوبی گزرا آپ کے پاس آپ کے خدام بیٹھے تھے۔ آپ نے فرمایا اس دھوبی کو موت ظہر کے وقت واقع ہوگی اور اس کا جنازہ میرے پاس لانا لیکن ظہر کے وقت نہ مرا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حیران تھے کہ اس کی تقدیر کیوں بدل گئی۔ جب کہ میں نے اس کی تقدیر کو دیکھ کر کہا تھا اتنے میں حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے ان سے عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: یہ کیسے ہوا تم نے تو مجھے اس کی موت کی خبر دی تھی لیکن وہ مرا نہیں۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی اس کی موت تین روٹیاں دینے کے صدقے ٹل گئی ہے۔

ف: اس تفسیر کے پہلے پارہ میں: فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا الخ اگر تمہیں کوئی دکھ درد پہنچے پھر تم سے کوئی آہ وفغان ہوئی تو یقین کرلو اللہ تعالیٰ تمہارے آہ وبکا کو سنتا ہے اور تمہارے حالات کو جانتا ہے۔

مسئلہ: یہ آیت ان لوگوں کے لئے تسلی کا سامان ہے جنہیں دکھ اور درد پہنچتے ہیں۔

کسی نے خوب فرمایا: ؎

اذاماتمنی روحاوراحۃ　　تمنیت ان ان شکروالیک وتسمع

ترجمہ: جب لوگ راحت وسرور طلب کرتے ہیں تو میں دکھ اور درد مانگتا ہوں کہ میرے دکھ ودرد کے بعد میرے آہ وفغان کو تو ہی سنتا ہے۔

اے اللہ ہمیں ان لوگوں سے بنا جو تیری جناب میں بھاگ کر آتے ہیں اور ان کا صرف تیری طرف میلان ہے۔

تفسیر عالمانہ

مَنْ استفہامیہ ہے اس میں صدقہ دینے کی ترغیب ہے اور یہ مبتدا ہے ذَا یہ اشارہ قرض دینے والے کی طرف ہے اور یہ مبتدا کی خبر ہے یعنی کون ہے وہ الَّذِیْ لفظ کی ذَا صفت ہے۔ یُقْرِضُ اللّٰهَ اللہ تعالیٰ کو قرض دے۔ قرض دراصل کاٹنے کو کہتے ہیں۔ اسے قرض اس لیے کہا جاتا ہے کہ دینے والا اسے اپنے مال کا کچھ حصہ کاٹ کر دیتا ہے تاکہ اس کی طرف اتنا مقدار حاصل ہو اللہ تعالیٰ کو قرض دینے کا معنیٰ یہ ہے کہ آج ایسے عمل کرو کہ جن کا ثواب تمہیں آخرت میں نصیب ہو۔ قَرْضًا، یُقْرِضُ کا مصدر، بمعنیٰ اَقْرَض مصدر مجرد بمعنیٰ مزید ہے۔ چنانچہ دوسرے مقام پر آیا ہے: انبتکم من الارض نباتا ای نباتا۔ اس لحاظ سے قرضا بمعنیٰ اقراضا ہوا یعنی قرض دینا۔ حَسَنًا یعنی وہ قرض جو اخلاص اور خوشی و رضا کو مقرون ہے۔

ف: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قرض بمعنیٰ مقرض بمعنیٰ المفعول اس اعتبار سے یہ یُقْرِضُ کا مفعول ثانی ہوگا اور حسن کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ قرض حلال اور طیب کمائی کا ہو کہ جس میں غیر کے مال کی ملاوٹ ہرگز نہ ہو۔

بعض نے کہا: کہ قرض حسن مجاہدہ اور انفاق فی سبیل اللہ کو کہتے ہیں اور اس قرض کے انواع سے ہے۔ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔

فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اس فعل کا منصوب ہونا ان مقدر کی وجہ سے ہے جو مؤولاً مصادر ہو کر اس کا قَرْضًا پر عطف ہوگا اور یہ معنیٰ یُقْرِضُ اللّٰهَ سے معنوی طور پر معلوم ہوا اس اعتبار سے مصدر کا عطف مصدر پر ہوا عبارت یوں بنے گی من ذالذی یکون منہ اقراض فمضاعفہ من اللہ یا منصوب ہے بالمعنیٰ کہ وہ معنوی طور پر استفہام کا جواب ہے اس لیے کہ یہ استفہام اگرچہ لفظاً مقرض سے ہے لیکن معنیٰ اقرار سے ہے گویا یوں فرمایا گیا کوئی اللہ تعالیٰ کو قرض دے گا تاکہ اللہ تعالیٰ اسے دہرا دے۔ تضعیفہ کے عوض اس کی مثل یا اس سے کئی گناہ زائد دینا۔

اَضْعَافًا ضعف (دوہرا) کی جمع ہے۔ یضاعفہ کی ھُوَ ضمیر سے حال ہے یہ مبلغ حساب کے اوہام کو قطع کرنے کے لئے ہے۔ یعنی وہ جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عطا فرمائے گا اتنا ہے کہ اسے سوائے اس کے اور کوئی نہیں جانتا۔

بعض نے کہا کہ ایک کے عوض سات سو عنایت فرمائے گا نیکیوں کو دہرا کرنے میں ایک حکمت یہ ہے کہ کل قیامت میں جب اس کے حقوق العباد ادا کئے جائیں تو بندہ مفلس نہ رہ جائے اس لیے کہ کل قیامت میں حقوق العباد کی ادائیگی انہی تضعیفات (دوہری کی ہوئی) نیکیوں سے ہوگی نہ کہ اصل عبادات سے اس لیے کہ

تضعیف (دوہرا ثواب) تو اللہ تعالیٰ کا ایک فضل ہوگا اور اصل نیکی کا مطلب یہ ہے کہ اسے ایک نیکی کے عوض ایک نیکی نصیب ہو۔

ف: امام بیہقی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ تضعیفات تو فضل الٰہی ہے اسے کسی کے عوض نہیں دیا جائے گا بلکہ بندہ کے لئے ذخیرہ بنا کر اسے دیا جائے جیسے اسے روزے کی نیکیاں احسان کے طور دی جائیں گی اور یہ رب کریم کا فضل و کرم ہے جو بندوں کو عنایت فرماتا ہے جب کہ بندہ بہشت میں داخل ہوگا تو اسے فضل ربانی نصیب ہوگا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

نکوکاری از مردم نیک رائے　　یکے را بدہ می نویسد خدائے
کرم کن کہ فردا دیوان نہند　　منازل بمقدار احسان نہند

ربط: جب بندوں کو راہ خدا میں نکلنے کا حکم فرمایا تو انہیں قرض دینے سے آسانی بتا کر انہیں خبر دی کہ یہ کام سوائے توفیق ربانی کے ناممکن ہے۔ چنانچہ فرمایا: وَاللّٰہُ یَقْبِضُ اور اللہ تعالیٰ کمی کرتا ہے بعض پر وَیَبْصُۜطُ فراخی کرتا ہے بعض پر یا کبھی کمی کرتا ہے یا کبھی فراخی کرتا ہے۔ جیسے کہ اس کی مشیت کا تقاضا ہوتا ہے جس میں بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں مضمر ہوتی ہیں۔ جب بندے کو اس کی حکمت معلوم ہو جاتی ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا آسان محسوس ہوتا ہے۔ کیونکہ اسے معلوم ہے کہ سب کا روزی رساں وہی ہے اس نے ہی مجھے وسعت بخشی ہے پھر جو کچھ دیا ہے اس کے متعلق مجھ سے سوال بھی ہوگا اور میرے مرنے کے بعد یہ مال ویسے ہی رہ جائے گا اگر میں کچھ راہ خدا میں دے دوں تو مجھے آخرت میں ثواب بھی وہی دے گا گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے بندو! جب تم جانتے ہو کہ وہی اللہ تعالیٰ روزی گھٹاتا اور بڑھاتا ہے اور یہ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ اس کا عنایت کردہ ہے پھر بخل کیوں کرتے ہو تمہیں چاہیے کہ اسے قرض دو اور اس سے جو تمہیں عنایت فرمایا ہے اس کی راہ میں خرچ کرو اس کے برعکس بخل نہ کرو تا کہ وہ تمہارے ساتھ برعکس معاملہ نہ کرے کہ اب دولت مند ہو پھر وہ تمہیں تنگ دست بنا دے۔

نکتہ: روزی بڑھانے اور گھٹانے میں ایک نکتہ یہ ہے کہ وسعت رزق تاخیر سے ہوا کرتی ہے اس سے فقراء مساکین کو تسلی دینا مقصود ہے۔

تفسیر صوفیانہ امام غزالی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ۔ القابض الباسط وہ ہے جو ارواح کو اجسام سے موت کے وقت قبض اور ارواح کو اجسام میں حیات کے وقت اور صدقات اغنیاء سے لے کر فقراء کو دلاتا ہے اور کمزوروں کی وجہ سے دولت مندوں کا رزق بڑھتا ہے یہاں تک کہ فقر وفاقہ ختم ہو جاتا ہے اور فقراء کا رزق تنگ کرتا ہے یہاں تک کہ جان لبوں پر آجاتی ہے اور قلوب کو قبض کرتا ہے یعنی ایسا تنگ کر دیتا ہے کہ اس کے لئے لاپرواہی اور بلندی وجلال منکشف ہو جاتے ہیں اور پھر قلوب کو کھول دیتا ہے یہاں تک کہ انہیں قرب نصیب ہو جاتا ہے اس کے فضل وکرم اور احسان اور جمال کا اور وہ کریم اپنے بندوں کے لئے قابض وباسط ہے اس کے وہ بندے جنہیں حکمتوں کے عجائبات الہام اور جوامع الکلم حاصل ہوتے ہیں پھر کبھی ان کے قلوب کو کھول دیتا ہے اور اس کی نعمتوں کو یاد کرتے اور کبھی ان کو تنگ کر دیتا ہے کہ انہیں جلال وکبریائی اور قسم قسم کے عذاب اور آزمائش اور دشمنوں کے انتقام سے ڈراتا ہے۔ جیسے حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے کیا کہ کبھی ان کے قلوب کو عبادت کے حرص پر ابھارا اور نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ کل قیامت میں اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام سے فرمائے گا کہ اپنی اولاد کو نار جہنم کے لئے تیار کیجئے وہ عرض کریں گے کتنا حکم ہوگا کہ ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے ایسی بات سن کر صحابہ کرام علیہم الرضوان کے دل مرجھا گئے یہاں تک کہ ان کا عبادت سے بھی جی نہ لگتا۔ جب حضور علیہ السلام دوسری صبح کو تشریف لائے تو دیکھا کہ تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان حزن وملال میں ہیں تو ان کے قلوب کو خوش کرنے اور انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ تم (یعنی امت محمدیہ) باقی امتوں میں سے ایسے ہوں گے جیسے مشک کے سیاہ دھبوں میں سفید نور۔

ف: حضرت امام قشیری علیہ الرحمہ اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں کہ قبض وبسط سالک کی دو حالتوں کا نام ہے جو بندے کی ترقی کا موجب ہیں۔ خوف ورجاء کے قسم ہیں۔ عارف باللہ بمنزلہ خوف ہوتا ہے جو مبتدی کو لاحق ہوتا ہے اور عارف باللہ کا وسط وہی ہے جو مبتدی کو رجاء سے حاصل ہوتا ہے۔

وَاِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر تمہیں ان اعمال کی جزا دے گا جو تم نے کیے بھلے یا برے۔ مثلاً بھلے کو جود وسخاوت کی عادت تھی تو بہشت اور اگر بخل کی عادت تھی تو دوزخ۔ اسی کو وعید کہتے ہیں اس میں تنبیہ ہے اس دولت مند کو موت کے وقت اس سے تمام مال چھین لیا جائے تو اسے چاہیے کہ موت سے پہلے اس

مال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرے۔

حکایت: ایک مقام پر دولت مند اور فقراء جمع ہوئے۔ دولت مندوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے ہمارے درجات بلند فرمائے کہ لوگ ہم سے قرضہ لیتے ہیں۔ فقراء نے کہا ہمارے درجات بلند ہیں کہ وہ قرضہ جات ہمارے ہی لیے لیتے ہیں اگر ہم نہ ہوتے تو تم سے قرضہ نہ لیا جاتا اور قرضہ غیر سے بھی لیا جاتا ہے لیکن قرضہ صرف حبیب کے لئے لیا جاتا ہے۔

حدیث قدسی: اللہ تعالیٰ قیامت میں اپنے بندے سے فرمائے گا کہ میں نے تجھ سے طعام مانگا لیکن تو نے مجھے طعام نہ دیا۔ بندہ عرض کرے گا یا اللہ تجھے طعام مانگنے کی ضرورت کیوں ہے تو رب العزت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے فلاں بندے نے تجھ سے طعام مانگا لیکن تو نے اسے محروم رکھا۔ اگر تو نے اسے طعام دیا ہوتا تو آج تو اسے میرے پاس پاتا۔

ف: قرض محتاج مانگتا ہے اللہ نے اپنے لیے قرض مانگنے کا ذکر فرمایا گویا اس۔ سے اپنی ذات کو بمنزلہ محتاج کے بنا کر ایسے فرمایا جیسے حدیث شریف میں ہے کہ اے میرے بندے میں بیمار ہوا تو نے میری طبع پرسی بھی نہ کی میں بھوکا ہوا تو نے مجھے طعام بھی نہ کھلایا۔ یہ فقیر پر شفقت اور اس پر لطف کرنے کی وجہ سے ہے۔ اسے محققین تنزلات رحمانیہ سے تعبیر کرتے ہیں کہ بندے کی محبت اور اس کے جذبہ کی تکمیل ہو جائے جو کہ اہل شہود کو نصیب ہوتا ہے اور معلوم ہوا کہ جذبات الحق کا ایک جذبہ ثقلین کے عمل کے برابر ہوتا ہے۔ یہ وہی ہے جو عبد فقیر کو مشاہد اعیانیہ میں تنزلات کے مختلف اطوار سے جمال الرحمٰن کا جلوہ نصیب ہوتا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے:

روئے خوباں زینت زیبا شود روئے احسان از گدا پید شود
پس ازیں فرمود حق در والضحیٰ بانگ کم زن اے محمد بر گدا
چوں گدا آئینہ جو دست ہاں دم بود برروئے آئینہ زبان

اللہ تعالیٰ اپنے کمال فضل اور کرم سے جو اس کا بندوں پر ہے مثلاً اس نے انہیں پیدا کیا اور انہیں اموال کا مالک کیا پھر ان کے نفوس اور اموال کو خرید ا پھر انہیں چند روز کے لئے رعایت کے طور پر دیا پھر ان سے قرض

مانگ کران پر انہیں کرم بنایا پھر انہیں وہ جو خرچ کرتے ہیں بہت بڑے فضل واحسان کا مژدہ بہار سنایا تو عبد صادق وہ ہے جو اپنی ہمت کے مطابق سوال کرتا ہے اور جو کچھ خرچ کرتا ہے اس کا سوائے ذات حق کے مشاہدہ کے اور کوئی مطالبہ نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ بھی بندے کو وہی دیتا ہے جو اس کی ہمت کا مطالبہ ہوتا ہے بلکہ اسے اس کے مطلوب کے علاوہ اور بھی بہت کچھ عطا فرماتا ہے۔ باری تعالیٰ کے وہ عطایا ایسے مخفی ہیں جنہیں آج آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں جب دیکھیں گی تو ٹھنڈی ہوں گی اور اتنا وسعت کے ساتھ نصیب ہوں گی جن کا کوئی شمار نہیں یہ سب کچھ اس کا فضل واحسان ہے اور جن کا مطالبہ صرف دنیا ہے تو وہ متاع قلیل ہے پھر اسے وہ کثیر المقدار نعمتیں کب نصیب ہوں گی۔ اے اللہ ہمیں ان نعمتوں سے بہرہ ور فرما جو اپنے اولیاء کے قلوب کو نصیب فرماتا ہے اور ہمیں ان لوگوں سے بنا جو تیرے دیدار پر انوار کے لئے ترستے رہتے ہیں اور ان کا مقصد وحید صرف وہی ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ اَلَمْ تَرَ کیا تو نے نہیں دیکھا یعنی تمہارا علم وہاں نہیں پہنچا اس جماعت کے قصہ کو کہ جن کا قصہ اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم میرے بتانے سے آپ کو معلوم ہے اس قصہ کو پڑھ کر سن کر تعجب کیجئے کہ کیسے ہے وہ۔

ف: اَلْمَلَاِ ہر وہ جماعت جو مشورہ کے لئے ایک جگہ جمع ہوں اور انہیں املاء اس لیے کہا جاتا ہے کہ مشورہ میں وہ لوگ جمع ہوتے ہیں جو ان میں برگزیدہ ہوتے ہیں جو لوگوں کو اپنی ہیبت سے اور مجلسوں کو رونق سے بھر دیتے ہیں یہ لفظ جمع ہے لیکن اس لفظ کا کوئی واحد نہیں۔ جیسے لفظ قوم جمع ہے لیکن اس کے لفظ سے اس کا کوئی واحد نہیں۔

مِنْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ یہ مِنْ تبعیضیہ ہے۔ یعنی وہ ہونے والے ہیں بعض بنی اسرائیل ہے۔

ف: بنی اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کو کہا جاتا ہے۔

مِنْ یہ مِنْ ابتدائیہ اس کا متعلق وہی ہے جو پہلے حرف جارہ کا متعلق ہے۔ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد۔ اِذْ قَالُوْا جب کہ انہوں نے کہا یہ اس مضاف سے منصوب جو ملائیں مقدر ہے اصل عبارت یوں تھی: الم تر الی قصۃ الملاء او حدیثھم حین قالوا ۔ مقدر اس لیے مانا گیا ہے کہ تعجب ذوات سے نہیں بلکہ احوال سے ہوتی ہے۔ لِنَبِیٍّ لَّهُمُ اپنے نبی علیہ السلام سے۔ وہ حضرت شموئل علیہ السلام تھے مشہور اور زیادہ قوی یہی ہے۔ اِبْعَثْ لَنَا مَلِكًا ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کیجئے جو ہمارا مقتدا ہو اور ہمیں جنگ کی

تدبیریں بتائے۔ نُقَاتِلْ ہم اس کی سرپرستی میں کفار سے لڑیں۔ اس کا مجزوم ہونا جواب کی وجہ سے ہے۔ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اپنے نبی علیہ السلام سے امیر مانگا۔ جیسے ہمارے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ جنت کے وقت ایک امیر لشکر مقرر فرماتے کہ جس کی سرپرستی میں عام لوگ جنگ لڑتے۔

حدیث شریف: مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو حکم فرمایا کہ جب وہ سفر پہ جائیں تو اپنے لیے ایک امیر منتخب کرلیا کریں۔ قَالَ گویا کہا گیا ہے کہ ان کے مطالبہ پر اس نبی علیہ السلام نے کیا فرمایا تو اس پر جواب ملا کہ اس نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ: هَلْ عَسَيْتُمْ قریب ہے۔ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اگر تمہارے اوپر جنگ فرض کی جائے اور تمہارے مطالبہ کے مطابق ایک امیر بھی ہو عسی اور اس کی خبر کے درمیان جملہ معترضہ واقعہ ہے اور وہ جملہ معترضہ یہ ہے اَلَّا تُقَاتِلُوْا یہ کہ تم امیر لشکر کے ساتھ مل کر جنگ نہیں کرو گے۔

ف: تفسیر کشاف میں ہے معنی یہ ہے کہ تم جنگ نہیں کرسکو گے اس جملہ کا مقصد یہ ہے کہ وہ نبی علیہ السلام اپنی قوم سے فرماتے تھے کہ قریب ہے کہ تم جنگ نہیں کرسکو گے۔ بمعنی الرفع جبنکم عن القتال یعنی مجھے توقع یہ ہے کہ تم جنگ سے کنارہ کشی کرو گے اس معنی پر هَلْ داخل کیا گیا ہے۔ استفہام کے طور پر اس امر سے کہ اس میں توقع ہے اور اس توقع میں وہ مصیب تھی جیسے اللہ تعالیٰ کے قول: هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ الخ میں فعل کا اثبات اور اس کی تقریر مطلوب ہے۔

قَالُوْا وَمَا مَا مبتدا اور استفہام انکاری ہے اور اس کی خبر لَنَا ہے یعنی انہوں نے کہا کہ کیا ہے ہمارے لئے اس میں کہ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ہم اللہ تعالیٰ کے راستے میں جنگ نہ کریں۔ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا حالانکہ ہم اپنے گھروں اور بیٹوں سے نکالے گئے ہیں۔ یعنی حال یہ ہے کہ ہمیں وہ امر عارض ہوا ہے جو ہمارے اوپر جنگ واجب ہوچکی ہے اور وہ یہ کہ انہوں نے ہمیں اپنے گھروں اور وطنوں اور بیٹوں سے نکالا یعنی انہوں نے اہل وعیال وہ اولاد سے ہمیں جلاوطن کیا۔

سوال: اَبْنَآء کو دِيَارِنَا کے بعد خصوصی ذکر کا کیا معنی ہے؟

جواب: جنگ کرنے کے اسباب بھی مزید تقویت ہوگی۔

ف: وَقَدْ اُخْرِجْنَا الخ۔ یعنی انہوں نے ہمیں اپنے گھروں اور بیٹوں سے جلاوطن اور قید کر کے نکالا یہ باتیں قطعاً ذکر کی جاتی ہیں۔

سبب واقعہ: بنی اسرائیل کا اپنے نبی علیہ السلام سے سوال کرنے کا سبب یوں ہوا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وصال ہوا تو بنی اسرائیل میں اپنی نیابت میں حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کو چھوڑ گئے وہی ان کی نیابت ہیں۔ تورات کے احکام جاری فرماتے آخر ان کا وصال ہو گیا انہوں نے اپنی نیابت میں کالب علیہ السلام کو چھوڑا ان کا وصال ہوا تو پھر بنی اسرائیل میں ہزار ہا خرابیاں پیدا ہو گئیں اور اللہ تعالیٰ کے ارشادات کو پس پشت ڈال دیا بلکہ بت پرستی میں منہمک ہو گئے اور ان کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے الیاس علیہ السلام کو بھیجا اور وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات سناتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں جتنے انبیاء علیہم السلام تشریف لائے سب کے سب بنی اسرائیل تھے اور تورات کے احکام کی تجدید کرتے یعنی کوئی نئی شریعت نہیں لاتے تھے۔ حضرت الیاس علیہ السلام کے بعد الیسع علیہ السلام آئے وہ بھی اپنی زندگی مبارک گزار کر راہی ملک بقا ہوئے۔ پھر بنی اسرائیل میں وہی خرابیاں شروع ہو گئیں۔ جو ان میں پہلے تھیں ان کی ان غلطیوں کی نحوست سے ان پر دشمنوں کا غلبہ ہونے لگا ایک شخص جو ان پر غالب ہوا اس کا نام البانا انا تھا اور یہی قوم جالوت تھی جو بحر روم کے ساحل پر مقیم تھی اور بحر روم مصر و فلسطین کے درمیان واقع ہے۔ یہی عمالقہ کی اولاد تھی۔ جو عملیق بن عاد کی ایک نسل تھی۔ بہر حال یہ لوگ بنی اسرائیل پر غالب ہو گئے ان کی بہت سی جاگیروں کو قبضہ میں لے لیا اور انہوں نے بہت سے لوگوں کو قید کر لیا اور ان کی اولاد کو غلام بنا لیا اور بنی اسرائیل کے جتنے بادشاہ تھے ان کے تمام شہزادوں کو جیل میں بند کر دیا اور وہ چار سو چالیس تھے۔ ان لوگوں پر جزیہ مقرر کیا اور ان سے تورات چھین لی اور بنی اسرائیل کو قسم وقسم کی تکالیف ومصائب اور پریشانیوں میں مبتلا کیا۔ ان میں کوئی نبی علیہ السلام تو تھا نہیں جو ان کی خامیوں کو دور کرتا بلکہ نبیوں کی اولاد میں سے بھی کوئی نہ رہا۔ سب کا رفتہ رفتہ وصال ہو گیا ہاں ایک بی بی ان میں حاملہ تھی اس بی بی تبرک سمجھ اس کی خدمت کو راحت اور رحمت سمجھا لیکن اسے ایک گھر میں محبوس رکھا کہ شاید اس سے لڑکی پیدا ہو تو ہم اس لڑکی کے بجائے کسی لڑکے کو اس کی طرف منسوب کر دیں گے تاکہ قوم کے بگڑے ہوئے حالات سنور جائیں اس لیے کہ بنی اسرائیل کی رغبت اس طرف تھی کہ

اگر کسی نبی کا لڑکا ہماری راہبری کرے تو ہم ان تمام غلطیوں سے تائب ہو جائیں۔ چنانچہ بی بی اس اثناء میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی رہی کہ مولا کریم مجھے فرزند عطا فرما تا کہ بنی اسرائیل کے معاملات سدھر جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس بی بی کی دعا مستجاب فرمائی کہ اس بی بی کو بچہ پیدا ہوا اس نے اس کا نام شمویل رکھا اس محاورہ سے کہتی رہی سمع اللہ دعائی اس کا عبرانی لغت میں معنی اسماعیل ہوتا ہے اس نے سین کو شین سے تبدیل کر کے شمویل رکھا اور لغت عبرانی میں قاعدہ ہے کہ سین کو شین سے تبدیل کر دیتے ہیں۔ جب وہ بچہ جوان ہوا تو بنی اسرائیل نے اسے بیت المقدس میں تورات سیکھنے کے لئے معلم کے پاس بٹھا دیا اور شمویل کی تمام ضروریات کی کفالت ان کے شیخ (جو ان کے علماء تھے) نے اٹھائی اور اسے اپنی ذمہ داری لے کر متبنّیٰ بنالیا۔ جب وہ بچہ بالغ ہوا تو حضرت جبریل علیہ السلام ان کے پاس تشریف لائے جب کہ وہ شیخ کے قریب آرام کر رہے تھے لیکن اسے کسی کی بات پر اعتماد نہ تھا سوائے اپنے شیخ کے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت شمویل کو اس شیخ کی آواز میں کہا اے شمویل! یہ آواز سنتے ہی شمویل اس شیخ کی طرف بھاگے اور کہا اباجی مجھے کیوں بلایا ہے۔ شیخ نے سوچا کہ اگر کہوں میں نے نہیں بلایا تو اچھا نہیں کیونکہ اس طرح بچہ گھبرا جائے گا۔ شیخ نے فرمایا بیٹا بیٹھ جا۔ یعنی آرام کیجئے۔ شمویل علیہ السلام ان کے حکم سے جا کر سو گئے۔ جبریل علیہ السلام نے انہیں دوبارہ اسی طرح کہا: اے شمول۔ شمویل علیہ السلام نے پھر شیخ سے کہا آپ نے مجھے بلایا ہے۔ شیخ نے کہا جاؤ سو جاؤ۔ اگر دوبارہ بلاؤں تو جواب نہ دینا۔ چنانچہ جا کر سو گئے۔ لیکن بار سوم حضرت جبریل علیہ السلام حضرت شمویل علیہ السلام کے پاس کھلم کھلا حاضر ہوئے اور کہا آپ اس قوم کے نبی ہیں۔ آپ ان کے ہاں تشریف لے جائیے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے احکام سنائیے۔ جب وہ اپنی قوم کے ہاں آئے اور پیغام ربانی سنایا تو انہوں نے آپ کی تکذیب کی اور کہا تو نے اظہار میں عجلت کی ہے ابھی تیری نبوت کے اظہار کا وقت نہیں آیا۔ ہاں اگر آپ نبوت میں سچے ہیں تو ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر فرمائیے تا کہ ہم ان کی سرپرستی میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں کفار سے جنگ کریں یہی آپ کی نبوت کی نشانی سمجھی جائے گی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بنی اسرائیل کے امور کا انتظام بادشاہوں کے سپرد تھا اور بادشاہ انبیاء علیہم السلام کے ماتحت بادشاہت چلاتے۔ بادشاہ دنیوی امور کا نظم و نسق کرتا اور نبی اس بادشاہ کی غلطیوں کی نگہداشت کرتا اور اس طرح اسے احکام الٰہی کے مطابق چلاتا اور بادشاہ کو یقین ہوتا کہ یہ حکم

جو مجھے نبی سے ملا ہے یہ حکم ربانی ہے وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے۔

فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ پس جب کہ ان پر جنگ فرض کی گئی یہ اس وقت فرض کیا گیا جب انہیں ان کے نبی شمویل نے ان سے سوال کیا تھا کہ کیا تم جنگ کرو گے؟ انہوں نے کہا ہاں اس پر اللہ تعالیٰ نے جنگ کا حکم دیا اور ان کے سوال کے مطابق ان کے لئے بادشاہ مقرر فرمایا۔ تَوَلَّوْا انہوں نے منہ پھیرا یعنی جہاد سے ہٹ گئے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو ضائع کر دیا یہ نہیں کہ انہوں۔ نے ابتدا امر الٰہی سے روگردانی کی بلکہ بار بار دشمن کی تنگیوں اور تلخیوں کو دیکھا اور اب وہ ان کے دشمن ان کے سر پر تھے یہاں پر اللہ تعالیٰ نے ان کے انجام کو اجمالاً بیان فرمادیا۔ اس لیے کہ ان کے قول و فعل میں منافات اور تبائن تھا۔ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ مگر تھوڑے ان میں یہ وہ تھے جنہوں نے طالوت کے ساتھ نہر کو عبور فرمایا اور صرف پانی کے ایک گھونٹ پر اکتفا فرمایا وہ تین سو تیرہ تھے اہل بدر کی گنتی کے مطابق۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے ان کے ظلم یعنی جنگ سے روگردانی کی وجہ سے وعید سنائی گئی ہے جب کہ ترک جہاد کر کے قول و فعل میں منافات و مبانیت پیدا کر دی۔

ف: آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ قوم نے دل میں کچھ اور زبان پر کچھ یعنی منافقت کا مظاہرہ کیا اور جو چھپاتے تھے ان کا خلاف نکلا تو اللہ تعالیٰ نے ان کا ظاہری دعویٰ کے نقد کو معنی کی حقیقت کو کسوٹی پر پرکھا لیکن وہ اس امتحان میں کامیاب نہ ہو سکے اس لئے کہ اپنے دعویٰ پر دلیل قائم نہ کر سکے اور قاعدہ ہے کہ امتحان کے وقت انسان کی یا تو عزت ہوتی ہے یا ذلت۔

حضرت حافظ شیرازی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

خوش بود گر محک تجربہ آید بمیاں　　　　تا سیہ روئی شود ہر کہ در و غش باشد

تفسیر صوفیانہ یہی اہل سلوک وغیرہ کے مدعیوں کا حال ہے کہ اہل حقیقت نے انہیں جب خواہشات نفسانیہ کے مٹانے کی جنگ کا کہا تو وہ روگردان ہو کر کہتے کہ ہم کیسے جنگ کریں لیکن حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ کے بے فرمان ہوئے اور اس کے شہروں کو برباد کیا بلکہ اس کے بندوں پر ظلم برسایا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے نور بجھایا اس کے برعکس ہوتا تو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح و نصرت نصیب ہوتی۔

مسئلہ: آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے تھوڑے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: [illegible]

عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ اور یہ ہر زمانے میں ہوتا ہے اور یہ بھی قاعدہ ہے کہ اچھی شئے کم یاب ہوتی ہے اور قیمت کے لحاظ سے بھی اعلیٰ ہوتی ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:

خاک مشرق شنیده ام که کنند　　بچہل سالہ کاسہ چینی
صد بروزی کنند در بغداد　　لاجرم قیمتش ہمی مینی

نکتہ: حق کی طلب اس لیے ہے کہ باوجود یہ کہ انس و جن صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے پیدا کیے گئے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ کیونکہ مقصود اعظم تو صرف حضرت انسان ہے اور وہ حاصل ہو گیا یا اس لیے کہ ہدایت یافتہ لوگ اگرچہ گنتی کے لحاظ سے تھوڑے لیکن شرف کے لحاظ سے بہت زیادہ ہیں۔ جیسا کہ مقولہ عرب مشہور ہے کہ: قلیل اذا عدو کثیر اذا شدوای اظہر واللقوۃ۔ لیکن وہ گنتی میں تھوڑے ہیں جب شمار کیے جاتے ہیں لیکن جب دشمن پر حملہ کرتے ہیں تو کثیر التعداد معلوم ہوتے ہیں۔

ف: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "سواد اعظم" وہی ہے جو حق پر ہو اگرچہ ایک ہو۔

ف: اور حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ سب کے سب اخلاص اور توجہ الی اللہ کی طرف لگ جاتے اگر اس طرح ہو جائے تو وجہ معاش تنگ ہو جائے گی اسی لئے مشہور ہے: لولا الحمقی لخربت الدنیا۔ اگر پاگل نہ ہوں تو دنیا ویران و برباد ہو جائے۔ حکمت ربانی کا یہی تقاضا ہے کہ جن دونوں ہاتھوں کو جس طرف منسوب کیا گیا ہے اس کا اسی طرح ظہور ہو ان میں ایک تو سعادت مندی کی طرف منسوب ہے جس میں رحمت و جنان ہے دوسرے میں قہر و غضب اور ان کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں اور دونوں بابرکت ہیں۔ لیکن ہر ایک کا حکم علیحدہ علیحدہ ہے۔ جو ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ لہٰذا دانا پر لازم ہے کہ وہ غضب کے اسباب سے احتراز کرتا رہے اور اپنے رب تعالیٰ کے کرم کا متلاشی رہے۔

ف: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس کا یہ گمان ہو کہ وہ جدوجہد کے بغیر بارگاہ حق تک پہنچ جائے گا وہ صرف آرزو کرنے والا ہے اور جس کا گمان ہو کہ جدوجہد سے پہنچے گا وہ مقصد پانے والا ہے۔ اے اللہ ہمارے اوپر اپنے فضل و کرم کے ڈول ڈال اور ہمیں اپنے تک اپنے ذریعہ سے پہنچا۔ (ارحم الراحمین)

تفسیر عالمانہ

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ ان کے نبی علیہ السلام نے انہیں فرمایا یہاں نبی علیہ السلام سے مراد حضرت شمویل علیہ السلام ہیں جب قوم نے سوال کیا کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر فرمائیے۔ جس کی سرپرستی میں ہم اپنے دشمنوں سے لڑیں ان کے اس سوال پر حضرت شمویل علیہ السلام ایک ڈنڈا اور ایک قرن لائے جس میں قدس کا تیل تھا اس میں انہیں حکم تھا کہ جو ان بنی اسرائیل کا بادشاہ ہوتا اس کا قد ڈنڈے کے برابر ہوگا اور جب وہ بادشاہ شمویل علیہ السلام کے پاس حاضر ہوگا تو یہی بنی اسرائیل کا بادشاہ ہے تو وہ تیل اس کے سر پر لگا دینا اور بنی اسرائیل پر اس کی بادشاہی کا اعلان کر دینا۔

حضرت وہب نے فرمایا کہ انہی دنوں میں حضرت طالوت کے والد کے اونٹ گم ہو گئے تو اس نے طالوت کو انہیں تلاش کرنے کے لئے نوکر دے کر بھیجا یہ دونوں حضرت شمویل علیہ السلام کے گھر سے گزرے تو غلام نے کہا اگر ہم اس نبی علیہ السلام کے پاس حاضر ہو جائیں تو بہتر ہے تاکہ وہ ہمیں اونٹوں کی خبر دیں اور دعا فرما دیں تو ممکن ہے ہمیں اونٹ مل جائیں۔ چنانچہ وہ دونوں حضرت شمویل علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہ بھی اونٹوں کی بات کر رہے تھے کہ اچانک وہی تیل جو قلعہ میں تھا جوش مارنے لگا۔ حضرت شمویل علیہ السلام اٹھے اور اسی ڈنڈے کو طالوت کے قد پر ناپا جو کہ اس کے قد کے عین مطابق ہوا۔ حضرت شمویل علیہ السلام نے طالوت سے فرمایا کہ اپنا سر میرے قریب کیجئے۔ طالوت نے اپنا سر حضرت شمویل علیہ السلام کے قریب کیا تو انہوں نے وہی قدس کا تیل ان کے سر پر لگایا اور فرمایا آج کے بعد تو ہی بنی اسرائیل کا بادشاہ ہو گیا اور یہ حکم میرے اللہ کا ہے اس نے مجھے فرمایا ہے کہ میں تجھے بنی اسرائیل کا بادشاہ بنا دوں طالوت نے کہا اس کی علامت کیا ہے۔ شمویل علیہ السلام نے فرمایا اس کی علامت یہ ہے کہ جب تم لوٹو گے تو اونٹ مل چکے ہوں گے۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا اس کے بعد شمویل علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے طالوت کو بھیجا۔ طالوت عجمی لفظ اور غیر منصرف ہے اس لیے کہ معرفہ اور عجمہ ہے۔

مَلِكًا طالوت سے حال ہے یعنی یہ تمہارا بادشاہ ہے اب اس کی طاعت کرو اور ان کی سرپرستی میں دشمنوں سے لڑو۔ قَالُوْٓا وہ متعجب ہو کر کہنے لگے بلکہ انہیں اس سے انکار کر دیا۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ انہوں نے اس انکار سے اپنے نبی علیہ السلام کی تکذیب کی جس سے وہ کافر ہو گئے۔ بعض نے کہا کہ وہ مومن تھے انہوں نے

تعجب صرف اس لیے کیا تا کہ طالوت کو بادشاہ بنانے کی حکمت معلوم کریں۔ جیسا کہ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا ، اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا اس کی ہمارے اوپر کیسے بادشاہی ہوسکتی ہے جب کہ وہ طالوت اس کا اہل نہیں۔ وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ ہم بہ نسبت اس کے بادشاہی کے زیادہ حقدار ہیں۔ اسے ہمارے اوپر بادشاہی کرنے کا کس طرح حق ہوسکتا ہے۔ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ اور نہ ہی اس کے پاس مال وثروت کی کثرت ہے۔ اس لحاظ سے وہ ہمارا بادشاہ نہیں بن سکتا اور جب کوئی کوئی دوسرا مستحق ہو تو پھر یہ ہمارے اوپر بادشاہی کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ نیز جس شئے پر شاہی چلانے کا دارومدار ہے یعنی مال وہ بھی اس کے پاس نہیں اور مال ایسی شئے ہے کہ اس سے شاہی چلائی جاسکتی ہے۔ ورنہ مشکل ہے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ نبوت مخصوص حضرات کے لئے مختص سمجھتے تھے۔ یعنی دین یعقوب کی اولاد میں ہے انہی میں سے حضرت موسیٰ وحضرت ہارون علیہما السلام تھے اور بادشاہی یہودا ابن یعقوب کی اولاد سے انہی میں سے داؤد سلیمان علیہ السلام تھے اور طالوت ان میں کسی کی اولاد میں سے نہ تھے بلکہ وہ بنیامین بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے تھے اور وہ لوگ بہت بدچلن ہوگئے تھے اور گناہوں کے ارتکاب میں ایسے سرگرم تھے کہ دن دہاڑے سرراہ عورتوں سے جماع کرلیتے تھے اس لیے یہ بات انہیں عقلاً ونقلاً مستعبد نظر آئی لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کی زبان سے انہیں کہلوادیا اس کے باوجود بھی انکار کررہے تھے تو اللہ تعالیٰ ان پر ناراض ہوگیا اس لئے ان سے اللہ تعالیٰ نے بادشاہی چھین لی تھی اور مال ودولت بھی ان کے پاس نہ رہنے دیا اس کی اس بدکرداری کی وجہ سے ان کا نام سبط الاثم پڑ گیا اور حضرت طالوت معمولی سا کاروبار کرتے تھے مشہور ہے کہ وہ موچی اور نہایت تنگدست یا ماشکی یا مزدور تھے۔

قَالَ ردکرتے ہوئے نبی علیہ السلام نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ بیشک اسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر چن لیا اگرچہ نہ اس کا نسب اچھا ہے اور نہ اس کے پاس مال ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں دوسری وجہ سے فضیلت بخشی ہے وہ یہ ہے کہ وَزَادَهٗ بَسْطَةً اور اللہ تعالیٰ نے انہیں فراخی اور وسعت بخشی ہے علم میں یعنی اسے علم حاصل ہے جس کی وجہ سے بادشاہی چلا سکتے ہیں اور لوگوں کے حالات سے پورے طور واقفیت رکھتے ہیں اور جسم میں طویل القامت ہیں یعنی جسمانی طور بہتر ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان دو چیزوں کی وجہ سے اعلیٰ سمجھا جاتا ہے: ۱۔ علم

۲۔ جسم۔ ان دونوں وجوہ سے لوگوں کے دلوں میں اس کی ہیبت اور وجاہت ہوتی ہے۔ حضرت طالوت کا سر دوسروں کی بہ نسبت موٹا تھا اور آپ کے کاندھے بھی چوڑے تھے یہاں تک کہ پورا ہاتھ دراز کرنے پر کہیں جا کر ان کے سر پر ہاتھ پہنچتا۔

ربط: جب بنی اسرائیل نے طالوت کی بادشاہی کو ناممکن سمجھا کہ نہ اسے نسبتی طور پر فضیلت حاصل ہے اور نہ ہی وہ مالدار ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بادشاہی ایک عطیہ ایزدی ہے جسے وہ چاہے عنایت فرمائے اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر اپنے فضل و کرم سے طالوت کو بادشاہ بنایا ہے اور وہ تمہاری ضروریات و مصلحتوں کو تم سے زیادہ جانتا ہے۔ دوسرا اسے تبحر علمی نصیب ہے اس لحاظ سے وہ امور سیاست پر بہت زیادہ عبور رکھتا ہے اور جسمانیت میں بھی موزونیت رکھتا ہے اور جنگی مہارت میں بھی قابلیت کے مالک ہیں۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے اسے علمی و عملی خوبیوں سے نوازا ہے اس لیے وہ تمہارے اوپر بادشاہی کرنے کی اہلیت رکھتا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے چنا ہے۔ وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنا ملک عطا فرماتا ہے اس لیے کہ وہ مالک الملک والملکوت ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اس کی مرضی ہے جسے چاہے جتنا چاہے عنایت فرمادے۔ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ اور اللہ تعالیٰ وسعت والا ہے۔ فقیر اور محتاج کو بہت کچھ دیتا اور غنی کر سکتا ہے۔ عَلِيْمٌ اسے سب کا علم ہے وہ شاہی کے لائق کو بھی جانتا ہے اور نااہل کو بھی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو بادشاہی سے اس لئے محروم فرمادیا کہ وہ لوگ ہمچو ما دیگرے نیست کی بیماری میں مبتلا ہو چکے تھے اور ان پر حضرت طالوت کی حالت سے تکبر کا بھوت سوار ہو گیا اور انہیں حقارت کی نظر سے دیکھنے لگے۔ اس عجب بیماری کی وجہ سے کہنے لگے کہ ہم بادشاہی کے حقدار ہیں اور طالوت کو ہمارے اوپر بادشاہی کرنے کی اہلیت ہی نہیں یہ حقارت کی نگاہ سے کہا اور یہ بھی کہا کہ وہ طالوت ملک و مال سے فارغ ہے جب انہوں نے تکبر کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے بادشاہی چھین لی۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

یکے قطرہ باراں ز ابرے چکید
خجل شد چو پہنائے دریا بدید

که جائیکه دریاست من کیتم   گر او هست حقا که من نیستم
چو خود را بچشم حقارت بدید   صدف در کنارش بجاں پرورید
سپهرش بجائے رسانید کار   که شد نامور لولوے شاهوار
بلندی ازاں یافت کو پست شد   در نیستی کوفت تا هست شد

اجوبہ : زمخشری کے بلاغات سے ایک یہ ہے کہ وہ لکھتا ہے کہ دو خبیثوں سے جو کچھ پیدا ہوتا ہے وہ لازماً خبیث ہوتا ہے۔ لیکن گوبر اور خون سے جو پیدا ہوتا ہے وہ طیب و طاہر ہے۔ یعنی دودھ۔

ف : یعنی مشاہدہ میں آیا ہے کہ زوجین خبیثین سے بچہ طیب پیدا نہیں ہوتا لیکن دودھ ایسی شئے ہے کہ یہ دو خبیثوں سے نکل کر پھر بھی طیب و نفیس ہے باوجودیکہ وہ گوبر اور خون کے درمیان سے نکل کر آتا ہے گوبر اور خون اس پر اثر انداز نہیں ہوتے نہ دودھ کے ذوق میں کمی ہوتی ہے اور نہ ہی اس کے رنگ میں خرابی۔ بلکہ دودھ ان کے درمیان سے نکلتا ہے تو نہایت لطیف و نظیف اور پینے والوں کو بہت ہی خوشگوار اور رچتا پچتا ہے۔

فائدہ : کہا جاتا ہے کہ دودھ کو اللہ تعالیٰ گوبر اور خون سے پیدا کرتا ہے حالانکہ یہ دونوں وہ دودھ کو محیط ہوتے ہیں لیکن دودھ اور ان کے درمیان قدرت نے ایک آڑ بنا رکھی ہے جو ان کے ایک دوسرے پر اثر نہیں ڈالنے دیتی نہ رنگ میں نہ ذائقہ میں اور نہ ہی بو میں بلکہ ہر ایک اپنی حالت میں خالص رہتی ہے۔

فائدہ : مشہور ہے کہ جب جانور گھاس کھاتا ہے تو وہ گھاس اس کے معدے میں جا کر ٹھہرتی ہے تو وہ اسے پکاتا ہے جب وہ تقسیم ہوتی ہے تو اس کا نچلا حصہ گوبر بن جاتا ہے اور درمیان میں دودھ کا مادہ ہوتا ہے اوپر والا حصہ سے خون کا مادہ بنتا ہے جگر ان سب پر حاوی ہے جو اپنے طور انہیں تقسیم کرتا ہے خون تو رگوں میں چلا جاتا ہے اور دودھ تھنوں میں اور باقی گوبر معدہ میں رہ جاتی ہے سبحان اللہ! کیسی عظیم قدرت کا مالک ہے اور لطیف اور نازک حکمت والا ہے یہ نکتہ اسے معلوم ہوتا ہے جو اس میں تامل کرتا ہے۔

فائدہ : انسان میں بھی دونوں مادے ہیں اصلاح کا بھی اور فساد کا بھی۔ کبھی اولاد میں اس کا مظاہرہ ہوتا ہے اگر ماں باپ اصلاح رکھتے ہیں تو اولاد پر اصلاح اثر کرتی ہے اور اگر معاملہ برعکس ہو تو اولاد بھی ویسے ہی ہوگی۔

فائدہ : دراصل امر ایجاد کا تعلق اظہار و ابطال پر ہے۔ آدم علیہ السلام کی اولاد اور ان کے دو صاحبزادوں

(ہابیل اور قابیل) کو دیکھئے۔ اسی طرح قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

نکتہ : دراصل بنی اسرائیل کی نگاہ طالوت کے ظاہر پر تھی اور اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت اس کے باطن پر تھی اور وہ اس بطون کے لحاظ سے بہت بڑا شریف النفس تھا اور اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت پتھر پر ہو جائے تو اسے جوہر بنا دیتی ہے۔ اگر کانٹے پر پڑ جائے تو اسے گلاب اور ریحان بنا دیتی ہے۔ معترض کو اس کے حکم سے روگرداں نہیں ہونا چاہیے عاقل اگر ان میں بغور وفکر دیکھے تو اس میں باری تعالیٰ کا انصاف پائے گا اگر اس کی سمجھ سے بالاتر ہے تو اس کے لئے سکوت افضل ہے بلکہ یہ معاملہ حی وقیوم کی طرف سپرد کر دے اور یوں عرض کرے کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ فرماتا ہے وہ حق ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اور ان کے نبی علیہ السلام نے انہیں فرمایا۔ یہ اس وقت جب کہ انہوں نے اپنے نبی علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ ہمیں طالوت کے بادشاہ ہونے کی علامت چاہیے۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ طالوت کی بادشاہت پر کون سی علامت ہے۔ ان کے جواب میں فرمایا کہ اِنَّ اٰیَةَ مُلْكِهٖ بیشک اس کی سلطنت کی علامت یہ ہے کہ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ التَّابُوْتُ تمہارے پاس تابوت آسمان سے آئے گی۔

حل لغات : اَلتَّابُوْتُ توب سے ہے۔ بمعنی رجوع اور اَلتَّابُوْتُ اس نام سے اس لئے موسوم کیا گیا کہ ان میں اشیاء رکھی جاتی ہیں گویا وہ اشیاء کی امانت گاہ ہے اور وہ اشیاء جو ایک بار نکل گئیں پھر رہنے کے لئے اس میں آئیں اور اس کا مالک اس کی طرف رجوع کرتا ہے کہ جو اشیاء اس میں امانت کے طور رکھی تھیں وہ اٹھائے گا۔ اس سے تورات کی صندوق مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد بنی اسرائیل پر ناراضگی کی وجہ سے اسے آسمان پر اٹھا لیا تھا۔ جب بنی اسرائیل کی نافرمانیاں حد سے بڑھ گئیں پھر جب انہوں نے اپنے نبی علیہ السلام سے طالوت کی بادشاہت کی نشانی مانگی تو انہیں کہا گیا کہ ان کی بادشاہت کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک صندوق آسمان سے فرشتے لائیں گے اس صندوق کی حفاظت ملائکہ کرتے رہے۔ چنانچہ اسی طریق سے فرشتے صندوق لائے اور قوم وہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی یہاں تک کہ وہ صندوق حضرت طالوت کے ہاں رکھ دی یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے۔

فائدہ : مؤرخین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک صندوق حضرت آدم علیہ السلام پر نازل فرمائی جس میں

حضرات انبیاء علیہم السلام کی تصویریں تھیں۔ تھیں اور وہ شمشاد کی لکڑی سے تیار کی گئی تھی اور تین ہاتھ لمبی اور دو ہاتھ چوڑی تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام کے ہاں تا دم زندگی پاس رہی پھر ان کے وصال کے بعد آپ کی اولاد میں وراثۃ چلی آئی یہاں تک کہ یعقوب علیہ السلام کے پاس پہنچی اس کے بعد بنی اسرائیل کی وراثت میں دست بدست حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاں پہنچی آپ اس میں تورات کے علاوہ اپنا ضروری سامان رکھتے تھے۔

ف: حضرت موسیٰ علیہ السلام جب جنگ کے لئے تشریف لے جاتے تو اس صندوق کو آگے آگے رکھتے جس کی برکت سے بنی اسرائیل کو اطمینان اور سکون نصیب ہوتا یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وصال ہو گیا پھر اس طرح بنی اسرائیل دست بدست لیتے دیتے رہے۔

اعجوبہ عجیبہ: بنی اسرائیل کا اگر کسی معاملہ میں جھگڑا ہو جاتا تو وہ اپنا فیصلہ اسی صندوق کے پاس لاتے تو وہ صندوق بول پڑتی اور ان کے مابین فیصلہ کر دیتی۔

مسئلہ وسیلہ جلیلہ: بنی اسرائیل جب کہیں جنگ کو جاتے تو اس صندوق کو اپنے لشکر کے آگے آگے رکھتے اور اس کو وسیلہ بنا کر دشمنوں پر فتح یاب ہوتے اسے فرشتے ہی لشکر کے اوپر اٹھاتے پھرتے تھے اور جنگ میں لے جاتے جب اس صندوق کے اندر سے آواز صادر ہوتی تو سمجھتے بلکہ یقین کرتے کہ فتح ہمارے حصہ میں ہے جب ان سے نافرمانی شروع ہوئی اور فساد برپا کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عمالقہ کو مسلط کر دیا۔ انہوں نے بنی اسرائیل سے وہی صندوق چھین کر (معاذ اللہ) پیشاب اور گندگی میں دفن کر دی پھر جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ طالوت کو بنی اسرائیل کا بادشاہ بنائے تو عمالقہ کو مصائب میں مبتلا کر دیا یہاں تک کہ ان میں جو بھی اس مدفونہ صندوق کی جگہ پر پیشاب کرتا بواسیر میں مبتلا ہوتا اور اس نحوست سے پانچ شہر ویران ہو گئے۔ اس سے کفار عمالقہ کی آنکھ کھلی یہ ساری نحوست اس صندوق کی بے حرمتی اور بے ادبی کی وجہ سے ہے۔ اس لیے انہوں نے اس صندوق کو نکالا اور جلدی اٹھا کر اسے دو بیلوں پر باندھ دیا اور انہیں وہاں سے روانہ کر دیا۔ ان بیلوں پر اللہ تعالیٰ نے چار فرشتے مقرر کر دیئے جو انہیں ہانکتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ حضرت طالوت کے گھر پہنچا دیا۔ جب بنی اسرائیل نے اپنے نبی علیہ السلام سے طالوت کی بادشاہت کی دلیل مانگی تو فرمایا کہ ان کی بادشاہت کی دلیل

یہ ہے کہ وہ صندوق جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے تمہیں وراثۃً ملی تھی وہ طالوت کے گھر میں ملے گی چنانچہ جب دیکھا کہ واقعہ صندوق حضرت طالوت کے پاس موجود ہے تب انہیں یقین ہوا کہ طالوت ان کا بادشاہ ہے۔

ف: اس تقریر پر ایتان کا لفظ مجازاً مستعمل ہوا ہے کیونکہ اسے لایا گیا تھا نہ کہ وہ خود بخود آئی تو اس کی طرف ان کی نسبت بطور مجاز کے توسعاً ہے جیسے کہا جاتا ہے: ربحت التجارة اور پہلی تقریر پر ریتان کا لفظ حقیقی معنی میں مستعمل ہوا ہے۔

فِیْهِ یعنی اس صندوق کے آنے میں **سَكِیْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ** یعنی تمہارے لئے سکون واطمینان ثابت ہونے والا رب سے ہے۔ تین معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔

ا۔ وہ شے بنی اسرائیل کو صندوق میں دی گئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **اِنَّ اٰیَةَ مُلْكِهٖۤ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ التَّابُوْتُ فِیْهِ سَكِیْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ** بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ زریح ہے جو سکون دینے والی اور نہایت ہی اچھی جو دشمنوں کے دل میں رعب ڈال کر اپنی آواز سے ہلا دے جب کہ دشمنوں کا مقابلہ ہوتا تھا یہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے لئے معجزہ اور ان کے بادشاہوں کی کرامت بن کر ظاہر ہوئی۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے بھیدوں میں ایک عجیب بھید ہے جو حکمت بن محدث (ولی اللہ) کی زبان پر ڈالی جاتی ہے جیسے فرشتے انبیاء علیہم السلام کے قلوب پر وحی ڈالتا تھا جو ان کے لئے ترویح الاسرار وکشف الاسرار ہوتا۔

۳۔ وہ واردات جو حضور نبی پاک شہ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک اور ان کے طفیل مومنین کے دلوں پر وارد ہوتے ہیں یہ واردات اور قوت اور روح کو جمع کرتی ہے جس کی طرف خائف انسان کو سکون اور حزین کو تسلی نصیب ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ**

ف: بعض نے فرمایا تابوت سے وہ علم اور اخلاص وذکر مراد ہے جس سے قلوب کو اطمینان ملتا ہے اور ایمان کا مطلب یہ ہے کہ اس کا قلب علم اور وقار کا مقر بن جاتا ہے جو اس سے قبل اسے حاصل نہ تھا۔

وَبَقِیَّةٌ اور ہونے والا بقیہ۔ **مِّمَّا** یہ من تبعیضیہ ہے بعض اس میں سے جو کہ **تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ** موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے چھوڑا وہ تورات والی تختی کے چند ٹکڑے اور موسیٰ علیہ السلام کا عصا (جو بہشتی مورد کے

درخت سے بنایا تھا) اور ان کے کپڑے اور نعلین شریف اور ہارون علیہ السلام کی دستار مبارک اور تورات شریف کے چند آیات اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی خاتم اور من یعنی وہ ترنجبین کی بوری جو بنی اسرائیل پر اتری تھی۔ جسے وہ ارض تیہ میں کھاتے تھے مراد ہے۔

ف: آل سے مراد ان حضرات کے اپنے نفوس مقدسہ ہیں یہاں آل کا لفظ زائد ہے یا ان کے ابناء یا اتباع مراد ہیں۔

تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ اسے فرشتے اٹھاتے تھے یہ تابوت سے حال ہے یعنی طالوت کی بادشاہی کی علامت یہ ہے کہ اس کے لئے صندوق آئے گی تو اس کا جواب ملا کہ اسے فرشتے اٹھا کر لائیں گے۔

سوال: اس صندوق کو فرشتے اٹھا کر نہیں لائے اسمیں اگرچہ بعض روایتیں ہیں لیکن ہر دونوں سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً پہلی روایت میں ہے کہ یہ صندوق خود بخود آسمان سے اتری تھی صرف ملائکہ اس کی حفاظت کرتے تھے دوسری روایت میں ہے اسے آسمان کی گاڑی پر رکھ کر دو بیلوں پر لایا گیا جنہیں فرشتے ہانکتے تھے۔

جواب: دونوں روایتوں کے لحاظ سے فرشتوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ وہ اس صندوق کی حفاظت کرتے تھے اور قاعدہ ہے کہ جو بھی کسی شئے کے راستہ کی حفاظت کرتا ہے تو اسے اس شے کے اٹھانے سے موصوف کیا جاتا ہے اگرچہ اسے اٹھانے والا کوئی اور ہو۔ جسے کہتے ہیں: حملت الامعد الی زید۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ کوئی راستہ میں اس شے کی حفاظت کرے اگرچہ اسے اٹھانے والا کوئی اور ہو۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ ممکن ہے کہ یہ بنی اسرائیل یہ نبی علیہ السلام کے قول کا تتمہ ہو یا یہ نیا جملہ ہے اور خطاب اللہ تعالیٰ سے ہے یعنی اس تابوت میں **لَاٰیَةً** البتہ بڑی آیت تھی۔ **لَّكُمْ** جو تمہارے لیے دلالت کرتی طالوت کی بادشاہی اور تمہارے نبی علیہ السلام کے قول کی صداقت پر جب کہ انہوں نے فرمایا کہ طالوت کو اللہ تعالیٰ نے تمہارا بادشاہ بنایا بیشک یہ امر عادت کے متناقض ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ اگر تم مومن ہو یعنی اگر اللہ تعالیٰ کو مانتے ہو تو اس کی یہ بات بھی سچ مانو کہ اس نے نبی طالوت کو تمہارا بادشاہ بنایا۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ بندے کی خلافت (بادشاہی) کی علامت یہ ہے کہ وہ قلب کے

صندوق پر کامیاب ہوجائے۔ جس میں رب تعالیٰ کی طرف سے سکینہ ہے۔ یعنی اپنے ایمان اور انس مع اللہ پر مطمئن ہونے والے اور وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ الخ سے مراد ذکر یعنی لا الہ الا اللہ کا عصا مراد ہے اور یہی کلمہ تقویٰ ہے اور یہ وہی سانپ ہے جس نے جب منہ کھولا تو فرعون نفس کے صفات کے تمام جادوگروں کے پھندوں کو ہڑپ کر دیا ذکر اللہ کے عصا کو قلوب کے صندوق میں اللہ تعالیٰ نے اپنے جمال وجلال کے دونوں ہاتھوں کے درمیان رکھا جیسے حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کا قلب اللہ تعالیٰ کی صرف دو انگلیوں میں ہے صفت جلال سے اس فجور کا الہام فرمایا ہے اور صفت اکرام سے اس کا تقویٰ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوٰهَا اور یہ بات نہ تو اللہ تعالیٰ نے ملک ومقرب کے ہاں امانت رکھی اور نہ اسے قبل کسی مرسل کو۔ پچھلی امتوں کے سکینہ اور حضور علیہ السلام کی امت کے سکینہ سے ان کے اولیاء وانبیاء کا حصہ نہیں تھا اگرچہ اس صندوق میں تورات کی بعض آیات رکھی ہوئی تھیں لیکن اس امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے قلوب مبارک کے صندوق میں تمام قرآن پاک محفوظ ہے اور ان کے تابوت میں چند گھر ہوتے ہیں۔ جیسے حضرات انبیاء علیہم السلام کی صورتیں ہیں اور ان کے قلوب کے صندوق میں چند خلوت خانے ہیں جن کے اندر سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی غیر کو آنے کی اجازت نہیں ہوتی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہ میں زمین پر سما سکتا ہوں اور نہ آسمان میں لیکن مومنین کے قلب میں سما جاتا ہوں جب روح انسان طالوت کے لئے میسر ہو یعنی جب اسے قلب ربانی کا تابوت دیا گا تو اس کو ملک وخلافت اور سر پر سلطنت عطا ہوائی اس پر صفات انسانی کی تمام اسباط نے اعتماد کیا اس کے بعد وہ انسان کامل غدار دنیا کی طرف نہ صرف غیر متوجہ ہوتا ہے بلکہ اس سے پورے طور پر علیحدہ ہو کر جالوت نفس امارہ کی لڑائی میں لگا رہتا ہے اور یہ صرف فضل الٰہی اور طریقت کی راہ چلنے اور حقیقت سے تمسک کرنے سے نصیب ہوتا ہے۔

رہ نیست روئے از طریقت متاب
بنہ کام وکامی کہ خواہی بیاب

ترجمہ : جو شخص چاہتا ہے کہ وہ سکینہ میں متجاوز ہو کر معرفت تک پہنچے تو اسے چاہیے کہ قلب کی صفائی کرے اس کے لئے معرفت الٰہی ہی قلب کے سکینہ کا نام ہے جیسا کہ قلب سکون کا موجب ہے۔

حکایت: حضرت ابویزید رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا معرفت کیا شے ہے؟ تو آپ نے یہ آیت اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا

دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً تلاوت فرمائی۔ یعنی معرفت کی مثال ان بادشاہوں جیسی ہے جو کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو وہاں کے اہل غلبہ کو کمزور بناتے ہیں یعنی ان کے وہ حالات تبدیل کردیتے ہیں جن پر وہ ہوتے ہیں اسی طرح جب واردات ربانیہ پر (جو کہ شہوات وخواہشات سے پرہوتی ہیں) وارد ہوتے ہیں تو ان قلوب کو ردی اوصاف سے پاک وصاف کردیتے ہیں۔ حضرت ابویزید سے پوچھا گیا کہ آپ نے معرفت کو کیسے پایا تو آپ نے فرمایا پیٹ کو بھوکا کرکے اور بدن کو ننگا رکھ کر یعنی اچھے لباس سے محروم رکھ کر۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:

باندازہ خور زاد اگر مسردی　　چنیں پر شکم آدمی یا خمی
ندارند تن پروران آگہی　　کہ پر معدہ باشد ز حکمت تہی

اے اللہ ہمیں ان رکاوٹوں سے بچا جو تیرے تک پہنچنے میں مانع ہوتی ہیں۔ (آمین)

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيكُم بِنَهَرٍ فَمَن شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ

پھر جب طالوت لشکروں کو لے کر شہر سے جدا ہوا بیشک اللہ تمہیں ایک نہر سے آزمانے والا ہے تو جو اس کا پانی پئے وہ میرا

مِنِّي وَمَن لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا

نہیں اور جو نہ پئے وہ میرا ہے مگر وہ جو ایک چلو اپنے ہاتھ سے لے لے تو سب نے اس سے پیا مگر تھوڑوں نے

مِّنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ

پھر جب طالوت اور اس کے ساتھ کے مسلمان نہر کے پار گئے بولے آج ہم میں طاقت نہیں جالوت اور اس کے لشکروں کی

قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُو اللّٰهِ كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً

بولے وہ جنہیں اللہ کا یقین تھا کہ بارہا کم جماعت غالب آئی ہے زیادہ گروہ پر

بِإِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا

اللہ کے حکم سے اور اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔ پھر جب سامنے آئے جالوت اور اس کے لشکروں کے عرض کی اے رب ہمارے ہم پر

صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝ فَهَزَمُوهُم بِإِذْنِ اللّٰهِ وَقَتَلَ

صبر انڈیل اور ہمارے پاؤں جمے رکھ کافر لوگوں پر ہماری مدد کر۔ تو انہوں نے ان کو بھگا دیا اللہ کے حکم سے اور قتل کیا

دَاوُودُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ

داؤد نے جالوت کو اور اللہ نے اسے سلطنت اور حکمت عطا فرمائی اور اسے جو چاہا سکھایا اور اگر اللہ لوگوں میں بعض سے بعض کو دفع نہ کرے

بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝

تو ضرور زمین تباہ ہوجائے مگر اللہ سارے جہان پر فضل کرنے والا ہے۔

تِلْكَ آيَاتُ اللّٰهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝

یہ اللہ کی آیتیں ہیں کہ ہم اے محبوب تم پر ٹھیک پڑھتے ہیں اور تم بیشک رسولوں میں ہو۔

تفسیر عالمانہ

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ پس جب طالوت اپنے لشکر کو لے کر شہر سے جدا ہوئے فصل دراصل فصل نفسہ کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے لیکن چونکہ یہ فاعل ومفعول کے لحاظ سے متحد ہے اس لیے یہ عموماً محذوف المفعول ہوکر آتا ہے یہاں تک کہ اب اتصال کے معنیٰ میں بمنزلہ فعل لازم کے ہوگیا ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب وہ اپنے شہر سے جدا ہوئے بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر عمالقہ کی جنگ کے لئے اور جنود، جند کی جمع ہے بہت بڑے سخت لشکر کو کہا جاتا ہے جند سے ماخوذ ہے بمعنیٰ وہ زمین جو سخت قسم کی ہو اور ہر قسم کی مخلوق کو جند (لشکر) کہا جاتا ہے۔

ف: مروی ہے کہ جب انہوں نے صندوق طالوت کے ہاں دیکھی تو اب انہیں اپنی فتح مندی کا پورا یقین ہوگیا اس لیے جہاد کی طرف تیزی سے روانہ ہونے لگے حضرت طالوت نے فرمایا کہ میرے ساتھ جنگ کے لئے بوڑھے مریض نہ چلیں اور نہ ہی وہ لوگ جو دوسروں کی خدمت میں معروف ہیں اور نہ ہی تاجر اور نہ قرض دار اور نہ ہی وہ جس نے ابھی ابھی بیاہ کیا ہو اور پھر اپنی عورت سے پہلی رات بھی نہ گزار سکا ہو میرے ساتھ صرف نوجوان چلیں اور وہ بھی بطیب خاطر اور ہر دنیوی خیال سے فارغ ہوکر طالوت کے اس اعلان پر ان کے اپنے انتخاب پر اسی ہزار (80000) جنگی جمع ہو گئے اور وہ سخت گرمی کا موسم تھا اور راستہ بھی وہ اختیار کیا جس کے ہر سو جنگل ہی جنگل تھے جس میں پانی کی قلت تھی اس لیے انہوں نے پانی کا شکوہ کیا اور کہا دعا کیجئے تا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے نہریں جاری کرے۔

قَالَ اپنے شمویل علیہ السلام کی خبر دینے پر طالوت نے انہیں فرمایا کہ: إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُم بِنَهَرٍ بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری آزمائش کرنے والا ہے۔ یعنی تمہارے ساتھ وہ معاملہ کرے گا جس کی کسی سے آزمائش کی جاتی ہے آزمائش بھی اس سے ہوگی جس کی تم نے طلب کی ہے یعنی پانی سے یہ آزمائش اس لیے ہوئی کہ طالوت کو مخلص اور غیر مخلص کا علم ہو جائے تا کہ پھر اس غیر مخلص کو اپنے لشکر سے ہٹا دے اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ اگر غیر مخلص لشکر میں موجود ہو تو مخلصین پر برا اثر پڑتا ہے پھر اس سے لشکر میں ضعف پڑ جاتا ہے جس کی نحوست سے شکست ہوتی ہے۔

آنکہ جنگ آرد بخون خویش بازی می کنند
روز میدان آنکہ بگریزد بخون لشکری

(چنانچہ اس کے بعد سونے اور چاندی کی طرح نکھر گئے جیسا کہ سونے میں کھوٹ ملا ہوتا ہے تو ان میں آگ کی بھٹی سے نکھارا

جاتا ہے پھر خالص علیحدہ ہو جاتا ہے اور کھوٹ علیحدہ)

فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ پس وہ شخص جو اس سے پئے گا یعنی اس نہر سے ابتداء پانی پئے گا بایں طور کہ منہ کے بل سے پانی پی لے الکرع لغت میں پانی کی جگہ پر منہ لگا کر پی لینا بغیر اس کے کہ اسے چلو میں یا برتن میں پیا جائے۔

فَلَيْسَ مِنِّىْ پس وہ مجھ سے یعنی ہماری جماعت مومنین کے گروہ سے نہیں اس تقریر پر مَنْ تبعیضیہ ہے۔ متکلم کی ضمیر پر داخل ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان اصحاب کو آپس میں قوت وطاقت اور باہمی اختصاص واتصال اور اتحاد کی وجہ سے وہ گویا ایک دوسرے کا جز ہیں یا یہ معنیٰ ہے کہ جو پانی پئے گا میرے ساتھ متحد نہیں اس معنیٰ پر یہ مـن اتصالیہ ہوگا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ میں مَنْ اتصالیہ ہے یعنی متحمل بالبعضالا خر و متحدمعہ یعنی ان کا بعض دوسرے بعض کے ساتھ متصل اور اس کے ساتھ متحد ہے۔ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ اور جو اس سے نہیں چکھے گا الـطـعـم یہاں پر بمعنیٰ چکھنے کے ہے۔ لغت میں کسی چیز کو تھوڑا سا لینے کے لئے کہا جاتا ہے۔ طعم الشئی یہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ کھانے پینے کی چیز سے تھوڑا سا چکھ لے۔ فَاِنَّهٗ مِنِّىْٓ بے شک وہ میرے سے ہے۔ یعنی وہ میرے اہل دین سے ہے۔

اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ ہاں جو اس میں سے ہاتھ سے صرف ایک چلو لے گا یہ فَشَرِبُوْا مِنْهُ سے استثناء ہے اس کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ کو درمیان میں لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس نہر کا پانی نہ پینا عزیمت ہے اور تھوڑا سا پی لینا رخصت ہے اور قاعدہ ہے کہ عزیمت کا بیان رخصت سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

حل لغات: الغرفة بالضم نام ہے پانی کی اس مقدار کا جو چلو سے حاصل ہوتا ہے۔ (الغرف) پانی کو آلہ سے لینا جیسے چلو یا برتن دراصل الغرف بمعنیٰ القطع اور الغرفہ بروزن الصبہ عمارت کے ایک حصہ کو کہا جاتا ہے اور اس کی الباء اختلاف سے متعلق ہے۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ حضرت طالوت کے حکم کی برکت یہ ہوئی کہ صرف اس ایک غرفہ انہیں اور آپ کی سواریوں اور آپ کے خدام کو مکفی ہو کر باقی بچ رہتا۔ حضرت امام نے فرمایا ابن عباد کے قول میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ طالوت کو پانی پیتے وقت یوں اجازت ہوئی کہ آپ اس نہر سے یکبارگی جس طرح سے لے سکتے ہیں لے لیں اور بس اور ان کا وہی ایک بار لے لینا انہیں اور ان کی

سواریوں اور خدام کو کافی رہے گا اس لیے بچے ہوئے پانی کو پی کر باقی جو بچ جائے اسے ساتھ لے جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس نہر سے تھوڑا سا پانی لے لیا پھر اس تھوڑے میں اتنی برکت ہوئی کہ اسے آپ اور آپ کی سواریوں اور خدام کو کافی رہا یہ اس زمانے کے نبی کے معجزات میں سے تھا جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں تھوڑے سے پانی سے ایک بہت بڑے لشکر کو سیراب کرایا تھا۔

فَشَرِبُوْا مِنْهُ مگر ان میں تھوڑے (وہ تین سو تیرہ تھے) اصحاب بدر کی گنتی کے مطابق یعنی وہ جنہوں نے صرف ایک چلو پر اکتفا کیا اس لیے وہ سیر بھی ہو گئے اور جن لوگوں نے حضرت طالوت کی مخالفت کی وہ جونہی گھٹنوں کے بل پانی پینے لگے تو الٹا ان کی پیاس بڑھ گئی اور پانی پیتے پیتے ان کے ہونٹ سیاہ ہو گئے اور پیاس کی شامت میں نہر پر پڑے رہے اس طرح سے مخالف وموافق کی پہچان ہوئی طالوت ان مخالفین کو چھوڑ کر چلے گئے۔

نہ بے حکم شرع آب خوردن خطا است وگر خون بفتوی بریزی روا است

سبق: وہ لوگ اس لیے مردود ہوئے کہ وہ پانی اگرچہ انہیں حلال تھا لیکن اسے مخصوص طریق سے پینے کے خلاف کیا تو پھر وہ صرف مردود ہی نہ ہوئے بلکہ تھوڑی دیر کے بعد مر گئے۔ غور کیجئے اس کا کیا حال ہوگا جو کھانے پینے کی حرام اشیاء کو ہضم کر جاتا ہے پھر اس کی بات کیسے قبول ہو اور کیسے اسے کامل انسان سمجھا جا سکتا ہے؟

ف: مفسرین میں کسی کا خلاف نہیں کہ جنہوں نے نہر کو عبور کیا چنانچہ باری تعالیٰ کے ارشاد گرامی سے معلوم ہوتا ہے۔

فَلَمَّا جَاوَزَهٗ پس جب کہ اس نے نہر کو عبور کیا۔ **هُوَ** اس طالوت نے **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** اور ان لوگوں نے جو ایمان لائے وہ تھوڑے تھے جنہوں نے طالوت کا فرمان مانا اور ان کی مخالفت نہ کی اس امر میں جس کی طرف انہوں نے انہیں پیش کیا اس سے معلوم ہوا کہ ان کے ماسوا بے فرمان لوگ ایمان کی دولت سے محروم ہو گئے۔ یعنی اس طالوت کے ساتھ اس کا تعلق **جَاوَزَهٗ** سے ہے نہ کہ **اٰمَنُوْا** سے **قَالُوْا** کہا ان بعض نے جو طالوت کے ساتھ تھوڑے سے مسلمان رہ گئے اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو **يَظُنُّوْنَ** الخ میں ہیں پس مومن وہ تھے جو نہر کو عبور کر گئے۔ اس وقت یہ دو گروہ بن گئے ایک تو زندگی چاہتا اور موت سے کراہتا تھا ان کی طبع پر خوف وجزع غالب ہو گیا۔ دوسرا گروہ بہادر اور قوی القلب تھا انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی وجہ سے موت کی پروا نہ تھی قسم

اول وہی لوگ ہیں جنہوں نے کہا: لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ہمیں آج جالوت اور اس کے لشکر کے لئے کوئی طاقت نہیں ہے۔ بمعنی ان کے ساتھ جنگ کرنے کی قوت نہیں ہے۔ چہ جائیکہ ہمیں ان پر کوئی غلبہ ہو وہ اس لیے کہ جب انہوں نے جالوت کے لشکر کی کثرت وقوت کو دیکھا تو گھبرا گئے اس لیے کہ وہ ایک لاکھ جنگی ہتھیار سے لیس تھے دوسرا گروہ وہ تھا جنہوں نے بطیب خاطر طالوت کا ساتھ دینے کا دم بھرتے ہوئے کہا: كَمْ مِّنْ فِئَةٍ الـــــخ قَالَ گویا کہا گیا کہ پھر ان کے مخاطب نے انہیں کیا کہا؟ تو جواب دیا گیا کہ کہا: الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ان لوگوں نے جنہیں یقین تھا کہ بے شک وہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی تائید کو ملنے والے ہیں۔ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بہت سا تھوڑا گروہ بہت بڑے گروہ پر غالب آجاتا ہے۔ یعنی بہت بار مٹھی بھر جماعت بہت بڑے لشکر پر غلبہ پا جاتی ہے۔ الفئۃ جماعت کو کہا جاتا ہے۔ وہ قلیل ہوں یا کثیر۔ بِاِذْنِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے آسان کر دینے کی وجہ سے اس لیے کہ جملہ امور کا دار و مدار اس کی مشیت پر ہے اس لیے وہ کبھی ذلیل نہیں ہو سکتا جس کی اللہ تعالیٰ مدد کرے اگرچہ وہ گنتی کے لحاظ سے تھوڑے کیوں نہ ہوں۔ اسی طرح جسے اللہ تعالیٰ ذلیل کرے اسے کوئی عزت نہیں دے سکتا اگرچہ اس سے اسباب کثیر اور گنتی کے لحاظ سے اس کا بہت بڑا لشکر بھی ہو بنا بریں ہم بھی انشاء اللہ جالوت اور اس کے لشکر پر غالب ہو جائیں گے۔ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ دشمن پر غلبہ اور صبر کی توفیق بخشتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کے دشمن سے مقابلہ ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت امام راغب اصفہانی علیہ الرحمہ نے فرمایا قصہ میں دنیا اور اہل دنیا کی مثال دی گئی ہے۔ کہ جو شخص دنیا سے اتنی مقدار لیتا ہے جو اسے دنیوی ضروریات کو مکتفی ہوتا ہے تو وہ بچ گیا اور نجات پا گیا اور جو اس سے ضروریات سے زائد حاصل کرتا ہے وہ پیاس میں بڑھتا رہتا ہے اسی لیے کہا گیا ہے کہ دنیا نمک کی طرح ہے جو ضرورت سے زائد لیتا ہے اسے پیاس ستاتی ہے۔

حدیث شریف: میں ہے کہ اگر ابن آدم کے لئے دو وادیاں نہر سونے کی ہوں تو چاہتا ہے کہ تیسری بھی حاصل ہو ابن آدم کو صرف مٹی ہی بھرے گی یعنی وہ ہمیشہ دنیا کے حرص میں لگا رہتا ہے یہاں تک کہ مر جاتا ہے ہاں جو توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے یعنی اس حرص سے (جو کہ مذموم ہے) اسی طرح تمام برائیوں سے

توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔

نکتہ : حضور علیہ السلام نے فرمایا انسان لفظ نہیں اس میں اشارہ ہے کہ ابن آدم مٹی سے پیدا کیا گیا اور اس کی طبیعت میں ہے اور اس کا ازالہ ممکن ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اس پر توفیق کی بارش برسائے۔

نتیجہ : غافل پر لازم ہے کہ وہ اپنے نفس کو دنیا کی تمام اشیاء کو حاصل کرنے کے دکھ میں نہ ڈالے اس لیے کہ رزق مقرر کردہ اور تقسیم شدہ ہے۔

وحی ربانی: مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام سے فرمایا جو کچھ میں چاہتا ہوں تم بھی چاہتے ہو یا نہ۔ یاد رکھو جو میں چاہتا ہوں اگر تم اس پر راضی ہو جاؤ تو میں تجھے وہ دوں گا جو تم چاہتے ہو اگر تم میری رضا پر راضی نہ ہوگے تو میں تمہیں تکلیف میں مبتلا کروں گا پھر وہی ہوگا جو میں چاہتا ہوں۔

ف: لوگوں کو جس نہر سے آزمائش کی گئی اس سے طبیعت جسمانیہ کا چشمہ مراد ہے جو حرص کر کے اس سے سیر ہو کر بہت زیادہ پیتا ہے تو وہ اہل حقیقت سے نہیں بلکہ اہل طبیعت سے اور شہوات کا پجاری ہے اور وہ شہوات میں مشغول ہو کر اللہ تعالیٰ سے دور ہے۔ ہاں جو متاع دنیا سے کنارہ کش رہتا ہے مگر اتنی مقدار جو ماکولات و مشروبات وملبوسات اور مسکن میں سے اسے ضرورت ہے وہ معافت ہے اگر دنیا سے اتنا تعلق رکھتا ہے جتنا اس کے جسم کی مجبوری ہے اس قدر کرتا ہے جتنا اس کا قوام ہے تو اولیاء اللہ سے ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہ دنیا اور اس کی زینت نہر ہے جو ہمیشہ اس کے کنارہ پر رہے وہ زیادہ مطمئن رہے گا جو اس نہر کو عبور کرتا ہوا اس کی طرف توجہ بھی نہیں کرتا وہ کامیاب ہے لیکن ایسے لوگ عوام کی نسبت عشر عشیر ہوتے ہیں اور عوام تو گنتی سے باہر ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو قوت وقناعت نصیب فرمائے اور ہمیں اہل سنت کے عقائد سے جدا نہ کرے۔

حدیث شریف: مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو اپنی وصیت میں فرمایا کہ اے ابوہریرہ نیک لوگوں کے طریقے نہ چھوڑنا جب کہ قیامت میں لوگوں کو گھبراہٹ ہوگی لیکن وہ مطمئن ہوں گے اور جب کہ لوگ جہنم کی آگ سے پناہ مانگتے ہوں گے لیکن وہ اس وقت بے خوف خطرہ ہوں گے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی وہ لوگ کون ہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ آپ نے فرمایا قرب قیامت میں میری امت میں وہ ہیں جن کا حشر حضرات انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہوگا۔ لوگ

جب انہیں دیکھیں گے تو سمجھیں گے کہ یہ انبیاء ہیں۔ کیونکہ ان کے وہی مراتب ہوں گے جو انبیاء علیھم السلام ہوں گے یہاں تک کہ میں پہچان کر کہوں گا کہ اے میرے احبو! اے میرے احبو! اس سے مخلوق کو معلوم ہوگا کہ یہ انبیاء نہیں ہیں۔ وہ جب وہاں چلیں گے تو ان کی رفتار بجلی یا ہوا کی طرح ہوگی اور ان کے انوار سے لوگوں کی آنکھیں چندھیا جائیں گی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بھی وہی عمل بتایئے تا کہ میں ان کی طرح ہو جاؤں۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ لوگ سخت راستہ پر چلنے والے ہیں انہوں نے بھوک کو اختیار کیا جب کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر طرح کی ناز و نعمت سے نوازا اور وہ پھٹے پرانے کپڑوں میں زندگی گزارتے ہیں باوجود یہ کہ ان کے پاس ہر طرح کی بہترین پوشاک ہوتی ہے اور پیاسے رہتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پینے کے بہترین مشروبات عنایت فرمائے ہیں۔ صرف اس امید پر کہ ہم اللہ تعالیٰ کے اس حلال رزق کو استعمال کریں تو کل قیامت میں اس کا حساب کس طرح دیں گے وہ اہل دنیا کے ساتھ گزارتے ہیں ان کے جسم تو ان کے ساتھ ہوتے ہیں لیکن وہ ان کے ساتھ ذرہ بھی مشغول نہیں ہوتے ان کی عبادت سے انبیاء علیھم السلام وملائکہ کو تعجب ہوگا انہیں مبارک باد۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: میری تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں مجھ سے جلد ملائے اس کے بعد آپ ان کی ملاقات کے شوق میں روئے۔

اولیاء اللہ کے برکات اور ان کا وسیلہ

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا اہل زمین پر عذاب بھیجنے کا ارادہ ہوتا ہے لیکن اپنے پیاروں کو دیکھتا ہے تو ان کی وجہ سے اہل زمین سے عذاب ہٹا لیتا ہے اے ابو ہریرہ تم ان کے طریقے کو لازم پکڑو۔

حضرت شیخ عطار قدس سرہٗ نے فرمایا:

در راہ مرداند از خویش نہان ماندہ　　بی جسم و جہت گشتہ بے نام و نشان ماندہ
تکشان شریعت ہم دلشان حقیقت ہم　　ہم دل شدہ و ہم جان نہ ایں و نہ آن ماندہ

ان پر اللہ تعالیٰ کے سلام اور رحمت و برکتیں ہوں اے اللہ ہمیں بھی ان سے بنا دے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ وَلَمَّا بَرَزُوْا اور جب وہ ظاہر ہوئے یعنی طالوت اور ان کے ساتھ اہل ایمان ظاہر ہوئے اور

آ گئے جنگ کے میدان کی زمین پر پہنچ گئے۔ لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ جالوت اور اس کے لشکر کے لئے اور ان کی تعداد اور ان کی اپنے متعلق دشمنی کا معائنہ کیا اور یقین کیا کہ ہمارا بظاہر ان سے مقابلہ نہیں ہو سکے گا۔ قَالُوْا جب اہل ایمان کے دل قوی ہو گئے تھے تو کفار کی طعن و تشنیع سے عجز و انکسار کر کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرنے لگے رَبَّنَآ وہ اپنی عبودیت کا اقرار اور اپنی اصلاح کی طلب کر رہے تھے اس لیے لفظ رب سے صرف یہی مفہوم ظاہر ہے۔ اَفْرِغْ عَلَيْنَا یہ افراغ الاناء کے محاورہ سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ برتن کو اس شئے سے خالی کر لیا جائے جو اس کے اندر ہو یعنی ہمارے اندر صبر ڈال دے یہ کمال و اکثار سے استعارہ ہے۔

سوال: جب افراغ خود متعدی ہے پھر اسے علی سے متعدی کرنے کا کیا مطلب؟

جواب: افراغ میں طلب کا معنیٰ مقصود ہے اس لئے کہ صبر ان پر غالب اور ان کو ایسے شامل ہوتا ہے جیسے ظرف مظروف کو۔ صَبْرًا جنگ کی شدائد کی سختیوں اور تنگیوں کے موارد کے ہجوم کے وقت صبر کی توفیق عطا فرمانا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور ہمیں وہ امور عطا فرما کہ جن کی وجہ سے ہم جنگ کی سختیوں اور قدموں کے ڈگمگانے کی پریشانیوں سے بچ جائیں۔ مثلاً قلوب کا مضبوط ہونا اور دشمنوں کے دلوں پر رعب چھا جانا اور دیگر وہ اسباب جن کی وجہ سے ہمیں فتح و نصرت نصیب ہو۔

ف: ثبات قدم سے اس کا کمال مراد ہے یعنی مقابلہ کے وقت رسوخ حاصل ہو اور اس وقت ہمارے قدم ڈگمگا نہ جائیں صرف ثابت قدمی ہی مطلوب نہیں۔ وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ اور ہمیں کافروں پر فتح اور غلبہ عطا کر اور انہیں شکست دے۔

ف: دعا میں ترتیب بلیغ کی رعایت کی گئی ہے کہ پہلے انہوں نے اپنے قلوب کے لئے صبر کا سوال کیا اس لیے کہ جنگ کا دارومدار اسی پر ہے اس کے بعد انہوں نے ثابت قدمی کا عرض کیا جو صبر سے متفرع ہے اس کے بعد کفار پر فتح و نصرت کا سوال کیا جو اصلی مقصد تھا۔

فَهَزَمُوْهُمْ پھر جالوت کے لشکر کو طالوت کی جماعت نے بلا تاخیر شکست دے دی۔ بِاِذْنِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی مدد و تائید سے اس سے معلوم ہوا کہ ان کی دعا قبول ہو گئی۔ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ اور جالوت کو داؤد علیہ السلام نے قتل کر دیا۔

جالوت کا تعارف: جالوت بہت بڑے سرکش اور عمالقہ کا سردار بلکہ ان کا بادشاہ تھا اور عملیقہ بن عاد کی اولاد سے تھا۔ بہت جنگجو اور بہت طاقتور تھا اور بہت بڑے بہادر لشکروں کو منٹوں میں شکست دے دیتا تھا اس کی لوہے کی تلوار السیفہ ایسی بھاری اور سخت تھی جس کا وزن تین سو رطل تھا اور طویل القامت اتنا کہ ایک میل تک اس کا سایہ پڑتا تھا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا تعارف: حضرت طالوت کے لشکر میں ایشی نامی یعنی داؤد علیہ السلام کے والد گرامی منجملہ ان میں سے تھے جو طالوت کے ساتھ نہر سے عبور کر کے آئے تھے ان کے ساتھ صاحبزادے تھے ان میں سب سے چھوٹے حضرت داؤد علیہ السلام تھے اور بکریاں چراتے تھے اس لیے وہ ان میں شامل نہ تھے بلکہ اپنے گھر میں رہ گئے تھے۔

اشمویل علیہ السلام کا علم غیب:۔ اللہ تعالیٰ نے اس لشکر کے نبی یعنی حضرت اشمویل علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ داؤد بن ایشی ہی جالوت کو قتل کریں گے۔ فلہٰذا انہیں بلوا لیجیے۔ چنانچہ حضرت شمویل علیہ السلام نے حضرت داؤد علیہ السلام کو بلایا اور شمویل علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ہاتھوں جالوت کو مارے گا فلہٰذا آپ جنت میں ہمارے ساتھ رہنا۔ حضرت داؤد علیہ السلام ان کے ساتھ ہو لیے۔

حضرت داؤد علیہ السلام اور ایک پتھر کا واقعہ:۔

جب حضرت داؤد علیہ السلام جنگ کے لئے روانہ ہوئے تو راستہ میں آپ سے ایک پتھر مخاطب ہوا کہ اے داؤد مجھ کو اٹھا لیجیے میں وہی پتھر ہوں جس کے ذریعے حضرت ہارون علیہ السلام نے فلاں فلاں بادشاہ کو قتل کیا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اسے اپنے کشکول میں رکھ لیا اس کے بعد کچھ آگے چلے تو دوسرا پتھر بولا کہ مجھے بھی اپنے ساتھ لیجیے اس لیے کہ میں موسیٰ علیہ السلام کا پتھر ہوں میری وجہ سے فلاں فلاں بادشاہ کو قتل کیا آپ نے اسے بھی اپنے کشکول میں رکھ لیا اس کے بعد تیسرا پتھر بولا کہ مجھے بھی اپنے ساتھ لیجیے اس لیے کہ آپ میری وجہ سے جالوت کو قتل کریں گے آپ نے اسے بھی کشکول میں رکھ لیا آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ قذافہ سے ہی تیر مارتے تھے آپ اس قذافہ سے جسے بھی تیر مارتے تھے خواہ بھیڑیا ہو یا شیر یا چیتا تو ایک ہی وار سے اسکا خون ٹھنڈا کر دیتے تھے۔

جنگ کے حالات:

جب دونوں لشکر جنگ کے لئے آمنے سامنے ہوئے تو سب سے پہلے ہی جالوت سرکش میدان میں کودا اور اعلان کیا کہ آؤ میرے مقابلہ میں کون آتا ہے۔ اس کی ہیبت دیکھ کر کوئی بھی میدان میں آنے کی ہمت نہ کر سکا۔ اس پر جالوت نے کہا اے بنی اسرائیل اگر تم حق پر ہو تو میدان میں نکلو کیوں چھپے بیٹھے ہو۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے فرمایا کہ تم میں کون ہے جو اس غیر مختنوں کے مقابلہ کو جاتا ہے۔ سب کے سب خاموش ہو گئے۔ حضرت طالوت نے داؤد علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ ہی مقابلہ کیجئے اگر آپ کامیاب گئے تو میں اپنی لڑکی آپ کے نکاح میں اور آدھی بادشاہی دے دوں گا۔

مقابلہ کے لئے میدان میں تشریف لائے:۔

حضرت داؤد علیہ السلام پہلے ہی جنگ کے لئے تیار تھے صرف حکم کے منتظر تھے آپ نے جالوت کے اعلان جنگ کے لئے لبیک کہا اور تیاری کے لئے روانہ ہونے لگے تو حضرت طالوت نے انہیں اپنا شاہی گھوڑا دیا اور زرہ اور ہتھیار عنایت فرمائے آپ جنگی لباس پہن کر گھوڑے پر سوار ہوئے میدان جنگ کے قریب جا کر اپنے بادشاہ کے پاس واپس لوٹے بادشاہ کے حواری کہنے لگے یہ جواب بھی جالوت کے رعب کی تاب نہ لا سکا اس لئے واپس لوٹ رہا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے آتے ہی فرمایا بادشاہ سلامت! اگر میرا اللہ تعالیٰ مجھے مدد نہ دے تو مجھے آپ کے ہتھیار کوئی فائدہ نہیں دیں گے۔ لیکن عام اختیار دیدے کہ میں جالوت کا مقابلہ جس طرح چاہوں کروں کچھ ضروری نہیں کہ میں تیرے ان ہتھیاروں سے لڑوں طالوت نے کہا جاؤ تمہیں عام اختیار ہے۔ جس طرح دل چاہے لڑتے رہو۔

جالوت اور داؤد علیہ السلام کا مکالمہ:۔

حضرت داؤد علیہ السلام پھر واپس میدان جنگ میں چلے گئے اور اپنے کشکول کو لے کر گلے میں ڈالا فلاخن (فلاخن کو پنجابی میں گوسا کہا جاتا ہے) لے کر جالوت کے مقابلہ کے لئے چل پڑے۔ مروی ہے کہ جالوت نے آپ کو دیکھتے ہی رعب ڈالنے کی کوشش کی وہ اس طرح کہ کہنے لگا کہ اے بیٹے مجھے تیری جوانی پر رحم آتا ہے لہٰذا تم واپس چلے جاؤ۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا غم نہ کھایئے انشاء اللہ میں ہی تجھے تباہ و برباد کردوں گا

جالوت نے کہا تجھے میں تیری فلاخن اور پتھر میں ایسے کھینچوں گا جیسے کتے کو کھینچا جاتا ہے۔ داؤد علیہ السلام نے فرمایا تم ہی کتے سے ذلیل ترین ہو کر مرو گے۔ جالوت نے کہا میں تیرا گوشت زمین کے درندوں اور آسمان کے پرندوں کو کھلاؤں گا۔ داؤد علیہ السلام نے فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ میرا رب تجھے ایسے ہی کرے گا وہ بڑا قادر ہے۔

داؤد علیہ السلام کا جالوت کو قتل کر کے کھینچ کر طالوت کے سامنے لانا:۔

یہ گفتگو کرتے ہی حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے مکرر تینوں پتھر کشکول کرتے ہی حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے تینوں پتھر کشکول سے نکالے پہلے پتھر کو نکالا تو کہا بسم اللہ ابراہیم دوسرے پتھر کو نکالتے ہوئے کہا اسحٰق تیسرے پتھر کو نکال کر کہا بسم اللہ (یعقوب علی نبینا وعلیہم السلام) ان تینوں کو اپنی فلاخن میں رکھا خدا کی شان وہ تینوں خود بخود یکجان ہو گئے آپ نے فلاخن کا ڈورا ہاتھ میں لیا اور زور سے وہ پتھر جالوت کی طرف پھینکے۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حکم فرمایا وہی پتھر لے کر اس کی تلوار کی نوک پر لگا تو اس کا زور دماغ کے اندر چلا گیا بلکہ دماغ کو چیرتا ہوا گدی سے باہر نکلا تو اس کے پیچھے کھڑے ہونے والے تیس جنگیوں کو مار ڈالا اللہ تعالیٰ نے کفار کو شکست دی جالوت زخم کی تاب نہ لا سکا نیچے گرا حضرت داؤد علیہ السلام نے اسے کھینچتے ہوئے طالوت کے آگے لا پھینکا اس سے مسلمانوں کو بیحد خوشی ہوئی اور فتح ونصرت سے صحیح سالم اپنے شہر کو لوٹے۔

طالوت کا داؤد علیہ السلام پر حسد کرنا:۔

واپس لوٹتے ہی طالوت نے حضرت داؤد علیہ السلام سے حسب وعدہ اپنی لڑکی کا نکاح کر دیا اور آدھی بادشاہی بانٹ کر داؤد علیہ السلام کی مہر کا اجراء کر دیا۔ اس سے عوام کا رجحان حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف ہو گیا۔ ہر وقت اس کی تعریف کرتے ان کے گن گاتے اور ان کی محبت کا دم بھرتے اس لئے طالوت کو حضرت داؤد علیہ السلام سے حسد ہو گیا اور ارادہ کر لیا کہ انہیں قتل کر دوں حضرت داؤد علیہ السلام کو معلوم ہوا تو آپ نے وہاں سے بھاگ کر ایک پہاڑ میں عبادت گزار لوگوں کی رفاقت میں زندگی بسر کرنا شروع کر دی اور بہت عرصہ یہاں پہ بسر فرمایا لیکن طالوت کو حسد کا بھوت ایک مدت تک سوار رہا اسے علماء وصالحین داؤد علیہ السلام کے قتل کرنے سے باز رہنے کی نصیحت فرماتے لیکن ہر ناصح کی گردن اڑا دیتا اس سے وہ اپنے ارادہ پر سرگرم ہو گیا جو بھی نصیحت کرتا اسے مار ڈالتا بلکہ اب عام آرڈر جاری کر دیا کہ جتنے ہی علماء اور داؤد علیہ السلام

کے خیر خواہ ہوں ان کو چن چن کر مار دو۔

طالوت کی توبہ اور شمویل علیہ السلام کا بعد وصال مدد کرنے اور وسیلہ بننے کا بیان:۔

ایک عرصہ تک طالوت یونہی کرتا رہا لیکن پھر اس کا نشہ اترا تو اپنے کیے پر نادم ہوا اور کہنے لگا ہائے میں نے کیا کیا رونے اور آنسو بہانے لگا رات دن بے قرار رہتا اور اتنا بے بس ہو گیا کہ اس کی زاری اور آہ و بکا پر لوگوں کو ترس آتا تھا ہر رات گورستان میں گزارتا اور روتے روتے اور دھاڑیں مارتے ہوئے کہتا کہ کوئی ہے جو بارگاہ حق میں میری توبہ قبول کرا دے یا مجھے خبر دے کہ تیری توبہ قبول ہو گئی۔ اس کی اتنی بہت بڑی زاری اور آہ و بکا کو دیکھ کر کسی نے کہا اے بادشاہ اب بھی اگر داؤد علیہ السلام کو قتل کرنے کی ہوس باقی ہے تو میں بتاؤں کہ داؤد علیہ السلام کہاں ہیں۔ اس نے کہا واللہ اب اگر مجھے داؤد علیہ السلام ملیں تو میں ان کی تعظیم کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑوں گا بلکہ ان کا سچا پکا غلام بن کر رہوں گا اس عہد و پیمان کو باقاعدہ لکھا اور شاہی مہر لگا کر عام اعلان کر دیا اس کے بعد اس عورت کی خدمت میں حاضر ہوا جو اسم اعظم جانتی تھی اس کے قدموں پر سر رکھ دیا اور عرض کرنے لگا اے بی بی کیا تیرے علم میں ہے کہ میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ اس نے کہا تیری توبہ ہرگز قبول نہیں ہو سکتی البتہ ایک تدبیر باقی ہے وہ یہ کہ اگر تمہیں کسی نبی علیہ السلام کا مزار شریف معلوم ہو تو ان کے مزار شریف پر حاضری دو اور وہاں سے ہی تمہاری نجات ہو سکتی ہے۔ طالوت اس بی بی کو لے کر حضرت شمویل علیہ السلام کے مزار شریف پر حاضر ہوا، بی بی نے وہیں جا کر نوافل پڑھے اور دعا مانگی اور ندا دی صاحب مزار کی امداد اس کی ندا سن کر حضرت شمویل علیہ السلام مٹی سے بال جھاڑتے ہوئے مزار شریف سے باہر تشریف لائے لوگوں کے ہجوم کو دیکھ کر کہا تمہیں کیا ہو گیا ہے کیا قیامت تو قائم نہیں ہو گئی۔ بی بی نے کہا یہ طالوت ہے آپ سے عرض کرتا ہے کہ اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے۔ حضرت شمویل علیہ السلام نے فرمایا اے طالوت میرے بعد تو نے کیا کیا جب کہ میں نے تجھے کسی برائی کا سبق نہیں دیا۔ اس نے کہا حضرت نہ پوچھئے کہ آپ کے بعد میرے سے اتنے خطا سرزد ہوئے کہ جن کا شمار نا ممکن ہے اب آپ کے پاس اس لئے آیا ہوں کہ مجھے درگاہ حق سے معافی دلوایئے آپ نے فرمایا آپ کے کتنے لڑکے ہیں۔ طالوت نے کہا میرے دس لڑکے ہیں۔ حضرت شمویل علیہ السلام نے فرمایا میں تیری توبہ کا کوئی علم نہیں رکھتا ہاں یوں ہو سکتا ہے کہ شاہی امور سے

فارغ ہو جا پھر تو اور تیرے تمام لڑکے اللہ کی راہ میں مارے جائیں اس کی صورت یہ ہے کہ تیرے ایک ایک لڑکے کو تیرے سامنے قتل کیا جائے تو ان سب سے آخر میں قتل کیا جائے۔ یہ کہہ کر حضرت شمویل علیہ السلام مزار میں چلے گئے۔ جب طالوت یہ سن کر واپس لوٹا تو ویسے ہی عمل کیا جیسے شمویل علیہ السلام سے سنا۔ طالوت مارا گیا تو اس کا قاتل فوراً حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاں پہنچا اور سمجھا کہ انہیں طالوت کی موت کی خبر سناؤں گا تو خوش ہو جائیں گے۔ لیکن آپ سنتے ہی ناراض ہوئے اور اس کی فوراً گردن اڑا دی اور فرمایا: اگر وہ مارا گیا ہے تو بتایئے باقی کون زندہ رہے گا طالوت کو چالیس سال بادشاہی کرتے ہوئے گزرے تھے آخر مارا گیا اس کے بعد بنی اسرائیل نے مل کر طالوت کا تمام شاہی خزانہ حضرت داؤد علیہ السلام کے حوالے کر دیا اور نہیں اپنا بادشاہ چن لیا۔ چنانچہ داؤد علیہ السلام نے طالوت کے بعد ستر سال تک بادشاہی کی۔

وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ملک عطا فرمایا یعنی تمام بنی اسرائیل کی شاہی اور مشارق یعنی ارض مقدسہ اور اس کے مغارب کی۔

ف: داؤد علیہ السلام سے قبل کسی ایک نبی پر بادشاہی پر بنی اسرائیل کو اتفاق نہ ہوا وَالْحِكْمَةَ اور حکمت یعنی نبوت۔

ف: داؤد علیہ السلام نے قبل بنی اسرائیل میں کوئی ایسا نہیں گزرا جس کے پاس ملک اور نبوت دونوں ہوں یہ صرف داؤد علیہ السلام کا خاصہ تھا کہ انہیں نبوت اور بادشاہی ملی ورنہ اس سے قبل بادشاہی ایک قبیلہ میں اور نبوت دوسرے قبیلہ کے لئے ہوتی۔ جیسا کہ پہلے تفصیل سے گزرا ہے۔

ف: حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور نازل ہوئی اس کی ایک سو چبیس سورتیں تھیں۔

ف: حضرت داؤد علیہ السلام وہ ہیں جنہوں نے کہا اما بعد! اس کو فصل الخطاب کہا جاتا ہے جو صرف داؤد علیہ السلام کو عنایت ہوا۔

وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ اور انہیں اللہ تعالیٰ نے وہ علم عنایت فرمایا جو وہ چاہتا مثلاً زرہ بنانا داؤد علیہ السلام لوہے کی زرہ بنا کر بیچتے تھے اور آپ کی وجہ معاش اپنی کمائی سے تھی آپ کو دوسری تعلیم اللہ تعالیٰ سے نصیب ہوئی کہ آپ پرندوں کی بولی سمجھتے تھے اور پہاڑوں کی تسبیح جان لیتے تھے اسی طرح آپ کو خوش الحانی عطا ہوئی جو آپ سے قبل کسی کو نصیب نہ ہوئی کہ جب آپ زبور شریف پڑھتے تو پرندے آپ کے قریب ہو جاتے تھے اور اتنا قریب کہ

انہیں ان کی گردنوں سے پکڑا جا سکتا بلکہ پرندے آپ کی آواز کے عاشق تھے کہ جب بھی کہیں آپ کی آواز سنائی دیتی تو جمع ہو جاتے اسی طرح آپ کے پڑھنے سے پانی جاری ہو جاتا اور چلتی ہوئی ہوا رک جاتی۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ اور اگر اللہ تعالیٰ کا دفع کرنا نہ ہوتا۔ الدفع مصدر ہے اور اپنے فاعل کی طرف مسند ہے ای صرفہ یعنی اللہ تعالیٰ کا پھیرنا۔ **النَّاسَ** یہ الدفع کا مفعول بہ ہے۔ **بَعْضَهُمْ** ان کے بعض کو یعنی وہ لوگ جو شر اور فساد کرتے ہیں یہ **بَعْضَهُمْ**، **النَّاسَ** سے بدل البعض من الکل ہے۔

بِبَعْضٍ یعنی بعض کی وجہ سے جو انہی لوگوں سے ہیں جو ان فسادیوں کو اس سے رد کرتے ہیں جس پر ان کا عزم ہوتا ہے ساتھ اس کے کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمایا۔ مثلاً ان کے عزائم میں سے ہے قتل کرنا وغیرہ۔ مذکورہ قصہ وغیرہ سے اندازہ کیجئے۔ **بِبَعْضٍ** مصدر سے متعلق ہے یعنی الدفع سے۔

لَفَسَدَتِ الْاَرْضُ البتہ زمین میں فساد آ جائے گا اور اس کے منافع باطل ہو جائیں گے اور اس کے مصالح معطل ہو جائیں گے مثلاً کھیتی اور نسل اور وہ تمام امور جن سے زمین آباد اور بہتر سے بہتر رہتی ہے۔ بعض نے کہا کہ اگر مومنین و ابرار کے ذریعہ فجار کو دفع نہ کیا جائے تو زمین ہلاک ہو جاتی اور وہ خود بھی برباد ہو جاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ مومن کے طفیل کفار کو دور فرماتا ہے اور نیکوں کے ذریعے فاجروں کو دفع کرتا ہے۔

حدیث شریف: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ نیک مسلم کے صدقے اس کے چالیس ہمسائیگاں کے گھروں کو بلاؤں اور مصیبتوں کو دور فرماتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی **وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ** الخ۔

دوسرے ان میں تنبیہ بھی ہے کہ بادشاہی بھی بہت بڑا امر ہے کہ اگر بادشاہی نہ ہو تو عالم دنیا کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے اسی لیے کہا جاتا ہے کہ بادشاہی اور دین دونوں جڑواں ہیں اس میں ایک کے مٹنے سے دوسرے کا مٹ جانا لازمی امر ہے۔ کیونکہ دین ایک بنیاد ہے اور بادشاہی اس کی نگران جس عمارت کی بنیاد نہ ہو وہ عمارت مٹ کر رہ جاتی ہے اور جس عمارت کا نگہبان کوئی نہ ہو تو وہ تعمیر ضائع ہو جاتی ہے۔ لوگوں کے حالات دیکھئے کہ وہ اپنے نبی علیہ السلام کے بے فرمان رہتے ہیں اگر ان کے پاس ظاہری حکومت نہ ہوتی تو برباد ہو جاتے ہاں دونوں کے لئے مجاہدات کی ضرورت ہے۔ تاکہ عوام الناس کی زبان اور تلوار سے رہبری کی جائے

اس لیے ان کی ہدایت کے لئے انبیاء کرام تشریف لائے اور ان کے بعد ان کے خلفاء آتے رہے ان کی مقرر زندگی تک جہاد اور زبان کے ذریعے عوام الناس کی رہبری ہوتی رہی ان کے وصال کے بعد خلفاء دین کی زبان وجہاد کے ذریعے تبلیغ ہوتی رہی یہی بعض کو بعض سے دفع کرنے کا مفہوم ہے۔

ف: اس کی تفصیل یہ ہے کہ لوگوں کو بعض سے بعض دفع کرنا دو قسم ہے۔ ۱۔ ظاہراً۔ ۲۔ باطناً۔

ظاہر کی چار قسمیں ہیں: ۱۔ انبیاء۔ ۲۔ بادشاہ۔ ۳۔ وہ حکماء جو آیت کریمہ میں مذکورہ ہیں۔

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۴۔ واعظین انبیاء علیہم السلام کا غلبہ خواص انسانوں پر ہوتا ہے ان کے ظاہر پر بھی اور باطن پر بھی اور بادشاہ کا غلبہ تمام لوگوں پر صرف ان کے ظاہر پر ہوتا ہے باطن پر نہیں جیسا کہ بادشاہوں کا مقولہ مشہور ہے۔ **نحن ملوک ابدانهم لاملوک ادیانهم۔**

ہم ان کے بدنوں کے بادشاہ ہیں نہ کہ ان کے دین کے اور حکماء کی شاہی خواص پر ہوتی ہے نہ کہ عوام پر اور واعظین کی حکومت عوام کے بواطن پر ہوتی ہے نہ کہ ان کے ظواہر اور باطنی طور یوں ہے کہ سلطان العقل بہت ہی قباح سے بچالیتا ہے اور درحقیقت سلطان الظاہر کے التزام کا سبب یہی ہے۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ لیکن اللہ تعالیٰ بہت بڑا فضل والا ہے اس کی مقدار کا اندازہ ناممکن ہے۔ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ جہاں والوں کے لئے لیکن وہ باری تعالیٰ بعض کو بعض کے فساد سے روکتا ہے اس لئے زمین پر کسی قسم کا فساد نہیں اور جمیع عالم کے مصالح نظم ونسق سے ہو رہے ہیں اور امتوں کے تمام حالات صحیح طور پر چلتے رہے ہیں اور چل رہے ہیں۔

بہر حال اس کا فضل جملہ عالم کے لئے ہے عالم دنیا میں یوں ہے کہ وہ ہدایت واصلاح کا راہ دکھاتا ہے اور آخرت میں جنات ودرجات اور نجات وفلاح عنایت فرمائے گا یہ بھی اس کے فضل سے ہے کہ اپنے بعض بندوں سے دفع بلیات فرماتا ہے۔ جنہیں کسی واسطہ اور وسیلہ کی ضرورت نہیں جیسے انبیاء واولیاء علی نبینا وعلیہم السلام اور ان کے طفیل وہ حضرات جو ان صاحبان کی تابعداری کرتے ہیں۔ تِلْكَ یہ اشارہ سابقہ مضامین کی طرف ہے۔ بنی اسرائیل کے ہزاروں افراد جو طاعون سے بھاگے طالوت کے بادشاہی اور اس کے لئے صندوق کا آنا اور اس کے مقابلہ میں سرکشوں کا شکست کھاجانا اور حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں جالوت

کا قتل ہونا۔ اٰیٰتُ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں جو اس کی طرف نازل ہوئے۔ نَتْلُوْهَا عَلَیْكَ ہم جبریل علیہ السلام کے واسطہ سے آپ پر پڑھتے ہیں۔ بِالْحَقِّ یہ نَتْلُوْهَا کے مفعول بہ سے حال ہے یعنی درآنحالیکہ وہ متلبس ہے اس وجہ سے جو مطابق ہے اس کے کہ جس میں اہل کشاف کسی طرح شک نہیں کرسکتے اسی طرح اہل تواریخ کو بھی وہم وگمان نہیں ہوسکتا کیونکہ اسے اس کے موافق پاتے ہیں جو ان کی کتابوں میں موجود ہے۔

وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اور بیشک آپ منجملہ ان رسولوں سے ہیں جو امتوں تک ہمارے پیغامات پہنچانے اور ہمارے اوامر واحکام کو جاری کرنے کے لئے تشریف لائے ورنہ آپ انہیں بغیر کسی تعارف اور سننے کے کیسے خبر دیتے ہیں۔

شانِ نزول: یہ ان کفار کے حق میں نازل ہوئی جو کہتے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ اللہ تعالیٰ کے رسول نہیں ہیں۔

ف: کسی نے خوب کہا ہے اس آیت کے ترجمہ میں:۔

الا اے احمد مرسل شود بہ مشکل از تو حل　　　کنم وصف ترا مجمل توئی سلطان ہر مولے
شریعت از تو روشن شد طریقت ہم بمہر بن شد　　　حقیقت خود معین شد زہے سلطان بے ہمتا

ترجمہ: یقیناً اے احمد مرسل صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے ہی ہر مشکل حل ہوتی ہے آپ کے وصف میں مجملاً بیان کرسکتا ہوں اس لئے کہ آپ ہر آقا کے آقا ہیں شریعت آپ سے روشن ہوئی طریقت کو بھی برہان نصیب ہوا اے بے مثل آقا حقیقت آپ سے معین ہوئی ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ نفس امارہ جالوت ہے اس قوت وطاقت سے مقابلہ نہیں ہوسکتا جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف عجز وانکساری کرکے اسے مدد کے لئے عرض کیا جائے کہ اے ہمارے رب ہمارے اوپر صبر ڈال اپنی اطاعت وعبادت کی فرمانبرداری کرنے میں اور تیری بے فرمانی سے بچنے میں اور ہمیں ثابت قدم رکھ سر جھکانے میں۔

سختی نرمی میں اور احکام قضاء کے ہجوم کے وقت دکھ اور سکھ میں اور ہماری کافروں پر مدد فرما اور وہ کافر ہمارے دینی دشمن ہیں عموماً اور خصوصاً نفس امارہ دشمن پر جو ہمارے دشمنوں سے بہت بڑا سخت دشمن ہے اور وہ ہے بھی

ہمارے دونوں پہلوؤں میں اگر یہ نداء رب الارض والسماء سے صدق وصفا اور امید ورجا کی بنا پر ہو تو اس پر قبول ہونا لازمی اور دشمنوں پر غالب ہو جانا ضروری ہے اسی لیے ایسے لوگوں نے اپنے دشمنوں کو شکست دے دی اللہ تعالیٰ کے اذن لیکنے اس کی مدد سے اس لیے کہ اس کا اپنے بندوں کے ساتھ مدد دینے کا وعدہ ہے اور ان کے بالمقابل لوگوں کو شکست دی پھر داؤد قلب نے جالوت کو مار ڈالا جب کہ اس نے حرص علی الدنیا اور رجوع الی العقبی اور نفس کے تعلق بالھوی کے تینوں کے لئے اور وہ تینوں ایک ہو گئے۔ یہ ان سب کا رجوع الی اللہ ہو گیا اور غیر اللہ سے توجہ ہٹالی تو اس نے انہیں تسلیم ورضا کی فلاخن پر رکھ کر نفس جالوت کو مارا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے لطف وکرم کی ہوا تابع کر کے نفس کی خواہشات کے ناک پر وہ پتھر مارا تو فضول اشیاء اس کی گدی سے نکل گئیں اور اس کے ساتھ اس کی تمیں بری عادتیں مٹ گئیں اسی طرح سے نفس کے باقی لشکر کو شکست دی مثلاً شیطان اور اس کا تمام لشکر اور اللہ تعالیٰ نے اسے ملک اور حکمت سے نوازا۔ یعنی داؤد قلب کو خلافت الٰہیہ کی بادشاہی اور الہامات ربانیہ کی حکمت اور اسے جو کچھ چاہا حقائق قرآن اور اس کے اسرار واشارات بتا دیئے اور اگر لوگوں کا بعض سے دفع کرنا نہ ہوتا یعنی ارباب طلب کو واصل باللہ مشائخ کے ذریعہ دفع کرنا نہ ہوتا تو زبان حرب ہو جاتی۔ یعنی ان کی استعداد جو احسن تقویم سے تیار کی گئی ہے تاکہ دین قدیم کے کمالات کو حاصل کرنے کے لئے تیار رہے اور نفس اور اس کی بری عادات کے لشکر کہ جن کا مقابلہ کرنے کا عزم ہے کہ ارواح کے شہر ویران ہوں اور انہیں اچھے اخلاق حاصل نہ ہو سکیں اور ان کے ذوات وصفات مکدر ہو کر بہائم اور جانوروں کی صفات میں دھکیلے جائیں اور انہیں اس کے نچلے طبقات میں پہنچنا نصیب ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ عالمین کے لئے بڑے فضل والا ہے۔ یعنی یہ اس کا بہت بڑا فضل اور رحمت ہے کہ وہ طالبین کے سلسلہ کو متحرک رکھتا ہے اور ان کے قلوب میں مشائخ کاملین کے ارادوں کو الہام فرماتا ہے اور انہیں توفیق دیتا ہے کہ وہ مشائخ کی تربیت کے دامنوں کو مضبوطی سے تھام سکیں اور اپنی صفائی کے لئے مشائخ کے تصرفات کے سامنے سر جھکا سکیں اور انہیں صبر کی توفیق بخشتا اور سکون دیتا ہے جب کہ ان کے اوپر تزکیہ نفس کی ریاضتوں اور مجاہدات کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں اور مشائخ کو ان کی حالت درست کرنے کا اشارہ فرماتا ہے اور انہیں حکم ہوتا ہے کہ انہیں مخالفین کی تکالیف پر تقویت پہنچائیں اگر اللہ تعالیٰ کی طرف یہ الطاف نہ ہوتے تو انہیں ہمیشہ تک

تزکیہ نفوس نصیب نہ ہوتا اور یہ اشارہ صرف اہل خیر کو حاصل ہوتا ہے اور بس اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی تحقیق سے مخصوص فرمایا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آیات اللہ الخ یعنی انہی آیات کے ضمن میں حقائق ودقائق جنہیں ہم آپ پر محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے ہیں۔ یعنی ہمیں انہیں آپ کے ہاں حق کے ساتھ لینے حقیقت کے ساتھ جیسا کہ وہ ہے بتاتے ہیں۔ بیشک آپ رسولوں میں سے ہیں۔ یعنی ان حضرات سے ہیں جو ان مقامات کو عبور فرما چکے ہیں اور انہیں مقامات وکرامات کا انہیں مشاہدہ ہوا۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

آیت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی یقین دہانی کرائی گئی ہے لیکن ان بد دماغوں کو جنہیں عناد اور ہٹ دھرمی سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ونبوت سے انکار ور نہ انہیں انصاف پسند اور تعصب سے دور ہیں انہیں نہ صرف اعتراف ہے بلکہ وہ دلائل سے دوسروں کو آپ کی رسالت کی حقانیت بتاتے ہیں۔ چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

باغی ادیب والٹیر:۔ میں آپ سے پھر کہتا ہوں کہ وہ لوگ جاہل اور ضعیف العقل ہیں جو محمد پر عیش پرستی اور راحت کوشی کا الزام عائد کرتے ہیں۔ پادریوں، راہبوں، مجاور اگر ماہ جولائی میں رمضان آئے اور تم پر صبح چار بجے سے شام کے آٹھ تک کھانے پینے کی پابندی عائد کردی جائے اگر تم کو ہر قسم کی قمار بازی سے منع کردیا جائے اگر تمہارے لیے شراب حرام کردی جائے اگر تم سے کہا جائے کہ اپنی آمدنی کا اڑھائی فیصد محتاجوں اور ناداروں میں تقسیم کردو اگر تم اٹھارہ عورتوں کی رفاقت کا لطف اٹھاتے ہو اور تم کو چودہ عورتوں سے یکدم محروم کرلیا جائے تو کیا ایمانداری سے کہہ سکتے ہو کہ ایسا مذہب عیش پسند ہے۔

فرانسیسی مترجم قرآن ڈاکٹر موسین:۔

روم کے عیسائیوں کو اس آواز کے سوا کوئی چیز قہر وذلت سے نہیں نکال سکتی جو سرزمین عرب میں غار حرا سے بلند ہوئی اس آواز نے دنیا کو ایسا سیدھا سادھا اور پاک صاف مذہب سکھایا جس میں بقول فاضل محقق گاڈ فرنگس نہ پاک پانی ہے نہ مورت نہ تقریر اور نہ سینٹ۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک ایسی کتاب دی جس کے نغمے فلاسفہ یونان کے نغموں سے کہیں بڑھ کر

ہیں جس کی ایک سورۃ کا بھی مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ جس کے اسرار کبھی ختم نہیں ہوتے اور جس کو مسلمان ادیب جب پڑھتا ہے تو سجدہ ریز ہو جاتا ہے اور قیامت تک کے لئے اپنے لیے سرمایہ ناز سمجھتا ہے۔

(رسالہ بارول فرانس رومان)

مسٹر ہربرٹ وائل:۔ حضرت مسیح کے سو سال بعد جب عرب کے اخلاق کا معیار بہت گر گیا تھا۔ 30 اپریل 57٦ھ کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ آپ نے بت پرستی کو مٹایا اور عرب کے وحشیوں کو تہذیب و تمدن کا سبق دیا۔ عام لوگ آپ کی دیانت اور سچائی دیکھ کر آپ کو امین کہہ کر پکارتے تھے آپ نے گمراہوں کو راہ راست پر ڈالا اور لوگوں کے اخلاق و اعمال کی اصلاح کی۔ (گریٹ ٹیچر)

پروفیسر ہرگرونجے:۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نئے دین کے مدعی نہ تھے اور عیسائیت اگرچہ اسلام سے پہلے ہی یونانیوں، سمیتیوں اور غلام و آزاد کی تفریق مٹا چکی تھی لیکن پیغمبر اسلام نے جس مجلس اقوام کی داغ بیل ڈالی اس نے تمام دنیا کے انسانوں کو اتحاد و اخوت کے ایک رشتے میں منسلک کر دیا اور اسے دیکھ کر تمام اقوام کو شرمندہ ہونا چاہیے۔

مسیحی مورخ ریورنڈ باسورتھ سمتھ:۔ اتفاق سے (اور اس اتفاق کی کوئی مثال نہیں ملتی) محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی وقت میں تین چیزوں کی بنیاد رکھی قوم، سلطنت، مذہب اور ایک ایسا شخص ہونے کے باوجود جو لکھ پڑھ نہ سکتا تھا۔ آپ نے دنیا کو ایک ایسی کتاب دی جو ایک ہی وقت میں نظم بھی ہے قانون بھی ہے کتاب الدعا بھی ہے اور بشارتوں کا مجموعہ بھی ہے اور آج کے دن تک نسل انسانی کا چھٹا حصہ اس کے طرز تحریر حقانیت اور مقبولیت کو ایک زندہ معجزہ سمجھتا ہے۔

آمد سے پہلے:۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے اہل کتاب کو آپ کی نبوت و رسالت کا یقین تھا۔ ابونعیم شہر بن حوشب سے اور ابن عساکر رافع وغیرہ سے حضرت کعب احبار سے راوی ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میرے باپ توراۃ کے سب سے بڑے عالم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ موسیٰ علیہ السلام پر اتارا اس کا علم ان کے برابر کسی کو نہ تھا وہ اپنے علم سے کوئی شے مجھ سے نہ چھپاتے تھے جب مرنے لگے مجھے کر کہا: اے میرے بیٹے! تجھے معلوم ۔ کہ میں نے اپنے علم سے کوئی چیز تجھ سے نہیں چھپائی مگر وہاں دو ورق

روک رکھے ہیں ان میں ایک نبی کا بیان ہے جس کی بعثت کا زمانہ قریب آپہنچا۔ میں نے اندیشے سے تجھے ان دونوں ورقوں کی خبر نہ دی کہ شاید کوئی جھوٹا مدعی نکل کھڑا ہو اور تو اس کی پیروی کرے۔ یہ طاق تیرے سامنے ہے میں نے وہ اوراق رکھ کر اوپر سے مٹی لگادی ہے ابھی اس سے تعرض نہ کرنا نہ ابھی دیکھنا۔ جب وہ جلوہ فرما ہو اللہ تعالیٰ تیرا بھلا چاہے گا تو تو آپ ہی اس کا پیرو ہو جائے گا یہ کہہ کر وہ مر گئے۔ ہم ان کے دفن سے فارغ ہوئے مجھے ان اوراق کے دیکھنے کا شوق ہر چیز سے زیادہ تھا میں نے طاق کھولا۔ ورق نکالے تو کیا دیکھتا ہوں ان میں لکھا ہے؟ محمد رسول اللّٰہ خاتم النبیین لانبی بعدہ مولدہ بمکۃ ومھاجرہ طیبۃ۔

محمد اللہ کے رسول ہیں سب انبیاء کے خاتم ہیں ان کے بعد کوئی نبی نہیں ان کی پیدائش مکہ میں اور ہجرت مدینے کو۔

(صلی اللہ علیہ وسلم)

ہندو مذہب: نہ صرف اہل کتاب بلکہ ہندو مذہب کے پیشوا بھی۔ (چند حوالے ملاحظہ ہوں)

۱:۔ وہ ہر مقدس اسم کا مربی۔ گرجدار انتہا درجہ کا تعریف کیا گیا۔ (محمد) قلعوں کا توڑنے، والا جوان، عقیل اور بے اندازہ قوت کے ساتھ پیدا کیا گیا تو نے اسے پتھر رکھنے والے۔ گوالا کے گایوں سے مالا مال گڑھے کو پھاڑا دیوتا دوڑتے ہوئے تیرے پاس آئے اور خوف سے آزاد ہو کر اندر کی شان بیان کی جو اپنی قوت سے حکومت کرتا ہے جس کے پاس ہزاروں کی تعداد میں عطیے آتے ہیں۔

(بھوشن پران چوتھا باب (سام دید محمد رشی کتاب))

۲:۔ اے دیوتا ؤ سمبل گرام (مربستان) میں یہ کیشب (۱۳ بیویوں والا) پیدا ہوگا اور وشو ویشا نام (رسول اللہ) سے مشہور ہوگا اور دشنو کیرتی (عائشہ) اس کی چہیتی بیوی ہوگی۔ (مہابھارت) وہ رشی سمبل گرام (عربستان) میں پیدا ہوگا اس کی تیرہ بیویاں ہوں گی اور اس کی ایک چہیتی بیوی ہوگی جس کا نام عائشہ ہوگا۔ وہ رشی کرشن لیکا کے گرنتھ، انسانوں کو سنائے گا تو نند کل میں پیدا ہونے والے لوگ چاروں طرف سے ایک جگہ جمع ہو کر اس وشنو دیشا (رسول اللہ) برہمن کو پکڑ کر مع اس کی بیوی کے ایک جگہ بند کر دیں گے وہ بے حد چالاک جہنمی ہوں گے۔

(بھونشن پرائن)

ف: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تیرہ بیویاں تھیں ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت خدیجہ ۔ ۲۔ حضرت سودہ بنت زمعہ ۔ ۳۔ حضرت عائشہ ۔ ۴۔ حضرت حفصہ بنت عمر ۔ ۵۔ حضرت زینت بنت خزیمہ الہلالیہ ۔ ۶۔ ام المساکین حضرت ام حبیبہ ۔ ۷۔ ام سلمہ ہندہ بنت ابوامیہ ۔ ۸۔ ام حکیم زینب بنت جحش ۔ ۹۔ جویریہ بنت الحرب الخزاعیہ ۔ ۱۰۔ صفیہ بنت الحی ۔ ۱۱۔ میمونہ بنت الحی ۔ ۱۲۔ حضرت ماریہ قبطیہ ۱۳۔ اسماء بنت الکعب الحوینہ۔

آفتاب آید دلیل آفتاب۔

۳:۔ کلکی پوران:۔ کلیک کے آخر میں جب تمام لوگ وشنو کا نام بھول جائیں گے تب وشنو اوتار دنیا سے تمام گناہ معاف کرائے گا۔ اس وقت سچا مذہب قائم ہوگا اور اُس وقت کو سب جگ کہا جائے گا۔

۴:۔ شری کرشن مہاراج کی پیش گوئی:۔

آخر زمانہ میں ایک اوتار سمبل ویپ میں پیدا ہوگا اور اس کی ماں کا امتی یا ستی (آمنہ) ہوگا اور اس اوتار کے باپ کا نام وشنو داس (عبداللہ) ہوگا اور یہ اوتار پہاڑوں کے غاروں (غار حرا) میں پہلے عبادت کریگا۔ خدا اس کو وہاں سبق دے گا۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ پھر اس کو خود اس کے ہی خاندان کے لوگوں سے تکلیف ہوگی۔ جس کی وجہ سے مجبور ہو کر شمالی پہاڑوں میں (مدینہ) چلا جائے گا اس کے چار بھائی (چار یار، ابوبکر، عمر، عثمان، علی) ہوں گے جو اس کے دین دھرم (اسلام) کو تمام دنیا میں پھیلائیں گے اور اس کی ایک بہت خوبصورت سرخ رنگ کی چہیتی بیوی (عائشہ) ہوگی۔ اے لوگو جب اس اوتار کا ظہور ہو تو تم اس کے قدموں پر اپنا سر رکھ دینا کیونکہ ہدایت اور نجات اسی کے پاس سے حاصل ہوگی۔

رنگ اللہ رسول محمد رکنگ برشیا اولا بوک ومیکا کنگ اللہ بوگنگ نیکا مکم۔ (شلوک نمبر۶)

(اللہ رسول محمد رسولوں سے افضل ہے اللہ صرف واحد ہے وہ پاک اور بے عیب ہے)

۵:۔ اشیا الانگ الکبھے ستر ابرون رلجہ نیدو دھوا جامی ستر و والانگ کبرو والانگ رسول محمد گنگ برشیا اے للہ پرودھوا۔

(شلوک نمبر۱)

(اللہ بہشتیوں کا دوست اور پانی کا راجہ ہے الا اللہ کے نام سے اللہ کو پکارو محمد رسول اللہ سب سے افضل ہیں۔ اس دنیا میں ہر طرف اللہ ہی کی حکمرانی ہے)

۶:۔ اللہ جگکیو ہوت اللہ سورجہ چندرہ شرف نکھترہ اللہ رشینگ شیدا اندر رائے پرب دمایہ پرم انت انتر یکھا۔

(شلوک نمبر ۷)

(نہایت گڑگڑا کر خدا کی عبادت کرو۔ اللہ چاند سورج ستاروں کا افرینند ہے رشیوں کا بدھاتا ہے۔ حصول مال و دولت کے لئے اسی کو پکارو وہ ازلی ہے وہ ابدی ہے) (اتھر وید کا اللہ نیشد)

سوؤبرتا دینا دگارانتے پرکر نیستا بشنونا نگ تیوسدابید شا شرے حشر بتا (سام وید)

جس بزرگ کے نام کا پہلا حرف "م" اور آخری "د" ہے جس کے پیرو گؤ بھکشن کرتے ہوں وہی وید شاستر کی رو سے رشی ہے۔

بشارت احمدیہ:۔ مصنفہ عبدالرحمن چشتی میں بحوالہ مرات المخلوقات مصنفہ عبدالعزیز صاحب منقول ہے کہ شاہ عبدالحق صاحب کانپوری نے بمقام حیدر آباد مجھ سے بیان کیا کہ دو جوڑہ ندی کے کنارے جو رام پور اور بریلی کے درمیان بہتی ہے ایک ہندو عالم رہتا تھا جوانی کے دنوں میں علم رسمی سے فراغت حاصل کرنے کے بعد رامپور سے واپس آتے ہوئے میں اس ہندو عالم کے پاس حاضر ہوا اور اس سے کہا کہ مجھے آپ سے کچھ دریافت کرنا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ کوئی دینی بات دریافت کرنی ہے۔ اس نے فوراً ان لوگوں کو جو وہاں بیٹھے تھے اٹھا دیا اور مجھ سے کہا کہ اب پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو۔ میں نے کہا کیا ہندو مذہب کی کتابوں میں بھی کہیں ہمارے رسول کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر پایا جاتا ہے۔ اس نے کہا تم نوجوان ہو ممکن ہے اس راز کو مخفی نہ رکھ سکو اس لئے میں بیان نہیں کرنا چاہتا۔ میں نے کہا میں عہد کرتا ہوں کہ آپ جو کچھ بیان کریں گے اس کا ذکر جب تک آپ زندہ رہیں گے بجز اپنے استاد اور والد صاحب کے کسی سے نہیں کروں گا۔ اس نے عہد لے کر کہا: بہت بہتر تو سنو چوتھے وید میں تمہارے رسول کریم کا ذکر موجود ہے کہ کسی نے شری رام چندر جی سے پوچھا کہ کتنے درجات ہیں جن کو طے کر کے بندہ خدا سے واصل ہو جاتا ہے۔ شری رام چندر جی نے فرمایا چودہ درجے طے کرنے کے بعد بندہ خدا سے واصل ہو سکتا ہے۔ اس نے پوچھا کہ کیا آپ نے چودہ درجے طے کر لیے ہیں۔ رام چندر جی نے فرمایا کہ نہیں میں نے ان چودہ درجوں کو طے نہیں کیا۔ اس نے پوچھا کیا آپ ان چودہ درجوں کو طے کرنا چاہتے ہیں؟ رام چندر جی نے فرمایا کہ نہیں میں طے کرنا نہیں چاہتا۔ ہم

اپنے موجودہ درجہ سے آگے نہیں بڑھیں گے۔ اس نے پوچھا کہ آپ سے پہلے کون ایسا شخص گزرا ہے جس نے یہ چودہ درجے طے کر لیے ہوں؟ انہوں نے فرمایا نہیں۔ اس نے پوچھا کیا آپ کے بعد کوئی شخص آئے گا جو یہ سب درجات طے کرلے گا۔ رام چندر جی نے فرمایا کہ ہاں آخر زمانہ میں ایک شخص ایسا آنے والا ہے جو یہ سب درجات طے کرلے گا۔ اس نے پوچھا اس شخص کا نام کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس نے پوچھا وہ کہاں پیدا ہوگا؟ فرمایا وہ ایک پتھروں والے ملک میں پیدا ہوگا اور ہجرت کر کے کھجوروں والے شہر (مدینہ) میں بودوباش اختیار کرے گا اور وہیں سے اس کا دین (اسلام) ساری دھرتی پر پھیلے گا اور جو کچھ وہ کہے گا وہی کرے گا جو اس دین کو لازم پکڑے گا وہ بیکنٹھ (بہشت) میں جائے گا جو ان کے دامن کو نہ پکڑے گا یا پکڑ کر چھوڑ دے گا (مرتد) وہ نرگ (دوزخ) میں جائے گا۔ اس نے پوچھا اس شخص کا لباس کیسا ہوگا اور خوراک کیسی ہوگی؟ آپ نے فرمایا اس کی خوراک دودھ، گوشت، شہد، سرکہ ہوگی۔ پوشاک دعوت پکیا اور اپنے دین کو پھیلانے کے لئے برچھی تلوار کے ساتھ منکروں سے لڑے گا اور بددعا سے ملک کو فتح نہیں کرے گا۔

۸:۔ فتح پور سوہ (یوپی) کے ایک ہندو عالم ستیل نامی نے اس بیان کی تصدیق کی اور کہا پیدا کرنے والے نے اپنا سارا کمال اس دیوتا (اوتار) پر ختم کر دیا۔ کوئی اوتار دیوتا اس سے پہلے اتنا باکمال نہیں ہوا اور نہ آئندہ ہوگا۔

۹:۔ پارسی قوم کے نامہ شت سلمان لنسک:۔

۱۔ جب ایرانی لوگ اپنے بادشاہ سے سرکشی اور مصلحتیں کی نافرمانی کریں گے تو اس وقت عرب میں ایک عظیم الشان انسان پیدا ہوگا۔

۲۔ جس کے متبعین کے ذریعہ ایران کا تاج وتخت اور ملک ومذہب جاتا رہے گا۔

۳۔ بت خانہ، آتش کدہ کی بجائے پیغمبر کا بنایا ہوا گھر بتوں سے خالی ہوگا نماز قبلہ رخ پڑھی جائے گی۔

۴۔ اس عربی کے پیروکار شہر مدائن اور اس کے گردونواح طوس بلخ کے آتش کدوں اور بڑے بڑے مقامات پر قبضہ کرلیں گے۔

۵۔ ایران کے مقدس لوگ اور دوسرے ممالک کے لوگ ان کی جماعت میں داخل ہو جائیں گے۔

(کتاب آشتاباب ۱۸، آیت ۱۵تا۱۹)

خداوند تیرا خدا تیرے لئے ہی درمیان سے تیرے بھائیوں میں سے میرے مانند ایک نبی مبعوث کرے گا تم اس کی طرف کان دھرنا اور خداوند نے مجھے کہا کہ انہوں نے جو کچھ کہا سو خوب کہا۔ میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی اٹھاؤں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہ سب ان سے بیان کرے گا اور ایسا ہوگا جو کوئی میرے کلام کو جو وہ میرے نام سے بیان کرے گا نہ سنے گا تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا۔

خداوند آیا اور ان پر سعیر سے طلوع ہوا وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا اور دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لئے آتشیں شریعت تھی۔

انبیاء علیہم السلام بھی فرما گئے:۔

حبقوق نبی کی پیش گوئی: خدا تیمان سے آیا اور وہ جو قدوس ہے کوہ فاران سے ظاہر ہوا۔ سلاہ اس کے جلال نے آسمانوں کو ڈھانپ لیا اور اس کی حمد سے زمین معمور ہوگئی۔ اس کی تجلی نور کی مانند تھی اس کے ہاتھ سے کرنیں نکلیں اور اس میں اس کی قدرت مستور تھی۔ باد اس کے آگے چلی اور اس کے قدموں پر دہکتا ہوا انگارہ روانہ ہوا وہ کھڑا ہوا اور اس نے زمین کو لرزا دیا۔ اس نے نگاہ کی اور قوموں کو لرزا دیا۔ اس نے نگاہ کی اور قوموں کو پراگندہ کر دیا۔

قدیم پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گئے اور پرانی پہاڑیاں اس کے آگے دھنس گئیں۔ (باب ۳ آیت ۳، ۶)

ملاکی نبی کی پیشن گوئی:۔ خداوند تم سب جس کی تلاش میں ہو یعنی عہد کا رسول جس سے تم خوش ہو وہ اپنی ہیکل ناگہانی آئے گا۔ رب الافواج فرماتا ہے پھر اس کے آنے کے دن کون ٹھہر سکے گا اور جب وہ نمودار ہوگا کون ہے جو کھڑا رہے گا۔

حضرت سلیمان کی پیشن گوئی:۔ وہ تو ٹھیک محمد ہے یہ میرا خلیل اور میرا حبیب یہی ہے اے دختران یروشلم (صحیفہ یرمیاہ) [illegible] کتاب دی گئی اٹھو قیدار پر چڑھو اور یورپ کے لوگوں کو ہلاک کرو۔

زبور کی پیشن گوئی:۔ اے داؤد شمشیر حمائل کر اور لڑائی میں آ۔ یہاں تک کہ امت تیری طرف مخاطب ہو اور پیغمبر ہاشمی خلق کثیر کو ذمہ سے اپنا مطیع کرے۔ (بحوالہ تذکرہ اکرام صفحہ ۱۸)

(صحف شعیب) میرا ایک بندہ ہے کہ مہر نبوت اس کے مونڈھوں کے درمیان میں ہے۔

(بحوالہ تذکرہ اکرام صفحہ ۱۹)

(انجیل برناس) جب فارقلیط مبعوث ہو جوان کا زمانہ پائے ایمان پائے۔

دانیال نبی کی پیش گوئی:۔

محمد تیری کمان میں خوب کھچاؤ پیدا ہوگا اور تیرے حکم سے تیر سیراب ہوں گے۔

(اجوبہ فاخرہ هداية الخيارى و الجواب الصحيح)

یوحنا کی پیش گوئی:۔ پھر میں نے آسمان کو کھلا ہوا دیکھا اور دیکھا کہ ایک نقری گھوڑا اور اس کا سوار امانت دار (امین) اور سچا (صادق) کہلاتا ہے وہ راستی سے لڑتا ہے اور عدالت کرتا ہے۔ اس کی آنکھیں آگ کے شعلہ کی مانند سرخ ہیں۔ اس کے سر پر بہت سے تاج ہیں اس کا کلام خدا کا کلام ہے اور وہ فوجیں جو آسمان میں صاف اور سفید کتانی لباس میں ہیں نقری گھوڑوں پر سوار اس کے پیچھے ہولیں۔ اس کے منہ سے ایک تیز تلوار نکلتی ہے کہ وہ اس سے قوموں کو مارے گا اور لوہے کے عصا سے ان پر حکمرانی کرے گا۔ اس کے لباس اور اس کی ران پر یہ نام بخط جلی لکھا ہوا ہے۔ "بادشاہوں کا بادشاہ" خداوندوں کا خداوند۔

حضرت یحیٰ کی پیش گوئی:۔ جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لیوی یہ پوچھنے کو بھیجے کہ تو کون ہے۔ تو اس نے اقرار کیا کہ میں مسیح نہیں ہوں۔ انہوں نے پوچھا تو کون ہے کیا الیاس ہے۔ اس نے کہا کہ میں نہیں ہوں۔ کیا تو وہ نبی ہے (محمد) اس نے جواب دیا کہ نہیں پس انہوں نے کہا کہ پھر تو کون ہے۔ تاکہ ہم اپنے بھیجنے والوں کو جواب دیں۔ تو اپنے حق میں کیا کہتا ہے۔ کہا میں جیسا یسعیاہ نبی نے کہا ہے کہ میں بیاباں میں ایک پکارنے والی کی آواز ہوں کہ تم خداوند کی راہ کو سیدھا کرو۔

بدمذہب کا اعتراف:۔

مہاتما بدھ کی پیش گوئی: نندا نے آخری وقت پوچھا کہ کیا آپ کے بعد ہماری رہنمائی کے لئے کوئی آئے گا؟ آپ نے جواب دیا اے نندا میں جاؤں گا تو مہابدھ (محمد) آئے گا اس کی تعلیمات پر ہونا وہ، دنیا کا حقیقی نجات دہندہ ہوگا۔

۱:۔ (یوحنا باب ۱۴، آیت ۱۵، ۱۷) اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا وکیل بخشے گا کہ ابد تک جو تمہارے ساتھ رہے گا۔ یعنی حق کی روح جسے دنیا حاصل نہیں کر سکتی کیونکہ نہ اسے دیکھتی ہے اور نہ اسے جانتی ہے۔

۲۔ میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ رہ کر تم سے کہیں لیکن وکیل جو روح القدس ہے جسے میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا وہ سب تمہیں یاد دلائے گا اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور میرے پاس اس کا کچھ نہیں ہے۔

(یوحنا باب ۱۴، آیت ۲۵، ۱۳)

۳۔ انہوں نے مجھ سے بے سبب عداوت کی لیکن جب فارقلیط (وکیل) آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی روح حق جو باپ کی طرف سے نکلتی ہے وہ میری گواہی دے گا۔ (یوحنا باب ۱۵)

۴۔ لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وکیل (فارقلیط) تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اس کو تمہارے پاس بھیج دوں گا اور وہ آ کر دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارے میں ملزم ٹھہرائے گا مجھے تم سے اور بہت سی باتیں کہنی ہیں مگر اب تم ان کو برداشت نہیں کر سکو گے۔ لیکن جب وہ حق کی روح آئے گی تو تم کو حق کی راہ دکھائے گی اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا بلکہ جو کچھ سنے گا وہ کہے گی اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گی اور میرا جلال ظاہر کرے گی

یہ شہادات اور پیش گوئیاں سب کی سب حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے علاقہ رکھتی ہیں ان سے بہترین شہادتیں ملنی غیر ممکن اور محال ہیں۔ ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں۔ ہر ملہم نے اپنے الہام کی رو سے اپنے متبعین کو آگاہ کیا کہ آخر زمانہ میں ایک ایسا نبی آ رہا ہے جو خاتم الانبیاء وخاتم الرسل ہوگا۔

انتباہ: یہ حوالہ جات حق کے متلاشی کے لئے مفید ہیں ضدی اور ہٹ دھرم فائدہ نہ اٹھائے تو اپنی قسمت پر ماتم کرے مزید تحقیق چاہیے تو فقیر کی کتاب ”جہ جا محمد کا“ اور ”آدم تا ایندم“ کا مطالعہ کریں۔

بفضلہ تعالیٰ ترجمہ تفسیر پارہ ۲ سے ۲۰ ربیع الآخر (شب خمیس) ۱۳۹۳ھ میں فراغت ہوئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆ فہرست فیوض الرحمٰن اردو ترجمہ روح البیان پارہ اول ☆☆☆☆

انتساب ۳
تعارف مترجم ۴
وجہ تالیف ۸
سبب ترجمہ ہذا ۹
روح البیان اور اس کا مصنف ۱۰
مختصر تفسیر روح البیان ۱۷
آغاز سورۃ فاتحہ ۲۱
عارف کا استعاذہ ۲۶
حدیث در حکایت ابلیس خبیث ۲۷
تحقیق اسم اعظم ۳۳
فضائل بسم اللہ شریف ۳۴
سورۃ فاتحۃ الکتاب ۳۶
شاہراہ سلوک ۴۰
رحمٰن اور رحیم میں فرق ۴۶
ربط بین الاسماء الخمسہ ۵۱
معتقدات عبادات کے اقسام ۵۷
نفس کے اوصاف چار ہیں ۵۹
استقامت کے فضائل ۶۵
فضائل آمین ۶۷
خلاصہ سورۃ فاتحہ ۶۸
آغاز سورۃ البقرہ ۶۹
حدیث جبریل ۹۰
فضائل و مسائل نماز ۹۱
صوفی کا وضو ۱۰۳
صوفی کی نماز ۱۰۳
شان خلفائے راشدین ۱۰۷
حل مشکل ۱۱۸
آغاز رکوع وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ مع ترجمہ تفسیر ۱۲۷
کذب کی مذمت ۱۳۳
مکالمہ جبریل و آدم نبینا وعلیہم السلام ۱۷۰
قصہ معراج کا ایک حصہ ۱۷۸
گرج کے وقت کی دعا ۱۸۳
آغاز رکوع یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمْ ترجمہ مع تفسیر ۱۸۹
بے ثبات دنیا ۱۹۳
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت معاذ کو
ایک دلچسپ وعظ ۱۹۵
آغاز رکوع عربی مع ترجمہ و تفسیر وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ ۲۲۰
آدم علیہ السلام کی پیدائش کا واقعہ ۲۲۳
مٹی کو خوشبو بنانے میں حکمت ۲۲۳
انسان کی مختلف رنگت کی پیدائش ۲۲۶
آدم کے جسم میں نو دروازے ۲۲۷
جسم میں ملائکہ کا تقرر ۲۲۸
نکاح کرنے کے فضائل و فوائد ۲۳۴
آدم علیہ السلام کی زمین پہ پیدائش میں کیا حکمت تھی ۲۴۲
آدم حوا سانپ اور شیطان کے زمین پر اترنے کا
واقعہ ۲۴۲
دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ۲۴۹
توبہ کی شرائط ۲۵۰
آغاز رکوع عربی مع ترجمہ تفسیر یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا ۲۵۷
[illegible] کی حق گوئی ۲۶۳
[illegible] علیہ السلام کی [illegible] کا ایک واقعہ ۲۶۷
[illegible] میں فرق ۲۷۳
عالم بے عمل کی سزا ۲۷۵
حلیم و صبور میں فرق ۲۸۰
آغاز رکوع یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا عربی مع ترجمہ تفسیر ۲۸۳
فرعون کی مختصر سوانح ۲۸۹
فرعون کے ظلم کا آغاز ۲۹۱
مولد یوسف علیہ السلام ۲۹۶

نبی علیہ السلام کا علم غیب معجزہ	۳۲۹	علم غیب کا بیان	۵۰۶
[illegible] کے فضائل و مسائل	۳۲۹	آغاز رکوع عربی مع ترجمہ تفسیر وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ	۵۱۹
موسیٰ علیہ السلام کا استسقاء	۳۳۲	فضائل حاضری مسجد	۵۲۵
تورات کا شان نزول	۳۳۳	فضیلت ختنہ	۵۳۲
[illegible] کے فضائل	۳۳۶	تحقیق قول	۵۳۳
بنی اسرائیل کی توبہ کا واقعہ	۳۴۰	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا ایمان لانا	۵۳۳
بنی اسرائیل پر صاعقہ کا وقوع	۳۴۷	اصحاب کہف کا بیان	۵۳۵
کھمبی کے فضائل	۳۵۰	آغاز رکوع عربی مع ترجمہ تفسیر يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا	۵۵۱
طاعون کے فضائل و مسائل	۳۵۴	گستاخ نبوت کا واقعہ	۵۵۸
رکوع عربی مع ترجمہ تفسیر وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى	۳۶۳	[illegible] کے فضائل تعمیر کعبہ کا واقعہ	۵۵۹
حجر موسیٰ کا واقعہ	۳۷۳	تعمیر کعبہ کا واقعہ	۵۶۸
مسکین حال کے فضائل	۳۷۵	[illegible] کا اعلان	۵۶۸
آغاز رکوع عربی مع ترجمہ تفسیر [illegible]	۳۷۷	تاریخ کعبہ	۵۷۷
[illegible] کا بیان	۳۹۱	گھوڑا پہلے وحشی جانور تھا	۵۸۰
آغاز رکوع عربی مع ترجمہ تفسیر وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ	۴۰۱	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ	۵۸۱
معجزات نبی صلی اللہ علیہ وسلم	۴۰۹	تعمیر کعبہ بار بار	۵۸۳
[illegible]	۴۲۳	آغاز رکوع عربی مع ترجمہ تفسیر وَمَنْ يَّرْغَبُ	۵۹۳
آغاز رکوع عربی مع ترجمہ تفسیر [illegible]	۴۲۷	ابراہیم علیہ السلام کی ولادت کا واقعہ	۵۹۶
[illegible]	۴۳۱	یعقوب علیہ السلام کی وصیت	۵۹۹
آغاز رکوع عربی مع ترجمہ تفسیر [illegible]	۴۳۵	[illegible]	۶۱۹
[illegible]	۴۳۶	[illegible]	۶۳۰
[illegible]	۴۵۸	[illegible]	۶۳۰
[illegible]	۴۶۷	ترجمہ قرآن	۶۳۱
آغاز رکوع عربی مع ترجمہ تفسیر [illegible]	۴۷۸	[illegible]	۶۳۳
[illegible]	۴۸۳		
[illegible]	۴۸۶		
[illegible]	۴۸۸		
آغاز رکوع عربی مع ترجمہ تفسیر [illegible]	۴۹۳		

☆☆☆☆ فہرست فیوض الرحمٰن اردو ترجمہ روح البیان پارہ دوئم ☆☆☆☆

سَیَقُوْلُ السُّفَهَآءُ	۲
یہود ونصاریٰ کی ایک غلطی	۴
آغاز رکوع عربی، ترجمہ وتفسیر وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ	۲۳
آغاز رکوع عربی، ترجمہ وتفسیر یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا	۳۳
آغاز رکوع عربی، ترجمہ وتفسیر اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ	۶۳
اللہ تعالیٰ کے لشکر	۶۶
آغاز رکوع عربی، ترجمہ وتفسیر	۷۶
یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ	۷۷
شیطان کے وسوسہ ڈالنے کے مراتب	۷۹
فوائد کسب حلال	۸۲
دعا اور ندا میں فرق	۸۴
بے عمل علماء وحفاظ کی سزا کا نمونہ	۱۰۳
آغاز رکوع عربی، ترجمہ وتفسیر لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا	۱۰۵
آغاز رکوع عربی، ترجمہ وتفسیر	۱۲۶
یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ	۱۲۷
روزہ کے اصلاحی معنی	۱۲۸
روزے کی فرضیت کا سبب	۱۳۳
ایک عجیب الخلقت فرشتہ	۱۴۰
فضائل رمضان	۱۴۲
فضائل اعتکاف	۱۴۶
آغاز رکوع عربی ترجمہ وتفسیر یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ	۱۵۹
فوائد اور جامع تقریر نبی صلی اللہ علیہ وسلم	۱۶۸
حبیب وخلیل کا فرق آغاز رکوع عربی ترجمہ وتفسیر	۱۸۰
اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ	۱۹۵
فضائل حج آغاز رکوع عربی ترجمہ وتفسیر	۱۹۸
سَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ	۲۱۱
آغاز رکوع عربی ترجمہ وتفسیر یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ	۲۳۵
شراب کے فوائد	۲۵۳
	۲۶۹

یتیم پروری کے فوائد	۲۸۲
یتیم کو ادب سکھانا	۲۸۴
آغاز رکوع عربی ترجمہ وتفسیر	۲۹۰
وَیَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِیْضِ	۲۹۱
لواطت کی مذمت	۲۹۴
یمین کی اقسام	۳۰۲
آغاز رکوع عربی ترجمہ وتفسیر اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ	۳۱۵
آغاز رکوع عربی ترجمہ وتفسیر وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ	۳۳۰
شیعہ کی تردید	۳۴۸
آغاز رکوع عربی ترجمہ وتفسیر لَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ	۳۵۵
شرعی حصہ کی تفسیر	۳۵۶
اَلصَّلٰوةِ الْوُسْطٰی کی تفسیر وترجیح کے دلائل وفضائل	۳۶۲
آغاز رکوع عربی ترجمہ وتفسیر اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا	۳۷۲
مسئلہ وسیلہ جلیلہ	۳۹۶
آغاز رکوع عربی ترجمہ وتفسیر فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ	۴۰۱
اولیاء اللہ کے برکات اور ان کا وسیلہ	۴۰۷
جالوت کا تعارف	۴۰۹
اشمویل علیہ السلام کا علم غیب	۴۰۹
طالوت کی توبہ	۴۱۲
بانی اویب والخیر	۴۱۸
ہندو مذہب	۴۲۰
شری کرشن مہاراج کی پیشن گوئی	۴۲۱
آفتاب آید دلیل آفتاب	۴۲۱
بشارت احمدیہ	۴۲۲
انبیاء علیہم السلام بھی فرما گئے	۴۲۴
بدمذہب کا اعتراف	۴۲۵
انتباہ	۴۲۶
اختتام پارہ دوئم	۴۲۶

فیوض الرحمٰن

اردو ترجمہ

تفسیر روح البیان

شیخ القرآن والحدیث فیضِ ملت حضرت علامہ مفتی

محمد فیض احمد اویسی رضوی مدظلہ

مکتبہ اویسیہ رضویہ
سیرانی روڈ بہاولپور

فیوض الرحمٰن

اردو ترجمہ

تفسیر روح البیان

پارہ نمبر ۲۳،۲۴،۲۵

مؤلف

الامام العارف الکامل الشیخ

حضرت علامہ محمد اسماعیل حقی البروسوی قدس سرہ العالی
المتوفی ۱۱۳۷ھ

مترجم

محدث العصر شیخ القرآن فیض ملت

حضرت علامہ مفتی محمد فیض احمد اویسی رضوی مدظلہ

باہتمام: **عطاء الرسول اویسی**

ناشر: مکتبہ اویسیہ رضویہ سیرانی مسجد بہاولپور پاکستان

نام کتاب	[illegible]
[illegible]	[illegible]
مصنف	[illegible]
مترجم	[illegible]
	[illegible]
[illegible]	[illegible]
سن اشاعت	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	مکتبہ [illegible]

تِلْكَ الرُّسُلُ

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ
بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۚ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ
الْقُدُسِ ۗ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا
جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ۚ وَلَوْ شَآءَ
اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۣ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۝

ترجمہ: یہ پیغمبر ہیں جنہیں ہم نے ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے بات چیت کی اور بعض کے درجے بلند فرمائے اور ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کو کھلی نشانیاں عطا فرمائیں اور پاکیزہ روح سے ان کی مدد فرمائی اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کے بعد والے آپس میں نہ لڑتے بعد اس کے کہ ان کے پاس کھلی نشانیاں آ چکی تھیں لیکن انہوں نے اختلاف کیا ان میں سے بعض تو ایمان لائے اور بعض کافر ہو گئے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ نہ لڑتے لیکن اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

تفسیر بالماثور

تِلْكَ الرُّسُلُ اس میں جس جماعت کی طرف اشارہ ہے جو کہ پچھلی آیات کے بعد سے نبی کریم صلی اللہ علیہ [illegible] فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ [illegible] عیسیٰ علیہ السلام کے [illegible]

[illegible]

[illegible]

ثم اوحینا الیک ان اتبع ملۃ ابراہیم حنیفا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ہیں ۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

حدیث شریف میں [illegible] تمام انبیاء علیہم السلام پر چھ چیزوں کی وجہ سے فضیلت دی گئی ہے ۔

① مجھے جوامع الکلم دیئے گئے ہیں ۔
② رعب سے مدد دی گئی ۔
③ میرے لیے غنیمتیں حلال کی گئیں ۔
④ میرے لیے زمین کو مسجد اور طہور بنا دیا گیا ۔
⑤ تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں ۔
⑥ مجھے ختم نبوت بنایا گیا ۔

تفسیر صوفیانہ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سوال : [illegible]

جواب : (۱) [illegible]

(۲) [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِينَ مِن بَعْدِهِم [illegible]

[illegible] مِّن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ [illegible] وَلَٰكِنِ اخْتَلَفُوا [illegible] فَمِنْهُم مَّنْ آمَنَ [illegible] وَمِنْهُم مَّن كَفَرَ [illegible]

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ [illegible] مَا اقْتَتَلُوا [illegible] وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ۝ [illegible]

مسئلہ [illegible]

مسئلہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تفسیر صوفیانہ [illegible]

[illegible]

(۱) [illegible]

(۲) [illegible]

(۳) [illegible]

[illegible]

(۱) [illegible]

(۲) [illegible]

(۳) [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

(۱) [illegible] (۲) [illegible]

[illegible]

حکایت : [illegible]

① [illegible]

② [illegible]

③ [illegible]

شیخ سعدی [illegible] ؎

۱ - [illegible]
[illegible]

۲ - [illegible]
[illegible] !

۳ - [illegible]
[illegible]

ترجمہ : ① [illegible]

② [illegible]

③ [illegible]

تقسیم [illegible]

[illegible]

سبق [illegible]

ع الا کل شیء ما خلا اللہ باطل

[illegible]

[illegible]

حکایت [illegible]

سبق [illegible]

حضرت [illegible] فرماتے ہیں ؎

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا میکرد

ترجمہ [illegible]

لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ [illegible]

[illegible]

یا ھو یا من ھو یا من لا الہ الا ھو

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

① ——— [illegible]

② ——— [illegible]

[illegible]

③ ——— [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

۱- [illegible]
[illegible]

۲- [illegible]
[illegible]

۳- [illegible]
[illegible]

۴- [illegible]
[illegible]

۵- [illegible]
[illegible]

۶- [illegible]
[illegible]

۷- [illegible]
[illegible]

۸- [illegible]
[illegible]

① [illegible]

② [illegible]

③ [illegible]

④ [illegible]

[illegible]

② [illegible]

ف [illegible]

حکایت [illegible]

حکایت [illegible]

سبق [illegible]

تفسیر صوفیانہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

حکایت [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سوال [illegible]

جواب [illegible]

سوال [illegible]

جواب [illegible]

[illegible]

سوال [illegible]

جواب [illegible]

جواب [illegible]

جواب [illegible]

[illegible]

[illegible]

ترجمہ: [illegible]

حکایت: [illegible]

حدیث شریف: [illegible]

[illegible]

سبق: [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible]

حکایت [illegible]

[illegible]

ـــ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ترجمہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] کیا تھی۔

مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ [illegible]

[illegible]

① یشفع سے متعلق ہے۔

② محذوف سے متعلق ہے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مسئلہ [illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible]

۱۔ [illegible]
[illegible]

۲۔ [illegible]
[illegible]

[illegible]

احادیث شفاعت ① [illegible]

② [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تنبیہ : [illegible]

[illegible]

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ [illegible]

[illegible]

وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ [illegible]

علم الٰہی کا ثبوت اور اس کے دلائل [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سوال: [illegible]

جواب: [illegible]

ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کا کیا کہنا

تفسیر صوفیانہ [illegible]

[illegible]

اول ما خلق اللہ [illegible]

[illegible]

علم نبوی و علم الٰہی کے متعلق عقیدہ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ترجمہ ① [illegible]

② [illegible]

تشریح [illegible]

[illegible]

تفسیر بالماثور وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

وسع کرسیہ السموات والارض۔

[illegible]

حدیث شریف [illegible]

ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں کرسی کے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے ایک حلقہ جنگل میں پڑا ہو [illegible]

[illegible]

کرسی کا طول و عرض اور دیگر معلومات

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

۱ ـ [illegible]
[illegible]

۲ ـ [illegible]
[illegible]

۳ ـ [illegible]
[illegible]

۳ ۔ [illegible]

[illegible]

ترجمہ ① [illegible]

② [illegible]

③ [illegible]

④ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] [illegible]

فضائل آیۃ الکرسی [illegible]

[illegible]

[illegible]

۱ — اللہ
۲ — ھو
۳ — الحی
۴ — القیوم
۵ — لا تاخذہ کی ضمیر
۶ — لہ کی ضمیر
۷ — عندہ کی ضمیر
۸ — باذنہ کی ضمیر
۹ — یعلم کی ضمیر
۱۰ — علمہ کی ضمیر
۱۱ — شاء کی ضمیر
۱۲ — کرسیہ کی ضمیر
۱۳ — یؤدہ کی ضمیر
۱۴ — حفظہما کی ضمیر جو مصدر ہے اور فاعل کی طرف مضاف ہے۔
۱۵ — ھو
۱۶ — العلی
۱۷ — العظیم۔

اسی آیت کی سب سے بڑی دلیل [illegible] یہ ہے کہ اس میں [illegible] اسم اعظم [illegible] ہے جیسا کہ اس حدیث شریف میں وارد ہے۔

اسم اعظم کی دلیل از حدیث شریف

[illegible] رضی اللہ عنہم [illegible] قرآن پاک [illegible] حضرت [illegible] آیات [illegible] آیۃ الکرسی [illegible] حضور صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] سید [illegible] آیۃ الکرسی ہے۔

آیۃ الکرسی کے اوراد و وظائف

[illegible] حضور صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] آیۃ الکرسی [illegible] قرآن [illegible]

[illegible] آیۃ الکرسی [illegible]

حکایت

حضرت [illegible] ابی بن کعب [illegible] اَللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۔

[illegible] قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ [illegible] قَالَ [illegible] بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ [illegible] فَانْظُرْ إِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ [illegible]

[illegible]

ف [illegible]

[illegible]

سوال [illegible]

جواب [illegible]

ف [illegible]

سوال [illegible]

جواب [illegible]

وَانْظُرْ إِلٰى حِمَارِكَ [illegible] وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً [illegible]

[illegible]

سوال: [illegible]

جواب: [illegible]

[illegible]

حل لغات [illegible]

[illegible]

سوال: [illegible]

جواب: [illegible]

سوال: [illegible]

جواب: [illegible]

ایک لطیفہ: [illegible]

[illegible]

فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ [illegible] قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سبق [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تفسیر صوفیانہ [illegible]

[illegible] اب امت کا فرض ہے [illegible]
[illegible]۔

[illegible]

[illegible]۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]۔

تفسیر [illegible]

وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِيمُ [illegible]

[illegible] أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى [illegible]۔

ابراہیم علیہ السلام نے [illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible] اليقين۔

[illegible]

[illegible] حق اليقين۔

قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ [illegible]
[illegible]

سوال: [illegible] حضرت ابراہیم علیہ السلام [illegible]
[illegible]

جواب: [illegible]
[illegible]

قَالَ [illegible] بَلٰى [illegible]
[illegible] لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ [illegible]
[illegible]

سوال: [illegible]
[illegible]

جواب: [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ [illegible]

① مور ② کوا ③ مرغ
④ کبوتر

ف: [illegible]

سوال [illegible] ابراہیم علیہ السلام [illegible] کیا؟

جواب [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] ہے۔ [illegible]

فَصُرْهُنَّ: [illegible] اِلَيْكَ [illegible]

واقعہ [illegible]

ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ [illegible] **مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ** [illegible] باذن اللہ [illegible] **يَأْتِيْنَكَ سَعْيًا** [illegible]

حضرت ابراہیم علیہ السلام [illegible]

وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ [illegible] **حَكِيْمٌ** ۝ [illegible]

ف: [illegible] حضرت ابراہیم [illegible] کیا تو اللہ تعالیٰ نے پرندوں کو زندہ کر کے دکھا دیا۔

[illegible]

[illegible] ۔ ① [illegible]
② [illegible]
③ [illegible]
④ [illegible]

[illegible]

[illegible]

۱۔ [illegible] [illegible]
۲۔ [illegible] [illegible]
۳۔ [illegible] [illegible]
۴۔ [illegible] [illegible]
۵۔ [illegible] [illegible]
۶۔ [illegible] [illegible]
۷۔ [illegible]
[illegible]

[illegible] ① [illegible]

② [illegible]

③ [illegible]

④ [illegible]

⑤ [illegible]

⑥ [illegible]

⑦ [illegible]

تفسیر صوفیانہ

[illegible] جیسے کہ انسان کو ان چاروں عناصر سے مرکب کیا گیا ہے ۔

① مٹی ② پانی

③ آگ ④ ہوا

[illegible]

① [illegible]

② [illegible]

③ [illegible]

④ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

① [illegible]

② [illegible]

③ [illegible]

④ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

۱ - [illegible] ۲ - [illegible] ۳ - [illegible] ۴ - [illegible]

[illegible]

مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ
فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ ۗ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ○
الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُونَ مَا أَنْفَقُوا مَنًّا وَ
لَا أَذًى ۙ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ○
قَوْلٌ مَعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِنْ صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَا أَذًى ۗ وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَلِيمٌ ○
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِي يُنْفِقُ مَا
لَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ
عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا ۖ لَا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِمَّا كَسَبُوا ۗ
وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ○ وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ
مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَثْبِيتًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ
فَآتَتْ أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَإِنْ لَمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ
بَصِيرٌ ○ أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِنْ نَخِيلٍ وَأَعْنَابٍ تَجْرِي
مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ *
فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ
تَتَفَكَّرُونَ ○

ترجمہ

جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی کہاوت اس دانہ جیسی ہے جس سے سات بالیں اگیں ہر بالی میں سو دانے ہوں اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے اس سے بھی زیادہ بڑھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا علم والا ہے جو لوگ اپنے مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر خرچ کر کے احسان نہیں جتاتے اور نہ ایذا پہنچاتے ہیں ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے ان پر نہ کوئی خوف ہے نہ وہ غمگین ہوں گے۔ نرم بات اور درگزر کرنا اس خیرات سے بہتر ہے جس کے پیچھے ستانا ہو اور اللہ تعالیٰ بے نیاز اور بردبار ہے۔ اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور ایذا پہنچا کر ضائع نہ کرو اس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لیے خرچ کرتا ہے۔ اور نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے نہ قیامت پر اس کی مثال اس صاف پتھر کی سی ہے جس پر [illegible] مٹی ہو پھر اس پر زور کا مینہ برسے اور وہ اس کو بالکل صاف [illegible] چھوڑ دے [illegible] ان کی کمائی میں سے [illegible] کچھ ہاتھ نہیں لگتا

ایسی ہے جیسے ایک دانہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تفسیر المنار

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ [illegible]

[illegible]

[illegible]

حدیث شریف [illegible]

[illegible]

حدیث شریف [illegible]

حدیث شریف [illegible]

حدیث شریف [illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

نادر حکایت متعلقہ

ایک سال آیا تو حضرت عمر بن عبد العزیز کا نگینہ انگوٹھی میں تھا۔ آپ نے فروخت کرا کر اس کی قیمت کو غریبوں میں تقسیم کرا دی۔ دوستوں نے کہا ایسی انگوٹھی آپ پہنا کریں۔ تب یہ عذر کیا کہ ایسا شاہ کے لیے ہی بہتر ہے جس کی ساری ابدی ہو۔

مسئلہ: اخلاق کا دارومدار نیت پر ہے۔

سوال: حضور علیہ السلام نے فرمایا: نیۃ المؤمن خیر من عملہ، مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔ اس حدیث شریف سے تو ثابت ہو رہا ہے کہ صرف نیت ہی کافی ہے عمل کی ضرورت نہیں؟

جواب: (۱) حدیث شریف کی شان ورود سے اس کا مطلب واضح ہو گا۔

واقعہ یوں ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ایک صحابی کو معلوم ہوا کہ پانی نہ ہونے سے لوگوں کو تکلیف ہے، کنواں کھدوا کر وقف کرنے میں بڑا ثواب ہے۔ دو اشخاص کو اس کا خیال ہوا تو ان میں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سبقت کر گئے اور کنواں کھدوا دیا۔ اس پر حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: نیۃ المومن ...... الخ گویا اس دوسرے صحابی کو اطمینان بخشنا مقصود تھا کہ تمہاری نیت کا بھی ثواب ہے بلکہ تمہاری نیت عمل سے بہتر ہو گی۔

(۲) یہ بھی وجہ ہے کہ مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے کہ عمل میں ریا کا احتمال ہے اور نیت میں ریا نہیں ہوتی، اسی لیے کہا گیا کہ نیت عمل سے بہتر ہے۔

ف: یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض اعمال ایسے ہیں جو بغیر نیت کے صحیح ہو سکتے ہیں مثلاً وضو کہ نیت شرط نہیں اور بعض اعمال ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں نیت کی ضرورت نہیں جیسے تلاوت قرآن مجید اور ذکر وغیرہ۔

تفسیر صوفیانہ

انفاق کے چند مراتب ہیں:

① انفاق العوام

② انفاق الخواص

انفاق العوام ——— یہی جو ظاہر ہے جس کی اوپر بحث ہے۔

انفاق الخواص ——— وہ ہے کہ نفس اور نفسانی تقاضوں کے سوا مال موصوف فرماتے ہیں جس کا انفاق کرنا واجب ہے، مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ سب مال سے نفس کا تزکیہ کرے اور قلب کا تصفیہ کرے کہ مال کو اللہ تعالیٰ نے محبت کا بہت بڑا ذریعہ بنایا ہے جس سے بخل میں ہی زندگی نصیب ہوتی ہے جس کا عام انسان کو بہت کم احساس ہے۔

تفسیر عالمانہ

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وہ لوگ جو اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں یعنی جہاد میں یا دوسری نیکی کے کاموں میں صرف کرتے ہیں۔ ثُمَّ، یعنی حضرت کو

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ○ [illegible]

[illegible]

[illegible]

تو یہ نازل ہوئی۔

حضرت [illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا [illegible]
[illegible]
[illegible]

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص [illegible]
[illegible]
[illegible] حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے [illegible]
[illegible]

اس آیت میں مسلمانوں کے [illegible]
[illegible]

مسئلہ: [illegible]

مسئلہ: [illegible]
[illegible]

مسئلہ: [illegible]

مسئلہ: [illegible]
[illegible]

سوال: [illegible]
[illegible]

جواب: [illegible]
[illegible]

مسئلہ: [illegible]
[illegible]
[illegible]

مسئلہ: [illegible]
[illegible]

[illegible]

حضرت [illegible] فرماتے ہیں :-

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ترجمہ :- [illegible]

[illegible]

حضرت شیخ سعدی [illegible] نے فرمایا :-

۱- [illegible]

۲- [illegible]

۳- [illegible]

[illegible]

ترجمہ :- ۱- [illegible]

۲- [illegible]

۳- [illegible]

حکایت [illegible]

[illegible]

[illegible]

مثنوی شریف میں ہے ۔

۱۔ قرض دہ زیں دولت اندر قرض ہا

تا کہ صد دولت ببینی پیش رو

۲۔ اندکے زیں شرب کم کن بہر خویش

تا کہ حوض کوثرے یابی بہ پیش

ترجمہ ۱۔ [illegible] ۔

۲۔ [illegible] ۔

[illegible] میں ہے ۔

[illegible]

[illegible]

ترجمہ : [illegible]

[illegible]

تفسیر صوفیانہ

اس کی تین قسمیں ہیں ۔

① بہت زیادہ دوری ۔ ② متوسط ③ ضعیف

① بہت زیادہ دوری ——— [illegible]

② متوسط ——— [illegible]

③ ضعیف ——— [illegible]

مسئلہ : [illegible]

[illegible]

تفسیر [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سوال [illegible]

بہتر ہے؟

جواب [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مسئلہ [illegible]

تفسیر صوفیانہ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

فائدہ: [illegible] ہوگا۔

[illegible]

مسئلہ: [illegible]

[illegible]

[illegible]

تنبیہ: [illegible]

حکایت: [illegible]

حدیث شریف: [illegible]

فائدہ: [illegible]

[illegible]

[illegible]

اور اگر کسی [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سوال [illegible]

جواب [illegible]

جواب [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مسئلہ : [illegible]

فوائد : [illegible] وما تقدموا لانفسكم من خير تجدوه عند الله هو خيرا واعظم اجرا [illegible] ان الله اشترى من المؤمنين انفسهم واموالهم بان لهم الجنة [illegible]

مسئلہ : [illegible]

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ [illegible]

نکتہ : [illegible]

تمثیل : [illegible]

[illegible]

[illegible]

۱۔ [illegible]

۲۔ [illegible]

۳۔ [illegible]

[illegible]

① [illegible]

② [illegible]

③ [illegible]

حدیث شریف

[illegible]

حدیث شریف

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

۱۔ [illegible] [illegible]
۲۔ [illegible] [illegible]
۳۔ [illegible] [illegible]
۴۔ [illegible] [illegible]
۵۔ [illegible] [illegible]
۶۔ [illegible]
[illegible]

[illegible]

۱۔ [illegible]
۲۔ [illegible]
۳۔ [illegible]
۴۔ [illegible]
۵۔ [illegible]

تفسیر صوفیانہ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مثنوی شریف میں ہے —

۱- عاشقاں را شادمانی و غم اوست   دست مزد و اجرت خدمت ہم اوست

۲- غیر معشوق ار تماشائی بود   عشق نبود ہرزہ سودائی بود

۳- عشق آں شعلہ است کو چوں برفروخت

ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

ترجمہ: ۱- [illegible]

۲- معشوق کے [illegible] تو وہ عشق نہیں [illegible] ہے۔

۳- عشق [illegible] ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عشق [illegible]

[illegible]

حضرت مولانا [illegible] فرماتے ہیں ؎

[illegible]

[illegible]

ترجمہ : [illegible]

[illegible]

تفسیر عالمانہ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا [illegible]

[illegible]

تفسیر روحانی : [illegible]

قصیدہ بردہ شریف کے مصنف [illegible] نے خوب فرمایا ؎

والنفس كالطفل ان تهمله شب على

حب الرضاع وان تفطمه ينفطم

ترجمہ : [illegible]

[illegible]

شرح شعر [illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سوال: [illegible]

[illegible]

جواب: [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

۱۔ [illegible]

۲۔ [illegible]

۳۔ [illegible]

۴۔ [illegible]

[illegible]

ترجمہ: ۱۔ [illegible]

۲۔ [illegible]

۳۔ [illegible]

۴۔ [illegible]

[illegible]

[illegible]

مسئلہ: [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

وترى الأرض هامدة فإذا أنزلنا عليها الماء

اهتزت وربت ۔

[illegible]

اَصَابَهَا وَابِلٌ [illegible] فَاٰتَتْ [illegible] اُكُلَهَا [illegible] ضِعْفَيْنِ [illegible]

[illegible]

فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ [illegible]

سوال [illegible]

[illegible]

ان ذهب الصيف [illegible]

[illegible]

[illegible]

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

حضرت شیخ سعدی [illegible] فرمایا ہے

[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] اس کی مثال ایسی ہے جیسے [illegible] ہے۔
[illegible] ہے۔ [illegible]
[illegible] ہے۔

حدیث شریف سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب صدقہ دینے والے کے ہاتھ سے صدقہ نکلتا ہے تو سائل کے ہاتھ میں پہنچنے سے پہلے پانچ کلمات کہتا ہے۔

① میں چھوٹا تھا تو نے مجھے بڑا بنا دیا۔
② میں تھوڑا تھا تو نے مجھے بہت بنا دیا۔
③ میں تیرا دشمن تھا تو نے مجھے اپنا محبوب بنا لیا۔
④ میں فانی تھا تو نے مجھے ہمیشہ کی دولت بنا لیا۔
⑤ پہلے تو میری نگرانی کرتا تھا اب میں تیری نگرانی کروں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان حضرت [illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے [illegible] فرمایا کہ جب آدمی [illegible] صدقہ و خیرات دیتا ہے [illegible] اللہ تعالیٰ اس [illegible] صدقہ و خیرات سے [illegible]

[illegible]

[illegible] ہے۔

[illegible] ہے۔

① [illegible]
[illegible] ہے۔

② [illegible]
[illegible] ہے۔

③ [illegible] ہے۔

④ [illegible] ہے۔
[illegible] ہے۔

—

[illegible]

حدیث شریف

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا [illegible]

حکایت

[illegible]

تفسیر صوفیانہ

[illegible]

[illegible] نصیب [illegible]

[illegible]۔

تفسیر عالمانہ أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ ۔ اس آیت میں استفہام [illegible] کے لیے ہے۔ استفہام [illegible] کے لیے نہیں [illegible] ہے۔ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ [illegible] مِنْ نَخِيلٍ وَأَعْنَابٍ [illegible] [illegible] ہے۔ [illegible] [illegible] ہے۔ لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ [illegible] [illegible]۔

ترکیب [illegible] [illegible]۔

[illegible]

[illegible] ۲۱

[illegible] ہے [illegible] [illegible]۔

سوال [illegible]؟

جواب [illegible] [illegible] [illegible]۔

[illegible] فَأَصَابَهُ الْكِبَرُ [illegible] [illegible] وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ [illegible] فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ [illegible] [illegible] فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ [illegible]

جس سے [illegible] باغ کی تمام [illegible] اور صفات [illegible] ہو جاتی ہیں [illegible] تمام باغ [illegible] ہو جاتا ہے۔ [illegible]
[illegible]

عالمانہ تمثیل [illegible]

صوفیانہ تمثیل [illegible]

حضرت حافظ شیرازی نے [illegible] فرمایا ہے

[illegible] از [illegible]
[illegible] از [illegible]

ترجمہ: [illegible]

کذالک [illegible] الْأَشْقَى [illegible]

مومن و منافق کے درمیان موازنہ

حضرت [illegible] مومن اور منافق کے [illegible] کی مثال دی ہے۔

منافق	مومن
[illegible]	[illegible]

مومن کی ہر نیکی [illegible] رہے گی۔
مومن نے اپنے اعمال کو چھپا [illegible]

منافق کی ہر نیکی آخرت میں رائیگاں ہو جائے گی۔
منافق کے اعمال [illegible]
جو ان کے اعمال [illegible]
پہنچ [illegible]
وہاں آخرت [illegible]

مومن کی مثال : مومن کی مثال ایسی ہے جیسے ایک [illegible]
[illegible]

منافق کی مثال : منافق کا عمل ایسا ہے جیسے [illegible]
[illegible]

یا حدیث : [illegible]

سبق : سالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ اعمال میں خلوص پیدا کرے اس لیے کہ [illegible] ہوتا ہے۔

حدیث شریف : جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے [illegible] بھیجا [illegible] آپ نے فرمایا

اخلص دینک یکفک العمل القلیل۔ اپنے دین میں خلوص پیدا کرو تھوڑا عمل بھی کفایت کرے گا۔

ریا کا علاج : ریا کا علاج دو طرح سے ہے۔

① [illegible]
[illegible]

② [illegible]
[illegible]

سبق : [illegible]
[illegible]

ریا کے جال اور اس کے جال [illegible] سے بچنے کے طریقے یہ ہیں :

① عبادت کے وقت یہ خیال ذہن سے نکال دو کہ اس عبادت سے مخلوق [illegible] ہو بلکہ یہ خیال دل میں رہے کہ [illegible] معلوم ہو جائے گا۔

② مخلوق تو عبادت پر مطلع [illegible] ان سے [illegible] ختم ہو جائے گا۔

③ اپنی عبادت کو اپنے نفس سے [illegible] کوشش کرے [illegible] اس طرف متوجہ ہو جانے [illegible] پیدا ہو سکتے ہے۔

[illegible] دیا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ہے

۱۔ قیامت کسے بینی اندر بہشت
کہ معنی طلب کرد و دعوی بہشت

۲۔ گنہگار اندیشناک از خدا
بسے بہتر از عابد خود نما

ترجمہ : ① قیامت میں تم دیکھو گے کہ بہشت میں وہ ہو گا جس نے حقیقت طلب کی۔

② گنہگار [illegible] سے بہت بہتر ہے۔

مسئلہ [illegible] خالص رضائے الٰہی کے لیے ادا [illegible] تو اس کی عبادت باطل نہیں ہو جاتی کیونکہ جس طریقے سے شروع کی تھی اسی پر ثواب ملے گا۔

مسئلہ ریا یہ ہے کہ جب لوگوں سے [illegible] عبادت نہیں کرتا [illegible] لوگوں کے سامنے [illegible] نماز، عبادت وغیرہ [illegible] نہیں ہوتا۔

مسئلہ [illegible]

مسئلہ [illegible] نہیں۔

حدیث شریف حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو ذر! [illegible]

[illegible] ظاہر کیا ہے ۔

شرح الحدیث ۔ [illegible]

جیسے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

ثم ننجی الذین اتقوا ونذر الظالمین فیہا جثیا ۔

اور [illegible] اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔

[illegible] ۔

[illegible]

[illegible] اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔

[illegible] ۔

[illegible] ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔

فمن کان یرجوا لقاء ربہ فلیعمل عملا صالحا [illegible]

بعبادۃ ربہ احدا ۔

قدسی حدیث شریف [illegible] ۔

حکایت [illegible]

[illegible]

۳ – دولت مند شکر گزار
۴ – سچا تاجر
۵ – وہ عالم دین جو قناعت پسند ہو
۶ – وہ مومن جو سب مسلمانوں کا خیر خواہ ہو
۷ – مومن رحیم القلب
۸ – توبہ کرکے اس پر قائم رہنے والا
۹ – حرام سے بچنے والا
۱۰ – ہر وقت باوضو رہنے والا مومن
۱۱ – مومن کثیر الصدقہ
۱۲ – وہ مسلمان جو لوگوں سے حسن اخلاق سے پیش آئے۔
۱۳ – وہ مسلمان جو قرآن کو [illegible] پڑھے
۱۴ – وہ قرآن کا حافظ جو اسے خوب پڑھے
۱۵ – وہ شب خیز جب سب لوگ نیند میں ہوں [illegible]۔

شیطان کے دوست: حضور علیہ السلام نے فرمایا اے ابلیس! بتا میری امت میں تیرے دوست کون ہیں؟ عرض کی آپ کی امت میں میرے دس دوست ہیں۔

۱ – ظالم بادشاہ
۲ – دولت مند متکبر
۳ – خیانت کار تاجر
۴ – شرابی
۵ – چغل خور
۶ – ریاکار
۷ – سود خور
۸ – یتیم کا مال کھانے والا
۹ – مانع الزکوٰۃ
۱۰ – وہ جس کی لمبی امید [illegible] ہو۔

حدیث شریف: حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہر ایک سے بلا حجاب کلام کرے گا کہ اس کے اور بندے کے درمیان کوئی ترجمان نہ ہوگا۔ پھر وہ اپنی داہنی جانب دیکھے گا، اس کو سوائے اپنے عمل کے کچھ نظر نہ آئے گا، پھر وہ اپنی بائیں جانب دیکھے گا اس کو سوائے اپنے عمل کے کچھ نظر نہ آئے گا، پھر وہ سامنے دیکھے گا تو اسے آگ ہی آگ نظر آئے گی۔ تم بچو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اگرچہ کھجور کے ٹکڑے کے ساتھ صدقہ دے کر۔

صاحب روح البیان کے پیر و مرشد کی تقریر: میرے شیخ حضرت [illegible] قدس اللہ تعالیٰ سرہ نے فرمایا [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible] فرمایا —

۱۔ [illegible]

۲۔ [illegible]

۳۔ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اما بعد :

[illegible]

(بقیہ صفحہ نمبر ۹۱ پر)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ
وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغْمِضُوا فِيهِ
وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ○ الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ
وَاللَّهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً مِنْهُ وَفَضْلًا وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ○ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ
مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا
أُولُو الْأَلْبَابِ ○ وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِنْ نَذْرٍ فَإِنَّ
اللَّهَ يَعْلَمُهُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ○ إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ
وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ
وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ○ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ
وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنْفُسِكُمْ وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ وَمَا
تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ○ لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا
فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ
التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ
فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ○

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی نیک کمائیوں میں سے خرچ کرو اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالا اور خاص ردی چیز کا ارادہ نہ کرو کہ خرچ کرو آخر میں اور خود تم اسے لینے کو تیار نہیں بجز اس کے کہ چشم پوشی کر جاؤ۔ اور سمجھو بات ہے اور یقین کرو کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز اور تعریف کیا ہوا ہے شیطان تمہیں تنگ دستی سے خوف دلاتا ہے اور تمہیں بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا اور خوب جاننے والا ہے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے حکمت دیتا ہے اور جسے حکمت عطا کی گئی ہے تو اسے بہت بڑی بھلائی عطا کی گئی اور عقلمند ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں اور تم جو خرچ کرو یا نذر مانو اسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ اگر تم ظاہر کر کے خیرات دو تو وہ کیا ہی اچھی بات ہے اور اگر تم انہیں چھپا کر دو فقیروں کو تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اس میں تمہارے کچھ گناہ معاف کریں گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے واقف ہے۔ انہیں راہ پر لانا تمہارے ذمہ لازم نہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے راہ راست پر لاتا ہے اور جو کچھ تم نیک چیز خرچ کرو گے تو وہ تمہارا

فائدہ ہے اور تم خرچ نہیں کرتے مگر اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے اور جو مال تم خرچ کرو گے تم کو اس
کا پورا اجر دیا جائے گا اور تم پر ذرا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا ان فقرا کے لیے جو راہ خدا میں
رکے گئے ہیں اور ملک میں چل پھر نہیں سکتے ناواقف لوگ انہیں ان کے بچنے (سوال سے) کی وجہ سے
مالدار سمجھتے ہیں تو انہیں ان کی شکل سے پہچان لے گا وہ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے
مانگتے اور جو خیرات تم کرو گے اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ نمبر ۱)

[illegible]
[illegible] (آیت ۹)

(تفسیر [illegible])

تفسیر [illegible]

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ اے ایمان والو! تم اپنی کمائی میں سے عمدہ چیزیں خرچ کرو [illegible]
ختم ہو گیا (ربط)

[illegible] تعلق [illegible]۔

الف) صاحب کشاف [illegible] الطیبات [illegible]
[illegible]

ب) [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

وَ [illegible] اَنْفِقُوْا [illegible] الْاَرْضِ [illegible]
[illegible] وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ [illegible]
الخبیث [illegible]

(۱) طیب بمعنی حلال اور خبیث بمعنی حرام۔

(۲) طیب بمعنی حلال اور خبیث بمعنی حرام۔

(۳) طیب وہ شے کہ جس سے طبیعت رغبت کرتی ہو اور خبیث وہ ہے
جس سے طبیعت کو نفرت ہو۔

مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ [illegible] منہ جار مجرور تنفقون سے متعلق ہے [illegible] خبیث کی طرف [illegible] تخصیص کے لیے ہے [illegible] خبیث کا [illegible] [illegible] [illegible] تم خبیث کو [illegible] سے [illegible] خبیث [illegible]۔

شانِ نزول: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے [illegible] ردی کھجوریں [illegible] اس سے انہیں روکا گیا۔

وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اور تم اسے خود نہیں لیتے۔ یہ تنفقون کی ضمیر سے حال ہے۔ اصل عبارت یوں ہے: تنفقونه والحال انکم لا تاخذونه من الخبیث۔۔۔ الخ

یعنی تم [illegible] اپنے حقوق میں [illegible] کسی وقت بھی لینا [illegible] نہیں ہے۔

اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ: الا [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] سے چشم پوشی [illegible] ہے۔

الاغماض غض بعض الحدقة [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝ اور جان لو کہ اللہ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]۔

[illegible]

[illegible]

مسئلہ [illegible]

حدیث شریف [illegible]

[illegible]

[illegible]

حدیث شریف [illegible]

صدقات کے طریقے [illegible]

① [illegible]

(۷) [illegible]

[illegible]

سبق : [illegible]

کرامت [illegible]

[illegible]

ترجمہ : [illegible]

حکایت [illegible]

ف : [illegible]

[illegible]

عمل [illegible] : [illegible]

[illegible]

[illegible]

وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ [illegible]

ف [illegible]

وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً [illegible] مِّنْهُ [illegible] وَفَضْلًا [illegible] وَاللّٰهُ وَاسِعٌ [illegible] عَلِيْمٌ ○ [illegible]

يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ [illegible] مَنْ يَّشَاءُ [illegible] وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ [illegible] فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا [illegible] وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَابِ ○ [illegible]

سبق [illegible]

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، قرآن مجید میں سب سے [illegible] [illegible] ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ [illegible] اس لیے کہ [illegible] [illegible] حقیقی [illegible] [illegible] ہے اور [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ہے کہ [illegible] [illegible] کے چند معانی یہ ہیں:

① [illegible] ② [illegible]

③ اللہ تعالیٰ کی [illegible] ④ رزق کی تنگی پر اللہ تعالیٰ سے شکوہ نہ [illegible] [illegible] کیا جائے [illegible]

⑤ اس میں شک نہیں کہ [illegible] اللہ تعالیٰ نے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]۔

⑥ اللہ تعالیٰ سے ہر وقت ڈرتے رہنا۔

⑦ اللہ تعالیٰ سے ہر وقت [illegible] رہنا۔

⑧ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجا لانا۔

⑨ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کو [illegible]۔

⑩ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا۔

⑪ گناہ سے پرہیز کرنا۔

⑫ [illegible]

⑬ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید منقطع نہ کرنا۔

⑭ قلب کو غیر اللہ سے خالی رکھنا۔

⑮ شہوات کے پیچھے نہ پڑنا۔

⑯ حب دنیا کو ترک کرنا۔

⑰ پاکدامنی اور قناعت کو اپنانا۔

⑱ حب دنیا [illegible] [illegible] ہر خطا کا سر ہے [illegible] [illegible] دنیا ہے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کسی نے کیا خوب کہا ہے —

۱- [illegible]
[illegible]

۲- [illegible]
[illegible]

ترجمہ: ۱۔ [illegible]

۲۔ [illegible]

حدیث شریف: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ [illegible]

[illegible]

تفسیر عالمانہ: [illegible]

[illegible]

ف: امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب [illegible] کا یہی مذہب ہے۔

[illegible]

ف: [illegible]

[illegible]

[illegible]

مِنْ اَنْصَارٍ ۝ [illegible]

[illegible]

ما للظّٰلمین من انصار

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ ۚ [illegible] قرآنِ [illegible]

تُخْفُوْهَا [illegible] وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ [illegible]

فقرا کو۔

سوال [illegible]

جواب [illegible]

[illegible]

فَهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ [illegible]

مسئلہ [illegible]

مسئلہ [illegible]

مسئلہ [illegible]

مسئلہ [illegible]

مسئلہ [illegible]

خرچ کرنا زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔

مسئلہ: فرض صدقات ظاہر کرکے دینا پوشیدہ طریقہ سے دینے سے بھی درجہ زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔

ف: اور اللہ تعالیٰ وَيُكَفِّرُ عَنكُم مِّن سَيِّئَاتِكُمْ [illegible] تمہارے [illegible] [illegible] [illegible] اللہ تعالیٰ نے صدقہ ظاہر کرکے یا پوشیدہ کرکے [illegible] بعض گناہ معاف [illegible] [illegible] اخلاص [illegible] [illegible] وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝ اور اللہ تعالیٰ نے اس طرف اشارہ کیا کہ جو پوشیدہ یا ظاہر کرکے کیا جائے سب اللہ خوب جانتا ہے۔

مسئلہ: اس آیت میں پوشیدہ عمل کرنے کی ترغیب ہے۔

پوشیدہ طور پر صدقہ دینا ظاہر کرنے سے افضل ہونے کے چند وجوہ

ف: حضرات علماء نے فرمایا کہ نفلی صدقہ کو پوشیدہ طور پر دینا ظاہر کرکے دینے سے افضل ہے جس کی چند وجوہ ہیں:

① پوشیدہ طور پر خیرات کرنا ریا سے [illegible] ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ [illegible] [illegible] [illegible]

② جب [illegible] صدقہ پوشیدہ طور پر دیا جائے گا [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]۔

③ [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible]

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سات آدمی ایسے ہیں جن کو حق تعالیٰ اپنے عرش کے سایہ میں جگہ دے گا:

① امام عادل

② وہ جوان جو عبادت الٰہی میں جوان ہوا۔

③ وہ آدمی کہ جس کا دل ہر وقت مسجد کی طرف لگا رہتا ہے [illegible] کہ کب پھر مسجد میں جاؤں۔

④ ایسے دو آدمی جو آپس میں صرف اللہ تعالیٰ کے لئے محبت رکھتے ہیں جب وہ آپس میں ملتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی محبت میں ملتے ہیں۔ اور [illegible] جدا ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی محبت میں۔

⑤ وہ شخص جو تنہائی میں اللہ تعالیٰ کے ذکر [illegible] خوف سے اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلتے ہیں۔

⑥ وہ شخص جسے [illegible] خوف [illegible]

⑦ وہ جو اللہ تعالیٰ کے لئے صدقہ [illegible] کیا خرچ کیا ہے۔

حدیث شریف: حضور [illegible] اللہ تعالیٰ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے۔

مسئلہ: [illegible]

شیطان سے بچاؤ کا نسخہ [illegible]

[illegible]

حدیث قدسی شریف [illegible]

[illegible] اس سے اجتناب ضروری ہے

[illegible]

[illegible]

تفسیر صوفیانہ [illegible]

حدیث شریف [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ آپ پر ہدایت [illegible] [illegible]

[illegible] وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ [illegible] [illegible]

شانِ نزول [illegible]

[illegible]

مسئلہ: اس آیت سے [illegible] صدقہ [illegible] دینا جائز ہے۔

مسئلہ: [illegible]

[illegible]

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ [illegible]

فَلِاَنْفُسِكُمْ [illegible]

مسئلہ: [illegible]

وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ [illegible]

[illegible] وَمَا تُنْفِقُوْا [illegible] مِنْ خَيْرٍ [illegible] يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ [illegible] وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝ [illegible]

لِلْفُقَرَآءِ [illegible] الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ [illegible] لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ [illegible] ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ [illegible]

[illegible]

حکایت و حدیث شریف حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ [illegible]

يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ [illegible] اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ [illegible] تَعْرِفُهُمْ [illegible] بِسِيْمٰهُمْ [illegible]

[illegible]

الذين ينفقون اموالهم بالليل والنهار سرا وعلانية فلهم اجرهم عند
ربهم ولا خوف عليهم ولا هم يحزنون ○ الذين ياكلون الربا لا
يقومون الا كما يقوم الذي يتخبطه الشيطن من المس ذلك بانهم قالوا
انما البيع مثل الربوا واحل الله البيع وحرم الربوا فمن جاءه موعظة
من ربه فانتهى فله ما سلف وامره الى الله ومن عاد فاولئك اصحب
النار هم فيها خلدون ○ يمحق الله الربوا ويربي الصدقت والله
لا يحب كل كفار اثيم ○ ان الذين امنوا وعملوا الصلحت واقاموا
الصلوة واتوا الزكوة لهم اجرهم عند ربهم ولا خوف عليهم ولا هم
يحزنون ○ يايها الذين امنوا اتقوا الله وذروا ما بقي من الربوا ان كنتم
مؤمنين ○ فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من الله ورسوله وان تبتم فلكم رءوس
اموالكم لا تظلمون ولا تظلمون ○ وان كان ذو عسرة فنظرة الى
ميسرة وان تصدقوا خير لكم ان كنتم تعلمون ○ واتقوا يوما ترجعون
فيه الى الله ثم توفى كل نفس ما كسبت وهم لا
يظلمون ○

ترجمہ: جو لوگ اپنے مال رات میں اور دن میں چھپ کر اور ظاہر کر کے [illegible] کے لیے خرچ
کرتے ہیں ان کا ان کے رب کے پاس [illegible] ہے اور [illegible]
[illegible] قیامت میں نہیں کھڑے ہوں گے مگر اس طرح [illegible]
[illegible]
[illegible] رب کی طرف سے نصیحت آئی اور وہ باز آ گیا [illegible]
[illegible] اللہ [illegible]
[illegible] اللہ [illegible]
[illegible] پسند نہیں فرماتا۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے [illegible]
نماز قائم کی اور زکوٰۃ دی ان کے لیے ان کے رب کے پاس اجر ہے اور نہ انہیں کوئی خوف ہوگا اور نہ
کوئی غم۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو [illegible]
[illegible]

[illegible] اصل مال سے [illegible] نقصان پہنچاؤ اور تمہیں کوئی نقصان پہنچ جائے گا [illegible]
[illegible]
اور اس [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] کی طرف [illegible]
[illegible]

[illegible]

اور [illegible]

لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا [illegible]

[illegible]

مسئلہ [illegible] بلا ضرورت سوال [illegible]

حدیث شریف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا [illegible]

[illegible]

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ○ [illegible]

[illegible]

[illegible]

تفسیر عثمانی اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً [illegible]

[illegible]

شان نزول [illegible] حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ [illegible] چالیس ہزار دینار [illegible] دس ہزار [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ترجمہ [illegible]

مسئلہ [illegible]

مسئلہ [illegible]

[illegible]

۱ - [illegible]　　۲ - [illegible]

۳ - [illegible]　　۴ - [illegible]

۵ - صبر [illegible]　　۶ - [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] نہیں کرتا ۔

[illegible]

[illegible]

[illegible] ۔

[illegible]

[illegible] ۔

اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا [illegible] سود کھاتے ہیں ۔

سوال: [illegible] ؟

جواب: (۱) [illegible] ۔

(۲) [illegible] ۔

سود [illegible] ہیں: [illegible] امام ابوحنیفہ [illegible]

[illegible] اصحاب کا مذہب [illegible] ۔

① سونا ② چاندی

③ گندم ④ جَو

⑤ کھجور ⑥ نمک ۔

سوال: [illegible] کے ساتھ [illegible] کیا جاتا ہے؟

جواب: [illegible] ۔

سوال: [illegible] کیوں لکھا جاتا ہے؟

جواب: [illegible] ۔

لَا یَقُوْمُوْنَ [illegible] اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ [illegible] الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ [illegible]

[illegible]

[illegible] ۔

[illegible] ۔

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

گیا ہے۔

[illegible]

[illegible]

خٰلِدُوْنَ فِيْهَا [illegible]

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا [illegible]

[illegible]

حدیث شریف [illegible]

[illegible]

حدیث شریف [illegible]

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ [illegible]

كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ۝ [illegible]

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا [illegible] وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ [illegible]

وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ [illegible]

[illegible]

[illegible]

لَهُمْ اَجْرُهُمْ [illegible]

عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ [illegible]

[illegible] وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ [illegible]

سود خوار کی ایک مثال [illegible]

[illegible]

کسی نے کیا خوب کہا ہے —

[illegible]
[illegible]

ترجمہ: [illegible]

سبق [illegible]

[illegible]

حدیث شریف: [illegible]

[illegible]

حدیث شریف: [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ہے [illegible]

[illegible]

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
"جس کا کسی پر قرض ہو [illegible] مہلت دے [illegible]
اس کے لیے ہر روز صدقہ ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
"جس [illegible] قیامت [illegible]
کی سختیوں سے نجات دے گا۔

قرض دینے کے فضائل: قرض دینے کے بہت زیادہ فضائل ہیں۔ [illegible]

① حضرت [illegible] رضی اللہ عنہ [illegible] جنت کے دروازے پر [illegible] لکھا دیکھا کہ صدقہ دینے کا دس گنا اور قرض دینے کا [illegible] ثواب ملتا ہے۔ آپ نے جبرائیل [illegible] سے پوچھا کیا وجہ ہے؟ تو جواب دیا اس لیے کہ [illegible] قرض [illegible] محتاج ہو۔

② حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تین [illegible] قیامت [illegible] جنت کے [illegible] فرمایا ہے:

١. [illegible] پڑھنے والا
٢. ہر روز فرض نماز کے بعد [illegible] پڑھنے والا
٣. ضرورت مند کو قرض [illegible] دینے والا

[illegible] فرمایا [illegible]
[illegible]

مسئلہ: [illegible] کے لیے قرض لینا جائز ہے:

① [illegible] کے وقت [illegible]

② جو شخص [illegible]

کر لیا کریں گے۔

۳۔ اپنے بچوں کے لیے [illegible]
[illegible]
[illegible]

حدیث شریف: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [illegible]
[illegible]

فائدہ: [illegible]

مسئلہ: [illegible]

حدیث شریف: [illegible]
[illegible]

سبق: [illegible]
[illegible]

فائدہ: [illegible]
[illegible]

اس لیے کہا گیا ہے ؂

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

تکبیر: [illegible]
[illegible]

سبق: [illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible] سے ترقی ہوتی ہے۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا [illegible] ایک [illegible]
[illegible] کرے۔

وَاتَّقُوا يَوْمًا ۔ [illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible] ہے۔

تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ [illegible] اِلَى اللّٰهِ [illegible] ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ [illegible] مَّا كَسَبَتْ [illegible] وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ [illegible]

[illegible]

فائدہ تفسیریہ [illegible]

[illegible]

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [illegible]
آپ کے آخری کلمات یہ تھے۔

"الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم [illegible]"
[illegible]

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"[illegible]"
[illegible]

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا [illegible]

[illegible]

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

① [illegible]

② [illegible]

[illegible]

---

[1] [illegible]

①	صبر	②	[illegible]
③	بخل	④	سخاوت
⑤	[illegible]	⑥	[illegible] کے بارے
⑦	شرک کے [illegible] ۔		

[illegible] ہے کہ [illegible] میں [illegible] ہے ۔

[illegible] :

①	[illegible]	②	[illegible]
③	الحسن	④	[illegible] اخلاق [illegible]
⑤	[illegible] الحق	⑥	[illegible]
⑦	انسان کی [illegible] کی بقا	⑧	[illegible] کا اصل

[illegible]

[illegible] ۔۔۔۔۔۔

[illegible]

[illegible] ۔۔۔۔ [illegible]

[illegible] حاصل کرے ۔

تفسیر صوفیانہ

[illegible]

[illegible] ۱۲۰ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تفسیر ماجدی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ [illegible]

[illegible]

[illegible]

سوال [illegible]

[illegible]

- [illegible]
- [illegible]
- [illegible]

إِلٰٓى اَجَلٍ - [illegible]

[illegible]

مسئلہ : [illegible]

فَاكْتُبُوْهُ [illegible]

مسئلہ : [illegible]

وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ [illegible]

[illegible]

بِالْعَدْلِ [illegible]

مسئلہ : [illegible]

وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ [illegible] أَنْ يَّكْتُبَ [illegible] كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ [illegible]

فَلْيَكْتُبْ [illegible]

وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ [illegible] وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ [illegible]

سوال [illegible] ؟

جواب [illegible]

[illegible]

وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا [illegible] شَيْئًا [illegible]

سوال [illegible] ؟

جواب [illegible]

فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا [illegible] أَوْ ضَعِيفًا [illegible] أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمِلَّ هُوَ [illegible] فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ [illegible] بِالْعَدْلِ [illegible]

وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ [illegible]

سوال [illegible] ؟

جواب [illegible]

مِنْ رِجَالِكُمْ [illegible]

مسئلہ [illegible]

مسئلہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

اصل عبارت یوں ہے ؛

[illegible]

سوال : [illegible]

جواب : [illegible]

[illegible]

ہے ۔ اصل عبارت یوں ہے ؛

[illegible]

سوال : [illegible]

جواب : [illegible]

[illegible]

سوال : [illegible]

جواب : [illegible]

۳ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا [illegible]

[illegible]

وَلَا تَسْأَمُوا [illegible] صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا [illegible] إِلَىٰ أَجَلِهِ [illegible] ذٰلِكُمْ [illegible] أَقْسَطُ [illegible] عِنْدَ اللّٰهِ [illegible] وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ [illegible] وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا [illegible] إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ [illegible] فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا [illegible] وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ [illegible]

[illegible]

وَلَا يُضَارَّ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مسئلہ [illegible]

مسئلہ [illegible]

تنبیہ [illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

① [illegible]

④ حال العبد مع الخلق

⑤ بندوں کا آپس میں معاملہ۔

① حال اللہ مع عبادہ:

[illegible]

[illegible]

ما يريد الله ليجعل عليكم من حرج ولكن يريد ليطهركم وليتم نعمته عليكم۔

② حال العبد مع اللہ:

[illegible]

ان الله اشترى من المؤمنين انفسهم واموالهم بان لهم الجنة۔

[illegible]

③ بندوں کا آپس میں معاملہ:

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]۔

مسئلہ: [illegible]

سوال: [illegible]؟

جواب: [illegible]

حدیث شریف: [illegible]

قرآن: فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا [illegible] فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ [illegible]

ف: [illegible]

أَمَانَتَهُ [illegible] وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ [illegible] وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ [illegible] وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ [illegible]

سوال: [illegible]؟

جواب: [illegible]

[illegible]

(۲) [illegible]

(۳) [illegible]

(۴) [illegible]

(۵) [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تعبیر صوفیات

[illegible]

① [illegible]

② [illegible]

[illegible]

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ
يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ۭ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ
اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ وَ
قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ڭ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا
اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ
اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَي الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَ
لَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۪ وَاغْفِرْ لَنَا ۪ وَارْحَمْنَا ۪ اَنْتَ مَوْلٰىنَا
فَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اور تم ظاہر کرو وہ جو تمہارے دلوں میں ہے یا چھپاؤ اللہ تعالیٰ تم سے اس کا حساب لے گا پھر جسے چاہے گا بخش دے گا اور جسے چاہے سزا دے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ رسول ایمان لایا اس پر جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا اور ایمان والے بھی۔ سب کے سب ایمان لائے اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر اور قائل ہیں کہ ہم اس کے رسولوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے اور کہا کہ ہم تیری بخشش مانگتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار! اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی وسعت کے مطابق۔ اس کو فائدہ ہے جو اس نے نیکی کمائی اور اس کا نقصان ہے جو اس نے برائی کمائی۔ اے ہمارے پروردگار! گرفت نہ فرما اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں۔ اے ہمارے پروردگار! اور ہم پر بھاری بوجھ نہ رکھ جیسا کہ تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر رکھا تھا۔ اے ہمارے پروردگار! ہم پر بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں طاقت نہیں اور ہمیں معاف فرما اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما تو ہمارا کارساز ہے اور کافروں پر ہماری مدد فرما۔

(دیکھیے صفحہ نمبر ۱۳۱)

کلمہ پڑھانا کیسا ہے۔

مسئلہ: [illegible] کہ کسی شخص پر نہیں [illegible] لا الٰہ الا اللہ [illegible]
کو [illegible] ہے۔ [illegible] سے نقل کر دو ان کے بیان

[illegible] ہے۔

سالک کی دو قسمیں ہیں:

① مستعد (جلد چلنے والا)

② [illegible] (آہستہ چلنے والا)

مستعد وہ ہے [illegible]

[illegible]

حکایت: [illegible]

(٢) [illegible]

[illegible]

ف: [illegible]

[illegible]

تفسیر [illegible] لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ [illegible]

[illegible]

[illegible]

مسئلہ : [illegible]

[illegible]

مسئلہ : [illegible]

[illegible]

مسئلہ : [illegible]

نکتہ : [illegible]

[illegible]

مسئلہ : [illegible]

مسئلہ : [illegible]

مسئلہ : [illegible]

مسئلہ : [illegible]

مسئلہ : [illegible]

[illegible]

مسئلہ : [illegible]

مسئلہ : [illegible]

حدیث شریف [illegible]

سبق [illegible]

گر نشیند فرشتہ با دیو
وحشت آموزد و خیانت و ریو
از بداں نیکوئی نیاموزی
نکند گرگ پوستین دوزی

ترجمہ : [illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تفسیر [illegible]

[illegible]

مسئلہ [illegible]

مسئلہ [illegible]

[illegible]

[illegible] :

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ [illegible]

[illegible]

سوال : [illegible]

جواب : (۱) [illegible]

(۲) [illegible]

(۳) [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سوال : [illegible] ؟

جواب : [illegible]

امن الرسول والمومنون بما انزل الیه من ربه ۔

اس کے بعد [illegible] ہوگی ۔

بعض حضرات نے کہا کہ [illegible]

کل واحد من الرسول والمومنین امن بالله ۔

سوال: اگر [illegible] ترکیب میں [illegible] کے [illegible] ترکیب [illegible] ہے [illegible]

(جس پر ایمان لایا جائے گا) یعنی بما انزل الیه من ربه [illegible] ہے؟

جواب: [illegible] ہے ۔

(۲) [illegible]

[illegible]

[illegible] اس لیے [illegible] ۔

[illegible] ۔

[illegible]

[illegible]

[illegible] ۔

ف: [illegible]

[illegible] ہے ۔

[illegible]

[illegible] ۔

[illegible] ہے ۔

سوال: [illegible] ؟

جواب: [illegible]

اس کے [illegible] ہے ۔

[illegible] ۔

[illegible] ۔

مسئلہ: [illegible]

[illegible]

[illegible]

ف : [illegible]

سوال : [illegible]

[illegible]

[illegible]

مسئلہ : [illegible]

[illegible]

[illegible] چنانچہ فرمایا:

اقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ۔

اور فرمایا:

کتب علیکم الصیام ... الخ

اور فرمایا:

وللہ علی الناس حج البیت۔

ف: [illegible]

مسئلہ: [illegible]

[illegible]

چنانچہ کسی نے کہا ہے — مراد از نزول قرآن تحصیل سیرت خوب است

نہ ترتیل سورۂ مکتوب

[illegible]

تفسیر صوفیانہ

[illegible]

الحمد للہ۔ استغفر اللہ۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

[illegible]

[illegible] نصیب ہوتی ہیں۔

معرفت الٰہی کے اسباب : معرفت الٰہی [illegible] سے حاصل ہوتی ہے۔

① [illegible]

② [illegible]

③ [illegible]

[illegible]

[illegible]

ایضاً : معرفت الٰہی چار چیزوں سے نصیب ہوتی ہے۔

① [illegible]

② [illegible] نصیب ہو۔

③ [illegible]

④ [illegible] کی صحبت حاصل ہو۔

شیخ کامل کے علامات [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] شوی

[illegible] خویش واصل نشوی

[illegible] نشوی

[illegible] اہل عشق کامل نشوی

[illegible]

[illegible]

تفسیر بالمأثور [illegible]

[illegible]

شانِ نزول : مروی ہے کہ جب آیت وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ تعالیٰ نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر [illegible] ... [illegible] سمعنا وعصینا ۔ بلکہ [illegible] ... [illegible] طاقت نہیں رکھتے ۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے [illegible] ... [illegible] سمعنا واطعنا غفرانک ربنا والیک المصیر ۔

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے [illegible] تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا : آمن الرسول [illegible] ... [illegible] والیک المصیر ۔ [illegible] ... [illegible]

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا : لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا [illegible] ... [illegible]

حل لغات : [illegible] ... [illegible]

خلاصۂ تفسیر : اللہ تعالیٰ [illegible] ... [illegible]

[illegible] ... [illegible]

[illegible]

سوال : [illegible]

[illegible]

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا [illegible]

[illegible]

مسئلہ : [illegible]

[illegible] شریف [illegible]

مسئلہ : [illegible]

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ اِصْرًا [illegible]

سوال : [illegible]

جانب وہ تکلیف جو پوری نہ کر سکیں۔

ف: دوسرے جملہ پر وہ بوجھ اٹھانے سے مراد وہ سخت احکام ہیں جیسے بنی اسرائیل پر نازل ہوئے تھے

ہوا تھا۔

كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ جیسے تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا یعنی بنی اسرائیل پر

سخت کاموں کا بوجھ ڈالا تھا۔

بنی اسرائیل کی تکالیف شاقہ کا بیان بنی اسرائیل پر جو تکالیف شاقہ کا طوق ڈالا گیا تھا ان کی تفصیل

حسب ذیل ہے:

۱ — توبہ تب قبول ہوتی تھی جب اپنے کو مار ڈالتے تھے۔

۲ — جس حصہ عضو سے نافرمانی صادر ہوتی اسے کاٹ ڈالتے۔

۳ — جس جگہ نجاست لگ جاتی اس جگہ کو کاٹ دیا جاتا۔

۴ — پانی کے سوا کسی شے سے پاک کرنے کی اجازت نہ تھی۔

۵ — ان پر دن رات میں پچاس نمازیں فرض تھیں۔

۶ — ان کو مسجد کے سوا کہیں نماز جائز نہ تھی۔

۷ — روزہ دار مغرب کے بعد سو جاتا تو اگر رات میں جاگ جاتا تو کھانا پینا
حرام ہو جاتا، اس کے لئے دوسرے دن تک روزہ ہوتا تھا۔

۸ — گناہوں کی شامت سے چند پاکیزہ اور حلال چیزیں بھی ان پر حرام
کر دی گئی تھیں۔

۹ — ان پر مال کا چوتھا حصہ زکوٰۃ فرض تھی۔

۱۰ — جو رات کو گناہ کرتے وہ صبح کو ان کے دروازوں پر لکھا ہوتا تھا۔

بہرحال اس قسم کے بہت سخت احکام فرض تھے جو اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے آپ کی امت سے اٹھا لئے اور ہم پر یہ کرم فرمایا کہ ایسی تکالیف شاقہ میں ہمیں مبتلا نہیں فرمایا۔

حدیث شریف حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے دلوں میں جو وسوسے پیدا ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان سے درگزر فرمایا ہے جب تک کہ وہ ان پر عمل نہ کریں یا زبان سے نہ کہیں۔

حدیث شریف : [illegible]

[illegible]

[illegible]

سوال : [illegible]

جواب : [illegible]

[illegible]

[illegible]

سوال : [illegible]

جواب : [illegible]

[illegible]

سوال : [illegible]

جواب : [illegible]

[illegible] فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ [illegible]

[illegible]

ف: [illegible]

سورہ بقرہ کی آخری آیات کے فضائل

حدیث شریف: [illegible] سدرۃ المنتہیٰ [illegible]

ف: [illegible]

[illegible]

ف: [illegible]

ف: [illegible]

① پانچ نمازیں۔

② سورہ بقرہ کی آخری [illegible]

③ آپ کی امت میں سے [illegible]

حدیث شریف: [illegible]

[illegible]

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ

[illegible]

[illegible] سمعنا و اطعنا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا [illegible]

[illegible]

میں نے کہا ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا [illegible]

اس کے بعد میں نے کہا ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملتہ علی الذین من قبلنا۔ [illegible]

[illegible]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا [illegible]

اس کے بعد میں نے کہا ربنا ولا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے ایسا ہی کر دیا۔

اس کے بعد میں نے کہا واعف عنا واغفر لنا وارحمنا انت مولانا فانصرنا علی القوم الکافرین۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا [illegible]

حدیث شریف حضور [illegible] نے ارشاد فرمایا۔ [illegible]

حدیث شریف حضور [illegible] نے ارشاد فرمایا۔ [illegible]

مسئلہ [illegible]

حدیث شریف حضور [illegible] نے فرمایا۔ [illegible]

یہ سب [illegible] اسی کے [illegible] [illegible] ہے۔

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] فرمایا [illegible] ہیں۔ [illegible]۔

مسئلہ: حضرت [illegible] رضی اللہ عنہ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

حکایت: حضرت [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] رضی اللہ عنہ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] واقعہ [illegible] [illegible] یہ ہے:

[illegible] ہے۔

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ہے۔

حضرت [illegible] رضی اللہ عنہ [illegible]۔

حضرت [illegible] رضی اللہ عنہ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]۔

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سورۂ آلِ عمران

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ○ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۙ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ○ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا
لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ○ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ
اَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ
ذُو انْتِقَامٍ ○ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ○ هُوَ
الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○
هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ
مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ
الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي
الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○
رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ
اَنْتَ الْوَهَّابُ ○ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا
يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ○

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ :- اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
الٓمّٓ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں، وہ زندہ ہے سب کا قائم رکھنے والا ہے

اس نے آپ پر یہ کتاب نازل فرمائی جو گزشتہ کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور اسی نے اس سے پہلے تورات اور انجیل نازل کی لوگوں کی ہدایت کے لیے اور فیصلہ کن معجزات نازل کیے۔ بے شک جو لوگ آیات الٰہی کے منکر ہوئے ان کے لیے سخت عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ غالب بدلہ لینے والا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں زمین میں نہ آسمانوں میں۔ وہی ہے جو تمہاری شکل بنا دیتا ہے ماں کے رحم میں جیسے چاہتا ہے۔ کوئی معبود نہیں سوائے اس کے، غلبہ والا حکمت والا ہے وہی ہے جس نے تم پر کتاب نازل فرمائی اس کی بعض آیتیں محکمات صاف معنی والی ہیں، وہی کتاب کی اصل ہیں اور دوسری متشابہات ہیں سو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے تو وہ متشابہات کے پیچھے ہو لیتے ہیں فتنہ پیدا کرنے کی غرض سے اور اس کی تاویل تلاش کرنے کے لیے اور اس کی اصلی تاویل سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا اور پختہ علم والے کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے یہ تمام ہمارے رب کی طرف سے ہے اور نصیحت کو صرف عقل والے ہی قبول کرتے ہیں۔ اے ہمارے رب ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ فرما بعد اس کے کہ تو نے ہمیں ہدایت بخشی اور ہمیں اپنی طرف سے رحمت عطا فرما بے شک تو بہت بڑا دینے والا ہے۔ اے ہمارے رب! بے شک تو تمام لوگوں کو اس دن کے لیے جمع کرنے والا ہے جس میں کوئی شک نہیں، بے شک اللہ تعالیٰ وعدہ کا خلاف نہیں کرتا۔

تفسیر بالماثر

سورہ آل عمران مدنی ہے اس کی دو سو آیتیں اور بیس رکوع ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓمّٓ ۝ یہ حروف مقطعات میں سے ہے ان کا معنی صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور جس کے بارے میں کہا گیا ہے۔

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۙ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۝ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ وہ زندہ ہے اور سب کو قائم رکھنے والا ہے کہ اس پر موت نہیں آتی اور وہ ساری مخلوق کو قائم رکھنے والا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے فرمایا کہ اسم اعظم ان تین سورتوں میں ہے:

① سورۃ بقرۃ آیت ۲۵۵ اللّٰہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم۔

② سورۃ آل عمران آیت ۲ اللّٰہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم۔

(۳) سورۃ [illegible]۔ آیت [illegible] وما کان اللہ لیضیع ایمانکم۔

شانِ نزول

یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جو [illegible] گمان [illegible] تھے کہ [illegible] تھا۔
[illegible] اشرف تھا۔

چنانچہ مروی ہے کہ [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]۔ [illegible] کو ایک [illegible] تھے [illegible] کے [illegible] تھے۔ اس سبب [illegible] تھے [illegible]
[illegible]

① [illegible] شہید جن کا نام [illegible]
② اور جن کا نام [illegible] تھا۔
③ [illegible] جن کا نام [illegible] تھا

[illegible] کی وجہ سے ان کی [illegible] زیادہ [illegible] کہ [illegible] ان [illegible] بیت المقدس [illegible] ایمان کے [illegible] نمازیں پڑھی تھیں۔

جب [illegible] ہوئی تو [illegible] ان کے [illegible] جانتے [illegible] قریب [illegible] کے [illegible] رضی اللہ عنہ [illegible] کے لیے [illegible] ان [illegible] رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

[illegible] کی بات [illegible] کہ [illegible] کے لیے [illegible] ہوا کہ [illegible] بھائی: [illegible] نے کہا کہ [illegible] ہیں [illegible] اللہ [illegible] کہ [illegible] بیت المقدس کی طرف [illegible] ہے۔ [illegible] نے کہا کہ [illegible] ہم [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] سب [illegible] ہم [illegible] ہیں گے [illegible] چنانچہ [illegible] اسلام قبول کر لیا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب [illegible] آپ [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] نماز [illegible] ہیں [illegible] تھے اور [illegible] صحابہ کرام [illegible] نماز [illegible] وقت [illegible] نماز پڑھتے [illegible] آپ [illegible] صحابہ کرام [illegible] سے [illegible] ان [illegible] پڑھتے [illegible] بیت المقدس کی طرف [illegible]۔

مناظرہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مع نصاریٰ

[illegible]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مناظرہ کا نمونہ

[illegible]

رسول خدا : [illegible]

نصاریٰ : اگر عیسیٰ [illegible] اللہ تعالیٰ کا بیٹا نہیں ہے تو بتائیے کہ ان کا باپ کون ہے؟

رسول خدا : کیا تمہیں معلوم نہیں کہ بیٹا باپ کے مشابہ ہوتا ہے۔

نصاریٰ : ہاں!

رسول خدا : کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حق تعالیٰ لا یموت ہے؟

نصاریٰ : کیوں نہیں وہ لا یموت ہے۔

رسول خدا : [illegible] کہ عیسیٰ علیہ السلام پر ایک دن فنا آنے والی ہے؟

نصاریٰ : ہاں جی۔

رسول خدا : [illegible]

نصاریٰ : واقعی اسی طرح ہے۔

رسول خدا : حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی ان اوصاف میں سے کوئی وصف حاصل ہے؟

نصاریٰ : نہیں۔

مولانا : [illegible] ؟

فنڈر : واقعی یہ [illegible] ہے۔

مولانا : [illegible] ؟

فنڈر : نہیں۔

مولانا : کیا [illegible] ؟

فنڈر : واقعی اسی طرح ہے۔

مولانا : [illegible]

فنڈر : واقعی اسی طرح ہے۔

مولانا : [illegible] ؟

تبصرہ : [illegible]

[illegible]

سوال : قرآن پاک [illegible] ؟

جواب : [illegible]

[illegible]

[illegible] مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ [illegible]
[illegible]
[illegible] التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ ○ [illegible]

یعنی قبل: اس کتاب سے پہلے [illegible] علیہ السلام [illegible]۔

سوال: تورات اور انجیل کے [illegible]؟

جواب: [illegible]۔

هُدًى لِّلنَّاسِ [illegible] وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ [illegible]۔

سوال: [illegible]؟

جواب: [illegible]۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ [illegible] لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ [illegible] وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ [illegible] ذُو انْتِقَامٍ ○ [illegible]۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَخْفٰى عَلَیْهِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ○ [illegible]۔

هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ [illegible]۔

ف: [illegible]

لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ [illegible] الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝ [illegible]

حدیث شریف

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [illegible]

حدیث شریف

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [illegible]

[illegible]

ف: [illegible]

[illegible] کے ساتھ کی [illegible] کیا گیا۔

مستقل ، ہر ایک [illegible] اس کے [illegible] ہے۔

[illegible] کی فہرست [illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] عالم [illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible] وفیات

[illegible] انسان کے [illegible] ہے [illegible]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

[illegible]

اور فرمایا :

[illegible]

[illegible]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

اهبطوا منها جمیعا فاما یاتینکم منی هدی فمن تبع هدای فلا خوف علیهم ولا هم یحزنون .

[illegible]

[illegible]

تفسیر عالمانہ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ وہی ہے جس نے آپ پر کتاب اتاری . [illegible] اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ - آیات محکمات [illegible] هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ [illegible] وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ اور [illegible]

سوال : [illegible]

جواب : [illegible]

خلاصہ تفسیر : [illegible]

① [illegible]

② [illegible]

[illegible]

① [illegible]

② [illegible]

[illegible]

سوال [illegible]

جواب [illegible]

[illegible]

سوال [illegible]

جواب [illegible]

[illegible]

[illegible] متشابہات [illegible] وابتغاء تاویلہ [illegible] وما یعلم تاویلہ [illegible] الا اللہ والراسخون فی العلم [illegible] متشابہات [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ [illegible] وَمَا يَذَّكَّرُ [illegible] اُولُوا الْاَلْبَابِ [illegible]

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا [illegible] بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا [illegible] وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ [illegible] رَحْمَةً [illegible]
اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ [illegible]

مسئلہ [illegible]

مسئلہ [illegible]

رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ [illegible] لَا رَيْبَ فِيْهِ [illegible] اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ [illegible]

[illegible]

سبق : [illegible]

حدیث شریف : حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا [illegible]

شرح الحدیث : [illegible]

نکتہ : [illegible]

دعائے نبوی : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا مانگتے تھے۔

اللھم یا مقلب القلوب ثبت قلوبنا علی دینک

اے قلوب کے [illegible] اپنے دین کی طرف [illegible]

خلاصۃ الحدیث : [illegible]

حدیث شریف : حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

[illegible] چٹیل میدان میں [illegible]

روحانی نسخہ کیمیا : [illegible]

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اپنے صحابہ کرام [illegible] فرمایا [illegible]

[illegible]

ترجمہ [illegible]

اس میں عقل والوں کے لیے عبرت ہے۔ لوگوں کے لیے مزین کی گئی ہے ان کی خواہشات کی محبت عورتوں سے اور بیٹوں سے اور سونے چاندی کے ڈھیر اور نشان لگے ہوئے گھوڑے اور چوپائے اور کھیتیاں یہ دنیوی زندگی کی پونجی ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس ہے انجام کار کی خوبی فرما دیجئے کیا میں اس سے بہتر چیز بتاؤں؟ تقویٰ والوں کے لیے ان کے رب کے پاس باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ بیویاں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشنودی اور اللہ تعالیٰ بندوں کو دیکھتا ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لائے سو ہمارے گناہ بخش دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔ صبر والے اور سچے اور عاجزی کرنے والے اور راہ خدا میں خرچ کرنے والے اور پچھلی رات اٹھ کر معافی مانگنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں نے اور علم والوں نے انصاف قائم کیا کہ اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، وہی غالب حکمت والا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں اسلام ہی پسندیدہ دین ہے اور مختلف نہ ہوئے اہل کتاب مگر بعد اس کے کہ انہیں علم آچکا آپس کی ضد سے اور جو اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرے تو بے شک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔ پھر اے محبوب! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑیں تو فرما دیجئے میں نے اپنا چہرہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکا دیا ہے اور وہ جو میرے پیرو ہوئے ہیں اور اہل کتاب اور ان پڑھوں کو فرما دیجئے کہ کیا تم نے بھی مانا؟ اگر وہ مانیں تو وہ ہدایت پاگئے اور اگر وہ منہ پھیریں تو تمہارے ذمہ تو حکم پہنچانا ہے اور اللہ تعالیٰ بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے۔

(صحیح مختصر نمبر ۱۹۰)

شرح الحدیث: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سورج اللہ تعالیٰ کا حکم عرش کے نیچے ہی [illegible]

سبق: [illegible]

[illegible] ۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ۔

مسئلہ: [illegible] ۔

سبق: [illegible]

([illegible])

تفسیر عالمانہ

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ [illegible] ءَاَنْذَرْتَهُمْ [illegible] ۔

سوال: [illegible]

جواب: [illegible] ۔

[illegible] ۔

سوال: [illegible]

جواب: [illegible] ۔

[illegible] ۔

[illegible] ۔

شانِ نزول: [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

حل لغات [illegible]

[illegible]

اصل عبارت یوں ہے ،

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

شانِ نزول ، [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ذوالنورین [illegible] اللہ تعالیٰ عنہ [illegible]

[illegible]

واقعہ عمیر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

تشکیل لشکر اسلام

[illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہ [illegible]

[illegible]

[حفیظ جالندھری نے اپنے شاہنامہ میں اس مضمون کو یوں لکھا ہے —

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سوال : [illegible]

جواب : [illegible]

ف : [illegible]

[illegible]

وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ [illegible]

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ [illegible]

[illegible]

لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ [illegible]

سبق : [illegible]

تفسیر صوفیانہ : [illegible]

[illegible]

① [illegible]

② [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ع

ایں خیال است و محال است و جنوں

یہ خیال محال جنون ہے ۔

[illegible]

حکایت حضرت [illegible] کی خدمت میں ایک صاحب تشریف [illegible]

[illegible]

[illegible] نہیں۔

[illegible]

[illegible]
[illegible]

ترجمہ: [illegible]

[illegible]

[illegible]

تفسیر عالمانہ

[illegible]

[illegible]

سوال: [illegible]؟

جواب: [illegible]

"وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ أَعْمَالَهُمْ" [illegible]

حُبُّ الشَّهَوٰتِ: شہوات کی [illegible]

[illegible]

سوال: [illegible]؟

جواب: [illegible]

سوال: [illegible]؟

جواب: [illegible]

[illegible]

شہوت [illegible] ۔

یعنی الشَّہَوَات [illegible] ۔

سوال۔ شہوات میں سب سے پہلے عورتوں کا ذکر کیوں؟

جواب۔ شہوت کے [illegible] سب سے زیادہ [illegible]

[illegible]

وَالْبَنِیْنَ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سوال۔ [illegible] کا ذکر نہیں کیا [illegible]؟

جواب۔ [illegible] ۔

وَالْقَنَاطِیْرِ الْمُقَنْطَرَۃِ ۱

قناطیر، القنطار [illegible] ۔

ف۔ [illegible] ۔

[illegible]

[illegible]

[illegible] ۔

ف۔ [illegible] المقنطرۃ [illegible] ۔

[illegible] ۔

مِنَ الذَّہَبِ وَالْفِضَّۃِ [illegible]

[illegible]

[illegible] وَالْخَیْلِ [illegible] القناطیر المقنطرۃ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] الْمُسَوَّمَۃِ [illegible]

[illegible] ۔ وَالْاَنْعَامِ اور [illegible] ۔
وَالْحَرْثِ اور کھیتی۔

ف [illegible]

ذٰلِكَ [illegible] مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا [illegible] ۔ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ○ [illegible]

سبق: [illegible]

قُلْ [illegible] ۔ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ [illegible] لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا [illegible] جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا [illegible] وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ [illegible]

حدیث شریف: [illegible] وَرِضْوَانٌ [illegible] مِّنَ اللّٰهِ [illegible]

ف: [illegible]

[illegible]

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ [illegible]

الَّذِيْنَ [illegible] يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا [illegible] فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ [illegible]

مسئلہ [illegible]

اَلصّٰبِرِيْنَ [illegible] وَالصّٰدِقِيْنَ [illegible] وَالْقٰنِتِيْنَ [illegible] وَالْمُنْفِقِيْنَ [illegible] وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ۝ [illegible]

صبر کے فضائل و تحقیق [illegible]

① صبر علی الطاعۃ
② صبر عن المعصیۃ
③ صبر علی الشدۃ [illegible]

حدیث شریف [illegible]

[illegible]

صدقہ کی تحقیق : صدقہ جیسے [illegible] ہوتا ہے [illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible] ۔

انفاق کے مسائل

مسئلہ : [illegible]

[illegible] ۔

استغفار اسحار کے مسائل و فضائل

[illegible] حضرت کا سوال کیا استغفار کیا ہے ۔

سوال : استغفار کو اسحار کے ساتھ کیوں مخصوص کیا گیا ہے ؟

جواب : اس لیے کہ یہ وقت قرب الی اللہ کا ہوتا ہے ۔ لہٰذا اس کی تخصیص کی گئی ہے ۔

سوال : اس وقت کو قرب الی اللہ کیوں ہے ؟

جواب : یہ وقت [illegible]

[illegible] ۔

حکایت : حضرت [illegible]

[illegible] استغفار [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ۔

حدیث شریف : حضور [illegible] نے ارشاد فرمایا :

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] اس کے گناہ بخش دوں۔

حدیث شریف

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

[illegible]

[illegible] فرمایا:

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

حدیث شریف

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[illegible]

سبحان اللہ العلی العظیم، سبحان العزیز القہار، سبحان اللہ رب العرش العظیم۔

[illegible]

[illegible]

سبق [illegible]

[illegible]

تفسیر صوفیانہ [illegible]

تفسیر عالمانہ شَهِدَ اللّٰهُ أَنَّهُ [illegible]

[illegible]

حدیث شریف [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سوال: [illegible]

جواب: [illegible]

سوال: [illegible]

جواب: [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ [illegible]

سوال: [illegible]

جواب: [illegible]

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] شهد الله انه لا اله الا هو والملائكة واولوا العلم قائما بالقسط لا اله الا هو العزيز الحكيم [illegible]

انا اشهد بما شهد الله به [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سے دوستی کی وجہ سے۔ آپ نے فرمایا کہ ہر صبح و شام شہد اللہ پڑھ لیا کرو۔

عہد نامہ اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اِنِّيْ اَعْهَدُ اِلَيْكَ بِاَنِّيْ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ وَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ تُقَرِّبْنِيْ مِنَ الشَّرِّ وَتُبَاعِدْنِيْ مِنَ الْخَيْرِ وَاِنِّيْ لَا اَثِقُ اِلَّا بِرَحْمَتِكَ فَاجْعَلْ لِّيْ عِنْدَكَ عَهْدًا تُؤَدِّيْهِ اِلَيَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ۔

عہد نامہ کے خواص جب کوئی مسلمان پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس عہد نامہ پر [illegible] ثبت فرما کر حکم دیتا ہے کہ اسے عرش الٰہی کے نیچے رکھ دیا جائے۔ پھر جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے منادی یہ اعلان کرے گا کہ کہاں ہیں وہ لوگ جن کا اللہ تعالیٰ کے پاس عہد نامہ ہے۔ وہ حاضر ہوں گے پھر انہیں بہشت میں داخل کیا جائے گا۔

سبق: مقصد یہ ہے کہ وہ ہر صبح و شام اپنے عہد [illegible] کا اعادہ [illegible] پیمانہ بندگی پر [illegible] کا یہی مطلب ہے ؎

عہد است و الست [illegible]
گر [illegible]

نکتہ: [illegible]

تفسیر عالمانہ

وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ۔ یہ آیت ان یہود و نصاریٰ کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے [illegible] اختلاف کیا [illegible] اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ [illegible] ہے۔

[illegible]

ف: اس آیت میں [illegible]

بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ [illegible]

[illegible]

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ [illegible] فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ [illegible]

[illegible]

فَاِنْ حَاۤجُّوْكَ [illegible] فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ [illegible] لِلّٰهِ [illegible] وَمَنِ اتَّبَعَنِ [illegible]

وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ [illegible] وَالْاُمِّيّٖنَ [illegible] ءَاَسْلَمْتُمْ [illegible]

[illegible]

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ
يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ
أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ۝ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا
نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ
وَهُم مُّعْرِضُونَ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ۖ
وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝ فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنَاهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ
وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝ قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي
الْمُلْكَ مَن تَشَاءُ وَتَنزِعُ الْمُلْكَ مِمَّن تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَن تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَن تَشَاءُ ۖ
بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۖ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ
فِي اللَّيْلِ ۖ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۖ وَتَرْزُقُ مَن تَشَاءُ بِغَيْرِ
حِسَابٍ ۝ لَّا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَمَن
يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَن تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ
اللَّهُ نَفْسَهُ ۗ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ۝ قُلْ إِن تُخْفُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْدُوهُ
يَعْلَمْهُ اللَّهُ ۗ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيرٌ ۝ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا وَمَا عَمِلَتْ مِن سُوءٍ
تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ ۗ وَاللَّهُ
رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ

ترجمہ: بے شک جو لوگ اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے ہیں اور انصاف
کا حکم کرنے والوں کو قتل کرتے ہیں سو انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے
اعمال دنیا و آخرت میں ضائع ہو گئے اور ان کے لیے کوئی مددگار نہیں۔ کیا تم نے ان کو نہیں دیکھا جن کو
کتاب کا ایک حصہ ملا ہے وہ کتاب اللہ کی طرف بلائے جاتے ہیں کہ وہ ان کا فیصلہ کرے تو
پھر ان کا ایک گروہ اس سے منہ پھیر کر پھر جاتا ہے۔ یہ اس سبب سے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو
گنتی کے چند دنوں کے سوا آگ ہرگز نہیں چھوئے گی اور انہیں ان کے دین کے بارے میں اس نے دھوکا دیا
جو وہ افترا کرتے تھے۔ سو کیا حال ہوگا جب ہم انہیں اس دن کے لیے جمع کریں گے جس میں کچھ
شک نہیں اور ہر ایک کو اس کی کمائی کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور وہ ظلم نہیں کیے جائیں گے۔ عرض کیجیے

[illegible]

اور خدا تعالیٰ بندوں پر بڑا مہربان ہے۔

(بقیہ حاشیہ نمبر) ۱۱۸

[illegible]

حدیث شریف [illegible]

کہ وہ سب اللہ [illegible] دیکھ رہا ہے [illegible] اسلام [illegible] [illegible] کے [illegible]

[illegible] ۔۔۔ الخ

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ اور اللہ [illegible] اپنے بندوں کے تمام احوال [illegible]

[illegible] ہے۔

(تحریک ایمان [illegible])

تفسیر بالماثور اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ [illegible] کی آیت [illegible] کے

[illegible] کی۔

وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ [illegible] ہے گے۔

سوال: [illegible]

[illegible]؟

جواب: [illegible]

[illegible]

[illegible] کر دیا۔

سوال: [illegible] بغیر الحق [illegible] کیا مطلب ہے؟

جواب: [illegible]

[illegible] ایک [illegible] ہے۔

[illegible] آیت [illegible] ہے۔

وَيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ [illegible]

مِنَ النَّاسِ [illegible] ہے۔

حدیث شریف حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے [illegible]

[illegible] آپ نے

فرمایا اس شخص کو [illegible] نبی کو [illegible] امر بالمعروف [illegible]

[illegible] پھر [illegible] یہ آیت پڑھی [illegible] بنی اسرائیل [illegible] کے [illegible] تمام

[illegible]

[illegible] فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ ۞ [illegible]

سوال: [illegible]

جواب: [illegible]

[illegible]

[illegible]

سوال: [illegible]

جواب: [illegible]

[illegible]

[illegible]

سبق [illegible]

[illegible]

۱۔ [illegible]

[illegible]

۲۔ [illegible]

[illegible]

۳۔ [illegible]

[illegible]

ترجمہ: [illegible]

۲۔ [illegible]

۳۔ [illegible]

راز کی بات [illegible]

حکایت [illegible]

مسئلہ [illegible]

تفسیر عالمانہ [illegible]

[illegible]:

اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا ۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جن کو دیا گیا حصہ ۔ مِنَ الْکِتٰبِ [illegible] کتاب میں سے [illegible] حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] کے [illegible] یُدْعَوْنَ اِلٰی کِتٰبِ اللّٰہِ ۔ [illegible] کتاب [illegible] کی طرف بلائے جاتے ہیں [illegible]

کتٰب اللّٰہ ۔

لِیَحْکُمَ ۔ [illegible] بَیْنَھُمْ ۔ [illegible]

[illegible] ہے ۔

شانِ نزول (۱) [illegible]

[illegible]

شانِ نزول (۲) [illegible]

[illegible]

اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا ۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کا حال جو دیئے گئے حصہ [illegible] ۔ مِّنَ الْكِتٰبِ کتاب سے یعنی توراۃ سے [illegible] کے تھے اور اسلام کی حقیقت [illegible] ۔ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ ۔ بلائے جاتے ہیں کتاب اللہ کی طرف [illegible] کتاب [illegible] کتاب اللہ ۔

لِيَحْكُمَ ۔ تاکہ وہ [illegible] ۔ بَيْنَهُمْ ۔ ان کے درمیان [illegible] اس [illegible] ہے ۔

شانِ نزول (۱) حضور نبی کریم [illegible] حضرت ابراہیم [illegible] حضور نبی کریم [illegible] یہودیوں [illegible] ۔

[illegible]

شانِ نزول (۲) [illegible] حضور نبی کریم [illegible] آپ [illegible] ۔ [illegible] حضرت عبداللہ بن سلام [illegible] ۔ [illegible]

[illegible]

[illegible]

ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيقٌ مِّنْهُمْ [illegible]

سوال [illegible]

جواب [illegible]

[illegible]

[illegible] فرمایا

[illegible]

[illegible]

وَهُمْ مُّعْرِضُونَ ○ [illegible]

[illegible] ذٰلِكَ [illegible]

[illegible] ○

[illegible]

حدیث شریف حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے [illegible]

[illegible] چالیس [illegible] چالیس سال [illegible]

فائدہ [illegible]

[illegible]

حدیث شریف [illegible]

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ [illegible] کسی قسم کا ظلم نہ ہوگا۔

مسئلہ [illegible]

مسئلہ [illegible]

و [illegible]

مسئلہ [illegible]

[illegible]

حدیث شریف [illegible]

[illegible]

اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ترجمہ [illegible]

حدیث شریف [illegible]

[illegible]

الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن [illegible]

[illegible]

سبق [illegible]

[illegible] ۔

[illegible]

[illegible] ۔

تحریر صوفیاء [illegible]

[illegible]

[illegible] ۔

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی تحریر [illegible]

[illegible]

① [illegible] ۔

② [illegible]

[illegible] ۔

③ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

۱۔ [illegible]

[illegible]

۲۔ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

(۱) [illegible]

(۲) [illegible]

(۳) [illegible]

تفسیر عالمانہ قُلِ اللّٰهُمَّ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مٰلِكَ الْمُلْكِ [illegible]

[illegible]

تُؤْتِي الْمُلْكَ [illegible]

[illegible]

مَنْ تَشَآءُ [illegible] وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ [illegible]

[illegible] وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ [illegible]

[illegible] وَتُذِلُّ [illegible]

[illegible]

[illegible]

سوال: [illegible]

جواب: [illegible]

(۱) [illegible]

(۲) [illegible]

شان نزول [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ [illegible]

تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ [illegible] وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ [illegible] وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ [illegible] وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ [illegible] وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ [illegible]

تحقیق لفظ حساب: [illegible]

① [illegible]

وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔

[illegible]

⑥ [illegible] کا قول [illegible]

انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب ۔

⑦ [illegible] کا قول [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

فضائل چند مخصوص آیات سورہ بقرہ و آل عمران

[illegible]

[illegible]

حدیث قدسی

[illegible]

[illegible]

[illegible] ہوں گے۔

حدیث موسوی [illegible] حضرت موسیٰ [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]

حکایت [illegible]

سبق [illegible]

عدل و انصاف اور ظلم و استبداد کے اثرات

[illegible] برکت ہو جاتی ہے۔

حکایت جب حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ [illegible] حضرت عمر بن عبد العزیز رضی [illegible] نے فرمایا [illegible] نصیحت کافی ہے۔

[illegible]

[illegible] قیمت

[illegible]

[illegible]

[illegible]

نبوی پیشگوئی [illegible]

[illegible] -

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ [illegible] مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ [illegible]

[illegible]

[illegible] -

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ [illegible] - فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کسی شاعر نے کہا ہے —

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

① تیرا دوست
② تیرے دوست کا دوست
③ تیرے دشمن کا دشمن۔

— [illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

---

[1] [illegible] ۱۲۰۔

[illegible]

[illegible]

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ [illegible] وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝ [illegible]

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ [illegible] يَعْلَمْهُ اللّٰهُ [illegible]

وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ [illegible] وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ [illegible]

اے [illegible] عذاب [illegible]۔ (الکشاف)

سبق: [illegible] عذاب سے [illegible]۔ [illegible] اور کسی سے محبت ہو تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے [illegible] اور گناہ سے بچتا رہے۔

حدیث شریف: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا [illegible] گناہ ہیں۔

① [illegible]

② [illegible] کے خلاف کرنا۔

③ [illegible]

④ [illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]

ترجمہ: [illegible]

تفسیر صوفیانہ: صاحب [illegible] اسلام [illegible] ایمان کے اصول [illegible] [illegible]

[illegible]
[illegible]

ترجمہ: [illegible] کرتا ہے۔

[illegible] فرماتے ہیں

۱- [illegible]

۲- [illegible]

۳- [illegible]

۴- [illegible]

[illegible]

ترکیب ① [illegible]

② [illegible]

③ [illegible]

④ [illegible]

تشریح معانی [illegible]

حکایت [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سبق [illegible]

[illegible]

[illegible]

ترجمہ [illegible]

سوال [illegible]

جواب [illegible] فرمایا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد
فدائے یک تن بیگانہ کآشنا باشد

ترجمہ [illegible]

سبق [illegible]

[illegible]

مسئلہ [illegible]

مسئلہ [illegible]

تفسیر عالمانہ [illegible] یَوْمَ [illegible] کُلُّ نَفْسٍ [illegible] مِنْ خَیْرٍ مُّحْضَرًا [illegible] وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ [illegible]

سوال [illegible]

جواب [illegible]

لَوْ اَنَّ بَیْنَهَا وَبَیْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِیْدًا [illegible]

[illegible]

وَیُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ [illegible]

سوال [illegible]

جواب [illegible]

وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ○ [illegible]

تفسیر صوفیانہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اسے جنا تو کہا : اسے میرے پروردگار ! یہ تو میں نے لڑکی جنی . اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ اس نے جنا اور نہیں لڑکا مثل لڑکی جیسا نہیں اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ، اور بے شک میں اسے اور اس کی اولاد تیری پناہ میں دیتی ہوں مردود سے . اللہ تعالیٰ نے اچھی طرح قبول فرمایا اور عمدہ طریقے سے اس کی نشوونما فرمائی اور اسے زکریا کی کفالت میں دیا . جب زکریا اس کی عبادت گاہ میں آتے تو اس کے پاس رزق پاتے . فرمایا : اے مریم ! یہ تیرے پاس کہاں سے آیا . مریم نے عرض کی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے . بے شک اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے . یہاں پر زکریا نے اپنے پروردگار سے دعا کی عرض کیا کہ اے میرے رب مجھے اپنے خاص لطف سے پاکیزہ اولاد عنایت فرما بے شک تو دعا سننے والا ہے . پھر فرشتوں نے انہیں آواز دی اور وہ عبادت گاہ میں کھڑے نماز پڑھ رہا تھا بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو یحییٰ کی بشارت دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ایک کلمہ کی تصدیق کرنے والا اور سردار اور عورتوں سے بچنے والا اور نبی ہوگا صالحین میں سے . زکریا نے عرض کی اے میرے رب میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا حالانکہ مجھے بڑھاپا پہنچ گیا اور میری عورت بانجھ ہے فرمایا اللہ تعالیٰ یونہی کرتا ہے جو چاہتا ہے . عرض کی اے میرے رب ! میرے لیے اس کی کوئی نشانی مقرر فرما دیجئے فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ تو تین دن لوگوں سے بات نہ کرے گا مگر اشارہ سے اور اپنے رب کو بہت یاد کر اور شام کو اور صبح کو اس کی تسبیح کیجئے .

(پرچہ نمبر ۱۳۳)

حدیث شریف

حضرت سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا .

کہ آپ نے : حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی ایسا مسلمان نہیں جو ایسی دعا کرے جس میں گناہ اور قطع رحمی نہ ہو مگر اللہ تعالیٰ اسے تین چیزوں میں سے ایک عطا فرماتا ہے یا تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا جلد قبول فرما لیتا ہے یا اللہ تعالیٰ اسے آخرت کے لیے ذخیرہ کر دیتا ہے یا اللہ تعالیٰ اس سے اس کی مثل برائی دور کر دیتا ہے . صحابہ نے عرض کی تب تو ہم بہت دعا کریں گے . فرمایا اللہ تعالیٰ کا دینا اس سے بھی زیادہ ہے کہ ہو گی اس کے بعد تو اللہ تعالیٰ کثیر ہو گا .

تحفۂ دعا

حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ یہ دعا کیا کرتے تھے

یا حنان یا منان یا ذا الجلال والاکرام [illegible]

یا احد [illegible]

المشرق والمغرب [illegible]	[illegible]
[illegible] من الارض [illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible] العظيم [illegible]	[illegible]

نصیحتِ نبوی: [illegible]

حدیث شریف [illegible]

آل عمران [illegible]

تفسیر بالماثور

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِيْ ۔ اے میرے محبوب [illegible] فرما دیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو۔

[illegible]

يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں محبوب بنا لے گا۔

شانِ نزول [illegible]

نحن ابناء الله واحباؤه ۔ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

محبت الٰہی کی علامت [illegible]

[illegible]

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ [illegible]

[illegible] وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ [illegible]

[illegible]

قُلْ أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ

شانِ نزول [illegible]

[illegible]

مسئلہ [illegible]

فَإِنْ تَوَلَّوْا [illegible]

[illegible]

فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ○ [illegible]

[illegible]

مسئلہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

کسی شاعر نے خوب کہا ہے ؎

تعصی الاله وانت تظهر حبه

هذا المحال فی القیاس بدیع

لو کان حبک صادقا لاطعته

ان المحب لمن یحب مطیع

[illegible]

[illegible]

امر علی الدیار دیار لیلی

اقبل ذا الجدار وذا الجدارا

وما حب الدیار شغفن قلبی

ولکن حب من سکن الدیارا

[illegible]

تفسیر صوفیانہ

[illegible]

حق [illegible] کے طور پر پہنچے کہ تمام امت ہو جائے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طریقہ مبارک سے محروم نہیں وہ بیعت سے محروم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بیعت [illegible] ہے آپ کے [illegible] اور [illegible] حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد [illegible] صاحب باطن سے [illegible] بیعت [illegible] سے محروم ہو [illegible] حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت [illegible] بیعت کی برکت سے [illegible] [illegible] بیعت کے [illegible] اس لئے کہ [illegible] بیعت [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] [illegible] حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] [illegible] بیعت [illegible]

[illegible]

حدیث شریف مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ [illegible] حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ [illegible] حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام [illegible] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا [illegible] آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں [illegible] حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا [illegible] اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا [illegible] اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے عمر! اب تمہارا ایمان کامل ہوا۔ [illegible]

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "میری تمام امت جنت میں داخل ہوگی سوائے [illegible] صحابہ نے عرض کیا [illegible] آپ نے فرمایا کہ جو میری اطاعت کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا اور جو میری نافرمانی [illegible] (بخاری)۔

حکایت ایک مرتبہ [illegible] علیہ السلام کی خدمت میں [illegible] حاضر ہوئے [illegible]

[illegible]

ترجمہ [illegible]

حکایت [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

یعنی آپ کی اطاعت آپ کی اتباع کرتی [illegible] امتی ہونے کا شرف حاصل ہوتا ہے اور [illegible] [illegible] [illegible] نبی علیہ السلام [illegible] [illegible] نصیب ہو [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] میں شامل ہو [illegible] [illegible] اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ۔

سبق اے مالک الملک [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] تمام [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امتی ہونے کا شرف نصیب [illegible] [illegible] اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔

الف [illegible] [illegible] [illegible] ۔

تفسیر عالمانہ إِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ

حل لغات ۔ الاصطفاء یعنی الاختیار کسی شے کی [illegible] کو [illegible] لینا ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے [illegible] [illegible] آدم علیہ السلام کو [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] علیہ السلام [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] علیہ السلام [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ۔

وَنُوحًا ۔ اور حضرت نوح علیہ السلام کو [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] نوح علیہ السلام کی شریعت [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] نوح علیہ السلام کی شریعت [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] وَآلَ إِبْرَاهِيمَ ۔ ابراہیم علیہ السلام کی آل کو چن لیا اس سے حضرت اسماعیل و اسحاق [illegible] [illegible] علیہم السلام مراد ہیں [illegible] حضرت انبیاء کرام [illegible] علیہم السلام [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ۔

مسئلہ [illegible] [illegible] [illegible] علیہ السلام [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ۔

وَآلَ عِمْرَانَ ۔ اور آل عمران کو چن لیا اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ مراد ہیں ۔

حضرت مریم کا نسب نامہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا نسب نامہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] علیہم السلام [illegible] ابراہیم [illegible] علیہ السلام تک۔

وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ [illegible] بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ○ [illegible]

[illegible]

مسئلہ: آیت سے [illegible]

[illegible]

حدیث شریف: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا [illegible]

تفسیر صوفیانہ [illegible] انبیاء علیہم السلام [illegible]

[illegible]

[illegible] بعض۔

[illegible] انبیاء علیہم السلام [illegible]

① ولایت عمومی

② ولایت خصوصی

[illegible]

ولایت خصوصی [illegible] انبیاء علیہم السلام [illegible]

[illegible]

چنانچہ منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

① جس نے مجھے دیکھا۔

② جس نے میری [illegible] کی۔

③ جس نے مجھے [illegible]۔

ف: [illegible]

[illegible] علامات دو طرح ہیں: ① صوری

② معنوی۔

[illegible]

[illegible] کی علامات ہوں گے۔

[illegible]

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ، بیٹا باپ کا عکس ہوتا ہے ۔

ف : ابراہیم علیہ السلام کی صورت [illegible] ۔

(۲) [illegible] ۔ **قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ** ، جب کہ عمران کی بیوی نے ۔

اس سے عمران کی زوجہ یعنی بی بی مریم کی ماں [illegible] اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نانی [illegible] نام حنہ

بنت فاقوذا ہے ۔

ف : حضرت عمران [illegible] کی ایک لڑکی تھی [illegible] حضرت [illegible] علیہ السلام [illegible]

[illegible] کا نام ایشاع تھا ۔

سوال : [illegible] حضرت عیسیٰ علیہ السلام [illegible]

[illegible] تھا یا کوئی اور ؟

جواب : [illegible] حضرت زکریا علیہ السلام کے [illegible]

[illegible] حضرت مریم [illegible] علیہ السلام [illegible] حضرت زکریا [illegible]

[illegible]

[illegible] علیہ السلام [illegible]

واقعہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] حضرت [illegible] ۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :

رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ ، اے میرے رب ، [illegible]

[illegible] ۔ **مَا فِیْ بَطْنِیْ** ، جو میرے پیٹ میں ہے ۔

سوال : بی بی حنہ نے [illegible] کیوں مانی ؟

جواب : اس [illegible] ہے ۔

(۲) [illegible] ۔

مُحَرَّرًا ، بیت المقدس کی خدمت کے لیے [illegible]

[illegible] بیت المقدس [illegible]

[illegible]

مسئلہ: [illegible]

مسئلہ: [illegible]

مسئلہ: [illegible] بیت المقدس [illegible]

ف: [illegible] بیت المقدس [illegible]

ف: [illegible] بیت المقدس کی خدمت کے لیے [illegible]

سوال: [illegible]

الجواب: [illegible]

[illegible]

فَتَقَبَّلْ مِنِّي: [illegible] بیت المقدس [illegible] إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ [illegible]

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا [illegible] قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ [illegible] وَاللَّهُ أَعْلَمُ [illegible]

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ [illegible]

وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى [illegible]

[illegible]

یہ دونوں جملے اللہ تعالیٰ کے [illegible] وضعتھا اور انی سمیتھا کے [illegible]

① [illegible]

② [illegible] ثبوت ۔

وَاِنِّيْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ ۔ [illegible]

[illegible]

وَاِنِّيْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ [illegible] **وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ** ○ [illegible]

مسجد بیت المقدس میں رہتی تھیں۔

حدیث شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
ہر بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس کو چھوتا ہے [illegible] سوائے
بی بی مریم اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔۔

شرح الحدیث شیطان ہر بچے کو گمراہ کرنے کے لئے [illegible] شیطان کے اغوا سے محفوظ رہے [illegible] حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام [illegible] اللہ تعالیٰ نے انہیں اس دعا کی برکت سے محفوظ فرمایا۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا [illegible] فرمایا۔ [illegible] بِقَبُولٍ حَسَنٍ [illegible] بیت المقدس کی خدمت کے لیے [illegible] بیت المقدس [illegible]

[illegible] بیت المقدس کی خدمت کے لیے قبول فرمایا۔

وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا اور اس کی اچھی تربیت فرمائی۔

سوال: بی بی مریم کی تربیت کو انبات [illegible] سے کیوں تعبیر کیا گیا؟

جواب: [illegible] اس لیے اسے انبات سے تعبیر کیا گیا ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے [illegible] کیا وجہ ہے؟

جواب: [illegible] بیت المقدس کی خدمت کے لیے [illegible]

سبق اس سے معلوم ہوا کہ [illegible]

نصیب فرمائے۔ [illegible]

وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ

[illegible]

ترجمہ، اور میری رحمت [illegible]

تفسیر صوفیانہ [illegible]

[illegible]

حکایت جب حضرت [illegible]

[illegible]

تحقیق [illegible]

[illegible]

ف: حضرت [illegible]

ف: حضرت [illegible]

[illegible]

[illegible]

سبق [illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

سبق حضرت شیخ [illegible] اللہ تعالیٰ نے [illegible]

سبق: سالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر وقت [illegible] طاعت و عبادت میں مشغول رہے [illegible] [illegible] اللہ پر توکل کرتے رہیں اور سمجھے کہ اپنا عمل کچھ نہیں [illegible] کہ اس کے فضل و کرم [illegible] سے تمام اوقات [illegible] بہشت ہو جائیں گے۔

بزرگان کا قول ہے کہ [illegible] اللہ تعالیٰ کی [illegible] کے لیے [illegible] وقت [illegible] میں [illegible] اس کی [illegible] بیٹھے کی [illegible] کے [illegible] جب وہ [illegible] تو اس [illegible] صورت [illegible] سے [illegible] حال [illegible] ہے۔

وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا: اور بی بی مریم کی [illegible] زکریا علیہ السلام کی کفالت میں [illegible] اصل اللہ تعالیٰ کا فضل ہے [illegible] اللہ تعالیٰ نے بی بی مریم کو [illegible] کی [illegible] انھیں [illegible] کی [illegible] کا [illegible] کی [illegible] قائم فرمایا [illegible] کی اصلاح کا اہتمام کرے۔

حدیث شریف: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"انا وكافل اليتيم كهاتين" : میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں [illegible] کی طرح [illegible] ہوں گے۔

نسب حضرت زکریا علیہ السلام: زکریا علیہ السلام [illegible] حضرت سلیمان [illegible] داؤد علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔

واقعہ ولادت بی بی مریم: مروی ہے کہ جب بی بی مریم کی ولادت ہوئی تو ان کی والدہ [illegible] انھیں [illegible] میں لپیٹ کر مسجد بیت المقدس میں لے آئیں اور انھیں احبار و علماء کے سپرد کر دیا [illegible] حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے [illegible] بیت المقدس [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] اس کی تربیت [illegible] [illegible] حضرت زکریا علیہ السلام نے فرمایا [illegible] کی تربیت [illegible] [illegible] اس لیے کہ [illegible] [illegible] سب [illegible] ہو گئے۔ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

چنانچہ [illegible] قلم [illegible] سب کے قلم [illegible] حضرت زکریا علیہ السلام کا قلم [illegible]

ترجمہ: [illegible]

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ [illegible] محراب ہے۔

[illegible]

[illegible]

وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا [illegible]

قَالَ يٰمَرْيَمُ [illegible] اَنّٰى لَكِ هٰذَا [illegible]

قَالَتْ [illegible]

[illegible]

هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ [illegible] اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ [illegible]

مسئلہ: [illegible]

[illegible]

کی سعادت کے بعد تیسرے دن آپ کی صحبت سے مسرور ہوئی

کرامت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

مروی ہے کہ ایک روز فاقہ تھا - بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور [illegible] کی خدمت میں دو روٹیاں اور [illegible] بوٹی گوشت بھیجا - جب وہ [illegible] حضور [illegible] سے گوشت سے بھرا تھا - بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا [illegible] کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے - انہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

" انّی لکِ ھٰذا (اے فاطمہ یہ تمہارے پاس کہاں سے آیا) -

بی بی فاطمہ نے جواب دیا :

" ھو من عند اللہ ان اللہ یرزق من یشاء بغیر حساب " (یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے بے شک اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

" الحمد للہ الذی جعلک شبیھۃ بسیدۃ نساء بنی اسرائیل " (تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے اے فاطمہ ! تمہیں بنی اسرائیل کی عورتوں کی سردار مریم کے مشابہ فرمایا) ۔

اس کے بعد حضور [illegible] نے حضرت علی [illegible] کو بلایا [illegible] اہل بیت [illegible] نے کھانا کھایا [illegible] بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے [illegible] ہمسایوں میں تقسیم فرمایا ۔

مسئلہ : صحابہ کرام سے ہے کہ [illegible] تمام اصحاب سے کرامات کا صدور ہوا ۔

مسئلہ : حضرت سہل بن عبد اللہ تستری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ انسان اپنے بُرے اخلاق کو دور کرکے نیک خصلتوں کا خوگر ہو جائے ۔

مسئلہ : حضرت شیخ ابو العباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ کرامت نہیں کہ کسی کے لیے زمین لپیٹ دی جائے [illegible] سب سے زیادہ بڑی کرامت یہ ہے کہ اس سے بُری خصلتیں دور ہو جائیں اور وہ نیک اخلاق کا مالک ہو جائے

حکایت حضرت ابو یزید بسطامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی گئی کہ فلاں شخص ہوا میں اڑتا ہے ۔ آپ نے فرمایا کیا ہوا [illegible] صاحب کرامت کہا جائے ۔ پھر عرض کیا گیا کہ فلاں پانی پر چلتا ہے ۔ آپ نے فرمایا [illegible] پھر عرض کیا گیا کہ فلاں شخص [illegible] آپ نے فرمایا [illegible]

[illegible]

[illegible]

حکایت [illegible]

حکایت [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

یہاں ایک سوال ہوتا ہے:

[illegible]

إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ۝ [illegible]
سے قبولیت مراد ہے۔

سمع الله لمن حمده [illegible]

سوال: حضرت زکریا علیہ السلام کو جب [illegible]

[illegible]

فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ [illegible]

مطلب [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سوال [illegible]

جواب [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

حکایت حضرت یحییٰ علیہ السلام [illegible] لڑکوں نے آپ کو کھیل کی طرف بلایا تو آپ [illegible] کھیل کے لیے پیدا نہیں کیا گیا۔

[illegible] حضرت یحییٰ علیہ السلام نے [illegible]

[illegible]

وَنَبِيًّا [illegible] مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ [illegible]

[illegible]

قَالَ حضرت زکریا علیہ السلام نے [illegible]

سوال: [illegible]

جواب: (۱) [illegible]

(۲) [illegible]

رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ [illegible] غُلٰمٌ

[illegible] وَقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ [illegible]

[illegible]

[illegible]

وَامْرَاَتِىْ عَاقِرٌ [illegible]

قَالَ [illegible] كَذٰلِكَ [illegible] اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ○ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّىْٓ اٰيَةً [illegible]

[illegible] ہے۔

سوال: [illegible] سوال کیا تھا؟

جواب: [illegible]

[illegible] ہیں۔

قَالَ اٰيَتُكَ [illegible] ہے۔ **اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ** [illegible] **ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ** [illegible] ہیں۔

نکتہ: [illegible]

اِلَّا رَمْزًا [illegible] ہے۔

سوال: [illegible]

جواب: [illegible]

نکتہ: [illegible] ہیں۔

وَاذْكُرْ رَبَّكَ كَثِيْرًا [illegible] **وَسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ** [illegible] **وَالْاِبْكَارِ** ۝ [illegible]

حضرت [illegible] فرماتے ہیں:

① [illegible]

② [illegible] ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام زبان سے بات کرنے سے تو روک دیئے گئے لیکن اللہ کے ذکر میں [illegible]

[illegible]

ف: ذکر کے لئے کسی [illegible] کی ضرورت نہیں [illegible] ہے۔

حکایت حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب [illegible] تو آپ کے [illegible]

یا حی [illegible] اللہ [illegible] علیہ السلام [illegible] اللہ تعالیٰ کا ذکر [illegible]

حضرت یحییٰ علیہ السلام [illegible] تعجب [illegible] اللہ تعالیٰ کی [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سبق دانا وہ ہے [illegible] ذکر [illegible] ہے۔

جب [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] از آسمان [illegible]

[illegible]

[illegible]

تصوف حضرت [illegible] رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ذکر [illegible]

[illegible] ہے۔

ف: حضرت [illegible] رحمۃ اللہ علیہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ف: حضرت [illegible] رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا [illegible] ہے۔

① [illegible]

② ذکر

مسیح عیسیٰ بن مریم دنیا و آخرت میں با آبرو ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ کے قرب والا ہے اور گہوارہ میں اور بڑی عمر میں لوگوں سے گفتگو کرے گا اور وہ نیک لوگوں سے ہوگا۔ عرض کی اے میرے رب! مجھے بچہ کہاں سے، حالانکہ مجھے تو کسی بشر نے ہاتھ لگایا نہیں، فرمایا اللہ تعالیٰ یونہی پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے جب وہ کسی کام کا حکم فرماتا ہے تو کہہ دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل کو سکھائے گا اور وہ بنی اسرائیل کا رسول ہوگا یہ کہتا ہوا کہ بے شک میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی لایا ہوں وہ یہ کہ میں تمہارے لیے گارے سے پرندے جیسی ایک شکل بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے مادر زاد اندھے کو شفا دیتا ہوں اور برص کے مریض کو اور مردے زندہ کرتا ہوں اور میں تمہیں اس طعام کی خبر دیتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو گھروں میں جمع رکھتے ہو بے شک ان میں تمہارے لیے بڑی نشانی ہے اگر ایمان لاؤ، اور تصدیق کرتا ہوا آیا ہوں جو میرے سے پہلے آئی ہوئی تورات کی تصدیق کرتا ہوں اور اس لیے کہ تمہارے لیے بعض چیزیں حلال کروں جو تم پر حرام کی گئی تھیں اور میں تمہارے رب کی طرف سے نشانی لایا ہوں سو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ بے شک میرا اور تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہے سو اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے پھر جب عیسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے کفر محسوس کیا تو کہا کون میرے مددگار ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف؟ حواریوں نے کہا کہ ہم ہیں خدا کے دین کے مددگار، ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور آپ گواہ ہو جائیے کہ ہم ماننے والے ہیں۔ اے ہمارے رب! ہم اس پر ایمان لائے جو تو نے نازل فرمایا اور ہم نے رسول کی تابعداری کی تو ہمیں حق کی گواہی دینے والوں میں لکھ دے۔ اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی بربادی کی خفیہ تدبیر بنائی اور اللہ تعالیٰ سب سے اچھی تدبیر کرنے والا ہے۔

انجیل صفحہ نمبر ۲۲۰

② [illegible] ۔

جب تم [illegible] آگے آ [illegible] ۔

[illegible]

[illegible]

حکایت [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مسئلہ: کرامت [illegible]

کرامت کے لیے [illegible]

ف: [illegible]

[illegible]

إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ بے شک تجھے اللہ نے [illegible]

[illegible] وَطَهَّرَكِ [illegible]

[illegible]

ف: [illegible]

وَاصْطَفٰكِ [illegible] عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ○ تمام عالم کی عورتوں سے [illegible]

[illegible]

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ [illegible]

[illegible] وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ○ [illegible]

مسئلہ: [illegible]

[illegible]

سوال: [illegible]

جواب: [illegible]

[illegible]

[illegible]

(۳) [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

(۱) [illegible]

[illegible]

[illegible]

(۲) [illegible]

چنانچہ فرمایا

[illegible]

(۳) [illegible]

چنانچہ فرمایا

[illegible]

(۴) [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ اور آپ ان کے پاس موجود نہ تھے [illegible] کیا تھا۔

یہ سبب ہے کہ [illegible] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] واقعات [illegible] ان سے [illegible] سنا ہو [illegible] کسی کتاب سے پڑھا ہو اور نہ کسی کی صحبت میں بیٹھ کر یہ واقعات معلوم کئے ہوں جب یہ دونوں باتیں نہیں تھیں اس لئے [illegible] واقعات [illegible] معلوم [illegible] اس کے لئے [illegible] ہے۔

ف۔ [illegible] حضرت شاہ صاحب نے اپنے حواشی میں لکھا ہے۔

> گویا آنحضرت نے فرمایا اے [illegible] نبوت کے [illegible] جب [illegible] واقعات [illegible] اب تو ان کی نبوت کا [illegible] حضرت مریم [illegible] واقعات کے وقت [illegible] حالات [illegible] اور [illegible] بات کا انکار [illegible] واقف [illegible] کوئی [illegible] اور [illegible] آپ کو [illegible] نہیں ہو سکتا۔

إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ ۔ جب وہ [illegible] قلمیں [illegible] تھے۔

مسئلہ ۔ اس [illegible] قرعہ اندازی کی۔

أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۔ [illegible] کفالت [illegible] کون [illegible] ہو۔

وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ○ اور آپ ان کے پاس نہیں تھے جب وہ [illegible] کفالت [illegible] ہو۔

فضائل ابراہیم علیہ السلام آیت میں ابراہیم علیہ السلام کی فضیلت کی طرف اشارہ ہے کہ انہیں تمام عالم دنیا کی [illegible] سے برگزیدہ بنایا [illegible] [illegible] نصیب نہ ہوئی۔

حدیث شریف (۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا [illegible] دنیا کی تمام مخلوق سے افضل [illegible]

حدیث شریف (۲) حضرت [illegible] سے مروی ہے کہ حضور [illegible] نے ارشاد فرمایا عالم کی تمام مخلوق سے [illegible] میں داخل ہیں۔

مسئلہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عالم دنیا کی تمام مخلوق سے [illegible]

مسئلہ [illegible] صرف [illegible]

ف [illegible] نبوت [illegible]

[illegible] نبوت [illegible]

حکایت [illegible]

[illegible]

۔ [illegible] ہے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

حکایت منقول ہے کہ شیخ [illegible]

[illegible]

سبق اس سے معلوم ہوا کہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ [illegible] يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ [illegible]

سوال [illegible]

جواب [illegible]

سوال [illegible]

جواب [illegible]

[illegible]

سوال ۱: [illegible] کے لیے [illegible]؟

جواب ۱: [illegible] حضرت عیسیٰ علیہ السلام [illegible] کی وجہ سے [illegible]

[illegible]

الْمَسِیْحُ: [illegible]

[illegible]

عِیْسَی: [illegible] ہے۔

ابْنُ مَرْیَمَ: [illegible] ہے۔

سوال ۲: [illegible] ابن مریم [illegible]؟

جواب ۲: (۱) [illegible] عیسیٰ علیہ السلام [illegible]

(۲) [illegible]

[illegible]

[illegible]

سوال ۳: المسیح عیسیٰ [illegible]

[illegible] ہے؟

ج ۳: [illegible]

[illegible]

(۲) [illegible]

وَجِیْهًا: [illegible] ہے۔

سوال ۴: [illegible]؟

جواب ۴: [illegible] ہے۔

[illegible]

فِی الدُّنْیَا: دنیا [illegible] وَالْاٰخِرَۃِ: [illegible]

[illegible] وَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ○ [illegible]

[illegible]

وَیُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَھْدِ وَکَھْلًا: [illegible] کلام کریں گے۔

[illegible]

مسئلہ ۱ [illegible] برحق ہے۔

حکایت [illegible] [illegible]

مسئلہ ۱ [illegible] ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول [illegible]

آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا۔

[illegible] کی طرف [illegible] گے

[illegible] [illegible]

[illegible] گے۔

[illegible] ○ [illegible]

[illegible] گے۔

مسئلہ ۱ [illegible]

[illegible]

مسئلہ ۱ [illegible]

سوال: [illegible]؟

جواب: [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سوال: [illegible]؟

جواب: (۱) [illegible]

(۲) [illegible]

[illegible]

[illegible]

سوال: [illegible]؟

(۱) [illegible]

(۲) [illegible]

وَجِيْهًا [illegible]

سوال: [illegible]؟

جواب: [illegible]

[illegible] الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ [illegible]

فِي الدُّنْيَا [illegible] وَالْاٰخِرَةِ [illegible]

[illegible] وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ [illegible]

[illegible]

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا [illegible]

[illegible]

مسئلہ: [illegible]

حکایت [illegible]

[illegible]

مسئلہ: [illegible]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مسئلہ: [illegible]

[illegible]

[illegible] ۔

قَالَتْ ۔ بولی بی بی مریم اللہ تعالیٰ سے [illegible] رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ ۔ اے میرے رب ۔

کیسے ہو سکتا ہے [illegible] لِیْ وَلَدٌ [illegible]

سوال: بی بی مریم نے یہ سوال کیوں کیا جب کہ ان کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے؟

جواب (۱) [illegible] ۔

(۲) [illegible]

[illegible] ۔

وَلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ ۔ [illegible] ۔

[illegible] ۔

[illegible] ۔

قَالَ [illegible] کَذٰلِکِ [illegible]

اللّٰہُ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ [illegible]

[illegible]

[illegible] ۔

اِذَا قَضٰۤی اَمْرًا ۔ [illegible] فَاِنَّمَا

یَقُوْلُ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ۝ [illegible]

[illegible] ۔

خلاصہ تفسیر [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ۔

والدہ بی بی مریم ۔ [illegible]

[illegible]

بی بی مریم کے فرزند کی حکایت

[illegible]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ماں کے پیٹ کے اندر تورات کا سب حفظ ہو جانا

مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام ماں کے پیٹ [illegible] سنتی تھیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شب و روز

[illegible]

حکایت ایک دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو دیکھا کہ [illegible]

حکایت ایک دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام [illegible]

ف : جب [illegible]

سبق : [illegible]

حکایت [illegible]

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے [illegible]

سبق : [illegible]

[illegible]

ترجمہ : [illegible]

[illegible]

سبق [illegible]

[illegible]

[illegible]

تفسیر بالماثور وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ [illegible]

[illegible] وَالْحِكْمَةَ [illegible]

[illegible] وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝ [illegible]

[illegible]

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ [illegible]

[illegible]

اَنِّىْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ

[illegible]

چمگادڑ کے متعلق عجائبات

[illegible]

وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ [illegible]

وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى [illegible]

[illegible]

اس سے سخت نفرت تھی

[illegible]

[illegible]

حکایت نمبر [illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ہو گیا ہے۔

[illegible] حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صرف ایک [illegible]

[illegible]

اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے [illegible] وَ اُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ [illegible]

کے حکم سے مردوں کو زندہ کیا ہے

حکایت نمبر [illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible]

معجزات عیسیٰ علیہ السلام

معجزہ نمبر (۱) : مردہ زندہ ہو گیا ؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے [illegible] حضرت نوح علیہ السلام کے [illegible] حضرت عیسیٰ علیہ السلام [illegible] آپ [illegible] حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے [illegible] آپ نے [illegible] قبر پر ایک بہت بڑی [illegible] آپ نے قبر [illegible]

"اے [illegible]

[illegible]

[illegible]"

آپ کی دعا کی برکت سے [illegible]

[illegible] ہو گئے۔

معجزہ نمبر (۲) : حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک بڑھیا کے بیٹے کو بھی زندہ فرمایا جب کہ [illegible] حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے [illegible] اس کے بچے بھی پیدا ہوئے۔

معجزہ نمبر (۳) : ایک [illegible] اس کے بچے بھی ہوئے۔

معجزہ نمبر (۴) : جب لوگوں نے [illegible] حضرت عیسیٰ علیہ السلام [illegible]

پہنچے تو آپ نے [illegible]

پاس بیٹھے تھے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام [illegible]

سلام [illegible] حضرت [illegible] علیہ السلام۔ جب آپ نے [illegible]

علیہ السلام [illegible]

[illegible] حضرت یحییٰ علیہ السلام [illegible]

[illegible]

[illegible]

تنبیہ : [illegible] حضرت یحییٰ علیہ السلام نے سلام [illegible] علیہ السلام [illegible]

[illegible]

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی [illegible] علیہ السلام [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

فائدہ : اس کے بعد [illegible] آپ نے فرمایا

وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ [illegible] وَمَا تَدَّخِرُوْنَ

[illegible] فِيْ بُيُوْتِكُمْ اپنے گھروں میں۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک عجیب واقعہ

جب حضرت [illegible] علیہ السلام کے [illegible]

[illegible]

[illegible] حضرت عیسیٰ علیہ السلام [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] **إِنَّ فِي ذَٰلِكَ** [illegible] **لَآيَةً لَّكُمْ** [illegible] **إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ** [illegible]

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ [illegible] **مِنَ التَّوْرَاةِ** [illegible] **وَلِأُحِلَّ لَكُم** [illegible] **بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ** [illegible]

وَجِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ [illegible] **فَاتَّقُوا اللَّهَ** [illegible] **وَأَطِيعُونِ** [illegible]

إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ [illegible] **هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ** [illegible]

تفسیر صوفیانہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

سبق [illegible]

روحانی نسخے [illegible]

① [illegible]

② [illegible]

③ [illegible]

④ [illegible]

[illegible] آپ نے فرمایا [illegible]

[illegible]

الاستقامة خير من الكرامة

[illegible]

[illegible]

حدیث شریف [illegible]

[illegible]

مسئلہ [illegible]

[illegible]

تجربہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

مرشدِ کامل کی نظرِ عنایت [illegible]

[illegible]

[illegible]

بیعت کے فوائد [illegible]

[illegible]

[illegible]

حضرت مولانا جلال الدین رومی [illegible] نے فرمایا ہے

[illegible] آفتاب

[illegible] تاب

[illegible]

تفسیر عالمانہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

قَالَ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ○ [illegible]

تفسیر صوفیانہ [illegible]

[illegible]

تفسیر عالمانہ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ [illegible]

وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ○ [illegible]

واقعہ رفع عیسیٰ علیہ السلام [illegible]

[illegible] [illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible] [illegible] حضرت عیسیٰ علیہ السلام [illegible] [illegible]

[illegible]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لباس اور [illegible]

[illegible] حضرت عیسیٰ علیہ السلام [illegible] [illegible]

عیسیٰ علیہ السلام کا [illegible]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام [illegible] [illegible]

[illegible]

بعض مفسرین نے [illegible]

[illegible] [illegible]

سبق

[illegible]

[illegible]

تفسیر صوفیانہ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

حدیث شریف

[illegible]

[illegible]

اليه يرد علم الساعة وما تخرج من ثمرت من اكمامها
وما تحمل من انثى ولا تضع الا بعلمه ويوم يناديهم اين شركاءي
قالوا اذنك ما منا من شهيد ○ وضل عنهم ما كانوا يدعون
من قبل وظنوا ما لهم من محيص ○ لا يسئم الانسان من دعاء الخير وان مسه
الشر فيئوس قنوط ○ ولئن اذقنه رحمة منا من بعد ضراء مسته ليقولن هذا لي
وما اظن الساعة قائمة ولئن رجعت الى ربي ان لي عنده للحسنى ○ فلننبئن
الذين كفروا بما عملوا ولنذيقنهم من عذاب غليظ ○ واذا انعمنا
على الانسان اعرض ونا بجانبه واذا مسه الشر فذو دعاء عريض ○ قل ارءيتم
ان كان من عند الله ثم كفرتم به من اضل ممن هو في شقاق بعيد ○
سنريهم ايتنا في الافاق وفي انفسهم
حتى يتبين لهم انه الحق اولم يكف بربك انه على كل شيء
شهيد ○ الا انهم في مرية من لقاء ربهم ○ الا انه
بكل شيء محيط ○

[illegible]

[illegible] جاتا ہے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۴۸۴)

[illegible] ہے۔

حضرت امام [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کلوا واشربوا ہنیئا بما اسلفتم فی الایام الخالیۃ

اس کے [illegible]

[illegible]

(تفسیر از صفحہ نمبر ۴۸۴)

تفسیر بالماثور اِذْ قَالَ اللّٰہُ [illegible] یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] وَرَافِعُکَ [illegible]

[illegible]

ابراہیم علیہ السلام نے کہا:

اِنّی ذاہب الی ربی سیہدین

اس سے ابراہیم علیہ السلام کا [illegible]

[illegible]

[illegible]

وَمُطَہِّرُکَ [illegible] مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا [illegible]

[illegible] ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے زمین پر تشریف لانا [illegible]

[illegible]

وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ [illegible]

فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا [illegible]

إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ [illegible]

ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ [illegible]

فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ [illegible] فِيمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝ [illegible]

فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَأُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا [illegible]

[illegible]

سوال: [illegible]؟

جواب: [illegible]

وَلَا نُضِیْعُ [illegible] اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ○ ۵۶

[illegible]

[illegible]

وَلِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا [illegible] وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ [illegible]

[illegible]

سوال: [illegible]؟

جواب: [illegible]

وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ○ [illegible]

[illegible]

ذٰلِکَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ [illegible]

[illegible]

سوال: [illegible]

[illegible]؟

جواب: [illegible]

(۲) [illegible]

سوال: [illegible]؟

جواب: [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

۲ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ○ [illegible]

[illegible]

تفسیر صوفیانہ [illegible]

[illegible]

سبق [illegible]

[illegible]

[illegible]

اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۔ یعنی [illegible]

[illegible]

خوف رجعت بود [illegible]

[illegible]

ترجمہ: [illegible]

[illegible]

حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ نے فرمایا ہے

حکایت:

آں یکے از اولیا [illegible] در نشست

[illegible]

گفت ہیچ از نحو خواندی گفت لا
گفت نیم عمر تو شد در فنا
دل شکستہ گشت کشتیباں ز تاب
لیک آں دم کرد خامش از جواب
باد کشتی را بگردابے فگند
گفت کشتیباں بداں نحوی بلند
ہیچ دانی آشنا کردن بگو
گفت نے اے خوش جواب خوب رو
گفت کل عمرت اے نحوی فناست
زانکہ کشتی غرق ایں گردابہاست
محو می باید نہ نحو اینجا بداں
گر تو محوی بے خطر در آب راں
آب دریا مردہ را بر سر نہد
ور بود زندہ ز دریا کے رہد
چوں بمردی تو ز اوصاف بشر
بحر اسرارت نہد بر فرق سر

خلاصۂ حکایت ایک نحوی صاحب دریا عبور کرنے کے لیے کشتی میں بیٹھے بیٹھتے ہی ملاح سے پوچھنے لگے کیا آپ نے نحو بھی پڑھی ہے؟ ملاح نے کہا نہیں۔ نحوی نے کہا تمہاری آدھی زندگی برباد گئی۔ ملاح اس وقت تو خاموش ہو گیا جب کشتی بھنور کے گرداب میں پھنس گئی تو ملاح نے نحوی صاحب سے پوچھا جناب آپ تیرنا جانتے ہیں؟ نحوی نے کہا نہیں۔ ملاح نے کہا اب اپنی خیر منائیے آپ کی زندگی پوری ختم ہو گی۔ مولانا فرماتے ہیں کہ علم نحو [illegible] درویش کا آئینہ [illegible] صرف کے اصول [illegible] ہیں۔

سبق اس سے معلوم ہوا کہ [illegible] کے سبب [illegible] [illegible] اس [illegible] ہے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

① [illegible]

② [illegible]

[illegible]

تفسیر بالماثر [illegible]

[illegible]

سوال: [illegible]

جواب: [illegible]

[illegible]

سوال: [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

① [illegible]

② [illegible]

③ [illegible]

[illegible]

[illegible]

آپ نے فرمایا:

[illegible]

[illegible]

[illegible]

آپ نے فرمایا:

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

فِيْهِ : [illegible]

[illegible]

مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ [illegible]

[illegible] **فَقُلْ** [illegible]

[illegible] **تَعَالَوْا** [illegible]

[illegible] نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ

اَبْنَآءَكُمْ [illegible]

سوال : [illegible] ؟

جواب : [illegible]

[illegible]

سوال : [illegible] ؟

جواب : [illegible]

[illegible]

وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ [illegible]

[illegible]

[illegible]

ثُمَّ نَبْتَهِلْ : [illegible]

[illegible]

[illegible]

فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ○ [illegible]

[illegible] کے لیے ہے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اِنَّ هٰذَا [illegible] لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ [illegible] وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۚ [illegible] اِلَّا اللّٰهُ [illegible]۔

سوال: [illegible]؟

جواب: [illegible]۔

وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ [illegible]

فَاِنْ تَوَلَّوْا [illegible] فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ [illegible]

ف: [illegible]

[illegible] ۱۴ - ان [illegible] سے [illegible] کھا کر [illegible] ہو گئے۔ [illegible]
ف ، [illegible] ہوتا ہے کہ جب وہ کسی [illegible] کو [illegible] ہیں تو ان کی [illegible]
ہے کہ [illegible] وغیرہ وغیرہ
[illegible] حضرت الشیخ [illegible]
انداز [illegible] کیا ہے

از کجا [illegible] از کجا [illegible] است [illegible]

حضرت [illegible] نے [illegible] اس کا جواب یوں دیا ہے

از تجسم [illegible] از تجسد

[illegible] حضرت [illegible]
[illegible] حضرت الشیخ [illegible] ۔ تو ان کے
[illegible] لکھا ہے

[illegible]
[illegible]

[illegible] یعنی [illegible] ہے۔
اس کے بعد حضرت [illegible] کیا ہے

اے [illegible] دارد
[illegible]

کتاب [illegible]
[illegible] ہے۔

جب حضرت الشیخ [illegible] نے [illegible] آپ [illegible] ۔ آپ کے [illegible]
[illegible]
[illegible] گیا۔

سبق ، [illegible]
[illegible] ہوتا ہے۔

السلام [illegible] ہے۔

[illegible] الا بالعلم ۔

کسی شاعر نے خوب فرمایا ہے ؎

[illegible]

[illegible]

ترجمہ : [illegible]

نسخہ کیمیا گری : [illegible]

[illegible]

حدیث شریف : حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

[illegible]

[illegible] قرآن [illegible]

مسئلہ : [illegible]

حکایت : حضرت [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

حکایت : [illegible]

[illegible]

[illegible]

بقیہ صفحہ ۲۶۲

قُلْ يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا
نُشْرِكَ بِهٖ شَيْــًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا
فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَاۗجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ
وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝
هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاۗجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ
لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ
يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝
اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ
وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَدَّتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ۭ وَ
مَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ يٰٓاَھْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ
اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝

ترجمہ: اے محبوب! آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب آؤ ایسے کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ کسی کو اس کا شریک ٹھہرائیں اور نہ ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو اللہ تعالیٰ کے سوا رب بنائے پھر اگر وہ اعراض کریں تو کہہ دو تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔ اے اہل کتاب ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں کیوں جھگڑا کرتے ہو حالانکہ توریت اور انجیل ان کے بعد ہی اتاری گئیں تو کیا تم عقل نہیں رکھتے۔ ہاں تم لوگ وہ ہو کہ جس بات میں تمہیں کچھ علم تھا اس میں تم نے جھگڑا کیا تو اس بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے اور نہ عیسائی بلکہ ہر باطل سے الگ رہنے والے مسلمان تھے اور نہ مشرکوں میں سے تھے۔ بے شک سب لوگوں سے زیادہ ابراہیم کے قریب وہ تھے جو ان کے پیرو ہوئے اور یہ نبی اور ایمان والے اور اللہ ایمان والوں کا مددگار ہے۔ اہل کتاب کا ایک گروہ دل سے چاہتا ہے کہ کسی طرح تمہیں گمراہ کر دیں اور وہ گمراہ نہیں کرتے مگر اپنے آپ کو اور انہیں شعور نہیں۔ اے اہل کتاب اللہ کی آیتوں سے کیوں کفر کرتے ہو حالانکہ تم خود گواہ ہو۔ اے اہل کتاب حق میں باطل کیوں ملاتے ہو اور حق کیوں چھپاتے ہو حالانکہ تم کو علم ہے

تفسیر عالمانہ: قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ [illegible]

ربط: [illegible]

اِلٰی كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ [illegible]

اس میں ایک [illegible] اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ [illegible]

وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْئًا [illegible]

وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ [illegible]

ف: [illegible]

فَاِنْ تَوَلَّوْا [illegible]

[illegible] ٥ [illegible]

[illegible]

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوبات گرامی

مکتوب گرامی (۱) [illegible]

[illegible]

ترجمہ	اصل عبارت
یہ خط حضرت محمد رسول اللہ [illegible] کی طرف سے [illegible] سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔	من محمد رسول الله الی [illegible] السلام علی من اتبع الهدی ۔
اما بعد!	اما بعد !
میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں [illegible] سلامت رہو گے ۔	فانی ادعوک بدعایة الاسلام اسلم تسلم ۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوب گرامی کی تشریح

[illegible] اسلم تسلم [illegible]

[illegible]

مکتوب گرامی کا جواب [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

علم غیب نبوی [illegible]

[illegible]

مکتوب گرامی [illegible]

[illegible]

انتقال لواء غیب نبوی [illegible]

[illegible]

تفسیر صوفیانہ [illegible]

[illegible]

اذان کی فضیلت [illegible]

[illegible]

[illegible]

تنبیہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

حکایت [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تفسیر عالمانہ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ [illegible] لِمَ تُحَاجُّونَ [illegible]

[illegible]

شان نزول [illegible]

[illegible]

[illegible]

وَمَا أُنزِلَتِ التَّوْرَاةُ [illegible] وَالْإِنجِيلُ [illegible]

إِلَّا مِن بَعْدِهِ [illegible]

[illegible]

أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ [illegible]

[illegible]

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ [illegible]

حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ [illegible] فَلِمَ تُحَاۗجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ [illegible]

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ [illegible] وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ [illegible]

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا [illegible] وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا [illegible] وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ [illegible]

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ [illegible] لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ [illegible] وَهٰذَا النَّبِيُّ [illegible] وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ [illegible]

وَدَّتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ [illegible] لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ

[illegible] ہیں۔

سوال: [illegible]

جواب: [illegible]

وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ [illegible]

[illegible] وَمَا يَشْعُرُونَ ○ [illegible]

[illegible]

ف: جب [illegible]

[illegible]

سبق [illegible]

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز جنازہ کس نے پڑھا

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کا وقت قریب ہوا آپ نے ہمیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں جمع فرمایا [illegible] سب کی طرف [illegible] آنکھیں [illegible] اور فرمایا

مرحبا [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

۱ باقی

۲ ساعت

[illegible]

جہاں اے پسر ملک جاوید نیست
ز دنیا وفاداری امید نیست

ترجمہ: بیٹا یہ دنیا ہمیشہ کا ملک نہیں، دنیا سے وفاداری کی امید نہیں۔

تفسیر صوفیانہ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

(بقیہ صفحہ نمبر ۲۰۰)

جب تک کہ تو اس کے سر پر کھڑا رہے۔ یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم پر ان پڑھ لوگوں کا کوئی مواخذہ نہیں، اور وہ اللہ تعالیٰ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولتے ہیں۔ ہاں جس نے اپنا عہد پورا کیا اور پرہیزگاری اختیار کی تو بے شک اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں سے محبت کرتا ہے۔ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عہد اور قسموں کے بدلے تھوڑا سا مال لے لیتے ہیں آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ ان سے بات کرے گا اور نہ ان کی طرف نظر فرمائے گا اور نہ ہی انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اور بے شک ان میں ایک گروہ اپنی زبان مروڑ کر کتاب پڑھتے ہیں تاکہ تم انہیں گمان کرو کہ وہ بھی کتاب میں ہے حالانکہ وہ کتاب میں نہیں ہے اور وہ خدا پر عمداً جھوٹ باندھتے ہیں۔ کسی بشر کا حق نہیں پہنچتا کہ اسے اللہ تعالیٰ کتاب و حکمت و نبوت عطا فرمائے پھر وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ بلکہ یہ کہ اللہ والے ہو جاؤ۔ اس وجہ سے کہ تم کتاب سکھاتے ہو اور اس وجہ سے کہ تم خود اسے پڑھتے ہو۔ اور وہ تمہیں حکم دے گا کہ ملائکہ اور پیغمبروں کو خدا بنا لو۔ کیا تمہیں کفر کا حکم دے گا بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو گئے۔

(بقیہ صفحہ نمبر [illegible])

[illegible]

[illegible] جا سکتے ہیں۔

کسی نے کیا ہی خوب فرمایا

بقدر الکد تکتسب المعالی

ومن طلب العلا سهر اللیالی

تروم العز ثم تنام لیلا

یغوص البحر من طلب اللآلی

ترجمہ: [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تفسیر عالمانہ

یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اے کتاب والو! [illegible] وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ○ [illegible]

یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ [illegible]

وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ [illegible] وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ [illegible]

تفسیر [illegible] وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ [illegible]

[illegible] اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ [illegible]

[illegible] اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا [illegible] وَجْهَ النَّهَارِ [illegible]

[illegible]

سوال [illegible]

جواب [illegible]

[illegible]

وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ [illegible] لَعَلَّهُمْ [illegible] يَرْجِعُوْنَ [illegible]

[illegible]

وَلَا تُؤْمِنُوْٓا [illegible] اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ [illegible]

قُلْ [illegible] اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ

[illegible]

[illegible]

اَنْ یُّؤْتٰٓی اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِیْتُمْ [illegible] اَوْ یُحَآجُّوْکُمْ [illegible]

سوال: واحد صیغہ کیوں ہے؟

جواب: [illegible]

عِنْدَ رَبِّکُمْ [illegible]

قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰہِ [illegible]

یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ [illegible]

وَاللّٰہُ وَاسِعٌ [illegible] عَلِیْمٌ ۝ [illegible]

یَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ [illegible] مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

حدیث شریف: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حسد صرف دو شخصوں پر جائز ہے:

① جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور وہ اسے حق کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔

② وہ عالم جسے اللہ تعالیٰ نے علم و حکمت کی دولت سے نوازا ہے۔ پس وہ اس سے فیصلے کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہے۔

شرح حدیث: اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ [illegible]

حدیث شریف کے چھ جہنمی: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھ شخص ایسے ہیں کہ وہ [illegible] کے بغیر جہنم میں جائیں گے۔ عرض کی گئی کہ [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون ہیں؟ تب آپ نے فرمایا:

① امراء ظلم و ستم کی وجہ سے۔
② عرب قبائل تعصب کی وجہ سے۔
③ دہقان تکبر کرنے کی وجہ سے۔
④ تاجر خیانت کرنے کی وجہ سے۔
⑤ [illegible] جہالت کی وجہ سے۔
⑥ علماء حسد کی وجہ سے۔

حدیث شریف: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تین چیزیں [illegible] کی جڑیں ہیں [illegible]

① [illegible] ابلیس [illegible] حضرت آدم علیہ السلام [illegible]
حضرت [illegible] نے فرمایا۔

[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

آسان نہیں۔

② اپنے آپ کو [illegible]

[illegible]

حضرت [illegible] نے فرمایا ہے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

③ اپنے آپ کو [illegible]

[illegible]

حضرت [illegible] نے فرمایا ہے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

میں نے ان سے [illegible] تو میں نے [illegible] اس نے کہا [illegible] نہیں [illegible]
حضرت نے [illegible] پوچھا تھا۔

حسد کا فرشتہ [illegible] ایک فرشتہ ہے [illegible] حسد کے اعمال کو [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] کے اعمال [illegible]

حق تعالیٰ اس [illegible] سے [illegible] محفوظ رکھے۔ آمین۔

حسد کی علامت ؛ حسد کی ایک علامت یہ ہے کہ جب صاحب نعمت کے سامنے [illegible]
اس سے [illegible] کرے [illegible]

[illegible] شاعر نے کہا ہے ؎

وَإِذَا أَرَادَ اللّٰهُ نَشْرَ فَضِيلَةٍ طُوِيَتْ

أَتَاحَ لَهَا لِسَانَ حَسُودِ

لَوْلَا اشْتِعَالُ النَّارِ فِيمَا جَاوَرَتْ

مَا كَانَ يُعْرَفُ طِيبُ عَرْفِ الْعُودِ

ترجمہ: خدا تعالیٰ جب کسی [illegible] فضیلت کا [illegible] تو اس کے لیے حاسد کی زبان [illegible] اگر آگ
اپنے قرب [illegible] کو نہ جلاتی تو عود کی خوشبو [illegible]

علامت محبت ؛ [illegible]
[illegible]

تفسیر [illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

نکتہ [illegible]
[illegible]
[illegible]

یہودیوں کی قرآن کریم میں مذمت

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی قرآن پاک میں مذمت فرمائی ہے۔ [illegible]

[illegible]

[illegible]

مسئلہ: [illegible] ہے۔

ہم حضرت [illegible]

[illegible]

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ ۔ اگر تو رکھے اس کے پاس بہت سا مال امانت کا۔

[illegible] ہے [illegible] امانت [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ [illegible] حضرت عبداللہ بن سلام [illegible]

[illegible] ایک ہزار [illegible] حضرت عبداللہ بن سلام [illegible]

[illegible] امانت [illegible]

وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ [illegible] ایک دینار امانت کا

[illegible]

[illegible] ہے۔

اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ۔ جب تک تو اس کے سر پر کھڑا رہے گا۔

[illegible] ایک قریشی نے صرف ایک دینار امانت [illegible]

[illegible] کی مذمت کی۔

[illegible] امانت [illegible]

[illegible] ہے۔

خلاصہ تفسیر: [illegible]

[illegible]

[illegible]

إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا ۔ [illegible]

[illegible]

ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا [illegible] لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ ۔ [illegible]

[illegible]

وَيَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۔ [illegible] وَهُمْ يَعْلَمُونَ ○ [illegible]

[illegible]

بَلٰى ۔ [illegible]

أَوْفٰى بِعَهْدِهٖ ۔ [illegible]

[illegible]

[illegible]

بلکہ [illegible] اہل کتاب [illegible] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]
لانا اور امانتیں ادا کرنا۔ وَ اتَّقٰی [illegible] فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ
الْمُتَّقِيْنَ ○ [illegible]
[illegible]

اسلام میں [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

مسئلہ: [illegible]

اس کا حاصل یہ ہے کہ عبادات دو امور ہی میں منحصر ہے۔

① التعظیم لامر اللہ، اللہ تعالیٰ کے حکم کی عظمت کا لحاظ۔

② الشفقۃ علی خلق اللہ، مخلوق خدا کی مخلوق پر شفقت [illegible]
[illegible]
[illegible]

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

چار باتیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں وہ چاروں پائی جائیں تو وہ پکا منافق ہے۔ اور جس میں ان کی [illegible]
[illegible]
[illegible]

① جب اس کے پاس امانت رکھی جائے [illegible]
[illegible] خیانت کرے۔

② جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔

③ جب معاہدہ کرے تو [illegible]

④ جب جھگڑا کرے تو [illegible]

[illegible]
[illegible]

سوال: [illegible]

جواب: [illegible]

مسئلہ تصوف: [illegible]

سبق: [illegible]

حکایت: [illegible]

کے مقابلہ کیا ہے۔

[illegible]

[illegible]

حکایت۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تفسیر صوفیانہ [illegible]

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ [illegible] یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ [illegible]

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ [illegible] اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً [illegible]

[illegible] لَا خَلَاقَ [illegible] لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ [illegible]
وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ [illegible]
[illegible] وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ [illegible]
[illegible]
[illegible] وَلَا يُزَكِّيْهِمْ [illegible]
[illegible]

چنانچہ فرمایا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ [illegible]

[illegible]

وَإِنَّ مِنْهُمْ [illegible]

شانِ نزول [illegible]

[illegible]

[illegible] أَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ [illegible]
[illegible] لِتَحْسَبُوْهُ [illegible]

[illegible]

مِنَ الْكِتٰبِ [illegible] وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ [illegible]
[illegible]

[illegible]

وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ [illegible] کلام۔ وَ
يَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○ اور اللہ تعالیٰ پر [illegible] حالانکہ وہ
جانتے ہیں کہ [illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

تفسیر صوفیانہ

[illegible]

[illegible] نہیں کہتے۔

حضرت شیخ سعدی [illegible] نے فرمایا ہے

[illegible]
[illegible]

ترجمہ: [illegible]
ضرورت نہیں۔

[illegible] ۔ اس سے صاحب [illegible] کی تقویت ہوتی [illegible]

[illegible] سے حاصل [illegible] ایک قسم کا نقاب ہے [illegible] اس [illegible] زیادہ

مناسب ترجمہ ہے ؎

گر مریدی [illegible]

در پی [illegible]

ترجمہ : [illegible]

[illegible] کی عبارت [illegible]

ہوتا ہے ۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ترجمہ : [illegible]

[illegible]

[illegible]

سبق : [illegible]

[illegible]

شب معراج میں زانی عورتوں کا برا حال

حضرت [illegible] شب معراج میں [illegible] عورتوں کو دیکھا کہ [illegible] آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا [illegible] یہ وہ عورتیں ہیں کہ اپنے شوہروں کے ہوتے ہوئے غیروں سے [illegible]

تنبیہ : حضرت شیخ [illegible] قدس سرہ نے فرمایا کہ [illegible] معرفت [illegible] بہت بلند مقام [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ترجمہ [illegible]

تشریح [illegible]

سبق [illegible]

تفسیر بالماثور

ما کان لنبی [illegible] لائق نہیں۔

[illegible]

شانِ نزول [illegible]

[illegible]

[illegible] بشر [illegible] ہے اس لیے کہ [illegible] متعلق ہے جیسے [illegible] جانتے ہیں

أَن يُؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ [illegible] وَالْحُكْمَ [illegible] وَالنُّبُوَّةَ [illegible] کتاب [illegible] حکمت [illegible] بیان [illegible] ہے ۔

[illegible] وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا [illegible] کتاب [illegible]

ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ [illegible] كُونُوا عِبَادًا لِّي مِن دُونِ اللّٰهِ [illegible] عبادت [illegible]

وَلٰكِن كُونُوا رَبَّانِيِّينَ [illegible]

[illegible] لحیانی [illegible] عظیم اللحیۃ [illegible] الربانی هو الكامل في العلم [illegible] عبادت [illegible]

بِمَا كُنتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ ○ [illegible]

وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَن تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا [illegible]

[illegible]

[illegible]

اَیَاْمُرُکُمْ بِالْکُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

① [illegible]

(۲) جاہل متکبر : [illegible]

[illegible] علم و عقل [illegible] سے [illegible] ہے اور جاہل [illegible] اپنی جہالت کی وجہ سے لوگوں [illegible] کی دعوت [illegible] ہے [illegible] جاہل مراد ہے جسے کسی استاد کی صحبت نصیب نہ ہوئی۔

حدیث شریف : حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا [illegible] علم سے [illegible] : [illegible] سے بھی [illegible] ہے۔

روحانی نسخہ : طالب علم [illegible] ہے کہ وہ اپنے علم سے [illegible] طلب کریں [illegible] کے [illegible] ہو جائیں۔

نتیجہ : جو شخص [illegible] تعلیم و تعلم [illegible] کے لیے کرتا ہے [illegible] چاہئے کہ اس کا انجام [illegible] ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں [illegible] ہے کہ [illegible] ہے کہ وہ اپنے [illegible] اور [illegible] کے ذریعے [illegible] اور [illegible] کے [illegible] سے [illegible] حاصل کریں اس سے [illegible] کر [illegible] اللہ [illegible] ہے [illegible] اس سے [illegible] کے [illegible] صرف ان کی [illegible] ہے [illegible] کے لیے [illegible] ہیں۔

[illegible] کی کثرت [illegible] ان [illegible] سے [illegible] بے [illegible] ہے [illegible] کی وجہ سے [illegible] کے [illegible] اسلام [illegible] ہے [illegible] کی [illegible] کرتے ہیں [illegible] اپنی [illegible] سے [illegible] ہیں [illegible] کے [illegible] کی [illegible] سے [illegible] کرتے ہیں [illegible] کی صحبت میں [illegible] کے [illegible] ہے [illegible] کے [illegible] سے [illegible] ہیں [illegible] کے [illegible] ہے [illegible] کی [illegible] ہے [illegible] کا [illegible]

[illegible] کے [illegible] ہے [illegible]
([illegible])

[illegible] ([illegible])

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ
رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ
اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ
مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ○ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ اَفَغَيْرَ
دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّ
اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ○ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ
وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ
مِنْ رَّبِّهِمْ ۪ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۫ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○ وَمَنْ يَّبْتَغِ
غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○
كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ
وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ○ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ
اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ○ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا
يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ○ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا
مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۫ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ
يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ
لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا
لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ○

ترجمہ: یاد کیجیے اے محبوب! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمہیں کتاب اور حکمت دوں پھر تمہارے پاس وہ رسول تشریف لائے جو اس کی تصدیق کرے جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔ فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر تم نے میرا بھاری ذمہ لیا۔ سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا تو ایک دوسرے کے گواہ ہو جاؤ اور میں خود بھی تمہارے ساتھ گواہوں سے ہوں۔ پھر جو اس کے بعد منہ موڑے تو وہی لوگ فاسق ہیں۔ تو کیا اللہ تعالیٰ

سکتا یہی کے سوا دوسرا دین ڈھونڈتے ہیں حالانکہ اسی کے سامنے سر تسلیم خم ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں، بعض خوشی سے اور بعض مجبور ہو کر اور سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ فرما دیجئے ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس پر بھی جو ہم پر نازل ہوا اور جو ابراہیم و اسماعیل و اسحاق و یعقوب اور ان کی اولاد پر اترا اور اس پر جو موسیٰ و عیسیٰ و دیگر انبیاء علیہم السلام کو ان کے رب سے عطا ہوا ہم ان میں کسی پر ایمان میں تفریق نہیں کرتے اور ہم اسی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والے ہیں۔ اور جو اسلام کے سوا کوئی اور دین طلب کرتا ہے تو اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو ہدایت کیسے کرے جو ایمان لا کر کافر ہو گئے اور گواہی دے چکے تھے کہ رسول برحق ہے اور ان کے پاس کھلی نشانیاں آ چکی تھیں اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا۔ ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے نہ ان پر عذاب ہلکا ہوگا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی مگر جنہوں نے اس کے بعد توبہ کی اور اپنی اصلاح کر لی تو بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ بے شک جو لوگ ایمان لا کر کافر ہو گئے پھر وہ کفر میں بڑھتے گئے ان کی توبہ ہرگز قبول نہ کی جائے گی اور وہی گمراہ ہیں۔ بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور کافر ہو کر مرے سو ان میں سے کسی ایک سے زمین بھر سونا ہرگز قبول نہیں ہوگا۔ اگرچہ وہ معاوضہ میں خلاصی کے لیے دے ان کے لیے دردناک عذاب ہے اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

[illegible] ۱۳۰۰

ہدایت کی ابتداء و انجام و حسن۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ایمان [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تفسیر عالمانہ

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ - [illegible]

[illegible]

لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ - [illegible]

[illegible]

مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ - [illegible]

[illegible]

ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سوال: [illegible]

جواب: [illegible]

[illegible]

[illegible]

قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا [illegible]

[illegible]

[illegible]

سوال: [illegible]

جواب: [illegible]

فَمَنْ تَوَلّٰی یعنی جو شخص روگردانی کرے گا اس سے جو مذکور ہوا۔ بَعْدَ ذٰلِکَ [illegible]
ختم ہو گئے۔ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ پس یہی ہیں کہ فاسق یعنی خواہ امامت سے خروج کرنے والے
کافر اس لیے کہ حق پر اس گروہ کی [illegible] جو ثابت ہو چکی ہے۔ (ازالۃ الخفاء)

سوال: حضرت ابراہیم علیہ السلام سے [illegible] قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ
[illegible] کیونکر مستحق ہو سکتے ہیں!

جواب (۱) [illegible] ابراہیم علیہ السلام سے [illegible] اور ان کی نسل سے [illegible]
کے لیے ہے۔

(۲) [illegible] عصمت کے منافی نہیں

[illegible]

اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰهِ یَبْغُوْنَ اس کا معطوف علیہ محذوف ہے
اصل عبارت یہ تھی۔ ایعصون ..... اور کیا وہ اللہ [illegible]
[illegible] طلب کرتے ہیں۔

وَلَهٗٓ اَسْلَمَ [illegible] فِی السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ [illegible] طَوْعًا وَّكَرْهًا [illegible]
[illegible] وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝ [illegible]

سبق (۱) [illegible]

[illegible]

[illegible]

حکایت [illegible]

حکایت [illegible]

۱ [illegible]

۲ [illegible]

۳ [illegible]

۴ [illegible]

تفسیر صوفیانہ [illegible]

[illegible] اس لیے کہ [illegible]۔

حدیث شریف: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کی جیسی تقدیر ہوتی ہے [illegible] اسی اعمال کی توفیق [illegible]۔

سبق: [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] کرے۔ [illegible] اس لیے [illegible] کے مطابق [illegible] بنایا جاتا ہے [illegible] شاعر کہتا ہے

[illegible]
[illegible]

ترجمہ: [illegible]۔

حکایت: حضرت شیخ [illegible] قدس سرہ [illegible]۔

مسئلہ: [illegible] (اعمال و تفسیر)

مسئلہ: [illegible]۔

سبق: [illegible] ہے

[illegible]
[illegible]

ترجمہ: [illegible]۔

تفسیر بالماثور: قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ [illegible]۔

سوال: [illegible]!

جواب: [illegible] آپ [illegible]

[illegible]

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا [illegible]

[illegible]

وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ [illegible]

[illegible]

وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى [illegible] وَالنَّبِيُّوْنَ [illegible] مِنْ رَّبِّهِمْ [illegible]

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ [illegible]

[illegible]

وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ [illegible]

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا [illegible]

[illegible]

فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ [illegible] وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ [illegible]

مسئلہ [illegible]

خلاصۃ التفسیر [illegible]

مسئلہ [illegible]

"وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ"

[illegible]

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ [illegible] قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ [illegible]

[illegible]

مسئلہ [illegible]

ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو معرفت و ہدایت کیسے دیں جنہوں نے جان بوجھ کر حق کو ترک کر کے حاصل کیا ہو
ضلالت کو اپنایا ہو۔

وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ اور خود یہ شہادت دی کہ بیشک اللہ تعالیٰ کا رسول حق ہے یعنی
اپنی زبان سے اس کی شہادت دے چکے ہیں۔ وَجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ اور ان کے پاس بینات آ گئے یعنی قرآن اور ایسے
ظاہر و باہر دلائل آپ کی نبوت کی صداقت پر دلالت کرتے ہیں اس کا مطلب ایسا ظاہر ہو چکا ہے کہ گویا اس
کا کوئی پہلو [illegible] کی حالت نہیں ہے گویا وہ آفتاب کی روشنی میں ہے۔ اس کے بعد اس سے اعراض و عناد ان
کا شیوہ تھا۔

مسئلہ۔ اس سے ثابت ہوا کہ اقرار، اعمال حتیٰ کہ ایمان کی حقیقت سے خارج ہے اس لیے کہ معرفت صحیحہ
کا نتیجہ ہوتا ہے۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ○ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتے یعنی ان لوگوں
جنہوں نے ظلم کیا کہ حق واضح ہو جانے کے بعد اس کا انکار کر کے کفر کو اختیار کیا۔ جب وہ لیے ظالم ہیں تو اب کیسے
کر کے ہدایت سے لیے جائیں کہ جو ایمان لا کر پھر کافر ہو جائیں گمراہ ہو گئے۔

مسئلہ۔ آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ آیت کا مطلب ہے کہ جو شخص یقین کے بعد کفر کرے گا اللہ تعالیٰ اسے
ہدایت نہیں دیتا اور ظالم [illegible] کی ہدایت نہیں ہوتی [illegible] جو ہدایت سے محروم [illegible]
[illegible] کے ہدایت کا راستہ [illegible] گے۔ ان [illegible] کو ظالموں کو کہا گیا کہ وہ اپنے ظلم سے ہدایت سے
محروم رہتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ ایک شخص [illegible] اللہ [illegible] ہدایت [illegible]
[illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]
[illegible]

اُولٰٓئِكَ یہی لوگ ہیں [illegible] کے مستحق ہوتے ہیں [illegible] کی سزا یہ ہے
جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ ان کی جزا یہ ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور یہ ۔
لعنت یعنی رحمت سے دوری اور محرومی ہے۔ وَالْمَلٰٓئِكَةِ اور فرشتوں کی لعنت۔ ملائکہ کی
لعنت [illegible] ہے۔ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ○ اور تمام لوگوں کی لعنت [illegible] سے
[illegible] ہیں اس لیے کہ [illegible] اگر تمام لوگ [illegible] ایک دوسرے پر لعنت کرتے ہیں
[illegible] آخرت میں [illegible] ایک دوسرے پر لعنت [illegible]

[illegible]

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وہ اس لعنت میں ہمیشہ رہیں گے۔

یعنی جہنم [illegible]

[illegible] نہیں ہوں گے۔

لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ○ اور نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔

الانظار بمعنی التاخیر (مہلت دینا) [illegible] عذاب [illegible] وقت [illegible] کیا جائے گا۔

مسئلہ [illegible]

[illegible]

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ [illegible] وَاَصْلَحُوْا اور [illegible] فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ [illegible]

[illegible]

مسئلہ [illegible]

مسئلہ [illegible]

مسئلہ [illegible]

[illegible]

سے بہت بڑے فرقوں کی آزادی کا سبب ہوا۔ اس کے بعد [illegible]
[illegible]
پر ہوتا۔ اپنی اصول سے [illegible]
کیا [illegible]
قریب ہے کہ اپنے سے بہت زیادہ [illegible]
[illegible]
[illegible]

یا حضرت، کیا آپ [illegible]
[illegible]

حضرت [illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

بحث تیسری [illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]

نصیب ہو جائے گی۔

حدیث شریف

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے [illegible] فرمایا [illegible] دنیا میں [illegible] جیسے تم مسافر ہو [illegible] [illegible] [illegible] اپنے آپ کو اصحاب القبور میں شمار کرو۔

تفسیر صوفیانہ

اس آیت شریفہ میں بندہ اپنے اس اضافی وجود کے [illegible] صرف اللہ تعالیٰ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] نصیب [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

حدیث شریف

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] خطرہ نہیں۔

سبق: [illegible] [illegible]

تفسیر بالماثر

إِنَّ الَّذِينَ [illegible] كَفَرُوا [illegible] بَعْدَ إِيمَانِهِمْ [illegible] ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا [illegible] سید الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] لَّن تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ [illegible]

[illegible]

نکتہ ۔ [illegible]

وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ۝ [illegible]

[illegible]

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَن يُقْبَلَ [illegible] مِنْ أَحَدِهِم [illegible] مِّلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا [illegible]

[illegible]

وَلَوِ افْتَدَىٰ بِهِ [illegible]

سوال ۔ [illegible]

[illegible]

ف : [illegible]

[illegible]

[illegible]

حدیث شریف : [illegible]

[illegible]

ف : حضرت الامام [illegible]

① [illegible]

"الا الذین تابوا واصلحوا فان اللہ غفور رحیم"

② [illegible]

[illegible]

③ [illegible]

[illegible]

تفسیر صوفیانہ

[illegible]

[illegible]

سبق [illegible]

① حب دنیا ۔

② غلبۂ شہوت ۔

③ خواہشات نفسانیہ کی طرف متوجہ ہونا ۔

④ حق سے منہ موڑنا ۔

تا شہوت و کبر و حرص و حسد

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

حدیث شریف: حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اپنی امت پر [illegible] کا خوف ہے [illegible] اتباع ہوا اور لمبی لمبی آرزوئیں [illegible] ہوں گے۔

خواہشات نفسانیہ تو انسان کو سیدھا راستہ [illegible] اور لمبی لمبی آرزوئیں آخرت کے [illegible] سے غافل کر دیتی ہیں۔ طول امل کے دو معنی حضرت [illegible] تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائے۔

① مستقبل کی فکر ہے۔

② [illegible] نفس کی مخالفت میں ہے اور نفس کی [illegible] طلب ہے کہ اس کی خواہشات کو پورا کیا جائے۔

حکایت: حضرت جعفر بن نصیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک درہم دے کر فرمایا کہ انجیر لاؤ۔ میں نے [illegible] انجیر خرید کر [illegible] افطار کے وقت ایک انجیر منہ میں رکھی پھر اس کو منہ سے نکال کر [illegible] اور فرمایا اس کو اٹھا لے جاؤ۔ میں نے وجہ پوچھی تو فرمایا [illegible] دل میں [illegible] آواز آئی کہ تجھے شرم نہیں آتی کہ ایک خواہش کو اللہ تعالیٰ کے واسطے چھوڑ چکا ہے پھر اسی کی طرف لوٹتا ہے۔

ف: حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] سے عذاب میں مبتلا کرے۔

تقریر عجیب: [illegible]

حضرت شیخ [illegible] رحمۃ اللہ علیہ نے قصیدہ بردہ میں فرمایا ہے

کم حسنت لذة للمرء قاتلة

من حيث لم يدر ان السم في الدسم

[illegible]

[illegible]

۱۔ تکبر ۲۔ حرص ۳۔ شہوت

۴۔ حسد ۵۔ غضب ۶۔ بخل

۷۔ حب دنیا۔

[illegible]

وصلى الله تعالى على حبيبه خير خلقه ونور عرشه وزينة عرشه سيدنا ومولانا

محمد وعلى آله وأصحابه أجمعين

* * *

قد تم [illegible] شهر رجب في اليوم الرابع [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] محمد فيض احمد اويسي رضوي غفرله [illegible] بہاولپور۔

بقیہ حاشیہ نمبر ۱۱۱

[illegible]

[illegible]

[illegible]

پارہ نمبر ۴

لَنْ تَنَالُوْا

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ○
كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ
اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ فَمَنِ
افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ
فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ
لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ فِيْهِ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ
دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ
كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ○ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ
وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ○ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ
اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ يٰٓاَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ
كٰفِرِيْنَ ○ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ
يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○

ترجمہ: تم ہرگز بھلائی کو نہ پہنچو گے جب تک راہ خدا میں اپنی پیاری چیز نہ خرچ کرو اور تم جو کچھ خرچ کرو اللہ کو معلوم ہے سب کھانے بنی اسرائیل کو حلال تھے مگر وہ جو یعقوب نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا توریت اترنے سے پہلے۔ تم فرماؤ توریت لا کر پڑھو اگر سچے ہو تو اس کے بعد جو اللہ پر جھوٹ باندھے تو وہی ظالم ہیں۔ تم فرماؤ اللہ سچا ہے تو ابراہیم کے دین پر چلو جو ہر باطل سے جدا تھے اور شرک والوں میں نہ تھے۔ بے شک سب میں پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کو مقرر ہوا وہ ہے جو مکہ میں ہے برکت والا اور سارے جہان کا راہنما اس میں کھلی نشانیاں ہیں ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ اور جو اس میں آئے امان میں ہو اور اللہ کے لئے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا ہے جو اس تک چل سکے اور جو منکر ہو تو اللہ سارے جہان سے بے پرواہ ہے۔ تم فرماؤ اے اہل کتاب کیوں اللہ کی راہ سے روکتے ہو اسے جو ایمان لائے اسے ٹیڑھا کیا چاہتے ہو اور تم خود اس پر گواہ ہو اور اللہ تمہارے کوتکوں سے بے خبر نہیں۔ اے ایمان والو اگر تم کچھ کتابیوں کے کہے پر چلے تو وہ تمہارے ایمان کے بعد تمہیں کافر کر چھوڑیں گے اور تم کیونکر کفر کرو گے تم پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور تم میں اس کا رسول تشریف لایا اور جس نے اللہ کا سہارا لیا تو ضرور وہ سیدھی راہ دکھایا گیا۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ

تفسیر عالمانہ اس آیت کا پچھلی آیات سے [illegible] تعلق ہے۔ پہلا تعلق [illegible] کیا ہے یعنی [illegible] کی قیمت کو نہیں پہنچ سکتے [illegible] کے [illegible] سکتے ہیں [illegible] [illegible] کے ثواب [illegible] ۔ [illegible] کے [illegible] ہے۔ [illegible] یعنی [illegible] ہے [illegible] فرمایا۔

مسئلہ: آیت [illegible] لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ [illegible] ۔ [illegible]

•

[illegible] ہیں ۔ [illegible]

مسئلہ : آیت میں [illegible] کی ترغیب [illegible] محبوب ہے ۔

ف : سلف کی عادت تھی کہ [illegible] جب [illegible] ۔

نکتہ : [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] ۔

ف : وہ [illegible] انسان دنیا میں [illegible] الشیطان [illegible] ۔

حضرت ابو طلحہ کی عجیب داستان

[illegible] حضور صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] ۔

مسئلہ : [illegible] ہے ۔

حکایت حضرت عمر بن عبدالعزیز

[illegible] حضرت عمر بن عبدالعزیز [illegible] ۔

انھوں نے غالباً یہ معلوم کرنے کے لیے کہ [illegible]

آپ کو کسی سے [illegible]

حکایت [illegible]

سبق : [illegible]

[illegible]

[illegible]

کیا خوب کسی شاعر نے کہا ہے

[illegible]

[illegible]

① [illegible]

② [illegible]

③ [illegible]

④ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

حضرت یعقوب علیہ السلام کا واقعہ

[illegible]

[illegible] ۔ [illegible]

مسئلہ [illegible] ۔

سوال [illegible] ۔

جواب [illegible] ۔

مسئلہ [illegible] ۔

مسئلہ [illegible] ۔

مسئلہ [illegible] ۔

مسئلہ [illegible] ۔

ف [illegible] ۔

مسئلہ [illegible] ۔

[illegible] ابراہیم علیہ السلام [illegible]
[illegible] عذاب ہے۔
[illegible]
[illegible] ملت [illegible]
[illegible]
[illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]
[illegible] ابراہیم علیہ السلام کی ملت [illegible]
یہی ملت ابراہیم علیہ السلام ہے۔ [illegible]
[illegible]
[illegible]

خلاصہ یہ کہ [illegible] حضرت ابراہیم علیہ السلام کی
[illegible] حضرت ابراہیم علیہ
السلام [illegible]
علیہ السلام [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]
[illegible] فرماتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ حضرت ابراہیم [illegible]
[illegible] ہے۔

① [illegible]

② [illegible]

③ [illegible]
[illegible]

① [illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible] ① [illegible]

② [illegible]

③ [illegible]

[illegible]

[illegible]

① [illegible]

② [illegible]

③ [illegible]

[illegible]

[illegible]

ترجمہ: [illegible]

[illegible]

مسئلہ: [illegible] محبت [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]

ف: حضرت فضیل [illegible] رحمۃ اللہ تعالیٰ [illegible]

[illegible]

ف: [illegible] محبت [illegible]

[illegible]

حکایت: حضرت [illegible] رحمۃ اللہ تعالیٰ [illegible]

[illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]

سبق: [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]

تیسیر بالاشارہ [illegible]

حل لغات: [illegible]

[illegible]

[illegible]

حل لغات [illegible]

سوال [illegible]

جواب [illegible]

ف [illegible]

ف [illegible]

ف [illegible]

ف [illegible]

منزل بھی تھا۔

تطبیق روایات

ان روایات سے معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کو مسجد حرام یعنی کعبہ کا [illegible] کہا جا سکتا ہے [illegible] کیا جا سکتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں کعبہ کی تعمیر کے بنانے کا حکم دیا [illegible] مختلف [illegible] کے ذریعے سے اس کا نقشہ بھی [illegible] بتا دیا [illegible] تعمیر کیا۔ اس بنا پر انہیں بالکل [illegible] ابراہیم علیہ السلام نے اس کی تعمیر [illegible] تو اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو بھیجا [illegible] کریں [illegible] اس کی تعمیر کریں۔

ف: [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] حضرت جبریل علیہ السلام [illegible] حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں۔

مسئلہ: [illegible] بہت [illegible] قرآن کی تعمیر [illegible] بہت بڑی [illegible] مشکل [illegible] ہیں۔ [illegible] اللہ تعالیٰ کی [illegible] ابراہیم علیہ السلام نے [illegible] بیت اللہ شریف کی تعمیر [illegible] مسجد حرام کے [illegible] کر دیا تھا۔

واقعہ: مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام شام سے مکہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ملاقات کے لیے تشریف لائے [illegible] حضرت اسماعیل علیہ السلام

نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے عرض کیا کہ [illegible] ہوا کی [illegible] آپ کے سر پر [illegible] جب
ہو [illegible] بنیاد [illegible] صاحب [illegible] آپ نے [illegible]
[illegible] حجر اسود [illegible]
[illegible] آپ کے [illegible]
کے قدموں کے نشانات اس پتھر پر پڑ گئے۔

ف: [illegible] مقام ابراہیم [illegible] حرم شریف [illegible]
میں داخل [illegible] فیہ آیات بینات مقام ابراہیم ومن دخلہ کان آمنا [illegible]

مسئلہ: اسی وجہ سے حنفیہ رحمہم اللہ نے فرمایا کہ اگر کوئی حرم شریف کے باہر [illegible] قصاص واجب ہو
[illegible] حرم شریف میں [illegible] پناہ لے تو [illegible] حرم [illegible] حرم شریف سے باہر
[illegible] کیا جائے [illegible] کے ساتھ کھانا پینا [illegible] ترک کیا جائے [illegible] حرم سے باہر [illegible]
[illegible] کھانا [illegible] جب [illegible]
[illegible] باہر نکلے۔

مسئلہ: یہ حکم [illegible] قصاص [illegible] واجب [illegible] حرم کے [illegible] باہر [illegible]
جرم کیا ہو۔

مسئلہ: جو شخص حرم کے [illegible] ارتکاب [illegible] حرم [illegible] قتل [illegible] جائے۔ [illegible]
[illegible] اللہ تعالیٰ نے فرمایا [illegible] حتی یقاتلوکم فیہ فان قاتلوکم فاقتلوہم
[illegible] اللہ تعالیٰ نے [illegible] حرم شریف کے اندر قتل کرنا [illegible]
جب [illegible] قتل کریں۔ [illegible] حرم [illegible] قتل کیا جائے گا۔
[illegible] شخص قتل کا ارتکاب [illegible] حرم شریف [illegible]
[illegible] قتل [illegible] حرم شریف [illegible]
[illegible]

فضائل حرمین شریفین

[illegible] حرم شریف میں داخل [illegible] ملی۔

حدیث شریف: [illegible] جو شخص [illegible] حرم شریف [illegible]
حدیث شریف: [illegible] رضی اللہ عنہ [illegible] فرمایا [illegible]

اور [illegible]

کیا جائے گا۔

حدیث شریف: [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]

[illegible]

حل لغات: [illegible]

[illegible]

مسئلہ: [illegible]

مسئلہ: [illegible]

ف: [illegible]

سوال: [illegible]

جواب: [illegible]

[illegible] کی تفسیر [illegible] سے اختلاف کیا ہے۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

سوال: [illegible] کی تفسیر کریں۔

جواب: [illegible] شریعت [illegible] [illegible] [illegible]

مختارِ کل نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] دین اور دنیا کی ہر چیز سے متعلق آپ جو چاہیں کر سکتے ہیں اللہ تعالے کی طرف سے [illegible] و مختار ہیں۔

حکایت: حضرت علی بن الموفق [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

سبق: [illegible] اللہ تعالے [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] اللہ تعالے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] [illegible]

مسئلہ: [illegible]

ف : [illegible] ہے۔

[illegible]

ف : حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا [illegible]

[illegible] اللہ تعالیٰ کے غضب سے محفوظ رہے گا۔

[illegible]

سبق : سالک کے لیے ضروری ہے [illegible]

[illegible]　　[illegible]

[illegible]　　[illegible]

ترجمہ : [illegible]

[illegible]

[illegible]

نا پیروں کی علامات : [illegible]

تفسیر صوفیانہ [illegible]

[illegible]

[illegible] خدا تعالیٰ [illegible] والعرف والعموم [illegible] یہ استعارہ [illegible]

تفسیر بالماثور

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتٰبِ (سورۂ آل عمران) [illegible]

سوال: [illegible]

جواب: [illegible]

[illegible]

[illegible] اللہ تعالیٰ کے واسطے [illegible]

[illegible]

شانِ نزول [illegible] اسلام سے [illegible]

[illegible]

[illegible] اسلام [illegible]

[illegible] ھُزُوًا وَّلَعِبًا [illegible]

[illegible]

[illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

حلِ لغات [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]

[illegible]

اللہ تعالیٰ [illegible]

[illegible]

ربط [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]

[illegible] یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا [illegible]

[illegible]

[illegible] اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ [illegible]

[illegible]

ترکیب [illegible]

شانِ نزول

[illegible]

تفسیر صوفیانہ

[illegible]

وہی حرص اور دنیا کا مجموعہ کہ جس سے انسانی ہوشمندی پر غفلت آ جاتی ہے اگر غفلت کی حالت سمجھے گئی اور انہیں ان سے نجات ملے اور دین کے متعلق وہ خیال کرنے لگیں کہ دین کے اعمال رسوم و رواج اور شریعت صرف ایک طریقہ کے مطابق ہیں کچھ رسم و رواج اور اخلاق کی تعلیم تک محدود رکھتے ہیں۔ جب کہ وہ اس بات کے طالب ہیں۔ جس سے کہ وہ تیار [illegible] قبل خدا کی دعوت دیتے رہتے ہیں اور لوگ انہیں طریق حق کی ہدایت سے روک کر طریق باطل کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو اسی لئے یہ وصیت فرمائی یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ [illegible] یعنی اے ایمان والو اگر تم کفر کرنے والوں کا کہا مانو گے تو وہ تمہیں الٹے پاؤں پھیر دیں گے۔ یعنی تم کو اسلام سے ایمان لانے کے بعد تمہیں دین اسلام اور مسلمانوں سے جدا کر کے طریق حق سے پھیر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَلَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِیْرًا اور گروہوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو جو پہلے سے گمراہ ہو چکے اور بہتوں کو گمراہ کیا اور سیدھی راہ سے بہک گیا۔

علم و عمل کی بات

جب سبب لوگوں کے ساتھ مخالطت آگئی ہو اس لیے کہ [illegible] مصنف کی نے [illegible] عمل سے اور علم تا ہمیں اللہ تعالیٰ کا مطلوب ہے اور محبت سے ہی علم آگے بڑھتا جا سکتے ہیں اور وہ علم ہی تحصیل [illegible] دنیا کی محبت [illegible] کی تباہی۔ دنیا کے حصول کے لیے اپنی ہمت لگا رکھنا اور دنیا جمع کرنا اور [illegible] ذخیرہ بنانا اور اس پر فخر و مباہات کرنا اور اس کی کثرت کی فکر میں رہنا اور اس کی بھی آرزو رکھنا اور آخرت کو بھول جانا اس سب امور میں اصرار اور اس پر [illegible] سے انبیاء علیہم السلام کی وراثت کا نصیب ہو گی جب کہ تا سب کہ مصنف کی [illegible] اس طریق سے [illegible] اور صاف سے وراثت کا [illegible] ہے جو شخص ان کی حالت میں نصیحت کے ساتھ [illegible] کا عالم کو وہ شعر [illegible] جو قول کرتا ہے

ترک دنیا بمردم آموزند
خویشتن سیم و غلہ اندوزند

عالمے را کہ گفت باشد و بس
ہر چہ گوید نگیرد اندر کس

ترجمہ: وہ لوگوں کو ترک دنیا سکھاتے ہیں۔ خود بھی سونا چاندی اور غلہ جمع دنیا جمع کرتے ہیں۔

(۲) جس عالم کی صرف باتیں ہی باتیں ہوں اور عمل نہ ہو تو وہ جو کچھ کہتا ہے اس کا کسی پر اثر نہیں ہوتا۔

علم غیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کا ایک گروہ [illegible] [illegible]

ملہ انہیں اشعار کے متعلق حضرت [illegible] شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ [illegible]
[illegible]

زمانہ کے لوگوں کے دل ہدایت سے محروم ہوں گے ان کی مسجدیں ظاہر میں آباد اور ہدایت سے خالی ہوں گی۔ آسمان کے نیچے سب سے زیادہ بدتر ان کے علماء ہوں گے انہیں سے فتنے پیدا ہوں گے اور انہیں کی طرف لوٹیں گے۔

بے عمل علماء کی سزا کا بیان حضرت [illegible] سے روایت ہے کہ فرمایا بے عمل علماء [illegible] سے پہلے لیا جائے گا اور [illegible] جہنم میں دھکیلے جائیں گے۔

[illegible] علماء کو لازم ہے کہ وہ علم سے ظاہری فائدہ کو [illegible] برکت حاصل کرے۔ بلکہ [illegible] [illegible] اور انہیں [illegible] کے عمل [illegible] [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] [illegible] اللہ تعالیٰ کی طرف [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] نصیب ہوگا۔ بلکہ [illegible] کسی شخص [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] نصیب نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ [illegible] [illegible] اللہ تعالیٰ کی [illegible] [illegible] نصیب [illegible] [illegible]۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ وَ
اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ
اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا
حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ
تَهْتَدُوْنَ ○ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ
يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا
وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○
يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ
بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ○ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ
وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ
بِالْحَقِّ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ
وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ○

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور ہرگز نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو اور اللہ کی رسی مضبوط تھام لو سب مل کر اور آپس میں پھوٹ مت ڈالو اور اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب تم آپس میں دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی سو تم اس کے فضل سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے اور تم ایک غار دوزخ کے کنارے پر تھے سو اس نے تمہیں اس سے بچا لیا اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے کہ کہیں تم ہدایت پا جاؤ اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونا چاہیے کہ لوگوں کو نیکی کی طرف بلائیں اور نیک باتوں کا حکم کیا کریں اور بری باتوں سے منع کریں اور یہی لوگ مراد کو پہنچیں گے اور تم ان جیسے مت ہو جانا جنہوں نے باہم تفریق کر لی اور اختلاف کر لیا بعد اس کے کہ ان کے پاس کھلی نشانیاں آ چکی تھیں اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے جس دن کہ بعض چہرے سفید ہو جاویں گے اور بعض چہرے سیاہ ہوں گے سو جن کے چہرے سیاہ ہو گئے ہوں گے ان سے کہا جاوے گا کیا تم لوگ کافر ہوئے تھے ایمان لانے کے بعد تو سزا چکھو بسبب کفر کرنے کے اور جن کے چہرے سفید ہو گئے ہوں گے وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم ٹھیک ٹھیک تم کو پڑھ کر سناتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنا نہیں چاہتا جہان والوں پر اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہی کی طرف سب امور رجوع کئے جاویں گے۔

تفسیر آیات یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا [illegible]

حل لغات: لا تقدموا از باب [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

یعنی [illegible]

[illegible] اسلام [illegible]

اللہ تعالیٰ کی محبت سے [illegible]

[illegible]

[illegible] تھے۔

[illegible]

حل لغات : [illegible] اللہ تعالیٰ نے اسلام کی طرف [illegible]

[illegible]

تفسیر صوفیانہ [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] ہیں۔

(۱) [illegible]

(۲) [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]

[illegible]

حدیث شریف : [illegible]

[illegible]

([illegible])۔

حکمت اللہ تعالیٰ نے [illegible] ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ [illegible] ہے اسی لیے [illegible] الحکیم [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] ۔ [illegible]

سبق سالک کے لئے ضروری ہے کہ [illegible] اللہ تعالیٰ کے حکم کے [illegible] کسی نے خوب فرمایا ہے

[illegible]

تعلیم ① [illegible] ② [illegible] ③ [illegible]

ف [illegible] حضرت شیخ [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]

ف حضرت امام قشیری [illegible] فرمایا [illegible]

[illegible]

ترجمہ [illegible]

حکایت حضرت [illegible]

[illegible]

[illegible] ہو جاتا ہے۔

[illegible] حضرت سہل [illegible] رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ [illegible]

سبق: [illegible]

تفسیر عالمانہ

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ [illegible]

ف: [illegible]

سوال: [illegible]

جواب: [illegible]

[illegible] ۔ [illegible] ۔ [illegible] ۔ [illegible] ۔ [illegible] ۔ [illegible] ۔

[illegible] ۔

تبلیغ حق کے فضائل

حدیث ۱ : (۱) [illegible] ۔

حدیث ۲ : (۲) [illegible] ۔

حدیث ۳ : (۳) [illegible] ۔

حدیث ۴ : (۴) [illegible]

[illegible] ۔

[illegible] ہے لیکن انہیں حق کی بات نہیں کہا [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] خدا تعالیٰ کے حکم [illegible] [illegible] ہے۔

حدیث (۲۵) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا [illegible] جائیں گے۔

حدیث (۲۶) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ہو جائیں گے۔

حدیث (۲۷) حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں جب تمام لوگ [illegible] کی [illegible] ہوگی۔

سبق انسان کو چاہیے کہ وہ نفس کو [illegible] ہو۔

حدیث (۲۸) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سابقہ امتوں میں جب ایک نبی کا وصال ہو جاتا تو اس وقت [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] انبیاء علیہم السلام [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] انکار کرتے تھے۔

مسئلہ امر بالمعروف [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ہے۔

مسئلہ نہی عن المنکر [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

لکھا ہے کہ ۔

ف: [illegible] قتل [illegible] کے نزدیک [illegible] صحیح [illegible] ۔

ف: [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کے لوگ بھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر [illegible] ہے ۔

سوال: [illegible] کے [illegible] کیا ہے ۔

جواب: [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ہے ۔

مسئلہ: [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ہے ۔

سوال: امر بالمعروف و نہی عن المنکر [illegible] کیا جائے ۔

جواب: ہر مکلف [illegible] امر بالمعروف و نہی عن المنکر [illegible]

[illegible]

---

[1] ترمذی [illegible] ۱۲ ۔

[2] [illegible] ۔

[illegible] جاتا ہے [illegible]
[illegible]
[illegible]

مسئلہ [illegible]
[illegible]
[illegible]

حدیث شریف [illegible]
[illegible] اللہ تعالیٰ کے [illegible] اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ [illegible]
[illegible]
[illegible]

مسئلہ [illegible]

مسئلہ [illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible] چاہیے۔

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

تفسیر صوفیانہ [illegible]
[illegible]

[illegible]

ہیں۔ یکجا [illegible] ہیں۔

حدیث شریف ۔ حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسوب ہے کہ [illegible] حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شرح جفر [illegible] [illegible] سے پہلے [illegible] ایک [illegible] صاحب کتاب [illegible] [illegible] [illegible] ۔ [illegible] [illegible] [illegible] کی [illegible] [illegible] [illegible] ۔ [illegible] [illegible] [illegible] ۔ [illegible] حاصل کی جائے ۔

فـ [illegible] انبیاء علیہم السلام [illegible] [illegible] ۔ [illegible] [illegible] سوال ہو سکے ۔

فـ المعروف [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] [illegible] ۔ [illegible] [illegible] [illegible] ۔ [illegible] [illegible] ۔ [illegible] [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] [illegible] کی آرزو [illegible] ۔

تفسیر عالمانہ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

ذہن [illegible] اس کے مطابق [illegible] کے حصول [illegible]
معلوم کئے۔

ف حضرت امام رازی [illegible]

[illegible]

ربط الآیات: جب اللہ تعالیٰ نے [illegible]

[illegible]

آسمانوں و آفاق کی جامع تعبیر

[illegible]

لہ تفسیر [illegible]

[illegible] بیٹھ گئے۔ [illegible]

[illegible]

[illegible]

طریقۂ نبوی علی صاحبہا السلام [illegible] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]

[illegible]

[illegible]

حدیث شریف [illegible] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا [illegible]

حدیث شریف (۲) فرمایا اللہ تعالیٰ [illegible]

[illegible]

[illegible]

مسئلہ [illegible]

[illegible] ۱۲

حدیث شریف [illegible]

مسئلہ [illegible]

مسئلہ: صراط مستقیم شریعت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام ہے۔ اس صراط مستقیم کو ہم [illegible] اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ

ف [illegible]

ف [illegible]

فائدہ [illegible]

حدیث شریف [illegible]

حدیث شریف [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ترجمہ [illegible]

(۲) [illegible]

سبق [illegible]

تفسیر عالمانہ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] جاتا ہے۔

۱۔ [illegible] استعمال سے [illegible]۔

۲۔ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] جب [illegible] [illegible] کے [illegible] ہے۔

سوال: [illegible]۔

جواب: [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ہے۔

جواب: [illegible] نہیں۔

سوال: [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] گیا۔

جواب: [illegible] تحریر کیا گیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں خطاب [illegible] کے لئے [illegible] جب [illegible] ہوں گے [illegible] کے [illegible] دنیا [illegible] کے [illegible] قیامت [illegible] سیاہ ہو جائیں گے [illegible] تفرق و اختلاف [illegible] اللہ [illegible] کے [illegible] کے مطابق [illegible] اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

[illegible] قیامت میں [illegible] کیا جائے گا ؎

[illegible]

ترجمہ: [illegible]

ف: [illegible] کے چہرے سیاہ ہوں گے انہیں کہا جائے گا اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ [illegible] یہ وہ لوگ ہوں گے [illegible] فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۔ [illegible]

نکتہ: دنیا میں [illegible] دنیا [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] قیامت [illegible] کیا جائے گا۔ [illegible]

حدیث شریف نمبر [illegible] فرمایا [illegible] ہو گی۔

حدیث شریف نمبر [illegible] فرمایا [illegible] حضرت [illegible] علیہ السلام [illegible] فرماتے [illegible] جہنم کے [illegible] جائے گا [illegible] ہوگا۔ [illegible] کے [illegible] نام [illegible] ہے۔ [illegible] جائے گا [illegible]

(مستدرک)

حدیث شریف [illegible]

حدیث شریف [illegible]

[illegible]

[illegible]

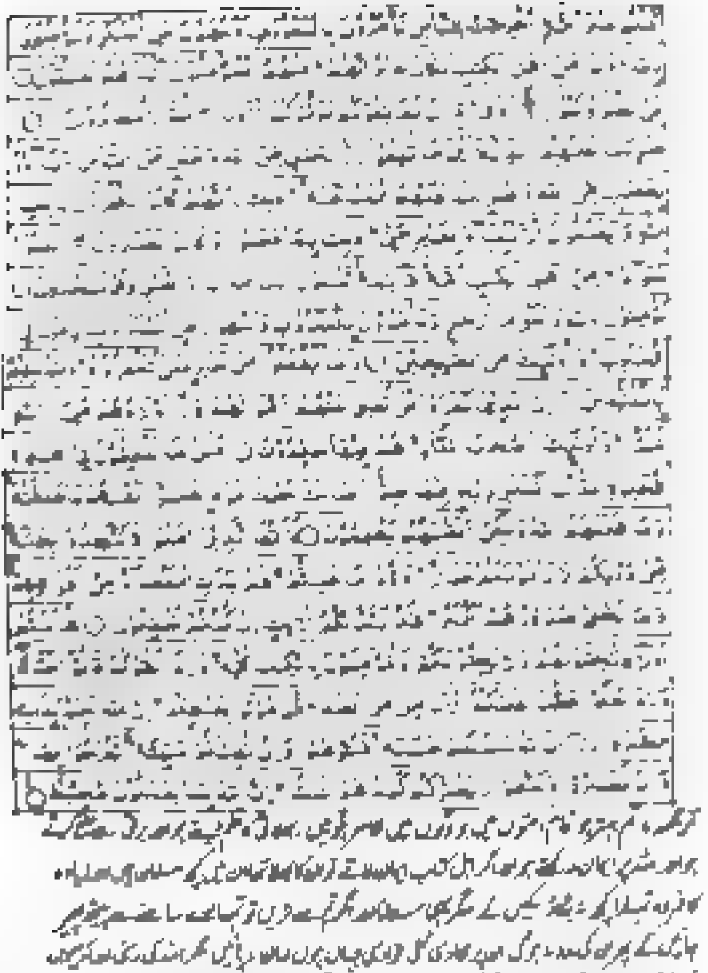

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کی طرف ہے بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ یعنی بسبب اس کے کہ [illegible] اور حد سے تجاوز کرتے تھے
[illegible] اس لیے [illegible] اور شیطان کے [illegible] تجاوز کرتے تھے۔

مسئلہ: صغیرہ گناہوں پر اصرار کرنے سے کبیرہ ہو جاتا ہے [illegible] ارتکاب کا سبب بن جاتا ہے اور کبیرہ [illegible]
کرنے سے کفر تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

نکتہ: جو شخص صغیرہ گناہ کا مرتکب ہو اور ان پر اصرار کرتا ہے تو اس کے قلب پر [illegible]
[illegible]
تو ایمان چھن جاتا ہے اور [illegible] [illegible]
[illegible]

نکتہ: ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ [illegible] کی طرف اشارہ ہے اس لیے [illegible] تصوف نے فرمایا کہ جو شخص
مستحبات کے ترک کرنے کا عادی ہو جاتا ہے [illegible] سنتیں [illegible]
کی عادت پڑنے کی وجہ سے فرائض کو چھوڑنے لگے گا۔ جو فرائض کے ترک کا عادی بنتا ہے تو وہ شرعی
امور کو حقیر سمجھنے لگتا ہے۔ جس سے شریعت کے امور کی حقارت [illegible] کفر تک نوبت پہنچتی ہے۔

سبق: مومن کو لازم ہے کہ اپنے اوپر [illegible] گناہ [illegible] اس کے لیے [illegible]
امور [illegible] کے متعلق شریعت [illegible] کا حکم فرمایا ہے انہیں کی ترک کرنے [illegible]
اسے کمال [illegible] کیا جاتا ہے۔

حدیث شریف: [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ [illegible]
[illegible]

حدیث شریف: [illegible] فرمایا کہ [illegible] مشتبہات [illegible] جو شخص
مشتبہات سے [illegible] اور جو شبہات کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ حرام کے ارتکاب میں
[illegible] اس کی مثال ایسی ہے جیسے [illegible] اپنے مویشی [illegible]
[illegible]

سبق: مشتبہات سے [illegible]
[illegible]

عارف باللہ کی علامت

عارف باللہ جب [illegible] اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کیا جاتا ہے تو [illegible]
[illegible]

و تصور ہوتا ہے کہ گویا معاملہ اس کی گرفت سے نکلا جاتا ہے پھر وہ جلد اس کی تلافی کر لیتا ہے۔

نکتہ : سیدنا [illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ [illegible] کے سوا ہر چیز کی [illegible] تا [illegible] ہوتا ہے۔

حکایت : حضرت جنید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے [illegible] ایک کتاب [illegible] آپ تو ہر وقت صحبت ہی میں [illegible] ہیں اور آپ [illegible] کیا صحبت [illegible] فرمایا ایسا نہیں [illegible] ملامت کی یہ حالت [illegible] عجیب [illegible] سکتے ہیں۔

روحانی نسخے

حضرت شیخ ابو طالب مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا [illegible] [illegible] [illegible]

حکایت : حضرت شیخ [illegible] رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے [illegible] سے پوچھا کہ اے حضرت! [illegible] کے اور [illegible] کے حق آپ کا کیا خیال ہے۔ فرمایا [illegible] اللہ تعالیٰ کی [illegible] کی طرف [illegible] تھے۔

سبق : سالک کے لیے ضروری ہے کہ [illegible] ہے۔

حدیث شریف : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کہ خدا تعالیٰ سے پوری حیا کرو۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم بحمد اللہ تعالیٰ بہت حیا کرتے ہیں آپ نے فرمایا [illegible] نہیں بلکہ اللہ سے پوری حیا کا تقاضا ہے کہ سر اور [illegible] کی حفاظت کرے اور موت کو [illegible] یاد رکھے [illegible] جو شخص آخرت کا طالب ہے [illegible] کی زینت سے دست بردار ہو [illegible] کرتا ہے [illegible] حیا [illegible] ہے

سیرت [illegible] [illegible]

نکتہ : نفس [illegible] ہے۔

ف : بعض مشائخ نے فرمایا [illegible] حال [illegible] ہے۔

[illegible] ظاہر [illegible] اللہ تعالیٰ کی [illegible]

۲۔ معرفتِ نفس باللہ یعنی اللہ تعالیٰ کو [illegible] قبول کرنا ہے جو معرفتِ الٰہی کی انتہائی منزل ہوتی ہے۔

۳۔ معرفتِ نفس یعنی یقین کر لینا کہ نفس دشمن ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ وہ کہتا ہے [illegible]

۴۔ اللہ تعالیٰ اپنے نفس و شیطان کو پہچاننا۔ ایسے دشمن سے معرفتِ الٰہی کے ساتھ جہاد ضروری ہے ورنہ

انسان کو اس سے شکست دے کر گمراہ کرے۔ اسی لیے کہ معرفتِ الٰہی [illegible] بہت ضروری ہے۔ کیونکہ ان

معرفتوں کا [illegible] ظاہری [illegible] باطنی [illegible] حاصل کر لیتا ہے کہ

باطن کو نفس ہی بہت بڑا دشمن ہے۔

سبق: [illegible] نفس کے [illegible]

[illegible] اللہ تعالیٰ ہم سب کو شرورِ نفس و شیطان سے محفوظ رکھے۔ آمین

تفسیر عالمانہ لَیْسُوْا سَوَآءً [illegible] اہل کتاب [illegible]

نہیں ہیں [illegible]

[illegible]

[illegible] ہے۔

سوال: کلام [illegible] اُمَّۃٌ قَآئِمَۃٌ [illegible]

[illegible] ہے۔

جواب: [illegible]

[illegible]

[illegible] حضرت عبداللہ بن سلام [illegible] اللہ

تعالیٰ عنہم مراد ہیں۔

شانِ نزول نمبر ۱: حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں کے [illegible]

[illegible] حضرت عبداللہ بن سلام [illegible]

[illegible] ہے۔

شانِ نزول نمبر ۲: بعض مسلمانوں [illegible] یہود [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

حدیث شریف: [illegible]

[illegible]

[illegible]

سوال : [illegible]

جواب : [illegible] اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام [illegible]

[illegible]

تفسیر صوفیانہ [illegible]

[illegible]

حکایت : [illegible]

[illegible]

[illegible] ۱۲ ـ

سبق : [illegible]

ف : [illegible]

ف : [illegible]

ف : [illegible]

① [illegible]

② [illegible]

③ [illegible]

④ [illegible]

حدیث شریف : [illegible]

شرح الحدیث : [illegible]

سبق : [illegible]

رمضان کے : [illegible]

حدیث شریف : [illegible]

[illegible] کے بارے میں [illegible]

[illegible] ہے ۔

① صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا [illegible] شریک [illegible] اور اس کی مثال [illegible]

خریدے [illegible] اپنے [illegible] سونے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] کا حال ہے ۔

② نماز پڑھنے کا حکم [illegible] کوئی شخص [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ہے ۔

③ روزہ رکھنے کا حکم اس کی مثال اس شخص کی سی ہے [illegible]

[illegible]

[illegible] نہیں آتا ۔

④ زکوٰۃ صدقہ کا حکم [illegible] مثال اس شخص کی سی ہے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ہو جاتا ہے ۔

⑤ اللہ تعالیٰ کے ذکر کا حکم ذکر کرنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے [illegible]

[illegible]

[illegible]

سے محفوظ ہو جاتا ہے ۔

اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا [illegible] کا حکم دیتا ہوں [illegible]

[illegible]

① [illegible]

② [illegible]

③ [illegible]

④ [illegible]

⑤ [illegible]

سبق : [illegible]

[illegible]

[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]

ترجمہ ① [illegible]

② [illegible]

③ [illegible]

تفسیر عالمانہ [illegible]

[illegible]

شانِ نزول [illegible]

[illegible]

ربطِ آیات ۔ جب اللہ تعالیٰ نے [illegible]

[illegible] اللہ تعالیٰ نے [illegible]

[illegible]

[illegible]

ف ۔ یہاں [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مسئلہ: [illegible]

[illegible]

حدیث شریف: [illegible]

۱۔ عمر کن کاموں میں بسر کی۔

۲۔ جسم کو کس کام میں صرف کیا۔

۳۔ علم پر کہاں تک عمل کیا۔

۴۔ مال کہاں سے کمایا اور کس طرح خرچ کیا۔

سبق: [illegible]

حدیث شریف: [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] [illegible]

ترجمہ: [illegible]

تفسیر صوفیانہ

[illegible]

حدیث شریف نمبر ۸: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]

حدیث شریف نمبر ۹: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہ [illegible]

لہ [illegible]

حدیث شریف [illegible]

[illegible]

تسہیل [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]　　[illegible]
[illegible]　　[illegible]

ترجمہ [illegible]

۲۔ [illegible]

تفسیر [illegible] یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

شان نزول [illegible]

[illegible]

حل لغات [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا ۔

حل لغات [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ف : [illegible]

حل لغات : [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] [illegible]

ترجمہ [illegible]

[illegible]

سبق [illegible]

حکایت حضرت ابراہیم بن ادہم [illegible]

[illegible]

حضرت ابراہیم [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] [illegible]

ترجمہ [illegible]

[illegible] حضرت [illegible]

[illegible]

[illegible]

کامیاب ہونے والے حضرات کے ساتھ اسے بھی کامیابی نصیب ہو۔

حکایت: کسی بزرگ نے فرمایا کہ میں نے غیبت [illegible] [illegible] لکھا ہوا ہے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] اس میں لکھا ہوا تھا [illegible] اللہ تعالیٰ کے [illegible] [illegible] جب آپ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہو۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت [illegible] رضی اللہ عنہ کو [illegible] وصیت فرمائی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] کا اجر و ثواب نصیب ہوگا۔

ف: لوگوں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] کا ذکر کرتا ہے۔

حرف آخر: [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] فرماتا ہے۔

❁

[illegible]

ترجمہ: [illegible]

تفسیر [illegible]

[illegible]

[illegible] پھر جب آپ نے غسل [illegible]

نہیں [illegible] اپنے [illegible]

تعالیٰ عنہا کے [illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی [illegible] صلی

اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت [illegible] اللہ تعالیٰ نے [illegible] فرمایا۔ الطیبات للطیبین والطیبون للطیبات۔

اس سے واضح ہوا کہ [illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہا [illegible]

[illegible] صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر فرمائی۔ جیسے حضرت نوح علیہ السلام [illegible] اللہ تعالیٰ نے [illegible]

یا مریم [illegible] علیہا السلام [illegible]

[illegible]

[illegible]

مقاصد: [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

[illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہم [illegible]

[illegible]

[illegible] صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

(۲)۔ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] اس جنگ میں [illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ اور آپ کا مزار اسی جگہ [illegible] [illegible] اللہ تعالیٰ نے [illegible] لیکن [illegible] اسلام [illegible] [illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہ [illegible] -

اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ سے [illegible] [illegible] مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا [illegible] [illegible] ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ [illegible] وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ [illegible] [illegible] وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ [illegible] -

مسئلہ [illegible] -

فقہ [illegible]

تفسیر صوفیانہ [illegible] -

---

[1] [illegible] -

توکل کی [illegible] [illegible]

[illegible] توکل کی تین علامتیں ہیں۔

۱۔ کسی سے سوال نہ کرے۔

۲۔ مل جائے تو رد نہ کرے۔

۳۔ جب مل جائے اسے فوراً [illegible]۔

حکایت : حضرت [illegible]

حکایت : حضرت [illegible]

---

[1] [illegible]

[illegible] کے بعد [illegible] حاصل ہو [illegible] ۔

[illegible] ۔

حکایت : سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو جب نمرود کے حکم سے آگ کے شعلوں میں پھینکا جا رہا تھا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حاضر ہو کر عرض کی کہ [illegible] ۔ آپ نے فرمایا [illegible] ۔ [illegible] اللہ تعالیٰ سے عرض [illegible] جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا [illegible] ۔ آپ نے فرمایا [illegible] میرے سوال [illegible] کی برکت [illegible] گلزار بن گئی ۔

فضائل حدیث شریف : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے [illegible] سائلین کے سوال سے [illegible] دوں گا۔

سبق : [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] ۔ [illegible]

[illegible]

ترجمہ : [illegible] ۔

حاصل کلام : [illegible]

[illegible]

[illegible]

ترجمہ : [illegible] ۔

(۲) اگر تم [illegible] ۔

تفسیر عالمانہ : وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ ۔
(اور بےشک اللہ تعالیٰ نے تمہاری بدر میں مدد فرمائی)

ربط : [illegible] ۔

ف : [illegible]

[illegible]

حل لغات : [illegible]

ف : بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ پہلے اللہ [illegible]

نکتہ : [illegible]

[illegible]

حدیث شریف [illegible]

حدیث شریف [illegible]

[illegible]

[illegible]

مسئلہ [illegible]

مسئلہ [illegible]

سبق [illegible]

حکایت [illegible]

[illegible]

حدیث شریف : ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے [illegible]

سبق : [illegible] اللہ تعالیٰ کا شکر [illegible]

حکایت : مروی ہے کہ [illegible]

[illegible] نفس کی قربانی [illegible]

[illegible]

سبق [illegible]

[illegible]

[illegible]

تفسیر صوفیانہ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ترجمہ ١۔ [illegible]

[illegible]

٢۔ [illegible]

[illegible]

روحانی نسخے [illegible]

١۔ ذکر اللہ تعالیٰ ۔ ٢۔ [illegible]

٣۔ [illegible]

[illegible]

ذکر حضرت ابراہیم خواص [illegible] قلب کی دوا پانچ چیزوں میں ہے۔

١۔ تلاوت قرآن غور و فکر کے ساتھ ٢۔ پیٹ کو طعام سے خالی رکھنا۔ ٣۔ رات کو قیام کرنا۔

٤۔ سحر کے وقت تضرع الی اللہ تعالیٰ۔

٥۔ نیک بخت لوگوں کی صحبت میں بیٹھنا۔

سبق [illegible]

[illegible]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُوْنَ ○ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْۤ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ○ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ
لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ وَسَارِعُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ
الْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ○ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ
الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا
فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۪ وَمَنْ يَّغْفِرُ
الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ
جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ
وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ○ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ○ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ
لِّلْمُتَّقِيْنَ ○ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ اِنْ
يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ
النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ
الظّٰلِمِيْنَ ○ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ○ اَمْ حَسِبْتُمْ
اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ○
وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۪ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ
تَنْظُرُوْنَ ○

ترجمہ :

اے ایمان والو سود کئی گنا بڑھا کر مت کھاؤ اور اللہ سے ڈرو اس امید پر کہ تمہیں فلاح حاصل ہو اور اس
آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے اور اللہ اور رسول کا کہنا مانو اس امید پر کہ تم پر رحم
کیا جائے اور دوڑو اپنے رب کی بخشش کی طرف اور ایسی جنت کی طرف جس کی چوڑائی میں آسمان

اور کیا آج کا غیبت [illegible] کے لیے تیار کی ہے [illegible] سے آج بھی [illegible] میں اور [illegible] پیٹھ پیچھے اور لوگوں سے [illegible] اسی لیے لوگ اللہ کے [illegible] ہے جب اللہ [illegible] کے [illegible] اللہ کے [illegible] بھائی کا [illegible] کام [illegible] ایمان والوں کی اس قوم [illegible] اللہ [illegible] لیے کہ اللہ مسلمانوں کو [illegible] سے [illegible] قرآن آنکھوں کے سامنے

[illegible] (الحجرات ۱۳) [illegible] جاہلیت [illegible]

[illegible]

مسئلہ [illegible]

نکتہ [illegible]

مسئلہ [illegible]

نکتہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

حدیث شریف [illegible]

[illegible]

[illegible] کے [illegible]

۔ اصل مال سے [illegible] لینا ۔

[illegible]

[illegible] ہے ۔

[illegible] : [illegible]

[illegible] ۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا [illegible]

[illegible] ۔

ف : [illegible]

[illegible] ۔

قناعت کن اے نفس بر اندکے
کہ سلطان و درویش بینی یکے

ترجمہ : [illegible] ۔

[illegible]

[illegible] ۔

مسئلہ : [illegible]

[illegible]

حدیث شریف : حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ [illegible]

[illegible] ۔

مسئلہ : [illegible]

[illegible] ۔

اللہ تعالیٰ سے سوال کرے [illegible] برکت [illegible] ۔

[illegible] [illegible]

[illegible] سے منع کیا ہے۔

حدیث شریف [illegible]

ف [illegible]

سود کے نقصانات [illegible]

حدیث شریف [illegible]

[illegible]

ف [illegible]

[illegible]

[illegible]

مسئلہ: [illegible]

مسئلہ: [illegible]

تفسیر صوفیانہ عَطَاءً غَيْرَ مَجْذُوذٍ - [illegible]

مسئلہ: [illegible]

حکایت: [illegible]

نکتہ: [illegible]

[illegible]

خلاصۃ التفسیر [illegible]

١ [illegible]

٢ [illegible]

[illegible]

حدیث شریف [illegible]

١ [illegible]

٢ [illegible]

حدیث شریف [illegible]

حدیث شریف [illegible]

[illegible]

[illegible]

حکایت [illegible]

[illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہ [illegible] الشامی حضرت
[illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہ [illegible] آپ [illegible]
اللہ تعالیٰ [illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

ترجمہ ① [illegible]

② [illegible]

③ [illegible]

④ [illegible]

سبق [illegible]
[illegible]

[illegible]

ترجمہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

ترجمہ [illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]

تفسیر صوفیانہ

[illegible]

تفسیر عالمانہ

[illegible]

مسئلہ [illegible]

[illegible]

مسئلہ: [illegible]

حدیث شریف: [illegible]

مسئلہ: [illegible]

مسئلہ: [illegible]

[illegible]

مگر وہ اسے [illegible] حضرت [illegible]
[illegible]

حدیث قدسی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ [illegible]
[illegible]

حکایت : [illegible] رحمۃ اللہ علیہ [illegible] فرمایا کہ جب آیت [illegible] وَقُودُهَا [illegible]
[illegible] ہو گیا۔

حدیث شریف : حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے [illegible] علیہ السلام [illegible]
[illegible]

مسئلہ [illegible]
[illegible]

[illegible]

ترجمہ [illegible]

ف : [illegible]

ف : [illegible]

[illegible]

ترجمہ: [illegible] گلستان [illegible] ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو [illegible]

اپنے لطف و کرم سے [illegible]

حکایت: [illegible] ابراہیم ادہم [illegible]

[illegible]

خلاصہ حکایت: حضرت ابراہیم [illegible]

[illegible]

سبق: [illegible]

[illegible]

تنقید عالمانہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کی طرف رجوع کی نسبت [illegible] معرفت [illegible] اپنی [illegible] دعا [illegible] اللہ [illegible] کے خلاف [illegible] مطلوب [illegible] کی [illegible] اس لیے [illegible]

کے [illegible] ہے۔

خلاصۂ تفسیر سابقہ امتیں اپنے انبیاء علیہم السلام سے دنیوی امور کی وجہ سے مخالفت کرتی تھیں اور جب وہ دنیا سے مست ہوگئے [illegible] کی [illegible] نعمت [illegible] اور آخرت کا سخت عذاب ہوا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں کو ترغیب دلائی کہ گذشتہ امتوں کے حالات دیکھیں [illegible] تعجب [illegible] دنیا [illegible] ہے [illegible] آخرت [illegible] عذاب [illegible] میں [illegible] اور آخرت میں عذاب نصیب ہوگا۔

سبق اس سے یہ بھی [illegible] دنیا کی رنگینیوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھنا چاہیے۔

[illegible] اس میں [illegible] شکست [illegible] انجام [illegible] چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ۔

اور فرمایا کہ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ

نکتہ: اگر [illegible] کی خبر [illegible] سے [illegible] کے خلاف ہے۔ اس لیے [illegible] نہیں ہو سکتی۔

سبق [illegible] اللہ تعالیٰ کی طرف [illegible]

ف۱۔ [illegible]

[illegible] ہے۔

ف۲۔ [illegible]

[illegible] خستہ [illegible]　　چوں [illegible]
[illegible] صاحب [illegible]　　[illegible]

ترجمہ ۱۔ [illegible]

۲۔ [illegible]

مطلب [illegible]

حدیث شریف ۔ [illegible]

ف ۔ اس حدیث [illegible] حضرت [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]

حکایت ۔ حضرت [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]

تفسیر صوفیانہ [illegible]

لے [illegible]

جب تک تم اس حالت پر نہ پہنچ جاؤ گے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

فقیر عطا اللہ

[illegible]

[illegible]

[illegible] ۔

[illegible]

حل لغات : [illegible]

[illegible] ۔

اِنْ تَمْسَسْكُمْ [illegible] ۔

حل لغات : [illegible] فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ [illegible] قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ۔ [illegible] وَ تِلْكَ الْاَيَّامُ [illegible]

[illegible] ۔

فیوما علینا و یوما لنا ‌‌ ‌ و یوما نساء و یوما نسر

ترجمہ : [illegible] ۔

حل لغات : [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سوال [illegible]

جواب [illegible]

جواب [illegible]

وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ [illegible]

مسئلہ [illegible]

[illegible]

[illegible] حضرت [illegible] رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا [illegible]

تفسیر صوفیانہ

[illegible]

تعالیٰ ایسا کرتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل یعنی سب سے زیادہ بلائیں انبیاء علیہم السلام پر آتی ہیں ان کے بعد اولیاء سے پھر جو ان کے بعد انہی جیسے ہیں۔

حکایت: وہب [illegible] حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک پہاڑ سے گزرے۔ وہاں ایک عابد [illegible] کے پاس ایک چشمہ تھا کہ وہ اس سے طہارت حاصل کرتے اور پانی پیتے۔ اس کے قریب ہی ایک [illegible] تھا [illegible] حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تجھے یہاں عبادت کرتے کتنا عرصہ گزرا ہے۔ عرض کی [illegible] سال ہوئے [illegible] اللہ تعالیٰ سے [illegible] سوال [illegible] آپ نے فرمایا کیا سوال ہے۔ عرض کی [illegible] ہوں کہ ایک رائی برابر عشق اور معرفت نصیب ہو۔ چونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے پیارے نبی ہیں علیہ السلام [illegible] یہ سوال [illegible] حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے [illegible] دعا کی اور [illegible] ایک [illegible] جہاں وہ [illegible] تھا [illegible] حضرت عیسیٰ علیہ السلام [illegible] اللہ تعالیٰ سے [illegible] معرفت [illegible] ایک رائی [illegible] اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف [illegible] میری معرفت [illegible] نصیب [illegible] حضرت عیسیٰ علیہ السلام [illegible]

[illegible] حضرت عیسیٰ علیہ السلام [illegible] تعالیٰ [illegible] حضرت عیسیٰ علیہ السلام [illegible] اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام [illegible] کوئی بات نہیں [illegible] عشق و معرفت سے [illegible] ایک [illegible] اگر [illegible] آسمان [illegible]

[illegible] عشق [illegible]

[illegible] اللہ [illegible] تکلیف [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

علم متصور ہے۔ اس لئے کہ یہاں نفی مقصود ہے اور علم کی نفی کے معنی یہ آیت کا معنی یوں ہوا کہ کیا تم جنت میں داخلہ کا خیال رکھتے ہو حالانکہ ابھی جہاد اور ثابت قدمی پر صبر کا معاملہ ہی نہیں ہوا۔ یہ بات تو ممکن ہی نہیں کہ تم جنت میں داخلہ کا تصور بھی کر سکو بلکہ جو لوگ جنت میں داخل ہوں گے وہ اللہ کی راہ میں شہید ہونے اور زخم بھی کھانے والے ہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں تکلیفیں برداشت کر لیں اور ہر طرح کی مصیبت جھیلی تم اب جب تک تم ان کی طرح دشمن کا مقابلہ نہ کرو گے اور ان کی طرح صبر و تحمل نہ کرو گے ان کے مراتب کو نہیں پہنچ سکو گے۔ اور یہ تو بعید از قیاس ہے کہ انسان معاملات اور جنت کو ان اعمال کے بغیر حاصل کر لے۔ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ یعنی تم موت کی تمنا کرتے تھے یعنی موت سے مراد شہادت ہے اس لئے کہ شہادت بھی تو موت کی ایک قسم ہے اور موت سے یہی شہادت نصیب ہوگی۔ یہ خطاب ان حضرات کو ہے جو غزوۂ بدر میں حاضر نہ تھے اس لئے ان کو رنج رہتا تھا کہ وہ بھی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ میں حاضر ہو کر مراتب عالیہ حاصل کرتے یہ شہادت ہمیں بھی نصیب ہوتی۔ انہی حضرات نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا کہ جنگ کے لئے شہر سے باہر چلئے لیکن ان کے ارادہ وقت اس ملاقات واضح ہوا۔ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْهُ یعنی کہ تم اس کا مشاہدہ کرتے اور تمہیں جنگ کے شدائد کا تجربہ معلوم ہو۔ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ یعنی تم نے دیکھ لیا یعنی موت کو یا اس کے اسباب کو جن کی تمہیں تمنا تھی یعنی موت کو دیکھا اور اس کے اسباب کا مشاہدہ کر لیا۔

وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ اور تم اس کو آنکھوں سے دیکھ رہے تھے جب تمہارے سامنے تمہارے بھائی اور اقارب تمہارے سامنے شہید ہو رہے تھے اور تم خود بھی موت کے منہ میں تھے۔ پھر تم نے غور کیا کہ تم کیسے ہو گئے تھے یہی جگہ سے بھاگ۔

خلاصہ تفسیر

اس میں تنبیہ فرمائی ہے کہ ان لوگوں نے جنگ کی تمنا کی پھر ان کے سامنے ہے یہ بھی جہاد کی تمنا کی تھی جب وہ سامنے آیا تو شکست کھا کر بھاگ نکلے۔ انہیں شہادت کا شوق نہیں تھا۔ مگر یہ خیال تھا کہ کس طریقے سے کفار کی ایسا اسلام کا بول بالا ہو جائے۔ مومن کو شوقِ شہادت ہونا چاہئے لیکن اس قسم کی غلط دلیل ہے کہ جس کا ارادہ ہی شہادت کا شوق ہو گیا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے جیسے کوئی شخص بغیر طبیب کے ہاتھ سے دوائی اس غرض سے پیئے کہ اسے اس دوائی سے شفا ملے گی۔ پیچھے اس شخص کے ہاتھ کی دوائی پیئے جس کی تمنا کامل نہیں ہوئی۔ ایسے ہی شہادت کے شوق میں بھی میدانِ جنگ میں کسی قسم کا تعلق مقصود نہیں ہوتا۔ اس میں فتح ہو یا شکست دونوں برابر ہیں۔ اسی لئے ان کا فرار بھی ہو جانا یہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو فتح کا موقع دینا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تو معلوم ہوا کہ صداقت [illegible] زبان کی عبادت [illegible] مشکل ہے [illegible] نہ ملے گا دوسری [illegible] کا نام [illegible] اس لیے کہ [illegible] قلب [illegible] کے حصول میں [illegible] صداقت کی [illegible] اس وقت نصیب ہوگی جب کہ قلب بالکل [illegible] ہو [illegible] مستغرق ہو [illegible] ہو سکے ۔

[illegible] کے [illegible] بالکل [illegible] ہے ۔

مستغرق [illegible] نصیب [illegible] ہو سکے [illegible] ہے [illegible] حب [illegible] اللہ تعالیٰ نے فرمایا [illegible] اللہ علیہ وسلم [illegible] ہے ۔

ف ۔ حضرت امام [illegible] فرمایا [illegible] ہے ۔

[illegible] [illegible]

ترجمہ ۔ [illegible] ۔

ف ۔ [illegible] فرمایا ہے

[illegible] غلام ہمت آنم [illegible]

ترجمہ ۔ [illegible] ۔

ف ۔ حضرت [illegible] ۔

[illegible]

حکایت: حضرت حاتم رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے [illegible] ایک عورت [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] کا خوف تھا اصم یعنی بہرا [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

سبق: [illegible]
[illegible]
[illegible]
کے وقت صبر کرنا ہے ؎

تحمل چو زہرت نماید نخست — ولی شہد گردد چو در طبع رُست
[illegible] — [illegible]

ترجمہ: صبر پہلے تو زہر کی طرح نظر آتا ہے لیکن شہد بن جاتا ہے [illegible]
[illegible]

ہم سب کو اللہ تعالیٰ [illegible] (آمین)

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ○ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَن تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كِتَابًا مُّؤَجَّلًا ۗ وَمَن يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَن يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا ۚ وَسَنَجْزِي الشَّاكِرِينَ ○ وَكَأَيِّن مِّن نَّبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ ○ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّا أَن قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ○ فَآتَاهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ○

ترجمہ: اور محمد تو صرف ایک رسول ہیں آپ سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں تو کیا اگر وہ انتقال فرما جائیں یا شہید ہو جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جو الٹے پاؤں پھرے گا وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑے گا اور عنقریب اللہ شکر ادا کرنے والوں کو انعام دے گا اور کوئی شخص خدا کے حکم کے بغیر مر نہیں سکتا سب کا وقت لکھا ہوا ہے اور جو دنیا کا انعام چاہے ہم اسے اس میں سے دیں گے اور جو آخرت کا انعام چاہے ہم اسے اس میں سے دیں گے اور عنقریب ہم شکر گزاروں کو انعام عطا کریں گے اور کتنے ہی نبی ایسے گزرے ہیں جن کے ساتھ بہت سے خدا والے لڑے تو نہ انہوں نے ہمت ہاری ان مصیبتوں سے جو اللہ کی راہ میں انہیں پہنچیں اور نہ کمزور ہوئے اور نہ دبے اور اللہ صبر والوں کو محبوب رکھتا ہے اور ان کا کہنا کچھ بھی نہ تھا سوا اس کے کہ اے ہمارے رب ہمارے گناہ بخش دے اور جو زیادتیاں ہم نے اپنے کام میں کیں اور ہمارے قدم جما دے اور ہمیں کافر لوگوں پر مدد دے تو اللہ نے انہیں دنیا کا انعام دیا اور آخرت کے ثواب کی خوبی اور نیکی والے اللہ کو پیارے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَمَا مُحَمَّدٌ [illegible]

[illegible]

شان نزول [illegible]

[illegible]

[illegible]

ألم تر أن الله أرسل عبده ببرهانه والله أعلى وأمجد

وشق له من اسمه ليجله فذو العرش محمود وهذا محمد

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سوال: اذان کو کس نے تجویز کیا تھا؟

جواب: [illegible] حضرت عمر [illegible] تجویز [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] قرآن [illegible]

مسئلہ: [illegible] ہے۔

واقعہ عجیبہ

جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو صحابہ کرام مختلف حال ہو گئے بعض آدمی [illegible] حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ [illegible] حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ [illegible] حضور علیہ السلام کے وصال کا یقین ہو گیا۔

[illegible] اسطن حنانہ کا قصہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام [illegible] صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم [illegible] حضور علیہ السلام کی جدائی [illegible]

[illegible]

ف [illegible]

وصال شریف [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ترجمہ : ۱ [illegible]

سبق [illegible]

[illegible]

ترجمہ ① [illegible]

② [illegible]

[illegible]

ف [illegible]

تشریح مزید [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] وما قتلوہ وما صلبوہ [illegible]

[illegible] ما لہم بہ من علم الا اتباع الظن وما قتلوہ یقینا [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

خلاصہ تقریر [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ف : [illegible]

ف : [illegible]

[illegible]

ترجمہ : [illegible]

[illegible]

[illegible]

مسئلہ : [illegible]

فائدہ : [illegible]

[illegible]

[illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] قیامت [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ف : [illegible]

[illegible]

عبادت با اخلاص نیت نکوست   وگرنہ چہ آید ز بے مغز پوست

[illegible]   [illegible]

ترجمہ : [illegible]

۔ [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]

یکسوئی کے فضائل

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا   فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا

وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ   وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ ذٰلِكَ تَاْوِیْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا

ترجمہ: [illegible]

[illegible]

[illegible]

سبق

[illegible] اللہ تعالیٰ کی طرف [illegible]

[illegible] اللہ تعالیٰ کے [illegible]

تفسیر صوفیانہ حضرت [illegible] وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ [illegible]

[illegible]

حکایت: حضرت حاتم اصم حضرت شقیق بلخی کی صحبت میں [illegible]

[illegible] حضرت شقیق [illegible] حاتم [illegible]

[illegible] حضرت شقیق [illegible]

[illegible]

[illegible]

سبق: [illegible]

[illegible]

حکایت: حضرت [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ترجمہ [illegible]

تفسیر عالمانہ [illegible]

[illegible]

حل لغات [illegible]

[illegible]

۱. [illegible]

۲. [illegible]

حل لغات [illegible]

[illegible]

[illegible]

سوال: [illegible]

جواب: [illegible]

سوال: [illegible]

جواب: [illegible]

[illegible]

[illegible]

تفسیر صوفیانہ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ترجمہ : [illegible]

۲. [illegible]

۳. [illegible]

سبق : [illegible]

نصیحت : [illegible]

۱. [illegible]

۲. [illegible]

۳. [illegible]

۴. [illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

ترجمہ: [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا

شان نزول یہ آیت منافقین کے حق میں نازل ہوئی۔ جب کہ انہوں نے اہل ایمان کو شکست کے وقت کہا [illegible] اپنے دین کی طرف [illegible] اور اپنے بھائیوں سے مل جاؤ۔ اگر نبی علیہ السلام [illegible] اللہ تعالیٰ نے فرمایا [illegible] اِنْ تُطِیْعُوا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا اگر تم [illegible] کی اطاعت کرو گے [illegible] یَرُدُّوْكُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ [illegible] فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ [illegible]

[illegible]

مسئلہ : [illegible]

سوال : [illegible]

جواب : [illegible]

تفسیر صوفیانہ [illegible]

[illegible]

[illegible]　　[illegible]

[illegible]　　[illegible]

ترجمہ : [illegible]

[illegible]

[illegible]

۱۔ [illegible]

[illegible]

[illegible]

حکایت : [illegible]

[illegible]

[illegible]　　[illegible]

[illegible]　　[illegible]

[illegible]　　[illegible]

ترجمہ : [illegible]

[illegible]

اس لیے کہ [illegible]

[illegible]

اس صورت [illegible]

[illegible]

سبق [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

(وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ف [illegible]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ [illegible]

[illegible] وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ [illegible]

[illegible]

[illegible]

معروف تھی کہ بعض حضرات کے نزدیک [illegible] آپ کو کامل [illegible] حاصل تھی۔

آپ کا [illegible] ہے کہ بعض جگہ حضرت علیہ السلام [illegible] کی طرف [illegible] نہیں [illegible] آپ [illegible] اور [illegible] حضرت [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] اللہ تعالیٰ نے [illegible] کی [illegible] [illegible] اور [illegible] حضرت [illegible] اسباب [illegible] اسلام کے [illegible] جس [illegible] سے [illegible] حضور [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] کے [illegible] [illegible] اور [illegible] [illegible] کا [illegible] سے [illegible] دیا۔

[illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] کا [illegible] طلب جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ [illegible] اللہ [illegible] کی طرف [illegible] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی [illegible] سے [illegible] اور [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] کے سبب [illegible] تھی۔

[illegible] [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] کا [illegible] ہے [illegible] [illegible] اس شعر کے [illegible] میں [illegible] ہے

صبر کرو [illegible] غالب
صبر کرو [illegible] صاحب

ترجمہ: [illegible] جاتا ہے۔

[illegible] حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ [illegible] کے [illegible] ہے کہ [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] حاصل [illegible] ہے [illegible] کی [illegible] بالکل [illegible] کے [illegible] میں [illegible]

[illegible] صدیق [illegible]
[illegible] ہے ۔

سبق: [illegible]
[illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] ہے ۔

حکایت: حضرت [illegible] حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم
کے [illegible] صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ [illegible] آپ سے [illegible]
[illegible] آپ ہم سب [illegible] پانچ [illegible] ۔

① [illegible] آخرت [illegible]
[illegible] ۔

② [illegible]
[illegible] ۔

③ [illegible]
[illegible] ۔

④ [illegible]
[illegible] ۔

⑤ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت [illegible] آپ کی رفاقت سے ایک
پل [illegible] ۔

حضرت [illegible] محبت [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

محبت والی [illegible]
اگر [illegible]

[illegible]

[illegible]

ترجمہ: [illegible]

[illegible]

توکل کی قسمیں اور حضرت خلیل علیہ السلام

[illegible] علیہ السلام [illegible]

[illegible] حضرت جبرئیل علیہ السلام [illegible]

توکل [illegible]

[illegible]

توکل کی علامات: حضرت [illegible]

(۱) صبر [illegible]

(۲) [illegible]

(۳) [illegible]

(۴) [illegible]

(۵) [illegible]

(۶) [illegible]

(۷) [illegible]

(۸) [illegible] ۔

(۹) ذکر الٰہی [illegible] درست۔

(۱۰) [illegible] (۱۱) [illegible] ۔

[illegible] [illegible]

[illegible] [illegible]

ترجمہ: (۱) [illegible] ۔

(۲) [illegible] ۔

تفسیر عالمانہ [illegible]

[illegible]

حکایت: حضرت [illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ۔

[illegible]

[illegible]

[illegible] ۔

[illegible]

[illegible]

[illegible] ۔

[illegible] صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

شیطان [illegible]

[illegible]

[illegible] اللہ تعالیٰ نے [illegible]

[illegible]

تقسیم صوفیاء [illegible] شیطان [illegible]

[illegible] حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]

[illegible]

مسئلہ [illegible] شیطان [illegible]

[illegible]

حکایت [illegible] شیطان [illegible]

[illegible]

حکایت [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible]

حاشیہ ۱ [illegible]

۲ [illegible]

۳ [illegible]

[illegible]

[illegible]

يا أيها الذين آمنوا لا تكونوا كالذين كفروا وقالوا لإخوانهم إذا ضربوا في الأرض أو
كانوا غزى لو كانوا عندنا ما ماتوا وما قتلوا ليجعل الله ذلك حسرة في
قلوبهم والله يحيي ويميت والله بما تعملون بصير ○ ولئن
قتلتم في سبيل الله أو متم لمغفرة من الله ورحمة خير مما يجمعون ○
ولئن متم أو قتلتم لإلى الله تحشرون ○ فبما رحمة من الله لنت لهم
ولو كنت فظا غليظ القلب لانفضوا من حولك فاعف عنهم واستغفر لهم
وشاورهم في الأمر فإذا عزمت فتوكل على الله إن الله يحب المتوكلين ○
إن ينصركم الله فلا غالب لكم وإن يخذلكم فمن ذا الذي ينصركم من
بعده وعلى الله فليتوكل المؤمنون ○ وما كان لنبي أن يغل ومن
يغلل يأت بما غل يوم القيامة ثم توفى كل نفس ما كسبت وهم لا
يظلمون ○ أفمن اتبع رضوان الله كمن باء بسخط من الله ومأواه جهنم
وبئس المصير ○ هم درجات عند الله والله بصير بما يعملون ○ لقد
من الله على المؤمنين إذ بعث فيهم رسولا من أنفسهم يتلو عليهم آياته
ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة وإن كانوا من قبل لفي ضلال مبين ○
أولما أصابتكم مصيبة قد أصبتم مثليها قلتم أنى هذا قل هو من
عند أنفسكم إن الله على كل شيء قدير ○ وما أصابكم يوم التقى الجمعان
فبإذن الله وليعلم المؤمنين ○ وليعلم الذين نافقوا وقيل لهم تعالوا
قاتلوا في سبيل الله أو ادفعوا قالوا لو نعلم قتالا لاتبعناكم هم للكفر
يومئذ أقرب منهم للإيمان يقولون بأفواههم ما ليس في قلوبهم
والله أعلم بما يكتمون ○ الذين قالوا لإخوانهم وقعدوا لو أطاعونا ما قتلوا
قل فادرءوا عن أنفسكم الموت إن كنتم صادقين ○ ولا تحسبن الذين قتلوا
في سبيل الله أمواتا بل أحياء عند ربهم يرزقون ○ فرحين بما آتاهم الله
من فضله ويستبشرون بالذين لم يلحقوا بهم من خلفهم ألا خوف عليهم

اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ۗ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ

ترجمہ

اے ایمان والو! ان کافروں کی طرح نہ ہونا جنہوں نے اپنے بھائیوں کی نسبت کہا جب وہ سفر یا جہاد کو گئے کہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے اس لیے کہ اللہ ان کے دلوں میں اس کا افسوس رکھے اور اللہ جِلاتا اور مارتا ہے اور اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے اور بیشک اگر تم اللہ کی راہ میں مارے جاؤ یا مر جاؤ تو اللہ کی بخشش اور رحمت ان کے سارے دھن دولت سے بہتر ہے اور اگر تم مرو یا مارے جاؤ تو اللہ کی طرف اٹھنا ہے تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب تم ان کے لیے نرم دل ہوئے اور اگر تند مزاج سخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمہارے گرد سے پریشان ہو جاتے تو تم انہیں معاف فرماؤ اور ان کی شفاعت کرو اور کاموں میں ان سے مشورہ لو اور جو کسی بات کا ارادہ پکا کر لو تو اللہ پر بھروسہ کرو بیشک توکل والے اللہ کو پیارے ہیں اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو ایسا کون ہے جو پھر تمہاری مدد کرے اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ چاہیے اور کسی نبی پر یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ وہ کچھ چھپا رکھے اور جو چھپا رکھے وہ قیامت کے دن اپنی چھپائی چیز لے کر آئے گا پھر ہر جان کو ان کی کمائی بھرپور دی جائے گی اور ان پر ظلم نہ ہوگا تو کیا جو اللہ کی مرضی پر چلا وہ اس جیسا ہوگا جس نے اللہ کا غضب اوڑھا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور کیا بری جگہ پلٹنے کی وہ اللہ کے یہاں درجہ بدرجہ ہیں اور اللہ ان کے کام دیکھتا ہے بیشک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے کیا جب تمہیں کوئی مصیبت پہنچے کہ اس سے دونی تم پہنچا چکے ہو تو کہنے لگو کہ یہ کہاں سے آئی تم فرما دو کہ وہ تمہاری ہی طرف سے آئی بیشک اللہ سب کچھ کر سکتا ہے اور وہ مصیبت جو تم پر آئی جس دن دونوں فوجیں ملی تھیں وہ اللہ کے حکم سے تھی اور اس لیے کہ پہچان کرا دے ایمان والوں کی اور اس لیے کہ پہچان کرا دے ان کی جو منافق ہوئے اور ان سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑو یا دشمن کو ہٹاؤ بولے اگر ہم لڑائی ہوتی جانتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے اور اس دن ظاہری ایمان کی بہ نسبت کھلے کفر سے زیادہ قریب ہیں اپنے منہ سے کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں اور اللہ کو معلوم ہے جو چھپا رہے ہیں وہ جنہوں نے اپنے بھائیوں

[illegible]

تقریر عالمانہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ

[illegible]

آپ کا [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

ترجمہ: ۱۔ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

۲۔ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] [illegible]

سوال: [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

جواب: [illegible]

سوال: [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

اللہ تعالیٰ کی رحمت و خشیت کے مقام میں [illegible] ۔ [illegible] اختلاف کے مطابق [illegible] پوری توجہ کریں۔ تب ہی خوف کے [illegible] تمام [illegible] [illegible] ۔ [illegible] [illegible] اللّٰہ [illegible] [illegible] ۔ [illegible]

تفسیر صوفیانہ [illegible] شخص صرف اللہ تعالیٰ کے عذاب کے خوف سے عبادت کرتا ہے [illegible] جو شخص ثواب کی طلب میں عبادت کرتا ہے [illegible] اور جو شخص صرف اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل [illegible] اللّٰہ [illegible] ہے۔ حضرت جامی قدس سرہ السامی نے فرمایا ہے

[illegible]   [illegible]
[illegible]   [illegible]

ترجمہ ① [illegible] قسمت [illegible] ہے۔

② [illegible] ہیں [illegible] نہیں۔

حکایت ۔ حضرت [illegible] امام ابو حنیفہ [illegible] آپ [illegible] اللہ تعالیٰ کے [illegible] آپ [illegible] [illegible]

سے ہی تعلق جاتا ہے اور ارادہ ہے کہ اس کی عبادت کریں اور کوئی مطلب شکر کی [illegible] نہ رکھیں۔
طرح آپ سے اتنا بھروسہ کر لیا کہ گویا آپ ایسے ہیں محض عبادت کے لئے [illegible] حق یہ عبادت [illegible]
ادا کرنا واجب ہے

گر نہ بخشد وصل [illegible] حاجات ما   پس [illegible]
ہے [illegible] عشق [illegible]   [illegible]

ترجمہ۔ اگر [illegible] تو [illegible] کبھی [illegible] نہ آئے۔
ف۔ یعنی [illegible] محبت [illegible] کی قوت [illegible] ہے۔

حکایت۔ ایک [illegible] کی [illegible] عبادت کے لئے [illegible] فرمایا [illegible] کی
علامت ہے [illegible] کی علامت [illegible] ہیں۔ انہوں نے کہا [illegible] تمام طاقت [illegible] صرف کر دی
[illegible] آپ کی [illegible] نہیں [illegible] نہیں۔ [illegible]
[illegible] فرمایا [illegible]
[illegible] ہیں۔ انہوں نے [illegible] عبادت [illegible]
[illegible] اللہ [illegible] کی طرف [illegible]
[illegible] ہے۔
[illegible] اللہ تعالیٰ کی طرف [illegible]
[illegible] الاسباب [illegible] جاتا ہے۔

استغراق [illegible] طرف [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] جاتا ہے۔

[illegible] ہے۔

[illegible] [illegible]
[illegible] دنیا [illegible]
[illegible] ہے۔

تفسیر عالمانہ [illegible] ۔ اس کے آخر میں [illegible] ہے ۔ یعنی آپ کی شان کی بہت بڑی [illegible] کے لیے آپ [illegible] ۔ آپ [illegible] سے [illegible] اخلاق سے [illegible] کی طرف [illegible] بار [illegible] صاحب کے [illegible] ہیں ۔ یعنی آپ کو [illegible] کے ساتھ [illegible] ۔ [illegible] آپ [illegible] میں [illegible] ۔ [illegible] الخضب [illegible] سے [illegible] ۔

حل لغات : [illegible] یعنی [illegible] ۔ [illegible] شخص [illegible] قلب [illegible] سے [illegible] ۔ [illegible] کے ساتھ [illegible] ہیں [illegible] ۔ [illegible] ۔ [illegible] آپ سے [illegible] کے [illegible] ۔ [illegible] لیا ۔ [illegible] آپ [illegible] کے لیے [illegible] ۔ [illegible] آپ کی [illegible] ہیں ۔

[illegible] سے [illegible] کے [illegible] ہے ۔ [illegible] کے [illegible] ہے [illegible] ۔ [illegible] کی [illegible] سے [illegible] ۔ [illegible] کے [illegible] ۔ [illegible] سے [illegible] ہے [illegible] ۔ [illegible] کی [illegible] ۔ [illegible] سے [illegible] کے [illegible] ۔ [illegible] کرو ۔

[illegible]

[illegible]

[illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ترجمہ: ۱۔ جب [illegible]

۲۔ [illegible]

تفسیر: حضرات انبیاء علیہم السلام کی بعثت سے اصل مقصود [illegible] [illegible]

حکایت: [illegible]

سبق: [illegible]

[illegible]

تفسیر [illegible]

[illegible]

ف [illegible]

تفسیر [illegible]

[illegible]

ف وسوسہ دو قسم کا ہوتا ہے۔

① کسی کام پر اکسانا۔

② کسی کام سے روکنا۔

[illegible]

[illegible]

[illegible] کر لی کہ جب آدمی یقین کر لیتا ہے کہ [illegible] پہنچتے ہیں۔
مسکین و ذلیل کے [illegible] یہ ہے کہ انسان رزق [illegible] کے سوا کسی [illegible]
[illegible] طلب کرے۔

حدیث شریف: حضرت عمران بن حصین سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں ستر ہزار آدمی ایسے ہوں گے جو بغیر حساب جنت میں داخل ہوں گے۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا [illegible] نہ داغ لگواتے ہیں نہ [illegible] بلکہ اپنے رب تعالیٰ پر توکل کرتے ہیں۔ حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی دعا فرمائیے کہ میں بھی ان کے ساتھ ہو جاؤں تو آپ نے فرمایا تو بھی ان میں سے ہے۔ اس کے بعد ایک دوسرا شخص اٹھ کر کھڑا ہوا عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے بھی دعا فرمائیے کہ میں بھی انہیں میں سے ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا تیرے سے عکاشہ سبقت لے گیا۔ پھر آپ نے فرمایا اگر تم اللہ تعالیٰ پر [illegible] توکل کرو جیسا توکل کا حق ہے تو اللہ تعالیٰ تمہیں ایسے رزق دے جیسے پرندوں کو دیتا ہے کہ صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس لوٹتے ہیں۔

حکایت: ایک دفعہ [illegible] ایک جنگل میں تھا [illegible] دیکھا کہ [illegible] اس نے [illegible] ایک کتا [illegible] کے ہاتھ میں [illegible] تھا [illegible] کتے کو [illegible] ہے۔ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible]
[illegible]

ترجمہ: [illegible]

تفسیر صوفیانہ: حضرت [illegible] [illegible] [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]

[illegible] اس لئے [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] نبوت [illegible] اور [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]

چو سال [illegible] پیدا کند
[illegible] کند
[illegible]

[illegible] (وَمَا كُنْتُ [illegible])

[illegible] علیہ السلام [illegible] کے مناسب ہے [illegible]

شان رسالت اور علم غیب

اس سے [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] علیہ الصلوٰۃ والسلام [illegible]

کہ وہاں فلاں کے لیے تحریر کیا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ [illegible] نہیں ہے۔ [illegible] حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام [illegible] علم غیب ہے۔ [illegible] حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام [illegible] کہ آپ نے ایک [illegible] واقعات [illegible] فرمایا [illegible] حضور علیہ السلام کے زمانے کے [illegible] بتلا کر آپ سب کو [illegible] تقسیم فرمائے۔

ف: اس میں بعض نجدیوں کا [illegible] سے معلوم ہوگیا کہ [illegible] طریق [illegible] مخلوقات [illegible] يُحَدِّثُ [illegible] اور جو [illegible] قیامت [illegible]

حدیث شریف نمبر [illegible]۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ [illegible] کسی کا [illegible] قیامت [illegible] جائیں گے۔

حدیث شریف نمبر [illegible]۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا جب کہ کسی کا کام [illegible] قیامت کا [illegible]۔

حدیث شریف نمبر [illegible]۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا [illegible]

حدیث شریف نمبر [illegible]۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا [illegible] جب قیامت [illegible] بیٹھے ہوں گے۔ [illegible] خیانت کے [illegible]

حدیث شریف نمبر [illegible]۔ سیدنا [illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے [illegible]

مستحق [illegible]

ہر شخص کو اس کی نیکی کی جزا دس گنا سے سات سو گنا تک ضرور دی جائے گی۔ یعنی بعض کو [illegible] سات سو گنا [illegible]

دی جائے گی۔

سوال: ما قبل کی آیت کا مطلب [illegible]

جواب: [illegible]

[illegible]

سوال: ان طبقات کے [illegible]

جواب: [illegible] چنانچہ

[illegible] فرمایا[1] فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ [illegible]

[illegible]

فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۔ [illegible]

---

[1] [illegible]

تھا جھگڑا یا امت میں پھوٹ ڈالی گئی کے مقابل ہو جاتے۔

نکتہ۔ قرآن کریم نے یہ بتایا کہ ایسے خیال کرنے والے کہ کسی نفس ہو یا کسی کے فاجرات سے پاک ہیں اور حضرات انبیاء علیہم السلام صفات بشریہ سے منزہ اور صفات ربوبیت سے موصوف اور رذائل و صفات نفس اور وسوسہ شیطان سے معصوم ہوتے ہیں۔ بخلاف دوسرے لوگوں کے جو ہر وقت مائل برائی نفس ہوتے ہیں جو ہر گھڑی علیحدہ تابع کا مستحق کسی بری ہے۔

نکتہ: نبی علیہ السلام کو مسلمانوں سے سلام المرسلین میں نازل ہوتا ہے اور یہ تمام انس اور جنات کے لئے ہے یہ جنت خالص ہے پر ایسے خیالی جنت کا ملنا انبیاء علیہم السلام کے اتباع کے بغیر نہیں ہو سکتا جو مکلف ہے۔ اس لیے فرمایا تلک الجنۃ جنت اللہ ہم اللہ تعالیٰ کے پاس بہشت میں درجات ملے گی۔

مسئلہ: دعا کرنی چاہئے کہ گناہ معاف ہو کے حصول اور دعا میں اَحۡسَنُ عَمَلًا کے لیے بہت زیادہ ضروری ہے۔

ف: اہل جنت چار قسم ہیں۔

① انبیاء و رسل علیہم السلام۔

② اولیاء اللہ جو کمال درجہ الصدیقین یعنی حضرات انبیاء علیہم السلام کی کامل اتباع کرتے ہیں۔

③ وہ مومنین جو حضرات انبیاء علیہم السلام کی بات دل سے تصدیق کرتے ہیں۔

④ وہ عام مومنین جو احکامات اللہ کی بلا دلیل تقلید سے تصدیق کرتے ہیں۔

آیت فیہم ۔ ۲۱ اس میں ان کی طرف اشارہ ہے۔ ان کے حق فرمایا [illegible] بہشت کی نعمتیں اس لام سے مراد ان حضرات کی جانب ہوں گے جنت میں درجہ کے مراتب سے ان حضرات کے لیے چار مقامات مقرر ہوں گے۔

① جنت عدن ہوں گے یعنی یہ نورانی منبر ہوں گے جن کے ہر مقام مقامات سے اونچے ہوں گے اس پر انبیاء و رسل علیہم السلام ہی ہوں گے۔

② وہ حضرات اولیاء جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے قول و فعل و حالات کی نقل کے لیے جنت تک پہنچائے جائیں گے۔

③ وہ علماء جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو دلیل عقلی سے جانتے ہیں ان کے لیے جنت الفردوس میں جگہ ملے گی۔

④ وہ مومنین جو ان حضرات کی تقلید میں توحید کے قائل ہوئے ان کے لیے بھی جنت مرتب ہوگی یعنی ان کی [illegible] سے [illegible] ہوں گے جنت کے بلا عمل ہی قریب کرنا۔ [illegible]

پھر وہ شعر پڑھا جو یہ ہے

قیامت کا [illegible] ہے [illegible]
[illegible]

قرآن [illegible] سورۃ [illegible]
[illegible]

قیامت کو [illegible]
[illegible]

فوائد ① قیامت میں [illegible] کے تحت [illegible] کیا جائے گا۔

② [illegible] ہے۔

③ قیامت میں ایک [illegible] ہے۔

مراتب و درجات کہ قیامت میں مخلوق مختلف مراتب پر بٹ جائے گی [illegible] فرق اعمال وغیرہ کی وجہ سے ہوگا۔

① بعض حضرات کو [illegible] کی وجہ سے اعلیٰ مراتب نصیب ہوں گے۔ مثلاً [illegible] میں [illegible] ہوگا۔

② بعض کو [illegible] کی وجہ سے [illegible] نصیب ہوگی۔ مثلاً [illegible] کی فضیلت [illegible] ہے۔

③ بعض کو [illegible] کی وجہ سے فضیلت حاصل ہوگی۔ مثلاً [illegible] افضل ہے۔

④ بعض کو [illegible] کی وجہ سے فضیلت حاصل ہوگی۔ مثلاً [illegible] فضیلت حاصل ہے۔

⑤ ایک ہی [illegible] میں بعض وجوہ سے فضیلت ہوگی [illegible] افضل [illegible] ہے۔

⑥ بعض کو [illegible] مثلاً [illegible] ہے۔

[illegible]

[illegible]

ذکر: [illegible]

حدیث شریف: حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا [illegible]

سبق: [illegible]

تقریر عالمانہ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ [illegible]

سوال: [illegible]

جواب: [illegible] إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ [illegible] يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ [illegible] وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ [illegible]

---

[1] [illegible]

ساتھ کبھی نہیں تھا۔

ف [illegible] نزول کا مقام [illegible]

ذکر ولادت باسعادت حضور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام [illegible] مبعوث ہوئے لیکن آپ نے اپنی ولادت ہی سے ہر سرکش کی سرکشی کو توڑا۔ چنانچہ آپ کی ولادت مبارکہ کے وقت [illegible] کے تمام بت [illegible] ہو گئے اور کسریٰ کا محل لرز اٹھا اور اس کے [illegible] کنگرے گر گئے۔ [illegible] کسریٰ کے [illegible] سلام کے [illegible] آپ کی ولادت کی برکت سے [illegible] ۔ [illegible]

[illegible] آپ کو [illegible] آپ کا نام [illegible] آپ [illegible]

[illegible] قرآن [illegible] فرمایا۔

ف [illegible] آپ کا نام [illegible]

[illegible] علیہ السلام [illegible]

[illegible]

[illegible] علیہ السلام [illegible]

یا محمد [illegible]

ف [illegible]

سید ولد آدم اجمعین وما من نبی یومئذ آدم ومن سواہ تحت لوائی۔

ترجمہ: اس حدیث میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فضیلت کے متعلق صاف ظاہر کی ہے کہ کوئی آپ جیسا نہیں ہوا اور نہ کوئی ہوگا آپ کے مانند سب سے افضل ہونا اور قیامت میں آدم علیہ السلام اور ان کے ما سوا تمام آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ ۱۲

زانکہ بہر تست خلق ما سوا

ترجمہ: ما سوا اللہ تمام آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے

نبی علیہ السلام کی نورانیت کا بیان

سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ قریش ایک نور تھا جو آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار برس پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچتا تھا اور اس کی تسبیح کے مطابق ملائکہ کرام بھی تسبیح پڑھتے تھے جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے وہی نور آدم علیہ السلام کی پشت میں ڈال دیا ہے۔ ۱۲

اے بہار عالم تو ہے بہار عالم

ترجمہ: یہ ہے تو بہار عالم ہے۔

حضرت عبد المطلب کا بہترین خواب

حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے جد امجد حضرت عبد المطلب ایک دفعہ خواب سے گھبرا کر اٹھے اور ان کا [illegible] حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ [illegible] کے پیچھے [illegible] معلوم [illegible] گئے ہیں اور [illegible] وقت [illegible] تک تھا حضرت عبد المطلب قریش کے کاہنوں کے ہاں تشریف لے گئے اور فرمایا کہ میں نے خواب میں ایک چاندی کی زنجیر دیکھی کہ میری پشت سے نکل [illegible] ایک کنارہ مشرق میں اور دوسرا مغرب میں [illegible] آسمان تک [illegible] پہنچا [illegible] ہر [illegible] سے [illegible] ایک حضرت سے پوچھا کہ آپ [illegible] نبی علیہ السلام [illegible] دوسرے [illegible] آپ [illegible] فرمایا [illegible] قبل علیہ السلام [illegible] اگر آپ نے یہی خواب دیکھا ہے تو [illegible] سے ایک نبی علیہ السلام پیدا ہوں گے [illegible] تمام آسمان والے [illegible] ہوں گے [illegible] اور [illegible] ہوں گے [illegible] ایسے [illegible] اسی طرح [illegible] حضرت نوح علیہ السلام [illegible]

پھر اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام کی امت کا ظہور ہوا۔ اسی طرح جب حضور علیہ السلام نے غزوۂ حنین میں تھا۔ فرمایا: انا النبی لا کذب ۔ انا ابن عبد المطلب کیا آپ عبد المطلب کی طرف اپنی قرابت بیان کر کے ان کی جزئی رہی تھی جزئی اتحاد و اصل ہی تھی ۔ اسی کے اعتبار میں آپ کی نسبت کے جزئی اتحادات ان آپ کے شامل ہوں کی طرح جزئی اتحادات تھے۔

عاشق صادق کی علامات

واضح ہو کہ حضرت رسول کریم کی محبت اور آپ کی آپ کے اخلاق اور عادات کا اتباع مقصود و مطلوب ہے کہ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی خواہشات سے مرشد کامل ہو اور آپ کی سنت کی پابندی کرے اور کمال محبت کا یہی تقاضا ہے کہ آپ کے صحابہ کرام کی طرح عمل کیا جائے اور شریعت و طریقت میں وصول الی اللہ کے سب سے بہترین یہی ذریعہ ہے۔

حکایت: ایک بزرگ سے پوچھا گیا کہ آپ جیسے شیخ بزرگ مرتبہ و مقامات پر فائز ہیں اور آپ معلوم ہے کہ آپ کی علامت کو کس طرح پہچانیں کیونکہ آپ کی بیعت و صحبت میں رکھتا ہوں لیکن پھر وہ بھی علامات نہیں پاتا۔ شیخ نے فرمایا: تو اپنی خدمت میں ایک یہ سعید مسلک ہی ہے میں خدمت میں رکھا ہوں اس کے شیخ کی خدمت میں بہت ہی دلچسپی اور ان کی خدمت میں لگی رہو ۔ شیخ نے کہا جب تو عمل میں آتا ہے تو مطلب تو پھر ملاقی کی خصوصیت کہاں گا۔

سبق: شیخ نے خدمت عمل کو خصوصیت علامت بتا دیا ہے۔ اس طرح سے اللہ تعالیٰ کو ماننا چاہیے کہ ان کے ساتھ شریعت نبوی کی صاحبہا السلام کی پابندی کی محبت ہی علیہ السلام کی سنت کا اور جہاں تک کہ ان کا ہو سکے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم محبت کی جائے کی محبت کا ہر کسی سے وہ محبوب خدا کا محبوب ہو جائے گا۔

محال است سعدی کہ راہ صفا
توان رفت جز در پئے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ: اے سعدی! راہ صفا پر مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کے بغیر چلنا محال ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر اور آپ کے اخلاق پر اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے یہی ہماری دعا ہے اور یہی اللہ سے عرض ہے۔

---

[1] مجھ کو کسی کی بھی محبت نہیں مگر میں تجھ سے محبت کرتا ہوں۔

تفسیر بالرائے اَوَلَمَّآ اَصَابَتْکُمْ مُّصِیْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَیْهَا قُلْتُمْ اَنّٰی هٰذَا [illegible]

[illegible]

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ [illegible] وَمَآ اَصَابَکُمْ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ [illegible] فَبِاِذْنِ اللّٰهِ [illegible] وَلِیَعْلَمَ الْمُؤْمِنِیْنَ [illegible] وَلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ نَافَقُوْا [illegible] وَقِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا [illegible]

[illegible]

قَالُوْٓا [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [illegible]

[illegible]

ترجمہ ① [illegible]

② [illegible]

مسئلہ [illegible]

حکایت [illegible] الرحیل الرحیل [illegible]

[illegible]

ترجمہ [illegible]

[illegible] عجیب سے عجیب [illegible]۔ مطلب ضرور ملتا ہے۔ اس میں کسی قسم کی عیب دار زندگی سے خلل ہوگیا۔

حکایت: حضرت دانیال علیہ السلام ایک جنگل سے گزر رہے تھے کہ ناگاہ ان سے وحی آئی دانیال علیہ السلام تم چلتے چلو تمہیں ایک قلعہ نظر آئے گا۔ آپ نے مڑ کر دیکھا تو کوئی بھی نظر نہ آیا مجبوری آگے بڑھ گئے۔ [illegible] ایک [illegible] دیکھا [illegible] ایک [illegible] ہے۔ [illegible] جا رہا ہے [illegible] کے اندر گئے۔ دیکھا [illegible] ایک [illegible] تخت ہے جو موتیوں اور یاقوت سے جڑا ہوا ہے اس کے اوپر [illegible] اس تخت پر [illegible] ایک [illegible] تختی [illegible] لکھا ہوا ہے [illegible] اس تختی پر [illegible] ایک [illegible] معلوم ہوتا تھا کہ [illegible] سونے کی [illegible] اور [illegible] پر [illegible] ہے [illegible] ایک [illegible] کی [illegible] تختی ہے [illegible] لکھا ہوا ہے کہ [illegible] شداد بن عاد [illegible] ہزار سال [illegible] ہزار [illegible] ہزار [illegible] سے [illegible] شکست [illegible] مگر [illegible] ہزار [illegible] لیکن [illegible] موت [illegible] ہو سکا [illegible] دنیا [illegible] کی [illegible] ہو گیا۔ [illegible] زمین [illegible] کی [illegible] دل [illegible] موت [illegible] آپ نے [illegible] کیا [illegible] عبرت [illegible] ہو گیا [illegible] کے لیے [illegible] جاتا ہے۔

سبق: [illegible] دنیا [illegible] ہے [illegible] سے [illegible] کے لیے [illegible] موت [illegible] کی [illegible] ہے اس لیے [illegible] کی [illegible] ہے۔

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]

(۲) [illegible]

[illegible]

تفسیر عالمانہ

(وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا)

[illegible] شہید [illegible]

[illegible]

① حضرت حمزہ بن عبد المطلب۔

② حضرت مصعب بن عمیر۔

③ حضرت عثمان بن شماس۔

④ حضرت عبد اللہ بن جحش [illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

نکتہ: حضرت [illegible] رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا [illegible] لَا تَحْسَبَنَّ کا مطلب [illegible] بَلْ اَحْيَآءٌ [illegible] عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ [illegible] فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ [illegible] وَيَسْتَبْشِرُوْنَ [illegible] لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ [illegible]

[illegible]

ف [illegible]

[illegible]

ف [illegible]

[illegible]

ف [illegible]

مسئلہ [illegible]

مسئلہ [illegible]

لکھنا چاہیے ۔

مسئلہ [illegible] روایت سے ثابت ہے [illegible] تشبیہ [illegible]

[illegible]

حیات شہداء [illegible] شہید مرنے کے بعد [illegible] قرآن [illegible] حیات [illegible] اس مسئلہ کو سمجھنے کے لیے ایک [illegible]

[illegible] حیات [illegible] انسانی [illegible]

[illegible]

[illegible] [illegible] انسانی [illegible]

[illegible]

معاد روح انسانی کی بقا پر دلائل عقلیہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ہے۔ [illegible] نہیں ملتی۔

استعمال [illegible] [illegible] ہے۔

حدیث شریف: حضور نبی کریم ﷺ کی [illegible] شہد [illegible]

دیگر [illegible] [illegible]

انسائیکلوپیڈیا [illegible]

شہد کے فضائل [illegible]

① [illegible]

② [illegible]

③ [illegible]

---

[1] [illegible] ۱۲

⑦ قیامت کے دن بیت اللہ کو بہشت میں لے جائیں گے۔

⑧ اس کے سب حاجیوں کو [illegible] بیت اللہ کا طواف [illegible]۔

⑨ اس کی سفارش ہونے سے شفاعت کی جائے گی۔

⑩ اس کی شفاعت سے حاجیوں کے تقصیر معاف کئے جائیں گے۔

⑪ حدیث میں ہے کہ کیا معلوم ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے حاجیوں کو [illegible] کی جائے گی تو ان کے ساتھ [illegible] اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے [illegible] اور [illegible] جب حشر کا دن [illegible] حاضر ہوں گے [illegible] بہشت میں جاؤ [illegible] بہشت میں داخل ہوں گے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت

قیامت میں صدق کا جھنڈا کھڑا کیا جائے گا اور وہ حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں ہوگا۔ اس جھنڈے کے نیچے تمام صدیق لوگ جنت کو جائیں گے۔ دوسرا عدل کا جھنڈا کھڑا کیا جائے گا اور وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں ہوگا ان کے جھنڈے کے نیچے اہل انصاف جنت کو جائیں گے۔ تیسرا جھنڈا سخاوت کا کھڑا کیا جائے گا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں ہوگا اس کے نیچے تمام سخی لوگ جنت کو جائیں گے۔ [illegible] حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں ہوگا۔ اس کے نیچے تمام [illegible] جمع کئے جائیں گے۔ اسی طرح پر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جھنڈے کے نیچے [illegible] ہوں گے اور [illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جھنڈے کے نیچے [illegible] اور ہر ایک [illegible] حضرت [illegible] رضی اللہ عنہ کے جھنڈے کے نیچے [illegible] جائیں گے [illegible] اور حضرت [illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جھنڈے کے نیچے [illegible] حضرت [illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جھنڈے کے نیچے [illegible] ہوں گے [illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہ [illegible]۔

مسئلہ: [illegible] روضہ اقدس کی زیارت [illegible]۔

مسئلہ: ہر جمعہ کی رات [illegible] زیارۃ القبور مستحب ہے۔

حدیث شریف: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا جو شخص میری قبر کی زیارت کرتا ہے تو واجب ہو جاتی ہے میری شفاعت اس کے لئے آخرت میں [illegible] سلام کا جواب دیتا ہے۔

فائدہ: صوفیائے کرام حضرت جنید بغدادی [illegible] شخص [illegible]

ان [illegible]

مادہ کا حاصل کرنا حقیقی عبادت ہے

(ج) یہ مقام شریعت سے ملا ہوا ہے [illegible] کا مطلب ہے [illegible] آنکھوں [illegible]۔

یہ مقام احسان و الحقیقت سے تعبیر ہے

[illegible] بشق

[illegible] عالم [illegible]

ترجمہ یہ کمال حقیقت [illegible] عالم پر [illegible] ہے

تفسیر صوفیانہ

حضرت [illegible] رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تخیل کی حسب ذیل دو قسم ہوتے ہیں۔

(۱) تخیل با مجاہدہ [illegible] اپنی [illegible] تعلق [illegible] ہیں۔ جیسا کہ [illegible] ہے۔

(۲) تخیل [illegible] قتل [illegible] کا [illegible] حضور صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] ایک [illegible] کے بعد [illegible] کی طرف [illegible] ہیں [illegible] جسم [illegible] ہیں [illegible] وقت [illegible] سے [illegible] طرح [illegible] ہے۔

مقامات کے مراتب

مقامات کی تین مراتب ہوتے ہیں۔

(۱) صوری۔ (۲) معنوی۔

لے کسی [illegible] قتل [illegible] کی [illegible]۔

[illegible] ہے۔

کے [illegible] شریعت [illegible] سے [illegible]

[illegible] است۔

کے [illegible]۔

[illegible]

پھر ان کی [illegible] نسبت [illegible] معلوم ہوتی ہے [illegible] کے مختلف درجات ہوتے ہیں [illegible]
ہیں۔

(۱) بحر الارادات۔

(۲) بحر الاصطلاحات۔

پھر ان کے مراتب کی ترقی [illegible] کے مطابق ہوتی ہے اس طریق سے [illegible] جبروت میں ترقی نصیب ہوتی ہے [illegible] الافعال [illegible] کی ترقی اعمال کے مطابق ہوتی ہے۔ [illegible] عالم ملکوت [illegible] میں ترقی نصیب ہوتی ہے [illegible] ہوتی ہیں۔

نکتہ: [illegible] کے متعلق ضروری ہے کہ [illegible] کی طرف اشارہ ہے کہ [illegible] کی وجہ سے [illegible] کے پیچھے [illegible] اور [illegible] کے مطابق نصیب ہوتا ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ [illegible] عالم مثال میں [illegible] اور [illegible] نصیب [illegible] ہوتا ہے [illegible] نصیب ہوتی [illegible] نہیں ہوتے۔

سبق: [illegible]

[illegible]

[illegible]

ترجمہ: [illegible]

الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِن بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۚ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَ
اتَّقَوْا أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ
فَزَادَهُمْ إِيمَانًا ۖ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ۝ فَانقَلَبُوا بِنِعْمَةٍ مِّنَ
اللَّهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ وَاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ ۝
إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِن كُنتُم
مُّؤْمِنِينَ ۝ وَلَا يَحْزُنكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ ۚ إِنَّهُمْ لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا ۗ
يُرِيدُ اللَّهُ أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْآخِرَةِ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ إِنَّ الَّذِينَ
اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ وَلَا يَحْسَبَنَّ
الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِّأَنفُسِهِمْ ۚ إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا ۚ
وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝ مَّا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ
يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي
مِن رُّسُلِهِ مَن يَشَاءُ ۖ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۚ وَإِن تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ
عَظِيمٌ ۝ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُم ۖ
بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۖ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ
وَالْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝

ترجمہ۔ وہ جو اللہ و رسول کے بلانے پر حاضر ہوئے بعد اس کے کہ انہیں زخم پہنچ چکا تھا ان کے نیکوکاروں اور پرہیزگاروں کے لیے بڑا ثواب ہے وہ جن سے لوگوں نے کہا کہ لوگوں نے تمہارے لیے جتھا جوڑا تو ان سے ڈرو تو ان کا ایمان اور زائد ہوا اور بولے اللہ ہم کو بس ہے اور کیا اچھا کارساز تو پلٹے اللہ کے احسان اور فضل سے کہ انہیں کوئی برائی نہ پہنچی اور اللہ کی خوشی پر چلے اور اللہ بڑے فضل والا ہے وہ تو شیطان ہی ہے کہ اپنے دوستوں سے دھمکاتا ہے تو ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو اور اے محبوب تم ان کا کچھ غم نہ کرو جو کفر پر دوڑتے ہیں وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑیں گے اور اللہ چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ رکھے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے وہ جنہوں نے ایمان کے بدلے کفر مول لیا اللہ کا

ذکر رب کے انسان کے لیے مدد کی نظر ہے اور جو کوئی اس کی کمائی کے حوالے کرے جو ہم نہیں دیں یہ ثابت کرنا ان کے لیے مطلب ہے ۔ ہم تو ان کے لیے ذلیل ہیں یعنی کہ وہ گناہ کی پاداش اور ان کے لیے ذلت اور عذاب ہے جو مسلمانوں کو اس سلسلہ میں پہنچے گا نہیں ایسی قوم جو جنگ میں حملہ آور ہو کر شکست کھا کر [illegible] نہیں ہے کہ اس سے [illegible] غضب کے اٹھنے والے مال [illegible] دونوں سے بچے چاہیے تو ایمان لانے والوں کے دونوں پر اور اگر ان کو عزم ہو تو ان کے لیے بڑا ثواب ہے اور جو کچھ کرتے ہیں اس میں ہرگز کوئی شک نہیں یہ عجیب ۔ وہی ہیں کہ علیحدہ کہاں جائیں بلکہ وہ اپنے لیے بناتے ہیں جو ہے [illegible] گیا ہے کہ وہ ان سے کہا طرح ہو گا اور [illegible] ایک ہے آسمانوں اور زمین کا اور [illegible] کمال سے پاک ہے

تفسیر عالمانہ

الَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۔ وہ جنہوں نے قبول کیا یعنی ان میں سے بعض نے بھی حکم دیا گیا انہیں ۔ یہ وہ لوگ ہیں جو احد کے معرکہ میں شریک ہو چکے تھے ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ ہو فرمایا فَاسْتَجِیْبُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ بعد اس کے کہ انہیں زخم پہنچ چکے تھے لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ ان لوگوں کے لیے جنہوں نے ان میں سے نیکی کی یعنی ان کے تمام احکام کی پیروی کی اور ڈرے ۔ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ بہت بڑا اجر ہے ۔ یہ خبر مقدم ہے ۔ اس کا مبتدا اجر عظیم مؤخر ہے ۔ یہ جملہ مبتدا کی خبر ہے ۔ الذین کا مبتدا ہونا الَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا میں مِنْ تبعیض کا نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو سب نے مانا تھا بلکہ من یہاں بیان کے لیے ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو بلا تامل مانا ان کے لیے بہت بڑا ثواب ہے اور انہیں ان دو صفات یعنی احسان و تقویٰ سے موصوف کیا گیا ۔ تاکہ معلوم ہو کہ وہ صرف انہی دو صفات میں محصور ہیں ۔

شان نزول

غزوہ احد کے بعد جب ابو سفیان اور ان کے ساتھی احد سے لوٹے اور مقام روحاء میں پہنچے تو ان کو خیال آیا کہ ہم نے غلطی کی کہ واپس چلے آئے اور مسلمانوں کو بالکل ختم نہ کر دیا ۔ جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے عزم کی خبر پہنچی تو آپ نے ابو سفیان کے تعاقب کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تیار فرمایا لیکن ساتھ ہی یہ حکم دیا کہ وہی جائیں جو کل کی جنگ میں ساتھ تھے اور صحابہ جنگ کے زخموں سے چور تھے مگر ہر ایک نے آپ کے حکم کی تعمیل کی یہاں تک کہ حمراء الاسد تک گئے ۔ اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بڑی مصیبت و تکلیف کے باوجود [illegible] آپ کے ساتھ گئے

ہو رہی تھی جس سے آنحضرت [illegible] کے [illegible] کہ [illegible] صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم
بھیجے گئے۔ لیکن جنگ کے [illegible] سے [illegible] آپ
کر دیا گیا) اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ [illegible] جنگ [illegible] کے
[illegible] ہو گئی۔

ف: اس غزوہ [illegible] سے [illegible] ایک سال بعد [illegible]
[illegible] اللہ تعالیٰ نے [illegible] لَمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ [illegible]
[illegible] کے [illegible] کیا۔

سوال: [illegible] کیا [illegible] فرمایا تھا۔

جواب: [illegible] ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ۔
[illegible] حَسْبُنَا اللّٰهُ [illegible]
[illegible]
[illegible] قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ [illegible]
[illegible] فَاخْشَوْهُمْ [illegible]

[illegible] ابو سفیان [illegible] جنگ کے [illegible]
[illegible] علیہ الصلوٰۃ والسلام [illegible] علیہ الصلوٰۃ والسلام نے
[illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] ہو جائیں گے۔

ف: [illegible] ابو سفیان [illegible]
[illegible] ایک سال [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

نعیم بن مسعود نے مدینہ پہنچ کر دیکھا کہ مسلمان جنگ کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں۔ نعیم بن مسعود نے کہا [illegible] ابو سفیان نے لشکر کو جمع کر لیا ہے [illegible] بہت بڑا لشکر ہے جب تم ان کے مقابلے میں جاؤ گے تو تمہیں شکست [illegible] ہو جائے گی [illegible] جائے گا۔ [illegible] مسلمانوں [illegible] تو آپ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے [illegible] ساتھ [illegible] سب نے کہا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ارشاد باری تعالیٰ [illegible] علامہ [illegible] فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا [illegible] ان کے ایمان [illegible] مطلب ہے [illegible] صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نعیم بن مسعود [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] اسلام کے لئے [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ [illegible] ہے۔)

حل لغات: اِخْشَوْا [illegible] فَانْقَلَبُوْا [illegible] اللہ تعالیٰ کی نعمت [illegible] اللہ تعالیٰ کی طرف [illegible] معلوم ہے۔ [illegible]

واقعہ بدر صغریٰ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] بدر صغریٰ [illegible] ابو سفیان [illegible] صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم [illegible]

لہ [illegible] : ص [illegible] ۔

[illegible] ثانی اثنین ۔ اس کا مطلب [illegible] حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہم [illegible] ہوئے۔

فقد نصرہ اللہ ۔ اللہ تعالیٰ [illegible]

[illegible]

حدیث شریف ۔ مروی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے [illegible]

[illegible]

خلاصہ تفسیر [illegible]

[illegible]

[illegible] : [illegible] تین قسم ہے۔

① [illegible] اللہ تعالیٰ کی [illegible] سے ملنا۔

② [illegible] اللہ تعالیٰ کے بھروسے [illegible]۔

③ [illegible] اللہ تعالیٰ سے [illegible]۔

یہی کیفیت تسلیم کی طرف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دعا میں اشارہ فرمایا ہے ۔

اعوذ برضاک من سخطک و اعوذ بمعافاتک من عقوبتک و اعوذ بک منک

تیری رضا کے ساتھ تیرے غضب سے عفو کے ساتھ تیرے عذاب سے اور تیری ذات سے تیری پناہ مانگتا ہوں ۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ حق تعالیٰ کے صفات سے غافل نہ ہو جائے ہوئے ذات حق کا [illegible] حصول سے پہلے اعمال کے ساتھ کرے [illegible] ۔ [illegible] [illegible] نفس آتا ہے ۔

تفسیر صوفیانہ حضرت [illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ان اللہ [illegible] [illegible] [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] [illegible] ۔ حضرت مولانا [illegible] رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

[illegible]

[illegible]

ترجمہ : [illegible] جب [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ۔

ف : [illegible] حضرت [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ([illegible])

حکایت : حضرت [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ۔

حکایت: سلطان بایزید بسطامی قدس سرہ کی موت و رحلت کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا پوچھا منکر نکیر سے کیا گزرا۔
آپ نے فرمایا جب وہ میرے پاس آئے اور پوچھا [illegible] تو میں نے کہا [illegible]
[illegible]
[illegible] چھوڑ کر چلے گئے۔

مسئلہ تصوف: [illegible]
[illegible] ہونا چاہیئے

حکایت: حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ [illegible] اپنے [illegible] میں داخل ہوئے
[illegible]
[illegible]
[illegible]

فائدہ: [illegible]

حکایت منظوم: حضرت شیخ سعدی قدس سرہ [illegible]

[illegible]　　　[illegible]
[illegible]　　　[illegible]

ترجمہ: (1) [illegible]
[illegible]

(2) [illegible]
[illegible]

سبق: [illegible]
[illegible]
[illegible]

مسئلہ شریفہ: [illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

مسئلہ صوفیانہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرماتا ہے۔ اور اس کے دشمن پر قہر و غیرت ڈالتا ہے۔ خصوصاً شخص مذکور کے لئے نیز عطار فرماتے ہیں

کسے کو عالمِ الٰہی است مست — کہ باشد ہمیشہ بر سرِ نفس
ز اوصافِ خود بیک شود — با اخلاقِ حق جان سپردہ
بر تختِ سلطنت خورشید ماند — تمام ذکر خود دامن نشاندہ

ترجمہ: وہ جو اللہ کی محبت کا طالب ہو تو تنہا ہو کر وہ بحر کی ساتھ مل کر صفات کا ثابت ہوگی۔

② وہ جب صفات سے بالکل مزکی ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے اخلاقی عزت کو ساتھ جوڑ لی ہے۔

③ سایہ جیسا کہ جب سورج کے ساتھ معاف کر لیتی ہے۔
ارشاد تعالیٰ ہم سب کو محض فضل و کرم سے مراتب عطا فرمائے آمین۔

ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَأَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ وہ اللہ کی مدد کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے۔ ان کی مثال ایسی ہے بہت تیزی سے جلتے ہیں۔ ان لوگوں سے جو مومن ہیں ان کو اللہ تعالیٰ ہر قسم کی تکلیف سے بچاتا ہے تاکہ ان کو خیر و عافیت حاصل ہو جائے۔ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتے ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ ہر قسم کی مصیبت سے بچاتا ہے۔ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ اللہ تعالیٰ اللہ والوں کی حفاظت کرتا ہے کسی قسم کا عذاب نہیں ان پر پہنچ سکتا اس لئے ان کو بچانا اللہ تعالیٰ کا ہی کام ہے پہلا شخص تو بہ کر لیں۔

نکتہ: اس میں اس طرف اشارہ ہے۔ کافر کو ہر طرح اللہ تعالیٰ ذلیل کرتا ہے وہ کتاب اللہ کی نہیں سنتے جو ان کے ایمان پر ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کا مومن بندوں پر احسان ہے کہ ان کو ایمان کی توفیق دے۔ وہ کتاب اللہ کے لئے ثواب کے بدلے عذاب کا سوال کرتے ہیں مِنْ اَمْرِ يَتَّبِعُونَ بہت بدبخت ہیں اور ان کا عذاب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ وَالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ بیشک وہ لوگ کہ جنہوں نے سنا اللہ کے کلام کو اور ڈرے تو ان کے دلوں میں ایمان داخل ہو گیا اور وہ سعید لوگ ہیں اور ایمان کو ترک کر کے اس سے دور ہو گئے وہ بدبخت ہیں وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ وَلَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا اللہ تعالیٰ کسی قسم کا نقصان نہیں ہونے دیتا ایمان کے ساتھ ایمان والوں کو۔

نکتہ: یہ ثابت ہے کہ جو شخص مومن ہو اس کی حفاظت اللہ تعالیٰ کرتا ہے ان کی عبادت ان کے لئے پردہ بن جاتی ہے

[illegible]

سوال: [illegible]

جواب: [illegible]

حدیث شریف: [illegible] صلی اللہ علیہ [illegible]

مسئلہ: [illegible]

سبق : انسان کو چاہیے کہ اپنی طول عمر سے دھوکہ نہ کھائے اس لیے کہ [illegible]

[illegible]   [illegible]
[illegible]   [illegible]

ترجمہ : ① جب تجھے اللہ تعالیٰ نے عزت دی ہے تو غرور مت کر [illegible] عزت [illegible] کا اندیشہ ہے۔

② بہت سے سانپ کے کاٹے ہوئے [illegible] اور [illegible] کو سانپ نے مار ڈالا ہے۔

حدیث قدسی نمبر اللہ تعالیٰ نے شب معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا [illegible]

حدیث قدسی نمبر اللہ تعالیٰ نے شب معراج اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا اے احمد [illegible]

ف : [illegible]

ف : بکثرت مال اور کمال بے فکری سے نفس سرکشی کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے[1] كَلَّآ إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰٓ أَن رَّآهُ اسْتَغْنَىٰ۔

مرا ہست نفس شہوت پرست
کہ ہر ساعتش [illegible] دیگر است

ترجمہ : نفس شہوت پرست [illegible] ہے۔

---

[1] [illegible]

حکایت مظلوم و حضرت [illegible]

[illegible]

ترجمہ [illegible]

فقر و فاقہ اختیار [illegible] مصطفے [illegible] حضور سرور عالم [illegible]

[illegible]

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]

سبق [illegible]

[illegible]

ترجمہ [illegible] مشکل کام ہے۔

تفسیر صوفیانہ [illegible]

[illegible] نے [illegible] کے ساتھ [illegible] کی شکل میں [illegible] تھے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ [illegible] شہداء [illegible] کو [illegible] پایا [illegible] خزانہ [illegible] نصیب ہوا۔ بلکہ وہ جنت کے [illegible] تم [illegible] کے [illegible] [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] نہیں [illegible]۔ [illegible] ادا کی کا [illegible]۔

مسئلہ: تمام عبادات اللہ تعالیٰ کی رضا کے اسباب ہیں۔ [illegible] افضل عبادت [illegible] اور [illegible] ترین عبادت [illegible] فی سبیل اللہ [illegible] جیسے حضرت [illegible] علیہ السلام کے [illegible] [illegible] فرمایا [illegible] حضرت [illegible] علیہ السلام [illegible] تمہیں [illegible] دیکھو گے ۔

[illegible]
[illegible]

ترجمہ: [illegible]۔

ہم سب کو اللہ تعالیٰ یہی سعادت نصیب فرمائے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ "مَا كَانَ اللّٰهُ" اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے "لِيَذَرَ" کہ چھوڑ دے "الْمُؤْمِنِيْنَ" ایمان والوں کو "عَلٰى مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ" اس حال پر جس پر تم ہو [illegible] "حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ" [illegible] خبیث کو طیب سے۔

حل لغات: "يَمِيْزَ" [illegible] کسی چیز کو کسی [illegible] سے جدا کیا جائے۔

ے جب [illegible] قلب کی طرف [illegible] ہو گئے ہیں۔

[illegible] اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] عَلَّامُ الْغُیُوْبِ [illegible] اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں [illegible] غیب [illegible] کے قریب سے کیا گیا ہے

قدم باید اندر طریقت نہ دم
کہ اصلے ندارد دم بے قدم

ترجمہ طریقت میں عمل چاہیے صرف زبانی باتوں سے کام نہیں بن سکتا بغیر عمل کے دم بے قدم بیکار ہے۔

حکایت : حضرت ابراہیم بن ادہم رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے [illegible] [illegible] شب باشی کی [illegible] ایک نے دوسرے سے کہا [illegible] ہے۔ دوسرے نے کہا ابراہیم بن ادہم [illegible] اللہ تعالیٰ کے [illegible] [illegible] [illegible] ایک کھجور [illegible] [illegible] حضرت ابراہیم بن ادہم رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

تب میں نے [illegible] کے آستانہ [illegible]

[illegible] ہے۔

عمل طلب محبت اس کے لئے یہ حقیقی [illegible] حضور اکرم [illegible] [illegible] خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ [illegible] وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ [illegible] حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی [illegible] ہے

[illegible]

[illegible]

توضیح: [illegible] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کے بغیر کوئی شخص [illegible] نہیں پا سکتا۔

(۱) کسی شخص سے [illegible] آستانہ [illegible]

ف: [illegible] ہے۔

حدیث شریف: مروی ہے کہ جب حضور [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] گے۔

سبق [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ہیں

[illegible]

[illegible]

[illegible] آیات [illegible]

ترجمہ: ① اگر [illegible] تو [illegible] سے [illegible]۔

② [illegible]

③ جب [illegible] گیا۔ [illegible]۔

حدیث شریف: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا [illegible]

سبق: [illegible]

[illegible]

[illegible]

ترجمہ: [illegible]

ف: بعض اکابر کا ارشاد ہے کہ [illegible]

(اللہ تعالیٰ ہم سب کو [illegible])

تفسیر [illegible] وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ؛

اور نہ گمان کریں [illegible] اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے [illegible]

[illegible]

لایا جاتا ہے یہ استعارہ [illegible] کی قبیل سے ہے [illegible]
میں [illegible]
[illegible] مشتق ہے [illegible]
[illegible] فی رقبۃ فلان۔ غلامی کا احسان فلاں کی گردن میں [illegible] ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ [illegible]
حقیقی معنی [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] فرمائے گا۔

مسئلہ: [illegible]
[illegible]

مسئلہ: [illegible] صدقات کی [illegible] شرطیں ہیں۔

(۱) [illegible]
② [illegible]
③ [illegible]
④ [illegible] دل کی خوشی [illegible]

تفسیر صوفیانہ

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] نصیب ہوتی۔

مسئلہ: بخیل تو جنت میں ہرگز داخل ہوگا ہی نہیں۔

[illegible]

سے بہت سی [illegible] صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔

صفات رذیلہ کی فہرست

(۱) بخل
(۲) حرص
(۳) حسد
(۴) کینہ
(۵) [illegible]
(۶) کبر
(۷) غضب وغیرہ وغیرہ۔

حدیث شریف: حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا کی محبت ہر خطا کی جڑ ہے۔

[illegible]

[illegible]

(۲) [illegible]

حدیث شریف: [illegible]

کا علاج فرمایا۔

حدیث شریف: حسد۔ حضور [illegible]

[illegible] میں مبتلا ہیں۔

حدیث شریف نمبر [illegible]۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا [illegible] ان کے حقوق کی زکوٰۃ ادا [illegible] قیامت [illegible] آجائے گا۔ جب [illegible] گزر جائے گا [illegible] تک [illegible] ہزار [illegible]۔

مانعین زکوٰۃ کے عذاب کا بیان

حضرت [illegible] فرماتے ہیں کہ [illegible] زکوٰۃ ادا [illegible] جائے گا [illegible] ہوگا۔

اسی طرح [illegible] زکوٰۃ [illegible]

مسئلہ زکوٰۃ [illegible]۔

حدیث شریف نمبر [illegible] حضور [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا [illegible]

[illegible]۔

حدیث شریف نمبر [illegible] زکوٰۃ [illegible]۔

حکایت [illegible]

حدیث شریف [illegible]

مشکل الفاظ کی فہرست [illegible]

سبق [illegible]

[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]

فوائد ① [illegible]

② [illegible]

③ [illegible]

④ [illegible]

⑤ [illegible]

⑥ [illegible]

⑦ [illegible]

[illegible]

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا
وَ قَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّ نَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ○ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ
اَيْدِيْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ○ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ
لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ
وَ بِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ
رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ وَ الْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ○ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ
الْمَوْتِ ؕ وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ
اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ○ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ
وَ اَنْفُسِكُمْ ۟ وَ لَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى
كَثِيْرًا ؕ وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ○ وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَ لَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۫ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَ اشْتَرَوْا
بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ○ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّ
يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَ لَهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○

ترجمہ: بے شک اللہ نے سنا جنہوں نے کہا کہ اللہ محتاج ہے اور ہم غنی اب ہم لکھ رکھیں گے
ان کا کہا اور انبیاء کو ان کا ناحق شہید کرنا اور فرمائیں گے کہ چکھو آگ کا عذاب یہ بدلہ ہے اس کا جو تمہارے ہاتھوں
نے آگے بھیجا اور اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا وہ جو کہتے ہیں اللہ نے ہم سے اقرار کر لیا ہے کہ ہم

کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک ایسی قربانی کا حکم نہ لائے جسے آگ کھائے تم فرمادو مجھ سے پہلے بہت رسول کھلی نشانیاں اور یہ حکم لے کر تمہارے پاس آئے پھر تم نے انہیں کیوں شہید کیا اگر سچے ہو تو اے محبوب اگر وہ تمہاری تکذیب کرتے ہیں تو تم سے اگلے رسولوں کی تکذیب کی گئی ہے جو صاف نشانیاں اور صحیفے اور چمکتی کتاب لے کر آئے تھے ہر جان کو موت چکھنی ہے اور تمہارے بدلے تو قیامت ہی کو پورے ملیں گے تو جو آگ سے بچا کر جنت میں داخل کیا گیا وہ مراد کو پہنچا اور دنیا کی زندگی تو یہی دھوکے کا مال ہے بے شک ضرور تمہاری آزمائش ہوگی تمہارے مال اور تمہاری جانوں میں اور بیشک ضرور تم اگلے کتاب والوں اور مشرکوں سے بہت کچھ برا سنو گے اور اگر تم صبر کرو اور بچتے رہو تو یہ بڑی ہمت کا کام ہے اور یاد کرو جب اللہ نے عہد لیا ان سے جنہیں کتاب عطا ہوئی کہ تم ضرور اسے لوگوں سے بیان کر دینا اور نہ چھپانا تو انہوں نے اسے اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا اور اس کے بدلے ذلیل دام حاصل کیے تو کتنی بری خریداری ہے ہرگز نہ سمجھنا انہیں جو خوش ہوتے ہیں اپنے کیے پر اور چاہتے ہیں کہ بے کیے ان کی تعریف ہو ایسوں کو ہرگز عذاب سے دور نہ جاننا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے اور اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر عالمانہ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ بیشک اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی بات سنی جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم غنی [illegible] کہا۔ یہ یہودیوں نے جب اللہ تعالیٰ کا ارشاد سنا مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا تو کہنے لگے [illegible]۔

غیرت صدیقی مروی ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو [illegible] کے [illegible] اسلام کی [illegible] حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ [illegible] تشریف لے گئے [illegible]۔ [illegible]۔ [illegible] حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] کتاب [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]

[illegible]

[illegible] حیرت زائل ہو گئی۔

سوال: [illegible] استعمال کیا گیا ہے۔

جواب: [illegible]

خلاصہ تفسیر: آیت [illegible]

سوال: [illegible] تعبیر فرمایا۔

جواب: [illegible]

سوال: [illegible]

جواب: [illegible]

[illegible]

[illegible]

سوال: [illegible] کیا گیا ہے۔

جواب: [illegible]

[illegible]

سوال: [illegible]

[illegible]

جواب: [illegible]

[illegible]

سوال: [illegible]

جواب: [illegible]

تفسیر [illegible]

[illegible]

---

[1] [illegible]

[illegible]

[illegible]

پھر جب نفس [illegible] صفات [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ف : بعض مشائخ نے فرمایا ہے [illegible]

(۱) [illegible]

[illegible]

کا ملنا اسلام کا نصیب ہوے۔

۲۔ نماز تہجد میں [illegible] بہت زیادہ - جیسا اللہ تعالیٰ اس سبب [illegible] علیہ السلام [illegible] فضل و کرم [illegible] کوئی نہیں کر سکتا۔

حکایت: حضرت [illegible] رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] مناسب حال ہو سکے۔

وظیفہ: حضرت شیخ [illegible] رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کتاب [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] [illegible]

سبق: [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] کیا جا سکتا ہے۔

کامل حصول [illegible] کے لئے [illegible] ضروری ہے۔

① حسن عبادت۔

② فکر الٰہی۔

ان کا یہ مطلب ہے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

ترجمہ: [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

تفسیر عالمانہ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] و [illegible] [illegible] [illegible] رضی اللہ عنہ [illegible] [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] حَتّٰی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] صداقت کی دلیل ہوگی۔

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

والقصہ حضرت [illegible]

[illegible]

تفسیر صوفیانہ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ہو گیا ہے ۔

حکایت ۱: منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک گاؤں پر گزرے [illegible]
[illegible] اللہ تعالیٰ کے غضب [illegible]
اللہ تعالیٰ کی [illegible] آپ کے خادم نے عرض کیا ۔ یا روح اللہ علیہ السلام [illegible]
[illegible] آپ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] ۔

مسئلہ: [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] ۔

[illegible]
[illegible]
[illegible]

تمیل الجنس الی الجنس [illegible]

والجنس یرغب فی الجنس [illegible]

[illegible] کی بات سے [illegible] کہ صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے

بابدان یار گشت ہمسر لوط خاندان نبوتش گم شد
سگ اصحاب کہف روزے چند پے نیکاں گرفت مردم شد

یعنی بروں کی صحبت میں رہ کر لوط علیہ السلام کی بیوی تھی تو اس کا خاندانِ نبوت سے تعلق ٹوٹ گیا۔

(۲) اصحاب کہف کا کتا چند روز نیک لوگوں کے قدم پکڑنے سے آدمیوں میں شامل ہو گیا۔

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اسی کے متعلق فرمایا ہے

گر تو سنگ صخرہ و مرمر شوی
چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی

یعنی اگر تو پتھر اور سنگ مرمر ہے لیکن جب اولیاء اللہ کی صحبت میں حاضر ہو گا تو موتی ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اولیاء اللہ خصوصاً اپنے محبوب کی صحبت نصیب فرمائے۔ آمین

تفسیر صوفیانہ [illegible] آیت [illegible] [illegible] سے صحبت کا [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

حدیث شریف — [illegible] [illegible]

مسئلہ — [illegible] [illegible] [illegible] تاقیامت [illegible]

نکتہ — [illegible] [illegible]

حدیث شریف: ایک بار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تعریف [illegible] جنت کے [illegible] [illegible] خَمْرٌ [illegible] [illegible] لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مُدْمِنُ خَمْرٍ [illegible] جنت [illegible]

حدیث شریف: [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ [illegible] جنت [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] جنت [illegible] وَمَا الْحَبْرَۃُ [illegible] [illegible] فرمایا: اِنَّہٗ یُحِبُّ الْخَیْرَ [illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]

ترجمہ (۱) [illegible]
(۲) [illegible] ہے۔

حدیث قدسی: اللہ تعالیٰ [illegible] [illegible] آیت پڑھو [illegible]

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ — کوئی نہیں جانتا [illegible] آنکھوں کی ٹھنڈک [illegible]
جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔ — یہ ان کے اعمال کا بدلہ ہے۔

جنت کا وقت: جنت میں [illegible]

---

۱ [illegible]

[illegible]

سبق [illegible]

حکایت [illegible] حضرت جبرئیل علیہ السلام [illegible]

نتیجہ [illegible]

نکتہ [illegible]

[illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]

ترجمہ ① [illegible]

② [illegible]

③ [illegible]

تفسیر صوفیانہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] تین قسم ہیں۔

① [illegible]

② [illegible]

③ [illegible]

حدیث شریف [illegible]

حدیث شریف [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] کرتا ہے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible] وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ [illegible]

[illegible] ہیں۔

[illegible]

[illegible] نقصان نہیں۔

---

[1] [illegible]

تشریح: [illegible]

[illegible] وَاِنْ تَصْبِرُوْا [illegible] وَتَتَّقُوْا [illegible]

[illegible] فَاِنَّ ذٰلِكَ یہ بے شک صبر و تقویٰ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ [illegible]

[illegible]

ف: [illegible]

سبق: [illegible]

[illegible]

[illegible]

ترجمہ: [illegible]

اللہ تعالیٰ نے [illegible] عَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ [illegible]

[illegible]

خلق عظیم [illegible]

[illegible]

[illegible] حضور علیہ السلام [illegible] ۔

حدیث شریف نمبر [illegible] ۔ [illegible]

[illegible] ۔

حدیث شریف نمبر [illegible] ۔ [illegible]

[illegible] ۔

فائدہ : [illegible]

[illegible] ۔

حدیث شریف نمبر [illegible] ۔ [illegible] حضور علیہ السلام [illegible]

[illegible] ۔

حدیث شریف نمبر [illegible] ۔ حضور علیہ السلام [illegible]

[illegible] ۔

مسئلہ [illegible]

[illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]

[illegible] ۔

[illegible] ۔

تفسیر صوفیانہ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

۱۵ [illegible]

[illegible]

تفسیر عالمانہ وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ [illegible] الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ [illegible]

[illegible]

لَتُبَيِّنُنَّهُ [illegible]

[illegible]

سوال [illegible]

جواب [illegible]

[illegible]

[illegible]

قرآن مجید [illegible] کے پہلے [illegible]
[illegible] يُبَيِّنُ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] ہیں ۔

مسئلہ [illegible] حق [illegible]
[illegible] مسلمانوں [illegible] مسئلہ [illegible]
قرآن اور حدیث [illegible] احکام [illegible]
سے اخذ [illegible] ہیں ۔

مسئلہ صاحب [illegible]
قرآن [illegible]
[illegible] احکام [illegible]
[illegible]
[illegible] ہو ۔

مسئلہ [illegible] ۔

مسئلہ [illegible]
[illegible]

[illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]

ترجمہ [illegible] ہے ۔

(۱) [illegible]

مسئلہ [illegible]

جس کا تجھے علم دیا گیا ہے اسے دوسروں کو صحت سے بیان کرے۔

حکایت: حجاج ظالم نے حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیغام بھیجا کہ آپ نے میرے حق میں کیا کہا [illegible] فرمایا کہ آپ نے کیا سنا [illegible] نے میرے حق میں [illegible] کہا ہے [illegible] مجھے نہیں پہنچا پھر اس نے پیغام بھیجا کہ یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ [illegible] کی [illegible] مر جائے حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے [illegible] کے [illegible] مجلس میں [illegible] تشریف لے گئے [illegible] حجاج کی مجلس [illegible] آپ نے [illegible] یہ آیت پڑھی وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ۔

ف: حضرت [illegible] رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس علم کی مثال [illegible] جو [illegible] خزانے کی ہے کہ [illegible] خرچ نہ کیا جائے اسی طرح اس حکمت کی مثال ہے جو استعمال نہ کی جائے [illegible] کردیا جائے [illegible] پایا گیا۔

حدیث شریف: حضور علیہ السلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو [illegible] علم [illegible] قیامت کے دن [illegible] لگام دی جائے گی۔

ف: حضرت [illegible] رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا [illegible] علم [illegible] اور [illegible] کہ [illegible] علم [illegible] جائے گی [illegible] اس طرح [illegible] علم [illegible] نصیب [illegible] مال [illegible] بھی [illegible] اس طرح [illegible] ہوتا ہے۔

ف: [illegible] ہیں۔

کہ [illegible] نہیں بلکہ [illegible] کیا [illegible] کے پاس [illegible] سب کو معلوم ہے [illegible] سب کو اللہ تعالیٰ [illegible] نصیب فرمائے۔ آمین

حکایت: حضرت سکندر ذوالقرنین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک قوم پر گزرے جنہوں نے ترک دنیا کے ساتھ مسکینی کی زندگی اختیار کر رکھی تھی۔ اپنے مکانوں کے سامنے قبریں کھود رکھی تھیں اور [illegible] کھا کر گزر کرتے اور [illegible] میں مشغول رہتے تھے۔ ذوالقرنین نے ان کے سردار کو پیام بھیجا کہ مجھ سے ملاقات کے لیے تشریف لائیے۔ انہوں نے فرمایا مجھے ذوالقرنین سے کیا غرض ہے۔ پھر ذوالقرنین خود ان کے پاس گئے اور [illegible] پوچھا کہ [illegible] ہے۔ انہوں نے فرمایا [illegible] [illegible] قبریں [illegible] اس لیے [illegible] [illegible] ایک کھوپڑی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ذوالقرنین [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible] قناعت [illegible]

تنبیہ: [illegible]

[illegible]
[illegible]

فائدہ: [illegible]

[illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

شانِ نزول [illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ترجمہ [illegible]

سبق [illegible]

ف ۱ [illegible]

ف ۲ [illegible]

ف ۳ [illegible]

ف ۴ [illegible]

[illegible]

ترجمہ [illegible]

سبق [illegible]

[illegible]

ف: حق تعالیٰ [illegible] کسی کی تعریف سے [illegible] جاتا ہے کہ ان کے اندر [illegible] عیب ہی [illegible]۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا [illegible] کی مثال پانی میں [illegible]

حکایت: حضرت شیخ ابو عبداللہ قرشی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے [illegible]

حکایت: حضرت عیسیٰ علیہ السلام [illegible]

حکایت: حضرت [illegible] علیہ السلام [illegible]

[illegible]

[illegible]

ترجمہ [illegible] کی نگاہ میں دنیا ایک [illegible]

۞ [illegible]

[illegible] عشق [illegible]

[illegible]

ترجمہ [illegible] عشق [illegible]

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۝
الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ
السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ رَبَّنَا
إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهٗ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ أَنْصَارٍ ۝ رَبَّنَا إِنَّنَا
سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْإِيْمَانِ أَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا
ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ ۝ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى
رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ
رَبُّهُمْ أَنِّيْ لَا أُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ
فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَأُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا
لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ ثَوَابًا
مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي
الْبِلَادِ ۝ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ لٰكِنِ
الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ
عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْأَبْرَارِ ۝ وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ
بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا
قَلِيْلًا أُولٰٓئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

ترجمہ: بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کی باہم بدلیوں میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کے
لئے جو اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے
ہیں اے رب ہمارے تو نے یہ بیکار نہ بنایا پاکی ہے تجھے تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے اے رب
ہمارے بیشک جسے تو دوزخ میں لے جائے اسے ضرور تو نے رسوائی دی اور ظالموں کا کوئی مددگار
نہیں اے رب ہمارے ہم نے ایک منادی کو سنا کہ ایمان کے لئے ندا فرماتا ہے کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ تو ہم
ایمان لائے اے رب ہمارے تو ہمارے گناہ بخش دے اور ہماری برائیاں محو فرما دے اور ہماری موت اچھوں کے ساتھ کر

کے ساتھ [illegible] سب [illegible] اور [illegible] کی صورتیں [illegible]
کے [illegible] شک [illegible] نہیں [illegible] ان کے سبب سے [illegible] قوم [illegible] کام [illegible]
کی [illegible] نیک [illegible] تو وہ بتوں سے نفرت کر کے اپنے گھروں
سے نکل گئے [illegible] کے سبب [illegible]
اور [illegible] میں سے [illegible] کے نیچے [illegible] ان کو [illegible]
پاس [illegible] سے [illegible] اپنی جگہ [illegible]
[illegible] اور کیا [illegible] حضرت [illegible] ان کے [illegible]
[illegible] اللہ [illegible] سے
[illegible] اور [illegible] کی طرف [illegible] کی
طرف [illegible] اللہ [illegible] قائم [illegible]
[illegible] کے سبب [illegible] حساب [illegible]
[illegible] ملک کی [illegible] ہیں۔

تفسیر [illegible]

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۔
بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں۔

شانِ نزول [illegible] سوال کیا کہ آپ [illegible] کی
[illegible] ہے کہ [illegible]
[illegible] اور [illegible]۔
[illegible]۔

وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّہَارِ ۔ اور رات اور دن کے [illegible]
[illegible]
[illegible] لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ۔
[illegible]
[illegible]

ہے [illegible] الذین یذکرون اللہ قیاما و قعودا و علیٰ جنوبہم - [illegible] کی صفت ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کو اپنی تمام احوال میں یاد کرتے ہیں۔ [illegible] انسان کی [illegible] ہے۔ و یتفکرون فی خلق السموت والارض، اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں [illegible]

سوال: [illegible] کی تفسیر کریں۔

جواب: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے [illegible] میں فکر نہ کرو۔

سوال: [illegible] فکر سے کیوں روکا گیا ہے۔

جواب: [illegible] معرفت [illegible] ذات خالق میں فکر [illegible] بھی کوئی نہیں۔

تفسیر [illegible]

[illegible] (۱) النساء۔

(۱) [illegible]

حدیث شریف: [illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہا [illegible]

[illegible]

[illegible] آپ [illegible] ۔ [illegible]

[illegible] آپ [illegible] ۔ آپ [illegible]

[illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] ۔ [illegible] جب [illegible] ہوتی ہے کہ ان الحسنٰت یذھبن السیئٰت [illegible]

[illegible]

حدیث شریف [illegible] ۔

تشریح الحدیث [illegible] ۔

(۱) [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] ۔

(۲) [illegible] ۔

ربط [illegible] ۔ [illegible]

[illegible]

سوال [illegible]

جواب [illegible] ۔ [illegible]

[illegible] ۔

تفسیر صوفیانہ (الذین ذکر) اللہ کی عظمت کی طرف اشارہ ہے کہ ذکر کے تین مراتب ہیں۔

① ذکر لسانی۔

② ذکر بالقلب

③ حضرت عبد القادر جیلانی ذکر کی تعریف [illegible] فرماتے ہیں [illegible] سے [illegible] ذکر [illegible] تفسیر [illegible] ذکر [illegible] سے مکمل [illegible] جو حقائق اشیاء کی معرفت غیب ہو [illegible] اللہ تعالیٰ کی محبت [illegible] سے محبت کے بعد [illegible] کشف [illegible] ذکر [illegible] علامت [illegible] ذکر قلبی [illegible] حاصل ہو [illegible] معرفت [illegible] سے منور ہوگا۔

بعض حضرات فرماتے ہیں لا الٰہ الا اللہ کے معنی [illegible] لا معبود الا اللہ، لا مقصود الا اللہ اور لا موجود الا اللہ۔ [illegible] تفسیر [illegible] توحید کے چار مراتب ہیں۔

① لب۔

② لب اللب۔

③ قشر۔

④ قشر القشر

امام غزالی [illegible] توحید [illegible] اللہ [illegible] منافق کی توحید [illegible] دل سے تصدیق کرے جیسا اہل اسلام تصدیق کرتے ہیں [illegible] کشف [illegible] مشاہدہ [illegible] اشیاء کی [illegible] اہل اسلام کی طرف سے [illegible] حاصل ہوگی [illegible]

[illegible]

[illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]

فمن یرد اللہ ان یہدیہ یشرح صدرہ للاسلام ۔ جس کی ہدایت کا ارادہ کرتا ہے اللہ اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے ۔

[illegible]

مسئلہ

[illegible]

مسئلہ

[illegible] مستحب [illegible] طریقہ ثابت کیا گیا ہے ۔

مسئلہ

[illegible]

ذکر جہر کے فوائد

① [illegible]

② [illegible]

③ [illegible]

④ [illegible]

⑤ [illegible]

[illegible] ہے۔

ذکر خفی کے فوائد بعض مشائخ کا قول ہے کہ ذکر خفی افضل ہے [illegible] ہے [illegible]
[illegible]
[illegible] ہے۔ [illegible]
[illegible] ہو جائے۔

فیصلہ [illegible] ذکر خفی [illegible] ہے [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] فرمایا۔

[illegible]   [illegible]
[illegible]   [illegible]

مختصر

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]   [illegible]
[illegible]   [illegible]

[illegible]

[illegible] ہے۔
[illegible]
[illegible]
[illegible] ہے

[illegible]

[illegible]

ترجمہ: [illegible]

[illegible]

سبق: [illegible]

تفسیر بالرائے رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ [illegible]

[illegible]

مسئلہ:

[illegible] مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ [illegible]

مسئلہ:

[illegible]

رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي [illegible]

سوال: [illegible]

جواب: [illegible]

[illegible] حضور [illegible] پاک کی [illegible] اس لیے [illegible]
[illegible] چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ [illegible] اپنے رب کی طرف بلایئے ۔۔

[illegible] تفسیر [illegible]
[illegible]
[illegible] کی [illegible]

[illegible]

سوال [illegible] ترتیب کیا ہے۔

جواب [illegible] ترتیب [illegible]
[illegible] معاف فرمائے۔

مسئلہ [illegible]
[illegible]
[illegible]

ف [illegible]
[illegible]
[illegible]

مسئلہ [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]
[illegible]

مسئلہ [illegible]
[illegible]

مسئلہ [illegible]
[illegible] حضرت [illegible]
تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

نصیحت اوّل [illegible]

[illegible]

ترجمہ: نصیحت [illegible]

[illegible]

حضرت شیخ سعدیؒ نے فرمایا ہے

بگو آنچہ دانی سخن سود مند   وگر ہیچ کس را نیاید پسند
کہ فردا پشیماں برآرد خروش   کہ آوخ چرا حق نکردم بگوش

ترجمہ (۱) جو نفع بخش بات ہو کہہ ڈالو چاہے کسی کو پسند آئے یا نہ آئے۔
(۲) [illegible] کیوں حق کو قبول نہ کیا۔

حکایت: حضرت ابن عباس [illegible]

[illegible]

[illegible] اشعار پڑھے

الست شريكي في الذي سئته　　فتسر وشاعر يا ابا عمر

وكل من ايقظ ذا غفلة　　شمت ما يعطو الا عمر

[illegible] فرمایا ہے۔

۲ [illegible] ہے۔

[illegible] ہوگئی۔

سبق: [illegible] رخصت نصیب ہوگی۔

حکایت: ایک [illegible]

[illegible] لیکن [illegible] [illegible] اللہ تعالیٰ مجھے آپ سے [illegible] [illegible] مجھے [illegible] آگ [illegible] نہیں [illegible]۔

[illegible] جو اللہ تعالیٰ [illegible] [illegible] بہشت [illegible] جائے گا۔

[illegible] حضرت [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]۔

[illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]

والسلام [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]

ترجمہ [illegible]

[illegible] رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ [illegible] وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ [illegible] إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ [illegible]

سوال: إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ سے معلوم ہوتا ہے [illegible]

جواب: [illegible]

ف: [illegible]

ف: وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ [illegible] سے متعلق ہے۔

ف: [illegible]

ف: [illegible]

---

[1] [illegible]

[illegible] جنت
[illegible] جنت
ترجمہ: [illegible]

[illegible] جنت [illegible]
[illegible]

ترجمہ: [illegible]

[illegible] کرامات [illegible]۔

حدیث شریف: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے آپ نے فرمایا [illegible] جنت [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] اسلام [illegible] جنت [illegible]۔

حکمت کی باتیں: حضرت [illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے چار چیزوں کو طلب کیا تو [illegible] میں پایا۔

① اللہ تعالیٰ کی رضا کو دین کی اطاعت میں۔
② رزق کی وسعت کو [illegible] میں۔
③ دین کی سلامتی زبان کی حفاظت میں۔
④ قبر کی روشنی [illegible] میں۔

حدیث شریف: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں سب سے آخر میں [illegible] جہنم کی آگ [illegible] اللہ تعالیٰ سے عرض کرے گا [illegible] جنت

میرے قریب [illegible] ۔ [illegible] اللہ [illegible]
[illegible] بالشت [illegible] ہاتھ [illegible] قریب [illegible]
[illegible] قریب ہوگا ۔ جب [illegible] قریب [illegible]
[illegible] اللہ تعالیٰ فرماتا ہے [illegible]
[illegible] اے ابن آدم [illegible]
[illegible] اللہ [illegible]
[illegible] حضرت ابن مسعود [illegible]
[illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]
[illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]
[illegible] محبت [illegible] ۔

حکایت ۔ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ [illegible] حضرت معروف [illegible] ۔ ایک روز حضرت معروف [illegible] معروف کرخی [illegible] اسلام [illegible] مسلمان ہو گئے۔

حدیث شریف ۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] ۔ [illegible]

حکایت ۔ ایک عزیز بیان کرتے ہیں [illegible] حضرت ذوالنون مصری [illegible] اسلام [illegible]

[illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]

[illegible] (۱) [illegible]

(۲) [illegible]

اللہ تعالیٰ ہم سب کو [illegible] سے نجات اور [illegible] نیک لوگوں کے ساتھ جنت عطا فرمائے۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ

[illegible] پس قبول کیا ان کا ان کے رب نے یعنی ان کی طلب کے مطابق انہیں ان کا مطلوب عطا فرمایا [illegible]

اجابت و استجابت میں فرق [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] [illegible]

مسئلہ [illegible]

[illegible]

ف [illegible]

یعنی جس [illegible] ثواب کے لحاظ سے [illegible] بعض کی [illegible]۔

ف ۶ حضرت [illegible] فرمایا کہ [illegible]

[illegible] ہے۔

مسئلہ [illegible] عمل کے ثواب میں [illegible]

[illegible]

شانِ نزول [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ف [illegible]

[illegible]

ف [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ف [illegible]

له الحسین منی وانا من الحسین

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

قلب [illegible] جائے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible] اللہ تعالیٰ کی طرف سے [illegible] توبہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] اور اللہ تعالیٰ کے [illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]

مسئلہ [illegible] اللہ تعالیٰ کے [illegible]

[illegible]

سبق [illegible]

[illegible] ہے۔

حکایت: منقول ہے کہ حضرت منصور بن عمار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [illegible] حضرت [illegible] [illegible] فرماتے تھے کہ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] نفس [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] نفس کی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] بالکل [illegible] دیا۔

سبق [illegible] کی تحقیق میں

نفس کی مکاری اہل بصیرت کی تحقیق ہے کہ [illegible] نفس [illegible] اخلاق کے خلاف [illegible] چاہیئے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] نفس [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] نفس [illegible] [illegible] حضرت [illegible] [illegible] فرمایا ہے

[illegible] نفس [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

نفس [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

نفس امارہ کا سوال اور جواب [illegible] نفس [illegible] [illegible] حضرت [illegible] صاحب [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] فرمایا ہے

ولو کان النساء کمن ذکرنا   لفضلت النساء علی الرجال
فلا التانیث لاسم الشمس عیب   ولا التذکیر فخر للہلال

ترجمہ: (۱) اگر عورتیں [illegible] [illegible] [illegible] تو عورتوں کو مردوں پر فضیلت ہے۔
(۲) اور سورج کے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] فخر ہے۔
حضرت شیخ سعدی [illegible] نے فرمایا ہے

[illegible]

[illegible]

ترجمہ [illegible] حضرت [illegible] عبادت [illegible]

(۱۲) [illegible] شرم [illegible] چاہیئے [illegible]

سبق: حضرت حسن بصری [illegible] نے فرمایا [illegible] تعجب ہے کہ آخرت [illegible]

[illegible]

حاصل کریں لیکن [illegible]

حکایت: ایک [illegible] حضرت [illegible]

[illegible] حضرت [illegible] سال [illegible]

حکایت: [illegible] حضرت [illegible] لمثل ھذا فلیعمل العاملون [illegible] عمل کرنا چاہیئے۔

کسی بزرگ نے فرمایا جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اسے جنت نصیب ہو [illegible] عمل

روحانی نسخے [illegible]

① نفس کو [illegible] فرمایا: ونھی النفس عن الھوی فان الجنۃ ھی الماوی

② دنیا میں [illegible] جنت کی [illegible]

[illegible]

③ [illegible] حضرت [illegible] جنت میں داخل [illegible] فرمایا۔ وتلک الجنۃ التی اورثتموھا بما کنتم تعملون۔

④ انبیاء کرام [illegible] جنت [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

۷ [illegible] مشکلات [illegible] سے جو [illegible] بھی [illegible]
[illegible] کو چاہیے کہ وہ آخرت کی یاد [illegible] ہے [illegible] نفس [illegible]
[illegible] ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت امام غزالی نے اشغال [illegible] میں [illegible] بعض [illegible]
ایک صحیح [illegible] جو قلب سے تعلق رکھتے ہیں۔ جیسے [illegible]
[illegible] نفس [illegible] جو قلب سے تعلق رکھتے ہیں۔ جیسے
[illegible] بعض [illegible] ایک اصل اور ایک حقیقت [illegible]
[illegible] اصل [illegible] ہے [illegible] نہیں [illegible]
[illegible] نفس کے [illegible] سے [illegible]
[illegible] نفس کے [illegible] سے [illegible] ہیں [illegible]
[illegible] نفس [illegible] سے [illegible]
[illegible] سے [illegible]
[illegible]
[illegible] کے [illegible] حاصل [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] اللہ [illegible] ہے۔
[illegible] فرمایا۔

تفسیر المنار (لا یحزنک)
[illegible] ہے۔

[illegible] ہے [illegible]
[illegible] سے [illegible]

[illegible] دنیا [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] کی محبت [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ساتھ [illegible] [illegible] ترغیب دیا گیا ہے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] کا اصل مقصود یہی ہے۔

سوال: تقلیب کے بعد تقلب کیوں [illegible] ہوا۔

[illegible] کرتے ہیں۔

مثال اوّل [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] دنیا کی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ۔

دنیا کے [illegible]۔

حدیث شریف: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا آخرت کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے کوئی [illegible] میں انگلی ڈالے تو پھر دیکھے کہ اس کی انگلی کو [illegible] کی تری سے کیا لگا ہے۔

ف [illegible] مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]۔

ف [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible] ۔

[illegible]

[illegible] ۔

حدیث شریف [illegible]

[illegible] ۔

حدیث شریف [illegible] حضرت عمر [illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ۔

[illegible] ۔

مستحب ہے ۔

سبق نمبر ۱۹۔ جب کسی صاحب کمال کو کوئی مرتبہ نصیب ہو تو اسے چاہیئے کہ [illegible] ہو کر لوگوں کی گردنوں میں احسانات کے طوق ڈالنے کی کوشش کرے اس لیے کہ یہ مرتبہ مستقل ہمیشہ رہنے والی نہیں پھر یا تو معزول ہو گا یا مر جائے گا [illegible]

سبق نمبر ۲۰۔ جو صاحب حسب و نسب اور صاحب مروت ہو تو اس کی عزت و احترام کرو ۔

سبق نمبر ۲۱۔ جب کسی کا دوست [illegible] ہو جائے تو اس کے [illegible] چاہیئے کہ [illegible] تمام [illegible] الاولیاء [illegible] کلام [illegible] ہے ۔

حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ نے فرمایا ہے

[illegible]

[illegible]

ترجمہ: [illegible] ۔

(۱) [illegible] جائے گا ۔

حکایت: حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے [illegible] فرمایا [illegible] ہے ۔ [illegible] قبول [illegible] فرمائے گا ۔

قربانی کی وصیت حضرت [illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ [illegible]۔

حدیث شریف: حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]۔

خصوصیت اسلام [illegible] اللہ جل شانہ [illegible] [illegible] [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]۔

[illegible] [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]۔

حدیث شریف: حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جبرئیل [illegible]

سے ملا کرے۔ چنانچہ آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی[1] ولا تعد عیناک عنھم [illegible] آنحضرت ﷺ کو ہمیشہ ساتھ رکھیں [illegible] کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھیں۔

سبق: [illegible] حال ہے [illegible] کا [illegible] اصل [illegible] کا اثر [illegible] سے [illegible] لوگ [illegible]

شانِ محبت کا بیان حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے [illegible] ہوں گے اور [illegible] حضرت انبیاء علیہم السلام اور [illegible] سے [illegible] ہوں گے [illegible] سب سے پہلے جنت [illegible] اللہ تعالیٰ جنتیوں [illegible] کھول کر [illegible] جنت میں داخل [illegible] اہل ایمان کے [illegible] ہوں گے [illegible]۔

سبق: [illegible] محبت [illegible] کا [illegible] حضور علیہ السلام کے ساتھ [illegible] جنت میں داخل ہوں گے

[illegible] | [illegible] محبت [illegible]
[illegible] اختیار [illegible] است | [illegible] محبت [illegible]

ترجمہ: [illegible] محبت [illegible]

(۲) [illegible] سے [illegible]۔

سبق: [illegible] جنت [illegible] اللہ [illegible] ہے۔

حکایت: حضرت [illegible] اللہ تعالیٰ کے [illegible] اللہ تعالیٰ کی [illegible] اللہ تعالیٰ کی طرف [illegible] ہے۔

حکایت: [illegible] حضرت [illegible] رضی اللہ تعالیٰ [illegible] آنحضرت ﷺ [illegible]

---

[1] حضرت مولانا [illegible] رحمۃ اللہ تعالیٰ [illegible] فرماتے ہیں

[illegible]
[illegible] | [illegible]

جیسا کہ ایک آدمی [illegible] خوب ہے کہ تب ہی [illegible] حق تعالیٰ [illegible] باقی ہے۔

حکایت: کسی نے خواب میں دیکھا کہ حضرت معروف کرخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرش کے نیچے ہیں۔ سامنے کھڑے ہیں [illegible] جنت کے محلات [illegible] ہیں تو جب [illegible] حضرت [illegible] جنت [illegible] فرمایا [illegible] صاحب [illegible] جواب ملا حضرت معروف کرخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ [illegible] اللہ تعالیٰ کے دیدار کا مشتاق تھا۔ جب سے [illegible] اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت [illegible] ہے کہ [illegible] کو [illegible] عرش کو نہیں بلکہ عرش والے کو دیکھتے ہیں۔

سبق: واقف یعنی منظور نظر (محبوب) صوفی کی جنت ہے [illegible] ظاہری جنت۔ وہ جنت صوفی کی ہے [illegible] جنت الفردوس ہے [illegible] اس کے مقابلہ میں کچھ نہیں۔

سبق: [illegible] لازم ہے کہ [illegible] صوفی کے لیے [illegible] حاصل کرے [illegible] جب [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ایمان [illegible]

اللہ تعالیٰ ہم سب کو [illegible] نصیب فرمائے۔

تفسیر عالمانہ

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ ۔

اور بے شک اہل کتاب سے بعض وہ ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔

شان نزول یہ آیت حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے کہا [illegible] کے حق میں نازل ہوئی [illegible] اور [illegible] نصرانی [illegible] ۔ بعض نے کہا کہ حضرت اصحمہ النجاشی کے حق میں نازل ہوئی۔ جب [illegible] حضور علیہ السلام نے [illegible] ان کی موت کی خبر دی اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا چلو اپنے اس بھائی کے لیے جنازہ پڑھیں [illegible] ۔ آپ نے [illegible] حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی [illegible]

[illegible]

[illegible]

تفسیر صوفیانہ [illegible]

[illegible]

مسئلہ [illegible]

مسافت کی تحقیق

[illegible]

سوال [illegible]

جواب [illegible]

مسئلہ [illegible]

مسئلہ [illegible]

مسئلہ [illegible]

مسئلہ [illegible]

[illegible]

سوال [illegible]

جواب [illegible]

مسئلہ [illegible]

اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا [illegible]

مسئلہ [illegible]

مسئلہ [illegible]

مسئلہ [illegible]

مسئلہ [illegible]

حدیث شریف [illegible]

کہ مسلمان سجدے میں ہوں گے [illegible] اس وقت کسی کا [illegible] ضروری تھا اور دلیل

إِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۔ بے شک کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں۔ معلوم ہوا کہ بہت احتیاط اور [illegible] ضروری ہے [illegible] وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ معلوم ہوا کہ [illegible] حضور صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] آپ [illegible] سے [illegible] فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ الخ آپ نہیں [illegible] سکتے ہیں۔

شانِ نزول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب مشرکین نے حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کرام کو ظہر کی نماز پڑھتے دیکھا [illegible] جماعت [illegible] تھا [illegible] وقت [illegible] ان پر حملہ کر [illegible] بعض نے کہا کہ ان کے بعد عصر کی نماز [illegible] نہیں وہ [illegible] لہٰذا جب یہ [illegible] نماز میں [illegible] حضرت جبریل علیہ السلام [illegible] آیات [illegible] صلوٰۃ الخوف کا طریقہ [illegible] کے [illegible] فرما دیا۔

مسئلہ [illegible] ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس کے بعد [illegible] تمام [illegible] صلوٰۃ الخوف کی ادا [illegible] **قول مفسر التفسیر** [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] صلوٰۃ الخوف [illegible] کا طریقہ بتایا کہ آپ کی امت آپ کی اقتدا میں صلوٰۃ الخوف پڑھے گی۔ اس [illegible] خطاب [illegible] امت [illegible]

مسئلہ [illegible] ہے کہ حضور علیہ السلام کی [illegible] آپ کا نائب [illegible] آپ کے [illegible] امام [illegible] قائم مقام ہے [illegible] یہ خطاب [illegible] امام [illegible] وقت [illegible] صلوٰۃ الخوف کی اقامت وقت کے امام [illegible]

فائدہ [illegible] صلوٰۃ الخوف [illegible] حضور علیہ السلام [illegible] کہ اللہ تعالیٰ [illegible] آپ کا [illegible]

فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ یعنی [illegible] آپ [illegible] دو حصوں میں [illegible] ایک [illegible] آپ کے ساتھ [illegible] وَلْيَأْخُذُوْا [illegible] آپ کے ساتھ [illegible] ۔ [illegible]

سوال [illegible] ؟

جواب [illegible]

فَاِذَا سَجَدُوۡا یعنی جب وہ سجدہ کر لیں اور جماعت نے آپ کے ساتھ نماز پڑھ لی یعنی جب ایک رکعت پڑھ لیں فَلۡیَکُوۡنُوۡا مِنۡ وَّرَآئِکُمۡ تو انہیں چاہیے کہ وہ دشمنوں کے مقابلہ میں [illegible] جنہوں نے [illegible] وَلۡتَاۡتِ طَآئِفَةٌ اُخۡرٰی لَمۡ یُصَلُّوۡا فَلۡیُصَلُّوۡا مَعَکَ یعنی وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھیں۔

فائدہ [illegible] دوسری رکعت کی ادائیگی کے طریقہ کو نہیں بیان کیا [illegible] جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نمازِ خوف پڑھی تو ایک گروہ کو ایک رکعت پڑھائی [illegible] اور دوسری رکعت [illegible] پھر چلے گئے [illegible] دوسرا گروہ [illegible] امام کے پیچھے نماز [illegible] جب نماز [illegible] دوسرا گروہ دوسری رکعت [illegible] قرأت [illegible] سلام [illegible] دو رکعت مکمل ادا فرمائی۔

مسئلہ صورت یہ ہے کہ نمازِ خوف کے لئے [illegible] مسافر [illegible] کہ نماز ادا کی [illegible] امام [illegible] مسافر کو چار رکعت کا [illegible] ہوا۔

مسئلہ نمازِ مغرب میں [illegible] پہلے گروہ کو [illegible] دو رکعت [illegible] دوسرے گروہ کو ایک رکعت [illegible] امام کی نماز [illegible]

وَلۡیَاۡخُذُوۡا [illegible] اور چاہیے کہ وہ ہوشیار رہیں۔ [illegible] وَاَسۡلِحَتَهُمۡ اور اپنے ہتھیار [illegible]

سوال [illegible] نماز [illegible] ہتھیار [illegible] ہو گی؟

جواب [illegible] جنگ کے وقت [illegible]

سوال [illegible]

[illegible] ہے۔

جواب [illegible]

سوال [illegible]

جواب [illegible]

سوال حالت نماز میں [illegible]

جواب [illegible]

مسئلہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ف: اگرچہ واقعہ ایک صاحب کا ہے مگر [illegible] حکم عام ہے [illegible] تمام لشکر کو ہوا۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّن مَّطَرٍ أَوْ كُنتُم مَّرْضَىٰ أَن تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ ۚ اور تم پر گناہ نہیں اگر تم کو تکلیف ہو بارش سے یا بیمار ہو کہ اپنے ہتھیار رکھ دو۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ جب ہتھیار اٹھانا تکلیف کا سبب ہو بارش کے یا بیماری کے تو ہتھیار اتار دینے کی اجازت ہے۔

مسئلہ: [illegible] وَخُذُوا حِذْرَكُمْ ۚ [illegible] فرمایا یا نماز خوف کے وقت بھی ہتھیار ساتھ رکھنا مستحب ہے [illegible] کہ ہتھیار [illegible] حالت میں [illegible] آیت [illegible] امر [illegible] پر محمول کیا جاتا ہے۔

وَخُذُوا حِذْرَكُمْ ۚ اور بچاؤ کا سامان لئے رہو۔

سوال: [illegible] کی اجازت [illegible] حکم [illegible]

جواب: اجازت کے بعد بھی [illegible] حکم [illegible] ہو جائے [illegible]

معجزہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] سے جنگ کی اور [illegible] آپ کو [illegible] حضرت [illegible] ایک جگہ نزول اجلال فرمایا۔ وہاں ایک جنگل میں دشمنوں سے [illegible] حضور علیہ السلام کے [illegible] صحابہ کرام [illegible] ہتھیار [illegible] اور حضور علیہ السلام [illegible] حاجت کے لئے [illegible] آپ کے [illegible] آپ ایک وادی میں چلے گئے۔ [illegible] آپ [illegible] ایک درخت کے نیچے بیٹھے [illegible] آپ کو [illegible] حضرت [illegible] نے [illegible] کہا کون ہے جو تمہیں بچائے [illegible] حضور علیہ السلام [illegible] اے [illegible] اللہ [illegible] آپ نے فرمایا اللہ [illegible] حضور علیہ السلام [illegible] اور [illegible] أَشْهَدُ أَن لَّا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ [illegible] آپ سے [illegible]

دونوں [illegible] آپ نے [illegible]
آپ [illegible]
[illegible]
[illegible]

إِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے [illegible] عذاب تیار [illegible] ہے۔

ربط [illegible]
[illegible]
[illegible]

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ پس جب [illegible] نماز [illegible]
[illegible]

فائدہ اس سے [illegible] فَاِذَا قَضَيْتُمْ
مَّنَاسِكَكُمْ فرمایا ہے ۔

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ [illegible] قِيٰمًا [illegible] وَّقُعُوْدًا اور بیٹھے [illegible]
وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ اور اپنی کروٹوں پر۔

فائدہ اس سے مقصود [illegible]
[illegible]
[illegible] فَاذْكُرُوا اللّٰهَ [illegible]
[illegible]

فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ [illegible]
[illegible] فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ [illegible]
[illegible]

فائدہ بعض [illegible] فَاذْكُرُوا اللّٰهَ [illegible]
[illegible]
[illegible]

إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۔ بے شک نماز مسلمانوں پر وقت مقرر پر فرض ہے ۔

فائدہ حضرت مولانا شاہ تھانوی قدس سرہ نے [illegible] اس آیت کے متعلق [illegible] حالت کے لحاظ سے [illegible] بعض کمزوری [illegible] بعض [illegible] مطلب یہ ہے [illegible] اور [illegible] اوقات مقررہ اور [illegible] کے ساتھ [illegible] شریف نے ذکر فرمایا ہے ۔

تفسیر عالمانہ مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کی عادت معلوم کر کے [illegible] اوقات میں [illegible] پانچ وقت کی نماز اور [illegible] کے [illegible] ایک [illegible] عبادات کا حکم فرمایا [illegible] عبادات [illegible] اگر وہ ان عبادات کو [illegible] بندوں کو [illegible] ادائیگی کا [illegible] سے [illegible] محروم رہتے ۔

حکمت عبادات کے اوقات مقرر کرنے سے یہی مطلوب ہے کہ وہ اپنے [illegible] پابندی کے ساتھ عبادت کریں ۔

مسئلہ شب معراج میں پچاس نمازوں کی ادائیگی کا حکم ہوا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی التجا پر پانچ کا حکم فرمایا لیکن اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں پچاس نمازوں کا ثواب عطا فرمائے گا ۔

حکمت قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہوگا [illegible] پچاس نمازیں [illegible] ہر ایک نماز [illegible] ہزار سال سے [illegible] اس وقت اس نماز [illegible] فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ [illegible] ۔

عمداً نماز چھوڑنے والے کی سزا کا بیان

حدیث شریف میں ہے کہ جس نے ایک نماز وقت پر نہ پڑھی اگرچہ بعد میں پڑھ بھی لے تو اسے جہنم میں ایک حقب مدت تک جلایا جائے گا ۔ اور حقب اسی سال کا ہوتا ہے اور ایک سال تین سو ساٹھ دن کا اور ایک دن ایک ہزار سال [illegible] ہے ۔

فائدہ [illegible]

حدیث شریف [illegible]

① [illegible]
② [illegible]
③ [illegible]
[illegible] [illegible]
⑤ [illegible]

حدیث شریف [illegible]

تفسیر عیاشی [illegible] إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا [illegible]

① پنج وقت آمد نماز رہنمون
عاشقان را فی صلوۃ دائمون

② نیست زرغبا وظیفہ ماہیان
زانکہ بے دریا ندارند انس جان

③ ہیچ کس با خویش زشتی ہا نمود
ہیچ کس با خود بدیہا بد نکرد

④ در دل عاشق بجز معشوق نیست
درمیان شان فارق و فاروق نیست

ترجمہ: ① پانچ وقت کی نماز دوسرے عاشق ہمیشہ نماز میں ہیں۔
② [illegible] زیارت کرو تا کہ دلوں کا [illegible] کیونکہ [illegible]
بجا سمجھیں۔
③ اپنے آپ سے تو دشمنی ظاہر کیا ہو سکتا ہے اپنے ساتھ یار عشق کا معاملہ نہیں ہے۔
④ یعنی عاشق کے دل میں سوائے محبوب کے اور کوئی نہیں رہتا ان کے اور معشوق کے
درمیان فارق و فاروق (جدائی کا ذریعہ) کوئی نہیں ہوتا۔

تفسیر عالمانہ وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ [illegible] سے ملی ہوئی ہے۔

شانِ نزول یہ آیت بدر صغریٰ میں نازل ہوئی بدر [illegible] کا نام ہے جہاں ہر سال [illegible] آٹھ روز قیام کرتے تھے۔ مروی ہے کہ ابو سفیان نے [illegible] کہا تھا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم آپ کا آئندہ سال بدر صغریٰ میں مقابلہ کریں گے۔ اگر منظور ہو تو بتاؤ۔ آپ نے فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ۔ ابو سفیان نے یہ اس وقت کہا جب احد سے لوٹ رہا تھا۔ جب سال ختم ہوا تو ابو سفیان کے دل پر رعب چھا گیا [illegible] نعیم ابن مسعود کو مدینہ طیبہ کی طرف بھیجا کہ مسلمانوں کے دلوں میں [illegible]۔ جب نعیم ابن مسعود مدینہ منورہ پہنچا تو [illegible] جنگ کے لئے تیاریوں میں مصروف [illegible] ابو سفیان نے [illegible] حضور علیہ السلام نے [illegible] [illegible] حسبنا اللہ ونعم الوکیل [illegible] ابو سفیان کے لشکر کے مقابلے [illegible] [illegible]

[illegible]

اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ [illegible] تم زخمی ہو [illegible]
[illegible]

مِنَ اللّٰهِ اور ہم اللہ تعالیٰ سے [illegible] اور رحمت کی امید [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا

[illegible] حَكِيْمًا۔

[illegible]
[illegible]
[illegible] اللہ تعالیٰ کی
[illegible]
[illegible] اللہ تعالیٰ نے
[illegible] کے عذاب
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

فائدہ آیت کریمہ میں [illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

ترجمہ: [illegible]

حدیث شریف حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ [illegible] جنگ کے دن [illegible]
[illegible]

فائدہ حضرت [illegible] ایک [illegible] جنگ کے [illegible] غیرت کا تقاضا [illegible] جو جنگ سے [illegible] جا [illegible] ہوتا ہے [illegible] تو باز نہیں رہتا کیونکہ [illegible] ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ [illegible] سے [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] جاتا ہے [illegible] نے فرمایا ہے

① ہر آنکہ سر [illegible] دارد

باید کہ دل از سر [illegible] دارد

② ہر آنکہ [illegible]

[illegible]

ترجمہ ① وہ جو سر [illegible] رکھتا ہے [illegible] چاہیے کہ سر سے ہاتھ اٹھا لے۔

② جو [illegible] کے [illegible] سر [illegible] اپنا سب کچھ کھو دے گا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے

در عشق [illegible] مرد باید بود

[illegible] جنگ [illegible]

ترجمہ مرد میدان کے [illegible] جنگ کے [illegible]۔

تکملہ [illegible] روح البیان صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا [illegible] بادشاہ [illegible] وزیر [illegible] مملکت [illegible] بمنزلہ قلب کے ہوتا ہے جیسے قلب کو جسم کے [illegible] اگر قلب درست ہو تو تمام اعضا [illegible]۔ اگر بادشاہ [illegible] رعایا [illegible]۔

سبق سالک [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]

(باقی [illegible])

إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَىٰكَ
اللَّهُ وَلَا تَكُن لِّلْخَائِنِينَ خَصِيمًا ○ وَاسْتَغْفِرِ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ
غَفُورًا رَّحِيمًا ○ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ إِنَّ
اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا ○ يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا
يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضَىٰ مِنَ الْقَوْلِ
وَكَانَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ○ هَا أَنتُمْ هَٰؤُلَاءِ جَادَلْتُمْ عَنْهُمْ
فِي الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا فَمَن يُجَادِلُ اللَّهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَم مَّن
يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ○ وَمَن يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ
يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا رَّحِيمًا ○ وَمَن يَكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا
يَكْسِبُهُ عَلَىٰ نَفْسِهِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ○ وَمَن يَكْسِبْ خَطِيئَةً
أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهِ بَرِيئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ○

ترجمہ: اے محبوب بے شک ہم نے تمہاری طرف سچی کتاب اتاری کہ تم لوگوں میں فیصلہ کرو جس طرح تمہیں اللہ دکھائے اور دغا والوں کی طرف سے نہ جھگڑو اور اللہ سے معافی چاہو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور ان کی طرف سے نہ جھگڑو جو اپنی جانوں کو خیانت میں ڈالتے ہیں بے شک اللہ نہیں چاہتا کسی بڑے دغا باز گنہگار کو آدمیوں سے چھپتے ہیں اور اللہ سے نہیں چھپتے اور اللہ ان کے پاس ہے جب دل میں وہ بات تجویز کرتے ہیں جو اللہ کو ناپسند ہے اور اللہ ان کے کاموں کو گھیرے ہوئے ہے۔ سنتے ہو یہ جو تم ہو دنیا کی زندگی میں تو ان کی طرف سے جھگڑے تو ان کی طرف سے کون جھگڑے گا اللہ سے قیامت کے دن یا کون ان کا وکیل ہوگا اور جو کوئی برائی یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ سے بخشش چاہے تو اللہ کو بخشنے والا مہربان پائے گا اور جو گناہ کمائے تو اس کی کمائی اسی کی جان پر پڑے اور اللہ علم و حکمت والا ہے اور جو کوئی خطا یا گناہ کمائے پھر اسے کسی بے گناہ پر تھوپ دے اس نے ضرور بہتان اور کھلا گناہ اٹھایا۔

تفسیر عالمانہ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بے شک ہم نے آپ پر کتاب (قرآن) نازل فرمائی۔ بِالْحَقِّ حق کے ساتھ۔

شانِ نزول انصار کے قبیلہ بنو ظفر کے ایک شخص طعمہ بن ابیرق نے اپنے ہمسایہ قتادہ بن نعمان کی زرہ چرا کر آٹے کی ایک بوری میں [illegible] یہودی کے پاس چھپا دی۔ جب زرہ کی تلاش ہوئی اور طعمہ پر شبہ کیا گیا تو وہ انکار کر گیا اور قسم کھا گیا۔ بوری پھٹی ہوئی تھی اور آٹا گرتا گیا اس کے نشانات سے یہودی کے مکان تک پہنچے اور وہاں زرہ پائی گئی۔ یہودی نے کہا کہ طعمہ میرے پاس رکھ گیا ہے اور یہودیوں کی ایک جماعت نے اس کی گواہی دی۔ طعمہ کی قوم بنی ظفر نے یہ عزم کر لیا کہ یہودی کو چور بتائیں گے اور اس پر قسم کھا لیں گے تاکہ قوم رسوا نہ ہو اور ان کی خواہش تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طعمہ کو بری کر دیں اور یہودی کو سزا دیں۔ اس لئے انہوں نے حضور کے سامنے طعمہ کے موافق اور یہودی کے خلاف جھوٹی گواہی دی۔ [illegible]

(بقیہ صفحہ)

[illegible]

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ [illegible] كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ [illegible]

[illegible]

اور وہ اپنے مشاغل پر مغرور ہے۔

[illegible]

سوال [illegible]

جواب [illegible]

[illegible] فَبَايِعْهُنَّ [illegible]

[illegible]

فائدہ [illegible]

[illegible] وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ [illegible]

فائدہ [illegible]

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ [illegible]

[illegible]

سوال [illegible]

جواب [illegible]

[illegible]

[illegible]

فائدہ [illegible]

مسئلہ [illegible]

[illegible]

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ [illegible] بے شک اللہ تعالیٰ [illegible] پسند نہیں فرماتا۔

فائدہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

سوال [illegible]

[illegible]

جواب [illegible]

[illegible]

[illegible]

فائدہ [illegible]

[illegible]

حکایت [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

① یتیم کا مال کھانا۔

② پاک دامن عورت پر تہمت لگانا۔

③ جنگ سے بھاگنا۔

④ جادوگری۔

⑤ اللہ کے ساتھ شرک کرنا۔

⑥ [illegible] کسی نبی علیہ السلام کو شہید کرنا۔

ف [illegible]

حکایت منظوم

[illegible]

[illegible]

[illegible]

حدیث شریف ایک شخص نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ [illegible]

[illegible] اس کی

[illegible]

مسئلہ: [illegible] یتیم [illegible] سے [illegible] ہے۔

مسئلہ: حضرت شیخ [illegible] محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اشعۃ اللمعات میں لکھتے ہیں کہ یتیم کے سر پر [illegible] اور [illegible] ہے۔

یتیم کے فضائل: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب یتیم کو رلایا جاتا ہے تو عرش الٰہی کانپ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کون ہے جس نے میرے اس بندے کو رلایا جس کے باپ کو میں نے خاک میں چھپا لیا، اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں یا اللہ ہمیں معلوم نہیں [illegible] ہے۔ [illegible] ہے۔

پدر مردہ را سایہ بر سر فکن — غبارش بیفشان و خارش بکن
یتیم ار بگرید کہ نازش خرد — وگر خشم گیرد کہ بارش برد
الا تا نگرید کہ عرش عظیم — بلرزد ہمی چون بگرید یتیم
اگر سایہ خود برفت از سرش — تو در سایۂ خویشتن پرورش

ترجمہ: ① جب تم یتیم بچے کو دیکھو تو اس کے سامنے اپنے بچے کو پیار نہ کرو۔
① اگر وہ روئے تو اس کا ناز کون اٹھائے گا۔
② خبردار یتیم نہ روئے ورنہ عرش عظیم لرز جائے گا۔
③ اگر اس کا سایہ اس کے سر سے اٹھ گیا تو اسے اپنے سایہ میں پال۔

حدیث طبرانی: اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو فرمایا کہ یتیم کے لئے مہربان باپ جیسا بن جا۔

ف: جیسی کھیتی بوؤ گے ویسی ہی کاٹو گے۔

ف: یتیم کی صحبت نیک بخت [illegible] ہے [illegible] حضرت [illegible] یتیم [illegible] ہے۔

[illegible] — [illegible]
[illegible] — [illegible]
[illegible] — [illegible]

ترجمہ: [illegible] ہے۔

ف: جب تم یتیم بچے کو دیکھو تو اس کے سامنے اپنے بچے کو پیار نہ کرو۔

(۱) عورتوں کو مس کرنا [illegible] ختم ہو جائے۔

(۲) مسجد سے [illegible] وقت [illegible] ہے۔

تفسیر عالمانہ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ ۔

اور آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ۔

حل لغات۔ وَتُدْلُوْا ادلاء سے ہے [illegible] ہے۔

سوال: ظلم کو [illegible] سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے۔

جواب: [illegible]

شان نزول زمانہ جاہلیت میں عادت تھی کہ [illegible]

خلاصہ تفسیر [illegible]

[illegible]

سوال: [illegible]

جواب: [illegible]

سوال: [illegible]

جواب: [illegible]

[illegible]

[illegible]

مقطعات سے [illegible] اللہ تعالیٰ کی طرف سے [illegible] ہے [illegible] اللہ تعالیٰ سے [illegible] کی طرف ہے [illegible]۔

سوال: [illegible] ہے۔

جواب: اس طرف اشارہ ہے کہ [illegible]

[illegible] مقطعات [illegible]۔

سوال: مقطعات [illegible]۔

جواب: [illegible] مقطعات [illegible]

سوال: [illegible]

[illegible]۔

سوال: الٓر [illegible]۔

جواب: [illegible] قُرْآنًا عَرَبِيًّا [illegible]

رہیں یا کسی قسم کی فکر یا غم نہ رہے۔ اس لئے صحبت ہو یا نہ ہو تب بھی صفائی ہونا کہ جب حیض سے پاک ہو تو صحیح رحم ملنا سہل ہے۔

مسئلہ: اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ عورت کی دبر میں صحبت نہ کی جائے کیونکہ یہ فعل حرام ہے اور جانور بھی ایسا نہیں کرتے علاوہ اس کے جائز نہیں ہے کیونکہ یہ ملعون طریقہ ہے اور اکبر الکبائر ہے۔

شان نزول: اہل عرب عورت کی دبر میں کرنے کو بھی جائز سمجھتے تھے۔ خدا نے اس خیال کو باطل کرنے کو یہ آیت نازل ہوئی۔

مسئلہ: صحبت کے وقت یہ خیال رہے کہ اپنی خواہش سے زیادہ اولاد کی نیت ہو اور اس کی خواہش سے کرے بلکہ یہ نیت کرے کہ اس سے ایسی اولاد ہو جو نیک ہو اور خدا کی راہ میں کام آئے اگر صرف نفسانی خواہش ہی مقصود ہے تو ایسی صحبت کا ثواب نہیں بلکہ قرآن کو دیکھنا بھی منع کیا ہے۔

مسئلہ: صحبت کرتے وقت بے پردہ نہ ہونا چاہیئے کہ اس سے ہوتا کہ اولاد بے حیا ہوتی ہے۔ اگر جیسا ہو کہ خود بھی لیٹے تو بہتر ہے کہ کپڑا اوڑھ لے مناسب نہیں۔

مسئلہ: صحبت کے وقت عورتوں کو چاہیئے کہ شوہر کو خوش کرے۔

مسئلہ: صحبت کے بعد عورت کو فوراً اٹھ کر اپنے آپ کو صاف کر لینا چاہیئے کہ اس سے بچہ تندرست پیدا ہوتا ہے اور بیماریوں سے بچی رہے گی۔ بلا ضرورت پانی سے صاف نہ کرنا بھی ضروری ہے۔

حدیث شریف: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو عورت کہا مانے اپنے شوہر کا تو اس کو ثواب ملے گا۔

حدیث وحکایت: روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک عورت آئی کہ میرا شوہر سفر سے واپس آیا تو میں نے اس کا استقبال کیا اور اس کے پاس حاضر ہوئی۔ مگر جب آپ تشریف لے گئے تو میں نے اپنے شوہر کے ساتھ رات گزاری۔ پھر صبح کو غسل کر کے آپ کے پاس حاضر ہوئی۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تم دونوں کی رات میں برکت دے۔ چنانچہ اس رات کی برکت سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ کہتے ہیں کہ اس لڑکے سے نو لڑکے پیدا ہوئے جو سب کے سب قرآن کے حافظ اور عالم ہوئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورت کا شوہر کے ساتھ رہنا بھی عبادت ہے اور اس میں برکت ہوتی ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت کو شوہر کے آنے پر خوشی ظاہر کرنا چاہیئے تاکہ شوہر کا دل خوش ہو۔

نیک بخت عورت کے علامات

نیک بخت عورت کی یہ علامات ہیں۔

(۱) دل میں خشیت الٰہی ہو۔

(۲) شوہر کا خاص خیال ہو۔

⑥ [illegible]

⑦ [illegible]

[illegible]

[illegible]

ترجمہ: [illegible]

(۸) [illegible]

[illegible]

حکایت: [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ترجمہ: [illegible]

⑨ [illegible]

حکایت منظوم

[illegible]

ترجمہ: ⑪ [illegible]

(۲) ایک نے کہا کہ آج [illegible] مقصد [illegible] سے [illegible] ہو جائے گی۔

[illegible] بعد [illegible]

که تقویم پارینه ناید بکار

ترجمہ: اے دوست مرنے کے بعد [illegible] اس لئے کہ پرانی تقویم بیکار ہوتی ہے۔

خلاصہ: [illegible] وہ شخص [illegible] کہ [illegible] سے جہاں کی مقصد پیدا ہوئی۔ [illegible] بیکار ہو گی لیکن [illegible] ہو گی۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ: بہتر [illegible] سے [illegible] چاہئے۔ اس لئے کہ پرانی تقویم بیکار ہوتی ہے۔

حدیث شریف: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میری امت کے [illegible] ایسے شخص [illegible] ہوں گے۔

① [illegible]۔

② [illegible]۔

③ اہل علم [illegible] جاہل۔

[illegible]

سوال: [illegible]

جواب: [illegible]

[illegible]

[illegible]

حل اللغات: [illegible]

سوال: [illegible]

جواب: [illegible]

مسئلہ: [illegible]

مسئلہ: [illegible]

مسئلہ: [illegible]

مسئلہ: [illegible]

مسئلہ: [illegible]

[illegible] تشبیہ [illegible] ۔

مسئلہ حضرت امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آیت مذکورہ میں زمانہ کی حفاظت کا حکم فرمایا ہے۔ خلاصہ یہ کہ [illegible] وقت [illegible] ضروری ہے۔

حفظ وقت کی دلیل [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ترجمہ: ① [illegible]

② [illegible] ۔

تفسیر صوفیانہ جو شخص [illegible] ہے اور جو شخص دنیا کی [illegible] حاصل کرتا ہے [illegible]

[illegible] ہو جائیگی۔ [illegible]

ف: [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ترجمہ: ① [illegible]

② [illegible] ۔

③ [illegible] ۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

عام استعمال کے [illegible] ۔

حدیث شریف : حضور [illegible] نے فرمایا [illegible] [illegible] [illegible] ایک [illegible] قرآن [illegible] [illegible] ۔

نکتہ : [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ۔

تفسیر نعمانی : [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ۔

دوسری [illegible] : [illegible] [illegible] [illegible] ۔

حکایت : [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ۔

مرقومہ [illegible]
از حافظ محمد [illegible]

[illegible] [illegible] [illegible] ۔

تفسیر عالمانہ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى - اور یتیموں کو آزماتے رہو۔ یعنی اے مسلمانو! [illegible] کے قریب [illegible] بچوں کو جانچا کرو [illegible] صاحب سمجھ [illegible] بے وقوف ہے ان کے مال [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ان کے معاملات کو جانچتے رہو۔ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ یہاں تک کہ [illegible] بلوغ تک پہنچ جائیں۔ [illegible] معلوم ہو کہ اب وہ بالغ ہو گئے ہیں۔ لہٰذا اب [illegible] فَاِنْ اٰنَسْتُمْ پھر اگر تم ان سے محسوس کرو یعنی مشاہدہ کر کے دیکھ لو [illegible] مِّنْهُمْ رُشْدًا ان سے صلاحیت [illegible] اللہ کے دین کی صلاحیت [illegible] [illegible] فَادْفَعُوْۤا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ [illegible] ان کے اموال ان کے حوالے کر دو۔

مسئلہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ یتیم [illegible] بالغ ہو گیا ہے۔ لیکن اس [illegible] مال [illegible] خرچ کرتا یا اس کے تصرف سے [illegible] تب تک اس کا مال [illegible] نہ دو۔ یہی مذہب ہے حضرت امام ابو یوسف امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کا۔ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا پچیس سال کی عمر تک انتظار کرنا چاہیے اس کے بعد [illegible] مال [illegible] [illegible] پھر اس پر سات سال [illegible] سات سال [illegible] قیاس کیا گیا ہے۔ چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ بچوں کو سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دو [illegible] امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ [illegible] سال کی عمر کے بعد [illegible] مال [illegible] دے دینا چاہیے۔ [illegible] سمجھداری کی عمر [illegible]

وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا اور یتیموں کے مال ناحق نہ کھا جاؤ۔ اسرافاً حال ہے [illegible]

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ [illegible] کھانا حرام ہے [illegible] بلکہ [illegible] [illegible] وَّبِدَارًا اور جلدی [illegible] اس [illegible] اَنْ يَّكْبَرُوْا کہ وہ بڑے ہو جائیں۔ [illegible] مال میں [illegible] [illegible] [illegible] وہ جب بالغ ہو [illegible]

[illegible]

مسئلہ: [illegible] فَاِنْ اٰنَسْتُمْ [illegible] اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ [illegible] فَاَشْهِدُوْا عَلَیْهِمْ [illegible]

مسئلہ: [illegible]

مسئلہ: [illegible]

مسئلہ: [illegible]

مسئلہ: [illegible]

حدیث شریف: حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا [illegible]

مسئلہ: جس شخص پر حقوق العباد ہوں مگر صاحب حق [illegible] اس سے توبہ کر لی ہے۔ سو جو ادا نہیں ہو سکا اس کا حکم کیا ہے تو اسے چاہئے کہ تمام عمر کے واسطے جملہ مسلمانوں کو [illegible] کرے۔ اور بہت سے ایسے اعمال بھی کیا کرے [illegible]۔ صرف حق تعالیٰ [illegible] اسے حق تعالیٰ [illegible] امید رکھنی [illegible] کہ شاید حق تعالیٰ [illegible] ہو جائے گا۔ [illegible] صاحب حق [illegible] معاف کرا دے گا۔

مسئلہ: [illegible] کسی کو [illegible] معاف نہیں [illegible] مشغول نہیں ہو گی [illegible] حقوق العباد [illegible] لیکن [illegible] معاف فرما [illegible] صاحب [illegible] معاف کرا [illegible] علیہ السلام [illegible] اسے [illegible] کہ معاف ہو سکے۔

مسئلہ: یہی طریقہ تمام اعمال صغیرہ [illegible] حقوق العباد کے متعلق ہے [illegible] کا ثواب [illegible] کی ضرورت ہے۔

مسئلہ: [illegible] کے سامنے پیش ہو گا۔

[illegible] [illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible] [illegible]

ترجمہ ① [illegible] ہو سکے۔

② [illegible]

③ [illegible] ہو سکتی ہے گا۔

مسئلہ: [illegible]

[illegible] ہو جائے۔

مسئلہ: حضرت [illegible] رحمۃ اللہ تعالیٰ [illegible] افضل ہے۔

مسئلہ: [illegible] افضل ہے۔

مسئلہ: [illegible] افضل ہے۔

مسئلہ: [illegible] افضل ہے۔

[illegible] حضرت [illegible] رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ [illegible]

① [illegible]

② [illegible]

③ [illegible]

حکایت: حضرت [illegible]

[illegible]

مسئلہ: [illegible]

مسئلہ: [illegible]

دعا کی قبولیت کے شرائط حضرت [illegible] نے فرمایا کہ اجابت دعا کے شرائط [illegible]

[illegible] سے تو یہ مسئلہ پوچھا جا سکتا ہے اس لیے کہ [illegible] کے [illegible] کے متعلق [illegible] ہے۔ [illegible] نے فرمایا [illegible] زبان سے [illegible] جب تک [illegible] کی شکل [illegible] ہے [illegible]

[illegible]

[illegible]

تفسیر بالماثور

[illegible]

شانِ نزول ضروری ہے کہ [illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت [illegible] احمد ابو داؤد ترمذی ابن ماجہ [illegible] میراث [illegible] تقسیم کا طریقہ تھا کہ وہ میت کی عورتوں اور [illegible] کی اولاد کو میراث نہیں دیتے تھے [illegible] میراث کا حقدار وہ ہے جو جنگ کر سکے۔ اور [illegible] حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوئی۔ آپ مسجد میں [illegible] آپ کو شکایت پیش کی گئی۔ آپ نے فرمایا اب تم جاؤ اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کرتا ہوں۔ جو اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں اسی طرح تمہارا فیصلہ کروں گا۔ چنانچہ یہی آیت اتری۔ حضور علیہ السلام نے [illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو [illegible] بھائی کو حکم دیا [illegible] مقرر فرمایا ہے۔ [illegible] ہے۔ اس کے [illegible] کی تفصیل بھی [illegible] کی تفصیل ابھی آگے آتی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

① [illegible]

② باپ

③ [illegible]

④ [illegible]

[illegible]

مسئلہ: [illegible]

مسئلہ: [illegible]

[illegible]

[illegible]

مسئلہ: [illegible] بیان کیا جاتا ہے۔

حدیث شریف [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ترجمہ۔ اے [illegible]

حکایت۔ منشی [illegible] صاحب [illegible]

[illegible]

[illegible]

تعالیٰ [illegible] صاحب [illegible]

[illegible]

صاحب [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ترجمہ۔ [illegible]

نیکیوں کی آبیاری :- ① کسی سے خندہ پیشانی سے ملنا

② کسی کے لیے نیک دعا کرنا۔

③ حاجتمند کی حاجت پوری کرنا ۔

④ بیمار پرسی کرنا

⑤ جنازے کے ساتھ چلنا ۔

⑥ کسی مسلمان کی دل جوئی کرنا وغیرہ وغیرہ

تفسیر صوفیانہ [illegible]

[illegible]

مصنف کے ذکر سے [illegible] کیا گیا ہے ۔

[illegible]
[illegible]

تو وہ باپ کی وراثت پاتا ہے تو تم بھی [illegible] مال [illegible] کے بعد [illegible] ہو جائے گا۔

تفسیر عالمانہ وَلْيَخْشَ الَّذِينَ اور چاہیے کہ وہ لوگ ڈریں کہ جن کی صفت اور حال یہ ہے کہ لَوْ تَرَكُوا اگر چھوڑیں [illegible] مِنْ خَلْفِهِمْ اپنے پیچھے یعنی اپنی موت کے بعد ضِعَافًا کمزور [illegible] کہ ان کے پاس مال و دولت نہ ہو۔ [illegible] خَافُوا عَلَيْهِمْ [illegible] مرنے کے بعد [illegible] اور [illegible] کی [illegible] ان لوگوں [illegible] اللہ تعالیٰ سے [illegible] یعنی وہ [illegible] خوف کر [illegible] فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ [illegible] وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا [illegible] بات کریں [illegible] اِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ [illegible] ہے۔

مسئلہ [illegible] إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا [illegible] وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا اور [illegible] قیامت [illegible] ہے۔

حدیث شریف [illegible] قیامت [illegible]

[illegible] سے دشمن [illegible] ۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کو یتیموں ہی کی [illegible]
یتیموں کا مال کھانا تھا۔

شانِ نزول مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو لوگوں پر یتیموں کا مال [illegible] کے مال میں [illegible] بالکل الگ کر دیا [illegible] سے انہیں سخت تکلیف ہوئی۔ اس کے بعد یہ آیت کریمہ [illegible] وان تخالطوہم فاخوانکم فی الدین الخ [illegible] ۔

حدیث معراج شریف: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے شب معراج ایک قوم کو دیکھا جن کے ہونٹ اونٹ جیسے ہیں [illegible] ان کے منہ میں آگ کے انگارے [illegible] کھاتے ہیں [illegible] یتیموں کا مال ناحق کھاتے تھے

[illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]

ترجمہ: اور جس کے ظلم کی آمدنی [illegible] کو کھاتی ہے۔

[illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] اور حق سے [illegible] ہے۔

مسئلہ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ [illegible] بات [illegible] ۔ [illegible] کا مال [illegible] کھانا حرام ہے۔ [illegible] کا مال کھانا ہے۔

حدیث شریف: [illegible] کے سوال [illegible] کی طرح [illegible] ہیں۔ [illegible] سے [illegible] کے [illegible] کے خوف سے [illegible] تو [illegible] کیا جائے گا [illegible] کے اعمال [illegible] ۔ [illegible] ہو جائیں گی۔ [illegible] سے پوچھا جائے گا کہ [illegible] سکتی تھی۔

مسئلہ [illegible] بعد [illegible] ہے۔

[illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]

ترجمہ: [illegible] ①

② ان لوگوں کے [illegible] ہوں۔

③ [illegible] ہے

④ ہمیشہ [illegible] وقت [illegible] لوگوں [illegible] جائے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم [illegible] جنت کی ضمانت میں لیتا ہوں۔

① بات کرو تو کبھی جھوٹ نہ بولو۔

② وعدہ کے بعد خلاف نہ کرو۔

③ امانت میں خیانت نہ کرو۔

④ اجنبی عورت کے دیکھنے سے آنکھیں بند کرو۔

⑤ اپنی شرمگاہ [illegible] سے بچاؤ۔

⑥ حرام کے کھانے سے اپنے ہاتھوں کو روکو [illegible] جنت میں داخل ہو جاؤ۔

مسئلہ: حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا [illegible] حرام کے [illegible] اللہ تعالیٰ کے [illegible] صدقہ کرنے سے افضل ہے۔

حکایت: حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ حدیث شریف کی کتابت کر رہے تھے کہ [illegible] گیا۔ کسی ساتھی سے قلم عاریۃً لیا۔ جب حدیث شریف کی کتابت سے فارغ ہوئے [illegible] قلمدان میں رکھ لیا۔ جب [illegible] تو [illegible] ملک شام [illegible] ہوگئے۔

حدیث شریف: حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم [illegible] کی طرح [illegible] کے [illegible] ہے۔

تقویٰ کے اقسام: حضرت علامہ جلال الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تقویٰ کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔

① تقویٰ فرض۔
② تقویٰ فضل۔
③ تقویٰ سلامت، تقویٰ فرض یہ کہ حرام سے بچے اور تقویٰ فضل یہ کہ حلال میں بقدر ضرورت لے اور تقویٰ سلامت یہ ہے کہ یعنی شبہات سے کنارہ کشی کرنا۔

حکایت: حضرت حسان بن ابی سنان ساٹھ سال تک لیٹ کر نہ سوئے اور نہ کبھی گوشت اور گھی کھایا۔ جب ان کی وفات ہوئی تو کسی نے خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ کیسے گزری فرمایا سب خیر ہے لیکن جنت میں ایک سوئی کے سبب جو کہ میں نے ایک پڑوسی سے عاریتاً لی تھی لیکن واپس نہیں کی تھی اس سے روک دیا گیا۔

حکایت: حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک قبرستان سے گزرے تو آپ نے کسی مردے کو قبر کے اندر سے پکارا۔ آپ کی دعا سے وہ قبر سے باہر نکلا اور کہا کہ ایک بار میں مزدوری کر رہا تھا کسی کی لکڑیاں اٹھا کر مختلف مقامات پر پہنچاتا تھا۔ ایک وقت میں نے لکڑی کا تنکا اٹھا لیا اور اس سے دانتوں میں خلال کیا اور بغیر اجازت کے لیے رکھ لیا، اس وقت سے عذاب میں مبتلا ہوں اور اس کا مواخذہ ہو رہا ہے۔

لاف تقویٰ کم ز تیر خستہ
تقویٰ راہ مسلم دنیا

ترجمہ: اگر تو پرہیزگاری کا دعویٰ کرتا ہے تو دنیا کی حرام چیزوں سے اپنا دامن بچا۔

◆

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ
فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ
مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ
فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا
أَوْ دَيْنٍ ۗ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِّنَ
اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١١﴾ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ
وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا
أَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ
الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم ۚ مِّن بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ
كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِن كَانُوا
أَكْثَرَ مِن ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ
مُضَارٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿١٢﴾ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۚ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ
وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ
الْعَظِيمُ ﴿١٣﴾ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا
وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿١٤﴾

ترجمہ۔ تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

چکے ہو تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو کیا اسے واپس لو گے جھوٹ باندھ کر اور کھلے گناہ سے اور کیونکر اسے واپس لو گے حالانکہ تم میں ایک دوسرے کے سامنے بے پردہ ہو لیا اور وہ تم سے گاڑھا عہد لے چکیں اور باپ دادا کی منکوحہ سے نکاح نہ کرو مگر جو ہو گزرا وہ بے شک بے حیائی اور غضب کا کام ہے اور بہت بری راہ حرام ہوئیں تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری مائیں جنہوں نے دودھ پلایا اور دودھ کی بہنیں اور عورتوں کی مائیں اور ان کی بیٹیاں جو تمہاری گود میں ہیں ان بیبیوں سے جن سے تم صحبت کر چکے ہو تو پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو ان کی بیٹیوں میں حرج نہیں اور تمہاری نسلی بیٹوں کی بیبیاں اور دو بہنیں اکٹھی کرنا مگر جو ہو گزرا بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تفسیر [illegible] يُوصِيكُمُ اللَّهُ ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں حکم فرماتا ہے [illegible] فِي أَوْلَادِكُمْ تمہاری اولاد کے متعلق۔ [illegible] کی میراث کے متعلق [illegible] ہے اس کی تفصیل یوں ہے کہ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ [illegible] کے مثل ہے [illegible] فَإِن كُنَّ [illegible]

سوال ۔ یہاں [illegible]

جواب ۔ [illegible] ۔ [illegible] فَوْقَ اثْنَتَيْنِ [illegible] فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ [illegible] ۔ [illegible]

مسئلہ [illegible] وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً [illegible]

[illegible] لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ [illegible]

[illegible]

مسئلہ

اگر میت [illegible] فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗ اَبَوٰهُ [illegible] فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ [illegible] فَإِنْ كَانَ لَهٗ إِخْوَةٌ [illegible] فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ [illegible]

مسئلہ

[illegible] باپ [illegible]

مسئلہ

اگر باپ [illegible]

نکتہ:

وصیت کے بارے میں [illegible] وصیت کی ترغیب ہو اس کے مخاطب [illegible] شامل ہے اِنْ تَرَکَ خَیْرًا۔ اس کا وجوب مطلق ہے۔ لیکن یہ کسی وصف سے مقید نہیں۔ یہ بعض [illegible] بلکہ سنت سے ثابت ہے بلکہ قرآن [illegible] ہے۔ اور یہ حدیث سے ثابت ہے یا اجماع سے۔

سوال: یہ مطلق وصیت کیوں نہیں اور مخالفت کیوں، حالانکہ وہ تو صاحب مال کا اپنا واجب ہے۔

جواب: [illegible] وصیت [illegible] اور ان کی [illegible] اور [illegible] تقسیم وراثت [illegible] ہے۔ خواہ وہ زیادہ ہو یا تھوڑا۔

سوال: وصیت کو قرض پر کیوں مقدم کیا گیا ہے حالانکہ ادائے قرض تو وصیت سے پہلے ہونا چاہیے۔

جواب: اس لئے کہ یہ میراث کے [illegible] اور ان کی ادائیگی [illegible] ہے اور یہ قرآن [illegible] ہے آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا [illegible] تمہیں معلوم نہیں کہ ان میں کون سا اقرب لکم نفعًا ہے۔ [illegible] تم نہیں جانتے [illegible] کہ ان میں کون تمہارے لئے زیادہ مفید ہے۔ مثلاً ایک شخص [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا [illegible] [illegible] [illegible] ہے۔

خلاصہ تفسیر: [illegible]

[illegible] لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ [illegible] وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۔ [illegible]

[illegible] ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ [illegible]۔

فہرست حقوق الوالدین والدین کے حقوق یہ ہیں۔

(۱) [illegible]

(۲) [illegible]

(۳) [illegible]

حدیث شریف: [illegible]

مسئلہ

[illegible]

حکایت:

[illegible]

میں نے اپنے باپ سے کہتا ہوا ہوں ہمیشہ خوشی سے پہنچا کر اس کی خدمت کرتا ہوں [illegible] اور وہ [illegible] سے میں نے اپنی ماں کے حقوق ادا کئے ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں ان کے حقوق میں سے ایک کا بھی [illegible] حق ادا نہیں کیا۔ تمہاری [illegible] اس وقت کی [illegible] اگر ضعیف ہو [illegible] اور اس نیت سے کہ تیری عمر دراز ہو [illegible] خدمات کی اب تو [illegible] سے کرتا ہے کہ [illegible] مرجائیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ تجھے بڑا ثواب عطا فرمائے گا اور ایسی حالت میں ماں باپ کی خدمت سے [illegible] بہت بڑا ثواب نصیب ہوتا ہے۔

حکایت:

ایک شخص حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میرا جی جہاد کو جانے کی اجازت چاہتا ہے۔ آپ نے پوچھا کیا تیری والدہ زندہ ہے۔ اس نے عرض کیا ہاں۔ آپ نے فرمایا اس کی خدمت کو لازم پکڑ۔ کیونکہ بہشت تیری ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ یہ حدیث حاکم شریف میں ہے کسی نے کیا خوب فرمایا ہے

جنت کہ سرائے مادرانست ۔ زیر قدمات مادرانست ۔

روزی بکن اے خدا تو ما را ۔ چیزے کہ رضائے مادرانست

ترجمہ: (۱) جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔

(۲) اے اللہ ہمیں وہ [illegible] نصیب فرما جس میں ماں کی خوشنودی ہو۔

مسئلہ:

والدین اگر کافر بھی ہوں تو ان تمام امور میں والدین کی اطاعت ضروری ہے جو شرع کے خلاف نہ ہوں

بجا لانا چاہیے۔

مسئلہ:

اگر ماں باپ ایسی بات کا حکم کریں جو شریعت کے خلاف ہو تو اس میں اطاعت نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وان جاهداك على ان تشرك بي ما ليس لك به علم فلا تطعهما۔

چو نیست خویش را دیانت و تقوی

قطع رحم بهتر از مودت قربی

ترجمہ: اگر رشتہ داروں میں دیانت و تقویٰ نہ ہو تو ایسے رشتہ داروں سے قطع تعلق ہی بھلا۔

بیوہ عورت کی مصیبت خیز زندگی [illegible] فرض سمجھتا ہے۔ خواہ [illegible]
سے کیوں نہ پہنچے صورتِ انسانی ہو یا صورتِ [illegible]۔ اسی طرح حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و افعال
کی تصدیق یا [illegible] مستحق ہوں۔ جیسے [illegible] وغیرہ یا [illegible] سے [illegible]
معلوم ہے کہ [illegible] وغیرہ یا [illegible] سے [illegible]۔ [illegible]
قرار دیا۔ [illegible] اور خوبصورت [illegible] کی طرف دیکھنا [illegible]
[illegible] آزادی [illegible]۔ [illegible]
[illegible]۔

مندرجہ بالا [illegible] کے علاوہ [illegible] علوم و فنون کے حصول [illegible] والدین [illegible]
کے علاوہ ایک [illegible] علم [illegible] کے حصول کے [illegible]
[illegible]۔

مسئلہ

قانونی طور پر [illegible] اگر کوئی [illegible] علم کے حصول کے لیے والدین کی اجازت کے بغیر [illegible]
تو [illegible]۔ [illegible] شرط یہ ہے کہ [illegible]۔ [illegible]
[illegible]
[illegible]۔

فرزند اولاد کے حقوق والدین پر [illegible]
[illegible]
[illegible] کے نام سے پکارا جائے گا۔
حدیث شریف [illegible] علیہ السلام نے فرمایا [illegible] اپنے باپ کے [illegible]
[illegible] اپنے نام [illegible]۔

مسئلہ

[illegible] مستحب ہے۔

حدیث شریف [illegible]

شخص حاضر ہوا اُن کا نام [illegible] تھا۔ آپ نے ان کا نام [illegible] رکھا۔

مسئلہ: والد پر لڑکے کا [illegible] یہ ہے کہ اس کا ختنہ کرائے۔

مسئلہ: ختنہ کرنا سنت ہے۔

مسئلہ: ختنہ کے وقت میں اختلاف ہے بعض فرماتے ہیں کہ بالغ ہونے کے قریب ختنہ کیا جائے اس میں کوئی [illegible] [illegible] [illegible] کا حکم [illegible] ہے [illegible] جب بچے میں [illegible] طاقت ہو [illegible]۔

مسئلہ: افضل یہ ہے کہ [illegible] کے وقت [illegible] سے پہلے ختنہ کرانا چاہئے اس لیے کہ اس [illegible] کی [illegible] ہے [illegible] کے بعد [illegible]۔

مسئلہ: [illegible] حق ہے کہ [illegible] سے [illegible]۔

مسئلہ: اولاد کے حقوق [illegible] [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] پر [illegible] فرمائے۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں

[illegible]　　[illegible]
[illegible]　　[illegible]
[illegible]　　[illegible]

تنبیہ: ① [illegible]۔
② [illegible]۔
③ [illegible]۔

مسئلہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ [illegible] ساتویں دن عقیقہ کیا جائے اور اس کا نام رکھا جائے اور اس کے سر کے بال [illegible] [illegible]

بنا کر رہے ہیں ۔

مسئلہ: انسان کو چاہیے کہ [illegible] کی بنا پر [illegible] کے [illegible] ہے کہ [illegible] امور میں بہت زیادہ [illegible] سکتا ہے ۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ مشائخ [illegible] حق تعالیٰ کے ہیں ۔ جیسے کہ حضرت [illegible] اپنے مریدوں کے لیے [illegible] السلام [illegible] صلوٰۃ والسلام نے [illegible] ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا [illegible] دو قسم ہوتا ہے ۔

(۱) کسبی ۔

(۲) وہبی ۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] حضرت [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

① [illegible]

② [illegible]

③ [illegible]

④ [illegible]

تقریر عالمانہ

وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

من بعد وصیۃ توصون بہا او دین [illegible] میت کے [illegible] وصیت [illegible] کے بعد [illegible] کی تقسیم ہے پہلے وہ مال کی وصیت اور قرض کو پورا کریں پھر باقی مال تقسیم کریں۔

مسئلہ: [illegible] چار چیزیں [illegible] وراثت سے مانع ہیں۔

(۱) قتل۔

(۲) اختلاف دین یعنی مسلمان کافر کا [illegible] کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتے۔

(۳) غلام ہونا۔

(۴) اختلاف دارین یعنی دارالاسلام کا باشندہ دارالحرب میں رہنے والے کا وارث نہیں ہو سکتا [illegible]

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

مسئلہ: [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

مسئلہ: [illegible]

[illegible] جو کہ پہنچ جائے

[illegible] ثابت ہوتا ہے۔ یعنی اس کی وصیت [illegible] فرمائے۔ یعنی وہ وصیت [illegible]

[illegible] کسی قسم کا نقصان [illegible] ۔ غرض وصیت [illegible] ثلث [illegible]

[illegible] وصیت [illegible]

[illegible] وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ [illegible]

[illegible] ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کی وصیت فرمائی ہے۔ اس میں کسی قسم کا تغیر نہیں۔

حدیث شریف۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی میراث [illegible] تو قیامت [illegible] اللہ تعالیٰ اس کی [illegible] جنت [illegible] وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ اور اللہ تعالیٰ [illegible] ۔ وہ کسی [illegible] نہیں فرماتا۔ [illegible] تِلْكَ [illegible] حُدُوْدُ اللّٰهِ [illegible] اللہ تعالیٰ کی [illegible] وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی [illegible] يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اللہ تعالیٰ [illegible] وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ [illegible] وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتا ہے [illegible] وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ [illegible] يُدْخِلْهُ نَارًا [illegible] خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ [illegible]

[illegible]

ہے کہ عشق کے ایک ہی مطلب میں نفس کے آرزو و مدعا سب بے پروائی کیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ طاعت الٰہی مطالبہ غیر کی نوکری کے حصول کا ذریعہ نہیں ہے بلکہ طاعت کے لئے ہے یہ مطلب بحث کے کہ تم یہ طلب ہے کہ رضا و یہ اللہ تعالیٰ کی محبت ہی طاعت ہی کے طلب ہوا اللہ تعالیٰ نے بہشت ہی میں داخل کرنے کا وعدہ فرمایا ہے

با بداں یار گشت ہمسر لوط — خاندان نبوتش گم شد
سگ اصحاب کہف روزے چند — پے نیکاں گرفت مردم شد

ترجمہ ① برے کی صحبت میں لوط علیہ السلام کی بیوی بیٹھی تو اس کا خاندان نبوت سے رشتہ ٹوٹ گیا۔

② اصحاب کہف کا کتا ایک عرصہ تک نیکوں کے ساتھ رہ کر انسان بن گیا۔

سبق جب اطاعت گزار لوگوں کے صحبت یافتہ کتے کا یہ مرتبہ ہے تو پھر خود اہل اطاعت کی کیا شان ہوگی۔

روحانی نسخے حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کی خدمت کے بغیر جنت کا طالب ہے [illegible] جھوٹا ہے حضرت تیری طلب ہوگی۔

① جو شخص بغیر عمل کے جنت کی طلب کرتا ہے وہ جھوٹا ہے۔
جو شخص جنت کا طالب ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں نہ لگے وہ جھوٹا ہے۔

② جو شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ کرے لیکن سنت پر عمل نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی محبت سے خالی ہے وہ بھی جھوٹا ہے۔

③ جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کرے اس کے [illegible] وہ بھی جھوٹا کذاب ہے۔

④ جو شخص اللہ تعالیٰ کی طاعت و محبت میں [illegible] قرب الٰہی کا خواہشمند ہوتا ہے اور بھلائی کے [illegible] سے محروم رہتا ہے۔

⑤ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے کس عمل کے ذریعے طاعت الٰہی پر توفیق دیئے جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا جب تمہارے دل سے دنیا کی محبت نکل جائے۔ اگر تیرے دل میں ذرہ بھی دنیا کی محبت ہو تو تیرا ایک سجدہ بھی قبول نہیں۔ حضرت نے اسی دم تک مرتے دم تک فرمایا۔

[illegible]

ترجمہ: ① [illegible]

② [illegible]

③ [illegible]

[illegible] ہوجاتا ہے۔

حکایت: [illegible]

حکایت: حضرت وہب بن منبہ [illegible] حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے [illegible]

سبق : اس سے معلوم ہوا کہ ایک انسان [illegible] [illegible] ایک بار [illegible] بیٹے کی [illegible] [illegible] کسی قسم کا [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] زندگی بسر کرے سامان [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

روحانی نسخہ : حضرت [illegible] [illegible] حضرت [illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا [illegible] [illegible] عزلت نشینی ہے ۔

حکایت : حضرت [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] آپ نے فرمایا [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] فرمایا وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهُ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۔ سبحان اللہ تعالیٰ [illegible] ہے اس کے لیے اللہ تعالیٰ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] معلوم بھی نہیں ہوتا ۔

حضرت [illegible] [illegible] نے [illegible] فرمایا ہے

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ،
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ،

ترجمہ

تو دل میں [illegible] کا خیال بھی نہ لا
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

وَاللَّاتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ مِن نِّسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنكُمْ فَإِن
شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّىٰ يَتَوَفَّاهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا ○ وَ
اللَّذَانِ يَأْتِيَانِهَا مِنكُمْ فَآذُوهُمَا فَإِن تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُوا عَنْهُمَا إِنَّ اللَّهَ
كَانَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ○ إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ
يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ○ وَ
لَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ
إِنِّي تُبْتُ الْآنَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا
أَلِيمًا ○ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ
لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَن يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَعَاشِرُوهُنَّ
بِالْمَعْرُوفِ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ○
وَإِنْ أَرَدتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا
مِنْهُ شَيْئًا أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ○ وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَىٰ
بَعْضُكُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ وَأَخَذْنَ مِنكُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا ○ وَلَا تَنكِحُوا مَا نَكَحَ
آبَاؤُكُم مِّنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ
سَبِيلًا ○

ترجمہ [illegible]

[illegible]

تفسیر بالعلم

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

حکم ہے ۔ اس تقریر سے معلوم ہوا کہ [illegible] [illegible] پہلے بیان [illegible] پھر سب فقہاء کا [illegible] کیا جاتا ہے ۔ الخ میں [illegible]

مسئلہ: [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] شہادت [illegible] [illegible]۔

مسئلہ: اگر [illegible] [illegible] شہادت [illegible] [illegible]۔

مسئلہ: اگر ان میں ایک [illegible] شہادت [illegible] [illegible] [illegible] مسئلہ [illegible] [illegible] [illegible]۔

مسئلہ: [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] گیا ہے۔

قاعدہ تفسیریہ: [illegible] [illegible] حکم ثابت تھا پھر قرآن کی آیت [illegible] سے منسوخ ہو گئی یہ آیت حدیث سے منسوخ ہوئی۔

سوال: [illegible] آیت جس سے حرمت [illegible] حکم قرآنی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] آیت کی ناسخ ہو جائے۔

جواب: اگرچہ ترتیب و نظم میں یہ آیت [illegible] ہے لیکن نزول کے لحاظ سے [illegible] [illegible] قرآن کے لحاظ سے مؤخر ہے۔

قاعدہ: پھر آیت جس سے حدیث [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوخ ہو گئی۔

لہ اس کی [illegible] [illegible] [illegible] کی کتاب [illegible] [illegible] تفسیر [illegible] [illegible] میں دیکھئے ۱۲

حدیث شریف حضور [illegible] نے فرمایا کہ [illegible]
[illegible]
[illegible] ۔

قاعدہ ۱ [illegible] حدیث [illegible]
[illegible] اس آیت کے [illegible]
[illegible] ۔

قاعدہ ۲ [illegible] ۔

قاعدہ ۳ [illegible] حدیث کی ترتیب [illegible] مسلم [illegible]
[illegible] ۔

سبق [illegible]
[illegible]
[illegible] ۔

زنا کی مذمت؟ حدیث شریف [illegible]
[illegible] ۔ آپ نے فرمایا
اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانا [illegible] ۔ آپ نے فرمایا [illegible]
[illegible] ۔ آپ نے فرمایا [illegible] ۔
[illegible]
[illegible] ۔

ف دیکھئے [illegible] تمام [illegible]
[illegible] ۔

سبق [illegible]
[illegible]
[illegible] ۔ [illegible]
حضرت [illegible] ۔

[illegible] بجانب ملکوت [illegible]
[illegible] [illegible]

[illegible] ایک عجیب [illegible] ایک لمحہ میں [illegible] آسمان تک [illegible] سکتی ہے۔

■ جب [illegible] ذات سے [illegible] کے قریب [illegible] ہے۔

[illegible] [illegible]
[illegible] آب حیات [illegible]
[illegible] [illegible]

ترجمہ: ① [illegible]
② [illegible]
③ [illegible]

[illegible] [illegible]

① [illegible]
② [illegible]
③ [illegible]
④ [illegible]

[illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] ۔ یعنی عالم غیب [illegible] ۔ پھر اس سے سوال [illegible] غیب [illegible] ۔ [illegible] ۔ [illegible] ۔ [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] ۔ [illegible]

[illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] ۔ [illegible]

مسئلہ [illegible] ۔ [illegible] ۔ [illegible]

سوال [illegible]

جواب [illegible] ۔ اللہ تعالیٰ [illegible] ۔ [illegible] ۔ [illegible] ۔ [illegible]

[illegible] کسی [illegible]

سبق: جو کوئی [illegible] ہے [illegible] استغفار کرے اور [illegible]

توبہ واقعی کرے کہ [illegible] چھوڑ دے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے قریب حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کے بعد فرماتا ہے کہ آپ کی امت سے [illegible] تمام گناہوں کی معافی [illegible] معاف کر دیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا [illegible] علیہ السلام نے [illegible] اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ [illegible] فرمایا [illegible] محبوب علیہ السلام [illegible] آپ کی امت کے لیے [illegible]

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ [illegible]

کو دکھایا۔

مسئلہ: [illegible]

[illegible] کا معجزہ [illegible] ہے۔

سبق: [illegible]

ارشاد باری تعالیٰ کا ذکر فرمایا۔ [illegible]

[illegible] اللہ تعالیٰ کی [illegible]

[illegible] تو بھی اس کا کام جلد ہو جاتا ہے۔

حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

[illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]

ترکیب: [illegible]

[illegible]

مسئلہ: [illegible]

① [illegible]
② [illegible]
③ [illegible]
④ اللہ تعالیٰ سے [illegible]

ف: حضرت [illegible] رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا [illegible] استغفار [illegible]

ف: [illegible]

حدیث شریف: [illegible]

[illegible] حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

[illegible]   [illegible]
[illegible]   [illegible]
[illegible]   [illegible]

ترجمہ [illegible]

① [illegible]

② [illegible]

حکایت: حضرت [illegible]

سبق: جب کسی [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]

حضرت [illegible] قدس سرہ فرماتے ہیں

[illegible]   [illegible]
[illegible]   [illegible]

ترجمہ [illegible]

[illegible]

حضرت [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]

[illegible]   [illegible]
[illegible]   [illegible]

ترجمہ [illegible]

[illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]

ترجمہ [illegible]

[illegible]

تفسیر بالرائے [illegible]

مسئلہ [illegible]

[illegible]

سوال [illegible]

جواب [illegible]

[illegible]

حضرت جلال الدین رومی قدس سرہ نے فرمایا ہے

گر سیہ کردی تو نامۂ عمر خویش　　توبہ کن زانہا کہ کردستی تو پیش
توبہ آرند و خدا توبہ پذیر　　امر او گیرند او نعم الامیر

ترجمہ: اگر تو نے اپنا نامہ اعمال گناہوں سے سیاہ کیا ہے تو توبہ کر لے پچھلے ان کے کیے ہوئے سے۔

(۵) توبہ کرو حق تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا ہے اس کا حکم مانو وہ بہتر فرمانروا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: جب اللہ تعالیٰ کی رحمت کی ہوا کسی کو نصیب ہوتی ہے تو بندہ توبہ کرنے میں بہت [illegible] کرتا ہے اور توبہ کی قبولیت کے اسباب کی تلاش میں سرگرداں ہو جاتا ہے۔ یہی معمولی سی نیکی میں بڑا کمال حاصل کر لیتا ہے۔ کیونکہ [illegible] تھوڑی [illegible] سے اس کا تمام [illegible] جاتا ہے۔

حکایت: حضرت ابو عثمان [illegible] رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں ایک واعظ کی مجلس میں آیا تو [illegible] ایک بات میرے دل پر اثر کر گئی۔ لیکن جب میں اس کی مجلس سے اٹھا تو وہ اثر زائل ہو گیا۔ پھر دوبارہ حاضر ہوا تو اس کا اثر [illegible] یہاں تک کہ [illegible] میں نے نفس کے [illegible] تمام [illegible] ایک [illegible] کا [illegible] کیا [illegible] حضرت [illegible] سعادت [illegible] نے [illegible] کیا۔ انہوں نے [illegible] حضرت [illegible]

مرد باید کہ گیرد اندر گوش
ور نوشتست پند بر دیوار

ترجمہ: مرد کو چاہیے کہ نصیحت کو کان سے سنے اگرچہ وہ دیوار پر لکھی ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی طرف جلدی کرو۔ یعنی گناہوں سے توبہ کرنے میں جلدی کرو پھر گناہ کو ترک کر کے چھوڑ دو۔ اس لئے کہ [illegible] نفس [illegible] جلدی کرے [illegible] گناہوں سے اجتناب [illegible] باز [illegible]

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان کے بائیں [illegible] فرشتہ [illegible] جب کوئی شخص نیکی کرتا ہے تو وہ اس کے اعمال میں دس نیکیاں لکھتا ہے

نکوکاری از مردم نیک رائے
یکے را دہ ہر دہ می نویسد خدائے

ترجمہ: نیک عمل والے شخص کی ایک نیکی کو اللہ تعالیٰ دس نیکیاں لکھتا ہے۔

اور پھر دائیں جانب والے فرشتہ کا امیر ہونا منقول ہے کہ جب بندہ نیکی کرتا ہے تو دائیں طرف کا فرشتہ اس کی دس نیکیاں لکھ لیتا ہے اور جب برائی کرتا ہے تو دائیں جانب والا بائیں والے فرشتہ کو کہتا ہے ابھی ٹھہر جا۔ سات گھڑیاں ٹھہر جا۔ ممکن ہے یہ اس گناہ سے بخشش طلب کر لے لیکن اگر وہ اس گناہ کی معافی کو طلب کرتا ہے تو اس کا گناہ نہیں لکھا جاتا۔ اور اگر توبہ نہیں کرتا تو اس کا صرف ایک گناہ ہی لکھا جاتا ہے۔

مسئلہ: ہر مسلمان پر واجب ہے کہ ہر صبح و شام اپنے تمام گناہوں سے توبہ کر لیا کرے۔ اس میں تاخیر نہ کرے اس لیے کہ ممکن ہے کہ اچانک موت آ جائے۔

حکمت: حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہر گناہ کا [illegible] تین چیزوں سے دور ہو جاتا ہے۔

① ندامت سے۔
② نیت کہ دوبارہ نہ کریں۔
③ گناہ کے بعد توبہ کرے۔

ف: آدم علیہ السلام سے جب لغزش ہوئی تو [illegible] کہا۔ [illegible] کسی سے کوئی گناہ سرزد ہو تو اسے [illegible] اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے [illegible] اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہے۔ جیسا کہ [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَنْ يَعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔ اس شخص سے برائی ہو جائے یا اپنے نفس پر ظلم کر بیٹھے پھر وہ اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگے تو اللہ تعالیٰ کو غفور رحیم پائے گا۔

حکایت ابلیس: مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو [illegible] اللہ تعالیٰ سے [illegible] اللہ تعالیٰ نے [illegible] شیطان نے کہا یا اللہ تیری عزت کی قسم میں [illegible] ان کو گمراہ کرتا رہوں گا جب تک ان میں جان رہے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میری عزت و جلال کی قسم میں بھی [illegible] جب تک وہ توبہ کرتے رہیں گے میں ان کو معاف کرتا رہوں گا۔

سبق: مشکلات کی [illegible] آنے سے [illegible] تب بھی [illegible] نہیں [illegible] کے
[illegible] ہے [illegible] گناہوں سے توبہ کر لیا تو اس سے [illegible]
فرمایا [illegible] حَتّٰۤی اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ [illegible]

حضرت [illegible] شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

پیشتر [illegible]
[illegible]

ترغیب: [illegible] ہے [illegible]

سبق: مومن کو لازم ہے کہ وہ اپنے [illegible] اعمال [illegible] کر لے [illegible]
[illegible]
[illegible] ہے۔

تفسیر عالمانہ: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا۔
اے ایمان والو تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم عورتوں کے زبردستی وارث بن جاؤ۔

حل لغات: کرھا: [illegible] کا [illegible] واضح ہوا ہے۔

شان نزول: جاہلیت کے زمانہ میں دستور تھا کہ [illegible] جب کوئی شخص [illegible] فوت ہو جاتا تو وہ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
تا ہے۔

خلاصہ: [illegible] وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ۔

لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ [illegible]
[illegible] اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ۔
[illegible]

[illegible]

ف ۔ [illegible]

مسئلہ ۔ [illegible]

[illegible]۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ [illegible] اللہ تعالیٰ عزوجل [illegible]
[illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] ہے۔

نکتہ : [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] فرماتے ہیں۔

ف : [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

مسئلہ : حمام میں [illegible]
حدیث شریف : حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [illegible] ثابت ہے۔

ف : [illegible] حمام میں داخل ہونا [illegible] ہے۔

مسئلہ : حمام میں داخل [illegible]
[illegible]۔

مسئلہ : [illegible] حمام میں [illegible] داخل نہ ہو۔

فائدہ تفسیر : عورت جب [illegible]
[illegible]
[illegible]۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ہے

اگر پارسا باشد و خوش سخن
[illegible]

ترجمہ : اگر بیوی [illegible] ہے۔

[illegible]

[illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]

ترجمہ: ① [illegible]

② [illegible]

③ [illegible]

④ [illegible]

⑤ [illegible]

ف: [illegible] جائے۔

حدیث شریف: [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]: [illegible] ایک رات [illegible]

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری دنیا سے تین چیزیں مجھے محبوب ہیں۔

① عورتیں۔

② خوشبو۔

③ آنکھوں کی ٹھنڈک نماز۔

حکایت: ایک دفعہ [illegible] حبیب اللہ [illegible]

[illegible]: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]

شمائلِ نبوت کا بیان [illegible]

[illegible]

---

[1] [illegible]

وحشت کے طبعی کا اثر [illegible] [illegible] ایک مستقل مسئلہ [illegible] نکلتی ہے [illegible] جب کہ حضرت آدم علیہ السلام جنت سے نکلے [illegible] بہشت سے [illegible] حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ جنت سے [illegible] ہوئی۔

[illegible] [illegible] ایک [illegible] ہے [illegible] سے معلوم ہوتا ہے۔

ف: جب [illegible] ثابت ہوئی تو ہر شخص کو چاہئے کہ [illegible] دیکھنا چاہیے۔ اس لئے کہ [illegible] اللہ تعالیٰ کے [illegible] ایک [illegible] ہے [illegible] نہیں رکھتی۔ مگر [illegible] ان کے [illegible] ہی [illegible] گا۔

حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ نے خوب فرمایا ہے

[illegible] است   [illegible] است
[illegible]   [illegible] است

[illegible] ہے [illegible]

(۲) [illegible] کے [illegible]۔

[illegible] وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ اور اگر تم [illegible] ایک بیوی کی جگہ دوسری [illegible] ہے [illegible] چاہتے ہو۔

وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا [illegible] فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا [illegible] اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا [illegible]

شانِ نزول [illegible]

[illegible]

[illegible]

وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ [illegible]
اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ [illegible]
[illegible] وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا [illegible]

① [illegible]
② [illegible]
③ [illegible]

[illegible]

تفسیر [illegible] [illegible]

حدیث شریف [illegible]

حدیث شریف نمبر [illegible] ہے۔

حدیث شریف نمبر حضور علیہ السلام نے [illegible] جو کوئی شخص [illegible] بھائی کے لیے [illegible] بہت [illegible] ہے

[illegible]
[illegible]

ترجمہ [illegible] ہے۔

(۲) [illegible]

مسئلہ [illegible]

مسئلہ [illegible]

قاعدہ [illegible]

حدیث شریف نمبر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا [illegible]

حدیث شریف نمبر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت [illegible] فرمایا [illegible]

حدیث شریف نمبر [illegible]

حدیث شریف نمبر [illegible]

مسئلہ [illegible]

حدیث شریف : جس شخص سے علمی بات معلوم کی گئی اور باوجود علم کے نہیں بتائی تو جب قیامت
کے دن آگ کی لگام منہ میں ڈالی جائے گی۔

مسئلہ : ایک حدیث ہے کہ اگر کوئی شخص کسی سے قرض لے لیکن ادائیگی کا ارادہ ہو کہ قرض نہیں ادا کرے گا۔ تو قیامت
میں یہ شخص چوروں کے ساتھ اٹھے گا۔

مسئلہ : جبر یا دھمکی پر مجبور کرے۔ یا مار کر کلمۂ کفر کہلوائے تو کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ : اگر عورت (یعنی بیوی) اپنے شوہر کو غسل میت دے تو جائز ہے۔

مسئلہ : شادی کے بعد ضروری اور لازم ہے کہ اپنی عورت کو سب سے پہلے طہارت اور حیض و نفاس وغیرہ کے
مسائل بتلادے کیونکہ ان کی خصوصاً ضرورت پیش آتی ہے۔

مسئلہ : اپنی عورت کو اہل سنت کے عقائد سے آگاہ کرے اور اہل بدعت کی تحریک کے خلاف
بھی سمجھا دے۔

مسئلہ : اگر مرد خود نہیں جانتا تو کسی معتبر عالم دین حق اسلام سے پوچھ کر بتلائے۔

مسئلہ : اگر حاجت ضرورت پڑے کسی عالم دین سے مسائل کا پوچھنا میسر ہو تو اس کے لیے سفر کرکے
باہر جائے۔

مسئلہ : جب عورت کو فرائض اپنے شوہر سے معلوم ہو سکتے ہوں تو اس سے باہر کہیں فتویٰ لینے جانے کی ضرورت
نہیں۔ ہاں دینی اور مذہبی تعلیم یا کسی وعظ کی مجلس میں شوہر کی اجازت کے بغیر جائے۔

مسئلہ : اگر خود عورت کو دینی کوئی مسئلہ بتلانا چاہے اور اس سے کہیں سے کچھ کتاب دینی بتلائے تو
دوسری عورت کا بھلا ہو سکتا ہے۔

حدیث شریف : سب سے زیادہ سخت عذاب اس شخص کو ہوگا جو اپنے دین کو دنیا کے بدلے بیچ دے جس نے اپنی دنیا کے لیے
بھی کیا آخرت میں حال ہوتا ہے۔

حدیث شریف : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سب کے سب نگہبان ہو اور تم سب سے
اپنی اپنی رعیت کے متعلق سوال ہوگا۔

تقریر عالمانہ

وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۔
اور شیطان کی پیروی نہ کرو بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

سوال : اعمال و تعزیہ داری کے متعلق کیا ارشاد ہے۔ جبکہ یہ ہر قسم کی محرمات ہندی اصولوں پر ہیں۔ بالخصوص
مجالس میں ماتم کیا جاتا ہے اور کربلا کی یادگار بدعت کا مرتکب ہے۔ جسے کچھ لوگوں نے عبادت بنا لیا ہے۔

مستثنیٰ [illegible] بھی [illegible] فوائد میں ہے۔

شانِ نزول زمانہ جاہلیت کی عادت تھی کہ وہ اپنے باپ کی منکوحات سے بھی نکاح کر لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قبیح عادت سے منع فرمایا کہ اپنے باپ کی منکوحات سے نکاح مت کرو [illegible] إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ :

[illegible]

[illegible] فَاحِشَةً وَمَقْتًا [illegible]

[illegible] سَاءَ سَبِيلًا [illegible]

[illegible]

ف [illegible]

① [illegible] فَاحِشَةً [illegible] بیان کیا گیا ہے

② [illegible] مَقْتًا [illegible] بیان کیا گیا ہے۔

③ [illegible] وَسَاءَ سَبِيلًا [illegible]

[illegible]

تفسیر [illegible] [illegible]

[illegible] إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ [illegible]

[illegible] فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا [illegible]

[illegible]

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

[illegible]

[illegible]

ترجمہ: [illegible]

حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

[illegible]

[illegible]

ترجمہ: ① [illegible]

② [illegible]

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ [illegible]

حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ترجمہ: ① [illegible]

② [illegible]

③ [illegible]

④ [illegible]

بقیہ صفحہ گذشتہ

[illegible]

[illegible]

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ
وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ
نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُم مِّن نِّسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُم بِهِنَّ فَإِن
لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ
أَصْلَابِكُمْ وَأَن تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا

ترجمہ: حرام ہوئیں تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری مائیں جنہوں نے دودھ پلایا اور دودھ کی بہنیں اور تمہاری عورتوں کی مائیں اور ان کی بیٹیاں جو تمہاری گود میں ہیں ان بیبیوں سے جن سے تم صحبت کر چکے ہو پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو ان کی بیٹیوں میں حرج نہیں اور تمہاری نسل کے بیٹوں کی بیبیاں اور دو بہنیں اکٹھی کرنا مگر جو ہو گزرا بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

[illegible]

روحانی نسخہ حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ جو شخص اپنے نفس پر مجاہدہ کرے [illegible] حق تعالیٰ اسے ہدایت سے نوازے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا الَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا جو ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں۔ ہم ضرور انہیں اپنے راستے دکھائیں گے۔

روحانی نسخہ صحبت [illegible] میں بیٹھا کرنا۔ صحبت طریقت سے [illegible] ہوتا ہے۔

حکایت و روحانی نسخے حضرت [illegible] رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]

ترجمہ ① [illegible]
[illegible]

② [illegible]

تحقیقات متعلقہ [illegible]

تقریر مطالب [illegible]

مسئلہ : [illegible]

مسئلہ : [illegible]

سوال : [illegible]
[illegible] نہیں ملتا۔

جواب : [illegible]
[illegible]

مسئلہ : [illegible]
[illegible] ضروری تھا۔

تحقیق : [illegible]

[illegible]

[illegible] ۔

مسئلہ: [illegible] ہے۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ [illegible]

[illegible]

حدیث شریف: [illegible] ہے۔

مسئلہ: [illegible] ہے۔

مسئلہ: [illegible] سے بھی نکاح حرام ہے۔ اسی طرح [illegible] کی ماں اگرچہ [illegible] حرام ہے [illegible] حرمت [illegible] حرام ہے کہ [illegible] ہیں۔ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ [illegible] جمہور کا مذہب ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ [illegible] نکاح کر سکتا ہے۔

مسئلہ: [illegible] شامل ہوں گی۔

مسئلہ: [illegible] رَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ [illegible] گود میں [illegible] حرام ہیں۔

[illegible] [illegible] لَعَنَ اللّٰهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهٗ [illegible]

مسئلہ: [illegible] جمہور علماء کا یہی مذہب ہے [illegible]

[illegible] چنانچہ ارشاد فرمایا [illegible]

مسئلہ [illegible]

[illegible]

مسئلہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

مسئلہ [illegible]

[illegible]

مسئلہ [illegible]

جب کہ زینب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے طلاق لے چکی تھیں۔ اور زید بن حارثہ لے پالک کی حضور علیہ السلام نے تربیت فرمائی۔ اور منہ بولا بیٹا بنایا۔ تو جب آپ کا نکاح زینب سے ہوا [illegible] آپ نے منہ بولے بیٹے کی عورت سے نکاح کیا [illegible] ان کے نزدیک حرام تھا۔ اس لیے کہ [illegible] کی طرح [illegible] کر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ حضور [illegible] تمہارے کسی ایک کے باپ نہیں۔ اور [illegible] فرمایا وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ اور تمہارے منہ بولے بیٹے تمہارے حقیقی بیٹے نہیں بنائے وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ۔ [illegible] تم پر [illegible] دو بہنوں کا نکاح میں جمع کرنا۔

مسئلہ ملک یمین میں دو بہنوں کا جمع کرنا جائز نہیں۔

مسئلہ ایک بہن کے ساتھ ساتھ [illegible] نکاح کرنا چاہے [illegible] اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ [illegible] اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔ [illegible] اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ فقط

بحمدہ تعالیٰ پارہ تفسیر چہارم ختم ہوا۔

پارہ نمبر ۵

وَالْمُحْصَنٰتُ

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ
ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ
فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ○ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ
الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ
مِّنْ بَعْضٍ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ
مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا
عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ
لَّكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

ترجمہ ، اور حرام ہیں شوہر دار عورتیں لیکن لونڈیاں کہ جو تمہاری ملک میں آجائیں یہ اللہ کا نوشتہ ہے تم پر اور ان کے سوا جو ہیں تم پر حلال ہوئیں کہ اپنے مالوں کے عوض تو تلاش کرو قید میں لانے کو نہ پانی گرانے تو جن عورتوں کو نکاح میں لانا چاہو ان کے بدلے مہر انہیں دو اور قرار ہوا کے بعد اگر تم آپس میں رضامندی ہو جاوے تو اس میں گناہ نہیں بے شک اللہ علم و حکمت والا ہے اور تم میں

بے مقدوری کے باعث جن کے نکاح میں آزاد عورتیں ایمان والیاں نہ ہوں تو ان سے نکاح کرے جو تمہارے ہاتھ کی ملک ہیں ایمان والی کنیزیں اور اللہ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے تم میں ایک دوسرے سے ہے تو ان سے نکاح کرو ان کے مالکوں کی اجازت سے اور حسب دستور ان کے مہر انہیں دو قید میں آتیاں نہ مستی نکالتی اور نہ یار بناتی جب وہ قید میں آجائیں پھر برا کام کریں تو ان پر اس سزا کی آدھی ہے جو آزاد عورتوں پر ہے یہ اس کے لیے جسے تم میں سے زنا کا اندیشہ ہے اور صبر کرنا تمہارے لیے بہتر ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تفسیر عالمانہ کہ المحصنت وہ عورتیں ہیں جو شوہر والیاں ہیں لہذا شوہر والی سب کو تمام عالم سے اس لیے محفوظ کیا گیا کہ انہیں نکاح یا شوہر ہر ایک سے محفوظ کر لیتے ہیں - لیکن انھیں ان میں داخل ہو سکتے بولے جاتے ہیں،

فائدہ تفسیریہ: قرآن پاک میں لفظ احصان چار معنی میں مستعمل ہوا ہے،

۱۔ نکاح: جیسے اس آیت میں،

۲۔ عفت: جیسے محصنین غیر مسافحین میں،

۳۔ حریت: جیسے ومن لم یستطع منکم طولا ان ینکح المحصنت میں۔

۴۔ اسلام: جیسے فاذا احصن میں۔

بعض نے اس تفسیر میں استثناء منقطع مانا ہے۔

ترکیب: والمحصنت کا عطف امھتکم پر ہے یعنی تم پر شوہر والیاں بھی حرام ہیں۔

مِنَ النِّسَآءِ والمحصنت کا بیان ہے۔

سوال: محصنت کے معنی میں جب شوہر والی ہی مطلب ہے تو پھر اس کے استثناء کی کیا ضرورت ہے؟

جواب: اس استثناء کے عموم کا یہ مطلب ہے کہ وہ حکم آخر کے لیے ہے کہ المحصنت، والمحصنت کی بحث ہے، یہ وہم بالکل غلط ہے۔

اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ: وہ عورتیں جو تمہارے قبضہ میں آ گئی ہیں۔ اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جو دار الحرب سے قید ہو کر تمہارے قبضہ میں آئیں اور ان کے شوہر دار الحرب ہی میں رہ گئے ہوں ایسی عورتیں جنگ کی حالت سے کفار دونوں کے لیے حلال ہیں اگرچہ شوہر والیاں ہوں۔

نکتہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اوطاس کے دن شوہر والی عورتوں سے نکاح اس لیے حرام

(زنا) سے [illegible] کی تربیت میں حفاظت اور نسب کی صحت اور مردوں کی [illegible] کا تعلق ہے اور [illegible] میں [illegible] کی وجہ سے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے [illegible] حکمتیں ہیں۔ نیز [illegible] کا مطلب یہ ہے کہ [illegible] اور قرابت پایا جاتا نہیں [illegible] سے [illegible] نہیں پایا جاتا۔ اس وجہ سے شریعت مطہرہ نے ایسی عورتوں کے [illegible] کیا ہے۔

كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ [illegible]۔ یعنی [illegible] مسلمانوں کو [illegible] کیا ہے [illegible] مُحْصَنٰتُ [illegible] وَأُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ ان کے ما سوا [illegible] ایک کے ساتھ نکاح کرو یا دو، تین یا چار سے۔

مسئلہ [illegible] ایک وقت نکاح کرنا۔ [illegible] کی حرمت احادیث سے ثابت ہے۔

أَنْ تَبْتَغُوْا [illegible] مضمون [illegible] کی وجہ سے۔

اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے [illegible] سے نکاح حرام [illegible] کے ما سوا سے نکاح حلال فرمایا ہے [illegible] طلب کرو۔

بِأَمْوَالِكُمْ [illegible] مُّحْصِنِيْنَ [illegible] الاحصان [illegible] غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ [illegible]

[illegible]۔

[illegible]

ف : در حقیقت [illegible] سے مقرر [illegible] اصل [illegible] جو اس [illegible] ہے۔

فوائد التفسیر : نکاح کے [illegible] ذکر [illegible] دنیا [illegible] ہو جائیں [illegible] اس سے [illegible] [illegible] سے [illegible] ہے۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ [illegible] مال ہونا چاہیے [illegible] مہر میں نہیں دیا جاتا۔

مسئلہ : اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ [illegible] مال [illegible] قابل [illegible] نہیں [illegible] وغیرہ کو مہر [illegible] نہیں کیا جاتا۔

مسئلہ : جمہور امت کے نزدیک کم از کم دس درہم مہر ضروری ہیں۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کم از کم دس درہم مہر ہونا چاہیے۔

فائدہ [illegible] [illegible] سے [illegible]

ف : در مختار باب المہر میں ہے : اقلہ عشرۃ دراہم [illegible] مہر کی مقدار کم از کم دس درہم [illegible] چاندی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] (احادیث [illegible])

مگر اس آیت سے [illegible] [illegible] ایک کتاب [illegible] السوت [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] روایت ملاحظہ ہو۔

من تمتع مرة [illegible] درجة الحسين ومن تمتع مرتين [illegible] درجة الحسن ومن تمتع ثلاث مرات [illegible] درجة علي ومن تمتع اربع مرات [illegible] درجتي

(برهان المتقين ص ۵۱)

(ترجمہ) جس نے ایک [illegible] امام حسین [illegible] جس نے دو بار کیا اسے امام حسن رضی اللہ عنہ [illegible] جس نے تین بار کیا اسے علی کرم اللہ وجہہ [illegible] جس نے چار بار کیا اسے میرا [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible])

نعوذ باللہ من ذالک۔ [illegible]

[illegible]

مسئلہ: [illegible] ہے۔

[illegible] اللہ کان علیما حکیما [illegible] اللہ تعالیٰ اپنے [illegible] ہیں۔

قواعد فقہیہ (۱) [illegible]

(۲) [illegible] جاتا ہے۔

(۳) [illegible] ہے۔

مسئلہ: [illegible] نہیں۔

مسئلہ: [illegible] ہیں۔

مسئلہ: [illegible] نہیں۔

مسئلہ: [illegible] ہے۔

مسئلہ: [illegible] ہے۔

(۴) [illegible]

اس سے نکاح جائز ہے۔

اسی طرح وہ عورت جس کو تین طلاقیں دی گئی ہوں جب تک کہ اس کا شوہر ثانی طلاق [illegible] تو بھی اس سے نکاح ناجائز ہے۔

اسی طرح وہ عورت [illegible] طلاق [illegible] جیسے تمام [illegible] حلال ہو گئیں۔

مسئلہ (۱) [illegible] ساتھ [illegible] ہے اور [illegible] سکتا ہے۔

مسئلہ (۲) [illegible]

مسئلہ (۳) [illegible] رشتہ دار [illegible]

مسئلہ (۴) [illegible]

مسئلہ (۵) [illegible] رشتہ دار [illegible] اصول [illegible] تقسیم نہیں۔

مسئلہ (۶) ایک رشتہ دار [illegible] ہے۔ [illegible] رشتہ دار [illegible] واجب ہو۔

مسئلہ (۷) قریبی رشتہ دار میت کو غسل دے۔

مسئلہ (۸) [illegible] رشتہ دار [illegible] تفصیل [illegible] ہے۔

مسئلہ (۹) قریبی رشتہ دار [illegible] ہے۔

قاعدہ چند ایک مسائل ایسے ہیں جو عورت اصول [illegible]

(۱) اصول [illegible] ہے [illegible]

(۲) ایک [illegible] نہیں [illegible] ہے۔

(۳) ایک [illegible] نہیں [illegible]

(۴) ایک [illegible] ہے۔

(۵) ایک [illegible]

(۲) [illegible] نہیں ہو سکتی۔

قاعدہ چند ایسے مسائل لکھے جاتے ہیں جو [illegible] اصل سے متعلق ہیں۔

(۱) اپنے اصل کو قتل کرنا حرام ہے اگرچہ حربی ہو۔ البتہ اپنے نفس سے [illegible] [illegible] کی [illegible] سے [illegible] قتل کرے۔

مسئلہ [illegible] کو قتل کرنا جائز ہے [illegible] قتل کرنا جائز ہے۔

(۲) [illegible] کے قصاص میں اصل کو قتل [illegible] اصل کے قصاص میں [illegible] قتل کیا جاتا ہے۔

(۳) [illegible] اصل [illegible] اصل [illegible]

(۴) [illegible] اصل [illegible] نہیں۔

(۵) اصل [illegible] [illegible] اصل کے لیے [illegible] ہوگا۔

مسئلہ [illegible]

(۶) [illegible] اصل [illegible] اصل [illegible] اصل [illegible] [illegible]

(۷) [illegible] اصل کی اجازت کے بغیر [illegible] جائز [illegible] اصل [illegible] جہاد کے لیے [illegible] اجازت کی ضرورت نہیں۔

(۸) [illegible] کو اصل کی اجازت کے بغیر سفر [illegible] جائز ہے [illegible] اس وقت [illegible] سفر [illegible]

مسئلہ [illegible] اس وقت [illegible] اجازت لینا ضروری ہے۔

(۹) [illegible] [illegible] ضرورت [illegible] تکلیف [illegible]

مسئلہ [illegible] [illegible] شامل ہیں۔

(۱۰) [illegible] اجازت کے بغیر [illegible] جائز ہے [illegible] خدمت [illegible] ضرورت [illegible] اس کی [illegible] تکلیف ہوگی۔

(۱) اصول کی اپنی فروع پر [illegible] ہے۔ ظاہر ہے [illegible] نہیں [illegible]
[illegible] ہیں۔

(۲) [illegible] باپ [illegible] کا [illegible] ہے۔

قسم ثانیہ یہ چند مسائل صرف باپ دادا حقیقی کے ساتھ مخصوص ہیں۔

(۱) مالِ صغیر کی ولایت صرف باپ دادا کو حاصل ہے۔ صغیر کے مال کی ولایت ماں کو [illegible] تصرف کرنے کی اجازت نہیں، البتہ حفاظت ضروری ہے۔

(۲) [illegible] صرف باپ دادا [illegible] سکتے ہیں۔

(۳) [illegible] صرف باپ دادا [illegible] سکتے ہیں۔ [illegible]
[illegible] اس میں [illegible] کیجیے۔

(۴) باپ دادا [illegible] نہیں۔

مسئلہ: قبل بلوغ [illegible] کی ولایت باپ دادا کے ساتھ مخصوص نہیں۔ [illegible]
[illegible] (اس کا [illegible] قریب ہوگا)

مسئلہ: جنازہ کی نماز کی امامت [illegible] کے مطابق تمام [illegible] اجازت کا حق
رکھتے ہیں۔ اس میں اقرب [illegible] جاری ہوگا۔

مسئلہ: [illegible] نہیں [illegible]
اس کے [illegible] اجازت [illegible] حاصل
نہیں [illegible] ہے۔

مسئلہ: [illegible] اجازت [illegible]
[illegible] اجازت [illegible]

مسئلہ: [illegible] یہ مسائل ہیں۔ ان کی
تفصیل کتب فقہ میں ہے۔

قسم ثالثہ نسب سے متعلق [illegible] ہو سکتے ہیں۔

(۱) [illegible]

(۲) [illegible]

(۳) [illegible] نہیں [illegible]

مسئلہ: اسی طرح کسی ایک وارث کے لیے [illegible] کے [illegible] جب [illegible] اس کی [illegible]۔

اس [illegible] کی تقسیم [illegible] کے حقوق [illegible]:

(۱) [illegible]

(۲) میت کے قرض کی ادائیگی

(۳) میت کی [illegible] اجازت

(۴) [illegible] مال

(۵) [illegible]

(۶) [illegible]۔

یہ تمام مسائل [illegible] یہاں [illegible] نہیں [illegible]۔

وَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنكُمْ طَوْلًا أَن يَنكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ [illegible] نہیں رکھتا۔

حل لغات من لم یستطع [illegible] نہیں [illegible] الطول [illegible] المحصنات [illegible]۔

[illegible] فَمِن مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُم [illegible] مِّن فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ تمہاری [illegible]۔

ف [illegible] الْمُحْصَنَاتِ [illegible] (بالمعروف) [illegible] فَمِن مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُم [illegible] لونڈی [illegible] آزاد بیبیاں [illegible] ہوں [illegible] ان کی ملکیت [illegible] لونڈیوں کو [illegible] ساتھ [illegible] جیسا برتاؤ کیا جاتا ہے۔

وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِكُمْ اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے۔ یعنی لونڈیوں کے ساتھ نکاح کرنے سے [illegible] نکاح کرنے سے [illegible] اللہ تعالیٰ جانتا ہے یعنی [illegible] لونڈیوں کے متعلق [illegible] کی تحصیل [illegible] جاتا ہے۔ [illegible] اسلامی [illegible] میں [illegible] آزاد [illegible] کے [illegible] ہوتے ہیں۔ [illegible] میں [illegible] بہتر ہوتے ہیں۔

سبق: آسان کرنا چاہیے [illegible] کے معاملات میں حسب و نسب کا خیال نہیں [illegible] بلکہ اسلام و ایمان والی عورتوں کو ترجیح دے۔

بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ بعض تمہارے بعض سے ہیں کیونکہ نسب میں سب برابر ہیں اس لیے کہ تم سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور تمہارا دین ایک ہی اسلام ہے۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

الناس من جهة التمثال أكفاء

أبوهم آدم والأم حواء

ترجمہ: لوگ [illegible] کے [illegible] سب برابر ہیں اس لیے کہ ان کا باپ آدم اور ماں [illegible] علیہما السلام ہیں۔

تمہارے اور [illegible] دونوں [illegible] کا [illegible] ایمان [illegible] دین اسلام [illegible] ہے۔ [illegible] آزاد [illegible] کو [illegible] فضیلت ہے [illegible] اسلام [illegible] کے لحاظ سے [illegible]

فَانكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ پس ان سے نکاح کرو [illegible] کے [illegible] سے [illegible] جب [illegible] سے نکاح [illegible] ان سے نکاح [illegible] کے [illegible] سے نکاح [illegible] کی [illegible]

مسئلہ: [illegible] کے [illegible] میں [illegible] بغیر [illegible] نکاح [illegible] ہے۔

وَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ اور ان کو [illegible] [illegible]

، یعنی [illegible] **مُحْصَنٰتٍ** [illegible] عقل [illegible] آئی ہیں [illegible] **غَیْرَ مُسٰفِحٰتٍ** [illegible] کرنے والی نہ ہوں۔

حل لغات السفاح زنا کو کہتے ہیں، اس کا اصل استعمال [illegible] ہے۔ [illegible] کو "مسافح" کہتے ہیں۔

وَلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ

حل لغات اخدان، خدن کی جمع ہے [illegible] دوست [illegible] کے لیے [illegible]۔

یعنی [illegible] دوست بناتے۔ [illegible] دوست [illegible] یعنی [illegible] دوست بنا [illegible] پوشیدہ [illegible]۔

ف ، جاہلیت کے زمانے میں زنا دو طرح کا مشہور تھا۔

(۱) بطریق سفاح، یعنی جو شخص کسی عورت سے زنا کو چاہتا تو آ [illegible] کر زنا کرتا۔

(۲) بطریق خفیہ دوستی، یعنی کسی کو اپنی دوست بنا کر زنا کرنا۔

پہلے طریق [illegible] دوسرے طریقہ [illegible] پوشیدہ [illegible] اسلام نے [illegible] اللہ تعالیٰ نے [illegible] دونوں [illegible] حرام [illegible] ہیں۔

فَاِذَآ اُحْصِنَّ [illegible] **فَاِنْ اَتَیْنَ بِفَاحِشَةٍ** [illegible] **فَعَلَیْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ** [illegible] سزا [illegible] **مِنَ الْعَذَابِ** [illegible] سزا [illegible] پچاس [illegible] ہے۔

مسئلہ ، لونڈی کا [illegible] سزا [illegible] پچاس [illegible]۔

مسئلہ ، [illegible] نہیں کیا جا سکتا۔

سوال ، [illegible] کیا ہے؟

جواب ، [illegible] ہے۔

مسئلہ : المحصنات [illegible] اصل کے مطابق [illegible] اور وہ مسلمان [illegible] کے نزدیک مسلمان ہونا شرط نہیں۔

ذٰلِكَ [illegible] لونڈیوں کا نکاح ہے لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ اس کے لیے جسے تم میں سے زنا کا خوف ہے۔

حل لغات العنت [illegible] تکلیف کے لیے استعمال ہوتا ہے [illegible] سے موافقت ہے۔ [illegible]

وَاَنْ تَصْبِرُوْا [illegible]

[illegible] اس سے بچنا بہت [illegible] ہے۔

لونڈی سے نکاح کی خرابیاں لونڈیوں سے جو بچے پیدا ہوں گے انہیں [illegible] جائے گی۔ علاوہ ازیں [illegible] ہوتے ہیں۔ [illegible] لونڈی [illegible] اس [illegible] اور [illegible] کی حیثیت [illegible] اس کے شوہر [illegible] سے [illegible] رہے گا۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

" آزاد عورتیں گھر کو آباد کرتی ہیں اور لونڈیاں گھر کو اجاڑتی اور برباد کرتی ہیں۔

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ اور اللہ تعالیٰ [illegible] ہے۔

رَّحِيْمٌ رحیم [illegible] ہے۔

جو آزاد عورت سے نکاح کی طاقت رکھتا ہو، وہ لونڈی سے نکاح کر سکتا ہے۔

مسئلہ ۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک اس وقت لونڈی سے نکاح جائز ہے جب آزاد عورت سے نکاح کی استطاعت نہ رکھتا ہو۔ امام مالک کے نزدیک جائز ہے جب کہ اسے [illegible] کا خطرہ ہو اور آزاد عورت بھی میسر نہ ہو۔

خلاصہ ۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کے ظاہر پر عمل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ لونڈی سے نکاح کی تین شرطیں ہیں، [illegible] کے لیے ایک لونڈی سے نکاح ہو سکے ہے : (۱) آزاد عورت سے نکاح کی استطاعت نہ ہو۔

(۲) زنا کا سخت خوف ہو۔

(۳) لونڈی کے لیے مومنہ ہونا ضروری ہوتا ہے۔

ف ۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک باوجود طول کے لونڈی سے نکاح جائز ہے۔ حضرت امام اعظم نے اس آیت سے مفہوم مخالف [illegible] کا اعتبار نہیں کیا ہے مگر یہ کہ نکاح میں آزاد عورت ہو۔ یعنی لونڈی سے نکاح اس وقت نہیں کر سکتا ہے جب کہ اس کے نکاح میں پہلے آزاد عورت ہو۔ آیت میں لفظ طول کا وطی پر محمول کیا ہے اور من فتیاتکم المؤمنات میں مومن عورتوں سے نکاح کو افضلیت پر محمول کیا ہے یعنی استحباباً [illegible] کتابیہ لونڈیوں کے بجائے مومنہ لونڈیوں سے نکاح کرنا بہتر اور افضل ہے۔ یعنی کتابیہ لونڈیوں سے نکاح کا جواز فرمایا ہے۔ امام کا استدلال یہ ہے کہ یہ صفت [illegible] آزاد عورتوں میں مستعمل ہوئی ہے۔ لہٰذا جب آزاد کتابیہ سے نکاح جائز ہے تو کتابیہ لونڈیوں سے بطریق اولیٰ جائز ہوتا ہے۔

ف ۔ التفسیر المظہری میں ہے کہ [illegible] المؤمنات میں مومنات لونڈیوں سے نکاح کی اباحت کی طرف اشارہ ہے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کتابیہ لونڈیوں سے نکاح حرام ہے۔

مسئلہ ۔ اس سے ثابت ہوا کہ لونڈی سے نکاح [illegible] ہو سکتا ہے جب لونڈی مومنہ یا کتابیہ ہو۔ یعنی یہودیہ یا نصرانیہ۔

نکاح کے قواعد

نکاح انبیاء علیہم السلام کی سنت اور مسلمانوں کا ایک اہم فریضہ ہے جیسا کہ [illegible] مختلف احوال اور مختلف لوگوں کے لیے حکم ہے۔

(۱) واجب اس کے لیے جو کہ شہوت سے مغلوب ہو۔

(۲) مستحب اس کے لیے ہے کہ جس کی طبیعت میں اعتدال ہو۔

(۳) مکروہ اس کے لیے جو حقوق پر قدرت نہیں رکھتا اور [illegible] عورت کو تکلیف دے سکتا ہے۔

مسئلہ ۔ کتابیہ [illegible] اس کو [illegible] ہے کہ [illegible] عورت سے نکاح کرنے کا

[illegible]

ف : حضرت [illegible] رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

[illegible]

حضرت شیخ سعدی قدس اللہ سرہ نے فرمایا : ؎

[illegible] پارسا
[illegible] پادشاہ
[illegible]
[illegible]

ترجمہ : [illegible]

[illegible]

مسئلہ [illegible]

[illegible]

[illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] نہیں [illegible]
[illegible] صبر [illegible]
گویا ایمان کے دو حصے ہو جاتے ہیں

۱۔ صبر کا حصہ

۲۔ شکر کا حصہ

[illegible] صبر [illegible] شکر [illegible] اللہ تعالیٰ ہمیں صبر و شکر کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین!

نعمت حق را بشکر و صبر گذار
نعمتش را [illegible] نیست شمار
شکر باشد کلید گنج مزید
گر خواہی مزید دست کلید

ترجمہ: حق تعالیٰ کی نعمتوں [illegible] شکر [illegible] نہیں ہو سکتا [illegible] خزانہ کی کنجی ہے۔ [illegible]

صبر کو اسی لیے [illegible] خوب فرمایا ہے ؎

[illegible]
صبر کن [illegible]
صبر [illegible]
[illegible]

ترجمہ: [illegible] صبر [illegible]
[illegible]

نوید مغفرت: اللہ تعالیٰ [illegible] غفور رحیم۔ [illegible]
[illegible]

(باقی صفحہ ۱۹ پر)

يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَاللَّهُ
عَلِيمٌ حَكِيمٌ ○ وَاللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ
أَنْ تَمِيلُوا مَيْلًا عَظِيمًا ○ يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا ○
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً
عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ○ وَمَنْ يَفْعَلْ
ذَٰلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ○ إِنْ
تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلًا كَرِيمًا ○
وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ
نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبْنَ وَاسْأَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ○
وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ
فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ
شَهِيدًا ○

ترجمہ: اللہ چاہتا ہے کہ اپنے احکام تمہارے لیے بیان کر دے اور تمہیں اگلوں کی روشیں بتا دے اور تم پر اپنی رحمت سے رجوع فرمائے اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔ اور اللہ تم پر اپنی رحمت سے رجوع فرمانا چاہتا ہے اور جو اپنے مزوں کے پیچھے پڑے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم سیدھی راہ سے بہت الگ ہو جاؤ۔ اللہ چاہتا ہے کہ تم پر تخفیف کرے اور آدمی کمزور بنایا گیا۔ اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ مگر یہ کہ کوئی سودا تمہاری باہمی رضامندی کا ہو اور اپنی جانیں قتل نہ کرو بے شک اللہ تم پر مہربان ہے۔ اور جو ظلم و زیادتی سے ایسا کرے گا تو عنقریب ہم اسے آگ میں داخل کریں گے اور یہ اللہ کو آسان ہے۔ اگر بچتے رہو کبیرہ گناہوں سے جن کی تمہیں ممانعت ہے تو تمہارے اور گناہ ہم بخش دیں گے اور تمہیں عزت کی جگہ داخل کریں گے۔ اور اس کی آرزو نہ کرو جس سے اللہ نے تم میں ایک کو دوسرے پر بڑائی دی، مردوں کے لیے ان کی کمائی سے حصہ ہے اور عورتوں کے لیے ان کی کمائی سے حصہ، اور اللہ سے اس کا فضل مانگو، بے شک اللہ سب کچھ جانتا ہے۔ اور ہم نے سب کے لیے مال کے مستحق بنا دیے ہیں جو کچھ چھوڑ جائیں ماں باپ اور قرابت والے اور وہ جن سے تمہارا حلف بندھ چکا انہیں ان کا حصہ دو، بے شک ہر چیز اللہ کے سامنے ہے۔

تفسیر عالمانہ يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ ۔ [illegible]

[illegible] سُنَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ [illegible]

[illegible] وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ [illegible]

[illegible] وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ [illegible]

[illegible] وَاللَّهُ يُرِيدُ أَن يَتُوبَ عَلَيْكُمْ [illegible] ۔

سوال: [illegible]

جواب: [illegible]

[illegible]

کریم العفو [illegible] یا کریم العفو ۔ [illegible] علیہ السلام [illegible]

[illegible] کریم العفو [illegible]

[illegible] ۔

[illegible]

[illegible]

[illegible] ۔

وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اور لوگ جو شہوات کے [illegible]

[illegible]

مسئلہ : [illegible]

[illegible]

ف : بعض مفسرین فرماتے ہیں اس سے [illegible] بھانجیوں سے نکاح جائز سمجھتے ہیں۔

شانِ نزول جب اللہ تعالیٰ نے [illegible]

[illegible]

اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ۝ [illegible] يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ [illegible] وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ۝ [illegible]

ف : [illegible] شہوت سے [illegible]

حکایت ۱ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں [illegible]

[illegible]

حکایت ۲ حضرت [illegible] رضی اللہ عنہ [illegible]

[illegible]

چودہواں پارہ [illegible] الحجر و تفسیر [illegible]

الاسریٰ [illegible] فہرست

تفسیر صوفیانہ

تمہید: [illegible] یہ حال ہے [illegible] تفسیر [illegible] ہے
آیت میں [illegible] ہے [illegible] سے [illegible]
(۱) دنیا [illegible] انبیاء [illegible]۔
(۲) [illegible] کے [illegible] کو [illegible]۔
(۳) [illegible] سے پہنچایا۔
(۴) [illegible] سے [illegible]۔

ف: یہ پارہ [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] اس خصوصیت (تخصیص) سے [illegible]
سے [illegible]۔

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام [illegible]
[illegible] نصیب [illegible] فرمایا:
انی ذاھب الی ربی سیھدین۔

(۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق [illegible]
ولما جاء لمیقاتنا۔

(۳) [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم کے [illegible] کے لئے فرمایا:
سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہ۔

[illegible] آپ کی امت کے لئے [illegible]۔
سنریھم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق [illegible]
ہم [illegible] آیات [illegible] حق [illegible]
(۴) [illegible] نصیب ہوئی۔
(۵) [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]
[illegible] صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مقام قاب قوسین او ادنیٰ سے وصال [illegible]
"ما کذب الفؤاد ما رأیٰ" [illegible] علیہ السلام [illegible]
[illegible]

علیہ السلام کو ساتویں آسمان پر دیکھا۔ اور معراج کا یہ کمال قرب سبحان اللہ کا آخری مقام تھا۔ سو آپ کی امت کے لیے فرمایا۔

حدیث قدسی
من تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعا۔
(جو ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہو جاتا ہوں)

یہی اسرار تجلی وصال و وصال ہے جس کو اہل دیکھ سکتے ہیں بہت بلند ہو کر جس سے فنا یکتائی میں اعلیٰ اقوام وہاں پر مستقل تصرف ہوتا ہے کیا عجیب مقام ہے اس کا استغراق [illegible] کامل نصیب ہوتا ہے اور اللہ کے رسول بن جاتا ہے جن کو نبی کی متابعت اور اس کی پیروی سے حق تعالیٰ نے فرمایا۔

قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی۔

(کہہ دیجئے یہ میرا راستہ ہے میں بلاتا ہوں اللہ کے راستے کی طرف بصیرت سے میں اور میرے تابعدار)

استقامت اس استقلال کے مطابق کمال حاصل ہوتا ہے۔

نصیحت سالک کو چاہیے کہ سنت کی پابندی کرے اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے ذریعہ یہ مراتب و درجات حاصل کرے۔

حضرت جنید قدس سرہ نے فرمایا کہ ہمارا یہ مذہب کتاب و سنت کا پابند ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے وصال کے تمام راستے بند ہیں بجز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے وہ راستے کھل جاتے ہیں ؎

گفت باید کہ بحق نطفۂ ایمان
محکم از دامن گیر امرش گرداں
در رخش سر مپیچ از پیچ روی
کہ بگیرد شاہ دیگری بروی

وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر عمل کو پرکھنا چاہیے اس کے اوپر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کس وقت کیا اس کا طریقہ کیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب [illegible] اللہ کے [illegible] حاصل ہو سکتے ہیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ہے ؎

خلاف پیمبر کسے رہ گزید — کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید
محال است سعدی کہ راہ صفا — تواں رفت جز در پئے مصطفیٰ

ترجمہ: [illegible] [illegible] !

یہ حال [illegible] سے [illegible] کی پیدائش کے [illegible] ہوا ہے۔

فطرت انسانی کا تقاضا یہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا،

(اللہ تعالیٰ کی فطرت جس پر انسان کو پیدا کیا)

اس [illegible] اللہ تعالیٰ کے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible]

سوال: یہ صفت ضعف انسان سے متعلق کیسے ہے؟

جواب: [illegible] قرآن [illegible] جیسا کہ

حدیث قدسی میں ہے:

"[illegible]

[illegible]"

نوٹ: [illegible]

[illegible]

[illegible] اول

اصول ۲ عقل مستقل

ترجمہ: اصول عقل مستقل [illegible] کب ہوگا؟

تفسیر عالمانہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اے ایمان والو، [illegible]

سوال: لا تاکلوا [illegible] سے کیوں تعبیر کیا؟

جواب: اس لیے کہ [illegible] اس کے [illegible] لایا گیا۔

بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ [illegible] اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ [illegible]

[illegible]

مسئلہ: [illegible]

[illegible]

سوال: [illegible]

جواب: [illegible]

مسئلہ: [illegible]

[illegible]

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ [illegible]

[illegible]

[illegible] اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ○ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ [illegible] عُدْوَانًا وَّظُلْمًا [illegible]

[illegible]

فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ [illegible] وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا [illegible]

مسئلہ [illegible]

سوال [illegible]

جواب [illegible]

[illegible]

سبق [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

حاصل یہ ہے کہ جس مسلمان کا عیب معلوم ہو اور چھپ سکتا ہو اس کو مشہور کرنا ٹھیک نہیں ہے۔

سبق: اگر تمہیں کچھ مال حاصل ہو جایا کرے تو اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاؤ مگر خود اپنے نفس کی خواہشات میں نہ اڑاؤ اور دوسروں کی حاجت کا بھی خیال رکھو۔ جیسا کہ بعض مالداروں کی عادت ہوتی ہے کہ انہیں فقراء و غرباء کے حال سے کچھ غرض نہیں ہوتی حالانکہ حاجت مند [illegible] ان کے دروازہ سے ناکام واپس چلے جاتے ہیں۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف: جو شخص اپنے مسلمان بھائی سے کسی تکلیف کو دور کرتا ہے قیامت کے دن اس سے عذاب دور کیا جائے گا۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف: زمانہ سابق میں ایک شخص کو ظالم نے سخت تکلیف پہنچائی۔ مظلوم نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں فریاد کی پس اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا کہ [illegible] تو نے بھی کسی پر ظلم کیا ہے اس لئے فرمایا اس شخص نے غیر کے ساتھ ظلم کیا۔ اسی طرح تجھ سے اس کا بدلہ لیا گیا۔

مسئلہ: یہ حکم اس شخص کا ہے جس نے اپنے نفس کو فقر و فاقہ و مرض سے اسباب سے ہلاک کیا۔

سبق: ظالم کے ظلم کے سبب مال کے ذریعہ سے مظلوموں کے دل ویران ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے ظلم کی پاداش کے ذریعہ میں گرفتار ہو جاتے ہیں بلکہ بعض اعمال کے اثرات دنیا ہی میں ظاہر ہو جاتے ہیں۔

حکایت: مروی ہے کہ ایک ظالم نے ایک غریب کی بکری چھین لی اور اسے ذبح کر کے جب کباب کیا تو اس کے ہاتھ کو کاٹ لیا اس کے ہاتھ میں ایسا عجیب سا زخم ہو گیا اور کوشش کی اور اسی طرح اس کے ہاتھ کو جڑ سے کاٹ ڈالا اور زخم اچھا نہ ہوا یہاں تک کہ ایک وقت کے بعد بیہوش ہو گیا تو خواب میں دیکھا کہ اس سے کہا جاتا ہے کہ جب تک مظلوم کو راضی نہ کرے گا نجات نہ ملے گی۔ چنانچہ اس نے ان بکریوں والے غریب سے معافی مانگی تب اس کو آرام ہوا۔ اس کے بعد وہ [illegible] ایسے ظلم کے ارتکاب سے تائب ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس کو شفا عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ اگر تم مظلوم کو ظالم کے ہاتھ سے چھڑا سکو تو اس کے بدلے اس کی تکلیف میں مبتلا نہ کرنا۔

مسئلہ: علماء کرام فرماتے ہیں کہ ظالم کو ظلم سے روکنا اور مظلوم کی مدد کرنا بڑا اجر ہے۔

لہ تفسیر نعیمی

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف: [illegible]

مسئلہ: [illegible] حرام ہے۔

حضرت [illegible] نے فرمایا ہے

۱ [illegible]
[illegible]

۲ [illegible]
[illegible]

۳ [illegible]
[illegible]

ترجمہ: [illegible]

(۱) [illegible] ہے۔
(۲) [illegible] جائے۔

سبق: (۱) [illegible]

حکایت: [illegible]

حضرت [illegible]

مسئلہ: [illegible]

حکایت: [illegible]

[illegible] ہے۔

[illegible]

حکایت [illegible]

سبق [illegible]

[illegible]

[illegible] کرنا یا اُسے [illegible] کرنا۔ جیسا کہ بعض [illegible] کرتے ہیں۔ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ تمہارے صغیرہ گناہ تم سے معاف کر دیں گے۔ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيمًا اور تمہیں اچھے مقام میں داخل کر دیں گے۔ مُدخل (بضم المیم) اسم مکان (ظرف) ہے یعنی بہشت [illegible] جگہ [illegible] ہے۔ [illegible] عزت و احترام کے۔

مسئلہ: [illegible]

مسئلہ: کبیرہ گناہوں کے متعلق اختلاف ہے۔ [illegible] مناسب یہ ہے کہ کبیرہ وہ گناہ ہے جس پر شریعت کی حد مقرر ہو یا اُس پر وعید وارد ہو۔

حدیث شریف حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آج تم بہت سے ایسے گناہ کرتے ہو جو تمہاری آنکھوں میں بال سے بھی باریک ہیں لیکن ہم ان کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہلاک کرنے والے گناہوں میں شمار کرتے تھے۔

مسئلہ: حضرت امام قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اہل اللہ کے نزدیک گناہ کبیرہ یعنی شرک [illegible] مخلوق کی طرف [illegible] ہے۔

مسئلہ: [illegible] صغیرہ [illegible] کبیرہ [illegible]

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف کہ بیشک اللہ تعالیٰ [illegible] کو پسند کرتا ہے۔

فائدہ: [illegible]

۱۔ [illegible]

[illegible] (۱) [illegible] (۲) [illegible] (۳) [illegible] (۴) [illegible] (۵) [illegible] (۶) [illegible]

[illegible] (۷) [illegible] (۸) [illegible] (۹) [illegible] (۱۰) [illegible]

[illegible] وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ

اور خواہشات کی پیروی نہ کیجئے وہ تمہیں اللہ کے راستہ سے بہکا دیں گی۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-
اللہ تعالیٰ کے ہاں مبغوض ترین وہ انسان ہے جو خواہشات کا تابع ہو۔

نیابد چشم حکمت [illegible]
[illegible]
[illegible] حکمت بہ چشم پاک
کہ [illegible] در چشم خاک

ترجمہ:- خواہشات کی طلب سے تیری آنکھیں [illegible] حرص کی [illegible] کی آنکھیں بند کر دیں۔ اپنی آنکھوں سے حکمت کا [illegible] تاکہ تو [illegible] چشم [illegible]

۲- حب دنیا:- یہ صفت کئی اور گناہوں کی جڑ ہے۔ مثلاً (۱) قتل (۲) حسد (۳) غصب (۴) [illegible] (۵) [illegible] (۶) [illegible] (۷) [illegible] (۸) یتیم کا مال کھانا (۹) منع زکوٰۃ (۱۰) رشوت (۱۱) [illegible] (۱۲) [illegible] (۱۳) [illegible] (۱۴) [illegible] وغیرہ وغیرہ۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:- من کان یرید حرث الدنیا نؤته منها وما له فی الآخرۃ من نصیب۔ جو دنیا کی کھیتی کا ارادہ رکھتا ہے ہم اسے دیں گے لیکن آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-
دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے۔

حدیث قدسی شریف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-
اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم کہ میرے ہاں سب سے بڑا گناہ دنیا کی محبت ہے۔

شعر [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

ترجمہ:- [illegible]

حاصل کرنے کا [illegible] صحابہ [illegible] حال ہوا ۔

۳ - [illegible] اس [illegible] سے شرک و نفاق دور ہو [illegible] پیدا ہوتی ہے - اس [illegible] فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى [illegible] [illegible] سے [illegible]

[illegible] شریف [illegible] ۔

[illegible] ۔

فائدہ بعض مشائخ [illegible] نہیں [illegible] شخص [illegible] [illegible] ۔ [illegible] فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا [illegible] ۔

سبق [illegible] ۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ۔

سبق [illegible] نجات پانے [illegible] ۔

[illegible]

[illegible] کسی [illegible]۔

؎ عاشق [illegible] دوست [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] دوست [illegible]

ترجمہ۔ وہ عاشق محبوب کے [illegible]

[illegible]

یہ بہت بڑا مقام [illegible] اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ مقام نصیب فرمائے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ

وَلَا تَتَمَنَّوْا۔ اور آرزو مت کرو۔ [illegible] مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ [illegible] بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے۔ [illegible]

[illegible]

شان نزول

[illegible]

[illegible]

حدیث شریف [illegible]

فائدہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ولا تجسسوا [illegible]

[illegible]

سبق

[illegible]

حدیث قدسی [illegible]

[illegible]

مسئلہ [illegible]

[illegible] حضور صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] ۔

حدیث شریف حضرت [illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہ [illegible] حضور صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] [illegible] [illegible] ۔

فائدہ [illegible] ۔

مسئلہ:- اگر کسی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ۔

فائدہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ انسان کو چاہئے کہ مال و دولت کی دعا [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً [illegible] دنیا و آخرت کی [illegible] ۔

تنبیہ صوفیانہ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

میں [illegible] کرنے کی بجائے اس کا سبب طلب کرنے سے [illegible] تجلی سے وہ حضرات
[illegible] بالذات ہوتے ہیں۔ بِمَا اكْتَسَبُوا سے مراد وہ ہیں جنہیں استعداد کے اثر
سے سعادت نصیب ہوئی ہے اور لِلرِّجَالِ سے مراد وہ لوگ ہیں جو وصل بالذات سے متحقق ہو کر
ہیں۔ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ یعنی [illegible] اپنی قوتِ استعداد کے ذریعہ حاصل کیا۔
وَاسْأَلُوا اللَّهَ مِن فَضْلِهِ۔ اور اللہ تعالیٰ سے وہ کمال طلب کرو جو [illegible]
تمہاری استعداد کا [illegible] یہاں تک کہ [illegible]
درمیان کے پردے اٹھ جائیں [illegible] ہو جاؤ گے۔ اور
[illegible] ہو گے۔ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا۔ یعنی [illegible]
[illegible] تمہاری استعداد بالقوۃ تم سے پوشیدہ ہو علیم ہے [illegible]
اس کے [illegible] تمہاری استعداد کے مطابق [illegible] فرمائے گا۔ چنانچہ فرمایا کہ:
وَآتَاكُم مِّن كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ (اور تم کو ہر وہ شئ عطا فرمائی جو تم نے اپنی استعداد کی زبان سے طلب
کی تھی) اس کا قاعدہ یہ ہے کہ [illegible] اپنی استعداد کے مطابق [illegible] عطا فرماتا
ہے چنانچہ فرمایا ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ (مجھ سے مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں گا) اس
تقریر سے معلوم ہوا کہ وَلَا تَتَمَنَّوْا الخ [illegible] کہ وہ استعداد
انسانی کے [illegible] وَاسْأَلُوا اللَّهَ
مِن فَضْلِهِ۔ میں اس فضل و کمال کے سوال کا حکم ہے جو انسان کے لئے ممکن ہے [illegible]
اور [illegible]
[illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] فضل کا [illegible]
[illegible] قبول فرماتا ہے [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ نے فرمایا:-

[illegible]

گفت پیغمبر کہ چوں کوبی درے — عاقبت زاں در بروں آید سرے
ور طلب [illegible] — کہ طلب [illegible]

ترجمہ :- جب کسی حقیقت کا دروازہ کھٹکھٹاؤ گے تو [illegible] شیا نہ رہا ہو گا۔ جب کسی کو کوئی [illegible] تو ایک دن تو اللہ [illegible] ملے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تو دروازہ کھٹکھٹاتا رہے گا تو ایک دن کھل جائے گا۔ یہی طلب کے سلسلہ میں یہاں سے کہ طلب جاری رکھو [illegible] ۔

تفسیر عالمانہ

وَلِكُلٍّ اور ہر ترکہ یا مال کے لئے جَعَلْنَا مَوَالِيَ ہم نے وارث مقرر کر دیئے ہیں۔ موالی مولیٰ کی جمع ہے یعنی [illegible] ہم نے وارث کر دیئے ہیں ترکہ کے ہر حصہ میں سے ہر شخص کو اپنے حق کے مطابق (جو [illegible]) مال کے دیں مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ اس سے جو والدین اور قریبی عزیز چھوڑ گئے ہیں۔ وَلِكُلٍّ کی بیان ہے [illegible] ۔ [illegible] وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا کا [illegible] [illegible] کے [illegible] معنیٰ عصبہ [illegible] اصحاب الفرائض و عصبات [illegible] [illegible] کے وارث ہوں گے [illegible] [illegible] ان [illegible] کے [illegible] [illegible] کی صفت [illegible] [illegible] تمام [illegible] [illegible] لفظ [illegible] کر دیا ہے [illegible] [illegible] مقرر [illegible] ہے۔

وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ اور وہ لوگ کہ جن سے تم نے عہد کر لیا ہو۔ [illegible] مولی الموالاۃ مراد ہیں۔ [illegible] [illegible] [illegible] بھی [illegible] ہوا۔ [illegible] ۔

مسئلہ :- حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص کسی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرے [illegible] [illegible] [illegible] تو [illegible] [illegible] ۔

[illegible] دیں۔

مسئلہ:- سلام کرنا سنت اور اس کا جواب دینا واجب ہے۔

سوال، سلام کرنا سنت اور جواب دینا واجب کیوں ہے؟

جواب، [illegible] وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ [illegible] فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا [illegible] اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ [illegible] حَسِيْبًا [illegible]

مسئلہ:- [illegible]

فائدہ:- بعض نے کہا ہے کہ السلام علیکم [illegible]

سبق: [illegible] اور صداقت سے پیش آئے۔

حدیث شریف: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومنوں کی آپس میں محبت، الفت اور لطف و کرم کی مثال ایک جسم جیسی ہے کہ اگر ایک عضو کو تکلیف پہنچے تو تمام جسم [illegible]

بنی آدم اعضائے یک دیگرند … کہ در آفرینش ز یک جوہرند
چو عضوے بدرد آورد روزگار … دگر عضوہا را نماند قرار
تو کز محنت دیگراں بے غمی … نشاید کہ نامت نہند آدمی

ترجمہ:- بنی آدم ایک دوسرے کے اعضاء ہیں [illegible]

اسباق

(۱) [illegible]

(۲) [illegible]

(۳) کسی [illegible]

(۴) دیکھو کسی کی غیبت اور عیب [illegible]

[illegible]

ترجمہ: کسی [illegible]

(۵) [illegible]

(۶) [illegible]

[illegible]

ترجمہ: [illegible]

(۷) [illegible]

(۸) کسی [illegible]

حکایت

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا [illegible]

(۹) [illegible]

حدیث شریف

[illegible]

(۸) [illegible] ہے۔ [illegible]

[illegible] ہوتا ہے۔

حدیث شریف

میں ہے کہ [illegible] جو شخص [illegible]

[illegible] سامنے [illegible]

تفسیر صوفیانہ

حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] الَّذِیْنَ [illegible]

[illegible] یعنی [illegible] ایمان [illegible]

[illegible] نصیحت [illegible]

[illegible]

[illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]

[illegible]

[illegible] قیامت [illegible]

[illegible] نجات [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] حضرت [illegible]

۱	عارفان کہ جام حق نوشیدہ اند	رازہا دانستہ و پوشیدہ اند
۲	ہر کرا اسرار کار آموختند	مہر کردند و دہانش دوختند
۳	بر لبش قفلست و در دل رازہا	لب خموش و دل پر از آوازہا
۴	[illegible]	[illegible]
۵	تا نگوید سر سلطان را بکس	تا نریزد قند را پیش مگس
۶	[illegible]	[illegible] اعلم بالصواب

ترجمہ: [illegible]

باقی صفحہ [illegible]

الرجال قوامون على النساء بما فضل الله بعضهم على بعض و

بما انفقوا من اموالهم فالصلحت قنتت حفظت للغيب بما

حفظ الله والتي تخافون نشوزهن فعظوهن واهجروهن في

المضاجع واضربوهن فان اطعنكم فلا تبغوا عليهن سبيلا ان

الله كان عليا كبيرا ۞ وان خفتم شقاق بينهما فابعثوا حكما من

اهله وحكما من اهلها ان يريدا اصلاحا يوفق الله بينهما

ان الله كان عليما خبيرا ۞ واعبدوا الله ولا تشركوا به شيئا

وبالوالدين احسانا وبذي القربى واليتمى والمسكين والجار

ذي القربى والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبيل وما

ملكت ايمانكم ان الله لا يحب من كان مختالا فخورا الذين

يبخلون ويامرون الناس بالبخل ويكتمون ما اتىهم الله

من فضله واعتدنا للكفرين عذابا مهينا ۞ والذين ينفقون

اموالهم رئاء الناس ولا يؤمنون بالله ولا باليوم الاخر و

من يكن الشيطن له قرينا فساء قرينا ۞ وماذا عليهم لو امنوا

بالله واليوم الاخر وانفقوا مما رزقهم الله وكان الله بهم

عليما ۞ ان الله لا يظلم مثقال ذرة وان تك حسنة يضعفها

ويؤت من لدنه اجرا عظيما ۞ فكيف اذا جئنا من كل امة بشهيد

وجئنا بك على هؤلاء شهيدا ۞ يومئذ يود الذين كفروا وعصوا

الرسول لو تسوى بهم الارض ولا يكتمون الله حديثا ۞

ترجمہ مرد حاکم ہیں عورتوں پر [illegible] ایک کو دوسرے پر فضیلت [illegible]

[illegible] حفاظت

رکھتی ہیں جس طرح اللہ نے حفاظت کا حکم دیا ہے۔ اور جن عورتوں کی نافرمانی کا تمہیں اندیشہ ہو تو انہیں سمجھاؤ اور ان سے الگ سوؤ اور انہیں مارو۔ پھر اگر وہ تمہارے حکم میں آجائیں تو ان پر زیادتی کی کوئی راہ نہ چاہو بے شک اللہ بلند بڑا ہے۔ اور اگر تم کو میاں بی بی کے جھگڑے کا خوف ہو تو ایک پنچ مرد والوں کی طرف سے بھیجو اور ایک پنچ عورت والوں کی طرف سے۔ یہ دونوں اگر صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ ان میں میل کر دے گا۔ بے شک اللہ جاننے والا خبردار ہے۔ اور اللہ کی بندگی کرو اور اس کا شریک کسی کو نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ سے بھلائی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور پاس کے ہمسائے اور دور کے ہمسائے اور کروٹ کے ساتھی اور راہگیر اور اپنی باندی غلام سے۔ بے شک اللہ کو خوش نہیں آتا کوئی اترانے والا بڑائی مارنے والا جو آپ بخل کریں اور اوروں سے بخل کے لئے کہیں اور اللہ نے جو انہیں اپنے فضل سے دیا ہے اسے چھپائیں اور کافروں کے لئے ہم نے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور وہ جو اپنے مال لوگوں کے دکھاوے کو خرچ کرتے ہیں اور ایمان نہیں لاتے اللہ اور نہ قیامت پر، اور جس کا مصاحب شیطان ہوا تو کتنا برا مصاحب ہے۔ اور ان کا کیا نقصان تھا اگر ایمان لاتے اللہ اور قیامت پر اور اللہ کے دیئے میں سے اس کی راہ میں خرچ کرتے اور اللہ ان کو جانتا ہے۔ اللہ ایک ذرہ بھر ظلم نہیں فرماتا اور اگر کوئی نیکی ہو تو اسے دونی کرتا اور اپنے پاس سے بڑا ثواب دیتا ہے۔ تو کیسی ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب تمہیں ان سب پر گواہ و نگہبان بنا کر لائیں۔ اس دن تمنا کریں گے وہ جنہوں نے کفر کیا اور رسول کی نافرمانی کی کاش انہیں مٹی میں دبا کر زمین برابر کر دی جائے اور کوئی بات اللہ سے نہ چھپا سکیں گے۔

تفسیر بالمأثور

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ مرد عورتوں کے [illegible]
کے محافظ ہیں۔ اور [illegible]

تشریح

(۱) [illegible]۔

(۲) [illegible]۔

(۳) [illegible]۔

(۴) [illegible]۔

(۵) [illegible]۔

کے مردوں کو [illegible] ایسا [illegible] بنایا ہے کہ [illegible] اس کے متعلق [illegible] خوبیاں بتائی ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (بسبب اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے)۔ یہ فضیلت [illegible] [illegible] [illegible] اور [illegible] [illegible] [illegible] اور شہادت [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] خصوصیات کے حامل ہیں۔ اور وہ صرف مردوں سے متعلق ہیں اور کسی کو نہیں۔

وَبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ۔ اور ساتھ اس کے کہ مرد اپنے مالوں سے عورتوں پر خرچ کرتے ہیں۔ یعنی [illegible] مردوں کے [illegible] [illegible] کو ترجیح ادا کی ہے۔

مسئلہ:- اس سے ثابت ہوا کہ مردوں پر عورتوں کا نفقہ واجب ہے۔

شانِ نزول نازل ہوئی کہ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو انصار کے نقباء میں سے تھے) نے اپنی بیوی کو ایک تھپڑ مارا۔ ان کا والد ان کو لے کر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ ہم اس سے قصاص لیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ ہمارا ارادہ کچھ اور تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا وہی بہتر ہے۔ [illegible] [illegible] کوئی قصاص نہیں سوائے نفس اور [illegible] کے احکام کتب فقہ میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔

فَالصّٰلِحٰتُ ان میں جو نیک عورتیں ہیں قٰنِتٰتٌ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابند ہیں اور اپنے شوہروں کی بھی فرمانبردار ہیں۔ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ حفاظت کرنے والی ہیں غیب کی یعنی [illegible] کی حفاظت کرتی ہیں جو شوہروں کے غائب ہونے کے بعد ان کی حفاظت ان پر واجب ہے [illegible] [illegible] [illegible] سے بچا رکھتی ہیں۔

حدیث شریف حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین عورت وہ ہے کہ جب تو اس کو دیکھے تو تجھے خوش کرے اور جب تو اس کو حکم کرے تو فرمانبرداری کرے اور جب تو غائب ہو تو تیرے پیچھے اپنے نفس اور تیرے مال کی حفاظت کرے۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

مال کی [illegible] کی حفاظت کرنے میں [illegible] شوہر کی غیبت

فائدہ [illegible] کا اعتراف ہے۔ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ کا [illegible] کہ خدا تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی ہے۔ یہ معنی مقصود ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا ان کی حفاظت کرنا [illegible] کا حکم کرنا پھر ان کی حفاظت پر مدد دینا کہ غیب میں بھی ان کی نگہداشت کرنا پھر اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشنا۔ دوسرا مطلب یہ ہے۔ [illegible] ان کے حقوق کی حفاظت کے بدلے میں [illegible] حفاظت فرمائی کہ [illegible] کا حکم فرمایا ہے اور [illegible] وصیت فرمایا کہ عورتوں کے [illegible] کا انتظام کریں [illegible] کریں۔ وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ ۔ اور وہ عورتیں کہ جن کی بدخوئی کا تمہیں خطرہ ہے۔ یہ خطاب شوہروں کو ہے اور انہیں عورتوں کے انتظام کا طریقہ سمجھایا جاتا ہے۔

فائدہ نشوز ایک حالت کا نام ہے جو عورتوں کو کسی وجہ سے [illegible] ہونی ہو یا وہ [illegible] ایسا ہو [illegible] نصیحت دونوں طریقوں سے کسی ایک طریقے سے معلوم ہو۔ یعنی تمہیں گمان ہو کہ [illegible] کریں گی یا تمہاری فرمانبرداری سے [illegible] سرکشی کریں گی فَعِظُوْهُنَّ تو انہیں ترغیب و ترہیب کر کے نصیحت کرو۔ [illegible] نرم کرتی ہے اور [illegible] ترغیب [illegible] ہے۔ انجام و نتائج کی [illegible] کا علم ہوتا ہے۔

وَاهْجُرُوْهُنَّ اور انہیں اس کے بعد چھوڑ دو۔ یعنی اگر انہیں [illegible] نصیحت نفع نہ دے [illegible] کسی کو [illegible] کر کے چھوڑ دینا فِی الْمَضَاجِعِ بستروں میں یعنی ان [illegible] مَضَاجِع [illegible] کی جمع ہے۔ [illegible] کہتے ہیں۔ وَاضْرِبُوْهُنَّ اور انہیں [illegible] ایسا [illegible] کہ ہڈی ٹوٹ جائے اور نہ [illegible] اس حدیث کا [illegible] ہے فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ پس اگر تمہارا کہا مان لیں اور [illegible] ہے فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا تو ان پر [illegible] راہ نہ ڈھونڈو [illegible] دیا۔ یعنی [illegible] نہیں ہے۔ [illegible] اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ۔ بے شک اللہ تعالیٰ جو ہے [illegible] قدرت رکھتا ہے۔

کیونکہ اللہ [illegible] تمہارے اوپر [illegible] تمہاری بیویوں کے
سے بڑھ کر قدرت رکھتا ہے۔ لہٰذا اُن سے درگزر کرو جب وہ اپنی غلطی سے باز آجاتی ہیں تو تم انہیں
معاف کر دو۔ ایسے اگر تم بھی [illegible] کی [illegible] کرنے لگیں جب تم
گناہوں سے توبہ کرتے ہو تو وہ تمہیں معاف کر دیتا ہے تمہیں بھی چاہیے کہ تم بھی اپنی بیویوں کو
معاف کر دو جبکہ وہ اپنی غلطی سے باز آ جائیں ۔

مسئلہ :- کتاب شرح السنۃ کی حدیث میں ہے کہ جب کوئی اپنی عورت سے معلوم کرے
کہ وہ [illegible] کرتی ہے یا جھوٹ بولتی ہے یا کسی ناجائز تعلق کی مرتکب ہوتی ہے تو اس کے لئے جائز ہے
کہ وہ اُسے طلاق دے دے۔ اور اگر صبر کرکے اس کے ساتھ گزارا کرے اور اُسے اپنی زوجیت میں
رکھے تو یہ بھی جائز ہے۔

حکایت حدیث میں ہے کہ ایک شخص حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور
عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عورت ہر [illegible] کا ہاتھ نہیں روکتی
یعنی [illegible] تو وہ منع نہیں کرتی۔ آپ نے فرمایا اُسے طلاق دے دے۔ عرض کیا یہ مجھ سے نہ
ہو سکے گا کیونکہ مجھے اُس سے بے حد محبت ہے آپ نے فرمایا اُسے اپنے پاس رکھو۔

فائدہ حضور نے ایسا اس لئے فرمایا کہ اس مرد کے لئے خطرہ تھا کہ اگر وہ اُسے طلاق دے دیگا
تب بھی محبت کی وجہ سے اس کا پیچھا نہ چھوڑے گا اس فساد کو دفع کرنے کیلئے
آپ نے فرمایا کہ اسے اپنی زوجیت ہی میں رہنے دے تاکہ [illegible] کی وجہ سے جو اُسے تنگی پیدا ہو
گی طلاق سے بہتر یہی ہے کہ وہ اُسے اپنے پاس رکھے۔

سبق اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو خصوصیت سے [illegible] کی حفاظت کریں۔
لیکن [illegible] وہ [illegible] بے غیرت [illegible] جیسا کہ بعض
بزرگوں نے فرمایا ہے کہ :-

مست [illegible]   مرداں [illegible]

ترجمہ :- [illegible]

محبت کی باتیں بعض علماء کرام نے فرمایا کہ عورت کی ایک [illegible] بات کو برداشت
کرنا [illegible] کرنے ہیں۔ مثلاً (۱) [illegible]
سے بچتے رہیں (۲) [illegible] (۳) [illegible]

[illegible]

[illegible]

حدیث شریف حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا [illegible] سوال ہوگا۔

حدیث شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عورت اس حالت میں مرے کہ اس کا شوہر اس سے راضی ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگی۔

حدیث شریف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عورت بھی دنیا میں اپنے شوہر کو ایذا پہنچاتی ہے تو اس کی زوجہ حور عین [illegible] خدا تعالیٰ ہلاک کرے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] آیت [illegible]

[illegible]

کے لحاظ سے مردوں کا درجہ افضل اور عورتوں کا درجہ کمتر ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مردوں میں بہت زیادہ کامل پیدا ہوئے ہیں۔ عورتوں میں صرف آسیہ بنت مزاحم زوجہ فرعون اور مریم بنت عمران کامل ہوئی ہیں۔ اور عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے طعام ثرید (ایک کھانا جو گوشت اور روٹی سے ملا کر بنتا ہے) کی فضیلت تمام طعاموں پر ہے۔

فائدہ اس کے باوجود کہ وہ بہت بڑے کمال کو پہنچی تھیں لیکن خلافت و نبوت کی صلاحیت و اہلیت حاصل نہ کر سکیں۔ ان کا یہ کمال بہ نسبت عورتوں کے ہے نہ کہ بہ نسبت مردوں کے اس لئے کہ وہ بہ نسبت مردوں کے نقصانات عقل و دین میں ہیں۔ یہاں تک کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تمام عورتوں پر اتنی بڑی فضیلت کے متعلق فرمایا کہ حمیرا یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا سے اپنے دین کا دو تہائی حصہ دین کو حاصل کرو۔ عورتوں میں بہ نسبت مردوں کے کمی ہوتی ہے اسی لئے دین کے کمال کے حصول کا حکم نہیں فرمایا۔ البتہ ان کا کمال بہ نسبت عورتوں کے ہے کیونکہ یہ بات غیر مقبول ہے [illegible] کا قائل ہے۔ حقیر فقیر عاجز اسماعیل حقی غفرلہ (یعنی صاحب روح البیان رحمۃ اللہ) نے کہا۔

شعر
مرد باید تا کہ اقدامی کند ‏ ‏ در طریقت غیرت نامی کند
چون بجز زن نیست در میدان ‏ ‏ جز تو در دین بگو از حسن حق
[illegible] ‏ ‏ [illegible]

ترجمہ۔ مرد کو چاہئے کہ وہ ہمت کرے۔ غیرت کے طریقے میں نام پیدا کرے۔ اگر تجھ میں ہمت نہیں تو دم نہ مار۔ جب گرد دلیر نہیں تو حسن کا نام نہ لے۔ حمیت ہو تو کامل ہو جائے اور مردوں سے بازی لے جائے تو مرد ناقص کو عورت کی طرح ناقص ہو کر مرنا چاہئے۔

تفسیر عالمانہ وَإِنْ خِفْتُمْ اور اگر خوف کرو یعنی اگر تم جانو یا گمان کرو اے حاکمو۔ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا ان کے درمیان اختلاف ہو یعنی زن و شوہر کے اختلاف سے تمہیں خطرہ ہے ابھی انہیں معلوم نہیں کہ اختلاف کا اظہار ان میں سے کس سے واقع ہوا۔ شقاق بمعنی مخالفت ہے اسی لئے کہ ان دونوں میں ہر ایک دوسرے کو چھوڑنا چاہتا ہے یا اس لئے کہ ان میں ہر ایک کا شق دوسرے کے شق کے منافی ہے۔

فائدہ ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب ان دونوں کے خلاف

ناچاقی ہو تو پھر بھی نظر رکھنی (ا) فیصلہ کرنے والی مقرر کرنے میں کوئی حرج نہیں اسلئے کہ اس وقت میں ان کے اختلاف کے ازالہ کی ضرورت ہے وہ یہ کہ ان کے وجود بالفعل کے جانے کیلئے حکم مقرر ہو۔ **فَابْعَثُوْا** پس تم مقرر کرو۔ تو جس کی طرف تاکہ ان کا اختلاف دفع ہو جائے۔ **وَحَكَمًا** کوئی فیصلہ کرنے والا جو اصلاح اور فیصلہ کے معاملات سے واقفیت رکھتا ہو۔ **مِنْ اَهْلِهٖ** شوہر کے گھر والوں سے **وَحَكَمًا** اور دوسرا فیصلہ کرنے والا **مِنْ اَهْلِهَا** زوجہ کے گھر والوں سے اسلئے کہ قریبی رشتہ دار گھر کے اندرونی حالات کو بہتر جانتے ہیں اور وہ ان کی باہمی اصلاح کے خواہشمند بھی ہوں گے اور ان کی بھلائی ہی کریں گے۔ نیز ان سے تسلی ہو گی اور بے تکلف ان کے سامنے اپنی دل کی باتیں محبت یا بغض کا اظہار کر سکیں گے۔ **اِنْ يُّرِيْدَآ** اگر وہ دونوں شوہر بیوی ہیں۔ **اِصْلَاحًا** اصلاح یعنی وہ چاہیں ان کا آپس میں اختلاف پیدا ہوا اُسے دور کیا جائے **يُوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا** تو اللہ تعالیٰ انہیں توفیق دے گا۔ یعنی زوجین کے درمیان فیصلہ کرنے والوں کی کوشش سے آپس میں موافقت و الفت پیدا کر دے گا۔ اور ان کی باطن میں مودّت و محبت ڈال دے گا۔

فائدہ اس میں اشارہ ہے کہ جو شخص کسی جھگڑے کی کوشش میں اخلاص کے ساتھ ہو تو اللہ تعالیٰ اُسے اس کے خلوص کی برکت سے اس کے مقصد کے لئے برکت عطا فرماتے ہیں **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا** بے شک اللہ تعالیٰ علیم خبیر ہے۔ یعنی وہ ظاہر و باطن کو جانتا ہے۔ اُسے معلوم ہے کہ ان کا اختلاف کس طرح دور ہوگا اور ان میں موافقت کس طرح پیدا ہوگی۔ **مسئلہ:** اس آیت میں آپس میں صلح کی ترغیب ہے۔

حدیث شریف ۱ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ کیا میں تمہیں وہ عمل بتاؤں جو نماز روزہ اور صدقہ سے افضل ہو۔ عرض کی ہاں فرمایا وہ ہے آپس میں صلح کرانا۔

حدیث شریف ۲ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! [illegible] جب [illegible] صحابہ کرام نے عرض کی [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] رسول صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] کتاب [illegible] [illegible] ۔ [illegible]

[illegible]

مسئلہ :- [illegible]

[illegible]

سہ [illegible]

ترجمہ :- [illegible]

مسئلہ :- [illegible]

(۱) [illegible]

(۲) [illegible]

(۳) [illegible]

ترجمہ :- [illegible]

(۱) [illegible]

(۲) [illegible]

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ [illegible]

دونوں سے مشائخ کاملین اور دوسری طرف سے مجرب یاں کہیں تاکہ وہ ان دونوں کی باتیں غور سے سنیں اور پھر تحقیق کریں کہ فریقین کے حالات کیا حقیقت ہیں۔ اگر یہ دونوں آپس میں صلح و صفائی کا ارادہ ہو تو اللہ تعالیٰ انہیں حسن ارادہ اور ان کی حسن نیت کی توفیق عطا فرمائے گا ۔۔۔ الخ اس سے ہی ثابت ہوا کہ احوال کو جانتے ہو اور اس میں حق اللہ کے تمام ہے۔ یا عجز ہو اس سے بعد سے اور کے متعلق و تفصیلات مقرر فرمائی ہیں۔ (کذا فی المکتوبات شیخ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہٗ)

مسئلہ ۱ :- ان آیات سے معلوم ہوا کہ اختلاف و نزاع جیسے عوام کے درمیان ہو جاتے ہیں ایسے ہی علماء و کاملین کے درمیان بھی ہو سکتے ہیں۔ اگر کسی بات میں ظاہری اختلاف ہو تو ان کا باطنی اتفاق ٹوٹ نہیں جاتا اور حکمت الٰہی کا تقاضا بھی یہی ہوتا ہے۔ لیکن وہ سب ایک جیسے ہوتے ہیں اس لیے عوام بے خبر ہوتے ہیں۔ حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ العزیز اولیاء کاملین کے اتحاد پر فرماتے ہیں۔

شعر (۱) گر ہزاراں مجتمع بینی بہم　　ہم یکے باشند کشتی صد ہزار
(۲) در مثال موجہا اعداد شان　　جملہ یک رو باشد ہم شان
(۳) مومناں معدود لیک ایمان یکے　　جسم شان معدود لیکن جان یکے
(۴) تفرقہ در روح حیوانی بود　　نفس واحد روح انسانی بود

ترجمہ (۱) اگر ان کو مجتمع یکجائی دیکھیں تو سمجھ لیں کہ وہ سب ایک ہی ہیں اگرچہ بظاہر ہزار ہوں گے
(۲) وہ ایسے ہیں جیسے دریا کی موجیں کہ بظاہر بہت ہیں لیکن درحقیقت وہ ایک ہی ہیں۔
(۳) مومن اگرچہ بہت ہیں لیکن ان کا ایمان ایک ہے۔ وہ ایسے ہیں کہ ان کے اجسام مختلف ہیں اس لئے ہیں لیکن وہ ایک جان ہیں۔
(۴) تفرقہ حیوانی روح میں ہے انسانی روح تو ایک شئے ہوتی ہے۔

مسئلہ ۲ :- یہ کہ اولیاء سب کے سب ایک جان ہوتے ہیں مگر وہ مختلف ہوتے ہیں تو صرف جسمانی اور ایسا ظاہری تمام اشکال کے رنگوں میں مختلف ہوتے ہیں مثال (جیسے موجیں) حرکت و سکون جیسی باتوں کے لحاظ سے ظاہر میں علیحدہ علیحدہ ہو سکتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ **وَاعْبُدُوا اللّٰهَ** اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ عبادت جملہ ظاہری و باطنی کا نام ہے اس لئے کہ وہ حکم الٰہی کا نام ہے اس میں عبادت قلب و اعضاء کے تمام اعمال افعال عبادت کی تعریف میں داخل ہو گئے۔ **وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ**

شَیْئًا اور اس کے ساتھ کسی شے کو شریک مت ٹھہراؤ۔ خواہ وہ اشیاء از قسم بت و صنم ہوں یا کوئی شے ہو وہ شرک جلی یعنی کفر ہو یا خفی یعنی ریا ہو۔ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا اور والدین کے ساتھ احسان کرو۔ یہاں با بمعنی الی ہے جیسے وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْ میں با بمعنی الی ہے۔

سوال :- ماں باپ کے احسان کو کیوں شروع کیا گیا ہے؟

جواب :- اس لئے کہ تمام حقوق میں سے (بعد از عبادت الٰہیہ) والدین کے حقوق کو اولیت حاصل ہے۔

فائدہ اُن سے احسان کا یہ معنی ہے کہ ان کی ہر طرح کی خدمت بجا لانا اور ادب کے ساتھ اُن سے بولنا اور ان کے ساتھ سخت کلامی نہ کرنا۔ ان کے مطالبات پورے کرنے میں پوری جدوجہد کرنا اور بقدر امکان ان کی ضروریات پر خرچ کرنا۔ وَبِذِی الْقُرْبٰی اور قریبی رشتہ داروں سے یعنی وہ لوگ جو کہ قرابت کے لحاظ سے قریب ہوں۔ جیسے بھائی، چچا، ماموں وغیرہ صلہ رحمی کی رو سے یہ احسان یہی ہے کہ تم کرتے رہو اگر انہیں ضرورت ہو تو اُن کے لئے حیثیت کے مطابق ان کو خرچہ دیا جائے۔ وَالْیَتٰمٰی اور یتیموں سے یعنی ان پر خرچ کرنا اگر انہیں ضرورت ہو۔ اگر ان کے پاس مال ہو اور ان کے مال کا وصی مقرر کیا گیا ہے تو اس کی حفاظت کا حق ادا کرے۔ وَالْمَسٰکِیْنِ اور مسکینوں سے بھی یعنی ان سے احسانات کرنا اور صدقات دینا اور طعام کھلانا اور ان کے سوالات کے جوابات نرمی سے دینا۔ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی اور وہ ہمسایہ جو سکونت کے لحاظ سے قریب رہتا ہے یا ہمسائیگی کے علاوہ اُسے نسب اور دین کے لحاظ سے تمہارے ساتھ قرابت ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے ہمسائیگی کے حقوق صرف وہی ادا کر سکتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا رحم و کرم ہو اور تم میں بہت تھوڑے لوگ ہیں جو ہمسائیگی کے حقوق جانتے ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ اگر انہیں ضرورت ہو تو اُسے عطا کرو۔ اگر قرض چاہے تو قرض دو۔ اگر اسے کوئی خوشی حاصل ہو تو مبارکباد پیش کرو۔ اگر کوئی تکلیف لاحق ہو تو اس کا اظہار افسوس کرو۔ اگر بیمار ہو تو مزاج پرسی کرو۔ اگر مر جائے تو

کا ہو چاہے وہ مجوسی ہو اور [illegible] ساتھ رہو

وَالْجَارِ الْجُنُبِ سے وہ ہمسایہ مراد ہے جو صرف ہمسایہ ہی ہے قرابتی تعلق نہیں۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا ہمسائے تین قسم کے ہیں [illegible] ایک وہ [illegible] ہیں۔ ایک وہ ہمسایہ ہے جس کے دو حق ہیں

۱۔ حق ہمسائیگی۔

۲۔ حق اسلام۔

دوسرا وہ ہے جس کے دو حق ہیں

۱۔ حق ہمسائیگی

۲۔ حق اسلام

تیسرا وہ ہمسایہ ہے جس کا صرف ایک حق ہے وہ ہے صرف ہمسائیگی کا حق ہے۔ وہ اہل کتاب ہے۔ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ اس سے وہ دوست مراد ہے جو کسی اچھے معاملہ کی وجہ سے تعلق رکھتا ہے۔ مثلاً تعلیم حاصل کرنا یا کوئی معاملہ [illegible] اکٹھے کرنا یا کام صنعت یا سفر ہو وہ صحبت کی حیثیت سے احسان و کرم کے حقدار ہیں۔ اس طرح وہ شخص جو مسجد میں [illegible] کسی مجلس میں ساتھ بیٹھے وغیرہ وغیرہ انہیں بھی ہمسائیگی کا حق [illegible] حسب حال۔ [illegible] ہمسائیگی کا حق پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح [illegible] [illegible] ہوتا ہے۔ وَابْنِ السَّبِيلِ اس سے مسافر مراد ہے [illegible] [illegible] ہمسایہ [illegible] حیثیت سے [illegible] حق [illegible] احسان [illegible] [illegible] ان کے [illegible] مال خرچ [illegible] کرو۔ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ اس سے وہ جو تمہاری ملکیت میں ہیں یعنی غلام اور کنیز وغیرہ ان کے ساتھ احسان [illegible] یہ ہے کہ انہیں [illegible] اور ان کی طاقت سے زیادہ کام [illegible] مسلمان نہیں

کام میں لگنے کے بعد وہ بھی نہیں رہا اگر کوئی [illegible] کسی سے جلی کرے مگر اُن کے ساتھ بھی شرکت کرے اور اس میں حق کی غرض کا طالب ہو رہا ہے ۔

مسئلہ :- بعض محققین نے کہا ہے کہ ان سے وہ حالت جس شان میں بھی ہو کی کیفیت ہی ہو اور اس سے ان کا مطلب یہ ہے کہ شخص [illegible] ہر ایک کام [illegible] کے واسطے ہو۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا بیشک اللہ تعالیٰ اس سے محبت نہیں کرتا جو متکبر ہے یعنی وہ اپنے تئیں بڑا سمجھتا ہو اور دوسروں سے نفرت کرتا ہو ان سے دور ملتفت رہتا ہے ۔ **فَخُوْرًا** بعض محققین نے فرمایا ہے کہ وہ اس کی شان کے موافق نہیں اصل اللہ تعالیٰ کے حقوق نہیں ادا کرتا۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ فخور وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا يٰمُوْسٰى [illegible] یعنی اے موسیٰ علیہ السلام [illegible] ہو اور کوئی [illegible] عبادت [illegible] شرک [illegible] قصہ [illegible] عبادت [illegible] ۔ [illegible] علیہ السلام [illegible] ۔

فائدہ عبادت کا اصل [illegible] آخرت کے [illegible] کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کسی خوف [illegible] یا کسی طمع [illegible] تو وہ عبادت [illegible] اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ ہوئی [illegible] ۔ حقیقی عبادت وہ ہے کہ [illegible] کے تصورات بالکل [illegible] ہے ۔ [illegible] تسلیم خم ہو اور اس کی معرفت [illegible] ۔

سبق [illegible]

فرمایا ۔ (۱) سعدیا [illegible] ! — تا [illegible] ملک پادشہ ؛
(۲) [illegible] — [illegible]
(۳) [illegible] — [illegible] !
(۴) [illegible] — [illegible]
(۵) [illegible] — [illegible]

ترجمہ (۱) تو اپنے نفس کو حق پرستی سکھا تاکہ تجھے بادشاہ کا دل اور الطاف نصیب ہو ۔

(۲) اگر تو نے [illegible] حق معبود بنانے کے لئے [illegible] کیونکہ تجھے [illegible] ہیں ۔

(۳) تو تمام چیزوں اور اس کے متعلقات کو کاٹ دے گا تب [illegible] ہے ۔

(۴) تو تجھے [illegible] نجات دے گا اللہ کے ساتھ تیرا تعلق ہو جائے گا ۔

(۵) جب تو [illegible] سے قطع [illegible] ہو جائے گا تو تیرا ایمان کا [illegible] تجھ پر کھل جائے گا ۔

فائدہ جب بندہ اپنے نفس کو [illegible] حاصل ہو جاتی ہے تو اس سے [illegible] احسان کے [illegible] نصیب ہوتی ہے [illegible] اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کما قال اللہ الذی احسن کل شیء خلقہ یعنی وہی ہے جس نے ہر چیز کو اچھا بنایا [illegible] اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْءِ یعنی بے شک نفس برائی کا حکم دیتا ہے [illegible] متخلق باخلاق اللہ ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا مَا اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ وَمَا اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَۃٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ یعنی جو تجھے بھلائی پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو تجھے برائی پہنچے وہ تیرے نفس سے ہے ۔

تشریح صوفیانہ آیت میں دوسرا اشارہ اس طرف ہے کہ بندہ کی عبودیت میں ایک شرط ہے کہ وہ [illegible] بالکل [illegible] کرے اور احسان [illegible] بالکل [illegible] ہے جب کہ وہ متخلق باخلاق اللہ ہو [illegible] کہ وہ بندہ [illegible] ہو جائے ۔ تاکہ فانی فی اللہ ہو اور باقی باللہ ہو

کہ طالبین دار آخرت کو چاہیے کہ وہ عمل صالح کریں لیکن ان میں شرک کا شائبہ نہ ہو اور عبادت میں ریا کی بو نہ ہو۔ اس لئے کہ شرک و ریا سے عبادات ضائع ہو جاتی ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے آخر میں فرمایا فمن کان یرجوا لقاء ربه فلیعمل عملاً صالحاً ولا یشرک بعبادة ربه احدا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں شرک کے منافی ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ [illegible] ان کے منافی ہیں کیونکہ یہ شخص اللہ تعالیٰ سے محبت نہیں رکھتا بلکہ محبت اس کے نفس سے ہے یہی وجہ ہے کہ وہ دنیا میں اس کے نفس کا [illegible] اور وہی اس کے متعلق ہوا کا عاشق ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شرک اصغر تم پر سب سے زیادہ خوفناک ہے عرض کیا گیا وہ کیا ہے فرمایا ریا یعنی عبادات میں دکھاوا۔

فائدہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی معرفت و محبت کے قصد سے نہیں بلکہ کسی غرض نفسانی کے لئے عبادت کرتا ہے تو وہ بھی شرک کا مرتکب ہوتا ہے۔

س

گر ز دنیا و عقبیٰ گذشتی [illegible] | [illegible]
[illegible] | [illegible]
[illegible] | ما حق [illegible]

ترجمہ: جب تو دنیا کی [illegible] کو چھوڑ کر [illegible] تو [illegible]۔
[illegible] اگر تو اللہ تعالیٰ کے [illegible] ہے۔
اگر اللہ تعالیٰ کے سوا [illegible] تو تیرا [illegible]۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا وقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلناه هباء منثورا۔ یعنی وہ اعمال جو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کے تمام اعمال کو [illegible] کر دیتا ہے [illegible] غبار کی طرح اڑا دیتا ہے۔

فائدہ هباء منثورا [illegible] وہ غبار جو سورج کی شعاعوں میں نظر آتا ہے۔

شان نزول ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں صدقہ دیتا ہوں اور [illegible] رضائے الٰہی چاہتا ہوں لیکن میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ لوگ میری تعریف کریں اس پر یہ آیت نازل ہوئی فمن کان یرجوا لقاء ربه یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا شوق رکھتا ہے اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخلاص نصیب فرمائے۔

تفسیر عالمانہ اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وہ لوگ جو اس سے بخل کرتے ہیں جو انہیں عطا ہوا۔ اَلَّذِیْنَ یہ مبتدا ہے جس کی خبر محذوف ہے یعنی یستحقون یعنی وہ مذمت کے حقدار ہیں۔ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ اور دوسروں کو بھی بخیلی کے بخل کا حکم دیتے ہیں جو انہیں عطا ہوئی۔ اس کا ماقبل پر عطف ہے۔ وَیَکْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ اور چھپاتے ہیں اس چیز کو جو انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے یعنی مال و دولت۔ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا اور ہم نے کافروں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کیا ہے۔ یہاں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لایا گیا تاکہ تنبیہ ہو کہ جس کی یہ صفت ہو وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے کفر کرنے والا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے کفر کرتا ہے وہ اس لائق ہے کہ اسے اہانت کرنے والے عذاب میں مبتلا کیا جائے جیسے وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت چھپا کر اور بخل کر کے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی اہانت کرتا ہے۔

شانِ نزول یہ آیت ان یہودیوں کے حق میں نازل ہوئی جو اہل اسلام کو خرچ کرنے سے روکتے اور کہتے کہ تم اپنے مال خرچ نہ کرو کہیں تمہارے فقیر اور محتاج ہونے کا خطرہ ہے۔

وَالَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ اور وہ لوگ جو اپنے مالوں کو دکھاوے پر خرچ کرتے ہیں یعنی لوگوں پر خرچ کرتے ہیں ان کا اس خرچ سے یہ مقصد ہوتا ہے کہ لوگ انہیں سخی کہیں کہ یہ کتنا سخی ہے انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب نہیں ہوتی۔ اس کا عطف اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ پر ہے اور رِئَآءَ النَّاسِ اس کا مفعول ہے۔

سوال: بخل اور ریاکاری کو مذمت میں کیوں شریک کیا گیا ہے؟

جواب: بخل اور وہ خرچ جو لوگوں کو دکھانے کے لئے کیا گیا ہے دونوں افراط و تفریط کی طرح ہیں۔ دونوں برے ہیں۔ اس لئے دونوں کی مذمت اور برائی کی جاتی ہے۔

وَلَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اور وہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ ہی روز آخرت پر تاکہ خرچ کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کا ثواب حاصل کریں۔

فائدہ اس سے مشرکین مکہ مراد ہیں جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت و دشمنی میں اپنا مال خرچ کرتے تھے۔

وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ۝ اور جس کا شیطان ساتھی ہو تو اس کا بہت برا ساتھی ہے۔ یعنی شیطان جیسا دوست اور [illegible] کی طرح شیطان کے ساتھی کہ وہ قبائح کی رغبت دیتے اور [illegible] طریقہ پیش کرتے ہیں۔ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ اور کیا نقصان ہے یعنی وہ لوگ جو [illegible] لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ۝ اگر وہ ایمان اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر لاتے اور خرچ کرتے اس سے جو انہیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی پر خرچ کرتے۔ اس سے کہ ایمان باللہ والیوم الآخر کا مقتضی ہے کہ جو کچھ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو وہی [illegible] مطلوب ہو۔ یعنی انہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے اور اس کی رضا کے لئے خرچ نہیں کرتے۔

فائدہ اس میں انہیں زجر و توبیخ ہے کہ وہ اپنے نفع سے بے خبر اور فکر انجام سے جاہل ہیں بلکہ خلاف مصلحت کرتے ہیں وہ بڑے ہی عجیب ہیں۔ اس کا جواب جس میں تفکر کی دعوت مقصود ہے کہ وہ اس سے اپنے انجام بخیر کو معلوم کرکے بہت سے فوائد [illegible] کو حاصل کریں [illegible] میں یہ ترغیب کی گئی کہ [illegible] اس میں [illegible] ہے۔ [illegible] کی جائے تاکہ [illegible] حاصل ہو۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ اور اللہ تعالیٰ ان کے حالات عَلِيْمًا باخبر ہے۔ [illegible] کو وعدہ ثواب سنایا گیا ہے کہ اس میں [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] کہ [illegible] تو [illegible] اور [illegible] کے حصول [illegible] اور [illegible] کے [illegible] کو [illegible] اللہ تعالیٰ کی رضا [illegible] نہیں [illegible] ایسے [illegible] کرتے [illegible] نہیں [illegible] گے۔

سه
مرا [illegible] کہ [illegible]
با [illegible] خانہ [illegible]

ترجمہ: [illegible]
[illegible]

ریاکاری کی بہترین مثال :۔ بعض حکماء فرماتے ہیں کہ وہ شخص جو ریا و سمعت کی نیت سے نیک عمل کرتا ہے اس کی مثال اس شخص جیسی ہے کہ جو بازار میں کنکریوں کا تھیلا بھر کر لے جائے اور لوگ اسے دیکھ کر کہتے ہیں کہ اس کے پاس کتنا بڑا مال و دولت ہے مگر اسے اس سے کوئی فائدہ نہیں صرف اتنا کہ لوگ اسے مالدار سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی شخص خریدنا چاہے تو اسے کچھ نہیں ملے گا اسی طرح جو وہ نیک عمل کرتا ہے تو ریا کرنے کے باعث شہرت کی وجہ سے۔

روحانی نسخے حضرت سہل [illegible] رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کسی کو اللہ تعالیٰ برباد کرنا چاہتا ہے تو اس کے تین عمل مردود ہوتے ہیں۔

۱۔ علم عطا کرتا ہے لیکن اس سے عمل کرنے کی توفیق سلب ہوتی ہے۔

۲۔ نیکوں کی صحبت تو حاصل ہے لیکن ان سے معرفت حاصل نہیں کرتا۔

۳۔ عبادت تو بہت کرتا ہے لیکن اخلاص کی دولت سے محروم ہے۔

یہ سب کچھ محض نیت اور خلوص کا نتیجہ ہے اس لیے کہ اگر عمل کی اچھی نیت ہوتی تو اسے اللہ تعالیٰ ضرور علم سے نفع بخشتا صحبت بزرگان سے اللہ اللہ کرواتا اور عمل میں خلوص کی دولت عطا فرماتا۔

؎ عبادت بااخلاص نیت نکوست — وگرنہ چہ آید زبے مغز پوست
چہ زنار مغ در میانت چہ دلق — کہ در پوشی از بہر پندار خلق

ترجمہ:۔ عبادت میں خلوص اور نیک نیت ضروری ہے ورنہ بے مغز پوست سے کیا حاصل ہوگا۔ تمہاری کمر پر زنار ہو یا فقیر کی گدڑی تو اس کا کوئی فائدہ نہیں جب اسے لوگوں کو دکھانے کے لیے پہنا ہو۔

سبق سالک کو لازم ہے کہ وہ خلوص کا ہر وقت خیال رکھے ہر نیک عمل کا مقصد رضائے الٰہی ہو ریا سے بچے اور اسے چاہیے کہ وہ صورت کی عبادت بنانے کی بجائے دل کو لگائے اس سے کہ دل کی فکر کی جائے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے سے ہوتی ہے۔ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

؎ [illegible] — [illegible]

ترجمہ:۔ [illegible]

اس کے علاوہ حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

؎ [illegible] — [illegible]

ترجمہ:۔ [illegible]

طبیعت کا تقاضہ ہے ۔

مسئلہ:۔ جو بخیل ہو کر دوسروں کو بخل کا حکم کرے تو وہ دوہرا گناہ ہے ۔

بخیل کے علامات:۔ صاحب کشاف نے فرمایا کہ ہم نے بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ جنہیں بخل کی بیماری ہوتی ہے ۔ جب وہ سنتا ہے کہ فلاں شخص نے فلاں پر احسان و مروت میں اضافہ کیا تو وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا ہے اور اس کا دل خوف کے تنگ ہو جاتا ہے اور بے قراری اور مضطرب ہو کر آتا ہے اور اس کی آنکھیں نیلی اور پیلی ہو جاتی ہیں۔ گویا اس کا اپنا مال و اسباب لوٹا گیا ہے اور اس کے خزانے لوٹے گئے ہیں ۔ یہ صرف دوسروں کی سخاوت سے اسے حسرت اور پریشانی ہوتی ہے ۔ صاحب روح البیان فرماتے ہیں کہ یہ عام طور پر ہوتا ہے کہ بخیل تو خود نہیں دیتے دوسروں کو بھی منع کرتے ہیں۔ بلکہ اگر انہیں قدرت حاصل ہو تو دینے والے کا ہاتھ روک لیں ۔ خلاصہ یہ کہ یہ بخیل بد بخت ہیں کہ جو کچھ بخل کے علاوہ کرتے ہیں حقوق العباد اور حقوق اللہ کی ادائیگی کا اور لوگوں کے گھروں کا [illegible] اسی طرح اور دوسرے امور خیر تو ہمیشہ خوش ہونے کے بجائے لگتے ہیں ۔ یہ لوگ ان کی بد بختی اور ان کا نظریہ کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی شکر گزاری کے بجائے ناشکری اختیار کرتے ہیں ۔ یہ حال بد بختی سے بخل کا اظہار ہوتا ہے ۔

س
بو مشتم کرد سفلہ را روزگار [illegible]
[illegible]

ترجمہ:۔ جب بد اصل کمینے کو دولت مل جاتی ہے تو وہ [illegible] کا دل ہی دل میں [illegible] جب کسی کو [illegible] کی دیوار بلند ہوتی ہے تو وہ [illegible]

روحانی نسخے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بخیل کو دیکھنے والے کا دل سخت اور سیاہ ہو جاتا ہے ۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ بخیل سے دور رہے ان کی صحبت اور اس کے ساتھ بیٹھنے کو زہر قاتل سمجھے ۔

س
(۱) ہر کجا باشد صحبت لازم [illegible]
(۲) [illegible] باکسے مشابہ [illegible]

ترجمہ (۱) اگر کسی کے ساتھ ہمسائیگی ہو تو کسی [illegible] سے ہونا چاہیے ۔
(۲) اگر کسی سے مشابہ ہونا ہو تو دانشمند سے مشابہ ہونا چاہیے ۔

سخاوت سے دنیا اور آخرت کے بہت سے برکات نصیب ہوتے ہیں ۔

حکایت ایک عورت کو کسی نے کچھ صدقہ دیا ۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے پوچھا کہ تجھے اس صدقے کا کیا فائدہ ہوا ۔ کہنے لگی کہ آسمان کی طرف دیکھا تو آسمان سے ایک سبز رنگ کا خط لٹکا ہوا اترا اور مجھ کو پہنچا ۔ اس رقعہ کا مضمون یہ تھا

سہ [illegible] دار خلد [illegible]
وما [illegible] [illegible]

ترجمہ :- سخاوت کا درجہ بہشت ہے اور بہت [illegible] سے [illegible] کی آگ بھی جلائے گی اگرچہ وہ [illegible] ہو ۔

[illegible] :- یعنی اللہ تعالیٰ کسی کو ایمان کی دولت سے نوازے گا ۔ اگر وہ کافر ہو تو اسے ایمان لانے کی توفیق ہوگی پھر زیادہ سے زیادہ نیکی کرے گا اور اس سے [illegible] پیدا کرے گا ۔ اور اگر وہ مومن ہو تو اس کے درجات بلند کرے گا اور اسے اس لائق بنائے گا کہ وہ شفاعت کے حق سے نوازا جائے ۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ بیشک اللہ ظلم نہیں کرتا ذرہ برابر بھی کسی پر ظلم نہیں کرتا یعنی کسی کے ثواب میں کمی نہیں کرے گا اور نہ کسی مستحق عذاب کے عذاب میں اضافہ ہوگا ۔ ذَرَّۃٍ ۔ [illegible] اصل میں سرخ چیونٹی کو کہتے ہیں [illegible] اور [illegible] کے وہ اجزاء جو سوراخوں سے گزر کر دکھائی دیتے ہیں یا [illegible] کے وہ ذرات جو روشن دان میں [illegible] کی روشنی میں نظر آتے ہیں ۔ تمام معانی [illegible] نہایت مناسب ہے ۔

مسئلہ :- اس آیت سے [illegible] ہے کہ [illegible] کی [illegible] سے [illegible] کو [illegible] ۔

وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً اور اگر کوئی نیکی ہو تو اس کو دو چند کر دیتا ہے ۔

سوال :- یہاں مونث کا صیغہ کیوں لایا گیا ہے ؟

جواب :- ضمیر کی مناسبت ہے کہ اس کی خبر (حسنۃ) مونث ہے یا اس لئے کہ مثقال کا مضاف الیہ مونث ہے (ذرۃ) اس کی رعایت کر کے صیغہ مونث لایا گیا ہے ۔

سوال :- تک خاص کیوں تھا۔ اصل تکن تھا۔ پھر وہ نون کیوں گرا ہے ۔

جواب :- تخفیف الفاظ کے لئے نون کو حذف کیا گیا ہے یا صرف حذف ہے تا بہت کلمہ وہ جس کا کثرت استعمال کی وجہ سے ۔

یُضٰعِفْهَا اس کے ثواب کو دوگنا کر دے گا ۔ یہاں حسنہ سے اس کا اجر و ثواب ہی مراد ہے کیونکہ حسنہ تو دوسرا نہیں ہوتا اور اس کا تضاعف کا طریقہ یہ ہے کہ اس جیسی مثلاً ایک نماز پڑھا جائے تو دو نماز کا ثواب ہے اور اتنا جتنا اللہ تعالیٰ چاہے ۔ **وَيُؤْتِ مِن لَّدُنْهُ** اور اپنی طرف سے اس کے عامل کو محض اپنے فضل و کرم سے اس سے زیادہ عطا فرمائے گا جس کا جس نیکی کے عوض وعدہ فرمایا ہے ۔ **اَجْرًا عَظِيمًا** بہت بڑا اجر یعنی جنت جو کہ اعلیٰ ۔

سوال :- اس عطا کو اجر سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ عطا کا اجر سے کوئی مناسبت نہیں ہے ۔

جواب :- یہ کہ عطا بالتبع اجر ہونا ثابت ہے جو کہ نیکی پر ملے اسے اجر سے تعبیر کیا گیا ہے ۔

نکتہ :- تعظیم کی جگہ میں کہ عظمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے موصوف فرمایا جس کی عظمت کا کیا کہنا ۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا اور مافیہا کو قلیل بتایا ہے جبکہ اس عطا کو عظیم سے موصوف فرمایا ہے ۔

حدیث شریف مروی ہے کہ قیامت کے دن مجمع عام میں حساب کتاب کے بعد ایک منادی یہ اعلان کرے گا کہ فلاں بن فلاں ہے جس کا اس پر حق رہا ہو وہ آئے اور لے جائے ۔ چنانچہ اس سے حقوق مانگنے والے ٹوٹ پڑیں گے اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے رب کی طرف سے حقوق ادا کر ۔ وہ عرض کرے گا یا اللہ دنیا ختم ہو گئی اب ان کے حقوق کہاں سے ادا کروں جبکہ اب دنیا نہیں ۔ تو اللہ تعالیٰ ملائکہ کو حکم فرمائے گا اس کی جتنی نیکیاں ہیں حقوق مانگنے والوں کو دے دی جائیں ۔ چنانچہ اس کی تمام نیکیاں حقوق مانگنے والوں کو دے دی جائیں گی ۔ پھر اگر ذرہ برابر اس کی نیکی بچ جائے گی تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے دگنا فرما کر اپنی رحمت و شفقت سے اسے جنت میں داخل فرمائے گا ۔

شرح الحدیث ظاہر ہے کہ اس تضعیف سے وہ لذت مراد ہے جو بہشت میں عطا ہوگی اس کا وعدہ فرمایا گیا ہے اور اجر عظیم سے وہ لذت مراد ہے جو کہ رویت باری تعالیٰ کے وقت نصیب ہوگی یا وہ لذت جو جنت اور حور میں مستغرق ہونے

کے وقت اللہ والوں کو نصیب ہوتی ہے ۔

سوال :- معدہ کے تہائی حصے کو (یعنی ثُلُثَہٗ) یعنی تہائی حصہ مخصوص کرنے کا کیا معنی ہے ۔

جواب :- یہ حدیث کسی چیز کی نشاندہی کے لئے نہیں ہے بلکہ ایک ایسی حقیقت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے جسم و نفس میں بطور امانت مجسم فرمائی ہے ۔ مثلاً نفس کی حرص و غصہ و حماقت وغیرہ ۔ خلاصہ یہ کہ تصفیہ میں [illegible] کی طرف اور تعلیم میں [illegible] کی طرف اشارہ ہے ۔

حدیث شریف فرمایا ہے کہ جب جنتی بہشت میں داخل ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ملائکہ کو حکم فرمائے گا کہ وہ ان کے سامنے [illegible] کھانے پیش کریں ۔ جب کھانے کھائے جائیں گے تو ہر لقمہ میں عجیب و غریب قسم کی لذات محسوس کریں گے ہر ایک لقمہ [illegible] سے [illegible] ہوگا ۔ جب کھانے سے فارغ ہوں گے تو حکم ہوگا کہ انہیں مشروبات پیش کرو ۔ جب مشروبات دیے جائیں گے اور وہ پئیں گے تو ہر ایک لذت کی کوئی نظیر نہ ہوگی ۔ جب فارغ ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم نے کھایا اور پیا اور میں نے تمہیں وہ کچھ دیا جو تم نے چاہا ۔ اس کے بعد وہ [illegible] عرض کریں گے یا اللہ تعالیٰ ہم صرف تیری رضا اور خوشنودی کو چاہتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں تم سے بہت راضی ہوں ۔ [illegible] کہ اللہ تعالیٰ کی رضا سب سے بڑی نعمت ہے اور صورت سے خصوصی تجلی [illegible] اس کے بعد [illegible] جائے گا ۔ [illegible] دیکھ کر بے ہوش ہو جائیں گے ۔ بہت دیر تک پڑے رہیں گے ۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ ملاقات کا وقت ہے تم اپنے سر اٹھاؤ ۔ اس وقت تمام نعمتیں بھول جائیں گے اور اس وقت معلوم ہوگا کہ [illegible] سب سے بڑی نعمت تمام نعمتوں کا سرچشمہ ہے ۔

سے [illegible]

ترجمہ :- [illegible] کی طرف [illegible] ۔ وہ [illegible] نہیں ہو سکتا ۔

اس کے بعد [illegible]

روشن کر دی جائے گی۔ جب یہ حالت میں ہوں گے تو پھر حوروں کے حسن و جمال میں اضافہ ہو جائے گا۔ اور یہ بھی عرض کر دیا گیا کہ آج تو تمہارا حسن و جمال پہلے سے کہیں زیادہ ہو گیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

عارفین کا مطلب نظر صرف حق کی جنت ہے۔ وہ کہتے ہیں ظاہری جنت محض۔ بایزید بسطامی قدس سرہ نے فرمایا، واللہ معرفت کی ہی جنت حوروں والی جنت سے بہتر ہے کہ اس کا ایک لمحہ بھی مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اور فرمایا کہ اگر مجھے آٹھوں جنتیں اور تمام دنیا کی نعمتیں دی جائیں تو میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتیں جو سحر کے وقت گریہ و زاری اور آہ و فغاں نصیب ہوتی ہے۔ حضرت مالک بن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ لوگ دنیا کو چھوڑ کر چلے گئے لیکن بہترین لذت سے محروم ہو کر گئے۔ عرض کیا گیا وہ کیا؟ آپ نے فرمایا معرفت الٰہی سے محروم گئے۔ حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ نے فرمایا۔

شعر ۱۔ اے خنک آں را کہ ذات خود شناخت — اندر امن سرمدی قصری بساخت
۲۔ پیش چو آہن گرچہ تیرہ ہیکلی — صیقلی کن صیقلی کن صیقلی!
۳۔ دفع کن از مغز و از بینی زکام — تا کہ ریح اللہ در آید در مشام
۴۔ ہیچ مگذار از تپ و صفرا اثر — تا بیابی از جہاں طعم شکر

ترجمہ:- خوش نصیب ہے وہ جس نے خود کو پہچانا، دائمی امن والے مقام و محل کو تعمیر کیا۔
۲- تو اگرچہ لوہے کی طرح سیاہ ڈھانچے والا ہے (لیکن دل) صاف کر صیقل کر۔
۳- دماغ و ناک سے زکام دور کر تاکہ تجھے اللہ تعالیٰ کی خوشبو نصیب ہو۔
۴- تپ و صفرا کے اثر کو چھوڑ تاکہ جہان میں شکر (میٹھا) سے لذت پاؤ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو معرفت نصیب فرمائے اور اپنے فضل و کرم سے جنت عطا فرمائے۔

تفسیر عالمانہ

فَكَيْفَ میں ما مقدر ہے۔ اس کا نصب فعل مقدر سے ہے اسے حال یا ظرف ہونے کی بنا پر ہے۔ یعنی یہ یہودی اور نصاریٰ وغیرہ کیا کریں گے۔ اِذَا جِئْنَا جب ہم قیامت میں لائیں گے مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ تمام امتوں کا بِشَهِيْدٍ گواہ جو ان کے عقائد اور اعمال کے حسب حال ان پر گواہی دیں گے۔ یعنی ہر امت کا اپنا نبی علیہ السلام تشریف لائے گا گواہی دینے کو۔ وَجِئْنَا بِكَ اور ہم آپ کو اے محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت حاضر کریں گے۔ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ان پر۔ یہ اشارہ ان کی طرف ہے کہ

(انبیاء علیہم السلام) کی طرف ہے۔ جیسا کہ لفظ بشہید سے معلوم ہو رہا ہے۔ شَہِیْدًا تو ان کی گواہی دیں گے کہ آپ کی قوم کے عقائد و اعمال یہ تھے اس لئے کہ آپ کی شریعت اُن کے لئے تھی تو [illegible] ہے یا هٰؤُلَآءِ کا اشارہ انہی کفار کی طرف ہے جنہوں نے حضور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تکذیب کی کہ آپ ان کے کفر اور ظلم کا ان پر گواہی دیں گے۔ چونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے کفر اور ظلم کو دیکھ کر گواہی دیں گے۔ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ اُس دن وہ کافر آرزو کریں گے جنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی تھی ان کے اس حال کا ذکر ہے۔ جس کی کیفیت اس حصہ تُسَوّٰى بِہِمُ میں بیان کی گئی ہے۔

سوال:- جنہوں نے رسول علیہ السلام کی نافرمانی کی وہ کافر تو تھے۔ پھر دوبارہ ان کی علیحدہ صفت لانے کا کیا فائدہ ہے۔ اس سے عطف الشئ علی نفسہ لازم آتا ہے۔

جواب:- کفر کے علاوہ اور گناہ بھی مقصود ہونے سے اس لئے عطف الشئ علی النفس لازم نہیں آتا۔ اب معنی یہ ہوا کہ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور گناہوں کے بھی مرتکب ہوئے۔ جماعت واحدہ ہو گی اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَالَّذِیْنَ عَصَوُا الرَّسُوْلَ۔

لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ زمین کے برابر ہونے کی تمنا کریں گے۔ یعنی بعض کی معنی یہ ہے اور یہ مجرور يَوَدُّ کا مفعول ہے یعنی وہ آرزو کریں گے کہ [illegible] مرنے کے بعد مٹی ہو کر زمین برابر کر دیئے جاتے جیسا کہ حیوانات ہو گئے ہیں اس لئے بعض نے [illegible] وہ آرزو کریں گے کہ وہ قیامت میں نہ اٹھائے جاتے اور نہ ہی پیدا ہوتے اور ان کا حال زمین کی طرح ہو جاتا۔

فائدہ بعض اہل علم نے یہ [illegible] روایت کی ہے۔ [illegible]
[illegible]
[illegible] زمین میں مل جانے کا کوئی امکان باقی نہیں ہے۔

وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا اور وہ کسی بات کو اللہ تعالیٰ سے چھپا نہ سکیں گے اس کا عطف يَوَدُّ پر ہے۔ یعنی وہ اپنے آپ کو اس سے نہیں چھپا سکیں گے [illegible] شرک کے الزامات لگائیں گے۔ یا واو حالیہ ہے یعنی آرزو کریں گے کہ وہ زمین میں مدفون ہوں۔ [illegible] وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ [illegible]

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نوح علیہ السلام قیامت میں بلائے جائیں گے تو وہ عرض کریں گے لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ (یعنی میں حاضر ہوں اے اللہ)۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم نے میرے احکامات امت کو پہنچا دیئے تھے؟ وہ عرض کریں گے۔ ہاں! پھر امت سے سوال ہوگا کہ نوح علیہ السلام نے تم کو میرے احکام پہنچائے تھے۔ وہ عرض کریں گے کہ ہمارے پاس تو کوئی آیا ہی نہیں تھا۔ نہ کوئی خوشخبری سنانے والا اور نہ ڈرانے والا۔ پھر نوح علیہ السلام سے سوال ہوگا۔ کیا تمہارے سچا ہونے کا کوئی گواہ بھی ہے؟ تو نوح علیہ السلام عرض کریں گے ہاں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور ان کی امت میرے گواہ ہوں گے۔ چنانچہ حضرت نوح کے حق میں حضور اور آپ کی امت گواہی دے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَہِیْدًا۔ اس کے بعد تمام حضرات انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم السلام کو نام لے لے کر بلایا جائے گا اور ان کے سامنے ان کے اعمال تحقیق ہوں گے یا نہ ہوں۔ یہ ایک سلسلہ ہوگا یہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوں گے۔

فائدہ حضرت امام ابو حامد غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کتاب "کشف علوم الآخرۃ" میں لکھتے ہیں کہ یہ اس کے بعد ہوگا جب اللہ تعالیٰ جانوروں کے بارے میں فیصلہ فرما دیگا۔ جبکہ سینگ والے سے بے سینگ مظلوموں کا قصاص لیا جائے گا۔ جب سب جانور اور پرندے ایک دوسرے سے حساب و کتاب سے فراغت ہوگی تو اللہ تعالیٰ انہیں فرمائیگا تم سب کے سب مٹی ہو جاؤ! اس کے بعد انہیں مٹی میں تبدیل کر دیا جائیگا تو کافر کہیگا۔ کاش کہ میں بھی مٹی ہوتا۔

مسئلہ ۱:- حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور ہر روز امت کے اعمال صبح و شام پیش ہوتے ہیں جن میں وہ آپ کی شناخت بھی ہوتی ہے اس لئے قیامت میں آپ اپنی امت کی گواہی دیں گے۔

مسئلہ ۲:- اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہر ہفتہ کے اعمال سوموار اور جمعرات کے دن پیش ہوتے ہیں۔

مسئلہ ۳:- ہر جمعہ کو انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم السلام اور ماں باپ کے سامنے ہر جمعہ کے دن اعمال پیش ہوتے ہیں۔

سبق ہمیں سوچنا چاہیے کہ انسان کا ہر عمل نبی پاک اور اللہ تعالیٰ کے سامنے ہر وقت پیش ہوتا ہے۔ بالخصوص ماں باپ کے سامنے جن کے آگے کوئی ایسا عمل پیش نہ ہو جس سے شرمندگی ہو

جیسے کہ منہ پر بہت گرمی پڑ جائے تو کوئی کہے کہ اس کا جوڑ گل جائے گا اس کے سبب سے وہ مقام بخار ہو جاتا ہے اور پھر اُسے درد کی وجہ سے شدت اور تکلیف کو تھوڑی سی چیز دا ستر لینی پڑے گی۔

سہ [illegible] امانت و طاعت و نیک | [illegible] امت ز فعل نیک
[illegible] بودن بہر رسانقی | [illegible] بہر رفتن!

ترجمہ :۔ جس شخص کا اس زمانہ میں مقدور ہے وہ عبادت کا کچھ بیج بو لے اور ایک کو ایک کل کرے کی قسمت خوش ہے جس نے زندگی کے تمام اسباب تیار کئے لیکن آخرت کے سب کی فکر نہ کی تو وہ بے بس ہی گئی۔

سبق انسان کو چاہئے کہ اپنے اوقات ضائع نہ کرے اور سمجھے کہ اُس کے اوقات راس المال ہیں۔ جب تک انسان کے پاس اپنا راس المال محفوظ ہو اُس وقت تک وہ اپنے عمل سے منافع پا سکتا ہے۔

انسان کو غور کرنا چاہئے کہ اس کا وقت کیا ہو رہا ہے مال اگر بے حد جمع کر لیا ہے ہی اس سے آگے آخرت کے لئے بہت بڑا سرمایہ جمع کرنا چاہئے۔ کیونکہ آج تو سرمایہ (زندگی وغیرہ) تو معمولی محسوس ہوتا ہے لیکن کل قیامت کو اس کی قدر معلوم ہوگی کہ حشر میدان کے اس ایک ایک پل کی کیا قدر و قیمت ہے اور قیامت کے مقابلے میں کہ زندگی کے معمولات کی کیا وقعت ہے پس آج ہی محنت کا ایام ہیں اسی سبب وہ قیامت کے لئے زیادہ سے زیادہ اعمال صالحہ کی کوشش کرنی چاہئے۔ کیونکہ قیامت میں اعمال صالحہ کا حصول ناممکن ہے۔

مسئلہ :۔ مروی ہے کہ اہل سماوات بھی قبروں میں مردوں کے پاس کر کے ہیں کہ انہیں صرف دو رکعت نماز پڑھنے کی یا صرف ایک بار لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہنے کی اجازت اگر انہیں وقت مل جائے کہ وہ صرف ایک بار سبحان اللہ کہہ سکیں لیکن کسی کام کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

مسئلہ :۔ اہل سماوات ان لوگوں پر تعجب کرتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے قیمتی لمحات غفلت میں کیوں ضائع کر رہے ہیں۔

سہ چنانکہ [illegible] حافظ | [illegible]
ترجمہ :۔ [illegible]

تفسیر صوفیانہ حضرت ملا عبدالرزاق کاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا الآیۃ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ "الشہید" اور شاہد ہر وہ شخص ہے جو اپنے مرتبہ علم کی برکت سے ہر ایک کے سامنے حاضر ہو اور اکثر اس کی معرفت پر مشتمل ہو سکتا ہے۔ در اصل اسکا وصف جو ہر ایک کی وجہ سے ہوتا ہے جو اسے منصب ہوا۔ اس لیے ہر نبی اپنی امت کا شاہد ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ نبی کی امت کی استعداد ہوتی ہے۔ اسی طرح اسے بھی امت کے احوال منکشف ہوتے ہیں۔ ہمارے نبی علیہ السلام کا جمیع ہوتا ہے اور وہ اپنی استعداد کے مطابق جانتا ہے لیکن جیسا کہ نبی علیہ السلام جانتے ہیں۔ اتنا دوسرا کسی کو نصیب نہیں ہوتا اسی لئے ہر نبی اپنی امت کا شاہد ہوگا۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے ہر ایک کو اپنی تجلی سے نوازے گا لیکن اس صورت میں کہ جس صورت کا ہر ایک کا اعتقاد ہے۔ تمام اہل مذاہب کے لوگ جانتے ہیں۔ اسکے بعد اللہ تعالیٰ اپنی صورت میں تبدیل ہوکر دوسری صورت اختیار کرے گا۔ تب صرف موحد اور وہ اصل بات جانیں گے جو اہل توحید تک رسائی ہوگی۔

مسئلہ :۔ چونکہ ہر امت کا اپنا نبی شاہد ہوگا۔ اسی طرح ہر مذہب (حق یا باطل) کا اپنا مقتدا شاہد ہوگا۔ اور وہ اس کے تمام احوال اس پر منکشف ہونگے اسلئے اس کی گواہی دیں گے۔

مسئلہ :۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سب کے گواہ تمام امتوں کے گواہ ہونگے۔ اور آپ کے نبی بھی ان پر گواہ رہیں گے اسلئے کہ وہ سب انبیاء علیہم السلام ہمارے نبی علیہ السلام کے امتی ہیں۔ علاوہ ازیں حضور علیہ السلام مومن کے نبی بھی ہیں اور حبیب بھی اور وہ جوامع الکلم سے نوازے گئے ہیں اور مکارم اخلاق کی تکمیل انہی کے ہاتھ میں ہے۔ اسی لیے اولیاء اللہ کسی رنگ میں ہوں وہ ہر صورت انہیں پہچان لیں گے۔ جنہوں نے اپنے نبی علیہ السلام کی متابعت کا حق ادا کیا ہوگا۔ اور نبی علیہ السلام ان تمام احوال کا علم رکھتے ہیں۔ (علامہ کاشانی کی عبارت کا ترجمہ ختم ہوا)۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو علم الیقین عین الیقین اور حق الیقین سے نوازے۔

(آمین)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى
تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَ لَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ وَ
اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ
اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَ
امْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝ اَلَمْ
تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَ يُرِيْدُوْنَ
اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ۝ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۗ
وَّ كَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ۝ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ
وَ يَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا وَ اسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّ رَاعِنَا لَيًّۢا بِاَلْسِنَتِهِمْ
وَ طَعْنًا فِي الدِّيْنِ ؕ وَ لَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا وَ اسْمَعْ وَ انْظُرْنَا
لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَ اَقْوَمَ ۙ وَ لٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ
اِلَّا قَلِيْلًا ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا
لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ اَوْ نَلْعَنَهُمْ
كَمَا لَعَنَّاۤ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ
اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ
فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِيْمًا ۝ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ
اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَ لَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى
اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَ كَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝

ترجمہ:

اے ایمان والو! نشہ کی حالت میں نماز کے پاس نہ جاؤ جب تک کہ اتنا ہوش نہ ہو کہ جو کچھ
کہو اسے سمجھو اور ناپاکی کی حالت میں بھی نہائے بغیر مگر مسافری میں اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں یا تم میں سے

کوئی قضائے حاجت سے آیا یا تم نے عورتوں کو چھوا۔ اور پانی نہ پایا تو پاک مٹی سے تیمم کرو تو اپنے منہ اور ہاتھوں کا مسح کرو بیشک اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا بخشنے والا ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا جن کو کتاب سے ایک حصہ ملا گمراہی مول لیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راہ سے بہک جاؤ اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو اور اللہ کافی ہے والی اور اللہ کافی ہے مددگار کچھ یہودی کلموں کو ان کی جگہ سے پھیرتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور نہ مانا اور سنئے آپ سنائے نہ جائیں اور راعنا کہتے ہیں زبانیں پھیر کر اور دین میں طعنہ کے لئے اور اگر وہ کہتے کہ ہم نے سنا اور مانا۔ اور حضور ہماری بات سنیں اور حضور ہم پر نظر فرمائیں تو ان کے لئے بھلائی اور راستی میں زیادہ ہوتا لیکن ان پر تو اللہ نے لعنت کی ان کے کفر کے سبب تو یقین نہیں رکھتے مگر تھوڑا۔ اے کتاب والو ایمان لاؤ اس پر جو ہم نے اتارا۔ تمہارے ساتھ والی کتاب کی تصدیق فرماتا قبل اس کے کہ ہم بگاڑ دیں کچھ مونہوں کو تو انہیں پھیر دیں ان کی پیٹھ کی طرف یا انہیں لعنت کریں جیسی لعنت کی ہفتہ والوں پر اور خدا کا حکم ہو کر رہے۔ بیشک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے اور کفر سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف کر دیتا ہے اور جس نے خدا کا شریک ٹھہرایا اس نے بڑے گناہ کا طوفان باندھا کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جو خود اپنی ستھرائی بیان کرتے ہیں بلکہ اللہ جسے چاہے ستھرا کرے اور ان پر ظلم نہ ہوگا دانہ خرما کے ڈورے بھر دیکھو کیسا اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہیں اور یہ کافی ہے صریح گناہ ۔

تفسیر عالمانہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَ
أَنتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ ۔

اے ایمان والو نماز کے قریب نہ جاؤ جبکہ تم نشے میں ہو یہاں تک کہ تمہیں معلوم ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔

شانِ نزول حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعوت پکائی جس میں شراب نوشی کا بھی انتظام کیا گیا۔ اور بہت سے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مدعو کیا۔ اس وقت تک جب شریعت میں شراب پینا جائز تھا ان حضرات نے خوب دعوت کھائی اور پھر شراب بھی پیا۔ جب شراب کی مستی کا غلبہ تھا تو مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا۔ ان میں سے ایک صاحب کو امام بنایا گیا تو نشہ میں ان سے نماز میں غلطی

یاایہا الذین آمنوا لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ حتیٰ تعلموا ما تقولون۔ جو پیچھے لکھی ہیں
سورۃ بقرہ کی آیت ۲۱۹ منفعت کے ساتھ اس سے مطلق حرمت ہوگئی۔ پس یہ دوسری آیت نازل ہوئی۔ اس
کے بعد نماز کے اوقات میں شراب نہیں پیا جاتا تھا عشاء کی نماز پڑھ کر شراب پی کے سو جاتے
تھے صبح کے وقت شراب کا اثر بالکل اتر جاتا۔ تو فجر کی نماز پڑھ لیتے تھے۔ اس طرح مسلمانوں کی نمازوں
میں خلل نہ پڑتا۔ اس کے بعد پوری طرح شراب کی حرمت نازل ہوئی۔

سوال :- نماز کے قریب نہ جانے کا حکم کیوں ہے حالانکہ نشہ کے وقت نماز کا پڑھنا ممنوع ہے؟

جواب :- اس سے مبالغہ مقصود ہے۔ کہ جب نماز کے قریب جانے کا حکم نہیں تو پڑھنے کی تمام کسی شکل کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے۔

فائدہ اس سے نماز معاف نہیں ہوگی بلکہ اس فعل سے روکا گیا ہے جو نماز کے لیے مخل کرنے والا ہے۔

فائدہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے کہ بھاگا ہوا غلام (مالک سے بھاگ جانے والا) اور عورت نافرمان (شوہر کی بے اطاعتی) کی کوئی نماز نہیں۔ اگرچہ وہ نمازیں پڑھتے رہیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی شکل کو درست کر لیں تو پھر ان سے نمازیں درست ہوں گی۔ اسلئے کہ غلام کا مالک سے بھاگنا اور عورت کا اپنے شوہر کی بے فرمانی اور شراب پینا نماز کی روحانیت کو ساقط نہیں کرتی اور نیت کا حق یہ ہے کہ نشہ کے وقت نماز نہ پڑھو بلکہ جب تمہیں نماز شروع کرنے سے پہلے معلوم ہو کہ تم اپنے ہوش میں ہو اور جو کچھ کہو گے اسے تم خوب سمجھتے ہو اس وقت کہ تم جو بولو گے وہ تم کو معلوم ہوگا کہ وہ نماز میں کیا پڑھ رہے ہیں گے۔

فائدہ سکر اس حالت کو کہتے ہیں جو انسان کو نشہ آور چیز کو پینے سے ہوتی ہے اس کی عقل کو عارض ہوتا ہے اور یہ کیفیت شراب سے اکثر پیدا ہوتی ہے اور کبھی غصہ اور نیند اور غضب اور خوف سے بھی طاری ہوتی ہے۔ لیکن سکر حقیقۃً تو شراب سے ہوتا ہے دوسری اقسام سے مجازاً۔ اور یہاں بھی شراب نوشی سے جو کیفیت پیدا ہوتی ہے وہی مراد ہے۔ سکاریٰ سکران کی جمع ہے جیسے کسلان کی جمع کسالیٰ ہے۔

مسئلہ :- نشہ کی شراب کے نشہ کی حالت میں طلاق دے تو واقع ہو جاتی ہے اور اس پر حد بھی جاری ہوگی۔

مسئلہ :- اور اس حالت میں کسی کا نقصان کر ڈالے یا کسی کو قتل کرے یا کسی اور جرم کا ارتکاب کرے تو اس سے مواخذہ ہوگا۔

مسئلہ:- (۲) اس کیفیت میں عورت کو طلاق دے یا بیع و اقرار کرے تو طلاق و عتاق قطعاً واقع ہو جائیں گے۔ علماء احناف کے نزدیک یہ احتیاطاً ہے تاکہ نشہ والے کو سزا ہو۔

(تفسیرات شامی بحوالہ تفسیر)

وَلَا جُنُبًا اس کا عطف وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی پر ہے اور نصب کے موقع میں ہے۔ گویا یوں کہا گیا ہے لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ سُکٰرٰی وَلَا جُنُبًا۔ یعنی نشہ اور جنب کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔ اور الجنب اس شخص کو کہتے ہیں جسے جنابت پہنچے۔ یہ مذکر، مؤنث، جمع اور واحد و جمع کے لیے برابر مستعمل ہوتا ہے۔ اس لیے کہ یہ مصدر کے قائم مقام واقع ہوا ہے۔ دراصل جنابت بُعد (دوری) کو کہتے ہیں۔ اور جنب کو چونکہ تلاوت قرآن اور نماز اور مسجد سے دور رکھا جاتا ہے اس لیے اس نام سے موسوم ہوا۔ اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ یہ مستثنیٰ ہے عام احوال سے جو یہاں محل نصب میں ہے۔ یعنی کہ لَا تَقْرَبُوْا کی ضمیر سے حال ہے باعتبار اس کے کہ یہ فعل اس سے متعلق ہے اور عابری سبیل سے مراد مسافر ہے، حال لَا تَقْرَبُوْا کی ضمیر ہے۔ اب معنی یوں ہوا کہ تم جنب کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ۔ ہاں مگر مسافر ہو تو پھر جائز ہے کہ مذکورہ امور جائز ہیں کہ تم پانی سے معذور ہو اس لیے تم تیمم کر کے بھی صلوٰۃ ادا کر سکتے ہو۔ حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا یہاں تک کہ تم غسل کر لو۔ حالت جنب میں نماز کے قریب نہ جانے کی غایت یہی ہے کہ تم غسل کر لو۔

مسئلہ:- آیت کریمہ میں اشارہ ہے کہ نمازی کے لیے ضروری ہے کہ اس فعل سے دور رہے جو نماز کے لیے خلل کا سبب ہے۔ اور دل کو کسی امر میں مشغول کرے اور اسے چاہیے کہ اپنے نفس کو ان امور سے پاک و صاف رکھے جو اسے نقصان پہنچانے والے ہیں اور جب کسی کو تزکیہ نفس کے اعلیٰ مراتب کو پہنچنے کا سلیقہ کی ہمت ہو تو صرف ادنیٰ مراتب پر اکتفا نہ کرے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اور اگر تم بیمار ہو۔ مرضیٰ مریض کی جمع ہے اور مرض تین قسم کے ہیں۔

① ہر وہ مرض کہ پانی کے استعمال سے موت کا خطرہ ہو۔ جیسے سخت چیچک۔ اسی طرح جسم پر کثرت سے جسم کے پھنسی اور پھوڑے۔

② وہ مرض کہ جس میں پانی کے استعمال سے موت کا خطرہ تو نہ ہو لیکن پانی کی وجہ سے مرض کا شدید اور اضافہ ہو جائے۔

③ ایسا مرض جس سے نہ موت کا خوف ہو اور نہ ہی شدید و اضافہ کا خطرہ۔ جیسے پانی کے استعمال

سے محروم [illegible] جیسے [illegible] یا اگر ہوتا ہے۔ فقہاء رحمۃ اللہ تعالیٰ نے [illegible] تجربہ [illegible]
[illegible] تجربہ کے [illegible] نہیں دیا۔

اَوْ عَلٰى سَفَرٍ یا اس کا عطف مرضیٰ پر ہے یعنی اگر تم سفر میں ہو [illegible]

سوال :- سفر میں تو پانی مل جاتا ہے پھر اس کی کیا ضرورت ہے؟

جواب :- چونکہ [illegible] سفر [illegible] پانی [illegible] اللہ پاک نے
[illegible] تیمم کی ضرورت [illegible]
کہ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا [illegible] تیمم جائز [illegible] ہو۔
[illegible] پانی [illegible] قیمت [illegible]
[illegible]
کیا گیا ہے۔

اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ یا تم میں سے کوئی [illegible]
[illegible] قضائے حاجت کے بعد [illegible] جائے۔

فائدہ [illegible]
[illegible] اَوْ لٰمَسْتُمُ
النِّسَآءَ [illegible]
[illegible] فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً [illegible] یعنی پانی کے استعمال
کی قدرت نہیں رکھتے [illegible]
[illegible]
[illegible] فَتَيَمَّمُوْا
صَعِيْدًا طَيِّبًا تو پاک مٹی کا ارادہ یعنی تیمم کرو۔

امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا [illegible]

فائدہ

مسئلہ :- اگر [illegible] تیمم [illegible]
[illegible] امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ [illegible]۔ فَامْسَحُوْا
بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ [illegible]۔

مسئلہ:۔ ہاتھوں کا تیمم کہنیوں سمیت ہو۔ اس لئے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیمم کیا تو کہنیوں کو تیمم میں شامل فرمایا۔

فائدہ عقلی طور پر بھی یہی صحیح ہے اسلئے کہ تیمم وضو کا بدل ہے یعنی تیمم وضو کا نائب ہے تو نائب کو اپنے اصل کے تمام حکم کے مطابق رکھا جائے گا۔ (ف) اور فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ الخ میں باء زائدہ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا بیشک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور غفور ہے۔ یہ ترخیص و تیسیر کی علت بتائی گئی ہے۔ یعنی نہیں اس لئے حکم سے ضعیف اور مجبور کیا گیا ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ سے یہ عادت کریمہ ہے کہ وہ خطا کاروں کی خطا معاف کرتا ہے اور گنہگاروں کی بخشش دیتا ہے۔ پس ایسی ذات کو ایسے ہی ہونا چاہیئے کہ وہ اپنی مخلوق کو آسانی بخشے نہ کہ تنگی اور حرج میں مبتلا کرے۔

تفسیر صوفیانہ یاد رہے کہ نماز مومن کی معراج اور اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا بہترین وقت ہے۔ اس لئے کہ نمازی اپنے رب تعالیٰ سے نماز کے وقت کلام کرتا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اے ایمان والو نشہ کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ۔ یعنی اسے قرب الٰہی نصیب نہیں ہو سکتا جو غفلت کے نشہ میں مخمور اور شہوات نفسانی میں منہمک ہو۔ اسلئے کہ وہ پردے جو قلب کو توجہ الی اللہ سے دور رکھے وہی نشہ ہے۔ اور یہی وجہ ہے نشہ کے کئی اقسام بتائے جاتے ہیں۔ ایک نشہ شراب سے اور ایک نشہ غفلت سے ہوتا ہے۔ اس لئے کہ رغبت دنیا کے غلبہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ سب سے سخت ترین وہ نشہ ہے جو نفس سرکش سے ہو۔ اس لئے کہ وجہ یہ ہے کہ شراب کا نشہ اتر سکتا ہے لیکن نفس سرکش کا نشہ عمر بھر رہتا ہے کہ اس سے ہمیشہ کے لئے حقیقت سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔

س۔ اے اسیر رنگ تا کی خویشتن — بستۂ خود را بدام خویشتن
۲۔ ورنہ تجلی باشد اندر کے او — کم شو از خود تا بیابی وصل او
۳۔ تا گرد تنگی بیاید سی جسد — غافلے دل گم شدہ اس حضور
۴۔ تا تو از غفلت نہ جلوہ مست شوی — تا نجیم از نظر وصلت بہشتی

ترجمہ: (۱) اے رنگ و جسم کے قیدی اور خواہشات کی قید میں پھنسے ہوئے۔
(۲) اگر تجھے اس کی کوئی ... تکلیف نہیں گوہر مطلب نصیب ہو۔

(۳) جب تک تم کو ہوش نہ ہو یعنی جب تک تمہاری [illegible] درست نہ ہو [illegible] غائب ہو جانے کا
اگرچہ تو ضروری مطلب ہے۔

(۴) ہاں راستہ کی بات تو ضرورت کے مطابق ہے [illegible] مقصود ہو گا۔

حَتّٰی تَعْلَمُوْا الخ۔ یہاں تک کہ تم معلوم کر لو کہ تم کیا کہتے ہو۔ مثلاً نماز کی تکبیر کے وقت تم نے ہاتھ اٹھا کر کہا - اللہ اکبر - اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ بڑی عظمت والا اور سب سے بڑا ہے۔ پس جب تم نے نماز کے وقت یہی کہا تو جس سے کہا تو اس وقت دل میں بجز اللہ تعالیٰ کی عظمت کے کچھ اور کسی کی عظمت کا خیال ساقط ہو جانا چاہئے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی سے کوئی خیال موجود نہ ہو اس کی محبت کے ساتھ کوئی دوسرا مطلب ہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے۔ نہ اس کا کوئی ذات میں شریک ہے اور نہ صفات میں۔ اگر کوئی شخص ذکر تکبیر (اللہ اکبر) کہہ کے بھی چھوٹا ہے کہ ماسوا کے ساتھ تعلق نہیں توڑ سکا تو وہ کسی طرح سے اپنی نماز سے کسی قسم کی قربت نصیب نہیں ہو گی۔ اس لئے کہ قربت الٰہی سجدے سے حاصل ہے جیسا کہ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ۔ میں صراحۃً فرمایا گیا ہے۔ صوفیائے کرام کے نزدیک سجدہ یہ ہے کہ انسان اپنے وجود کے اوصاف کی صورتوں سے اٹھ کر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے ساتھ [illegible] اللہ تعالیٰ کے وجود [illegible] تک پہنچنے کی کوشش کرے تاکہ اس کے جلال و جمال کا مشاہدہ نصیب ہو۔ نماز کے بعد تشہد کے لئے بھی یہی حکم ہے۔ اس کے معنی وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ یعنی جب تم نشہ کی حالت میں قربت الٰہی نہیں کر سکتے ایسے ہی حالت جنابت سے [illegible] قربت الٰہی نصیب نہیں ہو گی۔ [illegible] دنیا ہے [illegible] راستہ عبور کرنا ہے تو [illegible] کوئی نہیں لیکن دنیا کو [illegible] سے [illegible] جائے یعنی ضرورت تک اس کی پابندی کی جائے۔ [illegible] راستہ کے [illegible] اسباب [illegible] کے [illegible] جمال [illegible] سے [illegible] کی طہارت حاصل ہے۔ حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا یہاں تک کہ قربت واجب [illegible] طلب [illegible] نعمت کے [illegible] دنیا کی طلب اور اس کی خواہشات سے خواہ [illegible] [illegible]

[illegible] أَوْ جَآءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَآئِطِ یا آئے تم میں سے کوئی [illegible] کے [illegible] أَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ یا تم نے عورتوں [illegible] [illegible] فَلَمْ تَجِدُوا مَآءً پس تم نہ پاؤ پانی [illegible] فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا پس تم پاک مٹی سے تیمم کرو۔ [illegible] فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ پس تم اپنے چہروں کا مسح کرو۔ [illegible] إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا بیشک اللہ تعالیٰ تمہاری غلطیوں کو معاف کرنے والا ہے۔ [illegible] سعادت نصیب ہوئی۔ [illegible]

(۱) [illegible] سعادت [illegible] [illegible]
(۲) [illegible] [illegible]

ترجمہ [illegible]

(۱) [illegible]

[illegible] خدمت کرے۔

تفسیر عالمانہ

أَلَمْ تَرَ کیا آپ نے نہیں دیکھا۔ [illegible]

إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتٰبِ [illegible] کتاب سے۔ یہاں کتاب سے [illegible] توریت اور [illegible]

شانِ نزول یہ آیت یہود کے [illegible] کے حق میں نازل ہوئی جو رئیس [illegible] عبداللہ ابن ابی سلول [illegible] کے پاس آکر [illegible] اسلام [illegible] کا تمسخر کرتے۔

یَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَۃَ [illegible] ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال [illegible] [illegible] [illegible] توریت [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]۔

اَنْ تَضِلُّوا السَّبِیْلَ [illegible] [illegible] وَاللّٰہُ اَعْلَمُ [illegible] بِاَعْدَآئِکُمْ [illegible] تمہارے دشمنوں [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] تمہارے دشمنوں کے [illegible] وَکَفٰی بِاللّٰہِ [illegible] وَلِیًّا [illegible] اللہ تعالیٰ تمہارے [illegible]۔ وَکَفٰی بِاللّٰہِ نَصِیْرًا [illegible] [illegible] [illegible] تمہارے دشمنوں [illegible]۔

مسئلہ [illegible]۔

تفسیر صوفیانہ [illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible] کے معنی میں [illegible] جبرئیل [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] علماء کرام [illegible] نصیحت [illegible] حضرات انبیاء علیہم السلام کے وارث [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] [illegible] [illegible] پیچھے لگے رہتے ہیں [illegible] [illegible]

فَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِأَعْدَائِكُمْ [illegible] اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے۔ تم دشمنوں کی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

سبق دنیا میں [illegible] دو شخص [illegible] ہیں

(۱) [illegible]

(۲) [illegible]

[illegible] [illegible]

علاج [illegible] اہل سنت [illegible] [illegible] سے نجات نصیب ہو گی

حکایت مروی ہے کہ کسی بزرگ [illegible] قصاب [illegible] [illegible] قصاب [illegible] [illegible] [illegible] قصاب [illegible] [illegible] نصیحت [illegible] [illegible] نصیحت کرنے سے [illegible]۔

نسخہ روحانی جو شخص چاہے کہ [illegible] نصیحت سے [illegible] [illegible] پا سکے گا۔

یعنی سالک کو چاہیے کہ وہ اپنے نفس کو غیظ اور سفلی عادات سے پاک اور صاف کرے۔ ورنہ [illegible] سے بالکل صاف اور منقطع ہو جائے۔ بیت

چوں طہارت نبود کعبہ و بتخانہ یکیست
نبود خیر دراں خانہ کہ عصمت نبود

یعنی جب باطن صاف نہ ہو تو کعبہ و بتخانہ میں کوئی فرق نہیں۔ [illegible]

تفسیر عالمانہ: مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا یہ بیان ہے [illegible] اصل عبارت یوں تھی من الذین هادوا قوم۔ یعنی یہودیوں کی ایک قوم ہے۔ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ [illegible]

[illegible]

فائدہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سوال [illegible]

جواب [illegible]

[illegible]

[illegible] کلمات [illegible] کے بجائے [illegible]
[illegible] کلمات [illegible] ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا [illegible]
[illegible] تھا۔

سوال جب ان کے تمام کلمات [illegible] معلوم [illegible] وہ کلمات [illegible] تھے!

جواب ان کے کلمات [illegible] کلمات ہیں [illegible]

[illegible] اللہ [illegible] جیسے حضرت [illegible] حضور [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]

تفسیر صوفیانہ [illegible]

[illegible] حضرت شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

(۱) [illegible]

[illegible]

(۲) [illegible] عالم [illegible]

[illegible] عشق [illegible]

ترجمہ: [illegible]

(۱) تمام دنیا کے علوم پڑھ کر [illegible] ایک حرف بھی نہیں پا سکتے۔

حدیث شریف

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص علم پڑھتا ہے [illegible] قیامت میں جنت کی خوشبو سے محروم ہوگا۔

علم نافع کے فوائد

حضرت شیخ شاذلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا [illegible]

[illegible] حضرت شیخ ابو الحسن [illegible] رحمۃ اللہ علیہ [illegible] خشیت الٰہی [illegible] محبت ہوگی۔

خشیت الٰہی کی علامت

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی چند علامات ہیں: (۱) [illegible] (۲) [illegible] (۳) [illegible] کے ساتھ جنگ۔ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

(۱) [illegible]

[illegible]

(۲) [illegible]

[illegible]

(۳) [illegible]

[illegible]

۱۴ ترکِ ہوا است کشتیِ دریائے معرفت

معرفت ذات شو [illegible]

۱۵ ہر علم را کہ کار نہ بندی چہ فائدہ

چشم از برائے آں بود آمد کہ بنگرد

ترجمہ: اگر تیرا دعویٰ ہے کہ [illegible] سے [illegible] تو [illegible]

[illegible]

(۱) علم کے ساتھ عمل [illegible] ہے علم کے ساتھ عمل [illegible] ہے۔

(۲) علم، حدیث، دین، فقہ اور ادب کا نام ہے۔ اگر [illegible] تو [illegible] ہے

(۳) دریائے معرفت کی کشتی خواہشات کا ترک ہے [illegible] ہیں۔

(۴) عمل [illegible] ہے۔

تفسیر عالمانہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اے وہ لوگو جنہیں کتاب [illegible] اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا ایمان لاؤ اس پر جو ہم نے نازل فرمایا یعنی قرآن پر۔ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ قرآن [illegible] تصدیق [illegible] قرآن [illegible]

فائدہ توریت کی تصدیق کا مطلب یہ ہے کہ قرآن [illegible] اوصاف [illegible] توریت میں [illegible] پایا [illegible] ہے۔

سوال قرآن پاک کے بہت سے احکام [illegible] توریت کے [illegible] ہیں تو قرآن مصدق ہے یا مکذب؟

جواب [illegible]

وَمِنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى [illegible]

حل لغات [illegible]

ہوں اپنے منافع حاصل کرتے ہیں ۔ **لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا** تاکہ ہم انہیں تمہاری چیزوں کی طرف بھیجیں کہ تم اس سے جیسے کو تمہاری چیزوں کی طرح ہم لوگ دیکھیں جیسے کہ جنتوں کی طرح ہم اس نظر آتی ۔ حضرت ابن عباسؓ نے اس کا مطلب یہ سمجھا ہے فرمایا ہم تمہارے سے جیسے کو اور لوگوں کے پاس [illegible] کے لوگوں کی طرح جانیں ۔ اس طرح ہم **صَعِيْدًا جُرُزًا** کا ذکر ہے یعنی یہ سب کچھ ہم اس کے پہلوؤں کی طرف پھیر دیا یا پھر اس کے بعد پھر اس کی چیزوں کی طرف پھیر لیں اور اس کو چیزوں کی ان کے پہلوؤں کے مقام پر رکھ دیا ۔ اس طرح سے وہ مقدار میں ہیں جو سکے جائیں گے یعنی جیسے چیزوں کی جگہ اور ختم جیسی کی جگہ پر اور پھر وہ جگہ زمین کے لئے خراب ہیں ۔ **اَمْ حَسِبْتَ** یا انہیں بھی جا رہا ہے جیسے جیسا وہ ان کو دعا کریں ۔ **اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ** والرقیم کو ہم نے بہت بڑی نشانی بنایا تھا اور غار بنا دیا ۔

فائدہ وعید کا حق تو پہلے سے مشروع ہے ۔ اس کا سبب ذوالقرنین سے متعلق ہے کہ جو انہیں ایمان پا گئے تو سزا سے بچ جائیں گے ۔ وہ اس سے ذکر میں مشغول ہو گئے جو ہیں ان میں سے جن کو دولت ایمان نصیب ہوا تو وہ جو پہلے کو ان سے محفوظ ہو گئے ۔

فَقُلْتُ اَنْفُسَكُمْ عظیم ہیں وہ اللہ تعالیٰ کا مقرب ۔ **فَكُلُوْا** ۔ اور ضرور الفرید مصطفیٰ اللہ سے انہیں شہید ہیں ہے یہ کہ اے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام تم اس سے سابق کی طرح ہو جیسے کہ گذشتہ امتوں کے ساتھ ہوا ہے لہٰذا قصص انبیاء سے سیکھنا چاہیے اللہ کو یاد کر کے پھر ان کا ایمان حاصل کیجئے اور تقویٰ کا خیال رکھیں ۔

فائدہ اے امت محمدیہ علی صاحبہا السلام تم بھی صبح و شام اور اوقات میں پڑھو یہ کلمات پڑھو ۔

حکایت حضرت ابو حمزہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک قافلہ کے ساتھ سفر کیا تو ہم ایک شخص کو دیکھا جو ترکیب کر کے ان کی ملاقات پر سفر کرتے ہیں ۔ جب پہنچے تو ایک قبر پر آرام کر رہے تھے وہ تو جنت میں تھا ایسا تو اس سے بڑا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان دیتے تھے ۔ ہم نے ان سے پوچھا کیا لیکن اس نے ہمارا کہا ۔ جب ہم نے ان کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ سب کچھ وہی ہے تیار کی اور دعا کرتے ہم چلے گئے اور سلام کیا اور پوچھا کہ یہ سفر کے لئے تیار ہیں یہ دیکھا تو وہ بار بار اس کی شکل میں تبدیل ہو گیا تھا اور اس کے پاس ایک چھوٹا سا پانی ہے جو ساتھ میں سے سو چیز کو دیکھ کر وہ اس کی پاکی اختیار کر لیتے تھے ۔ ہم نے دیکھا ایسا ہو سفر پر جا رہا ہے کہ لوگ اس کو پوچھا یہ کون ہے سو وہاں سے چلے گئے تو وہ اپنی منزل پر جا کر وہاں سے ہم [illegible]

[illegible]

حکایت [illegible]

فائدہ [illegible]

سبق [illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تفسیر صوفیانہ [illegible]

حکایت [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تفسیر عثمانی اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ یہ ہے کہ شرک بڑا ظلم ہے کفر کا بھی یہی حکم ہے [illegible] شرک کا عذاب
سے ہوا [illegible] کہ بغیر توبہ کے مر گیا [illegible] نصیب نہیں [illegible] اس لئے کہ حکمت
تشریعی کا اقتضاء یہی ہے کہ [illegible] کفر کے تمام [illegible] ہو جائیں ۔ اگر کفر سے توبہ کئے بغیر بخشش کا ہونا جائے
تو اس سے کفر و ارتداد [illegible] لازم آئے گا ۔ علاوہ ازیں [illegible]
[illegible] کہ ایک شخص [illegible] تو اسے [illegible] کے لئے مغفرت نصیب ہو گئی ہے
وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ [illegible] شرک کے سوا [illegible] اگرچہ وہ [illegible]
[illegible] بغیر توبہ کے [illegible] ہو [illegible]
[illegible] سے آخرت [illegible] شرک کا عذاب
[illegible]

فائدہ ہمارے شیخ [illegible] عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ [illegible]

[illegible] ہمارے دور میں شرک کی غلط تعریف کر کے مسلمانوں کو مشرک کہا جا رہا ہے [illegible] شرک کے متعلق مختصر طور پر [illegible]

شرک کسے کہتے ہیں حضرت علامہ تفتازانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی یہ عبارت شرک کی تعریف میں واضح ہے جو تمام [illegible]
کے نزدیک مسلم ہے اور تمام اہلسنت کی متفقہ ہے ۔

الاشراك هو اثبات الشريك في الالوهية بمعنى وجوب الوجود كما للمجوس او بمعنى استحقاق العبادة كما لعبدة الاصنام ۔ (شرح عقائد نسفی ص ۶۱)	ترجمہ: شرک ۔ ۔ عقائد [illegible] الوہیت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے الوہیت کا معنی واجب الوجود ہونا جیسا کہ مجوس نے کیا یا الوہیت کا معنی ہو عبادت کا مستحق ہونا جیسا کہ بت پرستوں نے کیا ۔

فائدہ علامہ تفتازانی کی مذکورہ بالا تعریف سے معلوم ہوا کہ الوہیت کے دو معنی ہیں ۔

(۱) واجب الوجود ہونا ۔

(۲) عبادت کا مستحق ہونا ۔

مشرک کون مشرک وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو اِلٰہ یعنی واجب الوجود یا مستحق عبادت مانتا یا جانتا ہو اور موحد وہ ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کو الٰہ یعنی واجب الوجود اور مستحق عبادت مانتا ہے اور اس کے سوا کسی کو الٰہ یعنی واجب الوجود اور عبادت کا مستحق نہیں مانتا [illegible]
[illegible]

مراد یہاں جو شرک سے بچنا ہے اللہ تعالیٰ کو تمام عبادات کا لائق جان کر ان [illegible] سے بچ کر [illegible] لغت سے مقصود ہے۔ نیز ان حضرات کے کہ انہیں شرک کی سزا کے علاوہ گناہوں کی سزا میں بخشش ہو جائیگا

(ترجمہ حاشیہ [illegible])

کے حاشیہ میں شرح مقاصد سے نقل کرتے ہیں کہ

ان حقیقة التوحید اعتقاد عدم الشریک فی الالوهیة وخواصها والمراد بالالوهیة وجوب الوجود۔
(شرح مقاصد [illegible])

ترجمہ: توحید کی حقیقت یہ ہے کہ الوہیت اور اس کے خواص میں کسی چیز کے شریک نہ ہونے کا عقیدہ رکھا جائے اور الوہیت سے مراد واجب الوجود ہونا ہے۔

فائدہ اس سے بھی اسی امر کی صراحت ہے کہ الوہیت کا معنی واجب الوجود ہونا ہے اور شرک کا حقیقی معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو واجب الوجود مانا جائے۔

اسی حاشیہ میں ہے۔

المحدث للعالم هو الله بمعنى ان الصانع للعالم هو الذات الواجب الوجود فالمعنى عدم اشتراك مفهوم الواجب الوجود بين الاثنين۔

ترجمہ: تمام جہان کا موجود کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے، یہ کہنا اس مرتبہ میں ہے کہ یہ کہا جائے کہ تمام جہان کا بنانے والا صرف ذات واجب الوجود ہے یعنی مطلب یہ ہے کہ واجب الوجود کا مفہوم دو کے درمیان مشترک نہیں۔

فائدہ ان عبارات کا مفہوم بھی اسی امر کے متعلق صاف واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے اور اس کے سوا کوئی واجب الوجود نہیں۔ یہی توحید ہے۔ شرح عقائد کی شرح نبراس میں ہے۔

وقال بعضهم ان اصل التوحید هو عدم الاشتراك فی صفة الوجوب
(النبراس صفحہ [illegible])

ترجمہ: بعض علماء نے کہا ہے کہ اصل توحید یہ ہے کہ واجب الوجود ہونے کی صفت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔

اس کے بعد فرمایا۔

اما عدم الشركة فی العبادة فتابع له

ترجمہ: رہا عبادات میں شرکت کے نہ ہونے کا اعتقاد (اسی کا تابع ہے)

جیسا کہ آیت کے شرک کو معاف نہیں کیا جائے گا یعنی اس کے علاوہ گناہ کبیرہ بھی معاف نہیں ہوں گے [illegible] ایمان لاؤ اور کہے اللہ تعالیٰ نے شرک کو مغفرت سے [illegible] نہیں شرک کی سزا کے عذاب سے [illegible] [illegible]

---

(۲) حاشیہ [illegible] ص [illegible]

العبادة [illegible]

عبادت یعنی اس کی [illegible] واجب الوجود کے ساتھ [illegible] میں ہے ۔۔۔۔

فائدہ ان دونوں تشریحات سے یہ بات واضح ہوئی کہ واجب الوجود ہونے میں کسی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ ماننا توحید کا اصل معنیٰ ہے اور عبادت میں کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کرنا یہ توحید کا اس مفہوم پر [illegible] لازم ہے کیونکہ جو واجب الوجود ہے وہی عبادت کا مستحق ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی واجب الوجود نہیں لہٰذا اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ نیز حضرت ملا علی قاری کی مشہور کتاب شرح فقہ اکبر میں ہے۔

والحاصل ان صانع العالم واحد لا يمكن ان يصدق مفهوم واجب الوجود الا على ذات واحدة متصفة بصفات متعددة (شرح فقہ اکبر ص [illegible])

ترجمہ خلاصہ یہ ہے کہ تمام جہان کا بنانے والا ایک ہے اس لئے کہ واجب الوجود کا مفہوم سوائے ایک ذات کے جو متعدد صفات والی ہے اور کسی پر صادق نہیں آتا۔

آگے ہے،

فهذه الامة قالوا واجب الوجود لذاته وما سواه ممكن الوجود فهو واجب الوجود هو الصمد الغني الذي لا يفتقر الى شيء ويحتاج كل ممكن اليه في ايجاده و امداده

ترجمہ اللہ تعالیٰ [illegible] سے کسی [illegible] اس امت نے کہا کہ واجب الوجود لذاتہ ہے اور ما سوا اس کے سب اپنی ذات میں ممکن الوجود ہیں تو واجب الوجود وہ صمد ہے جو کسی کا محتاج نہیں اور تمام ممکنات اپنے [illegible] وجود کے [illegible] اسی کے محتاج ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز [illegible] قدس سرہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

واما الواجب لذاته فهو الله تعالى فقط (تفسیر عزیزی ص [illegible])

ترجمہ بہرحال واجب الوجود لذاتہ تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اس کے سوا کوئی نہیں۔

نیز اسی میں ہے۔

باقی صفحہ پر

کہ کیا موت کے عذاب سے بچ نکلو گے (یا کوئی عذاب سے) نجات دے گا۔

وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰى اِثْمًا عَظِيْمًا۔ اور جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا

(رسالہ [illegible])

لانہ یجب بدلالتہ علی الوجوب	ترجمہ: لفظ اللہ [illegible] پر بولا جاتا ہے
الذاتی ان یدل علی جمیع السلوب۔	جو اس کے واجب الوجود لذاتہ ہونے پر دلالت کرنے
(تفسیر کبیر صفحہ ۲۳ ج ۱)	کے علاوہ تمام ہی صفات پر دلالت کرتا ہے۔

فائدہ ان عبارات مذکورہ بالا سے [illegible] کی تصریحات سے جو بالا ہے واضح ہوا کہ واجب الوجود ہونا الوہیت کا معنی ہے جو صرف اللہ تعالیٰ ہی میں ہے اور کسی میں نہیں پایا جاتا اور واجب الوجود کا معنی یہ ہے کہ واجب الوجود وہ ہے جو اپنی ذات اور اپنی صفات اور اپنے کاموں میں کسی کا محتاج نہ ہو۔ وہ سب اس کے محتاج ہوں۔ یعنی اس کی ذات خود قائم ہے اسے کسی نے نہیں بنایا۔ اس کی صفتیں اس کی ذات سے علیحدہ نہیں کسی سے مستفیض نہیں۔ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں۔

فالتوحید اثبات الالٰھیۃ المعبود	ترجمہ: یعنی توحید یہ ہے کہ معبود کی الوہیت اور
وتقدیسہ ونفی الالٰھیۃ عما سواہ۔	عیب سے اس کا پاک ہونا ثابت کیا جائے اور
(اتقان صفحہ ۱۰ ج ۲)	اس کے ماسوا الوہیت کی نفی کی جائے۔

گزشتہ تحقیق سے چند باتیں ثابت ہو چکی ہیں کہ

(۱) الوہیت کا اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کرنا اور اس کے ماسوا الوہیت کی نفی کرنا توحید ہے۔

(۲) الوہیت کا معنی واجب الوجود ہونا اور عبادت کا مستحق ہونا ہے۔

(۳) واجب الوجود ہونا الوہیت کا اصل حقیقی معنی ہے اور عبادت کا مستحق ہونا الوہیت کا التزامی معنی ہے۔

(۴) واجب الوجود کا معنی یہ ہے کہ اس کی ذات خود قائم ہے کسی نے بنائی نہیں اور اس کی صفتیں بھی اس کی ذات کا تقاضا ہیں کسی نے ان کو مستقل عطا نہیں کیں اور کام وہ خود اپنی طاقت و قدرت علم و حکمت سے کرتا ہے کسی کی دی ہوئی طاقت و قدرت و علم سے نہیں۔

صفات باری تعالیٰ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں کوئی شریک نہیں [illegible] اصلی صفات [illegible] اللہ تعالیٰ کی ذاتی [illegible] کی صفات [illegible] لا تحصیٰ

ہے وہ اللہ تعالیٰ کی صفت میں شریک [illegible] گناہ کا مرتکب ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی [illegible] وغیرہ [illegible] نہیں۔ بلکہ [illegible] ایسے شخص کی

([illegible])

یعنی اللہ کی [illegible] ذات سے [illegible] ہیں اور کسی مخلوق میں خواہ انبیاء کرام یا اولیائے عظام ہی کیوں نہ ہوں دوسری مخلوق [illegible] حاجت روائی یا مشکل کشائی [illegible] صفات خدا تعالیٰ کی [illegible] ہیں۔ ایسی صفات کسی میں [illegible] لازم نہیں آتا۔

مثلاً اگر کوئی ایسی صفات [illegible] خدا تعالیٰ میں پائی جاتی ہے تو کسی نے خدا تعالیٰ [illegible] اور [illegible] مرتکب ہوا ہے۔ اسی طرح ایسی صفات [illegible] کسی مخلوق میں [illegible] اور [illegible] صفت ہے وہ مخلوق کا خاصہ ہے [illegible] اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے وہ مخلوق میں نہیں۔ مخلوق میں کوئی صفت [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] صفت [illegible] اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ہے۔ [illegible] کے [illegible]۔

علم الٰہی قرآن کریم کی متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ کے علم کا بیان ہے ان میں علم ذاتی کا بیان ہے جو کسی کا عطا کیا ہوا نہیں [illegible] کی صفت ہے اور اللہ کا خاصہ ہے۔ مثلاً

(۱) إِنَّ اللَّهَ عَالِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ	ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی غیب جاننے والا ہے۔
(۲) عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ	ترجمہ: وہ غیب اور شہادت کو جاننے والا ہے۔
(۳) وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ	ترجمہ: اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔
(۴) إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ	ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہی قیامت کا علم ہے اور وہی بارش برساتا ہے اور وہ جانتا ہے جو ماؤں کے رحم میں ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا کرے گا اور کوئی نہیں جانتا کہ کس زمین میں مرے گا بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔

باقی اگلے صفحہ پر

بخشش کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

فائدہ [illegible] قرآنی آیات میں سے ایک آیت بھی [illegible] اللہ تعالیٰ نے
اپنے فضل و کرم اور معجزہ کے [illegible] تمام کا [illegible]

(بقیہ حاشیہ گزشتہ)

فائدہ ان آیات میں چونکہ اللہ تعالیٰ کی صفت علم کا بیان ہے جو صفت ذاتی ہے عطائی نہیں۔ لہٰذا ان آیات میں عطائی اور ذاتی [illegible] کی تخصیص نہیں ہے۔

فائدہ اسلامیہ جن آیات و احادیث میں انبیاء کرام علیہم السلام یا اولیاء [illegible] کے لیے علم غیب اور دیگر [illegible] میں اللہ تعالیٰ کے دینے سے علم [illegible] صفت ذاتی [illegible] ایسی صفت والا اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں ہو سکتا۔

(۱) وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ — ترجمہ: اور یہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب [illegible] بخیل نہیں ہیں۔

(۲) عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ — ترجمہ: وہ اللہ تعالیٰ غیب کا جاننے والا ہے پس وہ اپنے خاص غیب پر کسی کو غالب نہیں کرتا۔ سوائے ان کے جو رسول کی حیثیت سے اس نے چن لیا۔

(۳) وَكَذَٰلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ — ترجمہ: اسی طرح ہم نے دکھائی ابراہیم علیہ السلام کو بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔

(۴) وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا — ترجمہ: اور اللہ نے آدم علیہ السلام کو تمام کے تمام اسماء کا علم عطا فرمایا۔

(۵) وَأُنَبِّئُكُم بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ — ترجمہ: اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں تمہیں اس چیز کی خبر دیتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو تم اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو۔

دیوبندیوں وہابیوں کا غلط خیال ان آیات میں [illegible] علم [illegible] کا علم [illegible] بعض [illegible] [illegible] کا [illegible] اللہ تعالیٰ کی صفت [illegible]

[illegible]

معلوم ہوتا ہے غالباً یہ [illegible] جب لفظ حضور علیہ السلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے [illegible] کو [illegible]
کیا اسی بنا پر حضور علیہ السلام کے سامنے یہ قاعدہ پیش کیا۔ جو [illegible] دوسرے مقام پر (ارشاد) [illegible] اللہ [illegible]

(سلسلہ گذشتہ سے پیوستہ)

صفت حیات کی وضاحت ہو چکی ہے۔

قاعدہ اصلیہ جن آیات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حاجت روائی کا ذکر کیا ہے ان میں اس کی ذاتی قدرت اور قدرت ذاتی سے حاجت روائی کا ذکر ہے۔ مثلاً

(۱) إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۔

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

(۲) وَإِن يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِن يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ ۔

ترجمہ: اور اگر اللہ تعالیٰ تجھے نقصان یا تکلیف پہنچائے تو اس کا اس کے سوا کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر تیرے ساتھ فائدہ اور خیر کا ارادہ کرے تو اس کے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں۔

(۳) قُل لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۔

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ میں اپنے نفس کے لئے کسی نفع یا نقصان کا مالک نہیں سوائے اس کے کہ اللہ چاہے۔

(۴) مَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۔

ترجمہ: تمہارا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حامی و مددگار نہیں۔

(۵) أَمَّن يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ أَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ ۔

ترجمہ: بھلا کون ہے جو بے چارے کی پکار سنتا ہے جب وہ اس کو پکارتا ہے اور تکلیف کو دور کرتا ہے اور تمہیں زمین میں خلیفہ بناتا ہے کیا اللہ کے سوا کوئی اور الٰہ ہے۔

فائدہ پہلی اور دوسری آیات میں جو کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حاجت روائی اور مدد [illegible] کا ذکر ہے اس سے [illegible] ذاتی اور بلا واسطہ اور وسیلہ کے طور پر تکلیف دور کرنے اور مدد و نصرت سے [illegible] مستقل طور پر [illegible] ذاتی طور پر [illegible] ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتی ہیں۔ مخلوق ہو یعنی انبیاء و اولیاء کرام کی طاقت اور مدد بالواسطہ اور عطائی ہوتی ہے۔

(باقی آگے)

الذنوب جمیعا ۔ بے شک اللہ تعالیٰ سارے گناہ بخشتا ہے۔

شان نزول اور حکایت حضرت وحشی قاتل حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما

حضرت حمزہ کے قاتل حضرت وحشی رضی اللہ عنہ

تو دوستی کے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عرض بھیجا کہ میرا ارادہ ہے کہ مسلمان ہو جاؤں لیکن مجھ کو قرآن

(حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ)

قاعدہ اسلام کا مسئلہ قرآن آیات و احادیث میں دوسری مخلوق یا انبیاء کرام و اولیاء عظام کی امداد و اعانت والی کا ذکر ہے وہ بالواسطہ اور عطائی ہے جو مخلوق کا خاصہ ہے وہ عطاء الٰہی کی صفت نہیں

مثلاً

۱۔ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۔	ترجمہ: اے اللہ ہمارے لئے اپنی طرف سے کوئی حامی بنا دے اور ہمارے لئے کوئی مددگار بنا دے۔
۲۔ اَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ ۔	ترجمہ: تم میری قوت سے تم میری مدد کرنا۔
۳۔ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۔	ترجمہ: اور تم صبر اور نماز سے مدد طلب کرو۔
۴۔ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۔	ترجمہ: ارشاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام، کون میرا اللہ کی طرف مددگار ہے تو حواری بولے کہ ہم اللہ کے مددگار ہیں۔
۵۔ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ	ترجمہ: اگر تم اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا۔
۶۔ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۔	ترجمہ: ارشاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہ میں مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو تندرست کرتا ہوں اور مردے زندہ کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔
۷۔ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى	ترجمہ: آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرو نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں پر۔

صحابیوں کا عقیدہ منکر وہابیوں کا صحابہ کا عقیدہ و طریقہ یہی ہے کہ مشکل نہیں ہو سکتا ہم [illegible] مشکل کے وقت [illegible] بارگاہ رسالت میں [illegible]

کا ایک آیت کا مطلب [illegible] وہ آیت ہے والذین لا یدعون مع اللہ الٰہا

اٰخر ولا یقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق ولا یزنون اور جو اللہ کے ساتھ [illegible]

کی عبادت کرتے اور کسی کو ناحق قتل نہیں کرتے اور زنا نہیں کرتے [illegible] ارشادات کے فوق

[illegible] اس پر یہ آیت نازل ہوئی [illegible]

(حاشیہ گذشتہ صفحہ سے)

[illegible]

[illegible]

[illegible] ہے۔

وہابی دیوبندیوں کا غلط قاعدہ [illegible] فوق الاسباب یا ماتحت الاسباب کا فرق [illegible] فوق الاسباب [illegible] ماتحت الاسباب [illegible] فوق الاسباب [illegible] ہے۔

قال الذی عندہ علم من الکتاب انا اٰتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک ترجمہ اس شخص نے [illegible] کہا [illegible] تخت بلقیس کو آپ کے پاس آنکھ جھپکنے سے پہلے لے آتا ہوں۔

فوق الاسباب حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے [illegible] بلقیس کا تخت [illegible] آپ کے [illegible] آپ کے پاس [illegible] آپ کے [illegible] تخت [illegible] آپ کے [illegible] کیا۔

فائدہ [illegible] فوق الاسباب [illegible]

[illegible]

[illegible] فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنٰتٍ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] اِلَّا مَنْ تَابَ [illegible]

[illegible]

[illegible] قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ

(بقیہ حاشیہ گزشتہ)

[illegible]

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ [illegible]

صحابی کا عقیدہ [illegible]

[illegible] (بخاری شریف [illegible])

فائدہ [illegible]

[illegible]

(باقی آئندہ)

[illegible] جیسا کہ ارشاد ہے [illegible] پڑھتا ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کو وحدت سے یاد کرے [illegible]
اللہ تعالیٰ تمام گناہ بخش دیتے ہیں خصوصاً اسلام [illegible] جب [illegible] کلمہ پڑھ [illegible]
[illegible] گناہ معاف ہو کر مسلمان ہو گیا۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا جو شخص مرے اور اس وقت وہ شرک سے پاک ہو تو وہ بہشت میں داخل ہوگا۔

حکایت ابو العباس شریح نے اپنے مرض الموت میں خواب دیکھا [illegible] قیامت قائم ہو [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] سے [illegible] جب وہ [illegible] میں [illegible] تو [illegible] تم نے [illegible] کیا [illegible] جواب [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] جواب [illegible] فرمایا [illegible] شرک [illegible] نہ تھا [illegible] تم [illegible] بخش دیا [illegible] وصال ہو گیا۔

سبق اللہ تعالیٰ سے ایسی امید [illegible] گمان رکھنا [illegible] ہے۔

(۱) توحدت کر بخشت [illegible] بسیار
[illegible] بسیار

(۲) [illegible] تقسیم گفت
[illegible] گلشن بہشت
[illegible] ایں [illegible]
[illegible] قیمت [illegible] فلس

ترجمہ (۱) [illegible]
(۲) [illegible]
(۳) [illegible]

تعریف شرک کی دو صورتیں [illegible]
(۱) شرک جلی
(۲) شرک خفی
(۳) [illegible]

(۱) شرک کی وہ قسم جس کا تعلق [illegible] سے ہے اور یہ عوام میں پایا جاتا ہے [illegible] غیر اللہ [illegible]۔ جیسے [illegible] وغیرہ [illegible] کے [illegible] شرک [illegible] اور [illegible] اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار [illegible]۔

(۲) شرک کی وہ قسم [illegible] عبادت [illegible] عبودیت کو غیر [illegible] اللہ [illegible] کے لئے [illegible]۔

(۳) شرک [illegible] صرف [illegible] سے متعلق ہے [illegible] انانیت [illegible] شرک [illegible] وحدت [illegible] اور [illegible] عبودیت [illegible] انانیت [illegible]۔ اللہ تعالیٰ [illegible] حضرت [illegible] شرک سے [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] انانیت [illegible] جیسے [illegible] فرمایا ہے

وجود اندر [illegible] (ترجمہ [illegible])

[illegible] الی [illegible]

[illegible]

[illegible] عبودیت [illegible]

ز وحدت [illegible]

شرک [illegible]

[illegible]

ترجمہ [illegible]۔

(۱) [illegible]۔

(۲) [illegible] شرک [illegible]۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یُزَکُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ [illegible]

مطلب [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]

[illegible] ہم سب پاک ہیں ۔

مسئلہ [illegible]

مسئلہ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ [illegible] ۔

بَلِ اللّٰہُ [illegible] مَنْ یَّشَآءُ [illegible] وَلَا یُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا [illegible] اُنْظُرْ کَیْفَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ [illegible] ۔

سوال [illegible] ؟

جواب [illegible] ۔

[illegible] وَکَفٰی بِہٖ اِثْمًا مُّبِیْنًا [illegible] ۔

سوال [illegible]

سوال؟

جواب [illegible]

شعر و معانی [illegible]

سبق [illegible]

حدیث شریف [illegible]

فائدہ [illegible]

(۱) [illegible]

[illegible]

(۲) [illegible]

[illegible]

(۳) [illegible]

[illegible]

[illegible]

(۱) [illegible]

(۲) [illegible]

(۳) [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ترجمہ: [illegible] ہے ۔

تفسیر [illegible] [illegible]

[illegible] حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [illegible] چنانچہ اللہ تعالیٰ نے [illegible] یتلوا علیہم آیاتہ ویزکیہم [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]

[illegible] زیادہ [illegible] ہوتے ہیں ۔

حضرت شیخ [illegible] نے فرمایا ۔

① رہ طریقت رہبر راہ حق بود
تا نگردد راہ دل از دست دین [illegible]

② رہبر جز این نیست مسلم را
از شریعت و از حقیقت بہرہ مند

③ اہل دل از دیدۂ دل آموخت
شمع از نور علم افروخت

④ کاہرتی از علم کسبی بالصفا
باطنش مصباح دل در مصطفیٰ

⑤ ہر کہ از دست عنایت بر گرفت
مقفل دل را کلید بر گرفت

⑥ ہر کہ در زندان خود رائے فتاد
جستجو ادراک را [illegible]

⑦ اے سلیم القلب دشوار است کار
کاندر جہاں کم [illegible] است کار

ترجمہ ① طریقت بھی [illegible] راستہ دکھاتی [illegible] ہیں۔
② ایسے رہبر کی تلاش کرو جو حقیقت میں سربلند اور شریعت و طریقت سے بہرہ ور ہو۔
③ وہ اہل دل (مرشد) اور [illegible] کا حامل ہو [illegible] علم سے شمع روشن کرتا ہو۔
④ [illegible] کا علم کسبی از خدا ہو [illegible] باطن در مصطفیٰ کی میراث ہو۔
⑤ جس کو دست عنایت [illegible] سے رہبر حاصل کر لیا۔
⑥ وہ جو خود رائی کے [illegible] میں پھنسا [illegible] نہ نکلے گا۔
⑦ اے سلیم القلب کام بہت دشوار ہے [illegible] ہے۔

سبق [illegible] یہ [illegible] وہ [illegible] آپ [illegible] کی واقفیت نصیب ہو [illegible] حاصل [illegible] حقیقت [illegible] اسلام [illegible] سب سے [illegible] وہ شخص [illegible] [illegible] واقفیت [illegible] نصیب نہ ہوگی۔ [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] آمین

ألم تر إلى الذين أوتوا نصيبا من الكتاب يؤمنون بالجبت و
الطاغوت ويقولون للذين كفروا هؤلاء أهدى من الذين آمنوا
سبيلا ۝ أولئك الذين لعنهم الله ومن يلعن الله فلن تجد له
نصيرا ۝ أم لهم نصيب من الملك فإذا لا يؤتون الناس نقيرا ۝ أم
يحسدون الناس على ما آتاهم الله من فضله فقد آتينا آل إبراهيم
الكتاب والحكمة وآتيناهم ملكا عظيما ۝ فمنهم من آمن به ومنهم
من صد عنه وكفى بجهنم سعيرا ۝ إن الذين كفروا بآياتنا
سوف نصليهم نارا كلما نضجت جلودهم بدلناهم جلودا غيرها
ليذوقوا العذاب إن الله كان عزيزا حكيما ۝ والذين آمنوا و
عملوا الصالحات سندخلهم جنات تجري من تحتها الأنهار خالدين
فيها أبدا لهم فيها أزواج مطهرة وندخلهم ظلا ظليلا ۝ إن
الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها وإذا حكمتم بين الناس
أن تحكموا بالعدل إن الله نعما يعظكم به إن الله كان سميعا بصيرا
يا أيها الذين آمنوا أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولي الأمر منكم فإن
تنازعتم في شيء فردوه إلى الله والرسول إن كنتم تؤمنون بالله و
اليوم الآخر ذلك خير وأحسن تأويلا ۝

ترجمہ: کیا تم نے وہ نہ دیکھے جنہیں کتاب کا ایک حصہ ملا ایمان لاتے ہیں بت اور شیطان پر اور کافروں کو
کہتے ہیں کہ یہ مسلمانوں سے زیادہ راہ پر ہیں یہ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور جسے خدا لعنت کرے
تو ہرگز اس کا کوئی یار نہ پائے گا کیا ملک میں ان کا کچھ حصہ ہے ایسا ہو تو لوگوں کو تل بھر نہ دیں یا لوگوں سے حسد کرتے
ہیں اس پر جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا تو ہم نے تو ابراہیم کی اولاد کو کتاب اور حکمت عطا فرمائی اور
انہیں بڑا ملک دیا تو ان میں کوئی اس پر ایمان لایا اور کسی نے اس سے منہ پھیرا اور دوزخ کافی ہے بھڑکتی
آگ جنہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا عنقریب ہم ان کو آگ میں داخل کریں گے جب کبھی ان کی کھالیں پک جائیں گی

ان کے سوا اور کھالیں بدل دیں گے کہ عذاب کا مزہ چکھیں ۔ بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] ۔

تفسیر عالمانہ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ کیا تم نے نہ دیکھا [illegible] اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ جن کو کتاب کا ایک حصہ دیا گیا [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
جاسکے ۔ (روح المعانی [illegible]) ۔

فائدہ طاغوت کا لفظ شیطان کے علاوہ ہر باطل معبود پر بولا جاتا ہے ۔

شانِ نزول مروی ہے کہ حیی بن اخطب و کعب بن اشرف [illegible] مکہ پہنچے [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible] نازل ہوا۔

وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا [illegible] هَٰؤُلَاءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا [illegible] أُولَٰئِكَ [illegible] الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ [illegible] وَمَن يَلْعَنِ اللَّهُ [illegible] فَلَن تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا [illegible] أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ [illegible] فَإِذًا لَّا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا [illegible]

أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ [illegible] عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ [illegible] فَقَدْ آتَيْنَا [illegible] آلَ إِبْرَاهِيمَ [illegible] الْكِتَابَ [illegible] وَالْحِكْمَةَ [illegible] مُّلْكًا عَظِيمًا [illegible]

دیا گیا ہے۔

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ آل ابراہیم سے یوسف [illegible] انبیاء علیہم السلام مراد ہیں۔

فمنہم [illegible] بعض وہ ہیں مَنْ اٰمَنَ جو حضور [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] وَمِنْهُمْ مَنْ صَدَّ عَنْهُ اور بعض ان میں وہ ہیں جو آپ سے [illegible] وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا اور [illegible] جہنم [illegible] کافی ہے۔ یہاں [illegible] سعیر [illegible] آگ [illegible] عذاب [illegible] کے لئے [illegible] ہے۔

خلاصۃ التفسیر پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے [illegible] کی [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] افضل ہے [illegible] قرآن [illegible]

[illegible] ہیں [illegible] نعمت [illegible]

فائدہ حسد کی [illegible] انسان کے دل میں [illegible] نعمت [illegible] [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] نعمت [illegible] ہے۔

معانی و فوائد [illegible] دنیا [illegible] آخرت [illegible] ہے۔

مسئلہ [illegible] آخرت [illegible] ہے۔

نکتہ [illegible] ہے۔

نکتہ [illegible] حضرت [illegible] اللہ [illegible] ہے۔

شکست ہوتا تھا کہ وہ [illegible] کا حاسد ہوتا رہے [illegible] حضرت شیخ سعدی [illegible] نے فرمایا ۔

① شور بختاں بآرزو خواہند
مقبلاں را زوال نعمت و جاہ

② گر نبیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

③ راست خواہی ہزار چشم چناں
کور بہتر کہ آفتاب سیاہ

ترجمہ ① بدبخت کی آرزو یہ ہے کہ [illegible] کی نعمت زوال پذیر ہو ۔
② اگر چمگادڑ دن کو نہیں دیکھ سکتی تو اس میں سورج کا کیا گناہ
③ اگر سچ پوچھو تو ایسی ہزاروں آنکھیں اندھی ہی ہو جائیں تو بہتر ہے [illegible]

[illegible] [illegible] حاسد [illegible] مراتب سے محروم سمجھتے ہیں [illegible] نہیں [illegible] ہیں [illegible] سلطنت و حکومت [illegible] ہیں

خلاصہ یہ کہ [illegible] سلطنت [illegible] کمال ہے [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] گیا ہے [illegible] حق [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

① [illegible]
[illegible]

[illegible] سوال [illegible] حکومت [illegible] ہے؟
جواب [illegible] حکومت [illegible] سلطنت [illegible]
[illegible]

④ [illegible] [illegible] ابریشم
ز بہر [illegible] سنگ [illegible] زند

ترجمہ ① [illegible] قید [illegible] حال [illegible] ہے۔
② [illegible] کے [illegible] ہے۔

حکمت بعض حکما نے دنیا کے حریص [illegible] انسان کو ریشم کے کیڑے سے تشبیہ دی ہے [illegible] ریشم [illegible] اس کے لئے وبال ہو جاتا ہے۔ [illegible] اپنی جہالت سے [illegible] [illegible] [illegible] ریشم کے [illegible] [illegible] سے [illegible] اٹھایا۔

حکایت [illegible] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [illegible] [illegible] ریشم [illegible] [illegible] [illegible] علیہ السلام [illegible] [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] ریشم [illegible] ہے۔

سبق [illegible] معلوم ہوا کہ [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] والا ہے۔

فائدہ بادشاہی [illegible] قسم ہے۔
(۱) صورت [illegible] بادشاہ [illegible] ہوتی ہے۔
(۲) صورت باطن [illegible] اولیاء عظام [illegible] ہوتی ہے۔
(۳) ظاہر و باطن دونوں [illegible] حضرت انبیاء [illegible] علیہم السلام [illegible] [illegible] حضرت انبیاء [illegible] علیہم السلام [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible]
إِنَّا [illegible] [illegible]
[illegible]

[illegible] اس وقت وہ فرشتہ [illegible]۔

تفسیر [illegible] **کُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ** جب ان کی [illegible]: **بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا** [illegible]

سوال [illegible]

جواب [illegible]

لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ [illegible]

فائدہ حضرت [illegible]

حدیث شریف حضور [illegible]

سوال قیامت میں [illegible]

جواب [illegible]

سوال [illegible]

جواب [illegible]

نکتہ [illegible]

إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيزًا [illegible] حَكِيمًا [illegible]

فائدہ [illegible]

[illegible]

فائدہ صوفیانہ [illegible]

مجرمان کی سزا کی تفصیل

[illegible]

سزا یافتگان کی چند قسمیں

① [illegible]

② بعض کی گھنٹوں تک۔

③ [illegible]

④ [illegible]

⑤ بعض صرف ایک سال۔

⑥ [illegible]

حکایت

حضرت امام مالک [illegible]

سبق

[illegible]

① [illegible]

[illegible]

① از [illegible] آمدہ ام کہ

کہ [illegible] آب [illegible] ہے

ترجمہ ① اے پروردگار [illegible] شرمسار ہوں گا۔

② [illegible] آ رہا ہوں۔

حکایت منقول ہے کہ حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے آخری وقت [illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] سیاہ [illegible] ہے۔

سبق سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کسی فاجر و فاسق کی دولت و نعمت کو دیکھ کر [illegible] کہ اس کی موت کے بعد [illegible] حضرت [illegible] شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ؎

قلندران حقیقت بنیم جو نخرند

قبائے اطلس آنکس کہ از ہنر عاریست

ترجمہ اہل حقیقت اس کو قبائے اطلس پہنے ہو [illegible] نہیں خریدتے جو ہنر سے خالی ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس کا مقصد اصلی آخرت ہو [illegible] اللہ تعالیٰ اس [illegible] دنیا [illegible] اور جس کا مقصد دنیا ہو [illegible] اللہ تعالیٰ اس کے معاملات [illegible] حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

① آنکس از دزد بترسد کہ متاعے دارد

عارفاں جمع بکردند و پریشاں غمیست

② ہر کہ [illegible] قناعت دارد

گر جہاں لرزہ بگیرد غم ویرانہ نیست

[illegible] ① [illegible] ہے۔

② [illegible] ہے۔

تفسیر عالمانہ تو اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا [illegible] حضرت [illegible] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [illegible] قرآن [illegible] آیات و معجزات پر ایمان لائے۔ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ [illegible] اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ [illegible] جنت [illegible] وَلَهُمْ فِیْهَا اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ [illegible] جنتی [illegible] عورتوں [illegible] وَهُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ [illegible]

حل لغات [illegible]

سوال [illegible] جنت [illegible]

جواب [illegible] ہے۔

فائدہ: حضرت امام [illegible]

بہشت کی نعمتوں کا بیان

حدیث ① حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہشت میں صرف ایک درخت ہے [illegible] تک چلا جائے تو [illegible] نہیں پہنچ سکے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فلا تعلم نفس ما اخفی لہم [illegible] بہشت میں آنکھوں کی ٹھنڈک چھپی ہے [illegible] بہشت [illegible]
[illegible]
[illegible] اور بہشت [illegible]۔

حدیث ② حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا [illegible] حضرت آدم علیہ السلام [illegible] جنت کے [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] بہشت [illegible]
[illegible]۔

بہشت کے دلانے کا [illegible]

حضرت [illegible] بہشت کے [illegible]

① اپنے نفس کو [illegible]

ونھی النفس عن الھوی

[illegible]

ترجمہ [illegible]۔

② [illegible] بہشت کی [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

عمل باید اندر طریقت نہ دم
کہ اصلے ندارد دم بے قدم

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تفسیرِ عالمانہ إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا ۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم
(دیتا ہے کہ تم امانتوں کو ان کے اہل کے سپرد کر دو)۔

شانِ نزول یہ آیت عثمان بن عبدالدار حجبی کے حق میں نازل ہوئی جو کعبہ معظمہ کا خادم تھا، اس کا سبب یہ ہوا
کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ کے دن صبح کو حرم شریف کے قریب تشریف لائے
تو عثمان نے کعبہ معظمہ کا دروازہ بند کر کے کعبہ کی چھت پر چڑھ گیا، چابیاں ﷺ نے مانگیں تو کہنے لگا
کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسول جانتا ہوتا۔ اگر یہ اللہ کے رسول ہوتے تو اس کے لیے منع نہ کرتا
دینا نہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ شیرِ خدا کرم اللہ وجہہ نے عثمان کا ہاتھ مروڑ کر اس سے جبراً کعبہ معظمہ کا
چابی لے لی اور کعبہ معظمہ کا دروازہ کھول کر کعبہ معظمہ کے اندر داخل ہو گئے اور حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کعبہ معظمہ کے اندر تشریف لے گئے اور وہاں تشریف لے جا کر دو گانہ نفل پڑھا۔ جب آپ کعبہ معظمہ سے باہر
تشریف لائے تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا حضرت یہ چابی اب مجھے عنایت فرما دیجئے تاکہ سقایہ
خدمت کعبہ معظمہ پر دونوں کی سعادت مجھے نصیب ہو جائے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضور علیہ السلام نے حضرت علی المرتضیٰ
رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ جا کر یہ چابی عثمان کو دو اور اس سے معذرت کرو۔ چنانچہ عثمان کو چابی دے دی
تو عثمان نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی کہ آپ کو عجب چال ہے؟ پہلے جبر کیا اب یہاں پہنچا کر اور
عذر و تعظیم بھی پیچھا ہے؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہی ایسا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، تمہارے حق میں
اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں آیت نازل فرمائی ہے اور پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیت پڑھ کر سنائی، عثمان نے آیت
سنا کر فوراً عرض کی کہ میں مسلمان ہوتا ہوں اور کلمہ پڑھا أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ
اس کے بعد جبرئیل نازل ہوئے اور حضور علیہ السلام سے عرض کی کہ کعبہ معظمہ کی خدمت ہمیشہ عثمان ہی کی
اولاد میں رہے گی۔ چنانچہ حضرت عثمان نے جب حضرت ہجرت کی تو حرم شریف کی چابی اپنے بیٹے شیبہ کو دے گئے
اب تک حال انہی کی اولاد میں چلی آ رہی ہے ؎

؎ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جس دن حضور علیہ السلام نے عثمان کو کنجی عطا کی [illegible]
فرمایا تھا کہ ایک دن یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہوگی [illegible] صاحب حرم [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] (آثار [illegible])

وَ اِذَا حَكَمْتُمْ اور جب تم فیصلہ کرنے لگو تو حکم فرمایا ہے کہ تم فیصلہ بات کرو بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ لوگوں کے درمیان تو عدل و انصاف سے فیصلہ کرو عدل یعنی انصاف اور برابری سے اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بہتر ہے جو تمہیں نصیحت فرماتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کیسی بہتر نصیحت فرماتا ہے جنھوں نے حکم فرمایا کہ امانت اس کے مستحق کو دے دی جائے اور فیصلے کرتے وقت بھی عدل و انصاف سے کام لو۔

فائدہ نِعِمَّا میں نِعْمَ ہے جس میں فعل مدح اور يَعِظُكُمْ اس کی صفت ہے اور اس کی مخصوص بالمدح محذوف ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا بے شک اللہ تعالیٰ سمیع ہے یعنی تمہارے فیصلوں کی بات سنتا ہے بَصِيْرًا امانت والوں کے ہر حال کو دیکھتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کے وعظ و نصیحت کے مطابق عمل کرو کیونکہ وہ تمام مسموعات و مبصرات کو جانتا ہے پھر تمہیں ہر ایک عمل کی سزا دے گا جو تم نے کیا۔

امانت کے احکام و مسائل

مسئلہ: امانت اس کو کہتے ہیں جو کسی کے پاس دوسرے کے لئے واجب الادا ہو اور اسے ادا کئے بغیر نہ چھوڑے۔

مسئلہ: جو وصیت ہے کسی کا کسی کے پاس کوئی شے امانت ہو اور وہ اس کا اہل ہو اگر اسے نہ دیا گیا تو خیانت کی۔

حکمت چونکہ انسان فطرتاً ... ہے ... [illegible] ... اس سے خارج الایمان ہے ... [illegible] ... کے پہلے امانت کا ذکر فرمایا پھر اس کے بعد ...

فائدہ تفسیریہ ... [illegible] ... امانت ہیں ... [illegible] ... ہوں گے۔

فائدہ ... [illegible] ... معاملات ... اللہ تعالیٰ ... [illegible] ... مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ ... [illegible] ... کوئی نہیں۔

فائدہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ امانت ہر چیز میں لازم ہے وضو، نماز، روزہ وغیرہ وغیرہ ... [illegible] ... کی امانت ... [illegible] ... [illegible] ...

[illegible] - [illegible]
[illegible] حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

① [illegible]
[illegible]

② [illegible]
[illegible]

③ [illegible]
[illegible]

ترجمہ ① [illegible]
② [illegible]
③ [illegible]

خلق خدا کی [illegible]
[illegible] گے۔

(۱) [illegible]۔

(۲) خلق خدا کے عیوب [illegible]۔

(۳) [illegible]۔

(۴) [illegible]
[illegible]
[illegible]۔

(۵) [illegible]
[illegible]

(۶) [illegible]
[illegible]
[illegible]۔

حدیث شریف حضور نبی علیہ السلام نے فرمایا [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]۔

سبق [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] نصیحت [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] ہے۔

امروز قدر پند عزیزاں شناختم
یا رب روان ناصح ما از تو شاد باد

ترجمہ: آج مجھے عزیزوں کی نصیحت کی قدر معلوم ہوئی اے خدا میرے ناصح کی روح تجھ سے شاد ہو۔

حضرت حافظ شیرازی [illegible] ایک مقام پر [illegible]۔

پند حکیم محض صواب است و عین خیر
فرخندہ بخت آنکہ بسمع رضا شنید

ترجمہ: دانا کی نصیحت بالکل صواب اور محض خیر ہے وہ مبارک انسان ہے جو شوق سے نصیحت قبول کرتا ہے۔

فائدہ کسی کی شرارت و عداوت [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible]۔

فائدہ حضرت [illegible] [illegible] نے فرمایا [illegible] [illegible] [illegible]۔

① خواہشات نفسانیہ کی اتباع نہ کریں۔
② [illegible] [illegible] [illegible] کریں
③ [illegible] [illegible] [illegible]۔

ظلم کی سزا حضور علیہ السلام نے فرمایا [illegible] قیامت کے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] حضرت شیخ سعدی
[illegible] فرماتے ہیں

① [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible]

② [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible]

ترجمہ ① زندگی ختم ہو گئی لیکن خواہشات و مطالب [illegible] [illegible] عمر [illegible]
② [illegible] دولت دنیوی لیکن قیامت کے دن عذاب کی پوچھ ہو گی۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا جو کوئی بادشاہ [illegible] دس یا اس سے زیادہ آدمیوں کا حاکم ہو [illegible] قیامت کے دن [illegible] ہاتھ گردن [illegible] [illegible] ہو گا۔

سبق ایمان کا تقاضا ہے کہ عدل و انصاف سے کام لیا جائے [illegible] حاکم [illegible] اور [illegible] بہترین طریقہ ہے [illegible] رشوت سے [illegible] ممکن ہے [illegible] وہ کسی وقت بھی [illegible] کی سزا سے نہیں بچ سکتا۔

حکایت ایک دفعہ سلطان سکندر ایک شاعر [illegible] آپ نے اس شاعر کو [illegible] [illegible] آپ نے [illegible] کے جرم کی سزا ہے [illegible] شاعر کے [illegible] [illegible]

سبق اس حکایت سے معلوم ہوا کہ دنیاوی دولت کسی کی ہمیشہ [illegible] [illegible] [illegible] دولت [illegible] [illegible] [illegible]

از [illegible] انصاف [illegible]

[illegible]

ترجمہ تجھ سے کبھی عدل و انصاف [illegible] اللہ تعالیٰ کے فضل [illegible]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ اور [illegible] رسول [illegible] اولی الامر کی اطاعت کرو۔

تفسیر اولی الامر [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

فائدہ [illegible] [illegible] [illegible]

سوال [illegible] [illegible] [illegible]

بنانے والے یا اولی الامر کو بنایا ؟

جواب اللہ تعالیٰ نے رسول کی اطاعت کو مستقل کیا ہے تاکہ اس کے نام کے ساتھ ہی یہ حکم اطاعت کا دے دیں۔

سوال بعض حضرات یہاں تنازعہ کے وقت اولی الامر کا عطف نہ لایا گیا ہے ؟

جواب جیسا کہ اس سے ظاہری سے مستقل ہوا یا عطف پایا ہے۔

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ

حل لغات التنازع بمعنی التجاذب یعنی کھینچنا ہے اور یہ ہر ایک [illegible] جو ہر ایک جھگڑنے والا اپنی اپنی طرف

کے لوگوں کو کھینچتا ہے اس بنا پر مخاصمت کو تنازع سے تعبیر کیا گیا ہے اب مطلب یہ ہوا کہ جب تم ایک مسئلہ میں جھگڑ پڑو فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ تو اس کو کتاب اللہ کی طرف رجوع کرو وَالرَّسُولِ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی طرف۔

اہل ظواہر اور غیر مقلدین کا استدلال اور اس کی تردید

اس آیت سے اہل ظواہر نے استدلال کیا ہے کہ اجتہاد جائز نہیں

کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تنازع کے وقت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی طرف رجوع کرنے کا حکم فرمایا ہے معلوم ہوا کہ جو نئے پیش آمدہ مسائل کے لئے قیاس کا کوئی دخل نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے صرف اور صرف قرآن و حدیث کے ماننے کو پیش کیا ہے اور انہی کے بیانات پر فیصلہ کرنے اور انہی کے ماخذات شرعیات کے مطابق عمل کرنے کا حکم فرمایا ہے لیکن یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ اہل ظواہر اور غیر مقلدین کا استدلال غلط اور باطل خیال ہے کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ اس آیت کا مقصد یہ ہے تو اس کو حجت قیاس کے جواز پر حجت ہے اس لئے کہ آیت میں پیش آمدہ مسائل کو کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹانے کا حکم ہے اور وقت ہو سکتا ہے کہ [illegible] پیش آمدہ مسئلہ کا حکم صراحتاً قرآن و حدیث سے ثابت ہو اس لئے [illegible] کتاب و سنت پر [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] کتاب و سنت کی روشنی میں حل کرو۔

فائدہ آیت سے ثابت ہوا کہ احکام شرعیہ کے اصول تین ہیں

① کتاب اللہ۔

■ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

③ وہ حکم جو ان دونوں سے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

جس سے اقرار ہوتا ہے جیسے اہل سنت کا عقیدہ ہے۔

[اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ] ترجمہ: اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان والوں کا تقاضا یہ ہے کہ ہر بات میں کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کی طرف رجوع کیا جائے۔

سوال اللہ تعالیٰ نے یہاں [illegible] کہ بات [illegible] رجوع الی کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور [illegible] یوم آخرت [illegible] ایمان صرف اسی پر موقوف کیوں ہے؟

جواب اس لئے کہ جو شخص رجوع الی کتاب و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ کرے [illegible] ایمان [illegible]

ذٰلِكَ خَيْرٌ یعنی رجوع الی کتاب و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے اختلافات میں تمہارے لئے بہتر ہے۔ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا [illegible]

مسئلہ آیت سے ثابت ہوا کہ [illegible] واجب ہے بشرطیکہ وہ کتاب و سنت کی پیروی کریں۔ جب کتاب و سنت کے خلاف [illegible] تو ان کی اطاعت ضروری نہیں۔

حدیث شریف ① حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا [illegible] کسی قسم کی تابعداری نہ کرو۔

حدیث شریف ② فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر حکومت کرے [illegible]

مسئلہ امراء یعنی حکام و سلاطین پر واجب ہے کہ [illegible] شریعت [illegible] حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [illegible]

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا رعب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ [illegible]

۱؎ [illegible]

[illegible]

[illegible] حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ہے

① پادشاہے کہ طرح ظلم فگند
پائے دیوار ملک خویش بکند

② نکند جور پیشہ سلطانی
کہ نیاید ز گرگ چوپانی

ترجمہ ① وہ بادشاہ جو ظلم کا طریقہ جاری کرتا ہے وہ اپنے ملک کی دیوار کی جڑ کھودتا ہے۔
② [illegible]

نکتہ [illegible]

حکایت نوشیرواں [illegible]

[illegible]

حدیث شریف حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص میری امت [illegible]

نکتہ [illegible]

حکایت منقول ہے کہ [illegible] حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ [illegible]

حدیث شریف حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا [illegible]

اللہ تعالیٰ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مکالمہ [illegible]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام [illegible]

تفسیر صوفیانہ [illegible]

الم تر الى الذين يزعمون انهم امنوا بما انزل اليك وما
انزل من قبلك يريدون ان يتحاكموا الى الطاغوت وقد امروا
ان يكفروا به ويريد الشيطن ان يضلهم ضللا بعيدا ○
واذا قيل لهم تعالوا الى ما انزل الله والى الرسول رايت
المنفقين يصدون عنك صدودا ○ فكيف اذا اصابتهم مصيبة
بما قدمت ايديهم ثم جاءوك يحلفون بالله ان اردنا الا احسانا
وتوفيقا ○ اولئك الذين يعلم الله ما في قلوبهم فاعرض عنهم و
عظهم وقل لهم في انفسهم قولا بليغا ○ وما ارسلنا من رسول الا
ليطاع باذن الله ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاءوك فاستغفروا
الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما ○ فلا وربك لا
يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم حرجا
مما قضيت ويسلموا تسليما ○ ولو انا كتبنا عليهم ان اقتلوا انفسكم
او اخرجوا من دياركم ما فعلوه الا قليل منهم ولو انهم فعلوا ما
يوعظون به لكان خيرا لهم واشد تثبيتا ○ واذا لاتينهم من
لدنا اجرا عظيما ○ ولهدينهم صراطا مستقيما ○ ومن يطع
الله والرسول فاولئك مع الذين انعم الله عليهم من النبين و
الصديقين والشهداء والصلحين وحسن اولئك رفيقا ○ ذلك
الفضل من الله وكفى بالله عليما ○

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

تفسیر عالمانہ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ [illegible] أَنَّهُمْ [illegible] بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ [illegible] وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ [illegible] يُرِيدُونَ [illegible] أَن يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ [illegible]

شان نزول [illegible]

آپ نے فیصلہ فرمایا تو منافق اس فیصلہ پر راضی نہ ہوا اور کہا کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس چلتے ہیں جب یہ دونوں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے تو یہودی نے کہا کہ حضور علیہ السلام نے میرے حق میں فیصلہ فرمایا ہے لیکن یہ نہیں مانا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منافق سے پوچھا کیا یہ بات سچ ہے اس نے کہا ہاں: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ٹھہرو میں آتا ہوں آپ نے مکان میں جا کر تلوار نکالی اور اس منافق کی گردن اڑا دی اور فرمایا جو اللہ اور رسول کے فیصلہ سے راضی نہ ہو [illegible] اس کا میرے یہاں یہی فیصلہ ہے۔ اس پر حضرت جبریل علیہ السلام یہ آیت لے کر نازل ہوئے اور فرمایا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حق و باطل میں فرق کر دیا [illegible] اس لئے ان کا نام "فاروق" ہو گیا ہے۔

فائدہ [illegible] معلوم ہوا کہ [illegible] حضور صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] اور [illegible] کہ [illegible] حضرت [illegible] بات ہے [illegible] اصول کا [illegible]۔

وَقَدْ أُمِرُوْٓا اَنْ یَّکْفُرُوْا بِهٖ [illegible] وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ [illegible]

[illegible]

[illegible]۔

تنبیہ [illegible] مرزا [illegible] کتاب [illegible] وقت [illegible] الکبریت [illegible]

[illegible] راقم الحروف

[illegible] شیطان [illegible] مراد ہے [illegible] أَن يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا اور ان
[illegible]
[illegible] ہو جائے۔ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ
اللَّهُ [illegible]
وَإِلَى الرَّسُولِ [illegible]
الْمُنَافِقِينَ [illegible]

سوال [illegible]

جواب [illegible]

فائدہ یہاں [illegible] مراد ہے۔

يَصُدُّونَ عَنكَ صُدُودًا [illegible]
[illegible]
[illegible] فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ [illegible]
[illegible] بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ [illegible]
[illegible]
[illegible] ثُمَّ جَاءُوكَ [illegible]
[illegible] يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ [illegible]
[illegible] إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

فائدہ اس میں منافقین [illegible]

[illegible] ہوگا۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُ اللّٰہُ مَا فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ [illegible] اللہ تعالیٰ جانتا ہے [illegible] منافقت [illegible] **فَاَعۡرِضۡ عَنۡہُمۡ** [illegible] حضرت [illegible] **وَعِظۡہُمۡ** [illegible] انہیں نصیحت [illegible] **وَقُلۡ لَّہُمۡ فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ** [illegible] نصیحت [illegible] **قَوۡلًۢا بَلِیۡغًا** [illegible] کریں۔

فائدہ قولہ [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] اے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ [illegible] نصیحت [illegible] جائیں۔

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰہِ [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] اطاعت [illegible] **وَلَوۡ اَنَّہُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ** [illegible] سے

[illegible] اللہ تعالیٰ کے عذاب کی [illegible]۔
جَآءُوْكَ آپ کے پاس منافقت سے تائب ہو کر حاضر ہوں فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ [illegible] اللہ تعالیٰ کے
رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے شفاعت کریں [illegible] وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ اور اللہ تعالیٰ کے
رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے شفاعت کریں یعنی وہ توبہ و استغفار کے وقت رسول علیہ السلام اللہ
تعالیٰ سے ان کی مغفرت کا سوال کریں۔

سوال [illegible] حضرت [illegible] علیہ السلام کی [illegible]؟

جواب جو لوگ اس وقت منافقین رسول پاک علیہ السلام سے منہ موڑ کر [illegible] کی طرف فیصلہ کرانے
سے اللہ تعالیٰ [illegible] رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]
[illegible] وقت [illegible] علیہ السلام [illegible]
[illegible] ہے۔

لَوَجَدُوا اللّٰهَ [illegible] تَوَّابًا رَّحِيْمًا [illegible]
[illegible]
جیسے منافقین [illegible] رسول پاک صلی اللہ علیہ
وسلم [illegible] فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى
يُحَكِّمُوْكَ [illegible] آپ کو [illegible]
[illegible] صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]
[illegible] فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ [illegible]
[illegible] ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا [illegible]
[illegible]۔ مِّمَّا قَضَيْتَ [illegible] آپ کے فیصلہ [illegible]
[illegible] وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا
[illegible]۔

مسئلہ ان آیات سے [illegible] اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کے حکم سے [illegible]
[illegible] اسلام [illegible]
[illegible]

کیا جائے اور اس کی عملاً [illegible] بھی کی جائے ۔

مسئلہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع فرائض میں فرض ہے واجبات میں واجب اور سنتوں میں سنت [illegible] مستحبات میں مستحب یہ سب اتباع کی صورت وغیرہ وغیرہ ہے ۔

مسئلہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت سے ہدایت اسلام نہیں مل سکتی ہے

نمونۂ پیغمبر کے ۱۰ گوہر

۱ ۔ پہلا گوہر ۔ اتباع رسول فرض ہے

ترغیب جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے کو اختیار کرتا ہے وہ منزل کو ضرور پہنچیگا ۔

نکتہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [illegible] کی مخالفت [illegible] ہے حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے

[illegible] منزل [illegible]

[illegible] محروم [illegible]

ترجمہ [illegible] اسلام [illegible] منزل مقصود [illegible] ہے ۔

فضائل اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم

① حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش اس کے تابع نہ ہو جائے جو میں لایا ہوں ۔

② فرمایا جس نے میری سنت کو زندہ کیا [illegible] سنت پر عمل [illegible] میری سنت کو زندہ کیا اسے [illegible] میری شفاعت سے محروم نہ ہوگا ۔

③ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری سنت پر عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے چار خصلتوں سے نوازتے ہیں ۔

① نیک لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا کر دیتے ہیں ۔

② فاسقوں کے دلوں میں ہیبت ۔

③ رزق میں وسعت ۔

④ دین میں وثوق ۔

نکتہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع [illegible] ہے ۔

نکتہ آپ کی اتباع [illegible] اسلام [illegible]

غلام سمجھ کر چلے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام ہر وقت آخرت کی فکر میں رہے اور دنیا کی محبت دل سے [illegible] بلکہ یہ سمجھ کر بیٹھے [illegible] اللہ تعالیٰ کی [illegible] سے دل لگی ہوئی [illegible] نصیب ہوگا [illegible] حاصل ہوگی [illegible] نصیب ہوتی ہے [illegible] کہا جا سکتا ہے۔

سبق دوسرے دیکھا جائے تو حقیقت یہ ہے کہ [illegible] ہماری زندگی کے اکثر اوقات خلاف شرع میں صرف ہوتے ہیں اور ہر وقت ہمیں دنیا کے مشاغل کے سلسلہ کی فکر [illegible] قیامت میں ہم حضور علیہ السلام کے [illegible] آپ کے تبعین میں سے ہوں گے۔

علامتِ قیامت

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے [illegible] حتیٰ کہ [illegible] اور [illegible] وقت [illegible] صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم [illegible] آپ کے [illegible] آپ نے فرمایا [illegible] قیامت [illegible] جس وقت [illegible] حاصل ہو جائے گا۔

وعظِ نبوی کا نمونہ

حضرت ابو نجیح العرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایسا وعظ فرمایا کہ جس سے دل بہت گھبرا گئے۔ اور [illegible] آنکھوں [illegible] جاری ہو گئے۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آپ کا یہ وعظ ایسا ہے جیسا کہ [illegible] والے کا ہو [illegible] وصیت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا میں تمہیں اللہ [illegible] اطاعت [illegible] کی وصیت کرتا ہوں۔ [illegible] اللہ تعالیٰ کے احکام [illegible] جو تم میں سے میرے بعد زندہ رہے گا [illegible] بہت اختلاف [illegible] لازم ہے کہ تم میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت [illegible] نو ایجادات دینیہ سے بچو کیونکہ ہر بدعت [illegible] گمراہی ہے۔

لہ یہ مرتبہ حقیقت میں [illegible]

سبق [illegible]

فائدہ [illegible]

[illegible]

حضرت فردوسی فرماتے ہیں

① [illegible]

[illegible]

② [illegible]

[illegible]

③ [illegible]

[illegible]

① [illegible]

② [illegible]

③ [illegible]

[illegible]

تفسیر [illegible]

سوال [illegible]

جواب [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ۔

سوال [illegible] !

[illegible] ۔

[illegible] وَاَشَدَّ تَثْبِیْتًا [illegible] وَّ اِذًا لَّاٰتَیْنٰھُمْ [illegible] اَجْرًا عَظِیْمًا [illegible] وَّلَھَدَیْنٰھُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا [illegible] ۔

حدیث شریف [illegible] ۔

تفسیر صوفیانہ [illegible] ۔

حکایت حضرت منصور [illegible] ۔

① [illegible]

[illegible]

② [illegible]

[illegible]

نتیجہ ① طاعت کی جان یہ ہے کہ محبوب کی طلب ہو [illegible] ۔

■ [illegible] ہوا ہے ۔

حکایت حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ [illegible] ایک نوجوان کو دیکھا [illegible]

[illegible]

[illegible] حضرت حافظ شیرازی [illegible] نے کیا خوب فرمایا ہے

[illegible]

[illegible]

[illegible] ۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا [illegible] ۔

سبق [illegible] ۔

① [illegible]

[illegible]

② [illegible]

[illegible]

③ [illegible] ۹۲

[illegible] ۹۳

④ [illegible]

[illegible]

① [illegible] خواب [illegible] تھا اور [illegible] کا [illegible] تھا۔

② [illegible]

③ جب [illegible] خواب [illegible] ہے۔

④ اس خواب [illegible] آپ کو [illegible]

[illegible] حاصل [illegible] ہوتا ہے۔

سبق [illegible]

تفسیر بالماثور عن [illegible]

فائدہ الامت سے [illegible] مراد ہے۔

شان نزول حضرت [illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہ [illegible] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [illegible]

[illegible] علیہم السلام کے ہم رتبہ [illegible] کے بجائے چند مراتب [illegible] ہوں گے۔ لیکن [illegible] صحبت [illegible]
[illegible] کا واسطہ ہوگا۔ حضرت ثوبان کی تسلی کے لئے آیت نازل ہوئی۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا [illegible] قریب [illegible] اللہ [illegible]
قیامت [illegible] میرے [illegible] نہیں [illegible]
[illegible] کے اسباب [illegible] اور آل و اولاد [illegible] سے زیادہ محبوب ہوں۔

فَأُولٰٓئِكَ [illegible] مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ [illegible]
[illegible] نعمت کی تکمیل فرمائی ہے [illegible] کمالات کی ترتیب [illegible]
[illegible]
[illegible] مِّنَ النَّبِيّٖنَ [illegible]
[illegible] حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ہیں۔ وَالصِّدِّيْقِيْنَ
[illegible]
[illegible]
[illegible] وَالشُّهَدَآءِ [illegible]
[illegible] وَالصّٰلِحِيْنَ
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا [illegible]
ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا [illegible]
[illegible]

[illegible]ال [illegible]
[illegible]

[illegible]ب [illegible]
[illegible]

فائدہ الرفیق بمعنی الصاحب رفق سے مشتق ہے لفظاً تو واحد ہے اور معناً و مفاداً جمع میں
رہتا ۔

ذٰلِكَ الْفَضْلُ یعنی جو مرتبہ الفضل الٰہی کا عطیہ ہے اور یہ عطا ان کی محبت کی وجہ سے
ہے جو مطیعین کو نصیب ہوا اور فضل سے ان کا وہ مرتبہ مراد ہے جو انہیں اطاعت کے ذریعے
رفاقت کے طفیل نصیب ہوا۔ وہیں اَلْفَضْلُ مبتدا کی خبر ہے یعنی فضل مذکور صرف اللہ تعالیٰ سے ہی
خبر ہے۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا وہ اللہ تعالیٰ کا علم ہے جس کی اطاعت کا ثواب اس کی جزا اور فضل
کے لائق کے استحقاق کو خوب جانتا ہے ۔

مسئلہ یہ آیت ورفیق کے بیان کے لئے تھی اس لئے اطاعت کا سبب ثمرہ کے طور پر ملتی نہیں ہو رہی اور اللہ تعالیٰ اور
رسول علیہ السلام کی اطاعت کے سبب ان اعلیٰ درجات پر آپ کی رفاقت سے مشرف ہوگا ۔

حکایت بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ میں بیٹھے بیٹھے غنودگی میں ہو گیا۔ دیکھتا ہوں کہ قیامت قائم ہوگئی اور لوگوں کا
حساب و کتاب شروع ہوگیا ایک کے بعد بعض کو جنت میں بھیجا جاتا ہے اور بعض کو دوزخ میں ۔
جنت کے دروازے پر پہنچ کر ملائکہ نے کہا تمہیں جنت کس عمل سے نصیب ہوئی انہوں نے جواب دیا کہ
فرمانبرداری کی بدولت ہمیں جنت عطا ہوئی اس کے بعد میں نے
تمہارا حال کس وجہ سے ہوا

① کجا سر بر آریم ازیں عار و ننگ
کہ با او بصلحیم و با حق بجنگ

② نظر دوست نادر کند سوئے تو
چو در روئے دشمن بود روئے تو

ترجمہ ① اس عار و ننگ سے کیسے سر اٹھا سکیں گے کہ اس سے صلح رکھیں اور حق تعالیٰ سے جنگ ۔
② دوست کی نگاہ تیری طرف کیسے ہو جبکہ تیرا رخ اس کے دشمن کی طرف ہے ۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے تمام لوگ جنت میں
صرف وہ جنت سے محروم ہوگا جس نے انکار کیا۔ عرض کیا گیا انکار کرنے والا کون ہے؟ فرمایا
اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا اور وہ
نہیں جائے گا ۔

سبق ہر مسلک پر ضروری ہے کہ وہ انبیاء و اولیاء کی اتباع کرے ۔ اس سے دنیا کی ناکامی اور عقبیٰ
کی حصول ہے اولیاء کرام کی اتباع درحقیقت انبیاء علیہم السلام کی اتباع ہے ۔

ہر شخص قیامت میں اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اسے محبت ہوگی۔ اگر انسان انبیاء و صدیقین اور شہداء [illegible] سے محبت رکھے گا تو جنت میں انہی کے ساتھ ہوگا۔

سالک [illegible] ترقی [illegible] شہادت سے صدیقیت تک پہنچے۔ نبوت و صدیقیت کے درمیان [illegible] ہم سب کو اس نعمت سے نوازے۔

حدیث شریف

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] صدیقین کے زمرہ میں [illegible] لکھ دیتا ہے۔

مسئلہ [illegible] بات کا پورا [illegible]۔

صادق و صدیق میں فرق

صادق وہ ہے جس کے [illegible] میں صدق ہو۔ اور صدیق وہ ہے کہ جس کے [illegible] اقوال و افعال [illegible]۔

حکایت

حضرت جعفر [illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہ [illegible] جا سکتا ہے۔

حکایت

[illegible]

[illegible]

[illegible]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوا ثُبَاتٍ أَوِ انْفِرُوا جَمِيعًا ○
وَإِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَيُبَطِّئَنَّ فَإِنْ أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَالَ قَدْ أَنْعَمَ
اللَّهُ عَلَيَّ إِذْ لَمْ أَكُنْ مَعَهُمْ شَهِيدًا ○ وَلَئِنْ أَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِنَ
اللَّهِ لَيَقُولَنَّ كَأَنْ لَمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ يَا لَيْتَنِي كُنْتُ مَعَهُمْ
فَأَفُوزَ فَوْزًا عَظِيمًا ○ فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ
الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ
نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ○ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ
مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ
الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ
لَدُنْكَ نَصِيرًا ○ الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا
يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ
كَانَ ضَعِيفًا ○

ترجمہ: اے ایمان والو ہوشیاری سے کام لو پھر دشمن کی طرف تھوڑے تھوڑے ہو کر نکلو یا اکٹھے چلو اور تم میں کوئی وہ ہے کہ ضرور دیر لگائے گا پھر اگر تم پر کوئی افتاد پڑے تو کہے خدا کا مجھ پر احسان تھا کہ میں ان کے ساتھ حاضر نہ تھا اور اگر تمہیں اللہ کا فضل ملے تو ضرور کہے گویا تم میں اس میں کوئی دوستی نہ تھی اے کاش میں ان کے ساتھ ہوتا تو بڑی مراد پاتا تو انہیں اللہ کی راہ میں لڑنا چاہئے جو دنیا کی زندگی بیچ کر آخرت لیتے ہیں اور جو اللہ کی راہ میں لڑے پھر مارا جائے یا غالب آئے تو عنقریب ہم اسے بڑا ثواب دیں گے اور تمہیں کیا ہوا کہ نہ لڑو اللہ کی راہ میں اور کمزور مردوں اور عورتوں اور بچوں کے واسطے یہ دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اس بستی سے نکال جس کے لوگ ظالم ہیں اور ہمیں اپنے پاس سے کوئی حمایتی دے دے اور ہمیں اپنے پاس سے کوئی مددگار دے دے ایمان والے اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور کفار شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں تو شیطان کے دوستوں سے لڑو بیشک شیطان کا داؤ کمزور ہے۔

تفسیر بالرائے: یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَکُمْ [illegible]

[illegible]

فائدہ [illegible]

فائدہ ثُبَات [illegible]

[illegible] وَاِنَّ مِنْکُمْ لَمَنْ لَّیُبَطِّئَنَّ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] تکلیف پہنچی ہے یعنی قتل یا شکست [illegible] کہتا ہے [illegible]

[illegible] ۔ قَدْ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ بے شک میرے اوپر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا [illegible]

[illegible] ۔ إِذْ لَمْ أَكُنْ مَعَهُمْ شَهِيدًا جب کہ میں ان کے ساتھ حاضر نہ تھا [illegible]

[illegible] ۔ وَلَئِنْ أَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ اور اگر تمہیں اللہ کا فضل [illegible]

[illegible] فتح و نصرت اور غنیمت [illegible] لَيَقُولَنَّ [illegible]

[illegible] كَأَنْ لَمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ

[illegible] يَا لَيْتَنِي كُنْتُ مَعَهُمْ [illegible] فَأَفُوزَ فَوْزًا عَظِيمًا [illegible]

[illegible] ۔

سوال لَيُبَطِّئَنَّ [illegible] ؟

جواب [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ۔

فائدہ [illegible]

[illegible] ۔

فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ۔

فائدہ [illegible]

[illegible] ۔

وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۔ [illegible]

[illegible]

فائدہ [illegible]

سوال [illegible]

جواب [illegible]

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا [illegible]

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا [illegible]

فائدہ [illegible]

حدیث شریف [illegible]

فائدہ [illegible]

فائدہ [illegible]

سبق [illegible]

مسئلہ آیت یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ترجمہ: [illegible] وقت [illegible]

[illegible] ہے۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا [illegible]

[illegible]

[illegible]

حکایت حضرت [illegible] رحمۃ اللہ علیہ [illegible]

حضرت [illegible] کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے [illegible]

[illegible]

[illegible] ہے۔

حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے

[illegible]

[illegible]

ترجمہ: [illegible]

[illegible]

تفسیر صوفیانہ [illegible]

[illegible] ہے۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا [illegible]

[illegible]

[illegible] ہے۔

حدیث شریف حضرت ابو امامہ الباہلی [illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ حضور

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [illegible]

[illegible]

[illegible] حضور علیہ السلام [illegible] تو فرمایا [illegible]

① [illegible]

[illegible]

② [illegible]

[illegible]

① [illegible]

② [illegible]

تفسیر [illegible] وَمَا لَكُمْ [illegible] لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ [illegible] الْمُسْتَضْعَفِينَ [illegible] رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا [illegible]

سوال [illegible]

جواب [illegible]

مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ [illegible]

[illegible] ہے۔

سوال [illegible] ؟

جواب [illegible]

[illegible]

جواب [illegible]

[illegible]

مسئلہ [illegible]

[illegible] رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا [illegible]

[illegible]

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ [illegible]

فائدہ [illegible]

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ [illegible]

[illegible] الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ [illegible]

[illegible] فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ [illegible] سوال یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے [illegible] شیطان کے [illegible] اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا [illegible]

حل لغات [illegible]

فائدہ [illegible]

تفسیر صوفیانہ در شان اولیاء کرام

حضرت [illegible] رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [illegible] تفسیر میں [illegible]

فائدہ [illegible] اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا۔

نکتہ شیطان کا مقصد ہے کہ انسان [illegible] ہے [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] فرمایا ہے [illegible] شیطان [illegible] اس سے محبت کریں [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] کہ ہر وقت [illegible] اس کے [illegible] ہے۔

روحانی نسخے حضرت امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، انسان کے چار دشمن ہیں۔

① دنیا، اس کا ہتھیار مخلوق خدا سے میل جول رکھنا ہے، اس دشمن کو قید کرنا ہو تو خلق سے علیحدگی اختیار کرو۔

② شیطان، اس کا ہتھیار پیٹ بھر کر کھانا ہے، اس دشمن کو قید کرنا ہو تو بھوکے رہو۔

③ نفس، اس کا ہتھیار نیند ہے، اس دشمن کو جھکانا ہو تو بیداری اختیار کرو۔

④ خواہشات، اس کا ہتھیار کلام [illegible] ہے، اسے قید کرنا ہو تو خاموشی اختیار کرو۔

نکتہ حقیقت میں شیطان کا [illegible] ہے [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] ہر وقت اپنے [illegible] فرماتا ہے [illegible] شیطان [illegible] ہے [illegible] جاتا ہے۔

حکایت فاروق اعظم ایک مرتبہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا آپ کے پاس قریش کی کچھ عورتیں بیٹھی ہیں اور آپ کے سامنے زور زور سے باتیں کر رہی ہیں۔ جب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے تو وہ جلدی سے پردے کے پیچھے چھپ گئیں۔ یہ کیفیت دیکھ کر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی حضور! اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ ہنستا رکھے، آپ کیوں ہنسے؟ آپ نے فرمایا مجھے ان عورتوں سے تعجب ہوا کہ میرے پاس بلند آواز سے بول رہی تھیں لیکن جب تمہاری آواز سنی تو جلدی سے پردہ میں چھپ گئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس کے زیادہ حقدار ہیں کہ

یہ آپ سے ڈریں۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عورتوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا اے اپنی جان کی دشمنو! مجھ سے ڈرتی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ڈرتیں؟ انہوں نے کہا [illegible] حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابن الخطاب

[illegible]

[illegible] کیا گیا ہے ۔

حکایت حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کا ایک راہب عبادت میں مصروف رہتا تھا شیطان [illegible]

[illegible]

① بخل

② تیزی

③ نشہ

[illegible] نقصان کرتا ہے ۔

[illegible]

[illegible]

ترجمہ [illegible] ہیں ۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ترجمہ: جب [illegible]

جب [illegible]

[illegible]

■ [illegible]

[illegible]

■ [illegible]

[illegible]

③ [illegible]

[illegible]

ترجمہ ① [illegible]

② [illegible]

③ [illegible]

جب [illegible]

① [illegible]

[illegible]

② [illegible]

[illegible]

ترجمہ ① [illegible]

② [illegible]

سبق [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

الم تر إلى الذين قيل لهم كفوا أيديكم وأقيموا الصلوة
وآتوا الزكوة فلما كتب عليهم القتال إذا فريق منهم
يخشون الناس كخشية الله أو أشد خشية وقالوا ربنا
لم كتبت علينا القتال لولا أخرتنا إلى أجل قريب قل
متاع الدنيا قليل والآخرة خير لمن اتقى ولا تظلمون
فتيلا ○ أينما تكونوا يدرككم الموت ولو كنتم في
بروج مشيدة وإن تصبهم حسنة يقولوا هذه من
عند الله وإن تصبهم سيئة يقولوا هذه من عندك
قل كل من عند الله فمال هؤلاء القوم لا يكادون يفقهون
حديثا ○ ما أصابك من حسنة فمن الله وما أصابك
من سيئة فمن نفسك وأرسلناك للناس رسولا وكفى
بالله شهيدا ○ من يطع الرسول فقد أطاع الله
ومن تولى فما أرسلناك عليهم حفيظا ○ ويقولون طاعة
فإذا برزوا من عندك بيت طائفة منهم غير الذي تقول
والله يكتب ما يبيتون فأعرض عنهم وتوكل على الله وكفى
بالله وكيلا ○ أفلا يتدبرون القرآن ولو كان
من عند غير الله لوجدوا فيه اختلافا كثيرا ○ وإذا جاءهم
أمر من الأمن أو الخوف أذاعوا به ولو ردوه إلى الرسول
وإلى أولي الأمر منهم لعلمه الذين يستنبطونه منهم ولولا
فضل الله عليكم ورحمته لاتبعتم الشيطان إلا قليلا ○
فقاتل في سبيل الله لا تكلف إلا نفسك وحرض المؤمنين
عسى الله أن يكف بأس الذين كفروا والله أشد بأسا و
أشد تنكيلا ○ من يشفع شفاعة حسنة يكن له نصيب منها
ومن يشفع شفاعة سيئة يكن له كفل منها وكان الله على
كل شيء مقيتا ○ وإذا حييتم بتحية فحيوا بأحسن منها

اَوْ رُدُّوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ۝ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ
لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ۝

ترجمہ کیا تم نے نہ دیکھا جنہیں کہا گیا اپنے ہاتھ روک لو اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو ان میں بعض لوگوں سے ایسا ڈرنے لگے جیسے اللہ سے ڈرے یا اس سے بھی زیادہ اور بولے اے رب ہمارے تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا تھوڑی مدت تک ہمیں اور جینے دیا ہوتا تم فرما دو کہ دنیا کا برتنا تھوڑا ہے اور ڈر والوں کے لئے آخرت اچھی اور تم پر تاگے برابر ظلم نہ ہوگا تم جہاں کہیں ہو موت تمہیں آ لے گی اگرچہ مضبوط قلعوں میں ہو اور انہیں کوئی بھلائی پہنچے تو کہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور انہیں کوئی برائی پہنچے تو کہیں یہ حضور کی طرف سے آئی تم فرما دو سب اللہ کی طرف سے ہے تو ان لوگوں کو کیا ہوا کوئی بات سمجھتے معلوم ہی نہیں ہوتے اے سننے والے تجھے جو بھلائی پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچے وہ تیری اپنی طرف سے ہے اور اے محبوب ہم نے تمہیں سب لوگوں کے لئے رسول بھیجا اور اللہ کافی ہے گواہ جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا اور جس نے منہ پھیرا تو ہم نے تمہیں ان کے بچانے کو نہ بھیجا اور کہتے ہیں ہم نے حکم مانا پھر جب تمہارے پاس سے نکل کر جاتے ہیں تو ان میں ایک گروہ جو کہہ گیا تھا اس کے خلاف رات کو منصوبے گانٹھتا ہے اور اللہ لکھ رکھتا ہے ان کے رات کے منصوبے تو اے محبوب تم ان سے چشم پوشی کرو اور اللہ پر بھروسہ رکھو اور اللہ کافی ہے کام بنانے کو تو کیا غور نہیں کرتے قرآن میں اور اگر وہ غیر خدا کے پاس سے ہوتا تو ضرور اس میں بہت اختلاف پاتے اور جب ان کے پاس کوئی بات اطمینان یا ڈر کی آتی ہے اس کا چرچا کر بیٹھتے ہیں اور اگر اس میں رسول اور اپنے ذی اختیار لوگوں کی طرف رجوع لاتے تو ضرور ان سے اس کی حقیقت جان لیتے یہ جو بعد میں کاوش کرتے ہیں اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ضرور تم شیطان کے پیچھے لگ جاتے مگر تھوڑے تو اے محبوب اللہ کی راہ میں لڑو تم تکلیف نہ دیئے جاؤ گے مگر اپنے دم کی اور مسلمانوں کو آمادہ کرو قریب ہے کہ اللہ کافروں کی سختی روک دے اور اللہ کی آنچ سب سے سخت تر ہے اور اس کا عذاب سب سے کڑا جو اچھی سفارش کرے اس کے لئے اس میں سے حصہ ہے اور جو بری سفارش کرے اس کے لئے اس میں سے حصہ ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور جب تمہیں کوئی کسی لفظ سے سلام کرے تو تم اس سے بہتر لفظ جواب میں کہو یا وہی کہہ دو بے شک اللہ ہر چیز پر حساب لینے والا ہے اللہ کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں اور وہ ضرور تمہیں اکٹھا کرے گا قیامت کے دن جس میں کچھ شک نہیں اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی۔

تفسیر اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا
[illegible]

شان نزول [illegible]

[illegible] وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ [illegible]

[illegible] فَلَمَّا کُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ [illegible] كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً [illegible]

فائدہ [illegible]

[illegible] وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ [illegible]

[illegible] لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ [illegible]

[illegible]

[illegible]

اس وقت تک چین سے نہ بیٹھا [illegible] اپنے گھروں میں [illegible] لوگ جہاد [illegible] [illegible] آرام نصیب [illegible] جنگ کی [illegible] [illegible] کو یاد دلایا جاتا ہے۔ قُلْ اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [illegible] [illegible] گھروں میں بیٹھے [illegible] [illegible] کی محبت [illegible]۔ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ "دنیا کا سامان [illegible]" [illegible] اور انعام [illegible] جنت [illegible] [illegible] وَالْآخِرَةُ [illegible] اور آخرت [illegible] ثواب [illegible] جنگ [illegible] نصیب [illegible] آخرت [illegible] [illegible] دنیا کے [illegible] [illegible] نصیب [illegible]۔ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ [illegible] [illegible] وَلَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا [illegible] [illegible]۔ [illegible] وَلَا تُظْلَمُونَ [illegible] [illegible] ثواب [illegible] [illegible] کے مقابلہ کے لئے جنگ [illegible]۔

دنیا و آخرت کی نعمتوں کا مقابلہ

دنیا کی نعمتوں سے آخرت کی نعمتیں بہتر [illegible] ہیں۔

① دنیا کی نعمتیں قلیل ہیں اور آخرت کی [illegible]

② دنیا کی نعمتیں ختم ہو جائیں گی اور آخرت کی نعمتیں دائمی۔

③ دنیا کی نعمتوں میں [illegible] اور آخرت کی نعمتیں ان تمام [illegible] سے پاک ہیں۔

④ دنیا کی نعمتیں مشکوک ہیں [illegible] [illegible] نصیب [illegible] اور آخرت کی نعمتوں میں [illegible] نہیں۔

[illegible] آخرت کی نعمتیں [illegible] [illegible]

جیسے حضرت شیخ سعدی قدس سرہ [illegible] نے بعض فوائد [illegible] بیان کیا ہے

① مجالست [illegible]
[illegible] را [illegible]

② [illegible] را [illegible]
[illegible] قائم

③ [illegible]
مجالست [illegible]

④ خیال [illegible]
[illegible] دمادم

⑤ [illegible]
[illegible]

ترجمہ ① دنیا کے [illegible] نہیں۔
② [illegible]
③ [illegible]
④ [illegible]
⑤ [illegible]

حکایت [illegible]

[illegible]

ادا کیا ہو ۔

فائدہ [illegible] ایک [illegible] آج کل [illegible] کا ذکر کیا ہو [illegible] جب سب کو معلوم ہے کہ دنیا کی حقیقت [illegible] ہوتا ہے ۔

نکتہ اللہ تعالیٰ نے [illegible] آخرت [illegible] کیا جائے ۔ چنانچہ [illegible] و البیان [illegible] ہے ۔

سبق — [illegible]

[illegible] نہایت [illegible]

[illegible] باشد [illegible]

ترجمہ ۔ [illegible]

فائدہ [illegible] ہے ۔

نکتہ — دنیا آخرت کی [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] آخرت [illegible] ہے ۔

قبول عمل کی شرائط — دنیا آخرت میں [illegible] ایک [illegible] وقت [illegible] آخرت [illegible] ہے ۔

فائدہ حضرت ابراہیم ادہم [illegible] ہے ۔

فائدہ [illegible]

نکتہ [illegible]

حکایت [illegible]

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا

① [illegible]

[illegible]

② [illegible]

[illegible]

① [illegible]

② [illegible]

تفسیر عالمانہ اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ جہاں کہیں تم ہو گے تمہیں موت [illegible]

فائدہ [illegible]

وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ [illegible]

عجیب و غریب حکایت [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] خادم

[illegible]

[illegible] اسی وقت [illegible] اور اس کے پیٹ میں [illegible]

[illegible]

[illegible]

ہوگا۔ جب [illegible] ہوتا تو [illegible] کی عادت [illegible]

[illegible] اپنے [illegible]

[illegible] حاصل کی۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] عورت کے پاؤں کے [illegible] عورت کے پاؤں [illegible]

مسئلہ [illegible]

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا [illegible]

فائدہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

① [illegible]

[illegible]

② [illegible]

[illegible] علیہ السلام

③ [illegible]

[illegible]

ترجمہ ① [illegible]

② [illegible]

③ [illegible]

تفسیر صوفیانہ [illegible]

تفسیر عالمانہ [illegible] وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ [illegible]

[illegible]

[illegible]

حدیث شریف [illegible]

سوال [illegible]

جواب [illegible]

جواب [illegible]

حدیث شریف [illegible]

فائدہ [illegible]

① تقدیر
② [illegible]
[illegible]
③ کسب
④ عمل

[illegible]

[illegible] خلقکم وما تعملون [illegible]

[illegible] ۔

مسئلہ [illegible] ۔

مسئلہ حضرت [illegible] ما اصابک من حسنۃ [illegible] فمن نفسک [illegible] ۔

وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا [illegible] ۔

ترکیب [illegible] ۔

وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا [illegible] ۔

تفسیر مظہری [illegible] ۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مسئلہ [illegible] ۔

حکایت سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ [illegible] سات سال تک [illegible] ایک روز حضرت جبرئیل علیہ السلام [illegible] آپ نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے [illegible] ہے [illegible]

سبق اس سے سبق [illegible] حضرت [illegible] مہر نبوت [illegible]

① [illegible]

[illegible]

② [illegible]

[illegible]

③ [illegible]

[illegible] مہر نبوت [illegible]

خلاصہ ① آپ کی [illegible]

② آپ کی [illegible] آپ کی [illegible]

③ [illegible] مہر نبوت [illegible]

مہر نبوت کے متعلق [illegible]

[illegible]

فائدہ مہر نبوت [illegible]

عجیب یکسانی [illegible] ولادت شریف پر مختلف [illegible] منقول ہیں۔

① حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] رمضان المبارک [illegible]

[illegible] ولادت شریف پر مختلف عبادات [illegible] ہو جاتا تھا۔

② [illegible]

[illegible] پیدا کیا گیا۔

ماہ رمضان و ماہ میلاد اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ ماہ رمضان تمام مہینوں سے افضل ہے [illegible] میلاد شریف کو [illegible] فضیلت حاصل ہے۔ رمضان المبارک کو فضیلت قرآن پاک [illegible] حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریف [illegible]

شب میلاد شریف کی فضیلت [illegible] کے نزدیک تمام راتوں سے لیلۃ القدر افضل ہے لیکن بعض [illegible] تمام راتوں پر شب میلاد کو افضلیت [illegible] حضور علیہ السلام [illegible]

[illegible]

صاحب روح البیان کا ارشاد صاحب روح البیان [illegible] میلاد شریف کے [illegible] تعظیم و تکریم [illegible]

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی [illegible]

تفسیر عالمانہ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ جس شخص نے رسول علیہ السلام کی اطاعت کی ہے تو بے شک اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی [illegible] حقیقی حاکم [illegible] ہے۔

وہابی نجدی دیوبندی منافقین کے نقش قدم پر مروی ہے کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] ایک منافق [illegible]

[illegible] اطاعت [illegible] اللہ تعالیٰ کی اطاعت [illegible]

[illegible]

[illegible]

آیت شریفہ اتری۔

[illegible] مولانا عبدالحی لکھنوی [illegible] شاہ عبدالحق محدث دہلوی [illegible]

[illegible] کتب السیر [illegible]

ومن تولّٰی [illegible] فما ارسلنٰک علیہم حفیظا [illegible]

[illegible]

فما ارسلنٰک علیہم حفیظا [illegible]

ویقولون طاعۃ [illegible] فاذا برزوا من عندک بیّت طائفۃ منہم غیر الذی تقول [illegible]

[illegible]

واللہ یکتب ما یبیّتون [illegible]

[illegible]

فاعرض عنہم وتوکل علی اللہ وکفٰی باللہ وکیلا [illegible]

[illegible]

افلا یتدبرون القرآن [illegible] ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا [illegible]

[illegible]

[illegible] [illegible] معنی غلط [illegible] امام اعظم [illegible] کے [illegible] بعض متاخرین علما [illegible] [illegible] کے [illegible] [illegible] ہے [illegible] [illegible] کی [illegible] ہے ۔

مسئلہ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] حضرت امام جلال الدین سیوطی [illegible] [illegible] میں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ہے ۔

سوال بہت سے [illegible] [illegible] فضلنا الصلوٰۃ انتم [illegible] [illegible] [illegible] زیادہ [illegible] ہے [illegible] [illegible] !

جواب [illegible] کلام کو [illegible] کے لئے [illegible] [illegible] [illegible] ہے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ہے [illegible] قل ھو اللہ احد [illegible] [illegible] تبت یدا ابی لھب [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ہے ۔

مسئلہ [illegible] [illegible] قل ھو اللہ احد تبت یدا ابی لھب [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ۔

① [illegible] [illegible] ۔

[illegible] [illegible] ۱۲ ۔ [illegible]

③ [illegible] ہے۔

④ پھر اس [illegible] بیان

⑤ [illegible]

سوال حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد مقامات پر [illegible] افضل ہے وغیرہ وغیرہ،

جواب [illegible]

فائدہ [illegible]

فیصلہ از صاحب روح البیان [illegible] هذه الآية في نهاية الفصاحة [illegible]

① [illegible]

[illegible]

② [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ترجمہ ① فصاحت و بلاغت میں [illegible] ۔

② [illegible] ۔

فائدہ [illegible] ۔

③ قرآن مجید کے اندر فصاحت کی انتہا [illegible] ۔

④ [illegible] ۔

⑤ [illegible] ۔

فائدہ کلام الٰہی کے [illegible] بیان فرمایا ہے [illegible] حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا [illegible] ہے وہ قرآن پاک [illegible] بلاغت کی کیا بات ہے ۔

فائدہ بلاغت رسول صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] صحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] اصحاب کہف [illegible] بہشت [illegible] حضرت شیخ سعدی [illegible] فرمایا ہے

سگ اصحاب کہف روزے چند
پے نیکاں گرفت و مردم شد

ترجمہ اصحاب کہف کا کتا چند دن نیک لوگوں کے قدم بقدم چلا تو وہ انسان بن گیا ۔

سبق جب [illegible] کا کیا حال ہوگا ۔

نکتہ [illegible]

[illegible]

[illegible] القرآن [illegible]

فائدہ [illegible] اسلام [illegible]

[illegible] [illegible]

① [illegible] قرآن [illegible]

[illegible] انبیاء [illegible]

② [illegible] قرآن [illegible] انبیاء

[illegible] [illegible]

③ [illegible] قرآن [illegible]

انبیاء و اولیاء [illegible]

[illegible] ① [illegible] قرآن [illegible] انبیاء علیہم السلام [illegible]

② [illegible] قرآن انبیاء علیہم السلام کے [illegible]

③ [illegible] انبیاء [illegible]

تفسیر عالمانہ وَاِذَا جَآءَهُمْ [illegible] اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

حل لغات اَذَاعُوْا [illegible] [illegible]

[illegible] اِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ [illegible]

[illegible]

[illegible]

کے منہ [illegible] اور ان [illegible] کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے
[illegible] حق تعالیٰ [illegible] جانتا ہے۔

فائدہ [illegible]

لطیفہ [illegible] **لِيَسْتَخْفُوا مِنْهُ** [illegible]

حل لغات [illegible]

شان نزول [illegible] صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]

فائدہ [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]

مسئلہ [illegible]

لطیفہ [illegible]

[illegible]

[illegible] نہیں ہو سکتا -

[illegible] [illegible]

[illegible] ہے -

① [illegible]

[illegible]

② [illegible]

[illegible]

③ [illegible]

[illegible]

[illegible] ① [illegible]

② [illegible] -

③ [illegible] -

[illegible]

تفسیر صوفیانہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ [illegible]

[illegible] -

[illegible]

[illegible]

[illegible] صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوئے تھے۔

فضائل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی [illegible] فتوحات مکیہ [illegible] سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ [illegible] سے قبل آپ حضور نبی پاک کی بعثت مبارکہ سے پہلے ہی [illegible] کے متلاشی تھے۔ [illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہ [illegible] حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت [illegible] سے پہلے [illegible] اور قبل از بعثت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [illegible] حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہ [illegible] بعثت [illegible] کیا تھا۔

فضائل حضور نبی پاک

[illegible] صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] چنانچہ قرآن مجید کی آیات [illegible] کرتی ہیں۔

① هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ [illegible] ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ [illegible] رسول بھیجا [illegible] یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

② وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔

دیگر دلیل

کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [illegible] وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ [illegible] حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے [illegible] حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [illegible] وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا [illegible]

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اور وصف [illegible] فرمایا ہے

① مسمّیٰ بہ صفاتش دائم احمد است
مقصود از ہیئت آدم احمد است

② در صورت آدم آید گرچہ [illegible]
در معنیٰ [illegible] مقدم احمد است

③ محبوب [illegible] رسالت [illegible] است
محبوب حق [illegible] احمد است

ترجمہ ① [illegible]

② [illegible] آدم علیہ السلام [illegible] پہلے تھے۔

③ [illegible]

تخلیق محمدی کا اجمالی خاکہ

[illegible]

اولاد آدم اور شان مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

[illegible] کذا فی الیواقیت [illegible]
الطبع الشعیر [illegible]

[illegible]

لہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

شان نزول [illegible]

[illegible]

حل لغات [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ہے۔

وَاللّٰهُ أَشَدُّ بَأْسًا وَّأَشَدُّ تَنْكِيلًا [illegible]

[illegible]

① [illegible]

② جب [illegible]

③ جب [illegible]

فائدہ [illegible] ہے۔

فوائد نحویہ

① [illegible]

② [illegible]

③ [illegible]

① [illegible]
[illegible]

② [illegible]
[illegible]

③ فإن سليمان إذا [illegible] الرياح له
[illegible]

④ [illegible]

[illegible]

⑤ [illegible]

[illegible]

ترجمہ ① [illegible]

[illegible]

② [illegible]

③ [illegible] حضرت [illegible]

[illegible] آپ کے ساتھ [illegible]

④ [illegible]

⑤ [illegible]

تفسیر صوفیانہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

① [illegible]

[illegible]

④ [illegible]
[illegible]

⑤ [illegible]
[illegible]

⑥ [illegible]
[illegible]

[illegible] ① [illegible]

② [illegible]

③ [illegible]

④ [illegible]

[illegible] مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا جو شخص شفاعت [illegible] نصیب [illegible] [illegible]

وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً [illegible] شفاعت [illegible] يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا [illegible]

حکایت حضرت [illegible]

فائدہ [illegible]

① [illegible]

② [illegible]

مسئلہ [illegible] اسلام [illegible]

[illegible] نہ کریں۔

مسئلہ [illegible]

[illegible] ہے۔

مسئلہ [illegible] معاف کر سکتا ہے۔

مسئلہ [illegible]

مسئلہ شراب کی [illegible]

مسئلہ [illegible]

مسئلہ [illegible] ایک حد ہے۔

مسئلہ [illegible]

[illegible] ہے۔

مسئلہ چوری [illegible]

فائدہ [illegible]

حکایت حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ [illegible]

[illegible]

حدیث شریف [illegible]

[illegible] ہے۔

فائدہ حدیث شریف کی ضمانت کا یہ مطلب [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] دنیا [illegible]
[illegible] حاصل [illegible] [illegible] [illegible] نصیب [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]

فائدہ [illegible] حدیث شریف [illegible] جب کسی [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] فرمایا ہے ۔

حکایت حضرت شیخ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] بادشاہ [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
اس شخص کے [illegible] بادشاہ [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] حدیث شریف اس وقت [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] ۔

سبق [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] حضرت
[illegible] [illegible] فرمایا ہے

① [illegible] [illegible]

[illegible] [illegible]

② [illegible] [illegible]

[illegible] [illegible]

① [illegible] [illegible] [illegible] ۔

② [illegible] [illegible] [illegible] ۔

مسئلہ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

بہانہ [illegible] کرتا ہے۔

حدیث شریف حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے لئے غائبانہ دعا کرتا ہے اس کی دعا قبول ہوتی ہے پھر فرشتہ [illegible] کہتا ہے کہ تجھ کو بھی ویسا ہی نصیب ہو جو تو نے اپنے مسلمان بھائی کے لئے مانگا ہے۔

مسئلہ: یہ بھی [illegible] مستحب ہے [illegible] اپنے مسلمان بھائی کے لئے غائبانہ دعا کرتا ہے۔

نکتہ: علماء نے فرمایا اس لئے مستحب ہوا ہے کہ یہ دعا [illegible] اخلاص [illegible] اپنے بھائی مسلم کے سامنے دعا کی جائے [illegible] ریا [illegible] اور غائبانہ [illegible] تو صرف اخلاص [illegible] کی جاتی ہے اس لئے قبول ہوتی ہے۔

مسئلہ: نماز [illegible] حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] درود و سلام [illegible] اس لئے حضور علیہ السلام [illegible] درود و سلام کا حکم فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے مجید میں فرمایا إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا [illegible] کا بہترین طریقہ [illegible]۔

نکتہ: صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم [illegible] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور [illegible] ہے کہ [illegible] بہترین [illegible] نصیب ہو۔

سوال: [illegible] حضور علیہ السلام [illegible] التحیات [illegible] یا [illegible] ہے [illegible] سلام کیا جاتا ہے؟

جواب: [illegible]

[illegible] ہے۔

التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ [illegible] تَحِيَّةٌ [illegible] ہو سکتا ہے۔ تَحِيَّةٌ [illegible] عَلَى النَّبِيِّ [illegible] ہو۔ یا مُحَيِّيَةٌ یا [illegible] کی جمع ہے۔

فائدہ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ [illegible] کی تشریح [illegible]

① تحیات [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مُقِیْتٌ [illegible] والا

فائدہ [illegible] عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا [illegible]

[illegible]

[illegible] عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ہوا ہے ۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ [illegible]

[illegible]

فائدہ [illegible]

شان نزول [illegible] فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ [illegible]

مسئلہ [illegible]

سوال [illegible] ؟

جواب ① [illegible] اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ [illegible]

جواب ② [illegible] فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ [illegible] اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ [illegible]

اگر وہ بھی السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے تو تم وعلیکم السلام

[illegible] بصیغہ خطاب [illegible] سلام [illegible]
لیتے ان کی بھی آفت و بلیات سے حفاظت اور [illegible] حاضر [illegible]
[illegible] ہے التحیات میں اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّہَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ کہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی کو اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہے اس کے لیے [illegible] اور جو اس کے آگے ورحمۃ اللہ کے الفاظ [illegible] نیکیاں [illegible] ہیں۔

مسئلہ [illegible] اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہنا چاہیے سلام علیکم [illegible] اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْہُدٰی اور [illegible] سلام علٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی [illegible] جائز [illegible] ہے۔

مسئلہ [illegible] اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ [illegible] بالاتفاق [illegible] تمام فقہاء کرام کا اتفاق ہے۔

مسئلہ [illegible] سلام [illegible] سلام [illegible] ہے۔

[illegible] جواب [illegible]۔

سوال [illegible]؟

جواب [illegible] سلام [illegible] اَہْلِ الْقَرْیَۃِ [illegible] ہے۔

فائدہ [illegible] سلام [illegible] ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور کہا اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ دوسرا حاضر ہوا اور اس نے کہا السلام علیک ورحمۃ اللہ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ و برکاتہ تیسرا حاضر ہوا اس نے کہا السلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپ نے اس کے جواب میں [illegible] وعلیک [illegible] کہا [illegible] آپ نے [illegible] اس کے جواب میں [illegible] ہے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible] جواب دینا چاہیے۔

مسئلہ سلام کا جواب دینا واجب ہے۔

سوال اگر سلام کا جواب دینا واجب ہے تو [illegible]

[illegible] واجب نہیں ہوا۔

جواب [illegible]

[illegible]

مسئلہ [illegible]

[illegible] واجب ہے۔

مسئلہ [illegible]

[illegible]

تفسیر صوفیانہ إن الله كان على كل شيء حسيبا [illegible]

[illegible]

مسائل السلام

① [illegible] السلام علیکم [illegible] سنت ہے۔
② [illegible]
③ [illegible]
④ [illegible]
⑤ [illegible]
⑥ [illegible] السلام علیکم [illegible]

۱۔ اعلیٰ حضرت [illegible]

جاتا ہے جب اہل خانہ موجود ہوں ۔

⑦ جب گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو کہے السلام علیکم ۔

⑧ گھر میں داخل ہو اور وہاں کوئی نہ ہو تو کہے السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین اس کے جواب میں ملائکہ کرام وعلیکم السلام کہتے ہیں ۔

⑨ جب کسی مجلس میں اہل اسلام وغیرہ شامل ہوں تو کہے السّلام علیکم ۔

⑩ جب اٹھ کر جانے لگے تو بھی السلام علیکم کہے جو شخص بیٹھ کر سلام کرے تو وہ بھی ان کے اس عمل خیر میں شریک سمجھا جائے گا اور ان کے پیچھے جانے کے بعد کہتے رہیں گے ۔

⑪ نماز کے آخر میں التحیات پڑھنے کے بعد جو سلام پھیرتے ہیں اس میں بھی السّلام علیکم کہا جاتا ہے اس سے مراد فرشتے اور حاضرین اور نیت میں شامل ہیں ۔

⑫ خادم اور ماتحتوں کو سلام میں پہل کرے ۔

⑬ مسلمانوں سے ملاقات کے وقت سب کو سلام کہے ۔

⑭ جو کسی مجلس میں آ کر شریک ہو تو وہ پہلے حاضرین کو السلام علیکم کہے ۔

⑮ سیر و تفریح کے لئے

⑯ قافلے سے ملاقات کے لئے

⑰ جانے والے جب جماعت سے رخصت ہوں ۔

⑱ کتاب پڑھنے والے اور کسی مجلس میں درس و تدریس میں ہوں تو السلام علیکم نہ کہے ۔

فائدہ بعض حضرات نے اپنے رسالوں میں لکھا ہے کہ جو شخص تلاوت میں مشغول ہو اس کو السلام علیکم کہنا درست نہیں اور جو پڑھا رہا ہو اس کو بھی نہ کہے مگر شریعت کا حکم یہ ہے کہ جو لوگ ان میں مشغول ہوں ان کو السلام علیکم کہنا جائز ہے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان میں داخل ہونے کے وقت کسی کو سلام کرنا جائز ہے السلام علیکم کہے تو اس کا جواب وعلیکم السلام سے دینا چاہئے ہاں جب ان کو معلوم ہو کہ یہ لوگ تلاوت سے فارغ ہو کر جواب دیں گے تو سلام کہہ دے اگر تلاوت میں اس سے حرج ہو تو سلام نہ کرے ۔ مثلاً تلاوت قرآن شریف پڑھ رہا ہو تو منع ہے ۔

⑲ سلام کے بعد مل جانے کے وقت اگر کوئی شخص دور ہو تو ہاتھ سے اشارہ کرنا جائز ہے ۔

⑳ خطبہ

㉑ کسی نے قرآن پڑھنے کے وقت جب اس کو جماعت سنا رہا ہو ۔

㉒ حدیث شریف پڑھنے کے وقت

⑰ تکبیرِ تشریق کے وقت۔

⑱ اذان کہتے ہوئے۔

⑲ اقامت کہتے ہوئے سلام کا جواب دینا ضروری نہیں۔

⑳ قاضی جب عدالت میں [illegible] سلام کا جواب [illegible]۔

■ [illegible] سلام [illegible] وقت جب [illegible] کے [illegible] وہ [illegible] ہے۔

㉑ [illegible] سلام [illegible] جب [illegible] حالت [illegible] ہو [illegible] سلام [illegible] کا جواب ہے۔

㉒ [illegible] سلام [illegible] حضرت [illegible] سلام علیکم [illegible] سلام علیکم [illegible] ہیں۔

㉓ جب [illegible] سلام علیکم [illegible] سلام کا جواب دینا ضروری نہیں۔

㉔ [illegible] سلام علیکم [illegible] سلام کا جواب دینا ضروری نہیں۔

㉕ [illegible] سلام کا جواب دینا ضروری نہیں۔

㉖ جب [illegible] سلام علیکم [illegible] جواب دینا [illegible]۔

㉗ جب مسجد میں داخل ہو [illegible] نماز میں مشغول ہوں [illegible] کوئی نہیں ہو تو کہے، السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین [illegible] نماز [illegible] سلام [illegible] قرأت [illegible] سلام کا جواب دینا ضروری نہیں [illegible] ہے۔

㉘ [illegible] سلام [illegible] کے وقت [illegible] ہے۔

[illegible]

مسئلہ [illegible]

[illegible] **مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم** [illegible]

مسئلہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مسئلہ [illegible]

مسئلہ [illegible]

مسئلہ [illegible]

حدیث شریف [illegible]

[illegible]

حکایت [illegible]

مسئلہ السلام علیکم [illegible]

مسئلہ [illegible]

حکایت [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مسئلہ [illegible] السلام علیکم اھل الدیار من المؤمنین [illegible] یرحم اللہ المستقدمین منکم [illegible] وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون نسأل اللہ لنا ولکم العافیۃ [illegible]

ثبوت سماع موتیٰ از حدیث شریف

حضور سرور عالم [illegible] نے فرمایا [illegible] کوئی قبر کے پاس سے گزرتا ہے [illegible] دنیا میں [illegible] سلام کا جواب دیتا ہے۔

فائدہ [illegible]

ثبوت سماع موتیٰ کی بہترین دلیل

حضرت [illegible]

حضور نبی پاک ﷺ کی حیات پاک اور حاضر و ناظر اور علم غیب کی بہترین تقریر

[illegible]

[illegible]

اعتراض [illegible]

جواب [illegible]

① [illegible]
[illegible]

② وحدت [illegible]
[illegible]

③ [illegible]
[illegible]

④ وحدت [illegible]
وحدت [illegible]

⑤ بیا از وحدت [illegible]
[illegible]

① [illegible]
② [illegible]
③ [illegible]
④ [illegible]

⑫ [illegible] آپ کی رحمت سے [illegible] اولیاء [illegible] بھی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ [illegible] شریعت [illegible] قرآن کی [illegible] سے [illegible] کا مطلب ہے [illegible] شفاعۃ حسنۃ [illegible] شفاعۃ سیئۃ [illegible] بات [illegible] قریب ہے۔

حدیث قدسی شریف حضور علیہ السلام حضرت جبریل علیہ السلام سے اور وہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا [illegible] اور جاہلوں سے [illegible] کرنے کی عادت بناؤ۔

حدیث حضور علیہ السلام نے فرمایا [illegible] السلام [illegible] قبل [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] ہیں۔

تفسیر عالمانہ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ اللہ مبتدا ہے [illegible] لَيَجْمَعَنَّكُمْ قسم محذوف کا جواب ہے [illegible] واللہ لیجمعنکم [illegible] اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ [illegible] لَا رَيْبَ فِيْهِ [illegible] لَيَجْمَعَنَّكُمْ [illegible] لا ریب فیہ [illegible] کی [illegible] ہوگی۔

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا (اور اللہ تعالیٰ سے [illegible] کی بات سچی ہے)

مسئلہ امکان کذب کی تردید [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] کذب [illegible] عیب ہے اور عیب اللہ تعالیٰ سے محال ہے۔

حدیث قدسی شریف مع شرح

[illegible]

فائدہ: قیامت تین قسم پر ہے ① صغریٰ یعنی ہر شخص کی موت اس کی قیامت ہے جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ [illegible] قیامت قائم ہو گئی

② وسطیٰ - یعنی صور پھونکنے پر تمام مخلوق کا مرنا۔

③ کبریٰ - میدان حشر میں تمام مخلوق کا [illegible]۔

حضرت مولانا [illegible] سے

① [illegible] اسرافیل [illegible]

[illegible] مسیحا [illegible]

② [illegible] اسرافیل وقتند اولیا

مردہ را زیشاں حیاتست و نما

ترجمہ ② [illegible] اسرافیل [illegible] مردوں کو [illegible]۔

⑦ اولیاء کرام اپنے وقت کے اسرار قلبی [illegible] اور بخوبی جانتا ہے ۔
بایزید [illegible] کے مقامات [illegible] یا اللہ نصیب ہو تو [illegible] کے مقامات [illegible]
[illegible] اللہ تعالیٰ کا ذکر خلوت میں کیا جائے [illegible] تمام عالم فانی [illegible]
[illegible] استغراق حاصل ہوگا جب توحید میں [illegible]
[illegible] ۔

سبق حضرت بایزید [illegible] لیکن اس کا دل کامل ہو تو [illegible]
اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے ۔

حکایت ایک بزرگ ایک رات [illegible] ایک جگہ دیکھا [illegible]
[illegible] بادشاہ کی لڑکی [illegible]
[illegible] اس شہر کے [illegible] عجیب جواب
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] ہی بہتر خراب [illegible]

ذکر حق کن بانگ غولاں را بسوز
چشم نرگس را ازیں کرگس بدوز

ترجمہ: حق تعالیٰ کا ذکر کر کے [illegible] نرگس کی آنکھ [illegible] ۔

تفسیر صوفیانہ آیت [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]
[illegible]

اشقیا قیامت میں دوبارہ عدم کی طرف [illegible] جائیں گے ۔

① بہشتی
② دوزخی
③ اللہ تعالیٰ کے ہاں خاص مقرب ہوں گے ۔

[illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] دنیا [illegible]
[illegible] آخرت [illegible] اللہ توفیق [illegible] ۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ۭ اَتُرِيْدُوْنَ
اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ○
وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَاۗءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ
اَوْلِيَاۗءَ حَتّٰي يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ
وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۠ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ○ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ
اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَاۗءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُھُمْ اَنْ
يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَھُمْ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَھُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ
فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ
عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ○ سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا
قَوْمَھُمْ ۭ كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ
السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْھُمْ وَاقْتُلُوْھُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ ۭ
وَاُولٰۗىِٕكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ○

ترجمہ: تو تمہیں کیا ہوا کہ منافقوں کے بارے میں دو فریق ہو گئے اور اللہ نے انہیں اوندھا کر دیا ان کے کوتکوں کے سبب کیا یہ چاہتے ہو کہ اسے راہ دکھاؤ جسے اللہ نے گمراہ کیا اور جسے اللہ گمراہ کرے تو ہرگز تو اس کے لئے راہ نہ پائے گا وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ کہیں تم بھی کافر ہو جاؤ جیسے وہ کافر ہوئے تو تم سب ایک سے ہو جاؤ تو ان میں کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ جب تک اللہ کی راہ میں گھر بار نہ چھوڑیں پھر اگر وہ منہ پھیریں تو انہیں پکڑو اور جہاں پاؤ قتل کرو اور ان میں کسی کو نہ دوست ٹھہراؤ نہ مددگار مگر وہ جو ایسی قوم سے علاقہ رکھتے ہیں کہ تم میں ان میں معاہدہ ہے یا تمہارے پاس یوں آئے کہ ان کے دلوں میں سکت نہ رہی کہ تم سے لڑیں یا اپنی قوم سے لڑیں اور اللہ چاہتا تو ضرور انہیں تم پر قابو دیتا تو وہ بیشک تم سے لڑتے پھر اگر وہ تم سے کنارہ کریں اور نہ لڑیں اور صلح کا پیام ڈالیں تو اللہ نے تمہیں ان پر کوئی راہ نہ رکھی اب کچھ اور تم ایسے پاؤ گے جو یہ چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امان میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امان میں رہیں جب کبھی ان کی قوم انہیں فساد کی طرف پھیرے تو اس پر اوندھے گرتے ہیں پھر اگر وہ تم سے کنارہ نہ کریں اور صلح کی گردن نہ ڈالیں اور اپنے ہاتھ نہ روکیں تو انہیں پکڑو اور جہاں پاؤ قتل کرو اور یہ ہیں جن پر ہم نے تمہیں صریح اختیار دیا۔

تعلق بالماقبل فَمَا لَكُمْ [illegible] فِي الْمُنٰفِقِيْنَ [illegible] منافقین کے بارے میں [illegible] فِئَتَيْنِ دو [illegible] منافقین کے متعلق [illegible] منافقین [illegible]

شان نزول منافقین میں سے ایک گروہ [illegible] مدینہ طیبہ [illegible] حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [illegible]

وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ [illegible]

حل لغات [illegible]

اَتُرِيْدُوْنَ [illegible] اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ [illegible]

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ [illegible]

فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا اور جس کے لئے [illegible] خصوصیات سے ہو۔ یہ مطلب ہوا [illegible] ہے۔ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ [illegible] كَمَا كَفَرُوْا [illegible] فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً [illegible]

مسئلہ اس آیت سے معلوم ہوا [illegible]

حدیث شریف حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا [illegible] کفر ہے۔

فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ تو ان میں سے کسی کو [illegible] حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ [illegible] اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [illegible]

شانِ نزول [illegible] حکم فرمایا۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا [illegible] فَخُذُوْهُمْ [illegible]

اگر فرض کی اگر [illegible] اس وقت سے گئے ہیں۔ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ اور انہیں قتل کرو جہاں بھی پاؤ حل میں ہو یا حرم شریف میں اس لئے کہ یہ ان کے قتل کرنے کے لئے ہی وہ سب سے مشرکین اور [illegible] قرآن کے حکم سے ہیں۔ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا اور نہ بناؤ ان میں سے کسی کو اپنا دوست بنا کر [illegible] [illegible] سے اگر وہ تمہیں [illegible] دوستی [illegible] اگر وہ آئے [illegible] ان کی امداد [illegible] قبول نہ کرو۔ [illegible] ہی نہ دوستی قائم کرو۔

تفسیر صوفیانہ اس آیت میں اشارہ ہے کہ جو حضرات اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت کرنے والے ہیں انہیں چاہئے کہ وہ دنیا اور اہل دنیا سے ایسے دور رہیں کہ گویا ان کے ساتھ تعلق ہی نہ تھا [illegible] [illegible] نہ رکھیں۔ یہاں تک کہ [illegible] ہجرت [illegible] دنیا [illegible] سے دور [illegible] ساتھ طلب حق میں [illegible] ہو جائیں۔ اس آیت [illegible] نصیحت کرو اور انہیں قتل [illegible] صوفیائے کرام [illegible] [illegible] [illegible]

تفسیر عالمانہ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ [illegible] [illegible] فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ سے مستثنیٰ ہیں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

① [illegible] [illegible]۔

② [illegible] [illegible]۔

محمد [illegible] [illegible] [illegible] الحق والمنافقین۔ [illegible]

[illegible] تمہارے ساتھ جنگ کریں اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ [illegible] [illegible] [illegible] سے معلوم [illegible] تمہارے ساتھ جنگ نہیں [illegible] [illegible] تمہارے ساتھ [illegible] ۔

فائدہ [illegible] [illegible] اسلام [illegible] [illegible] [illegible] کی حالت میں [illegible] ۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ اور اگر خدا چاہتا تو ان کو تم پر مسلط کر دیتا۔ عَلَيْكُمْ تمہارے [illegible] کے دل [illegible] سینے کھول [illegible] [illegible] ۔

سوال یہ ہے کہ [illegible] اللہ تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں پر مسلط کر دے [illegible] کا ارادہ ہے [illegible] شان کے خلاف ہے ؟

جواب [illegible] اہل اسلام [illegible] [illegible] [illegible] ۔

فَلَقٰتَلُوْكُمْ پس وہ اس صورت میں تمہارے مقابلہ میں [illegible] [illegible] ۔

فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ [illegible] تمہارے ساتھ [illegible] وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ اور تمہارے ساتھ [illegible] ۔

فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا [illegible] [illegible] تمہارے ساتھ [illegible] ۔

فائدہ [illegible]

فائدہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

قضا و قدر میں فرق [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ترجمہ: [illegible]

مسئلہ [illegible]

مسئلہ [illegible]

مسئلہ بندہ کو اختیار دیا گیا ہے یعنی بندہ سے جو فعل سرزد ہوتا ہے اس کا خالق اللہ تعالیٰ کو مانا جاتا ہے یعنی ہر چیز کا جاننا اس سے تعلق رکھتا ہے یعنی وہ مقدر ہو چکا ہے اور ہم مجبور نہیں۔ اس مسئلہ پر زیادہ بحث کی اجازت نہیں کیونکہ اس میں ہلاکت ہے۔

مسئلہ جبریہ فرقہ کہتا ہے کہ بندہ پتھر کی طرح مجبور محض ہے اسے اپنے فعل کا کسی قسم کا اختیار نہیں اس کی حرکت ایسی ہے جیسے ہوا کے جھونکے سے درخت کے پتے ہلتے ہیں یا کوئی دوسرا حرکت دیتا ہے تو حرکت کرتا ہے ورنہ ساکن رہتا ہے۔

مسئلہ قدریہ کا مذہب ہے کہ بندہ اپنے فعل کا خود خالق ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بغیر اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے بھی بندہ کا ہر کام کیا جا سکتا ہے۔

مسئلہ اہلسنت و جماعت کا مذہب ہے کہ انسان جبر و قدر کے درمیان ہے یعنی بندہ مختار ہے مگر تخلیق اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے لیکن اس کی تحقیق میں نہ پڑیں۔ وہ بندہ کے ہر فعل میں اللہ تعالیٰ کے ارادہ کا ظہور ہوتا ہے، اس سے جبر لازم نہیں آتا۔

مثنوی شریف میں ہے۔

① گر بپرانیم تیر آں نے ز ماست
ما کمان و تیر اندازش خداست

② ایں نہ جبر ایں معنی جباریست
ذکر جباری برائے زاریست

③ زاری ما شد دلیل اضطرار
خجلت ما شد دلیل اختیار

ترجمہ ① اگر ہم تیر پھینکیں تب پھینکنا ہم سے نہیں یعنی وہ حقیقت اللہ تعالیٰ کا ہے۔
② یہ جبر نہیں بلکہ جباری کی بات ہے اور جباری کی یاد ہماری زاری کے لئے ہے۔
③ ہماری زاری اضطرار کی دلیل ہے اور ہماری خجالت ہمارے اختیار کی علامت ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا
خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ
اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۚ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ
رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ
مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ
شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ○ وَمَنْ
يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا
اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ
لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ
كَثِيْرَةٌ ۚ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ○ لَا يَسْتَوِى الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِى
الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۚ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ
بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ۚ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۚ
وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ○ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ
وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ۚ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○

ترجمہ اور مسلمان کا کام نہیں کہ کسی مسلمان کو قتل کرے مگر ہاتھ چوک کر اور جو کوئی مسلمان کو نادانستہ قتل کرے تو

پر ایک مملوک مسلمان کا آزاد کرنا ہے اور خوں بہا کہ مقتول کے لوگوں کو سپرد کی جائے مگر یہ کہ وہ معاف کردیں پھر اگر وہ اس قوم سے ہو جو تمہاری دشمن ہے اور خود مسلمان ہے تو صرف ایک مملوک مسلمان کا آزاد کرنا اور اگر وہ اس قوم میں ہو کہ تم میں ان میں معاہدہ ہے تو اس کے لوگوں کو خوں بہا سپرد کی جائے اور ایک مسلمان مملوک آزاد کرنا تو جس کا ہاتھ نہ پہنچے وہ لگاتار دو مہینے کے روزے رکھے یہ اللہ کے یہاں اس کی توبہ ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے اور جو کوئی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کا بدلہ جہنم ہے کہ مدتوں اس میں رہے اور اللہ نے اس پر غضب کیا اور اس پر لعنت کی اور اس کے لئے تیار رکھا بڑا عذاب اے ایمان والو جب تم جہاد کو چلو تو تحقیق کرلو اور جو تمہیں سلام کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں تم جیتی دنیا کا اسباب چاہتے ہو تو اللہ کے پاس بہتیری غنیمتیں ہیں پہلے تم بھی ایسے ہی تھے پھر اللہ نے تم پر احسان کیا تو تم پر تحقیق کرنا لازم ہے بیشک اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے برابر نہیں وہ مسلمان کہ بے عذر جہاد سے بیٹھ رہیں اور وہ کہ راہ خدا میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں اللہ نے اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد والوں کا درجہ بیٹھنے والوں سے بڑا کیا اور اللہ نے سب سے بھلائی کا وعدہ فرمایا اور اللہ نے جہاد والوں کو بیٹھنے والوں پر بڑے ثواب سے فضیلت دی ہے اس کی طرف سے درجے اور بخشش اور رحمت اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۔

تفسیر عالمانہ

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ یعنی کسی مومن کے لائق نہیں یعنی اس سے نامناسب ہے أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا کہ وہ کسی اپنے ایمانی بھائی کو قتل کرے [illegible] إِلَّا خَطَأً [illegible] یعنی مومن کے شایان کسی حالت میں بھی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] کسی کا فر [illegible] ۔

حکایت

عیاش بن ابی ربیعہ ابوجہل کا ماں جایا بھائی مسلمان ہو کر مدینہ طیبہ ہجرت کرکے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible]

نکتہ [illegible]

مسئلہ [illegible]

مسئلہ [illegible]

نکتہ [illegible]

[illegible]

مسئلہ [illegible]

اگر اس نے قبل از مرگ وصیت کی ہو تو تہائی سے ادا کریں۔

مسئلہ اگر مقتول کا کوئی وارث نہ ہو تو دیت بیت المال میں داخل کی جائے گی کیونکہ بیت المال مسلمانوں میں تقسیم ہوتا ہے اور تمام مسلمان گویا کہ مقتول کے وارث حقیقی نہ ہوں تو سب کے تمام مسلمان بھائی وارث ہیں۔

حدیث شریف أَنَا وَارِثُ مَنْ لَا وَارِثَ لَهُ " میں اس کا وارث ہوں جس کا کوئی وارث نہ ہو۔

﴿إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا﴾ اور اگر مقتول کے ورثہ قاتل کو دیت معاف کر دیں۔ یعنی اس سے دیت معاف کر دیں۔

حکمت دیت کو صدقہ سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ ورثہ کو معلوم ہو کہ معاف کرنے سے ان کو ثواب نصیب ہوگا جیسے کہ صدقہ دینے سے ثواب ملتا ہے اس سے دیت معاف کرنے کی فضیلت بتانا بھی مقصود ہے

حدیث شریف ہر نیکی صدقہ ہے۔

فائدہ دیت " مصدر ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں: وَدَى الْقَاتِلُ الْمَقْتُولَ " یعنی قاتل نے مقتول کا [illegible] کر دیا۔ [illegible] مقتول کے عوض ذکر [illegible] ہے۔ اس طرح دیت سے تعبیر کیا ہے یعنی مجازاً مصدر سے تعبیر کیا ہے۔

فائدہ دیت کی [illegible] سے پہلے [illegible] عرب میں [illegible] کے آنے سے پہلے [illegible] کا دستور تھا۔ اسی طرح دیت بھی اسلام میں باقی رہی۔

مسئلہ دیت کی رقم [illegible] دینار یا [illegible] درہم [illegible] ادا کی جائے۔

مسئلہ قاتل کے قریبی رشتہ دار جن سے عاقلہ کا اطلاق ہوتا ہے یہ ہیں۔

① بھائی

② بھائی کے لڑکے

③ چچا

④ چچا کے لڑکے

مسئلہ ان سے لے کر مقتول کے ورثہ کو دی جائے۔

مسئلہ اگر قاتل سے وصول کی جا سکتی ہو [illegible] ایک [illegible] جس سے مقتول [illegible] ایسے قتل کا حقیقی قاتل قرار دیا ہے۔

نکتہ دیت کو اصل [illegible] [illegible] قاتل [illegible]

[illegible]

مسئلہ اگر قاتل [illegible]

فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ [illegible] اسلام [illegible] فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ [illegible]

وَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ [illegible] فَدِيَةٌ [illegible] مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ [illegible] وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ [illegible] فَمَن لَّمْ يَجِدْ [illegible]

مسئلہ [illegible]

فَصِيَامُ [illegible] شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ [illegible]

مسئلہ [illegible]

مسئلہ [illegible]

مسئلہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

سوال [illegible]

جواب [illegible]

نکتہ [illegible]

[illegible]

تفسیر صوفیانہ [illegible] **فلا اقتحم العقبۃ وما ادرٰک ما العقبۃ فک رقبۃ** [illegible]

حدیث شریف [illegible]

داد حق را قابلیت شرط نیست
بلکہ شرط قابلیت داد حق است

ترجمہ: [illegible]

حکایت ہارون الرشید کی [illegible]

[illegible]

مسئلہ [illegible]

[illegible]

تکملہ [illegible]

[illegible]

حدیث شریف [illegible]

[illegible]

لیے ہونا اگر کوئی مومن کسی کو قتل کرتا ہے اور یہ بھی کہ کسی ملک عرب کا ایسا ہی اس تمام کی حرمت اٹھا دیتے ہیں اعتقاد رکھتے ہیں کہ جناب اقدس کے واسطے ان کے لئے سے جائز ہے تو اس لئے اسکے بعد وہ یہ مسئلہ بیان فرماتے ہیں:

تفسیر بالماثور

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا اور جو کوئی کسی مومن کو قتل کرتا ہے مُتَعَمِّدًا ارادہ سے یعنی ایمان کی بنا سے قتل کرنے کے وقت اس کا قتل جائز سمجھ کر حلال جانے۔

شان نزول

یہ آیت مقیس بن صبابہ کنانی کے حق میں اتری ہے وہ اور اس کا بھائی ہشام مسلمان ہو چکے تھے مقیس نے بعد میں اپنے بھائی ہشام کو بنی نجار کے محلہ میں مقتول پایا۔ انہوں نے حضور سرور عالم کی خدمت میں اپنے بھائی کے قتل ہونے کا واقعہ عرض کیا۔ حضور علیہ السلام نے ان کے ساتھ حضرت زبیر بن عیاض فہری رضی اللہ عنہ کو بنی نجار کی طرف بھیجا اور حکم فرمایا کہ بنی نجار کو کہہ دو کہ اگر ہشام کے قاتل کو جانتے ہو تو مقیس کے حوالہ کر دو تاکہ وہ اس سے قصاص لے اور اگر نہ جانتے ہو تو اس کی دیت ادا کرو۔ انہوں نے کہا کہ حضور کا حکم سر آنکھوں پر لیکن ہم اس کے قاتل کو نہیں جانتے البتہ اس کی دیت ادا کر دیتے ہیں چنانچہ سب نے مل کر مقیس کے بھائی کی دیت میں سو اونٹ دیئے۔ جب حضرت زبیر فہری مقیس کے ساتھ دیت کے اونٹ لے کر مدینہ منورہ کی طرف واپس ہوئے تو راستہ میں شیطان نے مقیس کے دل میں وسوسہ ڈالا کہ تو نے اپنے بھائی کی دیت قبول کر لی اپنے بھائی کا بدلہ نہ لیا بلکہ دیت میں اونٹ لے لئے اور تمام عرب کے لوگ طعنہ دیں گے کہ مقیس نے بھائی کے قتل ہونے پر اونٹ لے لئے اس سے بہتر یہ ہے کہ اس فہری کو قتل کر دے تاکہ جان کے بدلے جان ہو جائے اور دیت کے اونٹ بھی تیرے پاس رہیں۔ چنانچہ اس نے حضرت زبیر فہری کو قتل کر دیا اور ایک اونٹ پر سوار ہو کر باقی اونٹوں کو ہانکتا ہوا مکہ معظمہ پہنچ گیا اور اسلام سے مرتد ہو گیا اور ایک پتھر اٹھا کر اس کے سر پر مارا جس سے حضرت زبیر فہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب زندگی ختم ہو گئی وہ مرتد ہو کر ایک اونٹ پر سوار ہوا اور باقی اونٹوں کو ہانکتا ہوا مکہ معظمہ پہنچا اور اسلام سے مرتد ہو کر کفر کی حالت میں مارا گیا۔ وہ اس حالت میں یہ شعر پڑھتا تھا۔

قتلت به فهرا وحملت عقله
سراة بني النجار ارباب فارع
وادركت ثاري واضطجعت موسدا
وكنت الى الاوثان اول راجع

ترجمہ: میں نے اپنے بھائی کے بدلے میں فہری کو قتل کیا اور اس کی دیت کا مال بنی نجار کے سرداروں سے جو زمین کے مالک ہیں لے لیا اور میں نے اپنا بدلہ لے لیا اور آرام سے سو گیا اور میں بتوں کی طرف سب سے پہلا لوٹنے والا ہوں۔

[illegible] ۔

[illegible] ۔

فائدہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا

[illegible] وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ [illegible]

[illegible] عَذَابًا عَظِيْمًا [illegible] ۔

فائدہ [illegible] ۔

مسئلہ [illegible] ۔

مسئلہ [illegible] ۔

مسئلہ [illegible] ۔

مسئلہ [illegible]

وہ معاف کر سکتے [illegible] مقتول کا وارث ہونے کی [illegible] قاتل کو معاف فرما دے۔

نکتہ قاتل جہنم کے [illegible] اللہ تعالیٰ سے اہل ایمان کو جنت میں [illegible] وہ اہل ایمان اپنے [illegible]

سوال [illegible]

جواب [illegible]

نکتہ [illegible]

[illegible] یا کسی کو ناحق مارا قتل ہے۔

مذمت قتل ناحق از احادیث مبارکہ

① دنیا کو مٹا دینا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت معمولی ہے بہ نسبت اس کے کہ کسی مسلمان کو ناحق قتل کرے۔

② ایک شخص مشرق میں ناحق قتل کیا جاتا ہے، دوسرا اس کے ناحق قتل پر مغرب میں راضی ہے تو وہ بھی اس قاتل کے قتل کے گناہ میں شریک ہے۔

③ جو شخص کسی مسلمان کے قتل پر [illegible] قیامت کے دن ایسے شخص کے ماتھے پر لکھا ہوگا آئس من رحمۃ اللہ، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہونے والا۔

④ انسان اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی عمارت ہے وہ ملعون ہے جو اللہ تعالیٰ کی تعمیر کو گرائے۔

حکایت حضرت داؤد علیہ السلام نے بیت المقدس کی تعمیر کا ارادہ فرمایا چنانچہ اس کی تعمیر شروع کی [illegible] تمام عمارت گر جاتی [illegible] اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرا یہ گھر ہے اور اس کی تعمیر ایسے شخص [illegible] میری مخلوق کے خون [illegible] [illegible]

[illegible] ۔

سبق [illegible] ۔

نکتہ [illegible] ۔

حدیث شریف [illegible] ۔

حدیث شریف [illegible] ۔

مسئلہ [illegible] قیامت تک باقی ہے ۔

سوال [illegible] ۔

جواب [illegible] ۔

مسئلہ قتلِ عمد میں کسی قسم کا کفارہ نہیں ۔

حدیث شریف پانچ ایسے امور ہیں جن کا کسی قسم کا کفارہ نہیں ۔ [illegible] ۔

[illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہ [illegible]

[illegible]　　　[illegible]

③ والدین کا نافرمان
④ جنگ سے بھاگنا
⑤ قتل عمد
⑥ جھوٹی قسم

مسئلہ قتل عمد میں مقتول کے ورثاء کو تین طرح کا اختیار ہے۔

① قتل۔
② دیت۔
③ معاف کرنا

حکمت حق تعالیٰ [illegible] اختیار ملنا [illegible] ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کے لئے قصاص کا حکم تھا اور عیسیٰ علیہ السلام کے دین میں صرف دیت اور معافی۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو [illegible] یہ تینوں حکم [illegible] تاکہ قصاص سے [illegible] اور دیت سے [illegible] دولت کی ضرورت پوری ہو [illegible] اور اگر مظلوم محسن بننا چاہے تو معاف کر دے اور یہی تیسرا طریقہ افضل ہے۔ حضرت شیخ سعدی [illegible] نے کیا خوب فرمایا ہے

بدی را بدی سہل باشد جزا
اگر مردی احسن الی من اساء

ترجمہ: برائی کا بدلہ برائی سے دینا آسان ہے لیکن اگر تو مرد ہے تو برے سے بھی بھلائی کر۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ قلب اصل فطرت میں مؤمن ہے اور اصل صفت میں نفس [illegible] ابتدا میں [illegible] ہے اور ہر وقت [illegible] کے مقامات سے [illegible] قلب کی زندگی [illegible] اور نفس کی زندگی قلب کی موت کا سبب ہے [illegible] زندہ [illegible] دل مردہ [illegible] اللہ تعالیٰ نے [illegible] حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا [illegible] نفس کو [illegible] دیکھے۔ قرآن: [illegible] القتلیٰ [illegible] قلب و نفس کی طرف اشارہ ہے [illegible] قلب [illegible] نفس [illegible] قتل [illegible] قلب [illegible] کے [illegible] ہے [illegible] قلب [illegible] ہے [illegible] ہے [illegible] الخ [illegible] ہے۔ اللہ تعالیٰ نے [illegible] فرمایا [illegible] الذین [illegible]

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] ۔

تفسیر [illegible] یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

شان نزول: یہ آیت [illegible] کے حق میں نازل ہوئی [illegible] قوم میں صرف یہی مسلمان ہوئے تھے [illegible] اسلام سے مشرف نہ ہوئی تھی ۔ حضور [illegible] نے ایک لشکر بھیجا جس کے امیر حضرت غالب بن فضالہ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ [illegible] حضرت اسامہ [illegible] [illegible] فرمایا **ھَلَّا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِہٖ** [illegible] [illegible]

[illegible] حضرت اسامہ [illegible] [illegible] لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ [illegible]

[illegible] فقیر کی کتاب [illegible] میں ہے ۔

صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]

إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ [illegible]

ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ [illegible]

فَتَبَيَّنُوا [illegible]

[illegible] وَلَا تَقُولُوا

[illegible] لَسْتَ مُؤْمِنًا [illegible]

تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا [illegible]

فائدہ [illegible]

نکتہ [illegible]

فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ [illegible]

نکتہ [illegible]

كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ [illegible] فَمَنَّ [illegible]

[illegible]

[illegible]

فائدہ [illegible]

فائدہ [illegible]

[illegible]

① [illegible]

③ از باطن و مخبراں ہدایت بنگر

صفات چنگال تیار زمرد

ترجمہ ① جس نے ہر چیز کو ایسا حسن دیا [illegible] عقل نہ تھا۔

② جس وقت لوگ [illegible] کے ساتھ [illegible] کے بیان میں ہر چیز کا حال۔

مسئلہ آیت سے معلوم ہوا کہ مجتہد سے بھی کبھی خطا ہو جاتی ہے جیسے حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے و تحقیق نہ ہونے کی وجہ سے خطا ہوئی [illegible] معاف ہوئی اس لئے ان سے قصاص نہ لیا گیا۔

مسئلہ ظاہری اعمال کا ستھرا معتبر ہے جیسے مقدمہ ایمان قبول ہے [illegible] کے لئے [illegible] کرو اللہ تعالیٰ سے [illegible] حاصل [illegible] کے [illegible] قلبی اور معرفت غیب [illegible] معرفت کی برکت سے [illegible] کا [illegible] ہے۔ [illegible] کا [illegible] ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے

حدیث قدسی فرمایا کہ جب سے اب حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کے بعد فرماتا ہے کہ آپ مغموم کیوں نظر آتے ہیں۔ میں نے کہا مجھے قیامت کے دن اپنی امت کا بہت بڑا غم ہے جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ آپ کو [illegible] کا غم ہے [illegible] اہل اسلام [illegible] میں نے کہا [illegible] لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ [illegible] جبریل علیہ السلام [illegible] ایک قبرستان [illegible] لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ [illegible] جبریل علیہ السلام نے [illegible] علیہ السلام نے فرمایا [illegible] حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی [illegible] قیامت میں [illegible] قبروں سے [illegible] قیامت میں اٹھیں گے۔ سے

[illegible]

ترجمہ: جس نے [illegible]

تفسیر صوفیانہ یا ایھا الذین آمنوا میں ان حضرات کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے [illegible] فرمایا [illegible] جب [illegible] اذا ضربتم فی سبیل اللہ [illegible]

سلوک کے تمام مراتب سے علم ہو گئے۔ یہی وجہ کہ آپ کا ایمان الیقان اور ایقان احسان اور احسان عیان اور عیان غیب اور غیب شہادت اور شہادت ظہور اور ظہور باطن اور باطن ظہور ہو جاتے۔

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان حالات کو [illegible] فرمایا ہے کہ [illegible] تو مشغول رہے [illegible] سمجھا جا سکتا ہے [illegible] مقام ہے کہ [illegible] مقام میں [illegible] [illegible] لگ جاتے ہیں [illegible] فَأَتَتْ [illegible] [illegible] اشارہ ہے [illegible] کی طرف ہے [illegible] [illegible] [illegible] قرآن [illegible] تسلیم [illegible] صحبت اور تصرف [illegible] طریقہ میں [illegible] [illegible] اللہ تعالیٰ نے [illegible] علیہ السلام کو حکم فرمایا فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا [illegible] بات کرو [illegible] علیہ السلام [illegible] [illegible] کمال [illegible] کی طرف [illegible] عَنْ [illegible] الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا۔ [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] [illegible] [illegible] ہو جاتی ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ [illegible] ہو گیا۔

حدیث شریف فرمایا جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو [illegible] ہے اور جب [illegible] ہے تو آخر اس کے [illegible] ہو جاتا ہے۔ [illegible]

تفسیر [illegible]

[illegible]

سوال [illegible]

جواب - [illegible]

ف [illegible]

شان نزول [illegible]

فائدہ [illegible]

فائدہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

سوال [illegible]

جواب [illegible]

فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا [illegible]

سوال [illegible]

جواب [illegible]

[illegible]

قَالُوا الْآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ [illegible]

[illegible]

سوال کُلًّا کی تقدیم میں کیا فائدہ ہے؟

جواب [illegible] حصر مطلوب ہے [illegible] جنت کے [illegible]

[illegible] ہے ۔

فائدہ [illegible]

[illegible] ہوگا ۔

مسئلہ [illegible]

[illegible]

[illegible] جنت کے [illegible] ۔

وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ عَلَی الْقٰعِدِیْنَ [illegible] ہے ۔

اَجْرًا عَظِیْمًا ۔ [illegible]

[illegible] ہے ۔ [illegible] ہے ۔

سوال فضل اللّٰہ [illegible] کیا وجہ ہے؟

جواب [illegible] ہے ۔ یا اَجْرًا عَظِیْمًا مفعول ہے [illegible]

فضل اللّٰہ [illegible] ہے ۔

[illegible] ہے ۔

تنبیہ [illegible] ہے ۔ [illegible]

[illegible]

[illegible] ۔

فائدہ [illegible]

[illegible] ۔

حدیث شریف [illegible]

[illegible]

[illegible] ہے ۔

فائدہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

فائدہ [illegible]

[illegible] فَلَمَّا جَاءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ۔ جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے ہود [illegible]

تفسیر [illegible]

[illegible]

گیا ہے جس کا [illegible] [illegible] [illegible] تھا۔ یعنی بہشت [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] کے [illegible] [illegible] ہے اور [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] علیہ السلام [illegible] [illegible] بہشت نصیب ہوگی [illegible] واللہ اعلم

فائدہ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف [illegible] [illegible]

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا [illegible] بہشت [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] کو مغفرت کا وعدہ فرمایا۔

فائدہ حضرت امام قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ [illegible] [illegible] [illegible] تمام اولیا [illegible] بہشت [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] بہشت حاصل ہوگی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] بہشت میں [illegible] [illegible] [illegible] درجات [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] حضرت مولانا [illegible] [illegible] [illegible] فرمایا۔

① [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

② [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

③ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

① [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

② [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

③ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

مسئلہ آیت سے معلوم ہوا کہ جو شرعی عذر مثلاً بیماری کی وجہ سے جہاد میں نہ جا سکا وہ بھی اجر و ثواب پائے گا۔

حدیث شریف مروی ہے کہ حضور سرور عالم غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے۔ جب مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے تو فرمایا مدینہ میں بعض ایسے لوگ بھی ہیں کہ جہاں تم رہے وہ تمہارے ساتھ تھے صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ مدینہ طیبہ ہی میں رہ کر ہمارے ساتھ تھے آپ نے فرمایا ہاں وہ ایسے لوگ ہیں کہ وہ صرف شرعی عذر کی وجہ سے تمہارے ساتھ نہ جا سکے ورنہ ان کی نیت اور ارادہ تمہارے ساتھ تھا اور ان کو وہی ثواب ملا [illegible] کی وجہ سے ماجور ہو گئے

ہر کہ از ہمت والا [illegible]

محو [illegible]

ترجمہ: جو کوئی اپنی ہمت کے مطابق [illegible]

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب بندہ بیمار ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ [illegible] جیسے کہ وہ [illegible]

مسئلہ [illegible] إلا السيئة [illegible] کہ [illegible]

[illegible]

حدیث شریف نیۃ المؤمن خیر من عملہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

سوال تم نے لکھا ہے کہ [illegible]

جواب [illegible] لیس علی الضعفاء ولا علی المرضی ولا علی الذین لا یجدون ما ینفقون حرج اذا نصحوا للہ ورسولہ [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]

[illegible]

فائدہ نصیحت کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی [illegible]

[illegible]

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ كُنْتُمْ
قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً
فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ۝ اِلَّا
الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَةً وَّلَا
یَهْتَدُوْنَ سَبِیْلًا ۝ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ
اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝ وَمَنْ یُّهَاجِرْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰغَمًا
كَثِیْرًا وَّسَعَةً وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْ بَیْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ
یُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝

ترجمہ: وہ لوگ جن کی جان فرشتے نکالتے ہیں اس حال میں کہ وہ اپنے اوپر ظلم کرتے تھے ان سے فرشتے کہتے ہیں تم کاہے میں تھے کہتے ہیں کہ ہم زمین میں کمزور تھے کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے تو ایسوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور بہت بری جگہ پلٹنے کی۔ مگر وہ جو دبا لیے گئے مرد اور عورتیں اور بچے جنہیں نہ کوئی تدبیر بن پڑے نہ راستہ جانیں تو قریب ہے کہ اللہ ایسوں کو معاف فرمائے (اور اللہ معاف فرمانے والا بخشنے والا ہے) اور جو اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑ کر نکلے گا وہ زمین میں بہت جگہ اور گنجائش پائے گا اور جو اپنے گھر سے نکلا اللہ و رسول کی طرف ہجرت کرتا پھر اسے موت نے آلیا تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ پر ہو گیا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تفسیر عالمانہ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ یہ [illegible] کی [illegible] میں ایک احتمال ہے [illegible] ماضی ہے [illegible] یہ آیت کے نزول سے پہلے گزر چکا [illegible] ماضی کا صیغہ ہے [illegible] تَوَفّٰىهُمْ [illegible] آیت عام ہے ہر اس شخص کے لئے جو [illegible] حالت سے [illegible] تھا۔ [illegible] حکایت حال ماضی کے لئے [illegible] اِنَّ الَّذِیْنَ [illegible] حکایت حال ماضی کے لئے ہو سکتا ہے۔ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ سے موت کے وقت [illegible] فرشتہ [illegible] حضرت عزرائیل علیہ السلام [illegible]

ہم کسی [illegible] کے [illegible] ہیں ۔

مولی اللہ تعالیٰ نے [illegible] ضرب فرمایا ہے ۔ کما قال اللہ یتوفی الانفس حین موتہا یعنی نفسوں کی موت کے وقت اللہ تعالیٰ انہیں [illegible] اس آیت میں [illegible] کو [illegible] ہے !

(بقیہ صفحہ [illegible])

جو [illegible] فرمایا [illegible] محبت کرے تو اللہ کی رضا مطلوب ہو اور اگر کسی سے بغض رکھے تو اللہ کی خوشنودی مطلوب ہو ۔ [illegible]

فضیلت جہاد جہاد [illegible] افضل اعمال میں سے ہے [illegible] جہاد [illegible] کی موت مرے گا ۔

فائدہ [illegible] ۔

لغوی تصریف [illegible] ۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا [illegible] دو نعمتیں ایسی ہیں کہ [illegible] ہے ۔

① تندرستی
② فراغت

تشریح حدیث شریف [illegible] صحت و فراغت [illegible] ہے ۔

مسئلہ [illegible] عبادت میں صرف کرنا چاہیے [illegible] ۔

جواب یہ ہے کہ حقیقی طور پر موت دینا رب کا ہی کام ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ** اور ملک الموت کو واسطہ ہونے کی وجہ سے ۔ لہٰذا جس طرح اللہ تعالیٰ نے موت دینے کو اپنی طرف منسوب فرمایا اسی طرح ملک الموت کی طرف موت دینے کی نسبت جائز ہے ۔

ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ یعنی فرشتے ان لوگوں کی اس حالت پر موت دیتے ہیں کہ انہوں نے حضور علیہ السلام کی طرف ہجرت نہ کی اور مکہ مکرمہ میں ہی کافروں کے ساتھ رہے [illegible] اپنی جانوں پر ظلم اور گناہ کا موجب ہے ۔

شانِ نزول یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے اسلام تو قبول کر لیا لیکن مکہ سے ہجرت نہ کی حالانکہ اس وقت ہجرت فرض تھی ۔

فائدہ ابتدائے اسلام میں اسلام قبول کرنے کے بعد مسلمانوں پر ہجرت فرض تھی کہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر نہیں ہوتے تھے [illegible] فرض تھی لیکن فتح مکہ کے بعد منسوخ ہو گیا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ [illegible] اس کے بعد ہجرت [illegible] اللہ تعالیٰ نے فرمایا **اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا** [illegible] ہجرت نہ کریں ۔ **ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ** ، تَوَفّٰىهُمُ کی ضمیر سے حال ہے ۔

سوال حال نکرہ ہوتا ہے اور یہاں معرفہ ہے کیونکہ ضمیر کی طرف مضاف ہے ؟

جواب چونکہ یہ اضافت لفظیہ ہے اور اضافت لفظیہ نکرہ کے حکم میں ہوتی ہے ۔

قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ یعنی ملائکہ ان سے پوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے [illegible] احکام اسلام [illegible] نماز [illegible] (روح البیان) ۔

[illegible] **قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ** [illegible] **قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا**

[illegible]

مَصِيرًا [illegible] ہجرت
[illegible]

شانِ نزول [illegible]
[illegible]

فَأُولٰٓئِكَ [illegible] جَهَنَّمُ [illegible] ٹھکانہ جہنم ہے
[illegible] وَسَاۤءَتْ مَصِيرًا [illegible]

إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ [illegible]
[illegible]

سوال [illegible]

جواب [illegible]

مسئلہ [illegible]

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ [illegible] عورت [illegible]
آ جائے۔

مسئلہ: [illegible] عورت کی [illegible] جائے گی۔

يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا [illegible]
[illegible] المتقين [illegible]
[illegible] عورت [illegible]
[illegible] معلوم ہوا [illegible]
[illegible] يَغْفِرُ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] حضرت شیخ سعدی [illegible] نے فرمایا ہے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ [illegible] دوسری جگہ عورت [illegible]
[illegible] جا سکیں۔

حدیث شریف: حضور [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا [illegible]
[illegible]
[illegible] ہوگی۔

مسئلہ: [illegible]
[illegible] عورت [illegible]
[illegible]

حدیث شریف: حضرت [illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ۔

[illegible] ۔

① عام

② خاص

③ [illegible] ۔

① [illegible]

[illegible] ۔

② [illegible]

③ [illegible] الذین قال لہم الناس ان الناس قد جمعوا لکم [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ۔ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] الم تر الی الذین [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] الا المستضعفین [illegible]

[illegible] حیلۃ ولا یہتدون سبیلا [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] عسی اللہ ان یعفو عنہم [illegible]

وکان اللہ عفوا غفورا [illegible]

[illegible] (التاویلات النجمیہ) ۔

تفسیر بالماثور و من یہاجر فی سبیل اللہ [illegible]

ہجرت کی ترغیب [illegible]

[illegible] مراغما کثیرا [illegible] ہجرت [illegible]

[illegible] ہجرت [illegible]

ہجرت [illegible]

[illegible] ۔

فائدہ [illegible]

[illegible]

نکتہ [illegible]

[illegible] ۔

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

وہاں قیامت حاصل ہوگی ۔ یا اس نیت سے جائے کہ وہاں [illegible] حاصل ہوگا تو یہ بھی [illegible]
ہے ۔ اگر [illegible] بیعت [illegible] کہ اس سے کیا نصیب ہوگا ۔

مسئلہ حضرت شیخ [illegible] قدس سرہ نے فرمایا کہ جو شخص [illegible] میں رکھتا ہے [illegible]
[illegible] فوت ہو جائے [illegible]
ہو تو اس کے [illegible] جائیں گے ۔

فائدہ صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں [illegible] باللہ قدس سرہ [illegible]
اس آیت کی تفسیر [illegible] ہے
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] ہے ۔

تکمیل حافظ قرآن حضرت [illegible] رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ [illegible]
ہے [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]
[illegible] گے ۔

تنبیہ جب قرآن پاک کے [illegible] حافظ [illegible] نصیب ہوگا [illegible]
قرآن پاک [illegible] قرآن [illegible]
کے [illegible] ۔

سوال حضرت شیخ [illegible] صدر الدین [illegible] قدس سرہ [illegible]
[illegible]
[illegible] ہوگا ۔

جواب [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

ہے کہ جس سے اس عالم فانی میں کوئی مرتب شکل نہ ہو سکے اور وہ ہمیشہ مخفی رہے گا اس صورت سے کہ پردہ اٹھ کر ترتیب نصیب نہ ہو جائے یعنی وہ اس شخص کے ساتھ ہے جب معرفت الٰہی سے کسی قسم کا تعلق نہیں۔ وہ آخرت میں بھی کہ تجلیات قرآنی ہو جائیں گی اس کے لئے اکثر یہ سوال پیدا نہیں ہوتا وہ ہر طرح آخرت کی نعمتوں اور جنت کی تکالیف اسلام کے جمیع احوال سے دور تو نہیں جا سکتا۔

سوال حدیث شریف میں ہے کہ جب بندہ آدم مرتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں مگر تم کہتے ہو کہ بزرگوں کے مراتب میں ترقی ہوتی ہے اور یہ ترقی بغیر اعمال کے ہے اور حدیث شریف میں بتایا ہے کہ اعمال منقطع ہو جاتے ہیں:

جواب یہ انقطاع نسبت کے اپنے عمل کی کسب کے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے لئے اور اس کے لئے حدیث شریف میں کچھ نہیں۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ آدمی اللہ تعالیٰ کا فضل جو رتبہ چاہے پا سکتا ہے۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ راہ حق سے دل میں ہرگز نہ گھبرائے بلکہ اور ذکر محبت اور اسی کی توفیق کا منتظر رہے ایک وقت ضرور منزل مقصود پر پہنچنا نصیب ہو جائے گا۔ حضرت حافظ شیرازی فرماتے ہیں

① کاروان رفت و تو در خواب و بیابان در پیش
وہ کہ بس بیخبر از غلغل چندین جرسی

② بال بگشا و صفیر از شجر طوبیٰ زن
حیف باشد چو تو مرغی کہ اسیر قفسی

③ تا چو مجمر نفسی دامن جانان گیرم
جان نہادیم بر آتش ز پی خوش نفسی

④ چند پوید بہ ہوای تو ز ہر سو حافظ
یسّر اللہ طریقاً بک یا ملتمسی

ترجمہ ① قافلہ چلا گیا اور تو بے خبر پڑا سو رہا ہے جس سے آگے جنگل ہے افسوس کہ تو بہت سی گھنٹیوں کی آواز سے بے خبر ہے
② بال کھول کر درخت طوبیٰ پر سے آواز دے افسوس ہے کہ تجھ جیسا پرندہ پنجرہ میں پھنسا ہوا ہے۔
③ جب تک میں مثل انگیٹھی کے محبوب کا دامن تھامے رہوں میں نے اپنی جان آگ پر رکھ دی ہے تاکہ عود کی خوشبو حاصل ہو۔
④ حافظ تیرے شوق میں کب تک ہر طرف دوڑتا رہے گا اے میرے مطلوب خدا تعالیٰ تجھ تک پہنچنے کا راستہ آسان کرے۔

تفسیر صوفیانہ

[illegible] انسان [illegible] ضعیف و ناتواں [illegible] شیطان [illegible] [illegible] اپنے [illegible] کے حصول کے لئے [illegible] حاصل ہوا [illegible] کی صحبت کی برکت سے [illegible] [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] [illegible] اللہ تعالیٰ کے [illegible] [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] حدیث شریف [illegible]

[illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] [illegible] حدیث شریف [illegible] [illegible] مقصد تک پہنچا دیتا ہے۔

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا
مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ الْكَافِرِينَ
كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُبِينًا ○ وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ
فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا
فَلْيَكُونُوا مِنْ وَرَائِكُمْ وَلْتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا
فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذِينَ
كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُمْ
مَيْلَةً وَاحِدَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِنْ مَطَرٍ
أَوْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَنْ تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ إِنَّ اللَّهَ
أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ○ فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَاذْكُرُوا
اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ
إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا ○ وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ
الْقَوْمِ إِنْ تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ وَتَرْجُونَ
مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ○

ترجمہ: اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر گناہ نہیں کہ بعض نمازیں قصر سے پڑھو اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں ایذا دیں گے بیشک کفار تمہارے کھلے دشمن ہیں۔ اور اے محبوب جب تم ان میں تشریف فرما ہو پھر نماز میں ان کی امامت کرو تو چاہیے کہ ان میں ایک جماعت تمہارے ساتھ ہو اور وہ اپنے ہتھیار لئے رہیں پھر جب وہ سجدہ کر لیں تو ہٹ کر تم سے پیچھے ہو جائیں اور اب دوسری جماعت آئے جو اس وقت تک نماز میں شریک نہ تھی اب وہ تمہارے مقتدی ہوں اور چاہیے کہ اپنی پناہ اور اپنے ہتھیار لئے رہیں۔ کافروں کی تمنا ہے کہ کہیں تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے اسباب سے غافل ہو جاؤ تو ایک دفعہ تم پر جھک پڑیں اور تم پر مضائقہ نہیں اگر تمہیں مینہ کے سبب تکلیف ہو یا بیمار ہو کہ اپنے۔

[illegible]

تفسیر عالمانہ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ

ربط: [illegible]

فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ [illegible] اَنْ تَقْصُرُوْا [illegible] مِنَ الصَّلٰوۃِ [illegible]

[illegible] مِنَ الصَّلٰوۃِ تھا۔

فائدہ: [illegible]

① ظہر
② عصر
③ عشاء

مغرب اور فجر کی نمازیں اس حکم سے خارج ہیں۔

مسئلہ: حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک [illegible]

مسئلہ [illegible] ہر عمل [illegible] برکت [illegible]۔ [illegible]

حدیث شریف۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور علیہ السلام کے حضور میں حاضر [illegible] حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] اور [illegible] حضور علیہ السلام نے [illegible] جبرئیل علیہ السلام [illegible] کی آپ کی [illegible] جبرئیل علیہ السلام [illegible]

[illegible]

ف [illegible]

[illegible]

ترجمہ [illegible]

(١) [illegible]

(٢) [illegible]

[illegible]

حکایت: [illegible] ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ ایک حمام میں داخل ہونے لگے تو حمام والے نے انہیں روک لیا اور کہا کہ جب تک اجرت نہیں دو گے حمام میں داخل نہیں ہو سکتے۔ آپ اس کی بات سن کر رو پڑے اور فرمایا کہ جب شیاطین کے گھر میں مفت میں داخل ہونے کی اجازت نہیں تو جنت [illegible] کے گھر میں کیسے داخل ہو سکتا ہوں۔

سبق: اس حکایت سے پتہ چلا کہ جو دنیا میں [illegible] کے ساتھ [illegible] تو وہ آخرت میں [illegible] ہو گا اور اس کا حساب بھی اعمال کے مطابق ہو گا۔ جو شخص نیک عمل نہیں کرتا اسے جنت کیا نصیب ہو گی۔

بقدر محنت ملتی ہے عزت

[illegible] سیکھو [illegible]

تو اس دنیا میں ہر شخص کی [illegible] ہے کہ [illegible] ایک مقام اس کی [illegible]

حدیث شریف: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ایک [illegible] ہے جس کا نام [illegible] ہے۔ [illegible] ہو جائے۔ اس کے [illegible] جو شخص چاہتا ہے کہ اسے [illegible] تو اسے میرے رب تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہیے۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ہے

بقدر الکد تکتسب المعالی ۔۔۔ ومن طلب العلیٰ سہر اللیالی
تروم العز ثم تنام لیلا ۔۔۔ یغوص البحر من طلب اللآلی

ترجمہ: محنت کے مطابق ہی مراتب بلند نصیب ہوتے ہیں۔ جو شخص بلندی [illegible] اسے شب بیداری کرنا چاہیے۔ [illegible] عزت کا طالب ہو کر رات کو سو جاتا ہے (حالانکہ) موتیوں کا طالب سمندر میں غوطہ لگاتا ہے۔

سبق: اس سے معلوم ہوا کہ آخرت کے بلند مراتب کے حصول کے لیے جد و جہد ضروری ہے۔

حکایت: فرزدق کی [illegible] جب [illegible]

[illegible] حل لغات [illegible]

[1] یہ شخص [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

جس نے انہیں بھی حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آپ نے [illegible] سے فرمایا اسے [illegible] کی [illegible] گیا اس عورت کے [illegible] کہ [illegible] سے [illegible] شہید ہوئی [illegible] کی [illegible] ہے کہ اللہ تعالیٰ [illegible] جب [illegible] کی [illegible] بازی [illegible] کے [illegible] ہے۔

لکافر و [illegible] الذی [illegible] | اشد من القبر التھاب و خیق
الا [illegible] الکبیرۃ [illegible] | [illegible] لیسرق الفروع
[illegible] من [illegible] | الحلال [illegible] و [illegible]

[illegible] کی [illegible] میں [illegible] سے [illegible] گیا [illegible] کی [illegible] ہے۔ جب [illegible] کے [illegible] اسے [illegible] کی طرف [illegible] گے۔

حدیث شریف: حضرت [illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا [illegible] جنت [illegible] جنت [illegible] سے [illegible] اللہ [illegible] جنت [illegible] [illegible] ہے۔

نکتہ [illegible] سیر [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم کے [illegible] کی [illegible] ہے [illegible] کی [illegible] ہے۔

تفسیر عالمانہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا [illegible] صبر [illegible] مصابرہ [illegible] مرابطہ [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] ہے [illegible] کی [illegible] ہے۔

ف: [illegible] مصابرہ [illegible] صبر [illegible] ہے۔

نکتہ: واسطے صبر کے بعد ذکر کرنے میں [illegible] جب [illegible] میں بہت زیادہ صبر و شدت ہوتی ہے [illegible] صبر کی تمام قسموں سے افضل و اکمل ہے۔

حل لغات: صبر نفس کو ان باتوں سے روکنا ہے جن باتوں سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں۔

صبر کے اقسام: ① تصبر یعنی صبر کرنے کے لیے اپنا نفس روکنا۔

② مصابرہ یعنی اپنے دشمن سے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مقابلہ کرنا۔

③ اصطبار۔

④ اصبار۔

⑤ التزام۔

⑥ صبر جمیل کی [illegible] بالقصد [illegible] محبوب کے اپنے [illegible] کی سرحد پر [illegible] تم اس میں خوب [illegible] اپنے [illegible] کی حفاظت [illegible]

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کیا تمہیں ایسا عمل نہ بتلاؤں جس سے تمام گناہ معاف ہو جائیں اور درجات بھی بہت بلند ہوں۔ صحابہ کرام نے عرض کی کیوں نہیں۔ آپ نے فرمایا کامل وضو کرنا [illegible] تکلیف ہو۔ مسجدوں کی طرف [illegible] اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا۔ [illegible] سرحدوں کی حفاظت [illegible] فرمایا۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ [illegible] تاکہ تم [illegible] کامیاب ہو جاؤ۔

[illegible] تاکہ تم [illegible] کے [illegible] میں کامیاب ہو جاؤ۔

تفسیر صوفیانہ

① [illegible] صبر کرتے ہیں۔

② [illegible] نفس کو صبر [illegible]

③ [illegible] کے [illegible] کا [illegible]

ف: [illegible] کی [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] کے [illegible] کی [illegible]

مسئلہ: سلوک و تصوف میں ہے کہ انسان کے نفس سے [illegible] کر کے انتہائی مراتب تک پہنچ سکتا ہے۔

حکایت: حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ بیت اللہ شریف کی زیارت کے لیے چلے جا رہے تھے آپ کی ملاقات ایک اعرابی سے ہوئی جو [illegible] جا رہا تھا۔ اعرابی نے آپ سے پوچھا کہ حضرت شیخ آپ کہاں کا ارادہ ہے؟ آپ نے فرمایا بیت اللہ کی زیارت کے لیے جا رہا ہوں۔ اعرابی نے کہا پیدل اور تنہا اتنا لمبا سفر؟ اور بے کچھ کھانے کے [illegible] سواری بھی نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا میرے پاس بہت سی سواریاں ہیں۔ اس نے کہا وہ کونسی ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ جب مجھ پر مصیبت آتی ہے تو صبر کی سواری پر سوار ہو جاتا ہوں اور جب مجھے کوئی نعمت نصیب ہوتی ہے تو شکر کی سواری پر سوار ہو جاتا ہوں اور جب مجھ پر قضا و قدر کا حکم جاری ہوتا ہے تو رضا کی سواری پر سوار ہو جاتا ہوں۔ جب نفس کسی چیز کی خواہش کا مطالبہ کرتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ بہت عمر گزر گئی ہے باقی تھوڑی رہ گئی ہے۔ اعرابی نے کہا کہ حقیقت میں آپ سوار ہیں اور میں پیدل ہوں آپ کے ساتھ جانا چاہوں۔

([illegible]) [illegible] مجاہدہ نفس ضروری ہے تاکہ نفس سے متعلق [illegible] کی جڑ اکھڑ جائے اور

مسئلہ: روحانی بیماریوں سے نفس [illegible] ہو جائے اور صحت و [illegible] نصیب ہو۔ اس لیے ہی مجاہدہ کو ضروری کہا جا سکتا ہے۔

حکایت: مولوی [illegible] ایک [illegible] [illegible] [illegible] بہت [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] حاصل ہو [illegible] [illegible] ہو گئی۔

حکایت: [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] جب [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ہو گیا۔

حدیث شریف: حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے ایک دن رات سرحد اسلام کی حفاظت کی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] اور اگر [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] جاتا ہے

[illegible] اور [illegible] کام ادا کیا ہے۔

ف: یہ ترتیب [illegible] ہے [illegible] مرتبہ [illegible] نفس کی مخالفت اور اس کی [illegible] سے عبادات وطاعات میں [illegible] تو نصیب ہو سکتی ہے

[illegible] محبت کہ [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]

ترجمہ: (۱) اسی وقت کو غنیمت [illegible] عالم [illegible] ہے۔
(۲) اس حقیقت کے گریبان سے سر [illegible] شرمساری [illegible] ہے گا۔

حضرت حافظ شیرازی کا [illegible] فرمایا ہے

[illegible] فرصت [illegible]
[illegible] گفتگو [illegible]

ترجمہ: اے عاقل [illegible] سلسلہ [illegible]

ف: حضرت بایزید رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا عارف باللہ وہ ہے کہ جس کا ایک ہی مقصد ہو [illegible] اور کلام اسی کی طرف [illegible] ہے۔

حکایت: مروی ہے کہ ایک زاہد [illegible] جنت [illegible] گئے۔ کسی نے [illegible] بندہ خدا [illegible] ہو۔ اس نے [illegible] ہو جائیں گے [illegible] فرمایا [illegible] کر دیں۔ [illegible] فرمایا ہے۔

حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

[illegible] جنت [illegible]
[illegible]

ترجمہ: پہلے جنت کے [illegible] جنت [illegible]
[illegible]

[illegible] حضرت [illegible] صاحب [illegible] السلام [illegible]

[illegible]

[illegible] جنت [illegible] داخل [illegible]

[illegible]

غیبت سے محفوظ رکھے [illegible] جنت [illegible] حاضر [illegible]

سُورَةُ النِّسَاءِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَسَبْعَةٌ وَسَبْعُونَ آيَةً وَأَرْبَعَةٌ وَعِشْرُونَ رُكُوعًا

[illegible]

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ○

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا
وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ
إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ○ وَآتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ ۖ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ ۖ
وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا ○ وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا
تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ ۖ فَإِنْ
خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا ○
وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ
هَنِيئًا مَرِيئًا ○ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ
فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ○ وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا
النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ ۖ وَلَا تَأْكُلُوهَا
إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَنْ يَكْبَرُوا ۚ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۖ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا
فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ ۚ وَكَفَىٰ
بِاللَّهِ حَسِيبًا ○ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ
نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَفْرُوضًا ○
وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُمْ مِنْهُ وَقُولُوا
لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ○ وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا
خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ○ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ
أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ○

[illegible]

کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں کی نسل سے بہت سے مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیئے۔ اس خدا سے ڈرو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور قرابتداری کے تعلقات منقطع کرنے سے بچو۔ یقیناً اللہ تم پر نگہبان ہے۔ اور یتیموں کو ان کا مال دے دو اور ان کی اچھی چیز کو (اپنی) بری چیز سے نہ بدلو اور ان کے مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر کھا جاؤ، یقیناً یہ بڑا بھاری گناہ ہے۔ اور اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ تم یتیموں کے حق میں انصاف نہ کر سکو گے تو ان کو چھوڑ کر اور عورتیں جو تمہیں پسند ہوں، ان میں سے دو دو تین تین چار چار تک نکاح کر لو۔ پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ تم انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی بیوی کرو یا لونڈی پر اکتفا کرو جو تمہارے قبضے میں ہو۔ یہ طریقہ تمہیں ناانصافی سے بچانے کے لیے قریب تر ہے۔ اور عورتوں کو ان کے مہر خوشدلی سے ادا کرو۔ پھر اگر وہ اپنی رضامندی سے تمہیں اس میں سے کچھ چھوڑ دیں تو اسے خوشگواری سے کھاؤ۔ اور اپنے مال جو خدا نے تمہاری معیشت کا سہارا بنایا ہے، نادان لوگوں کے حوالے نہ کرو، البتہ انہیں کھلاؤ پہناؤ اور ان سے معقول بات کہو۔ اور یتیموں کو آزماتے رہو یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں، پھر اگر تم ان میں صلاحیت پاؤ تو ان کا مال ان کے حوالے کر دو اور ان کے بڑے ہونے کے خوف سے ان کا مال فضول خرچی اور جلدی کر کے نہ کھا جاؤ۔ اور جو مالدار ہو اسے چاہیئے کہ پرہیز کرے اور جو محتاج ہو وہ دستور کے مطابق کھا لے۔ پھر جب تم ان کا مال ان کے حوالے کرو تو ان پر لوگوں کو گواہ کر لو اور حساب لینے کے لیے اللہ کافی ہے۔ جو مال ماں باپ اور قرابت دار چھوڑ جائیں اس میں مردوں کا حصہ ہے اور اسی طرح عورتوں کے لیے بھی اس ترکہ میں حصہ ہے جو والدین اور اقربا چھوڑ جائیں، خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ، حصہ مقرر ہے۔

اور جب تقسیم ترکہ کے وقت رشتہ دار، یتیم اور مسکین حاضر ہوں تو انہیں بھی کچھ دے دو اور ان سے نرمی کے ساتھ بات کرو۔ لوگوں کو چاہیئے کہ وہ اس بات سے ڈریں کہ اگر وہ خود اپنے پیچھے بے بس اولاد چھوڑتے تو انہیں ان کے حق میں کیسا کچھ ڈر ہوتا۔ پس چاہیئے کہ وہ خدا سے ڈریں اور سیدھی بات کریں۔ جو لوگ ظلم سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں اور عنقریب وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔

تفسیر عالمانہ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اس کا مخاطب عام ہے جو ہر مذہب کے ماننے والوں کو شامل ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ خطاب صرف مکہ والوں کے لیے ہے کیونکہ اس سے پہلے یہ بات کسی کے خلاف نہیں ہے مگر یہ خطاب سب کے لیے عام ہے اتَّقُوْا رَبَّكُمُ اپنے رب سے ڈرو یعنی اس کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرو خَلَقَكُمْ اس کی یہ صفت بیان کی جس سے مقصد یہ ہے کہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل کرنا اسی کا کام ہے مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ایک جان سے یعنی ایک آدمی سے۔ اس سے حضرت آدم علیہ السلام مراد ہیں۔ تمام علمائے سلف کا یہی قول ہے۔

تقویٰ کے حکم کے بعد تخلیق کا ذکر اس لیے فرمایا کہ انسان کو صرف اپنے خالق سے ڈرنا چاہیے۔

نکتہ

تمام انسانوں کے ایک باپ کی اولاد ہونے کی طرف متوجہ ہو کر تعلق کا لحاظ رکھیں جب کہ تم سب کا باپ ایک ہے وَّخَلَقَ مِنْهَا اور اسی سے پیدا فرمایا اس کی جنس سے یعنی بائیں پسلی سے پیدا فرمایا زَوْجَهَا اس کی بیوی کو تمہاری ماں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت حوا علیہا السلام آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا کی گئی ہیں۔

حضرت حوا کی پیدائش کا واقعہ مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جب جنت میں اکیلے گھبرائے تو ان پر نیند کا غلبہ ہوا جب آپ سو گئے تو ان کی بائیں طرف سے پسلی سے حوا کو پیدا کیا گیا جب خواب سے بیدار ہوئے تو دیکھا کہ آپ کے پاس ایک حسین عورت بیٹھی ہے۔ تو ان کی طرف مائل ہوئے اور ان سے مانوس ہو گئے۔ اس لیے کہ وہ ان ہی کے بدن کا ایک جز تھیں۔

سوال۔ بائیں پسلی کی تخصیص کیوں کی گئی اور حوا کو آدم کے بعد کیوں پیدا کیا گیا۔ جواب۔ اس لیے کہ بائیں جانب دل ہے اور حوا ان کے لیے محترم تھیں۔

مطلب اس طرح بنا ہے کہ واؤ ترتیب کے لیے نہیں بلکہ مطلق جمع کے لیے ہے۔ جیسا کہ حنفیہ کا مذہب ہے وَبَثَّ مِنْهُمَا اور پھیلایا ان دونوں سے یعنی متفرق اور منتشر کیا۔ جیسا کہ بیج والے سے بیج ڈال کر پھیلایا جاتا ہے اسی طرح ان دونوں سے رِجَالًا كَثِيْرًا بہت سے مرد۔

سوال۔ کثیرا کا صیغہ مذکر کا لانا کس لیے۔

جواب: اس طرف اشارہ ہے کہ لفظ تقویٰ میں [illegible] اسی قدر اس سے کثرت مطلوب ہوتی ہے اور
اور تقویٰ کی حقیقت تک پہنچ جائیں۔

سوال: تقویٰ کو [illegible] کیوں نہیں۔

جواب: اس طرف اشارہ ہے کہ تقویٰ کی [illegible] کی قدر زیادہ ہے اور حکمت کا تقاضا یہی [illegible]

سوال: تقویٰ کے امر کی ترتیب اس طرح کیوں رکھی۔

جواب: [illegible] تقویٰ [illegible] اس لئے [illegible] معاملات میں [illegible] ہے۔ [illegible] تقویٰ [illegible] ہے۔ [illegible] کے حالات [illegible] ایک [illegible] تقویٰ [illegible] سے تقویٰ کی حفاظت [illegible] اتقوا اللہ [illegible] اس لئے [illegible] ایک [illegible] سوال [illegible] مثلاً ایک [illegible] سے [illegible] مثلاً [illegible] ایک [illegible] تقویٰ [illegible] اس لئے [illegible] تقویٰ [illegible]

ترکیب:

[illegible] معطوف [illegible] اتقوا اللہ [illegible] اس سے [illegible] تقویٰ [illegible]

مسئلہ:

[illegible] ہے اس لئے [illegible]
[illegible]

حدیث شریف میں [illegible]

سے [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] حق [illegible]
[illegible] تعالیٰ توفیق دے۔

حدیث شریف میں ہے [illegible]
[illegible] کے سوا [illegible] نہیں۔

مسئلہ

ہر ایک شخص پر واجب ہے کہ [illegible]
[illegible] بالخصوص [illegible]
[illegible] تحقیق [illegible]
[illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] جب [illegible]
[illegible] چاہیے [illegible]

ف۔ [illegible] حقوق [illegible]
کا مطلب ہے۔

حکایت:

ایک شخص [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] جب [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] علیہ السلام [illegible] (علیہ السلام) [illegible]

سبب بعض اوقات یہ ہوتا ہے [illegible] کی وجہ سے [illegible]
ہاتھ پھیرنے اور توجہ کی برکت ہے۔

قبض کی اقسام [illegible] آخرت میں نقصان پہنچانے والی [illegible] قسم ہے۔

① [illegible] عذاب سے [illegible] کی طرف [illegible] میں۔

② [illegible] گناہ [illegible] حدیث [illegible]

③ [illegible] اللہ تعالیٰ سے [illegible] یا ایہا الذین آمنوا [illegible]
[illegible]

حکایت: حضرت [illegible] کی خدمت میں [illegible] عرض کیا کہ ایک بادشاہ سے بہت [illegible] دعا فرمائیے۔ [illegible] بادشاہ سے [illegible]
فرمایا [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

④ [illegible]

سبق: [illegible]
[illegible] اِنَّ اللہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا۔

قبض [illegible]

اس طریقہ سے [illegible] مقصود تک تو پھر
قرب کے حقائق کب نصیب ہو سکتے ہیں۔

حکایت: حضرت [illegible] سے عرض کیا کہ مجھے کچھ نصیحت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا کہ تنہائی میں گناہ کرنے کے وقت یہ تصور کیا کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے تو [illegible] اس وقت مجھے نہیں دیکھ رہا تو تو اس تصور سے کافر ہو گیا جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا۔

حکایت: ایک بزرگ سے ان کے شاگردوں نے شکایت کی کہ آپ ہم سب میں سے صرف ایک سے خصوصی توجہ فرماتے ہیں اس کی وجہ کیا ہے حالانکہ ہم سب آپ کی توجہ کے [illegible] ہیں۔ اس بزرگ نے امتحان فرمایا اس کی صورت یہ [illegible] ذبح کرنے کا حکم فرمایا [illegible] جہاں کوئی نہ دیکھ رہا ہو۔ [illegible] لیکن وہ شاگرد [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]
کیا خوب کہا اس شعر میں ہے

جب سالک [illegible]
ظاہر [illegible]

[illegible]

تفسیر عالمانہ

كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ
ہرگز نہیں [illegible] پیشانی کے بال [illegible]

حل لغات: اَلسَّفْعُ [illegible]

[illegible]

ما یتیموں ہی کے حق کا تلف ہو رہا ہے۔ [illegible] رشتہ [illegible] ہی نہیں بچتی۔

ف: یتیموں کو مال دینے کا مطلب یہ ہے کہ یتیموں کے بالغ ہونے کے بعد ان کا مال ان کے حوالے کر دو [illegible] ان کے مال کی حفاظت کرو [illegible] یتیموں کے مال [illegible] تو [illegible] بالغ ہونے کے بعد [illegible] اچھے اور برے کی تمیز کر سکیں [illegible] کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر [illegible] ان کا مال [illegible] سے [illegible] یعنی اصل مقصد [illegible] ہے۔

سوال: اگر یتیموں کو بالغ ہونے سے پہلے مال دینا جائز نہیں تو قرآن میں (الیتٰمٰی) یتیم کا لفظ کیوں استعمال کیا گیا ہے؟

جواب: اگر یہ سوال [illegible] کیا جائے کہ [illegible] یتیموں کو [illegible] بالغ ہونے کے بعد مال دیا جائے تو [illegible] ان کو یتیم [illegible] کہا گیا ہے [illegible] اعتبار [illegible] پہلے یتیم تھے۔

خلاصہ تفسیر: اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اے یتیموں کے سرپرستو! یتیموں کا مال ان کو دے دو [illegible] ان کے مال کو [illegible] اپنے [illegible] ملا کر [illegible] اور [illegible] وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ۔ اور [illegible] مال [illegible] سے تبدیل نہ کرو۔

حل لغات: تبدیل الشیٔ بالشیٔ و استبدال الشیٔ بالشیٔ اخذ الشیٔ الاول بالعوض الثانی [illegible] یعنی اپنی [illegible] کو [illegible] حلال [illegible] سے تبدیل کرو [illegible] اپنے مال [illegible] حلال [illegible] ہے [illegible] سے تبدیل [illegible] کے بجائے کھاؤ۔

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ ان کے مال کو اپنے مال سے ملا کر مت کھاؤ۔

ف: یہاں پر [illegible] مال [illegible] حرام ہے۔ [illegible] ان کے مال [illegible] کا [illegible] حرام ہے [illegible] کی [illegible] ہے کہ [illegible] مطلق [illegible] ہے۔

سوال: [illegible] کے مال کا تصرف حرام ہے [illegible] پھر اس [illegible] کیوں تخصیص کیا ہے۔

جواب: چونکہ [illegible] کے [illegible] اس لیے اس کو ذکر کیا گیا ہے۔

ف: [illegible]

[illegible] ۔

مسئلہ ۔ آیت [illegible]

[illegible]

مسئلہ ۔ [illegible]

[illegible] وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ [illegible]

[illegible]

شانِ نزول ۔ مروی ہے کہ [illegible]

[illegible] ۔

حضرت [illegible] نے کیا خوب فرمایا ہے

[illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]

[illegible] ۔

(۲) [illegible] ۔

تفسیر [illegible] [illegible]

[illegible] کہ **وَهُوَ مَعَهُمْ** اور وہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ہے۔

إِذْ يُبَيِّتُونَ [illegible]

مَا لَا يَرْضَىٰ مِنَ الْقَوْلِ [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] **وَكَانَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا** [illegible]

[illegible] **مُحِيطًا** [illegible]

هَا أَنتُمْ هَٰؤُلَاءِ [illegible]

[illegible]

[illegible] کرتے ہو۔

فائدہ : [illegible]

[illegible]

جَادَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا [illegible] دنیا میں ان کے لیے جھگڑ لیے ہو۔

ف [illegible]

صرف دنیا میں جھگڑا کر سکتے ہو۔

فَمَن يُجَادِلُ اللَّهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]

[illegible] **أَم مَّن يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا**

[illegible] اللہ تعالیٰ کے

[illegible]۔

تفسیر صوفیانہ [illegible] مطلب یہ ہے کہ [illegible] اللہ کے سامنے کون [illegible] تعالیٰ سے بات کرے گا۔ [illegible] کسی کے نفس کا مالک [illegible] تمام امور اس کے ہاتھ میں ہوں گے۔ حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

① در آں روز کز فعل پرسند و قول
اولو العزم را تن بلرزد ز ہول

② بجائیکہ دہشت خورند انبیا
تو عذر گنہ را چہ داری بیا

ترجمہ: ① اس دن کہ قول و فعل کا سوال ہوگا خوف سے [illegible] ہوگا۔

② جہاں انبیاء علیہم السلام کو دہشت کھانی ہو تو اپنے گناہوں کا عذر کیا پیش کرے گا۔

مسئلہ سالک کے لئے ضروری ہے کہ موت سے پہلے پہلے تمام گناہوں سے خالص توبہ کرے۔ [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] قیامت [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] اس وقت [illegible] سخت [illegible] گا۔

[illegible] [illegible]

[illegible] اللہ تعالیٰ کے [illegible]
[illegible] ثواب سب جاتا رہے گا۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں [illegible] بہشت میں [illegible] جب وہ بہشت کے قریب [illegible] اس وقت [illegible] حسرت و ندامت [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] فَذُوْقُوْا [illegible] عَذَابًا اَلِیْمًا [illegible]

سبق [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]
[illegible] کرتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ [illegible]
[illegible] وغیرہ۔

فائدہ [illegible]
[illegible] ہے۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ [illegible]
[illegible] ہے۔

حدیث شریف [illegible]

کیا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور بخش دیتا ہے جیسے حضرت [illegible] رضی اللہ عنہ نے جب [illegible] [illegible] [illegible] کا قتل
[illegible]

اے کہ ہے بد گناہ کی مستی
[illegible] [illegible]   [illegible] [illegible]
تو ہی کی تا رضائے حق پائے
کہ ہے [illegible] [illegible]

ترجمہ: اے غافل تو نے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ہیں۔
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ہے۔

یجد اللہ غفورا رحیما اللہ تعالیٰ کو غفور رحیم پائے گا۔ جیسا کہ ابھی ذکر ہوا۔

مسئلہ توبہ واستغفار لازم ہے کیونکہ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]۔ تفسیر [illegible]۔

فائدہ [illegible] [illegible] [illegible] توبہ کی ترغیب ہے۔

تفسیر عالمانہ ومن یکسب اثما اور جو کوئی کسی [illegible] گناہ [illegible] فانما یکسبہ علی نفسہ تو بے شک وہ اپنے نفس پر وبال ڈالتا ہے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]۔

تفسیر صوفیانہ [illegible] فانما یکسبہ علی نفسہ کا یہ مطلب ہے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]۔

تفسیر عالمانہ وکان اللہ علیما حکیما اور اللہ تعالیٰ علیم حکیم ہے [illegible] [illegible] ومن یکسب خطیئۃ او اثما [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]۔

[illegible] غیبت [illegible] **تَجَسَّسُوْا** ۔ [illegible] اللہ [illegible] [illegible] [illegible] **وَلَا يَغْتَبْ** [illegible] [illegible] **بَعْضُكُمْ بَعْضًا** [illegible] قرآن [illegible] [illegible] ہے۔

سوال [illegible] غیبت [illegible] جائز ہے ؟

جواب [illegible] کسی شخص [illegible] دوسرے کے [illegible] [illegible] معلوم ہوتا ہے۔

سوال [illegible] غیبت کو [illegible] کھانے سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے ؟

جواب [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غیبت یہ ہے کہ آدمی کے متعلق ایسی بات کہی جائے جو اس کو بری لگے۔ آپ سے عرض کیا گیا یا حضرت اگر اس میں وہ عیب ہو [illegible] تب بھی غیبت ہوگی۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ [illegible] عیب ہو [illegible] اور اگر اس میں وہ عیب نہ ہو [illegible] [illegible] ہے۔

تفسیر [illegible] روایت [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] [illegible] سے مشورہ کر کے بادشاہ نے اس کو سزا [illegible] بہت ہی [illegible] ۔

نکتہ ۔۔ استغفار سے بندہ خود غرضی سے بھاگ کر اللہ کی طرف جاتا ہے یعنی انا پرستی سے اللہ پرستی کی طرف [illegible] ذاتی کی طرف جھکتا ہے لیکن یہ اس وقت ہے جب طلب صادق ہو اور طلب صادق کی پہچان یہ ہے کہ [illegible] قلب [illegible] ہے۔ چنانچہ حدیث قدسی میں ہے کہ جو مجھے طلب کرتا ہے وہ مجھ کو پا لیتا ہے۔

حدیث کلیم اللہ علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا یا اللہ میں تجھے کہاں تلاش کروں اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب تو مجھے صدق دل سے تلاش کرے گا تو مجھے فوراً اپنے پاس پائے گا۔

سبق ۔ بندے کو چاہئے کہ استغفار کا ورد رکھنا ضروری ہے [illegible] تک نہ رہے۔

شعر روحانی ۔ [illegible] [illegible] اللہ تعالیٰ کے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ہے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

① [illegible] در مدرسہ افتادہ
[illegible] را [illegible] دیدہ

② دوستی آمیز [illegible]
[illegible] و بادہی گوید

③ [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible]

④ [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible]

[باقی ملاحظہ ہو]

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ
وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ
عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ
عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝ لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ
اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ
اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ
مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ
نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝

ترجمہ: اور اے محبوب اگر اللہ کا فضل و رحمت تم پر نہ ہوتا تو ان میں کے کچھ لوگ یہ چاہتے کہ تمہیں دھوکا دے دیں اور وہ اپنے ہی آپ کو بہکا رہے ہیں اور تمہارا کچھ نہ بگاڑیں گے اور اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت اتاری اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔ ان کے اکثر مشوروں میں کچھ بھلائی نہیں مگر جو حکم دے خیرات یا اچھی بات یا لوگوں میں صلح کرنے کا اور جو اللہ کی رضا چاہنے کو ایسا کرے اسے عنقریب ہم بڑا ثواب دیں گے اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی۔

تفسیر عالمانہ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ اگر آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحمت [illegible] کتاب [illegible] اور [illegible] معصوم [illegible]۔ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ [illegible] [illegible] اَنْ يُّضِلُّوْكَ [illegible] آپ کو صحیح فیصلہ [illegible] آپ کے سامنے غلط [illegible] تھا [illegible] [illegible] ہے۔

فائدہ آیت کا مطلب یہ نہیں کہ آپ [illegible] [illegible] کریں۔

وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ اور صرف اپنے آپ کو گمراہ کر سکتے ہیں اس لئے کہ اس کا وبال خود ان پر ہوگا وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ اور آپ کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ مِنْ شَيْءٍ [illegible] [illegible] وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ [illegible]

فائدہ [illegible] آپ [illegible] آپ [illegible] آپ [illegible] آپ [illegible] تھا۔

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اور خدا تعالیٰ نے آپ پر کتاب (قرآن) نازل فرمائی وَالْحِكْمَةَ

(بقیہ حاشیہ)

⑤ [illegible]

[illegible]

ترجمہ ① [illegible]

② [illegible] آئے اور [illegible]

③ [illegible]

④ [illegible]

⑤ [illegible]

حکایت [illegible]

سبق سالک کے [illegible]

اسی کے اندر [illegible] کی تفصیل ہے [illegible] اصول [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ہے۔

مسئلہ [illegible] دیئے۔

مسئلہ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]۔

مسئلہ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] سکتا۔

فائدہ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] حضرت [illegible] نے فرمایا

الا لا تنال العلم الا بستۃ

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

ترجمہ: علم [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] دیتا ہے۔

حکایت ایک شخص [illegible] فرمایا۔

سبق [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ہوسکتے۔

① [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

② [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]۔

③ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

حکایت [illegible]

وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اس نے بھیڑیئے کے پیٹ سے بچہ نکالا تو وہ بچہ صحیح و سالم تھا [illegible] [illegible] سال کے عرصے میں [illegible] تھا۔

فائدہ [illegible] معلوم ہوا کہ [illegible] معلوم ہو [illegible] ہوتا ہے۔

مسئلہ آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ [illegible] علم و فضائل کا سرچشمہ ہیں۔

مسئلہ [illegible] آخرت تک ملتا رہتا ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے تمام اعمال منقطع ہو جاتے ہیں مگر تین [illegible] کہ جن کا موت کے بعد بھی ثواب نصیب ہوتا رہتا ہے۔

① صدقہ جاریہ
② علم نافع
③ اولاد صالح (جو اس کے لئے نیک دعا کرتی رہتی ہے)

مسئلہ آیت سے یہ بھی واضح ہوا کہ انسان سے جو نیک عمل ہو [illegible] یہ اعتقاد رکھے کہ [illegible] اپنے فضل و کرم سے [illegible] ہے۔

مسئلہ آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان اپنے عمل پر بھروسہ نہ کرے [illegible] جاتے ہیں۔

فائدہ انسان کامل وہ ہے [illegible] اپنے عمل پر [illegible] معلوم ہو [illegible] نیکیوں [illegible] کمال [illegible]۔

حکایت [illegible] کے متعلق [illegible] تشریف فرما [illegible] فرمایا [illegible] ثواب [illegible] ایک وقت [illegible]

[illegible] یا حضرت حبیب [illegible] کیا جائے گا۔

سوال اس سے معلوم ہوا کہ حبیب نجار [illegible] ؟

جواب اس سے یہ نتیجہ نہیں [illegible] فرمایا ہے

① [illegible]

[illegible]

② [illegible]

[illegible]

① [illegible]

② [illegible]

[illegible]

تفسیر صوفیانہ آیت [illegible] اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم [illegible] تمام عالمین [illegible] فرمایا اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں (لولاک لما خلقت الافلاک)۔

نکتہ [illegible]

[illegible]

تفسیر بالماثور لَا خَیْرَ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ [illegible] کی بحث میں [illegible] ہیں۔

حل لغات [illegible] ہے۔

فائدہ حضرت [illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ [illegible]

اِلَّا مَنْ اَمَرَ [illegible]

بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ [illegible]

حل لغات اَلْمَعْرُوْفُ [illegible] تمام امور المعروف میں داخل ہیں [illegible]

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہر معروف صدقہ ہے اور جنت میں سب سے پہلے اہل المعروف داخل ہوں گے۔

نکتہ ہے نیکیوں کی توفیق نصیب ہوتی ہے [illegible] ہیں۔ سے

تو خشک کا [illegible]

مگر ماہی [illegible]

ترجمہ [illegible]

حدیث شریف [illegible] اہل المعروف [illegible] گے۔

اَوَّلُ [illegible] ہیں۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا [illegible]

[illegible] اور صدقہ سے [illegible] افضل ہے [illegible] نے عرض کی جی۔ آپ نے فرمایا [illegible] کے والی [illegible] اللہ [illegible] صلح و صفائی کرا [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] کی [illegible] کو پسند [illegible] ہیں۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں تمہیں ایسے صدقہ کی طرف رہبری کروں جو [illegible] کی طرف سے بھی افضل ہو [illegible] فرمایا جی۔ آپ نے فرمایا کہ جب لوگوں کا آپس میں جھگڑا ہو تو ان کی صلح و صفائی کرا دو۔ اور جب وہ آپس میں ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں تو ان کو ایک جگہ جمع کر دو۔

سوال [illegible] کیا فرماتے ہیں؟

جواب [illegible] لَا خَیْرَ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَیْنَ النَّاسِ [illegible]

وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ [illegible] صدقہ و معروف و اصلاح کی طرف [illegible] ہوتا ہے۔

سوال [illegible] اصلاح بین الناس [illegible]؟

جواب [illegible] صلح [illegible] نہیں کرتا۔

فائدہ [illegible] کا سبب ہوتا ہے۔

فائدہ [illegible] کی ترغیب دلاتا ہے۔

[illegible]

مسئلہ [illegible] ہوگی۔

[illegible]

① گر تو [illegible]
[illegible]

② [illegible]
[illegible]

ترجمہ ① [illegible] ۔

② [illegible] ۔

فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ہم اس کو بہت بڑا اجر دیں گے [illegible]
[illegible] وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ
[illegible]
[illegible]
مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ [illegible]
[illegible] وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ [illegible] وَسَاءَتْ مَصِيرًا اور وہ بہت
برا ٹھکانا ہے ۔

[illegible] کا برا انجام [illegible]
[illegible]
[illegible] ۔

[illegible]
[illegible] ۔

تقلید کے برکات [illegible]
[illegible] ۔

تفسیر صوفیانہ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

فائدہ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

① [illegible]

② [illegible]
[illegible]

فائدہ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ
يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ۝ إِنْ يَّدْعُوْنَ
مِنْ دُوْنِهٖٓ إِلَّآ إِنٰثًا ۚ وَإِنْ يَّدْعُوْنَ إِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ۝ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ
وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝ وَّلَأُضِلَّنَّهُمْ
وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ
خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا
مُّبِيْنًا ۝ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ إِلَّا غُرُوْرًا ۝ أُولٰٓئِكَ
مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۫ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَآ أَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ۝ لَيْسَ
بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَآ أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ
لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ
ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ
نَقِيْرًا ۝ وَمَنْ أَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ
وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ إِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ۝ وَلِلّٰهِ مَا
فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ۝

ترجمہ۔ اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے اور اس سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرما دیتا
ہے اور جو اللہ کا شریک ٹھہرائے وہ دور کی گمراہی میں پڑا۔ یہ شرک والے اللہ کے سوا نہیں پوجتے مگر کچھ عورتوں کو اور
نہیں پوجتے مگر سرکش شیطان کو جس پر اللہ نے لعنت کی اور بولا قسم ہے میں ضرور تیرے بندوں میں سے کچھ ٹھہرایا
ہوا حصہ لوں گا قسم ہے میں ضرور بہکا دوں گا اور ضرور انہیں آرزوئیں دلاؤں گا اور ضرور انہیں کہوں گا کہ وہ چوپایوں کے کان چیریں گے

[illegible]

تفسیر عالمانہ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ

[illegible]

شان نزول [illegible]

مسئلہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] سے بیعت [illegible] تمام [illegible]
[illegible]

حضرت مولانا [illegible] بیعت [illegible]

فائدہ [illegible]
[illegible] شرک [illegible]

مسئلہ شرک دو قسم ہے۔

① جلی

② خفی

[illegible]

مسئلہ [illegible]
[illegible]
[illegible]

حدیث شریف [illegible] قیامت [illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

سوال [illegible] ؟

جواب ① [illegible]
[illegible]

جواب ② [illegible]

جواب ③ [illegible]

[illegible]

فائدہ [illegible] إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ لَيُسَمُّونَ الْمَلَائِكَةَ تَسْمِيَةَ الْأُنْثَىٰ [illegible]

[illegible]

فائدہ [illegible]

فائدہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

الا اللمم [illegible]

[illegible]

[illegible] آدم زمین سے کتنی دکھتی ہے۔

سوال کیسے معلوم ہوا کہ یہ حالت جنت کی ہے؟

جواب جو اوصاف کہ پہلے بیان ہوئے وہ صرف جنت کا خاصہ ہی ہے۔

[illegible] یہ آیۃ کریمہ ہے [illegible] آسمان سے [illegible] کلام [illegible] يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا
یعنی شیطان نے کہا کہ اسے اللہ تعالیٰ [illegible] اپنے [illegible] میں انہیں [illegible]
السلام [illegible] آدم [illegible] اپنے [illegible]
میں [illegible] ان کے [illegible]۔

فائدہ حضرت [illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے [illegible] ابلیس کا [illegible] ہے۔

حدیث شریف مشارق الانوار میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام سے فرمائے گا کہ اپنی اولاد میں سے جہنم کے حصہ کو الگ کر دو [illegible] آدم علیہ السلام عرض کریں گے یا اللہ ما بعث النار جہنم کے لئے کتنے ہیں [illegible] اس کے جواب میں [illegible] آدم علیہ السلام کہیں گے یا اللہ تعالیٰ وہ کتنے ہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہزار میں سے نو سو ننانوے۔

فائدہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت میں [illegible] بچے بوڑھے ہو جائیں گے [illegible] حاملہ اپنا حمل گرا دے گی۔ قیامت کا [illegible] لوگ [illegible] نظر آئیں گے حالانکہ وہ نشہ میں نہیں ہوں گے بلکہ اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہوگا۔ [illegible] صحابہ کرام [illegible] گھبرا گئے [illegible] ہم میں سے وہ ایک کون ہوگا [illegible] آپ نے فرمایا گھبراؤ مت [illegible] یاجوج ماجوج [illegible] ہزار [illegible] اور تم میں سے ایک [illegible]۔

فائدہ یہ سن کر [illegible] صحابہ کرام [illegible] علیہ السلام [illegible] ہے۔

بقیۃ الحدیث اس کے بعد حضور علیہ السلام نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے [illegible] اہل جنت کا چوتھائی حصہ [illegible] ہم نے اللہ اکبر کہا [illegible] آپ نے فرمایا مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کا تہائی [illegible] ہم نے اللہ اکبر کہا [illegible] پھر فرمایا [illegible] نصف [illegible] اور فرمایا [illegible] تم لوگوں میں [illegible] سفید بیل [illegible] سیاہ بال [illegible]۔

فائدہ [illegible]

سوال [illegible]

[illegible]

جواب ① [illegible]

جواب ② [illegible]

جواب ③ [illegible]

[illegible]

فائدہ [illegible]

حدیث شریف [illegible]

[illegible]

فائدہ [illegible]

فائدہ [illegible]

[illegible]

فائدہ [illegible]

① بحیرہ

② سائبہ

③ وصیلہ

④ حام

[illegible]

فائدہ [illegible]

[illegible]

الحاصل وہ اولاد جن کے پیدا ہونے پر بعض [illegible] کرتا ہو اس وجہ سے [illegible] کے
[illegible] ہو [illegible] اور [illegible] کو [illegible] کے [illegible]
[illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] جب [illegible] تو [illegible]
سب کا ہے۔

وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ [illegible] اللہ تعالیٰ
کی بنائی ہوئی صورت کو [illegible] بگاڑا کریں گے۔

انہیں میں سے چند یہ ہیں۔

زمانہ جاہلیت کی چند رسمیں

① [illegible] ڈالنا۔ وہ لوگ [illegible] کے [illegible] وقت
[illegible] سے [illegible] جاتا۔ [illegible] وہ [illegible] سے
بنا ہوگا۔

② جانوروں کو خصی کرنا

مسئلہ انسان کے [illegible] کسی [illegible] گناہ ہے۔ لیکن فقہائے کرام نے
[illegible] خصی کرنا جائز رکھا ہے [illegible] گوشت [illegible] ہو جاتا ہے۔

مسئلہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ [illegible] ہو جائے گا۔

حکایت [illegible] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
[illegible] ایک [illegible] عورت [illegible]
[illegible] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ [illegible]
[illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]
[illegible] حضرت عبداللہ بن مسعود [illegible]
[illegible]۔

③ [illegible] جسم پر سوئی سے [illegible] سرمہ وغیرہ [illegible] جائے [illegible]
[illegible] جائے [illegible]۔

فائدہ [illegible]۔

مسئلہ [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]

بشرطیکہ [illegible] ۔

[illegible] النمص [illegible] چہرے کے بال [illegible] ہے ۔

حدیث شریف حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے [illegible] لعنت فرمائی ہے ۔

[illegible] سے [illegible] ہو ۔

فائدہ: [illegible] ۔

فائدہ: [illegible] ۔

مسئلہ: [illegible] ۔

مسئلہ: [illegible] ۔

مسئلہ: عورتوں کو [illegible] جائز ہے ۔

مسئلہ: [illegible] ۔

مسئلہ: [illegible] جائز ہے ۔

مسئلہ: [illegible] ۔

مسئلہ: [illegible] ہے ۔

[illegible] ۔

[illegible] ۔

[illegible]

[illegible]

حدیث شریف [illegible]

[illegible]

[illegible]

حدیث شریف [illegible] پیدا ہوتا ہے [illegible] یا نصرانی یا مجوسی۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] میں شیطان دھوکہ دیتا ہے ۔

حل لغات غرور بمعنی فریب [illegible] ۔

فائدہ شیطان کے وعدہ کا مطلب یہ ہے کہ ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے [illegible] [illegible] کہ تمہارے [illegible] [illegible] [illegible]

ان کا وعدہ صرف دھوکہ ہے ۔

شیطان کے دھوکہ دہی کے اسباب شیطان کے [illegible] کا سبب [illegible] [illegible] کے نقش [illegible] کے ظاہر ہے [illegible] انسان کے دل میں [illegible] [illegible]

[illegible] ہے کہ تمہیں بہت [illegible] نصیب ہوگی۔ اور [illegible] [illegible] وہ سب [illegible]

اور تمہیں دشمنوں پر غلبہ [illegible] اور تمہیں [illegible] حاصل ہوں گے [illegible] نصیب ہوں گے

یہ سب اس کا دھوکہ اور فریب ہے [illegible] [illegible] [illegible]

اپنے مقاصد سے محروم رہتے ہیں۔ اگر [illegible] اپنے مقاصد پر کامیاب بھی ہو جائیں [illegible]

پھر [illegible] اور حسرت کے [illegible] حاصل ہوا [illegible] [illegible]

زیادہ غم و حسرت کا باعث ہوتا ہے

الفت [illegible] [illegible]

تا [illegible] [illegible] [illegible]

ترجمہ [illegible] [illegible] [illegible] ۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو متنبہ فرمایا کہ شیطان کے وعدے صرف دھوکہ اور فریب [illegible]

ہیں کہ انسان [illegible] مطلب اور [illegible] مراتب سے محروم ہو جائے ۔

سبق [illegible] لازم ہے کہ وہ شیطان کے وسوسوں کی طرف [illegible] کتاب و سنت [illegible]

[illegible] [illegible] ہے کہ کتاب و سنت کی اتباع سے [illegible]

[illegible] ۔

أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] ۔

[illegible] [illegible] [illegible]

سے جو لطیفہ سے [illegible] کے عشق [illegible] محبت [illegible]
[illegible] ہو سکتا ہے [illegible] اسلام [illegible]
کا [illegible] قدم نہیں [illegible] ۔

فائدہ [illegible] جنت [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] ۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] جنت [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] ۔

حدیث شریف حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب آیت [illegible]
[illegible] اشیاء میں سے ایک [illegible]
[illegible] لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ [illegible]
[illegible]
الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ [illegible]
[illegible]
[illegible]

ہو رہا ہے سب کے سب شفقت کے عذاب میں جکڑے رہیں گے۔ اسی وجہ سے ہمیشہ کے لئے جہنم میں ڈال دیا گیا ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا۔ اس لئے کہ وہ اعمال صالحہ سے خالی ہوں گے اور اعمال ہی وزنی ہوں گے۔ حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے

پیر ما گفت خطا بر قلم صنع نرفت

آفرین بر نظر پاک خطا پوشش باد

ترجمہ: ہمارے مرشد نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کام میں خطا نہیں نظر پاک کو آفرین ہو خطا پوشی سے مستانہ نصیب ہو۔

سبق: دنیا میں رہ کر ایسے عمل کرو جس سے کامیاب ہو سکو۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اور وہ جو مومن اور نیک عمل کرتے ہیں۔ عمل صالحات الصالحات کا اصل مجرد ہے اور قرآن کا مطلب یہ ہے کہ اس سے صرف وہ عمل مطلوب ہے۔ اعمال سے یہی اعمال مراد ہیں نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ۔ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ہم انہیں عنقریب بہشت میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ اور وہ چار ہیں۔

① پانی

② دودھ

③ خمر

④ شہد

خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا وہ جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے خالدا کا منصوب ہونا حال کی بنا پر ہے اور مستقبل کے استغراق کے لئے آتا ہے۔

نکتہ: ایمان کے ساتھ عمل کے ذکر میں اشارہ ہے کہ ایمان کے ساتھ عمل صالح کا ہونا بھی ضروری ہے [illegible] اس لئے کہ ایمان کے بعد عمل صالح کی ضرورت نہیں اور نہ ہی معصیت سے ایمان میں خلل واقع ہوتا ہے جیسے کہ مرجیہ کہتے ہیں [illegible]

وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا اللہ تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے سچا وعدہ

[illegible]

[illegible] احتمال [illegible] صدقہ کی تفسیر [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] لَيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَا أَمَانِيِّ
أَهْلِ الْكِتَابِ [illegible]
[illegible] اہل کتاب [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] کیا ۔

فائدہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] کرتے ۔

فائدہ [illegible]
[illegible]
[illegible] حضرت شیخ سعدی [illegible] نے فرمایا ہے

① قیامت کہ بازار مینو نہند
منازل باعمال نیکو دہند

② بضاعت بچندانکہ آری برند
اگر مفلسی شرمساری بری

③ کسے را کہ حسن عمل بیشتر
بدرگاہ حق منزلت بیشتر

تیسرے دنیا ہی میں [illegible] مراتب کا حصول یقینی ہے

(۴) [illegible]

(۵) [illegible] اللہ کے پاس [illegible]

چنانچہ اس مضمون کو ایک حدیث میں [illegible] فرمایا [illegible]

[illegible] سزا [illegible]

حدیث شریف [illegible] سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے [illegible] یا رسول اللہ [illegible] [illegible] حضور علیہ السلام نے فرمایا [illegible] [illegible] [illegible] دنیا ہی میں [illegible] مراتب [illegible]

حدیث شریف سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا [illegible] [illegible] وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ [illegible] [illegible] فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا [illegible] [illegible]

حل لغات [illegible]

[illegible] [illegible]

حدیث شریف [illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible] [illegible]

① [illegible]
[illegible]

② [illegible]
[illegible]

③ [illegible]
[illegible]

④ [illegible]
[illegible]

[illegible] ① [illegible]
② [illegible]

[illegible]

[illegible]

سبق [illegible]

حدیث شریف [illegible]

نحو [illegible]

[illegible]

حدیث شریف [illegible]

[illegible] یَا اَیَّتُهَا النَّفْسُ

الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً [illegible]

[illegible]

فائدہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible]

فائدہ [illegible]

[illegible]

تنبیہ [illegible]

① [illegible]

② [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا [illegible] حضرت ابراہیم علیہ السلام [illegible]

[illegible]

حل لغات [illegible]

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ [illegible] حضرت ابراہیم علیہ السلام [illegible] بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا [illegible]

[illegible]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک دوست مصر میں رہتا تھا [illegible] ابراہیم علیہ السلام [illegible]

[illegible]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مہمان نوازی [illegible]

[illegible]

فائدہ [illegible]

فائدہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

حکایت [illegible]

حکایت [illegible]

[illegible]

الیہ المرجع سے مکمل ہوئی۔ ایک حقیقت تو محمّدی ہے دوسری [illegible] کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچی اس لئے کہ اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جامع ہے اور دوسری الوہیت کی احمدی ہے۔ [illegible] خصوصی برکات کی جامع ہیں۔ یہ [illegible] مقام محبت و محبوبیت ہیں [illegible] خلیل اللہ [illegible] حضرت ابراہیم الرسول کو حاصل ہے۔ جن صفات و درجات کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے ان ترتیب کے ساتھ بتاتا ہے۔ چنانچہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلیل اللہ حبیب اللہ ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ و حبیب الرحمٰن ہیں اور دونوں حضرت نبی اکرم علیہ السلام خلیل الرحمٰن اور حبیب الرحمٰن [illegible] جمال ختم ہوا۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ [illegible] اگر میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بناتا [illegible] ایسا محبوب سب صحابہ کے سوا اور کوئی نہیں ہوتا۔

نکتہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تو خصوصیت ہے [illegible] حضور علیہ السلام کے خصوصی [illegible]

فضیلت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تم پر روزہ اور نماز کی کثرت کی وجہ سے فضیلت نہیں ہے بلکہ اس چیز کی وجہ سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے قلب میں جاگزیں فرمائی۔

نکتہ آپ کے اس ارشاد سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ [illegible] کا تعلق [illegible] آپ سے [illegible] واجب ہیں۔ [illegible] سرفراز کئے گئے۔

شیخ سعدی قدس سرہ آپ کی نعت شریف میں لکھتے ہیں ؎

① شبے برنشست از فلک برگذشت

بتمکین و جاہ از ملک درگذشت

② چناں گرم در تیہ قربت براند

کہ در سدرہ جبریل ازو باز ماند

نکتہ ① یکساں [illegible] جبریل [illegible]

② قربت کے جنگل [illegible] جبریل علیہ السلام سدرہ پر رہ گئے۔

[illegible] درجات و مقامات [illegible]

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ۗ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ
فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ
وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ۗ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ
خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ۝ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا
اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۗ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۗ
وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۗ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
خَبِيْرًا ۝ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا
كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۗ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ
غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ
وَاسِعًا حَكِيْمًا ۝ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ۗ وَاِنْ تَكْفُرُوْا
فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ۝
وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝ اِنْ يَّشَاْ يُذْ
هِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ۝
مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۗ
وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ۝

ترجمہ: اور تم سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں تم فرما دو کہ اللہ تمہیں ان کا فتویٰ دیتا ہے اور وہ جو تم پر قرآن میں پڑھا جاتا ہے ان یتیم لڑکیوں کے بارے میں کہ تم انہیں نہیں دیتے جو ان کا مقرر ہے اور انہیں نکاح میں بھی لانا چاہتے ہو اور کمزور بچوں کے بارے میں اور یہ کہ یتیموں کے حق میں انصاف پر قائم رہو اور تم جو بھلائی کرو تو اللہ کو اس کی خبر ہے اور اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ کرے تو ان پر گناہ نہیں کہ آپس میں صلح کر لیں اور صلح خوب ہے اور دل لالچ کے پھندے میں ہیں اور اگر تم نیکی اور پرہیزگاری کرو تو اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے

[illegible]

تفسیر بالرائے

وَيَسْتَفْتُونَكَ آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں۔

حل لغات فتویٰ۔ [illegible]

[illegible] تعبیر کیا گیا ہے

فِي النِّسَاءِ عورتوں کی میراث کے بارے میں۔

شان نزول عیینہ بن حصین نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ [illegible]

[illegible] ہیں۔

قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ اللہ تعالیٰ تمہیں عورتوں کے متعلق حکم دیتا ہے۔

الافتاء بمعنی مبہم امر مشکل کی وضاحت کرنا۔ وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ [illegible]

[illegible]

سوال یہاں [illegible]؟

جواب جب [illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible] حالت میں بھی موجود ہے۔

[illegible] کے معنی ہے اور ان کی اضافت یا [illegible]
[illegible] الَّذِينَ لَا تَكُونُوا [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible] الشَّيْطَانُ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible] حضرت [illegible] رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا [illegible]
[illegible]

① [illegible]

② [illegible]

② [illegible]

[illegible]

[illegible]

حکایت [illegible]

(۱) [illegible]

[illegible]

(۲) [illegible]

[illegible]

ترجمہ (۱) [illegible]

(۲) [illegible]

تفسیر صوفیانہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ترجمہ

[illegible]

[illegible]

تفسیر و لطائف [illegible] ... ذٰلِكَ اَدۡنٰٓى اَلَّا تَعُوۡلُوۡا [illegible] ... هَنِيۡٓـئًا مَّرِيۡٓـئًا [illegible]

① [illegible]

② [illegible]

③ [illegible]

④ [illegible]

⑤ [illegible]

⑥ [illegible]

فائدہ [illegible]

شان نزول [illegible]

[illegible] حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں [illegible] [illegible]

فَلَا جُنَاحَ [illegible] [illegible] ان [illegible] [illegible] [illegible]

اُمّ المومنین بی بی سودہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ حضرت اُم المومنین سودہ رضی اللہ عنہا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] [illegible] رضی اللہ عنہا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] [illegible] [illegible]

مسئلہ حضرت [illegible] رضی اللہ عنہ نے فرمایا [illegible] [illegible]

[illegible] [illegible]

ابدال بننے کے نسخے حضرت امام [illegible] رحمۃ اللہ تعالیٰ [illegible] ابدال [illegible] [illegible]

① اپنے دل کا اہتمام [illegible] کرے۔
② جب [illegible] [illegible] کرے۔
③ اکثر [illegible]
④ جب [illegible] [illegible]۔

[illegible]

[illegible]

① [illegible]

[illegible]

② [illegible]

[illegible]

ترجمہ ① [illegible]

② [illegible] ۔

[illegible] حضرت [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ۔

فائدہ [illegible] ۔

حضرت عبد اللہ [illegible] روایت [illegible] ابلیس

ابلیس [illegible] حضرت نوح علیہ السلام [illegible] حضرت [illegible]

[illegible] آدم علیہ السلام [illegible]

[illegible] ۔

○ حضرت یحییٰ و زکریا علیہما السلام [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

حقوق معاف کر کے صلح کر لیا کرو۔

فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ۔ [illegible]

اور [illegible] نہیں کرتا۔

حکایت مروی ہے کہ ایک [illegible] شخص کی حسین بیوی تھی۔ ایک دن وہ [illegible] کہنے لگی الحمد للہ [illegible] شوہر نے کہا یہ کیوں؟ عورت نے کہا اس لئے [illegible] مجھ جیسی بیوی ملی [illegible] تجھ جیسا شوہر ملا [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] جنت [illegible]

شیخ سعدی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

① چو مستورہ باشد زن خوب رو
به دیدار او در بهشت است شو

② اگر پارسا باشد و خوش سخن
نگہ در نکوئی و زشتی مکن

ترجمہ ① جب عورت پارسا اور حسین و جمیل ہو تو اس کا شوہر دنیا میں بہشت میں ہے۔

② اگر عورت نیک اور خوش خلق ہو تو اس کے حسن اور قبح کو نہ دیکھ۔

وَلَنْ تَسْتَطِیْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَیْنَ النِّسَآءِ ۔ [illegible] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ محبت تھی۔ وَلَوْ حَرَصْتُمْ [illegible] فَلَا تَمِیْلُوْا کُلَّ الْمَیْلِ [illegible]

[illegible]

حدیث شریف [illegible]

فَتَذَرُوْهَا [illegible]
كَالْمُعَلَّقَةِ [illegible]
[illegible]

حدیث شریف مروی ہے کہ حضرت [illegible]
[illegible]

وَإِنْ تُصْلِحُوْا [illegible] وَتَتَّقُوْا [illegible]
[illegible] فَإِنَّ اللهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا [illegible]
[illegible] وَإِنْ يَّتَفَرَّقَا [illegible]
[illegible] يُغْنِ اللهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ [illegible]
[illegible]
[illegible] وَكَانَ اللهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا [illegible]
[illegible]

مسئلہ [illegible]

قیامت کا ایک منظر [illegible]

[illegible]

[illegible]

سبق [illegible]

حکایت [illegible]

سبق [illegible]

[illegible]

تفسیر [illegible]

[illegible]: [illegible] وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ [illegible] وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ [illegible]

[illegible]: وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ [illegible] إِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ [illegible]

فائدہ [illegible]

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ [illegible]

سوال [illegible] کی کیا حکمت ہے؟

جواب [illegible]

[illegible]

فائدہ اس آیت میں [illegible]

[illegible]

مسئلہ [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]

حدیث شریف قدسی [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ازالہ وہم [illegible]

[illegible]

حدیث شریف [illegible]

[illegible]

فائدہ [illegible]

[illegible]

حدیث شریف [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

نکتہ [illegible]

[illegible]

تکملہ [illegible]

[illegible]

سبق [illegible]

[illegible]

فائدہ حضرت [illegible] ۔

① [illegible]

② [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تفسیر المنار مَنْ كَانَ يُرِيدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا [illegible] فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ [illegible] رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً [illegible] مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ [illegible] وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ ۔ [illegible]

وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيعًا بَصِيرًا اور اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہے [illegible]

مسئلہ حضرت [illegible]

حدیث شریف [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ترجمہ [illegible]

[illegible]

حدیث شریف [illegible]

[illegible]

سبق [illegible]

[illegible]

[illegible]

فائدہ [illegible]

حکایت [illegible]

[illegible]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ
عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ ۚ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ
أَوْلَىٰ بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَن تَعْدِلُوا ۚ وَإِن تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا
فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ
وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنزَلَ مِن
قَبْلُ ۚ وَمَن يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ ازْدَادُوا
كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا ۝
بَشِّرِ الْمُنَافِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝ الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ
أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ أَيَبْتَغُونَ عِندَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ
لِلَّهِ جَمِيعًا ۝ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ
يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي
حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَ
الْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا ۝ الَّذِينَ يَتَرَبَّصُونَ بِكُمْ فَإِن كَانَ
لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللَّهِ قَالُوا أَلَمْ نَكُن مَّعَكُمْ وَإِن كَانَ لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ
قَالُوا أَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُم مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ۚ فَاللَّهُ يَحْكُمُ
بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ وَلَن يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ۝

ترجمہ: [illegible]

تفسیر بالماثور يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ اے ایمان والو [illegible]

[illegible]

فائدہ [illegible]

[illegible]

مسئلہ [illegible]

مسئلہ [illegible]

[illegible]

حدیث شریف [illegible]

---

① [illegible]

⑤ [illegible]

[illegible]

① [illegible]

② [illegible]

فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا [illegible]

حل لغات [illegible]

مسئلہ [illegible]

مسئلہ [illegible]

حدیث شریف [illegible]

مسئلہ [illegible]

مسئلہ [illegible]

حدیث شریف ① [illegible]

حدیث شریف ② [illegible]

حدیث شریف ③ [illegible]

حدیث شریف ④ [illegible]

حکایت امام ابو یوسف و زبیدہ خاتون

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تفسیر صوفیانہ [illegible]

فائدہ [illegible]

[illegible]

تفسیر عالمانہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا [illegible] اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ [illegible]

فائدہ [illegible]

سوال [illegible]

جواب [illegible]

مسئلہ [illegible]

میں اسلام پر نازل ہونے کی حیثیت سے ایمان لانا خود مستقلاً مطلوب ہے اور ایمان لانا چاہیئے کہ ان تمام کتب کے احکام و شرائع کا اصل ذریعہ یہی ہے اور یہ ایمان ہونا چاہیئے کہ ان کے مطابق احکام و شرائع حق ہیں۔ دوسری کتب کی حیثیت سے ہی یہ کہ اس حیثیت سے کہ یہ اللہ کی کتابیں ہیں منزل من اللہ ہیں اور ان کے تمام احکام و شرائع حق اور ثابت ہیں جب تک وہ منسوخ نہیں ہوئے تھے منسوخ ہونے کے بعد جو ان احکام و شرائع کو اس کتاب سے منسوخ ہونے کی حیثیت سے حق اور ثابت اور ایمان رکھنا چاہئے کہ ان کتب کے احکام [illegible] ہونے سے محفوظ ہو گئے ہیں۔

فائدہ بعض مفسرین کے نزدیک یہ خطاب منافقین کو ہے جو اب تک ظاہر میں ایمان لائے [illegible] کی حالت ہے جو سب کا مرتد [illegible] ایمان پر ثابت رہو [illegible] اور ایمان پر اخلاص ہو یہ کہ [illegible] سے قرار [illegible] تفسیر کی ہے۔

شانِ نزول یہ خطاب اہل کتاب کے ایمانداروں کو ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم آپ پر ایمان لاتے ہیں اور [illegible] موسیٰ علیہ السلام اور توریت اور عزیر علیہ السلام پر ایمان لاتے ہیں باقی سب سے ہم کفر کرتے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور حکم ہوا کہ [illegible] تمام کتب اور رسولوں علیہم السلام کا [illegible] بعض کو ماننا اور بعض کو نہ ماننا کفر ہے۔

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ [illegible] اس سے معلوم ہوا کہ اللہ اور فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں اور یومِ آخرت سے کفر کرتا ہے یعنی ان میں سے کسی ایک کو نہیں مانتا وہ [illegible] کا منکر ہے [illegible] پر ایمان لانا [illegible] ہے اس بات [illegible] اور یوم آخرت سے کفر کرنے سے بھی ایمان باقی نہیں رہتا [illegible] کسی ایک کا بھی انکار [illegible] سب پر ایمان لانے کا دعویٰ [illegible] حیثیت سے [illegible] السلام [illegible] ہو گئے ہیں۔ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا [illegible] بہت دور جا پڑا اور حق راستہ سے اتنا بعید ہو گیا کہ [illegible] واپس پہنچنا مشکل ہو گیا ہے۔

تنبیہ سب سے پہلے اللہ پر ایمان ہے [illegible] ایک [illegible] کی [illegible] عبادت کے [illegible] ہے [illegible] ایمان [illegible] کے نزدیک [illegible] بلکہ [illegible] سب سے پہلے [illegible] ہے [illegible] نصیب ہو سکتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ [illegible]

[illegible]

(۱) [illegible]

[illegible]

(۲) [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] نصیب فرمائے ۔

حکایت مثنوی شریف میں ہے کہ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں ایک بڑا کافر تھا۔ اس سے کسی نے کہا کہ ایمان قبول کر لے تاکہ دائمی سرور اور نجات نصیب ہو۔ اس نے کہا اگر ایمان وہ ہے جو بایزید کا ہے تو وہ میرے [illegible] سے مشکل ہے۔ اگر وہ ہے جو آپ کے دل میں [illegible] ہے [illegible] تو [illegible] ایمان [illegible] ہے۔ اگر تم [illegible] ایمان [illegible] [illegible] ایمان [illegible] اور ایمان [illegible] [illegible] ہے۔

سبق [illegible] حضور علیہ السلام نے حضرت علی سے فرمایا [illegible] عیسیٰ علیہ السلام [illegible] [illegible] [illegible] ہے۔ اور [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ہے [illegible] [illegible] [illegible] ہے [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] محفوظ رکھے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے یا تو وہ لوگ مراد ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے [illegible] [illegible] وَالَّذِیْنَ هَادُوْا [illegible] ایمان [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ہے۔ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] اور [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] وَالصّٰبِـِٕیْنَ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ہیں۔

سوال [illegible] ہے کہ [illegible] پھر مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ [illegible] اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا [illegible] کیوں فرمایا؟

جواب [illegible] ہے [illegible] ایمان [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا۔

[illegible]

شان نزول [illegible]

[illegible]

شان نزول [illegible]

[illegible]

رہتے تھے ان کے ساتھ [illegible] بیٹھیں جو کہ قرآن کی آیات کا [illegible]
فَلَا تَقْعُدُوْا [illegible] سے پہلے [illegible] نازل فرمایا۔

فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی خصوصیت سے [illegible]
[illegible]۔

فِی الْکِتٰبِ کتاب سے مراد قرآن کریم ہے۔ [illegible]
[illegible]
[illegible]
یُکْفَرُ بِہَا وَیُسْتَہْزَاُ بِہَا [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]۔

حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِہٖ [illegible]
[illegible]۔

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ [illegible]

مسئلہ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ [illegible]
[illegible]۔

اِنَّکُمْ اِذًا مِّثْلُہُمْ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] اِنَّ اللّٰہَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْکٰفِرِیْنَ فِیْ
جَہَنَّمَ جَمِیْعًا [illegible]
[illegible]
[illegible]۔

فائدہ [illegible]

[illegible]

حکایت ایک عورت کی

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تشریح

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مسئلہ حضرت [illegible]

مسئلہ [illegible]

حکایت حضرت [illegible]

مسئلہ [illegible]

مسئلہ [illegible]

مسئلہ [illegible]

حکایت حضرت [illegible]

تفسیر [illegible]

فیوض الرحمٰن

اردو ترجمہ

تفسیر روح البیان

شیخ القرآن والحدیث فیض ملت حضرت علامہ مفتی

محمد فیض احمد اویسی رضوی مدظلہ

مکتبہ اویسیہ رضویہ
سیرانی روڈ بہاول پور

فیوض الرحمٰن

اردو ترجمہ پارہ نمبر ۶، ۷، ۸

روح البیان

مصنف

سراج العلماء زبدۃ الفضلاء
حضرت علامہ شیخ اسماعیل حقی رحمہ اللہ تعالیٰ

مترجم

عمدۃ المفسرین سند المحدثین فیض ملت

حضرت علامہ مفتی محمد فیض احمد اویسی رضوی مدظلہ

ناشر مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور پاکستان

marfat.ocm

[illegible] ——— [illegible]

[illegible] ——— [illegible]

[illegible] ——— [illegible]

[illegible] ——— [illegible]

[illegible] ——— [illegible]

[illegible] ——— [illegible]

[illegible] ——— [illegible]

marfat.ocm

پارہ نمبر ٦

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا
اللہ پسند نہیں کرتا بُری بات کا اعلان کرنا مگر مظلوم سے اور اللہ سُنتا جانتا
عَلِيْمًا ﴿١٤٨﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ
ہے اگر تم کوئی بھلائی علانیہ کرو یا چھپ کر یا کسی کی برائی سے درگزرو تو بیشک اللہ معاف
عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿١٤٩﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ
کرنے والا قدرت والا ہے وہ جو اللہ اور اس کے رسولوں کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں کہ اللہ سے اس کے
اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ
رسولوں کو جدا کردیں اور کہتے ہیں ہم کسی پر ایمان لائے اور کسی کے منکر ہوئے اور چاہتے
وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿١٥٠﴾ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ
ہیں کہ ایمان و کفر کے بیچ میں کوئی راہ نکال لیں یہی ہیں ٹھیک ٹھیک کافر
حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿١٥١﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ
اور ہم نے کافروں کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے اور وہ جو اللہ اور اس کے سب رسولوں
وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ
پر ایمان لائے اور ان میں سے کسی پر ایمان میں فرق نہ کیا انہیں عنقریب اللہ اُن کے ثواب دیگا اور اللہ
غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٥٢﴾ ع
بخشنے والا مہربان ہے

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اللہ تعالیٰ بُری بات زبان پر لانے کو پسند نہیں کرتا۔

ف : محبت نہ کرنے سے رنج و غصہ مراد ہے۔ بالسُّوء ' بالجھر سے متعلق ہے اور من القول کا مِن محذوف سے متعلق ہے جو کہ بالسّوء سے حال ہے یعنی اللہ تعالیٰ بُری بات زبان پر لانے والے سے محبت نہیں کرتا۔

اِلَّا مَنْ ظُلِمَ بجز مظلوم کے یعنی مظلوم کے سوا باقی کسی سے ایسی بات پسند نہیں کرتا۔

مسئلہ : مظلوم کے لیے جائز ہے کہ ظالم کی داستان لوگوں کو سنائے یا اس پر بددُعا کرے جبکہ اس سے اس کی فریاد رسی مطلوب ہو۔ مثلاً یُوں کہے کہ فلاں شخص نے میری چوری کر لی ہے یا میرا مال چھین لیا ہے۔

ف : بعض کہتے ہیں اِس سے یہ مراد ہے کہ اگر کوئی اسے گالی دے تو اسے اُس کی گالی کا جواب گالی سے دے۔

مسئلہ : جو شخص اسے گالی دے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اسے گالی دے لیکن اتنی کہ جتنی اس نے گالی دی ہے اس سے تجاوز نہ کرے۔

شانِ نزول بعض کہتے ہیں اس سے وُہ شخص مراد ہے کہ جس کے ہاں ایک قوم مہمان ہُوئی اس نے انہیں کھانا نہ کھلایا تو انہوں نے اس کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَكَانَ اللّٰہُ سَمِیْعًا اور اللہ تعالیٰ سمیع ہے یعنی مظلوم کی بات سنتا ہے عَلِیْمًا اور ظالم کے حال کو جانتا ہے اِنْ تُبْدُوْا خَیْرًا (اگر تم بھلائی ظاہر کرو) وہ بھلائی عام ہے کہ اقوال سے متعلق ہو یا افعال سے اَوْ تُخْفُوْہُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ یا اسے مخفی رکھو یا کسی برائی کو معاف کر دو، تمہارے لیے اس سے مواخذہ کا حق ہے اور یہی اصل مقصود ہے۔ ظاہر کرنا یا چھپانا اس کی تمہید اور بمنزلہ مقدمہ کے ہے اس لیے اُس پر فَاِنَّ اللّٰہَ كَانَ عَفُوًّا قَدِیْرًا کو مرتب فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور قدرت والا ہے' اسے شرط کے جواب میں وارد کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ عمدہ عمل یہی ہے کہ بندہ کو بدلہ لینے کی قدرت ہو تب بھی معاف کرے۔ یعنی اللہ تعالیٰ باوجودیکہ بہت بڑی قدرت رکھتا ہے کہ بندوں سے ان کے گناہوں پر مواخذہ کر سکتا ہے تاہم انہیں معاف کر دیتا ہے پس تمہیں بھی چاہیے کہ تم اللہ تعالیٰ کے طریقے پر عمل کرو۔

مسئلہ : اس میں مظلوم کو ترغیب ہے کہ باوجودیکہ اسے ظالم سے بدلہ لینے کی اجازت ہے لیکن اسے معاف

marfat.ocm

کر دینا بہت اچھا ہے۔ اس میں مکارمِ اخلاق کی عادت ڈالنے کی ترغیب و تحریص ہے۔

ف : سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ ظالم سے بدلہ لینے میں تنہائی نہ ہونی چاہیئے بلکہ اسے معاف کرکے اللہ تعالیٰ کو اپنا حامی و مددگار بنا لینا چاہیئے ؎

صولت انتقام از مردم دولت مہتری کند باطل
از رہ انتقام یکسو شو تا نمانی بمہتری عاطل

ترجمہ : لوگوں سے انتقام کا غلبہ سرداری کی دولت کو بیکار کر دیتا ہے، انتقام کے پروگرام سے ہٹ جا تاکہ تو سرداری سے معطل نہ ہو جائے۔

مسئلہ : اللہ تعالیٰ کسی کے قبائح و فضائح کا اظہار پسند نہیں فرماتا۔ ہاں اس ظالم کے قبائح و فضائح کا اظہار جائز ہے جس کا ضرر اور دجل اور مکر و فریب حد سے بڑھ جائے۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا :

اذکروا الفاسق بما فیہ کی یحذرہ الناس۔

فاسق کے فسق کو ظاہر کرو تاکہ دوسرے لوگ اس کے شر و فساد سے بچ جائیں۔

حدیث شریف میں وارد ہے :

تین ایسے اشخاص ہیں کہ اُن کی غیبت[1] جائز ہے :

(۱) امام (یعنی حاکم ظالم)
(۲) کُھلم کھلا فسق و فجور کا عادی
(۳) بدعت (سیئہ) کا مرتکب جو لوگوں کو اس کی دعوت دیتا ہے۔

ف : اکثر برائیاں زبان سے سرزد ہوتی ہیں اگرچہ زبان گوشت کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہے لیکن اکثر و بیشتر گناہ و جرم اسی سے سرزد ہوتے ہیں۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا :

البلاء موکل بالمنطق۔ (بلاء کا نزول بولنے پر موقوف ہے)

حکایت ایک روز ابن السکیت متوکل (خلیفۂ وقت) کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو وہاں سے معتز باللہ و مؤید باللہ (متوکل کے دونوں بیٹوں) کا گزر ہوا تو ابن السکیت سے متوکل نے پوچھا بتائیے تمہیں میرے یہ دونوں لڑکے محبوب یا حضرت حسن و حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)؟ ابن السکیت

---

[1] غیبت کی تحقیق و مسائل اور مذمت وغیرہ کے لیے فقیر کے رسالہ "صیانۃ اللسان" کا مطالعہ کیجئے۔ اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

نے برجستہ کہا، واللہ! میرے ہاں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا غلام قنبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تیرے ان دونوں لڑکوں سے کہیں زیادہ محبوب ہے وہ ان دونوں سے بدرجہا افضل و اعلیٰ تھا، بلکہ تجھ سے بھی۔ متوکل نے حکم دیا کہ اس (ابن السکیت) کی زبان گدّی سے کھینچ لی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور وہ اسی وقت انتقال فرما گئے۔

اعجوبہ اس واقعہ سے چند لمحات پہلے ابن السکیت جو معتز و مؤید دونوں کا استاد تھا، نے پڑھاتے وقت دونوں کو یہ قطعہ سنایا؛ ؎

یصاب الفتیٰ من عثرۃ بلسانہ   ولیس یصاب المرء من عثرۃ الرجل
فعثرتہ فی القول تذہب رأسہ   فی عثرتہ فی الرجل تبرأ علی مہل

ترجمہ: انسان زبان کی لغزش میں گرفتار ہوتا ہے پاؤں کی لغزش سے اتنی مصیبت نہیں پاتا بلکہ زبان کی لغزش سے بسا اوقات سر کٹ جاتا ہے اور پاؤں کی لغزش پر چند ساعات کے بعد صحت مل جاتی ہے۔

مثنوی شریف میں ہے؛ ؎

(۱) ایں زباں چوں سنگ و ہم آہن وشست   وآنچہ بجہد از زبان چوں آتشست
(۲) سنگ و آہن را مزن برہم گزاف   گہ ز روئے نقل و گہ از روئے لاف
(۳) زانکہ تاریکست و ہر سُو پنبہ زار   درمیاں پنبہ چوں باشد شرار
(۴) عالمے را یک سخن ویراں کند   روبہانِ مردہ را شیراں کند

ترجمہ: (۱) یہ زبان پتھر اور لوہے کی طرح ہے وہ جو زبان سے نکل جائے آگ کی طرح ہے۔

(۲) پتھر اور لوہے کو از روئے مذاق بھی نہ ٹکرا۔ نہ از روئے نقل صحیح ہے نہ از روئے مذاق۔

(۳) اس لیے کہ ہر سُو تاریکی اور رُوئی بکثرت ہے تیری یہ حرکت چنگاری کا کام کر جائیگی۔

(۴) تمام جہان کو صرف ایک بات ویران کر جاتی ہے، لومڑیوں کو شیر بنا دیتی ہے۔

تفسیر صُوفیانہ آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عوام سے زبان پر برائی لانے کو اور خواص سے نفس سے بات کرنے کو اور اخص الخواص کو دل پر خیال بھٹکنے کو پسند نہیں کرتا، ہاں وُہ مظلوم جو معاصی کے اسباب بشریہ کا بلا اختیار شکار یا اضطراراً کسی غلطی میں مبتلا ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔

marfat.ocm

دوسری تقریر یوں بھی ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسرارِ ربوبیت اور مواہب الوہیت کے بھید کو ظاہر کرنا پسند نہیں فرماتا، ہاں کوئی غلبات احوال سے یا جلال وجمال کے پیالوں کے حملوں سے عاجز ہو کر مجبوراً کوئی راز ظاہر کردے واضح نہیں کرو وہ بقار والی زبان سے بول رہا ہے نہ کہ فانی زبان سے، جبکہ اس کے منہ سے نکلتا ہے انا الحق سبحانی ۔ **وکان اللہ** اور اللہ تعالیٰ ازل سے اُن کے حال کے اظہار سے پہلے ہی اُن کی باتوں کو سُننا اور ان کے احوال کو پورے طور جانتا ہے ۔ اس کے بعد فرمایا **ان تبدوا** یعنی وہ اسرار جو الطافِ حق سے ہیں اُن پر منکشف ہوئے حق سے آگاہی اور اس سے افادہ کے طور اگر ظاہر کرو (آفاتِ شوائب سے اپنے نفوس کو بچانے اور مشارب میں مُدور ہٹ جانے کے خطرہ سے چھپا دیا جس طرف تمہیں تمہارے نفوسِ امارہ برائی کی طرف بلاتے ہیں ان برائیوں سے چشم بند کرلو ۔ یا جن رازوں کو اللہ تعالیٰ نے چھپانے اور ظاہر کرنے کو برابر کہا ہے انہیں چھوڑ دو تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے تو تمہارا معاف کرنا بھی اس کے طریقہ پہ چلنے کی وجہ سے ہوگا اور تم اس کے اوصاف سے موصوف ہو جاؤ گے یا یہ معنیٰ ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں معاف کیا کہ تمہیں رسوائی والے گروہ سے بچالیا یہاں تک کہ تم ماسواے دُور رہنے والے ہوگے حالانکہ وہ تمہارے رُسوا کرنے کی قدرت بھی رکھتا ہے کہ تمہیں ذرہ برابر بھی معاف نہ کرے جبکہ تم اُس کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہو اس لیے کہ انسان فطرۃً ظلم کرنے والا اور ناشکرا ہے (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ **اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ** بیشک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں سے کفر کرتے ہیں یعنی رسل کے کفر کرنے پر انہیں مذہب مجبور کرتا ہے اور اُن پر اُن کی یہی رائے پختہ ہو چکی ہے نہ یہ کہ وہ اُن سے اس کفر کی تصریح کرتے ہیں چنانچہ اس طرف اشارہ ہے کہ **وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ** اور ارادہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے مابین فرق ہو، یعنی اللہ تعالیٰ کو تو مانتے ہیں لیکن اُس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں ۔ لیکن ایسا صراحۃً نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کو تو ظاہر کریں اور رسولوں سے کھُلّم کھلّا انکار کریں بلکہ بطریق التزام کے اُن سے ایسے ظاہر ہوتا ہے، چنانچہ فرمایا **وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَکْفُرُ بِبَعْضٍ** اور کہتے ہیں کہ ہم بعض رسولوں پر ایمان لاتے اور بعض سے انکار کرتے ہیں جیسے یہودیوں نے کہا کہ ہم موسیٰ علیہ السلام اور توراۃ اور عزیر علیہ السلام کو مانتے ہیں ان کے ماسوا کسی کو نہیں مانتے یہی کفر باللہ ورسلہ ہے اور اس کو تفریق باللہ والرسل کہا جاتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا فرض فرمایا ہے کیونکہ ہر نبی اور پیغمبر علیہ السلام نے ہمارے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی اپنی اُمت کے حق ہونے کی خبر دی ۔

marfat.ocm

مسئلہ : کسی ایک نبی (علیہ السلام) کو نہ ماننا تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو نہ ماننے کے برابر ہے بلکہ خود اللہ تعالیٰ کو نہ ماننے کے مترادف ہے اس لیے کہ ان سب کو فرداً فرداً ماننا فرض ہے۔

وَيُرِيْدُوْنَ اور وہ اپنی اس بات سے ارادہ رکھتے ہیں کہ **اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا** وہ اس کے مابین یعنی ایمان و کفر کے درمیان میں کوئی راستہ بنالیں۔ یاد رہے کہ سبیلا سے مراد سبب ہے نہ کہ حق و باطل کے درمیان کوئی واسطہ، اس لیے کہ حق ایک ایسی حقیقت ہے کہ اس میں مختلف ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

مسئلہ : اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی تکمیل کا دارومدار رسل کرام علیہم السلام پر ایمان لانے اور اُن کی تصدیق کرنے پر ہے کہ انہوں نے احکامِ الٰہی مخلوقِ خدا کو پہنچا دیئے اجمالاً بھی تفصیلاً بھی۔

مسئلہ : انبیاء علیہم السلام میں بعض سے کفر کرنا سب سے کفر کرنا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

فماذا بعد الحق الا الضلال۔

اُولٰٓئِكَ یہی وہ لوگ ہیں جن کے اوصاف مذکورہ قبیحہ ہیں **هُمُ الْكٰفِرُوْنَ** یہی پورے کافر ہیں، اگرچہ وہ اپنے آپ کو اہلِ حق سمجھتے اور مومن ہونے کے مدعی ہیں یہ سب بیکار ہے **حَقًّا** یقیناً، یہ مصدر ہے اور سابقہ جملہ کے مضمون کی تاکید کے لیے ہے یعنی یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ وہ یقیناً کفر میں یکتا ہیں یا یہ کافرین کے کفر کی صفت ہے یعنی جنہوں نے کفر کیا تو یقین مانو کہ واقعی انہوں نے کفر کیا اس میں کسی قسم کا شک نہیں **وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا** اور ہم نے کافرین کو رسوائی میں ڈالنے والا عذاب تیار کیا ہے جسے وہ عنقریب چکھیں گے جب اُن پر نازل ہو گا اس میں وہ دائمی طور پر ذلیل و خوار ہوں گے۔

ربط : کفار کی وعید بیان کرنے کے بعد اب مومنین سے وعدہ کا بیان فرمایا کہ **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ** اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور ان میں سے کسی ایک کے مابین فرق نہیں کرتے کہ بعض کو مانیں اور بعض کو نہ مانیں، جیسے کافروں کا طریقہ ہے۔

سوال : بین کے لفظ کو احد پر کیوں داخل کیا گیا۔

جواب : احد کے عموم میں تاکید مطلوب ہے قاعدہ ہے کہ جب وہ نفی میں واقع ہو تو اس سے علی الاطلاق عموم مراد ہوتا ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ وہ نہ دو کے درمیان فرق کرتے ہیں اور نہ بہت میں۔ یعنی وہ سب کو مانتے ہیں۔ **اُولٰٓئِكَ** یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کی بہت بڑی تعریفیں مذکور ہوئیں **سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ** عنقریب انہیں اللہ تعالیٰ عنایت فرمائے گا **اُجُوْرَهُمْ** ان کے ثواب جو اُن سے وعدہ فرمایا۔

marfat.ocm

سوال : اللہ نے ثواب کو اجور سے کیوں تعبیر فرمایا ہے؟

جواب : جو لوگ جس ثواب کے مستحق ہوئے ہیں وہ بمنزلہ اجر کے ہے کہ انہیں اعمال کا بدلہ اور عوض نصیب ہوا ہے اور لفظ (سوف) اللہ تعالیٰ کے دئے ہوئے وعدہ کی تاکید ہے یعنی وہی وعدہ کہ جو عمل کیے ہیں ان کا اجر و ثواب عطا فرمائیگا نیز یہ بھی انہیں یقینی ہو جائے کہ جو وعدہ کیا گیا وہ ہو کر رہے گا اگرچہ دیر سے ہی وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے اُن کی زیادتیوں کو جو اُن سے سرزد ہوئیں رَّحِيْمًا ان پر بڑی مہربانی کرنے والا ہے کہ اُن کی نیکیوں پر انہیں کئی گنا زیادہ ثواب عطا فرمائے گا۔

مسئلہ : آیت سے معلوم ہوا کہ انسان اپنے خیال پر اپنے آپ کو مومن کہتا ہے ضروری نہیں کہ وہ اس اپنے خیال پر مومن بھی ہو بلکہ مومن بننے کے لیے چند شرائط ہیں۔ اگر وہ کسی کو حاصل ہوں پھر ان کا نتیجہ بھی اُسے نصیب ہو تو پھر سمجھو کہ وُہ مومن ہے۔ منجملہ ایمان کے نتائج سے ایک یہ ہے جو آیت ثانیہ میں مذکور ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں تفریق نہ کی جائے یعنی بعض کو ماننے اور بعض کو نہ ماننے، اور انہی نتائج سے قبولیت منجانب اللہ تعالیٰ ہے کہ قبول کرے یا نہ کرے نیز یہ بھی ایمان کے نتائج میں شامل ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ جزا بھی عطا فرمائے۔

ف : جو ازلی نور کے چھینٹے سے محروم رہا وہی تا قیامت حقیقی کفر میں مبتلا رہے گا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر میں حقاً فرمایا ہے اور جسے اس ازلی نور کے چھینٹے سے نصیب ہوا تو وہی حقیقی مومن ہے یہی وجہ ہے کہ کافر کو ایمانی باتیں بے سُود ہیں، نہ ہی وہ مومن کے ایمان کو نقصان پہنچا سکتے ہیں: حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

قضا کشتی آنجا کہ خواہد برد
وگر ناخدا جامہ بر تن زند

ترجمہ : قضائے الٰہی جہاں چاہتی ہے کشتی کو لے جاتی ہے اگرچہ اس کے خلاف کشتی بان کپڑے پھاڑ ڈالے۔

حکایت ایک نوجوان نہایت حسین و جمیل تھا اس کا حلقۂ احباب بھی وسیع تھا اور تمام کے تمام کھاتے پیتے اور لذت اور عیش و عشرت میں یکتا تھے درہم و دینار کی کچھ پروا نہ تھی۔ ایک دن سب نے یہ ٹھانی کہ کل کہیں ڈاکہ ڈالیں، ایک راستہ میں بیٹھ گئے۔ تین دن متواتر انتظار کرتے رہے نہ کوئی قافلہ آیا نہ وُہ ڈاکہ ڈال سکے۔ اس نوجوان سے ایک بوڑھا ملا اور اس نوجوان سے فرمایا: اے عزیز! ڈاکہ زنی تیرے شایانِ شان نہیں، اللہ تعالیٰ سے استغفار کر اور اس بُرے فعل سے توبہ کر کے میرے ہاں آجا' میں جامع سید بخاری شہر بروسہ میں رہتا ہوں اگر مجھے ملنا چاہو تو میں وہاں جامع مسجد میں قرآن پڑھ رہا ہوں گا۔ بوڑھے بابے کا کلام پُرتاثیر تھا

marfat.ocm

اس لیے اس نوجوان پر اثر کر گیا۔ اس نوجوان نے اپنے احباب سے مشورہ کیا کہ شہر بروسہ میں چلیں وہاں بڑے تاجر رہتے ہیں ان میں سے کسی کو لوٹ کر اپنا مقصد پورا کریں گے۔ اس نوجوان کا مشورہ اس کے تمام ساتھیوں نے قبول کر لیا اور بروسہ کی طرف چل پڑے۔ جب وہاں پہنچے تو اس نوجوان نے کہا پہلے جامع مسجد بخاری میں چلیں وہاں نماز پڑھیں اور اپنی کامیابی کے لیے دعا مانگیں۔ جب جامع مسجد پہنچے تو دیکھا وہی بوڑھا بابا قرآن مجید پڑھ رہا ہے۔ وہ نوجوان بوڑھے بابا کو دیکھتے ہی اس کے قدموں پر گر پڑا اور تائب ہو کر ان کے ہاں رہنے لگا۔ دو سال اس کے پاس رہا۔ اس کے بعد اس بوڑھے نے اس نوجوان کو شیخ شمس الدین رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھیج دیا۔ انہوں نے اس کی بہترین تربیت کر کے اسے کامل مومن بنا دیا جبکہ پہلے وہ فاسق و فاجر اور ڈاکو تھا۔

سبق : اس سے معلوم ہوا کہ اعمال کا دارومدار خاتمے پر ہے لیکن یہ سب کچھ اس کریم کی عنایت پر موقوف ہے جس کے لیے جیسے چاہے جس قدر چاہے۔ اے اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت یافتہ لوگوں سے بنا آمین یا معین۔

تفسیر صوفیانہ

ایمان اور توحید ہی اصل الاصول ہیں وہ اگرچہ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک گھٹتا بڑھتا نہیں۔ لیکن اس کا نور طاعت سے بڑھتا اور گناہوں سے گھٹتا ہے۔ سالک پر لازم ہے کہ وہ احکامِ شریعت اور آدابِ طریقت کی نگہداشت کرے تاکہ اس کی روحانیت کو ترو تازگی نصیب ہو۔ انوار طاعات روحانیت کی غذا ہیں جیسے جسم کو غذا کی ضرورت پڑتی ہے ایسے ہی روحانیت کو بھی نورِ توحید اور ذکرِ الٰہی کی ضرورت ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بڑا ہے اور یہی عمدہ ترین عمل ہے اور باطن کی طہارت اور صفائی اسی سے حاصل ہوتی ہے۔ حضرت جنید سید الطائفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہر ایک شے کے علیحدہ علیحدہ آداب ہیں اور نورِ الٰہیہ کا ادب طہارۃ القلب میں ہے۔ اور ظاہر کے آداب اعضاء کو گناہوں سے پاک کرنا ضروری ہے۔ سالک کے لیے لازم و لابد ہے کہ وہ شرور سے دور رہے اور اللہ تعالیٰ مالک و غفور پر ایمان لائے تاکہ دارِ حضور میں دائمی سرور اور کامل اجر نصیب ہوگا۔

صائب۔ نے فرمایا، ؎

از زاہداں خشک رسائی طمع مدار
سیل ضعیف و اصل دریا نمی شود

سبق : طریقِ حق میں عشق کا ہونا ضروری ہے تاکہ طالبِ حق کو رازِ مطلق تک رسائی نصیب ہو اور خیالی باتیں بیکار ہیں کشتی خشکی پر نہیں چل سکتی ایسے ہی عشق کے بغیر رازِ مطلق کا حصول مشکل ہے ایسے ہی حضرت بی بی رابعہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔

marfat.ocm

عشق کیا ہے یہ غور سے سنیئے۔ عشق کی دو قسمیں ہیں، ایک ازلی ایک عطائی۔ پھر ہر دو کی دو دو قسمیں، ایک محمود ایک مذموم۔ ازلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت مولوی غلام رسول صاحب کوٹلہ عالم پوری نے فرمایا:

ؔ عشق کرم دا قطرہ ازلی تیں میں دے وس ناہیں
اِکناں لبھدیاں عمر گزاری اِکناں دی وچ راہیں

اسد مرزا غالب نے بھی یہی کہا: ؎

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

اور عطائی عشق کے متعلق حضرت ڈاکٹر اقبال نے فرمایا: ؎

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ شیخ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسمٰعیل کو آدابِ فرزندی

یہ عشق بزرگوں کی نظرِ کرم سے ملتا ہے اور نظرِ قہر سے عشق مذموم، جیسا کہ شیخ صنعان کو جس نے بواسطہ یہ سرکار غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بے ادبی سے پیدا ہوا پھر انہی کی نظرِ کرم سے دفع ہو گیا۔

marfat.ocm

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ
اے محبوب اہل کتاب تم سے سوال کرتے ہیں کہ ان پر آسمان سے ایک کتاب اتار دو
فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰۤى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ
تو وہ تو موسیٰ سے اس سے بھی بڑا سوال کر چکے کہ بولے ہمیں اللہ کو علانیہ دکھا دو تو انہیں کڑک نے آ لیا ان کے گناہوں
الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ
پھر بچھڑا لے بیٹھے بعد اس کے کہ روشن آیتیں ان کے پاس آچکیں تو
فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ
ہم نے یہ معاف فرما دیا اور ہم نے موسیٰ کو روشن غلبہ دیا پھر ہم نے ان پر طور کو اونچا کیا
بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِى
ان سے عہد لینے کو اور ان سے فرمایا کہ دروازے میں سجدہ کرتے داخل ہو اور ان سے فرمایا کہ ہفتہ میں حد سے
السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ
نہ بڑھو اور ہم نے ان سے گاڑھا عہد لیا تو ان کی کیسی بد عہدیوں کے سبب ہم نے
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۚ بَلْ طَبَعَ
ان پر لعنت کی اور اس لیے کہ وہ آیات الٰہی کے منکر ہوئے اور انبیاء کو ناحق شہید کرتے اور ان کے اس کہنے
اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵۵﴾ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى
پر کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں بلکہ اللہ نے ان کے کفر کے سبب ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے تو ایمان نہیں لاتے مگر تھوڑے اور اس لیے
مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿۱۵۶﴾ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ
کہ انہوں نے کفر کیا اور مریم پر بڑا بہتان اٹھایا اور ان کے اس کہنے پر کہ ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول کو شہید کیا
اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ
اور ہے یہ کہ انہوں نے نہ اسے قتل کیا اور نہ اسے سولی دی بلکہ ان کیلئے اس کی شبیہ کا ایک بنا دیا گیا اور وہ جو اس کے بارہ
لَفِىْ شَكٍّ مِّنْهُ ۚ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ
میں اختلاف کر رہے ہیں ضرور اس کی طرف سے شبہہ میں پڑے ہوئے ہیں انہیں اس کی کچھ بھی خبر نہیں مگر یہی گمان کی پیروی
يَقِيْنًا ﴿۱۵۷﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۵۸﴾ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ
اور بیشک انہوں نے اس کو قتل نہ کیا بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ غالب حکمت والا ہے کوئی کتابی ایسا نہیں جو اس
الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿۱۵۹﴾
کی موت سے پہلے اس پر ایمان نہ لائے اور قیامت کے دن وہ ان پر گواہ ہوگا

marfat.ocm

مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ
ں کے بڑے ظلم کے سبب ہم نے وہ بعض ستھری چیزیں کہ ان کیلئے حلال تھیں ان پر حرام فرمادیں اور
سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿١٦٠﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ
وں نے بہتوں کو اللہ کی راہ سے روکا اور اس لیے کہ وہ سود لیتے حالانکہ وہ اس سے منع کیے گئے تھے اور
بِالْبَاطِلِ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٦١﴾ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ
ل ناحق کھا جاتے اور ان میں جو کافر ہوئے ہم نے ان کیلئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ہاں جو ان میں
الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ
پکے اور ایمان والے ہیں وہ ایمان لاتے ہیں اس پر جو اے محبوب تمہاری طرف اترا اور جو تم سے پہلے اترا
ن قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ
اور نماز قائم رکھنے والے اور زکوٰۃ دینے والے اور اللہ اور قیامت پر ایمان
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١٦٢﴾ ع
لانے والے ایسوں کو عنقریب ہم بڑا ثواب دیں گے

تفسیر عالمانہ

يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ

آپ سے اہل کتاب سوال کرتے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے کتاب لائیں۔

شانِ نزول

یہ آیت یہودیوں کے علماء کے حق میں نازل ہوئی جبکہ انہوں نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ آپ ہمارے لیے آسمان سے کتاب لائیں جیسے موسٰے علیہ السلام آسمان سے کتاب لائے تھے۔ بعض نے کہا کہ ان کا مطالبہ یہ تھا کہ جو تختیوں پر آسمانی خط سے لکھا ہوا ہو جیسے توراۃ تھی ایسے ہی آپ کتاب لائیے اس پر یہ آیت اتری فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ پس بیشک انہوں نے موسٰی علیہ السلام سے اس سے بھی بھاری سوال کیا تھا۔ یہ شرط مقدر کا جواب ہے یعنی اگر آپ اُن کے سوال کو بُرا سمجھ رہے ہیں حالانکہ حضرت موسٰی علیہ السلام سے اُن کی اُمت نے بہت بڑا سوال کیا تھا۔

سوال: یہ سوال تو موجودہ یہودیوں کے اسلاف نے کیا تھا تو پھر موجودہ یہودیوں کو زجر و توبیخ کیوں؟

جواب: چونکہ یہ اپنے اس کارنامے پر راضی تھے اور ان کی اقتداء میں کوشاں رہتے۔ جو کچھ انہوں نے عمل کیے ان پر عمل کرنے کی کوشش کرتے اور جو کام انہوں نے نہ کیے ان سے دور رہتے اس لیے اس سوال کا اسناد اُن کی طرف کیا۔

marfat.ocm

اب معنیٰ یہ ہوا کہ انہیں ایسے سوالات میں خصوصی شغف ہے اور ان کا یہ پہلا سوال نہیں بلکہ اس بُری عادت کے پُرانے عادی ہیں۔

فَقَالُوْٓا پس انہوں نے کہا۔ یہ فاء تفسیریہ ہے **اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً** ہمیں اپنا خدا کُھلم کُھلا دکھا۔ جہر در اصل حاسۂ سمع کے لیے آواز کے ظہور کو کہتے ہیں پھر بطور استعارہ حاسۂ بصر کے لیے ظہورِ مرئی کو کہا جاتا ہے اور اس کا منصوب ہونا علی المصدریہ (مفعول مطلق کے طور) ہے اس لیے معائنہ بھی رؤیت کی ایک قسم ہے۔

ف : یہ سائلین وہ ستّر نقباء تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے انہوں نے پہاڑ پر یہ سوال کیا، جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوئے تو انہوں نے سوال کر دیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو ایسے کھلم کھلا دیکھنا چاہتے ہیں جیسا کہ دنیا میں دیگر اشیاء کو آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ پس انہیں صاعقہ نے گھیر لیا۔ صاعقہ وہ آگ ہے جو آسمان سے اُتر کر ان کو جلا گئی **بِظُلْمِهِمْ** اُن کے ظلم کی وجہ سے، یعنی بسبب اُن کے ظلم کے۔ وہ یہ کہ سرکشی کر کے ایسا سوال کر دیا جو اُن کے حال کی مناسبت سے قطعاً محال تھا۔

مسئلہ : اس سے مطلقاً رؤیت باری تعالیٰ کا امتناع ثابت نہیں ہوتا۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ **ارنا اللّٰه جهرة** الخ سے ان کا یہ مطالبہ نہ تو بطریقِ تعظیم کے تھا اور نہ ہی بوجہ تصدیق کے اور نہ ہی اشتیاق کے اور نہ ہی حق تعالیٰ کی جُدائی کے درد سے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہجر و فراق کی وجہ سے عرض کیا تھا :

رب ارنی انظر الیك۔

لن ترانی کا جواب سُن کر موسیٰ علیہ السلام کا بیہوش ہو جانا اسی قبیل سے تھا اور وہ بھی قوم کی نحوست کی وجہ سے اُن کی گستاخی اور بے ادبی کا ایک نشان یہی سوال تھا کہ جب وہ اپنے نبی علیہ السلام کی کیفیت دیکھ چکے تھے کہ دیدارِ الٰہی کی تاب نہ لا کر بیہوش ہو گئے تھے تو پھر دیدارِ الٰہی کا سوال کر دیا ورنہ اس سے ان کے لیے نصیحت تھی کہ سوال اِن کے لیے بے سُود ہے۔ نیک بخت وہ ہوتا ہے جو دوسرے کی کیفیت سے نصیحت پکڑے۔ انہوں نے ہٹ دھرمی کی اور سوال کر ہی دیا کہ جس سے انہیں ازلی بدبختی نے آگھیرا اور ان کے اس ظلم سے انہیں صاعقہ نے آدبوچا جبکہ وہ اس عہدہ کے اہل نہ تھے لیکن طمع کر بیٹھے کہ ہمیں دیدار کی باریابی سے عزت و عظمت نصیب ہو، اور جو

marfat.ocm

طبعی طور پر کفر ہی پر پیدا ہوا ہو اُسے اگرچہ کھلم کھلا زیارتِ الٰہی نصیب ہو جائے تب بھی وہ کافر ہی[1] رہے گا اور جو طبعی طور پر مومن پیدا ہوا ہے اُسے زیارتِ الٰہی [illegible] نصیب ہوئے ہوں تو وہ اپنے نبی علیہ السلام پر ایمان لائے گا۔ اگرچہ اُن کی زیارت سے مشرف نہ ہوا ہو اور نہ ہی کتابِ الٰہی پڑھ سکا ہو اور معجزہ تو دیکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، جیسے سیدنا صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بلا تامل کہہ دیا،

اٰمنت وصدقت۔

اسی طرح ہمارے شیخ الشیوخ سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ کا حال ہے کہ انہوں نے حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت بھی نہ کی اور نہ ہی کوئی معجزہ دیکھا لیکن ایمان لائے اور عاشق ایسے کہ جن کی نظیر مل ہی نہیں سکتی۔

تفسیر عالمانہ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ پھر انہوں نے بچھڑے کو بنایا خدا، یعنی اس کی پرستش کی اور اسے معبود بنا لیا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بعد اُس کے کہ اُن کے پاس معجزات آئے یعنی وہ معجزات جو فرعون کے لیے ظاہر کیے گئے جیسے عصائے موسیٰ اور یدِ بیضا اور دریا کا پھٹ جانا وغیرہ وغیرہ نہ کہ توراۃ اس لیے کہ وہ اس وقت ابھی نازل نہیں ہوئی تھی یہ ان کی دوسری غلطی ہے جو ان کے آباء سے سرزد ہوئی فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ پس ہم نے اس سے معاف کر دیا۔ یعنی ہم نے ان کی توبہ کے بعد انہیں معاف کر دیا اگرچہ ان کا گناہ اور جرم بہت بڑا تھا باوجودیکہ وہ اس لائق تھے کہ ہم ان کی جڑیں کاٹ دیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس میں انہیں توبہ کرنے کا موقعہ دیا گیا ہے۔ گویا یوں کہا گیا ہے کہ ان لوگوں نے بہت بڑا جرم کر کے توبہ کر لی پھر ہم نے انہیں معاف کر دیا تم بھی توبہ کرو تاکہ ہم تمہیں معاف کر دیں۔

مسئلہ: آیت میں اللہ تعالیٰ کی وسعتِ رحمت کی طرف اشارہ ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس کی مغفرت کا کوئی کنارہ نہیں اور اس کی نعمتوں اور احسانات کا کوئی شمار نہیں۔ کسی کا کوئی گناہ اس کی مغفرت کو روک نہیں سکتا۔

مسئلہ: اس میں بندوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامیدی سے روکا گیا ہے۔

وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو بیّن دلیل عطا فرمائی یعنی انہیں کفار پر تسلط اور بہت بڑا اور کھلم کھلا غلبہ عنایت فرمایا کہ ان کی توبہ کی قبولیت کی خاطر انھیں اپنے آپ کو قتل کرنے کا حکم دیا اس کے بعد وہ اپنے گھروں کے صحنوں میں چھپ رہے تھے اور اس پر تلواریں برس رہی تھیں۔ اُس سے اور بہت بڑا غلبہ اور کیا ہوگا وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ اور ہم

---

[1] خرِ عیسیٰ اگر بمکہ رود چوں باز آید ہنوز خر باشد کی مثال ہے۔ اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

نے ان کے اوپر ان کے وعدہ پر (طُور) پہاڑ اٹھا لیا یہ بار سببیہ ہے اور رَفَعْنَا کے متعلق ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ چونکہ انہوں نے دین قبول کر کے اس پر پختہ رہنے کا وعدہ کر لیا اس لیے ہم نے پہاڑ اٹھا لیا۔

رفعِ طُور کا واقعہ

مروی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے پاس تورات لائے تو انہوں نے اس میں بہت مشکل سے مشکل مسائل دیکھے تو انہیں ناگوار گزرا تو توراۃ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ پہاڑ اٹھا کر ان کے سروں پر کھڑا کر دیں۔ اس پر انہوں نے کہا ہم موسیٰ علیہ السلام کے دین کو قبول کرتے ہیں۔ ان کے اس وعدہ پر اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ اب یہ پہاڑ اُن سے ہٹا لو۔ اس کے بعد وہ پہاڑ اُن سے ہٹ گیا۔

وَقُلْنَا لَهُمُ اور ہم نے انہیں کہا یعنی موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا جبکہ ابھی پہاڑ ان کے سروں پر تھا اُدْخُلُوا الْبَابَ دروازہ میں داخل ہو جاؤ یعنی بستی کے دروازہ میں۔ اس سے اریحا کی بستی مراد ہے۔

بستی میں داخلہ کا قصہ

مروی ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں اریحا میں یا اس قبہ میں داخل ہوئے جس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے لیکن موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بیت المقدس میں داخل نہیں ہوئے تھے۔

سُجَّدًا سجدہ کرتے ہوئے، یعنی مطمئن ہو کر اور سر جھکا کر اس شکرگزاری میں کہ انھیں جنگل میں بھٹکنے سے بچا لیا۔ پھر داخل تو ہوئے لیکن چوتڑوں پر گھسیٹ مار کر اور جس کا انہیں حکم ہوا تھا اس کے برعکس کہتے وَقُلْنَا لَهُمْ اور ہم نے انہیں داؤد علیہ السلام کی زبان سے فرمایا لَا تَعْدُوْا کہ مچھلی کا شکار کر کے حد سے نہ بڑھو۔ لا تعدوا کی گردان یوں ہوگی عدا یعدو عدوا وعدا وعدوانا بمعنے ظَلَمَ وجاوز الحدّ بمعنے ظلم کیا اور حد سے تجاوز کیا۔ لا تعدوا در اصل لا تعدووا (دو واؤ کے ساتھ) پہلی واؤ لام کلمہ کی ہے اور دوسری واؤ فاعل کی ضمیر ہے۔ قانون صرفی جاری کرنے کے بعد بر وزن یَعفُوا بجا فِي السَّبْتِ ہفتہ کے دن میں اس لیے کہ ہفتہ کا دن عبادت کے لیے مخصوص تھا لیکن بعض بدبخت عبادت ترک کر کے مچھلی کے شکار میں مصروف ہو گئے وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ اور ہم نے ان سے لیا یعنی جس پر انہیں مکلّف بنایا گیا تو ان سے فرمانبرداری کا مِيْثَاقًا غَلِيْظًا مضبوط اور سخت وعدہ لیا، اُن کا وعدہ یہ تھا سَمِعْنَا و اَطَعْنَا۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اُن سے یُوں وعدہ لیا گیا کہ اگر انہوں نے دین سے روگردانی کی تو انہیں اللہ تعالیٰ جیسے چاہے گا عذاب میں مبتلا کرے گا فَبِمَا اس میں لفظ ما تاکید کے لیے زائدہ ہے نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ پس ان کے وعدہ توڑنے کی وجہ سے ہم نے بھی ان سے کیا جو کرنا تھا یعنی لعنت اور مسخ اور دیگر وہ سزائیں جن میں انھیں مبتلا کیا گیا۔ اسی طرح ان کے پسماندگان کی سزائیں۔ فبما کی بار، فعل محذوف سے متعلق ہے وَبِكُفْرِهِمْ

marfat.ocm

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اور ان کے آیات اللہ سے کفر کی وجہ سے۔

ف : آیات اللہ سے قرآن مجید مراد ہے جو کچھ ان کی کتابوں کے احکام تھے اور وہ کتابیں جو ان کے ہاں موجود تھیں۔

وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ اور اُن کا انبیاء علیہم السلام کو ناحق شہید کرنے کی وجہ سے جیسے انہوں نے حضرت زکریا اور یحییٰ علیہما السلام کو شہید کر ڈالا **وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ** اور ان کا کہنا کہ ہمارے قلوب پردوں میں ہیں غُلف اغلف کی جمع ہے یعنی وہ دل جبلی طور پر پردوں سے ڈھانپے گئے ہیں۔ حضور نبی پاک حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جتنے احکام لائے ہیں اُن پر اثر انداز نہیں ہوتے اور نہ ہی وہ ان کے ارشادات کو سمجھتے ہیں۔ یا وہ غُلُف بضم الغین سے مخفف ہے اور غلاف کی جمع ہے یعنی ہمارے قلوب علوم کے وسیع برتن ہیں اُن کے اندر علوم کی اتنی فراوانی ہے کہ انہیں غیر کے علم کی حاجت نہیں **بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ** بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے یہ کلام معطوف و معطوف علیہ کے درمیان بطور جملہ معترضہ کے ہے علی وجہ الاستطراد، یعنی ان کے ظن فاسد کی تردید کے لیے لایا گیا ہے کہ اُن کا کفر اور ان کے دلوں پر حق کا نہ پہنچنا اس لیے نہیں کہ اُن کے دل محفوظ ہیں بلکہ معاملہ برعکس ہے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مُہر لگائی ہے **فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا** پس ایمان نہیں لائیں گے مگر تھوڑے، جیسے عبداللہ بن سلام اور ان جیسے اور، یا اُن کا ایمان لانا تھوڑی باتوں پر ہے اس لیے ان کا ایمان لانا غیر معتبر ہے کیونکہ ان کا ایمان ناقص ہے جبکہ وہ بعض رسولوں اور بعض کتابوں پر ایمان لاتے ہیں اور بعض سے انکار کرتے ہیں یا یہ کہ ان کے غیر معتبر ہونے کی وجہ سے اس لائق نہیں کہ انہیں مومن کہا جائے بلکہ وُہ تو یقیناً کافر ہیں۔

مسئلہ : عہد توڑنا خالق کی ناراضگی کا سبب ہے۔

سبق : مومن کے لیے ضروری ہے کہ عہد و میثاق کے احکام کی پابندی کرے تاکہ بلاؤں سے بچ جائے۔

حدیث شریف : حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اے مہاجرین حضرات! پانچ عادتیں ہیں جب تم ان میں مبتلا ہو جاؤ اور میں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہُوں کہ تم انہیں نہ پا سکو:

(۱) فاحشہ (زنا) جس قوم میں عام ہو کر کھلم کھلا ہو جائے تو وہ طاعون اور ایسے مصائب میں مبتلا ہو جائینگے کہ اُن کے اسلاف نے نہ سُنے ہوں گے اور نہ دیکھے ہوں گے۔

(۲) کم تولنا اور کم بھرنا جس قوم کی عادت ہو جائے وہ تنگ دستی اور پریشان حالی میں مبتلا ہو جائے گی اور

marfat.ocm

اس پر حاکم ظالم مسلط ہوجائیں گے ۔

(۳) زکوٰۃ نہ دینا جس قوم کی عادت ہو تو آسمان سے بارش بند ہوجاتی ہے ۔ اگر جانور نہ ہوں تو ایک بوند بھی نہ برسے ۔

(۴) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی نافرمانی سے غیر قوم کے دشمن مسلط ہوجاتے ہیں اور اُن سے اُن کے مقبوضہ مال و دولت اور ملک چھین لیں گے ۔

(۵) جس ملک کے حکام اللہ تعالیٰ کے احکام کا اجراء نہ کریں اور ان سے رُوگردانی کریں تو وہ آپس میں لڑ مریں گے ۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

(۱) سوئے لطف بے وفایان ہین مرو ۔ کان پل ویران بود نیکو شنو
(۲) نقض میثاق و عہود از بندگیست ۔ حفظِ ایمان و وفا کا تقیست
(۳) جرعہ بر خاک وفا آنکس کہ ریخت ۔ کے تواند صید دولت زو گریخت

ترجمہ : (۱) بے وفاؤں کے لطف و کرم کی طرف نہ جا کیونکہ یہ پُل ویران ہے اچھی طرح سُن لے ۔

(۲) نقضِ میثاق و عہد نااہل بندوں کا کام ہے ایمان و وفا کی حفاظت پرہیزگاروں کا کام ہے ۔

(۳) خاک وفا پر پانی کا گھونٹ جس نے ڈالا تو پھر اس سے دولت کا شکار نہ بھاگے گا ۔

وَبِكُفْرِهِمْ اور ان کے کفر کی وجہ سے ، اس کا عطف **قولھم** پر ہے یعنی ہم نے یہودیوں کو مختلف سزائیں بسبب فلاں فلاں عمل اور بسبب ان کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کفر کرنے کے بھی ، **وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا** اور ان کا حضرت بی بی مریم علیٰ نبینا وعلیہا السلام پر بہت بڑا بہتان باندھنے کی وجہ سے کہ اُن پر زنا کی تہمت لگائی گئی تھی ۔ **بہتانا** مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ، یہ ایسے ہے جیسے کہا جاتا ہے **قال شعرا** ، یا یہ مفعول مطلق نوعی **جلست جلسۃ** کی طرح ہے اس لیے کہ قول کبھی بہتان ہوتا ہے اور کبھی غیر بہتان **وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ** اور ان کے کہنے کی وجہ سے جبکہ کہا کہ ہم نے حضرت عیسیٰ ابنِ مریم اللہ تعالیٰ کے رسول کو قتل کر دیا

سوال : یہود تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت کے قائل نہیں تھے یہاں پر ان کے مقولے میں عیسیٰ علیہ السلام کو رسول اللہ کیسے کہا گیا ؟

marfat.ocm

جواب: ان کا عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر کے رسول اللہ کہنا استہزاءً تھا۔ جیسا قرآن کریم میں دوسرے مقام پر ہے:

یایھا الذی نزل علیہ الذکر۔

یہ خطاب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کفار نے کیا۔ اس خطاب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو الذی نزل علیہ الذکر سے موصوف کرنا استہزاءً ہے ورنہ جب وہ عیسیٰ علیہ السلام سے سخت بغض و عداوت رکھتے اور انہیں قتل کر دینے کے بہانے تھے تو پھر انہیں رسول اللہ کہنے کا کیا معنےٰ!

سوال: جب ان کا عیسیٰ علیہ السلام کے لیے قتل کا دعویٰ ہی کفر تھا تو پھر قولہم کے اضافہ سے کیا فائدہ۔

جواب: چونکہ وہ اس قول سے بسبب سرور و مفروح تھے اس بنا پر ان کا یہ قول بھی ایک علیحدہ کفر ہوا علاوہ ان کے دعویٰ قتل اور عیسیٰ علیہ السلام سے استہزاء کے۔

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ اور نہ ہی انہیں قتل کیا اور نہ ہی انہیں سُولی پہ چڑھایا لیکن انہیں تشابہ ہُوا کہ نہ معلوم قتل ہونے والے عیسیٰ علیہ السلام تھے یا ان کا اپنا آدمی۔ شُبِّہَ کا اسناد لَھُمْ کی طرف ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے کہا جاتا ہے: خیل الیہ اور لبس علیہ۔

واقعہ قتلِ عیسیٰ اور یہودیوں کا التباس

مروی ہے کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو غلیظ گالیاں دیں۔ مثلاً کہا کہ وہ ساحر اور ابن الساحرہ ہیں (یعنی جادوگر اور جادوگرنی کے بیٹے) اور کہا کہ وہ زانی اور زانیہ کے بیٹے ہیں (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) اس میں گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ ماجدہ پر سخت بہتان باندھا۔ جب عیسیٰ علیہ السلام نے سُنا تو آپ نے ان پر بددعا فرمائی:

> "اے اللہ تعالیٰ! تُو میرا رب ہے اور میں تیری رُوح، اور تُو نے مجھے اپنا کلمہ کہہ کر پیدا فرمایا اور میں ان کے پاس از خود نہیں بلکہ تیرے حکم سے آیا ہُوں۔ اے اللہ! اس پر لعنت فرما جو مجھے اور میری ماں کو گالی دیتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی کہ جن لوگوں نے عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کو گالی دی ان کی شکلیں تبدیل کر دیں کہ بندر اور خنزیر بن بیٹھے۔ جب ان کے سردار یہودا نے یہ کیفیت دیکھی تو اسے اپنے متعلق بھی خطرہ ہوا کہ کہیں اس کی شکل بھی تبدیل نہ ہو جائے۔ تو سب نے اتفاق کیا کہ اب جس طرح بن پڑے ان کا (عیسیٰ علیہ السلام کا) خاتمہ کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جبریل علیہ السلام کو بھیج کر تمام ماجرا سنایا اور فرمایا کہ عنقریب ہم آپ کو آسمان پر اٹھا لیں گے۔ آپ نے اپنے

marfat.ocm

دوستوں سے فرمایا کہ تم میں کون میرا قائم مقام بننا چاہتا ہے تاکہ وہ میرا ہم شکل ہو کر قتل کیا جائے یا سُولی چڑھایا جائے پھر بہشت میں داخل ہو۔ ان میں سے ایک شخص اٹھا اور عرض کی یہ قربانی مَیں دیتا ہُوں۔ چنانچہ وہ شخص عیسٰی علیہ السلام کا ہم شکل ہوگیا۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا گیا اور اس شخص یعنی عیسٰی علیہ السلام کے ہم شکل کو سُولی چڑھا کر اُسے شہید کر دیا۔ بعض نے کہا ایک شخص حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ساتھ منافقت کرتا تھا اُس نے یہودیوں سے کہا کہ اگر تم عیسٰے علیہ السلام کو شہید کرنا چاہتے ہو تو میں تمہیں ان کی بیٹھک دکھاؤں۔ جب وہ لوگ عیسٰی علیہ السلام کے گھر میں داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے عیسٰی علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا اور وہ منافق عیسٰے علیہ السلام کا ہمشکل ہوگیا۔ جب یہودی عیسٰی علیہ السلام کو شہید کرنے کے لیے ان کے گھر کے اندر داخل ہوئے تو عیسٰے علیہ السلام تو آسمان پر اُٹھالیے گئے اور اسی شخص کو جو کہ عیسٰے علیہ السلام کا ہمشکل ہوگیا تھا انہوں نے اُسے قتل کر دیا اس گمان پر کہ شاید یہی عیسٰی علیہ السلام ہیں۔

بعض نے کہا کہ ططیانوس یہودی حضرت عیسٰی علیہ السلام کے گھر داخل ہُوا تاکہ انہیں شہید کرے۔ لیکن جب وہ اندر داخل ہُوا تو عیسٰی علیہ السلام موجود نہ تھے اللہ تعالیٰ نے اُسے عیسٰی علیہ السلام کا ہم شکل بنا دیا۔ جب وہ عیسٰی علیہ السلام کے گھر سے باہر نکلا تو دوسرے یہودیوں نے سمجھا کہ یہی عیسٰے علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے اسے پکڑ کر سُولی پر چڑھا دیا۔

یاد رکھنا چاہئے کہ ایسے خوارق عادات کا دورِ نبوت میں ظاہر ہونا کوئی بڑی بات نہیں۔

ف: بہت سے متکلمین یُوں کہتے ہیں کہ جب یہود نے حضرت عیسٰے علیہ السلام کو شہید کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالےٰ نے انہیں آسمان پر اٹھالیا۔ پھر یہودیوں کے سرداروں کو خیال ہُوا کہ اس طرح سے تو عیسٰے علیہ السلام کے ماننے والے فتنہ برپا کر دینگے کہ وہ کہاں ہیں، اس لیے انہوں نے ایک شخص کو قتل کر کے سُولی پر چڑھا کر اعلان کر دیا کہ ہم نے عیسٰی علیہ السلام کو شہید کر دیا، اور لوگوں نے محض عیسٰے علیہ السلام کا نام سُنا ہوا تھا اس مقتول کی پہچان نہ رکھتے تھے اور وہ خود بھی تنہائی میں رہتے تھے عوام سے روشناس نہیں تھے اس لیے شور برپا ہوا۔ بعض کہتے کہ یہ وہی ہیں بعض کہتے نہیں یہ کوئی اور ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس سے وہ سوال اُٹھ گیا جو کہ کہا جاتا ہے کہ اگر مان لیا جائے کہ عیسٰے علیہ السلام آسمان پر اٹھائے گئے اور کوئی ان کا ہمشکل قتل کیا گیا تو اس طرح سفسطہ (بیوقوفی) کا دروازہ کھل جائیگا کہ ہر شخص دعوٰی کر سکتا ہے کہ جب مثلاً زید کو دیکھ کر کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ زید حقیقی (اصلی) نہیں بلکہ اس کا ہم شکل ہے اس طرح سے نہ کسی کا نکاح ثابت ہو سکتا ہے نہ طلاق، اور نہ ہی دوسرے کاروبار پر اعتبار رہے گا۔

سوال: نصاریٰ اپنے اسلاف سے متواتراً نقل کر کے اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عیسٰے علیہ السلام کو شہید شدہ دیکھا تو پھر اہلِ اسلام کو اُن کے شہید ہونے سے انکار کیوں؟

marfat.ocm

جواب: ہر حدیث کے آخری فرد کی روایت پر دارومدار ہوتا ہے۔ اگر آخری دور بھی تواتر کے نصاب پر پہنچے تو فبہا ورنہ اسے تواتر کہنا بیکار ہے۔ یہاں بھی یہی بات ہے کہ اہلِ کتاب کے آخری دور کے نقل کرنے والے نہایت قلیل ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو شہید شدہ دیکھا۔ اور قاعدہ ہے کہ قلیل افراد کی روایت متواتر نہیں ہو سکتی اس لیے کہ ان میں کذب کا احتمال ہے[1] (اور قاعدہ ہے کہ اذا جاء (دیکھیے حاشیہ صفحہ گزشتہ) ۔ مرزائیہ ہے کہ ان کی سیرت پر ایک آدمی پیدا ہوگا وہ عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال و افعال کے مشابہ ہوگا اور وہ غلام احمد قادیانی ہی ہے (معاذ اللہ)

اس کے برعکس اہلِ اسلام کا عقیدہ ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں اور زندہ ہی آسمان پر اٹھائے گئے ہیں۔ یہ اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔ چنانچہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ "کتاب الاعلام" میں رقمطراز ہیں:

انه یحکم بشرع نبینا ووردت به الاحادیث
وانعقد علیه الاجماع وقد تواتر
الاحادیث بنزول عیسیٰ جسماً الخ

بے شک عیسیٰ علیہ السلام ہمارے نبی علیہ السلام
کی شریعت پاک کے احکام صادر فرمائیں گے
اسی کے مطابق احادیث مبارکہ وارد ہیں اور اس پر اجماع
منعقد ہو گیا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کے زمین پر جسم کے
ساتھ نزول کے عقیدہ کی احادیث متواترہ ہیں۔

اسی طرح تفسیر فتح البیان جلد دوم ص ۳۴۴، تفسیر بیضاوی ج ۲ ص ۸۳، تفسیر زاہدی ص ۳، تفسیر حسینی، تفسیر رؤفی، معالم التنزیل، خلاصۃ التفاسیر اور جلالین وغیرہم میں ہے۔ ان کے علاوہ تمام علمائے دین و فقہائے شرع حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنبلیہ کے بعد حق کو واضح کیا کہ،

بل رفعه الله الیه (بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھا لیا)

بلکہ ان (رحمہم اللہ) کا اتفاق ہے، یہی تمام محدثین نے لکھا۔ چنانچہ امام بخاری و مسلم و نسائی و ترمذی و طبرانی وغیرہ سب اس امر پر متفق ہیں۔ حضرت ابن العربی، جن کے مرزا قادیانی نے متعدد مقامات پر حوالے دیے ہیں فتوحاتِ مکیہ جلد دوم، باب ۷۳، ص ۳ میں لکھتے ہیں:

---

[1] یہ تمام مذاہب صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ نے بیان فرمائے ہیں ہمارے دور میں مرزائی گروہ کا کہنا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں ان کی قبر کشمیر میں ہے۔ فقیر نے ان کے رد میں "القول الفصیح" لکھی ہے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ جن روایات میں عیسیٰ علیہ السلام کی قربِ قیامت میں واپسی کا آنا ہے اس الاحتمال بطل الاستدلال) کذا فی تفسیر الامام الرازی۔

ان عیسٰی علیہ السلام نبی و رسول انہ لاخلاف انہ ینزل فی اٰخر الزمان حکماً مقسطاً عدلاً الخ

بے شک عیسٰی علیہ السلام نبی و رسول ہیں اور اس میں کسی کا خلاف نہیں کہ وہ آخری زمانہ میں حاکم انصاف کنندہ اور عادل ہوں گے،

(امتی بن کر)

اسی طرح تمام صوفیائے کرام، امام شعرانی، سیدنا محی الدین الشیخ عبدالقادر، داتا گنج بخش اور سیدنا معین الدین اجمیری رحمہم اللہ وغیرہم نے اپنی تصانیف و ملفوظات میں بیان فرمایا۔ لیکن بخلاف مرزا قادیانی

وَاِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْهِ اور وہ لوگ جو اس میں یعنی عیسٰے علیہ السلام کے متعلق اختلاف

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲) کہ وہ کہتا ہے کہ "عیسٰی علیہ السلام اپنی طبعی موت مر کر سرینگر (کشمیر) میں مدفون ہیں"۔ فقیر اویسی غفرلہٗ نے اس کے رد میں "القول الفصیح فی قبر المسیح" تحقیقاً لکھی ہے۔

اہلسنت کی دلیل از قرآن

اہلسنت نے اپنی دلیل وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ آیت قرآنی کے اس جملہ سے پیش کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے یہودیوں کے رد میں فرمایا کہ عیسٰے علیہ السلام کو قتل نہیں کیا گیا۔ جبکہ وہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ہم نے عیسٰے علیہ السلام کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ عیسٰی علیہ السلام کو سُولی پر نہیں چڑھایا گیا، جبکہ نصرانیوں کا عقیدہ ہے کہ عیسٰے علیہ السلام کو ان کے گناہ بخشوانے کے لیے تین دن تک سُولی پر لٹکایا گیا۔ اس سے مرزائیوں کا بھی رد ہو گیا کہ قتل اور صَلب (سُولی پہ لٹکانا) جسم عنصری پر ہُوا کرتا ہے نہ کہ رُوح پر۔ اس کے بعد عقیدہ تو واضح کیا کہ "بل رفعہ اللہ الیہ" (بلکہ انھیں اللہ تعالٰی نے اپنی طرف اٹھالیا) اس میں واضح اور بیّن ثبوت ہے کہ قتل و صَلب کی نفی ہے اس کا استدراک 'بل' کے لفظ سے ہے کیونکہ نحوی قاعدہ ہے کہ جس مفہوم کا استدراک لفظ بل سے ہوگا اس کا اثبات لفظ بل کے مابعد کا ہوگا۔ اب معنے یہ ہُوئے کہ عیسٰی علیہ السلام جسم سمیت آسمان پر اٹھالیے گئے۔

مزید برآں جو رفعہ اللہ الیہ واقع ہوا ہے یہ رفع سے مشتق ہے جس کا مطلب ہے "اُونچا کرنا"، اوپر کو اٹھانا۔ چنانچہ سورۃ یوسف میں ہے؛

ورفع ابویہ علی العرش۔ یعنی یوسف علیہ السلام نے اپنے ابوین کو تخت پر اونچا بٹھایا۔

اور سورۃ بقرہ میں ہے؛

ورفعنا فوقکم الطور (اور ہم نے تمہارے اوپر (اے بنی اسرائیل) پہاڑ کو اونچا کیا)

اور حدیث شریف میں ہے؛

marfat.ocm

من رفع حجرا عن الطريق كتب له حسنة۔	جو شخص لوگوں کی تکلیف دُور کرنے کے لیے راستے سے پتھر کو اٹھائے تو اس کے لیے نیکی لکھی جاتی ہے۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے:

من رفع يديه في الركوع فلا صلوٰة له۔	جو شخص اپنا ہاتھ رکوع میں اٹھائے اس کی نماز نہیں۔

(باقی برصفحہ ۲۴)

کہتے ہیں اس لیے کہ اس واقعہ کے بعد لوگوں میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ بعض کہتے کہ اگر یہ مقتول عیسٰے علیہ السلام ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳)

اسی طرح فقہ کی کتابوں میں ہے:

واذا اراد الدخول في الصلوٰة كبر ورفع يديه حذو اذنيه۔	جب نماز میں داخل ہونے کا ارادہ کرے تو اللہ اکبر کہتا ہوا اپنے دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھائے۔

ان قرآنی و احادیثی و فقہی استعمالات سے ثابت ہوا کہ عیسٰی علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا گیا۔

سوال ، مرزائی کہتے ہیں کہ رفعہ اللہ کے معنٰی ہیں کہ اُن کی رُوح کو آسمان پر اٹھایا گیا ، جیسا کہ احادیث میں ہے کہ مرنے کے بعد نیک ارواح کو آسمان پر اٹھایا جاتا ہے ، فلہٰذا اس قاعدہ کے مطابق عیسٰی علیہ السلام کی بھی روح ہی آسمان پر اٹھائی گئی۔

جواب ۱ : پہلے ہم لکھ چکے ہیں کہ وما قتلوه وما صلبوه سے بل رفعه الله کا استدراک ہوا اور بل کے مابعد میں استدراک کے وقت وہی مفہوم ضروری ہے جو لفظ بل کے لیے ماقبل میں ہے۔ چونکہ بل کے ماقبل میں قتل و صلب جسم کے متعلق نفی ہے اس لیے لازم ہے کہ بل کے بعد میں بھی جسم کے رفع کا اثبات ہو ورنہ قرآنی فصاحت و بلاغت پر حرف آتا ہے کہ ماقبل میں جسم کی نفی ہے لیکن مابعد میں رُوح کا رفع ہے یہ عرفِ عرب اور قواعدِ نحویہ کے صریحاً خلاف ہے۔

marfat.ocm

جواب ۲: قاعدہ ہے کہ جہاں کہیں مدح و ثنا ہو وہاں اس کا تحقیقی پہلو ضروری ہے۔ اگر یہاں رفع روحانی مراد ہو تو پھر عیسٰے علیہ السلام کی تخصیص کیوں؟ روحانی رفع تو ہر انسان کے لیے ثابت ہے کافر ہو یا مومن، نیک ہو یا بد۔ فرق صرف یہ ہے کہ کافر کی روح رفع کے بعد سجین میں دھکیلی جاتی ہے اور مومن کی علیتین میں۔ فلہذا یقیناً کہنا پڑے گا کہ یہاں چونکہ عیسٰے علیہ السلام کی مدح کا پہلو ہے اسی لیے خصوصیت سے ماننا لازمی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جسم سمیت آسمان پر اٹھایا گیا۔

سوال: تمہارا دعوٰی ہے کہ عیسٰے علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا گیا ہے اور دعوٰی میں کہتے ہیں کہ بل رفعہ اللہ الیہ۔ اس میں دعوٰی دلیل کے ساتھ نہیں، دعوٰی رفع الی السماء کا ہے اور دلیل میں رفع اللہ ہے، اور علم مناظرہ کا قاعدہ ہے کہ دعوٰی دلیل کے مطابق ہو۔

تو ہمارا آدمی کہاں گیا اور اگر یہی ہمارا آدمی ہے تو عیسٰے علیہ السلام کہاں گئے۔ بعض نے کہا کہ اس مقتول کا چہرہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳)

جواب ۱: مرزائیوں کی جہالت پر ہنسی آتی ہے کہ جب جواب نہ بن سکا تو لغو باتیں لکھنے لگ جاتے ہیں کہ اسلام کا یہ مسلّم قاعدہ انہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ جب بھی کسی اہم امر کو اپنی طرف اٹھائے جانے کا حکم فرماتا ہے تو اس سے مراد آسمان ہوتا ہے کہ اس کی رحمت اور فضل و کرم کا مرکز آسمان ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے، الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عمل صالح اور کلمات طیبات کا اپنی طرف اٹھائے جانے کا حکم فرمایا ہے۔ اس میں تمام اہلِ اسلام اور خود مرزائیوں کا عقیدہ ہے کہ سب کے اعمال صالحہ اور کلمۂ طیبہ آسمان پر اٹھائے جاتے ہیں تو جس طرح کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے اعمال صالحہ اور کلمۂ طیبہ کو اپنی طرف اٹھائے جانے کا حکم فرما کر آسمان کا حکم دیا ہے، ایسے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معاملہ ہے۔

جواب ۲: علاوہ ازیں جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے زمین کا معبود ہونا بتایا ہے اسی طرح آسمان کا بھی، کما قال ھو الذی فی السماء الہ و فی الارض لہ۔ اور احادیث میں بھی اہم معاملات میں اللہ تعالیٰ کے لیے آسمان کی طرف منسوب کرنے کے استعمالات وارد ہیں۔

اہلسنت کی دُوسری دلیل

جیسے مذکورہ بالا بیان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر زندہ اٹھائے جانے کی صریح نص موجود ہے ایسے ہی اسے چھٹے پارہ میں اس آیت کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وان من اھل الکتٰب الا لیؤمنن بہ   اور اہل کتاب کا ہر فرد عیسیٰ علیہ السلام کی

قبل موتہ۔ موت سے پہلے ایمان لائے گا۔

اس آیت میں صراحۃً بیان کیا گیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جب آسمان پر تشریف لے گئے اس وقت تمام اہل کتاب یہودی نصرانی سب کے سب ایمان نہیں لاسکے تھے، لیکن جب آسمان سے واپس تشریف لائیں گے تو تمام اہل کتاب یہودی و نصرانی دین محمدی قبول کرلیں گے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل احادیث کی تصریحات ملاحظہ ہوں۔

احادیث

(۱) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والذی نفسی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے قبضۂ قدرت

(باقی برصفحہ ۲۶)

عیسیٰ علیہ السلام کا ہے لیکن اس کا جسم ہمارے آدمی کا ہے اس لیے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام کی شکل اس

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴)

بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکما عدلا فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الجزیۃ ویفیض المال حتی لا یقبلہ احد حتی تکون السجدۃ الواحدۃ خیر من الدنیا وما فیہا ثم یقول ابوھریرۃ فاقرؤا اما شئتم وان من اھل الکتٰب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ۔ (مشکوٰۃ شریف)

میں میری جان ہے کہ ابن مریم تمہارے ہاں زمین پر اتریں گے وہ صاحب عدل ہونگے نصرانیوں کی صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کرینگے اور جزیہ رکھ دیں گے، اس وقت مال بہت ہوگا اسے کوئی قبول نہ کریگا اس وقت کا ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا۔ پھر ابوہریرہ فرماتے چاہے پڑھو وان من اھل الکتٰب الخ جو عیسیٰ علیہ السلام کے وصال سے پہلے ان پر ایمان نہ لائے۔

(۲) عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیسیٰ ابن مریم الی الارض فیتزوج ویولد لہ ویسد خمسا واربعین سنۃ ثم یموت فیدفن معی فی

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام زمین پر اتریں گے پھر نکاح کریں گے اور ان سے اولاد پیدا ہوگی اور زمین پر پینتالیس ۴۵ سال قیام

marfat.ocm

قبری فاقوم انا و عیسٰی ابن مریم فی قبر واحد بین ابی بکر و عمر ۔
(مشکوٰۃ شریف)

فرما کر پھر (طبعی موت) مریں گے اور میرے ساتھ مدفون ہوں گے قیامت میں میں اور عیسٰے (علیہم السلام) ایک قبر میں سے ابوبکر اور عمر کے مابین اٹھیں گے ۔

(۳) عن عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ینزل عیسٰی عند

حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ عیسٰی علیہ السلام آسمان

(باقی بر صفحہ ۲۷)

شخص کو دی گئی تو صرف چہرہ عیسٰے علیہ السلام کی طرح ہوا لیکن باقی بدن ویسے کا ویسا رہا ۔ اور جن لوگوں نے حضرت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶)

صلوٰۃ الفجر انہ اخرجہ ابن ابی شیبۃ واحمد وطبرانی والحاکم وغیرھم ۔

سے زمین پر فجر کی نماز کے وقت اتریں گے اخرجہ ابن ابی شیبہ واحمد وطبرانی والحاکم وغیرہم ۔

(۴) قال علیہ السلام کیف انتم اذا انزل ابن مریم فیکم امامکم منکم ۔
(رواہ البخاری ومسلم)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! کیا حال ہوگا اس وقت جب تمہارے اندر عیسٰے علیہ السلام نازل ہوں گے اور اس وقت تم میں سے تمہارے امام ہونگے ۔
(رواہ البخاری ومسلم)

ان تمام تصریحات کے باوجود اگر کسی کا عقیدہ بگڑا ہے تو اس کا کیا علاج ۔ یاد رہے کہ یہ قادیانی لعین نہ صرف مثل عیسٰی ہونے کا مدعی تھا بلکہ بعد کو اس نے نبوت کا دعوٰی بھی کر دیا ۔ اس کے رد میں مختصر طور پر قرآن حکیم اور حدیث شریف کی روشنی میں چند باتیں عرض کر دی جاتی ہیں ؛

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۔

نہیں ہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم میں سے کسی مرد کے باپ اور لیکن آپ اللہ کے رسول اور تمام نبیوں میں آخری ہیں اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے ۔

marfat.ocm

اس آیۂ مبارکہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو وہ اعزاز عطا فرمایا گیا ہے جو کسی نبی اور رسول کو نہیں ملا تھا اور یہ اعزاز ختم نبوت ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے ہر کمال کو اس وصف ختم نبوت کے پس منظر میں دیکھا جائے تو ہر وصف اپنے کمال پر نظر آئیگا اور معاذ اللہ اگر اسی وصف کو الگ کر دیا جائے تو آپ کے اوصاف کے کمال کی حیثیت ختم ہو کر رہ جائے گی۔ لفظ خاتم دو طرح سے پڑھا جاتا ہے یعنی ت کو فتح کے ساتھ اور کسرہ کے ساتھ۔ معنیٰ دونوں کا ایک ہی ہے یعنی آخری نبی۔ قرآن حکیم میں ایسی متعدد آیات ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کے خاتمے کا اعلان کرتی ہیں۔ آیاتِ قرآنیہ کے

علیہ السلام سے سُنا تھا کہ وہ آسمان پر اٹھائے جائیں گے وہ تو یقین رکھتے تھے کہ وہ آسمان پر اٹھائے گئے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰)

سیدِ دو عالم جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے آخری نبی ہونے پر امت کا اجماع ہے اور اس سلسلے میں بے شمار حدیثیں ہیں جو اس امر کی صراحت کرتی ہیں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی تھے اور ان کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا۔ چند احادیث یہاں نقل کی جاتی ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیثِ شفاعت میں منقول ہے کہ جب لوگ ہر طرف سے ٹھوکریں کھاتے پریشان حال آپ کے پاس آئیں گے تو کہیں گے،

انت رسول اللہ و خاتم الانبیاء و	آپ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم الانبیاء ہیں
قد غفر اللہ لک ما تقدم من ذنبک	اور اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے تمام ذنوب
وما تأخر۔ (بخاری شریف ج ۲ ص ۶۸۵	کو معاف کر دیا ہے۔
ترمذی شریف ص ۳۵۱)	

یعنی ہم سب انبیاء کے پاس سے ہو کر آ گئے کہیں ہماری شنوائی نہیں ہوئی اور آپ آخری نبی ہیں، یہاں بھی دستگیری نہ ہوئی تو پھر کہاں ہو گی!

ابو حازم کہتے ہیں کہ میں ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کے پاس پانچ سال رہا، میں نے آپ سے سنا، فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل کی سیاست کا کام انبیاء کرتے، جب کوئی وفات پاتا تو دوسرا نبی اس کا خلیفہ ہوتا۔ انہ لا نبی بعدی اور خلفاء ہوں گے اور کثرت سے ہوں گے ختم نبوت کے سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی واضح کر دیا کہ لوگ میرے بعد دعویٰ نبوت و رسالت کریں گے لیکن

marfat.ocm

وہ سب جھوٹے ہوں گے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا تقوم الساعة حتی یبعث دجّالون کذّابون قریباً من ثلاثین کلھم یزعم انہ رسول اللہ۔

قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک دجّال کذاب پیدا ہوں گے وہ تقریباً تیس ہوں گے سب کا گمان ہوگا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں (معاذ اللہ)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ثلاثین (تیس) کے الفاظ کی بھی قید نہیں۔

(باقی برصفحہ ۲۹)

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف کرنے والے نصاریٰ تھے انہیں سے بعض نے کہا کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام شہید ہوئے لیکن سُولی نہیں چڑھائے گئے بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمان پر اٹھا لیا۔ اور ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں نے شہید کر ڈالا۔ لیکن فرقہ نسطوریہ کا خیال ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے صرف جسم کو سُولی چڑھایا گیا اور آپ کی ظاہری صورت سے یہ ہوا لیکن بوجہ لاہوت کے یعنی آپ اپنی ذات اور جوہر اور روح کے اعتبار سے شہید نہیں ہوئے اور اکثر حکماء کچھ اور کہتے ہیں لیکن اُن کا خیال اس مذکورہ قول کے قریب ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ انسان صرف اس صورت ظاہری کو نہیں کہا جاتا بلکہ وہ ایک جسم لطیف کا نام ہے جو اسی بدن کے اندر ہے یا وُہ ایک جوہر روحانی ہے اور وہ اپنی ذات کے اعتبار سے مجرد ہے یعنی کسی شے سے وہ مرکب نہیں ہے اور وہی اس بدن کے کارخانہ کو چلاتا ہے اور ظاہر ہے کہ قتل اسی ظاہری بدن کا ہوا۔ باقی رہا عیسیٰ علیہ السلام کا اصلی اور حقیقی جسم، اس پر قتل وارد نہیں ہوا۔

سوال: اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کیا تخصیص ہے اس طرح سے تو ہر انسان کے لیے تقریر کی جا سکتی ہے۔

جواب: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نفس قدسی علوی سماوی نور الٰہی سے منور تھا اور انہیں ارواحِ ملائکہ سے بے حد قرب حاصل تھا۔ جو ایسے نفوس قدسیہ ہوتے ہیں انہیں قتل کا درد و الم محسوس تک نہیں ہوتا اور نہ ہی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انّ بین یدی الساعة کذابین فاحذروھم۔ (مسلم شریف جلد ۲ ص ۱۳ و ۳۱۹)

قیامت سے پہلے بہت سے جھُوٹے نبی پیدا ہوں گے ان سے بچنا۔

سوال : بنی اسرائیل پر تو اللہ کی رحمت (نبوت) مسلسل برستی رہی اور ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا اور مسلسل پے در پے نبی آتے رہے لیکن مسلمان اپنے آپ کو ختم نبوت کے عقیدہ کی وجہ سے خدا کی نعمت سے محروم کر رہے ہیں۔

جواب : بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت کو مکمل نہیں فرمایا تھا بالاقساط نازل ہوتی رہی مگر ہم پر اللہ تعالیٰ نے نعمت کو مکمل فرما دیا اور اپنی نعمتِ کاملہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو عطا فرما دی۔ اب اگر اس کے بعد کسی طرف سے نبی بنانے لگے تو یہ قہرِ خداوندی کو دعوت دینے کے مترادف ہے تو گویا ہم نعمتِ خداوندی سے محروم نہیں بلکہ نعمتِ کاملہ سے مستفید ہونے کے باعث مسرور وشاداں ہیں۔

مسئلہ ختم نبوت اور مرزائیت و قادیانیت کی تفصیل تردید فقیر نے اپنی تفسیر اویسی میں لکھ دی ہے۔ اویسی غفرلہٗ

انسان کا جسم خواب ہوتا ہے وہ ظلمتِ بدن سے جدا ہو کر آسمانوں کی فسحت کی طرف جولانیاں رکھتے ہیں اور عالمِ مثال کے انوار میں ڈوب جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے اُس کی رونق بڑھ جاتی ہے اور سعادت میں اضافہ ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ایسے صفات عام انسانوں کو نصیب نہیں بلکہ ایسے صفات کے حامل بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر تا قیامت چند گنتی کے انسان پیدا ہوئے اور پیدا ہوں گے۔ نصاریٰ کا ایک ملکانیہ فرقہ ہے وہ کہتے ہیں کہ قتل اور سُولی پر چڑھ جانے سے احساس و شعور کے لحاظ سے بھی ان کے لاہوت کو حاصل ہوا، نہ کہ مباشرہ کے اعتبار سے۔ اور یعقوبیہ فرقہ کہتا ہے کہ قتل اور سُولی پر چڑھنا حضرت مسیح علیہ السلام کے اس جوہر پر واقع ہوئے جو دو جوہروں سے متولد ہوئے ہے،

لَفِیْ شَکٍّ مِّنْهُ البتہ ان سے تردد میں تھے۔

ف : شک ایسے امر پر بولا جاتا ہے کہ جس میں دو طرفوں میں سے کسی ایک طرف کو ترجیح نہ ہو۔ اسی طرح مطلق تردد کو بھی کہا جاتا ہے اور شک علم کے بالمقابل ہو کر بھی آتا ہے اس لیے اسے اس جملہ سے مؤکد کیا گیا ہے۔

مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ اُنھیں اس کا کوئی علم نہیں تھا وہ صرف گمان کی اتباع کرتے تھے۔ یہ استثناء منقطع ہے اس لیے کہ اتباعِ ظن جنسِ علم سے نہیں۔ اب معنی یہ ہوا کہ وہ لوگ صرف ظن کی اتباع کرتے تھے وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یقیناً قتل نہیں کیا جیسا کہ ان کا گمان ہے۔ چنانچہ انہوں نے کہا : انا قتلنا المسیح الخ۔ یہاں قتلاً مصدر محذوف ہے یہ یقیناً اس کی صفت ہے اور فعیل بمعنے مفعول ہے یعنی یقین بمعنے متیقن ہے بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ بلکہ انہیں خدا تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھا لیا۔ ان کے قول انا قتلنا المسیح الخ کا رد اور ان کے عقیدے سے انکار ہے بلکہ انہیں آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے اثبات کی دلیل ہے۔

marfat.ocm

سوال : عیسیٰ علیہ السلام آسمان کی طرف اٹھائے گئے لیکن آسمان کی بجائے اللہ تعالیٰ نے اپنا نام کیوں لیا ہے ؟

جواب : حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہاں رفع الی اللہ سے رفع الی السماء مراد ہے ، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت کا مرکز آسمان ہے اور ملائکہ کرام کے ٹھہرنے کا یہی مقام ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا حکم نہیں چلتا جو وہاں پہنچ گیا تو وہ گویا اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچ گیا۔ اس کی نظیر اللہ تعالےٰ کا یہ ارشادِ گرامی ہے : ومن یخرج من بیتہ مہاجراً الی اللہ ۔ اس میں ہجرت کی نسبت اللہ تعالےٰ کی طرف کی گئی ہے حالانکہ مسلمانوں نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی تھی ۔ اسی طرح باری تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا انی ذاھبٌ الیٰ ربی ۔ ان کا رب تعالیٰ کی طرف جانے کا مطلب یہ تھا کہ میں ایسے مقام پہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے جاؤں گا جہاں مجھے اس کی عبادت سے اور کوئی روک نہیں سکے گا ۔

نکتہ : عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے میں ایک حکمت یہ تھی کہ ان کے تشریف لے جانے سے ملائکہ کرام کو برکات وفیوضات نصیب ہوں اس لیے کہ وہ عیسےٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ اور رُوح تھے[1] جیسے آدم علیہ السلام سے انہیں برکات نصیب ہوئے جبکہ انہیں آدم علیہ السلام نے تعلیم الاسماء سے مشرف فرمایا اور قرآن میں ہے کہ عیسےٰ علیہ السلام آدم علیہ السلام کے مثل ہیں ۔ بعض نے کہا کہ عیسےٰ علیہ السلام کے آسمان پہ تشریف لے جانے میں یہ حکمت تھی ان کا دنیا میں تشریف نہ لانا از بابِ شہوت نہ تھا اور نہ ہی اس سے واپس جانا از بابِ موت ہوگا تاکہ اس طرف اشارہ ہو جائے کہ وہ دنیا میں تشریف لائے تو قدرت کا کرشمہ بن کر اور دنیا سے کوچ کریں گے تو بہت بڑی عزت وعظمت کا مظہر بن کر۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا اور ہے اللہ تعالیٰ بہت بڑی عزت والا کہ وہ جو ارادہ کرتا ہے تو کسی سے مغلوب نہیں ہوتا اور یہاں پر عزۃ اللہ سے اس کی کمال وقدرت مراد ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر تشریف لے جانا اگرچہ بشری طاقت کے لیے ناممکن ہے ۔ لیکن قدرتِ ایزدی کے آگے معمولی سی بات ہے کہ اس قادر کو ایسا کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا حَكِيمًا اس کے تمام امور میں بہت بڑی حکمتیں ہوتی ہیں ۔

مسئلہ : ہیں عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جملہ امور وتدابیر اس حکمت کے دائرہ میں بدیہی طور شامل ہیں ۔

اعجوبہ : جب اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا تو انہیں نورانی لباس پہنایا اور نورانی پر عطا فرمائے ۔ ان سے کھانے پینے کے تمام خواہشات منقطع کر لیے اور وہ اس وقت ملائکہ کرام کے ساتھ اُڑتے

---

[1] اسی طرح حضور علیہ السلام کے شب معراج لامکان سے ماوراء تشریف لے جانے میں ایک حکمت یہ تھی کہ وہاں کے ساکنین آپ کے فیوض وبرکات سے سرشار ہوں کیونکہ آپ حبیب اللہ تھے ۔ اویسی غفرلہ

marfat.ocm

سے عرشِ معلیٰ پہنچے۔ اس اعتبار سے وہ انسان بھی تھے فرشتے بھی تھے ارضی بھی اور فلکی بھی۔

ف: حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ تیس سال کے تھے کہ نبوت ملی اور تینتیس سال کے تھے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اٹھایا اس اعتبار سے اس وقت صرف تین سال نبی رہے۔

سوال: اگر کوئی سوال کرے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان سے پھر زمین پر کیوں لوٹایا جائیگا۔

جواب: تاکہ آپ کا نزول قیامت کی علامت بنے اور آپ ولایتِ عامہ کے خاتم ہوں اس لیے کہ آپ کے بعد پھر کوئی ولی نہ ہوگا۔ آپ پر دورۂ محمدیہ کی ولایت ختم ہوگی۔ یہ آپ کی بزرگی اور شرافت کی بنا پر ہوگا، جیسے حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بنایا گیا تو آپ کو خاتم الاولیاء۔

مسئلہ: آپ حضور نبی محمد عربی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی نبوت پر ایمان لانے کے لیے ان سب سے تجدیدِ عہد لائیں گے۔ حضرت امام مہدی اور اصحابِ کہف رحمہ اللہ تعالیٰ آپ کے خدام سے ہوں گے اور آپ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نکاح کرینگے۔ آپ کے بچے بھی پیدا ہوں گے۔ حضور نبی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی اور آپ کی امت کے اولیاء اور وارثین ولایت کے از جہت ولایت خاتم ہونگے۔

ف: حضرت امام سیوطی علیہ الرحمۃ نے تفسیر دُرِ منثور میں سورۂ کہف میں ابن شاہین سے روایت فرمایا کہ چار پیغمبر علیہم السلام زندہ ہیں، دو آسمان میں:

(۱) حضرت عیسےٰ علیہ السلام

(۲) حضرت ادریس علیہ السلام

اور دو زمین پر:

(۱) حضرت خضر علیہ السلام

(۲) حضرت الیاس علیہ السلام

خضر علیہ السلام دو دریاؤں میں رہتے ہیں اور الیاس علیہ السلام جنگلوں میں۔

حضرت امام سخاوی رحمہ اللہ نے فرمایا:

حدیث شریف: میرے بھائی خضر اگر زندہ ہوتے تو میری زیارت کے لیے ضرور تشریف لاتے۔

(یہ حدیث نہیں ہے) یہ ان لوگوں کے اسلاف کا قول ہے جو خضر علیہ السلام کی حیات کے منکر ہیں۔

ف: یہ ارواح جو عقلِ اول سے ہیں سبھی ایک صف میں تھے سب کو اللہ تعالیٰ سے فیض ملا۔ لیکن کسی کے واسطے سے بہت سی ارواح کی صفیں عقل کے واسطہ سے فیض پا رہی تھیں اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

marfat.ocm

انا ابوالارواح وانا من نور اللہ والمؤمنون فیض نوری۔

میں ابوالارواح ہوں، میں اللہ تعالیٰ کے نور سے ہوں اور مومنین میرے نور کے فیض سے ہیں۔

صفت اول میں رُوحِ اول یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیادہ قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ بلکہ عقلِ اول سے حضرت عیسےٰ علیہ السلام ہی مراد ہیں اس لیے عیسیٰ علیہ السلام آسمان کی طرف معراجِ جسمانی میں دونوں شریک ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے زمانۂ اقدس سے انہیں قرب حاصل ہے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام اسمِ اعظم کے مظہر اور مقامِ جمع میں بلا واسطہ حضرت الٰہیہ سے فیض پانے والے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے اسماء سے ایک اسم اور اس کے ارواح سے ایک ہیں اور جامع اسم الٰہی کے مظہر ہیں۔ آپ کو وراثتِ اولیٰ نصیب ہوئی اور ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو تو یہ تمام مراتب بالاصالۃ حاصل ہیں (کذا فی شرح الفصوص)

بنی اسرائیل کے فرقوں اور ان کے عقائد کا بیان

(۱) عیسائیوں میں بعض وہ ہیں جو بی بی مریم علیہا السلام پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں۔

(۲) بعض وُہ ہیں جو اُن کی تعظیم میں حد سے متجاوز ہو کر انہیں اور ان کے بیٹے کو معبود مانتے ہیں۔

دونوں فرقے گمراہی کے گڑھے میں پڑے ہوئے ہیں۔

اہلِ اسلام کا عقیدہ

اہلِ اسلام بی بی مریم کو ایک ولیہ کاملہ مانتے ہیں اور وہ بنی اسرائیل جو ان کی شان گھٹاتے ہیں وہ بھی گمراہ ہیں اور جو ان کی شان حد سے بڑھاتے ہیں وہ بھی۔

قاعدہ کلیہ

اسی طرح ہر ولی کامل کے لیے یہی قاعدہ کلیہ ہے کہ ان کی شان کا منکر بدبخت ہے اور اُن کو حد سے بڑھانے والا بھی گمراہ ہے۔ چنانچہ بعض بزرگوں کے لیے ایسے واقع ہوا ہے۔ (التاویلات النجمیہ) مثنوی شریف میں ہے:

(۱) نازنینی تو ولی در حد خویش　　الله الله پا منہ در حد بیش
(۲) جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد　　کم کسے ز ابدالِ حق آگاہ شد
(۳) دیر باید تا کہ سرِ آدمی　　آشکارا گردد از بیش و کمی
(۴) زیرِ دیوارِ بدن گنجست یا　　خانۂ مارست و مور و اژدہا

ترجمہ : (۱) ولی بیشک نازنین ہے لیکن تُو اس کی حد سے آگے نہ بڑھ۔

(۲) جملہ جہان اسی لیے گمراہ ہوا ابدال کے سوا بہت کم لوگ حق سے آگاہ ہو سکے۔

(۳) بہت بڑی مدت پر آدمی کا راز ظاہر ہوتا ہے کمی دیکھنے کے لحاظ سے۔

(۴) بدن کی دیوار کے نیچے بہت بڑے خزانے ہیں یا ہمارا جسم سانپوں، موروں اور اژدہاؤں کا گھر ہے۔

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اور کوئی اہل کتاب یہود و نصاریٰ میں سے نہ ہوگا **اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ** مگر اس پر یعنی عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں گے **قَبْلَ مَوْتِهٖ** اپنی وفات سے پہلے، یعنی ہر اہل کتاب مرنے سے پہلے حضرت عیسےٰ علیہ السلام پر ایمان لاتا ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ جب کسی یہودی پر نزع طاری ہوتی ہے تو امورِ آخرت اس کے سامنے ہوتے ہیں تو ملائکہ اس کے منہ اور اس کی پیٹھ پر طمانچہ مارتے ہوئے کہتے ہیں کہ تیرے پاس حضرت عیسےٰ علیہ السلام نبی بن کر تشریف لائے لیکن تُو نے اُنھیں جھٹلایا۔ یا پھر وہ اس وقت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیگا لیکن اُس وقت کا ایمان لانا اُسے کوئی فائدہ نہ دے گا کیونکہ اب ایمان سے فائدہ دلانے کا وقت ختم ہو گیا۔ اور نصرانی کو کہا جائے گا کہ عیسےٰ علیہ السلام تمہارے ہاں اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول بن کر تشریف لائے لیکن تم نے انھیں الٰہ اور ابن اللہ مانا۔ اس وقت نصرانی کہے گا کہ اب میں انھیں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور رسول مانتا ہوں۔ لیکن اسے بھی یہ ایمان فائدہ نہ دے گا۔

اعجوبہ منقول ہے کہ ہر یہودی اور اسی طرح ہر صاحب کتاب مرتے وقت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاتا ہے خواہ آگ میں جل کر مرے یا پانی میں ڈوب کر یا دیوار سے گر کر یا دیوار کے نیچے دب کر یا اسے کوئی درندہ یا کوئی موذی جانور کھا جائے۔

ف : حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کی گئی کہ یہ تجربۃً بھی ثابت ہے۔ آپ نے فرمایا: جب اس کی گردن اُڑا دی جائے تو اس عقیدہ کے لیے اس کی زبان خود بخود چلنے لگ جاتی ہے۔

مسئلہ : اس آیت میں جہاں اہل کتاب کو وعید سنائی گئی وہیں یہ بھی بتایا ہے کہ ہر شخص کو موت سے پہلے ایمان لانا ضروری اور اس پر ثابت قدم رہنا لازمی ورنہ نزع طاری ہو جائے تو پھر ایمان لانا بیکار ہے۔

ف : بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ قبل موتہٖ کی ضمیر عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہوتی ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت جتنے اہل کتاب موجود ہوں گے وہ سب کے سب عیسےٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے ایمان لائیں گے۔

marfat.ocm

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کا بیان

حضور علیہ السلام نے فرمایا میں عیسےٰ علیہ السلام سے بہ نسبت دوسرے لوگوں کے قریب تر ہوں، اس لیے کہ ان کے اور میرے مابین کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا، اور وہ تم میں عادل اور اچھا فیصلہ کرنے والے ہو کر نازل ہوں گے، جب تم انہیں دیکھو تو ابھی سے پہچان لو کہ وہ معتدل قامت اور سپیدی و سُرخی کے درمیان میں ہوں گے اور ان کے سر مبارک سے پانی کے قطرات گریں گے اگرچہ ان پر پانی بھی نہ ڈالا جائے، اور وہ خنزیر کو قتل کرینگے اور شراب خانے برباد کریں گے اور صلیب توڑیں گے بیت المقدس میں جا کر اسلام کی خاطر غیر مسلموں سے جہاد کرینگے اُن کے زمانہ میں تمام مذاہب مٹ جائیں گے سوائے اسلام کے، اس وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ نہ کیا جائے گا انہیں کے زمانہ میں مسیح الضلالہ کذاب مسیح الدجال مارا جائیگا یہاں تک کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی تشریف آوری پر تمام اہل کتاب ان پر ایمان لائیں گے، اور امن و سلامتی ہوگی یہاں تک کہ اُونٹ سانپوں کے ساتھ اور گائیں شیروں کے ساتھ اور بکریاں بھیڑیوں کے ساتھ چرتے اور چھوٹے بچّے سانپوں کے ساتھ کھیلتے نظر آئیں گے۔ کوئی بھی کسی کو ایذا نہیں پہنچا سکے گا۔ اس تشریف آوری کے بعد چالیس سال کی عمر پُوری کریں گے۔ اس کے بعد اُن کا وصال ہوگا۔ اہلِ اسلام آپ کی نماز جنازہ پڑھیں گے اور اہلِ اسلام ہی آپ کو دفنائیں گے۔

حدیث شریف میں ہے:

ان المسیح جائی فمن لقیه فلیقرئه منی السلام۔	مسیح علیہ السلام ضرور تشریف لائیں گے جب وہ تشریف لائیں تو انہیں میرا اسلام پہنچا دینا۔

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ اور عیسےٰ علیہ السلام قیامت میں ہوں گے **عَلَيْهِمْ** اُن پر یعنی اہل کتاب پر **شَهِيْدًا** یہود پر یہ گواہی دیں گے کہ انہوں نے انہیں خدا کا بیٹا کہا **فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا** پس یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے یعنی بہت بڑا سخت ظلم جو خارج میں عن الحدود اور اس کی نظیر کا سامنا مشکل ہے۔ ایسا ظلم یہودیوں سے صادر ہوا **حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ** ہم نے ان پر پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں جو اُن پر اور اُن کے آباؤ اجداد پر حلال تھیں نہ کوئی اور چیزیں جیسا کہ ان کا خیال۔ یعنی جو ان سے گناہ سرزد ہوئے تو ان کی نحوست سے ہم نے ان پر وہ پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں جو ان پر اور ان کے اسلاف پر حلال تھیں لیکن سزا کے طور پر ہم نے ان پر حرام کر دیں جیسے اونٹ کا گوشت اور دُودھ و چربی وغیرہ۔

marfat.ocm

نکتہ صاحبِ تاویلات النجمیہ میں یہاں پر ایک نکتہ تحریر فرماتے ہیں وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے فرمایا:

حرمنا علیہم الطیبت (ہم نے ان پر پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں)

دوسرے جگہ فرمایا: ویحل لہم الطیبات۔

اور یہ بھی فرمایا: کلوا مما رزقکم اللہ حلال طیبات۔

فقد الیہم گناہوں کی شامت سے [illegible] کسی نے حرام نہیں فرمائی۔ ایسے ہی امید رکھتے [illegible] آخرت میں وہ لوگ [illegible] ملے گا اس لیے کہ اس آیت میں دنیا و آخرت دونوں کے ذکر اکٹھا بیان کیا ہے۔

نکتہ از صاحبِ تاویلات النجمیہ فرمایا کہ مباحات کا اسراف مناجات ربانی سے محرومی کا سبب بنتا ہے۔ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

مرو در پے ہر چہ دل خواہدت
کہ تمکین تن نور جاں کاہدت

ترجمہ: انسان دل کی ہر خواہش کے درپے ہو تو جسم کی طاقت بڑھے گی لیکن نورِ جاں کم ہو جائے گا۔

وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور ان کا اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنا۔ اس سے دینِ اسلام مراد ہے **كَثِيْرًا** یعنی ان کا بہت سا روکنا **وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا** اور ان کا سود لینا معاملہ کہ **وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ** وہ اس سے روکے گئے، یعنی ان پر سود لینا حرام تھا جیسے ہم پر حرام ہے۔

مسئلہ: یہ نہی دلالت کرتی ہے کہ واقعی منہی عنہ حرام ہے۔

وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ اور ان پر لوگوں کا مال کھانا حرام تھا، جیسے رشوت اور دوسرے محرمات، یا دوسرے طریقے سے مال جمع کرتے ہیں **وَاَعْتَدْنَا** اور ہم نے ان کے لیے پیدا فرمایا اور تیار کیا **لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ** ان کافروں کے لیے جو ان سے ہیں یعنی کفر پر اصرار کرتے ہیں، یہ وعید اس لیے نہیں جو کہ کفر وغیرہ سے تائب نہ ہو اور ایمان کی دولت سے نوازا جائے **عَذَابًا اَلِيْمًا** دردناک عذاب، یعنی ایسا سخت درد جو ان کے دلوں کو گھیرے جسے وہ آخرت میں چکھیں گے، جیسے حرمتِ اشیاء کے باوجود انہیں کھاتے رہے تو اس کا مزہ انہوں نے چکھ لیا **لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ مِنْهُمْ**

marfat.ocm

ہاں وُہ حضرات جو ان میں سے علم کے ماہر ہیں یعنی اہل کتاب میں سے جو اہل علم ہیں جیسے عبد اللہ بن سلام اور اُن کے ساتھی۔

ف : اور اللہ تعالیٰ نے انہیں راسخ فی العلم اس لیے فرمایا کہ علم میں پختہ کار اور نہایت ہی تجربکار ہیں یہاں تک کہ انہیں کسی وقت اضطراب ہی نہیں اور نہ ہی شک وشبہ میں پڑتے ہیں۔ یہ ایسے ہے جیسے درخت اپنی جڑوں سے زمین کے اندر مضبوط ہو۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ اس سے وہ اہل ایمان مراد ہیں جو مذکورہ اہل کتاب یعنی عبد اللہ بن سلام وغیرہ کے ماسوا ہیں جیسے مہاجرین اور انصار وغیرہ **یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ قَبْلِكَ** وہ آپ پ نازل کی ہوئی کتاب پر ایمان لاتے ہیں اور ان کتابوں پر بھی ایمان لاتے ہیں جو آپ سے پہلے نازل ہوئیں۔ یہ خبر ہے اور اس کا مبتدا الراسخون فی العلم ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن سلام توراۃ کے عالم تھے توراۃ میں انہوں نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف پڑھے تھے چونکہ وہ راسخ فی العلم تھے اس لیے ان کا تورات کا ظاہری علم معرفت سے متصل ہوا۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ جب میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا تو میں نے یقین کر لیا کہ ایسے نورانی چہرے والا کبھی جھوٹا نہیں ہو سکتا اس لیے میں ان پر ایمان لایا۔ اور دوسرے یہودی علماء چونکہ راسخ فی العلم نہیں تھے اس لئے وہ تورات میں حضور علیہ السلام کے اوصاف کو دیکھ کر نہ پہچان سکے۔ بنا بریں کافر ہوئے۔ کسی نے شرفاء کے حق میں کیا خوب فرمایا ؎

جعلوا الابناء الرسول علامۃ   ان العلامۃ شان من لم یشھر
نور النبوۃ فی کریم وجوھھم   یغنی الشریف عن الطراز الاخضر

ترجمہ : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کریمہ کی علامت مشہور ہے اس لئے کہ جو غیر معروف ہوتا ہے اسے کسی علامت سے پہچانا جاتا ہے سادات کے چہروں میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نورِ نبوت چمکتا ہے یعنی اصلی سید کسی بناوٹ کا محتاج نہیں ہوتا۔

تفسیر عالمانہ

وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ یہاں پر اعنی فعل محذوف ہے نماز کی فضیلت کی وجہ سے۔ المقیمین بہ بنائے مدح منصوب ہے، یعنی نماز قائم کرنیوالے **وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ** اور زکٰوۃ ادا کرنے والے۔ اس کا مرفوع ہونا بھی بہ بنائے مدح مرفوع

marfat.ocm

ین بر مدح منصوب ہے۔ اسی طرح وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یہ بھی بربنائے مدح یعنی اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان لانے والے۔

باللہ تعالیٰ و یوم آخرت سے ایمان بالرسل والکتب کو یہاں پر کیوں مقدم کیا گیا ہے ؟ یہاں پر مقصود، ایمان بالرسل والکتب ہے کہ اہلِ کتاب انہی کے منکر تھے اسی طرح ان انبیاء رسالتوں کا بھی انکار کرتے تھے اس لیے انہیں کی تقدیم ہوئی۔

اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا بہشت میں ہم انہیں بہت بڑا اجر عطا فرمائیں گے کہ انہوں نے ایمان کی دولت کے ساتھ نیک اعمال میں بھی جد و جہد کی۔ عمل صالح وہ ہے جس سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہو۔ ان سب کی سرتاج پانچ نمازیں ہیں کہ جنہیں صحیح طریقہ سے ادا کیا جائے۔

نماز کی فضیلت

حدیث شریف میں ہے،

من حافظ منکم علی الصلوات الخمس	جس نے پانچ نمازوں کی حفاظت کی جہاں پر
حیث کان واین ما کان جاز الصراط	بھی ہو اور جس حالت میں بھی ہو تو قیامت میں
یوم القیامۃ کالبرق اللامع فی اول	پہلے زُمرہ میں بجلی کی طرح پلصراط سے گزریگا
زمرۃ السابقین وجاء یوم القیامۃ	اور قیامت میں جب حاضر ہوگا تو اُس کا
ووجہہ کالقمر لیلۃ البدر وکان	چہرہ چودھویں شب کے چاند کی طرح چمکتا ہوگا اور
لہ کل یوم ولیلۃ حافظ علیھن اجر	اپنی پانچوں کی حفاظت کرنے والے کو روزانہ
شہید۔	شہید کا ثواب ملتا رہے گا۔

نماز کے متعلق ایک بہترین صوفیانہ نکتہ

عربی میں نماز کو اس لیے صلوٰۃ کہتے ہیں کہ یہ صَلْیٌ سے مشتق ہے اور صَلْیٌ بمعنے آگ اور وہ ٹیڑھی لکڑی جسے آگ پر رکھ کر سیدھا کیا جاتا ہے۔ چونکہ انسان میں نفسِ امارہ ٹیڑھا پن پیدا کر دیتا ہے علاوہ ازیں اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات کی تجلیات کی گرمی بھی ہوتی ہے اور وہ گرمی ایسی تیز ہوتی ہے کہ اگر اس کے حجابات ہٹ جائیں تو کائنات کو جلا کر راکھ بنا دیں۔

حدیث شریف

چنانچہ حدیث شریف میں ہے،

جب نمازی نماز شروع کرتا ہے تو اس کے بالمقابل وہی تجلیات سامنے ہوتی ہیں تو سطوۃ الٰہیہ وعظمتِ ربانیہ سے بندے کا ٹیڑھا پن ہٹ جاتا ہے اس لیے پھر اسے جہنم کی آگ سے سیدھا

marfat.ocm

نہیں کیا جائیگا۔ اگر کسی غلطی کی وجہ سے ضرور جانا بھی ہوا تو معمولی طور پر، اس طرح سے اس کا ٹیڑھا پن ختم ہو جاتا ہے اور پھر اسے جہنم میں کافی دیر بھی ٹھہرنا نہیں پڑے گا اور پل صراط سے بھی بجلی کی طرح گزر جائے گا۔

حجۃ الوداع میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک تقریر کا اقتباس

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں فرمایا:

خبردار! اللہ تعالیٰ کے دوست وہ ہیں جو پانچ وقت نماز ادا کرتے ہیں، رمضان کے روزے رکھتے ہیں اور اس سے ان کی صرف رضائے الٰہی مطلوب ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا پر بطیب خاطر زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اُن کبائر سے بچتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ صحابہ کرام میں سے کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کبائر کی تعداد بھی ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں وہ نو ہیں:

(۱) شرک

(۲) مومن کو ناحق قتل کرنا۔

(۳) جنگ سے بھاگنا۔

(۴) پاکدامن عورت پر بہتان باندھنا

(۵) جادو

(۶) سُود کھانا

(۷) یتیم کا حق کھانا

(۸) مسلمان ماں باپ کی نافرمانی۔

(۹) جو تمہارے زندوں اور مُردوں کا قبلہ ہے اس کی حرمت کو حلال کرنا۔

جو شخص ان کبائر سے بچتا ہے اور نماز پڑھتا ہے اور زکوٰۃ ادا کرتا ہے تو مرنے کے بعد بہشت کے درمیانی حصہ میں سونے کے محلات میں حضور علیہ السلام کی رفاقت میں ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ راسخ فی العلم درحقیقت وہ ہیں جنہیں علم و عمل میں وافر حصہ نصیب ہوا ہے یہاں تک کہ وہ علوم کے خزانوں تک پہنچ جاتا ہے اور اُن علوم کی برکت سے علوم عطائیہ کو حاصل کر لیتا ہے یہی علوم لدنیہ کہلاتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے:

طلعت لیلۃ المعراج علی النار فرأیت   میں نے شبِ معراج جہنم کو دُور سے جھانک کر

marfat.ocm

اکثر اھلہا الفقراء۔ یعنی اس میں اکثر فقراء تھے۔

آپ سے عرض کیا گیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فقیر سے کون مراد ہیں؟) آپ نے فرمایا کہ وہ [illegible] نہیں بلکہ وہ لوگ جو علم دین سے [illegible] ہیں

[illegible] کی ہے۔

العلم امام العمل والعمل تابعہ۔ علم عمل کا امام ہے اور عمل اس کا تابع ہے۔

ف: حضرت امام جعفر علیہ السلام [illegible] میں لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [illegible] سے آخرت کی فکر ہو اسے عالم باعمل کہتے ہیں [illegible] غافل ہو ایسے عالم کو بہت بڑی [illegible] علم پہ ہے بالخصوص علم توحید پر [illegible] اور حروف علم سے ہی لکھے ہیں۔

داؤد علیہ السلام کی وحی کا بیان

حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اے داؤد علیہ السلام! تم وہ علم حاصل کرو جو نافع ہو۔

عرض کیا، یا اللہ! وہ علم نافع کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، علم نافع یہ ہے کہ تم میرے جلال و عظمت و کبریائی کو پہچانو۔ اسی طرح میری کمال قدرت کو [illegible] ہر شے پر قادر ہوں۔ یہ عقیدہ رکھو گے تو میرا قرب حاصل کرو گے۔

ف: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں خوش قسمت ہوں میں بچپن میں فوت نہ ہوا اگرچہ بچپن میں فوت ہونے سے بہشت نصیب ہوتی لیکن وہ دولت کب نصیب ہوتی جو کہ اس سن میں مجھے عرفانِ الٰہی نصیب ہوا۔

ف: یہ قاعدہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ ڈرتا ہے اسے عرفان بھی زیادہ حاصل ہوتا ہے وہ عبادت میں بہت زیادہ ترقی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے دین کا بھی بہت زیادہ خیر خواہ ہوتا ہے۔

marfat.ocm

إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ
بے شک اے محبوب! ہم نے تمہاری طرف
نُوحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرٰهِيمَ وَإِسْمٰعِيلَ
وحی بھیجی جیسے وحی نوح اور اس کے بعد پیغمبروں کو بھیجی اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل
وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسٰى وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهٰرُونَ
اور اسحٰق اور یعقوب اور ان کے بیٹوں اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون
وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُورًا ﴿۱۶۳﴾ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ
اور سلیمان کو وحی کی اور ہم نے داؤد کو زبور عطا فرمائی اور رسولوں کو جن کا ذکر آگے ہم تم سے فرما چکے
وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيمًا ﴿۱۶۴﴾ رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ
اور ان رسولوں کو جن کا ذکر تم سے نہ فرمایا اور اللہ نے موسیٰ سے حقیقتاً کلام فرمایا رسول خوشخبری دیتے
وَمُنْذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ
اور ڈر سناتے کہ رسولوں کے بعد اللہ کے یہاں لوگوں کو کوئی عذر نہ رہے اور اللہ غالب
عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿۱۶۵﴾ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ أَنْزَلَ إِلَيْكَ أَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ
حکمت والا ہے لیکن اے محبوب اللہ اس کا گواہ ہے جو اس نے تمہاری طرف اتارا وہ اس نے اپنے علم سے
يَشْهَدُونَ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيدًا ﴿۱۶۶﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ
اتارا ہے اور فرشتے گواہ ہیں اور اللہ کی گواہی کافی وہ جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا
اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوا ضَلٰلًاۢ بَعِيدًا ﴿۱۶۷﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ
بیشک وہ دور کی گمراہی میں پڑے بیشک جنہوں نے کفر کیا اور حد سے بڑھے اللہ ہرگز انہیں
لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ﴿۱۶۸﴾ إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا ۚ
نہ بخشے گا اور نہ انہیں کوئی راہ دکھائے مگر جہنم کا راستہ کہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے
وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرًا ﴿۱۶۹﴾ يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُولُ
اور یہ اللہ کو آسان ہے اے لوگو تمہارے پاس یہ رسول حق کے ساتھ
بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي
تمہارے رب کی طرف سے تشریف لائے تو ایمان لاؤ اپنے بھلے کو اور اگر تم کفر کرو تو بیشک اللہ ہی

marfat.ocm

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷۰﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا

ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ علم و حکمت والا ہے اے کتاب والو اپنے دین میں

فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ

زیادتی نہ کرو اور اللہ پر نہ کہو مگر سچ مسیح عیسیٰ مریم کا بیٹا اللہ

مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ اَلْقٰىهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ فَاٰمِنُوْا

کا رسول ہی ہے اور اس کا ایک کلمہ کہ مریم کی طرف بھیجا اور اس کے یہاں کی ایک روح تو اللہ اور اس

بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور تین نہ کہو باز رہو اپنے بھلے کو اللہ تو ایک ہی خدا ہے

سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَفٰى

پاکی اسے اس سے کہ اس کے کوئی بچہ ہو اسی کا مال ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں اور اللہ

بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۷۱﴾

کافی کارساز

تفسیرِ عالمانہ **اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ** (بے شک اے محبوب ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی)

شانِ نزول: یہ آیت اہلِ کتاب کے سوال کے جواب میں نازل ہوئی انہوں نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اُن پر بھی آسمان سے ایک کتاب نازل ہو، اور ساتھ ہی ان پر حجت قائم کرنا مطلوب ہے کہ حضور علیہ السلام نئے رسول نہیں بلکہ آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول علیہم السلام تشریف لائے۔ آپ شانِ رسالت اور وحی لانے میں دوسرے مشاہیر رسولوں علیہم السلام کی طرح ہیں اور اُن کی نبوت و رسالت میں ایک بھی شک و شبہ نہیں۔

ف: وحی اور ایحاء یعنی کسی کو پوشیدہ طور جلدی سے کوئی بات بتلانا۔ یعنی اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے آپ کے ہاں جبریل علیہ السلام کو قرآن دے کر بھیجا۔

كَمَآ اَوْحَيْنَآ جیسے ہم نے پہلے پیغمبروں کی طرف وحی بھیجی تھی **اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ** نوح علیہ السلام اور ان کے بعد۔ حضرت نوح علیہ السلام سے ابتدا اس لیے فرمائی کہ وہ ابوالبشر اور سب سے پہلے نبی ہیں جن کی اُمت عذاب میں مبتلا ہوئی جبکہ انہوں نے نوح علیہ السلام

marfat.ocm

کی دعوت کو رد کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی دعا سے ان سب کو طوفان میں غرق کر دیا۔

ف : حضرت نوح علیہ السلام کی عمر ہزار سال تھی اس عمر میں نہ آپ کے دانتوں میں نقص ہوا اور نہ ہی قوت میں فرق آیا۔ آپ کے بال بھی سفید نہ ہوئے۔ جتنی آپ نے دینی دعوت میں بہ نسبت دوسرے انبیاء کے زیادہ جد و جہد فرمائی اتنی ہی زیادہ آپ نے اذیتیں اور تکلیفیں اٹھائیں اور اس پر بڑا صبر کیا۔ شب و روز قوم کو ہدایت دینے میں لگے رہتے۔ ہر طرح سے تبلیغ کا حق ادا کیا، بدبخت قوم آپ کو مارتی آپ بیہوش ہو جاتے جب ہوش آتا پھر تبلیغ میں لگ جاتے۔

ف : مروی ہے کہ حضور علیہ السلام کے بعد قیامت میں سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام مزار مبارک سے اٹھیں گے۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ اس کا عطف الیٰ نوح پر ہے اور یہ بھی اس تشبیہ میں داخل ہے کہ جیسے ہم نے ابراہیم علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی ایسے ہی آپ پر بھی **وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ**، اسباط سے یعقوب علیہ السلام کی اولاد مراد ہے اور وہ بارہ تھے۔ عیسیٰ، ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان کے اسماءِ گرامی کا ذکر ان کی شرافت و بزرگی کی وجہ سے ہے حالانکہ لفظ نبیین میں بھی وہ شامل تھے اس لیے کہ حضرت ابراہیم کو اولوالعزم پیغمبروں میں اولیت ہے اور اُن میں سے آخری حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور دوسرے حضرات بھی برگزیدہ اور مشاہیر ہیں۔

سوال : عیسیٰ علیہ السلام تو سب سے آخر میں تشریف لائے پھر ان کا ذکر پہلے کیوں ہُوا؟

جواب : (۱) یہ واوٗ جمع مطلق کے لیے ہے نہ کہ ترتیب کے لیے۔ آیت میں ان کے ذکر کی تقدیم اس پر دلالت نہیں کرتی کہ وہ تخلیقاً و ارسالاً بھی مقدم تھے۔

(۲) اس سے یہودیوں کی تردید بھی مطلوب ہے کہ وہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام پر طعن و تشنیع میں غلو کرتے اور ان کے نسب پر غلط طریق سے اعتراض کرتے تھے۔

(۳) یہود کی کتابوں میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی براءۃ میں بہت کچھ بتایا گیا۔ یہاں بھی ان کے ذکر میں تقدیم کر کے گویا ان کی یاد دہانی کرائی گئی۔

وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا اور داؤد علیہ السلام کو زبور عطا فرمائی۔ اس جملہ کا عطف اوحینا پر اور اسی کے حکم میں ہے اس لیے کہ زبور کا عطیہ بھی باب وحی سے ہے۔

زبور کا تعارف زبور ایک کتاب کا نام ہے جو زبر سے ماخوذ ہے یعنے الکتابۃ۔ امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ زبور کی ایک سو پچاس سورتیں ہیں۔ اس میں فروعی احکام کا بیان نہیں بلکہ اس میں حکمتیں اور مواعظ و تحمید و تمجید اور ثنائے الٰہی کا ذکر ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام جنگل میں تشریف لے جا کر زبور کو پڑھتے آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر بنی اسرائیل کے علماء زبور کو سنتے تھے۔ علماء کے پیچھے عوام اہل ایمان کی صف ہوتی، ان کے پیچھے جنّات ہوتے۔ جب آپ زبور پڑھتے تو پہاڑوں سے جانور نکل آتے آپ کی پیاری آواز کو سُن کر مست ہو جاتے اور وہ بھی آپ کے ساتھ کھڑے رہتے۔ اڑتے ہوئے پرندے آپ پر سایہ کرتے اور وہ بھی آپ کی آواز میں محو ہو کر آپ کے سر مبارک پر گھومتے رہتے۔ اسی طرح درندے اور وحشی جانور، پرندے (ہرن وغیرہ) جمع ہو جاتے۔ جب آپ نے اُوریا کی عورت سے نکاح کیا اور چونکہ وحی کا انتظار کیے بغیر آپ نے یہ نکاح کیا تھا اور وہ ان کی شریعت میں جائز بھی تھا، اس لیے اسے کہا گیا کہ ان کو انس آپ کی طاعت کی وجہ سے اور وحشت آپ کے اس نکاح کی وجہ سے ہے۔

حدیث شریف: حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں گزشتہ رات تیری قرأت سے محظوظ ہوا اس لیے کہ تم لحنِ داؤدی دیئے گئے ہو۔ فرمایا، میں نے عرض کی، حضور! اگر مجھے علم ہوتا کہ آپ میری قرأت سن رہے ہیں تو میں اس سے زیادہ بہتر لہجے میں پڑھتا۔

حدیث شریف: حضرت ابو عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سارنگی یا کوئی اور سرود اور بانسری کی آواز کو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی آواز سے بہترین نہیں سنا جبکہ وہ ہمیں صبح کی نماز پڑھاتے تو ہمارا جی چاہتا کہ آپ اس نماز میں سورۃ بقرہ ہی پڑھیں اس لیے کہ وہ خوش الحانی سے پڑھتے تھے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا، ؎

(۱) بہ از روئے زیباست آواز خوش   کہ آں حظ نفس است و ایں قوت روح
(۲) وعند ھبوب الناشرات علی الحمی   تمیل غصون البان لا الحجر الصلد

ترجمہ (۱): حسین چہرے سے آوازِ خوش بہتر ہے کیونکہ وہ حظ نفس ہے اور یہ روح کی غذا۔

(۲) گرمیوں میں ہوا کے سخت جھونکوں سے بان کی ٹہنیاں ہی متحرک ہوتی ہیں نہ کہ سخت پتھر۔

marfat.ocm

وَرُسُلاً اس کا منصوب ہونا اَرسلنا فعل محذوف سے ہے جیسا کہ اس پر اَوحینا دلالت کرتا ہے اور اس کا عطف بھی اسی پر ہے اور اسی کے حکم کی تشبیہ میں داخل ہے گویا کہا گیا ہے کہ ہم نے رسول کو بھیجا **قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ** ہم نے آپ کو اُن کے قصے یعنی اُن کے نام گن کر سنائے **مِنْ قَبْلُ** اس کا تعلق قصصنٰہم سے ہے یعنی اس سورہ کے نزول سے پہلے یا آج سے پہلے ہم نے آپ کو ان کے قصے سنائے اور آپ نے معلوم کر لیا **وَرُسُلاً لَّمْ نَقْصُصْهُمْ** اور کتنے رسول ہیں کہ ہم نے آپ کو اُن کے قصے نہیں سنائے یعنی نام گن کر نہیں سناتے۔ رُسل وُہ ہیں جن کے ہاں جبریل علیہ السلام وحی لے کر حاضر ہوئے، اور انبیاء وہ ہیں جن کے ہاں جبریل علیہ السلام وحی لے کر حاضر نہیں ہوئے، بلکہ ان کے ہاں وحی ربانی دوسرے فرشتوں کے ذریعہ پہنچائی گئی یا بذریعہ خواب کے یا کسی دوسرے طریقے سے، مثلاً الہام سے انہیں پیغاماتِ الٰہی پہنچے۔

انبیاء ورسل کی تعداد

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کی گئی؛ رُسل کتنے ہیں؟ اور انبیاء کتنے؟ آپ نے فرمایا؛ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر ہیں اور تین سو تیرہ رُسل کرام علیٰ نبینا وعلیہم السلام۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ سے انبیاء کی تعداد کا سوال ہوا تو آپ نے فرمایا، دو لاکھ چوبیس ہزار۔

مسئلہ: افضل یہی ہے کہ اِس آیت کی رُو سے کسی شمار پر عقیدہ نہ رکھا جائے اگرچہ حدیث شریف میں اُن کی گنتی بتائی گئی ہے۔ لیکن وہ خبر واحد ہے اور خبرِ واحد صرف ظن کا فائدہ دیتی ہے اور ظنیات کو اعتقادیات میں دخل نہیں۔

وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا اور موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے حقیقۃً ہم کلام ہوئے۔ اس کا عطف بھی اِنّا اوحینا الخ پر ہے اور اسے عطف القصہ علی القصہ کہتے ہیں۔

ف: تکلیماً سے فعل کو مؤکد کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا حقیقی کلام سُنا۔ اس سے قدریہ کا رَد ہو گیا۔ وُہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محل میں متعلق فرمایا۔ جس سے موسیٰ علیہ السلام نے سُنا۔ یہ غلط اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہ کہلائے گا۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ سے متعلق تو نہ رہا۔ دوسرا یہ کہ مجازات میں فعل کو مؤکد نہیں کیا جاتا اور تکلیما سے کلام مؤکد ہے۔ مثلاً یُوں نہیں کہا جاتا ارادالحائط ان یسقط ارادۃً۔

علاوہ ازیں فرار صاحب فرماتے ہیں کہ اہلِ عرب اسے کلام کہتے ہیں جو انسان کو کسی طرق سے پہنچے جبکہ اسے مصدر سے مؤکد نہ کیا جائے۔ جب اسے مصدر سے مؤکد کیا جائے تو وہ حقیقی کلام ہوتا ہے۔

marfat.ocm

ف: اب مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا بلا واسطہ کسی سے کلام کرنا وحی کے انتہائی مرتبہ کا نام ہے۔

سوال: اگر یہ خصوصیت موسیٰ علیہ السلام کی ہے تو ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وحی کا درجہ کم ہو گیا حالانکہ ایسا نہیں۔

جواب: حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یکبارگی تورات کا نزول ہوا اور پھر اُن کے احکام مفصل طور مذکور ہوئے، اس لیے کہ بنی اسرائیل پہلے دور سے ہی ضدی اور ہٹ دھرم تھے کہ ان پر تدریجاً احکام نازل ہوتے تو وہ کہتے ایسے کیوں ہوا اور یوں کیوں۔ لیکن ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن پر فضیلت بخشی اور تمام انبیاء علیہم السلام کو جو کچھ عطا ہوا وہ کچھ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملا۔ اس کے باوجود آپ پر کتاب کا نزول تدریجاً ہوا۔ اس سے ثابت ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کی وہ خصوصیت کسی حکمت پر مبنی تھی اور ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اپنے مقام پر مسلّم ہے۔ حضرت شیخ عطار (رحمہ اللہ) نے فرمایا: ؎

(۱) کرد در شب سوئے معراجش رواں   سرِ گل با او نہادہ درمیاں
(۲) رفت موسیٰ بر بساط آں جناب   خلع نعلین آمدش از حق خطاب
(۳) چوں بنزدیکے شد از نعلین دور   گشت در وادی المقدس غرق نور
(۴) باز در معراج شمع ذوالجلال   می شنود آواز نعلینِ بلال
(۵) موسیٔ عمران اگرچہ بود شاہ   ہم نبود آنجاش با نعلینِ راہ
(۶) ایں عنایت بیں کہ بہر جاہ او   کرد حق با چاکر درگاہِ او
(۷) چاکرش را کرد مرد کوئے خویش   داد با نعلین راہش سوئے خویش
(۸) موسیٔ عمران چوں مرتبت بدید   چاکر او را چناں قربت بدید
(۹) گفت یا رب امت او کن مرا   در طفیل ہمت او کن مرا
(۱۰) اوست سلطان و طفیل او ہمہ   اوست دائم شاہ و خیل او ہمہ

ترجمہ: (۱) شب کو اس کی معراج کے لیے روانگی فرمائی، گُل کا سر اس کے درمیان رکھا۔

(۲) موسیٰ علیہ السلام اس بارگاہ میں پہنچے تو حق تعالیٰ سے نعلین اتارنے کا حکم ہوا۔

(۳) جب نعلین اتار کر بارگاہِ حق کے قریب ہوئے تو وادیِ مقدس میں جا کر نورِ حق میں مستغرق ہو گئے۔

(۴) لیکن شمعِ ذوالجلال صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہے کہ ان کے بلال کے نعلین کی آواز بہشت میں سنائی دیتی تھی۔

marfat.ocm

(۵) موسیٰ بن عمران اگرچہ بڑی شان والے تھے لیکن وہ بھی نعلین کے ساتھ نہ جا سکے۔
(۶) لیکن محبوب پر عنایت کہ صرف ان کے جاہ و مرتبہ کی وجہ سے ان کے ایک ذکر کو درگاہ میں بڑا
اعزاز ملا۔

(۷) ان کے ذکر کو بھی اپنی طرف بلا لیا بلکہ جوتے سمیت اپنی طرف راہ دی۔
(۸) موسیٰ بن عمران نے جب یہ مرتبہ دیکھا کہ ان کے ایک ذکر کی یہ شان، اللہ اللہ!
(۹) عرض کی یا اللہ! مجھے بھی ان کا امتی بنا، ان کی ہمت کے طفیل مجھے ایسا ہی کر دے۔
(۱۰) وہی سلطان باقی اس کے طفیل ہو وہی دائمی بادشاہ ہیں باقی ذکر۔

موسیٰ علیہ السلام کی شان وشوکت

مروی ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر تشریف لے گئے تو اللہ تعالیٰ نے اکیس ۲۱ میل تاریکی طور کے ارد گرد پھیلا دی۔ اس مسافت تک شیطان کو دور رکھا، اور تمام کیڑوں مکوڑوں کو وہاں سے آگے آنے کا حکم نہ تھا اور اس مقام تک ملائکہ کا پہرہ لگا دیا۔ اس کے بعد آسمانوں کے پردے ہٹا دیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملائکہ کو آسمان کے خلا پر بحالت قیام دیکھا اور وہاں سے عرشِ معلی کا نظارہ ملاحظہ فرمایا، پھر اللہ تعالیٰ آپ سے ہم کلام ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام بلا واسطہ اور بلا کیفِ صوت وحروف کے سنا۔

رُسُلًا اس کا منصوب ہونا مدح کے طور سے یہاں پر اعنی محذوف ہے یعنی رسل کرام کو بھیجا **مُّبَشِّرِيْنَ** اہلِ طاعت کو بہشت کی خوشخبری کے **وَمُنْذِرِيْنَ** اور اہلِ معصیت کو دوزخ کا ڈر سنائیں **لِئَلَّا يَكُوْنَ** یہ ارسلنا کے متعلق ہے **لِلنَّاسِ** یہ یکون کی خبر ہے **عَلَى اللّٰهِ** یہ فعل محذوف سے متعلق ہو کر حال ہے **حُجَّةٌ** یہ کان کا اسم ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ تاکہ قیامت میں کافروں کو اللہ تعالیٰ کے ہاں عذر کرنے کا موقعہ نہ ملے کہ عذر کرتے ہوئے کہیں گے کہ یا اللہ! تو نے ہمارے ہاں کوئی رسول کیوں نہ بھیجا اور نہ ہمیں کوئی علم تھا۔ اگر رسول تشریف لا کر ہمیں تیرے احکام سکھاتا اور ہمیں خوابِ غفلت سے بیدار کرتا اس لیے کہ ہمیں اتنی طاقت کہاں کہ تیرے احکام کو از خود سمجھیں یا ان کی مصلحت کی جزئیات کو معلوم کر سکیں، بلکہ ہمارے ہاں تو کلیات کے ادراک کی بھی اہلیت نہیں چہ جائیکہ جزئیات کا ادراک کر سکیں۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہمارے لیے ضروری ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے حُجَّةٌ کہا اور تم نے اسے معذرت سے کیوں تعبیر کیا، اگرچہ ہم مانتے ہیں کہ کہ اللہ تعالیٰ پر کسی کو کیا جرأت کہ اس پر حجۃ قائم کر سکے، اس کے ہر فعل میں ہزاروں حکمتیں ہوتی ہیں، وہ

marfat.ocm

جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے۔

جواب ، حکمہ تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں معذرت کی جائے تو اس کے دریائے رحمت اور فضل و کرم کو جوش آجاتا ہے اسی لیے حجت سے تعبیر کیا گیا ہے کہ عذر بمنزلہ حجت قاطعہ کے ہے کہ جسے رد نہیں کیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُولًا۔ اور ہم کسی کو عذاب نہیں دیتے جب تک کہ ان میں رسول نہ بھیجیں۔

حدیث شریف: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ سے زیادہ اور کوئی غیور نہیں کہ اس نے ہر طرح کے ظاہری و باطنی فواحش اپنے بندوں پر حرام کیے۔ اور اپنی مدح سننے میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی اور پسند نہیں کرتا اس لیے اس نے بار بار اپنی تعریف فرمائی۔ اور اس سے زیادہ عذر قبول کرنے والا اور کوئی نہیں۔ اس لیے انبیاء و رسل اور کتابیں بھیجیں۔

بَعْدَ الرُّسُلِ اُن کا متعلق حجۃ ہے یعنی رسل کرام بھیجنے اور اُمتوں کو اُن کو اپنی زبانوں سے احکام پہنچانے وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا اور اللہ تعالیٰ غالب ہے کہ سرکشوں کے سوال کرنے پر جواب دینے میں اسے کوئی نہیں روک سکتا اور نہ وہ کسی معاملہ میں کسی سے مغلوب ہو سکتا ہے حَكِيمًا اُس کے تمام افعال میں ہزاروں حکمتیں ہیں منجملہ ان کے ارسال الرسل و انزال الکتب بھی ہے لٰكِنِ اللّٰهُ ماقبل کے مفہوم سے استدراک ہے جو کہ انہوں نے سرکشی سے سوال کیا کہ اُن پر آسمان سے کتاب نازل ہو، گویا اُن کے سوال کا اصل منشا یہ تھا کہ ہم اس کی گواہی بالکل نہیں دیتے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ ہاں اس وقت آپ کو رسول مانیں گے جبکہ ہمارے کہنے کے مطابق آسمان سے کتاب نازل ہو پھر اللہ تعالےٰ نے فرمایا تو وہ آپ کے دعویٰ رسالت کی گواہی نہیں دیں گے يَشْهَدُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ اس کی گواہی دیتا ہے جو آپ پر نازل ہوا، اس سے قرآن مجید مراد ہے وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معجزہ ہے اور آپ کی نبوت پر دلالت کرتا ہے جبکہ لوگ آپ کی نبوت پر انکار اور آپ کی تکذیب کرینگے اس لیے کہ یہ قرآن فصاحت و بلاغت کی انتہاء کو پہنچا ہوا ہے کہ جس کی فصاحت و بلاغت پر اولین و آخرین حیران ہیں، اور اس کے معارضہ کی تو بات ہی کیا، اور نہ ہی اُس کی مثل لانے کی کسی کو جرأت ہوئی، نہ ہو سکتی ہے اور نہ ہو گی۔ اس قرآن نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ رسالت پر آپ کی نبوت و رسالت کی تصدیق کی۔

marfat.ocm

ف : اللہ تعالیٰ کا بما انزل الخ کی شہادت کا معنی یہ ہے کہ وہ کریم معجزات کے اظہار سے اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی نبوت کا اثبات فرماتا ہے جیسے اور دعاوی دلائل سے ثابت کئے جاتے ہیں۔

اَنۡزَلَهٗ بِعِلۡمِهٖ اسے اپنے علم سے نازل کیا۔ بعلمه انزله کے فاعل سے حال ہے یعنی اُسے اپنے علم خاص سے ملتبس کرکے نازل فرمایا ہے کہ اُسے صرف وہی جانتا ہے اور ایسے ایسے عجیب و غریب طرق سے مرتب کرکے نازل فرمایا ہے کہ جس کے مقابلہ سے ہر فصیح و بلیغ عاجز ہے یا اس کا مطلب یوں ہے کہ جن پر یہ قرآن پاک نازل فرمایا ہے انھیں وہ خود جانتا ہے اور اسے معلوم ہے کہ ان میں انوارِ قدسیہ کے اقتباس کی کتنی استعداد ہے **وَالۡمَلٰٓئِكَةُ يَشۡهَدُوۡنَ** اور فرشتے بھی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی شہادت دیتے ہیں۔

سوال : تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ فرشتے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کی گواہی دیتے ہیں ؟

جواب : اُن کی شہادت اللہ تعالیٰ کی شہادت کے تابع ہے جب اللہ تعالیٰ کی شہادت کی تصریح ہے تو ان کی شہادت کا ذکر بھی ضمناً آگیا۔

وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيۡدًا اور اللہ تعالیٰ کی شہادت ہی کافی ہے کہ واقعی آپ اللہ تعالیٰ کے برحق نبی ہیں آپ کی نبوت کی اس صداقت پر ایسے واضح معجزات اور کھلے دلائل قائم فرمائے کہ آپ کی نبوت کے لیے کسی دوسرے کی شہادت کی ضرورت ہی نہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے محبوب (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) ! اگر یہود آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو آپ ان کی پروا نہ کیجئے اس لیے کہ جب میں خود الٰہ العلمین آپ کی صداقت پر گواہی دیتا ہوں اور عرش و کرسی اور ساتوں آسمانوں کے ملائکہ بھی آپ کی نبوت کے شاہد ہیں تو پھر چند نکمے لفنگے یہودی آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو کیا ہوا ' ان کی آپ کو ضرورت ہی کیا ہے **اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا** بیشک وہ لوگ جو آپ کی نازل کردہ کتاب کو نہیں مانتے باوجودیکہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی گواہی دی ہے، اس سے مراد یہودی ہیں **وَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ** اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکتے ہیں۔ سبیل اللہ سے دینِ اسلام مراد ہے اور جن کو وہ روکتے ہیں وہ اہلِ اسلام ہیں جو حضور علیہ السلام سے استفاضہ کرتے ہیں۔ اور انکار ان کا یہ تھا کہ ہم تو اپنی کتابوں میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم کے متعلق کچھ جانتے بھی نہیں **قَدۡ ضَلُّوۡا** راہِ حق سے روک کر اور کفر کرکے گمراہ ہوئے **ضَلٰلًاۢ بَعِيۡدًا** بہت سخت گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا اس لیے کہ گمراہ کن گمراہی میں ایسا غرق ہوتا ہے کہ اس کا اس سے نکلنا مشکل ہوتا ہے **اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا** بیشک وہ کافر کہ جن کا ذکر ابھی گزرا ہے **وَظَلَمُوۡا** اور جنہوں نے حضور نبی علیہ السلام کی نبوت کا انکار

marfat.ocm

کرنے اور آپ کے اوصافِ کریمہ کو چھپا کر ان کے بجائے اور غلط باتیں گھڑ لیں، اور بہت ظلم کیا۔ یا اس سے وہ لوگ مراد ہیں کہ جنہیں دنیا و آخرت کی سعادت کے حصول کی صلاحیت تھی لیکن انہوں نے ضائع کر دی لَمْ یَکُنِ اللّٰہُ اللہ تعالیٰ کا ارادہ نہیں لِیَغْفِرَ لَھُمْ کہ انہیں بخش دے اس لیے کہ کافر کی بخشش محال ہے وَلَا لِیَھْدِیَھُمْ طَرِیْقًا اِلَّا طَرِیْقَ جَھَنَّمَ اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ بھی نہیں کہ ان کی کسی صحیح راستہ کی طرف رہبری کرے سوائے جہنم کی راہ کے، اس لیے کہ ان میں اب راہِ حق اور اعمالِ صالحہ کی استعداد بھی مفقود ہو چکی ہے یعنی بہشت میں پہنچنے کے تمام راستے اب ان کے لیے بند ہو چکے ہیں۔ اِلَّا طَرِیْقَ جَھَنَّمَ سے جس طریق کا استثناء ہوا ہے اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے ایسے اعمالِ سیئہ پیدا فرمائے جو انہیں جہنم کی طرف لے جانے والے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کے اعمال اس وقت پیدا فرمائے جب انہوں نے اپنی قدرت و طاقت اور اختیار کا رُخ برائیوں کی طرف پھیر دیا یا اس سے قیامت کے دن کا معاملہ مراد ہے کہ ملائکہ کرام انہیں جہنم کی طرف ہانک کر لے جائیں گے۔

ف: طریق میں عموم ہے اور یہ استثناء متصل ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس طریق سے ایک خاص طریق مراد ہے یعنی طریقِ حق، اب یہ استثناء منفصل ہوگا۔

خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ ضمیرِ منصوب سے حال مقدرہ ہے اس کا عامل وہ ہے جس پر استثناء دلالت کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ انہیں جہنم میں داخل کرے گا اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اَبَدًا ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہے اس احتمال کو اٹھانے کے لیے واقع ہوا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ انہیں فقط چند روز جہنم میں ٹھہرایا جائے گا۔ اس لئے کہ خلود کبھی عرصۂ دراز تک ٹھہرنے کے معنے میں آتا ہے وَکَانَ ذٰلِکَ ان کو دائمی طور جہنم میں ٹھہرانا عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرًا اللہ تعالیٰ پر آسان ہے اس لیے کہ یہ محال ہے کہ اس پر متعذر ہو کہ وہ اپنے ارادوں کو پورا نہ کر سکے۔

مسئلہ: جن کو ازل میں نور کے قطرات سے کچھ نصیب ہوا ہوگا تو اسے سزا دینے کے بعد جہنم سے نکالا جائے گا۔

حدیث شریف: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یخرج من النار من کان فی قلبہ ذرۃ من الایمان۔	جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا اسے جہنم سے نکال لیا جائیگا۔

تفسیر صوفیانہ

جسے اس نورِ ازلی سے کچھ نصیب نہ ہُوا وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا اس لیے کہ وہ ایک عظیم تاریکی میں ہے کہ جس سے اس کا نکلنا اُس کے لیے مشکل ہے

marfat.ocm

اور وہ بہت سخت گمراہی میں پھنس گیا یعنی اس ازلی نور سے دُور رہا۔ اس سے یہ دنیوی گمراہی مراد نہیں اس لئے کہ یہی گمراہی اس ازلی گمراہی سے ہے۔ ایسے لوگ طریقِ حق سے بھی محروم رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی قربت سے بھی پھر وہ ہمیشہ ہمیشہ ہجر و فراق کی آگ میں جلتے رہیں گے۔ انہیں کبھی بھی ہجر و فرقت کی آگ سے نکالا نہیں جائیگا

سبق سالک کو لازم ہے کہ اس شہادت سے پس و پیش نہ کرے، جس کی خود اللہ تعالیٰ نے گواہی دی ہے اور اس کے اور اس کے رسول علیہ السلام کے ہر حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرے بلکہ رسول علیہ السلام کے وارثین (اولیاء، و باعمل علماء) کے جملہ ارشادات کے سامنے سر جھکائے اس لیے کہ وہ جو کہتے ہیں وہی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کا حکم ہوتا ہے۔

حضرت شقیق رحمہ اللہ کے روحانی ملفوظات

حضرت شقیق رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میری مجلس میں تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں:

(۱) خالص کافر

(۲) خالص منافق

(۳) خالص مومن

اس لیے کہ جو کچھ میں کہتا ہوں وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی ہوتے ہیں:

(۱) جو اُن سے رُوگردانی کرتا ہے وہ خالص کافر ہوتا ہے۔

(۲) جو انھیں سُن کر دل تنگ ہو جاتا ہے وہ خالص منافق ہوتا ہے۔

(۳) جو سُن کر اپنے کئے پر شرمسار ہو کر آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کر لیتا ہے تو وہ خالص مومن ہوتا ہے۔

روحانی چٹکلہ سالک کو سب سے پہلے اعتقاد صحیحہ کا ہونا ضروری اور لازمی ہے۔ اس کے بعد اسے علم کا حاصل کرنا، پھر اعمال صالحہ، علم کا ثمر عمل صالحہ ہے۔

سالک راہ کے لیے نبوی ارشادات کی ایک فہرست

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: علم عمل کا راہبر ہے۔

عرض کی گئی: عقل کیا ہے؟

آپ نے فرمایا: ہر بھلائی کا قائد ہے۔

پھر پوچھا گیا، خواہشاتِ نفسانی کیا ہیں؟

آپ نے فرمایا، معاصی۔ جرائم کی ساری یہی نفسانی خواہشات ہیں۔

آپ سے پوچھا گیا، مال کیا شئی ہے؟

فرمایا، متکبرین اور سرکش لوگوں کی اوڑھنی۔

پھر سوال ہوا کہ دنیا کیا ہے؟

آپ نے فرمایا، آخرت کی طرف ہانک کر لے جانے والی یہی دنیا ہے۔

تفسیر عالمانہ يٰاَيُّهَا النَّاسُ یہ خطاب عام مخلوق کو ہے قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بیشک تمہارے ہاں میرے پیارے رسول محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) تشریف لائے بِالْحَقِّ حق لے کر۔ اس سے قرآن مراد ہے کہ جس کے اعجاز نے حضور علیہ السلام کے حق ہونے کو ثابت کیا ہے، یا الحق سے دعوت الی عبادۃ اللہ اور اعراض ما سوی اللہ مراد ہے۔ اس کے لیے عقل سلیم بھی گواہی دیتی ہے کہ یہی بات حق ہے مِنْ رَّبِّكُمْ یہ جاء کے متعلق ہے یعنی حضور علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے تشریف لائے اور اسی کے ہی بھیجے ہوئے ہیں اپنی طرف سے کچھ نہیں فرماتے فَاٰمِنُوْا پس ان پر اور جو احکام وہ ساتھ لائے ہیں ان پر ایمان لاؤ۔ فاء اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس کا ماقبل مابعد کے ایجاب کے لیے ہے خَيْرًا لَّكُمْ واجب الحذف فعل کا مفعول بہ ہے۔ دراصل عبارت یوں ہے اقصدوا یا ائتوا امرًا خیرًا لکم مما انتم فیہ، جس حال میں تم گزار رہے ہو اس سے ہٹ کر اپنے لیے بھلائی کا ارادہ کرو، یا خیرًا مفعول مطلق محذوف کی صفت ہے۔ دراصل عبارت یوں ہے اٰمنوا ایمانًا خیرًا لکم ایمان لاؤ اس میں تمہاری بھلائی ہے یعنی تمہارے ایمان کا تعلق ہے جیسے زبان سے ہو ایسے ہی دل سے ہو وَاِنْ تَكْفُرُوْا اور اگر تم کفر پر مداومت کرو گے اور اسی پر اصرار کرتے رہو گے۔ فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ تو جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے سب اللہ تعالیٰ کا ہے یعنی ان کے اندر جتنے موجودات ہیں سب اسی کے ہیں، اور خود آسمان اور زمین بھی، اس لیے کہ جب ان کی اندر والی اشیاء اسی کی ملک ہیں تو وہ خود بھی بطریق اولیٰ اس کے ملک ہوں۔

ف: ان کے اندر والی اشیاء کا حال تو معلوم ہوگا۔ باقی رہیں وہ اشیاء جو ان سے خارج ہیں۔ وہ بھی اسی کی ملک ہیں اس لیے کہ اگرچہ ان سے وہ خارج بھی ہیں لیکن ان کا استقرار تو بھی انہی پر ہے اس لیے اس سے صراحۃً ثابت ہوا کہ جمیع ذوی العقول اور غیر ذوی العقول سب اسی کی مِلک ہیں، اور اس خطاب میں تمام مخاطب مراد ہیں۔ اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں کہ تمام اشیاء تخلیقًا و مِلکًا و تصرفًا اسی کی مِلک ہیں۔

marfat.ocm

اس کی ملکیت اور تصرف سے کوئی شے باہر نہیں، جس کی یہ شان ہو تو اس کے متعلق عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ وہ کافر کے کفر پر عذاب دینے پر قادر ہے، اور جس کا یہ مرتبہ ہے اسے کسی کی ضرورت نہیں اسے نہ کسی کا کفر ضرر پہنچا سکتا ہے اور نہ کسی مومن کا ایمان نفع پہنچا سکتا ہے، اور جس کا یہ درجہ ہو کہ ساری خدائی اسی کی ہے تو پھر سب اسی کی عبادت کریں اور اس کے حکم کے آگے سر جھکائیں **وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا** اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے علم والا ہے وہ سب کے حالات سے بے خبر ہے۔ تمہارا کفر کرنا بھی اس کے علم میں ہے **حَكِيْمًا** اس کے اپنے جملہ امور میں سو سو حکمتیں ہیں منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ تمہیں تمہارے کفر پر عذاب دیتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورانیت کا بہترین نکتہ

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک غیبی نور ہیں جو ہمارے اجساد کی طرف نبوت کا پیغام لے کر تشریف لائے ہیں، جو ان کی نورانیت سے فیض یاب ہونے کی استعداد رکھتا ہے وہ ہدایت پا جاتا ہے، جو آپ کی نورانیت سے محروم ہے وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تمام مشائخ کا اتفاق ہے کہ جو شخص مثلاً کتے کی رسی کتے کے ہاتھ میں دے دے تو کتا اپنے طبعی مزاج کی وجہ سے کبھی واپس نہیں آئے گا۔ اسی طرح نفس کی حالت ہے کہ اسے ریاضاتِ شاقہ کی مضبوط رسی سے جکڑے رکھو تو تابع ہے اگر اسے خود مختار چھوڑ دو، تو پھر وہ جانوروں کی طرح بے قابو ہو کر جو چاہتا ہے کرتا ہے لہٰذا سالک پر ضروری ہے کہ وہ اپنے نفس کو اپنے قابو میں رکھے، اسے آوارہ نہ چھوڑ دے، اور اس برگزیدہ نبی علیہ السلام کی تابعداری کو سعادت سمجھے کہ قیامت میں تمام انبیاء از آدم تا عیسیٰ علیہم السلام اور تمام اولیاء انہی کے جھنڈے تلے ہوں گے، بلکہ اپنے اوپر واجب جانے۔

علمِ غیبِ نبی کے منکر کی گت

اس بدبخت کو دیکھو کہ نجومیوں، جوگیوں، مجوسیوں کی فالوں اور حسابوں وغیرہ کے سامنے سر جھکاتا اور اس میں اپنی بھلائی سمجھتا ہے چونکہ وہ نرے ڈھکوسلے اور خیالی باتیں ہوتی ہیں۔ لیکن جب پیغمبر علیہ السلام کی غیبی باتیں سنائی جاتی ہیں تو انکار کرتا ہے۔ غور کیجئے اگر ابن البیطار (طبیب) کہہ دے کہ عقاقیر و احجار میں یہ فوائد ہیں اور اتنا نقصان ہے تو فوراً عملی کارروائی شروع ہو جاتی ہے لیکن جن امور کے متعلق حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے یا روکتے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی فرماتے ہیں کہ ان میں اتنے فوائد ہیں اور اتنے نقصانات ہیں لیکن ان کی بجا آوری میں پس و پیش ہوتی ہے اور سستی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ گویا یہ امور ہمارے لیے نہیں بلکہ کسی دوسری قوم کے لیے ہیں۔

ف: انسان کو جب حضرت آدم علیہ السلام کی پشت مبارک سے الست بربکم کے مقام پر

marfat.ocm

کیا تو پہلے اسفل السافلین کی طرف دھکیلا گیا اور کہا گیا اب اتنی ہمت کیجئے کہ اس پستی سے نکل کر اعلیٰ علیین تک رسائی حاصل کرو، پھر جتنی کسی کی قابلیت ہوتی ہے اُتنی محنت کر کے اس کی استعداد پیدا کیجیے۔ اس کے حصول کے دو طریقے ہیں:

(۱) عشقِ مصطفےٰ[1] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اور وہ اتنا ہو کہ جان و مال اور خویش و اقارب، آل و اولاد سب اُن کے نام پر فدا ہو۔

(۲) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع[2] میں اوامر و نواہی میں سرِ تسلیم خم کرے، اس لیے کہ انسان کو اُسی سے ہی روحانی عروج اور ترقی نصیب ہوتی ہے اور اس ذریعہ سے ہی انسان کو کمال نصیب ہوتا ہے۔

حدیث شریف مع شرح

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری مثال اُس مرد کی سی ہے جو اپنی قوم کے ہاں آ کر کہے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے ایک لشکر دیکھا،

اس میں اشارہ ہے کہ یہ مثال صرف حضور علیہ السلام سے مخصوص ہے اس لیے کہ آپ نے جن باتوں سے امت کو ڈرایا ہے انھیں اپنی آنکھوں سے شبِ معراج معائنہ فرمایا بخلاف دوسرے انبیاء عظام علیہم السلام کے کہ انھیں ایسی معراج نہیں ہوئی یہاں تک وہ بھی انہی باتوں کا معائنہ فرمایا ہو۔ پھر فرمایا میں ہوں نذیر یعنی ڈرانے والا۔ نذیر ہر اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی کو ڈراونی خبر سنائے۔ العریان (کھلم کھلا ڈر سنانے والا)۔ دراصل العریان اس شخص کو کہتے ہیں جو دشمن سے ملاقات کرے اور وہ اس کے تمام کپڑے اتارے اور وہ اپنی قوم سے آ کر دشمنوں کے تمام حالات بتائے، پھر جو اس کے لیے مثال کے طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ جس میں سختی ہو اور اس کا خطرہ قریب ہو اور اس کا بیان کرنے والا تہمت سے بھی مبرّا ہو اور یہ تمام باتیں حضور علیہ السلام میں پائی گئیں فالنجا اس کا منصوب علی سبیل الاغراء ہے، یعنی اے قوم! نجات طلب کرو، یعنی اپنی نجات حاصل کرنے میں جلدی کرو۔ پھر بعض لوگ اس ڈرانے والے کی بات کو سُن کر اس کی بات مان لیتے ہیں تورات کے پہلے حصے میں نکل کر نہایت ہی آرام سے چل جاتے ہیں۔

حدیث شریف میں علی مھلھم واقع ہوا ہے بفتح المیم والھاء بمعنے ضد العجلہ یعنی آرام سے نکل جانا

---

[1] جو عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شرک و بدعت سے تعبیر کرے تو پھر کیوں نہ بقول اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کہا جائے: "اس بُرے مذہب پہ لعنت کیجیے"

[2] بعض بدبخت ایسے بھی ہیں جو اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ نہیں سمجھتے ۱۲

marfat.ocm

اور دوسرے لوگ اُس کی بات نہ مان کر وہیں پر ٹھہر جاتے ہیں تو دشمن کا لشکران پر صبح کو حلہ بول دیتا ہے جیسا کہ عام طور پر دشمن کی عادت ہے کہ پہلی صبح میں اپنے مخالف پر حملہ کرتا ہے پھر وہ انھیں ہلاک اور تباہ و برباد یعنی ان کی پُورے طور بیخ کنی کر دیتا ہے۔ اب وجہ تشبیہ کو بیان فرماتے ہیں کہ جس نے میری اطاعت کی اور جن احکام کو میں لایا ہُوں ان کی تابعداری کی۔ اس میں اشارہ ہے کہ مطلق گناہ مہلک نہیں بلکہ تباہی و بربادی اس وقت ہے جبکہ اس کے ساتھ حق کی تکذیب بھی ہو (کذا فی مشارق الانوار لابن الملک رحمہ اللہ تعالیٰ) حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

خلاف پیمبر کسے راہ گزید — کہ ہرگز بمنزل خواہد رسید
محالست سعدی کہ راہ خدا — تواں رفت جز در پئے مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم)

ترجمہ: جس نے پیغمبر کا خلاف اختیار کیا وہ ہرگز منزل پر نہ پہنچے گا۔ اے سعدی! یہ بالکل محال ہے کہ راہِ خدا پر نقشِ قدم مصطفیٰ کے بغیر پہنچا جا سکے۔

تفسیر عالمانہ **یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ** یہ کتاب صرف نصاریٰ کو ہے **لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ** اپنے دین میں حد سے تجاوز نہ کرو، یعنی عیسٰی علیہ السلام کی شان حد سے نہ بڑھاؤ اور ان کے لیے الوہیت کا دعویٰ مت کرو۔ الغلو بمعنے تجاوز عن الحد۔

مسئلہ: دین اور مذہب میں غلو اور مبالغہ کہ اس کی حد سے تجاوز کیا جائے نہایت ہی قبیح امر ہے۔

شیعہ اور روافض کی تردید جیسا کہ ہمارے دور میں بہت سے لوگ اپنے مذہب و مسلک میں غلو کرتے ہیں، ان میں ایک غالی فرقہ شیعہ بھی ہے جو سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی ذات میں غلو کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ آپ کے لیے الُوہیت کے مدعی ہیں۔

معتزلہ کی تردید ان میں معتزلہ بھی ہیں کہ وہ تنزیہ باری تعالیٰ میں غلو کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ صفاتِ باری تعالیٰ کا انکار کر دیا۔

مشبہیہ فرقہ کا رد ان میں مشبہیہ فرقہ بھی ہے جو اثباتِ باری تعالیٰ میں غلو کرتے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے لیے جسمانیت کے قائل ہیں حالانکہ وہ کریم ایسی باتوں سے بلند و بالا ہے جو یہ ظالم کہتے ہیں[1]۔

---

[1] ہمارے دور میں غیر مقلد وہابی، دیوبندی، تبلیغی، مودودی بھی ہیں جو توحید کے غلو میں انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا وعلیہم السلام کی تعظیم و تکریم کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں اور پرویزی و چکڑالوی بھی ہیں جو قرآن مجید کے عشق میں احادیث کا انکار کرتے ہیں۔ اور مرزائی بھی ہیں کہ قادیانی کی محبت میں ختمِ نبوت کا انکار کرتے ہیں وغیرہ۔ تفصیل فقیر کی تفسیر اویسی میں دیکھئے۔ اویسی غفرلہٗ۔

marfat.ocm

حدیث شریف: اس غلو کو مٹاتے ہوئے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
مجھے حد سے نہ بڑھاؤ جیسے نصرانیوں نے عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی شان میں غلو کیا۔

یعنی حد سے متجاوز ہو کر میری مدح و ثنا میں عیسائیوں کی طرح مبالغہ نہ کرو[1] کہ وہ بھی ان کی مدح و ثنا میں حد سے بڑھے اور مجرم ہوئے۔ یعنی کہا کہ عیسیٰ (علیہ السلام) خدا کا بیٹا ہے (معاذ اللہ) اور کہو وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔ یعنی میرے متعلق اتنا مانو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)۔

نکتہ: عبدیت کو رسالت کی تقدیم جیسے التحیات میں بھی ہے اس لیے کہ یہود و نصاریٰ کا رد ہو جائے۔ یہود حضرت عزیر علیہ السلام کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے اور نصرانی کہتے ہیں کہ مسیح (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے اور ہم اہلِ اسلام اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیارے بندے اور رسول ہیں، اور معصیت میں غلو سے نفس کے صفات مذمومہ مراد ہیں اور نفس سے نفس امارہ مراد ہے کہ وہ ہمیشہ برائی کا حکم دیتا ہے اور وہ سراپا برائی ہی برائی ہے ؎

مبر طاعت نفس شہوت پرست
کہ ہر ساعتش قبلۂ دیگر ست

ترجمہ: نفس شہوت پرست کی اطاعت مت کر کیونکہ ہر آن اس کا نیا قبلہ ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ اور اللہ تعالیٰ کے لیے وہ بات کہو جو حق ہو۔ یعنی اُسے ایسی صفات سے موصوف نہ کرو کہ جن سے اسے موصوف کرنا محال لازم آتا ہو۔ جیسے حلول، اتحاد، زوجہ اور ولد ثابت کرنا وغیرہ بلکہ اُس کی اِن تمام امور سے تنزیہ و تقدیس بیان کرو الا الحق یہ استثنا مفرغ ہے اس کا منصوب ہونا مفعول ہونے کے ہے، جیسے کہا جاتا ہے: قلت خطبةً یا مصدر محذوف کی صفت ہے کہ دراصل الا القول الحق تھا۔ یہی معنے کے لحاظ سے مناسب ہے **اِنَّمَا الْمَسِيْحُ** یہ مبتدا، اور یہ بہترین القاب میں سے ایک لقب ہے جیسے صدیق، فاروق بہترین القاب ہیں۔ عبرانی لغت میں یہ دراصل المشیح تھا بمعنے مبارک **عِيْسَى** المسیح سے بدل ہے الیشوع کا معرب ہے، **اِبْنُ مَرْيَمَ** یہ صفت ہے۔ اس سے ان کے اِس باطل عقیدہ کا رد مطلوب ہے جو کہا کرتے کہ

---

[1] مبالغہ کا مطلب خود حضور علیہ السلام نے خود متعین فرما دیا کہ میرے لیے اُلوہیت کا دعویٰ نہ کرنا، ورنہ حضور علیہ السلام کی مدح و ثناء میں مبالغہ کیسا جبکہ آپ کی شانِ اقدس کا کیا کہنا۔ تفصیل تفسیر اویسی میں ہے ۱۲
اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

(معاذ اللہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور مریم بمعنے عابدہ۔ بی بی صاحبہ کا یہ نام اس لئے تھا کہ وہ بہت عبادت گزار تھیں، دوسرا اس وجہ سے بھی ابن مریم کی تصریح کی گئی ہے کہ قیامت میں ہر ایک کو اس کی ماں سے منسوب کر کے پکارا جائے گا۔ جیسے حدیث تلقین سے معلوم ہوتا ہے کہ دفن کے بعد کہا جاتا ہے یا فلان بن فلانۃ اور قیامت میں اس طرح سے پکارنا اللہ تعالیٰ کی ستار العیوبی ہے۔ رَسُوْلُ اللّٰہِ یہ مبتدا کی خبر ہے۔ یعنی وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اس سے آگے کے رتبہ کے لائق نہیں، یعنی نہ خدا ہیں اور نہ اس کے بیٹے اور یہی قول حق ہے وَكَلِمَتُهٗ اور اللہ تعالیٰ کے کلمہ ہیں اس کا عطف رسول اللہ پر ہے یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے کلمہ اور امر کُن سے بلاواسطہ رب و نطفہ پیدا ہوئے۔

سوال: دُوسری مخلوق بھی تو امر کُن سے پیدا ہُوئی پھر عیسیٰ علیہ السلام کی تخصیص کیوں؟

جواب: دوسروں سے کُن کا تعلق وسائط سے ہوتا ہے۔ مثلاً پہلے اُس کا تعلق آباء سے ہُوا، پھر ابناء سے، اور عیسیٰ علیہ السلام سے لفظ کُن کا تعلق اُن کی والدہ ماجدہ کے شکم شریف میں ہُوا۔ وہاں درمیان میں رب کا واسطہ نہیں ہے اس لیے عیسیٰ علیہ السلام کو کلمہ فرمایا۔ اور کُن بھی اللہ تعالےٰ کا کلمہ ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کو اس سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اُن کی مثال حضرت آدم علیہ السلام کی ہے کہ اُن کا جسم اطہر بھی مٹی سے تیار ہوا تو اُن کے اندر پھُونکنے کے وقت فرمایا کن۔ چونکہ حضرت آدم علیہ السلام باپ کے واسطہ کے بغیر پیدا ہوئے فلہذا ان کو بھی کن سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ اس کلمہ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ڈالا۔ یعنی جبریل علیہ السلام کے نفخ سے انہیں بی بی مریم کی طرف پہنچایا وَرُوْحٌ مِّنْهُ اس کا عطف کلمتہ پر ہے اور منہ روحٌ کی صفت ہے۔

عیسائیوں کا رد

مِن مجازاً ابتدائے غایت کے لیے ہے نہ کہ تبعیضیہ۔ جیسا کہ نصرانیوں کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا ایک جزو ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کے لیے اجزاء کا ہونا محال ہے تو پھر عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا جُزو کیسے ہُوئے۔

مناظرہ مابین علامہ خراسانی و نصرانی

منقول ہے کہ ہارون الرشید کا ایک نصرانی طبیب تھا جو نوجوان اور حسین و جمیل اور ادیب تھا۔ اس میں وہ تمام اچھی خصلتیں موجود تھیں جو بادشاہوں کے دربار میں حاضر ہونے والوں کے اندر ہونی چاہئیں۔ ہارون الرشید کو بیحد شوق تھا کہ کسی طرح یہ نصرانی اسلام قبول کرلے چنانچہ اسے طرح طرح کے لالچ دئے گئے لیکن وہ ایک نہ مانا، بلکہ اُس نے ایک دفعہ ہارون الرشید پر

marfat.ocm

ایک ایسا اعتراض کر دیا کہ جس سے اس کا دماغ چکرا دیا۔ وہ اعتراض یہ تھا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے لیے وروحٌ منہ فرمایا اور یہ جزئیت پر دلالت کرتا۔ یہ سُن کر ہارون الرشید متحیر ہو گیا، اس سے جواب نہ بن پڑا تو اس نے اپنے علاقہ کے علماء کرام کو بلایا، کسی سے اس کا حل نہ ہو سکا۔ یہاں تک کہ حج کے موقعہ پر اطراف واکناف کے لوگ جمع ہوئے تو کسی نے ہارون الرشید سے کہا کہ خراسان سے ایک عالم دین تشریف لا سکتے ہیں اس سوال کا ازالہ وہی فرما سکتے ہیں ان کا اسم گرامی علی بن الحسین بن واقد ہے اور وہ مرو کے رہنے والے ہیں اور قرآنی علوم کے امام مانے ہوئے ہیں۔ ہارون الرشید نے اس عالمِ دین سے عرض کیا کہ اس طبیب نصرانی سے گفتگو کریں۔ چنانچہ ایک جگہ مقرر ہوئی۔ طبیب نصرانی کو لایا گیا اس نے یہی اعتراض کیا تو اس سے وہ عالم دین بھی متحیر ہو گیا اور ہارون الرشید سے کہا کہ اس خبیث کے متعلق مجھے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی الہام فرمایا کہ یہ تیرے سامنے مجھ پر اعتراض کرے گا لیکن مجھے اعتراض اور اس کے جواب سے آگاہی نہیں فرمائی لہٰذا نہ ہی مجھے اب اس کا جواب مستحضر ہے مجھے تین دن مہلت دیجئے، اس اثناء میں نہ کھاؤں گا نہ پیوں گا۔ امید ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ اس کے متعلق آگاہی بخشے گا۔ چنانچہ یہ کہہ کر ایک تاریک مکان میں بیٹھ گئے اور باہر سے تالے لگوا دئیے اور قرآن مجید کو تدبر و تفکر سے پڑھنے لگے۔ جب سورہ جاثیہ کے اس مقام پر پہنچے وسخر لکم ما فی السموٰت وما فی الارض جمیعا منہ تو اندر سے چیخ مار کر پکارے اور فرمایا: دروازہ جلد کھولو اور اس نصرانی طبیب کو بھی بلاؤ، اس لیے کہ مجھے اُس کے سوال کا جواب منکشف ہو گیا ہے۔ چنانچہ دروازہ کھولا گیا اور اس نوجوان طبیب کو بھی بلایا گیا تو اس عالمِ دین نے ہارون الرشید کے سامنے طبیب کو یہی آیت سنائی اور فرمایا کہ اگر روح منہ سے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا جزء ہونا ثابت ہوتا ہے تو جمیعاً منہ سے تمام آسمان اور زمین کے اندر کی جملہ اشیاء اللہ تعالیٰ کے اجزاء ماننے چاہئیں۔ اس سے نصرانی طبیب لاجواب ہو کر مسلمان ہو گیا۔ اس سے ہارون الرشید بہت خوش ہوئے اور حضرت علی بن الحسین الواقدی المروزی کو بہترین اور نفیس اشیاء انعام کے طور پر پیش کیں۔ علامہ موصوف واپس گھر تشریف لائے تو ایک کتاب مسمّی بہ "النظائر فی القرآن" تصنیف فرمائی۔ بفضلہ تعالیٰ بے نظیر تصنیف ہے۔

ف: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ روح سے پہلے ذُو محذوف ہے یعنی حضرت علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے صاحبِ رُوح تشریف لائے صرف عیسیٰ علیہ السلام کی شرافت سے اُنہیں اپنی طرف منسوب فرمایا بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس روح سے وہی روح مراد ہے جو حضرت جبرایل علیہ السلام نے بی بی مریم کی چھاتی میں پھونکا اور وہ بی بی کے منہ سے شکمِ اطہر کے اندر چلا گیا، اس سے وہ حاملہ ہوئیں۔ اس نفخ کو

marfat.ocm

روح سے تعبیر فرمایا اس لیے کہ روح ایک ہوا ہوتی ہے اور پھر چونکہ وہ نفخِ جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا، بنا بریں اسے اپنی طرف منسوب فرمایا۔

اعجوبہ حضرت کعب الاحبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح کو آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالا تاکہ ان سے عہد و پیمان لے۔ بعد فراغت ان سب کو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت مبارک میں ودیعت رکھا اور عیسیٰ علیہ السلام کی روح مبارک کو اپنے ہاں روک لیا۔ جب اُن کے پیدا کرنے کا ارادہ ہوا تو اس رُوح کو بی بی مریم کے شکمِ اطہر کے اندر داخل ہونے کا حکم فرمایا تو عیسیٰ علیہ السلام اپنی ماں کے پیٹ کے اندر داخل ہوئے، بنا بریں انہیں اپنی طرف منسوب فرمایا۔

ف: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام صرف نفخِ جبریل علیہ السلام سے نہیں بلکہ اس میں بی بی مریم کا پانی بھی ملا، تب ان کی تخلیق ہُوئی۔ یہی قول محققین کے نزدیک زیادہ صحیح ہے۔

ف: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ جونہی جبریل علیہ السلام نے پھونک ماری تو ماں کے پیٹ میں داخل ہوئے تو فوراً انسانی شکل میں ماں کے پیٹ سے باہر تشریف لائے۔

ف: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ نفخ کے بعد آٹھ ماہ تک ماں کے پیٹ کے اندر ٹھہرے رہے۔ ان دونوں میں پہلا قول زیادہ صحیح ہے یعنی ابھی گئے ابھی آئے۔

تفسیر صُوفیانہ رُوح کی شرافت بعض اشیاء پر اس لیے بھی ہے کہ روح کو اللہ تعالیٰ کے کسی واسطہ کے بغیر امرِ کُن سے پیدا فرمایا وروح منه کہا ایسے ہی روح کے لیے فرمایا قل الروح من امر ربی۔ پھر جیسے رُوح کی شان ہے کہ مُردہ اجسام میں جاتے ہی زندگی پیدا فرما دے۔ ایسے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خاصہ تھا کہ مُردوں کو زندہ اور مادر زاد اندھوں اور برص والوں کو اللہ تعالیٰ کے اذن سے تندرستی و شفا بخشتے، اسی طرح مٹی سے بنائے ہوئے پرندے کو پھونک مارتے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُڑنے لگتا۔

ف: یہ استعداد روحانی بھی کلمۃ اللہ ہے جس کا مرکز انسانی جلت ہے اور اسے امرِ ربّی سے پیدا فرمایا اور عیسیٰ علیہ السلام میں بلا تکلف پیدا فرمایا کہ اس جوہر کو معدن سے نکالنے میں اتنی سعی نہیں کی گئی جتنی دوسرے کے متعلق، اس لیے کہ ان کی رُوح دوسرے ارواح کی طرح اصلابِ آباء و ارحامِ امہات میں نہیں رہی، اس لیے کہ ان کی روح اُن کے جسم میں ظاہر و باہر تھی اور ان پر باپ کے جسم کے اثرات نہیں تھے اور ہمارے جوہر چونکہ ہمارے جسم میں پوشیدہ اور اس پر ہمارے آباء کی بشریت کے آثار بھی اثر انداز ہوتے ہیں اس لیے وُہ جوہر مخفی ہوتا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام میں اس روح اور جوہر کی غیر پوشیدگی کی

marfat.ocm

وجہ تھی کہ آپ سے زمانۂ طفولیت ہی میں کئی معجزات کا ظہور ہوا اور چونکہ ہمیں اس جوہر کو اپنے جسم کی ظلمات سے باہر نکالنے کی بہت بڑی جدوجہد کرنی پڑی کہ وہ صفاتِ بشریہ جو ہمیں آباؤ اجداد کی بشریت سے ورثہ میں ملے۔ انہیں دُور کرنا پڑتا ہے، ان صفاتِ بشریہ کو دُور کرنے کے لیے ایک رہبر ضروری ہے کہ جس کے اوامر و نواہی سے ہم اس بہت بڑے سخت کام کو سرانجام دے سکیں اور وہ رہبرِ کامل حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وما اٰتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا۔

جس نے اپنے جوہرِ روحانی کو بشریت و انسانیت کی گرد و غبار سے صاف رکھا تو وہ اپنے وقت کا مسیح ہوگا اُس کے نفوس کی برکات سے کئی مُردہ دل زندہ ہوں گے اور کئی بہرے کان سماعتِ حق سے بہرہ ور اور کئی آنکھیں دیدہ ور ہوں گی، اور وہ اپنے دَور میں وقت کے نبی کی طرح ہوگا۔ ہماری اس تقریر پر سالک کو غور کرنا لازمی ہے۔ مثنوی شریف میں ہے:؂

(۱) عیسیٰ اندر مہد دارد صد نفیر — کہ جوان ناگشتہ ما شیخیم و پیر
(۲) پیرِ پیرِ عقل باید اے پسر — نے سفیدی موئے اندر ریش و سر
(۳) چون گرفتی پیرہن تسلیم شو — ہمچو موسیٰ زیرِ حکم خضر شو
(۴) دست را مسپار جز در دستِ پیر — حق شدست آن دست را دستگیر
(۵) چون بداری دستِ خود در دستِ پیر — پیرِ حکمت کو علیم است و خبیر

ترجمہ: (۱) عیسیٰ (علیہ السلام) گہوارے میں بار بار فرما رہے ہیں کہ ہم جوان نہیں بلکہ شیخ اور پیر ہیں۔

(۲) پیرِ عقل پیر ہونا چاہیے نہ کہ سر اور داڑھی کے بالوں کی سفیدی کی وجہ سے۔

(۳) جب تُو نے تسلیم کا لباس پہن لیا تو پھر تجھے موسیٰ علیہ السلام کی طرح خضر کے تابع ہونا ضروری ہے۔

(۴) ہاتھ کو سوائے شیخ (مرشد) کے کسی دوسرے ہاتھ میں نہ دے، حق یہی ہے کہ اسی ہاتھ کو پکڑ۔

(۵) جب تُو پیر کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ چکا تو اب اسی کا ہو جا کیونکہ پیر (مرشد) ہی

marfat.ocm

حکمت کو بخوبی جانتا ہے اور اس سے خوب آگاہ ہے۔

سوال : چونکہ نفخ روح حضرت جبریل علیہ السلام سے ہوئی اور قاعدہ ہے الولد سر لابیہ (بیٹا اپنے باپ کا مظہر ہوتا ہے) بنا بریں لازم تھا کہ عیسٰی علیہ السلام بھی روحانیین کی صورت میں ظاہر ہوتے۔

جواب : حضرت جبریل علیہ السلام بشری لباس میں تشریف لائے، روحانیین کی صورت میں نہ تھے اور ان کی والدہ میں نطفہ بھی تمثّل بشری کی حالت میں ٹھہرا اور نفخِ صورت کے وقت بھی بشری لباس میں تھے اس لیے اکمل و اُتم صورت بشری ہے جیسا کہ حضور علیہ السلام کے حضور میں تجلیاتِ ربانیہ نوجوان گھنگریالے بالوں میں بشری صورت میں حاضر ہوتے تھے۔ حضرت جبریل علیہ السلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی خدمت میں اکثر دِحیہ کلبی (صحابی) کی شکل میں تشریف لاتے تھے۔ اور قاعدہ ہے کہ ماں کو بوقتِ استقرارِ نطفہ جیسی صورت متصور ہوتی ہے ویسی شکل میں بچہ پیدا ہوتا ہے۔

حکایت ۱ منقول ہے کہ ایک عورت کو ایک ایسا بچہ پیدا ہوا جس کی شکل تو انسانی تھی مگر جسم سانپ جیسا تھا، اس سے پُوچھا گیا تو اس نے کہا بحالتِ استقرار میرا خیال سانپ کی صورت کی طرف لگ گیا تھا۔

حکایت ۲ منقول ہے کہ ایک عورت کو ایسا بچہ پیدا ہوا جس کی چار آنکھیں تھیں اور اس کے دونوں پاؤں ریچھ کی طرح تھے۔ وہ عورت قبطیہ خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ وہ کہتی ہے کہ جب اس کے شوہر نے اس سے جماع کیا اس وقت اس کے سامنے دو ریچھ کھڑے تھے۔ اسی تصور میں نطفہ ٹھہرا تو اسی طرح کا بچہ پیدا ہوا۔

سبق امورِ تخلیقیہ میں اللہ تعالٰی کے اسرار و رموز اور بہت بڑی حکمتیں ہوتی ہیں۔ وہ جیسے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، وہ ہر شَے پر قادر ہے (کذا فی حل الرموز)

تفسیر عالمانہ **فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ** پس اللہ تعالٰی پر ایمان لاؤ صرف اسی کو اِلٰہ مانو **وَرُسُلِہٖ** اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لاؤ، یعنی انہیں وصفِ رسالت کی حیثیت سے مانو، انہیں وصفِ رسالت سے نکال کر الوہیت کے درجے میں نہ لے جاؤ۔ اور عیسٰی علیہ السلام منجملہ رُسل کے ایک رسول ہیں فلہٰذا انہیں بھی صرف رسول ہی مانو نہ کہ انہیں الوہیت کے درجہ میں لے جاؤ **وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَۃٌ** اور تین خدا نہ مانو، جیسے نصارٰی کہتے ہیں کہ خدا تین ہیں:

(۱) اللہ

(۲) عیسٰی علیہ السلام

marfat.ocm

(۳) عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ بی بی مریم علیہا السلام ۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ءَ اَنْت قلت للناس اتخذونی وامی الٰہین من دون اللّٰہ ۔	(اے عیسیٰ علیہ السلام) کیا تم نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ تعالیٰ کے سوا معبود مانو ۔

اور نصاریٰ کا مذہب یہ ہے کہ اللہ کے تین اقنوم ہیں:

(۱) اقنوم الاب

(۲) اقنوم الابن

(۳) اقنوم روح القدس

اقنوم اول سے ذات بعض کے نزدیک وجود اور اقنوم ثانی سے علم اور اقنوم ثالث سے حیات مراد لیتے ہیں ۔

اِنْتَهُوْا تین معبود ماننے سے باز آجاؤ خَیْرًا لَّکُمْ یعنی معبود ماننے سے باز رہنا تمہارے لیے بہتر ہے، یا بھلائی کی طرف آؤ۔ تین خدا ماننا چھوڑ کر صرف ایک خدا کو مانو اِنَّمَا اللّٰہُ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ بیشک تمہارا معبود صرف ایک ہے، یعنی وہ واحد بالذات اور تعدد سے منزّہ ہے ۔ کوئی صورت اس کے لئے تعدد کی نہیں ہے ۔ اللہ مبتدا، اور الٰہ اس کی خبر اور واحد اس کی صفت ہے یعنی وہ الوہیت میں منفرد ہے کوئی اس کا شریک نہیں سُبْحٰنَہٗ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗ وَلَدٌ میں اس کی تقدیس و تسبیح کرتا ہوں کہ اس کی کوئی اولاد ہو، اس لیے کہ جس کی اولاد ہو وہ فانی ہوتا ہے دوسرا اولاد صرف اس لیے ہوتی ہے کہ وہ نسل ختم نہ ہو، جیسے ملائکہ کی اولاد نہیں اور اہل بہشت کی اولاد نہیں اور ذاتِ حق کو دائمی بقا ہے اور اولاد حادث اور فانی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی اولاد کیسے ہو جبکہ وہ ازلی و ابدی اور طرح کی مثال سے منزّہ اور تمام اشیاء سے مقدس ہے ۔ مثنوی میں ہے: ؎

لَمْ یَلِدْ لَمْ یُوْلَدْ است او از قدم
نہ پدر دارد نہ فرزند و نہ عم

ترجمہ: وہ قدیم سے لم یلد و لم یولد ہے اس کا نہ باپ نہ اولاد نہ چچا وغیرہ ۔

marfat.ocm

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اسی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے تنزیہ کی تعلیل و تقریر کے لیے لایا گیا ہے یعنی جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اسی کی مِلک ہے خلقاً و مِلکاً و تصرفاً اس کی ملکیت سے کوئی شے بھی خارج نہیں ہو سکتی۔ ان اشیاء میں سے عیسیٰ علیہ السلام بھی ہیں، جب اس کی یہ شان ہے تو پھر اس کی اولاد کیسی!

ف: ابن الشیخ اپنے حواشی میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے جابجا تنزیہ فرمائی ہے کہ اس کی کوئی اولاد نہیں، اور ساتھ یہ بھی بتایا کہ آسمانوں اور زمینوں کے اندر کی تمام اشیاء اس کی ملکیت ہیں خلقاً و مِلکاً و تصرفاً اس سے ان جاہل لوگوں کا رَد ہے جو کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی مِلک اور مخلوق بھی ہے اور بیٹا بھی۔ لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ خالق و مخلوق میں کسی قسم کی جنسیت کا تصور نہیں ہو سکتا بلکہ مالک و مملوک بھی جنسیت سے پاک ہیں پھر بھی وہ اپنی جہالت سے اللہ تعالیٰ کے لیے ولد اور زوجہ ثابت کرتے ہیں۔

وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا اور اللہ ہی سب کا وکیل ہے۔ یعنی تمام مخلوق اپنے جملہ امور اسی کے سپرد کرتے ہیں اور جمیع عالم سے مستغنی ہے پھر اس کے لیے اولاد کا تصور کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ اولاد کا ہونا عجز و احتیاجی پر دلالت کرتا ہے اس لیے کہ اولاد کے لیے یہی تصور ہوتا ہے کہ وہ اپنے آباء کے قائم مقام ہو کر اُن کے جملہ امور کو خوش اسلوبی سے سرانجام دیں گے یا کم از کم اُن کی معاونت کریں گے۔ توحید پر مندرجہ ذیل شعر دلالت کرتا ہے: ؎

كل شئ ذاته لی شاهد
انما الله الٰه واحد

ترجمہ: ہر شئے شہادت دیتی ہے کہ بے شک اِلٰہ صرف ایک ہے۔

تفسیر صوفیانہ اہلِ توحید کا مطمحِ نظر جنّات (بہشت) نہیں، اور ان کے ذوق کے لیے بہشت کی نعمتیں کچھ نہیں۔

حکایت ایک ولی کامل جنہیں سکری بابا کہا جاتا ہے اس لیے کہ وہ کئی کئی روز تک استغراق میں رہتے یہاں تک کہ دیکھنے والے سمجھتے کہ یہ مُردہ ہیں اُن کے منہ میں کوئی دوائی رکھتے تو وہ صرف ایک روز افاقہ پا کر پھر مستغرق ہو جاتے۔ ایک دفعہ انہیں خیال گزرا کہ اپنی عورت کو طلاق دے دیں اور اولاد کو چھوڑ چھاڑ کر صرف اللہ تعالیٰ سے ہی لو لگائیں، وہ فرماتے ہیں اس اثناء میں مجھے ملکوت میں دیگر ارواح کے ساتھ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی، وہ واللّٰہُ واحد کی تفسیر فرما رہے تھے۔ لیکن جب میں آپ کی زیارت سے مشرف ہوا تو آپ کو ایک

marfat.ocm

نورانی کرسی پر بیٹھا دیکھا اُس کرسی کے چار نورانی پائے تھے۔

(۱) نورِ اسود مرتبۂ طبیعت۔
(۲) نورِ احمر مرتبۂ نفس۔
(۳) نورِ اخضر مرتبۂ فؤاد۔
(۴) نورِ ابیض مرتبۂ سر۔

مجھ سے متعلق مرشد سے کہا کہ سکری بابا کو چھوڑ دو اور اسے کہو کہ گھر چلا جائے اس کے بچّے تے ہیں۔ وہ اس لیے فرمایا گیا کہ میں نے ارادہ کر رکھا تھا کہ بال بچوں کو چھوڑ چھاڑ کر یکسوئی اختیار کر دوں۔ پھر بچوں نے آ کر بہت شور کیا اور قسم کھائی کہ ہم یہ ہرگز نہیں کرنے دیں گے۔ اس سے سکری بابا بہت گھبرایا۔

ف : انھیں سکری اس لیے بھی کہتے تھے کہ جب بھی اُن سے شکر مانگی جاتی فوراً جیب سے نکال کر دے دیتے تھے۔ یہاں تک کہ حمام میں کھڑے ہوئے دیکھ کر کسی نے اُن سے کہا : بابا شکر دیجئے۔ آپ نے وہاں سے مٹی اٹھا کر دے دی اور فرمایا : یہ لو شکر۔ جب دیکھا گیا تو وہ واقعی شکر تھی۔ اس کے بعد لوگوں کے ان کے متعلق شکوک و شبہات دُور ہو گئے، اور آپ کو سکری بابا کے نام سے مشہور کر دیا۔

فائدہ صوفیانہ حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ آفندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ملکوت کسی علوی مالک کا نام نہیں بلکہ ملک و ملکوت سب انسان کے پاس ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ زمان و مکان سے منزّہ ہے اور ذہاب و ایاب (آمد و رفت) سے پاک۔ وہ تو ہر وقت انسان کے پاس ہے کما قال وھو معکم اینما کنتم۔

سبق سالک کا ایک ایسا مقام بھی ہے کہ جس میں اس کی توجہ ذاتِ الٰہی کے جلووں پر ہوتی ہے اسے مقامِ معیت کہا جاتا ہے، اس کے بعد مقامِ فنا میں پہنچتا ہے جو بالکل مٹ کر من تُو شدم تُو من شدی کا مرتبہ پالیتا ہے اسے مقامِ جمع کہا جاتا ہے۔ اس مقام میں اسے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کو چارسُو نور محیط ہو جائے تو اسے تاریکی نظر نہیں آتی بلکہ وُہ نور ہی نور دیکھتا ہے۔ مثلاً سورج کو غور سے دیکھئے کہ اس میں نور ہی نظر آتا ہے۔ لیکن یاد رکھئے سالک کو جب یہ مقام نصیب ہوتا ہے تو ذاتِ حق کے جلووں کو اس ظاہری آنکھ سے نہیں دیکھتا اور نہ ہی ایسے دیکھتا ہے جیسے اور اشیاء ذی اجساد کو دیکھا جاتا ہے بلکہ وہ دیکھنا اور نظر آنے والے کی کیفیت کچھ اور طریق سے ہے جسے اولیاءِ کاملین اور علماءِ عاملین نے بیان فرمایا یعنی بے صورت کو چشمِ بصیرت سے

marfat.ocm

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ
مسیح اللہ کا بندہ بننے سے کچھ نفرت نہیں کرتا اور نہ مقرب
الْمُقَرَّبُوْنَ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ
فرشتے اور جو اللہ کی بندگی سے نفرت اور تکبر کرے تو کوئی دم جاتا ہے کہ وہ ان سب
جَمِيْعًا (١٧٢) فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ
کو اپنی طرف ہانکے گا تو وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے ان کی مزدوری انہیں بھرپور دے کر
مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا
اپنے فضل سے انہیں اور زیادہ دے گا اور وہ جنہوں نے نفرت اور تکبر کیا تھا انہیں دردناک سزا دے گا
وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا (١٧٣) يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ
اور اللہ کے سوا نہ اپنا کوئی حمایتی پائیں گے نہ مددگار اے لوگو بیشک تمہارے
جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا (١٧٤) فَاَمَّا
پاس اللہ کی طرف سے واضح دلیل آئی اور ہم نے تمہاری طرف روشن نور اتارا تو وہ جو
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ
اللہ پر ایمان لائے اور اس کی رسی مضبوط تھامی تو عنقریب اللہ انہیں اپنی رحمت اور اپنے فضل میں
وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا (١٧٥) يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ
داخل کرے گا اور انہیں اپنی طرف سیدھی راہ دکھائے گا اے محبوب تم سے فتویٰ پوچھتے
يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا
ہیں تم فرمادو کہ اللہ تمہیں کلالہ میں فتویٰ دیتا ہے اگر کسی مرد کا انتقال ہو جو بے اولاد ہے اور اس کی
نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ
ایک بہن ہو تو ترکہ میں اس کی بہن کا آدھا ہے اور مرد اپنی بہن کا وارث ہوگا اگر بہن کی اولاد
فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ
نہ ہو پھر اگر دو بہنیں ہوں ترکہ میں ان کا دو تہائی اور اگر بھائی بہن ہوں مرد بھی اور عورتیں بھی تو مرد کا حصہ
حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (١٧٦)
دو عورتوں کے برابر اللہ تمہارے لیے صاف بیان فرماتا ہے کہ کہیں بہک نہ جاؤ اور اللہ ہر چیز جانتا ہے

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ لَنْ یَّسْتَنْكِفَ الْمَسِیْحُ مسیح علیہ السلام اپنی کسرِشان نہیں سمجھتے۔ اساس البلاغۃ میں ہے استنکف منہ و نکف ای امتنع (رک گیا) والقبض النفاد نسبۃ من عار یعنی کسی شے سے متنفر ہوا اَنْ یَّكُوْنَ عَبْدُ اللّٰهِ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہوں، [illegible] کہ اللہ تعالیٰ کا بندہ بننا تو بہت بڑی بزرگی ہے، یہ جسے حاصل ہو جاتی ہے وہ فخر و ناز کرتا ہے۔ ہاں ذلت وخواری اس میں ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی عبودیت اختیار کی جائے۔

شانِ نزول نصاریٰ کا وفدِ نجرانی حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ آپ ہمارے بزرگ کو کیوں گھٹاتے ہیں؟ آپ نے پُوچھا، تمہارے بزرگ کون سے ہیں؟ انہوں نے عرض کی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ آپ نے فرمایا، میں انہیں کیا کہتا ہوں۔ اُنہوں نے کہا آپ انہیں اللہ تعالیٰ کا بندہ کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، یہ کوئی عیب نہیں۔ انہوں نے عرض کی، ہاں یہ ان کی تنقیص ہے۔ اُن کے رَدّ میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ اس کا عطف المسیح پر ہے یعنی ملک مقرب بھی عار نہیں سمجھتے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہوں۔

ف : ان ملائکہ سے کروبیین مراد ہیں اور یہ وہ ہیں جو عرش کے قریب رہتے ہیں جیسے جبرائیل، میکائیل، اسرافیل، اور وہ جو ان کے ہم مرتبہ ہیں۔

وَمَنْ یَّسْتَنْكِفْ اور جو بھی عار کرتا ہے عَنْ عِبَادَتِهٖ اللہ تعالیٰ کی طاعت و عبادت سے۔ یہ مقام کفار کو شامل ہے اس لیے کہ وہی اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت سے محروم ہیں وَیَسْتَكْبِرْ اور تکبر کرتے۔ استکبار استنکاف میں کم ہے، اس کا استنکف پر عطف ہے۔ یہ اس لیے لایا گیا کہ استنکاف سرے سے استحقاق کے انکار کو کہا جاتا ہے اور استکبار استحقاق مان کر انکار کیا جاتا ہے فَسَیَحْشُرُهُمْ عنقریب ان سب کو قیامت میں جمع فرمائے گا جَمِیْعًا کوئی بھی نہ رہے گا مستنکف ہو یا مستکبر، مقر ہو یا مطیع پھر سب کو جزا و سزا دے گا فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ پس جو مومن اور نیک عمل کرنے والے ہوں گے انہیں پوری پوری جزا دے گا یعنی ان کے اعمال کی انہیں پوری پوری جزا ملے گی، کسی قسم کی کمی نہ کی جائے گی وَیَزِیْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اور اپنے فضل سے اُن کے لیے اُن کے اجر و ثواب میں اضافہ فرمائیگا، یعنی ان کے اعمال سے کئی گنا زیادہ ثواب عطا فرمائے گا اور انہیں ایسے انعامات نصیب ہوں گے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھے اور نہ کسی کان نے سُنے، اور نہ ہی کسی کے دل میں ان کا تصور آسکتا ہے وَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْتَنْكَفُوْا اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ

marfat.ocm

کی عبادت سے انکار کیا ہوگا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ اور تکبر کیا ہوگا تو ان کے استنکاف واستکبار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انہیں عذاب میں مبتلا فرمائے گا عَذَابًا اَلِيْمًا ۵ ایسے دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے جو کسی کے تصور میں بھی نہیں آسکتا وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اور اللہ تعالیٰ کے سوا اُس وقت نہیں پائیں گے وَلِيًّا کوئی مددگار جو اُن کے معاملات کو سلجھائے وَلَا نَصِيْرًا اور نہ کوئی حمایتی جو انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب اور خوف سے بچا کر ان کی مدد کر سکے۔

ایک گمراہ فرقے کا عقیدہ اور ان کا رَد

اس آیت سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ ملائکہ کرام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کا رَد کرتے ہوئے عیسیٰ علیہ السلام کی شان بیان فرمائی ملائکہ پر عطف ڈال کر، اور یہ قاعدہ ہے کہ معطوف علیہ سے معطوف افضل ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام معطوف علیہ اور ملائکہ معطوف ہیں اس سے لازماً ثابت ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے استنکاف نہیں۔ اس لیے کہ ملائکہ کرام کو استنکاف نہیں۔ یہ بات دلالت کرتی ہے کہ ملائکہ کرام انبیاء عظام علیہم السلام سے افضل ہیں اُن کے اس باطل عقیدہ اور غلط دلیل کا رَد یوں ہے کہ یہ تمام باتیں سب کو مسلّم ہیں کہ یہاں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ذکر کرنے کی تخصیص صرف اس لیے کہ اس سے عیسائیوں کا رَد کرنا مطلوب ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام وہ شان رکھتے ہیں کہ باپ کے بغیر پیدا ہوئے اور انہیں مغیبات (غیب) کا علم تھا اور وہ آسمان پر اٹھائے گئے وغیرہ وغیرہ، لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی عبادت سے انکار نہیں، یعنی ملائکہ کرام کہ وہ ماں باپ کے بغیر پیدا کئے گئے اور وہ غیب کی بہت سی ایسی باتیں جانتے ہیں جنہیں عام بشر نہیں جانتے اور وہ بہت بڑے بلند مقامات یعنی آسمانوں میں رہتے ہیں۔ واقعی یہ باتیں قابلِ تسلیم ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ افضلیت کی علت تو یہ نہیں جو مذکور ہوتی، بلکہ افضلیت کی علت کثرتِ ثواب ہے اور وہ انبیاء علیہم السلام میں ہے اور ملائکہ کرام میں سرے سے ثواب کا مسئلہ ہی نہیں (ولہم مقام معلوم) وہ تو ایک خاص عہدہ پر فائز ہوتے ہیں اور بس۔ کذا فی الارشاد۔

تاویلات نجمیہ کی ایک بہترین تقریر

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ولا الملٰئکة المقربون میں اظہارِ فضیلت مطلوب نہیں بلکہ اُن کافروں کا رد مطلوب ہے جو کہتے ہیں کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، جیسے نصارٰی کہتے ہیں کہ عیسےٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کے رد میں فرمایا،

الکم الذکر وله الانثیٰ تلك اذن قسمة کیا تمہارے لیے اولاد نرینہ اور اللہ تعالےٰ

marfat.ocm

ضیزیٰ۔ کے لیے لڑکیاں، تمہاری عجیب تقسیم ہے۔

اب قرآنًا حضرت عیسٰی علیہ السلام کی افضلیت ثابت ہوتی ہے وہ اس طرح کہ آیت میں پہلے عیسٰی علیہ السلام کا ذکر ہے پھر ملائکہ کا۔ اور افضلیت اسے حاصل ہوتی ہے جس کا عطف میں ذکر پہلے ہے دوسرا عیسٰی علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور ملائکہ کو بیٹیاں کہا گیا ہے اور لڑکوں کو لڑکیوں پر تقدم بھی اور فضیلت بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لذکر مثل حظ الانثیین۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے لڑکوں کا مقدم بھی فرمایا ہے اور حصہ بھی ان کا دوہرا بتایا پھر جیسا کہ لڑکوں کو عمومًا لڑکیوں سے فضیلت ہے ایسے ہی حقیقت میں عیسٰی علیہ السلام کو ملائکہ کرام پر فضیلت حاصل ہے۔

حدیث شریف سے استدلال

حدیث شریف سے بھی حضرات ملائکہ پر انبیاء کرام علیہم السلام کی افضلیت ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت جابر سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو جب اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا تو ملائکہ نے عرض کیا یا اللہ! تو نے انہیں پیدا فرمایا وہ کھاتے پیتے اور نکاح کرتے اور سواریوں پر سوار ہوتے ہیں ان کے لیے صرف دنیا اور ہمارے لیے آخرت۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جنہیں میں نے اپنے ہاتھ سے بنا کر پھر ان میں روح پھونکی ان کے برابر نہیں کروں گا جنہیں کُن کہا تو پیدا ہو گئے۔

صاحبِ تاویلات نجمیہ کا ایک عجیب و غریب استدلال

صاحبِ تاویلاتِ نجمیہ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ حضرت عیسٰی آدم علیہما السلام کی اولاد سے ہیں یعنی ماں کی جانب سے ان کی ذریت میں داخل ہیں تو پھر جو شرف آدم علیہ السلام کو ملائکہ پر ملا وہ ان کو بھی نصیب ہوا اور کُن کہہ کر جیسے فرشتوں کو پیدا کیا گیا یہ اگر فضیلت کا سبب ہے تو یہی شرف حضرت عیسٰی علیہ السلام کو نصیب ہوا تو انھیں بھی کُن کہہ کر پیدا کیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو فضیلت عیسٰی علیہ السلام کو حاصل ہے وہ ملائکہ کرام کو حاصل نہیں۔ یہاں پر صاحبِ تاویلات کا بیان ختم ہوا۔

ف: عبادتِ الٰہی سے سب سے بڑا استنکاف شرک فی العبادۃ اور توحید سے اعراض ہے جیسا کہ اعمال کی جز توحید و ایمان، اس لیے کہ کبر برائیوں کا سرتاج ہے اس لیے بعض حدیثوں میں کبر ایمان کے بالمقابل وارد ہوا ہے۔

marfat.ocm

حدیث شریف : حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لا یدخل الجنۃ من کان مثقال حبۃ من خردل من کبر ولا یدخل النار من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من ایمان۔

بہشت میں وہ شخص داخل نہ ہوگا جس میں ذرہ بھر بھی کبر ہے اور دوزخ میں وہ شخص نہ جائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

(۱) ترا شہوت و کبر و حرص و حسد — چو خون دورہ کند و چو جان در جسد
(۲) گر ایں دشمناں تقویت یافتند — سر از حکم و رآی تو بر تافتند

ترجمہ : (۱) تیری شہوت و تکبّر اور حرص و حسد خون میں دورہ کرتے ہیں جیسے جسم میں رُوح۔
(۲) اگر ان دشمنوں نے قوت حاصل کر لی تو تیرے حکم و رائے سے منہ موڑیں گے۔

حکایت : منقول ہے کہ ایک قاضی حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہُوا اور عرض کی کہ علم میں تو ہم آپ سے زیادہ ہیں لیکن کیا وجہ ہے کہ ہماری باتوں میں اتنی تاثیر نہیں جتنی کہ آپ کے ملفوظات (گفتگو مبارک) میں تاثیر ہے۔ حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ نے اسے فرمایا کہ چند اخروٹ لے کر ایک برتن میں رکھ کر اپنی گردن میں لٹکا دے اور بازار کا چکّر لگاتے ہوئے اعلان کرتے جاؤ جو مجھے تھپڑ مارے گا یہ اخروٹ اسے دے دوں گا۔ شہر کی گلی گلی کُوچے کُوچے میں اسی طرح گشت کرو پھر تمہاری باتوں میں تاثیر پیدا ہو جائیگی (یعنی جب تک نفس کی رعونت کو ملیامیٹ نہیں کرو گے یہ مرتبہ نصیب نہیں ہوگا) اس پر قاضی نے کہا : استغفراللہ۔ حضرت بایزید قدس سرہٗ نے فرمایا : یہ دوسرا گناہ تجھ سے سرزد ہوا اس لیے کہ میں تجھے وُہ بات بتا رہا ہُوں کہ جس سے تیرے نفس کی رعونت دفع ہو اور تُو اس پر استغفار پڑھتا ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

(۱) کسے را کہ پندار در سر بود — مپندار ہرگز کہ حق بشنود
(۲) زعلمش ملال آید از وعظ ننگ — شقائق بباراں نروید ز سنگ

ترجمہ : (۱) جس دماغ میں خود نمائی ہو وہ کیا حق کی بات سُنے گا۔
(۲) اسے تو علم سے ملال اور وعظ سننا عار ہوگا، پتھر سے پھُول کبھی نہیں اُگتے (یہی حال رسمی پیروں کا ہے)

marfat.ocm

سبق: سالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ تواضع اختیار کرے اس لیے کہ بلندیٔ درجات تواضع میں ہے اور وہ افضل العبادۃ بھی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ یہ خطاب عام ہر عاقل و بالغ کو ہے یعنی اے لوگو! قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ بیشک تمہارے ہاں ایک برہان تشریف لایا جو مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے اور تمہاری طرف ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے نازل کیا نُوْرًا مُّبِيْنًا ایک روشن نور۔ برہان سے معجزات اور نور سے قرآن مجید مراد ہے۔ یعنی تمہارے ہاں دلائل عقل اور شواہد نقل پہنچے ہیں لہٰذا اب تمہیں نہ کسی عذر کی گنجائش ہے اور نہ ہی کوئی اور حیلہ سازی۔ برہان ہر اس شئے کو کہا جاتا ہے کہ جس سے مطلوب کو دلائل سے واضح کیا جائے۔ اور قرآن کو نور اس لیے کہا گیا کہ یہ دلوں میں نورِ ایمان کے وقوع کا سبب ہے جس طرح سے اعیان کھل کر سامنے آجاتے ہیں اسی طرح قرآن سے احکامِ شرعیہ واضح ہوجاتے ہیں فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ بہرحال وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اس کے موافق جس طرح اُن کے پاس آئے ہوئے برہان کا تقاضا ہے وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ اور نفس امارہ کی اتباع اور شیطان کے حملوں سے اللہ تعالیٰ کی مدد سے بچتے ہیں فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ پس عنقریب انہیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں داخل کرے گا یعنی ان کے ایمان و عمل صالح کے مطابق ثواب عنایت فرمائے گا جیسا کہ اس کے حقوق واجبہ کا تقاضا ہے وَفَضْلٍ اور فضل عطا ہوگا، یعنی اجر و ثواب کے علاوہ ایک ایسا مزید احسان ہوگا کہ جسے نہ کسی نے دیکھا ہوگا اور نہ کسی بشر کے تصور میں آسکتا ہے وَيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا صراطِ مستقیم نصیب ہوگا۔ اس سے اسلام اور دُنیا میں طاعت اور آخرت میں راہِ جنت مراد ہے۔ یہ یھدی کا دوسرا مفعول ہے اس لیے کہ جیسے وہ بلا واسطہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے ایسے ہی دوسرے مفعول کی طرف بواسطہ الیٰ بھی متعدی ہوتا ہے، مثلاً کہا جاتا ہے: ھدیتہ الطریق اور ھدیتہ الی الطریق۔ اور الیہ اس سے حال واقع اور اس پر مقدم ہے۔

سوال: اسے اپنے ذوالحال سے مقدم کیوں کیا گیا؟

جواب: اگر اسے مؤخر کیا جاتا تو اس میں صفت کا بھی احتمال ہوتا اور وہ یہاں مقصود نہیں۔

اب معنیٰ یوں ہوا کہ انہیں دُنیا میں اسلام اور طاعت کی طرف ہدایت دیتا ہے ایسے ہی انہیں آخرت میں بہشت کی راہ دکھائیگا کہ اس سے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچیں گے۔

marfat.ocm

معجزاتِ سید الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) اور دیگر انبیاء (علیہم السلام) کے معجزات میں موازنہ

آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر نبی علیہ السلام ایک واضح دلیل عنایت فرماتا ہے کہ جس سے وہ اپنی امت پر حجت قائم کرتے ہیں اور حضور نبی علیہ السلام کی عین ذات کو حجت بنایا، اس لیے کہ دوسرے پیغمبرانِ عظام کے معجزات ایسے تھے جو ان کی ذات کے سوا کسی دوسرے شئے سے تعلق رکھتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ایک لاٹھی تھی اور وہ پتھر کہ جس سے بارہ چشمے بہہ نکلے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی ذات عین معجزہ تھی یہاں تک کہ آپ کا ایک ایک عضو مبارک بذاتِ خود معجزہ اور مخزنِ معجزات تھا۔

معجزاتِ مصطفوی کا بیان

(۱) مثال کے طور پر آپ کی مبارک آنکھوں کو دیکھئے کہ وہ چشمان مبارک جیسے آگے کی طرف دیکھتی تھیں ویسے ہی بیک وقت پیچھے کو بھی۔

چنانچہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لا تسبقونی بالرکوع والسجود فانی ارٰکم من خلفی کما ارٰکم من امامی۔	مجھ سے رکوع و سجود میں سبقت نہ کرو اس لئے کہ میں جیسے پیچھے دیکھتا ہوں ایسے ہی آگے۔

(۲) بصر مبارک کا برہان خود اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا کہ مازاغ البصر وما طغیٰ۔

(۳) بینی مبارک کے معجزہ کا بیان، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

انی لاجد نفس الرحمٰن من قبل الیمن۔	میں ذاتِ رحمٰن کی خوشبو یمن سے پاتا ہوں۔

(۴) اور آپ کی زبان اقدس کو برہان خود اللہ تعالیٰ نے بتایا:

وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ	اور (میرا نبی) اپنی خواہش سے نہیں بولتا مگر وہ جو اسے وحی کی جاتی ہے۔

(۵) آپ کے لبِ اطہر کا معجزہ مشہور ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو دعوت دی تو آپ نے فرمایا:

گھر چلے جاؤ آٹا گوندھ کر رکھ دو اور ہانڈی پکا کر چولہے پر رہنے دو جب تک ہم نہ پہنچ جائیں۔

چنانچہ جب آپ میرے گھر تشریف لائے تو آٹے میں تھوک مبارک ڈال دی اور برکت کی دعا فرمائی، اسی طرح پھر ہانڈی میں بھی۔ اس کے بعد فرمایا:

اللہ کا نام لے کر بانٹنا شروع کرو۔

چنانچہ کھانا تقسیم ہوا تو ہزاروں کی تعداد نے سیر ہو کر کھایا۔ لیکن پھر بھی بچ گیا اور اتنا کہ ہم نے ہانڈی کو دیکھا تو ویسے ہی پُر تھی اور آٹا بھی بال برابر کم نہ ہوا۔

(۶) آپ کے تھوکنے میں معجزہ کا بیان، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ خیبر میں میری آنکھ دکھتی تھی، یہاں تک کہ مجھے کچھ نظر نہیں آتا تھا تو آپ نے میری آنکھ میں تھوکا تو میری آنکھ درست ہوگئی۔

(۷) آپ کے ہاتھ مبارک کے معجزات کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا،

وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ

(۸) اور حدیث صحیح میں بھی ہے کہ کنکریاں آپ کے ہاتھ مبارک میں تسبیح پڑھتی تھیں۔ شیخ عطار فرماتے ہیں: ؎

داعیٔ ذرات بود آں پاک ذات
درکفش تسبیح ازاں گفتی حصاد

ترجمہ، وہ ذات پاک ذرہ ذرہ کو داعی (نبی) تھی اسی لیے آپ کے ہاتھ مبارک میں کنکریاں تسبیح پڑھتی تھیں۔

(۹) آپ کی انگلی مبارک کا معجزہ مشہور ہے کہ آپ کی انگلیوں کے درمیان پانی کے چشمے بہہ نکلے کہ جس سے ایک بہت بڑی مخلوق نے پیٹ بھر کر پانی پیا اور مشکیں وغیرہ بھر لیں۔

(۱۰) آپ کے سینہ مبارک کا معجزہ یہ تھا کہ آپ کے سینہ اقدس سے ہانڈی کی طرح آواز نکلتی تھی جبکہ آپ نماز پڑھنے کے وقت گریہ فرماتے تھے۔

(۱۱) آپ کے قلب مبارک کا معجزہ یہ تھا کہ آپ کی آنکھیں نیند کرتی تھیں لیکن دل بیدار رہتا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ماکذب الفؤاد ما رأی۔

اور فرمایا،

الم نشرح لك صدرك۔

اور فرمایا:

ونزل به الروح الامین علیٰ قلبك۔

marfat.ocm

اس طرح آپ کے معجزات میں سے سب سے بڑا معجزہ معراج شریف ہے کہ آپ قاب قوسین کو عبور فرماتے ہوئے اَو ادنیٰ کے مقام پر پہنچے اور یہ تمام معجزات آپ کی عین ذات سے متعلق ہیں۔ آپ سے پہلے اس طرح کے معجزات کسی نبی علیہ السلام کو نصیب نہیں ہوئے اور آپ پر وحی اُتری تو اس کے بعد آپ افصح العرب و العجم مانے گئے حالانکہ اس سے قبل آپ اُمّی تھے۔ نہ ہی کوئی کتاب پڑھی اور نہ ہی کسی سے ایمان کی باتیں سیکھی تھیں۔ اس سے آپ کے لیے اور کون سا بہت بڑا واضح اور اظہر اور قوی تر برہان چاہیے۔ علاوہ ازیں آپ کی اُمت کو اتنا بڑا اعزاز نصیب ہُوا تو آپ کے صدقے۔

تفسیر صُوفیانہ جو شخص حقیقی ایمان نورِ الٰہی سے نوازا جاتا ہے نہ کہ ایمان تقلیدی سے۔ تو اسے عنایت الٰہی اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ جس سے وُہ عالمِ صفات میں داخل ہوتا ہے اس لیے کہ رحمت و فضل بھی اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہیں۔ نورِ قرآن کے سبب سے بندے کو ہدایت نصیب ہوتی ہے جس کی حقیقت تخلق باخلاقہ ہے اس سے ہی وہ جنابِ الٰہی تک پہنچتا ہے اور اعتصام کے ذریعے سے سالک صراطِ مستقیم سے حضرۃ اللہ الکریم تک واصل ہو جاتا ہے۔

سبق : بندے کے لیے ضروری ہے کہ وہ ابتدائے سلوک میں ان اوامر و نواہی کو بجا لانے میں جد و جہد کرے جن کا ذکر کتبِ الٰہیہ و سننِ نبویہ میں ہے یہاں تک کہ اسے فضل اللہ الکریم تک پہنچنا نصیب ہو۔ جب اس مقام پر پہنچے گا تو اسے تصرفات در مملکت خداوندی کی توفیق ملے گی۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا :

اے اللہ! آنکھ جھپکنے کی مقدار کی دیر بلکہ اس سے کم کے لیے بھی مجھے میرے نفس کے سپرد نہ فرما۔

روحانی نسخے : بعض بزرگوں سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ مرید وہ ہے جس کا اپنا کوئی مذہب نہ ہو یعنی اسے چاہیے کہ بزرگوں کے اقوال اہلِ مذہب اسلامیہ میں جو سب سے زیادہ مشقت بھرا عمل ہو اسے اپنا مذہب بنائے (مثلاً نکسیر اور فصد (پچھنے لگوانے) سے وضو کرے، جو کہ حنفیوں کا مذہب ہے) اور سالک اگرچہ شافعی المذہب ہے تو بھی مذہب حنفی پر عمل کرے اور عورت کو ہاتھ لگ جائے تو وضو کرے جیسا کہ امام شافعی کے رحمہ اللہ کے مذہب میں ہے (اگرچہ حنفی مذہب سے تعلق رکھتا ہے) تب بھی وضو میں اس پر عمل کرے۔

(۲) بزرگوں کا ارشاد ہے کہ باطن کی نورانیت انوارِ ذکر و عبادۃ و معرفت سے نصیب ہوتی ہے۔

(۳) عبادت کو علیٰ وجہ الکمال ادا کیا جائے تو اس میں خلوص پیدا ہوتا ہے۔

marfat.ocm

(۴) خدمتِ دین سنتِ نبویہ کے تقاضا کے مطابق کی جائے تو اس سے خبث شہوات و اخلاق ذمیمہ کا ازالہ ہوتا ہے۔

(۵) توحید افضل الاعمال ہے، یہی توحید انسان کو سعادت ابدی تک پہنچاتی ہے۔

ذکرِ الٰہی کے فضائل

حدیث شریف ۱: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الذین لا تزال ألسنتھم رطبة من ذکر اللہ یدخلون الجنة وھم یضحکون۔	بیشک وہ لوگ جن کی زبانیں ذکرِ الٰہی سے تر رہتی ہیں وہ ہنستے ہوئے جنت میں داخل ہوں گے۔

حدیث شریف ۲: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لیس علی اھل لا الٰہ الا اللہ وحشة فی قبورھم ولا فی نشورھم کأنی انظر الیھم عند الصیحة ینفضون التراب عنھم ویقولون الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن ان ربنا لغفور شکور۔	جنہیں لا الٰہ الا اللہ نے ذکر پر مداومت نصیب ہے انہیں نہ قبر میں وحشت ہوگی اور نہ حشر کے لیے اٹھتے وقت یہاں تک کہ گویا میں انہیں قبروں سے نفخ صور کے وقت اُٹھنے کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ اپنے سروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے نہایت ہی سکون سے الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن اِن ربنا لغفور شکور کہتے ہوئے جا رہے ہیں۔

ف: مشائخ کرام نے اس آیت کا معنیٰ یہی کیا ہے جو حدیث میں مذکور ہوا اور آیت والبلد الطیب یخرج نباته باذن ربه والذی خبث لا یخرج الا نکدا کا بھی یہی مفہوم بیان کیا ہے۔ اے اللہ! ہمیں ذاکر شاکر لوگوں سے بنا اور غافلوں سے بچا (آمین)

تفسیر عالمانہ یَسْتَفْتُوْنَكَ آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں فِی الْکَلٰلَةِ کلالہ کے بارے میں قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِی الْکَلٰلَةِ آپ فرمایئے تمہیں اللہ تعالیٰ کلالہ کے بارے میں فرماتا ہے۔

marfat.ocm

حلِ لغات الافتاء لغت میں مبہم کو بیان کرنا اور مشکل کو واضح کرنا ۔ الکللة اصل میں الکلال کا مصدر ہے بمعنے تھکان سے قوت کا چلا جانا، اور اصطلاحِ فقہ میں مندرجہ ذیل رشتوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے ۔

(۱) رشتہ دار جو والد اور ولد کی جہتہ نہ ہوں، انہیں اس لیے کلالہ کہا جاتا ہے کہ انہیں والد و ولد کے رشتہ سے نسبت کی کمزوری ہے ۔

(۲) ہر اس انسان کو بھی کہتے ہیں جو والد اور ولد چھوڑ کر نہ مرے بلکہ ان کے علاوہ کئی رشتہ دار چھوڑے ہوں ۔

(۳) اس پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جو مرنے والے مورث کا وارث نہ والد ہو نہ ولد ۔ یہاں پر ثانی مراد ہے یعنی ہر وہ شخص کہ مرگیا ہے اس کا وارث نہ ہی احد الابوین ہیں نہ کوئی اولاد ۔

شانِ نزول حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو حضور سرورِ عالم ان کی طبع پرسی کے لیے تشریف لے گئے تو عرض کی میں کلالہ ہوں ۔ یعنی میں مرجاؤں تو میرے پیچھے وارثوں میں نہ میرے احد الابوین ہیں اور نہ ہی اولاد، تو فرمایئے میں اپنے مال متروکہ کے متعلق کیا کروں ؟ تو اس کے سوال پر یہ آیت نازل ہوئی ۔

اِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ اگر مرد مرجائے ۔ یہ جملہ مستانفہ ہے جو فتویٰ پوچھا گیا اسے بیان کرنے کیلیے لایا گیا ہے، اور امرأ فعل محذوف ہے جس کی فعل مذکور تفسیر کر رہا ہے لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ یہ امرأ کی صفت ہے یعنی مرنے والے کا کوئی ولد نہ ہو لڑکا یا لڑکی وَّلَهٗٓ اُخْتٌ اس کا عطف لیس له ولدٌ پر ہے یا حال ہے یہاں پر اخت (بہن) سے بہن مراد ہے جو ماں کی طرف سے نہیں اس لیے کہ اس کا صرف چھٹا حصہ ہوتا ہے گویا یہاں حقیقی بہن مراد ہے یا باپ کی طرف سے جسے علمِ میراث میں علّیہ کہتے ہیں فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ اس بہن کا مال متروکہ سے آدھا حصہ ہے یعنی بوجہ فرضیت (حصۂ میراث) اُس کا باقی مال اس کے عصبہ کو ملے گا اگر عصبہ نہ ہو تو اس بہن پر رد ہوگا گویا اس کے تمام مال کی مالک یہی بہن ہوگی وَهُوَ يَرِثُهَا اور وہ مرد اپنی بہن کا وارث ہوگا جبکہ اُسے شریعت حق دلائے ۔ اور وہ جو مرگئی ہے اس کا حصہ وراثت بھی اسے مل سکتا ہے (اس لیے کہ قاتل و مقتول وغیرہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے) یہ اس وقت ہے جبکہ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ جبکہ اس کے کوئی لڑکا لڑکی نہ ہو ۔

مسئلہ : بہن کا کوئی لڑکا لڑکی نہ ہو تو بھائی تمام مال کا مالک ہوجائے گا اس لئے کہ شرط لگائی گئی کہ اس کی اولاد نہ ہو تو شرط نہ ہو تو لامحالہ تمام مال کا مالک ہوگا ۔ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ پس اگر میت کی

marfat.ocm

دو بہنیں ہوں۔ اس کا عطف پہلے جملہ شرطیہ پر ہے یا دو سے زائد بھی فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ تو ان دونوں کو میت کے مال متروکہ سے دو تہائیاں ملیں گی ھما کی ضمیر کا ارجاع وارثوں کی طرف ہے اور اس کا تثنیہ و تانیث ہونا باعتبار معنے کے ہے۔

ف: تثنیہ کا صیغہ مونث کے لفظ سے لانے میں اس طرف اشارہ ہے یہاں پر اختلاف حکم کا اعتبار ہے نہیں صرف کا نہ چھوٹے بڑے کا اور نہ ہی کوئی دوسری وجہ۔ یہی اعتبار ملحوظ نہ ہوتا تو یہاں پر مذکر کا تثنیہ لانا بھی جائز تھا وَإِنْ كَانُوٓا اور اگر وہ وراثت لینے والے إِخْوَةً بھائی مختلف طور کے بھائی ہوں یعنی رِّجَالًا وَّنِسَآءً مرد ہوں یا عورتیں، یہ اخوۃ سے بدل ہے دراصل عبارت یوں چاہیے تھی کہ وان کانوا اخوۃ واخوات لیکن تغلیباً اخوۃ کہا گیا فَلِلذَّكَرِ پس ان میں سے مذکر کو مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ دو عورتوں کے حصہ کے برابر دینا چاہیے۔

ف: وہ ترکہ میت کو صرف عصبہ کے طریق سے تقسیم کرتے تھے۔

ف: یہ آیت (مسئلہ میراث و احکام) میں آخر میں نازل ہوئی۔

ف: مروی ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ وہ آیت کہ علم فرائض میں ہے سورۂ نساء میں نازل فرمائی ہے اس کا اول ولد و والد اور اس کا ثانی زوج و زوجہ اور بہن اور ماں۔ اور وہ آیت کہ جس پر سورۃ کو ختم فرمایا، وہ اختِ حقیقی اور اخت علیہ پر مشتمل ہے، اور وہ آیت جو سورۂ انفال میں ہے اسے اولی الارحام پر ختم فرمایا۔ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کلالہ کا حکم یا جملہ احکام و شرائع بیان فرماتا ہے جن میں ایک حکم کلالہ کا بھی ہے أَنْ تَضِلُّوا یہ کہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ یہ مفعول لہٗ اس کا مضاف محذوف ہے کہ دراصل کراھۃ ان تضلوا تھا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ اور اللہ تعالیٰ ہر شے کو جانتا ہے منجملہ اس کے تمہارے حالات بھی ہیں جو تمہاری حیات و ممات سے متعلق ہیں عَلِيْمٌ بہت بڑے علم والا ہے کہ تمہاری مصلحت و منفعت کو خوب جانتا ہے۔

سوال: میت کے مال متروکہ کی تقسیم کا مسئلہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کیوں نہیں فرمایا حالانکہ باقی تمام احکام و ارکانِ اسلام، یعنی شہادت و نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج و دیگر جملہ احکام شرعیہ سب کے سب حضور علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں، چنانچہ فرمایا:

وما اٰتکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا۔

بلکہ قرآن مجید کی وضاحت بھی اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد فرمائی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

marfat.ocm

لتبین للناس ما نزل الیھم۔

لیکن ترکہ میت کی تقسیم اپنے لیے مخصوص فرمائی۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

> اللہ تعالیٰ نے ترکۂ تقسیم کے لیے نہ کسی ملک مقرب کو پسند فرمایا نہ کسی نبی مرسل کو، یہاں تک کہ اسے اپنے لیے مخصوص فرمایا اور ہر صاحب حق کا حق خود بتایا ہے۔ یاد رکھو کہ وارث کے لیے وصیت نہیں ہوتی۔

جواب: دنیا لوگوں کی نظروں میں ایک اچھا منظر ہے اور مال انسان کے ہاں محبوب ترین شئی ہے اور لوگوں کے دلوں میں گھر کیے ہوئے ہے کہ اس کے لیے فطرۃً بخل کرتے ہیں۔ اگر اس کے متعلق اللہ تعالیٰ خود واضح طور پر نہ بتاتا بلکہ اسے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب فرماتا تو شیطان لوگوں کے دلوں میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق غلط خیال و گندے وسوسے ڈالتا جس سے وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گستاخی و بے ادبی سے کافر ہو جاتے، اور اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب علیہ السلام کے لیے یہ بھی گوارا نہیں۔

اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

> تم میں سے کوئی مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے اس کے نفس اور مال اور اولاد اور تمام لوگوں سے محبوب ترین نہ ہو جاؤں۔

چنانچہ انصار کے بعض نوجوانوں کو غزوۂ حنین کے موقعہ پر ایک غلط خیالی پیدا ہوئی جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوازن کا مال عنایت فرمایا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض قریشیوں کے ہر ایک کو سو سو اونٹ عطا فرمایا تو انصار نے کہا کہ اللہ تعالیٰ رسول پاک (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو معاف فرمائے کہ مال تو قریشیوں کو دے دیا حالانکہ ہماری تلواریں دشمنوں کے خون سے تر ہیں۔ یہ بات حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں پہنچ گئی تو آپ نے تمام انصاریوں کو بلوایا اور انہیں ایک خیمہ میں جمع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یہاں صرف انصار رہیں باقی صاحبان چلے جائیں۔ جب تمام انصار جمع ہو گئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے اور فرمایا:

> مجھے تمہاری ایک بات ناگوار پہنچی ہے اور تمہیں اس طرح کہنا نامناسب تھا۔

انصار نے عرض کی، حضور! ہمارے عقلمندوں نے تو کہا نہیں البتہ چند نوجوانوں نے ایسے ضرور کہا ہے (جس سے ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں)

آپ نے فرمایا: تمہیں یاد رہنا چاہئے کہ میں نے قریشیوں میں ان لوگوں کو مال دیا ہے جو ابھی ابھی کفر سے نکلے ہیں انہیں اس لیے مال دیا ہے تاکہ ان کے دل اسلام کی طرف جھک جائیں۔

یا یہ فرمایا کہ صرف ان کی تالیفِ قلوب کے لیے میں نے ایسا کیا ہے۔ اے انصاریو! کیا تم خوش نہیں

کہ لوگ تو مال لے جائیں اور تم مجھے لے جاؤ۔ بہذا یہ قیمتی سودا صرف تمہیں نصیب ہوا۔

انصاریوں نے عرض کی، ہاں ہمیں یہی سودا منظور ہے اور اس سودے سے ہم راضی ہیں۔

بہرحال شیطان کا کام یہی ہے کہ انسان کے دل میں مال کے لطائف و نفائس کے وسوسے ڈالتا ہے اگر ترکہ کی تقسیم حضور علیہ السلام کے سپرد ہوتی تو شیطان کو موقع دیتا کہ اُمت کو حضور علیہ السلام پر بدگمانی میں ڈال جاتا پھر آسانی سے اس کا ازالہ نہ ہو پاتا۔ اس طرح سے اُمت زندگی میں اور پھر بعد وفات اپنے نبی علیہ السلام کے قرب سے محروم ہو جاتی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ معاملہ اپنے لیے مخصوص رکھا، بدیں وجہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے فرمایا بکل شیء علیم، اور پھر بندوں کو خوشخبری سنائی کہ غفور رحیم ہے

بعلم یک ذرہ پوشیدہ نیست کہ پنہان و پیدا بنزدش یکیست
فروماندگاں را برحمت قریب تضرع کناں را بدعوت مجیب

ترجمہ: (۱) اس کے علم سے کوئی شے مخفی نہیں اس کے لیے پوشیدہ و ظاہر برابر ہے۔

(۲) عاجزوں کو رحمت سے قریب ہے، زاری کرنے والوں کی دعا قبول کرنے والا ہے۔

ف: اس بنا پر میراث کے ہر ہر مسئلہ میں مقدار کو اپنے فضل و کرم سے متعین فرمایا تاکہ رشتہ داروں میں کشمکش پیدا نہ ہوں بالخصوص عورتوں کے متعلق کہ وہ ضعیف و کمزور ہیں انھیں کسبِ مال میں عجز ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا گیا کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے کہ وہ ان سے عقل اور دین میں کم ہوتی ہیں، اور پھر اہلِ ایمان کو واضح طور پر مسائل بتائے گئے تاکہ وہ اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر بدگمانی کرکے گمراہ نہ ہو جائیں چنانچہ فرمایا:

یبین اللہ لکم ان تضلوا واللہ بکل شیء علیم۔ کذا فی التاویلات النجمیہ۔ اللہ تعالیٰ اس کے مصنف کو نفحات قدسیہ و برکاتِ قدسیہ سے نوازے۔ (آمین)

(صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے) سورۂ نساء کی تفسیر سے ۱۵ جمادی الآخرۃ ۱۰۹۹ھ میں فراغت پائی۔

اور راقم فقیر قادری ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ نے اس کے ترجمہ سے ۲۹ ذوالحجہ ۱۳۹۲ھ بہ شبِ سوموار بعد نمازِ عشاء بمقام بہاول پور اپنے غریب خانہ میں فراغت پائی، فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

marfat.ocm

سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اٰيَاتُهَا ۱۲۰ رُكُوْعَاتُهَا ۱۶

سورۂ مائدہ مدنی ہے اس میں — اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا ہے — ایک سو بیس آیات اور سولہ رکوع ہیں

المنزل ۲

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۜ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا

اے ایمان والو اپنے قول پورے کرو تمہارے لئے حلال ہوئے بے زبان مویشی مگر وہ جو آگے

يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ①

سنایا جائے گا تم کو لیکن شکار حلال نہ سمجھو جب تم احرام میں ہو بے شک اللہ حکم فرماتا ہے جو چاہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَاۗىِٕرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ

اے ایمان والو حلال نہ ٹھہرالو اللہ کے نشان اور نہ ادب والے مہینے اور نہ حرم کو بھیجی ہوئی قربانیاں

وَلَا الْقَلَاۗىِٕدَ وَلَآ اٰۗمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ

اور نہ جن کے گلے میں علامتیں آویزاں اور نہ ان کا مال و آبرو جو عزت والے گھر کا قصد کر کے آئیں اپنے

وَرِضْوَانًا ۭ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ۭ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ

رب کا فضل اور اس کی خوشی چاہتے اور جب احرام سے نکلو تو شکار کر سکتے ہو اور تمہیں کسی قوم کی عداوت کہ انہوں نے

وقف لازم

اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ

تم کو مسجد حرام سے روکا تھا زیادتی کرنے پر نہ ابھارے اور نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے

وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ

کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ کا عذاب

الْعِقَابِ

سخت ہے

اس کی کل ایک سو بیس آیات ہیں اور تمام مکیہ ہیں صرف الیوم اکملت لکم دینکم مدنیہ ہے کہ عرفہ میں بموقعہ حجۃ الوداع نازل ہوئی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفسیر عالمانہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ اے ایمان والو! اپنے وعدوں کو پورا کرو۔

حل لغات ۔ الوفاء بمعنے تقاضائے عہد پر قائم رہنا۔ اسی طرح الایفاء۔ مثلاً کہا جاتا ہے وفی بالعہد وفا اور اوفی بہ ایفاء۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اپنے معاہدے کو پورا

کرے اور اس کے خلاف نہ کرے۔ اسے باب افعال پر لانے میں صرف مبالغہ مطلوب ہوتا ہے۔
عقود کی پختگی پر بولا جاتا ہے۔ اس سے مشابہت دی گئی ہے کہ جیسے رسی وغیرہ سے مضبوط
[illegible]

عقود سے وہ تمام احکام شرعیہ و تکالیف دینیہ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر لازم فرمائے ہیں اسی طرح بندوں کے آپس کے معاہدات، معاملات و امانات وغیرہ بھی مراد ہیں جو ان پر ضروری یا کم از کم مستحب ہیں۔ اگر ہم امر کو عام وجوب اور ندب پر محمول کریں۔

مسئلہ: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت سے اس مسئلہ کا استدلال فرمایا ہے کہ جو شخص روزہ کی یا اپنے بچے کو ذبح کرنے کی نذر مانتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ عید کے بغیر روزہ رکھے اور بچے کے ذبح کے بجائے وہ جانور ذبح کرے جس سے تقرب مقصود ہو اس لیے کہ اس نے ایک معاہدہ اور اپنے اوپر لازم کیا ہے فلہذا ایسے عمل سے پورا کرے کہ جس سے عہد پورا ہو۔

مسئلہ: انہوں نے اسی آیت سے استدلال فرمایا ہے کہ بیک وقت طلاق دینا حرام ہے اس لیے اس نے نکاح کے وقت عورت سے ایک قسم کا معاہدہ کیا ہے پورا چاہیے کہ اس معاہدہ کو احسن طریق سے نبھائے، اس لیے کہ اوفوا بالعقود میں عموم ہے۔

سوال: ایک طلاق سے بھی معاہدہ کا نقض لازم آتا ہے پھر وہ کیوں جائز ہے؟

جواب: آیت کے عموم کو اجماع سے خاص کیا گیا ہے جب ایک طلاق سے آیت مخصوص ہوئی تو باقی حکم اپنے عموم پر رہے گا۔

حدیث شریف: جب کسی قوم میں کھوٹ پیدا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ دلوں میں غیر کا رعب پیدا کر دیتا ہے اور جب ان میں زنا عام ہو جائے تو ان پر موت بکثرت واقع ہو گی اور جب کم تولنے اور کم بھرنے لگیں گے تو ان میں رزق کی کمی واقع ہو گی، اور جب ناحق فیصلے کئے جائیں گے تو ان میں خونریزی ہو گی، اور جب وعدہ خلافی کا مرض ہو گا تو اُن پر دشمن مسلط ہو جائیگا۔

ہر کہ او نیک میکند یابد
نیک و بد ہر چہ میکند یابد

ترجمہ: جو بھی نیکی یا برائی کرتا ہے اس کی سزا و جزا (بری یا اچھی) پائیگا۔

ربط: جب اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو تکالیف شرعیہ و احکام اسلامیہ جو ان پر واجب ہیں کی ادائیگی

marfat.ocm

کا حکم فرمایا اور ان کی تفصیل پورے طور پر بیان فرمائی تو اب مطعومات کی حلت و حرمت کی تفصیل کا آغاز فرمایا، چنانچہ ارشاد ہُوا کہ **اُحِلَّتۡ لَكُمۡ بَهِيۡمَةُ الۡاَنۡعَامِ** تمہارے لیے چارپائے جانور حلال ہیں۔ البھیمۃ چارپائے جانور کو کہتے ہیں اور اس کی الأنعام کی طرف اضافت بیانیہ ہے، جیسے کہا جاتا ہے ثوب الخز (ریشمی کپڑا) اور اس کا مفرد لانا بیان جنس کے لیے، یعنی تمہارے لیے جانوروں میں سے چوپائے حلال ہیں، جیسے اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکری۔ پھر ان چاروں کے نر و مادہ کو علیحدہ علیحدہ بیان فرمایا ہے۔ اس اعتبار سے جانوروں کے کل آٹھ قسم ہُوئے، بھیڑ کا نر و مادہ اور بکری کا نر و مادہ اور اونٹ کا نر و مادہ اور گائے کا نر و مادہ۔ تفصیل سورۂ انعام میں مذکور ہے اس لحاظ سے اَنعام بھیمۃ کا لفظ عام ہے اس لیے کہ اَنعام کا اطلاق سوائے ان چار مذکورہ جانوروں کے اور کسی پر نہیں ہوتا۔

ف : ہرنی اور وحشی گائے وغیرہ اَنعام کے لفظ سے ملحق ہیں۔

اِلَّا مَا يُتۡلٰى عَلَيۡكُمۡ بھیمۃ، الانعام سے بحذف المضاف استثناء ہے، دراصل عبارت یوں ہے الا محرم ما یتلی علیکم یعنی تمہارے لیے چارپائے حلال ہیں مگر وہ حرام ہیں جن کی حُرمت تمہارے لیے قرآن کریم میں بیان کی گئی ہے یعنی حرمت علیکم المیتۃ الخ جس کا ذکر ابھی آتا ہے یا یہاں پر نائب فاعل محذوف ہے چونکہ دراصل عبارت یُوں تھی کہ الا ما یتلیٰ علیکم فیہ اٰیۃ کریمۃ یعنی تمہارے لیے آیت کریمہ میں بیان کیا جائے گا **غَيۡرَ مُحِلِّى الصَّيۡدِ** یہاں پر صید کا لفظ مصدری معنیٰ میں ہے۔ یعنی الصید بمعنیٰ الاصطیاد فی البر (جنگل میں شکار کرنا) یا بمعنے مفعول ہے یا بمعنے مفعول ہے یعنی جنگل کا شکار کھانا یعنی الصید بمعنے المصید ہے یعنی لکم کی ضمیر سے حال ہے یعنی درانحالیکہ تم جنگل کا شکار حلال سمجھ کر نہ کھاؤ۔ یہ جملہ اس کی حرمت کی تقریر کے لیے ہے تاکہ وہ جنگل کے شکار کو حرام جانیں عملاً بھی اور اعتقاداً بھی۔ اس طرح کتاب و سنّت میں عام ہے **وَاَنۡتُمۡ حُرُمٌ** درانحالیکہ تم محرم ہو یہ محل الصید کی ضمیر سے حال ہے۔

حلِ لغات : حُرم حرام کی جمع بمعنے محرم ہے۔ کہا جاتا ہے احرم فلان۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی حرم شریف میں داخل ہو یا احرام باندھے۔

سوال : بھیمۃ الانعام کی حلت بیان کر کے پھر اسے حالتِ احرام میں حرام قرار دینے کا کیا فائدہ؟

جواب : اتمامِ نعمت کے لیے اور واضح کر دینا مطلوب ہے کہ یہ اشیاء ہم نے تمہارے لیے حلال کی ہیں کہ تمہیں ان کی ضرورت بھی ہے اس لیے کہ بحالتِ احرام شکار کی حرمت دلالت ہے کہ انہیں شکار کے لیے

marfat.ocm

ہو گیا تو باقی تمام اشیاء کی ممانعت خود بخود واضح ہو گئی۔ گویا اب بیان فرمایا گیا کہ تمہارے لیے مطلقاً تمام جانور حلال ہیں لیکن بعض اوقات تمہیں اپنی حلال کردہ اشیاء سے بھی روکا جا رہا ہے جبکہ تم اس وقت خصوصیت رکھتے ہو کہ وہ تمام اشیاء حلال ہوں۔

إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ بیشک اللہ تعالیٰ جیسے چاہتا ہے حکم فرماتا ہے یعنی جس طرح اس کی حکمت کا تقاضا ہوتا ہے ویسے ہی حلت و حرمت کا حکم دیتا ہے۔ ان دونوں سے ایفائے عہد کا یہی تقاضا ہے کہ حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھیں، اور اسی پر عمل کریں اور عقیدہ بھی اسی طرح رکھیں۔

تفسیرِ صوفیانہ يا ايها الذين آمنوا اوفوا بالعقود میں اشارہ ہے کہ جس طرح تم نے یومِ میثاق میں عہد کیا اُسے پورا کر دیا اُس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح عاشقانِ خدا سے تم وعدہ کرتے ہو کہ حصولِ مقصود میں جان کی بازی لڑائیں گے، تو اب اُن سے وعدہ پورا کرو، اس لیے کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے اور انہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے محبت نہیں ان سے ایفائے عہد کا یہی مطلب ہے کہ ریاضاتِ شاقہ پر صبر کرو، اس لیے کہ جو شخص بھی انانیت کو مٹا کر ان کے وعدوں کا ایفاء کرتا ہے وہ منزلِ مقصود تک پہنچ جاتا ہے احلت لكم بهيمة الانعام نفسِ امارہ کو مار ڈالنا تمہارے لیے حلال ہے اس لیے کہ نفسِ امارہ شہوت رانی میں جانوروں کی طرح ہے الا ما يتلى عليكم غير محلى الصيد وانتم حرم ہاں نفسِ مطمئنہ کو باقی رکھو جس کے لیے تمہیں دوسرے مقام پر بتایا ہے کہ ارجعی الیٰ ربك۔ اس لیے کہ انہیں دنیا و مافیہا سے نفرت ہے اس لیے کہ وہ حرم ایزدی میں شکار کی طرح وَأَنتُمْ حُرُمٌ یعنی جبکہ تم حضرت جمال و جلال میں پہنچنے کے لیے کعبۂ وصال کی طرف توجہ کرتے ہوئے ہر مرغوب و مرہوب سے متجرد اور ہر مطلوب و محبوب سے علیحدہ ہو کر شوق کا احرام باندھو إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں نفس کے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔ جب اسے دیکھو کہ جانور صفت ہو کر حیوان سفلیہ کی چراگاہ میں چرنے لگتا ہے اور یہ بھی اسی کا حکم ہے کہ نفس کو ذبح نہ کرو۔ جب دیکھتا ہے کہ تمہارا نفس ذکرِ حق میں مطمئن ہے اور وہ صفات ملکیہ علویہ سے موصوف ہے تو رجوع الیٰ حضرۃ الربوبیۃ کے لیے اس سے مخاطب ہوتا ہے مَا يُرِيدُ جسے چاہتا ہے جس طرح چاہتا ہے ارادہ کرتا ہے کذا فی التاویلات النجمیہ۔

تفسیرِ عالمانہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کے شعائر کو حلال نہ کرو۔

شانِ نزول یہ آیت حطیم کے حق میں نازل ہوئی اس کا نام شریح بن ضبیعۃ الکبریٰ تھا۔ وہ یمامہ سے آیا، سواری کو مدینہ طیبہ سے باہر بٹھا دیا اور خود حضور نبی پاک صلی اللہ

marfat.ocm

علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پہنچا اور عرض کی کہ آپ لوگوں کو کس بات کی دعوت دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا میں انھیں دعوت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معبود نہ مانو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ اُس نے کہا بہت خوب، لیکن میرے پیچھے چند آدمی ہیں میں ان کے بغیر کوئی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ اب میں آپ سے اجازت چاہتا ہوں، لوٹ کر ساتھیوں سے مشورہ کر کے انھیں ساتھ لاؤں گا، امید ہے کہ ہم دولتِ اسلام سے نوازے جائیں گے۔ تب وہ رخصت لے کر آپ کی مجلس پاک سے چلا گیا۔

علمِ غیب نبوی اور اس کی تصدیق

اس سے قبل آپ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ یمامہ سے تمہارے ہاں ایک ایسا آدمی آرہا ہے جو شیطانی زبان استعمال کرے گا۔ یعنی منافقت کرے گا۔ چنانچہ یہی شریح یمامہ سے حاضر ہوا، جب وہ بارگاہِ نبوی سے اجازت لے کر چلا تو آپ نے فرمایا، یہ شریح کافرانہ صورت میں حاضر ہوا، دھوکا باز بن کر واپس جارہا ہے یاد رکھو یہ اسلام کی دولت سے محروم ہے۔ جب وہ بارگاہِ نبوت سے نکلا تو مدینہ طیبہ سے باہر اونٹوں کو ہانک کر لے گیا۔ صحابہ کرام اس کو پکڑنے کے لیے نکلے لیکن وہ جان بچا کر نکل گیا۔ پھر وہ اگلے سال یمامہ کے قبیلہ بکر بن وائل کے حاجیوں کے ساتھ حج کے لیے حاضر ہوا اور بہت سا تجارتی مال لایا۔ بکر بن وائل نے اپنی قربانیوں کے گلے میں قلادے ڈال رکھے تھے جو حج کی قربانیوں کی علامت تھی۔ صحابہ کرام نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ اجازت ہو تو ہم انہیں لوٹ لیں۔ کیونکہ اُن کی قربانیوں میں اسلامی شعائر کے قلادے نہیں بلکہ زمانۂ جاہلیت کی رسم پر انہوں نے قلادے ڈال رکھے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کو روک دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

شانِ نزول ۲

مشرکین بھی حج کے لیے حاضر ہوتے تو وُہ اپنی حج کی قربانیوں کو قلادے ڈال لیتے، مسلمانوں کا ارادہ ہوا کہ مشرکین پر ہلہ بول کر یہ قربانیاں چھین لیں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر مسلمانوں کو لوٹنے سے روک دیا۔

حلِ لغات

شعائر، شعیرۃ کی جمع۔ نام ہے ہر اس شے کا جو کسی کے لیے علامت بنائی جائے، اب یہ حج کے چند احکام کا علم ہے۔ جیسے حج کے مواقف، مرامی الجمار (کنکر مارنے کی جگہیں) مطاف (طواف کی جگہ) مسعیٰ (سعی کی جگہ) اور وُہ حج کے علامات سے ہے، جنہیں عمل میں لا کر سمجھا جاتا ہے کہ یہ حاجی ہے۔ مثلاً احرام، طواف، سعی، حلق (سر منڈانا) نحر (قربانی کرنا)

خلاصہ تفسیر

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اے مسلمانو! شعائر اللہ کی ہتک نہ کرو، اور نہ اُن لوگوں کے اعمال میں رخنہ ڈالو جو بیت اللہ شریف کا حج کرتا اور مواقف حج کی تعظیم بجا لاتا ہے۔

وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ اور نہ ہی حرمت والے مہینوں میں قتل و غارت کرو۔

marfat.ocm

ف : حرمت والے مہینے چار ہیں :

(۱) ذوالقعدہ   (۲) ذوالحجہ

(۳) محرم   (۴) رجب

سوال : جب حرمت والے چار ماہ ہیں تو پھر الشہر الحرام واحد کا لفظ کیوں لایا گیا جمع کا صیغہ لانا چاہیے تھا۔

جواب : یہ لفظ الحرام اسم جنس ہے اور اسم جنس جمع کو شامل ہوتا ہے۔

وَلَا الْهَدْيَ اور نہ ہی قربانیوں پر غضب کرو۔ یا یہ معنی کہ ان کی قربانیوں کو ان کے محل وقوع تک پہنچنے سے منع نہ کرو۔

ف : الھدی ہر وہ قربانی مثلاً اونٹ، گائے، بکری وغیرہ جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کعبہ معظمہ کو لے جائے یہ ھدیۃ کی جمع ہے۔

وَلَا الْقَلَآئِدَ اور نہ ہی قلادہ والی قربانیوں کے پیچھے پڑو۔ یہاں پر لفظ ذوات مضاف محذوف ہے اور اس کا عطف الھدیٰ پر ہے۔ یہ خاص قربانی ہوتی ہے اور الھدیٰ سے اشرف و اعلیٰ سمجھی جاتی ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ خصوصاً ذوات القلائد سے بچ کر رہو۔

ف : قلائد، قلادۃ کی جمع ہے۔ ہر وہ شے جو اونٹ وغیرہ کے گلے میں ڈالی جائے، مثلاً جُوتے کے ٹکڑے یا درخت وغیرہ کے، تاکہ معلوم ہو کہ یہ حج کی قربانی ہے اور اسے کوئی نہ چھیڑے۔

وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ اور نہ ہی ان لوگوں کو چھیڑو جو بیت اللہ شریف کی زیارت کے لیے حاضر ہوئے ہیں کہ تم انہیں کوئی حیلہ بہانہ کرکے بیت اللہ شریف کی زیارت سے روک دو **يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا** وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طلبگار رہتے ہیں یہ جملہ آمین کی ضمیر سے حال واقع ہے یعنی وہ بیت اللہ شریف کی زیارت کا ارادہ کرکے تجارت کے ذریعے رزق کی تلاش میں حاضر ہوتے ہیں اور ان کے اپنے گمان میں حج کرنے سے رضائے الٰہی مدِنظر ہوتی ہے۔

سوال : تم نے ان کی رضامندی کی طلب کو اُن کے گمان فاسد سے کیوں تعبیر کیا ہے ؟

جواب : اسلام کے دامن کے بغیر رضائے الٰہی کا حصول ناممکن ہے اگرچہ اپنے گمان میں کوئی لاکھ بار دعویٰ کرے کہ مجھے رضائے الٰہی مطلوب ہے۔

ف : الارشاد (کتاب) میں ہے کہ مشرکین اپنے گمان پر مدعی تھے کہ وہ راہِ راست پر ہیں، اور ہمیں یہ حج وغیرہ اللہ تعالیٰ کے قریب کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس گمان پر رضواناً فرمایا ہے اگرچہ ان کا یہ گمانِ فاسد اللہ تعالیٰ کی رضامندی سے کوسوں دور تھا۔ لیکن یہ یاد رہنا چاہیے کہ اُن کی یہ

marfat.ocm

طلبِ رضائے الٰہی اگرچہ غلط طریقے پر ملتی تھی مگر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم میں کمی نہیں کہ انہیں دنیوی منفعت سے نہ نوازے ۔ کچھ بعید نہیں کہ انہیں اس سے دنیوی امور میں منافع نصیب ہوں اور انہیں دنیوی تکالیف اور پریشانیوں سے نجات مل جائے، خصوصاً جو شخص بھی حقوق اللہ اور اس کے شعائر کی تعظیم کی پابندی کرے تو اسے ضروری منفعت اور دنیا کے مصائب سے نجات دی جاتی ہے[1]

قاعدہ : آیت ہذا یہاں تک منسوخ ہے اس کا ناسخ قولِ باری تعالیٰ فاقتلوا المشرکین حیث وجد تموہ اور قولہ تعالیٰ فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا ہے ۔

مسئلہ : اب کوئی مشرک نہ حج پڑھ سکتا ہے اور نہ ہی حج کی قربانی کی وجہ سے امن پا سکتا ہے اور نہ قربانی کے جانور کو قلادے پہنانے سے بچ سکتا ہے ۔

ف : امام شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سورہ مائدہ میں صرف یہی آیت منسوخ ہے ۔

وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا جب حلالی ہو جاؤ تو شکار کرو ۔ شکار کی ممانعت وانتم حرم سے کی گئی ۔ اس جملہ سے اب شکار کرنے کی اجازت کی تصریح کی گئی ہے ۔

قاعدہ : فاصطادوا کا امر اباحۃ کا ہے ۔ یعنی احرام کی حالت میں جو تمہیں روکا گیا تھا اب تمہیں شکار کرنے کی اجازت ہے ، اس لیے کہ ممانعت کا موجب (احرام کا حکم) رفع ہو گیا ۔ گویا فرمایا گیا کہ جب احرام سے فارغ ہو جاؤ اب تمہیں شکار کرنے میں کوئی گناہ نہیں ۔

وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ اور تمہیں نہ اُبھارے ۔ اہلِ عرب کہتے ہیں :

جَرَمَنِیْ فُلَانٌ علیٰ ان صَنَعْتُ کذا ۔ مجھے فلاں نے ابھارا کہ ایسے ایسے کروں ۔

جَرَمَنِیْ بمعنی حَمَلَنِیْ ۔

اب معنی یہ ہُوا کہ تمہیں برانگیختہ نہ کرے **شَنَاٰنُ قَوْمٍ** سخت بغض اور شدید عداوت ۔

شناٰن ، شنئت کا مصدر ہے اپنے فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہے ۔ اگر مفعول کی طرف مضاف ہو تو معنیٰ ہوا لبغضکم لبعض ۔ اس صورت میں فاعل محذوف ہوگا **اَنْ صَدُّوْکُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ** یہ کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روک دیا یعنی سالِ حدیبیہ میں انہوں نے تمہیں کعبہ شریف کی زیارت اور عُمرہ کے طواف سے روک دیا تھا **اَنْ تَعْتَدُوْا** کہ تم سے حد سے تجاوز نہ کرو ۔ یہ یجرمنکم کا دوسرا مفعول ہے یعنی تمہیں اُن کا بغض اس بات پر برانگیختہ نہ کرے کہ جیسے انہوں

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ بعض بدمذاہب منکرین اسلام یا اسلام کے مدعیان گمراہ فرقے نیکیوں کے بل بُوتے پر کامیابیوں سے ہمکنار ہو جاتے ہیں تو وہ اسی اصول کے مطابق ہے نہ کہ وہ ان کی حقانیت کی دلیل سفا فہم ۔ اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

نے تمہیں بیت اللہ شریف کی زیارت سے روکا تھا تم بھی انہیں بیت اللہ سے روک دو تاکہ تم اپنے دل کی بھڑاس نکالو **وَتَعَاوَنُوْا** اور تم ایک دوسرے کی مدد کرو **عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى** نیکی اور پرہیزگاری پر، یعنی درگزر اور چشم پوشی اور ایک دوسرے کے معاملات سے مددگاری اور خواہشاتِ نفسانی سے دوری **وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ** اور نہ ہی گناہوں اور تجاوز عن الحد میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور ظلم کی بھڑاس نکالنے اور بدلہ لینے کی غرض پر گناہ اور ظلم کرنے میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

مسئلہ: تجاوز عن الحد پر ایک دوسرے کی مدد کرنا گناہ ہے۔ ہاں جب کوئی کسی دوسرے پر تجاوز کرتا دیکھے تو مظلوم کی مدد کرنا چاہیے۔

مسئلہ: نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے سے تعاون کرنا واجب ہے۔

قاعدہ: تعاونوا در اصل تتعاونوا تھا، تخفیفاً ایک تاء کو حذف کر دیا گیا۔

سوال: نہی کو امر سے کیوں مؤخر کیا گیا ہے حالانکہ فطرت کا تقاضا ہے کہ پہلے شئے کو خرابیوں سے پاک و صاف کیا جائے پھر اسے عمل میں لایا جائے۔ نہی میں پہلے صفائی کی جاتی ہے پھر امر سے اس پر عمل کا حکم ہوتا ہے اور یہاں پر معاملہ برعکس ہے۔

جواب: مقصود بالذات تعمیل حکم ہے اور وہ امر میں نمایاں ہے اس لیے مقدم کیا گیا۔ علاوہ ازیں نہی مذکور سے یہی مقصود ہے کہ گناہ اور تجاوز عن الحد پر تعاون نہ کرو، اور یہی تعاون علی البرّ والتقویٰ ہے اس لیے پہلے نہی کر کے تعاون علی البر والتقویٰ کا اجمالی علم ہوا پھر امر سے اس کی تصریح کی گئی۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بِرّ اور اِثم کی تفسیر کے لیے عرض کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

> بِرّ خلق حسن کو کہا جاتا ہے، اور اِثم یہ ہے کہ دل گواہی دے کہ واقعی یہ برا عمل ہے اور لوگوں کے ہاں اُس عمل کے اظہار کا بھی جی نہ چاہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور جمیع امور میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، منجملہ ان کے یہی ہے کہ اس کے جمیع اوامر و نواہی مذکورہ کی مخالفت نہ کی جائے۔

ف: اس آیت سے تقویٰ کا وجوب دلیل برہانی کے طریق سے ثابت ہوا **اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ** بیشک اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔ جو اس سے نہیں ڈرتا وہ اسے سخت عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔

marfat.ocm

تفسیر صوفیانہ شعائر اللہ دراصل اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا نام ہے۔ یہی شریعت کے علامات اور نشانات نیز آدابِ طریقت کے مراسم ہیں۔ ایسے ہی اربابِ حقیقۃ نے اشارہ فرمایا ہے اس لیے کہ ان کے نزدیک یہ کی حقیقت اللہ تعالیٰ تک جانے کا نام ہے ایسے ہی وہ کہتے ہیں حقیقی تقویٰ خروج عن ماسوی اللہ ہے اور وصول الی اللہ ان دونوں باتوں کے بغیر محال ہے اور وہ ہیں صرف دو قدم، لیکن انہیں طے کرنا شیخ کامل کی نگاہ کے بغیر ناممکن ہے اور شیخ بھی نہ صرف کامل بلکہ وہ کامل گر ہو اور خود بھی واصل ہو اور دوسروں کو واصل باللہ بنا سکتا ہو اس لیے کہ اس راہ کا حقیقی رہبر ایسا ہونا لازمی ہے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

بکوئے عشق منہ بے دلیل راہ قدم
کہ من بخویش نمودم صد اہتمام و نشد

ترجمہ: عشق کے کوچہ میں رہبر کے بغیر قدم نہ رکھو کہ میں نے تنہا اس کا بہت اہتمام کیا لیکن کام نہ بنا۔

اور فرمایا: ؎

شبان وادیٔ ایمن گہی رسد بمراد
کہ چند سال بجان خدمت شعیب کند

ترجمہ: موسیٰ علیہ السلام جیسا بھی وادیٔ ایمن میں اس وقت پہنچ سکتا ہے جب کئی سال شعیب علیہ السلام (رہبر) کی خدمت میں گزارے۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے معظماتِ مکان یا زمان یا حضرتِ انسان کی تعظیم بجا لانا واجب ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مہینوں اور دنوں اور وقتوں کے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے جیسے بعض انبیاء علیہم السلام اور بعض امتوں کو بعض پر فضیلت عنایت فرمائی ہے۔

نکتہ: بعض کو بعض پر فضیلت بخشنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ قلوب ان کی عزت و احترام میں شوق

---

[1] ڈاکٹر محمد اقبال رحمہ اللہ نے اس نظریہ کو یوں پیش کیا ہے: ؎
اگر کوئی شعیب آئے میسّر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

marfat.ocm

پیدا کیے عبادت کر کے ان کے حصول میں جد و جہد کریں ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو ان فضائل کے لیے [illegible] پیدا ہو ۔

[illegible] : مکانات کو فضیلت بخشنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ دل سے انہیں معظم سمجھ کر وہاں ٹھہرنے کے لیے رغبت پیدا کریں ۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو نیک اور بعض کو بد بنایا لیکن یاد رہے کہ سعادت و شقاوت کا دارومدار خاتمہ پر ہے ۔

مسئلہ : مخلوق من حیث الخلق سیئًا نہیں یعنی کہ اشیاء اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہیں سب حسن ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ کافر کے کفر کو دیکھ کر اسے حقیر نہ کہا جائے، اس لیے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے البتہ اتنا ضرور ہو کہ اس کے کفر سے نفرت و کراہت کی جائے ۔

سبق : اہل سلوک پر لازم ہے کہ توحید کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق کو اچھی نظر سے دیکھے ۔ کسی پر حقارت کی نگاہ نہ ڈالے اور نہ ہی کسی سے بغض رکھے اور نہ ہی کسی سے حسد کرے ۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا : ؎

دلم خانۂ مہر یار است و بس
ازاں می نگنجد درو کین کس

ترجمہ : میرا دل دوست کی محبت کی جگہ ہے اور بس اسی لیے اس میں کسی کا کینہ نہیں سما سکتا ۔

روحانی نسخہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا : کسی سے دشمنی کرنے سے دل اللہ تعالیٰ سے مشغول رہنے سے محروم ہو جاتا ہے ۔

یعنی اس سے وہ امور منقطع ہو جاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ملانے والے ہوتے ہیں اس لیے کہ دل میں دو شغل بیک وقت جمع نہیں ہو سکتے ۔ یعنی ایک تو کسی کی عداوت کا شغل دوسرا یادِ الٰہی کا شغل ؎

(۱) ہر کہ پیشہ کند عداوتِ خلق از ہمہ چیزہا جدا گردد
(۲) کہ دلش خستہ عنا باشد کہ تنش بستۂ بلا گردد

ترجمہ (۱) : جس کا خلقِ خدا سے عداوت کا طریقہ ہو وہ تمام چیزوں سے جُدا ہو جائیگا ۔
(۲) اسی لیے کہ اس کا دل دُکھ درد میں زخم رہے گا اور اس کا جسم بلاؤں میں مبتلا رہے گا ۔

سبق : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمیع مکارمِ اخلاق اور تمام نیک اعمال سے

(باقی بر صفحہ ۹۲)

marfat.ocm

موصوف تھے اس لیے آپ کے عاشق پر لازم ہے کہ وہ آپ کی سیرت کو اپنائے اور آپ کی سیرت کو اپنائے اور آپ کی اقتداء میں جد و جہد کرے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کی مدح و ثناء فرمائی، اور ہر نبی علیہ السلام کی علیحدہ علیحدہ نیک سیرت بیان فرمائی تو پھر اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

فبھداھم اقتدہ۔

marfat.ocm

۝ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ

تم پر حرام ہے مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جس کے ذبح میں غیر خدا کا نام پکارا

اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ

گیا اور جو گلا گھونٹنے سے مرے اور بے دھار کی چیز سے مارا ہوا اور جو گر کر مرا اور جسے کسی جانور نے سینگ مارا

اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ذٰلِكُمْ

اور جسے کوئی درندہ کھا گیا مگر جنہیں تم ذبح کر لو اور جو کسی تھان پر ذبح کیا گیا اور پانسے ڈال کر بانٹا کرنا یہ گناہ کا

فِسْقٌ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ

کام ہے آج تمہارے دین کی طرف سے کافروں کی آس ٹوٹ گئی تو ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ

آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام

دِيْنًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

کو دین پسند کیا تو جو بھوک پیاس کی شدت میں ناچار ہو یوں کہ گناہ کی طرف نہ جھکے تو بیشک اللہ بخشنے

رَّحِيْمٌ ۝۳ يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَمَا عَلَّمْتُمْ

والا مہربان ہے اے محبوب تم سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کیا حلال ہوا تم فرما دو کہ حلال کی گئیں تمہارے لیے پاک

مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ

چیزیں اور جو شکاری جانور تم نے سدھا لیے انہیں شکار پر دوڑاتے جو علم تمہیں خدا نے دیا اس میں سے انہیں سکھاتے تو کھاؤ اس میں سے جو وہ مار کر تمہارے

عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝۴

لیے رہنے دیں اور اس پر اللہ کا نام لو اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ کو حساب کرتے دیر نہیں لگتی

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ

آج تمہارے لیے پاک چیزیں حلال ہوئیں اور کتابیوں کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال اور پارسا

حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

عورتیں مسلمان اور پارسا عورتیں ان میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب

مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ

ملی جب تم انہیں ان کے مہر دو قید میں لاتے ہوئے نہ مستی نکالتے اور نہ

اَخْدَانٍ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ

آشنا بناتے اور جو مسلمان سے کافر ہو اس کا کیا دھرا سب اکارت گیا اور وہ آخرت میں

marfat.ocm

الْخٰسِرِیْنَ ۝ ع -
زیاں کار ہے

تفسیر عالمانہ

حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃُ تمہارے اوپر مردار حرام ہیں، یعنی مردار کا کھانا حرام ہے۔

سوال : تم نے کھانے کا اضافہ کیوں کیا ہے ؟

جواب : تحریم و تحلیل دونوں افعال سے متعلق ہیں نہ کہ اعیان سے، اس لیے۔

ف : المیتۃ ہر وہ حیوان جس کی روح ذبح کے بغیر نکل جائے۔

وَالدَّمُ اور خون بھی تمہارے لیے حرام ہے اور خون بھی وہ جو کہ جانور کو ذبح کرتے وقت بہہ نکلے، جیسے رگوں کا خون وغیرہ نہ کہ جگر اور تلی کا۔ اہلِ جاہلیت کی عادت تھی کہ خون کو آنتوں میں محفوظ کر لیتے تھے پھر انہیں بھون کر کھاتے اور کہتے جو جانور ذبح کر لیا جائے تو اس سے نکلا ہوا خون حرام نہیں ہوتا **وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرِ** اور خنزیر کا گوشت۔ خنزیر حرام بعینہٖ ہے نہ یہ کہ جب مردار ہو جائے اسے اگرچہ ذبح بھی کیا جائے تب بھی اس کا گوشت حرام ہے۔

سوال : صرف خنزیر کی تخصیص کیوں، حالانکہ کتا وغیرہ بھی تو حرام ہیں، اسی طرح دیگر درندے وغیرہ۔

جواب : (۱) بہت سے کفار خنزیر کے گوشت کے بڑے خوگر تھے انہی کی وجہ سے اسے خصوصی طور پر بیان کیا گیا ہے۔

(۲) دوسرے حرام جانوروں کو جب ذبح کیا جائے تو ان کا گوشت پاک ہو جاتا ہے اگرچہ ان کا کھانا حرام ہوتا ہے لیکن پاک ضرور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ایسا گوشت پانی میں گر جائے تو پانی پلید نہ ہو گا۔ بخلاف خنزیر کے گوشت کے کہ وہ نجس العین ہے۔

مسئلہ : تنویر میں ہے کہ نجس العین ہے۔

نکتہ : اطباء فرماتے ہیں کہ ہر غذا کھانے والے کے جوہر کا جزء بن جاتا ہے، پھر اس غذا کے مطابق کھانے والے کے اندر انہی خصائل و صفات کا پیدا ہو جانا لازمی امر ہے۔

خنزیر اور اس کی عادات

(۱) حریص

(۲) شہوانی اشیاء کی بہت رغبت رکھتا ہے۔

انہی وجوہ کے پیشِ نظر انسان پر لازم ہے کہ اس کے کھانے سے پرہیز کرے تاکہ اس کی عادات

marfat.ocm

سا کی اس میں پیدا ہو جائیں۔

(۴) خنزیر میں سب سے بُری عادت بے غیرتی کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب سوّر اپنی سورنی پر دوسرے سوّر کو چڑھا ہوا دیکھتا ہے تو بے غیرتی سے اسے کچھ نہیں کہتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بے غیرتی پیدا ہوتی ہے۔

وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ اور وہ جانور کہ جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے ار رکھتے تھے باسم اللات والعزٰی۔

مسئلہ: فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اگر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ملایا، مثلاً کہے بسم اللہ و محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو وہ مذبوحہ جانور حرام ہو جائیگا۔

حدیث شریف: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لعن اللّٰہ من لعن والدیہ ولعن اللّٰہ من ذبح لغیر اللّٰہ۔

اللہ تعالیٰ ہر اس شخص پر لعنت کرتا ہے جو اپنے ماں باپ پر لعنت کرتا ہے یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتا ہے۔

مسئلہ: امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنے کا یہ مطلب ہے کہ جانور کو بُت یا حضرت موسیٰ علیہ السلام وغیرہ کے لیے ذبح کیا جائے۔

مسئلہ: شیخ ماوردی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ہر وہ جانور جو بادشاہ کی آمد کی خوشی پر ذبح کیا جائے کہ بادشاہ کا قرب حاصل ہو، تو اہلِ بخارا نے اس کی حرمت کا فتویٰ دیا ہے اس لیے کہ یہ بھی ما اھل لغیر اللہ بہ میں شامل ہے۔ لیکن رافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ مذبوحہ حرام نہیں اس لیے کہ وہ لوگ جانوروں کو بادشاہ کی آمد کی خوشی میں ذبح کرتے ہیں۔ یہ ایسے ہے جیسے بچے کی پیدائش کی خوشی میں عقیقہ کا جانور ذبح کیا جاتا ہے اور یہ حرام نہیں۔ جب یہ حرام نہیں تو بادشاہ کے قدوم میں ذبح کیا ہوا جانور کیوں حرام ہو۔ کذا فی مشارق الانوار لابن الملک۔

وَالْمُنْخَنِقَةُ اور وہ جانور جسے گلا گھونٹ کر مارا جائے۔

حلِ لغات: کسی کا گلا دبا کر اس کا سانس بند کر دینے کو الخنق کہا جاتا ہے۔

مسئلہ: جب اس حالت میں کوئی حلال جانور مر جائے تو اس کا گوشت کھانا بھی حرام ہے، گلا گھونٹنا کسی انسان سے ہو یا کسی اور سبب سے۔ مثلاً کسی جانور کا گلا اتفاقاً کسی چیز میں پھنس جائے اور وہ اس حالت میں مر جائے۔

marfat.ocm

ف : اہلِ جاہلیت کا طریقہ تھا کہ بکریوں کا گلا گھونٹ کر مار دیتے پھر اُن کا گوشت کھا جاتے۔

نکتہ : چونکہ گلا گھونٹا ہُوا جانور مردار کی ایک قسم ہے اس لیے کہ جس طرح مردار کی رُوح نکل جانے کے بعد خون نہیں بہتا اسی طرح اس کا خون بھی نہیں بہتا، یہ اسی لیے حرام ہے کہ شرعی ذبح کرنے کے بغیر مر گئی ہے۔

وَالْمَوْقُوْذَةُ اور وُہ جانور جس کی جان لکڑی یا پتھر مار کر نکالی جائے۔

حل لغات : اہلِ عرب کہتے ہیں : وقذته اذا ضربته میں نے اسے مارا۔

ف : حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہلِ جاہلیت کا طریقہ تھا کہ جانوروں کو لکڑی یا پتھر سے مار کر جان نکال لیتے تھے پھر اُن کا گوشت کھاتے تھے۔ چونکہ یہ بھی المنخنقة کی قسم سے ہے اس لیے کہ جیسے مرنے کے بعد اس کا خون نہیں بہتا ایسے ہی اس کا بھی۔

وَالْمُتَرَدِّيَةُ اور وُہ جانور جو کہ بلند جگہ سے نیچے گرا کر مارا جائے تو وہ ذبح سے پہلے مر جائے۔

حلِ لغات : تردی بمعنے گرنا۔ الردی سے ماخوذ ہے یعنی ہلاک شدن۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عدی بن حاتم سے فرمایا کہ جب تم پہاڑ پر کھڑے ہو کر شکار کو تیر مارو اور وہ وہاں سے پانی میں گر جائے تو اسے مت کھانا اس لیے کہ تمہیں کیا معلوم کہ وہ تیرا تیر لگنے سے مرا ہے یا پانی سے۔

قاعدہ : یہی حدیث شریف کا ضابطہ کلیہ ہے ان مسائل کے لیے جن کے متعلق فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ جہاں حظر و اباحت جمع ہوں تو وہاں حظر کو ترجیح دی جائے گی۔

حدیث شریف : اس بناء پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

الحلال بین والحرام بین و بینهما امور مشتبهه فدع ما یریبك الی ما یریبك ألا وان لكل ملك حمی وان حمی الله محارمه فمن رتع حول الحمی یوشك ان یقع فیه۔

حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی، لیکن ان کے مابین چند مشتبہات ہیں اس لیے شکوک کو چھوڑ کر اُن امور کو لے لو جن میں شبہات نہ ہوں، بیشک ہر بادشاہ کی حفاظت گاہیں ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ کی حفاظت گاہیں اس کے محارم ہیں۔ پس جو شخص اللہ کی حفاظت گاہوں کے گرد پھرتا ہے قریب ہے کہ وہ ان میں

marfat.ocm

واقع ہو جائے۔ (یعنی مشتبہات سے بچنا چاہیے)

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم حلال کے نو حصوں کو بھی ترک کر دیتے تھے اس خطرہ سے محرمات کا ارتکاب نہ کر بیٹھیں۔

وَالنَّطِيْحَةُ اور وہ جانور بھی حرام ہیں جنہیں کسی دوسرے جانور نے سینگ مار کر مار ڈالا ہو۔ النطح فارسی میں بمعنی سرزدن یعنی سینگ مارنا۔

: ان چاروں صیغوں میں تاء صفت سے منتقل ہو کر اسمیت میں استعمال ہوتی ہے۔

: جہاں یہ تاء واقع ہوگی وہ صیغہ مذکر و مؤنث دونوں کے لیے واقع ہوگی۔

: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ان چاروں صیغوں میں تاء تانیث کی ہے اور موصوف محذوف کے لیے صفات ہوتی ہیں، اس سے مراد شاۃ ہے، در اصل عبارت یوں ہوگی حرمت علیکم الشاۃ نقۃ والموقوذۃ الخ۔

ال : صرف شاۃ مراد لینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

ب : چونکہ ان میں شاۃ (بکری) کا کھانا بکثرت تھا اسی لیے اُس کا ذکر اس کثرت کی بنا پر ہوگا باقی بھی شامل ہوں گے اور یہ قاعدہ عام ہے کہ کثیر الوقوع کا ذکر کر کے اُس کی تمام اجناس مراد لی ہیں۔

وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اور وہ جانور کہ جسے درندے پکڑ کر کھائیں۔

: ایسے جانوروں کو بھی اہلِ جاہلیت کھا جاتے تھے۔ السبع ہر اس جانور کو کہتے ہیں جو داڑھ رکھتا ہو، اور انسان اور عام جانوروں پر حملہ کر کے دبوچ لے، جیسے شیر اور بھیڑیا وغیرہ۔

مسئلہ : اس سے ثابت ہوا کہ جو شکار درندے ماریں اس کا کھانا حرام ہے۔

اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ہاں جنہیں تم ذبح کر لو وہ تمہارے لیے حلال ہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ تمہارے ذبح کرنے سے پہلے ان میں رُوح باقی ہو۔ اس کی علامت یہ ہے کہ تمہارے ذبح کے وقت اس میں حرکت و اضطراب پایا جائے۔

مسئلہ : جسے درندہ مار ڈالے اور اس کی روح نکلنے سے پہلے تم اسے ذبح نہیں کر سکے تو وہ مردار کے حکم میں ہے یعنی حرام۔

مسئلہ : دوسرے جانور کے سینگ سے مر جانے والے جانور کو روح نکلنے سے پہلے ذبح کر لیا جائے تو

marfat.ocm

وہ حلال ہے۔

مسئلہ : ہر وہ پرندہ جسے شکاری نے ہوا پر اڑتے ہوئے کو تیر سے مار گرایا ہے اگر وہ تیر لگنے سے سیدھا زمین پر گرا تو وہ حلال ہے اس لیے اس کا اس طرح سے زمین کا گرنا اس کا اپنا فعل ہے۔ اگر تیر لگنے سے وہ کسی درخت یا پہاڑ وغیرہ سے ٹکر کھا کر نیچے زمین پہ گرا ہے تو وہ حرام ہے اس لیے کہ یہ متردیہ اوپر سے نیچے گر کر مرنے والوں کے حکم میں ہے۔ ہاں اگر شکاری کو یقین ہے کہ اس کا تیر اُس کے چھرے پھرنے والے مقام پر لگا ہے تو وہ پرندہ حلال ہے، جیسے بھی گرا ہے یعنی خواہ وُہ زمین پر سیدھا گرا ہے یا درخت یا پہاڑ سے ٹکرا کر، اس لیے کہ شکاری کا تیر ذبح کرنے کے مقام پر لگ کر اسے چھُرا پھیرنے کا کام کر گیا ہے۔

ف : شریعت میں حلقوم و مُری کے کٹ جانے کا نام ذبح ہے اور مُری ایک رگ کا نام ہے جو حلقوم کے بالکل متصل ہوتی ہے یعنی وُہ مقام جہاں سے طعام اور پانی گزر کر پیٹ میں پہنچتا ہے۔

مسئلہ : ذبح کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ جانور کا حلقوم اور مُری کٹ جائیں، اور بہتر و اعلیٰ طریقہ یہ ہے کہ حلقوم و مُری کے ساتھ ودجان بھی کٹ جائیں۔ یہ اس جانور کے لیے ہے جسے اختیاراً ذبح کیا جائے اور اضطراراً جہاں بھی چھُرا وغیرہ سے کاٹ دیں۔

مسئلہ : لوہے کی ہر دھاری دار شئی (آلہ) یا شیشے والی شئی یا پتھر یا اس طرح کی اور اشیائے سے ذبح کیا جا سکتا ہے۔

قاعدہ : جمہور فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہر وُہ شے جو رگوں کو کاٹ کر خون بہا سکے اس سے ذبح کرنا جائز ہے۔

مسئلہ : ناخن، دانت، ہڈی سے ذبح ناجائز ہے۔

مسئلہ : ان اشیاء کو دھاری دار بنایا جائے تو ان سے ذبح جائز ہے۔

ف : ناخن و دانت و ہڈی وغیرہ اگر دھاری دار نہیں تو ان سے ذبح کیا ہوا المنخنقۃ یعنی گلا گھونٹ کر مارے جانے والے جانور کے حکم میں ہوگا، ہاں دھاری دار ہوں تو تمام فقہاء ایسے ذبح کو حلال کہتے ہیں۔

مسئلہ : ذبح سے پہلے زندہ جانور سے جو گوشت کاٹ لیا جائے وہ حرام ہے اور وہ مردار کے حکم میں ہے۔

مسئلہ : ذکوٰۃ کا اطلاق مکمل طور پر ذبح پر کیا جاتا ہے کہ اس کا کھانا حلال ہے وہ حرام نہیں کہلا سکتا اس لیے کہ دراصل ذکوٰۃ اتمام الشئ کو کہا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ذکاء اُس پُر فہم کے لیے بولا جاتا ہے جو تام العقل ہو۔

یث شریف میں ہے :

الذکاۃ ما بین اللبۃ واللحیین ۔ ذکوٰۃ لبہ ولحیین کے مابین ہوتا ہے ۔

ـلہ : مردہ باسی گوشت جو دارالحرب سے دارالسلام میں لایا جائے اس کا کھانا حرام ہے اس لیے کافر لوگ گائے بھینس وغیرہ کو [illegible] ہتھوڑے سے مار کر اس کا گوشت کھاتے ہیں ۔ اس طرح سے شرعی واقع نہ ہوا لہٰذا ایسا گوشت کھانا حرام ہے ۔

وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ اور وہ جانور جسے تھان پر ذبح کیا جائے ۔ نصب' انصاب کا واحد ہے ـتھے جو کعبہ کے ارد گرد پڑے رہتے تھے جن پر کفار بتوں کے لیے ذبح کرتے تھے اور اسی کو وہ قربتِ الٰہی ـتے ۔

ـہ : حضرت امام جصاص نے فرمایا کہ النصب سے اوثان (بُت) مراد لینا غلطی ہے اس لیے کہ اس کا ـوما اُھل لغیر اللّٰہ بہ پر ہے ، اور اس کا مطلب ہے بتوں پر جانور ذبح کرنا اور معطوف و ـطوف علیہ میں مغایرت ضروری ہے ۔

ـت : حضرت ابن جریج فرماتے ہیں کہ بُت پتھر کی منقش مورتیاں تھیں اور النصب صرف چند ایک ـتھے جنہیں کفار کعبہ معظمہ کے ارد گرد جمع رکھتے تھے اور مذبوحہ جانوروں کے خون سے انہیں لت پت کرتے اور کچھ گوشت بھی اس پر رکھ چھوڑتے تھے ۔

ـانِ نزول صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ! اہلِ جاہلیت تو کعبہ معظمہ کی یونہی عزت و ـترام کرتے تھے ہمیں بھی اجازت بخشئے تاکہ ہم بھی ان کی طرح کعبہ شریف کا احترام کریں ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے متعلق کچھ نہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے یہ آیت نازل فرمائی : لن ینال اللّٰہ لحومھا ولا دماؤھا الخ ۔

وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ اور یہ کہ تم تیروں سے اپنی قسمت آزمائی کرتے ہو ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس فعل کو بھی حرام فرمایا ہے ۔

ـشانِ نزول ۲ اہلِ عرب کی عادت تھی کہ جب کسی کام کا ارادہ کرتے تو اس کے کرنے یا نہ کرنے کے لیے تین تیر لاتے ، ایک پر لکھتے امرنی ربی (میرے اللہ نے مجھے اس کا حکم دیا ہے) ، دوسرے پر یہ لکھتے نہانی ربی (میرے رب نے مجھے اس کام سے روکا ہے) تیسرے کو خالی رکھتے ۔ اگر پہلا تیر نکلتا تو کام کے لیے چلے جاتے ، اگر دوسرا نکلتا تو اس کام سے رک جاتے ۔ اگر تیسرا

marfat.ocm

نکلتا تو پھر دوبارہ قسمت آزمائی کرتے۔ اور قسمت آزمائی بھی اس کام میں کرتے جو کام قسمت آزمائی کے قابل ہوتا۔ بعض لوگ کہتے ہیں: بتوں پر مذبوحہ جانوروں کی تقسیم تیروں کے ذریعے کرنا۔ اس کی تفصیل یسئلونك عن الخمر والمیسر (سورۃ بقرہ) میں گزر چکی ہے۔

ذٰلِكُمْ یہ اشارہ تیروں کے ساتھ قسمت آزمائی کی طرف ہے۔ **فِسْقٌ** فسق یعنی اللہ تعالٰی سے سرکشی کرنا اور حد سے متجاوز ہونا اور علم غیب اور گمراہی میں داخل ہونا ہے، یہ اعتقاد رکھ کر کہ یہی طریقہ موصل الی اللہ ہے۔ اور پھر اللہ تعالٰی پر بہتان تراشی کر اس کام کا اللہ تعالٰی نے حکم دیا ہے حالانکہ اللہ تعالٰی نے انہیں حکم نہیں دیا۔ علاوہ ازیں اس میں شرک اور جہالت کے مرتکب ہوتے تھے اگر ربی سے کوئی بت مراد ہو۔

مسئلہ: اس آیت سے ثابت ہوا کہ نجومیوں کے قول پر عمل کرنا فسق ہے جبکہ وہ کہتے ہیں کہ تیرا ستارہ بولتا ہے یہ کام کر یا یہ کام نہ کر۔

مسئلہ: اس لیے کہ اس میں بھی غیر کے لیے علم غیب ماننا پڑتا ہے اور (بالذات) اللہ تعالٰی کے سوا غیب کوئی نہیں جانتا۔ (کذا فی تفسیر الحدادی)

مسئلہ: غیب کی باتیں کسی غیر سے پوچھنا۔ یعنی یہ طریقہ نامشروع کسی سے خیر و شر کا پتا کرنا، جیسے نجومیوں اور کاہنوں سے پوچھا جاتا ہے شرعاً ممنوع ہے۔

مسئلہ: بطریق مشروع جیسے کہ قرآن یا نماز پڑھ کر استخارہ کے طور غیبی باتیں حاصل کرنا یا بذریعہ دعا یا بطریق نظر غیبی امور معلوم کرنا جائز ہے اس لیے کہ یہ تمام طریقے شرعاً جائز ہیں۔

مسئلہ: کسی ذریعہ سے قسمت آزمائی کرنا مطلقاً ممنوع نہیں بلکہ تیروں کے ذریعے جائز ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

العیافة والطرق والطیرة من الجبت.	فال پکڑنا جادو منتر کرنے والے سے کنکریاں کے پھینکنے کی درخواست کرنا بدفال بت پرستی سے ہیں۔

ف: الطرق عربی میں جادو منتر کرنے والے سے کنکریوں کے پھینکنے کی درخواست کو کہتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے:

من تکهن او استقسم او تطیر طیرة تردہ من سفرہ لم ینظر الی الدرجات	جو شخص کہانت کرتا ہے یا تیروں سے قسمت آزمائی کے درپے ہوتا ہے یا بری

marfat.ocm

العمل من الجنة یوم القیامة۔ قال لینے کا پابند ہوکر سفر سے لوٹتا ہے وہ قیامت میں بہشت کے بلند درجات سے محروم ہوگا۔

اَلْیَوْمَ یہ الف ولام عہد کا ہے اس سے وقت حاضر اور وہ زمانہ جو ماضی قریب میں اور مستقبل میں اس کے متصل ہے مراد ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

كنت بالامس شابا واليوم قد صرت اليوم شيخا۔ کل تو میں نوجوان تھا آج میں بوڑھا بھی ہوگیا ہوں۔

اس سے تمہاری مراد نہ تو کل گزشتہ سے ہے اور نہ ہی آج کا دن بلکہ اس سے مطلقاً گزشتہ اور موجودہ زندگی کے لمحات ہیں۔

شانِ نزول بعض کہتے ہیں کہ اس سے وہ وقت مراد ہے جبکہ آیت ہذا نازل ہوئی، اور وہ حجۃ الوداع میں ذوالحجہ جمعہ کا دن بعد نماز عصر کا وقت تھا۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عضباء اونٹنی پر سوار تھے، جب یہ آیت اُتری تو اس کے بوجھ سے اونٹنی کے اعضاء ٹوٹنے پر آگئے یہاں تک کہ اونٹنی نیچے بیٹھ گئی۔

ف: الیوم یہ ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب علی الظرفیۃ ہے۔

یَئِسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ دِیْنِکُمْ وہ کفار تمہارے دین سے آج کے دن ناامید ہوگئے اس لیے کہ تم نے آج کے دن کو جھٹلایا، اور ان سے بالکلیہ دُور ہوگئے اور نہ ہی ان حرام کردہ اشیاء کو اب حلال کہوگے، یا یہ معنیٰ ہے کہ اب وہ کفار تمہارے اوپر کسی طریق سے بھی غلبہ نہیں پا سکتے، جبکہ انہیں یقین ہوچکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دین کو تمام ادیان پر غالب فرمائے گا، اور اس نے جو وعدہ فرمایا تھا اب اس نے پورا کردیا۔ آنے والے جملہ کی وجہ سے یہی معنیٰ یہاں پر زیادہ مناسب ہے **فَلَا تَخْشَوْهُمْ** پس ان سے گھبراؤ نہیں اس خیال پر کہ وہ تمہارے اوپر کچھ غلبہ پا سکیں گے **وَاخْشَوْنِ** خالص ومخلص ہوکر مجھ سے ڈرو **اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ** آج سے میں نے تمہارے دین کو مدد دے کر اور تمام ادیان پر غالب کر کے مکمل کردیا۔ یا مکمل کرنے کا یہ مطلب ہے کہ میں نے تمہارے عقاید کے اصول وضوابط واضح طور پر بیان کیے ہیں اور تمہارے شرعی مسائل کے اصول اور اجتہاد کے قوانین پر تمہیں پورے طور پر واقف کردیا ہے **وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ** اور میں نے

marfat.ocm

تمہارے لیے ہدایت و توفیق یا دین اور شرعی اصول کی تکمیل یا فتح مکہ اور اس میں امن والے اور غلبہ پاکر داخل ہونے سے یا جاہلیت کے گندے رسوم اور ان کے مناسک کے غلط طریقے مٹا کر تمہارے دین کو کامیاب کیا ہے ، اور یہ بھی ہے کہ تمہارے دین کی تکمیل کی علامت یہ ہے کہ اب مکہ معظمہ میں کوئی مشرک حج نہیں کر سکے گا اور نہ ہی وہ ننگا ہو کر کعبہ معظمہ کا طواف کر سکے گا **وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا** اور میں نے تمہارے لیے دین اسلام کو پسند فرمایا کہ تمام ادیان سے صرف اسلام کو منتخب فرمایا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ دین اسلام ہے ۔

ف : دیناً ' الاسلام سے حال ہے اور یہ بھی ہے کہ رضیت بمعنے صیرت ہے ۔ اس بنار پر دیناً اس کا مفعول ثانی ہے ۔

حدیث شریف : حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو فرماتے سنا کہ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے اس دین کو اپنے لیے پسند فرمایا ہے اور اس کے لیے صرف سخاوت اور حسن خلق کی صلاحیت رکھتے ہیں جب تک تم اس دین میں داخل رہو انہیں دو صفات سے عزت و احترام کرو ۔

مکالمۂ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بہ یہودی

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ آپ سے ایک یہودی نے عرض کی کہ اے امیر المومنین ! تمہارے قرآن میں ایک ایسی آیت ہے اگر وہ ہمارے اوپر نازل ہوتی تو ہم اس کے یومِ نزول کو عید مناتے ۔ آپ نے فرمایا ، وہ کون سی آیت ہے ؟ اس نے عرض کی الیوم اکملت لکم الخ آپ نے فرمایا ہمیں معلوم ہے کہ کون سے دن اور کس مقدس مقام پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ یہ اس وقت نازل ہوئی جبکہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن نویں ذوالحجہ کو جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے اور وہ موقعہ بھی حجۃ الوداع کا تھا ۔

ف : اس پر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اشارہ فرمایا کہ یہ ایام ہمارے لیے بھی عید سے کم نہیں ۔

عید میلاد النبی کہنے کا ثبوت

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تقریر سے ثابت ہوا کہ اس دن پانچ عیدوں کا اجتماع ہوا ؛

(١) یومِ جمعہ
(٢) یومِ عرفہ

marfat.ocm

(۳) عید یہود
(۴) عید نصاریٰ
(۵) عید مجوس

یہ خصوصیت ہے کہ اہل ادیان میں سے سوائے اہل اسلام کے نہ پہلے کسی کو نصیب ہوئی اور بعد میں کسی کو نصیب ہو سکتی ہے۔

روق اعظم کی نکتہ سنجی

مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت فاروق اعظم رو پڑے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ آپ کا رونا لیے ہے؟ عرض کی یا رسول اللہ! ہر شے کا قاعدہ ہے کہ جب وہ مکمل ہوتی ہے تو اس کے بعد بڑھنا ناممکن ہو جاتا ہے بلکہ اس کے کم ہونے کا امکان پیدا ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا: صدقت (اے عمر! آپ نے سچ کہا)۔

: گویا یہ آیت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کی خبر لائی۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا اس آیت کے نزول کے بعد آپ صرف اکاسی یوم زندہ رہے۔

: آپ کا وصال پیر کے دن' دو شنبہ ربیع الاول شریف ۱۱ھ کو ہوا۔ بعض روایات میں ۱۲ ربیع الاول شریف کو وصال ہونا مروی ہے، اور آپ نے ہجرت بھی ۱۲ ربیع الاول شریف فرمائی۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

(۱) جہاں اے برادر نماند بکس — دل در جہاں آفریں بند و بس
(۲) جہاں اے پسر ملک جاوید نیست — ز دنیا وفاداری امید نیست
(۳) منہ دل بریں سال خوردہ مکاں — کہ گنبد نپاید برو گردگاں

ترجمہ: (۱) اے برادر! یہ جہان کسی کا ساتھ نہ دے گا جہان کے خالق کے ساتھ دلبستگی کر۔

(۲) اے عزیز! اس جہان کو دوام حاصل نہیں، دنیا سے وفا کی امید نہیں رکھنی چاہیئے۔
(۳) اس پرانے مکان کے ساتھ جی نہ لگا کیونکہ گنبد پر ڈھیلا نہیں ٹھہر سکتا۔

فَمَنِ اضْطُرَّ **ربط:** اس کا تعلق محرمات مذکورہ سے ہے اُن کے مابین جو مذکور ہوا وہ جملہ معترضہ ہے اور ان میں بھی یہی فرمایا گیا کہ ان امور سے بھی احتراز ضروری ہے اس لیے کہ ان امور

marfat.ocm

کا ارتکاب بھی فسق ہے اور اُن کی تحریم بھی دین کامل میں شامل ہے اور ان سے بچنا نعمت تام اور پسندیدہ اسلام ہے۔ پس جو شخص ان محرمات مذکورہ کو مجبور ہو کر کھاتا ہے فِيْ مَخْمَصَةٍ ایسی بھوک میں کہ اگر نہ کھائے تو مرجائے گا یا کم از کم موت کے قریب پہنچ جائیگا غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ یہ جواب محذوف کے فاعل سے حال ہے یعنی محرماتِ مذکورہ میں سے کسی حرام کو اس وقت کھا سکتا ہے جبکہ اس کا اس حرام کی طرف جھکاؤ اور میلان نہیں۔ مثلاً لذت کے طور یا رخصت کی حد سے متجاوز ہو کر یا کسی دوسرے مجبور محض سے چھین کر۔ چنانچہ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

غیر باغ ولا عاد (نہ باغی ہو کر اور نہ ہی حد سے بڑھ کر)

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ پس بیشک اللہ غفور رحیم ہے کہ ایسی حالت میں کھانے پر مواخذہ نہیں فرمائیگا، یہ جواب مقدر کی علت ہے۔

حدیث شریف: کسی شخص نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم ایسی جگہ پر رہتے ہیں کہ ہمیں کبھی کبھی قحط گھیر لیتا ہے تو کیا پھر ہم مردار کھا سکتے ہیں، اور کتنی مقدار؟ آپ نے فرمایا:

مالم تصطبحوا او تغتبقوا او تجتفوا بھا بقلا فشانکم بھا۔	بے شک شکار نہ ملے یا دوسرا کوئی سبب حاصل نہ ہو یا ساگ پات نہ پا سکو تو اپنے حال کے تم مختار ہو یعنی بقدرِ ضرورت کھا سکتے ہو۔

مسئلہ: جو بھوک سے مر رہا ہو اور وہ مردار نہ کھائے یا روزہ رکھے اور اس حالت میں بھوکا مرے اور کچھ نہ کھائے تو گنہ گار رہوگا، اس لیے کہ یقین نہیں کہ اس دوا سے ضروری شفا ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسے اس حرام شئے کے علاج کے بغیر تندرستی نصیب ہو۔

تفسیر صوفیانہ بظاہر اِن آیات میں اہلِ دنیا اور طالبانِ آخرت کو خطاب ہے اور باطناً اہل اللہ اور خاص لوگوں کو عتاب ہے۔ مثلاً فرمایا کہ اے حق والو! یہ دنیا سب کی سب تمہارے لیے حرام ہے۔ مثنوی شریف میں ہے:

در جہاں مردہ شاں آرام نیست — کہ علف جز لائق انعام نیست
ہر کرا گلشن بود بزم و وطن — کے خورد او بادہ اندر کو لخن

ترجمہ: جہان میں کسی کو بھی آرام نہیں یہ گھاس صرف جانوروں کے لائق نہیں۔ جسے گلشن و بزم و وطن حاصل ہے وہ میخانہ میں شراب کیوں پیئے۔

marfat.ocm

اور دم اور خنزیر سے مراد یہ ہے کہ حلال و حرام اور اس کا قلیل و کثیر سب تمہارے لیے حرام ہے یہ اس لیے کہ دم میں سے بعض حلال ہے اور خنزیر سب کا سب حرام ہے اور خون بہ نسبت گوشت کے قلیل اور گوشت اس کی بہ نسبت کثیر ہے **وما اهل لغیر اللہ به** سے طاعت و عبادت اور قراءت و درس و تدریس اور روایت جو غیر اللہ کے لیے ادا کی جائیں **والمنخنقة والموقوذة** یعنی وہ لوگ جو اپنے نفوس کا مجاہدات سے گلا گھونٹتے ہیں اور انہیں قسم قسم کی ریاضتوں میں ڈال کر انہیں جمیع مرادوں سے روکتے ہیں اور جمیع مخالفات اوامر و نواہی پر زجر و توبیخ کرتے ہیں لیکن سب کچھ ریا اور شہرت کی بنا پر۔ یہ بھی حرام ہے **والمتردیة والنطیحة** اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے ہمجولیوں کے اختلاط اور ساتھیوں کی آوارہ گفتگو اور دوستوں کے سامنے اپنے زُہد اور علم کے فخر و ناز سے اپنے نفوس کو اعلیٰ علیین سے گرا کر اسفل السافلین میں پہنچاتے ہیں **وما اکل السبع الا ما ذکیتم** اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جن اشیاء میں قوت کی تمہیں ضرورت ہے اس میں بھی احتراز ضروری ہے کہ درندوں کی خوراک سے تم بچ کے رہو، یعنی ان ظالمین کی کمائی سے جو دنیا کے جیف (مردار) پر کتوں کی طرح جھپٹ پڑتے ہیں اور غلط طریقوں اور طمع نفسانی کے ذریعہ اسے حاصل کرتے ہیں تم ان سے دور رہو۔ ہاں وُہ تمہارے لیے جائز ہے جو تم کسبِ حلال اور جائز طریقوں سے بقدرِ ضرورت حاصل کرتے ہو **وما ذبح علی النصب** اس میں اشارہ ہے کہ مطالبِ دنیا و آخرت سے قسم قسم کی جدوجہد سے نفس کو بچایا جائے **وان تستقسموا بالازلام ذلکم فسق** یعنی تم طلبِ حرام میں نہ جھکو اور نہ ہی اُن کی طرف میلان رکھو اور نہ ہی حصول مقصود میں جد و جہد کرو اور نہ ہی ان امور کے حاصل کرنے میں اپنی زندگی برباد کرو۔ جب تم ان جملہ امور سے بچ جاؤ گے اور ایسی غلط کاریوں سے محفوظ ہو جاؤ گے تو تم خالص اللہ تعالیٰ کے ہو جاؤ گے بلکہ فانی اللہ اور باقی باللہ کا مرتبہ حاصل کر لو گے۔ اس طرح سے انانیت کی قید اور انسانیت کی جیل سے چھوٹ جاؤ گے اور جذباتِ ربانیہ سے نوازے۔ پھر تمہاری شان یہ ہوگی کہ تمہاری راتیں روشن ہوں گی اور تاریکیاں انوار سے بدل جائیں گی **الیوم یئس الذین کفروا** یہاں پر کفار سے نفس اور اس کے صفات اور دنیا اور اُس کی شہوات مراد ہیں کہ یہ اشیاء تمہارے دین سے ناامید ہو جائیں گی۔ اب انھیں یقین ہو جائے گا کہ تمہیں ان کی طرف معمولی توجہ بھی نہیں رہی اور نہ ہی تمہاری نماز کا قبلہ یہی امور رہے ہیں **فَلَا تَخْشَوْهُمْ** اب تم ان سے نہ ڈرو اس لیے کہ تم ان کی مکاریوں سے نجات پا چکے ہو **وَاخْشَوْنِ** اور مجھ سے ڈرو اس لیے کہ میری گرفت سخت اور میرا غضب شدید اور میرا محاسبہ مضبوط ہے۔ **الیوم** سے ازل مراد ہے **اکملت**

marfat.ocm

لکم یعنی میں نے ازل سے ہے تمہارے لیے تکمیلِ دین مقرر فرمائی اور یہ صرف تمہارے نصیب ہیں کہ میں نے باقی تمام ادیان سے تمہیں ممتاز فرمایا ہے اور میں نے ازل سے تمہارے کمال کو واضح فرمایا؛ یعنی ظاہر میں تمہارے دین کو تمام ادیان پر غلبہ ہے اس کی تشریح آئے گی ان شاء اللہ تعالےٰ ورضیت لکم الاسلام دینا اور میں نے تمہارے لیے دین پسند فرمایا ہے کہ جسے تم ایسا مکمل پاؤ گے کہ کوئی تمہارے اس دین کے خلاف کرے گا تو وہ ہرگز قابل قبول نہ ہو گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دین کا حقیقی مطلب یہ ہے کہ ایسے راستے پر چلا جائے جو اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والا ہو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وجود مجازی سے بالکل نکل جایا جائے۔ موجودات میں اس نعمت سے صرف انسان کو مخصوص کیا گیا۔ اور پھر ایسا راستہ تمام اُمتوں میں صرف اسی اُمتِ مصطفویہ کو نصیب ہوا ہے۔ یہ وہی دین ہے جس پہ آدم علیہ السلام سے لے کر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک تمام پیغمبرانِ عظام چلتے رہے۔ لیکن اُن کا قُربِ الٰہی کے لیے ایک مخصوص طریقہ ہوتا ہے لیکن بطریقِ کمال صرف راستہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہُوا وہ یہی ہے کہ وجود مجازی سے نکل کر وجود حقیقی کو حاصل کرنا لیکن باوجود اینہمہ اُن کے طریقوں کے لیے بھی حضور علیہ السلام کو حکم ہوا کہ فبھدٰھم اقتدہ، اس لیے حضور علیہ السلام انہی کے راستے پر چلتے رہے لیکن آپ کو وہ کمال صرف عنایت ازلیہ سے نصیب ہوا اس لیے کہ آپ کو مقامِ محبوبیت حاصل تھی اور اس محبوب ترین مرتبہ کی وجہ سے جذباتِ ربوبیت نے آپ کو شبِ اسراء میں وجودِ مجازی سے نکالا جبکہ آپ شبِ اسریٰ تمام انبیاء علیہم السلام کو طے کرتے ہُوئے دنیٰ فتدلیٰ کے قُربِ کمال تک پہنچے۔ یہی خصوصی راز ہے جو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا اور اسی قرب کی وجہ سے آپ حقیقی وجود کی سعادت سے نوازے گئے فاوحیٰ الی عبدہٖ ما اوحیٰ کے اسرار مخفی آپ پر ظاہر ہوئے، اسی شب درحقیقت الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا میں فرمایا کہ تمہارا دین تمام ادیان پر غلبہ پا جائیگا اور کمالیتِ دین کا راز فرائض و احکام کے نزول میں مخفی ہے۔ اس راز کی تکمیل کا اعلان الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا میں فرمایا۔ ہماری مذکورہ بالا تقریر کی تائید اس حدیث شریف سے ہوتی ہے؛

حدیث شریف

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میری اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی مثال اس مرد کی ہے کہ جس نے بہترین مکان بنایا اور پھر اسے سنگارا اور خوب سجایا۔ لیکن اس میں ایک کنارے ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ لوگ اُس مکان کو دیکھ کر تعجب کریں اور کہیں کہ مکان تو بہتر ہے مگر اس کی اینٹ والی جگہ اگر پُر ہوتی تو یہ مکان مکمل ہوتا۔" اس کے بعد آپ نے فرمایا: "وہ اینٹ میں ہوں۔" یہ حدیث متفق علیہ ہے کہ

marfat.ocm

جسے بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے ۔

ف : اس سے ثابت ہوا کہ دین انبیاء علیہم السلام سے مکمل ہوا ۔ لیکن اس کی حقیقی تکمیل حضور علیہ السلام سے ہوئی کہ آپ ہی وجودِ مجازی سے نکل کر وجودِ حقیقی کو پہنچے ۔ دوسرے انبیاء علیہم السلام وجودِ مجازی سے بالکلیہ نہ نکل سکے ۔ اس کی دوسری دلیل یہ ہے کہ قیامت میں تمام انبیاء علیہم السلام نفسی نفسی پکاریں گے اس لیے کہ ان میں مجازی وجود کا بقایا موجود ہوگا اور ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اُمتی اُمتی پکاریں گے اس لیے کہ آپ وجودِ مجازی کو بالکل فنا کر چکے ہوں گے ۔

امت محمدیہ کے فضائل حضور علیہ السلام کی اُمت کے فضائل میں سے ایک فضیلت یہ ہے کہ انہیں حضور علیہ السلام کی برکت سے دین کا کمال نصیب ہوا اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا و اتممت علیکم نعمتی ۔ یہی تحصیل کمالات کے اسباب ہیں اور اس کا سب سے بڑا سبب حضور علیہ السلام کی تشریف آوری ہے و رضیت لکم الاسلام دینا میں وجودِ مجازی کو حضور علیہ السلام کو سپرد کر دینے کی طرف اشارہ ہے آپ کے بعد آپ کے خلفاء کے سپرد کرنا چاہیے تاکہ وہ حضور علیہ السلام کی تابعداری کے اسباق سکھائیں ۔ اس سے معلوم ہوا کہ وجودِ مجازی میں محبی شان ہے اور وجودِ حقیقی محبوبی ۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا : قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ (فرمائیے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرو تو میری تابعداری کرو تو اللہ تعالیٰ کے محبوب بن جاؤ گے و یغفر لکم ذنوبکم یعنی تمہارے وجودِ حقیقی کی وجہ سے تمہارے وجودِ مجازی کے گناہ بخش دے گا اور فمن اضطر فی مخمصۃ میں اشارہ ہے کہ جو شخص دنیا اور آخرت کے امور میں کسی امر کی طرف متوجہ ہو کر ان کے لیے سخت سے سخت تر مجبور ہو جائے لیکن اس کا مجبور ہونا تربیت کی وجہ سے ہو غیر متجانف لاثم لیکن اس کا اعراض حق کی طرف میلان اور جھکاؤ نہ ہو بلکہ جیسے بیچے لوگوں کو ایک قسم کی سستی اور غفلت طاری ہوتی ہے کی وجہ سے ہو اور اس وقفہ کی وجہ سے جو عموماً سالکینِ راہ کو حاصل ہوتی ہے پھر وہ التجا الی الحق سے اس کا تدارک کر لیتے ہیں اور مشائخ کی ارواح سے بچ جاتے ہیں کہ بزرگوں کی مدد پہنچ کر اس غلطی سے انہیں محفوظ کر لیتی یا وہ خود اس غلط کاری پر استغفار کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے کہ جن غلطیوں میں مبتلا ہوئے تو وہ انہیں معاف کر دیتا ہے اور رحیم ہے کہ انہیں صراطِ مستقیم پر چلا دیتا ہے کہ انھیں اقامتِ دین کے اعمال کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے ۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ یَسْئَلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ اس آیت میں ما استفہامیہ ہے اور بمعنے الذی ، اب معنیٰ یوں ہوا کہ انھیں کس نے محرمات کو حلال کر دیا ہے ۔

marfat.ocm

سوال : یسئلون کو مفرد مفعول چاہیئے اور یہاں جملہ واقع ہوا ہے۔

جواب : یہاں سؤال القول کے معنی کو متضمن ہے اور قول کا مفعول جملہ واقع ہوتا ہے۔ جسے مقولہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ فرمائیے تمہارے طیبات حلال ہیں۔ طیّب ہر اس شئے کو کہا جاتا ہے جس سے طبائع کو فطرةً نفرت نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا : و یحل لہم الطیبات و یحرم علیہم الخبائث۔ دراصل طیّب لغت میں لذیذ اور طبیعت کی چاہت کی شئَ کو کہا جاتا ہے۔ یہاں پر طیبات سے بھی مراد وہی اشیاء ہیں لذیذ اور خواہش طبعی کے مطابق ہو۔

سوال : یہ تعریف تو لذیذ اشیاء کے علاوہ غلیظ چیزوں پر بھی صادق آتی ہے اس لیے کہ بہت سے لوگ گندی چیزوں کو بھی لذیذ اور خوش طبعی کے موافق سمجھ کر کھاتے ہیں۔

جواب : یہاں اُن لوگوں کی خواہش طبعی مراد ہے جو اہل مروّت اور اخلاق جمیلہ سے آراستہ ہیں نہ کہ عام اور غلیظ طبیعت والے۔ (کذا قال الامام فی تفسیرہ)

وَمَا عَلَّمْتُمْ اس کا عطف طیبٰت پر ہے لیکن مضاف محذوف کرکے اور اس کا ما موصولہ ہے اور اس کا عائد بھی محذوف ہے۔ اصل عبارت صید ما علمتموہ ہے، یعنی تمہارے وہ شکار بھی حلال ہیں جنہیں تم شکار کی تعلیم دے چکے ہو **مِنَ الْجَوَارِحِ** یہ اسم موصول سے حال ہے اور جارحۃ کی جمع ہے بمعنے کاسبہ یعنی وہ جو کہ شکار کرنا جانتا ہے' اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمایا :

و یعلم ما جرحتم بالنہار۔

اور انسان کے لیے اس لفظ کا اطلاق بمعنے ان اعضائے کے ہوتا ہے کہ جن سے وہ کام کرتا ہے، ممکن ہے کہ یہ الجرح سے ہو بمعنی تفریق الاتصال یعنی شے کو چیرنا پھاڑنا۔ اور چونکہ الجوارح (اعضاء) سے اشیا، (شکار وغیرہ) کو چیرا پھاڑا جاتا ہے اس لیے اس نام سے موسوم ہوا۔ آیت میں جوارح سے وہ شکاری جانور مراد ہیں جو شکار کرکے مالک کے لیے چھوڑ دیں' جیسے تیندوا، چیتا، کُتا۔ اسی طرح پرندے، درندے، جیسے شکرہ، باز، عقاب، گدھ، باشہ، شاہین وغیرہ۔ یعنی ہر وہ جانور (پرندے، درندے) جو شکار کی تعلیم رکھتا ہو۔ اس لیے کہ اُن کا کیا ہوا شکار حلال ہوتا ہے۔

مُكَلِّبِيْنَ جبکہ تم انہیں شکار کی تعلیم دے کر شکار کرو۔ المکلب بمعنے مؤدب الجوارح یعنی جانوروں درندوں پرندوں کو شکار کی تعلیم دینے والا۔ یہ سب کلب سے ماخوذ ہے صرف اس کی تخصیص اس لیے ہے

marfat.ocm

تعلیم کی اہلیت وصلاحیت رکھتا ہے اور اسے قبول بھی کرتا ہے اور اس کا منصوب ہونا علمتم کے فاعل ماصل ہونے کی وجہ سے ہے۔

وال: مکلبین بمعنے معلمین ہوگیا جبکہ اسے علمتم سے حال بنایا گیا ہے پھر اب اس کے ذکر ہ: جبکہ معنی علمتم سے حاصل ہوا۔

: مبالغہ فی التعلیم مطلوب ہے اس لیے کہ مکلب کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوتا ہے جو شکار کے نے کی پوری مہارت رکھتا ہو۔ گویا اس لفظ مکلبین سے تصریح کی گئی کہ ان درندوں پرندوں کا شکار تمہارے لیے اس وقت جائز ہے جبکہ تمہیں ان کے سکھانے کی پوری مہارت ہو اور سلسلہ میں بہت بڑے حاذق کہے جاتے ہو اور اس فن میں تم مشہور زمان ہو تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۔ انہیں تم شکار اور تعلیم کے طریقے اور آداب سکھا چکے ہو جتنا اللہ تعالیٰ نے تمہیں علم دیا ہے اسی لیے یہ علم بھی الہامی ہوتا ہے اگرچہ اس میں عقل کو بھی دخل ہے۔ لیکن وہ بھی جب تک الٰہی نہ ہو کچھ لاشعور کو شعور دیا جا سکتا ہے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ تم ان سے تجربہ کر لو کہ وہ ر کو پکڑ کر مالک کا انتظار کرے اور یہ بھی ہو کہ جب اسے روکا جائے تو رک جائے اور جب بلایا جائے دوڑا بھاگ کر لوٹ آئے اور شکار کرے تو اس سے کچھ نہ کھائے، بلکہ مالک کے لیے چھوڑے رکھے۔

ف: کشاف کا مصنف لکھتا ہے کہ مما علمکم اللہ میں تنبیہ ہے کہ علم ہر ایسے کامل الفن سے حاصل کرے جو اس فن کی پوری مہارت رکھتا ہو اور اس کے جمیع حقائق و دقائق پر حاوی ہو بلکہ اس فن کی جیسی گہرائیوں کا کامل غواص ہو اگرچہ اس کے حصول کے لیے دُور دراز کی مسافت طے کرنی پڑے۔

حدیث شریف: چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

اطلبوا العلم ولو بالصین۔ علم حاصل کرو اگرچہ چین تک جانا پڑے۔

ورنہ بہت سے لوگ اپنی زندگی برباد کر دیتے ہیں۔ لیکن ان غریبوں کے ساتھ بھی کچھ نہیں آتا اور پھر اپنے ہمجولیوں کو ترقی یافتہ پا کر افسوس سے ہاتھ ملتا ہے فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ پس تم کھاؤ وہ جو تمہارے لیے بچا کر چھوڑیں۔ یہاں مِن تبعیضیہ ہے اس لیے کہ شکار کی تمام چیزیں نہیں کھائی جاتیں مثلاً چمڑہ، ہڈیاں اور بال وغیرہ۔ اس میں ما موصولہ ہے۔ اس کا عائد محذوف ہے اور علیٰ امسکن سے متعلق ہے یعنی تم شکار کا بعض حصہ کھاؤ اور وہی ہے جسے شکاری جانور اور پرندے درندے نے نہیں کھایا اور وہ جو انہوں نے کھا لیا ہے وہ ان کا ہے۔

مسئلہ: یہی اکثر فقہاء کا مذہب ہے لیکن ان میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ بھی ہیں فرماتے

marfat.ocm

ہیں کہ پرندہ شکاری کا بچا ہُوا تو کھانا جائز ہے لیکن درندہ شکاری جیسے کُتّا ہے اس کا بچا ہوا کھانا ناجائز ہے بخلاف شکاری پرندوں کے۔ مثلاً چونکہ بازی وغیرہ کے کہ انہیں شکار کی تعلیم میں نہ کھانے کی بات نہیں ہوتی اس لیے کہ ان کا بچا ہُوا کھانا جائز ہے۔

وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لو۔ اس میں ضمیر ما علمتم کی طرف لوٹتی ہے یعنی شکار کو چھوڑتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہہ لیا کرو۔ یا یہ ضمیر مما امسکن کی طرف لوٹتی ہے جیسے جب وہ شکاری جانور یا پرندے تمہارے لیے شکار پکڑ لیں تو ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لو۔

حدیث شریف حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: حضور! ہم ایسی جگہ رہتے ہیں جہاں کتابی لوگ بستے ہیں کیا ہم اُن کے برتنوں میں کھا سکتے ہیں۔ اور پھر ہم ایسے جنگلوں میں رہتے ہیں جہاں شکار بکثرت کیا جاتا ہے۔ اگر میں اپنی کمان سے شکار کروں یا ایسے کتّے کے ذریعے شکار پکڑوں جسے شکار کی تعلیم نہیں دی گئی اور بعض دفعہ ایسے کتّوں سے بھی شکار کیا جاتا ہے جو سیکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ کیا ہم ایسے شکار سے کچھ کھا سکتے ہیں، کیا کیونکر۔ آپ نے فرمایا اہل کتاب کے برتنوں کی اگر ضرورت نہ ہو تو ان میں نہ کھاؤ، جبکہ تمہیں اور برتن مل جاتے ہوں۔ اگر اور برتن نہ ملیں تو انہیں دھو کر ان میں کھا سکتے ہو، اور تیر کو بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر پھینکو تو تیر سے مارا ہوا شکار کھا سکتے ہو۔ اور جس کتّے کو تعلیم نہیں دی گئی اگر اس کا مارا ہُوا شکار بچ گیا ہے تو اسے ذبح کر کے کھاؤ اور اگر سدھایا ہُوا کتّا شکار مار لے تو اگر اس کی روانگی پر بسم اللہ اللہ اکبر کہا ہے تو بھی وہ شکار کھا لو۔

حدیث شریف حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم قربانی کے دن دو سُرمگیں آنکھ اور سینگ والے چتکبرے دُنبے کو بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر اپنے ہاتھ مبارک سے ذبح فرماتے (کما فی تفسیر البغوی)

مسئلہ: مستحب یہی ہے کہ بسم اللہ اللہ اکبر کو واؤ کے بغیر کہے اس لیے کہ واؤ بسم اللہ شریف کے نُور کے لیے حائل ہو جاتی ہے (کذا فی شرح مختصر الوقایہ)۔

مسئلہ: جانور کو ذبح کے وقت قبلہ رُخ نہ لِٹانا مکروہ ہے لیکن وہ مذبوحہ حلال ہے۔ (کذا فی الذخیرہ)

مسئلہ: عمداً بسم اللہ شریف ترک کرنے سے جانور حرام ہو جاتا ہے اس لیے کہ وہ بسم اللہ کے عمداً ترک کرنے سے مردار ہو گیا۔

مسئلہ: بھُول کر بسم اللہ چھُوٹ جائے تو وُہ مذبوحہ جانور حلال ہے۔

marfat.ocm

وَاتَّقُوا اللّٰہَ اور تمام محرمات سے متعلق اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ

بیشک اللہ تعالیٰ کا حساب جلد تر آنے والا ہے یا اس کا حساب جلد ختم ہوگا جبکہ وہ حساب لینے کے لیے شروع ہوگا تو اس کا حساب لینا مختصر سے وقت میں ختم ہو جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ تمہارے ہر چھوٹے بڑے عمل کا حساب تھوڑے سے وقت میں ختم ہو جائیگا۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ شکار کھیلنا مباح ہے۔

مسئلہ: اشباہ میں ہے کہ شکار کھیلنا اس وقت مباح ہے جبکہ لہو و لعب یا پیشہ کے طور پر نہ ہو (کذا فی البزازیہ)

مسئلہ: شکار کو پیشہ بنانا حرام ہے جیسے مچھلی کے شکار کو لوگ اپنا پیشہ بنا لیتے ہیں۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے والد ماجد خراسان کے بادشاہ تھے ایک دن شکار کو نکلے تو میں نے اپنا گھوڑا خرگوش کے پیچھے لگا دیا۔ ہاتفِ غیبی نے مجھے آواز دی کہ اے ابراہیم! کیا ہم نے تمہیں اس کام کے لیے پیدا فرمایا یا اس کا ہم نے حکم دیا ہے۔ اس سے میں گھبرا گیا اور خرگوش کو بھاگتا ہُوا چھوڑ دیا۔ لیکن پھر دوبارہ مجھے شکار کا خیال آیا تو پھر خرگوش کے پیچھے ہو لیا پھر ہاتف کی آواز میرے گھوڑے کی زین کی کوچ سے آئی کہ بخدا نہ تو اس لیے پیدا ہوا اور نہ ہی مامور من اللہ ہے۔ یہ آواز سن کر میں گھوڑے سے اترا اور اپنے والد کے نوکر کا لباس لے کر جبۂ درویشانہ پہن کر کعبہ معظمہ کو روانہ ہوا۔

حدیث شریف اِس آیت کے نزول کے بعد حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ سدھائے ہوئے کتوں سے شکار کرو اور جنہیں تم نے شکار کے آداب نہیں سکھلائے اُن سے بچو۔

اسی طرح فرمایا:

باؤلے اور ضرر رسان کتوں کو مار ڈالو اور جو ضرر نہیں پہنچاتے اور نہ ایذا دیتے ہیں انھیں اپنے سے دُور بھگاؤ۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص نگرانی کرنے والے اور شکاری اور کھیتی کے محافظ کے سوا کسی آوارہ اور بیکار کُتّے کو اپنے پاس رکھتا ہے تو اس کے اعمال نامے سے ہر روز ایک قیراط کم کر دیا جاتا ہے۔

نکتہ: اس لیے کہ ایسے کُتّے مہمانوں کو ستاتے اور سائلین کا راستہ روکتے ہیں (کذا فی تفسیر الحدادی)

marfat.ocm

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لا تدخل الملئکة بیتا فیه صورة ولا کلب ولا جنب ۔

اس گھر میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے جس گھر میں تصویر اور (آوارہ) کتّا اور جنبی انسان ہو ۔

ف : یہاں ملائکة سے رحمت اور استغفار کے فرشتے مراد ہیں اس لیے کہ یہی حضرات رحمتُ برکت کو گھروں میں لاتے اور ذکر کرنے والے لوگوں کی زیارت اور ان کے ذکر سننے کے لیے حاضر ہوتے ہیں اس سے کراماً کاتبین مراد نہیں اس لیے کہ وُہ تو آنکھ جھپکنے کی دیر بھی انسان سے جُدا نہیں ہوتے ۔

ف : تصویر سے جاندار کی تصویر مراد ہے اس لیے کہ اسے بُت سے مشابہت ہے ، علاوہ ازیں بعض تصاویر کی پرستش بھی ہوتی ہے ۔

مسئلہ صوفیانہ : جو شے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا موجب بنے وہ اللہ تعالیٰ کے پیارے بندوں کے نزدیک مبغوض ترین شیَ ہے ۔

ف : کُتّے سے نفرت اس کی نجاست کی وجہ سے ہے اسے پاخانہ سے مشابہت دی جاتی ہے ۔

مسئلہ : بعض روایات میں ولا جنبا بھی وارد ہوا ہے اس لیے جنبی کو مناسب ہے کہ وہ جنبی ہونے کے بعد وضو کر کے سوئے ۔

مسئلہ : ترغیب و ترہیب میں ہے کہ جنبی اگر وضو کر لے تو اسے کھانا پینا اور نیند کرنا جائز ہے ۔

مسئلہ : یہ وعید اس جنبی کو ہے جو بلا عذر سو جاتا ہے ۔ اگر کوئی شرعی عذر ہو تو کوئی حرج نہیں ۔

مسئلہ : یہ عذر بھی صرف غسل نہ کرنے کے لیے ہے کہ عذر کی وجہ سے غسل دیر سے کرتا ہے ورنہ وضو کے بغیر نہ کھائے نہ پیئے نہ سوئے ۔

مسئلہ ، اور وعید مذکور ہر اس شخص کے لیے ہے جو بوجہ سُستی اور غفلت کے یا عادت بنا دے ۔

مسئلہ : شرعة الاسلام اور اس کی شرح میں حضرت سید علی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جماع کے بعد تھوڑی سی نیند کرنا جسمانی لحاظ سے موزوں تر ہے لیکن اس میں بھی سنّت یہ ہے کہ وضو کر کے سوئے ۔ اسی طرح جو شخص کھانے پینے یا جماع کا دوبارہ ارادہ کرتا ہے تو بھی وضو کرے ۔

ف : بعض مالکیہ فرماتے ہیں کہ احادیث میں جو جماع کے بعد وضو کا حکم ہے اس سے وضو شرعی مراد نہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ جماع کے بعد ذکر وغیرہ اور دونوں ہاتھوں کو خُوب صاف سُتھرا کر لیا جائے ۔

تفسیر صُوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ آپ سے اصحابِ سلوک اور طالبانِ راہِ خدا آپ سے سوال کرتے ہیں کہ دنیا و آخرت کی کون سی اشیاء ہمارے لیے حلال ہیں اور کونسی

marfat.ocm

حرام۔ جیسا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الدنیا حرام علی اھل الاٰخرۃ والاٰخرۃ حرام علی اھل الدنیا وھما حرامان علی اھل اللہ تعالیٰ۔	دنیا اہلِ آخرت کے لیے اور آخرت اہلِ دنیا کے لیے حرام ہے لیکن اہل اللہ کے لیے دونوں حرام ہیں۔

آپ انہیں فرمایئے کہ تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی تمام پاکیزہ چیزیں حلال ہیں۔ یعنی ہر دو امور جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں روڑا نہیں اٹکاتے وہ سب تمہارے لیے حلال وطیب ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ صرف پاک اور طیب کو قبول فرماتا ہے۔ کھانا پینا پہننا بولنا سمجھنا، غرضیکہ وہ کام جسے تم حظِ نفسانی سے طلب کرکے اسے وجود کو اسی سے ملوث کر دیتے ہو تو وہ سب کا سب حرام اور خبیث ہے اور خبیث اشیاء خبیثوں کیلئے ہوتی ہیں۔ ہاں جن چیزوں کو تمام حق کے ساتھ حقوق کی ادائیگی طلب کرتے ہو جس میں شہود کی نسیم کو دخل ہے تو وہ حلال وطیب ہے اور ایسی پاک چیزیں پاکبازوں کو نصیب ہوتی ہیں ان اللّٰہ سریع الحساب میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال کا جلد حساب لے گا، ابھی فراغت پائیں گے تو انہیں جزا عطا فرمائیگا اور اس جزا کو القربۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور ملبس الصحبۃ وجذبۃ العنایۃ اس کے ماسوا ہیں اور برائی کی سزا کا یہ مطلب ہے کہ بندے کو بُعد اور نہایت ہی نچلے درجے میں پہنچایا جاتا ہے، جیسے پھر دائمی رسوائی۔ کسی نے کیا خوب فرمایا: ع

ہر کہ کند بخود کند در ہمہ نیک و بد کند

ترجمہ: جو کچھ کر رہا ہے اپنے لیے ہی کر رہا ہے نیکی ہے تو اپنے لیے، برائی ہے تو بھی۔

حضرت صائب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ؎

چرا ز غیر شکایت کنم کہ ہمچو حباب
ہمیشہ خانہ خراب ہوائے خویشتنم

ترجمہ: میں دوسروں کی کیا شکایت کروں میں حباب کی طرح خواہشِ نفسانی کی مار سے خانہ خراب ہوں۔

تفسیر عالمانہ **اَلْیَوْمَ** اس سے زمانہ حاضر مراد ہے اس کے ساتھ وہ ماضی اور مستقبل کے وہ زمانے جو اس سے متصل ہیں یا اس سے یومِ نزول مراد ہے۔

اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ آج سے تمہارے لیے پاک طیب اشیاء حلال ہیں۔ الطیبٰت سے وہ اشیاء مراد ہیں جن سے پاک طبائع نفرت وکراہت نہ کریں اور پاک طبائع سے اہلِ مروّت اور

marfat.ocm

اخلاقِ حمیدہ سے مزین حضرات مراد ہیں، یا وہ امور جن کی حرمت پر نہ شارع کی نص دلالت اور نہ مجتہد کا قیاس وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اور اہلِ کتاب کا طعام۔ اہلِ کتاب سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں اور اُن کے طعام سے اُن کے ذبائح وغیرہ مراد ہیں حِلٌّ لَّكُمْ تمہارے لیے حلال ہیں۔

مسئلہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اہلِ کتاب جو عرب میں رہتے ہیں اُن کے ذبائح کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ یہی عام تابعین کا قول ہے اور یہی حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے اصحاب کا مذہب ہے۔

مسئلہ: امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک صابئین اہلِ کتاب کے حکم میں ہیں لیکن صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صابئی دو قسم ہیں:

(۱) زبور پڑھتے ہیں اور ملائکہ کی پرستش کرتے۔

(۲) کسی ایک کتاب کے قائل نہیں اور نجوم پرستی کرتے ہیں۔ اس دوسری قسم کے لوگ اہلِ کتاب کے حکم میں نہیں ہیں۔

مسئلہ: مجوسیوں کے لیے یہ حکم ہے کہ جزیہ میں وہ اہلِ کتاب کے حکم میں ہیں لیکن نہ اُن کے ذبائح کھائے جائیں اور نہ ہی ان کی عورتوں سے نکاح کیا جائے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> مجوسیوں سے اہلِ کتاب جیسا برتاؤ کرو لیکن نہ اُن کی عورتوں سے نکاح کرو اور نہ ہی ان کے ذبائح کھاؤ۔

مسئلہ: اگر یہودی و نصرانی بسم اللہ اللہ اکبر کی بجائے غیر اللہ کا نام لے۔ مثلاً نصرانی ذبح کرتے وقت عیسیٰ علیہ السلام کا نام لیتے ہیں تو اکثر اہلِ علم فرماتے ہیں کہ وہ مذبوحہ حلال ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذبائح کو ہمارے لیے حلال فرمایا ہے۔

وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ اور تمہارے طعام اُن کے لیے حلال ہیں۔ تمہارے لیے کوئی حرج نہیں کہ تم انہیں کچھ کھلاؤ یا ان کے ہاں کوئی بیچیں۔ اگر ہماری اشیاء ان کے لیے حرام ہوتیں تو نہ اُن کے لیے ہمارا طعام حلال ہوتا اور نہ ہی ہماری بیع و شرا۔ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ اور غیر شادی شدہ مومن عورتیں بھی تمہارے لیے حلال ہیں۔ یہ مبتدا اور اس کی خبر محذوف ہے جبکہ اُس کا ماقبل اس پر دلالت کرتا ہے یعنی حل لکم محذوف ہے یہاں سے آزاد اور پاکدامن عورتیں مراد ہیں، اُن کے ذکر کی تخصیص صرف اس لیے ہے کہ وہی نکاح وغیرہ میں اصل ہیں ورنہ لونڈیوں کی نفی

ہب نہیں اس لیے مسلمان لونڈیوں سے بھی بالاتفاق نکاح جائز ہے۔

سئلہ: اہلِ کتاب لونڈیوں کا حکم مسلم عورتوں جیسا ہے یہی مذہب امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ہے۔ (خلافاً للشافعی)

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اور اہل کتاب کی پاکدامن [illegible] تمہارے لیے حلال ہیں اگرچہ حربی ہوں۔

سئلہ: تفسیر صاوی میں ہے کہ علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس آیت کے ظاہر سے ہوتا ہے کہ لونڈی کتابیہ کا اہلِ اسلام سے نکاح ناجائز ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ باذن اھلھن [illegible] ہے۔ چنانچہ ان کے ذبائح کی حلت سے ثابت ہوتا ہے۔

ال: جبکہ مُحصنٰت کی خبر سے نکاح کی اباحت ہے تو پھر ان کی تخصیص کیوں؟

اب: آیت سے منت و احسان جتلانا مطلوب ہے اور یہ حرائر و محصنات نعمت و احسان کے لونڈیوں سے افضل و اکمل ہیں۔

سئلہ: تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ مسلم آزاد کا مسلم لونڈی سے نکاح جائز ہے اگرچہ آیت میں صرف محصنات کا ذکر ہے۔

سئلہ: افضل یہ ہے کہ لونڈیوں کے بجائے آزاد عورتوں سے نکاح کرے اگرچہ وہ اہل کتاب ہی ہوں جبکہ آزاد عورتوں سے نکاح کی قدرت رکھتا ہو، اس لیے کہ لونڈیوں کی اولاد مملوک غیر رہے گی کیونکہ اولاد آزاد و مملوک ہونے میں ماں کے حکم میں ہوتی ہے۔ پھر جب وہ اپنے لئے مملوک ہونا پسند نہیں کرتا تو اسے کہ وہ اپنی اولاد کے لیے بھی مملوک ہونا پسند نہ کرے۔

اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ جبکہ تم اُن کی مہر ادا کرو۔

سوال: عورتوں کے نکاح کو مہر کی ادائیگی پر کیوں موقوف کیا گیا ہے حالانکہ اُن کا نکاح مہر پر موقوف نہیں، جیسا کہ احناف کا مذہب ہے۔

جواب: محض تاکید کے لیے ہے اور یہ بتانا مطلوب ہے کہ اس کی ادائیگی واجب ہے خواہ تاخیر سے ہی ہو، اگرچہ افضل و اولیٰ یہی ہے کہ مہر کی ادائیگی نکاح کے وقت ہو اور اذا ظرفیہ اور حلٌّ محذوف سے متعلق ہے۔

مُحْصِنِيْنَ یہ اٰتیتموھن کی ضمیر خطاب سے حال ہے یعنی تمہارا حال یہ ہو کہ تم اُن سے نکاح کر کے عفت حاصل کرو۔ اسی طرح **غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ** بھی اس ضمیر خطاب سے حال ہے، یعنی

marfat.ocm

اُن سے زنا کرنے والے نہ ہو **وَلَا مُتَّخِذِیْٓ اَخْدَانٍ** اور نہ ہی ان سے چوری چھپے دوستی گانٹھو۔ خدن پکے سچے دوست کو کہتے ہیں۔ اس کا مذکر و مونث دونوں پر اطلاق ہوتا ہے۔

ف : امام شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سفاح دو قسم کا ہوتا ہے،

(۱) علی الاعلان زنا کرنا۔

(۲) چوری چھپے عورتوں سے دوستی گانٹھنا، یہ بھی ایک قسم کا زنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو حرام فرمایا ہے۔ ہاں عورتوں سے نکاح کرکے ہر قسم کا نفع اٹھانا جائز ہے۔

وَمَنْ یَّكْفُرْ بِالْاِیْمَانِ اور وہ جو ایمان کا منکر ہے یعنی شرائع اسلام سے انکار کرتا ہے منجملہ اُن کے ایک یہ بھی ہے جس کے حلال و حرام کے احکام ابھی بیان کیے گئے ہیں۔ انکار کا ایک معنیٰ یہ ہے کہ وہ ان احکام کو قبول نہ کرے **فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ** تو اس کے تمام اعمال اکارت جائیں گے۔ یعنی اس نے جو اس سے قبل نیک عمل کئے ہوں گے تمام ضائع جائیں گے **وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ** اور وہ آخرت میں خسارہ والوں میں سے ہوگا۔ ھُوَ مبتدا اور من الخٰسرین اس کی خبر ہے، اور فی الاٰخرۃ کا وہی متعلق ہے جو من الخٰسرین کا ہے یعنی کائن یا ثابت وغیرہ۔

ف : امام حدادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کے اعمالِ صالحہ کا ثواب ضائع ہو جائے گا اور وہ ان لوگوں سے ہوگا جو حسرت کھانے والے ہوں گے اور انہیں جہنم کی طرف دھکیلا جائے گا۔

مسئلہ : عورت کتابیہ اور شوہر مسلمان ہو تو قیامت میں ایک دوسرے کو نفع و نقصان نہیں دے سکیں گے۔ اسی طرح عورت مسلمان ہو اور شوہر کتابی، یعنی اس کے دین کے اختلاف سے ایک دوسرے کے انجام پر اثر انداز نہ ہوگا۔ حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : ؎

برفتند و ہر کس درود آنچہ کشت
نماند بجز نام نیکو و زشت

ترجمہ : لوگ چلے گئے پھر جس نے جو بویا وہی کاٹا پس دنیا میں نام نیک رہا یا بُرا رہا۔

نکتہ : دُنیا کی قبیح ترین چیز کفر اور حسین ترین چیز اسلام ہے۔

حدیث شریف : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا،

marfat.ocm

لما خلق اللہ جنۃ عدن خلق فیہا ما لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر ثم قال لہا تکلمی فقالت قد افلح المؤمنون ثلاثا۔

جب اللہ تعالیٰ نے جنت عدن پیدا فرمائی تو اس میں ایسی نعمتیں رکھیں کہ جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی فرد بشر کے دل میں اس کا تصور آسکتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جنۃ عدن سے فرمایا کچھ سُنا، اس نے تین بار کہا، قد افلح المؤمنون۔

فرمان نوح علیہ السلام: حضرت کعب الاحبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت نوح علیہ السلام پر نزع طاری ہوئی تو آپ نے اپنے صاحبزادے سام کو بلا کر فرمایا کہ میں تمہیں دو باتوں کا حکم دیتا ہوں اور دو باتوں سے روکتا ہوں۔ ایک حکم یہ ہے کہ کلمۂ شہادت کو نہ چھوڑنا اس لیے کہ یہ ایسا کلمہ ہے کہ اس کی وہشت سے چودہ طبق کانپتے ہیں اور اس کے آگے کوئی شئے حاجب نہیں ہو سکتی اگر چودہ طبق ترازو کے ایک پلڑے میں ہوں اور کلمۂ شہادت دوسرے پلڑے میں تو کلمۂ شہادت کا پلڑا بھاری ہوگا، اور میرا دوسرا حکم یہ ہے کہ سبحان اللہ والحمد للہ کا ہر وقت ورد رکھنا، اس لیے کہ یہ تمام ثوابوں کا جامع ہے۔ اور جن باتوں سے میں تمہیں روکتا ہوں اُن میں ایک شرک، دوسرا غیر اللہ پر اعتماد۔

مسئلہ: حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمام اہلِ اسلام کا اجماع ہے کہ کفار کو نہ کوئی عمل فائدہ دیتا ہے، نہ ہی انہیں کسی عمل کا ثواب ملے گا اور نہ ہی ان سے عذاب کی تخفیف ہوگی بلکہ بہ نسبت بعض کے بعض سخت تر عذاب میں مبتلا ہوں گے اُن کے غلط جرائم کی وجہ سے۔

مسئلہ: اگر وہ زندگی میں اسلام قبول کر لیں تو بعد اسلام جتنی نیکیاں کریںگے تمام قبول ہوں گی جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے۔

مسئلہ: نصاب الاحتساب میں ہے کہ جو فعل کفر کا موجب بنتا ہے اس کے ارتکاب سے تمام نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔

مسئلہ: مرتد پر حج کا اعادہ واجب ہے یعنی مرتد ہونے سے پہلے جو حج کیا تھا وہ ضائع ہو گیا۔

مسئلہ: ارتداد کے بعد اس کا نکاح ٹوٹ گیا اگر اس عورت سے وطی کرے گا تو زنا لکھا جائیگا۔

مسئلہ: اس حالت میں جو بچہ پیدا ہوگا اسے شرعاً ولد الزنا کہا جائے گا، اگرچہ ارتداد سے

marfat.ocm

رجوع کے بغیر لاکھو بار کلمۂ شہادت پڑھے کچھ فائدہ نہیں جب تک اس کہے ہوئے کفریہ کلمہ سے سچے دل سے تائب نہ ہو اس لیے کہ پچھلی عادت کے طور پر کلمۂ شہادت پڑھتے رہنے سے ارتداد کا جرم اُٹھ نہیں جاتا۔

مسئلہ: جن امور کے کفر یا عدمِ کفر پر علماءِ کرام کا اختلاف ہے اگر کسی سے اس کا ارتکاب ہو جائے تو وہ احتیاطاً تجدید نکاح کرے اور سچے دل سے تائب ہو اور جو کچھ کہا ہے اسے پھر دوبارہ نہ کہنے کا پورا عزم کرے۔

مسئلہ: احکام مذکورہ بالا میں مرد اور عورت برابر ہیں یہاں تک کہ اگر عورت سے کفریہ کلمہ منہ سے نکل جائے تو وہ اپنے شوہر پر حرام ہو جاتی ہے۔

سبق: انہی وجوہ کے پیشِ نظر علماءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مرد پر لازم ہے کہ وہ نیک بخت پاکدامن پرہیزگار عورت سے نکاح کرے تاکہ اس سے ایسی غلطیوں کا ارتکاب نہ ہو۔

مسئلہ: حضرت الشیخ المشہور بافتادہ آفندی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ولد الزنا کو کسی قسم کی اسلامی ولایت نہ دی جائے۔ اس کے بعد اپنے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اپنے ماں باپ کا پہلا لڑکا ہوں کہ اُن سے کوئی کفریہ کلمہ سرزد نہیں ہوا۔ ان کے وارث اکبر الشیخ بہ الہدائی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ بحمدہٖ تعالیٰ فقیر کی کیفیت بھی یہی ہے۔

تفسیر صوفیانہ **احل لکم** میں اشارہ ہے کہ اے اربابِ حقیقت تمہارے لیے کمالیت دین میں جو ازل میں تمہارے لیے مقدر کیے گئے تھے اسی دن سے تمہارے لیے وہ تمام پاکیزہ اشیاء حلال کی گئیں جو سعادتِ دارین سے متعلق ہیں بلکہ تمہارے لیے وہ امور حلال کیے گئے ہیں جو عاداتِ الٰہیہ کے حصول کے اسباب ہیں اور وہ عاداتِ الٰہیہ و کیفیات سے منزّہ اور وہ جمیع نقائص و شبہات سے مبرّا ہیں **الذین اوتوا الکتٰب** حقیقی طور پر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ہیں ان کے طعام حلال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تم ولایت کے دودھ پلائے گئے ہو جیسے انہیں نبوت کا دودھ پلایا گیا۔ شریعت و حقیقت ولایت و نبوت کے دودھ کا سرچشمہ ہیں **طعامکم حل لھم** تمہارا طعام ان کے لیے حلال ہے، یعنی نبوت ولایت کے دودھ کا سرچشمہ ایک ہے اگرچہ ولایت و نبوت کے دو علیحدہ علیحدہ پستان ہیں۔ تم ہمارے کرم سے ولایت کے چشمہ سے دودھ پلائے گئے، اور انبیائے کرام علیہم السلام ہمارے الطاف سے نبوت کے سرچشمہ سے دُودھ پلائے گئے۔ ہر ایک نبی و ولی نے اپنا اپنا حصول فیض کا حصول فیض کا سرچشمہ معلوم کر لیا اور حضور علیہ السلام کو ہر ایک کے سرچشمۂ فیض سے تعلق ہے پھر مقام محمودؐ کے خصوصی مرتبہ سے آپ کو محبوبی شان ملی ہے کہ آپ "ابیت عند ربی یطعمنی ویسقینی" کے مخصوص سرچشمہ سے فیض پاتے ہیں۔ آپ کا یہ وہ مرتبہ ہے کہ اس میں نہ کسی مَلک مقرب کو حصہ ملا ہے نہ ہی کسی

marfat.ocm

نبی مرسل کو حل علم المحصنات من المؤمنات سے حقائق قرآن کریم کے وہ پوشیدہ اسرار مراد ہیں کہ جن کے آگے ہزاروں پردے ہیں جہاں افہام علماء کو پہنچنا نصیب نہیں ہوتا والمحصنات من الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم میں پہلی امتوں پر جو کتابیں نازل ہوئیں ان کے اسرار و رموز مراد ہیں جو کے اسرار و رموز عوام سے مخفی رکھے گئے لیکن انہیں قرآن مجید میں درج کر دیا گیا اور وہ تم سے بھی مخفی ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فلا تعلم نفس ما اخفی لهم ۔ یعنی وہ رموز ایسے پوشیدہ ہیں کہ کسی کو معلوم نہیں اور اُن سے بھی جیسے کتب سابقہ کے اسرار و رموز مراد ہیں انہیں پورے طور سمجھو ۔ ہم نے تمہاری خاطر یہ تحقیق لکھی ہے اذا اٰتیتموهن اجورهن سے مراد یہ ہے کہ وجود مجازی کو مٹانے کا مہر ادا کر کے ان کے اسرار و رموز حاصل کرو۔ محصنین سے مراد یہ ہے کہ وجود مجازی کو مٹانے میں خلوص کو مدنظر رکھو تاکہ وہ اپنے پردہ ہٹا کر مکمل کر سامنے آجائیں۔ لیکن یہ اس وقت ہوگا جب کسی شیخ کامل کی خصوصی توجہ ہو غیر مسٰفحین اُن کے حصول میں خواہشِ نفسانی اور خلافِ شرع اور اپنی طبعی رائے کو دخل نہ ہو ولا متخذی اخدان یعنی اسرار و رموز کے حصول کے وقت وجود مجازی کو ایسے سلیقے سے مٹاؤ کہ اس میں دنیا و آخرت کی طرف معمولی طور پر بھی التفات نہ ہو تاکہ ذاتِ حق کے مرکز تجلیات کے پردے ہٹ جائیں اس لیے کہ سالک کا سرچشمہ بھی وہی ہے اور مقصود بالذات بھی وہی، ساقی بھی وہی ہے اور حریف بھی وہی۔ ومن یکفر بالایمان اور جو شخص ان معاملات و کمالات کو ٹھکراتا ہے تو اسے مشاہدۂ ذات کی سعادت سے محروم کر دیا جاتا ہے اور اس کے اعمال بھی ضائع ہو جائیں گے۔ اسے انفعال اور اندھی تقلید کا خوگر بنا دیا جاتا ہے اور وہ آخرت میں بھی اُن لوگوں سے اٹھایا جائیگا جنہیں دنیا و آخرت میں مولا کے دیدار سے محرومی نصیب ہوگی (کذا فی التاویلات النجمیہ)۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ
اے ایمان والو! جب نماز کو کھڑے ہونا چاہو تو اپنا منہ دھوؤ
وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ
اور کہنیوں تک ہاتھ اور سروں کا مسح کرو اور گٹوں تک پاؤں دھوؤ
وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ
اور اگر تمہیں نہانے کی حاجت ہو تو خوب ستھرے ہو لو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے
مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا
کوئی قضائے حاجت سے آیا یا تم نے عورتوں سے صحبت کی اور ان صورتوں میں پانی نہ پایا تو پاک مٹی
طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ۭ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ
سے تیمم کرو تو اپنے منہ اور ہاتھوں کا اس سے مسح کرو اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کچھ تنگی رکھے
عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ
ہاں یہ چاہتا ہے کہ تمہیں خوب ستھرا کر دے اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دے کہ کہیں
تَشْكُرُوْنَ ۝ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖۤ ۙ اِذْ
تم احسان مانو اور یاد کرو اللہ کا احسان اپنے اوپر اور وہ عہد جو اس نے تم سے لیا جب کہ
قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ يٰۤاَيُّهَا
تم نے کہا ہم نے سنا اور مانا اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ دلوں کی بات جانتا ہے اے
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ
ایمان والو اللہ کے حکم پر خوب قائم ہو جاؤ انصاف کے ساتھ گواہی دیتے اور تم کو کسی قوم کی عداوت
شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ
اس پر نہ ابھارے کہ انصاف نہ کرو انصاف کرو وہ پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو
اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ
بیشک اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔ ایمان والے نیکوکاروں سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کے
لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ
لیے بخشش اور بڑا ثواب ہے اور وہ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتیں جھٹلائیں وہی دوزخ

marfat.ocm

الصُّدُوْرِ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ

[illegible] اے ایمان والو اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب ایک قوم نے چاہا کہ

يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ

تم پر دست درازی کریں تو اس نے ان کے ہاتھ تم پر سے روک دیئے اور اللہ سے ڈرو اور مسلمانوں

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

کو اللہ ہی پر بھروسا چاہیے

تفسیر عالمانہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اے ایمان والو جب تم نماز کی طرف اُٹھو۔ یہاں یا تو قیام کا حقیقی معنی مراد ہے۔ اور وہ چونکہ نماز کا ایک رکن ہے اس لیے اسے یوں ہی تعبیر کیا گیا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب تم نماز کے قیام کا ارادہ کرو۔ اس لازمہ مسبب بول کر سبب مراد لیا گیا ہے۔

سوال: مضمون کو اتنا طویل کرنے کا کیا فائدہ؟

جواب: اس لیے کہ نماز کی ادائیگی جزاء ہے اور وضوء شرط ہے اور جزاء شرط سے مؤخر ہوتی ہے، یعنی نماز کی صحت کا دارومدار طہارت پر ہے۔

یا قیام سے نماز کی تیاری مطلوب ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب تم نماز کی تیاری کا ارادہ کرو۔ یہاں پر ایک لازم بول کر دوسرا لازم مراد لیا گیا ہے، اس لیے کہ وضو قیام اوّل کے شرائط میں سے ہے نہ کہ قیام ثانی کے شرائط سے۔ یعنی وضوء نماز کے ہر رکن کے لیے شرط ہے منجملہ ان کے قیام بھی ہے اور نماز کی تیاری کے لیے وضو شرط نہیں اس لیے کہ ممکن ہے کہ اُس وقت نمازی کو وضوء ہو۔ اور یہ خطاب بھی صرف ان نمازیوں کو ہے جن کا وضو نہیں۔ جیسا کہ قرینۂ حال سے معلوم ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ نماز کی خاطر ہر اُٹھنے والے نمازی پر وضو واجب نہیں، اسے وضو ہو یا نہ ہو، جیسا کہ آیت کے ظاہر سے ثابت ہوتا ہے بلکہ صرف اس پر وضوء کا (وجوباً) حکم ہے جس کا وضوء نہیں۔

فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ پس اپنے چہروں کو دھودو۔ الغسل جس جگہ کا دھونا مطلوب ہے اُس پر پانی بہانا۔ مسلنا شرط نہیں۔ الوجہ ہر وہ شے جو انسان کے سامنے کی طرف واقع ہو۔ اس

marfat.ocm

کی حد سر کے بالوں کی جمنے کی جگہ سے لے کر ٹھوڑی تک بلحاظ طول کے، اور بلحاظ عرض کے کان کی ایک لَو سے دوسری لَو تک۔

مسئلہ: وضو میں منہ کا دھونا فرض ہے۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہُوا کہ کُلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا وضوء کے واجبات سے نہیں اس لئے کہ وضوء کا حکم چہرے کے ظاہر کے لیے ہے نہ کہ اس کے اندرونی حصّہ کے لیے۔ البتہ یہ دونوں باتیں سنّت ہیں۔

وَاَیۡدِیَکُمۡ اِلَی الۡمَرَافِقِ اور کُہنیوں تک ہاتھوں کو دھو دو۔

مسئلہ: جمہور کے نزدیک کُہنیاں ہاتھوں کے دھونے میں داخل ہیں اس لیے مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں لا تاکلوا اموالھم الیٰ اموالکم کی طرح الیٰ بمعنے مع ہے۔

ف: المرافق، المرفق کی جمع ہے۔ ہتھیلی اور مونڈھے کی دونوں جانبوں کے اجتماع کے مقام کو کہا جاتا ہے۔ اسے مرفق اس لیے کہا جاتا ہے کہ مرفق بمعنے آلۂ اتکاء (سہارا لینے کا آلہ)۔ چونکہ ہاتھوں سے انہی پر سہارا لیا جاتا ہے اس لیے ان کو المرافق کہا جاتا ہے۔

وَامۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِکُمۡ اور سروں کا مسح کرو۔ یہاں پر "الق بیدہ" کی طرح با زائدہ ہے۔

ف: المسح بمعنے اصابۃ الیہ یعنی کسی شَے پر ہاتھ پہنچانا۔

مسئلہ: امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک چوتھائی سر کا مسح واجب ہے۔ اُن کی دلیل یہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشانی کے برابر اپنے سرِ مبارک پر مسح فرمایا تھا، اور یہ سر کے چوتھا حصّہ کے برابر ہوتی ہے اس لیے کہ سر کی چاروں طرفیں چار پیشانیوں کے برابر ہیں۔ مثلاً پیشانی کے بالمقابل سر کا پچھلا حصّہ گدّی تک ایک پیشانی ہُوئی۔ اسی طرح اس کی دونوں کانوں کے اوپر والی دونوں جانبیں بھی دو پیشانیاں بنتی ہیں اور پھر اسی طرح سر کا اوپر کا حصّہ بھی۔

حنفیوں کی سر کے مسح کے متعلق عقلی دلیل

الواقعات المحمودیہ میں حضرت الشیخ الشہیر بافادہ آفندی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ مجھے مسئلہ مسح سر کے اختلاف میں چوتھائی سر کی ترجیح عجیب طور منکشف ہوئی ہے، وہ اس طرح کہ انسان کا جسم مربع ہے اور سر تمام جسم کا سردار ہے اس لیے اس کے مسح کے لیے چوتھائی موزوں ہے۔ اگر امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کا اعتبار کیا جائے کہ وہ تین انگلیوں کی مقدار سر کا مسح واجب

marfat.ocm

بتاتے ہیں تو وہاں سر کی اپنی ذاتی کیفیت تک محدود رہ جاتا ہے اس لیے کہ اس کی ذاتی کیفیت مسدس ہے اور اس کا چھٹا حصہ تین انگلیوں کے برابر ہے، اور یہ ناموزوں ہے کہ انسان میں من حیث الانسان صرف سر کا نام نہیں بلکہ تمام انسانی ڈھانچے کا نام انسان ہے۔

سوال: حضرت محمود الہدانی قدس سرہ نے فرمایا کہ مذکورہ بالا تقریر سے اولویت امام شافعی رضی اللہ عنہ کے مذہب کے لیے ثابت ہوتی ہے اس لیے کہ اس وقت وضو کی بحث ہو رہی ہے اور وہ بھی علیحدہ علیحدہ اعضاء کی نہ کہ تمام جسم انسانی کی۔

جواب: حضرت الشیخ الٰہداد قدس سرہ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ بحث صرف موضوعِ وضوء سے نہیں بلکہ انسانی ڈھانچے کے لحاظ سے ہے جو کہ ہر اعتبار سے حاوی ہے، اور وہ ڈھانچہ (بدن) کل ہے اور سر اس کا جزو۔ ہم کل کا اعتبار کرتے ہیں جو علمی بحث کے لحاظ سے موزوں تر ہے۔ بناء بریں تین انگلی کے بجائے چوتھائی سر کے مسح کو ترجیح ہوگی۔

مسئلہ: امام حدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کانوں کا مسح سنت ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ ظاہری طرف کا دونوں انگوٹھوں سے اور باطنی جوانب کا شہادت کی انگلیوں سے مسح کرے۔

مسئلہ: کانوں کے مسح کے لیے جدید پانی کی ضرورت نہیں۔ سر کے مسح کے بعد ہی کانوں کے مسح کیلئے وہی ایک پانی کافی ہے۔

مسئلہ: گردن کا مسح مستحب ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

من مسح رقبتہ فی الوضوء امن	جو شخص وضوء میں گردن کا مسح کرے وہ
من الغل یوم القیامة۔	قیامت میں جہنم کی بیڑیوں سے بچ جائیگا۔

وَاَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ اور پاؤں کو گٹوں تک دھوؤ۔ اس کا عطف وجوھکم پر ہے۔ چنانچہ اس کی تائید مشہور حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عمل بھی یونہی تھا اور اکثر ائمہ کا ارشاد بھی اسی طرح ہے پھر اسے گٹوں تک محدود کر دینے سے بھی تائید ہوتی ہے ورنہ مسح میں حد بندی کوئی نہیں اس لیے کہ تحدید صرف دھوئے جانے والے اعضاء میں بتائی گئی ہے۔

مسئلہ: الاشباہ میں ہے کہ جو موزوں کے مسح اور غسل دونوں کا قائل ہے۔ اس کے لیے پاؤں کا دھونا افضل ہے۔ ویسے بھی پاؤں کا دھونا موزوں کے مسح سے افضل ہے اور وہاں تو زیادہ

marfat.ocm

ہی فضیلت ہے جہاں کہ پاؤں کے دھونے کے منکر ہیں (جیسے شیعہ رافضی دھونے کے منکر ہیں)

تردیدِ شیعہ

شیعہ رافضی کہتے ہیں کہ پاؤں کو دھونا نہ چاہیئے بلکہ مسح واجب ہے۔ اس کے متعلق دلیل میں ایک ضعیف اور بالکل شاذ روایت پیش کرتے ہیں۔ صاحب الروضہ فرماتے ہیں خف الروافض کا کلمہ ضرب المثل ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جبکہ کسی معاملہ میں وسعت دی جائے۔ وہ اس لیے کہ روافض موزوں کے مسح کے قائل نہیں بلکہ پاؤں پر موزوں کے بغیر ہی مسح کے قائل ہیں، اگر وہ موزے پہنتے بھی ہیں تو وہ اتنے کھلے ہوتے ہیں کہ ان کے اندر ہاتھ ڈال کر ہی پاؤں کا مسح کر لیتے ہیں۔

موزوں پر مسح کرنے کی شرعی دلیل

حضرت ابن مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک رات سفر میں تھا آپ نے مجھ سے فرمایا کہ تیرے ہاں پانی ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں ہے۔ آپ وضو کے لیے سواری سے نیچے اُترے، قضائے حاجت کے لیے جنگل کی طرف روانہ ہُوئے اور اتنی دُور چلے گئے کہ آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔ ویسے بھی اندھیری رات تھی، آپ فراغت کے بعد واپس تشریف لائے تو میں نے آپ کا وضو کرایا۔ میں لوٹے سے پانی ڈالتا جا رہا تھا اور آپ وضو فرما رہے تھے۔ آپ نے منہ دھویا اس کے بعد ہاتھ کہنیوں تک دھونے تھے آپ کے جُبّہ مبارک کی آستینیں تنگ تھیں۔ آپ نے اسے اتارا اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھویا پھر سر کا مسح فرمایا۔ میرا ارادہ ہُوا کہ آپ نے جو موزے پہنے ہوئے تھے انہیں اتاروں۔ آپ نے فرمایا، رہنے دیجئے۔ میں نے انہیں وضو کر کے پہنا تھا۔ اسی طرح آپ نے اُن پر مسح فرمایا (کذا فی تفسیر البغوی)

قاعدۂ فقہیہ

فقہاء کرام نے اس آیت سے وضو کا وجوب ثابت کیا ہے اور نیت کا ثبوت احادیث سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وضو کی نیت سنت ہے۔

مسئلہ: وضو کی نیت یہی ہے کہ وضو کرتے وقت ارادہ کرے کہ حدث رفع ہو اور نماز قائم کی جا سکے۔[1]

مسئلہ: خنصر (چھوٹی انگلی) کی مقدار موٹا اور ایک بالشت کی مقدار لمبا مسواک کُلّی کے وقت استعمال کرنا سنّت ہے اس لیے کہ اس طرح سے صفائی مکمل طور پر ہوتی ہے اگر وضو سے پہلے مسواک

---

[1] مثلاً یہ عبارت پڑھے، نویت اباحۃ مالا یباح الا بالطہارۃ ۱۲
اویسی غفرلہ

کرے تو بھی جائز ہے۔

مسئلہ: اگر مسواک میسر نہ ہو تو انگلی سے مسواک کرلے تو بھی جائز ہے۔

مسئلہ: ہدایہ میں ہے کہ مسواک کرنا مستحب ہے زیادہ صحیح ہے[1]

حکایت جبریل علیہ السلام حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ ایک دفعہ جبریل (چند روز غیر حاضر رہ کر) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: اتنی غیر حاضری کیوں؟ انھوں نے عرض کی: میں کیسے آتا جبکہ آپ کے ہاں نہ ناخن کٹوائے جاتے ہیں اور نہ ہی مونچھیں کٹوائی جاتی ہیں اور نہ انگلیوں کے جوڑ صاف ستھرے کئے جاتے ہیں اور نہ ہی مسواک کی جاتی ہے[2] اس کے بعد یہ آیت پڑھی: وما نتنزل الا بامر ربک تک۔

ف: براجم انگلیوں کے اندر اور باہر کے جوڑوں کو کہا جاتا ہے۔

نکتہ: ان کے صاف کرنے کی اس لیے ضرورت ہے کہ ان میں میل کچیل پھنس جاتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

نظفوا براجمکم۔ اپنی انگلیوں کی گرہوں اور جوڑوں کو صاف ستھرا کرو۔

نکتہ: ان کے صاف اور ستھرا رکھنے میں حکمت یہ ہے کہ ان میں میل کچیل جم جاتی ہے، پھر جنابت نہیں اترتی، اس لیے کہ وہ میل کچیل پانی کے درمیان حائل ہو جاتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

نظفوا اللثاتکم۔ اپنے مسوڑھوں کو بھی صاف اور ستھرا رکھو۔

ف: اللثاتہ: لثۃ بالتخفیف کی جمع ہے وہ گوشت جو کہ دانتوں کے اوپر ہوتا ہے۔ ان کی صفائی کا حکم اس لیے ہے کہ طعام ان پر نہ جم جائے۔ کیونکہ اس کے جم جانے سے بدہضمی اور منہ میں بدبُو پیدا ہو جاتی ہے، جس سے کراماً کاتبین خصوصیت سے ایذا پاتے ہیں۔ علاوہ ازیں قرآن کریم کے پڑھنے کا مقام بھی یہی ہے اور ملائکہ کراماً کاتبین کے بیٹھنے کا مرکز بھی یہی ہے۔ اور سب کو معلوم ہے کہ ملائکہ کرام کو بدبُو سے نفرت ہے۔

فضیلتِ مسواک — حدیث شریف: جب کوئی بندۂ خدا مسواک کرکے نماز کے لیے کھڑا

---

[1] صحیح تر قول اول ہے مزید تحقیق فقیر کے رسالہ "تریاق درمسواک" میں ہے۔ اویسی غفرلہ

[2] یعنی عوام، ورنہ خواص تو ہر سنت کے پابند تھے۔ اویسی غفرلہ

marfat.ocm

ہوتا ہے تو فرشتے اس کے پیچھے ہو کر اُس کی قرات سُن کر اس کے قریب تر ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ فر
اپنا منہ نمازی کے منہ پر رکھ دیتا ہے۔ پھر جو کچھ نمازی کے منہ سے قرات نکلتی ہے وہ سیدھی فرشتے
پیٹ میں چلی جاتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

مسواک سے پڑھا ہُوا ایک دوگانہ اُن ستر دوگانوں سے افضل ہے جو مسواک کے بغیر پڑھا جائے

وضو کی دُعائیں

وضو کرنے والا ابتدائے وضوء میں بسم اللہ شریف کے بعد کہے الحمد للہ
الذی جعل الماء طهورا۔ اور کلی کے وقت پڑھے: اللھم اسقنی من
حوض نبیك كأسا لا اظمأ بعدها ابدا اللھم اعنی علیٰ ذکرك و شکرك و تلاوة كتابك۔

اور ناک میں پانی ڈالتے وقت پڑھے: اللھم لا تحرمنی من رائحة نعیمك وجنانك۔

یا کہے: اللھم ارحنی رائحة الجنة ولا ترحنی رائحة النار۔

اور منہ دھوتے وقت پڑھے: اللھم بیّض وجھی یوم تبیض وجوه وتسود وجوه۔

یا کہے: اللھم بیّض وجھی بنورك یوم تبیض وجوه اولیائك ولا تسود وجھی بذنوبی
یوم تسود وجوه اعدائك۔

دایاں بازو دھوتے وقت پڑھے: اللھم اعطنی کتابی بیمینی وحاسبنی حسابًا
یسیراً۔

اور بایاں بازو دھوتے وقت پڑھے: اللھم لا تعطنی کتابی بشمالی ولا من وراء ظهری

سر کے مسح کے وقت پڑھے: اللھم حرم شعری وبشری علی النار واظلنی تحت
ظل عرشك یوم لا ظل الا ظلك اللھم غشنی برحمتك وانزل علی من برکاتك۔

اور دونوں کانوں کے مسح کے وقت پڑھے: اللھم اجعلنی من الذین یستمعون
القول فیتبعون احسنه۔

اور گردن کے مسح کے وقت پڑھے: اللھم اعتق رقبتی من النار۔

دایاں پاؤں دھوتے وقت پڑھے: اللھم ثبت قدمی علی الصراط یوم تزل
فیه الاقدام۔

بایاں پاؤں دھوتے وقت پڑھے: اللھم اجعل لی سعیا مشکورا وذنبا مغفورا
وعملا مقبولا وتجارة لن تبور۔

marfat.ocm

وضو سے فراغت کے بعد پڑھے۔ اشہد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہٗ لا شریک لہ و اشہد ان محمدا عبدہٗ و رسولہ اللہم اجعلنی من التوابین و اجعلنی من المتطہرین و اجعلنی من عبادك الصالحین الذین انعمت علیہم و اجعلنی من الذین لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون۔

اعضائے وضو کو دھونے اور مسح کی حکمت

ان چاروں اعضاء (۱) منہ (۲) ہاتھ (۳) سر کا مسح (۴) پاؤں دھونے و مسح میں حکمت یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جب شجرہ ممنوعہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اسے ہاتھ سے توڑا اور پاؤں سے اس کی طرف چلے اور فراغت پر سر پہ ہاتھ رکھا تو اللّٰہ تعالیٰ نے ان اعضاء کے دھونے کا حکم فرمایا تاکہ انسان کے جیسے گناہ دھل جائیں۔

وضو کے فضائل

حدیث شریف میں ہے حضور سرورِ عالم صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان العبد اذا غسل وجہہ خرجت خطایاہ حتی تخرج من اشفار عینیہ۔	جب بندۂ خدا وضو کرتا ہے تو جب منہ دھوتا ہے تو اس کے منہ کے تمام گناہ خارج ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ آنکھوں کی پلکوں سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں۔

اسی طرح بقیہ اعضاء کا قیاس کیجئے۔

(۲) بعض مفسرین نے فرمایا کہ ان اعضاء کا دھونا صرف اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ و السلام سے مخصوص ہے تاکہ قیامت میں باقی امتوں سے ان اعضاء کے انوار کی روشنی سے ممتاز ہو۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللّٰہ علیہ وسلم ایک قبرستان میں تشریف لائے اور فرمایا:

السلام علیکم دار قوم مؤمنین وانا ان شاء اللّٰہ بکم لاحقون وددت انا قد رأینا اخواننا۔	اے ایمان والو! تمہارے اوپر اللّٰہ کی رحمت ہو ہم بھی ان شاء اللّٰہ تعالیٰ عنقریب تمہارے پاس پہنچنے والے ہیں میری آرزو ہے کہ میں اپنے بھائیوں کو دیکھوں۔

marfat.ocm

صحابہ کرام نے عرض کی: کیا ہم آپ کے بھائی (اسلامی) نہیں ہیں؟

آپ نے فرمایا: تم میرے صحابی ہو۔ ہمارے بھائی وہ ہیں جو ابھی پیدا نہیں ہوئے۔

صحابہ کرام نے عرض کی: آپ قیامت میں انہیں کیسے پہچانیں گے؟

آپ نے فرمایا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ کسی شخص کے متعدد گھوڑے ہوں ان میں سے چند سپی
ہوں تو کیا وہ اپنے گھوڑوں کو نہیں پہچانے گا؟

سب نے عرض کی، ضرور پہچانے گا۔

آپ نے فرمایا: اسی طرح میرے اُمتی دُوسری اُمتوں میں وضو کی وجہ سے ممتاز ہوں گے اور انہیں
پہلے ملنے والا ہُوں۔

مسئلہ: حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فتح مکہ کے دن ایک ہی وضو سے پانچوں نمازیں ادا فرمائیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی:

صنعت شیئا لم تکن تصنعہ۔	(یارسول اللہ!) آج تو آپ نے نیا کام کیا ہے جو اس سے قبل آپ نے نہیں کیا۔

آپ نے فرمایا:

عمداً فعلتہ یا عمر۔	اے عمر! میں نے عمداً کیا ہے:

یعنی جواز کا اظہار ہو۔

مسئلہ: ہر نماز کے لیے نیا وضو کرنا مستحب ہے۔

حدیث شریف میں ہے،

من توضأ علی طہر کتب اللہ لہ عشر حسنات۔	جس نے وضو کے باوجود وضو کیا اس کے نامۂ اعمال میں دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔

نکتہ: تجدیدِ وضو سے باطن پر ایک نورانی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔

ف: بعض اصفیاء کا طریقہ تھا کہ وہ غیبت، کذب اور غضب کے بعد وضو کی تجدید فرماتے اس لیے کہ ایسے افعال سے نفس کا غلبہ اور شیطان کی شرارت ظاہر ہوتی ہے اور وضو ایک ایسا نور ہے جس کی برکت سے نفس اور شیطان کی تاریکیاں مٹ جاتی ہیں۔

حکایت: بعض بزرگوں کے متعلق مشہور ہے کہ اُن کے چہرے پر زخم تھے اور بارہ ۱۲ سال تک

ی کی وجہ سے آپ معذور ہو گئے لیکن اُنہوں نے کبھی وضو کو نہ چھوڑا۔

یت کسی بزرگ کی آنکھ میں کالا موتیا اتر رہا تھا کسی طبیب نے انہیں کہا آپ چند روز وضو کرنا چھوڑ دیں تب آپ کا علاج ہو سکتا ہے ورنہ علاج مشکل ہے۔ آپ نے فرمایا آنکھ تی جائے میں وضو کو نہیں چھوڑ سکتا۔ آخر وہ نابینا ہو گئے۔ اُس مردِ خدا نے نابینا ہونا منظور وضو نہ چھوڑا۔

کیمیا وضو پر مداومت کرنے سے رزق میں برکت ہوتی ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے ایک صحابی سے فرمایا:

دم علی الطہارۃ یوسع علیک الرزق۔ — تم وضو پر مداومت کرو تمہارا رزق بڑھ جائیگا۔

ئلہ: وضو کے بعد دو رکعت تحیۃ الوضو پڑھنا (بشرطیکہ مکروہ وقت نہ ہو) سنت ہے۔ اسے الوضو (شکر الوضو) کے نوافل کہتے ہیں۔

یث بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا: تم اسلام میں داخل ہونے کے بعد سا عمل کرتے ہو کہ میں نے (شبِ معراج میں) تمہارے جوتے کی آہٹ سُنی تھی۔ عرض کی مجھے ی محسوس ہوتا ہے کہ میں ہر وضو کے بعد (دن ہو یا رات) ایک دوگانہ پڑھ لیتا ہوں۔

مسئلہ: الاسرار المحمدیہ لابن فخر الدین رومی رحمہ اللہ تعالیٰ میں ہے وہ فرماتے ہیں کہ تحیۃ الوضو سوائے قات محرمہ کے ہر وقت پڑھ سکتا ہے خواہ اوقات مکروہہ ہوں۔ مثلاً بعد نماز فجر و عصر اور صبح صادق، س لیے کہ یہ ان نمازوں میں سے ہیں جنہیں ذوات الاسباب کہا جاتا ہے، فلہذا اوقاتِ مکروہہ میں ھی پڑھنے میں کوئی حرج نہیں (لیکن یہ ان کی اپنی رائے ہے، صحیح یہ ہے کہ تحیۃ الوضوء اوقاتِ مکروہہ میں نہ پڑھنی چاہیے) ہاں اوقات محرمہ جیسے طلوعِ شمس اور زوال اور غروب الشمس کے وقت تحیۃ الوضوء نہ پڑھی جائے، ان اوقات میں وضو کرے تو صبر کرے ان کے گزرنے کے بعد پڑھ لے۔ ہاں مکہ شریف میں ہر وقت پڑھ سکتا ہے (یہ بھی اپنی رائے ہے)

حدیث شریف حضرت جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عبد مناف! لوگوں کو نہ بیت اللہ کے طواف سے روکو اور نہ نماز پڑھنے سے وہ رات اور دن کے کسی وقت میں بھی یہ عمل کریں۔

marfat.ocm

حدیث شریف حضرت جندب سے مروی ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صبح کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ سورج پورے طور نکل آئے اور نہ ہی عصر کے بعد یہاں تک کہ سورج پورے طور پر چھپ جائے سوائے مکہ کے۔ یہ تین بار فرمایا۔ اسرار محمدیہ کا کلام یہاں ختم ہوا۔

تفسیر صوفیانہ یایھا الذین اٰمنوا میں اُن ایمان داروں سے خطاب ہے جو حقیقی مومن ہیں یہ وہی ہیں جنہیں الست بربکم میں خطاب ہوا تھا اور انہوں نے بلیٰ کہہ کر جواب دیا، وہی پہلی صف والے ہیں جنہوں نے یوم میثاق میں معائنہ کرکے ایمان قبول کیا دوسری صف والوں نے مشاہدہ کرکے ایمان قبول کیا۔ تیسری صف والوں نے خطاب سُن کر ایمان قبول کیا۔ چوتھی صف والوں نے تقلیدی ایمان قبول کیا انہیں تحقیقی ایمان نصیب نہ ہوا اس لیے کہ انہوں نے نہ معائنہ کیا اور نہ انہیں مشاہدہ ہوا اور نہ ہی انہوں نے فہم و درایۃ سے سنا بلکہ قہر و غضب کا خطاب سنا، کیونکہ جب وہ تینوں پہلی صفوں سے سُن کر متحیر ہوئے تو صرف انہی صفوں والوں کی تقلید میں بلیٰ کہا اس اعتبار سے انہوں نے قبول ہی نہ کیا۔ یہی لوگ بعد کو کافر ہوئے اور اگرچہ بظاہر ایمان بھی لائے تو ان کا ایمان نہ لانے کے برابر تھا اس لیے کہ ان کا ایمان تحقیقی نہیں بلکہ تقلیدی یا منافقت کے طور تھا۔ یہ منافقین ہوئے، اور تیسری صف والے وہی عام اہل اسلام مومنین تھے۔ جیسے اس وقت انہوں نے سن کر ایمان قبول کیا اس دنیا میں بھی اہل کتاب سے سُن کر ایمان لائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

انا سمعنا منادیاً ینادی للایمان ان اٰمنوا بربکم فاٰمنّا۔

دوسری صف والے وہ خواص مومنین اور عوام اولیاء تھے جیسے اس وقت انہوں نے مشاہدہ کرکے ایمان قبول کیا اس دنیا میں بھی شواہد معرفت سے ایمان لائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تری اعینھم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق یقولون ربنا اٰمنّا۔

اسی کے مطابق کسی اہل اللہ نے فرمایا:

"میں نے ہر شے میں خدا تعالیٰ کو پایا۔"

پہلی صف والے وہ حضرات انبیاء کرام اور مخصوص اولیاء کرام تھے جیسے وہاں ان حضرات نے معائنہ کرکے ایمان قبول کیا ایسے ہی یہاں عالم دنیا میں معائنہ کرکے ایمان قبول کیا۔ جیسے اللہ تعالٰی نے فرمایا: اٰمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ۔

marfat.ocm

وہ اس لیے کہ حضور علیہ السلام سے شبِ معراج اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

فاوحی الی عبدہ ما اوحی۔

مطابق فرمایا : اٰمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایمان کی کچھ یہی کیفیت تھی، چنانچہ فرمایا : فلما افاق قال سبحانک وانا اول المؤمنین۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا :

لم اعبد ربا لم ارہ۔ (میں نے ایسے رب کی عبادت ہی نہیں کی جسے میں نے دیکھا نہ ہو)

اللہ تعالیٰ کے بعض ولیوں نے فرمایا :

”میرے دل نے میرے رب کو دیکھا۔“

اور اللہ تعالیٰ کے پیارے نے فرمایا :

”میں نے ہر شے میں خدا کو پایا۔“

اول سے اللہ تعالیٰ نے یوں خطاب فرمایا :

یاایہا الذین اٰمنوا الخ اے لوگو! تحقیقی طور پر ایمان لاکر خاک قرب سے نکل کر خاک بُعد میں چلے جاؤ اور ریاضِ اُنس سے ہٹ کر انسانی کیچڑ میں پھنسو، جب تم غفلت کی نیند سے جاگو اور جدائی کے خواب سے بیداری حاصل کرو تو نماز کی طرف چلو، جو کہ وہی تمہاری معراج ہے۔ یعنی پھر مقام قرب کی طرف لوٹو۔ چنانچہ فرمایا : واسجد واقترب۔

فاغسلوا وجوھکم یعنی دل کے چہروں کو دھودو **وایدیکم الی المرافق** اور تم اپنے دونوں ہاتھوں کو غیروں سے روک لو، بلکہ دارین کے تعلق سے بالکل بیزار ہو جاؤ یہاں تک کہ یار دوست اور ساتھی پیاروں سے یک لخت دُور ہو جاؤ **وامسحوا برءوسکم** یعنی اپنے سروں کو راہِ حق میں خرچ کرو **وارجلکم الی الکعبین** اور اپنے پیروں سے بشریت و انانیت دھو ڈالو۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

من ہماندم کہ وضو ساختم از چشمۂ عشق
چار تکبیر زدم یکسرہ بر ہرچہ کہ ہست

توجمہ : میں نے جب سے عشق کے چشمہ سے وضو کیا اس کے بعد چار تکبیریں ہستیٔ موہوم پر مار دیں۔

marfat.ocm

تفسیرِ عالمانہ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا اگر تم جنبی ہو تو خوب نہاؤ۔ فاطّھروا دراصل تطھروا تھا۔ تفعل کی تاء کو طاء میں ادغام کیا گیا ہے اس لیے کہ ان دونوں یعنی تاء و طاء کا مخرج ایک ہے، پھر ہمزہ وصلی لگایا گیا اس لیے کہ ابتداء بالساکن محال ہے اس سے غسل مراد ہے دراصل بتکلف غسل کو کہتے ہیں۔ چونکہ جنب کے غسل میں پاکی کی بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے کہ کہیں کوئی جگہ خالی نہ رہ جائے اس لیے بطور مبالغہ کہا گیا ہے۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ جب تک تمام بدن پر پانی نہ پھر جائے جنب کا غسل نہیں اترے گا یہاں تک کہ اگر آٹا خشک ہو کر ناخن میں جم جائے اور اس میں پانی داخل نہ ہوا تو غسل نہ اُترا۔

مسئلہ: اگر میل کچیل ناخنوں وغیرہ میں جمی ہوئی ہے تو اس کے اوپر پانی پھر جانے سے غسل اتر جائے گا۔

مسئلہ: اگر ایسی چیز بدن سے چپکی ہوئی ہو کہ اس کا بدن سے علیحدہ کرنا سخت مشکل ہے تو بھی اس پر صرف پانی بہا دینا کافی ہے۔

مسئلہ: آنکھ میں جو سوکھی گندگی جم جائے اگر اس کا خارج کرنا مشکل ہو تو بھی اس پر پانی بہا دینا کافی ہے۔

مسئلہ: ناک اور منہ کے سوراخوں میں جہاں تک پانی پہنچانا ممکن ہو (بشرطیکہ روزہ نہ ہو) تو پانی بہائے۔

مسئلہ: جسم کا مَسلنا غسل کے شرائط سے نہیں بلکہ مستحب ہے کہ اس طرح سے غسل مکمل ہوتا ہے۔

مسئلہ: کپڑے اور بدن کے دھونے میں فرق ہے اس لیے کہ کپڑا متخلل ہوتا ہے، اس لیے اسے نچوڑنا پڑتا ہے بخلاف بدن کے کہ اس میں نچوڑنے والی کیفیت نہیں۔

غسل کے فرائض

غسل میں تین فرض ہیں:

(۱) منہ کا اندرونی حصہ دھونا جہاں تک ممکن ہو۔
(۲) ناک میں پانی دینا۔
(۳) تمام بدن کا دھونا۔

marfat.ocm

غسل کی سُنتیں (۱) پہلے دونوں ہاتھوں کو دھونا، اس لیے کہ ان سے جسم پر پانی ڈالا جائیگا اگر پہلے ہی پاک نہ ہوں گے تو پھر باقی پانی کیسے پاک ہو سکے گا۔

(۲) فرج دھونا، اس لیے کہ اس کا پلید ہونا یقینی ہے یا کم از کم اس پر نجاست کا احتمال ہے۔

(۳) نجاست حقیقیہ کہیں لگی ہے تو اسے بھی دھو ڈالے تاکہ جسم پر پانی بہاتے وقت وہی نجاست پانی سے مل کر تمام جسم پر نہ پھیل جائے۔

(۴) نماز کا وضو کرنا، صرف پاؤں غسل سے فراغت کے بعد دھوئے جبکہ کسی اونچی شئے پر پاؤں رکھ کر نہ نہائے ورنہ پہلے دھولے کوئی حرج نہیں۔ اگر ایسی جگہ نہاتا ہے جہاں پانی جمع ہو جاتا ہے تو پاؤں بعد میں دھوئے تاکہ وہ مستعمل پانی جو پاؤں پر لگا وہ بعد کو دُھل جائے۔

(۵) تین بار مکمل طور پر اپنے سارے جسم پر پانی بہائے۔

غُسلِ نبوی مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا تو آپ نے پہلے اپنے دائیں کندھے مبارک پر پانی ڈالا، پھر بائیں پر، پھر سر مبارک پر۔ یہی روایت زیادہ صحیح ہے۔

مسئلہ: عورت کو گوندھی ہوئی زلفوں کو چھوڑنا ضروری نہیں اور نہ ہی ان بالوں کو پانی سے تر کرنا واجب ہے صرف اُن پر پانی بہادے تو غسل اُتر جائے گا البتہ اُن کی جڑوں میں پانی پہنچا دینا ضروری ہے اس لیے کہ بالوں کی جڑیں ہی بدن کے حصے سے ہیں اس لیے بوجہ حرج اُن کی جڑوں تک پانی پہنچا دینا کافی ہے۔ ہاں اگر بلا تکلیف عورت اپنے بالوں کو پانی سے تر کر سکتی ہے تو پھر واجب ہے، جیسے عورتوں کے کھُلے ہوئے بال کہ اُن کا اُس کے گندھے ہوئے بالوں جیسا حکم نہیں، بلکہ کھلے ہوئے بالوں پر پانی پہنچانا واجب ہے، کیونکہ اس وقت انہیں پانی پہنچانے میں کسی قسم کی تکلیف نہیں۔

مسئلہ: مرد کو ہر حال میں اپنے تمام بالوں کو تر کرنا واجب ہے خواہ اس کے بال کتنے ہی بڑے ہوں۔

نکتہ: عورت کا بال کٹوانا مثلہ ہے یعنی ایسے ہے جیسے کسی کی ناک کاٹ لی جائے۔ مرد کے لیے یہ بات نہیں۔ اس لیے عورت کے لیے گندھے ہوئے بالوں میں پانی پہنچانے سے حرج واقع ہے اس لئے اسے معافی ہے مرد کو نہیں۔

مسئلہ: غسل کے لیے کم از کم چار سیر سے کچھ اوپر پانی ضروری ہے۔ یہ اس وقت ہے جبکہ پانی کی قلت ہو اور وضو میں ایک سیر سے کچھ اُوپر۔

marfat.ocm

ف : صاع عربی میں آٹھ رطل اور مُد دو رطل کا ہوتا ہے۔ (رطل تقریباً آدھ سیر کا ہوتا ہے)

ف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک صاع کی مقدار پانی سے غسل اور ایک مُد سے وضو فرماتے تھے۔

مسئلہ : اس میں اختلاف ہے کہ وضو کا سیر بھر پانی غسل والے صاع سے ہو یا علیحدہ۔ زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ اندازہ کوئی لازمی نہیں بلکہ اس سے کم وبیش ہو تو کوئی حرج نہیں۔ البتہ اسراف مکروہ ہے۔ (کذا فی الاختیار فی شرح المختار)

مسئلہ : تندرست آدمی شہر میں رہتے ہوئے اگر غسل سے ہلاک ہونے کا خطرہ محسوس کرتا ہے تو اسے تیمم کرنا جائز ہے۔ اس میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔

مسئلہ : اگر تندرست آدمی کو شہر میں وضوء کی ضرورت ہے لیکن پانی سے ہلاک ہونے کا خطرہ ہے تو فقہاء کا اختلاف ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا صحیح یہ ہے کہ اس کے لیے تیمم جائز نہیں (کذا فی فتاویٰ قاضیخان) اس لیے کہ شہر میں اسے گرم پانی و دیگر ضروری اشیاء سردی کو دُور کرنے کی آسانی سے مل سکتی ہیں۔

مسئلہ : عورت کو غسل کی حاجت ہے لیکن ایسی صورت نہیں کہ وہ مردوں سے اوجھل ہو کر نہا سکے تو اس کے لیے تا وقتِ حصولِ سہولت غسل کی تاخیر جائز ہے بخلاف مرد کے کہ اسے تاخیر جائز نہیں چاہے اسے مردوں کے سامنے ننگا ہی نہانا پڑے۔

مسئلہ : استنجاء کے لیے کوئی باپردہ جگہ نہیں ملتی اس لیے کہ جہاں بیٹھنا ہے مرد ہی مرد ہیں تو استنجاء کی تاخیر جائز ہے۔

نکتہ استنجاء میں نجاست حقیقیہ ہے اور غسل میں نجاست حکمیہ، اور نجاست حکمیہ کا ازالہ زیادہ ضروری ہے بہ نسبت نجاست حقیقیہ کے۔

مسئلہ : عورت عورتوں میں ایسے ہے جیسے مرد مردوں میں، یعنی غسل کے لیے اگر عورت عورتوں میں ننگی ہو کر نہائے تو اسے اس وقت تاخیر جائز نہیں۔ (کذا فی الاشباہ)

حدیث شریف میں ہے، ملائکہ تین انسانوں کے قریب نہیں جاتے،

(۱) جیفۃ الکافر

(۲) وہ عورت جو خوشبو لگائے۔

(۳) جنبی مرد یا عورت، جب تک وضو نہ کرلیں۔

marfat.ocm

حدیث شریف میں ہے:

وینقعو بول فی طست فی البیت فان الملائکۃ لاتدخل بیتافیہ بول منتقع ولاتبولن فی مغتسلک۔

پیالہ وغیرہ میں پیشاب کرکے گھر کے اندر نہ رکھو اس لیے کہ ملائکہ اس گھر میں داخل نہیں ہوتے کہ جس میں پیشاب کا پیالہ پڑا ہو، اور نہ ہی غسل خانہ میں پیشاب کرو۔

غسل کے طبی وشرعی فائدے

غسل میں بہت بڑے طبی اور دینی فائدے ہیں:

(۱)، کافروں کی مخالفت کہ وہ جنب ہونے پر غسل نہیں کرتے۔

(۲)، میل کچیل دُور ہوتی ہے۔

(۳)، وہ ردی ابخرات جو جسم سے نکل کر بہت گندی بیماریوں کا سبب بنتے ہیں غسل سے ان کا ازالہ ہوجاتا ہے۔

(۴)، شہوات طبیعیہ کی حرارت کو تسکین نصیب ہوتی ہے۔

طہارت کی اقسام

حضرت شیخ نیشاپوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب اللطائف میں فرمایا کہ طہارت کی نو قسمیں ہیں:

(۱)، دل کا دھونا کہ وہ ماسوی اللہ سے منہ پھیر لے۔

(۲)، باطن کا دھونا کہ مشاہدہ ہوجائے۔

(۳)، سینہ کی طہارت یہ کہ اس میں رجاء کو زائل کردے اور قناعت کا خوگر ہوجائے۔

(۴)، روح کی طہارت حیاء اور ہیبت ہے۔

(۵)، پیٹ کی طہارت اکلِ حلال اور حرام طعام اور مشتبہات سے حفاظت۔

(۶)، بدن کی طہارت ترکِ شہوات اور میل کچیل کا ازالہ۔

(۷ و ۸)، دونوں ہاتھوں کی طہارت پرہیزگاری اور کسبِ حلال۔

(۹)، زبان کی طہارت ذکرِ الٰہی اور استغفار۔

حکایت

ثعلبی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہودیوں کے دس علماء حاضر ہوئے اور عرض کی تمہارے

marfat.ocm

خدا نے تمہیں جماع کے بعد غسل کا حکم فرمایا ہے پیشاب اور پاخانہ پھرنے کے بعد غسل کا حکم کیوں نہیں دیا حالانکہ یہ دونوں نطفہ سے زیادہ پلید ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام نے گندم کا دانہ کھایا تو اس کا ان کے ہر رگ و ریشہ میں اثر پہنچ گیا۔ اسی طرح جب انسان جماع کرتا ہے تو اس کے ہر رگ و ریشہ اور ہر بال وغیرہ سے قوتِ منویہ خارج ہوتی ہے اس لیے میرے رب نے مجھے اور میری اُمت کو غسل کا حکم فرمایا تاکہ صفائی ستھرائی حاصل ہو اور جو طاقت و قوت خارج ہوئی اس کا کفارہ ادا ہو اور اس لذتِ نفسانی کا شکریہ بھی کہ جسے انسان نے اپنے اندر محسوس کیا۔

نکتہ ۱ بدائع الصنائع فی احکام الشرائع میں ہے کہ منی کے خروج سے غسل واجب اور پیشاب پاخانہ کے اخراج کے بعد غیر واجب، ان دونوں کے خروج پر صرف اعضائے معلومہ کو دھونے کا حکم ہے اس کی حکمت یہ ہے کہ جب بندے سے منی کا خروج ہوتا ہے تو اس وقت تمام جسم میں ایک سرور کیف پھیل جاتا ہے جسے لذت سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور یہ ایک نعمت ہے اور اس کی ادائیگی پر شکر واجب ہے اور وہ ادائیگی غسل سے ہوتا ہے، یہ بات پیشاب و پاخانہ کے خروج میں نہیں۔

نکتہ ۲ جنابت انسان کے ظاہر و باطن بدن پر اپنا اثر دکھاتی ہے اس لیے کہ جنابت وطی سے ہوتی ہے اور وطی تمام بدن کو متحرک کرنے سے ہوتی ہے اور پھر باطنی قوت و طاقت بھی نکل جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جماع کی کثرت بدن کو کمزور کر دیتی ہے اور جو جماع سے بچا رہتا ہے اس کی طاقت بحال رہتی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جنابت انسان کے ظاہر و باطن پر اثر انداز ہوتی ہے اور یہ بات پیشاب و پاخانہ کے خروج میں نہیں اگر ان کا کچھ اثر ہے تو صرف ظاہر پر اور اگر اندرونی حصہ میں ہے تو مخصوص اعضاء پر، اور اس کا سبب بھی ظاہر ہے مثلاً کھانے پینے سے ہی ان کا اخراج ہوگا اور اس کے اسباب یعنی کھانے پینے میں جمیع بدن کو متحرک نہیں کرنا پڑتا۔ بناء بریں ان کے لیے چند مخصوص اعضاء کو دھونا ضروری ہے نہ کہ تمام بدن کو۔

نکتہ ۳ تمام جسم کو دھویا جائے یا بعض کو، اس سے مقصود یہی ہے کہ وہ نماز کا وسیلہ بنے اور یہ نماز درحقیقت اللہ تعالیٰ کی خدمت کا نام ہے، اور اس کے حضور میں حاضری اور اور تعظیم پھر بندے پر لازم ہے کہ وہ نہایت پاکیزہ اور پاک و ستھرا ہو کر اپنے آقا کے حضور میں حاضر ہو تاکہ اقرب الی التعظیم اور اکمل فی الخدمت۔ اور ظاہر ہے کہ جتنی نظافت اور ستھرائی تمام بدن دھونے میں ہے وہ بعض اعضاء دھونے میں نہیں۔

سوال: یہی بات تو پھر پیشاب و پاخانہ کے لیے بھی ہونی چاہیے اس لیے کہ ان میں بھی یہی

marfat.ocm

رض ہے بلکہ جنابت کے غسل میں ہے۔

واب: ان میں بھی عزیمت تو یہی ہے کہ ہر پیشاب اور پاخانہ پھرنے کے بعد غسل کیا جائے لیکن ان کا اخراج بکثرت اور بار بار ہوتا ہے بنا بریں ان کی نظافت اور ستھرائی کے لیے جسم کے اکثر صوں کے دھونے کا حکم دیا گیا ہے اور وہ بھی جو اکثر طور کھلے رہتے ہیں اور انہیں آنکھ دیکھ سکتی ہے اکثر حکم الکل کے تحت ان اعضاء کو غسل کے قائم مقام کیا گیا۔ صرف دفع حرج اور آسانی کے لیے، یہ بھی اس کا فضل و کرم اور بندوں پر رحمت ہے ورنہ کون تھا جو ہر وقت ایسی حرج کشی کرتا، اور چونکہ جنابت میں یہ حرج نہیں اس لیے کہ اس کا وقوع کبھی کبھی ہوتا ہے اس لیے اسے اپنے حکم پر باقی رکھا گیا (یہاں پر بدائع والصنائع کا کلام ختم ہوا)۔

مسئلہ: مذکورہ بالا تفصیل زندہ انسان کے لیے تھی۔ باقی رہا مردہ کا غسل اس کا حکم سابقہ شرائع کے مطابق ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ جب آدم علیہ السلام کا وصال ہوا تو حضرت جبریل علیہ السلام فرشتوں کو لے کر زمین پر نازل ہوئے اور فرشتوں کو فرمایا کہ آدم علیہ السلام کو نہلاؤ۔ پھر ان کی اولاد سے فرمایا: یہی طریقہ تمہارے مُردوں کے لیے ہونا چاہیئے۔

حدیث شریف میں ہے:

للمسلم علی المسلم ستة حقوق	مسلمان کے مسلمان پر چھ حقوق ہیں
ومن جملتها ان یغسله بعد	منجملہ اُن کے ایک یہ ہے کہ اس کے
موته۔	مرجانے کے بعد اسے غسل دے۔

مسئلہ: میت کا نہلانا واجب ہے۔

سوال: وجوب کیسے ثابت ہوا؟

جواب: حدیث شریف کے الفاظ میں لفظ علیٰ واقع ہوا ہے اور وہ وجوب کا مقتضی ہے۔

مسئلہ: میت کا غسل واجب کفایہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک میت کو غسل دے تو باقی سب سے وجوب اُتر جائے گا لیکن ثواب صرف نہلانے والے کو ملے گا۔

سوال: حدیثِ آدم میں تو لفظ سنة واقع ہے۔ مثلاً جبریل علیہ السلام نے آدم علیہ السلام کے غسل سے فارغ ہو کر اولادِ آدم سے فرمایا: هذه سنة موتاكم۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کا غسل سنّت ہے واجب نہیں۔

marfat.ocm

جواب : وہاں سنّت بمعنے طریقہ ہے۔

مسئلہ : جب کوئی میّت کے غسل کے لیے متعین ہو جائے تو اسے اجرت لینا جائز نہیں۔

نکتہ : میّت کو نہلانے کی ایک حکمت یہ ہے کہ خون رکھنے والے حیوانات کی طرح انسان بھی مرنے کے بعد پلید ہو جاتا ہے پھر غسل دینے سے وہ پاک ہو جاتا ہے۔ یہ صرف انسانوں کی شرافت اور بزرگی کی بنا پر ہے۔

مسئلہ : اگر کوئی انسان پانی میں مرا ہوا پایا جائے تو اسے نہلانا واجب ہے اس لئے کہ نہلانے کا حکم بنو آدم کو ہے اور پانی میں پائے جانے سے اگرچہ وہ نہلایا گیا ہے لیکن بنی آدم کے فعل سے نہیں بلکہ قدرتی طور پر نہلایا گیا ہے۔

اعجوبہ جب انسان سے رُوح نکلتی ہے تو شدّت نزع سے اس کی منی کا اخراج ہو جاتا ہے اس لئے زندہ لوگوں پر اس کا نہلانا واجب ہے۔ یہ قول بعض لوگوں کا ہے (کذا فی حل الرموز و کشف الکنوز)

مسئلہ : زندہ اور مُردہ کے غسل میں فرق یہ ہے کہ مُردہ کے غسل میں مستحب یہ ہے کہ پہلے اس کا منہ دھویا جائے بخلاف زندہ کے کہ وہ پہلے کُلی کرے اور ناک میں پانی ڈالے پھر منہ دھوئے۔ مُردہ کو نہ کُلی کرائی جاتی ہے اور نہ ناک میں پانی ڈالا جاتا ہے اور زندہ کے لیے دونوں ضروری ہیں۔ اسی طرح مُردہ کے پاؤں وضو کے وقت دھوئے جاتے ہیں بخلاف زندہ کے کہ وہ غسل سے فراغت کے بعد ہی پاؤں دھوئے جبکہ وہ عام جگہ پر نہائے جس کی تفصیل گزری ہے۔ اسی طرح میّت کا مسح نہیں کرایا جاتا اور زندہ آدمی کو مسح ضروری ہے کذا قیل (کذا فی الاشباہ)۔

تفسیر صُوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ تم غیر اللہ کی طرف توجہ کرنے سے جنبی ہو گئے تو تم اپنے نفوس کو گناہوں سے اور اپنے قلوب کو رؤیت طاعات سے اور اپنے باطن کو اغیار سے اور ارواح کو غیر کی طرف متوجہ ہونے سے اور اندرونی بھید کو وجود کی آلائش سے پاک کرو۔ خلاصہ یہ کہ ہر طرح کی طہارت و نظافت ضروری ہے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

چوں طہارت نبود کعبہ و بتخانہ یکیست
نبود خیر دراں خانہ کہ عصمت نبود

ترجمہ : جب طہارت نہ ہو تو کعبہ و بت خانہ برابر ہیں، اس گھر میں خیر و بھلائی نہیں جہاں عصمت نہ ہو۔

وجوب غسل میں غسل حقیقی کے وجوب کی طرف اشارہ ہے اور تنبیہ ہے کہ قلب و رُوح کے وُجود کو

marfat.ocm

یں کہ کہیں ان کے اندر دنیا اور اس کے شہوات کا عشق سرایت نہ کر جائے۔ جب ایسی بات ہو تو توبہ و اور اخلاص کے پانی سے اسے پاک اور صاف کرنا واجب ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اہل اللہ اپنے ائی میں بہت زیادہ جد و جہد کرتے ہیں، انھیں ظاہری صفائی کی طرف چنداں توجہ نہیں ہوتی بعض صرف ظاہری نمائش میں لگے رہتے ہیں یہاں تک کہ کپڑے پر اگر معمولی سی گرد و غبار پڑتی ہے تو فوراً ونے کی فکر میں پڑ جاتے ہیں لیکن باطن گناہوں کی غلاظت اور گندگیوں سے بھرپور ہوتا ہے۔ حضرت ی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

کرا جامہ پاکست و سیرت پلید
در دوزخش را نباید کلید

ترجمہ: کسی کے کپڑے تو پاک ہوں لیکن عادت پلید ہو اسے دوزخ کے لیے چابی کی ضرورت نہیں۔

سئلہ: قرآن پاک کو صرف پاک لوگ یعنی باوضو ہی ہاتھ لگا سکتے ہیں۔

فسیر عالمانہ

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اور اگر تم بیمار ہو۔ یعنی ایسے مرض میں مبتلا ہو کہ اس سے ہلاکتِ جان کا خطرہ ہو یا پانی سے بیماری بڑھ جائے گی **اَوْ عَلٰى سَفَرٍ** یا تم مسافری میں ہو، وہ سفر طویل ہو یا تھوڑا **اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ** یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کے مقام پر آئے۔

ف: الغائط اس نرم جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں انسان پاخانہ وغیرہ کے لیے جائے۔ یہاں صرف پاخانہ وغیرہ مراد ہے اس لیے کہ انسان جب پاخانہ و پیشاب کے اخراج کا ارادہ کرتا ہے وہ ایسی جگہ تلاش کرتا ہے جو لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو۔

اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ یا تم عورتوں کو لمس کرو۔

ف: الملامسۃ بمعنے مرد کا جسم عورت کے جسم کو بلا حائل لگنا۔ لیکن یہاں پر جماع مراد ہے۔ جماعی کیفیت کا صراحۃً ذکر چونکہ قبیح ہے اس لیے اسے قرآنی آداب میں شمار کرتے ہیں۔

فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً پس تم پانی نہ پاؤ۔ یہاں پانی نہ پانے سے پانی کے استعمال پر قدرت نہ رکھنا مراد ہے، اس لیے کہ جسے شئے کے استعمال پر قدرت نہ ہو اس کے لیے شئے نہ ہونے کے برابر ہے **فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا** پس تم پاک مٹی کا ارادہ کرو۔ یعنی پانی نہ ملنے یا اس پر قدرت نہ رکھنے پر زمین کے ظاہر سے کسی ایک پاک شئے کا ارادہ کرو۔

marfat.ocm

ف : الصعید زمین کے ظاہری حصہ والی مٹی کو کہا جاتا ہے۔ اسے صعیدؔ اس لیے کہتے کہ وہ زمین کے اوپر کا چڑھا ہوا حصہ ہے۔ اور طیب بمعنے پاک خواہ وہ بکھری ہوئی ہو یا بندھی ہوئی ہو۔ یہاں تک کہ مثلاً پتھر (یہ بھی زمین کی ایک قسم ہے) پر گرد و غبار نہ ہو لیکن تم نے تیمم کر لیا ہے تو حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک تیمم جائز ہے۔

فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ پس تم اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو اسی پاک مٹی سے۔

مسئلہ : ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح کرنا لازمی ہے۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تیمم فرمایا تو اپنے ہاتھوں کا کہنیوں سمیت مسح کیا۔

ف : نیز عقلاً یہی صحیح ہے اس لیے کہ تیمم وضوء کا بدل ہے۔ پھر جس قدر وضوء میں متعین ہے اسی قدر تیمم میں ہونا لازمی ہے۔

ف : بوجوھکم میں باء زائد ہے۔ اور منہ سے ابتداء غایۃ کے لیے ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہاتھوں کو مٹی پر رکھا نہیں چہروں اور ہاتھوں پر پھیرو اور مٹی پر ہاتھ لگا کر چہروں اور ہاتھوں تک لے جانے کے مابین اور کوئی عمل فاصل نہ ہو۔

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ نماز کی طہارت یا تیمم کے حکم سے تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ نہیں **لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ** کہ تمہارے لیے دینی معاملات میں تنگی پیدا کرے **وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ** لیکن اس کا ارادہ ہے کہ وہ تمہیں گناہوں سے پاک اور صاف کرے۔ اس لیے کہ وضوء گناہوں کا کفارہ ہے۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

ایما رجل قام الی وضوئه یرید الصلوٰة ثم غسل کفیه نزلت خطیئة کفیه مع اول قطرة فاذا تمضمض نزلت خطیئة لسانه وشفتیه مع اول قطرة واذا غسل وجهه ویدیه الی المرفقین

جو شخص نماز کا وضو کرتا ہے تو اس کی ہتھیلیوں کے پہلے قطرے سے ہی ہاتھوں کے تمام گناہ دُھل جاتے ہیں اسی طرح کُلی کرنے سے منہ کے تمام گناہ گر جاتے ہیں اسی طرح ناک میں پانی دینے سے ناک کے تمام گناہ مٹ جاتے ہیں پھر جب چہرے اور

marfat.ocm

جلیہ الی الکعبین سلم من کل ذنب ھو علیہ وکان کیوم ولدتہ امہ ۔

ہتھیلیوں اور پاؤں کے دھونے سے فارغ پاتا ہے تو وہ پچھلے تمام گناہوں سے ایسے پاک اور صاف ہو جاتا ہے گویا اسے اس کی ماں نے ابھی جنا ہے ۔

ت کی دیگر تقریر یا تمہیں مٹی سے تیمم کی اجازت دے کر تمہیں پاک کرنے کا ارادہ کرتا ہے کہ مٹی کو پانی کے قائم مقام فرمایا گیا ہے ۔

وَلِيُتِمَّ اور تاکہ مکمل کرے تمہارے اوپر اپنی نعمت کہ ایسے طریقے مشروع فرمائے کہ جن سے سے اجسام بھی پاک اور صاف ہوں اور اُن سے تمہارے گناہ بھی دُھل جائیں **نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ** نی وہ نعمت جو دین سے متعلق ہے وہ صرف تمہارے لئے مخصوص ہے، یا اس کا مطلب یہ ہے کہ جو زمی طور پر تمہیں ادا کرنے تھے انہیں رخصت سے تبدیل کر کے تمہارے لیے موجبِ نعمت بنا دیا گیا ۔

سئلہ : شرعاً رخصت اس فعل کو کہا جاتا ہے جو بوجہ عذر کے مشروع ہوا اور عزیمۃ ہر وہ فعل جو بالاصالۃ وع ہو ۔

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو ۔

فائدہ صوفیانہ دراصل کپڑے کے صاف کرنے (کہ جس سے میل کچیل بزور قوت دُور کی جاتی ہے) یا جسم کی صفائی (کہ معمولی سی کوشش سے اس کی مَیل کچیل دُھل جاتی ہے) سے دل کی طہارت طلب ہے جو باطنی امور کا خلاصہ ہے ۔ دل کی طہارت یہ ہے کہ اسے مذموم اخلاق کی نجاسات سے دُور کیا جائے ۔ یہی حقیقی طہارت ہے ۔ یہ بھی ممکن ہے بلکہ یقین ہے کہ ظاہر کی صفائی باطن کی صفائی پر اثر انداز ہوتی ہے کہ اس سے دل کا نور چمک اٹھتا ہے اور تجربہ شاہد ہے کہ جس وقت انسان وضو یا دیگر کوئی ظاہری صفائی کرتا ہے تو دل میں ایک قسم کا نور و سرور محسوس ہوتا ہے، اس سے قبل اسے یہ کیفیت حاصل نہ تھی ۔ اس سے معلوم ہوا کہ ملک اور ملکوت کو آپس میں تعلق ہے ۔ مثلاً جس طرح دل کے معارف و حقائق کے آثار ظاہری اعضاء پر نمودار ہوتے ہیں اسی طرح ظاہری بدن کی صفائی سے دل پر اثر پڑتا ہے بدن عالم ملک کا باشی ہے اور دل عالم ملکوت کی نماز میں اعضاء کو متحرک کرنے کا بھی یہی راز ہے کہ یہ اعضاء جو کہ عالم شہادت کے باشی ہیں متحرک ہوں گے تو عبادتِ الٰہی جس کا نام نماز ہے تو وہ ادا ہو گی ۔ اس وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز کو دنیا اور دنیا کی اشیاء میں شمار فرمایا ۔ کما قال : مجھے تمہاری دُنیا سے تین چیزیں محبوب ہیں :

marfat.ocm

(۱) خوشبو

(۲) عورتیں

(۳) نماز میں آنکھوں کی ٹھنڈک۔

اس سے ثابت ہُوا کہ ظاہری طہارت سے باطن پر اثر پڑتا ہے۔ اس کے لیے نقلی دلیل بھی ہے۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

پانچ باتوں سے پانچ امور ظاہر ہوں گے:

(۱) سُودی کاروبار سے زلزلے۔

(۲) ظالم افسروں سے قحط۔

(۳) کثرتِ زنا سے کثرتِ اموات۔

(۴) زکوٰۃ نہ دینے سے جانوروں کی قلت۔

(۵) اہلِ ذمّہ پر تعدّی سے دولت سمٹ کر ان کے پاس چلی جائے گی۔

نیز محسوسات سے بھی اس کی دلیل ملتی ہے کہ واقعی ظاہر کا باطن پر اثر پڑتا ہے۔ چنانچہ سورج کے سامنے شیشہ رکھ دیا جائے تو سورج کا نور شیشہ میں پڑتا ہے پھر اسی شیشہ کے سامنے کوئی اور شَے رکھی جائے تو شیشے کی شعاع اس کے بالمقابل رکھی ہوئی شَے پر پڑے گی۔

سبق: چونکہ اللہ تعالیٰ نے تیمم اور وضو کو اسبابِ طہارت میں مقرر فرمایا ہے اس لیے سالک پر لازم ہے کہ وہ ہر طہارت کے لیے جد و جہد کرے۔ اگرچہ وہ بھی توفیقِ الٰہی سے نصیب ہوگا۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

فیض ازل بزور زر ار آمدے بدست
آبِ خضر نصیبۂ اسکندر آمدے

ترجمہ: اگر بزور زر فیضِ ازلی حاصل ہوتا تو آبِ حیات خضر کے نہیں سکندر کے نصیب میں ہوتا۔

تفسیر صُوفیانہ آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر تم حُبِّ دنیا کے مرض میں مبتلا ہو جاؤ یا خواہشاتِ نفسانی کے سفر میں پھنس جاؤ یا تمہارے کسی نے شہوات نفسانی کے مطابق عمل کر لیا یا تم میں سے کسی ایک نے لذاتِ دنیویہ کو چکھ لیا پھر تمہیں توبہ و استغفار کا پانی بھی میسر نہیں ہوتا تو پھر مشائخ کرام اولیاءِ عظام کے قدموں کی گرد و غبار ہو جاؤ اور اُن کی خدمت کرو کیونکہ ان کی

ساوہ جلی اور بے شمار گناہوں سے پاک اور صاف ہو جاؤ۔ اور سب سے بڑا کبیرہ گناہ شرک لی سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود کے مقابلہ میں اپنے وجود کا دم مارا جائے س وقت مٹتا ہے جب کسی کامل شیخ کے قدموں کی گرد و غبار کو حرزِ جاں بنایا جائے۔ ان حضرات والوں کو کھٹکھٹانے سے یہ خرابی دُور ہو جاتی ہے ورنہ مشکل ہے اور اللہ تعالیٰ تمہیں ان امور م کرتا ہے کہ تمہارے اوپر اپنی رحمت و نعمت کی تکمیل کرے۔ لیکن یہ اس وقت ہو گا جب تمہاری و فنائی تکمیل جائے۔ اور وہ مشائخ کرام اور اولیاءِ عظام کی خصوصی توجہ سے پگھلے گی اور اللہ تعالیٰ بوبیت کی اکسیر ڈالے گا تو پھر تمہارے قلوب اکسیر ہوں گے **لعلکم تشکرون** یعنی کے صدقے ہی سے تمہیں انوارِ نعمت کی زیارت نصیب ہو گی۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

لانہ **وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ** اور اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو۔ نعمة سے یہاں اسلام مراد ہے۔ نعمت کی یاد سے منعم یاد آجاتا ہے نیز نعمت منعم کا شکر کرنے کی رغبت ہوتی ہے۔

س سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اسلام کو بھی بھول جاتا ہے، حالانکہ یہ ناممکن ہے کیونکہ مسلمان ہو کر ے بھولتا ہے جبکہ اسلام کے متعلقات ہر وقت اس کے سامنے گھومتے رہتے ہیں۔

یہ ایک فطری اور طبعی امر ہے کہ جو شے کسی کے لیے بمنزلہ طبیعت کے بن جائے اور بار بار اس سے سا گرچہ کتنی ہی اعلیٰ نعمت ہو لیکن بوجہ طبیعت میں یکجان ہونے کے یہ یاد نہیں رہتا کہ یہ نعمت ہے س فطری امر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یاد دہانی فرمائی ہے۔ علاوہ ازیں ایسی نعمت کا طبعی طور شکر وہ نہیں بنتا بلکہ ایسی نعمت پر شکر اس وقت عبادت بنتا ہے جب اسے امر ربی سمجھ کر ادا کیا جائے۔

وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖ اور اللہ تعالیٰ کا وہ معاہدہ یاد کرو جو تم سے بڑی سخت ے لیا گیا۔ چنانچہ فرمایا **اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا** جبکہ تم نے کہا کہ ہم نے سنا اور مانا واثقکم کے متعلق ہے۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ انہیں اس عہد کی یاد دہانی سے تنبیہ ہو کہ وہ اس پیمان کو قبول کر کے پورے طور پر اس کی محافظت اور نگرانی کریں۔ یہ وہی میثاق ہے جو حضور نبی پاک اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام سے بیعت لی کہ دکھ اور سکھ، اختیار و اکراہ میں احکامِ الٰہیہ کو قبول کر کے الامکان عمل کریں **وَاتَّقُوا اللّٰهَ** نعمتوں کو بھولنے اور عہد و پیمان الٰہی کو توڑنے میں اللہ تعالےٰ و **اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ** بے شک اللہ تعالیٰ سینہ کے اندر کے تمام شیدہ امور کو جانتا ہے۔

marfat.ocm

سوال : ذات الصمد در کیوں فرمایا حالانکہ اس سے سینے کے اندر کے پوشیدہ اسرار مراد ہیں۔

جواب : چونکہ ان اسرار مخفیہ کی جزا و سزا انسان کی ذات پر مرتب ہوگی اس لیے ذات الصمد در سے تعبیر کرنا مناسب ہوا۔

ف : جب وہ پوشیدہ اسرار کو جانتا ہے تو پھر کھلے بندوں گناہ کے ارتکاب کو بطریقِ اولیٰ جانتا ہے

انعاماتِ الٰہیہ کی تعداد

(۱) سب سے پہلی اور بڑی نعمت یہ ہے کہ ہمیں ظلماتِ عدم سے نکال کر نورِ وجود سے نوازا جبکہ باقی موجودات کو ہمارے بعد نعمتِ وجود بخشی

(۲) دینِ قدیم کو قبول کرنے کے لیے احسن تقویم عطا فرمائی۔

(۳) الست بربکم فرما کر بلیٰ کہنے کی توفیق بخشی۔

(۴) اس خطاب کے قبول کرنے اور پھر اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی اس لیے کہ اگر اس کی توفیق شاملِ حال نہ ہوتی تو ہم کافروں کی طرح سمعنا وعصینا کہتے۔

حدیث شریف ۱

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں نو یا آٹھ یا سات افراد تھے ہم اس وقت نئے نئے مسلمان ہوئے تھے ہم نے کہا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کر لیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : تم میری بیعت کیوں نہیں کرتے ؟ ہم نے عرض کی ، ہم حاضر ہیں۔ اور یہ کہہ کر ہم نے بیعت کے لیے ہاتھ پھیلا دیے اور عرض کی کہ ہم کس بات کا عہد کریں ؟ آپ نے فرمایا : "صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ، اس کا کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔ پانچوں نمازیں پڑھنا۔ اس کے تمام چھوٹے بڑے احکام کی پابندی کرنا، اور لوگوں سے کسی کام کا سوال نہ کرنا" اس کے بعد ہم نے مشاہدہ کیا کہ اگر کسی کا سواری پر سے ڈنڈا نیچے گر جاتا تو سواری سے اتر کر خود اٹھاتا، لیکن کسی سے اس کے اٹھا دینے کا سوال نہ کرتا۔

حدیث شریف ۲

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پانچوں نمازوں کی بیعت کی۔ اس پر مجھے سات بار تاکید فرمائی۔ اس کے بعد مجھ سے کلمۂ شہادت کی بیعت کی اور اس پر سات بار تاکید فرمایا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی ادائیگی میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرنا۔

حدیث شریف ۳

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تجھے ظاہر و باطن میں تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں اگر

marfat.ocm

کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو اس کے ساتھ فوراً نیکی کرتا اور کسی سے کسی بات کا سوال نہ کرنا اگرچہ سواری سے گر جائے تو بھی کسی سے نہ کہنا اور کسی کی امانت نہ روک کے رکھنا۔ حضرت حافظ شیرازی نے فرمایا: ؎

وفا و عہد نکو باشد ار بیاموزے
وگرنہ ہرکہ تو بینی ستمگری داند

ترجمہ: وفا و عہد کسی نیک سے سیکھو ورنہ جس کسی کو دیکھے گا وہ ستمگری ہی جانتا ہوگا۔

! ہمیں ان لوگوں سے بنا جو وعدوں کو وفا کرتے ہیں۔ (آمین)

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کے پابندی کرو اور ان پر ثابت قدم رہو، بلکہ ان کی عظمت کو پہچانو اور ان کے حقوق کی پوری نگہداشت شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ عدل و انصاف سے ان کی محافظت کرو۔ یہ كُوْنُوْا کی دوسری خبر ہے يَجْرِمَنَّكُمْ اور نہ ہی برانگیختہ کرے تمہیں شَنَاٰنُ قَوْمٍ مشرکین کا سخت بغض و عداوت اَلَّا تَعْدِلُوْا کہ تم ان سے عدل و انصاف کرو۔ یعنی کسی ایسے فعل کا ارتکاب نہ کرو جو تمہارے لیے نہ ہو مثلاً ان کا مثلہ یا ان پر بہتان تراشی کر دیا ان کی عورتوں اور بچوں کو قتل کر دو یا ان سے معاہدہ تاکہ اس طرح سے تم اپنا جی بہلاؤ۔ اِعْدِلُوْا هُوَ عدل و انصاف سے کام لو اس لیے کہ عدل اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى تقویٰ کے قریب تر ہے کہ تمہیں اسی کا حکم ہے۔

سبق جب کفار کے ساتھ عدل و انصاف کی اتنی تاکید شدید ہے تو پھر اہلِ اسلام کے ساتھ کتنا ضروری ہوگا۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اس لیے کہ تمام امور کا سرتاج اور آخرت کا بہترین بدلہ یہی تقویٰ ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے ان سب کی تمہیں جزا و سزا دے گا۔

ربط: چونکہ مضمونِ بالا وعدہ و وعید کے لیے بمنزلہ علت کے ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے اسے بھلائی کا وعدہ ہے جو اس کے خلاف کرتا ہے اسے جہنم کی وعید۔ اس لیے فرمایا وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان اور نیک عمل کرنے والوں سے وعدہ فرمایا۔ ان نیک اعمال سے عدل و انصاف اور تقویٰ و طہارت بھی وعد کا مفعول ثانی محذوف ہے

marfat.ocm

یعنی الجنّۃ۔ چنانچہ متعدد مقامات پر اس کی تصریح فرمائی گئی ہے۔ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ ایسے لوگوں
گناہوں کی مغفرت وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ اور بہت بڑا اجر ہے۔ یعنی بہشت میں انہیں بہت بڑا
نصیب ہوگا۔ یہ اس الجنّۃ کی تفسیر ہے، سبب بول کر مسبّب مراد لیا گیا ہے اس لیے کہ جنت مغ
کا سبب ہے اور جسے اجر حاصل ہوگا اسے بہشت نصیب ہوگی۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ اور
لوگ جو کافر ہوئے اور ہماری آیات کی تکذیب کرتے ہیں منجملہ ان کے یہی ہے جو ابھی بیان ہوا کہ وہ لوگ نہ عد
انصاف کرتے ہیں نہ ہی تقویٰ اور طہارت۔ یہی لوگ ہیں جن کا ذکر ابھی گزرا کہ وہ کفر و تکذیب کا ارتکاب
کرتے ہیں اصحاب الجحیم وہ جہنمی ہیں یعنی وہ اس میں دائمی طور پر رہیں گے۔ اس میں مومنین
مزید وعدہ سے نوازا گیا ہے اس لیے کہ جب اُن کے دشمنوں کو اتنے بڑے ڈر سنائے گئے تو انہیں خو
نصیب ہوگی اور اپنے اندر جو حُزن و ملال رکھتے ہوں گے کہ کافروں نے انہیں دُکھ پہنچائے۔ اُن کے عذ
کی خبریں سُن کر دل ٹھنڈا کریں گے اس لیے کہ فطرت انسانی ہے کہ انسان اپنے دشمن کی ذلت سے
خوش ہوتا ہے۔

ف: اللہ تعالیٰ نے اِن آیات میں مومنین کو صراحۃً بتایا ہے کہ عدل و انصاف کا شیوہ بناؤ اور
بتایا کہ عدل تمہارے لیے بمنزلہ تقویٰ کے ہے اور فرمایا کہ ظلم و ستم سے دُور رہو اس لیے کہ یہ ظلم و س
خواہش نفسانی سے سرزد ہوتا ہے اس لیے کہ اس کا اصل موجب کسی سے بغض و عداوت ہے۔

سبق: مسلمان پر لازم ہے اپنے پرائے سے نیک سلوک کرے بالخصوص اپنی آل و اولاد اور
نفس کے لیے بھی۔ اس لیے کہ حدیث شریف میں ہے:

كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته۔ تم سب کے سب حاکم ہو اور ہر حاکم سے اپنی رعایا کے متعلق سوال ہوگا۔

نسخہ جہانبانی نوشیرواں کے تخت کے نیچے سے ایک مخطوط ملا جس پر لکھا تھا کہ بادشاہ امی
کہتے ہیں اور امیری رعایا سے ہوتی ہے اور رعایا کی کثرت اموال کی سہولت سے
ہوتی ہے اور اموال رعایا پروری پر ہوتا ہے اور رعایا پروری کے لیے عدل ضروری ہے عدل و ان
کے ترازو میں رعایا اور بادشاہ برابر کے دو پلڑے ہیں بادشاہ پر لازم ہے کہ اپنی ہر بھلائی
رعایا کو شریک رکھے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

marfat.ocm

شاہ را بہ بود از طاعت صد سالہ و زہد
قدر یک ساعت عمرے کہ درو داد کند

ترجمہ۔ بادشاہ کو سو سال کے زہد و عبادت سے وہ ایک گھڑی بہتر ہے جس میں انصاف کرے۔

حکایت حضرت محمد بن الواسع کے وصایا الفتوحات کے ترجمہ میں ہے کہ بلال بن بردہ ایک بادشاہ تھا اس کے ہاں ایک ولی اللہ تشریف لایا۔ دیکھا کہ بادشاہ عیش و عشرت میں غرق ہے اس کے آگے کھانے پینے کے بہترین پرفانی طعام و شراب پڑے تھے اور بادشاہ نہایت خوش و خرم بیٹھا تھا، اس ولی اللہ نے محمد بن واسع سے مخاطب ہو کر فرمایا یہ گھر کیسا ہے؟ اس نے عرض کی بہترین گھر ہے۔ ولی اللہ نے فرمایا لیکن بہشت بدرجہا بہتر ہے اور معلوم ہو کہ دوزخ ایسے لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو ایسے گھروں میں ایسے غافل ہو کر گزارتے ہیں۔ بادشاہ نے اس ولی اللہ سے عرض کی فرمایئے تقدیر کیا شے ہے؟ ولی اللہ نے فرمایا بات تو بتائی جائے گی لیکن تم ذرا گورستان والوں سے عبرت حاصل کرو کہ وہ کس حال میں ہیں، تمہیں تقدیر کے مسائل سے کیا واسطہ۔ بادشاہ پر ولی اللہ کی بات اثر کر گئی عرض کی، میرے لیے دُعا فرمایئے۔ ولی اللہ نے فرمایا، میری دُعا کیا اثر کرے گی جبکہ تیرے لیے بد دُعا کرنے والے مظلوم اتنے ہیں کہ ان کی بد دعا عرشِ الٰہی پر پہنچ چکی ہے وہ میری دعا کو آگے کیسے جانے دیں گے۔ تم ظلم کرنا چھوڑ دو میری دُعا کے بغیر ہی تیرے تمام مقاصد پُورے ہو جائیں گے۔

حکایت دیگر حضرت بہلول دانا رحمۃ اللہ علیہ سے ہارون الرشید بادشاہ نے پُوچھا کہ میں کون ہوں؟ تو انہوں نے فرمایا تُو وہ ہے کہ اگر تیرے ملک کے مشرق میں کوئی ظلم کرے اور تو مغرب میں ہو تو اس کے متعلق بھی قیامت میں تجھ سے اللہ تعالیٰ باز پرس کرے گا۔ یہ سن کر ہارون رشید رو پڑا۔

نکتہ عین المعانی میں ہے کہ عالمِ دین اہل اللہ ظالمین کے ہاں نہیں جایا کرتے کہ کہیں ان کے لیے کوئی ایسی دُعا نہ کرنی پڑے جو کہ ظلم و ستم کی مؤید بنے، اس لیے وارد ہے کہ جو شخص ظالم کے ظلم کو جاننے کے باوجود اس کی بقا کی دُعا کرتا ہے تو سمجھ لے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر اس کی نافرمانی کر رہا ہے۔

سبق: ظالم کو نصیحت کرے اس کے لیے خوشامد ہرگز نہ کرے۔

حدیث شریف میں ہے: ما ترك الحق لعمر من صديق (جس نے حق گوئی کا شیوہ

marfat.ocm

اختیار نہ کیا اس کے دوست گھٹ جاتے ہیں)

حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ نے فرمایا:

لما ادمت النصح و التحقیقا
لم یترکا فی الوجود صدیقا

ترجمہ: جب سے مجھے نصیحت و تحقیق نصیب ہوئے اس وقت دنیا میں میرا کوئی دوست نہیں رہا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

بگوے آنچہ دانی سخن سودمند
وگر ہیچکس را نیاید پسند

ترجمہ: وہ سخن جو تُو سودمند سمجھتا ہے کہہ ڈال اگرچہ کسی کو وہ پسند نہ ہو۔

سبق: بہر حال عدل و انصاف بہترین عادت ہے۔

حکایت نوشیرواں جب فوت ہُوا تو اس کی میت صندوق میں بند کرکے اس کی تمام مملکت میں پھرائی گئی اور اعلان ہوتا رہا کہ نوشیرواں سے کسی نے کوئی حق لینا ہے تو بتائے باوجود اینہمہ کوئی ایک بھی ایسا نہ ملا جس نے نوشیرواں سے کچھ لینا ہوتا۔

سبق اس لیے حاتم کے جود و سخاوت کی طرح وہ عدل و انصاف میں مشہور ہوا اب بھی جو عدل و انصاف سے کام لیتا ہے اُسے نوشیرواں ثانی کہا جاتا ہے۔ اسے عادل محض مدح و ثنا کے طور پر نہیں کہا جاتا بلکہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس نے عدل و انصاف کا حق ادا کیا تھا۔

مسئلہ: ہمارے دَور کے حکام و آفیسران کو عادل کہنا (جبکہ وہ ظلم و ستم کے مرتکب ہوتے ہیں) گناہ ہے بلکہ ان کے ظلم و ستم کے جاننے کے باوجود ان کی عدل و انصاف سے تعریف کرنا جھوٹ اور کفر تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

نکتہ: کافر کو عدل سے موصوف کرنا اور ظالم مسلمانوں کو عدل سے موصوف نہ کرنا کوئی قباحت نہیں اس لیے کہ عدل اور ظلم و ستم دو متضاد صفات ہیں فلہٰذا ان کا اجتماع محال ہے۔

شانِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم قیامت میں صدق کا جھنڈا صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھ میں ہوگا ہر سچ بولنے والا آپ کے جھنڈے تلے پناہ لے گا۔ عدل و انصاف کا جھنڈا عثمانِ غنی (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھ میں ہوگا ہر عادل انہی

جھنڈے تلے آرام پائے گا۔ سخاوت کا جھنڈا عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھ میں ہوگا۔ ہر سخی انکے جھنڈے کے نیچے ہوگا۔ شجاعت کا جھنڈا علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھ میں ہوگا تمام شہداء آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ فقہاء کرام حضرت معاذ (رضی اللہ عنہ) کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ تمام زاہد حضرت ابوذر (رضی اللہ عنہ) کے جھنڈے کے تلے اور تمام فقراء حضرت ابو درداء (رضی اللہ عنہ) کے جھنڈے تلے اور تمام قاری [illegible] حضرت ابی بن کعب (رضی اللہ عنہ) کے جھنڈے نیچے اور تمام مؤذن حضرت بلال (رضی اللہ عنہ) اور ہر مظلوم مقتول حضرت حسین بن علی (رضی اللہ عنہ) کے جھنڈے تلے حاضر ہوں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یوم ندعو کل اناس بامامھم الآیۃ (کذا فی زہرۃ الریاض)

ف: عدل ہر ایسے فعل اور قول اور عادت کو کہتے ہیں جو متوسط و محمود ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے فاستقم کما امرت۔ جسے یہ دولت نصیب ہوتی ہے اسے کیمیا نصیب ہوا یا یوں سمجھو کہ اسے خالص عطر کی کان حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ سے ہمیں توفیق و ہدایت نصیب ہو۔ (آمین)

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اے ایمان والو اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو تمہیں عطا ہوئی۔ علیکم، نعمت اللہ سے متعلق ہے **اِذْ ھَمَّ قَوْمٌ** جبکہ ایک قوم نے ارادہ کیا اذ نفس نعمت کے لیے ظرف ہے۔ یعنی یاد کرو اللہ تعالیٰ کے اس انعام کو جبکہ کفار نے تمہارے لیے برے عزائم کیے ہوئے تھے **اَنْ یَّبْسُطُوْٓا اِلَیْکُمْ اَیْدِیَھُمْ** کہ تمہاری طرف ہاتھ پھیلائیں یعنی تمہیں قتل اور تباہ و برباد کریں۔ یہ محاورہ عرب میں مشہور ہے، مثلاً کہا جاتا ہے بسط الیہ یدہ۔ یہ اس وقت کہتے ہیں جبکہ کوئی کسی چیز پر حملہ کرے۔ اور کہتے ہیں بسط الیہ لسانہ۔ یہ اس وقت کہتے ہیں جبکہ کوئی کسی کو گالی دے۔ **فَکَفَّ اَیْدِیَھُمْ عَنْکُمْ** پس اللہ تعالیٰ نے تم سے ان کا ہاتھ روک لیا۔ اس کا عطف ھَمَّ پر ہے یہ وہی نعمت ہے جس کی تذکیر مطلوب ہے اور ان کے ارادہ سے خبر دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بوقتِ ضرورت ہر لحظہ اہلِ اسلام کو تباہ و برباد کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اور یہ فاء تعقیبیہ ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت مکمل طور پر تمہیں عنایت فرمائی بایں معنیٰ کہ بمجرد ان کے برے ارادے کے تمہارے اوپر حملہ کرنے سے انھیں روک دیا۔ یہ نہیں کہ انہوں نے حملہ کر دیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں روکا۔

ف: اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ اسلام پر اپنی مکمل نعمت عنایت فرمائی

marfat.ocm

کہ جس میں دشمنوں کے خوف کا ذرہ بھر بھی خطرہ نہیں تھا اور نہ ہی مخالفین کو ایسا موقعہ میسر ہوا کہ جس سے اہلِ اسلام پر ہاتھ کھڑا کر سکیں۔ ہاتھ کھڑا کرنے سے ہی اللہ تعالیٰ نے اہلِ اسلام کو محفوظ فرما لیا۔ چنانچہ مندرجہ ذیل روایات دلالت کرتی ہیں۔

حدیث شریف ۱

مشرکین نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو غزوہ ذی انمار (جسے غزوۂ ذات الرقاع سے تعبیر کیا جاتا ہے) یہ حضور علیہ السلام کی ساتویں جنگ تھی، میں دیکھا کہ وہ ظہر کی نماز میں مشغول ہیں لیکن کفار کو ان پر حملہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے تو مشرکین کو افسوس ہوا کہ ہم حملہ کرنے سے کیوں باز رہے۔ انہیں کسی نے کہا کہ صبر کرو اب عصر کی نماز پڑھیں گے وہ نماز انہیں اپنے آباء وابناء سے بھی زیادہ محبوب ہے اس نماز میں وہ مشغول ہوں گے تو تم ان پر حملہ کر دینا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اِس نمازِ عصر سے پہلے صلوٰۃِ خوف کا حکم دیا اس طرح کفار کو حضور علیہ السلام پر حملہ کرنے کا موقعہ ہی نہ ملا۔ حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام اس طرح سے ان کے غلط منصوبوں سے محفوظ ہو گئے۔

حدیث شریف ۲

مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیارے یاروں سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر اور سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ساتھ لے کر بنو قریظہ کے ہاں قرض لینے کے لیے تشریف لے گئے، جبکہ دو مسلمانوں کو عمرو بن امیہ ضمری نے خطاءً قتل کر دیا اس خیال پر کہ شاید یہ مشرکین ہیں، لیکن وہ مسلمان تھے اب ان کی دیت ادا کرنا پڑی۔ اسلام میں اتنی وسعت نہ تھی اس لیے قرض لینے کی ضرورت پڑی۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے یاروں سمیت بنو قریظہ کے ہاں پہنچے تو انہوں نے عرض کی تشریف رکھئے، ہم آپ کے کھانے کا انتظام کرتے ہیں اور منہ مانگا قرضہ بھی پیش کرتے ہیں چنانچہ آپ کو آپ کے یاروں سمیت ایک صُفّہ میں بٹھا دیا لیکن ارادہ کیا کہ اُوپر سے کوئی ایسی بھاری چیز پھینکیں کہ جس کے صدمہ سے یہ حضرات جانبر نہ ہو سکیں۔ چنانچہ عمرو بن جحاش پتھر کی ایک بہت بڑی چکی اٹھا لایا تا کہ حضور علیہ السلام اور آپ کے یاروں پر پھینکے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی قدرت سے روک لیا اور جبریل علیہ السلام کو بھیجا کہ آپ جلدی سے یہاں سے اُٹھ کر گھر تشریف لے جائیں۔ آپ حکم ربانی بجا لائے اور فوراً چلے گئے اور اس طرح سے دشمنوں کی شرارت سے محفوظ ہو گئے۔

marfat.ocm

دیث شریف —— معجزہ مروی ہے کہ آپ جنگ سے فراغت پا کر مدینہ طیبہ واپس تشریف لا رہے تھے راستہ میں آرام کرنے کی خاطر قافلہ ایک جگہ رُکا اور اپنے اپنے مقام پر ایک ایک درخت کے نیچے آرام کرنے لگے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے اپنی تلوار درخت کے ساتھ لٹکا دی اور سو گئے۔ عرابی نے موقعہ پا کر آپ کی تلوار کو اٹھا لیا اور نیام سے نکال کر آپ کے سرہانے کھڑا ہو گیا اور آپ تائیے اب میری گرفت سے تمہیں کون بچائے گا۔ آپ نے فرمایا میرا اللہ تعالیٰ مجھے بچا لے گا۔ نے جب یہ فرمایا تو جبریل علیہ السلام نے اعرابی سے تلوار چھین لی اور اسے نیچے گرا دیا۔ آپ اور وہی تلوار اُٹھا کر اُس کے سر پہ کھڑے ہو گئے اور فرمایا: اب تُو بتا تجھے کون بچائے گا؟ نے کہا کوئی نہیں لیکن میں مسلمان ہوتا ہوں، یہ کہہ کر پڑھا اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد محمداً رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وبارک وکرم وسلم)۔

وَاتَّقُوا اللّٰہَ اور اللہ سے ڈرو۔ اس کا عطف اذکروا پر ہے یعنی نعمت کے حقوق پر پُوری پُوری نگہداشت رکھو۔ ایسا نہ ہو کہ اس کی شکر گزاری میں کسی قسم کا خلل واقع ہو وَعَلَی اللّٰہِ اور مستقل طور پر بلا اشتراک احد سے صرف اللہ تعالیٰ پر فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ مومنوں کو توکل کرنا چاہیے اس لیے صرف وہی بھلائی پہنچاتا اور ضرر دفع کرتا ہے۔

توکل کی تحقیق جمیع امور میں صرف اللہ تعالیٰ کا سہارا کرنے کا نام توکل ہے اس کا محل قلب ہے، ظاہری اسباب کی تلاش توکل کے منافی نہیں، جبکہ اسلامی عقائد میں ہے کہ ہر بُرائی اور بھلائی کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ توکل کا اعلیٰ مقام یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے ہر امر کے سامنے ایسے ہو جیسے مردہ بدست زندہ۔ لیکن یہ اسے نصیب ہوتا ہے جس کا یقین کامل ہو، جیسے سیدنا ابراہیم علیہ السلام تھے کہ جب آپ پہ نمرود اور دوسرے کفّار نے آپ کو اٹھا کر آگ میں پھینکنے کا ارادہ کیا تو جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی کہ کوئی ضرورت ہو تو فرمائیے۔ آپ نے فرمایا: ضرورت ہے تو سہی لیکن تجھ سے مجھے کیا غرض، میرا اللہ تعالیٰ مجھے کافی ہے وہی میرے حال کو زیادہ جانتا ہے۔ ایسے ہی ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا حال تھا کہ آپ پر مشرکین عرب نے طرح طرح کے حملے کئے لیکن کیا مجال کہ وہ آپ کو ذرہ برابر نقصان پہنچا سکتے بلکہ الٹا خود قسم قسم کی مصیبتوں اور تکلیفوں میں مبتلا ہُوئے گویا اُن کے بُرے ارادوں کی انہیں سزا ملی۔

marfat.ocm

مثنوی شریف میں ہے : ؎

قصۂ عاد و ثمود از بہر چیست
تا بدانی کہ انبیاء را ناز کیست

ترجمہ : قصۂ عاد و ثمود کس لیے ہیں تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ انبیاء علیہم السلام کا معاملہ نازک تر ہے۔

ف : توکل ایک بہت بڑے بلند مرتبے کا نام ہے اور یہ صرف مقربانِ الٰہی کو نصیب ہوتا ہے۔

سبق : مومن پر لازم ہے کہ وہ صفاتِ حمیدہ سے موصوف ہونے کی جد و جہد کرے اور وہ ایسے راستہ پر چلنے کی کوشش کرے جسے راہِ حق کہا جاسکے۔

حکایت ایک حکیم صاحب کسی شخص کے گھر تشریف لے گئے انہوں نے وہ مکان جدید طریقے سے تیار کیا اس میں بہترین فرش و فروش بچھائے۔ لیکن گھر کا مالک ایسے گھر کے لائق نہیں تھا۔ حکیم صاحب نے گھر والوں کو دیکھ اس شخص کے منہ پر تھوک پھینکا۔ اس شخص نے کہا یہ کیا حماقت ہے ؟ حکیم صاحب نے فرمایا عین دانائی ہے اس لیے کہ تھوک مکان کی گندی جگہ پر ڈالی جاتی ہے اور اس مکان میں سوائے تیرے اور کوئی زیادہ گندی شے نہیں اس لیے کہ تو اس گھر میں رہنے کا اہل نہیں اور تیرے اندر اچھے اوصاف بھی نہیں۔ یہ سُن کر صاحبِ مکان چونکا اور متنبہ ہُوا کہ دنیا میں اس جیسا گندا کوئی نہیں اس لیے کہ وہ شخص لذاتِ نفسانی میں منہمک اور ہر وقت ظاہری سجاوٹ میں لگا رہتا تھا۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

قلندرانِ حقیقت بنیم جو نخرند
قبائے اطلس آنکس کہ از ہنر عاریست

ترجمہ : قلندرانِ حقیقت اس کی قبائے اطلس کو جَو کے برابر نہیں سمجھتے جو ہنر سے خالی ہو۔

مسئلہ : ہر شے اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر سے وابستہ ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی اپنی تقدیر سے جیسے چاہتا ہے آزمائش کرتا ہے۔

سبق : بندوں پر لازم ہے کہ ہر دُکھ اور سُکھ اور اختیار و اکراہ میں صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرے۔

حکایت ابُو عثمان سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہاڑ کی چوٹی پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے آپ کے ہاں ابلیس لعین حاضر ہُوا اور کہا کہ آپ کا عقیدہ ہے کہ ہر شے تقدیرِ الٰہی سے وابستہ ہے تو آپ ابھی پہاڑ سے چھلانگ لگائیے تقدیرِ الٰہی میں ہوگا تو آپ کو نقصان پہنچے گا ورنہ نہیں۔ آپ نے فرمایا اے بدبخت ! بندوں کا کام نہیں کہ وہ اپنے رب کا امتحان لیں بلکہ یہ صرف اسی کا کام ہے کہ وہ اپنے

(باقی صفحہ ۱۵۰ پر)

marfat.ocm

وَلَقَدْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ ۚ وَبَعَثْنَا
اور بیشک اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد کیا اور ہم نے ان میں
مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا ۖ وَقَالَ اللّٰهُ إِنِّي مَعَكُمْ ۖ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ
بارہ سردار قائم کیے اور اللہ نے فرمایا بیشک میں تمہارے ساتھ ہوں ضرور اگر تم نماز قائم رکھو
الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِي وَعَزَّرْتُمُوهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّأُكَفِّرَنَّ
اور زکوٰۃ دو اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور ان کی تعظیم کرو اور اللہ کو قرض حسن دو بیشک میں
عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَأُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ
تمہارے گناہ اتار دوں گا اور ضرور تمہیں باغوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے نہریں رواں پھر اس کے بعد
ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيلِ ⑫ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ
جو تم میں سے کفر کرے وہ ضرور سیدھی راہ سے بہکا تو ان کی کیسی بدعہدیوں پر ہم نے انہیں لعنت کی
وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قٰسِيَةً ۖ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهِ ۙ وَنَسُوا حَظًّا
اور ان کے دل سخت کر دیے اللہ کی باتوں کو ان کے ٹھکانوں سے بدلتے ہیں اور بھلا بیٹھے بڑا حصہ
مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهِ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ
ان نصیحتوں کا جو انہیں دی گئیں اور تم ہمیشہ ان کی ایک نہ ایک دغا پر مطلع ہوتے رہو گے سوا تھوڑوں کے
فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ⑬ وَمِنَ الَّذِينَ
تو انہیں معاف کر دو اور ان سے درگزرو بیشک احسان والے اللہ کو محبوب ہیں اور وہ جنہوں نے
قَالُوٓا إِنَّا نَصٰرٰىٓ أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ فَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهِ ۖ فَأَغْرَيْنَا
دعویٰ کیا کہ ہم نصاریٰ ہیں ہم نے ان سے عہد لیا تو وہ بھلا بیٹھے بڑا حصہ ان نصیحتوں کا جو انہیں دی گئیں
بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ
تو ہم نے ان کے آپس میں قیامت کے دن تک بیر اور بغض ڈال دیا اور عنقریب اللہ انہیں بتا دے گا
بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ⑭ يٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ
جو کچھ کرتے تھے اے کتاب والو بیشک تمہارے پاس ہمارے یہ رسول تشریف
لَكُمْ كَثِيرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ ۚ قَدْ
لائے کہ تم پر ظاہر فرماتے ہیں بہت سی وہ چیزیں جو تم نے کتاب میں چھپا ڈالی تھیں اور بہت سی معاف فرماتے
جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُورٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِينٌ ⑮ يَّهْدِي بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ
بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب اللہ اس سے ہدایت دیتا ہے اسے جو

marfat.ocm

رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ
اللہ کی مرضی پر چلا سلامتی کے راستے اور انہیں اندھیریوں سے روشنی کی طرف لے جاتا ہے اپنے حکم
وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ
سے اور انہیں سیدھی راہ دکھاتا ہے بے شک کافر ہوئے وہ جنہوں نے کہا کہ اللہ
الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ
مسیح بن مریم ہی ہے تم فرمادو پھر اللہ کا کوئی کیا کر سکتا ہے اگر وہ چاہے کہ ہلاک کردے
الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
مسیح بن مریم اور اس کی ماں اور تمام زمین والوں کو اور اللہ کے لیے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین
وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ
اور ان کے درمیان کی جو چاہے پیدا کرتا ہے اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے اور یہودی اور نصرانی بولے
وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ
کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں تم فرمادو پھر تمہیں کیوں تمہارے گناہوں پر عذاب فرماتا ہے بلکہ
اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ
تم آدمی ہو اس کی مخلوقات سے جسے چاہے بخشتا ہے اور جسے چاہے سزا دیتا ہے اور اللہ ہی کے لیے ہے
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۫ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ
سلطنت آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی اور اسی کی طرف پھرنا ہے اے کتاب والو بے شک
جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا
تمہارے پاس ہمارے یہ رسول تشریف لائے کہ تم پر احکام ظاہر فرماتے ہیں بعد اس کے کہ رسولوں کا آنا مدتوں بند
مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۫ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ
رہا تھا کہ کبھی کہو کہ ہمارے پاس کوئی خوشی اور ڈر سنانے والا نہ آیا۔ تو یہ خوشی اور ڈر سنانے والے تمہارے پاس تشریف لائے
قَدِيْرٌ ﴿۱۹﴾
اور اللہ کو سب قدرت ہے

(بقیہ صفحہ ۱۴۸)

بندوں سے جس طرح چاہے امتحان لے، بندے پر لازم ہے کہ اس پر توکل کرے اور اس کی نعمتوں کا شکر بجا لائے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے ایک نعمت بندے پر یہ ہے کہ کُن فرماکر اسے عدم سے وجود کی دولت سے
بندوں کو عدم کی راہ پر لائے گا۔ لیکن اس کا بندوں کو علم نہیں کہ کب لائے گا اور کیسے لائے گا۔
س کا نہیں اختیار ہے اور یہ بھی اسی کے لفظِ کُن سے ہوگا، جب چاہے گا کُن فرمائے گا اور
بندوں کو ارجعی الیٰ ربک فرمائے گا۔

بق : بندوں پر لازم ہے کہ وہ اس کے فضل و کرم پر بھروسا کریں تاکہ وہ کریم انھیں اپنی عنایات
کے جذبات کی طرف راہ دکھلائے۔

(تفسیر آیاتِ صفحہ ۱۵۲)

تفسیر عالمانہ

وَلَقَدۡ اَخَذَ اللّٰهُ مِيۡثَاقَ بَنِيۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اور بے شک اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ایک گروہ سے وعدہ لیا، یہاں قسم محذوف ہے **وَبَعَثۡنَا مِنۡهُمُ اثۡنَيۡ عَشَرَ نَقِيۡبًا** اور ان پر بارہ سردار مقرر فرمائے۔

سوال : پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے اسم ظاہر اور اب صیغہ متکلم استعمال فرمایا ہے یہ کیوں؟

جواب ۱ : علم معانی کے قاعدہ کے مطابق اسے التفات کہتے ہیں اور یہ صاحبانِ جاہ و جلال عموماً ایسے کرتے ہیں کہ پہلے نام ظاہر کر دیتے ہیں پھر اس کے بعد اپنا رُعب ڈالتے ہوئے صیغہ جمع متکلم کا بولتے ہیں۔

جواب ۲ : چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے یہ کام ہوا تھا اور انہوں نے بشرکتِ غیر یہ کام کیا اس لیے اسے صیغہ جمع متکلم سے تعبیر فرمایا۔ اس کی مزید تشریح آئے گی یعنی ہر گروہ کا ایک سردار مقرر کیا گیا تاکہ وہ اپنی قوم کی ذمہ داری اٹھائے۔

حدیث شریف : مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۂ عقبہ میں انصار کے بارہ سردار مقرر فرمائے[1]

نکتہ : ہر برادری کا علیحدہ سردار مقرر کرنے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ جب برادری دیکھے گی کہ ہم میں بھی ایک سردار ہے تو وہ دین میں استقامت و استقلال سے کام کریں گے۔

ف : نقیب و عریف کا ایک ہی مطلب ہوتا ہے۔ بعض کے نزدیک نقیب عریف سے مرتبہ میں

---

[1] یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر کام کرتا ہے اس کا سبب انبیاء علیہم السلام کو بتایا ہے پھر ان کا کام اپنا کام بتاتا ہے کما ہو مذہبنا ۱۲ اویسی غفرلہٗ۔

marfat.ocm

بلند ہوتا ہے۔

ف : المشرعۃ میں ہے کہ العریف بروزنِ فعیل بمعنے مفعول ہر اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی برادری کا سردار اور اُن کے جملہ امور کا ذمہ دار ہو اور اپنی برادری اور قوم کی ضروریات کے متعلق حاکم وقت کو آگاہ کرے (جیسے دور حاضرہ میں اسمبلی وغیرہ کے ممبر) اور یہ "رئیس" سے درجہ میں کم ہوتا ہے (جیسے آج کل کے ممبر جو وزراء سے درجہ میں کم ہیں)

خلاصہ یہ کہ عرافۃ سیادۃ کے ہم وزن اور ہم معنیٰ ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ "العرافۃ حق یعنی قوم کی سرداری کرنا شرعاً جائز ہے بلکہ امور کی اہمیت کے پیشِ نظر عرفاء کا ہونا لازمی امر ہے لیکن بہت سی برادریوں کے سردار جہنم میں ہوں گے۔"

خلاصہ یہ کہ قوم کی سیادت (نمائندگی) شرعاً جائز ہے اس لئے کہ اس طرح سے اُن کی ضروریات پوری ہوتی ہیں اور اُن کے امور کا نظام صحیح رہتا ہے اور لوگوں کو بھی سہولت ہوتی ہے اور اُن میں بعض سرداروں کا جہنمی ہونا اس معنی پر ہے کہ اکثر لوگ اس میں ظلم و ستم کرتے ہیں۔ اگر وہ ظلم و ستم سے ہٹ کر عدل و انصاف سے کام لیں تو پھر بہشت میں بہت بڑے درجات و مراتب سے نوازا جائیگا۔ لیکن چونکہ اکثر ان میں ظالم اور ستمگار ہوتے ہیں اس لیے حضور علیہ السلام نے للاکثر حکم الکل کی بناء پر فرمایا کہ العرفاء فی النار۔ کذا فی شرح المصابیح۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

ریاست بدست کسانے خطاست   کہ از دستشان دستہا بر خداست
مکن تا توانی دل خلق ریش   وگر میکنی میکنی بیخ خویش
نماند ستمگار بد روزگار   بماند برو لعنت پائیدار
مہا زور مندی مکن بر کہاں   کہ بر یک نمط می نماند جہاں
دل دوستاں جمع بہتر کہ گنج   خزینہ تہی بہ کہ مردم برنج
بقومی کہ نیکی پسندد خدائے   دہد خسرو عادل نیک رائے
چو خواہد کہ ویراں کند عالمے   کند ملک در پنجۂ ظالمے

ترجمہ : (۱) افسری (حکومت) اس شخص کے ہاتھ میں دینا خطا ہے کہ جس کے ہاتھ (ظلم) سے خدا تعالیٰ کے آگے (بددعا کرتے) ہوں۔

(۲) حتی الامکان کسی کا دل زخمی نہ کر، اگر کرتا ہے تو (سمجھ لے کہ) اپنی جڑ کاٹ رہا ہے،

marfat.ocm

[illegible] کا ذکر، اس پر [illegible] درستی، رہے گی۔
[illegible] چھوڑیں، (آخرت) پر ظلم نہ کر، کیونکہ جہان ایک طریقے پر نہیں رہتا۔
[illegible] کا دل [illegible] تو اس سے بہتر ہے، تو اور خالی ہو جائے بہتر ہے، لوگ
[illegible] ہوں [illegible]

(۹) جس قوم کے لیے اللہ تعالیٰ بھلائی پسند کرتا ہے اسے عادل نیک بادشاہ عطا کرتا ہے۔

[illegible] چاہتا ہے کہ [illegible] ہو تو اس ملک کو ظالم کے پنجے میں گرفتار کر دیتا ہے۔

وَقَالَ اللّٰهُ [illegible] فرمایا کیونکہ اس وقت ترغیب و ترہیب کے صرف وہی [illegible] اِنِّیْ مَعَكُمْ بیشک میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی معیت علم و قدرت اور نصرت کے [illegible] ہے یعنی میں تمہارا کلام بہت زیادہ سنتا اور تمہارے اعمال کو دیکھتا اور تمہارے دل کے راز [illegible] ہوں تمہارے اعمال کی تمہیں جزا و سزا دوں گا۔ یہاں پر کلام ختم کر کے آگے صرف شرط سے [illegible] ہے تاکہ بنی اسرائیل اس شرط پر پورے اتریں تو انہیں بہترین صلہ نصیب ہوگا۔ لَئِنْ [illegible] الصَّلٰوةَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ اگر تم نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی [illegible] تمام پیغمبروں پر ایمان لے آئے۔ لئن [illegible] کی لام قسم محذوف کی تمہید کے لیے ہے وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ [illegible] انبیاء علیہم السلام کی عزت اور احترام کیا اور اُن کے دین کی امداد کی اور ان کے دینی امور میں [illegible]۔ تعزیر کا حقیقی معنی [illegible] یعنی المنع والدفع ہے۔ اسی وجہ سے شرعی حدود کو تعزیر سے [illegible] کہ اس سے مجرم کو آئندہ غلطیوں کے ارتکاب سے روکا جاتا ہے۔ اسی طرح کسی کو دشمن سے [illegible] بچانے تو اس کے لیے بھی اسی کا اطلاق ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے: عزرت فلاناً یعنی میں نے [illegible] کیا ہے کہ اس سے وہ قباحت دور ہو گئی جس کے ارتکاب سے اس کی مذمت ہوتی۔

وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ اور تم نے اللہ کو قرض دیا یعنی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں کسی کارِ خیر میں خرچ کریں اور [illegible] وخیرات دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس سے زکوٰۃ مراد نہیں اس لیے کہ اس کی ادائیگی تو واجب ہے [illegible] قَرْضًا حَسَنًا قرضِ حسنی دیں۔ قرضِ حسنی سے وہ صدقات مراد ہیں جو حلال، پسندیدہ اور بہترین مال سے [illegible] رغبت سے نہ کہ اکراہاً و اجباراً، اور خلوص سے کہ اس میں ریاء اور شہرت کو ہرگز دخل [illegible] ہی دے کر کسی کا دل دکھایا جائے، اور اس کا منصوب ہونا بوجہ مفعول مطلق ہونے کے ہے کیونکہ [illegible] مصدر بمعنے اقراضاً کے ہے جیسے انبتها نباتاً حسناً میں نباتاً بمعنے انباتاً ہے یا قرضاً

marfat.ocm

مفعول بہ ہے جبکہ اسے مصدر نہ بنایا جائے بلکہ ایسے مال کا نام ہو جو بطورِ قرض کے دیا جائے **لَاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ** البتہ میں تمہارے گناہ معاف کر دوں گا۔ یہ قسم کا جواب ہے یعنی قسم محذوف ہے جس پر لام دلالت کرتی ہے اور یہی شرط کی جزا کے قائم مقام بھی ہے **وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ** البتہ میں تمہیں بہشت کے باغات میں داخل کروں گا **تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ** جن کے نیچے نہریں یعنی ان کے درختوں اور مکانوں کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ **انھٰر** سے چار نہریں مراد ہیں۔

سوال : بہشت کی خوشخبری کو مؤخر کیوں کیا گیا ؟

جواب : اس لیے کہ پہلے گناہوں کی معافی کی خوشخبری سُنائی گئی اس طرح سے بندہ کی صفائی ہو گئی، پھر بہشت کا مژدۂ بہار سُنایا گیا۔ اس طرح اسے گویا زیورات سے مزیّن کیا گیا۔ اور قاعدہ ہے کہ پہلے صفائی ہوتی ہے پھر تزیین۔

فَمَنْ كَفَرَ پس جو شخص میرے پیغمبرانِ عظّام سے کفر کرتا ہے۔ اسی طرح اس سے قبل جتنے امور کا ذکر فرمایا ہے اسی ترتیب سے انکار کے امور کا بیان فرمایا تاکہ ترغیب و ترہیب کی مناسبت پوری ہو **بَعْدَ ذٰلِكَ** یعنی ان شرائط کے بعد کہ جن کی سخت تاکیدیں کی گئیں اُن کے نہ کرنے پر سخت سزا اور کرنے پر بہترین جزاء کہ جن سے ایمان کو تقویت حاصل ہو **مِنْكُمْ** فعل محذوف کے فاعل سے حال ہے یعنی تم میں سے جو بھی ان شرائط پر عمل نہ کرے گا **فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ** پس بے شک وہ سیدھے راستہ سے واضح طور پر بھٹک گیا اور وُہ بہت غلط روی کا شکار رہا۔ اس پر اس کا کوئی عذر مسموع نہیں ہو گا بخلاف اس کے جو اس سے قبل غلطی کا مرتکب ہوا، اس لیے کہ اس کی وہ غلطی بوجہ اشتباہ کے تھی اور ایسے آدمی کا عذر بھی مسموع ہو سکتا ہے۔

عوج بن عنق اور اسرائیل کا واقعہ جب بنی اسرائیل فرعون کے غرق ہونے کے بعد مصر میں رہنے سہنے لگے تو پھر انہیں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ اریحا جو شام میں واقع ہے کی طرف ہجرت کر جائیں۔ اس اریحا کو ارضِ مقدس سے تعبیر کیا گیا ہے اس سے متعلق ہزار دیہات تھے اور ہر دیہہ[1] میں ہزار ہزار باغات تھے، ان میں کنعانی جبّارین مقیم تھے۔ بنی اسرائیل سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے تمہارے لیے وہاں کی سکونت مقرر فرمائی ہے تم وہاں چلے جاؤ اور ان جبارین سے جہاد کر کے انہیں وہاں سے نکال دو۔ اُن کی بڑی قوت و طاقت کے نہ رُعب میں آنا اور نہ ہی خوف کھانا اس لیے کہ میں تمہاری مدد کروں گا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ ان کی قوم میں بارہ سردار

---

[1] دیہہ، دیہات کا واحد یعنی گاؤں۔

یتی جو کہ ہر برادری کا علیحدہ علیحدہ نمائندہ ہو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ دیانت دار ہو اور ان سب کی ہاس کے سپرد ہو اور جو احکام صادر کیے جائیں ان کا اجراء ان کے سرداروں کے ذمہ ہو۔ چنانچہ سے خود اپنے بارہ سردار منتخب کیے اور ان سرداروں نے اپنی اپنی برادری کی کفالت کا ذمہ لیا اور ے۔ جب ارضِ کنعان کے قریب پہنچے تو موسیٰ علیہ السلام نے ان سرداروں کو جاسوسی کے طور پر ن میں بھیج دیا تاکہ معلوم کریں کہ ان کا چال چلن کیسا ہے۔ انہوں نے کنعانیوں کو دیکھ کر حالات سنائے ے بڑے موٹے اور قد آور لوگ ہیں اور بہت طاقت ور ہیں۔ وہ سردار کنعانیوں کے یہ حالات گئے اور آتے ہی تمام حالات اپنی برادری میں پھیلا دیئے، حالانکہ انہیں موسیٰ علیہ السلام نے ان کے حالات اپنی اپنی برادری کو نہ بتانا۔ لیکن انہوں نے عہد شکنی کی، صرف دو حضرات اس پر مستحکم رہے:

(۱) حضرت کالب بن یوقنا جو کہ یہودا کی اولاد کے نقیب تھے۔

(۲) یوشع بن نون جو افرائیم بن یوسف صدیق علیہ السلام کی اولاد کے سردار تھے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ جب یہ سردار کنعانیوں کی طرف جاسوسی کرنے جا رہے تھے تو راستہ میں عوج بن عنق ملا جس کا قد تین ہزار تین سو تینتیس (۳۳۳۳) گز لمبا تھا اور اس نے تین ہزار سال ی زندگی بسر کی، اس کا قد بادلوں سے آگے بڑھا ہوا تھا، پانی کی ضرورت پڑتی تو اسی بادل سے پانی ا تھا، آسمان پر چلنے والے دریا سے مچھلی لے کر سورج کی حرارت سے اسے بھون کر کھا لیتا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب نوح علیہ السلام کے زمانۂ اقدس میں طوفان اٹھا تو زمین کے پر پھیل گیا اور پہاڑوں کو ڈبو دیا۔ عوج بن عنق ایک پہاڑی پر کھڑا ہو گیا جسے طوفان کا پانی صرف ک پہنچا، اس کی ماں کا نام عنق تھا وہ حضرت آدم علیہ السلام کی صلبی بیٹی تھی وہ بھی اتنی ہی جسیم ھا اس کے بیٹھنے کے وقت وہ زمین کے پورے ایک جریب کو گھیر لیتی تھی۔ بنی اسرائیل کے یہ سردار جب ے تو عوج بن عنق نے ان بارہ سرداروں کو پکڑ کر اپنی جمع کردہ لکڑیوں کے گٹھے میں باندھ لیا اور ا کر اپنی عورت کے آگے دے مارا اور کہنے لگا یہ ہیں وہ جو ہمارے ساتھ جنگ کرنے آئے ہیں، پھر اپنی عورت سے کہا کہ میں انہیں پیروں کے نیچے دبا کر پیستا ہوں۔ عورت نے کہا: انہیں ڑ دیجئے تاکہ واپس جا کر اپنی قوم کو بتائیں۔

جبابرہ کا مختصر تعارف

مروی ہے کہ عوج بن عنق نے ان تمام سرداروں کو پکڑ کر اپنی آستین میں چھپا لیا اور انہیں لے جا کر بادشاہ کے آگے ڈال دیا۔ بادشا

marfat.ocm

نے کہا: اے سردارو! تم واپس چلے جاؤ اور اپنی قوم کو ہمارے ساتھ لڑنے سے باز رکھو ورنہ وہ ہمارے مقابلہ میں پس جائیں گے۔ ان کی ہر شئے بنی اسرائیل کے لیے موجبِ دہشت بنی۔ چنانچہ منقول ہے کہ باغات کے انگوروں کا ایک گچھا اتنا بھاری تھا کہ اسے چار یا پانچ آدمی لکڑی پر رکھ کر اٹھاتے۔ ان کے انار کے ایک چھلکے میں اتنی وسعت تھی کہ اس میں پانچ آدمی بآسانی چھپ کر بیٹھ سکتے تھے۔ اسی طرح ان کے ہر ہر معاملہ کو بنی اسرائیل کے نمائندوں نے دیکھا اور واپس چلے گئے۔ آپس میں بیٹھ کر مشورہ کیا کہ یہ حالات سوائے موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے کسی کو نہ بتانا، وہ جیسے چاہیں گے کرینگے۔ ایک دوسرے سے پختہ معاہدہ کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے ان کے جبابرہ کے باغ کے انگور کا صرف ایک دانہ موجود تھا جس کا بوجھ ایک اونٹ کے برابر تھا۔ واپسی پر کالب و یوشع کے سوا سب نے معاہدہ توڑ دیا اور اپنی اپنی قوم کو جبابرہ کی لڑائی سے روک دیا اور جبابرہ کی تمام قوت و طاقت کی سب کو خبر دے دی۔

عوج بن عنق کی ہلاکت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لشکر کئی میلوں تک پھیلا ہوا تھا۔ عوج بن عنق جبابرہ کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام کا معائنہ کرنے کے لیے آیا۔ لشکر کو دیکھ کر پہاڑ سے لشکر کے طول و عرض کے مطابق ایک ٹکڑا اٹھایا تاکہ یک دم ان پر وہ پتھر دے مارے اور سب کے سب فنا ہو جائیں۔ جب وہ پہاڑی کا ٹکڑا سر پر رکھ کر موسیٰ علیہ السلام کے لشکر کو فنا کرنے کے لیے چل پڑا تو اللہ تعالیٰ نے ہُدہُد کو حکم دیا کہ عوج بن عنق کے سر پر رکھے ہوئے پتھر میں سوراخ کر دے۔ جب ہُدہُد نے اس پتھر میں سوراخ کیا تو وہی پتھر عوج بن عنق کے گلے کا ہار بن گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قد مبارک دس گز اور آپ کے عصا مبارک کا طول بھی دس گز تھا (اور آپ دس گز اونچی پہاڑی پر کھڑے تھے) آپ نے اپنا عصا مبارک عوج بن عنق کو مارا تو اس کے ٹخنے تک پہنچا تو عصا مبارک کے لگنے سے عوج بن عنق بیہوش ہو کر گر پڑا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے قتل کر دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اور ساتھی بھی تھے جن کے پاس خنجر تھے۔ جب اسے بیہوش ہو کر گرتا دیکھا تو سب نے یکبارگی حملہ کر دیا جس سے عوج بن عنق مارا گیا۔

سبق: اللہ تعالیٰ کا یہی طریقہ رہا ہے کہ وہ اپنے پیارے بندوں کی اس طرح مدد فرماتا ہے جو عقل و قیاس میں نہیں آسکتی۔ اللہ تعالیٰ کے ہر فعل میں ہزاروں حکمتیں اور بے شمار مصلحتیں ہوتی ہیں۔

marfat.ocm

اُمت کا اثبات

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے لیے بوجہ مخلوق کی ضرورت کے
بارہ نقباء مقرر فرمائے تا کہ لوگ بوقتِ ضرورت ان کی طرف
سکیں اسی طرح حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اُمت میں بھی ہر زمانہ میں چالیس
مقرر فرمائے جنہیں ابدال کے لقب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ی شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

یکون فی الامۃ اربعون علی خلق	میری اُمت میں چالیس ایسے مرد ہوتے ہیں
ابراھیم وسبعۃ علی خلق عیسیٰ	جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیرت
و واحد علی خلقی	پر اور سات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت
	پر اور ایک میری سیرت مبارکہ پر

اپنے اپنے مقامات و مراتب پر متصرف ہوتے ہیں اور وہ اس امت کے امین ہیں۔

یث شریف: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

بہم ترزقون وبہم تمطرون	ان ہی کے طفیل تمہیں روزی ملتی ہے اور
وبہم یدفع اللہ البلاء	انہی کے صدقے جنگوں میں فتحیاب ہوتے ہو
	انہی کے طفیل تمہیں بارش نصیب ہوتی ہے
	اور انہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بلاؤں کو
	دور فرماتا ہے۔

ف: حضرت ابو عثمان مغربی قدس سرہٗ نے فرمایا: ابدال چالیس ہیں اور اُمناء سات اور خلفاء من الائمہ تین اور ان میں ایک قطب ہوتا ہے جسے ان تمام کے متعلق پورے معلومات ہوتے ہیں اور وہ ان سب کا نگران ہوتا ہے لیکن انہیں اس کا علم نہیں ہوتا۔ وہ ان تینوں ائمہ میں خلفاء کا امام ہوتا ہے وہ انہیں جانتا ہے لیکن وہ اسے نہیں جانتے۔ اسی طرح پھر ان ساتوں امناء کو وہی تین جانتے ہیں۔ لیکن وہ سات ان تینوں کو نہیں جانتے۔ اسی طرح وہ ساتوں امناء ان چالیس ابدال کو جانتے ہیں لیکن وہ ان امناء کو نہیں جانتے۔ اور وہ چالیس ابدال دنیا کے تمام اولیاء کرام کو جانتے ہیں۔ لیکن اولیاء کرام ان ابدال کو نہیں جانتے۔ جب ابدال میں سے کوئی ایک کم ہوتا ہے تو عام اولیاء میں سے ایک کو اس کی جگہ پر مقرر کیا جاتا ہے۔ اور جب ان ساتوں امناء میں سے ایک کم ہوتا ہے تو ابدال میں سے ایک لے لیا جاتا ہے۔ اور جب قطب دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو امناء میں سے

marfat.ocm

ایک کو لیا جاتا ہے اور اسی قطب سے نظامِ عالم کو وابستگی ہوتی ہے۔ یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا (کذا فی التاویلات النجمیہ)۔

ف: حضرت شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا کہ قطب نگرانی کرتا ہے اور اس کے ماتحت جو ائمہ ہیں ان میں دائیں جانب والا عالمِ ارواح کا محافظ ہے۔ اور اوتادِ اربعہ مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کی نگرانی کرتے ہیں اور سات ابدال تمام اقالیم کے علوی و سفلی کردوں کی حفاظت کرتے ہیں (کتاب العظمۃ للشیخ الاکبر قدس سرہٗ)

ف: (حضرت اسماعیل حقی صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ) میں نے اپنے شیخ کامل رضی اللہ عنہ کو فرماتے سُنا کہ جب قطب الوجود اس دنیا سے منتقل ہو کر دارِ آخرت میں تشریف لے جاتا ہے تو بائیں جانب والا الخلیفہ اس کا قائم مقام مقرر کیا جاتا ہے اس لیے کہ یہی فرشتہ اس کی دائیں جانب ہوتا ہے جب وہ قوم کی طرف منہ کر کے بات کرتا ہے تو اسی طرف اشارہ ہے باری تعالیٰ کے اس ارشادِ گرامی کا واصحٰب المیمنۃ ما اصحٰب المیمنۃ و اصحٰب المشئمۃ ما اصحٰب المشئمۃ۔ اہلِ تحقیق کے نزدیک یہ ما نافیہ ہے۔ بائیں جانب والے اہلِ جلال و فنا اور دائیں جانب والے اہلِ جمال و بقا ہیں۔

سبق: اس عجیب و غریب راز و رموز کو پورے طور پر یاد کیجئے اس لیے کہ اسے وہ یاد رکھتا ہے جو صاحبِ ذوق اور بندۂ حق ہوتا ہے وہ منکر اور اولیاء کی شان سے غافلِ حق سے کوسوں دور ہے۔

؎

بسر وقت شان خلق کے رہ برند
کہ چوں آب حیوان بظلمت درند

ترجمہ: ان کے حالات (اسرار) پر کون آگاہ ہو سکتا ہے کیونکہ یہ (اولیاء) آبِ حیات کی طرح تاریکی میں ہیں۔

حضرت صائب رحمہ اللہ نے فرمایا ؎

سخن عشق با خرد گفتن
بر رگ مردہ نیشتر زدنست

ترجمہ: عشق کی بات عقل کو کہنا ایسے ہے جیسے مُردے کو نشتر مارنا۔

marfat.ocm

وفیانہ لئن اقمتم الصلوٰۃ سے نماز کی مداومت مراد ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ تم اپنی نمازوں کو معراج الی الحق بناؤ کہ انہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ملاقات کیلئے ھتے جاؤ یہاں تک کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ حاصل ہو، جیسے یوم میثاق میں مشاہدہ ہُوا۔ ے کہ اس معراج کے چار درجات ہیں:

۱۔ قیام
۲۔ رکوع
۳۔ سجود
۴۔ تشہد

ں قدر رسائی ہوتی ہے اسی قدر بندے کو ترقی نصیب ہوتی ہے اور یہ درجات عالم علوی سے نازل ئے انہیں حق تعالیٰ کا قرب نصیب تھا۔ صرف ہمارے لیے اعلیٰ علیین سے اسفل سافلین کی طرف ول اجلال فرمایا۔ اسفل سافلین سے انسانی قالب مراد ہے جسے اربع عناصر سے تعبیر کیا جاتا ہے س لیے کہ انہی سے انسانی ڈھانچہ کی ترکیب ہوئی۔ پھر اُن سے جتنی اشیاء تیار ہوئیں وہ بھی چار م ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے کئی ظلمات و حجابات ہیں جو مشاہدۂ حق سے حاجب ہوتے ہیں ان ربع عناصر کے اقسام یہ ہیں:

۱۔ جمادیہ، اس کی خاصیت تشہد ہے۔
۲۔ نباتیہ، اس کی خاصیت سجدہ ہے۔
۳۔ حیوانیہ، اس کی خاصیت رکوع ہے۔
۴۔ انسانیہ، اس کی خاصیت قیام ہے۔

اس میں اشارہ ہے کہ انسان اپنے تمام حجابات انسانی سے پاک اور صاف ہو، اور اس کے ب سے بڑے گندے اوصاف میں تکبر ہے اور تکبر کا خاصہ نار ہے۔ اور رکوع میں اشارہ ہے ہ سالک صفاتِ حیوانیہ سے نجات حاصل کرنے اور حیوانات کے سب سے گندے اوصاف میں سے ہوت ہے اور یہی ہوا کا خاصہ ہے۔ اور سجدہ سے اشارہ ہے کہ نباتیہ کی طبیعت سے جان چھڑائے ور اس کے قبیح ترین صفات سے یہ ہے کہ نباتیہ چاہتی ہے کہ جلدی سے اشیاء کو اپنے گھیرے لے لے اور خود آگے بڑھ جائے یہ پانی کا خاصہ ہے اور تشہد میں اشارہ ہے کہ جمادیہ کی طبیعت ے چھوٹے اور جمادیت کی سب سے بڑی گندی عادت ہے بے حس و حرکت ہو کر رہنا، یہی مٹی کا

marfat.ocm

خاصہ ہے یا رہے کہ انہی اوصاف سے بشریت کے تمام صفات پروان چڑھتے ہیں۔ جب انسان اور عادات و خصائل اور ان کے حجابات سے نجات پالیتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے خصوصی جوار کی طرف رجوع کرتا ہے تو اسے قربت نصیب ہوتی ہے اور اس سے تمام حجابات اُٹھ جاتے ہیں پھر وہ اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ سے باریاب ہوتا ہے۔

حدیث شریف : چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا :

اعبد اللہ کانک تراہ۔ اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔

(کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ پس بوجہ ان کی عہد شکنی کے۔ ان کی عہد شکنی یہی تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد انہوں نے رسل کرام علیہم السلام کو شہید کر ڈالا اور آسمانی کتب میں تحریف اور احکام الٰہیہ کی خلاف ورزی کی۔ اور فبما میں کلام کی تاکید ہے اور مضبوط کرنے کی وجہ سے ما زائدہ ہے لَعَنّٰهُمْ ہم نے انہیں اپنی رحمت سے محروم کر دیا، یا ہم نے انہیں بندر و خنزیر بنا دیا، یا ہم نے ان پر جزیہ قایم کر کے ذلیل و خوار کیا وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً اور ہم نے انہیں ایسا سخت دل بنایا کہ وہ آیات اور وعیدوں کو کچھ نہ سمجھے۔ حجر قاسیہ اس پتھر کو کہا جاتا ہے جس میں نرمی بالکل نہ ہو يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ اللہ تعالیٰ کے کلمات کو اپنے مقام سے بدل ڈالتے تھے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے، ان کی سخت دلی کا بیان کرنا مطلوب ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو بدلنے اور اس پر افتراء بازی سے سخت تر قسوۃ قلبی اور کیا ہو سکتی ہے۔ تحریف سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت پاک کی تبدیلی یا مضامین کی بے جا تاویل مراد ہے اس کا مفصل بیان سورۃ بقرۃ میں گزرا ہے وَنَسُوْا حَظًّا اور انہوں نے اپنا بہت بڑا وافر حصہ ضائع کر دیا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ جس کی انہیں نصیحت کی گئی یعنی تورات سے یا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع سے رُوگردانی کر کے اپنا وافر حصہ ضائع کر دیا۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ انہوں نے تورات میں تحریف کی اور جو کچھ ان پر نازل ہوا انہوں نے ضائع کر دیا کہ انھیں کچھ حاصل نہ ہو سکا بعض مفسرین نے فرمایا کہ انہوں نے تورات میں تحریف کی جس کی نحوست یہ ہوئی کہ بہت سی باتوں کو انہوں نے بھلا دیا۔

ف : حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ گناہ کی نحوست سے انسان کو بہت سی

marfat.ocm

باتیں بھول جاتی ہیں۔ اس کی دلیل میں آپ نے یہی آیت پڑھی۔

اللہ تعالیٰ نے امیۃ بن ابی الصّلت سے علم چھین لیا حالانکہ وُہ بہت فصیح و بلیغ شاعر تھا۔ مروی ہے کہ ایک وقت وُہ سو رہا تھا کہ ایک پرندے نے آکر چونچ اس کے منہ میں ڈال دیا۔ جب جاگا تو وہ تمام علوم و فنون بھول چکا تھا۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

زمن زبے عملی در جہاں علوم و بس
ملالت علماء ہم ز علم بے عملست

تفسیر صوفیانہ ہر زمانے میں باعمل علماء کرام و مشائخ عظام یوم میثاق اور اُن سے اللہ تعالےٰ کا جو خطاب ہُوا تھا اسے یاد کرتے آئے اور انہیں اس خطاب کی ہر وقت مستی اور وجد رہتا تھا اور اسی شوق میں زندگی بسر کرتے رہے۔ اس خطاب کو سُن کر بہت سے حضرات آج کی دُنیا و آخرت سے رُوگرداں رہتے ہیں۔ پھر وُہ اس روش سے اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا مرکز بن جاتے ہیں۔ انہیں مقبولِ درگاہ کہا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا سرچشمہ بھی وہی ہوتے ہیں۔ جو لوگ اللہ تعالےٰ سے روگردان بھی ہوتے ہیں جو اپنے مولیٰ سے منہ پھیر کر دُنیا کے امور میں ایسے مست ہوتے ہیں کہ انہیں اپنے مولیٰ سے کسی قسم کا واسطہ نہیں رہ جاتا۔ یہی وُہ ہیں جو اپنی مراد کو نہ پہنچ سکے انہیں مردود و ملعون کہا گیا انہوں نے ہی درحقیقت اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے وعدے توڑ ڈالے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

(۱) بے وفائی چوں سگاں را عار بود   بے وفائی چوں روا داری نمود
(۲) حق تعالیٰ فخر آورد از وفا   گفت اوفیٰ بعہد غیرنا

ترجمہ: (۱) جب کتوں کو بے وفائی عار ہے تو پھر تُو کیوں بیوفائی کو روا رکھتا ہے۔
(۲) حق تعالیٰ کو وفاء پر فخر ہے چنانچہ خود فرمایا کہ میں اپنے غیر کا عہد پورا کرتا ہوں۔

تفسیر عالمانہ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰی خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اور آپ ہمیشہ اُن کی خیانت سے مطلع ہوتے رہتے ہیں۔ خائنۃ، لاغیۃ کاذبۃ کی طرح مصدر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، لا تسمع فیہا لاغیۃ۔ یہاں پر لاغیۃ بمعنے لغوٌ ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ دھوکا اور خیانت اُن کی عادت بن چکی ہے اور نہ صرف اُن کی عادت ہے بلکہ اُن کے اکابر بھی یونہی تھے کہ دھوکا بازی و غداری ان کی عادت بن چکی تھی یا یہ معنیٰ ہے کہ اگرچہ وہ لوگ اپنی خیانت اور دھوکا بازی کر کے چھپائیں لیکن آپ کو معلوم ہو جاتا ہے اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ہاں ان میں بہت تھوڑے ہیں جو خیانت نہیں کرتے۔ ان سے حضرت عبد اللہ بن سلام اور اُن کے ساتھی مراد ہیں، یہ خائنۃ منہم

marfat.ocm

کی ضمیر مجرور سے مستثنیٰ ہے فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ پس انہیں معاف فرمائیے اور ان کی سزا اور گرفت سے درگزر فرمائیے بشرطیکہ وہ ایمان لائیں اور سچے دل سے تائب ہو جائیں یا آپ سے پکّا معاہدہ کریں اور جزیہ ادا کریں تو آپ اُن سے درگزر فرمائیں۔

ف : بعض مفسرین فرماتے ہیں یہ آیت، آیت السیف سے منسوخ ہے۔ آیت سیف قاتلوا الذین لا یؤمنون باللّٰہ ولا بالیوم الاٰخر ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ بے شک اللّٰہ تعالیٰ نیکو کاروں سے محبت کرتا ہے، درگزر کرنیکا حکم دے کر اب اس کی علّت بتائی گئی ہے اور اس میں فرمانبرداری کی طرف ترغیب بھی مطلوب ہے اس سے یہ بھی ثابت ہُوا کہ جب ایک کافر خائن سے درگزر کرنا مستحسن ہے تو پھر اس کے غیر سے تو بطریقِ اولیٰ درگزر کرنا چاہیئے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرّہٗ نے فرمایا : ؎

(۱) عدو را بہ الطاف گردن بہ بند   کہ نتواں بریدن بتیغ وکمند
(۲) چو دشمن کرم بیند ولطف وجود   نیاید دگر خبث ازو در وجود
(۳) وگر خواجہ با دشمنان نیک خُوست   بسی بر نیاید کہ گردند دوست

ترجمہ : (۱) دشمن کی گردن الطاف سے باندھ کیونکہ یہ تلوار و کمند سے نہیں کاٹی جا سکتی۔

(۲) جب دشمن لُطف وکرم اور جُود دیکھے گا پھر اس کے وجود سے خباثت نہ آئیگی۔

(۳) اگر سردار دشمنوں کے ساتھ خوش خلق ہے تو دیر نہ ہو گی تو وہ دوست بن جائیں گے۔

ف : حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مکارمِ اخلاق کے جامع تھے۔ آپ کے اخلاق حمیدہ واوصاف جمیلہ کا بیان واصفین کے دائرۂ امکان سے باہر ہے۔

حکایت مثنوی در خلق نبوی : مثنوی شریف میں مولانا روم قدس سرّہٗ کی حکایات میں سے ایک یہ ہے : ؎

کافران مہمان پیغمبر شدند   وقت شام ایشان بمسجد آمدند
گفت اے یارانِ من قسمت کنید   کہ شما پُراز من وخوے منید
ہر یکے یاری یکے مہمان گزید   درمیان یک زفت بود وبی ندید
جسم ضخمی داشت کس او را نبرد   ماند در مسجد چو اندر جامہ درد
مصطفیٰ بردش چو واماند از ہمہ   ہفت بز شیردہ بُد در رمہ

marfat.ocm

که مقیم خانه بودندی بزان   بهر دوشیدن برای وقت خوان
نان و آش و شیر آن هر هفت بز   خورد آن بوقحط عوج ابن غز
جمله اهل بیت خشم آلو شدند   که همه در شیر بز طامع شدند
معده طبلی خوار همچون طبل کرد   قسم هجده آدمی تنها بخورد
وقت خفتن رفت و در حجره نشست   پس کنیزک از غضب در را ببست
از برون زنجیر در را در فکند   که ازو بد خشمگین و دردمند
گبر را از نیم شب تا صبحدم   چون تقاضا آمد و درد شکم
از فراش خویش سوی در شتافت   دست بر در چو نهاد او بسته یافت
در گشادن حیله کرد آن حیله ساز   نوع نوع و خود نشد آن بند باز
شد تقاضا بر تقاضا خانه تنگ   ماند او حیران و بی درمان و دنگ
حیله کرد و او بخواب اندر خزید   خویشتن در خواب در ویرانه دید
زانکه ویرانه بد اندر خاطرش   شد بخواب اندر همانجا منظرش
خویش در ویرانهٔ خالی چو دید   او چنان محتاج و اندر دم برید
گشت بیدار و بدید آن جامه خواب   پر حدث دیوانه شد از اضطراب
گفت خوابم بدتر از بیداریم   که خورم آن سو وین سو می ریم
بانگ می زد واثبورا واثبور   همچنانکه کافر اندر قعر گور
منتظر که کی شود این شب بسر   یا بر آید در گشادن بانگ در
تا گریزد او چو تیری از کمان   تا نبیند هیچکس او را چنان
مصطفی صبح آمد و در را گشاد   صبح آن گمراه را او راه داد
جامه خواب پر حدث را یک فضول   قاصدا آورد در پیش رسول
که چنین کردست مهمانت ببین   خندهٔ زد رحمة للعالمین
که بیار آن مطهره اینجا بپیش   تا بشویم جمله را با دست خویش
او بجد می شست آن احداث را   خاص ز امر حق نه تقلید و ریا
که دلش می گفت کین را تو بشو   که در اینجا هست حکمت تو بتو
کافرک را هیکلی بد یادگار   یاوه دید آن را و گشت او بیقرار

marfat.ocm

گفت آن حجرہ کہ شب جا داشتم   ہیکل آنجا بے خبر بگذاشتم
کہ چہ شرمین بود شرمش حرص برد   حرص اژدرہاست بی چیزست خرد
از پی ہیکل شتاب اندر دوید   در وثاق مصطفےٰ وازا بدید
کان ید اللہ ان حدث را ہم بخود   خوش ہمی شوید کہ دورش چشم بد
ہیکلش از یاد رفت و شد پدید   اندرو شوری گریبا نزا درید
می زد او دو دست را بر رو و سر   کلہ را میکوفت بر دیوار و در
انچنانکہ خون ز بینی و سرش   شد روان و رحم کردان مہترش
چون زحد بیرون بار زید و طپید   مصطفیٰ اش در کنار خود کشید
ساکنش کرد و بسی بنواختش   دیدہ اش بکشادہ داد اشناختش
آب بر رو زد و در آمد در سخن   کی شہید حق شہادت عرضہ کن
گشت مؤمن گفت اورا مصطفےٰ   کامشب ہم باش و تو مہمان ما
گفت واللہ تا ابد ضیف توام   ہر کجا باشم بہر جا کہ روم
یا رسول اللہ رسالت را تمام   تو نمودی ہمچو شمع بے غمام

ترجمہ : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں مسجد میں شام کے وقت چند کافر مہمان ہوئے آپ نے اپنے دوستوں سے فرمایا کہ ایک ایک کافر کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور ان کی خوب خاطر تواضع کرو۔ تمام مہمان کافروں کو صحابہ کرام لے گئے ان میں سے ایک رہ گیا جو بہت جسیم اور فربہ اور بسیار خور تھا، اسے حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس ٹھہرا لیا۔ سات بکریاں گھر میں تھیں وہ سب کا دُودھ پی گیا اور سب گھر والوں کا طعام چٹ کر گیا جیسے قحط کے زمانے میں عوج ابن عنق نے طعام کھایا تھا۔ سب اہلِ خانہ اس کے اس فعل پر سخت نالاں تھے۔ کھا کھا کر اس کا پیٹ طبل کی طرح ہو گیا وہ اٹھارہ آدمیوں کا کھانا تنہا کھا گیا سونے کے وقت حضور علیہ السلام نے اپنی کنیز سے فرمایا اسے فلاں حجرے میں سُلا دو۔ کنیز نے اُسے سُلا کر باہر تالا لگا دیا تاکہ اسے زیادہ طعام کھانے کی سزا ملے۔ چنانچہ وہ حجرے میں سو گیا لیکن چند گھنٹے بعد اس کے پیٹ میں درد اٹھا اور اسے پاخانہ پھرنے کی حاجت ہوئی۔ دروازہ بند تھا، مجبور ہو گیا۔ اس نے بہت شور مچایا۔

marfat.ocm

کسی نے دروازہ نہ کھولا، وہ بے قرار و مضطرب ہو کر سو گیا، خواب میں ویرانے اور جنگلات کے تصورات میں کھو گیا اور سمجھا کہ وہ کہیں جنگل میں پاخانہ کر رہا ہے۔ بیدار ہوا تو اپنی اس قبیح حرکت پر سخت نادم ہوا۔ صبح کو جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دروازہ کھولا تو وہاں آنکھ چرا کر وہاں سے بھاگ گیا۔ حضور علیہ السلام نماز سے فارغ ہوئے تو خادم نے رات والے کافر مہمان کی رپورٹ پیش کی کہ اس نے بستر کو غلاظت سے بھر دیا ہے۔ آپ نے اسے لے آؤ تاکہ اس غلاظت کو مل کر دھو ڈالیں۔

خادم بستر کو لے آیا۔ آپ اپنے ہاتھوں سے اس بستر کو دھوتے جا رہے تھے اور خادم پانی ڈال رہا تھا، اور یہ حکم ایزدی پر مبنی تھا کہ آپ ایسے کریں تو دین کا فائدہ ہے۲ اس کافر کو شہر سے باہر نکل کر یاد آیا کہ جہاں سویا تھا وہاں اس کا یادگاری ہیکل رہ گیا۔

چونکہ وہ ہیکل اسے جان سے پیارا تھا اس لیے مجبوراً لوٹا تو دیکھا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم غلاظت سے بھرے بستر کو خود اپنے مبارک ہاتھوں سے دھو رہے ہیں۔

یہ حالت دیکھتے ہی وہ کافر زار و قطار رونے لگا اور کہنے لگا: قربان جاؤں آپ مجھ جیسے گندے بندے کی غلاظت کو کیوں دھو رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میرے دین کے اخلاق کے یہی تقاضے ہیں۔ اس کافر نے کہا: تو پھر مجھے کلمۂ شہادت پڑھا دیجئے۔ آپ نے اٹھ کر اسے گلے سے لگا لیا اور اسے اسلام سے مشرف فرمایا اور اسے ارشاد ہوا کہ آج کی شب ہمارے ہاں ٹھہریئے تاکہ ہم تمہاری خدمت کریں۔ عرض کی، سرکار! اب تو میں جہاں بھی ہوں گا آپ کی نوازشات سے پرورش پاؤں گا۔

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ اور ان میں بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں ہم نے ان سے یعنی ان کے اکابر سے یہود کے اکابر کی طرح عہد لیا تھا اور یہ مِن؛ اخذنا کے متعلق ہے اس کا متعلق سے تقدیم اہتمام کی وجہ سے ہے۔

سوال: من النصاریٰ کہنا چاہئے تھا انا نصاریٰ کیوں کہا گیا ہے؟

جواب: وہ خود اپنا نام نصاریٰ رکھتے تھے اس لیے ان کا دعویٰ تھا کہ صرف انہیں نصرتِ الٰہی حاصل ہے، اپنے دعوے کی دلیل عیسیٰ علیہ السلام کے اس قول سے پیش کرتے تھے کہ انہوں نے فرمایا نحن انصار اللہ۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہی انھیں نصاریٰ سے موف فرمایا ہے۔

marfat.ocm

ف : اُن سے عہد لینے سے یہی مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انجیل میں ان سے وعدہ لیا تھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کرنا اور ان کے فضائل و مناقب اور اوصاف عوام سے بیان کرنا۔

فَنَسُوْا حَظًّا پھر انہوں نے اپنے بہتر فریضہ کو بھلا دیا **مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ** اس میں سے جس کی انہیں نصیحت کی گئی کہ عہد و پیمان کو یاد کر کے ایمان کو تازہ کریں اور انہیں اعمال صالحہ کی زیادہ سے زیادہ رغبت ہو **فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ** پھر ہم نے ان پر لازم کر دیا اور چمٹا دی۔ غری بالشئی سے ماخوذ ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شئے کسی کو لازم ہو اور اسے چمٹ جائے۔ اور کہتے ہیں اغراہ یعنی فلاں نے اسے فلاں شئے لازم کر دی اور چمٹا دی۔ بینھم (ان کے مابین) اغرینا کے متعلق ہے **الْعَدَاوَةَ** دشمنی یعنی ایک دوسرے کے قلوب آپس میں ایک دوسرے سے دُور ہو جانا۔ اور آپس میں ایک دوسرے کے لیے نیتوں میں تبدیلی آجانا **وَالْبَغْضَآءَ** اور بُغض **اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ** تا قیامِ قیامت۔ یہ اغراء کی غایت ہے یا عداوت اور بُغض کی یعنی وہ آپس میں ایک دوسرے سے بغض و عداوت میں قیامت تک بھرپور رہیں گے **وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ** اور عنقریب اللہ تعالیٰ انہیں قیامت میں خبر دے گا **بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ** ان کے گندے کردار کی ہم انہیں قیامت میں خبر دیں گے۔

ف : اس میں انہیں سزا کی وعید شدید سنائی گئی ہے یہ محاورہ عرب میں مشہور ہے کہ جو شخص کسی کو ڈراتا دھمکاتا ہے تو اسے کہتا ہے :

ساخبرك بما فعلت۔ یعنی میں تجھے تیرے کئے پر عنقریب بتاؤں گا۔

اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے جو عہد شکنی کی اور نصیحت کو بُھلایا تو اللہ تعالےٰ انہیں قیامت میں دائمی عذاب میں مبتلا کرے گا۔ لفظ سوفَ وعید کی تائید کے لیے ہے۔

سوال : ان کے افعال کو صنع (یصنعون) سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے ؟

جواب : انہیں وہ افعال ایسے راسخ ہو گئے تھے کہ گویا وہ افعال اُن کی صنعت ہیں۔

ف : جس شخص نے نصارٰی کے مابین بغض و عداوت ڈالی اس کا نام بولس تھا۔

نصارٰی کے مابین بُغض و عداوت کی ابتداء

بولس نامی شخص کی نصارٰی سے جنگ چھڑی تو اس نے ان کے بہت سے آدمی قتل کر دئے۔ اسے خیال آیا کہ ایسی تدبیر سوچی جائے کہ یہ آپس میں لڑ مریں۔ چنانچہ

marfat.ocm

ایک دن ان کے ہاں یک چشم بن کر حاضر ہوا اور کہنے لگا: جانتے ہو میں کون ہوں؟ سب نے کہا، تو وہی ہے جس نے ہمارے ساتھ لڑائی کی اور ہمارے بہت سے آدمیوں کو مار ڈالا۔ اس نے کہا اب میں نے غلط کاری سے توبہ کر لی ہے، اس کا سبب یوں ہوا کہ آج رات حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اُترے اور میرے منہ پر بڑے زور سے طمانچہ مارا اور فرمایا کہ تُو نے میری قوم کو سخت ستایا۔ آپ کے طمانچہ سے میری آنکھ پھوٹ گئی، میں نے ان کے سامنے توبہ کی اب میں تمہارے ہاں حاضر ہو گیا ہوں تاکہ میں تمہاری دینی خدمات سر انجام دوں اور تادمِ زیست عیسیٰ علیہ السلام کے ارشادات عالیہ کی نشر و اشاعت کروں۔ سب نے اس کے فریب سے دھوکا کھایا اور اس کی چکنی چپڑی باتوں میں آگئے اور اُسے ایک حجرہ تیار کر دیا، اُس کا ایک دریچہ رکھا جس سے وہ راز و نیاز کی باتیں بتائے ورنہ اندر ہی اندر عبادت میں مشغول رہے۔ وہ لوگ کبھی کبھی اس کے ہاں حاضر ہو کر اس سے دین کی باتیں سُنتے اور اس کے ارشادات پر عمل کرنے کا دم بھرتے۔ کبھی وہ اس دریچہ سے انہیں بلا کر بظاہر غلط کلمات کہتا لیکن جب وہ قریب پہنچتے تو انہیں ان کلمات کی بہترین توجیہ بتاتا جس سے وہ خوش ہو جاتے۔ اس سے اس کے بہت زیادہ عقیدتمند ہو گئے، پھر جسے حکم دیتا وہ سرِ تسلیم خم کر دیتا۔ ایک دن انہیں کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ دنیا کی تمام اشیاء۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے نفع کے لیے پیدا فرمائی ہیں۔ سب نے تصدیق کی تو کہا کہ پھر شراب و خنزیر بھی تو انہی اشیاء سے ہیں لہٰذا انہیں کھاؤ پیو۔ چنانچہ اس کے کہنے پر شراب اور خنزیر کو کھانا پینا شروع کر دیا اور انہیں اپنے لیے حلال و طیب کر لیا۔ چند روز توقف کے بعد پھر انہیں بلایا اور کہا کہ آج مجھے خصوصی علم عطا ہوا ہے وہ میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں۔ جب وہ اس کے گرد جمع ہو گئے تو کہنے لگا کہ سورج کہاں سے طلوع ہوتا ہے؟ سب نے کہا، مشرق سے۔ پھر پوچھا کہ چاند؟ سب نے کہا کہ مشرق سے۔ پھر پوچھا کہ ستارے کہاں سے؟ سب نے کہا مشرق سے۔ پھر پوچھا کہ انہیں کون بھیجتا ہے؟ سب نے کہا اللہ تعالیٰ۔ اس نے کہا جب اللہ تعالیٰ جہتِ مشرق میں ہے تو پھر اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھنی چاہیے۔ اس دن سے انہوں نے شرقی جانب نماز پڑھنی شروع کر دی۔ پھر چند روز کے بعد ان کے ایک مخصوص گروہ کو بلایا اور کہا کہ میں کسی ایک رات حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر قربان ہو جاؤں گا اس لیے کہ آج رات کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام میرے ہاں تشریف لائے اور مجھ سے بہت راضی ہوئے اور فرمایا کہ تُو نے میرے دین کی بہت خدمت کی ہے اس لیے اپنا رحمت بھرا ہاتھ انہوں نے میری آنکھ پر پھیرا تو میری آنکھ ٹھیک ہو گئی ہے۔ چنانچہ اُس نے سب کو اپنی تندرست آنکھ دکھائی تو سب کو یقین آگیا کہ واقعی عیسیٰ علیہ السلام نے اسے

marfat.ocm

زیارت سے مشرف فرمایا ہے۔ پھر اس نے کہا کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام نے مجھے چند راز کی باتیں بتائی ہیں۔ چنانچہ ان کے ایک گروہ سے کہا کہ مُردے کون زندہ کرتا ہے؟ سب نے کہا: اللہ۔ اس کے بعد پوچھا کہ مادرزاد اندھوں کو آنکھیں کون دیتا ہے؟ سب نے کہا اللہ۔ پھر پوچھا کہ برص والے کو تندرست کون کرتا ہے؟ سب نے کہا اللہؔ۔ اس نے کہا یہ تمام امور عیسٰی علیہ السلام نے کر دکھلائے فلہذا انہیں خدا ماننا لازمی ہے۔ آج کے بعد میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم عیسٰے علیہ السلام کو خدا مانو۔ پھر دوسرے گروہ کو بُلایا، اس کو بھی یہی تقریر کی۔ لیکن انہیں یہ کہا کہ وُہ خدا کے بیٹے ہیں فلہذا آج کے بعد انہیں خدا کا بیٹا کہا جائے۔ ایک تیسرے گروہ سے یہی تقریر کر کے کہا کہ وُہ تیسرے خدا ہیں۔ یہ کہہ کر اعلان کر دیا کہ آج کے بعد میں حضرت عیسٰی علیہ السلام پر قربان ہو جاؤں گا۔ چنانچہ رات کے بعد چوری چُھپے کہیں نکل گیا۔ دوسرے روز ہر ایک نے اپنا اپنا عقیدہ ظاہر کیا تو ایک دوسرے کے برعکس نکلا اور ہر ایک دوسرے کو جُھٹلانے لگا اور کہنے لگا کہ انہوں نے یہ عقیدہ بتایا ہے، دُوسرا کہتا نہیں یہ بتایا ہے، تیسرا کہتا نہیں یُوں بتایا ہے۔ اس طرح وہ آپس میں لڑنے مرنے لگے اور ہزاروں جانیں تلف ہو گئیں۔ اور قیامت تک ایک دوسرے کے جانی دشمن بن گئے۔ ان کے تین فرقے بن گئے:

(۱) نسطوریہ۔ یہ کہتے ہیں کہ عیسٰے علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔

(۲) ملکانیہ۔ یہ وہ ہیں کہ جو کہتے ہیں کہ خدا تین ہیں:

(i) اللہ

(ii) عیسٰے علیہ السلام

(iii) ان کی والدہ (مریم علیہا السلام)

(۳) یعقوبیہ۔ یہ کہتے ہیں کہ عیسٰی علیہ السلام خود خدا ہیں (معاذ اللہ) ؎

در تصوّر ذات اورا گنج کو　　　تا در آید در تصور مثل او

ترجمہ: اس کی ذات کا تصور کہاں کہ اس کے مثل کا تصور پیش کیا جا سکے۔

---

(۱) گر بغایت نیک و گر بد گفتہ اند　　　ہر چہ زد گفتند از خود گفتہ اند

(۲) می مکن چندیں قیاس اے حق شناس　　　زانکہ ناید ذات بیچون در قیاس

ترجمہ: (۱) جو کچھ اچھا یا بُرا کسی نے کہا تو کچھ کہا از خود کہا (ورنہ اس کی حقیقت کو کون جانے)

marfat.ocm

(۲) اسے حق شناس! ایسے قیاس نہ کر اس لیے کہ وہ ذات بے مثل ہے قیاس میں کیسے آسکتی ہے۔

ق: مومن کو لازم ہے کہ قولِ باری تعالیٰ وسوف ینبئھم اللہ بما کانوا یصنعون پر

شریف میں ہے:

> قیامت میں اللہ تعالیٰ ہر ایک سے بات کرے گا اس وقت نہ کوئی ترجمان ہوگا نہ ہی درمیان میں کوئی حجاب۔ پس بندہ اپنی دائیں جانب دیکھے گا تو اسے صرف وہی نظر آئے گا جو اس نے زندگی بھر عمل کیا ہوگا۔ پس اے بندگانِ خدا! نارِ جہنم سے ڈرو اگرچہ ایک ٹکڑا خیرات کرکے۔ اگر یہ بھی میسر نہ ہو تو اچھی بات کرو۔

ہ شخص کوئی ایسی فرصت نہیں رکھتا جس سے وہ جہنم کی آگ سے چھٹکارا حاصل کر سکے تو اسے چاہئے جہنم سے بچنے کے لیے میٹھی گفتگو کو اپنا شعار بنائے تاکہ اس کی گفتگو سے مسلمان کا دل ٹھنڈا ہو اس لئے ی گفتگو بھی صدقہ ہے۔

سیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یومِ میثاق میں اہلِ اسلام کی طرح یہود و نصاریٰ سے بھی توحید کا عہد لیا۔ جب دونوں گروہ نفس کے قابو میں آئے تو وہ م میثاق کا عہد و پیمان بھلا بیٹھے۔ پھر وہ استعداد فطری کہ جس سے انسان کو فیضِ ربانی ہوتا ہے سے محروم ہو گئے۔ اسی بناء پر وہ جانوروں کی طرح بلکہ ان سے بھی بدتر ہو گئے یعنی ان کی حالت درندوں جیسی ہو گئی ہ جیسے وہ آپس میں بغض و عداوت رکھتے اور آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں ویسے ہی یہ بھی ہر وقت لڑائی جھگڑے ور فسادات میں پڑے رہتے ہیں۔ اُن کی یہ حالت قیامت تک برقرار رہے گی اس لیے کہ اہلِ غفلت کو فت کی دولت سے محروم رکھا جاتا ہے اور اہل اللہ کو آپس میں وحشت ہوتی ہی نہیں۔ یہ حال سابقہ م کا تھا۔ رہی حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت، تو اُسے تو اللہ تعالیٰ کی تائید حاصل ہے، یومِ میثاق میں الست بربکم کے قلم سے اُن کے دلوں پر ایمان لکھ دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی خصوصی امداد سے انہیں نوازا۔ اس لیے ان سے اپنا نیک نصیبہ فراموش نہ ہو سکا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا:

وذکر فان الذکریٰ تنفع المؤمنین۔

اور چونکہ ان حضرات نے یومِ میثاق کو یاد رکھا اور اس کے نیک نصیبہ سے بہرہ ور ہوئے اس لیے کہ

marfat.ocm

انہیں فرمایا :

فاذکرونی اذکرکم۔

حالانکہ اللہ تعالٰی نے تو انہیں پیدا کرنے سے پہلے ہی یاد فرما چکا تھا۔ محض سادہ الفاظ سے یاد نہیں فر
بلکہ محبّت بھرے الفاظ سے یاد فرمایا۔ چنانچہ فرمایا :

و یحبّھم و یحبّونھم۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ

يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ اے اہلِ کتاب۔ یعنی اے یہود و نصارٰی۔ کتٰب اسم جنس ہے اس سے تورات و انجیل دونوں کتابیں مراد ہیں۔ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا بیشک تمہارے ہاں ہمارے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم تشریف لائے۔ یہ اضافت تشریفی ہے اس میں اشارہ ہے کہ اُن کی اطاعت واجب ہے يُبَيِّنُ لَكُمْ رسولنا سے حال ہے، یعنی وہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم باقتضائے مصلحت تمہیں تھوڑا تھوڑا کر کے بیان فرمائیں گے كَثِيْرً مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ بہت سی باتیں جنہیں تم اپنی کتاب سے چُھپا دیتے ہو، یعنی تمہارا دائمی طور طریقہ رہا ہے کہ تم اپنی کتاب سے مسائل چُھپا دیتے ہو۔ کتٰب سے مراد تورات و انجیل ہے اور خطاب ان کے ماننے والوں اور ان پر عمل کرنے کا دم بھرنے والوں سے ہے۔ اور 'چُھپانے' سے حض
نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و کمالات اور آیتِ رجم اور انجیل میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کا حـ
نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بیان کو چھپانا مراد ہے وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ا
بہت سی باتیں وہ تمہیں معاف فرما دیتے ہیں۔ یعنی وہ امور جو تم مخفی رکھتے ہو انہیں ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم عموماً ظاہر نہیں فرماتے بمجبوری اس وقت خبر دیتے ہیں جب کہ میرے دین کو نقصان کا خ
ہوتا ہے، وہ اس لیے نہیں بتاتے تاکہ تم شرمسار نہ ہو قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ بیشک تمہارے ہاں اللہ تعالٰی کی طرف سے نور اور کتاب آئی ہے۔ نور اور کتاب دونوں سے قرآن مجید مراد ہے اس لیے کہ اس سے ظلمات شرک اور شک واضح ہوئے اور بہت سی حق کی باتیں جو لوگوں پر مخفی تھیں قرآن مجید سے ظاہر ہوئیں یا اس لیے کہ اس میں اعجاز واضح ہے۔

سوال : واؤ مغایرت چاہتی ہے اور ان دونوں یعنی نور و کتاب سے صرف کتاب مراد لینے سے عطف کا تقاضا پُورا نہیں ہوتا۔

جواب : چونکہ قرآن مجید کے دو مختلف عنوان ہیں :

(١) کشف الشبہات للشرک والشرک۔

(۲) اِبانة الاخفاء من الحق وغیرہ۔

ان دونوں عنوانوں کو مغایرت ذاتی پر محمول کرکے عطف ڈالا ہے اور ایسا کلام عرب میں عام ہے۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ نور سے حضور علیہ السلام اور کتٰب سے قرآن مجید[۱] ہے۔

اہلِ حق کے نزدیک یہی تفسیر راجح و اولیٰ ہے۔ چنانچہ عالم اسلام کے جلہ مفسرین و محدثین و فقہاء کرام ہم اللہ تعالیٰ نے آیت میں نور سے حضور علیہ السلام کی ذاتِ اقدس مراد لی ہے۔ چنانچہ چند ایک والہ جات ملاحظہ ہوں :

سمّی نورا لانہ ینور البصائر ویھدیھا للرشاد ولانہ اصل کل نور حسّی ومعنوی۔ (تفسیر صاوی ج ۱ ص ۲۳۹)	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام اس آیت میں نُور رکھا گیا اس لیے کہ حضور عقول کو روشن کرتے ہیں اور ان کو رشد کے لیے ہدایت کرتے ہیں اور اس لیے کہ آپ ہر حسی و معنوی نور کی اصل ہیں۔

سیدنا حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں :

قد جاءکم من اللہ نورٌ رسولٌ یعنی محمدًا۔ (تفسیر ابن عباس مطبوعہ مصر ص ۷۲)	یعنی تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نور یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم آیا

اسی طرح تفسیر کبیر، تفسیر خازن، تفسیر بیضاوی، تفسیر معالم التنزیل، تفسیر مدارک، تفسیر سراج المنیر، تفسیر ابو السعود، تفسیر جلالین، تفسیر ابن جریر، تفسیر روح المعانی، تفسیر صاوی، تفسیر حسینی، تفسیر مظہری، تفسیر القاسمی، شفا شریف، موضوعات کبیر للملا علی قاری میں بھی نور سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات مبارک مراد لی گئی ہے۔

سردار الوہابیہ مولوی ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں :

قد جاءکم من اللہ نور و کتٰب مبین۔ (تفسیر ثنائی سورہ المائدہ ص ۱۱ مطبوعہ امرتسر)	تمہارے پاس اللہ کا نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور روشن کتاب قرآن شریف آئی۔

(باقی برصفحہ آئندہ)

marfat.ocm

يَهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے ہدایت دیتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

مفسر الوہابیہ حافظ محمد صاحب لکھو کے والے کہتے ہیں:

نور سے مراد محمد یا اسلام جو دین ربانی۔ (تفسیر محمدی ص ۲۳ منزل دوم)

غیر مقلدین وہابیہ کے مستند عالم مولوی وحید الزمان رقمطراز ہیں:

نور سے مراد حضرت محمد یا دین یا اسلام۔ (تبویب القرآن ص ۱۴۹)

وہابیہ کے مستند اور محقق مولوی قاضی سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں:

اس آیت میں وجود باجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نور بتلایا گیا ہے۔
(شرح اسماء الحسنیٰ ص ۱۵۱)

سردار الوہابیہ نواب صدیق حسن خاں بھوپالوی لکھتے ہیں:

زجاج نے کہا کہ مراد نور سے حضرت ہیں یا اسلام یا قرآن۔ (تفسیر ترجمان القرآن ج ۱ ص

دیوبندیوں کے شیخ الاسلام مولوی شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

شاید نور سے خود نبی کریم صلعم (صلی اللہ علیہ وسلم) اور کتاب مبین سے قرآن کریم مراد ہے۔ (تفسیر عثمانی ص ۱۴۳ بر حاشیہ قرآن پاک، تاج کمپنی)

طائفہ دیوبند کے نہایت ہی مقتدر فرد، محدث، مفسر، مجدد، حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ ایک مختصر سی آیت ہے اس میں حق سبحانہٗ نے اپنی دونوں نعمتوں میں ایک تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود ہے اور دوسری نعمت قرآن مجید کا نزول ہے ایک کو لفظ نور سے ذکر فرمایا ہے اور دوسرے کو کتاب کے عنوان سے ارشاد فرمایا ہے اور یہ توجیہ اس آیت کی تفسیر کی بنا پر ہے یعنی جبکہ نُور سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود موجود مراد لیا جائے۔ (اشرف المواعظ ص ۱۴۸)

مولوی اشرف علی تھانوی ایک اور جگہ رقمطراز ہیں:

..... اگر دوسری تفسیر اختیار کی جائے یعنی نور اور کتاب دونوں سے قرآن مجید ہی مراد

(باقی بر صفحہ آیندہ)

marfat.ocm

اگر نور سے حضور علیہ السلام اور کتاب سے قرآن مجید مراد ہے تو پھر ضمیر تثنیہ کی ہونی چاہیے

صفحہ گزشتہ)

ائے تو توجیہ بدل جائے گی۔ (ماہنامہ انوار العلوم لاہور، اکتوبر ۱۹۵۳ء ص ۲۵ و
مواعظ میلاد النبی ص ۱۲)

یس کاندھلوی لکھتے ہیں،

تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا ہے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔
(تفسیر معارف القرآن ج ۲ ص ۴۲)

شتاق احمد دیوبندی رقمطراز ہیں،

بے شک آیا ہے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور کتاب مبین۔ اس جگہ حسب روایت شفاء قاضی عیاض نور سے مراد حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ (التوسل ص ۲۲)

ت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

یہ قول کہ نور اور کتاب دونوں سے مراد قرآن ہے "هذا ضعيف" (یہ ضعیف ہے)۔
(تفسیر کبیر جلد ۳ ص ۵۶۶)

تفسیری کا مسئلہ

کچھ لوگ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہونے کی نفی میں ایسے دلائل پر تاویل کا پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں جن سے
صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ اسی سلسلہ میں اس آیت میں بھی واوؔ
تفسیری قرار دے کر لفظِ نُور سے قرآن مجید ہی مراد لیتے ہیں۔ ہمیں اعتراف ہے کہ قرآن مجید اپنی
نور ہے مگر اس آیت میں لفظِ نُور سے قرآن مجید مراد لینا بعید سی بات ہے کیونکہ عطف کا اصل
ہے یعنی واوؔ کا موضوع لہٗ درحقیقت مغایرت ہے کہ معطوف علیہ اور معطوف ایک دوسرے کے غیر
۔ اس کے علاوہ واوؔ جن معنوں میں استعمال ہوگا وہ سب مجازی ہیں۔ اور یہ مسلّم ہے کہ جب تک
قت ممکن ہو مجاز مراد لینا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ توضیح میں ہے،

اذا استعمل اللفظ يجب ان يحمل على المعنى الحقيقي فاذا لم يمكن
فعلى لمجازي۔ (توضیح ص ۱۲۹)

(باقی برصفحہ آئندہ)

marfat.ocm

یعنی به اللہ کی بجائے بهما اللہ ہونا لازمی ہے ۔

جواب ، چونکہ حضور علیہ السلام اور قرآن مجید مقصد کے لحاظ سے ایک ذات ہیں ، یا چونکہ ان دونوں کا حکم ایک ہے اس لیے ۔ دونوں کا حکم ایک ہے دونوں کا مقصد ایک ہے ۔ دونوں کا مقصد دعوۃ الخلق الی الحق ہے اس لیے کہ ایک رسولِ الٰہی ہیں دوسرا اُن کا معجزہ بن کر اُن کا مؤید ہے اور جو کچھ وہ فرماتے ہیں اُن کی تصدیق قرآن مجید کرتا ہے ، بنا بریں واحد کی ضمیر لانا موزوں ہے ۔

مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ اور جس نے حضور علیہ السلام پر ایمان لاکر اُن کو خوش کیا سُبُلَ السَّلٰمِ اس سے عذاب سے سلامتی اور عقاب سے نجات کے طریقے مراد ہیں جبکہ سلام بمعنے سلامتی اور عقاب سے نجات کے طریقے مراد ہیں جبکہ سلٰم بمعنے سلامت ہو جیسے لذاذ بمعنے لذاذۃ ، اور رضاع بمعنے رضاعت استعمال ہوتے ہیں ۔ یا سلٰم بمعنے سبیل اللہ ہے ۔ اس سے شریعتِ مقدسہ مراد ہے کہ جس پر اہلِ اسلام کو چلانا مقصود ہے یا سلٰم سے اللہ تعالیٰ کی ذات مراد ہے اس لیے کہ سلٰم اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام بھی ہے اور سُبُل السلٰم کا منصوب ہونا بنزع الخافض ہے ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) یعنی جب کوئی لفظ استعمال ہو تو واجب ہے کہ اسے حقیقی معنی پہ ہی محمول کیا جائے اور جب یہ ناممکن ہو تو مجازی پر ۔

اسی طرح نور الانوار وغیرہ اصول کی مسلّم کتابوں میں صاف ظاہر ہے کہ جب ایک لفظ اپنے موضوع لہٗ یعنی معنی میں استعمال ہو سکتا ہے تو اس کا وہی حقیقی معنیٰ لینا واجب ہوگا ۔ اور جب حقیقی معنی کسی وجہ سے ناممکن ہو تب مجازی معنیٰ لینا جائز ہے ۔ اب آیت مذکورہ پر غور کیا جائے کہ واؤ جس کا حقیقی معنیٰ مغایرت ہے اپنے موضوع لہٗ پر محمول کی جا سکتی یا نہیں ۔ بر تقدیر اثبات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ہونا ثابت ہوگیا ۔ یہی ہمارا مقصود ہے اور بر تقدیر نفی وجہ استحالہ کیا ہے اور ظاہر ہے کہ وجہ استحالہ یہاں کوئی نہیں ، کیونکہ اگر استحالہ ہوتا تو مفسرین لفظِ نُور سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس مراد نہ لیتے ، حالانکہ سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے لے کر آج تک مفسرین نور سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کو مراد لیتے چلے آرہے ہیں ، لہٰذا نُور سے مراد صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہی ہے ۔ سو قرآن مجید کی اس آیت کریمہ سے آپ کا نور ہونا ثابت و مسلّم ہوگیا ۔ علاوہ ازیں یہ قول کہ نور اور کتاب دونوں سے مراد قرآن ہے امام رازی فرماتے ہیں هذا ضعیف ۔ (تفسیر کبیر جلد ۳ ص ۵۶۶) (اویسی غفرلہٗ)

یہدی خود متعدی بدو مفعول ہوتا ہے تو پھر اسے نزع الخافض کی تاویل میں لیجانے ہے۔

ہدی کا دوسرے مفعول کی طرف متعدی ہونا الیٰ اور لام کے واسطہ سے ہوتا ہے لیٰ نے فرمایا :

ھذا القراٰن یہدی للتی ھی اقوم۔

ں ان دونوں واسطوں کے بغیر واسطہ استعمال ہوا ہے اس لیے نزع الخافض کی ہوتی۔

یُخْرِجُهُمْ اور انہیں نکالتے ہیں۔ ھُمْ کی ضمیر مَنْ کی طرف راجع ہے۔ اس کا مَنْ کے معنیٰ کی وجہ سے ہے کہ اس میں جمع کا معنیٰ ہوتا ہے اور اتّبع واحد کا صیغہ ہے کہ مَنْ لفظاً مفرد ہے مِّنَ الظُّلُمٰتِ اندھیریوں میں سے یعنی کفر و گمراہی کی مختلف سے اِلَى النُّوْرِ نور کی طرف۔

ں : ایمان کو نور سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے؟

ب : اس لیے کہ جب بندہ ایمان قبول کرتا ہے تو اس کے لیے نجات کی راہ منکشف ہو جاتی ہے طلب کرتا ہے اور اس کے لیے تباہی و بربادی کی راہ بھی کھل جاتی ہے جس سے وہ بچنے کی کوشش ہے۔

بِاِذْنِهٖ اللہ تعالیٰ کے حکم سے، یعنی اُس کے آسان کر دینے اور اس کے ارادہ سے ،

یَهْدِیْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ اور انہیں سیدھی راہ کی طرف ہدایت دیتا ہے یعنی ہ راستہ دکھاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے قریب تر اور اس کے ہاں یقیناً پہنچانا۔ صراط یم اور سبیل السّلٰم کا ایک ہی مفہوم ہے۔

ل : جب وہ ایک شے ہیں تو پھر درمیان میں حرف عطف لانے کا کیا مطلب، یا اسے پھر ذکر کرنے کا کیا فائدہ؟

ب : چونکہ یہ دونوں وصفاً متغایر ہیں اس لیے اس تغایر وصفی کو تغایر ذاتی کے قائم مقام حرفِ عطف لایا گیا ہے جیسے آیت فلما جاء امرنا نجینا شعیبا والذین اٰمنوا معه

متعلقہ صفحہ ہذا یہ اعتراض وہابیہ کر سکتے ہیں۔

marfat.ocm

برحمة مناو نجينا هم من عذاب غليظ میں ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورانیت کی عجیب وغریب تحقیق

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو نور بنا کر بھیجا اس لیے کہ آپ حظِ انسانی کی حقیقت بیان کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے انہیں نصیب ہوا، اور اللہ تعالیٰ نے اپنا نام بھی نُور بتایا ہے کما قال:

اللہ نور السمٰوٰت والارض۔

اس لیے کہ آسمان وزمین ملک عدم میں مخفی تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں ظاہر فرمایا۔ اور حضور علیہ السلام نُور اس لیے ہیں کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عدم سے اپنی قدرتِ کاملہ سے آپ کے نور کو پیدا فرمایا چنانچہ خود حضور علیہ السلام نے فرمایا:

اول ما خلق اللہ نوری۔	سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور

پھر تمام عالم کو اُسی نور سے پیدا فرمایا۔ چونکہ تمام موجودات آپ کے نُور سے پیدا ہوئے اس لیے آپ کا نام نور رکھا گیا۔ اور قاعدہ ہے کہ جو شیٔ اختراع سے اقرب ہو اُسے نور کہنا مناسب تر ہوتا ہے۔ مثلاً عالمِ ارواح تخلیق کے لحاظ سے عالمِ اجساد سے پہلے ہے اس لیے اسے عالمِ انوار سے تعبیر کرتے ہیں اسی طرح عالمِ علویات عالمِ سفلیات سے مقدم ہے اس لیے اسے نُور کہا جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہُوا کہ تخلیقی اعتبار سے جو شیٔ مقدم ہوگی وُہ نور ہوگی اس معنے پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نور کہنا لازم ہُوا۔

احادیث در ثبوت نورانیتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حدیث شریف ۱: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انا من اللہ والمؤمنون منی۔	میں اللہ تعالیٰ سے ہوں اور مومنین مجھ سے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق فرمائی کہ قد جاءکم من اللہ نور وکتٰب مبین۔

حدیث شریف ۲: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کنت نورا بین یدی ربی قبل خلق آدم باربعة عشر	میں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے چودہ ہزار سال قبل اللہ تعالیٰ کے

marfat.ocm

الف عام وكان يسبح ذلك النور وتسبح الملائكة بتسبيحه فلما خلق الله آدم القى ذلك النور في صلبه ۔

ہاں نور تھا جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتا تھا ان کو دیکھ کر ملائکہ کرام ان کی تقلید میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتے تھے۔ جب آدم علیہ السلام پیدا ہوئے تو وُہ نور حضرت آدم کی پشت میں رکھا گیا۔

حدیث شریف ۳: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو عالم علوی سے زمین کی طرف اتار کر آدم علیہ السلام کی پشت میں بطور امانت رکھا اس کے بعد مجھے حضرت نوح علیہ السلام کے ہاں ٹھہرایا گیا۔ جب ان کی کشتی طوفان سے کنارے لگ رہی تھی میں اُن کے ساتھ تھا، پھر مجھے ابراہیم علیہ السلام کی پشت مبارک میں منتقل کیا گیا۔ اسی طرح میں پاک پشتوں سے پاک شکموں کی طرف منتقل ہوتا ہوا اپنے ماں باپ کے ہاں تشریف لایا اور مجھے ایسی پشتوں اور شکموں میں منتقل کیا گیا جو زنا کے نزدیک بھی نہ بھٹکے۔

حضرت عرفی مرحوم اپنے قصیدہ نعتیہ میں لکھتے ہیں: ؎

(۱) ایں بس شرف گوہر تو منشی تقدیر   آن روز کہ بگذاشتی اقلیم قدم را
(۲) تا حکم نزول تو درین دار نوشتہ است   صد رہ بعبث باز تراشید قلم را

ترجمہ: (۱) تیرے جوہر کو یہ شرف کافی ہے کہ منشیٔ تقدیر کے ہاتھوں تو نے اقلیم قدم کو چھوڑا۔
(۲) تا حکم نزول اسی دار میں رہنا لکھا کئی بار بیکار کر کے ظلمات کو تجھ سے ہٹایا۔

حدیث شریف ۴: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدم علیہ السلام نے اپنی لغزش کا اعتراف کیا تو عرض کی، یا اللہ! میں تجھے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ دیتا ہوں میری لغزش معاف فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے آدم! تم نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے پہچانا حالانکہ تا حال میں نے انہیں (عالم اجساد میں) پیدا بھی نہیں فرمایا۔ عرض کی: یا اللہ! تُو نے مجھے جب اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا اور میرے اندر اپنی رُوح پھونکی تو میں نے اپنا سر اٹھایا تو میں نے عرش کے پایہ پر لکھا دیکھا تھا لا الہ الا اللہ

marfat.ocm

محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)، میں نے اس سے معلوم کیا کہ تُو نے اپنے نام کے ساتھ محبوب ترین نام کو جمع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے آدم! تم سچ کہتے ہو واقعی وہ میرے محبوب ہیں ان کے وسیلہ سے میں نے تمہیں بخش دیا ہے، اور یقین کیجئے اگر وُہ نہ ہوتے تو تمہیں بھی پیدا نہ کرتا (رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ)

تفسیر عالمانہ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ بے شک کافروں نے کہا کہ اللہ تو مسیح بن مریم ہے اُس کے سوا اور کوئی خدا نہیں۔ یہ اس محاورہ سے ہے جو اہلِ عرب کہتے ہیں الکرم ھوالتقویٰ۔

شانِ نزول یہ آیت نجران کے نصاریٰ کے حق میں نازل ہُوئی، یہ یعقوبیہ فرقہ کے لوگ تھے کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے بدن یا رُوح میں حلول کرتا ہے۔

قُلْ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! انہیں خاموش کُن جواب دیجئے کہ اگر ایسے ہے جیسا کہ تمہارا ظنِ فاسد ہے **فَمَنْ** یہ استفہام انکاری ہے **يَّمْلِكُ** ملک بمعنے ضبط اور حفظ تام ہے **مِنَ اللّٰهِ** اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے ارادہ سے **شَيْـًٔا** کسی شے اور اس کی حقیقت کو، یعنی کس کی طاقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے اسے روک سکے **اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا** اگر اللہ تعالیٰ کا مسیح بن مریم اور اس کی ماں اور ان تمام لوگوں کو جو زمین میں رہتے ہیں کے ہلاک کرنے کا ارادہ ہو جائے۔

ف : اس میں اُن کے غلط عقیدہ کی تردید کی گئی ہے اس کی تفصیل یُوں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے قبضہ میں ہیں اور وُہ دوسرے ممکنات کی طرح فنا ہونے کے قابل ہیں جس کی یہ حالت ہو وُہ الوہیت کے لائق نہیں وہ معبود کیسے ہو سکتا ہے جو ہلاکت اور تباہی کو نہ اپنے سے روک سکے اور نہ دوسروں کو بچا سکے۔

ازالۂ وہم : یہاں ہلاکت بمعنے موت و فنا مراد ہے نہ کہ وہ ہلاکت و تباہی جو غیظ و غضب سے ہوتی ہے۔

سوال : آیت میں بی بی مریم صاحبہ کے ذکر کی مناسبت کیا ہے جبکہ وہ تو پہلے ہی فوت ہو چکی تھیں؟

جواب : نصرانیوں کے مُنہ بند کرنے کی تاکید مطلوب ہے اور واضح کرنا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کے ہلاک کرنے کا ارادہ فرمائے تو اُسے کوئی نہیں روک سکتا، جیسے عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو موت دی تو کوئی مانع نہ ہُوا۔ جب مریم کی موت پر اپنی قدرت ظاہر فرما چکا ہے تو اے نصرانیو! جانتے ہو تو

marfat.ocm

کی موت اس کے لیے کب ناممکن ہے!

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا اور آسمانوں اور زمینوں اور ان کے بیچ ہے سب کا سب اللہ تعالیٰ کی ملک ہے وہ ان سب پر قدرت تامہ اور مکمل قبضہ رکھتا ہے تمام اشیاء پر ایجاداً و اعداماً و احیاءً و اماتۃً مطلقاً تصرف کا مالک ہے اس کے سوا کسی کو مستقلاً تصرف کا حق ہے نہ اشتراکاً۔ بنابریں صرف وہی الوہیت کا مستحق ہے۔ کسی کو اس کے لیے استحقاق نہ حاصل ہے نہ ہو سکتا ہے۔ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وہ انواع مخلوق میں جس طرح چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ یہ مَا کو موصولہ اور مَا منصوب علی المصدریۃ ہے مفعول بہ نہیں۔ اب عبارت یوں ہوگی۔ یخلق ای خلق یشاءہ۔ یعنی جس طرح کی مخلوق پیدا کرنا چاہے وہ پیدا کر سکتا ہے اگر چاہے تو اصل کے بغیر پیدا کرے جیسے آسمان و زمین کے اندر کی چیزیں۔ چاہے تو کسی اصل سے لیکن جنس کی جنس سے نہیں۔ جیسے آدم علیہ السلام اور دیگر بہت سے حیوانات کی تخلیق۔ اسی طرح کسی ایسی اصل سے جو اس کی ہم جنس ہو۔ لیکن نر سے، جس میں مادہ کو دخل نہ ہو جیسے عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق دونوں کو دخل ہو، جیسے باقی تمام انسانوں کی تخلیق، یا اس کی تخلیق میں کسی غیر کا واسطہ نہ ہو، جیسے عام مخلوق کی تخلیق یا اپنی تخلیق میں کسی کو واسطہ بنائے جیسے معجزے کے طور پر پرندوں کی تخلیق اور مُردوں کو زندہ کرنے اور کوڑھیوں اور مادرزاد اندھوں وغیرہ میں عیسیٰ علیہ السلام کو واسطہ بنایا۔ لیکن ان سب کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوگی نہ کسی اور کی طرف۔ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اور اللہ تعالیٰ ہر شَے پر قادر ہے۔ یہ ذیلی جملہ معترضہ ہے ماقبل کے مضمون کی تقریر ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

(۱) دامن او گیر اے یار دلیر   کو منزہ باشد از بالا و زیر
(۲) نے چو عیسیٰ سوئے گردوں بر شود   نے چو قارون در زمین اندر رود

ترجمہ: (۱) اے یار بہادر! اس کا دامن پکڑ وہ زیر و بالا سے منزہ ہے۔
(۲) نہ تو عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آسمان پر ہے نہ قارون کی طرح زمین کے اندر۔

ربی الاعلاست ورد آں مہان
رب ادنی درخور این ابلہان

ترجمہ: ربی الاعلیٰ محبوبوں کا ورد ہے رب ادنیٰ ان بے وقوفوں کے لائق ہے۔

marfat.ocm

احادیثِ مبارکہ

(۱) حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ واحد لاشریک ہے اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول اور اس کے کلمہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی ماں مریم کو عطا فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی رُوح ہیں۔ اور گواہی دے کہ جنت و دوزخ حق ہے تو اسے اللہ تعالیٰ بہشت میں داخل فرمائے گا وہ جس عمل میں بھی زندگی بسر کرے۔"

(۲) حضرت حارث اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے یحییٰ علیہ السلام کی طرف پانچ کلمات نازل فرمائے اور فرمایا کہ وہ ان پر عمل کریں، اور بنی اسرائیل کو حکم دیں کہ وہ ان پر عمل کریں۔ یحییٰ علیہ السلام کے ہاں عیسیٰ علیہ السلام تشریف لے گئے اور فرمایا کہ آپ نے ان کلمات پر عمل کرنے میں تاخیر فرمائی ہے، اگر تم بنی اسرائیل کو نہیں بتا سکتے تو میں ہی انہیں بتا دوں۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے برادرِ محترم! مجھے بتانے دیجئے ممکن ہے میں نہ بتاؤں تو اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے۔ چنانچہ یحییٰ علیہ السلام نے تمام بنی اسرائیل کو بیت المقدس میں جمع کیا تمام لوگ جمع ہوئے یہاں تک کہ مسجد بھر گئی۔ سب ایک جگہ بیٹھ گئے۔ یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پانچ باتوں کا حکم فرمایا ہے کہ میں خود بھی ان پر عمل کروں اور تمہیں بھی ان کی تلقین کروں تاکہ تم بھی ان پر عمل کرو۔ وہ پانچ باتیں یہ ہیں:

(أ) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اس لیے کہ مشرک کی مثال اس مرد کی سی ہے جو اپنے خالص مال سونے یا چاندی سے ایک غلام خریدے اور اسے حکم دے کہ میں تجھے اپنے گھر ٹھہراتا ہوں لیکن مزدوری کر کے میرے پیش کرنا۔ وہ غلام مزدوری کر کے اس کے غیر کو پیش کر دے، بتائیے اس غلام کو کون اچھا کہے گا۔ یُونہی سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا کر کے رزق بھی عطا فرمایا، پھر اس کے ساتھ

marfat.ocm

دوسرے کو شریک ٹھہراؤ۔

(ii) نماز ادا کرتے وقت ادھر ادھر نہ دیکھو اس لیے کہ نماز کے وقت اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے ہوتا ہے۔ اس بندے سے منہ پھیر لیتا ہے جو نماز میں ادھر ادھر دیکھتا ہے۔

(iii) روزہ رکھو۔ روزہ دار کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کے پاس عطر کی شیشی ہو اور وہ بہت بڑی جماعت میں ہو تو ہر شخص چاہے گا کہ یہ عطر والا میرے پاس ہو، اسی طرح روزہ بھی ایک بہترین خوشبو ہے۔

(۱۷) زکوٰۃ ادا کرو۔ زکوٰۃ ادا کرنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے کہ جیسے دشمن گرفتار کرکے اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیں اور چاہیں کہ اسے قتل کر دیں لیکن وہ کہے کہ مجھے قتل مت کرو میرے پاس جتنا مال ہے میں تمہیں دیتا ہوں۔ پھر وہ مال دے کر اُن سے اپنی جان بچا لے۔

(۷) اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرو۔ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والے کی مثال اس شخص جیسی ہے کہ اسے دشمن گرفتار کرنا چاہیں لیکن وہ بھاگ کر ایک مضبوط قلعہ میں محفوظ ہو جائے۔ اسی طرح انسان کا سب سے بڑا دشمن شیطان ہے اس سے نجات پانے کا ذریعہ ذکرِ الٰہی ہے۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

ذکرِ حق کن بانگ غولاں را بسوز
چشمِ نرگس را ازیں کرگس بدوز

ترجمہ : ذکرِ الٰہی سے اُلوؤں کو جلا دے، نرگس کی آنکھ گدھ سے سی دے۔

---

(۱) ذکرِ حق پاکیست چوں پاکی رسید — رخت بر بندد بروں آید پلید
(۲) مے گریزد ضدہا از ضدہا — شب گریزد چوں برافروزد ضیا
(۳) چوں در آید نامِ پاک اندر دہان — نی پلیدی ماند و نی آن دہان

ترجمہ : (۱) ذکرِ حق پاک ہے جب پاک کو پہنچتا ہے تو پلید بستر گول کر جاتا ہے۔
(۲) ضد ضد سے بھاگتی ہے شب بھاگ جاتی ہے جو روشنی آتی ہے۔
(۳) جب پاک نام منہ پر آتا ہے پھر نہ پلیدی رہتی ہے نہ بدبُو۔

marfat.ocm

(۳) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

"میں بھی تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں جن کے متعلق مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا:

(i) حق کو بدل وجان قبول کرنا۔

(ii) طاعت

(iii) جہاد

(iv) ہجرت

(v) جماعت (تقلید)، اس لیے کہ جو شخص جماعت سے بالشت بھر جدا ہوتا ہے اس نے اسلام کی رسّی اپنی گردن سے ہٹا دی جب تک کہ پھر جماعت میں شامل نہ ہو۔"

ف: الربقۃ بکسر الراء وفتحہا وسکون الباء الرھوۃ الربق کی جمع ہے۔ وہ رسّی کہ جس سے جانوروں کو باندھا جاتا ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ یہود ونصاریٰ نے کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے محب ہیں۔ یعنی یہودیوں نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے حضرت عزیر علیہ السلام کی جماعت ہیں۔ یہ اس محاورہ سے ہے جو بادشاہوں کے قریبی رشتہ دار کو کہتے ہیں کہ نحن الملوك (ہم بادشاہ ہیں) یا یہ معنیٰ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے پیارے ہیں جیسے بیٹے اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوتے ہیں، اور ہمیں اس سے ایسے قرب حاصل ہے جیسے بیٹوں کو باپ سے۔ اور ہماری اس سے محبت اور بغض اس سے ایسے ہے جیسے باپ بیٹے سے محبت بھی کرتا ہے اور کبھی ناراض بھی ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اُن کا دعویٰ تھا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا مرتبہ اور بہت بڑی فضیلت حاصل ہے جو دُوسروں کو نصیب نہیں۔ اُن کے رَد میں حضور علیہ السلام سے کہا گیا کہ **قُلْ** (اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم!) ان کو الزامی طور یا خاموش کن جواب دیجئے **فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ** یعنی تم اگر اپنے دعوے میں سچے ہو تو بتاؤ کہ تمہیں یہ سزائیں کیوں ملیں کہ کبھی تمہیں قتل کیا گیا، کبھی تم قیدی بنے، کبھی تمہاری شکلیں بدل گئیں، اور پھر اس کا بھی تمہیں اقرار ہے کہ کل قیامت میں تمہیں عذاب میں مبتلا کیا جائیگا اگرچہ (بقولِ شما) وُہ گنتی کے دن کہ جتنی تمہارے آباء واجداد نے بچھڑے کی پرستش کی تم اپنے گمان فاسد میں سچے ہو تو پھر تم سے ایسی غلطیاں کیوں سرزد ہُوئیں اور تمہیں ایسے عذاب میں کیوں مبتلا کیا گیا **بَلْ** بلکہ بات کچھ اور ہے وُہ یہ کہ **اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ** تم عام انسان ہو جیسے دوسرے اللہ تعالیٰ

marfat.ocm

لام مخلوق ہے انہیں کسی قسم کی بزرگی اور شرافت حاصل نہیں یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وہ اللہ تعالٰی مخلوق میں جسے چاہتا ہے بخشتا ہے، اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ تعالٰی اور اس کے رسولوں پر ایمان ئے ہیں۔ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ اور جنہیں وہ چاہتا ہے عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔ اس سے وہ لوگ د ہیں جو اللہ تعالٰی اور اس کے رسولوں کو نہیں مانتے۔ وَلِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا یْنَھُمَا اور آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان جو کچھ ہے سب اللہ تعالٰی کی ملک ہے موجودات میں ہر شئے اس کی ملکیت ہے اور سب اسی کے بندے ہیں سب اسی کے قبضہ و تصرف میں ہیں وہ جسے چاہے مارے یا زندہ رکھے، ثواب دے یا عذاب، یہود و نصاریٰ کی صرف باتیں ہیں وَاِلَیْهِ الْمَصِیْرُ اور اسی کی طرف سب کو لوٹنا ہے، یعنی آخرت میں سب نے فقط اسی کی حاضری دینی ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی استقلالاً مالک ہے نہ اشتراکاً۔ وہ ہر ایک کو جزاء و سزا ہوگی، اسے کوئی رد کرنے والا نہیں صرف لفظی دعوٰی کا نام محبت نہیں بلکہ محبت کے لیے بھی چند علامتیں ہیں۔ کسی عربی شاعر نے کیا خوب فرمایا، ؎

تعصی الالٰه وانت تظهر حبه　　ھذا العمری فی الفعال بدیع
لو کان حبك صادقا لأطعته　　ان المحب لمن یحب مطیع

ترجمہ: اللہ تعالٰی کی نافرمانی کرتا ہے پھر اس کی محبت کا دم بھرتا ہے، مجھے اپنی عمر کی قسم یہ تیری عجیب کاسدائی ہے اگر تم اللہ تعالٰی کی محبت میں سچے ہوتے تو تم اُن کی اطاعت کرتے اس لیے کہ محب وہ ہوتا ہے جو اپنے محبوب کی اطاعت کرتا ہے۔

نکتہ: اللہ تعالٰی ہر اس شخص کو دوست نہیں رکھتا جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت میں کسی ایک بات کی مخالفت کرتا ہے۔ فرض ہو یا سنت، حلال ہو یا حرام، اس لیے کہ جو کسی سے محبت کرتا ہے وہ اس کی اطاعت کرتا ہے۔

ف: بشری صورت کے لحاظ سے سب انسان برابر ہیں، اگر فرق ہے تو علم و عمل کے اعتبار سے ہے جسے قربِ الٰہی نصیب ہے وہی افضل و اعلیٰ ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا، ؎

راہ راست باید نہ بالائے راست
کہ کافر ہم از روئے صورت چو ماست

ترجمہ: راہِ راست چاہیے نہ کہ بلند سواری یا مکان ورنہ کافر بھی بظاہر ہماری شکل میں ہے۔

اور یہ فرق آخرت میں ظاہر ہوگا اس لیے کہ وہی جزاء کا دن ہے۔

marfat.ocm

سبق: مبارک ہو اس شخص کو جو اپنے حال و مآل میں فکر کرتا ہے پھر وہ وقت گزرنے سے پہلے زہد و طاعت میں رغبت کرتا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

(۱) گر ببینی میل خود سوئے سما   پر دولت بر کشا ہمچوں ھما
(۲) ور ببینی میل خود سوئے زمین   نوحہ میکن ہیچ منشین از حنین
(۳) عاقلان خود نوحہا پیشیں کنند   جاہلان آخر بسر برمی زنند
(۴) ز ابتداء کار آخر را ببین   تا نباشی تو پشیمان روز دین

ترجمہ: (۱) اگر تم اپنا میلان آسمان کی طرف دیکھو تو پھر چاند کی طرح دولت کے پر کھول۔

(۲) اگر تیرا میلان زمین کی طرف ہے تو ماتم کر۔

(۳) سمجھدار لوگ گزشتہ لوگوں پر افسوس کرتے ہیں جاہل تو خالی سر ہی مارتے رہتے ہیں۔

(۴) ابتداء میں ہی اپنے کام کا انجام دیکھ تاکہ تجھے قیامت کے دن پشیمانی نہ ہو۔

حکایت رعشہ کی بیماری میں مبتلا ایک آدمی زرگر کے ہاں آیا اور کہا کہ ترازو دیجئے تاکہ میں اپنے سونے کے ریزوں کو تولوں۔ سنار نے کہا، میرے پاس چھلنی نہیں۔ اس نے کہا: مذاق مت کیجئے، مجھے ترازو دیجئے۔ کہا، میرے پاس جھاڑو نہیں۔ اس نے کہا آپ میرے ساتھ مذاق کرتے ہیں میں تجھ سے چھلنی یا جھاڑو نہیں مانگتا ترازو مانگتا ہوں۔ سنار نے کہا مذاق نہیں حقیقت ہے میں تمہاری حیثیت کے پیشِ نظر جواب دے رہا ہوں۔ اُس نے کہا وہ کیسے؟ سنار نے کہا تیرے ہاتھ میں رعشہ ہے جب تُو سونے کے ٹکڑے تولے گا تو وہ رعشہ کی وجہ سے زمین پر گر کر مٹی میں مل جائے گا، اس پر تجھے جھاڑو اور چھلنی کی ضرورت پڑے گی اور وُہ میرے پاس نہیں اس لیے مَیں نے اُن کے متعلق انکاری جواب دیا ہے ؎

من ز اول دیدم آخر را تمام
جائے دیگر رو ازینجا والسلام

ترجمہ: میں نے اول سے آخر تک سب کچھ دیکھا ہے، یہاں سے کسی دوسری جگہ چلا جا۔

ف: اللہ تعالیٰ کے حقیقی محبوب اولیاء اللہ ہیں، لیکن ان کے مختلف درجات و طبقات ہیں،

(۱) عوام

(۲) خواص

(۳) اخص الخواص

پھر وہ درجۂ محبت میں مختلف مقام و مرتبہ رکھتے ہیں۔

حضرت معروف کرخی قدس سرہ کو کسی نے عرشِ معلیٰ کے نیچے دیکھا اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے پوچھا یہ کون ہے؟ انھوں نے عرض کی: یا اللہ! تو ہی بہتر جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یا: یہ میرا محبوب ہے جو میری محبت میں مدہوش ہے۔ اس کا مطمحِ نظر صرف میرا دیدار ہے۔

محبتِ الٰہی کی تکمیل تزکیۂ نفس سے ہوتی ہے اس لیے کہ جب کسی کے نفس پر غضبِ الٰہی ہو تو وہ رحمت کا مستحق کہاں! البتہ ایسے شخص کے آگے حجاب ہوتا ہے وہ اس حالت بتِ الٰہی میں رہتا ہے۔

اے اللہ! ہمیں اُن لوگوں سے بنا جو تیری محبت میں مبتلا رہتے ہیں، پھر وہ اس محبت سے سے راستے کو پالیتے ہیں۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا اے اہلِ کتاب تمہارے ہاں ہمارے سول تشریف لائے۔ اُن کا یہ حال ہے کہ يُبَيِّنُ لَكُمْ وہ تمہیں شرائع و احکامِ دینی بیان کرتے یں جو وعدہ و وعید پر مشتمل ہیں عَلٰى فَتْرَةٍ آمد منقطع ہوجانے سلسلہ مِّنَ الرُّسُلِ آمدورفت سولوں کے، یعنی دین کی تبلیغ کا وہ سلسلہ جو اُن سے شروع ہوا وہ اب منقطع ہوگیا۔ علیٰ فترۃ رف ہے اور قد جاءکم کے متعلق ہے یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسے وقت تشریف لائے یں کہ اس وقت رسل کرام علیہم السلام کی تشریف آوری اور وحی کی آمد بھی منقطع تھی۔ گویا آپ کے شریف لانے کی اشد ضرورت تھی۔ فترۃ کا مادہ فترالشئُ یفتر فتورا ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی شے کی حرکت ہی ختم ہوجائے اور اپنی سب سے پچھلی حالت کی طرف لوٹ آئے اور حضراتِ انبیاء علیہم السلام کی اس حالت کو فترۃ سے اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ عمل صالح کے وہ اسباب انہی کی شرائع سے معلوم ہوتے تھے وہ منقطع ہوگئے اور ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت تشریف لائے جبکہ انبیاء علیہم السلام کی تشریف آوری کا سلسلہ ختم ہوا۔ ورنہ یہ صورت ہوتی تھی کہ انبیاء علیہم السلام سے جبکہ ایک واصلِ بحق ہوتے تو دوسرے تشریف لے آتے یہ سلسلہ رفعِ عیسیٰ علیہ السلام تک ایسے ہی رہا اَنْ تَقُوْلُوْٓا حضور علیہ السلام کی تشریف آوری کی علت کا بیان ہے اور یہاں مضاف محذوف ہے ای کراھۃ ان تقولوا یعنی بوجہ اس کراہت کے

marfat.ocm

کہ رعایت احکامِ دین سے کوتاہی کرنے میں عذر کرتے ہوئے تم کہو مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِیْرٍ ہمارے ہاں کوئی صاحب تشریف نہیں لائے جو ہمیں بہشت کی خوشخبری سناتے وَّلَا نَذِیْرٍ اور نہ ہی کوئی ڈرانے والا جو ہمیں دوزخ سے ڈراتا، اس لیے کہ شرائع سابقہ کے نشانات مٹ چکے اور اُن کی باتیں معدوم ہو گئیں فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِیْرٌ وَّنَذِیْرٌ اس کا تعلق محذوف فعل سے ہے جیسا کہ اس کی فاء بتاتی ہے کہ یہ جملہ معلل بہ ہے۔ معنٰی یہ ہوا کہ اب عذرمت کرو اس لیے کہ تمہارے ہاں بہتر سے بہتر خوشخبری سُنانے والے اور اعلٰی سے اعلٰی ڈرانے والے تشریف لائے۔ بشیرٌ و نذیرٌ میں تنوین تفخیم کی ہے۔

مسئلہ: آیت میں اُن پر اظہارِ احسان ہے کہ تمہارے ہاں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ایسی حالت میں تشریف لائے جبکہ آثار وحی بھی ختم تھے اور تم اس وقت اس کی بہت شدید ضرورت محسوس کر رہے تھے وَاللّٰہُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔ وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو پے در پے بھیجے، جیسا کہ مروی ہے کہ موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان ایک ہزار سات سو سال کا فاصلہ تھا۔ اس اثناء میں ایک ہزار انبیاء علیہم السلام تشریف لائے۔ اور اس بات پر بھی قادر ہے کہ سلسلہ انقطاع نبوت کے بعد پیغمبر بھیجے، جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سید الانبیاء علیٰ نبینا علیہم السلام کے لیے ہُوا، تو ان کے درمیان ۶۹۶ سال یا ۵۴۶ سال گزرے۔ لیکن اس اثناء میں صرف چار پیغمبر تشریف لائے۔

ف: کلبی کی روایت میں ہے کہ بنی اسرائیل سے تین اور عرب میں ایک نبی حضرت خالد بن سنان العیسی نبی علیٰ نبینا و علیہ السلام تشریف لائے۔

ف: بعض مفسرین کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان کوئی پیغمبر تشریف نہیں لایا۔ یہی قول زیادہ مناسب ہے اس کے کئی وجوہ ہیں،

(۱) فترۃٍ کی تنوین تفخیم سے ایسے ہی معلوم ہوتا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر فترۃ سے اپنا احسان جتلایا ہے پھر یہ اس وقت صحیح ہو سکتا ہے کہ حضور علیہ السلام سے پہلے اور عیسٰے علیہ السلام کے بعد اور کوئی نبی نہ ہو۔

(۳) عرصۂ دراز گزر جانے پر ہی انہیں سخت ضرورت محسوس ہُوئی ہو تا کہ اُن کی اس ضرورت کے پورا کرنے میں وہ سمجھیں کہ اب ہمارے اُوپر نعمت و رحمت کا دروازہ کھُلا ہے۔

(۴) فترۃ کا تقاضا یہی ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ورنہ اگر درمیان میں کوئی اور پیغمبر ہوتا تو پھر ان پر حجت بازی کیونکہ اگر ان کے ہاں کوئی اور رسول و نبی علیہ السلام ہوتا تو ان کے عذر کہ ہمارے ہاں

کوئی بشیر و نذیر نہیں آیا، کا رد نہ کیا جاتا ۔ کذا فی الارشاد)

یث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

نا اولی الناس بعیسی ابن مریم	میں حضرت عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام)
نہ لیس بینی وبینہ نبی ۔	کے قریب تر ہوں میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں آیا ۔

: ابن الملک نے فرمایا کہ اس سے ان لوگوں کا رد ہو گیا جو عقیدہ رکھتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام فع الی السماء کے بعد ان کے حواری نبی تھے اس لیے کہ نبی وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ی قوم کی ہدایت کے لیے مبعوث ہو اور شریعت کا اجراء کرے ۔

وال : خالد بن سنان علی نبینا وعلیہ السلام کی نبوت تو مسلم ہے اس کا کیا جواب ہے ؟

واب : خالد بن سنان علی نبینا وعلیہ السلام نے نبوت کا دعویٰ نہیں فرمایا، انہوں نے صرف اتنا فرمایا کہ مرنے کے بعد میں تمہیں برزخ (قبر) کے حالات سناؤں گا ۔

خالد بن سنان علی نبینا وعلیہ السلام کا واقعہ عجیبہ

مروی ہے کہ حضرت خالد بن سنان علی نبینا وعلیہ السلام علاقہ عدن میں اپنی قوم کے ساتھ قیام پذیر تھے کہ غار سے ایک بہت بڑی آگ نکلی جس نے کھیتیاں جلا ڈالیں اور جانوروں کو تباہ و برباد کر ڈالا ۔ قوم حضرت خالد بن سنان علی نبینا وعلیہ السلام کے ہاں حاضر ہوئی اور اس بلا سے نجات کے لیے دعا کی درخواست کی، آپ نے اپنا عصا اٹھایا اور اس کے پیچھے پڑ گئے اور ہٹاتے ہوئے اسی غار میں اسے دھکیل دیا جس سے وہ آگ نکلی تھی ۔ آپ نے اپنی اولاد سے فرمایا کہ میں اس آگ کے پیچھے اس غار میں داخل ہو کر اسے بجھاتا ہوں تاکہ مکمل طور بجھ جائے ۔ لیکن تین دن مکمل گزر جانے سے پہلے مت بلانا ۔ اگر تم نے مجھے پہلے بلا لیا تو میں اس غار سے باہر تو آ جاؤں گا لیکن چند گھڑیوں بعد مر جاؤں گا ۔ چنانچہ یہ فرما کر غار کے اندر تشریف لے گئے ۔ دو دن گزرے تو ان سے رہا نہ گیا، ادھر شیطان نے بھی انہیں پکارنے پر اکسایا ۔ چنانچہ شیطان کے کہنے پر انہوں نے حضرت خالد بن سنان کو پکارا ۔ آپ باہر تشریف لائے لیکن سر پر زخم تھا، فرمایا : یہ تمہارے جلد تر بلانے کی نحوست ہے اگر تم جلد تر نہ بلاتے تو میں یہ صدمہ نہ دیکھتا، تم نے مجھے اور میری وصیت کو ضائع کر دیا لیکن یاد رکھو کہ اب میں مر جاؤں گا مجھے قبر میں دفن کر دینا لیکن چالیس دن تک میری قبر کی نگرانی کرنا ۔ چالیسویں دن میری قبر پر بکریوں کا ایک ریوڑ آئے گا اُن کے آگے ایک کان کٹا گدھا ہو گا، جب دیکھو کہ وہ میری قبر پر آ گیا ہے تو تم میری قبر کو کھودنا ۔ میں تمہیں قبر کے تمام حالات منکشف

marfat.ocm

کروں گا۔ تمہیں اُن کے متعلق ایسا یقین ہو جائے گا گویا تم نے خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت خالد کے مزار پر چالیس ایام تک پہرہ دیا یہاں تک کہ چالیسویں دن وہی بکریوں کا ریوڑ آ پہنچا اور اُن کے آگے آگے وہی کان کٹا گدھا بھی تھا اور وُہ گدھا آ کر آپ کے مزار کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اہلِ ایمان نے چاہا کہ آپ کے مزار کو آپ کے حکم کے مطابق کھود دیں لیکن آپ کی اولاد کو جاہلیت کی عار آڑے آئی اور مزار کو کھودنے نہ دیا اور کہا کہ ہمیں لوگ کہیں گے کہ قبر کھودے ہُوئے کی اولاد ہیں اس طرح سے آپ کی دوسری وصیت کے بھی خلاف کیا اور آپ کے ارشاداتِ گرامی کے استفادہ سے محروم ہو گئے۔

حدیث وحکایت

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت خالد بن سنان علیٰ نبینا وعلیہ السلام کی صاحبزادی حاضر ہُوئی تو آپ نے فرمایا: مرحبا (خوش آمدید) یہ ایک نبی کی صاحبزادی ہے جس کی قوم ان کے استفادہ و استفاضہ سے محروم ہُوئی۔

سوال: حضرت خالد بن سنان علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے یہ حکم کیوں دیا کہ اُن کی قبر کھودیں تاکہ وہ انہیں برزخ (قبر) کے حالات سے آگاہ کریں۔

جواب: (۱) تاکہ عوام کو حضرات انبیاء علیہم السلام کے ارشادات پر یقین ہو کہ جو کچھ وُہ قبر کے ثواب و عذاب کو حق فرما گئے وہ یقیناً حق ہیں۔

(۲) حضرت خالد علیٰ نبینا وعلیہ السلام کی اصل غرض یہ تھی کہ دنیا کے باشی انبیاء علیہم السلام کے تمام احکام کو حق مان کر ایمان لائیں اور اُن پر ثابت قدم رہیں بالخصوص قبر کے حالات کہ وُہ ان کی آنکھوں سے اوجھل ہیں لیکن جب انبیاء علیہم السلام نے بتائے ہیں تو اُن دیکھی بات پر یقین کر لیں۔ اس طرح وُہ اہلِ دنیا پر رحمت کرنا چاہتے تھے۔

ف: اس سے ثابت ہُوا کہ انہیں حضور علیہ السلام کے زمانہ کے قُرب کا شرف نصیب ہوا۔

ف: اس سے یہ بھی معلوم ہُوا کہ وہ دنیا داروں کے لیے رحمت ہی رحمت تھے۔

ف: نیز یہ بھی واضح ہُوا کہ وہ نبی یا رسول نہیں تھے البتہ وہ اپنی اس کارگزاری سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تائید کر کے اپنا مرتبہ بڑھانا چاہتے تھے ورنہ وہ تبلیغ احکام کے لیے مامور من اللہ نہ تھے نیز ان کا یہ ارادہ تھا کہ برزخ کے حالات بتا کر مقامِ رسالت سے کچھ حصہ لے لیں تاکہ مخلوق اس عقیدہ میں معلومات حاصل کر کے اپنے عقائد میں پختگی حاصل کرے۔ لیکن آپ کی قوم آپ کے علوم و فیوض سے محروم ہو گئی۔

سوال: اگر خالد بن سنان نبی نہیں تھے تو حضور علیہ السلام نے انہیں وصفِ نبوت سے کیوں سرفراز فرمایا

marfat.ocm

قال اضلعوا انبیهم الخ۔

واب : نبی بایں معنی کہ وہ پیغامات نبی سے اپنی قوم کو مستفیض و مستفید فرمانا چاہتے تھے۔ ان کی قوم محروم ہی۔ ان کی اس پیغام رسانی کی بناء پر انہیں نبی کے لفظ سے موصوف فرمایا۔ کذا فی الفصوص و شروحہ۔

ت : تمام علماء کا اتفاق ہے حضور علیہ السلام کی ولادت پیر کی رات دسویں ربیع الاول کو ہوئی اور عام الفیل ہی سال تھا جب آپ کا ظہور ہوا۔ تمام کائنات آپ کے ظہور سے فیضیاب ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق انسانی کے قلوب منور ہوئے۔ پھر جسے ہدایت نصیب ہوئی وہ خوش قسمت ہوا، اور جس نے آپ سے منہ پھیرا وہ گمراہ ہوگیا ؎

در کارخانۂ عشق از کفر ناگزیر ست
آتش کرا بسوزد گر بولہب نباشد

ترجمہ : عشق کے کارخانہ میں کفر ناگزیر ہے، اگر ابولہب نہ ہو تو آگ کسے جلائے گی۔

سوال : آیۃ ہذا میں اللہ تعالیٰ نے حضور نبی علیہ السلام کو اپنی طرف مضاف فرمایا کما قال رسولنا الخ۔

جواب : چونکہ یہاں پر رسالت کا فائدہ قوم کی طرف راجع نہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف مضاف فرمایا مگر جب اس کا فائدہ قوم کی طرف راجع ہونا مطلوب تھا تو فرمایا لقد جاءکم رسول من انفسکم الخ۔ اس لئے کہ اس مقام پر رسالت کا فائدہ انہی کی طرف راجع ہے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

سبق مومن پر لازم ہے کہ وہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلے اور ہر وقت وعدہ وعید پر نگاہ رکھے اس لیے کہ وہ بشیر و نذیر بن کر تشریف لائے ہیں۔ پھر کل قیامت میں کسی طرح کا عذر قابلِ قبول نہ ہوگا۔

حدیث شریف حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ہم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جحفہ میں جمع تھے تو فرمایا، "کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، اور یہ بھی مانتے ہو کہ قرآن (پاک) اللہ تعالیٰ سے نازل ہوا ہے" سب نے کہا : ہاں، ہم سب کا ایمان ہے۔ آپ نے فرمایا : تو تمہیں مبارک ہو اس لیے کہ قرآنِ پاک کا ایک کنارہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ہاتھ میں ہے تمہیں لازم ہے کہ تم اس قرآن پاک کا دامن خوب تھامو، اس طرح سے نہ تم ہلاک ہو گے نہ گمراہ ہو گے۔

marfat.ocm

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَٰقَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ

اور جب موسیٰ نے کہا اپنی قوم سے اے میری قوم اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو کہ تم میں

جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا وَآتَاكُمْ مَا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِنَ

سے پیغمبر کیے اور تمہیں بادشاہ کیا اور تمہیں وہ دیا جو آج سارے جہان میں کسی کو

الْعَٰلَمِينَ ⑳ يَٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا

نہ دیا اے قوم اس پاک زمین میں داخل ہو جو اللہ نے تمہارے لیے لکھی ہے اور پیچھے

تَرْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خَٰسِرِينَ ㉑ قَالُوا يَٰمُوسَىٰ إِنَّ فِيهَا قَوْمًا

نہ پلٹو کہ نقصان پر پلٹو گے بولے اے موسیٰ اس میں تو بڑے زبردست

جَبَّارِينَ وَإِنَّا لَنْ نَدْخُلَهَا حَتَّىٰ يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا

لوگ ہیں اور ہم اس میں ہرگز داخل نہ ہوں گے جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں ہاں وہ وہاں سے نکل جائیں

فَإِنَّا دَٰخِلُونَ ㉒ قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمَا

تو ہم وہاں جائیں دو مرد کہ اللہ سے ڈرنے والوں میں سے تھے اللہ نے انہیں نوازا

ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِنَّكُمْ غَٰلِبُونَ وَعَلَى اللَّهِ

بولے کہ زبردستی دروازے میں ان پر داخل ہو اگر تم دروازے میں داخل ہو گئے تو تمہارا ہی غلبہ ہے اور اللہ ہی پر بھروسہ

فَتَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ㉓ قَالُوا يَٰمُوسَىٰ إِنَّا لَنْ نَدْخُلَهَا

کرو اگر تمہیں ایمان ہے بولے اے موسیٰ ہم تو وہاں کبھی نہ جائیں گے جب تک

أَبَدًا مَا دَامُوا فِيهَا فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَٰتِلَا إِنَّا هَٰهُنَا قَٰعِدُونَ ㉔

وہ وہاں ہیں تو آپ جائیے اور آپ کا رب تم دونوں لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں

قَالَ رَبِّ إِنِّي لَا أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِي وَأَخِي فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ

موسیٰ نے عرض کی کہ اے رب میرے مجھے اختیار نہیں مگر اپنا اور اپنے بھائی کا تو تو ہم کو ان بے حکموں سے جدا

الْفَٰسِقِينَ ㉕ قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً يَتِيهُونَ فِي

رکھ فرمایا تو وہ زمین ان پر حرام ہے چالیس برس تک بھٹکتے پھریں زمین

الْأَرْضِ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفَٰسِقِينَ ㉖

میں تو تم ان بے حکموں کا افسوس نہ کھاؤ

marfat.ocm

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ اے میرے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ
اے قوم تم اللہ تعالیٰ کے انعام یاد کرو اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ جبکہ تمہاری برادری
تعالیٰ نے اپنے انبیاء پیدا فرمائے تاکہ تم میں لائے تمہیں راہ حق بتایا اور تم اسی کی وجہ سے عوام میں معزز
ہو عالم دنیا میں یہ شرف صرف بنی اسرائیل کو نصیب ہوا کہ انہیں میں بکثرت انبیاء پیدا ہوئے۔

جس برادری میں انبیاء کا پیدا ہونا اس کی قوم کی بہت بڑی شرافت و بزرگی ہے، اور نبوت کی شرافت
اور ان کی بزرگی ہوگی وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا اور تمہاری برادری اور قوم سے ہی بادشاہ ہوئے
کہ انبیاء علیہم السلام کی طرح ان میں بادشاہ بھی بہت پیدا ہوئے۔ بادشاہت بھی منت و احسان
ہے کہ بادشاہوں کی برادری کے لوگ دوسروں پر فخر و ناز سے کہتے ہیں کہ ہم تو بادشاہ ہیں۔

حضرت حسن فرماتے ہیں کہ یہاں پر مُلُوْكًا بمعنی احرار آیا ہے۔ یعنی فرعون کی شاہی میں تم
کے غلام تھے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمہیں آزاد و خود مختار بنایا حالانکہ اس سے قبل قبطیوں کے
انہیں بیگار لیا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ مُلُوْكًا بمعنی اصحاب خدم وحشم ہیں،
سب سے پہلے انہوں نے اپنے لیے خدام اور نوکر مقرر کیے۔ ورنہ ان سے پہلے یہ رسم نہ تھی۔
بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ملوک سے وہ لوگ مراد ہیں جو آراستہ محلات و بلند بنگلوں والے ہوں
مکان اور مسکن و فراخ جائیں اور ان کے خدام بھی ہوں جن سے وہ خدمت کرائیں۔ اور ان اشخاص کو بھی
ملوک کہا جاتا ہے کہ جن کی بہت بڑی کوٹھیاں ہوں کہ ان میں باغات لگے ہوں اور ان میں ہر وقت پانی
جاری رہتا ہو۔

وَاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ اور تمہیں وہ نعمتیں بخشیں جو دنیا میں اور
کسی کو نصیب نہ ہوئیں۔ مثلاً دریا کا پھٹ کر راستہ دے دینا۔ تمہارے دشمنوں کا ڈوب کر مرجانا،
تمہارے سروں پر بادل کا سایہ کرنا، مَن و سلویٰ کا نزول، اور دیگر وہ بڑے بڑے امور اللہ تعالیٰ نے
تمہیں عطا فرمائے۔

ف: العٰلمین سے ان کے زمانہ سے پہلے گزر جانے والے لوگ مراد ہیں۔

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ اے میری قوم اس مقدس زمین میں داخل ہو جاؤ۔
سے بیت المقدس مراد ہے۔ اسے مقدس اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ زمین شرک سے پاک تھی، اور

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ **وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ** اے میرے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یاد کرو جبکہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا **يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ** اے قوم تم اللہ تعالیٰ کے انعام یاد کرو **اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ** جبکہ تمہاری برادری سے ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء پیدا فرمائے۔ انہوں نے تمہیں راہِ حق بتایا اور تم ان کی وجہ سے عوام میں معزز مکرم سمجھے جاتے ہو۔ عالمِ دنیا میں یہ شرف صرف بنی اسرائیل کو نصیب ہوا کہ اُنہیں میں بکثرت انبیاء پیدا ہوئے۔ اور قاعدہ ہے کہ برادری میں انبیاء کا پیدا ہونا ان کی قوم کی بہت بڑی شرافت و بزرگی ہے، اور نبوت کی شرافت سے بڑھ کر اور کون سی بزرگی ہوگی **وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا** اور تمہاری برادری اور قوم سے ہی بادشاہ ہوئے اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کی طرح ان میں بادشاہ بھی بہت پیدا ہوئے۔ بادشاہت بھی منّت و احسان ہے اس لیے کہ بادشاہوں کی برادری کے لوگ دوسروں پر فخر و ناز سے کہتے ہیں کہ ہم تو بادشاہ ہیں۔

ف : حضرت سدی فرماتے ہیں کہ یہاں پر ملوکًا بمعنے احرار آیا ہے۔ یعنی فرعون کی شاہی میں تم قبطیوں کے غلام تھے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمہیں آزاد و خود مختار بنایا حالانکہ اس سے قبل قبطیوں کے ابع ہوکر انہیں جزیہ ادا کرتے تھے۔

ف : حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ملوکًا بمعنے اصحاب خدم وحشم ہیں، س لیے کہ سب سے پہلے انہوں نے اپنے لیے خدام اور نوکر مقرر کئے۔ ورنہ ان سے پہلے یہ رسم نہ تھی۔

ف : بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ملوك سے وہ لوگ مراد ہیں جو آراستہ محلات و بلڈنگوں والے ہوں رہ وہاں آکر سکون و قرار پائیں اور ان کے خدّام بھی ہوں جن سے وہ خدمت کرائیں۔ اور ان اشخاص کو بھی ملوك کہا جاتا ہے کہ جن کی بہت بڑی کوٹھیاں ہوں کہ ان میں باغات لگے ہوں اور ان میں ہر وقت پانی اری رہتا ہو۔

وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ اور تمہیں وہ نعمتیں بخشیں جو دنیا میں اور سی کو نصیب نہ ہوئیں۔ مثلاً دریا کا پھٹ کر راستہ دے دینا۔ تمہارے دشمنوں کا ڈوب کر مرجانا، رتمہارے سروں پر بادل کا سایہ کرنا، مَن و سلوٰی کا نزول۔ اور دیگر وُہ بڑے بڑے امور اللہ تعالیٰ نے رف تمہیں عطا فرمائے۔

ف : العلمین سے ان کے زمانہ سے پہلے گزر جانے والے لوگ مراد ہیں۔

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ اے میری قوم اس مقدس زمین میں داخل ہوجاؤ۔ ن سے بیت المقدس مراد ہے۔ اسے مقدس اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ زمین شرک سے پاک تھی، اور

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام و اولیاء کرام کی قیام گاہیں وہیں پر ہیں الَّتِیْ کَتَبَ اللّٰہُ لَکُمْ اللہ نے تمہارے لیے فرض فرمایا ہے یعنی لوحِ محفوظ میں پہلے لکھ دیا تھا کہ اگر تم ایمان لاؤ اور اطاعت کرو تو وہ تمہا مسکن رہے گی۔ چنانچہ آیت محرمۃ علیہم سے ثابت ہوتا ہے کہ جب انہوں نے نافرمانی شروع کی تو پھر انہیں وہاں سے نکال دیا اور پھر وہاں کا داخلہ اُن کے لیے حرام فرمایا وَلَا تَرْتَدُّوْا اور نہ لوٹو عَلٰی اَدْبَارِکُمْ اپنے گنوں پر، یعنی جبابرہ کے خوف سے وہاں جانے سے پیچھے نہ ہٹو کہ اس طرح سے نافرمانوں میں ہو جاؤ گے۔

ف: یہ لا ترتدوا کے فاعل سے حال ہے اور یہ بھی ہے کہ یہ اس کے متعلق ہو۔ یعنی اللہ تعا کی نافرمانی کر کے پیچھے نہ ہٹ جاؤ۔

فَتَنْقَلِبُوْا پس جب تم لوٹو گے تو تمہارا حال یہ ہو گا خٰسِرِیْنَ کہ تم خسارہ والے ہو گے۔ یع تم ثوابِ دارین سے محروم ہو جاؤ گے قَالُوْا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اوامر و نواہی سنانے پر بے کے طور پر کہا یٰمُوْسٰٓی اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ اے موسیٰ علیہ السلام وہاں تو بہت بڑ سرکش قوم بستی ہے۔ یعنی وہ ایسے قوت والے ہیں کہ ان کا مقابلہ ناممکن ہے۔ دراصل جبار ا کہتے ہیں جو تمام لوگوں پر غلبہ رکھتا ہو اور وہ اپنی مرضی سے ان سے جس طرح چاہے کام لے۔ اسی ط جبار العالی بھی وہی ہے جو کسی پر غلبہ پا کر اپنی مَن مانی کرے۔

ف: ان کے اس انکار کی وجہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ برادری کے بارہ۱۲ نمائندے جبابرہ کے حالا کو دیکھ کر سخت مرعوب ہوئے اور واپس جا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اُن کی قوت و شوکت کا حال کہ وہ بڑے قد آور اور جسیم ہیں۔ ہمارا ایک آدمی تو ان کے قدموں کے برابر نہیں، یعنی ہم بالکل ضعیف و نحی اور چھوٹے قد والے ہیں اور وہ بہت بڑے، طویل القامت اور جسیم۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرما اسے تم اپنے تک محدود رکھنا، کسی کو نہ بتانا کہ وہ کون ہیں کیا ہیں اور کس طرح ہیں لیکن وہ چونکہ آنکھوں سے مش کر چکے تھے اس لیے سخت گھبرائے ہوئے تھے۔ اور اپنی برادری کو بھی ان کے حالات سے آگاہ کر دیا۔ صرف بزرگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ارشاد گرامی پر عمل کیا کہ کسی کو کوئی بات نہ بتائی، ان میں ایک یوشع بن ن افرائیم بن یوسف علیہ السلام، دوسرے کالب بن یوقنا جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بہنوئی تھے اس لیے کہ بی بی مریم بنت عمران کے شوہر گرامی تھے اور وہ یہودا کی اولاد سے تھے۔ بہرحال دیگر سب نے بنی اسرائیل کو ج کے متعلق سب کچھ بتا دیا تھا اس لیے سب نے یہی کہا کہ بیت المقدس میں تو بہت سرکش لوگ رہتے ہیں۔

وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰی یَخْرُجُوْا مِنْهَا اور ہم خود بخود تو اس میں ہرگز داخل نہیں

marfat.ocm

اس لیے کہ ہمیں ان کے نکالنے کی طاقت نہیں فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا ہاں اگر وہ کسی سبب سے یہاں سے ئیں کہ ان کے نکالنے میں ہمارا کسی قسم کا دخل نہ ہو فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ان کے نکل جانے کے بعد ہم خل ہوں گے قَالَ رَجُلَانِ یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس انکار میں سب متفق ے یا کوئی ان میں موسیٰ علیہ السلام کی حامی بھرنے والا تھا؟ جواب میں فرمایا کہ ان میں دو مردوں نے کہا یوشع اور کالب تھے مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ یعنی وہ دونوں ان لوگوں میں سے تھے جو دشمن سے نہیں صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے، اور انہیں خوف تھا کہ ہم کہیں اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کے مخالف نہ ہو جائیں۔ یہ رَجُلَانِ کی صفت ہے اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ان پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا کہ انہیں ثابت قدم رکھا اور انہیں شانِ الوہیت کی معرفت عنایت ہوئی اور انہیں اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر پورا بھروسہ تھا۔ یہ رَجُلَانِ کی دوسری صفت ہے اُدْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ان پر دروازہ سے داخل ہو جاؤ۔ دروازہ سے جبارہ کے شہر کا دروازہ مراد ہے اور وہ وہی اریحا ہے۔ علیہم پر تقدیم اہتمام کے لیے ہے کہ ذوالحال دروازہ ہے اس لیے کہ جبارہ تک پہنچنا اسی دروازہ سے ہوگا فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ بے شک تم ہی غلبہ پاؤ گے جنگ کرنے کی نوبت نہیں آئے گی اس لیے کہ ہم نے انہیں غور و خوض سے دیکھا کہ وہ دل کے نہایت ہی کمزور ہیں اگرچہ جسموں کے لحاظ سے موٹے ہیں ان سے بالکل نہ گھبراؤ بلکہ اُن پر تنگ راستوں میں حملہ کر دو کہ اس طرح سے انہیں بچ نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہو سکے گی وَعَلَى اللّٰهِ اور صرف اللہ تعالیٰ پر فَتَوَكَّلُوْٓا اسباب جنگی تیار کرکے صرف اسی اللہ تعالیٰ پر سہارا کرو، باقی تمام اعتمادات ختم کرو اس لیے کہ دوسرے تمام اسباب میں کسی قسم کی تاثیر نہیں کچھ فتح و نصرت ہوگی تو اللہ تعالیٰ سے ہوگی اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اگر تم مومن ہو۔ یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ کے وعدہ کی تصدیق کرتے ہو تو اس کا تقاضا یہی ہے کہ اس پر لازماً توکل کرو قَالُوْا ان دونوں مذکوروں کی بات کی پروا کیے بغیر اپنی بات پر اصرار کرتے ہوئے کہنے لگے یٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اے موسیٰ ہم تو جبارہ کے شہر میں ہرگز داخل نہیں ہوں گے اَبَدًا ہمیشہ تک یعنی بہت عرصہ دراز تک مَّا دَامُوْا فِيْهَا جب تک وہ اس میں ٹھہرے رہیں گے یہ ابدا سے بدل البعض واقع ہوا ہے اس لیے کہ ابداً غیر منتہی زمانہ کا مقتضی ہے اور جبارہ کا بیت المقدس میں رہنا اس کا بعض حصہ ہے فَاذْهَبْ یہ فاء فصیحہ ہے یعنی جب ہماری یہ بات ہے تو تم جاؤ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اور تمہارا رب جائے اور تم دونوں جاکر لڑو۔ یہ بات انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے استہزار اور اہانت کے طور کہی، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کی قدر و منزلت اُن کے دلوں سے

marfat.ocm

اُٹھ گئی تھی۔ اس کا حقیقی معنیٰ اُن کی مراد ہرگز نہیں تھی اس لیے کہ سوائے مجسمہ فرقہ کے باقی کسی سے ثابت نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے جسم ثابت کرتے، اور جانا آنا جسمانیت کو مستلزم ہے جس سے معلوم ہُوا کہ انہوں نے حقیقی معنیٰ مراد نہیں لیا تھا بلکہ استہزاء اور اہانت کی إِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ہم تو یہاں بیٹھے رہیں گے قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے جب ان سے یہ سرکشی اور ہٹ دھرمی دیکھی تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں رقیق القلب ہو کر نہایت ہی حزیں و غمگین ہو کر عرض کیا اس طرح سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش آتا اور بندے کو جلد تر فتح و نصرت نصیب ہو جاتی ہے رَبِّ إِنِّيْ لَآ أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِيْ وَأَخِيْ اے میرے رب اب تو صرف میں اپنا اور اپنے بھائی کے لیے دم بھر سکتا ہوں کہ صرف ہم دو ہی آپ کے ارشاد کی تعمیل کیلئے حاضر ہیں فَافْرُقْ بَيْنَنَا اس سے موسیٰ علیہ السلام نے اپنا اور اپنے بھائی کا ارادہ فرمایا۔ اور فاء ترتیب کے لیے ہے اور دُعا کا اصلی منشاء وہی مضمون سابق ہے وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ یعنی ہمارے اور فاسق قوم کے درمیان جُدائی ڈال دے جو کہ تیری اطاعت سے نکل کر نافرمانی پر ڈٹے ہوئے ہیں اب وہ کیجئے جس کے ہم مستحق ہیں اور جس کے وہ مستحق ہیں قَالَ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَإِنَّهَا وہ بیت المقدس مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ ان پر حرام ہے۔ اس سے عدم داخلہ مراد ہے نہ کہ عبادت کی حرمت کہ اب وہ بیت المقدس میں داخل ہونگے نہ اس کے مالک ہونگے۔ اس لیے کہ اس کا داخلہ اور ملکیت مشروط بالایمان والجہاد تھی جبکہ انہوں نے ایمان وجہاد سے انکار کیا، اور وعدہ خلافی کی، تو اس کے داخلہ سے محروم ہو گئے اور خائب و خاسر ہو کر لوٹے۔

أَرْبَعِيْنَ سَنَةً چالیس سال تک۔ یہ محرمة کا مفعول فیہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان پر بیت المقدس کی تحریم مؤقت تھی جس کی مدت چالیس سال تھی نہ کہ دائمی۔

سوال؛ کتب اللہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حرمت ان پر دائمی تھی۔

جواب؛ کتب اللہ سے بھی یہی مراد ہے کہ مدت مذکورہ میں ان میں کوئی بھی بیت المقدس میں داخل نہیں ہو سکے گا، اور یہ بھی معلوم ہُوا کہ اس مدت کے بعد بھی اُن کے بعض داخل ہوں گے نہ کہ تمام (اس لیے کہ اس مدت میں بعض لوگوں کو موت بھی آئیگی)

يَتِيْهُوْنَ فِي الْأَرْضِ زمین یعنی جنگل میں حیران پھرتے رہیں گے۔ محرومی کی مدت کی کیفیت بتائی گئی ہے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے فَلَا تَأْسَ غم نہ کھائیے اسیٰ بمعنے الحزن ہے۔ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن پر دُعا مانگنے سے غمگین ہُوئے کہ میں نے ان پر بد دعا کر کے اچھا نہیں کیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا ملال نہ کیجئے آپ نے جو کچھ کیا درست کیا اس لیے کہ وہ اس کے مستحق تھے کہ وہ اس فسق کی سزا میں چالیس سال تک جنگل میں حیران پھرتے رہیں۔

مروی ہے کہ چھ سو جنگی تھا اور حیران پھرنے کا جنگل میں اٹھارہ میل کا احاطہ تھا سارا دن چلتے رہتے تھے کی منزل کا ارادہ کرتے لیکن جہاں سے کل چل کر روانہ ہوئے تھے آج بھی ان کے لیے وہی کل والی ودی یعنی تیلی کے بیل کی طرح ان کی منزل کی کوئی انتہا نہ تھی۔ سورج کی گرمی سے ان کے سروں پر بادل سایہ تا اور رات کے وقت ان کے لیے ان کے ایک ستون روشن ہوتا تھا اور کھانے پینے کے لیے ان وسلوی اترتا تھا اس سفر میں ان کے بال بھی نہیں بڑھتے تھے اور ان کا کوئی بچہ پیدا ہوتا تو اس پر ناخن ایک کپڑا ہوتا تھا جو اس بچے کے قد کے مطابق ہوتا تھا اور ان کے لیے پانی انہی پتھروں سے نکلتا تھا اپنے ساتھ اٹھائے پھرتے تھے باوجودیکہ سزا یافتہ تھے لیکن ان پر انعامات بھی تھے اس لیے کہ بطور ادب نے کے تھا، نہ کہ بطور سزا کے۔

ت : بعض روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ و ہارون علیٰ نبینا وعلیہما السلام بھی ساتھ تھے، لیکن ان کے لیے وسعت و فرحت تھی اور دوسروں کے لیے سزا جیسے ابراہیم علیہ السلام کے لیے نار گلزار اور سلامتی و راحت و سرور بن گئی اور دوسروں کی نظروں میں وہ آگ تھی۔

جوبہ حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام بنو اسرائیل کی نحوست سے اُن کے ساتھ چالیس سال جنگل میں رہے اور بنو اسرائیل حضرت موسیٰ و حضرت علیہما السلام کی برکت سے بادلوں نے سایہ کئے ن پر من و سلوی نازل ہوا تاکہ واضح ہو جائے کہ بزرگوں کی صحبت میں کیا برکت ہوتی ہے، اور بدبختوں کی حبت میں کتنی نحوست (کذا فی التاویلات)

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

ملول ہمرہاں بودن طریق کاردانی نیست
بکش دشواریٔ منزل بیاد عہد آسانی

ترجمہ: رفقاء کے ساتھ ملال سے سفر کرنا اچھا کام نہیں عہد کی یاد سے دشوار راہ بھی آسانی سے طے ہوتے ہیں۔

اقعہ فتح بیت المقدس

مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس سال کے بعد اس جنگل سے بیت المقدس کو روانہ ہوئے۔ لشکر جتنا باقی رہا وہ بھی آپ کے ساتھ تھا۔ حضرت یوشع بن نون آپ کے لشکر کے آگے آگے تھے اور جاتے ہی جابرہ سے جنگ چھیڑ دی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع کو فتح عطا فرمائی پھر وہ اپنی باقیماندہ زندگی گزار کر فوت ہوئے ان کا مزار تا حال مخفی ہے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ یہی زیادہ صحیح ہے۔

marfat.ocm

ف : عوج بن عنق کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قتل کیا۔ اسی پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔

حضرت ہارون علیہ السلام کے وصال کا واقعہ

حضرت سُدی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہارون علیہ السلام کی وفات کے متعلق موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ میں ہارون پر موت طاری کرنا چاہتا ہُوں فلہٰذا انہیں فلاں پہاڑ پر لائیے۔ حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام دونوں پہاڑ کی طرف چل پڑے، وہاں پہاڑ پر ایک درخت تھا کہ اس جیسا نہ کسی نے کبھی دیکھا اور نہ کوئی درخت اس جیسا پیدا ہوا، نیچے ایک بہترین کوٹھی تھی جس میں ایک عجیب پلنگ بچھا ہوا تھا، اس پر ایک عجیب بستر تھا اس میں سے بہت خوشبو آرہی تھی۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے اسے دیکھ کر بہت پسند کیا اور کہا میرا جی چاہتا ہے کہ میں اس پلنگ پر تھوڑی دیر کے لیے سو جاؤں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، سو جائیے۔ جب ہارون علیہ السلام اس پلنگ پر سوئے تو آپ کے پاس ایک فرشتہ آسمان سے اُترا اور رُوح قبض کرنے لگا۔ جب ہارون علیہ السلام کی رُوح قبض کر لی گئی تو نہ وہ گھر رہا نہ وہ درخت جس تخت پر حضرت ہارون علیہ السلام آرام فرما رہے تھے وہ آسمان کی طرف اُٹھایا گیا۔ جب موسیٰ علیہ السلام بنو اسرائیل کے ہاں اکیلے واپس تشریف لائے تو سب نے کہا کہ آپ نے بر بنائے حسد ہارون علیہ السلام کو قتل کر دیا ہے اس لیے کہ وہ ہماری طرفداری کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا: بے وقوفو! وہ میرے بھائی تھے، کیا تم سمجھتے ہو کہ میں انہیں قتل کر دوں گا۔ سب نے کہا، ہمارا تو ایسا ہی گمان ہے۔ اور اسی پر بضد ہوئے۔ آپ نے دوگانہ پڑھا اور دُعا مانگی تو آسمان سے ہارون علیہ السلام کا تخت اترا، جس سے انھیں تصدیق ہُوئی۔

ف : حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ موسیٰ و ہارون علیہما السلام پہاڑ پر چڑھے تو وہاں پہ ہارون علیہ السلام فوت ہو گئے۔ موسیٰ علیہ السلام بنو اسرائیل کے ہاں واپس آئے تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام پر الزام لگایا کہ آپ نے ہارون علیہ السلام کو قتل کر دیا ہے۔ اس پر آپ کو بنی اسرائیل نے بہت زیادہ ستایا۔ آپ نے دُعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ ہارون علیہ السلام کا تخت اُٹھا کر بنی اسرائیل کے سامنے لے چلیں اور فرشتے ان کے سامنے بولیں کہ اس میں موسیٰ علیہ السلام کا کوئی قصور نہیں۔ اس سے بنی اسرائیل کو یقین ہو گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بے قصور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برأت فرمائی۔ پھر ہارون علیہ السلام کو ملائکہ نے ایک جگہ دفنا دیا۔ آپ کے مزار کا علم سوائے رخم یا فی کے کسی کو نہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ اسے گونگا بہرہ بنا دیا۔

marfat.ocm

ـت ہارون علیہ السلام کو ـوسیٰ علیہ السلام نے زندہ کیا

حضرت عمرو بن میمون سے مروی ہے کہ ہارون و موسیٰ علیہما السلام جنگل میں فوت ہوئے لیکن ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے پہلے فوت ہوئے۔ دراصل وہ دونوں اکٹھے غاروں کی طرف ـت۔ ہارون علیہ السلام پر موت واقع ہوئی، موسیٰ علیہ السلام نے اسے دفنا دیا اور اکیلے بنی اسرائیل کے ـت واپس آئے تو سب نے آپ پر الزام لگایا کہ آپ نے ہی انہیں قتل کیا ہے اس لیے کہ وہ ہماری طرفداری ـتے۔ آپ کو اس کا دکھ ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں روئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ان سب کو ـعلیہ السلام کے مزار پر لے جائیے ان کی تسلی ہو جائے گی۔ آپ ان کو ہارون علیہ السلام کے مزار پر ـے اور مزار پر کھڑے ہو کر کہا، اے ہارون (علیہ السلام)۔ یہ سنتے ہی ہارون علیہ السلام مزار سے ـاڑتے ہوئے باہر تشریف لے آئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، اپنے مزار میں واپس تشریف ـائیے۔ یہ دیکھ کر بنی اسرائیل واپس چلے گئے۔

ـرت موسیٰ علیہ السلام کے وصال کا واقعہ

ابن اسحاق نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیارے اور محبوب تھے اور انہیں موت ناگوار تھی ـیکے کہ موت کوئی سخت معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ انہیں موت سے محبت ہو جائے اس لیے حضرت یوشع ـنبوت کی خبر دی گئی، اور وہ روزانہ صبح و شام موسیٰ علیہ السلام کے ہاں حاضر ہوتے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ـع سے پوچھا، بتائیے آپ کے ہاں اللہ تعالیٰ کی وحی آتی ہے، اس کا مضمون کیا کیا ہے؟ یوشع نے عرض ـ میں نے آپ کے ہاں عرصہ دراز بسر کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو کچھ عنایت فرمایا میں نے اسے کبھی نہیں ـچھا بلکہ آپ خود ہی بیان کرتے ہیں میں بھی اپنی بات ابھی آپ کو نہیں بتاتا۔ اس لیے اب موسیٰ علیہ السلام کو ـندہ رہنا پسند نہ آیا اور چاہتے کہ موت آجائے۔

ـزرائیل علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تھپڑ مارنے کا واقعہ

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت عزرائیل ـیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بلاتا ہے۔ موسیٰ ـیہ السلام نے اسے ایسا تھپڑ مارا کہ اس کی آنکھ نکال دی۔ چنانچہ عزرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ہاں ـضر ہوئے اور عرض کی، یا اللہ! آپ نے مجھے ایسے بندے کی طرف بھیجا جو موت چاہتا ہی نہیں، الٹا تھپڑ ـکر میری آنکھ نکال دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے آنکھ لوٹا دی اور فرمایا، واپس جا کر میرے بندے ـے عرض کیجیے کہ آپ اگر زندہ رہنا چاہتے ہیں تو بیل کی پیٹھ پر ہاتھ رکھئے جتنے بال آپ کے ہاتھ کے نیچے

marfat.ocm

نیچے آئیں گے اتنے سال آپ کو عمر عطا کی جائیگی۔ عزرائیل نے کہا: پھر موت تو ضرور آئے گی۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، تو پھر ابھی جان لے لیجئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ سے عرض کی، اے الٰہ العالمین! مجھے ارضِ مقدسہ کے تیر پھینکنے کی مقدار قریب کر دے۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا اور آپ کا وصال ہو گیا۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر میں وہاں ہوتا تو میں کثیب احمر کے نزدیک بجانب شارع عام اُن کا مزار دکھاتا۔

اہلِ بدعت کی علامت اور وہابیت کا رد

حضرت محمد بن یحییٰ فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کا عزرائیل علیہ السلام کی آنکھ نکالنے کا واقعہ صحیح حدیث شریف سے ثابت ہے اس کا انکار صرف بدعتی کرتے ہیں[1] (کذا فی تفسیر الثعلبی)۔

حدیث شریف: ایک اور حدیث شریف میں ہے،

ان ملك الموت كان يأتی الناس عيانا	ملک الموت رُوح قبض کرنے کے لیے کھلم کھلا
حتی اتی موسی ليقبضه فلطمه ففقأ	تشریف لاتے، ایسے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام
عينه فجاء ملك الموت بعد ذلك	کے ہاں حاضر ہوئے لیکن جب سے انہوں نے
خفية۔	ان کی آنکھ نکالی تو اب پوشیدہ طور پر رُوح
	نکالنے کے لیے تشریف لاتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک عجیب واقعہ

حضرت وہب سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی ضرورت کی وجہ سے گھر سے باہر تشریف لے گئے، دیکھا کہ ملائکہ کرام ایک قبر کھود رہے ہیں۔ آپ نے اس جیسا منظر پہلے کبھی نہ دیکھا تھا اس لیے کہ انہیں اس قبر کے اندر سے بہترین باغات اور سبزیاں اور رونقیں نظر آئیں۔ آپ نے ملائکہ کرام سے پُوچھا کہ یہ قبر کس کے لیے کھودی جا رہی ہے؟ ملائکہ نے عرض کی، ایسے نیک بندے کے لیے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا مرتبہ رکھتا ہے۔ آپ نے فرمایا، پھر وُہ کتنا خوش نصیب ہوگا جسے ایسے حسین منظر میں رہنا نصیب ہوگا۔ ملائکہ کرام نے عرض کی: آپ چاہیں تو آپ کو ہی یہ منظر نصیب ہو۔ آپ نے فرمایا: میں تو چاہتا ہُوں۔ ملائکہ کرام نے عرض کی، تو پھر تشریف لائیے اور اس میں لیٹ جائیے اور اپنے رب تعالیٰ سے عرض کیجئے تاکہ

---

[1] ہم نے تجربہ کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعہ کا دیوبندیہ انکار کر جاتے ہیں۔ حقیقۃً بدعتی فرقہ دورِ حاضرہ میں یہی ہیں ۱۲ اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

کی رُوح قبض فرمالے اور آپ کو یہیں جگہ دے دے۔ چنانچہ آپ اس قبر کے اندر تشریف لے گئے اور بمجرد
نے کے چند سانس نکلے اور آسانی سے رُوح پرواز کر گئی، اس کے بعد ملائکرام نے آپ کی قبر کے اوپر مٹی

بعض روایات میں ہے کہ عزرائیل علیہ السلام آپ کے ہاں بہشت کا ایک خوشبودار پھول لائے
آپ نے سُونگھا تو رُوح پرواز کر گئی۔

حضرت یُوشع کی نبوت کا واقعہ

مروی ہے کہ حضرت یُوشع علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو خواب میں دیکھا آپ نے اُن سے پُوچھا کہ موت کی کیفیت کیسی ہے؟ انہوں نے کہا، بہت سخت ہے۔ یُوں سمجھئے کہ جیسے زندہ بکری کی کھال اُتار لیجئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک سو بیس سال کی عمر میں فوت ہُوئے، اس کے چالیس سال بعد حضرت یوشع علیہ السلام کو اظہارِ نبوت کا حکم ہُوا اور ساتھ ارشاد ہُوا کہ جبارہ سے جنگ کیجئے۔ آپ نے اپنی قوم کو حکم سنایا تو بنی اسرائیل نے آپ کی تصدیق کی اور آپ کے حکم کی تابعداری کا دم بھرے۔ آپ جبارہ کی جنگ کے لیے اریحا کی طرف روانہ ہُوئے آپ کے ساتھ عہد وپیمان کا صندوق بھی تھا۔ چھ ماہ تک جبارہ کے شہر کا محاصرہ کیا۔ جب ساتواں مہینہ شروع ہُوا تو قرن پھُونکے جس سے شہر کے کنارے حرکت میں آگئے۔ اس سے شہر کی دیواریں گر پڑیں تو آپ شہر میں داخل ہو گئے اور جبارہ سے لڑائی ہوئی۔ جبارہ مارے جا رہے تھے بنی اسرائیل باوجودیکہ ان کی نسبت قد میں چھوٹے تھے لیکن ان کی گردنوں سے چمٹ جاتے۔ جتنا زور لگا کر اس کی گردن کاٹتے لیکن گردن کاٹی نہ جاتی۔ جمعہ کے دن جنگ ہُوئی شام تک لڑائی جاری رہی اُدھر سُورج ڈُوبنے کو آیا۔ ہفتہ کی شب شروع ہونے لگی لیکن جبابرہ کے کچھ آدمی باقی تھے انہیں قتل کرلیں تو مکمل فتحیابی ہو۔ اس لیے یوشع علیہ السلام نے کہا، یا اللہ! سُورج لوٹا دے۔ اُدھر سورج سے خطاب فرمایا کہ اے سُورج! تُو اپنی جگہ پر رہ تاکہ میں اللہ تعالےٰ کے دشمنوں کی پُورے طور پر بیخ کنی کر لوں۔ چنانچہ سورج گھڑی بھر ٹھہر گیا، یہاں تک کہ آپ نے جبارہ کا مکمل طور پر خاتمہ کیا۔ اُس کے بعد شام کے اکتیس بادشاہوں نے خود بخود اپنے آپ کو حضرت یُوشع کے حوالے کر دیا اس طرح پُورے ملک پر بنی اسرائیل کا قبضہ ہو گیا۔

یُوشع بن نُون کا وصال اور خیانت کی سزا

حضرت یُوشع علیہ السلام نے شام کو قبضہ کرتے ہی بنی اسرائیل کے علاقے تقسیم کر دئے اور مالِ غنیمت جمع فرمایا۔ لیکن اُن کے صدقات کو کھانے کے لیے بدستور آگ نازل ہوتی۔ آپ حیران ہُوئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارے اندر ایک بدقسمت نے خیانت کی تھی۔ اس کا ہاتھ یوشع علیہ السلام سے چمٹ گیا۔ آپ نے فرمایا، اے بدبخت!

(باقی برصفحہ ۲۰۱)

marfat.ocm

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ
اور انہیں پڑھ کر سناؤ آدم کے بیٹوں کی سچی خبر
اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ۭ
جب دونوں نے ایک ایک نیاز پیش کی تو ایک کی قبول ہوئی اور دوسرے کی نہ قبول ہوئی
قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ۭ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝٢٧ لَىِٕنْ بَسَطْتَّ
بولا قسم ہے میں تجھے قتل کردوں گا کہا اللہ اسی سے قبول کرتا ہے جسے ڈر ہے بےشک اگر تو اپنا ہاتھ
اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ
مجھ پر بڑھائے گا کہ مجھے قتل کرے تو میں اپنا ہاتھ تجھ پر نہ بڑھاؤں گا کہ تجھے قتل کروں میں اللہ سے ڈرتا ہوں
رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٢٨ اِنِّىْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْۗاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ
جو مالک ہے سارے جہان کا میں تو یہ چاہتا ہوں کہ میرا اور تیرا گناہ دونوں تیرے ہی پلہ پڑے تو تو دوزخی
وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۝٢٩ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ
ہو جائے اور بے انصافوں کی یہی سزا ہے تو اس کے نفس نے اسے بھائی کے قتل کا چاؤ دلایا تو اسے قتل کر دیا
الْخٰسِرِيْنَ ۝٣٠ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ
تو رہ گیا نقصان میں تو اللہ نے ایک کوا بھیجا زمین کریدتا کہ اسے دکھائے کیونکر اپنے بھائی کی
سَوْءَةَ اَخِيْهِ ۭ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ
لاش چھپائے بولا ہائے خرابی میں اس کوے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ میں اپنے بھائی کی
سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۝٣١ ڔ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰي بَنِيْٓ
لاش چھپاتا تو پچھتاتا رہ گیا اس سبب سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا
اِسْرَاۗءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ
کہ جس نے کوئی جان قتل کی بغیر جان کے بدلے یا زمین میں فساد کیے تو گویا اس نے سب
النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَقَدْ جَاۗءَتْهُمْ
لوگوں کو قتل کیا اور جس نے ایک جان کو جلا لیا اس نے گویا سب لوگوں کو جلا لیا اور بیشک ان کے
رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۡ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۝٣٢
پاس ہمارے رسول روشن دلیلوں کے ساتھ آئے پھر بیشک ان میں بہت اس کے بعد زمین میں زیادتی کرنے والے ہیں
اِنَّمَا جَزٰۗؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا
وہ کہ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے اور ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں ان کا

marfat.ocm

اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا

یں کیے جائیں یا سولی دیے جائیں یا ان کے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں

ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۳۳﴾

جائیں یا زمین سے دور کر دیے جائیں، یہ دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب

تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

نے توبہ کر لی اس سے پہلے کہ تم ان پر قابو پاؤ تو جان لو کہ اللہ بخشنے والا مہربان

رَّحِيْمٌ ﴿۳۴﴾

ہے

سیر صفحہ ۱۹۹)

یت سے ہم تنگ آگئے، جا کر اپنی خیانت کا تمام مال لا۔ وہ جا کر ایک بیل کے سر کے برابر سونا لایا جس پہ ت و جواہر جڑے ہوئے تھے۔ آپ نے اُسے قربان کرنے کے لیے فرمایا۔ آگ آئی اور اُس خیانتی سمیت راکھ بنا گئی۔ اس کے بعد حضرت یوشع کا وصال ہوا اور جبل افرائیم میں مدفون ہوئے۔ آپ کی عمر اس وقت چھبیس سال تھی۔ اور بنی اسرائیل میں موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد آپ نے ستائیس سال بسر کیے۔

ع جہاں اے برادر نماند بکس
دل اندر جہاں آفریں بند و بس

ترجمہ: اے بھائی! یہ جہاں کسی کے ساتھ نہ رہے گا، خالق کے ساتھ ہی وابستگی رکھ۔

سیر آیات صفحہ ۲۰۰)

یر عالمانہ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ اہل کتاب کو پڑھ کر سنائیے نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ آدم کے دو بیٹوں (ہابیل و قابیل) کا واقعہ بِالْحَقِّ جو کہ حق یعنی سچا واقعہ ہے۔

یقی بہن سے نکاح کا بیان علمائے کرام فرماتے ہیں کہ بی بی حوا بیک وقت دو بچے نر و مادہ (لڑکا اور لڑکی) جنتی تھیں، صرف شیث علیہ السلام تنہا پیدا ہوئے۔ بی بی حوا کے ہاں ایک بچہ قابیل اور اس کی بہن اقلیما پیدا ہوئے پھر ہابیل اور اس کی بہن لیوذا ہوتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ اقلیما کا نکاح ہابیل سے اور لیوذا کا نکاح قابیل سے کر دیجیے۔ یہ اس لیے کہ اس وقت سوائے ایسی صورت بنانے کے اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ چونکہ

marfat.ocm

اقلیما لیوذا کی نسبت زیادہ حسین تھی قابیل نے چاہا کہ اس سے میں خود نکاح کروں اس لیے آدم علیہ السلام سے
ناراض ہُوا اور کہا کہ یہ حکم الٰہی نہیں، آپ نے خود اپنی طرف سے فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا، تم دونوں قربانیا
پیش کرو جس کی قربانی قبول ہو جائے وہی اقلیما سے نکاح کرے۔ چنانچہ دونوں نے قربانی کی۔ ہابیل کی قربانی کو
آگ کھا گئی اور قابیل کی قربانی پڑی رہی۔ اس سے قابیل کے حسد کی آگ بھڑکی تو بھائی سے وہی سلوک کیا ج
اوپر مذکور ہُوا۔ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا اِذ ظرف ہے اور نباء کے متعلق ہے۔ قربان اس شئے کو کہ
جو اللہ تعالیٰ کے قُرب اور اس کی رضا کی خاطر خرچ کی جائے، جانور ذبح کر کے یا صدقہ کے طور کوئی اور شئے۔

سوال، قربانیاں دو تھیں لیکن یہاں واحد کا ذکر ہے۔

جواب، قربان مصدر ہے اور مصدر کا اطلاق واحد تثنیہ اور جمع سب پر برابر ہوتا ہے۔ معنیٰ یہ ہے ک
جبکہ ان دونوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربانی پیش کی تو۔

فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا ان میں سے ایک کی قربانی قبول ہُوئی۔ اس سے حضرت ہابیل
مراد ہیں۔ آپ چونکہ جانوروں والے تھے اس لیے ایک موٹا اُونٹ یا دُنبہ اور دُودھ مکھن قربانی کے طو
پر پیش کیا۔ آسمان سے دُھوئیں کے بغیر ایک سفید آگ اُتری اور اسے کھا گئی۔ لیکن ان دونوں کی قربانیوں ک
پیش کرنے پر حضرت آدم علیہ السلام نے دعا مانگی، "یا اللہ! جس کی قربانی تیرے ہاں قبول ہو اس کے لیے آگ بھ
تاکہ وہ مقبول قربانی کو کھا جائے۔" اُن کے لیے دستور بھی یہی تھا کہ قربانیوں میں سے جو قبول ہوتی اس کے لی
آگ آسمان سے اُترتی اور اُسے کھا جاتی، اور جس کی قربانی قبول نہ ہوتی تو آگ نہ اُترتی اور وہ ویسے ہی پڑی رہتی ج
پرندے اور درندے کھا جاتے۔

سوال: اس طرح سے تو تضییع مال ہے اور یہ ہر طرح ناجائز ہے پھر یہ کیسے بنا۔

جواب، چونکہ اس وقت کوئی محتاج اور فقیر نہ تھا جسے ایسی قربانی کھانا روا ہو اس لیے اس کی قبولیت کی
علامت یہی تھی کہ آگ آئے اور اُسے کھا جائے۔

اعجوبہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہابیل کی قربانی کو وہ آگ اڑا کر بہشت میں لے گ
اس کی تربیت ہوتی رہی جو پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لیے فدیہ بنی۔

وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ قابیل کی قربانی نامنظور ہُوئی، وُہ کھیتی باڑی کا کام کرتا تھا اس
اپنے مال سے گندم کے دانے قربانی کے لیے پیش کیے لیکن آگ نے اُسے چُھوا تک نہیں اس لیے کہ اس
اللہ تعالیٰ ناراض تھا، ویسے قربانی کے وقت اس کی نیت بھی خالص نہیں تھی اس لیے قربانی کے وقت
بھی گندی اور خراب گندم پیش کی۔ اس کے بعد دونوں پہاڑ سے اُترے۔ قابیل غصہ سے بھرا ہُوا تھا

marfat.ocm

اُس کی قربانی کیوں نامنظور ہوئی۔ الٹا اس کے بعد اس کے حسد کا مرض بڑھتا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام مکہ معظمہ بیت اللہ شریف کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ جب اپنے باپ کو غیب پایا تو اپنے بھائی ہابیل کو جو اس وقت بکریاں چرا رہا تھا قتل کرنے کے لیے چل گیا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قَالَ جس کی قربانی نامنظور ہوئی اُس نے کہا لَاَقْتُلَنَّکَ بخدا میں تجھے ضرور قتل کروں گا۔ ہابیل نے کہا: وہ کیوں ؟ قابیل نے کہا اس لیے کہ تیری قربانی کیوں منظور ہوئی اور میری نامنظور۔ دوسرے تُو نے میری حسین و جمیل بہن سے نکاح کیا اور مجھے تُو نے اپنی قبیح صورت اور کالی کلوٹی بہن سے بیاہ دیا۔ اب لوگوں میں مشہور ہو گیا ہے کہ تو مجھ سے افضل و اعلیٰ ہے اسی طرح سے تیری اولاد میری اولاد پر فخر کرے گی، یہ مجھ سے برداشت نہ ہو سکے گا لہٰذا میں تجھے قتل کیے بغیر نہ چھوڑوں گا۔ قَالَ اس نے کہا جس کی قربانی قبول ہو گئی تھی یعنی ہابیل نے کہا اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ اس میں میرا کیا قصور ہے اللہ تعالیٰ تو اس کی قربانی قبول کرتا ہے مِنَ الْمُتَّقِیْنَ جو متقیوں سے ہو۔ دوسروں کی قربانی اس کے ہاں نامنظور ہوتی ہے۔ قبولیت و عدمِ قبولیت تقویٰ و عدمِ تقویٰ کی وجہ سے ہوتی ہے۔

سبق اس میں اشارہ ہے کہ حقیقی تقویٰ یہی ہے کہ انسان ہر وقت خوفِ الٰہی میں رہے اور اپنی کوتاہی سے ہر وقت ڈرتا ہے اور سمجھے کہ مجھ سے طاعتِ الٰہی میں ہزاروں کوتاہیاں سرزد ہوتی ہیں۔ اور یہ بھی ہے کہ طاعات بھی اس غرض پر نہ بجا لائے کہ اس سے کوئی دُنیوی و اُخروی فائدہ حاصل ہوگا بلکہ صرف رضائے الٰہی مدِنظر ہو اور بس، ورنہ اگر کوئی تصور سامنے رکھا تو پھر ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔

لَئِنْ بَسَطْتَّ لِتَقْتُلَنِیْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْکَ لِاَقْتُلَکَ لیکن سُن لے اے بھائی ! بیشک اگر تُو اپنا ہاتھ مجھ پر بڑھائے گا کہ مجھے قتل کرے تاہم میں اپنا ہاتھ تجھ پر نہ بڑھاؤں گا، اس لیے کہ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ میں اپنے رب تعالیٰ سے ڈرتا ہوں جو مالک ہے سارے جہان کا۔

مروی ہے کہ ہابیل قابیل سے قوت و طاقت میں کئی گنا زیادہ تھا لیکن اس کے باوجود قابیل پر جوابی کارروائی نہ کی اور نہ ہی قتل سے بچنے کی کوئی تدبیر کی بلکہ الٹا سرِ تسلیم خم کر دیا، صرف اس لیے کہ کہیں اللہ تعالیٰ ناراض نہ ہو جائے۔

سوال: یہ تو حرام موت اور خودکشی ہوئی اس لیے کہ انسان کو جان بچانا فرض ہے۔

جواب: اس وقت ان کی شریعت کا حکم یُونہی تھا کہ اگر کوئی قتل کرنے کے لیے آمادہ ہو تو وہ بجائے جوابی کارروائی کرنے کے سر جھکا دے۔

مسئلہ: حضرت بغوی نے فرمایا کہ اب بھی ہماری شریعت میں یہی حکم ہے کہ اجر و ثواب کے لیے بجائے جوابی

marfat.ocm

کارروائی کرنے کے قاتل کے سامنے سر جُھکا دے جیسے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا۔

اِنِّیْٓ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَاِثْمِكَ ہابیل نے جوابی کارروائی سے رُک جانے کا سبب بتایا کہ اگرچہ حقیقی طور پر مجھے خوفِ الٰہی نے روک دیا ہے لیکن دُوسری وجہ یہ بھی ہے کہ میں چاہتا ہُوں کہ میرا [illegible] تیرا گناہ تیرے ہی پلّے پڑے۔

سوال : اِنّی ' اخاف اللّٰہ الخ پر عطف ڈالنے کے لیے حرف عاطفہ کیوں نہیں لایا گیا۔

جواب : تاکہ اشارہ ہو کہ اس کی جوابی کارروائی نہ کرنا دونوں علیحدہ مستقل سبب ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ میں اس لیے سر جُھکا چکا ہوں اور تجھ سے لڑنے سے اس لیے باز رہتا ہُوں کہ میرے گناہوں کی شامت بھی تیرے سر ہو کر میں تیرے لیے جوابی کارروائی کروں اور تیرے گناہوں کا بوجھ بھی تیرے سر ہو کر تو مجھے قتل کر کے بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے۔

حدیث شریف میں ہے :

المستبان ما قالا فعلی البادی ما لم یعتد المظلوم۔

دو شخص آپس میں ایک دوسرے کو گالی دینے والے گناہ میں برابر کے شریک ہیں پھر ابتداء کرنے والا جو دوسرے کو گالی دیتا ہے اگر مظلوم (جسے گالی دی گئی ہے) جوابی کارروائی میں حد سے تجاوز نہ کرے۔

یعنی گالی دینے والے پر اپنا گناہ بھی ہے اور مظلوم نے جتنی گالیاں اسے دیں اُن کا گناہ بھی، اس لیے کہ دوسرے کی گالی کے گناہ کا سبب یہی بنا ہے بِاِثْمِی وَ اِثْمِكَ دونوں منصوب علی الحالیۃ ہیں، دراصل عبارت یُوں ہے ترجع متلبسا بالاثمین حاملا لھما یعنی تُو میرے قتل سے دو گناہوں میں متلوث ہوگا اور ان دونوں کا گناہ تیرے سر پہ ہوگا۔ اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ میں گناہ سے متلوث ہونا نہیں چاہتا۔ اس سے یہ مفہوم لینا ناموزوں ہے کہ وُہ اپنے بھائی کو گناہ میں متلوث کرنے کی بات کر رہا تھا۔

فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ پھر تُو آخرت میں جہنمیوں میں سے ہوگا وَ ذٰلِكَ اُس کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اصحابِ نار میں سے کیوں ہے، وہ اس لیے کہ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ جو بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے حکم سے راضی نہیں، اس ظالم کی سزا یہی ہے کہ وہ جہنم میں جائے۔ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ بالآخر اس قابیل کو اپنے بھائی ہابیل کے قتل پر اُس کے نفس نے اُبھارا۔ فطوعت الخ طاع له المرتع سے ماخوذ ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو کسی معاملہ میں وسعت اور سہولت

marfat.ocm

حاصل ہوا تھا تو اس میں تنگی ہو اور نہ کوئی حرج ہو اس لیے کہ انسان جب غور و فکر سے کام لے تو بات واضح ہوتی ہے کہ اپنے بھائی کو ناحق قتل کرنا شرعاً و عقلاً ناجائز بلکہ اس سے طبعی طور پر بھی بہت نفرت و کراہت ہوتی ہے جس سے انسان خود بخود ایسے کام کرنے سے دُور بھاگتا ہے لیکن نفسِ امارہ پر درندگی کی صفت کا غلبہ ہو تو پھر ایسے فعل کے ارتکاب میں کسی قسم کی تنگی محسوس نہیں کرتا۔ پھر ایسے محسوس ہوتا ہے کہ گویا اس فعل پر اسے نفسِ امارہ نے ابھارا ہے اور اس کے ارتکاب میں ایسی چالاکی کرتا ہے کہ گویا اس کا غلام بے دام ہے اور یہ صفتِ درندگی سے مغلوب نہ ہونے سے قبل وہ خود متنفر و مستکرہ تھا۔

سوال: کلام تو طوعت نفسہ سے بھی یکا ہوتا ہے پھر اس میں لام کے اضافہ کا کیا فائدہ؟

جواب: صرف کلام میں مزید تعلق پیدا کرنے کے لیے لام لائی گئی ہے حفظت لزید مالہ میں یہی صورت ہے ورنہ حفظت مال زید بھی کہنا جائز ہے۔

فَقَتَلَهٗ قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا۔ مروی ہے کہ قابیل کو یہ پتا نہیں چل رہا تھا کہ قتل کس طرح کیا جاتا ہے تو ابلیس انسانی بھیس بدل کر اس کے سامنے ایک پرندہ یا سانپ لایا اس کا سر ایک پتھر پر رکھ کر دوسرا پتھر اس کے سر پر مارا جسے قابیل دیکھ رہا تھا، اس نے اس طرح سمجھ لیا کہ کسی کو یوں قتل کیا جاتا ہے چنانچہ اس نے بھی اسی طرح ہابیل کا سر پتھر پر رکھا اور وہ قابیل کے سامنے کالمیّت ہو گیا، جدھر اس کا سر پھیرتا اُدھر ہی اس کا سر پھر جاتا۔ نہ اس پر حملہ کرتا نہ ہی کسی طرح کی حرکت، ایسے محسوس ہوتا جیسے کوئی نیند میں ہو، اور وہ اس وقت جنگل میں بکریاں چرا رہا تھا یا جبلِ ثور پر تھا یا حراء کے پیچھے یا بصرہ کی جامع مسجد میں۔ جب ہابیل کو شہید کیا گیا اس وقت اس کی عمر بیس سال تھی۔

لطیفہ بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ جب گندم کا دانہ حضرت آدم علیہ السلام نے کھایا اور اس سے وہ زمین پر اُترے تو بہت متفکر ہوئے اور اسی فکر میں انہوں نے قے کر دی اسے سانپ نے کھا لیا تو وہ زہر بن گئی اس لیے سانپ موذی اور مہلک ہوتا ہے۔ جو کچھ حصہ آدم علیہ السلام کے اندر رہ گیا اس سے بی بی حوا کے شکم میں نطفہ بن کر ٹھہرا اسی وجہ سے وہ اپنے بھائی کا قاتل ٹھہرا اور زمین کے اندر فساد کا موجب بنا۔

فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ پھر وہ خسارہ والوں سے ہو گیا، یعنی اسے دنیا و دین کا خسارہ نصیب ہوا۔ یہی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسے دنیا و آخرت کا خسارہ ہوا، دنیا میں یہ ہوا کہ وہ اپنے ماں کا نافرمان ہوا اور رہتی دنیا تک اس کی مذمت ہوتی رہے گی اور آخرت میں سخت عذاب میں مبتلا ہوگا **فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا** پس اللہ تعالیٰ نے ایک کوا بھیجا **یَّبْحَثُ فِی الْاَرْضِ** زمین

کریدتا تھا ۔ البحث فارسی میں بمعنے کندن (کریدنا) لِيُرِيَهٗ تاکہ اللہ تعالیٰ اسے دکھائے ۔ فعل میں فاعل کی ضمیر اللہ تعالیٰ یا غراب (کوّے) کی طرف راجع ہے اور توجیہ اول پر لام بعث کے متعلق ہے اور توجیہ ثانی پر یبحث کے متعلق اور اسے بعث کے متعلق بھی کیا جاسکتا ہے ۔ كَيْفَ يُوَارِيْ کیسے چھپائے سَوْءَةَ اَخِيْهِ اپنے مُردہ بھائی کی میت ، اس لیے کہ اب اس کی حالت مُردگی کو دیکھ کر گھبراتا تھا ۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس کا ستر چھپانے کے لیے پریشان تھا اس لیے کہ قتل کرتے ہی اس کے کپڑے اتار لیے تھے كَيْفَ يُوَارِي کی ضمیر سے حال ہے اور جملہ لیری کا دوسرا مفعول ہے ۔

واقعۂ قابیل بعد قتلِ ہابیل

مروی ہے کہ جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تو اسے چٹیل میدان پر چھوڑ دیا اب اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کے ساتھ کیا کرے ، اس لیے کہ دنیا میں بنی آدم میں یہی سب سے پہلا مُردہ تھا ۔ اس پر درندوں کا خوف ہُوا کہ کہیں اسے پھاڑ کر نہ کھا جائیں ۔ اس نے ایک مشکیزہ میں بند کرکے پیٹھ پر رکھ لیا اور اسے چالیس یوم یا چالیس سال اٹھا کر پھرتا رہا ۔ یہاں تک کہ تھک گیا ، پرندے درندے اس انتظار میں تھے کہ کب اسے نیچے پھینکتا ہے تاکہ ہماری غذا بنے ۔ اللہ تعالیٰ نے دو کوّے بھیجے اور اس کے سامنے آکر لڑنے لگے ۔ ایک نے دوسرے پر حملہ کرکے اسے مار ڈالا پھر گڑھا کھود کر زمین میں دبا دیا ۔ قابیل یہ سارا ماجرا دیکھتا رہا ۔ اس کے بعد گویا کسی نے سوال کیا کہ پھر قابیل نے کوّوں کو دیکھ کر کیا کہا تو جواب میں کہا گیا ،

قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اس نے کہا ہائے ہائے ۔ یہ کلمہ جزع اور حسرت کے وقت بولا جاتا ہے ، اور اس کا الف یائے متکلم سے بدل ہے ۔ اب معنیٰ یہ ہے کہ اے میری حسرت حاضر ہو اب تیری حاضری کا وقت ہے اگرچہ ندا سے یہ مطلوب ہوتا ہے کہ اسے ندا کی جائے جس میں متوجہ ہونے کی صلاحیت ہو اور یہ صرف ذوی العقول سے حاصل ہو سکتی ہے ۔ لیکن اہلِ عرب بطورِ مجاز ایسی ندائیں عام استعمال کرتے ہیں تاکہ حسرت کا اظہار ہو اس سے قولِ باری تعالیٰ یٰحَسْرَةً علی العباد ہے ۔ الویل اور الویلہ بمعنے الھلکۃ ۔

اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ کیا اتنا عاجز ہوں کہ ہو جاؤں مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ اس کوّے کی طرح تاکہ اپنے بھائی کی لاش چھپاؤں ، گویا وہ اپنے اوپر تعجب کر رہا تھا کہ میں اس کوّے سے بھی گیا گزرا ہوں کہ اسے تو یہ کام آتا ہے اور میں اس سے بے خبر ہوں فَاُوَارِيَ منصوب ہے اس کا عطف ان اکون پر ہے یعنی میں اس سے بھی عاجز ہوں کہ کوّے کی طرح ہو کر اپنے بھائی کی لاش چھپا ڈالوں فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ پس وہ اپنے بھائی کو قتل کرکے نادم ہوا کہ اس کے معاملہ میں اسے سخت حیرانی ہوئی اور پھر اسے ایک مدت تک سر پہ اٹھائے پھرتا رہا وغیرہ وغیرہ ۔ لیکن اسے ندامت

marfat.ocm

د کی وجہ سے ہوئی نہ کہ گناہ کے ارتکاب پر اللہ تعالیٰ کے خوف سے چونکہ اس کی یہ ندامت توبہ کے طور نہ تھی اس لیے سے کوئی فائدہ نہ دیا۔

(۱) جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تو زمین سات دن تک کانپتی رہی۔ پھر اس کے خون کو پانی کی طرح پی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے قابیل سے (بذریعہ ہاتف غیبی) ندا دی کہ تیرا بھائی کہاں ہے؟ نے جواب دیا، مجھے کیا معلوم، میں کوئی اس کا نگران ہوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، تُو نے تو اُسے قتل کر دیا ہے خون زمین سے تجھے پکارتا ہے۔ قابیل نے کہا، کہاں ہے اُس کا خون۔ اگر میں نے اسے قتل کیا ہے کا خون مجھے دکھاؤ۔ اُس روز سے اللہ تعالیٰ نے زمین پر خون کا پینا حرام فرما دیا۔ اسی وجہ سے اب خون زمین ہتا ہے زمین میں جذب نہیں ہوتا۔

(۲) حضرت مقاتل فرماتے ہیں کہ اس سے قبل تمام درندے پرندے چرندے اور وحشی جانور انسانوں سے س ہو کر ان کے ساتھ گزر اوقات کرتے لیکن جب سے قابیل نے ہابیل کو قتل کیا اس روز سے انسانوں سے ر ہو کر پرندے ہوا میں اڑنے لگے اور وحشی جانور جنگلوں میں چلے گئے اور درندے غاروں میں چھپ گئے وز سے درختوں پر کانٹے پیدا ہوئے اور طعاموں میں بدبُو اور میوہ جات میں کھٹائی پیدا ہوئی اور پانی کڑوے گئے اور زمین پر گرد و غبار چھا گئی۔ حضرت آدم چونکہ کعبۃ اللہ شریف تشریف لے گئے جب عالم دنیا کا یہ حال یکھا تو گھبرا گئے۔

(۳) جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تو اس سے قبل اس کا رنگ سفید تھا لیکن اس کے بعد اس کا تمام سیاہ ہو گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے واپس آتے ہی قابیل سے ہابیل کی بابت پُوچھا تو اس نے کہا کیا معلوم، میں کوئی اس کا نگران ہوں۔ آپ نے فرمایا، تُو نے اسے قتل کر دیا اسی لیے تیرا رنگ سیاہ ہو گیا[1]۔

الم دنیا کا پہلا شاعر

حضرت آدم علیہ السلام اپنے صاحبزادے ہابیل کے قتل سے سو سال تک حزین و غمگین رہے اور اتنی مدت تک آپ کبھی نہ ہنسے اور ذیل کے دو عار پڑھے :

تغیرت البلاد و من علیها فوجه الارض مغبر قبیح
تغیر کل ذی لون وطعم وقل بشاشة الوجه الصبیح

---

[1] اس سے اندازہ لگائیے کہ اللہ والوں کی بے ادبی و گستاخی سے کتنی نحوست پھیلتی ہے نیز حضرت آدم علیہ السلام کا علم و فراست کہ باوجود قابیل کے انکارِ قتل کے پھر بھی اصل بات کی خبر دے دی کہ تُو نے اُسے قتل کر دیا۔ اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

ترجمہ : شہروں کی اوران کے باشیوں کی حالت بدل گئی۔ زمین کا چہرہ غبار آلود اور بے رونق ہوگیا بلکہ تمام ہر رنگ اور ذائقہ والی اشیا ء بگڑ گئیں۔ حسین چہروں کی بشاشت میں کمی آگئی۔

عالمِ دنیا کا سب سے پہلا کاتب

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جو کہتا ہے آدم علیہ السلام شعر کہتے ہیں وہ غلط کہتا ہے اس کہ آدم اور دیگر انبیاء۔ اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم شعر نہ کہنے میں سب برابر ہیں۔ تمام ا کو اشعار کہنے کی ممانعت تھی۔ لیکن جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تو ان کے منہ سے بے ساختہ بچے کے میں بطور مرثیہ چند اشعار نکلے۔ اگرچہ وہ سریانی بولتے تھے لیکن یہ اشعار عربی اُن کے مُنہ سے نکلے۔ جب آپ نے پڑھے تو اپنے صاحبزادے حضرت شیث علیہ السلام سے فرمایا کہ میرے پیارے بیٹے! تُو میرا ہے فلہذا میرے ان اشعار کو یاد رکھنا تاکہ میری اولاد کو رقّتِ قلبی نصیب ہو۔ یہ اشعار منقول ہوتے ہو یعرب بن قحطان کے ہاں پہنچے وہ دونوں بولیاں (سریانی و عربی) بولتے تھے۔ یہ وہ پہلے شخص ہیں جنہو عربی کتابت کی ایجاد کی اور وہ شاعر بھی تھے۔ انہوں نے جب حضرت آدم علیہ السلام کے اشعار مرثیہ تو انہوں نے ان میں اول کلمات کو آخر میں اور آخر کو اول میں لکھا لیکن شعر کا وزن بحال رکھا، اور چند اشعار کا اضافہ بھی فرمایا ان میں سے دو شعر یہ ہیں : ؎

ومالی لا اجود بسکب دمع   وھابیل تضمنہ الضریح
اری طول الحیاۃ علی غما   فھل انا من حیاتی مستریح

ترجمہ : مجھے کیا ہے کہ میں آنسو نہ بہاؤں جبکہ ہابیل کو قبر نے اپنے اندر لے لیا میں اپنی زندگی کو اپنے لیے ایک دُکھ سمجھتا ہوں باوجود اس کے کیا میں اپنی زندگی سے خوش ہوں۔

منگل کے دن کے خواص

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ اللہ علیہ وسلم سے منگل کے دن کے متعلق دریافت کیا گیا تو آ نے فرمایا :

یوم الدم فیہ حاضت حواء وفیہ
قتل ابن آدم اخاہ۔

(منگل کا دن خونی ہے) اس لیے کہ اس دن بی بی حوا ء حائضہ ہوئیں اور اسی دن ابن آدم (قابیل) نے اپنے بھائی (ہابیل) کو قتل کیا۔

marfat.ocm

حضرت شیث علیہ السلام کی ولادت ران کی مختصر سوانح حیات

جب آدم علیہ السلام کو ایک سوتیس ۱۳۰ سال گزرے جو کہ ہابیل کے قتل ہونے کے بعد پانچویں سال حضرت شیث علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہوئی اور انھیں اللہ کے نام سے یاد کرتے تھے، اس لیے کہ ہابیل کے بعد ہی تھے کہ جنھیں اللہ تعالیٰ نے دن اور رات ی گھڑیوں کا علم عطا فرمایا اور انہیں مخلوق کی عبادت کے طریقے بھی بتاتے اور ان کی عبادات کے اوقات ں۔ اور ان پر پچاس صحیفے نازل فرماتے۔ وہی حضرت آدم علیہ السلام کے وصی اور جانشین مقرر ہوئے۔

قابیل کا انجام

قابیل کو حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا، تو ہمیشہ مجھ سے دور رہا کر، اور تو ذلیل وخوار ہوگا۔ تیرے لیے ہمیشہ حزن وملال ہوگا اور تجھے کہیں ٹھکانا نصیب نہ ہوگا۔ قابیل وہاں سے اپنی بہن اقلیما کو لے کر ارضِ یمن میں عدن میں پہنچا۔

نار کا پہلا پجاری

یہاں قابیل کے ہاں ابلیس پہنچا اور کہا کہ ہابیل کی قربانی کو آگ نے اس لیے کھالیا کہ وہ اس کی پرستش کرتا تھا تو بھی آگ کی پرستش کر تیرے لیے بھی وہی مراتب ہوں گے۔ چنانچہ ابلیس کے کہنے پر اس نے آگ کے لیے ایک مکان بنایا۔ یہی سب سے پہلا آتش پرست ہے۔ لیکن جو کوئی اس کے پاس سے گزرتا اسے پتھر مارتا۔

حکایت واعجوبہ

قابیل کا ایک بیٹا نابینا تھا اسے اس کا بیٹا لے کر قابیل کے پاس آیا اور اپنے نابینا باپ سے کہا کہ یہی تیرا باپ ہے اسے پتھر ماریئے۔ نابینا نے پتھر مار کر اپنے باپ قابیل کو قتل کردیا۔ بیٹے نے کہا تو نے باپ کو قتل کردیا، نابینا کو طیش آگیا اس نے اپنے بیٹے کو تھپڑ رسید کیا جس سے اس کا بیٹا بھی مرگیا۔ پھر کہنے لگا ہائے میں نے باپ کو پتھر سے اور بیٹے کو تھپڑ سے مار ڈالا۔

اعجوبہ قابیل

قابیل کا یہ حشر ہوا کہ اس کا ایک پاؤں ران اور پنڈلی سے چمٹ گیا اور قیامت تک ایسے ہی رہے گا۔ اس کا چہرہ سورج کی طرف پھرتا ہے جدھر سورج گھومتا ہے اس کا چہرہ بھی اسی طرف پھر جاتا ہے۔ گرمیوں میں اسے آگ سے جلایا جاتا ہے اور سردیوں میں برف میں دبایا جاتا ہے اولادِ آدم میں یہی وہ پہلا شخص ہے جس نے نافرمانی کی بنیاد رکھی اس لیے جہنم میں سب سے پہلے اسے داخل کیا جائے گا۔

حدیث شریف

حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی بھی ناحق قتل کیا جائے تو اس کا گناہ سب سے پہلے قابیل کے نام لکھا جاتا ہے کیونکہ اس کی بنیاد اسی نے رکھی۔

marfat.ocm

یاجُوج وماجوج کانسب نامہ

یاجوج وماجوج کا باپ یہی قابیل ہے، یاجوج سب سے شریر انسان ہیں جو کہ شریر ترین باپ سے پیدا ہُوئے۔

سرود و آلاتِ غنا کے موجدین

آلاتِ لہو کے موجدین بھی قابیل کی اولاد ہے اس لیے کہ انہوں نے مذکورہ آلات تیار کئے اور لہو ولعب میں منہمک ہو گئے اور شراب پی اور آتش پرستی کی اور زنا کو رواج دیا اور دوسری برائیوں میں منہمک ہوتے یہاں تک کہ طوفانِ نوح میں ڈوب کر مرگئے۔ اس کے بعد صرف شیث علیہ السلام کی اولاد بچی۔

عالمِ دنیا کا سب سے پہلا بادشاہ

تواریخ میں ہے کہ جب قابیل یمن میں پہنچا تو اس کی اولاد بڑھی اور وہ آدم علیہ السلام کی دوسری اولاد سے کشت وخون کرنے لگے۔ پہاڑوں، غاروں اور جنگلوں میں چھپے رہتے اور ان کو مارتے اور قتل کرتے۔ مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث علیہ السلام تک ان کا یہی طریقہ رہا۔ اُس نے سب کو دوسرے ملکوں میں پھیلا دیا، اور خود بابل میں سکونت پذیر ہوا۔ اُس کا ایک چھوٹا بھائی کیومرث نامی تھا یہی عالمِ دنیا میں سب سے پہلا بادشاہ ہے۔ اس کے حکم سے مختلف علاقوں میں انہوں نے شہر اور قلعے تعمیر کیے اسی طرح سے تاقیامِ قیامت جنگ رہے گی۔

نکتہ

کدورتیں اور عداوتیں دُنیا سے نہیں اُٹھ سکتیں البتہ اہل اللہ کے دلوں سے یہ خرابیاں دُور ہو جاتی ہیں جیسے آگ اور پانی اپنی تاثیر سے نہیں ہٹتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے بعض بندوں پر ان کا اثر نہیں ہوتا جیسے ابراہیم علیہ السلام پر نار گلزار ہُوئی اور پانی میں اگرچہ غرق کرنے کی طاقت رکھی گئی ہے لیکن موسیٰ علیہ السلام کے لیے اُس نے غرق کرنے کی بجائے راستہ بنا دیا۔ اسی طرح دنیا کا نظام چلتا رہے گا، لیکن خوش قسمت وہ انسان ہے جو راضی بہ رضائے الٰہی ہو اور صابر وشاکر ہو کر زندگی بسر کرے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

دریں چمن گل بے خار کس نچید آرے
چراغِ مصطفوی با شرار بولہبی ست

ترجمہ: اس چمن سے گلِ بے خار کسی نے نہ چُنے، چراغِ مصطفوی کے ساتھ ابولہب کی چنگاریاں لازم ہیں۔

نیز فرمایا: ؎

مکن زغصہ شکایت کہ در طریقِ طلب
براحتے نرسید آنکہ زحمتے نکشید

ترجمہ: غصے سے شکایت نہ کر اس لیے کہ طریقِ طلب میں راحت تک نہیں پہنچ سکے گا جس نے دکھ نہ دیکھا ہو۔

marfat.ocm

صوفیانہ نکات میں اشارہ ہے کہ آدم (روح) کے حوا (قلب) سے نکاح کرنے پر قابیل (نفس) معہ اقلیما (خواہش) جوڑا بطن اول میں پیدا ہوئے۔ اس کے بعد ہابیل (قلب) مع (عقل) پیدا ہوئے کیونکہ یہ وہ خواہش نفسانی اور حسن وجمال میں یکتا ہے۔ کیونکہ قلب اپنے مولیٰ کی ل اور اس کا عاشق ہے اور یہ وہ (عقل) ہابیل کی نظروں میں نہایت ہی قبیح اور زشت رو ہے اس لیے اس سے ہی طلب حق اور فنا فی اللہ کے مقام سے محروم ہو جاتا ہے اسی لیے عقل کو "عقیلۃ الرجال" کہا گیا ہے (یعنی انسانوں کو روکنے والی) اور قابیل نفس کی نظروں میں عقل قبیح ہے اس لیے کہ نفس اس سے کی طلب اور اس کے انہماک سے باز رہتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایک ہی جوڑے کو آپس میں نکاح ے سے روکا ہے بلکہ فرمایا ایک جوڑا دوسرے جوڑے سے نکاح کرے تاکہ قلب طلب حق سے نہ رکے بلکہ نفس کی خواہشات کو مٹانے اور فنا فی اللہ کے مقام پر پہنچنے پر ابھارے۔ اس لیے بعض لوگوں نے فرمایا ہے کہ اگر خواہش نہ ہوتی تو کوئی سالک اللہ تعالیٰ کے راستہ پر نہ چلتا، اس لیے کہ جب خواہش نفس کا ساتھ دیتی ہے تو اس وقت انسان کو تنزل نفس کا حرص پکڑ کر اسے دنیا کے اسفل سے اسفل مقام پر لے جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے بہت دور کر دیتا ہے اگر اس کا ساتھی قلب ہو تو اسے عشق نصیب ہو جاتا ہے جو اس کے قلب کو عقبیٰ کے اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب تک پہنچاتا ہے اور پھر قرب مولیٰ سے بھی نوازا جاتا ہے اس لیے عشق کا دوسرا نام ہویٰ بھی ہے چنانچہ کسی شاعر نے کہا ہے

اتانی ھواھا قبل ان اعرف الھوی
فصادف قلبی فارغا فتمکنا

ترجمہ: میں ابھی عشق سے ناآشنا تھا تو اس کے عشق نے مجھے گھیر لیا اور میرے قلب کو خالی پا کر اس پر پورا قبضہ جما لیا۔

پھر نفس کو طلب دنیا سے دور کر کے عبادت الٰہی میں لگا دیتا ہے اور خواہشات نفسانیہ سے گریزاں ہو جاتا ہے پھر جب آدم (روح) نے اپنے بچوں کو وہی فرمایا جو اللہ تعالیٰ کا حکم تھا تو ہابیل (قلب) تو راضی ہو گیا لیکن قابیل (نفس) الٹا ناراض ہوا اور کہا کہ میری بہن اقلیما (خواہش) جو میرے ساتھ پیدا ہوئی وہ ہابیل (قلب) کی بہن لیوذا (عقل) سے حسین تر ہے لہٰذا یہ استحقاق صرف مجھے حاصل ہے انہیں والد نے فرمایا یہ تیرے لیے حلال نہیں۔ یعنی جب خواہشِ نفسانی تیرا ساتھی ہو گی تو تجھے حبِ دُنیا اور اس کی لذات وشہوات کی وادیوں میں تباہ وبرباد کر ڈالے گی لیکن قابیل (نفس) نے ایک نہ مانی یعنی نفس نے آدم (روح) کے حکم کو قبول نہ کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا باپ (روح) نے انہیں اس معاملہ میں مجبور نہ کیا بلکہ صرف اظہار رائے فرما کر کہا کہ قربا قربانا

marfat.ocm

دونوں ہی اپنی اپنی قربانیاں پیش کرو تم میں سے جس کی قربانی قبول ہوئی وہی اس کا حقدار ہوگا ۔ یہ رائے سن کر دونوں گھر سے نکل پڑے تاکہ قربانی پیش کریں اور قابیل (نفس) کھیتی باڑی کا کام کرتا تھا یعنی نفس نامیہ کی تدبیر بنانے والا یعنی نامیہ سے مراد قوت نباتیہ ہے ۔ قابیل نفس نے کھیتی سے گندی شئے پیش کی ۔ یعنی قوتِ طبیعیہ ۔ اور ہابیل (قلب) چرواہا تھا یعنی اخلاق انسانی اور صفاتِ حیوانی کے جانوروں کا نگران تھا اس نے اپنے مال سے اونٹ پیش کیا یعنی صفتِ بہیمیہ ۔ اس لیے کہ انسان کو اس صفت کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے کیونکہ غذا و بقا کے لیے وہ اس صفت کا زیادہ محتاج ہے اور صفات سبعیہ شیطانیہ کی بہ نسبت یہی صفت انسان کو زیادہ مناسب ہے ۔ قابیل وہابیل نے اپنی اپنی صفت کو بشریت کے پہاڑ پر رکھ دیا اس کی قبولیت کے لیے آدم (روح) نے دعا مانگی تو آسمانِ جبروت سے نارِ محبت نازل ہوئی تو صفتِ بہیمیہ کو مٹا گئی اس لیے کہ نارِ محبت کا ایندھن یہی ہے لیکن قابیل کی قربانی کو ہاتھ تک نہ لگایا اس لیے کہ یہ اس کے ایندھن میں نہیں بلکہ یہ نارِ حیوانیہ کا ایندھن ہے واتل نبا ابن آدم الخ کی تفسیر ختم ہوئی ۔

فطوعت له نفسه میں اشارہ ہے یعنی قابیل کے نفس نے اسے اپنے بھائی کے قتل پر ابھارا یعنی نفس نے جواز کا فتویٰ دیا کہ ہابیل (قلب) کو قتل کر دینا ضروری ہے اس لیے کہ قلب کا سب سے بڑا دشمن نفس ہے بالآخر قابیلِ نفس نے ہابیلِ قلب کو قتل کر دیا، پھر وہ خاسرین میں سے ہو گیا ہے ۔ یعنی نفس کو دنیا و آخرت کا خسارہ ہوا، دنیا کا بایں معنیٰ کہ واردات و کشوف اور علمِ غیبیہ (جو قلب کا اصل منشا ہے) سے محروم ہو گیا اسی طرح اسے ذوقِ مشاہدات و لذتِ مؤانسات سے بھی محروم رکھا گیا کہ جہالت کے گڑھے میں جا پڑا ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

ان الانسان لفی خسر الخ

اور آخرت کا خسارہ یہ ہے کہ جنّات النعیم کے داخلہ سے محروم ہو گیا اور دیدارِ الٰہی کا شرف نہ حاصل کر سکا اور ہمیشہ کے لیے نارِ جحیم و عذابِ الیم میں مبتلا کیا گیا ۔ **فبعث اللہ** میں بھی لطیف اشارات ہیں ۔

نکات

(۱) انسان کو معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ جیسے کوّے کو بھیجنے پر قادر ہے ایسے ہی وہ دوسرے جانوروں کو بھیج سکتا ہے تاکہ انسان کو وہ باتیں بتائے جو پہلے اسے معلوم نہ تھیں ۔ اس سے انسان کی شان گھٹ نہیں جاتی جیسے انبیاء کرام کی طرف ملائکہ کرام کو بھیج کر انہیں علوم سے نوازا تو اس سے انبیاء کی شان کم نہ ہوئی ۔ پھر رسل کرام کو مقرر فرمایا کہ وہ اپنی اُمتوں کو اسرار و رموزِ الٰہی سے باخبر کریں ۔

(۲) اس سے ملائکہ کرام و انبیاء عظام علیہم السلام کو ظاہر کرنا مطلوب تھا کہ تعلیمِ حق کے لیے انہیں بھیج کر ان پر فضل و کرم فرمایا ورنہ وہ تو اتنی بڑی قدرت کا مالک ہے کہ اپنے علوم جانوروں اور حیوانوں کے ذریعے

marfat.ocm

ا سکتا ہے جیسے کوّے کے ذریعے قابیل کو ہابیل کے دفن کرنے کا طریقہ بتایا۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل ہر حیوان بلکہ غذائی کے ہر ذرّے میں موجود ہے اور اس کا بین ثبوت وہ اپنے اختیار اور قدرتِ کاملہ سے ذوی العقول کے امور کی تکمیل غیر ذوی العقول سے کرا سکتا ہے۔

(۴) انسان کو آگاہی ہو کر وہ اپنی تعلیم میں سخت ترین محتاج ہے وہ یقین کرے کہ اگرچہ یہ دولت سے نصیب ہو تب بھی عار محسوس نہ کرے۔

(۵) بندوں کو معلوم ہو کہ وہ (اللہ تعالیٰ) بندوں کی معاش اور بسر اوقات کے لیے کتنا رحیم و کریم ہے نافرمانی کے باوجود وہ بندے کی مشکلات نہایت عجیب و غریب طریقے سے حل فرماتا ہے۔ (کذا فی لفوظات النجیہ)

فسیر عالمانہ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ربط: اللہ تعالیٰ کے حکم واتل علیہم نبا الخ کا اصل مقصد اب شروع ہے درمیان میں اس مقصد کی تمہید تھی۔ اصل مقصد یہ ہے کہ بنی اسرائیل ختلف جنایات و معاصی کے مرتکب ہوئے ان کو تنبیہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں قتل ایک سنگین جرم اور قبیح ترین ہے۔ یعنی اس لیے کہ قتل بطور تجاوز کے عدوان و مفاسد کا مجموعہ ہے۔ منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ اس کا رتکب دینی و دُنیوی فضائل اور اُخروی سعادت۔ سے محروم ہو جاتا ہے ان وجوہ کو فاصبح من الخسرین یں اجمالاً ذکر فرمایا۔ دوسرا یہ کہ ایسا انسان حسرت و ندامت کے جمیع موجبات میں ایسا مبتلا ہوتا ہے کہ ان کے لافیہ کی پھر کوئی صورت ہی نہیں ہوتی اور جسے فاصبح من النّدمین میں اجمالاً ذکر کیا گیا ہے۔ اور اجل وہ اصل مصدر ہے۔ مثلاً اہل عرب کہتے ہیں: اجل شروا۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شر کا کام کرے یا کسی شر کو اٹھائے، اب ان جنایات کی علت کے اظہار کے لیے استعمال کیا جاتا ہے یعنی کوئی کسی فعل کا ارتکاب کرے تو پھر اس کی علت کا اسی لفظ اجل سے کرتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے فعلتہ من اجلك یعنی یہ کام میں نے صرف تیری خاطر کیا ہے اب اسے ہر علت کے اظہار کے لیے بولا جاتا ہے اور من ابتدائے غایۃ کے لیے ہے کَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ کے متعلق ہے من اجلك کو متعلق سے مقدم کرنے سے قصر مطلوب ہے یعنی اس وجہ سے کتابوں کا نزول ہوا اس کا اصل منشا یہی ہے یعنی اس وجہ سے ہم نے انہیں بیان کیا اور بنی اسرائیل کے لیے توراۃ و انجیل میں لکھا کہ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا جس نے کسی ایک کو قتل کیا بِغَیْرِ نَفْسٍ بغیر کسی دوسرے نفس کے قتل کرنے کے جو قصاص کا موجب بنتا ہے۔

اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ یا زمین میں فساد ڈالنے کی وجہ سے یعنی وہ زمین پر خونریزی کا سبب بنتا ہے مثلاً وہ شرک کرتا ہے یا ڈاکہ ڈالتا ہے۔ اس کا عطف لفظ غیر کے مضاف الیہ یعنی نفس پر ہے یہاں غیر

marfat.ocm

سے دونوں کی بیک وقت نفی مراد ہے۔ اس کی نظیر فقہ کا یہ مسئلہ ہے:

من صلّی بغیر وضوء او تیمم بطلت صلٰوتہ۔	جس نے نماز بغیر وضو۔ یا تیمم پڑھی اس کی نماز باطل ہوگئی۔

اس سے صرف ایک شے کی نفی مطلوب نہیں جیسے فقہ کے اس مسئلے:

من صلی بغیر وضوء او ثوب بطلت صلوتہ۔	جس نے نماز بغیر وضو یا کپڑے کے پڑھی اس کی نماز باطل ہوگئی۔

میں صرف ایک شے کی نفی مراد ہے۔

فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کیا۔ اس حیثیت سے اس نے لوگوں کے خون کی عظمت کی ہتک کی اور لوگوں کے لیے ایک بہت بڑے گناہ کا راستہ کھول دیا اور انہیں جرأتمندی کا موقعہ فراہم کیا، یا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو چیلنج کرنے اور اس کے بہت بڑے عذاب کو دعوت دینے میں ایک اور تمام کو قتل کرنا برابر ہے۔ جمیعا' الناس سے حال یا اس کی تاکید ہے وَمَنْ اَحْيَاهَا اور جو کسی کو معاف کرکے اس کے قتل سے رُکنے یا اُس کی ہلاکت کے اسباب سے اسے بچاکر اس کی زندگی کی بقا کا سبب بنا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا پس گویا اس نے تمام لوگوں کو زندگی بخشی، یعنی اس طرح سے تمام لوگوں کو بچایا۔ اس تشبیہ سے مبالغہ ہے کہ کسی کو ناحق قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے اور ترغیب دی گئی ہے کہ اس قبیح فعل سے بچنا ضروری ہے وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ اور بیشک ان اہلِ کتاب کے ہاں رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ہمارے پیغمبر علیہ السلام بہت بڑے معجزات لے کر تشریف لائے یعنی قسم بخدا اُن کے ہاں ہمارے رسول تشریف لائے اور ہم نے انہیں بہت بڑے معجزات دے کر بھیجا، یہ کثبنا کی تقریر اور اس بات کی تاکید ہے کہ اُن کے ہر حکم کی حفاظت ضروری ہے گویا اللہ تعالیٰ نے ان کی تائید فرمائی کہ اے لوگو! ان کے ہر معاملہ کی حفاظت تمہارے ذمہ فرض ہے ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ اس میں رُسل کرام علیہم السلام کو پے در پے بھیجنے کے امر کی تاکید اور باربار تجدید عہد کی یاددہانی ہے اور ثمّ رتبہ اور استبعاد کی تراخی کے لیے ہے۔ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ یعنی جو کچھ ان کتابوں میں مذکور ہے کے بعد ان میں بہت سے لوگ زمین پر قتل کو معمولی گناہ سمجھ کر حد سے بڑھ گئے الاسراف حدِ اعتدال سے گزر جانا۔ بعد ذلك اور فی الارض دونوں لمسرفون کے متعلق ہیں اور لمسرفون ' انّ کی خبر ہے اور ولقد جاءتھم رسلنا الخ قصہ مذکور سے اتصال رکھتا ہے۔

marfat.ocm

یر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہر شئے اللہ تعالیٰ کی ذات کی آیت ہے بنا بریں ہر شئے اللہ تعالیٰ سے بندے کے لیے پیغام بر ہے پھر ہر شئے آیت بینہ اور واضح معجزہ اپنے ساتھ رکھتی ہے تاکہ سان کو انہ دوئی سے اللہ تعالیٰ سے ملا دے پھر بہت سے وہ لوگ جو باوجودیکہ ان معجزات کا مشاہدہ اور معائنہ کرتے ہیں لیکن پھر بھی زمین میں یعنی بشریت کی زمین میں اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کی مخالفت کر کے شریعت و طریقت کی حد سے تجاوز کر جاتے ہیں

ف : اکثر اہل غفلت مشاہدات ربانی کا مشاہدہ بھی کرتے ہیں لیکن پھر بھی حقیقت سے غافل ہوتے ہیں، گویا کہ اُن کی آنکھیں ہی نہیں ہیں۔ بلکہ یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ کی غیرت انہیں ان مشاہدات کو دیکھنے ہی نہیں دیتی۔ اس لیے کہ وہ غیر ہیں اور غیروں کو مجلسِ خاص میں آنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

معشوق عیاں می گزرد بر تو ولیکن
اغیار ہمی بیند ازاں بستہ نقابست

ترجمہ : معشوق تو ظاہر ہو کر گزرتا ہے لیکن چونکہ اغیار کے دیکھنے کا خطرہ ہے اسی لیے نقاب اوڑھ رکھا ہے۔

نکتہ کائنات کا ہر ذرہ اللہ تعالیٰ کے نور و حق سے حقیقت کے ساتھ وابستہ ہے لیکن چونکہ دنیا ایک خیال ہے اسی لیے سالک کو اسے عبور کرنے کی ضرورت ہے اس لیے وہ ان سے گزر کر واصل بحق ہوتا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

(۱) ایں جہاں را کہ بصورت قائمست — گفت پیغمبر کہ حلم نائمست
(۲) از رہِ تقلید تو کردی قبول — سالکاں ایں دیدہ پیدا بے رسول
(۳) روز در خوابے مگو کیں خواب نیست — سایہ فرعست اصل جز مہتاب نیست
(۴) خواب بیداریست آں دان اے عضد — کہ نبیند خفتہ کو در خواب شد
(۵) او گماں بردہ کہ ایں دم خفتہ ام — بے خبر زاں کوست در خواب دوم

ترجمہ : (۱) یہ جہاں صورت سے قائم ہے پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ حلم نائم ہے۔
(۲) تُو نے تو اسے تقلید سے قبول کیا ہے لیکن سالکوں کو اس کے قاعدے کے بغیر عیاں ہے۔
(۳) تُو تو دن میں بھی خواب میں ہے اور یہ بھی نہ کہہ کہ خواب نہیں دیکھ سایہ تو فرع ہے

marfat.ocm

اس کی اصل تو مہتاب ہے۔

(۴) اے پختہ حال تو اپنی بیداری کو خواب اس طرح سمجھ جیسے سوئے ہوئے آدمی کو خواب میں دیکھتے ہو۔

(۵) وہ سمجھتا ہے کہ وُہ ابھی سو رہا ہے لیکن وہ اس دوسرے کے خواب سے بے خبر ہے۔

سبق ہماری یہ بیداری درحقیقت ایک خواب ہے یہ صرف ارباب مکاشفہ صحیحہ و اصحابِ مشاہدہ واضحہ کو محسوس ہوتا ہے۔

دعا: اے اللہ کریم! ہمارے لیے بھی اس مقام کی راہ کھول دے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ إِنَّمَا جَزَٰٓؤُا۟ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ بے شک سزا ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جنگ کرتے ہیں، یعنی ان کے اولیاء، اس سے مراد اہلِ اسلام ہیں۔

سوال: تم نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنا ہے یہ ان کی عظمتِ شان پر دلالت ہے۔

جواب: یہاں محاربت سے ڈاکہ زنی مراد ہے۔ ڈاکہ زنی یہ ہے کہ چند بدمعاش جنگلوں میں چھپ کر خونریزی کریں، لوگوں کا قتال کریں اور ان کے اموال لوٹیں اور ان کی عورتوں اور لونڈیوں کو ستائیں اور انہیں ایسی قوت و شوکت حاصل ہو کر انہیں اس بُرے فعل سے کوئی روک نہ سکے۔

وَيَسْعَوْنَ فِى ٱلْأَرْضِ فَسَادًا اور زمین میں فساد ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ فساداً یسعون سے حال ہے بمعنے مفسدین۔

شانِ نزول یہ آیت ہلال بن عویمر الاسلمی کی قوم کے حق میں نازل ہوئی جبکہ حضور علیہ السلام نے ان سے معاہدہ کیا کہ نہ ہم تمہارے لوگوں کو ستائیں گے اور نہ تم مسلمانوں کو نقصان پہنچاؤ گے۔ ہمارا جو مسلمان تمہارے ہاں سے گزرے گا تم اس کی جان و مال کی حفاظت کرو گے اور جو تمہارے لوگ ہمارے ہاں سے گزریں گے ہم ان کی حفاظت کریں گے۔ ایک دفعہ بنی کنانہ کے چند آدمی اسلام قبول کرنے کی خاطر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حاضر ہو رہے تھے کہ ہلال مذکور کی قوم کے پاس سے گزرے اور ہلال گھر پر نہیں تھا اس کی قوم نے بنو کنانہ کے لوگوں پر حملہ کر دیا، ان کا مال بھی لُوٹا اور ان کے بہت سے لوگوں کو قتل بھی کر دیا۔

سوال: بنو کنانہ مسلمان تو نہیں ہوئے صرف اسلام قبول کرنے کے ارادہ پر گھر سے نکلے اور صرف اسلام سے وہ حربیت سے خارج نہ ہوئے اور حربی کے لیے ڈاکہ زنی سے حد لازم نہیں اگرچہ وہ

marfat.ocm

بھی ہو

، (١) وہ چونکہ احکامِ اسلام سیکھنے کے لیے حاضر ہو رہے تھے اور اسلام کا قصد بھی ان کے مسلمان
لیے کافی ہے۔

،) اگر قصدِ اسلام بھی مانا جائے تب بھی وہ اس وقت ذمیوں کے حکم میں تھے اور ذمیوں پر ڈاکہ
سے حد لازم ہوتی ہے۔

، چونکہ محاربت اور فساد کے کئی مراتب اور مختلف درجات ہیں۔ مثلاً،

(١) قتل کیا جائے مال نہ چھینا جائے۔

(٢) قتل بھی کیا جائے اور مال بھی لوٹ لیا جائے۔

(٣) صرف مال لوٹ لیا جائے اور قتل نہ کیا جائے۔

(٤) ڈرایا دھمکایا جائے اور مال بھی لوٹ لیا جائے لیکن قتل نہ کیا جائے۔

تمام اقسام کو بیان کرکے ان کی سزا کا بیان علیحدہ علیحدہ کیا جائیگا۔

چنانچہ فرمایا **اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا** یہ کہ وہ قتل کیے جائیں۔ یہ سزا بطور حد کے ہوگی۔ لیکن انہیں سُولی نہ چڑھایا جائے
س وقت جب انہوں نے صرف قتل کیا ہو۔

سئلہ: یہاں مقتولین معاف بھی کر دیں تب بھی معافی نہ ہوگی اس لیے کہ یہ خالص حق شرع ہے اور
سی کو معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتا۔

سئلہ: قتل کرنا کسی آلہ سے ہو یا جیسے بھی، ہر طرح سے باغیوں کو قتل کرنا ضروری ہو۔

اَوْ یُصَلَّبُوْٓا یا وہ سُولی چڑھائے جائیں اور پھر قتل کیے جائیں اس وقت جبکہ انہوں نے مال لوٹ کر
لوگوں کو قتل کر دیا ہو۔ سُولی یوں چڑھایا جائے کہ نیزے وغیرہ ان کے پیٹ میں گھونپ دیے جائیں یہاں تک
وہ مر جائیں۔

مسئلہ: قتل کرنے کے بعد پھر سُولی نہ چڑھایا جائے اس لیے کہ زندہ آدمی کو سُولی پر چڑھایا جائے
دوسروں کو عبرت ہوتی ہے کہ وہ ایسے قبیح فعل کے ارتکاب سے بچ جائیں گے۔

اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ یا ان کے ہاتھ اور پاؤں بطریق
لاف کاٹے جائیں، مثلاً دایاں ہاتھ کاٹا ہو تو بایاں پاؤں کاٹا جائے اور ان کا کاٹنا گٹوں سے ہو
اس وقت ہے جب مسلمان یا ذمی کافر کا صرف مال چھینا ہو۔

مسئلہ: اتنے مال پر ہاتھ پاؤں کاٹنے ہوں گے کہ ان پر تقسیم کیا جائے تو ہر ایک کو دس دس درہم

marfat.ocm

پہنچ جائیں۔

سوال: ہاتھ کے ساتھ پاؤں کیوں کاٹے جائیں، حالانکہ چوری کی سزا تو صرف ہاتھ کاٹنا ہے۔

جواب: چونکہ یہ سنگین جرم کے مرتکب ہوئے اس لیے سزا بھی سخت ہوگی تاکہ دوسروں کو عبرت نصیب ہو۔

اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ یا شہر سے نکالے جائیں۔ یہ اُس وقت ہے کہ صرف لوگوں ک ڈرا دھمکا کر چھوڑ دیا اور ان کا مال نہ چھینا اور نہ ہی کوئی فساد کیا۔

ف: ہمارے نزدیک نفی بمعنے قید ہے کہ انھیں اس شہر سے کسی دوسرے میں قید کیا جائے تاکہ لوگ اُس سے شر سے محفوظ ہو جائیں اور اسے سزا بھی دی جائے اس لیے کہ لوگوں کو ڈرایا دھمکایا اور ملک کے امن ک خطرے میں ڈالا۔

ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ یہ رسوائی اور ذلت وخواری **فِي الدُّنْيَا** صرف دنیا والی سزا کے طور

ترکیب: ذلك مبتدا لك خبر مقدم اور خزیٌ مبتدا مؤخر ہے یہ دونوں مل کر جملہ بن کر ذلك مبتدا ک خبر ہے۔

وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اور انہیں آخرت میں مذکورہ سزا کے علاوہ **عَذَابٌ عَظِيْمٌ** بہت عذاب ہے ایسا کہ اس کا اندازہ نہیں ہوسکتا اس لیے کہ ان کا جرم سنگین ہے۔

ترکیب: لهم خبر مقدم اس کا مبتدا عذاب مؤخر ہے اور فی الاٰخرۃ محذوف کے متعلق ہو کر عذاب حال ہے وہ اس لیے کہ اس میں دراصل عذاب کی صفت واقع ہوتی تھی اور صفت موصوف سے مقدم نہیں ہوتی اس لیے اسے حال (منصوب) قرار دیا گیا، دراصل کائنا فی الاٰخرۃ الخ تھا۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ یہ استثناء جو اللہ تعالیٰ ک حقوق سے مخصوص ہے۔ چنانچہ ان اللہ غفور رحیم دلالت کرتا ہے یعنی مگر جو ایسی غلطیوں سے تائب ہو ج قبل اس کے کہ تم انہیں گرفتار کرلو تو اللہ تعالیٰ اپنے حقوق انہیں معاف کردے گا اس لیے **فَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ** تو جان لو کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

مسئلہ: حقوق العباد پھر بھی معاف نہیں اس لیے کہ وہ توبہ سے معاف نہیں ہوتے۔ ڈاکو، باغ جب کسی کو قتل کردیں پھر گرفتاری سے پہلے اپنی غلطی سے تائب ہوجائیں کہ آئندہ ایسے فعل کے مرتکب نہیں ہوں گے تو ان سے صرف حد قتل کی سزا معاف ہوگی لیکن مقتول کے ورثاء کا حق بحال رہے گا کہ اگر چاہیں تو قصاص لیں چاہیں معاف کردیں۔ اسی طرح وہ کسی کا مال چھین لیں اور گرفتاری سے قبل تائب

ئیں تو قلیل یدکی سزا معاف ہو جائے گی لیکن مالکان کا حق ادا کرنا واجب ہوگا۔

سئلہ: ان غلطیوں کے ارتکاب کے بعد اگر گرفتار ہو جائیں اس وقت توبہ بطور حد کے معاف نہ ہوگی، اور ن سے مالکان کا حق معاف ہوگا البتہ آخرت کے عذاب عظیم سے بچ جائیں گے۔

سئلہ: یہ احکام مسلمان ڈاکوؤں کے ہیں مرتد و مشرک ڈاکو، ان کے متعلق تفصیل یہ ہے کہ انکی گرفتاری یا بعد کی توبہ قابل قبول ہے۔ مثلاً ایسی غلطیوں کے ارتکاب کے بعد گرفتار ہوا یا نہ لیکن دولت ایمان ا گیا تو اس سے کسی قسم کا مطالبہ نہ کیا جائے گا یعنی اس پر نہ سزا ہوگی نہ ہی مال کا مطالبہ ہوگا۔ اس لیے لام اس کے لیے ہر طرح کا امن و سلامتی کا پیغام دیتا ہے۔

سئلہ: اگر مسلمانوں سے ایسی غلطیاں ہو جائیں تو ان کی تفصیل گزری ہے کہ اگر گرفتاری سے پہلے تائب و حقوق الٰہی یعنی شرعی سزا معاف ہوگی لیکن حقوق العباد معاف نہ ہوں گے۔ اسی طرح اس مسلمان نے زنی میں کسی کو قتل کر دیا اور اس نے قبل از گرفتاری توبہ کر لی تو حد شرعی معاف لیکن مقتول کے ورثاء کا باقی ہوگا چاہیں تو قصاص لیں چاہیں معاف کر دیں۔ اسی طرح اس نے قتل بھی کیا اور مال بھی لوٹا تو ولی نہ پرچڑھایا جائے گا لیکن ورثاء کے حوالے کیا جائیگا چاہیں قصاص لیں چاہیں معاف کر دیں اور مال ں لیں۔

سئلہ: بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ قتل کرنے اور مال لوٹنے کی صورت میں مال اس وقت واپس لیا جائے جب اس کے ہاں موجود ہو ورنہ مال بھی معاف (جیسے عام چوروں کے متعلق مسئلہ ہے)

کایت: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حضرت حارث بن بدر تائب ہو کر حاضر ہوئے نکہ اس سے قبل ڈاکہ ڈالتا رہا، خونریزی کرتا رہا اور مال لوٹتا رہا، اس کی توبہ قبول فرمائی۔ اس سے کسی قسم کا مطالبہ نہ فرمایا۔

سئلہ: جو شخص گرفتاری کے بعد توبہ کرے تو اس سے نہ حقوق اللہ معاف ہوں گے نہ حقوق العباد۔

مسئلہ: ڈاکہ ڈالنا اور لوگوں کو ڈرانا سخت اور قبیح ترین گناہ ہے جیسے لوگوں سے دکھ درد ٹالنا بہترین کام اور اعلیٰ نیکی ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے ہاں اپنی امت کی نیکیاں اور برائیاں پیش کی گئیں ان کے بہترین اعمال میں سے میں نے ان کا بہتر عمل یہ پایا کہ جو مسلمانوں کے دکھ درد ٹالتے ہیں اور ان کی برائیوں میں سے سخت برائی یہ کہ تھوک مسجد میں پڑی ہو تو اسے دفن نہ کریں۔

marfat.ocm

حدیث شریف ۱ مع شرح : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

من اشار الی اخیہ (جس نے اپنے بھائی پر اشارہ کیا)

یعنی اخیہ سے مسلمان اور ذمی دونوں مراد ہیں اس حکم میں۔ بحدیدۃ (لوہے) سے اس سے قتل کرنے کا ہتھیار مراد ہے اس لیے کہ بعض روایات میں بسلاح (ہتھیار سے) کا لفظ صراحۃً واقع ہوا ہے تو ملائکہ اس پر لعنت بھیجتے ہیں، یعنی اس پر دُعا کرتے ہیں کہ بہشت میں ہرگز داخل نہ ہو، اس لیے کہ اس نے اپنے بھائی کو ڈرایا اشارہ سے۔ اور وہ حرام ہے۔

حدیث شریف ۲ میں ہے، حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لا یحل لمسلم ان یروع المسلم۔	مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ ہتھیار اٹھا کر مسلمان کو ڈرائے۔

ف : اس لیے کہ بسا اوقات یُوں ہوتا ہے کہ ہتھیار ہاتھ سے چھوٹ کر کسی کو لگ جاتا ہے۔

حدیث شریف ۳ : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لا یشر احدکم الی اخیہ فانہ لا یدری لعل الشیطان ینزع فی یدہ وان کان اخاہ۔ (مسلم شریف)	ہتھیار کے ساتھ اپنے کسی بھائی مسلمان کی طرف اشارہ نہ کرو، ممکن ہے شیطان اس سے چھین کر اس کے بھائی کو مار دے۔

ف : بھائی سے عام مومن مراد ہے خواہ اس کے ماں باپ ہوں، اگرچہ وہ اشارہ مذاق کے طور پر ہی ہو اور اشارہ سے اس کا مارنا مقصود نہ ہو۔

تفسیر صُوفیانہ

آیت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ نہ کرنے میں اولیاء اللہ کی دشمنی سے ممانعت فرمائی گئی ہے، اس لیے کہ حدیث قدسی میں ہے حضور علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

من عاد ولیًا فقد بارزنی فی الحرب وانی لاغضب لاولیائی کما یغضب اللیث لجروہ۔	جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی کرتا ہے وہ میرے ساتھ جنگ کرتا ہے، اور میں اپنے دوستوں کے لیے ایسے ناراض ہوتا ہُوں جیسے شیر اپنے بچے کے لیے۔

بلعم بن باعوراء کی کہانی

بلعم باعوراء حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا ایک بہت برگزیدہ بندہ تھا یہاں تک کہ زمین سے عرش کو دیکھ لیتا تھا، لیکن جب وہ دنیا کی طرف جُھکا اور دنیا داروں سے گٹھ جوڑ کیا تو وہ اللہ کے دوستوں کی مخالفت کرنے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے

معرفت چھین لیا اور اسے ایک ذلیل ترین کُتّے کی طرح بنا دیا۔

و ایسے مجرم کی سزا یہ ہے کہ اُسے رسوائی کی چھری سے ذبح کیا جائے یا اُسے محرومی کی سُولی پر مجبوری کی رسّی سے
یا اُس کے وصال کے دامن سے اس کے ہاتھ دُور رکھے جائیں اور اختلاف سے اس کے پاؤں۔
نس اور قربت کی زمین سے دُور شہر نکالا دے دیا جائے ایسے شخص کو دنیا میں بھی محرومی اور آخرت میں تو اُس نے
سے مہجور و محروم رہنا ہے الاّ الّذین تابوا مگر جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور بخشش
ور اللہ والوں سے معافی چاہی، اس سے قبل کہ اس سے ولایت چھین لی جائے تو اے اللہ والو اگر
عاف کر دو تو مناسب ہے اس لیے کہ تم جسے معاف کرو گے اسے اللہ تعالیٰ بھی معاف کر دے گا۔
اسے محروم کر دو گے تو وہ اللہ تعالیٰ کی درگاہ سے بھی محروم ہو گا اس لیے کہ ولایت کے دروازہ سے
کارے ہوئے کا کوئی ٹھکانا نہیں۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

کلیدِ گنجِ سعادت قبولِ اہلِ دلست
مبادکس کہ درین نکتہ شک و ریب کند

ترجمہ: گنجِ سعادت کی کنجی اہلِ دل کو قبول کرنا (ماننا) ہے ایسا نہ ہو کہ اس میں
کوئی شک و شبہ کرے۔

وی شریف میں ہے: ؎

(۱) لاجرم آں راہ بر تو بستہ شد　　　چوں دل اہلِ دل از تو خستہ شد
(۲) زود شاں دریاب و استغفار کن　　　ہمچوں ابرے گریہا و زار کن
(۳) تا گلستاں شاں سوئے تو بشگفد　　　میوہائے پختہ بر خود وا کند
(۴) ہم براں در گرد کم از سگ مباش　　　با سگِ کہف ار شدستی خواجہ تاش

ترجمہ: (۱) بہر حال تجھ پر وہ راہ بند ہے جب کوئی اہلِ دل تجھ سے ناراض ہوا۔
(۲) جلد تر ان سے معافی مانگ، استغفار کر، بادل کی طرح آنسو بہا اور زاری کر۔
(۳) تا کہ ان کے باغ کا پھول تجھے نصیب ہو اور ان سے پختہ میوے تجھے
نصیب ہوں۔
(۴) ان کے ہاں خدمت کے لیے کُتّے سے کم نہ ہو، سگِ اصحابِ کہف کی طرح
ان کا خادم بن۔

marfat.ocm

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا
اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں
فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٣٥﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي
جہاد کرو اس امید پر کہ فلاح پاؤ بے شک وہ جو کافر ہوئے جو کچھ زمین میں ہے
الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا
سب اور اس کی برابر اور اگر ان کی ملک ہو کہ اسے دے کر قیامت کے عذاب سے اپنی جان چھڑائیں تو
تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٣٦﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ
ان سے نہ لیا جائے گا اور ان کے لیے دکھ کا عذاب ہے دوزخ سے نکلنا چاہیں گے اور
وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿٣٧﴾ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا
وہ اس سے نہ نکلیں گے اور ان کو دوامی سزا ہے اور جو مرد یا عورت چور ہو تو ان کا ہاتھ
اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٣٨﴾ فَمَنْ تَابَ
کاٹو ان کے کیے کا بدلہ اللہ کی طرف سے سزا اور اللہ غالب حکمت والا ہے تو جو اپنے ظلم کے
مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣٩﴾
بعد توبہ کرے اور سنور جائے تو اللہ اپنی مہر سے اس پر رجوع فرمائے گا بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے
اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَغْفِرُ
کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی سزا دیتا ہے جسے چاہے اور بخشتا ہے
لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٤٠﴾ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ
جسے چاہے اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے اے رسول تمہیں غمگین نہ کریں وہ جو
يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ
کفر پر دوڑتے ہیں کچھ وہ جو اپنے منہ سے کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور ان کے دل مسلمان نہیں
وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ڔ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ
اور کچھ یہودی جھوٹ خوب سنتے ہیں اور لوگوں کی خوب سنتے ہیں جو تمہارے پاس
يَاْتُوْكَ ۭ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا
حاضر نہ ہوئے اللہ کی باتوں کو ان کے ٹھکانوں کے بعد بدل دیتے ہیں کہتے ہیں یہ حکم تمہیں ملے تو
فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۭ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ
مانو اور یہ نہ ملے تو بچو اور جسے اللہ گمراہ کرنا چاہے تو ہرگز تو اللہ

marfat.ocm

نَ اللّٰهِ شَيْئًا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ لَهُمْ فِي
کچھ بنا سکے گا وہ ہیں کہ اللہ نے ان کا دل پاک کرنا نہ چاہا انہیں دنیا میں
نْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۴۱﴾ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ
ہے اور انہیں آخرت میں بڑا عذاب بڑے جھوٹ سننے والے بڑے
تِ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ
تو اگر تمہارے حضور حاضر ہوں تو ان میں فیصلہ فرماؤ یا ان سے منہ پھیر لو اور اگر تم ان سے منہ
فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْئًا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ
تو وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑیں گے اور اگر ان میں فیصلہ فرماؤ تو انصاف سے فیصلہ کرو بیشک
يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا
ف والے اللہ کو پسند ہیں اور وہ تم سے کیونکر فیصلہ چاہیں گے حالانکہ ان کے پاس توریت ہے
اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۳﴾
اللہ کا حکم موجود ہے بایں ہمہ اسی سے منہ پھیرتے ہیں اور وہ ایمان لانے والے نہیں

عالمانہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ یعنی اس کے عذاب سے ڈرو اور اس کی نافرمانیوں سے بچو وَابْتَغُوْٓا اپنے لیے کرو اِلَيْهِ اس کی طرف اس کے ثواب اور اس کے قرب کے لیے الْوَسِيْلَةَ وسیلہ کو مالِ صالحہ سے اس کا قرب تلاش کرو۔ الیہ، الوسیلۃ سے متعلق ہے اہتمام کی وجہ سے الیہ کو ہے۔ الوسیلۃ مصدر نہیں کہ اس کے معمول کو اس پر مقدم کرنا جائز ہو بلکہ فعیلۃ کے وزن پر سل بہ ویتقرب الی اللّٰہ کے معنیٰ میں ہے، یعنی وہ شے کہ جس کے سبب سے اللہ تعالیٰ کا قرب کرو وسل کذا سے ماخوذ ہے تقرب الیہ کے معنیٰ پر ہے، اس کی جمع الوسائل آتی ہے۔

حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ وسیلۃ بہشت میں افضل الدرجات کا نام ہے۔

شریف میں ہے، حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سلوا الی اللّٰہ الوسیلۃ فانھا درجۃ فی
الجنۃ لاینالھا الا عبد واحد و
ارجوا من اللّٰہ ان یکون ھوانا ۔

میرے لیے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ وسیلہ کا
سوال کرو اس لیے کہ وہ بہشت میں ایک
ایسا درجہ ہے جو صرف ایک بندے کو
نصیب ہوگا اور مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ

marfat.ocm

وہ بندہ میں ہی ہوں۔

حدیث شریف میں ہے :

من قال حین یسمع النداء اللھم
رب ھٰذہ الدعوۃ التامۃ و
الصلاۃ القائمۃ آت سیدنا محمد
الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ المقام
المحمود الذی وعدتہ حلت لہ
شفاعتی یوم القیامۃ۔

جس نے مؤذن کی اذان سن کر اللھم رب سے لے کر الذی وعدتہ تک پڑھا۔ ترجمہ : اے اللہ اس کامل دعا کے مالک اور صلاۃ قائمہ کے رب ہمارے سردار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ اور درجہ رفیعہ عطا فرما اور انہیں وہ مقامِ محمود عطا فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔ اس پر میری شفاعت واجب ہوگئی۔

ف : حضرت فناری اپنی تفسیر فاتحہ میں لکھتے ہیں کہ وسیلہ جنتِ عدن میں ایک بہترین مقام کا نام جو اُمت کی دُعا سے صرف حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوگا۔ اس کی حکمت کو اللہ تعالیٰ مخفی رکھا جس کے سبب سے ہم اللہ تعالیٰ سے سعادت ابدی کے حقدار بنیں گے اس لیے اللہ تعالےٰ ہمیں افضل اُمم کے خطاب سے نوازا، اور ہم پر اُمتوں کو ختم فرمایا جیسے ہمارے نبی علیہ السلام کو خاتم الانب بنایا اور حضور علیہ السلام سے فرمایا کہ اس کی خوشخبری اپنی اُمت کو سنائیں۔ اس سے ہی ہمیں خاص نصیب ہُوا جس سے ہم اپنے رب سے راز و نیاز کی باتیں کریں گے اور وہ ہمارے ساتھ مخفی اسرار کا اظہا فرمائیگا اور اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق کو کوئی خصوصیت نصیب ہوتی ہے جو صرف اسی سے مخصوص ہوتی ہے اس لیے ہمیں حکم ہُوا کہ ہم اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے دُعا مانگیں کہ جس سے حضور نبی کریم صل علیہ وسلم کو وہی مرتبہ نصیب ہو۔ یہ بھی غیرتِ الٰہیہ میں سے ایک ہے **وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِ** اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو۔ لیعنی اس کے ظاہری اور باطنی دشمنوں کا مقابلہ کرو **لَعَلَّكُمْ** تاکہ تم **تُفْلِحُوْنَ** فلاح پاؤ کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو اور اس کے فضل و کرم سے نوازے جا

تفسیر صُوفیانہ

اللہ تعالیٰ نے فلاحِ حقیقی کو چار چیزوں پر منحصر فرمایا :

(۱) ایمان، لیعنی اس کے نور کا وہ چھینٹا جو اپنے دستِ قدرت سے ابتدائے تخلیق میں اپنی مخلوق پر ڈالا اس کی بدولت بندہ ظلماتِ کفر سے چھٹکارا پاتا ہے۔

(۲) تقویٰ جو پسندیدہ اخلاق اور اعمالِ صالحہ سے ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے بندہ گناہوں کی تاریکیو سے محفوظ ہوتا ہے۔

marfat.ocm

(۳) وسیلہ کی طلب یعنی لاہوتیہ میں ناسوتیہ کو فنا کرنا، اس سے بندہ وجود کے اوصاف سے بچتا ہے۔

(۴) جہاد فی سبیل اللہ یعنی انانیت کو مٹا کر ہویت میں گم ہونا۔ اس سے بندہ ظلمات وجود سے نجات ہود سے نوازا جاتا ہے۔

اب آیت کا حقیقی معنیٰ یہ ہوا کہ اے وہ لوگو! جنہیں نور کے چھینٹوں سے نوازا گیا مذموم اخلاق کو مٹا کر یدا کرو۔ وجود کے اوصاف ختم کرکے اس کا قرب حاصل کرو۔ وجود کو فنا کرکے جہاد فی سبیل اللہ کرو ینے معبود سے اپنا مقصود پاؤ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

ہ: آیت میں 'وسیلہ' کی طلب کی تاکید کی گئی ہے اور وہ ضروری امر ہے اس لیے کہ اس کے سوا ل تک پہنچنا ناممکن ہے اور اس وسیلہ سے علماءِ حقیقت یعنی مشائخ طریقت مراد ہیں۔ حضرت حافظ رہٗ نے فرمایا: ؎

قطع ایں مرحلہ بے ہمرہیٔ خضر مکن
ظلماتست بترس از خطر گمراہی

ترجمہ: مرشد (خضر) کی ہمراہی کے بغیر یہ راستہ طے نہ کر، اس میں تاریکیاں (ظلمات) ہیں گمراہ ہونے سے ڈر۔

روحانی

اپنے طور عمل کرنے سے نفس کو تقویت ملتی ہے۔ ہاں کامل مرشد کی نگرانی میں عمل کیا جائے اسی میں کامیابی ہے کہ دراصل وہی انبیاء کی رہبری ہے اور اولیاء کا یہی شیوہ ہے سے ہی وجود سے نجات ملتی ہے اور حجابات اُٹھتے ہیں اور اسی طریقہ سے ہی سالک اپنے ملک کے ک پہنچتا ہے۔

یت

حضرت ابوالحسن شاذلی قدس سرہٗ نے فرمایا میں اور میرا ایک رفیق ایک جنگل میں اللہ تعالیٰ کی تلاش میں نکلے ایک عرصہ تک اسی شغل میں رہے اور اس سے پُرامید تھے کہ آج سہی تو کل ضرور منزلِ مقصود تک پہنچیں گے۔ ایک دن ایک ذوہیبت انسان ہمیں ملا۔ ہم نے سمجھا یہ کوئی والا ہے ہم نے اُن سے عرض کی آپ کا کیا حال ہے؟ انہوں نے فرمایا اس کا کیا پوچھتے ہو جو اس ل میں غرق ہو کہ آج نہ سہی تو کل ضرور منزلِ مقصود تک پہنچیں گے۔ اس طرح سے اگر اپنے نفس کو یا گیا تو پھر منزلِ مراد تک پہنچنا مشکل ہے بلکہ اسے اگر ملنا ہے تو اسی کے نام سے ملو۔ چنانچہ اُن کی اس سے ہم متنبہ ہوئے اور اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور میں توبہ کی۔ اُس کے ہمارے اوپر واردات ہوئے اور ہم منزلِ مقصود تک پہنچے۔

marfat.ocm

سبق انسان کو چاہئے کہ ہر طرح کے تعلق سے پاک ہو کر اُس کی تلاش میں رہے پھر اس پر حقیقۃ حال کا انکشاف ہوگا۔ حضرت شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

فدائے دوست نکردیم عمر مال دریغ
کہ کار عشق زما ایں قدر نمی آید

ترجمہ: افسوس کہ ہم نے دوست پر عمر کا مال فدا نہ کر سکے عشق میں ہم سے یہ بھی نہ ہو سکا۔

نسخہ رُوحانی: اللہ والوں کی صحبت ایک نعمتِ عظمٰی اور سعادتِ عُلیا ہے۔

حکایت حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک مغربی خادم تھا آپ کے سامنے منکر نکیر کی بات چل نکلی۔ انہوں نے فرمایا کہ میں اُن سے بات کروں گا۔ عرض کی گئی ہمیں کیسے معلوم ہوگا؟ انہوں نے فرمایا کہ جب میں مر جاؤں تو تم میری قبر پر بیٹھنا پھر سُن لینا۔ جب وُہ بزرگ فوت ہوئے تو چند آدمی اُن کے مزار پر بیٹھ گئے اور کان لگا کر باتیں سُنیں۔ جب منکر نکیر نے سوالات کیے تو اُس نے کہا مجھ سے کیا پُوچھتے ہو میں نے تو زندگی سیدنا بایزید بسطامی قدس سرہٗ کی پوستین گردن پر اٹھائے رکھی ہے منکرین اُس کا یہ جواب سُن کر واپس چلے گئے۔

ف: یہ کوئی بڑی بات نہیں اس لیے کہ ایسے لوگوں کے پاس جوابات قبر میں ساتھ چلے جاتے ہیں وہی اُن کا سرمایۂ برزخی ہوتا ہے جس سے انہیں مقصود حاصل ہوتا ہے۔ حضرت مولانا روم مثنوی شریف میں فرماتے ہیں: ؎

گنج زری کہ چو خسپی زیر ریگ یا تو باشد آن نباشد مرد ریگ
پیش پیش آں جنازت می رود مونس گور و غریبے مے شود

ترجمہ: گنج زری جب تو مٹی کے نیچے سوئے گا تیرے ساتھ ہوگا وُہ کوئی مصنوعی شے نہ ہوگی۔ تیرے جنازہ کے آگے آگے جاتا ہے وہ تیرے سفر اور قبر کا ساتھی رہے گا۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَھُمْ بیشک وہ لوگ جو کافر ہیں اگر ان کے لیے ہو یعنی ان ہر ایک کے لیے مَا فِی الْاَرْضِ وہ جو روئے زمین پر ہے یعنی زمین کے ہر قسم کے مال اور خزینے بلکہ اُس کے تمام منافع کی اشیاء۔ ما فی الارض، اِنَّ کا اسم ہے اور لھم اس کی خبر مقدم ہے جَمِیْعًا سب کا سب۔ الّذین اسم موصول کیلیے

marfat.ocm

تاکید ہے یا اس سے حال واقع ہے وَمِثْلَهٗ اور اس کی مثل اور بھی اس کا اسم موصول پر عطف ہے یعنی ئے زمین کا دوگنا اور حال ہو مَعَهٗ اس کے ساتھ ہی یہ اسم ظرف اسم معطوف سے حال ہے اور ضمیر موصول کی طرف راجع ہے لِيَفْتَدُوْا بِهٖ ہے اس کا ضمیر اسم موصول کی طرف راجع ہے اسی طرح ثلہ' کا ضمیر بھی اسی طرف راجع ہے۔

وال: اسم موصول جمع ہے اور ضمیر واحد کی ہے۔

اب: اسے اسم اشارہ کا قائم مقام کیا گیا ہے گویا یہ کہ بذلك کی تاویل میں لایا گیا ہے۔

مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ یوم قیامت کے عذاب سے، یہ بھی لیفتدوا کے متعلق ہے۔

ت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو کچھ رُوئے زمین پر ہے اور اس جیسا اور بھی انہیں مل جائے اور وہ اس دن کے عذاب بچنے کے لیے فدیہ دیں مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ تو اُن سے قبول نہ کیا جائے۔ یہ لَوْ کا جواب ہے لَوْ ے متعلقات سے مل کر ان کی خبر ہے اُن پر عذابِ عظیم لازم ہونے کی مثال دے کر سمجھایا اور بتایا گیا ہے ن کے بچنے کی کوئی تدبیر نہیں نہ تحقیقاً نہ فرضی طور۔

یث شریف میں ہے،

> کافر کو جب قیامت میں عذاب کے لیے لایا جائیگا تو اس سے پُوچھا جائیگا کہ روئے زمین کے برابر تمہیں سونا دیا جائے اور پھر کہا جائے کیا تو اپنی جان رہائی کے لیے خرچ کرے گا۔ وہ کہے گا ہاں میری جان بچ جائے تو اس کو فدیہ کے طور خرچ کروں گا، اسے کہا جائے گا کہ دنیا میں تجھے اس سے آسان تر بات کہی گئی لیکن تُو نے اس کا انکار کر دیا۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ یعنی ایسا عذاب کہ اس کا د اُن کے دلوں پر اثر انداز ہوگا۔ يُرِيْدُوْنَ یہ سوال کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ گویا ان سے کہا گیا کہ اُن کا کیا حال ہوگا یا وہ قیامت میں کیا کریں گے اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وہ جہنم کی آگ سے نکلنے کی کوشش کریں گے۔ اس کے متعلق چند وجوہ ہیں،

(۱) جہنم سے نکلنے کا ارادہ کرکے جہنم کے شعلے گھیر لیں گے اور وہ شعلے اُن کے سروں کے اوپر چڑھ جائینگے ان شعلوں سے نکلنے کا ارادہ کرینگے تو پھر جہنم کی طرف انہیں دھکیلا جائیگا۔

(۲) جہنم کے شعلے اور اس کی طاقت انہیں اٹھا کر باہر پھینکنے کا زور لگائے گی جس سے وہ باہر نکلنے کا ارادہ کریں گے۔

(۳) وہ دل ہی دل میں اس جہنم سے نکلنے کا ارادہ کریں گے۔

marfat.ocm

وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا یعنی ارادہ تو نکلنے کا کریں گے حالانکہ وہ اُس سے نکل نہ سکیں گے اس لیے کہ جُونہی وُہ جہنم سے باہر نکلنے کا ارادہ کرینگے تو انہیں دھکے دے کر پھر جہنم میں لوٹایا جائیگا **وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ** اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے، ایسا دائمی کہ کبھی منقطع نہ ہوگا۔ اس میں عذاب کی سختی کے ساتھ ساتھ بتایا گیا ہے کہ وہ عذاب غیر متناہی ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ بہشتیوں کو بہشت میں کہا جائے گا تم اس بہشت میں ہمیشہ رہو گے اب تمہیں موت نہیں آئے گی جبکہ موت کو دُنبہ کی صورت میں لا کر بہشت اور دوزخ کے درمیان میں ذبح کیا جائے گا۔

نکتہ ۱: موت کو دُنبہ کی صورت میں لانے میں ایک نکتہ یہ ہے کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ بنا تو گویا وہ دنیا میں تمام زندوں کا فدیہ ہُوا پھر اسی مناسبت سے جو زندوں کا فدیہ بنایا گیا اُسے آخرت میں بھی ان کا فدیہ مقرر کیا گیا (کذا فی شرح المشارق لابن الملک)

نکتہ ۲: یہ کفر اور اس کی جزا یعنی جہنم میں دائمی طور پر رہنا اس وجہ سے ہے کہ لوگ ازل میں نورِ الٰہی کے چھینٹوں سے محروم رہے جبکہ اہلِ ایمان کو عالمِ ارواح میں اس نور سے وافر حصّہ نصیب ہوا۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

مومناں کان عسل زنبور وار
کافراں خود کان زہری ہمچو مار

ترجمہ: مومن شہد کی کان ہیں بھڑ کی طرح، کافر زہر کی کان ہیں سانپ کی طرح۔

---

(۱) جنبش خلق از قضا و وعدہ است   تیزیِ دنداں ز سوزِ معدہ است
(۲) نفس اوّل راند بر نفس دوم   ماہی از سر گندہ باشد نے ز دم
(۳) تو نمیدانی کزیں دو کیستی   جہد کن چنداں کہ بینی چیستی
(۴) چوں نہی پشت کشتی بار را   بر توکل میکنی آں کار را
(۵) تو نمیدانی کہ از ہر دو کئی   غرقۂ اندر سفر یا ناجئی
(۶) چونکہ بر بوکست جملہ کارہا   کار دیں اولیٰ کزیں یابے رہا

ترجمہ: (۱) مخلوق کی جنبش قضاء و وعدہ سے ہے دانتوں کی تیزی معدہ کی سوزش سے ہے۔

marfat.ocm

(۲) نفس نے خود ہی اپنے اوپر درندے چھوڑ دیئے مچھلی سر باہر نکالنے سے پکڑی جاتی ہے نہ کہ سانس نکالنے سے۔

(۳) تو نہیں جانتا کہ تو ان دونوں میں کون ہے کوشش کر پھر دیکھ کہ تو کون ہے۔

(۴) جب تو کشتی کی پشت پر بوجھ رکھتا ہے توکل سے ہی تو یہ کام کرتا ہے۔

(۵) تمہیں معلوم نہیں کہ تو ان دونوں میں کون ہے پانی میں غرق ہوگا یا نجات پا جائیگا۔

(۶) جب تیرے کام ایسے ہیں تو پھر دین کا کام ان سب سے اولیٰ ہے اسی سے تو نجات پا جائے گا۔

حکایت

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میں جہنم کے پُل پر کھڑا ہوں اور مجھے سخت خوف نے گھیر لیا، اس لیے سخت متفکر ہُوا کہ اب اِس پُل سے کیسے گزروں۔ اس اثناء میں ایک غیبی آواز آئی: اے بندۂ خدا! بوجھ اُتار کر اس پُل کو عبور کیجئے۔ میں نے پُوچھا، میرے ہاں تو کوئی بوجھ نہیں۔ فرمایا، یہی دُنیا کا گورکھ دھندا سب سے بڑا بوجھ ہے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا، ؎

تا کے غم دنیائے دُنی اے دلِ دانا
حیف است زخوبی کہ شود عاشق زشتی

ترجمہ: اے دلِ دانا! کب تک تو اس خسیس دنیائے غم میں کب تک رہے گا اس حسین پر افسوس ہے جو قبیح کا عاشق ہے۔

حدیث شریف مع شرح

حدیث شریف میں ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

یؤتى بانعم اهل الدنيا۔	قیامت میں دنیا کے بہت بڑی نعمتوں والے کو لایا جائے گا۔

حدیث میں بانعم اهل الدنیا میں باء تعدیہ کی ہے اور انعم افعل التفضیل کا صیغہ ہے جو نعمت سے مشتق ہے یعنی ہر وہ شخص جو سب سے زیادہ نعمتوں سے مالا مال ہو۔

من اهل النار يوم القيامة فيصبغ في النار صبغة۔	وہ اہلِ نعمت دوزخی ہوگا تو اس کو جہنم میں ایک غوطہ دیا جائے گا۔

یہاں پر صبغ کا معنی غوطہ دینا ہے اس لیے کہ کسی شَے کو رنگنے میں بھی یہی ہوتا ہے کہ اس شَے کو رنگ

marfat.ocm

میں غوطہ دیا جاتا ہے ملزوم بول کر لازم مراد لیا گیا ہے اور غوطہ لگانے سے یہی مقصود ہے کہ اُسے جہنم کی آگ سے جلایا جائیگا۔

ثم يقال يا ابن آدم هل رأيت خيرا قط هل مر بك نعيم قط فيقول لا والله يا رب۔

پھر اس سے پُوچھا جائے گا اے ابنِ آدم! تُو نے کبھی کوئی سُکھ پایا، کیا تجھے کوئی نعمت بھی نصیب ہوئی؟ تو کہے گا اے اللہ! مجھے کوئی سُکھ نصیب نہیں ہُوا اور نہ ہی کوئی نعمت ملی۔

یعنی عذاب کی سختی سے اُسے دنیا کی تمام نعمتیں بھول جائیں گی۔

ويؤتى باشد الناس بؤسا۔

اور قیامت میں تنگ دست تر انسان کو بلایا جائیگا۔

یعنی ہر وہ انسان کہ جس کی دُنیوی زندگی نہایت پریشانی اور تنگی سے گزری ہوگی۔

من اهل الجنة فيصبغ صبغة من الجنة فيقال له يا ابن آدم هل رأيت بؤسا قط هل مر بك شدة قط فيقول لا والله ما مر بي بؤس قط ولا رأيت شدة قط۔

اسے بہشت میں کچھ نعمتیں نصیب ہوں گی، تو پھر اس سے سوال ہوگا کہ ابن آدم تجھے کچھ نعمتیں نصیب ہوں گی۔ پھر اس سے سوال ہوگا کہ اے ابن آدم! تجھے کچھ دنیا میں دُکھ تکلیف پہنچی تھی؟ عرض کریگا نہیں یارب! مجھے تو کسی قسم کی تکلیف اور دکھ نہیں۔

کذا فی شرح المشارق لابن الملک ؎

ہر چند غرق بحرِ گناہم ز صد جہت
گر آشنائے عشق شوم زاہلِ رحمتم

ترجمہ: اگرچہ بے شمار طریقوں سے گناہوں کے دریا میں غرق ہوں اگر عشق کا واقف ہو جاؤں تو اہلِ رحمت سے ہوں۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ یہ مبتدا ہے اس کی خبر محذوف ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی حکم السارق والسارقة ثابت فیما یتلی علیکم یعنی چوری کرنے والے مرد اور عورت کا حکم تمہارے

marfat.ocm

لاوت کیے ہوئے قرآن میں ہے کہ **فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا** ان کے دونوں ہاتھ کاٹو۔ یہ حکم مقدر کا بیان فاء کا مابعد ما قبل سے مرتبط ہے اسی لیے کہ ان کے مابین فاء لائی گئی ہے کہ اصل مقصود چور کی سزا سے یہی ہے۔ اگر فاء نہ لائی جاتی تو بظاہر فاء کا مابعد ایک اجنبی معلوم ہوتا۔

سوال: جب یہی اصل مقصود ہے تو پھر حکم کو کیوں مقدر کیا گیا؟

اب: فاقطعوا امر ہے اور یہ انشاء ہے اور یہیں السارق الخ کے لیے خبر کی ضرورت ہے اور خبر جملہ انشائیہ یں بن سکتا سوائے اس کے کہ اس کے لیے کوئی شے مقدر مانی جائے یا اس کی تاویل کی جائے۔ ایدیھما ان کے دونوں دائیں ہاتھ مراد ہیں اسی لیے صیغہ جمع کا لایا گیا ہے جیسے قد صغت قلوبکما میں ع لائی گئی ہے حالانکہ یہاں دونوں مقام پر تثنیہ کا صیغہ چاہیے۔

ف: کس قدر چوری ہو تو قطع ید لازم آتی ہے اس کی تفصیل ہم ان شاء اللہ تعالیٰ آگے چل کر بیان کریں گے۔

جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ان کو ان کے کیے کی سزا اور اللہ تعالیٰ کا ان پر عذاب ہے جزاءً اور نکالاً دونوں مفعول لہٗ ہیں۔ معنٰی یہ ہے کہ ان دونوں کے ہاتھ کاٹو۔ یہ ان کی وہ سزا ہے جو انہوں نے چوری کی ہے اور دوبارہ ایسے عمل سے روکنے والی سزا ہے بلکہ دوسروں کو بھی عبرت ہوگی جو ان کی اقتدار میں ایسے بُرے فعل کا ارتکاب کرتے ہیں اور من اللہ نکالا کی صفت یعنی نکالا کائنا منہ تعالیٰ اور نکال، تنکیل کا اسم ہے نکول سے ماخوذ ہے بمعنے الامتناع **وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ** اور اللہ غالب ہے اپنے ہر امر پر جس کا وہ اجراء کرتا ہے جیسے وہ چاہتا ہے نہ اُسے کوئی روکنے والا روک سکتا ہے اور نہ ہی اس کی کوئی مخالفت کرنے والا ہے جو اس سے جھگڑا کرے **حَكِيْمٌ** اپنی شرائع کے اجراء میں حکمتیں جانتا ہے ان کا حکم ویسے جاری کرتا ہے جیسے حکمت اور مصلحت کا تقاضا ہوتا ہے اس لیے شرعی احکام کو سو سو حکمتوں اور مصلحتوں سے مشروع فرمایا۔ **فَمَنْ تَابَ** پس جو چور چوری سے توبہ کرے **مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ** ظلم کرنے کے بعد یعنی دُوسروں پر اُن کے مال چھین کر ظلم کرنے کے بعد۔

سوال: ظلم کی تصریح کیوں کی گئی ہے حالانکہ غلطی کے بغیر توبہ ہوتی ہی نہیں۔

جواب: اس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اظہار مطلوب ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتاتا ہے کہ یہ چوری وغیرہ بہت بڑا گناہ ہے۔

وَاَصْلَحَ اور اپنی اصلاح کرے یعنی جتنی غلطیاں کی ہیں اُن سے پُورے طور رُوگردانی کر کے پختہ ارادہ کرے کہ آئندہ ایسی غلطی کا ہرگز مرتکب نہیں ہوگا یعنی چوری وغیرہ نہیں کرے گا۔

marfat.ocm

فَإِنَّ اللّٰهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرتا ہے کہ اُسے آخرت میں عذاب میں مبتلا نہ کرے گا۔

مسئلہ: توبہ سے حدِ سرقہ یعنی قطعِ ید معاف نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ یہ مال کے مالک کا حق ہے اور حقوق العباد توبہ سے معاف نہیں ہوتے (یہی احناف کا مذہب ہے)

مسئلہ: حضرت حدادی فرماتے ہیں کہ اگر چور حاکم کے پیش ہونے سے پہلے چوری کا مال مالک کو واپس کر دے اور تائب بھی ہو جائے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

مسئلہ: جب اسے حاکم کے پیش کیا گیا تو پھر توبہ کرتا ہے تو اب ہاتھ کاٹنا واجب ہے۔ اگر اُس نے سچے دل سے توبہ کی ہے تو یہ قطعِ ید اس کے لیے بلندیِ درجات کا موجب ہوگا۔ جیسے انبیاء و اولیاء اور نیک لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے مصائب اور تکالیف و امراض میں مبتلا کر کے اُن کے لیے رفع درجات فرمائے یہ بھی اسی حکم میں ہے اگر سچے دل سے تائب نہیں تو آخرت میں سزا علاوہ ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے یعنی اس کی مغفرت و رحمت کا کوئی کنارہ نہیں اس لیے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آسمانوں اور زمینوں کے مُلک اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ یہ خطاب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ لیکن اس سے تمام لوگ مراد ہیں۔ تقریرِ علم کے لیے یہ استفہام انکاری ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر بندوں کو آگاہ کرنا مطلوب ہے۔ چنانچہ ابھی عذاب و مغفرت کا بیان کامل طریق سے مذکور ہوگا۔ یعنی تمہیں معلوم نہیں کہ تمام اشیاء پر اللہ تعالیٰ کا قبضہ ہے وہی ہر شے پر قادر ہے اور اسی کے ہاتھ میں تمام تصرفات ہیں زمین و آسمان کی ملکیت سے قدرتِ تامہ کا اظہار مطلوب ہے کہ وہ اتنی بہت بڑی قدرت کا مالک ہے کہ اُس کے قبضۂ قدرت میں آسمان و زمین بھی ہیں، اور ان کی ایجاد بھی اُسی کی ہے اور وہی ان کو مٹائے گا اور سب کو وہی زندہ رکھتا ہے اور سب کو وہی فنا فرمائے گا جیسا کہ اس کی قدرت و حکمت کا تقاضا ہوتا ہے ویسے ہی کرتا ہے۔ يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اگرچہ گناہ صغیرہ پر بھی عذاب دے یہ اس کا عدل ہوگا وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ اور جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اگرچہ بہت بڑا گناہ (کبیرہ) بھی ہو، یہ اس کا فضل ہے، یعنی جس کے لیے حکمت کا تقاضا ہوتا ہے عذاب دیتا ہے اور جس کی مغفرت کے لیے اس کی حکمت مقتضی ہوتی ہے اُسے بخش دیتا ہے وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے منجملہ اس کی قدرت کے یہ بھی ہے کہ جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے

marfat.ocm

وتا ہے۔

نت کے عقیدہ کی تفصیل

ابن الشیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص توبہ کیے بغیر مر جائے تو
اُسے دُنیا کی سزا یہ ملی کہ اس کا ہاتھ کاٹا گیا اور آخرت کا عذاب اس
دہ۔ اگر توبہ کر کے مرا تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی اس لیے کہ وہ مالک ہے جیسے چاہتا ہے کرتا ہے
ں طرح اس کا ارادہ ہوتا ہے ویسے حکم فرماتا ہے۔ پس جسے چاہے عذاب دے اور جسے چاہے بخش دے۔
ب دے تو بھی اس کی شان کے لائق ہے اور اگر کسی کو بخش دے تو بھی اس کے شایانِ شان ہے اس لیے
تمام مخلوق کا مالک اور معبود ہے وہ اپنی ملک میں جس طرح چاہے تصرف کرے۔

تزلہ کا عقیدہ

معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اچھے افعال اس لیے نہیں کہ وہ معبود ہے بلکہ بایں معنی
ہیں کہ اس کی مخلوق مصلحتوں کے لیے ایسے ہی لائق ہیں اور جو شئے بہتر مصلحت کی
تی ہے اس کو یہی متضمن ہے کہ وہ اچھی ہو۔

ری کے مسائل کی تفصیل

سئلہ: چوری اس مال کا نام ہے جو دس درہم کی مقدار (مالیت) کا کسی مکلف انسان کا محفوظ مال چھپ کے
الیا جائے اور اٹھانے والے کا نہ اس مال میں کوئی ملک ہو نہ شبہ ملک۔

ائد قیود

مکلف کی قید سے مجنون اور بچے کی مال کی چوری کا مسئلہ خارج ہوا کہ اگرچہ وہ بھی چوری ہے لیکن
قطع ید نہیں۔

سئلہ: خفیہ (چھپ کر مال لوٹنا) کی قید سے غصب اور ڈاکہ زنی خارج ہوئے اور یہی خفیہ طور سرقت
سائل کا رکن ہے۔

سئلہ: دس درہم خواہ نقد ہوں یا اُن کی قیمت کی مقدار (مالیت) یہ سرقہ کا نصاب ہے کہ اس سے
مال کا نام بھی اگرچہ سرقہ ہے لیکن قطع ید نہیں۔

سئلہ: مسائل عیوب میں دس درہم سے کم کی چوری بھی غلام اور لونڈی میں شرعاً عیب ہے اس لیے ایسے
لام اور لونڈی کو بائع کے ہاں لوٹایا جا سکتا ہے۔

سئلہ: حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سرقہ کا نصاب دینار کا چہارم حصہ ہے۔ لیکن احناف
کے نزدیک دس درہم۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث میں رُبع دینار بھی وارد ہوا ہے

لیکن دس دراہم والی روایت کو ترجیح ہے وہ اس لیے کہ باب الحدود میں اکثر کو لینا زیادہ موزوں ہوتا ہے کیونکہ اس میں سزاؤں سے بندوں کو بچانا بہتر ہے اس لیے کہ انہیں سزاؤں میں مبتلا رکھا جائے اور وہ اس صورت میں ہے کہ نصاب کے معاملے میں کثرت ضروری ہے ورنہ معمولی غلطی کس انسان سے نہیں ہوتی (الاقلیل منهم والقلیل کالمعدوم)

مسئلہ : دس دراہم سے وہ ہے جو سات مثقال کے وزن کے برابر ہوتا ہے۔

مسئلہ : دراہم (مہر شدہ) کی قید لگائی جاتی ہے اس سے وہ مال خارج ہوا جو اس مقدار سے کم قیمت ہو۔ مثلاً کسی نے غیر مہر کا چاندی یا سونا چرایا ہے لیکن اس کی قیمت دس درہم سے کم ہوتی ہے تو اس پر قطعِ ید نہیں۔

مسئلہ : مال کو حفاظت کی قید اس لیے لگائی جاتی ہے کہ ایسے مال پر قطع ید ہے، جس پر کوئی نگران ہو یہ نگرانی مکان میں محفوظ رکھنے سے ہو یا اس پر مستقل طور محافظ مقرر ہو۔

مسئلہ : امام بغوی فرماتے ہیں کہ اگر غیر محفوظ مال کی چوری کی گئی۔ مثلاً ایسے باغ سے میوے توڑے جس پر کوئی محافظ نہیں تھا یا ایسے جانور کو جنگل سے چرایا کہ جس کا کوئی نگران نہیں تھا، یا سامان کو ایسے مکان سے اٹھایا جس میں ہر ایک کو آمدورفت کی اجازت ہے جیسے حمام اور عام سرائے، تو قطعِ ید نہیں۔ اس لیے کہ اشتباہ سے حدود مندفع ہو جاتے ہیں۔

مسئلہ : غلام اپنے مالک کی چوری کرے تو اس پر قطعِ ید نہیں، اس لیے کہ غلام کو اپنے سردار کے گھر میں ہر وقت آنے جانے کی اجازت ہوتی ہے۔

مسئلہ : مرد کو اپنی عورت اور عورت کو اپنے مرد کے مال کی چوری پہ قطعِ ید نہیں، اگرچہ وہ مال کسی محفوظ مکان میں ہو یا اس پر خصوصی نگران بھی مقرر ہو اس لیے کہ زن وشوہر کو آپس کے اموال پر تصرفات کی عام اجازت ہوتی ہے۔ اور عادةً پوچھے بغیر ایک دوسرے کا مال خرچ کیا جاتا ہے اس طرح سے قطعِ ید میں رکاوٹ پیدا ہو سکتی ہے۔

مسئلہ : جن ورثاء کو آپس میں وراثت کا رشتہ ہو تو ان کو آپس کے مال چرانے پر قطعِ ید نہیں اس لیے کہ یہ آپس میں ایک دوسرے کے اموال سے نفع اٹھانے کے حقدار ہوتے ہیں اور ان کی آمد و رفت پر مال کی حفاظت نہیں ہو سکتی۔

مسئلہ : ذی رحم محرم کے مکان سے چوری کرنے پر بھی قطعِ ید نہیں، اگرچہ مال مسروق کسی غیر کا اس کے گھر میں رکھا ہو اس لیے کہ ذی رحم محرم رشتہ دار سے بھی مال کی حفاظت نہیں ہو سکتی۔

marfat.ocm

مسئلہ: چور کا دایاں ہاتھ گٹوں سے کاٹا جائے، پھر کاٹنے کے بعد اسے گرم تیل میں ڈالا جائے تاکہ بند ہو جائے اس لیے کہ اگر اسے تیل میں نہ ڈالا جائیگا تو خون حد سے زیادہ بہہ جائے گا جو انسان کی ت کا موجب ہے اور کسی کو حد لگانے سے آئندہ فعل کرنے سے بچانا مطلوب ہے نہ کہ اسے ضائع اور کرنا۔ یہی وجہ ہے کہ سخت گرمی میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جاتی۔

مسئلہ: ایک ہاتھ کٹ جانے کے بعد دوبارہ چوری کرے تو اس کا بایاں پاؤں گٹے سے کاٹا جائے۔ یسری بار چوری کرے تو ہاتھ نہ کاٹا جائے بلکہ جب تک وہ توبہ نہ کرے یا اس میں نیکی کے آثار نمایاں ہوں اسے قید خانے میں رکھا جائے۔

حکایت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک چور کو تیسری چوری میں گرفتار کر کے لایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور مجھے حیا آتا ہے کہ اس کا ایک ہاتھ بھی نہ چھوڑوں جس سے وہ کھا پی سکے اور نہ ہی پاؤں جس سے وہ چل پھر سکے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:

اتقوا فراسة المؤمن فانه ینظر	مومن کی فراست سے ڈرو اس لیے کہ
بنور اللہ۔	وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔

سبق: اس سے ثابت ہوتا ہے کہ توبہ کے آثار بھی نمایاں ہو سکتے ہیں جسے نیک لوگ پہچان سکتے ہیں۔

مسئلہ: چوری کا اثبات ان دلائل و براہین سے ہوتا ہے جن سے شراب کا اثبات ہوتا ہے یعنی شہادت اور اقرار سے۔

مسئلہ: گواہی کے لیے دو مرد ضروری ہیں، حدود میں عورتوں کی گواہی غیر قابل قبول ہے۔

مسئلہ: جس کا مال چوری ہوا ہے اس کی طرف سے ہاتھ کاٹنے کا مطالبہ ضروری ہے اس لیے کہ دوسروں کے مال کی خیانت کا پتا اس وقت چلے گا جب مال کا مالک اس کا مطالبہ کرے۔

مسئلہ: ہاتھ کاٹنے میں شریف اور کمینے کا کوئی امتیاز نہیں، چوری جو بھی کرے گا شریف ہو خسیس ہو ہاتھ ضرور کاٹے جائیں گے۔

حدیث شریف و حکایت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سامنے ایک مخزومیہ عورت کو لایا گیا کہ اس نے چوری کی ہے۔ آپ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرما دیا۔ اس کے لیے حضرت اسامہ بن زید

marfat.ocm

رضی اللہ عنہ نے سفارش کی۔ آپ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو محبوب رکھنے کے باوجود اُس کی یہ سفارش ر
قبول نہ فرمائی اور فرمایا:

اے اسامہ! کیا تو اللہ تعالیٰ کے حدود کے خلاف سفارش کرتا ہے، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تم سے پہلے لوگ بھی اسی لیے تباہ ہُوئے کہ جب اُن کے معزز گھرانے کے لوگ چوری کرتے تو ان پر حد جاری نہ کرتے اور اگر غریب گھرانے کے لوگ چوری کرتے تو اُن کا ہاتھ کاٹ دیتے۔ یاد رکھو کہ اگر میری صاحبزادی حضرت فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) بھی چوری کرے (بفرضِ محال) تو میں اس کے بھی ہاتھ کاٹ دُوں گا۔

حدیث شریف: حضور علیہ السلام نے فرمایا:

جب حدود کا مقدمہ حاکمِ وقت کے ہاں پیش ہو تو اس کی سفارش نہ کی جائے۔

اس لیے حضور علیہ السلام نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی سفارش کو رد فرما دیا۔

مسئلہ: مقدمہ دائر ہونے سے پہلے اگر مدعی کو منوایا جائے یا سفارش کے طور پر کہا جائے تو جائز ہے

مسئلہ: گنہگار کی ستر پوشی مستحب ہے جبکہ وہ شریر اور موذی نہ ہو۔

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ؎

پس پردہ بیند عمل ہائے بد   ہم او پردہ پوشد بآلائے خود

ترجمہ: پس پردہ ہمارے بے شمار بُرے اعمال دیکھتا ہے لیکن اپنے کرم سے ہماری پردہ پوشی فرماتا ہے۔

ف: حدیث شریف رعیت کے ساتھ عدل و انصاف پر دلالت کرتی ہے اور واجب کہ سب پر اجرائے احکام برابر ہو۔

سوال: امام ابو منصور رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ جس ہاتھ کو کاٹا جائے گا اس کی قیمت ہزاروں روپے تک پہنچے گی اور چوری کی مقدار کم از کم دس درہم ہے۔ چوری کی سزا میں برابری نہ ہوئی حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ومن جاء بالسیئۃ فلا یجزی الا مثلھا۔	جو شخص بُرائی کرے اسے اس کی بُرائی کے برابر سزا دی جائے۔

جواب: دنیاوی سزا ایک آزمائش ہے اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے جس طرح آزمائش چاہتا ہے کرتا ہے بندے کی غلطی کے مطابق سزا نہیں دی جاتی بلکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت پر سزا مقرر ہوئی ہے اور یہاں بھی ہاتھ کاٹنا اس کی چوری کے مال کی سزا نہیں بلکہ اس لیے ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی

marfat.ocm

کسب ہے ۔ ارشاد باری تعالیٰ میں بھی اس طرف اشارہ ہے ۔ چنانچہ فرمایا :

جَزَآءً بِمَا كَسَبَا ۔ یعنی یہ سزا چوری کے عمل سے ہے اور یہ سزا یعنی ہاتھ کاٹنا ممکن ہے ۔ اس ہتک کے برابر ہو اگرچہ دس درہم کی کوئی وقعت نہیں اور سزاؤں کی مقدار وہی جانتا ہے جسے علم ہو ۔ جب یہ بات مسلّم ہے تو بندے کو سرِ تسلیم خم کرنا لازمی ہے ۔

حضرت یونس بن عبید باب الترہیب میں فرماتے ہیں کہ یہ مت کہو کہ چور کے بہتر عضو کو صرف درہم کی سزا پر کٹوا ڈالے ۔ اس طرح کہنے سے کل قیامت میں سخت عذاب میں مبتلا کئے جاؤ گے ۔ (منہاج العارفین)

سبق : دانا پر لازم ہے کہ وہ اپنی تمام غلطیوں سے توبہ کرے اور تمام غلط کاریوں سے بچنے کی کوشش اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے ۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

حیلہا و چارہا گر اژدہا ست
پیش الا اللہ آنہا جملہ لا ست

ترجمہ : حیلے و فریب اگرچہ اژدہا ہیں الا اللہ کے سامنے لا (نہیں) ہیں ۔

قفل زسخت و کشایندہ خدا
دست در تسلیم زن اندر رضا

ترجمہ : سخت تالے لگے ہوئے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کھولنے والا ہے تسلیم و رضا کا دامن پکڑ ۔

سوال : آیت ہذا میں چور (مرد) کا نام پہلے اور زنا کے مضمون میں عورت کا ذکر پہلے کیوں ؟

جواب : چوری طاقت و قوت کے ذریعے ہوتی ہے اور طاقت و قوت میں مرد عورت سے زیادہ قوی تا ہے ۔ اور زنا شہوت سے ہوتا ہے اور عورت کو مرد سے زیادہ شہوت ہوتی ہے اور اس کا سبب بھی عورت ہی بنتی ہے ۔

: کہتے ہیں کہ متعدد مرد بھی ایک عورت کی شہوت کو نہیں بجھا سکتے ۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے وعصیٰ آدم ربہٗ فغویٰ فرمایا حالانکہ وعصت حوا الخ فرماتا لیے کہ گندم کا دانہ کھانے میں پہل بی بی حوا نے کی اور اس کی ترغیب انہوں نے دی لیکن چونکہ مرد کے تابع ہوتی ہے اس لیے مرد کی تقدیم مناسب ہوئی ۔

marfat.ocm

سوال : جیسے چوری کے فعل میں ہاتھ کے ارتکاب سے ہاتھ کو کاٹا جاتا ہے اسی طرح زنا میں ذکر کو کاٹنا چاہیئے ۔

جواب :- (۱) ذکر کو کاٹ لیا جائے تو آیندہ نسل کے منقطع ہونے کا خطرہ ہے ۔
(۲) سزا تمام بدن کو ملتی ہے کہ زنا میں تمام بدن لذت پاتا ہے ۔

نکتہ حضرت نیشاپوری فرماتے ہیں کہ چور نے معنوی ہاتھ چھینا ہے جو کہ اس کا مال اس کا سہارا ہے اس لیے اس کی سزا ہاتھ کاٹنے کی مقرر ہوئی کہ ہاتھ کا بدلہ ہاتھ بنا ۔

نکتہ : اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وللہ خزائن السمٰوٰت والارض ۔ آسمان و زمین کے خزانے اللہ تعالےٰ کے ہیں ۔

پھر جو کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کا ہے ۔ بندہ کے پاس مال بطور امانت رکھا گیا ہے پھر جب چور نے اپنے مالک کے خزانے سے چوری کی تو مالک نے سزا کے طور اس کا ہاتھ کاٹا کہ یہ کام اسی نے کیا ہے ۔

لطیفہ : جیسے مال چوری ہوتا ہے اسی طرح عبادات کی بھی چوری ہوتی ہے ۔

حدیث شریف : چنانچہ حدیث شریف میں ہے :

اسوء الناس سرقة الذی یسرق من صلاته ۔ سب سے بڑا چور وہ ہے جو اپنی نماز کی چوری کرتا ہے ۔

عرض کی گئی کہ نماز کی چوری کیسے ہوتی ہے ؟ فرمایا :

لا یتم رکوعها و لا سجودها ۔ جو رکوع و سجود صحیح طریقے سے ادا نہیں کرتا وہ نماز کا چور ہے ۔

حدیث شریف میں ہے :

ان الرجل یصلی ستین سنة وما تقبل له صلاة ۔ بندہ ساٹھ سال تک نماز پڑھتا ہے لیکن اس کی نماز قبول نہیں ہوتی ۔

۔۔ صرف اس لیے کہ وہ رکوع و سجود اچھے طریق سے ادا نہیں کرتا کذا فی الترغیب والترھیب ۔

نکتہ صوفیانہ چونکہ ایسا نمازی وصالِ الٰہی کا رشتہ توڑ دیتا ہے اس لیے وہ اپنی منزلِ مراد تک نہیں پہنچ سکتا بلکہ دائمی طور جدائی اور فراق میں رہتا ہے کیونکہ اس نے

marfat.ocm

گستاخی اور بےادبی بلکہ اپنے رب کریم کے حکم میں سخت کوتاہی کی ہے۔

یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ یہ خطاب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے حضور علیہ السلام کی ی و بزرگی کے پیشِ نظر آپ کی رسالت کو مضمون کا عنوان بنایا گیا ہے۔ لَا یَحْزُنْکَ الَّذِیْنَ ان لوگوں کا کردار غم میں نہ ڈالے اس لیے کہ اشخاص قطع نظر از عوارض غم و فرحت کا موجب بنتے یُسَارِعُوْنَ فِی الْکُفْرِ کفر کے اظہار میں عجلت کرتے ہیں۔ جب انہیں فرصت ملتی ہے کفر بکتے ہیں اس سے حضور علیہ السلام کو کفار کے کردار سے غمگین ہونے سے روکا گیا ہے اس بناء پر تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہے۔ یعنی آپ غم نہ کھائیے اور اُن کے کفر میں جلدی کرنے کی پروا مت مِنَ الَّذِیْنَ کفر میں عجلت کرنے والوں کا بیان ہے یعنی وہ کفار جو کہ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ کہتے ہیں ہم تو صرف زبانی طور پر ایمان کا اظہار کرتے ہیں بافواھھم ' قالوا سے متعلق ہے۔

سوال: قول ہوتا ہی ہے زبان سے کہنے سے، پھر افواھھم کی اضافت کا کیا فائدہ ؟

جواب: تاکہ واضح ہو جائے کہ اُن کی بات صرف منہ تک محدود ہے، اس کا تعلق اُن کے قلبی اعتقاد سے قطعاً نہیں۔

وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُھُمْ یہ قالوا کی ضمیر سے حال ہے۔ یہ اس کی تاکید ہے کہ اُن کی بات صرف زبانوں تک ہے ان کے دل ایمان سے خالی ہیں۔ وَمِنَ الَّذِیْنَ ھَادُوْا اور وہ لوگ جو یہودی ہیں۔ اس کا عطف من الذین ' قالوا پر ہے۔ یہاں پر کفر میں عجلت کرنے والوں کا بیان ختم ہوا۔ اور بتایا گیا کہ وہ دو قسم ہیں:

۱۔ منافقین

۲۔ یہودی

سَمّٰعُوْنَ خبر ہے اس کا مبتداء محذوف ہے دراصل ھم سمّٰعون تھا یعنی منافقین اور یہودی بہت زیادہ پھیلانے والے ہیں لِلْکَذِبِ جھوٹ کو، یہ لام تقویتِ عمل کے لیے ہے، یا سماع بمعنے قبول اور لام بمعنے کیؔ ہے اور اس کا مفعول محذوف ہے یعنی یہ ہے کہ وہ بہت زیادہ جھوٹ بولتے ہیں، یا یہ کہ جو اُن کے پادری انہیں اللہ پر افتراء کر کے باتیں بتاتے ہیں اسی طرح ان کی کتابوں کی تحریف کر کے اُن کے پادری جیسے کہتے ہیں یہ انہیں بہت زیادہ قبول کرتے ہیں، یا یہ کہ وہ تمہاری خبریں اور باتیں بہت زیادہ سنتے ہیں تاکہ انہیں گھٹا بڑھا کر تبدیل کر کے لوگوں کو تم سے

marfat.ocm

بھکائیں، اس لیے کہ بعض اُن میں ایسے بھی تھے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بعض باتیں سُن کر دوسروں کو کچھ کا کچھ جا کر سناتے سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ یہ مبتداء مقدر کی دوسری خبر ہے اور پہلے مبتداء کے لیے ثابت اور واضح کرتا ہے کہ یہاں کذب مذکورہ دونوں وجہوں کے معنی میں ہے اور لام سمع اللہ لمن حمدہ کی طرح ہوگی کہ اس کا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جس طرح سے کوئی حمد کرے اسے وُہ قبول کرتا ہے۔ اب آیت کا مطلب یہ ہُوا کہ وُہ دوسروں کی باتیں بہت زیادہ مانتے ہیں لَمْ يَاْتُوْكَ یہ قوم کی دوسری صفت ہے یعنی وہ قوم جو آپ کی مجلس میں نہیں آئی بلکہ تکبر کے طور پر اور آپ سے زیادہ بُغض رکھنے کی وجہ سے بہت زیادہ دُور رہتے ہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے خیبر کے یہودی اور سمّٰعون سے بنو قریظہ مراد ہیں۔ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ یہ قوم کی دوسری صفت ہے۔ کلماتِ الٰہیہ کو اپنے اپنے مقام سے تبدیل کرتے ہیں۔ یعنی جن امور کو جس طرح اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے انہیں یہ لوگ تبدیل کرتے ہیں یعنی جن امور کو جس طرح اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے انہیں یہ لوگ تبدیل کرتے ہیں۔ یہ تبدیلی یا لفظاً ہوگی کہ اسے مہمل چھوڑتے ہیں یا اس کے وصف کو بدل دیتے ہیں یا اس کی مراد کے خلاف معنے ظاہر کرتے ہیں یا اسے اپنے مورد سے پھیر کر دوسرا مورد متعین کرتے ہیں۔ يَقُوْلُوْنَ یہ قوم کی اور صفت ہے یعنی ان کے بڑے لیڈر اپنے ان تابعداروں کی باتوں کو بہت زیادہ سنتے ہیں جن کو اپنی جھوٹی اور بناوٹی باتیں بتاتے ہُوئے اپنے باطل کلام کی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں کہ اِنْ اُوْتِيْتُمْ اگر تم اس رسول علیہ السلام سے دئے جاؤ هٰذَا یہ بناوٹی باتوں میں سے کچھ وہ بتائیں فَخُذُوْهُ تو اسے لے لو یعنی اس منگھڑت کلام پر عمل کرو اس لیے کہ وہی حق ہے وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ اور اگر تم وُہ نہ دئے جاؤ بلکہ اس کا غیر دئے جاؤ فَاحْذَرُوْا تو پھر تم اس سے بچو یعنی اسے قبول نہ کرو، تم اس سے دُور رہو اور ان کو بھی اپنے سے دُور رکھو۔

شانِ نزول مروی ہے کہ خیبر کے ایک اونچے خاندان کے مرد نے ایک سردار قوم کی عورت سے زنا کر لیا اور تھے بھی دونوں شادی شدہ۔ تورات میں بھی شادی شدہ زانیوں کی سزا سنگساری مقرر تھی لیکن اُنہوں نے ان کی قومی عزت و احترام کے پیشِ نظر ان دونوں کو سنگسار کرنے سے پس و پیش کی اور ایک وفد کے ہمراہ ان زانیوں کو بنو قریظہ کے ہاں بھیجا۔ وہ وفد زانیوں کو لے کر بنو قریظہ اور نضیر کے قبیلہ کے ہاں پہنچے اور کہا کہ اے بھائیو! تم اس مرد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) سے واقف ہو اور تمہیں ان کی رہائش کا پتا ہے کہ وہ کس شہر اور کس مقام پر رہتے ہیں۔ ہمارے ہاں ایک حادثہ ہوا ہے وہ یہ کہ ان مرد و زن سے زنا سرزد ہوا ہے اور یہ دونوں شادی شدہ بھی ہیں آپ

marfat.ocm

مگر ہمارے لیے اس نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فیصلہ کرا دو۔

قریظہ اور نضیر دونوں قبیلوں کے لوگوں نے کہا کہ بخدا وہ جس طرح کا فیصلہ سنائیں گے تمہیں ناگوار ہوگا تاہم تمہارے کہنے پر ہم تمہارے ساتھ چلتے ہیں۔ چنانچہ ان کے بڑے بڑے لیڈر جیسے کعب بن اشرف، کعب بن اسد اور کنانہ بن ابی الحقیق وغیرہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: یا محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)! بتائیے زانی اور زانیہ کی سزا تمہاری کتاب میں کیا ہے جو دونوں شادی شدہ بھی ہوں۔ آپ نے فرمایا: کیا تم میرے فیصلے پر راضی ہو جاؤ گے؟ سب نے کہا: ہم اسی لیے تو آئے ہیں کہ آپ سے فیصلہ حق سنیں۔ آپ کے ہاں اسی وقت جبرائیل (علیہ السلام) ان کے لیے سنگساری کا حکم لائے۔ اور آپ نے انھیں یہ حکم سنایا تو سب نے انکار کر دیا۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ آپ انہیں اس فیصلہ کے لیے ان کے عالم ابن صوریا کو حکم بنائیے اور اس کو یہ بات بھی سنا دیجئے۔ آپ نے یہودیوں سے فرمایا: تم ایک گورے چٹے نوجوان ابنِ صوریا کو جانتے ہو جو فدک میں مقیم ہے؟ سب نے کہا: ہاں جانتے ہیں وہ ہمارے مذہب کا بہت بڑا عالم ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اب صرف وہی تورات کا علم رکھنے والا رہ گیا ہے۔ آپ نے فرمایا: اُسے بلائیے۔ چنانچہ اُنہوں نے اسے بُلوایا۔ جب وہ حاضر ہُوا تو آپ نے اُسے فرمایا: تُو ہی ابن صوریا ہے؟ اُس نے کہا: ہاں جی۔ آپ نے فرمایا: اس وقت یہودیوں کا سب سے بڑا عالم تُو ہی ہے؟ اس نے کہا: ایسے ہی کہتے ہیں۔ پھر آپ نے یہودیوں سے فرمایا: کیا تم اسے حَکم مانتے ہو؟ سب نے کہا: ہاں جی! آپ نے ابن صوریا سے فرمایا: میں تجھے اس خدا کی قسم دیتا ہُوں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی اور تمہیں مصر سے نکالا اور تمہارے لیے دریا میں سڑکیں بنائیں اور تمہیں نجات دے کر تمہارے دشمنوں اور فرعون کو غرق کر دیا اور تمہارے اوپر بادلوں کا سایہ بنایا اور تمہارے اُوپر مَن و سلویٰ نازل فرمایا اور تمہارے اوپر ایک کتاب اتاری جس میں حلال و حرام کے احکام ہیں۔ یہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ تمہاری کتاب میں شادی شدہ زانی مرد و عورت پر سنگساری کا حکم ہے؟ ابن صوریا نے کہا اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ اگر جھوٹ بولوں تو مجھے تورات جلا کر راکھ بنا دے گی تو میں اس کا اقرار ہرگز نہ کرتا یا اس کے خلاف کوئی اور بات بنا دیتا لیکن اے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! فرمائیے آپ کی کتاب میں اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: میری کتاب میں یہ حکم ہے کہ اگر دو شادی شدہ زانی مرد و عورت کے لیے چار نیک مرد گواہی دیں کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے انہیں زنا کرتے ایسے دیکھا ہے جیسے سُرمہ دانی میں سلائی ہوتی ہے تو میں انہیں سنگساری کا حکم دیتا ہُوں۔

marfat.ocm

ابن صوریا نے کہا، مجھے اُس ذات کی قسم ہے جس نے موسیٰ علیہ السلام پر توراۃ نازل فرمائی۔ ہماری کتاب میں بھی اللہ تعالیٰ نے اسی طرح حکم فرمایا ہے پھر آپ نے اس سے فرمایا، تو پھر تم نے اس حکم کو کیوں تبدیل کردیا ہے۔ عرض کی کہ ہم جب اس غلطی کا ارتکاب کسی اچھے خاندان والوں سے پاتے ہیں تو انہیں معاف کر دیتے ہیں اور اگر غریبوں سے یہ معاملہ ہوتا ہے تو انہیں سنگسار کرتے ہیں۔ اس بنا پر ہم میں زنا کی کثرت ہوگئی۔ اسی طرح جب ہم نے اپنوں سے چشم پوشی کی تو اسے دیکھ کر دوسرے نے زنا کیا، اسی طرح پھر تیسرے نے، پھر یہ وبا عام پھیل گئی، ہم بھی مجبور ہوگئے، وہ اس طرح کہ جب ہم کسی اونچے گھرانے کے فرد پر یہ حکم جاری کرتے تو اس کی طرف بہت برادری کھڑی ہو جاتی کہ اُسے سنگسار کرنا ہے تو فلاں کو بھی کرو وغیرہ، پھر ہم نے مل کر ایک قانون پاس کیا جو سزا میں سنگساری سے کم ہو، ہم نے سب امیر و غریب کے لیے زنا کی سزا صرف چالیس کوڑے اور تحمیم مقرر کیا، وہ اس طرح کہ اس کوڑے سے رسّی باندھ دی جاتی جو کالے تیل سے رنگی جاتی پھر ان زانیوں کے چہروں کو سیاہ کر کے دو گدھوں پر الٹا بٹھا کر شہر کا گشت کراتے۔ اس طرح سے ہم سے رجم ختم ہوگیا۔

یہودیوں نے ابن صوریا سے کہا، افسوس ہے کہ تُو نے ہمارا بھانڈا چوراہے میں پھوڑ دیا۔ ہم نے غائبانہ تیری بہت تعریف کی وہ صرف اس لیے کہ تم یہ نہ کہو کہ تم نے میری پس پشت غیبت کی۔ ابن صوریا نے کہا، تم درست کہتے ہو لیکن مجھے خطرہ تھا کہ اگر میں اس وقت جھوٹ بولتا تو میں تباہ و برباد ہو جاتا۔ یہ فیصلہ سُن کر یہودی خاموش ہوگئے اور آپ نے فرمایا کہ زانی مرد و عورت کو مسجد کے قریب لاؤ۔ جب انھیں لایا گیا تو آپ نے انہیں سنگسار کر کے فرمایا،

اے اللہ! میں پہلا ہوں جو تیرے حکم کو زندہ کر رہا ہوں جبکہ انہوں نے تیرے حکم کو مٹا دیا تھا۔

اس پر یہ آیت اتری کہ یایہا الرسل۔

وَمَنۡ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتۡنَتَهٗ یہ مَنۡ شرطیہ ہے یعنی جس کے لیے اللہ تعالیٰ گمراہی کا ارادہ کرتا ہے فَلَنۡ تَمۡلِكَ لَهٗ تو تم اس کے لیے کوئی اختیار نہیں رکھتے مِنَ اللّٰهِ شَيۡـئًا اس سے اس کی گمراہی دُور فرمائیں اُولٰٓـئِكَ وہ منافقین اور یہود الَّذِيۡنَ لَمۡ يُرِدِ اللّٰهُ اَنۡ يُّطَهِّرَ قُلُوۡبَهُمۡ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہی نہیں کہ ان کے دل پاک کرے کیونکہ وہ گمراہی و کفر میں بہت زیادہ منہمک ہیں اور اس پر مُصر ہیں اور انہوں نے اپنے اختیار کا رُخ ہدایت سے بالکلیہ پھیر کر گمراہی و کفر کی طرف کر دیا ہے لَهُمۡ منافقین اور یہودیوں کے لیے فِى الدُّنۡيَا خِزۡىٌ دنیا میں رُسوائی ہے منافقین کو بایں معنی کہ ان کی منافقت کا پردہ چاک کر کے جگہ جگہ ذلیل و خوار کیا ہے، اور یہودیوں کا بایں معنی کہ اُن پر

marfat.ocm

مقررکے وقت وفاداری کا نشانہ بنایا گیا ہے اور ساتھ ہی عوام میں واضح کر دیا گیا ہے کہ انہوں نے تے کے احکام کو بدل ڈالا ہے وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اور ان کے لیے رسوائی کے علاوہ آخرت کی بڑی سزا مقرر ہے جسے عَذَابٌ عَظِيْمٌ سے تعبیر کیا گیا ہے وہ یہی ہے کہ وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ جلتے رہیں گے سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ وہ جھوٹ کو بڑے غور سے سنتے ہیں، ماقبل کے کر دیا گیا ہے اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ اور حرام مثلاً رشوت وغیرہ ہپ ہپ کرکے کھا جاتے حت سے ہے جسے استأصلہ گویا اس کی برکتوں کو جڑوں سمیت اکھاڑا گیا ہے فَاِنْ ؤكَ پس اگر وہ آپ کے پاس حاضر ہوں۔ یہ فاء تفسیریہ ہے یعنی جس وقت ان کا یہ حال ہو جیسا شانِ نزول میں بیان ہوا۔ یعنی پس اگر آپ کے ہاں اپنے جھگڑوں کے فیصلے کے لیے حاضری دیں حْكُمْ تو آپ ان کا فیصلہ فرما دیں اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ یا اُن سے ردانی فرمائیں اور اگر آپ ان سے روگردانی فرمائیں اختیار دینے کے بعد یا دو امروں میں سے کسی ایک کو یار فرمائیں فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْئًا تو وہ آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ مثلاً آپ ان سے روانی فرمائیں تو آپ کی مخالفت کرکے آپ کو کسی قسم کا ضرر نہیں پہنچا سکتے اس لیے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ لوگوں سے امان میں رکھا ہے وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اور اگر آپ فیصلہ ہیں تو عدل و انصاف کو ملحوظِ خاطر رکھ کر فیصلہ فرمائیں۔ ویسے ہی فیصلہ فرمائیں جیسے آپ کو اللہ تعالیٰ ہے، جیسے آپ نے رجم کا فیصلہ فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ بیشک اللہ تعالیٰ انصاف نے والوں سے محبت کرتا ہے پھر انہیں ہر دکھ اور پریشانی سے محفوظ رکھتا ہے۔

یث شریف میں ہے:-

المقسطون عند اللہ علی منابر من نور۔	انصاف کرنے والے قیامت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں نور کے منبروں پر ہوں گے۔

يْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ اور آپ کے ہاں فیصلہ تے کیوں ہیں حالانکہ ان کے ہاں تورات ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کا حکم موجود ہے۔ اُن پر تعجب اظہار ہے کہ ان کی بیوقوفی تو دیکھو کہ جب وہ آپ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ ہی آپ کی کتاب کو نتے ہیں تو پھر آپ کے ہاں فیصلہ کے لیے کیوں حاضر ہوتے ہیں علاوہ ازیں فیصلہ تو ان کی تورات میں بھی الفاظ سے موجود ہے اور وہ مدعی بھی ہیں کہ ہم صرف اسی کتاب تورات کو مانتے ہیں اور ساتھ تنبیہ گئی ہے کہ اُن کا فیصلے کے لیے آپ کے ہاں حاضر ہونے کا مطلب معرفتِ حق اور شرعی تقاضوں کو پورا

marfat.ocm

کرنے کے لیے نہیں بلکہ صرف اس لیے کہ کہیں سے سہولت مل جائے خواہ اس پر اللہ تعالیٰ راضی ہو یا ناراض فیہا حکم اللّٰہ یہ التورٰۃ سے حال ہے یا تورٰۃ مرفوع ظرف سے ہے یا یُوں کہو کہ وہ مبتدا ہے اور فیہا حکم اللّٰہ ضمیر محذوف سے حال ہے ثُمَّ یَتَوَلَّوْنَ پھر منہ پھیر جاتے ہیں، اس کا عطف یحکمونک پر ہے اور تعجب کے حکم میں بھی داخل ہے اور ثم تراخی فی الرتبۃ کے لیے آتا ہے مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ اس کے بعد یعنی جب آپ کو فیصل مان کر، اور یہ بھی ہے کہ آپ کا فیصلہ اُن کی کتاب کے موافق ہے تو بھی رُوگردانی کرتے ہیں وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ وہ آپ کی کتاب ہرگز نہیں مانتے۔ چنانچہ پہلے انہوں نے آپ کی کتاب کا انکار کیا پھر آپ کے ہاں فیصلہ کے لیے آئے آپ کا فیصلہ ان کی کتاب کے موافق بھی تھا پھر بھی اُنہوں نے رُوگردانی کی۔

مسئلہ: آیاتِ مذکورہ بالا میں ظلم کی مذمت اور عدل وانصاف کی تعریف اور حرامخوری اور رشوت کی بھی مذمت کی گئی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

کل لحم انبتہ السحت فالنار اولی بہ۔	جو گوشت حرام مال سے اُگے اسے آگ اولیٰ ہے۔

اور اس میں یہ بھی ہے:

لعن اللّٰہ الراشی والمرتشی والرائش۔	رشوت دینے اور لینے والا دونوں جہنم میں ہوں گے اور رائش بھی۔

ف: رائش وُہ ہے جو ان دونوں کے مابین رابطہ قایم کرتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

(۱) اے بسا مرغ پرندہ دانہ جو   کر بریدہ حلق او ہم حلق او
(۲) اے بسا ماہی در آب دور دست   کشتہ از حرص گلو مأخوذ شست
(۳) اے بسا مستور در پردہ مدہ   شومی فرج وگلو رسوا شدہ
(۴) اے بسا قاضی حبر نیک خُو   از گلوئے رشوتے اُو زرد رُو
(۵) بلکہ در ہاروت و ماروت آں شراب   از عروج چرخشاں شد سدِ باب

ترجمہ: (۱) بہت سے پرندے دانہ کے متلاشی کہ ان کے حلق نے ان کا حلقوم کٹوا ڈالا۔

(۲) بہت سی مچھلیاں پانی کی تہ میں ہاتھوں سے دُور ہوتی ہیں لیکن حلقوم کی حرص سے دام میں پھنس جاتی ہیں۔

(۳) بہت سے پردوں میں ہونے کے باوجود فرج و حلقوم کی شامت سے رُسوا ہُوئے۔

(۴) بہت بڑے قاضی چوٹی کے علم والے نیک خُو والوں نے حلقوم کی لذت کی خاطر رشوت لی تو زرد چہرے والے (رُسوا) ہو گئے۔

(۵) بلکہ ہاروت و ماروت میں شراب کا چسکا ہوا تو وہی چسکا انھیں آسمان پر جانے سے روکنے کا سبب بنا۔

رشوت کی اقسام

امام خصاف کی ادب القاضی میں لکھا ہے کہ رشوت چار قسم کی ہے:

(۱) حاکم نے تو لہ مخواہ بلا وجہ سزا دینے کا آرڈر جاری کر دیا، اگر کوئی اس سے بچنے کی خاطر رشوت دے۔

(۲) کسی حاکم کو کہا گیا کہ میرا معاملہ بادشاہِ وقت کو پہنچایا جائے حاکم نے رشوت مانگی اس نے اپنے کام کے لیے رشوت دی۔

(۳) رشوت دینا تاکہ ملازمت (قضاء) مل جائے۔

(۴) کوئی ملازم ملازمت (قضاء) کے حصول کے لیے فیصلہ اپنے حق میں کرائے۔

پہلی صورت میں رشوت لینا حرام ہے اس لیے کہ کسی کو جیل کا ناحق ڈر سنانا بھی ظلم ہے اور ظلم سے بچنا لازم ہے اس لیے کہ وُہ شرع کا حق ہے بنا بریں رشوت لینا حرام ہے۔

صورتِ ثانی میں رشوت لینا حرام ہے اس لیے کہ حاکمِ وقت کو مسلمانوں کے امور کی سرانجام دہی بلا عوض لازمی ہے بنا بریں اس صورت میں بھی رشوت لینا حرام ہے۔

تیسری صورت میں رشوت لینا بھی حرام اور دینا بھی حرام۔

چوتھی صورت میں بھی رشوت لینا حرام ہے ملازمت حق کی ہو یا ظلم کی، اس لیے کہ اس میں ظلم ہے اس کی دُو وجہیں ہیں:

(i) رشوت سے لی گئی۔

(ii) ظلم کے فیصلے کا سبب یہی ہے اور حق بھی ہے کہ اس نے ملازمت صرف اس غرض پر لی ہے کہ وُہ شرع کا حق ادا کرے گا۔

marfat.ocm

رشوت دینے کا قاعدہ کلیہ

اگر حق کے حصول کی غرض سے رشوت دی جائے کہ رشوت دیے بغیر کام نہیں چلے گا تو جائز ہے ورنہ ناجائز ۔

مسئلہ : حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو کسی کا حق دلوانے یا ظلم دور کرنے کی خاطر سفارش کرتا ہے پھر اُسے کوئی شے ہدیۃً و تحفۃً دی جائے تو وہ شے لینا حرام ہے ۔

مسئلہ : نصاب الاحتساب میں ہے کہ کسی حاکم یا ملازم کو ایسا شخص ہدیہ و تحفہ دے جس کے متعلق معلوم ہو کہ وہ اس لیے دیتا ہے کہ اس سے کام لے گا تو اس سے کوئی شے قبول نہ کرے ، اگر قبول کرے گا تو رشوت ہو گی ۔

مسئلہ : اگر ایسا شخص ہدیہ دے کہ اس سے قبل ان کا آپس میں لینا دینا رائج تھا اور وہ محبت و پیار سے ایک دوسرے کو دیتے لیتے ہیں اس میں اس کی حکومت یا ملازمت کی حیثیت کو دخل نہ ہو ایسا ہدیہ و تحفہ لینا جائز ہے اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا آپس میں ہدایا و تحائف لینے دینے کا عام رواج تھا اور ان کی یہ عادت بھی تھی ، ایسا نہیں کہ انہیں کسی سے کوئی شے مانگنے کی حاجت ہوتی ، بلکہ ان کا یہ لین دین محبت و پیار سے تھا بلکہ ان کا ہدایا و تحائف کو رد کرنا برا محسوس ہوتا تھا اس لیے اسے رشوت نہیں کہا جا سکتا ، اس لیے وہ ایک دوسرے کے ہدایا و تحائف قبول کر لیا کرتے تھے ۔

مسئلہ : فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ بادشاہوں کے انعامات دولتمند اور فقراء کو لینا جائز ہے بشرطیکہ ان کے حرام ہونے کا یقین نہ ہو اگر حرام کی کوئی بات ہو گی تو اس کا جرم دینے والے پر ہو گا ۔ دلیل یہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مقوقس اسکندریہ بادشاہ کا ہدیہ قبول فرمایا اور کئی بار یہودیوں سے قرضہ بھی لیا حالانکہ قرآن میں صراحت ہے کہ اکّلون للسحت (وہ حرام خور ہیں) ۔

مسئلہ : بازار کی اشیاء میں اگر یقین ہو کہ ان میں حرام کی ملاوٹ کثرت سے ہے تو وہاں سے تحقیق و تفتیش کے بغیر سودا خریدنے سے گریز کرے ۔ لیکن یہ اس وقت ہے کہ اکثر ایسے ہے ورنہ کوئی حرج نہیں اس لیے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام عام طور پر بازاروں سے سودا خریدتے تھے حالانکہ ان کو علم ہوتا کہ اکثر سوداگر اور تاجر سُود خور اور غاصب اور دغاباز اور کھوٹ کمانے والے ہیں ۔

مسئلہ : حضرت حدادی فرماتے ہیں خمر و خنزیر اور مردار کا ثمن اور نر کو مادہ کا گابھن کرا کر مزدوری لینا ، رونے والی اور گانے والی اور جادوگر کا عوض کے طور کچھ لینا اور سفارش کر کے ہدیہ و تحفہ قبول کرنا ، زنا کی مزدوری اور جادوگر کے پاس آنا جانا یہ تمام امور السحت (حرام خوری) میں داخل ہیں ۔

مسئلہ : حضرت عمر و حضرت علی و ابن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ سرود گانے والے اور قوال

(باقی صفحہ ۲۴۳ پر)

marfat.ocm

إِنَّآ أَنزَلْنَا ٱلتَّوْرَىٰةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا ٱلنَّبِيُّونَ ٱلَّذِينَ
بیشک ہم نے توریت اتاری اس میں ہدایت اور نور ہے اس کے مطابق یہود کو حکم دیتے تھے ہمارے

أَسْلَمُوا۟ لِلَّذِينَ هَادُوا۟ وَٱلرَّبَّـٰنِيُّونَ وَٱلْأَحْبَارُ بِمَا ٱسْتُحْفِظُوا۟ مِن
فرمانبردار نبی اور عالم اور فقیہ کہ ان سے کتاب اللہ کی حفاظت چاہی گئی تھی اور

كِتَـٰبِ ٱللَّهِ وَكَانُوا۟ عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا۟ ٱلنَّاسَ وَٱخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوا۟
وہ اس پر گواہ تھے تو لوگوں سے خوف نہ کرو اور مجھ سے ڈرو اور میری

بِـَٔايَـٰتِى ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلْكَـٰفِرُونَ ﴿٤٤﴾
آیتوں کے بدلے ذلیل قیمت نہ لو اور جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کرے وہی لوگ کافر ہیں اور

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ أَنَّ ٱلنَّفْسَ بِٱلنَّفْسِ وَٱلْعَيْنَ بِٱلْعَيْنِ وَٱلْأَنفَ
ہم نے توریت میں ان پر واجب کیا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے

بِٱلْأَنفِ وَٱلْأُذُنَ بِٱلْأُذُنِ وَٱلسِّنَّ بِٱلسِّنِّ وَٱلْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۚ فَمَن
بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں میں بدلہ ہے پھر جو دل

تَصَدَّقَ بِهِۦ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُۥ ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ
کی خوشی سے بدلہ کرا دے تو وہ اس کا گناہ اتار دے گا اور جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کرے تو وہی

ٱلظَّـٰلِمُونَ ﴿٤٥﴾ وَقَفَّيْنَا عَلَىٰٓ ءَاثَـٰرِهِم بِعِيسَى ٱبْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ
لوگ ظالم ہیں اور ہم ان نبیوں کے پیچھے ان کے نشان قدم پر عیسیٰ بن مریم کو لائے تصدیق کرتا ہوا

يَدَيْهِ مِنَ ٱلتَّوْرَىٰةِ ۖ وَءَاتَيْنَـٰهُ ٱلْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ
توریت کی جو اس سے پہلے تھی اور ہم نے اسے انجیل عطا کی جس میں ہدایت اور نور ہے اور تصدیق

يَدَيْهِ مِنَ ٱلتَّوْرَىٰةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٤٦﴾ وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ
فرماتی ہے توریت کی کہ اس سے پہلے تھی اور ہدایت اور نصیحت پرہیزگاروں کو اور چاہیے کہ انجیل

ٱلْإِنجِيلِ بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فِيهِ ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ
والے حکم کریں اس پر جو اللہ نے اس میں اتارا اور جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کریں تو وہی لوگ

ٱلْفَـٰسِقُونَ ﴿٤٧﴾ وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَـٰبَ بِٱلْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ
فاسق ہیں اور اے محبوب ہم نے تمہاری طرف سچی کتاب اتاری اگلی کتابوں کی تصدیق فرماتی اور

ٱلْكِتَـٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ ۖ فَٱحْكُم بَيْنَهُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ
ان پر محافظ و گواہ تو ان میں فیصلہ کرو اللہ کے اتارے سے اور اے سننے والے ان کی خواہشوں

marfat.ocm

عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۭ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ
کی پیروی نہ کرنا اپنے پاس آیا ہوا حق چھوڑ کر ہم نے تم سب کے لیے ایک ایک شریعت اور راستہ رکھا اور اللہ چاہتا تو تم سب
لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ
کو ایک ہی امت کر دیتا مگر منظور یہ ہے کہ جو کچھ تمہیں دیا اس میں تمہیں آزمائے تو بھلائیوں کی طرف سبقت
اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَاَنِ احْكُمْ
چاہو تم سب کا پھرنا اللہ ہی کی طرف ہے تو وہ تمہیں بتا دیگا جس بات میں تم جھگڑتے تھے اور یہ کہ اے
بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ
مسلمان اللہ کے اتارے پر حکم کر اور ان کی خواہشوں پر نہ چل اور ان سے بچتا رہ کہ کہیں تجھے لغزش نہ دے
مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ
دیں کسی حکم میں جو تیری طرف اترا پھر اگر وہ منہ پھیریں تو جان لو کہ اللہ ان کے بعض گناہوں کی سزا ان کو پہنچایا
ذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۭ
چاہتا ہے اور بے شک بہت آدمی بے حکم ہیں تو کیا جاہلیت کا حکم چاہتے ہیں
وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝
اور اللہ سے بہتر کس کا حکم یقین والوں کے لیے

(بقیہ تفسیر صفحہ ۲۴۶)

کی مزدوری بھی سُحت (رشوت) میں داخل ہے لیکن اس سے قدرے کم اس لیے کہ یہاں دینے والا کسی مجبوری کے تحت نہیں دیتا اور نہ ہی اس میں کسی قسم کا تعین ہوتا ہے۔

مسئلہ: حضرت ابن کیسان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت حسن رحمہ اللہ تعالیٰ سے سُنا کہ قرض خواہ مقروض سے کچھ کھائے (یا اس سے کچھ نفع حاصل کرے) تو وہ بھی سُحت (رشوت) میں داخل ہے۔

سبق مومن متقی پر لازم ہے کہ وہ اپنے جملہ امور میں احتیاط سے کام لے تاکہ شبہات کا ارتکاب نہ کرے کہ جس سے حرام کا مرتکب بھی ہونا پڑتا ہے اس لیے کہ قلب کی صفائی حلال غذا سے ہوتی ہے۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

marfat.ocm

صوفی شہر بیں کہ چوں لقمۂ شبہ می خورد
پاردمش دراز دیاد ایں حیوان خوش علف

ترجمہ: شہر کے صوفی کو دیکھو کہ جب وہ مشتبہ لقمہ کھاتا ہے تو اس بسیار خور جانور کے جسم کا ہر ٹکڑا موٹا ہو جاتا ہے۔

شعر میں انسان کو حیوان سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جیسے حیوان کھانے پینے میں چیزے کہ آید فنا کا معاملہ کرتا ہے کہ اسے اس سے کیا غرض کہ جو کچھ کھا رہا ہے حلال ہے یا حرام۔ اسی طرح غافل ی یہ کرتا ہے کہ پیٹ کا تنور بھر جائے خواہ کچھ بھی ہو، ورنہ اگر اسے حرص نہ ہوتا تو وہ حلال مال پر ت کرتا اگرچہ تھوڑا ہو یا معمولی قسم ہو وغیرہ، حیوان کھانے پینے اور آرام کرنے سے موٹا ہو جاتا ہے۔ ہی غافل انسان کا کام ہے کہ کھانے پینے اور آرام طلبی میں اس حیوان سے کم نہیں۔

رکات صفحہ ۱۳۷)

سیر عالمانہ اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ بیشک ہم نے اُن پر تورات نازل فرمائی حالانکہ فِیْهَا هُدًى اس میں ہدایت کی راہیں اور احکام ہیں جو انہیں حق دکھاتے ہیں بلکہ دوسرے وں کو ہدایت دیتے ہیں وَّنُوْرٌ اور اس میں نور ہے جو اُن پر وہ امور منکشف کرتا ہے جس کی میں انہیں ہوں اور ظلماتِ جہل سے جو باتیں اُن سے پوشیدہ ہیں ان پر وہ ظاہر کرتا ہے یَحْكُمُ بِهَا بِیُّوْنَ جن سے انبیاء علیہم السلام فیصلہ کرتے رہے۔ اس سے بنی اسرائیل کے انبیاء کرام مراد ہیں ان کے فیصلے اسی تورات کے مطابق ہوتے اور اس پر عمل کرنے پر لوگوں کو رغبت دیتے۔ الَّذِیْنَ سْلَمُوْا۔

وال: انبیاء علیہم السلام کو لفظ مسلم سے موصوف نہیں کیا جاتا اس لیے کہ ان کی نبوت اسلام صفت سے بلند و بالا ہے اور کسی کی مدح ادنیٰ سے اعلیٰ سے کی جاتی ہے نہ کہ اعلیٰ سے ادنیٰ۔ جب یں پہلے نبوت کے وصف سے نبیون کہا گیا تو پھر اسلموا ادنیٰ صفت سے موصوف کرنے کا کیا معنیٰ۔

واب: (۱) یہ ضروری نہیں کہ ادنیٰ وصف کو موصوف کے لیے ہی لایا جائے بلکہ کبھی وہ ادنیٰ وصف وصف کی اس طرح کے لیے بھی لایا جاتا ہے اس سے اس وصف کی شان کی بلندی مراد ہوتی ہے ر متنبہ کیا جاتا ہے کہ وہ عظیم الشان وصف ہے۔ مثال کے طور پر انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ کرام کو صالح کہا جاتا ہے جبکہ انہیں ایمان سے بھی موصوف کیا جاتا ہے تو اُن کی یہ صفتیں اُن کے یہ اوصافِ کریمہ

marfat.ocm

کی عظمت شان پر دلالت کرتی ہیں ، ایسے ہی صفتِ اسلام۔

(۲) علاوہ ازیں عربی مقولہ مشہور ہے ،

اوصاف الاشراف اشراف الاوصاف۔

(برگزیدہ لوگوں کے اوصاف بھی برگزیدہ ہوتے ہیں)

یعنی کوئی صفت جب کسی بزرگتر شئے سے منسوب ہو تو موصوف کی عظمت کے مطابق وہ صفت بھی بزرگ بن جاتی ہے۔ چنانچہ فرمایا : ؎

ما ان مدحت محمدا بمقالتی
لکن مدحت مقالتی بمحمد

ترجمہ : میں سید الانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی گفتگو سے تعریف نہیں کر رہا بلکہ میں اپنی گفتگو کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعریف سے مشرف بنا رہا ہوں ۔

لِلَّذِیْنَ ھَادُوْا ان کے لیے جو یہودی ہیں۔ یہ یحکم کے متعلق ہے ، یعنی ان کے مابین فیصلے فرماتے اور لام اختصاص کا پتا دیتی ہے کہ مذکورہ بالا فیصلے صرف انہی سے مخصوص تھے لیکن عام از یحکم اُن کو وہ فائدہ پہنچانے والے ۔ گویا عبارت یوں تھی لاجل الذین ھادوا یعنی ان کے یہودی ہونے کی وجہ سے۔

وَالرَّبّٰنِیُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ اور اللہ والوں اور علماء نے ان کے فیصلے کئے۔ اس کا عطف النبیون پر ہے یعنی وہ بھی تورات کے مطابق فیصلے فرماتے ہیں۔ ربّٰنیّون سے زہاد اور وہ علماء مراد ہیں جو حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھے جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کے طریقوں کو اپنا دستور العمل بنا رکھا تھا اور یہودیوں کے طریقوں سے کوسوں دُور تھے بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ کِتٰبِ اللّٰہِ ان کا فیصلہ اس سے تھا کہ انہیں کتٰب اللہ سے محفوظ طریقہ سے حاصل ہوا۔ یعنی وُہ شئے جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ سے انہیں حفاظت کے ساتھ حاصل ہو گی۔ اس سے تورات مراد ہے اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام نے ان سے وعدہ لیا تھا کہ وہ تورات کو اصلی صورت میں قائم رکھیں اسے کسی حیثیت سے محرف و مبدل نہ ہونے دیں بما استحفظوا کی باء سببیہ ہے یحکم سے متعلق ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ یہودیوں کے وُہ فیصلے جو انبیاء علیہم السلام کی وصیت کی وجہ سے توریت میں محفوظ تھے ، وہ اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام نے اُن سے تورات کی حفاظت کا وعدہ لیا اور دنیا سے رخصت

marfat.ocm

ہوتے وقت انہیں تورات کی حفاظت کی وصیت فرمائی وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ اور وہ اس پر پورے طور نگرانی کرتے تھے کہ اس میں کسی لحاظ سے تحریف نہ ہونے دیتے۔ شہداء شہود سے ماخوذ ہے بمعنی الحضور (حاضر ہونا)، فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ پس تم اسے یہودیوں کے سردارو اور علماءِ بالکتاب تورات کے احکام کے اجراء اور اپنے اسلاف کی اور انبیاء کی اقتدار کرو، اس معاملہ میں لوگوں سے مت ڈرو وَاخْشَوْنِ اور مجھ سے ڈرو۔ تورات کے احکام اور حقوق کی رعایت میں کمی کرنے میں مجھ سے ڈرو۔ اور جو بھی تورات کے بگاڑنے کے درپے ہوگا اسے سخت سزا ملے گی۔

مسئلہ: انہیں اجرائے احکام تورات میں غیر اللہ کے ڈر سے روکا گیا اور حکم دیا گیا کہ جو اس کے احکام کی خلاف ورزی کریں اس کا ڈٹ کر مقابلہ کریں۔ اس میں نہ تو کسی ظالم سے ڈریں اور نہ کسی بڑے آدمی کا خوف کریں۔

مسئلہ: اس میں اہل اسلام کے حکام کو بھی تنبیہ ہے کہ وہ اس طرح عمل کریں۔

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ اور میری آیات کو نہ بیچو۔ الاشتراء سامان کو ثمن کے عوض دینے کو کہتے ہیں۔ یعنی سامان کو ثمن کے بدلہ میں لینا پھر استعارۃً ہر اس بات کو کہتے ہیں جو اپنے فائدہ کی شے کو کسی کے عوض لے وہ شیٔ معین ہو یا معنی اور اس شے کو لینے میں اس کی رغبت بھی ہو اور جو شے اس کے عوض میں اس کا بچا چھوڑ دے ایسا کہ وہ شے اس کی تھی ہی نہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ میری ان آیات کو جو تورات میں ہیں بدلہ کے طور نہ دو۔ یعنی انہیں دنیا کے لالچ میں تورات سے نہ نکالو یا ان پر عمل کرنا چھوڑ دو اپنے طمع نفسانی کا ان کو بدلہ بنا کر ثَمَنًا قَلِيْلًا تھوڑے سے ثمن میں۔ مثلاً رشوت لے کر یا جاہ و مرتبہ کے لیے۔ اسی طرح تمام خواہشاتِ نفسانیہ۔ اس لیے کہ یہ اشیاء اگرچہ بظاہر بہت اونچی نظر آتی ہیں لیکن در حقیقت نہایت ہی حقیر ہیں ان امور کے بالمقابل جو ان سے تورات پر عمل کرنے سے ترک ہوئے ؎

آں جہاں جیفہ است و مردار و رخیص
بر چنیں مردار چوں باشم حریص

ترجمہ: یہ جہان گندگی سے پُر مردار ہے ایسے مردار پر میں کیوں حریص بنوں۔

پس حیاتِ ماست موقوف فطام
اندک اندک جہد کن تم الکلام

ترجمہ: ہماری زندگی کی انتہا یہی ہے کہ اسے بالآخر چھوڑنا ہے تھوڑی کوشش کیجئے بات ختم ہوئی۔

marfat.ocm

نکتہ چونکہ تحریف کا ارتکاب یا دفع ضرر کے لیے ہوتا ہے۔ مثلاً کسی حکم کو کسی صاحبِ مرتبہ کے خوف سے چھپا
جائے یا نفع کمانے کے لیے جب یہودیوں نے دنیوی منافع کے لیے کیا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ
نے ان دونوں کو صراحۃً منع فرمایا ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہیں
کرتے اسے خفیف سمجھ کر یا انکار کرکے، جیسے یہودیوں نے کیا کہ تورات کے احکامات اور آیات کو بدل ڈالا
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ پس وہی لوگ کافر ہیں اس لیے کہ انہوں نے احکامِ الٰہی کی اہانت کی ا
سرکشی سے پیش آئے کہ ان کی منشا کے خلاف احکام جاری کیے۔

نکتہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان آیات میں کبھی الکٰفرون اور کہیں الظالمین اور کہیں الفٰسقو
فرمایا ہے وہ اس لیے کہ ان آیات کے انکار سے وہ کافر ہوگئے اور اس کے حکم کے خ
فیصلے کرکے ظالم ہوئے اور حدودِ الٰہی سے متجاوز ہونے کی وجہ سے فاسق ہوئے۔

وَكَتَبْنَا اور ہم نے فرض کیا، اس کا عطف انزلنا التورٰىة پر ہے عَلَيْهِمْ ان یہودیوں
فِيْهَآ اسی تورات میں اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ یہ کہ نفس کا بدلہ نفس ہے جبکہ کوئی کسی کو ناحق قتل کر
وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ اور کاٹ کاٹا جائے کان کاٹنے کے عوض میں، جبکہ ظلم کے طور کسی نے کسی کا کا
کاٹا۔ وَالسِّنَّ اور دانت اکھاڑے جائیں بِالسِّنِّ دانت اکھاڑنے پر، جبکہ کوئی کسی کے دانت ظلم کے
پر اکھاڑے وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ اور زخموں میں بدلہ ہے اور زخم بھی صاحبِ قصاص ہیں کہ انہی
مساوات کی رعایت ضروری ہے۔

مسئلہ: ایسا زخم وغیرہ کہ جس کا قصاص لینا ناممکن ہو، جیسے کسی ہڈی کا ٹوٹ جانا یا گوشت کے ا
زخم کردینا۔ جیسے جوف کے اندر نیزہ کی ضرب وغیرہ کا زخم وغیرہ، ان کے لیے کوئی قصاص مقرر نہیں، اس
کہ ان کے متعلق معلوم نہیں ہوسکتا کہ کتنا زخم آیا ہے تاکہ اسی کے مطابق قصاص مقرر کیا جاسکے۔ اس کا
اور حکومت عادل کا جو فیصلہ ہو۔

فَمَنْ تَصَدَّقَ پس جو شخص مستحق پر اپنی خوشی سے قصاص معاف کردے اسے تصدّق سے تعب
کرنے میں مبالغہ مطلوب ہے تاکہ معاف کرنے والے کو اس طرف مزید رغبت ہو فَهُوَ پس اس
معاف کرنا۔ یہ ضمیر تصدق کے مصدر کی طرف راجع ہے كَفَّارَةٌ لَّهٗ، اس معاف کرنے والے ک
کفارہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس کے گزشتہ گناہ معاف کردے گا۔

مسئلہ: کافر اپنے کفر پہ ہو تو کوئی نیکی اس کے لیے کوئی کفارہ نہیں بن سکتی۔

marfat.ocm

شریف میں ہے :

من اصیب بشئ من جسده فترکه الله کان کفارة له۔

جسے جسم پر کوئی مصیبت پہنچے اور اللہ تعالیٰ اسے اسس حال پر چھوڑ دے تو وہ اس کے لیے کفارہ ہوگا۔

منثور میں ہے :

ثلاث من جاء بهن یوم القیامة مع الایمان دخل الجنة من أی ابواب الجنة شاء وتزوج من الحور العین حیث شاء من عفا عن قاتله ومن قرأ دبر کل صلاة مکتوبة قل هو الله احد عشر مرات ومن ادی دینا خفیا۔

تین عمل ایسے ہیں جو ایمان کے ساتھ قیامت میں لائیگا تو اُسے حکم ہوگا کہ وہ بہشت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو اور حورعین میں جس سے چاہے گا اس کا نکاح کردیا جائیگا۔

(۱) جو اپنے قاتل کو معاف کردے۔
(۲) ہر نمازِ فرض کے بعد گیارہ بار سورۃ اخلاص پڑھنے والا۔
(۳) جو قرضخواہ کا قرض چھپکے سے ادا کردے۔

ئلہ : بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ لہٗ کی ضمیر کا مرجع زخمی کرنے والا اور قاتل ہے۔ یعنی جس پر ہے وہ اگر حملہ آور کو معاف کردے تو اس کا معاف کرنا جانی حملہ آور کے گناہوں کا بھی کفارہ نے۔ اس لیے قیامت میں اس سے اس گناہ کا مواخذہ نہ ہوگا، جیسے قصاص اس کے گناہوں کا بنتا ہے۔ باقی رہا معاف کرنے والا، اس کے اجروثواب کا تو حساب ہی کیا، اسے اللہ تعالیٰ ہی ظیم عطا فرمائے گا۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اور وہ احکام و شرائع کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ دات کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ پس وہی لوگ ظالم ہیں یعنی ت بڑے ظالم اور اللہ تعالیٰ کے متعین کردہ حدود سے تجاوز کرنے والے اور شے کو اپنی اصل جگہ سے ضوع جگہ پر رکھنے والے ہیں وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اور ہم نے ان نبیوں کے پیچھے ان کے نشانِ - اس کا عطف انزلنا التورٰۃ پر اشیاء مذکورین علیہم السلام مراد ہیں بِعِيْسَى ابْنِ

marfat.ocm

مَرْیَمَ عیسٰی ابنِ مریم ۔ یعنی ہم نے ان کے بعد (یعنی ان انبیاء علیہم السلام کے بعد) بھیجا۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

قفوت اثرہ قَفْواً و قُفُواً ۔ میں نے اس کے نشانِ قدم پر بھیجا۔

یہ متعدی بیک مفعول ہوتا ہے یعنی قفوت اثرہ بمعنیٰ اتبعتہ ۔ اور جب کہا جائے قفیت علیٰ اثرہ بفلان (میں نے اس کو فلاں کے پیچھے لگایا ہے ۔ دراصل تقفیۃ شیٔ کو کسی کے پیچھے کی طرف لانے کو کہا جاتا ہے، اور التقفیۃ کی تضعیف مبالغہ کے لیے ہے تعدیہ کے لیے نہیں، اس لیے کہ تضعیف کبھی محض تجرید کے لیے ہوتی ہے' جیسے قدّد اور قدر کا ایک معنیٰ ہے ایسے ہی قفّیت اور قفیت کا ایک معنیٰ ہے ۔ اگر اسے دوسرے مفعول کی طرف متعدی کرنا مطلوب ہو تو اس کے مفعول پر بار تعدیہ کی داخل کی جاتی ہے ۔ یہاں پر اس کا مفعول بہ ثانی محذوف ہے۔ اس کی اصل عبارت یوں ہے:

ای اتبعنا الذین ذکرناھم بعیسٰی وجعلناہ ممن یقفوھم۔

یعنی ہم نے انبیاء مذکورین علیہم السلام کے بعد عیسٰی علیہ السلام کو بھیجا (گویا ان کے پیچھے ہی عیسٰی علیہ السلام تشریف لائے پھر اس کا مفعول محذوف کرکے علیٰ اثرھم کو اس کے قائم مقام کھڑا کر دیا گیا ہے ۔

مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وہ تصدیق فرماتے ہیں تورات کی جو ان سے پہلے تھی ۔ یہ جملہ عیسٰی ابنِ مریم سے حال ہے وَ اٰتَیْنٰهُ الْاِنْجِیْلَ اس کا عطف قفینا پر ہے، اور ہم نے عیسٰی علیہ السلام کو انجیل عطا فرمائی فِیْهِ هُدًى وَّ نُوْرٌ اس میں ہدایت و نور ہے، یعنی انجیل میں بھی تورات کی طرح نور و ہدایت ہے ۔ یہ محل نصب میں اور انجیل سے حال ہے۔ اصل عبارت یوں ہے، کائنا فیہ ذٰلک گویا کہا گیا ہے کہ وہ نور و ہدایت پر مشتمل ہے وَّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ اور تصدیق کرتی ہے تورات کی کہ اس سے پہلے تھی ۔ اس کا عطف ماقبل پر ہے ۔ اس کی طرح حالیت کا معنیٰ دیتا ہے مابین یدیہ کا تکرار تقریر کا فائدہ دے رہا ہے وَ هُدًى وَّ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِیْنَ اور متقیوں کے لیے ہدایت اور نصیحت دینے والی ہے اس کا عطف بھی مصدقاً پر ہے اور اسی کی طرح حالیۃ کا فائدہ دیتا ہے ۔

سوال: پہلے اسے کہا گیا کہ تورات ہدایت پر مشتمل ہے، اب اسے سراپا ہدایت کہا جا رہا ہے ۔

جواب: تخصیص کے بعد تعمیم ہوتی ہے، یہاں بھی وہی ہے ۔

marfat.ocm

وال : اسے صرف متقین کے لیے ہدایت و موعظت کیوں کہا گیا ہے ؟

اب : اس لیے کہ وہی اس سے نفع اور ہدایت پانے والے ہیں، اس لیے صرف انہی کا نام لیا گیا۔

حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا :

گر انگشت سلیمانی نباشد
چہ خاصیت دہد نقش نگینی

ترجمہ : اگر انگشتری سلیمانی نہ ہو تو وہ نگینے کا نقش کیا خاصیت ظاہر کریگا۔

یسے انگشتری ہر ایک کو فائدہ نہیں دیتی جب تک کہ مشرب سلیمانی نہ ہو اسی طرح کتاب بھی فائدہ یتی جب تک اس میں تقوٰی اور رجحان ایمانی نہ ہو۔

وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ یعنی ہم نے انہیں عنایت فرما کر یا کہ اہلِ انجیل کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ کریں وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ نْزَلَ اللّٰهُ اور جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کا منکر ہو کر ان کی اہانت کر کے ان پر فیصلہ کرے گا فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ پس یہی لوگ فاسق ہیں یعنی سرکش اور ایمان سے خارج

: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انجیل احکام پر مشتمل تھی اور عیسٰی علیہ السلام مستقل نبی تھے اور ان کی ایک مستقل شریعت تھی اور اس میں جتنے احکام تھے اُن پر عمل کرنے کے مامور بھی تھے۔ اس کے احکام قلیل یا کثیر، یہ ضروری نہیں کہ وہ تورات کے جملہ احکام کے پابند تھے اس لیے کہ اُن کی انجیل سے بہت سے ت کے احکام منسوخ ہو چکے تھے۔

: اس میں حکام کو تنبیہ اور سخت تہدید ہے۔

شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

یؤتی بالقاضی العدل یوم القیامۃ فیلقی من شدۃ العذاب ما یتمنی انہ لم یفصل بین احد فی تمرتین۔	عادل قاضی (حاکمِ وقت) کو قیامت میں لایا جائیگا جب وہ فیصلوں کی وجہ سے سخت عذاب میں مبتلا ہوگا تو اُس وقت وہ آرزو کرے گا کہ کاش میں دنیا میں کوئی فیصلہ نہ کرتا، اگرچہ دو کھجوروں کا بھی۔

سبق : جب عادل قاضی (حاکمِ وقت) کا یہ حال ہوگا تو پھر ظالم حاکموں (افسروں) کا اندازہ

marfat.ocm

لگانا مشکل نہیں ہے۔ اس کے بعد راشی خونخوار افسروں کے متعلق خود سوچیئے کہ ان کا کیا حشر ہوگا ؎

بُو حنیفہ قضا نکرد و بمُرد
تو بمیری اگر قضا نکنی

ترجمہ: امام ابوحنیفہ (رضی اللہ عنہ) نے عہدۂ قضاۃ قبول نہ کیا اسی پر آپ کا وصال ہوگیا، تُو اس پر مرتا ہے کہ ہائے قضا نہیں ملتی۔

حدیث شریف میں ہے:

قاضی (افسر) تین قسم ہیں، دُو جہنم میں جائیں گے ایک بہشت میں:

(۱) جس نے عمداً کسی کا حق مار کر فیصلہ کیا وہ بھی جہنم میں جائے گا۔

(۲) بے خبری میں فیصلہ کیا لیکن اس کے فیصلے سے کسی غریب کا حق مارا گیا وہ بھی جہنم میں جائیگا۔

(۳) جس نے حق فیصلہ کیا وہ بہشت میں داخل ہوگا۔ (کذا فی المقاصد الحسنہ للسخاوی)

حکایت

بنی اسرائیل کی عادت تھی کہ وُہ اپنے فیصلہ کے لیے تین حکام (آفیسر) متعین کرتے تھے ایک کا فیصلہ سُن کر اگر کوئی راضی نہ ہوتا تو دوسرے کے پاس چلے جاتے۔ اگر دُوسرے سے بھی کوئی راضی نہ ہوتا تو تیسرے کے پاس چلا جاتا۔ اس طرح سے انہیں اطمینانِ قلب حاصل ہوتا۔

ایک دفعہ ایک فرشتہ انسانی بھیس بدل کر اُن کے حکام (آفیسروں) کے فیصلے کی آزمائش کرنے کے لیے تشریف لایا اور ایک گھوڑی پر سوار ہو کر ایک کنویں پر چلے گئے۔ وہ کنویں کے پاس کھڑے تھے کہ ایک شخص گائے کو پانی پلانے کے لیے حاضر ہُوا اس کی گائے کے ساتھ ایک بچھڑا بھی تھا جب وہ اپنی گائے کو پانی پلا چکا تو واپس جانے لگا تو فرشتے نے گائے کے بچھڑے کو اشارہ کیا تو وہ بچھڑا فرشتے کی گھوڑی کے قریب آگیا۔ گائے والے نے بچھڑے کو بہت بلُایا مگر وہ نہ آیا۔ فرشتے نے کہا بھائی! یہ میری گھوڑی کا بچھڑا ہے اور اسی سے پیدا ہوا ہے تم جاؤ اپنا کام کرو۔ گائے والے نے کہا، خدا کا خوف کرو بھلا گھوڑی بھی بچھڑا جنتی ہے، یہ بچھڑا میرا ہے، میری گائے نے جنا ہے، اسے میں نے پالا ہے اب تم کہاں سے اس کے مالک بن گئے۔ غرض یہ دونوں لڑتے جھگڑتے بنی اسرائیل کے پہلے قاضی (حاکم آفیسر) کے پاس چلے گئے۔ لیکن فرشتے نے جلدی سے اسے علیحدگی میں مل کر کہا کہ اگر تم بچھڑے کا فیصلہ میرے حق میں کر دو تو میں تمہیں اتنی رقم دُوں گا۔ قاضی نے بات مان لی۔ جب اس نے فیصلہ کیا اور بچھڑا فرشتے کو دے دیا لیکن گائے والا کب راضی ہوتا اس نے کہا، دوسرے قاضی کے پاس چلو۔ فرشتے نے اُسے بھی رشوت دے کر فیصلہ اپنے حق میں کرا لیا۔ اس طرح وہ بچھڑے والا راضی نہ ہوا۔ پھر تیسرے کے پاس گئے تو

حسبِ دستور فرشتے نے اس سے رشوت کا کہا اور اپنے حق میں فیصلہ کرانا چاہا۔ لیکن اس تیسرے قاضی نے کہا، اب مجھ سے تیرے حق میں فیصلہ نہیں ہو سکتا اس لیے کہ اب مجھے حیض شروع ہو گیا ہے فرشتے نے کہا، یہ کیا کہتے ہو، کیا مردوں کو بھی حیض آتا ہے؟ حیض تو عورتوں کا خاصہ ہے۔ قاضی نے کہا، تو پھر بچے بھی گھوڑی سے نہیں پیدا ہوتے۔ وہاں پر فرشتے نے کہا، دو قاضی جہنم میں جائیں گے تیسرا بہشت میں۔ مذکورہ بالا حدیث شریف اسی فرشتے سے حکائی طور منقول ہے۔ (کذا ذکرہ البعض نقلا عن الشیخ الشہیر بہدائی الاسکداری قدس سرہٗ)۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اور اے پیارے حبیبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کی طرف نازل فرمائی الْكِتٰبَ یعنی قرآن جو کہ متلبس ہے بِالْحَقِّ حق اور صدق کے ساتھ درانحالیکہ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ جو تصدیق کرتی ہے ان کتابوں کی کہ اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں یہ قرآن انہی کے موافق نازل ہوا، جس طرح ان کتابوں میں اُس کے اوصاف مذکور ہوئے تھے اس میں انہی کے مطابق توحیدؔ عدل واصول شرائع مندرج ہیں وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ اور وہ تمام کتب محفوظ عن التغیر کا محافظ ہے کہ ان کے صدق وصحت اور اثبات کی گواہی دیتا ہے اور ان کے اصول شرائع ثابت کرتا ہے اور ان سے جتنے احکام منسوخ ہو چکے ہیں انہیں معین کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ اُن کے وہ احکام فلاں مدت تک کے لیے تھے ایسے ان کی وہ مدت ختم ہو چکی ہے فلہٰذا اب ان پر عمل نہ کرنا چاہیے اور فلاں فلاں احکام باقی ہیں اس بنا پر قرآن محافظ ہوا کہ احکام منسوخہ وغیر منسوخہ کا امتیاز پیدا کر دیا اور بتا دیا کہ اب ان احکام پر تا قیامت عمل کرنا ہوگا فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ یہ فاء مابعد کو ماقبل پر مرتب کرنے کے لیے ہے۔ یعنی جب قرآن پاک کی یہ شان ہے تو جب اہلِ کتاب آپ کے ہاں فیصلہ کے لیے حاضر ہوں تو آپ ان کا فیصلہ کیجئے بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ ارشادات کے مطابق، اس لیے کہ آپ پر نازل شدہ کتاب باقی تمام نازل کردہ احکام پر مشتمل ہے وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ من الحق کا تعلق لا تتبع سے ہے اس لیے کہ یہ عدول وغیرہ کے معنے کو متضمن ہے گویا یوں کہا گیا کہ جو کچھ آپ کے ہاں ہے اس کے پیشِ نظر اہلِ کتاب کی خواہشات کی تابعداری کر کے حق سے انحراف لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا بطریقہ التفات یہ خطاب تمام لوگوں کو ہے یعنی نہ صرف موجودہ دین کو بلکہ تغلیباً ان لوگوں کو بھی ہے جو زمانہ گزشتہ میں تھے اور لکل کی لام جعلنا کے متعلق اور وہ متعدی بیک مفعول ہے۔ خبر دی گئی "کہ سابقاً" تمہارے لیے بھی مقرر ہوا ہے یہ جعل انشائی نہیں اور لکل کو جعلنا پر مقدم کرنا تخصیص کے لیے ہے اور منکم کا متعلق محذوف ہے اور وہ کل

marfat.ocm

کی تنوین کے موعوض عنہ کی صفت ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ہم نے تمہارے ہر ایک کے لیے جو گزر گئے یا موجود ہیں راستہ اور واضح اور کھُلا طریقہ مقرر فرمایا ہے۔ کوئی ایسی اُمت نہیں جس کی کوئی راہ متعین نہ ہُوئی ہو، مثلاً موسٰی علیہ السلام سے عیسٰی علیہ السلام تک توراۃ پھر عیسٰی علیہ السلام سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک انجیل، اور تم سے اے موجودہ لوگو! تمہارے لیے قرآن مجید ہے فلہٰذا اس پر ایمان لاؤ اور اس پر عمل کرو۔

ف : الشرعۃ والشریعۃ اس راستہ کو کہتے ہیں جو پانی کی طرف جائے، اور دین کو اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے نماز روزے حج نکاح و دیگر اسلامی امور کی طرف کا راستہ بتایا ہے اس لیے کہ یہ وہ راہ ہے جو حیاتِ ابدیہ کے سبب کی طرف پہنچانے والا ہے، جیسے پانی حیات فانی کا سبب ہے۔

ف : المنہاج دین کے واضح راستہ کو کہا جاتا ہے۔ نہج الامر سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جبکہ وہ شیَ واضح ہو جائے۔

مسئلہ : اس سے ثابت ہُوا کہ ہم پہلی شریعتوں کے احکام پر عمل کرنے پر مامور نہیں۔

مسئلہ : احکامِ اُمم سابقہ پر ہم عمل کرنے کے مامور ہیں جبکہ ہماری شریعت اُن کی تائید کرے۔ پھر اُن پر ہمارا عمل کرنا بایں معنیٰ ہوگا کہ وہ بھی ہماری شریعت کے احکام ہیں نہ کہ امم سابقہ کے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے کہ تمہیں ایک ہی امت بنائے **لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً** تو تمہیں ایک ہی جماعت بنا دے تاکہ ہر زمانہ میں تم بلا اختلاف رہو۔ متفقہ طور ایک ہی جماعت پر رہو اور نہ تم سے پہلے لوگوں کے احکام میں تبدیل اور فسخ ہو **وَّلٰكِنْ** اور لیکن وہ چاہتا نہیں، یعنی وہ نہیں چاہتا کہ تم ایک اُمت رہو بلکہ وہ اسی طریقہ کو جاری رکھے گا جیسے اس نے سابقہ اُمتوں سے کیا **لِّيَبْلُوَكُمْ** تاکہ تمہارے ساتھ وہ معاملہ کرے جو آزمائش سے کیا جاتا ہے **فِيْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ** اُن امور میں جو اللہ نے تمہیں دیئے ہیں۔ مختلف شرائع میں سے جیساکہ زمانہ کے حال کے مناسب ہوتا ہے اس میں تم یقین کرو اور اس اعتقاد پر مضبوط ہو جاؤ کہ یہ اختلافات مشیتِ الٰہیہ کے تقاضے کے مطابق ہے، اور اس بات پر مبنی ہے کہ اس میں ہزاروں حکمتیں اور سیکڑوں مصلحتیں ہیں جو تمہارے معاد و معاش کے لیے مفید ہیں یا حق سے اعراض کرکے خواہشات کی تابعداری کرو، اور فوائد کے بجائے نقصانات کے پیچھے لگو اور ہدایت کے بدلے گمراہی پاؤ۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

(۱) گر لبوزد باغت انگورت دہد   درمیان ماتی سورت دہد

marfat.ocm

(۴) لانسلم و اعتراض از ما برفت   چوں عوض می آید از مفقود زفت

ترجمہ: (۱) اگر باغ جل گیا تو کیا وہ انگور دے گا، اس پریشانی میں ہی مجھے قوت ملے گی۔

(۲) ہم نہیں مانتے کہ ہم نے اعتراض کیا سامان کی گم شدگی سے عوض کہاں سے آئیگا۔

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ جب بات وہی حق ہے جو مذکور ہوئی تو ان عقاید حقہ اور اعمال صالحہ (جو قرآن مجید میں درج ہیں) کے لیے جد وجہد کرو۔ اسی میں تمہارے لیے دارین کی بہبودی ہے چند روزہ زندگی کو فرصت کو غنیمت سمجھ کر ان کے حصول میں عجلت کرو۔ اور اس فضل کو حاصل کرنے میں سبقت کرو **إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا** یہ ضمیر خطاب سے حال ہے یعنی تمہارا سب کا رجوع اللہ تعالیٰ کی طرف ہے خواہ تم میں کوئی مومن ہے یا کافر **فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ** پس تمہیں اس کی خبر دے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے پھر تمہیں ایسی جزا دے گا جو حق و باطل کا امتیاز کرے گی اور جس میں تم اختلاف کرتے تھے اس میں کسی قسم کا شک باقی نہ رہے گا۔

ف: اسی طرح سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ سمجھدار لوگوں کے لیے ایسی تعبیر سننے کے بعد وہم گمان کا موقع نہیں رہتا۔

وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ اس کا عطف الکتب پر ہے یعنی آپ انہیں اپنے اوپر نازل کردہ کتاب کے مطابق فیصلہ کیجئے **وَاحْذَرْهُمْ** ان سے خوف کیجئے کہ کہیں **أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ** تمہیں بعض ان احکام سے جو تم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں باز نہ رکھیں، یعنی باطل کو حق بتا کر تمہیں گمراہ نہ کر ڈالیں کر قرآن کے بعض احکام کا اجراء نہ کرنے دیں اگرچہ معمولی ہی سہی۔

ف: یہاں فتنۃ سے میل عن الحق اور وقوع فی الباطل مراد ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

اعوذبك من فتنة المحياء۔ (میں حیات (زندگی) کے فتنہ سے پناہ مانگتا ہوں)

یہاں بھی فتنۃ سے عدول عن الطریق المستقیم مراد ہے۔

قاعدہ: ہر وہ جو حق سے باطل کی طرف اور میانہ روی سے ٹیڑھے پن کی طرف لے جائے وہ فتنہ ہے۔

شانِ نزول یہودیوں کے علماء نے کہا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں لے چلو ہم ان سے غلطی کرانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ چنانچہ انہیں حضور رسول پاک صلی اللہ

marfat.ocm

علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا، انہوں نے حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: اے ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ جانتے ہیں کہ ہم یہودیوں کے بڑے مولوی ہیں۔ اگر ہم آپ کی رسالت کی گواہی دیں تو تمام یہود آپ کو مان جائیں گے۔ ہماری اپنی قوم سے مخالفت ہے ہم انہیں آپ کے ہاں لاتے ہیں اور آپ سے فیصلہ کرائیں گے آپ فیصلہ ہمارے حق میں کر دینا۔ اگرچہ معاملہ ہمارے خلاف ہو۔ آپ نے فرمایا ایسے بالکل نہیں ہوگا خواہ تم ایمان لاؤ یا نہ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مسئلہ: احذرھم سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے خطاء ونسیان کا صدور ممکن ہے لیکن عمداً کسی طریق سے بھی اُن سے غلطی کا وقوع نہیں ہو سکتا۔

فَإِنْ تَوَلَّوْا پس اگر وہ نازل کردہ حکم سے اعراض کریں کسی دوسرے حکم کو چاہیں **فَاعْلَمْ أَنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ** پس جان لو کہ اُن کے اعراض کا اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے **أَنْ يُّصِيبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ** تاکہ اُن کے بعض گناہوں کی وجہ سے انہیں دنیا کا عذاب پہنچائے کہ تمہیں ان پر مسلط کرے اور دنیوی عذاب میں مبتلا کرے بایں طور کہ تم انہیں قتل کر دو یا جلا وطن اور اُن پر جزیہ مقرر کرو اور پھر انہیں قیامت میں سزا دے ببعض ذنوبھم سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اعراض مراد ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے بہت بڑے بڑے گناہ تھے۔ اور انہیں بعض سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اتنے عظیم ہیں کہ بڑے بڑے گناہ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے، اگرچہ وہ کتنا ہی سہی لیکن وہ ایک ہی جنس کی حیثیت سے گویا ایک ہیں **وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُونَ** اور بہت سے لوگ فاسق ہیں یعنی کفر میں منہمک ہیں اور اس پر اصرار کرنے والے ہیں، اور وہ ان حدود سے تجاوز کرنے والے ہیں جو حدود شرع نے مقرر فرمائے ہیں اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اعراض کرتے ہیں **أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ** کیا جاہلیت کے فیصلے طلب کرتے ہیں یہ استفہام انکاری اور ان کے حال پر تعجب کا اظہار اور انہیں زجر و توبیخ کی جا رہی ہے، اور یہ فاء عاطفہ ہے اور اس کا معطوف علیہ محذوف ہے جیسا کہ فحوائے کلام سے معلوم ہوتا ہے۔ دراصل عبارت یُوں تھی ایتولون عن حکمك فیبغون حکم الجاھلیة یعنی کیا وہ تیرے حکم سے رُوگردانی کر کے جاہلیت کے فیصلے کے طلبگار ہیں۔

ف: جاھلیة سے اُن کی خواہشاتِ نفسانی اور جہالت کا وہ فیصلہ جس کا نہ کسی کتاب آسمانی میں ثبوت ہو اور نہ ہی اسے وحی ربانی سے کسی قسم کا تعلق ہو **وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا** اور اللہ تعالیٰ سے اور کون حکم کے لحاظ سے اَحسن ہو سکتا ہے اس لیے ان لوگوں کو بتانا مطلوب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے نہ کوئی احسن ہو سکتا ہے نہ برابر۔

سوال: اعلیٰ کی نفی سے مساوی کی نفی تم نے کہاں سے ثابت کر لی؟

marfat.ocm

جواب : یہ قاعدہ عرفِ عام کا ہے کہ کہیں کسی کے لیے افضل کا صیغہ مستعمل ہو تو اس سے مساوی کی نفی بھی ہو جاتی ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے :

فلان اکرم من فلان یا فلان افضل من فلان۔

اس سے یقیناً یہی مراد ہوتا ہے کہ فلاں ہر کریم سے اکرم اور ہر فاضل سے افضل ہے خواہ وہ اس کے مساوی ہو یا ادنیٰ۔

ف : حکماً کا منصوب ہونا احسن سے تمیز ہے جو مبتدا سے منقول ہو کر تمیز واقع ہوئی، دراصل عبارت یوں تھی :

ومن حکمه احسن من حکم الله۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور کس کا حکم احسن ہو سکتا ہے۔

لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ اس قوم کے لیے جو یقین رکھتی ہے، یعنی انہیں پورا یقین ہے۔ یہ لام بیانیہ اور محذوف کے متعلق ہے جیسے سقیالك میں لام بیانیہ اور محذوف کے متعلق ہے اور دراصل اس سے مخاطب کو دعا دینا مطلوب ہوتا ہے دراصل عبارت یوں تھی : یسقیك الله (اللہ تعالیٰ تجھے پانی پلائے) اس محذوف کو لك سے بیان کیا جاتا ہے یعنی استفہام مذکورہ بالا صرف اس قوم کے لیے جو یقین رکھتی اس لیے کہ وہ امورِ الٰہیہ میں تدبیر کرتے ہیں۔ اس سے انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم تمام دنیا والوں کے احکام سے احسن و اعدل ہے۔

ف : لقوم یوقنون کی لام حکماً کے متعلق نہیں اس لیے اللہ تعالیٰ کا حکم خاص قوم سے مخصوص نہیں۔

مسئلہ : آیت سے معلوم ہوا کہ اصولی لحاظ سے دین ایک ہے البتہ ہر ایک دین حق کے فروع مختلف ہیں اور اللہ تعالیٰ مالک ہے جس طرح چاہے ہر زمانہ میں حکم فرمائے اس لیے کہ ہر حکم میں ہزاروں مصلحتیں اور بے شمار حکمتیں ہوتی ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کے ہر حکم کے سامنے سر جھکائیں اور دل سے مانیں نہ ہم اس پر اعتراض کریں نہ نکتہ چینی۔

سبق : موت و فوت سے پہلے ہی خیرات کے حصول میں جد و جہد کی جائے۔

حدیث شریف : پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو :

(۱) بڑھاپے سے پہلے جوانی، اس لیے کہ انسان جوانی میں جو کام کر سکتا ہے وہ بڑھاپے میں نہیں کر سکتا۔ اور یہ بھی قاعدہ ہے کہ جو عادت جوانی میں پڑ جائے اسے بڑھاپے میں چھوڑا نہیں جا سکتا۔

(۲) صحت و عافیت کو بیماری سے پہلے، اس لیے کہ تندرست آدمی اپنے مال و اسباب اور نفس

marfat.ocm

میں ہر طرح کا تصرف بلا کم و کاست کر سکتا ہے۔ ہاں جب بیمار ہو جائے تو اس کے اعضاء کمزور پڑ جاتے ہیں تو طاعت الٰہی کی ادائیگی سے قاصر ہو جاتا ہے اور ایسے ہی مال میں بھی تہائی سے زاید خرچ نہیں کر سکتا، اگر موت کے آثار نمودار ہو جائیں۔

(۳) مشغولیت سے پہلے فراغت کو، مثلاً رات کو انسان عموماً فارغ رہتا ہے اور دن کو مختلف کاروبار میں مشغولیت ہوتی ہے بنابریں چاہیے کہ رات کو زیادہ سے زیادہ نوافل پڑھے جائیں اور دن کو روزہ رکھا جائے بالخصوص سردیوں کے دنوں میں، اس لیے کہ سردیوں کے روزے اور نوافل مومن کے لیے مفت کا ثواب ہے۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

الشتاء غنیمة المومن طال لیله فقامه وقصر نهاره فصامه۔	مومن کے لیے غنیمت ہے کہ اس کی رات طویل ہو اور وہ اس میں قیام (نوافل) کرے اور اس کے لیے دن چھوٹے ہوں تو ان میں روزے رکھے۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے:

اللیل طویل فلا تقصرہ بمنامك والنهار مضیئ فلا تکدرہ بآثامك۔	رات لمبی ہو تو اسے نیند سے ضائع نہ کرو اور دن چمکیلے ہوں تو انہیں گناہوں سے میلا نہ کرو۔

(۴) تونگری کو تنگدستی سے پہلے، یعنی جب بندہ اللہ تعالیٰ کے تھوڑے دیے رزق پر راضی ہو تو یہی غنیمت ہے کہ لوگوں کے آگے ہاتھ نہ بڑھائے۔

(۵) موت سے پہلے حیات کو، اس لیے کہ انسان جب تک زندہ رہتا ہے تو ہر عمل کرنے پر قدرت رکھتا ہے لیکن جب مرتا ہے تو اس کے اپنے عمل عملنامے میں نہیں لکھے جاتے اس لیے اکثر اہلِ اموات قبروں میں دنیا کی طرف لوٹنے کی آرزو کرتے ہیں تاکہ وہاں لوٹ کر تسبیح و تہلیل کی کثرت اور نوافل اور دوگانے زیادہ سے زیادہ پڑھیں۔

سبق: بنابریں سالک پر لازم ہے کہ وہ فرصت کو غنیمت سمجھے اس لیے کہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

(۱) بگذشتن فرصت اے برادر　　در گرم روے تو چو میغ باشد

(باقی صفحہ ۲۶۳ پر)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ
اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ
وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ
وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی
مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٥١﴾ فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ
رکھے گا تو وہ انہیں میں سے ہے بیشک اللہ بے انصافوں کو راہ نہیں دیتا اب تم انہیں دیکھو گے جن کے دلوں
يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَىٰ أَنْ تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ فَعَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَ
میں آزار ہے کہ یہود و نصاریٰ کی طرف دوڑتے ہیں کہتے ہیں ہم ڈرتے ہیں کہ ہم پر کوئی گردش آجائے تو نزدیک
بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِنْ عِنْدِهِ فَيُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا أَسَرُّوا فِي أَنْفُسِهِمْ نَادِمِينَ ﴿٥٢﴾ وَيَقُولُ
ہے کہ اللہ فتح لائے یا اپنی طرف سے کوئی حکم پھر اس پر جو اپنے دلوں میں چھپایا تھا پچھتاتے رہ جائیں اور ایمان
الَّذِينَ آمَنُوا أَهَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ حَبِطَتْ
والے کہتے ہیں کیا یہی ہیں جنہوں نے اللہ کی قسم کھائی تھی اپنے حلف میں پوری کوشش سے کہ وہ تمہارے
أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا خَاسِرِينَ ﴿٥٣﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ
ساتھ ہیں ان کا کیا دھرا سب اکارت گیا تو رہ گئے نقصان میں اے ایمان والو تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھرے گا
فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ
تو عنقریب اللہ ایسے لوگ لائے گا کہ وہ اللہ کے پیارے اور اللہ ان کا پیارا مسلمانوں پر نرم اور کافروں پر
يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ
سخت اللہ کی راہ میں لڑیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے یہ اللہ کا فضل ہے
مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٥٤﴾ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ
جسے چاہے دے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے تمہارے دوست نہیں مگر اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے کہ
يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ﴿٥٥﴾ وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول
وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ﴿٥٦﴾
اور مسلمانوں کو اپنا دوست بنائے تو بیشک اللہ ہی کا گروہ غالب ہے

marfat.ocm

(بقیہ صفحہ ۲۶۲)

(۲) دریاب کہ عمر بس عزیز ست گر فوت شود دریغ باشد

ترجمہ : (۱) اے بھائی ! فرصت کا گزرنا ایسے ہے جیسے کرم والے چہرے پر بادل چھا جائے۔

(۲) ابھی حاصل کرلے کہ عمر عزیز ہے ، عمر گزرنے پر افسوس ہوگا۔

حضرت سید شریف نے اپنے صاحبزادہ سے فرمایا : ؎

نصیحت ہمینست جان پدر
کہ عمرت عزیزت ضائع مکن

ترجمہ : اے جان پدر ! یہی نصیحت ہے کہ عمر عزیز ضائع نہ کر۔

سبق : سالک پر لازم ہے کہ وہ اپنی زندگی کے قیمتی لمحات ضائع نہ کرے۔

کسی دانا نے فرمایا : ؎

بکودکے بازی بجوانی مستی
بہ پیری سستی خدا را کے پرستی

ترجمہ : بچپن میں کھیل کا خیال ، جوانی مستی میں گزری ، بڑھاپے میں سستی ، تو کب خدا تعالیٰ کی عبادت کرے گا۔

سبق : جب سالک کا شریعت کا شغل مکمل ہو جائے تو طریقت کے لیے جدوجہد کرے ، جو کہ یہی شریعت کا باطنی راستہ ہے ، جیسے اربابِ عقول اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنی زندگی بسر کی انہی کی تقلید میں اپنی زندگی کے لمحات گزارے ، اس لیے کہ جیسے ہر نبی علیہ السلام کا اپنا طریقۂ دین ہے ایسے ہی ولی کا علیحدہ راہِ سلوک ہے جو صرف اسی کے سلسلہ سے مخصوص ہوتا ہے (جیسے سلسلہ قادری ، چشتی ، نقشبندی ، سہروردی ، اویسی وغیرہ) بدبخت ہے وہ جو ان طریقوں سے منہ پھیرتا ہے اور گمراہی کے گڑھے میں گرا جو ان کے سلسلوں سے ہٹا۔

(تفسیر آیاتِ صفحہ ۲۶۳)

تفسیر عالمانہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یہ خطاب عام مومنین کو ہے وہ مخلصین ہوں یا نہ ہوں ، اگرچہ اس کا شانِ نزول ایک مخلص گروہ کے لیے ہے۔

شانِ نزول : مروی ہے کہ حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے

کی کہ اگرچہ یہودیوں میں میرے ان گنت دوست ہیں لیکن میں ان سب کو چھوڑ کر صرف اللہ تعالیٰ اور اسکے ل اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وابستہ ہوتا ہوں۔ عبداللہ بن ابی نے کہا مجھے تو آئندہ کے حوادث د سے بڑا خطرہ رہتا ہے لہٰذا میں تو اپنے دوستوں (یہودیوں) کو نہیں چھوڑ سکتا اس لیے کہ حوادث میں ان سے لازماً واسطہ پڑے گا۔ اس سے بنو قینقاع کے یہود مراد ہیں ۔

لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ اے مومنو! یہود و نصاریٰ میں کسی ایک کو بھی اپنا یار ت نہ بناؤ، ان سے ایسی دوستی نہ جوڑو جیسے عموماً یاروں اور دوستوں سے معاملہ کیا جاتا ہے اور نہ ہی اپنے معاشرے میں دخیل بناؤ۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ مسلمانوں کو ان کی ہر طرح کی دوستی سے روکا جا رہا ہے لیے کہ یہ قرآن سے ناممکن بلکہ ممتنع ہے اور قاعدہ شرعیہ ہے کہ ممتنعات سے نہی کا تعلق نہیں ہوتا ضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ان کے دوسرے بعض کے دوست ہیں یعنی ان دونوں فریقوں یعنی یہود و نصاریٰ ایک فرقہ کے بعض دوسرے کے دوست ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ دونوں فرقوں کے سب کے سب دوسرے کے دوست ہیں اس لیے کہ دونوں کے آپس کے تعلقات کشیدہ تھے بلکہ دونوں ایک دوسرے کافر کہتے تھے اور وہ دونوں اتفاق رکھتے تھے کہ تمہیں ہر طرح کا نقصان پہنچائیں اسی لیے پھر تمہارا اور ان کا ستی کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ اور جو بھی تم میں سے ان سے دوستی اور محبت رے گا یعنی انہیں دوست بنائے گا فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ پس وہ بھی ان سے شمار ہوگا یعنی اُن کے دین سے تصور ہوگا اور ان کے ساتھ جہنم میں جائے گا ۔

سئلہ: یاد رہے کہ یہ اس وقت ہے جبکہ ان یہود و نصاریٰ سے محبت اگر دین کی وجہ سے ہو تو پھر اس کا انہیں میں ہوگا اور اُنہیں کے ساتھ جہنم میں جائے گا۔

سئلہ: اگر ان کی دوستی کا معاملہ صرف کاروبار اور معاملات و معاشرہ تک محدود ہو یا ان سے صرف خرید و فروخت کا سلسلہ ہو یا کسی کام کی وجہ سے ان سے واسطہ پڑ گیا تو اُن سے دوستی کا دم بھرتا ہے لیکن ان کے اعتقادات سے اسے تعلق ہو اور نہ ہی ان کے امور دینیہ سے اسے دلچسپی ہو تو پھر وہ اس وعید میں داخل نہ ہوگا ۔

سئلہ: حضرت مولانا ابو السعود رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس میں ان مسلمانوں کو زجر و توبیخ ہے جو یہود و نصاریٰ سے ظاہری طور پر دوستی کا دم بھرتے ہیں اگرچہ ان سے حقیقی محبت و دوستی نہ بھی ہو۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ بیشک اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ اس میں ومن یتولہم منکم الخ کے حکم کی علت بتائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا

marfat.ocm

جو اہلِ اسلام کی دوستی کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے دشمنوں یہود و نصاریٰ سے محبت اور دوستی کا دم بھرتا ہے بلک اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو ان کے اپنے حال پر چھوڑ دیتا ہے کہ کفر کے گڑھے میں پڑیں یا گمراہی میں مریں۔ اللہ تعا آنکھ جھپکنے بلکہ اس سے بھی کم ہمیں اپنے نفسوں کے سپرد نہ فرما۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرما

در رہِ عشق ازاں سُوئے فنا صد خطر است
تا نگوئی کہ چو عمرم بسر آمد رستم

ترجمہ: رہِ عشق میں ہزاروں خطرے ہیں یہ نہ سمجھنا کہ عمر گزر گئی تو نجات پاؤں گا۔

فَتَرَى یا یہ خطاب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے یا اس انسان کو ہے جو اس خطاب کا اہل ہے الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ پس تم دیکھو گے ان لوگوں کو جن کے دلوں میں مرض ہے یعنی منافقت کا مرض یا دنیوی امور میں سستی اور تکاہل ہے يُسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ یہ الذین سے حال ہ یعنی وہ ان یہودیوں اور نصرانیوں کی محبت اور دوستی اور ان کی معاونت میں عجلت کرتے ہیں۔

سوال: سارعۃ یسارعون کا صلہ تو الیٰ آتا ہے ذکر فی۔ یہاں فی کو کیوں لایا گیا؟

جواب: اس طرف اشارہ ہے کہ وہ منافقین وغیرہ یہود و نصاریٰ کی محبت اور دوستی پر ایسے ڈٹے ہو ہیں کہ اُن کا اس کی دوستی سے باز آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس سے عبداللہ بن ابی سلول اور ا کے ہمجولی مراد ہیں جو نجران کے یہود و نصاریٰ سے دوستی کا دم بھرتے تھے۔ جب مؤمنین انھیں اُن کی اس دوستی پر ٹوکتے تو انہیں عذر کرتے ہوئے کہتے کہ صرف خطرہ ٹالنے کے لیے اُن سے دوستی ہے ورنہ ہمیں اُن سے کیا واسطہ۔ اُن کی اس غلط بیانی کی تردید میں یہ ارشادِ گرامی نازل ہوا کہ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَ نُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ کہتے ہیں کہ ہم ڈرتے ہیں کہ ہم پر کوئی گردش آجائے۔ یہ یسارعون کی ضمیر حال ہے۔ دائرۃ یہ ان صفات سے ہے کہ جن کا موصوف مذکور نہیں ہوتا۔ یعنی ہمیں خطرہ ہے دَورِ زمانے کا چکر آجائے اور انہیں ایسی دولت اور غلبہ حاصل ہو کہ وہ ہم پر غالب آجائیں۔ اس ک یہ معنیٰ ہے کہ ہمیں خطرہ ہے کہ دَورِ زمانہ کے مصائب و تکالیف کا ہم شکار ہو جائیں، مث قحط سالی وغیرہ، تو پھر وہ لوگ ہمیں نہ قرض دیں گے اور نہ غلہ وغیرہ کی امداد کریں گے چونکہ منافقی مسلمانوں کو اپنا عذر پیش کرتے ہوئے ظاہر تو آخری معنے کرتے لیکن دل میں پہلا معنی چھپا ئے رکھتے فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ پھر نزدیک ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح لائے۔ اُن ک غلط بیانوں اور مومنوں کو جو اُلٹے سیدھے حوالے پیش کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ ارشادِ گرامی نازل فرمایا تاکہ انہیں معلوم ہو کہ یہود و نصاریٰ سے جو تم غلط طمع اور لالچ میں

marfat.ocm

ہو یا باطل بے سود ہو۔ اس میں اہلِ اسلام کو خوشخبری سنائی گئی ہے کہ بالآخر فتح اور نصرت اور
کے لیے ہے۔ اس لیے کہ عسٰی کلام الٰہی میں یقین کا فائدہ دیتا ہے اور یہ بھی قاعدہ ہے کہ کریم
ے وعدہ کرنے وہ ضرور پورا کرتا ہے اور پھر جیسے اہل کرم کا کریم وعدہ کرے تو پھر وہ کیوں نہ پورا ہو۔

: اس سے فتح مکہ یا خیبر کے یہودیوں کے دیہات اور فدک مراد ہیں یا یہ مراد ہے کہ جو اللہ تعالےٰ
یا اس کے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے گا وہ مار کھائیگا اس لیے کہ بالآخر اعزاز صرف
کو ہی ہے۔

: حضرت سدّی فرماتے ہیں کہ فتح کو اس لیے فتح کہتے ہیں کہ فتح یعنی کھولنا۔ چونکہ اس سے
ت سے مشکل اور چھپے ہوئے امور کھلتے ہیں اس لیے اس نام سے موسوم ہوئی۔

اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِہٖ یا اپنی طرف سے کوئی امر لائے۔ اس سے یہودیوں کی جڑ کاٹنے کی طرف
اشارہ ہے کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے قتل اور جلا وطنی کا حکم نازل ہوگا۔

: شافعۃ اس زخم کو کہا جاتا ہے جو پاؤں کے تلوے میں ظاہر ہوتا ہے اسے داغ دے کر مٹایا
جاتا ہے۔ پھر مثال کے طور پر کہا جاتا ہے۔

استاصل اللہ شافتہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس کی جڑ کاٹ دے۔ یعنی اسے مٹا کر فنا کر دے
جیسا اس زخم کو مٹایا گیا۔

فَیُصْبِحُوْا پس وہ ہو جائیں وہی منافقین جو مومنین کے سامنے عذرداریاں کرتے ہیں جو اوپر
ور ہوئے عَلٰی مَآ اَسَرُّوْا فِیْٓ اَنْفُسِہِمْ نٰدِمِیْنَ اور اس کے جو اپنے دلوں میں چھپایا تھا۔
پشیمان ہونے والے یعنی اپنے کرتوتوں پر پچھتائیں جو دلوں میں کفر اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت
میں شک کو چھپاتے تھے۔ وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اور منافقین کی ندامت کے وقت کہتے ہیں یہ تیا
ہے کہ قسم مذکورہ یعنی منافقین کے کمال سوءِ حال کے بیان کے لیے لایا گیا ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ مومنین
یہود و نصاریٰ کو ان منافقین کی طرف اشارہ کرکے کہتے ہیں جو ان یہود و نصاریٰ سے دوستی کا دم بھرتے
اور ان کی دولت کے امیدوار اور ان سے غایت درجہ کی محبت کا اظہار کرتے اور انہیں یقین دلاتے کہ
ہم دکھ اور سکھ میں تمہارا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ یہ اشارہ بھی اہل ایمان نے اُس وقت کیا جبکہ
منافقین کے لیے مشاہدہ کیا کہ اب ان کی امیدیں بیکار ہو گئیں اور ان کی پختگی عزائم کی ختم ہوئی کہ جن
باتوں کی انہیں امید تھی اُن کے متعلق معاملہ برعکس ہو گیا جن امور کے لیے وہ طرح طرح کی باتیں
بناتے تھے وہ بہرصورت پورا نہ ہو سکا تو مخاطبین سے تعجب کرتے ہوئے انہیں طنزاً کہتے ہیں کہ

marfat.ocm

اَھٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَھْدَ اَیْمَانِھِمْ اِنَّھُمْ لَمَعَکُمْ یہ وہی ہیں جنہوں نے قسم کھائی تھی کہ وہ اپنی قسم میں پورے طور تمہارے ساتھ ہیں یعنی تمہاری پوری نصرت و معونت کریں گے۔ چنانچہ مروی ہے کہ منافقین نے یہود و نصارٰی سے کہا تھا کہ اگر تم جنگ کے لیے تیار ہوئے تو ہم تمہاری پوری امداد کرینگے۔

ف : اسم اشارہ مبتدا ہے اس کا بعد اُس کی خبر ہے اس سے بتانا مطلوب ہے کہ انہوں نے جتنے دعوے کئے سب غلط نکلے۔ بلکہ اُن سے ایسا کرنا بعید از قیاس تھا۔ اور جو کچھ وہ کہتے سراسر خطا اور غلط تھا اور معکم کے مخاطب یہود ہیں جنہیں اہلِ اسلام نے خطاب کیا۔

ف : جہد الایمان مضبوط اور پختہ قسم پر بولا جاتا ہے۔ یہ در اصل مصدر ہے، اصل عبارت یُوں تھی: واقسموا باللّٰہ یجھدون جھد ایمانھم۔ فعل کو حذف کر کے اس کے قائم مقام مصدر کو کھڑا کیا گیا ہے اور اقسموا کی ضمیر سے حال ہے۔

سوال : یہ مصدر معرفہ ہے اور حال کا نکرہ ہونا لازمی ہے۔

جواب : اُس کا لفظاً معرفہ ہونا حال بننے کے مضر نہیں اس لیے کہ یہ مؤولاً نکرہ ہے کیونکہ یہ اصل میں مجتہدین فی ایمانھم یا یہ مفعول مطلق ہے۔ اب عبارت یُوں ہوگی اقسموا اقسام اجتہاد فی الیمین

حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِیْنَ یہ جملہ مستانفہ ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے انجام بیان فرمایا ہے کہ وہ جو کچھ محبت کا دم بھرتے اور ہر دُکھ اور سُکھ میں ان کا ساتھ دینے کی قسم کھاتے جیسے کہ استفہام انکاری سے بھی معلوم ہوا۔ یہ تمام انکار رائیگاں ہے یعنی جتنا انہوں نے محبت کا دعوٰی کیا اور اس یاری و دوستی کے لیے جتنی جد و جہد کی سب ضائع ہوئی کہ یہود و نصارٰی سے انہیں کچھ نصیب نہ ہوا بلکہ الٹا ان کی تمام کارگزاری بیکار ہوئی اور بہت سے دُکھ اور تکالیف سر پر اٹھائے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

اسمِ اعظم بکند کارِ خود اے دل خوش باش
کہ بتلبیس و حیل دیو سلیمان نشود

ترجمہ : اسمِ اعظم ان کا کام کرتا ہے اے دل خوش ہو، لیکن مکر و فریب سے ابلیس سلیمان نہیں بن سکتا۔

سبق : حق کے لیے درحقیقت دولت ہے اور باطل کے لیے صولت یعنی محض زبانی جمع خرچی، جو بعد کو مٹ جاتی ہے، اور ایسی فنا ہوتی ہے کہ جس کا نشان تک باقی نہیں رہتا۔ مومن پر لازم ہے کہ وہ باطل کی

marfat.ocm

بالکل نہ جھکے چاہے وہ کتنا ہی اچھا نظر آئے۔

یت منقول ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے عرض کی کہ میں نے اپنا پرائیویٹ سیکرٹری ایک نصرانی کو مقرر کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن سے رمایا: خدا تجھے غارت کرے کیا تجھے کوئی مسلمان نہیں ملا جو تُو نے ایک بے دین بدمذہب کو اپنے لیے مقرر کیا ہے۔ کیا تمہیں اللہ تعالیٰ کا حکم معلوم نہیں جبکہ فرمایا:

یٰایھا الذین اٰمنوا لا تتخذوا الیھود والنصٰری اولیاء۔

رت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: اس کا دین و مذہب کیا نقصان پہنچا سکتا ہے؟ جبکہ میں نے اس سے اپنی لکھائی کا کام لینا ہے۔

آپ نے فرمایا: درست فرماتے ہو لیکن جنہیں اللہ تعالیٰ نے ذلیل کیا ہے ہم کون لگتے ہیں انہیں عزت ینے والے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے فرمایا کہ وُہ خیانتی ہیں تو ہم کیوں انہیں معاملات پر امین مقرر کریں جب تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا کہ انہیں اپنے سے دُور رکھو تو پھر کیوں انہیں اپنے قریب لائیں۔

ت : مروی ہے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہی حکم اہلِ بصرہ کو لکھ کر بھیجا اگر یہ مر جائے تو پھر کیا ہوگا وں نے کہا کسی اور کو مقرر کریں گے۔ آپ نے فرمایا: جو کام کل کرنا ہے وہ آج کر لو، بہرحال اسے اپنے کاروبار ے علیحدہ کر دو۔

سئلہ : حضرت شیخ اکبر (ابن العربی) قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں نے دمشق میں اپنی آنکھوں سے بہت سے ردوں اور عورتوں کو دیکھا کہ وہ نصاریٰ سے دوستی کا دم بھرتے اور معاملات میں اُن سے وابستہ تھے ر اپنے بچوں کو اُن کے گرجوں میں لے جا کر ان کے پانی سے تبرک کے طور نہلاتے۔ یعنی وُہ پانی جو معمودیت کام سے مشہور تھا اور وہ معمودیت وہ پانی تھا جس سے چھوٹے بچوں کو نہلا کر یہ عقیدہ رکھتے کہ اب یہ بچہ ک ہو گیا، جیسے ہم ختنہ کرتے ہیں، ان کے لیے یہی رسم تھی۔ مسلمانوں کو ایسا کرنا کفر ہے۔

سئلہ : نوروز (نصاریٰ کی عید) کی تعظیم کرنا کفر ہے۔

سئلہ : اس دن تحائف و ہدایا بھیجنا بھی کفر ہے۔

سئلہ : اس دن کے مراسم کی ادائیگی میں اُن کے ساتھ شرکت کرنا بھی کفر ہے۔

سئلہ : اُن کے امور پر نگران مقرر کیے جائیں کہ جو بھی ان سے دوستی کرے گا سزا پائے گا تاکہ بدمذہبوں سے موالات کی پُوری طرح بیخ کنی کی جاسکے۔ ملتقط الناصری میں ہے کہ سارنگی (سرود) کو توڑنے کے لیے کسی مشرک سے کام لینا جائز ہے۔

marfat.ocm

مسئلہ: حضرت امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جس بات سے اہل اسلام کو روکنا لازم ہے اس سے اہل کفر کو روکنا بھی ضروری ہے صرف شراب اور خنزیر سے کفار کو نہ روکا جائیگا۔

مسئلہ: ان دونوں کو لے کر کافر بازار میں نہیں جا سکتا تاکہ ان کی شہرت نہ ہو اس لیے کہ اس طرح سے اہلِ اسلام کی تحقیر ہو گی۔

مسئلہ: اگر ہم نے اُن سے صلح کر لی ہو کہ وہ ہمارے ملک میں اہلِ اسلام سے پناہ لے کر رہ سکتے ہیں، پھر جب ان کی عید کا دن آئے تو وہ نصارٰی اپنی صلیب کھلم کھلا عید میں نہیں لے جا سکتے۔

مسئلہ: وہ کھلم کھلا مزامیر اور طنبور وغیرہ بھی نہیں بیچ سکتے۔

مسئلہ: بر سرِ عام مجلسِ سماع بھی نہیں قائم کر سکتے۔ علاوہ ازیں جتنے امور اہلِ اسلام کے لیے ممنوع ہیں ان کے لیے بھی ممنوع ہیں۔

مسئلہ: اسلامی ملک میں وہ نیا گرجا بھی نہیں بنوا سکتے۔

حدیث شریف میں ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لاخصاء فی الاسلام ولا کنیسۃ۔ اسلام میں نہ خصی ہونے کی اجازت ہے اور نہ ہی گرجا بنانے کی۔

مسئلہ: خصاء سے انسان کا خصی ہونا مراد ہے، ورنہ جانوروں کا خصی کرنا بوقتِ ضرورت جائز ہے یہی احناف کا قول ہے کہ جب انسانی ضرورت کے لیے جانوروں کا گوشت جائز ہے تو پھر ان کا خصی کرنا کیوں جائز نہ ہو۔

سوال: بنو آدم کو خصی کرنا کیوں ناجائز ہے جبکہ اس میں بھی ان کا نفع ہے۔

جواب: اس میں کسی قسم کا نفع نہیں اس لیے کہ نہ صرف بیگانی عورت سے زنا ناجائز ہے بلکہ ان کی طرف دیکھنا بھی حرام ہے (کذا فی بستان العارفین)۔

تفسیر صوفیانہ شیطان اور قوائے شریہ وجودِ انسان میں یہود و نصارٰی کی طرح ہیں۔ جیسے یہود و نصارٰی سے اجتناب کرنا اور دوستی نہ کرنا ضروری ہے ایسے ہی شیطان و قوائے شریہ سے اجتناب کرنا اور دوستی نہ کرنا لازمی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ تمہارے دشمن ہیں اور حکم فرمایا کہ انہیں اپنا دشمن سمجھو اس لیے کہ وہ تمہیں جہنم کی طرف لے جانے والے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے دائمی انقطاع پر اُبھارتے ہیں۔

سبق: مومن پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے ہر طرح کی دشمنی رکھے ورنہ ایمان ناکمل ہوگا۔

marfat.ocm

شریف میں ہے ؎

(۱) آنچہ در فرعون بود اندر تو ہست   لیک اژدرہات محبوس چہ ست
(۲) چہ خرابت مے کند نفس لعین   دور می اندازت سخت ایں قرین
(۳) آتشت را ہیزم فرعون نیست   زانکہ چوں فرعون او را عون نیست

ترجمہ "(۱) جو کچھ فرعون میں تھا وہ تجھ میں بھی ہے لیکن تیرا اژدہا کنویں میں بند ہے۔
(۲) نفس لعین کتنی خرابی کر سکتا ہے تیرا یہ ساتھی تو تجھے بہت دُور پھینک دے گا۔
(۳) تیری آگ کے پاس فرعون والی لکڑیاں نہیں اس لیے کہ تجھ میں فرعون والی طاقت نہیں۔

یعنی فرعون کو اپنے دعاوی اور خواہش کے مطابق اسباب حاصل تھے اس لیے اس نے ربوبیت و بیت کا دعویٰ کر دیا۔ اگر ہمیں بھی وہی اسباب حاصل ہو جائیں اور اس کی طرح ہمیں دعاوی پر معاونت جائے تو ہم بھی فرعون کے دعاوی سے پیچھے رہنے والے نہیں۔

سیر عالمانہ

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ اے ایمان والو! جو تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے۔

ف ؛ یہ منجملہ ان امور کے ہے جن کے متعلق قرآن مجید نے خبر دی ہے وہ ہو کر رہا۔

ود عنسی کی جھوٹی نبوت کا واقعہ

مروی ہے کہ گیارہ گروہ مرتد ہوئے، تین حضور علیہ السلام کے زمانہ اقدس میں، باقی آپ کے بعد۔ ان میں پہلا گروہ بنو مدلج کا تھا کا سردار ذوالخمار یعنی اسود عنسی تھا وہ کاہن تھا، اس نے یمن میں جھوٹی نبوت کا دعویٰ کر دیا اور اپنے علاقوں دوڑا یہاں تک کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ حکام جیسے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور کے بڑے بڑے سرداروں کو نکال دیا۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل اور دوسرے سلمانوں کو لکھا کہ اپنے دین پر مضبوط رہو اور اسود عنسی سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ چنانچہ فیروز دیلمی نے ود عنسی کو رات کے وقت اس کے بستر پر قتل کر دیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی السلام کو اللہ تعالیٰ نے اُسی رات اسود عنسی کے قتل ہو جانے کی خبر دے دی۔ چنانچہ آپ نے صبح کو کہ آج رات اسود عنسی قتل ہو چکا ہے اسے ایک برکت والے مرد نے قتل کیا ہے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ مرد کون ہے؟ آپ نے فرمایا، وہ فیروز دیلمی ہے۔ آپ نے جس دن اپنے صحابہ کو اسود عنسی کے جانے کی خبر دی تو دوسرے دن آپ کا وصال ہو گیا۔ چنانچہ ربیع الاول شریف کی آخری تاریخوں میں ابہ کرام کو اسود عنسی کے قتل ہو جانے کی اطلاع ملی۔

marfat.ocm

ف : حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ پہلی فتح تھی۔

مسیلمہ کذاب کی جھوٹی نبوت کا واقعہ

آپ کے زمانۂ اقدس کا دوسرا مرتد گروہ یمامہ کا بنو حنیفہ (قبیلہ) تھا، اُن کا سردار مسیلمہ کذاب تھا جس نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں نبوت کا دعویٰ کیا۔ ۱۰ھ کے آخر میں یہ واقعہ رونما ہُوا۔ اس کا یہ گمان تھا کہ وہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نبوت میں شریک ہے۔ چنانچہ اس نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھا جس کا مضمون یہ ہے:

من مسيلمة رسول الله الى محمد رسول الله اما بعد فان الارض نصفها لى ونصفها لك۔	یہ مسیلمہ (جھوٹے رسول) کا خط حضرت محمد مصطفیٰ (اللہ تعالیٰ کے سچے رسول) کی طرف ہے اما بعد جان لو کہ زمین آدھی میری اور آدھی آپ کی۔

اُس نے یہ خط اپنے دو ساتھیوں کے حوالے کر کے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں روانہ کیا۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں جب اس کے قاصد پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ اگر قاصدوں کو قتل کرنے کی ممانعت نہ ہوتی تو میں تمہیں قتل کرا دیتا۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں یہ مضمون لکھا:

من محمد رسول الله الى مسيلمة الكذاب اما بعد فان الارض يورثها من يشاء من عباده والعاقبة للمتقين۔	یہ خط محمد رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کی طرف سے مسیلمۃ الکذاب کو اما بعد زمین اللہ تعالیٰ کی ہے وہ جسے چاہتا ہے اس کا مالک بنا دیتا ہے اور نیک انجام صرف متقین کے لیے ہے۔

اس کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ آپ کے وصال کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بہت بڑا لشکر دے کر مسیلمۃ الکذاب کے ہاں بھیجا انہوں نے جا کر مسیلمۃ الکذاب سے جنگ کی یہاں تک کہ مسیلمۃ الکذاب کو مطعم بن عدی کے غلام وحشی نے قتل کر دیا۔ یہ وہی حضرت وحشی ہیں جنہوں نے حضرت حمزہ بن عبد المطلب کو شہید کیا تھا۔ حضرت وحشی فرمایا کرتے تھے میں نے خیر الناس کو شہید کیا اور اسلام میں بدترین انسان (مسیلمۃ الکذاب) کو قتل کیا

marfat.ocm

لیحہ بن خویلد کا واقعہ

یہ تیسرا گروہ قبیلہ بنو اسد کا تھا، ان کا رئیس یہی طلیحہ بن خویلد تھا۔ یہ وہ آخری شخص تھا جس نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس وت کا دعویٰ کیا تھا۔ مرتدین میں یہ وہ پہلا شخص تھا جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے دا کیا۔ اس کے مقابلہ کے لیے سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو بھیجا، جس یت بڑی جنگ لڑی گئی۔ بالآخر طلیحہ شام کی طرف بھاگ نکلا جو کہ بعد میں مسلمان ہو گیا اور مسلمان کر مرا۔

نکرین زکوٰۃ کے مرتدین کا واقعہ

حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد اہلِ مکہ و اہلِ مدینہ اور بحرین کے عبدالقیس کے سوا باقی عامۃ العرب مرتد ہو گئے وہ کہتے تھے کہ نماز تو ہم پڑھیں گے لیکن اپنے اموال کی زکوٰۃ دے کر ہم اپنے مال ضائع نہیں کرنا چاہتے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جنہیں اللہ تعالیٰ نے اقیموا الصلوٰۃ اٰتوا الزکوٰۃ میں جمع فرمایا ہے انہیں ہرگز جدا نہ کروں گا۔ بخدا اگر زکوٰۃ سے بکری کا ایک بچہ بھی (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ادا کرتے تھے) مجھ سے روکو گے تو میں بھی تمہارے ساتھ جنگ کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نصرت فرمائی جیسے اپنے پیارے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدد فرمائی تھی حتیٰ کہ مرتدین نے زکوٰۃ کی فرضیت کا اقرار کر لیا۔

ف: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کو یہ بات ناگوار گزری کہ وہ منکرینِ زکوٰۃ سے جنگ کریں، وہ کہتے کہ جب وہ اہلِ قبلہ ہیں تو پھر ہم ان سے جنگ کیسے کر سکتے ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تلوار نیام سے نکال کر اکیلے کھڑے ہوئے تب صحابہ کرام نے لڑائی کے سوا چارۂ کار نہ پایا، پھر وہ بھی ان کے پیچھے چل پڑے۔

ف: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شروع شروع میں ہم اس جنگ سے نفرت کرتے تھے لیکن جب ہمیں صدیق اکبر کا موقف سمجھ میں آ گیا تو اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور شکر کیا۔

حضرت صدیق اکبر کی فضیلت

صحابہ کرام کا اتفاق ہے کہ انبیاء (علیہم السلام) کے بعد صدیقِ اکبر جیسا کوئی اور افضل انسان نہیں، جس نے مرتدین کے مقابلہ میں نبی علیہ السلام کی جانشینی کا حق ادا کیا ہو۔ حضرت شیخ عطار رضی اللہ عنہ نے حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مدح میں فرمایا: ؎

ہر چہ بود از بارگاہِ کبریا ریخت در صدرِ شریفِ مصطفیٰ

marfat.ocm

آں ہمہ در سینۂ صدیق ریخت   لاجرم تا بود از و
تحقیق ریخت

ترجمہ: بارگاہِ کبریا سے جو کچھ مصطفےٰ کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سینہ مبارک میں پہنچا وہ تمام حضور علیہ السلام نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سینہ مبارک میں ڈال دیا لازماً تحقیق سے ڈالا۔

ف: حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ منکرینِ زکوٰۃ سے جنگ نہ کرتے تو قیامت تک اسی طرح لوگوں کو زکوٰۃ سے انکار رہتا۔

مسئلہ: الاشباہ میں ہے فتویٰ اس پر ہے کہ مانع زکوٰۃ سے انکار رہنا۔

مسئلہ: محیط میں ہے کہ اگر کوئی شخص زکوٰۃ دینے سے انکار کرے تو حاکم فرستادہ کو ضروری نہیں کہ وہ اس سے جبراً زکوٰۃ لے۔ اگر جبراً لے گا تو وہ لیا ہوا مال زکوٰۃ میں شمار نہ ہوگا اس لیے کہ اُس نے یہ مال بلا اختیار دیا ہے، ہاں اسے قید کرسکتا ہے تاکہ وہ اپنے اختیار سے زکوٰۃ ادا کرے۔

فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ پس اللہ تعالیٰ منکرین کو فنا کرکے اُن کی جگہ پر ایسے لوگوں کو لائے گا **بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ** جن سے وہ محبت کرے کہ اُن کے لیے دنیا و آخرت کی بھلائی کا ارادہ فرمائے **وَيُحِبُّوْنَهٗ** اور وہ اس سے محبت کریں یعنی ایسے لوگ آئیں جو اللہ تعالیٰ کی طاعت بجا لائیں اور برائیوں سے بچیں۔

ف: بعض مفسرین فرماتے ہیں اس سے اہلِ یمن مراد ہیں۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الایمان یمان والحکمۃ یمانیۃ۔   ایمان اور حکمت یمنی ہیں۔

نکتہ: ایمان کو ان کی طرف منسوب کرنے میں اشارہ ہے کہ وہ ایمان میں کامل درجہ رکھتے ہیں اس لئے جو شخص کسی شے میں کمال رکھتا ہے تو شے کے اس کی طرف منسوب ہونے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ دوسرے اس سے موصوف ہی نہیں۔ اس تقریب سے ثابت ہوا کہ یہ حدیث مذکور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی الایمان فی اھل الحجاز (ایمان اہلِ حجاز میں ہے) کے منافی نہیں۔ (کذا فی شرح المشارق لابن الملک)

ف: یہ بھی یاد رہے کہ اگر آیت اہلِ یمن ہی مراد ہوں تو تمام اہلِ یمن اور ہر زمانہ کے یمنی مراد نہیں بلکہ اس زمانہ کے اہلِ ایمان مراد ہیں۔

ف: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ آیت میں انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم مراد ہیں اور بعض کے نزدیک

marfat.ocm

فارس والے اہلِ ایمان مراد ہیں۔

حدیث شریف میں ہے،

لوکان الایمان معلقا بالثریا لنالہ ابناء فارس۔	اگر ایمان ثریا سے معلق ہو تب فارس والے اسے حاصل کریں گے۔

اس حدیث شریف میں فارس والوں کی فضیلت ثابت ہوئی۔

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اہلِ ایمان نرم دل ہیں۔ اذلۃ ذلیل کی جمع ہے یعنی رحیم دل رقیق القلب، یعنی اہلِ ایمان کے لیے منکسر اور متواضع ہیں اس لیے اذلۃ کا صلہ علیٰ آیا ہے کہ اس میں مہربانی اور نرم دلی کا معنےٰ مطلوب ہے اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ اور کافروں پر سخت ہیں۔ یعنی اُن پر غالب اور سخت گیر ہیں۔ یہ عزۃ سے ماخوذ ہے بمعنے غلبہ۔ وہ اس پر غالب ہوا يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑینگے۔ یہ قوم کی صفت دیگر ہے اپنے ماقبل پر مرتب ہے اور مابعد سے مربوط ہے۔ اس میں یہ بتانا مطلوب ہے کہ وہ کفار پر غالب کیوں ہیں وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ اور وہ ملامت کرنے والوں کی ملامت سے کوئی خوف نہیں رکھیں گے۔ اس کا عطف یجاھدون پر ہے، یعنی دونوں اوصاف کے جامع ہیں،

(۱) مجاہد فی سبیل اللہ ہیں۔

(۲) دین میں مضبوط اور پختہ ہیں۔ اس میں منافقین کو تعریض ہے جبکہ وہ مسلمانوں کے لشکر میں چل نکلے تو انہیں اپنے یاروں دوستوں یہودیوں نصرانیوں کا بھی دل میں اندیشہ تھا کہ ہم کوئی ایسا کام نہ کریں کہ جس سے وہ یار دوست ہمیں ملامت کرینگے۔

اللومۃ ایک بار ملامت کرنا۔ مصدر ہے مرۃ کے معنیٰ میں۔ اسے مرۃ کے معنے اور لائم کو نکرہ لانے میں دو مبالغے مطلوب ہیں گویا یوں کہا گیا ہے کہ مومن کسی ملامت گر کی ملامتوں سے اندیشہ نہیں کرتے۔ مبالغہ اول لومۃ میں بایں معنیٰ ہے کہ وہ ہر طرح کے ملامت گر کی پروا نہیں کرتے۔ اس سے مبالغہ اس لیے حاصل ہوا کہ نکرہ نفی کے بعد واقع ہو تو اس سے مطلوب ہوتا ہے ذٰلِكَ یہ مذکورہ بالا اوصاف جلیلہ کی طرف اشارہ ہے کہ اس قوم کو محبت و نرم دلی و عزت و مجاہدہ فی سبیل اللہ اور نفی خوف الملامۃ و نفی ملامۃ لائم سے موصوف کیا گیا ہے۔ فَضْلُ اللّٰهِ اس کا فضل اور لطف واحسان ہے نہ یہ کہ خود بخود اُن اوصاف سے موصوف ہوئے يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وہ عنایت فرماتا ہے جسے چاہتا ہے یعنی جسے ایسے اوصاف سے موصوف کرنا چاہتا ہے تو اسے ان اوصاف کے حصول کی توفیق عنایت فرماتا ہے

marfat.ocm

تاکہ وُہ بہ تقاضائے حکمت و مصلحت اسے حاصل کریں وَاللّٰہُ وَاسِعٌ اور بہت بڑے فضل و کرم اور الطاف کا مالک ہے عَلِیْمٌ جمیع اشیاء پر اس کا علم محیط ہے منجملہ ان کے یہ بھی اسے معلوم ہے کہ ان میں فضل اور توفیق کا اہل کون ہے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرّہٗ نے فرمایا؎

سکندر را نمی بخشند آبے
بزور و زر میسر نیست این کار

ترجمہ: سکندر کو آبِ حیات نہ بخشا، زور و زر سے ایسے کام نصیب نہیں ہوتے۔

تفسیر صُوفیانہ بعض ایسے سالک بھی ہوتے ہیں جن کے عقبات اور حجابات ستّر سال کے بعد ہٹتے ہیں اور بعض ان میں وُہ ہیں جو یہ منازل بیس سال میں طے کرتے ہیں بعض وُہ ہیں جنہیں دس سال میں یہ مرتبہ حاصل ہوتا ہے بعض صرف ایک ماہ میں طے کر لیتے ہیں۔ بعض کو ایک ہفتہ لگتا ہے اور بعض صرف ایک گھنٹہ میں حاصل کر لیتے ہیں بعض کو صرف آنکھ جھپکنے میں نصیب ہو جاتا ہے۔ یہ توفیقِ الٰہی اور عنایت ربّانی سے ہوتا ہے۔ مثلاً موسٰی علیہ السلام سے مقابلہ کرنے والے جادوگروں کو دیکھئے کہ انھیں اس مرتبہ کے حصول میں کتنی دیر لگی، انہیں صرف ایک لمحہ میں یہ نعمت نصیب ہُوئی جبکہ انہوں نے حضرت موسٰی علیہ السلام کا معجزہ دیکھا تو کہا اٰمنّا برب العٰلمین۔ اور اسی آن میں طریقِ حق کا مشاہدہ فرمالیا اور منزل طے ہو گئی یہاں تک کہ ایک سیکنڈ میں عارف باللہ بن گئے۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادھم رضی اللہ عنہ کے متعلق سب کو معلوم ہے کہ دُنیوی امور میں بہت اونچے تھے۔ لیکن جب انہوں نے دنیا سے منہ موڑا اور طریقِ حق چاہا تو کامل ولی بن گئے انہیں صرف اتنی دیر لگی کہ وہ بلخ سے روانہ ہُوئے اور مرو الروز میں پہنچے تو عارف کامل تھے یہاں تک کہ ایک مرد کو دریا کے پُل پر دیکھا کہ وہ پُل سے گر کر پانی میں ڈوبنے والا ہے آپ نے دریا کے کنارے پر کھڑے ہو کر اس مرد کو اشارہ کیا کہ یہاں ٹھہر جا۔ تو وہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی کرامت سے وہیں ٹھہر گیا، پانی میں ڈوبنے سے بچ گیا اور سہارے کے بغیر ہوا میں لٹکا رہا، یہاں تک کہ اُسے اُٹھا لیا گیا۔

حکایت حضرت رابعہ بصری کسی کی لونڈی تھیں جب وُہ بوڑھی ہو گئیں تو انہیں بیچنے کے لیے سارے بازار میں پھرایا گیا کسی نے بھی خریدنے کی طرف رغبت نہ کی۔ بصرہ کے ایک تاجر نے اُن کے حال پر رحم کھا کر صرف سَو درہم میں انہیں خرید کر فی سبیل اللہ آزاد کر دیا۔ بی بی صاحبہ آزاد ہوتے ہی عبادت الٰہی میں لگ گئیں ایک سال کے اندر ولیہ بن گئیں یہاں تک کہ ان کے مرتبہ کے پیشِ نظر بصرہ کے قرار (حفاظ) و علماء اُن کی زیارت کے لیے حاضر ہوئے۔

marfat.ocm

ف : جسے عنایتِ الٰہی نہ سنبھالے اور فضلِ ربّانی شاملِ حال نہ ہو تو اسے اس کے نفس کے سپرد کیا جاتا ہے تو وہ پھر ستر سال تک ایک ہی منزل میں بھٹکتا رہتا ہے اور بہت سے ایسے ہیں جو اس پُرپیچ وادی میں عرصۂ دراز تک دھکے کھاتے رہتے ہیں جنہیں منزل نصیب ہوتی بہرحال یہ راہ پُرپیچ اور بہت عمیق ہے کسی خوش قسمت کو نصیب ہوتا ہے۔

سوال : اسے مخصوص بندے سے مخصوص کرنے کا کیا معنٰی اور دوسرے کو محروم کیوں حالانکہ جد و جہد اور دعویٰ عبودیت میں دونوں مشترک ہیں۔

جواب : اس سوال کا جواب خود اپنے جلال کے پردوں سے حکم صادر فرماتا ہے کہ کچھ مرتبہ نہیں ملتا تو نہ ملے تو اپنے شغل پر مداومت کر اور عبودیت کا حق ادا کر کے سرِ ربوبیت کو پہچان تو اپنا کام کیے جا۔ اس کریم سے سوال کا ہے کا۔ اس سے سوال نہیں کیا جاتا۔ وہ جس سے چاہے جیسے چاہے کرے یہ اللہ کریم کے اپنے اندازے ہیں اور اسی کا فضل و کرم ہے وہ جسے چاہے اپنا فضل عطا فرماتا ہے۔ اسی کے ہاتھ میں ہے اور اس کے فضل و کرم کی کوئی انتہا و غایت نہیں ؎

رضا بداده بده وز جبین گره بکشائی
کہ بر من و تو در اختیار نکشادست

ترجمہ : رضا و تسلیم عمل میں لا ماتھے پر بَل نہ ڈال (اس لیے) ہم میں سے کسی پر بھی اختیار کا دروازہ نہ کھولا۔

اے اللہ تعالیٰ ! ہمیں ان لوگوں سے بنا جن پہ تیری نظرِ عنایت ہے اور جن کی حمایت تیری توفیق کرتی ہے اور جنہیں تیری ہدایت نصیب ہوتی ہے۔ (آمین یا رب العالمین)

تفسیر عالمانہ

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔

ربط : سابقاً کہا گیا کہ یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست مت بناؤ اس لیے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں لیکن تمہارے دشمن ہیں تمہارے دوست صرف اللہ تعالیٰ اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اہلِ ایمان ہیں فلہٰذا تم بھی صرف انہیں دوست بناؤ ان کے غیر سے دُور رہو۔

تفسیر صُوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دوستی غیر اللہ سے دشمنی کا نام ہے' جیسے حضرت خلیل علیہ السلام نے کہا : فانہم عدوٌّ لی الا رب العالمین اور رسول پاک صلی اللہ علیہ آلہٖ وسلم سے دوستی نفس سے دشمنی اور خواہشاتِ نفسانیہ کی مخالفت کو کہا جاتا ہے۔

حدیث شریف : چنانچہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

marfat.ocm

لا یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعاً لما جئت بہ۔	تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنی خواہش کو میرے لائے ہوئے احکام کے تابع نہ کرے۔

حدیث شریف: اور فرمایا:

لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من نفسہ ومالہ وولدہ والناس اجمعین۔	تم میں کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نفس و مال اور اولاد اور تمام لوگوں سے محبوب تر نہ جاؤں۔

ف: مومنین سے دوستی کا نام یہ ہے کہ ان سے صرف دین کے لیے بھائی چارہ ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

انما المؤمنون اخوۃ۔	بیشک سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔

حدیث شریف: اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ۔	تم میں کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی مسلمان کے لیے وہ اچھا نہ سمجھے جو اپنے لیے سمجھتا ہے۔

الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ یہ الذین امنوا سے بدل ہے یعنی مومن وہ ہیں جو نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں **وَھُمْ رٰکِعُوْنَ** یہ دونوں فعلوں کے فاعلوں سے حال ہے یعنی وہ نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں خشوع اور خضوع کرنے والے ہیں اس سے مومن مخلص اور غیر مخلص کا امتیاز مطلوب ہے تاکہ معلوم ہو کہ پُر اخلاص کون ہے اور منافق کون، اس لیے کہ نماز و زکوٰۃ کی مواظبت کرنے سے اور انہیں خشوع اور رضائے الٰہی کے لیے ادا کرنے سے اخلاص اور منافقت کا پتا چلے گا **وَمَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا** اور جو اللہ تعالیٰ اور رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور مومنین کو دوست بناتا ہے **فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ** پس بیشک اللہ تعالیٰ کا گروہ غالب ہے۔

سوال، ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لانے میں کیا فائدے ہیں فانھم کے بجائے فانّ حزب اللہ کیوں کہا گیا ہے؟

جواب، تاکہ تنبیہ ہو کہ یقینی طور صرف وہی اللہ تعالیٰ کا گروہ ہے اور یہی ہمیشہ غالب رہے گا، گویا یوں

marfat.ocm

یا کہ جو ان سے دوستی کرتا ہے وہی اللہ تعالیٰ کا گروہ ہے اور وہی ہمیشہ غالب ہوگا۔ پھر انہیں اپنی طرف ضافت کرکے ان کی بزرگی کا اظہار مطلوب ہے اور اس کو توفیق ہوگی جو اللہ تعالیٰ اور رسول پاک اور ے غیر سے محبت کرتا ہے اس کا انجام یہ ہے کہ وہ شیطان کا گروہ ہے۔

ت : حزب جب کسی کی طرف مضاف ہو تو اس سے مخصوص دوست مراد ہوتے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے : ب الرجل ای اصحابہ در اصل اس گروہ کو کہتے ہیں جو کسی ایسے امر کے لیے مجتمع ہو جو انہیں ستائے۔ زید یعنی اصحابہ مستعمل ہوتا ہے۔

سیر صوفیانہ

اللہ تعالیٰ کے ظاہری دشمن ہوں یا باطنی جیسے خواہشات اور نفس و شیطان ان پر محض نصرت ایزدی سے غلبہ پایا جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

اِن تنصروا اللّٰہ ینصرکم۔

ور نصرت و غلبہ بھی اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے ہی ہوتا ہے اس لیے کہ عزت دینے والا وہی ہے اور زت اسی سے ہی نصیب ہوتی ہے۔

عراج کی رات اُمت کی شکایات کی فہرست

مروی ہے کہ شبِ معراج اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام سے اُن کی اُمت کی چند شکایات بتائیں جو مندرجہ ذیل ہیں :

(۱) میں نے انہیں آیندہ کے لیے کسی امر کا مکلف نہیں بنایا اور وہ مجھ سے آئندہ کے رزق کا مطالبہ کرتے ہیں۔

(۲) میں نے ان کا رزق کسی کے ہاتھ میں نہیں رکھا اور وہ اپنے اعمال میرے غیر کی طرف لے جاتے ہیں۔

(۳) رزق میرا کھاتے ہیں شکر غیر کا کرتے ہیں۔

(۴) میرے ساتھ مخالفت میری مخلوق سے موافقت۔

(۵) عزت میرے ہاتھ میں ہے اور سب کو عزت دینا میرا کام ہے اور وہ میرے غیر سے عزت طلب کرتے ہیں۔

(۶) میں نے جہنم صرف کافروں کے لیے بنائی ہے لیکن یہ خود اپنے آپ کو جہنم میں لے جاتے ہیں۔

سبق : جو شخص بھی خواہشاتِ نفس کے تابع ہو کر تصفیۂ قلب اور تزکیۂ نفس نہیں کرتا بلکہ وہ جد وجہد کرکے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی صف میں کھڑا کرنا چاہتا ہے تو اُسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی قسم کی مدد نہیں نصیب ہوگی اس لیے اللہ تعالیٰ پر جرأت۔ ویسا کی کرنا سوائے خسارہ اور نقصان کے اور کچھ

marfat.ocm

نصیب نہیں ہوتا۔

ف : یاد رہے کہ خواہشات نفس کے ہی تقاضے ہیں اور نفس ظلمانی ہے اور ظلمانی سے ظلمت ہی پیدا ہو گی۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

(۱) عکس نورانی ہمہ روشن بود
عکس ظلمانی ہمہ گلخن بود

(۲) عکس برکس را بدان ای دوربین
پہلوئے جنسے کہ خواہی مے نشین

ترجمہ :

سبق : مؤمن پر لازم ہے کہ نماز روزہ اور دیگر تمام عبادات بجالا کر نفس کا تزکیہ کرے تاکہ تمام رذائل اور گندے اخلاق اس سے دُور ہو جائیں یہاں تک کہ باطنی دشمنوں پر غلبہ نصیب ہو اور ان پر غلبہ ظاہری دشمنوں پر غالب ہونے کی کنجی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضراتِ انبیاء کرام و اولیاءِ عظام علیٰ نبینا وعلیہم السلام ہر وقت مظفر و منصور رہتے۔ لیکن یہ غلبہ اور ولایت اللہ تعالیٰ کے عطیات سے ہے ازل سے جسے نصیب ہوئی وہ خوش نصیب اس کا مستحق ہے جسے ازل میں نور کے چھینٹے ملے وہ کبھی تاریکی کا منہ نہیں دیکھے گا۔ اسی طرح جسے اس روز نور کا چھینٹا نصیب نہ ہُوا وہ تا زیست ہدایت سے محروم رہے گا۔ نہ اُسے ابتدا زندگی میں یہ دولت نصیب ہو گی اور نہ ہی آخری وقت میں۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

بآبِ زمزم و کوثر سفید نتواں کرد
گلیم بخت کسے را کہ بافتند سیاہ

ترجمہ : آبِ زمزم اور کوثر سے سفید نہیں کیا جا سکتا جس کے بخت کی گُدڑی سیاہ تاگوں سے تیار کی گئی۔

marfat.ocm

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ
اے ایمان والو جنہوں نے تمہارے دین

اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ
کو ہنسی کھیل بنا لیا ہے وہ جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے اور

قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (٥٧) وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى
کافر ان میں کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو اگر ایمان رکھتے ہو اور جب تم نماز کے لیے

الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ (٥٨) قُلْ يٰۤاَهْلَ
اذان دو تو اسے ہنسی کھیل بناتے ہیں یہ اس لیے کہ وہ نرے بے عقل لوگ ہیں تم فرماؤ اے

الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ
کتابیو تمہیں ہمارا کیا برا لگا یہی نا کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہماری طرف اترا اور اس پر

قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ (٥٩) قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً
جو پہلے اترا اور یہ کہ تم میں اکثر بے حکم ہیں تم فرماؤ کیا میں بتادوں جو اللہ کے یہاں اس سے بدتر درجہ میں

عِنْدَ اللّٰهِ ۚ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ
ہیں وہ جن پر اللہ نے لعنت کی اور ان پر غضب فرمایا اور ان میں سے کردیے بندر اور سور اور

وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ۚ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ (٦٠) وَاِذَا
شیطان کے پجاری ان کا ٹھکانا زیادہ برا ہے اور یہ سیدھی راہ سے زیادہ بہکے اور جب

جَآءُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ
تمہارے پاس آئیں تو کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اور وہ آتے وقت بھی کافر تھے اور جاتے وقت بھی کافر اور اللہ

بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ (٦١) وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ
خوب جانتا ہے جو چھپا رہے ہیں اور ان میں تم بہتوں کو دیکھو گے کہ گناہ اور زیادتی اور

وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (٦٢) لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ
حرام خوری پر دوڑتے ہیں بیشک بہت ہی برے کام کرتے ہیں انہیں کیوں نہیں منع کرتے ان کے پادری

وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ (٦٣)
اور درویش گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے بیشک بہت ہی برے کام کر رہے ہیں

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ۚ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ
اور یہودی بولے اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے ان کے ہاتھ باندھے جائیں اور ان پر اس کہنے سے لعنت ہے بلکہ

وقف لازم

marfat.ocm

مَبْسُوْطَتٰنِ یُنْفِقُ کَیْفَ یَشَآءُ وَلَیَزِیْدَنَّ کَثِیْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ
اسکے ہاتھ کشادہ ہیں عطا فرماتا ہے جیسے چاہے اور اے محبوب یہ جو تمہاری طرف تمہارے رب کے
اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ طُغْیَانًا وَّکُفْرًا وَاَلْقَیْنَا بَیْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰی
پاس سے اترا اس سے ان میں بہتوں کو شرارت اور کفر میں ترقی ہوگی اور ان میں ہم نے قیامت تک
یَوْمِ الْقِیٰمَةِ کُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ وَیَسْعَوْنَ فِی
آپس میں دشمنی اور بیر ڈال دیا جب کبھی لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ اُسے بجھا دیتا ہے اور زمین میں
الْاَرْضِ فَسَادًا وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْکِتٰبِ
فساد کے لیے دوڑتے پھرتے ہیں اور اللہ فسادیوں کو نہیں چاہتا اور اگر کتاب والے ایمان لاتے
اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَکَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ﴿۶۵﴾ وَلَوْ
اور پرہیزگاری کرتے تو ضرور ہم ان کے گناہ اتار دیتے اور ضرور انہیں چین کے باغوں میں لے جاتے اور اگر
اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ
وہ قائم رکھتے توریت اور انجیل اور جو کچھ انکی طرف ان کے رب کی طرف سے اُترا تو انہیں رزق ملتا
لَاَکَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ
اوپر سے اور ان کے پاؤں کے نیچے سے ان میں کوئی گروہ اگر اعتدال پر ہے اور
وَکَثِیْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا یَعْمَلُوْنَ ﴿۶۶﴾
ان میں اکثر بہت ہی بُرے کام کر رہے ہیں

تفسیر عالمانہ

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (اے ایمان والو)

شانِ نزول : رفاعہ بن زید اور سوید بن حارث دونوں اظہارِ اسلام کے بعد منافق ہو گئے۔ بعض مسلمان اُن سے محبت رکھتے تھے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرماکر اُن کی دوستی سے روکا اور فرمایا : اے ایمان والو لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَکُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مت دوست بناؤ ان کو جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنا لیا الذین اتخذوا الخ لا تتخذوا کا مفعول اول ہے اور اس کا مفعول ثانی اولیاء ہے اور دینکم، اتخذوا کا مفعول اول ہے اور اس کا مفعول ثانی هزوًا ہے الهزؤ تمسخر و استہزاء کو کہتے ہیں۔ اور اللعب فارسی میں بمعنے بازی (کھیل) ہے۔ منافقین کا دین سے استہزاء و لعب یہ تھا کہ وہ زبان سے تو اسلام کا دم بھرتے لیکن دل میں کفر چھپائے رکھتے تھے۔

ف : نہی کو دین سے استہزاء پر مرتب کرنے میں اس کی علت کی طرف اشارہ ہے اور تنبیہ ہے کہ جس کا یہ حال ہو کہ وہ دین

لکتاب وہ اس لائق ہے کہ اس سے دشمنی کی جائے نہ کہ اس سے دوستی اور یاری کا دم بھرا جائے۔
مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ یہ مِن بیانیہ ہے۔ استہزاء کرنے والوں کو بیان
ہے اور من قبلکم اُوتوا سے متعلق ہے یعنی وہ جو تم سے پہلے کتاب دیے گئے وَالْکُفَّارَ منصوب
س کا عطف الذین اولیٰ پر ہے (یعنی الذین اتخذوا) اس سے مشرکین مراد ہیں اس لیے خصوصیت
کیا ہے کہ یہ ڈبل کفر کے مرتکب تھے۔

مطلب یہ کہ تمہاری دوستی کسی ایسے سے نہ ہونی چاہیے جو دین کا مدعی ہو کر خواہش نفسانی پر عمل کر کے حق اور صواب
ن میں لگا رہتا ہے جیسے اہل کتاب یہود و نصاریٰ یا وہ کسی دین کا پابند نہ ہو جیسے مشرکین اَوْلِیَآءَ ان
کافروں کو دوست نہ بناؤ بلکہ ان سے ہر ممکن دور رہو وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں رکھ کر
دوستی اور یاری سے بچو اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ اور اگر تم سچے مؤمن ہو اس لیے کہ ایمان تقویٰ کا
سبب ہے وَاِذَا نَادَیْتُمْ اِلَی الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا جب تم نماز کے لیے اذان دو تو وہ نماز اور
اذان کو هُزُوًا وَّلَعِبًا ہنسی بناتے ہیں۔

انِ نزول یہودیوں کی عادت تھی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن اذان دیتے تو
وہ آپس میں ہنستے اور مسلمانوں کو نماز پڑھتے ہوئے ان کی سفاہت کی طرف اشارہ کر کے
کھیل کرتے اور کہتے کہ ان کی جہالت کا حال دیکھو کہ کس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہے ہیں اس سے ان کا
اہل اسلام سے نفرت دلانا مقصود تھا اور چاہتے تھے کہ داعی اسلام سے عوام متنفر ہو جائیں۔

ذٰلِكَ یہ استہزاء مذکور کی طرف اشارہ ہے بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ اس لیے کہ وہ
ے بے عقل لوگ ہیں یعنی آپ کے اس استہزاء سے ثابت ہوتا ہے کہ انہیں عقل ہے ہی نہیں اس لئے
سے کم عقلی ہی انہیں محاسنِ حق سے ہنسی مذاق کرا رہی ہے ورنہ اگر انھیں عقل ہوتی تو ایسے
ل ترین عمل پر ہنسی مذاق کرنے کی جرأت نہ کرتے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

(۱) کشتی بے لنگر آمد شر — کہ ز باد کژ نیابد او حذر
(۲) لنگر عقل ست عاقل را امان — لنگر دریوزہ کن از عاقلاں

ترجمہ: (۱) کشتی بے لنگر ہے شریر مرد کہ اسے بادِ مخالف سے ڈر نہیں لگتا۔
(۲) لنگر عقل ہے عقلمند کے لیے امان ہے تم عقلمند سے جا کر اس لنگر کی خیرات مانگو۔

ف: علماء کرام فرماتے ہیں کہ اذان نماز کا ثبوت صرف خواب والی احادیث سے نہیں بلکہ وہ اس
یت کریمہ سے بھی ثابت ہے اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ جب تم اذان دے کر لوگوں کو نماز کے لیے بلاؤ۔

marfat.ocm

ف؛ اذان و ندا یعنے بلند آواز سے کسی کو بلانا۔

اذانِ نماز کے نکات

اذان میں چند حکمتیں ہیں؛

(۱) شعائرِ اسلام کا اظہار

(۲) کلمۂ توحید کا اظہار

(۳) نماز کے وقت کے داخل ہونے کی خبر دینا۔

(۴) اور خبر دینا کہ نماز پڑھنی ہے۔

(۵) نماز با جماعت کی دعوت دینا وغیرہ۔

سوال؛ مؤذن خوش آواز تو ہے لیکن مزدوری مانگتا ہے یا تنخواہ کا طالب ہے دُوسرا وہ ہے جو اذان تو مفت دیتا ہے لیکن ہے کریہہ الصوت۔ ان میں کسے مؤذن مقرر کیا جائے۔

جواب؛ اس کے متعلق فقہاء کے دو قول ہیں اصح یہی ہے کہ خوش الحان کو اذان کے لیے مقرر کیا جا اس لیے کہ اُس کی اذان سے عوام کے دل میں تاثیر پیدا ہوگی، جیسے کریہہ الصوت سے نفرت وکراہت۔

حکایت مثنوی شریف

ایک بد آواز مؤذن نے کافروں کی بستی میں اذان کہہ ڈالی، اسے لوگوں نے ب سمجھایا کہ تیری اذان سے فتنہ اٹھتا ہے اسلام کو کسی قسم کا فائدہ نہیں بلکہ نقص ہے، اس لیے کہ اذان خوش الحان آدمی کو دینی چاہیئے۔ وہ جواب دیتا کہ کافروں کے علاقہ میں اذان سے اس کو فائدہ ہوگا، حالانکہ درحقیقت بہت بڑا نقصان ہو رہا تھا۔ کافر اس کی اذان سے خوش تھے کہ اس اذان سے مسلمانوں کا دینی نقصان ہو رہا تھا۔ چنانچہ کافروں نے اُسے ہدایا وتحائف سے بھرپور کر دیا۔ کوئی پیش کر رہا ہے تو کوئی اسے بہترین طعام پکا کر کھلا رہا ہے تو کوئی اسے حلوہ دیتا ہے کوئی مٹھائی پیش کرت اس لیے کہ انہیں اس کی اذان سے بہت فائدہ پہنچا۔ ان میں کافروں کی ایک لڑکی تھی جسے اسلام سے ہوگئی تھی اسے کافروں نے ہرچند سمجھایا مگر وہ کسی کی نہ مانتی تھی۔ ایک دن اس لڑکی نے اس مؤذن کی آ سُن لی۔ خوفزدہ ہوکر پُوچھنے لگی یہ مکروہ آواز کیسی ہے؟ میں نے زندگی بھر ایسی گندی آواز کبھی نہیں سنی۔ ا کی بہن نے کہا؛ جس اسلام سے تجھے محبت ہے یہ آواز اس کی نماز کا اعلان ہے۔ لڑکی کو اس کی بات یقین نہ آیا، کسی دوسرے سے پُوچھا کہ یہ گندی آواز کیسی ہے؟ کہا گیا، یہ مسلمانوں کی اذان ہے۔ ج اسے یقین ہوگیا تو مسلمانی سے بیزاری کا اظہار کر دیا اور کہا اگر مسلمانوں کی اذان ایسی ہے تو میں ا عذاب سے پناہ مانگتی ہوں اس لیے کہ اس ہیبت ناک آواز سے میری نیند حرام ہوگئی ہے۔ شکر ہے ج عذابِ جہنم کا ڈر مجھے کفر کی وجہ سے سنایا جاتا تھا اس کا خطرہ میرے دل سے دفع ہوگیا حالانکہ اس کی

marfat.ocm

سے پہلے میں ایمان کی وجہ سے بے خوف و خطر سوتی تھی لیکن اس کی آواز سے مجھے محسوس ہُوا کہ عذاب اس سے نہیں ہو گا لہٰذا مجھے ایسے ایمان سے کفر بھلا۔ یہ کہہ کر اُس مؤذن کو ہدیہ و تحفہ پیش کر کے کہا تُو میرا محسن ایمان سے بچا کر کفر کی طرف لوٹایا۔ اس وقت اگر میرے پاس زر اور دولت ہوتی تو تیرا دامن یتی۔

یہ تھی کہانی مؤذن بدآواز کی، جس سے نتیجہ نکلا کہ مؤذن خوش آواز ہونا چاہیے۔

حدیث شریف میں ہے :

ن کے فضائل

(۱) بہشت میں سب سے پہلے انبیاء علیہم السلام داخل ہوں گے، پھر شہداء، ضرت بلال سان کی معیت میں کعبہ معظمہ کے تمام موذن، پھر بیت المقدس کے موذن، پھر مدینہ طیبہ جد نبوی کے مؤذن، پھر دنیائے اسلام کے تمام مؤذن بقدر اعمالِ صالحہ۔

(۲) تین ایسے شخص ہوں گے جنہیں حساب کا خطرہ نہ ہو گا اور نہ ہی گھبراہٹ ہو گی :

(۱) باعمل حافظِ قرآن اللہ تعالیٰ کے سردار اور معظم بالشان ہو کر حاضر ہو گا۔

(۱۱) مؤذن جس نے سات سال محض فی سبیل اللہ اذان پڑھی ہو۔

(۳) عبد مملوک جس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں بھی کمی نہ ہو اور اپنے آقا کے حقوق بھی پورے طور پر ے ہوں۔

مسئلہ : جو شخص امامت و اذان دونوں ادا کر سکتا ہو اس کے لیے نہایت افضل ہے اس لیے ور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت پر مداومت فرمائی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان اس لیے نہ دی کہ اگر کوئی آپ کی اذان سُن کر نماز کے لیے حاضر نہ ہوتا تو وہ کافر ہو جاتا۔

دوسرا یہ کہ مؤذن ہو کر داعی بنتے تو کسی دوسرے نبی کی شہادت کے لیے۔

تیسرا یہ کہ اشہد ان محمدًا رسول اللہ خود اذان میں کہتے تو اس سے وہم کیا جا سکتا تھا کہ کے علاوہ کوئی اور نبی بھی ہے۔

چوتھا اس لیے کہ جب خواب میں اذان کے کلمات کسی نے دیکھے اور آپ کو سنائے گئے تو آپ نے ل کو فرمایا کہ اذان پڑھو۔ اگر آپ کے پڑھنے کی بات ہوتی تو آپ کسی اور کو حکم نہ فرماتے۔

پانچویں اس لیے کہ آپ جس عمل کو شروع فرماتے اس پر مداومت فرماتے۔ آپ کو رسالت کے میں اتنی مشغولیت تھی کہ اذان کے لیے وقت نہ نکل سکتا تھا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا

marfat.ocm

اگر خلافت کے امور میرے سپرد نہ ہوتے تو میں اذان دیتا۔

مسئلہ : گانے کی آواز میں اذان کہنا مکروہ ہے۔

حکایت حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ہاں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی مجھے آپ سے مح ہے۔ آپ نے فرمایا لیکن میں آپ کو مبغوض سمجھتا ہوں۔ اُس نے عرض کی : وہ کیوں آپ نے فرمایا : اس لیے کہ میں نے سنا ہے کہ تو گانے کی آواز میں اذان کہتا ہے۔

ف : گانے کی آواز کا مطلب یہ ہے کہ اذان کے الفاظ بگاڑے جائیں۔ مثلاً لفظ اللہ کے ہمزہ کو کھینچ آللہ کہا جائے اس لیے کہ اس میں استفہام کا معنیٰ پیدا ہوجاتا ہے اور ذاتِ باری تعالیٰ میں شک استفہام کیسا۔ ایسے ہی اکبر کے بجائے اکبار یعنی بار کو کھینچ کر کہا جائے، اس لیے کہ اکبار شیط نام ہے وغیرہ۔

مسئلہ : اذان کے کلمات اور اس کی اجابت ہر اس شخص پر واجب ہے جو اذان کے کلمات سن اگرچہ جنب یا حائضہ ہو، بشرطیکہ وہ پیشاب پاخانہ نہ پھر رہا ہو۔ اسی طرح جماع کرتے ہوئے بھی کلمات نہ کہے۔

مسئلہ : تاج الشریعۃ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اذان کی اجابت سنّت ہے۔

مسئلہ : امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اجابتِ اذان مستحب ہے۔

اذان میں انگوٹھے چومنے کا ثبوت ضعیف حدیث[1] سے ثابت ہے کہ انگوٹھے اور شہاد کی انگلیوں کو چوم کر آنکھوں پر لگایا جائے جب مؤذن اشھد ان محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس لیے کہ یہ حدیثِ مرفوع سے ثابت نہیں لیکن مح کا اتفاق ہے کہ صرف ترغیب و ترہیب میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا جائز ہے۔

مسئلہ : حیّ علی الصّلوٰۃ کے وقت لاحول ولا قوۃ الّا باللہ العلی العظیم پڑھے، یعنی اذا سننے والا یہی کلمات پڑھے اور حی الفلاح کے وقت کہے ماشاء اللہ کان وما لم یشاُ لم یکن او الصلوٰۃ خیر من النوم (صبح کی اذان کے وقت) کے جواب میں کہے صدقت و بالخیر نطقت اور قد قامت الصلوٰۃ کے وقت کہے اقامھا اللہ و ادامھا، اور اس کے بعد فعلی طور پر مکبر کا جوا

---

[1] ضعیف احادیث سے مستحبات ثابت کیے جاتے ہیں اور انگوٹھے چومنا بھی مستحب ہے۔ مزید تفصیل فقیر کے رسالہ "انگوٹھے چومنے کا ثبوت" میں دیکھئے۔ اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

ذکر قولی یعنی نماز کی نیت کر کے نماز میں شروع ہو جائے۔

ث شریف حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ مردوں اور عورتوں کی صفوں میں کھڑے ہو کر فرمایا:

یا معشر النساء اذا سمعتن اذان هذا الحبشی و اقامة فقلن کما یقول فان لکن بکل حرف الف درجة۔	اے عورتو! جب تم اس حبشی (حضرت بلال رضی اللہ عنہ) کی اذان اور اقامت سنو تو تم بھی اس کے کلمات کو ساتھ پڑھتی جاؤ، اس کے ایک حرف کے عوض بہشت میں ہزار درجات نصیب ہونگے۔

ت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

هذا فی النساء فما للرجال۔	یہ تو عورتوں کے لیے ہوا اگر وہی کلمات مرد موذن کے ساتھ دہرائیں تو ان کو کتنا ثواب ملے گا۔

آپ نے فرمایا:

ضعفان یا عمر۔ (اے عمر! عورتوں کے ثواب سے دُگنا)

یر صوفیانہ حضرت شیخ الشہیر باقتادہ آفندی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ وُہ کلام اور وہ جواب جو مؤذن کہتا ہے اللہ اکبر اللہ اکبر۔ تو اس وقت اگر عظمتِ الٰہی اور اس کی
ی کے پردے اُٹھ جائیں اور بوقت اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدانیت کے جلوے منکشف ہو جائیں
ہد ان محمد رسول اللہ کے وقت حقانیت کے حجابات دُور ہو جائیں اور حی علی الصلوٰۃ و الفلاح
ب کی مطلوب کی طرف طلب کا ظہور ہو اور اللہ اکبر ذات کے جلوے نظر آجائیں تو
زہے قسمت۔

دِ اذان (۱) اگر مسافر کے جانے کے بعد اذان دی جائے تو واپسی تک باامان رہے گا۔

(۲) نومولود بچے کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت پڑھی جائے تو وہ بچہ
الصبیان سے محفوظ رہے گا۔

(۳) کسی کو بھی مرض لاحق ہو تو بھی مسطورہ بالا طریق سے اذان و اقامت کہی جائے تو بھی صحت و
فیت حاصل ہو گی۔

marfat.ocm

(۴) آگ لگ جائے،

(۵) سیلاب آجائے،

(۶) سردی کا حملہ ہو،

(۷) کوئی خوف لاحق ہو، اذان کہی جائے تو امن وسلامتی نصیب ہوتی ہے۔ (کذا فی اسرار المحمدیہ

فائدہ صوفیانہ اذان میں درحقیقت دعوت الی اللہ کی طرف اشارہ ہے اور موذن حقیقت میں وہ جو وارث محمدی ہے وہ اہلِ غفلت اور اہلِ حجاب کو مقامِ قرب اور محلِ خطاب کی طرف بلاتا ہے جو استماعِ حق سے محروم ہے وہ اثناء داعیِ حق سے بوجہ جہالت وضلالت کے اور اس کی دعوت سے استہزاء کرتا ہے اور حق کی طرف کان لگاتا ہے تو دعوتِ حق کو قبول کر کے حضرت عزت تک پہنچ جاتا ہے اور اسے لذتِ شہودِ جمال کا ادراک پالیتا ہے، پھر وہ اسرار وصال سے سرشار ہو جاتا ہے ؎

جوانا سر متاب از پند پیران
کہ رائے پیرت از بختِ جوان بہ

ترجمہ: اے جوان! بوڑھوں کی نصیحت سے منہ نہ پھیر اس لیے کہ بختِ جوان سے بوڑھے کی رائے بہتر ہوتی ہے۔

تفسیر عالمانہ قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ اہلِ کتاب کی ایک جماعت نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، آپ کا دین کیا ہے؟ آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ اور اس کی کتاب جو میرے اوپر نازل ہوئی اور دیگر سب کتابیں جو مجھ پر پہلے نازل ہوئیں یعنی حضرت ابراہیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب اور اُن کی تمام اولاد اور جو کچھ موسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام اجمعین کو احکام دئے گئے اور علاوہ ازاں دوسرے تمام انبیاء علیہم السلام کہ جنہیں کتابیں دی گئیں ان سب پر میرا ایمان ہے ہم کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے اور سب پر ایمان رکھتے ہیں۔ جب انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر سنا تو کہنے لگے کہ ہم نے دنیا و آخرت میں کمزور اور پُراز شرور وفتن کوئی دین نہیں دیکھا۔ اس پر یہی آیت نازل ہوئی۔ یعنی آپ فاسق وفاجر یہودیوں سے فرمائیے۔

هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ کیا تم عیب لگاتے ہو۔ نقم منہ سے ہے۔ یعنی جب کوئی کسی کو عیب لگائے یا اس سے کراہت کرے اور اس پر انکار کرے۔ تنقمون ای ما تعیبون و ما تنکرون من دیننا یعنی جتنا تم ہمارے دین پر عیب لگاتے ہو اور اس سے انکار کرتے ہو اس کی کوئی وجہ بھی نہیں

marfat.ocm

اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ سوائے اس کے ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں ۔ یہ تنقمون کا مفعول لہ اور ں کا مفعول بہ محذوف ہے جو کہ الدین تھا وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا اور جو کچھ ہمارے اوپر نازل کیا گیا قرآن مجید مراد ہے وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ اور جو کچھ ہم سے پہلے نازل کیا گیا یعنی تورات و اور باقی تمام آسمانی کتابیں وَاَكْثَرُكُمْ فٰسِقُوْنَ اور بہت سے تم میں سے فاسق ہیں ۔ اس کا امنا پر ہے ۔ یعنی اکثر تمہارے سرکش اور مذکورہ امور پر ایمان نہ رکھتے ہوئے خارج از اسلام یمان تک کہ انہیں کہا جائے کہ اگر تم ہماری کتاب کی تصدیق اپنی کتاب سے کر لو تو پھر لامحالہ ایمان لاؤ ۔

ل : ان کے اکثر کو فاسق کہا گیا حالانکہ وہ سب کے سب فاسق تھے ۔

اب : چونکہ اکثر ان میں تمرد و فساد میں یکتا تھے اور دوسرے ان کے تابعدار تھے ۔

ف : بعض کہتے ہیں اس کا عطف امنا پر ہے اور مفعول بہ ہے ۔ لیکن یہ بات نہیں کہ وہ دونوں معطوف مستثنیٰ ہے بلکہ اس کا استثنا ہے جو ان کو مستلزم ہے یعنی مخالفت سے مستثنیٰ ہے گویا انہیں کہا گیا کہ ہم سے پہلے اس لیے کراہت کرتے ہو کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کی تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اور یہی جہ ہے کہ تمہاری مخالفت کی ، ہم مومن ہیں اور تم خارج از ایمان ہو ۔

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ یہ یہودیوں کو خطاب ہے بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ اس سے منقوم ہے جس سے نفرت و کراہت کی گئی) یعنی ایمان ، اور منقوم منہم یعنی مومنین مراد ہیں ۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ! یہودیوں کو فرمائیے کہ " کیا بتا دوں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس سے یقۃً بدتر درجہ میں ہیں ، نہ کہ وہ بدتر ہے جسے تم نے سمجھ رکھا ہے یعنی دینِ اسلام ۔ اگرچہ وہ تمہارے کہنے سے برا نہیں ہو سکتا لیکن تم نے اسے برا سمجھ رکھا ہے یہ تمہاری غلطی ہے ۔

ف : ابن الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شر یہاں پر افعل التفضیل کے معنیٰ میں نہیں بلکہ اس سے ق شر مراد ہے اس لیے کہ دینِ اسلام میں تو شر نہیں ۔ ورنہ معنیٰ یوں ہوگا کہ دین شر ہے (معاذ اللہ) ور اس کا بالمقابل زیادہ شر ۔

مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ درجہ کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں ، یعنی وہ جزاء اللہ تعالیٰ کے ہاں ثابت اور اس کے حکم میں ہے ۔

ف : مثوبۃ کا اطلاق خیر سے مخصوص ہے جیسے عقوبۃ شر سے اختصاص رکھتی ہے ۔

سوال : یہاں تو شر مراد ہے پھر اسے عقوبۃ کہنا تھا مثوبۃ کیوں کہا گیا ؟

جواب : تہکم کی بنا پر ہے جیسے منافقین کو بَشِّرِ کہا گیا مثوبۃ شر سے تعبیر ہونے کی وجہ سے

marfat.ocm

منصوب ہے۔

مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ یہ خبر ہے اس کا مبتدا محذوف ہے۔ اور اس کا مضاف بھی محذوف ہے جو ذٰلک کا مشار الیہ ہے، یعنی لفظِ دین محذوف ہے اور اس کا مضاف بھی محذوف ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی :

دین من لعنہ اللہ الخ

اس سے یہود مراد ہیں۔ اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی رحمت سے دُور فرما دیا اور اُن کے کفر کی وجہ سے ان پر ناراضگی کا اظہار فرمایا اور جبکہ انہیں واضح طور پر آیات کا علم ہو گیا ہے پھر بھی معاصی میں منہمک ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں دھتکارا۔

وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ اور ان میں داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں بعض کو بندر اور خنزیر بنا دیا اس لیے داؤد علیہ السلام نے ان کے لیے بددعا کی۔ جب انہوں نے ہفتہ کے متعلق حد سے تجاوز کیا اور اللہ تعالیٰ کے حرام کو حلال سمجھا اور ان میں بعض حضرت عیسٰی علیہ السلام کے زمانہ میں خنزیر کی صورت میں تبدیل ہوئے جبکہ انھوں نے مائدہ نازل شدہ سے کھا کر نافرمانی کی (اس کی تفصیل گزر چکی ہے) باوجودیکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا مشاہدہ بھی کیا تاہم کفر پر تلے رہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے اُن سے ناراض ہو کر اُن کی شکلیں تبدیل کر دیں۔

ف : بعض مفسرین فرماتے ہیں یہ دونوں مسخ ہفتہ والوں میں واقع ہوئے اس لیے نوجوانوں کی شکلیں بندروں کی اور بوڑھوں کی خنزیروں کی سی ہو گئیں۔

جب یہ آیت اُتری تو مسلمانوں نے یہودیوں سے کہا : اے بندروں اور خنزیروں والو! تمہارا اعجوبہ کیا حال ہے؟ اس سے ان کی گردنیں شرم کے مارے جھک گئیں اور سخت رُسوا ہوئے۔

وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ اس کا عطف مَنْ کے صلہ پر ہے یعنی اور عبد کی ضمیر مستتر، مَنْ موصولہ کی طرف راجع ہے، یعنی وہ شیطان کے پجاری ہیں کہ اس نے ہی انھیں ان امور پر ابھارا۔

اُولٰٓئِكَ یہی لوگ جن کے قبائح و فضائح بیان کیے گئے ہیں شَرٌّ مَّكَانًا ان کا ٹھکانا بہت بُرا ہے۔ اُن کا ٹھکانا زیادہ بُرا اس لیے بتایا تاکہ انہیں اپنے کرتوتوں کا علم ہو جائے۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ ان کا دین بہت بُرا تھا اس لیے انھیں یہ سخت سزا اسی وجہ سے ملی۔

وَاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ اور یہ سیدھی راہ سے زیادہ بھٹکے۔ اس کا عطف

marfat.ocm

ہے اس کے معنی میں پختگی پیدا کرنے کے لیے ہے یعنی وہ سیدھی راہ سے زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں سے بعید ہیں اس لیے کہ اگر وہ بُرے نہ ہوتے اور حق سے بعید تر نہ ہوتے تو وہ اس بُرے دین کو تے ۔

دونوں مقام پر شر افعل التفضیل نہیں بلکہ مطلق شر کے معنی میں ہے اس لیے کہ یہ دین اتنا بعید از حق کہ اس کا کوئی اور بالمقابل نہ تھا کہ جس سے اس کی اصل شرارت و گمراہی کا مقابلہ کرایا جا سکے ۔

دہ ہر گروہ اپنے بنائے ہوئے قوانین پر خوش ہوتا ہے اور اپنے سے غیروں کے دین کو بُرا سمجھتا اور اس سے کراہت و نفرت کرتا ہے لیکن دینِ حق زیادہ حق رکھتا ہے کہ اس کی کی جائے ۔

سچے مومن کی علامت ہے کہ وہ مومن سے محبت کرتا ہے اس لیے کہ اہلِ ایمان سے محبت کرنا اخلاقِ حسنہ اوصافِ شریفہ سے ہے ۔

لیاء کرام کے فضائل

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں جو نہ انبیاء (علیہم السلام) ہیں نہ ہی شہداء ۔ لیکن قیامت میں ان کے درجات دیکھ کر انبیاء اور شہداء رشک کریں گے ۔ عرض کی گئی ، حضور! وہ کون حضرات ہوں گے ہمیں بھی ان کا عت کروائیے اور اُن کے اعمال بھی بتائیے (تاکہ ہم بھی اس زمرہ میں شامل ہو سکیں) یا کم از کم محبت تو کریں ۔ آپ نے فرمایا ، وہ ہیں جو رشتہ داری اور مال و دولت کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ لیے آپس میں محبت کریں گے ، بخدا اُن کے چہرے انوار سے چمکیلے ہوں گے اور نور کے منبروں پر ہیں گے اس دن جبکہ اور لوگ خوفزدہ ہوں گے انہیں کسی قسم کا خوف نہیں ہوگا اور جب لوگ غم سے ہے ہوں گے وہ ہر قسم کے غم سے محفوظ ہوں گے ۔

لیاء کرام کی علامات

حضرت عبداللہ سلمی رحمہ اللہ تعالیٰ سے پُوچھا گیا کہ اولیاء کرام کی کوئی علامت بھی ہے جس سے ہم انہیں پہچان سکیں کہ واقعی یہ لیاء اللہ ہیں ۔ فرمایا ، اُن کا کلام نرم اور خلق حسن میں یکتا اور چہرے پر بشاشت ٹپکتی ہے اور وہ وت کرتے ہیں اور ہر ایک سے شفقت سے پیش آتے ہیں اور ہر ایک کا عذر قبول کر لیتے ہیں ۔ حضرت شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

تاج شاہی طلبی گوہر ذاتی بنمای
ورخود از گوہر جمشید و فریدون باشی

marfat.ocm

ترجمہ : شاہی کا طالب ہے تو ذاتی جوہر دکھا پھر خود بخود تو جمشید بھی ہے اور فریدون بھی۔

ف : حضرت الشیخ الشہیر بافندی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہمارے دور میں بریلویوں اور جلوتیوں میں اسی طرح پھران کا سید بخاری کے مریدوں کا آپس میں جھگڑا اور بغض و عداوت رہتی ہے حالانکہ اہلِ حق کی نشانی تو یہ ہے کہ دل میں کسی کے متعلق بغض و عداوت نہ ہو اس لیے کہ ہم آدم تا ایندم یعنی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک کسی سے کسی کے متعلق بغض و عداوت منقول نہیں، نہ انبیاء علیہم السلام کی آپس میں اور نہ اولیاءِ کرام کے متعلق ایک دوسرے سے، حالانکہ اُن کے دَور میں بیک وقت تین تین چار چار نبی مختلف علاقوں میں نبوت کا پیغام سناتے رہے۔ اسی طرح ان کے تابعداروں میں سے کسی ایک کی دوسرے پر طعن و تشنیع کی روایت منقول نہیں۔ حضرت شیخ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

دلم خانۂ مہر یار ست و بس
ازاں می نگنجد درو کین کس

ترجمہ : دل مہر و محبت یار کا گھر ہے اسی لیے اس میں کسی کے کینے کی جگہ نہیں۔

فائدہ صوفیانہ بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ دل تین طرح کے ہیں،

(۱) دنیا میں شہوات کے گرد گھومنے والا۔

(۲) عُقبےٰ میں کرامات کا طواف کرنے والا۔

(۳) سدرۃ المنتہیٰ میں مناجات کے گرد چکر لگانے والا۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

غلام ہمت رنداں بے سر و پایم
کہ ہر دو کون نیرزد بر پیش شاں یک کاہ

ترجمہ : بے سر و پا رندوں کی ہمت کا میں غلام ہوں کہ دونوں جہان ان کے آگے گھاس کے تنکے کی قیمت بھی نہیں۔

سبق : عاقل کو ضروری ہے کہ وہ توحید میں مشغول رہے تا کہ نفس اور اس کی خواہشات کی تاریکیوں اور شیطان اور اس کے وساوس سے محفوظ ہو جائے۔

حکایت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک نوجوان کو دیکھ کر فرمایا : اگر تُو اپنے آپ کو تین چیزوں سے بچائے گا تو شیطان کے شر سے بچ جائے گا،

(۱) تعلق (۲) قبقب (۳) ذبذب

marfat.ocm

ف :(۱) تعلق زبانی جمع خرچ۔

(۲) تقبقب پیٹ پرستی۔

(۳) ذبذب فرج کی خرابیاں۔

وَإِذَا جَآءُوكُمْ قَالُوٓا اٰمَنَّا اور جب وہ تمہارے پاس آئیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے۔

شانِ نزول یہ آیت یہود کی ایک جماعت کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے سید عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے ایمان و اخلاص کا اظہار کیا اور کفر و ضلال چھپائے رکھا، اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

ف : یہ خطاب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور صیغہ جمع محض تعظیم کی خاطر ہے یا یہ خطاب آپ کو اور آپ کے ساتھیوں (صحابہ کرام) کو ہے یعنی یہودی آپ کے پاس حاضر ہو کر اسلام ظاہر کرتے ہیں۔

وَقَدْ اور یہ قد حالیہ ہے یعنی اُنکا حال یہ ہے کہ **دَّخَلُوْا** وہ داخل تھے درانحالیکہ متلبس تھے **بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا** کفر کے ساتھ، یعنی آتے وقت بھی کافر تھے اور درانحالیکہ وہ آپ سے فارغ ہو کر نکلے تو بھی کافر تھے۔ **بِہٖ** یعنی درانحالیکہ وہ کفر سے متلبس تھے، جیسے وہ آپ کی حاضری کے وقت کافر تھے۔ آپ کی تقریر کا ان پر کسی قسم کا اثر انداز نہیں ہوئی **وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ** اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو چھپا رہے ہیں یعنی وہ کفر کو چھپا رہے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے۔

ف : افعل التفضیل کے صیغہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کی منافقت سے باخبر تھے جیسا کہ ان کی منافقت کے علامات بتاتے تھے۔ لیکن آپ صرف اس انتظار میں تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کی منافقت کے اظہار کا کب حکم فرماتا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

(۱) نیست بازی با ممیز خاص او   کہ بود تمیز عقلش غیب گو
(۲) ہیچ سحر و ہیچ تلبیس و دغل   می نبندد پردہ بر اہلِ دوَل

ترجمہ : (۱) ان کے خواص باتمیز کے مقابلہ میں یہ کون ہیں کہ وہ بھی اپنی عقل کی تمیز سے عقل کی بات کر سکیں۔

(۲) کوئی جادو کوئی مکر و فریب اہلِ دوَل (دین والے) کے سامنے کوئی پردہ نہیں ڈال سکتے۔

وَتَرٰى اس سے رؤیت بصری مراد ہے **كَثِيْرًا مِّنْهُمْ** اے محبوب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم آپ ان یہودیوں اور منافقوں میں بہتوں کو دیکھیں گے کہ اُن کا حال یہ ہوا کہ **يُسَارِعُوْنَ فِي**

marfat.ocm

الْاِثْمِ گناہ میں دوڑتے ہیں ۔ اس سے جھوٹ مطلق مراد ہے ۔

سوال : مسارعۃ کا صلہ علیٰ آتا ہے یہاں فی کیوں لایا گیا ؟

جواب : تاکہ دلالت ہو کہ وہ ایسی غلطی میں بہت زیادہ منہمک تھے اور یہ اُن کی عادت ثانوی بن چکی تھی ۔

سوال : اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کذب وغیرہ سے موصوف نہیں تھے ، اب سے ہی اس کا ارتکاب کرنے لگے ۔

جواب : اس سے ایک درجہ سے دوسرے درجہ کی طرف جانا مراد ہے ، جیسے دوسری جگہ اہلِ ایمان کیلئے فرمایا : اولٰئك يسارعون فى الخيرات ۔ اس کا وہ معنیٰ نہیں جو سوال میں مذکور ہوا کہ وہ ایسی غلطیوں سے پہلے فارغ تھے ، پھر ان کی طرف متوجہ ہوئے ، جیسے دوسرے مقام پر یہی محاورہ قرآن مجید نے بیان فرمایا ہے ، کما قال تعالیٰ : وسارعوا الىٰ مغفرة من ربكم وجنة ۔

وَالْعُدْوَانِ اس سے ظلم مراد ہے جس میں دوسرے پر تعدی کی جائے **وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ** اور ان کی حرام خوری **لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ** بے شک بہت ہی بُرے کام کرتے ہیں ۔ یعنی اُن کے وہ اعمال بہت بُرے ہیں جن کا وہ ارتکاب کرتے ہیں ۔

قاعدہ : کان مضارع پر داخل ہو تو اس میں استمرار کا معنیٰ حاصل ہوتا ہے ۔ یعنی ماضی کے مستقبل پر داخل ہونے سے ماضی استمراری بنتی ہے ۔

لَوْلَا یہ حرف تحضیض ہے **يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ** اُنہیں کیوں نہیں روکتے اُن کے پادری اور درویش ۔ ربّانیّین ربّانی کی جمع ہے ۔ زاہد عارف و اصل اور جو بہت بڑے عالم باعمل مقبول الناس اور مقبولِ خدا کو کہا جاتا ہے ۔ لیکن یہاں اُن کے پادری اور درویش مراد ہیں **عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ** گناہ کی بات اور جھوٹ کہنے سے ۔ مثلاً انہوں نے کہا اٰمنّا ۔ حالانکہ انہوں نے جھوٹ کہا اس لیے کہ وہ مومن نہیں تھے **وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ** اور حرام کھانے سے حالانکہ انہیں علم تھا کہ یہ حرام خوری ہے ۔ اور وہ پادری اور درویش انہیں یہ حرام کھاتے ہوئے دیکھتے تھے ۔ **لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ** بیشک بہت ہی بُرے کام کر رہے ہیں ۔ یہ پہلے لبئس ما کانوا یعملون سے زیادہ بلیغ ہے اس لیے صنع عمل سے قوی تر ہے کیونکہ عمل اس وقت صنع سے موصوف ہوتا ہے جب بندہ اس عمل میں ماہر اور راسخ ہو جائے اور اسے اس کا پورے طور کمال حاصل ہو ۔

نکتہ : اثم و عدوان اور اکلِ حرام کو ذنب غیر راسخ اور نہی عن المنکر کے ترک کو ذنب راسخ کہا گیا معلوم ہوتا ہے کہ نہی عن المنکر کا ترک عند اللہ بہت بڑا جرم ہے ۔

marfat.ocm

سبق: اس سے ان علماء کو سبق لینا چاہیے جو نہی عن المنکر میں چشم پوشی کرتے بلکہ تکاسل و تکاہل رکھتے ہیں۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

(۱) گرت نہی منکر برآید ز دست نشاید چو بے دست و پایاں نشست
(۲) چو دست و زباں را نماند مجال بہمت نمایند مردی رجال

ترجمہ: (۱) اگر تجھ سے ہاتھ سے نہی عن المنکر ہوسکتی ہے تو بے دست و پا کی طرح نہ بیٹھا رہ۔

(۲) اگر دست و پا سے کام نہ بنے تو پھر اولیاء اللہ کی دعاؤں سے کام بنتا ہے۔

ف: حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عوام کو چند ایک غلط کار آدمیوں کی وجہ سے عذاب میں مبتلا نہیں کیا جاتا۔ لیکن جب ان کے گناہوں سے چشم پوشی کی جائے اور انہیں منکرات سے نہ روکا جائے تو پھر سب کے سب عذاب میں مبتلا کئے جاتے ہیں۔

نکتہ: اگر مشایخ اور باعمل علماء کو نہی عن المنکر کے ترک کا خوف نہ ہوتا تو وہ کبھی دعوتِ خلق الی الحق کو سرانجام نہ دیتے اس لیے کہ وہ مشاہدۂ حق میں ایسے مستغرق ہوتے ہیں کہ وہ اسے ایک لمحہ کے لیے بھی ہاتھ سے نہیں دینا چاہتے۔

فائدہ صوفیانہ: حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ آفندی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ سالک جب واصل بحقیقہ ہوتا ہے تو یا اسے خلقِ خدا کی رہبری کا حکم دیا جاتا ہے یا وہ پھر وصال میں مستغرق ہو جاتا ہے جیسے سیدنا بایزید بسطامی قدس سرہٗ کہ وہ خلقِ خدا کی رہبری سے بے نیاز تھے۔ لیکن یاد رہے کہ خلقِ خدا کی رہبری انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے اس لیے کہ ہر نبی (علیہ السلام) کو خلق کی رہبری کے لیے مبعوث فرمایا گیا ورنہ وہ بھی اسی طرح وصال میں مستغرق رہتے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

(۱) ہین بگذار اے شفا رنجور را تو زخشم کور عصائے کور را
(۲) نے تو گفتی قائد اعمی براہ صد ثواب و اجر یابد از الٰہ
(۳) ہر کہ او چہل گام کورے واکشد گشت آمرزیدہ و یابد رشد
(۴) پس بکش تو زین جہان بے قرار جوق کوران را قطار اندر قطار
(۵) کار ہادی این بود تو ہادیٔ ماتم آخر زمان را شادیٔ
(۶) ہین رواں کن اے امام المتقین این خیال اندیشگان را تا یقین
(۷) خیز در دم تو بصور سہمناک تا ہزاران مردہ بر روید ز خاک

marfat.ocm

ترجمہ :(١) اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ الصّلوٰۃ والسلام سے فرمایا کہ اے محبوب!
آپ بیماروں اور رنجوروں کی شفاء اور نابیناؤں کو راہ پر کھڑا کرنے کی ہمت فرمائیے۔

(٢) اس لیے کہ اس جیسا اجر و ثواب اور کوئی نہیں۔

(٣) جو شخص نابینا کو فقط چالیس قدم لے کر چلے گا اس کے تمام گناہ بخش دئے جائینگے۔
اور اللہ تعالیٰ سے خصوصی انعام پائے گا۔

(٤) اب محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ہادیٔ دو جہاں ہیں بلکہ مردہ عالم کی جان۔

(٥) آپ ایسے کام کیجئے کہ آخری زمانے کے غم بھی شادی بن جائیں۔

(٦) اے امام المتقین! ان گمان میں رہنے والوں کو یقین تک پہنچا دیجئے۔

(٧) اس لیے آپ صور سہمناک بن کر اس کام میں لگ جائیے تاکہ ہزاروں بے جانوں
کو جان نصیب ہو۔

ف : اہلِ حقیقت اسی طرح ہر غرض سے پاک علماء سوائے اعلاءِ کلمۃ اللہ کے اور کوئی کام نہیں کرتے اسی لیے
وہ اقوال و افعال میں محفوظ ہوتے ہیں۔

حکایت ایک زاہد تابعی نے مروان بن حکم خلیفہ کے سرود توڑ ڈالے انہیں مروان کے نوکر بادشاہ کے پاس گرفتار کر کے لے آئے۔ مروان نے غصہ میں آکر حکم دیا کہ اسے شیر کے آگے ڈال دو تاکہ وہ اسے پھاڑ کھائے بحسب الحکم انہیں شیر کی رہائش گاہ میں لایا گیا انہوں نے جاتے ہی نوافل شروع کر دئے۔ شیر نے اُٹھ کر نماز پڑھنے والے درویش کو چاٹنا شروع کر دیا، اس مردِ خدا کو ذرا بھی خطرہ نہ ہوا۔ رات ایسے ہی گزر گئی، صبح کو مروان نے پُوچھا: اس درویش سے کیا کیا گیا؟ نوکروں نے کہا: ہم نے آپ کے حکم سے اسے شیر کے آگے ڈال دیا گیا۔ مروان نے کہا: جاؤ دیکھو اسے شیر نے پھاڑ کھایا ہوگا۔ نوکر وہاں پہنچے دیکھا کہ شیر تو اس مردِ خدا کا غلام بن گیا ہے۔ متعجب ہو کر مروان کو جا کر سنایا۔ مروان نے کہا: اُس درویش کو لاؤ۔ درویش تشریف لائے تو مروان نے اُن سے کہا: آپ کو شیر سے ذرہ بھر بھی خوف نہ ہوا اس کی کیا وجہ ہے؟ درویش نے فرمایا کہ میں ایک فکر میں پڑ گیا تھا، نہ اس سے فرصت ملی نہ خوف کا خیال آیا۔ مروان نے پُوچھا: وہ کون سا فکر تھا؟ درویش نے کہا: میں نماز میں کھڑا تھا کہ شیر نے مجھے چاٹنا شروع کیا مجھے مسئلہ معلوم نہیں تھا کہ شیر کا لعاب پاک ہے یا پلید۔ اسی فکر میں صبح ہو گئی مروان متعجب ہُوا اور کہا: چھوڑ دو اس درویش کو۔ (کذا فی نصاب الاحتساب)

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ (اور کہا یہودیوں نے)

marfat.ocm

شانِ نزول مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہود بہت خوشحال اور نہایت دولت مند تھے۔ جب انہوں نے سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یب و مخالفت کی تو ان کی روزی کم ہوگئی اس وقت فخاص یہودی نے کہا کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہے معاذ اللہ وہ رزق دینے اور خرچ کرنے میں بخل کرتا ہے۔ اس کے اس قول پر کسی یہودی نے منع بکہ راضی رہے اسی لیے یہ سب کا مقولہ قرار دیا گیا) یہ آیت اس کے حق میں نازل ہوئی۔

یَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ اور کہا یہودیوں نے کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے، یعنی قبض کیا رکا ہُوا سمٹا ہے۔

ت : غل الید اور بسط الید مجازاً بُخل اور جود پر بولے جاتے ہیں۔ ان میں نہ ہاتھ مقصود تا ہے نہ ہی اس کا بڑھانا گھٹانا۔ چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا:

ولا تجعل یدك مغلولة الی عنقك۔ یعنی اسے خرچ کرنے سے مت روک۔

غُلَّتْ اَیْدِیْهِمْ ان کے ہاتھ باندھے جائیں۔ ان پر بددعا کی گئی کہ وہ تا قیامت بخل امساک میں مبتلا رہیں۔ یعنی ان کے ہاتھ خرچ کرنے سے رک جائیں اور وہ دائمی طور پر بخیل رہیں۔ نچہ ظاہر ہے عالم دنیا میں یہودیوں سے بڑھ کر اور کوئی قوم بخیل نہیں۔ **وَلُعِنُوْا** اور وہ ملعون ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دھتکارے گئے اور دُور ہٹائے گئے **بِمَا قَالُوْا** اس کی ہوئی بات کی وجہ سے نی کے ملعون ہونے کا سبب اُن کا اپنا کہا ہوا کلمہ ہے اور اس میں انہیں بددعا کی گئی اور اُمت کو سبق یا ہے کہ تم بھی اگر ایسے کروگے تو ان کی طرح ذلیل و خوار ہوگے۔ اگر یہی توجیہ نہ کی جائے تو اللہ تعالیٰ کا عجز ت ہوتا ہے کہ بددعا تو وہ کرتا ہے جو عاجز اور کمزور ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کے لیے عجز و انکسار کا گمان بھی فر ہے تو اس کا جواب دیا گیا ہے کہ یہ تعلیم کے لیے ایسے کہا گیا ہے۔ **بَلْ یَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ** اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کشادہ ہیں۔ یعنی اس کی وہ شان نہیں جو یہودیوں نے سمجھی بلکہ وہ تو بڑا سخی اور احب فضلِ عظیم ہے اور احسانِ عمیم کا مالک ہے۔

وال : یداہ میں تثنیہ ہے اور تم نے تثنیہ کا معنیٰ ترک کرکے دُوسرا معنیٰ کیا ہے۔

واب : صیغۂ تثنیہ سے مبالغہ مطلوب ہے۔ اسے تثنیہ سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ بہت بڑا خی ہوتا ہے جو دونوں ہاتھوں سے مال لٹائے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ ہاتھوں سے پاک ہے اس لیے یہ آیت تشابہات میں سے ہے اس کا اپنی بساط کے مطابق یہی معنیٰ کیا گیا کہ سخاوت میں یکتا ہے۔

سئلہ : ید بھی سمع و بصر اور وجہ کی طرح ایک صفت ہے اور اسے دو ہاتھوں سے تعبیر کرنے میں

marfat.ocm

صفت جمالی و جلالی کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

کلتا یدہ یمین (اس کے دونوں ہاتھ یمین (دائیں یعنی برکت والے) ہیں)

ادیم زمین سفرۂ عام اوست
بریں خوان یغما چہ دشمن چہ دوست

ترجمہ: زمین اس کا دسترخوان عام ہے اس دسترخوان پر دشمن و دوست برابر ہیں۔

يُنۡفِقُ كَيۡفَ يَشَآءُ جیسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے خرچ کرنے میں مختارِ کل ہے، جسے چاہے زیادہ دے جسے چاہے تھوڑا دے۔ اُس کی مشیت و حکمت کے جیسے تقاضے ہوتے ہیں ویسے عطا یا پھر کمی کی جاتی ہے جن کے گناہوں کی شامت کے لیے تقاضائے حکمت ہوتا ہے تو اُن کے گناہوں اور غلطیوں کی وجہ سے اُن کے رزق میں کمی کردی جاتی ہے۔ مثنوی شریف میں ہے:

(۱) چونکہ کردی بترس ایمن مباش   زانکہ تخمست و برویاند خداش
(۲) چندگاہے او بپوشاند کہ تا   آیدت زان بد پشیمان و حیا
(۳) بار ہا پوشد پئے اظہار فضل   باز گیرد از پے اظہار عدل
(۴) تا کہ این ہر دو صفت ظاہر شود   آں بشتر گردد ایں منذر شود

ترجمہ: (۱) جب بُرائی کرلی ہے تو اللہ تعالیٰ سے ڈر بے غم نہ ہو، یہ وہ بیج ہے جسے اللہ تعالیٰ ہی اگائے گا۔

(۲) کتنا عرصہ تیرے گناہ پوشیدہ رکھے گا تاکہ تجھے اس سے پریشانی ہو اور حیا آئے۔

(۳) اکثر دفعہ فضل و کرم کے اظہار پر تیرے گناہ پوشیدہ کرتا ہے پھر پکڑتا ہے تو عدل کے اظہار پر۔

(۴) تاکہ اس کی یہ دو صفتیں ظاہر ہوں تاکہ وہ خوشخبری سنانے والی ہو اور اس سے ڈرنے والی۔

وَلَيَزِيۡدَنَّ كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ اس سے ان کے پادری لیڈر مراد ہیں لیزیدن کا مفعول اول ہے مَّاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ یہ لیزیدن کا مفعول ثانی ہے۔

اب آیت کا معنیٰ یوں ہُوا اے محبوب صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم! جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا وہ بہتوں کو شرارت اور کفر میں بڑھاتا ہے، اُن کے کفر میں اضافہ سے شدت و غلو مراد ہے یا اس کی کمی بیشی باین معنیٰ ہے کہ جونہی کوئی آیت اترتی ہے وہ اس سے کفر کرتے ہیں پھر اسی قدر ان کی شرارت اور فساد بڑھ جاتا ہے جیسے تندرست انسان کو غذا فائدہ پہنچاتی ہے لیکن اسی غذا سے بیماری بھی بڑھ جاتی ہے۔

marfat.ocm

وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ اور ڈال دی ہے اس یہودیوں کے مابین بُغض و عداوت کہ اُن میں بعض جبریہ ہیں ربعض قدریہ اور بعض مرجیۂ اور بعض مشبّہ۔

ف : جبریہ وہ ہیں جو انسان کا ہر فعل اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور کہتے ہیں انسان کا کوئی فعل اپنا نہیں اور کسی قسم کا اختیار نہیں۔ اس کی مثال ڈھیلے کی ہے کہ وہ خود متحرک نہیں ہوتا جب تک کہ اسے ی حرکت نہ دے۔

قدریہ کہے کہ ہر انسان اپنے فعل کا آپ خالق ہے۔ ان کے نزدیک کفر اور گناہ کا اللہ تعالےٰ کی ادے سے کوئی تعلق نہیں۔

مرجیۂ کہتے ہیں کہ کبائر کے مرتکب کو کچھ نہیں کہا جا سکتا اسے معافی ملے گی یا سزا پائے گا ، اسے یامت کے حساب وکتاب سے خود معلوم ہو جائیگا۔

مشبّہ اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق سے تشبیہ دیتے ہیں یعنی مخلوق کی طرح اس کے اعضاء وغیرہ اور کل وصورت کے قائل ہیں۔

اَلْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ یعنی ان کو اپنے دین میں مختلف بنا کر ایک دوسرے کے بُغض و اوت میں مبتلا فرمائے گا۔ چنانچہ فرمایا ؛

تحسبھم جمیعا وقلوبھم شتی۔ نہ ان کے آپس میں دل جمع ہو سکتے ہیں اور نہ باتوں میں موافقت سکتے ہیں۔

اور یہ جملہ ابتدائیہ اور ایک وہم کے ازالہ کے لیے لایا گیا ہے وہ وہم یہ ہے کہ کوئی یہ سمجھے کہ اپنی یت اور کفر وفساد میں مجتمع ہو کر اہل اسلام کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اس کے ازالہ میں فرمایا کہ ان کا آپس میں ی ہونا محال ہے۔

ف : عداوت بغض سے اخص ہے کہ ہر عدو کو بغض والا کہا جا سکتا ہے۔ لیکن ہر بغض والے کو عدو نہیں ہا جا سکتا۔

اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ تا قیامت۔ یہ القینا کے متعلق ہے كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ بھی لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں۔ یعنی جب وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شر انگیزی اور جنگجوئی کا رتے اَطْفَاَهَا اللّٰهُ تو اللہ تعالیٰ اسے بجھا دیتا ہے یعنی اس ارادہ سے باز رکھتا ہے اور ان کی پس میں خانہ جنگی پیدا کر دیتا ہے کہ آپس میں لڑتے مرتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کسی قسم کا گزند نہیں پہنچا سکتے۔ مثنوی شریف میں ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ

marfat.ocm

علیہ وسلم نے خطاب کرتے ہُوئے فرمایا ؛ ؎

(۱) ہرکہ درمکر تو دارد دل گرو   گردنش را من زنم شادشو
(۲) برسر کوریش کو ریہا نہم   اوشکر پندارد و زہرش دہم
(۳) چیست خود آلاجق آں ترکمان   پیش پاے زہ پیلان جہان
(۴) آں چراغ اُو بہ پیش صرصرم   خود چہ باشد ای مہین پیغمبرم

ترجمہ ؛ (۱) جو تمہارے ساتھ دھوکا کے لیے دل کو گرو رکھتا ہے میں اس کی گردن اڑاؤں گا تم خوش رہو۔

(۲) اس کے غلط ارادوں پر بوجھ ڈالوں گا جسے وہ شکر سمجھے گا حالانکہ اسے زہر دوں گا۔

(۳) وہ کیا ہے اس پر تو اللہ تعالیٰ کا قہر ہے، بکری کے بچے کی ہاتھی کے آگے کیا وقعت۔

(۴) وہ تو آندھی کے سامنے ایک دیا ہے ذلیل آدمی کا میرے پیغمبر سے مقابلہ کیسا۔

وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا اور زمین پر فساد کے لیے دوڑتے پھرتے ہیں کہ اسلا
اور اہلِ اسلام کو پھاڑ دیں اور ان کے مابین ایسا شر پھیلائیں تاکہ ان کی آپس میں پھوٹ پڑ جائے
فساداً مفعول لہ ہے یا مصدر کا مفعول مطلق۔ دراصل عبارت یوں ہے۔ یسعون للفساد
یسعون سعی فساد۔ **وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ** اور اللہ تعالیٰ مفسدین کو پسند نہیں کر
اس لیے اُن کے شر اور فساد کے تمام منصوبے خاک میں ملا کر الٹا انہیں مصائب اور آلام میں مبت
فرماتا ہے۔

فائدہ صُوفیانہ اللہ تعالیٰ جب کسی انسان کو اس کی خساست طبع اور رکاکت نظر و عقل کے
سپرد فرماتا ہے تو اس سے وہی ظاہر ہوتا ہے جو اس کے اندر ہوتا ہے
یعنی بُرے اقوال اور گندے افعال اس سے سرزد ہوتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ یہودیوں نے کہا
ید اللہ مغلولۃ۔ مثنوی شریف نے کیا خوب فرمایا ؛ ؎

در زمین گرنیشکر ور خود نے است
ترجمان ہر زمین نبت وے است

ترجمہ ؛ زمین پر گنا ہے یا نَے، یہ سب بیج کے ترجمان ہیں۔

قاعدہ عارفانہ حاسدین اللہ کے فضل وکرم والوں پر حسد کرتے ہیں لیکن انہیں ان کا حسد
شرارت و فساد میں لے ڈوبتا ہے اس لیے کہ بہت سے لوگوں کے مصا

marfat.ocm

ہوں کے لیے فوائد بن جاتے ہیں، اور ایک کے فوائد دوسرے کے لیے مصائب بنتے ہیں۔

یت

حضرت الشیخ الشہیر با فتادہ آفندی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ سید بخاری کے مرید ہمارے ساتھ حسد کرنے لگے یہاں تک کہ ہمیں قتل کرنے کا منصوبہ تیار کیا۔ چنانچہ عملیات کے طور اسماء قہریہ پڑھنے شروع کر دیئے اس کا مجھ پر کوئی اثر نہ ہوا۔ پھر میرے لیے جامع مسجد سید بخاری کے نزدیک پانی ھرا گڑھا کھودا اور اس کے ساتھ ایک تنگ راستہ گزرنے کے لیے چھوڑ رکھا، اس لیے کہ میری آمد و رفت وہاں سے ہوتی تھی میں تو وہاں سے بفضلہٖ تعالیٰ بسلامت گزر گیا لیکن بخاری صاحب کے بے شمار اس میں ڈوب کر مر گئے (یہ انہیں حسد کی وجہ سے ہوا) اس کے باوجود میں نے ان کے ساتھ کارروائی نہیں کی تھی اور مجھے اُن سے خطرہ بھی نہیں تھا باوجودیکہ اٹھارہ ہزار جہان اللہ تعالیٰ نے اپنے ل و کرم سے میرے قبضۂ تصرف میں دے ہوئے تھے اگرچہ میں بظاہر درویش و فقیر اور تنگ دست ہوں۔

ایت

حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہٗ نے حضرت شمس الدین تبریزی کے بعد حضرت صلاح الدین کے ہاں اٹھنا بیٹھنا شروع کر دیا ذکر و فکر کی مجلس گرم کر دی۔ مولانا کے مریدوں کو پیدا ہوا اور مارادہ کیا کہ حضرت صلاح الدین کو شہید کر دیں۔ حضرت مولانا رومی قدس سرہٗ کو معلوم ہوا تو حضرت ح الدین کے ہاں اپنے صاحبزادہ سلطان ولد کو بھیجا تاکہ انہیں صورتِ حال سے آگاہ کریں۔ حضرت ح الدین رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے آسمان کو زمین پر دے مارنے کی طاقت بخشی ہے لیکن کے باوجود میں ان کے لیے دعا کرتا ہوں کہ خداوند کریم ان کی اصلاح فرمائے۔ چنانچہ انہوں نے دُعا کی احبزادہ سلطان ولد نے آمین کہی۔ اُن کی دُعا کی برکت یہ ہوئی کہ وہ لوگ جو حضرت صلاح الدین کی شہادت تلے ہوئے تھے۔ سب کے دل ٹھنڈے ہو گئے بلکہ اپنی غلطی کی معافی چاہی۔

اے اللہ! اپنے اولیاء و اصفیاء کے صدقے گندے اوصاف اور بُرے اخلاق سے پاک اور ت فرما اس لیے کہ تُو ہی قادر و خالق ہے۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اس سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں اٰمَنُوْا اگر اہلِ کتاب اُن پر ان لائیں کہ جن پر ایمان لانا واجب ہے وَاتَّقَوْا معاصی سے بچ جائیں بالخصوص کذب اور حرام خوری وے لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ تو ہم اُن کے گناہ معاف کر دیں گے یعنی ہم انہیں معاف کر کے کے گناہوں پر پردہ ڈالیں گے اس سے انہیں عذاب سے نجات دینا مراد ہے وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ عیم اور ضرور ہم انہیں نعمت والے باغات میں داخل کریں گے یعنی دائمی طور انہی باغات میں انہیں ھائیں گا اس میں اشارہ ہے کہ انہیں اسلام قبول کرنے پر بہت بڑا اجر و ثواب نصیب ہوتا ہے اور

marfat.ocm

تنبیہ ہو گئی کہ اسلام سے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں خواہ وہ گناہ کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہوں۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اہل کتاب بہشت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک کہ اسلام قبول نہ کریں **وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ** اور اگر وہ قائم رکھتے توراۃ و انجیل کو یعنی ان کے مضامین پر عمل کرتے۔ مثلاً ان میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرو اور اللہ تعالیٰ کے تمام معاہدوں کا ایفاء کرو۔

ف : اقامۃ الشئی اس کے تمام حقوق اور اس کے احکام کی رعایت کرنے کو کہا جاتا ہے، جیسے اقامۃ الصلوٰۃ سے بھی یہی معنی مطلوب ہے۔

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ اور جو کچھ اُن کے رب کی طرف سے اُن پر اُترا۔ اس سے قرآن مجید مراد ہے کہ اس نے اُن کی کتابوں کی تصدیق فرمائی۔

ف : اس سے اُن کے اس فاسد ظن کی تردید مطلوب ہے جو کہا کرتے کہ قرآن مجید ہمارے لیے نہیں بلکہ صرف مسلمانوں کے لیے اترا ہے۔

لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ تو وہ رزق کھاتے اپنے اوپر اور اپنے پاؤں کے نیچے سے یعنی ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق کی وسعت ہو جاتی کہ آسمان و زمین کے برکات سے انہیں نوازا جاتا، بارش نازل کر کے اور انگوریاں اُگا کر۔ اس میں تنبیہ ہے کہ انہیں جو تنگی پریشانی یا معاش کی تنگی ہوئی وہ ان کی اپنی شامتِ اعمال تھی نہ کہ اس کریم نے اپنی طرف سے کچھ کمی فرمائی۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

(۱) ہین مراقب باش گر دل بایدت ‌ ‌ ‌ ‌ کز پے ہر فعل چیزے زایدست
(۲) این بلا از کودنے آید ترا ‌ ‌ ‌ ‌ کہ نہ کردی فہم نکتہ و رمز ہا

ترجمہ : (۱) ہوشیار رہ اگر تیرے پاس دل ہے تیرے ہی عمل سے پیش آتا ہے جو کچھ آتا ہے۔

(۲) یہ تجھے تیری بے وقوفی سے پیش آیا ہے جو تُو نے اس نکتہ اور رمز کو نہ سمجھا۔

اس تقریر پر سوال پیدا ہوا کہ وہ سب کے سب ایمان و تقویٰ اور اقامت سے عاری تھے یا ان میں کوئی نیک بھی تھے اس کے جواب میں فرمایا **مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ** ان میں بعض اعتدال پسند تھے یعنی ایک ایسا گروہ تھا کہ دینی امور میں نہ کوتاہی کرنے والے تھے اور نہ غلو کرنے والے۔ جیسے حضرت عبد اللہ بن سلام اور ان کے دو ساتھی جو حضور علیہ السلام پر ایمان لائے۔ یہودیت سے اسلام سے

marfat.ocm

ے

ت والاقتصاد لغت میں اعتدال فی العمل کو کہا جاتا ہے کہ جس میں نہ زیادتی ہو نہ کمی۔

وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ اور بہت لوگوں سے [illegible] لی جا سکتا ہے کہ سَآءَ مَا يَعْمَلُونَ بہت ہی کار ہے جو مقام و عمل کے اعتبار سے تعجب کے طور پر کہا گیا ہے یعنی ان کے مندرج کتنے ہی برے تھے،

(۱) عناد

(۲) مکابرہ

(۳) تحریف الحق

(۴) اعراض عن الحق

• آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ و طہارت اور نیک اعمال وسعتِ رزق کا سبب ہیں اور اس سے و آخرت کے امور کامیابی و کامرانی سے سرانجام پاتے ہیں۔

• حضرت عبداللہ قلانسی فرماتے ہیں کہ مجھے ایک سفر کے لیے کشتی پر سوار ہونا پڑا۔ دریا میں مخالف ہوا چلی جس سے تمام کشتی والے دعاؤں اور منتیں ماننے میں مصروف ہو گئے۔ مجھے دیکھا کہ میں نہیں کر رہا۔ مجھے انہوں نے کہا کہ آپ بھی دعا کیجئے اور کوئی منت مانئے۔ میں نے کہا مجھے کوئی خطرہ ہی ک سردو گوشش ہوں، میرا اس میں کچھ نہیں بگڑتا۔ انہوں نے بہت مجبور کیا تو میں نے منت مانی کہ اگر ہم نے ے نجات پائی تو میں ہاتھی کا گوشت نہیں کھاؤں گا۔ انہوں نے کہا یہ قسم کون سی اچھی ہے، جب ہاتھی کا ت کوئی کھاتا ہی نہیں پھر اس قسم سے فائدہ ہی کیا۔ میں نے کہا میرے دل میں یہی خیال گزرا ہے۔ چنانچہ وں کے ساتھ نجات مل کر دریا کے کنارے پہنچا دیئے گئے۔ چند روز ایسے ہی گزر گئے۔ ہم بھوک سے بے تھے کہ اچانک ہاتھی کا ایک بچہ مل گیا جسے وہ ذبح کر کے کھانے لگے۔ مجھے کھانے کے لیے کہا، کہا میں اپنی قسم کو توڑنا نہیں چاہتا۔ مجھے بہت مجبور کیا گیا کہ اب مجبوری ہے اور مجبوری کے وقت قسم چاہیے مگر میں نے ان کی ایک نہ مانی۔ انہوں نے ہاتھی کے بچے کا گوشت خوب کھایا اور میں نے اسے نہ لگایا۔ بالآخر وہ سب گوشت کھا کر سو گئے۔ اس بچے کی ماں (ہتھنی) آئی اور دیکھا کہ بچے کو کھا لیا گیا ہے وہ اس کی ہڈیاں دیکھ کر بہت مغموم ہوئی اور سونے والی جماعت سے اپنے گوشت کی بو سونگھنے لگی، جس جس نے وہ گوشت کھایا تھا وہ اس کے سونگھنے سے مر گیا۔ چنانچہ بھی سونگھا لیکن مجھ میں اس نے گوشت کی بو نہ پائی تو مجھے کچھ نہ کہا، اس طرح سے میں بچ گیا۔ نے مجھے اپنی پیٹھ پر بٹھایا اور مجھے ایسی جگہ لے گئی جہاں انسانوں کی آبادی تھی، میں وہاں صبح کی

marfat.ocm

نماز میں جا ملا اور وہاں کے لوگوں کو یہ واقعہ بتایا۔ انہوں نے مجھے خوب کھلایا پلایا اور میرے حالات سن کر متعجب ہوئے اور کہا کہ جہاں کی تم بات کرتے ہو وہ یہاں سے آٹھ دنوں کا سفر ہے تم نے ایک رات میں اتنا سفر کیسے طے کر لیا میں نے انہیں کہا کہ مجھے وہی ہتھنی تیز رفتاری سے یہاں پہنچا گئی ہے۔

سبق اس حکایت سے سبق ملا کہ تقویٰ اور عہد و پیمان کے ایفاء کرنے میں کتنی برکتیں ہیں۔ ان پر عمل کرنے سے انسان کی دین و دنیا سُدھر سکتے ہیں، صرف دنیا کی شہوت رانی سے کئی مصائب و مشکلات درپیش ہوتے ہیں بلکہ یہی شہوت انسان کے لیے ایک بڑا جال ہے کہ جس میں پھنس کر کئی مصائب و آلام کا شکار ہو جاتا ہے بلکہ یوں کہیے کہ اس سے انسان ہلاکت کے گڑھے میں مر مٹتا ہے جیسے ہاتھی کے بچے کو کھانے والوں کا حشر ہوا۔

چیونٹی اور بھڑ کا قصہ ایک دفعہ بھڑ نے دیکھا کہ چیونٹی بہزار حیلہ اور دُکھ درد اٹھا کر اپنا دانہ لے کر اپنے بل میں پہنچی۔ بھڑ نے چیونٹی سے کہا، اس رزق سے تو موت اچھی، چل کر دیکھ میرا حال کیسا بلند و بالا ہے کہ ہر قسم کے کھانے اور پینے کے اسباب موجود ہیں۔ ہم جو چاہتے ہیں کھاتے ہیں ہمارے جیسے طعام وغیرہ بادشاہوں کو نصیب ہوں گے۔ ہم خود بادشاہ ہیں۔ یہ کہہ کر مغرور بھڑ اُڑ کر قصاب کی دُکان پر گوشت سے چمٹا۔ قصاب کے ہاں بڑا چھُرا تھا ایک ہی وار سے بھڑ کے دو ٹکڑے کر دئے۔ چیونٹی دوڑ کر اسے اٹھا لے گئی، تو بھڑ نے اسے کہا مجھے وہاں نہ لے جا جہاں میرا جی نہیں چاہتا۔ چیونٹی نے جواب دیا وہ وقت گزر گیا جب تو اپنی من مانی کرتا تھا اب تو تُو میری غذا ہے میری مرضی میں جہاں چاہوں لے جاؤں، تم چاہو یا نہ چاہو، اس لیے کہ حرص و ہوا کے پرستار کی یہی سزا ہے جو تجھے ملی۔

تفسیر صوفیانہ لاکلوا من فوقھم و من تحت ارجلھم میں اشارہ ہے کہ قرآن پر عمل کرنے سے مواہب رحمانی ہوں گے اور وہی نصیب ہوگا جو کسی باعمل انسان کو ملنا چاہیے۔ چنانچہ مروی ہے کہ جو اپنے علم پر عمل اور طریقِ حق میں محنت کرتا ہے تو اسے اذواق و مشاہدات کے مراتب نصیب ہوتے ہیں بلکہ اسے دو جنتیں ملتی ہیں، ایک عمل سے دوسری فضل سے۔ اور یہی معنوی رزق مقبول ہے۔ مثنوی شریف میں ہے، ؎

(۱) ایں دہاں بستی دہانے باز شد ـ کہ خورندہ لقمہائے راز شد
(۲) گر زشیر و دیو تن را وا بری ـ درخطام او بسے نعمت خوری

ترجمہ: (۱) یہ منہ باندھے گا تو دیگر منہ کھلے گا جو کہ وہ اسرار کے لقمے کھانے والا ہوگا۔

(۲) اگر شیر اور دیو کو مٹائے گا تو اس کے ترک پر بہترین نعمتیں پائے گا۔

اے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و احسان سے ہماری مدد فرما۔ (آمین)

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ
اے رسول پہنچا دو جو کچھ اترا تمہیں تمہارے

مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ
رب کی طرف سے اور ایسا نہ ہو تو تم نے اس کا کوئی پیام نہ پہنچایا اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا

النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۷﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ
لوگوں سے بے شک اللہ کافروں کو راہ نہیں دیتا تم فرمادو اے کتابیو

لَسْتُمْ عَلٰى شَىْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ
تم کچھ بھی نہیں ہو جب تک نہ قائم کرو توریت اور انجیل اور جو کچھ تمہاری طرف تمہارے

مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا
رب کے پاس سے اترا اور بے شک اے محبوب وہ جو تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے اترا اس سے

وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
ان میں بہتوں کو شرارت اور کفر کی اور ترقی ہوگی تو تم کافروں کا کچھ غم نہ کھاؤ بیشک وہ جو اپنے آپ کو مسلمان

وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
کہتے ہیں اور اسی طرح یہودی اور ستارہ پرست اور نصرانی ان میں جو کوئی سچے دل سے اللہ اور قیامت پر

الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۹﴾ لَقَدْ
ایمان لائے اور اچھے کام کرے تو ان پر نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ کچھ غم بیشک ہم نے

اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِىْۤ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَاۤ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا
بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان کی طرف رسول بھیجے جب کبھی ان

جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿۷۰﴾
کے پاس کوئی رسول وہ بات لے کر آیا جو ان کے نفس کی خواہش نہ تھی ایک گروہ کو جھٹلایا اور ایک گروہ کو شہید

وَحَسِبُوْۤا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ
کرتے ہیں اور اس گمان میں ہیں کہ کوئی سزا نہ ہوگی تو اندھے اور بہرے ہوگئے پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول کی

ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۷۱﴾
پھر ان میں بہتیرے اندھے اور بہرے ہوگئے اور اللہ ان کے کام دیکھ رہا ہے

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ
بیشک کافر ہیں وہ جو کہتے ہیں کہ اللہ وہی مسیح مریم کا بیٹا ہے اور مسیح نے تو یہ کہا تھا

marfat.ocm

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ

اے بنی اسرائیل اللہ کی بندگی کرو جو میرا رب اور تمہارا رب بیشک جو اللہ کا شریک ٹھہرائے تو

حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿٧٢﴾

اللہ نے اس پر جنت حرام کردی اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ

بے شک کافر ہیں وہ جو کہتے ہیں اللہ تین خداؤں میں کا تیسرا ہے اور خدا تو نہیں مگر ایک خدا

وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٧٣﴾

اور اگر اپنی بات سے باز نہ آئے تو جو ان میں کافر مریں گے ان کو ضرور دردناک عذاب پہنچے گا

اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٧٤﴾ مَا الْمَسِيْحُ

تو کیوں نہیں رجوع کرتے اللہ کی طرف اور اس سے بخشش مانگتے اور اللہ بخشنے والا مہربان مسیح بن مریم

ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ

نہیں مگر ایک رسول اس سے پہلے بہت رسول ہو گزرے اور اس کی ماں صدیقہ ہے

كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٧٥﴾

دونوں کھانا کھاتے تھے دیکھو تو ہم کیسی صاف نشانیاں ان کے لیے بیان کرتے ہیں پھر دیکھو وہ کیسے اوندھے جاتے ہیں

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَ

تم فرماؤ کیا اللہ کے سوا ایسے کو پوجتے ہو جو تمہارے نقصان کا مالک نہ نفع کا اور اللہ ہی سنتا

السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٧٦﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ

جانتا ہے تم فرماؤ اے کتاب والو اپنے دین میں ناحق زیادتی نہ کرو اور ایسے لوگوں

وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ

کی خواہش پر نہ چلو جو پہلے گمراہ ہو چکے اور بہتوں کو گمراہ کیا اور سیدھی راہ

سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿٧٧﴾ ع

سے بہک گئے

تفسیر عالمانہ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ اے رسول پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم! پہنچا دیجئے مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ تمام وہ جو آپ کی طرف آپ کے رب سے نازل کیا گیا یعنی اسی قدر جو بندوں کی ضروریات سے متعلق ہے اس کی تبلیغ فرمائیے۔

marfat.ocm

ـے کے ایک وہم کا ازالہ ہمارے مذکورہ بالا بیان سے واضح ہو گیا کہ اس سے وہ اسرار جو مراد ہیں کہ جن کا افشاء ناجائز ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ ـنے فرمایا:

ـفظت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعائین من العلم فاما احدھما فقد بثثتہ واما الآخر لو بثثتہ لقطع ھذا الحلقوم۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم کے دو ظرف یاد کئے ایک کو تو میں نے بیان کر دیا، اگر دوسرے کو بیان کر دوں تو میرا حلق کاٹ دیا جائے۔

ـندیوں اور وہابیوں کو دوسرا جواب تحقیقی جواب یہ ہے کہ جو امور شریعت سے متعلق ہیں انہیں عام تبلیغ کا حکم ہے اور جو حقیقت و ـت سے متعلق ہیں وہ خواص کو بتانے کے ہیں اس لیے کہ دونوں کے لیے اہل کی ضرورت ہے اور وہ مبلغ کے ـامانت کے طور ہیں، امانت اس کے سپرد کی جاتی ہے جو اس کا اہل ہوتا ہے۔

وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ کسی خوف سے اگر آپ نے انہیں نہ پہنچایا فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ تو آپ ـتبلیغ کا حق ادا نہ کیا اس لیے کہ ان کے بعض کا چھپانا گویا تمام کو چھپانا ہے اور رسالت کے پیغامات زبان سے ـکہنے سے تعلق رکھتے ہیں اگرچہ خوفِ جان ہو تب بھی انہیں پہنچانا لازم ہیں خوفِ جان سے ان کا ترک جائز نہیں۔

ـمسئلہ: اسی قاعدہ سے ہم نے طلاق وعتاق کے مسائل کو مرتب کیا ہے کہ انہیں جب زبان سے ادا کیا جائے ـواقع ہو جاتے ہیں اس لیے ان کا تعلق زبان سے ہے نہ کہ دل سے اگرچہ اکراہ و اجبار سے بھی ہوں کیونکہ اکراہ ـزبان کے عمل کو مانع نہیں بنا بریں زبان پر لانے سے طلاق وعتاق واقع ہو جائیں گے۔ (کذا فی التیسیر)

وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ط اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا اس لیے کہ حضور ـاللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے امان حاصل تھی تاکہ آپ بلاخوف وحذر تبلیغ فرما سکیں۔

ـدیث شریف مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تو یہودیوں نے آپ کو کہا کہ ہم تعداد میں بہت زیادہ اور بڑے طاقتور ہیں اگر آپ اپنی اس تبلیغ سے ـنہ آئے تو ہم آپ کو قتل کر دیں گے اور اگر ہمارے کہنے سے باز آجائیں تو ہم آپ کو بہت سا مال دیں گے ان کے ـاس خوف دلانے پر آپ اپنی حفاظت کے لیے مہاجرین و انصار کے سو آدمی رات کو ساتھ رکھتے جو آپ پر پہرہ ـدیتے۔ اگر کہیں باہر جانا ہوتا تو اتنے ہی آدمی آپ کے ساتھ ہوتے کہ خدانخواستہ کہیں یہودی آپ کو کوئی گزند نہ پہنچا دیں۔ تب یہ آیت واللہ یعصمک من الناس نازل ہوئی تو آپ کو یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو یہود وغیرہ کے گزند سے محفوظ فرمائے گا۔ اس لیے آپ نے مہاجرین سے فرمایا کہ تمام لوگ اپنے اپنے گھروں کو

marfat.ocm

چلے جاؤ اب یہود وغیرہ سے اللہ تعالیٰ میری حفاظت فرمائے گا۔ چنانچہ اس ارشادِ گرامی کے بعد آپ اول شب کو یا صبح کو مدینہ طیبہ کی وادیوں میں جہاں چاہتے چلے جاتے۔

سوال: آپ کا چہرۂ مبارک زخمی ہوا اور دانت مبارک بھی شہید ہوئے، اس وقت اللہ تعالیٰ کی حفاظت کہاں گئی تھی؟

جواب: یہ حکم اس کے بعد کو نازل ہوا یا قتل وغیرہ کی حفاظت کا وعدہ مراد ہے۔ علاوہ ازیں ایسے رنج و محن انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا و علیہم السلام پر وارد ہوا کرتے ہیں۔

ف: کرمانی فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو بیماریاں اور دُکھ درد چند وجوہ سے لاحق ہوتے:

(۱) انہیں اجرِ عظیم حاصل ہو۔

(۲) معلوم ہو کہ وہ بھی بشر ہیں اُن پر بھی دنیا کے دُکھ درد وارد ہوتے ہیں اور ان کے اجسام بھی بیماریوں میں مبتلا ہوتے ہیں اس لیے کہ وہ بھی مخلوق ہیں (خدا یا خدا کا جز نہیں) تاکہ کوئی ان کے معجزات دیکھ کر کسی غلطی کا شکار نہ ہو جائے (کہ وہ خدا کے شریک وغیرہ ہیں)۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔ اس سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے محفوظ ہونے کی علت بتانا مطلوب ہے یعنی آپ کی ضرر رسانی کی قدرت اس لیے حاصل نہیں کہ وہ کافر ہیں۔

تفسیر صوفیانہ (۱) آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ وہ اس قوم کو اپنے حضور میں جگہ نہیں دیتا جو انبیاء علیہم السلام کی نبوت کا انکار کریں اور ان کے پیغاماتِ رسالت کو قبول نہ کریں جس کی وجہ سے وہ قرآنی اسرار و رموز سے محروم ہوئے یا جو لوگ اولیاء کرام پر طعن و تشنیع کرتے ہیں اور اُن کی ولایت سے استفادہ نہیں کرتے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی جناب تک پہنچنے سے محروم رہتے ہیں یہی اللہ تعالیٰ کا طریقہ رہا اور اس کا یہ طریقہ تبدیل ہونے کا نہیں۔ (وہابیوں دیوبندیوں کو اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیے)

(۲) آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے ارشاداتِ گرامی کی تعمیل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے مخلوق کے تمام نقصانات سے محفوظ فرما دیتا ہے جیسے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہجرت کے دن غار میں قیام فرمانا۔ ایسے ہی ان لوگوں کی بھی حفاظت فرماتا ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا شفیع اور وسیلہ جلیلہ مانتا اور بناتا ہے۔

حکایت و معجزہ مروی ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارضِ روم میں لشکر سے بھٹک گئے اور لشکر کو تلاش کر رہے تھے کہ ایک شیر سے

marfat.ocm

پہنچا جس نے آپ کو پھاڑ کھانے کے لیے حملہ کیا تو آپ نے فرمایا: اے ابو الحارث! میں حضور پاک اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں اور میں اپنے لشکر سے بھٹک گیا ہوں اور اسے تلاش کر رہا ہوں۔ شیر اُن کی ت سنتے ہی دُم ہلاتے ہوئے حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قریب کھڑا ہو گیا اور راستہ دکھانے کے لیے ر کی طرف انہیں لے چلا، یہاں تک کہ لشکر تک پہنچا کر لوٹا۔

حکایتِ بوستانِ سعدی قدس سرہٗ ۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

(۱) یکے دیدم از عرصۂ رود بار　　کہ پیش آمدم بر پلنگے سوار
(۲) چناں ہول زاں حال بر من نشست　　کہ ترسیدنم پائے رفتن ببست
(۳) تبسم کناں دست بر لب گرفت　　کہ سعدی مدار انچہ آید شگفت
(۴) تو ہم گردن از حکم داور مپیچ　　کہ گردن نپیچد ز حکم تو ہیچ
(۵) محالست چوں دوست دارد ترا　　کہ در دست دشمن گزارد ترا

ترجمہ (۱) میں رود بار کے جنگل میں جا رہا تھا، دیکھا کہ ایک نوجوان شیر پر سوار ہے۔

(۲) اور شیر کو گدھے کی طرح بھگائے جا رہا ہے فرماتے ہیں کہ یہ حال دیکھتے ہی مجھ پر لرزہ طاری ہو گیا اور چلنے سے پاؤں رہ گئے۔

(۳) نوجوان میرا حال دیکھ کر ہنسا اور فرمایا کہ اے سعدی! آپ تعجب کیوں کرتے ہیں۔

(۴) تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے سر نہ پھیر، تیرے حکم سے کوئی شے سر نہ پھیرے گی۔

(۵) جب تجھے دوست رکھتا ہے تو محال ہے کہ وہ تجھے دشمن کے قبضہ میں دے۔

معجزۂ نبوی

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غزوہ سے فراغت پا کر آرام کے لیے ایک وادی میں نزولِ اجلال فرمایا۔ ہر صحابی اپنی پسند کی جگہ دیکھ کر درختوں کے نیچے سو گیا۔ آپ بھی اپنی تلوار درخت سے لٹکا کر آرام فرما گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں تھوڑی دیر کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بلایا۔ جب ہم بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ کے پاس ایک اعرابی کھڑا ہے آپ نے ہمیں اس کی داستان سنائی کہ میں سویا ہوا تھا اس نے میری تلوار درخت پر لٹکی ہوئی کو اٹھا لیا تو میں جاگ اٹھا اور تلوار اس کے ہاتھ میں تھی اور مجھ پر حملہ کرنے والا تھا اور کہا کہ مجھ سے تمہیں کون بچائے گا؟ آپ نے فرمایا، میں نے کہا "مجھے میرا اللہ تعالیٰ بچائے گا"۔ میرے اس کہنے پر اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی اور میں نے تلوار اٹھا کر کہا اب تم بتاؤ کہ تمہیں کون مجھ سے بچائے گا۔ اس نے مجھ سے درخواست کی کہ مجھے گرفتار کیجئے لیکن اپنی شان کے مطابق۔

marfat.ocm

میں نے کہا کیا تم کلمۂ شہادت نہیں پڑھتے۔ اس نے کہا کلمہ تو نہیں پڑھتا البتہ آپ سے معاہدہ کرتا ہوں کہ زندگی بھر نہ آپ سے لڑوں گا نہ آپ سے لڑنے والوں کا ساتھ دوں گا۔ (دوسری روایات میں ہے کہ وہ بعد میں مسلمان ہو گیا تھا)

سبق: اس سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے توکل اور استقامت اور واللہ یعصمک من الناس کی تصدیق اور برائی کے بدلے احسان کا سبق ملا۔ (کذا فی شرح المشارق لابن الملک رحمہ اللہ)

تفسیر عالمانہ

قُلْ اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیے یہود و نصاریٰ سے **یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَیْءٍ** اے اہل کتاب! تم کچھ نہیں ہو، یعنی تمہارے دین کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ وہ اس لائق ہے کہ اس پر اعتماد کیا جاسکے۔ جب اس کی یہ صورت ہے تو اس کے متعلق کہا جائے کہ وہ کوئی شئے نہیں اس لیے کہ اس کا باطل و فاسد ہونا ظاہر و واضح ہے **حَتّٰى تُقِیْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ** یہاں تک وہ تورات و انجیل کو قائم کریں۔ قائم کرنے سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور ان کے لائے ہوئے احکام پر یقین کریں اس لیے کہ تمام سماوی کتابوں میں اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا تھا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائیں جبکہ آپ کی نبوت پر معجزات اور براہین بھی موجود ہیں اُن سے ہر ذی فہم انسان کو یقین ہو جاتا کہ آپ کی طاعت بجا لانا واجب ہے یا اقامتِ توراۃ و انجیل سے اُن کے اصولوں اور مسائل کی پابندی مراد ہے جو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت سے منسوخ نہیں ہوئے **وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ** اور وہ جو اُن کے ہاں ان کے رب تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا یعنی قرآن مجید۔

سوال: قرآن مجید کو نزول کے لیے ان کی طرف کیوں کیا گیا؟

جواب: چونکہ قرآن مجید کی دعوت عام ہے جس میں وہ بھی شامل ہیں ان کا خصوصیت سے نام اس لیے لیا گیا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ قرآن مجید ہمارے لیے نازل نہیں ہوا بلکہ وہ بنی اسرائیل کے سوا دوسرے لوگوں کے لئے نازل ہوا ہے۔

وَلَیَزِیْدَنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ اور ان میں بہتوں کو بڑھاتا ہے۔ اس سے ان کے پادری اور لیڈر مراد ہیں **مَّاۤ اُنْزِلَ مِنْ رَّبِّكَ** وہ جو آپ پر (آپ کے رب تعالیٰ کی طرف سے) نازل ہوا، اس سے قرآن مجید مراد ہے۔ **طُغْیَانًا وَّكُفْرًا** یعنی ان کی شرارت اور کفر کو بڑھاتا ہے، اس سے ان کی شرارت اور وہ کفر مراد ہے جو اُن میں پہلے پایا جاتا تھا اور یہ لیزیدن کا مفعول ثانی ہے **فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ** قوم کافرین پر غم نہ کھائیے یعنی تبلیغ کرتے ہوئے اُن کی شرارت اور کفر سے غم نہ کھائیے اس لیے کہ اس کا نقصان اُن پر لوٹے گا۔ مومنین کی تبلیغ آپ کے لیے کافی ہے جبکہ وہ آپ کے

ستفادہ اور استفاضہ کر رہے ہیں۔

سیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ دین کی حقیقت ظاہری و باطنی احکام کا نام ہے اور پھر ان کے اعمال سے مزین ہونا اس کا ظاہر کہلاتا ہے اور احوال سے مزین ہونا دین کا باطن ہوتا ہے اور قدموں اور چار نتائج سے متصور ہو سکتا ہے:

(۱) مقدمہ جذبۂ الٰہیہ
(۲) تربیت شیخ کامل

تائج اربعہ یہ ہیں:

(۱) دنیا اور اس کے جمیع متعلقات سے اعراض کرنا۔
(۲) سچی طلب سے حق کی طرف متوجہ ہونا۔ یہ جذبہ الٰہیہ کے نتائج ہیں۔
(۳) اخلاق ذمیمہ سے نفس کا تزکیہ
(۴) اخلاق الٰہیہ سے قلب کا تصفیہ۔ یہ قوت نبوت کی استمداد سے شیخ کامل کی تربیت کے نتائج سے ہے۔

ب: قوم کافروں سے اہل انکار مراد ہیں جنہیں ظاہر دین سے تعلق ہو اور انہیں ظاہر کے سوا اور کوئی معلومات ہوں اور سمجھتے ہیں کہ دین صرف ظاہر کا نام ہے حالانکہ اُن کی یہ بات غلط ہے اس لیے کہ ہر ظاہر کے لیے باطن تا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

فائدہ ہر ظاہری خود باطنست
ہمچو نفع اندر دوا ہا کامنست

ترجمہ (۱) ہر ظاہر شے کے باطن میں ایک فائدہ پوشیدہ ہے جیسے دواؤں میں نفع چھپا ہوا ہے۔

؎

(۱) ہیچ خطاطے نویسد خط بفن — بہر عین خط نہ بہر خواندن
(۲) کند بینش می نبیند غیر ایں — عقل او بے سیر چوں نبت زمین
(۳) نبت را چہ خواندہ چہ ناخواندۂ — ہست پائے او بگل درماندۂ
(۴) گر سرش جنبد بسیر بادرو — تو بسر جنبانیش غرہ مشو
(۵) آں سرش گوید سمعنا اے صبا — پائے او گوید عصینا خلّنا

ترجمہ (۱) کوئی کاتب فن سے کچھ لکھتا ہے، وہ خط لکھے ہوئے کو معلوم کرنے کیلئے ہے

marfat.ocm

نہ کہ صرف پڑھنے کے لیے ۔

(۲) وہ اندرونی معانی کے لیے ہے نہ کہ اس کے ظاہر پر اسے عقل سے سمجھا جاتا ہے جیسے بیج زمین کے اندر ہے ۔

(۳) انگوری کو ہر لکھا پڑھا اور اَن پڑھ سمجھتا ہے کہ اس کے پاؤں مٹی کے اندر ہیں ۔

(۴) اور اس کا سر ہلتا ہے تو ہوا کی سیر سے یعنی ہوا اس کا سر ہلا رہی ہے تو اسکے سر ہلانے سے دھوکا نہ کھا کہ وہ خود ہل رہی ہے ۔

(۵) اس کا سر کہتا ہے کہ اے صبا! ہم تیرے فرمانبردار ہیں جو کہتی ہے ہم تیرے نافرمان ہیں ہمیں چھوڑے رکھ ۔

سبق : انکار کی برانگیختگی حسد سے ہوتی ہے ' جیسے یہود و نصاریٰ سے ہوا ۔ سالک پر لازم ہے کہ نفس کو ایسی گندی بیماری (حسد) سے پاک کرے ۔

حکایت حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ کے ایک شاگرد پر نزع طاری تھی آپ اس کے پاس تشریف لے گئے، اس کے سرہانے بیٹھے اور سورۂ یٰسین پڑھنا شروع کر دی ۔ شاگرد نے نزع کی حالت میں عرض کی : استاد جی اسے مت پڑھیے ۔ تھوڑی دیر خاموش رہ کر پھر لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کی تو شاگرد نے کہا میں ابھی نہیں پڑھتا اس لیے کہ اس سے میں بری الذمہ ہوں ۔ یہ کہہ کر وہ مر گیا ۔ حضرت فضیل گھر لوٹے اور شاگرد کی اس غلطی پر چالیس روز روتے رہے اور اس غم سے گھر سے باہر نہ نکلے چالیسویں روز خواب میں دیکھا کہ اس کے شاگرد کو جہنم کی طرف لے جا رہے ہیں ۔ حضرت فضیل نے اسے فرمایا ، کمبخت کون سی نحوست سے جہنم کے مستحق ہو گیا حالانکہ تو میرا شاگرد تھا ، تجھ سے اتنی امید نہ تھی ۔ عرض کی : مجھ سے تین گناہ سرزد ہوئے :

(۱) چغلخوری کہ میں اپنے دوستوں کو کچھ کہتا اور آپ کو کچھ ۔

(۲) حسد کہ میں ہمیشہ اپنے ہم جولیوں سے حسد کرتا رہا ۔

(۳) مجھے ایک بیماری تھی میں نے کسی ڈاکٹر (طبیب) سے علاج پوچھا تو اس نے کہا سال میں ایک دفعہ شراب پی لیا کر ' ورنہ یہ بیماری تجھے ہرگز نہ چھوڑے گی ۔ چنانچہ اس طبیب کے کہنے پر میں سال میں ایک مرتبہ شراب پی لیا کرتا تھا ۔

ہم اللہ تعالیٰ سے ایسی باتوں سے پناہ مانگتے ہیں جن کی ہمیں طاقت نہیں ۔ (منہاج العابدین)

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بے شک وہ لوگ جو صرف زبانی ایمان رکھتے ہیں یعنی منافقین وَالَّذِیْنَ هَادُوْا اور وہ لوگ جو یہودی ہیں یعنی یہودیت میں داخل ہیں

marfat.ocm

الصّٰبِئُوْنَ اور وہ لوگ کہ جن کے دل جبل کی طرف مائل ہوئے، یہ بھی نصاریٰ کا ایک گروہ تھا انہیں ساگرہ کہا جاتا۔ انکی عادت تھی کہ وہ آدھے سر پر حلقہ باندھتے تھے۔ ان کا تفصیل بیان سورۂ بقرہ میں ہے وَالنَّصٰرٰی یہ نصرانی کی جمع ہے اور اس کا عطف الذین ھادوا پر ہے اور صابئون مبتدا اور اس کی خبر محذوف ہے۔ یہ جملہ ہو کر الذین امنوا الخ پر معطوف ہے۔ اب عبارت یوں ہوئی الذین امنوا والذین ھادوا والنصٰرٰی۔ اُن کا حکم یوں ہے اور صابئون کا حکم بھی انہی کی طرح ہے ل۔ الصابئون کا عطف ما قبل پر یوں نہیں بلکہ اسے اس کی خبر محذوف مان کر مستقل جملہ مانا گیا اس پہلا جملہ مکمل ہو چکا ہے اس کے درمیان میں ذکر اسے نیت میں مؤخر سمجھا گیا۔

اب: تاکہ معلوم ہو کہ مذکورہ بالا تمام گمراہ فرقوں میں اس گمراہ تر فرقہ کی توبہ قبول ہو سکتی ہے تو دوسروں کی توبہ بھی قبول ہو جائے گی۔ جب صابئین کے گناہ بخشے جا سکتے ہیں اور صحیح مومن کے عمل قبول تو دوسروں کے بطریق اولیٰ قبول ہوں گے۔

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ مذکورہ بالا فرقوں میں مبدا و معاد پر جو بھی خالص ایمان لائے وَعَمِلَ صَالِحًا اور ایمان کے مقتضیٰ پر نیک عمل کریں۔ مَنْ محلاً مرفوع مبتدا، اور اس کی خبر فلا خوف الخ ہیں ان ایسی میں علیحدہ اللہ کی خبر فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ پس اُن پر کوئی خوف نہیں جبکہ کفار عذاب سے وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اور نہ غم کھائیں گے جبکہ قصور وار لوگ اپنی ضائع کردہ عمر پر پشیمان ہوں گے انہیں عمل ضائع کر کے ثواب ضائع ہوا۔ یعنی افسوس کریں گے کہ ہائے ثواب حاصل نہ کر سکے۔

ف: اس سے تضییع عمر و تفویت ثواب کا دائمی انتفاء مراد ہے ذکر ان دونوں کے انتفاء دوامی کا بیان مطلب ہے۔

ف: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں بھی مومنین سے آخرت میں خوف و حزن کی نفی مراد ہے۔ چنانچہ آیت تتنزل علیہم الملئکۃ ان لا تخافوا ولا تحزنوا سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ آخرت میں اہل ایمان کو بھی خوف و حزن ہوگا۔ چنانچہ آیت یوم ترونھا تذھل کل مرضعۃ عما ارضعت الخ یوم یفر المرء من اخیہ و اُمّہ و ابیہ کے عموم سے معلوم ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت میں لوگ پاؤں اور جسم سے ننگے قبروں سے اٹھیں گے۔ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یہ کیسے ہوگا کہ اس وقت مرد اور عورتیں ننگے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تجھے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی یاد نہیں کہ لکل امرء منھم شان یغنیہ۔

marfat.ocm

سوال : پھر اس کی وجہ کیا ہے کہ بعض آیات میں مومنین کے لیے خوف وحُزن کی نفی ہے اور بعض میں اثبا

جواب : چونکہ اہلِ ایمان کو تھوڑی دیر کے لیے خوف وحُزن ہوگا اس کے بعد زائل ہوکر دائمی خوشی اور راحت فرحت ہوگی۔ اس لیے اُن کے عارضی خوف وحزن کی نفی کی گئی اور جہاں کا بیان ہے وہاں وہی عارضی خوف حُزن مراد ہے۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

(۱) ہر کہ ترسد مرو را ایمن کنند　　　مر دل ترسندہ را ساکن کنند
(۲) لاتخافوا ہست نزل خائفاں　　　ہست در خور از برائے خائف آں
(۳) آنکہ خوفش نیست چوں گوئے مترس　　　درس چہ دہی نیست او محتاج درس

ترجمہ : (۱) جو ڈرتا ہے اسے بے غم بنا دیتے ہیں ڈرنے والے دل کو تسلی بخشتے ہیں۔

(۲) ڈرنے والوں کی مہمانی لا تخافوا (نہ ڈرو) ہے اور ڈرنے والے کے لیے یہی لائق ہے۔

(۳) جسے ڈر نہیں اسے کیوں کہتے ہو کہ ڈر نہ رہ، اسے درس کیوں دیتے ہو وہ بے وقوف درس کے لائق نہیں۔

تفسیر صوفیانہ اللہ والوں کو آنے والی گھڑیوں میں کسی قسم کا خوف نہیں ہوتا اس لیے کہ وہ قرآن پاک کے ظاہر باطن کے عامل ہوتے ہیں اور نہ ہی وہ شدید ریاضتوں اور مجاہدوں او ترکِ دنیا میں نفسوں کی مخالفتوں اور خواہشاتِ نفسانیہ کے مٹانے میں غمگین ہوتے ہیں اور نہ رنج و آلو اور محنتوں اور مصیبتوں اور آفتوں کے نزول سے ملال کرتے ہیں اس لیے کہ وہ تقلید (سوم) سے نجات یاف اور تحقیق پر فائز المرام ہوتے ہیں اس لیے ان سے تکالیف کی مشقت کا احساس تک نہیں ہوتا۔ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی معیت میں ہوتے ہیں۔

سبق : مومن پر لازم ہے کہ وہ اپنے قلبی مرض کا علاج کرے یعنی اوصافِ رذیلہ اور منافقت سے بچے اور اہلِ حق کے قُرب کے حصول کے لیے جدوجہد کرے۔

روحانی نسخے : حضرت ابراہیم خواص قدس سرہٗ نے فرمایا کہ بیمار قلب کا پانچ چیزوں سے علاج کیا جائے

(۱) تدبر کے ساتھ تلاوتِ قرآن،
(۲) پیٹ کو طعام سے خالی رکھنا،
(۳) شب کے نوافل،
(۴) بوقتِ سحر اللہ تعالیٰ کے حضور میں آہ وزاری،

marfat.ocm

(۵) صحبت صالحین ۔

التاثیر روحانی نسخہ حضرت الشیخ الشہیر بالمدنی قدس سرہٗ نے فرمایا اگرچہ ہمارا عقیدہ ہے کہ حقیقی مصلح اللہ تعالیٰ ہے لیکن روحانی بیماری جتنی ذکرِ الٰہی سے کسی اور عمل سے نہیں کٹ سکتی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔

ات قیامت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا وقت آنے والا ہے کہ اسلام کا صرف نام رہ جائیگا اور قرآن کی صرف رسم رہ جائے گی، مساجد ظاہری آباد ہوں گی لیکن ذکر اللہ سے ویران۔ اس زمانہ کے علماء شریر ترین ہوں گے انہیں سے فتنہ ہوگا اور انہی کی طرف لوٹے گا۔ حضرت الشیخ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

(۱) علم چندانکہ بیشتر خوانی   چوں عمل در تو نیست نادانی
(۲) نہ محقق بود نہ دانشمند   چارپائے بروکتابے چند
(۳) آں تہی مغز را چہ علم و خبر   کہ بروہیزم است و یا دفتر

ترجمہ: (۱) علم کتنا ہی زیادہ پڑھو عمل نہ ہو تو تم نادان ہو۔
(۲) وہ نہ محقق ہے نہ دانشمند وہ تو جانور ہے اس پر چند کتابیں لاد دی گئی ہیں۔
(۳) وہ خالی مغز ہے اس کے لیے علم و خبر کی کیا خبر کہ اس پر لکڑیاں لاد دی گئی ہیں یا کتابیں۔

ادہ صوفیانہ جمیع علوم کا نچوڑ معرفتِ الٰہی ہے اس کے ماسوا اگر اچھے علوم ہوں تو سبحان اللہ ورنہ ویسے علم کا حصول فی نفسہٖ اچھا ہے لیکن علم سے اصلی مقصد عمل ہے۔ صرف علم پڑھنا اس پر عمل نہ کرنا بالکل بے سود ہے۔ مستحقِ مبارک وہ انسان ہے جسے علم کے ساتھ نیک عمل کی توفیق نصیب ہو۔

سیر عالمانہ لَقَدْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ بے شک ہم نے بنی اسرائیل سے وعدہ لیا یعنی بخدا ہم نے اُن سے توحید اور تمام شرائع و احکام کا وعدہ لیا جو ان پر فرض تھے اور انہیں تورات میں بتا دیئے تھے وَاَرْسَلْنَآ اِلَیْهِمْ رُسُلًا اور ہم نے ان کے ہاں پیغمبر بھیجے وہ پیغمبر بھی بہت کثرت میں تھے، یہ نہیں کہ چند ایک، اور وہ تھے بھی بڑی شان والے تاکہ انہیں کے امورِ دینیہ کی یاد دہانی کرائیں اور دین کی باتیں بتائیں کُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓی فُسُهُمْ جب ان کے ہاں رسول ایسی باتیں لائے جو اُن کے نفس نہیں چاہتے تھے۔ اس شرط کا جواب محذوف ہے اور سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ پیغمبرانِ عظام تشریف لائے تو انہوں نے کیا کیا؟ اس کے

marfat.ocm

جواب میں فرمایا کہ جب رُسل کرام علیہم السلام اُن کے ہاں وہ شرعی احکام اور مشقت طلب ارشادات لائے۔ ان کے نفسوں کے خلاف تھے تو بنی اسرائیل نے اُن کی نافرمانی کی۔ پھر سوال ہوا کہ انہوں نے کس طرف نافرما کی۔ تو اس کے جواب میں فرمایا کہ **فَرِيقًا كَذَّبُوا** انبیاء علیہم السلام کے ایک گروہ کی انہوں نے نہ ص تکذیب کی بلکہ علاوہ ازیں ان کے کئی قسم کے آزار درپے ہوئے۔ **وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ** اور ایک گروہ انہوں نے شہید کر ڈالا۔ یعنی دوسرے گروہ کے ساتھ نہ صرف تکذیب پر اکتفاء کیا بلکہ ان کے درپے قتل جیسے زکریا اور یحییٰ علیٰ نبینا وعلیہما السلام کے ساتھ ہوا کہ انہیں شہید کر دیا گیا **وَحَسِبُوا أَلَّا تَكُونَ فِتْنَةٌ** اور ان کا گمان تھا یعنی بنی اسرائیل کا خیال تھا کہ انبیاء علیہم السلام کے قتل اور تکذیب سے ا پر عذاب اور بلا نہیں ہوگی۔ اور ان کے گمان کی وجہ ان کا عقیدہ تھا اور وہ قائل تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اس کے محب ہیں، اس لیے عذاب میں مبتلا نہ ہوں گے اگرچہ دل سے مانتے تھے کہ وہ خطا کار اور انب علیہم السلام کے قتل اور ان کی تکذیب میں غلطی پر ہیں۔ اور ساتھ ہی یہ عقیدہ بھی رکھتے تھے کہ ہمیں عذاب اس نہیں ہوگا کہ ہمارے آباء واسلاف کی نبوت ہمیں عذاب سے بچائے گی اگر ہم قتل وتکذیب کی وجہ سے عذاب مستحق ہیں **فَعَمُوا** اس کا عطف حسبوا پر ہے اور فاء مابعد کی ماقبل پر ترتیب کی دلالت کے لیے ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر کر ایمان لائے پھر شرارت وفساد کے فنون میں منہمک ہو کر ان ہوئے باوجودیکہ انہیں انبیاء علیہم السلام نے معاملۂ ظاہرہ کی رہبری فرمائی اور انہیں سیدھے اور وا بیان فرمائے لیکن پھر بھی اندھے ہو گئے۔ یعنی وہ اس اندھے جیسے کام کرتے جو راستہ کو نہیں دیکھ سکتا **وَصَمّ** وہ حق جو انبیاء علیہم السلام نے انہیں بتایا اس کے سننے سے بہرے ہوئے یعنی اس بہرے جیسا معاملہ کیا نہیں سُنتا اس لیے انبیاء علیہم السلام کو قتل بھی کیا اور ان کی تکذیب بھی کی۔

ف : حضرت مولانا ابو سعود رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس میں بنی اسرائیل کے فسادات کے فسادِ اول کی اشارہ ہے کہ انہوں نے پہلی تورات کے احکام کی خلاف ورزی کی اور محارم کا ارتکاب کیا، حضرت شعیب علیہ کو شہید کر ڈالا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو قید کر دیا۔

ثُمَّ تَابَ اللَّهُ پھر سچے دل سے اِن کرتوتوں سے باز آ گئے۔ یہ اس وقت ہوا جب ایک مدت مد اور عرصہ طویل بابل میں بخت نصر کے ظلم وقہر کا نشان بنے رہے اور نہایت ذلت وخواری سے اس کے ہا قید و بند کی صعوبتوں کا شکار رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کو ان کے حال پر رحم آیا تو فارس کے ایک بہت بڑے باد کو بیت المقدس کی تعمیر کے لیے متوجہ فرمایا۔ اس نے بیت المال کو اپنے قبضہ میں لے کر دوبارہ تعمیر کیا ا بنی اسرائیل کے باقی لوگوں کو بخت نصر کی قید سے چھڑا کر انہیں ان کے وطن لوٹایا۔ پھر جتنے نبی اِدھر اُد

marfat.ocm

تر ہو گئے تھے یکجا ہو گئے اور تیس سال میں بیت المقدس بہتر سے بہتر تعمیر کیا اور بنی اسرائیل کی حالت ہر ہو گئی اور عرصۂ دراز تک نہایت ہی پُروقار زندگی گزاری۔ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا پھر ان کی بت کر حسبِ سابق اندھے بہرے ہو گئے۔ اس میں ان کے فسادات کے دوسرے دور کی طرف ہے کہ انہوں نے ذکریا علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام کو شہید کیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو شہید کرنے کا بھی یا (لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمان پر اٹھا لیا) کَثِیْرٌ مِّنْهُمْ یہ عَمُوْا وَصَمُّوْا کی ضمیر هُمْ ل ہے۔

حضرت صاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کثیر منھم سے ظاہر ہوتا ہے کہ اب کی بار سب کے سب نہیں ہو گئے تھے بلکہ ان کے بعض سے کفر سرزد ہوا۔ چنانچہ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق رمایا:

لیسوا سواء من اهل الکتٰب امة قائمة۔

رمایا:

منهم امة مقتصد والله بصیر بما یعملون۔

اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو خوب جانتا ہے اسی لیے انہیں ان کے اعمال کے مطابق سزا دے گا۔

و بالا بیان کے بعد اب بتائیں کہ ان کے خیالی پروگرام کی کیا وقعت ہے جبکہ انہیں معلوم ہے کہ ایک دفعہ ے غلطیاں ہوئیں تو اُن پر بخت نصر کو مسلط کر دیا گیا۔ اُس نے بیت المقدس پر قبضہ جمایا اور ان کے س ہزار تورات کے قاریوں کو تہِ تیغ کیا اور باقیوں کو قید کر کے جیل میں ٹھونس دیا اور وہ عرصۂ دراز تک کال کوٹھڑیوں میں ذلت و خواری کی زندگی گزارتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے اسی حالت میں دل سے وبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس ذلت و خواری سے بچایا، جیسا کہ ابھی بیان ہوا۔ ایک عرصہ تک اور وقار کی زندگی بسر کی لیکن بدبختوں سے پھر وہی غلطیاں سرزد ہونے لگیں تو اللہ تعالیٰ نے فارس کے شاہوں کو ان پر مسلط کر دیا۔ بادشاہ بابل نے ان پر قبضہ کر کے بڑے عرصے تک انہیں ذلیل و خوار کیا۔

یت

منقول ہے کہ ایک جرنیل کا ان کی قربان گاہوں سے گزر ہوا، دیکھا کہ ایک خون کا چشمہ ابل رہا ہے اُن سے پوچھا یہ کیا ماجرا ہے۔ انہوں نے کہا یہ خون ہماری اُن قربانیوں کا ہے جو اللہ تعالیٰ کی میں قبول نہیں ہوئیں۔ لیکن اس کا دل نہیں مان رہا تھا اور کہا کہ تم غلط کہتے ہو جب تک صحیح بات نہیں گے میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔ چنانچہ ہزاروں جانیں اسی کشمکش میں چلی گئیں۔ پھر پوچھا تو وہی انکار۔ اس نے میں تو تمہارا ایک بچہ بھی نشانی کے لیے باقی نہیں چھوڑوں گا جب تک کہ سچ نہیں کہو گے۔ جب بنی اسرائیل نے

marfat.ocm

دیکھا کہ یہ ہرگز نہیں چھوڑتا تب صاف بتایا کہ یحییٰ علیہ السلام کا بدلہ لیا ہے اس کے بعد اُس فوج کے جرنیل نے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے عرض کی:

"اے اللہ کے پیغمبر یحییٰ علیہ السلام میرے اور آپ کے رب کو معلوم ہے کہ آپ کی وجہ سے آپ کی قوم سے بہت کچھ بدلہ لیا گیا ہے فلہذا اب آپ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے خونِ اقدس کو روکئے ورنہ میں آپ کے تمام دشمنوں کو تہِ تیغ کر دُوں گا۔" اس کے بعد آپ کا خُون رک گیا۔

تفسیر صوفیانہ

انسان کے نفس کا مقتضٰی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عہد و پیمان اور اس کی نعمتوں کا کفران کر کے بُھلا دینا اور انسان کفرانِ نعمت کرے بھی کیوں جبکہ اسے معلوم ہے کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے کرم اور اُس کے لطف کے دریا میں غوطہ زن رہتا ہے تو اس پر بھی لازم ہے کہ وُہ اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے بڑی بڑی نعمتیں یہ ہیں:

(۱) ارسالِ رُسل

(۲) توضیحِ السبل

(۳) بارشوں کا نزول

(۴) کھیتوں کا حصول

(۵) صحتِ بدن

(۶) قوّتِ قلب

(۷) موانع کا اندفاع

(۸) اسباب کی موافقت وغیرہ۔

حکایت

دانیال علیہ السلام کی انگوٹھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں پائی گئی۔ اس کے فص (نگینہ) پر دیکھا گیا کہ اس پر دو شیر ایک دوسرے کو چاٹ رہے ہیں۔ اس کا سبب کہ بخت نصر نے بنی اسرائیل اور ان کے بچوں کو قتل کرنا شروع کیا تو دانیال علیہ السلام کی والدہ ماجدہ نے انہیں جنتے ہی جنگل میں ڈال دیا کہ کہیں بخت نصر کے قتل سے بچ جائیں اللہ تعالیٰ نے اُن کی حفاظت کے لیے شیر مقرر کر دیا اور دُودھ پلانے کے لیے لبوۃ (شیرنی) کو اور پھر یہ دونوں انہیں پیار سے چاٹتے بھی تھے۔ جب دانیال علیہ السلام بڑے ہوئے تو انھوں نے اپنی انگوٹھی ایسی تیار فرمائی کہ درمیان میں اپنی تصویر[1] اور

---

[1] پہلی شریعتوں میں تصویر کشی جائز تھی، ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت میں ناجائز بلکہ حرام ہے۔ تفصیل کے لیے فقیر اویسی کا رسالہ "السوء التعزیر" دیکھئے۔

marfat.ocm

وہ شیر چاٹتے ہوئے دکھائے گئے اور وہ ہر وقت اپنی انگوٹھی دیکھا کرتے تھے اور فرماتے اس اللہ تعالیٰ کی نعمت یاد آتی ہے۔

ق ؛ انسان پر لازم ہے کہ آخرت کا راستہ طے کرتے ہوئے مشقتوں اور تکلیفوں کو برداشت تعالیٰ کے جملہ حقوق کی ادائیگی میں جد و جہد کرے۔

ی نصیحت حضرت فضیل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص آخرت کا راستہ طے کرنا چاہتا ہے اسے نفس کو چہار رنگ موت سے مارنا لازمی ہے،

سفید

) سرخ

) سیاہ

) سبز

(۱) سفید موت سے بھوک،

(۲) سیاہ موت سے لوگوں کی مذمت سے بچنا،

(۳) سرخ موت سے نفس کی مخالفت،

(۴) سبز موت سے مصائب و آلام کا برداشت کرنا مراد ہے۔

بق ؛ جو شخص ان باتوں سے بے خبر ہے وہ لامحالہ گمراہ ہوتا ہے اسے کبھی صراطِ مستقیم نصیب تا۔ مثنوی شریف میں ہے ؛ ؎

(۱) کور را ہر گام باشد ترس چاہ   با ہزاران ترس می آید براہ
(۲) مرد بینا دیدہ عرض راہ را   پس بداند او مغاک و چاہ را

---

(۳) ماہیاں را بحر نگذارد بروں   خاکیاں را بحر نگذارد دروں
(۴) اصل ماہی آب و حیوان از گلست   حیلہ و تدبیر اینجا باطلست
(۵) قفل زفتست و کشایندہ خدا   دست در تسلیم زن اندر رضا

ترجمہ ؛ (۱) اندھے کو ہر قدم پر کنویں کا خوف ہے، ہزاروں بار خوف کھا کر راستہ طے کرتا ہے۔

(۲) آنکھوں والا راہ کے آگے دیکھتا ہے کہ گڑھا ہے یا کنواں۔

marfat.ocm

(۳) مچھلیوں کو دریا باہر نہیں پھینکتا، خاکیوں کو دریا اپنے اندر نہیں آنے دیتا۔

(۴) مچھلی کا اصل پانی اور دیگر جانوروں کا مٹی۔ یہاں حیلہ و تدبیر باطل ہے۔

(۵) تالہ بند ہو تو اللہ تعالیٰ اسے کھولتا ہے، تسلیم و رضا کا دامن مضبوطی سے تھام لے۔

رُوحانی بیماری اور اس کا علاج

گناہ نسیان کا سبب ہے اور اس سے ہی بندہ بصیرت کھو بیٹھتا ہے اور اس سے حقیقی بہرہ بنتا ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر نہیں ٹلتی، اس لیے انسان پر لازم ہے کہ جتنی زندگی ہوا و ہوس میں گزاری اس پر گریہ و زاری کرے اور جتنا وقت شہوت رانی میں گزارا اس پر سخت افسوس کا اظہار کرے ورنہ اسے راہِ حق نصیب نہ ہوگا نہ اس کی طلب سے کوئی حصہ۔ اے اللہ! تُو ہی ہادی ہے۔

تفسیر عالمانہ

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ بیشک کافر ہوئے جنہوں نے کہا کہ بے شک اللہ وہی مسیح بن مریم ہے۔

شانِ نزول

نجران کے عیسائیوں کے حق میں نازل ہوئی، اُن کے جو رؤسا اور عاقب تھے ان سب کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام میں حلول کر گیا ہے۔ اس کی امد اللہ تعالیٰ کی ایک ذات ہے حالانکہ وہ ایسی باتوں سے بلند و بالا ہے۔ اس فرقے کا نام یعقوبیہ تھا۔ ان کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

وَقَالَ الْمَسِيْحُ جب انہوں نے یہ کہا تو حضرت عیسٰے علیہ السلام نے اُن سے مخاطب ہو کر فرمایا يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ اے بنی اسرائیل! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو وہ میرا رب ہے وَرَبَّكُمْ اور تمہارا رب ہے۔ یعنی اس لیے کہ میں ایک عبد تمہاری طرح کا پالا ہوا ہوں اس لیے تم میرے اور اپنے خالق کی عبادت کرو اِنَّهٗ بے شک شان یہ ہے کہ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو اس کی عبادت میں شریک ٹھہراتا ہے یا اس کے کسی فعل اور صفت میں کسی کو مختص کرتا ہے فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ پس تحقیق اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام فرمائی ہے اس میں اسے ہرگز داخل نہیں ہونے دے گا۔ جیسے محرم علیہ محرم تک نہیں پہنچ سکتا اور وہ بہشت صرف موحدین کے لیے تیار کی گئی ہے وَمَاْوٰىهُ النَّارُ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ اور شرک کرنے والے ظالمین کے لیے مِنْ اَنْصَارٍ کوئی بھی مددگار نہیں کہ انہیں جہنم سے بچا کر ان کی مدد کر سکے غلبہ پا کر شفاعت کر کے۔ یہ عیسٰے علیہ السلام کے کلام کا تتمہ ہے۔

ربط : یعقوبیہ کے عقیدہ کے بعد اب نصاریٰ نسطوریہ اور ملکانیہ فرقہ کا عقیدہ بیان کیا جاتا ہے۔ چنانچہ

marfat.ocm

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ بیشک کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ بیشک اللہ تینوں کا تیسرا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ تینوں معبودوں میں سے ایک ہے اور معبود ہونا ان تینوں میں مشترک ہے یعنی وہ تین معبود ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ

۲۔ عیسٰے علیہ السلام

۳۔ بی بی مریم علیہا السلام۔

وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ حالانکہ معبود صرف ایک ہے یعنی واجب الوجود اور مستحق العبادۃ صرف ایک ذات ہے جو جمیع موجودات کا خالق ہے اور معبود ہونا صرف اسے لائق ہے جو وحدانیت سے موصوف اور قبولِ شرک سے بلند و بالا ہو وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ اور اگر وہ اپنے اس غلط عقیدہ سے باز نہ آئے یعنی عقیدہ یعقوبیہ کا ہو یا نسطوریہ و ملکانیہ کا، اسے انہوں نے ترک نہ کیا لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ البتہ پہنچے گا ان لوگوں کو جنہوں نے ان سے کفر کیا، یعنی دراصل لَيَمَسَّنَّهُمْ ہونا چاہیے تھا لیکن ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لایا گیا ہے تاکہ ان کے کفر پر شہادت مضبوط ہو جائے مِن بیانیہ ہے الذین اسم موصول سے حال ہے عَذَابٌ اَلِيْمٌ دردناک عذاب، یعنی ایک شدید قسم کا عذاب کہ جس کا دل پر گہرا اثر پڑے گا اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ کیا وہ اپنی غلطیوں پر اصرار کرتے ہوئے اپنے گندے اور بُرے عقائد سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ یہ ہمزہ استفہام انکاری ہے واقعہ سے انکار و استبعاد کے لیے ہے نہ کہ وقوع کے انکار کے لیے ان کی غلطیوں کے اصرار پر تعجب اور انہیں توبہ پر برانگیختہ کرنے کے لیے وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ اس کی توحید کا اقرار اور جتنی غلط باتیں اس سے منسوب کیں ان سے استغفار کریں وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے یعنی حال یہ ہے کہ وہ بہت بڑی مغفرت والا ہے جو ان کی استغفار پر انہیں بخش دیتا ہے اور اپنے فضل و کرم سے انہیں نوازتا ہے۔

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ مسیح بن مریم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں ان سے پہلے پیغمبرانِ عظام علیہ السلام گزرے ہیں یعنی وہ صرف رسالت پر مقصور ہیں رسالت کے منصب سے ایک قدم آگے نہیں اٹھاتے تھے۔ دوسرے رسل کرام علیٰ نبینا علیہم السلام کی طرح اپنے مناصب و مراتب سے نہیں ہٹے تھے۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے چند معجزات و خصوصیات سے دوسرے پیغمبران علیہم السلام کی طرح انہیں بھی معجزات و خصوصیات سے نوازا۔ مثلاً عیسٰے علیہ السلام کے ذریعے مُردوں کو زندہ کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے عصا کو اژدہا بنا کر دوڑایا حالانکہ یہ بڑی زیادہ تعجب کی

marfat.ocm

سنا دیتے ہیں۔ عقل انہیں سمجھاتی کہ یہ کام خدا کرتا ہے۔ اگر عیسیٰ علیہ السلام خدا نہیں تو اس کے بیٹے ضرور ہیں، اس لیے کہ یہ قدرتیں اللہ تعالیٰ کی ہیں اور وہ قدرتیں وہ خود ظاہر کرے ورنہ اس کا بیٹا یہ کام کرسکتا ہے اس لئے کہ الولد سر لابیہ بیٹا اپنے باپ کا مظہر ہوتا ہے۔

نصاریٰ کی دوسری تقریر

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ نصاریٰ نے سمجھا کہ عیسےٰ علیہ السلام تزکیۂ نفس کرکے ناسُوتی رنگ سے نکل کر لاہوتی ہوگئے اس اللہ تعالیٰ کی ذات نے عیسےٰ علیہ السلام کی ناسُوتیت کو فنا کرکے اپنی ذات ان میں جذب فرمادی۔ جب عیسیٰ علیہ السلام میں اللہ تعالیٰ نے حلول کیا تو عیسےٰ علیہ السلام خدا ہوگیا (نعوذ باللہ)۔ اللہ تعالیٰ ان کے گندے خیالات سے بلند وبالا ہے۔

اہلِ اسلام کا تصورِ تصوف

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی اُمت چونکہ طریقِ حق پر بموافق اتباعِ نبوی اقدام جذباتِ الوہیت سے چلتے ہیں بنا بریں اللہ تعالیٰ نے ان سے استدلالات براہین وصال اور وصول کی کلفت معاف فرمادی۔ جیسا کہ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ جب انہوں نے ظاہری علوم کی کتابیں پانی میں ڈال دیں تو پھر ان سے مخاطب ہوکر فرمایا،

نعم الدلیل انتم ولکن اشتغالی بالدلیل بعد الوصول الی المدلول محال۔	بے شک تم بہترین دلیل ہو لیکن اب میں اپنے محبوب کا وصال پاچکا ہوں اس لیے اب دلیل سے مشغول ہونا اچھا نہیں۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

(۱) چوں شدی بر بامہاے آسماں   سرد باشد جست وجوے نردباں
(۲) آینہ روشن کہ شد صاف وجلی   جہل باشد بر نہادن صیقلی
(۳) پیش سلطاں خوش نشستہ در قبول   جہل باشد جستن نامہ ورسول

ترجمہ: (۱) جب تم آسمان کی چھت پر پہنچ جاؤ تو پھر سیڑھی کی جستجو نہیں رہتی۔
(۲) جب آئینہ صاف وشفاف ہو تو پھر صفائی کے لیے اس پر مصقلہ رکھنا جہالت ہے۔
(۳) بادشاہ کے حضور میں مقبول بن کر بیٹھنے کے بعد کسی کی سفارش کا خط یا قاصد تلاش کرنا بُری بات ہے۔

جب یہ حضرات اللہ تعالیٰ ذو الجلال کی بارگاہ کے پردوں کے قریب پہنچ جاتے ہیں تو انہیں صفاتِ جمال کے انوار کا مشاہدہ نصیب ہوتا ہے اس لیے کہ حضرتِ انسان وہی تو ہے جس نے تمام مخلوقاتِ حق

marfat.ocm

ے جاتے ہیں باتیں بھی۔

ت و امانت سے نورِ الوہیت کا فیض مراد ہے جو انبیاء علیہم السلام کے واسطے سے ہمیں نصیب ہوا۔ اس کمال کے حصول میں حسنِ تقویم سے یہی حضرات انبیاء علیہم السلام مخصوص ہیں اور انہیں وہ کمالات حاصل ہوئے جن میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں۔ یہی وجہ ہے عیسے علیہ السلام نے انہیں فیض خالقیہ ومحییہ سے تزکیۂ نفس فرمایا کہ وہ اس قابل ہوگئے کہ مٹی کے گارے سے پرندہ بناتے پھر اس پر پھونک مارتے تو وہ اللہ کے حکم سے اڑنے لگ جاتا اور وہ مادرزاد اندھے کو بینا کر دیتے اور برص والے کو درست کر دیتے اور مردوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ کرتے۔ اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ ان امور کا صدور اُن سے ہونا اور وہ خالقیت کی صفت کے مظہر تھے۔ اس کی مثال اس شیشے کی ہے جس میں سورج سے فیض پانے کی استعداد ہے اسے اگر سورج کے سامنے رکھا جائے تو اس کے اندر سورج کا فیض پہنچتا ہے یعنی اس کی گرمی اس کے اندر آجاتی ہے پھر اُس کے مقابل جو شے بھی آجائیگی اُسے وہ جلا کر راکھ کر دے گا صرف اُس نور کی وجہ سے جو اسے سورج سے نصیب ہوا، ورنہ اس کا تو اپنا کچھ نہیں بلکہ اُس سورج کا فیض حاصل کرنے کی استعداد تھی بنا بریں اس میں سورج کی صفات پہنچیں تو پھر اس شیشے نے وہ نور آگے پہنچایا۔

یہ مضمون سمجھ میں آجائے تو ان شاء اللہ یہ عقیدہ مضبوط ہوگا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور اولیائے کبار رحمہ اللہ تعالیٰ کی کرامات میں بھی قدرتِ ایزدی کام کر رہی ہوتی ہے اور ان سے قوتِ ایزدی کا ظہور ہوتا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو یہ مقام مستقل طور پر نصیب ہوتا ہے اور اولیاء کرام کو ان کے طفیل اور ان کی اتباع میں۔

ازالۂ توہم حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ السامی نے فرمایا کہ میں نے اپنا بشریت کا جامہ اتار پھینکا جیسے سانپ اپنی کھال اتارتا ہے پھر اپنے آپ کو دیکھا تو میں ذاتِ حق ہوں۔ اس کے متعلق حضرت امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا: انسان جب شہوات وخواہشات کو مٹاتا ہے تو اس میں سوائے ذاتِ حق کے کسی اور خیال اور تصور کا گزر نہیں ہوتا۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ جس کے قلب میں اللہ تعالیٰ کے جلال وجمال کے سوا اور کچھ نہ ہو اور وہ اس میں مستغرق ہو جائے تو ایسا ہوتا ہے کہ گویا وہی ذاتِ حق ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ بندہ خدا ہو جاتا ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا: سبحانی ما اعظم شانی (میں سبحان ہوں اور میرا کتنا بلند شان ہے)

اس کا جواب بھی یہی ہے کہ حضرت بسطامی قدس سرہٗ کو جب ذاتِ حق کا مشاہدہ ہوا اور صفات

marfat.ocm

ذاتِ حق سے تجلیات حاصل ہوئیں تو اپنے آپ کو دیکھ کر کہا سبحانی ۔ اور جب عام مخلوق سے اپنے اندر زائد استعداد اور پھر انوار و تجلیات کے موارد و مشاہدہ فرمائے تو کہا ما اعظم شانی ۔ ورنہ وُہ خوب جانتے تھے کہ ذاتِ اقدس سے انہیں کیا نسبت ہے اور اس کے علوِ شان کو کون پہنچ سکتا ہے ۔

انا الحق کی تشریح

بعض صوفیہ کرام نے کہا انا الحق (میں حق ہوں) کا یہی مطلب ہے کہ یہ کلمہ مجازاً کہا گیا ہے، جیسے شاعر نے کہا، ع

انا من اھوی و من اھوی انا

(میں وہی ہوں جسے چاہتا ہوں اور جسے چاہتا ہوں وہی میں ہوں)

یہ مجاز بھی محمول ہے، یہ نہیں کہ حقیقۃً وہ وہی ہوگیا ہے یہ اس لیے کہ وُہ اپنی عشق کی داستان سناتا ہوا کہتا ہے کہ میں اس کی محبت میں اتنا مستغرق ہوں کہ اب گویا وہی میں ہوں بطور مجاز کے اتحاد تصوری اتحاد لفظی سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ کوئی جُرم کی بات نہیں بلکہ عرف اور شرع کے عین مطابق ہے ۔

فائدہ صوفیانہ

حضرت ابوالقاسم جرجانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے صفات کا مظہر سالک بنتا ہے ۔ یہ اس وقت اسے نصیب ہوتا ہے جب وہ سلوک میں راسخ قدم ہوکر سرِ مُو بھی کمی نہ کرے ۔

سوال: تصوف میں وصول (وصال) کسے کہتے ہیں؟

جواب: یہی سلوک کا دوسرا نام ہے اور سلوک یہی ہے کہ انسان اپنے اخلاق اعمال معارف کو مہذب بنائے اور یہ اس وقت نصیب ہو سکتا ہے جبکہ بندہ اپنے ظاہر و باطن کی صفائی میں مشغول ہو اور اس کی یہ مشغولی اللہ تعالیٰ کی کرمی سے حاصل کرسکتا ہے ظاہر کی صفائی سے باطن کا تصفیہ نصیب ہوتا ہے جس سے وہ وصول (وصال) کی استعداد کے لائق ہوجاتا ہے اس سے اس کے لیے حق کے جلوے منکشف ہونے لگتے ہیں ۔ پھر وُہ پورا مستغرق باللہ ہوجاتا ہے اب اُسے سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے کچھ نظر نہیں آتا اور نہ ہی وہ ماسوی اللہ کی خبر رکھتا ہے اب اس کا ہر سانس اللہ تعالیٰ کے مشاہدات میں نکلتا ہے ۔ اس کا مشغلہ ذاتِ حق کے ساتھ ہوتا ہے یہاں تک کہ اب وہ اپنے سے بھی سروکار نہیں رکھتا اب ہر وقت اپنی ظاہری باطنی تعمیر میں لگا رہتا ہے اب اس کا ہر کام صفائی ہی صفائی سے متعلق ہوجاتا ہے اور یہ اس کے ابتدائی مراحل ہیں اور ان کے جملہ مشاغل کی انتہا یہاں تک پہنچتی ہے کہ وہ اپنے نفس سے بشریت کا جامہ اتار کر پھینک دیتا ہے اور تجرید پاکر ذاتِ حق کے صفات کا نمونہ بن جاتا ہے ۔ اس کو

(باقی بر صفحہ ٣٢٧)

marfat.ocm

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ
لعنت کیے گئے وہ جنھوں نے کفر کیا بنی اسرائیل میں داؤد اور عیسٰی
دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۷۸﴾ كَانُوْا
بن مریم کی زبان پر بدلہ ان کی نافرمانی اور سرکشی کا جو بری
لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۹﴾ تَرٰى كَثِيْرًا
بات کرتے آپس میں ایک دوسرے کو نہ روکتے ضرور بہت ہی برے کام کرتے تھے ان میں تم بہت
مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ
کو دیکھو گے کہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں کیا ہی بری چیز اپنے لیے خود آگے بھیجی یہ کہ اللہ کا ان پر
عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ
غضب ہوا اور وہ عذاب میں ہمیشہ رہیں گے اور اگر وہ ایمان لاتے اللہ اور نبی پر
النَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۱﴾
اور اس پر جو ان کی طرف اترا تو کافروں سے دوستی نہ کرتے مگر ان میں تو بہتیرے فاسق ہیں
لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ
ضرور تم مسلمانوں کا سب سے بڑھ کر دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پاؤ گے اور
وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ ذٰلِكَ
ضرور تم مسلمانوں کی دوستی میں سب سے زیادہ قریب ان کو پاؤ گے جو کہتے تھے ہم نصاریٰ ہیں یہ
بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾
اس لیے کہ ان میں عالم اور درویش ہیں اور یہ غرور نہیں کرتے

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

اصطلاح تصوف میں سلوک کہا جاتا ہے ؎

(۱) کارگاہ گنج حق در نیستیست — غرۂ ہستی چہ دانی نیست چیست

---

(۲) آب کوزہ چوں در آب جو شود — محو گردد در وے وجو او شود

ترجمہ : (۱) گنج حق کا معاملہ نہایت پوشیدہ ہے وہاں ہستی کا دھوکا کھانے والے نے کیا معلوم کیا کہ نیست کیا ہے ۔

marfat.ocm

(۲) کوزے کا پانی جب نہر میں چلا جائے گا تو وہ اس میں محو ہو جائے گا پھر یونہی ہو گا کر وہ بھی نہر کا عین ہے ۔

تفسیر عالمانہ

لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ملعون ہوئے کافر درانحالیکہ مِنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وہ بنی اسرائیل سے تھے یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مردود اور دُور ہُوئے عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ داؤد علیہ السلام کی زبان اقدس سے۔ یہ لُعِنُوْا سے متعلق ہے اور اس سے اہلِ ایلہ مراد ہیں جبکہ انہوں نے سنیچر کے مسئلہ میں تجاوز کیا تو حضرت داؤد علیہ السلام نے دعا کی ،

اللھم العنھم واجعلھم آیۃ و مثل لخلقك۔	اے اللہ تعالیٰ! انہیں لعنتی بنا دے اور اپنی مخلوق کے لیے عبرت اور مثال قائم فرما۔

پس حضرت داؤد علیہ السلام کی دعا سے وہ لوگ بندر بن گئے وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ اور عیسٰے بن مریم علیٰ نبینا علیہما السلام کی زبان سے بھی کفار یعنی اصحابِ مائدہ ملعون ہُوئے جبکہ انہوں نے مائدہ سے کھایا بھی اور مکر بھی رہے تو حضرت عیسٰے علیہ السلام نے ان کے لیے بددعا فرمائی ،

اللھم العنھم کما لعنت اصحاب السبت واجعلھم اٰیۃ۔	اے اللہ تعالیٰ! انہیں سنیچر والوں کی طرح لعنتی بنا دے اور انہیں اپنی مخلوق کے لیے مثال بنا۔

چنانچہ وہ اسی وقت خنزیر کی شکلوں میں مسخ ہوئے ، وہ اس وقت پانچ ہزار مرد تھے ان میں نہ کوئی عورت تھی نہ کوئی لڑکا۔

اس کے بعد سوال پیدا ہوا کہ ان مذکورہ لوگوں کو اتنی بڑی سزا کیوں ملی ؟ تو ان کے جواب میں فرمایا بِمَا عَصَوْا وَّ کَانُوْا یَعْتَدُوْنَ یہ اس لیے ہُوا کہ وہ نافرمانی کرتے اور حدودِ شرعیہ سے تجاوز کرتے تھے اپنی غلطیوں کے ارتکاب سے وہ مسخ کے مستحق ہُوئے ۔ کَانُوْا یَتَنَاھَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ فَعَلُوْہُ یہ جملہ مستانفہ ہے یعنی وہ ایک دوسرے کو بُرائی سے نہ روکتے تھے ان کی برائیوں کو دیکھ کر نہی عن المنکر کا فریضہ نہ ادا کرتے ہوئے خاموشی اختیار کر رکھی تھی لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ بُرا ہے وُہ عمل جو انہوں نے کیا اس لیے کہ اس بُرائی کی سزا قیامت میں پائیں گے قسم سے مؤکد کر کے. ان کے عمل پر انہیں تعجب دلایا گیا ہے تَرٰی کَثِیْرًا مِّنْھُمْ تم ان کو اکثر دیکھو گے یعنی اہلِ کتاب میں سے جیسے کعب بن اشرف اور اس کے ساتھی جبکہ وہ مشرکینِ مکہ کی طرف گئے تاکہ اتحاد کر کے

marfat.ocm

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کریں۔ یہاں رؤیت بصری مراد ہے یَتَوَلَّوْنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کافروں سے دوستی کرتے ہیں یہ کثیرًا سے حال ہے اس لیے کہ وہ موصوف ہے (ورنہ اس میں ذوالحال بننے کی صلاحیت نہیں، کیونکہ نکرہ ہے) اب آیت کا معنیٰ یوں ہوا کہ اہل کتاب مشرکین سے دوستی رکھتے ہیں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور مومنین سے بُغض وعداوت کی وجہ سے لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ بہت بُرا عمل ہے جو اپنے نفسوں کے لیے آگے بھیج رہے ہیں اس لیے کہ قیامت میں اس بُرے عمل کا نتیجہ انہیں بھگتنا ہوگا اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اور وہ عذاب الیم میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ مخصوص بالذم اور اس کا مضاف محذوف ہے اصل عبارت یوں ہے موجب سخط اللہ والخلود فی العذاب اس لیے کہ سخط کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اور باری تعالیٰ کو مخصوص بالذم سے موصوف کرنا قبیح ہے بلکہ مخصوص بالذم وہ امور ہیں جو اُس کے غضب کا موجب ہیں وَلَوْ كَانُوْا اس سے وہ اہلِ کتاب مراد ہیں جو مشرکین سے دوستی جوڑتے ہیں يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ اور اپنے نبیوں پر بھی ایمان لاتے ہوں وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ اور اس پر ایمان رکھتے ہیں جو ان کے انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئی ہیں یعنی اگرچہ ان کا تورات وانجیل پر بھی ایمان ہو مَا اتَّخَذُوْهُمْ ان مشرکین کو نہیں بنایا اَوْلِيَآءَ دوست، اس لئے کہ مشرکین کی دوستی کی تحریم سابقہ انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں بھی حرام تھی اور اُن کی کتابوں میں ان کی دوستی کی تحریم صراحۃً موجود تھی۔ اس بناء پر انہیں ایمان ہوتا تو انہیں روکتا کہ ان بے دینوں مشرکوں سے دوستی نہ کرو وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ لیکن اُن کے بہت سے فاسق ہیں دین وایمان اور انبیاء علیہم السلام اور کتابوں سے خارج ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں چند امور واضح ہوئے:

(۱) صرف انسان کامل ہی خلافت کے حق کا مستحق ہے اور وہی حق کے صفاتِ لطف وقہر کا مظہر ہے وہ قبول کرلیں تو سمجھو ذاتِ حق نے قبول کرلیا۔ اُنہوں نے جسے رَد کیا تو گویا اللہ تعالیٰ کے حضور سے دھتکارا گیا۔ اُن کا مردود اللہ تعالیٰ کا مردود ہے اُن کا مقبول اللہ تعالیٰ کا مقبول ومحبوب ہے جسے وہ دھتکار دیں سمجھو کہ درگاہِ حق سے مارا گیا، جس پر اُن کی نگاہِ کرم ہوگئی گویا اللہ کا لطف وکرم ہوگیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ۔

اور فرمایا: ھوالذی یصلی علیکم۔

غور کیجئے کہ لعنت کا صدور تو داؤد و عیسےٰ علیٰ نبینا و علیہم السلام کی زبانِ اقدس سے ہو رہا تھا لیکن حقیقۃً لعنت من جانب اللہ تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

کما لعنّا اصحٰب السبت۔

اس سے وہی لوگ مراد ہیں جن پر داؤد علیہ السلام نے لعنت کی تھی۔ یہاں بھی اس لیے تصریح فرمائی تاکہ معلوم ہو جائے کہ اگرچہ لعنت کا صدور داؤد علیہ السلام کی زبانِ اقدس سے ہو رہا ہے لیکن حقیقۃً لعنت اللہ تعالیٰ سے ہی ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

(١) این نکردی تو کہ من کردم یقین   اے صفاتت در صفات ما دفین
(٢) مارمیتَ اذ رمیت گشتۂ   خویشتن در موجِ کفِ ہشتۂ

ترجمہ: (١) یہ تُو نے نہیں کیا یقیناً میں نے کیا ہے کیونکہ تیری صفات میری صفات میں گُم ہیں۔

(٢) مارمیتَ اِذ رمیت یعنی من تو شُدم تُو من شدی والا معاملہ ہے، تم موجِ دریا میں جھاگ کی طرح ہو۔

اور دُوسری جگہ فرمایا: ؎

(١) کہ ترا از تو بکُل خالی کند   تو شوی پست او سخن عالی کند
(٢) گرچہ قرآں از لبِ پیغمبر است   ہر کہ گوید حق نہ گفت او کافر است

ترجمہ: (١) تجھے خودی سے کُلی طور پر خالی کرتا ہے تو نیچے ہوگا اس کی بات عالی ہو گی۔

(٢) اگرچہ قرآن پیغمبر علیہ السلام کے لبِ اطہر سے سُنا گیا، لیکن جو کہے کہ یہ اللہ کا کلام نہیں وہ کافر ہے۔

(٢) اللہ تعالیٰ نے یہاں پر بُرائی کا نام منکر رکھا ہے اس لیے کہ گناہ اجنبیت پیدا کرتا ہے، جیسے طاعت کو معروف کہا جاتا ہے اس لیے کہ نیکی عرفان پیدا کرتی ہے اور بُرے فعل کے اقدام کو معصیت کہتے ہیں اور پھر اسے بار بار کرنا کفر کے قریب پہنچ جاتا ہے اور یہی کفر دل کی سیاہی کا سبب بنتا ہے جو جو دل کو ہر طرف سے گھیر لیتا ہے، برائیوں سے روکنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یحشر یوم القیامۃ اناس من امتی   میری امت میں سے بعض لوگ خنزیروں

marfat.ocm

من قبورھم الی اللہ تعالیٰ علی صورۃ القردۃ والخنازیر بما داھنوا اھل المعاصی وکفوا عن نھیھم وھم یستطیعون۔

بندروں کی شکلوں میں قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو زندگی بھر اہلِ معصیت سے یاری دوستی جوڑتے تھے اور انھیں برائیوں سے نہیں روکتے تھے حالانکہ ان میں اہلِ معصیت کو برائی سے روکنے کی طاقت بھی تھی۔

ف : بُرے لوگوں سے بُرائی روکنے کے لیے مقابلہ کرنا اور دعوت الی اللہ دینا پسندیدہ بزرگوں کا کام ہے۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

(۱) ہر کسے کو از صف دین سرکش است   میرود سُوئے صفے کان واپس است
(۲) تو زگفتار تعالوا کم مکن   کیمیائے پس شگرفست آن سخن
(۳) گر مسی گردد زگفتارت نفیر   کیمیا را ہیچ از وے وامگیر
(۴) این زمان گر بست نفس ساحرش   گفت تو سودش دہد در آخرش
(۵) قل تعالوا قل تعالوا اے غلام   ہین کہ ان اللہ یدعو بالسلام

ترجمہ : (۱) جو دین کی صف سے روگردان ہے وہ جہاں جائے گا بے مراد لوٹے گا۔

(۲) تعالوا (آؤ) کے قول سے کم نہ کر، کیمیا کی طرح شگرف کے پیچھے ہے یہ سخن۔

(۳) اگر کوئی تانبہ تیری گفتار سے نفرت کرے اس سے کیمیا کیا حاصل ہوگا۔

(۴) اس گھڑی اگر اسے ساحر نے بند کر دیا بالآخر اسے وہ نفع ضرور دے گا۔

(۵) اے عزیز! اسے بار بار کہتا رہ آجا، کیونکہ اللہ تعالیٰ بھی تو سلامتی کی دعوت دیتا ہے۔

(۳) مومن وکافر برابر نہیں، یعنی ایک جنس نہیں، اس لیے کہ کافر سے محبت کرنا اللہ تعالیٰ کے غضب کا سبب ہے کیونکہ دشمنوں کی محبت دوستوں کی عداوت کا سبب بنتی ہے۔

سبق مومن کامل پر واجب ہے کہ وہ کفار کی محبت اور دوستی اور اُن کی صحبت سے دُور بھاگے اور فجار اور اہلِ بدعت اور خواہشات کے شکاریوں اور اہلِ غفلت اور منکروں سے علیحدگی اختیار کرے۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

(۱) میل مجنوں پیش آں لیلےٰ رواں   میل ناقہ پس طفلش دواں
(۲) گفت اے ناقہ چو ہر دو عاشقیم   ما دو ضد پس ہمرہ نالائقیم

marfat.ocm

(۳) نیستت بروفق من مہر و مہار   کرد باید از تو صحبت اختیار
(۴) جان ز ہجر عرش اندر فاقۂ   تن ز عشق خار بن چون ناقۂ
(۵) جان کشاید سوے بالا بالہا   در زدہ تن در زمین چنگالہا

ترجمہ (۱) مجنوں کا میلان لیلیٰ کے پیچھے لیکن اونٹنی کا میلان اپنے بچے کے پیچھے ۔

(۲) کہا اے اونٹنی جب ہم دونوں عاشق ہیں ہم دو ضد ہیں اس کے باوجود ایک راہ پر چل رہے ہیں بہت بڑے نالائق ہیں ۔

(۳) میرے موافق نہ محبت ہے نہ مہار ، ورنہ تجھ سے صحبت کا ترک لازم ۔

(۴) جان تو ہجر کی وجہ سے بھوکی ہے لیکن جسم ناقہ کی طرح عشق میں خستہ حال ہے ۔

(۵) جان تو بلندی کی طرف پرواز چاہتی ہے لیکن جسم نے زمین پر پنجے گاڑے ہوئے ہیں۔

اے اللہ ! ہمیں ہر غیر جنس سے بچائیو ۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ **لَتَجِدَنَّ** اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم البتہ ضرور پاؤ گے **اَشَدَّ النَّاسَ** وجدان کا مفعول اول ہے لوگوں سے سخت تر **عَدَاوَةً** از روئے عداوت یہ تمیز ہے **لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا** یہ عداوت سے متعلق ہے یعنی اہلِ ایمان کی دشمنی کے لیے **الْيَهُوْدَ** یہود کو، یہ وجدان کا مفعول ثانی ہے **وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا** اور وہ لوگ جو مشرک ہیں، اس سے عرب کے مشرک مراد ہیں ۔ اس کا عطف الیہود پر ہے **وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى** ؕ اور اہلِ ایمان کی محبت کے قریب تر وہ لوگ ہیں جنہوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں ۔ اس کی ترکیب سابقہ جملہ کی طرح ہے ۔

ف : یہود اور مشرکین کی دشمنی معاد کے انکار کی وجہ سے ہے اس لیے کہ انہیں اخلاقِ مذمومہ کے معدن سے بہت زیادہ محبت ہے یعنی دنیا سے اس لیے کہ جسے دنیا سے زیادہ محبت ہو تو وہ دنیا کی خاطر دین کو پس پشت ڈال دیتا ہے ۔ پھر ہر برائی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر کمربستہ ہو جاتا ہے ۔ اسی وجہ سے جو بھی دینی دنیوی مراتب میں بلند و بالا ہو اس سے اس کی دشمنی و عداوت لازماً ہوتی ہے اور سخت تر ۔ اور نصاریٰ کی اہلِ ایمان سے محبت اس لیے ہے کہ اُن کے اصول دین میں شامل ہے کہ وہ دنیا سے روگردانی کرتے رہتے ہیں اور زیادہ تر وقت عبادت میں بسر کرتے ہیں ۔ طلبِ ریاست اور تکبر و ترفع سے دُور رہتے ہیں ۔ اور قاعدہ ہے کہ جو ایسے اوصاف سے موصوف ہو وہ نہ لوگوں کو ایذا دیتا ہے اور نہ ہی اُن سے حسد کرتا ہے بلکہ طلبِ حق میں رقیق القلب اور نرم خُو رہتا ہے حالانکہ نصاریٰ کفر میں یہودیوں سے بڑھ کر ہیں

marfat.ocm

لیے نصاریٰ کا کفر اُلوہیت کے متعلق ہے اور یہودیوں کا نبوت میں ہے ۔

ال : تم نے کہا کہ یہود اُلوہیت کے گستاخ نہیں حالانکہ قرآن مجید میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

ت الیہود عزیر ابن اللہ ۔

اب : تمام یہودیوں نے نہیں بلکہ ان کے ایک گروہ نے ایسے کہا اُن پر لعنت اور اظہارِ ناراضگی ف ان کی دنیا کی محبت کی وجہ سے ہے ۔ چنانچہ اس کی حدیث شریف سے بھی تائید ہوتی ہے ۔ حضور یہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا :

حب الدنیا راس کل خطیئة ۔ دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے ۔

ف : امام بغوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آیت میں تمام نصاریٰ بھی مراد نہیں اس لیے کہ اُن میں اکثر ایسے ہیں نہیں مسلمانوں سے دشمنی یہودیوں کی دشمنی سے کم نہیں وہ بھی چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو مٹا کر رکھ دیا جائے انہیں قید کیا جائے یا کم از کم انہیں ذلیل و خوار کیا جائے اور ان کی مساجد کو فنا کر دیا جائے اور اُن کے رآن مجید کو فنا کر دیا جائے ، اس بنا پر نہ وہ مسلمانوں سے محبت کرتے ہیں نہ ہی ان کی عزت و عظمت کے واہاں ہیں ، بلکہ یہ آیت صرف نصرانیوں کے لیے ہے جن کے متعلق نازل ہوئی یعنی حضرت نجاشی اور ان کے ساتھی ، اس لیے حضرت نجاشی حبشہ کا بادشاہ نصرانی تھا ۔ جب اسلام کا ظہور نہیں ہوا تو وہ نصرانیت کا پیروکار تھا ۔ ھر مسلمان ہو گیا بلکہ اس کے تمام ساتھی بھی مسلمان ہو گئے ۔ ان کا اسلام لانا فتح مکہ سے پہلے ہوا ۔ اس کا صال فتح مکہ سے بھی پہلے ہوا ۔

ف : مفسرین فرماتے ہیں کہ قریشیوں نے اعلان کیا تھا کہ مسلمانوں پر ظلم و ستم کرنے کے لیے کون ہمارا ساتھ دیتا ہے ، اس پر ہر قبیلہ کے لوگوں نے لبیک کہہ کر ان کو ایذا دینا ، روزی تنگ کرنا اپنا معمول بنا لیا ۔ ت سے مسلمان سخت مصائب اور ظلم و ستم کا نشانہ بنے لیکن اللہ تعالیٰ نے بہتوں کو بچایا ۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو احساس ہوا کہ اس طرح سے ظلم ہوتا رہا تو اسلام کی اشاعت مشکل ہو جائے گی اس وقت جہاد کا حکم ابھی نہیں ہوا تھا ۔ آپ نے صحابہ کرام کو فرمایا کہ حبشہ کی طرف چلے جاؤ اور فرمایا وہاں کا بادشاہ نہایت نیک ہے اور وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا اور نہ ہی وہ ظلم کا روادار ہے فلہذا تم اُس کے ک میں ہجرت کر جاؤ ۔ چنانچہ بہت سے مسلمان وہاں سے چلے گئے ۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے سہولتیں پیدا فرمائیں اور اسے غلبہ عطا فرمایا ۔ حضرت نجاشی کا نام اصحمہ تھا ۔

یاد رہے کہ نجاشی حبشہ کے بادشاہ کا لقب ہوتا تھا ، جیسے قیصر روم کے بادشاہ کا کسریٰ فارسیوں کے بادشاہ کا لقب ہوتا اور اصحمہ بالمہملتین حبشہ کی لغت میں بمعنے عطیہ ہے ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

marfat.ocm

کا ارشاد گرامی سُن کر ابتدا میں پوشیدہ طور گیارہ صحابہ نے مکہ معظمہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور اُن کے ساتھ چار عورتیں بھی تھیں۔ مردوں میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ محترمہ بی بی رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر دریائی سفر سے کشتی والے کو نصف دینار دے کر کشتی پر سوار ہو کر حبشہ پہنچے۔ یہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ کے پانچویں سال رجب شریف میں ہوا۔ اس کو ہجرتِ اولیٰ سے تعبیر کرتے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قافلہ کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ حبشہ پہنچے پھر توپے در پے مسلمان حبشہ پہنچنے لگے۔ اس دفعہ مجموعی طور عورتوں اور بچوں کے سوا بیاسی مردوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی ؎

سعدیا حُبِّ وطن گرچہ حدیثیست صحیح
نتواں مرد بسختی کہ من اینجا زادم

ترجمہ: اے سعدی! اگرچہ حب الوطنی کی حدیث صحیح ہے سختی میں اس لیے مرتے رہنا کہ یہ میری پیدائش کی جگہ ہے۔

جب قریشِ مکہ کو مسلمانوں کی ہجرت کا علم ہوا تو انہوں نے عمرو بن العاص اور اس کے ساتھی کو بہت تحائف دے کر نجاشی اور اس کے ارکانِ دولت کی طرف پیغام بھیجا کہ مسلمانوں کو پناہ نہ دیجئے بلکہ انہیں واپس ہمارے ہاں بھیج دیجئے لیکن اللہ تعالیٰ نے قریشِ مکہ کا یہ ارادہ پُورا نہ فرمایا اور مسلمانوں کو محفوظ فرما لیا۔ جب عمرو بن العاص اور اس کا ساتھی نجاشی سے ناامید ہو کر لَوٹے تو مسلمانوں نے سکون واطمینان کا سانس لیا اور انہیں ایک بہترین رہائش مل گئی اور اعلیٰ ہمسایگی نصیب ہُوئی یہاں تک کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے بہت ترقی عطا فرمائی۔ یہ ہجرت کے چھٹے سال کی بات ہے۔

بی بی اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے عقد نکاح کا واقعہ

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد نجاشی کو خط بھیجا۔ آپ کا یہ نامہ مبارک عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ لے گئے۔ آپ نے اس میں لکھا کہ حضرت ام حبیبہ بنتِ ابی سفیان کا نکاح ہمارے ساتھ کر دیں۔ اس کی وجہ یہ ہُوئی کہ حضرت بی بی صاحبہ اپنے شوہر کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کر گئیں لیکن وُہ چند روز کے بعد فوت ہو گیا، حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک جب نجاشی کے ہاں پہنچا تو اس نے اپنی لونڈی نزہتہ نامی کے ذریعہ بی بی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو حضور علیہ السلام کا پیغامِ نکاح پہنچایا۔ بی بی صاحبہ نے خوشی میں نزہتہ کو اپنا ہار انعام میں دے دیا اور فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع بھجوا دو کہ میرا وکیلِ نکاح حضرت خالد بن سعید بن العاص

marfat.ocm

ضی اللہ عنہ) حاضر ہوتا ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح بی بی صاحبہ سے خالد بن سعید نے چار سو دینار مہر کے عوض کیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے حضرت نجاشی وکیل مقرر ہوا۔ پھر چار سو دینار نزہتہ کو دے کر بھیجا کہ بی بی صاحبہ کے حوالے کرے۔ بی بی صاحبہ نے پھر اُس لونڈی کو پچاس دینار دینے چاہے نزہتہ نے لینے سے انکار کر دیا اس لیے کہ اسے بادشاہ نے روک دیا تھا کہ اب بی بی صاحبہ سے کچھ نہ لینا۔ چنانچہ یہی معذرت بی بی صاحبہ سے کی اور ساتھ ہی عرض کیا کہ جب آپ حضور علیہ السلام کے حضور میں پہنچیں تو میرا اسلام بارگاہِ رسالت میں پیش کر دینا۔ جب عقد نکاح ہو گیا تو نجاشی نے اپنی عورتوں کو حکم دیا کہ بی بی صاحبہ کے پاس عود و عنبر لے جائیں۔ چنانچہ بی بی صاحبہ یہ عود و عنبر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاں اپنے ساتھ لے گئیں اور آپ اس کے ہاں یہ اشیاء دیکھتے رہتے تھے انہیں ایسی چیزوں سے منع نہ فرمایا۔ بی بی صاحبہ فرماتی ہیں کہ مجھے نجاشی نے ساز و سامان دیا اور ہمیں دو کشتیوں میں بٹھا کر مدینہ طیبہ بھجوایا گیا۔ ہمارے ساتھ دو ملاح تھے جو کشتیوں کو آرام سے حبشہ سے مدینہ طیبہ کی طرف لائے۔ جہاں تک دریائی راستہ تھا کشتیوں میں کیا پھر پیدل سفر کر کے ہم مدینہ طیبہ پہنچے لیکن حضور علیہ السلام خیبر میں تشریف لے گئے تھے ہمارے ساتھ جتنے لوگ تھے ان میں سے بہت سے حضور علیہ السلام کی محبت میں خیبر چلے گئے اور میں مدینہ طیبہ میں مقیم رہی، یہاں تک کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی، آپ نے مجھ سے نجاشی کے متعلق پوچھا تو میں نے سارا حال سُنا کر نزہتہ لونڈی کا سلام عرض کیا۔ آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

عسی اللّٰہ ان یجعل بینکم و بین	عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے اور تمہارے
الذین عادیتم منہم مودۃ۔	دشمنوں کے درمیان محبت پیدا کرے گا۔

اس سے ابوسفیان سے محبت پیدا کرنا' اور مودت و محبت سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عقد مبارک مراد ہے۔ جب حضرت ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) کو بی بی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کا علم ہوا تو کہا:

ذالک الفحل لا یقرع انفہ۔ (اس نر کی ناک ٹھوکنے کی نہیں)

یعنی اب تعلقات مزید مستحکم ہو گئے۔

اس کے بعد حضور علیہ السلام نے فرمایا:

لا ادری انا یفتح خیبر اسر ام بقدوم جعفر۔	مجھے معلوم نہیں کہ مجھے فتح خیبر کی زیادہ خوشی ہے یا حضرت جعفر (رضی اللہ عنہ) کے تشریف لانے سے۔

marfat.ocm

(حضرت جعفر رضی اللہ عنہ حضرت اُمِّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ حبشہ سے تشریف لائے تھے)

نجاشی کے اسلام لانے کا واقعہ

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ جب اصحمہ نجاشی شاہِ حبشہ کے پاس واپس آئے تو اصحمہ نے اپنے شہزادے ازہر بن اصحمہ بن الحر کو حبشہ سے چھ آدمیوں کے ساتھ بھیج کر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لکھا ؛

یا رسول اللہ اشھد انك رسول اللہ صادقا ومصدقا وقد بایعتك وبایعتُ بابن عمك واسلمت للہ رب العالمین وقد بعثت ابنی ازھر وان شئت ان اٰتیك بنفسی فعلت والسلام علیك یا رسول اللہ ۔

یارسول اللہ ! میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے صادق و مصدق رسول ہیں ، چنانچہ میں آپ کی بیعت قبول کرتا ہوں اور آپ کے چچا زاد حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت ہوا ہوں اور میں اللہ تعالیٰ رب العالمین کی توحید پر ایمان لاتا ہوں ۔ ابھی میں اپنے بیٹے کو بھیج رہا ہوں اگر آپکا ارشاد گرامی ہو تو میں خود بھی حاضر ہونے کو تیار ہوں والسلام علیک یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

آیت کا شانِ نزول

حضرت نجاشی کا صاحبزادہ کشتی پر سوار ہوا اس کے ساتھ اور دوست بھی تھے ۔ جب کشتی دریا کے وسط میں پہنچی تو ڈوب گئی وہ سب غرق ہو گئے (اس لیے کہ وہ لوگ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے بعد روانہ ہوئے تھے) حضرت جعفر رضی اللہ عنہ پہلے ہی پہنچ چکے تھے اُن کے ساتھ ستر آدمی تھے اُن کا لباس اُون کا تھا ان میں باسٹھ ٦٢ حبشی اور آٹھ شامی تھے ان میں بحیرا راہب بھی تھا ۔ آپ نے جب اُن کے سامنے سورۂ یٰسٓ شریف پڑھی تو قرآن سن کر وہ رو پڑے اور ایمان لے آئے اور کہا کہ اس کلام کو تو حضرت عیسٰی علیہ السلام پر نازل شدہ کتاب انجیل سے مشابہت ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ولتجدن اقربھم مودۃ للذین اٰمنوا الذین قالوا انا نصارٰی ۔ یعنی نجاشی کا وفد جو جعفر (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ حبشہ سے حاضر ہوا تھا اس وفد میں ستر آدمی تھے اور سب کے سب گرجوں میں رہ کر عبادت کرنے والے تھے ۔

marfat.ocm

ذٰلِكَ یعنی ان کا مومنین سے محبت کے زیادہ قریب ہونا اس لیے ہے کہ **بِاَنَّ مِنْهُمْ** ان میں **قِسِّيْسِيْنَ** علماء نصاریٰ اور ان کے عباد اور رؤسا ہیں۔ مبالغہ کا صیغہ ہے تقس الشئی سے مشتق ہے کہ جب کوئی کسی کے پیچھے چلے اور اسے بات کو تلاش کرے۔ بطور مبالغہ کے انہیں اس نام سے موسوم کیا گیا کہ وہ اپنے علم کے تابع ہو کر عبادت میں لگے رہتے۔ (قالہ الراغب)

ف: اور قطرب نے فرمایا کہ لغتِ روم میں قسیس عالم کو کہتے ہیں۔

ف: حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نصاریٰ نے جب انجیل کو ضائع کر کے اپنے مَن گھڑت مسائل اس میں شامل کر دیے تو ان میں ایک ایسا آدمی بچ گیا جو اصلی انجیل کا عالم اور دینِ حق کا طالب تھا اس کا نام قسیسین تھا اسی بنا پر جو بھی اس کے مذہب و دین پر ہوتا اسے قسیس کہا جاتا۔

وَرُهْبَانًا یہ راہب کی جمع ہے جیسے راکب کی جمع رکبان ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا واحد جمع دونوں پر اطلاق ہوتا ہے۔

حل لغات: الرهب بمعنے ڈر۔ دل میں خوف رکھ کر گرجا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا۔ پھر اس کا نکرہ لانا کثرت پر دلالت کرتا ہے اور یہی اعتبار قسیسین میں بھی ضروری ہے اس لیے کہ یہ بھی دلالت کرتا ہے کہ اس قسم کی جنس اہلِ ایمان سے محبت کرتی ہے اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ افراد کثیرہ جب جنس خصلت سے موصوف ہوں تو ان میں گمان ہوتا ہے کہ وہ جنس بھی اسی صفت سے موصوف ہو ورنہ بہت سے یہودی ہدایت پر تھے جیسے حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا:

من اهل الكتب امة قائمة يتلون ايات الله اناء اليل وهم يسجدون الخ

لیکن چونکہ وہ بکثرت نہیں بلکہ معدودے چند تھے اس لیے یہ حکم نصاریٰ کی طرح ان کی طرف منسوب نہیں ہوا۔

وَاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ اور بیشک وہ تکبر نہیں کرتے۔ اس کا عطف منہم پر ہے، یعنی تحقیق یہ ہے کہ قبولِ حق سے جب اسے سمجھ چکے ہیں تو یہود کی طرح روگردانی اور تکبّر نہیں کرتے بلکہ متواضع رہتے ہیں۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ تواضع اور علم و عمل کی جد و جہد اور شہوات سے رُوگردانی بہت اچھا عمل ہے اگرچہ کافر میں بھی ہو۔

ف: (صاحبِ رُوح البیان علامہ اسمٰعیل حقّی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) میرے شیخ کے سامنے بعض بے دینوں کی مروّت کا ذکر ہُوا تو آپ نے یہ فرمایا کہ یہ ازلی سعادت کی علامت ہے کہ وہ اس مروّت کے طفیل دولتِ ایمان و توحید سے نوازا جائے اور اس کا انجام بخیر ہو۔

marfat.ocm

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

کارے کنیم ورنہ خجالت بر آورد
روزے کہ رخت جان بجہان دگر کشیم

ترجمہ: کوئی کام کر جائیں ورنہ شرمساری ہوگی جب اس جہان کا سامانِ سفر باندھیں گے۔

پارہ : ۷ وَاِذَا سَمِعُوْا

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا
اور جب سنتے ہیں وہ جو رسول کی طرف اترا تو ان کی آنکھیں دیکھو کہ آنسوؤں سے ابل رہی ہیں اس لیے کہ وہ
عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَمَا لَنَا
حق کو پہچان گئے کہتے ہیں اے رب ہمارے ہم ایمان لائے تو ہمیں حق کے گواہوں میں لکھ لے اور ہمیں کیا
لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ
ہوا کہ ہم ایمان نہ لائیں اللہ پر اور اس حق پر کہ ہمارے پاس آیا اور ہم طمع کرتے ہیں کہ ہمیں ہمارا رب نیک لوگوں
الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
کے ساتھ داخل کرے تو اللہ نے ان کے اس کہنے کے بدلے انہیں باغ دیے جن کے نیچے نہریں رواں ہیں
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا
ان میں رہیں گے یہ بدلہ ہے نیکوں کا اور وہ جنہوں نے کفر کیا
وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۸۶﴾
اور ہماری آیتیں جھٹلائیں وہ ہیں دوزخ والے

تفسیر عالمانہ:① وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ الرَّسُوْلِ اس کا عطف لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ پر ہے؛ چونکہ یہ لوگ تکبر نہیں کرتے۔ اس لئے قرآن سنتے ہی حصولِ عرفان کی وجہ سے اُن کی آنکھیں آنسو بہاتی ہیں۔ اس میں ان کی رقت قلبی اور خشیتِ الٰہی کا بیان ہے اور یہ بتانا مطلوب ہے کہ یہ لوگ حق قبول کرنے میں عجلت کرتے ہیں۔ اس سے انہیں ہرگز نفرت نہیں۔

marfat.ocm

تَرٰۤی اَعْیُنَھُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ : اُن کی آنکھوں کو دیکھو تو آنسو کے دریا بہاتی ہیں
ر پانی وغیرہ کے بہنے کو فیض کہا جاتا ہے۔ اس سے مبالغہ مطلوب ہے اور مِنَ الدَّمْعِ تفیض سے
ق ہے اور مِن ابتداء غایت کے لئے ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اُن کی آنکھیں آنسوؤں کی کثرت سے
بہتی ہیں۔ یہاں ترٰی سے رویت بصری مُراد ہے اور تفیض اَعْیُنَھُمْ سے حال ہے۔

مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ پہلا مِنْ ابتداء غایت کے لئے اور محذوف سے متعلق ہو کر الدمع سے
حال ہے اور دُوسرا مِنْ، کا عَرَفُوْا کے مَا موصولہ کے بیان کے لئے ہے۔
ں اُن کا آنسو بہانا عرفان کی وجہ سے ہے گویا اُن کے آنسو کا سبب یہی ہے کہ اُنہیں معرفتِ حق
حاصل ہے۔ یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ حضرات روتے ہُوئے کچھ کہتے بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے
اس کے جواب میں فرمایا : **یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا** کہتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار ہمارا قرآن مجید
پر ایمان ہے۔ **فَاکْتُبْنَا مَعَ الشّٰھِدِیْنَ** ۔ پس ہمیں ان لوگوں میں لکھ دے جو کہا کرتے ہیں کہ قرآن
حق ہے۔ ② **وَمَا لَنَا** اور ہمیں کونسی رکاوٹ ہے۔ **لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ** کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لائیں۔ یہ لَنَا
کی ضمیر سے حال ہے اس میں سبب و مسبب ہر دونوں کی نفی و انکار کی توضیح بتائی گئی ہے۔

وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۔ اس کا عطف لفظ اللہ پر ہے اور جَآءَنَا کے فاعل سے حال ہے یعنی وہ
جو ہمارے ہاں آیا ہے۔ اس کا حال یہ ہے کہ وہ حق کی جنس سے ہے یا مِنْ ابتداء غایت کے لئے اور جاءنا
کے متعلق ہے۔ اس توجیہ پر بالحق سے ذاتِ باری تعالیٰ مراد ہوگی۔

وَنَطْمَعُ اَنْ یُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِیْنَ ۞ اور ہم طمع رکھتے ہیں کہ ہمارا ربّ نیک بخت
لوگوں کی جماعت میں داخل فرمائے۔ یہ بھی لَنَا کی ضمیر سے دُوسرا حال ہے اور وہ مُبتدا محذوف کی خبر ہے۔
ودراصل ای شیٔ حصل الخ تھا۔ یعنی ہمیں کونسا امر مانع ہے کہ ہم ایمان نہ لائیں؛ حالانکہ ہم صالحین کی صحبت کا
طمع رکھتے ہیں۔

سوال : مُبتدا محذوف ماننے کی کیا ضرورت ہے۔ جب اس کے بغیر بھی معنٰے
بن سکتا ہے۔

جواب : نحویوں کا قاعدہ ہے کہ مضارع مُثبت واؤ کے ساتھ حال واقع نہیں ہوسکتا۔
جب تک اس کے لئے مُبتداء کو مقدر نہ مانا جائے۔

③ **فَاَثَابَھُمُ اللّٰهُ** ۔ پس انہیں اللہ تعالیٰ ثواب اور جزاء عطا فرمائے گا۔ **بِمَا قَالُوْا** اس وجہ سے کہ جو کچھ انہوں
نے سچے عقیدے سے کہا اسی معنٰے پر مِمَّا عَرَفُوْا الخ دلالت کرتا ہے۔ **جَنّٰتٍ** "باغات" **تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا**

marfat.ocm

الْاَنْھٰرُ جن کے درختوں اور مکانوں اور بالاخانوں کے نیچے پانی اور شہد اور شراب اور دودھ کی نہریں چلتی ہیں۔ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا وَ ذٰلِکَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِیْنَ۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ محسنین کی جزا ہے اور محسنین سے وہ حضرات مراد ہیں جو اپنے اعتقاد و عمل کو احسن بناتے یا اپنے جملہ امور میں احسان کی عادت رکھتے ہیں۔ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اور وہ لوگ جو کافر اور ہماری آیات کی تکذیب کرتے ہیں۔ اور اسی پر وہ مر گئے۔

سوال : تکذیب بھی کفر کی ایک جنس ہے تو پھر تکذیب کو کفر پر عطف ڈالنے کا کیا معنیٰ ہے

جواب : تاکہ تکذیب کرنے والوں کا حال واضح ہو جائے۔ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ۝ وہی لوگ جہنمی اور جہنم کی سخت آگ کے ایندھن ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

اصحاب الجحیم سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے اوصاف بہیمیہ و سبعیہ و شیطانیہ کے حجابات خریدے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں بہرہ اور اندھا بنا دیا۔ اُنھوں نے حق کو سُنا تو سہی لیکن قبول نہ کیا۔ اسی طرح حق کا مشاہدہ کر لیا، لیکن بے خودی کی بخلاف ان لوگوں کے کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ فرما کر انہیں اپنے کلام سے نوازا اور اپنے کلام کے جواب کی توفیق بخشی۔ یہاں تک کہ اُنھوں نے ربوبیت کا مشاہدہ کر کے بلیٰ کہا اور عرض کی کہ اے الٰہ العٰلمین ہم صدقِ دِل سے تیری ربوبیت کی گواہی دیتے ہیں۔ اسی طرح وہاں اپنا کلام سُنا کر انہیں اس کی حقیقت کا عرفان عطا فرمایا جس سے وہ اس کی ذات کے مشتاق ہو گئے اور میثاق کے مشاہدہ کی وجہ سے ہر وقت اُن کے دل میں یادِ الٰہی رہتی ہے۔ اسی کی وجہ سے وہ شوق و معرفت کے گریہ سے آہ و فغاں کرتے ہیں۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) خوئے بد در ذات تو اصلی نبود کز بد اصلی می نباید جز جحود
(۲) آن بدی عاریتی باشد کہ اُو آرد اقرار و شود او توبہ جُو
(۳) ہمچو آدم زِلتش عاریہ بُود لاجرم اندر زمان توبہ نمود
(۴) چونکہ اصلی بود جرم آن ابلیس رہ نبودش جانب توبہ نفیس

(۱) تیری ذات میں بُری عادت ہرگز نہ تھی، کیونکہ بد اصل سے سوائے انکار کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔
(۲) وہ برائی کہ جس میں عاریتی ہوتی ہے بعد کو وہ بُرائی کا اقرار کر کے توبہ کا متلاشی ہوتا ہے۔
(۳) مثلاً آدم (علیہ السلام) کی لغزش عاریتی تھی۔ اسی لئے فوراً تائب ہوئے۔
(۴) اور چونکہ ابلیس کا جرم اصلی تھا۔ اسی لئے اسے توبہ کی طرف راہ نہ ملا۔

marfat.ocm

حکایت : ایک بادشاہ حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ کے مزار کی زیارت کے لئے حاضر ہوا۔ بعد فراغت آپ کے ایک صحبت یافتہ سے عرض کی کہ مجھے حضرت بایزید سرہٗ کا کوئی ملفوظ سنائیے۔ اس نے کہا کہ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ جو مجھے دیکھ لے اس پر آتش حرام ہے۔ بادشاہ نے کہا ابوجہل نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بارہا دیکھا لیکن اس کے باوجود جہنم میں جائے گا۔ کیا تیرے شیخ کا مرتبہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے بلند ہے۔ اس نے کہا اے بادشاہ جہل نے حضور علیہ السلام کو بحیثیت نبی کے نہیں دیکھا؛ بلکہ ابو طالب کے پروردہ ہونے کی حیثیت سے ا۔ اگر وہ آپ کو بحیثیت رسول ہونے کے دیکھتا تو ایمان لاتا اور آتشِ جہنم سے بچ جاتا۔

نکتہ : یہی وجہ ہے کہ بلقیس نے حضرت سُلیمان علیہ السلام کے نامہ مبارک کو نورِ عرفان سے دیکھا تھا۔ اسی بنا پر اپنی قوم سے مشورہ لیا تو قوم نے کہا ہم اُن سے جنگ کریں گے یس نے انھیں سمجھایا کہ وہ نبوت کے مدعی ہیں اور انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہوتے ۔ اُن کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا؛ چنانچہ وہ آپ کی نبوت کو آزمانے کے بعد سچی اور پکی مسلمان ہو گئی۔
ضرت مولانا قدم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ؎

(۱) چوں سلیماں سوئے مرغان سبا ‌ ‌ یک صفیرہ کرد بست آں جملہ را
(۲) جُز مرغی کہ بُد بے بال و پَر ‌ ‌ یا چو ماہی گنگ بُد از اصل کر
(۳) نے غلط گفتم کہ کر گو بر نہد ‌ ‌ پیش وحی کبریا شمعش دہد
(۴) بلقیس از دل و جاں عزم کرد ‌ ‌ بر زناں رفتہ ہم افسوس خورد
(۵) ترک مال و ملک کرد و آنچناں ‌ ‌ کہ تبرک نام و ننگ آں عاشقاں
(۶) آں غلامان و کنیزانِ نیاز ‌ ‌ پیش چشمش ہمچو پوشیدہ پیاز
(۷) باغہا و قصرہا و آب رود ‌ ‌ پیشیں آواز عشق او گلخن نمود
(۸) عشق در ہنگام اِستیلاؤ خشم ‌ ‌ زشت گرداند لطیفانرا بچشم
(۹) ہر زمرد را نماید گندنا ‌ ‌ غیرت عشق این بود معنئے لا
(۱۰) لا اِلٰہ اِلّا ھُو اینست اے پناہ ‌ ‌ کہ نماید مہ ترا دیک سیاہ

(۱) جب سُلیمان علیہ السلام نے سبا کے پرندوں کو آواز دی تو سب کو قید کر لیا۔
(۲) سوائے اس پرندے کے کہ جس کے بال و پر نہ تھے یا سوائے گونگی مچھلی کے اس کا بہرہ پن اصلی تھا۔
(۳) میں نے غلط کہا اس لئے کہ گونگی بھی جو ہر رکھتی ہے۔ اس کے آگے اللہ کی وحی شمع بن جاتی ہے

بقیہ صفحہ ۳۴۳

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ
اے ایمان والو! حرام نہ ٹھہراؤ وہ ستھری چیزیں

مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَكُلُوْا
کہ اللہ نے تمہارے لیے حلال کیں اور حد سے نہ بڑھو بے شک حد سے بڑھنے والے اللہ کو ناپسند ہیں اور کھاؤ

مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾
جو کچھ تمہیں اللہ نے روزی دی حلال پاکیزہ اور ڈرو اللہ سے جس پر تمہیں ایمان ہے

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ
اللہ تمہیں نہیں پکڑتا تمہاری غلط فہمی کی قسموں پر ہاں ان قسموں پر گرفت فرماتا ہے جنہیں تم نے مضبوط

الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ
کیا تو ایسی قسم کا بدلہ دس مسکینوں کو کھانا دینا اپنے گھر والوں کو جو کھلاتے

اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ
ہو اس کے اوسط میں سے یا انہیں کپڑے دینا یا ایک بردہ آزاد کرنا تو جو ان میں سے کچھ نہ پائے تو تین دن

ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ
کے روزے یہ بدلہ ہے تمہاری قسموں کا جب تم کھاؤ اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو اسی طرح اللہ تم سے اپنی

لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ
آیتیں بیان فرماتا ہے کہ کہیں تم احسان مانو اے ایمان والو شراب اور جوا اور بت

وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَا
اور پانسے ناپاک ہی ہیں شیطانی کام تو ان سے بچتے رہنا کہ تم فلاح پاؤ

يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ
شیطان یہی چاہتا ہے کہ تم میں بیر اور دشمنی ڈلوادے شراب اور جوئے میں

وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ
اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روکے تو کیا تم باز آئے اور حکم مانو اللہ

وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰي رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ
کا اور حکم مانو رسول کا اور ہوشیار رہو پھر اگر تم پھر جاؤ تو جان لو کہ ہمارے رسول کا ذمہ صرف واضح

الْمُبِيْنُ ﴿۹۲﴾ لَيْسَ عَلَي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا
طور پر حکم پہنچا دینا ہے جو ایمان لائے اور نیک کام کیے ان پر کچھ گناہ نہیں جو کچھ انہوں نے چکھا

اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ وَ

جب کہ ڈریں اور ایمان رکھیں اور نیکیاں کریں پھر ڈریں اور ایمان رکھیں پھر ڈریں اور نیک رہیں اور

اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

اللہ نیکوں کو دوست رکھتا ہے

(بقیہ مضمون)

(۴) بلقیس نے جان و دل سے عزم کیا تو فوراً چل پڑی اور گزشتہ زندگی پر افسوس کیا۔

(۵) مال و ملک کو ایسے ترک کیا جیسے عاشق اپنا نام و ننگ کھو دیتا ہے۔

(۶) وہ غلام اور کنیزیں اس کے آگے سے ایسے خیال سے اُتر گئیں جیسے بیکار پیاز۔

(۷) باغات محلات اور نہریں سب بھول گئی جب عشق کی آواز کانوں میں پڑی۔

(۸) عشق جب غصہ و غضب میں آتا ہے تو اچھی چیزیں آنکھوں میں بُری محسوس ہوتی ہیں

(۹) پھر زمرد وغیرہ کو گندا سمجھتا ہے عشق کی غیرت لاؔ کا معنیٰ یہی بتاتی ہے۔

(۱۰) لا الٰہ الا ھو کا یہی مطلب ہے اے دوست کہ چاند تجھے کالا سیاہ نظر آئے۔

فائدہ صوفیانہ جسے عالم علوی میں دولتِ ایمان کی توفیق نصیب ہوئی تو وہ اس عالم دُنیا میں بھی ایمان سے نوازا گیا۔ اور دائمی طور مومن رہا۔ یہاں تک کہ روحانیاتِ معنویہ کے ذوق سے ہمیشہ ہمیشہ تک اس ظاہری بہشت میں داخل ہوا۔ یہ اس حقیقی بیج کا ثمرہ اور اس معنوی کھیتی کا نتیجہ ہے۔ اسی طرف فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا الخ میں اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے۔

سبق مومن پر لازم ہے کہ یقین کے حصول کے لئے جدوجہد کر کے جنۃ عاجلہ میں داخل ہو۔ جنۃ عاجلہ سے معرفتِ الٰہی مراد ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے "مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ" میں اشارہ فرمایا ہے اور نارِ بُعد و فراق سے بچے۔ جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے "اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ" میں اشارہ فرمایا۔

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ ۞ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ ۔ اے ایمان والو! ان پاکیزہ اشیاء کو حرام نہ کرو! جو تمہارے لئے اللہ تعالیٰ نے حلال کی۔ یعنی وہ چیزیں جو اچھی اور اُن سے تمہارے نفوس لذت پاتے ہیں۔ حرام اشیاء سے رُک جانے کی طرح حرام نہ کرو

وَلَا تَعْتَدُوْا اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ یعنی حلال کردہ اشیاء کی حدود سے متجاوز ہو کر اُن کی اشیاء کی طرف نہ جاؤ جنہیں تمہارے اُوپر حرام کیا گیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء حلال اور حلال کردہ حرام ہو جائیں گی یا یہ معنٰے ہے کہ طیبات کو کھاتے وقت اسراف نہ کرو اس لئے کہ اسراف بھی حرام کھانے کی طرح حرام کی طرف تجاوز کرنا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۞ بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔ یعنی اپنے نفوس پر زیادتی اور اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرنے والوں کے عمل سے خوش نہیں ہوتا۔

⑥ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ص جو کچھ تمہیں اللہ تعالیٰ نے عطاء فرمایا ہے اسے حلال طیب کر کے کھاؤ۔ حَلٰلًا ، کُلُوْا کا مفعول بہ ہے اور مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا سے حال ہے اور یہ حَلٰلًا سے مقدم اس لئے ہے کہ وہ نکرہ ہے اور جب ذوالحال نکرہ ہوتا ہے تو حال کی تقدیم لازمی ہوتی ہے۔

فائدہ : حلال ہر اُس شئے کو کہا جاتا ہے جو جائز طریق سے حاصل ہو اور الطیب وہ ہے جو غذا کے طور مستعمل اور اس سے نشوونما حاصل ہو

مسئلہ اشیاء جوامد جیسے مٹی اور گارہ اور اس طرح دیگر وہ اشیاء جو غذا کے نام میں نہیں آتیں، اِنھیں کھانا مکروہ ہے۔ ہاں دواء کے طور جائز ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۞ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو کہ تم اس پر ایمان لاتے

marfat.ocm

یہ سابقہ احکام کی تاکید کے لئے ہے۔

سوال: اسے مؤکد کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے جب اللہ تعالیٰ نے عطا کردہ اشیاء کی حلت کا حکم عام فرمایا ہے اور اس سے حلت و اباحت کا علی الاطلاق ثبوت تو ملا ہے۔

جواب: چونکہ وہ صرف کھانے کی اشیاء سے متعلق ہے اس لئے تاکید کی ضرورت ہوئی کہ کوئی صرف کھانے کی اشیاء کو حلال نہ سمجھے، حالانکہ اس کے ماسوا اور دوسری یاء بھی حلال ہیں اگرچہ وہ کھائی نہیں جاتیں۔ اسی لئے أَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ کا اضافہ فرمایا کہ ایمان ضا یہی ہے کہ انسان تقویٰ پیدا کرے۔ یعنی اِن امُور سے کنارہ کرے۔ جس سے اُسے رُوکا گیا ہے مقررکردہ حد سے متجاوز نہ ہو۔

فائدہ: امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ، سے واضح ہوا کہ ہر ایک کے رزق کا کفیل اللہ تعالیٰ ہے اور اُس نے ہر ایک کے رزق مہ داری اُٹھائی ہے، ورنہ لفظ عام کو مقید نہ فرماتا: كَمَا قَالَ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ الخ

سبق: جب اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے رزق کی ذمہ داری اُٹھائی ہے تو انسان کو چاہیئے کہ رزق کی خاطر مارا مارا نہ پھرے اور صرف اس کے وعدۂ کرم اور احسان عمیم پر سہ کرے۔ اس لئے کہ وہ ایسا کریم ہے کہ جس طرح کا وعدہ کرتا ہے اُسے ضرور پُورا کرتا ہے اس سے دہ کا خلاف ممتنع ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور رزق میں بھی کمی نہ کرو۔

حضرت حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

ما آبروئے فقر و قناعت نمی بریم ؛ با بادشہ بگو کہ روزی مقدر است

جمہ: ہم فقر و قناعت کی عزت ضائع کرنا نہیں چاہتے۔ بادشہ کو کہہ دو روزی مقدر ہو چکی ہے وہ ملے گی

حضرت صائب نے فرمایا:

رزق اگر بر آدمی عاشق نمے باشد چرا ؛ از زمین گندم گریباں چاک می آید چرا

جمہ: اگر روزی آدمی کی عاشق نہ ہوتی تو گندم زمین سے گریبان چاک کرکے کیوں ظاہر ہوتی۔

شانِ نزول اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک طویل داستان

تفاسیر میں ہے کہ ایک دن حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

marfat.ocm

نے اپنے صحابہ کرام کو ایک پُراثر واعظ کیا اور جہنم سے ڈرایا اور قیامت کے ہولناک حالات سُنائے تو صحابہ کرام خوب روئے اور حضرت عثمان بن مظعون الجمحی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر جمع ہوئے اور سب نے مل کر مشورہ کر کے اتفاق کیا کہ آئندہ دُنیا ترک کر دیں۔ ٹاٹ کے کپڑے پہنیں اپنے آلات تناسل کاٹ دیں۔ زندگی بھر روزہ رکھیں۔ رات کو قیام کرتے گذاریں۔ بستروں پر سونا چھوڑ دیں۔ گوشت بھی نہ کھائیں اور نہ ہی اور طاقت والی اشیاء۔ عورتوں سے ہمبستری بھی ترک کر دی جائے اور خوشبو بھی نہ لگائیں۔ زمین کی سیاحت کریں۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام کے اِس پروگرام کا علم ہُوا تو حضرت عثمان ابن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لائے، لیکن آپ کو حضرت عثمان نہ ملے۔ آپ نے اُن کی اہلیہ بی بی ام حکیم بنت اُمیہ (جن کا نام بی بی خولہ رضی اللہ عنہا تھا۔ اور آپ عطارہ تھیں) سے فرمایا کہ مجھے تیرے شوہر اور اُس کے ساتھیوں کی اطلاع ملی ہے کہ اُنھوں نے اس طرح کا مشورہ کیا ہے تم مجھے سچ سچ بتا دو، کہ اُنھوں نے کیا کیا باتیں طے کی ہیں، لیکن یاد رکھئے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسُول ہوں اور رسُول کے سامنے جھُوٹ بولنا اچھا نہیں۔

بی بی صاحبہ نے عرض کی یارسُول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) جس طرح آپ کو اطلاع ملی ہے وہ صحیح ہے واقعی اُنھوں نے اس طرح کا پروگرام بنایا ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے گئے تو عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر واپس لوٹے۔ انہیں بی بی خولہ رضی اللہ عنہا نے حضور علیہ السلام کی تشریف آوری اور باہم گفتگو کا تمام ماجرا سُنا دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فوراً حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوئے۔ آپ نے اُن سے اِس پروگرام کے متعلق پوچھا۔ اُس نے عرض کی ہم نے ایسا ہی پروگرام بنایا ہے۔ آپ نے فرمایا: سُنو یارو! میں نے تمہیں وہ پروگرام ہرگز نہیں بتایا اور نہ ہی اس کی اجازت دیتا ہوں، بلکہ میرا حکم تو یہ ہے کہ نفسوں کا تمہارے اُوپر حق ہے۔ فلہذا روزے رکھو اور نہ بھی رکھو یعنی روزوں کے دِنوں روزے رکھو باقی دِنوں میں کھاؤ پیئو۔ ہمیشہ ہمیشہ روزہ رکھنا اچھا نہیں۔ اسی طرح رات کو قیام بھی کرو اور نیند بھی۔ مجھے دیکھو میں رات کا قیام کرتا ہوں اور پھر سو جاتا ہوں اور کچھ روزے رکھتا ہوں اور کئی روز روزے نہیں رکھتا۔ اور میں گوشت بھی کھاتا ہوں اور طاقت آور اشیاء بھی اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ میرے یارو یاد رکھو! جس نے میری سُنت سے مُنہ پھیرا وہ میرا نہیں۔ اس کے بعد آپ نے ایک بہت بڑے اجتماع میں تقریر فرمائی۔ جس کا مضمون یہ تھا کہ ان لوگوں کا کیا حال ہے کہ وہ عورتوں اور گوشت اور خوشبو اور نیند اور دُنیا کی اچھی اچھی چیزوں کا استعمال اپنے لئے حرام کر دیتے ہیں میں انہیں اس کا حکم ہرگز

marfat.ocm

نہیں دیتا کہ تم قسیسین و رُہبان ہو جاؤ۔ اس لئے کہ میری شریعت میں حکم نہیں کہ گوشت کھانے اور عورتوں کو ترک کر دیا جائے اور نہ ہی میرا حکم ہے کہ صرف عبادت گاہوں میں پڑے رہو۔ میری اُمت کی سیاحت روزہ اور عبادت جہاد ہے۔ لہٰذا جتنا ہو سکے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور شرک سے بچو۔ حج اور عمرہ کرو نمازیں قائم کرو۔ زکوٰۃ دو۔ رمضان المبارک کے روزے رکھو اور سیدھے راہ چلو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے بہتری فرمائے گا۔ تمہارے سے پہلے جتنے لوگ برباد ہوئے وہ بھی صرف اس لئے کہ انھوں نے اپنے اُوپر سخت سے سخت افعال و اعمال لازم کر لئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُن پر وُہی امور واجب فرمائے جنہیں وہ نبھا نہ سکے۔ گرجوں اور کلیساؤں میں پڑے ہوئے لوگ انہیں کا بقایا ہیں۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر پر اللہ تعالیٰ نے یہی آیت اُتاری۔

حدیث شریف: مروی ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسُول اللہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں خصی ہو جاؤں (تاکہ زنا نہ کر سکوں) آپ مجھے خصی ہونے کی اجازت عنایت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا: اے عثمان! یہ ہرگز نہیں ہوگا۔ البتہ روزے رکھو۔ اس لئے کہ میری اُمت کا خصی ہونا روزوں سے ہوتا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) ہیں مکن خود را خصی رہبان مشو　　زانکہ عفت ہست شہوت را گرو
(۲) بے ہوا نہی از ہوا ممکن نہ بُوَد　　غازیٔ بر مردگاں نتواں نمود
(۳) پس کلو از بہرِ دامِ شہو تست　　بعد ازاں لَا تُسْرِفُوْا آن عفتست
(۴) چونکہ رنج صبر نبود مر ترا　　شرط نبود پس فرو ناید جزا
(۵) حبذا آن شرط و شادا آں جزا　　آن جزائے دِل نوازِ جاں فزا

(۱) اپنے آپ کو خصی نہ بنا اور نہ ہی رہبان ہو۔ اس لئے کہ پاکدامنی شہوت کی گروی ہے۔
(۲) خواہشات کی نفی میں نہی کا ہونا ممکن نہ تھا۔ مُردوں کو غازی کا لقب نہیں دیا جاتا۔
(۳) ہر دام کا گلہ شہوت ہے۔ اسی شہوت کی وجہ سے لاتسرفوا کا حکم وارد ہے کہ یہی عفت ہے۔
(۴) اگر تجھ میں رنج صبر کی نہ ہوتی تو تجھے اس سے رکاوٹ کا کیا معنیٰ۔
(۵) وہ شرط و جزا خوب کہ جس شرط سے جزا جانفزا مرتب ہوتی ہے۔

بقیہ: حدیث عثمان پھر حضرت عثمان نے عرض کی یا رسُولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا جی چاہتا ہے کہ میں دُنیا چھوڑ کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر بیٹھ کر اللہ اللہ کروں۔ آپ نے فرمایا اے عثمان میری اُمت کا ترکِ دُنیا مسجدوں اور نمازوں کے انتظار میں ہے۔ پھر عرض کی یا رسُولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنا

marfat.ocm

تمام مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں لٹا دوں۔ آپ نے فرمایا اے عثمان میں تمہیں اس سے افضل و اعلیٰ عمل بتاؤں وہ یہ ہے کہ تم ایک دن ناغہ کر کے (گاہے گاہے) صدقہ کرو۔ اور اپنے نفس کو زنا سے بچاؤ اور اپنے اہل و عیال پر نگرانی رکھو اور مسکینوں اور یتیموں پر رحم کرو تو تمہارے تمام مال کے لٹانے سے بہتر ہے پھر عرض کی یا رسول اللہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنی عورت خولہ کو طلاق دے کر (صرف اللہ کا بن جاؤں)۔

آپ "صلی اللہ علیہ وسلم" نے فرمایا اے عثمان میری اُمت کی ہجرت یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء کو بالکل چھوڑ دے یا میری زندگی میں اپنا وطن ترک کر کے میرے ہاں مقیم ہو جائے یا میرے وصال شریف کے بعد میرے روضۂ اقدس کی حاضری دے یا وہ مرجائے تو اپنے پیچھے ایک یا دو یا تین عورتیں چھوڑ جائے (یعنی نکاح کرنا بھی ہجرت کے احکام میں داخل ہے) پھر عرض کی یا رسول اللہ آپ اگر مجھے عورت کو طلاق دینے سے روکتے ہیں تو اس کی اجازت دیجئے کہ میں اُس سے جماع کرنا چھوڑ دوں اور صرف عبادتِ الٰہی میں لگا رہوں۔ آپ نے فرمایا اے عثمان ایسا نہ کرنا کہ جو شخص اپنی عورت سے جماع کرتا ہے اور پھر اس سے بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ بہشت میں اس کا رفیق ہوگا۔ اگر وہ اس سے پہلے مرجائے گا تو وہ بچہ اس کا مددگار اور سفارشی ہوگا۔ اگر وہ پہلے مرے گا اور اس کا بچہ بعد کو تو قیامت میں وہ بچہ اس کا نُور بن جائے گا (یعنی بہشت میں آنکھوں کی ٹھنڈک) پھر عرض کی یا رسول اللہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں تادمِ زندگی گوشت کھانا چھوڑ دوں۔

آپ "صلی اللہ علیہ وسلم" نے فرمایا اے عثمان جب بھی مجھے گوشت میسر ہوتا ہے تو اُسے مزے سے کھاتا ہوں تم بھی ایسے کرو۔ میری سُنّت کے خلاف کرنا مناسب نہیں۔ اور اگر اپنے رب سے عرض کروں کہ وہ مجھے روزانہ گوشت کھلائے تو وہ ایسے کر دے (لیکن میں سوال نہیں کرتا) پھر عرض کی یا رسول اللہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں خوشبو لگانا چھوڑ دوں۔

آپ "صلی اللہ علیہ وسلم" نے فرمایا ایسا نہ کرنا اس لئے کہ میرے ہاں جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ ہر جمعہ کو خوشبو لگایا کریں۔ فلہٰذا تم اے عثمان جمعہ کے دن خوشبو کا ترک نہ کرنا۔ اس لئے کہ جو میری سُنّت سے رُوگردانی کرتا ہے وہ میرا نہیں۔ اگر توبہ کئے بغیر مرگیا تو قیامت میں ملائکہ کرام اُس کا رُخ میرے حوض سے پھیر دیں گے۔

خُوردنی اشیاء کی احادیث مُبارکہ

(۱) حضرت ابُو مُوسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ نے

marfat.ocm

مُرغی کا گوشت اور تر کھجوریں اور خربوزہ تناول فرمایا۔

(۲) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم مُرغی کا گوشت اور حلوہ تناول فرماتے تھے آپ کو میٹھی چیزیں اور شہد بہت پسند تھا۔ اور فرماتے کہ مومن میٹھا ہے اس لئے وہ میٹھی چیزوں کو پسند کرتا ہے اور فرمایا کہ مومن کے پیٹ میں ایک ایسی جگہ ہے جسے صرف میٹھی چیز پُر کرتی ہے۔

حکایات

(۱) حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاں ایک شخص حاضر ہُوا اور عرض کی کہ ہمارے ہاں ایک بندۂ خدا ہے جو حلوہ نہیں کھاتا اور کہتا ہے کہ مجھ سے اس کی شکرگزاری نہیں ہو سکے گی۔ آپ نے فرمایا: وہ ٹھنڈا پانی بھی پیتا ہے۔ اُس نے عرض کی ہاں! ۔ آپ نے فرمایا: پھر وہ جاہل ہے اس لئے کہ ٹھنڈے پانی جیسی نعمت اور کوئی نہیں ؛ بلکہ میٹھی چیزیں ٹھنڈے پانی کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔

(۲) حضرت فضیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عبادت گزار لوگوں کے لئے اجازت ہے کہ وہ زہد کے طور "طیبات" مثلاً گوشت اور حلوہ مٹھائی نہ کھائیں۔ آپ نے فرمایا ان پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو کھائیں اس لئے کہ وہ اپنے بندے سے ایسی پاکیزہ چیزوں کے کھانے سے ناراض نہیں ہوتا بلکہ اُنھیں چاہیئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام بجا لانے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کریں۔ مثلاً والدین کی خدمت گذاری، صلہ رحمی، ہمسائیگاں سے نیک سلوک، مُسلمان بھائیوں پر رحمدلی اور شفقت، غصہ پینا، جو زیادتی کرے اسے معاف کرنا، جو کوئی دُکھ پہنچائے اُس کے ساتھ احسان و مروت کرنا، کسی کے ستانے اور تکالیف سے صبر کرنا زیادہ بہتر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو نہ کھائیں۔

خلاصہ کلام

: رہبانیت میں افراط اور لذات وطیبات میں تفریط ناموزوں ہے اور اتنا بھی کہ اُن کے ترک سے اعضاء رئیسہ میں خلل واقع ہو جائے اعضاء رئیسہ سے قلب اور دماغ مُراد ہے۔ جب ان میں کمی واقع ہوتی ہے تو انسان کی فکری قوت میں نقصان پڑ جاتا ہے۔ اس کمی سے پھر وہ اُن کمالات سے بھی محروم رہ جاتا ہے جو قوت عملیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے کہ انکی تکمیل قوت نظریہ سے ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں کلیہ طور رہبانیت دُنیا کو برباد کر دیتی ہے اور کھیتیاں اور نسلیں ختم ہو جاتی ہیں اس لئے کہ دُنیا اور آخرت کی تعمیر رہبانیت کے ترک سے ہے اور معرفت الٰہی اور محبت وطاعت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ رہبانیت ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو جائز طریق سے عمل میں لانے سے احتراز نہ کرے اور نہ ہی حلال کردہ اشیاء کی لذت حاصل کرنے سے کنارہ کشی کرے۔ جیسا کہ احادیث مُبارکہ کی تصریحات بتاتی ہیں۔

marfat.ocm

تفسیر صُوفیانہ : آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ انسان اعتدال پر رہے خیر الامور اوساطھا سے واضح ہے۔ فلہٰذا ہر معاملہ میں اعتدال کو مدّ نظر رکھنا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ریاضت میں بھی اعتدال ضروری ہوتا ہے؛ چنانچہ مرشدِ کامل اپنے مرید کو ابتدائے سُلوک میں گوشت اور دیگر لذیذ اشیاء اور جماع وغیرہ سے باز رکھتا ہے؛ لیکن وہ بھی مُعتدلانہ طریق سے جیسا کہ مرید کے مزاج کا تقاضا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ریاضت کو طبیعت کی اصلاح میں بہت بڑا دخل ہے اور بابِ سلوک میں اس کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔

ازالۂ وہم : اہلِ ظواہر اولیاء اللہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ اگر ریاضت کا کوئی فائدہ ہوتا تو حضور علیہ السّلام حضرت عثمان بن مظعون کو نہ روکتے، لیکن آج تک انہیں سمجھ نہیں آئی کہ حضور علیہ السّلام نے حضرت عثمان کو مطلق رہبانیت سے روک کر اعتدال کی راہ لگائی، چنانچہ ہم نے اُوپر عرض کیا ہے کہ سلوک بھی ریاضت میں اعتدال کا درس دیتا ہے۔

سبق : سالک پر ضروری ہے کہ وہ طریقِ صواب کو غور سے سمجھے اور پھر افراط و تفریط سے بچ کر راہِ سلوک پر گامزن ہو۔

تفسیر عالمانہ ⑦: لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ "اللہ تعالیٰ تم پر یمینِ لغو کی وجہ سے مواخذہ نہیں فرمائے گا۔ مقسم بہ کے ساتھ دو طرفوں سے ایک کو مضبوط کرنے کو یمین کہتے ہیں اور یمین لغو پر کسی قسم کا شرعی حکم متعلق نہیں۔

مسئلہ : امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یمین لغو یہ ہے کہ قسم کھائے کہ یہ کام میں نے نہیں کیا؛ حالانکہ درحقیقت اس نے وہ کام کیا ہو۔ مثلاً دُور سے کسی شئ کو دیکھ کر کہے یہ فلاں شئے ہے اور قسم کھا کر کہے کہ واقعی یہ وہی شئے ہے؛ حالانکہ وہ شئے اسی طرح نہ ہو جیسے وہ کہتا ہے تو اس قسم پر اس شخص پر کوئی مواخذہ نہیں۔ نہ گناہ نہ کفارہ۔

مسئلہ : یمین غموس یہ ہے کہ زمانۂ ماضی یا حال کے متعلق جھوٹی قسم کھائے۔ مثلاً قسم کھا کر کہے کہ یہ کام میں نے کیا ہے؛ حالانکہ وہ کام نہ کیا ہو۔ یا اس کا برعکس مثلاً قسم کھا کر کہے کہ وہ مقروض ہے؛ حالانکہ اُس پر کسی قسم کا قرض نہیں۔ یمین غموس کا حکم یہ ہے کہ اس شخص پر گناہ ہے کفارہ نہیں اور گناہ بھی کبیرہ۔

حدیث شریف : حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس نے جھوٹی قسم کھائی تو اسے اللہ تعالیٰ جہنم میں داخل کرے گا اُس پر کفارہ نہیں صرف توبہ ہے۔ ....

marfat.ocm

فائدہ : فِیْٓ اَیْمَانِکُمْ بِاللَّغْوِ ،، کی طرح یُؤَاخِذُکُمْ کا صلہ ہے یعنی تمہاری قسموں کے بارے میں اللہ تعالیٰ تمہارہ مواخذہ نہیں فرمائے گا۔ بسبب اس کے کہ وہ قسم لغو س سے دنیوی اور اُخروی کسی قسم کا حکم متعلق نہیں۔

وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ ،، لیکن اس سے تمہارا مواخذہ ہوگا کہ جس کا تم نے پورا قسم کیا ہے۔ یعنی نیت اور ارادے سے تم نے ان قسموں کو زیادہ مضبوط اور پختہ کیا ہے۔ تم نے قسمیں کر انہیں توڑا تو ان کا مواخذہ ہوگا اس لئے کہ تم نے جس کا معاہدہ کرکے اسے توڑا تو اس کی یہ سزا قرر ہوئی۔ **مسئلہ** : زمانہ مستقبل میں کسی کام کو کرنے یا نہ کرنے کو یمین منعقدہ کہتے ہیں۔

فَکَفَّارَتُہٗٓ ،، پس اس کا کفارہ یعنی وہ فعل جو اس کی غلطی اور گناہ کا ازالہ کرے۔

مسئلہ : حضرت امام فخرالدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حانث ہونے سے پہلے فارہ ادا کرنا ناجائز ہے۔

حدیث : حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس نے قسم کھائی اور دیکھا کہ اس میں بھلائی نہیں تو اسے چاہیئے کہ پہلے اسی فعل کا ارتکاب پھر قسم کا کفارہ ادا کرے۔

اِطْعَامُ عَشَرَۃِ مَسٰکِیْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَھْلِیْکُمْ ،، درمیانہ طعام وہ و اپنے اہل وعیال کو کھلاتے ہو۔ اس میں دس مسکینوں کو طعام کھلانا ہے۔ مِنْ اَوْسَطِ کا محل نصوب ہے اس لئے کہ وہ مفعول محذوف کی صفت ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی اِنْ تُطْعِمُوْا عَشَرَۃَ کِیْنَ طَعَامًا کَائِنًا مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ الخ یعنی طعام کھلاؤ درمیانہ وہ طعام جو اپنے اہل وعیال یعنی اولاد اور خدام کو کھلاؤ یعنی نوع اور مقدار میں درمیانہ طعام جو فطرانہ میں نصف صاع گندم کا جاتا ہے۔ **مسئلہ** : جس نے کسی فقیر کو دس دن طعام کھلایا تو اس کا کفارہ ادا ہو جائیگا۔

مسئلہ : جس نے کسی فقیر کو دس دن کا طعام یکدم دے دیا ہے تو اس کا کفارہ ادا ہو گیا۔

اَوْ کِسْوَتُھُمْ ،، یا اُن کی پوشاک اس کا عطف اطعام پر ہے یعنی دس مسکینوں کو وہ لباس پہنائے ان کے عام بدن کو ڈھانپتا ہے۔ یہی صحیح ہے۔

مسئلہ جو کسی کو صرف شلوار دیدے تو یہ پوشاک کے حکم میں نہ ہوگا۔

اَوْ تَحْرِیْرُ رَقَبَۃٍ ط یا ایک عبد آزاد کرنا جس طرح کا ہو یعنی مومن ہو یا کافر مرد ہو یا عورت چھوٹا یا بڑا۔ **مسئلہ** : نابینا اور وہ بہرہ جو بالکل کچھ نہیں سنتا کفارہ میں دینا ناجائز ہے۔ اس طرح وہ لام لونڈی وغیرہ کفارہ میں دینا ناجائز ہے کہ جس سے کسی قسم کا نفع نہیں اُٹھایا جاسکتا۔

marfat.ocm

مسئلہ : جس کے دونوں ہاتھ یا دونوں انگوٹھے کٹے ہوئے ہوں یا دونوں پاؤں نہ ہوں یا ایک ہی جانب سے ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کٹ گیا ہو اُن کو بھی کفارہ میں دینا ناجائز ہے۔ اسی طرح دائمی پاگل اس لئے کہ نفع یابی عقل سے ہوتی ہے اور اس کا عقل مفقود ہے۔

مسئلہ : مُدبر اور امّ ولد بھی کفارہ میں دینا ناجائز ہے اس لئے کہ یہ ایک جہت سے آزادی کے مستحق ہیں۔ بنابریں اس میں مملوکیت ناقص ہے۔

مسئلہ : وہ مکاتب کہ جس نے کچھ حصہ رقم کا ادا کر دیا۔ اسے بھی کفارہ میں دینا ناجائز ہے۔ اس لئے کہ اُسے عوض کے طور آزاد کیا جا رہا ہے اور وہ تجارت ہو جائے گی اور کفارہ ایک عبادت ہے اور عبادت میں تجارت کیسی۔ عبادت میں تو صرف رضائے الٰہی مطلوب ہوتی ہے اور وہ اس میں مفقود ہے

مسئلہ : جس مملوک کا بعض حصہ آزاد ہے اسے بھی کفارہ میں دینا جائز ہے اس لئے کہ یہ رقبہ کاملہ نہیں۔ بلکہ ناقص ہے۔

ف : لفظ اَوْ میں اس طرف اشارہ ہے کہ اِن تینوں میں ایک کا ہونا ضروری ہے اور یہ کفارہ دینے والے کی مرضی پر ہے یعنی نہ تو اس پر یہ تینوں واجب ہیں اور نہ ہی بالکل ترک جب اُن میں سے کسی ایک کو ادا کرے گا تو اپنی ذمہ داری سے بری ہو جائے گا۔

مسئلہ : جس کے پاس ان تینوں کی ادائیگی کی فرصت ہے تو وہ ان میں کسی ایک کا ادا کرنا ہو گا۔ یعنی اس کے اختیار میں ہے کہ ان میں سے کوئی ایک ادا کرے۔

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ ، پس وہ شخص جو ان تینوں مذکورہ بالا میں سے کسی ایک کی ادائیگی کی طاقت نہیں رکھ **فَصِيَامُ** تو اُس کا کفارہ روزہ ہے۔ **ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ط** امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک تین دن مسلسل طور روزے۔ **ذٰلِكَ** وہ امور جو مذکور ہوئے اور جن کا میں نے حکم دیا ہے۔ **كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ط** تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جبکہ تم قسم کھا کر حانث ہوئے۔

وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ط اپنی قسموں کی حفاظت کرو ہر ہر بات پر قسم نہ کھاؤ بلکہ جہاں تک ہو سکے اُن سے بچتے رہو۔ بشرطیکہ اس میں تمہارا نقصان نہ ہو۔ اگر نقصان ہوتا دیکھو یا قسم کھا کر پھر پچھتانے ہو کہ قسم نہ کھانے میں بھلائی تھی تو اب حانث ہو کر کفارہ ادا کر دو۔ جیسے یمین منعقد کا کفارہ ہوتا ہے (ایسے ہی فقہاء کرام نے فرمایا ہے) مثلاً کسی نے ترک فرائض کی قسم کھائی یا کسی گناہ کے ارتکاب کی قسم کھائی تو اس پر لازم ہے کہ ایسے امور کے لئے حانث ہو کر کفارہ ادا کرے یعنی کفارہ ادا کرے گناہ نہ کرے۔ وغیرہ وغیرہ

marfat.ocm

حدیث شریف: جس نے قسم کھائی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہ کرے گا یا اس کی نافرمانی کرے گا تو اس پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے اور کفارہ دے اسی طرح نافرمانی نہ کرے اور کفارہ دے۔

مسئلہ: بعض قسمیں وہ ہیں کہ ان میں حانث ہونا ہی افضل ہے۔ مثلاً کسی مسلمان سے گفتگو ترک کرنے کی قسم کھائے تو اسے چاہیئے کہ وہ مسلمان سے گفتگو کر کے کفارہ ادا کر دے۔

مسئلہ: ان کے علاوہ باقی صورتوں یعنی مباحات میں قسم کھائے تو حانث نہ ہو اور اپنی قسم کو محفوظ رکھے۔ **مسئلہ**: قسم عمداً کھائی جائے یا بھول کر اپنے اختیار سے یا کسی دوسرے کے مجبور کرنے پر تو ہر طرح حانث ہونے پر کفارہ دینا پڑے گا۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین ایسے امور ہیں جنہیں عمداً یا مزاحاً کیا جائے تو عمد کے حکم میں ہیں (۱) نکاح (۲) طلاق (۳) یمین۔

کَذٰلِكَ: یہ اشارہ اس فعل کے مصدر کی طرف ہے جو آ رہا ہے کوئی دوسرا فعل محذوف نہیں۔ کاف زائدہ لفظ ما کی تاکید کے لئے ہے جیسا کہ اسم اشارہ سے معلوم ہوتا ہے۔ اور تفخیم پر دلالت ہوتا ہے۔ فعل پر مقدم کرنے میں قصر مطلوب ہے اور کاف کو نکتہ مذکورہ کی وجہ سے زائدہ مانا گیا ہے۔ یعنی اس بیان عجیب کی طرح **يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ**: اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آیات بیان کرتا ہے یعنی اپنی شریعت کے مسائل و احکام۔ **لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ** ۝ تاکہ اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ احکام کو آسان کرنے پر اس کی نعمت کا شکر کرو!

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ سے کسی معاملہ میں دور ہو جائے تو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو طعام کھلانا ہے ان دس مسکینوں سے حواس خمسہ ظاہرہ و حواس خمسہ باطنہ مراد ہیں۔ اس لئے کہ یہی دس حواس آفات کا مدخل اور کمزوریوں کا مرکز ہیں۔ **مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ**" میں اہل سے قلب اور روح اور خفی و سر مراد ہیں۔ ان کے طعام یہ ہیں۔ (۱) شوق (۲) محبت (۳) صدق (۴) اخلاص (۵) تفویض (۶) تسلیم (۷) رضا (۸) انس (۹) ہیبت (۱۰) مشاہدہ (۱۱) کشف "

اوسط طعام سے مندرجہ ذیل اشیاء مراد ہیں (۱) ذکر (۲) تذکر (۳) فکر (۴) تفکر (۵) تشوق (۶) توکل (۷) تعبد (۸) خوف (۹) رجاء " یہی اشیاء ہیں جو حواس ظاہرہ و قوائے باطنہ کی غذا ہیں جبکہ ان امور کو عبادت کے طور عمل میں لایا جائے اور ان کے خلاف امور سے بچا جائے۔

marfat.ocm

اَوْ کِسْوَتُهُمْ ،، سے حواس ظاہرہ وقوائے باطنہ کا لباس مُراد ہے اور وہ تقویٰ ہے ۔

اَوْ تَحْرِیْرُ رَقَبَۃٍ الخ یعنی نفس کی گردن کو خواہشات نفسانیہ اور دُنیا کی حرص وہوا کی عبودیت سے آزاد کرنا ۔ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ الخ پس جو شخص ان امُور کی طاقت نہیں رکھتا ۔ فَصِیَامُ ثَلٰثَۃِ اَیَّامٍ ،، ان ایام سے ماضی، حال و استقبال کے ایام مُراد ہیں ۔ ماضی کا روزہ تو یہ ہے کہ جتنے اعمال زمانۂ ماضی میں غلط ہوئے اُن سے آئندہ بچ کر رہنے کا عزم کرے اور سچے دل سے اُن سے توبہ کرے اور حال کے ایام میں روزے کا مطلب یہ ہے کہ اہم امُور میں غفلت نہ کرے اور دینی امُور میں جدوجہد جاری رکھنے کا پروگرام بنائے اور آئندہ آیام میں روزے رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ جرائم و معاصی پر عزائم اور ارادوں پر کنٹرول کرے گا اور اپنی نجات کے متعلق پُورا اخلاص دکھائے گا بلکہ طاعات و عبادات میں ثابت قدم رہے گا اور نیکیوں پر سابق نظر آئے گا اور حضرات ربوبیت کی طرف متوجہ ہونے میں سرتوڑ کوشش کرے گا

؎ مکن وقت ضائع با افسوس و حیف ٭ کہ فرصت عزیز است والوقت سیف

ترجمہ: افسوس و حیف سے وقت ضائع نہ کر، کیونکہ فرصت قیمتی ہے اور وقت تلوار ہے ۔

حضرت ابن الفارض قدس سرہ نے فرمایا ؎

دکُن صارمًا کالوقت فالمقت عسٰی ٭ و ایاک فہی اخطر علّہ

ترجمہ: تم وقت کی طرح پختہ کار ہو عسیٰ (یعنی عنقریب ایسے کروں گا) میں خرابی ہے اور سستی کرکے کسی اُمید پر رہنا بھی بہت خطرناک امر ہے ۔ اور مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) اے کہ صبرت نیست از دُنیائے دوں ٭ چونت صبرست از خدائے دوست چوں
(۲) چونکہ بے ایں شرب کم داری سکون ٭ چوں از ابرارے خدا وز یشربون

ترجمہ (۱) تجھے کمینی دُنیا سے صبر نہیں تو پھر تجھے دوست خُدا سے صبر کیوں ہے ۔

(۲) اس کے بغیر تجھے سکون نہیں ہوتا ایسے اللہ کے بندوں اور اس کے شرابا طہورًا سے بھی صبر نہ ہوگا

صُوفی کی قسم: صوفیائے کرام کہتے ہیں کہ طالب صادق شوق کے غلبہ اور ذوق کے وجدان کے وقت جمال و جلال کی قسم کھاتا ہے کہ اسے کچھ وصال و اقبال نصیب ہو اُسے شریعتِ رضا میں قسم لغو کہتے ہیں اور شریعتِ تسلیم میں اسے سہو سے تعبیر کرتے ہیں ۔ اس کے ضعفِ حال کو دیکھ کر اسے معاف کر دیا جاتا ہے ۔ اس سے کسی قسم کا مواخذہ نہیں ہوتا اور سالک کے لئے ضروری ہے کہ منجمد محض ہو جائے احکام مولیٰ کے اجراء پر قبول و ردّ اور اقبال و صد میں راضی برضائے حق ہو اور اس کے حقوق کی ادائیگی میں مُستعدی دکھائے ۔ اس کو اپنے لئے کرامت سمجھے ۔ اس کو توجہ الٰہی و شہود وصول تصور کرے،

نچہ کسی شاعر نے اُسے یوُں تعبیر کیا ہے ؎

اُرِیدُ وصالہ ویُرِیدُ ہجری   فاترک ما اُرِیدُ لما یُرِید

جمہ : میں اُس کا وصال چاہتا ہوں اور وہ مجھ سے دُوری چاہتا ہے۔ پس تمہیں بھی چاہیئے جیسے وہ چاہتا ہے۔ تم سرِ تسلیم خم کرو۔ (التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ " اے ایمان والو! بے شک شراب " وہ آیات جو شراب کے متعلق اُتری ہیں ان میں یہ چوتھی آیت ہے اور اس کی تفصیل سورہ بقرہ میں گزری ہے۔

مسئلہ : اَلْخَمْر (شراب) کے حکم میں ہر نشہ دینے والی چیز داخل ہے۔

وَالْمَیْسِرُ " اور جُوا کے تمام اقسام۔ اس میں نرد۔ شطرنج۔ اربعہ۔ عشر۔ کعب۔ بیضہ و دیگر کھیلوں کے انواع سب جُوا کے حکم میں ہیں۔

وَالْاَنْصَابُ " وہ بُت جو عبادت کے لئے مقرر ہوں۔ یہ نصب بفتح النون وسکون الصاد کی جمع ہے۔" **وَالْاَزْلَامُ** " وہ تیر جن کے بعض پر لکھا ہوتا ہے۔ امرنی ربّی (مجھے اس کام کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے) اور بعض پر لکھا ہوتا ہے۔ نہانی ربّی " اس کام سے مجھے میرے رب تعالیٰ نے روکا ہے اس سے اپنی خیر و شر کے لئے قسمت آزمائی کرتے تھے۔

جاہلیت کی ایک رسم کا بیان

مفسرین فرماتے ہیں کہ اہل جاہلیت کا طریقہ تھا کہ جب کوئی سفر یا جنگ یا تجارت وغیرہ کا ارادہ کرتا۔ تو اُس کی بھلائی و بُرائی کے معلومات کرنے کے لئے اِن تیروں سے کام لیتا۔ یہ تیر کعبہ معظمہ کے اندر پڑے رہتے۔ کسی پر اَمرنی ربی " اور بعض پر نہانی ربّی" لکھا ہوتا۔ بعض ایسے ہی خالی ہوتے جن پر کچھ نہ لکھا ہوتا۔ اور نہ ہی کوئی اور علامت ہوتی۔ ان سے اچانک جاکر اُٹھاتے۔ اگر اس کو امر والا تیر ہاتھ لگتا تو سفر کو چلے جاتے اور سمجھتے کہ اس میں بھلائی ہے اور اگر نہی والا تیر ملتا تو سفر سے رُک جاتے اور سمجھتے کہ سفر میں نقصان ہوگا۔ اگر خالی تیر ہاتھ آتا تو پھر اِن تیروں کو دوبارہ اُٹھاتے۔ استقسام بالازلام کا بھی یہی معنے ہے کہ اس سے قسمت آزمائی کرکہ اس میں بھلائی ہے یا بُرائی ازلام زلم کی جمع ہے۔

رِجْسٌ " گندگی یعنی وہ امر کہ جس سے عقول کو کراہت و نفرت ہو۔ یعنی عقول سلیمہ اس سے نفرت و کراہت کریں۔

marfat.ocm

فائدہ : رجس و نجس ایک شئ ہے۔ صرف فرق اتنا ہے کہ نجس اُن چیزوں کے لئے مستعمل ہوتی ہے کہ اس کی گندگی سے نفرت ہو اور رجس وہ گندگی جس سے عقل نفرت اور کراہت کرے۔ **فائدہ** : اُن معاصی کو بھی رجس اسی لئے کہا گیا ہے کہ جیسے عام گندگیوں سے نفرت کی جاتی ہے اُن سے بھی نفرت و کراہت کرنا واجب ہے۔

مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ " یہ رجس کی صفت ہے یعنی یہ جملہ امور ان گندگیوں سے ہیں جو شیطان انہیں سنوار کر ظاہر کرتا ہے۔ اس لئے کہ وہ انہی امور کا داعی اور رغبت دہندہ اور اُن کے ارتکاب کنندگان کے دلوں کے آگے مزین کر کے دکھاتا ہے۔ **فَاجْتَنِبُوْهُ** " پس تم اس رجس سے کنارہ کشی کرو **لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ** ۝ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ یعنی ان لوگوں سے ہو جاؤ گے جو کامیابی کی اُمید رکھتے ہیں اور اجتناب بمعنے کسی شئ سے ایک طرف ہو جانا۔ **مسئلہ** : یہ امر تقریباً وجوب کے لئے ہے۔

ع ٩/٥ **اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ** بے شک شیطان کا ارادہ ہے کہ تمہیں خمر و میسر کا مرتکب بنا کر تمہارے مابین بغض و عداوت ڈال دے۔

فائدہ : اس میں اشارہ ہے کہ اُن کے استعمال سے دُنیا کے بہت بڑے فسادات برپا ہوتے ہیں۔

شراب نوشی کی خرابی : شراب نوشی میں عداوت یوں اُٹھتی ہے کہ شرابی لوگ جب شراب پی کر مخمور ہوتے ہیں تو آپس میں خوب جھگڑتے اور پھر لڑ مرتے ہیں جیسے ایک انصاری نے شراب پی کر حضرت سعد بن ابی وقاص کو اونٹ کی ہڈی ماری تو وہ زخمی ہو گئے تھے۔

قمار بازی کی خرابی : قمار بازی میں عداوت یوں پیدا ہوتی ہے کہ ایسے لوگ مال اہل و عیال کی بھی شرط لگا دیتے ہیں۔ اور جب اُن میں ایک کامیاب ہو گیا تو دُوسرا اس پر کڑھتا رہا اور اپنے حریف کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دشمن بن گیا۔

فائدہ : عداوت و بُغض میں فرق یہ ہے کہ ہر عداوت بغض ہے، لیکن ہر بُغض عداوت نہیں گویا ان میں عموم و خصوص کی نسبت ہے اس معنے پر ہر عداوت میں بُغض ہے، لیکن ہر بغض میں عداوت نہیں۔

فائدہ : فِي الْخَمْرِ يُوْقِعُ کے متعلق ہے اس لئے کہ لفظ فی یہاں سببیت کا معنیٰ دیتا ہے۔ جیسے حدیث شریف : ان امرأة دَخَلَتِ النَّارَ فِي هِرَّةٍ میں فی سببیہ ہے یعنی وہ عورت بلّی کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوئی اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ شیطان تمہارے مابین شراب و قمار کی وجہ سے عداوت اور بغض ڈالتا ہے۔

سوال : مومن کو ازلام و انصاب وغیرہما کی نہی کا کیا مطلب اس لئے کہ وہ ان امور کا ارتکاب نہیں کرتا، اگرچہ تا حکم جواز شراب و قمار کا استعمال کیا گیا۔

marfat.ocm

جواب : اگرچہ نہی سے مقصود صرف شراب وقمار تھے، لیکن اس میں تنبیہ مطلوب ہے کہ خمر وقمار بھی خرابیوں کے لحاظ سے ازلام وانصاب سے کچھ کم نہیں۔ پس اے مومنو! جیسے تم ازلام وانصاب کو بہت بُرا سمجھتے ہو۔ ایسے ہی یہ شراب وقمار بھی ہیں۔

وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ، اور وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے روکتے ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ یہ دونوں شراب وقمار دینی امور میں بہت خلل ڈالتے ہیں۔ اس لئے کہ شراب سے طرب ومستی پیدا ہوتی ہے اور لذتِ جسمانیہ اور شہوت نفسانیہ شراب سے نشوونما پاتی ہیں اور یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے روکتے ہیں۔ اسی طرح قمار بھی کہ اس کا انہماک بھی عبادت سے غفلت کا سبب بنتا ہے۔ جبکہ اپنے حریف پر غلبہ پا جائے تو بھی اُسے حرص ہوتا ہے کہ کام بن رہا ہے۔ اسے مکمل کرنا ضروری ہے۔ اس طرح سے غفلت چھا جائے گی تو عبادت وذکر وفکر اور نماز چلی جائیگی اور اگر مغلوب ہو رہا ہے تو بھی چاہیگا کہ نماز وعبادت وغیرہ جاتی ہے تو جانے دو میں اپنے حریف سے بدلہ لونگا۔ اسی طرح سے نماز اور روزہ وذکر وغیرہ سے محروم ہو جائے گا۔

سوال : نماز کو علیحدہ ذکر کرنے کا کیا فائدہ جبکہ وہ ذکر اللہ میں داخل ہے۔

جواب : اس کی اہمیت اور عظمتِ شان کی وجہ سے۔ علاوہ ازیں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جو اسے ادا نہیں کرتا وہ گویا لذتِ ایمان سے محروم ہے۔ اس لئے کہ نماز ایمان کا ستون ہے۔ **فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ** ۝ پس کیا اس سے رُکنے والے ہو یا نہ۔ یہ جملہ لفظاً استفہام اور معنیً امر ہے۔ گویا یوں حکم ہُوا کہ اِنْتَهُوْا ، یعنی اِن جملہ امور سے پُورے طور رُک جاؤ۔

نکتہ : علم بلاغت میں نہی کا یہی بہترین طریقہ ہے۔ اس لئے کہ فعل کے روکنے کے لئے اس میں زیادہ تاثیر ہے۔

فائدہ : حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہی حکم سُنا تو کہا : اے اللہ ہم ان امور سے پُورے طور رُک گئے۔ **فائدہ** : ہجرت کے تیسرے سال غزوۂ احد کے بعد ہی شراب کی تحریم کا حکم نازل ہُوا۔

۝ **وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ** ، اور اللہ تعالیٰ اور اُس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو۔ اُن امور میں جن کے تم مامور ہو۔ اس کا اِجْتَنِبُوْا پر عطف ہے۔ وَاحْذَرُوْا اور جن باتوں سے تمہیں روکا گیا ہے اُن سے رک جاؤ!

فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ ، پس اگر تم فرمانبرداری اور اطاعت سے اعراض کرو!

فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ جان لو کہ بیشک ہمارے رسول علیہ السلام کے

marfat.ocm

ذمّہ صرف تبلیغ ہے اور وہ اسے سرانجام دے چکے۔ اب وہ اپنی ذمّہ داری سے عہدہ برا ہیں اور تمہارے اُوپر حجت قائم ہوگئی اور تمہاری عذر داریاں بیکار ہوگئیں۔ اب تمہارے لئے سوائے عذاب کے اور کچھ نہیں ہوگا۔ **نکتہ** : خمر و قمار کا ذکر بتوں کے ساتھ اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ شراب خوری و قمار بازی بھی بُت پرستی سے کچھ کم نہیں۔ اسی لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ شارب الخمر کعابد الوثن ،، شرابی بُت پرست کی طرح ہے۔ حدیث مذکور کی آیت مذکور سے تائید ہوتی ہے۔

شراب خوار کی مذمّت کی احادیث مُبارکہ

حدیث شریف ع۱ : جس نے دُنیا میں شراب پی تو اُسے قیامت میں سانپوں اور بچھوؤں کی زہر پلائی جائے گی۔ جب وہ زہر پیئے گا تو اُس کے چہرے کا چمڑہ مردار جانور کی طرح اُدھیڑا جائے گا۔ اُس سے ایسی بدبو اُٹھے گی کہ تمام اہلِ محشر اس سے ایذاء پائیں گے جو شخص دُنیا میں شراب کا ایک گھونٹ پیئے گا تو اللہ تعالیٰ اسے آخرت میں جہنم کی پیپ پلائے گا۔ **حدیث شریف ع۲** : اللہ تعالیٰ شراب اور شرابی اور شراب پلانے والے اور بیچنے والے اور خریدنے والے اور نچوڑنے والے اور جس کے لئے نچوڑا جائے اور اٹھانے والے اور جس کے لئے اُٹھایا جائے اور جو اسے بیچ کر اس کی قیمت کھاتا ہے سب پر لعنت کرتا ہے۔

حدیث شریف ع۳ : جو شخص شراب پیتا ہے۔ بعد اس کے کہ اسے حرام کر دیا ہے تو وہ نکاح کرنا چاہے تو اسے کوئی نکاح کے لئے لڑکی نہ دے اور جب وہ بات کرے تو اُس کی تصدیق نہ کی جائے اور جب وہ سفارش کرے تو اُس کی سفارش قبول نہ کی جائے اور نہ ہی اُسے کسی امانت پر امین مقرر کیا جائے۔ جس نے ایسے آدمی کے ہاں امانت رکھی اور اسے اُس نے ہلاک کر دیا تو اللہ تعالیٰ اسے واپس نہیں کرے گا۔

حسین واعظ کاشفی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے

(۱) بے نمکی داں جگر آمیختہ　　بر جگر بے نمکان ریخت
(۲) بے خبر آں مرد کہ چیزے چشید　　کش قلم بے خبرے در کشید

ترجمہ : (۱) جگر آمیختہ کو بے نمک جان کی جگر پر نمک چھڑک دیا گیا ہے یعنی زخم اور جل گئے۔

(۲) وہ مرد بے خبر ہے کہ کچھ نہ چکھا اس لئے کہ اُس نے بے خبری میں قلم کھینچا۔

marfat.ocm

تفسیر صوفیانہ : یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اس ایمان کی طرف اشارہ ہے جو حقیقی ہے۔ جو تم کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ حق سے ازل میں نصیب ہوا۔ جس کی فطرت ہی طاعت و فرمانبرداری اور تواضع ہے جیسے ملائکہ کی فطرت ہے۔ اس کی ضد خواہش نفسانی ہے وہ آخریات خلق میں سے ظلمانی، نفسانی اور سفلی ہے۔ اس کی فطرت تمرد و مخالفت اور اپنے رب کی طاعت و عبادت سے انکار و استکبار ہے جیسے شیاطین کی عادت ہے۔ جب کوئی شراب پیتا ہے تو اس کی عقل کا نور مغلوب ہو جاتا ہے۔ جس سے وہ راہِ حق کی طرف ہدایت نہیں پا سکتا۔ پھر اس پر خواہشات نفسانیہ کی اندھیریاں چھا جاتی ہیں۔ اس سے اس کا نفس بالکلیہ ہو کر اسے خواہشات نفسانیہ پر ابھارتا ہے۔ اس وجہ سے وہ جمیع الشہوات نفسانیہ و لذات حیوانیہ کا طالب ہو کر خواہشات نفسانیہ کا تابع ہو جاتا ہے۔ اس طریقہ سے شیطان اس پر غالب پا لیتا ہے۔ پھر وہ اس سے تمام غلطیاں کرا لیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف ہوتی ہیں اسی لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا: الخمر ام الخبائث ،، شراب تمام خباثتوں کی جڑ ہے۔ اس لئے کہ تمام خباثتیں اسی سے پیدا ہوتی ہیں۔ قماربازی اس لئے حرام ہے کہ اس سے صفات مذمومہ نفس میں ابھرتی ہیں۔ مثلاً حرص، بخل، کبر، غضب و عداوت، بغض، حقد، حسد وغیرہ وغیرہ اور انہی صفات سے بندہ صحیح راستے سے بھٹک کر گمراہی کا شکار ہو جاتا ہے۔

انصاب ،، وہ ہیں کہ جن کی اللہ تعالیٰ کے ماسوا پرستش ہوتی ہے انہیں کی پرستش سے بندہ مشرک ہو جاتا ہے۔

ازلام ،، وہ اشیاء ہیں۔ جن سے بھلائی، برائی وغیرہ کی امید سے بندہ گمراہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے نفع اور ضرر بالذات صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ پھر فرمایا: رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ" یعنی اشیاء مذکورہ بالا خبیث ترین چیزیں اور شیطان کے اعمال سے ہیں کہ انہی سے شیطان انسان کو گمراہ کر کے راہِ حق اور صراطِ مستقیم سے بھٹکاتا ہے۔

فَاجْتَنِبُوْهُ ،، پس تم اے ایمان والو شیطان سے بچو اور اس کے وساوس قبول نہ کرو اور اس کے تمام اعمال خبیثہ کو بالکل ترک کر دو۔ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ تاکہ شیطان کے مکر و فریب اور اس کی تمام خباثتوں سے بچ جاؤ! (التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ ۹۳: لَیْسَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ ،، نہیں ایمان والوں پر کوئی گناہ اور حرج فِیْمَا طَعِمُوْٓا ،، اس میں جو کچھ انہوں نے کھایا پیا ہے۔

مسئلہ : شراب اور قمار بازی سے جو مال حاصل ہوتا ہے وہ بھی اس کے حکم میں داخل ہے۔ یعنی وہ بھی

marfat.ocm

جائز ہوگئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اِذَا مَا اتَّقَوْا ،، جبکہ وہ اشیاء محرمہ سے بچتے ہیں۔ وَّ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ،، ایمان اور اعمالِ صالحہ پر مداومت کرتے ہیں۔ ثُمَّ اتَّقَوْا ،، اس کا عطف پہلے اَتَّقَوْا پر ہے اور یہ بھی اس شرط میں داخل ہے یعنی جب وہ اشیاء محرمہ سے بچتے ہیں۔ اگرچہ اس سے قبل اُن کا استعمال ان کے لئے مباح تھا۔ وَّ اٰمَنُوْا اور ان اشیاء کی تحریم پر ایمان رکھتے ہیں۔ ثُمَّ اتَّقَوْا پھر وہ اشیاء محرمہ کے استعمال سے بچتے ہیں۔ جبکہ اس سے قبل اُن کے لئے وہ اشیاء مباح تھیں۔

ازالۂ وہم : یاد رہے کہ یہ تکرار (اتقاء) اس لئے ہے کہ اُن کے لئے اشیاء کی اباحت تدریجاً تدریجاً منسوخ ہوئی۔ اب مطلب یہ ہُوا کہ جتنی اشیاء اس حکم سے پہلے تمہارے عمل میں تھیں اس سے منسوخ ہوئیں۔ اب اُن سے بچو۔ پھر اشیاء مباح رہ گئیں۔ ان کے بعد وہ منسوخ ہوئیں وغیرہ وغیرہ

وَّ اَحْسَنُوْا ،، اور نیکی کرو یعنی اعمال صالحہ جو عنداللہ حُسن و جمال رکھتی ہیں۔ اس میں وہ اعمال شامل ہوگئے جو قلب اور جسم سے تعلق رکھتے ہیں۔

وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ○ اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے کہ اُن سے کسی قسم کا مواخذہ نہ کرے گا۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہُوا کہ جو نیکی کرتا ہے تو وہ محسن ہوجاتا ہے جو محسن ہوجاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوتا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ : احسان کی تعریف اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ ،، حضوریٔ قلب سے یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔ احسان مشاہدہ کا ایک مرتبہ ہے کہ جب انسان ایمان غیبی سے ترقی کرتا ہے تو اسے ایمان شہودی نصیب ہوتا ہے پھر وہ بالکل فناء فی اللہ ہوجاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اطلاق کی قید سے آزاد ہوجاتا ہے۔ اس پر اُس کی ترقی کی منزلیں اتمام پر پہنچی ہیں۔ اس مقام پر اسے کھانے پینے وغیرہ کی تمام اشیاء مُباح ہوتی ہیں۔ کوئی دُنیا کی شیٔ اُسے ضرر نہیں پہنچا سکتی۔ اس لئے کہ اس نے اپنے تمام شرائط کو مکمل کرلیا۔

تنبیہہ ۱ : لیکن یاد رہے کہ اس پر پھر کسی دوسرے آدمی کا قیاس نہ کرنا چاہیئے۔

تنبیہہ ۲ : یہ بھی یاد رہے کہ ہر اہلِ احسان کو محسن کہا جاسکتا ہے۔ کسی کے ساتھ یہ لفظ مخصوص نہیں۔ اس مرتبہ پر پہنچنے والا محسن اور لائق تحسین و آفرین ہوتا ہے۔ حضرت مولانا رُوم قدس سرہ نے فرمایا ؎

(۱) محسناں مُردند و احسانہا بماند ۔۔۔ اے خنک آں را کہ ایں مرکب براند
(۲) ظالماں مردند و ماند آں ظلمہا ۔۔۔ وائے جانے کو کند مکر و دہاں

marfat.ocm

(۳) گفت پیغمبر خنک آں را کہ او ٭ شد ز دُنیا ماند از و فعل نکو

(۴) [illegible] خود میدان دیں و احسان نیست خرد

[illegible] آں نکو [illegible] پشت [illegible] او جان برد

ترجمہ (۳) [illegible] مبارک ہو جس نے احسان کا گھوڑا دوڑایا

(۴) [illegible] مر گئے لیکن [illegible] ہے جو کہ [illegible] کا کام کرتی ہے۔

(۵) نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ [illegible] گیا لیکن اس سے نیکی یادگار رہی۔

(۶) لیکن [illegible] دین و احسان [illegible] نہیں۔

(۷) [illegible] یہ خیال مت کرنا کہ وہ موت کے ساتھ [illegible] گیا۔

عشرہ ذوالحج میں صدقات کے فضائل

(۱) مروی ہے کہ جو شخص ان دس دنوں میں کسی مسکین کو صدقہ دیتا ہے تو گویا اُس نے تمام انبیاء و رُسل کرام علیہم السلام کو نذرانہ پیش کیا۔

(۲) جو شخص اِنہی دنوں میں کسی مریض کی طبع پرسی کرتا ہے تو گویا وہ اولیاء اللہ اور ابدال کی خدمت میں طبع پرسی کے لئے حاضر ہُوا۔

(۳) جو شخص اِنہی دنوں کسی مسلمان کے جنازے میں شریک ہُوا تو وہ گویا جمیع شہدائے بدر کے جنازوں پر حاضر ہُوا۔

(۴) اور جو شخص کسی مومن کو کپڑا پہناتا ہے تو قیامت میں اسے اللہ تعالیٰ بہشتی پوشاک پہنائے گا۔

(۵) جو شخص اِنہی ایام میں کسی یتیم پر مہربانی کرے تو قیامت میں اُسے اللہ تعالیٰ عرش کے سایہ تلے جگہ عنایت فرمائے گا۔

(۶) جو شخص اِنہی دِنوں اہلِ علم کی مجلس میں بیٹھے گا۔ تو وہ گویا انبیاء و رسل کی مجلس میں حاضر ہُوا۔ (روضۃ العلماء)

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

باحسان آسودہ کردن دِلے ٭ بہ از الف رکعت بہر منزلے

ترجمہ: احسان سے ایک جان کو آسودہ کرنا ہر منزل پر ہزار رکعت پڑھنے سے بہتر ہے۔

حکایت: منقول ہے کہ ایک دفعہ بنی اسرائیل میں سخت قحط پڑا۔ تو ایک فقیر نے کسی گلی کوچے میں جاکر صدا بخواست کی۔ اس محلّہ میں ایک دولتمند رہتا تھا۔ اس کا دروازہ کھٹکھٹایا

marfat.ocm

اور کہا مجھے راہ للہ کچھ عطا کرو اس گھر سے ایک نوجوان لڑکی فقیر کے لئے روٹی لائی۔ راستہ میں وہی دولتمند
ملا اور کہا کہ گداگر کو روٹی کس نے دی۔ لڑکی نے کہا میں اپنے گھر سے روٹی لائی ہوں۔ دولتمند کو غصہ آگیا۔
اُس نے اس لڑکی کا دایاں ہاتھ کاٹ ڈالا پھر وُہی دولتمند مفلس ہوگیا اور چند دنوں کے بعد وہ فوت ہوگیا
پھر دوسرے دولتمند نوجوان نے اس لڑکی سے نکاح کر لیا اور اپنے گھر لے گیا۔ جب رات ہوئی تو لڑکی نے اپنے
اس خاوند کے ہاں کھانا پیش کیا تو بائیں ہاتھ سے۔ شوہر نے کہا دائیں سے دو لیکن اس کا دایاں ہاتھ تھا نہیں
اس لئے اُس نے پھر دوبارہ بایاں ہاتھ پھیلایا۔ اسی طرح پھر تیسری بار۔ شوہر کا اصرار تھا کہ وہ دائیں ہاتھ
سے دے۔ لڑکی کی لاج رکھ لی گئی کہ غیب سے ہاتف نے آواز دی کہ تم سیدھا پھیلاؤ۔ جس ربِ کریم کے لئے تم
فقیر کو روٹی دی تھی اس مالک نے تیرا ہاتھ تجھے واپس لوٹا دیا ہے؛ چنانچہ دایاں ہاتھ پھیلایا تو بفضلہ تعالیٰ
اسس لڑکی کا ہاتھ صحیح سالم تھا۔ اس طرح سے اپنے شوہر کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا (کذا فی روضۃ العلماء) ؎

تو نیکی کن بآب انداز اے شاہ ÷ اگر ماہی نہ داند داند خدا

ترجمہ: اے بادشاہ تو پانی دے کر نیکی کر اگر مچھلی نہیں جانتی خدا تو جانتا ہے۔

marfat.ocm

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ
اے ایمان والو! ضرور اللہ تمہیں آزمائے گا ایسے بعض شکار

الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ فَمَنِ
سے جس تک تمہارا ہاتھ اور نیزے پہنچیں کہ اللہ پہچان کرا دے ان کی جو اسے بن دیکھے ڈرتے ہیں پھر اس

اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا
کے بعد جو حد سے بڑھے اس کے لیے دردناک عذاب ہے اے ایمان والوں شکار

الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ
نہ مارو جب تم احرام میں ہو اور تم میں جو اسے قصداً قتل کرے تو اس کا بدلہ یہ ہے کہ ویسا ہی جانور

النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ
مویشی سے دے تم میں کے دو ثقہ آدمی اس کا حکم کریں یہ قربانی ہو کعبہ کو پہنچتی یا کفارہ دے چند

مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ
مسکینوں کا کھانا یا اس کے برابر روزے کہ اپنے کام کا وبال چکھے اللہ نے معاف کیا جو ہو گزرا

وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ
اور جو اب کرے گا اللہ اس سے بدلہ لے گا اور اللہ غالب ہے بدلہ لینے والا حلال ہے تمہارے لیے

الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ
دریا کا شکار اور اس کا کھانا تمہارے اور مسافروں کے فائدے کو اور تم پر حرام ہے خشکی کا شکار جب تک تم

حُرُمًا وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ
احرام میں ہو اور اللہ سے ڈرو جس کی طرف تمہیں اٹھنا ہے اللہ نے ادب والے گھر کعبہ کو لوگوں کے

الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا
قیام کا باعث کیا اور حرمت والے مہینہ اور حرم کی قربانی اور گلے میں علامت آویزاں جانوروں کو

اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۹۷﴾
یہ اس لیے کہ تم یقین کرو کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں اور یہ کہ اللہ سب کچھ جانتا

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۸﴾ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ
ہے۔ جان رکھو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان رسول پر نہیں

marfat.ocm

اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾ قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَ
مگر حکم پہنچانا اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے اور جو تم چھپاتے ہو تم فرما دو کہ گندہ اور ستھرا برابر نہیں اگرچہ
الطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ ع
تجھے گندے کی کثرت بھائے تو اللہ سے ڈرتے رہو اے عقل والو کہ تم فلاح پاؤ

تفسیر عالمانہ ۱۱/۵: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ،، یہ آیت عام حدیبیہ میں ہجرت کے چھٹے سال نازل ہوئی۔ حدیبیہ (بتخفیف الیاء الاخیرہ۔ کبھی اسے مشدد بھی پڑھتے ہیں) مکہ شریف کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ کی زیارت کا ارادہ فرمایا اور صحابہ کرام کو لے کر مدینہ طیبہ سے چل پڑے اس وقت صحابہ کی جماعت ایک ہزار پانچ سو پینتالیس افراد پر مشتمل تھی۔ جب حدیبیہ میں اُترے تو انہیں اللہ تعالیٰ نے شکار سے آزمایا اس لئے کہ وہ اس وقت احرام باندھے ہوئے تھے۔ وحشی جانوروں کی یہ حالت تھی کہ وہ اُن کے سامان کے قریب آکر کھڑے ہو جاتے۔ صحابہ کرام کیلئے اُن کا پکڑنا آسان ہو گیا۔ اگر انہیں ہاتھ سے پکڑ لیتے یا تیر مار کر شکار کر لیتے تو ان کے لئے مشکل نہ تھا؛ چنانچہ بعض حضرات نے اس کا ارادہ بھی کر لیا تو یہ آیت اُتری لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ ،، (یہ بَلْوَةٌ بَلْوًا سے مشتق ہے بمعنی تَجْرِبَةً وَّاخْتَبَرْتُہٗ) یہ قسم محذوف کا جواب ہے۔ یعنی تمہارے ساتھ وہ معاملہ کرے گا جو تمہاری آزمائش کرتا ہے تاکہ وہ تمہارے حالات معلوم کرے بِشَیْءٍ مِّنَ الصَّیْدِ تھوڑی اور حقیر شئی کو حرام کر کے جیسے شکار۔ یہاں الصید بمعنی المَصِیْدُ یعنی شکار کردہ شئی مراد ہے۔ اس معنیٰ پر مِن قطعًا بیانیہ ہے اس سے جنگل کے شکار مراد ہیں۔ ماکول ہو یا غیر ماکول۔ ماسوائے اُن کے کہ جنہیں شرعًا مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ اس تقریر پر لام عہدی ہے۔

حدیث شریف: میں ہے کہ پانچ فواسق حل و حرم ہر جگہ مارے جائیں (۱) سانپ۔ (۲) بچھو (۳) کوّا (۴) چوہا (۵) الکلب العقور یعنی بھیڑیا۔ جیسا کہ بعض روایات میں وارد ہوا ہے یعنی الکلب العقور کے بجائے ذئب (بھیڑیا) وارد ہوا ہے۔ تمّ الله

marfat.ocm

یکُمْ وَ رِمَاحُکُمْ کہ اُس شکار کو تمہارے ہاتھ اور تمہارے تیر پہنچیں۔ یعنی انہیں تم ہاتھ سے پکڑو ور نیزوں سے قتل کرو۔

(ف) لَیَبْلُوَنَّکُمُ اللّٰہُ " کی تاکید قسمی ہے۔ یعنی شکاری جانوروں کا اُن سے مانوس ہونے کی سبب ہے کہ انہیں آزمایا جائے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ قبل ہر کا وقوع محقق ہو چکا ہے۔ جیسے ابتلا سے پہلے یہ دھر پھرتے تھے اب بھی ویسے ہی پھر رہے ہیں اور شی کی تنکیر تحقیر کے لئے ہے وہ اس لئے کہ آزمائش سنگین نہیں کہ جسے سن کر تم گھبرا جاؤ یا اس کی تعمیل میں کوئی تکلیف ہو۔ جیسے بنی اسرائیل کی قتل نفس اتلاف مال سے آزمائش ہوئی بلکہ یہ آزمائش اس طرح ہے جیسے اہل ایلہ کو ہفتہ کے دن مچھلی کے شکار سے روکا گیا۔ اس میں اشارہ ہے کہ گویا انہیں کہا گیا ہے کہ اگر تم اس آزمائش میں کامیاب نہیں ہو سکتے تو پھر تم اس سے سخت تر آزمائش میں کس طرح کامیاب ہو سکو گے۔

لِیَعْلَمَ اللّٰہُ مَنْ یَّخَافُہٗ بِالْغَیْبِ " اللہ تعالیٰ سے خائف ہونے کا یہ معنے ہے کہ اُس کے عذاب سے خوف کیا جائے۔ بِالْغَیْبِ یَخَافُہٗ کی ضمیر مفعول سے حال ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کا عذاب مراد ہے اور لِیَعْلَمَ میں علم بمعنی تمیز ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ تمہاری آزمائش اس لئے کی گئی ہے تاکہ امتیاز ہو کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب آخرت سے غائبانہ کون ڈرتا ہے۔ یہ اُس کی قوتِ ایمان کی دلیل ہے کہ باوجودیکہ وہ شکار آسانی سے پکڑ سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے خوف سے شکار نہیں کرتا۔ بخلاف اس کے کہ اسے خوفِ خداوندی نہیں کہ وہ شکار کو پکڑتا ہے۔ یہ اُس کے ضعف ایمانی کی دلیل ہے۔

سوال : یہاں پر علم بمعنی تمیز کیوں ؟

جواب : اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو لاعلمی نہیں۔ اور نہ ہی اس کے لئے تجدد و تحدث ہے اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے مذکورہ بالا امر ممتنع ہیں۔ ایسے ہی اس کی صفات کے لئے بھی ممتنع ہے اور یہاں پہ مذکورہ بالا امور لازم آتے تھے۔ اس لئے مجازاً علم کو بمعنی تمیز استعمال کیا گیا ہے۔ یا یہاں پر علم بمعنے ظہور ہے یعنی سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا ہے، چنانچہ قاضی بیضاوی نے فرمایا کہ یہاں علم ظہور اور وقوع المعلوم کے معنی میں ہے۔ اور ابو سعود (مفسر) نے بھی ایسے ہی کہا ہے کہ علم یہاں پر اپنے اصلی معنی میں نہیں۔ بلکہ اپنے لازمی معنی میں مستعمل ہوا ہے تاکہ معلوم ہو کہ عمل مذکور کے بعد جزاء کیا ہے (ثواب یا عقاب) اس جملہ سے اصلی مراد یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو غائبانہ خوف کرنے پر ترغیب دلائی ہے۔ فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِکَ " جب اُسے معلوم کرا دیا گیا کہ شکار کو آسان کر دیا۔ صرف تمہاری آزمائش کے لئے؛ ورنہ شکار عموماً تمہارے ڈر سے بھاگ جاتا ہے لیکن اب تمہارے ساتھ پھرتے ہیں تو تم خود سمجھ

marfat.ocm

سکتے ہو کہ اس میں کوئی حکمت ہے اور وہ یُہی کہ اس سے تمہارا امتحان لینا مطلوب ہے اس کے باوجود پھر بھی کوئی شکار کر لیتا ہے تو سمجھو کہ حد سے تجاوز کر رہا ہے۔

فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ٥ تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے اس لئے کہ ایسا شخص عمداً بغاوت کر رہا ہے۔ اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے لاپرواہی کی اور اُسے معمولی شئے سمجھ کر اللہ تعالیٰ کی طاعت سے نکلا اور نہ اُس کے خوف و خشیت سے بالکل خالی ہو گیا۔ یہاں پہ عذاب سے آخرت کا عذاب مُراد ہے، لیکن یہ اُس وقت ہے جب اُس نے توبہ نہ کی یا اُس کی سزا نہ پائی ہو اور نہ ہی زندگی میں اس کا کفارہ ادا کیا ہو۔ ایسے مُجرم کی دُنیا میں یہ سزا ہے کہ اُس کے کپڑے اُتار کر اس کے اعضاء پر مختلف جگہوں پر سخت کوڑے لگائے جائیں لیکن چہرہ اور سر اور فرج پر کوڑے نہ مارے جائیں۔ اس سزا کے بعد اُسے کفّارہ بھی ادا کرنا لازمی ہے۔

تفسیر صُوفیانہ : یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ،، آیت میں اشارہ ہے کہ مصائب اپنے پیاروں کو لہو و لعب آوارہ لوگوں کو دیتا ہے۔ اس سے وہ عشاق مُراد ہیں جو دُنیا کی لذات و شہوات سے اپنے آپ کو بچاتے اور وصول اللہ کا حج اور وصال الٰہی کا عُمرہ کرتے ہیں۔ لَیَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ عشاق کو خطاب ہے کہ تمہارا سلوک طے کرتے وقت امتحان ہو گا۔ بِشَیْءٍ مِّنَ الصَّیْدِ ،، شکار سے مطالب نفسانیہ حیوانیہ اور مقاصدِ شہوانیہ دنیویہ مراد ہیں۔ تَنَالُهٗۤ اَیْدِیْكُمْ ،، اس سے نفوس کی شہوات متعلقات اور لذاتِ ابدان مُراد ہیں۔ وَرِمَاحُكُمْ ،، اس سے مال و جاہ کے متعلقات مُراد ہیں۔ لِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّخَافُهٗ بِالْغَیْبِ ،، تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ظاہر کرے کہ تم میں سے کون طلب حق میں مطالب و مقاصد کو چھوڑتا ہے اور اُسے خوف ہے کہیں شہود سے غائب اور منقطع نہ ہو جائے اور وہ ہمیشہ التفات للغیر سے بچتا رہتا ہے۔ فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِكَ ،، پس جو سالک طلبِ حق کے بعد مطالبِ دُنیویہ سے متعلق ہُوا۔ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ٥ تو اُسے دردناک عذاب ہے۔ مثلاً اسے مشاہدات سے محروم رکھا جائے گا اگر مشاہدات تک پہنچ بھی گیا تو اس کے آگے دروازے بند کر دیئے جائیں گے اور اُسے ذاتِ حق سے منقطع کر دیا جائے گا۔ (التاویلات النجمیہ)

حدیث رویائی : اپنے وقت کے بہت بڑے شیخ حضرت ابو عبداللہ شیرازی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ میں خواب میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہُوا۔ آپ فرما رہے تھے کہ جو اللہ تعالیٰ کی ذات کا راہ جانتا اور اُس پر چلتا ہُوا واپس لوٹتا تو اللہ تعالیٰ اسے اتنا سخت عذاب دے گا کہ کسی کو بھی ایسا عذاب نہ دیا ہو گا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ہمنام فقیر حقی (غفر اللہ ذُنُوبَہ) **صاحب روح البیان** قدس سرہ

فرمایا: اس شخص کو اس لئے سخت ترین عذاب میں مبتلا کیا جائے گا کہ اسے جب یقین تھا کہ یہی راستہ اور موصل الی اللہ ہے تو پھر کیوں واپس لوٹا۔ اور اس راہ کا جاہل اور عالم برابر نہیں اور جو اس راہ سے ہٹا۔ وہ امتحانات میں مبتلا رہا۔

حضرت مولانا رُوم قدس سرہ نے مثنوی شریف میں فرمایا ؎

(۱) قلب چوں آمد سیہ شد در زماں ÷ زر در آمد شد زندی او عیاں
(۲) دست و پا انداخت زر در بوتہ خش ÷ در رُخ آتش ہمے خندد زرش

ترجمہ (۱) جب قلب سیاہ ہو کر خالی ہو جائے اس سے اس کی اصالت ظاہر ہو گئی
(۲) ہاتھ پاؤں کو مشقت میں ڈالا۔ اس کے چہرے کو آگ کے آگے ہنسنے کا موقعہ ملے گا یعنی
گ میں جلنے گا۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

ترسم کز یں چمن نبری آستین گل ÷ کز گلشنش تحمل خاری نمیکنی

ترجمہ: مجھے ڈر ہے کہ تو باغ سے پھول نہ لے سکے گا جبکہ تو پھول لیتے وقت اس کے کانٹے کا تحمل نہیں رکھتا۔

سبق: طالبِ صادق پر لازم ہے کہ وہ ریاضتوں کی مشق کرکے شہوات سے اپنے نفس کو پاک کرے۔ جہاں تک ہو سکے حلال اشیا کھائے اور اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء کو زہرِ قاتل سمجھے۔

رُوحانی نسخے: نفس اور طبیعت کی اصلاح اگرچہ فضلِ الٰہی پر مبنی ہے، لیکن روزہ اور تقلیلِ طعام بھی بہترین اور بڑا مضبوط سبب ہیں۔

حکایت: ایک بزرگ نے نفس کو سخت ریاضتوں میں مبتلا رکھ کر پوچھا۔ اب بتا میں کون ہوں اور تو کون۔ نفس نے جواب دیا کہ تو تو اور میں میں۔ پھر دوبارہ اُس کے تزکیہ میں لگ گیا۔ کئی حج پیدل کئے۔ پھر پوچھا تو وہی پہلا جواب دیا۔ اس کے بعد اور سخت ریاضتیں کیں اور کھانے پینے میں بہت کمی کر دی۔ چند روز کے بعد پوچھا تو جواب میں کہا تو تو ہے، لیکن میں فنا ہو چکا ہوں۔ میرے وجود میں سے اب کوئی نشان باقی نہیں رہا۔ اس طرح سے اس اللہ کے بندے کی جان چھوٹی۔

نکتہ: حضرت المولوی قدس سرہ سے پوچھا گیا کہ کیا صُوفی بھی گناہ کرتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ صُوفی اس وقت گناہ کرتا ہے جب بلا ضرورت طعام کھائے اس لئے کہ سالک کے لئے طعام بیماری بھی ہے اور دوا بھی۔ اے اللہ نفسِ امارہ کی اصلاح کے لئے ہماری مدد فرما۔

marfat.ocm

۝ ١٣ یَا اَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَقۡتُلُوا الصَّیۡدَ " اے ایمان والو! شکار کو قتل نہ کرو"

تفسیر عالمانہ

: حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک الصید، ہر اس وحشی حیوان کو کہا جاتا ہے جس سے نفع اُٹھایا جائے۔ وہ ماکول اللحم ہو یا غیر ماکول اللحم۔ اس سے فواسق کے ماسوا باقی تمام حیوانات مُراد ہیں۔ اور فواسق یہ ہیں: (١) بچھو (٢) سانپ (٣) کوا (٤) چوہا (٥) کلب عقور (بھیڑیا وغیرہ)۔ اِن کو حل و حرم ہر جگہ قتل کر دینا جائز ہے۔

وَاَنۡتُمۡ حُرُمٌ حرام کی جمع ہے اس سے مُحرِم مراد ہے اگرچہ وہ حل میں ہو۔ اُس کا یہی حکم ہے۔ اسی طرح جو حرم کے اندر ہو۔ اگرچہ احرام نہ باندھا ہو کہ شکار نہ کریں خواہ حل میں ہو یا حرم میں۔ ہتھیار سے ہو یا ہتھیار کے بغیر شکاری کتے سے ہو یا پرندے سے ہر جگہ اور ہر حال میں مُحرِم اور غیر محرم کو حرم میں شکار کرنا ناجائز ہے۔

مسئلہ : احرام نہ باندھا ہو (جسے حلالی کہتے ہیں) اسے حرم سے باہر ہر جگہ شکار کرنا جائز ہے لیکن مکہ شریف کے حرم کے اندر ناجائز ہے اور حرم مکہ از جانب مشرق چھ میل اور از جانب ثانی بارہ میل اور از جانب ثالث اٹھارہ میل اور از جانب رابع چوبیس میل ہے۔ یہ فقیہ ابو جعفر کا قول ہے۔

(نکتہ) ایسے شکار کے لئے لفظ قتل سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ ایسا شکار بمنزلہ مردار کے ہے۔

مسئلہ : ہر وہ شکاری جانور جسے محرم قتل کر دے تو وہ غیر مذبُوح کے حکم میں ہے اور ہر غیر مذبوح جانور کا کھانا ناجائز ہے۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ تم شکاری جانور نہ کھاؤ، حالانکہ تم محرم ہو۔

وَمَنۡ یہ مَنۡ شرطیہ ہے۔ قَتَلَہٗ اور وہ جو شکار کو قتل کرتا ہے اس سے معہود شکار مُراد یعنی جنگلی شکار (جانور) ماکول اللحم ہو یا غیر ماکول اللحم۔ درانحالیکہ قاتل مِنۡکُمۡ "تم اہلِ ایمان میں سے ہو یعنی شکار کو قتل کرنے والا مُسلمان ہو۔

(نکتہ) اس مسئلہ کو ایمان کی قید لگانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ مومن کے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ممنوعات الٰہیہ سے رُک جائے۔

مُتَعَمِّدًا " یہ بھی قتلہٗ کے فاعل سے حال ہے۔ یعنی وہ قتل کرتے والا شکار کو جان بُوجھ کر قتل نہ کرے یعنی وہ جانتا ہو کہ وہ اس وقت حالت احرام میں ہے۔ اور یہ بھی اسے معلوم ہے کہ حالت احرام میں شکار کرنا حرام ہے۔

سوال : عمد کی قید لگانا بے سود ہے اس لئے کہ حالت احرام میں عمدًا شکار کرے تب بھی مجرم ہے اور اگر خطا کرے تب بھی۔

جواب : اصل حکم تو عمد کے لئے ہے، لیکن خطاء کو بھی اس حکم میں شامل کر دیا گیا ہے زجرًا و توبیخًا تاکہ آئندہ اس حکم کی اہمیت معلوم ہو جائے۔

جب [illegible] یعنی ایسے شخص پر جزا واجب ہے جو مثل ہو اس کے جس کو اس نے قتل کیا ہے یہ
[illegible]

مسئلہ: حضرت امام ابو حنیفہ و امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ مثل باعتبار قیمت کے
ہے [illegible] جس شکار کو قتل کیا گیا ہے اس کی قیمت کا اعتبار اس مقام کے مطابق
ہوگا [illegible] کہ اس جگہ [illegible]

مسئلہ: شکار کردہ مقتول جانور کی قیمت اگر کسی قربانی کی قیمت کے برابر ہو جائے تو واجب شکار کے قتل
کرنے والے کو اختیار ہے چاہے تو قربانی کا جانور خرید کر [illegible] حرم میں ذبح کرے چاہے تو اس کی قیمت کا
غلہ خرید کر [illegible] ہر مسکین کو [illegible] نصف صاع [illegible] دے چاہے تو ہر مسکین کے
بدلے ایک روزہ رکھے [illegible] ہر مسکین کے [illegible] تب بھی اس
[illegible] مسکین ہر [illegible]

مِنَ النَّعَمِ [illegible] اگر کسی نے محرم ہو
کر [illegible]

[illegible] تو بھی اس
[illegible]
حکم میں داخل ہے۔

یَحْکُمُ بِہٖ [illegible] ذَوَا عَدْلٍ مِّنْکُمْ تم میں سے معادل مرد
[illegible] ہَدْیًا [illegible] اس قربانی
کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر بیت اللہ شریف میں لے جائی جائے [illegible]
اور سب سے بڑی اونٹ [illegible] ہَدْیًا بٰلِغَ الْکَعْبَۃِ
ہَدْیًا کی صفت [illegible] بٰلِغَ الْکَعْبَۃِ اور کعبہ میں
پہنچنے کا یہ مطلب ہے کہ اسے حرم شریف میں ذبح کیا جائے [illegible] قربانی حرم سے باہر ذبح کر کے حرم
شریف کے فقراء پر تقسیم کر دینا [illegible] ہے بلکہ [illegible] حرم میں ذبح کر کے
حرم کے فقراء [illegible] چاہے تقسیم کرے یہی امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے

اَوْ کَفَّارَۃٌ یا کفارہ ادا کرے۔ اس کا مِنَ النَّعَمِ کے محل پر عطف ہے۔ اس بنا پر کہ وہ مبتدا محذوف کی
خبر [illegible] طَعَامُ مَسٰکِیْنَ [illegible] کفارہ سے عطف بیان ہے ان کے

marfat.ocm

مذہب پر جو کہتے ہیں کہ عطف بیان میں ہر دونوں کا معرفہ ہونا ضروری نہیں۔ یعنی وہ کفارہ مسکینوں کا طعام مقرر ہے۔

اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا یا اُس کے برابر روزہ رکھے۔ اس کا عطف طعام پر ہے۔ اب اس عبارت کا مفہوم یوں ہوا کہ ایسے قتل کئے ہوئے شکار کی جزاء میں جانور قربان کرے یا مسکینوں کو طعام دے یا چند گنتی کے دن روزے رکھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مماثلت مذکور جزاء کے لئے وصف لازم ہے کہ جس کے لئے ہدی و طعام و صیام مقرر ہے۔ ان میں سے دو پہلے بلا واسطہ ہیں اور تیسرا دوسرے کے واسطہ سے ہے جس نے شکار کو قتل کیا وہ ان میں سے جسے چاہے ادا کرے۔

فائدہ : فراء نے فرمایا کہ العدل بالکسرہ ہر وہ شئے جو ہم جنس کی مثل ہو اور بالفتح ہر وہ شئے جو کسی دوسری جنس کے مثل ہو۔ نتیجہ نکلا کہ شئے کے عدل کا معنی یہ ہے کہ وہ شئی اس کی جنس سے اس کے برابر ہو جیسے روزہ اور طعام کھلانا اور اسی طرح وہ شئی جو اس کے مقدار میں برابر ہو۔ خلاصہ یہ کہ اگر (العدل) بالفتح ہو تو اسم مصدر کے معنی میں ہوگا اور اگر بالکسر ہو تو مفعول کے معنی میں ہوگا۔ اس کا طعام کی طرف اشارہ ہے۔ صِیَامًا عدل کی تمیز ہے۔

مسئلہ : شکار کو قتل کرنے والے کو اختیار دینا امام ابو حنیفہ و امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کے مذہب پر ہے اور دو فیصلہ کنندگان کے سپرد کرے وہ جو چاہیں یہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے۔

لِيَذُوْقَ ،، یہ جار و مجرور مستقر وغیرہ محذوف ہے کے متعلق ہے یعنی اس پر جزاء اس لئے ہے کہ شکار کا قاتل چکھے۔ وَبَالَ اَمْرِهٖ ط اپنے امر کا وبال یعنی اُس نے احرام کی حالت میں حرم کی ہتک کی ہے اس کی سزا اُسے بھگتنی چاہیئے۔ دراصل وَبَال مکروہ اور اس ضرر کو کہتے ہیں جو بندے کو شامت اعمال نفس کی وجہ سے پہنچے۔

عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ط ،، گذرا ہوا عمل اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرمایا۔ یعنی احرام کھلنے سے پہلے جو اُس نے بحالت احرام شکار کو قتل کیا ہے۔ وَمَنْ عَادَ اور نہی کے بعد جو احرام کی حالت میں شکار کو قتل کرے گا اور یہ مَنْ شرطیہ ہے۔ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ ،، پس اُس سے اللہ تعالیٰ بدلہ لے گا۔

سوال : یہ جملہ جزاء واقع ہے لیکن اس سے پہلے حرف شرط نہیں۔

جواب : جب جملہ فعلیہ اسم شرط جزاء واقع ہو تو اس کے لئے حرف شرط کا ہونا ضروری ہے۔

سوال : فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ الخ سے پہلے فہو مبتدا مقدر کیوں مانا جاتا ہے۔

جواب : تاکہ فاء لغو نہ جائے۔ اگر مبتدا مقدر نہ ہوتا تو فاء جزائیہ لغو جاتی۔

فائدہ : یہاں پر انتقام بمعنے تعذیب ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے بدلہ لینے کا معنی یہ ہوتا ہے کہ وہ آخرت میں عذاب میں مبتلا کرے گا۔

مسئلہ : بعض کے نزدیک اس فعل میں اعادہ سے کفارہ واجب ہے اور بعض کے نزدیک کفارہ واجب نہیں۔

marfat.ocm

جیسا کہ آیت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے۔ دراصل انتقام یعنی بدلہ لینا اور اپنے حق کا انصاف طلب کرنا اگر اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو یعنی آخرت کی سزا وغیرہ مراد ہوتی ہے۔

وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ ۔ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے کہ اس کے غلبہ کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ ذُوانْتِقَامٍ صاحبِ انتقام یعنی جو گناہ پر اصرار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی سخت گرفت کرتا ہے۔

فائدہ : اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام سے خطاب کرکے فرمایا کہ اے خلیل مجھ سے ایسے خوف رکھو جیسے حملہ آور درندے سے خوفزدہ ہوتے ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ جب اپنی تقدیر کا اجراء فرماتا ہے تو نہیں دیکھتا کہ یہ نبی علیہ السلام ہے یا ولی[1] یا دشمن جیسے درندہ کہ جب حملہ کرتا ہے تو نہیں دیکھتا کہ وہ اس کا نفع رساں ہے یا ضرر دہندہ۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی گرفت سخت ہے۔ اس سے مجرم کسی طرح نہیں بچ سکتا ہے جبکہ وہ انتقام اور قہر و جلال پر آتا ہے۔

سبق : دانا پر لازم ہے کہ حتی الامکان بچنے کی کوشش کرے اس لئے کہ انسان وہی اٹھاتا ہے جو کچھ بوتا ہے۔ حضرت مولانا روم قدس سرہ نے مثنوی میں فرمایا کہ ؎

جملہ دانند کہ اگر تو انگری ✣ ہرچہ می کاریش روزے بدروی

ترجمہ : سب کو معلوم ہے کہ اگر تو تونگر ہے تو جو کچھ بوئے گا وہی اٹھائے گا ،،

تعجب ہے کہ ضعیف انسان بہت بڑی قوت والے رب تعالیٰ کی بے فرمانی کرکے کیسے مقابلہ کرتا ہے۔ اور یہ سب کچھ غفلت کا نتیجہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی گرفت ۔۔۔۔ کا خیال نہیں رہتا۔ اور نفس کی شرارت سے شہوات میں پھنس کر نافرمانی کر لیتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

: یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ط میں ایک نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے احرام سے فارغ ہونے والوں کے لئے شکار کی اجازت اس لئے بخشی کہ وہ عوام ہیں۔ انہیں اعمال بدنیہ کی وجہ سے کمالات دینیہ پسند ہیں اس لئے کہ وہ اپنے دینی امور میں اس قدر ہمت رکھتے ہیں اور محرم پر اس لئے حرام فرمایا کہ وہ اہلِ محبت اور قرب وصال کے کعبہ کی زیارت کی وجہ سے دنیا کی لذتوں سے بے خبر ہیں۔ یعنی جس کے لئے ہم اپنا قرب چاہتے ہیں۔ اس پر لازم ہے کہ وہ ہر لالچ و طمع کا مکمل طور قلع قمع کر دے۔ وہ ہر حال میں صرف قرب وصال کی طلب میں رہے۔ اسی لئے عارف کو سید الحق ،، کہتے ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ شکار صرف شکاری کو نصیب ہوتا ہے۔ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ ،، اور جو تم میں عاشق ہے اگر وہ دنیا کی کسی شئ کی طرف التفات کرے۔ فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ تو اس کی سزا یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کو ریاضات و مجاہدات میں

---

[1] نبی اور ولی علی نبینا علیہ السلام کے لئے وہ گرفت محبوبانہ ہوتی ہے اور دوسروں کے لئے مجرمانہ ۱۲۔ اویسی غفرلہ

marfat.ocm

مبتلا کرے اور اس لذت شہوت کی مقدار نفس کو دکھ اور درد پہنچائے۔

یَحْکُمُ بِہٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْکُمْ ۔ اس سے قلب اور روح مراد ہیں کہ جتنا قدم بھی دونوں اپنے ایمان سے اُس کے نفس کی سزا مقرر فرمادیں۔ مثلاً ریاضات شاقہ کے لئے یوں حکم کریں کہ نفس کو کھانے پینے سے باز رکھا جائے بقدر ضرورت تھوڑا سا دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرے۔ عیش و عشرت سے محروم رکھا جائے تنہائی اور خلوت میں بٹھایا جائے۔ حواس ظاہرہ کی ہر طرح کی ضرورت پر کنٹرول کیا جائے۔ ھَدْیًا بٰلِغَ الْکَعْبَۃِ یعنی اس کا ہر عمل خالص اللہ تعالیٰ کی رضا میں ہو یعنی ایسا عمل کرے کہ وہ بارگاہِ حق میں قبول ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو اس اللہ تعالیٰ کی مخلوق راضی ہو یا ناراض اُس کا اسے کسی قسم کا خیال تک نہ ہو۔ اَوْ کَفَّارَۃٌ طَعَامُ مَسٰکِیْنَ " یہاں پر مساکین سے عقل و قلب اور سر و روح اور خفی مراد ہیں کہ انہیں اپنی روحانی غذا سے محروم رکھا جاتا ہے۔ ان کو یہ غذائیں مطلوب ہیں (۱) اللہ تعالیٰ کی طرف سچی توجہ (۲) مخلوق سے پوری طرح رُوگردانی (۳) دکھ اور تکالیف پر صبر کے گھونٹ (۴) طبعی خواہشات سے دُور رکھنا (۵) جو کچھ مل جائے شکر کرنا (۶) ہر تقدیر پر راضی ہونا (۷) احکام ازلی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا۔ اَوْ عَدْلُ ذٰلِکَ صِیَامًا " صیام سے نفس کو ملاحظہ اغیار اور پیارے دوستوں کی طلب اور اللہ تعالیٰ مالک کے غیر کے جھکاؤ سے روکنا مراد ہے۔ لِیَذُوْقَ تا کہ نفس امارہ وَبَالَ اَمْرِہٖ ان معاملات شاقہ جو اُس کی طبیعت کے خلاف ہیں سے درد و الم پا کر اپنے امر کا وبال چکھے یہ اس کی وہ سزا اور کفارہ ہے۔ جو اس نے شہوات کی لذتیں اور غفلت کی حاصل کیں۔ عَفَا اللّٰہُ عَمَّا سَلَفَ ؕ اللہ تعالیٰ نے اُن طالبانِ حق کو معاف کر دیا جنہوں نے طلبِ حق سے پہلے غلطیاں کیں۔ وَمَنْ عَادَ اور جو دُنیا کے گورکھ دھندوں سے نکل کر راہِ حق کی طلب میں چل کر پھر دُنیا کی لذتوں اور اس کے تعلق میں لوٹا فَیَنْتَقِمُ اللّٰہُ مِنْہُ " تو اُسے دُنیا میں رُسوا کرے گا اور آخرت میں خسارہ ڈال کر اُس سے بدلہ لے گا۔

وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ " اور اللہ تعالیٰ نایاب ذات ہے اسے ہرگز نہیں مل سکے گا۔ جو دُنیا و آخرت کے تعلق میں لگا ہوا اُسے نصیب ہوگا جو قلیل و کثیر اور صغیر و کبیر کے فکر سے دُور ہو۔

ذُو انْتِقَامٍ ۔ اپنے دوستوں سے بدلہ لیتا ہے کہ جتنا اُنہوں نے غیر کی طرف التفات کیا یا واسطہ رکھا ہوگا اُسی قدر کبریائی و عظمت سے پوشیدہ ہو کر حجابات میں رہے گا اور اپنے دشمنوں کو وہی سزا دے گا جو اُس نے خود بیان فرمائی۔ یعنی نُقَلِّبُ اَفْئِدَتَھُمْ وَاَبْصَارَھُمْ " ہم اُن کے قلوب اور ابصار بدل دیں گے۔

(التاویلات النجمیہ) مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) عاشقِ صنع توام در شکر و صبر ٭ عاشقِ مصنوع کے باشم چو گبر
(۲) عاشقِ صنع خدا با فر بود ٭ عاشقِ مصنوع او کافر بود

ترجمہ: (۱) تیری صنعت کا عاشق ہوں صبر و شکر میں کافر کی طرح مصنوع کا عاشق نہیں ہوں

[illegible] لگا [illegible] عاشق کا [illegible] یہی [illegible] معشوق کا [illegible] ہے

سبق [illegible] وہ [illegible] اور اس سے تعلق [illegible] میں [illegible]

[illegible] تمام [illegible]

تفسیر عالمانہ

اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ حلال ہے تمہارے لئے دریا کا شکار۔ یہاں صید [illegible] لگائی جاتی ہے [illegible]

اور ہر وہ شی جو صرف پانی [illegible]

[illegible] پانی [illegible] جیسے [illegible] اور مینڈک [illegible] اور کچھوا اور [illegible] پانی کے تمام [illegible] جانور [illegible]

قاعدہ فقہیہ [illegible] امام فخر الدین رازی نے فرمایا [illegible] پانی کے جانور تین قسم ہیں (۱) مچھلی اور اس کے [illegible] حرام ہیں (۲) ان کے سوا [illegible] حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مچھلی کے سوا باقی سب [illegible] مینڈک کے سوا [illegible] حلال کہا ہے

قاعدہ فقہیہ (۲) [illegible] فرمایا کہ پانی کے [illegible] دو قسم ہیں (۱) مچھلی [illegible] حلال ہے [illegible]

حدیث شریف [illegible] نے فرمایا ہمارے لئے دو مردار حلال ہیں (۱) مچھلی [illegible] اس کے مرنے کا سبب معلوم ہو یا نہ ہو لیکن حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر وہ بلا سبب مرے تو حلال ہے۔ اگر کسی سبب سے مرے تو حرام ہے جیسے پتھر پر گر کر [illegible] مچھلی کے علاوہ باقی چیزیں دو قسم ہیں (۱) وہ جو جنگل میں گزارتی ہیں [illegible] (۲) وہ جو صرف پانی [illegible] جنگل میں نہیں جاتیں ان میں اختلاف ہے۔ بعض ائمہ فرماتے ہیں کہ مچھلی کے سوا سب حرام ہیں یہی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے بعض فرماتے ہیں کہ سب مچھلی کی طرح حلال ہیں کیونکہ وہ بھی مچھلیاں ہیں۔ اگرچہ ان کی صورتیں اور شکلیں مچھلی سے مختلف ہیں۔ (فائدہ) الحریث کو حیۃ الماء (پانی کا سانپ) کہتے ہیں۔ اس لئے کہ اس کی شکل سانپ کی طرح ہے لیکن اس کے باوجود باتفاق ائمہ اس کا کھانا جائز ہے

حل لغات [illegible] دریا کا طعام یعنی دریا کا طعام اس سے وہ چیزیں مراد ہیں جو دریا کی موجوں سے باہر آجاتی ہیں یا جب دریا کا پانی خشک ہو جائے تو اس سے جو چیزیں حاصل ہوتی ہیں۔

marfat.ocm

فائدہ : حضرت ابُوالسعود (مفسر) رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ طعامہ سے وہ طعام مراد ہے جو کھانے کے لائق ہے۔ اس معنی پر یہ آیت تعمیم کے بعد تخصیص کے قبیل سے ہے۔ اب معنی یہ ہُوا کہ تمہارے لئے جائز ہے کہ دریا سے حلال شکاروں کو حاصل کرو۔ مَتَاعًا لَّكُمْ ،، یہ مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ حضرت مولانا ابُوالسعود رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ صرف طعام سے مخصوص ہے اور طعامہ سے حال ہے جیسے لفظ نَافِلَةً آیت وَ وَهَبْنَا لَهٗ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوبَ نَافِلَةً ،، میں صرف یعقوب سے حال اور اس سے مخصوص ہے۔ یعنی تمہارے لئے دریا کا طعام حلال ہے۔ یہ صرف مقیمین کو نفع پہنچانے پر حلال کیا گیا تاکہ وہ تازہ گوشت کھائیں۔

وَلِلسَّيَّارَةِ ج ،، اور مسافروں کے لئے تاکہ اسے خشک کرکے جہاں چاہیں لے جائیں وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ ،، اور تمہارے لئے جنگل کا شکار حرام ہے۔ اس سے وہ پرندے مراد ہیں جو انڈے دیتے ہیں۔ اگرچہ بعض اوقات وہ پانی میں بھی بسر کرتے ہیں جیسے دریائی پرندے۔ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ،، جب تک کہ تم احرام میں ہو۔ یہ مَا مصدریہ ظرفیہ ہے۔ یعنی تمہاری وہ مُدّت جبکہ تم احرام باندھے ہُوئے ہو۔

مسئلہ : اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ محرم کو بحالت احرام جنگل کا ہر شکار حرام ہے۔ ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر غیر محرم شکار کرے تو وہ بھی محرم کو نہ کھانا چاہیئے۔ اگرچہ اُس کا اس شکار میں کسی قسم کا دخل نہ ہو لیکن امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ غیر محرم کا شکار محرم کو کھانا حلال ہے۔ اگرچہ اُس نے محرم کے لئے ہی کیا ہو۔ بشرطیکہ اُس کا اس میں کسی قسم کا دخل نہ ہو۔ مثلاً اشارہ کنایہ سے شکار کا حکم نہ دیا نہ اس کی رہبری کی نہ اُس کی طرف اشارہ کیا۔ مثلاً احرام باندھنے سے پہلے جو شکار کو ذبح کیا ہو بعد احرام اسے کھانا جائز ہے۔ اس لئے کہ یہ خطاب صرف احرام والوں کو ہے اب معنی یہ ہُوا کہ تم پر جنگل کا شکار حرام ہے جب تک تم احرام میں ہو۔ اس حکم سے غیر محرم کا شکار وغیرہ خارج ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ،، اللہ تعالیٰ کے تمام منع کردہ جرائم و معاصی سے بچو۔ منجملہ اُن کے احرام کی حالت میں شکار کرنا ہے۔ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ وہ کہ جس کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے۔ اُس کے غیر کی طرف نہیں کہ جس سے تمہیں پناہ مل سکے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ الْمَسَاقُ ،، یعنی تمہارا مرجع اور منتہیٰ اسی کی طرف ہے کہ جہاں اس کا حکم ہوگا۔ فرشتے تمہیں ہانک کرلے جائیں گے۔ اگر بہشت کی طرف فرمان ہوگا تو بہشت کی طرف ورنہ جہنم کی طرف۔

حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص بہشت کا مشتاق ہوتا ہے تو نیک اعمال کی طرف رجوع رکھتا ہے اور جو جہنم سے ڈرتا ہے تو وہ اپنے نفس کو محرمات سے بچاتا ہے اور جو دُنیا سے بے رغبتی رکھتا ہے تو اس کے لئے مصائب آسان ہوجاتے ہیں۔

marfat.ocm

نسخہ رُوحانی : جو شخص موت کی سہولت چاہتا ہے تو اُسے چاہیئے کہ اعمال صالحہ کی جدوجہد کرے جو شخص ترک شہوات نہیں کرتا تو اس کا رب کریم اس سے راضی نہیں۔ خواہ کتنا ہی اطاعت کرے اور جو اللہ تعالیٰ سے عاشقانہ نہیں ڈرتا تو اسے ظاہری تقویٰ کی علامات فائدہ نہیں دیں گی۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) کافرم من گر زیان کردست کس ٭ در رہ ایمان و طاعت یک نفس
(۲) کار تقویٰ دارد و دین و صلاح ٭ کہ بدان باشد بدو عالم فلاح

ترجمہ : (۱) میں کافر ہوں اگر کسی کے نقصان کو دیکھوں ایمان و طاعت میں برابر رہنا ضروری ہے۔
(۲) تقویٰ و دین و صلاح لازمی ہے تاکہ دونوں عالم میں فلاح نصیب ہو۔

تفسیر صوفیانہ : اُحِلَّ لَکُمْ میں اشارہ ہے کہ اے بحر حقائق میں غوطہ لگانے والو تمہارے لئے صَیْدُ الْبَحْرِ " دریا کا شکار حلال ہے۔ یعنی بحرِ معرفت سے جتنا مشاہدات و کشوف حاصل کر سکتے ہو وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ " اور اس کا طعام تمہارے لئے اور مسافروں کے لئے حلال ہے کہ تمہارے اُوپر جتنا واردات ربانیہ اور تجلیات صفاتیہ وارد ہوں انہیں جی بھر کر حاصل کر لو، چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اپنے رب تعالیٰ کے ہاں بسر کرتا ہوں، پھر جی بھر کر کھاتا پیتا ہوں۔ فلہٰذا اے رہروان راہ حق تم بھی اس سے جتنا جی چاہے کھا پی لو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ " یہ مشائخ اور اُن کے تربیت یافتہ عُلماء راسخین کے مستحق ہے۔ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ " اور اے طالبانِ حق تمہارے لئے حرام ہے۔ صَیْدُ الْبَرِّ " اس سے سیر الی اللہ کے وقت جو دُنیوی و اُخروی مطالب درپیش آتے ہیں مُراد ہیں اور وہ دونوں یعنی مطالب دُنیوی و اُخروی سالکانِ راہ حق کے لئے حرام ہیں۔ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا، جب تک کہ تم کعبۂ وصال کی طرف متوجہ اور حضرۃ وصال سے تمہارا رابطہ قائم ہو۔ یہ اس لئے کہ عارف و کامل اور راہرو راہ حق کی توجہ میں بہت بڑا فرق ہے کیونکہ جسے وصال نصیب ہو گیا تو وہ بالکل بھر جاتا ہے۔ جسے دُنیا و آخرت کی کسی شئے کی خبر نہیں ہوتی۔ اور جو ابھی متوجہ ہے اُسے ہوش ہوتا ہے اسی لئے وہ اِدھر اُدھر کے خیال میں گھر جاتا ہے۔

(فلہٰذا ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے) علاوہ ازیں فانی فی اللہ کے افعال نہ اُس کے اپنے ہیں اور اور نہ اس سے صادر ہوتے ہیں اور جسے ہوش ہے اس کے افعال بھی اپنے ہیں اور اُس سے ہی صادر ہو رہے ہیں۔ اور استقلال غالب ہے۔ اُس نے فنا فی اللہ کے بارے میں فرمایا کہ وہ میرے ساتھ سُنتا میرے ساتھ بولتا میرے ساتھ پکڑتا ہے اس بنا پر فرمایا : وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا " یعنی جب تم مناسک وصول سے فارغ ہو کر مسالک اصول پر چلنے شروع ہو جاؤ تو تمہارے سے احرام والوں کی جملہ مشقات اور مسافروں کی تمام تکالیف ساقط ہو جاتی ہیں۔ پھر تمہارے لئے

marfat.ocm

لئے عاکفین باب اللہ کے لوازمات اور عتبۂ حق کے طواف کرنے والوں کے امور ثابت ہو جاتے ہیں؛ چنانچہ فرمایا: وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْٓ اِلَیْہِ تُحْشَرُوْنَ ۝ یعنی اللہ تعالیٰ سے تقویٰ حاصل کرو کہ تم اسی کی طرف جمع ہو گے اور ماسوا سے نجات پا کر اسی کے ہاں پہنچو گے۔ تاکہ کامیابی کے بعد خسارہ میں نہ پڑو۔ (ہم کامیابی کے بعد خسارہ میں پڑنے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں) التاویلات النجمیہ المسماۃ بحر الحقائق"

تفسیر عالمانہ ۝ : جَعَلَ اللّٰہُ الْکَعْبَۃَ "اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو بنایا۔

حل لغات : کعبہ بمعنی تکعب یعنی مربع شکل ہونے کی وجہ سے کعبہ کہا جاتا ہے اور اہلِ عرب ہر اس گھر کو جو مربع شکل ہو اسے کعبہ کہتے ہیں (ٹخنے) سے تشبیہ کی وجہ سے جو پنڈلی اور قدم کے ملنے کی جگہ ہے اس لئے کہ ہر مربع شکل گھر کو کعب سے مربع ہونے کی ہیئت کی وجہ سے مشابہت ہوتی ہے بعض اہلِ لغت کہتے ہیں کہ زمین سے بلند ہونے کی وجہ سے کعبہ کو کعبہ کہا جاتا ہے۔ ویسے لغوی لحاظ سے یہ خروج ارتفاع سے ہے۔ اسی لئے گٹوں کو کعب کہتے ہیں کہ قدم کے دونوں جانبوں سے بلند ہوتے ہیں۔ اہل لغت کے پیش نظر جب لڑکی قریب البلوغ ہو اور اس کے پستان ابھر آئیں تو اسے کاعب کہتے ہیں اور کعبہ کو اسی لئے کعبہ کہا جانے لگا کہ اس کا ذکر دنیا میں بلند ہوا اور دنیائے عالم میں شہرت آگئی۔ اسی بنا پر اس شخص کے لئے فلاں علا کعبہ کہتے ہیں جس کی قدر و منزلت بڑھ جائے اور مشہور زمانہ ہو جائے

فائدہ عالمانہ : صاحب اسئلۃ الحکم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قدیمی گھر کے چار ستون اسی لئے بنائے ہیں (حالانکہ اس کے تین ستون ہونے تھے)

فائدہ صوفیانہ : بعض بزرگوں نے فرمایا کہ کعبہ کو کعب (ٹخنے) سے تشبیہ ہونے کی وجہ سے کعبہ کہا گیا لیکن وضع موجودہ مومن کے قلب کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اس کے چار خواطر ہیں (۱) الٰہی (۲) ملکی (۳) نفسانی (۴) شیطانی۔ کعبہ کا رکن حجر اسود بمنزلہ خاطر الٰہی کے ہے اور رکن یمانی بمنزلہ خاطر ملکی کے ہے اور رکن شامی بمنزلہ خاطر نفسانی کے ہے اور رکن عراقی بمنزلہ خاطر شیطانی کے ہے۔ اسی لئے شریعت کا حکم ہے کہ اس کے قریب جانے پر اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ پڑھا جاتا ہے۔ کعبہ کے ہر رکن کا مرتبہ ذکر مشروع سے ہوتا ہے۔

فائدہ دیگر : اگر کعبہ کو مثلث شکل مانا جائے (جس کا اشارہ ہم نے پہلے کیا ہے) اس میں راز یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے قلوب کی شکل اس طرح ہے اس سے انبیاء و رسل کی عصمت کا اظہار مطلوب ہے کہ ان کے قلوب میں خاطر شیطانی نہیں ہے اور باقی تمام انسانوں میں خاطر شیطانی موجود ہے۔ انبیاء و رسل علیہم السلام میں خاطر ثلاثہ یہ ہیں (۱) خاطر الٰہی (۲) خاطر ملکی (۳) خاطر نفسانی۔ عام خلق پر جب ان پر خاطر شیطانی کا حملہ ہوتا ہے تو اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے جیسے ہر خاص و عام محسوس کرتا ہے۔ اولیاء حضرات میں یہ خاطر شیطانی ہوتی تو ہے لیکن ان پر

marfat.ocm

اثر انداز نہیں ہوتی اسی لئے اولیاءِ کرام کو عصمت کے لحاظ سے محفوظین کہا جاتا ہے۔ [illegible]

[illegible] وانبیاء علیہم السلام [illegible] معصوم [illegible] ہوتی ہے [illegible] گناہوں سے [illegible] کہتے ہیں [illegible] کرام [illegible] عصمت [illegible] حقیقی ہے لیکن ان سے [illegible]

[illegible] اَلْبَیْتَ الْحَرَامَ [illegible] واقع ہوا ہے [illegible] اس کی حرمت [illegible]

حدیث شریف: [illegible] زمین و آسمان کی تخلیق سے ہی کعبہ شریف کو حرم معلّٰی بنایا۔

فائدہ: [illegible] فرمایا کہ کعبہ شریف کو حرم شریف حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مقرر فرمایا۔

حدیث شریف: [illegible] نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ شریف کو [illegible] اور میں نے مدینہ طیبہ کو حرم مقرر فرمایا۔

سوال: یہ حدیث شریف اس حدیث پاک کے خلاف ہے کہ زمین و آسمان کی تخلیق کے وقت سے کعبہ شریف کو حرم مقرر فرمایا۔ [illegible]

جواب: [illegible] زمین و آسمان کی تخلیق [illegible] کعبہ شریف کو حرم [illegible] لوح محفوظ پر لکھا گیا کہ عنقریب [illegible] ابراہیم علیہ السلام [illegible] کعبہ [illegible] حرم مقرر کیا [illegible] کعبہ معظمہ کا حرم مقرر ہونا اگرچہ اس کی حرمت عرضیہ [illegible] ذاتی حرمت قدیم ہے [illegible] لوح محفوظ کی کتابت اس کی حرمت ذاتیہ ہے، چنانچہ [illegible] اس حکم کا راز زمین کے کسی خطے سے نہ ملا [illegible] محترم [illegible] تو اللہ تعالیٰ نے اس خطے کو حرم بنایا جیسا کہ مومن کا خون اور عزت اور مال محفوظ ہونے چاہئیں۔ اسے بھی اسی لئے معزز و مکرم بنایا کہ اس نے طاعتِ الٰہی کے لئے سر جھکایا۔ [illegible] طرح حرم محترم [illegible] اطاعت ربانی کی وجہ سے اس کے شکار اور اس کے درخت اور اس کی خلا کو محفوظ فرما دیا۔ [illegible] حرمت و تعظیم صرف طاعت الٰہی کی وجہ سے ہے۔

العجوبہ: طوفانِ نوح کے دوران ارضِ حرم میں اس کی حرمت کے پیش نظر بڑے حیوانوں نے چھوٹے

[illegible]

ف: سلہ تفصیل دیکھنے کے لئے دیکھیے میری کتاب "محبوب مدینہ" اویسی غفرلہ

marfat.ocm

سانپوں کو نہ کھایا۔

قِيٰمًا لِّلنَّاسِ ،، یہ جعل کا مفعول ثانی ہے۔ قیام للناس کا معنیٰ یہ ہے کہ بندوں کے دینی و دنیوی امور کے قیام کا مدار یہی ہیں۔ کعبہ معظمہ اس لئے کہ وہاں لوگ حج و عمرہ کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ اس میں مناسک عظیمہ و طاعات شریفہ بجالاتے ہیں۔ جن کی وجہ سے ان کے گناہ جھڑتے اور اُن کے مراتب بُلند ہوتے اور انہیں بہت بڑی کرامات نصیب ہوتی ہیں اور حرم محترم اس لئے کہ وہاں ہر قسم کے ثمرات سمٹ کر جمع ہو جاتے ہیں جن سے تجار نفع پاتے ہیں۔ علاوہ ازیں وہاں نہ لوٹ کھسوٹ کا خطرہ ہے نہ ہی حرم میں کسی کے دَر پے آزار ہونا پڑتا ہے۔ جاہلیت اور اسلام ہر دونوں میں یہ قانون ہے کہ کوئی بھی غلطی کرلے یا کسی کو ناحق قتل کر کے حرم محترم میں پناہ لے تو وہ جب تک حرم کے اندر پناہ گزیں ہے اسے کچھ نہیں کہا جائے گا۔ حضرت محی فتوح الحرمین میں کعبہ معظمہ کی مدح کرتے ہوئے لکھتے ہیں ؎

(۱) ہیچ بنی ہیچ ولی ہم نبود   کہ او نہ بریں دررخ اُمید سود
(۲) ہادی رہ نیست بجز لطف دوست   آمدنت راطلب از نزد اوست
(۳) تا نزد سرز زچمن نَو گلی   نغمہ سرائے نکند بُلبلے

ترجمہ : (۱) ہر نبی و ولی اس دروازہ پر سر جھکاتا ہے
(۲) رہبر صرف لطف دوست ہے۔ ترا آنا اور طلب ری سے ہے۔
(۳) چمن سے اگر گُل ظاہر نہ ہوتا تو بلبل کبھی نغمہ سرائی نہ کرتی۔

وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ ،، اور مہینہ محترم کہ جس میں حج ادا کیا جاتا ہے یعنی ذوالحج کو بھی لوگوں کے لئے قیام مقرر فرمایا۔ یہاں مفعول ثانی یعنی قیامًا لِلنَّاس محذوف (ماقبل میں مذکور ہونے کی وجہ سے) اس مہینہ کو قیامٌ لِلنّاسِ اس لئے بنایا کہ اہلِ عرب ہمیشہ ایک دوسرے کے قتل و غارت کے دَرپے رہتے تھے لیکن جب یہ مہینہ تشریف لاتا تو ایک دوسرے کے خوف و خطرے محفوظ ہو جاتے۔ اسی لئے حج و تجارات کے لئے اس ماہ کا انتظار کرتے اور مہینہ حرام میں نہایت اطمینان و سکون سے تجارت اور حج کے لئے چلتے پھرتے رہتے۔ اس بنا پر اُن کے منافع دین و دُنیا اور معاش و معاد کے مصالح کا یہی مہینہ سبب بنا۔

نکتہ : بعض مہینوں اور دِنوں اور اوقات کو بعض دوسروں پر انبیاء و اولیاء کی طرح ایک دوسرے پر فضیلت بخشی تاکہ نفوس و قلوب کو اُن کی عزت و احترام کا شوق پیدا ہو اور سعادتمند لوگ اس میں عبادت کریں اور اُن کے فضائل میں رغبت رکھیں۔

عشرہ ذوالحج کے فضائل : تفسیر نیشاپوری میں ہے کہ ذوالحج کے دس دن بعد رمضان اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑی فضیلت رکھتے ہیں اور یہ اس کے محبوب دن ہیں اِس لئے

marfat.ocm

کہ ان دنوں میں موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کلام کیا۔ ان دنوں میں لوگ حج کے لئے احرام باندھتے ہیں۔ ان ایام میں آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی۔ ان ایام میں اسماعیل علیہ السلام کے لئے دنبہ (فدیہ) قبول ہوا۔ انہی دنوں ہود علیہ السلام کو نجات ملی۔ ان دنوں میں نوح علیہ السلام کی کشتی طوفان سے کنارہ لگی۔ ان ایام میں حضور سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسالت کے اظہار کا حکم ہوا۔ ان ایام میں صحابہ کرام کو بیعت رضوان کا شرف اور فتح خیبر کا مژدہ بعد نصیب ہوا۔ ان دنوں میں فتح حدیبیہ کی خوشخبری ملی۔ ان دنوں میں انہیں مغفرت کا پیام ملا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ وَمَا تَأَخَّرَ۔ ان کے علاوہ اور آیات بینات کہ جن کا ذکر کتب سیر و تواریخ و تفاسیر میں ہے) ان دنوں کا ایک روزہ ہزار دن کے برابر ہے۔ اس کی ایک رات کی عبادت زندگی بھر کے حج و عمرہ کے برابر ہے۔

مسئلہ : ذوالحجہ کے عشرہ اولیٰ میں روزہ رکھنا افضل ترین مستحب ہے۔ بالخصوص نویں کا روزہ۔ یعنی عرفہ کے دن لیکن جو حج کے مناسک ادا کر رہا ہو وہ اس دن روزہ نہ رکھے تاکہ حج کے مناسک کی ادائیگی میں نقص واقع نہ ہو بلکہ اُن کے لئے اس دن روزہ نہ رکھنا مستحب ہے تاکہ اطمینان و سکون و حضور قلب سے حج کے مناسک ادا کرے۔

حدیث شریف : عرفہ کی بہترین دعا وہ ہے جو مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام نے پڑھی۔ وہ یہ ہے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ[1]

وَالْهَدْیَ ۔ اور ھدی کو بھی لوگوں کے لئے قیام بنایا اور ھدی وہ قربانی ہے جو بیت اللہ شریف بھیج کر ذبح کی جاتی ہے اور اس کا گوشت پوست فقراء میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ وہ حاجی کے مناسک حج میں سے ہے اور فقراء کی وجہ معاش اسی پر ہے۔ یہ بھی دینی و دنیوی امر کے قیام کا سبب ہے۔

فائدہ : صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ قربانی کا اصل مقصد فقراء کی ضروریات پورے کرنے کے لئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قربانی کرنے والے کے لئے مستحب ہے کہ گوشت کا اکثر حصہ بلکہ تمام گوشت فقراء کو دیدے ؎

(۱) از ہمت والائے خویش ÷ سود برد او در خور کالائے خویش

ترجمہ : اپنی ہمت کی بلندی سے ہی اپنے سامان سے منافع پاتا ہے۔

نکتہ : حجاج کو عید قربان کے دن حکم ہے کہ وہ منیٰ سے مسجد حرام کی طرف جائیں اور دوسروں کو

---

[1] اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ واحد لاشریک ہے اسی کا ملک اسی کے لئے حمد ہے اور وہ ہر شئی پہ قادر ہے ۱۲۔

کو حکم ہے کہ حجاج کی موافقت کرتے ہوئے گھر سے عیدگاہ کو جائیں۔ حجاج کو حکم ہے کہ بیت اللہ کا طواف کریں۔ دوسروں کو حکم ہے کہ اس دن عید نماز کا دوگانہ پڑھیں۔

حدیث شریف : حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ بیت اللہ شریف کا طواف بھی نماز ہے۔ حاجیوں کو حکم ہے کہ اُس دن سر منڈائیں۔ ناخن ترشوائیں وغیرہ۔ دوسروں کو حکم ہے کہ برائیوں (بدعات وغیرہ) سے ہٹ کر طاعات (سُنن) بجالائیں۔ حاجیوں اور دوسروں کو حکم ہے کہ اس دن قربانی کریں لیکن ہر ایک کو نہیں بلکہ جو صاحب نصاب

لطیفہ : اللہ تعالیٰ کے خزانے کے لائق وہ مال ہے جو حلال طیب ہے۔ اسی طرح نہ ہر دل اللہ تعالیٰ کی معرفت کی صلاحیت رکھتی ہے اور نہ ہر نفس اللہ تعالیٰ کی خدمت (عبادت) کر سکتی ہے۔ بلکہ جسے سعادت نصیب ہو۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) آں توکل کو خلیلان ترا — تا نبرد تیغت اسماعیل ما
(۲) آں کرامت چوں کلیمت از کجا — تا کنی شہ را ز قعر نیلی رہا

ترجمہ : (۱) جب تک خلیل (علیہ السلام) کا توکل اور اسماعیل (علیہ السلام) کی قربانی نصیب نہ ہو
(۲) تو تجھے کلیم علیہ السلام جیسی کرامت کب نصیب ہو سکتی ہے جو کہ انہوں نے دریائے نیل میں سڑک بنالی

وَالْقَلَآئِدَط ، اور قلائد کو بھی اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لئے قیام بنایا۔

حل لغات : القلائد قلادہ کی جمع ہے۔ ہر وہ شے جو قربانی کے جانور کے گلے میں ڈالی جائے مثلاً جوتے کا ٹکڑا۔ یا درخت کی چھال تاکہ معلوم ہو کہ یہ قربانی کا جانور ہے۔ تاکہ اس پر نہ کوئی سوار ہو اور نہ ہی اس پر کوئی بوجھ لادیں۔ یہاں پر ذوات القلائد یعنی قلادہ والے جانور مراد ہیں۔ یعنی اونٹنی اور گائے وغیرہ یعنی وہ جانور جو بڑی اور قربانیوں میں ذبح کئے جاسکتے ہیں۔

فائدہ : ان کا خصوصیت سے ذکر اس لئے ہوا کہ انہیں میں زیادہ ثواب ہے اور حج کی قدر و قیمت انہی سے نکھرتی ہے۔ اسی لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قیمتی اونٹنی قربان فرمائی۔ اس وقت اس کی تین سو دینار قیمت تھی۔ باری تعالیٰ نے فرمایا : وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ، اور قلائد لوگوں کی دینی و دُنیوی امور کے قیام کے مدار اس لئے ہیں کہ جو اپنی قربانی کے گلے میں قلادہ باندھے گا تو اُسے حج کی قربانی سمجھ کر کوئی بھی اس کے درپے نہ ہو گا۔ بہت سے لوگ اپنی سواریوں کے گلے میں حرم شریف کے درخت کی چھال ڈال کر گھر کو روانہ ہوتے تو اطمینان و سکون سے باامن و سلامت گھر واپس پہنچ جاتے اس لئے کہ اہل جاہلیت بھوک کے مارے درخت کے پتے اور ٹہنیاں کھالیتے لیکن اس قلادہ دار حج کی قربانی کی عزت و احترام کے پیش نظر اس کے درپے آزار نہ ہوتے۔ **ذٰلِكَ** ، یہ اشارہ جعل کی طرف اور فعل مقدر سے منصوب ہے۔ ای شرع اللّٰہ ذٰلک

جیسے [illegible] حضرت عبداللہ بن [illegible] فرمایا [illegible]

لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۔ تاکہ تم معلوم کرو کہ بے شک جو [illegible] [illegible] قبل از وقوع [illegible] [illegible] ان کے [illegible] اور دلائل [illegible] کرتے ہیں کہ ان کا شارع کتنا بڑی [illegible] اس کا علم [illegible] اور اس کا علم جمیع الاشیاء کو محیط ہے۔ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کو جانتا ہے تخصیص کے بعد تعمیم محض تاکید کے لئے ہے۔ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ جان لو کہ بے شک اللہ سخت عذاب والا ہے یہ اس کے لئے وعید ہے جو محارم الٰہی کی ہتک کرے اور پھر اس پر اصرار کرتا رہے۔

وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اور یہ جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اس کے لئے وعدہ کریمہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے محارم کی حفاظت کرتا ہے یا اس کے محارم کی ہتک کرکے پھر تائب ہو جاتا ہے۔ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ اور نہیں رسول علیہ السلام پر مگر تبلیغ رسالت کہ وہ بتادیں کہ ان امور کو [illegible] [illegible] المرجع [illegible]

مسئلہ: اس میں تاکید شدید ہے کہ رسول علیہ السلام کے لائے ہوئے پیغام کو سر آنکھوں پر رکھ کر اس کی تعمیل میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کی جائے۔ [illegible] تھا انہوں نے پہنچا دیا۔ وہ اپنے فریضہ سے سبکدوش ہوگئے [illegible] اور پھر [illegible] غیر مسموع ہوگا۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ۝ اور اللہ تعالیٰ تمہارے ہر ظاہر اور پوشیدہ امور کو جانتا ہے [illegible] اور جو کچھ [illegible] وہ اس کو بھی جانتا ہے۔ جس پر تمہارا مواخذہ ہوگا [illegible] شیخ [illegible] قدس سرہ نے فرمایا ہے

بر علم یک ذرہ پوشیدہ نیست ۔ کہ پنہاں و پیدا بنزدش یکیست

ترجمہ: اس کے علم کے آگے کوئی ذرہ پوشیدہ نہیں۔ کیونکہ پنہاں اور ظاہر اس کے لئے برابر ہے۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے ایک ظاہری کعبہ بنایا ہے جس کی طرف تمام عوام و خواص جھکتے اور پناہ ڈھونڈتے اور عجز و نیاز کرکے اپنی [illegible] حاجات پیش کرتے ہیں۔ ایسے ہی باطن میں قلب کا کعبہ بنایا ہے کہ خواص اور خواص الخواص کے امور کے قیام کا دارومدار اس پر ہے۔ وہ حضرات دوام الذکر و نفی الخواطر اور

marfat.ocm

ربُوبیت کے اثباتِ حق کا کرتے ہُوئے کہتے ہیں لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا هُوَ وَلَا وَجُوْدَ اِلَّا لَہٗ اِلَّا هُوَ وَلَا مَطْلُوْبَ وَلَا مَحْبُوْبَ اِلَّا هُوَ سے پناہ ڈھونڈتے ہیں

فائدہ : اس کا نام بیت اللہ اس لئے ہے کہ بندوں کو یقین ہو کہ واقعی یہی اللہ تعالیٰ کا حقیقی گھر ہے اور اسے الحرام اس لئے کہا تاکہ معلوم ہو کہ یہاں غیر کا لانا بلکہ غیریت کا تصور بھی حرام ہے اور اس پر ایسا تصور باندھے اور محبت و عشق اور اس کی طلب میں ایسا محو ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنے گھر کا دروازہ کھول دے **اَلشَّهْرَ الْحَرَامَ** " سے طلب اور سیر الی اللہ کے ایام مُراد ہیں کہ اِن دِنوں میں طالبِ حق پر لازم ہوتا ہے کہ اس وقت خلق اور ما سویٰ اللہ کے تصور کو گھسنے نہ دے۔ اور **الْهَدْیَ** سے نفسِ بہیمیہ مُراد ہے کہ جسے کعبہ قلب کی طرف چلایا جاتا ہے اور **قَلَائِدَ** سے مراد ارکانِ شریعت ہیں اور الھدی یعنی نفس کو آدابِ طریقت کی چھری سے قلب کے دروازہ پر شہوات و لذات حیوانیہ سے ذبح کیا جاتا ہے۔ **ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْا** " میں اشارہ ہے کہ سالک جب کعبۂ قلب تک پہنچتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے گھر کو دیکھتا ہے تو اسے انوارِ جمال و جلال کا مشاہدہ ہوتا ہے پھر اس مشاہدہ سے آسمان و زمین کے اندر والی تمام اشیاء کو دیکھ اور جان لیتا ہے اس لئے کہ وہ اس وقت اللہ کے نُور سے دیکھ رہا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اُسے علی التحقیق ہر شئے کا علم ہوتا ہے۔ **اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ** " سے مُراد یہ ہے کہ وہ اپنے مشاہدہ سے غیروں کے لئے پردے لٹکا دیتا ہے۔ اور غیروں سے وہ لوگ مُراد ہیں کہ جنہوں نے دُنیا کو جھانک کر دیکھا تو اس کی زینت و شہوات میں پھنس گئے۔ **وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ** ٥ اور طالبانِ حق اور عاشقانِ حضرۃ خاص کے لئے غفور رحیم ہے کہ اُن کے لئے اپنے گھر کے دروازے کھول کر اپنے تمام حجابات ہٹا دیتا ہے۔

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ رسُول علیہ السلام پر تبلیغ کے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ قال و حال دونوں طریقوں سے پیغاماتِ الٰہیہ پہنچائیں۔ **وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ** " ظاہر کرنے سے ایمان باقرار اللسان و عمل بالارکان مراد ہے **وَمَا تَكْتُمُوْنَ** " اس سے تصدیق بالجنان یا تکذیب اور سچی توجہ اور طلبِ حق میں خلوصِ نیت مراد ہے {[illegible]}

تفسیر عالمانہ ۱۸: قُلْ لَّا يَسْتَوِى الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ " (شانِ نزول) یہ آیت حجاج الیمامہ کے حق میں نازل ہُوئی۔ وجہ یہ ہُوئی کہ اُن میں ایک حطیم نامی شخص تھا جو گذشتہ سال مدینہ طیبہ سے مویشی ہانک کر لے گیا تھا۔ پھر اس سال حج کے لئے اپنی قوم کے ساتھ جا رہا تھا یہی عمرۃ القضا کا سال تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور علیہ السلام سے عرض کی کہ ہمیں اجازت دیجئے تاکہ ہم حطیم کو پکڑ کر اپنے مال کا بدلہ لیں۔ آپ نے فرمایا اسے کچھ نہ کہو اس لئے کہ اُس نے قربانی کے جانور کو قلادہ پہنایا ہُوا ہے۔ حضور علیہ السلام نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سمجھا دیا کہ قربانیوں کو قلائد پہنانے والے امن کے مُستحق ہیں۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق میں یہ آیت اُتری کہ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حجاج کے درپے آزار ہونے سے روکا۔ اگرچہ وہ

marfat.ocm

مشرکین تھے اور اُن کا مفصل واقعہ آیت یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰہِ الآیۃ۔ اسی سُورۃ کے اوّل میں گزرا ہے۔ اس کا حکم بحال رہا۔ یہاں تک کہ سُورہ براۃ کا نزول ہُوا۔ اس میں یہ آیات ہیں (۱) اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِھِمْ ھٰذَا (۲) اُقْتُلُوا الْمُشْرِکِیْنَ “ اس سے ہدی و قلائد والشہر الحرام اور احرام اور اُن کے ساتھ کعبہ کے ان کا استحقاق منسوخ ہوگیا۔ جبتک کہ اسلام قبول نہ کریں۔

قاعدہ : اگرچہ آیت کا نزول خاص ہے لیکن اس کا حکم عام ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نفی مساوات میں جید و ردی کا حکم عام ہے (مسئلہ) اس میں ترغیب ہے کہ جید کو حاصل اور ردی سے احتراز کی کوشش کرو۔

طیب اور خبیث کے اقسام

: طیب اور خبیث کثیر امور کو شامل ہے (۱) حلال و حرام۔ حلال اگرچہ رائی کے دانہ کے برابر ہو۔ دُنیا بھر کی حرام چیزیں اس کا مقابلہ نہیں کرسکتیں۔ اس لئے کہ حرام خبیث مردود ہے اور حلال طیب مقبول اسی لئے دونوں تا ابد برابر نہیں ہوسکتے اسی طرح ان کے دونوں کے مرتکب بھی مثلاً طالب الخبیث خبیث ہوگا اور طالب الطیب طیب۔ اللہ تعالیٰ طیب کو طیب سے ملاتا ہے اور خبیث کو خبیث سے، چنانچہ فرمایا: اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ وَالطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِ “

خبیث وطیب کا صُوفیانہ فرق

: سادات صوفیہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک طیب وہ ہے جو بلا فکر اور بلا حرکتِ نفسانیہ حاصل ہو۔ خواہ وہ صالح سے ہو یا فاسق سے ہو، اس لئے کہ وہ عطا ہے جو بلا سبب منجانب اللہ نصیب ہُوئی ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول اور اس کا برعکس مردود ہے اور یہ مفہوم حق بھی ہے۔ اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ حسنات الابرار سیئات المقربین اور ابرار و مقربین کے مراتب میں بہت فرق ہے۔

(۲) مال کے لئے خبیث اسے کہا جاتا ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ کا حق ادا نہ کیا جائے اور طیب جس سے حقوق اللہ و حقوق العباد ادا کئے جائیں نیز خبیث مال وہ ہے جسے وجوہ فساد میں خرچ کیا جائے اور طیب وہ ہے جو وجوہ طاعات میں خرچ کیا جائے نیز طیب مال وہ ہے جو فقراء کی ضروریات کے وقت کام آئے اور خبیث وہ ہے جو بلا ضرورت حاصل ہو وہ اُلٹا اُن کے لئے بارِ خاطر ہوگا۔

(۳) مومن طیب ہے اور کافر خبیث عادل طیب ہے اور فاسق خبیث۔ مومن شہد ہے اور کافر زہر۔ عادل ثمردار درخت ہے اور فاسق کانٹے دار۔ یہ تمام کبھی بھی برابر نہیں ہوسکتے۔

(۴) اچھے اخلاق طیب ہیں اور بُری عادات خبیث۔ اچھے اخلاق یہ ہیں (۱) تواضع (۲) قناعت (۳) تسلیم (۴) شکر۔ یہ سب کے سب مقبول ہیں اور بُری عادات یہ ہیں (۱) کبر (۲) حرص (۳) جزع فزع (۴) کفران نعمت۔

marfat.ocm

یہ سب مردود ہیں۔ اس لئے کہ پہلے امور تو روح کی صفات ملتے ہیں اور دوسرے نفس کی اور روح طیب اور علوی ہے اور نفس خبیث اور سفلی مثنوی شریف میں ہے

(۱) ہین مرو اندر پئے نفس چو زاغ ؛ کو بگورستان برد نے سوئے باغ

(۲) نفس اگرچہ زیرک است و خردہ داں ؛ قبلہ اش دنیا است اورا مردہ داں

ترجمہ :- (۱) کوے کی طرح نفس کے پیچھے نہ چل۔ وہ تجھے باغ میں نہیں گورستان میں لے جائے گا۔

(۲) نفس کتنا ہی دانا ہو اسے بے عقل سمجھ کیونکہ اس کا قبلہ تو دنیا اور وہ خود بھی مردہ ہے۔

نفس امارہ کی بیماریاں اور اُن کا علاج

نفس کی بیماریوں میں سے محبت مال بھی ہے۔ بزرگوں نے طیب مال کو بھی حجاب کہا ہے پھر مال خبیث کو خود سمجھئے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ سالک اپنے باطن کی صفائی کے لئے جدوجہد کرتا رہے اور ماسوی اللہ کی محبت سے کنارہ کشی

(۵) علوم نافعہ طیب اور علوم غیر نافعہ خبیث ہیں۔ علوم نافعہ شریعت اور غیر نافعہ علوم فلسفہ کو کہا جاتا ہے۔ مثنوی میں ہے ؎

علم دیں فقہ است و تفسیر و حدیث ؛ ہر کہ خواند غیر ازیں گردد خبیث

ترجمہ : علم دین فقہ اور تفسیر و حدیث ہے جو ان کے ماسوا پڑھتا ہے وہ خبیث ہو جاتا ہے۔

(۶) اعمال صالحہ طیب اور اعمال غیر صالحہ خبیث ہیں جن عملوں میں رضائے مطلوب ہو وہ طیب ہے اور جن میں ریا و شہرت مطلوب ہو وہ خبیث ہیں ؎

عبادت باخلاص نیت نکوست ؛ وگرنہ چہ آید ز بے مغز پوست

ترجمہ : عبادت میں اخلاص بہتر ہے ورنہ بے مغز چھلکے سے کیا حاصل ہوگا۔

صوفیانہ تفسیر : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ خبیث وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے باز رکھے اور طیب وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے ملائے اور فرمایا طیب اللہ اور خبیث ماسوی اللہ ہے ان کے علاوہ اور بھی فوائد ہیں۔

تفسیر عالمانہ : وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ج واؤ حالیہ اور بعد جملہ شرطیہ پر اس کا عطف ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی کہ لو لم یعجبک کثرۃ الخبیث وَلَوْ اَعْجَبَكَ، اور یہ ہر دونوں حال کے محل اور لا یستوی کے فاعل ہیں یعنی یہ دونوں کسی حال میں بھی برابر نہیں ہو سکتے۔ خواہ فرضی طور پر بھی اور لو کا جواب محذوف ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ خبیث اگرچہ کتنا ہی کثیر ہو طیب

marfat.ocm

کے برابر کبھی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ جید اور ردی ہونے کا اعتبار ہے نہ کہ کثرت وقلت کا اس لئے کہ اچھی شئے اگرچہ تھوڑی ہو گندی شے (خواہ کتنی ہی بہت ہو) سے بہتر و برتر ہوتی ہے بلکہ خبیث کی جتنی کثرت بڑھے گی اسی قدر اس کی خباثت میں بھی اضافہ ہوگا۔ اعجاب بمعنی تعجب بات سے سرور پانا۔ مثلاً کہا جاتا ہے: یُعْجِبُنِیْ کَذَا اَیْ یَسُرُّنِیْ ۔ اعجبک کا خطاب ہر اس شخص کو ہے جس کے حضور نبی علیہ السلام مامور من اللہ ہیں۔ فَاتَّقُوا اللّٰہَ ۔ اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں رکھ کر خبیث سے بچو۔ اگرچہ کثیر ہو اور طیب کو حاصل کرو اگرچہ قلیل ہو۔ یٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ ۔ اے عقل والو! یعنی وہ لوگ کہ جن کے عقل خرابیوں سے صاف وشفاف ہیں۔ یہ درحقیقت وہ لوگ ہیں کہ جن کے قلوب وارواح، ابدان ونفوس کی آلائش سے صاف ہیں۔

لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ تاکہ تم امید رکھ سکو کہ تم فلاح پا سکو گے۔ یہاں پر فلاح سے سعادتِ اُخرویہ مُراد ہے۔

تفسیر صوفیانہ : تقویٰ کے چند مراتب ہیں؛ چنانچہ حضرت ابن عطار رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تقویٰ علمِ ظاہر میں حدود اللہ کی مخالفت سے بچنا اور علمِ باطن میں نیت واخلاص کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اتقوا اللّٰہ حق تقاتہٖ ،، حق تقویٰ کا یہی ہے لا الٰہ الا اللّٰہ ،، میں خلوص صدق پیدا کرنا اور قلب میں ماسوائے حق کے اور کچھ نہ رہنے دینا

فائدہ : حضرت المولوی قدس سرہ نے اپنے وصال (موت) سے پہلے مندرجہ ذیل وصیتیں فرمائیں۔
(۱) ظاہراً و باطناً اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا (۲) قلت طعام (۳) قلت منام (۴) قلت کلام (۵) ترک معاصی و آثام (۶) ہمیشہ کے لئے ترک شہوات (۷) تمام لوگوں کے جفا پر علم اور حوصلہ (۸) سفہاء و عوام کی صحبت سے دوری (۹) نیک بخت لوگوں کی صحبت باکرامت اختیار کرنا (۹)، نفع رسانی۔ اس لئے کہ تمام لوگوں سے بہتر وہ ہے جو دوسروں کو نفع پہنچائے (۱۰) کلام مختصر اور جامع؛ چنانچہ مشہور ہے کہ خیر الکلام ما قل ودل۔

فائدہ : تمام اعمال سے بہتر اور نفع رساں عمل تقویٰ ہے اور نجات دہندہ ایمان و اعمالِ صالحہ ہیں۔

(نہ کہ حسب ونسب)

سبق : کسی کو کثرت مال اور اولاد سے دھوکہ نہ ہو کہ یہی چیزیں آخرت میں نجات کا سبب بنیں گی اور نہ ہی اپنے آباؤ اجداد کی بزرگی سے فخر ہو کہ چونکہ ہم فلاں بزرگ کی اولاد ہیں۔ فلہٰذا ہم یقیناً بخشے ہوئے ہیں[1]۔ دیکھئے پیشاب تو دراصل تو پاک اور صاف ستھرا پانی تھا۔ لیکن غلاظت سے مل کر غلیظ اور پلید ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ مالک ہے مُردوں کو زندوں سے اور زندوں کو مُردوں سے پیدا کرے۔

---

[1] یہ مرض ہمارے دور میں وبائی طور پھیلا ہوا۔ کسی کو کسی شیخ کامل سے معمولی طور کچھ نسبت ہو تو وہ سمجھتا ہے کہ بس اب بہشت کا مالک بھی وہی ہے۔ اب وہ ایسا پاک ہوگیا کہ اگر شب و روز گناہ میں غسل فرمائے تب بھی پاک اور وہ پہنچے ہوئے بزرگوں سے ہے اور عوام کی جہالت بھی قابلِ رحم ہے کہ اُن کے نزدیک بھی ولی ایسے لوگ ہیں اور بس۔" (اُویسی عفی عنہ)

marfat.ocm

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا

اے ایمان والو ایسی باتیں نہ پوچھو جو تم پر ظاہر کی جائیں تو تمہیں بری لگیں اور اگر انہیں اس

عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿١٠١﴾

وقت پوچھو گے کہ قرآن اتر رہا ہے تو تم پر ظاہر کردی جائیں گی اللہ انہیں معاف کرچکا ہے اور اللہ بخشنے والا علم والا

قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿١٠٢﴾ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ

ہے تم سے اگلی ایک قوم نے انہیں پوچھا پھر ان سے منکر ہو بیٹھے اللہ نے مقرر نہیں کیا ہے

بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى

کان چرا ہوا اور نہ بجار اور نہ وصیلہ اور نہ حامی ہاں کافر لوگ اللہ پر جھوٹا افترا باندھتے

اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿١٠٣﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ

ہیں اور ان میں اکثر نرے بے عقل ہیں اور جب ان سے کہا جائے آؤ اس طرف جو اللہ نے اتارا

وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ

اور رسول کی طرف کہیں ہمیں وہ بہت ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا کیا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ

شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿١٠٤﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ

جانیں نہ راہ پر ہوں اے ایمان والو تم اپنی فکر رکھو تمہارا کچھ نہ بگاڑے گا جو گمراہ ہوا جبکہ

اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٠٥﴾

تم راہ پر ہو تم سب کی رجوع اللہ ہی کی طرف ہے پھر وہ تمہیں بتا دیگا جو تم کرتے تھے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ

اے ایمان والو تمہاری آپس کی گواہی جب تم میں کسی کو موت آئے وصیت کرتے وقت تم

اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ

میں کے دو معتبر شخص ہیں یا غیروں میں سے دو جب تم ملک میں سفر کو جاؤ

فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ

پھر تمہیں موت کا حادثہ پہنچے ان دونوں کو نماز کے بعد روکو وہ اللہ کی قسم کھائیں اگر

اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِىْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّاۤ

تمہیں کچھ شک پڑے ہم حلف کے بدلے کچھ مال نہ خریدیں گے اگرچہ قریب کا رشتہ دار ہو اور اللہ کی گواہی

اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿١٠٦﴾ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰۤى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ

نہ چھپائیں گے ایسا کریں تو ہم ضرور گنہگاروں میں ہیں پھر اگر پتہ چلے کہ وہ کسی گناہ کے سزاوار ہوئے تو ان کی جگہ دو اور کھڑے

marfat.ocm

مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَا

ہوں ان میں سے کہ اس گناہ یعنی جھوٹی گواہی نے ان کا حق لے کر ان کو نقصان پہنچایا جو میت سے زیادہ قریب ہوں تو

اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَا ۖ اِنَّا اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ

اللہ کی قسم کھائیں کہ ہماری گواہی زیادہ ٹھیک ہے ان دو کی گواہی سے اور ہم حد سے نہ بڑھے ایسا ہو تو ہم ظالموں میں ہوں یہ قریب

يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَا اَوْ يَخَافُوْا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

تر ہے اس سے کہ گواہی جیسی چاہیے ادا کریں یا ڈریں کہ کچھ قسمیں رد کر دی جائیں ان کی قسموں کے بعد اور اللہ سے ڈرو

وَاسْمَعُوْا ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ ع

اور حکم سنو اور اللہ بے حکموں کو راہ نہیں دیتا

تفسیر عالمانہ

۱۹/۵ : يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْئَلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ۭ

اے ایمان والو! ایسی باتیں مت پوچھو جو تم پر ظاہر کی جائیں تو تمہیں بری لگیں گی اور اگر انہیں اس وقت پوچھو گے کہ قرآن پاک اُتر رہا ہے تو تم پر جب ظاہر کر دی جائیں گی تو تمہیں دکھ ہو گا۔

شانِ نزول ۱: مروی ہے کہ جب آیت وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ، نازل ہوئی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں حج فرض ہونے کا بیان فرمایا۔ اس پر حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ کیا ہر سال فرض ہے۔ حضور نے سکوت فرمایا۔ سائل نے سوال کی تکرار کی تو ارشاد فرمایا کہ جو میں نہ بیان کروں اس کے درپے نہ ہو۔ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج فرض ہو جاتا اور تم نہ کر سکتے۔ مجھے اس وقت کچھ نہ کہا کرو جب تک کہ میں تمہیں خود نہ کہوں۔ پہلے لوگ بھی اسی لئے ہلاک ہوئے کہ وہ اپنے انبیاء علیہم السلام سے سوال کی کثرت اور ہر بات میں خواہ مخواہ اختلاف کرتے۔ جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو اس پر فوراً عمل کرو! جس قدر تم میں استطاعت ہے اور جن باتوں سے میں تمہیں روکوں تو ان سے رک جاؤ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

شانِ نزول ۲: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بعض لوگ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے فائدہ سوال کیا کرتے تھے۔ یہ خاطرِ مبارک پر گراں ہوتا تھا۔ ایک روز فرمایا کہ جو دریافت کرنا ہو دریافت کرو۔ میں ہر بات کا جواب دوں گا۔ ایک شخص نے دریافت کیا کہ میرا باپ کون ہے آپ نے اس کے اصلی باپ کا نام بتا دیا۔ جس کے نطفہ سے وہ تھا یعنی حذافہ۔ باوجودیکہ اس کی

marfat.ocm

ماں کا شوہر اس وقت اور تھا۔ جس کا یہ شخص بیٹا کہلاتا تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی [1]

فائدہ : یہ مافی الارحام میں سے ہے جو خاصہ خدا ہے، لیکن ہم اہلسنت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنا خاص علم اپنے محبوبوں کو عطا کرتا ہے [2]

اِنْ تُبْدَ لَکُمْ ،، یہ جملہ شرطیہ ہے یہ اور اس کا معطوف علیہ آپس میں مل کر اشیاء کی صفت ہو گئے اُن کا سوا ہونا اشیاء کے ظہور سے متعلق ہے اور ظہور اشیاء اُن کے سوال پر موقوف ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ان اشیاء کے متعلق سوال مت کرو۔ اگر وحی کے نزول کے دوران کچھ سوال کرو گے تو وہ اشیاء تمہارے لئے ظاہر ہو جائیں گی اگر ظاہر ہو گئیں تو تمہیں غم والم اور صدہا پریشانیوں میں مبتلا کر دیں گی۔

سبق : دانا وہ ہے جو ایسا عمل نہیں کرتا۔ جس سے صدہا پریشانیوں میں مبتلا ہونا پڑے۔

فائدہ : امام بغوی نے فرمایا کہ جس نے حج کے متعلق سوال کیا تو اس پہ اگر ہر سال حج فرض ہو جاتا تو بھی شرمسار ہوتا اگر وہ اپنی نسبت کے متعلق پوچھتا ہے اگر اسے اپنے والد کے سوا دوسرے کسی سے لاحق کیا جاسے تو بھی ذلت وخواری میں بھی مبتلا ہوگا۔

عَفَا اللّٰہُ عَنْہَا اللہ تعالیٰ نے ان سے معاف فرمایا۔ یہ جملہ مستانفہ اس لئے لایا گیا ہے کہ وہ رکاوٹ اُن کی برائی سے بچنے کی وجہ سے نہیں بلکہ اِن اشیاء سے اس لئے روکا گیا کہ وہ خود ذاتی طور معصیت لومواخذہ کے لائق ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ اُس نے معاف فرما دیا۔

مسئلہ : اِن امور سے رُک جانے کی پورے طور جدوجہد کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

فائدہ : عَنْہَا کی ضمیر (المسئلہ) کی طرف لوٹتی ہے جو مضمونِ سابق کے لفظ لَا تَسْئَلُوْا سے مفہوم ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے سابق سوال کو (کہ تم نے حج وغیرہ کے بارے میں کیا تھا) معاف کر دیا کہ تمہارے اُوپر ہر سال حج فرض نہ کیا ورنہ تمہیں سوال کی سزا ملتی لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا بلکہ دنیوی معافی کے علاوہ آخرت کی سزا بھی تمہیں

---

[1] اس آیت کے اور بھی شانِ نزول ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ ایک روز سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ فرماتے ہوئے فرمایا جس کو جو دریافت کرنا ہو دریافت کرے۔ عبداللہ بن حذافہ سہمی نے کھڑے ہو کر دریافت کیا کہ میرا باپ کون ہے فرمایا حذافہ پھر فرمایا اور پوچھو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُٹھ کر اقرارِ ایمان و رسالت کے ساتھ معذرت پیش کی۔ ابنِ شہاب کی روایت ہے کہ عبداللہ بن حذافہ کی والدہ نے اُن سے شکایت کی اور کہا تو بہت نالائق بیٹا ہے۔ تجھے کیا معلوم کہ زمانہ جاہلیت کی عورتوں کا کیا حال تھا۔ خدانخواستہ تیری ماں سے کوئی قصور ہوا ہوتا تو آج وہ کیسی رسوا ہوتی۔ اس پر عبداللہ بن حذافہ نے کہا کہ اگر حضور کسی حبشی غلام کو میرا باپ بتا دیتے تو میں یقین کے ساتھ مان لیتا (تیسیر القاری) حدیث میں ہے کہ لوگ استہزاء اس قسم کے سوال کیا کرتے تھے کوئی کہتا میرا باپ کون ہے۔ کوئی پوچھتا میری اونٹنی گم ہو گئی۔ وہ کہاں ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (مسلم شریف) مزید تفصیل فقیر کی کتب ،، شانِ نزول یعنی فیض الرسول فی اسباب النزول میں دیکھئے۔ (اُویسی غفرلہٗ) [2] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

معاف فرمادیا۔ عفا اللہ عنہا جیسے تم نے عبث سوالات کئے اس کا تقاضا یہ تھا کہ تمہیں آخرت میں سخت سزا ملتی لیکن وہ بھی معاف ہوئی۔ اب تمہیں لازم ہے کہ آئندہ ایسے عبث سوالات نہ کرنا۔

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ اور اللہ تعالیٰ غفور اور حلیم ہے یعنی گناہوں کی بہت بڑی مغفرت اور بسا اوقات ہولت سے چشم پوشی کرتا ہے اب کی بار تمہارے سے بہت سخت غلطی ہوئی تو بھی ہم نے معاف فرمادیا لو بہت بڑی کوتاہی ہو تمہارے سے مواخذہ نہیں فرمایا۔ یہ جملہ معترضہ تذییلیہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی معافی کے مضمون کی تقریر و تائید ہے۔ **قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ** ۔ اس کے متعلق پہلے بھی ایک قوم نے سوال کیا تھا۔ اگرچہ بعینہٖ یہی سوال نہ تھا بلکہ اس کی مانند تھا جس سے وہ مستحق سزا ہوئے اور انہیں ایسے سوال سے ممانعت بھی تھی۔ لفظ مثل کی تصریح نہیں کی گئی تاکہ تحذیر میں مبالغہ ہو۔ **مِنْ قَبْلِكُمْ** ۔ تمہارے پہلے۔ یہ سألها کے متعلق ہے۔

ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ۝ پھر اس سبب سے وہ کافر ہوئے۔ بنو اسرائیل کی عادت تھی کہ وہ اپنے انبیاء علیہم السلام سے سوالات کرتے۔ جب انہیں روکا جاتا تو چھوڑ دیتے۔ اس بنا پر وہ ہلاک و برباد ہوئے جیسے قوم ثمود نے اونٹنی کے بارے میں حضرت صالح علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام سے نصاریٰ نے مائدہ کا سوال کیا۔

فائدہ : ابو ثعلبہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرائض مقرر فرمائے۔ انہیں ضائع نہ کرو اور جن اشیاء سے روکا ہے۔ اُن کی خلاف ورزی نہ کرو۔ چند حدود متعین فرمائے ہیں ان سے تجاوز نہ کرو! بہت سے امور بھول کر نہیں بلکہ عمداً بیان فرمائے ہیں۔ ان سے بحث نہ کرو۔

فائدہ : حضرت حسین واعظ کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر (حسینی) میں لکھا ہے کہ نیک بخت وہ ہے جو دوسروں سے عبرت حاصل کرے اور فضول قول و فعل و عمل میں مشغول نہ ہو، چنانچہ کسی نے فرمایا ؎

(۱) بگو آنچہ گفتن ضرورت شود   ذکر گفتہ ہا را فرو بند در لہ
(۲) بجائے آر فعلے کہ لازم بود   ز افعال بے حاصل اندر گذر

ترجمہ : (۱) وہ بول جس کی ضرورت ہے جو کہہ چکا ہے اسے دوبارہ نہ کہہ
(۲) وہ کام کر جو ضروری ہے بے حاصل افعال کو چھوڑ

حکایت : ایک شخص قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں بارہا حاضر ہوا، لیکن خاموش بیٹھا رہتا اور عرض کیے بغیر چلا جاتا۔ ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ تم آتے ہو لیکن نہ کوئی بات کرتے ہو نہ کوئی مسئلہ پوچھتے ہو۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ اُس نے عرض کی اب پوچھتا ہوں وہ یہ کہ روزہ دار کس وقت روزہ کھولتا ہے۔ آپ نے فرمایا جب سورج چھپتا ہے۔ اُس نے عرض کی اگر سورج آدھی رات تک نہ چھپے تو بھی روزہ نہ کھولا جائے۔ یہ کہہ کر ہنسا اور جریر کا شعر مثال کے طور پر پڑھا وہ شعر یہ ہے ؎

marfat.ocm

وفی الصمت زین للغبی وانما ۔۔۔ صحیفة لب المرء ان یتکلما

(ترجمہ) خاموشی بیوقوف کی زینت ہے۔ جب وہ زبان کھولتا ہے تو اس کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مبلغ فہم کتنا ہے۔

قدسی حدیث شریف : اللہ نے فرمایا مجھے بنو آدم سے تعجب ہے کہ اس کے منہ کے دونوں کناروں پر دو فرشتے ہر وقت بیٹھے ہیں (ان کی لکھائی کے لئے) انسان کی زبان ان کا قلم ہے اور اس کی تھوک اُن کی سیاہی۔ پھر وہ لایعنی (فضول) باتیں کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ : دونوں آیتوں میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو روکا ہے کہ وہ علوم لدنیہ و حقائق اشیاء کا سوال کر کے رسوائی حاصل نہ کریں اس لئے کہ یہ علوم قال سے نہیں حال سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی لئے کہ اِنۡ تُبۡدَ لَکُمۡ ،، اگر وہ بطریقِ قال اُن کا بیان ظاہر ہو جائے تو تَسُؤۡکُمۡ تمہیں دکھ پہنچے گا۔ جبکہ تم بطریقِ قال حقائق کو نہ پہنچ سکو گے۔ بایں وجہ کہ تمہارے عقول (جو آفات ہواؤ ہوس اور وہم وخیال سے ملاوٹ رکھتے ہیں) شبہات میں پڑ جائیں گے جس سے تم اِن تباہیوں و بربادیوں میں ہلاک و تباہ ہو جاؤ گے۔ جیسے فلاسفہ کے بعض فرقے تباہ و برباد ہوئے۔ جبکہ اُنھوں نے حقائق اشیاء کو طریق قال اور براہین عقلیہ سے حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ہاں جب اُن کے عقول شوائب وہم وخیال سے پاک ہوں تو وہ حقائق اشیاء کو حاصل کر لیتے ہیں۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ عقول سے ادراک حقائق اشیاء محال ہے۔ بلکہ عقول کو ایسی بحثوں میں پھنسا کر صراط مستقیم سے پھیر لیتا ہے اور انہیں ان بحثوں کے ذریعے شبہات کی وادیوں اور ہلاکتوں کے جنگلوں میں لے جاتا ہے۔ جس سے وہ خود بھی علوم الٰہیہ میں کتابیں لکھ کر خود بھی اور دُوسروں کو بھی تباہ و برباد کرتے ہیں۔ ان میں بعض ایسے بھی ہیں جنہوں نے حقائق اشیاء کو علم اصول سے حاصل کرنا چاہا تو اس میں کئی طرح کے شبہات پیدا کئے۔ جس سے وہ خود بھی جادۂ حق سے بھٹکے اور دُوسروں کو بھی لے ڈوبے۔ اُنھوں نے یہ نہ سمجھا کہ حقائق الاشیاء کے علوم کا حصول قال سے محال ہے۔ وہ اگر حاصل ہوتے ہیں تو حال سے جیسے حضراتِ انبیاء علیہم السلام کو حال سے حاصل ہوا۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے حقائق الاشیاء کا نہ صرف علم سکھایا بلکہ آنکھوں سے مشاہدہ بھی کرا دیا، چنانچہ فرمایا وَکَذٰلِکَ نُرِیۡ اِبۡرَاھِیۡمَ مَلَکُوۡتَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اور ہمارے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا: لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا اور فرمایا لَقَدۡ رَاٰی مِنۡ اٰیٰتِ رَبِّہِ الۡکُبۡرٰی اور حضور علیہ السلام بھی اپنی دعا میں یوں عرض کرتے اَرِنَا الۡاَشۡیَآءَ کَمَا ھِیَ۔ یا جیسے اس امت کا حال ہے اپنے نبی علیہ السلام کے ساتھ کہ نبی علیہ السلام نے انہیں کتاب سکھائی قال سے حکمت سکھائی حال سے، یعنی اُن کی اصلاح و تربیت کر کے کہ اُن کے نفوس کو آفات نفسانیہ اور گندے اور غلیظ اخلاق و عادات کی ملاوٹوں سے پاک و صاف کر دیا جسے تزکیہ نفس کہا جاتا

marfat.ocm

ہے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یَتْلُوْا عَلَیْہِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْہِمْ وَیُعَلِّمُہُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ اور جن لوگوں کو اصلاح و تربیت سے نیک نصیبہ ہوا اور نبی علیہ السلام کی تابعداری سے اُن کی تکمیل ہوئی اُن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: سَنُرِیْہِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِہِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَہُمْ اَنَّہُ الْحَقُّ اس کے بعد فرمایا: وَاِنْ تَسْئَلُوْا عَنْہَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَکُمْ،، یعنی اگر تمہیں حقائق الاشیاء کے متعلق سوال کرنا ہی ہے تو نزولِ قرآن کے بعد کر سکتے ہو یعنی قرآن مجید کے مضامین سے ہی حاصل کرو۔ یہی قرآن تمہیں تمہارے عقول کے مطابق حقائق الاشیاء کی خبر دے گا۔ پھر عوام کو تو چاہیے کہ وہ قرآن کے متشابہات کے متعلق کہیں کہ یہی حقائق الاشیاء ہیں اور اُن کے متعلق وہ کہیں جو کچھ انہیں قرآن مجید نے کہا کہ وہ یوں عرض کریں کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا،، متشابہات میں کسی قسم کا تصرف نہ کریں۔ مثلاً کہیں کہ ہم اُن کی تاویل کے طالب ہیں۔ اس لئے کہ اُن کی تاویل تو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور راسخ فِی العلم بھی جانتے ہیں اور راسخ فِی العلم سے خواص مراد ہیں۔ بہرحال اخص الخواص تو حقائق الاشیاء کو قرآن پاک کے اشاروں سے جان لیتے ہیں۔ یعنی قرآن مجید نے اِن رموز و متشابہات کو جس طرح بیان فرمایا ہے وہ حضرات اُن سے بخوبی واقف ہیں، لیکن دُوسرے ان اشاروں سے بے خبر ہوتے ہیں۔ جیسے قرآن مجید میں موسیٰ و خضر علیہما السلام کے قِصّے میں بتایا ہے کہ علم لدنی صرف حال سے حاصل ہوتا ہے اور حال صحبت و متابعت و تسلیم اور اپنے مُعلّم پر ترک اعتراض کا نام ہے اور یہ باتیں قال سے تعلق نہیں رکھتیں اور نہ ہی سوال سے؛ چنانچہ فرمایا: ہَلْ اَتَّبِعُکَ عَلٰٓی اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا۔ قَالَ اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا،، اے مُوسیٰ علیہ السلام آپ میری متابعت اور ترک اعتراض پر صبر نہیں کر سکیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِیْ لَکَ اَمْرًا۔ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْئَلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ،، یعنی متابعت کی پہلی شرط یہی ہے کہ مُعلّم کے افعال پر سوال وغیرہ ترک کر دیئے جائیں لیکن جب مُوسیٰ علیہ السلام سے صبر نہ ہو سکا کہ اس طرح سے وہ حال سے علم لدنی حاصل کرتے۔ بلکہ اُنھوں نے قال اور سوال کا دروازہ کھول دیا؛ چنانچہ کہا کہ اے خضر علیہ السلام تم نے کشتی کو کیوں چیرا، تم نے ایک بے گناہ بچے کو کیوں قتل کر دیا وغیرہ وغیرہ تو حضرت خضر علیہ السلام سے رہا نہ گیا آخر فرمایا: اَلَمْ اَقُلْ لَّکَ اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا،، اس پر موسیٰ علیہ السلام نے کہا اِنْ سَاَلْتُکَ عَنْ شَیْءٍۢ بَعْدَہَا فَلَا تُصٰحِبْنِیْ،، یعنی اس کے بعد بھی اگر میں آپ سے سوال کروں تو پھر مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا۔ اس میں اشارہ فرمایا کہ علم لدنی کا حصُول حال پر مبنی ہے نہ قال پر اور حال یہی ہے کہ متابعت و تسلیم و صحبت حاصل ہو اور ظاہر ہے کہ قال و سوال سے صُحبت کا انقطاع ہو جاتا ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام سے جب بار ثالث سوال کیا کہ لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَیْہِ اَجْرًا،، یعنی اے خضر علیہ السلام

marfat.ocm

آپ ان لوگوں سے مزدوری تو لیتے ، اب خضر علیہ السلام نے فیصلہ کن بات کہی کہ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ ، یہاں سے اُن کی آپس میں جدائی ہوگئی ۔ پھر فرمایا : عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ، اللہ تعالیٰ نے تمہاری وہ غلطیاں معاف کیں جو تم نے اس آیت کے نزول سے پہلے حقائق اشیاء کے علوم قال کے ذریعے طلب کئے اور اللہ تعالیٰ غفور ہے حَلِيْمٌ ○ ان کے لئے حلیم ہے جنہوں نے حقائق اشیاء کے علوم حال سے طلب کئے لیکن اثنا مے حصول میں کچھ کوتاہیاں ہوئیں تو اُن سے چشم پوشی کی اگرچہ ان کے وہ امور طلب کے منافی تھے لیکن باوجود ایں ہمہ انہیں حصولِ طلب کے لئے توفیق عطا فرمائی ۔ پھر فرمایا قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِنْ قَبْلِكُمْ ، تم سے پہلے یعنی متقدمین فلاسفہ نے علوم حقائق اشیاء کو قال کے طور سوال کیا اور عقل کے ذریعے حاصل کرنے کی کوشش کی تو شبہات کی وادیوں میں گر کر ہلاک و تباہ ہوئے ۔ ثُمَّ أَصْبَحُوا بِهَا كَافِرِينَ ، یعنی قیل وقال اور کثرت سوال و ترک متابعۃ الانبیاء سے شبہات پیدا کر کے ہلاکت کے گڑھے میں تباہ و برباد ہوئے (التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ

۲۱
۵ : مَا جَعَلَ اللّٰهُ ، یہ جعل تشریعی ہے اسی لئے متعدی بیک مفعول ہے یعنی مشروح نہیں فرمایا اور نہ ہی اس کی اجازت دی ۔ اور نہ یہ طریقہ بتایا ہے

مِنْ ، زائدہ محض تاکید کے لئے ہے ۔

بَحِيْرَةٍ ، اہلِ جاہلیت کا طریقہ تھا کہ جب اُونٹنی پانچ بچے جنتی اس کا آخری بچہ نر ہوتا تو اس کا کان چیر کر چھوڑ دیتے ۔ نہ اُس پر سوار ہوتے اور نہ اُس کا دودھ دوہتے ۔ نہ اسے پانی سے روکتے اور نہ چراگاہ سے دیکھ بروزن فعیلۃ ۔ البحر سے مشتق ہے بمعنی الشق (چیرنا) فعیلۃ بمعنی مفعولۃ ہے ۔ یعنی کان کٹی ہوئی ۔

وَلَا سَائِبَةٍ ، زمانہ جاہلیت میں منت مانتے کہ اگر میں سفر سے بسلامت لوٹا یا بیمار ہوں ۔ اگر تندرست ہُوا تو میری اُونٹنی سائبہ ہوگی ۔ یعنی بتوں کے لئے مفت چھوڑ دی جائے گی ۔ یہ بھی بحیرہ کی طرح تھی کہ اس سے ہر قسم کا انتفاع حرام سمجھتے ۔ سَائِبَہ ، بروزن فاعلۃ ہے ۔ ساب الماء يَسِيْبُ سَيْبًا سے ہے ۔ (پانی زمین پر پھیل گیا) اور سائبہ بھی چونکہ زمین پر جہاں چاہتی ہے چلتی پھرتی گزرتی ہے اسی لئے اسے نام سے موسوم کیا گیا ۔

وَلَا وَصِيْلَةٍ ، زمانہ جاہلیت کی رسم تھی کہ اگر بکری مادہ جنتی تو اس سے خود نفع اُٹھاتے ۔ اگر نر جنتی تو وہ بتوں کے لئے ہوتا ۔ اگر نر و مادہ ہر دونوں کو بیک وقت جنتی تو کہتے (وَصَلَتْ اَخَاهَا ، مادہ اپنے بھائی سے مل گئی) اسی وجہ سے نر کو مادہ کی وجہ سے زندہ چھوڑ کر بتوں کی نذر کر دیتے ۔ معنے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مادنی کو حرام نر کو حلال نہیں بنایا یعنی وہ جب اکیلا تھا تو حرام تھا اب مادنی ساتھ ہوئی تو کیسے حلال ہوگیا ۔ یہاں پر فعیلۃ فاعلۃ کے وزن پر ہے ۔

وَلَا حَامٍ زمانۂ جاہلیت کی عادت تھی کہ جب اونٹ اونٹنی کو دس بار گابھن کر دیتا تو کہتے ۔ [illegible]

marfat.ocm

(اس کی پیٹھ مضبوط ہو گئی) پھر اس پر نہ سوار ہوتے اور نہ اُس پر بوجھ لادتے اور نہ ہی اسے پانی اور چارہ سے روکتے۔ یہ بھی اسم فاعل ہے۔ حمی یحمی سے مشتق ہے بمعنی منع کیا جاتا ہے۔ حماہ یحمیہ" جبکہ اس کو بچا لیا جائے۔ وَلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ط لیکن وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا افتراء کرتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ پر عمداً افتراء کرکے جو چاہتے بکتے۔ مثلاً اپنی مرضی سے کوئی کام کرتے تو کہتے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے۔ (فائدہ) عمرو بن لحی خزاعی انہیں باتوں کا سبب سے پہلا مفتری تھا۔ اس نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دین کو بگاڑا۔ اسی نے ہی یہ بت گھڑے اور اوثان کھڑے کئے۔ اسی نے ہی بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ اور حامی کے رسوم جاری کئے۔

(حدیث شریف) حضور سرورِ عالم نے فرمایا کہ میں نے عمرو بن لحی الخزاعی کو اپنی آنتیناں کھینچتے ہوئے جہنم میں دیکھا اور وہ اپنی آنتیوں سے جہنمیوں کو ایذاء دیتا ہے۔

فائدہ : القصب بمعنی المعی یعنی آنت۔

وَاَكْثَرُهُمْ،، اُن سے وہ ذلیل ترین لوگ مُراد ہیں۔ جو انہیں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے فرمانی پر اکساتے تھے۔ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ اور اُن کے اکثر نہیں سمجھتے کہ واقعی یہ فعل افتراء اور باطل ہے اسی لئے وہ اُن کی مخالفت نہیں کر سکتے کہ اِس باطل عمل کو چھوڑ کر اپنے آپ کو حق کی طرف لا سکیں۔ بلکہ مرتے دم تک وہ اس تقلید بد کی قید میں پھنسے رہتے ہیں۔

۝۱۰۴ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ،، اور جب اُن کے اکثر کو از روئے ہدایت و رہبری کہا جاتا ہے۔ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ،، آؤ اس کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے حلال و حرام کو کتاب مبین میں نازل فرمایا ہے۔ وَاِلَى الرَّسُوْلِ" اور اس رسُول علیہ السلام کی طرف جس پر یہ احکام نازل ہوئے ہیں تاکہ تمہیں حقیقتہً حال معلوم ہو اور حلال و حرام کی تمیز کر سکو۔ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ط تو کہتے ہیں ہمیں وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا ہے۔ اِس میں بتایا گیا ہے کہ وہ ہادیِ حق سے کتنا عناد رکھتے ہیں اور اُن کی بے فرمانی میں کتنی حد تک منہمک ہیں اور اپنے گمراہ کنندگان لیڈروں سے کیسے وابستہ ہیں۔

فائدہ : حسبنا مبتدا ہے اور مَا وَجَدْنَا کی خبر ہے اور حَسبنا دراصل مصدر ہے یہاں پر بمعنی اسم فاعل (کافینا) ہے۔ یعنی ہمیں وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا ہے۔

اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝ واو عاطفہ اس جملہ شرطیہ پر اُس کا عطف ہے جو اس سے قبل محذوف ہے۔ اصل عبارت یوں ہے ایحسبہم ذٰلِكَ الخ کیا انہیں کافی ہے اُن کے آباء کا اس قول پر پایا جانا " یا عبارت یوں ہے ایقولون هٰذَا الْقَوْلَ وَلَوْ كَانَ الخ کیا یہ

marfat.ocm

یوں کہتے ہیں اگرچہ اُن کے آباء دین کی کسی بات کو نہ جانتے اور نہ ہی انہیں راہ صواب معلوم تھا۔

خلاصہ یہ کہ اقتداء اُس کی ہونی چاہیئے جس کے متعلق معلوم ہو کہ وہ اہلِ علم اور ہدایت پر ہے اور یہ حجۃ اور دلیل کے بغیر معلوم نہیں کیا جاسکتا۔

فائدہ : حضرت حسین واعظ کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی تفسیر (حسینی) میں لکھتے ہیں کہ یہ لوگ گمراہ اور جاہل تھے اسی لئے اُن کی تقلید سُودمند نہیں بلکہ تقلید عالم دین کی ضروری ہے تاکہ انجام بتحقیق ہو۔ حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ نے مثنوی شریف میں فرمایا ؎

(۱) از مقلد تا محقق فرقہا است
ایں یکے کوہست واں دیگر صداست

(۲) در در بینا زنی آئی براہ
دست در کورے زنی افتی بچاہ

ترجمہ : (۱) مقلد و محقق میں بڑا فرق ہے یہ پہاڑ وہ صدا ہے۔

(۲) اگر بینا کا ہاتھ پکڑے گا تو راہ پائے گا اگر نابینا کے پیچھے چلے گا تو کنوئیں میں گرے گا۔

غلط کار صُوفی : حضرت شیخ ددہ اسئلۃ الحکم میں لکھتے ہیں کہ احادیث نبویہ علےٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں دَجّالوں کے متعلق پیش گوئی فرمائی گئی ہے کہ اِس اُمت میں کئی دجّال پیدا ہوں گے تو اِن دجّالوں سے مراد وہ پیشوایانِ قوم ہیں جو خود گمراہ اور دُوسروں کو گمراہ کرتے ہیں۔ بالخصوص وہ مکار صُوفی خصوصًا ہمارے زمانہ کے عیار مشائخ کہ صُوفیت کا دَم بھرتے ہیں ہم نے آنکھوں سے انہیں دیکھا کہ خلقِ خدا کو فریب میں پھنسانے کے بڑے مشتاق ہیں[1]۔ اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل و خوار کرے۔ وہ جہاں بھی ہوں۔

حکایت : بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے ایسے مکری اور فریبی پیر کو کہا (اسے معلوم تھا کہ میں اس کے مکر و فریب کو جانتا ہوں) اپنا یہی پیری مریدی والا جبہ مجھے قیمتًا دے دو۔ اُس نے کہا آپ کو معلوم ہے کہ اگر شکاری اپنا جال بیچ ڈالے تو پھر وہ شکار خاک کرے گا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ یہ جُبّہ میرا جال ہے کہ جس سے لوگوں کو پھنسایا جاتا ہے ؎

(۱) بروئے ریا خرقہ سہلست دوختن
گرش باخدا در توانی فروخت

(۲) بنزدیک من شبرو راہزن
بہ از فاسق پارسا و پیرہن

ترجمہ : (۱) رُو ریا کی گدڑی پہننا آسان ہے اگر اس سے تیرا مقصود صرف کار و بار ہے۔

(۲) میرے نزدیک تو رات کو ڈاکو رہزنی کرنے والا پارسا ریاکار سے بہتر ہے۔

---

[1] ہمارے زمانے کے بعض پیری مریدی کا دھندا کرنے والے ان سے کچھ کم نہیں بلکہ آجکل یہ مکار اُن سے کوسوں آگے ہیں اللہ تعالیٰ بچائے آمین
(اُویسی غفرلہ)

marfat.ocm

تفسیر صوفیانہ : آیت میں اشارہ ہے کہ جب شیطان کسی پر قبضہ جما لیتا ہے تو اس کو نئے نئے تصرفات پر اُکساتا ہے وہ کسی کی اتباع کو غلط کاری سمجھتا ہُوا دل میں گھمنڈ ڈالتا ہے کہ میرے مور منجانب اللہ اور اس کی خاطر ہو رہے ہیں۔ مَا جَعَلَ اللّٰہُ مِنْ بَحِیْرَۃٍ ،، میں اشارہ ہے کہ صوفیت کے رنگ یسے طریقے گھڑ لئے جائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا حکم نہیں دیا۔ مثلاً صوفیت کا ڈھونگ رچا کر کان چیر دینا یا ان میں سوراخ کے لوہے کے بلے ڈال دینا یا سینہ کو سوراخ کر دینا یا ذکر کو سوراخ کر کے اس پہ تالہ باندھ دینا یا گردن میں لوہے زنجیر ڈالنا۔ یا داڑھی منڈھوا کر قلندرانہ لباس پہن لینا وغیرہ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

(۱) قلندری نہ بریشت وموی یا ابرو
حساب راہ قلندر بدانکہ موی بموست

(۲) گذشتن از سرِ مو در قلندری سہلست
چو حافظ آنکہ ز سر بگذرد قلندر اُوست

ترجمہ : (۱) قلندری داڑھی بال اور ابرو کا نام نہیں راہ قلندر کا حساب بال بال صحیح ہوتا ہے۔

(۲) سر کے بال سے قلندری آسان ہے حافظ کی طرح جو سر سے بے خبر ہو وہی قلندر ہے

وَلَا سَآئِبَۃٍ ،، اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو جرائم و معاصی کی خاطر نئے روپ دھا کر شہروں میں گھومتے ہر جائز و ناجائز فعل کا ارتکاب کرتے ہیں۔ حیوانوں اور جانوروں کی طرح ہر شئی ہڑپ کر جاتے ہیں۔ نہ اُن کے منہ میں یت کی لگام نہ اُن کے گلے میں طریقت کا طوق۔ نہایت ہی آوارہ اور اوباش اور لفنگے ہوتے ہیں اور دعویٰ کرتے کہ ہم ہی اہلِ حق ہیں۔ ان کو شیطان نے گیند کی طرح اپنا کھلونا بنا رکھا ہوتا ہے۔ یہی لوگ ہیں جنہوں نے خواہشات اپنا معبود بنا رکھا ہے۔

وَلَا وَصِیْلَۃٍ ،، اس سے وہ فقیری کا دم بھرنے والے لوگ مراد ہیں جو حرام کو حلال اور حلال کو حرام جانتے ہیں۔ وہ بیگانی عورتوں سے میل جول روا رکھتے ہیں اور کہتے ہیں یہ ہماری مائی بہنیں ہیں اور ہم اُن کے باپ ئی۔ جیسے جاہل صوفیوں کا ایک فرقہ اباحیہ اور زندیقوں کا ایک ٹولہ کہتا ہے اور عوام کو دھوکہ دیتے ہوئے کہتے کہ وہ خدا رسیدہ ہیں اور مقام وحدۃ تک پہنچے ہوئے ہیں اور ہم ہر حالت میں نقصان سے پاک ہیں اور نہ ہی ہمیں ریعت کی مخالفت مضر ہے، کیونکہ ہم مقامِ حقیقت تک پہنچ چکے ہیں۔ یہ ان کا دھوکہ اور دجل و فریب ہے شیطان نے اُن کے دل میں ڈالا ہے اور نفس نے انہیں اس دھوکہ دہی و ابلہ فریبی پہ ابھارا ہے۔ نہ اللہ تعالیٰ س کا حکم دیا ہے اور نہ ہی کسی کو اس کی اجازت ہے مذکورہ بالا طریقہ ان کا اپنا گھڑا ہُوا ہے (جو انھوں نے اپنے

marfat.ocm

نفس کو خوش کرنے کے لئے وضع کیا ہے) نہ ایسوں کو شریعت کی خبر ہوتی ہے نہ طریقت کی اور حقیقت سے تو کوسوں دُور رہتے ہیں بلکہ یہ اہلِ طبیعت ہیں کہ جو جی آیا وہ کر لیا، بلکہ انھیں یوں کہوں کہ وہ دھوکہ سازی کے استاذ ہیں۔ عالَم دُنیا میں ایسے کمینوں کے فتنے پھیلے ہوئے ہیں۔ ان پر ہی دھوکہ باز کا فن ختم ہے نہ انہیں کوئی روکنے والا ہے اور نہ ہی اُن کی بیخکنی ہو سکتی ہے اور نہ ہی کسی جال میں پھنسنے کے ہیں، بلکہ یوُں کہو کہ اُنہوں نے اِتنا وسیع جال پھیلا ہے کہ اُلٹا انہیں غلط کار کہنے والا بد نامی اور رُسوائی مُول لیتا ہے۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ؎

اری الف بان لَا یَقُوْم بہادم فکیف بُنیان خلفہٖ الف ہادم

ترجمہ : جس عمارت کی ہزاروں بنیاد ڈالیں اُسے کون ہلا سکتا ہے۔ بھلا وہ بنا بھی باقی رہ سکتی جس کا بنانے والا تو ایک ہے لیکن اُس کے ڈھانے والے ہزاروں ہیں[2]

تفسیر عالمانہ ۱۰۵ : یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ اے ایما اپنے نفسوں کی اصلاح کو لازم پکڑو اور انہیں اللہ تعا کے غضب اور آخرت کے عذاب سے بچاؤ۔ لَا یَضُرُّکُمْ تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گی۔ مَنْ ضَلَّ اُس کی گمراہی یعنی گمراہ کی گمراہی و بے راہروی تمہیں نقصان نہیں دے سک گی۔ اِذَا اھْتَدَیْتُمْ جب تم ہدایت پا جاؤ یعنی جبکہ تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ۔

شانِ نزُول : بعض اہلِ ایمان کو کافروں کے کفر پہ بض اور اسلام نہ قبول کرنے سے بہت صدمہ ہوتا اور آرزو کرتے کہ یہ بھی مسلمان ہو جائیں۔ ان میں بعض ایسے کمینے بے دین بھی تھے کہ اُن پر ام بالمعروف و نہی عن المنکر بھی اثر انداز نہ ہوتا تھا۔ اہل ایمان کی تسلّی کے لئے یہ آیت نازل ہُوئی۔

---

[1] ہمارے دور میں ایسے پیروں، فقیروں، درویشوں کی بہتات ہے۔ اُنہوں نے ہی پیری مریدی جیسے مقدس طریقہ کو بدنام کیا ہے ۱۲۔ اویسی غفرلہ

[2] یہی حالت آجکل کے بہت سے غلط کار پیروں، فقیروں، درویشوں کی ہے کہ جن کے کروڑ جا بجا ہیں۔ پھر فقیر اویسی جیسوں کو کون پوچھتا ہے۔ فالی اللّٰہ المشتکی وھو المستعان۔ ۱۲ اویسی غفرلہ

marfat.ocm

اِلَی اللّٰہِ، صرف اللہ تعالیٰ کی طرف مَرْجِعُكُمْ، قیامت میں تمہارا لوٹنا ہوگا۔ جَمِيعًا، تم سب کو گمراہ ہی اور ہدایت یافتہ کو بھی فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ پس اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی خبر دے گا۔ یعنی وہ ارے وہ اعمال جو تم نے دنیا میں کئے تھے بُرے یا اچھے۔ تمہیں اُن کی جزاء و سزا دے گا۔ اس آیت میں ہر دونوں ہ اور ہدایت یافتہ کو وعید بھی ہے اور وعدۂ کریمہ بھی اور اس میں تنبیہ ہے کہ کسی دوسرے کے سبب سے کسی کی گرفت یں ہوگی۔ (سوال): آیت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر استطاعت کے باوجود ترک کر دے تو جائز ہے، حالانکہ ایسا نہیں۔

جواب : اس آیت سے ہی اُلٹا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی تائید ہو رہی ہے جیسا کہ فرمایا کہ اپنے نفس کو ان موجبات سے بچاؤ جو اللہ تعالیٰ کے غضب اور آخرت کے عذاب کا سبب ہیں تو پھر اس میں وہ حکم شامل نہیں کہ بُرے کو بُرائی سے حسبِ استطاعت بچائے کیونکہ ؎

اگر بینی کہ نابینا و چاہ است ؎ اگر خاموش بنشینی گناہ است

ترجمہ : اگر دیکھو کہ نابینا اور کنواں ہے اس وقت خاموش بیٹھنا گناہ ہے۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں اگر کوئی کسی بُرائی کو دیکھے تو حسبِ استطاعت اُسے روکے ہاتھ سے یعنی ڈنڈے کے زور سے بُرائی کا خاتمہ کرے۔ ورنہ زبان سے تبلیغ کرے ورنہ دِل سے (بُرا منائے یا دُعا کرے)

تفسیر صدیقی : ایک روز سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ممبر پہ تقریر فرما رہے تھے کہ اے لوگو! تم اس آیت کو پڑھتے تو ہو لیکن عمل نہیں کرتے تمہیں اس کا مفہوم معلوم نہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا کہ بے شک جب لوگ برائیوں کو دیکھ کر نہیں روکیں گے تو وہ بُرائی عام پھیل جائے گی۔ اُس کی نحوست سے ان سب کو اللہ تعالیٰ عذاب میں مبتلا کر دے گا فلہذا امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر سختی سے عمل کرو۔ تمہیں آیت يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الخ سے دھوکا نہ ہو کہ تم کہو ہم خود کو پابند امر الٰہی میں ہمیں دوسرے سے کیا غرض بخدا تم امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر عمل کرو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر شریر حاکم مسلط کر دے گا جن سے تمہیں سخت سے سخت عذاب میں مبتلا کرے گا۔ اُس وقت نیک لوگ دُعائیں مانگیں گے لیکن اُن کی دُعائیں قبول نہیں ہوں گی [1]

ایک خطرناک کفریہ کلمہ : اگر کوئی کسی کو کہے کہ تم امر بالمعروف کیوں نہیں کرتے۔ وہ جواب دے:

---

[1] یہ کیفیت آج ہمارے دَور میں عام ہو گئی ہے ۱۲۔ اُویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

امر اَو چہ کردہ است " مجھے اُس نے کیا فائدہ دیا ہے یا جواب دے کہ مَن عافیت گزیدہ ام " میں تو گوشہ نشین ہو چکا ہوں مجھے کسی سے کوئی سروکار نہیں یا کہے کہ مرا بایں فضولی چہ کار " مجھے اس ابوالہوس سے کیا کام۔ ایسی باتوں سے خطرہ ہے کہ قائل کافر ہوجائے[لہ] ایسی باتوں کے متعلق حضرت رُومی قدس سرہ نے مثنوی شریف میں فرمایا ہے

(۱) تو زگفتار تَعالَوْا کم مکن ؛ کیمیائے بس شگرفست ایں سُخن

(۲) گر کسی گردد زگفتارت نفیر ؛ کیمیا رایچ از وے وا مگیر

ترجمہ (۱) تعالوا کے فرمان سے بے توجہی نہ کر۔ یہ سخن بہترین اور زریں ہے

(۲) اگر نصیحت سے تیرا کوئی مددگاری ہو اس سے بڑھ کر اور کسی کیمیا کی تلاش نہ کر

مسئلہ : امر بالمعروف ونہی عن المنکر فرض ہے۔ وہ کسی حالت میں بھی ساقط نہیں ہوسکتا۔ البتہ بوقت عجز ساقط ہوجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ پر ایسے دَور بھی گزرے ہیں کہ وہ ڈنڈے اور زبان سے امر بالمعروف ونہی عَنِ المنکر نہ کرسکے تو وہ معذور تھے ؎

چو دست و زبان را نماند مجال ؛ بہمت نمایند مردی رجال

ترجمہ : جب زبان اور ہاتھ کو طاقت نہ رہے دعا سے اہل اللہ ہمت دکھاتے ہیں۔

مسئلہ : مختلف اشخاص و مختلف احوال و اوقات کے مطابق امر بالمعروف ونہی المنکر کا حکم مختلف ہوتا رہتا ہے۔

سبق : عاشق پر لازم ہے کہ وہ حد سے تجاوز نہ کرے بلکہ وہ وقت کے حکم کا پابند رہے۔ اس لئے کہ ہر زمانہ کی اپنی دولت ہوتی ہے اور ہر زمانہ کے اپنے مردانِ خدا ہوتے ہیں۔

تفسیر صُوفیانہ : اے ایمان کے طالبو! یقین کرو کہ وجدان صرف طلب ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: خبردار جس نے مجھے طلب کیا۔ وہ مجھے پالے گا۔ عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ نفس کے تزکیہ میں مشغول ہوجاؤ۔ اس لئے کہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا وہ کامیاب ہوگیا اور وہ خسارہ میں پڑا جس نے نفس کو گناہوں میں چھپایا۔ جب تک پہلے اپنے نفس کا تزکیہ نہ کرلو اس وقت تک دوسروں کے نفسوں کے تزکیہ کی ذمہ داری نہ لو اور لوگوں کو اپنا مرید دیکھ کر دھوکا نہ کھاؤ اسی طرح ان کا تمہیں اچھا کہنا یا نیک گمان رہنا اور ان کا نزدیکی تلاش کرنا بھی تمہارے لئے مضر ہے اس لئے کہ اے طالبانِ راہِ ہُدیٰ یہ امور تمہارے لئے زہرِ قاتل ہیں وہ سالک جب خود بھی سلوک میں ادھورا ہے تو دوسروں کو مرید

[لہ] آج کل یہ بیماری بھی عام ہے۔ ۱۲ اُویسی غفرلہ

marfat.ocm

ہوں بناتا ہے جب خود اپنی اصلاح سے غافل ہے اُس کی مثال ایسے ہے کہ کوئی دریا میں ڈوب رہا ہو تو دُوسرا ے اپنا ہاتھ دیدے اب دونوں ڈوب کر مرجائیں گے اس لئے کہ دُوسرا بھی پہلے کی طرح تیراک نہیں تھا۔ اسی لئے ہے کہ کسی کامل کا دامن پکڑے جو اُسے منزلِ مقصود تک پہنچا دے اور سالک پر لازم ہے کہ اس جانکاہ راہ ہلاک ہونے والوں کو دیکھ کر گھبرا کر ہمت نہ ہارے۔ اس لئے کہ اگر تم نے اپنی طلب میں صداقت اور خلوص کا من نہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ خود بہتر اسباب بنائے گا۔ لَا يَضُرُّكُمْ "" اے طالبانِ راہ حق تم دُوسرے غرق ہونے الوں سے نہ گھبراؤ۔ اس لئے کہ وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گا۔ مَنْ ضَلَّ "" وہ جو گمراہی کے دلدل میں پھنسا۔ اهْتَدَيْتُمْ "" جب تم راہِ حق نصیب ہوگا۔ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا "" اللہ تعالیٰ کی طرف تم سب کا رجوع ہے۔ یہ خطاب اُن حضرات کو ہے جو جذبات عنایتِ الٰہی سے راہِ حق پر ہیں اور اُن کو بھی ہے جو مکر و فریب کے راہ پر قہر و عصیاں کے سلاسل سے پابجولاں ہو کر گمراہی کے گڑھے میں پڑے ہوئے ہیں۔

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ "" پس اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی تمہیں خبر دے گا۔ یعنی اعمال کے ثواب ہیں لذتیں چکھائے گا اور بُرے اعمال والوں کو دردناک عذاب میں مُبتلا کرے گا۔

سبق : اثنائے سلوک میں سالک پر لازم ہے کہ وہ کسی کے مرید ہو جانے پر خوش نہ ہو جائے نہ اُس کو اپنی منزل سمجھ بیٹھے اور اپنی تربیت چھوڑ کر دوسروں کی اصلاح میں لگ جائے اور اس کے لئے دھوکا اور مکر و فریب ہوگا کہ اس وقت وہ اپنے آپ کو ایک شیخ کامل تصور کر کے مقتدا بن ے۔ جب تک شیخ کامل کی نگرانی میں اپنی منازل کو پورا نہ کرلے۔ کسی دُوسرے کی رہبری میں مشغول نہ ہو۔ ہاں جب شیخ کامل اُس کی اہلیت و صلاحیت دیکھے کہ واقعی یہ راہ سلوک میں ثابت ہو چکا ہے اور اس لائق ہے کہ وہ سروں کی تربیت کر سکے گا اور یہ نفس و شیطان کے کسی قسم کے دھوکا اور فریب میں نہیں پڑے گا تو پھر اس کے اجازت ہے کہ وہ یہ سلسلہ جاری کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ "" اب رہا ہمارے دَور کا ر الاماں والحفیظ کہ یہ سلسلہ پیری و مریدی ایسے لوگوں کے ہاتھ لگ گیا ہے کہ وہ خود بھی کسی کامل شیخ کے ہیں لیکن دعویٰ دیکھو تو بایزید و جنید (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے دو قدم آگے نظر آتے ہیں اور پھر جاہلوں اور دہ لوگوں میں بیٹھ کر اپنی جاہلیت و گمراہی سے اپنی بزرگی کے کمالات کے لئے زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں۔ اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ کسی طرح اُن کی پیری مریدی کی دُکان چمکے اور اس کی بزرگی کا شہرہ دُور دُور پھیل جائے اور ان گنت مریدین ہاتھ لگ جائیں۔ پیری مریدی جو ایک مقدس اور اعلیٰ عہدہ تھا۔ اب ل کا کھیل بن گیا ہے بلکہ یوں کہو کہ شیطان کی گمراہی کا جال اگر ہے تو یہی دھندا ہے۔ ستم کی بات تو یہ ہے لئے ایک وراثت خاندانی بنا لیا گیا ہے کہ جب ان میں سے ایک مرے گا تو پھر اُس کا بیٹا ہی سجادہ نشین ہوگا

marfat.ocm

خواہ وہ اہل ہو یا نا اہل۔ وہ بڑا ہو یا چھوٹا۔ پھر خدا ہی رحم کرے کہ اس (سجادہ نشین) پر دستار پیری مریدی باندھ دی گئی تو پھر وہ تبرک ہی بن گئے۔ خواہ اُس کے کارنامے ابلیس سے کم نہ ہوں اور اس کے لئے وہ درجات بنائے گئے جو حضرت جُنید و شبلی کو حاصل ہوئے تھے اور یہ بیماری بھی عام پھیل گئی ہے۔ بلکہ یُوں کہو کہ اب حقیقی پیری مریدی ختم ہو گئی ہے (الا ما شاء اللہ) واللہ اَعلَمُ! (یہ تقریر تاویلات نجمیہ سے لی گئی ہے)[1]

تفسیر عالمانہ

۲۴/۵: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا الخ اس مضمون کو حرفِ ندا سے شروع کرنے میں اس کی اہمیت پر دلالت ہوتی ہے۔

شانِ نزول: مہاجرین میں سے بُدیل بن ابی مریم جو حضرت عمرو بن عاص کے موالی میں سے تھے بقصد تجارت ملک شام کی طرف دو نصرانیوں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اُن میں سے ایک کا نام تمیم بن اوس داری تھا۔ اور دوسرے کا عدی بن بداء شام پہنچتے ہی بدیل بیمار ہو گئے اور اُنہوں نے تمام سامان کی ایک فہرست لکھ کر سامان میں ڈال دی اور ہمراہیوں کو اُس کی اطلاع نہ دی۔ جب مرض کی شدت ہوئی تو بدیل نے تمیم و عدی دونوں کو وصیت کی کہ اُن کا تمام سرمایہ مدینہ شریف پہنچ کر اُن کے اہل کو دیدیں اور بدیل کی وفات ہو گئی۔ ان دونوں نے اُن کا سامان دیکھا تو اُس میں ایک چاندی کا جام تھا۔ جس پر سونے کا کام تھا۔ اس میں تین سو مثقال چاندی تھی بدیل یہ جام بادشاہ کو نذر کرنے کے قصد سے لائے تھے۔ اُن کی وفات کے بعد اُن کے دونوں ساتھیوں نے اس جام کو غائب کر دیا اور اپنے کام سے فارغ ہونے کے بعد جب یہ لوگ مدینہ طیبہ پہنچے تو اُنہوں نے بدیل کا سامان اُن کے گھر والوں کے سپرد کر دیا۔ سامان کھولنے پر فہرست اُن کے ہاتھ آ گئی۔ جس میں تمام متاع کی تفصیل تھی۔ سامان کو اُس کے مطابق کیا تو جام نہ پایا۔ اب وہ تمیم اور عدی کے پاس پہنچے اور اُنہوں نے دریافت کیا کہ کیا بدیل نے کچھ سامان بیچا بھی تھا۔ اُنہوں نے کہا نہیں۔ پھر دریافت کیا بدیل بہت عرصہ بیمار رہے اُنہوں نے اپنے علاج میں کچھ خرچ کیا۔ اُنہوں نے کہا نہیں وہ تو شام پہنچتے ہی بیمار ہو گئے اور جلدی ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ اس پر اُنہوں نے کہا کہ ان کے سامان میں ایک فہرست ملی ہے۔ اس میں چاندی کا ایک جام (سونے سے منقش) جس میں تین سو مثقال چاندی ہے نہیں ہے۔ تمیم و عدی نے کہا ہمیں معلوم نہیں ہمیں تو جو وصیت تھی اس کے مطابق سامان ہم نے تمہیں دیدیا۔ جام کی ہمیں خبر بھی نہیں۔ یہ مقدمہ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں پیش ہوا۔ تمیم و عدی وہاں بھی انکار پر جمے رہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منبر کے نزدیک قسم اٹھوائی کہ کہو کہ اللہ کی قسم

---

[1] اگر فقیر اویسی غفرلہ اپنے دور کے متعلق یہی فتویٰ صادر کرے تو بہت سے پیر بارِ خاطر تو ہوں گے لیکن جھانک کر دیکھیں تو سہی کہ کیا یہ خامی آپ میں تو نہیں۔ اگر ہے تو اصلاح کیجئے۔ ورنہ اس دھندے سے توبہ کیجئے۔ فقط ۱۲ اُویسی غفرلہ

marfat.ocm

ہم نے نہ مال کی خیانت کی ہے اور نہ ہی اس سے کچھ چھپایا ہے۔ وہ دونوں قسم کھا گئے۔ حضور علیہ السلام نے انہیں چھوڑ دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ پھر وہ جام مکہ مکرمہ میں پکڑا گیا۔ جس شخص کے پاس تھا۔ اُس نے کہا کہ میں نے یہ جام تمیم و عدی سے خریدا ہے۔ مالک جام کے ورثاء میں سے دو شخصوں نے کھڑے ہو کر قسم کھائی کہ ہماری شہادت اُن کی شہادت سے زیادہ احق ہے۔ یہ جام ہمارے مورث کا ہے۔ اس باب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

ایک روایت میں ہے کہ بڑی مدت کے بعد تمیم اور عدی نے وہی جام ظاہر کیا تو اُن سے بدیل کے ورثاء نے مطالبہ کیا تو اُنھوں نے کہا کہ ہم نے بدیل سے خریدا تھا۔ بدیل کے وارثوں نے کہا کہ پہلے تو خود تم نے اقرار کیا تھا کہ ہم نے اس سے کچھ نہیں خریدا۔

اُنھوں نے کہا چونکہ اس خریداری پر ہمارے پاس گواہ نہ تھے اس لئے ہم نے ویسے ہی کہہ دیا تھا کہ ہم نے کچھ نہیں خریدا۔ یہ مقدمہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش ہوا تو آیت فَاِنْ عُثِرَ الخ اُتری۔ اس پر عمرو بن عاص اور مطلب بن ابی وداعہ سہمی نے کھڑے ہو کر قسم کھائی کہ وہ دونوں یعنی تمیم اور عدی سفید جھوٹ بولتے ہیں اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ انہوں نے خیانت کی ہے۔ اس بنا پر وہ جام اُن سے لے کر بدیل کے ورثاء کو دیا گیا۔

فائدہ: علماء کرام میں سب کا اتفاق ہے کہ قرآن میں سب سے زیادہ باعتبار اعراب الفاظ اور حکم کے یہی آیت طویل ہے۔

شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ ، خصومات جو جاری ہوتے ہیں اُن کے متعلق تمہاری آپس کی گواہیاں بین ظرف اور شہادۃ کا مضاف الیہ ہے اور ظروف میں وسعت ہوتی ہے کہ انہیں ہر حیثیت سے معمول بنایا جا سکتا ہے گویا اس وقت یہ فعل کا مفعول ہے۔ پھر وہی مثل یا سَارِقُ فی اللَّيْلَةِ تھا اور شہادۃ اس لئے کہ مرفوع اور مُبتدا ہے۔

إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ ، جب تمہارے ایک کو موت واقع ہو یعنی تمہارے لئے موت کا وقت قریب اور اس کے آثار نمودار ہو جائیں۔ یہ جملہ شہادت کے لئے ظرف ہے۔

حِينَ الْوَصِيَّةِ ، یہ ظرف سے بدل ہے اسے ظرف سے بدل بنانے میں تنبیہ ہے کہ وصیت ایسے اہم مسائل سے ہے کہ مسلمان کو اس میں سستی اور غفلت نہ کرنی چاہیئے۔

اِثْنَانِ ، یہ مُبتدا کی خبر ہے۔ لیکن یہاں مضاف مقدر مانا جائے گا تاکہ حین کو مجاز پر محمول نہ کرنا پڑے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ کسی کی موت کے وقت وصیت کرنا بھی دو گواہوں کی طرح ہے گویا اس کی وصیت ہی دو گواہ ہیں۔ یا یوں ہو کہ اثنان شہادۃ مصدر کا فاعل ہے۔ اس معنیٰ مبتدا کی خبر محذوف ہے وہ خبر فِيمَا نُزِّلَ عَلَيْكُمْ اَنْ يَّشْهَدَ بَيْنَكُمْ اثْنَانِ ہے پھر لفظ اثنین کے متعلق اختلاف ہے کہ اس سے کون مراد ہیں۔ بعض مفسرین نے کہا کہ وہ دو

marfat.ocm

گواہ جو وصیت کرنے والے کی وصیت کی گواہی دیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے وہ وصی مُراد ہیں جو میت کے سامنے موجود تھے اس لئے کہ یہ اُن کے حق میں اُتری اور پھر اُن کے متعلق فرمایا گیا وَ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنَ الصَّلٰوۃِ فَیُقْسِمٰنِ الخ

مسئلہ : یہ ضروری نہیں کہ وصیت کے وقت دو گواہ ہوں۔ ایک کو گواہ بنانا بھی کافی ہے۔ اگرچہ آیت میں دو کا ذکر ہے اور موزوں اور پختہ ترتیب یہی ہے کہ گواہ دو ہوں اس لئے کہ آپس میں ایک دُوسرے کا معاملہ مضبوط کریں گے، لیکن ایک گواہ ہو تو بھی حرج نہیں۔

فائدہ : اس معنے پر لفظ شہادت بمعنی الحضور ہوگا۔ جیسے کہا جاتا ہے : شَهِدْتُ وَصِیَّةَ فُلَانٍ بمعنی حضرت الخ یعنی میں فلاں کی وصیت کے وقت حاضر تھا اور "الشہید" وہ ہے جسے جنگ میں موت حاضر ہو جائے"۔

مَسئلہ : جس پر نماز کا وقت گزر جائے اور وہ بعد کو فوت ہو اُسے شرعاً شہید نہیں کہا جاسکتا اس لئے کہ اسے جنگ میں موت حاضر نہیں ہوئی۔

ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ ،، یہ اثنان کی صفت ہے۔ یعنی وہ گواہ تمہارے رشتہ داروں میں سے اور صاحبِ امانت اور ذی عقل ہوں۔ اس لئے کہ انہیں میت کی مصلحتوں کی زیادہ سوچ بچار ہوگی۔ یا مِنْكُمْ کے خطاب سے رشتہ دار مُراد نہ ہوں۔ بلکہ قرابت دینی مُراد ہے۔ یعنی وہ گواہ تمہارے دین کے بھائی ہوں۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اے مسلمانو! وہ گواہ بناؤ جو تمہارے دین سے تعلق رکھتے ہوں۔ یہ جملہ تامہ ہے اور شہادت کا حکم ہر وصیت کو شامل ہوگا۔ سفر ہو یا حضر میں۔

اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَیْرِكُمْ ،، یا دو دوسرے وہ گواہ جو تمہارے غیر ہیں یعنی وہ تمہارے قریبی رشتہ دار نہیں یا وہ تمہارے دین پر نہیں جیسے ذمّی۔

قاعدہ : ذمی کا گواہ بننا ابتداء اسلام میں جائز تھا۔ اس لئے کہ اہلِ اسلام کا عام اور ہر جگہ پایا جانا ممکن نہ تھا۔ بالخصوص حالت سفر میں۔ پھر وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ سے یہ منسوخ ہوگیا۔

مَسئلہ ۱ : مسلم پر ذمی کا گواہ بننا جائز نہیں۔ اس لئے کہ گواہ صاحبِ ولایت ہوتا ہے اور ذمی کو مسلمان پر ولایت نہیں۔

مسئلہ ۲ : ذمی کی ذمی پر گواہی جائز ہے۔ اس لئے کہ ذمّی ایک دُوسرے کے ولی ہو سکتے ہیں۔

اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ ،، اگر تم زمین کا سفر کرو۔ **فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةُ الْمَوْتِ** ط تو تمہیں موت کی مُصیبت گھیر لے۔ اس کا شرط پر عطف ہے۔ مَاقبل کی وجہ سے اُس کا جواب محذوف

marfat.ocm

ہے۔ یعنی اگر تم سفر میں ہو اور موت قریب ہو جائے اور اُس وقت تمہارا کوئی رشتہ دار ساتھ نہ ہو اور نہ ہی کوئی اسلامی بھائی (جو تمہارے معاملات کو درست کر سکے) جیسا کہ عموماً سفروں میں ہو جاتا ہے تو پھر تمہارے لئے جائز ہے کہ تم غیر مسلموں کو اپنے لئے وصیت کے گواہ بنالو۔

فائدہ: إِنْ أَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ الخ أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ کو مقید کرنے کے لئے ہے یعنی بوجہ مجبوری دوسروں کو گواہ بنالو ورنہ بلا ضرورت جائز نہیں۔

تَحْبِسُونَهُمَا: یہ جملہ مستانفہ ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا تھا کہ اگر ہمیں ذو عدل گواہ نہ ملیں یا ہمیں اُن کی گواہی میں شک ہو تو پھر ہم کیا کریں تو اُس کے جواب میں فرمایا: تَحْبِسُونَهُمَا یعنی اُن سے قسمیں لے کر گواہیاں لو۔ **مِنْ بَعْدِ الصَّلٰوةِ:** نماز کے بعد۔ یہ مِنْ صلہ کا ہے اور الصلاۃ کا الف لام عہد خارجی ہے۔ اس سے عصر کی نماز مراد ہے۔ وہ اس لئے کہ قسم کے لئے اُن کے ہاں یہی وقت مقرر تھا، کیونکہ عموماً وہ اُس وقت جمع ہوتے تھے اور رات اور دن کے فرشتوں کی تبدیلی کا بھی یہی وقت ہے۔ علاوہ ازیں اہلِ ایمان اِس وقت کو بہت بڑا معظم سمجھتے ہیں۔ اسی لئے اس وقت قسم کھانے سے اجتناب کرتے ہیں[1]

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اگر کسی سے قسم لیتے تو اسی وقت۔

مسئلہ: امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک خون، طلاق، آزادی غلام اور دو سو درہم مال کی گواہی میں اس طرح کا اہتمام کرنا چاہیئے کہ کسی معظم وقت اور کسی معزز جگہ میں قسم لی جائے۔ جیسے نماز عصر کے بعد اور مکہ معظمہ میں رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان اور مدینہ طیبہ میں منبر نبوی کے پاس اور بیت المقدس میں صخرہ کے پاس۔ اسی طرح وہاں کے عوام جس وقت اور جس جگہ کو مقدس و معزز سمجھتے ہوں وہاں اُن سے قسم لی جائے جیسے تمام مقامات کی اشرف المساجد۔

مسئلہ: سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قسم کو کسی زمان و مکان سے مخصوص نہیں فرماتے۔ اُن کے نزدیک ہر جگہ اور ہر زمانہ میں قسم لی جا سکتی ہے اس لئے کہ قسم ایمان والے کے لئے معزز و مکرم ہے لہٰذا کسی زمان و مکان کی ضرورت نہیں۔

---

[1] ہمارے عرف میں قرآن سر پر رکھا کر قسم لے جاتی ہے اس کا استنباط اسی آیت سے ہو سکتا ہے اس لئے کہ ہمارے عوام قرآن مجید کو معزز و معظم سمجھ کر جھوٹی قسم سے کتراتے ہیں لیکن سچی قسم قرآن مجید سر پر رکھنے سے انکار نہیں کرتے ۱۲۔ اویسی غفرلہ۔

marfat.ocm

فَیُقْسِمٰنِ بِاللّٰہِ ،، پھر وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی قسم کھائیں۔ اس کا عطف تَحْبِسُوْنَھُمَا پر ہے۔

اِنِ ارْتَبْتُمْ ،، یہ جملہ شرطیہ ہے۔ اس کا جواب محذوف ہے جس پر ماسبق دلالت کرتا ہے یعنی قسموں کے لئے محبوس کرنا اور اس پر قسم لینا (جو کہ صرف اللہ کی ذات کے لئے لی جاتی ہے) اور یہ جملہ قسم اور جواب قسم کے درمیان معترضہ واقع ہُوا ہے تاکہ تنبیہہ ہو جائے کہ گواہوں کا حبس اور قسم لینا صرف بوقت شک کے ہوتا ہے۔ یعنی اگر میت کے ورثہ کو گواہوں پر خیانت یا ترکہ میں کسی شئے کے خورد و بُرد کا شک ہو تو ان سے حاکم کے سامنے کھڑا کر کے قسمیں اُٹھوائیں۔

لَا نَشْتَرِیْ بِہٖ ثَمَنًا ،، یہ قسم کا جواب ہے۔ اس لئے کہ فَیُقْسِمٰنِ ایسی قسم کو متضمن ہے جو اس میں مضمر ہے۔ الاِشْتِرَاءِ بمعنی استبدال السلعۃ بالثمن یہ یعنی ثمن کو بطور بدل دے کر سامان لینا پھر استعارہ کے طور ماخوذ (جس شئ کو لیا جا رہا ہو) میں رغبت کی وجہ سے اپنے پاس سے کوئی شئے دے کر اس ماخوذ کو لینا اور اپنی دی ہوئی شئے سے رُوگردانی پر بھی مستعمل ہوتا ہے (جیسا کہ استعارات میں ہوتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو بدل بنا کر اپنے نفسوں کے لئے نہیں لے رہے کہ اس کی بے حُرمتی کر کے دُنیا کا کوئی سامان لے لیں۔ یعنی جھُوٹی قسم کھا کر ہم اس کی ہتک نہیں کر رہے۔ خلاصہ یہ کہ وہ یہ کہیں کہ ہم مال یا لالچ دنیوی کے پیشِ نظر جھوٹی قسم نہیں کھا رہے۔ وَلَوْ كَانَ

(سوال) کان کی ضمیر کس طرف راجع ہے۔

(جواب) مقسم لہٗ کی طرف۔ یعنی جس کے لئے قسم کھائی جا رہی ہے یعنی میت۔

(سوال) یہ کس طرح معلوم ہُوا۔

(جواب) فحوائے کلام دلالت کرتا ہے کہ یہاں مقسم لہٗ یعنی میت مُراد ہے۔

ذَا قُرْبٰی ،، اگرچہ وہ میت رشتہ دار بھی کیوں نہ ہو یعنی وہ ہمارے رشتہ کے لحاظ سے بہت قریب ہو تب بھی ہم جھُوٹی قسم نہیں کھائیں گے۔ اس میں تاکید ہے کہ ہم جھوٹی قسم سے بالکل بَری ہیں۔ گویا تاکید کر کے اپنا تنزہ بتانا چاہتے ہیں۔ گویا وہ گواہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی حُرمت کو بدل بنا کر مال نہیں لینا چاہتے۔ اگرچہ اس میں ہمارے قریبی رشتہ داروں کی بات بھی کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ رشتہ داروں کی رعایت سے ہمیں اپنی زیادہ رعایت ہے کہ ہم رشتہ داروں کا فائدہ کر کے جہنم کا ایندھن نہیں بننا چاہتے۔ اپنی رعایت رشتہ داروں کی رعایت سے عزیز تر ہے۔

(سوال) جھوٹی قسم کھانے سے انہیں خطرہ مذکور سامنے ہوگا تو پھر اُنہیں بار بار جھوٹی قسم کھانے سے روکنے میں کیا حکمت ہے۔

(جواب) واقعی جھوٹی قسم کھانے میں جہنم کا خوف ہوگا، لیکن ہر ایک کو نہیں بلکہ بعض کو۔ ورنہ اکثر دنیا کی

marfat.ocm

میں جہنم کا خوف کئے بغیر جھوٹی قسمیں کھا جاتے ہیں اس لئے بار بار تاکید کی گئی۔

وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللهِ ،، اس کا عطف لانشتری پر ہے اور اس کے حکم میں داخل ہے شَهَادَةَ اللهِ لَا نَكْتُمُ کا مفعول یہ ہے۔ یعنی ہم اللہ تعالیٰ کی شہادت کو نہیں چھپائیں گے۔

(سوال) شہادت کو اللہ تعالیٰ کی طرف کیوں مضاف کیا گیا ہے۔ حالانکہ گواہی تو بندوں کے لئے ہے؟

(جواب) امرِ شہادت کا اللہ تعالیٰ ہے کہ اُس نے اس کی حفاظت اور عدم کتمان اور ضائع نہ کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

اِنَّآ اِذًا ،، بے شک ہم اس وقت یعنی گواہی کو چھپانے کے وقت لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ○ گنہگاروں اور نافرمانوں سے ہوں گے۔ فَاِنْ عُثِرَ ،، اگر ان قسموں کے بعد اطلاع دی جائے۔ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا ،، اوپر اُس کے کہ بیشک وہ دونوں گناہ کے مستحق ہوئے۔ یعنی اُن سے ایسا فعل سرزد ہوا جو اُن کے گناہ کا موجب بنا کہ گواہی میں تحریف کی یا اسے چھپایا۔ مثلاً ان سے چوری شدہ مال مل گیا یا اس مال کے استحقاق کا دعویٰ کرتے ہیں۔ فَاٰخَرٰنِ ،، یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا ،، ہے یعنی پس اِن دو کے قائم مقام دو دو گواہ اور کھڑے کئے جائیں۔ یعنی جن کی خیانت پر اطلاع ملی ہے تو اُن کے بجائے دوسروں کو مقرر کیا جائے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ شہادت سے انکار کرتے ہیں تو شہادت کی ادائیگی کے لئے دُوسرے مقرر کئے جائیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جن کے متعلق تمہیں خیانت کا علم ہُوا ہے اُن کے بجائے دوسرے ایسے آدمی لئے جائیں جو حاکم کے سامنے کھڑے ہو کر قسم کھا کر اظہارِ حق کریں۔ مِنَ الَّذِيْنَ ،، یہ يَقُوْمٰن کے فاعل کی ضمیر سے حال ہے۔ اس سے میت کے متعلقین مُراد ہیں۔ اِسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ ،، جھوٹی گواہی نے ان کا حق چھین کر اُن کو نقصان پہنچایا جو میت سے قریب تر ہیں۔ اَلْاَوْلَيٰنِ سے میت کے وہ ورثاء جو اسے زیادہ قریب ہیں مُراد ہیں اب یہی گواہی دینے والے کے زیادہ حق دار ہیں۔ یعنی وہ قسم کھا کر گواہی دیں (جیسے بدیل کے رشتہ داروں نے کیا) استحق کا مفعول محذوف ہے۔ اصل عبارت یُوں تھی کہ استحق عَلَيْهِم اَنْ يجردوهُمَا للقيام بِالشهادة الخ یعنی اب صرف یہی میت کے رشتہ دار گواہی کے زیادہ مستحق ہیں کہ وہ قسم کھا کر گواہی دیں اور بتائیں کہ پہلے گواہوں نے جھوٹی گواہی دی تھی۔ درحقیقت الآخران یہی ہیں کہ جنہیں پہلے گواہوں کے بعد گواہی کے لئے کھڑا کیا گیا ہے جو عبارت میں مضمر کے بجائے مظہر لایا گیا ہے۔ اس معنی پر استحق مبنی للمفعول (بصیغہ ماضی مجہول) بھی پڑھا گیا ہے اور یہی محذوف تھا ہے مِنَ الَّذِيْنَ ،، استحق یعنی وہ لوگ جن کا حق چھینا گیا یعنی میت کے ورثاء اور اس کے قبیلہ والے اس تقریر پر اَلْاَوْلَيٰنِ مرفوع اور مُبتدا محذوف کی خبر ہے۔ گویا یہ سوال کا جواب ہے۔ سوال تھا کہ جن کا حق چھینا گیا وہ کون لوگ ہیں تو اُس کے جواب میں فرمایا: اَلْاَوْلَيٰنِ ،، یعنی میت کے ورثہ۔

marfat.ocm

فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ "، اس کا عطف يَقُوْمٰنِ پر ہے۔ لَشَهَادَتُنَآ یہاں شہادت بمعنی یمین ہے۔ جیسے آیت فشہادۃ احدھم اربع شہادات باللہ میں شہادت بمعنی یمین ہے یعنی میت کے حقدار گواہی کے وقت کہیں کہ بخدا ان دونوں نے جو ہمارے سے پہلے گواہی دی وہ جھوٹے ہیں۔ نہ ہی اُن کا کوئی حق بنتا ہے بلکہ جو کچھ ہم قسم کھا کر کہتے ہیں اَحَقُّ " قبول ہونے کے لئے زیادہ لائق ہے۔ مِنْ شَهَادَتِهِمَا " بہ نسبت ان کی جھوٹی گواہی کے ساتھ قسم کھا جانے کے واضح ہو چکا ہے کہ وہ جھوٹی قسم کھا چکے ہیں اور لوگوں کو معلوم ہو چکا ہے کہ اُنھوں نے جھوٹ کہا اور بحمدہٖ تعالیٰ ہم نے سچ کہا ہماری قسم اور گواہی میں کسی قسم کا جھوٹ اور تردد نہیں۔

سوال : جب واضح ہے کہ واقعی اُن کی گواہی سچی ہے تو پھر اُسے صیغۂ افعل التفضیل سے کیوں لایا گیا اس سے تو یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان کے بالمقابل (دوسروں) کی گواہی بھی قابل قبول ہو حالانکہ اُن کی گواہی بالکل مسترد ہو چکی ہے (جواب) ان کے مقابل (لوگوں) کی بات میں من وجہ صدق کا احتمال باقی تھا اس لئے کہ مال مسروقہ اُن کے قبضہ میں تھا اور وہ اس کی ملکیت کے مدعی بھی تھے۔ بنابریں اُنھوں نے اپنی گواہی اور قسم کو "احق " افعل التفضیل سے بیان کیا۔

وَمَا اعْتَدَيْنَآ " اس کا عطف جواب قسم پر ہے۔ یعنی ہم نے نہ تو گواہی میں حق سے تجاوز کیا اور نہ ہی اُن کے استحقاق پر حملہ کر کے اُن کا حق باطل کیا۔ اِنَّآ اِذًا "، اگر ہم یمین اور گواہی میں تجاوز کریں تو اُس وقت لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ تو ہم اللہ تعالیٰ کی حرمت کی ہتک سے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب کے پیش کر کے اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہوں گے یا حق کو غیر حق میں رکھنے والے ہوں گے۔

خلاصہ تفسیر : جس پر موت جھانکے اس پر لازم ہے کہ اپنے رشتہ داروں یا اسلام کے نام لیواؤں میں سے دو نیک انسانوں کو اپنی وصیت پر گواہ بنائے۔ اگر ایسے دو گواہ نہ ملیں۔ مثلاً سفر میں ہے تو اُن کے غیروں سے دو اور گواہ بنالے پھر بوقت گواہی اُن پر کسی قسم کا شک و شبہ پڑ جائے تو وہ قسم کھا کر کہیں کہ ہم نے نہ تو گواہی میں کسی قسم کی کمی بیشی کی ہے اور نہ ہی ہم نے میت کے مال متروکہ میں سے کچھ چرایا ہے لیکن اُن سے یہ قسم ایسے زمانہ اور مکان میں لی جائے کہ وقت اور مکان ان کے نزدیک معزز و مکرم ہو تاکہ انہیں جھوٹی قسم کھانے پر جرأت نہ ہو۔ اُن کی قسم کھانے کے بعد اگرچہ فیصلہ بھی ہو چکا ہو لیکن معلوم ہو جائے کہ انہوں نے جھوٹی قسمیں کھائی تھیں، حالانکہ میت کا مال واقعی اُنھوں نے چرایا یا وہ مال اُن کے ہاں مل جائے۔ اگرچہ وہ دعویٰ کریں کہ ہم نے میت سے قیمتاً خریدا تھا تو میت کے ورثہ قسم کھائیں کہ پہلے گواہوں نے جھوٹی قسمیں کھائی ہیں۔ درحقیقت یہ مال ہمارے مرنے والے رشتہ دار کا ہے۔

سوال : جب پہلے گواہوں کی قسم جھوٹی ثابت ہو چکی ہے تو پھر میت کے ورثہ سے قسمیں لینے کا کیا معنیٰ

marfat.ocm

(جواب) یہ قاعدہ ہے کہ جب وصی میت کے مال میں دعویٰ کرے کہ میں نے اسے خریدا ہے یا مجھے کہ میت نے خود مجھے عنایت فرمائی تھی۔ ورثہ کو اگر انکار ہو تو وہ قسمیں کھائیں اس لئے کہ یہ دعویٰ کے منکرین ہیں منکر کو دعویٰ میں قسم کھانا پڑتی ہے اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہو۔ اگرچہ یہ آیت بعض اعتبار سے منسوخ ہے لیکن ے قسم لینے کا مسئلہ منسوخ نہیں۔

ذٰلِكَ "وہ تفصیل جو ابھی مذکور ہوئی۔ اَدْنٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَاۤ "زیادہ قریب ہے کہ گواہ گواہی کو اس طریق سے ادا کریں کہ جس طرح انہیں معلوم ہے ذرہ بھر بھی کمی بیشی نہ کریں اور نہ ہی قسم کی نت کریں اور آخری عذاب سے ہر وقت ڈرتے رہیں۔ یہی نکتہ اس میں ہے کہ قسم معزز و مکرم وقت اور مکان میں ئے اَوْ یَخَافُوْۤا اَنْ تُرَدَّ اَیْمَانٌۢ بَعْدَ اَیْمَانِهِمْ ؕ یا انہیں خوف ہو کہ ہماری قسمیں دوسروں کی قسموں وجہ سے رد کر دی جائیں۔ اس میں یہ حکمت بتائی گئی ہے کہ پہلے گواہوں کی گواہی شرعاً کیوں مسترد ہوئی۔ اس کا معطوف علیہ محذوف ہے جیسا کہ مقام کا تقاضا ہے۔ گویا اصل عبارت یوں تھی ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ لٰى وَجْهِهَا اَوْ یَخَافُوْا عذاب الاٰخرة بسبب الیمین الکاذبة اَوْ یَخَافُوْا الافتضاح علٰی رؤس الاشهاد یعنی مذکورہ بالا تدابیر اس لئے کی گئیں تاکہ وہ اپنی گواہی صحیح طریق سے ادا کریں اور آخرت کے عذاب سے ڈر کر جھوٹی قسم سے بچ جائیں یا انہیں یہ خطرہ ہو کہ بر سر مجلس ہماری گواہی ٹھکرا دی جائے گی۔ جس سے ہمیں شرمسار ہونا پڑے گا بایں طور کہ میت کے ورثہ سے ہمارے خلاف قسم لے کر گواہی لے جائے گی۔ مذکورہ بالا طریقوں سے غلط کار گواہوں کو خیانت سے بچانا مطلوب ہے۔ ان دو مذکورہ طریقوں میں سے کسی ایک کو مدِ نظر رکھیں گے تو ہمارا مقصود حاصل ہو جائے گا یعنی صحیح طریق سے گواہی دیں گے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ "گواہی دینے میں اللہ تعالیٰ سے ڈر کر گواہی کو نہ بدلو اور قسم کھانے میں جھوٹی قسموں سے بھی بچو اور امانت میں خیانت اور اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ تمام احکام کے خلاف بھی نہ کرو!

وَاسْمَعُوْا "جتنی تمہیں نصیحتیں دی جاتی ہیں انہیں سن کر قبول کرو اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرو۔

وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۝ اور اللہ تعالیٰ طاعت سے خارج ہونے والوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرو گے اور اس کا حکم سن کر مخالفت کرو گے تو تم فاسق ہو جاؤ گے اور فاسقوں کو اللہ تعالیٰ کی ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ یعنی انہیں راہِ جنت نہیں ملتا یا انہیں ہر طرح کے نفع سے محروم رکھا جاتا ہے۔

مسئلہ : شرعاً گواہی ہر اس فعل کی خبر دینے کو کہتے ہیں۔ جیسے گواہی دینے والے نے واقعہ پر موجود ہو کر اپنی آنکھوں سے معائنہ یا مشاہدہ کیا ہو[1] افعال میں جیسے قتل زنا یا سن کر گواہی دے جیسے عقود اور اقرار میں۔

---

[1] اسی معنی کو سامنے رکھ کر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے شاہد بمعنی گواہ مان لیا جائے تو کیا نتیجہ برآمد ہوگا! (سوچئے) اویسی غفرلہ

marfat.ocm

مسئلہ : یہی وجہ ہے کہ گواہی اس وقت تک قابلِ قبول نہیں جب تک یہ نہ کہے کہ میں واقعہ پر خود موجود تھا اور اپنی آنکھوں سے دیکھا اور میں اُسے بلا واسطہ خود جانتا ہوں اور فلاں فلاں سے بلا واسطہ سُنا۔

مسئلہ : اس لئے گواہی دیتے وقت واقعہ کو بیان کرنا ضروری ہے۔

حدیث شریف : حضور علیہ السلام نے فرمایا جب تمہیں ایسے یقین ہو جائے جیسے سورج کو آنکھوں سے دیکھ کر یقین کرتے ہو اس وقت گواہی دو۔ ورنہ گواہی سے بچو۔

نکتہ : گواہی دینے میں چند فوائد ہیں (۱) حقوق الناس کی حفاظت (۲) عقود میں بائع مشتری کے انکار کا انسداد (۳) صاحبان اموال کے مال کا تحفظ۔

حدیث شریف : حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ گواہوں کی عزت کرو۔ اس لئے کہ انہی پر تمہارے حقوق کا دارومدار ہے۔

مسئلہ : جب گواہی کے لئے کسی کو گواہ کی حیثیت سے بُلایا جائے تو اُسے انکار کرنا ناجائز ہے اس لئے کہ یہ گواہی کے لئے نہ جائیگا تو حقوق ضائع ہو جائیں گے۔ اس کا وبال اُس پر ہوگا۔

مسئلہ : یہ اس وقت ہے جبکہ اس کے سوا اور کوئی نہیں۔ اگر کوئی دُوسرا اُس کے سوا گواہی کے لئے موجود ہو تو یہ گواہی کے لئے حاضر نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔ اس لئے کہ اس وقت صاحب حق کے حقوق کے ضائع ہونے کا خطرہ نہیں۔

مسئلہ : حدود میں مختار ہے چاہے گواہی دے یا مجرم کے جرم پر پردہ ڈالے اس لئے کہ گواہی دینا بھی ثواب ہے اور مُسلمان کی عیب پوشی بھی ثواب بلکہ مُسلم بھائی کی پردہ پوشی افضل ہے۔

حدیث شریف : حضور علیہ السلام نے فرمایا جو اپنے مسلم بھائی کی پردہ پوشی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کی دُنیا و آخرت میں پردہ پوشی فرمائے گا۔

اعجوبہ : جھوٹی قسمیں ہنستے علاقوں کو اُجاڑ کر کے رکھ دیتی ہیں۔

سبق : سالک پر لازم ہے کہ دُنیا کی لالچ میں پھنس کر جھُوٹ سے بچے اور ہر قول و فعل میں سچائی کو اختیار کرے حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

طریقِ صدق بیاموز از آب صافی دل ؎ براستی طلب آزادگی چو سرو چمن

ترجمہ : سچائی پانی صاف دل سے سیکھ سرو چمن کی طرح آزادگی طلب کر

مسئلہ : امانت بہت بڑے بہترین اوصاف سے ہے اس لئے اللہ تعالیٰ امانتوں کی ادائیگی کا حکم فرماتا ہے لیکن افسوس کہ دَورِ حاضرہ میں ایسے اشخاص کا فقدان ہے۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ؎

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ

جس دن اللہ جمع فرمائے گا رسولوں کو پھر فرمائے گا تمہیں

قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى

کیا جواب ملا عرض کریں گے ہمیں کچھ علم نہیں بے شک تو ہی ہے سب غیبوں کا جاننے والا جب اللہ

ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ تُكَلِّمُ

فرمائے گا اے مریم کے بیٹے عیسیٰ یاد کر میرا احسان اپنے اوپر اور اپنی ماں پر جب میں نے پاک روح سے تیری مدد کی تو لوگوں

النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ

سے باتیں کرتا پالنے میں اور پکی عمر ہو کر اور جب میں نے تجھے سکھائی کتاب اور حکمت اور توریت اور انجیل اور جب

وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا

تو مٹی سے پرند کی سی مورت میرے حکم سے بناتا پھر اس میں پھونک مارتا تو وہ میرے حکم سے اڑنے لگتی اور تو

بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ وَاِذْ كَفَفْتُ

مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو میرے حکم سے شفا دیتا اور جب تو مردوں کو میرے حکم سے زندہ نکالتا اور جب میں

بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ

نے بنی اسرائیل کو تجھ سے روکا جب تو ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر آیا تو ان میں کے کافر بولے کہ یہ تو نہیں مگر

اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾ وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ قَالُوْٓا

کھلا جادو اور جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ بولے ہم ایمان

اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ

لائے اور گواہ رہ کہ ہم مسلمان ہیں جب حواریوں نے کہا اے عیسیٰ بن مریم کیا

يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآىِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ

آپ کا رب ایسا کرے گا کہ ہم پر آسمان سے ایک خوان اتارے کہا اللہ سے ڈرو اگر ایمان

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا

رکھتے ہو بولے ہم چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور ہمارے دل ٹھہریں اور ہم آنکھوں دیکھ لیں کہ آپ نے

وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ

ہم سے سچ فرمایا اور ہم اس پر گواہ ہو جائیں عیسیٰ بن مریم نے عرض کی اے اللہ اے رب ہمارے ہم پر

عَلَيْنَا مَآىِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ

آسمان سے ایک خوان اتار کہ وہ ہمارے لیے عید ہو ہمارے اگلوں پچھلوں کی اور تیری طرف سے نشانی اور ہمیں رزق

وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ

دے اور تو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے اللہ نے فرمایا کہ میں اسے تم پہ اتارتا ہوں پھر اب جو تم میں کفر کرے گا

مِنْكُمْ فَاِنِّىْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ ع

تو بے شک میں اُسے وہ عذاب دوں گا کہ سارے جہان میں کسی پہ نہ کروں گا

(بقیہ صفحہ ۴۰۸) ؎ خیانتہائے پنہاں میکشد آخر برسوائی ٭ کہ دزد خانگی را شحنہ در بازار میگردد

ترجمہ : پوشیدہ خیانتیں بالآخر رسوائی کی طرف کھینچ کرلے جاتی ہیں جیسے گھر میں بیٹھے چور کو کوتوال بازار میں کھینچ لاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ : سالک کو تقویٰ لازمی ہے۔ اور احکام ازلیہ کی طرف توجہ بھی ضروری ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فاسقوں کو اپنی درگاہ میں حاضری کی اجازت نہیں بخشتا اور فاسق سے وہ لوگ مراد ہیں جن پر ازل میں نور کا چھینٹا نہ پڑا اور وہ اس ازلی نور سے یکسر محروم رہے۔ جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جسے ازلی نور نصیب ہوا وہ ہدایت پا گیا اور جو اس سے محروم ہوا۔ وہ ہمیشہ کے لئے بدبخت رہا۔ واللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے احکام کی مخالفت سے بچائے اور ان لوگوں سے دور رکھے جنہوں نے اپنی زندگی کے مقدس انفاس ضائع کر دیے (وھو الموفق والمرشد الصواب)

تفسیر عالمانہ ۲۷/۵ : يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ ،، یاد کرو اس دن کو جب اللہ تعالیٰ رُسل کرام کو جمع فرمائے گا۔ اِس سے قیامت کا دِن اور انبیاء کرام علیہم السّلام کے جمع کرنے سے اُن کی اُمتوں کو جمع کرنا مُراد ہے۔ اُمم کا علیحدہ ذکر اس لئے نہیں ہوا کہ وہ اپنے اپنے نبی علیہ السّلام کی اتباع میں مذکور ہو گئے فَيَقُوْلُ ،، تو اللہ تعالیٰ رُسل کرام علیہم السّلام سے فرمائے گا۔ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ،، تم نے جب اپنی اُمتوں کو توحید کی دَعوت دی تو اُنھوں نے کیا جواب دیا۔ اقرار و تصدیق کی یا انکار و تکذیب۔ یہ ماذا محل نصب میں ہے اور اِس فعل کا مفعول مطلق ہے جو اس کے بعد مذکور ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ انبیاء علیہم السّلام اپنے عہدۂ پیغام رسانی سے پُورے طور سبکدوش ہو گئے۔ وَرنہ انہیں یوں خطاب ہوتا هَلْ بَلَّغْتُمْ رِسَالَتِیْ۔

سَوَال : کلام کا تقاضا تھا کہ عبارت یوں ہو۔ مَاذَا اَجَابُوْا ،،

جواب : اس سے اُن کی اُمتوں کو زجر و توبیخ مطلوب ہے۔ جیسے وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ،، زندہ درگور لڑکی کے سوال سے اس عمل کے مرتکب کو زجر و توبیخ مقصود ہے۔

قَالُوْا ،، یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب انبیاء علیہم السّلام سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَاذَآ اُجِبْتُمْ

marfat.ocm

نھوں نے اس کے جواب میں کیا کہا تو جواباً فرمایا وَقَالُوا۔ انبیاء علیہم السلام عرض کریں گے۔ لَا عِلْمَ لَنَا، جو م تھا اسے ہم نہیں جانتے۔ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ○ تو ہی تمام غیوب کو جانتا ہے۔ اس سے لَا عِلْمَ لَنَا ت بتانا ہے۔ یعنی اُن کا علم تجھے ہے کہ جو کچھ انھوں نے ظاہر یا چھپ کر کیا تو انھیں پورے طور پر جانتا ہے۔ ہم تو ی اُن کے ظاہر کو جانتے ہیں۔ فلہٰذا ہمارا علم تیرے علم کے سامنے کالمعدوم ہے۔

فائدہ : اس سے معلوم ہوا کہ وہ اپنی لاعلمی کے ضمن میں اپنی اُمتوں کی شکایت کر رہے ہیں کہ اے اللہ تو علیم بکل شئی ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ انھوں نے ہمیں کتنا ستایا اور کتنا سخت سے سخت اذیتیں پہنچائیں۔ اب ہم ے التجا کرتے ہیں کہ تو اُن سے ہمارا بدلہ لے اور سخت سے سخت عذاب میں مبتلا فرما۔

فائدہ : سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ سوال و جواب اُس وقت ہوگا جب جہنم کو جوش ہوگا اور لوگ خوف کے مارے گھٹنوں کے بل پڑے آہ و زاری میں ہوں گے۔ ہر نبی مرسل مقرب نفسی نفسی پکارتا ہوگا اور ہر ایک کے حواس باختہ اور دل گھبرائے ہوئے ہوں گے۔ یہاں تک کہ سادات کرام علیہم السلام بھی اسی گھبراہٹ اور اس خوفناک منظر سے کہیں گے۔ لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ جب تھوڑا سا افاقہ پائیں گے تو پھر اپنی رسالت کے متعلق گواہی دیں گے اور کہیں گے کہ ہم نے اُمتوں کو احکامات ے لیکن انھوں نے ہماری ایک نہ مانی۔

سوال : انبیاء علیہم السلام کے لئے یہ کیسے مانا جائے کہ انہیں گھبراہٹ ہوگی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ن کے متعلق فرمایا، لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ"

جواب : یہاں فزع اکبر سے جہنم مراد ہے اور یہ صحیح ہے کہ انہیں نہ جہنم میں جانا ہوگا اور نہ گھبراہٹ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

(۱) اُولوالعزم را تن بلرزد ز ہول ؛ دراں روز کز فعل پرسند و قول

لوگ لفظ لَا عِلْمَ لَنَا، پڑھ کر نبی اکرم و دیگر انبیاء علیہم السلام کے علم غیب کی نفی پر بغلیں بجاتے ہیں جوابات تو ہم نے یر اویسی اردو میں لکھ دیئے مختصراً چند عرض کئے دیتا ہوں۔ اگرچہ کچھ جوابات تفسیر روح البیان میں بھی ہیں۔

آیت کے جوابات

(۱) یہ واقعہ قیامت میں ہوگا لیکن حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی بتا رہے ہیں اگر اسی کا نام لاعلمی ہے تو پھر علم کس چیز کا نام ہے۔

(۲) سوال اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مَاذَا اُجِبْتُمْ، ہم کہتے ہیں کہ کیا سوال کرنے والے کو علم ہے کہ یہ حضرات لاعلم ہیں پر عالم سے سوال کرنا عبث ہے (وھو علوا کبیرا) ہمارا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا سوال کرنا انبیاء علیہم السلام کو علم ہے کیونکہ ال اس سے کیا جاتا ہے جسے علم ہو۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۱۲)

marfat.ocm

(۲) بجائیکہ وحشت خورد انبیاء ※ تو عذر گناہ را چہ داری بیا
(۳) برادر ز کار بداں شرم دار ※ کہ در روئے نیکاں شوی شرمسار
(۴) سر از جیب غفلت بر آور کنوں ※ کہ فردا نماند بخجلت نگوں

ترجمہ (۱) پیغمبر علیہم السلام خوف سے لرزاں ہوں گے جبکہ قولی و فعلی کی پرسش ہو گی۔
(۲) جہاں انبیاء علیہم السلام کو وحشت ہو گی تو اپنے گناہوں کا کیا عذر کرے گا۔
(۳) گناہوں سے شرم کر تاکہ نیک لوگوں کے سامنے شرمساری نہ ہو۔
(۴) ابھی غفلت کے گریباں سے سر باہر کر تاکہ کل شرمساری سے سر نیچا نہ ہو۔

وہابیت دیوبندیت کے وہم کا ازالہ

اس سے انبیاء علیہم السلام کے علم کی نفی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ اُنھوں نے اپنی ظاہری زندگی میں جو کچ دیکھا سُنا وہ تو بیان کریں گے۔ البتہ بعد از وفات سے لاعلمی کا اظہار فرمایا جو کہ اُن کے موضوع بحث سے نہیں اور عقل بھی یہی چاہتی ہے کہ اُنھوں نے کافروں کے انجام اور اپنی وفات کے بعد کے احوال سے لاعلمی کا اظہار فرمایا اور انج بکار کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں حوضِ کوثر پر تشریف فر ہوں گا تو لوگ میرے ہاں حاضر ہوں گے۔ میں اللہ تعالیٰ سے عرض کروں گ یا اللہ یہ میرے ہیں کہ میرے بعد اُنھوں نے کیا کیا ہمیشہ یہ دین سے پیچھے ہٹتے رہے یعنی مُرتد ہو گئے تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۱۱) (۳) (معاذ اللہ) اگر انبیاء علیہم السلام کو نہ تھا تو اللہ تعالیٰ کا سوال کرنا جہالت کی دلیل ہے او وہ ایسے قبائح سے منزہ و مقدس ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا سوال اگر مبنی بر حکمت ہے تو انبیاء علیہم السلام کا جواب لاعلم لنا بھی مبنی بر حکمت ہے۔

(۴) سب کو معلوم ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو اپنی اُمتوں کا جواب معلوم تھا کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سے فرعو ہامان و قارون نے جو کچھ کیا وہ انہیں نہیں جانتے تھے کیا ابراہیم علیہ السلام نمرود کی کارروائیوں سے بے خبر تھے وغیرہ تو کیا علم کے باو لاعلم لنا کہہ کر معاذ اللہ انبیاء علیہم السلام جھوٹ بول رہے ہیں اور وہ حضرات جھوٹ سے بالاتفاق معصوم ہیں اس کا مخالف کے پاس کیا جواب ہے۔ ما ھو جوابکم فھو جوابنا۔ لامحالہ کہنا پڑے گا کہ علم تھا لیکن لاعلم لنا کہنا مبنی بر حکمت تھا۔

(۵) عام مفسرین نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام نے "لاعلم لنا" تواضعًا و ادبًا کہا کہ یا اللہ تیرے سامنے ہم کیا عرض کریں انک انت علام الغیوب ہے۔ (۶) میں کہتا ہوں انبیاء علیہم السلام استغراق دیدار میں ایسے محو ہوں گے کہ عرض کریں گے یا اللہ اب تیرے دیدار کے بعد ہم سب کچھ بھول گئے ہیں۔ تیرے دیدار کے سوا ہم کچھ نہیں جانتے۔

marfat.ocm

فائدہ : یہ حدیث عام ہے اس میں کہ وہ لوگ مراد نہیں جو عقائد اسلام سے منحرف ہوئے یا بدعات سیئہ میں مبتلا ہوئے۔

امتِ مصطفویہ کی شہادت کا واقعہ

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے میدان میں حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ بلا کر فرمائے گا کہ تم نے میرا پیغام پہنچایا یا نہ۔ عرض کریں گے یا اللہ تعالیٰ میں نے تیرا پیغام اپنی امت تک پہنچا دیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اے قوم تمہیں میرے پیغمبر نوح علیہ السلام نے میرے پیغام پہنچائے یا نہ وہ عرض کریں گے۔ یا اللہ تعالیٰ ہمارے پاس تیری طرف سے کوئی بھی پیغام پہنچانے والے نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ نوح علیہ السلام سے فرمائے گا کہ اپنے دعویٰ میں کوئی گواہ پیش کرو۔ نوح علیہ السلام عرض کریں گے میرے گواہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت ہیں باوجودیکہ امت مصطفویہ عرصہ دراز کے بعد پیدا ہوئی لیکن چونکہ انہوں نے قرآن مجید میں پڑھا تھا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام نے اپنی امت کو پیغامات الٰہیہ پہنچائے تھے اسی لیے گواہی دیں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کے بعد حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے تو آپ سے اپنی امت کے متعلق سوال ہوگا۔ آپ ان کے متعلق صفائی پیش کریں گے فرمائیں گے کہ یہ جو کچھ حضرات انبیاء علیہم السلام کے متعلق عرض کر رہے ہیں صحیح ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا۔

سبق : دانا کو لازم ہے کہ وہ دعوتِ حق اور ناصح کی نصیحت کو بدل و جان قبول کرے ؎

امروز قدر پند عزیزاں شناختم ٭ یارب رواں ناصح ما از تو شاد باد

ترجمہ : آج ہم نے بزرگوں کی نصیحت قبول کی۔ اے ہمارے رب نصیحت کرنے والوں کی روح کو خوش رکھ

تفسیرِ صوفیانہ

: قیامت میں اللہ تعالیٰ بصفت قہاریہ متجلی ہوگا، چنانچہ فرمایا لمن الملک الیوم للہ الواحد القہار، ہمارے شیخ قدس سرہ نے فرمایا کہ یہ ترتیب نہایت ہی عجیب وغریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذاتِ احدی کی وحدت سے کثرت لاتا ہے۔ پھر اپنے قہر و جلال سے کثرت کے آثار ایسے مٹاتا ہے کہ سوائے اپنے سب کو فنا ہی فنا کرے گا، لیکن یاد رہے کہ عارفین کے نزدیک ہر وقت قیامت قائم ہے۔ اس لئے کہ ان کو ہر وقت مکاشفہ و مشاہدہ ہوتا ہے اور ہر جگہ اس کے جلوے دیکھتے ہیں۔ حقیقی قیامتِ کبریٰ یہی ہے۔ خواص بلکہ اخص کا میدانِ محشر اس کا نام ہے (اے اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں سے بنا کہ جو موت اضطراری سے پہلے موت اختیاری سے فوت ہوں)

تفسیرِ عالمانہ

۱۱۰ : إِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ " اے مومنو! وہ وقت یاد کرو جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اے عیسیٰ بن مریم علیہما السلام۔ اس سے قیامت کا دن مراد ہے۔ اُذْكُرْ نِعْمَتِي " میرا انعام یاد کرو عَلَيْكَ وَعَلَىٰ وَالِدَتِكَ " جو کہ تمہارے اور تمہاری والدہ محترمہ پر ہوا۔ اس امر سے وہ امر مراد نہیں کہ اس سے اللہ تعالیٰ نے بطورِ وجوب حکم فرمایا ہو اس لئے

marfat.ocm

چمگادڑ کے عجائبات کا بیان

: بنی اسرائیل نے آپ سے چمگادڑ کی ساخت اور پھر اس میں روح پھونکنے کا اس لئے سوال کیا تھا کہ چمگادڑ عجیب الخلقت پرندہ ہے۔ مثلاً وہ از سرتاپا صرف گوشت یا خون ہے۔ اس میں ہڈیاں نہیں۔ اُڑتا ہے تو پروں کے بغیر۔ حیوانوں کی طرح بچے جنتا ہے پرندوں کی طرح انڈے نہیں دیتا۔ اس کی مادہ کا پستان ہوتا ہے جس سے دُودھ نکلتا ہے۔ نہ وہ دن کی روشنی میں دیکھ سکتا ہے اور نہ ہی رات کی تاریکی میں صرف دو وقت دیکھتا ہے (۱) بعد غروبِ الشمس ایک گھنٹہ (۲) بعد طلوع الفجر صبح کی سفیدی تیز ہونے تک۔ وہ انسان کی طرح ہنستا ہے اور اسے عورتوں کی طرح حیض بھی آتا ہے۔ بنی اسرائیل نے جب عیسیٰ علیہ السلام کا چمگادڑ اُڑتا ہوا دیکھا تو لگے اور کہا یہ تو جادو ہے۔ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ " اور تم مادرزاد اندھے اور برص وال کو میرے حکم سے تندرست بنا دیتے تھے۔

فائدہ : اَلْاَكْمَهَ " مادرزاد اندھے کو کہتے ہیں۔ اَلْاَبْرَصَ " وہ شخص جسے برص کی بیماری ہو برص جسم پر سفید داغ ہوتے ہیں کہ جن پر سُوئی چبھوئی جائے تو بھی خون نہیں نکلتا۔ یہ دونوں مرض ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ ہر دونوں بیماریوں کے علاج سے اطباء عاجز تھے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) صومعۂ عیسیٰ است خوان اہل دل ٭ ہاں ہاں اے مبتلا ایں در مہل
(۲) جمع گشتندے زہر اطراف خلق ٭ از ضریر و شل و لنگ و اہل دلق
(۳) او چو گشتی فارغ زاورا خویش ٭ چاشتگہ بیروں شدی آں خوب کیش
(۴) پس دعا کردے و گفتی از خدا ٭ حاجت و مقصود جملہ شد روا
(۵) بے توقف جملہ شاداں وداماں ٭ از دعائے او شدندے پادواں
(۶) آزمودی تو بسے آفاتِ خویش ٭ یافتی صحت ازیں شاہانِ کیش
(۷) چنداں لنگئ تو راہوار شد ٭ چند جانت بے غم و آزار شد

ترجمہ : (۱) عیسیٰ علیہ السلام کا حجرہ اہل دل کا خوانِ یغما ہے اے آزمائش والا اسے نہ چھوڑ
(۲) ہر طرف سے لوگ اکٹھے ہوتے۔ اندھے، لُنجے، لنگڑے اور گدڑی والے
(۳) جب وہ اپنی ضروریات سے فارغ ہوتے تو پھر وہ اچھی عادت والے اپنی جگہ پر آتے
(۴) پھر دعا کرتے اور کہتے۔ سب کی حاجت اور مقصود پُورا ہو۔
(۵) بلا تاخیر سب خوش ہو کر امان میں رہتے۔ آپ کی دُعا سے صحیح سالم تھے۔
(۶) تُو نے بہت سی آفات دیکھی لیکن ایسے شاہوں سے صحت پائی
(۷) تیرا لنگڑا گھوڑا راہوار ہُوا۔ ان کے طفیل بے غم اور تکلیف سے آزاد ہوئے۔

marfat.ocm

وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِىْ ” اور جب تم میرے حکم سے مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قبروں والوں کو زندہ کر دیتے تھے اور انہیں زندہ کرتے وقت پڑھتے **یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ** محققین علمائے کرام کے نزدیک یہی اسم اعظم ہے۔ **وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ** ” اور جب ہم نے آپ سے بنی اسرائیل یعنی یہود کو روکا جبکہ وہ تمہارے نقصان کے درپے ہوئے۔ **اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ** ” جب تم ان کے ہاں معجزات لائے۔ یہ كَفَفْتُ کا ظرف ہے۔ **فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ** ٥ تو کافروں نے کہا یہ تو جادو ہے۔ یعنی اے عیسیٰ علیہ السلام جو تم لائے ہو یہ واضح طور جادو ہے۔ یہ انھوں نے صرف عیسیٰ علیہ السلام کی تردید اور انکار کے طور کہا اور وہ اس مرض کفر میں مبتلا ہے اور ایسے حکیم حاذق بے نظیر یعنی اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغمبر سے علاج نہ کرایا۔

حکایت حضرت شبلی رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو انہیں شاہی ہسپتال میں داخل کیا گیا۔ علی ابن عیسیٰ وزیر خلیفہ نے بادشاہِ وقت کو خط لکھا کہ اُن کے علاج کے لئے کسی حاذق حکیم (ڈاکٹر) کو بھیجے بادشاہ نے چوٹی کا سول سرجن (اعلیٰ سے اعلیٰ حکیم) شاہی طبیب بھیجا۔ لیکن اس کے علاج سے حضرت شبلی کو کچھ افاقہ نہ ہوا ڈاکٹر صاحب نے کہا بخدا اگر مجھے آپ کی صحت کے لئے اپنے جسم سے گوشت کا ٹکڑا دینا پڑے تو بھی گریز نہ کر سکوں۔ حضرت شبلی نے فرمایا کفر کا زنار کاٹ ڈالو مجھے صحت وعافیت حاصل ہو جائے گی۔ ڈاکٹر نے فوراً کلمۂ شہادت پڑھ کر اسلام قبول کر لیا۔ بادشاہِ وقت سن کر پہلے تو رویا پھر کہا کہ ہم نے تو طبیب بنا کر مریض کے ہاں بھیجا، حالانکہ دراصل مریض کو ہم نے طبیب کے ہاں بھیجا تھا۔

فائدہ : حضرت امام یافعی قدس سرہ نے فرمایا کہ حقیقی اطبا یہی اللہ والے ہوتے ہیں اُن کی حکمت کا مرکز وہ حکمت الٰہی ہے کہ جس سے دل کے بیمار صحت وعافیت حاصل کرتے ہیں۔ ایسے اطبا کے بارے میں میرا ایک شعر ہے ؎

اذا ما طبیب القلب اصبح جسمه   علیلاً من ذاللطبیب طبیب
فقل هم اولوا العلم لدنی وحکمة   الٰهیه یشفی بذاک قلوب

ترجمہ : جب قلب کے طبیب کا جسم بیمار پڑ جائے تو پھر ایسے طبیب کا اور طبیب کون ہو۔ کہہ دو کہ یہی حقیقی اہل علم اور صاحبِ حکمت ہیں۔ انہی سے ہی قلوب شفا پاتے ہیں۔“

فائدہ : ہر مرشدِ کامل اپنے وقت کا مسیحِ زمان ہوتا ہے

سوال : اگر یہی اولیاء اللہ حکیم اور حقیقی طبیب ہوتے ہیں تو چاہیے کہ اُن سے شفا حاصل ہو نہ کہ اُلٹا دوسروں کو بیمار کر ڈالیں۔ جیسا کہ مروی ہے کہ حضرت ابراہیم خواص رضی اللہ عنہ کے گھر میں جب ایک چور نے ارادہ کیا کہ وہ آپ کے

marfat.ocm

کپڑے چرائے تو آپ نے اس کی آنکھ کی طرف انگلی کا اشارہ کیا۔ جس سے وہ اندھا ہوگیا اس کے برعکس حضرت ابراہیم بن ادھم رضی اللہ عنہ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ کو کسی نے مارا تو آپ نے اس کے لئے بہشت کی دُعا مانگی۔ اِن دونوں حکایتوں میں تناقض ہے وجہ کیا ہے۔

جواب : حضرت ابراہیم خواص رضی اللہ عنہ نے چور کے لئے بددُعا فرمائی جس سے وہ نابینا ہوگیا۔ اس کے انجام پر نگاہ کر کے اس لئے کہ حضرت کو معلوم ہوگیا کہ اس چور کو توبہ نصیب ہونے والی نہیں اس کے لئے یہی سزا موزوں ترتھی اور حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ نے مارنے والے کے انجام کو دیکھا کہ وہ دُعا سے اپنی غلط کاری سے تائب ہو جائے گا، چنانچہ ایسے ہی ہُوا کہ جب آپ نے اس کے لئے دُعا فرمائی تو وہی ظالم تھوڑی دیر کے بعد آپ کے قدموں پر گر پڑا اور معافی مانگی آپ نے اس ظالم سے فرمایا کہ جو سر جھک جائے وہ ضائع چھوڑنے کے لائق نہیں اس لئے کہ اس کے لئے بہشت ہی مناسب ہے۔

فائدہ : حضرات انبیاء علیہم السلام مطلقاً دُعاء کے مامور ہوتے ہیں جیسے مصلحت ہوتی ہے ویسے ہی دعا فرماتے ہیں۔ اور اُن سب کا ہر کام اذنِ الٰہی پر مبنی ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وہ انانیت سے پاک اور فانی فی اللہ ہوتے ہیں۔ اِن سے جو کچھ صادر ہوتا ہے وہ حق اور پُر از حکمت ہوتا ہے اور اولیاء کرام چونکہ اُن کے تابع ہوتے ہیں اس لئے اُن سے بھی اُن کی طرح حکمتِ الٰہیہ کا صدور ہوتا ہے لیکن لوگ اُن کے معاملات سے بے خبر ہوتے ہیں۔ مثنوی شریف میں ہے۔

؎ (۱) چوں بباطن بنگری دعویٰ کجا است　　ردو دعویٰ پیش آں سُلطان فنا است
(۲) مات زید زید اگر فاعلست　　لیکن فاعل نیست او عاطل است
(۳) او ز رُوئے لفظ نحوی فاعلست　　ورنہ او مفعول و موتش قاتلست

ترجمہ : (۱) جب تو باطن کو دیکھے گا تو صرف دعویٰ نہیں دعویٰ سے بادشاہ کے آگے تو فنا چاہیئے
(۲) کہتے ہو کہ زید مر گیا اگر زید فاعل ہے تو غلط ہے بلکہ کہو وہ عاطل ہے
(۳) ہاں نحویوں کے نزدیک تو وہ فاعل ہے ورنہ وہ تو مفعول اور اس کی قاتل موت ہے۔

تفسیر عالمانہ ۲۹/۵ : وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ ‘‘ یہ حواری کی جمع ہے کہا جاتا ہے فلاں حواری فلاں ای صفوتہ وخالصتہ۔ فلاں فلاں کا حواری۔ یعنی اُس کا منتخب اور اُس کا اپنا ہے۔ یہ الحور سے ہے بمعنی البیاض الخالص۔ اور حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے ساتھیوں کو اس نام سے اس لئے موسوم کیا گیا کہ وہ اُن کی نیت خالص اور ارادے نہایت پاکیزہ تھے۔ اُن میں بعض بادشاہ اور بعض مچھلی کے شکاری اور بعض دھوبی اور بعض رنگریز۔ اب جملہ کا معنیٰ یہ ہُوا کہ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم یاد کیجئے جب میں نے انبیاء و رُسل کی زبانوں کے مطابق اُنہیں فرمایا اَنْ۔ یہ اَن تفسیریہ ہے۔ اس لئے کہ اَوْحَیْتُ میں قول کا معنیٰ پایا جاتا ہے۔ **اٰمِنُوْا بِیْ** یعنی میرے سامنے ایمان لاؤ یعنی واحدانیت اور ربوبیت میں مجھے واحد مانو **وَبِرَسُوْلِیْ ج** اور میرے رسُولوں اور اُن کی رسالت کو مانو کہ نہ انہیں بڑھاؤ اور نہ گھٹاؤ۔ **فَقَالُوْٓا** ‘‘ یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب اُن کی طرف وحی کی گئی

marfat.ocm

تو پھر انھوں نے اس کا کیا جواب دیا۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ انھوں نے کہا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ۝ ہم ایمان لائے اور گواہ ہو جاؤ کہ ہم ایمان لانے میں مخلص ہیں۔ یہ "اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ" سے ہے۔ یعنی بالکل خالص و مخلص ہیں۔ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ " یہ منصوب ہے اُذْکُرْ سے یعنی یاد کرو جب حواریوں نے کہا يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ اے عیسیٰ بن مریم کیا تمہارا رب آسمان سے دسترخوان اتار سکتا ہے۔ یہ سوال انھوں نے اس وقت کیا جبکہ ابھی وہ معرفتِ الٰہی میں مستحکم اور پختہ نہیں ہوئے تھے[1] یہی وجہ ہے کہ اس سوال کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ادب ملحوظ نہ رکھا۔ ورنہ یاعیسیٰ ابن مریم نہ کہتے بلکہ عرض کرتے یارسول اللہ یاروح اللہ کہتے چونکہ انہیں ادب نہیں تھا اس لئے عیسیٰ علیہ السلام کا سادہ نام اور انہیں ابن مریم کے لفظ سے تعبیر کیا۔ اگر انھیں ادب ہوتا تو یاروح اللہ یعنی انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف کر کے منسوب کرتے۔ اسی لئے انھوں نے اللہ تعالیٰ کا ادب بھی ترک کر کے هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ الخ کہہ کر ایسے شخص کی طرح کلام کیا جسے اللہ تعالیٰ کی قدرت پر شک ہو ورنہ انہیں یقین کرنا چاہیئے تھا کہ وہ کمالِ قدرت کا مالک ہے۔ وہ جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے۔ پھر اپنی خساستِ طبع کے موافق اللہ تعالیٰ سے مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ کا مطالبہ کیا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ " جو آخرت کی کھیتی کا ارادہ رکھتا ہے اسے ہم آخرت کی کھیتی میں برکت دیں گے اور جو دنیا کی کھیتی چاہتا ہے۔ ہم اسے دنیا میں وہی دیں گے جو وہ چاہتا ہے لیکن اسے آخرت میں کچھ نصیب نہ ہوگا۔

فائدہ : المائدہ اس دسترخوان کو کہتے ہیں جس پر طعام رکھا جائے۔ مَادَہٗ سے مشتق ہے بمعنی اعطاہ و رِفدہ گویا وہ دسترخوان بچھا دیتا ہے۔ اس شخص کے سامنے جس کے آگے طعام رکھا جا رہا ہے اس کی نظیر عرب کا وہ قول ہے جو کہتے ہیں شجرۃ مُطعِمۃ (یہ درخت طعام کھلانے والا ہے)

مسئلہ : شرعۃ الاسلام میں ہے کہ حضور علیہ السلام کو وہ طعام محبوب تر تھا جو دسترخوان زمین پر رکھ کر کھایا جائے۔

فائدہ : میز پر طعام رکھ کر کھانا بادشاہوں کا طریقہ اور متکبرین کا کام ہے کہ وہ تکبر کی بنا پر سر جھکا کر طعام کھانے کو کسرِ شان سمجھتے ہیں[2]

فائدہ : اسی طرح اہلِ فارس کے عجمیوں کا کام ہے کہ وہ تھال پر رکھ کر طعام کھاتے ہیں۔ یہ بھی اُن کی متکبرانہ عادت تھی۔ **فائدہ** : دسترخوان پر طعام رکھ کر کھانا اہلِ عرب کا کام ہے۔ دراصل یہ مسافروں کا طریقہ تھا کہ سفر کے لئے اس قسم کا دسترخوان بناتے تھے۔ پھر اُس دسترخوان کو کہا جانے لگا جو طعام کے لئے تیار کیا جائے۔ (قَالَ) یہ سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے عیسیٰ علیہ السلام نے اُن کے سوال پر کیا فرمایا تو اُس کے جواب میں فرمایا قَالَ۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا : اِتَّقُوا اللّٰهَ ایسے

---

[1] معلوم ہوا کہ جو نبی علیہ السلام کے ادب سے محروم ہے وہ عرفانِ الٰہی سے بھی محروم ہے ۱۲۔

[2] یہی بیماری انگریزوں سے ہمیں ورثہ کو ملی ہے۔ جسے آج بطور فخر و ناز سے اپنایا جا رہا ہے۔ ۱۲۔ اُویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

سوالات سے اللہ سے ڈرو۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ اگر تم مومن ہو یعنی اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور میری نبوت پر ایمان ہے تو ایسے سوالات سے بچو۔

۱۱۳/۵ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا " اُنھوں نے عرض کیا کہ ہمارا ارادہ ہے کہ ہم اس مائدہ سے کھائیں۔

ربط : یہ اُن کے عُذر کی تمہید ہے اور بتایا جارہا ہے کہ انہیں اس سوال پر کس بات نے اُکسایا، چنانچہ اُنھوں نے کہا کہ ہم نے اِس لئے سوال نہیں کیا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر شک و شبہ ہے یا آپ کی نبوت پر ہمیں گمان ہے تا کہ ہمارا سوال ہمیں نقصان دے اور ہم اس سے بچنے کی کوشش کریں بلکہ ہم اس سے کھانے کا تبرک کے حصول کے لئے کرتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ وہ مائدہ نصیب ہو جس سے ہمارے بیمار شفایاب ہو جائیں اور ہمارے تندرستوں کو قوت حاصل ہو جائے اور ہمارے فقُراء کو استغناء نصیب ہو۔

فائدہ : بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اِن کا سوال بوجہ محتاجی کے تھا۔ اس وقت انہیں تنگدستی نے پریشان کر رکھا تھا اور قحط کا دَور دَورہ تھا اس لئے عیسیٰ علیہ السلام سے مائدہ کے نزول کا سوال کر دیا۔

وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا " اور ہمارے دِل مطمئن ہو جائیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر مشاہدہ ہوگا اور اس سے ہمیں اپنے عقیدہ پر استدلالی علم بھی حاصل ہوگا۔ وَنَعْلَمَ اور ہم یقینی طور جانیں اَنْ یہ اَن مخففہ ہے۔ قَدْ صَدَقْتَنَا کہ بیشک آپ اپنی نبوت میں سچے ہیں اور یہ یقین کریں کہ ہمارا رب ہماری بات مانتا ہے۔ اگرچہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ماننے والوں کی بات مانتا ہے۔ وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ○ اور ہم اِن لوگوں کو بتا سکیں جو اس وقت موجود نہیں تا کہ ہماری گواہی سے دُوسرے اہلِ ایمان کے دِل مضبوط ہو جائیں اور ہماری طرح وہ بھی یقین کرلیں۔ پھر کفار بھی ایمان لائیں یا یہ معنیٰ ہے کہ ہم مشاہدہ کرنے والوں سے ہو جائیں۔ نہ کہ صرف سُننے والوں سے اس لئے کہ شنیدہ کے بود مانند دیدہ (سُنی بات دیکھی کے برابر کیسے ہو سکتی)

۱۱۴/۵ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ " جب عیسیٰ علیہ السلام نے اُن کی نیت صحیح دیکھی اور سمجھا کہ یہ بطور اعتراض نہیں کہہ رہے اور نہ ہی استہزاء کرتے ہیں۔ بلکہ اُن کی غرض و غایت مبنی بر مقصد صحیح ہے اس لئے اتمامِ حجت کے طور فرمایا اَللّٰهُمَّ۔ اے اللہ یہ میم حرفِ ندا کا عوض ہے۔ یہ وہ عظیم کلمہ ہے کہ جس نے اُسے پڑھا گویا اُس نے اللہ تعالیٰ کے جمیع اسماء کو یاد کیا اس لئے کہ میم میں اللہ تعالیٰ کے ستر اسماء مندرج ہیں۔ رَبَّنَآ (اے ہمارے رب) دوبارہ اس لئے نداء دی کہ تضرع و زاری کا انتہائی طور اظہار اور دُعا مانگنے میں مبالغہ ہو۔ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ " ہمارے اُوپر آسمان سے مائدہ نازل فرما مِنَ السَّمَآءِ اَنْزِلْ سے متعلق ہے تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا " یہ مائدہ کی صفت ہے اور تکون کا اسم اُس کی وہ ضمیر ہے جو مائدہ کے نزول کے دن ہمارے لئے عید ہوگی۔ اِس لئے کہ وہ ہمارے لئے بہت بڑا دن ہوگا۔

فائدہ : عظمت کا مائدہ کی طرف اسناد اس لئے ہے کہ اُس دِن کی بُزرگی مائدہ کی وجہ سے ہوئی۔

فائدہ : عید کو اس لئے عید کہتے ہیں کہ اس میں خوشی بار بار لَوٹتی ہے لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا " یہ لنا سے بدل ہے

اور حال کو دوبارہ لایا گیا ہے۔ یعنی یہ ہمارے متقدمین و متاخرین کے لئے عید ہوگی۔

فائدہ : مروی ہے کہ مائدہ کا نزول اتوار کے دن ہوا اسی لئے نصاریٰ اتوار کو معظم سمجھتے ہیں۔ **وَاٰیَۃً مِّنْکَ** اور وہ تیری قدرت کمال اور میری نبوت کی بہت بڑی علامت ہوگی۔ **وَارْزُقْنَا** " اور ہمیں مائدہ عطا فرما اور اس کے شکر کی ادائیگی کی توفیق بھی **وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ** ○ اور تو خیر الرازقین ہے۔ یہ جملہ تعلیل کے قائم مقام ہے یعنی تو دیگر تمام دینے والوں سے افضل و برتر ہے۔ کیونکہ ہر ایک کا رزق پیدا کرتا اور ہر ایک کو بلا عوض عطا فرماتا ہے۔

قَالَ اللّٰہُ اِنِّیْ مُنَزِّلُھَا عَلَیْکُمْ " اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمہارے سوال پر تمہارے لئے مائدہ نازل فرماتا ہوں۔ **فَمَنْ یَّکْفُرْ بَعْدُ مِنْکُمْ** " اس کے بعد جو بھی تم میں سے کوئی ناشکری کرے گا۔ **مِنْکُمْ** **یَکْفُرُ** سے حال ہے **فَاِنِّیْٓ اُعَذِّبُہٗ** " تو میں کفر کی وجہ سے اسے عذاب میں مبتلا کروں گا۔ **عَذَابًا** " یہ اسم مصدر ہے بمعنی عذاب کرنا۔ **لَّآ اُعَذِّبُہٗٓ** " یہ عذابًا کی صفت ہے اور ضمیر بھی اس کی طرف لوٹتی ہے۔ یعنی میں اسے عذاب میں مبتلا کروں گا کہ اس جیسا عذاب دوسرے کو نہ ہوگا۔ **اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ** ○ ان کے ہم زمان لوگوں میں سے یا تمام جہانوں میں سے کسی کو (اس لئے کہ ان میں بعض بندر بن گئے اور بعض خنزیر ہوگئے) اس جیسا عذاب تمام جہانوں میں سوائے بنی اسرائیل کے اور کسی کو نہ ہوا۔

نزولِ مائدہ کی کہانی

مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مائدہ کے نزول کے لئے پہلے غسل فرما کر ٹاٹ کا لباس پہنا اور دوگانہ پڑھ کر سر جھکایا اور آنکھیں بند کیں اور روتے ہوئے کہا اے اللہ مجھے شکرگزار بندوں سے اور مائدہ کو دنیا والوں کے لئے رحمت بنا۔ اسے نہ تو عذاب کا سبب بنا اور نہ ہی میری امت کے لئے عبرت اس کے بعد اٹھے اور نیا وضو فرما کر دوگانہ پڑھا اور خوب روئے اور آپنے دسترخوان سے رومال ہٹایا اور کہا **بِسْمِ اللّٰہِ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ** " جونہی رومال ہٹایا تو دیکھا کہ دسترخوان پر مچھلی بھنی ہوئی تھی۔ جس میں نہ کانٹے تھے نہ ہڈیاں اور اس سے گھی بہہ رہا تھا۔ اور سر کی طرف نمک اور دم کی طرف سرکہ اور دسترخان کے اردگرد گوناگوں سبزیاں اور ساتھ پانچ روٹیاں بھی تھیں۔ ایک پر زیتون دوسری پر شہد۔ تیسری پر گھی۔ چوتھی پر پنیر۔ پانچویں پر گوشت تھا۔ حواریوں کے سردار شمعون نے کہا یا روح اللہ یہ دنیوی طعام ہے نہ اخروی بلکہ اسے اللہ تعالیٰ نے ابھی پیدا فرمایا ہے۔ کھاؤ یہ وہی مائدہ ہے۔ جس کا تم نے سوال کیا تھا اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے گا اور اس میں مزید برکت نازل ہوگی۔ انھوں نے کہا اے عیسیٰ علیہ السلام اگر آپ اس میں کوئی اور نئی بات دکھائیں تو زہے کرم۔ آپ نے مچھلی سے فرمایا اٹھ کھڑی ہو اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ کے فرمان

marfat.ocm

یہ مچھلی فوراً زندہ ہو کر دسترخوان پر تڑپنے لگی۔ آپ نے فرمایا پہلے کی طرح پھر بھنی ہوئی ہو جا؛ چنانچہ وہ پہلے کی طرح ہو گئی۔ دسترخوان کامل ایک دن وہاں پڑا رہا۔ جس نے کھایا کھا لیا۔ شام کو وہ اُٹھا لیا گیا۔ بعد کو پھر کبھی نہ اُترا۔

فائدہ: بعض روایات میں ہے کہ اسی طرح اُن پر چالیس دن تک ایسا دسترخوان اُترتا رہا لیکن ایک روز ناغہ کے ساتھ۔ یعنی ایک دن اُترتا دوسرے دن ناغہ ہوتا تو تیسرے دن نازل ہوتا۔ جب مائدہ اُترتا تو تمام فقراء، اُمراء، چھوٹے اور بڑے سب جمع ہو جاتے اور اسے کھاتے رہتے۔ یہاں تک کہ وہ آسمان پر واپس لوٹتا تو وہ آنکھوں سے دیکھتے رہتے۔

اس مائدہ کی برکت یہ تھی کہ فقیر نے کھایا تو زندگی بھر دولتمند رہا۔ مریض نے کھایا تو زیست تندرست رہا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اب اُس کا نزول صرف فقیروں کے لئے ہوگا۔ دولتمندوں کو نہ دیا جائے گا۔ اسی طرح تندرستوں کو نہ ملے گا۔ بیماروں کو ملے گا۔ اس پر لوگوں نے شور مچایا۔ دولتمندوں اور تندرستوں کو یہ بات شاق گذری تو مائدہ کے متعلق شک کرنے لگے اور لوگوں کو بھی شک میں ڈال دیا کہ نامعلوم یہ مائدہ آسمان سے بھی نازل ہوتا ہے یا عیسیٰ علیہ السلام نے ہم پر جادو کیا ہوا ہے۔ اس وجہ سے اُن کی شکلیں تبدیل ہو گئیں اور خنزیر ہو کر گھروں سے باہر نکل کر گلیوں کوچوں میں گھومتے اور بجائے طعام کے گندگیاں کھانے لگے۔ دوسرے لوگوں نے اُن کی حالت دیکھ کر عیسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے اور مسخ شدہ لوگوں کے لئے پناہ چاہی۔ اُدھر مسخ شدہ لوگوں نے جب عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو اُن کے گرد جمع ہو گئے اور نہایت عجز و انکسار سے ان کا طواف کرنے لگے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اُن کا نام لے کر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہی جب وہ کسی کا نام لیتے تو وہ چیختے چلاتے عاجزانہ و منکسرانہ طور سر جھکاتے لیکن بول نہ سکتے تھے۔ تین دن تک اُن کی یہی حالت رہی پھر وہ سب کے سب مر گئے اور ان سے توالد و تناسل کا سلسلہ نہ چلا۔ اور یہی ہر مسخ شدہ انسان کا حکم ہے کہ اس کا توالد و تناسل کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے صفاتِ حیوانیہ کے حقائق سے صُورتِ انسانیہ چھین کر اُن کو صُورتِ حیوانیہ کا لباس پہنا دیا اور خنزیر کی شکل میں ظاہر ہوئے تاکہ باقیماندہ لوگ عبرت حاصل کریں اور انہیں معلوم ہو کہ اس دِن جب دل پوشیدہ راز کھل جائیں گے ان میں بعض کے سفید چہرے اور بعض کے سیاہ ہوں گے تو ہر ایک اپنی صفاتی صورتوں میں اُٹھے گا؛ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ لوگ اپنے معاشے پر مرتے ہیں اور جس حالت میں مریں گے اسی حالت میں قیامت کے دن اُٹھیں گے۔ یعنی قیامت کے دِن اپنی صورتوں کی صفات پر اُٹھیں گے۔ جن پر اُن کی موت آئے گی۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) ہر خیالے کو کند در دل وطن　　روز محشر صورتے خواہد بدن
(۲) وآنکہ حشرِ حاسداں روز گزند　　بے گماں بر صورتِ گرگاں کنند

marfat.ocm

(۳) حشر پر حرص وخس و مردار خوار　　صورتِ خوکاں بد روزِ شمار
(۴) زانیاں را گندہ اندام نہاں　　خمر خواران را ہمہ گندہ دہاں
(۵) سیرتے کاندر وجودت غالبست　　ہم براں تصویر حشرت واجبست

(۱) وہ خیال جو صرف دل میں ہے کل قیامت میں ایک شکل میں ہوگا!

(۲) حاسدوں کا حشر یہ ہوگا کہ وہ لوگوں کو نقصان پہنچاتے ہیں ان کی شکل بھیڑئیے کی ہوگی۔

(۳) حرص وہوا والوں کی شکل خنزیر سی ہوگی۔ روز قیامت خنزیروں میں ہوں گے۔

(۴) زانیوں کے جسم سے گندگی نکلے گی شرابخوروں کا منہ بدبودار ہوگا۔

(۵) غرضیکہ جو خصلت کسی میں زائد ہے اسی صورت میں حشر میں ہونا لازم ہے۔

تفسیر صوفیانہ : بعض صوفیاء کرام کا قول ہے کہ مائدہ سے معارف حقائق مراد ہیں۔ اس لئے کہ جیسے بدن کی غذا طعام ہے ملیسے یہی روح کی غذا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی امت نے ان حقائق کا مطالبہ تو کر دیا لیکن چونکہ وہ اُن کی گہرائی سے ناواقف تھے اسی لئے پورے نہ اُتر سکے۔ انہیں عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تم ایمان کے بعد تقویٰ کا دامن پکڑ لو تو پھر تمہیں اُن کی گہرائی سے اطلاع نصیب ہو جائے گی لیکن وہ تقویٰ کے بغیر ہی اِن گہرائیوں کے درپے سوال جواب کرنے لگے۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام بھی اُن کی طلب پر اللہ تعالیٰ سے سوال کر بیٹھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انزال حقائق آسان تو ہے لیکن اُس کا نتیجہ اور انجام اُن کے لئے بُرا نکلے گا۔ اس لئے کہ جس سالک کی استعداد کم ہو اور وہ اپنی استعداد کے خلاف اعلیٰ مقام کا مطالبہ کرے حالانکہ وہ اُس کا حامل نہ ہو تو وہ گمراہ ہو کر ہلاکت وتباہی کے گھاٹ اُترتا ہے۔

مجموعۃ الفوائد (۱) حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ آفندی قدس سرہ نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی وجہ سے مائدہ اُٹھالیا گیا۔ تو کہا کہ ہمارے سے ہر وقت تو غلطیاں سرزد ہوتی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں نصیب ہوتی رہتی ہیں اور نزول مائدہ بھی ایک نعمت ہے۔ اس سے ہماری نافرمانی ہوئی تو کیا ہوا، لیکن انہیں معلوم نہ تھا کہ نزول مائدہ اللہ تعالیٰ کو صفات کی نعمتوں سے تعلق ہے اور دوسری نعمتوں کا نزول ذات سے ہے اور قاعدہ ہے کہ ذات میں تغیر وتبدل نہیں۔ البتہ صفات میں تغیر وتبدل ہوتا ہے کہ کبھی جمال کا ظہور ہو گیا تو کبھی جلال کا۔

فائدہ : چار عیدیں چار قوموں کو نصیب ہوئیں (۱) ابراہیم علیہ السلام کی قوم کی عید کہ جب وہ عید کے لئے چلے گئے تو ابراہیم علیہ السلام نے اُن کے بُت توڑ ڈالے۔

marfat.ocm

(۲) الزینۃ تھی اُن کی عید کی طرف اللہ تعالیٰ نے سورۂ طٰہٰ میں فرمایا: قَالَ مَوْعِدُکُمْ یَوْمُ الزِّیْنَۃِ "

(۳) عیسیٰ علیہ السلام کی قوم کی عید اس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا: رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآئِدَۃً مِّنَ السَّمَآءِ الآیۃ

(۴) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کی تین عیدیں ہیں: ۱ : ہر ہفتہ میں ایک عید یعنی یوم الجمعہ ۲ : سال میں دو دفعہ عید آتی ہے یعنی عید الفطر ۳ : عید الاضحیٰ اور ہر ہفتہ کی عید یعنی یوم الجمعہ میں نماز و عبادات ادا کی جاتی ہیں۔ اس لئے کہ دن اور رات میں اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں فرض فرمائی ہیں اور دُنیا کا چکر بھی ہفتہ پر گھومتا ہے۔ جب لوگ اپنے چکر کو پُورا کر لیتے ہیں تو اُس پر اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے ایک عید کا دن مقرر فرمایا جسے یوم جمعہ کہتے ہیں اس میں ہفتہ کی عبادات کی تکمیل ہوتی ہے اور اس روز ہی تمام مخلوق کی تکمیل ہوئی تو پھر آدم علیہ السلام جمعہ کے دن پیدائش ہوئی اور اس روز ہی انہیں بہشت میں داخل فرمایا جائے گا اور اِس دن ہی وہ بہشت سے نکالے گئے اور اسی پر ہی دُنیا کی انتہا ہوگی اور اس روز ہی قیامت قائم ہوگی۔ اسی لئے اِس دن کو سماع (ذکر قرآن) اور وعظ اور نماز کے لئے مقرر کیا گیا ہے اس لئے یہی عید کا دن مقرر ہُوا۔ **مسئلہ** : صرف جمعہ کا اکیلا روزہ رکھنا مکروہ ہے۔

فضائل جمعہ

(۱) جمعہ کی حاضری کو حج کے ساتھ تشبیہ دی گئی۔ اس کے چند وجوہ ہیں۔ مروی ہے کہ الجمعۃ حج المساکین (جمعہ مسکینوں کا حج ہے) حضرت سعید بن المسیب نے فرمایا مجھے تو جمعہ کی نماز کی حاضری نفلی حج سے محبوب تر ہے (۲) جس قدر نماز جمعہ کے لئے پہلے پہنچے گا اسی قدر قربانی کا ثواب ملے گا (چنانچہ حدیث شریف میں ہے) (۳) ایک جمعہ سے دُوسرے جمعہ تک کے گناہ دُھل جاتے ہیں۔ نماز جمعہ پر حاضر ہونا حج مبرور کی طرح ہے اس کے انسان کی زندگی بھر کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں (۴) جس کا جمعہ کا دن سلامتی سے گزر گیا تو ہفتہ بھر اُسے سلامتی و عافیت نصیب ہوگی۔ دو عیدیں سال بھر میں دو دفعہ تشریف لاتی ہیں۔

(۱) یعنی عید الفطر جو کہ روزہ کی تکمیل کے بعد منائی جاتی ہے اور روزہ اسلام کے ارکان سے تیسرا رکن ہے اور جب اہلِ اسلام اپنے روزوں کو مکمل کر لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی مغفرت کے حقدار بنتے ہیں اور اُن کے لئے واجب ہو جاتا ہے کہ وہ انہیں دوزخ سے آزاد کیا جائے اور روزے کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ اس کی وجہ سے سابقہ گناہ دُھل جائیں اور جہنم سے آزادی نصیب ہو جائے۔

(۲) عید الاضحیٰ اسے بڑی عید کہا جاتا ہے۔ بلکہ یہ تمام عیدوں سے افضل ہے اور یہ حج کی تکمیل کے بعد نصیب ہوتی ہے اور حج ارکان اسلام سے چوتھا رکن ہے۔ جب اہلِ اسلام حج کی تکمیل کر لیتے ہیں تو انہیں مغفرت کا پیام نصیب ہوتا ہے اور حج کی تکمیل نویں ذوالحجہ کو ہوتی ہے اور نویں کے دن عرفات میں ٹھہرنا ایک بہت بڑی عبادت ہے اور حج کا یہی سب سے بڑا رکن ہے۔

marfat.ocm

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو دیکھا کہ مدینہ والوں کے دو بہت بڑے عید کے دن ہوتے ہیں جس میں وہ کھیلتے کودتے خوشیاں مناتے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے دو بہت بڑے دن عطا فرمائے ہیں۔ جن کا مقابلہ اور کوئی دن نہیں (۱) یوم الفطر (۲) یوم الاضحیٰ انہی ایام کو حضور سرورِ عالم کے زمانہ اقدس سے لے کر آج تک عید کا دن مانتے ہے اس سے نہ کسی نے انکار کیا اور نہ انکار کی گنجائش ہوسکتی ہے۔ یہی عید کے دن آنحضرت کی حاضری یاد دہانی کراتے ہیں۔

فائدہ: بعض اہلِ دل فرماتے ہیں کہ دنیا میں مسلمان کا ہر وہ دن جو یوم عید تھا۔ آخرت میں بھی وہی دن اہلِ اسلام کے لئے عید کا دن مقرر کیا جائے گا اس لئے کہ اُسی دن اہلِ اسلام اللہ تعالیٰ کی زیارت جمع ہوں گے اور اس دن اللہ تعالیٰ تمام کو اپنے جلوۂ خاص سے نوازے گا۔ بہشت میں جمعہ کو یوم المزید کہا جائیگا وہ اہلِ جمعہ یوم الفطر والاضحیٰ بھی اللہ تعالیٰ کی زیارت کے لئے حاضر ہوں گے۔ یہ عوام کے عیدوں کے ایام ہوں گے۔ کا تو ہر دن عید کا دن ہوگا۔ وہ ہر صبح و شام اللہ تعالیٰ کی زیارت سے سرشاد ہوں گے اس لئے کہ ایامِ دُنیا کا ان کے لئے یوم عید تھا تو آخرت میں بھی ان کا ہر دن یوم عید ہوگا اور اخص الخواص کا تو ہر لحظہ عید ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ الخ میں مائدہ سے اسرار و حقائق مراد ہیں جو آسمان عنایت سے طعمہ ہدایت لے کر اُترتے ہیں وہ اہلِ حق اور صدق کے لئے عید بنتے ہیں۔ پھر اہلِ حق کہتے ہیں کہ ان اسرار و حقائق سے ہم پہلے اور پچھلے نفوس کے لئے خوشیاں اس لئے کہ اہلِ حق اپنے ہر سانس کو ضائع نہیں جانے دیتے۔ وہ اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ ہر سانس یادِ نکلے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں جائے تو یادِ خدا سے ہی حاضر ہو۔ اُن کے نزدیک یہی عید ہے اس طرح سے انہیں جو عید ہوتی ہے اور یہی وہ بلند مرتبہ ہے جو کسی خوش نصیب کو نصیب ہوتا ہے۔ پھر کیوں نہ وہ اُسے عید سے تعبیر کریں۔

صوفیاں در دو دمے دو عید کنند (صوفیہ ایک لمحہ میں دو عیدیں کرتے ہیں)

میلاد النبی یوم عید میلاد النبی کو عید کہنا بہ بنائے عرف ہے شرعی اصطلاح مراد نہیں اور عرف میں خوشی کے دن کو کہا جاتا ہے کہ دوست عرصہ کے بعد ملے تو ہم کہتے ہیں کہ آج عید ہوگئی۔ قرآن مجید کی آیت ہذا میں عیسیٰ علیہ السلام کے دسترخوان کو عید کہا گیا ہے الحدیث میں یوم الجمعہ کو عید کہا گیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ جب ان اشیاء کو شرعاً بہ بنائے عرف عید کہنا جائز ہے تو میلاد النبی صلی اللہ وسلم کو عید کہنا بطریقِ اولیٰ جائز۔ لیکن جس کے دل میں کھوٹ ہے وہ نہیں مانے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فی قلوبھم مرضٌ الا

marfat.ocm

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْ
اور جب اللہ فرمائیگا اے مریم کے بیٹے عیسیٰ کیا تو نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو خدا بنا لو اللہ کے سوا عرض
نِ اللّٰهِ ۭ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۤ بِحَقٍّ ۭ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ
کرے گا پاکی ہے تجھے مجھے روا نہیں کہ وہ بات کہوں جو مجھے نہیں پہنچتی اگر میں نے ایسا کہا ہو تو
فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ۭ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا
ضرور تجھے معلوم ہوگا تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے بیشک تو ہی ہے
قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا
سب غیبوں کا خوب جاننے والا میں نے تو ان سے نہ کہا مگر وہی جو تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ کو پوجو جو میرا بھی رب اور تمہارا بھی رب
مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۭ وَاَنْتَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ
اور میں ان پر مطلع تھا جب تک میں ان میں رہا پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی ان پر نگاہ رکھتا تھا اور ہر چیز تیرے سامنے
شَهِيْدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾
حاضر ہے۔ اگر تو انہیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بیشک تو ہی ہے غالب حکمت
قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ۭ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ
والا اللہ نے فرمایا کہ یہ ہے وہ دن جس میں سچوں کو ان کا سچ کام آئے گا ان کے لیے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں رواں
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ
ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی یہ ہے
الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۹﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ۭ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِ
بڑی کامیابی اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کی سلطنت اور وہ ہر چیز

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

تفسیر عالمانہ

۳۴۷ وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ " اے پیارے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو عیسیٰ علیہ السلام کا وہ وقت یاد دلاؤ۔ جب اللہ قیامت میں انہیں برسر میدان کھڑا کرکے اُن کے پجاریوں کو زجر و توبیخ کرتے ہوئے فرمائے گا۔ " ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ " یہ اتَّخِذُوْا کا مفعول ثانی ہے۔ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ یہ اتخذوا سے حال ہے۔ یعنی کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو معبود بناؤ۔ اِتَّخِذُوْنِيْ بمعنی صیرونی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی الوہیت و معبودیت سے تجاوز کرکے مجھے اور میری والدہ کو معبود بناؤ۔ اُن کے معبود بنانے سے مُراد انہیں اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں شریک ٹھہرانا مُراد ہے، چنانچہ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا " وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

marfat.ocm

عض لوگ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ اس لئے کہ اُن میں کوئی ایسا نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ہیت کی نفی کرکے صرف عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کا قائل ہو۔

فائدہ : چونکہ اس کلام سے نفسِ قول کی نفی مقصود نہیں بلکہ اس سے ایسے عقیدے رکھنے والوں کی زجر و توبیخ مطلوب ہے (اس لئے کہ مبتدا پر حرفِ استفہام لایا گیا ہے) اور نہ ہی عیسیٰ علیہ السلام ے فرمایا تھا اس لئے کہ اُن کے ایسے قول کی نفی ثابت ہوتی ہے۔

فائدہ : حضرت مولانا ابوسعید رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کلام کا مقصد یہ نہیں کہ یہ قول متعین ہے اور پھر اس کے قائل کو متعین کرنے کے لیے استفہام لایا گیا ہے جیسا کہ ہمزہ استفہام کا مبتدا پر لانے ے بظاہر ثابت ہوتا ہے۔ جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں ہے کہ انہیں کافروں نے کہا ءَ اَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا س طرح کے اور بھی نظائر و شواہد ہیں بلکہ اس کلام کا مقصد یہ ہے کہ ان کا عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کی والدہ کو معبود بنانا تو ینی تھا پھر ہمزہ استفہام سے یہ تعین کرنا کہ اس کا حکم انہیں عیسیٰ علیہ السلام نے دیا۔ اُنھوں نے از خود یہ عقیدہ گھڑا تھا۔ سے قرآن مجید میں دوسرے مقام پہ ہے۔ اللہ تعالیٰ بتوں سے فرمائے گا ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِیْ هٰؤُلَآءِ اَمْ هُمْ اَضَلُّوا لسَّبِيْلَ ۔۔ (کیا تم نے میرے بندوں کو گمراہ کیا یا وہ خود گمراہ ہو گئے)

تفسیر صوفیانہ : تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ نحوی قاعدہ ہے کہ استفہام میں اثبات کے بعد نفی ہوتی ہے اور نفی کے بعد اثبات (جیسے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کا معنی ہے اَنَا رَبُّكُمْ) اور اثبات میں ی کا احتمال (جیسے ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ۔ اس کا معنے ہے لَيْسَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهٌ) اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ اے عیسیٰ علیہ السلام م نے نہیں فرمایا کہ اے لوگو تم مجھے اور میری ماں کو معبود بناؤ بلکہ اُنھوں نے جہالت کی وجہ سے تعظیم کو مبالغہ اور مدح یں حد سے بڑھ کر تمہیں اور تیری ماں کو معبود بنا لیا اسی لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا مجھے حد سے نہ بڑھاؤ جیسے عیسائیوں ے عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کو حد سے بڑھایا۔

سوال : جب اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت کو ایسا نہیں فرمایا تھا تو پھر اُن سے سوال کیوں (جواب) تاکہ اُن کی اُمت کو زجر و توبیخ ہو اور لوگوں کو معلوم ہو کہ ایسا عقیدہ رکھنا بہت بڑا جرم ہے۔

فائدہ : ابوروق فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہی سوال کرے گا تو اس خطاب سے عیسیٰ علیہ السلام لرزنے لگیں گے اور آپ کے ہر بُن بال سے خون جاری ہو جائے گا۔

فائدہ : اگرچہ بظاہر یہ خطاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہوگا، لیکن درحقیقت یہ خطاب اُمت سے ہوگا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ وہ قیامت میں کفار سے نہ کلام فرمائیگا اور نہ انہیں دیکھے گا۔

تفسیر عالمانہ : قَالَ ۔۔ یہ سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام سے خطاب فرمائے گا تو عیسیٰ علیہ السلام کیا جواب دیں گے اس کے جواب میں فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام عرض

marfat.ocm

کریں گے سُبْحٰنَكَ ،، سُبحٰن تسبیح کا علم ہے یعنی اے اللہ تعالیٰ تیری تنزیہ بیان کرتا ہوں اور میں اُس سے کوسوں دُور ہوں کہ ایسا کہوں یا میں ڈرتا ہوں کہ میں تیرے حق میں ایسی بات کہوں مَا یَكُوْنُ لِیْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ میرے لائق نہیں کہ میں وہ بات کہوں جس کا مجھے کوئی حق حاصل نہیں۔ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ ،، اگر یہ بات میں نے کہی ہوگی فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ،، تو تُو اسے جانتا ہے اور مجھے یہ مقدور بھی کہاں کہ میں ایسی بات کہوں۔ ہاں تو ہی میرے اندر ایسی بات پیدا کردے تو قادر ہے پھر میرے سے ایسے قول کا صدُور ممکن ہے اور تو مجھے جانتا ہے۔ جب تیرے علم میں نہیں تو اُس کا صدور بھی نہیں۔ یہاں پر عیسیٰ علیہ السّلام کے علم کی نفی کرکے صدور کی نفی فرمائی اس لئے کہ لازم کی نفی سے ملزوم کی نفی خود بخود ہو جاتی ہے۔ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ ،، میرے اندر کا راز تو جانتا ہے۔ جیسے میرے ظاہر کا تجھے علم ہے وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ اور میں وہ نہیں جانتا جو تیرے مخفی معلومات میں ہے۔

سوال : اللہ تعالیٰ کے مخفی معلومات کو نفسِک سے کیوں تعبیر فرمایا۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کے لئے محال ہے اس لئے کہ نفس کے اندر جو معلومات مخفی ہوتے ہیں اُن کی صُورتیں مرتسمہ ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لئے صُور مرتسمہ ثابت کرنا محال ہے اس لئے کہ اس کا علم حضوری ہے۔

جواب : لفظ نفسی کی مناسبت سے مجازاً ایسے ہی کہا گیا ہے۔ ورنہ بات وہی حق ہے جو سوال میں ہے اور مجازات کا دائرہ وسیع ہے۔ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ٥ بے شک تم ہی مَا كَانَ وَمَا یَكُوْنُ کا علم رکھتے ہو

۳۵/۵ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِهٖٓ

رَبط : جس کے متعلق عیسیٰ علیہ السلام سے سوال ہُوا۔ اب اُس کی واضح تصریح کرتے ہیں کہ اے اللہ تعالیٰ جو کچھ تو نے مجھے فرمایا میں نے انہیں صرف وہ کہا۔ اگرچہ یہی جواب اُنہوں نے پہلے عرض کر دیا تھا، لیکن وہ دلالۃً تھا۔ اب اسے صراحۃً کہہ دیا۔

سوال : عیسیٰ علیہ السّلام نے صرف مَا قُلْتُ لَهُمْ کیوں نہ کہا۔

جواب : ادب کو ملحوظ رکھ کر اور پھر جو کچھ سوال میں اُن سے کہا گیا اُس کی رعایت کرکے اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ کا اضافہ فرمایا۔ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ ،، اور یہ بِہٖ کی ضمیر کی تفسیر ہے اور اَمَرْتَ بمعنی قُلْتَ سے۔ اسے مَآ اَمَرْتَنِیْ کی تفسیر میں نہیں بتایا جاسکتا اس لئے کہ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ الخ مَا قُلْتَ لَهُم کا مفعول بہ ہے۔ اصل عبارت یوں ہوگی اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِہٖ بلفظ قولِكَ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ الخ یعنی میں نے انہیں وہی کہا تھا جو کچھ تیرا حکم تھا۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو وہ میرا اور تمہارا رب ہے۔ وَكُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا ،، اور میں اُن پر نگران رہا۔ یعنی اُن کے احوال کی نگہداشت کرتا اور تیرے حکم کے مطابق انہیں چلاتا اور تیری مخالفت سے روکتا رہا۔ یا یہ کہ میں اُن کے کفر و ایمان کا مشاہدہ کرتا رہا۔ مَا دُمْتُ فِیْهِمْ جب تک کہ میں اُن میں رہا۔ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ ،، پھر تو نے مجھے اُن سے

marfat.ocm

لک آسمان پر اُٹھا لیا كُنتَ اَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيهِم " صرف تو ہی اُن کے اعمال کا نگہبان ہُوا اور لت صرف تیرے سپرد ہوئی جس کے لئے تو چاہتا تو اپنی نافرمانی سے اسے بچا لیتا اور اُسے اِن دلائل کی ہری فرماتا جو اُسے تیری نافرمانی سے بچاؤ نصیب ہو جاتا اور رسُول بھیج کر یا آیات نازل فرما کر اسے ت دیتا۔ پھر جو گمراہ ہوا اُسے اُس کی اپنی بدقسمتی اور غلط باتیں کہیں تو اُس کی اپنی شومئی قسمت۔

وَاَنتَ عَلٰى كُلِّ شَيءٍ شَهِيدٌ ○ اور تو ہر شیٔ کو جانتا اور نگرانی کرتا ہے۔ لفظ عَلٰی شہید کے متعلق آیات کے فاصلہ کی وجہ سے عَلٰی کو اپنے عامل پر مقدم کیا گیا۔

○ اِن تُعَذِّبهُم فَاِنَّهُم عِبَادُكَ اگر ان کو عذاب میں مُبتلا کرو تو وہ تیرے بندے ہیں۔ تجھ پر قسم کا اعتراض نہیں۔ اس لئے کہ تو ہی مالک ہے اور مالک اپنی ملکیت میں جس طرح چاہے کرے اس میں تنبیہ ے کہ وہ عذاب کے مستحق ضرور تھے اس لئے کہ اُنھوں نے غیر اللہ کی پرستش کی۔ وَاِن تَغفِر لَهُم فَاِنَّكَ تَ العَزِيزُ الحَكِيمُ ○ اور اگر تو انہیں بخش دے تو تُو ثواب و عقاب دینے پر قدرت رکھتا ہے اور تیرے سوا نہ کوئی ثواب دینے والا ہے اور نہ عذاب دینے والا۔ تیرا ثواب دُنیا میں بھی حکمت ہے اور عذاب دینا بھی ت۔ البتہ مجرم کو معاف کر دینا مستحسن ہے لیکن تو عذاب دے گا تو بھی عدل ہو گا اور اگر معاف فرما دے تو تیرا فضل ہے۔

سوال : مشرک کی مغفرت تو بحسب الوجود قطعی الانتفاء ہے۔ یعنی اس کی مغفرت قطعاً ممتنع ہے اور اسے اب دینا قطعی الوجود پھر اُس کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لفظ اِن کیوں استعمال فرمایا ہے اس لئے کہ اِن کا تقاضا ے کہ اس کے دونوں جانب یعنی وجود و عدم جائز اور محتمل الوقوع ہوں۔ حالانکہ مشرک کے لئے مغفرت کا وجود ہی نہیں۔

جوابِ ۱ : اگرچہ مشرک کے لئے مغفرت بحسب الوجود قطعی الانتفاء ہے لیکن عقلاً تو جائز الوجود ہے۔ اس بناء کلمہ اِن کا استعمال صحیح ہُوا کہ اُس کی مغفرت امکان ذاتی اور جواز عقلی پر مبنی ہے۔

جوابِ ۲ : بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ لفظ اِن کا استعمال دو فرقوں کی وجہ سے ہے کہ اگر کافروں کو عذاب ے تو وہ اس لائق ہیں اور مومنوں کو ثواب عنایت فرمائے تو وہ اس کے مستحق ہیں۔

حدیث شریف : مروی ہے کہ جب یہ آیت اُتری تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہی آیت پڑھتے پڑھتے کئی راتیں آنکھوں پر کاٹ دیتے کبھی بحالتِ قیام پڑھتے کبھی قعدہ میں اور کبھی جدے میں اور فرماتے اُمتی اُمتی یا رَب " اے اللہ میری اُمت کی خیر۔ پھر رونے لگ جاتے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام مان سے اُترے اور کہا اے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اللہ تعالیٰ سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ میں آپ کو آپ کی مت کے بارے میں راضی کروں گا۔ آپ کو اُس کے متعلق ملال میں نہ ڈالوں گا۔

○ قَالَ اللّٰهُ " قیامت میں جب عیسیٰ علیہ السلام مذکورہ بالا معروض پیش کریں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا تاکہ لمان کی صداقت کی گواہی ہو جائے۔ جیسا کہ اس آیت میں الصّٰدقین کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ وہ بھی اِن صادقین میں

marfat.ocm

داخل ہیں۔ هٰذَا ،، اس سے قیامت کا دن مراد ہے۔ یہ مُبتدا ہے اور اُس کی خبر یہ ہے يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ،، آج سچوں کو اُن کا سچ فائدہ دے گا۔

مسئلہ : اس سے وہ صدق مُراد ہے جو دُنیا میں بولا گیا۔ اس لئے کہ دُنیا ہی دار التکلیف تھی ورنہ آخرت میں تو مجرم کو مجرم کا اعتراف کوئی فائدہ نہ دے گا اور نہ ہی اس وقت کا صدق نفع پہنچائے گا۔

مسئلہ : اس صدق سے ہر صدق مُراد نہیں۔ بلکہ وہ جو دینی اُمور سے متعلق ہو۔ جس کی سرتاج توحید ہے اسی طرح وہ احکام و شرائع جو توحید و اسلام و دین سے متعلق ہیں

فائدہ : الصّٰدقین سے رُسل کرام مُراد ہیں جن کا زندگی بھر صدق سے کام رہا اور داعی الی اللہ ہے۔ یہی طرح اُن کے ساتھ صحیح عقیدہ رکھنے والے اور اُن کی اتباع میں زندگی بسر کرنے والے لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ط اُن کے لئے باغات ہیں کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ صادق کو کیسے نفع نصیب ہو گا تو اُس کے جواب میں فرمایا کہ انہیں دائمی نعمتیں اور ہمیشہ کا ثواب نصیب ہو گا۔ اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے جسے یہ نصیب ہو جائے۔ اَبَدًا ،، یہ خلود کی تاکید ہے جس کا فارسی میں ترجمہ ہے۔ زمان بود ایشاں نہایت ندارد ،، یعنی اُن کی دائمی زندگی غیر منتہی ہو گی۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ ،، اللہ تعالیٰ اُن کی طاعت سے راضی ہوا۔ وَرَضُوْا عَنْهُ ملا اور وہ اللہ تعالیٰ سے کرامات سے راضی ہوئے۔ رضوانِ جنات پر ایک مزید فیض و فضل نصیب ہو گا کہ جس کے بعد اور کسی فیض و فضل کی ضرورت نہ ہو گی۔ اسی لئے فرمایا ذٰلِكَ ،، وہی رضوان حاصل کرنا۔

اَلْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ٥ بہت بڑی کامیابی ہے۔ یعنی نجات اور حقیقی فوز بھی یہی ہے کہ انسان اپنے مقصود کو حاصل کرے۔ فوز کو عظمت سے موصوف کرنے میں بھی یہی نکتہ ہے کہ جس مطلوب سے فوز کو تعلق ہے وہ بہت بڑی عظمت والا ہے یعنی خوشنودیٔ حق کہ اس کے سوا مؤمن کا اور کوئی مطلوب و مقصود نہیں۔

۲۸ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ،، اللہ تعالیٰ کے ملک میں ہے۔ آسمان اور زمین اور جو کچھ اُن کے اندر ہے۔ اس میں حق کی تحقیق اور نصاریٰ کی تکذیب مطلوب ہے اور بتایا گیا ہے کہ اُنھوں نے جو عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کی والدہ کے متعلق عقیدہ گھڑ لیا تھا۔ سراسر غلط تھا اور حق کا بُطلان اس لئے کہ معبود برحق تو وہ ہے تو آسمان و زمین اور ان کے اندر جتنا عُقلاء و غیر عُقلاء ہیں اسی کی مِلک ہیں۔ وہی اُن کا حقیقی مالک ہے کہ جس طرح ان میں تصرف کرنا چاہتا ہے کرتا ہے۔ انہیں پیدا کرے مٹائے فنا کر دے زندہ رکھے۔ اُنہیں مارے یا رو کے ان میں کسی کو کسی قسم کا دخل نہیں وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ٥ اور وہ ہر شئے پر بہت بڑی قدرت رکھتا ہے نہ اُسے عجز لاحق ہوتا اور نہ عجز اور وہ مقدس اور برکت والا بلند و بالا ہے۔

(۱) نیست خلقش را دگر کس مالکے   شرکتش دعویٰ کند چوں ہالکے

marfat.ocm

ا) واحد اندر ملک او را یار نے   بندگانش را جز او سالار نے

جمہ (۱) اس کی مخلوق کا کوئی اور مالک نہیں تباہ ہے وہ جو اس کے ساتھ شرکت کا دعویٰ کرتا ہے۔

(۲) وہ واحد ہے اس کے ملک میں اس کا کوئی مددگار نہیں اس کے بندوں کا اس کے سوا کوئی سردار نہیں۔

ئدہ : آیت سے صراحۃً ثابت ہوا کہ قیامت میں صرف سچائی فائدہ دے گی نہ کذب نہ ریاء ان سے کسی طرح بھی نفع کی اُمید نہ رکھنی چاہیئے۔

دلا دلالت خیرت کنم براہِ نجات   مکن بفسق مباہات و زہد ہم مفروش

: اے دل میں تیری دلالت خیر کرتا ہوں۔ فسق پر فخر نہ کر اور زہد بھی نہ بیچ۔

ق : سالک پر لازم ہے کہ وہ سچائی کے لئے جدوجہد کرے اس لئے کہ ایمان کے بعد سچائی احسان کی راہ دکھاتی ہے بلکہ ایمان نہ ہو تو بھی حاصل کرا دیتی ہے۔

یت : حضرت ابراہیم خواص قدس سرہ کی عادت تھی کہ جب وہ کسی سفر کا ارادہ فرماتے تو بلا اطلاع چلے جاتے۔ کسی کو کچھ نہ بتاتے اور نہ اُس کے متعلق کسی قسم کا ذکر فرماتے۔ اُن کا ایک لوٹا ٹھا کر چل پڑتے۔ حضرت حامد اسود مرحوم فرماتے ہیں کہ ایک دن اُنھوں نے اچانک اپنا لوٹا اُٹھایا اور چل پڑے ان کے پیچھے ہو لیا۔ جب شہر قادسیہ میں پہنچے مجھے دیکھ کر فرمایا حامد کہاں کا ارادہ ہے۔ میں نے عرض کی جہاں ئیں گے۔ اُنھوں نے فرمایا میرا ارادہ مکہ معظمہ جانے کا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میں بھی آپ کے ساتھ مکہ معظمہ ۔ چند روز ہم چلتے رہے۔ اس سفر میں ہمارے ساتھ ایک نوجوان بھی چل پڑا۔ ہمارے ساتھ اُس نے کامل دن ن اُس نے نماز نہ پڑھی۔ میں نے حضرت ابراہیم خواص سے عرض کی یا حضرت یہ نوجوان نماز نہیں پڑھتا۔ ے اُسے بلوا کر اسے فرمایا کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے اور حج کرنے جا رہے ہو، حالانکہ نماز تو حج سے زیادہ فضیلت ے۔ اُس نے کہا یا حضرت مجھ پر نماز فرض نہیں۔ آپ نے فرمایا کیا تو مسلمان نہیں۔ اُس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا ن ہو؟ اُس نے کہا میں نصرانی ہوں۔ مجھے توکل پر گھمنڈ تھا۔ اس لئے میں اپنے نفس کو آزمانے کے لئے گھر سے باہر ا ہوں اور جنگلوں میں گھوم رہا ہوں کہ میں اپنے آپ کو آزماؤں کہ کیا یقیناً مجھ میں صحیح توکل ہے یا نہ۔ اس کی ت سُن کر حضرت ابراہیم خواص چل پڑے اور مجھے فرمایا اسے کچھ نہ کہو۔ ہم چلتے رہے وہ بھی ہمارے ساتھ چلتا یہاں تک کہ ہم مرو میں پہنچے۔ وہاں حضرت ابراہیم خواص نے اپنے کپڑے دھوئے اور بعد فراغت اس نوجوان چھا تیرا کیا نام ہے۔ عرض کی "عبد المسیح" آپ نے فرمایا اے عبد المسیح یہ مکہ معظمہ ہے اس کے حرم کے میں داخل نہ ہونا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے جیسے کافروں کو اُس کے اندر داخل ہونے سے روکا ہے؛ فرمایا: اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا تَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا، فلہذا اس میں اخل نہ ہونا۔ ورنہ تیرے لئے پریشانی ہوگی۔ اس لئے کہ تم اندر آؤ گے تو ہم سے رہا نہ جائیگا۔ ہم بتا دیں گے یہ نصرانی

marfat.ocm

ہے پھر تجھے مار پڑے گی؛ چنانچہ وہ حضرت ابراہیم کے کہنے پر رُک گیا۔ حضرت حامد فرماتے ہیں کہ اُسے چھوڑ کر ہم حرم شریف کے اندر داخل ہو گئے۔ مناسک ادا کرکے ہم عرفات کو چلے گئے۔ ہم ایک جگہ بیٹھے تھے کہ وہی عبدالمسیح احرام باندھے ہوئے عرفات میں ہماری تلاش کے لئے اِدھر اُدھر پھر رہا تھا۔ حضرت ابراہیم کو دیکھ کر دوڑا اور آکر قدموں پر گر گیا اور آپ کے سر مبارک کو چوما۔ آپ نے اُس سے پوچھا۔ اے عبدالمسیح کیا ماجرا ہے اُس نے عرض کی حضرت اب میں عبدالمسیح نہیں ہوں بلکہ اب میں اُس کا بندہ ہوں جس کے عبد حضرت مسیح ہیں۔ یعنی میں مسلمان ہو چکا ہوں۔ آپ نے فرمایا کس طرح۔ عرض کی جب آپ نے مجھے چھوڑا تو آپ کے بعد ایک قافلہ تشریف لایا اور مکہ معظمہ کے حرم میں داخل ہونے لگا۔ میں نے اپنے آپ کو ملامت کی کہ یہ سارے کے سارے اللہ تعالیٰ کے گھر جا رہے ہیں اور تو اتنا بد قسمت ہے کہ تیرے لئے اللہ تعالیٰ کے گھر کا داخلہ بند ہے۔ میں اُٹھ کھڑا ہُوا اور احرام باندھ کر حرم میں داخل ہُوا تو میری نگاہ جونہی کعبہ معظمہ پر پڑی تو دل کی دُنیا بدل گئی۔ اس وقت سوائے دینِ اسلام کے باقی تمام دین مجھے ناپسند نظر آئے۔ میں پکا، سچا مسلمان ہو گیا اور غسل کرکے احرام باندھا۔ آپ کی تلاش میں نکل کھڑا ہُوا بالآخر آپ کو پالیا۔

حضرت حامد فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم نے مجھے دیکھ کر فرمایا کہ دیکھئے سچائی کتنا فائدہ پہنچاتی ہے۔ اگرچہ نصرانی تھا لیکن اپنی نصرانیت نہ چھپائی اور سچ بولا تو اسے دولتِ اسلام نصیب ہو گئی۔ پھر وہ نوجوان ہمارے ہاں کچھ دیر ٹھہرا اُس کے اللہ والوں کے سامنے انتقال فرمایا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ ؎

سلام علی السادات من کل صادق   سلام علی ذی الوجد من کل عاشق
سلامَ علی ذی الصَّحو من سکر غفلۃ   سلام علی الناجین من کل کلفۃ
سلام علی مَنْ مات قَبْل مَوْتِہٖ   سلام علیٰ مَنْ مَات قَبْل مَوْتِہٖ

ترجمہ : ہر سچے انسان سے سادات اولیاء کرام پر سلام ہوں اور اس پر سلام جو ذی وجد ہے۔ ہر عاشق سے نشۂ غفلت سے بچنے والے۔ ہر ذی ہوش پر سلام ہوں اور ہر دُکھ سے نجات پانے والے پر بھی سلام ہوں جو اپنی موت سے پہلے مرا اور اس پر سلام ہوں جو فوت ہونے سے پہلے فوت ہُوا۔

اے اللہ ہمیں نجات پانے والوں سے بنا اس لئے کہ ہم محتاجوں سے ہیں (آمین یا معینُ)

سُورۂ مائدہ مع فوائد کے ختم ہوئی۔ الحمد للہ حمد المتوافرہ والصّلوٰۃ علےٰ رسولہ والہ صلوۃ متکاثرہ

مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس سورۃ کی تفسیر سے فراغت ۲، محرم سنہ ۱۱۰۰ھ میں ہُوئی۔ اس کے بعد سُورۂ انعام کا آغاز ہوگا۔ انشاء اللہ تعالےٰ

فقیر قادری ابُوالصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ نے سُورۂ مائدہ کی تفسیر ہذا کے ترجمہ کو ۲۲ محرم الحرام سنہ ۱۳۹۵ھ شب چہارشنبہ تقریباً ایک بجے ختم کیا۔ اس کریم و رحیم سے التجا ہے کہ بطفیل حبیب کبریا رؤف رحیم علیہ افضل الصلوۃ و اکمل التسلیم مکمل طور اس تفسیر کے ترجمہ کی توفیق عطا فرمائے (اٰمین)

سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ اٰیَاتُهَا ۱۶۵ رُكُوْعَاتُهَا ۲۰
سورۂ انعام مکی ہے اور اس میں اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان رحم والا ایک سو پینسٹھ یا ۱۶۶ ۱۶۵ آیتیں اور بیس رکوع ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ ۬ ثُمَّ
سب خوبیاں اللہ کو جس نے آسمان اور زمین بنائے اور اندھیریاں اور روشنی پیدا کی اس
الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ۝۱ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤی
پر کافر لوگ اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر ایک میعاد کا
اَجَلًا وَ اَجَلٌ مُّسَمًّی عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ۝۲ وَ هُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ فِی
حکم رکھا اور ایک مقررہ وعدہ اس کے یہاں ہے پھر تم لوگ شک کرتے ہو اور وہی اللہ ہے آسمانوں اور زمین کا
الْاَرْضِ یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَ جَهْرَكُمْ وَ یَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۝۳ وَ مَا تَاْتِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ مِّنْ
اسے تمہارا چھپا اور ظاہر سب معلوم ہے اور تمہارے کام جانتا ہے اور ان کے پاس کوئی بھی نشانی اپنے رب
اٰیٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ ۝۴ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَسَوْفَ
کی نشانیوں سے نہیں آتی مگر اس سے منہ پھیر لیتے ہیں تو بے شک انہوں نے حق کو جھٹلایا جب ان کے پاس آیا
یَاْتِیْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۵ اَلَمْ یَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ
تو اب انہیں خبر ہوا چاہتی ہے اس چیز کی جس پر ہنس رہے تھے کیا انہوں نے نہ دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی
مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَ اَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَیْهِمْ مِّدْرَارًا
سنگتیں کھپا دیں انہیں ہم نے زمین میں وہ جماؤ دیا جو تم کو نہ دیا اور ان پر موسلادھار پانی بھیجا
وَّ جَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ
اور ان کے نیچے نہریں بہائیں تو انہیں ہم نے ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کیا اور ان کے بعد اور سنگت
قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ۝۶ وَ لَوْ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ كِتٰبًا فِیْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَیْدِیْهِمْ لَقَالَ
اٹھائی اور اگر ہم تم پر کاغذ میں کچھ لکھا ہوا اتارتے کہ وہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھوتے جب
الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝۷ وَ قَالُوْا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ مَلَكٌ وَ لَوْ
بھی کافر کہتے کہ یہ نہیں مگر کھلا جادو اور بولے ان پر کوئی فرشتہ کیوں نہ اتارا گیا اور
اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِیَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا یُنْظَرُوْنَ ۝۸ وَ لَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا
اگر ہم فرشتہ اتارتے تو کام تمام ہو گیا ہوتا پھر انہیں مہلت نہ دی جاتی اور اگر ہم نبی کو فرشتہ کرتے جب بھی اسے مرد ہی
وَّ لَلَبَسْنَا عَلَیْهِمْ مَّا یَلْبِسُوْنَ ۝۹ وَ لَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ
بناتے اور ان پر وہی شبہ رکھتے جس میں اب پڑے ہیں اور ضرور اے محبوب تم سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی ٹھٹھا کیا گیا تو وہ جو ان

marfat.ocm

بِالَّذِیْنَ سَخِرُوْا مِنْھُمْ مَّا کَانُوْا بِہٖ یَسْتَھْزِءُوْنَ ۝

سے ہنستے تھے ان کی ہنسی انہیں کو لے بیٹھی

بقیہ صفحہ ۴۳۲

اس کی نظر ثانی سے ۱۰ محرم ۱۴۰۶ھ بروز جمعرات ساڑھے بارہ بجے شہر خان بیلہ میں بہ تقریب جلسہ فراغت ہوئی۔ (الحمد للہ علیٰ ذالک) وصلی اللہ علیٰ حبیبہ الاکرم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین!

بروز جمعرات
انا الفقیر قادری محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ ۱۰-۱-۱۴۰۶ مطابق ۲۶-۹-۸۵

: **سورۃ انعام** مکیہ ہے۔ اُس کی ایک سو پینسٹھ یا سرسٹھ یا تریسٹھ آیات ہیں صرف "قل تعالوا الآیۃ" مدنیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھتا ہوں کہ وہ اپنے فضل وکرم سے اس کے اتمام کی توفیق عطا فرمائے۔ وہی قاضی الحاجات ہے (آمین)

فضائل سورۂ انعام : (۱) سورہ انعام یک بارگی رات کے وقت مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس کے نزول کے وقت ستر ہزار فرشتے تسبیح وتحمید وتمجید پڑھتے ہوئے نازل ہوئے۔ اُن کی کثرت سے مشرق ومغرب تک کی زمین لرز گئی اور حضور نبی پاک سبحان ربی العظیم کہتے ہوئے سربسجود ہوئے (۲) مروی ہے کہ جو شخص اس کی تلاوت کرتا ہے تو اس کے لئے ایک رات دن ستر ہزار فرشتے رحمت کی دعاء مانگتے ہیں۔

(فائدہ) جب یہ سورۃ نازل ہوئی تو حضور علیہ السلام نے اسی رات اسے لکھ لینے کا حکم فرمایا۔

(۳) حضور علیہ السلام سے مرفوعًا مروی ہے کہ جو شخص سورہ ہٰذا کے اوّل سے تین آیات (تکسبون) ہر صبح کو پڑھ لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کی حفاظت کے لئے ستر ہزار فرشتہ بھیجتا ہے اور قیامت تک اُن کی تعداد کے مطابق اس کے اعمالنامہ میں اجر وثواب لکھ لیا جاتا ہے اور خصوصی طور ایک فرشتہ ساتویں آسمان سے نازل ہوتا ہے۔ اس کے

marfat.ocm

ہاتھ میں ایک چابک ہوتا ہے۔ جب کوئی شیطان اس شخص کے قریب آتا ہے تو اُسے مار بھگاتا ہے پھر اُس کے اور شیطان کے درمیان ستر ہزار پردے لٹکا دیتا ہے۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس بندے سے فرمائیگا اے ابن آدم آج میرے سایۂ رحمت تلے چلتا رہ اور بہشت سے جو مرضی آئے پھل کھا اور حوضِ کوثر سے پانی پی اور سلسبیل کے پانی سے غسل کر تو میرا بندہ اور میں تیرا رب ہوں۔ آج تیرے لئے نہ حساب نہ عذاب (رواہ الواحدی فی الوسیط)

۵ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ "الحمد میں الف لام استغراق الجنس کا ہے اور لِلّٰہ میں اختصاص کا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے متعلق فرمایا ہے۔ بِرَبِّھِمْ یَعْدِلُوْنَ "اُن کے غلط عقیدہ (بتوں کو اللہ تعالیٰ کے برابر کا شریک بنانا) کا رد کر کے واضح فرمایا کہ ہر عبادت (منجملہ اس کے حمد بھی ہے) میں مقصود بالذات اللہ تعالیٰ ہے۔

تفسیر صوفیانہ : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ الحمد کی لام تملیک کی ہے۔ یعنی ہر وہ حمد جو اہل السموٰت والارض دُنیا و آخرت میں بجالاتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی ملک ہے یعنی اس ذات کی حمد کرتے ہیں۔ جس نے انہیں حمد کرنے کی استعداد و استطاعت کے مطابق اُن پر قدرتِ الٰہیہ کے آثار نمودار ہوتے ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ مخلوق کی حمد اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اور فانی ہے اور وہ جو اُس نے اپنی حمد خود فرمائی ہے وہ قدیم اور باقی ہے۔

سوال : کیا منعم کا شکر واجب نہیں جیسے استاذ کی تعلیم پر شاگرد کا شاکر ہونا اور سلطان کے عدل و انصاف پر شکر گزار ہونا اور محسن کے احسان پر شکر کرنا وغیرہ وغیرہ۔

حدیث شریف : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ لَّمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ" جس نے انسانوں کا شکریہ نہ کیا۔ اُس نے اللہ تعالیٰ کا بھی شکر نہ کیا۔ پھر کیسے کہا جاسکتا ہے کہ تمام محامد صرف اللہ تعالیٰ کے ہیں۔

جواب : کسی محسن و مُنعم کے انعام و احسان پر حمد و شکر یا اُس کی تعظیم بجالانا صرف اس لئے ہے کہ وہ اس نعمت کا سبب اور وسیلہ ہے ورنہ درحقیقت وہ حمد و شکر اللہ تعالیٰ کے لئے ہے کہ اگر وہ اس نعمت کو پیدا نہ فرماتا یا اُس محسن و منعم کے دل میں احسان و انعام کا خیال نہ ڈالتا تو وہ کسی پر انعام و احسان کرتا ہی نہ اس بنا پر منعم و محسن صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے اور بس جب منعم و محسن صرف وہی ہے تو حمد و شکر کا مستحق بھی اس کے سوا اور کوئی نہیں (نکتہ) حمد کو ایسے اسم سے متعلق کرنا کہ وہ جامع لجمیع الصفات ہے۔ اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ حمد کا مستحق ہونا اُس کا ذاتی ہے کوئی اس کی حمد کرے یا نہ کرے۔

marfat.ocm

لطیفہ : امام بغوی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا اپنی حمد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو اپنی حمد کی تعلیم دیتا ہے کہ اس کی حمد کرو۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) چونکہ آں خلاق شکر و حمد جوست　　آدمی را مدح جوئی نیز خوست
(۲) خاصۂ مردِ حق کہ در فضلست جست　　پر شود زاں باد چوں خیک درست
(۳) ور نہ باشد اہل زاں باد دُروغ　　خیک بدرلیست کے باشد فروغ

ترجمہ (۱) چونکہ وہ خالق حمد و شکر کا طالب ہے اسی لئے آدمی بھی مدح کا جویاں ہے
(۲) مردِ حق کا خاصہ ہے کہ وہ فضل کی جستجو میں ہے وہ اس سے خیک کی طرح پُر ہو جاتا ہے۔
(۳) اگر اس کا اہل نہ ہو تو ہوا مصنوعی سے خیک کب رونق پائے گا۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ ،، جس نے آسمانوں (اور جو کچھ ان میں ہے جیسے سورج، چاند، ستارے) کو پیدا فرمایا **وَالْاَرْضَ** ،، اور زمینوں (اور جو کچھ اس میں ہے جیسے جنگل، دریا، ریت، پہاڑ، انگھیاں اور درخت) کو۔

فائدہ : آسمانوں اور جو کچھ ان میں ہے اور زمینوں (اور جو ان میں ہے) کو دو دنوں (منگل، بدھ) میں پیدا فرمایا۔

نکتہ : حمد کو تخلیق سے متعلق کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ اپنے افعال اور نعمتوں کی وجہ سے بھی حمد کا مستحق ہے۔

سوال : تخلیق کے بیان میں صرف آسمان و زمین کی تخصیص کیوں حالانکہ وہ اُن کے ماسواء باقی اشیاء کا بھی خالق ہے۔

جوابِ ۱ : چونکہ انسان کی نظر میں یہی اعظم المخلوقات ہیں۔ بنا بریں اس کی تخصیص کی گئی۔ تاکہ انسان کو نصیحت حاصل ہو کہ وہ صرف اس بڑی مخلوق کے خالق کے سامنے سر جھکائے۔

جوابِ ۲ : چونکہ انسان اپنے منافع کے حصول کے درپے رہتا ہے اور ان میں اس کے منافع متعلق ہیں جب وہ سمجھے گا کہ میرے منافع انہی میں ہیں اور اُن کا خالق وہی اللہ تعالیٰ ہے۔ فلہٰذا صرف اُسی کی عبادت کی جائے۔

جوابِ ۳ : ان میں انسان کو عبرت حاصل کرنے کا موقعہ بھی آسانی سے میسر آتا ہے۔ بنا بریں تخلیق میں انہی کی تخصیص کی گئی۔

سوال : آسمانوں کو جمع اور زمین کو واحد کیوں لایا گیا ہے، حالانکہ زمینیں بھی آسمانوں کی طرح سات ہیں۔

جواب : آسمانوں کے طبقات بالذات مختلف اور اُن کے آثار اور حرکات بھی متفرق ہیں بخلاف زمین کے طبقات کے کہ ان میں کسی قسم کا تفاوت نہیں۔

فائدہ : ہر دو آسمانوں کے درمیانی مسافت پانچ سو سال کی ہے۔ پہلا آسمان موج مکفوف ہے۔ ایک دوسری سے متصادم کہ اُس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو سیلان سے روکتا ہے دُوسرا آسمان سفید مرمر کا ہے۔ تیسرا لوہے کا چوتھا قلعی یا تانبے کا۔ پانچواں چاندی کا۔ چھٹا سونے کا۔ ساتواں سُرخ یاقوت کا اور زمین کے تمام

طبقات صرف مٹی کے ہیں اور بس۔

مسئلہ : اکثر علماء کا مذہب یہی ہے کہ زمین آسمان سے افضل ہے اس لئے کہ حضراتِ انبیاء علیہم السلام زمین سے پیدا ہوئے اور اس پر عبادت کرتے رہے اور اسی میں مدفون ہیں۔ نیز زمین دار الخلافہ اور مزرعۃ الآخرۃ (آخرت کی کھیتی ہے)

مسئلہ : تمام زمین سے افضل مدینہ منورہ میں روضہ اقدس کا وہ حصّہ ہے جس سے حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اقدس متصل ہے اس لئے کہ مٹی کا جزو اصلی وہی ہے جو روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر آرام فرما ہے۔

مسئلہ : اس کے بعد مکہ معظمہ کا حرم شریف۔ پھر بیت المقدس (شام کی فضیلت اس میں شامل ہے اسی طرح کوفہ جسے حرم رابع کہا جاتا ہے اور بغداد شریف اس میں شامل ہے۔

وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ط اور تاریکیوں اور نور کو پیدا فرمایا۔ اَلْجَعَلُ بمعنے الانشاء والابداء ہے۔

فائدہ : اَلْجَعَلُ وَالْخَلْقُ " میں فرق ہے۔ اس لئے کہ الخلق امور تکوینیہ سے مخصوص ہے اور الجعل التقدیر والتسویۃ کے معنی میں آتا ہے لیکن اس آیت میں اَلْخَلْقُ کے معنی میں ہے یعنی اُمور تکوینیہ کے لئے بھی الجعل مستعمل ہوتا ہے اور امور تشریعیہ کے لئے بھی۔ کَمَا قَالَ تَعَالٰی مَا جَعَلَ اللّٰہُ مِنْ بَحِیْرَۃٍ وَّلَا سَآئِبَۃٍ الخ یعنی اللہ تعالیٰ نے بحیرہ وسائبہ وغیرہ کو مشروع نہیں فرمایا۔

سوال : اَلظُّلُمٰت " کو جمع اور النور کو واحد کیوں لایا گیا ہے۔

جواب : ظلمت کے اسباب کی کثرت کی وجہ سے نورانی اور ظلمانی اشیاء کے درمیان جہاں تاریکی چھائی ہوتی ہے۔ یہی حائل متعدد اشیاء سب کے سب ظلمت کے اسباب ہیں اور یہ حائل ہونا اجرام متخللہ کی کثرت سے کثیر ہوتا ہے۔ بخلاف نور کے کہ اس کا سبب صرف نار ہے یہاں تک کہ ستارے منور ہیں تو بھی اپنی ناریت کی وجہ سے اور کواکب اجرام ناریہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ چنگاری ستارے کی ناریت سے خارج ہوتی ہے۔

نکتہ : حدادی نے فرمایا کہ ظلمات کو جمع اور نور کو واحد لانے کی اصل وجہ یہ ہے کہ نور متعدی ہوتا یعنی اپنے محل کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی پھیلا ہوتا ہے۔ بخلاف ظلمت کے کہ وہ متعدی نہیں۔

شانِ نزول : مروی ہے کہ یہ آیت مجوس کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نور کا خالق ہے اور ظلمت کا خالق شیطان ہے اور تیسیر میں ہے کہ آیت میں ثنویہ فرقہ کا رد ہے۔ اُن کا عقیدہ ہے کہ نور کا خالق یزدان اور ظلمات کا خالق اہرمن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خیر و شر کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ **ثُمَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ** ○ پھر وہ کافر اپنے رب کے ساتھ برابری کرتے ہیں۔ اس کا جملہ سابقہ پر عطف ہے۔ اور یہ ثُمَّ استبعادیہ ہے یعنی جب آیت تکوینیہ سے واضح ہو چکا ہے

marfat.ocm

کہ شرک ایک مذموم فعل ہے تو اُن کے عقول سے امر بعید ہے کہ وہ اس کا ارتکاب کریں۔

فائدہ : باء یَعۡدِلُوۡنَ کے متعلق ہے معمول کو عامل پر مقدم کرنے میں اہتمام تحقیق الاستبعاد مطلوب ہے اور یَعۡدِلُوۡنَ ، عدل سے مشتق ہے۔ بمعنی التسویۃ ۔ مثلاً کہا جاتا ہے (عَدَلۡتُ ھٰذا بِھٰذا) اَیۡ ساوَیۡتُہٗ ، میں نے اُسے اس کے برابر کیا۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ حمد و عبادت کا مستحق صرف وہی ہے۔ جیسا کہ تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ وہ بہت بڑی عزت و عظمت کا مالک ہے اور وہ عزت و عظمت صرف اسی سے مخصوص ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ حمد و عبادت کا صرف وہی مستحق ہے لیکن یہ کافر حمد و عبادت کے موجب کے خلاف عمل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ برابری کرتے ہیں یعنی اس کے ساتھ اس کے غیر کو عبادت کے استحقاق میں برابر مانتے ہیں۔ **فائدہ** : عبادت غایات شکر کے انتہائی مقام کا نام ہے اور شکر کا تاج حمد ہے اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اس لئے کہ اس کا ماسوا تمام اُسی کا پیدا کردہ ہے۔ بنابریں حمد اپنی جمیع انواع کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہو سکتی ہے۔ اس کے غیر کو اس سے معمولی طور بھی بالذات کوئی تعلق نہیں۔

تفسیر صوفیانہ : آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قلوب کے آسمان اور نفوس کی زمین پیدا فرمائی اور نفوس میں ظلمات پیدا فرمائے۔ نفوس کے ظلمات سے نفس کے صفات بہیمیہ حیوانیہ اور اس کے اخلاق سبعیہ و شیطانیہ مراد ہیں اور نور کو قلوب میں پیدا فرمایا۔ قلب کے صفات ملکیہ اور اس کے اخلاق روحانیہ باقیہ قلب کے نور ہیں۔ جس پر نور یعنی صفتہ ملکیہ کا غلبہ ہو جاتا ہے تو وہ عبودیت حق میں لگ جاتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت کو بدل و جان قبول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتا ہے اور شریعت کے زیور سے آراستہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس کا ولی ہوتا ہے جو اُسے ظلمات سے نکال کر نور کی طرف لے جاتا ہے اگر جس پر ظلمات بشریہ حیوانیہ غلبہ پا جاتی ہے اور طاغوتی ہویٰ کی اتباع کرتا ہے اور شہوات دنیا سے لذت پاتا ہے تو شیطان طاغوت اُس کا ولی ہوتا ہے جو اُسے نور صفات روحانیہ سے نکال کر صفات حیوانیہ کی ظلمات کی طرف لے جاتا ہے کَمَا قَالَ وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَوۡلِیٰٓـُٔھُمُ الطَّاغُوۡتُ یُخۡرِجُوۡنَھُمۡ مِّنَ النُّوۡرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ ” ثُمَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِرَبِّھِمۡ یَعۡدِلُوۡنَ ۝ کا یہی معنیٰ کہ سمٰوٰتِ قلوب اور ارض قلوب و نفوس کے پیدا کرنے کے بعد ان میں ظلمات نفسانیہ اور نور روحانیہ رکھا۔ کفار نفس کے صفات سے مغلوب ہو کر اُس کی عبادت کو لگ گئے بلکہ اسے معبود حقیقی کے برابر بنا دیا (التاویلات النجمیہ)

حکایت : یمنی فقہاء کی ایک جماعت شیخ عارف باللہ ابو الغیث قدس سرہ کے ہاں آزمائش کے لئے حاضر ہوئی۔ جب آپ کے قریب پہنچے تو آپ نے انہیں فرمایا جی آئے میرے بندے کے بندو۔ انھوں

نے اس کلمہ کو کفر پر محمول کیا کہ شیخ نے (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کو اپنا بندہ کہہ دیا۔ شیخ موصوف نے ناراض ہو کر شیخ الطریقین امام الفریقین سیدنا ابو الذبیح اسماعیل بن الحضرمی قدس سرہ کو تمام ماجرا سنایا اور جو کلمہ شیخ موصوف نے کہا وہ بھی بتایا تو امام موصوف ہنس پڑے اور فرمایا کہ شیخ موصوف نے صحیح فرمایا ہے اس لئے کہ تم خواہش نفسانی کے بندے ہو اور خواہش نفسانی شیخ موصوف کی لونڈی ہے ؎

(۱) غلام ہمت آنم کہ زیر چرخ کبود   زہر چہ رنگ تعلق پذیرد آزاد ست

ترجمہ: میں اپنی ہمت کا خادم ہوں کیونکہ جو بھی اس رنگ سے تعلق رکھتا ہے وہ آزاد ہوتا ہے

تفسیر عالمانہ ﴿ھُوَ﴾ "وہ اللہ تعالیٰ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ" جس نے اے لوگو تمہیں ابتداءً پیدا فرمایا مِّنْ طِیْنٍ" وہ مٹی جو پانی سے ملائی جائے اُسے طین کہتے ہیں۔ یہی انسان کا ابتدائی مادہ ہے۔ اس لئے کہ اسی سے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی اور وہ تمام بشروں کی اصل ہیں۔

آدم علیہ السلام کے لئے زمین سے مٹی اُٹھانے کی داستان

سُدی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو زمین سے تھوڑی سی مٹی لانے کا حکم فرمایا۔ جب جبریل علیہ السلام نے مٹی اُٹھائی تو مٹی نے عرض کی کہ اے اللہ تعالیٰ میں پناہ چاہتی ہوں کہ مجھ سے کچھ لے کر مجھے گھٹایا جائے۔ حضرت جبریل علیہ السلام یہ سُن کر خالی ہاتھ واپس لوٹے ؎

معدن شرم و حیا بد جبرائیل   بست آں سوگندھا بروئے سبیل

ترجمہ: جبرائیل علیہ السلام معدن شرم و حیا تھے اس کی قسموں سے اپنے ارادہ سے باز آئے

جبرائیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے ہاں واپس جا کر عرض کی کہ یا اللہ مٹی نے پناہ مانگی ہے اس لئے میں واپس آگیا۔ اللہ تعالیٰ نے میکائیل علیہ السلام کو بھیجا اُن سے بھی زمین نے وہی بات کی جو جبرائیل علیہ السلام سے کی وہ بھی خالی واپس لوٹ آئے ؎

(۱) خاک لرزید و درآمد در گریز   گشت اولا بہ کنان واشک ریز
(۲) رفت میکائیل سوئے رب دیں   خالی از مقصود دست و آستیں
(۳) گفت اسرافیل را یزدانِ ما   کہ بروزاں خاک پرکن کف بیا
(۴) آمد اسرافیل ہم سوئے زمین   باز آغازید خاکستان حنین
(۵) زود اسرافیل باز آمد بشاہ   گفت عذر ماجرا نزد الٰہ

ترجمہ: (۱) خاک کانپی اور گریز کیا فریاد کناں ہوئی اور آنسو بہانے والی تھی۔

marfat.ocm

(۲) میکائیل علیہ السلام خالی مقصود اور خالی ہاتھ و خالی آستین ہو کر اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوئے۔

(۳) اسرافیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا جاؤ مٹی سے مٹھی بھر کر لاؤ

(۴) اسرافیل علیہ السلام زمین کے ہاں آئے تو خاک رونے لگی۔

(۵) اسرافیل علیہ السلام بھی اللہ کے ہاں خالی واپس لوٹ آئے اپنے کام سے خالی واپس لوٹنے کا عذر پیش کیا۔

میکائیل علیہ السلام کے بعد اسرافیل علیہ السلام بھی مٹی نہ لا سکے تو پھر آخر میں اللہ تعالیٰ نے عزرائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ جائیں اور زمین سے مٹی لائیں۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام جب مٹی اُٹھانے لگے تو اُن سے بھی زمین نے وہی عرض گزاشت کی جو دوسرے فرشتوں سے کی لیکن عزرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ہرگز نہیں کروں گا۔ یہ کہہ کر زمین سے مٹی اُٹھائی اور آپ کے ہاتھ سفید و سُرخ سیاہ مٹی آئی۔ اس وجہ سے آدمی مختلف رنگوں میں ہیں۔ پھر اس مٹی کو میٹھے اور نمکین اور کڑوے پانی میں بھگو کر ملایا گیا۔ اس وجہ سے آدمیوں کے اخلاق مختلف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عزرائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ زمین کی فریاد سُن کر جبرائیل و میکائیل و اسرافیل نے رحم فرمایا آپ کو اُس پر رحم نہ آیا۔ اس بنا پر ہم اُن کی ارواح قبض کرنے پر بھی آپ کو مقرر کرتے ہیں ؎

گفت یزداں بعلم روشنم ⁂ کہ ترا جلاد ایں خلقاں کنم

آدم علیہ السلام کے جسم کی تیاری کا واقعہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا فرمایا کہ پہلے ان کی مٹی میں پانی ملا کر گارہ بنایا اسے چند روز تک چھوڑے رکھا۔ یہاں تک کہ (حماء مسنون) یعنی سیاہ رنگ اور بدبو والی ہوگئی۔ اس کے بعد اُس کا ایک ڈھانچہ تیار فرما کر اس کے نقش و نگار بنائے پھر اسے چند روز چھوڑے رکھا یہاں تک کہ صَلصَال کالفخار (بجنے والی مٹی)، جیسے مٹی گارے والی کو آگ میں ڈالی جائے یہاں تک کہ وہ پک جائے تو پھر بجنے لگتی ہے) پھر اس میں اپنی رُوح پھونکی۔

نکتہ در تخلیق آدم: آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کرنے میں راز یہ ہے کہ مٹی میں تواضع و انکسار ہے اور تواضع سے رفع و ثبات نصیب ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے مَنْ تَوَاضَعَ رَفَعَهُ اللّٰهُ، "جو تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ بلند قدر بنا دیتا ہے" حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں کہا کرتے اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّ اَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا (اے اللہ مجھے مسکین بنا کر زندہ رکھ اور مسکین کر کے موت دے)

نکتہ: اسے آگ سے سزا دینے میں بھی یہی راز ہے ورنہ اُسے پانی سے سزا دی جاتی اس لئے کہ وہ برتن جو

marfat.ocm

مٹی سے تیار کیا جاتا ہے۔ اُس پر پیشاب پاخانہ یا اس طرح کی اور نجاست لگ جائے تو اُسے پانی سے پاک نہیں کیا جاتا بلکہ اُسے دھوپ سے خشک کر کے پاک کیا جاتا ہے اسی طرح جو انسان بھی گناہوں کی نجاست سے پلید ہو جائے تو اُسے بھی جہنم کی آگ سے پاک کیا جائے گا۔

نکتہ : تیمم کے لئے مٹی کے استعمال میں بھی یہی حکمت ہے۔

لطیفہ : جس جگہ کی مٹی ہوتی ہے اسی جگہ پر انسان دفنایا جاتا ہے۔

حضرات صدیق و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی افضلیت کی دلیل

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے کہ حضرت صدیق و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی افضلیت کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ اُن کے اجساد مبارکہ کی مٹی اس جگہ سے تیار ہوئی جہاں سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک تیار ہوا اس لئے کہ ان دونوں حضرات کے مزارات اُسی روضہ مقدسہ مطہرہ میں ہیں جو ساری کائنات سے افضل و اعلیٰ ہے۔ **ثُمَّ قَضٰی** ” پھر پیدا کیا ہر ایک کی موت کے لئے **اَجَلًا** “ میعاد جو ہر ایک کے لئے خصوصیت رکھتا ہے یعنی اُس کی وہ حد معین (جو دُنیا میں اس کے لئے مقرر ہے) جب وہ ختم ہوگی تو اُس کے لئے موت آ جائے گی۔

نکتہ : لفظ ثم میں اشارہ ہے کہ ہر ایک کی تخلیق و موت میں تفاوت ہے۔

وَاَجَلٌ مُّسَمًّی ” اور میعاد مقرر یعنی وہ حد مُعین جو قیامت میں اُٹھنے سے پہلے ہر ایک کو دی گئی ہے۔ یہ مبتدا ہے اور اُس کی خبر عندہٗ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں معین و مُثبت ہے نہ اس میں تغیر ہے اور نہ اس کے تعین سے کوئی واقف ہے نہ اجمالاً نہ تفصیلاً۔ اس اجل سے قیام قیامت مُراد ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا (یا بعض اللہ والے اللہ تعالیٰ کے جتلانے پر جانتے ہیں)

فائدہ : موت کا اجل قرائن سے تھوڑا سا پہلے اجمالاً معلوم ہو جاتا ہے۔ موت کے علامات سے یا بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ جانے سے۔

فائدہ : اجل انسان کے قبر میں طویل مدت تک ٹھہرنے کی انتہا کا نام ہے۔ قیام قیامت کی ابتداء کا نام اجل نہیں۔ آیت میں لفظ اجل انسان کی زندگی کے آخری لمحہ کو کہا گیا نہ کہ موت کی ابتدائی گھڑی۔ اس لئے کہ اجل لُغت میں شئے کی آخری مُدت کا نام ہے۔ اہلِ لُغت اوّل مُدت کو اجل سے تعبیر نہیں کرتے۔

فائدہ : حکمائے اسلام فرماتے ہیں کہ ہر انسان کے دو(۲) اجل ہوتے ہیں (۱) آجال طبعیہ (۲) آجال اخترامیہ آجال طبعیہ وہ ہیں کہ اگر انسان اپنے مزاج و طبیعت کے موافق زندہ رہے اور اسے عوارض خارجیہ اور آفات

marfat.ocm

مہلکہ لاحق ہوں اس کی بقاء کی مدت اس وقت پہنچے کہ رطوبت عزیزیہ مضمحل اور حرارت عزیزیہ ختم ہو جائے اور اجال اخترامیہ یہی ہیں کہ کسی خارجی سبب سے اس کا اجل اختتام پذیر ہو۔ مثلاً جل جائے غرق ہو جائے اسی طرح اسے حشرات الارض کاٹ لیں اور دیگر وہ اسباب کہ جن سے انسان کی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔

فائدہ: بعض بزرگوں کا فرمان ہے کہ اجل ہر وہ گھڑی ہے جو ہر ذی رُوح کے لئے مقرر ہے کہ جب وہ گھڑی آجاتی ہے تو ذی روح کی زندگی ختم ہو جاتی ہے اور وہ اس وقت طاری ہوتی ہے جب کسی ذی رُوح کی زندگی کا آخری لمحہ ہوتا ہے اور کسی کی موت نہ اس گھڑی سے پہلے آسکتی ہے اور نہ اسی مؤخر ہو سکتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ○ اور فرمایا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ،، اِن آیات میں تصریح کی گئی ہے کہ اجل مقرر سے کوئی سبقت نہیں کر سکتا۔ (ازالۂ وہم) کسی کو یہ گمان نہ ہو کہ اجل کی مختلف تعبیروں سے معلوم ہُوا کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کے علم میں نقص ہے بلکہ یہ مختلف تعبیر ہمارے لئے ہیں؛ ورنہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی تبدیلی نہیں اس کے ہاں اجل ایک مدّت مقررہ کا نام ہے جو ہر تغیر و تبدل سے پاک ہے۔ اس کی تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل میں تمام موجودات کو جانتا ہے اور ہر شئے اسی طرح ہوتی ہے جیسے اس کا علم ہے۔ مثلاً ازل میں کہا کہ فلاں نے اگر تقوی و طہارت سے کام لیا تو اس کی عمر میں اضافہ ہو گا یا فلاں مُدت سے پہلے اسے موت نہیں آئے گی۔ اگر اُس نے تقوٰی نہ کیا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے رُوگردانی کی تو اُسے وہ وقت نصیب نہ ہو گا۔ اس معنے پر یہاں الاجل سے اجل ذاتی مُراد ہو گا۔ جو اپنے ہر دونوں سے طویل تر ہے۔ اللہ تعالیٰ کو علم ہوتا ہے کہ وہ بندہ اِن دو فعلوں میں سے کون سے فعل کا ارتکاب کرے گا اور ہم چونکہ ہر طرح سے بے خبر ہوتے ہیں کہ نامعلوم وہ بندہ کونسے فعل کا ارتکاب کرتا ہے اس لئے ہمیں اُس کے اجل کا علم نہیں ہوتا۔ پھر جب وہ اِن دونوں فعلوں میں سے کسی فعل کا ارتکاب کرتا ہے تو اس پر اجل معین وارد ہو جاتا ہے تب ہم سمجھتے ہیں کہ اُس کی موت کا میعاد ختم ہو گیا ہے۔ اس لئے ثابت ہُوا کہ یہ تردّد ہمارے علم کی بنا پر ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں۔ مذکورہ بالا تقریر نہ مانی جائے تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ وقوع فعل سے پہلے کچھ نہیں جانتا ایسے ہی کفار کے لئے اللہ تعالیٰ کا فرمانا کہ اَسْلِمْ تَدْخُلِ الْجَنَّةَ وَلَا تَكْفُرْ تَدْخُلِ النَّارَ ،، مسلمان ہو جا بہشت کا داخلہ نصیب ہو گا اور کفر مت کر ورنہ جہنم میں جانا پڑے گا۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے علم کے منافی نہیں اس لئے کہ ازل سے اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے کہ یہ کافر ہی رہے گا، لیکن امر و نہی کا اظہار طاعت و مخالفت سے ہوتا ہے۔ اس کی مثال اس شخص کی ہے کہ وہ اپنے غلام کو جانتا ہے کہ وہ اُس کے حکم کی تعمیل نہیں کرے گا تو وہ مجمع عام ہی اسے فرماتا ہے کہ یہ کام کر۔ اس امر سے اس کا مطلب امر کرنا نہیں بلکہ حاضرین کو ظاہر کرنا مطلب ہوتا ہے کہ میرا یہ غلام بے فرمان ہے۔ یہ تقریر اللہ تعالیٰ کے جمیع مقدرات کے متعلق ہو گی کہ بندوں کے اختیاری امور میں اسی طرح متردّدانہ طور حکم فرماتا

marfat.ocm

ہے اور یہ تردد بہ نسبت ہمارے ہے نہ کہ بہ نسبت علم الٰہی کے۔

علم غیب نبوی کا ثبوت : اگر اس سے کسی اپنے بندے کو مطلع کرے تو اُسے معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں ایمان لائے گا یا نہ وغیرہ۔ جیسے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض کفار کے ایمان نہ لانے کے متعلق بعض اوقات مطلع فرما دیتا تھا۔ کَمَا قَالَ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ " اور فرمایا خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اور فرمایا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ " یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاعات دی گئیں کہ وہ اپنے اختیارات سے ایمان قبول نہیں کریں گے۔

(ف) تقدیر کے مسئلہ پر یہ تقریر نہایت ہی مفید ہے۔

ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ○ یہ ثُمَّ استبعاد کے لئے ہے۔ تم وقوع قیامت کے لئے شک کرتے ہو حالانکہ تمہیں دلائل سے سمجھایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارا اور تمہارے آباو اجداد کا خالق ہے اور تمہیں اپنے آجال تک زندگی بخشنے والا ہے پھر وہ ذات جو تمہارے مواد کے پیدا کرنے اور انہیں جمع کرنے اور ان میں حیات پیدا کرنے پر قادر ہے اور جتنا قدر چاہتا ہے انہیں باقی رہتا ہے تو اسے یہ قدرت بھی ہے کہ تمہارے مرنے کے بعد تمہارے مواد کو جمع کر کے دوبارہ زندہ کرے۔ المریۃ یعنی وہ شک جو شبہ کی طرف کھینچ کر لے جائے۔ مَرَيْتُ النَّاقَةَ سے مشتق ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جبکہ اونٹنی کے پستانوں کو سہلا جائے تاکہ دودھ دوہنے کے وقت وہ دودھ دے اور المری یعنے پستانوں سے دودھ نکالنا۔

سوال : انہیں قیامت کا شک نہ تھا بلکہ وہ یقین سے کہتے تھے کہ مرنے کے بعد اُٹھنا نہیں؛ چنانچہ قرآن مجید میں ان کا عقیدہ یوں منقول ہے أَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا اَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ○ اس طرح کی اور آیات بھی ہیں (**جواب**) اُن کے اس جزم اور یقین کو اس طریقے سے بیان کرنے میں اُن کے استبعاد و استنکار کی مزید تقویت اور تاکید کی گئی ہے۔

لطیفہ : انسان جب نُطفہ تھا تو اسے کہا گیا کہ تجھے بشر بنایا جائے گا تو وہ اُسے بعید از امکان سمجھ کر انکار کرتا رہا لیکن جب اُسے بشر بنا کر اسے یقین کرایا گیا تب اس پر حجت قائم ہوئی۔ اسی طرح اسے جب کہا جاتا ہے تجھے مرنا اور مر کر پھر اُٹھنا ہے تو بھی بدستور سابق انکار کرتا ہے ؎

(۱) پس مثال تو چو آن حلقہ زنیست   کز درونش خواجہ گوید خواجہ نیست
(۲) حلقہ زن زیں نیست دریابد کہ ہست   پس ز حلقہ بر ندارد ہیچ دست
(۳) پس ہم انکارت مبین مے کند   کز جماد او حشر صدفن مے کند

ترجمہ : (۱) تیری مثال اس حلقہ جیسی ہے کہ وہ خود کو خواجہ کہلوائے لیکن اس کی ضمیر اسے قبول نہ کرے

marfat.ocm

(۲) انسان کو جب نیست سے ہست کیا اب اس سے ہاتھ نہیں اُٹھا سکتا۔

(۳) تیرے انکار کو خوب ظاہر کرے گا۔ ڈھیلے سے کئی قسم کے فن تیار کرتا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ : آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رُوح کے لئے ایک میعاد مقرر فرمائی کہ وہ بارگاہ سے جُدا اور اپنے حقیقی اور اصلی وطن سے دُور رہے گی اور اجل مُسمّٰی سے وصال کی گھڑی مُراد ہے کہ انسان کو بہت بڑی دُوری کے بعد اللہ تعالیٰ کا وصال نصیب ہوگا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ» اِس سے ثابت ہُوا کہ مفارقت اور جُدائی کی گھڑی چند لحظ ہے ایک دِن اس کی انتہا ہے اور وصال کی گھڑیاں لامتنٰہی ہیں اور مسمیًّ میں اشارہ ہے کہ وقت اللہ تعالیٰ کے ہاں مقرر ہے اور وہ وُہی وقت ہے جب اللہ تعالیٰ اپنی عنایت سے ارجعی اِلٰی ربک فرماکر اسے اپنی طرف بلائے گا۔ یاد رہے کہ ایام وصال کی بھی ابتدا رہے۔ وہ وہی ہے جب مشرقِ قلوب سے شمس توحید طلوع کر کے حد استوائے وحدت پر پہنچتا ہے۔ اس کے بعد وہ ہمیشہ ہمیشہ تک رہے گا۔ پھر اس کی کوئی انتہا نہیں اور نہ ہی وہ سُورج غروب ہوگا۔ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ○ یہ خطاب اہل وصال کو ہے کہ اے وصال والو فرقت والوں کی طرح شک کرتے ہو لاؤ یہ محال ہے۔ (**سبق**) عاقل پر لازم ہے کہ موت کے آنے سے پہلے جد وجہد کر کے حُسن توجہ اور نیک عمل سے وصل کی تیاری میں لگا رہے۔

نُسخہ رُوحانی : بعض بزرگوں کا ارشاد ہے جو اپنے وقت کو ضائع کرتا ہے وہ جاہل ہے اور جو اس میں کوتاہی کرتا ہے وہ غافل ہے۔

حدیث شریف : اللہ تعالیٰ کے چند ایسے مخصوص بندے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ بہشت کے بہت بڑے بلند مقام میں جگہ دے گا۔ وُہی سب سے زیادہ عقلمند سمجھے جائیں گے۔ دُنیا میں اُن کا یہی کام تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سبقت کرنے اور اُس کی رَضا جوئی میں ہر وقت لگے رہتے ہیں اور ترکِ دُنیا اپنا معمول کئے ہُوئے اور اُس کی فضول سے اجتناب رکھتے تھے۔ نہ ہی ریاست وحکومت کے طالب تھے اور نہ دُنیا کی نعمتوں کے خواہشمند دُنیا میں تھوڑی مُدت رہ کر صبر کر کے آخرت کی بہت بڑی مُدت کی نعمتوں سے مالامال ہُوئے۔

حکایت : حضرت سری سقطی قدس سرہ کے ہاں حضرت ابو القاسم جنید بغدادی قدس سرہ تشریف لائے تو دیکھا کہ سرّی سقطی رو رہے ہیں جُنید نے سبب پُوچھا تو فرمایا کہ گذشتہ شب میری لڑکی نے عرض کی کہ آج سخت گرمی ہے اسی لئے یہ ٹھنڈا پانی ہے میں اُسے ایک کوزہ میں رکھ کر جا رہی ہوں جب ضرورت استعمال فرمائیں۔ اُسی شب میں نے دیکھا کہ ایک لڑکی آسمان سے اُتری ہے (جو نہایت ہی حسین وجمیل ہے) میں نے پُوچھا کہ تُو کس کی ہے۔ جواب دیا میں اُس کی ہوں جو ٹھنڈے پانی کے کوزے کے انتظار میں نہیں رہتے۔ میں نے اُٹھتے ہی

marfat.ocm

ے کوزے کو توڑ دیا (حضرت جنید فرماتے ہیں کہ صبح کو میں نے کوزے کی ٹھیکریاں دیکھیں) سری سقطی نے اُنہیں ہاتھ تک نہ لگایا۔ یہاں تک کہ وہ ٹھیکریاں مٹی میں مٹی ہوگئیں۔

سبق : وہ حضرات کیسے تارک الدنیا تھے اور اپنے نفس کو ٹھنڈا پانی پلانے کے بھی روادار نہ تھے۔ اور نہ ہی اسے لذیذ کھانا کھلاتے۔ دراصل وہ موت کو ہر وقت اپنی آنکھوں کے سامنے رکھتے (اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں بے حساب نعمتوں سے نوازا (ایسی بے نظیر نعمتیں کہ جن کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے)

تفسیر عالمانہ ۳ "وَھُوَ" مبتدا اور آنے والی عبارت اس کی خبر ہے "اَللّٰہُ" اس میں وصفی معنی ہے یعنی معبود۔ اس وجہ سے آنے والا جار مجرور اس کے متعلق ہے۔

"فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ" پچھلی عبارت کو ملا کر اب معنی ہوگا اور وہ عبادت کا مستحق ہے آسمانوں ور زمینوں میں۔ اس سے یہ نہ سمجھیں کہ زمین و آسمان میں معبود ہونے کی قید سے ثابت ہوا کہ وہ متحیز ہے۔ اس میں یز کیا جبکہ وہ مکان و زمان سے پاک اور منزہ ہے۔

حکایت : حضرت امام الحرمین استاذ الامام غزالی قدس سرہ کہیں مہمان ہوئے تو بڑے بڑے علماء ملنے کے لئے حاضر ہوئے۔ جب مجلس گرم ہوئی تو ان میں سے ایک نے سوال کیا کہ لہ تعالیٰ کے مکان سے منزہ ہونے کی دلیل کیا ہے جبکہ قرآن میں صراحۃً موجود ہے "الرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی" حضرت امام غزالی قدس سرہٗ کے استاذ نے فرمایا اس کے مکان سے منزہ ہونے کی دلیل۔ یونس علیہ السلام کا قول لَآ اِلٰہَ اِلَّآ نْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ" جبکہ انہوں نے بطن حوت میں یہی کلمہ کہا۔ تمام علمائے کرام متعجب ہوئے یہ کیسا جواب ہے۔ اسے سوال سے کسی قسم کی مناسبت نہیں۔ صاحب خانہ نے عرض کی کہ حضرت اس کی ضاحت فرمائیں۔ امام صاحب نے فرمایا کہ یہاں ایک فقیر محتاج قرضدار بیٹھا ہے اُس نے کسی کا ایک ہزار درہم قرضہ دا کرنا ہے۔ اُسے تم ادا کردو سوال کا جواب میں بیان کردوں گا۔ صاحب خانہ نے عرض کی میرا وعدہ ہوگیا ان شاء اللہ تعالیٰ یں اُس کا قرضہ ادا کردوں گا۔ حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج تشریف لے گئے اور آپ کا لامکان تک تشریف لے جانے کے متعلق سب کا عقیدہ ہے لیکن وہاں بھی حضور علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہی عرض کی لَآ اُحْصِیْ ثَنَاءً کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ۔ اور یونس علیہ السلام جب امتحان میں مبتلا ہوکر مچھلی کے پیٹ میں پہنچے تو عرض کی لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظلمین۔ ہر دونوں حضرات نے اپنے اپنے مقام پر اللہ تعالیٰ کو اَنْتَ کے خطاب سے اپنی گذارش پیش کی اور یہ خطاب اس وقت کیا جاتا ہے جو سامنے حاضر و موجود ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی مکان میں ہوتا تو اسے اس خطاب سے مخاطب نہ کیا جاتا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مکان سے پاک و منزہ ہے۔

marfat.ocm

یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ ،، یہ ھُوَ کی دوسری خبر ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے پوشیدہ اقوال اور وہ جو کھلم کھلا باتیں کرتے ہو انہیں بھی جانتا ہے۔ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُونَ ٥ اور وہ جو تم نفع حاصل یا نقصان دفع کرنے کے لئے عمل کرتے ہو (قلوب یا جوارح سے) سب کو جانتا ہے (یعنی پوشیدہ یا کھلم کھلا) اُن سب کی تمہیں جزا اور سزا دے گا۔ اگر نیک کام کرتے ہو تو جزا ملے گی۔ اگر بُرائی کرتے ہو تو سزا پاؤ گے۔

تفسیر صوفیانہ

: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وہ معبود ہے سمٰوٰت وجود میں "وفی الارض" اور ارض نفوس میں یَعْلَمُ سِرَّكُمْ جو کچھ تمہارے اندر اسرار پوشیدہ رکھے ہیں۔ اس سے وہ خلافت مراد ہے جو حضرت انسان سے مخصوص ہے کہ وہ فیض الٰہی کو قبول کرے۔ وَجَهْرَكُمْ ،، اور وہ تمہارے ظاہری صفات حیوانیہ اور احوال نفسانیہ کو جانتا ہے۔ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُونَ ٥ اور تمہارے مامورات و منہیات یعنی خیر و شر میں تمہاری استعداد (سرًّا وجہرًا) کے استعمال کو جانتا ہے اور اس استعمال (سری وجہری) کا استعمال بھی صرف انسان سے مخصوص ہے۔ ملائکہ اور حیوانات کو یہ شرف نصیب نہیں۔ اس لئے کہ فرشتے کو یہ قدرت نہیں کہ وہ حیوان کے صفات میں سے کوئی صفت حاصل کرے اور نہ ہی حیوان کو یہ طاقت ہے کہ وہ فرشتے کی کسی صفت سے مشرف ہو اور یہ حضرت انسان کو شرف ملا ہے کہ وہ نہ صرف ملائکہ اور حیوانات کے صفات پر تصرف کرے بلکہ اسے اخلاق الٰہی سے متخلق ہو کر اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کی بھی اجازت ہے کہ فرائض کی ادائیگی اور نوافل پر التزام اور نواہی سے اجتناب کرے۔ یہاں تک کہ وہ خیر البریہ کہلائے اور اگر بُرائیوں کا ارتکاب کرے گا تو وہ شر البریہ ہوگا۔

نکتہ صوفیانہ

: حسین واعظ کاشفی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ نقد النصوص میں ہے کہ حضرت انسان دو طرفہ آئینہ ہے اس کی ایک طرف سے خصائص ربوبیت نظر آتے ہیں دوسری طرف سے نقائص عبودیت اگر خصائص ربوبیت سے متصف ہو تو تمام موجودات سے بزرگ و برتر ہے۔ اگر نقائص عبودیت کی طرف مائل ہو تو تمام مخلوق سے ذلیل و خوار تر ہے ؎

(۱) چوں در خود از اوصاف تو یابم اثرے ؞ حاشا کہ بود نکو تر از مَن دِگرے
(۲) واں دم کہ فتد بحال خویشم نظرے ؞ در ہر دو جہاں نباشد از مَن تبرے

ترجمہ (۱) جب تیرے اوصاف سے کوئی نشان پاتا ہوں تو سمجھتا ہوں کہ مجھ سے زیادہ اچھا کوئی نہ ہوگا۔
(۲) لیکن جب مجھے اپنے حال پر نظر پڑتی ہے تو مجھ جیسا بدتر دنیا میں اور کوئی نہیں نظر آتا۔

اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں فرمایا کہ میں تمہارے اسرار خصائص کو بادیۂ غیب کو جانتا ہوں اور تمہارے آثار نقائص عالم شہادت میں بھی مجھ سے مخفی نہیں اور یہ بھی مجھے معلوم ہے کہ تم کس عمل سے ترقی کے منازل طے کر کے درجات انسانیہ

marfat.ocm

حاصل کر سکو گے اور یہ بھی میرے علم سے پوشیدہ نہیں کہ کس وجہ سے تم تنزل کی طرف گرتے پھسلتے حیوانات کی صف میں جا کھڑے ہوتے ہو۔

سبق : سالک سمجھدار کو یہ باتیں جاننا ضروری ہیں کہ کن وجوہ سے وہ اصلاح اور تزکیۂ اعمال کر سکتا ہے تاکہ حیوانی حظوظ سے بچ کر عظیم روحانی کے منازل طے کرنی کی صلاحیت حاصل کر سکے ۔

(۱) حیف باشد کہ عمرِ انسانی چو بہائم بخواب و خور گذرد
(۲) آدمی میتواند از کوشش کہ مقامِ فرشتہ در گذرد

ترجمہ : (۱) افسوس ہے کہ عمرِ انسانی جانوروں کی طرح خواب و خور میں بسر ہوتی ہے۔
(۲) انسان کوشش سے فرشتے کے مرتبہ سے آگے بڑھ سکتا ہے۔

حدیث قدسی : "الانسان سری وانا سرہ" انسان کا راز میرا راز ہے اور میرا راز اُس کا راز ہے۔

فائدہ : اس کی شرح میں میرے شیخ ابقاہ اللہ بالسلامۃ (قدس سرہ) نے فرمایا کہ "الانسان سری" کا مطلب یہ ہے کہ اس کا راز میرے راز کا ظاہری حصہ ہے اور میرے راز کی صورت اُس کا باطنی حصہ ہے اور وہی اس راز کی حقیقت ہے۔

تقریر دیگر : شیخ مذکور نے فرمایا کہ "سرالانسان" سے مُراد یہ ہے کہ حقیقتِ انسانیہ ظاہرہ حقیقۃِ الٰہیہ کی صورت کا عکس ہے۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خلق اللہ آدم علٰی صُورتِہٖ (اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صُورت پہ پیدا کیا۔ یعنی جب حقیقۃ انسانیہ نے مرتبہ غیب سے منزلِ شہادت میں قدم رکھا تو اس پہ ذاتِ حق جمال و جلال سے متجلی ہُوئی اور اس میں شرقی جانب سے نورِ جمال اور غربی جانب سے ظلمت جلال امانت رکھی۔ پہلی جانب میں ایک فرشتہ مقرر فرمایا جو اسے ہدایت کی طرف لے جائے اور دُوسری جانب میں شیطان بٹھایا جو اُسے باطل کی طرف لے جائے۔ فرشتہ قبضۂ جمال کا خادم اور لطفِ الٰہی کا ماتحت اور شیطان قبضۂ جلال کا خادم اور قہر و غضب کا ماتحت ہے جب اللہ تعالیٰ نے اس حقیقۃ انسانیہ کے لئے حق کی طرف پہنچانے کا ارادہ فرماتا ہے تو اُس فرشتے کو حکم دیتا ہے کہ حقیقۃ انسانیہ میں حق کا القاء کرے۔ جس سے وہ حق کو اس نورِ الٰہی جمالی سے دیکھتا ہے کہ جس کے ذریعے تجلی جمال سے فائز ہُوا اور وہ نہ صرف اس حق کو دیکھتا ہے بلکہ اس کی اتباع اور اسے بدل و جان قبول کرتا ہے بلکہ وہ حقیقتِ انسانیہ تادمِ زیست عین رُوح ہو جاتی ہے اور تادمِ زندگی حق پر ثابت قدم رہتی ہے۔ اس قالب میں کہ جس میں وہ مقیم ہے یعنی انسان کے جسم پر بھی حق کی مہر ثابت کر دی جاتی ہے اور اُس کے جسم کو قلب کے باغ میں چرنے کی عام اجازت دی جاتی ہے اور اس کی حقیقتِ انسانیہ پر ہر وقت تجلیات جمالیہ اور الطاف خاصہ کی بارش برستی رہتی ہے جو اُس کے اطمینان و سکون کا موجب بنتی ہے۔ اسی لئے ایسا انسان ہر وقت سرِ تسلیم خم رکھتا ہے اور

marfat.ocm

طاعت وصبر اور طلب رضا و دیگر اخلاق حمیدہ سے موصوف رہتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ اس حقیقت انسانیہ کو باطل کی طرف پھیرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اُس پر شیطان کو حملہ کرنے کی اجازت عام ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیطان ہر وقت اسے بُرائی کا وسوسہ ڈالتا رہتا ہے۔ جس سے وہ نہ حق کو دیکھ سکتا ہے اور نہ اُسے سمجھ سکتا ہے یعنی اسے محسوس نہیں ہوتا کہ وہ باطل میں پھنسا ہُوا ہے اور یہی باطل حق سے حائل ہے۔ اس لئے کہ اس بندے کو جو ظلمت جلال سے حصّہ ملا ہے وہ اسے حق سے مانع ہے اس بنا پر وہ باطل سے اجتناب کے بجائے اسے حاصل کرتا ہے اور اس پر مداومت کرتا ہے تو اُس کے نفس پر تاریکی چھا جاتی ہے۔ حالانکہ وہ اس کے قبل تجلی رُوح تھا۔ ایسے شخص کا جسم اس باطل کا مرکز بن جاتا ہے جس سے وہ جسم طبعی ظلمانی ہو جاتا ہے حالانکہ اس سے قبل وہ نورانی تھا۔ ان پر اللہ تعالیٰ تجلیات جلالیہ واحوال قہریہ سے متجلی ہوتا ہے وہ اسکے اندر اضطرابیہ میں نہ مانوں کا مرض مسلط کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ مخالفت و رُوگردانی پر کمربستہ اور اوصاف مذمومہ سے موصوف ہوتا ہے۔ حالانکہ اس سے قبل وہ اوصافِ محمودہ سے موصوف تھا اسی طرح ہر معاملہ میں اُس کے متعلق یہی تقریر ہوگی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی قدیم اور ازل سے عادت ہے کہ جس بندے کے متعلق اُس کا ارادہ ہوتا ہے کہ وہ اسے دین کی سمجھ دے اور اسے ماسوا سے فارغ کر کے اپنے وصل وصال سے نوازے تو اس پر شیطان کو مسلط نہیں ہونے دیتا۔ کما قال تعالیٰ اِنَّ عِبَادِی لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطَانٌ۔ بلکہ اُس کے لئے قبضۂ جمال کے لئے خدام ملائکہ کو اُس پر مسلط کیا جاتا ہے جو اُسے راہ حق کی طرف لاتے ہیں اور دونوں قبضوں یعنی جمال و جلال کے احکام عوالم و انفس و آفاق میں تا قیامت جاری و ساری رہیں گے۔ ان دونوں کے خدام فرشتوں کے ذریعے جب انسان کا قلب جمالی ہے تو جمال کے فرشتے ورنہ جلال کے فرشتے جہاں حکم الٰہی ہوگا اسے وہیں پھیریں گے۔ حضرت الشیخ کا کلام یہاں ختم ہُوا اور حق یہ ہے کہ شیخ صدالدین قنوی کے بعد شیخ موصوف جیسا اور کوئی نہیں۔ واللہ اعلم!

تفسیر عالمانہ

"وَمَا تَاْتِیْھِمْ مِّنْ اٰیَةٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّھِمْ" آیت ہٰذا میں ما نافیہ ہے اور پہلا مِنْ زائدہ اور استغراق کے لئے ہے دوسرا تبعیضیہ ہے۔ یہ اپنے مجرور سے مل کر آیۃ کی صفت ہے آیات سے آیات تنزیل اور اُن کے آنے سے اُن کا نزول مُراد ہے۔ یعنی اہلِ مکہ کے ہاں آیاتِ قرآنیہ میں کوئی آیت نہیں اُترتی۔ "اِلَّا کَانُوْا عَنْھَا مُعْرِضِیْنَ" مگر ہیں اُس سے رُوگردانی کرنے والے یعنی آیات قرآنیہ کی وہ لوگ تکذیب و استہزاء کرتے ہیں یا آیات سے آیات تکوینیہ مُراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عجیب مصنوعات سے ہیں (ان میں معجزات بھی شامل ہیں) وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں اور اُن کے آنے سے ان کا ظہور مُراد ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ان کے آیاتِ الٰہیہ اور معجزات نبویہ میں سے کوئی معجزہ سامنے آتا ہے تو اہلِ مکہ نظر صحیح سے نہیں دیکھتے بلکہ اسے چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر وہ نظر صحیح سے دیکھیں تو وہ آیات و معجزات ایمان کی دولت سے نوازے جائیں اور انہیں یقین ہو جائے کہ ان مصنوعات کا صانع و خالق کوئی ہے اور لفظ عَنْ مُعْرِضِیْنَ کے متعلق ہے اور سارا جملہ محلاً منصوب ہے اس لئے کہ یہ تاتی کے مفعول ھُمْ سے حال ہے۔

marfat.ocm

فائدہ : آیت سے واضح ہوتا ہے کہ آیات کو دیکھ کر انکار میں کفار بڑے جلد باز تھے کہ جونہی اُن پر آیات اُترتے تو فوراً انکار کر دیتے ؛ چنانچہ آنے والی آیت کے اندر لفظ لَمَّا سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ، جب اُن کے ہاں حق آیا تو اُنھوں نے اس کی تکذیب کی۔ (یہاں حق سے مُراد قرآن ہے) یعنی اُنھوں نے قرآن کی ہر آیت کا انکار کیا۔ قرآن کو حق سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ اتنے بدبخت تھے کہ ایسے کلام کا انکار کیا جو اللہ تعالیٰ سے نازل ہُوا۔ یہ اُن کے کمال قبح کی دلیل ہے۔ اس لیے کہ حق کی تکذیب تو کسی فردِ بشر سے متصور ہی نہیں لیکن اِن بدبختوں نے اُس کی تکذیب کر ہی دی۔

فائدہ : فاء مابعد کو ماقبل کی ترتیب دینے کے لئے ہے۔ اس معنی پر نہیں کہ وہ درحقیقت اس کا مغایر ہے جو اُس کے بعد واقع یا اس کے سبب سے حاصل ہُوا۔ بلکہ اس معنی پر کہ درحقیقت پہلا دُوسرے کا عین ہے۔ البتہ ترتیب بوجہ تغائرِ اعتباری کے ہے ؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اِس ارشادِ گرامی میں فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا اس سے قبل فرمایا : وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكُ افْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ، فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا الخ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا الخ کا عین ہے لیکن وہ چونکہ اس سے مفہومًا مغایر اور بہت سخت قبیح ہے اس لئے اسے فاء سے مرتب کیا گیا ہے جیسے لازم کو ملزوم پر مرتب کیا جاتا ہے تاکہ اس کے امر کی ہولناکی محسوس ہو۔ اسی طرح چونکہ تکذیب بالحق اعراضِ مذکور سے زیادہ ہولناک بھی اس لئے اسے لازم البُطلان کے قائم مقام کھڑا کیا گیا ہے۔ پھر اُسے فاء سے مرتب کیا گیا ہے۔ تاکہ اس کا بطلان زیادہ واضح ہو۔ اس کے بعد اسے تکذیب سے مقیّد کیا تاکہ بلا تامل اُس کی شناعت و قباحت پر دلالت ہو سکے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ آیات کے نزول کے وقت اُنھوں نے اعراض کر کے ایسے امر کی تکذیب کی کہ جس کی تکذیب ممکن ہی نہ تھی۔ اگرچہ اس میں تدبّر تفکر بھی نہ کرتے لیکن اِن بدبختوں نے تکذیب کر دی۔

فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ سَوْفَ مضمون جُملہ کی تاکید ہے۔ اَنْبَاء نبأ کی جمع ہے۔ ہر اُس خبر کو کہا جاتا ہے جو ذیشان اور صاحبِ عظمت ہو اور لفظ ما سے حق مذکور مُراد ہے۔ انباءٌ سے مراد یہ ہے کہ جن سزاؤں کے وہ مستحق ہیں وہ عنقریب انہیں لاحق ہوں گی یعنی وہ عنقریب اپنی ان سزاؤں کو جان لیں گے جو انہیں آیات کے استہزاء اور تکذیب سے ملیں گی ؛ چنانچہ غزوۂ بدر میں انہیں تلوار سے مزا چکھایا گیا۔

اَلَمْ يَرَوْا (ربط) جب اللہ تعالیٰ نے اُن کے قبائح مثلاً اعراض از آیات اور اُن کی تکذیب اور اُن سے استہزاء کو بیان فرمایا تو اب اِن باتوں کا ذکر فرمایا جو وعظ و نصیحت کے طور ہوتی ہیں۔ اسی لیے اِن آیات میں گذشتہ قوموں کے حالات سُناتے ہُوئے فرمایا کہ کیا انہیں معلوم نہیں۔

فائدہ : یہ ہمزہ انکار کا ہے تاکہ رؤیت کی تقریر ہو اور یہ رؤیت عرفانی ہے۔ جو صرف ایک مفعول کی مقتضی ہے اور اُس کی ضمیر اہلِ مکہ کی طرف راجع ہے یعنی کیا انہیں آثارِ قدیمہ کو دیکھ کر اور اُن کے حالات سُن کر معلوم نہیں۔

marfat.ocm

کَمْ اس سے اشخاص مُراد ہیں۔ کَمْ استفہامیہ ہو یا خبریہ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ جنہیں ہم نے ان سے پہلے تباہ و برباد کیا۔ یہ مِنْ اَهْلَكْنَا سے متعلق ہے اور مِنْ قَبْل سے وہ لوگ مُراد ہیں۔ جو اہل مکہ سے پہلے قومیں گُذری ہیں یا یہاں پر مضاف محذوف ہے اور مضاف الیہ اس کے قائم مقام ہے کہ دراصل " مِنْ قَبْلِ زَمَانِهِمْ " یعنی اُن کے زمانہ سے پہلے لوگ " مِّنْ قَرْنٍ " یہ کم کی تمیز ہے۔ اس سے اِس زمانہ کے اہل مُراد ہیں۔ انہیں قرن سے اس لئے تعبیر کیا جاتا ہے کہ دہر کے کسی ایک حصہ سے مقترن ہوتے ہیں؛ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے۔ خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ " بہترین زمانوں سے میرے زمانہ کے لوگ ہیں۔ پھر وہ جو اُن سے متصل ہیں پھر وہ جو اُن دُوسروں سے متصل ہیں۔ حدیث شریف میں قرن اوّل سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دُوسرے سے تابعین اور تیسرے سے تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ مُراد ہیں۔

فائدہ: بعض کا خیال ہے کہ یہ مُدت مخصوصہ یعنی اسّی یا ستّر یا ساٹھ یا چالیس یا تیس یا سو سال کی مدت کا نام ہے۔ یہاں بھی مضاف محذوف ہے۔ یعنی دراصل اہل قرن تھا۔ اس لئے کہ نفسِ قرن کو ہلاک و تباہ نہیں کیا گیا بلکہ اُس کے اہل تباہ و برباد ہوئے۔ مَكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ " یہ جملہ مُستانفہ ہے ان کے ہلاک و تباہ کرنے کو بیان کیا گیا یا اہلاک کی مبادی کی تفصیل ہے یا اس سوال مقدر کا جواب ہے جو صدرِ کلام سے پیدا ہُوا۔ سوال کی تقریر یہ ہے کہ وہ لوگ کس حال پر تھے۔ اس کے جواب میں فرمایا گیا کہ ہم نے انہیں زمین پر قدرت دے رکھی تھی۔ تمکین فِي الْاَرْضِ (زمین پر قرار پانا) چونکہ زمین قرارگاہ ہے اسی لئے اس کا استعمال ہر دونوں طرح ہوتا ہے۔ مثلاً یُوں کہنا جائز ہے " مَكَّنَهٗ فِي الْاَرْضِ " اور یہ بھی جائز ہے کہ کہا جائے " مَكَّنَ لَهٗ فِي الْاَرْضِ " اسی لئے اِن کو ایک دُوسرے کے قائم مقام لانا جائز ہے۔ اسی استعمال سے مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَكُمْ ہے جبکہ اس سے قبل مَكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ " دُوسرے طور استعمال کیا گیا ہے۔ گویا پہلے کہا گیا۔ مَكَّنَّا لَهُمْ پھر کہا گیا مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَكُمْ آیت مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَكُمْ " میں مَا نکرہ اپنے مابعد والے جُملہ منفیہ سے موصوف ہے۔ اس میں عائد محذوف ہے اور مفعول مُطلق کی حیثیت سے محلاً منصوب ہے۔ اصل عبارت یُوں ہوگی مَكَّنّٰهُمْ تَمْكِيْنًا لَمْ نُمَكِّنْ لَكُمْ، یعنی ہم نے انہیں زمین پر ایسے تصرفات بخشے جو تمہیں نصیب نہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مَا لَمْ نُمَكِّنْ الخ مفعول لہٗ ہو۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ جو کچھ ہم نے انہیں عنایت فرمایا۔ وہ تمہیں عطا نہیں ہُوا۔ وَ اَرْسَلْنَا السَّمَآءَ اور ہم نے آسمان سے بارشیں بھیجیں یا اسماء سے بارش مُراد ہے یا بادل عَلَيْهِمْ " یہ اَرْسَلْنَا کے متعلق ہے مِّدْرَارًا بہت زیادہ برسنے والا یہ السَّمَآء سے حال ہے۔

فائدہ: ابن الشیخ فرماتے ہیں کہ مدرار بروزن مفعال ہے۔ یہ فاعل کے صیغہ کا مبالغہ ہے جیسے کہا جاتا ہے۔ امرأۃ مذکار مدرار دراصل دَرَّ اللَّبَنُ دُرُوْرًا سے مشتق ہے یہ اُس وقت بولتے ہیں جب دُودھ دھونے والے کے لئے

بکثرت وارد ہو۔ اسی طرح کہتے ہیں سحاب مدرار و مطر مدرار، یعنی بادل ضرورت کے وقت بہت برسا۔ یا مُوسلا دھار بارش ہوئی **وَجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ** اور ہم نے اُن کے لئے نہریں بنائیں۔ **تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمْ** ، جو اُن کے درختوں اور مکانوں اور محلوں کے نیچے جاری رہتی تھیں۔

خلاصہ : یہ کہ ہم نے اُن کے اجسام میں تنومندی اور صحت اور عمروں میں برکت اور اموال میں وُسعت دی یعنی دنیوی اسباب میں انہیں کسی قسم کی کمی نہیں تھی۔ وہ جس طرح کے منافع یا جس طرح سے نقصانات کو دفعیہ چاہتے۔ انہیں ہر طرح کی سہولتیں میسر تھیں جو تمہیں اے مکّہ والو اُن کا عشر عشیر بھی نصیب نہیں لیکن اُنہوں نے اتنی وُسعت کے باوجود کفران وعصیان کا کمال کر دیا۔

فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ، پھر ہم نے اُن کے گناہوں کے سبب سے انہیں تباہ و برباد کر ڈالا۔ یعنی ہر زمانہ کے لوگ اپنے مخصوص گناہوں کی وجہ سے تباہ و برباد ہُوئے۔ نہ اُنھیں اُن کی کثرت نے بچایا اور نہ ہی دُنیوی اسباب کی وفرت کی وجہ سے بچ سکے۔ کچھ تمہاری حالت بھی یہی ہے کہ ان کی طرح تم پر عذاب الٰہی کا نزول ہوگا۔

وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ ، اور ہر زمانہ کے لوگوں کے تباہ و برباد ہونے کے بعد ہم نے پیدا کئے۔

قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ، دوسرے زمانہ کے لوگ یعنی ھلاک ہونے والوں کے بعد ہم نے اور لوگ پیدا کر دیئے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت کا اظہار فرمایا کہ ان لوگوں کے بار بار تباہ و برباد ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے مُلک مِلک میں کسی قسم کمی نہ ہُوئی بلکہ ایک قوم کی تباہی و بربادی کے بعد ہم نے اور قوم پیدا فرما دی جو شہروں اور ملکوں کو آکر آباد کرتی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ اہلِ ظلم کو چند روز مہلت دے کر انہیں فناہ کر کے اہل عدل و انصاف پیدا فرماتا ہے۔ اسی طرح اہل ریا و سمعہ کو مٹا کر اہلِ صدق و اخلاص پیدا فرماتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زمانہ میں اہل صدق و اخلاص بھی پیدا ہوتے رہے۔

حدیث ابدال : حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض ایسے بندے ہیں جنہیں ابدال کہا جاتا ہے۔ وہ نماز روزہ اور خشوع و خضوع اور اچھی صُورت بنانے کی کثرت سے اس مرتبہ کو نہیں پہنچے بلکہ انہیں سچے تقویٰ اور نیک نیتی اور سینہ کی صفائی اور مسلمانوں پہ رحم و کرم کی وجہ سے یہ مرتبہ نصیب ہُوا۔ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں اپنے علم سے اپنے لئے خصوصیت سے چُنا ہے وہ چالیس افراد ہوتے ہیں، اُن کے قلوب حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے قلب مبارک کے مطابق ہوتے ہیں۔ اُن میں سے جب ایک فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے عوض دُوسرا مقرر کر دیتا ہے۔

ابدال کی علامات : وہ حضرات نہ کسی کو گالی دیتے ہیں اور نہ کسی پر لعنت بھیجتے ہیں اور اپنے سے کمزوروں کو نہیں ستاتے اور نہ کسی کو حقیر سمجھتے ہیں اور اپنے سے اُونچے طبقہ کے لوگوں پر حسد بھی نہیں کرتے۔ نہایت پاکیزہ طبع

marfat.ocm

اور نہایت کریم خو اور بہت فراخ دِل (سخی) ہوتے ہیں۔ اُن کی پرواز کو تیز رفتار سواری نہیں پہنچ سکتی اور نہ ہی تیز آندھیاں وہ رب تعالیٰ کے مابین ایک خصوصی معاہدہ اور اس سے مخصوص راز و نیاز رکھتے ہیں۔ ان کے قلوب اللہ تعالیٰ کے وصال کے لئے اُونچی پرواز رکھتے ہیں اور ہر نیکی میں سبقت کرنے والے ہوتے ہیں۔ یہی اللہ تعالیٰ کے حقیقی گروہ ہیں اور کامیابی صرف اللہ تعالیٰ کے گروہ کو ہے (یہ حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ کے بیان کا بعض حصہ ہے

تفسیر صُوفیانہ: فَاَهْلَكْنٰهُمْ ،، میں اشارہ ہے کہ اُنہیں ظاہراً و باطناً ہر طرح سے ہلاک و برباد کر دیا جاتا ہے۔ یعنی جیسے اُن کے ظاہری طور ابدان و اموال تباہ و برباد ہوگئے اسی طرح معنوی طور بھی انسانیت کے مراتب سے بھی گر گئے۔ صرف گناہوں اور کفرانِ نعمت کی نحوست سے کسی نے کیا خوب فرمایا ؎

شکر نعمت نعمتت افزوں کند ٭ کفر نعمت از کفت بیروں کند

ترجمہ: شکر نعمت تیرے لئے نعمت میں اضافہ کرے گا۔ کفران نعمت تجھ سے نعمت چھین لے گا۔

جس نے معجزات و کرامات دیکھ کر حق سے اعراض کرکے دُنیا اور اُس کی زینت اور اُس کی شہوات کو اپنایا تو وہ گویا جانور ہے بلکہ اُس سے بھی بدتر اس لئے کہ جانور حق کی تکذیب نہیں کرتے لیکن اس بدبخت نے حق کی تکذیب کی ؎

دریغ آدمی زادہ پر محل ٭ کہ باشد چو انعام بل ھُم اَضَل

ترجمہ: افسوس ہے آدم زادہ جس کی عزت بڑی ہے وہ جانوروں جیسا بلکہ ان سے بڑھ کر بدتر ہو جائے۔

فَسَوْفَ یَاْتِیْهِمْ ،، یعنی انہیں دُنیا و آخرت میں ایسے واقعات درپیش ہوں گے کہ جن سے وہ استہزاء کرتے تھے۔ دُنیا میں ان کا استہزاء یہی کہ وہ انبیاء و اولیاء کے اقوال سنکر ٹھٹھا مخول کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کے کان حق کے سُننے سے بہرے اور حق کو دیکھنے سے اُن کی آنکھوں کو اندھا بنا دیتا ہے۔ اسی لئے وہ حق کی طرف ہدایت نہیں پا سکتے اور نہ ہی انہیں حقیقت کا راہ ملتا ہے اور آخرت میں ایسے لوگوں کو اپنے دیدار سے محروم کر دے گا اور وہ ذاتِ حق سے بہت دُور کئے جائیں گے اور انہیں ہمیشہ ہمیشہ تک جہنم میں رکھا جائے گا۔

حکایت: امام الحرمین ایک دن مسجد شریف میں درس دے رہے تھے کہ اُن کے پاس سے صُوفیہ کی جماعت مع اپنے مُریدین فقراء کی گذری (جنہیں ایک رئیس کے ہاں مدعو کیا گیا تھا) امام صاحب نے اپنے دل میں خیال فرمایا کہ یہ لوگ صرف کھانے پینے اور سماع و سرود میں مست رہتے ہیں انہیں سے ایک صُوفی دعوت سے فراغت پاکر امام صاحب کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا اے فقیہہ اس شخص کے بارے میں آپ کا کیا فتویٰ ہے جو صبح کی نماز جنب کی حالت میں پڑھ کر مسجد میں علوم دینیہ پڑھائے اور پھر لوگوں کی غیبت کرے۔ امام صاحب کو یاد آیا کہ یہ جملہ اُمور مجھ سے سرزد ہوئے ہیں اس کے بعد امام صاحب صُوفیہ کرام کے معتقد ہو گئے۔ ورنہ اس سے قبل وہ صُوفیہ کے مخالف تھے۔

marfat.ocm

(**سبق**) صوفیہ کرام و اولیائے عظام سے سب سے پہلے حسن اعتقاد لازمی ہے۔ پھر اُن کی اتباع کی جائے تب اُن کے مقامات و مراتب حاصل ہوتے ہیں۔

حکایت: حضرت ابوالقاسم جُنید بغدادی قدس سرہ سے پُوچھا گیا کہ آپ نے اتنے بہت بڑے علوم کہاں سے حاصل کئے۔ آپ نے فرمایا میں نے یہ علوم اللہ تعالیٰ کے سامنے اس جگہ تیس سال گھٹنے ٹیک کر حاصل کئے۔ اِس جگہ سے اُن کے گھر کی چار دیواری مُراد تھی۔

سبق: طریقت کے اسرار و انوار بہت بڑی جد و جہد کے بعد نصیب ہوتے ہیں۔ انسان کو اس میں بہت دُکھ اُٹھانا پڑتا ہے (واللہ الھادی)

تفسیر عالمانہ ﴿وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ﴾ (شانِ نزول) مروی ہے کہ بعض مشرکین نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ ہم آپ کو ہرگز نہیں مانیں گے جب تک کہ آپ ہمارے ہاں اللہ تعالیٰ سے ایسی کتاب نہ لادکھائیں جس کی چار فرشتے گواہی دیں کہ واقعی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی کتاب ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کے رسُول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے ردّ میں یہ آیت نازل فرمائی (اگر ہم آپ پہ نازل فرمائیں) كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ " کاغذوں پر لکھا ہُوا یہاں پر کتاب بمعنی مکتوب ہے۔ فَلَمَسُوْهُ " یہ ضمیر کتاب کی طرف راجع ہے۔ بِاَيْدِيْهِمْ " پھر وہ اسے دیکھ کر اپنے ہاتھوں سے چھُو بھی لیتے۔ اس لئے کہ انہیں اس طرح سے اُس کے متعلق کسی قسم کا اشتباہ نہیں ہوگا۔

فائدہ: لمس کا ذکر اس لئے ہے کہ اس میں مکر و فریب کا پہلو نہیں نکل سکتا اور نہ ہی کہہ سکیں گے اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا " (بیشک ہماری آنکھیں مسحور کی گئیں ہیں یعنی بند کر دی گئی ہیں)

سوال: لمس کے بعد اَیدِی کا ذکر کیوں حالانکہ لمس ہوتا بھی ہاتھوں سے ہے۔

جواب: تاکہ مجازی معنے کا احتمال ختم ہو جائے یعنی لمس کے بعد اَیدِی کا ذکر حقیقی معنے پر محمول کرنے پہ مجبور کرتا ہے۔ ورنہ اس کا مجازی معنی تفحص ہو سکتا ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کے اِس قول وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ أي تفحصنا " ہم نے تلاش کیا۔

لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا " البتہ کافر سرکشی اور عناد سے کہتے باوجودیکہ ان پر حق واضح ہو چکا ہے جیسے کٹ حجتی اور ضدی کا طریقہ ہے۔ اِنْ هٰذَآ " نہیں ہے یہ کتاب اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ " مگر کھُلا جادو یعنی ہر ایک کے لئے واضح ہے کہ یہ جادو ہے (معاذ اللہ) اور قاعدہ ہے کہ جو ازلی محروم ہوتا ہے۔ وہ اگر غائبانہ حق کی تکذیب کرتا ہے تو آنکھوں سے مشاہدہ اور تجربہ کے بعد بھی انکار سے نہیں چوکتا۔ مثلاً اولیاء کرام کی کرامات کے مُنکر کے سامنے اگر کوئی ولی اُڑتا ہُوا بھی نظر آئے تو کہے گا یہ جادوگر ہے یا شیطان ہے (معاذ اللہ) (جیسے عموماً وہابیہ، دیوبندیہ کا عام طریقہ ہے کہ

marfat.ocm

انہیں اولیاء کرام کی کرامات سُنائی جائیں تو فوراً انکار کر کے اپنی تائید میں کوئی توجیہ بیان کر دیتے ہیں۔[1]

۝ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ،، اس سے کفار کا نبوت پر جرح قدح کا بیان صراحۃً شروع ہے جس کا اس سے پہلے اشارۃً بیان کیا گیا۔ اور لولا تحضیض کے لئے ہے بمعنی الامر اور علیہ کا ضمیر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ یعنی حضور علیہ السلام پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اُترتا جسے ہم آنکھوں سے دیکھیں اور وہ براہ راست ہمیں کہے کہ یہ نبی علیہ السلام ہیں۔

وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ،، اگر اُن کے مطالبہ پر ہم فرشتے کو اُس کی اپنی اصلی شکل و صورت پر اُتاریں (فرشتوں کو اس کی اپنی اصلی صورت پر دیکھنا عام آدمیوں کے بس سے باہر ہے اس لئے کہ اُن کا ہولناک منظر ہے) اور فرشتے کا نزول ہو تو کفار کی تباہی و برباد کا فیصلہ ہو جائے گا۔ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ،، فرشتوں کے نزول کے بعد تو آنکھ جھپکنے کی دیر بھی کُفار کو مُہلت نہیں ملے گی۔ ان دو امروں (یعنی قضاء الامر اور عدم الانظار یعنی مُہلت نہ دینا) میں سے عدم الانظار کو قضاء الامر سے زیادہ سخت قرار دیا گیا ہے اس لئے کہ اچانک عذاب کا نزول نفسِ عذاب سے عزیز ترین اور زیادہ دکھ اور تکلیف پہنچانے والا ہوتا ہے۔ ۝ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا ،، ہٗ ضمیر مطلوب کی طرف لوٹتی ہے۔ یعنی ہر وہ فرشتہ جو نبوت کا شاہد بنے یعنی اگر ہم نبوت کا شاہد فرشتے کو بنائیں لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا تو اسے بنائیں گے مرد یعنی فرشتے کو مَرد کی شکل میں بنا کر بھیجیں گے۔ اس لئے کہ ہم نے پہلے عرض کر دیا ہے کہ اگر فرشتے کی اصلی صُورت کو دیکھنا کسی فردِ بشر کے بس کی بات نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں دحیہ کلبی کی صُورت میں حاضر ہوتے اور حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں دو فرشتے حاضر ہوئے تو دو ایسے انسانوں کی صورت میں جو کوئی فیصلہ لے کر آئیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں فرشتے حاضر ہوئے تو مہمانوں کی صُورت میں (اسی طرح لوط علیہ السلام و بی بی مریم کے ہاں وغیرہ وغیرہ) اس لئے کہ قوت بشریہ فرشتے کو دیکھنے کی تاب نہیں رکھتی اور حضراتِ انبیاء علیہم السلام ملائکہ کرام کو اصلی صُورتوں میں اس لئے دیکھا کرتے کہ اُن کے قویٰ مقدسہ میں نُورانی قوت و طاقت تھی۔[2] وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ کو محذوف کا جواب ہے۔ اس لئے کہ یہ دَراصل وَلَوْ جَعَلْنٰهُ رجلا لَلَبَسْنَا الخ تھا یعنی اگر اسے ہم مَرد بنا کر بھیجتے تو ہم ان میں اسے ملا دیتے کہ وہ بھی اُن کا ہم مثل مرد ہوتا۔

مَا يَلْبِسُوْنَ ،، وہ جو التباس میں پڑتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ تو فرشتہ نہیں بلکہ تو ہمارے جیسا بشر ہے (جیسے کہ دیوبندی وہابیوں کو غلط فہمی ہوئی کہ حضور علیہ السلام کو بشری لباس میں دیکھ کر کہتے ہیں کہ وہ ہمارے بڑے بھائی ہیں اور ہم چھوٹے (تقویۃ الایمان)

سوال : ملک کے بشر بن کے آنے کو لبس سے کیوں تعبیر کیا جا رہا ہے۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ

[2] انبیاء علیہم السلام اور عام بشر میں مابہ الامتیاز کی ایک دلیل یہ بھی ہے جسے دیوبندی وہابی وغیرہ آج نہیں سمجھے ۱۲۔ اویسی غفرلہ

جواب : اس لئے کہ تمثیل کے بعد التباس کا ہونا لازمی امر ہے۔ تمثیل سبب ہے اِلباس کا گویا مسبب بول کر سبب مُراد لیا گیا ہے۔ **فائدہ** : مطلوب یعنی شاہد علی النبوۃ کا فرشتے سے انسان بن کر آنا اُس کے محال ہونے کی تاکید ہے گویا اللہ تعالیٰ نے کفار کو یوں فرمایا کہ لَوْ فَعَلْنَاهُ لَفَعَلْنَا مَالَا یَلِیْقُ بِشَانِنَا الخ۔ یعنی اگر ہم اس طرح کرتے تو وہ کرتے جو ہماری شان کے خلاف ہے یعنی انہیں اشکال و اشتباہ میں ڈالنا یہ لَبَسْتُ الْاَمْرَ عَلَی الْقَوْمِ اَلْبِسَہٗ سے ماخوذ ہے (از باب ضرب) یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کو اشکال و اشتباہ میں ڈالے۔ دراصل لَبَس کسی شئے کو کپڑے سے ڈھانپنے کو کہا جاتا ہے۔ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ ،، برسل ،، استھزی کے متعلق ہے اور مِن ابتدائیہ ہے۔ اس کا متعلق محذوف ہے جو رُسُل کی صفت ہے۔ اس میں حضورؐ تاجدار انبیاء علیہم السلام کو تسلی دی جا رہی ہے۔ جبکہ آپ کو اہل مکہ نے بہت بہت پریشان کیا۔ یعنی اے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم غم نہ کھائیے۔ اس لئے کہ بخدا بہت بڑے اولوالعزم پیغمبر اور کثیر التعداد انبیاء علیہم السلام (جو آپ سے پہلے گزرے ہیں) ان سے بھی استہزاء کیا گیا۔ یہاں مضاف محذوف ہے کہ دراصل مِّن قَبلِ زَمَانِکَ تھا۔ پھر مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کھڑا کیا گیا۔ فَحَاقَ ،، اس کے بعد محیط ہو گیا۔

فائدہ : حاق بمعنے اَحَاطَ یا نَزَلَ یا حَلَّ یا ان الفاظ کا ہم معنے کوئی اور لفظ اس لئے کہ اُس کا معنیٰ شمولِ لزوم کے گرد پھرتا ہے لیکن اُس کا اکثر استعمال شر پہ ہوتا ہے۔ اَحدُ الحیق ہر وہ دُکھ اور تکلیف جو انسان کو کسی مکروہ فعل کی وجہ سے پہنچے۔

بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ٥ اور اس کا عائد بہ کا ضمیر اور بہ يَسْتَهْزِءُوْنَ کے متعلق ہے اور موصول اپنے صلہ سے مل کر حاق کا فاعل ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ گھیر لیا اُنہیں جنہوں نے تمسخر کیا وہ کہ جس سے وہ استہزاء کرتے تھے کہ وہ اس سے ہی ہلاک و تباہ و برباد ہوئے۔

سوال : اہلاک و احاطہ کا اسناد رُسُل کی طرف کیوں۔

جواب : اہلاک و احاطہ کے سبب وہی تھے اور فعل کا اسناد کبھی سبب کی طرف بھی ہوتا ہے[1]۔ اب واضح اور صاف مطلب یوں ہُوا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں گھیرا اور انہیں تباہ و برباد کیا اس لئے کہ اُنھوں نے انبیاء و رُسل علیہم السلام سے استہزاء کیا اور حضور رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی یہ وعدہ غزوہ بدر میں پُورا کر دیا گیا۔

---

[1] جیسے ہم کہتے ہیں یا رسُولَ اللہ مدد کیجئے یا کہا جاتا ہے۔ اے شیخ فلاں کام کیجئے۔ مسائل استمداد و استغاثہ اور تصرفات انبیاء و اولیاء اسی قبیل سے ہیں۔ جنہیں وہابیہ شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔ فافہم اویسی غفرلہ

marfat.ocm

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ
تم فرماؤ زمین میں سیر کرو پھر دیکھو کہ جھٹلانے

كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝١١ قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
والوں کا کیسا انجام ہوا تم فرماؤ کس کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے تم فرماؤ

قُلْ لِّلّٰهِ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ
اللہ کا ہے اس نے اپنے کرم کے ذمہ پر رحمت لکھ لی ہے بے شک ضرور تمہیں قیامت کے دن جمع کرے گا اس میں کچھ

اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝١٢ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَ
شک نہیں وہ جنہوں نے اپنی جان نقصان میں ڈالی ایمان نہیں لاتے اور اسی کا ہے جو بستا ہے رات اور دن میں اور

هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝١٣ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ
وہی ہے سنتا جانتا تم فرماؤ کیا اللہ کے سوا کسی اور کو والی بناؤں وہ اللہ جس نے آسمان اور زمین پیدا کئے اور وہ کھلاتا ہے

يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ
اور کھانے سے پاک ہے تم فرماؤ مجھے حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے گردن رکھوں اور ہرگز شرک والوں

مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝١٤ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝١٥
میں سے نہ ہونا تم فرماؤ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔

مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۝١٦ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ
اس دن جس سے عذاب پھیر دیا جائے ضرور اس پر اللہ کی مہر ہوئی اور یہی کھلی کامیابی ہے اور اگر تجھے اللہ کوئی برائی

اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
پہنچائے تو اس کے سوا اس کا کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر تجھے بھلائی پہنچائے تو وہ سب کچھ کر سکتا ہے

قَدِيْرٌ ۝١٧ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝١٨ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ
اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر اور وہی ہے حکمت والا خبردار تم فرماؤ سب سے بڑی گواہی کس

شَهَادَةً قُلِ اللّٰهُ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ
کی تم فرماؤ کہ اللہ گواہ ہے مجھ میں اور تم میں اور میری طرف اس قرآن کی وحی ہوئی ہے کہ میں اس سے تمہیں ڈراؤں

بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى قُلْ لَّآ اَشْهَدُ
اور جن جن کو پہنچے تو کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور خدا ہیں تم فرماؤ کہ میں یہ گواہی نہیں دیتا

قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝١٩ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ
تم فرماؤ کہ وہ تو ایک ہی معبود ہے اور میں بیزار ہوں ان سے جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو جن کو ہم نے

الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑳

کتاب وہ اس نبی کو پہچانتے ہیں جیسا اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں جنہوں نے اپنی جان نقصان میں ڈالی وہ ایمان نہیں لاتے

تفسیر عالمانہ : قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ " فرمائیے اے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم (اے لوگو) زمین پر چلو تاکہ تمہیں گذشتہ اُمتوں کے حالات و واقعات معلوم ہوں ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ پھر دیکھو کہ تکذیب کرنے والوں کا انجام کس طرح ہوا یعنی غور و فکر کرو کہ انہیں تباہ و برباد کر دیا گیا۔ تو کیوں ؟

سوال : ثُمَّ تراخی کے لئے آتا ہے اور یہاں پر تراخی کیسے۔

جواب : صرف دو واجب یعنی سِيْرُوْا اور اُنْظُرُوْا میں تفاوت کے اظہار کے لئے جن میں تفاوت کی حیثیت کو تراخی تصور کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ صرف نظر الی حال الکفار کے لئے وسیلہ ہے اور سبب ہے مثلاً فقہاء کرام کا مقولہ مشہور ہے توضأ ثم صلّ۔ اس میں یہی بات ہے کہ وضو نماز کا وسیلہ ہے اور ان دونوں اُمور کے تفاوت کو تراخی تصور کیا گیا ہے۔ " الْعَاقِبَةُ " مصدر ہے امر کے منتہیٰ اور اُس کے انجام کو کہا جاتا ہے۔

فائدہ : ہر زمانہ کے سرکش لوگوں اور بُری عادت والوں کا طریقہ رہا ہے کہ وہ انبیاء و اولیاء سے استہزاء اور ٹھٹھا مخول کرتے رہتے ہیں۔ (اور کرتے رہیں گے جیسے اب داڑھی والوں اور علمائے دین اور درویشوں فقیروں سے نئی تہذیب کے دلدادہ مغربیت زدہ کیا کرتے ہیں) اضافہ اویسی غفرلہ)

حدیث شریف : حضور تاجدار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم چند ایک غریب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ مسجد حرام (مکہ شریف) میں تشریف فرما تھے۔ جن میں حضرت بلال و صہیب و عمار وغیرہم شامل تھے تو وہاں سے ابوجہل کا اہل مکہ کے بہت بڑے رؤسا کے ساتھ گذر ہوا۔ ابوجہل کہنے لگا کہ (حضرت) محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال ہے کہ بہشت کے مالک یہی لوگ ہیں۔ حضرت بلال و دیگر فقراء کی طرف اشارہ کرکے استہزاء کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے بدر میں اس کا مزہ چکھایا کہ استہزاء کرنے والا جہنم رسید ہوا۔ اور یہ فقراء بفضلہ تعالیٰ بہشت کے مالک ہوں گے (ان شاء اللہ تعالیٰ)

سبق : اس سے دُنیا دار سرکش طبع لوگ عبرت حاصل کریں کہ وہ مالک کس طرح اپنی قدرت کے رنگ دکھاتا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

marfat.ocm

(۱) نے ترا حفظ زباں از راز کس   نے نظر کردن بعبرت پیش و پس
(۲) پیش چہ بود یاد مرگ نزع خویش   پس چہ باشد مُردن یاراں زپیش

ترجمہ : (۱) نہ تجھے زبان کی حفاظت ہے کہ لوگوں کے ایذاء سے بچ کر رہے نہ ہی تو آگے پیچھے سے عبرت کامل کرتا ہے (۲) موت کے وقت نزع موت کی یاد کا کیا فائدہ دوستوں کے مرنے کے وقت یاد کرنا بھلا تھا۔

شیعہ کی کہانی اور اُس کا انجام بد

ایک شیعہ ابن ھیلان نامی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی دیتا اور سب بکتا تھا۔ ایک دن وہ کسی دیوار کو توڑ رہا تھا کہ اچانک وہی دیوار اس پہ گری اور مرگیا اسے مدینہ منورہ میں جنۃ البقیع میں دفنایا گیا لیکن دوسرے دن قبر کھودی گئی تو وہ اپنی قبر میں نہ پایا گیا اور نہ ہی اُس کی قبر کے نشان کی مٹی بلکہ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ اس کی قبر کو کھود کر باہر نکالا گیا ہے لیکن قبر کی ہیئت کذائیہ اپنے حال پہ باقی تھی کہ جس سے کھود کرلے جانے کا نشان بھی نہیں تھا تھا۔ اسے علاقہ کے بہت سے لوگوں نے دیکھا اور قاضی جمال الدین صاحب بھی تشریف لائے۔ اور اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا بلکہ دُور دُور سے لوگ چل کر اس منظر کو دیکھنے کے لئے حاضر ہوئے یہاں تک کہ وہ واقعہ بہت دُور تک پھیل گیا اور ایک عرصہ تک اُس کا چرچا رہا۔

سبق : یہ بھی اللہ تعالیٰ کی آیات سے ہے لیکن اس کے لئے جس کا اللہ تعالیٰ سینہ کھولتا ہے تو وہ ایسی حکایات سے عبرت حاصل کرتا ہے (ہم اللہ تعالیٰ سے سلامتی چاہتے ہیں۔ المقاصد الحسنہ الامام السخاوی قدس سرہٗ)

سبق : اس سے معلوم ہوا کہ جو بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن وتشنیع کرتا ہے اس کا یہی انجام ہوتا ہے کہ اُسے متبرک مقامات سے نکال کر منحوس مقامات پہ پہنچایا جاتا ہے۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بھی میرا اُمتی لواطت کا عمل کرتا ہوا مرا تو اُسے اپنے مدفن سے نکال کر لوطیوں کے ساتھ ملایا جائے گا یہاں تک کہ اُس کا حشر بھی اُن کے ساتھ ہوگا۔ (الدرر المنتشرہ الامام السیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ)

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ اجساد کو قبور سے بعد از دفن نقل کیا جاتا ہے (یعنی منجانب اللہ نہ یہ کہ لوگ کبھی کہیں دفن کریں تو پھر وہاں سے نکال کر دُوسری جگہ لے جائیں۔ جس کی تشریح دوسرے مقام پہ آئیگی۔ انشاءاللہ

مسئلہ : حشر میں جسد اور رُوح ہر دونوں کو اُٹھنا ہوگا۔

لطیفہ : جیسے اللہ تعالیٰ اشرار کو مقامات مقدسہ سے منتقل کر کے منحوس مقامات پہ لے جاتا ہے۔ ایسے ہی اخیار کو منحوس مقامات سے نکال کر مقدسہ مقامات پہ پہنچاتا ہے۔ مثلاً انہیں جنۃ البقیع

marfat.ocm

یا حجون میں لے جایا جاتا ہے۔ جنۃ البقیع اور حجون دونوں گورستانوں کے نام ہیں جو مدینہ طیبہ اور مکہ معظمہ میں واقع ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ اہلیت کے مطابق مقام بخشتا ہے لیکن اس آخری زمانہ میں ایسے لوگ بہت کم ہیں کہ جنہیں قبلہ کی جانب (ظاہرًا و باطنًا) توجہ اور حیات و ممات میں قبلہ کا تصور ہو کسی نے کیا خوب فرمایا کہ ذھب الناس و مابقی الا النسناس۔ (حقیقی انسان چلے گئے اب صرف نسناس باقی ہیں)

فائدہ : نسناس سے وہ لوگ مراد ہیں جو انسانوں سے مشابہت کا دم بھرتے ہیں، لیکن وہ حقیقی انسان نہیں ہیں۔ دراصل نسناس یاجوج وماجوج کو کہا جاتا ہے یا وہ ایک دریائی جانور ہے۔ جس کی ظاہری صورت انسانوں جیسی ہے یا ایسے انسانوں کی صورت میں پیدا کیا گیا۔ حالانکہ درحقیقت وہ جانور ہے جو بعض باتوں میں انسانوں کے مشابہ ہے اور بعض باتوں میں اُن کے مخالف یعنی غیر بنی آدم سے ہیں۔ بعض کے نزدیک وہ بھی بنی آدم ہیں۔

اعجوبہ : مروی ہے کہ عاد کی قوم سے ایک قبیلے نے اپنے رسول علیہ السلام کی نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں نسناس کی صورت میں تبدیل کر دیا۔ اُن کی علامت یہ ہے کہ ان میں ہر ایک کا بیک طرف ایک پاؤں اور ایک ہاتھ ہوتا ہے۔ اور پرندوں سی چونچ رکھتے اور وہ جانوروں کی طرح گھاس چرتے ہیں۔ غور کیجئے ایسے لوگ اخیار و اولوالابصار سے کس طرح ہو سکتے ہیں۔ اس لئے ہم نے کہا کہ حقیقی انسان دُنیا سے رُخصت ہو گئے۔ اگر ہیں تو بہت تھوڑے حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

تنامی الصبر مذخلت — بمادی الاسد سرحان
وطار العقل اِذ غنی — بمعنی الورق غربان

ترجمہ : (۱) اب صبر کے سوا کیا ہو سکتا ہے جبکہ شیروں کی جگہ گدھ بیٹھ گئے
(۲) اور عقل چلی گئی۔ اب درختوں پہ کوے کائیں کر رہے ہیں

(۱) دریں ظلمت سرا تا کے بوئے دوست بنشینم — گہے انگشت در دنداں وگہ سر بر سر زانو
(۲) بیا اے طائر فرخ بیاور مژدہ دولت — عسی الایام ان یرجعن قوما کالذی کانوا

ترجمہ (۱) اس ظلمت کدہ دُنیا میں کب تک دوست کی خوشبو کے لئے منتظر رہوں گا کبھی اُنگلیاں مُنہ میں دباتا ہوں کبھی سر گھٹنوں پر رکھتا ہوں۔

(۲) اے مبارک پرندہ دولت کی خوشخبری لا۔ شاید کہ قوم کے لئے گزشتہ ایام واپس لوٹیں۔

یعنی اس طرق سے واپس لوٹیں جس طرح کہ وہ پہلے نظم و نسق سے زندگی بسر کرتے تھے۔

۝ قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلْ لِّلّٰهِ ۭ فرمائیے اے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہ کس کے لئے ہے جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔ فرمائیے اللہ کے لئے ہے اس میں اہل مکہ سے دلائل کا اعتراف کرایا جا رہا

marfat.ocm

ہے کہ وہ اقرار کریں کہ تمام عقلاء وغیر عقلاء اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ اور اسی کی ملک ہیں اور ان پر صرف وہی تصرف کر سکتا ہے گویا اُن سے سوال ہُوا کہ بتاؤ اے کافرو ایسے واضح دلائل کے باوجود اب بھی تمہیں اقرار ہے یا نہ جبکہ کسی کو انکار کی گنجائش ہی نہیں۔

سوال : اُن سے سوال کر کے جواب کا انتظار کئے بغیر خود ہی محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جواب دلا دیا۔

جواب : اس طرف اشارہ ہے کہ اس قسم کے سوال کا جواب خود بخود متعین ہوتا ہے۔ اسی لئے جواب کے انتظار کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بلکہ اس لئے ضروری ہوتا ہے کہ اُس کے لئے انتظار کئے بغیر فوراً جواب دیا جائے۔

كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ یہ مستقل جملہ ہے۔ یہ بھی قُل کے مقولہ میں داخل ہے۔ یہ اس لئے لایا گیا ہے تاکہ بتایا جائے کہ وہ کریم اپنے بندوں کے لئے بہت بڑا مہربان ہے اور اُن پر سزا کے لئے عجلت نہیں کرتا بلکہ اُن کی توبہ بہت جلد قبول کر لیتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے تو وہ فوراً اپنے دامن رحمت میں لے لیتا ہے اور اپنے نفس پر رحمت لکھ دینے کا مطلب یہ ہے کہ اُس نے اپنے فضل وکرم سے التزام کیا ہُوا ہے کہ وہ اپنے بندوں پر رحمت فرمائے۔ یہ معنی اس لئے کہا گیا ہے کہ اُس کی ذات اس سے منزہ ہے کہ اس پر کوئی شئے واجب ہو۔

فائدہ : لفظ ذات کے بجائے نفس کا اطلاق اس لئے فرمایا تاکہ اس کا رد ہو جو کہتا ہے کہ لفظ نفس کا اطلاق ذات حق کے لئے ناجائز ہے۔

لَیَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ،، البتہ قیامت میں جمع کرے گا۔ یہ قسم محذوف (واللہ) کا جواب ہے۔ یعنی قبروں میں سے اُٹھا کر قیامت میں جمع کرے گا۔ تاکہ تمہیں شرک اور باقی تمام گناہوں کی سزا دے۔ اگرچہ اُس نے اپنی رحمت کی وجہ سے اب تمہیں مُہلت دے رکھی ہے اور تمہارے ساتھ وہ معاملہ نہیں کیا جو عموماً دُنیا میں سزا دینے کا کیا جاتا ہے۔ **لَا رَیْبَ فِیْهِ ؕ** ،، اس میں کوئی شک نہیں۔ یعنی قیامت کا دن یا تمہارے جمع کرنے میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں۔ **اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ** ،، وہ لوگ کہ جنہوں نے اپنے نفسوں کو گھاٹے میں ڈالا کہ اپنے راس المال یعنی فطرت اصلیہ اور عقل سلیم کو ضائع کر دیا۔ موصول اپنے صلہ سے مل کر مبتدا اور اس کی خبر ہے۔ **فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ** (پس وہ ایمان نہیں لائیں گے) یہ فاء جزائیہ ہے اس لئے کہ مُبتدا شرط کے معنی کو متضمن ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ ان کا ایمان نہ لانا اُن کے خسارہ اور گھاٹے کی وجہ سے ہے اس لئے کہ اُنھوں نے اپنے عقل کو حواس اور وہم کے تابع کر کے تقلید مذموم میں منہمک ہو کر اور نظر وفکر کو غفلت میں ڈال کر ضائع کر دیا۔ اس لئے کہ وہ کُفر کے گڑھے میں جا گرے اور ایمان کی دولت سے محروم ہو کر رحمت خاصہ کے دائرہ سے خارج ہو گئے۔

فائدہ : قاضی بیضاوی نے فرمایا کہ یہاں پر رحمت سے رحمت عامہ مُراد ہے۔ یعنی وہ رحمت جو دارین کو شامل ہو منجملہ اُس کے ہدایت الی المعرفت اور العلم بتوحید اور انزال الکتب اور الامہال علی الکفر بھی ہے۔

marfat.ocm

فائدہ : تفسیر کاشفی میں ہے کہ اس سے رحمت ذاتیہ جسے رحمت مطلقہ کہا جاتا ہے اور وہ رحمت ہے جو ہر ایک کو پہنچے اور بے مانگے ہر ایک کو ملے نہ ہی مستحق و غیر مستحق کو دیکھے۔ چنانچہ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) در عدم ما مستحقاں کے بُدیم ٭ کہ بریں جان و بریں دانش زدیم لہ
(۲) مانبودیم و تقاضا مانبود ٭ لطف تو ناگفتہ ما مے شنود

ترجمہ (۱) ہم عدم میں اس کے کب مستحق تھے کہ ایسی جان و دانش حاصل کرتے۔

(۲) ہم نہ تھے اور نہ ہی ہمیں ایسے تقاضے تھے تیرے لطف و کرم نے ہمارے سوال کے بغیر ہماری بات سُن لی۔

حدیث شریف : حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سو اجزاء ہیں ان میں ننانوے اجزاء اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاں رکھے ہیں اور باقی صرف ایک زمین پر نازل کیا گیا۔ اسی ایک جز سے تمام مخلوق رحم کرتی ہے۔ یہاں تک کہ پرندے اپنے گھونسلے اونچے رکھتے ہیں اور وہاں پہنچ کر بچوں کو دانہ دُنکا کھلاتے ہیں تو بھی اسی رحمت سے (**سبق**) اس سے مومن کو بشارت و رجا ہے کہ دُنیا میں اُس کی رحمت کی یہ شان ہے کہ بہت بڑے انعامات و کرامات سے ہمیں نوازا جا رہا ہے اور نہ صرف ظاہری نعمتوں سے بلکہ اس کی باطنی نعمتیں بھی بے بہا ہیں۔ پھر اندازہ کیجئے کہ باقی ننانوے رحمت کے حصص جو صرف آخرت کے لئے ہیں مخصوص کئے گئے ہیں ان کا کیا حال ہوگا۔

حکایت : حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں چند قیدی لائے گئے۔ ان میں ایک عورت تھی جو اپنے بچے سے بچھڑ گئی جس نے وش بسیار کے بعد اپنے بچے کو پالیا اور اُسے جلدی سے اُٹھا کر اپنے پستانوں سے لگا لیا۔ اس کی حالت دیکھ کر حضور ی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فرمایا بتاؤ کیا یہ عورت اپنے بچے کو عمداً آگ میں ڈالے گی۔ ہم نے عرض کی نہیں بلکہ جہاں تک ے قدرت ہوگی اپنے بچے کو آگ سے بچانے کی کوشش کرے گی۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پہ اس عورت ے زیادہ رحیم و کریم ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) آتش از قہر خدا خود ذرہ ایست ٭ بہر تہدید لئیمان درہ ایست
(۲) باچنیں قہرے کہ زفت و فائقت ٭ برو لطفش بیں بروے سابقست
(۳) رحمت بیچوں چنیں دان اے پدر ٭ ناید اندر وہم از وے جز اثر

ترجمہ : (۱) آگ تو اس کے قہر کے آگے ایک ذرہ ہے نالائقوں کے لئے ایک کوڑا ہے۔

(۲) ایسے قہر و غضب کے باوجود کہ وہ غالب ہے لیکن اس کی رحمت اس پہ سابق ہے۔

(۳) اے بزرگ اس کی رحمت کو یوں جان کہ وہ حد و حساب سے باہر ہے نہ اس کا کوئی نشان ہے۔

marfat.ocm

لطیفہ : حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر نے فتوحات مکیہ شریف میں لکھا ہے۔ آیت رحمت صرف بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِؕ » ہے اور یہ آیت ہزار معانی کو متضمن ہے۔ اِس کا ہر معنیٰ عرصہ دراز کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ سالک پر لازم ہے کہ اس کے جمیع معانی کو حاصل کرے۔ اس لئے کہ جس پر جو معنےٰ کھلتا ہے۔ اس پر اُسی قدر حقیقت واضح کردی جاتی ہے اس لئے اس اُمت کے ایک ایک فرد کے لئے ایک ہزار سال عمر ضروری تھی " اے اللہ ہمیں اس وقت اپنی رحمت کی آغوش میں لے لے (جب انسان پسینہ پسینہ ہو جائے گا اور آہ و فغان کا شور ہوگا اور ہم پر ہمارے دوست روئیں گے اور طبیب ہماری زندگی سے مایوس ہو جائے گا) یعنی خاتمہ ایمان پر ہو اور ہمارے حال پر رحم فرما (جب ہمیں مٹی سے چھپائیں گے اور ہم سے دوست الوداع کرکے واپس لوٹیں گے اور دنیوی نعمتیں ہم سے منقطع ہو جائیں گی اور دُنیا کی ہوائیں ہم سے بند ہوں گی) یعنی جب ہم قبر میں دفنائے جائیں تو اپنے فضل و کرم سے ہمیں قبر کے عذاب سے بچانا۔ اے اللہ رحم فرما جب ہمارا نام مٹ جائے گا۔ اور ہمارا جسم چُورا چُورا ہو جائے گا اور ہماری قبر کے نشانات بھی ختم ہو جائیں گے اور ہمیں یاد کرنے والا بھی کوئی نہ ہوگا یعنی برزخی زندگی بخیر و خوبی گزرے " اے اللہ ہمارے حال پر رحم فرما جبکہ راز کھل جائیں اور دِل کی باتیں سامنے آجائیں اور ہر ایک کا عمل نامہ کھل جائے گا اور ترازوئے عمل نصب کیا جائے۔ اَللّٰهُمَّ یَاحَیُّ یَا قَیُّوْمُ یَارَحْمٰنُ یَارَحِیْمُ بِرَحْمَتِكَ نَسْتَعِیْن »، یہ تمام مناجات حضرت الشیخ الاکبر محی الدین صاحب فتوحات مکیہ (قدس سرہ) کی ہے اور حق یہ ہے کہ یہ بہترین اور عمدہ ترین مناجات ہے۔

تفسیر عالمانہ ۱۲ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِی الَّیۡلِ وَالنَّهَارِؕ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے وہ جو رات و دن میں ساکن ہے۔ (**شانِ نزول**) مروی ہے کہ کفار مکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو فقر و فاقہ نے تنگ کر رکھا ہے۔ اس وجہ سے آپ ہمیں نئے دین کی دعوت دیتے ہیں۔ ہم آپ کے لئے بڑے دُور کے علاقوں اور اپنی طرف سے بہت بڑا چندہ کر دیتے ہیں۔ اس طرح سے آپ دُنیا کے امیر ترین انسانوں سے گِنے جائیں گے لیکن مہربانی فرمائیے کہ آپ ہمیں اس نئے دین کی دعوت نہ دیجئے۔ اُس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس کا مطلب یہی ہے کہ جو کچھ رات اور دن میں مستقر ہے اور جن پر یہ دونوں مشتمل ہیں وہ تمام اللہ تعالیٰ کا ہے اگر وہ چاہے تو اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو دُنیا سے مالا مال کر دے اور وہ تمام مخلوق سے غنی ترین ہوں۔

سوال : رات اور دن میں تو کوئی نہیں ٹھہرتا، بلکہ مکان میں ٹھہرا جاتا ہے۔

جواب : مجازاً مکان کے بجائے زمان کا استعمال کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ اشیائے زمانیہ کو اشیاء مکانیہ کے قائم مقام کھڑا کیا جا سکتا ہے۔ " وَهُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ۝ اور وہ ہر مسموع شئے کو بہت زیادہ سُنتا ہے اور وہ ہر معلوم شئے کو بہت جانتا ہے۔ نہ اس کے ہاں کسی کے اقوال مخفی ہیں نہ افعال۔

marfat.ocm

فائدہ : اللہ تعالیٰ نے دُنیا میں دو جوہر پیدا فرمائے ہیں۔ (۱) ظلمانی (۲) نورانی۔ ہر نور والی شئی کو اِس جوہر سے خلاصہ کے طور لیا گیا۔ یہ دن اسی خلاصہ کردہ جوہر سے ہے۔ اس کے بقایا سے پیدا کی گئی۔ اسی طرح ظلمانی جوہر کے خلاصہ سے ظلمانی اشیاء لی گئیں۔ انہیں میں سے رات ہے اس کے بقایا بہشت پیدا کی گئی۔ اس سے ثابت ہُوا کہ جنت اللیل سے اور نار جہنم النہار سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فطرتی طور رات انسان کو انس ہے اور محبین بھی رات کو چاہتے اور محبوبین بھی رات کے طالب ہیں۔ اس لئے وصل وصال رات رنگ لاتا ہے۔" (نکتہ) اللیل کو النہار پر مقدم کرنے میں یہی راز ہے کہ رات خدمتِ مولا کے لئے اور دن خدمتِ ق کے لئے۔ (لطیفہ) تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو معراج رات کو ہوئی اور وہ ایسی رات ہے کہ جس کی عبادت ار ماہ سے بہتر ہے اور دنوں میں سے کوئی دن ایسی بزرگی اور شرافت والا نہیں۔

فائدہ : ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ جب رات آتی تو وہ فرماتے "جَاءَ الْخَلْقُ الْاَعْظَمُ" اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی عظمت والی مخلوق تشریف لائی (اُن کا یہ مقولہ ات کی فضیلت پر دلالت کرتا ہے)

اعجوبہ : جسے رات کے اسرار و رموز سے بے خبری اور لاعلمی ہے اور اُسے اس کی مناجات کے مزے اور اُس کی خلوت و وحدت کے ذوق سے بے بہرگی ہے تو وہ رات پر دن کو رجیح دیتا ہے "۔ **فائدہ** : منقول ہے کہ ثعلب نحوی کہتے تھے وددت ان اللیل تصیر اللیل نہارًا تی لا تنقطع عنی اَصحابی کہ کاش رات بھی دن بن جاتی۔ تاکہ مجھ سے میرے دوست مجھ سے جدا نہ ہو جاتے س سے ثابت ہُوا کہ اُسے یہ حرص اس لئے تھا کہ رات نہ آئے بلکہ دن ہی دن ہو۔

(دیگر) اہل علم باعمل یعنی مجتہدین و دیگر محدثین و مفسرین وغیرھم رات کو دن پر ترجیح دیتے ہیں مثلاً امام اعظم ضی اللہ عنہ دن کو درس و تدریس میں مشغول رہتے اور رات کو بیدار رہتے ؎

ہر گنج سعادت کہ داد بحافظ
از یمن دُعائے شب و ورد سحری بود

ترجمہ : جتنا خزانے اللہ تعالیٰ نے حافظ کو عطا فرمائے یہ تمام دعائے شب اور ورد سحری کی برکت ہے۔

مسئلہ : تقریر مذکورہ سے معلوم ہُوا کہ رات دن سے افضل ہے۔

فائدہ : اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے لئے ایک فرشتہ پیدا فرمایا جو اس کے لئے نگرانی وغیرہ کے لئے ساتھ رہتا ہے۔ اسی طرح رات اور دن کے لئے بھی ایک فرشتہ مقرر ہے (حدیث شریف میں ہے) سلمان فارسی ضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ رات کے لئے جو فرشتہ مقرر ہے اس کا نام شراحیل ہے جب رات قریب آتی ہے تو وہ ایک سیاہ منکہ لے کر مغرب کی جانب لٹکا دیتا ہے جب سُورج اس منکے کو دیکھتا ہے تو اس طرف آنکھ جھپکنے سے پہلے پہنچ جاتا ہے اور اسے حکم ہے کہ جب مغرب کی طرف ڈوبے تو وہ سیاہ منکے کو لٹکا دے جب

marfat.ocm

سُورج غرب کرتا ہے تو رات اپنے پَر پھیلاتی ہے (جس پر فرشتے نے دو پر پھیلائے ہوئے ہیں اور وہی منکہ لٹکا رہا ہے) یہاں تک کہ دن کا مؤکل فرشتہ آتا ہے جس کا نام ھراحیل ہے وہ سفید منکہ لاتا ہے جو طلوع شمس کی جگہ پر جا کر لٹکا دیتا ہے۔ جب اُسے سُورج دیکھتا ہے تو وہاں آنکھ جھپکنے سے پہلے پہنچ جاتا ہے اور اسے حکم ہے کہ جب سفید منکہ نظر آئے تو اس وقت مشرق میں پہنچ جائے۔ جب سُورج طلوع کرتا ہے تو دِن فرشتے کے دو پَروں کے نیچے اپنا نُور پھیلا دیتا ہے۔ اس سے معلوم ہُوا کہ دن کے لئے بھی ایک فرشتہ مقرر ہے اور رات کے لئے بھی یعنی طلوع و غروب فرشتے کے ذریعے ہوتا ہے جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔

تفسیرِ عالمانہ

۱۴ قُل ،، اے پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کفار مکہ سے فرمائیے۔

شانِ نزول : یہ آیت اُس وقت نازل ہُوئی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کفارِ مکہ نے شرک اور اپنے آباء کے دین کی دعوت دی تو یہی آیت اُتری۔ اَغَیْرَ اللّٰہِ اَتَّخِذُ وَلِیًّا ،، کیا اللہ تعالیٰ کے غیر کو مستقل بالاشتراک معبود بناؤں۔ حالانکہ ازل سے ہی مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنا حبیب بنایا۔

حدیث شریف میں ہے : لَوْ کُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِیْلًا غَیْرَ اللّٰہِ لَاتَّخَذْتُ اَبَا بَکْرٍ خَلِیْلًا وَلٰکِنِ اللّٰہُ اتَّخَذَ صَاحِبَکُمْ خَلِیْلًا ،، اگر میں غیر اللہ کو خلیل بناتا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے خلیل ہوتے۔ ہاں میرے اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خلیل بنایا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہُوا کہ میں نے غیر اللہ کو خلیل یعنی معبود نہیں بنایا۔ آیت و حدیث میں اس کا انکار ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غیر اللہ کو معبود بنانے والے نہیں (اس کا وہ مطلب نہیں جو وہابیوں دیوبندیوں نے سمجھا کہ کسی کو ولی بھی نہ بناؤ)

فائدہ : مفعول کی تقدیم اس لئے ہے کہ نفی کا دارومدار اسی پر ہے۔

فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ،، وہ آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والا ہے یعنی اُن کی پیدائش کی مثال پہلے نہیں تھی۔ یہ جملہ لفظ اللہ (جَلّ جلالہ) سے بدل ہے۔ وَھُوَ یُطْعِمُ وَلَا یُطْعَمُ ط ،، مخلوق کو رزق پہنچاتا ہے۔ رزق کا محتاج نہیں۔

سوال : آیت میں لفظ طعام واقع ہے اور تم نے رزق کا معنیٰ کہاں سے نکال لیا۔

جواب : مقصد رزق ہی ہے، لیکن چونکہ انسان وغیرہ کو اُس کی حاجت سخت تر ہوتی ہے۔ اس لئے صرف اسی کا نام لیا گیا ذکر الخاص بارادۃ العام کے قبیل سے ہے۔

قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ مَنْ اَسْلَمَ ،، فرمائیے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کہ بے شک میں مامُور من اللہ ہوں کہ ہو جاؤں میں سب سے پہلا اسلام لانے والا یعنی میں اپنا منہ اس کی طرف پھیر دوں اور مخلص ہو کر اور آپ کے لئے اوّلیت کی قید اس لئے ہے کہ آپ اپنی تمام اُمت کے امام ہیں۔ وَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝

marfat.ocm

اور مجھے کہا گیا کہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہ ٹھہراؤں امور دینیہ میں سے کسی امر میں۔ خلاصہ یہ کہ مجھے اسلام کا حکم ہے اور شرک سے روکا گیا۔

صوفی کا اسلام ،، اسلام کی حقیقت یہ ہے کہ وجود کی تمام قیدوں سے فارغ ہو جانا ہے اور یہ حضرت حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے (قیامت میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام نفسی نفسی پکاریں گے۔ آپ اُمتی اُمتی فرمائیں گے۔

قُلْ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ ،، فرمائیے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کہ اپنے رب کے امر و نہی کی مخالفت کر کے اگرچہ معمولی گناہ سے بھی بے فرمانی کروں ڈرتا ہوں۔ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ○ بہت بڑے دن کے عذاب سے۔ اس سے قیامت کے دن کا عذاب مُراد ہے اور عذاب یوم عظیم ،، اخافُ کا مفعول بہ ہے۔
اس میں کفار کو بتایا جا رہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے دین کے داخلہ کی کوئی اُمید نہ رکھیں بلکہ اپنی خیر منائیں کہ انہیں بہت بڑے عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ مَنْ یُّصْرَفْ عَنْهُ یَوْمَئِذٍ ،، یُصْرَفْ یَوْمَئِذٍ کا ظرف ہے یعنی جسے اس بہت بڑے دن میں عذاب ہٹایا جائے گا۔ فَقَدْ رَحِمَهٗ ،، تو ہر ایک کو یقین ہو جائے گا کہ اس پر اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا ہے۔ یعنی اپنے فضل و کرم سے اسے عذاب سے نجات دے کر بہت بڑی نعمتوں سے نوازا ہے۔ وَذٰلِكَ ،، اور اس سے عذاب ہٹا لینا۔ اَلْفَوْزُ الْمُبِیْنُ ○ اس بندے کے لئے بہت بڑی کامیابی ہوگی یعنی اُسے نجات نصیب ہو گئی ○۱۵ وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ اور اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کوئی دُکھ اور درد پہنچائے یہ دُوسری دلیل ہے۔ اس معنی کے لئے کہ سمجھدار پر لازم ہے کہ مصیبت اور مرض وغیرہ میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی دُوسرے کو حقیقی اور مستقل بالذات مشکل کُشا نہ سمجھے۔

فائدہ : بِضُرٍّ کی باء تعدیہ کی ہے۔ اس کا فارسی میں ترجمہ ہوگا ”اگر برساند خدا بتو سختی“،،

فَلَا كَاشِفَ لَهٗ ،، تو کسی کو قدرت نہیں کہ اس سختی اور دُکھ درد کو ٹال سکے یا دُور کر سکے۔ اِلَّا هُوَ ،، سوائے اس اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ کے وَاِنْ یَّمْسَسْكَ بِخَیْرٍ ،، اور اگر وہ پہنچائے بھلائی یعنی تندرستی اور نعمت وغیرہ وغیرہ۔ فَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○ تو وہ ہر شئی پہ قادر ہے اس لحاظ سے کہ وہ اس شئی کی نگرانی اور اُسے کسی کو دائمی طور عطا کرنے کی بھی قدرت رکھتا ہے۔ پھر کسی کو یہ طاقت نہیں کہ اس سے وہ بھلائی چھین سکے یا ہٹا سکے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دُوسرے مقام پر فرمایا فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ۔

حکایت : سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں کسریٰ نے ہدیہ کے طور ایک خچر بھیجا۔ اُس کے مُنہ میں لگام دے کر آپ اُس پر سوار ہوئے تو مجھے بھی ساتھ بٹھا لیا۔ تھوڑی دیر چلے تھے تو میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اے عزیز اگر

marfat.ocm

اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کروگے تو اللہ تعالیٰ کو ہر مقام پہ اپنا محافظ و نگران پاؤگے اور نعمتوں میں اللہ تعالیٰ کے حقوق کو مدِّ نظر رکھو گے تو دُکھ درد کے وقت اسے کریم و رحیم پاؤگے۔ اگر کسی شئی کی ضرورت ہو تو صرف اللہ تعالیٰ سے مانگو اگر مدد چاہیئے تو اللہ تعالیٰ سے چاہو اس لئے کہ جو کچھ ہونا تھا وہ قلم نے لکھ دیا؛ اگر تمام مخلوق مل کر تمہیں کسی معاملہ میں فائدہ پہنچانا چاہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو ارادہ نہیں تو تمہیں خس برابر بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتے اگر وہ مل کر تجھے نقصان پہنچانا چاہیں لیکن جسے اللہ تعالیٰ کے قلم نے تمہارے متعلق نہیں لکھا تو ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اگر ہو سکے تو یقین کو مدِّ نظر رکھ کر صبر پہ مُداومت کیجئے۔ اگر یقین کی دولت میسر نہیں تو صبر کا دامن نہ چھوڑیے اس لئے کہ دُکھ اور تکالیف کے وقت صبر کرنے میں بہت بڑے فوائد ہیں۔

رُوحانی فوائد (۱) فتح و نصرت صبر میں (۲) کُشادگی اور مُشکل کا حل ہونا دُکھ اور درد میں ہے اس لئے کہ ہر دُکھ کے ساتھ آرام و آسودگی ہے۔

سوال: کبھی انسان انسان سے دُکھ اور درد ٹال دیتا ہے اور تم کہتے ہو کہ مشکلکشا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں **(جواب)** مشکلکشا حقیقی اللہ تعالیٰ ہے باقی کسی سے تکالیف اور مصائب دُور ہوتے ہیں تو وہ اسباب و وسائل ہیں اُن میں کوئی حرج نہیں[1] (یہی ہم کہتے ہیں کہ انبیاء و اولیاء کو اگر مشکل کشائی اور حاجت روائی سے موصوف کیا جاتا ہے تو بوجہ وسائل و اسباب کے ہے جسے وہابیہ و دیوبندیہ نجدیہ تاحال نہیں سمجھے یا سمجھے ہیں تو ضد کر کے شرک کی مشین چلاتے ہیں) حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

اگر رنج پیشت آید وگر راحت اے حکیم ؏ نسبت مکن بغیر کہ اینہا خُدا کند

ترجمہ: اگر تجھے رنج پہنچے یا راحت سوائے خُدا کے کسی دُوسرے کی طرف منسوب نہ کر۔

ردِّ وہابیہ و دیوبندیہ از صاحبِ رُوح البیان

صاحبِ رُوح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ ولکن الاستعانۃ فی الحقیقۃ من اللہ فالاستعانۃ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ وَ اَوْلِیَاءِ اِنَّمَاھِیَ استشفاعٌ مِنْھُمْ فی قضاء الحاجۃ والموحد لا یعتقد ان فی الوجود موثر غیر اللہ تعالیٰ" استعانت بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے۔ انبیاء اور اولیاء سے استعانت بمعنیٰ اُن سے شفاعت طلب کرنے کے معنیٰ میں ہے کہ اپنی ضرورت کے وقت انہیں وسیلہ بنایا جاتا ہے ورنہ حقیقتاً استعانۃ تو اللہ تعالیٰ سے ہے اس لئے موحد کا اعتقاد یہی ہے کہ ہر شئی مؤثر صرف اللہ تعالیٰ ہے[2]۔

[2] بحمدہ تعالیٰ یہی طریقہ اہلسنت کو نصیب ہے کہ مانگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے۔ مدد چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے انبیاء و اولیاء کو اُس کی درگاہ کا وسیلہ مانتے ہیں اور انہیں وسیلہ بنانا عین اسلام ہے۔ ۱۲۔ اویسی غفرلہ

---

[1] یہ ہیں صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ جو ۱۰۔ ۱۱ صدی میں ہم اہلسنت کے حق میں فیصلہ دے گئے جسے آج وہابی، دیوبندی، نجدی شرک کہنے سے نہیں تھکتا۔ ۱۲ اویسی غفرلہ

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ ﴿ وَهُوَ الْقَاهِرُ ﴾ اور اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ اسے کوئی شئی عاجز نہیں کر سکتی اور وہ سب پر غالب ہے۔ ﴿ فَوْقَ عِبَادِهٖ ﴾ ﴿ وَهُوَ الْحَكِيْمُ ﴾ اپنے بندوں پر غلبہ رکھتا ہے اور وہ حکیم ہے کہ اپنی حکمت سے جس طرح کرتا اور حکم فرماتا ہے۔ ﴿ الْخَبِيْرُ ۝ ﴾ اور اپنے بندوں کے حالات سے باخبر ہے اور اُن کے پوشیدہ سے پوشیدہ امور کو جانتا ہے۔

سوال : اللہ تعالیٰ کے قہر اور علوشان کو فوقیت سے تعبیر فرمایا جو ایک حِسّی امر ہے، حالانکہ نہ اس کا قہر حسی ہے اور نہ علوشان۔

جواب : یہ استعارہ تمثیلیہ ہے جسے اہلِ علم جانتے ہیں اور ایسے مواقع پر اسے استعمال کرنا نہایت درجہ کی بلاغت سمجھی جاتی ہے۔

فائدہ : وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ سے کمال قدرت کا اظہار مطلوب ہے جیسے وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ سے کمال علم کا اظہار مقصود ہے۔

فائدہ : قناری رحمہ اللہ الباری نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہاں فوقیت سے قدرت کی حیثیت مطلوب ہے نہ کہ فوقیت مکان کی حیثیت مُراد ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو مکان کی نسبت سے مُنزہ ماننا ضروری ہے[1]۔ اس لئے کہ اس کو تمام ممکنات پر غلبہ ہے وہ معدومہ ہوں یا موجودہ اس لئے کہ اُن کے ہر فرد پر اسے قہر و قدر کی قدرت ہے مثلاً معدومات کو موجود کر سکتا ہے اور موجودات کو معدُوم۔

تفسیر صُوفیانہ : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قہر تمام بندوں کو حاوی ہے کفار پر قہر کا یہ معنےٰ ہے کہ اُن کے قلوب پر موت طاری کر دی اور اُن کے نفوس کو حیات بخشی۔ جبکہ ابتدائے آفرینش میں اللہ تعالیٰ نے ایک نُور کا چھینٹا ارواح پر مارا۔ اس وقت کفار کی رُوحیں ظلمات طبیعت میں بھٹکتی رہیں اور نُور کے چھینٹے سے محروم ہو گئیں جنہیں نُورِ شریعت سے یکسر دُور رکھا گیا اور مومنین کے ارواح پر انوار شریعت سے اسے غلبہ ہے کہ قیام طاعت کی وجہ سے انہیں ظلماتِ طبعیہ سے نکال لیا اور محبین یعنی عُشاق پر غلبہ کا یہ معنیٰ ہے کہ اُن کے قلوب پر اشتیاق دیدار کی چنگاری ڈال دی اور پھر انہیں اپنے مشاہدہ کے لُطف سے مانوس فرمایا اور صدیقین کے ارواح پر غلبہ کا یہ معنیٰ ہے کہ اُن پر صفات جلالیہ کے تجلیات ڈالے اس وجہ سے صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ سوائے ذاتِ حق کے اور کسی کو نہ دیکھے اور اُس کے عزت کے جھنڈوں کے تلے نہایت عجز و انکسار سے مغلوبیت کا مظاہرہ کرے بلکہ اس کی صمدیت کے میدانوں میں اپنے آپ کو ذرّہ بیقدار بنا دے۔

---

[1] لیکن غیر مقلدین وہابیہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کو عرش پر بیٹھا ہُوا ماننا واجب ہے اور اس کے برعکس عقیدہ کو بدعت سیئہ سے تعبیر کرتے ہیں (ایضاح اسماعیل الدہلوی و فتاویٰ ستاریہ وغیرہ)

marfat.ocm

سبق : سالک پر لازم ہے کہ وہ اپنے مولا کو پہچانے اور صرف اس کی عبودیت میں مشغولیت رکھے اس لئے کہ اُس کا مولیٰ وہ ہے جس نے ہر شئ کو عدم سے وجود بخشا اور سب پر اُسی کا غلبہ ہے۔

حکایت : حضرت شیخ عبدالواحد بن زید قدس سرہ نے فرمایا کہ میں ایک سفر میں بحری جہاز پر سوار تھا کہ بادِ مخالف نے ہمیں ایک جزیرے میں پھینک مارا۔ وہاں ایک بُت پرست بُت کے سامنے عبادت کر رہا ہے ہم نے اس سے پُوچھا اے بھائی کس کی عبادت کر رہے ہو۔ اُس نے بُت کی طرف اشارہ کیا ہم نے کہا یہ تیرا معبود مصنوعی ہے۔ ہم میں ہر ایک کو قدرت حاصل ہے کہ اس جیسا اور تیار کر لے وہ بھی کوئی معبود ہے کہ جس کا وجود مخلوق کے رحم و کرم پر ہو اُس نے ہم سے سوال کیا کہ تم کس کی عبادت کرتے ہو۔ ہم نے جواب دیا ہم اس کی عبادت کرتے ہیں جس کا تخت آسمان پر اور اس کی گرفت زمین پر ہے۔ اُس کا حکم تمام زندوں اور مُردوں پر برابر چلتا ہے اس کے اسمار تقدس اور عظمت و کبریائی بہت بُلند ہے۔ اُس نے پوچھا اس کی تمہیں کس نے خبر دی۔ ہم نے کہا اُس نے ہمارے ہاں ایک رسُول کریم علیہ السلام بھیجا جس نے ہمیں اس کی خبر دی ہے۔ پھر اُس نے پُوچھا تمہارے رسُول علیہ السّلام پر کیسی گُزری۔ ہم نے کہا اللہ تعالیٰ نے موت کا فرشتہ بھیج کر انہیں اپنے ہاں واپس بُلا کر بہت بڑے انعامات سے نوازا اُس نے پوچھا تمہارے رسُول علیہ السّلام کے چلے جانے کے بعد تمہارے ہاں اُن کی کوئی نشانی بھی ہے۔ ہم نے کہا ہاں وہ ہمارے رب کی دی ہُوئی کتاب چھوڑ گئے ہیں۔ اُس نے کہا تو مجھے وہ کتاب دکھاؤ (جو تمہارے رب تعالیٰ نے تمہارے نبی علیہ السّلام کو دی اور وہ تمہارے ہاں چھوڑ گئے کیونکہ بادشاہوں کی کتابیں نہائت ہی برتر ہوتی ہیں) ہم نے اُس کے سامنے کتابِ الٰہی کی ایک سُورۃ پڑھی۔ وہ ختم سورۃ تک اُسے غور سے سُنتا رہا۔ اختتام پر کہنے لگا کہ ایسے صاحب کے کلام کی نافرمانی نامناسب ہے۔ یہ کہہ کر اسلام قبول کر لیا اور بحمدہ تعالیٰ تادمِ زیست اسلام پر قائم رہا اور اسلام پر اُس کی موت واقع ہُوئی اور اُس کا خاتمہ نہائت ہی احسن طریق سے ہُوا۔

تفسیر عالمانہ : قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً ط (شانِ نزول) مروی ہے کہ مکہ کے قریشیوں نے آپ سے کہا کہ ہم نے آپ کے یہود و نصاریٰ سے پُوچھا تو اُن کا خیال ہے کہ اُن کے ہاں آپ کے متعلق کوئی معلومات نہیں۔ اور نہ ہی آپ کے متعلق اُن کی کتابوں میں کسی قسم کے علامات ہیں۔ اب آپ سے سوال ہے کہ ہمیں اپنی رسالت پر کوئی ایسی شہادت پیش کریں جس سے ہمیں یقین ہو کہ واقعی آپ اللہ تعالیٰ کے رسُول ہیں ورنہ اُنھوں نے تو آپ کے متعلق انکار کیا ہے۔ اُس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم فرمایئے کہ باعتبار شہادت کے کس کی گواہی بڑی ہے۔

قُلِ اللّٰهُ ، فرمایئے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کہ اللہ تعالیٰ کی گواہی سب سے بڑی ہے اور مخلوق میں سے کوئی گواہی اُس کی گواہی کا مقابلہ نہیں کر سکتی اس لئے کہ مخلوق کی شہادت اور اُن کے علوم حقائق اشیاء کا احاطہ

marfat.ocm

نہیں کر سکتے اور حق سبحانہ تعالیٰ کا علم جمیع اشیاء کے حقائق کو محیط ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے سوال مذکور کے جواب میں اپنے محبوب علیہ السّلام کو جواب کے لئے منتخب فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ اس سوال کے جواب کی نہ قدرت انہیں ہے اور نہ وہ اس کے جواب کے لائق ہیں بلکہ اس کے جواب کی صلاحیت صرف محبوب کردگار صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔

شَهِيدٌ ، وہی گواہ ہے۔ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ، میرے اور تمہارے مابین وَأُوحِيَ إِلَيَّ ، اور اس کی طرف سے میرے ہاں وحی آئی ہے۔ هٰذَا الْقُرْآنُ ، یہی قرآن میری رسالت کی صحت پر شاہد ہے۔ لِأُنْذِرَكُمْ بِهِ ، تاکہ میں اسی کے ذریعے تمہیں ڈراؤں یعنی اس کے اندر جو وعیدیں ہیں تمہیں اے موجودہ کافرو ڈراؤں۔

وَمَنْ بَلَغَ اس کا عطف كُمْ ، مخاطبین کی ضمیر پر ہے یعنی اسے ڈراؤں جس انسان کو قیامت تک جن کے ہاں یہ قرآن پہنچے۔ **(فائدہ)** حضرت محمد بن کعب القرظی نے فرمایا مَنْ بَلَغَ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کے ہاں قرآن پہنچا گویا اس نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور ان سے گویا براہ راست قرآن سنا۔

أَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُونَ ، اس سے ان سے اعتراف کرانا مطلوب ہے کہ واقعی وہ مشرک ہیں اس لئے کہ انہیں اس سے انکار کی گنجائش ہی نہیں جبکہ وہ اس عمل میں بہت بڑی شہرت رکھتے ہیں اور یہ استفہام انکاری اور توبیخی ہے۔ اس کا ترجمہ ہے کیا تم وہی ہو جو گواہی دیتے ہو۔ أَنَّ مَعَ اللّٰهِ آلِهَةً أُخْرَىٰ ، بے شک اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے اور معبود ہیں۔ قُلْ ، اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرمائیے لَا أَشْهَدُ ، میں تو گواہی نہیں دیتا (اگرچہ تم اس کی گواہی دے رہے ہو لیکن وہ باطل محض ہے)

قُلْ إِنَّمَا هُوَ إِلٰهٌ وَاحِدٌ (فرمائیے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کہ بے شک صرف وہی ایک معبود ہے) لفظ قُلْ کا بار بار لانا محض تاکید کے لئے ہے۔ یعنی تم شرک کی گواہی دیتے رہو لیکن میں تمہارا ساتھ نہیں دیتا بلکہ میرا تو عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں وہی منفرد بالالوہیت ہے۔

وَإِنَّنِي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ ○ اور جن بتوں کو تم اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو اس سے میں بری الذمہ ہوں۔ اَلَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ ، وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب دی۔ ان کے سابق سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ تھا کہ کافروں نے کہا کہ ہم نے اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے بارے میں یہود و نصاریٰ سے پوچھا ہے تو ایسے ویسے کہتے ہیں۔ اب ان کے سوال کا تفصیلی جواب ہے۔ اَلَّذِينَ سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں اور الکتاب سے جنس کتاب مراد ہے جس میں تورات و انجیل بھی شامل ہے۔ يَعْرِفُونَهُ ، وہ حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارکہ اور آپ کے جملہ صفات سمیت اپنی کتاب سے جانتے ہیں۔ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ ، جیسے وہ اپنے بیٹے کو حلیے سمیت جانتے ہیں۔

حدیث شریف : جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف

بقیہ صفحہ ۲۰۱

marfat.ocm

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيٰتِهٖ ۗ إِنَّهٗ لَا
اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیتیں جھٹلائے بے شک

يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٢١﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ أَشْرَكُوْا أَيْنَ
ظالم فلاح نہ پائیں گے اور جس دن ہم سب کو اٹھائیں گے پھر مشرکوں سے فرمائیں گے کہاں ہیں تمہارے

شُرَكَاۗؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿٢٢﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ
وہ شریک جن کا تم دعویٰ کرتے تھے پھر ان کی کچھ بناوٹ نہ رہی مگر یہ کہ بولے ہمیں اپنے رب

رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿٢٣﴾ أُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا
اللہ کی قسم کہ ہم مشرک نہ تھے دیکھو کیسا جھوٹ باندھا خود اپنے اوپر اور گم گئیں ان سے جو باتیں

كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٢٤﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ إِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ
بناتے تھے اور ان میں کوئی وہ ہے جو تمہاری طرف کان لگاتا ہے اور ہم نے ان کے دلوں پر غلاف کر

يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ وَإِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ حَتّٰٓى إِذَا
دیئے ہیں کہ اسے نہ سمجھیں اور ان کے کان میں ٹینٹ اور اگر ساری نشانیاں دیکھیں تو ان پر ایمان نہ لائیں گے یہاں

جَاۗءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا إِنْ هٰذَآ إِلَّآ أَسَاطِيْرُ الْأَوَّلِيْنَ ﴿٢٥﴾
تک کہ جب تمہارے حضور تم سے جھگڑتے حاضر ہوں تو کافر کہیں یہ تو نہیں مگر اگلوں کی داستانیں

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَإِنْ يُّهْلِكُوْنَ إِلَّآ أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٦﴾
اور وہ اس سے روکتے اور اس سے دور بھاگتے ہیں اور ہلاک نہیں کرتے مگر اپنی جانیں اور انہیں شعور نہیں

وَلَوْ تَرٰٓى إِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا
اور کبھی تم دیکھو جب وہ آگ پر کھڑے کیے جائیں گے تو کہیں گے کاش کسی طرح ہم واپس بھیجے جائیں اور اپنے رب کی

وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢٧﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ۖ وَلَوْ
آیتیں نہ جھٹلائیں اور مسلمان ہو جائیں بلکہ ان پر کھل گیا جو پہلے چھپاتے تھے اور

رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿٢٨﴾ وَقَالُوْٓا إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا
اگر واپس بھیجے جائیں تو پھر وہی کریں جس سے منع کیے گئے تھے اور بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں اور بولے وہ تو یہی ہماری

الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿٢٩﴾ وَلَوْ تَرٰٓى إِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ قَالَ أَلَيْسَ
دنیا کی زندگی ہے اور ہمیں اٹھنا نہیں اور کبھی تم دیکھو جب اپنے رب کے حضور کھڑے کیے جائیں گے فرمائے گا

هٰذَا بِالْحَقِّ ۚ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۚ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ
کیا یہ حق نہیں کہیں گے کیوں نہیں ہمیں اپنے رب کی قسم فرمائے گا تو اب عذاب چکھو بدلہ اپنے

تَكْفُرُوْنَ ۝

کفر کرو

بقیہ صفحہ ۴۶۹ لئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سلام سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہی آیت نازل فرمائی۔ بتائیں کہ آپ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنا جانتے ہیں۔ حضرت ابن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے عمر رضی اللہ عنہ میں نے جب سے انہیں دیکھا ہے تو مجھے ان پر اتنا یقین ہے جیسے اپنے بیٹے پر بلکہ اس سے بھی زائد اس لئے کہ مجھے عورتوں پر بھروسہ نہیں کہ نامعلوم میری عدم موجودگی میں کیا کیا ہو لیکن مجھے حضور علیہ السلام پر پختہ عقیدہ ہے کہ یقینی طور وہ نبی برحق ہیں (حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں نیکی کی توفیق بخشے)۔

اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ " اور وہ لوگ جنہوں نے اپنے نفسوں کو گھاٹے میں ڈالا۔ (اس سے اہل کتاب یہود و نصاریٰ اور مشرکین مراد ہیں) یعنی انھوں نے اللہ تعالیٰ کی فطرت کو ضائع کیا اور وہ آیات بینات (جو ایمان کا موجب ہیں) سے روگردانی کی۔ یہ اسم موصول اپنے صلہ سے مل کر مبتدا اور اس کی خبر **فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ** ۝ (وہ ایمان نہیں لائیں گے) ہے۔ اس لئے کہ ان کے دلوں پر مہر ثبت ہو چکی ہے فاء سببیہ ان کے فطرت سلیمہ کو ضائع کرنے پر دلالت کرتی ہے۔ (ف) اس سے ثابت ہوا کہ عقل سلیم بھی ان سے جاتا رہا۔ اسی لئے وہ ایمان قبول نہ کر سکے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے ہر آدمی کی بہشت میں ایک منزل اور ایک منزل جہنم میں متعین فرمائی ہے جب قیامت کا دن ہوگا تو اہل نار کے تمام منازل اہل جنت پر تقسیم ہوں گی یہی ان کے لئے سب سے بڑا خسارا ہے۔ (بغوی)

تفسیر عالمانہ: **وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا** (اس سے زیادہ ظالم اور کون ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا افتراء کرے) وہ لوگ دونوں کتابوں (تورات و انجیل) سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح تعریف کے خلاف غلط اوصاف عوام کو سناتے یہ بھی اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے اور یہ بھی کہتے کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں ہیں اور یہ بھی بتاتے کہ یہی ملائکہ قیامت میں ہماری سفارش فرمائیں گے وغیرہ وغیرہ۔ **اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ** ط (یا وہ اللہ تعالیٰ کے آیات کی تکذیب کرے) مثلاً انھوں نے قرآن مجید کو نہ مانا اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو جادو سے تعبیر کیا اور تورات کی تحریف کی اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف مبارکہ غلط سلط طریقے سے بتائے وغیرہ وغیرہ۔

فائدہ۔ افتراء و تکذیب کو لفظ اَوْ سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ یہ ہر دونوں ایک ہیں۔ چونکہ وہ ظلم میں

marfat.ocm

دیکھتا تھے اسی لئے اُسے افعل التفضیل سے تعبیر فرمایا جس کا اللہ تعالیٰ نے اثبات فرمایا اس کی اُنھوں نے نفی کی اور جس کی نفی اللہ تعالیٰ نے کی اس کا اُنھوں نے اثبات کیا۔ **اِنَّهٗ** بیشک شان یہ ہے **لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ** ۝ کہ ظالم تکالیف سے نجات اور مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ غور کیجئے کہ جب ظالم کا یہ حال ہے تو اظلم کا کیا حشر ہوگا۔

۲۰ **وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا** ،، یوم منصوب علی الظرفیہ اور فعل محذوف سے متعلق ہے اور اُسے محذوف اس لئے کیا گیا تاکہ معلوم ہو کہ وہ دن ہولناک ہے کہ اُس کے لئے شرح و بیان کی گنجائش نہیں۔ الحشر بمعنی لوگوں کو ایک جگہ معلوم پر جمع کرنا اور ضمیر ھُم تمام لوگوں کی طرف راجع ہے اور جمیعا ضمیر سے حال ہے اب معنیٰ یُوں ہوگا کہ قیامت کے میدان میں ہم تمام لوگوں کو جمع کریں گے۔ پھر برسرِ میدان عام مجمع میں مشرکوں کو زجر و توبیخ کرتے ہوئے قیامت کی ہولناکیوں اور تباہیوں سے انہیں باخبر کرکے کہیں گے۔ ثُم تراخی کے لئے ہے بایں معنیٰ کہ میدان قیامت کو طے کرنے کے لئے چند مقامات[1] پر منقسم کیا جائے گا اور ہر مقام پر بہت بڑے عرصہ تک ٹھہرنا پڑے گا کہ ہر پہلے موقف کی طرح دوسرے موقف پر وقت بسر کرنا ہوگا۔

اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ ،، تمہارے معبود کہاں ہیں جنہیں تم نے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا تھا یہ اضافت بیانیہ ہے اس اعتبار سے کہ اُنھوں نے اپنے معبودں کے لئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ثابت کیا۔ **الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ** ۝ جن کے متعلق تم گمان کرتے تھے کہ وُہی تمہارے معبود اور وہی بارگاہِ حق میں تمہارے شفیع ہوں گے۔ (**ف**) الزعم کا اکثر قول باطل اور کذب پر اطلاق ہوتا ہے ۲۱ **ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا** ،، اُن کا فتنہ صرف یہی تھا کہ وہ کہیں گے فتنہ ،، لم تکن کے اسم کی وجہ سے مرفوع اور خبر (اِلَّآ اَنْ قَالُوْا) اور اعم الاشیاء سے استثناء مفرغ ہے اور فتنہ سے کفر یعنی اس کا انجام مُراد ہے یعنی مدۃ العمر جو وہ کُفر میں ڈُوبے رہے اور اس پر انہیں فخر و ناز بھی تھا اُس کا انجام یہ ہوگا کہ قیامت میں اُلٹا اس سے انکار اور براءت کا اظہار کرتے ہوئے کہیں گے۔ **وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ** ۝ بخدا ہم تو مشرک نہیں تھے اُن کے جواب کو فتنہ سے تعبیر کیا۔ اس لئے کہ ان کا وہ جواب کذب محض تھا اور یہ عمدًا کہا ورنہ اُنہیں یقین تھا کہ وہ دُنیا میں شرک و کفر میں منہمک رہے یا حیرت یا مدہوشی میں کہیں گے۔ مثلاً دوزخ سے نکلنے کے لئے عرض کریں گے۔ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا ،، حالانکہ انہیں یقین تھا کہ وہ جہنم میں ہمیشہ تک رہیں گے ۲۲ **اُنْظُرْ** ،، اے پیارے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم دیکھئے۔ **كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ** ،، دُنیا میں اپنے شرک کے صدور کا انکار کرکے جھوٹ بولیں گے۔ ایسے وقت میں اُن کا جھوٹ بولنا عجیب ہے **وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ** ۝ اس کا عطف کذبوا پر ہے اور اُنظر کی خبر میں داخل ہے یعنی زائل اور باطل ہُوا۔ ان کا وہ افترا جو وہ بتوں کے بارے میں

---

[1] پچاس ہزار سال کا دن ہوگا ہر وقف ایک ہزار سال کا ہوگا ۱۲۔ (الواقح الانوار للشعرانی)

marfat.ocm

ہ رکھتے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں[1] ۔ اور اُن کا سفارشی ہونے کا گمان قیامت میں یکسر غلط ہو جائیگا

مسائل شرعیہ

(مسئلہ) آیت سے ثابت ہوا کہ لفظ شئے کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز ہے لیکن شئے بمعنی شائی ہونا ضروری ہے نہ بمعنی الشئی وُجُودُہٗ "، اس لئے کہ تعالیٰ کی صفت الشائی والمرید ہے ۔

مسئلہ : توحید کے اقرار کے بعد شرک سے بری ہونا بھی ضروری ہے ۔

فائدہ : حضرت مولانا الشہیر باخی چلپی مرحوم نے صدر الشریعۃ کے حواشی پر لکھا کہ یہود و نصاریٰ کے لام لانے میں شرط ہے کہ وہ یہودیت و نصرانیت سے بھی توبہ کریں ۔ اگرچہ بظاہر کلمہ شہادت ہزار بار بھی پڑھ اس لئے کہ وہ رسول اللہ کا ترجمہ یہ کرتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ان لوگوں کے لئے ہیں جو مسلمان ہیں ۔ ہود و نصاریٰ کے رسول نہیں ۔

مسئلہ : شرک سے بری ہونے کی شرط اُن کے لئے ہے جو دار الاسلام میں ہیں اور جو لوگ دارالحرب ہوں اگر اُن پر کوئی مسلمان حملہ کرے اور وہ اس حملہ پر کلمۂ شہادت پڑھ لیں اور کہیں ہم دینِ اسلام میں داخل یں یا کہیں ہم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر ہیں تو ان سے ایسے الفاظ سُن کر بلا شرطِ دیگر اُس کی بہ قبول کی جائے گی ۔

مسئلہ : المختصر میں ہے ایمان کے لئے اتنا کافی ہے کہ کوئی کہے جن اُمور کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے وہ سب کے سب مجھے منظور ہیں اور جن امور سے روکا ہے اُن سے بچتا رہوں گا جو شخص اِن دونوں باتوں ل سے مانے اور زبان سے اقرار کرے تو وہ یقیناً صحیح مومن ہے ۔

مسئلہ : جو مومن مسلمانوں کے علاقوں میں زندگی بسر کرتا ہے اور جب وہ اللہ تعالیٰ کے مصنوعات دیکھ کر سبحان اللہ کہہ دیتا ہے تو وہ معتقد ہیں (بفضلہ تعالیٰ یہی بات ہمارے ہر مسلمان سُنی حنفی کو حاصل ہے)

مسئلہ صوفیانہ : جیسے آباء اپنے ابناء کے وجود کے سرچشمہ اور اصل ہیں ایسے ہی اہلِ معرفت سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے وجود کا مُبداء و مصدر ہے کہ اُس کے وجود سے ی ان کا وجود ہے اگر وہ نہ ہوتا تو تمام معدوم ہی معدوم ہوتے ۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

(۱) در مکتبِ حقائق وپیش ادیبِ عشق
ہاں اے پسر بکوش کہ رُوزے پدر شوی

---

[1] اُن کا عقیدہ بتوں کے سفارشی بنانے کا اس لحاظ سے غلط نہیں تھا کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی بنانا حرام ہے س معنے میں غلط تھا کہ اُنھوں نے ایسی اشیاء کو خدا تعالیٰ کے ہاں سفارشی بنایا جو سفارشی ہونے کے اہل نہیں بلکہ ...... مغضوب و معتوب تھے حالانکہ سفارشی محبوبوں کو بنایا جاتا ہے جیسے انبیاء و اولیاء ۱۲ اویسی غفرلہ

marfat.ocm

(۲) خواب وخوارت ز مرتبۂ خویش دُور کرد   آنگہ رسی بخویش کہ بے خواب و خور شوی

ترجمہ : (۱) مکتب حقائق میں عشق ادب سکھانے والے کے سامنے جدوجہد کر ایک دن تو باپ ہوگا۔

(۲) تجھے خواب و خور خودی کے مرتبہ سے دور کر دیا جب تمہیں خودی کا مقام نصیب ہوگا تو خواب و خور کی تجھے ضرورت نہ رہیگی۔

نسخہ رُوحانی : مبدأ قدیم تک وصف حادث کے پُل کو عبور کرنے کے بعد پہنچنا پڑتا ہے۔ (مسئلہ) قیامت میں صرف ایمان، توحید، صدق، اخلاص ہی فائدہ پہنچائیں گے اور شرک انسان کو ذلیل وخوار کرے گا۔

فائدہ : قیامت میں جب مشرکین دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ توحید کے گناہ معاف فرما کر انہیں نجات کی خوشخبری سُنا رہا ہے تو کفار آپس میں مشورہ کریں گے۔ ہم بھی کفر چھپا کر اللہ تعالیٰ سے نجات کی درخواست کریں۔ جب اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوں گے تو عرض کریں گے۔ مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ اے اللہ تعالیٰ ہم دُنیا میں مشرک نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ اُن کے مُنہ پر مہر ثابت فرما کر اُن کے اعضاء کو فرمائے گا کہ تم اُن کے متعلق کیا جانتے ہو ان کے تمام اعضاء اُن کے کفر کی گواہی دیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا لے جاؤ انہیں جہنم میں اسی بنار پر وہ کسی طرح بھی کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔

اہلِ ریا کا انجام : اسی طرح اہلِ ریاء بھی اپنے ریاء کو چھپا کر اہلِ توحید مخلصین کے ساتھ ملنے کی کوشش کریں گے تو اُن کے خلاف بھی اُن کے اعضاء گواہی دیں گے جس کی وجہ سے وہ بھی داخلِ جہنم ہوں گے۔

فائدہ : جہنم کی تخلیق اس لئے ہوئی کہ اس سے ڈر کر لوگ کفر سے بچیں۔ لیکن وہ کفر کرکے اس میں ہمیشہ تک رہیں گے (مسئلہ) اللہ تعالیٰ واحد ہے اور اُس کی وحدانیت پر ہر شئے گواہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ معرفت اُس کی معرفت و توحید کا ہر شئ سے مشاہدہ کرتے ہیں اور شئ کے آثار شئے کی کثرت پر دلالت نہیں کرتے بلکہ اُس کی وحدت کی گواہی دیتے ہیں۔ مثلاً گٹھلی ایک ہے لیکن اُس سے بے شمار درخت پیدا ہوئے اور وہی اُس کے آثار اور اُس کے وجود پر دلالت کرتے ہیں۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

تا دم وحدت زدی حافظ شوریدہ حال ؛ خامۂ توحید کش بر ورق این و آن

ترجمہ : اے شوریدہ حال حافظ وحدت کا کب تک دم بھرے گا توحید کا قلم این و آن پہ کھینچ۔

(۲۵) وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ،، جب آپ قرآن مجید پڑھتے ہیں تو اُن کے بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں۔

شانِ نزول : مروی ہے کہ ابوسفیان ولید، نضر، عُتبہ، شیبہ، ابوجہل اور ان جیسے اور بڑے لیڈر (مشرکین) جمع ہو کر حضور پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سُنتے

تھے۔ سب نے نضر سے کہا (اس لئے کہ وہ بہت بڑا تاریخ دان تھا) کہ بتائیے (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کیا پڑھتے ہیں۔ اُس نے کہا کہ بخدا میں تو کچھ نہیں سمجھا۔ صرف اتنا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنی زبان ہلا رہے ہیں۔ اور باتیں وُہی ہیں جو پہلے لوگوں کے بناوٹی قصے اور من گھڑت داستانیں مشہور ہیں۔ جیسے میں تمہیں گذشتہ لوگوں کے واقعات وحالات سُناتا ہوں۔ کچھ ایسے ہی وہ بھی پڑھتے ہیں۔ ابوسُفیان نے کہا کہ مجھے تو اُن کی بعض باتیں حق معلوم ہوتی ہیں۔ ابوجہل نے کہا غلط کہتے ہو اُن کی کوئی بات حق ہو سکتی ہی نہیں (معاذ اللہ) اُن کی اِس گفتگو پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(ف) **مِنْهُمْ** کی ضمیر مشرکین کی طرف راجع ہے۔ **وَجَعَلْنَا**، اور ہم نے پیدا کر دیئے ہیں **عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً**، یعنی غلاف یعنی بڑے پردے کہ جن کی مقدار خارجی طور پر محسوس نہیں ہوتی کہ جسے لوگ معلوم کر سکیں۔

(ف) **اکنّۃ** اکنان (بالکسر) کی جمع ہے ہر وہ شئے کہ جس سے کسی شئی کو چھپایا جائے

اَنْ يَّفْقَهُوْهُ، یہ مفعول لہ ہے اس کا مضاف محذوف ہے۔ دراصل کراھۃ اَنْ یَّفْقَھُوْا مَا یَسْمَعُوْنَ الخ ہے یعنی کراہت کی وجہ سے کہ وہ قرآن کے سُنے ہوئے کو سمجھ لیں۔

سوال: قرآن کا لفظ آیت میں نہیں۔ تم نے کہاں سے نکال لیا۔

جواب: یَسْتَمِعُ سے دلالۃً معلوم ہوا

وَفِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا، اور اُن کے کانوں پر ٹینٹ اور بوجھ ہے یعنی اُن کے کانوں پر یہ بوجھ اس لئے ڈال دیا گیا تاکہ انہیں قبولیت کا استماع نصیب نہ ہو۔

فائدہ: یہ تمثیل ہے کہ وہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس سے جاہل اور فہم قرآن کی دَولت سے بہت دُور اور اُن کے کان قرآن مجید سُننے سے بالکل خالی ہیں۔

عقیدہ: آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی مقلب القلوب ہے۔ کسی کا سینہ ہدایت کے لئے کھول دیتا ہے تو کسی کے دل پر مہر ثبت کرتا ہے تاکہ وہ کچھ نہ سمجھے اور نہ ہی دولتِ اسلام سے بہرہ وَر ہو یہی اہلسنت کا مذہب ہے۔

وہابیوں و دیوبندیوں کے لئے تازیانہ عبرت

کچھ یہی حال ہے ان کا جو کلام الٰہی اور کلام انبیاء اور ملفوظاتِ اولیاء کرام (علی نبینا وعلیہم السلام) کو انکار کے طور سُنتے اور اُن پر طعن تشنیع کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دیتا ہے۔ اس وجہ سے وہ ہمیشہ کے لئے اُن کے انوار واسرار و رموز سے محروم رہتے ہیں بلکہ اُن کے ارشادات کی لذت پاتے ہی نہیں، اور نہ ہی اُن کے حقائق سمجھتے ہیں بلکہ یوں کہو اُلٹا مذاقیں اور ٹھٹھا مخول کرتے ہیں (جیسے ہم نے دیوبندیوں وہابیوں کا تجربہ کیا کہ وہ اولیاء کرام کے ملفوظات سے ٹھٹھا مذاق کرتے ہیں) اضافہ از اویسی غفرلہ

marfat.ocm

وَاِنْ یَّرَوْا کُلَّ اٰیَۃٍ ،، اور اگر وہ آیاتِ قرآنیہ میں سے ساری نشانیاں دیکھ لیں اور اُن کے سُننے کے بعد انکا مشاہدہ کر لیں۔ لَا یُؤْمِنُوْا بِھَا ،، تو ایمان نہیں لائیں گے ان ہر ایک کو جادو سے تعبیر کر کے ٹھکرا دیں گے۔ بلکہ اپنے سخت عناد اور آباء و اجداد کی کفری تقلید میں منہمک ہونے کی وجہ سے اُسے افتراء اور بناوٹی باتوں پر محمول کریں گے۔ حَتّٰٓی ابتدائیہ ہے اور اس میں غایۃ کا معنیٰ بھی پایا جاتا ہے یعنی اُن کا فہم قرآن سے دُور ہونے کی نوبت یہاں تک ہے کہ اِذَا جَآءُوْکَ یُجَادِلُوْنَکَ ،، جب آپ کے ہاں حاضر ہو کر جھگڑا کرتے ہیں یجادلونک (جاؤ) کی ضمیر سے حال ہے۔ ای حال کونہم مجادلین لک

یَقُوْلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا ،، آیات قرآنیہ سُن کر صرف ایمان نہ لانے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں اِنْ ھٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ۝ نہیں ہے یہ قرآن مگر اگلے لوگوں کی جھُوٹی داستانیں اور بناوٹی باتیں۔ اساطیر اسطورۃ (بالضم) کی جمع ہے جیسے اضاحیک اضحوکہ اور اعاجیب اعجوبہ کی جمع ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) چوں کتاب اللہ بیامد ہم بر آں این چنیں طعنہ زدند آں کافراں
(۲) کہ اساطیر است و افسانہ نژند نیست تعمیقی و تحقیقی بلند
(۳) تو ز قرآں اے پسر ظاہر مبیں دیو آدم را نہ بیند جز کہ طیں

ترجمہ (۱) جب میں کتاب الٰہی لایا تو کافروں نے یوں طعنہ مارا
(۲) کہ بناوٹی اور پُرانا افسانہ ہے اس میں کوئی تعمیق و تحقیق نہیں۔
(۳) اے عزیز تم قرآن کے ظاہر کو نہ دیکھو اس لئے کہ شیطان صرف آدم کی مٹی کو دیکھتا ہے

ع ۲۶

وَھُمْ اور کافر یَنْھَوْنَ ،، لوگوں کو روکتے ہیں عَنْہُ قرآن اور اُس پر ایمان لانے سے وَیَنْئَوْنَ عَنْہُ اور اپنے نفسوں کو بھی اس سے دُور رکھتے ہیں۔ اس میں قرآن سے سخت نفرت کا اظہار ہے اور اس سے دوسروں کو روکنے کی تاکید کا بیان ہے اس لئے کہ کسی شئے سے دوسرے کو روکنا ہی کی تاکید پر دلالت کرتا ہے۔ یہی راز ہے اس میں کہ یَنْئَوْنَ کو یَنْھَوْنَ کے بعد ذکر کیا گیا۔ (ف) النائی ،، بمعنی البعد ،، وَاِنْ یُّھْلِکُوْنَ نہیں ہلاک و برباد کرتے اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ مگر اپنے نفسوں کو۔ اس لئے کہ اس کا وبال اُن پر آئیگا۔

وَمَا یَشْعُرُوْنَ ۝ اور وہ شعور نہیں رکھتے۔ یعنی اُن کا حال یہ ہے کہ نہ وہ اپنے نفسوں کو خود بخود ہلاک کرنے کو جانتے ہیں اور نہ ہی انہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی کارروائیوں سے نہ قرآن پاک کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اور نہ ہی رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان کو۔

۲۵ وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ وُقِفُوْا عَلَی النَّارِ ،، اور اگر تم دیکھو جب وہ آگ پر کھڑے کئے جائیں گے۔ یہ خطاب یا تو رسُولِ خُدا محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے یا ہر مشاہدہ اور معائنہ کرنے والے کی اور وقت

marfat.ocm

نی جس ہے اور لَو کا جواب اور تریٰ کا مفعول محذوف ہے ۔ دراصل عبارت یوں تھی وَلَوْ تَرٰی هُمْ وُقِفُوْنَ عَلَی النَّارِ حَتّٰی یُعَایِنُوْهَا لَرَاَیْتَ مَا لَا یُوْصَفُ ، یعنی اگر تم انہیں آگ پر کھڑے ہوئے ہ کرلو تو تم اُن کا ایسا سخت معاملہ دیکھو گے کہ اس کا بیان حیطۂ امکان سے باہر ہے ۔ فَقَالُوْا ، تو وہ کہیں گے یٰلَیْتَنَا نُرَدُّ ، کاش کہ کسی طرح ہم دُنیا کی طرف لوٹائے جائیں گے یا تنبیہ کے لئے ہے و نُكَذِّبَ بِاٰیٰتِ رَبِّنَا اور ہم اپنے رب کی آیات کو نہ جھٹلائیں گے ۔ اِن آیات سے آیاتِ قرآنیہ مراد یں ۔ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ اور ہم مسلمان ہو جائیں گے یعنی اُن آیات کے تقاضوں پر عمل کریں گے ہاں تک کہ ہم یہ سخت موقف (جہنم) نہ دیکھیں گے ۔

(ف) دونوں فعل منصوب ہیں ۔ اس لئے کہ یہ لَو تمنائیہ اور واؤ کے بعد اَن مقدر ہے اور وُہی واؤ فاء ے قائم مقام ہے ۔ خلاصہ یہ کہ وہ اُس وقت آرزو کریں گے کہ کاش ہم دُنیا میں واپس چلے جائیں تو وہاں جا کر ہم کذیب نہ کریں گے بلکہ ہم مومن ہو جائیں گے ۔

بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا یُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ط بلکہ اُن پر کھُل گیا جو پہلے چھپاتے تھے ۔ اَب ایسے یں ہوگا ۔ جیسے وہ کہتے ہیں کہ کاش وہ دُنیا میں چلے جائیں اور جا کر مؤمن ہو جائیں اس لئے کہ قیامت میں ایمان ی تمنا اس میں رغبت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ جو کچھ وہ دُنیا میں چھپاتے تھے ۔ یعنی یہی جہنم کی گ جس پہ کھڑے کئے جائیں گے اور چھپانے سے تکذیب مُراد ہے اس لئے کہ کسی شئے کو چھپانا اُس سے کفر کرنے کا سرا نام ہے وَلَوْ رُدُّوْا ، اگر بفرضِ محال انہیں دُنیا میں واپس بھیجا جائے ۔ لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ پھر وہی کریں گے جس سے انہیں روکا گیا ہے یعنی شرک کریں گے اور جو کچھ دیکھ کر آئے اُسے بھُول جائیں گے ۔ س لئے کہ اُن کی نظریں نقد سودے پر لگی رہتی ہیں ۔ اُدھار اور غیبی سودے سے اُن کا جی نہیں لگتا ۔ جیسے ابلیس ے باوجودیکہ اللہ تعالیٰ کے آیات کا معائنہ کیا ، لیکن عناد و سرکشی کی لعنت میں مُبتلا ہُوا ویسے اللہ تعالیٰ تقدیر مبرم ، ون ٹالے اور جو کچھ اُس نے ازل سے لکھ دیا اُسے کون موڑے ۔ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ اور بے شک ہ ایسی قوم ہے جن کا طریقہ تکذیب ہے انہیں کسی امر کے لئے مامور کیا جائے یا روکا جائے تو اس کے برعکس عمل کریں گے ۔

فقہاء کی بصیرت : اس آیت سے فقہاء کرام نے فتویٰ دیا ہے کہ باغی اور فسادی کا سر قلم کرنا ضروری ہے ۔ اس لئے کہ اب اُن سے امان اُٹھ گئی ہے ۔ مثنوی شریف یں ہے

(۱) آں ندامت از نتیجۂ رنج بُود ۔۔۔ چونکہ رنج نبود ندامت نیست بُود
(۲) چونکہ شُد رنج آں ندامت شد عدم ۔۔۔ مے نیرزد خاکِ آں توبہ عدم
(۳) مے کند او توبہ و پیرِ خرد ۔۔۔ بانگ لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا مے زند

marfat.ocm

(۱) ندامت رنج کا نتیجہ ہے جب رنج نہ ہو تو ندامت کیسی۔

(۲) جب رنج نہ ہو تو ندامت معدوم ہوتی ہے۔ ندامت نہ ہو تو توبہ کی کوئی قیمت نہیں۔

(۳) توبہ تو کرتا ہے لیکن کمزور عقل والوں کا فیصلہ ہے کہ اگر وہ دُنیا میں واپس لوٹائے جائیں تب بھی گ وغیرہ کو عود کریں گے۔

۲۷ ۵ وَقَالُوْا ،، اس کا عطف عادُوا پر ہے اور جواب کے مقام میں داخل ہے اور اُنھوں نے کہا کہ اِنْ ھِیَ نہیں ہے (زندگی)، ھِیَ کی ضمیر حیاۃ کی طرف راجع ہے۔

سوال : اس سے اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے اس لئے کہ حیاۃ بعد کو مذکور ہے۔

جواب : بہت سے ضمائر کو مبہم بیان کیا جاتا ہے لیکن اُن کے مراجع معلوم نہیں ہوتے پھر مابعد اسی مبہم کی تفسیر بن جاتا ہے۔

اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۵ مگر ہماری دُنیا کی زندگی اور ہم اُٹھائے نہیں جائیں گے۔ یعنی دُنیا سے جُدا ہونے کے بعد ہمیں اُٹھنا ہی نہیں گویا اُنھوں نے مرنے کے بعد والے احوال یعنی بعثت و نشور کو کالعدم قرار دے دیا۔

۲۸ ۵ وَلَوْ تَرٰى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ،، اور اگر تم دیکھو جب اپنے ربّ تعالیٰ کے ہاں کھڑے کئے جائیں گے۔ جیسے مجرم غلام اپنے آقا کے سامنے عتاب میں کھڑا ہوتا ہے۔

اس کا جواب بھی محذوف ہے یعنی لرأیت اَمْرًا عَظِیْمًا۔

قَالَ ،، یہ جملہ مُستانفہ ہے۔ اللہ تعالیٰ : ملائکہ کی زبان سے اُنہیں جھڑکتے ہوئے فرمائے گا۔

اَلَيْسَ هٰذَا ،، کیا یہ حساب اور بعثت و نشور۔ بِالْحَقِّ ،، حق نہیں۔ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ،، کہیں گے بے شک بخدا حق ہے قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ ،، فرمائے گا تو چکھو یہی عذاب جسے تم دیکھ رہے ہو ،، بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۵ اس وجہ سے کہ دُنیا میں تم کُفر کرتے تھے۔

نکتہ : عذاب کے درد کو ذوق سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ جس طرح چکھنے والا شئے کے ذائقہ کو ہر وقت زبان و حلق میں محسوس کرتا ہے۔ ایسے ہی وہ کُفّار عذابِ الٰہی کو ہر وقت محسوس کریں گے بلکہ ہر دُوسرے لمحہ کا عذاب پہلے عذاب سے سخت تر محسوس ہوگا۔

marfat.ocm

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ

بے شک ہار میں رہے وہ جنہوں نے اپنے رب سے ملنے کا انکار کیا یہاں تک کہ جب ان پر قیامت

بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى

اچانک آ گئی بولے ہائے افسوس ہمارا اس پر کہ اس کے ماننے میں ہم نے تقصیر کی اور وہ اپنے بوجھ اپنی پیٹھ پر لادے

ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ۝۳۱ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَ

ہوئے ہیں ارے کتنا برا بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں اور دنیا کی زندگی نہیں مگر کھیل کود اور بے شک پچھلا

لَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۳۲ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ

گھر بھلا ان کے لیے جو ڈرتے ہیں تو کیا تمہیں سمجھ نہیں ہمیں معلوم ہے کہ تمہیں رنج

لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

دیتی ہے وہ بات جو یہ کہہ رہے ہیں تو وہ تمہیں نہیں جھٹلاتے بلکہ ظالم اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے

يَجْحَدُوْنَ ۝۳۳ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا

ہیں اور تم سے پہلے رسول جھٹلائے گئے تو انہوں نے صبر کیا اس جھٹلانے اور ایذائیں

وَاُوْذُوْا حَتّٰۤى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ

پانے پر یہاں تک کہ انہیں ہماری مدد آئی اور اللہ کی باتیں بدلنے والا کوئی نہیں اور تمہارے پاس

مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ۝۳۴ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ

رسولوں کی خبریں آ ہی چکی ہیں اور اگر ان کا منہ پھیرنا تم پر شاق گزرا ہے تو اگر تم سے ہو سکے

اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ؕ وَلَوْ شَآءَ

تو زمین میں کوئی سرنگ تلاش کر لو یا آسمان میں زینہ پھر ان کے لیے نشانی لے آؤ اور اللہ چاہتا

اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝۳۵ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ

تو انہیں ہدایت پر اکٹھا کر دیتا تو اے سننے والے تو ہرگز نادان نہ بن مانتے تو وہی ہیں جو سنتے

يَسْمَعُوْنَ ؔؕ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝۳۶ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ

ہیں اور ان مردہ دلوں کو اللہ اٹھائے گا پھر اس کی طرف ہانکے جائیں گے اور بولے ان پر کوئی نشانی کیوں نہ

اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰۤى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا

اتری ان کے رب کی طرف سے تم فرماؤ کہ اللہ قادر ہے کہ کوئی نشانی اتارے لیکن ان میں بہت نرے جاہل

يَعْلَمُوْنَ ۝۳۷ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّاۤ اُمَمٌ

ہیں اور نہیں کوئی زمین میں چلنے والا اور نہ کوئی پرند کہ اپنے پروں پر اڑتا ہے مگر تم

marfat.ocm

اَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ
جیسی امتیں ہم نے اس کتاب میں کچھ اٹھا نہ رکھا پھر اپنے رب کی طرف اٹھائے جائیں گے اور جنھوں نے
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ وَمَنْ يَّشَاْ
ہماری آیتیں جھٹلائیں بہرے اور گونگے ہیں اندھیروں میں اللہ جسے چاہے گمراہ کرے اور جسے چاہے
يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ
سیدھے راستہ ڈال دے تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو اگر تم پر اللہ کا عذاب آئے یا
اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ
قیامت قائم ہو کیا اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے اگر سچے ہو بلکہ اسی کو پکارو گے
فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾
تو وہ اگر چاہے جس پر اسے پکارتے ہو اسے اٹھا لے اور شریکوں کو بھول جاؤ گے

تفسیر عالمانہ

۲۹ ٥ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ " بے شک وہ لوگ خسارے میں رہے۔ جنھوں نے اپنے رب تعالیٰ کے ملنے کا انکار کیا۔ یعنی مرنے کے بعد اُٹھنے کے مُنکر ہوئے۔ حَتّٰى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ " یہاں تک کہ جب ان پر قیامت آگئی۔ یہ غایت اُن کی تکذیب کے لئے ہے نہ کہ اُن کے خُسران کے لئے اس لئے کہ اُن کے خُسران کی کوئی حد نہیں کیونکہ وہ ابدی دائمی ہے۔ بَغْتَةً (اچانک) یہ جاءتہم کے فاعل سے حال اور مصدر بمعنی اسم فاعل ہے یعنی باغتۃ مفاجئۃ اَلْبَغْتُ وَالْبَغْتَةُ مُفَاجَاةُ الشَّيْءِ بِسُرْعَةٍ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّشْعُرَ بِهِ الانسان الخ یعنی شے کا اچانک جلدی سے اس طرح واقع ہونا کہ اُس کا انسان کو شعور بھی نہ ہو۔ اگر اسے کچھ تھوڑا سا پہلے اس کے وقوع کا شعور ہو تو اُسے بَغْتَةً نہیں کہیں گے اور ہر وہ گھڑی کہ جس میں قیامت قائم ہوگی وہ ایسی ہوگی کہ وہ اچانک واقع ہوگی کہ جس کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو نہ ہوگا (یعنی [illegible] کو ورنہ انبیاء کرام اور بعض مخصوص اولیاء کرام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم ہوگا) اسی لئے اُسے ساعۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یعنی وہ معمولی گھڑی کہ جس میں ایک بہت بڑا امر واقع ہو اور ویسے لُغت کے لحاظ سے ساعۃ سعی سے ہے اور وہ چونکہ اپنے وقوع کی جانب سعی کرتی ہے۔ بنابریں اس نام سے موسوم ہوئی اور اُس کی مسافت مکانات کے بجائے انفاس [illegible] ہیں۔ خلاصہ آیت کا یہ ہے کہ اُنھوں نے تکذیب کی یہاں تک کہ اچانک اُن پر قیامت ظاہر ہوگئی۔

سوال : اُس کی تکذیب کا انتہا تو موت ہے اور قیامت کا وقوع اس کے بعد بہت دیر سے ہوگا۔

جواب : موت دُنیا کے زمانوں سے آخری اور آخرت کا پہلا زمانہ ہے۔ پھر جس کی تکذیب کا انتہا اسی وقت کو ہوا تو اب ہمارا کہنا صحیح ہوگیا کہ تکذیب کے انتہا کے بعد اس کے لئے قیامت ظاہر ہوگئی

[illegible] حضور [illegible] نے فرمایا مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ جو مرتا ہے تو اس کے لئے قیامت ہوگئی۔ قَالُوْا [illegible] کا جواب ہے یعنی قیامت میں کہیں گے۔ يٰحَسْرَتَنَا ” ہائے افسوس (الحسرۃ، شدۃ الندم والتلھف) یعنی سخت دکھ درد اور اسے ندا کرنا مجازاً ہے اس لئے کہ حسرت کو متوجہ کرنا مطلوب [illegible] صرف ان کے تحسر (حسرت) کی شدت میں مبالغہ مقصود ہے گویا کہ وہ دکھ اور درد کے وقت حسرت کو [illegible] پکاریں گے مثلاً ان کی حسرت کو جو ندامت پیش ہوتی ہے کہ اگر تجھے کوئی وقت فرصت دیتا ہے تو آجا اس لئے کہ اب تیرا آنے کا وقت ہے یہی تقریر تاویلنا میں کرنی ہوگی۔ اس عبارت سے ندا کرنے والے کی خطا کا مطلوب ہوتا ہے کہ وہ جس کا متعلق ہے اسے اُس نے چھوڑ دیا۔ حالانکہ اسے ہرگز چھوڑنا نہیں چاہیئے تھا اگر اس نے چھوڑا تھا تو اب حماقت سے حسرت و ندامت وغیرہ کو پکار رہا ہے۔

عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ”اس پر کہ اُس کے ماننے میں ہم نے کوتاہی کی۔ یعنی قیامت کے ماننے میں کوتاہی کرنا اور کوتاہی یہی کہ اُس کے حقوق ادا نہ کئے اور اُس پر ایمان لاکر اس کے لئے تیاری نہ کی یعنی نیک اعمال نہ کئے۔

(ف) لفظ علی حسرت کے متعلق اور ما مصدریہ ہے اور تفریط کسی فعل پر عمل کرنے کی قدرت کے باوجود اس میں کوتاہی کرنا۔ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ط (اور وہ اپنے بوجھ اپنی پیٹھ پر اٹھائے ہوئے ہوں گے) یہ قَالُوْا کی ضمیر سے حال ہے۔

حل لغات : اوزار وزر کی جمع ہے بھاری بوجھ اُٹھانے کو عربی میں وزر کہا جاتا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں: وزرتہ ای حملتہ ثقیلاً یعنی میں نے اُسے بھاری بوجھ اُٹھوایا۔ وزیر کا لفظ اس سے مشتق ہے۔ اسے بھی وزیر اس لئے کہا جاتا ہے کہ بادشاہ نے اپنی رعایا اور لشکر وغیرہ کے امور اُس پر بطور بوجھ کے ڈال دیئے ہیں اور گناہ کو بھی وزر اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ گنہگار پر بوجھل ہیں اور الحمل کا اعیان کثیفہ پر اطلاق ہے اور ظہورھم کا ذکر اسی طرح ہے جیسے فیما کسبت ایدیھم میں ہاتھوں کا ذکر ہوا ہے۔ اس لئے کہ عموماً بوجھ پیٹھ پر اُٹھایا جاتا ہے اور کسب عموماً ہاتھ سے ہوتا ہے۔ خلاصہ آیت کا یہ ہے کہ قیامت میں نیک اعمال نہ کرنے سے حسرت کریں گے حالانکہ اُس وقت مزید براں انہیں برائیوں کا بوجھ بھی اُٹھانا پڑے گا۔

اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ”خبردار دیکھا کتنا بُرا بوجھ اُٹھائے ہونگے۔

فائدہ : حضرت سعدی (المفتی) نے فرمایا کہ جب بندہ محشر میدان کی حاضری کے لئے قبر سے نکلے گا تو ایک حسین وجمیل مرد اس کا استقبال کرے گا۔ جس کی خوشبو دماغ کو معطر کر دے گی۔ وہ صاحب قبر سے پوچھیگا کہ کیا تم مجھے جانتے ہو وہ کہیگا نہیں۔ وہ فرمائے گا میں تیرا نیک عمل ہوں۔ اب تو مجھ پہ سوار ہو جا۔ اس لئے کہ دُنیا میں تو نے مجھے اُٹھائے رکھا تھا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے دُوسرے مقام پہ فرمایا۔ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ

marfat.ocm

الی الرحمٰن وفدا۔ یہاں پہ وفدا معنی رُکبانًا ہے۔ اور کافر کو قبر سے نکلتے ہی ایک بدشکل اور نہایت بدبودار شخص کے سامنے آئے گا اور کہے گا تو مجھے جانتا ہے۔ وہ کہے گا نہیں وہ جواب دے گا کہ میں تیرا ہی بُرا عمل ہوں۔ دُنیا میں تو مجھ پہ سوار رہا۔ اب میں تجھ پہ سوار ہوتا ہوں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَهُمْ يَحْمِلُونَ أَوْزَارَهُمْ الخ اس معنے پہ علیٰ ظهورهم اپنے حقیقی معنی پر ہوگا۔ اس لئے کہ اعمال کی بھی صورتیں اور اجسام ہیں۔

تفسیر صُوفیانہ : تمام گناہوں سے زیادہ بوجھل وجود کا گناہ ہے اس لئے کہ تمام گناہوں کا اصل سبب یہی ہے اور سالک کو سلوک سے بھی روکتا ہے۔

(سبق) سالک کو ہر گناہ سے توبہ لازمی ہے بلکہ راہ حق میں فانی ہوجائے حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا: ؎ فکر خود و رائے خود در عالم رندی نیست ؛ کفرست دریں مذہب خود بینی و خود داری

ترجمہ : جہاں میں رند کو کوئی فکر نہیں بلکہ اسے خود اپنا بھی خیال نہیں کیونکہ اس مذہب میں خود بینی و خودداری کفر ہے۔

نسخہ رُوحانی : بعض بزرگوں کا ارشاد ہے کہ نفس کی خرابیوں سے بچنا نفس کی طاقت سے مشکل ہے جب تک کہ تائید ایزدی نصیب نہ ہو۔

دیگر نسخہ : حضرت الشیخ ابو عبد اللہ محمد بن علی الترمذی الحکیم قدس سرہ نے فرمایا کہ ذکر الٰہی دل کو تروتازہ اور اُسے نرمی بخشتا ہے جب دِل ذکر الٰہی سے فارغ ہو تو قلب پر نفس کی حرارت اور شہوات کی آگ کی گرمی پہنچتی ہے۔ اس سے قلب سخت اور خشک ہوجاتا ہے اسی وجہ سے پھر دیگر اعضاء طاعت الٰہی سے رُک جاتے ہیں۔ جب یہ بیماری طول پکڑے تو دل خشک ہوکر ٹوٹ جاتا ہے جیسے درخت کو پانی نہ ملے تو وہ خشک ہوجاتا ہے پھر اسے سوائے کاٹنے کے کوئی اور چارہ نہیں رہتا۔ یہی قلب کا حال ہے پھر جس طرح وہ درخت کٹا ہُوا سوائے جلانے کے اور کسی کام نہیں رہتا۔ ایسے ہی خشک اور سخت قلب وغیرہ سوائے جہنم کے ایندھن کے اور کسی کام کا نہیں ہوتا (اعاذنا اللہ عنہا)

خلاصہ یہ کہ ذکر توحید اور اہل اللہ کی اتباع سلوک طریقت کے اصل الاصول ہیں۔

حکایت : حضرت علی بن الموفق رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ میں ایک سال حج کے لئے سوار ہوکر بیت اللہ شریف کو جا رہا تھا۔ چند لوگوں کو پیدل چلتے دیکھ کر میرا جی چاہا کہ میں بھی اُن کے ساتھ پیدل چلوں؛ چنانچہ میں نے ان میں سے ایک کو سواری پر سوار کیا اور خود اُن کے ساتھ چل پڑا۔ ہم چلتے چلتے راستہ بھول گئے اور ایک جنگل میں جا پہنچے۔ تھکے ہارے تھے۔ اس جنگل میں ہم سب سو گئے۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ چند نوجوان لڑکیاں سونے کے تھال اور چاندی کے لوٹے لئے ہُوئے حج کے لئے پیدل چلنے والوں کے پاؤں دھو رہی ہیں اور مجھے پُوچھا تک بھی نہیں۔ اُن میں ایک نے بول کر اپنی ساتھیوں سے کہا کہ اس کے پاؤں کیوں نہیں دھوتی ہو۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ یہ سواری والا ہے۔ ہم صرف پیدل چلنے والوں کے پاؤں دھونے پر

marfat.ocm

مامور ہیں انہیں ایک دوسری نے کہا کہ یہ بھی ان پیدل چلنے والوں میں سے ہے اگرچہ اس کی سواری تھی لیکن اس نے دوسرے کو دے کر پیدل چلنے والوں کے ساتھ پیدل چل رہا ہے۔ پھر میرے بھی پاؤں دھوئے گئے۔ اس سے میری تھکان اور دوسری تمام پریشانیاں دور ہوگئیں۔

صحبت اولیا کی شان: اللہ والوں کی صحبت کی ایک معمولی شان یہ ہے کہ جو اعتقاد صحیح ہے ان کے ساتھ رفاقت اختیار کرتا ہے اسے بھی انہی کی طرح انعامات وکرامات نصیب ہوتے ہیں۔ یہ تو اولیاء کرام کی صحبت کی برکات ہیں نبوت کی صحبت سے کتنا درجات نصیب ہوں گے۔ اگر مشرکین عرب حضور تاجدار انبیاء علیہم السلام کا قرآن پاک سن کر ان کے ارشاد گرامی پر عمل کرتے تو انہیں نجات بھی نصیب ہوتی اور گناہوں کے بوجھ بھی اتر جاتے ہیں اور جنۃ الفردوس کی نعمتوں سے نوازے جاتے لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے۔

تفسیر عالمانہ ۳۲ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ ،، یہاں پر مضاف یعنی لفظ اعمال محذوف ہے یعنی دراصل (وَمَا اَعْمَالُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا) تھا۔ وہ اعمال جو صرف دنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس حیثیت سے کہ وہ دنیا کے متعلق کچھ نہیں ہیں۔

اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ط مگر کھیل کود جو لوگوں کو غافل کرتے اور انہیں کھیل کے منافع کی لالچ میں ایمان سے دور رکھتے ہیں۔ البتہ اعمال صالحہ دائمی لذات تک پہنچاتے ہیں۔ لعب،، ہر وہ عمل جو نفس کو غیر مفید باتوں میں مشغول کر کے مفید باتوں سے نفرت پیدا کر دے اور لہو ہر وہ فعل جو نفس کو منافع کی جدوجہد سے پھیر کر کمزوری پیدا کر دے۔ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ ،، البتہ دار آخرت یعنی وہ مقام جہاں اُخروی زندگی بسر ہوگی۔ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ط متقیوں کے لئے بہتر ہے۔ یہاں پر متقین سے وہ لوگ مراد ہیں جو کفر و معاصی سے بچتے ہیں اس لئے کہ آخرت کے منافع ہر ضرر سے پاک اور ان کی لذات ہر آلام اور صدمے سے محفوظ اور پھر دائمی اور غیر منقطع ہیں۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ یہ فاء عاطفہ ہے۔ معطوف علیہ فعل مقدر ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی ،، ای اَتَفْعَلُوْنَ فَلَا تَعْقِلُوْنَ ای الامرین خیر۔ یعنی کیا تم غفلت کے نشہ میں ہو۔ اسی لئے نہیں سمجھتے ہو کہ دو امروں سے کونسا امر اچھا ہے۔ حیات دنیا یا آخرت۔

(ف) دنیا کو اس لئے دنیا کہتے ہیں کہ وہ بہ نسبت آخرت کے انسان کو قریب تر ہے۔ یا دناءت سے مشتق ہے یعنی خسیس ترین اور آخرت کہا جاتا ہے کہ وہ دنیا سے مؤخر ہے۔

سوال: آخرت کو غائب کیوں رکھا گیا۔

جواب: اگر وہ غائب نہ ہوتی تو کفار انکار کیوں کرتے؛ حالانکہ یہ دنیا صرف امتحان کے لئے بنائی گئی ہے تاکہ اس میں آخرت و دیگر باتوں سے انسان کی آزمائش کی جائے۔ اگر آخرت آنکھوں سے اوجھل

marfat.ocm

نہ ہوتی تو امتحان کا مقصد حاصل نہ ہوتا اسی لئے دُنیا کی زینت کو آزمائش قرار دیا گیا۔

صوفی کی دُنیا: صُوفیہ کرام کے نزدیک دُنیا سے وہ امر مُراد ہے جو اللہ تعالیٰ سے روگرداں کر دے۔

(دُنیا کا دائرہ) اہلِ تحقیق فرماتے ہیں کہ تمام آسمان اور تمام زمینیں اور جو کچھ اُن کے اندر ہے (یعنی عالمِ کون و فساد) سب کے سب دُنیا کے دائرہ میں ہیں۔

آخرت کا دائرہ: عرش و کرسی اور اُن کے جمیع متعلقات اور اعمالِ صالحہ اور ارواحِ طیبہ اور جنت اور جو کچھ اُس کے اندر ہے آخرت کے دائرہ میں ہیں۔

حدیث قدسی: جب اللہ تعالیٰ نے دُنیا کو پیدا فرمایا تو اُس سے مخاطب ہو کر فرمایا اے دُنیا اُس کی خدمت کرنا جو میری اطاعت و فرمانبرداری کرے اور جو تیری خدمت کرے اُسے خوب لتاڑنا۔

دُنیا اولیاءِ کرام کے قدموں میں: بعض اولیاء کرام کے ہاں دُنیا بوڑھی عورت کے لباس میں حاضر ہو کر اُن کے آستانوں کو جھاڑو دیتی ہے اور بعض حضرات کے ہاں روزانہ روٹی پیش کرنے کے لئے حاضری دیتی ہے۔

سوال: جب اللہ تعالیٰ نے یہ دُنیا مومن کے لئے پیدا فرمائی تو پھر اُنہیں زُہد کا حکم کیوں۔

جواب: لو نثر السکر علیٰ رأس الختن لا یلتقطہ لعلو ھمتہ ولو التقطہ کان عیبًا

ترجمہ: اگر اللہ والے کے سر پر دُنیا نچھاور کی گئی تو وہ اپنی بلند ہمتی سے اُسے اُٹھانا اپنا عیب سمجھتے ہیں۔

حدیث شریف: اپنے نفوس کو جنۃ الفردوس کے ولیمہ کے لئے بھوکا رکھو۔

فائدہ: مہمان اگر سمجھدار ہوتا ہے تو سیر ہو کر نہیں کھاتا اس اُمید پر کہ شاید طعام کے بعد حلوا ملے۔

حکایت قاضی مع یہودی: منقول ہے کہ بغداد کے ایک قاضی صاحب گل خاں یہودی کے گھر کے قریب وزیر اعظم کی طرح نہایت شان و شوکت اور خدام و حشم کے ساتھ گذارتا تھا۔ ایک دن یہودی گھر سے باہر نکلا۔ نہایت عاجز و ذلیل حالت میں اور شکل کا نہایت قبیح و سیاہ کہ اس سے تارکول کا تیل بھی بہتر لیکن قاضی صاحب آن بان سے گزرے تو یہودی نے اُن کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر کہا کہ تمہارے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ دُنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے۔ لیکن معاملہ برعکس ہے کہ تم نہایت شان و شوکت میں اور میں بقول شما کافر ذلت و خواری میں قاضی صاحب نے (اپنے زمانہ میں اکابر فضلا سے شمار ہوتے تھے) برجستہ جواب دیا کہ آخرت کی نعمتوں کی بہ نسبت ہم آج بھی قید خانہ میں ہیں اور دوزخ کے تکالیف اور عذاب کے مقابلہ میں اب تم بڑے آرام میں ہو۔

marfat.ocm

دُنیا و آخرت کی ایک عجیب مثال : دُنیا و آخرت مثال اس شخص کی ہے کہ جس کی دو عورتیں ہوں کہ اگر ایک کو راضی کرتا ہے تو دُوسری ناراض ہوتی ہے۔ بیک وقت دونوں کا راضی کرنا مشکل ہوتا ہے جب تک ان میں سے ایک کو طلاق نہ دے۔ ایسے ہی انسان دُنیا کو ترک کرے گا تو آخرت بہتر ورنہ پھر آخرت میں ذلت و خواری۔

حکایت : ایک بزرگ نزع کے وقت فرما رہے تھے کہ مجھے اس کا افسوس نہیں کہ میری آخرت نہ سنور سکی اور مجھے غم و الم گھیر گئے یا مجھ سے خطاؤ ذنوب سرزد ہوئے بلکہ مجھے افسوس اس کا ہے کہ میں زندگی میں ایک رات عبادت سے سو گیا اور مجھ سے عمر میں ایک روزہ قضاء ہو گیا اور مجھ پر زندگی میں ایک گھڑی ایسی گذری جس میں غفلت سے ذکرِ الٰہی نہ ہو سکا۔ ؎

نہ عمرِ خضر بماند نہ مُلکِ اسکندر
نزاع بر سرِ دُنیائے دوں مکن درویش

ترجمہ: نہ خضر کی عمر رہے گی نہ سکندر کا مالک ابی ہے اے درویش دُنیا کمینی کے متعلق جھگڑا نہ کر۔

فائدہ : دُنیا فانی ہے اور آخرت باقی اور بہتر ہے۔

حکایت : حضرت جعفر بن سلیمان رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اور حضرت مالک بن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ بصرہ میں گئے۔ ہم نے مختلف مقامات کا دورہ کیا۔ اچانک ہمارا ایک بہترین محل سے گذر ہُوا (جس کی نئی تعمیر ہو رہی تھی) اسے ایک نہایت حُسین و جمیل نوجوان تعمیر کرا رہا تھا اور اپنی نگرانی میں کاریگروں کو حکم دے رہا تھا۔ ہم نے اُس کو السلام علیکم کہا۔ اُس نے سلام کا جواب دیا۔
حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: بیٹے اس پر کتنا روپیہ خرچ کرنے کا ارادہ ہے۔ اُس نے عرض کی: اس پر ایک لاکھ درہم کا تخمینہ ہے۔ آپ نے فرمایا وہی لاکھ درہم مجھے دیدے۔ میں تجھے اللہ تعالیٰ سے آخرت میں بہترین محل دلوا دوں گا۔ جس میں خدمت کے لئے نوخیز لڑکے اور لاتعداد خدام ہوں گے اور اس محل کے سونے کے بہترین قبہ جات اور خیمے (جو جواہرات سے مرصع ہوں گے) اس کی مٹی زعفران کی ہو گی (جس پر مشک و عطر کا چھڑکاؤ ہو گا) اس میں نہ پہلے کوئی ٹھہرا ہو گا اور نہ کسی کی ملکیت ہو گا۔ (گویا مالک بن دینار کو اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرما رہے ہیں) چنانچہ آپ کی بات اس نوجوان کے دل پر اثر کر گئی اور فوراً حکم دیا کہ لاؤ قلم دوات اور کاغذ تاکہ میں ان سے یہ تحریر لکھا لوں۔
چنانچہ کاغذ قلم لایا گیا جس پر حضرت مالک بن دینار نے لکھا: بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ، یہ وہ تحریر ہے کہ مالک بن دینار اس نوجوان کو لکھ کر دے رہا ہے کہ میں اس نوجوان کو اللہ تعالیٰ سے اس محل کے عوض مذکورہ صفات کا محل دلوا دوں گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں کمی نہیں کہ وہ اس سے زائد عطا فرما دے۔
پھر نوجوان نے فرمایا: جاؤ میں نے تیرے سے محل مذکورۃ الصفات کے عوض یہی محل خرید لیا ہے اور جنت میں

marfat.ocm

تجھے اس محل سے کئی گنا زائد محل ملے گا جس کا سایہ طویل ہوگا اور تو اللہ تعالیٰ کے قرب میں ہوگا۔ تحریر مذکور لپیٹ کر مالک بن دینار نے اس شخص کے حوالے کردی اور نوجوان سے لاکھ دراہم لے کر فقراء و مساکین پر بانٹ دیئے۔ اس نوجوان کو ابھی چالیس دن نہ گزرے تھے کہ اُس پر موت آگئی اور اُس نے مرنے سے پہلے وصیت کی تھی کہ تحریر مذکور کفن کے اندر رکھ دینا۔ اُسی رات حضرت مالک بن دینار نے خواب میں دیکھا کہ مسجد کے محراب میں ایک مکتوب رکھا ہے جسے اُنھوں نے کھولا تو اس پر سیاہی کے بغیر لکھا ہُوا تھا: هٰذَا بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ الخ یعنی وہ براءت نامہ ہے جو مالک بن دینار نے نوجوان سے وعدہ کیا تھا اسے ہم نے پُورا کردیا کہ اسے بہترین محل بھی ہم نے عنایت فرمادیئے اور ستر گنا زائد الغیاما ذکرات مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) ہر کہ پایاں بیں ترا و مسعود تر — جد ترا و کارد کہ افزوں دید بر
(۲) زانکہ داند زیں جہان کاشتن — ہست بہر محشر و برداشتن
(۳) آخرت قطار اشتران بملک — در تبع دُنیاش ہمچوں پشم پشک
(۴) پشم بگزینی شتر نبود ترا — ور بُود اشتر چہ قیمت پشم را

ترجمہ (۱) جو انجام کو دیکھتا ہے وہی مسعود ترین جو جتنا کوشش سے کھیتی کاشت کریگا اتنا ہی بہت زیادہ پھل حاصل کریگا۔
(۲) اس لئے کہ اسے معلوم ہے کہ جو اس جہان میں کاشت ہے وہی محشر میں پھل اُٹھائے گا۔
(۳) آخرت میں اس کے لئے اونٹوں کی قطار نصیب ہوگی۔ پشم وغیرہ اس کی تبع میں ہوگی۔
(۴) اون تو ہو لیکن اونٹ نہ ہو کیا فائدہ، کیونکہ اُونٹ سے ہی اُون قیمت پاتی ہے۔
یعنی اگر تو دُنیا کو چاہتا ہے (جو بمنزلہ اُونٹ کی اُون کے ہے) اور آخرت کو تو نہیں چاہتا (جو بمنزلہ اُونٹ کے ہے) تو تُو آخرت سے محروم ہو جائے گا بخلاف اس شخص کے کہ جس کا اُونٹ اپنا ہو تو اُسے نہ اُون خرید لی پڑے گی اور نہ ہی کسی سے اُونٹ مانگنے کی ضرورت ہوگی۔ حضرت مولانا رُوم مقدس سرہ دوسرے مقام پہ فرماتے ہیں ؎

(۱) باز گو نہ اے اسیرانِ جہاں — تار خود گردید امیران جہاں
(۲) اے تو بندی ایں جہاں محبوس جاں — چند گوئی خویش را خواجہ جہاں
(۳) تختہ بنداست آنکہ تختش خواندہٗ — صدر پنداری و بردر ماندہٗ
(۴) پادشاہی نیستت بر ریش خود — پادشاہی چوں کنی با نیک و بد
(۵) بے مراد تو شود ریشت سفید — شرم دار از ریش خواری کثر اُمید
(۶) افتخار از رنگ و بُو و از مکان — ہست شادی و فریبِ کودکاں
(۷) کون یگوید ہیں من خوش پے ام — واں فسادش گفتہ او من لا شیٔ ام
(۸) اے زخوبی ہمہ اں لب گزاں — بنگراں سردی و زردی خزاں

(۹) روز دیدی طلعتِ خورشید خوب   مرگ اورا یاد کن وقت غروب
(۱۰) بدر را دیدی بریں خوش چار طاق   حسرتش را ہم ببین وقت محاق
(۱۱) کودکے از حسن شد مولائے خلق   بعد فردا شد خرف رسوائے خلق
(۱۲) اے بدیدہ لوتہا چرب و چیز   فضلۂ آنرا ببین در آبریز
(۱۳) مر خبیث را گو کہ آں خوبیت کو   بر طبق آں ذوق وآں نغزی و بو

(۱۴) پس انامل رشکِ استاداں شدہ   در صناعت عاقبت لرزاں شدہ
(۱۵) نرگس چشم خمارِ ہمچوں جان   آخر اعمش بیں وآب از وے چکاں
(۱۶) حیدرے کاندر صف شیراں رود   آخر او مغلوب موشے مے شود
(۱۷) زلف جعد مشکبارِ عقل بر   آخر آں چوں دمِ زشت خنگ و خر
(۱۸) خوش ببیں کونش ز اول باکشاد   وآخراں رُسوا ببیں و فساد

ترجمہ : (۱) اسیران جہان کو خبر دو کہ امیران جہان کی آگ ان کی اپنی پیدا کردہ ہے۔

(۲) تو اسی جہان کا قیدی ہے پھر تجھے جہان کا سردار کہنے کا کیا فائدہ۔

(۳) یہ تو قید کا تختہ ہے جسے تو تخت کہہ رہا ہے خود کو صدر سمجھتا ہے حالانکہ تو تو عاجز ترین بندہ ہے

(۴) جب تجھے داڑھی پر قبضہ نہیں تو پھر نیک و بد پر کیسے شاہی کر رہا ہے۔

(۵) مراد کے بغیر تیری داڑھی سفید ہوگئی اے ٹیڑھی امیدوار اپنی داڑھی کی لاج رکھ۔

(۶) رنگ و بو اور مکان پر نازاں ہے یہ تو صرف ظاہری خوشی اور بچوں کا کھیل ہے۔

(۷) دُنیا تو کہتی ہے کہ آجاؤ میں خوش قدم ہوں لیکن اس کا فساد کہتا ہے کہ میں ناچیز ہوں۔

(۸) بہار کی خوبی سے لب بند کرلے اس کی سردی اور خزاں کی زردی کو دیکھ۔

(۹) دن کو تو سورج کو نور سے چمکتا دمکتا دیکھتا ہے لیکن بوقت غروب اس کی موت کو یاد کر۔

(۱۰) چودھویں کے چاند کی اس دُنیا میں چاندنی دیکھتا ہے کیسی ہے لیکن گرہن کے وقت بھی اسکی حسرت دیکھ۔

(۱۱) بے ریش لڑکا حسن سے مخلوق کا مولیٰ بنا پھرتا ہے لیکن چند روز بعد بیکار اور رسوائے خلق نظر آتا ہے۔

(۱۲) کھانے کے رنگ و چرب لبھانے والا منظر دیکھتا ہے لیکن فضلہ دیکھ لیا کر کہ پاخانہ میں اسکا کیا انجام ہے۔

(۱۳) پلیدی کو کہو تمہیں خوبی کیسی طبق پر کہاں تیرا ذوق اور بدمنظری اور بدبُو۔

(۱۴) ہنرمندوں کے ہاتھ میں بعد کو رشک بنا پہلے تو تیار کرتے وقت اس کا بُرا حال تھا۔

(۱۵) نرگس کی آنکھ کا خمار جان کی طرح پیارا ہوتا ہے لیکن بعد کو وہ اندھی اور خون کے آنسو بہاتی ہے۔

marfat.ocm

(۱۶) ایک وقت شیر شیردں میں غراتا ہُوا نظر آتا ہے لیکن بعد مرگ اس سے چوہے کھیلتے ہیں۔

(۱۷) چھڑکالی کی زلفیں ایسی خوشبودار کہ عقل کو ہوش نہیں رہتا۔ بالآخر وہ نہایت قبیح اور گدھے کے دم کی طرح بیکار ہوجاتی ہے۔

(۱۸) دُنیا کا ابتداء تو نہایت خوش منظر اور رکت دہ ہے لیکن انجام اس کا رسوائی و فساد ہے۔

تفسیر صُوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ جو زندگی دنیوی اور نفسانی ناز و نعم اور عیش و عشرت میں بسر ہو وہ بچوں والی زندگی ہے جیسے بچوں کو صرف کھیل کود سے کام ہوتا ہے یا اس کی زندگی نافرمانوں والی ہے کہ وہ بھی سوائے لغویات کے اور کچھ نہیں جانتا۔ ایسے شخص کو حجابات میں اضافہ ہوگا اور بشریۃ سے رُوحانیت کی سیر ترک شہوات اور اعراض عن غیر الحق اور توجہ الی اللہ سے نصیب ہوتی ہے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دیگر سے تعلق نہیں جوڑتے اُن کی آخرت کی زندگی بہتر و برتر ہے۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ،، کیا تم نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کیسی شان سے پیدا فرمایا اور صرف اپنے لئے نہ کہ غیر کے لئے چنانچہ فرمایا: وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي (میں نے تمہیں صرف اپنے لئے جوڑا ہے) اے اللہ ہمیں تضییع عمر سے بچا اور ہماری حقیقۃ الامر کی رہبری فرما۔ اس لئے کہ تو وہّاب اور ہادی ہے۔

تفسیر عالمانہ قَدْ نَعْلَمُ ۲۱ ،، قد تکثیر یہ ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی وُسعت علمی کی طرف اشارہ ہے بوجہ متعلقات کی کثرت کے یعنی ہم جانتے ہیں کہ اِنَّهٗ بے شک شان یہ ہے لَيَحْزُنُكَ ،، آپ کو رنج دیتی ہے۔ اَلَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ ،، یہ یحزنک کا فاعل اور عائد محذوف ہے دراصل الذی یقولونہ تھا (وہ بات جو کفار مکہ کہتے ہیں) اُن کی گفتگو پہلے گذری ہے (وہ حضور علیہ السلام کے قرآن پڑھنے پر کہتے) اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ (اسی طرح اور اُن کی وہ باتیں جو قرآنِ پاک میں مذکور ہیں)

فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ ،، آپ ان کی باتوں کو خیال میں نہ لائیں بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کیجئے۔ اس لئے کہ یہ آیاتِ الٰہی کی تکذیب کر رہے ہیں۔ بنابریں حقیقت میں وہ آپ کی تکذیب ہی نہیں۔ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ٥ لیکن وہ ظالم تو اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرتے بلکہ اُن کا صریح انکار کرتے ہیں یعنی وہ آپ کو تو کچھ نہیں کہتے اگر بظاہر کچھ کہتے ہیں تو وہ درحقیقت مجھے کہتے ہیں۔ اس لئے کہ آپ فانی فی اللہ ہیں۔ اب میں ہی اُن سے سخت تر انتقام لوں گا۔

(**ف**) ظلم سے یہاں انکار مُراد ہے۔

(**ف**) جحود جان بُوجھ کر انکار کرنے کو کہتے ہیں اور بآیات اللہ کی باء فعل سے متعلق ہے اور اس کی تقدیم صرف قصر کی وجہ سے ہے۔ جحد متعدی بنفسہ بھی ہوتا ہے اور متعدی بالباء بھی۔ مثلاً کہا جاتا ہے جحد حقہ

marfat.ocm

جحقہ ،، یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کے حق کا انکار کر۔

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ،، اس میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ بھلا آپ سے پہلے رُسل کرام علیہم السلام بھی جھٹلائے گئے۔ حالانکہ وہ بھی آپ کی طرح بہت بڑے ی شان تھے اور تعداد بھی اُن کی بہت زیادہ تھی۔ جب وَبا پھیلتی ہے تو وہ عام ہوتی ہے۔ یعنی کفار کی تکذیب کی وبا ہر نبی علیہ السلام کو پہنچی اور آپ کو بھی۔ فَصَبَرُوا عَلٰى مَا كُذِّبُوا وَأُوذُوا، تو ہوں نے اُن کے جھٹلانے اور اُن کی ایذاؤں پر صبر فرمایا۔ حَتّٰى أَتٰهُمْ نَصْرُنَا ،، یہاں تک کہ اُن کے ہماری مدد آئی۔ یعنی اُن کے صبر کی غایت ہماری مدد تھی۔ آپ بھی اُن کی اقتداء کیجئے اور وہ ان سے تکلیفیں پہنچ رہی ہیں اُن پر صبر کیجئے۔

(ف) صابرین کو صبر کے وعدہ کا ایفاء یا بطریقِ اظہارِ دلائل و براہین کے ہوتا ہے یا ان کو دشمنوں قہر و غلبہ نصیب ہوتا ہے یا اُن کے دشمنوں کو تباہی و بربادی نصیب ہوتی ہے۔ حضرت حافظ شیرازی س سرہ نے فرمایا ؎

اے دِل صبور باش و مخور غم کہ عاقبت ∴ ایں شام صبح گردد و ایں شب سحر شود

اور فرمایا

گرت چو نوح نبی صبر ہست بر غم طوفاں ∴ بلا گردد و کام ہزار سالہ بر آید

جمہ: (۱) اے دل صابر ہو اور غم نہ کھا اس لیئے کہ بالآخر اس شام کی صبح ہوگی اور رات کی سحر۔
(۲) اگر تجھے نوح علیہ السلام کی طرح طوفان و غم پر صبر ہے تو تیری کئی سالوں کی مراد ضرور پوری ہوگی۔

وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ،، اور اللہ تعالیٰ کے کلمات کو بدلنے والا کوئی نہیں۔ کلمات سے نصرد یہ کے وعدے مراد ہیں؛ چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔

وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِيْنَ ٥ اور آپ کے ہاں حضرات رُسل کرام علیٰ نبینا وعلیہم السلام کی خبریں آ ہی چکی ہیں۔ یعنی انھیں جو منجانب اللہ فتح و نصرت نصیب ہوئی اُس کی خبریں آپ کو معلوم ہیں جن سے آپ کی تسلی و تسکین ہوگی۔

۳۵ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ ،، اور اُن کا مُنہ پھیرنا آپ پر شاق گزرا ہے یعنی ان کا ایمان اور آپ کے لائے ہوئے قرآن سے انکار و رُوگرداں ہونا آپ کو شاق گزرا اور آپ اسے ایک عظیم حادثہ سمجھتے ہیں۔ اگرچہ وہ بار بار تکذیب کرتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے آیات سے نہیں اور آپ کا خیال ہے کہ آپ

marfat.ocm

ان کا مطالبہ پُورا کریں۔ اِس لئے کہ آپ کو حرص ہے کہ وہ سارے کے سارے مُسلمان ہو جائیں۔ جب وہ نہیں مانتے آپ کو دُکھ ہوتا ہے فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقًا فِی الْاَرْضِ ،، پس اگر تمہیں استطاعت ہے تو تم زمین میں کوئی سُرنگ تلاش کر لو۔

(ف) نفقًا بمعنے سَرَبٌ و مَنْفَذٌ بمعنے سرنگ۔

اَوْ سُلَّمًا یا سیڑھی فِی السَّمَآءِ ،، آسمان پر تاکہ اُوپر چڑھ جاؤ فَتَاْتِیَهُمْ ،، پس آسمان سے اُن کے لیے آئیں بِاٰیَۃٍ ط کوئی نشانی جیسے ان کا مطالبہ ہے۔

فائدہ : ابن الشیخ نے فرمایا "نفق" ہر وہ سرنگ جو زمین میں ایک جگہ سے دوسری جگہ نکل جائے تاکہ وہاں سکون و آرام ملے اسی لئے چوہے کی بل کو نافقاء کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ چوہا زمین کو چیرتا ہُوا اس کے اندر ایک گڑھا کھود کر دُوسرے حصّہ سے نکل جاتا ہے تاکہ اس کے ایک سرے سے اگر اسے تکلیف پہنچے تو دُوسرے سرے سے نکل جائے وَاِنْ کَانَ کَبُرَ عَلَیْكَ الخ جملہ شرطیہ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ کی جزاء ہے اور اس کی اپنی جزاء محذوف ہے۔ وہ ہے فاعل یعنی اگر اُن کے مطالبہ کو پُورا کرنا ہو تو مذکورہ بالا افعال کے ذریعہ سے پُورا کرو۔ اس سے ظاہر کرنا ہے کہ حضور سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اپنی قوم کے لئے اسلام کا کتنا حرص تھا اس لئے کہ اگر آپ کو ان کے اسلام کی خاطر زمین یا آسمان سے بہ تکلف کوئی چیز لانی پڑتی تو بھی اُن کی خاطر کر گزرتے تاکہ وہ ایمان قبول کریں لیکن آپ چونکہ مامور من اللہ تھے اس لئے صرف تبلیغ تک یہ بات محدُود رہی[1]۔

سوال : تَتَّخِذُ ،، کے بجائے تبتغی کیوں کہاں گیا

جواب : اس میں اشارہ ہے کہ جب زمین میں سُرنگ لگانا آسمان پہ چڑھ کر کوئی شئی تلاش کرنے کی نفی ہے تو پھر اتخاذ کا کیا معنیٰ (ویسے یہ خطاب عمومی ہے جس میں حضور علیہ السلام کو مُراد میں شامل کر کے عدم اختیار کا ثبوت پہنچانا کسی احمق کا کام ہو سکتا ہے، ورنہ بحیثیت تفسیر معنیٰ دیگر است) وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ اور اگر اللہ تعالیٰ اُن کو ہدایت دینا چاہتا۔ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰی ،، تو انہیں ہدایت پر اکٹھا کر دیتا لیکن وہ انہیں ہدایت دینا ہی نہیں چاہتا اس لئے کہ وہ اپنے اختیار ہدایت سے رُوگرداں ہو گئے ہیں باوجودیکہ اُنہیں ہدایت پانے کی

---

[1] ورنہ یہ بات نہ تھی کہ آپ کو آسمان یا زمین سے کسی شئی کو لانے کا اختیار بھی نہ تھا۔ وہ ایک علیحدہ موضوع ہے جسے اس سے کسی قسم کا تعلق نہیں جو لوگ یہ آیت حضور علیہ السلام کے عدم اختیار پر پیش کرتے ہیں وہ ذرا سوچیں ۱۲۔ اویسی

[2] ایسے خطابات عمومی کہلاتے ہیں جن میں حضور علیہ السلام کو شامل کرنا گمراہی ہے۔ تفصیل فقیر اویسی عفرلہ کی تفسیر او۔ اصُول تفسیر احسن البیان میں دیکھئے۔ اویسی غفرلہٗ

ت حاصل ہے اور بہت بڑے دلائل وبراہین آنکھوں سے مشاہدہ و معائنہ کر رہے ہیں لیکن ایمان قبول کرنے کا ل تک بھی نہ کیا۔ اس لیئے کہ آپ ان کی ہدایت کے لیے جدوجہد نہ فرمایئے۔

لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ٥ پس اے مخاطب جاہل ونادان نہ ہو کہ انہونی بات پر تو ہو جانے کے حرص ہے۔ اور جہاں صبر کرنا ہے وہاں جزع فزع کرنا جاہلوں اور نادانوں کا کام ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی شانیں ت ہیں۔ اس کی مرضی ہے کہ ایمان سے نوازے چاہے اس کو کورا رکھے۔

ئدہ ؛ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت خود فرماتا ہے۔ حضور نبی کریم السلام نے فرمایا اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ وَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ " میرے رب کریم نے میری بہترین تربیت فرمائی۔ تاکہ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رؤف الرحیم ہو کر کسی ایسے پر شفقت نہ فرمائیں جو اس کی اہلیت وصلاحیت نہیں رکھتا۔

اِنَّمَا یَسْتَجِیْبُ " بے شک آپ کی دعوتِ اسلامی وہ قبول کریں گے۔ " اَلَّذِیْنَ یَسْمَعُوْنَ ؕ جو سنتے ہیں جنہیں سماعِ قبول اور فہم وتدبر نصیب ہوا نہ مُردے جن میں ہی کفارِ مکہ بھی شامل ہیں۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

گوہر پاک بباید کہ شود قابل فیض ـــــ ورنہ ہر سنگ و گلے لؤلؤ ومرجان نشود

ترجمہ ؛۔ گوہر پاک ہو وہی فیض کے قابل ہے پتھر اور مٹی لؤلؤ مرجان برابر تو نہیں ہو سکتے۔

الْمَوْتٰی " اس سے کفار مراد ہیں عدم قبولِ سماع کی وجہ سے انہیں موتیٰ سے تشبیہ دی گئی ہے۔

عَثُهُمُ اللّٰهُ " اللہ تعالےٰ انہیں قبروں سے اٹھائیگا۔ ثُمَّ اِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ پھر وہ اسی کی طرف لوٹیں گے کے غیر کی طرف نہیں یا اس کی سزا وجزا کی طرف لوٹیں گے پھر اس وقت مجبور ہو کر مانیں گے لیکن اس وقت کا ماننا کوئی فائدہ ے گا۔ ۳۵ وَقَالُوْا اور قریشِ مکہ کے لیڈروں نے کہا لَوْلَا یہ حرفِ تحضیض بمعنی ھلاّ ہے یعنی کیوں نہ نُزِّلَ یْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ " اتاری گئی ان پر کوئی نشانی ان کے رب کی طرف سے جیسے ناقہ صالح علیہ السلام کے لیے عصا موسیٰ علیہ السلام کے لیے اور مائدہ عیسیٰ علیہ السلام کے لیے۔ وغیرہ وغیرہ تاکہ وہ نشانیاں ہمیں ایمان پر مجبور کر دیتیں

لْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰۤی اَنْ یُّنَزِّلَ اٰیَةً " اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایئے کہ بے شک اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ ان کی طلب کے مطابق کوئی نشانی اتارے۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ٥ ان کے اکثر نرے جاہل ہیں۔ اگر آیات نازل ہوتیں تو وہ ان کے لیے آزمائش ہوتیں۔ اگر نہ مانتے تو ان پر فوراً" عذاب نازل ہو جاتا۔

اہل ادیان کی تقسیم

لوگ دینی معاملات میں چار قسم ہیں۔ (۱) سعادت کے رنگ میں نفس وروح کے اعتبار سے سراپا سعادت مندیہ حضرات انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم السلام ہیں اور

marfat.ocm

اُن کے طفیل اہل طاعت اولیاء کرام۔

(۲) بدبختی کے لباس میں نفس و رُوح کے لحاظ سے سراپا بدبخت یہ کفار اور وہ گنہگار جو کبائر (یعنی کبیرہ گناہوں) کا بار بار ارتکاب کرتے ہیں

(۳) سعادت کے رنگ میں ازلی بدبخت جیسے بلعم باعورا۔ برصیصا اور اُن کا امام ابلیس۔

(۴) شقاوت کے (چندروز) لباس میں ازلی سعادت مند جیسے حضرت بلال۔ صہیب رُومی۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہم یہ زندگی کے اوائل میں شقاوت میں تھے بعد کو چوٹی کے متقی و پرہیزگار ہُوئے۔

سوال : سعادتمند اور بدبخت پیدا ہی کیوں ہُوئے؛ حالانکہ اسے طاقت تھی کہ سب کو ہدایت یافتہ فرماتا چنانچہ خود فرماتا ہے وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ لَجَمَعَہُمْ عَلَی الْھُدٰی اور فرمایا وَلَوْ شَآءَ لَھَدٰاکُمْ اَجْمَعِیْنَ۔

جواب : حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں دیکھا کہ فلاں نافرمانی کریگا بوجہ اس کی اس استعداد کے جو سعادت سے رُوگردانی کر کے شقاوت کو اختیار کرے گا تو اُسے اعیانِ ثابتہ میں بھی شقی بنایا (کیونکہ اُس کی اپنی استعداد کا یہی تقاضا تھا) اور بندوں میں استعداد کا ظہور صفت جلال الٰہی کے مختلف شانوں کے مظہر ہونے کی وجہ ہے گویا کہ بندے نے اللہ تعالیٰ سے خود ہی شقی ہونے کی استعداد مانگی کیونکہ آسمان و زمین والے اللہ تعالیٰ سے زبانِ قال و حال سے اپنی استعدادات کا سوال کیا کرتے ہیں اور استعداد کی ہر آن نئی شان ہوتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ انہیں استعدادات کے مطابق سعادت و شقاوت دیتا ہے یعنی وہی ازل اعیان ثابت غیبیہ علیہ کے مطابق جس بندے کے متعلق ازلی علم متعلق ہُوا کہ وہ اطاعت کرے گا تو اسے سعادت مند بناتا ہے۔ یعنی اس سعادت اجمالیہ اس قابلیت کے مقتضیٰ پر جو اس کی نشاۃ ثانیہ میں امانت رکھی گئی ہے؛ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ تو سعادت مند انسان نے فوراً جواب میں بلیٰ کہا۔ اُس کا یہی جواب دینا دلالت کرتا ہے کہ اُس کی سعادت ازلی ہے۔ اگر استعداد کی سنت اس میں نہ ہو تو پھر اُسے مُکلف بنانا اور احکام کا مخاطب کرنا لایعنی ہے اور اللہ تعالیٰ کے جملہ افعال خالی از حکمت۔ یَمْحُو اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَہٗ اُمُّ الْکِتٰبِ کا بھی یہی مطلب ہے۔ اس سے ثابت ہُوا کہ سعادت مند کو اقوال پسندیدہ اور افعال حسنہ اور اخلاق حمیدہ نصیب ہوتے ہیں۔ انہی سے اسے انبساط ہوتا ہے اور شقی کو وہ امور نصیب ہوتے ہیں جو انقباض پیدا کرتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اشقیاء کی اذیتوں اور پریشان کُن باتوں پر صبر و تحمل کا حکم دیا ہے کہ دُنیا کا صبر و تحمل آخرت میں غفران اور ترقی درجات کا سبب ہے اس لئے کہ بہشت کے درجات و کمالات کا حصول انہی امور سے ہوگا۔

حدیث شریف : میں ہے کہ بہشت میں چند ایسے مقامات ہیں جو ہوا میں معلق ہیں جنہیں صرف مصائب و تکالیف میں گھرے ہُوئے انسان حاصل کریں گے اوروں کو وہ مراتب و مقامات نصیب نہیں ہوں گے۔

marfat.ocm

قاعدہ : انسان کو دین کے مرتبہ کے مطابق تکالیف و مصائب میں مُبتلا کیا جاتا ہے۔ جتنا وہ دین ں تصلب ہوگا اتنا وہ مصائب میں گھرا ہُوا ہوگا۔ اگر اُس کو دین میں تصلب نہیں ہوگا تو وہ مصائب و تکالیف ے محفوظ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ مومن اکثر مصائب و تکالیف میں گھرا رہتا ہے یہاں تک کہ موت کے وقت تمام گناہوں پاک اور صاف ہو کر جاتا ہے۔

قاعدہ : دراصل مصائب و تکالیف اللہ تعالیٰ کا ڈنڈا ہے جو بندوں کو اس لئے مارتا ہے کہ وہ دُنیا ں نہ گھِر جائیں نہ اس میں بہت زیادہ مشغول ہوں بلکہ ربّانی سزا کھا کر اپنے مالک و مولا کی طرف ایسے بھاگیں جیسے گھوڑا کھاتے وقت اپنے اصطبل کی طرف دوڑتا ہے اور صرف آخرت ہی دار القرار ہے۔

؎ ما بلا را بکس عطا نکنیم ؛ تا کہ نامش ز اولیاء نکنیم

ترجمہ : ہم اپنی بلا کسی کو نہیں دیں گے تاکہ اس کا نام اولیاء میں ہو اور ہم محروم رہیں ایسا نہیں کریں گے۔

خلاصہ یہ کہ جسے مصائب و تکالیف میں مُبتلا کیا جاتا ہے اُس کی عافیت و سلامتی صبر میں ہے اور صبر سے حقیقی اُمتی کہلانے کا مستحق بنتا ہے اور اسے حقیقی اتباع اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیب ہوتی ہے اس لئے ر آپ نے ہی مصائب و تکالیف میں صبر سے کام لیا۔

ہ۳ **وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ** ،، مِنْ زائدہ استغراق کی تاکید کے لئے ہے اور فِیْ کا متعلق محذوف اور ور دابّہ کی صفت ہے گویا عبارت یوں ہے : وَمَا فردٌ مِنْ افراد الدواب یَسْتَقِرُّ فی قطرٍ مِنْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ ی دواب کا کوئی فرد زمین کے کسی بھی ٹکڑے پہ ٹھہرتا۔ **وَلَا طٰٓئِرٍ** ،، اور نہ ہی کوئی پرندہ (جو آسمان و زمین کے میں) **یَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ** ،، اپنے دو پروں پہ اڑتا ہے۔ جیسا کہ عادتًہ وہ دو پروں پہ اُڑتا ہے۔

(ف) **طَيَرَان** کے بعد (پروں) کی قید محض تاکیدی ہے۔ جیسے نظرت بعینی اور اخذت بیدی" میں ن اور ہاتھ محض تاکید کے لئے یا مجازی معنے کے وہم کا ازالہ کیا گیا ہے اس لئے کہ طیران سرعتِ سیر کے لئے مجازًا ستعمل ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے طَارَ فُلَانٌ فِی الْاَرْضِ۔ اے اسرع (تیز اُڑا)

اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ،، مگر وہ تمہاری جیسی اُمتیں ہیں یعنی تمہاری طرح اُن کے احوال محفوظ اور اُن کے رزق اور اجل مقدر ہیں۔ **مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ** ،، ہم نے اِس کتاب میں کسی شئ کو نہیں چھوڑا۔ فرّط فی الشئ یعنی ضیّعہ و ترکہ ہے۔ یعنی اس شئ کو فلاں نے ضائع کیا اور چھوڑ دیا۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ ہم نے قرآن میں کسی ایک شئ کو بھی نہیں چھوڑا یعنی ہر چھوٹی بڑی کو اس میں بیان کر دیا۔[1]

---

[1] اہلسنت کا استدلال اس آیت سے بھی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے علوم کلی عطا فرمائے تفصیل فقیر کی تفسیر اویسی میں دیکھئے۔

marfat.ocm

مسئلہ :۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالے نے اپنے کلام قرآن مجید میں جمیع مخلوقات کی ہر شے کے مصالح قرآن پاک میں بیان فرمائے ہیں تفصیلاً بھی اجمالاً بھی تفصیلاً جیسے اِنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ اور اجمالاً جیسے وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

حکایاتِ امام شافعی اور علوم قرآن

سیدنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ایک دن مسجد حرام میں تشریف فرماتے۔ اور آپ نے اعلان فرمایا لَا تَسْئَلُوْنِيْ عَنْ اِلَّا اَجَبْتُكُمْ فِيْهِ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ مجھ سے جو سوال کرو میں اسکا قرآن پاک سے جواب دوں گا۔

ایک شخص نے عرض کی کہ جو شخص احرام کی حالت میں بھڑ کو مارے اُسکا حکم قرآن مجید میں کہاں ہے؟ آپنے فرمایا کہ مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ (الآیۃ) پھر آپ نے سندِ صحیح کے ساتھ حدیث شریف پڑھی کہ وَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ مِنْ بَعْدِيْ " اس کے بعد آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک صحیح سے روایت فرمائی کہ للمحرم قتل الزنبور محرم کو بھڑ کا مارنا جائز ہے۔

۳۸ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ○ پھر یہ تمام امم رب تعالے کے ہاں جمع کئے جائیں گے یعنی جب قیامت میں جمع ہوں گے تو پھر ان کا فیصلہ فرمائے گا۔ "وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ' اور جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی۔

ف :۔ آیات سے یہاں قرآن مجید مراد ہے۔

صُمٌّ وہ بہرے ہیں کہ وہ قرآن کو تدبر و فہم سے نہیں سنتے بلکہ وہ اس حیثیت سے سنتے ہیں کہ پہلے لوگوں کی بناوٹی باتیں ہیں۔ اس لیے کہ وہ انہیں آیاتِ الٰہی سے شمار ہی نہیں کرتے بلکہ اس کے غیر کا مطالبہ کرتے ہیں صم اصم کی جمع ہے اس سے کفار کو بہروں سے تشبیہ دینا مطلوب ہے۔ اس سے حرف تشبیہ حذف کر دیا گیا ہے۔

وَبُكْمٌ اور وہ گونگے ہیں کہ حق کو بیان کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اس لئے کہ وہ آپ کی دعوت کو قبول نہیں کرتے یہ ابکم کی جمع ہے۔ **فِي الظُّلُمٰتِ** "تاریکیوں میں ہیں۔ یہ مبتداء کی تیسری خبر ہے۔ **مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ** اور جس کے لئے ہدایت چاہتا ہے۔ **يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ** اسے سیدھا راستہ پر چلاتا ہے پھر نہ اسے گمراہ کر سکتا ہے نہ اس کی ثابت قدمی کو پھسلا سکتا ہے۔

مسئلہ : انسان کے علاوہ بھی امتیں ہیں۔

حدیث شریف :۔ میں ہے کہ اگر کتے ایک امت نہ ہوتے تو میں انہیں قتل کرنے کا حکم فرماتا۔ بعض ان میں سیاہ کالے ہیں اور کتا سیاہ کالا شیطان ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وہ دوسروں کے کتوں کی نسبت زیادہ کاٹنے والا اور خبیث ترین ہوتا ہے۔ اور اس سے فائدہ بھی بہت کم ہوتا ہے۔ اور زبان کو بھی زیادہ کھینچتا ہے اس لئے امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سیاہ کالے کتے سے شکار ناجائز ہے۔

marfat.ocm

فسیر صوفیانہ : اس آیت میں اشارہ ہے کہ انسان جانور ہیں کان آنکھ زبان اسی طرح تمام اعضاء اور نفس بجمیع الصفات انسان میں بمنزلہ جانوروں کے ہیں۔ اور اسی میں پرندے بھی ہیں جن کے ریعت وطریقت کے دو پر ہیں۔ جیسے قلب وروح بجمیع الصفات بمنزلہ پرندوں کے ہیں یہ تمہاری طرح امتیں ہیں۔ ان سے قیامت میں احوال وافعال کا سوال ہوگا چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے "اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا"۔

سئلہ : حشر عام ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ تمام کو جمع رمائے گا۔ جانوروں اور پرندوں کو سب کو یہاں تک کہ سینگ والی بکری سے بے سینگی قصاص لے گی۔ دوسری یث شریف میں ہے ہر صاحبِ حقوق کو حقوق دئے جائیں گے۔ یہاں تک کہ سینگ والی بکری بے سینگی کو لا دے گی۔

سئلہ : ابن الملک نے فرمایا کہ اس سے ثابت ہوا کہ وحشی جانور بھی حشر میں حاضر ہوں گے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ لیکن ان کا یہ قصاص مقابلہ کا ہوگا قصاصِ تکلیفی صرف انسان وجن سے مخصوص ہے کے بعد حیوانات اور پرندوں کو حکم ہوگا کہ مٹی ہوجاؤ اسکے بعد وہ مٹی سے مل کر مٹی ہو جائیں گے۔ اسوقت کفار کہیں گے "یٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرَابًا"

ف) حدادی نے فرمایا کہ اس سے جانوروں کا فنا ہونا مراد ہے اس لئے کہ انہیں زندہ کرکے فنا کردیا جائیگا۔ اس سے انہیں درد والم نہیں ہوگا۔

سئلہ : جن پر اللہ تعالےٰ نے مہر لگا دی ہے وہ حقیقی بہرے گونگے ہوجائیں گے اور جو گونگا ہو لازمی ہے کہ وہ رہ بھی ہو مثنوی میں ہے

(۱) دائما ہر گنگ اصلی کر بود   ناطق آنکس شد کہ از مادر شود
(۲) چوں سلیماں سوئے مرغانِ سبا   یک صفیری کرد بست آں جملہ را
(۳) جز مگر مرغے کہ بُد بے بال و پر   یا چوں ماہی گنگ بد از اصل کر
(۴) نے غلط گفتم کہ کر گر سر نہد   پیش وحی کبریا سمعش دہد

ترجمہ : (۱) ہمیشہ ہر گونگا دراصل بہرہ ہوتا ہے وہ بولتا ہے جو ماں سے اصلی ناطق ہو۔
(۲) جب سلیمان علیہ السلام نے سبا کے پرندوں کو صرف ایک آواز دی تو سب کو قید کرلیا۔
(۳) سوائے اس کے جس کے بال وپر نہ تھے۔ یا گونگی مچھلی جو مادرزاد گونگی بہری تھی۔
(۴) میں نے غلط کہا اس لئے کہ یہ بہری مچھلی بھی تابع فرمان تھی۔ اس لئے کہ وحی کبریا نے اسے سننے کی طاقت بخشی۔

اصہ یہ کہ مخلوق کے قلوب اللہ تعالےٰ کے ہاتھ میں ہیں اور وہ انہیں اپنی مشیت سے جسطرح چاہتا ہے پھیرتا ہے۔

marfat.ocm

مُعجزہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم اور ابُوجہل کا بُت

مروی ہے کہ کفارِ مکہ نے ایک میٹنگ بُلائی جس میں تمام مُشرکین جمع ہُوئے اور منصُوبہ تیار کیا کہ حضُور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کیا جائے۔ اُدھر ابلیس بھی آدھمکا اُس نے اُن کے اجتماع کا سبب پُوچھا تو کہا گیا کہ حضُور علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ ہے تو شیطان نے ابوجہل سے کہا کہ اے ابوالحکم اگر تم اپنے بُت کو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے رکھ کر اس کو سجدہ کرو۔ وہ بولے گا جسے (حضرت محمد مُصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم) سُنیں گے۔ (ابوجہل کا بُت جواہر اور موتیوں سے جڑا ہُوا تھا) اُس نے اپنے بُت کو اُٹھا کر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے رکھ کر اس کو سجدہ کیا اور اُسے کہا ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور ہم تیرے قُرب کے خواہشمند رہتے ہیں یہ (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) تیری وجہ سے ہمیں گالیاں دیتے ہیں اور تجھ ہی سے ہم مدد چاہتے ہیں کہ تم بھی (حضرت) محمد مُصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو گالی دیدو۔ ابوجہل کی عاجزی و انکساری پر بُت حرکت میں آگیا اور وہ بدبخت حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے لگا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غمگین اور ملول ہوکر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں تشریف لائے۔ ابھی تھوڑی دیر گذری تھی کہ آپ کا دروازہ کھٹکا۔ آپ باہر تشریف لائے دیکھا کہ ایک نوجوان ہے جس کے ہاتھ میں تلوار ہے اور حضور کو دیکھتے ہی سلام عرض کیا اور التجا کی کہ آپ مجھے حکم فرمائیے تاکہ میں اس کی تعمیل کروں۔ آپ نے فرمایا تم کون ہو۔ اُس نے عرض کی میں جن ہوں۔ آپ نے فرمایا تجھے کتنی طاقت حاصل ہے۔ عرض کی اکیلا دو پہاڑ (جبل حِرا و ابُوقبیس) کو دریا میں ڈال سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تم ابھی کہاں سے آئے ہو۔ اُس نے عرض کی میں اس وقت ساتویں جزیرے میں تھا کہ میرے ہاں حضرت جبریل علیہ السّلام تشریف لائے اور مجھے فرمایا کہ فلاں شیطان نے ابوجہل کے بُت میں داخل ہوکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی ہیں۔ فلہٰذا تم جلد تر اس تلوار سے اُس کا سر قلم کردو میں نے اُسے زمین کے چوتھے طبقے میں جاتے ہُوئے بھاگتا پاکر اُسے قتل کردیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے تیری امداد کی ضرورت نہیں۔ مجھے میرا اللہ کافی ہے۔ اُس نے عرض کی میری استدعا ہے کہ آپ کل والے مقام پر دوبارہ تشریف لے جائیں۔ کافر بھی آپ کو اپنے بُت سے گال دلوائیں گے۔ آپ اپنے یارِ غار سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے گئے تو ابوجہل اپنے بُت کو لایا اور کل کی طرح اُسے سجدہ کرکے عرض کی حضرت (محمد) مُصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دیجئے۔ ابوجہل کا بُت کل کی طرح حرکت میں آگیا اور بآوازِ بلند پڑھتا تھا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ ،، اور کہتا تھا کہ میں بُت ہوں نہ نفع دیتا ہوں نہ نقصان اور اُس کے لئے بہت بڑی خرابی ہے جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر میری پرستش کرتا ہے۔ جب کفار نے بُت کی یہ تقریر سُنی تو ابوجہل کو غصہ آگیا۔ اُس نے بُت کو اُٹھا کر

marfat.ocm

ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور کہا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے بتوں کی طرح تیرے اوپر بھی جادو کر دیا ہے۔ (سبق) اس معجزہ سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مظاہر کی زبان سے گفتگو فرماتا ہے، لیکن اسے تو صادق سنتا ہے نہ کہ منکر۔

قُلْ ، اے پیارے محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ کو فرمائیے اَرَءَيْتَكُمْ (خبر دو مجھے) کاف خطاب کا ہے اسناد کی تاکید کے لئے فاعل کی ضمیر مخاطب کو مؤکد کیا گیا ہے اور اس کے اعراب کا (اِیَّاکَ کے کاف کی طرح) کوئی محل نہیں اور یہ کاف مخاطب کے احوال پر دلالت کرتا ہے۔ مثلاً وہ مفرد ہے یا تثنیہ یا جمع یا مذکر ہے یا مؤنث وغیرہ وغیرہ۔ خلاصہ یہ کہ اسے مراد کے مطابق لایا جاتا ہے اور تاء مخاطبہ ایک حالت پر یعنی مفرد اور مفتوحہ رہتی ہے۔ جیسے رَأَیْتَکَ رَأَیْتَکُمَا اور ترکیب میں مبنی ہیں۔ اگرچہ اس سے خبر دینا مطلوب نہیں بلکہ قلب یا بصر کے ذریعہ اس کے متعلق کی خبر مطلوب ہوتی ہے۔

(ف) علم و ابصار کو اخبار کا مجازاً سبب بنایا گیا ہے اسی طرح اس کا استفہام تبکیت کو امر بجامع الطلب کا مجاز بنایا گیا ہے۔

اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ ، اگر تمہارے ہاں عذاب الٰہی آجائے جیسے دنیا میں دوسری قومیں عذاب میں مبتلا ہوئیں۔ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ ، یا تم پر قیامت ہو جائے یعنی قیامت جو عذاب پر مشتمل ہے اور عذاب سے اخروی عذاب مراد ہے۔

(ف) ساعۃ سے وہ وقت مراد ہے جس میں قیامت قائم ہوگی اور اسے ساعت اس لئے کہتے ہیں کہ اس معمولی سی گھڑی میں بہت بڑا حادثہ ہوگا۔

اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ (کیا غیر اللہ کو پکارو گے) اخبار کا دارومدار اور تبکیت کا اصل منشاء یہی ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ، اس شرط کا جواب (فَاَخْبِرُوْنِیْ) محذوف ہے۔ یعنی اگر تم اس معروف دعویٰ میں سچے ہو کہ تمہارے بت عبادت کے مستحق ہیں تو مجھے خبر دو کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو پکارو گے (اگر تمہارے ہاں عذاب الٰہی آجائے) اس لئے کہ اس معنی پر ان کا صدق غیروں کو پکارنے کے اخبار کے موجبات سے ہے۔
بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ ، بلکہ صرف اسی کو پکارو گے۔ اس کا عطف جملہ منفیہ پر ہے۔ گویا انہیں کہا گیا کہ قیامت میں غیر اللہ کو نہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کو پکارو گے۔ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ ، پس وہ کھولے گا اسے جسے تم پکارتے ہو اِلَيْهِ کی ضمیر کشف کی طرف لوٹتی ہے اور اس کا عطف بھی تَدْعُوْنَ پر ہے۔ یعنی پس تمہارے پکارنے کے بعد کھولے۔
اِنْ شَآءَ ، اگرچہ اس کا کھولنا یعنی دعا قبول کرنا اللہ تعالیٰ کی اپنی مشیت پر ہے۔ کبھی وہ اسے قبول کر لیتا ہے جیسے

marfat.ocm

کافروں کی بعض دعائیں (جو دنیا کے عذاب پر مبتلا ہونے پر اس کے رفع ہونے کیلئے مانگتے تھے) قبول ہو جاتی تھیں اور کبھی ان کی دعا قبول نہیں ہوتیں (جیسے دنیا میں ان کی بعض دعائیں جو عذاب کے رفع کے متعلق ہوتی تھیں) ہاں آخرت کے عذاب کے رفع کے متعلق (منجملہ ان کے ساعۃ کا وقوع بھی ہے) ان کی دعائیں ہرگز قبول نہ ہونگی اسلئے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ "مشرک کو ہرگز نہیں بخشا جائیگا۔ (وہ آخرت میں انکی دعا کی قبولیت چاہتا ہی نہیں) وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ "اس کا عطف بھی مدعون پر ہے یعنی اور شریکوں کو بھول جائیں گے۔ یعنی جن بتوں کی پرستش کر کے تم انہیں خدا کا شریک مانتے تھے قیامت کے دن تم انہیں بالکل چھوڑ دو گے۔ اس لئے کہ اس وقت تمہارے دل پر یہ عقیدہ مذکور ہوگا کہ اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی اور عذاب نہیں اٹھا سکتا۔

ف ا۔ نسیان یہاں پر معنی ترک ہے۔

marfat.ocm

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَلَوْلَاۤ اِذْ

اور بےشک ہم نے تم سے پہلی امتوں کی طرف رسول بھیجے تو انہیں سختی اور تکلیف سے پکڑا کہ وہ کسی طرح گڑگڑائیں تو کیوں نہ ہوا کہ

جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا

جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو گڑگڑائے ہوتے لیکن ان کے تو دل سخت ہوگئے اور شیطان نے ان کے کام ان کی نگاہ

يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا

میں بھلے کر دکھائے پھر جب انہوں نے بھلا دیا جو نصیحتیں ان کو کی گئی تھیں ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے

بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

یہاں تک کہ جب خوش ہوئے اس پر جو انہیں ملا تو ہم نے اچانک انہیں پکڑ لیا اب وہ آس ٹوٹے رہ گئے تو جڑ کاٹ دی گئی ظالموں کی

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ

اور سب خوبیوں سراہا اللہ رب سارے جہان کا تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو اگر اللہ تمہارے کان آنکھ لے لے اور تمہارے دلوں

عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ

پر مہر کر دے تو اللہ کے سوا کون خدا ہے کہ تمہیں یہ چیزیں لا دے دیکھو ہم کس کس رنگ سے آیتیں بیان کرتے ہیں پھر وہ

يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ

منہ پھیر لیتے ہیں تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو اگر تم پر اللہ کا عذاب آئے اچانک یا کھلم کھلا تو کون تباہ ہوگا

اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ فَمَنْ

سوا ظالموں کے اور ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو مگر خوشی اور ڈر سناتے تو جو ایمان

اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

لائے اور سنورے ان کو نہ کچھ اندیشہ نہ کچھ غم اور جنہوں نے ہماری آیتیں

بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾ قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ

جھٹلائیں انہیں عذاب پہنچے گا بدلہ ان کی بے حکمی کا تم فرما دو میں تم سے نہیں کہتا میرے پاس

خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى

اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہوں کہ میں آپ غیب جان لیتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو اسی کا تابع ہوں جو

اِلَيَّ ۚ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۚ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۵۰﴾

مجھے وحی آتی ہے تم فرماؤ کیا برابر ہو جائیں گے اندھے اور انکھیارے تو کیا تم غور نہیں کرتے

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ

۴۲ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا ،، (اور بخدا ہم نے بہت سے رُسل کرام بھیجے ہیں) اِلٰى اُمَمٍ ،، (بہت سی اُمتوں کی طرف) مِنْ قَبْلِكَ (جو آپ کے زمانہ اقدس سے پہلے گزرے ہیں) مِن ابتدائیہ اور زمانہ کی غایت کے لئے ہے (یہ کوفیوں کا مذہب ہے) جیسے نُمْتُ مِنْ اَوَّلِ اللَّيْلِ وَصُمْتُ مِنْ اَوَّلِ الشَّهْرِ ،، میں۔

(ف) سنان چلپی محشی فرماتے ہیں کہ مِنْ زائدہ ہے۔ یہ اس نحوی کے مذہب پر جو کلام میں من زائدہ کا قائل ہے۔ ایک اور مذہب میں یہ مِنْ بمعنی فِی ہے جیسے اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ میں۔

فَاَخَذْنٰهُمْ ،، فاء فصیحہ ہے۔ یہ بتاتی ہے کہ کلام مبنی پر حذف ہے کہ دراصل فکذبوا رسلھم فاخذنا تھا (اُنھوں نے اپنے پیغمبروں کی تکذیب کی تو ہم نے انہیں پکڑا) بِالْبَاْسَآءِ ،، سختی اور فقر و فاقہ سے۔ وَالضَّرَّآءِ آفات و نقصانات سے یہ دونوں مؤنث کے صیغے ہیں۔ اُن کا کوئی مذکر نہیں۔

لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ،، تاکہ دُکھ دُور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑائیں اور عاجزی کر کے کفر و معاصی سے توبہ کریں۔ ۴۳ فَلَوْلَآ (تو کیوں نہ ہو) اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا ،، جب اُن پر ہمارا عذاب آیا یہاں پر بأس بمعنے عذاب ہے۔ تَضَرَّعُوْا تو گڑگڑائے ہوتے یعنی باوجودیکہ انہیں گڑگڑانے پر بعض اُمور مجبور کرتے، لیکن عجز و انکسار اور توبہ و استغفار اور تضرع و زاری نہ کی۔

(ف) لَوْلَا کا لفظ ملامت و ندامت کا فائدہ دیتا ہے۔ یہ اس وقت ہے جب وجود فعل کے اسباب موجود اور ترک کے عذر معدوم ہوں۔

وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ،، لیکن اُن کے دل سخت ہو گئے یعنی اُنھوں نے عجز و نیاز نہ کیا بلکہ اُن کے دل خشک اور سخت ہو گئے اگر اُن کے دلوں میں رقت اور نرمی ہوتی تو عجز و نیاز ضرور کرتے۔

وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ،، اور شیطان نے اُن کے کام یعنی کفر و معاصی بہتر کر دکھائے بایں طور کہ انہیں گمراہ کر دیا اور لذات و شہوات اور خوشی و راحت کی طرف بُلایا اور انہیں فکر و تدبر سے دُور رکھا۔ اُن کو خیال تک نہ آنے دیا کہ یہ دُکھ درد اور فقر و فاقہ کیوں ہیں؛ حالانکہ اس سے وہ متنبہ ہوتے کہ یہ مصائب اس لئے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ ۴۴ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ (جب اُنھوں نے بھلا دیا جو وُہ انہیں نصیحتیں کی گئی تھیں) اس کا عطف فعل مقدر پر ہے جو کہ فانہمکوا ہے یعنی پس وہ منہمک ہو کر بھولے جب انہیں نصیحت بأساء و ضراء سے کی گئی۔ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ

marfat.ocm

شَیْءٍ ،، تو ہم نے اُن پر ہر ایک چیز کے دروازے کھول دیئے۔ یعنی مہلت کے طور انہیں ہر قسم کی نعمتیں دی گئیں۔ حَتّٰیٓ ،، ابتدائیہ اور فتحنا کے لئے غایت ہے۔ اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا ،، جب اپنے دُنیوی عروج کو دیکھ کر اِترانے لگے اور تکبر میں آ گئے۔ یہاں پہ فرح بمعنی اِترانا مُراد ہے جیسے قارون کو دُنیا و دولت ملی تو تکبر میں آگیا تو اس کے لئے بھی فرمایا لاتفرح (وہاں بھی فرح سے تکبر مُراد ہے) اَخَذْنٰھُمْ بَغْتَةً ،، ہم نے انہیں عذاب کے لئے اچانک پکڑ لیا اس لئے کہ اچانک کا عذاب شدید ترین ہوتا ہے بلکہ زیادہ ہولناک۔ جیسا کہ اہلِ معانی نے فرمایا۔ (سوال) اُن کی راحت و فرحت اور نعمت سے مالا مال ہونے کے وقت اچانک کوفت کیوں ہوئی۔

جواب : تاکہ انہیں سلامتی و عافیت کے بعد زیادہ سخت حسرت ہو۔

فَاِذَا ھُمْ مُّبْلِسُوْنَ ،، اب وہ نااُمید ہو جائیں گے (حسرت کرنے والے) جتنے امیدوار تھے اتنا ہر بھلائی سے نااُمید ہوتے۔ یہ اِذَا مفاجاتیہ ہے اور اِبلاس بمعنی نجات سے نااُمیدی جبکہ ہلاکت سر پہ آ جائے اس سے اُن کی حسرت و حزن کا اظہار ہے [۴۵] فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ،، تو ظالموں کی جڑ کاٹ دی گئی۔ یعنی اُن کے چھوٹے بڑے سب ختم کر دیئے گئے۔ گویا ان کا ایک بھی باقی نہ رہا۔ دابر اُس تابع کو کہتے ہیں جو شئی کے پیچھے بطور نیابت کے ہو۔ جیسے والد کا تابع ولد۔ اہلِ عرب کہتے ہیں : دبر فلان القوم یدبر دبرًا دبورًا ،، یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی قوم کو بالکل تباہ و برباد کر دے۔

(ف) بغوی نے فرمایا کہ عذاب سے اُن کی وہ تباہی و بربادی مُراد ہے کہ ان کا ایک بھی باقی نہ رہا۔

سوال : عبارت کا تقاضا تھا کہ یہاں ھُمْ (ضمیر) ہو۔ اَلْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا الخ اتنی طویل عبارت کا کیا فائدہ۔ (**جواب**) تاکہ حکم کی علت کا اظہار ہو کہ انہیں یہ سزا صرف اس لئے ملی کہ اُنھوں نے نعمتوں پہ شکر کی بجائے ناشکری کی اور نعمتوں کی خوشی میں طاعات الٰہی بجا لانے کے بجائے گناہ کئے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ،، اور تمام تعریفیں تمام جہانوں کے لئے ہیں کہ اس نے کفار و مُشرکین کو تباہ و برباد کیا۔

سوال : کفار کی تباہی و بربادی پر حمد و شکر کیسی۔

جواب : اس لئے کہ کفار اور گنہگاروں کی تباہی و بربادی سے اہل دنیا کو چھٹکارا نصیب ہوتا ہے کہ وہ اُن کی نحوستِ عقائد و اعمال سے پریشان ہوتے ہیں۔ اُن کے تباہی و برباد ہونے پر انہیں نجات ملتی ہے تو اُن کے لئے وہ ایک نعمت ہے اور ہر ہر نعمت پہ شکر ہے واجب۔ بالخصوص وہ نعمت کہ جس سے دین کا جھنڈا بلند ہوا اور اُس کی تمام رُسل کرام علیہم السلام نے تعریف کی۔

marfat.ocm

مسائل :۔ آیت سے چند مسائل ثابت ہوئے (۱) ہر حال میں اللہ تعالےٰ کو مرجع و ماویٰ سمجھنا چاہیئے یہی وجہ ہے کہ سمجھدار صرف اللہ تعالیٰ سے ہر وقت رجوع کرتا ہے اس لئے کہ ماسوی اللہ یا اسباب ہیں یا آلات اور مؤثر حقیقی اللہ تعالےٰ ہے یہی وجہ ہے کہ مومن کی شان ہے کہ وہ اپنے آقا و مولیٰ کے دروازے کا سائل اور اسی کی درگاہ کا گداگر بنا رہتا ہے۔ دکھ کی گھڑیوں میں بھی اور آرام و آسائش کے وقت بھی بخلاف کافر کے وہ اپنے آقا کو دکھ اور نزولِ شدت کے وقت پکارتا ہے۔ حالانکہ مقبول بارگاہِ حق وہ ہے جو اپنے اختیار سے ہی اپنے آقا کی طرف رجوع رکھے اور مطیع و فرمانبردار بھی وہی انسان ہے جو ہر حال میں اپنے آقا کے دروازے پر پڑا رہے۔

(۲) اللہ تعالےٰ اپنے بندے کو تکالیف و مصائب سے راحت و فرحت اور مختلف نعمتوں سے نوازتا ہے کبھی اس کے برعکس کرتا ہے۔ جیسے شفیق باپ کبھی اپنی اولاد سے سختی کرتا ہے اور کبھی نرمی صرف اس ارادہ پر کہ اس کی اصلاح و تربیت ہو۔ اس لئے کہ ایسے طریق سے بندے کی بہتر تربیت اور اچھی اصلاح ہوتی ہے۔ اور اس میں اس کا دینی و دنیوی فائدہ بھی ہے۔ حضرت صائب نے فرمایا۔ ؎

نہاد سخت تو سوہان بجز دنے کند   دگر نہ پست و بلند زمان سوہانست

ترجمہ :۔ تیری سخت طبیعت کو سوہان درست نہیں کر سکتا یہی زمانے کا گرم و سرد تیرا سوہان ہے

(۳) جتنی مہلت دی جاتی ہے اسی قدر سزا سخت تر ہوتی ہے۔ (نعوذ باللہ)

حدیث شریف :۔ جب دیکھو کہ کسی بندے پر اس کے گناہوں کے باوجود نعمتوں کی فراوانی ہے جیسے وہ چاہتا ہے ویسے ہی ملتا ہے تو سمجھو کہ اسے مہلت دی جا رہی ہے۔ پھر اسے سخت سے سخت سزا ملے گی۔ یہ فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پڑھی فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ (الآیہ)

تفسیر صوفیانہ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ارباب ظاہر کو دکھ کے بعد قسم قسم کی نعمتوں سے ہم نوازتے ہیں۔ کہ ہر طرح کا مال عزت و شان مقبولیت اور صحت و عافیت وغیرہ وغیرہ انہیں عطا ہوا۔ اور ارباب باطن کو فتوحاتِ غیب اور آرائۂ آیات اور ظاہری کرامات اور رویت انوار و کشف اسرار قلوب کے بھید کا علم اور اوقات کی صفائی اور مشاہدۂ روحانیہ و دیگر مجاہدات سے نوازتے ہیں جیسے بچوں کی طرح ان کی تربیت کی جاتی ہے (اس لئے کہ بہت سے متوسط طبقہ کے سالکین کو اثناء سلوک میں ایسے واقعات ہوتے ہیں) جب مجاہدہ کثیرہ کے وقت ان کے نفس کو ملال پیش آتا ہے اور کثرت ریاضات سے انہیں مذکورہ بالا انعامات نصیب ہوتے ہیں۔ تو شیطان انہیں وسوسہ ڈالتا اور نفس امارہ بھی ترغیب دیتا ہے کہ تم طریقت کے بادشاہ بن گئے ہو۔ فلہذا اب کسی شیخ طریقت کی صحبت کی ضرورت نہیں پھر وہ طلب راہ حق میں اکیلے چل پڑتے ہیں جس سے انجام بکار رسوائی اور ذلت و خواری کے گھاٹ اترتے ہیں۔ اور شیطان انہیں اپنے قابو میں لے لیتا ہے اور انہیں خوارق عادات دکھا

marfat.ocm

جیسے وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ان کی عبادت کی برکت سے ہے[1]

حکایت: ایک سالک راہ کسی جنگل میں جا رہا تھا اسے پیاس لگی تو کنوئیں پر گیا تو پانی خود بخود کنوئیں کے منہ پر آگیا۔ یہ کیفیت دیکھ کر اس نے بارگاہ حق میں التجا کی کاش اس وقت مجھے کوئی بادیہ نشین تھپڑ مار مار کر پانی پلاتا تو بہ نسبت اس کرامت کے میرے لئے وہی بہتر ہوتا اس لئے کہ یہ کرامت میرے لئے باعثِ عجب ہے۔ اور اس کا تھپڑ کھانا میرے لئے موجب بہتری ہوتا۔

فائدہ: حضرت الشیخ ابو عبداللہ قرشی قدس سرہ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے لئے کرامت و خرق عادت کو اس طرح عیب نہیں سمجھتا جیسے عام آدمی گناہوں کے ظاہر ہونے کو عیب سمجھتا ہے تو سمجھو وہ حجاب میں ہے عجب مذموم بلکہ مہلک ہے۔

حدیث شریف: مہلکات تین ہیں (۱) بخل (۲) ہوائے نفس (۳) عجب ؎

(۱) مرد معجب زاہل دیں نہ بود ٭ ہیچ خود بین خدا نہ بود
(۲) بیخبر از جہان و مست یکیست ٭ خویشتن بین و بت پرست یکیست

ترجمہ (۱) عجب والا کبھی اہل دین نہیں ہوتا کوئی خود بین خدا بین نہیں ہوتا۔

(۲) وہ جہان سے بے خبر ہو کر صرف ایک کے خیال میں مست ہوتا ہے اور بت پرست پاگل ہے۔

علاج روحانی: عجب کا علاج یہ ہے کہ اپنی ہر ترقی کو توفیق ایزدی سمجھے۔

(۴) ہر نعمت پر حمد و شکر لازم ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ سب سے پہلے بہشت میں حمد کرنے والوں کو بلایا جائیگا۔ جو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔ اسی وجہ سے انہیں سلامتی نصیب ہوئی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یَا نُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا اس سے ثابت ہوا کہ حمد کرنے پر سلامتی نصیب ہوتی ہے۔

مسئلہ: نعمت دینی ہو یا دنیاوی ہر نعمت پر صبر و شکر ضروری ہے۔

حکایت: حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی کہ رات کو میرے گھر کا سامان چور لے گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا شکر الٰہی بجالا اس لئے کہ اگر تیرے دل پر شیطان ڈاکہ ڈال کر تیرے دل سے توحید کا سامان لوٹ کر لے جاتا تو پھر تو کیا کرتا۔

حکایت صاحب روح البیان: صاحب روح البیان فرماتے ہیں کہ مجھ سے خواب میں سوال ہوا کہ حمد کسے کہتے ہیں میں نے جواب

---

[1] تاویلات نجمیہ ۱۲۔

دیا کہ اسباب کی تیاری کے باوجود اللہ تعالیٰ کے کمال کا اظہار پھر سائل نے فرمایا (اور وہ سائل بھی بہت بڑے مشائخ اولیاء میں تھے) کہ اسباب کی تیاری کا کیا مطلب۔ میں نے عرض کی ہاتھ آسمان کی جانب اُٹھا کر ملکوت کی طرف متوجہ ہونا اور خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ایسی حمد و ثناء بجالانا جیسے اس ذات کے لائق ہے۔ جب میں بیدار ہُوا تو مجھے حمد کی تفسیر میں شکر کے مراتب معلوم ہُوئے۔ کسی بزرگ نے فرمایا ہے

الشکر قید النعم، مستلزم دفع النقم وھو علی ثلاثۃ۔ قلب یفا حسلم ونسم

ترجمہ : یعنی شکر نعمتوں کو قید کرتا ہے۔ تکالیف کو دفع کرتا ہے اور وہ تین طرح ہے۔ دل اور ہاتھ اور منہ سے

تفسیر عالمانہ

۴۶ قُلْ اَرَءَيْتُمْ ،، اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ سے فرمائیے کہ مجھے خبر دو اے مشرکو!

(سوال) تم نے رؤیت کا اخبار معنے کیوں کیا۔

(جواب) رؤیت بصری ہو یا علمی اخبار کا سبب بنتی ہے۔ اس کی تفصیل ہم نے پہلے عرض کر دی ہے۔ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ ،، اللہ تعالیٰ اگر تمہارے کان کی شنوائی چھین لے۔ یعنی تمہیں بہرہ بنا دے۔ وَاَبْصَارَكُمْ ،، اور تمہاری آنکھوں کی بینائی مٹا دے۔ یعنی تمہیں بالکل اندھا بنا دے۔ وَخَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ (اور تمہارے قلوب پر مہر لگا دے) یعنی تمہارے دلوں پر ایسا پردہ ڈال دے کہ جس سے تمہارے عقول زائل کر دے اور تم میں سے سمجھنے کا مادہ ہی ختم ہو جائے یعنی تم پاگل ہو جاؤ۔

مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ،، کونسا معبود ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا ہو۔ مَنْ مبتدا اور اِلٰہٌ اس کی خبر ہے اور غیر اللہ اِلٰہ کی صفت ہے۔ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ،، چھینی ہُوئی چیزوں کو تمہارے ہاں لائے گا۔ یہ اِلٰہ کی دوسری صفت ہے۔ یہ جملہ رؤیت کے متعلق اور استخبار کا انحصار اسی پر ہے یعنی مجھے بتاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے اعلیٰ اعضاء سلب کرلے پھر کون ہے اُس کے سوا جو تمہیں وہی اعضاء واپس دے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ اُس پر سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی قدرت نہیں رکھتا۔ اس سے نتیجہ نکلا کہ ایسی قدرت والا ہی مستحق عبادت ہے اور عبادت کے رنگ میں تعظیم کے لائق بھی صرف وہی ہے (یہ مشرکین پر دوسری حجت ہے) اُنْظُرْ ،، اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم دیکھئے كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ۔ ہم آیات کو کس طرح پھیرتے ہیں۔ یعنی بار بار انہیں اپنے آیات دکھاتے ہیں اور اُن افہام و تفہیم کے لئے نت نئے طریقے اختیار کرتے ہیں۔ کبھی انہیں عقلیات کے مناظر کے دکھاتے ہیں کبھی ان کو ترغیب و ترہیب کے رنگ میں سمجھاتے ہیں کبھی انہیں اُن کے متقدمین کے حالات سُنا کر متنبہ کرتے ہیں۔

فائدہ : حدادی نے فرمایا تصریف قرآنی اصطلاح میں اُن اسباب کو کہا جاتا ہے کہ جنہیں بروئے کار لاکر مطلب کو واضح کیا جائے کہ جس میں کسی قسم کا خفا باقی نہ رہے۔ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ،، پھر وہ ان آیات سے اعراض کرکے ایمان قبول نہیں کرتے۔

marfat.ocm

(ف) ثُمَّ ،، اُن کے صدق کے استبعاد کی وجہ سے ہے یعنی ان کا اعراض ہمارے آیات کو ایسے عجیب وغریب طرق سے پیش کرنے کے بعد ہوکہ بہت بعید ہے باوجودیکہ آیات کی تعریف اُن کے ایمان کا موجب تھی لیکن انہوں نے ان سے اعراض کیا۔ قُلْ اَرَءَیْتَكُمْ ،، فرمایئے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان مشرکین کو کہ مجھے خبر دو۔ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً ،، اگر تمہارے ہاں اللہ تعالیٰ کا عذاب اچانک یکلخت آجائے (یعنی رات کو یا دن کو)

سوال: تم نے بَغْتَةً کو رات سے جہرۃ کو دن سے کیوں تعبیر کیا۔

جواب: اکثر ایسے ہوتا ہے کہ اچانک کا عذاب رات کو آتا ہے۔ کھلم کھلا دن کو۔ سورہ اعراف میں مضمون کی تفسیر یونہی کی گئی ہے چنانچہ فرمایا: اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا بَیَاتًا وَّهُمْ نَآىٕمُوْنَ اَوَاَمِنَ اَهْلُ القرآن اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ یَلْعَبُوْنَ اور قرآن کا ایک مضمون دوسرے مضمون کی تفسیر کرتا ہے۔

هَلْ یُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ،، (نہیں ہلاک وبرباد کیا جاتا مگر قوم ظالم کو) یہ استفہام بمعنی نفی کے ہے اور استخبار کا متعلق محذوف ہے۔ یعنی اَخْبِرُوْنِیْ ،، الخ یعنی اگر تمہارے ہاں اللہ تعالیٰ کا عذاب پہلے قوموں کی طرح رات یا دن کو آئے تو مجھے بتاؤ تمہارا حال کیسا ہوگا۔ اس کے بعد یُهْلَكُ الخ میں اُن کے حال کی تفصیل بتائی گئی ہے۔ یعنی مذکورہ بالا عذاب اگر آجائے تو وہ صرف تمہیں ہلاک وبرباد کرے گا۔

فائدہ: اسم ضمیر کے بجائے اسم ظاہر یعنی اَلْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ کو لانے میں اشارہ ہے کہ اُن کے عذاب کا موجب اُن کا ظلم ہے اور ان کا ظلم یہی تھا کہ ایمان لانے کے بجائے کفر کرتے رہے۔

٥ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ ،، یہ دونوں اَلْمُرْسَلِیْنَ کے حال مقدرہ ہیں۔ دراصل عبارت یوں تھی وَمَا نُرْسِلُهُمْ اِلَّا مُقَدَّرًا تَبْشِیْرُهُمْ الخ یعنی ہم نے رسل کرام علیہم السلام کو صرف اُس نے بھیجا ہے کہ وہ قوم کو خوشخبری سنائیں اور ڈرائیں بھی اس میں ان کے تشریف لانے کو علت غائی بھی بتائی گئی ہے یعنی ہم نے انہیں اس لئے نہیں بھیجا کہ صرف قوم کے سامنے آیات ظاہر کریں یا اُن کی غفلت دور کریں، بلکہ اس لئے بھیجا ہے کہ وہ اپنی قوم کو طاعت پر خوشخبری سنائیں اور گناہوں پر عذاب کا ڈر سنائیں۔

(ف) التبشیر بمعنی خوش کن خبر سنانا اور الانذار بمعنی ضرر رساں خبر سنانا۔ فَمَنْ اٰمَنَ ،، پس جو ایمان لائے گا فَاَصْلَحَ اور نیک عمل کریگا۔ یا اہل صلاح میں سے ہوجائے گا۔ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ ،، پس جس عذاب سے انہیں ڈرایا گیا ہے۔ اس سے وہ بے خوف ہوں گے نہ انہیں دنیا میں کوئی عذاب ہوگا اور نہ آخرت میں۔ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ،، اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یعنی جس خوشخبری سے انہیں خوش کیا گیا ہے۔ دنیا کی خوشخبری

marfat.ocm

یا آخرت کی۔ اس کے فوت ہونیکا انہیں کوئی غم لاحق نہ ہوگا "وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا" اور جنہوں نے ہمارے آیات کی تکذیب کی **ف**: آیات سے وہ بیانات مراد ہیں جو انبیاء علیہم السلام نے خوشخبری دے کر اور ڈرا کر قوم کو بتائے اور انہوں نے اپنی قوم کو احکامات پہنچائے۔ "یَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ" انہیں عذاب پہنچے گا

سوال: مس (پہنچنا) کا اسناد عذاب کیطرف صحیح نہیں۔ اس لئے کہ اس کا اسناد ذی حیات شے کیطرف ہوتا ہے جو کسی فعل کو اپنے قصد و اختیار سے کرے اور عذاب میں حیات اور قصد و اختیار کہاں۔

جواب: اس میں استعارہ بالکنایہ ہے کہ عذاب کو پہلے ذی حیات تصور کیا گیا ہے پھر اس کے قصد و اختیار ثابت کرکے کفار کے لئے دکھ درد پہنچانے کا معنے کیا گیا ہے "بِمَا کَانُوْا یَفْسُقُوْنَ" بسبب ان کے دائمی فسق کے یعنی تصدیق و طاعت سے نکل جانے کی وجہ سے ہے۔

مسئلہ: آیات میں ترغیب و ترہیب ہے ان کلمات قدسیہ میں ہے کہ اللہ تعالےٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا اے آدم علیہ السلام میرے عذاب سے پل صراط سے گزر جانے تک خوف میں رہنا۔

فائدہ: مروی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا کہ اے پیارے خلیل ہر وقت مغموم کیوں رہتے ہو عرض کی یا اللہ تیری بے نیازی کا ڈر ہے کہ میرے باپ آدم علیہ السلام کو باوجودیکہ آپ سے قرب تھا۔ انہیں تو نے اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا اور روح ان کے اندر پھونکی اور ملائکہ سے ان کو سجدہ کرایا لیکن صرف ایک خطا (ظاہری) سے اپنے سے انہیں تو نے دور فرمادیا۔ اللہ تعالےٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ محبوب کی چھوٹی سی غلطی بھی محبت پر سخت گراں ہوتی ہے۔

حکایت: حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ایک دفعہ بصرہ میں گیا تو میرا حضرت سعدون مجنون رحمۃ اللہ علیہ سے گذر ہوا۔ میں نے ان سے پوچھا حضرت کیا حال ہے انہوں نے فرمایا اس شخص کا کیا حال پوچھتے ہو جو صبح و شام سفر میں ہو اور اسکے ہاں زاد راہ بھی کچھ نہ ہو اور اسے حاکم عادل کے سامنے حاضر ہونا ہو اس کے بعد سخت روئے میں نے پوچھا حضرت آپ روئے کیوں ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میرا رونا دنیا پر حرص کی وجہ سے نہیں اور نہ ہی مجھے موت سے ڈر ہے اور نہ ہی خطرہ ہے کہ مرنے کے بعد مٹی سے مٹی ہو جاؤں گا بلکہ اس لئے روتا ہوں کہ زندگی ضائع گئی۔ اور نیک عمل نہ کر سکا۔ ؎

کارے کنیم ورنہ خجالت آورد ؛ روزیکہ رخت جاں بجہان دگر کشیم

ترجمہ:۔ کوئی کام کریں ورنہ شرمساری ہوگی کہ اس دن جبکہ ہم اس جہان سے دوسرے جہان کو کوچ کرینگے۔

سمنون مجنون نے فرمایا میں اپنی قلت زاد راہ کیوجہ سے روتا ہوں اس لئے کہ سفر بہت کٹھن اور طویل ہے اور راستہ میں طرح طرح کے خطرات ہیں۔ اسکے بعد نا معلوم میرا انجام کار بہشت ہے یا دوزخ میں سے اُن سے

marfat.ocm

لام سُنا تو عرض کی کہ آپ کو تو لوگ مجنون کہتے ہیں۔ فرمایا مجھے جنون نہیں لیکن مجھے محبوبِ حقیقی نے ایسے بنا ہے کہ اب دل اپنے قابو میں نہیں رہا۔ آنتیں گل سڑ گئی ہیں اور گوشت اور خون خراب اور ہڈیاں چکنا چور ئی ہیں۔

(۱) در رہِ منزلِ لیلیٰ کہ خطرہاست درو ÷ شرطِ اول قدم آنست کہ مجنون باشی
(۲) کاروان رفت و تو درخواب و بیابان در پیش ÷ کے روی رہ زکہ پرسی چہ کنی چوں باشی

ترجمہ: (۱) رہِ لیلیٰ میں بہت بڑے خطرے ہیں، شرطِ اوّل یہ ہے کہ اس راہ میں مجنون ہو جا
(۲) قافلہ گیا اور نیند میں ہے اور آگے جنگل ہے اس پر تو کب چل سکتا ہے کس سے پوچھے گا۔
کیا کرے گا تیرا کیا حال ہوگا (جب تیرا رہبر نہ ہو)

سبق: انسان سے جب غلطی ہو جائے تو عقلمند وہ ہے جو توبہ و استغفار میں جلدی کرے تا کہ ملک قہار کے عذاب سے بچ سکے۔ کما قال تعالیٰ فَمَنْ اٰمَنَ وَ اَصْلَحَ الخ (جو ایمان لائے اور اصلاح کرے)

اعجوبہ: ملائکہ جب کسی بندے کا برائیوں کا اعمالنامہ آسمان پر لے کر جاتے ہیں تو جب لوحِ محفوظ پر دیکھتے ہیں تو اس کے لئے بجائے بُرائیوں کے نیکیاں لکھی ہوتی ہیں۔ وہ یہ کیفیت دیکھ کر بیہوش ہو کر جاتے ہیں اور عرض کرتے ہیں یا اللہ تو جانتا ہے کہ ہم نے اس کے بُرے عمل کی وجہ سے اس کی بُرائیاں لکھی ہیں، لیکن ں اس کی نیکیاں لکھی ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بے شک اے فرشتو تم تو سچ کہتے ہو لیکن میرے اس بندے نے ائیوں کے بعد ندامت ظاہر کی ہے اور توبہ و استغفار میں خوب رویا ہے مجھے اس کے حال پر رحم آگیا ہے۔ اس لئے نے اس کے گناہ بخش دیئے ہیں۔ یہ میرا کرم ہے اور میں اکرم الاکرمین ہوں۔

سبق: ایمان اور نیک عمل اور غلطیوں پر ندامت کا اظہار دُنیا و آخرت میں نجات کا سبب ہے۔

مسئلہ: بعض بزرگوں کا فرمان ہے کہ اگرچہ ایمان اسلام ایک شئے ہیں، لیکن ان میں ایک باریک فرق بھی ہے وہ یہ کہ مجاز عرفی کے اعتبار سے جس میں تصدیق قلبی ہو وہ ایمان ہے (اس لئے کہ اس میں اصل معنٰی موجود ہے) اور جس میں تصدیق قلبی نہ ہو اور صرف زبان سے تصدیق کی جائے وہ اسلام ہے۔

قُلْ "فرما دیجئے اے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کفار سے جو آپ سے کبھی نزول آیات کا سوال کرتے ہیں اور کبھی کچھ اور کبھی کچھ لَا اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ[1] "میں دعویٰ نہیں کرتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے

---

[1] اس آیت سے مخالفین رسولِ خدا حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ مبارک کی تنقیص میں بڑا زور لگاتے ہیں۔ فقیر نے "احسن التحریر فی دورۃ التقریر" میں اس کے متعلق ایک جامع تقریر لکھائی تھی وہ تا حال غیر مطبوعہ ہے۔ اس کی طباعت

marfat.ocm

ہیں یعنی میں اپنے لئے بالاستقلال اور دعویٰ کے طور نہیں کہتا کہ میرے ہاں اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں کہ ان میں جس طرح چاہوں تصرف کروں۔ جس کی وجہ سے تم مجھ سے کبھی تنزیلِ آیات کا مطالبہ کرتے ہو اور کبھی انزالِ عذاب کا کہتے ہو اور کبھی سوال کرتے ہو کہ پہاڑ کو سونا بنا دو۔ اس طرح کے اور وہ سوالات جو میرے شان کے لائق نہیں۔

(ف) خزائن خزینہ کی جمع ہے بمعنے مخزونہ حداوی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے خزانے بندوں کے خزانوں کی طرح نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے خزانے اس کے مقدورات ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کی تکوین کے بغیر نہیں ملتے اور یہ بھی ممکن ہے کہ خزانہ کی جمع ہو اس مکان کو کہتے ہیں جہاں کوئی شئے پوشیدہ رکھی جائے اور اہل عرب کہتے ہیں خزن الشئ بمعنے احرازہ یعنی شئے کو سمیٹنا۔ اس حیثیت سے کہ وہ کسی کی دستبرد سے محفوظ ہو۔

سے پہلے اس کے چند جوابات یہاں لکھ دیتا ہوں تاکہ روح البیان کے مطالعہ کرنے والوں کو فائدہ اور فقیر کو اجر ثواب ملے۔

تفسیر: کفار کا طریقہ تھا کہ وہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے طرح طرح کے سوال کیا کرتے تھے کبھی کہتے کہ آپ رسول ہیں تو ہمیں بہت سی دولت اور مال دیجئے کہ ہم کبھی محتاج نہ ہوں۔ ہمارے لئے پہاڑوں کو سونا کر دیجئے کبھی کہتے کہ گزشتہ اور آئندہ کی خبریں سنائیے اور ہمیں ہمارے مستقبل کی خبر دیجئے کیا کیا پیش آئے گا تاکہ ہم منافع حاصل کریں اور نقصانوں سے بچنے کے پہلے سے انتظام کر لیں کبھی کہتے ہمیں قیامت کا وقت بتائیے کب آئے گی کبھی کہتے کہ آپ کیسے رسول ہیں جو کھاتے پیتے بھی ہیں نکاح بھی کرتے ہیں۔ ان کی ان تمام باتوں کا اس آیت میں جواب دیا گیا کہ یہ کلام نہایت بے محل اور جاہلانہ ہے کیونکہ جو شخص کسی امر کا مدعی ہو اس سے وہی باتیں دریافت کی جا سکتی ہیں جو اس کے دعویٰ سے تعلق رکھتی ہوں غیر متعلق باتوں کا دریافت کرنا اور اس دعویٰ کے خلاف حجت بنانا انتہا درجہ کا جہل ہے اس لئے ارشاد ہوا کہ آپ فرما دیجئے کہ میرا دعویٰ یہ تو نہیں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں جو تم مجھ سے مال و دولت کا سوال کرو اور میں اس کی طرف التفات نہ کروں تو رسالت سے منکر ہو جاؤ نہ میرا دعویٰ ذاتی غیب دانی کا ہے کہ اگر میں تمہیں گزشتہ یا آئندہ کی خبریں نہ بتاؤں تو میری نبوت ماننے میں عذر کر سکو نہ میں نے فرشتہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے کہ کھانا پینا نکاح کرنا قابل اعتراض ہو تو جن چیزوں کا دعویٰ ہی نہیں کیا ان کا سوال بے محل ہے اور اس کی اجابت مجھ پر لازم نہیں میرا دعویٰ نبوت و رسالت کا ہے اور جب اس پر زبردست دلیلیں اور قوی براہین قائم ہو چکیں تو غیر متعلق باتیں پیش کرنا کیا معنیٰ رکھتا ہے (خزائن العرفان)

مذکورہ بالا تقریر مندرجہ ذیل تفسیر معتبرہ اہلسنت کے اکابر علماء و مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کے عین مطابق ہے چنانچہ ملاحظہ ہو۔ (۱) تفسیر مظہری ص ۲۳۸ ج : ۳ تحت آیت ھذا میں لکھا ہے کہ قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ای مقدوراتہ اور خزائن رزقہ ولا اعلم الغیب عطف علیٰ عندی خزائن اللہ ولا نا ندۃ یعف۔

marfat.ocm

شانِ نزول : اہلِ مکہ حضور علیہ السلام سے کہا کرتے کہ اگر آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں تو ہمارے لئے دُنیا کے منافع اور اُس کی خیرات میں وسعت فرمائیے۔ حضور علیہ السلام اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب بتایا کہ آپ فرمائیں کہ میرا یہ دعویٰ تو نہیں کہ میرے ہاتھ میں رزق کی کنجیاں ہیں کہ کسی کا زق بڑھاؤں اور گھٹاؤں۔ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ اس کا عطف عِنْدِی کے محل پر ہے اور لا زائدہ ہے جو نفی

اقول لكم اعلم الغيب ما لم يوح الى ولا اقول لكم انى ملك من الملائكة حتى ينافى دعوى كل والشرب والنكاح يعنى لا اقول لكم شيئا يجب انكاره عقلا او يستدعى اقتراح الآيات ان تبعه فى تعليم العلوم وتبليغ الاحكام شيئا الا ما يوحى الى يعنى ادعى النبوة والتصدى بما يتصدى له نبياء ولا استحالة فيه بل هو جائز عقلا واقع تواتر به الاخبار عن الانبياء الماضين فيه رد لى استبعادهم دعواه وجزمهم على فساد مدعاه وقال البغوى هذه الآيات نزلت حين قترحوا الآيات يعنى قل لهم لا اقول لكم عندى خزائن الله حتى اجعل لكم الصفا ذهبا واعطيكم تريدون ولا اعلم الغيب حتى اخبركم بما مضى وما سيكون من غير وحى من الله ولا اقول لكم انى ملك حتى لا احتاج الى الاكل والشرب والنكاح ان اتبع الا ما يوحى الى۔

عربی عبارت کا ترجمہ تقریباً وہی ہے جو ہم نے اوپر لکھا ہے۔

(۴) تفسیر صاوی تحت آیۃ ھٰذا کے تحت لکھا ہے: ھٰذا مرتب على قوله وما نرسل المرسلين الا مبشرين منذرين كانه قال ليس على الرسول الا البشارة والنذارة وليس من وظيفته اجابتهم عما سالوه عنه فعل ما طلبوه منه لانه ليس عنده خزائن الله الخ (قوله خزائن الله) اى لا ادعى ان مقدرات من ارزاق وغيرها مفوضة الى حتى تطلبوا منى قلب الجبال ذهبا وغير ذالك (قوله ولا اعلم الغيب ما غاب عنى من افعال الله حتى تسألونى عن وقت الساعة او وقت نزول العذاب (قوله ولا اقول كم انى ملك) اى حتى تكلفونى لصفات الملائكة كالصعود للسماء وعدم المشى فى الاسواق وعدم الاكل والشرب وهذه الآية نزلت حين قالوا له، ان كنت رسولا فاطلب منه ان يوسع علينا ويغنى فقرنا فاخبر ان ذالك بيد الله لا بيده بقوله قل لا اقول لكم عندى خزائن الله وقالوا له ايضا اخبرنا بمصالحنا ومضارنا فى المستقبل حتى نهيأ لذالك فتحصل المصالح وندفع المضار فقال ولا اعلم الغيب فاخبركم بما تريدون وقالوا له ما لهذا الرسول يأكل الطعام ويمشى فى الاسواق ويتزوج النساء فقال لهم ولا اقول لكم انى ملك ”

تقریباً مذکورہ ترجمہ اس عبارت کا مفہوم بھی ادا کرتا ہے۔ اسی لئے مزید لکھنے کی ضرورت نہیں البتہ ان عبارات و

marfat.ocm

مذکور کی یاد دہانی کراتا ہے۔ یعنی میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں اللہ تعالیٰ کے غیب جانتا ہوں کہ جس سے تم مجھ
سوال کرتے ہو۔ مثلاً پوچھتے ہو کہ قیامت کب قائم ہوگی اور سوال کرتے ہو کہ عذاب کس وقت نازل ہوگا۔ وغیرہ
وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ" اور میں دعویٰ نہیں کرتا کہ میں فرشتہ ہوں تاکہ تم مجھے ان امور کے اظہار کی
تکلیف دیتے ہو (جو خرق العادۃ) ظاہر ہوتے ہیں اور وہ انسانی حیثیت سے ممکن نہیں۔ مثلاً آسمان پر چڑھ جا
کے متعلق کہتے ہو یا اگر میں تمہارے سوالات پورے نہ کروں تو کہو کہ میں جس مقصد کو لے کر آیا ہوں۔ اس پر پورا نہ
اُتر سکا۔ چنانچہ اُن کے اقوال دوسرے مقام پر بیان کیا گیا ہے کہ وہ کہتے "مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ
فِی الْاَسْوَاقِ"[1]، خلاصہ یہ کہ حضور علیہ السلام نے کفار سے فرمایا کہ میں ان تینوں امور کا مدعی نہیں۔ تاکہ مجھ

مندرجہ ذیل تفاسیر کے حوالہ جات کا خلاصہ فقیر اویسی غفرلہ کی تحقیق کے باب میں آجائیگا اور وہ تحقیق انہی اوراق
میں ملاحظہ فرمائیں۔

(دیگر تفاسیر کے حوالہ جات)

(تفسیر نیشاپوری میں ہے)

(۳) (قل لا اقول لکم) لم یقل لیس عندی خزائن اللّٰہ لیعلم ان خزائن اللّٰہ وھی العلم بحقائق الاشیاء وماھیاتھا عندہ صَلَّی اللّٰہُ تعالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فی قولہ ارنا الاشیاء کما ھی ولکنہ یکلم الناس علٰی عقولھم (ولا اعلم الغیب) ای لا اقول لکم ھذا مع انہ قال صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ علمت ما کان وما یکون او مختصرا

یعنی ارشاد ہوا کہ اے نبی فرمادو کہ میں تم سے نہیں کہ
کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ ا
کے خزانے میرے پاس نہیں (بلکہ یہ فرمایا کہ میں تم
نہیں کہتا کہ میرے پاس خزانے ہیں) تاکہ معلوم ہو جا
کہ اللہ تعالیٰ کے خزانے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم
پاس ہیں (مگر حضور لوگوں سے ان کی سمجھ کے قابل با
بیان فرماتے ہیں) اور وہ خزانے کیا ہیں؟ تمام اش
ماہیت وحقیقت کا علم" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ملنے کی دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔ پھر ف
"اور میں غیب نہیں جانتا" یعنی تم سے نہیں کہتا کہ مجھے غیب کا علم ہے؛ ورنہ حضور تو خود فرماتے ہیں کہ مجھے ما کا
وما یکون کا علم ملا۔ یعنی جو کچھ گزرا اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے۔

(۴) اسی تفسیر نیشاپوری میں ہے کہ یحتمل ان یکون ولا اعلم عطفا علی ان لا اقول لکم ای
لا اعلم الغیب فیہ دلالۃ علی ان الغیب بالاستقلال لا یعلمہ الا اللّٰہ" یعنی اس آیت میں اح
ہے کہ لا اعلم کا عطف لا اقول پر ہو اب معنی یہ ہوا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیے کہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں غ
جانتا ہوں اس میں دلیل ہے کہ غیب بالاستقلال یعنی ذاتی علم غیب اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔

(۵) اسی تفسیر نیشاپوری میں ہے اَیْ لَا اَدَّعِیْ الْقُدْرَۃَ عَلٰی کُلِّ الْمَقْدُوْرَاتِ وَالْعِلْمَ بِکُلِّ الْمَعْلُوْمَا

---

[1] اس رسول کو کیا ہے کہ طعام کھاتا اور بازاروں میں پھرتا ہے

marfat.ocm

ان کا مطالبہ کرو یا اُن کے آثار و احکام کے سوالات کرو اور جب میں انہیں نہ پیدا کروں تو تم اسے دلیل کے طور پیش کر کے میری دعوت کا انکار کر دو یا کہو کہ ان امور پر عدم قدرت سے میری رسالت و نبوت بھی غلط ہے۔ حالانکہ ان امور کی رسالت و نبوت کے دعوے سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہے۔ اس لئے کہ نبوت و رسالت اللہ تعالیٰ سے پیغام پہنچانے یا اس سے پیغام کے حصول اور پھر اس کے مطابق عمل پیرا ہونے کا نام ہے، چنانچہ فرمایا: اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ ” میں نہیں اتباع کرتا مگر اس کی جو میری طرف وحی کی جاتی ہے اس میں میرا ذاتی طور کوئی قسم کا دخل نہیں ہوتا۔ نہ میں وحی کی استدعا کر کے اپنی طرف سے کسی قسم کا دخل دے سکتا ہوں اور نہ ہی اور کوئی سلسلہ اس میں جاری ہو سکتا ہے۔ (قاعدہ) وحی تین طرح ہوتی ہے (۱) فرشتہ کی زبان سے حکم ربانی پہنچے۔

یعنی میں تمام مقدورات پر رکھنے اور تمام معلومات کے جاننے کا دعویٰ نہیں کرتا۔

تفسیر کبیر میں ہے کہ ای لا ادعی کونی موصوفا بعلم اللہ والمجموع ہذین الکلامین حصل انہ لم یدع الالوھیۃ یعنی میں اللہ کے علم سے موصوف کا ہونے کا مدعی نہیں ہوں اور ان دونوں باتوں کے مجموعہ کا مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام خدا ہونے کا دعویٰ نہیں فرماتے۔

تفسیر بیضاوی میں اسی آیت کے لَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ مَا لَمْ یُوْحَ اِلَیَّ اَوْ لَمْ یُنْصَبْ عَلَیْہِ دَلِیْلٌ میں غیب نہیں جانتا جب تک اس کی مجھ پر وحی نہ کی جائے یا اس کی دلیل مجھ پر قائم نہ ہو۔ یا اس سے مراد کل علم کی نفی ہے۔ تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔ قَوْلُہٗ لَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ یَدُلُّ عَلٰی اِعْتِرَافِہٖ بِاَنَّہٗ غَیْرُ عَالِمٍ بِکُلِّ الْمَعْلُوْمَاتِ ” یہ فرمان کہ میں غیب نہیں جانتا حضور علیہ السلام کے اس اقرار پر دلالت کرتا ہے کہ آپ سارے معلومات نہیں جانتے۔ یا یہ کلام بطور تواضع و انکسار فرمایا گیا۔ تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔ وَاِنَّمَا نَفٰی عَنْ نَفْسِہِ الشَّرِیْفَۃِ ہٰذِہِ الْاَشْیَآءَ تَوَاضُعًا لِلّٰہِ تَعَالٰی وَاعْتِرَافًا لِلْعُبُوْدِیَّۃِ فَلَسْتُ اَقُوْلُ شَیْئًا مِّنْ ذٰلِکَ وَلَا اَدَّعِیْہِ حضور علیہ السلام نے ان چیزوں کی اپنی ذات کریمہ سے نفی فرمائی۔ رب کے لئے عاجزی کرتے ہوئے اور اپنی بندگی کا اقرار فرماتے ہوئے یعنی میں اس میں سے کچھ نہیں کہتا اور کسی چیز کا دعویٰ نہیں کرتا۔

تفسیر عرائس البیان میں ہے وَتَوَاضَعَ حَیْثُ اَقَامَ نَفْسَہٗ مَقَامَ الْاِنْسَانِیَّۃِ بَعْدَ اَنْ کَانَ اَشْرَفَ خَلْقِ اللّٰہِ مِنَ الْعَرْشِ اِلَی الثَّرٰی وَاَطْہَرَ مِنَ الْکَرُوْبِیِّیْنَ وَالرُّوْحَانِیِّیْنَ خُضُوْعًا لِجَبَرُوْتِہٖ وَخُشُوْعًا لِمَلَکُوْتِہٖ ” حضور علیہ السلام نے انکسار فرمایا کہ اپنی ذات کو انسانیت کی جگہ میں رکھا ورنہ آپ از عرش تا فرش ساری مخلوق میں اشرف ہیں اور ملائکہ اور روحانیین سے زیادہ ستھرے ہیں۔ حق تعالیٰ کی شان جباری کے سامنے عاجزی کے طور پر اس کی سطوت کے سامنے پستی کے اظہار کے طریق پر فرمایا یعنی دعوائے علم غیب کی نفی ہے کہ میں علم غیب کا دعویٰ نہیں کرتا۔

marfat.ocm

قرآن پاک کے آیات اسی قبیل سے ہیں۔

(۲) فرشتہ صرف اشارہ کنایہ سے کچھ کہے یعنی زبان سے کچھ نہ کہے اسی طرف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ اِنَّ رُوحَ القُدُسِ نَفَثَ فِیْ رَوْعِی اِنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰی تَسْتَکْمِلَ رِزْقَھَا۔" رُوح القدس نے میرے دِل پر القاء کیا ہے کہ کوئی نفس نہیں مرتا یہاں تک کہ وہ اپنا رزق مکمل کرلے۔

(۳) براہِ راست نبی علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہو بایں طور کہ اللہ تعالیٰ اپنے نُور سے اپنے نبی علیہ السلام کو کوئی بات ظاہر فرمائے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَا اَرٰىكَ " تاکہ تم فیصلہ کرو اس اشارہ پر جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھایا ہے۔

مدارک میں ہے کہ محل اَلْغَیْبَ النَّصَبُ عطفًا عَلٰی مَحَلِّ عِنْدِیْ خَزَائِنُ اللّٰہِ لِاَنَّہٗ مِنْ جُمْلَۃِ الْمَقُوْلِ کَاَنَّہٗ قَالَ لَا اَقُوْلُ لَکُمْ ھٰذَا الْقَوْلَ وَلَا ھٰذَا الْقَوْلَ وَلَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ کا اعراب زبر ہے عِنْدِیْ خَزَائِنُ اللّٰہِ کے محل پر عطف کی وجہ سے کیونکہ یہ بھی کہی ہوئی بات میں سے ہے گویا آپ نے یوں فرمایا کہ میں تم سے نہ یہ کہتا ہوں اور نہ یہ "

رُوح البیان میں تحت آیۃ ہذا میں ہے ہم عربی عبارت کے بجائے اردو ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں: لَآ اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَائِنُ اللّٰہِ "، میں دعویٰ نہیں کرتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں یعنی میں اپنے لئے بالاستقلال اور دعویٰ کے طور نہیں کہتا کہ میرے ہاں اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں کہ ان میں جس طرح چاہوں تصرف کروں جس کی وجہ سے تم مجھ سے بھی تنزیل آیات کا مقابلہ کرتے ہو اور کبھی انزال عذاب کا کہتے ہو اور کبھی سوال کرتے ہو کہ پہاڑ کو سونا بنا دو اس طرح کے اور وہ سوالات جو میرے شان کے لائق نہیں ۔ (شان نزول) اہل مکہ حضور علیہ السلام سے کہا کرتے کہ اگر آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں تو ہمارے لئے دُنیا کے منافع اور اس کی خیرات میں وسعت فرمائیے۔ حضور علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب بتایا آپ فرمائیں کہ میرا یہ دعویٰ تو نہیں کہ میرے ہاتھ میں رزق کی کنجیاں ہیں کہ کسی کا رزق بڑھاؤں اور گھٹاؤں وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ اس کا عطف عندی کے محل پر ہے اور لا زائدہ ہے جو نفی مذکور کی یاد دہانی کرتا ہے۔ یعنی یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں اللہ تعالیٰ کے غیب جانتا ہوں کہ جیسے تم مجھ سے سوال کرتے ہو مثلاً پوچھتے ہو کہ قیامت کب ہوگی اور سوال کرتے ہو کہ عذاب کس وقت نازل ہوگا وغیرہ ۔ وَلَآ اَقُوْلُ لَکُمْ اِنِّیْ مَلَکٌ "، میں دعویٰ نہیں کرتا کہ میں فرشتہ ہوں تاکہ مجھے ان امور کے اظہار کی تکلیف دیتے ہو جو خرقًا لِلعادۃ)

ہم نے آیات و احادیث کے بعد اسلاف صالحین کے اقوال لکھ دیئے تاکہ مخالفین اپنی غلط توجیہ سے عوام کو دھوکہ نہ دیں۔

marfat.ocm

فائدہ : اشعریہ اور اکثر متکلمین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کے منکر ہیں۔ جیسا کہ آیت مذکورہ کے آخری جملہ سے واضح ہوتا ہے! لیکن حق یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد ثابت ہے اور آپ کے اجتہاد کو بھی وحی کا مرتبہ حاصل ہے۔ صرف فرق اتنا ہے کہ وحی از اول تا آخر وحی ہے اور اجتہاد ابتداء میں تو اجتہاد اور اُس کا مآل وحی ہوگا اور اُسے وہی مرتبہ حاصل ہے کہ گویا وہ ابتداءً ہی وحی ہے۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الْأَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ،، فرمائیے محبوب کریم، صلی اللہ علیہ وسلم کیا نابینا اور بینا

تطبیق : ہماری پیش کردہ روایات سے ثابت ہُوا کہ ہمارا موقف حق ہے کہ ہم نے مخالفین کی پیش کردہ آیت کو حق مان کر اس کا اصل منشا ثابت کر دیا اور مخالفین کا صرف یکطرفہ پروگرام ہے جو سراسر غلط اور باطل ہے خلاصہ یہ کہ آیت مذکور مکیہ ہے اور اس وقت بالمقابل کفار و مشرکین تھے انہیں اسی طرح جواب دینا موزوں تھا اور مدینہ طیبہ میں ماننے والوں کی کثرت تھی اور مقابلہ میں یہود تھے اور انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات و مناقب معلوم تھے اسی لئے مدینہ طیبہ تشریف لاکر علوم غیبیہ و اختیار و تصرفات کا اظہار فرمایا

تقریر ۶ : مخالفین کی عادت ہے کہ ہمیشہ اپنے مطلب براری کے لئے پوری آیۃ نہیں پڑھتے اس لئے کہ انہیں معلوم ہے کہ اگر وہ پوری آیۃ پڑھیں گے تو پردہ کھل جائے گا ورنہ مخالفین کا جواب اسی آیۃ کے آخر میں ہے وہ یہ کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اپنے سے علم غیب و اختیار کی نفی کی تاکہ کفار مکہ کو معلوم ہو کہ علم غیب و اختیار اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے پھر آخر میں اپنے لئے بعطائے الٰہی انہی امور کا اثبات فرمایا کما قال ،، ان اتبع الّا مَا یُوحیٰ اِلَیَّ ،، یعنی اے کافرو! میں نے تمہارے سامنے اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور نبی کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتا وہ جو کچھ کہتا ہے وُحی ربانی سے کہتا ہے میں نے جو

(بقیہ حاشیہ) تمہارے سامنے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ اس میں میری صداقت اور سچائی کی دلیل وحی ربانی ہے اور وحی ربانی سے مجھے علم غیب بھی حاصل ہے اور اختیار بھی لیکن چونکہ تم ان باتوں کے حامل نہیں جو لوگ ان کے اہل ہیں ان کے سامنے ظاہر کروں گا۔

تقریر ۷ : سابقہ امم میں اللہ تعالیٰ نے دستور رکھا کہ کفار جس طرح کا مطالبہ کرتے اللہ تعالیٰ انہیں پورا فرماتا پھر بھی اگر وہ ایمان نہ لائے تو ان پر فوراً عذاب نازل ہو جاتا۔ انہیں یہاں بھی اس قانون کا اعلان فرمایا کما قال وَ قالوا لولا انزل علیہ ملک ولو انزلنا ملکا لقضی الامر ثم لا ینظرون ،، یعنی کافروں نے کہا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرشتہ کیوں نہیں نازل ہوتا۔ اگر ان کے مطالبہ پر ہماری طرف سے فرشتہ نازل بھی ہو جائے اور پھر بھی وہ

marfat.ocm

یعنی گمراہ اور ہدایت یافتہ برابر ہو سکتے ہیں ۔

ربط : جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کریمہ کو وحی کی اتباع سے موصوف فرمایا تو اس سے لازماً ثابت ہوا کہ آپ اپنے کو ہدایت یافتہ اور اپنے معاند کو گمراہ اور اس کے دعویٰ کو گمراہی سے تعبیر فرمائیں ۔ اس لیئے ہر وہ عمل جو وحی کے بغیر ہو وہ نابینا کے مشابہ ہے اور وہ عمل جو بمقتضائے وحی ہو وہ بینا کے عمل کی طرح ہے ۔

۵۰ **اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ** ،، کیا تفکر نہیں کرتے ۔ یعنی وہ کلام حق کو سن کر پھر تفکر کیوں نہیں کرتے تاکہ اس کی اتباع کر کے ہدایت پا جائیں اور وحی کے مقتضا پر چلنے والے ہو جائیں ۔

(ف) توبیخ کا دارومدار دو امروں کے نہ ہونے پر ہے (۱) کلام حق کا نہ سننا (۲) اس میں تفکر نہ کرنا ۔

ایمان نہ لائے تو ان کا کام تمام ہو جائے گا اور انہیں مہلت بھی نہیں ملے گی ۔

فائدہ غور کیجئے کہ آیۃ **قل اقول لکم الخ** میں کفار کا مطالبہ پورا کرتے تو یقیناً ایمان نہ لاتے جیسا کہ ان کی عادت تھی تو لازماً وہ عذاب میں مبتلا ہوتے جیسا کہ اوپر کے قاعدہ و ضابطہ سے معلوم ہوا اور ان کا عذاب میں مبتلا ہونا قیامت تک غیر ممکن تھا اسی لیے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب علیہ السلام سے وعدہ فرما چکا کہ **ما کان اللہ لیعذبہم و انت فیہم** ،، بفرض محال اگر ان پر عذاب نازل ہوتا تو خلاف وعدۂ الٰہی لازم آتا اور وہ محال ہے ۔ کما قال : **ان اللہ لا یخلف المیعاد** ،، اور فرمایا **ان اللہ لا یخلف وعدہ** ،، وغیرہ وغیرہ

ہماری اس تقریر سے ثابت ہوا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم آیۃ **قل لا اقول لکم الخ** میں علم غیب و اختیار کے اظہار نہ کرنا ضروری اور لازمی تھا ورنہ اللہ تعالیٰ پر خلاف وعدہ کا الزام آتا اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس کے لیئے مبعوث ہوئے نہ کہ اس کی توہین و تنقیص کیلئے

(مزید تفصیل و تفسیر احسن التحریر میں ملاحظہ ہو)

marfat.ocm

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْ یُّحْشَرُوْٓا اِلٰی رَبِّهِمْ لَیْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِیٌّ وَّلَا
اور اس قرآن سے انہیں ڈراؤ جنہیں خوف ہو کہ اپنے رب کی طرف یوں اٹھائے جائیں کہ اللہ کے سوا نہ ان کا کوئی حمایتی ہو اور نہ سفارشی
شَفِیْعٌ لَّعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ
اس امید پر کہ وہ پرہیزگار ہو جائیں اور دور نہ کرو انہیں جو اپنے رب کو پکارتے ہیں صبح اور شام اس کی رضا
یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ مَا عَلَیْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَیْهِمْ
چاہتے تم پر ان کے حساب سے کچھ نہیں اور ان پر تمہارے حساب سے کچھ نہیں پھر
مِّنْ شَیْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۲﴾ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ
انہیں تم دور کرو تو یہ کام انصاف سے بعید ہے اور یوں ہی ہم نے ان میں ایک کو دوسرے کے لیے
لِّیَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنْ بَیْنِنَا ؕ اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِیْنَ ﴿۵۳﴾
فتنہ بنایا کہ مالدار کافر محتاج مسلمانوں کو دیکھ کر کہیں کیا یہ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا ہم میں سے کیا اللہ خوب نہیں جانتا حق ماننے
وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰی نَفْسِهِ
والوں کو اور جب تمہارے حضور وہ حاضر ہوں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو ان سے فرماؤ تم پر سلام تمہارے رب نے اپنے ذمہ کرم
الرَّحْمَةَ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ
پر رحمت لازم کرلی ہے کہ تم میں جو کوئی نادانی سے کچھ برائی کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کرے اور سنور جائے تو بے شک اللہ بخشنے
فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۵۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ وَلِتَسْتَبِیْنَ سَبِیْلُ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۵۵﴾ ع
والا مہربان ہے اور اسی طرح ہم آیتوں کو مفصل بیان فرماتے ہیں اور اس لیے کہ مجرموں کا راستہ ظاہر ہو جائے

تفسیر عالمانہ

۵۱ وَاَنْذِرْ بِهِ اور اس عذاب سے خوف دلائیے جو وحی کے ذریعے بنایا گیا ہے۔ اَلَّذِیْنَ اَنْ یُّحْشَرُوْٓا اِلٰی رَبِّهِمْ ،، انہیں جو خوف رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کے ہاں اٹھائے جائیں گے۔ یعنی ایسے مقام پہ انہیں اٹھا کر جمع کیا جائے گا کہ وہاں سوائے اللہ تعالیٰ کے نہ کوئی کسی کو نفع پہنچا سکے گا نہ نقصان۔

(ف) بعض کے نزدیک یَخَافُوْنَ معنی یَعْلَمُوْنَ ہے اس لئے کہ اُن کا خوف بوجہ علم کے تھا۔ لَیْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِیٌّ ،، اُن کے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسا قریبی تعلق دار نہیں ہوگا جو قیامت میں انہیں فائدہ پہنچا سکے۔ وَّلَا شَفِیْعٌ ،، اور نہ ہی کوئی سفارشی جو اُن کی سفارش کرے اور یہ بھی جملہ نافیہ ہے اور یُحْشَرُوْنَ کی ضمیر سے محلاً حال نہیں۔ اس لئے کہ ڈرائے ہوئے لوگوں کا یہی حال ہوگا نہ کہ اُٹھائے ہوؤں کا۔ اور من دونہ لیس کی ضمیر سے حال ہے اور الذین سے مومن عاصی مراد ہیں (کذا فی اکثر التفاسیر)

marfat.ocm

ردِ نجدیہ وہابیہ: یہاں پر شفاعت کی نفی غیر اللہ یعنی اصنامِ باطلہ سے ہے۔ اہلسنت وجماعت کا مذہب یہی ہے کہ تمام انبیاءِ عظام و اولیاءِ کرام علیٰ نبینا وعلیہم السلام مجرمون کی شفاعت کریں گے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کے اذن و عطا سے اس معنی پر حقیقی قبضہ و قدرت اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اس معنی پر شفاعت اللہ تعالیٰ کی ہے اور مجازاً اللہ والوں کے لئے۔ یہی نفی بحیثیت حقیقت کے ہے نہ بوجہ مجاز کے۔

فائدہ: مولانا ابو السعود (مفسر) رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اَلَّذِیْنَ سے کافرون کا وہ گروہ مراد ہے جو حشر و نشر کے قائل ہیں، بلکہ بعض اصل حشر و نشر کے عقیدے میں پختہ کار ہیں جیسے یہود و نصاریٰ اور بعض وہ مشرکین جو بعثت و نشر کے قائل ہو کر اس گمان میں ہیں کہ وہ چونکہ انبیاء علیہم السلام کی اولاد ہیں اس لئے وہ ہماری سفارش کریں گے یا اس غلط خیالی میں مبتلا تھے کہ اُن کے بُت اُن کی سفارش کریں گے۔ اُن کے ساتھ وہ دُوسرے بعثت و نشر کے مُنکر ہو کر خوفزدہ ہو جاتے کہ ممکن ہے کہ بعثت و نشر کا بالکل انکار تھا یا اس کا انہیں اقرار تو تھا لیکن وہ اپنے آباء یعنی انبیاء علیہم السلام اور اپنے معبودانِ باطل کی شفاعت کے قائل تھے۔ ان سب کو انذار کا حکم ہے۔ خلاصہ یہ کہ آیت سے واضح ہو گیا کہ قیامت میں اُن کا نہ کوئی دوست ہو گا اور نہ ہی اُن کا ایسا سفارشی کہ جس کی سفارش اُن کے حق میں قبول ہو۔ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ،، یہ وانذر کی علت ہے یعنی انہیں ڈرائیے تاکہ جن بُرے عقائد پر زندگی بسر کر رہے ہیں اُن سے باز آجائیں اور اللہ تعالیٰ کا دل میں خوف پیدا کر کے اس کی اطاعت کریں۔ یا اس سے مُراد یہ ہے کہ انہیں ڈرائیں تاکہ وہ کفر و معاصی سے بچیں۔

تفسیرِ صُوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ کفار سے اُن کے عقول و فہوم کے مطابق کلام کریں اسی لئے فرمایا قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ ،، اے کافرو اگرچہ میرے ہاں اللہ تعالیٰ کے بے شمار خزانے ہیں لیکن میں نہیں نہیں کہتا۔ اور خزائن اللہ سے حقائق الاشیاء کا علم اور اُن کی ماہیات مُراد ہیں اور حضور علیہ السلام کو یہ خزائن حاصل تھے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ اور اس عموم میں حضور علیہ السلام کو خصوصیت حاصل تھی اور محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دُعا اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْاَشْيَاءَ كَمَا هِيَ ،، ضرور مستجاب ہُوئی؛ چنانچہ خود حضور علیہ السلام نے فرمایا اُوْتِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ اور غور سے دیکھا جائے تو آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے قُلْ کا حکم فرمایا ہے کہ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ۔ وہ بھی اس لئے کہ وہ اُس کے اہل نہیں تھے چنانچہ حضرت شیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا وَلَا تَبْذُرِ الْاَسْرَارَ انہیں حقائق الاشیاء کے اسرار سے مطلع نہ فرمائیے اس لئے کہ یہ اشیاء قلب و رُوح کی غذا ہیں جیسے گندم جسم کی۔ فی الارض عمیان ،، اندھوں کی زمین میں بیج مت ڈالیئے۔ اس لئے کہ وہ نہ حق کو دیکھتے ہیں اور نہ ہی جملہ اشیاء میں حق کا مشاہدہ کرتے

marfat.ocm

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

دریغست با سفلہ گفت از علوم ٭ کہ ضائع شود تخم در شورہ بوم

ترجمہ: کمینے کو علم پڑھانا افسوس کا سبب ہے کہ شور زمین میں بیج ضائع ہو جاتا ہے۔

ردّ وہابیہ دیوبندیہ

وَلَآ اَعۡلَمُ الۡغَیۡبَ: (اور میں ذاتی طور غیب نہیں جانتا) ورنہ دلائل سے ثابت ہے کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم گزشتہ تمام حالات کی خبریں دیتے اور اللہ تعالیٰ کے عطائی علم سے آئندہ کے واقعات سُناتے اور خود امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شبِ معراج ایک قطرہ میرے حلق میں اُتارا گیا جس سے میں نے مَاکَانَ وَمَا یَکُوۡنُ کے علوم کو جان لیا۔ اس بنا پر جو لوگ (مثلاً وہابی، دیوبندی، مودودی، نیچری وغیرہ) کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم علم غیب نہیں جانتے وہ سراسر غلط کہتے ہیں۔ وَلَآ اَقُوۡلُ لَکُمۡ اِنِّیۡ مَلَکٌ "اور میں تمہیں یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں۔ اگرچہ ملائکہ کے مقام سے بھی میرا مقام بلند ہے؛ چنانچہ میں نے کہا اے جبریل کچھ آگے چلئے تو اُس نے جواب دیا۔ اگر میں تھوڑا سا اُوپر پرواز کروں تو راکھ ہو جاؤں۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

(۱) شبے برنشست از فلک برگذشت
تمکیں وجاہ از ملک درگزشت

(۲) چناں گرم در تیہ قربت براند
کہ در سدرہ جبریل ازو باز ماند

ترجمہ: (۱) ایک رات میں بُراق پر بیٹھ کر آسمانوں سے گزر گئے مرتبہ و مقام میں فرشتوں سے بلند ہُوئے۔
(۲) قربت کے جنگل میں ایسے قریب ہُوئے کہ جبریل علیہ السلام بھی سدرہ پہ رہ گئے۔

اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ ط میں اپنے اُن مقامات و احوال (جو مجھے اللہ تعالیٰ سے نصیب ہُوئے ہیں کہ جہاں نہ ملائکہ مقربین کو گنجائش ہے اور نہ ہی نبی مُرسل کو) سے نہیں خبر دیتا مگر اتنا قدر کہ جتنا مجھے حکم ہُوا کہ میں تمہیں اپنے حالات و مقامات سے خبر دوں اور ان مقامات و احوال کی تمہیں کیسے خبر دوں کہ جن سے اللہ تعالیٰ نے تمہاری آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ حالانکہ میں اُن مقامات و حالات کا مشاہدہ فرماتا ہوں۔ اس معنے پر نابینا اور بینا کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا وَاَنۡذِرۡ بِہٖ اور ان حقائق و معانی سے انہیں خبر دیجئے جو خوف رکھتے ہیں یعنی اُنہیں اُمید ہے کہ وہ جذبات عنایت سے اپنے ربِ کریم کی طرف جمع کئے جائیں اور وہ انہیں وہ مقامات اور احوال تحقق ہو جائیں لَیۡسَ لَھُمۡ "اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچنے میں اُن کے لئے کوئی نہیں۔ مِنۡ دُوۡنِہٖ وَلِیٌّ "اس کے سوا کوئی ولی وَلَا شَفِیۡعٌ اور نہ ہی کوئی شفیع اس لئے کہ وہ تو صرف جذبات عنایت حق سے نصیب ہوتا ہے۔ لَعَلَّھُمۡ یَتَّقُوۡنَ " تاکہ طلب وصول میں اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ماسوی اللہ سے بچ جائیں۔

---

[1] یہ عربی عبارت خط کشیدہ فصوص الحکم شریف کی ہے

---

[2] اضافہ اویسی غفرلہ

marfat.ocm

حکایت : حضرت سری سقطی قدس سرہ نے فرمایا کہ میں نے ایک دن گورستان میں حضرت بہلول رحمہ اللہ تعالیٰ کو بیٹھے دیکھ کر عرض کیا کہ یہاں آپ کا کیا کام۔ فرمایا میں یہاں ان لوگوں کے ہاں قیام پذیر ہوں جو مجھے ایذاء نہیں دیتے۔ اگر چلا جاؤں تو غیبت نہیں کرتے۔ میں نے کہا آپ بھوکے ہوں گے اُنھوں نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا ؎

تجوع فان الجوع من عمل التقی ∴ وان طویل الجوع یومًا سیشبع

ترجمہ : بھوکا رہئے اس لئے کہ بھوکا رہنا تقویٰ ہے اور طویل بھوک سے ایک دن پیٹ بھر کر کھانا ملے گا۔

مثال عجیب : بزرگوں نے لکھا کہ نیک لوگوں کی زیب وزینت کی بہ نسبت غیروں کی مثال یوں ہے کہ ایک لشکر کو بادشاہ فرمائے کہ تم میرے ہاں حاضر ہونے کے لئے زیب و زینت کر لو۔ کل تمہیں میری ملاقات ہوگی جو تم میں زیادہ سنگار کر کے آئے گا وہی میرے نزدیک بلند قدر سمجھا جائیگا پھر خفیہ طور اپنے مخصوص لشکر کے ہاں زیب و زینت کے ایسے آرائشی سامان بھیجے جو دوسروں کو کہیں سے حاصل نہ ہوں تو جب یہ تمام حاضر ہوں گے تو ترقی انہیں نصیب ہوگی جنہیں بادشاہ نے خصوصیت سے سامان آرائش عطا فرمایا ہوگا۔ بعینہٖ یہی حال اُن حضرات اولیاء کرام کا ہے جو اعمال صالحہ اور احوال زکیہ (پاکیزہ) سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ انہیں عوام سے صفائی اور ستھرائی حاصل کرنے کی ضرورت نہیں اور جو کچھ حاصل ہے وہ قیامت میں ظاہر ہوگا جبکہ ہر ایک پریشانی کے عالم میں حیران و سرگردان ہوگا۔ اس لئے کہ وہ مخصوص اور برگزیدہ بندے ہیں اور ہم گندے بندے۔

تفسیر عالمانہ ۵ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ (اور ان لوگوں کو نہ ہٹایئے جو صبح و شام اللہ کو پکارتے ہیں)

شانِ نزول مروی ہے کہ قریش مکہ کے لیڈروں نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ آپ اپنی مجلس شریف سے فقراء (صہیب و عمار و خباب و بلال و سلمان وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو ہٹا دیں اس لئے کہ معمولی لوگوں کے ساتھ ہمارا بیٹھنا نامناسب ہے۔ علاوہ ازیں اُن کے کپڑوں سے بدبو آتی ہے (اس لئے کہ اُنھوں نے اُونی کپڑے پہنے ہوئے تھے) جبتک یہ لوگ آپکے ہاں ہیں ہم نہ آپ کے ساتھ بیٹھ سکتے ہیں اور نہ باتیں کر سکتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تو اہلِ ایمان کو لمحہ بھر کے لئے بھی اپنی مجلس سے دُور نہیں کر سکتا۔ اُنھوں نے کہا کم ازکم اتنی مہربانی تو فرمائیں کہ جب ہم آپ کے ہاں حاضری دیں تو ان کو اُٹھا دیں تاکہ اہلِ عرب کو ہماری شان و شوکت معلوم ہو۔ عرب کے مختلف مقامات سے آپ کے ہاں بڑے بڑے وفود حاضری دیتے ہیں۔ ہمیں شرم آتی ہے کہ وہ ہمیں ان غریب لوگوں کے ساتھ بیٹھا دیکھیں۔ پھر جب ہم اُٹھ جائیں تو آپ انہیں بے شک اپنے ساتھ بیٹھا لیں۔ حضور علیہ السلام اُن کی یہ شرط قبول کرنے کو تھے۔ اس ارادہ پر کہ شاید یہ بدبخت ایمان لائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو گوارا نہ ہُوا فوراً یہی آیت نازل فرما کر حکم دیا کہ آپ ان لوگوں کو اپنے سے نہ ہٹائیں جو صبح و شام اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں۔ (**مسئلہ**) اس سے ثابت ہُوا کہ اسلام میں غنی کو فقیر پر اور اُونچے گھرانے والوں کو غریبوں پر کوئی

marfat.ocm

فضیلت نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیوی احوال کے لئے نہیں بھیجا اور طرد بمعنی العاد (دُور کرنا) اور صبح و شام سے ذکر سے دائمی ذکر مراد ہے اور یہ قاعدہ ہے جو ذکر میں ہر وقت مصروف رہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمنشیں ہوتا ہے، چنانچہ قدسی حدیث میں ہے اَنَا جلیس من ذَکَرَنی ،، میں اُس کا ہمنشین ہوں جو مجھے یاد کرتا ہے۔ یُرِیْدُوْنَ ،، اپنی عبادت و ذکر سے ارادہ کرتے ہیں۔ وَجْھَہٗ (اُس کی ذات کا) یعنی صرف اسی کی رضا چاہتے ہیں ذکر و عبادت سے انہیں کوئی دُنیوی غرض نہیں ہوتی۔ یُرِیْدُوْن وجہہ ،، یہ سالم جُملہ یَدعون کی ضمیر سے حال ہے یعنی یدعونہ تعالیٰ مخلصین لہ ،، یعنی وہ اللہ تعالیٰ کو مخلص ہو کر پکارتے ہیں اور دُعاء کو خلوص کی قید سے اس لئے مقید کیا گیا ہے کہ اخلاص پر تمام اعمال کا انحصار ہے ؎

عبادت با اخلاص نیت نکوست ∴ وگرنہ چہ آید ز بے مغز و پوست

ترجمہ : عبادت خلوص نیت سے بہتر ہے ورنہ بے مغز پوست سے کیا حاصل ہوگا۔

اور دُوسری وجہ یہ بھی کہ العاد کے مقابلہ میں انہیں تکرم نہ صرف خلوص پر بنایا گیا ہے۔

مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ (نہ آپ کا اُن پر کوئی حساب ہے نہ اُن کے حساب میں کوئی شئے آپ پر ہے)

شانِ نزول : مشرکین مکہ نے نہ صرف اہلِ اسلام فقراء و مساکین سے اظہارِ نفرت کیا بلکہ اُنھوں نے اُن کے ایمان پر طعن و تشنیع کی کہ وہ فقراء و مساکین دینِ اسلام کو صرف اس لئے قبول کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے کھانا پینا اور لباس وغیرہ مُفت مل جاتا ہے۔ انہیں دینِ اسلام اور ایمان سے دُور کا واسطہ بھی نہیں (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ نے ان کے اعتراض کو دفع فرمایا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے لئے تو اُن کے ظاہری حال پر اعتبار ضروری ہے کہ وہ متقین کا طریقہ رکھتے ہیں۔ اگرچہ بقول مشرکین ان کا باطنی حال خراب ہو اس لئے کہ اُن کے ایمان کا حساب اور اُس کا ضرر انہیں پہنچے گا۔ آپ کو اس سے کسی قسم کا حساب نہ ہوگا اس لئے کہ ہر ایک کا حساب اسی کی طرف لوٹتا ہے کسی دُوسرے کو اُس سے کسی قسم کا نقصان نہ ہوگا۔

فائدہ : آیت میں کفار کے طعن و تشنیع کا ردّ اور محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے طریقۂ کار پر ثابت قدمی کی تلقین ہے کہ آپ فقراء و مساکین کی جس طرح تربیت فرما رہے ہیں فرماتے جائیے اور انہیں زیادہ سے زیادہ اپنے قریب لائیے۔

ترکیب : حسابہم و علیہم کی ضمیریں۔ اَلَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ الخ کی طرف عائد ہیں اور مِن شئی کا مِنْ زائدہ ہے اور مِنْ شئی علیک و عَلَیْہِمْ کا فاعل ہے۔ اس لئے کہ اسے نفی پر اعتماد ہے اور من حسابہم و من حسابک من شئی کی صفت ہیں۔ پھر مقدم ہو کر حال بنا ہے۔

فائدہ : مولانا ابو السعود (مفسر) رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگرچہ یہ کفار کے سوال کا جواب ہے اگرچہ یہ پہلے جملوں میں بیان ہوگیا ہے لیکن اس کو دوبارہ ذکر کرنے میں مبالغہ ہے کہ حضور

marfat.ocm

پر اُن کے کردار کا کوئی حساب و کتاب نہیں۔ جبکہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام کے متعلق بھی اُن سے سوال نہ ہوگا

قاعدہ ہے کہ ذوجہتین میں کسی ایک جہت کی نفی ہو جائے تو دُوسری جہت کی نفی لازمی ہوتی ہے۔ لیکن دوبارہ اس کے ذکر سے مبالغہ مطلوب ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ الخ نہ وہ گھڑی بھر پیچھے ہٹیں گے نہ آگے۔ فَتَطْرُدَهُمْ ''یہ نفی کا جواب ہے جیسے اہلِ عرب کہتے ہیں ''مَا تَاْتِيْنَا فَتُحَدِّثَنَا''، اس فتحدثنا کو منصوب پڑھا جائے گا اس لئے کہ انتفاء تحدیث (کلام نہ کرنا) اپنے سبب یعنی اتیان کی نفی کی وجہ سے ہے یہ آیت بھی اسی قبیل سے ہے۔ یعنی اگر اُن کے حساب کی مضرت مخاطب پر ثابت ہے تو وہ سبب ہے اس کے ابعاد کا جس کے ایمان میں کمزوری کا وہم ہے۔ جس کا حکم یہ ہوگا کہ یہ سبب غیر واقع ہے تو اس کا مسبب بھی غیر واقع ہے۔ یعنی طرد۔ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ''پس تم ظالمین سے ہو جاؤ گے۔ یہ (لَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ) نہی کا جواب ہے ۵۱ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا ''، اور اِسی طرح ہم نے آزمایا۔ ذٰلِكَ کا اشارہ اس کے بعد والے مصدر کی طرف ہے جو فعل میں مقدر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا فقراء مسلمانوں کو کفار لیڈروں پر فضیلت دینا اس لئے کہ دینی اعتبار سے وہ فقراء مسلمین کفار مشرکین سے افضل ہیں۔ اس لئے کہ انہیں ایمان کی تقویت نصیب ہوئی ہے اگر وہ دنیوی اعتبار سے کمزور ہیں تو کوئی حرج نہیں اور کذلک کا کاف زائدہ ہے۔ ذلک کے معنی میں تاکید کے لئے لایا گیا ہے تاکہ تنبیہ ہو جائے کہ ذٰلِکَ کا جس طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ امر مہتم بالشان ہے۔ یعنی وہ کامل آزمائش جو نہایت عجیب و غریب ہے ہم نے آزمایا۔ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ''، بعض لوگوں کو بعض کے لحاظ سے نہ غیروں سے کہ ان میں بعض امرِ دُنیا میں ہر اعتبار سے انہیں کامل بنایا ہے جو دُوسرے اُن کی بہ نسبت لاتے ہیں۔ لِيَقُوْلُوْٓا ''، یہ لام عاقبت کی ہے تاکہ بالآخر وہ کہیں یعنی اُن کے کہنے انجام بکار یہ ہو کہ وہ دُنیا دار اہلِ اسلام فقراء کی طرف بنظرِ حقارت سے یہ تصور کر کے اُن میں اور ہم میں زمین و آسمان کا فرق ہے کہ ہم اُونچے درجہ کے دُنیا و دولت کے مالک ہیں۔ یہ صرف اس لئے کہ انہیں فضیلت کے اصلی سبب کی حقیقت سے بے خبری ہے۔ اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ''کیا یہ وہی ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہ نسبت ہمارے مَنّت جتلا کر ان کو ہم پر فضیلت دی ہے یعنی یہ احسان ظاہر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان کی توفیق بخشی اور فرمایا ہے کہ وہ حق پر اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سادتمند ہیں اور ہم باطل پر اور بدبخت حالانکہ ہم ہر طرح سے ان سے آگے اور اہلِ عرب کے سردار ہیں اور وہ دُوسرے کے غلام اور نہایت تنگدست۔ اس سے اُن کی غرض و غایت یہی تھی کہ انہیں ہم پر کسی طرح بھی فوقیت حاصل ہو سکتی ہی نہیں۔ جیسے دوسرے مقام پر کفار کا مقولہ بیان فرمایا کہ وہ کہتے لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ '' اس میں اُن کی حقارت مطلوب نہیں اگرچہ انہیں خود اقرار تھا کہ وہ اس طرح کے انکار سے باری تعالیٰ پر اعتراض کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

اعجوبہ: کلبی نے کہا کہ اگر اُونچے گھرانے والے سے کوئی غریب گھرانے والا پہلے اسلام قبول کر لیتا تو کہتا کہ اگر یہ میرے سے پہلے اسلام قبول نہ کرتا تو میں مسلمان ہو جاتا۔ لیکن چونکہ اب مجھ سے پہلے مسلمان ہو چکا ہے فلہٰذا میں اسلام

marfat.ocm

ل نہیں کرتا۔ اس حقارت ونفرت کی نحوت سے وہ دولتِ اسلام سے رہتا۔

أَلَيْسَ اللّٰهُ بِأَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ (کیا اللہ تعالیٰ کو شکرگزاروں کا علم نہیں) یہ بھی اُن کے قول کا ردّ اور ابطال یعنی اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ اُن کی نعمت کا شکر کرنے والا کون ہے لیکن تم اسے بعید سمجھتے ہو کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا علم ہی نہیں یہ تمہاری غلطی ہے۔

فائدہ: اس سے ثابت ہوا کہ وہ فقراء مسلمین اللہ تعالیٰ کی نعمت کے حقوق سے عارف تھے اور انہیں یقین کہ اللہ تعالیٰ کا قرآن پاک کو نازل فرمانا اور انہیں ایمان کی توفیق بخشنا ایک عظیم نعمت ہے۔ جس پر انہوں نے اللہ تعالیٰ ایسی نعمتوں کا شکر کیا۔ آیت میں یہ بھی بتایا گیا کہ کفار ایسی نعمتوں سے محروم ہوکر کفر کے گڑھے میں پھنسے۔

تفسیر صوفیانہ

: تاویلات نجمیہ میں ہے وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ" یعنی ہم نے فاضل کو مفضول سے اور مفضول کو فاضل سے آزمایا۔ فاضل پر لازم ہے کہ وہ شکر کرے اور مفضول پر ضروری ہے کہ وہ صبر کرے اس لئے کہ اگر فاضل شکرانہ کریگا تو اس سے نعمت چھین لی جائیں گی اگر مفضول صبر کرتا تو وہ فضل کے حصول میں گویا جدوجہد کرتا ہے۔

مسئلہ: مفضول صابر اور فاضل شاکر مرتبہ میں برابر ہیں جیسے سلیمان علیہ السلام نے نعمتوں پر شکر کرتے ہیں اور ایوب علیہ السلام تکالیف پر صبر کرنے میں دونوں برابر ہیں اس لئے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ظاہری نعمتوں سے الامال ہوکر شکر کرکے حقِ عبودیت کا ادا کرتے رہے اور حضرت ایوب علیہ السلام مصائب وتکالیف پر صبر کرکے حق عبودیت کا ادا کرتے رہے۔ اس اعتبار میں عبدیت کے نعمتوں کے مقام پر برابر ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر دونوں کے لئے فرمایا نِعْمَ الْعَبْدُ (وہ اچھے بندے ہیں)

فائدہ: فاضل کا مفضول سے آزمائش کا یہ معنے ہے کہ فاضل مفضول کو دیکھ کر اپنی گھمنڈ اور اس کی حقارت میں ڈوب جائے اور مفضول اس سے کچھ چاہے تو نہ دے اور مفضول کا فاضل سے امتحان یہ ہے کہ مفضول فاضل کی نعمت پر حسد کرے اور اس سے بغض وعداوت رکھے اُسے یہ خیال ہے کہ اسے یہ نعمت مخلوق سے ملی ہے۔ فاضل مفضول کو کچھ نہ دے تو اس گھمنڈ میں ہے کہ وہی سب کو دینے یا نہ دینے والا ہے، حالانکہ دونوں کا خیال غلط ہے **(سبق)** عاقل کے لئے ضروری ہے کہ وہی چاہے جو اللہ چاہتا ہے اور اسی پر راضی رہے جو اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے **(فائدہ)** تفسیر کاشفی میں لکھتے ہیں کہ کشف الاسرار میں ہے کہ ارادہ تین قسم ہے: (۱) محض دُنیا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا" اس کی دو نشانیاں ہیں (۱) دنیا کی زیادتی کے لئے دین کے نقصان پر راضی ہونا (۲) درویشوں، اللہ والوں اور مسلمانوں سے اعراض کرنا (۲) محض آخرت: اللہ نے فرمایا: وَمَنْ أَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا" اس کی بھی علامتیں ہیں: (۱) دین کی خاطر دُنیا کے نقصان پر راضی ہونا (۲) اُلفت ومحبت سے درویشوں فقیروں کے لئے اپنا دروازہ ہر وقت کھلا رکھنا (۳) صرف ذاتِ حق کا ارادہ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ" اس کی بھی نشانیاں ہیں (۱) دونوں جہاں کے مقاصد کو پاؤں تلے

marfat.ocm

رو ندنا د ۲) جمیع مخلوق بلکہ خود اپنی ہستی سے بھی آزاد ہو جانا ۔

مارا خواہی خطے بعالم در کش ٭ در بحر فنا غرق شود در در کش

ترجمہ : ہمیں اگر چاہتا ہے تو جملہ عالم پر لکیر کھینچ دریائے فنا میں غرق ہو کر سانس بند کر لے

ایسے لوگ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کا ارادہ رکھتے ہیں۔ عوام اس سے مُرادیں مانگتے لیکن اُن کی مُراد صرف وُہی ہے اور وہ اس سے اُس کے سوا اور کچھ نہیں مانگتے ۔

وہ لہ مسئول و دین و مذہب ٭ و وصلکو سئولی و دینی رضاکمو

ترجمہ : اور لوگوں کا کوئی مقصد اور دین و مذہب ہوتا ہے لیکن میرا مقصد تیرا وصال اور میرا دین تمہاری رضا ہے۔

فائدہ : ارادہ دراصل قلب کے ایک جوش کو کہتے ہیں جس سے بندہ کا قرار و سکون اُٹھ جاتا ہے جب تک اسے وصالِ الٰہی کی دولت نصیب نہیں ہوتی اس کی یہی کیفیت رہتی ہے۔ ایسے انسان کو نہ رات کو آرام ہوتا ہے نہ دن کو قرار و سکون وہ اُس وقت سکون کا سانس لیتا ہے جب اُسے وصالِ الٰہی نصیب ہوتا ہے (التاویلات النجمیہ)

فقرا کے فضائل

: آئت کریمہ میں فقراء کی فضیلت کا بیان ہے ۔ (**حدیث شریف**) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مہاجرین کے درویشوں میں بیٹھا تھا (ان میں بعض ایسے بھی تھے جو ایک دُوسرے کے کپڑوں سے تن کو ڈھانپے ہوئے تھے) ہم ایک قاری کی قرأت سُن رہے تھے کہ حضور سرورِ عالم آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ہماری مجلس کے قریب آ کر کھڑے ہو گئے جب قاری قرأت سے فارغ ہُوئے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے السلام علیکم کے بعد فرمایا تم کیا کر رہے تھے عرض کی قاری سے کلام الٰہی سُن رہے تھے اور ہم لُطف اندوز ہو رہے تھے۔ حضور رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ مِنْ اُمَّتِیْ مِنْ اَمَرنی اَنْ اَصْبِرَ نَفْسِیْ (جمیع محامد اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے میری اُمت میں ایسے افراد بھی پیدا فرمائے جن کے متعلق مجھے حکم ہُوا کہ میں اُن کے ساتھ رہوں) یہ فرما کر ہماری جماعت کے درمیان بیٹھ گئے تاکہ ثابت ہو کہ آپ بھی منجملہ اُن سے ہیں اس کے بعد اپنے ہاتھ مبارک کے اشارے سے ہمیں حلقہ بندی کا حکم فرمایا تاکہ آپ سب کے چہرے دیکھ سکیں (میرا اندازہ یہ ہے کہ آپ کو سوائے میرے اور کسی سے آپ کا ظاہری تعارف نہیں تھا) آپ نے فرمایا اے مہاجر فقیرو تمہیں بڑی کامیابی پر مبارک ہو کہ قیامت کے دن تم دینداروں سے پہلے بہشت میں داخل ہو گے جس کی مقدار پانچسو سال ہے (**حدیث شریف**) فقیر تنگدست کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور میں لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے کریمانہ شفقت فرمائے گا (جیسے ہم ایک دوسرے سے کسی خامی پر معذرت کرتے ہیں) پھر فرمائیگا۔ اے میرے بندے مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم ہے کہ میں نے تیرے سے دُنیا کی کمی اس لئے نہیں کی تھی کہ مجھ پر کوئی بار گراں تھا لیکن میرا ارادہ تھا کہ تمہیں دُنیوی تکالیف کے عوض آخرت کی کرامات و فضیلتوں سے نوازوں۔ اب پہلے یوں کرو کہ میدان محشر کی ان صفوں میں گھس کر اُن لوگوں کو لاؤ جنہوں نے تجھے دُنیا میں طعام کھلایا

marfat.ocm

اور کپڑے پہنائے جن کا یہ عمل صرف میری رضا پر تھا اور تیرے اُوپر اُس نے کسی قسم کا احسان نہیں جتلایا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ لوگوں کو عذاب آخرت کے پسینے نے منہ میں لگام چڑھائی ہوگی وہ فقیر درویش صفوں میں گھس کر ان لوگوں کو تلاش کر کے لائے گا۔ جنہوں نے اس کے ساتھ احسان و مروت کی ہوگی اور انہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے بہشت میں لے جائے گا ؎

(۱) توانگرا دل درویش خود بدست آور کہ مخزن زر و گنج و درم نخواہد ماند ـه
(۲) بریں رواق زبرجد نوشتہ اند بزر کہ جز نکوئی اہل کرم نخواہد ماند

حدیث شریف : ہر شئی کی کنجی ہوتی ہے اور بہشت کی کنجی فقراء و مساکین کی محبت ہے وہی قیامت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ بیٹھنے والے ہوں گے۔ حضرت شیخ عطار قدس سرہ نے فرمایا ؎

حُبِ درویشاں کلید جنت است دشمن ایشاں سزائے لعنت است

ترجمہ : اے اللہ کریم ہمیں اپنے محبوبوں سے بنا اور اپنے دروازۂ رحمت سے نہ ہٹا

تفسیر عالمانہ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا (شان نزول) مروی ہے کہ ایک جماعت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ ہم بہت بڑے گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں اب کوئی استغفار اور توبہ کے ایسے کلمات بتلائیے کہ جس سے ہمارے گناہ بخشے جائیں۔ آپ اُن کی بات سُن کر خاموش ہو گئے نہ کچھ بتایا نہ کچھ فرمایا۔ وہ بیچارے مایوس ہو کر واپس لوٹے تو یہ آیت نازل ہوئی کہ جب آپ کے ہاں وہ لوگ حاضر ہوں جو ہمارے آیات پر ایمان لاتے ہیں۔

مسئلہ : حضرت امام فخر الدین رازی نے فرمایا کہ ہر مومن اس حکم میں داخل ہے یعنی یہ آیت صرف صحابہ کرام سے مخصوص نہیں بلکہ ہر اہلِ ایمان کے لئے ہے۔

فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ، پس پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرمائیے کہ خدا کرے تمہیں ہر دُکھ تکلیف اور ہر آفت و مصیبت سے سلامتی و عافیت ہو۔

(ف) السلام بمعنے تسلیم یعنی کسی کے لئے سلامتی و عافیت کی دُعا کرنا۔ اب سلام علیکم کا معنیٰ یہ ہُوا کہ ہم نے تمہارے لئے سلامتی کی دُعا کی ہے۔ یعنی ہم تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ مولیٰ کریم تمہارے دین اور تمہارے نفوس میں سلامتی بخشے۔

سوال : حضور علیہ السلام کو ان پر السلام علیکم کہنے کا حکم کیوں ہُوا، حالانکہ عموماً طریقہ یہ ہے کہ باہر سے

ـه ترجمہ (۱) اے دولتمند پہلے درویش کا دل ہاتھ میں لے اس لئے کہ یہ زر و دولت کے خزانے ہمیشہ نہ رہیں گے۔
(۲) اسی لاجوردی آسمان میں آب زر سے لکھا گیا ہے کہ اہل کرم کی نیکی کے کچھ نہ رہے گا۔

marfat.ocm

آنے والا بیٹھنے والے کو سلام کہے۔

جواب : حضور علیہ السلام کی وجاہت سے آنے والوں پر ہیبت چھا جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام میں سبقت کا حکم فرمایا تاکہ ان لوگوں پر ہیبت نہ ہو اور آپ سے پورے طور مستفید و مستفیض ہو سکیں۔ **(فائدہ)** یہ دنیوی حکم ہے اور آخرت میں ملائکہ کرام سلام عرض کریں گے۔ جب اہلِ ایمان بہشت میں داخل ہوں گے، چنانچہ دوسرے مقام پر اس کی تصریح فرمائی کہ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خَالِدِيْنَ، اور اللہ تعالیٰ بھی قیامت میں اہلِ ایمان پر سبقت کر کے فرمائے گا۔ سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ۝

(فائدہ) فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ سے وہ سلام مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے شبِ معراج اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ السلامُ علیک اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وبرکاتہٗ ،، اس کے جواب میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْن۔

مسئلہ : جو شخص گناہوں سے مخلصانہ طور تائب ہو جائے تو وہ بھی اہلِ صلاح کے گروہ میں شامل ہو جاتا ہے اس لئے کہ یہ آیت کا شانِ نزول آیت کو اس معنے سے مخصوص نہیں کر دیتا **كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ** ،، (لکھا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نفس پر رحمت) یعنی محض اپنے فضل و احسان سے اپنی ذاتِ اقدس پر واجب فرمایا۔ **(فاعدہ)** حضرت الشیخ نے فرمایا کہ کلمہ عَلٰی ایجاب کا فائدہ دیتا ہے جب ایجاب و عَلٰی جمع ہوں تو اس سے ایجاب کی تاکید مطلوب ہوتی ہے۔

سوال : اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ مالک و مختار نہیں، ورنہ اس پر وجوب کا کیا معنیٰ۔

جواب : یہ اس کا محض فضل و کرم ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو بتایا کہ وہ اتنا رحیم و کریم ہے کہ بندوں پر فضل و احسان کرنے میں کوئی کمی نہیں فرماتا جیسے کسی پر کوئی شئے واجب ہو تو اس کی ادائیگی میں کمی نہیں کرتا۔

حدیث قدسی شریف : تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ بہشت سے فرماتا ہے کہ تو میری رحمت ہے۔ میں جس کے لئے رحمت کرنا چاہتا ہوں تو تیرے سبب سے رحمت کرتا ہوں جو میرا بندہ کسی دوسروں پر رحمت کرتا ہے تو اسے بہشت نصیب ہوتی ہے۔ میں اپنے خاص بندے پر رحمت کرتا ہوں تو اپنی ذات سے ہی رحمت کرتا ہوں

۔ اَنَّہٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءً ، الرحمۃ سے بدل ہے اس لئے کہ اس مضمون کا مفہوم بھی رحمت ہے سُوْٓءً بمعنی کارِ بد (بِجَھَالَۃٍ) عمل کے فاعل کی ضمیر سے حال ہے یعنی وہ جو برے عمل کا ارتکاب کرتا ہے درانحالیکہ وہ ملتبس ہوتا ہے جہالت سے یعنی اسے حقیقی جہالت ہوتی ہے کہ اسے یہ معلوم نہیں کہ اس کا انجام کیا ہوگا اور اس گناہ سے اسے کتنی سزا ملے گی یا اسے حکمی جہالت ہوتی ہے باوجودیکہ جانتا ہے کہ اسے اس برے عمل پر اتنی سزا ملے گی لیکن برائی کرتا ہے تو یہ حکمی جاہل ہے اور جو شخص صرف گمان میں مبتلا ہو کر برائی کرتا ہے کہ نامعلوم اس کی سزا ہوگی یا نہ

marfat.ocm

ایسا شخص حقیقی جاہل کے حکم میں ہے اس معنی پر یہ حال مؤکدہ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوٓءً کے مضمون کی تاکید کرتا ہے۔ اس لئے بُرائی کا ارتکاب جہالت حقیقی یا حکمی سے ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ : آیت میں اشارہ ہے کہ بُرائی کے ارتکاب کرنے والے دو قسم ہیں (۱) اہل ایمان (۲) اہلِ کفر ایسے ہی جہالت بھی دو قسم (۱) جہالۃ الضلالہ یعنی ہر وہ گمراہی جو عالم ارواح میں نُور کے چھینٹوں سے چوک جانے سے کسی کو نصیب ہوئی (۲) جہالۃ الجہولیہ یعنی ہر وہ غلطی جو انسان سے فطری طور پر صادر ہوتی ہے۔ اس سے تقریر کے بعد واضح ہوگیا کہ کفار کی جہالت اس ازلی گمراہی کا نتیجہ ہے جس کی توبہ ہے نہیں اور اہلِ ایمان کی غلطی اس فطرت سے ہے جس کی توبہ بھی ہے اور معافی بھی! چنانچہ فرمایا ثُمَّ تَابَ پھر توبہ کرے یعنی بُرے عمل سے رجوع کرلے مِنْ بَعْدِهٖ بُرے عمل کرنے کے بعد وَاَصْلَحَ "، جسے فاسد کیا اس کی اصلاح کرے یعنی نیک عمل کرے۔ باالاصلاح بمعنے کسی بُرے عمل کی طرف لوٹنا۔ فَاِنَّهٗ "، یہ خبر ہے اس کا مبتدا محذوف ہے۔ دراصل عبارت یوں ہے۔ فَاَمْرُهٗ اَنَّ اللّٰهَ "، پس اس کا امر یہ ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ غَفُوْرٌ "، وہ غفور ہے، رَّحِیْمٌ "، وہ رحیم ہے۔

فائدہ : کاشفی نے اپنی تفسیر میں لکھا کہ امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر کسی کے لئے فرشتہ ذلت وخواری لکھے لیکن اگر اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے رحمت لکھی ہے تو اُسے فرشتے کی عارضی خواری لکھی ہوئی نقصان نہیں پہنچائے گی۔ جب اُسے ازل سے رحمت نصیب ہو چکی ہے۔

رُوحانی نسخہ : یہ آیت گناہ کے بیماروں کے لئے شفا ہے۔ بشرطیکہ وہ توبہ واستغفار کے ذریعے پرہیز رکھیں۔

(۱) دردمنداں گنہ را روز و شب ❊ شربتے بہتر از استغفار نیست
(۲) آرزومنداں وصال یار را ❊ چارہ غیر از نالہ و زار نیست

ترجمہ : (۱) شب و روز کے گنہ کے درد کا علاج سوائے استغفار کی شربت کے اور کوئی نہیں۔
(۲) وصال یار کے آرزو مند کو آہ وزاری کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

۵۴ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ "، کاف زائدہ اسم اشارہ کے معنی کی تاکید کے لئے ہے یعنی اس کی تفخیم کی تاکید کرتا ہے اور ذٰلِكَ کا اشارہ اس مصدر کی طرف ہے جو فعل بعد کو آئے گا۔ دراصل عبارت یوں تھی ھٰذَا تفصیل بدیع نُفَصِّلُ الخ یہ عجیب تفصیل ہے جسے قرآنی آیات میں بیان کرتے ہیں کہ اہلِ طاعت کون ہیں اور معصیت پر اصرار کرنے والے کون تاکہ حق واضح ہو جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔

وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ تاکہ مجرموں کا طریقہ واضح ہو جائے اور اُن سے اجتناب کیا جاسکے۔ **ترکیب** : سبیل مرفوع اور فاعل ہے۔

marfat.ocm

سوال : سبیل صیغہ مذکر ہے اس کا فعل مؤنث۔

جواب : یہ بنی تمیم کے ہاں مذکر ہے لیکن اہلِ حجاز کے نزدیک مؤنث ہے۔ قرآن پاک کی ترتیب و تنزیل لغتِ حجاز پر ہے۔

فائدہ : حق کا راستہ واضح اور کھلا اس لئے ہے کہ جس نے برباد ہونا ہے وہ برباد ہوا اور جس نے نجات پائی ہو وہ نجات پائے۔

سبق : سالک پر لازم ہے کہ وہ اس راستہ کو اختیار کرے جس میں اس کی کامیابی اور نجات ہو اور سوچ کر قدم رکھے کہ اس راستہ پر کئی تباہ و برباد ہوئے ہیں۔ اللہ والوں کے نقشِ قدم پر چلے تو منزل مقصود تک پہنچ جائے گا۔ راہِ سلوک کی پہلی منزل توبہ استغفار ہے۔

راہِ سلوک کی سڑک : سالک کی منزل کا پہلا مرحلہ گناہوں کی قباحت اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کی شدت کا تصور دل میں لائے۔ جب یہ سبق حاصل ہو جائے پھر دیکھے کہ بندہ کتنا ضعیف و نحیف اور سفر بڑا دُور دراز اور زاد راہ بالکل باطل قلیل ہے۔ بندے کے ضعف کا حال تو یہ ہے کہ ایک چیونٹی کے کاٹنے سے چیختا ہے اور سُورج کی گرمی سے روتا ہے۔ پھر وہ جہنم کی آگ اور اژدھاؤں کے ڈس کس طرح برداشت کر سکتا ہے۔ بندے پر لازم ہے کہ گناہوں سے بچنے کی کوشش کرے۔ حقوق العباد کی ادائگی میں کوتاہی نہ کرے۔ کسی کو ستایا ہے یا کسی کا مال کھایا ہے تمام بخشوائے۔ اسی طرح حقوق اللہ میں کوتاہی کی ہے مثلاً نمازیں قضا کیں اور روزے ترک کئے اور زکوٰۃ نہ ادا کی تو مرنے سے پہلے سب کے سب ادا کرے۔ بطور کفارہ یا توبہ و استغفار اسی طرح اللہ تعالیٰ کے احکامات کی خلاف ورزی مثلاً شراب پی، ناجائز گانے بلجے سُنے اور سُود کھایا۔ ان سب سے توبہ کرے اور دل کو مضبوط رکھے تاکہ آئندہ اُس سے ایسے گناہوں کا صدور نہ ہو۔ جب حسبِ امکان حقوق العباد کی ادائیگی ہو جلتے اور حقوق اللہ قضا مافات کر چکے تو آئندہ کے لئے دل پر گناہوں کے خیالات تک نہ آنے دے۔ اُس کے بعد بارگاہِ حق میں عجز و انکسار سے رہے تاکہ رحمت اور فضل و کرم اُس کی طرف متوجہ ہو۔

توبہ کا طریقہ : یہ ہے کہ اچھے کپڑے پہنے اور نیا غسل کرے اور دوگانہ پڑھ کر بارگاہِ حق میں عجز و انکسار سے تمام گناہوں سے صدق دل سے تائب ہو۔

حدیث شریف : صحیح حدیث میں ہے کہ کسی بندہ سے اگر کوئی گناہ سرزد ہو تو اسے چاہیئے کہ وضو کر کے کھڑے ہو کر ایک دوگانہ پڑھے اور پھر اللہ سے گناہوں کی بخشش چاہے تو اُس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں

حدیث شریف : مرد یا عورت سے کوئی نماز بے خبری سے قضاء ہو جائے تو توبہ کریں اور عزم کریں کہ آئندہ نماز قضا نہ ہوگی اس کے کفارہ کی نیت پر جمعہ کے دن ظہر و عصر کے درمیان بارہ رکعت نفل پڑھے جس کی

marfat.ocm

کعت میں سورہ فاتحہ کے بعد آیۃ الکرسی اور اخلاص اور معوذتین ایک بار پڑھے تو قیامت میں اللہ تعالیٰ اس سے ب نہ لے گا (بشرطیکہ قضاء شدہ نماز بھی ادا کرے اور قیامت میں اپنے اعمالنامے میں بجائے برائیوں کے نیکیاں (کذافی مختصر الاحیاء)

ازالہ وہم : صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ بتقدیر صحۃ ہذا الحدیث اس سے ثابت ہوا کہ ان بارہ رکعتوں کے پڑھنے سے زندگی کی تمام قضا شدہ نمازیں معاف ہوجاتی ہیں ؛ حدیث مذکور کے اول میں یہ شرط لگائی گئی ہے کہ ہر قضاء شدہ لگائی ہے کہ ہر قضاء شدہ نماز سے توبہ کرے ن بارہ رکعتوں کا حکم فرمایا ہے اور ویسے شرعی فیصلہ بھی یہی ہے کہ ہر قضاء شدہ نماز کی علیحدہ علیحدہ قضا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ ان بارہ رکعتوں کی برکت یہ ہوگی کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ ایسے بندے سے اس کا سوال نہیں ے گا کہ ان بارہ رکعتوں سے تو توبہ کی تاکید ثابت ہوتی ہے۔

عوام کی ایک غلط رسم کا ردّ : ہمارے ہاں عوام کا خیال ہے کہ رمضان المبارک کے جمعۃ الوداع پہ بارہ رکعت نوافل یا صلوٰۃ التسبیح پڑھ لینے سے زندگی بھر کی ں معاف ہو جاتی۔ یہ غلط اور سراسر غلط طریقہ ہے اس لئے کہ شرع مطہرہ کا قاعدہ ہے کہ ترک نماز کا بھی حساب ۔ اسی طرح نماز کو بے وقت ادا کرنے کا بھی لیکن ان بارہ رکعتوں کی برکت سے کوتاہی کی معافی ہوگی نہ یہ کہ زندگی ر نماز نہ پڑھے اور پھر رمضان المبارک کے جمعۃ الوداع میں ظہر و عصر کے مابین بارہ رکعتیں صرف اس نیت پہ ں کہ نمازوں کی تاخیر اور کوتاہی وغیرہ کی معافی ہو جائے تو جائز ہے لیکن جماعت کے عوام کا ان رکعتوں کا پڑھنا ہوا لیکن اُن کی کیفیت وحقیقت میں غلطی کرتے ہیں۔

حدیث شریف : ترغیب و ترہیب میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی کہ ہائے میں گناہوں میں مارا گیا یہ دو یا تین بار کہا : یہ السلام نے اُسے فرمایا کہ تم کہو: اَللّٰھُمَّ مَغْفِرَتُكَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِیْ وَرَحْمَتُكَ ارجی ی مِنْ عَمَلِیْ » اے اللہ تعالیٰ تیری مغفرت میرے گناہوں سے وسیع اور مجھے تیری رحمت پہ بھروسہ ہے پنے عملوں پر کوئی سہارا نہیں۔ اُس نے ایک بار کہا آپ نے فرمایا پھر کہو۔ اُس نے دوبارہ کہا تو آپ نے ھر کہو۔ اُس نے پھر کہا تو آپ نے فرمایا اُٹھ کھڑا ہو وہ اُٹھا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تیرے گناہ بخش دیئے۔

نسخہ عجیبہ : جو شخص اہلِ ایمان کے لئے ہر روز استغفار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ہر مومن مرد اور عورت کے عوض اس کے اعمالنامے میں نیکی لکھتا ہے۔

ایصال ثواب اور ردّ وہابیہ : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر میت قبر میں اس شخص کی طرح ہوتا ہے جو دریا میں ڈوبا ہوا ہو وہ

بقیہ صفحہ ۵۲۸ پر

marfat.ocm

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ
تم فرماؤ مجھے منع کیا گیا ہے کہ انہیں پوجوں جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو تم فرماؤ میں تمہاری
اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ۝۵۶ قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ
خواہش پر نہیں چلتا یوں ہو تو میں بہک جاؤں اور راہ پر نہ رہوں تم فرماؤ میں تو اپنے رب کی طرف سے
مِّنْ رَّبِّیْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ
روشن دلیل پر ہوں اور تم اسے جھٹلاتے ہو میرے پاس نہیں جس کی تم جلدی مچا رہے ہو حکم نہیں مگر اللہ کا وہ
یَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ ۝۵۷ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ
حق فرماتا ہے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا تم فرماؤ اگر میرے پاس ہوتی وہ چیز جس کی تم جلدی کر رہے ہو
بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ ۝۵۸ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ
تو مجھ میں تم میں کام ختم ہو چکا ہوتا اور اللہ خوب جانتا ہے ستمگاروں کو اور اسی کے پاس ہیں کنجیاں
الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ
غیب کی انہیں وہی جانتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ خشکی اور تری میں ہے اور جو پتہ گرتا ہے وہ اسے جانتا
اِلَّا یَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ
ہے اور کوئی دانہ نہیں زمین کی اندھیریوں میں اور نہ کوئی تر اور نہ خشک جو ایک روشن کتاب
مُّبِیْنٍ ۝۵۹ وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبْعَثُكُمْ
میں لکھا نہ ہو اور وہی ہے جو رات کو تمہاری روحیں قبض کرتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ دن میں کماؤ پھر تمہیں دن میں اٹھاتا
فِیْهِ لِیُقْضٰۤى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ یُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۶۰ ع
ہے کہ ٹھہرائی ہوئی میعاد پوری ہو پھر اسی کی طرف تمہیں پھرنا ہے پھر وہ بتا دے گا جو کچھ تم کرتے تھے

بقیہ تفسیر از صفحہ : ۵۲۷

اپنے اقارب (اب۔ ام۔ اخ۔ صدیق) کی دعاؤں کا منتظر ہوتا ہے جب اسے کسی کی دعا و استغفار (وغیرہ صدقات خیرات) پہنچتی ہے تو اسے وہ دنیا و مافیہا سے محبوب ترین محسوس ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل قبور کی قبور میں زندہ لوگوں کی دعا (صدقات وخیرات وغیرہ) پہاڑوں کی طرح داخل فرماتا ہے۔

فائدہ : زندہ لوگوں کے اہلِ قبور (عوام ہوں یا اولیاء یا انبیاء علیہم السلام) کو ہدایا و تحائف یہی ہیں کہ اُن کے لئے استغفار دُعا صدقات وخیرات وغیرہ زیادہ سے زیادہ) کریں۔ اے اللہ مجھے اور میرے والدین اور تمام اہلِ ایمان کو بخش دے جبکہ ہم سب قیامت کے دن حساب کے لئے اُٹھیں اس لئے کہ تو ہر ثواب و آداب کا مرجع ہے۔

marfat.ocm

تفسیرِ عالمانہ ۵۶ قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ (شانِ نزول) قریش مکہ یعنی کفار حضور علیہ السلام کو اپنے اباؤ اجداد کے دین کی دعوت دیتے تو یہی آیت نازل ہوئی کہ اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرمایئے کہ میں روکا گیا ہوں اس لئے کہ میرے ہاں توحید پر بہت بڑے مضبوط دلائل ہیں اور اس بارہ میں متعدد قرآنی آیات میرے اوپر نازل ہوئی ہیں کہ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ ،، میں عبادت کروں اُن کی جنہیں تم معبود بنا کر عبادت کے طور پکارتے ہو۔ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ،، اللہ تعالیٰ کے ماسوا قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ،، میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرمائیں کہ میں تمہاری خواہشات کی تابعداری نہیں کرتا۔ گویا یہ سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ گویا کفار نے حضور علیہ السلام کو کہا کہ آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کیوں نہیں کرتے تو آپ نے اُس کے جواب میں فرمایا کہ تم جس امر پر ہو وہ تمہاری اپنی خواہشات ہیں اور میں جس امر پر ہوں وہ یقینی ہے۔ فلہٰذا میں تمہاری خواہشات کی کیسے اتباع کروں جبکہ میں ہدایت پر ہوں پھر میں اللہ کو کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا ،، (بفرضِ محال) اگر میں تمہاری اتباع کروں تو میں اُس وقت گمراہ ہو جاؤں گا۔ یعنی راہِ ہدایت کو چھوڑ دوں گا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ○ اور میں ہدایت یافتہ لوگوں سے نہیں ہوں گا۔ یعنی اُن لوگوں سے نہیں ہوں گا کہ جو راہِ ہدایت پر ہیں۔ ماقبل پر عطف کر کے فرمایا ۵۷ قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ ،، فرمایئے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک واضح دلیل پر ہوں جو ہونے والی ہے۔ مِنْ رَّبِّیْ ،، میرے رب کی طرف سے۔ (فائدہ) بَیِّنَةٍ ،، اس واضح حجت کو کہتے ہیں جو حق و باطل کا امتیاز کرے۔ مثلاً کہا جاتا ہے: اَنَا عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ هٰذَا الْاَمْرِ ،، میں اس امر کے بارے میں واضح دلیل پر ہوں اور میری بات نہایت یقینی ہے یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کسی کے ہاں واضح دلیل اور اُس کی سچائی پر بُرہان موجود ہو اس سے قرآن کریم اور وحیِ ربّانی مُراد ہے۔ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ،، اور تم اُسے جُھٹلا چکے ہو۔ یہ جُملہ مُستانفہ اُن کے غلط ارادوں کے اظہار کے لئے لایا گیا ہے اور بہ کی ضمیر مجرور تنبیہ کے لئے اور اُس کا مذکر ہونا بیان و بُرہان کی وجہ سے ہے معنیٰ یہ ہُوا کہ میں ایسی واضح حجت پر ہوں جسے تم نے جُھٹلا دیا ہے اور اس کے جتنے احکام ہیں ان سب کو تم نے پسِ پُشت ڈال دیا۔ منجملہ اُن کے عذاب کے آنے کی وعید بھی ہے جسے تم کچھ نہیں سمجھتے۔

مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ،،

شانِ نزول: مروی ہے کہ قریش مکہ کے لیڈر عذاب طلبی میں عجلت کرتے۔ مثلاً کہتے: مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (اللہ کا وعدہ کب ہے اگر تم سچے ہو؟ یہ بطورِ استہزاء کے کہتے یا بطور الزام ؛ چنانچہ نضر بن حارث حطیم میں کھڑے ہو کر کہنے لگا: اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ

marfat.ocm

کہ اے اللہ اگر یہ وعدہ حق ہے تو ہمارے اُوپر آسمان سے پتھر برسا یا ہمارے اُوپر عذاب دردناک نازل فرما۔

فائدہ : آیت کا معنیٰ یہ ہے وہ عذاب کہ جس کا قرآن مجید میں وعدہ دیا گیا ہے۔ آہ تم مطالبہ کرتے ہو کہ وہ جلد آجائے اور اس کے نہ آنے کو میری تکذیب کا ذریعہ بنا کر کہتے ہو کہ وہ میرے حکم اور قدرت میں ہے اور اسے میں سچا کر کے دکھاؤں۔ یہ میں نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ یہ امر میرے سپرد نہیں۔

اِنِ الْحُکْمُ ،، جلدی یا بدیر کا کوئی حکم نہیں۔ اِلَّا لِلّٰہِ ،، اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر مجھے اس میں ذاتی طور کسی طرح کا بھی دخل نہیں۔ یَقُصُّ الْحَقَّ ،، حق بیان کرتا ہے اور جمیع احکام کے بیان کرنے میں حق کی اتباع کرتا اور حق کا ہی حکم فرماتا ہے۔ بنابریں عذاب کی تاخیر بھی حق اور ثابت ہے اور حکمت بلیغہ جاری ہے اور حکم کا اصل ہے منع کرنا۔ گویا کہ وہ باطل کو معارضۂ حق سے یا خصم کو اپنے بالمقابل کی تعدی سے روکتا ہے۔ وَھُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ اور اللہ تعالیٰ بہتر فیصلہ کرتا ہے۔ جملہ معترضہ ہے اپنے ماقبل کے مضمون کی تقریر کرتا ہے۔ قصّ الحق ایک ایک خصوصی معنیٰ کو متضمن ہے (یعنی فَصْلُ مَابَیْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ ہے) قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ ،، فرمائیے محبوب علیہ السلام اگر میری قدرت و امکان میں ہو۔ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ ،، جس کی تم عجلت کرتے ہو۔ یعنی وہ عذاب کہ جس کے لئے وعیدیں وارد ہیں اگر میری طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے سپرد ہوتا لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ ،، تو میرے اور تمہارے مابین فیصلہ ہو جاتا۔ یعنی وہ عذاب تمہاری طلب کے بعد فورًا تمہارے اُوپر نازل ہو جاتا جبکہ تم عجلت کرتے ہوئے کہتے ہو : مَتٰی ھٰذَا الْوَعْدُ ،، وغیرہ وغیرہ۔

سوال : لَقُضِیَ فعل مجہول کیوں ؟

جواب : اس بنا پر کہ اس کا فاعل متعین ہے، یعنی اللہ تعالیٰ۔

فائدہ : اس میں امر کی ہولناکی اور حسن ادب کی مراعات واضح اور ظاہر ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ ۝ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کے حالات خوب جانتا ہے اور اس کے علم میں ہے کہ انہیں مہلت دینا استدراج ہے تاکہ انہیں سخت عذاب میں مُبتلا کیا جائے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے میری طرف تمہارا معاملہ سپرد نہیں فرمایا اور نہ ہی جلد تر عذاب دینے کا فیصلہ فرمایا ہے۔

مسئلہ : بُت پرست کو مہلت ملے یا نہ عذاب ضرور پائے گا اسے بالکل ہی چھٹکارا نصیب نہ ہوگا۔ اسی طرح دُنیا اور نفس و شیطان کا تابعدار بھی عذاب چکھے گا۔ صرف فرق یہ ہے کہ کافر جہنم کے عذاب میں اور دُنیا وغیرہ کا عاشق یارِ حقیقی کے فراق کے عذاب میں مبتلا ہوگا۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ اپنی خواہش کی اتباع نہ کرے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَھْوَآءَکُمْ ،،

marfat.ocm

کرامت ولی: اللہ کا ایک بندہ کہتا ہے کہ میں مختلف بلاد کی سیاحت کرتا ہوا ایک جگہ پہنچا۔ ایک شیخ کو ہوا پہ اڑتا ہوا دیکھ کر کہا میں نے کہا "السلام علیکم"۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا میں نے پوچھا کہ آپ نے یہ مرتبہ کس عمل سے پایا۔ فرمایا میں نے اپنی خواہشات کے خلاف کیا تو اللہ تعالیٰ نے ہوا میرے تابع کر دی ہے۔

حکایت: یمن کے فقہا شیخ ابوالغیث قدس سرہ کے ہاں امتحان کے لئے حاضر ہوئے انھوں نے فرمایا جی آئیے میرے غلام کے بندے۔ انھوں نے ان کا یہ کلمہ کفریہ سمجھا اس لئے کہ شیخ موصوف نے اللہ تعالیٰ کے بندے کو اپنا غلام کہہ دیا۔ یہ شکایت لے کر شیخ الطریقین امام الفریقین عالم عارف ابوالذبیح بن محمد الحضرمی قدس سرہ کے ہاں پہنچے اور شیخ ابوالغیث رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقولہ سنایا۔ حضرت الشیخ سن کر ہنس پڑے اور فرمایا کہ انھوں نے سچ فرمایا۔ اس لئے کہ تم خدا تعالیٰ کے بندے ہو لیکن خواہش نفسانی کے غلام ہو جسے شیخ مذکور نے اپنے تابع کیا ہوا ہے۔

فائدہ: خواہش نفسانی کا علاج تقویٰ ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) چونکہ تقویٰ بست دو دستِ ہوا ٭ حق گشاید ہر دو دست عقل را
(۲) پس حواس پیرہ محکوم تو شد ٭ چوں خرد سالار و مخدوم تو شد

ترجمہ: (۱) جب تقویٰ نے خواہشات نفسانی کے دونوں ہاتھ باندھ دیئے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے عقل کے دونوں ہاتھ کھول دیئے۔ جملہ حواس تیرے تابع ہو گئے۔ تیرا عقل سردار اور مخدوم ہو گیا۔

تفسیر صوفیانہ: خواہش نفس کے اوصاف سے ہے اور آیات مذکورہ نفس کی اصلاح کے لئے وارد ہوئی ہے اور جو شخص ایک واضح دلیل پر قائم ہوتا ہے (واضح دلیل اللہ تعالیٰ کا وہ نور ہے کہ جس سے انشراح صدر ہوتا ہے) وہی ہدایت پر ہوتا ہے اسے خواہش نفسانی سے واسطہ اور تعلق نہیں ہوتا۔ اس کے علامات سب کو معلوم ہوتے ہیں۔

کرامت: ایک بزرگ عوام کو بہترین وعظ و نصیحت فرماتا۔ ایک دن اُن کے ہاں سے ایک یہودی کا گزر ہوا۔ بزرگ نے پڑھا وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا وَكَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا (اور تم میں سے سب کا پلصراط پر گذر ہو گا اور اللہ تعالیٰ کا یہ حتمی فیصلہ ہے) یہودی نے کہا پلصراط پر گزرنے میں ہم اور تم سب برابر ہوئے، حالانکہ تم اپنے آپ کو ہم پر فضیلت کے قائل ہو۔ بزرگ نے فرمایا تو غلط کہتا ہے اس لئے کہ ہم پلصراط کو عبور کر جائیں گے اور تم گر جاؤ گے، کیونکہ ہم تقویٰ کی وجہ سے پلصراط کے عذاب سے نجات پا جائیں گے اور تم اپنے ظلم و گناہ کے خطا اور کفر کی وجہ سے گھٹنوں کے بل جہنم میں گر پڑو گے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا، یعنی متقیوں کو ہم نجات

marfat.ocm

دیں گے اور ظالم کو گھٹنے کے بل جہنم میں گر پڑیں گے۔ یہودی نے کہا کہ ہم بھی تو متقی ہیں۔ شیخ مذکور نے فرمایا تو غلط کہتا ہے اس لئے کہ صفت تقویٰ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مخصوص فرمائی ہے، چنانچہ فرمایا: وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ فَسَاَکْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ الیٰ ان قرأ اَن یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الاُمِّی، یہودی نے کہا اس کے علاوہ اور کوئی دلیل پیش کیجئے جس سے سب کو معلوم ہو جائے کہ آپ لوگ جہنم سے نجات پا جائیں گے بزرگ نے فرمایا میں آپ کو ایسی دلیل پیش کر سکتا ہوں جسے ہر چھوٹا بڑا آنکھوں سے دیکھ کر تصدیق کرے وہ یہ کہ میرے اور تیرے جسم کے کپڑے اُتار کر آگ میں ڈالے جائیں جس کے کپڑے صحیح وسالم بچ جائیں وہ جہنم سے نجات پائے گا اور جس کے جل جائیں اس کے لئے یقین کر لینا چاہیئے کہ وہ جہنمی ہے، چنانچہ یہ بات سب نے منظور کر لی اور ہر دونوں مسلمان اور یہودی نے اپنے اپنے کپڑے اُتار دیئے۔ مسلمان بزرگ نے یہودی کے کپڑے لپیٹے اور اپنے کپڑے یہودی کے لپیٹے ہوئے کپڑوں کے اُوپر لپیٹ دیئے۔ اس طرح یہودی کے کپڑے مسلمان بزرگ کے کپڑوں کے اندر چھپا دیئے گئے۔ پھر اس گٹھڑی کو آگ میں ڈال کر مسلمان بزرگ نے خود بھی آگ میں چھلانگ لگا دی اور آگ کے ایک کونہ میں غوطہ لگا کر دُوسرے کونے سے نکل آئے اور وہی گٹھڑی ہاتھ میں لئے باہر آئے اور گٹھڑی کو کھولا گیا تو مسلمان بزرگ کے کپڑے آگ سے محفوظ اور صاف ستھرے گویا دُھل کر باہر آئے اور یہودی کے کپڑے جل کر راکھ ہو چکے تھے۔ یہودی نے جب مسلمان بزرگ کی کرامت دیکھی تو اُس نے اسلام قبول کر لیا۔

فائدہ: یہ کرامت آیات مذکورہ سے مناسبت رکھتی ہے اس لئے کہ کفار یعنی قریش مکہ اہلِ ظلم اور تھے اسی لئے انہیں ان کا دعویٰ سود مند نہ ہوا اسی لئے عذاب کے مستحق ہوئے اور اہلِ ایمان بفضلہ تعالیٰ اہل عدل و اہل تقویٰ تھے۔ اسی لئے وہ تقویٰ سے موصوف ہو کر بہشت کے مستحق ہوئے۔ اور اُن کے لئے بہشت کے دروازے کھول دیئے گئے اور جو بھی اُن کے طریقہ پر چلے گا وہ اُن کی برکت سے اُس کا وجود جہنم سے بچ جائے گا، بلکہ یوں کہو کہ (کپڑا) سے مُراد یہی وجود ظاہری ہے اور اس میں روح باطنی پوشیدہ ہے اسی لئے ضروری ہے کہ ظاہری وجود (کپڑے) کو صاف رکھا جائے تاکہ باطن کی صفائی نصیب ہو اور اللہ تعالیٰ باطنی صفائی کے لئے آسانی بھی پیدا فرمائے گا۔

تفسیر عالمانہ ۵۸: وَعِنْدَهٗ[1] "اور اللہ تعالیٰ سے خاص ہیں۔ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ، "غیب کے خزانوں کی کنجیاں۔ (حل لغات) مفاتح مفتح (بفتح المیم) کی جمع ہے بمعنی کنز۔ اس معنے پر یہ اضافت لجین الماء کے قبیل سے ہے اور یہی مقام ہذا کے مناسب ہے (کذا فی حواشی سعدی چلپی المفتی) اور یہ بھی جائز ہے کہ مفاتح مفتح (بکسر المیم) کی جمع ہو بمعنی مفتاح یعنی شئی کے کھولنے کا آلہ یعنی کنجی اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ سے خاص ہیں وہ اسباب جو غیب تک پہنچائیں۔

---

[1] یہ جملہ پڑھ کر دیوبندی وہابی اہلِ اسلام کو دھوکہ دیتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی طرح کا بھی علم غیب

۵۳۳

فائدہ : غیب کو اس سامان سے تشبیہ دی ہے جسے تالوں سے مضبوط کر کے غیروں کے دستبرد سے محفوظ رکھا جائے۔ پھر اس کے لئے علی سبیل التخییل مفاتیح ثابت فرمائے چونکہ مفاتیح (جو غیب کے خزانوں کے لئے ہیں) تک پہنچنا صرف اسی سے مخصوص ہے اس لئے کہ غیر کو ان سے کوئی تعلق نہیں (کذا فی حواشی ابن الشیخ) اسی لئے فرمایا لَا یَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ (انہیں سوائے اس کے اور کوئی نہیں جانتا) ماقبل کے مضمون کی تاکید کے لئے ہے تفسیر جلالین میں ہے کہ اس سے وہ مغیبات خمس ۵ مراد ہیں جنہیں آیت

حاصل نہ تھا فقیر نے اس کے جوابات تفسیر اویسی اُردو میں تفصیل سے لکھے ہیں یہاں مفسرین کے عبارات اور چند مختصر جوابات پر اکتفاء کرتا ہے۔ یاد رہے کہ

مفسرین نے فرمایا ہے کہ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ (غیب کی کنجیوں) سے مُراد یا تو غیب کے خزانے ہیں۔ یعنی سارے معلوماتِ الٰہیہ کا جاننا یا اس سے مراد ہے غیب کو حاضر کرنے یعنی چیزوں کے پیدا کرنے پر قادر ہونا، کیونکہ کنجی کا کام یہی ہوتا ہے کہ اس سے قفل کھولا اور اندر کی چیز باہر اور باہر کی چیز اندر کر دی۔ اسی طرح حاضر کو غائب اور غائب کو حاضر کرنا یعنی پیدا کرنے اور موت دینے کی قدرت پروردگار ہی کو ہے۔

(۱) تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے فَكَذٰلِكَ هٰهُنَا لَمَّا كَانَ عَالِمًا بِجَمِيْعِ الْمَعْلُوْمَاتِ عَبَّرَ عَنْ هٰذَا الْمَعْنٰى بِالْعِبَادَةِ الْمَذْكُوْرَةِ وَعَلَى التَّقْدِيْرِ الثَّانِيْ الْمُرَادُ مِنْهُ الْقُدْرَةُ عَلٰى كُلِّ الْمُمْكِنَاتِ جبکہ پروردگار تمام معلومات کا جاننے والا ہے تو اس مطلب کو اس عبارت سے بیان کیا اور دوسری صورت پر مراد اس سے سارے ممکنات پر قادر ہونا ہے۔ تفسیر روح البیان کے علاوہ تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے لِاَنَّ اللّٰهُ تَعَالٰى لَمَّا كَانَ عَالِمًا بِجَمِيْعِ الْمَعْلُوْمَاتِ عَبَّرَ هٰذَا الْمَعْنٰى بِهٰذِهِ الْعِبَارَةِ وَعَلَى التَّفْسِيْرِ الثَّانِيْ يَكُوْنُ الْمَعْنٰى وَعِنْدَهٗ خَزَائِنُ الْغَيْبِ وَالْمُرَادُ مِنْهُ الْقُدْرَةُ الْكَامِلَةُ عَلٰى كُلِّ الْمُمْكِنَاتِ کیونکہ رب تعالیٰ جب تمام معلومات کا جاننے والا ہے تو اس معنی کو اس عبارت سے بیان کیا اور دوسری تفسیر پر اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ کے نزدیک غیب کے خزانے ہیں اور اس سے مراد ہر ممکن چیز پر قدرت کاملہ اور ظاہر ہے کہ یہ صفتِ خداوندی ہے اس کی اگر نبی علیہ السّلام سے نفی ہو تو ہمارے مسلک کے خلاف نہیں کیونکہ رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم خالق نہیں مانتے بلکہ محبوب خالق مانتے ہیں۔ یا اس سے مراد ہے کہ غیب کی کنجیاں بغیر تعلیم الٰہی کوئی نہیں جانتا۔ تفسیر عرائس البیان میں ہے قَالَ الْحَرِيْرِيُّ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ وَمَنْ يُّطْلِعُهٗ عَلَيْهَا مِنْ خَلِيْلٍ وَّحَبِيْبٍ اَیْ لَا يَعْلَمُهَا الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ قَبْلَ اِظْهَارِهٖ تَعَالٰى ذٰلِكَ لَهُمْ ، حریری نے فرمایا کہ ان کنجیوں کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور سوائے اُن محبوبوں کے جن کو اللہ خبردار کرے کوئی نہیں جانتا یعنی اُن کو اگلے پچھلے اللہ کے ظاہر فرمانے سے پہلے نہیں جانتے۔

(۲) تفسیر عنایت القاضی یہ ہی آیت وَجْهُ اخْتِصَاصِهَا بِهٖ تَعَالٰى اَنَّهٗ لَا يَعْلَمُهَا كَمَا هِيَ اِبْتِدَاءً اِلَّا هُوَ ان غیب کی کنجیوں کے خدا تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جیسی وہ ہیں اس طرح ابتداءً خدا کے سوا

marfat.ocm

إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ (الاٰیۃ) میں ذکر کیا گیا ہے۔

حدیث شریف : بخاری شریف میں ہے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غیب کے خزانے پانچ ہیں۔ انہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔

(۱) ارحام میں جو کچھ ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو علم نہیں کہ کل کیا ہوگا۔

(۳) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب ہوگی۔

(۴) اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا کہ کون کب اور کس زمین میں مرے گا۔

(۵) اور کسی کو معلوم نہیں کہ قیامت کب قائم ہوگی[2]

کوئی نہیں جانتا۔ اس آیت کے اگر وہ مطلب نہ بیان کئے جاویں جو ہم نے بتائے تو یہ مخالفین کے بھی خلاف ہے، کیونکہ بعض علم غیب وہ بھی مانتے ہیں اور اس میں علم غیب کی بالکل نفی ہے۔
علاوہ ازیں یہ آیت مکیہ ہے جو ہمارے لئے مخالف نہیں کیونکہ ہمارا دعویٰ آیاتِ مدنیہ سے ہے نیز آیات کا سیاق وسباق بتاتا ہے کہ یہ نفی کفار کے عقیدہ کو مٹانے کے لئے ہے کہ وہ غیوب اپنے بتوں کے لئے مانتے تھے اور قاعدہ ہے کہ جہاں نفی ہو اس سے کفار کے بت مراد ہے ورنہ آیت طٰہٰ خود ثابت فرما رہی ہے کہ جملہ علوم ماکان ومایکون لوح محفوظ میں ہیں مخالفین نے صرف ایک جملہ پڑھنا ہوتا ہے چاہئیے یہ کہ مکمل آیت پڑھی جائے تاکہ اختلاف دُور ہو۔

[2] صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہاں مفاتیح الغیب سے غیوب خمس مراد لینا حق ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ انہیں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہیں جانتے ذاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے خبری کی دلیل ہے ورنہ متقدمین تو صاف لکھ گئے ہیں۔ علامہ زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں لکھتے ہیں: وَقَدْ تَوَاتَرَتِ الْاَخْبَارُ وَاتَّفَقَتْ مَعَانِيْهَا عَلٰى اِطِّلَاعِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى الْغَيْبِ وَلَا يُنَافِي الْاٰيٰتِ الدَّالَّةَ عَلٰى اَنَّهٗ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ لِاَنَّ الْمَنْفِيَّ عِلْمُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنْ غَيْرِ وَاسِطَةٍ اَمَّا اِطِّلَاعُهٗ عَلَيْهِ بِاِعْلَامِ اللّٰهِ فَمُحَقَّقٌ بِقَوْلِهٖ تَعَالٰى اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ " احادیث اس پر متواتر ہیں اور اُن کے معانی اس پر متفق ہیں کہ حضور علیہ السلام کو غیب پر اطلاع ہے اور یہ مسئلہ ان آیتوں کے خلاف نہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ خدا کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا، کیونکہ جس کی نفی ہے وہ علم بغیر واسطہ ہے (ذاتی) لیکن حضور علیہ السلام کا غیب پر مطلع ہونا اللہ کے بتانے سے وہ ثابت ہے۔ رب کے اس قول سے کہ سوائے پسندیدہ رسول کے۔

"وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ" جو موجودات جنگلوں اور دریاؤں میں ہیں اُن سب کو اللہ تعالیٰ تفصیلی طور اور اُن کے اجناس و انواع اور اُن کے افراد کی کثرت کو جانتا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے علم کے تعلق کا بیان ہے کہ جس طرح اس کا علم مغیبات سے متعلق ہے اسی طرح مشاہدات سے بھی مغیبات کے بعد مشاہدات کا ذکر تکملۃً ہے تاکہ تنبیہ ہو کہ اُس کے علم محیط کے آگے ہر شئے واضح اور روشن ہے۔

مخالفین پر حیرانی ہے کہ وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علوم خمس میں سے بہت سے جزئیات کا علم مانتے ہیں جب جزئیات کو مانتے ہیں تو پھر خاصۂ خدا بھی گردانتے ہیں، حالانکہ خاصہ کا تو کسی دوسرے کے لئے ایک جزء ثابت کرنا بھی شرک ہے لیکن ان کی ضد کا علاج کون کرے جزئیات میں صرف علم ساعۃ پر اڑ جاتے ہیں ہم اور حدیث بخاری شریف بھی پیش کرتے ہیں اور آیت بھی ممکن ہے رُوح البیان کا یہی حوالہ بھی پیش کر دیں تو عرض کریں گے کہ صاحب روح البیان کی عادت ہے کہ تحقیق المقام پر تفصیل لکھتے ہیں ورنہ اجمال لکھتے چلے جاتے ہیں، چنانچہ وہ خود لکھتے ہیں کہ "وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ الْمَشَائِخِ إِلٰى أَنَّ النَّبِیَّ عَلَیْهِ السَّلَامُ كَانَ یَعْرِفُ وَقْتَ السَّاعَةِ بِإِعْلَامِ اللهِ وَهُوَ لَا یُنَافِی الْحَصْرَ فِی الْآیَةِ كَمَا لَا یَخْفٰی"، بعض مشائخ اس طرف گئے ہیں کہ نبی علیہ السلام قیامت کا وقت بھی جانتے تھے۔ اللہ کے بتانے سے اور ان کا یہ کلام اس آیت کے حصر کے خلاف نہیں۔ جیسا کہ مخفی نہیں۔ باقی رہے دیگر علوم وہ ایک کامل (جسے مخالفین نے بھی قطبِ وقت مانا) کے قلم کا شاہکار ملاحظہ ہو وہ ہیں حضرت شیخ علامہ عبدالعزیز دباغ قدس سرہ۔ آپ الابریز صفحہ ۲۲۰ میں لکھتے ہیں: وَأَقْوَى الْأَرْوَاحِ فِی ذٰلِكَ رُوحُهُ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّهَا لَمْ یُحْجَبْ عَنْهَا شَیْءٌ مِنَ الْعَالَمِ فَهِیَ مُطَّلِعَةٌ عَلٰى عَرْشِهِ وَعُلُوِّهِ وَسُفْلِهِ وَدُنْیَاهُ وَآخِرَتِهِ وَنَارِهِ وَجَنَّتِهِ لِأَنَّ جَمِیعَ ذٰلِكَ خُلِقَ لِأَجْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَتَمْیِیزُهُ عَلَیْهِ السَّلَامُ خَارِقٌ لِهٰذِهِ الْعَوَالِمِ بِأَسْرِهَا فَعِنْدَهُ تَمْیِیزٌ فِی أَجْرَامِ السَّمٰوَاتِ مِنْ أَیْنَ خُلِقَتْ وَمَتٰى خُلِقَتْ وَإِلٰى أَیْنَ تَصِیرُ فِی جِرْمِ كُلِّ سَمَاءٍ وَعِنْدَهُ تَمْیِیزُ اخْتِلَافِ مَرَاتِبِهِمْ وَمُنْتَهٰى دَرَجَاتِهِمْ وَعِنْدَهُ عَلَیْهِ السَّلَامُ تَمْیِیزٌ فِی أَجْرَامِ النَّیِّرَةِ الَّتِی فِی الْعَالَمِ الْعُلْوِیِّ مِثْلَ النُّجُومِ وَالشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَاللَّوْحِ وَالْقَلَمِ وَالْبَرْزَخِ وَالْأَرْوَاحِ الَّتِی فِیهِ عَلَى الْوَصْفِ السَّابِقِ وَكَذَا عِنْدَهُ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ تَمْیِیزٌ فِی الْجِنَانِ وَدَرَجَاتِهَا فِی عَدَدِ سُكَّانِهَا وَمَقَامَاتِهِمْ فِیهَا وَكَذَا مَا بَقِیَ مِنَ الْعَوَالِمِ وَلَیْسَ فِی هٰذَا مُزَاحَمَةٌ لِلْعِلْمِ الْقَدِیمِ الْأَزَلِیِّ الَّذِی لَا نِهَایَةَ لِمَعْلُومَاتِهِ وَذٰلِكَ لِأَنَّ مَا فِی الْعِلْمِ الْقَدِیمِ یَنْحَصِرُ فِی هٰذِهِ الْعَوَالِمِ فَإِنَّ أَسْرَارَ الرُّبُوبِیَّةِ وَأَوْصَافَ الْأُلُوهِیَّةِ الَّتِی لَا نِهَایَةَ لَهَا لَیْسَتْ

marfat.ocm

وَمَا تَسْقُطُ مِنْ "یہ مِنْ زائد ہے۔ وَرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا (اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر اسے بھی جانتا ہے) یعنی اللہ تعالیٰ کو درختوں کے پتے گرنے اور باقی رہنے والوں کا علم ہے۔ اس میں ظاہر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جزئیات کو بھی جانتا ہے۔ وَلَا حَبَّةٍ " اس کا عطف وَرَقَةٌ پر ہے۔ فارسی اور اُردو میں بمعنے دانہ۔

فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ " (زمین کی تاریکیوں میں)

فائدہ: کاشفی نے فرمایا کہ اس سے وہ بیج مراد ہے جو زمین کے اندر ہوتا ہے وَلَا رَطْبٍ " اس کا بھی ورقہ پر عطف ہے فارسی اور اردو میں بمعنی تر وَلَا یَابِسٍ اور اُردو میں بمعنی خشک یعنی ان اشیاء میں سے ہر شئے کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

●

فائدہ: حدادی نے فرمایا رطب و یابس سے وہ تمام اشیاء مُراد ہیں جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اس لئے کہ ان دونوں کی تمام اشیاء یا خشک ہیں یا تر لیکن ان کا صرف جسمانیات سے تعلق ہے۔ اس لئے کہ خشکی و تری جسمانیات کے اوصاف ہیں۔ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۝ مگر وہ کتاب مبین میں ہے۔

فائدہ: اس سے لوحِ محفوظ مُراد ہے۔ یہ استثناء اوّل سے بدل الاشتمال کے طور ہے یا اس سے اللہ تعالیٰ کا علم مُراد ہے تو یہ بدل الکل ہوگا۔

فائدہ: وَلَا رطب ولا یابس کو مرفوع بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ دونوں بسبب حرف عطف مُبتداء اور اِلَّا فی کتاب مّبین " اس کی خبر ہوگی۔ مقام کی مناسبت سے یہی زیادہ موزوں ہے

مِنْ هٰذَا الْعَالَمِ فِیْ شَیْءٍ " یعنی اس امتیاز میں سب سے زیادہ قوی روح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے کہ اس روح پاک سے عالم کی کوئی شئے پردہ میں نہیں۔ یہ روح پاک عرش اور اس کی بلند، پستی دُنیا و آخرت جنت دوزخ سب پر مطلع ہے، کیونکہ یہ سب اسی ذات جمع کمالات کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہ وبارک وسلم۔ آپ کی تمیز ان جملہ عالموں کی خارق ہے۔ آپ کے پاس اجرام سماوات کی تمیز ہے کہ کہاں سے پیدا کئے گئے کیوں پیدا کئے گئے کیا ہو جائیں گے اور آپ کے پاس ہر ہر آسمان کے فرشتوں کی تمیز ہے اور اس کی بھی کہ وہ کہاں سے اور کب سے پیدا کئے گئے اور کہاں جائیں گے اور ان کے اختلاف مراتب اور منتہاء درجات کی بھی تمیز ہے اور ستر پردوں اور ہر پردہ کے فرشتوں کے جملہ حالات کی بھی تمیز ہے۔ عالم علوی کے اجرام نیرہ ستاروں سورج چاند لوح وقلم برزخ اور اس کی ارواح کا بھی ہر طرح امتیاز ہے۔ اسی طرح ساتوں زمینوں اور ہر زمین کی مخلوقات خشکی اور تری جملہ موجودات کا بھی ہر ہر حال معلوم ہے۔ اسی طرح تمام جنتیں اور ان کے درجات اور ان کے رہنے والے

marfat.ocm

اس لئے کہ کتاب میں رطب و یابس کا سقوط نہیں کتابت ہوتی ہے۔

سوال : مداوی نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ سے کوئی شئے مخفی نہیں تو پھر لوحِ محفوظ کا ذکر کیوں حالانکہ اللہ تعالیٰ ان اشیاء کی تخلیق سے بھی پہلے جانتا تھا۔ اور اس پر وہ اشیاء مکتوب نہ تھیں یا ہوتیں تو بھی اُس کے علم میں برابر فرق نہیں۔

جواب ۱ : تاکہ وہ لوح میں محفوظ ہو کر انہیں پڑھا جا سکے۔ یعنی اُس کی مخلوق اس سے پڑھ سکے۔

جواب ۲ : تاکہ ملائکہ اس سے پڑھ کر اللہ تعالیٰ کے صفات میں معلومات کے اضافہ سے علم الیقین میں ترقی کر سکیں۔ لیکن حوادثات کے حدوث کے وقت انہیں لوحِ محفوظ کے مکتوب کے مطابق پائیں گے لیکن یہ جواب صحیح نہیں اس لئے کہ ملائکہ کرام میں ترقی و تنزل کا مادہ نہیں پھر اُن کے لئے لوحِ محفوظ کی تخلیق کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

جواب صوفیانہ : لوحِ محفوظ اس قسم کا قلب (دل) ہے یعنی انسان میں ایک دل رکھا گیا کہ اس میں ماکان وما یکون منقش فرما دیا۔

فائدہ صوفیانہ : لوحِ محفوظ بھی مراتب تنزلات سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان مقدرات کونیہ کو اس میں لکھا جو بندوں کی طرف فوائد عائد ہوں گے اسے صرف عارف باللہ یعنی اولیاء اللہ جانتے تھے۔ حضرت حافظ صاحب قدس سرہ نے فرمایا۔

کی گئی اور معلقات کے علم قدیم کے معلومات اس علم میں منحصر نہیں۔ ظاہر ہے کہ [illegible] ربوبیت اوصاف الٰہیت جو غیر متناہی ہیں اس علم میں کب آ سکتے ہیں۔

دیکھئے صاحب کتاب الابریز کیسے صاف تصریح فرماتے ہیں کہ حضور کی [illegible] سے بالکل کوئی چیز خارج نہیں فرشی دنیا کی ہو یا آخرت کی پردہ علم حجاب میں نہیں۔ حضور سب کے علم میں [illegible] حضور کے علم کو علم الٰہی سے کوئی نسبت نہیں کیونکہ علم الٰہی غیر متناہی ہے بخلاف حضور کا علم خواہ کتنا ہی وسیع ہو [illegible] حضور کا علم خواہ کتنا ہی وسیع ہے مگر متناہی ہے اور متناہی کو غیر متناہی سے نسبت ہی کیا۔

ازالۂ وہم : [illegible] کے [illegible] کی [illegible] جب حضور کے علم کی وسعت [illegible] کر سکتے ہیں کہ [illegible] علم الٰہی کو علم [illegible] منحصر [illegible] [illegible] ہیں۔

marfat.ocm

؎ معرفت نیست دریں قوم خدایا مددے ؛ تا برم گوہر خود را بخریدار دگر

اس قوم میں معرفت نہیں اے اللہ میری مدد کر تاکہ میں اپنا موتی کسی دوسرے خریدار کے پاس لے جاؤں۔

تفسیر صوفیانہ

: اللہ تعالیٰ نے ہر شئی کے مناسب عالم شہادت میں ایک دیگر مناسب عالم پیدا فرمایا اور ایک عالم غیب میں پھر غیب کے لئے ایک کنجی بنائی کہ اس سے اس شئی کے غیب و شہادت کا تالہ کھولا جاسکے۔ پھر وہ شئے اسی طرح ہوتی ہے جیسے اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ازل میں ارادہ فرمایا تھا: وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ ،، اُس کے غیب کے خزانوں کو اور کوئی نہیں جانتا۔ وہ اس لئے کہ اس کے سوا اور کوئی خالق نہیں۔ بنابریں اس کے ان خزانوں میں نہ کسی نبی کریم علیہ السّلام کو دخل ہے نہ کسی ولی کو اور نہ ہی کوئی انہیں استعمال کر سکتا ہے اس لئے کہ یہ صرف خالق سے مخصوص ہیں (اور نبی و ولی خالق نہیں) اس مسئلہ کو ایک مثال سے سمجھئے وہ یہ کہ فوٹوگرافر (نقش کھینچنے والا) جس شئے کی تصویر کھینچے گا تو اُس کے ہاں اس کی تصویر کی ایک صورت عالم شہادت میں ہے اور ایک صورت عالم غیب میں ہے (جسے فوٹوگرافر کا علم و فن کہا جاتا ہے) اُس صورت کے لئے ایک کنجی ہے کہ جس سے باب علم تصویر کو وہ مصوّر کھولے گا۔ اس صنعت کے مطابق جو عالم شہادت میں ظاہر ہوگی اور وہ مصوّر کے ذہن میں ہے جسے قلم ظاہر کرے گی اور قلم نقاش کے ہاتھ میں ہے۔ اس میں سوائے اس نقاش کے اور کسی کو کسی قسم کا دخل نہیں۔ اب سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ نقاش و مصوّر ہے اور صورتیں کائنات میں مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتی ہیں اور یہ صورتیں جس طرح عالم شہادت میں ہیں۔ اسی طرح عالم غیب میں بھی ہیں۔ اُن کی تخلیق و تکوین اللہ تعالیٰ نے فرمائی اور اُن کی مفتاح اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔ اس کا علم عالم ملکوت سے متعلق ہے۔ ملکوت کے قلم سے ہر شئی کا ظہور ہے اور وہ قلم صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ،، اسی کے ہاتھ میں ہے ہر شئی کی ملکوت ہے پھر جیسے اشیاء مختلف ہیں اسی طرح ملکوتیات بھی مختلف۔ اور ہر شئی کے ملکوت جمادات ہوں یا نباتات، حیوانات ہوں یا انسان یا فرشتے اُن ہر ایک کے مناسب حال صورت ہے۔ اس لئے مفاتح کو جمع اور غیب کو واحد لایا گیا کما قال " وَعِنْدَهٗ مفاتح الغیب ،، اس لئے کہ غیب تکوین کا علم ہے اور وہ جمیع اشیاء میں ایک ہے اور ملکوت میں کثرت ہے۔ جیسے مصوّر کی اقلام بکثرت ہوتی ہیں۔

(ف) اللہ تعالیٰ تکوین بر و بحر کو جانتا ہے۔ اس لئے کہ اس سے ہی سب کا ظہور ہوا اور بر عالم شہادت سے ہیں اور بحر عالم غیب اور عالم ملکوت سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ان ہر دونوں کو جانتا ہے۔ کَمَا قَالَ عالمَ الغیب وَالشَّهَادَة ؕ اس علم کی وجہ سے ہر درخت کے گرنے والے پتے کو جانتا ہے۔ اس لئے کہ وہ اُن کا خالق بھی ہے اور مُثبت بھی وہی اور مُسقط بھی وہی۔

marfat.ocm

وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ "اور حبہ سے مُراد حبۃ الروح اور ظلمات الارض سے ظلمات ارض نفس مُراد ہیں۔ یعنی ہر رُوح کے بیج جو نفس کی زمین کی تاریکیوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسے بھی جانتا ہے اور وَلَا حَبَّۃٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ سے ظلمات کمالات بشریہ بھی مُراد ہو سکتے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کمالات بشریت کو بھی جانتا ہے اور اُس کے نقصانات کو بھی اور ولا رطب ولا یابس میں رطب سے موجود فی الحال اور یابس سے معدوم فی الحال اور موجود بالقوہ مراد ہے یعنی وہ اس وقت معدوم تھا جب یہ آیت نازل ہوئی اور پھر بعد کو وہ موجود ہوگا اور یہ بھی ہے کہ رطب سے روحانیات اور یابس سے جمادیات اور یہ بھی ہے کہ رطب سے مومن اور یابس سے کافر اور یہ بھی کہ رطب سے عالم اور یابس سے جاہل۔ یا یہ کہ رطب سے عارف اور یابس سے زاہد یا یہ کہ رطب سے اہلِ جنت اور یابس سے اہلِ بغض یا یہ کہ رطب سے صاحب شہود اور یابس سے صاحب وجود یا یہ کہ رطب سے باقی باللہ اور یابس سے باقی بنفسہ اور کتاب مُبین سے ام الکتاب مُراد ہے (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیرِ عالمانہ

وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ "اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جو تمہیں رات میں مارتا ہے) یہ خطاب ہر مومن اور کافر کو عام ہے یعنی تمہیں رات کے وقت نیند لاتا ہے یعنی تمیز اور حواس زائل کر کے تمہیں مردہ کی طرح بنا دیتا ہے۔

اس لئے وارد ہے کہ النوم اخ الموت نیند موت کی مانند ہے۔

(ف) التوفی بمعنے قبض الشئ بتمامہ یعنی شئ کو مکمل طور قبض کرنا۔ (فائدہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نیند کے وقت رُوح تو نکل جاتی ہے، لیکن اس کی شعاع جسم میں باقی رہتی ہے۔ اسی وجہ سے نیند میں خواب دکھائی جاتی ہے۔ پھر جب وہ جاگتا ہے تو روح آنکھ جھپکنے سے پہلے واپس لوٹ آتی ہے۔ یعنی خواب میں دیکھنے والی رُوح انسانی ہوتی ہے۔ عالم برزخ میں رُوحِ حیوانی اُس سے جو کچھ حُسن و قبح ظاہر ہوتا ہے اسے رُوحِ انسانی ملاحظہ کرتی ہے اور رُوحِ حیوانی اُس رُوحِ انسانی کا ظِل اور عکس ہے لیکن یاد رہے کہ رُوحِ انسانی و حیوانی حکماء کی اصطلاحیں ہیں۔ اہلِ سلوک ہر دو کو مطلقًا روح اور اس کے تنزلات سے تعبیر کرتے ہیں۔

وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ "اور جو کچھ تم دن میں عمل کرتے ہو انھیں بھی وہ جانتا ہے۔

فائدہ : جوارح الانسان بمعنی انسان کے وہ اعضاء کہ جن سے اعمال کا صدور ہوتا ہے اور اللیل والنہار کی تخصیص صرف عادت کی بنا پر ہے کہ عادۃً انسان رات کو سوتا ہے اور دن کو کاروبار میں رہتا ہے۔

marfat.ocm

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ
اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر اور تم پر نگہبان بھیجتا ہے یہاں تک کہ جب تم میں کسی کو موت آتی ہے
الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ (٦١) ثُمَّ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ
ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کرتے ہیں اور وہ قصور نہیں کرتے پھر پھیرے جاتے ہیں اپنے سچے مولیٰ اللہ کی طرف
اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۟ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ (٦٢) قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ
سنتا ہے اسی کا حکم ہے اور وہ سب سے جلد حساب کرنے والا تم فرماؤ وہ کون ہے جو تمہیں نجات دیتا ہے جنگل اور دریا
وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ
کی آفتوں سے جسے پکارتے ہو گڑگڑا کر اور آہستہ کہ اگر وہ ہمیں اس سے بچا دے تو ہم ضرور احسان مانیں گے
الشّٰكِرِيْنَ (٦٣) قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ (٦٤)
تم فرماؤ اللہ تمہیں نجات دیتا ہے اس سے اور ہر بے چینی سے پھر تم شریک ٹھہراتے
قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰۤى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ
ہو تم فرماؤ وہ قادر ہے کہ تم پر عذاب بھیجے تمہارے اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے
اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ
تلے سے یا تمہیں بھڑا دے مختلف گروہ کرکے اور ایک کو دوسرے کی سختی چکھائے دیکھو ہم کیونکر
نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ (٦٥) وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ
طرح طرح سے آیتیں بیان کرتے ہیں کہ کہیں ان کو سمجھ ہو اور اسے جھٹلایا تمہاری قوم نے اور یہی حق ہے تم فرماؤ میں
لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ (٦٦) لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ؗ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (٦٧) وَاِذَا رَاَيْتَ
تم پر کچھ کروڑا نہیں ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے اور عنقریب جان جاؤ گے اور اے سننے والے
الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ
جب تو انہیں دیکھے جو ہماری آیتوں میں پڑتے ہیں تو ان سے منہ پھیر لے جب تک اور بات میں پڑیں
وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (٦٨) وَمَا
اور جو کہیں تجھے شیطان بھلاوے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ اور
عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ (٦٩)
پرہیزگاروں پر ان کے حساب سے کچھ نہیں ہاں نصیحت دینا شاید وہ باز آئیں
وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖۤ اَنْ
اور چھوڑ دے ان کو جنہوں نے اپنا دین ہنسی کھیل بنا لیا اور انہیں دنیا کی زندگی نے فریب دیا اور قرآن سے

marfat.ocm

سَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ وَاِنْ

دو کہیں کوئی جان اپنے کیے پر پکڑی نہ جائے اللہ کے سوا اس کا کوئی حمایتی ہو نہ سفارشی اور اگر

عْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا لَهُمْ شَرَابٌ

اپنے عوض سارے بدلے دے تو اس سے نہ لیے جائیں یہ ہیں وہ جو اپنے کیے پر پکڑے گئے انہیں پینے کو کھولتا پانی

مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝

اور دردناک عذاب بدلہ ان کے کفر کا

بقیہ صفحہ: ۵۳۹

ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ " (پھر تمہیں اس میں بیدار کرتا ہے) اس کا عطف یتوفاکم پر ہے۔

نکتہ: لیل و نہار کے درمیان یعلم کے صیغہ کو لانے میں نکتہ ہے وہ یہ کہ انسان کو معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ وہ رات کو نیند جیسی نعمت عطا فرما کر دن کو پھر بیدار فرما دیتا ہے۔ باوجودیکہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ بندہ نیند سے اٹھ کر برائیوں میں مصروف ہو جائے گا۔ (اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ) حالانکہ وہ قادر ہے کہ نیند میں ہی انسان کو موت دے اور اسے حیاۃ دے کر جگاتا ہی نہیں تاکہ اٹھ کر گناہ نہ کرے، لیکن باوجود ایں ہمہ اس نے خواب سے جگایا اور حیات بخشی۔ یہی وجہ ہے کہ ثُمَّ تراخی والا لایا گیا وہ بھی اسی طرہ اشارہ کرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ تمہیں جنس لیل میں نیند دیتا ہے اور جنس نہار میں بیداری بخشتا ہے۔ باوجودیکہ اسے معلوم ہے کہ تم اٹھ کر گناہ کرو گے۔ **لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى** " تاکہ تمہارا اجل پورا ہو یعنی نیند سے اٹھنے والا۔ موت تک اپنی میعاد زندگی پوری کر سکے۔

(فائدہ) اجل بمعنی زندگی کی آخری مدت

ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ " پھر تمہارا موت سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہے۔ **ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ** ۝ وہ اعمال جو تم زندگی کے شب و روز میں کرتے رہے اُن کی تمہیں جزا و سزا دے گا

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ ۞ وَهُوَ الْقَاهِرُ : اور وہی غالب ہے۔ فَوْقَ عِبَادِهٖ اپنے بندوں پر یعنی اس کے سوا بندوں کے جملہ امور کا ہر طرح سے اور کوئی متصرف نہیں جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے۔

فائدہ : یہ بھی جائز ہے کہ فوق دوسری خبر ہو اور فوق میں مکانیت کا معنی نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف مکانیت کی اضافت محال ہے۔ یہاں پر غلبہ یا قدرت یا اسی طرح کا کوئی اور معنے ہوگا۔ مثلاً کہا جاتا ہے۔ فلان فوق فلان فی العلم "یعنی وہ فلاں سے علم میں فوقیت رکھتا ہے۔ یعنی اس سے علم میں زائد ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) دست بر بالائے دست ایں تا کجا　　تا بیزدان کہ الیہ المنتہیٰ
(۲) کان یکے دریاست بے غور و کراں　　جملہ دریاہا چو سیلے پیش آں
(۳) حیلہا و چارہ ہا گر اژدہاست　　پیش الا اللہ آنہا جملہ لاست

ترجمہ : (۱) ہاتھ کو ہاتھ پر غلبہ ہے یہاں تک کہ اللہ تک سب کا انتہا ہے۔
(۲) وہ ایسا بیکراں و بے کنار دریا ہے کہ تمام دریا اس کے سامنے چھوٹی نالی ہے۔
(۳) جملہ حیلے مکر و فریب اگرچہ بڑے اژدہا ہیں لیکن الا اللہ کے آگے تو لا ہیں یعنی کچھ نہیں۔

وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً " اس کا عطف جملہ اسمیہ " اور تمہارے اوپر ایسے نگران فرشتے بھیجتا ہے جو تمہارے اعمال کی حفاظت کرتے ہیں۔ اس سے کراماً کاتبین مراد ہیں۔

نکتہ : کراماً کاتبین کو مقرر کرنے میں حکمت یہ ہے کہ جب بندے کو معلوم ہوگا کہ میرے اعمال لکھے جا رہے ہیں (جو قیامت میں برسرمیدان عوام کے سامنے ظاہر ہوں گے) تو برائیوں سے رُک جائے گا۔ اور جسے یقین ہو کہ اسے بالآخر معاف فرمائے گا تو اُسے اپنے آقا سے اتنا خوف نہیں ہوتا۔

حضرت کاشفی نے کہا ؎

(۱) نہ اندیشی ازاں روزے کہ در وے　　جگرہا خون و دلہا ریش بینی
(۲) دھندت نامہ اعمال و گویند　　بخواں تا کردہائے خویش بینی
(۳) مکن در میکنی نارے دراں گوش　　کہ اندر نامہ نیکی پیش بینی

ترجمہ : (۱) تجھے اس دن کا کوئی فکر بھی نہیں جہاں جگر خون ہوں گے اور دل زخمی
(۲) تجھے اعمالنامہ دے کر کہیں گے اسے پڑھ یہ تیرے اپنے کام ہیں۔
(۳) گناہ نہ کر اگر کرتا ہے تو سُن لے کہ آگے تیرے لئے جہنم ہے جب تیرے عملنامہ میں نیکی نہ ہوگی۔

marfat.ocm

کراماً کاتبین : مروی ہے کہ کراماً کاتبین رات اور دن کے لئے علیحدہ علیحدہ جوڑا ہے۔ ایک نیکیاں لکھتا ہے تو دوسرا برائیاں۔ دایاں بائیں کا امیر ہے۔ جب بندہ نیکی کرتا ہے تو وہ ایک کے بجائے دس نیکیاں لکھتا ہے اور جب بندہ بُرائی کرتا ہے تو بائیں جانب والا فرشتہ لکھنے کا ارادہ کرتا ہے تو اُسے دائیں جانب والا فرشتہ کہتا ہے رُک جا۔ وہ چھ سات ساعات رُکا رہتا ہے پھر اگر وہ بُرائی پر استغفار کرتا ہے تو اُس کی بُرائی نہیں لکھی جاتی۔ اگر استغفار نہیں پڑھتا تو اُس کے نامۂ اعمال میں صرف ایک بُرائی لکھی جاتی ہے۔

سوال : وہ فرشتے جیسے ظاہر عمل کو جانتے ہیں کیا اسی طرح انسان کے دل کے ارادہ کو بھی جانتے ہیں۔

جواب۱ : ہاں[لہ] وہ دل کے باطنی عزم کو بھی جانتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ کراماً کاتبین اُن فرشتوں سے نقل کر لیتے ہیں جو لوحِ محفوظ کے کاتبین ہیں اور لوحِ محفوظ پر تمام حالات لفظ بلفظ لکھے ہوئے ہوتے ہیں انہیں ظواہر سے تعلق ہو یا بواطن سے لوحِ محفوظ سے حالات معلوم کرنے کے بعد وہ بندوں کے اعمال لکھتے ہیں۔ رات والے فرشتے رات کو اور دن والے دن کو جس طرح بندوں سے گناہوں کا صدور ہوتا ہے۔ ویسے ہی وہ لکھتے جاتے ہیں وہ اس سے قبل بھی اُن کے اعمال کو جانتے ہیں۔

جواب۲ : بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ جب بندہ نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو اُس کے منہ سے خوشبو مہکتی ہے۔ اس علامت کے مطابق نیکی کا فرشتہ لکھتا ہے تو وہ بُرائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے منہ سے بدبو اُٹھتی ہے۔ اس علامت سے بُرائی لکھنے والا فرشتہ بُرائی لکھتا ہے۔

سوال : جو جوڑا آج اعمال لکھنے کے لئے آیا وہی کل آئے گا یا کل کے لئے اور پرسوں کے دیگر وغیرہ وغیرہ

جواب : بعض مشائخ کا فرمان ہے کہ جو جوڑا ایک انسان کے لئے مقرر ہو جاتا ہے وہ اُس کی زندگی تک اُس کے لئے مقرر رہتا ہے۔ بعض کے نزدیک یہ ہے کہ جو ایک دفعہ حاضر ہُوا اسے پھر اس بندے کی زندگی میں دوبارہ آنا نہیں ہوگا بلکہ ان کے بجائے کوئی اور آئیں گے۔ اسی طرح پھر تیسرے روز وغیرہ وغیرہ۔

فائدہ : کراماً کاتبین انسان کے اعمال لکھتے وقت کہاں بیٹھتے ہیں۔ اس میں اختلاف ہے۔ حدیثِ نبوی (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) میں ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے منہ کو خلال سے صاف رکھو (اس لئے کہ کراماً کاتبین فرشتوں کی نشستگاہ یہی ہے) اور اُن کی سیاہی انسان کی تھوک ہے۔ اور اُن کا قلم انسان کی زبان ہے اور اُن کے نزدیک دانتوں میں جو طعام بچ جاتا ہے اس سے اور کوئی شئی زیادہ

[لہ] اس سے ثابت ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کی صفت علیمٌ بذاتِ الصدور ہے، لیکن اس کی دین سے بندوں کی یہ صفت حاصل ہے۔ یہی قاعدہ تاحال دیوبندیوں، وہابیوں وغیرہم کو سمجھ نہیں آیا۔ اگر آیا ہے تو ضد سے نہیں مانتے۔ ۱۲۔ اویسی غفرلہ

marfat.ocm

بد بُودار نہیں

مسئلہ : ممکن ہے کہ انسان کے ساتھ ان دو فرشتوں کے علاوہ اور بھی فرشتے ہوں جو اُسے ایذاؤں سے بچائیں جیسا کہ روایات میں ہے۔ حَتّٰٓی اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ (یہاں تک کہ تمہارے ایک کے ہاں موت آجائے)

فائدہ : یہ وہ حتّٰی ہے جس سے کلام کا ابتداء کیا جاتا ہے اور اپنے مابعد والے جملہ شرطیہ کو اپنے ماقبل کے لئے غایت بناتا ہے گویا بندوں سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارے اُوپر نگران فرشتے مقرر ہوتے ہیں جو تمہاری زندگی بھر تمہارے اعمال کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ تم میں سے کسی ایک کی مدت حیات ختم ہو جاتی ہے بعدنا پھر اُس کے لئے اسباب و مبادی آجاتے ہیں۔ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا (تو اسے ہمارے بھیجے ہُوئے فرشتے مارتے ہیں) یہ ان کراماً کاتبین کے غیر ہیں۔ یہ وہ ہیں کہ جن کی طرف بندوں کی موت سپرد کی گئی ہے۔ یعنی حضرت ملک الموت اور اُن کے خدّام یہاں محافظین اعمال فرشتوں کی ڈیوٹی ختم ہوتی ہے۔ وَهُمْ (اور وہ رُوح قبض کرنے والے فرشتے) لَا يُفَرِّطُوْنَ ۝ کوتاہی نہیں کرتے اُن امور میں جن کے متعلق اُن کی ڈیوٹی لگائی گئی ہے۔ ان میں نہ وہ سُستی کرتے ہیں اور نہ کوتاہی۔ آنکھ جھپکنے کی دیر بھی ان سے ڈیوٹی میں کمی اور سُستی نہیں ہوتی۔

مسئلہ : تمام مخلوق کی ارواح کو قبض کرنے والا درحقیقت اللہ تعالیٰ ہے اور ملک الموت اور اُن کے خدام کو مجازاً رُوح کا قبض کرنے والا کہا جاتا ہے (اس لئے کہ وہ قبض ارواح کے وسائط ہیں)

اعجوبہ : ملک الموت کے واسطہ کے بغیر بھی رُوح قبض کی جاتی ہے۔ جیسے بی بی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے متعلق منقول ہے کہ ان کی رُوح مبارکہ ملک الموت کے واسطہ سے قبض نہیں ہُوئی۔

فائدہ : ملک الموت کے مُعین ملائکہ چودہ ہیں۔ سات رحمت کے (قبض ارواح کے بعد ان کی طرف مومن کی رُوحیں سپرد ہوتی ہیں) اور سات عذاب کے (کافروں کی روحیں اُن کے سپرد ہوتی ہیں)

ملک الموت اور مسئلہ حاضر و ناظر

ملک الموت کے لئے تمام دُنیا ایسے ہے جیسے تھال میں چند دانے کہ وہ اُس سے جس کی رُوح چاہتے ہیں اُٹھا لیتے ہیں لہٰذا اقال مجاہد صاحب رُوح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ ملک الموت کو ارواح قبض کرنے میں کسی قسم کی تکالیف نہیں ہوتی۔ اگرچہ کتنی ہی بے شمار رُوحیں قبض کرنی پڑیں۔ اور کتنے ہی دُور دُور کے مختلف مقامات پہ ہوں۔ اس کی کیفیت عقل جزی کے فہم و ادراک کے حیطۂ امکان سے باہر ہے۔ جیسے

شیطان کے وسوسہ کے متعلق سمجھنا مشکل ہے کہ وہ ایک آن میں تمام اہلِ دُنیا کے دلوں میں کس طرح وسوسہ ڈالتا ہے [1]

حدیث شریف

: مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مریض کی مزاج پُرسی کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ نے ملک الموت کو اس مریض کے سرہانے دیکھ کر فرمایا اسے ملک الموت نرمی کرنا یہ مومن ہے۔ اس نے عرض کی حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو خوشی ہونی چاہیئے کہ میں ہر اہلِ ایمان کے ساتھ نرمی کرتا ہوں۔ بلکہ مجھے تعجب ہوتا ہے کہ جب میں کسی اہلِ ایمان کی روح قبض کرتا ہوں تو اُس کے گھر والے روتے ہیں تو میں اُن سے علیحدہ ہو کر کہتا ہوں کہ میں نے کونسا گناہ کیا ہے مامور من اللہ ہوں اور میں یہاں بار بار آؤں گا انہیں ایسی غلطی سے پرہیز لازمی ہے اور کوئی گھر ایسا نہیں جہاں میں دن میں پانچ بار نہ آؤں۔ وہ پہاڑوں میں ہوں یا جنگلوں میں، دریاؤں میں یا کسی اور جگہ پہ۔ مجھے اُن کے ہر چھوٹے بڑے سے تعارف ہے بلکہ جتنا میں انہیں جانتا ہوں وہ اتنا اپنے اعزہ و اقارب کو نہیں جانتے۔ بخدا میں مچھر کی جان نکالنے کی بھی قدرت نہیں رکھتا جب تک مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو۔

ردِّ وہابیہ

: علماء اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ موت محض عدم اور صرف فنا کا نام نہیں بلکہ موت جسم سے رُوح کی جُدائی کا نام ہے۔ یعنی ایک حال سے دوسرے حال کی طرف یا ایک دار سے دوسری دار کی طرف منتقل ہونے کو موت کہا جاتا ہے۔

موت کی اصلی صُورت

: مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے موت کو ملیح مینڈھے کی شکل میں پیدا فرمایا تو اُسے حکم ہوا کہ وہ اس ہیئت میں ملائکہ کرام کے ہاں جائے۔ جب فرشتوں نے موت کو دیکھا تو دو ہزار سال بیہوش رہے۔ جب ہوش میں آئے تو اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ یہ کیا شئے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ موت ہے۔ اُنھوں نے عرض کی یہ کن پر وارد ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہر ذی رُوح پر عرض کی۔ دُنیا کیوں پیدا ہوئی اللہ تعالیٰ نے فرمایا تاکہ بنو آدم ٹھہریں۔ عرض کی عورتوں کو کیوں پیدا کیا گیا ہے۔ فرمایا تاکہ آدم زادے پیدا ہوں۔ عرض کی جن لوگوں پہ موت وارد ہوگی کیا وہ دُنیا اور عورتوں سے مشغول ہو سکتے ہیں۔ فرمایا اُنہیں طویل آرزوئیں موت بھلا دیں گی۔

---

[1] اسی طرح حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر کا مسئلہ ہے کہ ہمارے عقل و فہم و ادراک میں اگر نہیں آسکتا تو نہ آئے لیکن ہے تو حق مگر افسوس کہ دیوبندیوں و وہابیوں نے ملک الموت اور ابلیس کے لئے تو مان لیا لیکن حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہی عقیدہ اہلسنت نے منوانا چاہا تو شرک کا فتویٰ جڑ دیا بلکہ انبیٹھوی گنگوہی، دیوبندیوں کے مرشد نے گستاخانہ لہجہ میں لکھ مارا کہ شیطان اور ملک الموت کا علم حضور علیہ السلام کا علم زیادہ ہے (معاذ اللہ اویسی)۔

marfat.ocm

یہاں تک کہ ان سے دُنیا اور عورتیں چھین لی جائیں۔ اسی لئے کہا گیا ہے تمام مصائب سے بڑی مصیبت موت ہے لیکن غفلت اس سے بڑی ہے۔

ثُمَّ رُدُّوْٓا ۔ اس کا عطف توفتہ پر ہے اور ضمیر کل کی طرف راجع ہے جو احدکم سے معلوم ہوتا ہے۔ یعنی قیامت میں اُٹھنے کے بعد انہیں ملائکہ لوٹائیں گے۔ اِلَی اللّٰہِ ،، (اللہ کی طرف، یعنی اُس کے حکم و جزا کی طرف حساب کے موقف میں۔

سوال : تم نے حکم و جزاء کا معنیٰ کہاں سے نکالا۔

جواب : اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا مکان اور جہت کو چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ مکان و جہت سے پاک ہے یا یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور فیصلے کے لئے مطیع کر کے لائیں گے کہ ایسے مالک کے حکم کی طرف انہیں لایا جاتا ہے کہ اب اس کے سوا ان کا کوئی مالک نہیں نہ اس کے سوا کوئی حاکم ہے۔

مَوْلٰھُمُ (اُن کے مالک کی طرف) یعنی ایسے مالک کی طرف جو علی الاطلاق جملہ امور کا مالک ہے۔

سوال : یہ تقریر آیت ” وَاَنَّ الْکٰفِرِیْنَ لَا مَوْلٰی لَھُمْ کے خلاف ہے۔

جواب : آیت میں مولیٰ بمعنی ناصر یعنی حامی و مددگار ہے اور ظاہر ہے کہ ان کا کوئی حامی و مددگار نہیں۔ اسی لئے آیت ہماری تقریر کے منافی نہیں۔

اَلَا (خبردار) لَہُ الْحُکْمُ اس کے لئے جمیع حکم ہیں۔ یعنی اُس دن اپنے بندوں کے صرف وہی فیصلے فرمائے گا۔ وہاں صرف اسی کا فیصلہ چلے گا اور کسی کا حکم نہ ہوگا۔

وَھُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِیْنَ ،، اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے کہ اُس دن تھوڑے سے وقت میں اپنی تمام مخلوق کا حساب لے گا اور یہ بھی ہے کہ اُس کے لئے ایک کا حساب دُوسرے سے مانع نہ ہوگا اور نہ ہی ایک شان دُوسری کو حاجب ہو سکے گی۔ اس کا کلام کسی آلہ (عضو) سے نہ ہوگا اور نہ فکر و رؤیت کا محتاج ہوگا۔

فائدہ : حساب کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو ثواب و عذاب سے اُن کے استحقاق کے مطابق تعارف کرائے گا۔ بعض کے نزدیک حساب کا مطلب یہ ہے کہ بندوں کے اعمال تولے جائیں گے تاکہ ان کی مقدار بندوں پر ظاہر ہو یہی وجہ ہے کہ سب سے پہلے حساب مؤمن کا ہوگا۔

مسئلہ : ہر اُس شخص کے لئے کوئی میزان نہ ہوگا جسے بہشت میں بلاحساب داخل کیا جائیگا۔

مسئلہ : حشر و حساب اس زمین کے اُوپر نہیں بلکہ زمین کے اندر ہوگا لیکن اسے بدل کر نہایت سفید چاندی کی طرح بنا دیا جائے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا حکم چلے گا۔ اور نہ ہی کسی پر ظلم ہوگا۔

سبق : جب لازماً حساب و کتاب ہونا ہے اور حساب لینے والا بھی وہی احکم الحاکمین ہے تو پھر

marfat.ocm

لازم ہے کہ حساب قائم ہونے سے پہلے ہی ہم اپنا حساب صاف رکھیں اس لئے کہ جیسے آخرت کے بازار کے جر ہیں۔ راس المال عمر ہے اور نفع عمر کو طاعت و عبادات میں صرف کرنے میں ہے اور گناہوں و برائیوں میں صرف کرنے میں گھاٹا ہے لیکن یاد رہے کہ نفس اس تجارت میں اُس کا شریک ہے۔ اگرچہ نفس میں خیر و شر دونوں کی صلاحیت رکھی گئی ہے۔ لیکن یہ برائیوں اور گناہوں کا عاشق ہے اسی لئے ضروری ہے کہ اُس پر ڑی نگرانی رکھی جائے اور پُورا پُورا حساب لیا جائے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

تو غافل در اندیشۂ سُود و مال
کہ سرمایۂ عمر شُد پائمال

ترجمہ: تو سُود و مال کے فکر میں غافل ہے اسی طرح سے تیری عمر کا سرمایہ ضائع ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

۶۳ قُلْ ؛ اے پیارے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ مکہ کو فرمائیے مَنْ .. (استفہامیہ ہے) یُنَجِّیْکُمْ (تمہیں کون نجات دیگا) مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ بَحْرِ ، جنگلوں اور دریاؤں کی تاریکیوں سے یعنی سفروں میں ان کی کیوں اور تکالیف سے۔

ف : اُن کی مشقتوں کا ظلمات سے استعارہ کیا گیا ہے اس لئے کہ ہر دونوں ابطال الابصار اور ہولناکیوں میں مشارکت رکھتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو دن سخت تکالیف و شدائد ے بسر ہو اُسے یوم مظلم سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اُسے یوم ذو کواکب بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ دن ایسا خت ہو گیا ہے گویا تاریکی چھا گئی ہے اور ستارے ظاہر ہو گئے ہیں اس لئے کہ جب رات کو تاریکی زیادہ و ستارے زیادہ روشن ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جس رات کو چاند نہ ہو تو اس میں ہر چھوٹا بڑا ستارہ ر آتا ہے۔ پھر جسقدر تاریکی زیادہ ہو اتنے ہی ستارے زیادہ چمکدار نظر آتے ہیں۔

تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ؛ اُسے پکارو گے گڑگڑا کر اور چپکے چپکے۔ یعنی اُس وقت را یہ حال ہوتا ہے کہ اسے پکارتے ہو دھاڑیں مار کر اور دل میں نہایت ہی عجز و انکسار سے۔ یہ دونوں در ہیں لیکن چونکہ حال واقع ہوئے ہیں۔ اس لئے ان میں اسم فاعل کا معنےٰ کیا گیا ہے۔

(ف) التضرع بمعنے اظہار الضراعۃ الی شئ اور ضراعۃ بمعنی شدۃ الفقر و الحاجۃ۔

لَئِنْ اَنْجٰنَا ، یہ بھی تدعونہ کی ضمیر مخاطب سے حال ہے لیکن بارادۂ قول یعنی اُسے پکارتے ور انحالیکہ تم کہنے والے ہوتے ہو کہ اگر ہمیں اللہ تعالیٰ نے نجات بخشی مِنْ هٰذِهٖ ، انہی شدائد و مصائب ے لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ، البتہ ہم ہوں گے پکے شکر گزاروں میں سے اور اس پر مداومت کرنے الوں سے اس نعمت کی وجہ سے۔

(ف) شکر بمعنے اعتراف النعمۃ یعنی نعمت کے اعتراف کرنے کو شکر کہا جاتا ہے۔ بشرطیکہ اس نعمت

marfat.ocm

کے حقوق بھی قائم رکھے جائیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کے حقوق یہ ہیں کہ منعم حقیقی کی اطاعت میں زندگی بسر کرے اور برائیوں سے بچے نہ یہ کہ اُلٹا اُس کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک بنائے جنہیں کسی شیٔ کی بھی قدرت نہیں۔

۶۳ قُلِ ،، اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرمائیے اَللّٰہُ یُنَجِّیْکُمْ مِّنْھَا وَمِنْ کُلِّ کَرْبٍ اللہ تعالیٰ تمہیں ظلمات البر والبحر اور اُن کے ماسوا دوسرے غم سے بھی نجات دے گا۔

(ف) کرب انتہا درجہ کے غم کو کہا جاتا ہے کہ جس سے نفس کو سخت گرانی ہو۔

ثُمَّ اَنْتُمْ ،، پھر اس لئے کہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نعمتوں کا مشاہدہ کر چکے ہو تو بھی تُشْرِکُوْنَ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں دُوسروں کو شریک ٹھہراتے ہو۔ یہاں پر مناسب تھا کہ لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الشَّاکِرِیْنَ کے بعد ثُمَّ اَنْتُمْ لَا تَشْکُرُوْنَ ،، ای لَا تَعْبُدُوْنَ ،، ہوتا۔ لیکن تشرکون کے بجائے لاتشکرون کہا گیا تاکہ تنبیہ ہو کہ اشتراک بھی ترک شکر ہے ۶۴ قُلْ ھُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓی اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْکُمْ عَذَابًا ،، فرمائیے اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ شرک کی وجہ سے تمہارے اُوپر عذاب بھیجے ،،

مِنْ فَوْقِکُمْ ،، تمہاری اُوپر کی جانب سے جیسے حضرت نُوح علیہ السلام کی قوم سے ہُوا کہ انہیں طوفان، صاعقہ (آندھی) سے اور قوم حضرت لُوط علیہ السلام اور اصحاب فیل پر پتھر برسا کر تباہ و برباد کیا۔

اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِکُمْ ،، یا نیچے سے عذاب بھیجے۔ جیسے فرعون کو غرق کیا اور قارون کو زمین میں دھنسا دیا۔ (ف) بعض نے کہا مِنْ فَوْقِکُمْ سے ملوک، رؤسا، اکابر اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِکُمْ ،، سے بدکار غلام اور اُن کے ماتحت عوام اور اُن کے بیوقوف لوگ مُراد ہیں اور لفظ اَوْ منع الجمع کے لئے نہیں بلکہ منع الخلو کے لئے ہے۔ یعنی دونوں جہت کا عذاب بھی ہو سکتا ہے۔ جیسے نُوح علیہ السلام کی قوم سے ہُوا کہ انہیں اُوپر نیچے کے عذاب میں مُبتلا کیا گیا۔ اَوْ یَلْبِسَکُمْ ،، یہ لَبَسْتُ علیہ الامر سے ہے۔ ای خَلَطْتُہٗ (باب ضرب یَضرِب) یا لَبِسْتُ الثوب (علم یَعْلَمُ) سے ہے۔ پہلے کا مصدر البس بالفتح اور دُوسرے کا بالضم ہے یعنی یا تمہیں خلط ملط کر دے۔ شِیَعًا ،، منصوب ہے اس لئے کہ یَلْبِسَکُمْ کے کُمْ مخاطب سے حال ہے۔

(ف) شیعہ کی جمع ہے جیسے سِدَرٌ سِدْرَۃ کی جمع ہے اور شیعہ ہر اُس گروہ کو کہا جاتا ہے جو کسی امر پر مجتمع ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں مختلف جماعتوں میں بانٹ دے کہ جن کے آراء و مذاہب مختلف ہوں جن کا ہر فرقہ اپنے علیحدہ مقتداء کا پیروکار ہو تمہارے مابین جنگ کھڑی کر کے ایک دُوسرے کی جنگ کے لئے ہر ایک لیڈر لڑائی پر برانگیختہ کرے۔

(ف) اس سے ثابت ہُوا یہاں پر خلط سے اضطراب مُراد ہے۔

وَیُذِیْقَ بَعْضَکُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ط اور تمہارا بعض تمہارے بعض کو چکھائے۔ یعنی تم ایک دُوسرے سے جنگ کرو! چنانچہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ رہا ہے کہ کافروں کو اہلِ ایمان کی جنگ کا مزا چکھاتا ہے۔

marfat.ocm

اِسی طرح بالعکس اور یہ بھی ہُوا کہ کافروں کو کافروں سے اور اہلِ ایمان کو اہل ایمان سے مزا چکھایا۔ جیسے اکثر آزمان و اعصار میں ہُوا (اسی طرح جمال و جلال کی صفت کی تربیت کا تقاضا ہے)

حدیث شریف : میں ہے میں نے اپنے ربِّ کریم سے تین سوال کیئے۔ دو مجھے عطاء ہُوئے۔ ایک سے منع فرمایا۔ پہلا سوال یہ تھا کہ میری اُمت کو قحط سالی سے تباہ و برباد نہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایسے ہی ہوگا۔ دوسرا سوال تھا میری اُمت۔ غرق نہ ہو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایسے ہی ہوگا۔ تیسرا سوال یہ تھا کہ میری اُمت۔ خانہ جنگی سے محفوظ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا محبوب یہ دُعا مانگنے کے لائق نہیں۔

شرح الحدیث المذکور : قحط سالی سے مُراد عالمگیر قحط ہے جس میں اُمت کا ہر فرد مُبتلا ہو جائے۔ حدیث میں فرق (بالفتح) وارد ہُوا ہے۔ اس سے بھی علی سبیل العموم مُراد ہے۔ جیسے نُوح علیہ السّلام کی امت کے لئے ہُوا۔

فائدہ : حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ آفندی ابروسوی نے فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کی تاثیر ہر تین سال کے بعد نمودار ہوتی ہے لیکن بطریق الخفتہ کہ کہیں زور دار بارش ہوگئی اور اس سے کئی دیہات زیر آب ہو گئے اور کئی گھر اور حدیث شریف میں "بأس" وارد ہُوا ہے۔ اس سے فتنہ فساد اور جنگ مُراد ہے۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ میری اُمت طعن وطاعون سے فنا ہوگی۔ اس حدیث کے آخر میں ہے کہ جب میری اُمت[1] میں تلوار آجائے گی تو پھر وہ قیامت تک نہ اُٹھے گی۔

سبق : یہ معجزہ ہے حضوؐر نبی پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم کا کہ جیسے فرمایا ویسے ہُوا اور البأس بمعنے الشدہ فی الحرب "

فائدہ : بأس یعنی خانہ جنگی اُس وقت آئے گی جب آئمہ (سلاطین۔ حکّام) کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کرنے چھوڑ دیں گے۔ اور دُشمن اہل اسلام پر اس وقت مسلّط ہوگا جب اہلِ اسلام اللہ تعالیٰ اور اُس کے پیارے رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم کا معاہدہ توڑ دیں گے، چنانچہ بعض احادیث میں وارد ہے۔ **اُنْظُرْ** " اے محبوب (کریم) صلّی اللہ علیہ وسلّم دیکھئے۔ **کَیْفَ نُصَرِّفُ** ہم اُن کے لئے کیسے پھیرتے ہیں **الْاٰیٰتِ** ،، قرآنی آیات کو ایک حال سے دُوسرے حال کی طرف کبھی وعدوں سے کبھی وعیدوں سے۔ یعنی کہیں وعید بیان کیا گیا تو ساتھ ہی وعدہ بھی۔ مختلف وجوہ سے آیات کو وارد کیا گیا۔

---

[1] امت میں تلوار حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آئی اور آج تک آپس میں جاری ہے۔

marfat.ocm

سورۃ سے لے کر آخر تک یہی اسلوب رہتا ہے۔

لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُونَ .. تاکہ وہ سمجھ جائیں اور اپنے جبلی امر سے واقفیت حاصل کرکے مکابرہ وعناد سے لوٹ کر ایمان واسلام کی طرف رجوع کریں ۝۶۵ **وَكَذَّبَ بِهِ** "(بہ) کی ضمیر عذاب موعود یا قرآن کی طرف لوٹتی ہے جو عذاب کی خبر سناتا ہے۔ **قَوْمُكَ** "آپ کے قول کی تکذیب کی۔ جو آپ سے عناد رکھتی ہے۔ **وَهُوَ الْحَقُّ** "حالانکہ وہ حق ہے یعنی لامحالہ عذاب واقع ہوگا یا یہ کہ جو کچھ کتاب اللہ نے بیان کیا ہے وہ حق ہے۔ **قُلْ** "اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم فرمایئے **لَّسْتُ عَلَيْكُم بِوَكِيلٍ ط** "میں تمہارے اوپر وکیل نہیں۔ یعنی میں تمہارا محافظ نہیں کہ میرے ہاں تمہارے تما امور سپرد کئے گئے ہوں تاکہ میں تمہیں تکذیب سے روکوں اور تمہیں تصدیق پر مجبور کروں۔ میں تمہیں اللہ تعا کے عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔ اور اب میں اپنی ذمہ داری سے عہدہ برا ہوں اس لئے کہ میں تمہیں یہ تمام خبریں سنا چکا ہوں جنہیں تم دیکھوگے ۝۶۶ **لِكُلِّ نَبَإٍ** "قرآن کی تمام خبروں میں سے ہر ایک خبر کا **مُّسْتَقَرٌّ** "وقت مقرر ہے۔ **وَسَوْفَ تَعْلَمُونَ** "اور عنقریب تم جان لوگے یعنی تم عذاب کے وقو کو دنیا یا آخرت یا ہر دونوں یعنی دنیا اور آخرت میں۔

سبق : دانا پر لازم ہے کہ وہ دفع شدائد وضرار میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں تضرع وانکسار کرے اور گناہوں پر اصرار نہ کرے۔ اس لئے کہ گناہ ہر قسم کے مصائب میں مبتلا ہونے کا سبب ہے۔ اور ہر ظلمت نفس امارہ کی ظلمات سے ہوتی ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

ہر چہ بر تو آید از ظلمات غم　　آں ز بے شرمی وگستاخیست ہم

ترجمہ : جو کچھ تجھ پر غم کی آندھیاں چل رہی ہیں یہ تیری بے شرمی وگستاخی کی وجہ سے ہیں۔

حضرت صائب نے فرمایا ؎

چرا ز غیر شکایت کنم کہ ہمچو حباب　　ہمیشہ خانہ خراب ہوائے خویشتنم

ترجمہ : میں کسی کی کیا شکایت کروں کہ حباب کی طرح ہمیشہ خواہشات نفسانی کی وجہ سے خراب ہوں۔

تفسیر صوفیانہ : آیت میں اشارہ ہے کہ بر سے اجسام اور بحر سے ارواح مراد ہیں۔ ارواح اگرچہ اجسام کے اعتبار سے نورانی لیکن باعتبار حق اور ذات الٰہیہ کے ظلمانی ہیں، چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو ظلمت میں پیدا فرمایا پھر اس پر اپنے نور کے چھینٹے مارے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب میں نے تمہیں ظلمت خلقیہ میں پیدا فرمایا پھر کون تمہیں ظلمت بر (بشریہ) اور ظلمات بحر (روحانیہ) سے نجات دے گا۔

marfat.ocm

اِذْ تَدْعُوْنَہٗ " جبکہ تم اسے پکارو تضرعاً جسم کے ساتھ وخفیۃ اور روح سے لَئِنْ اَنْجَانَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشَّاكِرِيْنَ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ پھر تم شرک کرتے ہو جبکہ تمہیں اُس نے نوری صفات سے جلوہ دکھایا تو بعض شرک کرکے "انا الحق" کہنے دے ہے اور بعض سُبحانی ما اعظم شانی کہتا ہے۔ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ " فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ تمہارے اُوپر عذاب بھیجے جبکہ تم کہتے ہو انا الحق وَ سُبْحَانِی کہ وہ اپنے اور تمہارے مابین حجابات قائم فرمادے یعنی یعذبکم تمہیں پی عزت وغیرت میں مبتلا کرے۔ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ " تمہارے لئے تمہاری بشریت کے حجاب کھڑے کردے اور تمہارے اُوپر تمہاری خواہشات کو مسلط کردے۔ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا یا تمہاری مختلف جماعتیں بنادے۔ بعض[1] ایسے صدیقین ہوجائیں اور ایک گروہ تم میں زندیقین ہوں۔ وَيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ اور تمہارے بعض کو بعض کے خوف چکھائے۔ قتل سے یا سولی پر چڑھائے یا رگیں کٹوادے جیسے حضرت منصور (رحمہ اللہ تعالیٰ) سے کیا گیا۔

حضرت حلاج کا قِصّہ

: آپ مقتدر کے وزیر حامد بن عباس کی مجلس میں چلے گئے۔ اس مجلس میں قاضی ابوعمر بھی موجود تھے۔ اُنھوں نے فتویٰ دیا کہ حلاج کو قتل کردینا جائز ہے۔ اس تحریر پر دستخط بھی فرمائے اور ساتھ ہی اُن فقہاء سے بھی تصدیق کرائی جو اس مجلس میں موجود تھے جب حلاج کو اس فتویٰ کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا میرا خون بہانا حرام ہے اور نہ ہی جائز ہے کیونکہ میرے خون بہانے کے لئے مختلف تاویلیں کرو۔ جبکہ میرا عقیدہ اسلام اور میرا طریقہ سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور مجھے چاروں صحابہ و باقی عشرہ مبشرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی فضیلت کا اقرار ہے اور میرے کتب خانہ میں احادیث مبارکہ کی کتابیں موجود ہیں، لیکن افسوس کہ ان لوگوں نے میرا خون بہانے کا فتویٰ کیوں دیا، لیکن مفتی صاحبان اس فتویٰ پہ دستخط کرتے رہے اور اس کی تکمیل کے بعد مجلس برخاست ہوئی اور حلاج کو گرفتار کرکے قیدخانہ میں پہنچایا گیا۔ مقتدر کو وزیر نے مفتیوں اور قاضیوں کے فتویٰ سے مطلع کردیا۔ مقتدر نے کہا اب اس کے متعلق قاضیوں کا اتفاق ہوگیا۔ اس شخص کو سپاہیوں کے سپرد کردو تاکہ اسے ایک ہزار کوڑے لگائے جائیں۔ اگر اس سے بچ جائے تو پھر اسے ایک ہزار کوڑے اور لگائے جائیں اگر اس سے بچ جائے تو اس کی گردن اُڑا دو۔ یہ حکم سُن کر حلاج کو سپاہی کے سپرد کردیا مقتدر کے حکم پر کچھ اپنا اضافہ بھی کیا کہ اگر دُوسرے ایک ہزار کوڑوں سے بچ جائے تو اس کے ہاتھ پھر اُس کے پاؤں کاٹے جائیں پھر اس کا سر کاٹا جائے۔ اس کے بعد اُن کے جسم کو جلایا جائے پھر جلاد کو کہا کہ اگر تجھے کوئی

---

[1] یہ ان مخصوص بزرگوں (منصور و بایزید رحمہما اللہ تعالیٰ) کے لئے نہیں بلکہ عام جہانِ صوفیہ کے لئے ہے (اویسی غفرلہ)

marfat.ocm

دھوکا دے کر کہے کہ حلاج کو چھوڑ دے۔ تجھے فرات و دجلہ کے پانی کے بجائے چاندی سونے سے بھر دیا جائے گا تب بھی کسی کی بات نہ ماننا بلکہ اُس کی سزا پُوری کرنا۔ جلاد نے ایک رات حضرت حلاج کو قید خانہ میں رکھا وہ منگل کی شب تھی۔ ۲۴ر ذوالحجہ ۳۰۹ھ میں منگل کے دن حضرت حلاج کو قید خانہ سے نکال کر اس کے صدر دروازہ پر لایا گیا تو وہ نہایت ہی فخر و ناز سے بیڑیوں میں چل رہے تھے۔

حضرت حلاج کا تماشا دیکھنے کے لئے بے شمار مخلوق جمع ہُوئی۔ جب حضرت حلاج کو میدان میں لا کر ایک ہزار کوڑا مارا تو انہوں نے اُف تک نہ کی۔ جب حسب ایماء وزیر جلاد کوڑوں سے فارغ ہُوا تو حضرت حلاج کے ہاتھ پاؤں کاٹے۔ اس کے بعد ان کا سر قلم کیا۔ زاں بعد انہیں جلایا گیا تو آپ کی راکھ دریائے دجلہ میں ڈالی گئی اور اُن کا سر بغداد کے صدر دروازہ پر لٹکایا گیا لیکن بعض مریدین کا دعویٰ ہے کہ آپ کو قتل نہیں کیا گیا بلکہ آپ جیسی شکل کی شبیہ تھی جسے آپ کے دشمنوں نے قتل کیا جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ہُوا (اسی طرح ہونا ممکن بھی ہے اس لئے کہ اولیاء کرام انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں)۔

فائدہ: صاحب رُوح البیان رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ اس طرح کی تشبیہ و تخیل حکایات مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ میں ان کی سوانحمریاں پڑھنے والوں کو اس طرح کے متعدد واقعات ملتے ہیں۔

مسئلہ: یاد رہے کہ اس طرح کا وقوع جواز ماننا چاہیئے۔ اس پر اعتقاد نہ رکھا جائے۔ یعنی یہ کوئی اعتقادی مسئلہ نہیں کہ اس کا منکر کافر ہو اور نہ ہی ماننے والوں کو گمراہ کہنا چاہیئے۔

سوال: تم کہتے ہو کہ حلاج ولی اللہ تھا۔ اگر واقعی وہ ولی اللہ تھے تو پھر انہیں آگ نہ جلاتی اور نہ ہی جل کر راکھ ہوتے۔

جواب: یہ کوئی ضروری نہیں کہ اولیائے کرام کے اجسام کو آگ نہ جلائے بلکہ وہ اجسام عوارض و آفات کو قبول کرتے رہتے ہیں۔ جیسے ایوب و یحییٰ علیہما السلام کے متعلق ہم مانتے ہیں کہ وہ انبیاء علیہم السلام تھے اسی طرح دوسرے انبیاء کا حال ہے۔ مروی ہے کہ اصحاب رس (ایک کنوئیں کا نام ہے) نے اپنی طرف بھیجے ہُوئے پیغمبران عظام علیہم السلام کو شہید کر کے اُن کے گوشت مُبارک بھُون کر کھائے۔ اُنھوں نے نہ صرف اس پر اکتفاء کیا بلکہ اُن کی ہڈیاں اپنے کنوئیں میں لٹکا دیں۔ (کذا قال اہل التفاسیر)

عقیدہ: کبھی خرق عادت کے طور بوجہ اظہار کرامت بعض انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا و علیہم السلام کے اجساد مبارکہ آگ سے محفوظ رہے یا انہیں شہید کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کر دیا۔ **عقیدہ**: مزارات میں انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا و علیہم السلام کے اجساد ظاہرہ کو مٹی نہیں کھاتی۔ یعنی اُن کے اجساد ظاہرہ مزارات میں محفوظ و مصئون ہوتے ہیں۔

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ

وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا ،، اور جب تم اِن لوگوں کو دیکھو کہ وہ ہماری آیات میں غور و خوض کرنے لگتے ہیں۔

(ف) اِذَا جواب یعنی فَاَعْرِضْ کی وجہ سے منصوب ہے اور یہ خطاب حضور علیہ السلام اور آپ کی امت کو ہے۔ وَیَخُوْضُ بمعنی مُطلقاً کسی شئی میں شروع ہونا پھر اکثر شئے باطل اور آیات قرآنی میں شروع ہونے پر مستعمل ہوتا ہے۔ اب آیت کا معنی یہ ہے کہ جب تم دیکھو کہ قرآنِ پاک میں تکذیب اور استہزا اور طعن و تشنیع میں شروع ہو گئے ہیں۔ جیسا کہ قریش مکہ (کافروں) کا طریقہ تھا۔

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ ،، پس اُن سے اعراض کیجئے۔ یعنی اُن کے ساتھ بیٹھنا اُٹھنا چھوڑ دیجئے، اگر ساتھ بیٹھے ہیں تو اُن سے اُٹھ جائیے۔ جبکہ وہ آیات قرآن میں استہزاء و تکذیب اور طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ یہاں تک کہ وہ شروع ہو جائیں۔ قرآنی آیات کے غیر میں یعنی تمہارا اُن سے علیحدگی اختیار کرنے کی حد وہاں ختم ہے۔ جب وہ قرآنی آیات سے استہزاء وغیرہ چھوڑ کر دوسری عام باتیں شروع کر دیں۔

فائدہ : غیرہٖ کی ضمیر آیات کی طرف لوٹتی ہے۔

سوال : آیات جمع اور مؤنث ہے اور ہٗ ضمیر واحد مذکر۔

جواب : آیات بمعنی حدیث یا قرآن ہے۔

وَاِمَّا ،، یہ دراصل وَاِنْ مَا تھا۔ اِن شرطیہ کو مَا زائدہ میں اِدغام کیا گیا ہے یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ ،، اور اگر تمہیں شیطان یہ حکم بھلا دے کہ یہ آیاتِ قرآنی سے وہ استہزاء کرتے رہے اور تم اُن کی مجلس میں بیٹھے رہے، حالانکہ وہاں سے اُٹھ جانے کا حکم تھا۔ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی تو اب یاد آ جانے پر اُن کے ساتھ نہ بیٹھئے۔ (الذِّکْرٰی) مصدر بمعنی ذکر ہے۔

(قاعدہ) کلام عرب میں فِعْلٰی کے وزن پر مصدر صرف یہی الذکرٰی ہے۔ اُس کے سوا اِس وزن پر اور کوئی مصدر نہیں۔ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ ظالم قوم کے ساتھ یعنی وہ جنہوں نے قرآنی آیات کی تصدیق و تعظیم کے بجائے اُن کی تکذیب و استہزاء کیا تو اب اُن کے ساتھ نہ بیٹھیں۔

ازالہ وہم اور ردّ وہابیہ وغیرہ : یہاں کوئی خیال نہ کرے کہ معاذ اللہ شیطان حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھلا دیتا ہو گا اس لئے کہ یہاں محض احتمال بیان کیا گیا ہے اور وہ بھی حرفِ شرط سے اور جو امر حرف شرط سے بیان کیا جائے اس سے وقوع لازم نہیں آتا۔ اگرچہ بعض عُلماء نے انبیاء علیہم السلام کے لئے سہو و نسیان کا جواز مانا ہے[1]

---

[1] اس کی تحقیق فقیر کے رسالہ ،، التبیان فی السہو والنسیان میں دیکھئے۔ اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

فائدہ : یہاں الشیطان سے ابلیس اور اس کی جماعت کے بڑے بڑے شیطان مراد ہو اس لئے کہ حضور علیہ السلام کے ساتھ جو شیطان تخلیق کیا گیا وہ تو مسلمان ہوگیا وہ آپ کو صرف خیر القاء کرتا تھا بخلاف اُمت کے کہ ان کا شیطان انہیں بُرائی کا القاء کرتا ہے۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں آدم علیہ السلام پر وجہوں سے افضل ہوں۔

(۱) میرا شیطان کافر تھا اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ مُسلمان ہوگیا۔

(۲) میری ازواج (مطہرات) دینی اُمور میں میری معاون رہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کے شیطان اور آپ کی زوجہ نے آپ کو خطا (ظاہری) پر اکسایا

ربط : اہلِ اسلام پر گراں ہوتا تھا جبکہ انہیں مسجد حرام میں بھی جانا ہوتا۔ وہاں طواف بھی ک ہوتا اور وہاں پر کفار کا کام بھی یہی تھا کہ وہ قرآن کی آیات کی تکذیب اور اُن سے استہزاء اور اُن پر طعن و تشنیع کرتے رہتے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے گرانیٔ طبع کے پیشِ نظر اُن کو اجا بخشی کہ وہ بیت حرام وغیرہ میں بطور وعظ و نصیحت کے اُن کے ساتھ بیٹھ اُٹھ سکتے ہیں۔

وَمَا عَلَى الَّذِينَ يَتَّقُونَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۔۔ اور متقیوں پر ان کا کوئی حساب نہیں

(ف) : حِسَابِهِمْ کی ھم ضمیر خائضین کی طرف لوٹتی ہے اور مِنْ شَيْءٍ میں مِنْ زائدہ ہے اور مِنْ شَيْءٍ محلاً مرفوع اور مُبتدا اور اس کی خبر عَلَى الَّذِينَ يَتَّقُونَ مقدم ہے۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا جو مؤمن خائضین کے قبیح اعمال و اقوال سے بچتے ہیں ان پر ان کے جرائم و معاصی کے متعلق کسی قسم کا حساب وغیرہ نہیں۔

وَلٰكِنْ ذِكْرٰى ،، لیکن ان مومنین پر لازم ہے کہ وہ اِن کافروں کو نصیحت کریں اور انہیں اپنی وُسعت کے مطابق سمجھائیں کہ قرآنی آیات پر طعن و تشنیع اور تکذیب نہ کریں بلکہ ان کے سامنے ایسی بُرائیوں پر کراہت کا اظہار کریں۔ ذِكْرٰى مفعول مطلق اور اُس کی واو عاطفہ اور لٰكن استدراکیہ ہے۔ اس سے معترض کا اعتراض دفع ہوگیا کہ واو اور لٰكن ہر دونوں حروف عاطفہ ہیں اور دونوں کا اجتماع مکروہ سمجھا جاتا ہے اور قرآن مجید کی اس آیت میں یہ اجتماع کیوں۔ ہم نے اُوپر عرض کر دیا کہ لٰكن عاط نہیں بلکہ استدراکیہ ہے۔

سوال : ایسی نظیر قائم کرو جہاں دو حروف کے اجتماع سے تاویل کر کے خرابی لازم نہ آ

جواب : قرآن مجید کے علاوہ احادیث مبارکہ اور شعرائے عرب کے فُصحاء کے کلام میں لفظ

marfat.ocm

پر لام داخل ہوتی ہے وہ دونوں حروف ہیں سَوف استقبالیہ ہے اور لام حالیہ اور ان کا اجتماع عند النحاۃ مکروہ ہے، لیکن سب کا اتفاق ہے کہ یہ لام حالیہ نہیں بلکہ صرف تاکید یہ ہے لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ تاکہ وہ کفار قرآنی آیات کی تکذیب اور استہزاء وغیرہ سے بچ جائیں۔ تمہارے حیاء سے یا اس خطرہ سے کہ کہیں اہلِ اسلام بُرا نہ مانیں ۝ ۶۹ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا، اَلَّذِيْنَ الخ سے وہی کفار مراد ہیں جو قرآنی آیات سے استہزاء وغیرہ کرتے اور دِيْنَهُمْ سے دینِ اسلام مُراد ہے اس لئے کہ اس کے لئے انہیں مکلف بنایا گیا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج کر اس کے احکام پر عمل کرنے کے مامور ہوئے اِتَّخَذُوْهُ لَعِبًا وَّلَهْوًا سے مراد یہ ہے کہ وہ دینِ اسلام سے مذاق اور ٹھٹھہ مخول کرتے رہتے تھے۔ لعب اس عمل کو کہتے ہیں جو نفس کو مُفید امور سے پھیر دے اور لہو ایسا عمل جو نفس کو صحیح امر سے بیکار باتوں میں لگا دے۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم انہیں چھوڑیئے جنہوں نے دینِ اسلام کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے۔ وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اور انہیں حیوٰۃ دُنیا نے دھوکے میں رکھا ہے اور اُن کے نقش و نگار سے مطمئن ہیں یہاں تک کہ اب انہیں یقین ہے کہ اس کے بعد اور کوئی زندگی نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ اے محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ اُن سے بے پرواہ ہو جایئے اُن کے معاشرے اور ان کے میل جول سے یکلخت دُوری اختیار فرمایئے اُن کی تکذیب یا قرآنی آیات سے استہزاء کو خیال میں نہ لائیے اور نہ ہی ان کی طرف توجہ فرمائیں اس سے یہ وہم نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کو تبلیغ سے بھی روک رہا ہے اس لئے کہ اس کے بعد فرمایا وَذَكِّرْ بِهٖ اور جسے آپ نصیحت و وعظ کا اہل سمجھتے ہیں۔ آپ اُسے قرآن مجید کے متعلق نصیحت فرمایئے تُبْسَلَ نَفْسٌ تاکہ کوئی ہلاکت یا رُسوائی کی طرف نہ دھکیلا جائے۔

بِمَا كَسَبَتْ، اعمال قبیحہ کی وجہ سے۔

فائدہ : بَسْل وَاِبْسَال دراصل منع (روکنے) کو کہتے ہیں۔ اس وجہ سے اسے ہلاکت و بربادی کی طرف دھکیلنے کے لئے استعمال کیا جانا جائز سمجھا گیا ہے؛ کیونکہ ہلاکت و بربادی کی طرف دھکیلنا منع (روکنے) کے معنی کو مستلزم ہے۔ اس لئے کہ جب کوئی ہلاکت و تباہی کی طرف دھکیلا گیا تو مسلّم الیہ یعنی ہلاکت نے مسلّم یعنی دھکیلنے والے کو تباہی و ہلاکت سے روکا اور دھکیلے ہوئے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

(ف) تفسیر کاشفی نے فارسی میں اس کا یوں ترجمہ کیا کہ تا تسلیم کردہ نہ شود بہلاک یا رُسوا نکردہ شود نفس ہر کافرے بسبب آنچہ کردہ است از بدیہا، یعنی تاکہ ہر کافر کا نفس برائیوں کی وجہ سے ہلاکت کی طرف دھکیلا نہ جائے اور ان کو رسوائی نہ ہو۔

marfat.ocm

فَلَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّ وَلَا شَفِيْعٌ ،، نہ اس کا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سفارشی ہوگا اور نہ کوئی حمائتی۔

(ف) یہ جملہ مستانفہ ہے۔ قیامت میں اُن کے حالات کی خبر دینے کے لئے لایا گیا ہے اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ نفس کا حال ہے اس معنی پر نفس سے کافر مُراد ہے یا اُسے نفوس کثیرہ کے معنے سے تعبیر کر کے اس کے لئے مؤنث کی ضمیر لائی گئی ہے۔ جیسے عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا الخ میں ہے۔

(ف) مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ،، سے مُراد یہ ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کے سوا اس نفس کا کوئی حمائتی نہیں ہوگا جو اس سے جہنم کا عذاب ہٹا سکے۔

وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ ،، اور اگرچہ وہ نفس بہت بڑا فدیہ بھی پیش کرے گا۔ مثلاً جہنم کے عذاب سے نجات پانے کے لئے زمین کی تمام دُنیا و دولت فدیہ کے طور دے تب بھی اسے جہنم سے نجات نصیب نہ ہوگی۔ لَا يُؤْخَذْ مِنْهَا ،، اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔

(ف) كُلَّ عَدْلٍ ،، مفعول مطلق کی بنا پر منصوب ہے۔ اس معنی پر اب عدل اس مال و دولت کا نام نہ ہوگا جو بطور فدیہ کے دیا جاتا ہے بلکہ مصدری معنے میں ہوگا۔

سوال: اخذ کا استعمال اعیان پر ہوتا ہے نہ معانی پر لیکن یہاں پر اس کا استعمال معانی پر ہو رہا ہے۔

جواب: امام رازی نے فرمایا اسے اکثر اعیان میں استعمال کیا جاتا ہے لیکن کبھی بمعنے قبول کے بھی آتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کی آیت ویاخذ الصدقات میں یاخذ بمعنی یقبل ہے۔ جب یوخذ بمعنی یقبل اس آیت میں مانا گیا تو اس کے مصدر کی طرف اسناد ماننا بلا خوف و خطر جائز ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ کافر کے چھٹکارے کے لئے تمام دروازے بند کر دیئے جائیں گے اور اُس کی کسی طرح بھی نجات نہیں ہو سکے گی۔

سبق: جب یہ حال ہے تو اس بیوقوف پر تعجب ہے کہ گناہ کرتے وقت خوف سے لرزتا کیوں نہیں۔ اُولٰئِكَ ،، اس سے وہ لوگ مُراد ہیں جو دین سے ٹھٹھہ مخول کرتے اور دنیاوی اسباب میں بہت زیادہ منہمک ہیں۔

اَلَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا ،، وہ لوگ کہ جنہوں نے اپنے آپ کو عذاب میں دھکیل دیا۔

بِمَا كَسَبُوْا ،، بوجہ اُن کے اعمالِ قبیحہ اور عقائد فاسدہ کے۔

(ف) فارسی تفسیر میں ہے۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو عذاب کے فرشتوں کے سپرد کر دیا بوجہ ان اعمال قبیحہ کے جو اُن سے سرزد ہوئے۔

(ف) تفسیر ابوالسعود میں ہے کہ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے قبیح اعمال کا ارتکاب کیا۔ اس سے معلوم

marfat.ocm

ہوا کہ بِمَا کَسَبُوْا میں باء بمعنے اِلیٰ ہے جیسے مررت بزید میں باعتبار مفہوم کے باء بمعنے اِلیٰ ہے لَھُمْ شَرَابٌ ،، یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب انہیں عذاب کے لئے دھکیلا جائے گا پھر اُن کے ساتھ کیا ہوگا تو اس کے جواب میں فرمایا لَھُمْ شَرَاب۔ ان کے لئے پینے کا پانی ایسا ہوگا کہ مِنْ حَمِیْمٍ سخت گرم کہ جس کے پیتے ہی پیٹ میں گڑبڑ شروع ہوجائے اور اُس کی سخت گرمی سے آنتیں کٹ جائیں۔ وَعَذَابٌ اَلِیْمٌ ہ اور عذاب دردناک ایسی آگ سے جو اُن کے اجسام کو جُھلس دے بِمَا کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ ہ بسبب اُن کے کفر کے کہ جس میں وہ عالم دُنیا میں دائمی طور مُبتلا رہے۔

مسئلہ : قرآنی آیات کی تکذیب اور اُن سے استہزاء کُفر ہے اور کفر کا انجام عذاب دردناک۔

مسئلہ : معاصی پر اصرار بھی بسا اوقات کفر پر خاتمہ کا سبب بن جاتا ہے (العیاذ باللہ)

حکایت پُراسرار

: حضرت ابواسحاق خزازی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک شخص ہمارے ہاں نشست و برخاست رکھتا تھا لیکن وہ اپنے آدھے چہرے کا حصہ ڈھانپے رکھتا تھا۔ میں نے اُس سے کہا کہ ہمارے ہاں تیری نشست و برخاست بہت زیادہ ہے لیکن تا حال تیرے اس راز سے بےخبری ہے کہ تو اپنے چہرے کے آدھے حصّے کو کیوں ڈھانپے رکھتا ہے۔ اُس نے عرض کی کہ اگر آپ وعدہ فرمائیں کہ واقعہ سُننے کے بعد ناراض نہیں ہوں گے تو تفصیل عرض کروں۔ میں نے اس سے وعدہ کیا تو کہنے لگا کہ میں چوٹی کا نباش (قبر کھود کر میّت کا کفن چُرانے والا) تھا۔ ایک دفعہ ایک عورت مدفون ہوئی تو میں نے حسبِ عادت اُس کی قبر کھودی اور اُس کے کفن اُتارنے شروع کر دیئے پہلے اُس کی باہر والی چادر کھینچی پھر اندر والی کفنی، لیکن میں نے جونہی اُس کی کفنی کو اُتارنا چاہا تو اُس نے ایک جھٹکے سے کفنی کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ میں نے کہا میّت ہو کر مجھ پر غالب ہو رہی ہے۔ میں نے کچھ ہوشیار ہو کر کفنی کھینچی تو اُس نے زور سے میرے چہرے پر طمانچہ مارا (چہرے سے کپڑا ہٹایا تو میں نے اس کے چہرے پر پانچ انگلیوں کے طمانچے نشان دیکھے) اس کے بعد میں نے اس کی کفنی چھوڑ دی اور چادر باہر والی جو پہلے کھینچ چکا تھا وہ بھی اس پر واپس ڈال دی اور اس کی قبر پر مٹی ڈال دی۔ اس وقت میں نے توبہ کی کہ آئندہ تا دمِ زیست کسی کی قبر کی چوری نہیں کروں گا۔

حضرت فزاری فرماتے ہیں میں نے یہ ماجرا حضرت اوزاعی رحمہ اللہ تعالیٰ کو لکھا۔ انہوں نے جواب لکھا کہ اس سے پوچھو کہ بتاؤ کہ قبر میں اہلسنت کے چہرے قبلہ رُخ تھے یا اس سے پھرے ہوئے نظر آئے اُس نے جواب دیا کہ بعض کے چہرے قبلہ رُخ ہوتے اور بعض کے پھرے ہوئے۔ حضرت اوزاعی نے یہ سُن کر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہ راجعون پڑھا۔

(ف) سُنت سے یہاں اُن کی دینِ اسلام مُراد تھی جن کے چہرے قبلہ سے پھر چکے تھے۔ معاذ اللہ! اُن کے خاتمے ایمان پہ نہ ہوئے تھے۔

marfat.ocm

ہم اللہ تعالیٰ سے عفو و مغفرت اور اُس کی رضامندی چاہتے ہیں۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎ یارب از ابر ہدایت برساں بارانے ؛ پیشتر ازانکہ چوں گردی زمیاں برخیزم ؎

تفسیر صوفیانہ: آیات میں اشارہ ہے کہ طالب راہ حق کے لئے نہایت نامناسب ہے کہ وہ احوال عوام میں توجہ رکھنے والے لوگوں سے نشست و برخاست رکھے۔ اس لئے کہ اُن کے ساتھ صحبت رکھنے سے سنگار و آرائش کے اور کوئی خیالات نہیں رہیں گے کیونکہ وہ انہیں خیالات میں مبتلا ہوتے ہیں اور طبیعت کو طبیعت سے میلان ہوتا ہے اور اُس کی نقل اُتارنے کی خوگر ہوتی ہے ؎

(۱) نفس از ہم نفس بگیرد خوئے ؛ پرحذر باش از لقائے خبیث
(۲) باد چو بر فضا بگزرد ؛ بُوئے بدگیرد از ہوائے خبیث

ترجمہ (۱) نفس نفس سے عادت حاصل کرتا ہے فلہذا خبیث آدمی کی ملاقات سے پُرحذر ہو

(۲) جب ہوا گندی فضا سے گزرتی ہے تو گندی فضا کی وجہ سے اس سے بدبو پیدا ہوجاتی ہے۔

سبق: اس سے ثابت ہوا کہ اللہ والوں کی صحبت اختیار کرنا ضروری اور لازمی ہے اور بزرگوں کے ملفوظات سے نصیحت حاصل کرنا واجب۔

حکایت: حضرت عبداللہ بن الاحنف نے فرمایا کہ میں نے مصر سے رملہ کی طرف جانے کا ارادہ کیا تاکہ وہاں جاکر رودبادی قدس سرہ (ولی اللہ) کی زیارت کروں۔ مجھے راستہ میں حضرت عیسیٰ بن یونس مصری ملے اور فرمایا میں تجھے مشورہ دیتا ہوں کہ تم رملہ کے بجائے صور میں جاؤ۔ وہاں دو بزرگ (ایک بوڑھا دوسرا نوجوان) حالت مراقبہ میں بیٹھے ہیں اگر تجھے اُن کی زیارت نصیب ہوگئی تو سمجھو باقی زندگی سُدھر گئی۔

حضرت ابن الاحنف فرماتے ہیں کہ میں عیسیٰ بن یونس کا مشورہ قبول کرکے صور میں چلا گیا۔ واقعی وہاں دو بزرگ (ایک بوڑھا اور دوسرا نوجوان) قبلہ رخ مراقبہ میں بیٹھے تھے باوجودیکہ میں بھوکا اور پیاسا تھا اور دھوپ سے بچنے کے لئے کوئی کپڑا وغیرہ بھی نہیں تھا، لیکن اُن کی زیارت کرتے ہی تمام بھوک پیاس دور ہوگئی اور سُورج کی گرمی بھی ٹھنڈک سے بدل گئی۔ اُن کی خدمت میں پہنچ کر السلام علیکم عرض کیا لیکن اُنھوں نے میرے سلام کا جواب نہ دیا اور نہ ہی میرے ساتھ کلام کیا۔ میں جتنی باتیں کرتا رہا وہ خاموش رہے۔ میں نے عرض کی تمہیں اللہ تعالیٰ کی قسم میرے ساتھ کوئی بات تو کرو۔ میرے قسم دینے پر بوڑھے بزرگ

marfat.ocm

نے مراقبہ سے سر اُٹھایا اور فرمایا اے ابن الاحنف تجھے کاروبار کی مشغولی فراغت ہی نہیں یہ ہمارے ساتھ باتیں کیا کرو گے۔ یہ کہہ کر پھر وہ مراقبہ میں چلے گئے۔ میں وہاں بیٹھا رہا ک کہ ظہر کا وقت ہو گیا۔ میں نے ظہر پھر عصر بھی اُن کے ساتھ پڑھی! لیکن اُن کی برکت سے میری بھوک یاس تو ختم ہی ہو گئی۔ میں نے پھر اس نوجوان سے عرض کی آپ ہی مجھے کوئی نصیحت فرمائیں جس سے فع پاؤں۔ اُس نے فرمایا میں اہل مصیبت ہوں۔ ہم کسی کو نصیحت نہیں کر سکتے۔ اسی طرح میں اُن کے ن شب و روز ٹھہرا۔ میں نے دل میں سوچا کہ انہیں عرض کروں کہ وہ مجھے نصیحت وصیت فرمائیں تاکہ زندگی بھر اس پر عمل کروں میرے اس وسوسہ پر وہ نوجوان مطلع ہوا اور فرمایا تمہیں چاہیئے کہ ایسے لوگوں صحبت اختیار کرو کہ جن کی صحبت سے خدا تعالیٰ یاد رہے اور اُن کی نگاہ سے تمہارا کام بن جائے اور وہ یحت کریں تو عملی طور نہ صرف زبانی یہ کہہ کر وہ دونوں میری آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔ گویا میں لسانِ ل سے کہہ رہا تھا

شدوا المطایا قبیل الصبح وارتحلوا　　وخلفونی علے الاطلال ابکیہا

وہ صبح سے پہلے اپنی سواریوں کو لے کر چلے گئے اور مجھے ریت کے ٹیلوں پر چھوڑ گئے۔ اُن کی یاد میں ہر وقت روتا رہتا ہوں۔

سبق : نصیحت کہنا سُننا تو آسان ہے لیکن اُسے قبول کر کے عمل کرنا سخت مُشکل ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہتا ہے تو اس کی عنایت اسے کھینچ کر ی ناصح کے دروازے پر لے جاتی ہے جو اُسے ظاہری و باطنی نصیحت سے نوازتا ہے اور اُس کی نصیحت ور سے وہ بندہ ہدایت پا کر اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچنے کی منازل طے کر لیتا ہے۔ یعنی نفس کی نشیب گھاٹیوں کل کر رُوح کی بلندیوں پر پرواز کر جاتا ہے جس سے اسے وقار و اطمینان نصیب ہوتا ہے اور یہی اس رقی اور بلندی ہے یہی آیات نفس کی بیماریاں اور اُن کے علاج بتاتی ہیں (اللہ تعالیٰ ہمیں نفس کی صلاح پر فتح و نصرت نصیب فرمائے۔ آمین!

marfat.ocm

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا
تم فرماؤ کیا ہم اللہ کے سوا اس کو پوجیں جو ہمارا نہ بھلا کرے اور نہ برا
وَنُرَدُّ عَلٰۤى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ
اور الٹے پاؤں پلٹا دیے جائیں بعد اس کے کہ اللہ نے ہمیں راہ دکھائی اس کی طرح جسے شیطان نے
فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗۤ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗۤ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ
زمین میں راہ بھلا دی حیران ہے اس کے رفیق اسے راہ کی طرف بلا رہے ہیں کہ ادھر آ تم فرماؤ کہ اللہ ہی کی ہدایت
هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ
ہدایت ہے اور ہمیں حکم ہے کہ ہم اس کے لیے گردن رکھ دیں جو رب ہے سارے جہان کا اور یہ کہ نماز قائم رکھو اور اس سے
الَّذِىْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ
ڈرو اور وہی ہے جس کی طرف تمہیں اٹھنا ہے اور وہی ہے جس نے آسمان اور زمین ٹھیک بنائے
وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ؕ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ ؕ
اور جس دن فنا ہوئی ہر چیز کو کہے گا ہو جا وہ فوراً ہو جائیگی اس کی بات سچی ہے اور اسی کی سلطنت ہے جس دن صور پھونکا جائے گا
عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۷۳﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ
ہر چھپے اور ظاہر کا جاننے والا اور وہی ہے حکمت والا خبردار اور یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر
اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّىْۤ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُرِىْۤ
سے کہا کیا تم بتوں کو خدا بناتے ہو بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں پاتا ہوں اور اسی طرح ہم ابراہیم
اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَنَّ
کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور اس لیے کہ وہ عین الیقین والوں میں ہو جائے پھر جب ان پر
عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّىْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿۷۶﴾ فَلَمَّا
رات کا اندھیرا آیا ایک تارا دیکھا بولے اسے میرا رب ٹھہراتے ہو پھر جب وہ ڈوب گیا بولے مجھے خوش نہیں آتے ڈوبنے والے
رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّىْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِىْ رَبِّىْ لَاَكُوْنَنَّ
پھر جب چاند چمکتا دیکھا بولے اسے میرا رب بتاتے ہو پھر جب وہ ڈوب گیا کہا اگر مجھے میرا رب ہدایت نہ کرتا تو میں بھی انہیں
مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّىْ هٰذَاۤ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَتْ
گمراہوں میں ہوتا پھر جب سورج جگمگاتا دیکھا بولے اسے میرا رب کہتے ہو یہ تو ان سب سے بڑا ہے پھر

marfat.ocm

قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ (٧٨) اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ
جب وہ ڈوب گیا کہا اے قوم میں بیزار ہوں ان چیزوں سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو میں نے اپنا منہ اس کی طرف کیا جس نے آسمان
وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ (٧٩) وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی
اور زمین بنائے ایک اسی کا ہو کر اور میں مشرکوں میں نہیں اور ان کی قوم ان سے جھگڑنے لگی کہا کیا اللہ کے بارے میں مجھ
اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ وَلَاۤ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْـًٔا وَسِعَ رَبِّیْ
سے جھگڑتے ہو تو وہ مجھے راہ بتا چکا اور مجھے ان کا ڈر نہیں جنہیں تم شریک بتاتے ہو ہاں جو میرا ہی رب کوئی بات چاہے میرے رب
كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ (٨٠) وَكَیْفَ اَخَافُ مَاۤ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ
کا علم ہر چیز کو محیط ہے تو کیا تم نصیحت نہیں مانتے اور میں تمہارے شریکوں سے کیونکر ڈروں اور تم نہیں ڈرتے کہ تم نے
اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ
اللہ کا شریک اس کو ٹھہرایا جس کی تم پر اس نے کوئی سند نہ اتاری تو دونوں گروہوں میں امان کا زیادہ سزاوار کون
اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (٨١) اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْۤا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓىٕكَ لَهُمُ
ہے اگر تم جانتے ہو وہ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان میں کسی ناحق کی آمیزش نہ کی انہیں کے لیے
الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ (٨٢)
امان ہے اور وہی راہ پر ہیں

تفسیر عالمانہ

: قُلْ اَنَدْعُوْا ،، فرمائیے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم عبادت کریں۔ یہ استفہام انکاری ہے۔ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ،، اللہ تعالیٰ کی عبادت سے متجاوز ہو کر مَا لَا یَنْفَعُنَا وَلَا یَضُرُّنَا ،، ان کی جو نہ ہمیں نفع پہنچا سکیں نہ نقصان یعنی جب ہم اُن کی عبادت کریں تو وہ ہمارے نفع کی قُدرت نہ رکھیں۔ اگر ہم ترک کریں تو وہ ہمیں نقصان نہ پہنچائیں (اُن سے اصنام باطلہ مُراد ہیں) اور بہت بڑی قدرت والا تو صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا ،، اور اپنے گنڈوں کی طرف لوٹائے جائیں۔ اعقاب عقب کی جمع ہے قدم کے پچھلے حصّے کو کہا جاتا ہے یعنی اگر ہم غیر اللہ کی عبادت کریں تو ہم اسلام سے ہٹ کر گمراہی کی طرف لوٹ

marfat.ocm

جائیں گے۔ **بَعْدَ اِذْ هَدٰنَا اللّٰهُ** ،، بعدازاں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے اسلام کی ہدایت بخشی اور ہمیں شرک سے بچایا۔ **كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ** ،، نُرَدُّ کے فاعل سے حال ہے۔ یعنی کیا ہم لوٹائے جائیں اپنے گنڈوں کی طرف درانحالیکہ ہماری مشابہت اس سے ہوگی جسے سرکش جنات حیرانی و سراسیمگی کی طرف لے جاکر گمراہ کرڈالیں۔ **فِى الْاَرْضِ** ،، یہ اِسْتَهْوَتْهُ کے متعلق ہے۔ **حَيْرَانَ** ،، اِسْتَهْوَتْهُ کی ہٗ ضمیر سے حال ہے۔ حیران صفت مشبہ ہے۔ اس کی مؤنث حیریٰ آتی ہے اور گردان حَارَ يَحَارُ حَيْرَةً ہوتی ہے۔ حیران بمعنے متحیر اور سیدھے راہ سے ہٹا ہوا **لَهٗٓ اَصْحٰبٌ** ،، یہ حیران کی صفت ہے یعنی اس بھٹکے ہوئے آدمی کے اور ساتھی ہوں۔ **يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى** ،، جو اسے سیدھے راہ کی طرف بلائیں۔ طریق مستقیم سیدھے راستے کو ہدیٰ سے تعبیر کرنا مبالغہ کے طور پر ہے۔ جیسے عموماً مصادر کو مفاعیل کے معانی میں لایا جاتا ہے کہ وہ ایسا سیدھا ہے کہ گویا وہ راستہ کا عین ہے۔ **اِئْتِنَا** ،، يَدْعُوْنَهٗ سے بدل ہے بارادہ يَقُوْلُوْنَ یعنی اسے کہتے ہیں کہ ہمارے ہاں آجا۔

ف : اللہ تعالیٰ نے مُشرک اور عابد اصنام (جو حق و باطل کے امتیاز کے باوجود اصنام پرستی کرتا ہے) کی ایسے شخص سے تشبیہ دی ہے جو تین اوصاف سے موصوف ہو :۔

(۱) سرکش جنوں کے پھندے میں پھنس کر جنگلوں ویرانوں میں حیران و سرگرداں پھرنے والا۔

(۲) سیدھے راہ سے ہٹ کر ہر جگہ بھٹکنے والا کہ جسے علم تک نہ ہو کہ وہ کیا کر رہا ہے

(۳) اس کے اور ساتھی ہوں جو اسے کہیں کہ ہماری طرف آجا تو ویرانوں میں پھر رہا ہے اور سیدھے راہ سے بھٹک گیا ہے لیکن وہ نہ انہیں جواب دے سکے اور نہ ہی وہ شیاطین اور جنات کو چھوڑ سکے۔

فائدہ : جن[۱] اجسام لطیفہ کا نام ہے جو مختلف اشکال میں متبدل ہوسکتے ہیں اور وہ یہ بھی قدرت رکھتے ہیں کہ اجسام متخلخلہ میں ہوا کی طرح گھس جائیں۔ **قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ** ،، فرمائیے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم بے شک اللہ تعالیٰ کی وہ ھدایت جو اُس نے ہمیں عطا فرمائی ہے یعنی اسلام **هُوَ الْهُدٰى** ،، صرف ہدایت وہی ہے اس کے ماسوا ضلالت محض اور غوایت خالص ہے **وَ** اور فرمایا ہے **اُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ** ہم مامور ہیں کہ ہم صرف رب العالمین

---

[۱] جن کی تعریف ہذا پر تمام اقوام کو تقریباً اتفاق ہے لیکن تعجب دیوبندیوں و وہابیوں پر ہے کہ مدعیان اسلام ہوکر جنات کے ان کوائف پر ایمان رکھتے ہیں، لیکن انبیاء و اولیاء کے لئے لطافت کے ماتحت اس طرح مانا جائے تو اُن کے نزدیک شرک ہے۔ اویسی غفرلہ

کروائیں۔ لِنُسۡلِمَ کی لام بمعنی باء ہے۔ مثلاً اہلِ عرب کہتے ہیں امرتك لتفعل وان تفعل وبان تفعل ،، ان تمام محاوروں کا ایک مطلب ہوگا ۝۷۱ وَ اَنۡ اور یہ کہ اَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوۡهُ ؕ نماز قائم کرو اور اللہ سے ڈرو۔

فائدہ : اسلام رئیس الطاعات اور نماز اجسام سے متعلقات عبادت کی سردار عبادت ہے اور تقویٰ ان عبادات کا سر جس میں معاصی کے ترک کرنے اور غیر مستحسنہ امور سے احتراز کرنے کا حکم ہے ۝۷۲ وَهُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ ،، اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے آسمان اور زمین پیدا فرمائی۔ یعنی علوی اور سفلی عوالم اور جو اُن کے اندر ہے سب اُسی کا پیدا کردہ ہے بِالۡحَقِّ ،، خلق کے فاعل سے حال ہے یعنی درانحالیکہ وہ حق سے قائم ہے۔ وَيَوۡمَ يَقُوۡلُ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ؕ قَوۡلُهُ الۡحَقُّ ؕ ،، اور اُس دن فرمائے گا کہ ہو جا تو ہو جائے گا۔ اور اُس کا قول حق ہے یوم قوله الحق کا ظرف ہے اور معنی کے اعتبار سے قول الحق پر داخل ہے۔ اب معنی یوں ہوا کہ اس کا امر ان تمام اشیاء سے کہ جن کے پیدا کرنے کے لئے اس کا ارادہ متعلق ہوتا ہے حق ہے نہ اُن کے افراد جان سے پہلے نہ بعد کو اور حق بایں معنی ہے کہ جن کی حقانیت مشہود لہ اور معروف ہے۔ وَلَهُ الۡمُلۡكُ يَوۡمَ يُنۡفَخُ فِى الصُّوۡرِ ؕ ،، اور اُسی کا ملک ہے۔ جس دن صُور پھونکا جائے گا یعنی نفخ صُور کے بعد صرف اسی کا ملک ہوگا۔ کسی دوسرے کا اگرچہ مجازاً کسی طرح کا ملک منسوب نہ ہوگا۔ جیسے دُنیا میں بطور مجاز غیر اللہ کی طرف ملک منسوب ہوتے تھے۔ عٰلِمُ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ غیب و شہادت کا عالم ہے۔ یعنی جو ہم سے پوشیدہ ہیں یا جن کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں اُن سب کا وہی عالم ہے وَهُوَ الۡحَكِيۡمُ ،، اور وہ جو کچھ کرتا ہے۔ اس کی حکمتوں کو جانتا ہے الۡخَبِيۡرُ تمام جلی و خفی امُور سے باخبر ہے۔

صُور اسرافیل کا بیان : حدیث شریف میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق سے فارغ ہوُا تو صور پیدا کر کے اسرافیل علیہ السلام کو دے دیا اور وہ صور کو منہ میں رکھ کر اپنی آنکھ عرشِ مُعلّیٰ پہ لگائے ہوئے ہیں کہ کب انہیں صُور کے پھونکنے کا حکم ہوتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صُور کیا شئے ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ایک سینگ ہے پھر میں نے عرض کی وہ کس طرح ہے آپ نے فرمایا۔ وہ بہت بڑا ہے مجھے اُس ذات کی قسم کہ جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے وہ چودہ طبق (آسمانوں اور زمینوں) کو گھیرے ہوئے ہے اور اس کے دائرہ میں ارواح مخلوق کے برابر سوراخ ہیں۔

(ف) : منقول ہے کہ نفخ تین ہیں :- (۱) نفخ فزع کہ جب اُسے لوگ سُنیں گے تو انہیں یقین ہو جائیگا

marfat.ocm

کہ اب وہ یقیناً مرجائیں گے۔ اس نفخ کے بعد تمام مخلوق فنا ہوجائے گی۔ دُنیا کی کوئی شئ بھی باقی نہ رہے گی اُس کے بعد اُنہیں گھبراہٹ گھیر لے گی اور وہ نفخ حساب وکتاب کرنے کے لئے ہوگا۔

(۲) یہ نفخ صعق کا کہلاتا ہے کہ اس سے تمام مخلوق مرجائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا سب کو فنا ہے کَمَا قَالَ کُلّ شَئٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہ۔

(۳) اس نفخ سے قبروں سے اُٹھیں گے۔

فائدہ : ایک نفخ سے دوسرے نفخ تک چالیس سال کا عرصہ ہوگا۔ تمام مخلوق کے فنا ہونے کے بعد ہر ایک رُوح صُور سے معلق کی جائے گی۔

فائدہ : مٹی میں عام انسان کی ہر شئے مٹی سے مٹی میں مل جائے گی سوائے ایک ہڈی کے کہ اُسے مٹی نہیں کھاسکے گی اسے عجب الذنب کہاجاتا ہے اس سے تمام مخلوق کو قیامت میں مرکب کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اُسی دن تمام مخلوق کو جمع کرے گا کوئی درندوں کے پیٹوں میں ہوگی اور پانی کے بحری حیوانات میں یا زمین کے اندر یا جنہیں آگ جلا دے گی یا جنہیں پانی نے غرق کیا ہوگا۔ یا سُورج کی گرمی سے مٹایا ہوگا یا جنہیں ہوا اڑا کر لے گئی ہوگی، لیکن یہ اُس وقت ہوگا جب عرش سے بارش ہوگی۔ اس پانی سے سب زندہ ہوں گے۔ اُسے آب حیات کہاجاتا ہے۔ اُس کے بعد چالیس سال آسمان سے پانی برستا رہے گا یہاں تک کہ بارہ گز پانی سب کے اُوپر چڑھ جائے گا پھر اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا اجسام انگوری کی طرح بڑھنے شروع ہوجائیں گے۔ جب تم اجسام کی ترکیب مکمل ہوجائے گی باقی اُس کے اندر ارواح داخل کرنے ہوں گے اس کے بعد سب سے پہلے حملۃ العرش زندہ ہوں گے پھر جبرائیل پھر میکائیل پھر اسرافیل صُور پھونکیں گے جس سے تمام ارواح اس صور کے سُوراخ سے نکلیں گے جیسے مکھیاں اُڑتی ہیں۔ تمام ارواح سے زمین وآسمان کے درمیانی خلا بھر جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ہر رُوح کو حکم فرمائے گا کہ ہر ایک اپنے جسم میں داخل ہو۔ پھر وہ رُوح اپنے اپنے جسم میں داخل ہوگی۔ رُوح پہلے ناک کے سوراخوں سے داخل ہوگی اور تمام جسم میں پھیل جائے گی جیسے زہر ڈنس کی جگہ سے شروع ہوکر تمام جسم میں سرایت کر جاتی ہے۔ اس کے بعد زمین پھٹے گی۔ سب سے پہلے حضور علیہ السلام زمین سے تشریف لائیں گے اُس کے بعد آپ کی اُمت۔ اس وقت سب تینتیس (۳۳) سالہ نوجوان ہوں گے اس وقت سب کی زبان سُریانی ہوگی۔ سب کے سب اللہ تعالیٰ کی طرف تیز رفتاری سے بھاگیں گے لیکن یہ حال مخلص اہلِ ایمان کا ہے اور کافروں کے لئے یہ دن بہت بڑا سخت ہوگا۔ اُس وقت سب کے سب ننگے جسم اور ننگے پاؤں ہوں گے۔ ستر سال ایسے ہی رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی طرف توجہ نہیں فرمائے گا۔ تمام مخلوق اتنا روئے گی کہ آنکھوں کے آنسو ختم ہوجائیں گے تو خون کے آنسو بہائیں گے۔ یہاں تک کہ اُن کی جانیں

marfat.ocm

لبوں پر آجائیں گی اور بولنے سے بند ہو جائیں گے پھر جس طرح اللہ چاہے گا کرے گا۔

سبق: اے بندۂ خدا اسلام حقیقی کے لئے جد و جہد کیجئے اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں سر تسلیم خم کیجئے تاکہ تجھے نجات حاصل ہو۔ یہ خودی کو مٹا دے جیسے گیند میدان میں اپنے آپ کو ڈنڈے کے حوالے کر دیتی ہے۔ تم بھی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے سپرد کر دو۔ لیکن یہ اسے نصیب ہوتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور انبیاء و اولیاء کا وسیلہ حاصل ہو۔ چنانچہ صاحب مثنوی فرماتے ہیں ؎

(۱) سازد اسرافیل روزے نالہ را — جان دہد پوسیدۂ صد سالہ را
(۲) انبیاء را در درون ہم نغمہاست — طالباں را زاں حیاتِ بے بہاست
(۳) نشنود آں نغمہا را گوشِ حس — کز ستمہا گوشِ حس باشد نجس
(۴) ہیں کہ اسرافیلِ وقتند اولیاء — مُردہ را زیشاں حیات است و نما
(۵) نغمہائے اندرونِ اولیاء — اولا گوید کہ اے اجزائے لا
(۶) ہیں ز لائے نفی سرہا بر زنید — ایں خیال و وہم یکسو افگنید
(۷) اے ہمہ پوسیدہ در کون و فساد — جانِ باقیتاں نروئید و نزاد

ترجمہ: (۱) اسرافیل علیہ السلام ایک دن نغمے سے آواز دیں گے تو سو سالوں کے مُردوں کو جان بخشیں گے
(۲) انبیاء علیہم السلام کے اندر بھی نغمے ہیں جس سے طالبانِ حق کو بے بہا حیات نصیب ہوتی ہے۔
(۳) لیکن ان نغموں کو یہ ظاہری حس نہیں سنتی اس لئے کہ ان کانوں کی حس نجس ہے۔
(۴) خبردار اولیاء کرام بھی وقت کے اسرافیل ہیں ان سے مُردوں کو حیات اور نشو و نما نصیب ہوتی ہے۔
(۵) اولیاء کے اندرونی نغمے کہ وہ پہلے یہی فرماتے ہیں کہ اے لا کے اجزا
(۶) خبردار لائے نفی سے سر کو بلند کرو۔ یہ خیال و وہم کو ایک طرف پھینکو
(۷) اے کون و فساد کی بوسیدہ چیزو! تمہاری باقی جانیں نہ اُگی ہیں نہ پیدا ہوئی ہیں۔

تفسیر عالمانہ

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ ۔ الخ
جبکہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اب آزر سے کہا۔

ربط آیات

: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب قوم کے دل کو متوجہ کیا [illegible] [illegible] [illegible] اللہ تعالیٰ سے سوال کیا [illegible] اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے آپ کی [illegible]

marfat.ocm

دُنیا بھر کے لوگوں اور تمام اہلِ ادیان کو آپ کے فضل و علم کا معترف بنایا یہاں تک کہ مشرکین بھی آپ کی تعظیم و تکریم بجا لاتے بلکہ وہ ان کی اولاد سے منسوب ہو کر فخر محسوس کرتے تو اللہ تعالیٰ اُن کے مناظرہ کو بیان فرما کر مشرکین عرب پر حجت قائم فرمائی اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا اے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ اہلِ مکہ کو یاد دلائیے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اب آزر سے کیا فرمایا اسے زجر و توبیخ کی۔ اصنام باطلہ کی پرستش سے روکا۔ یہ وہ طریقہ ہے کہ خصم کو سُن کر سوائے تسلیم کے اور کوئی چارۂ کار نہ ہو۔

فائدہ : اٰزَرَ لِاَبِیْہِ کا عطف بیان ہے۔ اس کا نام تارح تھا بفتح الراء وسکون الحاء المہملہ ابراہیم علیہ السلام کے اب کے دو نام تھے۔ جیسے یعقوب علیہ السلام کا دُوسرا نام اسرائیل تھا۔ ایسے ہی آزر کا دُوسرا نام تارح تھا۔ یہ آزر اس کا لقب تھا۔ وہ کوثی کوفہ کے علاقہ کا رہنے والا تھا۔

اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ” کیا تُو نے بتوں کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بطور انکار فرمایا کہ بتوں کی پرستش اچھی نہیں۔ اس میں اُنہوں نے بتوں کی جنس مراد لی نہ کہ کثرت اور واقعہ ایسے ہی تھا کہ اُن کی قوم کے کثیر التعداد لوگ بُت کے پجاری تھے۔

اِنِّیْ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ ” بے شک میں تجھے اور تیری قوم کے اِن لوگوں کو دیکھتا ہوں جو بتوں کی پرستش میں تیری اتباع کرتے ہیں۔ فِیْ ضَلٰلٍ ” حق سے بھٹک کر گمراہی میں مُّبِیْنٍ ” ایسی گمراہی جو واضح ہے جس میں کسی قسم کا اشتباہ نہیں۔

(ف) اِنّی اَرٰاک ” کی رویت یا بمعنی علم ہے فی ضلال ظرف اس کا مفعول ثانی ہے یا بصری ہے تو فی ضلال کاف ضمیر خطاب سے حال ہے اور جملہ اَتَتَّخِذُ کے انکار و توبیخ کی تعلیل ہے۔

ازالہ وہم : یہ صحیح ہے کہ بُت پرستی کفر ہے اور آزر کی بُت پرستی پر آیات میں تصریح ہے لیکن اس سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب مبارک پر قباحت لازم نہیں آتی جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اصلاب طاہرہ سے ارحام طاہرہ کی طرف منتقل ہوتا رہا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے نسب میں شرعی نکاح کی حیثیت رہی۔ سفاح (زنا) وغیرہ سے تمام نسب محفوظ رہا۔ اسی طرح ایک دیگر ارشادِ گرامی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو مجھے اللہ تعالیٰ نے اُن کے ساتھ زمین پر اُتارا پھر مجھے نُوح علیہ السلام کی پُشت میں رکھا میں کشتی نُوح میں بھی جلوہ گر تھا۔ مجھے پھر چند واسطوں سے ابراہیم کی صلب میں رکھا اسی طرح میں اصلاب کریمہ سے ارحام طاہرہ کی طرف منتقل ہوتا ہوا اپنے ماں

---

[1] یہ جواب بھی صحیح ہے لیکن جمہور اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں بلکہ چچا تھا۔ مزید تحقیق فقیر کی کتاب القول الامور فی تحقیق آزر میں دیکھیے۔ (اویسی غفرلہ)

marfat.ocm

باپ سے ظاہر ہوا اور وہ دونوں بھی سفاح (زنا) سے محفوظ تھے۔

نور محمدی علیٰ صاحبہ السلام کی سیر کا بیان

: مروی ہے کہ جب بی بی حوا علیٰ نبینا وعلیہا السلام نے شیث علیہ السلام کو جنا تو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک شیث علیہ السلام کے ہاں منتقل ہوا اور اُن کی پیشانی میں چمکتا ہوا نظر آیا تھا۔ جب وہ نوجوان ہوئے تو آدم علیہ السلام نے اُن سے عہد و پیمان لیا کہ یہ امانت صرف پاک ارحام اصلاب میں منتقل کریں گے تاکہ یہ امانت پاک اصلاب و ارحام سے منتقل ہوتا ہوا عالم دُنیا کو منور فرمائے، چنانچہ وہ نور مبارک ادریس علیہ السلام سے منتقل ہو کر یانش کے پاس جنہیں انوش کہتے تھے پھر اُن سے قینان پھر اُن سے مہلائیل اُن سے یزدان اُن سے خنوخ بروزن ثمود جنہیں ادریس علیہ السلام کہا جاتا ہے ان کا اخنوخ بھی نام تھا۔ پھر اُن سے متوشلخ اُن سے لمک اُن سے نوح علیہ السلام اُن سے سام ابو العرب اُن سے ارفخشذ اُن سے شالخ ان سے عابر بروزن ناصر ان سے عیبر بروزن جعفر اُن سے تالخ انہیں فالخ بھی کہا جاتا۔ اُن سے ساروغ انہیں راغو بھی کہا جاتا اُن سے شاروخ ان سے ناحور اُن سے تارح جسے آزر کہا گیا ہے۔ پھر ابراہیم علیہ السلام پھر اسماعیل کی طرف۔

ف : اسماعیل کی چند لغات اور ہیں۔ اسمٰعین بالنون (کذا قال النووی) اُن سے قیدار اس سے حمل اس سے نبت اس سے سلامان اس سے یشجب بروزن ینصر اس سے یعرب بروزن ینصر اس سے ہمیسع اس سے یسع اُس سے ادد اس سے ادد کی طرف منتقل ہوئے اس کے بعد کا نسب نامہ مشہور ہے۔ یہاں تک آپ کے نسب نامہ اسماء میں اختلاف ہے۔ اس کے بعد معد پھر نزار پھر مضر پھر الیاس بفتح الہمزہ فی الابتداء والوصل۔ بعض نے کہا بکسر الہمزہ یعنی جو رجاء کی ضد ہے وہی معنے بیان ہے۔ اس سے مدرکہ اس سے خزیمہ اس سے کنانہ اُس سے نضر اس سے مالک پھر فہر پھر غالب اس سے لوی۔ اس سے کعب۔ یہاں پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نسب حضور علیہ السلام سے ملتا ہے پھر اس سے مرۃ یہاں پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نسب نامہ حضور علیہ السلام سے ملتا ہے اس سے کلاب اُس سے قصی اس سے عبد مناف اس سے ہاشم اُن سے عبد المطلب اُن سے حضرت عبد اللہ کی طرف حضور نبی پاک شہ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک تشریف لایا۔

نکتہ : بعض اہل علم لکھتے ہیں کہ قریش کا بت پرست ہونا ثابت نہیں۔ اس لئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی تھی وَاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ اے اللہ مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچانا اور اللہ نے بھی ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا کہ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً

marfat.ocm

باقیۃ فی عقبہ[2] لیکن یہ قول صحیح نہیں اس لئے کہ پہلی آیت میں بنیؔ سے صُلبی اولاد مُراد ہے نہ کہ پوتے، پڑپوتے وغیرہ۔ اگرچہ بنیؔ سے اولاد و احفاد مراد ہو سکتے ہیں لیکن یہاں پر وہ مُراد نہیں کہ حقیقت کے خلاف ہے اور دُوسری آیت کا بھی یہی مطلب ہے کہ کلمۂ توحید کو اُن کی اولاد میں باقی رکھنا یہ سلسلہ منقطع نہ ہو جائے اور یہ صحیح ہے کہ ہر دَور میں دینی سلسلہ قائم رہا تو وہ اولادِ ابراہیم تھا۔ یہی قول حق اور مبنی بر صواب ہے[3]۔ واللہ اعلم!

تفسیر صُوفیانہ

: آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کا اظہار فرمایا ہے کہ زندہ کو مُردہ سے پیدا فرمایا: کما قال وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۔ اس لئے کہ وہ منہمک ہے انکار میں اس لئے کہ اس کا قلب مُردہ ہو چکا تھا اور نس فی الشہود مضمحل ہوتی ہے قلب کی حیات سے اور اصنام اللہ تعالیٰ کے ماسوا پرستش ہونے والے کو کہا جاتا ہے۔ اِنِّیْۤ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ یعنی میں نے ملکوت الاشیاء کو ملاحظہ فرمایا تو میں نے تمہیں اور تیری قوم کو گمراہ پایا (کذا فی التاویلات النجمیہ)

اعجوبہ

: بلاغات زمخشری میں ہے کہ بہت دو خبیثوں سے ایک اعلیٰ شئے پیدا ہوتی ہے جیسے دودھ، گوبر اور خون کے درمیان سے نکلتا ہے۔ شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

(۱) چوں کنعان را طبیعت بے ہنر بود ‌ ‌ پیمبر زادگی قدرش نیفزود
(۲) ہنر بنما اگر داری نہ گوہر ‌ ‌ گل از خار است و ابراہیم از آزر[4]

نیز فرمایا: خاکستر اگرچہ نسب عالی دارد کہ اصلش جوہر علویست ولیکن بنفس خود ہنرے ندارد با خاک برابر است قیمت شکر نہ از نے ست کہ خاصیت ولیست[5]

اس سے ثابت ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کی شان قدیم ہے کہ وہ زندوں کو مُردوں سے پیدا فرماتا ہے۔ اس سے نسب کو کوئی تعلق نہیں۔ کبھی اچھے سے بُرا اور کبھی بُرے سے اچھا پیدا ہوتا ہے۔

---

[1] سورہ ابراہیم ١٢ [2] سورۃ زخرف ١٢۔ [3] مزید تحقیق فقیر کی کتاب اصل الاصول فی ایمان آباء الرسول اور ابوین مصطفیٰ میں دیکھئے۔

[4] (۱) چونکہ کنعان کی طبیعت بے ہنر تھی۔ پیغمبر زادگی نے اس کی قدر و قیمت نہ بڑھائی (۲) ہنر دکھا اگر تیرے پاس ہے تو ورنہ گوہر اور موتی کام نہیں آئیں گے۔ دیکھئے گل کانٹے سے اور ابراہیم علیہ السلام آزر سے۔

[5] (ترجمہ نثر) راکھ اگرچہ نسبت کے لحاظ سے بہت بڑی ہے کیونکہ اس کا اصل آگ ہے لیکن چونکہ بے ہنر ہے اسی لئے مٹی کے برابر ہے شکر کی قیمت اسی لئے نہیں کہ گنے سے ہے بلکہ اس کی اپنی ذاتی خاصیت ہے۔

تفسیر عالمانہ وَكَذٰلِكَ نُرِيٓ اِبْرٰهِيْمَ ، یہ اشارہ اِس اراءۃ کی طرف ہے جس کو نُرِی متضمن ہے۔ کوئی دُوسرا نُرِی مقدر نہیں مانا جائے گا۔ جیسا کہ بعض کا خیال ہے ؛ چنانچہ ضربتہ کذٰلک ” میں ہٰذا المضروب مانا جاتا ہے اور کاف زائدہ ہے جس معنے کو اسم اشارہ ظاہر کرتا ہے یہ اُس کی تاکید کرتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اسی طرح ہم ابراہیم علیہ السلام کو دکھاتے ہیں مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ” زمینوں اور آسمانوں کے مُلک جو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور مالکیت پر دلالت کرتے ہیں اور اُن سے واضح ہوتا ہے کہ سب کا حاکم مطلق وہی ہے اور یہ تمام اشیاء اسی کی ملکیت و تربیت ہیں۔

(ف) اس سے رویت بصری مُراد ہے اور معرفت اور بصیرت کے ساتھ دیکھنے سے استعارہ ہے۔ اب معنے یہ ہوگا کہ ہم نے ملکوت السمٰوٰت والارض کی معرفت عطاء فرمائی اور اُنھوں نے ان امُور کو بصیرت سے دیکھا۔ نُرِی صیغہ مُستقبل حکایتِ حال ماضیہ کے لئے ہے۔

سوال : یہ تو ہر مومن مسلم کو معلوم ہے اور ملکوت السمٰوٰت والارض کو بصیرت سے سب جانتے ہیں جیسا کہ بعض انہیں آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ پھر صرف ابراہیم علیہ السلام کی تخصیص کیسی۔

جواب : اگرچہ تمام اہلِ اسلام ربوبیت کے دلائل کے اصُول کو جانتے ہیں، لیکن اس عالم کی مخلوق کے اجناس و انواع و اشخاص و احوال میں حکمت الہٰی کے آثار صرف اکابر انبیاء علیہم السلام جانتے ہیں۔ اس لئے حضور علیہ السلام اپنی دُعا میں اکثر عرض کرتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْاَشْیَاءَ کَمَا ھِیَ (اے اللہ ہمیں اشیاء کے حقائق دکھا)

تفسیر صُوفیانہ : تاویلات نجمیہ میں ہے اس عالم میں شئے کا ظاہر ہے جسے جسمانیات سے تعبیر کرتے ہیں اور جسمانیات کو ابعاد ثلاثہ یعنی طُول و عرض و عمق ضروری ہے اور ان میں تحیز ہوتا ہے اور وہ تقسیم کو قبول کرتے اور اُن کے اجزاء کئے جاسکتے ہیں۔ کبھی اُسے دُنیا سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس لئے کہ اُسے حس سے قُرب ہے اور کبھی اسے صُورت کہا جاتا ہے اور کبھی اسے شہود سے تعبیر کیا جاتا ہے اس لئے کہ اسے حس سے مشاہدہ کیا جاتا ہے اور کبھی اسے مُلک سے موسوم کرتے ہیں اِس لئے کہ یہ دُوسرے کی ملکیت میں ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر شئی کا باطن ہے جسے رُوحانیت کہا جاتا ہے اس لئے کہ وہ محسوسات سے نہیں اور وہ ابعاد ثلاثہ اور تحیز و تجزّی سے خالی ہے۔ اُسے آخرت سے بھی تعبیر کرتے ہیں اس لئے کہ وہ حس سے مؤخر ہے اور کبھی اسے معنی سے موسوم کرتے ہیں۔ اس لئے کہ اس میں شکل و صورت نہیں اور کبھی اسے غیب بھی کہا جاتا ہے اس لئے کہ یہ حِس سے پوشیدہ ہے اور کبھی اِسے ملکوت بھی کہتے ہیں۔ اس

marfat.ocm

لئے کہ عالم ملک (دنیا) کا دارومدار اسی پر ہے اور عالم ملک (دنیا) کی صورت اس کا عکس ہے اس لئے کہ عالم ملک کا قیام ملکوت پر منحصر ہے اور ملکوت کا انحصار قدرت حق تعالیٰ پر ہے۔ کما قال تعالیٰ فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ اور فرمایا وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ٥ یعنی ہر شئے کا اس اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہے یعنی طریق ملکوت سے اور ملکوت سے وہ اولیات مراد ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے عدم سے امرِ کن سے پیدا فرمایا اس لئے کہ اللہ تھا باقی ہر شئی معدوم تھی۔ اس پر آیت اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ " دلالت کرتی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ملکوت کو کسی شئی سے پیدا نہیں فرمایا یعنی ملکوت کو بلا واسطہ پیدا فرمایا اور باقی اشیاء کو کسی واسطہ سے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ ملکوت کی تخلیق کو لفظ امر سے اور دوسری اشیاء کو لفظ خلق سے تعبیر فرمایا کما قال اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ " اب آیت کا معنیٰ یوں ہوا کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اشیاء کے ملکوت دکھائے اور ساتھ ہی وہ آیات بھی (جو ان میں بطورِ امانت رکھی گئی ہیں) اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلالت کرتی ہیں۔

فائدہ: علمائے کرام ملک و ملکوت میں فرق بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ملک تمام وہ اشیاء جو آنکھ سے دیکھی جاسکتی ہیں اور ملکوت وہ جنہیں بصیرت سے تعلق ہے وہ اربابِ عقول پر منکشف نہیں ہوتی بلکہ اصحابِ قلوب کو اُن کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اس لئے کہ عقل کا ادراک ناقص ہے بخلاف کشف کے کہ وہ صرف اہلِ مجاہدہ کو نصیب ہوتا ہے اس لئے کہ وہ مجاہدہ کے ثمرہ کا نام ہے اور ایسے لوگ ہمارے دور میں بہت کم ہیں۔ وَلِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ ٥ اور یہ لام محذوف مؤخر سے متعلق ہے اور وہ جملہ معترضہ اور اپنے ماقبل کے مضمون کی تقریر کرتا ہے تاکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام راسخ الایقان اور عین الیقین کے درجہ تک پہنچنے والوں سے ہوں اور انہیں معرفتِ الٰہی نصیب ہو۔ پھر ہم نے وہی کیا جو ابھی مذکور ہوا اس لئے کہ اتنا بہت بڑے مراتب کا ترتب اس ارادہ پر ہے اور یہ قصر اس لئے نہیں کہ ارادہ کا فائدہ صرف اسی پر منحصر ہے کیونکہ اس آئندہ کے علاوہ اور فوائد بھی ہیں مثلاً خلق اور الزام المشرکین بلکہ اس بیان کے لئے ہے وہ اصل اصیل ہے اور باقی امور اس کے مفروع۔

۵ فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْهِ الَّیْلُ " پس جب ابراہیم علیہ السلام کو رات کی تاریکی نے ڈھانپا۔ رَاٰ كَوْكَبًا تو انھوں نے ستارہ دیکھا یہ لَمَّا کا جواب ہے۔ اس لئے کہ ستارے کا دیکھنا اُس وقت متحقق ہوسکتا ہے جب سورج کی روشنی زائل ہو جائے یعنی سورج کے غروب کے بعد۔

(ف): اِس سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا ستارے کو دیکھنا اُس کے طلوع کی ابتداء میں نہ تھا بلکہ سورج کی روشنی کے مضمحل ہونے کے بعد ستارے کو دیکھ لیا تھا۔

marfat.ocm

(ف) : تحقیق یہ ہے کہ سُورج کے غروب کے بعد آپ نے ستارہ دیکھا۔

(ف۱) : بعض کہتے ہیں وہ ستارا زُہرا تھا ؛ اور بعض کے نزدیک مُشتری اور یہ دونوں کواکب سیارہ (سات) سے ہیں۔

قَالَ ،، یہ سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ جب ابراہیم علیہ السّلام نے ستارے کو دیکھا تو پھر کیا فرمایا تو اُس کے جواب میں فرمایا کہ آپ نے خصم کی موافقت میں فرمایا **هٰذَا رَبِّيْ** ،، یہ میرا رب ہے چونکہ آپ کا چچا اور اس کی دیگر برادری کے لوگ بُت پرستی کے علاوہ کواکب بُت پرست بھی تھے اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السّلام خصم کے عقیدہ کے مطابق استدلال کرکے پھر اس کا ابطال فرماتے جائیں گے **فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ** ۝ جب وہ ڈُوب گیا۔ میں ایک مکان سے دُوسرے مکان کی طرف مُنتقل اور ایک حال سے دُوسرے میں متغیر ہونے اور پردوں میں چھپنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔ اس لئے کہ ایسی چیزیں ربوبیت کا استحقاق نہیں رکھتیں **فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا** ،، پس جس وقت اُنہوں نے چاند کو چمکتا ہُوا دیکھا یعنی ایک ستارے کے ڈوبنے کے بعد جب چاند کو طلوع کرتا ہُوا دیکھکر **قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ** ،، فرمایا یہی میرا رب ہے لیکن جب اُسے بھی ستارے کی طرح ڈوبتا ہُوا دیکھا **قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ** ،، تو فرمایا اگر میرا رب مجھے جناب حق میں نہ پہنچا سکا تو **لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ** ۝ تو میں گمراہ قوم سے ہو جاؤں گا۔ یہ اپنی قوم کو تعریضاً فرمایا تاکہ انہیں واضح ہو کہ وہ گمراہ ہیں۔

ازالہ وہم : حضرت ابراہیم علیہ السّلام اُس وقت ایسی جگہ پہ ہوں گے جس کی جانب غرب کو ایک بہت بڑا پہاڑ پڑتا ہوگا۔ جس سے ظہر کے وقت چاند و ستارے چھپ جاتے ہوں گے یا ظہر کے وقت سے تھوڑی سی دیر کے بعد۔ اس لئے کہ اس وقت ستارہ پہاڑ کے قریب ہوتا ہے تو اُس کی شرقی جانب کُھلی رہتی ہے جس سے ایسے محسوس ہوتا ہے کہ ستارہ ڈوب گیا اور چاند ابھی چمکا۔ ورنہ چاند کا ستاروں کے ڈوبنے کے بعد طلوع کرنا پھر اس کا سُورج کے طلوع سے ڈوبنا تصوّر میں نہیں آسکتا **فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً** ،، پس جبکہ سُورج کو طلوع کرتا ہُوا دیکھا تو **قَالَ هٰذَا** ،، یہی نُورانی جسم جو نظر آ رہا ہے۔ **رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ** ،، میرا رب ہے اور چاند اور ستارے سے بہت بڑا ہے اس سے ابراہیم علیہ السّلام نے اپنے اس قول کی تاکید فرمائی جو اُنہوں نے ازراہِ انصاف فرمایا (لاکونن مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ) **فَلَمَّآ اَفَلَتْ** ،، پھر جب وہ بھی ڈوب گیا اور اُن پر ابراہیم علیہ السّلام کے دلائل مضبوط اور پختہ ہو گئے لیکن وہ ضد اور ہٹ دھرمی سے باز نہ آئے تو **قَالَ** اپنی قوم کے سامنے

marfat.ocm

حق کو واضح کر کے فرمایا یٰقَوۡمِ اِنِّیۡ بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تُشۡرِکُوۡنَ ○ اے میری قوم میں اُن سے بیزار ہوں کہ جنہیں تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو یعنی اصنامِ باطلہ کے علاوہ وہ صُورتیں جو دُوسرے کے پیدا کرنے کی محتاج ہیں تم اُنھیں اللہ تعالیٰ کے شریک ٹھہراتے ہو۔ آپ کی برادری نے آپ کی تقریر سُن کر آپ سے پُوچھا تو تم کس کی عبادت کرو گے تو آپ نے انہیں فرمایا اِنِّیۡ وَجَّہۡتُ وَجۡہِیَ ،، میں نے اپنے چہرے کو متوجہ کیا یعنی میرا دین و عبادت خالص اُس کے لئے ہے۔ لِلَّذِیۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ ،، جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا۔ یعنی میری عبادت اللہ تعالیٰ وَحۡدَہٗ لَاشَرِیۡکَ کے لئے خاص ہے جس نے کائنات کو پیدا فرمایا۔ حَنِیۡفًا ،، درانحالیکہ میں ادیانِ باطلہ سے بیزار ہو کر دینِ حق کی طرف متوجہ ہو چکا ہوں کہ اب اُس سے رجوع کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

وَمَا اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ،، کہ میں اُن لوگوں سے نہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں نہ افعال میں نہ اقوال میں۔

تفسیر صُوفیانہ

: یہی کیفیت ہر اُس شخص کی ہوتی ہے جو اپنی طبیعت سے پاک و صاف ہو کر اُس کا قلب شیشہ کی طرح صاف و شفاف ہو اور وہ ہوا نفس اور شہوات سے بالکل صاف ستھرا ہو جائے۔ ایسا انسان نہ اجرام کی طرف خیال کرتا ہے نہ اکوان کی طرف بلکہ اُسے نہ دائیں کی خبر ہوتی ہے اور نہ بائیں کی اس لئے کہ دوستیٔ حق کے شوق نے اُسے جہالت سے دُور کر کے ذاتِ حق کے بالمقابل کھڑا کر دیا ہے۔ حضرت مولانا روم قدس سرہٗ نے مثنوی شریف میں فرمایا ؎

(۱) آفتاب از امرِ حق طباخ ماست ٭ اَبلہی باشد کہ گوئیم او خدا است
(۲) آفتابت گر بگیرد چوں کُنی ٭ آں سیاہی زو تو چوں بیروں کُنی
(۳) نے بدرگاہِ خدا آری صُداع ٭ کہ سیاہی را ببر دادہ شعاع
(۴) گر کشندت نیم شب خورشید کو ٭ تا بنالی یا اماں خواہی ازو
(۵) حادثات اغلب بشب واقع شود   واں زماں معبود تو غائب شود
(۶) سُوئے حق گر راستانہ خم شوی   وارہی از اختراں محرم شوی

ترجمہ: (۱) سورج ہمارے لئے طباخ ہے اسے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے لیکن یہ بیوقوفی ہے کہ اسے خُدا مانا جائے۔
(۲) مانا کہ سُورج تجھے کُن کے کرشمے دکھائے لیکن اس سے اس کی سیاہی کیسے دُور کر سکتے ہو
(۳) نہ تو تم اللہ تعالیٰ سے عرض کر سکتے ہو کہ اس کی سیاہی دُور کر دو تاکہ روشنائی دے۔
(۴) اگر تجھے آدھی رات کو دکھ پہنچے اس وقت سُورج کہاں ہوگا کہ جس کے آگے رو کر مشکل حل کراؤ یا امان چاہو

marfat.ocm

(۵) ویسے اکثر حادثے رات کو ہوتے ہیں اس وقت تو تیرا معبود (سورج) غائب ہوتا ہے۔

(۶) اللہ تعالیٰ کے حضور اگر بصدق دل سرخم کرو تو ستاروں کی پرستش سے نجات پاکر محرم رازِ حق بن جاؤ گے

وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ط اس کی قوم اس سے برسرپیکار ہوئی یعنی ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ برادری نے دینی امور اور بتوں کے متعلق جھگڑا کیا۔ بلکہ ڈرایا اور دھمکایا کہ اگر تم نے انہیں چھوڑ دیا تو تم بہت بڑے دکھ پریشانیوں میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ (بنونِ ثقیلہ) دراصل اَتُحَاجُّوْنَنِیْ تھا۔ دو نون ہونے پہلے کو دوسرے میں ادغام کیا گیا ہے اس لئے کہ دونوں یکجا جمع ہوں تو وہ عبارت ثقیل ہو جاتی ہے۔

یں پہلے کو دوسرے میں ادغام کیا جاتا ہے۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام نے اپنی برادری سے فرمایا کہ کیا تم میرے تھ جھگڑتے ہو۔ فِی اللّٰهِ " اللہ تعالیٰ کی شان اور اس کی توحید کے بارے میں وَقَدْ هَدٰىنِ ط " حالانکہ ہ تعالیٰ نے مجھے حق کی ہدایت بخشی۔ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ " اور جنہیں تم اللہ تعالیٰ کا شریک ہراتے ہو۔ مجھے ان سے یہ خوف و خطر نہیں کہ وہ مجھے کسی قسم کا دکھ اور تکلیف پہنچائیں گے۔ اس لئے کہ انہیں ی شئ کی قدرت ہے ہی نہیں۔ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْئًا ط یہ استثناء متصل ہے اور اس کا مستثنیٰ منہ ی وقت محذوف ہے۔ دراصل لَآ اَخَافُ مَعْبُوْدَ اٰتَاكُمْ فِیْ وَقْتٍ الخ یعنی میں تمہارے معبودانِ طلہ سے کسی وقت بھی نہیں ڈرتا مگر اس وقت کہ میرا رب میرے لئے دکھ تکلیف پہنچانے کا ارادہ فرمائے ر وہ دکھ تکلیف تمہارے معبودان سے نہیں بلکہ میرے ربِ کریم کی طرف سے ہوگی۔ اس میں تمہارے معبودوں کسی قسم کا دخل نہ ہوگا۔ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ط یہ استثناء کی گویا تعلیل ہے۔ یعنی میرے رب علم ہر شئ کو محیط ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ مجھ پر فلاں دکھ اور درد پہنچیں گے لیکن اس کا کوئی سبب ہوگا نہ یہ کہ میں تمہارے بتوں پر طعن و تشنیع کروں تو اس وجہ سے مجھے دکھ اور درد پہنچیں اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ " کیا تم سمجھتے نہیں ہو۔ یعنی اپنے معبودوں کے متعلق غور و فکر کرو کہ وہ جماد محض ہیں نہ ی کو نفع دینے کی قدرت رکھتے ہیں اور نہ نقصان دینے کی پھر کیوں نہیں سمجھتے کہ انہیں میرے نقصان پہنچانے کی قدرت نہیں۔

۞ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ " اور میں کیسے خوف کروں ان سے جنہیں تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو یعنی تمہارے معبودانِ باطلہ سے جو نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔ یہ استفہام انکاری ہے کہ وقوعِ تکالیف کا انکار کرتے ہوئے ان کے بتوں کی ضرر رسانی کی بالکل نفی فرما دی۔ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ " یہ اَخَافُ کی ضمیر سے حال ہے بتقدیر مبتدا دراصل عبارت یوں ہے وَكَيْفَ اَخَافُ اَنَا مَا لَيْسَ فِيْ خَيْرِ الْخَوْفِ اَصْلًا وَّ اَنْتُمْ لَا تَخَافُوْنَ الخ یعنی میں کیسے ڈروں جبکہ میں خوف

بقیہ صفحہ ۵۷۵

marfat.ocm

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ
ہماری دلیل ہے کہ ہم نے ابراہیمؑ کو اس کی قوم پر عطا فرمائی ہم جسے چاہیں

مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ (٨٣) وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ
درجوں بلند کریں بے شک تمہارا رب علم و حکمت والا ہے اور ہم نے انہیں اسحٰقؑ اور یعقوبؑ عطا کیے ان سب کو ہم نے راہ

وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ
دکھائی اور ان سے پہلے نوحؑ کو راہ دکھائی اور اس کی اولاد میں سے داؤدؑ اور سلیمٰنؑ اور ایوبؑ اور یوسفؑ

وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ (٨٤) وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى
اور موسیٰؑ اور ہارونؑ کو اور ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں نیکو کاروں کو اور زکریاؑ اور یحییٰؑ اور عیسیٰؑ

وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (٨٥) وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا
اور الیاسؑ کو یہ سب ہمارے قرب کے لائق ہیں اور اسمٰعیلؑ اور یسعؑ اور یونسؑ اور لوطؑ کو اور ہم

فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (٨٦) وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ
نے ہر ایک کو اس کے وقت میں سب پر فضیلت دی اور کچھ ان کے باپ دادا اور اولاد اور بھائیوں میں سے بعض

وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (٨٧) ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ
کو اور ہم نے انہیں چن لیا اور سیدھی راہ دکھائی یہ اللہ کی ہدایت ہے کہ اپنے بندوں میں جسے چاہے دے

يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (٨٨) اُولٰٓئِكَ
اور اگر وہ شرک کرتے تو ضرور ان کا کیا اکارت جاتا یہ ہیں جن

الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا
کو ہم نے کتاب اور حکم اور نبوت عطا کی تو اگر یہ لوگ اس سے منکر ہوں تو ہم نے اس کے لیے

بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ (٨٩) اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ
ایک ایسی قوم لگا رکھی ہے جو انکار والی نہیں یہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی تو تم انہیں کی

اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ (٩٠) ع
راہ چلو تم فرماؤ میں قرآن پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا ▪ وہ تو نہیں مگر نصیحت سارے جہان کو

تفسیر عالمانہ

۸۲ وَتِلْكَ ▪ یہ اشارہ ابراہیم علیہ السلام کی اس دلیل کی طرف ہے جو آپ نے اپنی قوم کو مناظرہ میں پیش کی جس کا مضمون فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ سے شروع ہو کر وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ تک ختم ہوتا ہے۔ حُجَّتُنَا ” (ہماری حجت ہے) ہر وہ کلام جو کسی شئی کے ثبوت میں بطور دلیل پیش کیا جائے اسے حجت کہتے ہیں

marfat.ocm

باتوں سے دور ہوں حالانکہ ڈرنا تمہیں چاہیئے کہ تم سب سے زیادہ خوفناک امر کے مرتکب ہو رہے ہو۔
اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرا رہے ہو حالانکہ وہ ذات منزہ ہے اس کا نہ کوئی شریک
نظیل نہ زمین میں نہ آسمان میں بلکہ یہ جملہ اشیاء اُس کی پیدا کردہ ہیں جیسے ابراہیم علیہ السلام نے
بیر فرمایا مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ ،، وہ امر کہ جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں فرمایا کہ اُس
ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے۔ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ تمہارے لئے دلیل اور حجت کہ
سے ثابت ہو کہ یہ بُت بھی قابلِ پرستش ہیں۔ بلکہ تمام دنیوی امُور اس لئے ہیں کہ انہیں صرف
تعالیٰ کے نازل کردہ اموریکے لئے حجت بنائے جائیں۔ فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ
ہم دونوں فریقوں میں کون زیادہ مامُون ہے میں یا تم۔

(ف) مولانا ابُوالسعود نے فرمایا کہ فریقین سے ایک وہ گروہ جو محلِ امن میں ہے۔ دُوسرا
جو محلِ خوف میں ہے مراد ہیں اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۘ اگر تمہیں معلوم ہے کہ امن کا کون حقدار
تو مجھے بتاؤ۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ،، اِن دونوں گروہوں میں جنہوں نے ایمان قبول کیا۔

وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ ،، اور نہ ملایا اپنے ایمان کو بِظُلْمٍ ،، ظُلم یعنی شرک سے جیسے
رکین نے کیا کہ ایمان کے ساتھ بُت پرستی بھی کرتے اور کہتے کہ ہماری بُت پرستی ایمان کے
ات اور اس کے احکام سے ہے اس لئے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ یہی بُت انہیں اللہ تعالیٰ کا
عطا کریں گے اور قیامت میں اُن کی شفاعت کریں گے ؛ چنانچہ اُن کا مقولہ قرآن مجید میں
ے۔ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى اور خَلَطُوْا کا بھی یہی مطلب ہے۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ ،، صرف وہی امن والے ہیں۔ یعنی عذاب سے صرف
ں امن ہو گا۔

وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۘ اور وہی حق سے ھدایت پانے والے ہیں اور دُوسرا
کا بالمقابل گروہ کھلی گمراہی میں ہے۔

تَیْنٰهَآ اِبْرٰهِیْمَ ،، ہم نے ابراہیم علیہ السّلام کو عنایت فرمائی۔ یعنی ایسی حُجت قائم کرنے
ہم نے اُن کی رہبری کی یا وہی دلیل ہم نے انہیں بتائی۔ یہ حُجَّتُنَا کی صفت نہیں بلکہ حال ہے
لئے کہ حُجَّتُنَا معرفتہ بالاضافتہ ہے۔ عَلٰى قَوْمِهٖ ،، یہ حجتنا کے متعلق ہے (اس کی قوم پر)

تفسیر صُوفیانہ

: آیت میں اشارہ ہے کہ سلوک الی اللہ کی دلیل بھی آیاتِ الٰہی سے متعلق ہے۔ آیاتِ الٰہی سے اللہ تعالیٰ کے افعال مُراد ہیں اور یہی سالکین
لئے سلوک کی منازل طے کرنے کے لئے بمنزلہ سیڑھی کے ہیں اور منزل کی سلوک کا یہ پہلا مرتبہ ہے اس کے

marfat.ocm

بعد اللہ تعالیٰ کی صفات کا مشاہدہ حاصل ہوتا ہے لیکن یہ بھی اللہ تعالیٰ کے عطا کرنے پر موقوف ہے۔ یہ منازلِ سلوک کا دوسرا مرتبہ ہے۔ اس کے بعد اسے ذاتِ حق کے وجود کا تحقق نصیب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اُس وقت سالکین کے اسرار کو اپنی تجلیات سے نوازتا ہے۔ یہی وصُول الی اللہ کا پہلا قدم ہے پھر اُس کے بعد سلسلہ غیر متناہی ہے۔ اس تقریر کے مطابق تِلْکَ کا اشارہ اراءۃ الملکوت و شواہد ربوبیت کی طرف ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے سالکین کو کواکب کے آئینوں اور صدق التوجہ الی الحق اور اعراض و بیزاری بما سوا اور انانیت کے شرک سے خلاص اور ایقان و ایمان بالعیان میں دکھائے آتَیْنٰہَا ابراہیم (ابراہیم علیہ السلام کو ہم نے خود بلاواسطہ غیر آیات دکھائے) تاکہ وہ اپنی برادری میں حجت قائم کر سکیں۔

نَرْفَعُ ہم بلند کرتے ہیں **دَرَجٰتٍ** حکمت کے عظیم اور بلند درجات **مَّنْ نَّشَآءُ** ط جس کے لئے ہم چاہتے ہیں کہ اُس کے علم و حکمت کے درجات بلند ہوں جیسے ابراہیم علیہ السلام کے مراتب و درجات بلند کئے گئے بلکہ ایسے عظیم اور بلند مراتب پر فائز ہوئے جو سوائے اکابر انبیاء علیہم السلام کے اور کسی کو نصیب ہونے کا امکان تک نہیں ؎

دادِ حق را قابلیت شرط نیست ؛ بلکہ شرط قابلیت دادِ اوست

(ترجمہ) عطائے حق کے لئے قابلیت کی شرط نہیں بلکہ اس کی عطاء کی شرط ضروری ہے۔

اِنَّ رَبَّکَ حَکِیْمٌ عَلِیْمٌ ،، بے شک تمہارا رب ہر فعل میں بہت بڑا حکمت والا ہے کہ کسی کا بلند مرتبہ بڑھائے تو اُس کی حکمت ہے اگر کسی کو بلند مراتب سے گرا دے تو بھی اس کی حکمت ہے۔

(ف) جس کا بلند مرتبہ بڑھاتا ہے تو اُس کے حال اور اس کی استعداد کو وہی خوب جانتا ہے اس لئے کہ ہر ایک کے احوال اور استعداد ایک دُوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔

خلاصہ تفسیر : اِن آیات سے واضح کرنا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے الزامی طور مذکور بالا استدلالات کئے ورنہ ان کا یہ عقیدہ نہیں تھا تاکہ اُن کی برادری ان التزامات اور براہین و دلائل کے سامنے جُھک جائے اور انہیں راہِ ہُدیٰ نصیب ہو یہی جلیل القدر مفسرین کی رائے ہے اور اسی پر (اہلسنت) اکابر مشائخ و عُلماء رحمہم اللہ تعالیٰ کا اتفاق ہے اور صاحب رُوح البیان بھی اس مسلک کے مطابق آیات مذکورہ میں ہر آیت کی تفسیر کرتے چلے آئے چنانچہ اُوپر کے مضامین قارئین کرام کے سامنے ہیں۔

خُلاصہ تفسیر صُوفیانہ : صُوفیہ کرام کی رائے یہ ہے کہ مذکورہ بالا آیات کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کی برادری کا واقعہ بیان کر کے بنایا گیا ہے کہ جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل قائم کئے ہیں تم بھی اس کی توحید پر اس طرح دلائل قائم کر کے ماسوی اللہ کے تخیلات کو قلب سے ختم کر دو اور صرف اسی ذات کا تصور پیدا کرو،

marfat.ocm

یہاں تک کہ اپنی خودی بھی درمیان میں نہ لاؤ تاکہ تمہیں معرفت الٰہی نصیب ہو۔

فائدہ : مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کا یہ مناظرہ آپ کی ابتدائی عمر مبارک میں ہوا جب کہ آپ ابھی بالغ بھی نہیں ہوئے بلکہ قریب البلوغ تھے جسے شرعی اصطلاح میں مراہق کہا جاتا ہے اور ملکوت سے آیات مراد ہیں۔ صاوی نے فرمایا اقرب الی الصحۃ یہی قول ہے۔

تفسیر کاشفی : کاشفی صاحب اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ (وکذٰلک جس طرح ہم نے اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کی گمراہی واضح طور دکھائی ایسے ہی ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ملکوت السمٰوٰت والارض یعنی آسمانوں اور زمینوں کے عجائب وغرائب یعنی عرش کی چوٹی سے لے کر تحت الثریٰ تک ذرہ ذرہ اُن کے سامنے منکشف کیا تاکہ ابراہیم علیہ السلام اُن کے ذریعے اپنی قوم کے سامنے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے متعلق دلائل قائم کرسکیں۔ وَلِیَکُوْنَ مِنَ الموقنین تاکہ وہ علم استدلال میں پختہ کاروں میں سے ہوں۔

نمرود کی کہانی : صاحب معالم لکھتے ہیں کہ نمرود بن کنعان کو اس وقت رُوئے زمین کے چپہ چپہ کی بادشاہی حاصل تھی۔ شہر بابل میں اُس کا دارالخلافہ تھا۔ اُس نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ ایک ستارہ اس کے شہر سے ایسا روشن ہوکر نکلا کہ اُس کی تابانی سے سُورج اور چاند ماند پڑ گئے۔ گھبرا کر اُٹھا اور تمام رُوئے زمین کے حُکماء اور کاہنوں کو بُلا کر اس کی تعبیر پُوچھی۔ سب نے متفق ہوکر کہا کہ تیرے اس شہر بابل میں ایک نومولود پیدا ہونے والا ہے۔ جس نے تجھے اور تیری شاہی کو تہ و بالا کرنا ہے لیکن اس وقت وہ بچہ اپنے باپ کی پُشت سے ماں کے شکم میں تشریف نہیں لایا۔ نمرود نے تمام شہر والوں کو حکم دیا کہ کوئی مرد اپنی عورت سے خلوت نہ کرے اس رکاوٹ کے لئے اٹھارہ نگران مقرر کئے چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نمرود کے محرم راز اور مقربین میں سے تھے اسی لئے اُن پر کسی کی پابندی نہ تھی۔ اُنھوں نے ایک شب اپنی زوجہ اُوفی بنت نمر سے جماع کر لیا۔ جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کی پُشت سے والدہ کے شکم میں تشریف لائے تو صبح کو کاہنوں نے نمرود سے کہا کہ آج رات وہ بچہ باپ سے منتقل ہوکر والدہ کے شکم میں آچکا ہے۔ نمرود نگرانوں پر سخت ناراض ہُوا اور حکم صادر کیا کہ جتنا حاملہ عورتیں ہیں سب کی نگرانی کی جائے۔ جونہی بچے پیدا ہوں انہیں بلا تاخیر قتل کر دیا جائے نمرود کے حکم سے دائیگاں (جمع دایہ) مقرر ہوئیں کہ وہ شہر کی تمام حاملہ عورتوں کی رپورٹ دیں تاکہ اُن پر نگران مقرر کئے جائیں۔ دائیگاں نے شہر کی تمام عورتوں کا معائنہ کرکے رپورٹ دے دی لیکن ابراہیم علیہ السلام کا حمل انہیں محسوس تک نہ ہُوا۔ اسی لئے ابراہیم علیہ السلام کی والدہ دائیگاں کی پیش کردہ لِسٹ سے بچ گئیں۔ اِن دائیگاں کی رپورٹ کے بعد کسی کو ابراہیم علیہ السلام

marfat.ocm

کی والدہ کے حمل کی طرف دھیان تک نہ گیا۔ بالآخر ابراہیم علیہ السلام کی ولادت کا وقت قریب ہُوا تو آپ کی والدہ اونیٰ کو خطرہ ہُوا کہ کہیں نمرود کو معلوم نہ ہو جائے اور وہ میرے بچے کو پیدا ہوتے ہی قتل کرا دے۔ چنانچہ وہ گھر سے باہر جنگل میں ایک غار کے اندر اکیلی چلی گئیں اور وہیں پر ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے آپ کی والدہ نے انہیں اکیلا غار پر پتھر ڈال کر واپس گھر چلی گئیں کہ کہیں پردہ فاش نہ ہو جائے۔ ابراہیم علیہ السلام کے والد نے بی بی اونیٰ سے ماجرا پوچھا تو بی بی صاحبہ نے اُن سے راز مخفی رکھا اور کہا کہ بچہ پیدا ہُوا تھا لیکن نمرود کے ڈر سے میں نے اسے پتھر مار کر وہیں غار میں دفن کر دیا۔ اسے بھی بی بی کی بات پر یقین ہو گیا۔ صبح کو بی بی صاحبہ غار میں تشریف لے گئیں۔ خدا کی شان حضرت ابراہیم علیہ السلام زندہ تھے آپ کی ایک انگلی سے دُودھ دُوسری سے شہد نکل رہا ہے جنہیں آپ چُوس رہے ہیں۔ اسی طرح روزمرہ کا معمول بن گیا۔ چونکہ آپ کی تربیت ذاتِ حق نے اپنے ذمۂ کرم لی تھی۔ اس لئے ابراہیم علیہ السلام جلد تر جوان ہونے لگے۔ دُوسرے بچے جو سال بھر میں بڑے ہوتے ہیں آپ ایک ماہ میں بڑے ہو گئے

؎ چوں ماہِ نو کہ بارُوی دل افروز   بود زانیدہ نورش روز تا روز

ترجمہ: جیسے نئے چاند کی طرح اس کا چہرہ دل کو روشنی بخشتا اس کا نور روز بروز بڑھتا رہا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب پندرہ ماہ کے ہُوئے تو پندرہ سال کے نوجوان محسوس ہوتے۔ اُس وقت غار سے باہر تشریف لائے۔ بعض کہتے ہیں سات سال کے تھے۔ بعض کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام تیرہ (۱۳) یا سترہ (۱۷) سال غار میں رہے۔ بہر حال جب ابراہیم علیہ السلام نوجوان ہوئے آپ کی والدہ نے آپ کے والد سے کہا کہ بچے کی ولادت کے وقت میں نے جھوٹ بول دیا کہ کہیں تم بھی نمرود کی محبت سے بچے کو قتل کرا دو اب یہ حقیقت ہے کہ وہ نوجوان ہو چکا ہے چل کر دیکھئے نہایت حسین وجمیل اور بہت بڑا ذکی وفہیم ہے۔ جب آپ کا والد آپ کے ہاں حاضر ہُوا تو واقعی آپ کو بہمہ صفت موصوف پایا اور کہا کہ کوئی حرج نہیں بچے کو گھر واپس لائیے۔ نمرود سے میں منوالوں گا اور اُسے اُس کا ملازم بنائیں گے؛ چنانچہ آپ کو آپ کی والدہ غار سے باہر لائی تو غار سے باہر آپ نے گھوڑے بکریاں اُونٹ وغیرہ دیکھے اور اپنی والدہ سے فرمایا امی جان بتائیے انہیں بھی کسی نے پیدا کیا ہو گا اور انہیں وہ رزق بھی پہنچاتا ہو گا۔ ماں نے ہاں بیٹا کوئی ایسی مخلوق نہیں جس کا کوئی خالق ورازق نہ ہو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پھر پوچھا۔ امی جان بتائیے میرا پروردگار کون؟ ماں نے جواب دیا تیرا باپ پھر آپ نے سوال کیا تو میرے باپ کا پروردگار کون؟ امی نے کہا نمرود۔ آپ نے فرمایا نمرود کا کون؟ امی نے کہا بیٹے خاموش اس سوال میں بہت بڑا خطرہ ہے کہیں ہم مارے نہ جائیں۔

(فائدہ) نمرود کے زمانہ کے بعض لوگ ستارہ پرست تھے اور بعض چاند کے پجاری تھے اور بعض سورج کی پرستش کرتے تھے۔ ان میں تھوڑے سے بُت پرست بھی تھے لیکن اس وقت کے بہت

marfat.ocm

زیادہ نمرود کو معبود مانتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام والدہ کے ساتھ شہر بابل کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ نے پہلے سلسلۂ گفتگو ان سے شروع فرمایا جو ستارہ پرست تھے۔ جب رات ہوئی تو آپ نے ان ستارہ پرستوں کو تعریضاً فرمایا۔ یہاں پر حرفِ استفہام حذف کیا گیا ہے یا بقول شما اے ستارہ پرستو میرا بھی یہی رب ہے۔ جب وہ ستارہ گم ہوا تو فرمایا میں گم ہونے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔ پھر آپ نے چاند پرستوں سے گفتگو فرمائی۔ جبکہ چودھویں شب کے چاند نے سبزہ وار آسمان پر اپنی چاندنی کا زور دکھایا، تو چاند کے پجاری چاند کے سامنے جھک گئے۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا یہ میرا رب ہے۔ جب چاند خط نصف النہار سے جانب مغرب ہٹا تو آپ نے فرمایا اگر میرے رب تعالیٰ نے میری رہبری نہ فرمائی تو میں گمراہ لوگوں سے ہو جاؤں گا۔ اس کے بعد آپ والدہ کے ساتھ شہر کے قریب پہنچے تو سورج قریب طلوع تھا اور سورج پرست اس کی پرستش کی تیاری کر رہے تھے۔ جب آپ نے سورج کو طلوع کے وقت روشن دیکھا تو فرمایا یہی میرا رب ہے اور وہ سب سے بڑا ہے لیکن جب وہ بھی ڈھلنے لگا تو آپ نے فرمایا میں تمہارے ان معبودوں سے بیزار ہوں۔ میں نے اپنی توجہ اس ذات کی طرف کر دی ہے جس نے آسمان و زمین پیدا فرمائے۔ یعنی تمہارے تمام مختلف ادیان سے بیزار ہو کر دینِ حق کا طالب ہوں اور "مشرکین" سے نہیں ہوں۔

تفسیر منیر کی تقریر: تفسیر منیر میں مذکور ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی والدہ کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے تو اپنی والدہ و دیگر رشتہ داروں نے چاہا کہ نمرود کی ملاقات کے لئے آپ کو لے جایا جائے۔ جب آپ کو نمرود کے ہاں لے گئے تو دیکھا کہ ایک نہایت کریہ المنظر (بدشکل آدمی) ایک بہترین تخت پر بیٹھا ہے اور اس کے ارد گرد نہایت حسین و جمیل پری پیکر لڑکیاں۔ لڑکے دست بستہ کھڑے ہیں۔ آپ نے والدہ سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ والدہ نے فرمایا یہ سب کا معبود ہے۔ آپ نے پوچھا تو اس کے گرداگرد کون کھڑے ہیں۔ والدہ نے کہا یہ سب اس کے پرستار اور اس کے پیدا کردہ ہیں۔ آپ ہنس پڑے اور والدہ سے کہا کہ عجیب بات ہے کہ پیدا کرنے والا بدشکل اور اس کے پیدا کردہ لڑکے لڑکیاں حسین و جمیل، حالانکہ پیدا کرنے والے کو اپنی پیدا کردہ چیزوں سے حسین و جمیل ہونا لازمی ہے (کذا فی تفسیر الکاشفی مع اختصار)

۸۴ **وَوَهَبْنَا لَهٗ** ,, الہبتہ بمعنے تبرع اور ایسا عطیہ کہ اس سے قبل اس کا استحقاق نہ ہو یعنی کسی کو بلا استحقاق (مفت) کوئی شئے عطا کرنا اور لَهٗ کی ضمیر ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔ یعنی اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو عطا فرمایا۔ **اِسْحٰقَ** ,, ابراہیم علیہ السلام کا صلبی صاحبزادہ جو انبیائے بنی اسرائیل کے اب اول ہے۔ **وَيَعْقُوْبَ** یعنی ابن اسحاق **كُلًّا هَدَيْنَا** ,, ان ہر دونوں کو ہم نے ہدایت بخشی۔ یعنی ان ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ فضائل دینی اور کمالات علمی و عملی کی توفیق بخشی۔ **وَنُوْحًا** ,, اس کا منصوب ہونا مَا اُضْمِرَ عَلٰى شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْرِ کی وجہ سے ہے جس کی **هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ** ,, تفسیر کر رہا ہے۔

marfat.ocm

یعنی ہم نے نوح علیہ السّلام کو ابراہیم علیہ السّلام سے پہلے ہدایت بخشی۔

سَوَال : ابراہیم علیہ السّلام کی ہدایت سے قبل نُوح علیہ السّلام کی ہدایت کے اظہار کا کیا فائدہ؟

جواب : چونکہ نوح علیہ السّلام ابراہیم علیہ السلام کے اجداد سے ہیں اور اجداد کے فضائل کا اظہار اولاد پہ اثر انداز ہوتا ہے۔ بنابریں نوحؑ علیہ السّلام کا ذکر خیر فرمایا۔ **وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ** اور ہم نے نُوح علیہ السّلام کی اولاد کو ہدایت فرمائی۔

سَوَال : ابراہیم علیہ السّلام کی ذُریت کا ذکر کیوں نہیں حالانکہ مِن ذریۃ ابراہیم کہا جاتا تو بھی مطلب حل ہو جاتا۔

جواب : چونکہ آنے والے آیات میں یُونس و لُوط علیہم السّلام کا ذکر ہے اور وہ ابراہیم کی اولاد سے نہیں ہیں۔ (کذا قال البغوی) لیکن ابنِ اثیر نے جامع الاصول میں لکھا ہے کہ یُونس علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ اس لئے کہ وہ شعیب علیہ السّلام کے زمانہ میں اسباط یعقوب سے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے نینویٰ (موصل کے بلاد) کے لوگوں کی طرف رسُول بنا کر بھیجا۔ یہ بھی ہے کہ لُوط علیہ السّلام کو ذریۃ ابراہیم علیہ السّلام سے شمار کیا جائے۔ اس لئے کہ وہ ابراہیم علیہ السّلام کے بھتیجے تھے ان کے ساتھ شام کی طرف ہجرت کر کے تشریف لائے۔

فائدہ : سعدی چلپی مفتی نے فرمایا محی السنۃ بغوی ابن اثیر سے زیادہ معتبر ہیں۔

دَاوٗدَ ،، ابن ایشا و سلیمان بن داؤد علیہم السلام۔ اِن دونوں باپ بیٹے کا سلسلہ نسب یہود ابن یعقوب سے ملتا ہے۔ **وَاَیُّوْبَ** ،، بن اموص بن وارخ بن رُوم بن عیصا بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السّلام (**وَیُوْسُفَ**)،، بن یعقوب **وَهٰرُوْنَ** ،، یہ موسیٰ علیہ السّلام کے بھائی تھے۔ اُن سے سن میں بڑے تھے۔

(ف) مذکورہ انبیاء علیہم السلام کا ذکر مبارک اُن کے زمانہ زندگی کے مطابق نہیں ہُوا۔

وَكَذٰلِكَ ،، اور اسی طرح درجات بُلند کر کے **نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ** کہ ہم اُن کے احسان پر اُن کے استحقاق کے مطابق جزا دیتے ہیں۔

(ف) **اَلْمُحْسِنِيْنَ** ،، کی لام جنس کی ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ کذٰلِکَ کاف زائدہ اور المحسنین کی لام عہد کی ہو۔ اب معنٰے یہ ہے کہ یہ عجیب و غریب جزاء جو کہ مذکورہ انبیاء علیہم السّلام کو دی گئی۔ محض فضل و کرم الٰہی سے ہے۔ یعنی انبیاء علیہم السّلام کے یہ درجات و مراتب اعمال صالحہ کی وجہ سے نہیں۔ اس سے معلوم ہُوا کہ اعمال صالحہ کی وجہ سے جو جزا ملتی ہے اس میں حسن وصفی ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کی یہ جزاء ذاتی ہے جس میں اُن کے ساتھ اور کوئی دوسرا شریک نہیں ہوتا (اس سے جھوٹے نبوت کے مدعیان

جیسے مرزا قادیانی وغیرہ کا رد ہوگیا۔

۸۴ **وَ زَکَرِیَّا** ،، اور ہم نے زکریا علیہ السّلام کو بھی عطا فرمایا۔ اُن کا سلسلہ نسب سُلیمان علیہ السلام سے ملتا ہے۔ زکریا علیہ السلام کے والد کا نام اذن تھا و یحییٰ بن زکریا علیہما السلام و عیسیٰ بن مریم ابنۃ عمران یہ بنی ماثان بنی اسرائیل کے بادشاہ کی اولاد سے تھا۔

فائدہ : عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں اشارہ ہے کہ اولادِ بنات بھی ذریّۃ میں داخل ہوتی ہے۔

حسنین کریمین کی فضیلت

: اس سے واضح ہُوا کہ حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اولادِ سیّد المرسلین صلّی اللہ علیہ وسلّم کہنا جائز ہے۔ اگرچہ اُن کا حضور علیہ السّلام کے ساتھ سلسلہ نسب اُن کی والدہ کریمہ سے ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو ان حضرات کو ایذاء دیتا ہے گویا وہ حضور علیہ السلام کی ذُرّیّۃ طیبہ کو ایذاء پہنچاتا ہے۔

مسئلہ : صاحبِ رُوح البیان فرماتے ہیں کہ جب والدہ کی وجہ سے نسب صحیح اور معتبر ہے تو اُن کی سیادت بھی مُسلّم ہوگی گویا کہ ان کا یہ رشتہ اب کی طرح ہے اسی طرح ہر اس شخص کا نسب جس طرح بھی حسنین کریمین تک پہنچے گا اس کی سیادت مُسلّم ہوگی۔ اس سے شیعوں رافضیوں کی غلط فہمی کا ازالہ ہوگیا جو سیّدنا عبد القادر جیلانی حسنی حُسینی رضی اللہ عنہ کی سیادت پر طعن و تشنیع کرتے ہیں[1]۔

وَ اِلْیَاسَ ،، یہ حضرت ہارون علیہ السّلام کے بھتیجے تھے۔

فائدہ : بغوی لکھتے ہیں کہ الیاس علیہ السلام اور تھے ادریس علیہ السلام اور بعض نے غلطی کھائی کہ الیاس ادریس علیہ السّلام کا دُوسرا نام ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے الیاس علیہ السّلام کو نوح علیہ السّلام کی ذُرّیّۃ سے گنا ہے اور ادریس علیہ السّلام تو نوح علیہ السّلام کے اجداد سے تھے۔

کُلٌّ ہر ایک اُن میں سے **مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ** ٥ کامل فی الصلاح تھے۔

(ف) صَلاح بمعنے موزوں امور کا عمل پیرا ہونا اور نا مناسب امُور سے احتراز کرنا۔

۸۵ **وَ اِسْمٰعِیْلَ** ،، اس کا عطف (نُوحًا) پر ہے یعنی جیسے ہم نے نوح علیہ السّلام کو ہدایت بخشی ایسے ہی اسماعیل کو ہم نے ہدایت فرمائی۔

نُکتہ : حضرت نُوح کی ذرّیّۃ میں اسماعیل علیہ السّلام داخل تو تھے لیکن انہیں علیحدہ ذکر کرنے میں نکتہ یہی ہے کہ اُن کی اولاد سے حضور سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم ہیں۔ اگر نُوح علیہ السلام کی ذُرّیّۃ کے ذکر میں ان کا ذکر بھی شامل رہتا تو حضور علیہ السّلام طفیلی متصوّر ہوتے، حالانکہ

---

[1] اس مسئلہ کی تحقیق فقیر کے رسالہ اماطۃ الاذیٰ عن غوث الوریٰ میں ملاحظہ ہو۔ اویسی غفرلہ

marfat.ocm

تمام کائنات جن میں نوح علیہ السلام و دیگر انبیاء علیہم السلام بھی شامل ہیں سب کے سب حضور علیہ السلام کے طفیلی ہیں۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کی ہدایت کا ذکر ابراہیم علیہ السلام کی ہدایت کے ضمن میں بیان کرنا گوارا نہ فرمایا تاکہ سب پر ظاہر ہو جائے کہ اس کے پیارے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شرافت کسی کی شرافت کے طفیل نہیں۔ بلکہ سب کی شرافت و بزرگی اُن کے صدقے اور طفیل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسماعیل علیہ السلام کا ذکر تمام حضرات کے ذکر کے بعد ذکر کیا ہے تاکہ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی واضح ہو ؎

(۱) آنچہ اول شد پدید از جیب غیب　　بُود نُورِ جہاں او بے ہیچ ریب
(۲) بعد ازاں آں نور مطلق زد علم　　گشت عرش و کرسی و لوح و قلم
(۳) یک علم از نُورِ پاکش علم اُوست　　یک علم ذریّۃ آدم ازوست

(ترجمہ) (۱) وہ ذات کہ جس نے اوّل میں جیب غیب سے دیکھا وہ نور جہان تھے اس میں کسی قسم کا شک نہیں۔

(۲) بعد ازاں نور مطلق نے جھنڈا کو بُلند کیا تو اس سے عرش و کرسی لوح و قلم پیدا ہوئے

(۳) اس کے نُور سے ایک جھنڈا ایسا ہے کہ ذریّۃ آدم اس سے ہے۔

وَالْیَسَعَ بن اخطوب بن العجوز لام زائدہ ہے اس لئے کہ یہ عجمی ہے۔ وَیُوْنُسَ بن متی وَلُوْطًا بن ہاران ابن اخی ابراہیم وَكُلًّا ،، اور اُن ہر ایک کو فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ۝ نبوت سے ہم نے انہیں اپنے معاصرین پر فضیلت بخشی۔ یہاں پر یہ مُراد نہیں کہ وہ آپس میں ایک دُوسرے پر افضل ہیں۔ اگرچہ اُن کی ایک دُوسرے پر فضیلت حق ہے لیکن یہاں مُراد نہیں۝ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ ،، یہ مِن تبعیضیہ ہے یعنی مذکورین میں سے بعض کے آباء کو فضیلت بخشی گئی جیسے آدم و شیث و ادریس علیہم السلام یہ حضرات دوسرے پیغمبروں کے آباء ہیں۔ بعض پیغمبروں کے آباء ایسے بھی تھے کہ وہ نہ نبی تھے اور نہ ہی انہیں فضیلت علمی عملی حاصل تھی وَذُرِّيّٰتِهِمْ ،، اور اُن کی بعض اولاد۔ جیسے یعقوب علیہ السلام کی اولاد اور حضور سیّد عالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ اُن کی ذُریات میں ہیں لیکن تمام کائنات سے افضل و اعلیٰ ہیں (تفسیر الحدادی) ذریات میں مِن تبعیضیہ اس لئے مانا گیا ہے کہ بعض حضرات ایسے بھی تھے جن کی اولاد کافر تھی۔ وَاِخْوَانِهِمْ ،، اور اُن کے بھائیوں کو ہم نے ہدایت جیسے یُوسف علیہ السلام کے بھائی اپنے زمانے میں ممکن یہ ہے کہ یہاں وہ لوگ مُراد ہوں جو اُن کے ساتھ ایمان لائے وہ بھی ہدایت اسلام میں داخل ہوئے۔ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ ،، اس کا فَضَّلْنَا پر عطف ہے یعنی اور ہم نے انہیں چنا وَهَدَيْنٰهُمْ اور ہم نے ان کی رہبری کی۔ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۝ سیدھے راستکی

marfat.ocm

جو بھی اُس پر چلے گا وہ گمراہ نہ ہوگا ۸۷ ۵ ذٰلِكَ ،، یہ اشارہ ۔ الہدیٰ ،، کی طرف ہے هُدَى اللّٰهِ ،، اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے ۔ یہ اضافت تشریفی ہے يَهْدِي بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ اپنے بندوں سے جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور عبادہ سے وہ حضرات مُراد ہیں جو ہدایت کی استعداد رکھتے ہیں ۔

وَلَوْ اَشْرَكُوْا معاذ اگر وہ انبیاء علیہم السلام باوجود علوِ مرتبت کے (بالفرضِ محال) شرک کریں لَحَبِطَ عَنْهُمْ ،، البتہ باطل ہوجائے گا ۔ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۵ وہ عمل جو کرتے ہیں یعنی اُن کے اعمال ضائع اور برباد جائیں گے ۔

سبق : جب حضرات انبیاء علیہم السلام کے لئے اتنی تنبیہ ہے تو ما و شما کس شمار میں اُن کے اعمال کیا اور ہمارے کردار کیا ۔ اس آیت میں سخت ترین زجر و توبیخ ہے ۔ اس میں عوام و خواص کی تخصیص نہیں تاکہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بھی بے خوف نہ ہو ۸۸ ۵ اُولٰٓئِكَ ،، انبیاء جو مذکور ہیں جن کی تعداد اٹھارہ ہے ۔ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ ،، وہ حضرات ہیں جنہیں ہم نے کتاب عنایت فرمائی ۔

ف : یہاں کتاب پر الف لام جنس کا ہے یعنی ہر وہ کتاب جو اپنے دور کے نبی کو ملی اور ایتاں سے کتاب کی افہام و تفہیم مُراد ہے ۔ یعنی اُن کتابوں میں جتنے حقائق و اسرار تھے ۔ ہم نے انہیں سمجھائے کہ اُن کا ہر چھوٹا بڑا مسئلہ ان حضرات کے احاطۂ علم میں آگیا ۔ خواہ ابتداءً اُن پر وہ کتاب نازل ہوئی یا بطریق وراثت کسی نبی علیہ السلام سے ۔ اس لئے کہ مذکورہ بالا انبیاء علیہم السلام ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ کتابیں نازل نہیں ہوئیں ۔ وَالْحُكْمَ ،، اور حکمت یا فصل الخطاب جو حق و صواب کو مقتضی ہو ۔ وَالنُّبُوَّةَ ،، اور رسالت فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا ،، پس اگر اِن تینوں کو نہیں مانیں گے هٰٓؤُلَآءِ یعنی اہلِ مکہ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا ،، تو ہم اُن کی پاسداری سپرد کریں گے اور اُن پر قبول کرنے اور اُن کی ادائیگی کے لئے توفیق دیں گے ۔ قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ۵ ایسی قوم کو جو اُن کا انکار نہیں کرے گی ۔ یعنی اُن کے بجائے جو بھی دوسرے لوگ پیدا ہوں وہ کسی وقت بھی ان مذکورہ بالا امور کا انکار نہیں کریں گے ۔ ان سے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مُراد ہیں اور بِهَا کی صلہ اور بکافرین کی باء نفی کی تاکید کے لئے ہے ۔

۸۹ ۵ اُولٰٓئِكَ ،، یہی حضرات انبیاء علیہم السلام کہ جن کا ابھی ذکر ہُوا الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حق اور راہ مستقیم کی ہدایت بخشی فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ پس آپ صرف اُن کی ہدایت کی اقتداء کیجئے اور کسی دوسرے کی اقتداء نہ کریں ۔

مسئلہ : حضور علیہ السلام کو انبیاء علیہم السلام کی اقتداء کا حکم صرف اعتقادیات یعنی ایمان باللہ

marfat.ocm

اور توحید و اصولِ دین میں ہے۔ شرعی احکام و مسائل کی اقتداء مراد نہیں۔ اس لئے کہ وہ قابلِ نسخ ہیں اور جو حکم منسوخ ہو جائے وہ قابلِ اقتداء نہیں ہوتا اور نہ ہی اُسے ہدایت کہا جا سکتا ہے۔

عقیدہ : تمام علماء کرام نے بالاتفاق اِس آیت سے استدلال کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں۔ اس لئے کہ خصال کمالیہ اور صفاتِ برگزیدہ ان حضرات میں متفرق پائے جاتے ہیں۔ مثلاً سلیمان و داؤد علیہما السلام شکر سے موصوف تھے ایوب علیہ السلام صبر میں مشہور ہیں۔ یوسف علیہ السلام میں ہر دونوں صبر و شکر پائے جاتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام بہت بڑے معجزات کے جامع سمجھے جاتے تھے اور زکریا و یحییٰ و عیسیٰ و الیاس علیہم السلام زہد میں شہرت رکھتے ہیں اور اسماعیل علیہ السلام صاحبِ صدق تھے۔ غرضیکہ جس صاحب میں کسی صفت کا غلبہ ہوتا اس سے وہ مشہور ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان حضرات کی اقتداء کا حکم فرمایا تو لازماً جمیع اوصاف سے موصوف ہو کر تمام حضرات انبیاء علیہم السلام سے افضل ٹھہرے۔

(۱) ہر چہ بخوباں جہاں دادہ اند قسم تو نیکو تر ازاں دادہ اند
(۲) ہر چہ بنازند بداں دلبراں جملہ ترا ہست زیادت براں

ترجمہ (۱) جو کچھ خوبان جہان کو ملا ہے ہزار بار اس سے زائد آپ کو عطا ہوا۔

(۲) جس سے دلبران جہان نازاں ہیں یہ سب آپ میں ہیں بلکہ ہزاراں بار آپ اُن سے زائد ہیں۔

تفسیر صوفیانہ : تاویلات نجمیہ میں ہے اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَاهُمُ اللّٰهُ یعنی یہ وہی حضرات ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کے ذریعے اپنی ذات کی طرف رہبری فرمائی۔ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ پس آپ بھی اُن کے طریقے کو اپنائیے اس لئے کہ وہ ایسے راہ پر گامزن ہوئے کہ اُن سے پہلے اس راہ پر کوئی نہ چلا تھا۔ یہاں تک کہ ہر ایک اپنی مقدار کے مطابق منزل مقصود کو پہنچا، چنانچہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے آدم علیہ السلام کو آسمانِ دُنیا پر اور یحییٰ و عیسیٰ علیہما السلام کو دُوسرے آسمان پر اور یُوسف علیہ السّلام کو تیسرے پر اور ادریس علیہ السلام کو چوتھے پر اور ہارون علیہ السّلام کو پانچویں پر اور مُوسیٰ علیہ السّلام کو چھٹے پر اور ابراہیم علیہ السّلام کو ساتویں پر دیکھا۔ آپ بھی اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان کے راستے پر چل کر ان کی منزلیں طے کرتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ پہ تشریف لائیے۔

فائدہ : سِدرۃ المنتہیٰ ملائکہ کی آخری منزل ہے اس کے بعد آپ تمام نچلے مقامات کو طے کرتے ہوئے ارفع مقام پر پہنچے۔ یہاں تک کہ اپنی ذات سے بھی علیحدگی اختیار کر کے ذاتِ حق کے ذریعے عین ذات کی طرف بڑھتے ہوئے مقام قابَ قوسین او اَدْنیٰ تک پہنچے یہ وہ مقام ہے

بقیہ صفحہ ۵۸۶

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ
اور یہود نے اللہ کی قدر نہ جانی جیسی چاہیے تھی جب بولے اللہ نے کسی آدمی پر کچھ نہیں اتارا تم فرماؤ کس نے اتاری
الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ
وہ کتاب جو موسیٰ لائے تھے روشنی اور لوگوں کے لیے ہدایت جس کے تم نے الگ الگ کاغذ بنا لیے ظاہر
تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِیْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنْتُمْ وَلَاۤ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ
کرتے ہو اور بہت سا چھپا لیتے ہو اور تمہیں وہ سکھایا جاتا ہے جو نہ تم کو معلوم تھا نہ تمہارے باپ دادا کو اللہ کہو پھر
ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ
انہیں چھوڑ دو ان کی بیہودگی میں انہیں کھیلتا اور یہ ہے برکت والی کتاب کہ ہم نے اتاری تصدیق فرماتی ان کتابوں کی
بَیْنَ یَدَیْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ
جو آگے تھیں اور اس لیے کہ تم ڈر سناؤ سب بستیوں کے سردار کو اور جو کوئی سارے جہان میں اس کے گرد ہیں اور وہ جو آخرت
یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى
پر ایمان لاتے ہیں اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں اور اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر
اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ
جھوٹ باندھے یا کہے مجھے وحی ہوئی اور اسے کچھ وحی نہ ہوئی اور جو کہے ابھی میں اتارتا ہوں ایسا جیسا اللہ
اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓىٕكَةُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ ۚ
نے اتارا اور کبھی تم دیکھو جس وقت ظالم موت کی سختیوں میں ہیں اور فرشتے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہیں کہ
اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ
نکالو اپنی جانیں آج تمہیں خواری کا عذاب دیا جائے گا بدلہ اس کا کہ اللہ پر جھوٹ لگاتے تھے
غَیْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ
اور اس کی آیتوں سے تکبر کرتے اور بے شک تم ہمارے پاس اکیلے آئے جیسا
اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ
ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور پیٹھ پیچھے چھوڑ آئے جو مال و متاع ہم نے تمہیں دیا تھا اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارشیوں
الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِیْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ؕ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَیْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ
کو نہیں دیکھتے جن کا تم اپنے میں ساجھا بتاتے تھے بے شک تمہارے آپس کی ڈور کٹ گئی اور تم سے گئے جو دعوے کرتے تھے
تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۴﴾

marfat.ocm

بقیہ تفسیر از صفحہ: ۵۸۴

جیسے آپ سے پہلے نہ کسی نبی مرسل نے طے کیا نہ ملک مقرب نے۔

تفسیرِ عالمانہ : قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ " میں تم سے قرآن پڑھ کر سوال نہیں کرتا۔ اَجْرًا " مزدوری اور اس انعام کا جو مجھ سے قرآن سن کر دو جیسے مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے پیغامات پہنچانے پر کسی انعام کے طلبگار نہ ہوئے۔

تفسیرِ عالمانہ ۹: وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ " قدر بمعنے الحزر یعنی تخمینہ اندازہ۔ مثلاً کہا جاتا ہے۔ قَدَرَ الشَّیْءَ یَقْدُرُ بالضم (باب نَصَرَ یَنْصُرُ) قَدْرًا یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی شیٔ کا اندازہ اور تخمینہ کیا جائے تاکہ اُس کی معلوم ہو سکے۔ پھر کسی شیٔ کی معرفت فی المقدار والاحوال والصفات میں مستعمل ہُوا۔ اسی وجہ سے جو شخص کسی شیٔ کو اُس کی شان کے لائق معرفت رکھتا ہو تو کہتے ہیں ھُوَ یَقْدِرُ قَدْرَہٗ "

(ف) : حق قَدْرَهٗ " مفعول مُطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ یہ دراصل مصدر محذوف کی صفت ہے کہ درحقیقت عبارت یوں تھی " قدر الحق "

(ف) : قدرہ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔ اور قدروا کی ضمیر جمع یہود کی طرف۔

شانِ نزول : مروی ہے کہ مالک بن الصیف (یہودیوں کا ایک بہت بڑا عالم اور لیڈر) چند یہودیوں کو لے کر مکہ معظمہ میں پہنچا تاکہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے چند سوالات کرے اور اِن سوالات سے صرف عناد مقصود تھا۔ اور وہ تھا بھی بہت موٹا۔ جب وہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مکہ معظمہ میں حاضر ہُوا تو حضور نبی اکرم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سوال کیا کہ میں تجھے اُس ذاتِ اقدس کی قسم دیتا ہوں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی بتاؤ اس میں لکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ موٹے عالم (ہوا پرست) سے بغض

ربط : اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو انبیاء علیہم السلام کی اقتداء کا حکم فرمایا تو اب اس کی نظیر بتائی کہ اُن کے اقتداء کی مثال یہ ہے کہ جیسے اُنھوں نے بلا طمع تبلیغ حق فرمائی۔ آپ بھی محض رضائے حق کو مدِ نظر رکھ کر اپنی قوم کو تبلیغ فرمایئے۔

اِنْ هُوَ " نہیں وہ قرآن۔ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ٥ مگر نصیحت اور وعظ اللہ تعالیٰ کی جانب سے عالمین کے لئے۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہُوا کہ قرآن مجید مخصوص قوم کے لئے وعظ و نصیحت بن کر نہیں اُترا بلکہ ہر ایک کے لئے برابر طور نازل ہُوا ہے پھر نصیب اپنا اپنا۔

: اولیاء کرام کی زندگی اس نہج پر بسر ہوتی ہے کہ تعلیم و تبلیغ پر کسی سے دنیوی طمع نہیں

marfat.ocm

رکھتے اس لئے کہ تبلیغ و تعلیم پر اجر و مزدوری دنیوی اسباب سے ہے اور اہلِ آخرت اسباب سے مستغنی ہوتے ہیں وہ اہل اللہ اغراض و مقاصد سے ہٹ کر دینی خدمات انجام دیتے ہیں۔

ہے۔ اس نے کہا۔ ہاں لکھا ہے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو عالم بھی ہے اور موٹا بھی دیوں کی روٹیوں نے تجھے موٹا بنا دیا ہے۔ کھانے سے کبھی تو ہاتھ نہیں کھینچتا اس سے تمام لوگ ہنس ے۔ اس سے مالک بن الصیف سخت رسوا ہوا اور غضبناک ہو کر کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی پر کوئی کتاب نازل نہیں فرمائی۔ جب یہ کہہ کر اپنی قوم کو مالک بن الصیف واپس لوٹا تو یہودیوں نے کیا غضب کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے کسی پر کچھ نازل نہیں فرمایا کیا موسیٰ علیہ السلام پر بھی کچھ نازل نہیں ہوا۔ اس نے چونکہ حضرت محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے غصہ دلایا اسی غیظ کی وجہ سے کہہ دیا۔ انھوں نے کہا تو اس کا معنیٰ یہ ہوا جس وقت تجھے غصہ آئے تو اللہ تعالیٰ پر بہتان و افتراء تراشتا اور اپنے دین کو چھوڑ دیتا ہے۔ ب نے متفق ہو کر اس سے لیڈری چھین لی۔ کعب بن اشرف کو اپنا مقتدر اور لیڈر منتخب کر لیا۔ اس پر آیت نازل ہوئی۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کی معرفت کا حق ادا نہ کیا اور اس قدر نہ کی کہ وہ کریم اپنے بندوں پر کتنا لطف و کرم فرماتا ہے بلکہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے تمام حقوق کی قدری کی اور اس کی نوازشات کے برعکس معاملہ کیا۔

(ف) معرفت کے بجائے قدر کا اطلاق اس لئے ہے کہ قدر معرفت کا سبب ہے اور اس کے یعے سے معرفت ہوتی ہے۔ گویا مسبب کے بجائے سبب مستعمل ہے۔

اِذْ قَالُوْا ،، جب رسل علیہم السلام کی بعثت مبارکہ کے منکرین اور اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتوں سے کرنے والوں نے کہا **مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ** ،، اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر بھی کوئی ے نازل نہیں فرمائی۔ نہ وحی نہ کتاب بطور مبالغہ ہر کتاب و وحی کی نفی ہے ورنہ مقصود کو صرف قرآن مجید انکار اس لئے کہ اس مقولہ کے قائل یہودی تھے، چنانچہ ابھی شانِ نزول میں ہم نے لکھا **قُلْ** اے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں تبکیتاً اور بطور اتمام حجت کے فرمائیے۔ **مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى** ،، کتاب توراۃ کس نے اتاری جسے موسیٰ علیہ السلام لائے تھے درانحالیکہ **نُوْرًا** ،، وہ نور تھی یعنی ظاہر بنفسہٖ اور مظہر لغیرہٖ ،، فارسی میں نور کا معنیٰ ہوگا روشنائی فرسندہ (روشنی دینے والی)، **وَهُدًى لِّلنَّاسِ** ،، اور ہدایت دینے والی لوگوں کی۔ **تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ** ،، درانحالیکہ تم اسے ٹکڑے ٹکڑے کرتے اور اس کے اوراق بدلتے تھے۔

(ف) یہاں پر حرف جر محذوف ہے۔ جبکہ کاغذ دل سے تشبیہ دی گئی ہے۔

(ف) قراطیس قرطاس کی جمع ہے بمعنے صحیفہ۔ **تُبْدُوْنَهَا** ،، یہ قراطیس کی صفت ہے یعنی درانحالیکہ

marfat.ocm

تم کتابِ تورات سے صرف وہ ظاہر کرتے ہو جس سے تمہیں محبت ہے۔ وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا، اور ا
میں سے بہت سی باتوں کو چھپاتے ہو۔ مثلاً حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت پاک اور مناقب و کمالا
اور تصرفات و معجزات وغیرہ[لہ]۔ اسی طرح آیت رجم اُن کے علاوہ اور بہت سے احکام اُنھوں نے چھپا
رکھے تھے جو پوچھنے پر بھی نہیں بتاتے تھے۔ وَعُلِّمْتُمْ اور تمہیں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زبا
اقدس کے ذریعے بہت سے معلومات بہم پہنچائے گئے ہیں۔ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُم
جنہیں تم اور تمہارے آباؤ اجداد نہ جانتے تھے۔ اس سے وہ علوم شرعی احکام مُراد ہیں جو اُنہوں نے حض
نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کئے۔ وَعُلِّمْتُمْ تُخْفُوْنَہ کے فاعل سے حال ہے اور اس سے
قد محذوف ہے اس لئے کہ صیغۂ ماضی حال بننے کے قابل اس وقت ہوتی ہے جب اس میں قد ظاہر ہو یا
ہو اس سے توبیخ میں تاکید مطلوب ہے یعنی جو کچھ اُنہوں نے تورات کے احکام اور اس کے مضامین میں
ہیرا پھیری اور الٹ پلٹ کی۔ بہت بُرا کیا ہے لیکن ان کی بدبختی مزید بیاں کہ وہ تورات جو اُن کے علو
معارف کا ماخذ بھی اُسی سے استفادہ کی بجائے اس میں توڑ مروڑ کر کے کچھ کا کچھ کر دیا۔ قُلِ اللّٰہُ، فرما
اے محبوب (کریم) صلی اللہ علیہ وسلم کہ اسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے۔

(ف) اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ یہودیوں کو یوں جواب عنا
فرمائیے اس میں اشارہ ہے کہ یہی جواب منجانب اللہ متعین ہے۔ اس کے سوا اور کوئی جواب نہیں تاکہ تن
ہو کہ وہ ایسے مبہوت ہیں کہ اب اُن سے کسی طرح کا جواب نہیں بن آتا۔

ثُمَّ ذَرْهُمْ، پھر انہیں چھوڑ دیجئے فِیْ خَوْضِهِمْ، وہ اپنے باطل امور میں خ
کرتے رہیں۔ آپ کے ذمہ تبلیغ تھی۔ اس کا آپ نے حق ادا کر دیا۔ اور اُن پر حجت قائم کر دی۔ اب اُن کو
پر رہنے دیجئے۔ يَلْعَبُوْنَ، یہ ذرھم کی ضمیر ھُم سے حال ہے اور فی خوضہم ذرھم کے یلعبون سے متع

(ف) جس عمل سے کسی قسم کا فائدہ نہ ہو اس کے لئے اہلِ عرب کہتے ہیں۔ اِنَّمَا اَنْتَ لاعِب
یعنی تم تو بالکل بیکار انسان ہو۔ وَهٰذَا، اور یہ قرآن كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ، وہ کتاب ہے ج
ہم نے ہی نازل کیا ہے۔

نکتہ: کتاب کو اَنْزَلْنَاہُ سے موصوف کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ وہ کتاب ہے
جو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص اہتمام سے جبریل علیہ السلام کے ذریعے اپنے مح
(کریم) صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی اور اس کی ہیئت کذائیہ اور ترکیب الفاظ کی فصاحت و بلاغت
نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قسم کا دخل نہیں۔

[لہ] جیسے اب دیوبندیوں، وہابیوں، مودودیوں، [illegible] تبلیغی جماعت اور احراریوں کی عادت

وکٌ " بڑی برکت والی یعنی کثیر الفوائد و وفیر المنافع کتاب ہے۔

(ف) واقعی جو کچھ فرمایا حق اور مبنی برحقیقت ہے کہ یہ کتاب علوم نظریہ و عملیہ کو حاوی ہے
ب کو معلوم ہے کہ علوم نظریہ میں سب سے برگزیدہ علم معرفت ذات و صفات و افعال و احکام الٰہیہ
دہ وہ بالاستیعاب قرآن مجید میں پائے جاتے ہیں۔ دُوسری کتابوں میں اگر ان کا بیان ہے تو مکمل طور
استیعاب نہیں۔ یہی کیفیت علوم عملیہ کی ہے۔ اس لئے کہ علوم عملیہ یا اعضاء سے متعلق ہیں یا قلب
ان ہر دونوں کے متعلق علوم کا دُوسرا نام علم الاخلاق یا تزکیہ نفس ہے اور اس کا بیان بھی قرآن پاک
فصیل کے ساتھ اور مثالیں دے کر جس طرح بیان کیا گیا ہے۔ دوسری کتابوں میں اس طرح نہیں۔

تفسیر صوفیانہ

: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ قرآن پاک مبارک بایں معنی ہے کہ وہ عوام کو اپنے مولیٰ سے ملنے کی دعوت دیتا ہے اور خواص کو رب تعالیٰ کے
وصال کی رہبری کرتا ہے اور خواص الخواص کو رب تعالیٰ سے ملاتا ہے اور اُن میں اخلاق خلاق پیدا کرتا
س لئے کہ فائدہ ہے کہ محبوب کا مکتوب عاشق کے زخمی قلوب کو شفا دیتا ہے۔

کسی عربی شاعر نے فرمایا ؎

وکتبك حولی لا تفارق مضجعی　　وَفِيْهَا شفاء لِلَّذِی أنا کاتمہ

جمہ: تیرے خطوط میرے اردگرد پڑے ہیں اس لئے کہ وہ میری اس بیماری کا علاج ہیں کہ جسے میں کسی کو بتانا نہیں چاہتا۔

) ایں چہ منشور کریمست کہ ہر شکنش　　بوئے جاں پرور احسان و عطا می آید
) ایں چہ انفاس رواں بخش عبیرافشانست　　کہ ازو رائحہ مشک خطا مے آید

: (۱) کریم کا عجیب منشور ہے کہ اس کے ہر شکن سے احسان کی جان پرور خوشبو آتی ہے۔
یہ عجیب انفاس روح بخش عنبر پھیلانے والے ہیں کہ ان سے مُشک خطا (ملک) کی خوشبو آتی ہے۔

تفسیر عالمانہ

: مُصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ " اس سے پہلے جو کتابیں گذری ہیں اُن کی قرآنِ پاک تصدیق کرتا ہے۔ تورات کی بھی اس لئے
ان میں اس کے متعلق علامات و نشانات لکھے تھے۔ وہ سب اس میں پائے جاتے ہیں۔

وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی " اس کا مبارک کے مدلول پر عطف ہے۔ یعنی قرآن مجید میں برکات
وہ وہ باتیں بھی ہیں کہ آپ اپنی قوم یعنی اہل مکہ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائیں۔ یہاں مضاف
فظ اہل محذوف ہے کہ دراصل لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی" تھا۔ اس سے مکہ معظمہ مُراد ہے۔ اور اسے
قریٰ اس لئے کہا جاتا ہے کہ زمین کے بچھانے کا آغاز اسی سے ہُوا۔ اس معنی پر یہ تمام زمین کا اصل ہُوا
ماں تمام نسل کی اصل تھی۔ اسی مناسبت سے اسے ام القریٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

marfat.ocm

(ف) کاشفی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ القریٰ قریہ کی جمع ہے۔ اور قریہ کا ماخذ قرا بمعنی جمع کرنا ہے، چونکہ لوگ وہاں پر جمع ہوتے ہیں۔ اس معنے پر اسے قریہ سے موسوم کیا گیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ قریہ کا اطلاق لغۃً صرف دیہات سے مخصوص نہیں بلکہ ہر چھوٹی بڑی آبادی کا نام قریہ ہو۔ خواہ وہ دیہات ہو یا شہر[1] وَمَنْ حَوْلَهَا .. اور وہ جو اس کے گرد واگرد ہیں۔ یعنی تمام شرقی غربی لوگوں کو اے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائیں۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ ام القریٰ سے قلب کا وہ ذرہ مراد ہے جس سے روزِ میثاق میں حق تعالیٰ مخاطب ہوا۔ یہ ذرہ انسان کے قلب میں بطور امانت رکھا گیا ہے۔ اس سے تمام جسم کی زمین کو بچھایا گیا۔ اُوپر نیچے دائیں بائیں کے تمام اعضاء اِسی کے اِرد گرد تخلیق فرمائے گئے۔ یعنی سمع۔ بصر۔ فواد۔ اخلاق صفات سب کے سب اسی ذرۂ قلب کے نُور سے منوّر اور اسی کے رازِ مخفی سے اسرار حاصل کرتے ہیں بلکہ یوں کہو کہ انسانی مشین کے ایک ایک پرزے کی بجلی کا پاور ہاؤس وہی ہے۔ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ" اور وہ لوگ جو آخرت پر اور اس کے اندر جو عذاب وثواب ہے ایمان رکھتے ہیں يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ" اور وہ اِس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں اس لئے کہ انہیں اپنے انجام کی بربادی کا خوف رہتا ہے۔ اس لئے کہ وہ کتاب الٰہی میں پورے طور غور وخوض کرتے ہوئے اِس کی تمام باتیں مانتے ہیں۔ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ٥ اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں یعنی جو لوگ کتابِ الٰہی کو مانتے ہیں وہ پانچوں وقت کی نماز پر مداومت رکھتے ہیں۔ اسی لئے یہی تمام عبادات وطاعات میں خصوصی طور ذکر کیا گیا۔

مسائل فقہ وتصوّف: آیات سے چند مسائل واحکام ثابت ہوئے جیسے مخلوق خالق کی نہ پوری معرفت حاصل کر سکتی ہے نہ ہی اس کی کنہ کو پہنچ سکتی ہے۔ یعنی تعینات الاسماء والصفات سے متجرد ہونے کی حیثیت اور اس کی ذات کی کنہ سے ادراک عاجز ہے ؎

بخیال در نگنجد تو خیال خود مرنجاں

ترجمہ: وہ خیال میں نہیں آسکتا اسی لئے خیال کو پریشان نہ کر۔

نکتہ: جس نے اللہ تعالیٰ کو کسی آلہ مخلوقیہ سے پہچاننے کا دعویٰ کیا تو سمجھ لو کہ وہ غیر عارف ہے ہاں جو آلہ قدیمہ سے پہچاننے کا دم بھرے تو وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہے جیسے بعض عارفین سے منقول ہے کہ عَرَفْتُ رَبِّيْ بِرَبِّيْ لیکن اتنا قدر کہ جتنا اسے اللہ تعالیٰ

---

[1] البتہ عرف میں شہر کو قریہ نہیں کہا جاتا، چونکہ لغت پر عرف کا غلبہ ہوتا ہے اس لئے اب صرف دیہات کو قریہ کہا جائیگا۔

marfat.ocm

ے نورِ قدیم کے فیض کو قبول کرنے کی استعداد ہے۔ اسی ذریعہ سے اس ذات کا ادراک کیا جا سکتا ہے اس لئے کہ ذات و صفات کا ادراک اس طرح سے کیا جا سکتا ہے؛ کیونکہ اپنی معرفت کا حق رف وہی جانتا ہے نہ غیر سے

کنہ خردم در خور اثبات تو نیست
دانندۂ ذات تو بجز ذات تو نیست

ترجمہ: میں اپنی عقل کی کمی کی وجہ سے تیرے اثبات کے لائق نہیں ہوں تیری ذات کو سوائے تیرے کوئی نہیں جانتا

؏ ما للتراب و رب الارباب ۔ کہاں ہم خاک کے پتلے اور کہاں وہ واجب الوجود۔

مسئلہ: موٹاپن کی مذمت ہے جیسا کہ آیت مذکورہ کے شان نزول میں معلوم ہوا۔

فائدہ: یاد رہے کہ یہاں پر موٹاپن سے مراد یہ ہے کہ انسان کھانے پینے میں تکلفات رکے موٹا ہو جائے نہ وہ موٹاپن جو تخلیقاً ہو۔

حدیث شریف: قیامت میں بہت موٹے جسم والا مرد حاضر ہوگا، لیکن اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس کی مکھی کے پَر برابر بھی وقعت نہ ہوگی۔ قرآن مجید ے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ قَالَ تعالیٰ ۔ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا (قیامت میں مارے نزدیک ان کا کوئی وزن یعنی قدر و منزلت نہ ہوگی)

(ف) علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ انہیں کوئی ثواب نہیں ملے گا لئے کہ ان کے اعمال کے بمقابلہ عذاب کچھ نہیں ہوں گے اور قیامت میں کوئی عمل خیر نہ ہو تو وہ جہنم میں جائیگا

مسئلہ: علامہ قرطبی نے فرمایا کہ اس سے باسمجھ لوگ خود سمجھ سکتے ہیں کہ موٹاپن وہی مذموم ہے جو صرف کھانے پینے اور آرام و آسائش میں لگا رہے اور جسم کے رکھ رکھاؤ میں کوشاں ہو اور اچھے مال میں ذرہ بھر بھی خیال نہ کرے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو زائد از ضرورت کھاتا پیتا ہے وہی ٹاپن اور آسائش کے گورکھ دھندے میں پھنستا ہے۔

مسئلہ: زندگی بحال رکھنے کے لئے بقدر ضرورت کھانا فرض ہے۔ ایسا کھانا ثواب ہے یعنی ل نیت سے کھائے کہ نماز کھڑے ہو کر ادا کر سکوں گا۔ یا رات کو اتنا کھائے کہ دن کے روزے کو نبھا سکے ایسے طعام وغیرہ کھانے پینے پر ثواب پائے گا۔

مسئلہ: اپنی قوت و طاقت کے اضافہ کی نیت سے پیٹ بھر طعام وغیرہ کھانا پینا مباح ہے۔

مسئلہ: پیٹ بھر جائے تب بھی حرص کر کے اور کھائے تو حرام ہے بشرطیکہ اس میں کسی کی نیکی نہ ہو۔ مثلاً پیٹ بھر جانے کے بعد اس نیت سے زائد کھائے کہ کل کا روزہ رکھنا ہے۔ اس لئے قوت اضافہ ہوگا اور ضعف و کمزوری نہ ہوگی تو یہ جائز ہے۔

marfat.ocm

شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

(۱) باندازہ خود خور اگر مردمی — چنیں پُر شکم آدمی یا خمی
(۲) ندارند تن پروراں آگہی — کہ پُر معدہ باشد زحکمت تہی

ترجمہ (۱) اپنے اندازہ پر کھا اگر تو جوانمرد ہے اتنا زیادہ کھاتا ہے کیا تو آدمی ہے یا مٹکا ہے۔
(۲) تن پرور لوگ کوئی خبر نہیں رکھتے۔ اس لئے کہ معدہ طعام سے پُر ہو تو حکمت سے خالی ہے۔

حدیث شریف : مقاصد حسنہ میں امام سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک حدیث درج فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ موٹے تن پرور عالم سے کراہت کرتا ہے اور تورات میں ہے اللہ تعالیٰ موٹے تن پرور عالم کو مبغوض رکھتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ موٹے تن پرور قاری قرآن کو مبغوض رکھتا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ما افلح سمین قط الا ان یکون محمد بن الحسن (رحمہ اللہ تعالیٰ) موٹا آدمی کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا سوائے حضرت محمد بن حسن (حنفی) کے۔ اُس کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا ہر موٹا تن پرور بے فکر ہو کر زندگی بسر کرتا ہے اور محمد بن الحسن اگرچہ موٹے تھے لیکن شب و روز دین کے مسائل میں متفکر رہتے تھے یہاں تک کہ آپ نے اپنی زندگی کے چند لمحات میں بڑی بسیط اور ضخیم نوسو ننانوے (۹۹۹) کتابیں تصنیف کیں۔

نکتہ : دانا کو دو حالتوں سے خالی نہ ہونا چاہیئے۔ (۱) آخرت اور مرنے کی فکر سے۔ (۲) کم از کم دنیوی معاش کا فکر تو ضرور رکھے اس لئے کہ موٹاپن چربی کی زیادتی سے ہوتا ہے اور چربی تفکرات سے پگھل جاتی ہے۔

فائدہ : جو شخص اِن دونوں فکروں سے خالی ہے تو اس کا جسم چربی سے بھرپور ہو کر وہ بشکل انسان درحقیقت حیوان ہوگا۔

اعجوبہ وحکایت : امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ زمانہ قدیم میں ایک بادشاہ تھا جو حد سے زیادہ جسیم و لحیم ہو گیا۔ مُلک بھر کے اطباء، ڈاکٹروں حکیموں وغیرہ) کو بُلا کر کہا کہ میرے لئے کوئی تدبیر کرو کہ جس سے میرا موٹاپن دفع ہو جائے۔ سب نے معذرت چاہی۔ اُس نے کہا تو کسی اور کو بلاؤ جو میرا علاج کرے۔ انہوں نے ایک ادیب، طبیب، ذکی فہیم نوجوان حکیم کا نام بتایا، چنانچہ اُسے بلوایا گیا۔ جب وہ بادشاہ کے ہاں حاضر ہوا تو بادشاہ نے بنظرِ حقارت کہا کیا یہی لڑکا میرا علاج کرے گا، چونکہ وہ سمجھدار تھا اس لئے بادشاہ سے کہا۔ بادشاہ سلامت میں صرف طبیب نہیں بلکہ منجم بھی ہوں۔ مجھے رات تک اجازت چاہیئے تاکہ میں دیکھ لوں کہ آپ کے ادویہ کس ستارے سے

marfat.ocm

سے مناسبت رکھتے ہیں۔ ایک رات اسے مہلت دی گئی۔ صبح سویرے حاضر ہو کر عرض کی بادشاہ سلامت مجھے امان کا وعدہ کرو پھر کچھ عرض کروں گا۔ بادشاہ نے وعدہ کیا تو حکیم مذکور نے کہا بادشاہ سلامت میں نے آپ کا ستارہ دیکھا تو معلوم ہوا کہ آپ صرف ایک ماہ زندہ رہیں گے۔ اس مدت میں آپ کو علاج پر کثیر رقم خرچ کرنے کا کیا فائدہ اور ساتھ ہی مجھے قید کر لو۔ اگر میں اپنے قول میں سچا نکلا تو میری جان بخشی کا حکم فرمانا ورنہ مجھے سُولی پر چڑھا دینا۔ بادشاہ نے اسے جیل میں ڈال دیا اور خود بھی اس فکر میں پڑ گیا کہ جب زندگی باقی صرف ایک ماہ ہے تو پھر عیش و عشرت کا کیا فائدہ۔ اس لئے حکم فرمایا کہ مجھ سے گانے بجانے اور دیگر عیش و عشرت کے سامان دُور کر لو۔ یہ کہہ کر خود بھی لوگوں سے علیحدگی اختیار کر لی۔ دن گزرنے گئے اس کا غم بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ ضعیف و نحیف ہو گیا اور جسم کے اندر کی تمام چربی پگھل کر باہر نکل گئی۔ جب اٹھائیس دن ہُوئے تو بادشاہ نے اس نوجوان حکیم کو جیل سے باہر نکلنے کا حکم دیے کر اپنے ہاں بلا کر فرمایا کہ اندریں مدت مجھے موت تو نہیں آئی۔ البتہ مجھے صحت و عافیت نصیب ہو گئی

اگرچہ تو جھوٹ بولنے پر سزا کا مستحق ہے لیکن چونکہ مجھے تیرے جھوٹ بولنے سے فائدہ ہُوا ہے اسی لئے میں تجھے معاف کرتا ہوں مگر یہ بتلائیے کہ تم نے اتنا بڑا جھوٹ کیوں کہا۔ حکیم نے کہا جناب عالی نہ میں علم غیب رکھتا ہوں اور نہ مجھے کسی کی موت و حیات کے متعلق معلومات ہیں اس لئے کہ جب میں اپنی موت و حیات سے بے خبر ہوں تو دوسروں کے لئے کیا کہہ سکتا ہوں دراصل وجہ یہ ہے کہ میں نے آپ کے موٹاپے کو دیکھ کر ترس کھایا اور اس کا علاج سوائے چربی کے گھٹنے کے اور کوئی نہ تھا اور چربی گھٹانے کا طریقہ سوائے آپ کو غم میں ڈالنے کے ہو نہیں سکتا تھا اور آپکے جو کچھ کہا گیا وہ آپ سے ہُوا جس سے آپ تندرست ہو گئے۔ بادشاہ کو اس کی بات بہت پسند آئی اس لئے اس کی جان بخشی کے ساتھ اسے بیکراں انعام و اکرام سے نوازا۔

لطائف : اہلِ عبارات نے قُلِ اللہ میں بڑے عجیب لطائف تحریر فرمائے۔ منجملہ اُن کے چند ایک یہ ہیں : لطیفہ (۱) شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہٗ سے تفسیر فارسی میں منقول ہے کہ آپ نے قُل اللہ الخ کی تفسیر میں فرمایا : اللہ بس و ماسواہ ہوس وانقطع النفس (اللہ کافی ہے اس کا، ماسوا ہوس ہے سانس ختم ہو گئے)

لطیفہ (۲) شیخ الاسلام نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ قل اللہ دل را سُوئے او دار (دل اللہ تعالیٰ کی طرف راجع کر دو) ثم ذرھم غیر اورا فرد گزار (غیر اللہ کو دل سے ہٹا دو)

لطیفہ (۳) شیخ شبلی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے مریدوں سے فرمارہے تھے کہ "عَلَيْكَ بِاللّٰهِ وَدَعْ مَا سِوَاهُ" (اللہ تعالیٰ سے جی لگا کر ماسوی اللہ کو یک لخت دل سے دُور کر دو)

marfat.ocm

ب چوں تفرقہ دل است حاصل زہمہ   دل را بہ یکے سپار و بگسل زہمہ

ترجمہ : تمام مال کے حصول کے باوجود دل غیر مطمئن ہے اسی لئے دل ایک کو دے کر سب سے رشتہ توڑ دے۔

سبق : اِن لطائف اور آیت کے مضمون سے ثابت ہُوا کہ جو واصل باللہ ہونا چاہتا ہے اسے ماسویٰ اللہ سے انقطاع حاصل کرنا لازم ہے اس لئے کہ ماسوی اللہ لہو ولعب اور غفلت ہی غفلت ہے اور لہو و لعب میں مشغول ہونے والا کسی قطار و شمار میں نہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں ماسوا کے اشتغال سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

مسئلہ : آیت سے قرآن کی مدح اور اس کی فضیلت کا بیان ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس کے پڑھنے سے بندہ فوائد سے مالا مال ہو جاتا ہے۔

حکایت و زیارت ربّ : حضرت امام احمد حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت سے مشرف ہُوا اور عرض کی یا الٰہی تیرے قریب لانے والے اعمال سے کونسا عمل افضل و اعلیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قرآن۔ میں نے دوبارہ عرض کی یا الٰہی خالی تلاوت کرنے یا اس کے فہم و تدبر کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا ہر دونوں طریقوں سے۔ **مسئلہ** : قرآن پاک کے الفاظ کو دیکھنا بھی عبادت ہے پھر اسکی تلاوت دوسری عبادت۔

فضیلت تلاوت قرآن پاک : حضرت حمید بن اعرج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جو شخص قرآن مجید تلاوت کے بعد ختم کے وقت اللہ تعالیٰ سے دُعاء مانگتا ہے تو اُس کی دُعاء پر چار ہزار فرشتے آمین کہتے ہیں پھر اس کے لئے دُعاء و استغفار اور اس پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں۔ صبح سے شام تک یا شام سے صبح تک یعنی اس کی تلاوت کے مختلف اوقات کی وجہ سے۔

(فائدہ) سمجھدار انسان پر لازم ہے کہ وہ تلاوتِ قرآن مجید میں جد و جہد کرے۔ گرمیوں میں صبح کو اور سردیوں میں بعد مغرب تلاوت کرے تاکہ ملائکہ کی دُعاء و استغفار کا وقت زیادہ نصیب ہو۔

حدیث شریف : خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ ،، تم میں بہتر وہ ہے جو قرآنِ پاک سیکھ کر دُوسروں کو سکھائے۔

مَسْئلہ : لازم ہے کہ تلاوت و تعلیم قرآنِ مجید میں حضور سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اقتدا کی جائے اور اس پر نہ اُجرت لی جائے اور نہ کسی سے شکریہ کا انتظار کیا جائے۔ صرف تقرب الی اللہ مطلوب ہو۔ اسی طرح انبیاء علیہم السّلام کی اقتداء کی جائے کہ ہر ایک نے بہت بڑی دینی خدمات سرانجام دے کر قوم سے فرمایا: لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ،،

marfat.ocm

مسئلہ : کسی سے کچھ لے کر تعلیم حاصل کرنا تو جائز ہے لیکن صرف اس لئے تعلیم حاصل کرنا کہ کسی سے کچھ لیا جائے گا تو یہ حرام ہے (کذا الاسرار المحمدیہ)

مسئلہ : قرآنِ پاک کے پھٹے پُرانے غلاف کتابوں کے استعمال میں لانا جائز نہیں۔ بلکہ اس کے پُرانے غلاف کو پانی سے دھو کر (کہیں دفن کر دیا جائے)

وہابیہ دیوبندیہ کا رد : صاحب رُوح البیان لکھتے ہیں کہ ہمارے ہاں رواج ہے کہ قرآن پاک کے پرانے غلاف پانی میں دھو کر بیماروں کو پلائے جاتے ہیں اس طرح سے انہیں شفاء بھی نصیب ہو جاتی ہے۔ (ولکن الوہابیہ قوم لا یعقلون)

مسئلہ : قرآن پاک تجوید اور نہایت بہتر لہجہ سے پڑھا جائے۔

حدیث شریف : لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْاٰنِ وَحَسِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِكُمْ الخ (ہماری جماعت میں شامل نہیں جو قرآنِ پاک کو اچھے لہجے میں نہیں پڑھتا اے میرے اُمتیو! قرآن پاک کو اچھی آواز سے پڑھو۔ اس لئے کہ اچھی آواز قرآن پاک کے حُسن میں اضافہ کرتی ہے۔

فائدہ : بعض محدثین نے فرمایا کہ حدیث شریف میں تَغَنِّیْ سے اچھا لہجہ مُراد نہیں۔ بلکہ دنیا دُنیوی اسباب کا استغناء مُراد ہیں۔ اہل لغت کے ہاں بھی یہی اقرب ہے (کذا فی الاسرار)

مسئلہ : ظہیر الدین مرغینانی سے منقول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں اگر کوئی شخص کسی پڑھانے والے کو اثنائے قرأت میں کہتا ہے۔ احسنت[1] تو وہ اچھا نہیں کرتا بلکہ اس کے کفر کا خطرہ ہے (اس لئے کہ اُس نے ایک بُرے کام پر اس کی تعریف کی اس زمانہ میں اجرت پر پڑھانا گناہ سمجھا جاتا تھا)

مسئلہ : بزازیہ میں ہے کہ جو شخص الحان (موسیقی) سے قرآن پڑھتا ہے تو وہ ثواب کا مستحق نہیں۔ اس لئے کہ وہ قاری القرآن نہیں بلکہ وہ تو موسیقار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ الخ قرآن عربی ٹیڑھا نہیں "

حکایت : حجاج یوسف نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا تمہارے نزدیک کونسی آواز پسند ہے۔ ایک نے کہا آدھی رات کا وقت اور قرآن مجید پڑھنے والا تلاوت کرے۔ حجاج نے کہا خوب۔

دوسرے نے کہا مجھے وہ آواز محبوب ہے کہ میں اپنی عورت کو دردزہ میں مُبتلا چھوڑ جاؤں تاکہ نماز ادا کروں ابھی

---

[1] (شرح الہدایہ لتاج الشریعۃ)

marfat.ocm

میں مسجد سے باہر نہ نکلوں تو کہنے والا کہے کہ تمہیں مبارک تیرے گھر اللہ تعالیٰ نے بیٹا عطاء کیا ہے۔ حجاج نے کہا واہ واہ ۔ شعبہ بن علقمہ تیمی بولا کہ بخدا مجھے تو وہ آواز پسند ہے کہ مجھے بھوک ستا رہی ہو تو طعام سے بھری ہوئی پلیٹوں کی آواز میرے کانوں میں پڑے ۔ حجاج نے کہا تو اے بنی تمیمو! ہر وقت آمد و خرچ کی فکر میں رہتے ہو ۔

(فائدہ) اس حکایت سے مقصد صرف اتنا ہے کہ کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْہِمْ فَرِحُوْنَ ہ (ہر گروہ اس سے خوش ہوتا ہے جو اس کے پاس ہے) یعنی فکر ہر کس بقدر ہمہ اوست ، ، خلاصہ یہ کہ دانشمند کو چاہیئے کہ وہ کلامِ الٰہی سے مانوس ہو اور لوگوں سے علیحدگی اختیار کرے گی۔

مسئلہ : قرآن مجید کے پڑھنے والے پر لازم ہے کہ وہ کلام الٰہی میں موسیقی کو دخل نہ دے اور نہ ہی فاسقوں فاجروں کے الحان کو تلاوتِ قرآن مجید میں شامل کرلے[1] ۔ بلکہ صرف عرب کے لحن پر تلاوت کرے پھر اُس پر نہ ظاہراً کوئی اعتراض ہوگا نہ باطناً (واللہ اعلم)

تفسیر عالمانہ ۹۲ : وَمَنْ ، ، یہ مَنْ استفہامیہ اور مبتدا ہے۔ اَظْلَمُ ، ، یہ مبتدا کی خبر ہے۔ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا ، ، کذبا افتری کا مفعول بہ ہے۔ یعنی اُس سے اور کوئی بڑا ظالم نہیں جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹی باتیں گھڑتا ہے اور گمان کرتا ہے کہ اُسے بھی اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر بھیجا ہے جیسے مسیلمۃ الکذاب اور اسود عنسی ۔ اُنھوں نے بھی نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا۔ یا اس سے اور کوئی بڑا ظالم نہیں جو جھوٹے احکام گھڑتا ہے جیسے عمرو بن لحی یہ وہی شخص ہے جس نے عالم دنیا میں سب سے پہلے اسماعیل علیہ السلام کے دین میں رخنہ اندازی کی اور بُت پرستی کے لئے بُت گھڑے اور بحیرہ و سائبہ جانور بتوں کے لئے مقرر کئے۔

حدیث شریف : حضور علیہ السلام نے عمرو بن لحی کے متعلق فرمایا کہ میں نے اسے جہنم میں چادر کھینچتے ہوئے دیکھا۔

مسیلمۃ الکذاب کی کہانی : حضرت قتادہ نے فرمایا کہ مسیلمۃ الکذاب مسجع کلام کا ماہر تھا اور کہانت میں بھی مہارت رکھتا تھا اور قرآن مجید کے مقابلہ میں سُورتیں اور آیات گھڑتا تھا، چنانچہ اُس نے سورۃ الکوثر کے بالمقابل کہا : اِنَّا اَعْطَیْنٰا الجماھر فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَھَاجِر اِنَّا کفینا المکابر والمجاھر ، ، مسیلمہ نے الفاظ کا مقابلہ کیا لیکن گھٹیا قسم کے الفاظ

---

[1] ہمارے دور کے حفاظ پر لازم ہے کہ وہ آدابِ تلاوت سے آگاہی حاصل کریں اور اکثر جاہل حفاظ قواعدِ قرآن کی پرواہ کئے بغیر موسیقی کے قواعد کے مطابق یا پھر گانے بجانے والے موسیقاروں کے طرز پر قرآن پڑھتے ہیں اُن کو اس سے پرہیز کرنا چاہیئے

marfat.ocm

بلئے اور معانی کے لحاظ سے بھی ناقص ہے۔ اس کے باوجود اُس نے نبوت کا دعویٰ کر دیا اور حضور رسول اکرم الله علیہ وسلم کے ہاں اُس نے دو قاصد بھیجے۔ آپ نے ان قاصدوں سے فرمایا کہ بتاؤ تم مسیلمۃ الکذاب کو بی مانتے ہو۔ اُنہوں نے کہا ہاں جی ہم اسے نبی مانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر قاصدوں کو قتل کرنا جائز ہوتا تو یں تمہاری گردن اُڑا دیتا۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خواب اور اختیار

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بیداری اور خواب کے درمیان دیکھ رہا تھا کہ میرے ہاتھ میں تمام زمین کے خزانے رکھے گئے ان میں دو سونے کے کنگن بھی تھے جو میرے ہاتھ میں آتے ہی سخت بوجھل ہو گئے جن سے مجھے سخت تکلیف ہوئی۔ حکم ہوا کہ آپ پھونک ماریئے۔ میں نے انہیں پھونکا تو وہ میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ میں نے اس کی تاویل کی کہ اس سے دو جھوٹے مراد ہیں جو میں ان کے درمیان ہوں۔ ایک صاحبِ صنعاء دوسرا صاحب یمامہ۔

نکتہ : قاضی صاحب نے فرمایا کہ کنگن کا کذاب کی تاویل میں نکتہ یہ ہے کہ کنگن ہاتھ میں بمنزلہ بیڑی (قید) کے ہوتا ہے۔ جو بندے کو کام سے روکتا ہے۔ اسی طرح وہ دونوں جھوٹے نبی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اجرائے احکام شریعت کے لئے معارض ہوئے۔

فائدہ : صاحبِ صنعاء یعنی اسود عنسی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے مرض میں حضرت فیروز کے ہاتھوں مارا گیا۔ حضور نبی پاک کو اس کے مرنے کی خبر سُنائی گئی تو آپ نے پُوچھا اسے کس نے مارا۔ عرض کی گئی کہ فیروز نے مارا ہے۔ آپ نے فرمایا ''فاز فیروز'' فیروز میاب ہُوا اور صاحب یمامہ یعنی مسیلمہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں مارا گیا اسے حضرت وحشی[1] نے قتل کیا۔ ''وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْہِ'' حالانکہ اس کی طرف کسی قسم کی وحی نہیں کی گئی شَیْءٌ معمولی طور بھی۔

عبداللہ بن ابی سرح کا واقعہ

: عبداللہ بن ابی سرح حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب وحی تھا۔ جب آیات وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَان

---

[1] یہ وہی وحشی ہے جس نے جنگ احد میں حضرت حمزہ کو شہید کیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ میں نے مسیلمہ کو قتل کے حضرت حمزہؓ کے خون کا کفارہ ادا کر دینے کی کوشش کی ہے اور شاید اللہ تعالیٰ اسی سبب میری بخشش فرما دیں۔

marfat.ocm

مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ،، اُترنے لگیں اور اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا آخَرَ ،، پر مضمون پہنچا تو عبداللہ کے منہ سے بیساختہ نکلا ،، فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ۔ جب اُس نے انسانی تخلیق کا مضمون پڑھا تو متعجب ہو کر مذکورہ بالا الفاظ اُس کے منہ سے نکل گئے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی عبارت بھی قرآن مجید میں لکھ دے۔ اس لئے کہ مجھ پر یہی الفاظ نازل ہوئے ہیں۔ اس سے عبداللہ کو شک گزرا کہ اگر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اِس قول میں سچے ہیں کہ مجھ پہ اسی طرح نازل ہُوا ہے کہ میں بھی انہیں کی طرح کا ہوں کہ مجھ پر بھی وحی نازل ہُوا کرتی ہے۔ اگر معاذ اللہ وہ جھوٹے ہیں تو پھر مجھے کونسی رکاوٹ ہے میں بھی نزولِ وحی کا دعویٰ کر دُوں ؛ چنانچہ وہ اسلام سے پھر گیا (مرتد ہوگیا) ۔ اور مشرکین سے جاملا۔ لیکن فتح مکہ سے پہلے تائب ہو کر پھر مخلصانہ طور اسلام قبول کیا جبکہ حضور علیہ السلام مروہ میں تشریف فرما تھے۔ وَمَنْ اور اُس سے اور کون بہت بڑا ظالم ہے جس نے قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ،، کہامیں بھی ایسا قرآن نازل کرسکتا ہوں جیسا اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے۔ ان سے مُراد کفار و مشرکین کا وہ گروہ ہے۔ جنہوں نے کہا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ،، اگر ہم چاہیں تو اسی طرح کہہ سکتے ہیں۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ ،، یہ خطاب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور تَرٰٓى کا مفعول محذوف ہے جیساکہ اذ ظرفیہ سے معلوم ہوتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اگر تم ظالموں کو دیکھ لو۔ اس ترکیب پر الظالمون ،، مبتدا اور مابعد اس کی خبر ہے اور اذ جملہ کی طرف مضاف ہے۔ اور ظالمین سے مخصوص ظالمین مراد نہیں بلکہ مطلقاً اس کی جنس مُراد ہے اس لحاظ سے ہر قسم کے ظالم اس میں داخل ہیں خواہ وہ جھوٹی نبوت کے مُدعی ہوں یا دُوسرے اور لَو کا جواب محذوف ہے جو کہ لرأیت امراً عظیماً ہے۔ یعنی اگر تم ان ظالمین کی وہی حالت (سکرات) دیکھو تو تمہیں بہت بڑا کریہہ منظر محسوس ہوگا۔

فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ ،، موت کی سخت سے سخت تکلیفیں۔ غمرات غمرۃ کی جمع ہے بمعنی غلبہ شدت غمرہ الماء سے مشتق ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو پانی سر کے اُوپر چڑھ کر اُسے پورے طور ڈبو دے وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ،، اُن کی ارواح قبض کرنے کے لئے ہاتھ اُٹھائے ہوتے ہیں۔ جیسے قرض خواہ قرض مانگتے وقت اپنے مقروض سے سختی کر کے ہاتھ اُٹھا کر یا اس کی گردن پکڑ کر کہتا ہے ابھی میرا قرضہ ادا کر دو ورنہ تیری جان نکال لوں گا یا ہاتھ پھیلانے سے مراد یہ ہے کہ عذاب کے فرشتے اسے عذاب دے کر کہتے ہیں۔ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمُ ،، اپنی جانیں خود بخود نکال کر ہمارے حوالے کرو۔

(ف) ملائکہ کا یہ خطاب محض تغلیظاً ہوگا۔ ورنہ اِن بیچاروں، کافروں، مشرکوں، ظالموں کو اپنی جان نکالنے کی قدرت کہاں یا انہیں طنزاً کہیں گے کہ اے ظالمو! اگر تمہارے اندر کچھ جان ہے تو ہمارے عذاب سے نکل کر اپنی جان بچالو۔

marfat.ocm

اَلْیَوْمَ ،، موت کے وقت یا اس کے بعد کا وقت کہ جس کی پھر کوئی انتہا نہیں۔ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ ،، ایسے سخت عذاب کی تمہیں سزا ملے گی جو نہایت شدید ترین ہے۔

(ف) الهوان والهون بمعنے الحقارة بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ،، اس وجہ سے کہ تم اللہ تعالیٰ پر ناحق باتیں کہا کرتے تھے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد اور اُس کا شریک ثابت کرنا۔ اسی طرح جھوٹی نبوت کا دعویٰ کر کے وحی کا اِفترا کرنا (جیسے دُوسرے جھوٹے نبیوں کی طرح مرزا قادیانی نے کیا) وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ اور تم اللہ تعالیٰ کی آیات سے تکبر کرتے اس لئے نہ تو اُن میں تامل سے کام لیتے اور نہ ہی ایمان لاتے ہو۔

حدیث شریف اور مومن کی موت : مروی ہے کہ جب اہلِ ایمان پر نزع طاری ہوتی ہے تو اس کے ہاں فرشتے تشریف لاتے ہیں جن کے پاس ریشمی پوشاک ہوتی ہے جسے عطر و کستوری سے معطر کیا ہوتا ہے اور اس پر بہشتی گلاب اور ریحان کے گلدستے رکھے ہوتے ہیں۔ اُس کی رُوح ایسے آسان طریقہ سے نکالی جاتی ہے۔ جیسے آٹے سے بال اور اسے کہا جاتا ہے۔ اے پاکیزہ نفس اپنے رب تعالیٰ سے راضی ہو کر حاضری دے اور تجھ سے تیرا رب کریم بہت خوش ہے فلہٰذا تم اللہ تعالیٰ کے ہاں ہزاروں کرامتوں کے ساتھ روانہ ہو اور جب اس کی رُوح اس کے بدن سے نکال لی جاتی ہے تو اُسے اسی خوشبو اور گلدستوں میں اسی بہشتی پوشاک میں لپیٹ کر اعلیٰ علیین کی طرف پہنچایا جاتا ہے۔

کافر کی موت : جب کافر پر نزع طاری ہوتی ہے تو اس کے ہاں فرشتے دوزخ کے ٹاٹ لاتے ہیں جن میں جہنم کے انگارے ہوتے ہیں۔ اُس کی رُوح جسم سے سختی سے کھینچی جاتی ہے اور اُسے کہا جاتا ہے اے نفس خبیث نہایت ہی ترش روئی سے اپنے جسم سے نکل اور آگے تیرا رب تعالیٰ بھی تجھ پر سخت ناراض ہے اور تجھے شدید ترین عذاب کی طرف دھکیلا جائے گا جب اُس کی رُوح اس کے جسم سے نکالی جاتی ہے تو اسے اسی انگاروں سے بھرے ہُوئے ٹاٹ میں لپیٹا جاتا ہے اس وقت وہ کافر نہایت ہی گندی اور ڈراؤنی آواز سے چیخے گا لیکن اُسے فرشتے دھکیلتے ہُوئے سجّین میں لے جائیں گے (کذا فی التفسیر ابی اللیث)

تفسیر صُوفیانہ : آیت میں اشارہ ہے کہ جو لوگ ریاکاری سے آہ و فغاں اور عجز و انکساری کرتے ہیں اور اُن کے وجد و حال کا مظاہرہ صرف دکھاوے پر مبنی ہوتا ہے تو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بجائے انعامات کے خطرات و نظرات حاصل ہوتے ہیں اور انہیں زفرات و حسرات کے سوا اور کچھ نصیب نہیں۔ مانگ کر کھانے والے اور دُوسروں کے اُترے ہُوئے کپڑے

marfat.ocm

پھنسنے والے کی طرح ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے کسی شاعر نے کہا ہے ؎

اِذَا انسکبت دُمُوعٌ فی خدود تبین مَنْ بکی مِمَّنْ تباکیٰ

ترجمہ: چہرے کے آنسو خود بتاتے ہیں کہ یہ حقیقی گریہ کناں ہے یا مصنوعی

(ف) وہ لوگ جو صرف بک بک کرتے ہیں اور اپنے آپ کو ربانی ترجمان کہلاتے ہیں اور تاثر دیتے ہیں کہ صرف وہی صاحب ارشاد ہیں۔ حالانکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذرہ برابر بھی اشارہ نصیب نہیں ہوتا اسی طرح وہ لوگ جو باتوں میں کھینچا تانی کرتے ہیں اور کلام کو ایسا ملمع سُتی بناتے ہیں کہ گویا وہ خود نہیں بولتے بلکہ بلوائے جاتے ہیں اور اپنے زورِ بیان سے اسرار و حقائق کے مدعی بنتے ہیں اور عوام میں اثر دکھلاتے ہیں کہ یہی واصل باللہ اور کامل و اکمل ہیں تو یقین کر لو کہ یہ سب کے سب ظالم ہیں۔ اُن کے ظُلم کے نقصانات اُن کے نزعِ رُوح کے وقت ظاہر ہوں گے کہ نہایت ہی سخت تکلیف سے اُن کی رُوح اُن کے جسم سے نکلے گی اس لئے کہ اُن کے تعلقات تو شہواتِ نفس سے جکڑے ہُوئے تھے اور لذات دنیوی میں منہمک تھے۔ انہیں اسرار و حقائق سے ذرہ برابر بھی نصیب نہیں تھا۔ نہ ہی انہیں لذات آخرت سے کچھ نصیب تھا پھر وہ کب نزعِ رُوح کے وقت مسرور و مفروح ہو سکتے ہیں اس وقت ملائکہ قہر و جلال سے اپنے ہاتھ پھیلا کر بڑی شدت سے اُن کی رُوح نکالیں گے چونکہ اُن کے خیالات و ارادے افتراء و کذب اور مخلوق کے سامنے اپنے آپ کو رفیع المنزلۃ بنانے اور طرح طرح کے مراتب و کمالات دکھانے کے عادی تھے اس لئے اس قدر انہیں نزعِ رُوح کے وقت دُکھ اور درد پہنچے گا۔ انہی لوگوں کے حق میں کہا جائیگا اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْھُوْنِ بِمَا کُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰہِ غَیْرَ الْحَقِّ وَکُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِہٖ تَسْتَکْبِرُوْنَ ۝ یعنی انہیں حکم ہوگا کہ تمہارے اندر اللہ تعالیٰ کے آیات امانت رکھے گئے تھے۔ لیکن تم نے اُن سے اعراض کیا اور تم ریاکاری میں مُبتلا رہے حالانکہ تمہارے شایانِ شان نہ تھا اس لئے اس عذاب میں مُبتلا کئے گئے ہو۔

فوائد: (۱) رُوح کا جسم سے ایک یا دو یا تین دن تک تعلق منقطع رہتا ہے، لیکن مخلوقات سے بہت زیادہ تعلق ہوگا۔ اُن کے ارواح کا اجسام سے کئی سال تک انقطاع رہتا ہے اور کفار و مشرکین کا ہمیشہ سے تعلق منقطع کر دیا جاتا ہے۔

(۲) بعض گنہگاروں کا انقطاع تا قیامت رہے گا اور کفار تو عذاب کی شدت میں ہمیشہ ہمیشہ تک مُبتلا رہیں گے۔ اسے عذابِ الیم یا عذابِ شدید سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۳) کچھ یہی کیفیت قبر میں بھی پیش آتی ہے۔

حکایت: کسی ایک مجرم کی قبر کھودی گئی تو اس سے ایک بہت بڑا زہریلا سانپ نمودار

marfat.ocm

ہوا ۔ پھر دوسری جگہ کھودی گئی تو اسی طرح وہی سانپ ظاہر ہوا، چنانچہ متعدد مقامات پہ یہی منظر دکھائی دیا۔ یہاں تک کہ تیس مقامات پہ سانپ بار بار نظر آیا۔ جب دیکھا کہ کوئی صورت نجات کی نہیں تو اُسے اسی سانپ کے ساتھ دفنایا گیا۔ یاد رہے کہ وہ سانپ اس کے بداعمال کی صورت تھی۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

کارے کنیم ورنہ خجالت برآورد
روزے کہ رختِ جان بجہاں دگر کشیم

ترجمہ ”کوئی کام کر جائیں ورنہ شرمساری ہوگی۔ اس دن کہ جب ہم جان کا سامان دوسرے جہان کی طرف لے جائیں گے ،،

تفسیر عالمانہ

۹۴ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا ،، بے شک تم ہمارے ہاں حساب وکتاب اور جزا و سزا کے لئے آؤ گے)

(ف) ماضی بمعنی مستقبل ہے یعنی جئتمونا بمعنے تجیئونا ہے اس لئے کہ جہاں فعل کے وقوع میں تحقق ہو اں ماضی بمعنے مستقبل ہوتا ہے، چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا اَتٰٓى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ط

شانِ نزول

: آیت میں خطاب کفارِ قریش کو ہے اس لئے کہ اُنہوں نے فقراءِ مسلمانوں کو دیکھ کر تحقیراً و افتخاراً کہا چونکہ دُنیا میں ہم اموال و اولاد کے لحاظ سے تر ہیں۔ فلہذا ہمیں آخرت میں عذاب نہ ہوگا۔

فُرَادٰی ،، فرد کی جمع ہے بمعنے منفردین یعنی آخرت میں تم اموال و اولاد کے ساتھ نہیں ہو گے لہ اکیلے اکیلے حاضر ہو گے بلکہ اُس وقت تم سے دُنیا کے اسباب چھین لئے جائیں گے **كَمَا خَلَقْنٰكُمْ وَّلَ مَرَّةٍ** ،، یا فرادی کے ضمیر سے حال ہے یعنی تمہاری کیفیت وہی ہوگی جو پیدائش کے وقت تھی کہ سم اور پاؤں سے ننگے اور غیر مختون یعنی جس طرح دُنیا میں آرائش کے ساتھ گزارتے تھے اس وقت کیفیت نہ ہوگی بلکہ جس طرح بچہ پیدا ہوتے ہی ننگا اور بالوں سے صاف ہو کر آتا ہے ایسے ہی قیامت آئیں گے۔

حدیث شریف

: سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ قیامت میں جسم اور پاؤں سے ننگے ہو کر اُٹھائے جائیں گے۔ سیدتنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عرض کی حضور! یہ کیسے ہوگا جبکہ عورتیں اور مرد ننگے ہوئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ں وقت ہر ایک اپنے عرق میں غرق ہوگا پھر کیسے ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے۔ **وَتَرَكْتُمْ مَّا وَّلْنٰكُمْ** ،، اور جو کچھ ہم نے تمہیں دُنیا میں دیا ہوگا اسے تم چھوڑ کر آخرت کے پروگرام میں مشغول ہو گے۔

(حل لغات) التخویل بمعنے تملیک الخول یعنی نوکروں چاکروں کا مالک بنا دینا خول بمعنی

marfat.ocm

الخدم والاتباع۔ اس کا واحد خائل آتا ہے یا التخویل ،، بمعنے الاعطاء علی غیر جزاء یعنی کسی کو کوئی شے مُفت عطاء کرنا۔ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ،، یعنی جو کچھ دُنیا میں حاصل کیا وہ تمام کا تمام اپنی پیٹھ کے پیچھے ڈال دو گے بال برابر بھی ساتھ نہیں لے جاؤ گے بخلاف اہلِ ایمان کے اُنہوں نے دُنیا میں اپنے عقائد صحیحہ کے لئے جد و جہد کی اور اعمال صالحہ میں مشغول رہے اس لئے وہ اعمال صالحہ وغیرہ قبروں میں ساتھ لائے ہیں جو آج قیامت میں انہیں کام دے رہے ہیں اس لحاظ سے وہ آج اکیلے نہیں بلکہ اعمال صالحہ اور عقائد صحیحہ اُن کے بہترین ساتھی ہیں ؎

چون ازینجا وارہی آنجا روی ٭ در شکر خانہ ابد شاکر شوی

ترجمہ : جب تو اس علاقہ سے جان رہائی پائیگا تو وہاں پہنچیگا تو شکر خانہ میں ہمیشہ شکر کا صلہ پاتا رہے گا۔

وَمَا نَرٰی مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ ،، اور آج ہم تمہارے سفارشی تمہارے ساتھ نہیں دیکھتے شُفعاء سے اُن کے بُت مُراد ہیں۔ اَلَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِیْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ،، جن کے متعلق تمہارا گمان تھا کہ وہ ربّ تعالیٰ کی ربوبیت اور استحقاق عبادت میں اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں۔ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَیْنَكُمْ بیشک آج تمہارے اور تمہارے معبودوں کے درمیان جُدائی واقع ہوگئی۔

(ف) یہ اس محاورہ سے ہے جو اہلِ عرب کہتے ہیں جمع بین الشیئین ،، یعنی فلاں نے دو چیزوں کے درمیان اجتماع واقع کیا۔

(ف) تفسیر کاشفی میں ہے منقطع گشت آنچہ میان شما بود از وصلت و مؤدت۔ یعنی تمہارے اور اُن کے مابین جو مؤدت تھی وہ منقطع ہوگئی۔ وَضَلَّ عَنْكُمْ ،، اور تمہارے سے باطل ضائع ہوگیا۔ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ وہ جو تمہارا گمان تھا کہ یہی تمہارے سفارشی ہیں لیکن وہ بیچارے تم پر سے عذابِ الٰہی کو دُور نہ کر سکے۔ یا تمہارا گمان تھا کہ یہ ربوبیت اور استحقاق عبادت میں اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں۔

(ف) سیاق و سباق کے لحاظ سے یہی دوسرا معنی زیادہ موزوں ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا: اَلَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِیْكُمْ شُرَكٰٓؤُا۔

بہترین تقریر : انسان کے دشمن چار ہیں : (۱) مال (۲) عیال (۳) اولاد (۴) دوست و احباب۔ اور یہی وجہ ہے کہ یہ ہی چاروں قبر میں ساتھ نہیں جاتے بلکہ بندہ قبر میں اکیلا اور تنہا رہ جاتا ہے۔

اسی طرح انسان کے دوست بھی چار ہیں : (۱) کلمہ شہادت (۲) نماز (۳) روزہ (۴) ذکر الٰہی یہ چاروں نہ صرف قبر کے ساتھی ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے ساتھی کی سفارش بھی کریں گے اور لطفیہ ہے کہ مرنے کے بعد یہ چاروں اپنے ساتھی کو کسی وقت بھی اکیلا نہیں چھوڑیں گے۔

marfat.ocm

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ اپنی قبر کی تنہائی کے لئے کچھ سوچے اور قیامت میں جب ننگا ہوگا تو اس وقت کا لباس آج تیار کر کے ساتھ لے جائیے اور قیامت کا تقویٰ وطہارت باس ہے اور انسان کا بہترین ساتھی عمل صالح ہے۔

حدیث شریف : ہر بندے کا عمل قبر میں ساتھ مدفون ہوتا ہے۔ اگر عمل نیک ہے تو بندے کی بہت بڑی عزت ہوتی ہے اگرچہ وہ بندہ دنیا میں تنا ہی بے وقار سمجھا جاتا ہو۔ وہ عمل صالح اپنے ساتھی سے انس کرتا ہے۔ اُسے خوشیاں دلاتا ہے بلکہ س کی قبر کو فراخ اور نورانی بناتا ہے۔ اسے ہر قسم کے شدائد اور ہولناکیوں اور عذاب الٰہی سے بچاتا ہے سی قسم کی خرابی اس کے قریب نہیں بھٹکنے دیتا۔ اگر عمل بُرا ہو تو اپنے ساتھی کو ڈراتا دھمکاتا بلکہ اس کی قبر کو لی سیاہ اور نہایت تنگ عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ شدائد اور ہولناک باتوں کے درمیان حائل نہیں ہوتا ے ہر ممکن خرابیوں میں ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔

سورہ یٰسین شریف کا فائدہ

: امام یافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے بعض بزرگوں سے سنا ہے فرمایا کہ بلاد یمن میں ایک شخص قبر میں دفنایا گیا تو اس کی قبر سے چیخ و پکار سنائی دی اور ایسے محسوس ہوتا تھا کہ گویا اُس کی سخت پٹائی رہی ہے تھوڑی دیر کے بعد اس کی قبر سے ایک سیاہ کالا کتا نکلا۔ ہم نے کہا خدا تیرا بھلا کرے تو کیا ہے۔ ں نے کہا میں اس بندے کا عمل ہوں۔ ہم نے پوچھا کہ وہ دھاڑیں کیوں مارتا تھا۔ اُس نے کہا میرے ستانے ے لیکن اس کی خوش بختی کہ سورۂ یٰسین اور اس طرح کی کئی اور سورتیں آئیں اور مجھے اس سے دُور کیا۔

سبق : عمل صالح کیسا ہی ہو بُرے اعمال پر غالب آجاتا ہے۔ دیکھئے اس بندے کے نامعلوم کتنے بُرے عمل ہوں گے لیکن سورہ یٰسین کی برکت سے نجات نصیب[1] ہوئی اور اللہ تعالیٰ ے اُسے اپنے فضل وکرم سے بخش دیا۔ اگر بُرے اعمال انگنت اور نیکیاں قلیل ہوں تو بُرائیاں غالب ہو جاتی ہیں ایسا شخص سخت ترین عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا۔

غم و شادمانی نہ ماند ولیک — جزائے عمل ماند و نام نیک
مکن تکیہ بر ملک و جاہ و حشم — کہ پیش از تو بودست و بعد از تو ہم

---

[1] اس سے ثابت ہوا کہ اہل سنت کا معمول کہ میت پر سورۂ یٰسین اور قبر میں سورۂ مُلک و دہر وغیرہ پڑھنا فائدہ مند لیکن وہابیہ دیوبندیہ معتزلہ کے نقش قدم پر نہ صرف روکتے بلکہ بدعت کا فتویٰ لگاتے ہیں۔ فافہم۔

marfat.ocm

سہ ۵ (۱) غم و شادمانی نہیں رہے گی جزائے اعمال رہے گا اور نیک نامی ۔
(۲) مُلک و جاہ و حشم پر تکیہ نہ کر کہ تیرے سے پہلے بہت گزرے نہیں اور بعد کو بھی ۔

تفسیرِ صُوفیانہ

: حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی ،، یعنی تم دُنیا میں تن تنہا حاضر ہوئے تو تمہیں ایک چھوٹے سے کپڑے میں لپیٹا گیا ۔ پھر جب دُنیا سے رُخصت ہو گے تو بھی تمہیں اسی طرح کپڑوں میں لپیٹا جائے گا (وہ بھی قسمت میں اگر لکھا ہے ورنہ بے شمار بندگانِ خدا بے گور و کفن دُنیا سے رُخصت ہوئے) اس میں اشارہ ہے کہ متجرد ہو کر آنا ہوا اور متجرد ہو کر روانہ ہونا ہے لیکن سر پر گناہوں کا بوجھ ہوگا ۔ اگر اعمال صالحہ ہیں تو خوشی اور راحت ورنہ دُکھ اور درد ۔ اس وقت نہ مال کام دے گا نہ دُنیوی جاہ و حشم اور نہ ہی کوئی سفارشی جان چھڑائے گا ۔ بلکہ تمام تعلقات منقطع ہو جائیں گے ۔ حال زار ہوگا اور تمام سکیمیں ملیامیٹ ہو جائیں گی اور تمام کاروائیاں بیکار ہو کر رہ جائیں گی ۔

دُوسری تقریرِ صُوفیانہ

: آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وصال تجرید تفرید و توحید سے نصیب ہوتا ہے ۔ تجرید سے دُنیا کے تعلقات مٹانے کا نام ہے اور تفرید یعنی دُنیا و آخرت سے علیحدگی اختیار کر کے رجوع الی اللہ کرنا یہاں تک کہ کونین کا تصور بھی ذہن میں نہ ہو جیسے ابتدائے پیدائش کے وقت کونین سے بے خبر تھا ۔ ایسے اب اپنا حال پیدا کرے ، چنانچہ فرمایا : وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی کَمَا خَلَقْنٰکُمْ اَوَّلَ مَرَّۃٍ ،، اول مرۃ سے مُراد رُوح کی ابتدائی تخلیق جبکہ وہ ابھی جسم میں داخل نہیں ہوئی تھی ۔ اس لئے کہ جسم میں داخلہ کی اس کی دُوسری تخلیق ہے ۔ کما قال تعالیٰ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ اور فرمایا وَلَقَدْ خَلَقْنٰکُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰکُمْ ، بندہ اللہ تعالیٰ تک اُس وقت پہنچتا ہے ۔ جب دنیا اور آخرت کے تعلقات سے متجرد و متنفر ہو جائے کما قال تعالیٰ وَتَرَکْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰکُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِکُمْ ،، یعنی جو کچھ ہمارے انعامات تم پر ہوئے دونوں جہانوں کے تعلقات کو پسِ پشت ڈال دو گے تو وصالِ الٰہی نصیب ہوگا ۔ وَمَا نَرٰی مَعَکُمْ شُفَعَآءَکُمُ الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِیْکُمْ شُرَکٰٓؤُا ،، یہاں پر شفعاء سے اعمال صالح مُراد ہیں یعنی سالک کا گمان ہوتا ہے کہ یہی اعمال و احوال اس کے وصالِ الٰہی کے وسیلہ ہیں ۔ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَیْنَکُمْ لیکن جب سالک کو سیر الی اللہ نصیب ہو جاتی ہے تو یہ اعمال و احوال سب منقطع ہو جاتے ہیں ۔

فائدہ : جبریل علیہ السلام کو سیر سدرۃ المنتہیٰ تک تھی اور یہی تمام سیر کرنے والوں کی آخری منزل ہے فرشتے ہوں یا انسان ۔

(ف) توحید بمعنے صفات واحدیۃ کے ساتھ تجلی حق سے فیض وحدانیت قبول کرنے کے لئے موحد ہونا

بقیہ صفحہ ۶۰۶

marfat.ocm

إِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ۭ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ
بے شک اللہ دانے اور گٹھلی کو چیرنے والا ہے زندہ کو مردہ سے نکالنے اور مردہ کو زندہ سے نکالنے
الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿٩٥﴾ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ
والا یہ ہے اللہ تم کہاں اوندھے جاتے ہو تاریکی چاک کرکے صبح نکالنے والا اور اس نے رات کو
الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿٩٦﴾ وَهُوَ
چین بنایا اور سورج اور چاند کو حساب یہ سادھا ہے زبردست جاننے والے کا اور وہی
الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ قَدْ
ہے جس نے تمہارے لیے تارے بنائے کہ ان سے راہ پاؤ خشکی اور تری کے اندھیروں میں
فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٩٧﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ
ہم نے نشانیاں مفصل بیان کردیں علم والوں کے لیے اور وہی ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا
فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ﴿٩٨﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ
پھر کہیں تمہیں ٹھہرنا ہے اور کہیں امانت رہنا بے شک ہم نے مفصل آیتیں بیان کردیں سمجھ والوں کے لیے اور وہی ہے
مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ
جس نے آسمان سے پانی اتارا تو ہم نے اس سے ہر اگنے والی چیز نکالی تو ہم نے اس سے نکالی سبزی جس میں سے دانے
مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ
نکالتے ہیں ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے اور کھجور کے گابھے سے پاس پاس گچھے اور انگور کے
اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ
باغ اور زیتون اور انار کسی بات میں ملتے اور کسی بات میں الگ اس کا پھل دیکھو
اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٩٩﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاۗءَ
جب پھلے اور اس کا پکنا بے شک اس میں نشانیاں ہیں ایمان والوں کے لیے اور اللہ کا شریک ٹھہرایا
الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا
جنوں کو اور حالانکہ اسی نے ان کو بنایا اور اس کے لیے بیٹے اور بیٹیاں گڑھ لیں جہالت سے پاکی اور برتری ہے
يَصِفُوْنَ ﴿١٠٠﴾ ع
اس کو ان کی باتوں سے

marfat.ocm

(بقیہ تفسیر از صفحہ ۶۰۴ تاکہ بندہ اِرجعی اِلیٰ ربّک کے جذبہ سے مقام وحدت تک پہنچ سکے۔ اگر اسے جذبات ربُوبیّت کے ساتھ عنایت ازلیہ اس کا تدارک نہ کرے تو بندہ سیر فی اللہ باللہ سے منقطع ہوکر وہ سِدرۃ المنتہی میں پھنسا رہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کی حکایت میں فرمایا: وَمَا مِنَّا اِلَّا لَہٗ مقام معلوم (فافہم) کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ

: اِنَّ اللّٰہَ فَالِقُ الحَبِّ (حل لغات) الفلق بمعنی کسی شے کو کھول کر چیرنا۔ الحب حبۃ کی جمع ہے۔ ان تمام بیجوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جو ضروریات زندگی کے لئے کام آتے ہیں۔ جیسے گندم جو باجرہ وغیرہ یعنی بے شک اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ خشک بیج سے سبزہ زار پیدا فرماتا ہے۔ وَالنَّوٰی ،، یہ نواۃ کی جمع ہے ہر وہ شئ جو ثمر کے اندر ہو یعنی گٹھلی جیسے آم کشمش کھجور وغیرہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ وہ قدرت رکھتا ہے کہ گٹھلی کو چیر کر درخت بناتا ہے ۔

اگرچہ وہ گٹھلی بہت سخت تھی، لیکن زمین میں چر کر بہت بڑا درخت بن گئی۔ جس پر بڑے بڑے پتے اور بڑی بڑی ٹہنیاں پیدا ہوئیں۔ یُخۡرِجُ الۡحَیَّ مِنَ الۡمَیِّتِ ،، یہ ماقبل کا بیان ہے۔ یعنی حیوانات و نباتات کو پیدا کرتا ہے۔ ایک بے جان نطفے اور دانے سے کہ جن کی بظاہر کوئی طاقت ہی نہیں وَمُخۡرِجُ الۡمَیِّتِ میّت کو نکالنے والا ہے۔ اس سے نطفہ اور دانہ مُراد ہے مِنَ الۡحَیِّ ،، زندہ حیوانات و نباتات مُراد ہیں۔ اس کا فالق الحب پر عطف ہے۔ حی و میت سے مجازًا نامی و جامد مُراد ہے اس لئے کہ نامی کو حی سے اور میّت کو جامد سے مشابہت ہے۔ اس لئے کہ حی حقیقی وہ ہے جو صفت حیات سے موصوف ہو۔ جس میں حس اور حرکت ارادیہ ہو اور میّت حقیقی وہ ہے جو صفتِ حیات سے خالی ہو، لیکن اُس کی شان یہ ہے کہ اسے حیاۃ سے موصوف ہونا چاہیئے تھا۔

فائدہ: بعض مفسرین نے یہاں پر حی و میّت کا حقیقی معنیٰ مراد لیا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ (نطفہ) مردہ سے انسان (زندہ) اور مُرغی زندہ سے انڈا (مُردہ) پیدا فرماتا ہے۔

(ف) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اُنھوں نے فرمایا حیّ سے مومن اور میّت سے کافر مُراد ہے یعنی (جیسے آزر سے حضرت ابراہیم علیہ السلام لیکن یہ قول مخدوش بلکہ مردود ہے) اور کافر مومن سے پیدا کرتا ہے جیسے حضرت نوح علیہ السلام سے کنعان۔ اسی طرح مطیع سے عاصی اور عاصی سے مطیع اور عالم سے جاہل اور جاہل سے عالم اور عاقل سے احمق اور احمق سے عاقل۔

تفسیر صوفیانہ : آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے حروف میتہ کی گٹھلی سے نخل ایمان اور زندہ کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ سے منافقت کا مردار پیدا فرماتا ہے۔

تفسیر عالمانہ : ذٰلِکُمُ ،، وہ قادر عظیم اَللّٰہُ صرف وُہی مستحق عبادت ہے فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ ۝ پس تم کہاں اوندھے جاتے ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت سے رُوگردانی کرکے اس کے غیر کی عبادت میں مشغول ہوتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔

حل لغات : الافک بمعنے قلب الشئ وصرفہ ،، یعنی کسی کو اپنی جگہ سے دُوسری جگہ منتقل کرنا۔

(ف) یہ خطاب کفار مشرکین کو ہے اس لئے کہ یہ سُورۃ مکیّہ ہے۔

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ،، تاریکی چاک کرکے صبح نکالنے والا ہے۔ یہ اِنَّ کی دُوسری خبر ہے۔

(ف) "الاصباح ،، بکسر الہمزہ بمعنی ضوء نہار میں داخل ہونا۔ ضوء نہار کا دُوسرا نام صبح ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ بیاض نہار اور اس کی چمک سے صبح کے عمود ظاہر کرنے والا ہے۔

وَجَعَلَ الَّیْلَ سَکَنًا ،، اور اسی نے رات کو چین و آرام بنایا کہ دن کا تھکا مارا رات کو آرام کرتا ہے۔ سَکَنَ اِلَیْہ سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی سے خوش ہوکر مطمئن ہو یا اس لئے رات کو سَکَنًا کہا جاتا ہے کہ لوگ اس میں سکون پذیر ہوتے ہیں؛ چنانچہ دُوسرے مقام پر فرمایا لِتَسْکُنُوْا فِیْہِ ،، (تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو)

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اور سُورج و چاند بنایا حُسْبَانًا ،، حساب مختلف ادوار کی وجہ سے کہ اُن سے شمار کئے جاتے ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے سُورج کی حرکت مقرر فرمائی ہے وہ اپنے دورہ کو ایک سال میں مکمل کرتا ہے اور چاند کی بھی حرکت مقرر ہے کہ وہ فصول اربعہ سے انتظام پذیر ہوتے ہیں جیسے پھلوں کا پکنا۔ اسی طرح دُوسرے وہ اُمور جو کھیتوں و نسلوں سے متعلق ہیں کہ جن پر عالم دنیا کا قوام ہے۔

نکتہ : چاند کا ہر رات نئی منزل میں ہونا اور سال میں چاند کا متعدد بار طلوع و غروب یعنی بارہ مہینوں میں مقرر کرنے میں بھی یہی نکتہ ہے کہ انسان اپنے قرضہ جات وغیرہ کی میعاد اور دیگر مختلف امور کے لئے مناسب اوقات متعین کرسکے۔ اب جَعَلَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ،، کا مفہوم واضح ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سُورج و چاند کو تمہارے حساب کی صحت کے لئے مقرر فرمایا ہے۔

: الحسبان بالضم مصدر ہے بمعنے الحساب یعنی شمار کرنا (نَصَرَ یَنْصُرُ) بکسر الحاء

marfat.ocm

حل لغات

ہو تو از باب عَلِمَ، یَعْلَمُ بمعنے الظَّنِّ والتخمین ہوگا۔

نکتہ : سُورج کو چاند سے مقدم کرنے میں یہی نکتہ ہے کہ سُورج کی روشنی چاند پر غالب ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ سُورج تمام افلاک کے چاند ستاروں کے انوار کا مرکز و معدن ہے۔ بلکہ یُوں کہو کہ نُورانیت کے لحاظ سے سُورج اصل ہے؛ کیونکہ تمام چاند ستارے اسی سے نُور حاصل کرتے ہیں اور جس قدر چاند ستارے سُورج سے تقابل رکھتے ہیں۔ اسی قدر اُس سے نُور پاتے ہیں۔

فائدہ : حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ آفندی قدس سرہ نے فرمایا کہ چاند کا نُور اپنا ذاتی ہے۔ بلکہ یہ بھی منجملہ عالم انوار میں سے ایک ہے اور یہ نقص جو اسے ہر ماہ لاحق ہوتا ہے۔ یہ اس کی کثافت کی وجہ سے ہے۔ اگر یہ کمی بیشی اِس میں نہ ہو تو مہینوں اور سالوں کے متعلق کچھ معلومات نہ ہو سکیں۔

فائدہ : سُورج اور چاند اسی تعین کی دو آنکھیں ہیں۔ ان کا باقی حصّہ اُوپر کی طرف ہے۔ یہ جو کچھ ہم دیکھتے ہیں یہ اُن کی وہ کیفیت ہے کہ جب آنکھ کھولتے ہیں تو ہمیں اُن کا جرم (جُثّہ) نظر آنے لگتا ہے جو آنکھیں بند کر لیتے ہیں تو ہماری آنکھوں سے اُوجھل ہو جاتے ہیں۔

فائدہ : ستارے آسمان میں مرکوز نہیں بلکہ اُن کا نُور اس سُورج کے نُور کا عکس جو اُن کے عروج پر منعکس ہوتا ہے تو یہ روشن نظر آتے ہیں۔

فائدہ : ستاروں کے سقوط کا فلسفہ بھی یہی ہے کہ سُورج ایک مقام سے دُوسرے مقام کی طرف انہیں دفع کرتا ہے؛ لیکن یہ باتیں صرف اہلِ سلوک جانتے ہیں۔ حکماء ال حقائق سے بے خبر ہیں۔

اعجوبہ : عالم آخرت کے لیل و نہار اس روشنی و تاریکی سے نہیں بلکہ اُن کی کوئی اور علام ہے وہ یہ کہ تجلیاتِ حق سے اُن پر جلوہ گری ہوگی۔ لیل بھی اسی تجلی کی جلوہ گاہ ہے اور نہار بھی لیکن اسے صرف اہلِ حق جانتے ہیں۔

(ف) یاد رہے کہ وہاں آخرت میں ظلمت ہوگی کیسے جبکہ وہاں نُورِ الٰہی کا غلبہ ہوگا۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم نورِ مجسّم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اگر بہشت کے اشجار کا صرف ایک پتہ عالم دُنیا میں آکر گرے تو عالمِ دُنیا کا ذ ذرہ نُور سے روشن ہو جائے۔

ذٰلِكَ " یہ اشارہ سُورج اور چاند کو حُسبان بنانے کی طرف ہے یعنی سُورج و چاند کو سیر کرانا جیسا

marfat.ocm

غریب طریقے اور حساب معلوم سے ہے۔ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ” اسی غالب کریم کا مقدر کرنا ہے جس کا سورج و چاند پر غلبہ ہے اور جس نے مخصوص طریقہ کے ساتھ انہیں افلاک کی سیر کرائی اَلْعَلِيْمُ وہی کریم جانتا ہے کہ ان میں کتنا منافع ہیں اور مخلوق کے مصالح اُن سے کس قدر متعلق ہیں اور ان کی معاش و معاد اُن سے کس طرح مربُوط ہے حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

(۱) ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند ٭ تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری
(۲) ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار ٭ شرطِ انصاف نباشد کہ تو فرمان نبری

ترجمہ: ابر و باد اور چاند اور سورج اور آسمان کام میں ہیں تاکہ تو روٹی ہاتھ میں لیکر غفلت سے نہ کھائے۔

(۲) سب کے سب تیرے لئے پریشان اور فرمانبردار ہیں شرط انصاف نہیں کہ تو اس کا فرمان پورا نہ کرے۔

۹۶ وَهُوَ الَّذِيْ ” اور وہ اللہ تعالیٰ جو قدرت کاملہ کا مالک ہے جَعَلَ لَكُمُ ” تمہاری خاطر بنائے اور صرف تمہارے لئے پیدا فرمائے۔ اَلنُّجُوْمَ ” ستارے جو مختلف مقامات میں ہیں۔ کوئی شمال میں کوئی جنوب میں۔ کوئی مشرق کی جانب میں ہے کوئی مغرب کی جانب۔ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ط تاکہ تم جنگلوں اور دریاؤں کی تاریکیوں میں راہ پا سکو۔

(ف) ظلمات کی اضافت بر و بحر کی طرف ملابست کی وجہ سے ہے اس لئے کہ ان میں راہ حاصل کرنے کی ضرورت تاریکیوں میں پڑتی ہے۔

(ف) حدادی نے لِتَهْتَدُوْا بمعنی لِتَعْرِفُوْا کیا ہے تاکہ تم ستاروں کے ذریعے ایک شہر سے ہے دُوسرے شہر کا راستہ معلوم کر سکو وہ شہر جو جنگلوں اور دریاؤں کی گہرائیوں میں واقع ہیں اور پھر سفر بھی رات کو کرنا پڑے تو پھر راستہ سوائے ستاروں کی رہبری کے نہیں مل سکتا۔ اس لئے کہ اس وقت چلنے والا کسی ایک معین ستارے کو اپنے منہ کے سامنے رکھ کر چلتا ہے۔ بعض موقعہ پر اس ستارے کو دائیں جانب رکھ کر چلنا پڑتا ہے۔ اسی طرح بعض موقعہ ستارے کو بائیں جانب رکھنا ہوتا ہے۔ بعض اوقات ستارہ پیٹھ کے پیچھے کر کے راستہ طے کرنا پڑتا ہے جیسا کہ جنگلوں اور دریاؤں کو راستے طے کرنے والے جانتے ہیں کہ مذکور بالا طریقوں سے انسان اپنی منزل کو پا لیتا ہے۔

(ف) علاوہ مذکورہ بالا فوائد کے ستاروں میں بے شمار دیگر فوائد ہیں۔ مثلاً وہ آسمان کی زینت ہیں اور اُن سے شیاطین کو مارا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ ” ہم نے آیات کو تفصیل سے بیان کیا ہے یعنی ہم نے ہر آیت کو علیحدہ علیحدہ اور واضح طور بیان کر دیا ہے۔ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ علم والوں کے لئے۔

سوال: اہلِ علم کی تخصیص کیوں حالانکہ قرآنی آیات تو ہر ایک کے لئے تفصیل ہیں۔

marfat.ocm

جواب : چونکہ صرف وہی اُن سے انتفاع کے دَرپے رہتے ہیں۔ اسی لئے اُن کی تخصیص کی گئی ہے۔ ۹۰ وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ ،، اور اللہ وہ ہے جس نے تمہاری کثرت کے باوجود پیدا کیا۔ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ،، صرف ایک نفس سے یعنی اکیلے آدم علیہ السلام سے۔ اس لئے کہ ہم تمام انہی سے پیدا کیے گئے اور بی بی حوا بھی اُن کی بائیں پسلی سے پیدا کی گئیں۔ اس سے ثابت ہُوا ہم سب صرف ایک نفس سے پیدا ہوئے یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بی بی مریم سے پیدا ہوئے اور وہ اپنے آباؤ امہات کی نسبت سے آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

نُکتہ : اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس تخلیق کا احسان اس لئے جتلایا کہ جب کوئی کسی کے متعلق سمجھتا ہے کہ اُس کا اور ہمارا دادا ایک ہے تو پھر ایک دوسرے سے ناراض نہیں ہوتا اور اگر بعض لوگ ناراض بھی ہوں تو محسوس نہیں کرتا۔

اصل کائنات حضرت مُحمّد مُصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم ہیں

آیت میں اہلِ عرفان فرماتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے آدم علیہ السّلام کو پیدا کیا پھر اُن سے تمام انسان پیدا ہُوئے۔ اسی طرح سب سے پہلے حضور نبی پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم کی رُوحِ اقدس کو پیدا فرمایا؛ چنانچہ حضور سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ رُوْحِی ،، سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میری کو پیدا فرمایا۔ پھر آپ کی رُوح پاک سے تمام ارواح پیدا ہوئے۔ اس سے واضح ہُوا کہ آدم علیہ السلام ابوالبشر ہیں تو ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم ابوالارواح ہیں۔ یہی معنے ہے هُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ،، فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ؕ پھر کہیں تمہارا ٹھہرنا اور کہیں امانت رہنا ،، ہر دونوں مصدر میمی اور مرفوع مبتدا ہیں اور اُن کی خبر محذوف ہے جو فلکم الخ ہے یعنی تم کبھی آباء کی پشتوں میں کبھی زمین میں ٹھہرو گے کبھی امہات کے شکموں میں کبھی زمین کے نیچے قبروں میں۔

نکتہ : آباء کے پشتوں میں ٹھہرنے کو استقرار اور امہات کے شکموں میں رہنے کو استیداع (امانت) سے اس لئے تعبیر فرمایا کہ باپ کے اصلاب میں نُطفے کا ٹھہرنا کسی کے واسطہ سے نہیں ہُوا۔ اسی لئے پہلے کو استقرار سے اور دُوسرے کو استیداع سے تعبیر کیا گیا ہے گویا ماں کے پیٹ میں کسی نے بطور امانت نُطفے کو ٹھہرانے کے لئے رکھا ہے۔ اس لئے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ ابنِ آدم سے فرماتا ہے کہ آدم زادہ تو اپنے اہل وعیال میں چندروزہ امانت ہے پھر تو نے اپنے اصل وطن کی طرف جانا ہے۔ لبید شاعر نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔

وَمَا المال والاعیال الاودیعة   وَلابد یَوْمًا تردالودائع

marfat.ocm

(ترجمہ) مال اور اہل و عیال تمہارے ہاں چند روزہ امانت ہیں اور امانت کو واپس دینا ضروری ہوتا ہے

فائدہ : قلب میں منجملہ امانات و ودائع سے ایک امانت و ودیعت ہے۔ حضرت صائب نے فرمایا:

سہ ترا بگو ہر دلِ کردہ اند امانتدار
نہ دزدِ امانتِ حق را نگہدار محتسب

ترجمہ : تجھے دل کے گوہر کا امین بنایا گیا ہے۔ چور نہ امانت حق کا نگہدار ہے نہ محتسب

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ ہم نے مفصّل آیتیں بیان کر دیں یعنی انسانی تخلیق و دیگر مخلوق کی پیدائش تفصیل کے ساتھ بیان کر دیں۔ **لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ** ۝ اُن لوگوں کے لیے جو اپنی عقل و فکر اور گہری نظر سے پوشیدہ اور نہایت باریک نکتے سمجھتے ہیں۔

سوال : ذکرِ نجوم میں یعلمون اور تخلیق انسان میں یفقهون کہنے کا راز ہے۔

جواب : آیاتِ آفاق کی طرف اور تخلیق انسانی میں آیات انفس کی طرف اشارہ کی غرض سے یَعْلَمُوْنَ و یَفْقَهُوْنَ کا فرق کیا گیا اس لئے کہ آیاتِ آفاق اَظہر و اجلیٰ ہیں اور آیاتِ انفس ادق و اخفیٰ ہیں۔ اسی لئے آیاتِ انفس کے لئے یفقهون موزوں ہے اس لئے کہ فقہ خفی معنے کے معلوم کرنے کو کہا جاتا ہے۔

نکتہ : فقہ کا لفظ شق و فتح پر دلالت کرتا ہے۔ اسی لئے فقیہ اس عالم کو کہا جاتا ہے جو احکامِ شرعیہ کی تفصیل سے واقف ہو کر اُن کے دقائق کو پہنچے اور اُن کے اندر جتنی پیچیدگیاں ہیں سب کو کھول کر واضح کرے یہی وجہ ہے کہ فقیہ کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوتا ہے جو مسائل شرعیہ کا حاذق و ماہر ہو اور اسے ان پر گہری نظر ہو۔

فقہ اور علم غیب : حضرت حدادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لغت میں فقہ بمعنی کلام کا معنیٰ سمجھنا لیکن ایسی گہرائی سے کہ اسے علم غیب سے مشابہت ہو جائے۔ اس لئے کہ ایسا عالم چند اصول مدِ نظر رکھ کر بطور استنباط معنے کو سمجھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو فقیہ کی صفت سے موصوف نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ اس کا علم استنباط کا محتاج نہیں بلکہ وہ بلا واسطہ علے وجہ الاتم جمیع اشیاء کا عالم ہے۔

خلاصہ تفسیر : آیات مذکورہ جنہیں آفاقیہ و انفسیہ سے تعبیر کیا جائے تو بجا ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ صفت پر دلالت کرتی ہیں۔ اہلِ شرک کو توحید و ایمان کی اور اہلِ اخلاص کو شہود و عیان کی اور اہلِ معصیت کو طاعۃ اور توبہ لسانی و قلبی کی دعوت دیتی ہیں ان سے بڑی بڑی نعمتیں اس لئے یاد دلائی جاتی ہیں تاکہ بندہ اُن کے لئے شکریہ ادا کرے اور ان کے حقوق کو پہچانے ہر قوم اور ہر گروہ پر جس طرح کی نعمتیں عطا ہوئی ہیں۔ مثلاً توحید الافعال والصفات والذات کی نعمتوں کا شکریہ کرنا لازمی ہے۔

marfat.ocm

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ طلبِ حق کے لئے جد وجہد کرے۔ اس لئے کہ تمام عوالم آفاقی ہوں یا انفسی کے مقدمات کی ترتیب کا اصل مقصد یہی ہے کہ بندہ مظاہرہ کے ظواہر سے واصل باللہ ہو اور اس کے تمام حجابات دُور ہوں جو اسے غفلت کی وجہ سے وصول الی اللہ کے لئے حائل ہیں۔ (ف) یاد رہے کہ سب سے بڑا حجاب غفلت ہے۔

حکایت : شیخ ابو الفوارس شاہین بن شجاع کرمانی رحمہ اللہ تعالیٰ شکار کے لئے نکلے (جب آپ کرمان کے بادشاہ تھے) شکار کے لئے بہت بڑی جد وجہد فرمائی۔ شکار بھاگتا رہا آپ اس کا پیچھا کرتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ ایک جنگل بیابان میں جا نکلے، چونکہ اکیلے تھے بہت پریشان ہوئے اچانک آپ کے قریب سے ایک نوجوان درندے پر سوار ہو کر تشریف لایا اس کے ارد گرد تمام درندے گھیرا ڈالے ہوئے تھے۔ جب درندوں نے حضرت کرمانی کو دیکھا تو آپ کو پھاڑ کر کھانے کے لئے دوڑے۔ اس نوجوان نے درندوں کو جھڑکا تو تمام رُک گئے۔ وہ نوجوان حضرت کرمانی کے ہاں حاضر ہو کر السلام علیکم کہہ کر فرمایا اے بادشاہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اتنا غافل کیوں ہے تمہیں اللہ تعالیٰ نے دُنیا اس لئے عنایت فرمائی کہ تم اس کے ذریعے اُس کی خدمت (عبادت) زیادہ سے زیادہ کر سکو۔ لیکن تم نے الٹا اس کی دی ہوئی نعمت کو اُس سے رُوگردانی پر استعمال کیا۔ نوجوان حضرت کرمانی کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا کہ اچانک ایک بڑھیا آئی اور پیالہ پانی کا نوجوان کو پیش کیا۔ نوجوان نے تھوڑا سا پی کر بقایا بادشاہ کو دیا۔ حضرت کرمانی فرماتے ہیں کہ اس جیسا پانی ٹھنڈا اور میٹھا اور لذیذ ترین میں نے کبھی نہیں پیا اس کے بعد وہ بڑھیا گم ہو گئی۔ نوجوان نے فرمایا اے بادشاہ یہی دُنیا تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے میری خدمت کے لئے بھیجا تھا۔ مجھے جب بھی کسی شئ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ دُنیا حاضر ہو کر میری ضرورت پُورا کر دیتی ہے۔ اے بادشاہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے جب دُنیا کو پیدا فرمایا تو اسے فرمایا کہ اے دُنیا تم اُس کی خدمت کرنا جو میری خدمت کرے اور جو تیری خدمت کرے اُس سے خوب خدمت لینا۔ جب حضرت کرمانی نے یہ حال دیکھا تو فوراً تائب ہوئے اس کے بعد بہت بڑے ولی کامل بن گئے۔ کسی شاعر نے کہا ؎

(۱) خَدَمتُ لِمَا اَنْ صِرتُ مِنْ خدمَكْ ⁂ وَدَارَ عِندِی السُّرُوْرُ مِنْ نِعَمِكَ
(۲) وَكَانَ الحادثات تَطْرُقنِی ⁂ فَاسْتَغْشَشَتْنِیْ اذ صِرْتُ مِنْ حَشَمِكَ

ترجمہ : (۱) میں نے ایسی بہتر خدمت سر انجام دی کہ میں آپ کے خدام سے شمار ہونے لگا اور تیری نعمتوں سے مجھے بھر پُور کر دیا گیا۔

(۲) لیکن حوادثِ دُنیا نے مجھے جھنجھوڑا اور اپنا بنانے کی جد وجہد کی لیکن میں تیرے خدام کے زُمرہ سے ہو چکا۔

اے اللہ مجھے ان لوگوں سے بنا جو تیرے دروازے پر زندگی بسر کرتے ہیں اور ان لوگوں سے نہ بنا جو مجھے تیری درگاہ سے جُدا کر دے۔

تفسیر عالمانہ ۹۸ وَهُوَ ، اور وہ اللہ تعالیٰ الَّذِیٓ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۹۹

(جس نے آسمان سے مخصوص پانی اُتارا یعنی بارش نازل فرمائی) اس کے بعد غیب کے صیغے سے متکلم کے صیغہ کی طرف التفات فرمایا فَاَخۡرَجۡنَا ، پس ہم نے نکالا۔ یہ نون عظمت کا ہے جمع کا نہیں اس لئے بہت سا بادشاہ اپنی عظمت کے پیش نظر اپنے آپ کو جمع کے صیغے سے تعبیر کرتا ہے بِهٖ پانی کے سبب سے نَبَاتَ كُلِّ شَیۡءٍ ، ہر شئی کی انگوری مثلاً گندم اور جو اور انار اور سیب وغیرہ کے بیج سے مذکورہ بالا اشیاء کی انگوریاں پیدا فرماتا ہے۔ یہ شئی عام نہیں بلکہ مخصوص عنہ البعض ہے اس لئے کہ بعض اشیاء انگوریوں سے نہیں پیدا ہوتیں جیسے پتھر وغیرہ۔

فائدہ : نبات : بنت بمعنی ہر وہ شئے نامی جو زمین سے نکلے اس کی پنڈلی ہو (جیسے اشجار) یا نہ ہو (جیسے بیل بوٹیاں) یعنی تمام بے ساق نباتات۔

سوال : اللہ تعالیٰ نے نبات کے لئے پانی کو کیوں سبب بنایا اور جو سبب بنائے وہ دوسرے سے مدد مانگنے والا ہوتا ہے تاکہ اس سبب کے ذریعہ سے اُس کا کام ہو اللہ تعالیٰ کے لئے ایسا تصوّر کرنا بھی جرم ہے۔

جواب : بارش کا کام صرف اتنا ہے کہ اُس سے انگوری اُگے۔ بارش نے انگوری جنی ہے نہ ہی انگوری کو بارش سے پیدا ہونے کا تصوّر کیا جا سکتا ہے بلکہ وہ صرف ایک سبب عادی ہے ، ورنہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ بارش نہ ہو تب بھی وہ انگوریاں اُگا سکتا ہے۔ سوال کی تقریر ہر اُس شخص کے لئے ہو سکتی ہے جو سبب کا محتاج ہو کہ سبب نہ ہو تو فعل کا صدور اس سے ممکن بھی نہ ہو۔ جیسے انسان کو سیڑھی کے بغیر چھت پر چڑھنا ناممکن ہے۔ اس لئے وہ سیڑھی کو چھت پر چڑھنے کے لئے سبب بناتا ہے اور سیڑھی چھت پر چڑھنے کا ایک آلہ ہے ، لیکن اس کے باوجود انسان کو چھت پر چڑھنے کے لئے سیڑھی لازم نہیں بلکہ بسا اوقات وہ سیڑھی کے بغیر بھی چھت پر چڑھ جاتا ہے۔ جب ایک معمولی انسان کے لئے اس مثال کے بعد اعتراض رفع ہو جاتا ہے تو پھر ذاتِ حق کے لئے اشکال کیوں۔

فَاَخۡرَجۡنَا مِنۡهُ ، یہاں سے اخراج کی تفصیل شروع فرمائی کہ وہ انگوریوں کو کیسے اُگاتا ہے پہلے اُن انگوریوں کا ذکر فرمایا جو زمین پر پھیل جاتی ہیں اور درخت جیسی صورت یعنی ٹہنیاں وغیرہ نہیں رکھتیں ، چنانچہ فرمایا پس ہم نے اُس سے نکالا۔ خَضِرًا ، سبزی کو یہاں خضر بمعنی اخضر ہے یعنی سبز تر سبزی ترکاری جو بیج سے نکل کر زمین پر پھیل جاتی ہے۔ نُّخۡرِجُ مِنۡهُ ، یہ خضر کی صفت ہے یعنی ہم اس سبزی پھیلی

marfat.ocm

ہوئی سے نکالتی ہیں۔ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ،، دانے ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے۔ متراکب سے وہ بالی مُراد ہے جو دانوں پر مشتمل ہوتی ہے جس کے ہیئت مخصوصہ سے دانے ایک دوسرے پر چڑھے ہوتے ہیں۔

وَمِنَ النَّخْلِ ،، یہاں سے ترکاریوں کی تفصیل کے بعد اب درختوں کی تفصیل بیان فرمائی کہ اور ہم نے کھجوروں سے نکالے۔ مِنْ طَلْعِهَا ،، اُس کے گابھے سے یہ النخل سے بدل ہے۔ عامل کا اعادہ کرکے طلع ہر وہ شئے جو کھجور سے نکلتی ہے۔ اس کی پہلی شکل جُوتے کی سی ہوتی ہے اور اس کے دانے ایک دُوسرے سے ملے ہوتے ہیں ایسے معلوم ہوتا ہے کہ گویا موتی کی لڑیاں پروئی ہوئی ہیں۔ قِنْوَانٌ ،، یہ مُبتدا اور اُس کی خبر مِن النخل مقدم ہے۔ یعنی کھجور کے گابھے سے حاصل ہوتے ہیں۔ گچھے۔ قنوانٌ قنو کی جمع ہے اور کھجور کے ثمر کے لئے بمنزلہ انگور کے گچھوں کے ہوتے ہیں۔ دَانِيَةٌ ،، قریب ہونے والے کہ چُننے والے کو آسان ہوتا ہے اس لئے کہ شئ جتنی قریب ہو اتنا ہی چننے میں آسانی ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ کھجور جتنا چھوٹی ہوگی اتنا ہی ثمر آسانی سے حاصل کیا جائے گا۔ اسے بڑی کھجور سے لینے کا خیال تک نہ ہوگا۔ اس سے مُراد یہ ہے کہ کھجور کے ثمرات ایک دُوسرے پر لپٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس میں اختصار ہے جس کی تفصیل یوں ہے کہ بعض کھجوریں ایسی ہیں جن کے گچھے قریب ہیں۔ یعنی ان کے درختوں کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے اور بعض بعید اُن کے درختوں کے اُونچے ہونے کے باعث۔ یہاں قریب کا ذکر کرکے طویل کو اس میں داخل کر دیا گیا ہے اس لئے کہ اقرب کو بہت بڑی نعمت اور مکمل ترین سمجھا جاتا ہے۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی پھوپھی کھجور کی عزت احترام کرو۔ اس لئے کہ وہ تمہارے باپ آدم علیہ السلام کی بقایا مٹی سے پیدا کی گئی ہے۔ کوئی درخت اللہ تعالیٰ کے ہاں مکرم ترین نہیں سوائے کھجور کے کہ اس کے نیچے بی بی مریم علیہا السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جنا۔ بچہ جننے والی عورتوں کو سب سے پہلے تر کھجوریں کھلاؤ اگر تازہ کھجور نہ ملے تو خشک سہی۔

(ف) اس سے ثابت ہُوا کہ عرب میں بچہ جننے والی عورتوں کو تر کھجور کھلانے کا سبب یہی ہے کہ بی بی مریم نے عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے وقت تر کھجور کھائی تھی۔ کما قال فی سُورہ مریم وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا (اور کھجور کے تنے کو اپنی طرف کھینچ ،، تجھ پر تر اور پکی کھجور گرائے گی ،،

(ف) بہی دانہ کی فضیلت میں بھی اسی طرح وارد ہے۔

حکایت : کسی نبی علیہ السلام کو اُمت نے اولاد قبیح شکل پر پیدا ہونے کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہیں فرمائیں کہ وہ اپنی حاملہ عورتوں کو بہی (سفرجل) کھلائیں۔ یعنی حمل کے تین یا چار ماہ بعد۔ اس لئے کہ اس میں اچھی صُورت کا نقشہ ہے اور یہ بچے کو حسین بناتی ہے۔

marfat.ocm

وَجَنّٰتٍ مِّنْ ” اور ہم نے نکالے باغات **مِنْ اَعْنَابٍ** انگوروں کا اس کا عطف نبات کل شئی پر ہے۔

سَوَال : یہاں پر جنات کا اضافہ کیوں جبکہ پہلے اور بعد کو بھی اِسم جنس پر اکتفا کیا گیا یہاں بھی ایسے ہی کیا جاتا۔

جواب : اس لئے کہ یہاں پر دونوں اسم جنس جب تک جمع نہ ہوں ان سے انتفاع نہیں ہو سکتا اور جنات جنۃ کی جمع ہے ہر وہ گھنے دار شئی جو ایک دوسری کو چھپا دے اسے جنۃ کہا جاتا ہے۔ ویسے لغتہ بھی جنۃ جن بمعنے استتر سے مشتق ہے اور الاعناب۔ عنب کی جمع ہے اور فارسی و اردو میں بمعنی انگور **وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ** ” زیتون اور انار یعنی ہم نے زیتون اور انار کے درخت پیدا کئے **مُشْتَبِهًا** ” درانحالیکہ ان کے پتے ایک دوسرے سے ہم شکل اور اوّل سے آخر تک ہر دونوں ٹہنیوں سے بھرپور ہیں (یہ حال ہے)

وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ط اور ثمر کے لحاظ سے ایک دوسرے سے ہم شکل نہیں۔

(ف) تفسیر فارسی میں ہے کہ درخت پتوں کے لحاظ سے ایک دوسرے کے ہم شکل ہوتے ہیں اور ثمرات اور ذائقہ وغیرہ کے لحاظ سے ایک دوسرے سے ہمشکل نہیں ہوتے اس لئے کہ ان میں بعض نہایت کھٹے اور بعض تھوڑے کھٹے اور بعض کھٹ مٹھڑے ہوتے ہیں۔

اُنْظُرُوْٓا ” اے مخاطبو! غور و فکر کرکے دیکھو **اِلٰى ثَمَرِهٖٓ** ” اُسکے ثمر کو یعنی ہر درخت کے پھل کو **اِذَآ اَثْمَرَ** ” جب وہ اپنا پھل نکالے کہ پہلے وہ اپنا پھل کچا نکالتا ہے کہ اس سے نفع نہیں لیا جا سکتا **وَيَنْعِهٖ** ط ” اور اس کے پھل پک جانے کو دیکھو کہ پکنے کی حالت میں کس طرح موٹا ہو جاتا ہے اور اس سے نفع بھی اُٹھایا جا سکتا ہے اور لذیذ بھی ہوتا ہے۔ الینع دراصل ینعت الثمرۃ ” کا مصدر ہے۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جبکہ درخت اپنے پھل پکنے کی حد کو پہنچ جائے اذا اثمر اُنظروا کی طرف ہے۔

نکتہ : نظر عبرت کا حکم اس لئے ہوا کہ قادر کریم کی قدرت دیکھو کہ درخت کا پھل درخت سے نکلا ہے جس کے نکلنے کا مرکز بھی ہے۔ پانی بھی ایک طرح ہے زمین بھی وہی لیکن پھل کا تبدل و تغیر دیکھو کہ کبھی چھوٹا اور کبھی کچا تو پھر بدل کر موٹا اور پختہ اور مختلف رنگوں میں رنگدار ہو جاتا ہے۔ پہلے اُس کا حال اور طرح ہوتا ہے۔ پھر آخر کچھ اور حال اختیار کر لیتا ہے۔ پھل کی مختلف حالتیں دلالت کرتی ہیں کہ اس کا پیدا کرنے والا بڑی قدرت کا مالک ہے اور وہ تخلیق اشیاء میں بہت بڑی حکمتوں والا ہے تمام جہان کو پیدا کرنے کی تدبیر میں ہزاروں حکمتیں و مصلحتیں اور رحمتیں رکھتا ہے۔

مسئلہ : امام قرطبی نے فرمایا کہ جواز بیع میں ثمر پکنے کی شرط اسی پہ ہے کہ وہ پھل پورا پختہ

marfat.ocm

ہو جائے کہ پھر کھانے کے لائق سمجھا جائے اور آسمانی آفت کے نزول سے محفوظ ہو جائے۔ آسمانی آفت سے کہکشاں کے طلوع سے پہلے کا وقت مراد ہے اس لئے کہ ان ستاروں کے طلوع سے پہلے کچے قسم کے پھل توڑے جائیں تو وہ پھل خراب ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا نظام پھلوں کے لئے ایسے ہی بنایا ہے

حدیث شریف : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب صبح کے وقت کہکشاں کا طلوع ہوتا ہے تو آسمانی آفت دفع ہو جاتی ۔

(ف) فصل ربیع کے تین آخری مہینوں کے پہلے ماہ کی بارھویں تاریخ کے بعد کہکشاں کا صبح کے طلوع کا آغاز ہوتا ہے اور وہ تین ماہ یہ ہیں (۱) مارچ (۲) اپریل (۳) مئی۔ گویا مئی کی بارہ تاریخ کے بعد کہکشاں کے صبح کے وقت طلوع کا آغاز ہوتا ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکُمْ ،، یہ اشارہ غور و فکر کے نظر کی طرف ہے۔ **لَاٰیٰتٍ** ،، قادر و حکیم کے وجود اور ان اشیاء کے حدوث پر دلالت کرنے والی بہت بڑی نشانیاں ہیں۔ **لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ** ۝ ایماندار لوگوں کے لئے ۔

(ف) اہلِ ایمان کی تخصیص اس لئے ہے کہ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اشیاء سے استدلال کر کے نفع پاتے اور اس سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ : آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان عنایت سے ہدایت کا پانی برساتا ہے اور اہل زہد و فتویٰ اور اہل عشق و تقویٰ کے مراتب استعداد کے مطابق قسم قسم کے معارف و اسرار نازل فرماتا ہے۔ اس لئے کہ ہر انسان کا قلب مستقل ایک باغ ہے اس سے وہی پیدا ہوتا ہے جیسی اُس میں استعداد ہوتی ہے اور قاعدہ ہے کہ ہر انگوری اُس مٹی کا پتہ دیتی ہے جس سے کہ وہ پیدا ہوئی ہے۔ مثنوی شریف میں ہے۔

در زمیں گر نے شکر ور خود نے است   ترجمان ہر زمین بنت وے است

ترجمہ : زمین کا کماد ہو یا کوئی کھانے کی اشیاء اس کا ترجمان اس کا درنہ (بیج) ہے۔

(ف) کھجور تمام درختوں سے بلند تر ہوتی ہے۔ یہ اصحاب ولایت پر دلالت کرتی ہے اُن کی ولایت کے بعض کے ثمرات ایسے ہیں جو طالبین و مریدین کے لئے بالکل قریب ہوتے ہیں۔ یعنی بعض لوگ ایسے بزرگاں کے قریب تر ہو کر اُن کی ولایت کے ثمرات سے نفع پاتے ہیں اور بعض اولیاء کرام ایسے ہوتے ہیں جو عزلت اور گوشہ نشینی اور لوگوں سے اوجھل زندگی بسر کرتے ہیں وہ اپنے تمام اوقات و احوال کو اللہ تعالیٰ کی طرف صرف کرنا چاہتے ہیں اپنا ہر فعل و قول اذن الٰہی پر مبنی رکھتے ہیں اُن پر صرف جاہل ہی طعن زنی

marfat.ocm

تے میں ورنہ ایسے حضرات خلوت و جلوت میں قلوب کے باغات سے میوہ کھاتے ہیں اور غیبی دانوں کی توں سے محفوظ ہوتے رہتے ہیں لیکن ایسے بزرگوں کے حالات مخلوق کی آنکھوں سے مستور اور پوشیدہ تے ہیں۔

حکایت : ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے نو (۹) ایسے بزرگوں کی زیارت کی جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی مجاورت میں مدت تک زندگی بسر کر رہے تھے بھی اُن کے ساتھ بیٹھ گیا۔ مجھ سے اُنہوں نے کہا تیرا ہمارے ساتھ کیا کام ہے۔ میں نے عرض کی میں بھی حضرات کی صحبت سے فیض یاب ہونا چاہتا ہوں اس لئے کہ مجھے آپ حضرات سے عشق ہے۔ آپ کی رت بھی میرے لئے آخرت کا بہترین سرمایہ ہے اس لئے کہ جس ذاتِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے شرف ہو رہے ہو۔ اُن کا ارشادِ گرامی میں نے سُنا ہے : اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ ،، قیامت میں ہر شخص اُس کے تھ ہوگا۔ جسے جس سے محبت و عشق ہے۔ ان میں سے ایک نے فرمایا اب ہمارا یہاں سے کوچ کرنے کا ہے۔ میں نے کہا تو میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا۔ اُنہوں نے فرمایا تو ہمارے ساتھ نہیں چل سکے گا لئے کہ جہاں ہم جانا چاہتے ہیں وہ یہاں سے چالیس سال کی مسافت پر ہے۔ میں نے عرض کی کچھ بھی مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔ ان میں سے ایک اور بزرگ نے فرمایا بھائیو! اسے ساتھ لے لو جہاں تک چل سکے گا چلتا گا۔ ہمارا کیا بگڑتا ہے۔ اس کے بعد ہم سب وہاں سے چل پڑے لیکن کیفیت یہ تھی کہ ان کے قدموں کے مین لپیٹی گئی اور میں بھی ان کی معیت میں طے الارض کی کرامت سے نوازا گیا۔ یہاں تک کہ ہم ایسے شہر میں پہنچے کے مکانات کی اینٹیں سونے اور چاندی کی تھیں۔ جس کے درخت گھنے دار اور جس کی نہریں ہر وقت تر و تازہ میٹھے پانی سے جاری رہتی تھیں۔ جس کے باغات کے پھل نہایت موٹے میٹھے اور لذیذ تھے ہم اس میں داخل ے۔ اس کے باغات کے پھل کھائے۔ میں نے وہاں سے تین عدد سیب توڑ کر اپنے پاس رکھ لئے ان میں سے سی نے نہ روکا۔ میں نے عرض کی کہ واپسی کا ارادہ ہے یا نہیں۔ فرمایا یہ اولیاء اللہ کا شہر ہے۔ جب کوئی اللہ تعالیٰ لی اس کی سیر کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ اسے یہاں حاضر ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ وہ شہر خود بخود اولیاء اللہ دمت میں حاضر ہو جاتا ہے۔ وہ جہاں بھی ہوں یہ شہر وہاں حاضر ہو جاتا ہے۔ اس میں چالیس سال کے عرصہ میں ی آدمی تیرے سوا کوئی داخل نہیں ہوا۔ اس کے بعد مجھے جب بھوک لگتی تو میں اس سیب سے کچھ کھا لیتا لیکن مسافت میں لمبے سفر اور اس سے کاٹ کر کھانے کے باوجود سیب میں کسی قسم کی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ اسی سے میں گھر واپس ہوا تو سیب جوں کا توں رہا۔ گھر میں سب سے پہلے میری بہن سے میری ملاقات ہو گئی۔ نے کہا اتنا عرصہ ہمیں اکیلا چھوڑ کر کہاں چلا گیا تھا۔ میں نے جواب دیا کیا پوچھتی ہو میں اس دنیا سے کہیں دُور گیا تھا۔ اُس نے کہا تو وہ سیب کہاں ہے؟ میں نے عمداً بات کاٹتے ہوئے کہا کونسا سیب۔ اُس نے کہا

marfat.ocm

وہی جو تُو مدینۃ الاولیاء کے باغات سے توڑ کر اپنے لئے ساتھ لایا ہے۔ میں نے کہا تمہیں کیسے معلوم ہُوا۔ کہا اے بندہ خدا مجھے بھی تو اس شہر میں لے گئے تھے۔ تو نے اس شہر کو اس وقت دیکھا جب تجھے واپس لوٹانے کا ارادہ کیا گیا اور میں نے تو اسے بار بار دیکھا ہے۔ میں نے کہا یہ کیا کہہ رہی ہو۔ جن اولیاء کی صحبت میں میں رہا۔ ان کا امیر فرماتا تھا کہ اس شہر میں چالیس سال کے عرصہ تک تیرے سوا کوئی داخل نہیں ہُوا لیکن تو اس میں آنے جانے کی بات کرتی ہے۔ اُس نے کہا اُنہوں نے صحیح فرمایا اس لئے کہ مریدوں میں سوائے تمہارے چالیس سال کی مدت میں وہاں کوئی نہیں گیا۔ باقی رہے اللہ والے وہ ہر وقت جب چاہیں اس کے اندر چلے جاتے ہیں۔ اگرچہ وہ اس سے روحانی طور کوئی دلچسپی نہیں رکھتے) اب تم جس وقت چاہو گے میں تمہیں وہی شہر یہاں بیٹھے بیٹھے دکھا دوں گی۔ میں نے کہا میں ابھی اس شہر کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ اُس نے کہا یا مدینتی اُخضُری اے میرے شہر ابھی آ جاؤ۔ بخدا میں نے اپنی آنکھوں سے اُس وقت شہر کو دیکھ لیا۔ میری بہن اُس باغ کی طرف بڑھی اور اُس سے ہاتھ بڑھا کر مجھے کہا تیرا سیب کہاں ہے اس کے کہنے پر سیب میرے ہاتھ سے گر گیا۔ میری اس حالت کو دیکھ کر میری بہن ہنس پڑی اور کہا کہ جس کے ہاں خدا کی خدائی ہو وہ آپ کے سیب کا محتاج نہیں ہوتا۔ میں اُس وقت سخت شرمندہ ہُوا اور اس وقت مجھے یقین ہُوا کہ میری بہن بھی اُن اولیاء کرام میں سے ہے۔

تفسیر عالمانہ "وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ" اور اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کا شریک جنوں کو بنایا۔

شانِ نزول : کاشفی نے فرمایا صحیح تر یہ ہے کہ یہ آیت زندیقوں یعنی مجوسیوں کے حق میں نازل ہُوئی۔ اِن زندیقوں کو ثنویہ بھی کہا جاتا ہے۔

اُن کا عقیدہ تھا کہ خالق دو ہیں: (١) اللہ تعالیٰ (٢) ابلیس۔ یہ دونوں بھائی ہیں (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ انسانوں اور حیوانوں اور چرپایوں اور ہر بھلائی کا خالق ہے۔ اُسے یزدان کہتے ہیں اور ابلیس درندوں اور سانپوں اور بچھوؤں اور ہر شر کا خالق ہے۔ اسے اہرمن سے تعبیر کرتے ہیں۔ دوسرے مقام پہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا"

(ف) ابلیس بھی جنوں سے ہے۔

تنبیہ : اللہ تعالیٰ نے تو جنوں کا بھی خالق ہے پھر مخلوق اُس کی کیسی شریک ہو سکتی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مجوسی کا عقیدہ باطل ہے۔

وَخَرَقُوْا لَهٗ "اور اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے گھڑے۔

marfat.ocm

فت) خرق اور اخترق۔ اختلق و افتری ایک معنیٰ میں ہیں۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جبکہ کوئی
بولے بَنِیْنَ وَ بَنٰتٍ " لڑکے لڑکیاں۔ جیسے یہودیوں نے کہا کہ عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ
ہے اور نصاریٰ نے کہا کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں ہیں۔ بِغَیْرِ عِلْمٍ " حقیقت سے
کی بناء پر یعنی جو کچھ اُنہوں نے کہا خطا و صواب امتیاز کا تصور ہٹا کر غلط کہا۔ بلکہ بلا تامل و فکر
پن اور جہالت سے کہا اور بغیر علم کی باء محذوف سے متعلق اور خرقوا کے فاعل سے ہے۔ دراصل
ت " خرقوا ملتبسین بغیر علم " تھی۔ سُبْحٰنَهٗ " اُس کی ذات منزہ و مقدس ہے اور وہ اسی
کے لائق ہے۔ وَتَعٰلٰی " یہ علو سے ماخوذ بمعنے استعلیٰ " ہے۔

مسئلہ : اللہ تعالیٰ کو علو سے موصوف کرنا جائز ہے اور ارتفاع سے ناجائز۔ اس لئے کہ علو کا معنے کبھی اقتدار بھی ہوتا ہے۔ بخلاف ارتفاع کے کہ وہ جہت
کا مقتضی ہے اس لئے علو سے موصوف ہونا جائز ہوا اور ارتفاع سے ناجائز۔

فائدہ : سبحان و تعالیٰ کو تباعد کے معنیٰ میں لیا جائے گا تاکہ عَمَّا یَصِفُوْنَ
واضح ہو سکے یعنی اللہ تعالیٰ مشرکین کی بتائی ہوئی صفتوں سے دُور ہے نہ اُس کا کوئی شریک ہے
نہ ہی اس کی کوئی اولاد۔

marfat.ocm

بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ

بغیر کسی نمونہ کے آسمانوں اور زمین کا بنانے والا- اس کے بچہ کہاں سے ہو حالانکہ اس کی

وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ

عورت نہیں اور اس نے ہر چیز پیدا کی اور وہ سب کچھ جانتا ہے یہ ہے اللہ تمہارا رب اس کے سوا کسی کی بندگی

خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۰۲﴾ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ؗ

نہیں ہر چیز کا بنانے والا تو اسے پوجو وہ ہر چیز پر نگہبان ہے آنکھیں اسے احاطہ نہیں

وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۳﴾ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ

کرتیں اور سب آنکھیں اس کے احاطہ میں ہیں اور وہی ہے پورا باطن پورا خبردار تمہارے پاس آنکھیں کھولنے والی دلیلیں

فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۱۰۴﴾ وَكَذٰلِكَ

آئیں تمہارے رب کی طرف سے تو جس نے دیکھا تو اپنے بھلے کو اور جو اندھا ہوا اپنے برے کو اور میں تم پر نگہبان نہیں اور

نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِتَّبِعْ مَاۤ

ہم اسی طرح آیتیں طرح طرح سے بیان کرتے ہیں اور اس لیے کہ کافر بول اٹھیں کہ تم تو پڑھے ہو اور اس لیے کہ اسے علم والوں پر واضح

اُوْحِیَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَلَوْ شَآءَ

کردیں اس پر چلو جو تمہیں تمہارے رب کی طرف سے وحی ہوتی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور مشرکوں سے منہ پھیر لو اور اللہ چاہتا تو

اللّٰهُ مَاۤ اَشْرَكُوْا ؕ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۷﴾ وَلَا تَسُبُّوا

وہ شرک نہیں کرتے اور ہم نے تمہیں ان پر نگہبان نہیں کیا اور تم ان پر کروڑے نہیں اور انہیں گالی

الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ

نہ دو جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کہ وہ اللہ کی شان میں بے ادبی کریں گے زیادتی اور جہالت سے یونہی ہم

اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۪ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَاَقْسَمُوْا

نے ہر امت کی نگاہ میں اس کے عمل بھلے کر دیے ہیں پھر انہیں اپنے رب کی طرف پھرنا ہے اور وہ انہیں بتادے گا جو کرتے تھے

بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ

اور انہوں نے اللہ کی قسم کھائی اپنے حلف میں پوری کوشش سے کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آئی تو ضرور اس پر ایمان لائیں گے تم

اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَاۤ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ

فرما دو کہ نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں اور تمہیں کیا خبر کہ جب وہ آئیں تو یہ ایمان نہ لائیں گے اور ہم پھیر دیتے ہیں ان کے دلوں اور آنکھوں

كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِیْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ ع

کو جیسا وہ پہلی بار اس پر ایمان نہ لائے تھے اور انہیں چھوڑ دیتے ہیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکا کریں

ۃ بَدِیۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ط (آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والا ہے) یعنی عالم علوی وسفلی کے طبقات کو بلا مادہ ایسی نرالی طرز سے پیدا فرمایا کہ جن کی پہلے کوئی نظیر نہ تھی۔ وہی فاعل ہے علی الاطلاق اور وہ ہر قسم کے انفعال سے منزہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی کا والد ہوتا تو اس میں اپنی اولاد کا عنصر ہوتا اور اس کا مادہ اس سے منتقل ہوکر اس کی اولاد میں چلا جاتا اور یہ باتیں اللہ تعالیٰ میں ممتنع ہیں تو اس کے لئے اولاد کا ہونا بھی ممتنع ہے۔

(ف) اس سے ثابت ہوا کہ بدیع فعیل بمعنی مفعل ہے۔ جیسے الیم بمعنے مؤلم اور حکیم بمعنی محکم ہے۔

(قاعدہ) یہ اضافت حقیقیہ ہے۔ بعض نحوی کہتے ہیں کہ یہ صفت مشبہ اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے۔ دراصل عبارت بدیع سمٰوٰتہ وارضہ تھی۔

(حل لغات) بدیع بدع سے مشتق ہے کہ جس کی طرز عجیب اور شکل فائق اور حسن رائق ہو۔

اَنّٰی یَکُوۡنُ لَہٗ وَلَدٌ وَّلَمۡ تَکُنۡ لَّہٗ صَاحِبَۃٌ ط (اس کی اولاد کیسی حالانکہ اس کی جورو نہیں۔) اس میں اولاد کے تمام اسباب منتفی ہیں اس لئے کہ والدہ کے بغیر اولاد کا ہونا ناممکن ہے اگرچہ باپ کے بغیر اولاد ہوسکتی ہے اور ہوئی بھی جیسے عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔

(ف) صاحبۃ سے زوجہ مراد ہے۔ حضرت مولانا روم قدس سرہ نے فرمایا ؂

لَمۡ یَلِدۡ لَمۡ یُوۡلَدۡ است آواز قدیم
نے پدر دارد نہ فرزند و عم

ترجمہ: ولم یلد ولم یولد قدیم کی آواز ہے اس کا نہ باپ ہے نہ اولاد ہے نہ چچا۔

وَخَلَقَ کُلَّ شَیۡءٍ ج ،، اور اس کی شان یہ ہے کہ اس نے ہر شئ کو پیدا کیا ،، یعنی جملہ موجودات کی ایجاد و تکوین کا انتظام اسی کے ہاتھ میں ہے منجملہ ان کے اولاد بھی ہے جو کفار اس کے لئے ثابت کر رہے ہیں اس کے لئے اولاد کا تصور کیسا جبکہ وہ اس کا بھی خالق ہے ؂

خالق افلاک و انجم بر علا
مردم و دیو و پری و مرغ را

ترجمہ: وہ افلاک و انجم اور ان کے اوپر سب کو پیدا کرنے والا وہی ہے اس کی مخلوق ہیں آدمی۔ دیو، پری اور پرندے۔

وَہُوَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ،، اور اس کی شان یہ ہے کہ وہ مخلوق وغیر مخلوق کو ازلاً ابداً جانتا ہے ،، اس سے کوئی شئ مخفی نہیں جو گزری یا آئے گی۔ شئے کی ذات ہو یا صفات یا احوال منجملہ ان امور کے جو اللہ تعالیٰ کے لئے جائز ہیں یا نہ یا اس کے لئے وہ اشیاء محال ہیں اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد کا ثابت کرنا بھی محالات کے افراد کا ایک فرد ہے ذٰلِکُمُ ،، وہ بڑی صفات کا موصوف اللّٰہُ ،، وہی اللہ تعالیٰ جو عبادت کا وہی مستحق ہے۔ یہ مبتدا ہے اور اس کی صفت رَبُّکُمۡ ہے۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ تمہارے

marfat.ocm

جمیع امور کا مالک ہے ؎

نیست خلقش را دگر کس مالکے
شرکتش دعویٰ کند جز ھالکے

ترجمہ: مخلوق کا کوئی دوسرا مالک نہیں اس کے ساتھ شرکت کا دعویٰ وہی کرتا ہے جو تباہ و برباد ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور نہ ہی اُس کا کوئی شریک ہے۔ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ”تمام وہ اشیاء جو زمانہ ماضی میں گزری ہیں یا آئیں گی سب کا خالق ہے۔ اس میں تکرار نہیں بلکہ یہ اخبار مترادفہ ہیں۔ فَاعْبُدُوْهُ ”پس اُسی کی عبادت کرو۔ یعنی جو ان صفات کا جامع ہے تو عبادت کا مستحق بھی صرف وہی ہے۔ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝ اور وہ اللہ تعالیٰ ہر شئی کا وکیل ہے یعنی جو ذات اِن صفات کی جامع ہے وہی تمہارے جملہ امور کا متولی ہے۔ فَلہٰذا تم بھی اپنے جملہ امور اسی کی طرف سپ کرو اور اپنے جملہ دینی و دنیوی امور کی کامیابی کے لئے اُسی کی عبادت کو وسیلہ بناؤ اور یوں تصور کرو کہ ا ذات کی تمہارے ہر عمل پر نگاہ ہے اور وہ تمہیں ہر عمل پر جزا و سزا دے گا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی تقریر

حضرت امام غزالی قدس سرہ نے فرمایا کہ وکیل دو طرح کے ہوتے ہیں:

(۱) جو شئے اُس کے سپرد کی جائے وہ مکمل طور بلا کم و کاست اُس شئے کو واپس کر دے۔

(۲) جو سپرد کردہ شئے رتی کے برابر بھی واپس نہ کرے۔

وکیلِ مطلق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے کہ جو شئی اُس کے سپرد کی جائے تو وہ اسے نہ صرف مکمل واپس کرتا ہے بلکہ تا واپسی اُس کی پوری نگرانی بھی فرماتا ہے۔ اگرچہ بندہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے بندہ میں اس معنے کی سینکڑوں خامیاں پائی جاتی ہیں اور وہ کریم ہر خامی سے منزہ اور پاک ہے۔

متوکل کی کہانی

حضرت شیخ ابو حمزہ خراسانی قدس سرہ نے فرمایا کہ میں ایک سا حج کے لئے جا رہا تھا کہ اثنائے راہ میں اچانک ایک کنوئیں میں میرے دل میں خیال گزرا کہ فریاد کروں تو کوئی مجھے باہر نکالے لیکن سوچا کہ وہ کریم جب مجھے جانتا ہے ا اُسے میرے باہر نکالنے کی قدرت بھی ہے تو پھر کیوں غیروں کو پکاروں۔ جب یہ عقیدہ میرے دل پر پورے طور گیا تو دیکھا کہ دو آدمی کنوئیں کے قریب آ گئے۔ اور آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ اس کنوئیں کو بند کر دیا جائے کوئی اجنبی مسافر اس میں گر کر مر نہ جائے۔ یہ مشورہ کر کے پتھر روڑے اور مٹی اُٹھا کر کنوئیں میں ڈالنا دی میرے نفس نے مجھے سخت ستایا کہ اب تو فریاد کرو تا کہ جان بچ جائے۔ میں نے نفس کو جواب دیا کہ اُن کو کیوں پکاروں جبکہ نَحْنُ اَقْرَبُ کی شان والا رب مجھ سے قریب تر ہے۔ میں نے یہ کہہ کر اپنی جان جان آ کے سپرد کر کے خاموشی سے بیٹھ رہا اور وہ لوگ کنواں بند کر کے چلے گئے۔ تھوڑی سی دیر گزری کہ کنوئیں سے

marfat.ocm

کی آواز آئی اور باہر سے راستہ کھل گیا اور اُوپر سے اپنا پاؤں نیچے میرے قریب کرکے آواز دی کہ اے بندہ اس پاؤں کو پکڑ کر باہر آجا۔ میں نے جونہی اس پاؤں کو پکڑا تو اُس نے مجھے باہر نکالا۔ میں نے دیکھا تو وہ درندہ تھا۔ وہ مجھے باہر نکال کر چلا گیا، لیکن ہاتفِ غیب نے آواز دی کہ ہم نے تجھے ایک ہلاکت کے ذریعے دُوسری ہلاکت سے بچایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس پر بڑی قدرت رکھتا ہے اور وہ ہر شئے کا کارساز ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ نے جیسے اربابِ کمالات کے قلوب سے لطف و ہدایت کے پانی سے کمالات ظاہر فرمائے ایسے ہی قہر و جلال کے پانی سے گمراہوں کے نفوس کی زمین سے کئی قسم کی گمراہیاں پیدا فرمائیں۔ یہاں تک کہ اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک بنانے کے علاوہ غلط اور گندے بکواسات بکے؛ حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ اس کریم کی ذات و صفات اور افعال میں کوئی شریک نہیں۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب سے خائف رہے بلکہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طاعت و عبادت میں لگا رہے تاکہ اُس کی رضا و رحمت نصیب ہو۔ اسے چاہیئے کہ غیر کے خیر و شر کو خیال تک میں نہ لائے اس لئے کہ خیر و شر منجانب اللہ ہوتا ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ کسی کے کفر سے راضی نہیں ہے

گناہ اگرچہ نبود در اختیار ما حافظ
تو در طریقِ ادب کوش و گو گناہِ منست

ترجمہ: اے حافظ اگرچہ گناہ ہمارے بس میں نہیں لیکن پھر بھی ادب کے طور کہو کہ میرا ہی گناہ ہے۔

اے اللہ کریم ہمیں اپنے قہر و غضب سے ڈرنے کی توفیق عطاء فرمایئے۔ اس لئے کہ تیرے قہر و غضب سے کافر لوگ بے خطر رہتے ہیں،،

۝ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ز ،، دیکھنے کی حس کا نام نظر ہے۔ کبھی آنکھ کو بصر کہتے ہیں۔ اس لئے کہ آنکھ نظر کی محل ہے اور شئی کے ادراک سے شئے تک پہنچنا مراد ہے اور شئی کے محیط ہو جانے کو بھی ادراک کہا جاتا ہے۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تک کوئی آنکھ نہ پہنچ سکتی ہے اور نہ ہی اس کا احاطہ کر سکتی ہے۔

وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ج ،، وہ ابصار کا احاطہ کرتا ہے۔ اس سے اس کا علم مُراد ہے یعنی اس کا علم جمیع ابصار کو محیط ہے۔ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ،، اور وہ اللہ تعالیٰ ایسا لطیف خبیر ہے کہ جن اشیاء کا آنکھ کو ادراک حاصل نہیں ان اشیاء کو اللہ تعالیٰ محیط ہے۔

سوال: صرف آنکھ کے ادراک کی تخصیص کیوں؛ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا علم تو ہر شئے کو محیط ہے۔

جواب: آنکھ کا خاصہ ہے کہ وہ اپنے سوا ہر شئی کو دیکھ سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے غیر کو اپنی آنکھوں کا

marfat.ocm

ادراک حاصل نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کے لئے ممکن ہے۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہُوا کہ انسان اپنی بَصر کی حقیقت کی کنہہ سے بے خبر ہے۔ اور بصر سے مر
وہ حقیقت مُراد ہے کہ جس سے بذریعہ آنکھ اشیاء کو دیکھا جاتا ہے۔

فائدہ : ادراک و رؤیت میں فرق ہے اس لئے کہ ادراک شئے کی کنہہ سے واقف اور اُسے
محیط ہونے کو کہتے ہیں اور رؤیت صرف معائنہ کا نام ہے بلکہ رؤیت کبھی ادراک کے بغ
بھی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کہنا جائز ہے۔ "فُلَانٌ رَآہٗ وَلَمْ یُدْرِکْہٗ"، فلاں نے شئے کو دیکھا لیکن اس کا اد
نہیں کیا اسں سے واضح ہُوا کہ ادراک رؤیت سے اخص ہے اور قاعدہ ہے کہ اخص کی نفی سے اعم کی نفی
نہیں ہوتی۔ اس سے ثابت ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کا دیکھنا ممکن ہے اس کا ادراک ممتنع ہے۔ جیسے دُنیا میں بہت سے
بزرگوں کو اللہ تعالیٰ کا عرفان نصیب ہوتا ہے، لیکن وہ اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ یعنی معرفتِ الٰہی ممکن ہے وہ
یہ کہ بندے اور مولیٰ کے درمیان ایک قسم کا ربط قائم ہو جائے، لیکن اتنا قدر کہ طاقتِ بشریہ اس کی حامل ہو اس
لئے کہ حقیقی معرفت بندوں کے بس سے باہر ہے؛ چنانچہ بہت بڑے کامل اولیاء کرام عجز و انکسار کا اعتراف
کرتے رہے کہ "مَا عَرَفْنٰکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ"، خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ مِنْ حَیْثُ التجرد عن الاضافات والنسب
کا ادراک ناممکن ہے۔

حدیث شریف : حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے عرض کی گئی کہ کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کی ذات
کو دیکھا تو آپ نے فرمایا: "نورٌ اَنّٰی اراہ" وہ نُور تھا میں کیسے دیکھتا
یعنی نُورِ مجرد کو دیکھنا ناممکن ہے۔

(ف) اس معنی پر دوسرے مقام پر فرمایا: "اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ"۔ اس جملہ میں اللہ تعالیٰ نے مط
میں اپنے نُور کے مراتب بیان فرمائے ہیں۔ اس کے بعد مراتب تمثیل بیان فرما کر آخر میں فرمایا: "نُوْرٌ عَلٰی نُوْرِہٖ"
میں پہلے نُور سے روشنی اور دُوسرے سے مطلق اور اصل نور مُراد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی تتمیم پر فرما
"یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ"، یعنی اللہ تعالیٰ اپنے مظاہر میں متعین شدہ نور کے ذریعے سے مطلق
احدی نور کا راستہ دکھاتا ہے۔

مسئلہ : اس سے ثابت ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کا ادراک اس وقت محال ہے جب وہ ذات اضافات
نسب اور مظاہر سے متجرد ہو۔ اگر اسے مظاہر اور مراتب کے حجابات سے دیکھا جائے تو پھر ممکن ہے کسی شاعر نے

ے کالشمس تَمْنَعُکَ اجتلائک وَجْھَھا ۔۔۔ فاذا اکتست برقیق غیم امکنا

ترجمہ : سُورج کی کرنیں اور اس کی روشنی اس کے چہرے کے دیکھنے کو روکتی ہیں؛ لیکن جب وہ بادل کے اندر
چھپ جائے تو پھر اس کا چہرہ دیکھنا آسان ہو جاتا ہے۔

marfat.ocm

حدیث شریف : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ بہشت میں باریتعالیٰ کی زیارت ہوگی۔ وہ رویت شمس وقمر کے مشابہ ہوگی، چنانچہ فرمایا کہ اِنَّھُمْ یَرَوْنَ رَبَّھُمْ فَاِنَّہٗ لَیْسَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَھُمْ حِجَابُ الاِرْدَاءِ الکِبْرِیَاءِ عَلٰی وَجْھِہٖ فِیْ جَنَّتِ عَدْنٍ " بے شک بہشتی اللہ تعالیٰ کی زیارت کریں گے جنت عدن میں۔ اللہ تعالیٰ اور بہشتیوں کے درمیان صرف ردائے کبریا کے اور کوئی حجاب نہ ہوگا۔

معتزلہ کا رَدّ : دراصل یہ مسئلہ اہل سُنت اور معتزلہ کے درمیان نزاعی ہے۔ معتزلہ (اسی طرح شیعہ) کو اللہ تعالیٰ کے دیدار کے متعلق سخت اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں قیامت میں بھی اللہ تعالیٰ کی رویت ناممکن ہے۔ اُنھوں نے صحیحین کی روایت سے استدلال کیا ہے حضرت ابُوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرمایا کہ دو بہشتیں ایسی ہیں جن کے برتن اور اُن کی ہر شئی چاندی کی ہے۔ دیگر دو بہشتیں ایسی ہیں جن کے برتن اور اُن کے اندر کی ہر شئی سونے کی ہے وہاں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا، لیکن سامنے کبریائی کی چادر حجاب کے طور لٹکی ہُوئی ہوگی۔ اور ظاہر ہے کہ دیکھنے والے اور چادر لٹکانے والے کے درمیان چادر حجاب ہوتی ہے اور یہ حجاب بتاتا ہے کہ وہاں بھی رویت ناممکن ہے۔ اہل سُنت اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ حدیث میں لفظ حجاب سے انکار نہیں لیکن چادر اُوڑھنے والے کو محجوب نہیں کہا جاتا۔ علاوہ ازیں حدیث شریف میں لفظ وجہہ سے ذاتِ حق اور رداء سے وہ بندہ کامل مُراد ہے جسے اُس صُورت پر پیدا کیا گیا جو حقائق امکانیہ اور الٰہیہ کی جامعہ ہے اور رداء وہی خود کبریائی کا عین ہے اور یہ اضافت بیانیہ ہے یعنی کبریائی کی وہ چادر جو علماء عارفین باللہ کے عقول پہنتے ہیں۔

صاحب رُوح البیان قدس سرہ کی تحقیقِ لطیف : صاحب رُوح البیان فرماتے ہیں کہ معتزلہ کی چادر کی دلیل ہمارے لئے قادح نہیں اس لئے کہ وہ چادر کبریائی دنیوی چادروں سے نہیں، بلکہ نورانی چادر ہوگی جو کہ بمنزلہ شیشہ کے ہے اور شیشہ کسی شئی کے دیکھنے کے لئے حائل نہیں ہوتا۔ جیسے لباس بدن کے لئے حائل نہیں بلکہ بدن کا کالجز ہے۔ اس لئے کہ لباس اور بدن کے درمیان اور کوئی واسطہ نہیں۔ اس سے واضح ہُوا کہ وہ رداء چادر والے کا دیکھنا بھی بلا حائل ہوگا جبکہ ہم نے اس چادر کو بمنزلہ شیشہ کے مانا ہے اور وجہہ سے ذاتِ حق مراد لینا۔ یہ بھی ممنوع نہیں اس لئے کہ اہلِ عرب جزء بول کر کل مُراد لیا کرتے ہیں۔ اس سے واضح ہُوا کہ چادر والی وہ ذاتِ حق ہے جو کسی حجاب سے محجوب نہیں۔ البتہ وہ غیروں سے محجوب ہے جیسے دُلہن کے آگے پردہ لٹکا ہوتا ہے تو غیروں کے لئے ورنہ دُولہا کے لئے پردہ کاہے کا۔ بلکہ وہی پردہ بعینہٖ دُولہا کے لئے پردہ کشائی ہے لیکن دُوسروں کے لئے حجاب ہے۔ نیز یہ بھی

marfat.ocm

ہوسکتا ہے کہ رداء سے حقیقتِ محمدیہ مُراد ہو جو حقیقۃ الحقائق ہے جس سے ہر حقیقت کو حصّہ نصیب ہُوا (جس قدر اس حقیقت کی قابلیت تھی) اگرچہ درحقیقت وہ بھی حقیقت ہے جسے وجودِ عام سے تعبیر کیا جائے جو تمام حقائق و حقائق الحقائق پر مشتمل ہے۔ جیسے حیوان ناطق جو اگرچہ وہ ایک لفظ ہے، لیکن تمام افراد کو شامل ہے۔

۔اگر کثرت ہے تو افراد میں ہے اور ایسی کثرت شئی کی وحدۃ کے منافی نہیں ہوتی۔ اس تقریر سے حضور علیہ السلام کے ارشادِ گرامی ، وَمَا بَیْنَ الْقَوْمِ وَبَیْنَ اَنْ یَّنْظُرُوْا اِلٰی رَبِّہِمْ اِلَّا رِدَاءَ الْکِبْرِیَاءِ عَلٰی وَجْہِہٖ ،، کا مطلب واضح ہو گیا کہ حقیقت ہر دونوں کی ایک ہے یعنی تجلی ذات جو اس حقیقت میں ہے اتنا قدر جتنا کہ اس حقیقت کے شیشہ کی صفائی اور جس قدر اس حقیقت کی معرفت اسے حاصل ہے۔ اس معنے پر وہ حقیقت ذاتِ حق اور بندوں کے درمیان حائل نہیں اس لئے کہ جب وہ اس حقیقت کی تجلی کا ایک نام ہے تو نام کے اختلاف سے شئی کی حقیقت میں تبدیلی نہیں آتی۔ اس اعتبار سے اہلِ سُنّت کے عقیدہ کی توثیق ہو گئی کہ قیامت میں ہر اہلِ ایمان کو اللہ تعالیٰ کا دیدار بلا حجاب نصیب ہو گا۔ اگرچہ حدیث شریف میں ایک حجاب کا نام لیا گیا ہے وہ درحقیقت حجاب نہیں ہے بلکہ اُسے یُوں کہا جائے کہ وہ تقیید و اطلاق کے درمیان بمنزلہ برزخ کے ہے جو دونوں حقیقتوں کی جامع حقیقت (یعنی حقیقتِ محمدیہ) جیسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ ،، جس نے خود کو پہچانا اُسے معرفتِ الٰہیہ نصیب ہو گئی جسے اپنے نفس کے متعلق کلی طور معرفت حاصل نہیں اُسے ذاتِ حق کی معرفت بھی نصیب نہ ہو گی

اس لئے کہ ذاتِ حق تو جمیع قیود سے مُنزّہ اور مقدس ہے۔ ورنہ ذاتِ حق تو بالکل غیر محجوب ہے، کیونکہ وہ محیط بکُلِّ شئی ہے بلکہ یُوں کہا جائے کہ محجوب ہم ہیں کہ ہمارے دلوں پر گناہوں نے پردے ڈال رکھے ہیں۔ جب ظاہری آنکھوں کا یہ حال ہے کہ جب اُن پر پردہ آجاتا ہے تو ظاہری اشیاء کو نہیں دیکھ سکتیں تو باطنی آنکھوں پر جب گناہ کے پردے آجائیں تو وہ باطن کو کس طرح دیکھ سکتی ہیں۔ پھر جب دارِ آخرت میں سب پردے اُٹھ جائیں گے تو اس وقت حقیقتِ حق کھل کر سامنے آجائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ رویتِ باریتعالیٰ کو دارِ آخرت پر موقوف رکھا گیا۔ نہ کہ کسی حجاب پر بلکہ یُوں کہو کہ حجابات تو ذاتِ حق کے لئے ممتنع ہیں اور ایسی ظاہر ذات کے لئے پردوں کا تصور بھی نامناسب ہے بلکہ جو ذاتِ حق کا متلاشی ہے وہ پردے کا تصور کیسے رکھتا ہے اُسے تو ہر پردہ سے متجاوز ہو کر ذاتِ حق کا دیدار حاصل کرنا ہے اور پردے کا تصور جاہلوں کا کام ہے۔ (قاعدہ) بعض مفسرین نے ایک عجیب توجیہہ بتائی ہے وہ یہ کہ جب لفظ ادراک بصر سے متعلق ہو تو اس وقت ادراک کا معنیٰ ہی رؤیت ہوتا ہے۔ مثلاً عربی کہتے ہیں اَدْرَکْتُ بِبَصَرِیْ ،، اس کا معنی ہوتا ہے۔ رَأَیْتُ بِبَصَرِیْ ،، یہاں ادراک و رؤیت کا ایک معنٰے ہے۔

لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ ،، کا معنے ہو گا اس ذات کی دُنیا میں رؤیت نہیں ہو سکتا۔ باقی رہا آخرت میں

marfat.ocm

تو وہ اہلِ ایمان کو نصیب ہوگا، چنانچہ فرمایا وُجُوْهٌ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ،، بارونق اپنے رب کو دیکھیں گے اور حدیث شیخین میں ہے۔ انکم ستروْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ القمر ليلة البدر ،، تم اپنے رب کریم کو آخرت میں ایسے دیکھو گے جیسے چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہو۔

(ف) حدیث شریف میں چاند سے تشبیہ دینے میں جلاء و وضوح مُراد ہے نہ کہ مرئی کی مرئی سے تشبیہ مقصود ہے۔ اس لئے کہ مرئی کی تشبیہ مطلوب ہوتی تو وہاں جہت و مکان کا ہونا ضروری ہے اور وہاں جہت و مکان کہاں۔ باقی رہا یہ سوال کہ آخرت کی تخصیص کیوں تو اس کا جواب یہ ہے کہ آخرت دُنیا کا قلب ہے وہاں پر بصیرت سے اسی طرح دیکھا جائے گا جیسے کہ دُنیا میں بصارت سے دیکھا جاتا ہے۔ یہی ظاہری بصارت آخرت میں بصیرت[1] کا کام دیگی۔ یعنی اس وقت بصیرت کی آنکھیں ظاہر ہو کر دیکھنے کا کام کریں گی اسی بنا پر ہر ایک کو رؤیتِ حق اپنی استعداد کے مطابق رویت نصیب ہوگی۔

شانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان

: دُنیا میں چونکہ رؤیت ایک اعزاز ہے اور یہ اعزاز صرف ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوگا اد ہیں، کیونکہ وہ صاحب مقام محمود ہیں اور لیلۃ المعراج میں اپنی سرِ مبارک کی آنکھوں سے حق تعالیٰ کا مشاہدہ کرنے والے ہیں اس لئے آپ سِرّ و رُوح سے اللہ تعالیٰ کا ظاہری جسم سے مشاہدہ کر چکے اس لئے کہ آپ کا جسم مُبارک عین بن گیا تھا، کیونکہ آپ اس رات عالم عنصری سے متجاوز ہوئے پھر عالم طبعیہ سے گزرے پھر عالم ارواح کو عبور فرما کر عالم امر تک پہنچے تک اور یہ سر کی آنکھیں تو عالم اجسام سے متعلق ہیں اور آپ نے تمام عوالم سے جُدا ہو کر اپنے رب کا دیدار کیا۔ (سبق) اے راہِ راست کے طالب تجھے اتنا مختصر بیان کافی ہے؛ ورنہ ایسے مسئلہ کے لئے تو بہت بڑا دفتر ناکافی و نادانی ہے۔

تفسیرِ صُوفیانہ

: تلاوتِ نجمیہ میں ہے لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ،، اللہ تعالیٰ کو محدثات امور لاحق نہیں ہوتے۔ یعنی نہ ابصار ظاہرہ اور نہ ابصار باطنہ اس کی صمدیت اس سے متقدس ہے کہ اسے کوئی دنیوی امر لاحق ہو۔ مخلوق اور حادث کی کوئی شئے بھی اس کی طرف منسوب نہیں ہو سکتی۔ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ،، وہ ابصار کا ادراک تجلیات سے کرتا ہے کہ اس سے تمام فنا ہو جاتے ہیں۔ پھر وہی اس کی بصر ہو جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کے بعد ظاہری اور باطنی آنکھیں برابر ہو کر رؤیت سے مشرف ہوتی ہیں اس لئے کہ بندہ اس وقت نورِ ربانی سے دیکھتا ہے وَهُوَ اللَّطِيفُ ،، اور ایسا لطیف ہے کہ اُسے محدثات کی کوئی شئے ادراک نہیں کر سکتی اور نہ مخلوقات میں سے کوئی اسے لاحق ہو سکتا ہے۔ الْخَبِيرُ ،، خبیر ہے کہ وہ مستحق کو جانتا ہے کہ یہ تجلیات کے لائق ہے یا نہ

---

[1] یہاں پر رویت الٰہی نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ دُنیا عالم فانی ہے اور اس کی ہر شئے فانی اور فانی آنکھیں باقی کو دیکھ ہی نہیں سکتیں۔

marfat.ocm

اور اُس کی ابصار میں استعداد پیدا کرتا ہے۔ تاکہ وہ رؤیتِ الٰہی کا مستحق ہو جائے۔

فائدہ : یہ بھی اللہ تعالیٰ کے الطافِ کریمانہ سے ہے کہ اُس نے عدم سے موجدات کو پیدا فرمایا ورنہ وہ وجود کے قابل کہاں تھے یہ صرف اس کی مہربانی اور لطف و کرم ہے کہ اُس نے انہیں نعمتِ وجود سے نوازا۔

فائدہ : انسان اس نعمتِ وجود کو واقعی نعمت سمجھتا تو وہ شکرِ الٰہی بجالاتا۔ اگر وہ اس نعمتِ عظمیٰ کا شکریہ ادا کرے تو اُس کی اس نعمت میں اضافہ ہو اور سب سے بڑی نعمت دیدارِ الٰہی ہے۔ اس وجہ سے یہ نعمت عالمِ دنیا میں عوام پر حرام کر رکھی ہے۔ حدیث شریف لَنْ تَرَوْا رَبَّکُمْ حَتّٰی تَمُوْتُوْا تم اپنے ربِ کریم کو مرنے سے پہلے ہرگز نہیں دیکھو گے کا یہی مطلب ہے۔

فائدہ : حضرت ابن عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اتمام نعمت یہی ہے کہ بطریقِ لائق اللہ تعالیٰ کے جلال کے شایانِ شان اُس کی زیارت سے شرفیابی نصیب ہو لیکن وہ بھی آخرت میں کیونکہ اس زیارت کا وعدہ دار الآخرۃ سے مخصوص ہے۔ دارِ دُنیا میں اُس کی زیارت محال ہے اس لئے کہ نصوصِ شرعیہ کا تقاضا یہی ہے کہ اس دُنیا میں زیارت نہیں ہوگی بلکہ اس پر عُلمائے حق کا اجماع ہے اور شرعًا یہی مسئلہ یونہی ہے۔ البتہ عقلاً زیارتِ الٰہی کا دُنیا میں ہونا ممکن ہے (لیکن اعتبار شریعت کا ہے نہ کہ عقل کا)

مسئلہ : خواب میں رویت باریتعالیٰ ممکن ہے اور سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ میں بہت سے بزرگوں سے منقول ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا۔ جیسے سیدنا اُبوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ کی زیارت ہُوئی اور اُن کی باہمی گفتگو بھی ہُوئی جسے فقہاءِ کرام کی تاریخی کتابوں میں تفصیل سے لکھا ہے

حکایت : حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ سے منقول ہے کہ انہیں خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت ہُوئی تو حضرت بایزید بُسطامی نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ الٰہ العٰلمین تیرے ہاں پہنچنے کا کونسا آسان راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا انانیت کو مٹا دو پھر میرے ہاں پہنچ جاؤ گے۔

حکایت : حضرت حمزہ قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اللہ تعالیٰ کے حضور خواب میں تمبا م۔۔ قرآن پڑھا جب " وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ " پڑھا تو اللہ تعالیٰ نے قاری صاحب سے فرمایا اے حمزہ تم بھی قاھر ہو۔

مسئلہ : یاد رہے کہ خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت ایک قسم کا مشاہدہ ہوتا ہے جو صرف قلب سے متعلق ہوتا ہے اسے آنکھ سے کسی قسم کا واسطہ اور تعلق نہیں ہوتا۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : رَأَیْتُ رَبِّیْ فِیْ صُوْرَۃِ شَابٍّ اَمْرَدَ " میں نے خواب میں اپنے رب کریم کو نوجوان بے ریش انسان کی شکل

marfat.ocm

میں دیکھا۔ (یہ حدیث متشابہات سے ہے)

نکتہ : اللہ تعالیٰ اپنی صفتِ ربوبیت صورت انسانیہ میں اس لئے ظاہر فرماتا ہے کہ انسانی صورۃ اجمع الحقائق ہے اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرتِ انسان کو اپنا خلیفہ بنایا اور اپنے تمام دُنیا و آخرت کے خزائن کا اسے خاتم بنایا تو اسماءِ الٰہیہ کی جتنی صُورتیں تھیں وہ تمام نشاۃ انسانیہ میں ظاہر فرمائیں اس لئے کہ نشاۃ انسانیہ النشاۃ وُروحانیہ کی جامع ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نے اسی طرف اشارہ فرمایا کہ " اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ " اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السّلام کو اپنی صُورت پہ بنایا۔

سوال : اللہ تعالیٰ تو صُورت سے پاک ہے اور حدیث شریف میں اللہ تعالیٰ کی صورت بتائی گئی ہے۔

جواب : اللہ تعالیٰ پر لفظ صُورت کا اطلاق مجازاً ہے۔ لیکن یہ بھی جواب اہلِ ظاہر کے لئے ہوگا اِس لیے کہ اُن کے نزدیک لفظ صُورۃ کا اطلاق صرف محسوسات پہ ہوتا ہے اگر معقولات پر ہو تو مجازاً ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات محسوسات سے نہیں اس لئے اس پر صورۃ کا اطلاق مجازاً ہوگا۔ لیکن محققین کے نزدیک لفظ صورۃ کا اطلاق ذاتِ حق کے لئے مجاز نہیں بلکہ حقیقت ہے اس لئے کہ عالم کبیر کا مجموعہ حضرتِ الٰہیہ کی صورت ہی ہے اور عالم کبیر کا ذرّہ ذرّہ اسماءِ الٰہیہ مع حضرات حق کے تفصیلاً و اجمالاً مظاہر ہیں اور انسان کامل تو اسماءِ الٰہیہ کا مجموعی طور مظہر ہے۔

سوال : انواع ادراک سے رؤیت اقویٰ ہے یا علم۔

جواب : رویت اقویٰ ہے اس لئے کہ اہلِ ایمان رؤیت سے زیادہ لذّت یاب ہیں بہ نسبت معرفت کے۔

فائدہ : احیاء العلوم شریف میں ہے کہ رؤیت کشف و علم کی ایک قسم ہے لیکن رؤیت علم سے اوضح و اتم ہوتی ہے جب علم کو جہت وغیرہ کے تعلق کی ضرورت نہیں تو پھر بطریقِ اولیٰ ہے کہ اُسے جہت وغیرہ کے تعلق کی حاجت نہ ہو پس جیسے علم کیف و صُورت کا محتاج نہیں ایسے ہی رؤیت کو بھی کیف و صُورت کی محتاجی نہ ہونا لازم ہے۔

مسئلہ : رؤیت معرفت سے اعلیٰ ہے اس لئے کہ عارف ہمیشہ منازل وصال کے مشتاق رہتے ہیں بخلاف عارفین باللہ حضوری کے کہ انہیں وصال کے بعد منازلِ معرفت کا اشتیاق نہیں رہتا۔

(ف) بعض فرماتے ہیں کہ معرفت الطف اور رؤیت اشرف ہے۔

نکتہ : حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ آفندی قدس سرہ نے فرمایا کہ علماء کا وصالِ الٰہی علم و استدلال کے مطابق ہوگا اور عارفین کو مشاہدہ و معاینہ کے مطابق ہوگا۔ یاد رہے کہ یہ مشاہدہ و معائنہ عام

marfat.ocm

اشیاء کے مشاہدہ و معائنہ کی طرح نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کیف و این سے منزہ ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ و معائنہ یہ ہے کہ بندہ کا وجود مضمحل ہو کر وجود حقیقی میں فانی ہو جائے تو پھر وجودِ حقیقی واضح اور منکشف ہو۔

مسئلہ صوفیانہ : صاحبِ رُوح البیان نے فرمایا کہ جو بندہ اپنی خودی کو مٹا کر فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہو جائے تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ بصیرت سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کرلے ورنہ ناجائز ہے ؎

چوں تجلی کرد اوصاف قدیم　　پس بسوزد وصف حادث را گلیم

ترجمہ : جب اوصاف سے تجلی کرتا ہے تو وصف حادثات کا سارا سامان جل جاتا ہے۔

مثلاً سُورج جب اپنی پُوری جوانی پر ہو تو اُس کے دیکھنے کے وقت آنکھ چُندھیا جاتی ہے تو پھر ذاتِ حق کا دیکھنا کس طرح ممکن ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ قلب عالم ملکوت سے ہے اس میں بصیرت ہوتی ہے جو اسے شئے کے دیکھنے کا کام دیتی ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ عالمِ ملکوت امُور وہمیہ یعنی زمان و مکان جہت کیفیت وغیرہ کے قیود سے پاک ہے اس لئے کہ یہ امُورِ وہمیہ عالم ملک کے احکام سے ہیں۔ کجا عالم ملکوت و کجا عالم مُلک۔ اُن کو ایک دُوسرے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، لیکن یہ وُہی سمجھتا ہے جسے علم سلوک سے کچھ حصّہ نصیب ہے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

شکر کمال حلاوت پس از ریاضت یافت　　نخست در شکن تنگ ازاں مکان گیرد

ترجمہ : حلاوت تو اُس نے ریاضت کے بعد پائی ؛ ورنہ پہلے تو ایسے دُکھ میں تھا کہ مکان کو اس سے عار تھی۔

(ف) لطیف وہ ہے جو مخفی امور کے دقائق و غوامض کو جاننے اور جُملہ امُور کے دقیق و ثقیل معاملات کو جاننے کی وجہ سے ضرورت مند کے ہاں اُس کی ضروریات، نرمی سے پہنچائے۔ سختی کا درمیان میں نام تک نہ ہو جب کسی کے فعل میں نرمی اور لُطف فِی الادراک ہو تو اُس وقت لطیف کا معنےٰ مکمل ہوتا ہے اور کمال فی العلم والفعل کا تصور صرف ذات باریتعالیٰ کے لئے ہی ہو سکتا ہے۔

سبق : سالک کے لئے لطیف کا معنیٰ یہی ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ لطف و شفقت سے پیش آئے اور انہیں دعوتِ الہٰی پیش کرے تو لطف کو مدِّ نظر رکھ کر اور انہیں راہِ حق کی ہدایت دے اور سعادتِ ابدی کے لئے بُلائے لیکن اس میں سختی و دُرشتی کو درمیان میں نہ لائے اور نہ ہی کسی سے لڑائی کرے اور نہ ہی تعصب سے کام لے۔

فائدہ : وجود لطف سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ انسان حق کو قبول کرتے ہُوئے اپنے میں اخلاق حمیدہ اور اوصاف جمیلہ اور اعمال صالحہ پیدا کرے اس لئے کہ یہی امور زبانی جمع خرچ اور میٹھے میٹھے بول

marfat.ocm

ہزار درجہ بہتر ہیں۔

نکتہ : حضرت شیخ الاکبر قدس سرہ نے فرمایا کہ ارشادِ نبوی صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ "جیسے میں نماز پڑھتا ہوں ایسے ہی نماز پڑھو"، میں فعل کا حکم ہے نہ کہ قول کا اس لئے کہ فعل قول سے راجح ہوتا ہے، چنانچہ کسی نے کہا ؎

واذا المقال مع الفعال وزنتہ ۔۔۔ رجح الفعال وخف کل مقال

ترجمہ : قول و فعل کا موازنہ کیا جائے تو فعل قول سے بڑھ جائے گا۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

پند فعلے خلق را جذاب تر ۔۔۔ کہ رسد در جان ہر باگوش کر

ترجمہ : نصیحت مخلوق کے فعل کو کھینچتی ہے بہرے کان کو بھی جان بخش دیتی ہے "

اور خبیر وہ ہے کہ جس سے کوئی مخفی سے مخفی بات پوشیدہ نہ ہو۔ ملک و ملکوت کا ہر حکم اسی کے امر سے جاری ہو اور ہر عالم کا ہر ذرہ اُسی کے ایماء سے متحرک ہو۔ ہر نفس کو اس سے سکون نصیب ہو اور اگر کسی کو اضطراب ہو تو اسی سے اور کسی کو اطمینان اور چین ہو تو اُس سے وہ جملہ امور کو جانتا ہو اور خبیر بمعنے علیم ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ جن امور کو امورِ مخفیہ سے تعلق ہو ان کے جاننے والے خبیر اور اُس کے مصدر کو خبرۃ سے تعبیر کرتے ہیں اور بندے کو خبیر کہا جاتا ہے اس لئے کہ جو کچھ قلب اور بدن میں جاری ہوا اس سے وہ باخبر ہے اگرچہ قلبی امور کتنے ہی مخفی کیوں نہ ہوں بلکہ دل کے کھوٹ یا خیانت کو سوجانتا اسی طرح دل کے جلا بخشنے والے کاموں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور شرور کو پوشیدہ اور نیکیوں کو ظاہر اور اخلاص و افلاس کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ قلب کے امور سے متعلق ہیں۔ ان سے باخبر ہونا کسی زیرک انسان کا کام ہے بلکہ سمجھدار انسان اپنے نفس کی مکاریوں غداریوں سے پورا واقف ہوتا ہے۔ ایسا انسان اپنے نفس کا خوب مقابلہ کرتا ہے اور اُس کی چالاکیوں کا پورا قلع قمع کرتا ہے۔ اس لئے ایسے بندے کو خبیر کہنا موزوں ہے۔

تفسیر عالمانہ قَدْ جَآءَكُمْ "اے پیارے محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو فرمائیے بالخصوص اہلِ مکہ کو بے شک تمہارے ہاں آئے ہیں۔ بَصَآئِرُ، دلائل مِنْ رَّبِّكُمْ"، تمہارے رب کی طرف سے جن میں توحید کے دلائل کے علاوہ نبوت کی حقانیت کا بیان ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ بعثت و نشر اور حساب و کتاب اور جزاء و سزا حق ہے۔

حل لغات : بصائر، بصیرۃ کی جمع ہے ہر وہ نور جس سے قلب اشیاء کو دیکھے جیسے بصر ہر اُس نور کو کہا جاتا ہے جس سے آنکھ دیکھتی ہے، لیکن عرف میں بصیرۃ اس قوت کو کہا جاتا ہے جو قلب معقولات کے ادراک کے لئے امانت رکھی گئی ہے اسے معلوم کرے تاکہ قلب معقولات کا ادراک

marfat.ocm

کر کے مقاصد کے لئے حجۃ بیّنہ تیار کر سکے چونکہ قوۃ مُودَعَہ اور قلب کی بینائی ہر دونوں ہی ادراک کا سبب ہیں۔ اسی لئے قوۃ مودعۃ پر استعارۃً اس کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

فَمَنْ اَبْصَرَ ،، پس جو شخص ان دلائل کے ذریعے حق دیکھ کر ایمان لاتا ہے۔ فَلِنَفْسِہٖ تو وہ اُسی کی اپنی ذات کے لئے ہے۔ یعنی جس نے دلائل کو دیکھا ہے ان دلائل سے اس دیکھنے والے کو فائدہ ہوگا۔ وَمَنْ عَمِیَ ،، اور جس نے دلائل کے ظہور و وضوح کے باوجود انہیں نہ دیکھا۔ اور گمراہی کا راہ اختیار کیا۔

نکتہ : دلائل نہ دیکھنے کو اندھا پن (عمی) سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان کا فعل نہایت درجہ کا قبیح تھا اور اس کی قباحت سے پورے طور نفرت کی جائے۔

فَعَلَیْھَا ،، پس اس بُرے فعل کا وبال اسی پر ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ : اللہ تعالیٰ نے ہر بندے کے دل میں بصیرت امانت رکھی ہے جس سے ان حقائق غیبی اور کمالات کا مشاہدہ کرتا ہے جو اہل اللہ کو نصیب ہوتے ہیں۔ جس طرح ہر انسان کو آنکھ عطا ہوئی کہ جس سے دُنیا کی ظاہری اشیاء کو دیکھا جاتا ہے یعنی ماکولات و مشروبات و ملبوسات و منکوحات وغیرہ وغیرہ جو کچھ قلب کی بصیرت سے مراتب علویہ، اخرویہ، باقیہ کو (اسی طرح کمالاتِ قرب اور وہ امور جو اللہ تعالیٰ کے بندوں کے لئے تیار ہوتے ہیں کہ جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ کسی کان نے سُنا اور نہ ہی کسی کے تصوّر میں آسکتا ہے) دیکھتا ہے تو ایسا شخص اُن کے حصول کے لئے مشغول ہوتا اور اللہ تعالیٰ کے راہ پر چلنے کی جدوجہد کرتا ہے اور وہ دُنیاوی اور باطل امور سے رُوگرداں ہو جاتا ہے۔ پھر اُس کا یہ حال ہوتا ہے کہ دُنیا کی زینت اور اُس کے نقش و نگار اور اس کے شہوات فانیہ سے بے پرواہ ہو جاتا ہے۔ یہی اس کی سعادت و کرامت ہوتی ہے جو اس کے نفس کو نصیب ہوتی ہے؛ ورنہ اللہ تعالیٰ تو تمام عوالم کے جملہ امور سے بے نیاز ہے اور جو ان امور سے اندھا ہوا اور اُسے بصیرت نصیب نہ ہو تو جسم کی آنکھ سے دیکھا اور دُنیا کے نقش و نگار اور اس کے شہوات میں مشغول ہوگیا اور اس کی لذتوں میں محو ہوا اور حیوانوں کی طرح ان میں صرف کھانے پینے تک محدود رہا تو اُس کی بصیرت اندھی ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان لوگوں کی ظاہری آنکھیں اندھی نہیں ہوئیں بلکہ اُن کے دل کی آنکھیں اندھی ہوگئیں۔ ایسے لوگوں کو شقاوت اور دائمی خسارہ نصیب ہوا (کذا فی التاویلات النجمیہ)

وَمَآ اَنَا عَلَیْکُمْ بِحَفِیْظٍ ،، اور میں تمہارا محافظ نہیں ہوں بلکہ میں تو مُنذِر و مبلغ اللہ سب کا نگران ہے وُہی تمہارے اعمال کو جانتا ہے اور وہی تمہیں اعمال کی جزاء و سزا دے گا۔

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ

وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ،، یعنی مذکورہ تصریف کی طرح ہم آیات کو پھیرتے ہیں جو عجیب معانی پر دلالت کرتی اور بہترین معانی واضح کرتی ہیں۔ یہ صرف سے ماخوذ ہے۔ بمعنے نقل الشئ من حال الی حال یعنی شئ کو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف نقل کرنا۔ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ ،، یہ محذوف کلام کی علت اور لام عاقبت کی ہے اور الدرس بمعنی القرأة والتعلم یعنی پڑھنا اور تعلیم حاصل کرنا۔ یعنی انجام کار یہ لوگ ہی کہتے ہیں کہ آپ نے یہ باتیں کسی دوسرے سُنی ہیں۔

شانِ نزول : قریش مکہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے ہیں کہ آپ یہ باتیں روم کے دو قیدیوں یعنی سیار وجبیر سے سُن کر ہمیں پڑھ کر بتاتے ہیں کہتے ہیں کہ یہ کلام تو اللہ تعالیٰ سے اُترا ہے۔

(ف) وہ قیدی رُومی قریش کی قید میں تھے۔

وَلِنُبَيِّنَهٗ ،، اس کا عطف لِيَقُوْلُوْا پر ہے اور لام اپنے اصل پر ہے اسس لئے تو تبیین تصریف کا مقصود ہے۔

سوال : آیات تو جمع کا صیغہ ہے اور ضمیر واحد کی کیوں۔

جواب : آیات قرآن کی تاویل میں۔ بنابریں ضمیر بھی واحد کی ہے۔

لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ،، علم والوں کی تخصیص اس لئے ہے کہ وہی اس سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔
تَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ،، جس کی آپ کو وحی کی گئی ہے۔ اس کی آپ اتباع کرتے رہیں نی قرآنی تعلیمات میں جو کہ ان میں عمدہ توحید ہے۔ اگرچہ کفار آپ پر جیسے ہی طعن تشنیع کرتے رہیں۔
آ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ،، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی شریک ہے۔

وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ : اور مشرکین سے رُوگردانی فرمائیے۔ اپنی قوم کی پرواہ مت کیجئے اور جو کچھ وہ بکتے ہیں۔ یا آپ کے متعلق غلط آراء قائم کرتے ہیں انہیں خیال میں نہ لائیے۔ اس لئے کہ جاہلین کی جہالت سے رسالت ونبوت کے پیغامات پہنچانے میں کوتاہی نہیں کی جاسکتی۔ حضرت شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

بگو آنچہ دانی سخن سودمند   وگر ہیچ کس را نیاید پسند
کہ فردا پشیماں برآرد خروش   کہ آوخ چرا حق نکردم بگوش

ترجمہ : وہ سخن بول جو سودمند ہے اگرچہ کسی کو پسند نہ آئے
کہ کل پریشان ہوکر تو شور مچائے گا کہ افسوس میں نے حق کیوں نہ سُنا

marfat.ocm

وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ ،، اور اگر اللہ تعالیٰ اُن کی توحید یعنی ان کا مشرک ہونا نہ چاہے۔ **مَآ اَشْرَکُوْا** " تو وہ مُشرک نہ ہوتے۔

سوال : اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ مشرکین کی توحید و ایمان چاہتا ہی نہیں حالانکہ یہ تو نہایت قبیح امر ہے اور قبیح کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف حرام ہے۔

جواب : اللہ تعالیٰ کے نہ چاہنے کی نسبت اس وقت نہیں جبکہ کفار ایمان و توحید کی طرف رغبت رکھ کر متوجہ ہوں اور اللہ تعالیٰ انہیں اس سے روکے۔ یہ معنیٰ ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ معنے ہے کہ جب یہ لوگ اپنے اختیار کو ایمان پہ صرف ہی نہیں کرتے بلکہ کفر پہ ڈٹے ہُوئے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ بھی اُن کے ایمان و توحید کا بھی ارادہ نہیں فرماتا۔

وَمَا جَعَلْنٰکَ عَلَیْھِمْ ،، یہ اور **حَفِیْظًا** اپنے ماقبل کے متعلق ہیں۔ یعنی ہم نے آپ کو ان پہ حفیظًا نگران اور محافظ نہیں بنایا کہ آپ ہماری طرف سے اُن کے اعمال کی نگرانی کرتے رہیں اور وَمَا اَنْتَ عَلَیْھِمْ بِوَکِیْلٍ نہ ہی آپ ان کے وکیل ہیں کہ اُن کے امور کا نظم و نسق سنبھال کر اُن کی مصلحتوں کی تدبیریں بناتے رہیں۔

حفیظ و وکیل میں فرق : آیت میں حفیظ وکیل دونوں کو یکجا لانے میں اشارہ ہے کہ ان دونوں میں معنوی فرق ہے اس لئے کہ حافظ و حفیظ وہ ہے جو کسی کو نقصان رساں شئے سے بچاتے اور وکیل وہ ہے جو کسی کو نفع رسانی کی تدبیر بنائے۔

فائدہ : آیت سے معلوم ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کا حق۔ وہ بدبخت قبول نہیں کرتا جو ازل سے بدبختی کا شکار ہُوا ہو۔ ایسے بدبختوں کے لئے اللہ تعالیٰ بھی ہدایت دینا اور ان کو سعادت مند بنانا نہیں چاہتا۔

ازلی بدبختی کی علامات :

(۱) آنکھیں کبھی خوفِ خدا سے نہ روئیں۔

(۲) دل بہت سخت ہو۔

(۳) دنیا کی محبّت بہت زیادہ ہو۔

(۴) دنیوی آرزوؤں کی بہتات ہو۔

سعادت مند کی نشانیاں :

(۱) صالحین (اولیاء اللہ کی محبّت اور اُن کے قرب کی تمنّا

(۲) تلاوتِ قرآن مجید

(۳) شب بیداری

(۴) صُحبتِ عُلمائے (اہلسنت)

(۵) رقّتِ قلبی

حکایت : حضرت ابراہیم جلب سیاح رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں بیت اللہ شریف کا طواف کر رہا تھا کہ ایک لڑکی کو دیکھا کہ وہ کعبہ معظمہ کا غلاف پکڑ کر کہہ ہی ہے کہ اے اللہ تعالیٰ میں تجھے محبت کا واسطہ دے کر عرض کرتی ہوں کہ میرا دل مجھے واپس لوٹا دے نے کہا بیٹی تجھے کیسے معلوم ہوا کہ وہ بے نیاز تجھ سے محبت کرتا ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ اُس کی عنایتِ یہ کے لشکر نے مجھ پر حملہ کیا اور مجھ پر بہت سا مال خرچ کر کے شرک کے علاقوں سے نکال کر توحید کے میں پہنچایا اور جہالت کے گڑھے سے نکال کر مجھے عرفان کے شہر میں بسایا۔ یہ اُس کی محبت و عنایت ہیں تو اور کیا ہے۔ حضرت حافظ شیرازی نے فرمایا :

؎ چوں حسن عاقبت نہ برندی و زاہدیست
آن بہ کہ کارِ خود بعنایت رہا کنند

رجمہ : جب حسن کا انجام ترک دنیا اور زہد ہے تو پھر وہی بہتر ہے کہ وہ اپنے کرم سے جس طرح چاہیں نجات دیں

سبق : نیک بندے پر لازم ہے کہ وہ نیکی کرنے میں سبقت کرے۔ اس لئے کہ اعمال صالحہ سعادت کی علامت ہیں اور نیک اعمال سے کترانا اور لمبی لمبی آرزوؤں میں مُبتلا ہونا بدبختی کی علامت ہے۔

حکایت : ایک عابد نے اللہ تعالیٰ سے آرزو کی کہ انہیں ابلیس کی اصلی شکل دکھائی جائے اسے جواب ملا کہ آپ صرف اپنی عافیت کی خیر مانگئے اور بس، لیکن وہ اس پر مُصِر ہے کہ ایک بار تو ابلیس کو ضرور دیکھوں گا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو اس کے سامنے کر دیا۔ ابلیس کو دیکھ کر اس عابد نے اسے مارنے کا ارادہ کیا تو ابلیس نے کہا اگر تم ایک سو سال زندگی بسر کرو تب بھی میں تمہیں گمراہ کر کے تو تباہی کے گڑھے میں ڈال دوں گا اس سے عابد کو غرور پیدا ہو گیا اور کہا کہ تو میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا اس لئے کہ اگر کوئی گناہ کر لوں گا تو پھر توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کو راضی کر لوں گا ؛ چنانچہ ایک مدت کے بعد شیطان ابلیس نے اس عابد کو گمراہ کر کے تباہی کے گڑھے میں ڈال دیا۔

سبق : اس حکایت سے معلوم ہوا کہ انسان کو لمبی آرزو تباہ و برباد کرتی ہے۔ اس لئے کہ وہ بڑی آفت ہے۔ صائب نے کہا ؎

در سرِ ایں غافلاں طول امل دانی کہ چیست ❊ آشیاں کردست مارے در کبوتر خانہ

ترجمہ : ان غافلوں کے خیال میں طول امل کے سوا کچھ نہیں۔ کبوتر خانہ میں تو سانپ نے بسیرا کر لیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ : رسول علیہ السلام کے ذمہ صرف تبلیغ احکام ہے اور بس۔ صرف فرق اتنا ہے کہ عوام کو توحید کی طرف بلاتے ہیں اور خواص کو وحدانیت

marfat.ocm

کی طرف اور خواص الخواص کو وحدۃ کی طرف۔ کچھ یہی حال اولیاء اللہ کا ہے (جو انبیاء علیہم السلام کے وارثین ہیں) لیکن ان مقامات پہ پہنچنا انسان کے اپنے بس کی بات نہیں اور نہ ہی مرشد کے ارادہ پہ ہے کہ جس کے لئے وہ چاہے تو اسی طرح ہو جائے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ و مشیّت پر ہے لیکن ان تمام مقامات کا اصل سرچشمہ توحید ہے کہ جس طرح مومن اس سے ہی مومن بنتا ہے تو کافر بھی اسی کے انکار سے کافر بنتا ہے۔ مومن مخلص وہ ہے جو توحید کے تکرار میں لگا رہے۔ اس لئے شرک جلی ہو یا خفی اس توحید سے مٹتا ہے۔ مومن ناقص تو مشرک اور شرک جلی کو خیال میں لاتا ہے لیکن مومن کامل مشرک شرک خفی کو کچھ نہیں سمجھتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِکِیْنَ ۝ کفار سے اعراضِ حقیقی حاصل ہو تو اس کے ساتھ ظاہری اختلاط سے نقصان نہیں پہنچتا اس لئے کہ اگر یہ ظاہری اختلاط بھی نہ ہو تو پھر اُسے دعوت کس طرح دی جاسکے گی اور اس پر حجت کس طرح قائم کی جاسکے گی اور قیامت میں اُسے کس طرح ساکت کیا جاسکے گا۔ کَاللّٰہُ یَدْعُوْآ اِلٰی دَارِ السَّلَامِ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی ،، اللہ تعالیٰ صرف اسے اپنی دار السلام کی دعوت دیتا ہے جو ہدایت کی اتباع کرتا ہے اور جو خواہش نفسانی کے درپے رہتا ہے اسے قیامت میں سخت ملامت اور رسوائی نصیب ہوگی۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

چہ شکرہاست دریں شہر قانع شدہ اند
شاہبازانِ طریقت بمقام مگسے

تفسیر عالمانہ

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ ،، اے مومنو! گالی نہ دو۔ اَلَّذِیْنَ انہیں جو یَدْعُوْنَ ،، بتوں کو پرستش کرتے ہیں۔ یعنی انہیں پکارتے اور ان کی عبادت کرتے ہیں۔ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ،، درانحالیکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تجاوز کرنے والے ہیں اُن سے کفارِ مکہ مُراد ہیں۔

(ف) مولانا ابو السعود رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بحیثیت عبادت کے انہیں گالی نہ دو مثلاً یوں نہ کہو اے کافرو! تمہیں اور تمہارے معبودوں کے لئے خرابی ہو۔

فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدْوًا ،، تو وہ بھی حق سے متجاوز ہو کر تمہاری طرح وہ تمہارے معبود کو گالی دیں گے۔ (ف) عدوًا یا مفعول مطلق ہے اس لئے کہ سب بھی ایک قسم کی عداوت ہے یا وہ مفعول لہٗ ہے یعنی وہ تمہیں عداوت کی وجہ سے گالی دیں گے۔

بِغَیْرِ عِلْمٍ ،، یہ فَیَسُبُّوا سے حال ہے یعنی وہ گالی دیں گے۔ درآنحالیکہ انہیں نہ اللہ تعالیٰ کا علم ہے اور نہ ہی اُس کی شان کے وہ آداب جانتے ہیں اس لئے کہ وہ نِرے جاہل ہیں کیونکہ اگر انہیں اللہ تعالیٰ کی شانِ مرتبت کا علم ہوتا تو اس کے احکام کی خلاف ورزی نہ کرتے۔

سوال : وہ اللہ تعالیٰ کو کس طرح گالی دے سکتے جبکہ وہ شان الوہیت کے قائل تھے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کا انہیں اقرار تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بتوں کی پرستش بھی اللہ تعالیٰ کے حضور میں شفاعت کی نیت پر کرتے۔

جواب : اگرچہ وہ صراحۃً اللہ تعالیٰ کو گالی نہ دیتے لیکن اُن سے اپنے بُتوں کی غیرت سے ایسے امُور سرزد کرتے جن سے اللہ تعالیٰ کی گستاخی کا پہلو نکلتا۔ جیسے انسان کی فطرت ہے کہ جب غیظ و غضب سے بھرپُور ہو جاتا ہے تو اُس سے ایسے امُور سرزد ہوتے ہیں جن کا ارتکاب اس سے نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ بلکہ انسان بسا اوقات شدتِ غضب سے کلماتِ کفریہ بھی بک جاتا ہے (العیاذ باللہ)

مسئلہ : آیت سے ثابت ہوا کہ جو طاعت گناہوں کا سبب بن جاتی ہے اُسے ترک کر دینا ضروری ہے اس لئے کہ جو شے شر کا سبب بنے وہ بھی شر کہلاتی ہے۔ مثلاً بتوں کی مذمت اور انہیں گالی دینا اصول طاعات سے ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن سے روک دیا ہے۔ اس لئے کہ وہ ایک بہت بڑے گناہ کا سبب بنتی ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان گھٹانے اور اُنہیں گالی دینے کا موجب بن جاتی ہے۔ اس سے سفاہت کا دروازہ کھُل جائے گا۔

مسئلہ : جب کوئی کسی کے متعلق یقین کرے کہ وہ اس کی نصیحت سے یعنی اسے ایک برائی کے روکنے سے وہ کئی دُوسرے بڑے گناہ میں مُبتلا ہو جائے گا تو ایسے انسان کو نصیحت نہ کرنا لازم ہے۔ بلکہ اُسے ویسے ہی حال پہ رہنے دے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

مجال سخن تا نیابی مگوئی
چو میدان نہ بینی نگہدار گوئی

ترجمہ : سخن کا موقعہ نہ ہو تو نہ بول جب میدان نہ ہو تو سخن کو نگاہ رکھ اور گیند نہ پھینک۔

کَذٰلِکَ " یعنی اس تزیین قوی کی طرح اس سے کفار کا اللہ تعالیٰ کو گالی دینا اور اُن کی اصنام پرستی راد ہے۔ **زَیَّنَّا لِکُلِّ اُمَّۃٍ عَمَلَھُمْ** " ہم نے زینت دی ہر اُمت کو اُن کے اعمال بھلے یا بُرے عت یا معصیت یعنی جب ان میں کسی ایک کو اختیار کرتے تو اللہ تعالیٰ انہیں اُن کی طرف طبیعت کا میلان یدا کر دیتا اور نیکی کی توفیق بخشتا یا بُرائی کا خوگر بناتا۔

ثُمَّ اِلٰی رَبِّھِمْ " پھر اپنے رب کریم اور جملہ امور کے مالک کی طرف **مَّرْجِعُھُمْ** ن کا رجوع ہوگا۔ اس سے مرنے کے بعد اُٹھنا مُراد ہے۔ **فَیُنَبِّئُھُمْ** " پس وہ انہیں بلا تاخیر خبر دیگا۔ **بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ** ۝ بسبب اُن کے اعمال کے جو دُنیا میں دائمی طور کرتے اور وہ بُرے اعمال نہیں نہایت اچھے لگتے۔ یہ اس محاورہ سے ہے جو کسی کو سزا و عتاب سے ڈرائے۔ مثلاً کسی نے کسی دُوسرے

marfat.ocm

کو دھمکانا ہوتا ہے تو کہتا سا خبرک بِمَا فَعَلْتَ ، میں عنقریب تیری خبر لوں گا جو کہ تُو نے فلاں کام کیا ہے۔ اس کی تجھے عنقریب سزا مل جائے گی۔

نکتہ : اس میں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ جو اُمور یہاں ہمیں بہتر اور بھلے محسوس ہوتے ہیں۔ کل قیامت میں اُن کی مخالف صُورت میں ظاہر ہوں گے۔ اس لئے کہ گناہ انسان کے لئے زہرِ قاتل ہیں۔ اِس دُنیا میں تو نہایت حسین محسوس ہوتے ہیں (جو کہ عاصیوں کی نگاہوں میں بے نظیر نظر آتے ہیں) چنانچہ اس آیت کے "زَیّنا" کے کلمہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کچھ یہی کیفیت طاعات کی ہے کہ باوجودیکہ حسن و جمال میں وہ اپنی نظیر آپ ہیں، لیکن بعض اوقات انسان کو قبیح محسوس ہوتے ہیں۔

حدیث شریف : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہشت کے گرد مکارہ اور دوزخ کے گرد شہوات کھڑی کی گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کفار و مجرمین کو دُنیا میں بُرے اعمال (کفر وغیرہ) ایسے مزین نظر آتے ہیں کہ انہیں اُن کے سوا اور کوئی شئے اچھی نہیں لگتی، لیکن آخرت میں اُن کی حقیقت ایسے مکروہ منظر میں متبدل ہو جائیں گی جنہیں وہ دیکھ کر گھبرائیں گے۔ اِس پر انہیں کہا جائیگا یہ تمہارے وہی کرتوت ہیں جن کے تم دُنیا میں مرتکب ہوئے تھے جو آج اس قباحت کے ساتھ تمہارے سامنے ہیں اور اُن کی حقیقی اور اصلی شکل یہی ہے جنہیں تم دُنیا میں نہایت درجہ کے شکیل و جمیل صُورت میں دیکھتے تھے اور تم کو اُس کی اطلاع دُنیا میں دی جاچکی تھی کہ ان برائیوں کی ظاہری شکل کو نہ دیکھو کہ ان کی حقیقت اور اصلی صُورت بہت بڑی خراب ہے لیکن تم نے اس وقت کوئی بات نہ مانی (تفسیر الارشاد)

فائدہ : اللہ والوں کو یہی بُرے اعمال دُنیا میں ہی گندی صُورت میں نظر آجاتے ہیں جنہیں و اچھی صُورت میں تبدیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

حکایت : حضرت شیخ ابوبکر مزیرہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے پڑوس میں ایک حسی جمیل شخص رہا کرتا تھا جو رات عبادت میں گزارتا اور دن کو رونے سے رہتا ایک دن میرے ہاں حاضر ہو کر کہا کہ میں نے رات کو خواب کے ہجوم سے اوراد نہیں پڑھ سکا۔ نیند میں دیکھ رہا تھا کہ میرا حجرہ پھٹ گیا ہے اور میرے اس حجرے سے چند نوجوان حسین و جمیل لڑکیاں نکلی ہیں۔ ان میں ایک بدنما اور نہایت گندی شکل والی بھی ہے۔ میں نے اُن سے کہا تم کس کی لونڈیاں ہو اور یہ بدشکل کس کی ہ اُن سب نے کہا ہم سب تیری وہ راتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں گزارتا تھا اور یہ سیاہ فام تیری ہی رات ہے کہ جس میں تو نے اپنے اوراد و وظائف اور عبادت ترک کر کے نیند کر رہا ہے۔ اگر تو اسی رات مرجاتا تو رات اس شکل میں تجھے نصیب ہوتی۔ پھر وہی بدنما گندی شکل والی نے یہ شعر پڑھے۔

marfat.ocm

اسئال لمولاك واردنی الیٰ حالی　　فانت قبحتنی مِنْ بَیْنِ اشکالی
وقد ابدت بخبرا زو عظمت بنا　　ابشر فانت مِنَ المَولیٰ علی حال

ترجمہ : اپنے مالک و مولیٰ سے میرے متعلق سوال کیجئے تاکہ وہ مجھے اپنی اصل صورت میں لوٹا دے اس لئے کہ تو نے ہی مجھے قبیح بنایا اور تم نے تو نیکی کے ارادے کئے ہوئے تھے اور اس کی تو ہمیں نصیحت دیتا ہے۔ اس پر تمہیں مبارک ہو کہ تو ہر حال میں ہمارا مولیٰ ہے۔ پھر حسین شکل والیوں سے ایک نے یہ شعر پڑھا ؎

نحن اللیالی اللواتی کنت تسھرھا　　تَتْلُوا القُرْاٰن بترجیع و انات

ترجمہ : ہم تیری وہی راتیں ہیں جنہیں تو اچھے لہجے سے قرآن پڑھ کر زندہ رکھتا تھا۔

نسخہ رُوحانی : بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ نفس کے کسی ایک عیب کا انکشاف ملکوت کے انکشاف سے بہتر ہے اس لئے انسان کا مقصود طبیعت اور نفس کی اصلاح ہے اور اکل و شرب اور نیند صفات بہیمیہ سے ہیں اور طبیعت کے مقتضیات یہی ہیں۔

تفسیر صُوفیانہ : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ زینا لِکُلِّ اُمَّۃٍ الخ یعنی ہم ہر امت کے مقبول لوگوں کے اعمال اہلِ قبور کے لئے سنوار رہے ہیں اور مردودوں کے اعمال اہلِ رد کے لئے مزین کئے ہیں۔ ثُمَّ اِلیٰ رَبِّھِمْ مَّرْجِعُھُمْ ” پھر ان کا رجوع اس گروہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضری دیں گے۔ فَیُنَبِّئُھُمْ بِمَا کَانُوْا الخ “ پس اللہ تعالیٰ انہیں اُن کے اعمال کی خبر دے گا۔ اہل قبول تو اعمال صالحہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اس لئے وہ صحیح راستہ پر چلیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل و احسان سے نوازے گا۔ اس لئے کہ وہ نیکی کرنے والے ہیں اور اہلِ رَدّ چونکہ اللہ تعالیٰ کے کے احکام کی خلاف ورزی کرتے رہے ہیں اس لئے وہ ہلاکت اور قہر کی وادی میں بھٹکتے ہوئے حاضری دیں گے بنابریں عدل و انصاف کے طور انہیں گھاٹے اور خسارے میں ڈالا جائے گا۔ اس لئے کہ وہ دُنیا میں بُرائیوں کے مرتکب ہوتے رہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

جملہ دانند ایں اگر تو نگردی　　ہرچہ می کاریش روزے بدروی

ترجمہ : تمام کو معلوم ہے کہ اگر تو نے کوئی کام نہ کیا پھر یاد رکھ کہ جو کچھ بوئے گا وہی اُٹھائیگا۔

حکایت : ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میرے پڑوس میں ایک بڑھیا رہتی تھی جو عبادت کرتے کرتے کوزہ پشت ہو چکی تھی۔ میں نے کہا آپ اپنے نفس پر نرمی کیوں نہیں کرتیں۔ اُس نے جواب دیا کہ اے شیخ تمہیں معلوم ہے کہ نفس کی نرمی اپنے مولیٰ سے دُوری کا سبب بن جاتا ہے اور جو اپنے مولیٰ سے دُور ہو جاتا ہے وہ دُنیا میں مشغول ہو کر خود کو مصائب و پریشانیوں میں ڈال دیتا ہے۔ میں

اپنے اعمال میں جدوجہد کروں تب بھی کچھ نہیں ہوں۔ پھر میرا اس وقت کیا حال ہوگا جبکہ میں اعمال صالحہ میں کوتاہی کروں۔ اس کے بعد فرمایا کہ سباق کی حسرت اور فراق کا درد بہت سخت ہے سباق کی حسرت تو یہ ہے کہ جب لوگوں کو قبروں سے اٹھایا جائے تو بعض حضرات وہ ہوں گے جو نورانی سواریوں پر سوار ہوکر عزوجل کے محل میں پہنچیں گے اور اُن کے لئے محبتین کی منازل پیش کی جائیں گی اور مقربین کے گروہ میں شامل ہو جائیں گے اور جو اُن سے پیچھے رہ جائیں گے انہیں سخت حسرت ہوگی اور غم کے مارے اُن کے دل پھٹنے پر آجائیں گے افسوس کھائیں گے ندامت اور شرمساری سے اُن کے دل پگھل جائیں گے اور فراق کا درد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ لوگوں کی آپس میں جدائی ڈالے گا۔ یعنی تمام مخلوق کو میدانِ محشر میں ایک جگہ جمع فرمائیں گے اور ایک فرشتے کو حکم دے گا کہ وہ زور سے پکارے اے مجرمو! علیحدہ ہو جاؤ۔ اُس وقت متقین کو کامیابی نصیب ہوگی؛ چنانچہ قرآن مجید میں ہے: وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ہ اس وقت شوہر کو اپنی زوجہ سے اور بچے کو ماں سے اور دوست کو دوست سے جدا کیا جائے گا۔ اُن میں سے ایک کو ریاضِ جنت کی طرف نہایت اجلال و اکرام سے لایا جائے گا۔ اور دوسرے کو پاؤں اور گردن میں بیڑیاں اور زنجیر ڈال کر عذابِ جہنم کی طرف گھسیٹا جائے گا اور انہیں اس جدائی اور فراق پر بہت سخت دُکھ اور درد پہنچے گا۔ جس سے وہ سخت روئیں گے اور آنکھوں سے آنسوؤں کی نہریں جاری ہو جائیں گی۔ ایک دوسرے سے جدائی کے وقت گویا یہ شعر پڑھیں گے ؎

لَوْ كُنْتَ ساعة بيننا مَا بَيْنَنَا　　وَ رأيت كَيْفَ نُكَرِّرُ التوديعا
لعلمت ان من الدموع لاجرا　　تجري وعَايَنْتَ الدماءَ دُمُوْعًا

ترجمہ: اگر میں اس وقت ہوتا جبکہ ہمارے مابین جدائی ڈالی جارہی تھی اور دیکھتا کہ کس طرح ہمیں جدا کیا جارہا تھا تو مجھے معلوم ہوتا کہ بے شک اس وقت آنسو کے دریا بہہ رہے ہیں۔ اس وقت آنسو کے بجائے خون کی نہریں جاری ہیں۔

تفسیر عالمانہ

وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ ۔۔ (شانِ نزول) مروی ہے کہ کفارِ مکہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کا عصا تھا جسے وہ زمین پر مارتے تو اس سے پانی کے چشمے بہہ نکلتے۔ اور یہ بھی آپ فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام مُردوں کو زندہ کرتے تھے اور یہ بھی آپ فرماتے ہیں کہ صالح علیہ السلام نے اونٹنی پتھر سے نکالی تھی اور آپ بھی تو ہمیں ان میں سے کوئی معجزہ دکھائیے۔ اگر آپ ہمیں ان میں سے کوئی معجزہ دکھائیں گے تو بخدا ہم آپ کو ضرور نبی مان لیں گے اور اس پر بہت بڑا زور دیا اور قسمیں کھائیں۔ آپ نے فرمایا بتاؤ تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم چاہتے ہیں کہ آپ صفا پہاڑی کو سونا بنادیں یا ہمارے بعض مردگاں کو زندہ کردیں تاکہ ہم اُن سے آپ

marfat.ocm

اسکے متعلق سوال کریں کہ کیا واقعی آپ سچے نبی ہیں یا فرشتوں کو ہمارے سامنے لائیے تاکہ وہ ہمیں گواہی دیں کہ آپ رسُول برحق ہیں۔ حضور علیہ السلام نے انہیں فرمایا اگر ان میں سے بعض باتیں پوری کر دوں تو تم واقعی مسلمان ہو جاؤ گے۔ اُنہوں نے کہا خدا کی قسم ہم ضرور آپ پر ایمان لائیں گے۔ مسلمانوں نے بھی رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی حضور! آپ ضرور انہیں کچھ نہ کچھ دکھا دیں تاکہ یہ لوگ ایمان کی دولت سے نوازے جائیں۔ آپ اس سے ملول و حزین ہوئے تو جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ اگر چاہیں تو مذکورہ بالا امور ضرور ہو کر رہیں گے لیکن یہ بدبخت ایمان نہیں لائیں گے۔ جب اللہ تعالیٰ اُن کے انکار کو دیکھے گا تو انہیں ایسے عذاب میں مبتلا کرے گا کہ اُن کی جڑ کٹ جائے گی۔ اگر آپ انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیں تو ان میں سے بعض کو توبہ کی توفیق نصیب ہوگی۔ اس واقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کفار قریش نے اللہ کی قسمیں کھائی ہیں۔ **جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ** ،، جہد مصدر ہے اور حال کے مقام پہ واقع ہے۔ دراصل جاہدین فی ایمانہم ہے یعنی درآنحالیکہ وہ اپنی قسموں میں جدوجہد کرنے والے ہیں۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اپنی قسم کو تاکید اور سخت تاکید سے ظاہر کرے۔

لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ ،، کہ اگر اُن کے مطالبہ پر کوئی معجزہ ظاہر ہو **لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا** ،، تو وہ ضرور مان لیں گے۔ **قُلْ** محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ انہیں فرمائیے۔ **اِنَّمَا الْاٰيٰتُ** ،، بے شک تمام آیات **عِنْدَ اللّٰهِ** ،، اللہ کے ملک ہیں۔ وُہی اُن پر قدرت رکھتا ہے۔ ان میں سے جنہیں چاہتا ہے ظاہر فرماتا ہے۔ ان میں کوئی بھی شے میرے بس کی نہیں اور نہ ہی ذاتی طور میں اپنے ارادہ سے انہیں ظاہر کر سکتا ہوں۔ میں تو صرف اللہ تعالیٰ کا پیغام سُناتا ہوں۔

(**ربط**) مذکورہ بالا حکم سُنا کر اب اِن معجزات کے عدمِ ظہور کی حکمت بتاتے ہیں اور اہل اسلام کو مخاطب کر کے بتلایا اے مسلمانو! **وَمَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ** اور کونسی شئی تمہیں بتاتی ہے کہ وہ اِن معجزات کو دیکھ کر ضرور ایمان لائیں گے بلکہ جونہی وہ معجزات دیکھیں گے وہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے سرِ مُو بھی نہیں ہٹیں گے۔ اس لئے کہ اُن میں کفر و عناد کا مرض ہے۔ تم اے مسلمانو! اس راز کو نہیں جانتے فلہٰذا ان معجزات کے ظہور کی تمنا مت کرو۔ صرف اِس ارادہ پہ کہ کافر مسلمان ہو جائیں گے۔ اِشعار کا انکار سبب ہے ...... نفی کا مسبب یعنی شعور کی بطور مبالغہ نفی کی گئی ہے۔

فائدہ : اس میں اشارہ ہے کہ کفار کی یہ قسمیں جھوٹی ہیں اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ اللہ تعالیٰ معجزات کو ظاہر بھی نہیں فرماتا۔ ہاں اُن کے لئے ظاہر نہیں فرماتا جو ازل سے

marfat.ocm

اُس کی رحمت سے محروم ہیں۔

٩ ۵ **وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ** " اس کا لَا يُؤْمِنُوْنَ " پر عطف ہے یعنی اے مسلمانو! تمہیں کیا پتہ کہ میں اُن کے دل اُس وقت پھیر دیتا ہُوں جس سے وہ حق سے رُوگردانی کر کے حق کو سمجھتے ہی نہیں۔

وَاَبْصَارَهُمْ " اُن کی آنکھوں کی روشنی چھین لیتا ہوں کہ جس سے وہ حق کو دیکھتے نہیں اس لئے وہ ان آیات پر ایمان نہیں لائیں گے۔

كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ " جیسے کہ وہ پہلے آئی ہُوئی آیات پر ایمان نہیں لائے۔

اَوَّلَ مَرَّةٍ " اس سے قبل جو اُن پر معجزات ظاہر ہُوئے مثلاً چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا وغیرہ وغیرہ۔ **وَنَذَرُهُمْ** " اُس کا عطف بھی لَا يُؤْمِنُوْنَ پر ہے اور یہ بھی استفہام انکاری کے حکم میں داخل ہے۔ یعنی ہم انہیں چھوڑتے نہیں۔

فِىْ طُغْيَانِهِمْ " اُن کی گمراہی میں۔ یہ نَذَرُهُمْ کے متعلق ہے۔ **يَعْمَهُوْنَ** حیران پھرتے ہیں کہ ہم انہیں ہدایت نہیں دیں گے۔ جیسے اہلِ ایمان کو ہدایت سے نوازا ہے۔ یہ نَذَرُهُمْ کی ضمیر منصوب سے حال ہے۔

فائدہ : اس تبدیلی سے مراد یہ ہے کہ ان کی استعداد بھی ختم کر دی گئی ہے اور وہ حق سے بالکل دُور ہو چکے ہیں اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ تو ہدائت کی طرف آتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ انہیں آنے نہیں دیتا بلکہ اس کا مطلب وہی ہے کہ چونکہ اُن کی استعداد ختم ہو چکی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت بھی نہیں دی ورنہ یہ تو اجبار محض ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ کُلی استعداد کے باوجود انہیں ہدائت نہیں دیتا تو وہ مقہور اور مجبور محض ہوں گے اور بحکم خداوندی اِن کے دل پر مہر لگی ہُوئی ہے۔ اس طرح سے یہ ظلم ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ کی شان اور لطف کرم سے بعید ہے اور نہ اللہ تعالیٰ اس طرح کرتا ہے۔ **فللہ الحجۃ البالغۃ ومن اللہ الھدایۃ والتوفیق**

اس پارہ ہفتم کے ترجمہ سے فقیر نے شب منگل ١٣۔ رمضان المبارک ١٣٩٥ھ تقریباً گیارہ بجے فراغت پائی۔ اس کی تصحیح ١٩ ۲/۶ ھ سے فراغت پائی

محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ

(بہاول پور۔ پاکستان)

marfat.ocm

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

پارہ نمبر ۸

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ
اور اگر ہم ان کی طرف فرشتے اتارتے اور ان سے مردے باتیں کرتے اور ہم ہر چیز ان کے سامنے اٹھا لاتے
قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿١١١﴾ وَكَذٰلِكَ
جب بھی وہ ایمان لانے والے نہ تھے مگر یہ کہ خدا چاہتا ولیکن ان میں بہت نرے جاہل ہیں اور اسی طرح
جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ
ہم نے ہر نبی کے دشمن کیے ہیں آدمیوں اور جنوں میں کے شیطان کہ ان میں ایک دوسرے پر خفیہ ڈالتا ہے بناوٹ کی
زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿١١٢﴾
بات دھوکے کو اور تمہارا رب چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے تو انہیں ان کی بناوٹوں پر چھوڑ دو
وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْئِدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا
اور اس لیے کہ اس کی طرف ان کے دل جھکیں جنہیں آخرت پر ایمان نہیں اور اسے پسند کریں اور گناہ کمائیں
هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿١١٣﴾ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ
جو انہیں کمانا ہے تو کیا اللہ کے سوا کسی اور کا فیصلہ چاہوں اور وہی ہے جس نے تمہاری طرف مفصل کتاب
مُفَصَّلًا وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ
اتاری اور جن کو ہم نے کتاب دی وہ جانتے ہیں کہ یہ تیرے رب کی طرف سے سچ اترا ہے تو اے
فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿١١٤﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ
سننے والے تو ہرگز شک والوں میں نہ ہو اور پوری ہے تیرے رب کی بات سچ اور انصاف میں اس کی باتوں کا
لِكَلِمٰتِهٖ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١١٥﴾ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ
کوئی بدلنے والا نہیں اور وہی ہے سنتا جانتا اور اے سننے والے زمین میں اکثر وہ ہیں کہ تو ان کے کہے پر چلے تو تجھے اللہ
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿١١٦﴾
کی راہ سے بہکا دیں وہ صرف گمان کے پیچھے ہیں اور نری اٹکلیں دوڑاتے ہیں

marfat.ocm

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿١١٧﴾
تیرا رب خوب جانتا ہے کہ کون بہکا اس کی راہ سے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت والوں کو

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٨﴾ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا
تو کھاؤ اس میں سے جس پر اللہ کا نام لیا گیا اگر تم اس کی آیتیں مانتے ہو اور تمہیں کیا ہوا کہ اس میں

مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ
سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا وہ تم سے مفصل بیان کر چکا جو کچھ تم پر حرام ہوا مگر جب تمہیں اس سے مجبوری

اِلَيْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ
ہو اور بیشک بہتیرے اپنی خواہشوں سے گمراہ کرتے ہیں بے جانے بے شک تیرا رب حد سے بڑھنے والوں

بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿١١٩﴾ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ
کو خوب جانتا ہے اور چھوڑ دو کھلا اور چھپا گناہ وہ جو گناہ کماتے ہیں

سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿١٢٠﴾ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ
عنقریب اپنی کمائی کی سزا پائیں گے اور اسے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا

عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ
اور وہ بے شک حکم عدولی ہے اور بے شک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں ڈالتے ہیں کہ تم سے جھگڑیں

وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿١٢١﴾ ع
اور اگر تم ان کا کہنا مانو تو اس وقت تم مشرک ہو

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ ۔

تفسیر عالمانہ

(ربط) ۔ وَمَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۔ میں جسے اجمالاً ذکر کیا گیا تھا اب اسے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جا رہا ہے۔ فرمایا ——

اور اگر ہم ان کی طرف ملائکہ کو نازل کریں۔ جیسا کہ اُن کا سوال ہے کہ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ ۔ فرادہم اگر ہمارے ہاں ملائکہ نازل ہوں تو ہم انہیں آنکھوں سے دیکھ لیں۔ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى اور اُن سے مردے کلام کریں۔ اور وہی آکر ایمان و اسلام کی حقانیت کی گواہی دیں۔ یعنی وہ زندہ ہو کر کہیں کہ اسلام حق ہے جیسا کہ ان کا سوال تھا کہ فَاْتِ بِاٰيَةٍ

فائدہ : صاحب تیسیر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ پس ہم ان کے تمام مردگان کو زندہ کریں اور وہ اُن

marfat.ocm

سے کلام کریں اور آپ کی رسالت کی گواہی دیں۔ اگرچہ انہوں نے حضور علیہ السلام سے صرف اپنے دو کافروں (قصی بن کلاب اور جدعان بن عمرو) کے زندہ کرنے کا سوال کیا۔ اس لئے کہ یہ دونوں اُن کی برادری کے سردار بھی تھے اور اُن کے نزدیک سچے تھے۔ چنانچہ کہا کہ اگر آپ ان کو زندہ فرمادیں اور وہ آپ کی نبوت کی شہادت دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔

وَحَشَرْنَا (اور ہم جمع کردیں) **عَلَیْہِمْ کُلَّ شَیْءٍ قُبُلًا** اُن پر ہر شے آمنے سامنے۔

قُبُلًا قبیل کی جمع ہے یعنی کفیل اور اس کا منصوب ہونا کُلَّ شَیْءٍ (مفعول بہ) سے حال ہونے کی وجہ سے ہے یعنی ہم ہر شے کو جمع کریں تاکہ وہ تمام چیزیں صحت امر اور حضور نبی پاک کی سچائی کی کفیل ہوں۔ یا قُبُلًا قبیل کی جمع ہے جو کہ وہ بھی قبیلہ کی جمع ہے یعنی جماعات یعنی ہم تمام مخلوق کے ایک ایک نوع اور فوج در فوج جمع کریں۔

فائدہ: تیسیر میں ہے کہ اس سے مراد ہر قسم کے جانور (ہاتھی سے لیکر مچھر تک) مراد ہیں۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم قیامت قائم کریں۔ مَا کَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا کسی حال میں بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ اللّٰہُ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے۔ یعنی ان کا ایمان لانا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے لیکن وہ تو ہمیشہ گناہوں میں منہمک رہتے ہیں اور تمرد وطغیان میں یکتا ہیں پھر ان کے لئے اللہ تعالیٰ ان کے ایمان لانے کی مشیت کس طرح ہوسکتی ہے

وَلٰکِنَّ اَکْثَرَھُمْ یَجْھَلُوْنَ اور لیکن اکثر ایمان سے بے خبر ہیں۔ یعنی مومن کافروں کے ایمان لانے سے بے خبر ہیں۔ جب اُن کے ہاں آیاتِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے تو اہلِ ایمان کافروں کے ایمان لانے سے پُرامید ہوجاتے ہیں لیکن انہیں اللہ تعالیٰ کی مشیت سے بے خبری ہے۔ اس معنی پر اس جُملہ سے وَمَا یُشْعِرُکُمْ الخ کے مضمون کی تقریر وتاکید ہوگی۔

مسئلہ: معجزہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو وہ کسی کو ایمان پر مجبور نہیں کرتا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا اس کے متعلق ایمان کا ارادہ نہ ہو اور قیامت کے قائم ہونے سے اور کونسی اللہ تعالیٰ کی بڑی آیت ہوسکتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اُن کیلئے اگر قیامت بھی قائم ہوجائے تب بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ چنانچہ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُھُوْا عَنْہُ۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کی مشیت بھی اس فطرت کو بدلتی ہے جس میں استعداد ہو۔ جس میں استعداد نہ ہو اسے مشیت نہیں بدلتی۔ اس لئے اہل ضلال قہر وجلال میں رہتے ہیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

marfat.ocm

۱: از وحشی نیاید کہ مردم شود
بسعی اندر او تربیت گم شود
تواں پاک کردن ز زنگ آئینہ
ولکن نیاید ز سنگ آئینہ

ترجمہ ۱: وحشی کیلئے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ انسان بن جائے کوشش سے اُلٹا تربیت ضائع ہوگی۔
۲: آئینہ سے زنگ دور کرنا تو ممکن ہے لیکن پتھر آئینہ نہیں ہو سکتا۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

گر جان بدہد سنگِ سیہ لعل نگردد
با طینت اصلی چہ کند بدگہر افتاد

ترجمہ:۔ جان دیکر بھی کالا پتھر لعل نہ ہوگا۔ باطینت اصلی سے بدگوہر کو کیا لگاؤ۔

• سوال: حضرت مولانا روم قدس سرہ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں ؎

گر تو سنگ و صخرہ و مرمر شوی
چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی

ترجمہ:۔ اگر تو پتھر اور سنگ مرمر ہے۔ جب تو صاحب دل کے ہاں حاضر ہوگا تو گوہر ہو جائیگا

خلاصہ یہ کہ شیخ سعدی اور حافظ شیرازی قدس سرہما ہر دونوں متفق ہیں کہ بدگوہر کبھی اچھے نہیں ہو سکتے اور حضرت مولانا روم قدس سرہ کے نزدیک بدگوہر اللہ والے کی نگاہ سے گوہر ہو سکتا ہے

جواب: شیخ سعدی و حافظ شیرازی قدس سرہ نے ذاتی استعداد کے گم کردہ انسان کیلئے فرمایا اور مولانا روم قدس سرہ نے عارضی استعداد کے گم کردہ کیلئے فرمایا اس لئے کہ جس کی عارضی استعداد گم ہو اسے تربیت نافع ہے اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی کرامات سب کی سب بھی تربیت کا کام دیتی ہیں وہ معجزات وکرامات عملی ہو یا کوئی جو لوگ ان معجزات وکرامات کے وقت موجود تھے انہیں ان کی تربیت سے فائدہ نصیب ہوا۔ کیوں کہ جس کے اندر استعداد ہوتی ہے وہ حق کی طرف جھک جاتا ہے اور ہدایت قبول کرلیتا ہے اور جس کا ازل سے مادہ فاسد تھا اس نے حق سے اعراض کیا اور گمراہ ہوا۔ بہت سے دھوکہ کھا کر اپنی طبائع خبیثہ کے موافق احکام کی پابندی کرتے ہیں اور جیسے انہیں نفوس متمردہ حکم کرتے ہیں اسے بجا لاتے ہیں جیسے وہ جھوٹے طالبانِ حق جو کہتے ہیں کہ اگرچہ مرشدانِ کامل کا معمول یہی تھا اور ان کا طریقہ بجا لیکن ہم جس طرح سلوک طے کرتے ہیں اور جیسے ہم حقیقت کی راہ پہ گامزن ہیں یہی موزوں تر ہے۔ انہیں صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ سورج کی حقیقت اپنے مقام حق ہے۔ لیکن اندھا نہ دیکھے تو اس کا اپنا قصور ہے اسی طرح

marfat.ocm

مشاہدہ کی حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا۔ مگر جس کی زبان صفرا سے کڑوی ہے وہ نہ سمجھے تو اس کی اپنی غلطی ہے، طالب حق وہ ہے جو اپنی خواہش کا پابند نہیں نہ بیہودہ اپنے اوقات عزیز ضائع کرتا ہے بلکہ وہ حتی المقدور محنت کرتا ہے اور طاعات میں لگا رہتا ہے اور طریق طلب میں قدم آگے بڑھاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ کل حاصل نہیں ہو سکتا تو پھر کل طلب سے ترک بھی نہ کرنا چاہیے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

گر گران و گر شتابند بود
آنکہ جوینده است یابنده بود

ترجمہ: کمزور ہو یا تیز چلنے والا - تلاش کرنے والا مطلب، پا لیتا ہے۔

سبق یہ استعداد اور طلب حق کا انشراح صدر اللہ تعالیٰ کا نور ہے وہ جس دل میں چاہتا ہے ڈالتا ہے۔ اس میں عمر کی کوئی قید نہیں نوجوان ہو یا بوڑھا جسے نصیب ہو جائے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ جسے چاہے عنایت فرمائے۔ بہت سے عنفوان شباب میں غلبۂ حال میں مستغرق دیکھے اور سنے گئے۔

حکایت بعض بزرگ سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ ایک سال مجھے حج کی دولت نصیب ہوئی اور وہ سخت گرمی کے ایام تھے۔ ایک دن ہم ارض حجاز کے وسط میں پہنچے۔ لیکن میں اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گیا اور ایسے جنگل میں پھنس گیا جس میں نہ دن کا پتہ چلتا نہ رات کا۔ اکیلا تو تھا ہی اچانک مجھے ایک شخص کا احساس ہوا کہ وہ میرے آگے چل رہا ہے۔ میں نے جلدی کر کے اسے پا لیا۔ دیکھا تو وہ بے ریش لڑکا تھا اور حسین ایسا کہ اس سے چاند بھی شرماتا تھا اور سورج کی روشنی سے بھی زیادہ روشن۔ اس سے دولتمندی اور ناز و نعمت کے آثار محسوس ہوتے۔ میں نے السلام علیک یا غلام کہا۔ جواب دیا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ یا ابراہیم مجھے سخت تعجب ہوا اور کہا بیٹا میرا نام تجھے کس نے بتایا ہے حالانکہ اس سے قبل میرا آپ سے تعارف نہیں۔ جواب دیا میں آپ کو عرصہ سے جانتا ہوں۔ اور میری اور آپ کی دوستی لافانی ہے۔ میں نے کہا تیرا اس جنگل میں کیسے آنا ہوا جب کہ ان دنوں سخت گرمی پڑ رہی ہے۔ جواب دیا جب سے اس کریم سے تعلق ہوا ہے اب کسی کا وہم و خیال تک نہیں۔ اب میں صرف اسی کا ہو چکا ہوں اور مجھے اپنی عبودیت کا اقرار ہے میں نے کہا تیرے ہاں کھانے پینے کا کوئی انتظام بھی ہے۔ جواب دیا میرا محبوب میری کفالت کرتا ہے۔ میں نے کہا تیری اس تقریر سے مجھ پر خاصہ اثر پڑا ہے۔ آنسو بہا کر مجھے جواب دیا ؎

فلوا جوع فذکر اللہ یشبعنی
ولا اکون بحمدہ اللہ عطشانا

marfat.ocm

۲: وان ضعفت فوجدینہ یحملنی
من الحجاز الی اقصیٰ خراسانا

ترجمہ ۱: اگر مجھے بھوک لگتی ہے تو ذکرِ الٰہی سے بھوک مٹاتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی حمد سے میری پیاس بجھ جاتی ہے۔
۲: اگر تھک جاتا ہوں تو وہی مجھے حجاز سے خراسان میں پہنچاتا ہے۔

پھر میں نے اس سے پوچھا تیری عمر کتنی ہے کہا بارہ سال۔ میں نے کہا میرے لئے دعا کیجئے۔ میں اپنے قافلے کو پالوں۔ چنانچہ اُس کی دُعا کی برکت سے میں نے اپنے قافلہ کو پایا۔ جب ہم عرفات سے فارغ ہو کر حرم شریف میں پہنچے تو میں نے اسی نوجوان کو دیکھا کہ وہ کعبے کے غلاف کو پکڑے ہوئے ہے اور روتا ہوا اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز کی باتیں کر رہا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد سر سجدہ میں رکھا اور اللہ کو پیارا ہو گیا۔ پھر میں نے اُسے خواب میں دیکھا تو میں نے اس سے پوچھا۔ تیرے ساتھ کیا معاملہ ہوا۔ کہا کہ میرے رب کریم نے مجھے اپنے سامنے کھڑا کر کے پوچھا تیرا مقصد کیا ہے۔ میں نے عرض کی یا الٰہ العالمین صرف تو ہی میرا مقصود و مطلوب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ تو میرا حقیقی بندہ ہے۔ اب میرا حق ہے کہ میں تجھ سے پردے ہٹا دوں۔ اس کے بعد پوچھا اب کیا چاہتا ہے میں نے عرض کی یا الٰہ العالمین جتنا میرے ہمزمان ساتھی ہیں سب کے حق میں میری شفاعت قبول فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے تیری شفاعت قبول کی۔ اس کے بعد اس نوجوان نے میرے ساتھ معانقہ کیا اس پر میری جاگ ہو گئی مجھے اب ہر شخص کہتا ہے اے ابراہیم تیرے ہاتھ میں کونسی خوشبو ہے جس سے لوگ معطر ہو گئے۔

فائدہ: بعض محدثین فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کے ہاتھ سے خوشبو تا دمِ زیست مہکتی رہی۔ (رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ)

۱۱۲ وَكَذٰلِكَ یعنی جیسے ہم نے آپ کا ابوجہل و دیگر کفارِ مکہ کا دشمن جَعَلْنَا بنایا لِكُلِّ نَبِیٍّ آپ سے پہلے ہر نبی علیہ السلام کے لئے عَدُوًّا دشمن بنائے تھے "اس میں اپنے محبوب علیہ السلام کو تسلی دی ہے کہ دشمنوں کی دشمنی (کہ جس میں آپ پر جھوٹے الزامات اور آپ کے ساتھ غلط اور گندے کردار ادا کرتے ہیں) میں کسی قسم کی بھلائی نہیں فلہٰذا اُن کی یہ عداوت صرف آپ کے ساتھ نہیں بلکہ پہلے انبیاء علیہم السلام اور اُن کی اُمتوں سے بھی ایسے کرتے رہے۔ شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ انسانوں اور جنوں ہر دونوں فریقوں کے سرکش۔ یہ اضافت بیانیہ اور عدوا سے بدل ہے۔

شیاطین شیطان کی جمع ہے ہر متمرد و سرکش کو کہتے ہیں۔ جن ہو یا انسان۔ جب کسی مومن کو جنات کا شیطان نہیں گمراہ کر سکتا تو پھر وہ انسانی شیطان کا سہارا لیتا ہے۔ اس لئے حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

marfat.ocm

مجھے جنات کے شیطان سے اتنا ڈر نہیں جتنا انسانی شیطان سے خطرہ ہوتا ہے کیوں کہ جب مجھے جنات کے شیاطین بہکاتے ہیں تو اُن سے اعوذ باللہ پڑھ کر چھٹکارا پا لیتا ہوں لیکن انسانی شیطان کسی شئے کو نہیں مانتے اس اس لئے جدوجہد کرکے مجھے برائیوں میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یُوْحِیْ بَعْضُہُمْ اِلٰی بَعْضٍ یہ نیا جملہ ہے۔ دشمنوں کی دشمنی کے احکام بیان کرنے کیلئے لایا گیا ہے۔

فائدہ: وحی حقیقی اور وحی شیطان میں وجہ تشبیہ یہ ہے کہ وحی دراصل کلام خفی اور اس قول سریع کو کہتے ہیں جو کسی کے دل میں بطور راز کے ڈالی جائے۔ اب معنی یہ ہوا کہ شیاطینِ انس وجن وسوسہ ڈالتے ہیں۔ اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ جنات کے بعض شیاطین بعض کو وسوسہ ڈالتے ہیں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ انسانی شیاطین ان کے دل میں وسوسہ ڈالتے ہیں۔

زُخْرُفَ الْقَوْلِ باطل سے سنگاری ہوئی باتیں۔ یعنی وہ باتیں کہ جن کا ظاہر بہتر اور اندرون باطل ہو۔ مثلاً کہا جاتا ہے " فلان زخرف کلامہ " یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شخص اپنے کلام کو جھوٹ اور باطل سے مزین کرکے بیان کرے۔ غروراً " یہ لوحی کا مفعول لہ ہے یعنی مزین کلام اس لئے بیان کرتے ہیں تاکہ یہ دوسروں کو دھوکہ دے سکیں۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّکَ اور اگر تیرا رب اُن سے عداوت وسوسہ ڈالنے کا امر نہ چاہے۔

مَا فَعَلُوْہُ تو وہ نہ عداوت کرسکتے اور نہ وسوسہ ڈال سکتے۔

سوال: عداوت و وحی کیلئے تثنیہ کی ضمیر چاہیے تھی اور یہاں "مَا فَعَلُوْہُ" میں واحد کی ضمیر ہے۔

جواب: ما ذکر سے مؤول ہیں اس لئے اُن کے لئے ضمیرِ واحد کا لایا گیا ہے۔ **فَذَرْہُمْ** چونکہ مشیتِ باری تعالیٰ ہے وہ آپ کے ساتھ عداوت وغیرہ رکھتے ہیں اس لئے انہیں اُن کے حال پر چھوڑیے۔

وَمَا یَفْتَرُوْنَ اور ان کے افترا یعنی کفر اور باقی تمام مکاریوں و غداریوں کو۔ کیوں کہ ان کے لئے ہم نے سخت ترین سزائیں تیار کر رکھی ہیں اور آپ کے لئے بہت بڑے اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب مقرر ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مشیت میں لاتعداد حکمتیں مضمر ہیں۔

۱۱۳ **وَلِتَصْغٰٓی اِلَیْہِ** اور تاکہ وہ بناوٹی اقوال کی طرف کان لگائیں۔ یہ شیاطین کے وحی کی دوسری علت اور اس کا غروراً پر عطف ہے۔

سوال: غروراً پر عطف ہے تو اسے مصدر لاکر منصوب کیوں نہیں لایا گیا۔

جواب: اس میں منصوب ہونے کی شرط مفقود ہے اس لئے کہ غرور (موحی) وسوسہ ڈالنے والے کا فعل ہے۔ اور (اصغاء) کان لگانا موحیٰ الیہ (جس کے دل میں وسوسہ ڈالا گیا) کا فعل ہے۔ یعنی شیطان اُن کے دل میں اس لئے وسوسے ڈالتے ہیں کہ انہیں بہکائیں اور وہ ان کی طرف میلان رکھیں۔

marfat.ocm

"اَفۡـِٕدَةُ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ" ان لوگوں کے دل جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور اہل ایمان تو اُن کے بناوٹی اقوال کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے۔ اس لئے کہ انہیں معلوم ہے کہ یہ اقوال سراسر باطل اور ان کا انجام بھی بُرا ہے۔ وَلِيَرۡضَوۡهُ اور جب اُن کے دل اُن کی طرف جُھک جائیں۔ پھر وہ انہیں وہی اقوال باطلہ وغیرہ پسند ہوں۔ وَلِيَقۡتَرِفُوۡا تاکہ ان باتوں سے خوش ہو کر اُن کا ارتکاب کریں مَا هُمۡ مُّقۡتَرِفُوۡنَ۝ وہ جو ان قبائح کا ارتکاب کرنے والے ہیں۔

سوال : ان قبائح کو اشارہ کنایہ سے واضح طور پر کیوں نہیں بیان کیا۔

جواب : وہ ایسے گندے امور ہیں کہ ان کا ذکر نہ کرنا ہی بہتر ہے ان سے اُن کے وہی قبائح مراد ہیں جو لوح محفوظ میں ان کی تقدیر میں لکھے گئے۔

حل لغات : اقترف فلان ذنبہ۔ یعنی فلاں نے فلاں برائی کا ارتکاب کیا اور کہا جاتا ہے۔ اقترف عملاً اور مال کمایا۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ مصائب اللہ والوں کیلئے بمنزلہ سواریوں کے ہیں اور سب سے بڑی مصیبت شماتت اعداء (دشمنوں کا گالی بکنا اور ایذاء دینا ہے) اور چونکہ حضرات انبیاء کرام علی نبینا وعلیہم السلام مراتب عُلیا کے مالک ہوتے ہیں اس لئے ان پر شماتت اعداء کا زور ہوتا ہے اور شماتت اعداء کی بہتات سے ترقی پاتے اور تجلیات ربانی حاصل کرتے ہیں۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

چہ جورہا کہ کشیدند بُلبلان ازوی
ببوئے آنکہ دگر نوبہار باز آید

ترجمہ : بلبلیں کتنا کانٹے سے ظلم برداشت کرتی ہیں۔ اس خوشبو کے انتظار میں جو نئی بہار میں نصیب ہو گی۔

دوسری تقریر صوفیانہ

شیطان الانس سے نفس امارہ مراد ہے انسان کا سب سے بڑا دشمن یہی ہے اس لئے یہاں پر الانس کو شیاطین سے پہلے ذکر کیا گیا۔ تاکہ معلوم ہو کہ شیاطین الانس اور اُن کے ساتھی شیاطین الجن اور اُن کے ساتھیوں سے عداوت میں اصعب واشد ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ شیطان کا مکروفریب بہ نسبت انسان کے مکروفریب کے ضعیف ہے اور اہلِ دل دشمنوں کے اقوال کاذبہ کی طرف دھیان نہیں کرتے بلکہ جونہی ان کا مکروفریب سخت تر ہوتا ہے۔ اللہ والوں کے ایمان میں تقویت اور مضبوطی ہے ؎

وفا کنیم و ملامت کشیم و خوش باشیم
کہ در طریقت ما کافریست رنجیدن

جمہ : ہم وفا کریں ملامت اٹھائیں اور خوش ہوں کیونکہ ہمارے طریقت میں رنجیدہ ہونا کافری ہے

شیطان کیسے بہکاتا ہے شیطان ابن آدم پر اس وقت مسلط ہوتا ہے جب انسان ضرورت سے زیادہ کھائے، فضول باتیں اور لباس میں حد سے بڑھے اور لوگوں میں بلاوجہ نشست خاست رکھے۔ اس لئے جو لوگوں سے بلاوجہ نشست و برخاست رکھے گا وہ ان کی جھوٹی باتیں سنے گا۔ اس سان کے نفس میں ایسی گندی عادت کا لوث پیدا ہوگا جس سے وہ پھر ایسی غلطیوں کا شکار ہوگا۔

عجوبہ بعض بزرگانِ دین کا ارشاد ہے کہ جب انسان مرتا ہے تو اس کے گھر والوں سے شیطان بہت زیادہ معاقب ہے اس لئے کہ وہ اس کے کہنے پر غلط کاریوں کا ارتکاب کرتا تھا۔ اب کون اس کے حکم پر چلے گا ھر جب اس کی روح کو ملائکہ آسمانوں پر لے جاتے ہیں تو ملائکہ کہتے ہیں کہ الحمد للہ اب یہ شیطان کی شرارتوں سے چ گیا۔ دیکھیے شیطان کی دشمنی کتنی ہے۔

سبق انسان کو چاہیے کہ وہ شیطان کے وسوسوں اور اس کی فریب کاریوں سے بچنے کی کوشش کرے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ اور انسانوں کے سامنے کل قیامت میں شرمسار نہ ہو۔

عجوبہ وہ شیطان کہ جس کا وسواس و خناس نام ہے انسان جو کچھ دل میں خیال کر لیتا ہے کہ یہ کروں گا وہ کروں گا تو یہی شیطان لوگوں میں ایسی باتیں عام پھیلاتا ہے

کایت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کے متعلق دل میں خیال کیا تو اس کو شیطان نے عام لوگوں میں پھیلا دیا اور لوگ آپس میں اُن کے متعلق چہ میگوئیاں کرتے تھے۔

فائدہ : انسان کا ہمزاد جن اگر مسلمان ہو جائے تو پھر اس کے شر سے حفاظت مل سکتی ہے۔

فائدہ : جنات میں بعض اہلِ ایمان بھی ہوتے ہیں جو نیک لوگوں اور اہلِ علم کے علوم سے استفادہ کرتے ہیں اگرچہ وہ ان سے پوشیدہ بھی رہتے ہیں۔

حکایت : حضرت ابراہیم الخواص رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ایک سال میں حج کیلئے سفر کر رہا تھا کہ کسی نے مجھے پوشیدہ طور کہا کہ علیحدگی میں مجھے آپ سے کام ہے آپ اپنے قافلے سے ہٹ کر دوسرا راستہ ختیار فرمائیے تاکہ میں آپ سے چند باتیں پوچھ سکوں۔ میں اپنے قافلے سے ہٹ کر دوسرے ہ چل پڑا۔ تین دن رات تک نہ مجھے بھوک لگی اور نہ پانی کی خواہش ہوئی اور نہ ہی قضاء حاجت کی ضرورت ڑی۔ تیسرے روز کے بعد میں ایک جنگل میں پہنچا۔ جو نہایت سرسبز تھا۔ جس میں ہر قسم کے میوہ جات اور خوشبودار ھول تھے۔ اس جنگل کے وسط میں ایک جھیل تھی۔ ایسے معلوم ہوتا کہ گویا بہشت کا ٹکڑا ہے میں اس تعجب میں گھر گیا

marfat.ocm

تھوڑی دیر کے بعد دیکھا کہ میرے سامنے ایک جماعت ہے۔ جن کے چہرے انسانوں جیسے تھے اور وہ بہترین لباس
میں ملبوس تھے اور آکر میرے گرد حلقہ بنالیا۔ مجھ سے کہا۔ السلام علیک میں نے کہا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ
میں نے دل میں سوچا کہ یہ جنات ہیں۔ اُن میں سے ایک نے کہا۔ ہمیں ایک مسئلہ میں اختلاف ہے اور ہم وہ
ہیں جنہوں نے لیلۃ الجن حضور نبی پاک محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا۔ اُن کے کلام
کی یہ تاثیر تھی کہ اس وقت سے ہمارے دنیوی امور متروک ہو چکے ہیں اور اسی وقت سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس
جزیرہ میں متعین فرمایا۔ میں نے اُن سے پوچھا پہلے یہ بتاؤ کہ میرے ساتھی یہاں سے کتنا فاصلہ پر ہیں۔ ان
سے ایک ہنس پڑا اور کہا کہ اے ابو اسحاق جس مقام پر آپ تشریف فرما ہیں اس میں اللہ تعالیٰ کے اسرار و
اور عجائبات ہیں۔ یہاں پر کسی آدمی نے قدم نہیں رکھا آپ تشریف لائے ہیں یا آپ سے پہلے ایک نوجوان
تشریف لایا۔ جس کا یہاں وصال ہو گیا اور سامنے والی قبر اسی کی ہے۔ وہ قبر مبارک اس جزیرہ کے کنارے
جس کے گرد نہایت خوشبو ناک باغیچہ تھا۔ اتنا معطر اور خوشنما کہ مجھے زندگی میں کبھی دیکھنے میں نہیں آیا
اس کے بعد انہوں نے کہا کہ جہاں آپ ساتھیوں کو چھوڑ کر تشریف لائے ہیں یہاں سے ایک مہینہ کی
مسافت ہے۔ میں نے اُن سے کہا کہ اس فوت شدہ نوجوان کے متعلق کچھ مجھے بھی بتاؤ۔ انہوں نے کہا ہم
جزیرہ کے گرد بیٹھے محبت کی باتیں کر رہے تھے کہ ایک نوجوان تشریف لایا۔ اس نے السلام علیکم کہا۔
اس کے سلام کا جواب دیا۔ ہم نے پوچھا کب سے وہاں سے چلے ہو۔ اُس نے کہا۔ مجھے وہاں سے نکلے
ہفتہ ہو گیا ہے۔ ہم نے کہا تجھے تیرے وطن سے کس بات نے نکلنے پر مجبور کیا ہے۔ اس نے کہا جب سے
لے کلام الٰہی سنا ہے۔ وَاَنِیْبُوْا اِلٰی رَبِّکُمْ وَاَسْلِمُوْا لَہٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ الْعَذَا
لَا تُنْصَرُوْنَ ۔ ہم نے اُن سے پوچھا کہ الانابۃ کا کیا معنیٰ ہے اور اسلام کسے کہتے ہیں اور عذاب کیا
اس نے کہا الانابۃ یہ ہے کہ خودی کو مٹا کر صرف خدا کا بن جانا اور اسلام یہ ہے کہ اپنے آپ کو اس
سپرد کر دینا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ میرے سے وہی زیادہ واقف ہے کہ میں اپنے آپ کو اسی کے قبضہ میں
اور عذاب سے جدائی کا عذاب مراد ہے یہ کہہ کر ایک سرد آہ بھری اور مر گیا۔ پھر ہم نے اُسے اس
پر دفن کر دیا اور یہ اس کی قبر ہے۔ میں اس کا حال سن کر متعجب ہوا اور اس کی قبر کی زیارت کو
چلا گیا۔ قبر کے سرہانے نرگس کا گلدستہ رکھا دیکھا اور اس کی لمبائی چوڑائی موٹائی ایک بہت بڑے
کے برابر تھی۔ اس پر لکھا ہوا تھا۔ ھذا حبیب اللّٰہ قتیل الغیرۃ " یہ اللہ کا محبوب اور
غیرت ہے نرگس کے پتے پر انابت کا معنیٰ لکھا تھا۔ جنات نے مجھ سے اُس کی تفسیر و تشریح پو
جب میں نے انہیں انابت کی تفسیر سنائی تو انہیں وجد آگیا۔ جب ہوش میں آئے تو کہا یہ
سوال تھا۔ اور آپ نے ہمیں تسلی بخش جواب عنایت فرمایا۔ اُس کے بعد مجھے نیند آگئی۔ بیدار

marfat.ocm

اپنے آپ کو بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی مسجد میں پایا ذخبات اٹھا کر یہاں پہنچا گئے اور دیکھا تو مزار کا گلدستہ میرے سامان میں تھا۔ وہ ایک سال کامل میرے پاس رہا۔ جس میں کسی قسم کا تغیر نہ آیا چند دنوں کے بعد مجھ سے گم ہو گیا۔ رضی اللہ عنہم ومن جمیع الصالحین۔

۱۴ **اَفَغَیْرَ اللّٰہِ اَبْتَغِیْ۔** تو کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا فیصلہ چاہوں۔ یہ ہمزہ انکاری اور فاء عاطفہ کا معطوف علیہ مقدر ہے اور غیر ابتغی کا مفعول اور حکماً حال ہے اور مفعول کی تقدیم میں اشارہ ہے کہ حرف غیر کو حکم کی طلب کا ہے نہ کہ مطلق طلب کا انکار مقصود ہے اور حکم حاکم سے زیادہ بلیغ اور رسوخ پر دلالت کرنے والا ہے اس لئے کہ اس کا اطلاق صرف عادل پر ہوتا ہے اور اس پر اس کا اطلاق ہوتا ہے سے حکم بار بار صادر ہو بخلاف حکم کے کہ اس میں یہ باتیں ضروری نہیں۔ کلام میں قول مُراد ہے اور وہ مر ہے۔

شان نزول مروی ہے کہ مشرکین مکہ نے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے اور اپنے مابین پوپوں اور نصاریٰ کے پادریوں کو حکم مقرر فرما لیجئے تاکہ وہ حق و باطل کا فرق دیں اس لئے کہ انہوں نے آپ سے پہلے نازل کردہ کتاب کو پڑھا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا کہ اے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرمائیے کیا میں حق سے منہ پھیر کر غیر اللہ طرف رجوع کروں۔ پھر وہی غیر اللہ میرا اور تمہارا فیصلہ کرے۔ یہ تو مجھ سے نہیں ہو سکتا۔

وَهُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ الْکِتٰبَ اور وہ اللہ تعالیٰ جس نے تمہاری طرف کتاب نازل فرمائی۔ ابتغی فاعل سے حال ہے یعنی میں غیر اللہ کو حکم کیوں طلب کروں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف کتاب نازل فرمائی تم اَن پڑھ لوگ تھے۔ تمہیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ قرآن کے کس حصہ پر عمل کرنا ہے اور کتنا قدر چھوڑنا۔ حالانکہ قرآن سب کا سب حق اور صواب ہے۔ **مُفَصَّلًا** درانحالیکہ قرآن میں حق و باطل اور حلال و حرام اور دیگر جملہ احکام کو ایسا مفصل طور بیان کیا گیا ہے کہ دینی باتوں میں اب کسی بات کا شک و شبہ اور ابہام نہیں رہا۔ جب ہمارے ہاں ایسی کتاب موجود ہے تو پھر کیا ضرورت ہے کہ ہم غیروں کو اپنا فیصلہ پیش کریں۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ قرآن صاف اور واضح الفاظ میں اعلان کرتا ہے کہ اس میں اتنے واضح اور روشن احکام بیان کئے گئے ہیں کہ اس کی توضیح و تفصیل کے لئے کسی دوسرے سے پوچھنے کی ضرورت نہیں رہتی (اس کے باوجود بھی ہمیں حدیث کی ضرورت ہے۔ اسی طرح حدیث کو سمجھنے کے لئے فقہ کی ضرورت ہے

وَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ یَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ۔ اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ جانتے ہیں کہ یہ تیرے رب تعالیٰ کی طرف سے حق نازل ہوا۔ یہ نیا کلام مستانفہ ہے قول مقدر کے

marfat.ocm

تحت داخل نہیں اور بیان کرتا ہے کہ جن علماء پر انہیں اعتماد ہے اور ان کے حکم بتلانے پر انہیں یقین ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ قرآن حق اور منزل من اللہ ہے درانحالیکہ متلبس ہے۔ بِالْحَقِّ حق و صدق سے فارسی میں حق ہے راستی اور صدق بمعنی درستی اور بالحق متلبس محذوف کے متعلق ہے اور منزل کی ضمیر سے حال ہے۔

فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ۔ پس نہ ہو جاؤ شک کرنے والوں سے اس بارہ میں کہ واقعی وہ قرآن کی حقانیت کو جانتے ہیں جب کہ اُن سے علم کے آثار نہیں ملتے اور احکام معرفت سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ اس معنی پہ فاء اہل کتاب کے شانِ قرآن کو جاننے کی خبر دینے کی نہی کی ترتیب کے لئے ہے اور انہیں معلوم ہے کہ یہ حق اور منزل من اللہ ہے اس اعتبار سے یہ جملہ کفار کے لئے توبیخ اور اہل اسلام کے یقین کو مضبوط اور پختہ کرنے کے لئے ہے جیسے فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔ یہ فاء بھی اُن کے قرآن کریم کے حال کے نفسِ علم کی نہی کی ترتیب کے لئے ہے۔

(ربط) جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کا کمالِ مذکور بیان کیا اور اُسے اپنی طرف منسوب فرمایا کہ وہ منزل من اللہ ہے اور اس کی حقانیت بالحق ہے واضح فرمائی تو اب اس کے ذاتی کمال کو بیان فرمایا۔ ۱۱۵ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ اور مکمل ہے تیرے رب کا کلمہ۔

سوال: قرآن مجید کو کلمہ سے کیوں تعبیر فرمایا۔

جواب: صدق و عدل سے بالاصالۃ کلمہ موصوف ہوتا ہے اور اس سے ہی حکم کے آثار نمودار ہوتے ہیں۔ صِدْقًا وَعَدْلًا یہ دونوں مصدر ہیں۔ اور ہر دونوں حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں یعنی درانحالیکہ وہ کلمہ سچا اور عادل ہے۔

فائدہ: قرآن مجید اتم و اکمل باینمعنی ہے کہ مکلفین جن امور کے علماً و عملاً محتاج ہیں ان کی ضرورت پورا کرنے کیلئے قیامت تک ان کی کفایت کرتا ہے اور صادق باینمعنی کہ جتنی خبریں اس میں واقع ہوئی ہیں۔ مثلاً ذات باری تعالیٰ کا وجود اور اس کے جملہ صفات ثبوتیہ و سلبیہ اور اس کے جملہ احکام وعد و وعید اور ثواب و عقاب کی خبر اسی طرح گذشتہ لوگوں کے حالات اور آنے والے غیوب بتانے اور عادل باینمعنی ہے کہ جن و انسان مکلفین کے جملہ احکام اور فیصلے عدل و انصاف پر مبنی ہیں جیسے نماز اور روزہ اور زکوٰۃ و حج و دیگر جملہ تکلیفات شرعیہ وہ اوامر ہیں یا نواہی۔

لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ج اور نہ ہی کوئی اس کے کلمات کے متبادل پیش کر سکتا ہے جو اس سے اصدق و اعدل ہو یا کم از کم اس کے متساوی ہو۔ جس کی یہ شان ہے پھر اللہ تعالیٰ کے غیر کو کیونکر حکم تلاش کیا جائے وَهُوَ السَّمِيعُ ہر وہ اشیاء جو سمع سے متعلق رکھتی ہیں سب کو سنتا ہے۔ الْعَلِيمُ ہر وہ شے کہ جس کا جاننا ممکن ہے اس کو جانتا ہے۔ منجملہ ان کے متحاکمین کے اقوال و احوال ظاہر ہوں یا باطن۔ کوئی شے اس کے علم

marfat.ocm

سے باہر نہیں۔

خلاصہ تفسیر آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا حکم لوگوں کے مابین حجۃ بالغہ ہے کسی طرح سے بھی اس کے حکم کی معارضہ نہیں ہو سکتی۔ اس کا انکار سوائے منکر کے اور کوئی نہیں کر سکتا اس کا انکار عنادی ہے جیسے اس کی حقانیت پر یقین کرنے کے باوجود انکار کرے یا تکذیبی۔ جیسے اس کی حقانیت کا انکار از رشدہ جہالت۔

تفسیر صوفیانہ جو قرآن کی حقانیت کا اقراری ہے اسے جذبہ الٰہی اس کے عمل کی طرف لیجا کر درجات علم و عرفان اور کمال ایقان میں پہنچاتا ہے اس لئے کہ وہ کلمہ حق و صدق ہے اور صدق جنۃ و قربت و وصلت کی طرف لے جاتا ہے۔

قاعدہ صوفیانہ بندہ جب تک عالم دنیا میں ہے اس سے احکام تکلیفیہ کبھی معاف نہیں ہوتے اگرچہ وہ کسی ذات تک بھی پہنچ جائے اس سے ان بدباطن جاہل صوفیوں کا رد ہو گیا جو کہتے ہیں کہ بندہ جب واصل باللہ ہو جاتا ہے تو اس سے احکام تکلیفیہ مرتفع ہو جاتے ہیں البتہ عالم آخرت میں جملہ احکام تکلیفیہ مرتفع ہو جائینگے۔ اس لئے کہ اس عالم میں صرف توحید ہو گی۔ اس سے ثابت ہوا کہ جمیع مراتب کمال میں شریعت کی رعایت ضروری اور لازمی ہے۔ اس لئے کہ کمال اسی کا نام ہے کہ شریعت کا دامن کسی حال میں نہ چھوٹے وہ ابھی ناقص ہے کہ کسی کمال کے حصول میں شریعت کا دامن چھوڑ دے جیسے مجاذیب کہ شریعت کے دامن چھوڑنے پر محققین نے انہیں ناقص کہا۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر سکر و جنون طاری نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے انہیں کامل ترین سمجھا گیا اور اس مرد مولا کو بھی کہ جسے حالت استغراق میں بھی دروازہ کھلنے اور مکھی کی آواز سے باخبر ہو۔

حکایت : حضرت شیخ اکبر قدس سرہ نے اپنے مریدین سے پوچھا کہ کبھی تم نے مجھ سے خلاف شرع امر تو نہیں دیکھا سب نے کہا نہیں دیکھا۔ آپ نے فرمایا الحمد للہ۔ پھر فرمایا کہ میں تیس سال سے حالت استغراق میں رہا ہوں لیکن بفضلہ تعالیٰ شریعت کا دامن کبھی نہیں چھوڑا۔

نکتہ : اشرف المخلوقات انسان ہے اور تمام انسانوں سے برگزیدہ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اسی لئے آپ اللہ تعالیٰ کے مظہر اتم ہیں اور مبداء قدیم سے آپ کو مظہر بنایا گیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہی اپنا حکم مقرر فرمایا تاکہ حق کو ثابت کریں۔ اور باطل کو مٹائیں۔

الا اے احمد مرسل شود ہر مشکل از تو حل
کنم وصف ترا مجمل توئی سلطان ہر مولیٰ

marfat.ocm

تحت داخل نہیں اور بیان کرتا ہے کہ جن علماء پر انہیں اعتماد ہے اور ان کے حکم بتانے پر انہیں یقین ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ قرآن حق اور منزلِ من اللہ ہے درانحالیکہ متلبس ہے۔ بِالْحَقِّ حق و صدق سے فارسی میں حق ہے راستی اور صدق بمعنی درستی اور بالحق متلبس محذوف کے متعلق ہے اور منزل کی ضمیر سے حال ہے۔

فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ۔ پس نہ ہو جاؤ شک کرنے والوں سے اس بارہ میں کہ واقعی وہ قرآن کی حقانیت کو جانتے ہیں جب کہ اُن سے علم کے آثار نہیں ملتے اور احکام معرفت سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ اس معنی پہ فاء اہل کتاب کے شانِ قرآن کو جاننے کی خبر دینے کی نہی کی ترتیب کے لئے ہے اور انہیں معلوم ہے کہ یہ حق اور منزلِ من اللہ ہے اس اعتبار سے یہ جملہ کفار کے لئے توبیخ اور اہل اسلام کے یقین کو مضبوط اور پختہ کرنے کے لئے ہے جیسے فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔ یہ فاء بھی اُن کے قرآن کریم کے حال کے نفس علم کی نہی کی ترتیب کے لئے ہے۔

ربط: جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کا کمالِ مذکور بیان کیا اور اُسے اپنی طرف منسوب فرمایا کہ وہ منزل من اللہ ہے اور اس کی حقانیت بالحق سے واضح فرمائی تو اب اس کے ذاتی کمال کو بیان فرمایا ۱۱۵ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ اور مکمل ہے تیرے رب کا کلمہ۔

سوال: قرآن مجید کو کلمہ سے کیوں تعبیر فرمایا۔

جواب: صدق و عدل سے بالاصالۃ کلمہ موصوف ہوتا ہے اور اس سے ہی حکم کے آثار نمودار ہوتے ہیں۔ صِدْقًا وَعَدْلًا یہ دونوں مصدر ہیں۔ اور ہر دونوں حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں یعنی درانحالیکہ وہ کلمہ سچا اور عادل ہے۔

فائدہ: قرآن مجید اتم و اکمل بایں معنی ہے کہ مکلفین جن امور کے علماً و عملاً محتاج ہیں ان کی ضرورت پورا کرنے کیلئے قیامت تک ان کی کفایت کرتا ہے اور صادق بایں معنی کہ جتنی خبریں اس میں واقع ہوئی ہیں۔ مثلاً ذات باری تعالیٰ کا وجود اور اس کے جملہ صفات ثبوتیہ و سلبیہ اور اس کے جملہ احکام و وعدہ وعید اور ثواب و عقاب کی خبر اسی طرح گذشتہ لوگوں کے حالات اور آنے والے غیوب بتانے اور عادل بایں معنی ہے کہ جن و انسان مکلفین کے جملہ احکام اور فیصلے عدل و انصاف پر مبنی ہیں جیسے نماز اور روزہ اور زکوٰۃ و حج و دیگر جملہ تکلیفات شرعیہ وہ اوامر ہیں یا نواہی۔

لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَتِهٖ اور نہ ہی کوئی اس کے کلمات کے متبادل پیش کر سکتا ہے جو اس سے اصدق و اعدل ہو یا کم از کم اس کے متساوی ہو۔ جس کی یہ شان ہے پھر اللہ تعالیٰ کے غیر کو کیونکر حکم تلاش کیا جائے۔ وَهُوَ السَّمِيعُ ہر وہ اشیاء جو سمع سے تعلق رکھتی ہیں سب کو سنتا ہے۔ الْعَلِيمُ ہر وہ شے کہ جس کا جاننا ممکن ہے اس کو جانتا ہے۔ منجملہ ان کے متکلمین کے اقوال و احوال ظاہر ہوں یا باطن۔ کوئی شے اس کے علم

marfat.ocm

اہر نہیں۔

خلاصہ تفسیر آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا حکم لوگوں کے مابین حجۃ بالغہ ہے کسی طریق سے بھی اس کے حکم کی معطلی نہیں ہوسکتی۔ اس کا انکار سوائے منکر کے اور کوئی نہیں کر کتا اس کا انکار عنادی ہوتا ہے جیسے اس کی حقانیت پر یقین کرنے کے باوجود انکار کرے یا تکذیبی۔ جیسے اس کی نیت کا انکار از رہ جہالت۔

یر صوفیانہ جو شخص اس کی حقانیت کا اقراری ہے اسے جذبۂ الٰہی اس کے عمل کی طرف لیجا کر درجات علم و عرفان اور کمال ایقان میں پہنچاتا ہے اس لئے کہ وہ کلمہ حق و صدق ہے صدق جنت و قربت و وصلت کی طرف لے جاتا ہے۔

قاعدہ صوفیانہ بندہ جب تک عالم دنیا میں ہے اس سے احکام تکلیفیہ کبھی معاف نہیں ہوتے اگرچہ وہ کسی ذات تک بھی پہنچ جائے اس سے ان بدباطن جاہل صوفیوں کا رد ہوگیا جو کہتے ہیں کہ جب واصل باللہ ہوجاتا ہے تو اس سے احکام تکلیفیہ مرتفع ہوجاتے ہیں البتہ عالم آخرت میں جملہ احکام فیہ مرتفع ہوجائیں گے۔ اس لئے کہ اس عالم میں صرف توحید ہوگی۔ اس سے ثابت ہوا کہ جمیع مراتب کمال شریعت کی رعایت ضروری اور لازمی ہے۔ اس لئے کہ کمال اسی کا نام ہے کہ شریعت کا دامن کسی حال میں چھوڑے وہ ابھی ناقص ہے کہ کسی کمال کے حصول میں شریعت کا دامن چھوڑ دے۔ جیسے مجاذیب کہ شریعت دامن چھوڑنے پر محققین نے انہیں ناقص کہا۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر سکر و جنون طاری نہیں ا۔ اس وجہ سے انہیں کامل ترین سمجھا گیا اور اس مرد مولا کو بھی کہ جسے حالت استغراق میں بھی دروازہ اور مکھی کی آواز سے باخبر ہو۔

کایت: حضرت شیخ اکبر قدس سرہ نے اپنے مریدین سے پوچھا کہ کبھی تم نے مجھ سے خلاف شرع امر تو نہیں دیکھا سب نے کہا نہیں دیکھا۔ آپ نے فرمایا الحمد للہ۔ پھر فرمایا کہ میں تیس سال سے ت استغراق میں رہا ہوں لیکن بفضلہٖ تعالیٰ شریعت کا دامن کبھی نہیں چھوڑا۔

مت: اشرف المخلوقات انسان ہے اور تمام انسانوں سے برگزیدہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اسی لئے آپ اللہ تعالیٰ کے مظہر اتم ہیں اور مبداء قدیم سے آپ کو مظہر بنایا گیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے کو ہی اپنا حکم مقرر فرمایا تاکہ حق کو ثابت کریں۔ اور باطل کو مٹائیں۔

الا اے احمد مرسل شود ہر مشکل از تو حل
کنم وصف ترا مجمل توئی سلطان ہر مولیٰ

marfat.ocm

شریعت از تو روشن شد طریقت ہم بہین شُد
حقیقت خود متعین شد زہے سلطان بے ہمتا

ترجمہ ۱: اے احمد مرسل آپ سے ہی ہر مشکل حل ہوتی ہے آپکی تو میں مجمل وصف بیان کرتا ہوں کہ ہر ایک کے مولا ہیں۔
۲: شریعت آپ سے روشن ہے طریقت کے برہان و دلائل آپ سے ظاہر ہوئے حقیقت بھی معین ہوتی ہے آپ سے واہ واہ آپ کیسے بے مثل بادشاہ ہیں

دوسری تقریر صوفیانہ

یہ آیت مرتبۂ نفس اور اس کی اصلاح سے متعلق ہے غیر اللہ کو حکم طلب کرنا خواہشات نفسانیہ سے پھر اُس کی اصلاح انقیاد و تسلیم سے ہوتی ہے جسے قرآن کریم کے ظاہر و باطن سے کچھ علم نصیب ہوا وہی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی وارث ہے اور حاکم بھی اسے ہونا چاہیے جو امورِ الٰہی کا علم رکھتا ہو۔ ورنہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا جو علم کے بغیر فتویٰ (حکم) دیتا ہے۔ اس پر زمین و آسمان کے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔

حکایت علی بلخی کی لڑکی نے اپنے باپ سے قے کا مسئلہ پوچھا کہ کسی کو قے منہ بھر کر نہ آئے تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا یا نہ۔ علی بلخی نے فرمایا کہ اس کا وضو ٹوٹ گیا اسے وضو کا اعادہ ضروری ہے اس کے بعد علی بلخی خواب میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اے علی بلخی تم نے مسئلہ غلط بتایا جب تک قے منہ بھر کر نہ آئے اس وقت تک وضو نہیں ٹوٹتا۔ حضرت علی بلخی فرماتے ہیں اس وقت مجھے یقین ہوا کہ ہر مسئلہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش ہوتا ہے۔ میں نے تہیہ کیا اور قسم کھائی کہ آئندہ کوئی فتویٰ نہیں دوں گا۔

حکایت حضرت شعبی سے کسی مسئلہ کا سوال ہوا تو آپ نے فرمایا لَاۤ اَعْلَمُ میں نہیں جانتا۔ آپ کو کسی نے کہا کہ اے شعبی تمہیں حیاء کرنی چاہیے۔ فتوے جانتے ہوئے نہیں بتاتے تم تو عراق کے بہت بڑے مفتی ہو۔ آپ نے فرمایا۔ میں اس ذات سے حیاء کرتا ہوں جس سے ملائکہ کرام نے حیاء کیا کہ کہا تھا۔ لَا عِلْمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا

سبق عوام پر لازم ہے کہ وہ امور ظاہرہ کے لئے شہر یا اپنے ہم زمان بہت بڑے عالم سے مسئلہ پوچھیں اور خواص پر لازم ہے کہ وہ اپنے احوالِ باطنہ کا بہت بڑے عارف سے استفسار کریں۔ اگرچہ وہ ان پڑھ اور علماء کے اصطلاحات سے بے خبر ہو۔ اس لئے کہ اُن کے ہاں ایک ایسی معنوی حکمت ہوتی ہے جسے اصطلاحات عالمانہ کی ضرورت ہی نہیں۔ درحقیقت حکیم وہی ہوتے ہیں اس لئے کہ علماء کرام کا اتفاق ہے کہ بندہ جب واصل باللہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے علوم کا ماہر بنا دیتا ہے اور بذریعہ الہام اسے حق و باطل کی تمیز کرا دیتا ہے اس سے خلاف شرع نہ کوئی بات صادر ہوتی ہے اور نہ اس کا کوئی عمل خلاف شرع ہوتا ہے۔ اس لئے صوفیاء کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جاہل کو ولی نہیں بناتا۔ اگر اُسے ولی بناتا ہے تو پہلے اسے علوم ظاہرہ سے نوازتا ہے جیسے

marfat.ocm

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی کیفیت تھی کہ وہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی کے خلاف سرِ مو بھی نہیں ہٹتے تھے۔ کما قال تعالیٰ۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ اور فرمایا وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ بلکہ یہی حال سچے مریدوں کی ہے کہ وہ بھی اپنے مرشدانِ کرام کے حکم سے سرِ مو نہیں ہٹتے۔ اس لئے کہ وہ حکم درحقیقت اللہ تعالیٰ کا ہوتا ہے چنانچہ اس کا احادیث میں واضح ثبوت موجود ہے۔ لیکن اس کے ظاہر کرنے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس لئے کہ آپ ہی اللہ تعالیٰ کے خلیفۂ اعظم ہیں۔ اسی طرح وہ حضرات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث اور جانشین ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِى الْاَرْضِ اگر آپ زمین والوں کی اکثر بات مانیں گے

شانِ نزول اہل مکہ مردار کا کھانا حلال سمجھتے بلکہ مسلمانوں کو بھی اس کی دعوت دیتے تھے۔ دلیل یہ دیتے کہ جسے تم چھریوں سے ذبح کرتے ہو وہ حلال ہے تو پھر جسے اللہ تعالیٰ ذبح کرے وہ تو بطریق اولیٰ حلال ہوا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اب معنی یہ ہوا کہ اے پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ کفار کی بات مان لیں گے۔

فائدہ: ہم نے کفار سے اس لئے تعبیر کیا کہ اس وقت کفار بہت زیادہ تھے۔

يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ تو تجھے اللہ تعالیٰ کے راستے سے بہکا دیں گے۔ سبیل اللہ سے دین اور شریعت مراد ہے۔ اس پر سوال ہوا کہ وہ کیسے گمراہ کریں گے۔ اس کے جواب میں کہا گیا کہ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ وہ اپنے ذہنی امور اور آپ کے ساتھ مردار کی بجائے حلال کھانے میں اتباع نہیں کرتے۔ اِلَّا الظَّنَّ مگر گمان کی اور ان کا گمان یہی تھا کہ وہ سمجھتے کہ ان کے آباء حق پر تھے اور یہ انہیں کے نقشِ قدم پہ چل رہے ہیں حالانکہ وہ اس وجہ سے بہت سخت گمراہ ہوئے اور یہ ظاہر ہے کہ جو گمراہ اپنی گمراہی کو رہبری سے تعبیر کرتا ہو تو وہ اپنے مسلک پہ دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہوگا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ حق کا راستہ گمان اور تقلید اور خواہشات پر مبنی نہیں بلکہ حق کا راستہ میں صدق اور تحقیق اور ہدایات ہے۔ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ اور وہ صرف اٹکل پچو سے کام چلاتے ہیں۔ یعنی وہ مردار کو حلال کہہ کر اسی طرح دوسرے مسائل میں اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتے ہیں۔

۱۱۷ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بے شک تیرا رب خوب جانتا ہے۔ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ۔ اس کو جو سیدھے راہ سے بہکاتا ہے اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو بھی بہتر جانتا ہے۔ اس لئے ہر مستحق کو اس کے استحقاق پر جزا دے گا۔

marfat.ocm

سبق : گروہِ اول سے سالک کو احتراز کرنا لازم ہے۔

فائدہ :- علاوی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے اعلم اس لئے فرمایا ہے کہ وہ ہر شے کو ہر جہات سے جانتا ہے۔ بخلاف دوسروں کے کہ وہ اشیاء کو بعض وجوہ سے جانتے ہیں اور بعض سے بیخبر ہوتے ہیں

۱۱۸ فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ۔ پس کھاؤ اسے کہ جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہے۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کے آیات پر ایمان رکھتے ہو۔ اس میں ان گمراہ کرنے والوں کی اتباع سے انکار کا سبب بنایا گیا۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال بتلاتے ہیں وہ گمراہ ہیں۔

اَب معنی یوں ہوا کہ اے مومنو! تم ان چیزوں کو کھاؤ جس پر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا۔ وہ نہ کھاؤ کہ جن پر غیر اللہ کا نام لیا گیا یا اس کے نام کے ساتھ دوسرے کا نام لیا گیا۔ یا اس کی ناک بند کر کے اُس کی جان نکالی گئی۔ اس لئے کہ آیاتِ قرآنیہ پر ایمان لانے کا یہی تقاضا ہے کہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے ان کا کھانا مباح ہے اور جنہیں حرام فرمایا ہے اُن سے اجتناب ضروری ہے۔ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ۔ تمہیں کونسا سبب مانع ہے کہ جن پر اللہ کا نام لیا گیا ہے اُسے نہیں کھاتے۔

فائدہ : امام صاحب نے فرمایا کہ مشرکین کی عادت تھی کہ جن چیزوں پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا جاتا اس کے کھانے کو مباح سمجھتے لیکن جھگڑا اس میں تھا کہ وہ مردار کو حلال سمجھتے تھے اور اہلِ اسلام اسے حرام سمجھتے تھے لیکن اس تقریر پر اعتراض پڑتا ہے کہ اس سے تو ماذکر اسم اللہ کی اباحت کی خصوصیت سے وارد ہونا فضول جاتا ہے۔ اس لئے کہ جب وہ "ماذکر اسم اللہ علیہ" کو بھی حلال مانتے تھے تو پھر انہیں متنبہ کرنے کا کیا معنیٰ! حالانکہ مذکورہ آیت کا تقاضا تو یہ ہے کہ جس میں انہیں اختلاف ہو اس کے لئے انہیں متنبہ کیا جائے۔ اس کا جواب امام صاحب نے یہ دیا کہ کُلُوْا کا معنیٰ ہے اجعلوا اکلکم مقصورا ماذکر اسم اللہ۔ یعنی اپنے کھانے کو صرف اسی پر مقصور رکھو کہ جس پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کیا جائے۔ اور ان لا تاکلوا الخ کا معنی ہے ان لا تجعلوا اکلکم مقصورا علیہ۔ یعنی اپنے کھانے کو صرف مُردار پر مقصور نہ کرو۔ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ آیت سے صرف مردار کے کھانے کی تحریم کا افادہ ہوا۔ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حکم تفصیل وار بیان فرمایا ہے۔ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ جو اشیاء تمہارے لئے حرام ہیں یا حرام نہیں۔ چنانچہ اسی سورۃ میں مضمون آ رہا ہے کما قال قل لا اجد فیما اوحی الی محرما الآیۃ اس کے بعد باقی تمام اشیاء اپنے حال یعنی اباحت پر رہیں گی اس تفصیل سے حرمت علیکم المیتۃ والدم الآیۃ مراد ہے اس لئے کہ یہ آیت مدنیہ اور سورۃ ہذا مکیہ ہے۔

marfat.ocm

سوال: قل لا اجد الخ ابھی مذکور نہیں ہوئی اور قد فصل صیغۂ ماضی ہے اس کا تقاضا ہے کہ تفصیل کا ذکر پہلے ہو۔

جواب ۱: قل لا اجد الخ کا تاخر صرف تلاوت کے اعتبار سے ہے اور وہ تاخر النزول کو مستلزم نہیں۔

جواب ۲: ممکن ہے کہ یہ تفصیل وحی غیر متلو سے ہوئی ہو۔ چنانچہ سعدی چلپی مفتی نے فرمایا کہ میرے نزدیک یہی جواب اولیٰ ہے: اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ۔ ہاں جب تم حرام اشیاء کے استعمال کرنے پر سخت مجبور ہو جاؤ وہ حرام تمہارے لئے حلال ہے۔ بوجہ ضرورت کے یہ استثناء متصل ہے اور مستثنیٰ منہ ما حرم ہے اور ما مصدریہ بمعنی الوقت ہے یعنی حالانکہ تمہیں وہ اشیاء جو تمہارے لئے حرام ہیں جمیع اوقات میں حرام ہیں مگر بوقت اضطرار اگر اسے ما موصولہ بنایا جائے تو یہ مستثنیٰ منفصل ہوگا۔ اس لئے کہ ما اضطر الیہ حلال ہوتا ہے اس بنا پر وہ ما حرم علیکم میں داخل نہ ہوگا۔ وَاِنَّ كَثِيْرًا اور بے شک بہت سے کافر لَيُضِلُّوْنَ البتہ لوگوں کو گمراہ کریں گے۔ بِاَهْوَآئِهِمْ اپنی خواہشات سے یعنی وہ حرام کردہ اشیاء سے کہ جنہیں ان کے نفس چاہتے ہیں۔ مثلاً مردار وغیرہ کا حلال سمجھنا بِغَيْرِ عِلْمٍ بغیر علم کے۔

فائدہ: اس سے وہ علم مراد ہے جو شریعت مطہرہ سے حاصل اور وحی سے مستند ہو۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ بے شک تیرا رب حق سے باطل کی طرف اور حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرنے والوں کو جانتا ہے۔

فائدہ: خواہشات نفسانی کے تابعدار کئی قسم کے ہیں۔ منجملہ ان کے معتزلہ (وہابیہ) شیعہ وغیرہما ہیں۔ اگرچہ یہ اہل قبلہ ہیں۔ لیکن قرآن و حدیث کی غلط تاویلیں کرکے اہل سنت کے خلاف وہ مسائل بناتے ہیں جو ان کی خواہشات نفسانی کے ترجمان ہوتے ہیں۔ وہ بھی کافروں اور مشرکوں کی طرح لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔

سوال: صوفیاء کرام بھی آیات و احادیث میں اپنے مسلک کے مطابق تاویلیں کرتے ہیں پھر انہیں کیوں معتبر مانا جاتا ہے۔

جواب: صوفیاء کرام کی تاویلیں عین شرع شریف کے مطابق ہوتی ہیں۔ جن میں خواہشات نفسانیہ کو کسی قسم کا دخل نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ عرفانی و وجدانی باتیں ہوتی ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے۔

۱: تو ز قرآن اے پسر ظاہر مبین
دیو آدم را نہ بیند جز کہ طین
۲: ظاہر قرآن چو شخص آدمیست
کہ نقوشش ظاہر و جانش خفیست

ترجمہ ۱: تو قرآن کے ظاہر کو نہ دیکھ شیطان آدم (علیہ السلام) کے صرف ظاہر کو دیکھتا ہے۔

marfat.ocm

٢ ۔ قرآن کا ظاہر انسان کے ظاہری جسم کی طرح ہے کہ اس کے نقوش تو ظاہر ہیں لیکن اس کی جان مخفی (پوشیدہ) ہے۔

اصحاب اشارات یعنی صوفیاء کرام کی تقلید گمراہ لوگوں کی تقلید جیسی نہیں۔ اس لئے کہ صوفیاء کرام کے معانی عین الیقین پر مبنی ہوتے ہیں۔ بخلاف گمراہ لوگوں کی تاویلوں کے کہ وہ محض ظن و تخمین سے کام چلاتے ہیں۔

فائدہ : اسی طرح اہل دنیا بہ نسبت طالبان آخرت کے اہل ہوی ہیں۔ اس لئے کہ اہلِ دنیا کے تمام امور خیالی ہوتے ہیں اور خیال کا عاشق عاقل نہیں ہو سکتا۔

حکایت حضرت بہلول دانا فرماتے ہیں کہ میں بصرہ کی کسی سڑک پر سفر کر رہا تھا۔ ایک مقام پہ دیکھا کہ لڑکے بادام اور اخروٹ سے کھیل رہے تھے۔ لیکن ایک لڑکا اس حسرت سے رو رہا تھا کہ دوسروں کے پاس بادام و اخروٹ ہیں اور وہ خالی ہاتھ ہے حالانکہ حقیقت کچھ اور تھی۔ میں نے اس کے قریب جا کر پوچھا بیٹا تو کیوں روتا ہے۔ اگر تیرے پاس بادام و اخروٹ نہ ہوں تو میں تجھے خرید کر کے دوں تاکہ تم بھی ان کے ساتھ کھیلو۔ لڑکے نے میری بات سن کر تیز نگاہ سے دیکھا اور کہا اے بے عقل ہم کھیل کود کے لئے نہیں پیدا کئے گئے۔ میں نے پوچھا تو پھر کس لئے پیدا کئے گئے ہو۔ جواب دیا کہ ہم علم اور عبادت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ میں نے اس سے سوال کیا کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا۔ اُس نے جواب دیا کہ قرآن مجید میں واضح الفاظ میں فرمایا کہ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ۔

ترجمہ : کیا تمہیں گمان ہے۔ کہ ہم کو ہم نے عبث پیدا کیا ہے تم ہماری طرف لوٹو گے۔

فائدہ : اہل عقبےٰ بہ نسبت طالبان مولےٰ کے اہل ہوی ہیں اس لئے کہ طالبان مولیٰ ہر دو کون سے فارغ البال ہوتے ہیں انہیں وصل وصال اور جدائی اور مفارقت کا کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ وہ اپنے محبوب حقیقی کے سوا کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے۔ صاحب الحدیقہ نے فرمایا ؎

سالکان درگہت را ہر دو عالم یکنفس
والہان حضرتت از حور جنت ملال

ترجمہ : سالک تیری درگاہ کے ہر دو عالم میں ایک ہی خیال میں ہے کہ وہ صرف تیرے ہی متوالے (عاشق) ہیں حوروں سے انہیں ملال ہے۔

تفسیر صوفیانہ اہل آخرت پر دنیا حرام ہے اور اہل دنیا پر آخرت حرام اور اللہ والوں کے لئے ہر دو حرام ہیں ہاں جو شخص دنیا کی اشیاء میں بقدر ضرورت کھاتا ہے اور بقدر ضرورت ستر پوشی کرتا ہے وہ اہل دنیا نہیں اس لئے کہ یہ تو ضروریات بشریہ سے ہے اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اجازت بخشی ہے کہ زندگی

marfat.ocm

کو برقرار رکھنے کے لئے ضرورت کی اشیاء استعمال کی جائیں۔ فَکُلُوْا مِمَّا ذُکِرَ اسْمُ اللّٰہِ الخ میں اشارہ ہے کہ طعام حکم شرع کے مطابق کھاؤ نہ جو طبیعت چاہے اور جو کچھ کھاؤ اسے اللہ تعالیٰ کے ذکر میں صرف کرو۔ یہی ایمان کی علامت ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: طعام کو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں صرف کرو اس لئے کہ ہر وہ طعام جو غفلت ونسیان اور گناہوں کی اعانت کے لئے کھایا جائے وہ دل کو موت کے گھاٹ اتارتا اور بہشت سے محرومی کا سبب بنتا ہے۔

مسئلہ: حدیث مذکور سے ذکر بالجہر کا ثبوت ملتا ہے اس لئے کہ حدیث شریف میں لفظ اذابۃ ہے یعنی پگھلانا اور وہ ذکر جہری سے ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کی تائید دوسری حدیث شریف سے بھی ملتی ہے وہ یہ کہ طعام کھانے کے بعد دو رکعت پڑھنے کا حکم ملتا ہے۔ یا طعام کے بعد قرآن مجید کی کم از کم دس آیتیں پڑھنا۔ اس لئے کہ حرکت بدنیہ سے طعام ہضم ہوتا ہے۔ طعام ہضم ہو جائے تو بدن کو طاقت حاصل ہوتی ہے اور بدن قوی ہو تو عبادت آسانی سے ہوتی ہے۔ نیز طعام کے بعد عبادت کرنا نعمت کیلئے ادائیگی شکر بھی ہے اور شکر کی ادائیگی قلب سے بھی ہوتی ہے اور زبان سے بھی۔ اسی طرح اعضاء سے بھی۔

تفسیر عالمانہ ترجمہ: وَذَرُوْا اور اے ایمان والو چھوڑ دو ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ظاہری اور باطنی گناہ: اس میں صفت کو موصوف کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ یہ دراصل "الاثم الظاہر والباطن" تھا۔ یہاں پر اثم سے وہ عمل مراد ہے جو گناہ کا سبب بنے۔ اسی طرح اس سے ہر قسم کے گناہوں کا ترک کرنا مراد ہے اور وہ ان دونوں سے خالی نہیں اس لئے کہ گناہ یا سراً ہوتے ہیں یا اعلاناً۔ وہ اعمال قلوب سے ہوں یا اعضاء سے۔ اعمال اعضاء کو ظاہراً کیا جاتا ہے۔ جیسے اقوال و افعال اور اعمال قلوب کو باطناً جیسے عقائد فاسدہ و عزائم باطلہ اور حقیقی ظاہرہ گناہ دنیا طلبی ہے اور باطنی گناہ عقبیٰ کی نعمتوں کی خواہش ہے اس لئے کہ یہ ہر دونوں بندے کو مولا سے دور کرنے والے ہیں ؎

ظاہر و باطن پاک کن از لوث گناہ
تا کہ پاکیزہ شوی در صف مردان الہ

ترجمہ: ظاہر و باطن کو گناہ کی آلائش سے پاک کر تاکہ مردانِ خدا کے آگے تو پاکیزہ ہو۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْسِبُوْنَ الْاِثْمَ بے شک وہ لوگ جو ظاہری اور باطنی گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ سَیُجْزَوْنَ۔ عنقریب آخرت میں سزا پائیں گے۔ بِمَا کَانُوْا یَقْتَرِفُوْنَ۔ اس سبب سے جو دنیا میں گناہوں کا ارتکاب کرتے تھے۔ اس لئے بندوں کو ظاہری اور باطنی گناہوں سے اجتناب کرنا لازم ہے ؎

marfat.ocm

جملہ دانند ایں اگر تو نگروی
ہرچہ میکارش روزے بدروی

ترجمہ : [illegible] تو معلوم ہوتا اگر اس دنیا پر قرینہ ہوگا جو تو بوئے گا وہی اٹھائے گا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جیسے انسان کا ظاہر بنایا جسے بدنِ انسانی سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کا باطن بھی جسے قلب روحانی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح بعض گناہ باطنی بنائے۔ وہ یہ ہیں کہ انسان کے اندر مادہ حیوانی و سبعی و شیطانی رکھا کہ انہی عادات کا نفس خوگر ہے اسی بنا پر فرمایا " وذروا ظاہر الاثم و باطنہ " یعنی اعمال شرعیہ پر عمل کر کے افعال طبیعہ کو چھوڑو۔ اسی طرح اخلاق ملکیہ روحانیہ کی عادت پیدا کر کے خصائل مذمومہ نفسانیہ کا ترک کرو۔ ان الذین یکسبون الاثم ظاہرہ و باطنہ۔ بے شک وہ لوگ جو ظاہری اور باطنی گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اس سے عام اعمال و اخلاق مراد ہیں۔ سَیُجۡزَوۡنَ بِمَا کَانُوۡا یَقۡتَرِفُوۡنَ انہیں ان کے کردار کی سزا ملے گی جلدی یا دیر سے۔ وہ سزا جو جلدی ملے گی اس کی تفصیل یہ ہے کہ جو فعل و قول انسان اپنی طبیعت کے مطابق عمل میں لاتا ہے اس سے ایک ہی سیاہی پیدا ہوتی ہے جو دل کے شیشہ پر زنگ چڑھ جاتی ہے۔ جس سے اخلاق قلبیہ روحانیہ سے منحرف ہو جاتا ہے اور اس کے نفسانی ظلمانی اخلاق قوت پکڑ جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے اسیر نفسانی خواہشات اور دنیا کی محبت اور دنیوی ارادے غالب رہتے ہیں قاعدہ ہے کہ جو خواہش نفسانی کے مطابق سرزد ہو تو اس سے دل کی زنگ پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ دل کی قساوت زور پکڑ جاتی ہے۔ جس سے بندہ اللہ تعالیٰ سے محجوب ہو جاتا ہے کما قال تعالیٰ کلا بل ران علی قلوبہم ما کانوا یکسبون" اور وہ سزا جو دیر سے ملے گی اس کی تفصیل یہ ہے کہ انہی موانع و حجابات (جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے) کی وجہ سے بندہ اللہ تعالیٰ سے بالکل جدا اور منقطع ہو جائے گا۔ پھر وہ دائمی طور پر محجوب اور عذاب یافتہ رہے گا اور اسے ہمیشہ کے لئے جہنم کے عذاب میں مبتلا رکھا جائے گا۔ (کما قال تعالیٰ) کلا انہم عَنۡ رَّبِّہِمۡ یَوۡمَئِذٍ لَّمَحۡجُوۡبُوۡنَ۔ کذا فی التاویلات النجمیہ

مسئلہ : تمام مجرم اللہ تعالیٰ کی مشیت کے رحم و کرم پر گزار رہے ہیں بلکہ اسی کی مشیت کے ماتحت ہیں انہیں معلوم نہیں کہ خاتمہ کا کیا بنے گا۔

سبق : مجرم کو کسی دھوکہ میں نہ رہنا چاہیے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا۔ کسے معلوم ہے کہ وہ کریم کس پر لطف و کرم فرمائے۔ اس نے جسے معاف کرنا ہے اس کے لئے پہلے لکھ دیا ہے اور وہ بہت قلیل ہیں۔

حکایت حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے بصرہ میں ایک قوم کو دیکھا کہ ایک جنازہ لئے جا رہے ہیں۔ اُن کے ساتھ کوئی جنازہ کی مشایعت کرنے والا نہیں۔ میں نے اُن سے پوچھا کیا وجہ ہے کہ اس کے ساتھ لوگ مشایعت کے لئے نہیں چلے۔ انہوں نے کہا کہ یہ بہت بڑا مجرم ہے۔ موصوف فرماتے ہیں میں نے اس کے لئے دعائے خیر کی اور اپنے ہاتھ سے اسے قبر میں اُتارا۔ پھر آ کر ایک درخت کے نیچے سو گیا نیند میں دیکھا کہ آسمان سے دو فرشتے نازل ہو کر اس کی قبر میں داخل ہو گئے۔ ایک فرشتہ نے اس کے قریب بیٹھ کر دوسرے کو کہا کہ اسے لکھئے کہ یہ جہنمی ہے اس لئے کہ اس کا کوئی عضو بھی گناہ سے خالی نہیں۔ دوسرے فرشتے نے کہا اس کے لئے عجلت نہ کیجئے اس کی آنکھوں کو دیکھئے ممکن ہے اس میں کوئی نیکی موجود ہو۔ اس نے کہا کہ میں نے آنکھوں کو بھی گناہوں سے پُر پایا ہے اس لئے کہ یہ ہر وقت غیر محرم کو بُری نگاہ سے دیکھا کرتا تھا۔ پھر کہا کہ اس کے کانوں کو دیکھو۔ اس نے دیکھا۔ اس کے کان بھی برائیوں سے پُر ہیں۔ اُس نے کہا کہ زبان کو بھی دیکھو اُس نے کہا کہ زبان کو بھی دیکھا ہے۔ زبان بھی ہر بری بات کہنے اور ہر حرام کھانے اور اس کی لذت پانے سے پُر ہے۔ اُس نے کہا اس کے ہاتھوں کو دیکھئے۔ اس نے کہا ہاتھ بھی نجاسات اور امور مذمومہ سے بھرے پڑے ہیں۔ اس نے کہا اس کے پاؤں کو دیکھئے اس نے کہا پاؤں بھی خالی از معاصی نہیں۔ اس پر دوسرے فرشتے نے کہا۔ پھر بھی عجلت اچھی نہیں مجھے بھی دیکھنے دے۔ چنانچہ وہی دوسرا فرشتہ اس میت کے قریب آیا اور اس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ بھائی تیرا ہر رگ و ریشہ جرم و خطا سے ملوث ہے یہ کہہ کر اُس کے دِل کو ٹٹولا اور کہا کہ اس میں ایمان تو موجود ہے لہٰذا اسے مرحوم و مسعود لکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم نے اس کے گناہ مٹائے اور اپنی رحمت کی آغوش میں لے لیا۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

عروسی بوَد نوبت ماتمت
گرت نیک روزی بود خاتمت

یعنی اگر تیرا خاتمہ ایمان پہ ہوا تو تیرے وہ دن عید اور خوشی کا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عفو اور اس کی رحمت کا سوال کرتے ہیں ؎

الٰہی بحق بنی فاطمہ
کہ بر قول ایمان کنی خاتمہ

ترجمہ۔ اے اللہ بنو فاطمہ (آلِ نبی) کے طفیل ایمان پر میرا خاتمہ فرما۔

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ

١٢١ وَلَا تَاْکُلُوْا مِمَّا لَمْ یُذْکَرِ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ۔

عمداً وہ نہ کھاؤ جس پر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے۔

مسئلہ: بھول کر بسم اللہ اللہ اکبر چھوڑ دیا تو اس جانور کا کھانا جائز ہے۔ اس لئے کہ بھولنے والا مکلف نہیں۔ علاوہ ازیں ہر مومن کے دل میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہر وقت موجود ہے۔

مسئلہ: عمداً بسم اللہ اللہ اکبر چھوڑے تو اس جانور کا کھانا حرام ہے۔ اس لئے کہ جس نے عمداً چھوڑا تو گویا اس نے دل والے ذکر کو بھی چھوڑ دیا اس لیے یہ جانور مردار کے حکم میں ہوگا۔ کیونکہ یہ اس حکم میں داخل ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ کا نام مذکور نہیں ہوا۔

مسئلہ: ذبح کے وقت جس جانور پر غیر اللہ کا نام لیا جائے وہ بھی حرام ہے۔

وَاِنَّہٗ: یہ ضمیر کھانے یا اللہ تعالیٰ کا نام نہ لینے کی طرف راجع ہے۔ لَفِسْقٌ اور البتہ وہ فسق ہے یعنی جو چیزیں حرام ہیں ان کی طرف جانا فسق ہے۔

مسئلہ: حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک جس جانور پر ذبح کیوقت عمداً بسم اللہ چھوڑی جائے وہ حرام ہے۔

شانِ نزول مشرکین نے اہلِ اسلام سے جھگڑا کیا کہ جس جانور کو تم قتل کرتے ہو وہ تو حلال ہے اور جسے اللہ تعالیٰ مارتا ہے وہ کیوں حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے سوال کا جواب عمومی طور دیا کہ جس جانور پر اللہ تعالیٰ کا نام مذکور نہ ہوگا وہ حرام ہے۔ وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ یعنی ابلیس اور اس کا سارا لشکر۔ لَیُوْحُوْنَ اِلٰٓی اَوْلِیٰٓئِھِمْ البتہ وسوسہ ڈالتے ہیں اپنے دوستوں کے دل میں یعنی مشرکین کے دل میں وسوسے ڈالتے ہیں اور وحی بمعنی القاء المعنیٰ الی النفس مع الخفیہ یعنی پوشیدہ طور کوئی بات کسی کے دل میں ڈالنا۔ لِیُجَادِلُوْکُمْ اے مومنو! وساوس شیطانیہ سے مردار کے حلال قرار دینے میں تمہارے ساتھ جھگڑتے ہیں وَاِنْ اَطَعْتُمُوْھُمْ اور اگر حرام کو حلال قرار دینے میں تم ان کے باطل خیالات کی موافقت کروگے۔ اِنَّکُمْ لَمُشْرِکُوْنَ بے شک تم بھی مشرک ہوگے۔ اس لئے کہ جو طاعتِ الٰہی ترک کرکے غیر اللہ کی طاعت اختیار کرتا ہے۔ گویا اس نے دینِ حق کو چھوڑ دیا اور اس نے اللہ تعالیٰ سے شرک کیا اور غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ پر پسند کیا۔ اس لئے وہ بھی انہیں سے ہوگیا۔

قاعدہ صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ صرف حکمِ الٰہی کے تحت اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اسی کی طلب میں کھاؤ تاکہ نورِ ذکرِ الٰہی سے طعام کی تاریکی اور اس کی شہوت دفع ہو۔

marfat.ocm

کیونکہ مقام کی تاریکی اور اس کی شہوت فسق کی طرف لے جاتے ہیں [illegible] الاخلاق کی طرف جانے کو فسق کہتے ہیں۔

حدیث شریف: شیطان ہر طعام کو حلال سمجھتا ہے۔ ال جس پر اللہ تعالیٰ کا ذکر آجائے تو وہ طعام اس پر حرام ہو جاتا ہے یعنی شیطان کا کام ہے کہ وہ طعام پر اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتا اور یہ بھی کہ جب تک طعام کو کھایا نہ جائے اسے شیطان اپنے لئے حلال نہیں کر سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اکٹھے کھانے والوں میں سے کوئی ایک بھی بسم اللہ پڑھ لے تب بھی سُنّت ادا ہو جائے گی اگرچہ پڑھنے کا ثواب صرف پڑھنے والے کو ملے گا۔

مسئلہ: جو شخص ابتدائے طعام میں بسم اللہ نہیں پڑھ سکا۔ یعنی وہ بسم اللہ پڑھنا بھول گیا تھا تو اُسے چاہیے جب بھی یاد آجائے تو اس وقت کہے بسم اللہ اولہٗ و آخرہٗ۔ جب یہ کلمہ پڑھ لے گا تو اس کی غلطی معاف اور سُنّت ادا ہو جائے گی۔

مسئلہ: بخلاف وضوء کے ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا سُنّت ہے اگر کوئی وضو کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا بھول گیا اب درمیان میں پڑھے سنت تو ادا نہ ہوگی اگرچہ پڑھنے کا ثواب ضرور مل جائے گا۔ اس لئے کہ وضو سب کا سب ایک عمل ہے۔ بخلاف طعام کے کہ اس کا ہر لقمہ علیحدہ علیحدہ عمل ہے۔

حکایت: ایک شخص طعام کھا رہا تھا۔ اسے ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا یاد نہ رہا۔ درمیان طعام میں اسے یاد آیا تو پڑھا بسم اللہ اولہٗ و آخرہٗ۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے اس طریقے سے ہنس پڑے اور فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ اس کے ساتھ شیطان طعام کو کھا رہا تھا۔ جب اس نے بسم اللہ پڑھی تو شیطان نے جتنا کھایا تھا سب قے سے نکال دیا۔

فائدہ: حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ شیطان بھی طعام کو چبا کر نگل جاتا ہے جیسا کہ ایک قوم کا مذہب ہے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ شیطان کا کھانا اگرچہ صحیح سنت سے ثابت ہے لیکن وہ صرف سونگھنے اور ہوا حاصل کرنے کے طور پہ ہے اس لئے کہ چبانا اور نگلنا اس کے لائق ہے جو شے ذی جُثہ یعنی جسم والی ہو اور شیاطین ذی جسم ہیں لیکن نہایت لطیف۔

فائدہ: آکام المرجان میں ہے طعام اور پانی اور لباس اور دیگر وہ اشیاء کہ جن سے نفع حاصل کرنا مقصود ہے ان پر اللہ کا نام اگر نہ لیا جائے تو انہیں شیطان تصرف کرتا اور خود شریک ہو جاتا ہے یا تو سرے سے اس شے کو ضائع کر دیتا ہے یا کم از کم اس میں نحوست ضرور ڈالتا ہے۔

حکایت: حضرت ثعلبہ فرماتے ہیں میں نے اپنے لئے ایک شربت بنائی اسے تیار کر کے رکھ دیا اس نیت پر کہ اسے صبح کو پیوں گا۔ صبح کو اٹھا تو وہ شربت غائب تھی۔ بعد تلاش آخر نہ ملی۔ پھر دوسری شربت

marfat.ocm

تیار کی اور اس پر سورۃ یٰسین پڑھ کر رکھدی اور وہی ارادہ کر صبح کو پیوں گا۔ صبح کو اٹھ کر دیکھا کہ شیطان اندھا ہو کر گھر کے گرد پھر رہا ہے لیکن شربت تک پہنچنا تو کجا وہ اس گھر میں بھی نہ جا سکا۔

حدیث شریف شیطان شے کو محسوس کر لیتا ہے اور پھر وہ اسے چاٹنے کیلئے کوشش کرتا ہے۔ بنا بریں تمہارے لئے لازم ہے کہ سوتے وقت اپنے ہاتھ وغیرہ دھو کر سویا کرو۔ ورنہ اگر کسی کے ہاتھ وغیرہ کو کوئی دُکھ پہنچے تو پھر وہ اپنے نفس کو ملامت کرے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس طعام کو حرام کیا ہے کہ جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا۔ اس لئے حرام کیا ہے کہ بندۂ عارف اللہ تعالیٰ کا حبیب ہے اور حبیب کا کام ہے کہ اپنے کھانے پینے اور لباس اور بستر غرضیکہ جو فعل بھی کرتا ہے اس میں اپنے حبیب کا نام لیتا ہے دیکھئے یعقوب علیہ السلام سے محبت تھی اس لئے وہ اُٹھتے بیٹھتے و دیگر جملہ امور میں یوسف علیہ السلام کا نام لیتے تھے۔

نکتہ : ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام اس لئے لیا جاتا ہے کہ نزع کی گھڑی سخت کڑوی ہوتی ہے اور اللہ کا نام ہر شے سے میٹھا ہے بنا بریں ہمیں جانور پر اللہ کا نام لینے کا حکم ہے کہ نزع کے وقت جب جانور اللہ کا نام سنتا ہے تو اس کی سختی دُور ہو جاتی ہے۔ اس لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا "لقنوا موتاکم بشہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ" اپنے مُردوں کو کلمہ شہادت کی تلقین کرو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت سے مردے پر سکرات آسان ہو جاتی ہے علاوہ ازیں جب زندہ کرنا اور مارنا اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے تو پھر ذبح کے وقت بھی صرف اسی کا نام لیا جائے نہ کہ اس کے غیر کا۔

مسئلہ : حضور علیہ السلام نے ذبح کے وقت جن یعنی شیطان کا۔ نام لینے سے رُوکا ہے اور اس سے مدعا ہے کہ اس کے لئے کوئی شے ذبح کی جائے۔

حکایت بعض خلفاء نے ایک کنواں کھدوایا۔ اس کے افتتاح کے وقت چاہا کہ ایک جانور جنات کے نام ذبح کیا جائے تاکہ کنویں کا پانی کم نہ ہو۔ چنانچہ جن کا نام لیکر وہ جانور لوگوں کو تقسیم کر دیا۔ یہ بات حضرت ابن شہاب کے ہاں پہنچی تو انہوں نے فرمایا جانور حرام کیا اور لوگوں کو حرام کھلایا۔

دریائے نیل کی رسم کو فاروق اعظم نے مٹایا

مصریوں کی قبل اسلام یعنی دورِ جاہلیت میں عادت تھی کہ ایک نوجوان کنواری حسین لڑکی کو اچھے کپڑے پہنا کر دریائے نیل میں ڈال دیتے۔ اسلام کی برکت سے یہ رسم ختم ہوئی اور اس رسم کو اس نے مٹایا جس سے جنات ڈرتے تھے یعنی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے۔ آپ نے دریائے نیل کو خط لکھ کر یہ رسم ختم کی اور قیامت تک دریائے نیل کو ایسا جاری کیا کہ اب کبھی بند ہونے کا نام نہیں لیتا۔

marfat.ocm

اسی طرح اس طبقے سے جھگڑے کو کوئی کھونا چاہے تو پھر سوائے اللہ تعالیٰ کے حکم کے کسی کی پرواہ نہ کرے۔ اس طرح کے سلسلے کی ضرورت ہمیشہ رہے گی۔ یاد رہے کہ ہر زمانہ میں ایسے حضرات کی کمی نہیں یعنی حضرات ہر زمانہ میں ہوتے ہیں۔

عثمانی جو شخص اللہ تعالیٰ کے اسم کا وظیفہ پر مداومت کرے تو پھر نہ اُسے آگ جلا سکتی ہے اور نہ اسے پانی ہی غرق کر سکتا ہے اور نہ ہی سانپ ڈس سکتا ہے اور نہ اس پر زہر اثر کر سکتی ہے رسالہ سے اللہ تعالیٰ کے وسیلے والے سے قوت کمال اور ورثہ ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے مکمل طور ڈرتا تو کمالات اس کے قبضے میں دو واقعے

۱۔ تو گردن از حکم داور مپیچ
کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

۲۔ محال است چون دوست دارد ترا
کہ در دست دشمن گذارد ترا

ترجمہ ۱۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تو گردن نہ موڑ تیرے حکم سے کوئی گردن نہ موڑیگا۔

۲۔ اگر وہ تجھ سے محبت کرتا ہے تو محال ہے کہ وہ تجھے دشمن کے قبضہ میں دے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی مکان میں جنات کے وہم سے دھونی دینا اور گلاب کا پانی چھڑکنا یا پانی کے چھینٹے (عملی) شرک ہے ایسے امر سے بچنا ضروری ہے۔

مسئلہ۔ کسی مرغ کے بے وقت اذان دینے کو منحوس سمجھ کر ذبح کرنا بھی (عملی) شرک ہے اس لئے مرغ سحر سے پہلے بے وقت اذان دے دیتے ہیں۔ تو بعض لوگ اسے مکان میں جنات کی تاثیر سمجھ کر مرغے کو جنات کے لئے ذبح کر دیتے ہیں۔ اس خطرے سے کہ اگر اس طرح نہ کیا جائے گا تو جان و مال اور اہل و کو جنات نقصان پہنچائیں گے یا کوئی بلا و آفت نازل ہوگی۔

مسئلہ۔ مخلص مومن اس طرح کا عقیدہ نہیں رکھتا۔ بلکہ ایسے مرغے کو نہ منحوس سمجھتا ہے اور نہ ہی اُس کے نے سے انکار کرتا ہے بلکہ سرے سے ایسے توہمات میں پھنستا ہی نہیں۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ

اور کیا وہ کہ مردہ تھا تو ہم نے اسے زندہ کیا

نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ

اور اس کے لیے ایک نور کر دیا جس سے لوگوں میں چلتا ہے وہ اس جیسا ہو جائے گا جو اندھیریوں میں ہے ان سے

بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا

نکلنے والا نہیں یوں ہی کافروں کی آنکھ میں ان کے اعمال بھلے کر دیئے گئے ہیں اور اسی طرح ہم نے ہر بستی

فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ۭ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا

میں اس کے مجرموں کے سرغنہ کیے کہ اس میں داؤں کھیلیں اور داؤں نہیں کھیلتے مگر اپنی جانوں پر اور

يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا جَاۗءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ

انہیں شعور نہیں اور جب ان کے پاس کوئی نشانی آئے تو کہتے ہیں ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک ہمیں بھی ویسا ہی نہ

رُسُلُ اللّٰهِ ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ۭ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا

ملے جیسا اللہ کے رسولوں کو ملا اللہ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھے عنقریب مجرموں کو اللہ کے یہاں ذلت پہنچے گی

صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ

اور سخت عذاب بدلہ ان کے مکر کا اور جسے اللہ راہ دکھانا چاہے

اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ

اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہے اس کا سینہ تنگ خوب رکا ہوا کر دیتا

ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاۗءِ ۭ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَي

ہے گویا کسی کی زبردستی سے آسمان پر چڑھ رہا ہے اللہ یونہی عذاب ڈالتا ہے ایمان نہ

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ

لانے والوں کو اور یہ تمہارے رب کی سیدھی راہ ہے ہم نے آیتیں مفصل بیان کر دیں نصیحت

يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا

ماننے والوں کے لیے ان کے لیے سلامتی کا گھر ہے اپنے رب کے یہاں اور وہ ان کا مولیٰ ہے یہ ان کے کاموں کا

يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ

پھل ہے اور جس دن ان سب کو اٹھائے گا اور فرمائے گا اے جن کے گروہ تم نے بہت آدمی گھیر لیے

الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰۗؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ

اور ان کے دوست آدمی عرض کریں گے اے ہمارے رب ہم میں ایک نے دوسرے سے فائدہ اٹھایا

marfat.ocm

لَغْنَا اَجَلَنَا الَّذِیْٓ اَجَّلْتَ لَنَا قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اِلَّا مَا
میعاد کو پہنچ گئے جو تُو نے ہمارے لیے مقرر فرمائی تھی فرمائے گا آگ تمہارا ٹھکانا ہے ہمیشہ اس میں رہو مگر جسے
ءَ اللّٰهُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ۝ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ
چاہے اے محبوب بیشک تمہارا رب حکمت والا علم والا ہے اور یونہی ہم ظالموں میں ایک کو دوسرے پر مسلط کرتے ہیں
بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝١٢٩
بدلہ ان کے کیے کا

عالمانہ ۱۲۲ اَوَمَنْ كَانَ مَیْتًا **شانِ نزول**: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ابوجہل بدبخت نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر گوبر پھینکے
حضرت حمزہ کو ہوا۔ اس وقت حضرت حمزہ دولتِ ایمان سے نہیں نوازے گئے تھے ان کو ابوجہل کی اس
اس وقت ہوا۔ جب وہ شکار سے واپس آرہے تھے اور آپ کے پاس تیر و کمان بھی تھا۔ آپ سیدھے
کے ہاں چلے گئے اور جاکر وہی کمان اس کے سر پہ مارا۔ ابوجہل نے کہا تم اس کی طرف داری کرتا ہے جس نے
کر رکھا ہے اور ہمارے معبودوں کو گالی دیتا ہے۔ آپ نے اسے فرمایا تمہارے جیسا پاگل اور بے وقوف اور کون
پتھروں کے بت اپنے ہاتھوں سے خود گھڑتے اور پھر اُن کی پرستش کرتے ہو۔ سُن لو اب سے میں مسلمان
پھر آپ نے پڑھا اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له وان محمدًا عبدهٗ ورسولهٗ
یہی آیات نازل ہوئیں۔ آیت میں ہمزہ انکاری نفی کے لئے اور واؤ عاطفہ ہے۔ جملہ اسمیہ کو اس کے اپنے
پر عطف ڈالنا مطلوب ہے۔ چنانچہ فحوائے کلام سے معلوم ہوتا ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ اے مومنو کیا تم مشرکین
ن کی طرح ہو سکتے ہو۔ فَاَحْیَیْنٰهُ پس ہم نے انہیں زندہ کیا یعنی ہم نے انہیں زندگی اور دیگر قوائے
کر عنایت فرمائے۔

marfat.ocm

وَجَعَلْنَا لَهٗ اور مذکورہ بالا اشیاء کے علاوہ ہم نے اُن کے لئے خارج سے بنایا۔ نُوراً یہتدیٰ نور۔ یَمْشِیْ بِہٖ" جو اس کے سبب سے چلتا ہے۔ فِی النَّاسِ لوگوں میں۔ یعنی ایک دوسرے کو نقصا پہنچانے سے بچ کر چلتے ہیں۔ کَمَنْ مَّثَلُہٗ۔ صفت عجیبہ میں اس کی مثال ہے ظلمات میں یہ خبر ہے۔ اس کا مبتدا محذوف ہے۔ ای ھُوَ فِی الظُّلُمَاتِ (لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا) اس سے وہ کسی حال میں نکلنے والا نہیں۔ یہ فی الظلمات ظرف کی ضمیر مستتر سے حال ہے۔ پہلا مَنْ موصولہ ہے اور اس کی خبر کَمَنْ مَّثَلُہٗ ہے اور یہ من موصولہ ہے اس کا صلہ وہ جملہ اسمیہ ہے جو اس سے پہلا اُس شخص کی مثال ہے جسے منجانب اللہ ہدایت ہوئی ہو اور اُسے اللہ تعالیٰ نے اس کو حجج و آیات کے نور سے نوازا ہو اور وہ انہیں کے ذریعے اشیاء میں غور و فکر کر کے حق و باطل اور حق والے کا امتیاز کر سکے۔ جیسے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو نصیب دوسرا مَن اس شخص کی تمثیل ہے جس کو گمراہی گھیر لے اور مرتے دم تک اُسے نہ چھوڑے جیسے ابوجہل وغیرہ کا کَذٰلِكَ جیسے مومن کو ایمان کی (زُیِّنَ) زینت دی جائے۔ یعنی منجانب اللہ بطریق تخلیق یا منجانب شیطان بطریق وسوسہ۔ لِلْکٰفِرِیْنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ کافروں کے لئے وہ جو عمل کرتے ہیں یعنی فنون کفر اور معاصی میں اپنے عمل یعنی کفر و معاصی پر مداومت کرتے ہیں۔ اس ظلمات کفر اور گمراہی میں رہ کر نور و ہدایت کی طرف راہ نہیں پاتے۔

تفسیر صوفیانہ

ارباب حقیقت فرماتے ہیں کہ موت ہوائے نفس اور حیات حق کا نام ہے۔ یا یوں کہو کہ موت دُوری کو کہتے ہیں اور حیات معرفت اور حیات بشریت میں یہی فرق ہے کہ عوام حیات بشریت سے زندہ رہتے ہیں لیکن وہ اپنی بشریت میں میت ہوتے ہیں۔ یعنی جس طرح میت کے جسم کا بے حس و حرکت ہوتا ہے اسی طرح عوام کی کیفیت ہے کہ وہ بھی اس حیات بشریت میں بے خبر ہو کر مردہ ہیں اور اہل اللہ کی حیات معرفت کی زندگی ہوتی ہے۔ جب ان کی بشریت کی حیات ان سے زائل ہو جاتی قال تعالیٰ کل نفس ذائقة الموت۔ حیات معرفت ان سے وہ زائل نہیں ہوتی۔ کما قال تعالیٰ فلنحیینہ حیوۃ طیبہ اور حضور علیہ السلام نے فرمایا "المومن حی فی الدارین" مومن دونوں عالم میں زندہ ہیں ؎

نمیرد ہر کہ را جانش تو باشی
خوشا جانی کہ جانانش تو باشی

ترجمہ: وہ نہیں مرتا جس کی جان تم ہو وہ خوش قسمت روح ہے جس کا تو محبوب ہے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

ترجمہ: وہ نہیں مرتا جس کا دل عشق سے زندہ ہے لکھا ہے صحیفۂ عالم پر ہمارا نام ہمیشہ۔

فائدہ: فارسی تفسیر میں ہے کہ شاہ کرمانی نے یہ آیت (اَوَمَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰہُ) پڑھی اور فرمایا تو اس آیت کی تین نشانیاں ہیں۔ (۱) مخلوق سے علیحدگی (۲) خالق سے خلوت (۳) دل اور زبان کے ذکر پر مداومت کرنا۔ کسی بزرگ نے اس آیت کا معنی اشعار میں یوں بیان کیا ہے ؎

بر رُخِ خلائق در صحبت بکشائے
می باش بکلی متوجہ بخدائے
غافل مشو از ذوق دل و ذکر زبان
تا زندۂ جاوید شوی در دو سرائے

ترجمہ: مخلوق پر صحبت کا دروازہ نہ کھول کلی طور پر اللہ کی طرف متوجہ ہو۔
غافل نہ ہو ذوق دل اور ذکر زبان سے جب تک تو زندہ ہے تو دونوں جہانوں میں تجھے ہمیشگی نصیب ہوگی۔

فائدہ: حقیقی زندہ وہی ہے جو نہ مرتا ہے اور نہ اس پر کبھی موت آسکتی ہے اور وہ ایک ذات ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس کے ماسوا باقی سب مردہ ہیں اس لئے کہ وہ پہلے بھی معدوم تھے اور پھر بالآخر وہ مٹ جائیں گے حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

من ہماندم کہ وضو ساختم از چشمۂ عشق
چار تکبیر زدم یکسرہ بر ہر چہ کہ ہست

ترجمہ: میں نے اس وقت سے چشمۂ عشق سے وضو کیا ہر موجود پر کلی طور چار تکبیر کہہ ڈالی ہے۔

یعنی تمام مخلوق کو میں نے مردہ پایا بوجہ وصال اور مقام عشق و فنا کے نسخہ روحانی حضرت شیخ اکبر قدس سرہ نے فرمایا کہ وہ انسان جو مخلوق کے لئے یوں عقیدہ رکھے کہ ان کا اپنا کوئی فعل نہیں تو وہ کامیاب ہوگیا اور جس نے مخلوق کے لئے یوں عقیدہ رکھا کہ اسے فنا ہی فنا ہے۔ تو واصل باللہ ہوگیا۔

حکایت: حضرت عبدالواحد بن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ایک راہب سے گزرا۔ اس سے میں نے پوچھا کہ آپ یہاں کتنا عرصہ سے رہتے ہیں اس نے کہا بیس سال سے میں نے پوچھا کوئی ساتھی بھی ہے کہا وحدہ۔ اللہ تعالیٰ ساتھ ہے تو اور ساتھی کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے کہا کہ وہ تو ہر ایک کا ساتھی ہے میرا مطلب ہے کہ کوئی مخلوق سے بھی ہے کہا وحشت میرا ساتھی ہے میں نے پھر پوچھا کھاتے کیا ہو۔ کہا ذکر اللہ سے بھوک

marfat.ocm

مٹ جاتی ہے۔ میں نے کہا آخر آپ انسان ہیں بتقاضائے بشریت کچھ تو آپ کھاتے ہوں گے۔ کہا درختوں کے پتے اور ان کے میوے اور زمین کی انگوریاں۔ پھر میں نے سوال کیا آپ کو کسی کے ملنے کا شوق بھی ہوتا ہے کہا قلوب العارفین کے محبوب کا ہر وقت شوق دامنگیر رہتا ہے میں نے کہا مخلوق میں سے کسی کا بھی تو ہوگا۔ اُس نے کہا جس کا لگاؤ ذاتِ حق سے ہو اسے کسی کی ضرورت نہیں رہتی۔ میں نے کہا آپ تنہائی میں کیوں رہتے ہیں فرمایا کہ لوگ عقل کے ڈاکو بلکہ راہِ ہدایت چھیننے والے چور ہیں۔ میں نے اُن سے عرض کیا فرمائیے کہ بندے کو راہِ ہدایت کس طرح نصیب ہوتی ہے۔ فرمایا جب ماسوی اللہ سے ہٹ کر صرف اللہ تعالیٰ کا ہو جائے اور اس کے ذکر کے سوا کسی کے ذکر کا خیال تک نہ لائے۔

قاعدہ : ہر سالک کا سلوک کا آخری قدم مالک الملک کے ہاں ہوتا ہے۔

حکایت حضرت عبدالواحد بن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں بیت المقدس کی زیارت کیلئے روانہ ہوا ایک جگہ راستہ بھول گیا۔ کچھ آگے بڑھا تو ایک بڑھیا کو دیکھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہ بھی میری طرح راستہ بھول گئی ہے۔ اُس نے فرمایا عارف باللہ کبھی مسافر ہوتا ہی نہیں پھر اس کے لئے راستہ بھولنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب وہ اللہ تعالیٰ جیسے مالک سے محبت رکھتا ہے تو راستہ کیوں بھولے یہ کہہ کر مجھے فرمایا کہ میرے عصا کا سرا پکڑ کر میرے آگے آگے چلتے جائیے۔ چنانچہ میں نے اُن کے فرمان پر اُن کے عصا کو پکڑ کر آگے چل پڑا صرف پانچ چھ قدم ہی چلا تھا کہ بیت المقدس میں پہنچ گئے۔ میں سمجھا کہ شاید میری غلطی ہو ورنہ کہاں بیت المقدس اور کہاں ہم۔ مائی بڑھیا نے فرمایا۔ بندہ خدا تم زاہدوں کی رفتار کے خیال میں ہو اور میں تمہیں عارفوں کی رفتار پر یہاں لے آئی ہوں۔ زاہد پاؤں سے چلتا ہے اور عارف پروں سے اُڑتا ہے۔ چلنے اور اڑنے میں بہت بڑا فرق ہے یہ کہہ کر وہ بی بی مجھ سے غائب ہو گئی اور پھر تا حال مجھے اس کی زیارت نصیب نہیں ہوئی۔

سبق اس سے ثابت ہوا کہ عارف کامل اللہ تعالیٰ کے نور سے چلتا ہے اور جہاں اور جیسے چاہتا ہے چلا جاتا ہے۔ لیکن جاہل ہمیشہ حیران و سرگردان رہتا ہے اسے کہیں ٹھکانا نہیں ملتا جہاں اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم رہبری کرے تو پھر اس کی قسمت۔

فائدہ : عارف اور جاہل کی مثال نابینا اور بینا کی ہے۔ جیسے یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے ایسے ہی عالم و جاہل ہم مرتبہ نہیں ہو سکتے۔ خواہ عالم شریعت ہو یا عالم طریقت و معرفت و حقیقت۔ اسی طرح اہل حال اور اہل قال کا فرق سمجھئے۔

قاعدہ : نور کی عظمت وسعت قلب کے نور کے مطابق ہوتی ہے۔ قلب اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے وہ جس طرح اس کا تبدل و تغیر چاہتا ہے کرتا ہے اس لئے اہلِ ایمان کیلئے نیکیاں اور طاعات مزیّن

فنائی ہیں اور اہل کفر کو برائیاں اور شرور اچھے لگتے ہیں۔

مسئلہ: یاد رہے کہ بندہ مجبور محض نہیں بلکہ اسے اختیار ہوتا ہے کہ برائیوں سے دور رہے اور نیکیاں کرے۔ ہاں جب وہ اپنی استعداد کو صرف برائی میں لگا دیتا ہے تو پھر دائمی طور برائیوں میں پھنس کر نفس کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔

یہ تقریر ظاہری احکام کے مطابق ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ لفظ احیاء وجعل سے تو ثابت ہوتا ہے کہ تمام اللہ تعالیٰ کا کام ہے مگر یہ ان لوگوں کے متعلق ہے جو فانی فی اللہ ہو کر بحر توحید میں غوطہ زن ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ کل شیٔ اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے اور ہر شے میں اسی کی تاثیر ہے۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ اسے بھلائی نصیب ہو تو اللہ تعالیٰ کا شکر کرے کہ اس کریم نے اپنی کریمی سے بھلائی کی توفیق بخشی۔ اس پر مداومت کرنے سے دائرہ تحقیق میں قدم رکھنے کا موقعہ نصیب ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ بہت سے امور مقلدانہ طور کرنے سے محقق بنا دیتے ہیں۔ (واللہ الہادی)

١٢٣ وَكَذٰلِكَ اور جیسے مکہ میں اُن کے لیڈروں نے انہیں گمراہ کیا۔ ایسے ہی جَعَلْنَا فِیْ كُلِّ قَرْيَةٍ ہم نے ہر دیہات میں بنائے ہیں۔ فِیْ كُلِّ قَرْيَةٍ جَعَلْنَا سے متعلق ہے۔ اَكٰبِرَ بمعنی لیڈر۔ یہ جعلنا کا مفعول ثانی ہے اور اکبر بمعنی عظیم کی جمع ہے۔ مُجْرِمِيْهَا یہ مفعول اوّل اور مجرم کی جمع ہے فارسی میں بمعنی گنہگار۔ لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا تاکہ وہ اس دیہات میں مکر و فریب کا جال پھیلائیں۔ اس لئے کہ ان لیڈروں کو عوام کو بہکانے پر قدرت حاصل ہوتی ہے اور انہیں مکر و فریب اور دھوکہ دہی پر ہر طرح کے اسباب مہیا ہوتے ہیں اور عوام کو پھنسانے اور غلط طریقوں پر چلانے کا حربہ استعمال کر سکتے ہیں۔

فائدہ: قریش کے سرداروں کا کام تھا کہ وہ مکہ کے بڑے بڑے چوکوں اور مشہور شاہراہوں پر چار چار آدمی بٹھا دیتے جو آنے جانے والے لوگوں کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متنفر کرنے کی باتیں کرتے اور مسلمانوں کو حضور علیہ السلام کے منکر کرنے پر بہت بڑی جد و جہد کرتے اور ہر جانے والے سے اپیل کرتے کہ جہاں جاؤ جس سے ملو یہی مشہور کرو کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ساحر و کذاب ہیں۔ (معاذ اللہ)

فائدہ: بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ وہ ہر پیغمبر علیہ السلام کے تابعدار جن دیہاتوں میں پیدا فرمائے تو غریب اور مالی لحاظ سے کمزور۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں ہے کفار نے کہا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ۔ اور ان کا ہر مخالف دنیادار اور ہر لحاظ سے بہت بڑا طاقتور ہوتا ہے تاکہ دین حق کے خلاف وہ اپنی ہر طرح کی طاقت و قوت کو استعمال کر سکے۔

marfat.ocm

قاعدہ قرآنی اصطلاح میں مکرؔ زمین پہ خفیہ طور فساد پھیلانے اور شر اور فساد کو فروغ دینے کو کہا جاتا ہے۔

فائدہ: آیت میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ کو مخالفین کی شرارت سے ملال نہ کرنی چاہیے اس لیے کہ آپ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بھی لوگ اسی قسم کی شرارتیں کیا کرتے تھے وَمَا یَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ۔ اور یہ مکر و فریب اپنے ساتھ کر رہے ہیں اس لئے کہ اس کا وبال بالآخر انہیں کو پہنچیگا۔ وَمَا۔ یہ واؤ حالیہ اور ما نافیہ ہے۔ یَشْعُرُوْنَ ٥ حالانکہ وہ اسے سمجھتے ہی نہیں اس لئے وہ اس گمان میں ہیں کہ ہم دوسروں کو نقصان پہنچا رہے ہیں ٥ ۱۲۴ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اور جب انکے ہاں آتی۔

ربط: جب سابقہ پیغمبروں کے منکرین کی باتیں بتائی گئیں۔ اب ضروری ہوا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین کی علامات بھی بتائی جائیں۔ چنانچہ فرمایا کہ آپ کے مخالفین کی علامت ہے کہ جب اُن کے ہاں آتی ہیں وہ (اٰیَةٌ) آیتیں جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی صداقت پر دلالت کرتی ہیں۔ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ رُسُلُ اللّٰهِ۔ کہتے ہیں کہ ہم نہیں ایمان لاتے جب تک کہ ہمیں وہ نہ ملے جو سابقہ پیغمبروں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا۔ یعنی وحی و کتاب۔

شانِ نزول مروی ہے کہ ابوجہل نے کہا ہم بنی عبد مناف سے بالمقابل ہے۔ اب شرافت و بزرگی میں وہ اور ہم برابر ہو چکے ہیں۔ اب اُن کے قبیلہ سے ایک ایسا ہے جو نبوت کا دعویٰ کر کے کہتا ہے کہ میرے ہاں اللہ تعالیٰ کی وحی آتی ہے لیکن ہم اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ ہمارے ہاں بھی وحی نہ آئے۔ گویا ان کا یہی ارادہ تھا کہ انہیں بھی نبوت و رسالت حاصل ہو جیسے کہ رسول پاک حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوئی ہے ہم سردار بن کر رہ سکتے ہیں کسی کے تابعدار ہو کر نہیں رہ سکتے۔

فائدہ: صاحب تیسیر فرماتے ہیں کہ یہ اُن کی انتہائی بے وقوفی تھی اس لئے کہ کسی کو کہا جائے کہ ایمان قبول کر لو وہ جواب دے کہ میں اس وقت ایمان لاؤں گا جب کہ مجھے بھی نبوت ملے۔

فائدہ: امام ثعلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہاں رُسُلُ اللّٰہ سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس مراد ہے۔ چنانچہ دوسرے مقام پہ جمع کا صیغہ ہے۔ لیکن مراد حضور علیہ السلام ہیں وہ مقام یہ ہے قال تعالیٰ یا ایہا الرسل کلوا الخ اور یہ جمع تعظیم کی ہے۔

فائدہ: شرح تعرف میں لکھا ہے کہ جمیع انبیاء علیہم السلام کے جملہ صفات کسی نبی علیہ السلام میں جمع نہیں ہوتے یہ صرف ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ صفات جمع ہیں ؎

ہرچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

marfat.ocm

ترجمہ: وہ جو محبوبوں کو تمام حسن ملا ہے تو اکیلا اپنے پاس رکھتا ہے۔

فائدہ: منجملہ ان اماکن کے کہ جہاں دعا مستجاب ہوتی ہے ایک مقام یہی ہے جو کہ سورۃ ہذا کے دو بڑی عظمت والی آیتوں کے درمیان میں واقع ہوا ہے۔ اللہ اعلم۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے، یعنی ہر جاننے والے سے بہت زیادہ جانتا ہے۔ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ۔ جس جس جگہ پر رسالت و نبوت رکھنا چاہتا ہے رکھتا ہے اور یہ لوگ اس کے اہل نہیں ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اہلیت فضائل نفسانیہ کا نام ہے نہ کہ نسب اور مال کو اہلیت کہا جائے۔

ترکیب: حیث الخ فعل مقدر یَعْلَمُ کا مفعول بہ ہے اور یہ ظرف میں وسعت کی وجہ سے جائز ہوتا ہے۔ سَیُصِیْبُ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا عنقریب ان مجرمین کو مصائب میں مبتلا کیا جائے گا۔ بجائے اس کے کہ وہ نبوت و رسالت کے بہت بڑے منصب کی تمنا کرکے عزت کے طالب ہیں انہیں ذلت وخواری کا منہ دیکھنا ہوگا۔ عند اللہ۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں یعنی قیامت کے دن۔ یہ سیصیب کی وجہ سے منصوب ہے اور اس سے قیامت کے دن کی ذلت وخواری مراد ہے۔ وَعَذَابٌ شَدِیْدٌ بِمَا کَانُوْا یَمْکُرُوْنَ اور بوجہ ان کے مکر وفریب کے انہیں سخت عذاب ہوگا۔ چونکہ ان کا یہی بہت بڑا جرم تھا جو مذکور ہوا۔ اس لئے ان کو عذاب شدید کا سبب واضح طور بتایا گیا۔

مرزائیوں کی تردید: اس آیت سے ثابت ہوا کہ نبوت و رسالت عطیہ الٰہی ہے۔ اس کی مرضی جسے چاہے عطا کرے یہ سلطنت وحکومت کی طرح کسبی نہیں (جیسا کہ مرزائیوں نے سمجھا ہے) فلہذا نبوت کسی کی جدوجہد سے حاصل نہیں ہوسکتی اگرچہ اس میں جمیع اسباب وشرائط (نبوت) بھی پائے جائیں۔

ازالہ وہم: ولایت بھی اسی طرح ہے اس لئے کہ ولایت نبوت کے لئے بمنزلہ وزارت کے ہے اس لئے یہ جدوجہد سے حاصل کی جاسکتی ہے لیکن اس کے لئے بھی ضروری نہیں کہ ہر جدوجہد کرنے والا واصل باللہ ہو بلکہ کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ یہ دولت (ولایت) مجاہدہ کے بغیر بھی نصیب ہوجاتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس کی استعداد اور فضل الٰہی بھی شامل حال ہو۔

حکایت: منقول ہے کہ یمنی شیخ سیاحت کے لئے زبید سے اہواز کی جانب تشریف لے گئے آپ کے ساتھ ایک شاگرد (خلیفہ) بھی تھا۔ ان کا ایک کھیت سے گزر ہوا جس میں کماد کی موٹی چھڑیاں تھیں۔ آپ نے شاگرد سے فرمایا اس سے ایک بڑی اور موٹی چھڑی اٹھالے۔ مرید نے حکم بجالاکر ایک بڑی چھڑی اٹھالی اور چل پڑے۔ شیخ ایک ایسے مقام پہ پہنچے جہاں کے لوگ اتنے بے دین تھے کہ نہ انہیں نماز کا پتہ نہ دیگر عبادات کا۔ مردار کھانا ان کا کام

marfat.ocm

تھا۔ شراب پینے کے خوگر تھے۔ جب یہ دونوں پیر و مرید پہنچے تو انہیں شراب میں مست پایا۔ لہو ولعب میں مصروف اور گانے بجانے میں غرق تھے۔ شیخ نے اپنے مُرید سے فرمایا کہ اس مجلس کے سرغنہ کو جو کہ طنبور بجا رہا تھا بلاؤ۔ مرید نے جاکر اُسے کہا کہ تجھے فلاں بزرگ بلا رہے ہیں۔ اس نے طنبور گلے میں لٹکایا اور شیخ کی طرف چل پڑا جب شیخ کے ہاں پہنچا تو شیخ نے مرید سے فرمایا کہ اس کا طنبور ٹکڑے ٹکڑے کردے۔ مرید نے طنبور توڑ دیا۔ شیخ نے اس مست سے فرمایا۔ چل ہمارے آگے اُس نے چلنا شروع کردیا۔ جب دریا کے کنارے پہنچے تو شیخ نے فرمایا کپڑے اُتار کر اور انہیں پاک کر اور خود بھی نہا دھولے۔ اُس نے شیخ کا حکم پورا کیا۔ اس کے بعد شیخ نے اسے وضو کا طریقہ بتایا اور نماز سکھائی۔ ظہر کی نماز کے وقت شیخ نے ان دونوں کو نماز پڑھائی۔ فراغت کے بعد شیخ نے مصلّے اٹھا کر دریا میں ڈال دیا۔ اس نو وارد مرید سے کہا کہ اس دریا والے مصلّٰی پر قدم رکھ کر چلتا جا۔ چنانچہ اُس نے دریا میں مصلّٰے پر قدم رکھا اور روانہ ہوگیا۔ جب نظروں سے اُوجھل ہوا تو پرانے مُرید نے واویلا شروع کردیا کہ حضرت مجھے عرصہ ہوا آپ کے جوتے صاف کرتے ہوئے لیکن کچھ نہ ملا اور یہ بدمعاش ابھی آیا اور کامل ولی بن کر چلا گیا۔ شیخ نے رو کر فرمایا بیٹے میرے بس کی بات نہیں اور نہ ہی میں نے اُسے کامل ولی بنایا ہے میں نے اللہ تعالیٰ کا حکم مانا ہے۔ اس لئے کہ مجھے حکم ہوا کہ فلاں علاقہ کا ابدال فوت ہوگیا ہے آپ فلاں شخص کو اس کے قائم مقام مقرر فرما دیجئے۔ میں نے حکم مانا جیسے کہ خدام آقاؤں کا حکم مانتے ہیں۔ بلکہ میں تو خود بھی ایسا نہیں جیسے وہ دریا میں جانے والا مراتب لے کر چلا گیا ہے۔

سبق: اس سے معلوم ہوا کہ ولایت بھی اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے جسے چاہتا ہے عنایت فرماتا ہے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

چوں حسن عاقبت نہ برندی و زاہدیست
آں بہ کہ کار خود بعنایت رہا کنند

ترجمہ:۔ جب تو حسن عاقبت وزاہدی از خود نہیں لے سکتا تو بہتر ہے کہ اپنے تمام امور اسی کو سپرد کردے۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ قریہ سے انسان کا ڈھانچہ مراد ہے اور اس کے مجرمین سے وہ چیزیں مراد ہیں جو اس کے حُسن کی استعداد ضائع کرکے اسے بدبختی کا خوگر بناتے ہیں۔ جیسے نفس اور خواہشات نفسانی اور شیطان۔ لیمکروا فیہا سے شرع کی مخالفت اور طبع نفسانی کی موافقت مراد ہے۔ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ۔ کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے جب اپنی حسن استعداد کو ضائع کیا تو اس کا وبال اُن کی طرف عود کرے گا۔ کہ سوائے بدبختی کے انہیں اور کچھ حاصل نہ ہوگا کہ وہ دائمی طور سعادت سے محروم ہوجائیں گے وَمَا يَشْعُرُوْنَ سے مراد ہے کہ انہیں اپنے کرتوت کا پتہ نہیں چلتا۔ یہ انہیں اس وقت معلوم ہوگا جب

marfat.ocm

جہنم کی آگ میں ڈالے جائیں گے۔ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ۔ اس سے نفس و شیطان اور خواہشات نفسانی مراد ہیں اس لئے کہ ان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ آیات الٰہی کو دیکھ کر انکار کر جاتے ہیں۔ کیونکہ سرکشی اور انکار ان کی فطرت میں ہے بنابریں وہ زبانِ حال سے کہتے ہیں کہ لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰی نُؤْتٰی مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ رُسُلُ اللّٰهِ یہاں رسل اللہ سے قلب اور سِرّ و روح مراد ہیں اس لئے کہ اسرار حق اور الہامات الٰہی کے کی جائے ورود یہی ہیں۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ اور اللہ تعالیٰ کے پیغامات صرف قلب اور سِرّ و روح اور انہیں اِرْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ کے پیغام سے نوازا جاتا ہے۔ سَیُصِیْبُ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ اس سے نفس امارہ والے لوگ مراد ہیں۔ کہ صرف انہیں ذلت و خواری حاصل ہوگی کہ اللہ تعالیٰ سے دائمی طور دور ہو جائیں گے اور عذابِ شدید سے فرقت و انقطاع مراد ہے۔ بِمَا كَانُوْا یَمْكُرُوْنَ بوجہ اس کے کہ انہوں نے حسن استعداد کو ضائع کر دیا۔ اس مکر و فریب اور شر و فساد کی انہیں یہی سزا ملے گی۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ ۱۲۵ فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ یَّهْدِیَهٗ جس کیلئے اللہ تعالیٰ چاہے اسے ہدایت دینا یعنی اسے طریق حق بتلائے اور اسے ایمان کی توفیق عطا فرمائے۔ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ۔ تو اس کا سینہ اسلام کیلئے کھول دیتا ہے یعنی اس میں وسعت اور کشادگی پیدا فرماتا ہے اس سے نفس کا حق کو قبول کرنے کی استعداد مراد ہے کہ وہ استعداد نفس کے اندر حلول کر جاتی ہے اور تزکیہ سے صاف ستھرا ہو جاتا ہے اور جو امور اسے ترقی سے مانع اور منافی ہیں سب سے فارغ ہو جاتا ہے۔

خلاصہ تفسیر: آیت کا معنی یہ ہے کہ جس کے لئے اللہ تعالیٰ ایمان سے سرفراز کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو کفر سے دوری اور ایمان قبول کرنے کے اسباب اس کیلئے مضبوط کر دیتا ہے اور اس کے دل کو ایمان قبول کرنے کے لئے اسباب اس کے لئے مضبوط کر دیتا ہے اور اس کے دل کو ایمان قبول کرنے کے لئے تیار فرماتا ہے تاکہ دل صرف ایمان کی دولت کیلئے مستعد ہو اور جتنا امور ایمان سے مانع اور اس کے منافی ہیں۔ اُن سے یکسر خالی ہو جائے۔

حدیث شریف جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے شرح صدر کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا وہ ایک نور ہے جو اللہ تعالیٰ مومن کے دل میں ڈالتا ہے پھر وہ سینہ واسع اور کشادہ ہو جاتا ہے آپ سے عرض کیا گیا کہ کیا اس کی کوئی علامت بھی ہے تو آپ نے فرمایا ہاں اس کی علامت یہ ہے کہ بندے کا رجوع دارُالخلد (آخرت) کی طرف ہو جائے اور دارِ غرور (دُنیا) سے اسے نفرت ہو اور موت کے لئے ہر وقت تیار رہے۔

فائدہ: علم دو قسم ہے (۱) علم معاملہ (۲) علم مکاشفہ۔ پہلا علم بندے کو اللہ تعالیٰ سے ملاتا ہے اور دوری کے جملہ اسباب کو مٹاتا ہے۔ یہی وجہ ہے دوسرے علم کے حصول سے پہلے اسے حاصل کرنا ضروری ہے اس لئے کہ

marfat.ocm

دوسرا علم وہ ہے جو دل میں ظاہر ہوتا ہے جس کے ذریعے بندے کو غیب کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اس لئے کہ علم اول علم ثانی کے لئے شرط ہے کما قال تعالیٰ " والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سُبُلَنَا ۔ اور اتنا ضروری کہ وہ اس سے جدا نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ حدیث شریف مذکور میں تصریح کی گئی ہے کہ انابت وتجافی اور استعداد علم معاملہ سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ اسی نور کی علامات سے ہیں۔

فائدہ : مکاشفہ کے فضائل میں سے ایک فضیلت یہ جو کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فضل العالم علی العابد کفضلی علیٰ اُمتی عالم دین کی فضیلت عابد پر ایسے ہے جیسے میری فضیلت ادنیٰ اُمتی پر ہے نیز مکاشفہ کے سوا باقی تمام امور عمل کے تابع ہیں اس لئے کہ ان کے ثبوت کیلئے عمل شرط ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جتنا حجابات رقیق تر ہوتے ہیں اتنا ایمان قوی تر اور دل روشن اور صاف تر ہوتا ہے یہاں تک کہ حجابات اٹھ جانے پر ایمان یقین سے بدل جاتا ہے اور دل کی نورانیت میں جو نہی اضافہ ہوتا ہے تو وہ یقین عیان سے بدل جاتا ہے لیکن اُن میں حجابات کا اٹھنا شرط ہے پھر جب دل پر حق کے جمال کا جلوہ ہوتا ہے تو عیان سے عین ہو جاتا ہے لیکن اس میں جمال کے ساتھ جلال کے جلوہ کا ہونا ضروری ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَمَنْ يُرِدْ اَنْ يُضِلَّهٗ ۔ اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے یعنی اس کے اندر گمراہی پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس بندے کے اپنے اختیار کے تقاضے یوں ہو جاتے ہیں کہ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا تو اس کا سینہ تنگ کر دیتا ہے۔ ضیق بمعنی تنگ ہے۔ حَرَجًا اور ایسا تنگ کہ وہ ایمان قبول کرنے سے حرج محسوس کرتا ہے اس طرح اُس کے اندر ایمان داخل نہیں ہو سکتا۔ یعنی جس کے لئے اللہ تعالیٰ کفر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کیلئے ایمان سے دوری اور کفر کے قریب کے اسباب تیار فرماتا ہے۔ الحرج بالفتح مصدر ہے مبالغہ کے طور سے صفت کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے اور بالکسر بمعنی اسم فاعل یعنی زائد تنگی والا۔ یہ ضیق سے اخص ہے۔ اس معنی پر ہر حرج ضیق ہوتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر ضیق حرج ہو۔

فائدہ : بعض کے نزدیک حرج درخت کی گھنی دار جگہ کو کہا جاتا ہے۔ اب مطلب یوں ہوا کہ کافر کے دل میں ایمان کا پہنچنا ایسے مشکل ہو جاتا ہے جیسے درخت کی گھنی دار جگہ پر چرنے والا جانور کا پہنچنا دشوار ہے۔

كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى السَّمَآءِ گویا وہ آسمان پر چڑھتا ہے۔

فائدہ : کافر کو آسمان پر چڑھنے سے تشبیہ دینے کی دو وجہ ہیں۔

(۱) جیسے انسان کو آسمان پر چڑھنے کے لئے کہا جائے تو اُسے آسمان پر چڑھنا سخت دشوار محسوس ہوتا ہے

marfat.ocm

اسے یہ فعل ایک عظیم مصیبت نظر آتی ہے تو وہ اس کام سے سخت نفرت کرتا ہے ایسے ہی کافر کو ایمان لانا سخت ترین امر نظر آتا ہے اس وجہ سے اسے ایمان سے نفرت ہوتی ہے۔

(۲) کافر کا دل ایمان سے دور ہو چکا ہے بلکہ قبول اسلام سے اس کے دل کو زمین و آسمان کی نسبت ہے اس بنا پر اس بُعد کو زمین سے آسمان پر چڑھنے سے تشبیہ دی گئی۔ چنانچہ کاشفی صاحب اپنی فارسی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ گوئی بالا می رود در آسمان یعنی می گریزد از قبول حق میخواہد کہ با آسمان رود۔ گویا کہ وہ آسمان پہ جاتا ہے۔ یعنی قبول ایمان سے آسمان کی طرف بھاگنا چاہتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

دل کئی قسم کے ہیں۔

(۱) بعض وہ ہیں کہ جن پر ایمان کا قبول کرنا نہایت ہی شاق ہے یہ کافروں کے دل ہیں

(۲) بعض وہ ہیں جنہیں ایمان شاق تو نہیں ہوتا لیکن ایمان کے ذوق سے نا آشنا ہوتے ہیں جیسے ناقص مومن۔

(۳) بعض ان میں وہ ہیں جو کلمات عرفانیہ سے محروم بلکہ عارفین کے احوال کے بھی منکر ہیں۔ یہ وہ ہیں جو صفات حیوانیہ میں زیادہ منہمک ہیں اور ان پر صفات سبعیہ (درندگی) سوار ہیں۔ اور وہ صفات شیطانیہ سے مغلوب ہیں۔ اس وجہ سے انہیں روحانی مشارب سے روحانیت کا قطرہ بھی نصیب نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے اللہ والے اغیار سے اسرار مخفی رکھتے ہیں ؎

چرا صدف نکند چاک سینہ را صائب
دریں زمانہ کہ جوہر شناس نایاب است

ترجمہ: اے صائب صدف اپنا سینہ چاک کیوں نہیں کرتی اس لئے کہ اس زمانہ میں جوہر شناس نہیں رہے۔

كَذٰلِكَ جیل مذکور کی طرح۔ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ اللہ تعالیٰ بناتا ہے رجس کو رجس سے عذاب یا رسوائی یا لعنت یا شیطان مراد ہے یعنی ان میں کسی کو مسلط کرتا ہے

عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۔ یہاں پر علیہم کہنا چاہیے تھا لیکن مضمر کے بجائے اسم مظہر لایا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ اسم مظہر کا صلہ ان پر لعنت وغیرہ کا سبب بنا یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر شیطان وغیرہ کو اس لئے مسلط کیا کہ انہوں نے ایمان قبول نہ کیا اور کفر و طغیان پہ اصرار کیا ۝۱۲۹ وَهٰذَا اور یہ بیان جسے قرآن مجید لایا ہے۔ صِرَاطُ رَبِّكَ تیرے ربِّ کریم کا راستہ ہے یعنی یہ وہی راہ ہے جس سے وہ راضی ہے در آنحالیکہ وہ مُسْتَقِيْمًا ط سیدھا ہے اس کے لئے جو اس پر چلتا ہے تو اسے ٹیڑھا پن نظر نہیں آتا بلکہ یہاں تک کہ وہی راستہ اسے بہشت میں لے جاتا ہے۔

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ ؛ ہم نے آیات بیان کی ہیں۔ یعنی انہیں واضح اور کھلے طور بیان کیا ہے کہ اس کا

marfat.ocm

ایک مضمون دوسرے سے مخلوط نہیں ہو جاتا۔ لِقَوْمٍ يَذَّكَّرُوْنَ ان لوگوں کے لئے جو نصیحت پذیر ہوتے ہیں ان کی تخصیص اس لئے ہے کہ صرف وہی اُن سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ ١٢٧ لَهُمْ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ گویا کہا گیا کہ جو لوگ قرآنی آیات سے نفع پاتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے کتنا انعام تیار کیا ہے اُس کے جواب میں کہا گیا کہ اُن کے لئے دَارُ السَّلَامِ۔ ایک ایسی سلامتی کی دار تیار کی گئی ہے جس سے ہر قسم کے دکھ اور درد اور تکالیف دور رکھے گئے ہیں۔ یعنی ان کے لئے بہشت ہے۔ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔ یہ دارالسلام سے حال ہے یعنی اُن کے لئے بہشت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی مہمانیاں ہیں یہ ایسے ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ نحن الیوم عند فلانٍ ہم آج فلاں کے ہاں ہوں گے یعنی اس کی مہمانی اور کرم نوازی سے سرشار ہوں گے۔ بعض کے نزدیک عندیہ سے اس کا وعدہ کریمہ مراد ہے کہ قیامت میں ایسے لوگوں کا اللہ تعالیٰ کفیل ہوگا۔ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ وہی ان کا مالک و محب اور ان کے دشمنوں پہ وہی ان کو مدد دینے والا ہے۔ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ان کے اعمال صالحہ کی وجہ سے۔

خلاصہ تفسیر

آیت مذکورہ میں مندرج ذیل امور کا بیان ہوا ہے

(۱) ایمان کا حسن

(۲) کفر کا قبح

(۳) سعادت مند اور بدبخت کا انجام

(۴) انبیاء و اولیاء کے طریقوں پہ چلنے کی ترغیب

(۵) وہ عمل صالح جو صرف رضائے الٰہی کی خاطر کیا جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا سبب بنتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت دارالسلام یعنی بہشت کے داخلے کا ٹکٹ ہے اور دارالسلام وہ قرار و اطمینان کا گھر ہے کہ جو اس میں داخل ہوگا وہ ہر طرح کے عذاب سے مامون و محفوظ ہو جائے گا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کا ولی ہے اور انہیں ظلمات سے نکال کر نور کی طرف لے جاتا ہے۔

حکایت

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دیارِ عجم کے ایک قلعے کو فتح کرنے کے لئے ایک لشکر بھیجا۔ جس میں چار ہزار گھوڑ سوار تھے ان کا امیر لشکر اپنے صاحبزادے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا اہلِ لشکر چلتے رہے یہاں تک کہ اس قلعہ کے قریب پہنچے وہ ایک بلند پہاڑی پر تھا۔ اہلِ لشکر فرماتے ہیں کہ ہم نے اس کا محاصرہ کر لیا لیکن وہاں تک ہتھیار پہنچانے کا کوئی سبب نہ تھا۔ اس قلعہ کے اندر کفار کا لشکر تھا اور امیر لشکر ایک عورت تھی جو نہایت حسینہ و جمیلہ اور شکیلہ تھی۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم اس قلعہ کے محاصرہ سے بہت تھک گئے کیوں کہ کفار پہ ہتھیار استعمال کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ ایک دن کفار کی امیر لشکر نے ہمارے لشکر کو

marfat.ocm

طرف ایک دریچہ سے جھانک کر دیکھا تو اس کی نظر ایک نوجوان عربی پر پڑ گئی جو وہ بھی حسین و جمیل اور شکیل تھا۔ جنگی مہارت بھی اسے خوب حاصل تھی۔ وہ ایک گھوڑے پر سوار تھا۔ کفار کی امیر لشکر ہمارے نوجوان کو دیکھتے ہی اس پر فریفتہ ہو گئی اور روز بروز اس کے عشق میں پگھلنے لگی۔ اس کی محرم راز نوکرانی نے سبب پوچھا اور کہا کہ آپ ہماری ملکہ ہیں اور قلعہ کے اندر محصور ہیں۔ آپ پر فوجوں کا زبردست پہرہ ہے پھر بھی آپ آہیں بھرتی ہیں۔ اُس نے کہا میرا خیال آتا ہے کہ اس قلعہ کو فلاں نوجوان فتح کرے گا۔ نوکرانی نے کہا وہ کیسے۔ اُس نے کہا دیکھ لے اب چند منٹوں کی بات ہے کہہ کر ملکہ نے اپنا ایلچی اس نوجوان کے ہاں بھیجا اور کہا کہ کوئی ایسی صورت بھی ہے کہ تیری میری ملاقات ہو جائے۔ اس کے بعد تم میرے اور میں تیری ہو جاؤں۔ نوجوان نے ایلچی کو جواب دیا کہ اسے جا کر کہہ دو دو شرطوں پر تیری میری ملاقات ممکن ہے۔

(۱) باہر والا قلعہ مجھے دیدے

(۲) اندر والا اُس کو

ملکہ کو جواب پہنچا تو اس نے دوبارہ ایلچی بھیج کر وضاحت چاہی کہ باہر والا قلعہ تو میں سمجھ گئی ہوں کہ میں اپنی شاہی تمہارے سپرد کر دوں لیکن اندر والے قلعہ سے کیا مراد ہے اور وہ کس کو دینا ہے۔ اس نوجوان نے سمجھایا کہ اندر والے قلعے سے تمہارا دل مراد ہے اور اُسے اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا ہے ملکہ نے یہ سن کر جواب بھیجا کہ نوجوان سے کہو کہ اپنا لشکر اندر قلعہ میں لا لیے۔ میں یہ قلعہ تمہارے قبضہ میں دے چکی ہوں۔ جب اسلام کا لشکر اندر پہنچا تو اس نوجوان نے ملکہ کو اسلام پیش کیا۔ اُس نے کہا کہ چونکہ میں ایک بڑی ملکہ ہوں اس لئے میں اسلام اس کے سامنے قبول کروں گی جو تمہارا امیر ہو۔ اس نوجوان نے کہا کہ اس وقت تو ہمارا امیر لشکر حضرت عبد اللہؓ جو ہمارے خلیفہ کا بیٹا ہے۔ ملکہ حضرت عبد اللہؓ کے ہاں حاضر ہوئی اور انہیں بھی یہی سوال کیا۔ اُس نے کہا اس وقت ہمارے بڑے میرے والد گرامی ہیں ملکہ نے کہا مجھے اُن کے ہاں بھیج دو۔ جب وہ ملکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں حاضر ہوئی تو وہاں بھی یہی سوال کیا آپ نے اس سے فرمایا کہ ہم سب کے بڑے نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ اُن کی قبر انور ہے ملکہ نے کہا میں انہی کے حضور میں اسلام قبول کروں گی چنانچہ یہ کہہ کر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کی طرف چلی اور آ کر سلام عرض کیا اور نہایت ہی باادب اور پرسکون ہو کر بیٹھ گئی اور پڑھا اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ۔ اور کہا کہ اب میں ظلمات سے نکل کر نور میں داخل ہو گئی۔

یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے خوف ہے کہ ایمان قبول کرنے کے بعد گناہوں میں ملوث نہ ہو جاؤں لہٰذا میری درخواست ہے کہ آپ میرے لئے دعا فرمائیے چونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے سچا رسول بنا کر بھیجا ہے آپ اپنے رب تعالیٰ سے سوال کیجئے تاکہ مجھے گناہ کے ارتکاب سے پہلے ہی موت دیدے یہ کہہ کر رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی چوکھٹ پر سر رکھ دیا اور وہیں پر وفات پا گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُس کے حسنِ خاتمہ کو دیکھ کر رو پڑے اور

marfat.ocm

اس کی تجہیز و تکفین کا حکم دیا۔ اس کی تجہیز و تکفین وغیرہ کر کے اسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان جنۃ البقیع میں دفن کیا گیا۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

بروز واقعہ تابوت من ز سرو کشید۔
کہ میروم بہوا بلند و بالا

ترجمہ : موت کے دن میرا تابوت سرو کے بنانا تاکہ میں ہوا میں بہت اونچی پرواز کر سکوں

اے اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں سے بنا جو تیرے سیدھے راہ پر چل کر قلب سلیم کے ساتھ تیرے حضور میں پہنچ کر عذاب الیم سے نجات پاتے ہیں۔ (آمین یا کریم یا رحیم)

تفسیر عالمانہ

١٢٨۔ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا اور یاد کیجئے اے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ وغیرہ کو جس دن اللہ تعالیٰ ثقلین وغیرہ سب کو اٹھا کر قیامت کے میدان میں جمع کر کے انہیں توبیخاً فرمائے گا۔ يَمَعْشَرَ الْجِنِّ اے شیطانوں کی جماعت۔

فائدہ : المعشر اس جماعت کو کہا جاتا ہے جو بیک جہت مخلوط ہوں اور ان کے ایک دوسرے سے مل کر گزاریں اور ان کا ایک ہی معاشرہ ہو۔ اس کی جمع معاشر آتی ہے۔ بعض کے نزدیک معشر اس جماعت کو کہتے ہیں جو غایت کثرت کو پہنچ جائے۔

فائدہ : دس کامل عدد اور کثیر ہیں اس لئے کہ اس کے بعد اور کوئی عدد نہیں اگر ہیں تو اس سے مرکب ہو کر مثلاً احد، عشر اثنا عشر وغیرہ سب کہیں کہ معشر تو اس کا معنیٰ ہو گا۔ عشر یعنی کثرت کاملہ کا محل

فائدہ، لوگوں سے پوشیدہ ہونے کی وجہ سے جنات کو جن کہا جاتا ہے۔ قَدِ اسْتَكْثَرْتُم مِّنَ الْإِنسِ۔ بے شک بہ نسبت انسانوں کے اغواء و اضلال میں کثیر ہو یعنی تم انسانوں کو بہت زیادہ گمراہ کرتے ہو۔

وَقَالَ أَوْلِيَاؤُهُم شیاطین کے دوستوں نے کہا یعنی جنہوں نے اُن کا کہا مانا وسا نکا لیکہ من الانس وہ انسانوں سے ہیں یہ اَوْلِيَاؤُهُم سے حال ہے۔ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ ہمارے بعض نے بعض سے نفع پایا ہے یعنی انسانوں نے جنات سے اور جنات نے انسانوں سے۔ انسانوں کو جنوں سے یہ فائدہ پہنچا کہ جنات نے انسانوں کو شہوات کے قواعد و ضوابط بتلائے۔ انہیں شہوات کی باتیں جنات کے بتانے سے آسان ہوئیں اور جنات نے انسانوں سے یہ فائدہ پایا اور انسانوں پر سرداری نظام قائم کیا اور دستور ہے کہ ہر سردار اپنے چودھراپن سے اپنے تابعدار سے نفع پایا۔ وَبَلَغْنَا أَجَلَنَا الَّذِي أَجَّلْتَ لَنَا اور ہم اس میعاد کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لئے مقرر فرمائی یعنی ہم مقرر کردہ میعاد یعنی قیامت کے دن کو پہنچ گئے ہیں۔

فائدہ : مجرمین اپنی غلطیوں کے اعتراف کے طور قیامت میں اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ واقعی ہماری غلطی ہے کہ

marfat.ocm

نے شیاطین اور شہوات کی اتباع اور قیامت کی تکذیب کی۔ ان کا یہ اعتراف بطورِ اظہارِ ندامت ہوگا اور اپنے
لی پر حسرت کھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور میں سرِ تسلیم خم کر کے عرض کریں گے ؎

کنوں باید ای خفتہ بیدار بود
چو مرگ اندر آرد ز خوابت چہ سود
چہ خوش گفت با کودک آموزگار
کہ کارے نکردیم و شد روزگار

ترجمہ (۱) ابھی سے اے سونے والے جاگو جب موت نے تجھے خواب سے بیدار کیا تو کیا فائدہ
(۲) کیا خوب فرمایا استاد نے شاگرد کو کہ افسوس ہم نے کوئی کام نہ کیا اور وقت گزر گیا۔

سوال: حسرت بھری باتیں گمراہ شدگان تو کہہ رہے ہیں گمراہ شدگان گمراہ کنندگان سے ایسی باتیں کیوں نہیں بیان ہوئیں

جواب: گمراہ کنندگان کو جب ایک بار لاجواب کر کے خاموش کرایا گیا اب انہیں بولنے کی ہمت نہیں ہوگی اور ان کے لاجواب ہونے کا بیان دوسرے مقام پر مذکور ہوا ہے۔

قال یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب مجرموں نے بطورِ اعتراف مذکورہ بالا بیان دیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے نہیں کیا فرمایا تو اس کے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا۔ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ جہنم تمہارا ٹھکانہ ہے المثویٰ بمعنی الاقامۃ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ قیامت میں ہمیشہ بہشت و دوزخ میں رہنے والی مخلوق چار قسم کی ہے۔

(۱) ہمیشہ بہشت میں رہنے والے ملائکہ کرام
(۲) ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے شیاطین
(۳) بعض وہ جن و انس بہشت میں جن کے اعمال اچھے۔
(۴) ان کے وہ بعض دوزخ میں جن کے اعمال برے۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ

(۱) تاویلات نجمیہ کی توجیہات میں ہے کہ اِلَّا ما شاء اللہ سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے سچے دل سے توبہ کی اور خلوص سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا۔ اس معنی پر یہ استثناء لوگوں کے لئے ہے جنہوں نے دنیا میں اپنی غلطیوں سے سچے دل سے توبہ کی نہ کہ اہلِ خلود سے استثناء ہے اس لئے کہ اہلِ خلود قابلِ استثناء نہیں ہیں۔

(۲) بعض مفسرین نے فرمایا کہ ما شاء اللہ کا معنیٰ یہ ہے اور اس کا مضاف محذوف ہے جیسے ایک حقوق النجم میں مضاف یعنی وقت محذوف ہے اور یہ استثناء سابقہ جملہ کے مضمون سے ہے یعنی النار مثواکم خالدین فیہا

marfat.ocm

سے ۔ اب معنی یوں ہوگا کہ وہ لوگ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ مگر ان اوقات میں دوزخ سے نکالے جائیں گے۔ جن وقتوں میں اللہ تعالیٰ چاہے گا یعنی اوقات ابد اسے استثناء ہے اور وہ مستثنیٰ شدہ اوقات اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہیں۔ چنانچہ مروی ہے کہ دوزخیوں کو بعض اوقات جہنم سے نکال کر زمہریر (برف خانہ) میں ڈالا جائے گا۔ وہ زمہریر اُن کے چیڑے ادھیڑ دے گا۔ سخت سردی سے چیخ کر عرض کریں گے ہمیں جہنم میں رہنا منظور ہے اس سختی سے ہمیں نکال لیا جائے اس بنا پر یہ استثناء اُن کے لئے تہکم و استہزاء کے طور ہوگا۔

(۳) تفسیر جلالین میں ہے کہ اِلَّا مَاشَاءَ اللہ کا استثناء وقت کے لئے ہے کہ انہیں بعض اوقات جہنم سے نکال کر کھولتے ہوئے گرم پانی میں ڈالا جائے گا۔ اور چونکہ وہ دوزخ کے احاطہ سے باہر ہے اس لئے ان اوقات کو کے دوام سے مستثنیٰ کیا گیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ۔ پھر ان کا رجوع جحیم دگرم پانی کی طرف ہوگا۔

(۴) بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ دوزخیوں کو دور سے بہشت کا دروازہ کھول دیا جائے گا وہ طمع کر کے بہشت میں داخل ہونے کے لئے للچائیں گے تو بہشت کا دروازہ بند کر دیا جائے گا۔

(۵) بعض کہتے ہیں کہ یہ استثناء ان اوقات کے لئے ہے جنہیں دوزخ کے داخل ہونے سے پہلے انہیں حساب و کتاب تک مہلت ملی تھی۔ گویا کہا گیا کہ تم دوزخ میں ہمیشہ رہو گے صرف ان اوقات میں تمہیں مہلت ہو گی جن میں تم ابھی دوزخ میں داخل نہیں ہوئے تھے پھر خلود کا قاعدہ ہے کہ جیسے اُس کے آخر میں استثناء کیا جا سکتا اس کے اوّل میں بھی کیا جا سکتا ہے۔ یہ توجیہات علمائے ظاہر نے بیان فرمائی ہیں۔ اگرچہ مذکورہ بالا توجیہات بھی نجم الدین قدس سرہ نے بیان فرمائیں لیکن انہوں نے شریعت مطہرہ کی پاسداری فرمائی ہے۔

تفسیر صوفیانہ

علمائے باطن یعنی صوفیاء کرام نے اس استثناء یعنی اِلَّا مَاشَاءَ اللہ کی عجیب و غریب توجیہ بیان فرمائی ہیں۔ جن سے عوام کے عقول و اذہان اور علوم و افہام چکرا جاتے ہیں۔ ہم چند ایک کا کرتے ہیں اور ساتھ ہی وصیت کرتا ہوں کہ انہیں صرف اپنے تک محدود رکھنا۔ یہ عوام میں بیان کرنے کی باتیں نہیں حضرت مولانا رمضان شرح عقائد میں لکھتے ہیں کہ دوزخ والے نجات سے ناامید نہیں ہوں گے یہاں تک کہ جب موت کو ذبح کرنے کے بعد اعلان ہوگا کہ اب دائمی طور بہشتی بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں رہیں گے اُس کے بعد دوزخی جب دوزخ میں واپس لوٹیں گے تو اُن کو عذاب جہنم بجائے دکھ اور درد کے بجائے انہیں لذت پہنچائیگا۔ ایسی لذت کہ اگر انہیں نسیم جنت عنایت ہو تو بھی انکار کر دیں گے بلکہ الٹا انہیں ہی نسیم جنت عذاب محسوس ہوگی جیسے سیاہ بھنور کو گوبر کی بدبو خوشبو سے زیادہ معطر محسوس ہوتی ہے اگر اسے گلاب سونگھایا جائے تو اُس سے الٹا اسے تکلیف ہوتی ہے یہی تقریر حضرت الشیخ الاکبر والمسک الاذفر والکبریت الاحمر قدس سرہ سے بھی منقول ہے انہوں

marfat.ocm

نے فرمایا کہ جہنم دکھ اور درد سے خالی کر دی جائے گی اور اس کا عذاب عذب یعنی میٹھے پانی کی طرح ہوگا۔ اُن کے نزدیک عذاب کا مادہ (میٹھا پانی) ہے لیکن عوام کو اس سے دھوکہ نہ کھانا چاہیے کہ حضرت اکبر قدس سرہ اور دوسرے اکابر صوفیاء کرام اجماع اُمت کے خلاف ہو رہے ہیں۔ اسلئے کہ علماء ظاہر و باطن ہر دونوں متفق ہیں کہ جہنم کا عذاب دائمی ہے اور جہنم سے انقطاع ناممکن ہے۔

تطبیق از صاحب روح البیان

صاحب رُوح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے شیخ کامل قدس سرہ جن کو اللہ تعالیٰ نے کمالات دینی اور شرافت توصف سے نوازا ہے نے فرمایا شیخ اکبر و دیگر اکابر صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے ارشادات میں کسی قسم کا تضاد نہیں اس لئے کہ دار جمال بہشت کے مکینوں پر جمال الٰہی کے اثرات نمایاں ہوتے ہیں بلکہ وہ صرف انہی اثرات جمال سے ہمیشہ تلذذ پاتے ہیں۔ اگرچہ اس جمال میں جلال اور اس کا اثر بھی ہے لیکن غلبہ جمال سے جلال کے اثر کو نہ محسوس کرتے ہیں اور نہ ہی اسے دیکھتے ہیں اور نہ ہی نہ جلال کے اثرات کا انہیں درد محسوس ہوتا ہے اس طرح جو دار جلال (جہنم) میں سکونت پذیر ہے تو اسمیں عرصہ دراز گذارنے پر جلال کے جمال کا اثر ظاہر ہو جاتا ہے۔ جس کا وہ ہمیشہ لُطف چکھتا ہے۔ جلال کے جمال کے اثر کے ظہور کے بعد نار الجلال کے آثار چھپ جاتے ہیں کہ پھر اسے محسوس نہیں ہوتا اور نہ ہی اس سے اُسے درد و الم پہنچتا ہے۔ لیکن جلال کے جمال کا اثر بڑے عرصہ دراز کے بعد نمودار ہوگا۔ یعنی اس وقت جب کہ نار جلال جہنمیوں کے بواطن و ظواہر کو جلا کر راکھ بنا دیگی اور اس کے لئے مدت مدید اور عرصہ بعید چاہیے جسے احقاب سے تعبیر کیا جاتا ہے اور حقبہ کی مدت آخرت کے پچاس ہزار سال کا ہے یہ ان کے دنیا میں ایک دن کے شرک کی سزا ہے اسی طرح اس کی زندگی کے ایک ایک دن کے شرک کی سزا ایک ایک حقبہ ہوگا۔ جب اس کی زندگی کے تمام حقبات ختم ہونگے تب کہیں اس پر جلال کے جمال کا ظہور ہوگا۔ پھر جس طرح ان کا ازل میں حالت اور کیفیت تھی ان حقبات کے انقطاع کے بعد وہی ازلی حالت و کیفیت نصیب ہوگی ازل و ابد درمیانی عرصہ اس کیلئے آزمائش کا دور ہے اور ظاہر ہے کہ یہ آزمائشیں کے حادث ہیں اور حوادث منقطع ہوتے ہیں اور آزمائشوں کے حادث ہونے کی دلیل یہ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ونبلوکم بالشر والخیر فتنہ و الینا ترجعون۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دار البوار سے بچائے۔ آمین۔ اِنَّ رَبَّکَ حَکِیْمٌ بے شک تیرا رب حکیم ہے وہ اپنے افعال کی حکمتوں کو خوب جانتا ہے منجملہ ان کے یہ بھی اس کی حکمت ہے کہ اولیانے شیطان کو دائمی طور جہنم میں ڈالے گا۔ عَلِیْمٌ وہ ثقلین یعنی انس و جن اور اُن کے اعمال اور پھر اُن کے اعمال جزاء و سزا کو خوب جانتا ہے ۵ ۱۲۹ وَکَذٰلِكَ اور جیسے ہم نے جن و انس کو رسوا کیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے ایک دوسرے سے نفع پایا۔ نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضًا۔ ہم ظالمین کے بعض کو بعض پر مسلط کرتے ہیں یعنی ظالم کی ظالم سے پٹائی

کراتے ہیں۔ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ بسبب اس کے وہ اپنے اعمال کفر و معاصی پر مداومت کرتے ہیں۔

مسئلہ : مروی ہے کہ جو ظالم کی مدد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس مدد کرنے والے پر بھی کسی ظالم کو مسلط کر دیتا ہے۔

ظالم حاکم شامتِ اعمال

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کیلئے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اُن پر اچھے حاکم مقرر فرماتا ہے اور جب کسی قوم سے برائی کا ارادہ کرتا ہے تو ان پر ظالم حاکم مسلط کرتا ہے۔

(۲) سابقہ کتب سماویہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بادشاہوں کے قلوب میرے قبضۂ قدرت میں ہیں جو قوم میری اطاعت کرتی ہے میں بادشاہوں کو اُن کے لئے رحمت بنا دیتا ہوں اور جو قوم میری بے فرمانی کرتی ہے میں اس پر اُن کے حاکموں کا عذاب بنا دیتا ہوں جو اُن کے اعمال کی انہیں سزا دیتے ہیں۔ فلہٰذا اے اللہ کے بندو ! اپنے نفسوں کو بادشاہوں کا مشغلہ نہ بناؤ بلکہ توبہ کرو تاکہ میں تمہارے حال پر رحم فرماؤں۔

(۳) حدیث شریف میں ہے کہ ظالم انسان زمین پر اللہ تعالیٰ کا عدل ہے۔ وہ لوگوں سے اُن کے گناہوں کا بدلہ لیتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اُس سے اُس کے ظلم کا بدلہ لے گا۔

(۴) مرفوع حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں اپنے مبغوض بندے سے مبغوض بندے کے ذریعے بدلہ لیتا ہوں پھر ہر دونوں کو جہنم میں بھیجوں گا۔

(۵) زبور میں ہے کہ میں منافقوں سے منافقین کے ذریعے بدلہ لیتا ہوں پھر ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ بدلہ لوں گا۔

سوال : اللہ تعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت کیوں حالانکہ اس سے عدل ہی عدل ہوتا ہے ؟

جواب : یہاں پر عدل سے فضل کے بالمقابل مُراد ہے اور عدل کا حقیقی معنی یہ ہے کہ ہر فاعل سے اس کے فعل کا معاملہ کیا جائے۔ اگر اس کا فعل اچھا ہے تو اُسے نیک جزا دی جائے۔ اگر اس کا فعل بُرا ہے تو اُسے سزا دی جائے اور فضل یہ ہے کہ بُرے کو معاف کر دیا جائے۔ یہ اہل سنت کا عقیدہ ہے اور معتزلہ کہتے ہیں کہ بُرے کو سزا دینا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے وہ اسے عدل کہتے ہیں۔ اس بنا پر وہ اپنا نام اہل عدل رکھتے ہیں۔ اہل سنت کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے۔ قال تعالیٰ ، "وقل رب احکم بالحق" یعنی ظالم کو مہلت نہ دی جائے اور نہ ہی اس سے تجاوز کیا جائے۔ بلکہ اس کی سزا میں جلدی کرنا چاہیے۔ لیکن اللہ تعالیٰ جس کے لئے مہلت دینا یا تجاوز کرنا چاہے تو وہ مالک ہے اور جسے جو چاہے عطا کرے۔ وہ جو کچھ کرتا ہے۔ اس سے کسی کو سوال کرنے کا حق نہیں۔ (کذا فی المقاصد الحسنہ للامام السخاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ) مثنوی شریف میں ہے ؎

marfat.ocm

١ چونکہ بد کردی بترس ایمن مباش
زانکہ تخمست وبرویاند خداش
٢ چند گاہے او بپوشاند کہ تا
آیدت زاں بد پشیمان و حیا
٣ بارھا پوشد پئے اظہار فضل
باز گیرد از پئے اظہار عدل
٤ تاکہ این ہر دو صفت ظاہر شود
آں مبشر گردد این منذر شود

ترجمہ ١۔ جب تجھ سے برائی سرزد ہوئی بے خوف نہ ہو اس لئے کہ یہ بیج ہے جو اسے اللہ تعالیٰ اُگائیگا
٢۔ بہت بار تیرے عیب ڈھانپتا ہے تاکہ تجھے پشیمانی اور حیا آئے۔
٣۔ فضل و کرم کے پیش نظر تیرے عیب چھپاتا ہے پھر گرفت کرتا ہے تو وہ اس کا عدل ہے
٤۔ تاکہ اسکی یہ دونوں صفتیں ظاہر ہوں ایک صفت مبشر ہے دوسری منذر ہے۔

تفسیر صوفیانہ ظالم مطلقاً اپنی روحانی فطری استعداد کو ضائع کرتا ہے جو فیض ربانی کے قابل تھی یہی وجہ ہے کہ ظالم پر کلام حق کا اثر نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ ارباب ریاست کو قدرت و غلبہ زائد دیا جاتا ہے۔

حدیث شریف ۔ میں ہے کہ قیامت کے علامات میں سے ہے کہ لوگ نمازیں ضائع کردیں گے۔ اور شہوات کے تابع ہو جائیں گے۔ اس وقت کے امیر خائن ہوں گے اور وزیر فاسق۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ چونک پڑے اور عرض کی کیا ایسے لوگ پیدا ہوں گے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہاں اے سلمان ضرور ایسے ہوگا اس وقت مومن ذلیل ترین انسان سمجھیں جائیں گے وہ لوگوں کے سامنے چلے گا تو اسے خوف ہوگا کہ اگر کوئی بات کہے تو اُسے کچا کھا جائیں گے۔ اگر چپ رہتا ہے تو غصہ سے مرے گا (کذا فی روح الاخبار) حضرت شیخ سعدی نے فرمایا ؎

١۔ خبر داری از خسروان عجم
کہ کردند زیر دستاں ستم
٢۔ نہ آں شوکت و پادشاہی بماند
نہ آں ظلم بر روستائی بماند

(باقی صـ ٦٨٩ پر)

marfat.ocm

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ

اے جنوں اور آدمیوں کے گروہ کیا تمہارے پاس تم میں کے

مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا

رسول نہ آئے تھے تم پر میری آیتیں پڑھتے اور تمہیں یہ دن دیکھنے سے ڈراتے کہیں گے

شَهِدْنَا عَلٰۤى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ

ہم نے اپنی جانوں پر گواہی دی اور انہیں دنیا کی زندگی نے فریب دیا اور خود اپنی جانوں پر گواہی دیں گے کہ وہ

كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا

کافر تھے یہ اس لیے کہ تیرا رب بستیوں کو ظلم سے تباہ نہیں کرتا کہ ان کے لوگ

غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

بے خبر ہوں اور ہر ایک کے لیے ان کے کاموں سے درجے ہیں اور تیرا رب ان کے اعمال سے بے خبر نہیں

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا

اور اے محبوب تمہارا رب بے پروا ہے رحمت والا اے لوگو وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور جسے چاہے تمہاری جگہ لائے

يَشَآءُ كَمَاۤ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَاۤ

جیسے تمہیں اوروں کی اولاد سے پیدا کیا بے شک جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے

اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ

ضرور آنے والی ہے اور تم تھکا نہیں سکتے تم فرماؤ اے میری قوم تم اپنی جگہ پر کام کیے جاؤ میں اپنا کام کرتا ہوں تو اب جاننا

تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ وَجَعَلُوْا

چاہتے ہو کس کا رہتا ہے آخرت کا گھر بے شک ظالم فلاح نہیں پاتے اور اللہ نے

لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا

جو کھیتی اور مویشی پیدا کیے ان میں اسے ایک حصہ دار ٹھہرایا تو بولے یہ اللہ کا ہے ان کے خیال میں اور یہ

لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ

ہمارے شریکوں کا تو وہ جو ان کے شریکوں کا ہے وہ تو خدا کو نہیں پہنچتا اور جو خدا کا ہے وہ ان

يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ

کے شریکوں کو پہنچتا ہے کیا ہی برا حکم لگاتے ہیں اور یوں ہی بہت مشرکوں کی نگاہ میں ان کے شریکوں

قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ

نے اولاد کا قتل بھلا کر دکھایا ہے کہ انہیں ہلاک کریں اور ان کا دین ان پر مشتبہ کر دیں اور اللہ چاہتا تو ایسا نہ

marfat.ocm

مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ۝ وَقَالُوا هٰذِهٖ أَنْعَامٌ وَحَرْثٌ حِجْرٌ لَا

کرتے تو تم انہیں چھوڑ دو وہ ہیں اور ان کے افترا اور بولے یہ مویشی اور کھیتی روکی ہوئی ہے اسے

يَطْعَمُهَا إِلَّا مَنْ نَشَاءُ بِزَعْمِهِمْ وَأَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُورُهَا وَأَنْعَامٌ لَا يَذْكُرُونَ

وہی کھائے جسے ہم چاہیں اپنے جھوٹے خیال سے اور کچھ مویشی ہیں جن پر چڑھنا حرام ٹھہرایا اور کچھ مویشی کے ذبح پر اللہ

اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَاءً عَلَيْهِ سَيَجْزِيهِمْ بِمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝ وَقَالُوا مَا فِي

کا نام نہیں لیتے یہ سب اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے عنقریب وہ انہیں بدلہ دے گا ان کے افتراؤں کا اور بولے جو ان

بُطُونِ هٰذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِذُكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰى أَزْوَاجِنَا وَإِنْ يَكُنْ مَيْتَةً

مویشی کے پیٹ میں ہے وہ نرا ہمارے مردوں کا ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور مرا ہوا نکلے تو وہ

فَهُمْ فِيهِ شُرَكَاءُ سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ۝ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ

سب اس میں شریک ہیں قریب ہے کہ اللہ انہیں ان کی باتوں کا بدلہ دے گا بیشک وہ حکمت و علم والا ہے بیشک تباہ ہوئے

قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَحَرَّمُوا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَاءً عَلَى اللّٰهِ

وہ جو اپنی اولاد کو قتل کرتے ہیں احمقانہ جہالت سے اور حرام ٹھہراتے ہیں وہ جو اللہ نے انہیں روزی دی اللہ پر جھوٹ باندھنے کو

قَدْ ضَلُّوا وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ۝

بیشک وہ بہکے اور راہ نہ پائی

بقیہ صفحہ

۳۔ مکن تا توانی دل خلق ریش
وگر میکنی میکنی بیخ خویش

ترجمہ: ۱۔ تمہیں معلوم ہے کہ شاہان عجم نے رعایا (عاجزوں) پر ظلم کیا۔

۲۔ پھر نہ شاہی رہی نہ شوکت نہ وہ عاجزوں پر ظلم

۳۔ حتی الامکان مخلوق کا دل زخمی نہ کر۔ اگر کرتا ہے تو اپنی جڑیں اکھیڑتا ہے۔

اے اللہ ہمیں ظلم و فساد سے محفوظ فرما۔ اس لئے کہ تو حافظ العباد والبلاد ہے۔

marfat.ocm

۱۳۰ ۵ یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِکُمْ قیامت میں ثقلین یعنی جن اور انسانوں

تفسیر عالمانہ

سے فرمائے گا کیا تمہارے ہر دونوں گروہوں کے پاس سے معین رسول (علیہ السلام) مِّنْكُمْ یہ رسل کی نہیں آیا۔ رُسُل اللہ تعالیٰ کی طرف صفت ہے یعنی جو تمہارے جنوں سے تھے۔

مسئلہ: بالاتفاق انسان اور جن ہر دونوں احکام الٰہیہ کے مکلف ہیں۔ صرف اس میں احتمال ہے کہ ان دونوں کی طرف جتنے رسول تشریف لائے اُن کے ہمجنس یا ہمجنس پروانہ اور ہمجنس سے استفادہ اور انس لینا موزوں تر ہوتا ہے نیز جنات کے لئے یہ بھی احتمال ہے کہ ان کے لئے رسل ان کی غیر جنس سے تشریف لائے مثلاً جنات کے رسول بشر ہوں۔ اس میں کسی قسم کا اشکال بھی نہیں کہ جنات بشر سے استفادہ کریں کہ اُن کے خواص اُن سے استفادہ کریں کہ اُن کے خواص اُن سے استفادہ کر کے اپنے عوام تک پیغامات پہنچائیں۔ جیسے خواص بشر ملائکہ کرام سے استفادہ کرتے ہیں۔

مسئلہ: اس پر امت کا اجماع ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ثقلین یعنی جن و انسانوں کے رسول ہیں آپ نے ہر دونوں گروہوں کو ایمان باللہ والیوم الآخر کی دعوت دی۔

مسئلہ: سابقہ پیغمبرانِ عظام علیٰ نبینا و علیہم السلام صرف انسانوں کے نبی تھے۔

سوال: سلیمان علیہ السلام کی جنات پر بھی حکومت تھی تو کیا وہ نبی نہیں تھے۔

جواب: وہ جنات پر حکومت کرتے تھے لیکن ان کی اُن پر صرف سلطنت و حکومت و سیاست عامہ تھی

جنات کی نبوت کی تحقیق

رُسُلٌ مِّنْكُمْ کے عموم سے ثابت ہوتا ہے کہ جنات میں بھی رسول اور پیغمبر ہوں، یہی ضحاک اور اس کے تابعین کا مذہب ہے اُن کی دلیل یہ ہے کہ جب آیت میں عموم ہے تو پھر اس کے ظاہری معنی سے عدول نامناسب ہے جب کہ ظاہری معنی

marfat.ocm

پہننے میں شرعاً قباحت بھی نہیں ۔

ضحاک نے اپنی دلیل کی تائید سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول سے پیش کی ۔ انہوں نے ومن الارض مثلھن الخ کی تفسیر میں فرمایا کہ

فی کل ارض نبی مثل نبیکم و آدم کآدمکم و نوح کنوح و ابراہیم کابراہیم و عیسیٰ کعیسیٰ

؛ اس حدیث کو آکام المرجان میں صحیح بتایا ہے اور ابن عباس سے کیسے خلاف کیا جا سکتا ہے جب کہ ابن عباس سلطان المفسرین ہیں اور سخاوی کا قول غیر معتبر ہے جب کہ انہوں نے کہا کہ یہ حدیث ابن عباس نے اسرائیلیات سے لی ہے نیز ضحاک نے اپنی تائید اس قول سے بتائی ہے جو کہ مشہور ہے کہ ہر آسمان میں اس کعبہ کے بالمقابل کعبہ ہے اس آسمان کے مکین اس کا طواف وغیرہ کرتے ہیں ۔ اسی طرح ہر زمین میں اس کعبہ کے بالمقابل کعبہ ہے جسے اس کے مکین اس کا طواف وغیرہ کرتے ہیں ۔) بات وہی مناسب ہے جو حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ آفندی قدس سرہ فرما گئے ۔ انہیں حضرت الہدائی کا خطاب بھی ملا اور عالم دنیا میں ہر ایک کے ہاں ہدائی اور افتادہ کے نام سے مشہور ہیں وہ یہی کہ جنات میں کوئی نبی نہیں (ھذا ھو الحق) اس دوسرے معنی پر امت کا اجماع ہے ۔

مسئلہ ؛ اس سے بشر کی جنوں پر فضیلت ثابت ہوئی اس لئے کہ انبیاء بشروں سے تشریف لائے اور چونکہ جنات بھی احکام میں بشروں کے شریک ہیں اس لئے انہیں ان کے ساتھ خطاب کیا گیا اور ایسا عرب میں عام ہے اس کی نظیر قرآن مجید میں ہے قال تعالیٰ ۔ "یخرج منہما اللؤلؤ والمرجان" ہما کی ضمیر سے ظاہر ہے کہ مرجان ملح اور ملیح ؛ دریا مراد ہوں ۔

ف ؛ بعض مفسرین نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ لفظ " رسل" عام ہے وہ حقیقی رسول پر مشتمل ہوتا ہے اور رسول کے رسول پر بھی اور

حدیث شریف میں ہے کہ جنات کی ایک جماعت حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ سے قرآن سنا اور پھر واپس جا کر اپنی برادری کو احکام الٰہیہ کی تلقین کی ۔ یہ تحقیق فقیر نے پیش کی ہے ۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے ۔ (وہو یقول الحق و یہدی الی الصواب)

یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ پڑھتے تھے تمہارے سامنے میری کتابیں **وَیُنْذِرُوْنَکُمْ لِقَآءَ یَوْمِکُمْ هٰذَا** ط اور میری ملاقات کے اس دن یعنی قیامت کے دن سے تمہیں ڈراتے تھے ۔

قَالُوْا وہ اس شدید توبیخ کو سن کر جواباً عرض کریں گے ۔ **شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا** ہم اپنے نفسوں پر شاہد ہیں کہ ہمیں تیرے احکام پہنچے اب وہ اپنے کفر اور عذاب کے مستحق ہونے کا اعتراف کریں گے **وَشَهِدْنَا**

یہ بِعۡتُ وَ اشۡتَرَیۡتُ کی طرح جملہ انشائیہ ہے۔ لفظ ماضی سے شہادت کا متقدم ہونا ضروری نہیں۔ وَغَرَّتۡهُمُ الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا اور انہیں حیوٰۃ دنیا نے دھوکہ دیا اس لئے ایمان نہ لاسکے وَشَهِدُوۡا عَلٰۤى اَنۡفُسِهِمۡ۔ اور آخرت میں اپنے نفسوں پر گواہی دیں گے۔ اَنَّهُمۡ كَانُوۡا بے شک وہ دنیا میں تھے كٰفِرِيۡنَ اللہ تعالیٰ کے احکامات و ہدایت جنہیں رسل کرام لائے تھے اُن سے کفر کرنے والے تھے۔ یہ اُن کے غلط نظریات کی تردید ہے اور واضح کرتا ہے کہ اُن کی رائے سراسر غلط تھی۔ اس لئے کہ وہ حیوٰۃ دنیویہ اور لذات نفسانیہ سے دھوکہ کھا بیٹھے اور آخرت سے روگردانی کر لی بالآخر انجام وہی نکلا کہ وہ خود بخود معترف ہو گئے کہ کفر بھی کیا اب وہ دائمی عذاب کے مستحق بھی ہیں۔ اس میں سامعین کو اُن کا حال سنا کر انہیں ڈرانا مقصود ہے۔ ۱۳۱ ذٰلِكَ یہ رسل کرام کا بھیجنا۔ اَنۡ یہاں لام مقدر اور اِنۡ مخففہ من المثقلہ ہے در اصل لانہ تھا یعنی اس لئے کہ لَّمۡ يَكُنۡ رَّبُّكَ مُهۡلِكَ الۡقُرٰى بِظُلۡمٍ تیرا رب بستیوں کو ان کے ظلم کے سبب سے تباہ نہیں کرتا۔ وَّاَهۡلُهَا غٰفِلُوۡنَ اور ان کے اہل بے خبر ہوں کہ اُن کے ہاں کوئی پیغمبر علیہ السلام نہ بھیجے کہ انہیں احکام الٰہیہ بیان کرے۔

فائدہ: بغوی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ کسی کو غلطی کے بغیر سزا نہیں دیتا اور بندہ اس وقت غلط کار سمجھا جاتا ہے جب اُسے کسی کام کا حکم دیا جائے اور وہ نہ کرے اور کسی فعل سے روکا جائے تو وہ اسی کا ارتکاب کرے اور یہ اس وقت ممکن ہے کہ پیغمبران عظام تشریف لائیں اور احکامات الٰہیہ سنائیں (تفسیر فارسی) میں ہے کہ استیصال ہیچ قوم نباشد الا بعد از تقدم وعید و اگر نہ ایشاں را بر حق حجت باشد کہ لولا ارسلت الینا رسولا فنتبع ایاتک۔ کسی قوم کی بیخ کنی نہیں ہوتی جب تک اسے پہلے وعید نہ سنائی جائے ورنہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں حجت پیش کریں گے کہ اگر ہمارے ہاں رسول تشریف لاتے تو ہم ضرور تیرے آیات کی تابعداری کرتے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ بچپن میں حظ حیوانی سے استعداد روحانی نہیں ملتی۔ ہاں جب بالغ ہوتا ہے تو اس وقت اس میں دونوں استعدادیں ہوتی ہیں (۱) فیض عقل (۲) فیض الہام حق۔ بلوغت کے بعد جو بندہ الہام حق کی مخالفت کر کے خواہشات نفسانیہ کی اتباع کرتا ہے تو اس کی فیض الٰہی کے قبول کرنے کی حسن استعداد فنا ہو جاتی ہے کما قال ” وَلَا تَتَّبِعِ الۡهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اور حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو عذاب نہیں دیتا جب تک اُن میں رسول علیہ السلام نہ بھیجے اور جب لوگ اپنے رسول علیہ السلام کی مخالفت کرتے ہیں تو پھر عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے جسے شریعت نے یوں بیان فرمایا کہ انسان قبل بلوغ امر و نواہی کا مکلف نہیں ہوتا اس لئے کہ یہ وہ وقت ہے کہ اُن میں اگر مامورات کا پابند ہوگا تو اس کی روحانیت کو ترقی ہوگی۔ اگر منہیات پر عمل کرے گا تو تنزل ہوگا۔

سبق : دانا پر لازم ہے کہ اپنے حال کی اصلاح کرنے اور قیامت کے قہری خطاب سے بچنے کی جد وجہد کرے۔

گر بمحشر خطاب قہر کند
انبیاء را چہ جائے معذرت است

ترجمہ : اگر محشر میں قہر کا خطاب فرمائے تو انبیاء علیہم السلام معذرت کا کونسا موقعہ ہو گا۔

فائدہ : حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اس دنیا میں انسان پانچ قسم ہیں

(۱) علماء کرام۔ یہ ورثۃ الانبیاء ہیں

(۲) زہاد۔ یہ نیکی کی طرف دلال ہیں

(۳) غازی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی تلواریں ہیں

(۴) تاجر۔ یہ اللہ تعالیٰ کے امین ہیں

(۵) بادشاہ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے نگران ہیں۔ جب علماء دنیا کے طالب اور مال کے جمع کرنے لگیں تو پھر کس کی اقتداء کی جائے

شیخ چوں مائل بمال آید مرید او مباش
عاشق دینار را لائق نگاہ مالک دیدار نیست

ترجمہ : جب عالم مال کی طرف مائل ہو تو اس کا مرید مت ہو دینار و مال کا عاشق مالک کے دیدار کے لائق نہیں۔

اور جب زاہد کار خیر کے خود خلاف کرے تو پھر کون اس سے رہبری حاصل کرے گا۔

[illegible] زاہد [illegible] طرح [illegible]

[illegible] تیغ سلطان [illegible] اصل [illegible]

ترجمہ : [illegible] نہیں پہنچ سکتا۔

اور جب غازی فتح کا شوق اور ریا کاری کرنے اور ریاکار کا کوئی عمل صحیح نہیں ہوتا۔ پھر دشمنوں پر فتح کیسے اور کس طرح حاصل کی جا سکتی ہے۔

عبادت باخلاص نیت نکوست
وگرنہ چہ آید زبے مغز پوست

ترجمہ : عبادت اخلاص نیت سے اچھی ہے ورنہ بے مغز پوست سے کیا حاصل ہو گا

اور جب تاجر خیانت کرنے تو پھر اس پر کون اعتبار کرے گا۔

درین زمانہ مگر جبرئیل امین باشد

اس وقت شاید صرف جبریل علیہ السلام ہی امین ہوں۔

اور اگر بادشاہ خود بھیڑیا ہو جائے تو پھر بکریوں کی رکھوالی کون کرے گا

بادشاہے کہ طرح ظلم افگند
پائے دیوار ملک خویش بکند
نکند جور پیشہ سلطانی
کہ نیاید ز گرگ چوپانی

ترجمہ (۱) وہ بادشاہ جو ظلم کا طریقہ جاری کرے اپنے ملک کی جڑ خود کاٹتا ہے
(۲) کسی بادشاہ کو ظلم کا طریقہ نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ بھیڑیئے سے نگرانی نہیں ہوگی۔

فائدہ: مخفی نہ رہے کہ ملک و ملت کو تباہ کرنے والے علماء سُوء اور زاہد دنیا پرست اور غازی (ریاکار) اور تاجر خائن اور بادشاہ ظالم ہیں۔ عنقریب ظلم کرنے والے جان لیں گے کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔

فائدہ: بفضلہ تعالیٰ احکام الٰہیہ زمین کے چپہ چپہ پر پہنچے از آدم علیہ السلام تا ایں دم ہر شاہد نے غائب کو پہنچائے اور ایک ایک حق کی آواز پہنچی اسم را پیرو زیست لے کر بر غریب۔ اپنے اور بیگانے نے سنا۔ کسی کے ہاں کوئی عذر باقی نہیں چھوڑا گیا کہ کل قیامت میں پیش کر سکے اور کوئی مجرم اپنی بچاؤ کی خاطر قہار جبار رب کے سامنے معذرت کرے ہر جاہل اور عاقل کو پہلے سے تنبیہہ کی جاتی ہے ملکوں کی تباہی اور غفلت کے اصول و فروع کا ظہور انسان کی غفلت کی وجہ سے ہوتا ہے۔

سبق ان امور کے صدور کے وقت انسان اپنے آپ کو ملامت کرے اور یہ امور اس وقت صادر ہوتے ہیں جب اُسے ذاتِ حق سے دوری ہو جاتی ہے ورنہ اُس نے تو انسان کے لئے ہر طرح کا برہان اور حجت قائم فرمائی اور سالکین راہ کے لئے ہر قسم کے دلائل واضح فرمائے۔ چنانچہ فرمایا "فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ" اس سے سالک کو غور کرنا چاہیے کہ اس کا انجام کار کیا ہوگا۔ اُسے چاہیے کہ ہر غلطی سے دور رہ کر تکالیف سے بچے اور غضب الٰہی سے نجات پائے۔ سب سے پہلے اپنے نفس پر نگرانی رکھے ورنہ پھر نفس اُسے ایسے گڑھے میں پھنسائے گا کہ جس سے نکلنا مشکل ہو جائے گا۔

۱۳۲ ۞ **وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا** اور ہر ایک مکلفین کے لئے یعنی جنات ہوں یا انسان مومن ہوں یا کافر مراتب ملیں گے۔ ان کے اعمال صالحہ یا سیئہ کی وجہ سے نیکوں کو بہشت کے درجات نصیب ہوں گے جو ایک دوسرے سے بلند و بالا ہیں اور مشرکوں کو جہنم میں درکات نصیب ہوں گے جو ایک دوسرے سے عذاب میں سخت تر ہیں

marfat.ocm

فائدہ: درجات کو مراتب سے اس لئے تعبیر کیا ہے کہ درجات کی اکثر استعمال خیر اور ثواب میں ہوتی ہے اور کفار کے لئے اس لئے خیر و ثواب نہیں اور آیت میں ہر دونوں مراد ہیں۔

وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ اور تیرا رب اُن کے اعمال سے غافل نہیں کہ اُس پر اُن کے اعمال مخفی ہوں نیکی ہو یا برائی اس سے مقصد یہ ہے کہ ہر ایک کو اس کے عمل پر جزا و سزا دے گا۔ ۱۳۳ **وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ** اور تیرا رب بندوں اور اُن کی عبادت سے بے نیاز ہے۔

فائدہ: غنی وہ ہے جس کے لئے کسی شے کا محتاج ہونا برابر ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کا غیر غنی ہو سکتا ہی نہیں ہاں اُسے غنی کہنا جائز ہے جو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کے ہاں ضرورت پیش نہ کرے۔ اس لئے کہ غیر اللہ کو اُلٹی خود ضرورت ہوتی ہے کیوں کہ وہ وجود و عدم میں غنی حقیقی کا محتاج ہے **ذُو الرَّحْمَةِ** صاحب رحمت ہے اور انہیں احکام کا مکلف بنا کر اُن پر رحم فرماتا ہے بندوں کو مکلف بنانے میں اُن کی تکمیل ہوتی ہے۔ اور مجرموں کو گناہوں کی سزا میں مہلت دیتا ہے یہ بھی اس کا رحم ہے۔

تفسیر صوفیانہ یعنی اللہ تعالیٰ کو باوجودیکہ مخلوق کی ضرورت نہیں لیکن پھر بھی اُن پر رحم فرماتا ہے اور انہیں اس لئے نہیں پیدا فرمایا کہ اُن سے کچھ نفع کمائے بلکہ اس لئے پیدا فرمایا کہ وہ اس سے نفع پائیں۔ مثنوی شریف میں ہے۔

۱۔ چوں خلقت الخلق کے یربح علی
لطف تو فرمود اے قیوم و حیّ

۲۔ لا لان اربح علیہم جود تست
کہ شود زو جملہ ناقصہا درست

۳۔ عفو کن ایں بندگانِ تن پرست
عفو اے دریائے عفو اُولیٰ ترست

۴۔ عفو خلقاں ہمچو جُو و ہمچو سَیل
ہم بداں دریائے خود تازند خیل

ترجمہ ۱۔ میں نے مخلوق پیدا کی تاکہ مجھ سے نفع پائے یہی لطف کیا ہے اسے حی و قیوم

۲۔ یہ نہیں کہ میں ان سے نفع پاؤں اے اللہ تیرا جود و سخا ہے کہ اسی سے تمام ناقص درست ہوں گے

۳۔ تن پرست بندوں کو معاف فرما۔ دریائے عفو سے معافی ہی بہتر ہے۔

۴۔ مخلوق کو معاف کرنا نہر اور سیلاب کی طرح ہے تاکہ وہ اپنے دریا میں ہی لشکر لے جائے۔

marfat.ocm

اِنْ یَّشَاْ یُذْہِبْکُمْ اے عاصیو ! تم سب کو اگر چاہے لے جائے یعنی ہلاک وتباہ اور برباد کر ڈالے وَیَسْتَخْلِفْ فارسی میں ہے خلیفہ وجانشین شما سازد۔ تمہارے خلیفے اور جانشین بنا دے۔ مِنْ بَعْدِکُمْ تمہارے چلے جانے اور تباہ وبرباد کرنے کے بعد مَا یَشَآءُ وہ جو چاہے یعنی دوسری ایسی مخلوق پیدا کرے جو بہ نسبت تمہارے اللہ تعالیٰ کی زیادہ مطیع ہو۔

سوال : یہاں پر مَا کے بجائے مَنْ یشاء ہونا زیادہ موزوں ہے۔

جواب : اللہ تعالیٰ کی کمال کبریائی کا اظہار یونہی موزوں تر ہے کہ ان باغیوں بے فرمانوں اور منکروں کو ذوی العقول کے درجہ سے بھی ساقط کر کے اُن سے خطاب فرمایا ہے۔ کَمَآ اَنْشَاَکُمْ مِّنْ ذُرِّیَّۃِ قَوْمٍ اٰخَرِیْنَ ؕ جیسے تمہیں ایسی قوم سے پیدا فرمایا جو تمہاری طرح نہ تھی۔ اس سے نوح علیہ السلام کی کشتی والے مراد ہیں۔ اُن سے تمہارے اُوپر رحم فرماتے ہوئے تمہیں بچالیا۔ تفسیر فارسی میں ہے۔ چنانکہ شمارا پیدا کرد از ذریۃ قومے دیگر کہ پدران شما بود۔ جیسے تمہیں دوسری قوم سے پیدا فرمایا جو تمہارے آباء واجداد۔

۱۳۴ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ بے شک وہ جو تم وعدہ کئے جاتے ہو۔ یعنی قیامت میں اٹھنے اور انہیں عذاب کے متعلق لَاٰتٍ ضرور واقع ہو گا۔ اس میں کسی قسم کا خلاف نہیں۔ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ۝ اور تم عاجز کرنے والے نہیں یعنی اس سے کسی صورت میں تم بچ نہیں سکتے اگرچہ کتنا ہی جدوجہد کر کے دُور بھاگو۔

۱۳۵ قُلْ اے پیارے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ سے فرمائیے۔ یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَکَانَتِکُمْ اے میری قوم تم اپنی قوت پر قائم رہو۔ اَلْمَکَانَۃُ تمکّن وقوت واقتدار مراد ہے یعنی تم طاقت وقوت کو آزمالو اور جتنی جدوجہد ہو سکتی ہے کرلو اور اپنے کفر وعداوت پر ڈٹے رہو۔ اِنِّیْ عَامِلٌ بے شک میں بھی عمل کرتا ہوں یعنی صبر کر کے اور ثابت قدم رہتا ہوا۔ عمل صالح پر مداومت کرتا ہوں۔

فائدہ : یہ تہدیدی امر اور استعارہ کے قبیل سے ہے۔ تہدید علیہم یعنی کفار کے شر کو مامور بہ سے تشبیہ دی ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ وہ ہو کر رہے گا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اعملوا علی مکانتکم الخ اس کے مطابق عمل کرو جو تمہاری جبلی عادت ہے چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا۔ قُلْ کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۔ مَنْ یہ مَن استفہامیہ یا موصولہ ہے۔ یعنی عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس کیلئے تکون لہ عاقبۃ الدار عاقبت محمود ہوتی ہے یعنی دار جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے وہ کسے نصیب ہوتی ہے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ تم معلوم کر لو گے کہ کس کے لئے نیک انجام ہوتا ہے۔ اس تقریر پر دار سے دنیا اور عاقبۃ سے عاقبت اصلیہ مراد ہو گی جسے عاقبت بالخیر سے تعبیر کیا جاتا ہے اور عاقبۃ السوء فجار کے انجام کا نام ہے۔ اِنَّہٗ بے شک شان

marfat.ocm

نصیب ہے کہ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ظالمین کو۔ اس سے کفار مراد ہیں۔ یعنی کفار اپنی مراد کے حصول میں کامیاب نہیں ہوں گے۔ فارسی میں اس کا ترجمہ ہوگا۔ کہ پیروزی و رستگاری نیابند۔ ستمگاران۔ یعنی کفار چھٹکارا نہیں پائیں گے۔

فائدہ: صاحب کشف الاسرار فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ قیامت میں تمہیں معلوم ہوگا کہ دنیا کدھر گئی اور آج فلاح کسے نصیب ہوئی ہے۔ اس وقت معلوم ہوگا کہ ضعیفوں کمزوروں درویشوں کو کرامت و شرافت نصیب ہوگی۔ انہیں بہشت کے بنگلوں میں نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ لے جائیں گے اور دنیادار سرکشوں کو ذلت و خواری کے ساتھ جہنم کی طرف لے جائیں گے۔ پھر ان کی ندامت دیکھنی ہوگی ؎

۱ باش تا کل بینی آنہا را کہ امروز اند جزو
باش تا گل یابی آنہا را کہ امروز اند خار

۲ تا کہ از دار الغروری ساختن دار السرور
تا کہ دار الغروری ساختن دار القرار

ترجمہ: ۱۔ اچھا ہے تا کہ کل دیکھو گے جو آج لوگ جزو ہیں۔ اچھا ہو تا کہ کل دیکھو گے انہیں جو آج خار ہیں۔

۲۔ دار الغروری میں دار السرور کیسی اور دار الغروری میں دار القراری کیسی۔

فائدہ: صلاح و فلاح کامیابی صرف علم و عمل اور ترک دنیا اور عاجزی و انکساری میں ہے۔

حکایت: بعض بزرگوں سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے ہاں ایک درویش تشریف لایا اور ہمارے گھر کو مال و متاع سے خالی پا کر کہا کہ تمہارے ہاں کوئی شے نہیں ہے۔ ہم نے کہا اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا سب کچھ ہے اس نے کہا وہ کیا ہے۔ میں نے کہا ہمیں اللہ تعالیٰ نے دو بنگلے عطا فرمائے ہیں۔ ایک کا نام دار الامن ہے دوسرے کا دار الخوف ہمیں جو کچھ اللہ تعالیٰ کا عطا ہوتا ہے ہم دار الامن میں جمع کر دیتے ہیں۔ یعنی آخرت کے لئے اس درویش نے کہا اس دنیا کے ضروریات کے لئے بھی تو کچھ ہونا چاہیے۔ میں نے کہا گھر والا ہمیں اس میں کچھ رکھنے نہیں دیتا۔ چونکہ یہ گھر عاریت پر ملا ہوا ہے اس لئے یہاں ہم کچھ رکھ نہیں سکتے۔ کیونکہ عاریت کا مکان دوسرے کا ہوتا ہے۔ اب اس کی مرضی جب چاہے سنبھال لے۔ اس لئے ہم تو صرف دار الآخرۃ میں اپنا سب کچھ جمع کرا دیتے ہیں۔ اور بفضلہ تعالیٰ شب و روز اللہ تعالیٰ کے لئے نیکیوں میں مصروف اور ہر گھڑی اس کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔

حکایت: ایک نوجوان رات دن عبادت میں لگا رہتا تھا۔ اس سے وجہ پوچھی گئی اس نے کہا میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھے بہشت میں لایا گیا۔ اس میں میں نے ایک بنگلہ دیکھا جو سونے و چاندی سے تیار کیا گیا ہے اور اس کے بالاخانہ میں بھی سونے کے ہیں اور ہر بالاخانے پر ایک ایک حور بیٹھی ہے اور ایسی حسین

marfat.ocm

وجیل ہیں کہ عالم دنیا میں اُن جیسی کی نظیر ملنا مشکل ہے اور وہ اپنی زلفیں لٹکائے بیٹھی تھیں اُن میں سے ایک نے مجھے دیکھ کر تبسم فرمایا۔ اُس تبسم سے تمام بہشت منور ہو گئی، اس نے مجھے کہا، اے نوجوان اللہ تعالیٰ کی عبادت میں جتنا ہو سکے جدوجہد فرمائیے تاکہ تیرے مرنے کے بعد میں تجھے ملوں اور تیری ہو جاؤں اور تو میرا۔ اس کے بعد میں جاگ اٹھا اور اس وقت سے لمحہ بھر بھی مجھے قرار نہیں۔

سبق جو ایک حور دیکھنے سے یہ کیفیت ہو گئی۔ اگر حور کے مالک خالق کی خاطر عبادت کرے تو اس کی کیا شان ہو گی ؎

فدائے دوست نکردیم عمر و مال دریغ
کہ کار عشق ز ما ایں قدر نمی آید

ترجمہ: ہم نے دوست پر عمر و مال قربان نہ کیا افسوس ہے کہ عشق کے بارہ میں ہم سے یہ بھی نہ ہوا۔

سبق اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں جدوجہد سے انجام بخیر ہوتا ہے اور وہی صلہ و قربت کا سبب بنتی ہے جس کا اثر آخرت میں ظاہر ہو گا۔

تفسیر صوفیانہ جن ظالموں نے گناہ کر کے اپنی استعداد کو ضائع کر دیا تو وہ اس جیسی سعادت سے نہیں جائیں گے بلکہ انہیں دارالبوار جہنم کی طرف دھکیلا جائے گا دنیا میں انہیں بہت خسارہ نصیب اگرچہ زندگی بہت شان و شوکت کے ساتھ بسر کرتے رہے لیکن کیا حاصل جب کہ باطل ابھرتا ہے تو فوراً مٹ جاتا ہے میں دنیا والوں کے دنیا و دولت کا ہونا ان کے تنزل کی علامت ہے اور نجات ایمان کی وجہ سے نصیب ہو تی ہے اور جو شخص ایمان و قوت یقین کے قلعہ میں آجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ جتنا چاہتا ہے تو وہ بلند درجات کی طرف ترقی کرتا ہے اگرچہ قلعہ کے باہر کتا شیطان بھونکتا رہتا ہے تو اسے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

حدیث شریف میں ہے جددوا ایمانکم ایمان کی تجدید کرو۔ اس سے ایک مرتبہ سے دوسرے مرتبہ کی ترقی کرنا مراد ہے۔ ورنہ ایمان کی تکمیل کا کیا معنیٰ وہ پہلی بار مکمل ہو گیا۔ لیکن مراتب کے لحاظ سے اس کے اٹھارہ مرتبے اللہ تعالیٰ کی عنایت سے جسے نصیب ہو جائیں۔

فائدہ: یاد رہے کہ ہر شخص کی توحید کا مرتبہ اس کے یقین کے مطابق ہوتا ہے اور وہ کبھی ملک وجود میں یقین کے مطابق ہوتی اور کبھی نہیں بھی ہوتی۔ جو لوگ اپنے دعویٰ کا اظہار کرتے ہیں تو اُن کی توحید صرف ملک وجود میں ہوتی اگر اس سے تجاوز کرتا ہے تو اس سے ندامت اٹھاتا ہے اور مراتب سے گر جاتا ہے۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ وہ دین کے امور میں تکاہل و تساہل سے کام نہ لے بلکہ حصول یقین کے لئے جدوجہد کرے اس لئے کہ جدوجہد اس کے حصول کا بہترین ذریعہ بلکہ اس کی تکمیل کے لئے نہایت اعلیٰ وسیلہ ہے اگر حقیقی طور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنے بندے کی تکمیل کرنے والا ہے اور تمام امور میں اس کی تاثیر کو دخل

marfat.ocm

اے اللہ! ہم سب کو توحید حقانی عطا فرما اور بیان حیاتی کا شرف بخش اس لئے کہ تو غنی ہے اور ہم فقراء۔

تفسیر عالمانہ: ۱۳۶ وَجَعَلُوْا اور مشرکین عرب نے کیا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ اللہ تعالیٰ کے لئے اس میں حصہ جو اس نے پیدا کیا مِنَ الْحَرْثِ کھیتی سے۔ لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے یہ صرف ان کا اپنا دعویٰ تھا انہیں اللہ تعالیٰ سے کوئی حکم نہیں۔ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا اور یہ ہمارے بتوں کے لئے ہے یعنی اُن کے معبود جنہیں انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شریک سمجھ رکھا تھا اپنے اموال اور تجارتی اشیاء اور کھیتیوں اور جانوروں میں انہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بناتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ شرکت سے مشتق ہے نہ کہ شرک سے اور اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے۔

فائدہ: مروی ہے کہ کھیتوں اور جانوروں کے بچوں سے کچھ اللہ تعالیٰ کے مخصوص کرکے مہمانوں اور مسکینوں پر خرچ کرتے ہیں اور اُن میں سے کچھ حصہ اپنے معبودوں کے لئے مقرر کرکے اُن کے خدام پر خرچ کرتے بلکہ وہ جانور ان کے تھانوں پر ذبح کرتے اور کبھی یوں بھی کر دیتے کہ جو شے اللہ تعالیٰ کیلئے نامزد ہوتی اور وہ بتوں کے لئے مقرر کردہ سے بہتر ہوتی تو اللہ تعالیٰ کی نامزد شئے کو بتوں کے لئے مقرر کر دیتے اور ردی شے اللہ تعالیٰ کے لئے مقرر ہو جاتی اور اگر اللہ تعالیٰ کی نامزد شئے ناقص ہوتی تو اس میں تبدیلی نہ کرتے اور اس کی دلیل یہ پیش کرتے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کو کسی قسم کی ضرورت نہیں اس لئے اس کے لئے ردی شے ہو یا اچھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ صرف اپنے بتوں کی محبت کی وجہ سے کہتے۔ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ برا ہے ان کا وہ حکم جو فیصلہ کرتے ہیں کہ بتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے زائد محبت رکھتے ہیں جس کا انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم نہیں ۱۳۷ وَكَذٰلِكَ اور اسی طرح یہ زینت جو انہوں نے اللہ تعالیٰ اور بتوں کے درمیان تقسیم کر رکھی ہے۔

زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ ان کے شرکاء نے ان کی اولاد کو قتل کرنے کی زینت دی ہے۔

فائدہ: شرکاء سے اُن کے وہ دوست مراد ہیں جو جنات میں سے تھے۔ بطور وسوسہ کے زینت دیتے تھے یا اُن کے بتوں کے خدام۔ قتل اولادہم زین کا مفعول ہے اور اس کا فاعل شرکاؤہم۔

شانِ نزول جاہلیت کے لوگوں کی عادت تھی کہ اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے فقر کے خوف سے یا اس خیال سے کہ ہم کیوں داماد بنا کر اپنا ہمسر بنائیں۔ یا قید کے خطرہ سے۔ ان میں کسی کو اولاد نہ ہوتی وہ قسم کھاتے کہ اگر اُسے اتنے لڑکے پیدا ہوئے تو ایک کو ان میں سے اللہ تعالیٰ کے لئے قربان کرے گا جیسے حضرت عبد المطلب نے اپنے صاجزادہ حضرت عبد اللہ (رضی اللہ عنہما) کے لئے قسم کھائی تھی۔

marfat.ocm

حضرتِ عبداللہ[1] کو ذبیح بنانے کا تفصیلی واقعہ

حضرت عبدالمطلب نے خواب دیکھا کہ وہ زمزم کا کنواں کھود رہے ہیں خواب میں اس کی نشاندہی بھی کرائی گئی۔ صبح ہوتے ہی انہوں نے چاہ زمزم کھودنا شروع کر دیا۔ اس وقت آپ کی سوائے حارث کے اور کوئی اولاد نہ تھی۔ آپ نے وہاں منت مانی کہ اگر مجھے دس بچے پیدا ہوئے تو اُن میں سے ایک کو اللہ تعالیٰ کے نام پر قربان کروں گا۔ چنانچہ جب دس بچے پیدا ہوئے تو آپ نے بچوں کو اپنی منت کا پتہ دیا۔ سب نے سُن کر سرِ تسلیم خم کیا۔ لیکن آپ نے قرعہ اندازی کے طور پر مسئلہ سلجھانا چاہا۔ چنانچہ تمام بچوں کا نام لکھ کر قرعہ ڈالا تو حضرت عبداللہ کے نام قرعہ نکلا۔ آپ نے ذبح کرنا چاہا لیکن قریش کے سرداروں نے کہا عجلت نہ کیجئے۔ ہمیں مشورہ کرنے دیں۔ یہ مسئلہ عرافہ مکہ کے ہاں پیش کیا گیا تو اس نے کہا ہر قرعہ اندازی پر دس اونٹ بدلے کے طور مقرر رکھو جتنے بار ان کے نام قرعہ آ جائے دس اونٹ بڑھاتے جاؤ۔ جب تک اونٹوں کے نام قرعہ نہ نکلے اسی طرح دس اونٹ بڑھاؤ۔ چنانچہ برابر حضرت عبداللہ کے نام قرعہ نکلا۔ یہاں تک کہ سو اونٹوں تک نوبت پہنچی تو آپ نے اُن کے بدلے سو اونٹ ذبح کئے جنہیں کسی انسان نے نہ اٹھایا اور نہ ہی ان کو درندہ کھا سکا۔ اس لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا انا ابن الذبیحین میں دو ذبیحوں کا صاحب زادہ ہوں۔ ان سے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت عبداللہ مراد ہیں۔

لِیُرْدُوْهُمْ تاکہ وہ انہیں گمراہ کر کے ہلاک کر دیں۔ وَلِیَلْبِسُوْا عَلَیْهِمْ دِیْنَهُمْ اور ملا دیں ان پر ان کا دین یعنی انہیں دین اسماعیل علیہ السلام سے ہٹا کر اسے دین پر چلا دیں۔ پھر انہیں معلوم نہ ہو سکے کہ وہ کس دین پر ہیں اور یہ لام تعلیل کی ہے۔ اگر زینت کی نسبت شیطان کی طرف ہو یا لام عاقبت کی ہے اگر زینت کی نسبت شیطان کی طرف ہو اس لئے کہ بتوں کے خدام کا نہ اُن کے گمراہ کرنے کا ارادہ تھا اور نہ دین میں التباس مطلوب تھا۔ بلکہ یہ تو شیطان کے ارادے تھے۔ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے مَا فَعَلُوْهُ تو مشرکین وہ کام نہ کرتے یعنی شیطان کے وسوسے بچوں کا قتل نہ کرتے۔

فَذَرْهُمْ وَمَا یَفْتَرُوْنَ۔ یہ فاء فصیحہ ہے یعنی جب ان کا یہ فعل اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے تو پھر آپ انہیں چھوڑیئے اور انہیں اللہ تعالیٰ پر افتراء کرنے دیجئے جب کہ کہتے ہیں کہ کھیتوں کو روکنے کا ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے حالانکہ یہ ان کا جھوٹ تھا اور اللہ تعالیٰ باوجودیکہ انہیں تباہ و برباد کرنے پر قدرت رکھتا ہے لیکن انہیں کچھ نہیں کہتا۔ آپ بھی انہیں ان کے حال پر چھوڑیئے اس لئے کہ ان کے لئے حساب کا ایک وقت

---

[1] ہمارے نزدیک حضرت عبداللہ یعنی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد گرامی مومن موحد تھے تفصیل کے لئے فقیر اویسی غفرلہ کی تصنیف "ابوین مصطفیٰ" کا مطالعہ کیجئے۔ ۱۲

مقرر کیا گیا ہے اور اس وقت اُن سے پورا پورا حساب لیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے وہ اپنے کاموں میں بڑا حکیم و علیم ہے۔ ۱۳۸ وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اور انہوں نے کہا یہ اشارہ اس کی طرف ہے جو انہوں نے اپنے بتوں کے لئے مقرر کیا۔ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ چوپائے اور کھیتی حرام ہے لَا یَطْعَمُهَآ اس کا ترجمہ لَا یَطْعَمُهَا میں بعض نے یہ کیا ہے کہ ان کو کوئی نہ چکھے گا اور نہ کوئی کھائے گا۔ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ جسے ہم چاہیں یعنی بتوں کے خدام اور مجاور مرد ہیں نہ کہ عورتیں کیونکہ ایسی چیزیں صرف مرد کھاتے یا وہ بتوں کے خدام کا لقب رکھتے تھے۔ بِزَعْمِهِمْ ان کے گمان سے یعنی وہ اپنے گمان باطل پر متلبس تھے اُن کے پاس کوئی دلیل نہیں تھی

وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ یہ خبر ہے مبتدا محذوف کی اور اس جملہ کا عطف ہٰذا انعام پر ہے اور ان دوسرے جانوروں کی طرف اشارہ کرتے تھے کہ یہ وہ جانور ہیں کہ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا ان کی پیٹھیں حرام ہیں۔ اس لئے بحائر و سوائب اور حوامی مراد ہیں۔ اور ان سب کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ وانعام اس سے وہی جانور مراد ہیں جن کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ لَّا یَذْکُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهَا یہ انعام کی صفت ہے لیکن یہ ان کا کلام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان کیا گیا ہے تاکہ موصوف معین ہو کر دوسرے جانوروں سے متمیز ہو جائیں۔ اس کی نظیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا جیسا کہ بعض تفاسیر میں تصریح کی گئی ہے اب عبارت یوں ہو گی۔ انعام ذبحت علی الاصنام الخ یعنی یہ وہ جانور ہیں جو بتوں کے نام پر ذبح کئے جاتے ہیں اس لئے کہ ان کی عادت تھی کہ انہیں ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے نام کی بجائے بتوں کا نام لیتے تھے

افْتِرَآءً عَلَیْهِ اللہ تعالیٰ پر افتراء کر کے یعنی اللہ تعالیٰ پر بہتان تراشتے تھے کیونکہ ان کا کہنا تھا کہ اسی طرح ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے۔ سَیَجْزِیْهِمْ فارسی میں اس کا معنی یوں ہو گا۔ زود باشد کہ جزا دہد ایشاں را۔ یعنی اللہ تعالیٰ انہیں جلد تر سزا دے گا۔ بِمَا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ان کے افتراء کرنے کے سبب سے ۱۳۹ وَقَالُوْا مَا فِیْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ اور کہتے کہ ان جانوروں کے پیٹ کے اندر جو کچھ ہے ان جانوروں سے بحائر و سوائب کے پیٹ کے بچے مراد ہیں خَالِصَةٌ لِّذُکُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا وہ ہمارے مردوں کیلئے خاص ہے اور ہماری عورتوں پر ان کا کھانا حرام ہے یعنی ان کے گوشت صرف ہمارے مردوں کیلئے حلال ہیں اور ہماری عورتوں کیلئے حرام اور خالصۃ کا مؤنث ہونا لفظ ما کے معنی اور محرم کا مذکر ہونا اس کے لفظ کی وجہ سے ہے یہ انہوں نے اپنی طرف سے بنا رکھا تھا اور کہتے کہ بحائر و سوائب کے بچے زندہ پیدا ہوتے تو مرد کھائیں گے اور عورتوں پر ان کا کھانا حرام ہے۔ وَاِنْ یَّکُنْ مَّیْتَةً اور کہتے اگر ان سے مردہ بچے پیدا ہوئے فَهُمْ فِیْهِ تو وہ ان بحائر و سوائب کے بچوں میں شُرَکَآءُ عورتوں کے شریک ہوں گے یعنی ان مردہ بچوں کو مرد بھی کھائیں گے اور عورتیں بھی سَیَجْزِیْهِمْ وَصْفَهُمْ

عنقریب اللہ تعالیٰ انہیں ان کے وصف یعنی افتراء کی سزا دے گا جو کہتے ہیں کہ اس کا ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ پر صریح جھوٹ تھا اس لئے کہ یہ حلال و حرام کا حکم وہ گھڑتے تھے اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ اس سے جزا کے وعدے کی علت بتانا مطلوب ہے۔ یعنی اُن سے جو برائیاں سرزد ہوتی ہیں انہیں اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور انہیں ضرور سزا دے گا۔ انہیں اس کی معافی ہرگز نہیں ملے گی۔ اس لئے اس کی حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ مجرموں کو سزا ملنی چاہیئے ۝ ۱۴۰ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ ۔ یہ قسم محذوف کا جواب ہے۔

شانِ نزول یہ ربیعہ و مضر اور عرب کے دوسرے اُن قبائل کے حق میں نازل ہوئی جو اپنی بچیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے اس خوف سے کہ کہیں ہم ان بچیوں کی وجہ سے تنگدست نہ ہو جائیں اور اُن کی وجہ سے ہمیں مقید نہ ہونا پڑے۔ اب معنی یہ ہوا کہ وہ نقصان میں پڑے جنہوں نے اپنی اولاد کو قتل کیا۔ سَفَهًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ یہ قَتَلُوْٓا کے متعلق یعنی اس کی علت ہے اور بغیر علم سفہا کی صفت ہے یعنی اپنی کم عقلی اور جہالت کی وجہ سے بچیوں کو قتل کیا ورنہ انہیں معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ انہیں اور ان کی اولاد کو رزق عطا فرمائے گا۔

وَحَرَّمُوْا اور انہوں نے اپنے نفسوں پر حرام کیا۔ مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ وہ جو انہیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا اس سے بحائر و دیگر جانور مراد ہیں۔ اِفْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ اور اللہ تعالیٰ پر افتراء کر کے کہا کہ اس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا قَدْ ضَلُّوْا۔ وہ سیدھے راہ سے بھٹک گئے۔ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝ اور سیدھے راہ کی طرف ہدایت نہیں پا سکیں گے۔ اگرچہ انہیں ہدایت کے مختلف طریقے پیش کئے جائیں۔

حکایت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک صحابی ہمیشہ نہایت محزون و مغموم رہتا تھا۔ آپ نے ایک دن اس سے سبب پوچھا تو اس نے عرض کی۔ میں ان لوگوں سے ہوں: جنہوں نے اپنی لڑکیوں کو قتل کیا بلکہ میرا جرم ان سے کئی گنا زیادہ ہے آپ نے فرمایا۔ اُس کی تفصیل سنائیے اس نے عرض کی میری ایک لڑکی پیدا ہوئی میری عورت نے مجھ سے بار بار کہا کہ اس بچی کو نہ ماریئے۔ میں نے اس کے کہنے پر بچی کو نہ مارا۔ جب وہ بڑی ہو گئی اور سنِ بلوغ کو پہنچی اور وہ بہت حسین و جمیل اور شکیل تھی۔ لوگوں نے مجھ سے نکاح کا کہا۔ مجھے غیرت جاہلی نے ابھارا کہ اسے بجائے نکاح کر دینے کے قتل کر دوں اور نکاح کے بغیر اسے گھر چھوڑے رکھنا بھی ناموزوں سمجھا ایک دن میں نے عورت سے کہا کہ میں بچی کو فلاں قبیلے کے دوستوں کے ملنے کیلئے لے جانا چاہتا ہوں۔ فلہٰذا اسے میرے ساتھ بھیج دے وہ خوش ہو گئی اور اسے خوب سنگارا اور بہترین لباس اور اعلیٰ زیور پہنا کر میرے ساتھ بھیج دیا اور ساتھ ہی قسمیں دیں کہ اسے قتل نہ کرنا۔ میں اپنی نوجوان بچی کو جنگل کے ایک کنوئیں پر لے گیا اور چاہا کہ اسے کنوئیں میں پھینک دوں۔ میری بچی میرے ارادہ کو بھانپ گئی اور بھاگ کر میرا دامن پکڑ کر کہنے لگی۔ ابا جی میرے ساتھ اتنا ظلم نہ کیجئے میں نے اس پر رحم کھایا۔ لیکن پھر مجھے غیرت جاہلی نے ابھارا۔ میں نے اُسے پکڑا اور وہ

marfat.ocm

روتی چلاتی ہوئی میرے دامن کو پکڑ کر کہتی اباجی میری ماں کی قسموں کو یاد کیجئے اور میرے حال پر رحم فرمائیے۔ میری ایک نظر کنویں پر تھی اور ایک نظر اس کی جوانی پر بھی آتا اور غیرت جاہلی بھی مدنظر تھی۔ بالآخر شیطان نے مجھے اکسایا اور میں نے اُسے جبراً پچھاڑ کر کنویں میں لٹکا دیا اور وہ دھاڑیں مارتی اور چیختی رہی۔ میں دل کو تھام کر اس کی چیخیں سنتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کی آواز ختم ہوگئی اور سمجھا کہ اب وہ مرگئی۔ حضور علیہ السلام اُس کی داستان سُن کر رو دیئے اور فرمایا کہ اگر کسی کو جاہلیت کے جُرم کی سزا دینا جائز ہوتی تو میں اسے جرم کی بہت سزا دیتا۔

تفسیر صوفیانہ جاہلیت کے لوگوں کا جب اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ ختم ہوگیا تو انہیں فقر و تنگدستی کے خطرے نے اولاد کو قتل کرنے پر اکسایا۔ اس لئے اہل تحقیق فرماتے ہیں کہ یقین اور اس کے حقائق کی ایک علامت کثرت عیال ہے جس میں توکل کا دامن تھاما جائے۔ حضرت شیخ اکبر قدس سرہ الاکبر نے فرمایا کہ جو شادی شدہ تصوف اپنائے تو اُسے اپنی عورت کو طلاق نہ دینی چاہیے اور جو غیر شادی شدہ ہو اُسے شادی نہ کرنی چاہیے یہاں تک تکمیل کو پہنچے جب اس کی تکمیل ہوجائے پھر جس طرح الہام ربانی ہو اس پر عمل کرے۔

فائدہ: اکثر کاملین نے تو طریق تصوف میں قدم رکھ کر اپنی اولاد کا سوال کر دیا۔ منجملہ ان کے حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ ہیں۔ اس لئے کہ اولاد اس طریق میں فتنہ ہے۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ کے متعلق مشہور ہے کہ اُن کا صاحبزادہ انہیں مکہ میں ملا۔ تو اُن کے دل میں بچے کی محبت کا خیال گزرا۔ اس پر دعا مانگی یا اللہ یہ تیری محبت کی راہ میں حاصل ہو رہا ہے۔ اُن کے اس شاید پر اُن کا صاحبزادہ ہی فوت ہوگیا۔

مسئلہ: اگر کسی سالک کو اولاد کی محبت حب الٰہی کے مابین حائل ہو تو توحید کے غلبہ سے اُسے دُور کرنے کی کوشش کرے۔ اس کی موت کا سوال نہ کرنا چاہیے اس لئے کہ دعا ایک تصرف ہے سلوک میں تصرف صرف ذاتِ حق کو لائق ہے پھر بندے پر غیر کی محبت کا حملہ ہو تو اُسے خود بخود دفع کرنے کی کوشش نہ کرے بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کردے۔ پھر انتظار کرے کہ وہ کریم اس کے ساتھ کیا کرتا ہے۔

فائدہ: قلت مال اور کثرت عیال اور پھر اس پر صبر کرنا بھی مجاہدہ نفس ہے۔ یہی مجاہدہ سلوک میں مفید ہوتا ہے

حکایت حضرت الشیخ افتادہ آفندی نے حضرت ہدائی سے خطاب کرکے فرمایا کہ جب تیرے عیال میں بھوک کا حملہ ہو یہاں تک کہ وہ موت کے گھاٹ اُتر جائیں تو بھی توکل نہ چھوڑنا بلکہ اس وقت بھی اپنے جملہ امور اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کرنا۔ صرف زبان سے نہیں بلکہ خلوص قلب سے کہنا کہ الٰہی میں تیرا کمزور بندہ ہوں۔ یہ بھی تیرے بندے ہیں۔ میرا اور ان کا معاملہ تیرے سپرد ہے۔ تیرے اور اُن کے معاملہ میں میں حائل نہیں ہونا چاہتا۔ تو جان تیرے بندے جانیں۔ جب تم اس طرح عجز و نیاز پیش کروگے تو تمہارا کام بن جائے گا۔ اور مشکل آسان ہوجائے گی۔ اور

باقی صـ ۷۰۵ پر

marfat.ocm

وَهُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَیْرَ

اور وہی ہے جس نے پیدا کیے باغ کچھ زمین پر چھپے ہوئے اور کچھ بے چھپے

مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا

اور کھجور اور کھیتی جس میں رنگ رنگ کے کھانے اور زیتون اور انار کسی بات میں

وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ ۖؗ وَلَا

ملتے اور کسی میں الگ کھاؤ اس کا پھل جب پھل لائے اور اس کا حق دو جس دن کٹے اور

تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۱۴۱﴾ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا

بے جا نہ خرچو بے شک بیجا خرچنے والے اسے پسند نہیں اور مویشی میں سے کچھ بوجھ اٹھانے والے اور کچھ زمین پر بچھے

مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۴۲﴾

کھاؤ اس میں سے جو اللہ نے تمہیں روزی دی اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو بیشک وہ تمہارا صریح دشمن ہے

ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَیْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَیْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَیْنِ

آٹھ نر و مادہ ایک جوڑ بھیڑ کا اور ایک جوڑ بکری کا تم فرماؤ کیا اس نے دونوں نر

حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَیَیْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَیْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَیَیْنِ ؕ نَبِّئُوْنِیْ بِعِلْمٍ

حرام کیے یا دونوں مادہ یا وہ جسے دونوں مادہ پیٹ میں لیے ہیں کسی علم سے بتاؤ

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَیْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَیْنِ ؕ قُلْ

اگر تم سچے ہو اور ایک جوڑا اونٹ کا اور ایک جوڑا گائے کا تم فرماؤ

ءٰٓالذَّكَرَیْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَیَیْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَیْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَیَیْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ

کیا اس نے دونوں نر حرام کیے یا دونوں مادہ یا وہ جسے دونوں مادہ پیٹ میں لیے ہیں کیا تم موجود

شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ

تھے جب اللہ نے تمہیں یہ حکم دیا تو اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر جھوٹ باندھے

كَذِبًا لِّیُضِلَّ النَّاسَ بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۴۴﴾ ع

کہ لوگوں کو اپنی جہالت سے گمراہ کرے بے شک اللہ ظالموں کو راہ نہیں دکھاتا

marfat.ocm

(۱۴۱) وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ ۔ نشا بمعنی خلق ۔ کہا جاتا ہے نشا الشی نشاۃ ، یہ اس وقت بولتے ہیں جب شے ظاہر اور بلند ہو جائے اور کہتے ہیں انشاء اللہ تعالیٰ بمعنی اظہرہ ورفعہ (جنّٰت) یعنی اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے پیدا فرمائے انگوروں کے باغات ۔ "معروشات" بلند ۔ اس سے وہ شے مراد ہے جو بلند تر ہو وَّغَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ غیر مرتفع یعنی زمین پر پھیلے ہوئے ۔ اس لئے کہ بعض انگور کے درخت بلند قامت ہیں اور بعض زمین پر پھیلے ہوتے ہیں یا معروشات سے وہ انگور کے درخت کہ جن کے لئے عروش بنائے جاتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو ابتداءً کدو اور تربوز کی طرح زمین پر بچھ کر اگتے ہیں ۔ دیکھئے بیلیں ۔ یا معروشات سے انگور کے وہ درخت مراد ہیں جن کے لئے عریش بنایا جاتا ہے کہ وہی اسے اٹھا کر مضبوط کئے ہوتا ہے کہ اگر وہ نہ ہو تو وہ زمین پر گر جائے جیسے کرم یعنی انگور کے خوشے وار اور بعض وہ ہیں کہ انہیں عریش کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنے پاؤں پر خود بخود کھڑے رہتے ہیں جیسے کھجور اور دیگر کھیتیاں اور دوسرے اشجار اور سبزیاں یا معروشات سے وہ انگور کے درخت مراد ہیں جنہیں باغات اور کھیتوں میں بوتے اور ان کی خصوصیت سے نگرانی کرتے ہیں ۔

اور غیر معروشات سے وہ انگور کے درخت مراد ہیں جو جنگلوں اور پہاڑوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت و تخلیق سے پیدا ہو جاتے ہیں اور ان پر نہ کوئی نگرانی ہوتی ہے اور نہ ان کی کوئی پرواہ کرتا ہے ۔

وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ اور کھجوریں اور کھیتیاں پیدا فرمائیں ۔

سوال : جب ان کا ذکر جنات میں آ چکا ہے تو پھر انہیں ذکر کرنے کا کیا فائدہ ؟

جواب : باغات کی تمام اشیاء سے اُن سے زیادہ فائدہ حاصل ہوتا ہے ۔ بنا بریں انہیں علیحدہ ذکر کیا گیا ہے ۔ الزرع سے وہ تمام دانے مراد ہیں کہ جن سے انسانی قوت کو تعلق ہے ۔

مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ ۔ یہ حال مقدرہ ہے اس لئے کہ باغات کی تخلیق کے وقت ان کی یہی حالت نہیں تھی بلکہ

بقیہ ص ۷۰۳

اللہ تعالیٰ تیرے تمام مقاصد پورے فرما دے گا ۔ منجملہ توکل میں یہ بھی ہے کہ کسی کی اولاد بھوک سے مر رہی ہو تو بھی اللہ تعالیٰ سے عرض کرے یا اللہ میں کیا عرض کروں یہ تیرے بندے ہیں تو ان سے جس طرح چاہے کر ۔ میں نے اپنے جملہ امور تیرے سپرد کر دیئے ہیں تو ہی اپنے بندوں کے حال خوب جانتا ہے ۔ حضرت صائب نے فرمایا ؎

فکر آب و دانہ در کنج قفس بے حاصلست
زیر چرخ اندیشۂ روزی چرا باشد مراد

ترجمہ : پنجرے کے کونے میں روزی کا فکر بے فائدہ ہے ۔ آسمان کے نیچے روزی کا اندیشہ کیوں ۔

marfat.ocm

بعد کو ہوتی یعنی کھجور اور کھیتی ہر دونوں کو جس ہیئۃ کیفیت سے کھایا جاتا ہے اُن کے اس وقت مختلف ثمر سے پیدا فرمائے۔

فائدہ : بغوی نے فرمایا اختلاف سے اُن کے ثمرات اور ذائقے میں کہ بعض ان میں میٹھے ہیں، بعض کھٹے، بعض اچھے ہیں اور بعض ردی **وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ** اور زیتون اور انار پیدا فرمائے۔

مُتَشَابِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ اس کی نصب حال ہونے کی وجہ سے ہے یعنی درانحالیکہ اُن کے بعض رنگ اور ہیئت اور ذائقہ میں ایک دوسرے کے ہمشکل اور بعض ہمشکل نہیں جیسے دو انار کہ رنگ دونوں کا ایک سا ہوتا ہے لیکن ان میں ایک میٹھا ہوتا ہے اور دوسرا کھٹا۔ **كُلُوا مِنْ ثَمَرِهٖ** ان ہر دونوں کے ثمرات کھاؤ اِذَا اَثْمَرَ جب وہ پھل دینا شروع کریں۔ اگرچہ ابھی کچے ہوں اور اَثْمَرَ کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں پکنے سے پہلے یعنی کچے بھی کھانا جائز ہیں۔ **وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ** غلے اور اُن کے کاٹنے کے وقت ان کے حقوق ادا کرو۔ اس میں مشہور قول یہی ہے کہ انہیں کاٹتے وقت مسکینوں پر صدقہ دینا چاہیے

فائدہ : ابتدائے اسلام میں کھجوروں انگوروں وغیرہ میوہ جات پختہ ہو جانے کے بعد جس وقت انہیں کاٹا جاتا تو غیر متعین مقدار میں کچھ نہ کچھ مسکینوں کو دینا واجب تھا۔ پھر جب عشر کی فرضیت نازل ہوئی اس کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

مسئلہ : جس کھیتی اور باغ وغیرہ کی آسمان کے پانی سے آبپاشی وغیرہ کی جائے تو اس کا عشر (دسواں حصہ) ادا کرنا واجب ہے۔

مسئلہ : اگر ان کا پانی کھینچ کر یا جانوروں کے ذریعے یا پانی کی قیمت ادا کرکے آبپاشی کی جائے تو اس میں نصف عشر د بیسواں ادا کرنا واجب ہے۔ **وَلَا تُسْرِفُوْا** اور صدقہ دینے میں اسراف نہ کرو۔

حکایت : مروی ہے کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پانچسو کھجوریں تھیں جب پک گئیں تو سب کو ایک دن میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں لٹا دیا اور اپنے بال بچوں اور اہل و عیال کیلئے کچھ بھی بچایا

حدیث شریف میں ہے کہ خرچ کرنے میں پہلے اپنے اہل و عیال کا خیال رکھو۔

فائدہ : بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ خطاب بادشاہوں کو ہے کہ اسے بادشاہو (حاکمو) رعایا سے اپنے حقوق سے زائد مال نہ لو۔ **اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ** بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کے کردار سے راضی نہیں ۱۴۲ **وَمِنَ الْاَنْعَامِ** اور بعض جانوروں کو پیدا فرمایا۔ **حَمُوْلَةً** بوجھ اٹھانے والے **وَفَرْشًا** اس سے وہ جانور مراد ہیں جو ذبح کیلئے پھلائے جاتے ہیں یا جن کے بالوں اور اُون سے بچھونے تیار

marfat.ocm

ہوتے ہیں انہیں بھی فرش کہتے ہیں شاید یہ مصدر سے لے کر موسوم کرنے کے قبیل سے ہے۔

كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ یہ مِن تبعیضیہ ہے اور ما سے حمولۃ اور فرش مراد ہیں یعنی ان جانوروں
وہ حصہ کھاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال فرمایا ہے یعنی حلال اشیاء۔ اس میں تصریح ہے کہ ان جانوروں
اللہ تعالیٰ نے اپنی بندوں کی خاطر اور اُن کی ضروریات کے لئے پیدا فرمایا ہے۔

سوال: جانوروں سے اور بھی منافع حاصل کئے جاتے ہیں مثلاً سوار ہونا، بوجھ لادنا وغیرہ کفار نے ان چیزوں
بھی انہوں نے سوائب وغیرہ کو اپنے اوپر حرام کیا ہوا تھا۔ تو پھر آیت میں صرف کھانے کی تخصیص کیوں ؟

جواب: چونکہ جانوروں سے انتفاع کی اشیاء میں سے گوشت کو اہمیت وعظمت حاصل ہے اس لئے
خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے علاوہ ازیں جانور کے لئے حلال وحرام کے مسائل اسی سے متعلق ہوتے ہیں۔

وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ یعنی شیطان کے اس راستہ کو چھوڑ
دو جس نے تمہیں اپنی طرف جانوروں کے حلال وحرام بنانے پر اُکسایا ہے اس لئے کہ وہ تمہیں گمراہی کی طرف بلاتا
ہے۔ **اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ** ۔ بے شک وہ تمہارے ساتھ کھلی دشمنی رکھتا ہے جس کا تمہیں بھی علم ہے
کہ اس نے تمہارے والد حضرت آدم علیہ السلام سے کیا کھیل کھیلا تھا۔

۱۴۳ **ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ** یہ حمولۃ وفرشا سے بدل ہے زوج ہر اس جوڑے کو کہتے ہیں جو دونوں ہمجنس
ہوں اور ان کے آپس میں جمع ہونے سے نسل بڑھے اور دیگر دو ہمجنسوں کو زوجان کہیں گے نہ کہ صرف زوج مثلاً
کہا جاتا ہے متراضان۔ متقصان۔ نہ کہ متراض ومتقص اس لئے کہ وہ دو ہیں اور یہاں پر ثمانیہ ازواج سے چار جوڑے مراد
ہیں جو آپس میں مل کر آٹھ ہو جائیں گے۔ **مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ** " ثمانیہ ازواج سے بدل ہے یعنی بھیڑ سے جوڑا
پیدا فرمایا۔ ایک نر دوسری مادہ اور ضان مشہور جانور ہے یعنی وہ جو صوف (اون) والا ہو۔

وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ اور بکری کے جوڑے سے یعنی اس کا نر و مادہ اور معز ہر وہ جانور جو بالوں والا ہو
قُلْ (اے پیارے حبیب) محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم انہیں فرمائیے **ءَ الذَّكَرَيْنِ** کیا ان دونوں مذکورہ دوجنسوں
بھیڑ اور بکری نروں کو حرام۔ اللہ تعالیٰ نے حرام کیا۔ جیسا کہ تمہارا گمان ہے کہ ان کے حرام ہونے کا انہیں اللہ تعالیٰ
نے حکم دیا ہے۔ **اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ** یا دو مادینوں (بھیڑ بکری) کو حرام کیا۔ **اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ**
یا انہیں کہ جن پر ان دونوں کے رحموں نے اٹھایا۔ یعنی دونوں مذکورہ مادینوں کے حمل کو حرام کیا وہ مذکر ہوں یا مونث
نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ مجھے کسی علم سے خبر دو۔ یعنی مجھے بتاؤ وہ امر جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی آسمانی کتاب میں یا
انبیاء علیہم السلام کے خبر دینے سے نازل ہوا ہو۔ اسے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان چیزوں کے متعلق حرمت
بھی نازل ہوئی تھی۔ **اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ** اگر تم سچے ہو۔ اس دعویٰ پر کہ ان اشیاء کی حرمت کا حکم من

marfat.ocm

جانب اللہ تعالیٰ ہے ۱۴۴ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ اور ایک جوڑا اونٹ کا۔ اس کا عطف من الضان اثنین پر یعنی اللہ تعالیٰ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ابل میں دو پیدا فرمائے اونٹ اور اونٹنی ومن البقر اثنین اور ایک جوڑا گائے کا نر اور مادہ۔ قُلْ آپ انہیں ذلیل سے کر خاموش کر دیجئے۔ آٰلذَّكَرَيْنِ اس نے ان میں سے دونوں نر حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ حرام کئے یا دونوں مادہ یا وہ جسے دونوں مادہ پیٹ میں لئے ہیں۔ ان دونوں قسموں میں سے۔ یہ تمام انکار ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان چار چیزوں میں سے کوئی شے بھی اُن پر حرام نہیں کی۔ نر ہو یا مادہ یا وہ جو ان کی مادینیاں لئے ہوئے ہیں اس سے ان کا رد کرنا مطلوب ہے اس لئے کہ کبھی وہ جانوروں کے نر حرام کر دیتے جیسے حامی وہ جب نر اونٹ سے دس گیا بھر حاصل ہو جاتے تو اسے چھوڑ دیتے نہ تو اس پر سواری کرتے نہ اس سے کوئی کام لی اور نہ اس کو پانی چارہ سے روکتے۔ اسے حامی کہتے اور کہتے کہ اب اس کی پیٹھ مضبوط ہو گئی ہے۔ اسی طرح وصیلہ بکری جب مادہ جنتی تو کہتے مرد کھائیں گے اور اگر نر جنتی تو وہ بتوں کے لئے دے دیتے۔ اگر دونوں نر و مادہ پیدا ہوتے تو یہ اپنے بھائی سے مل گئی ہے اور کبھی ان جانوروں کی مادہ حرام کر دیتے۔ جیسے سائبہ اور بحیرہ۔ زمانہ جاہلیت کے کفار کا یہ تھا کہ جو اونٹنی پانچ مرتبہ بچے جنتی اور آخر مرتبہ اس کے نر ہوتا اس کا کان چیر دیتے۔ پھر نہ اس پر سواری کرتے نہ اس ذبح کرتے۔ نہ پانی اور چارے پر سے ہانکتے اس کو بحیرہ کہتے اور جب سفر پیش ہوتا یا کوئی بیمار ہوتا تو یہ نذر کرتے میں سفر سے بخیریت واپس آجاؤں یا تندرست ہو جاؤں تو میری اونٹنی سائبہ (بحار) ہے اور اس سے نفع اٹھانا بحیرہ طرح حرام جانتے اور اس کو آزاد چھوڑ دیتے اور یہ بھی ان کی عادت تھی کہ بحیرہ اور سائبہ سے جو بچہ دودھ چھڑانے تک زند رہتا تو اسے ذبح کرنے پر اس کا گوشت مردوں کیلئے اور عورتوں کے لئے حرام کہتے اور اگر پہلے مر جائے تو اس گوشت میں مرد عورتیں سب برابر ہوتے۔ ایسی صورت میں مرد و عورت کا کوئی فرق نہ رہتا۔ اَمْ كُنْتُمْ شُ کیا تم موجود تھے۔ یہ ام منقطعہ بل اور ہمزہ کے معنی میں ہے اور ہمزہ میں انکار و توبیخ مطلوب ہوتی ہے اور بل امر میں ایک توبیخ سے اعراض کر کے بطریق دیگر دوسری توبیخ کی جاتی ہے۔ اِذْ وَصّٰكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ حکم دیا کہ ان چیزوں کو حرام کرو۔

جب تم نبی علیہ السلام کو مانتے بھی نہیں تو پھر ایک صورت باقی رہ جاتی ہے وہ یہ کہ تمہارے مذہب کا دارومدار اس پر ہو کہ تم مشاہدہ و معائنہ کے طور پر یا اللہ تعالیٰ سے براہ راست سننے کا دعویٰ کرو۔ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی كَذِبًا " تو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے یعنی اس کی طرف ایسی تحریم کی نسبت کرے جو نے حرام نہیں کی۔ لِيُضِلَّ النَّاسَ تاکہ لوگوں کو گمراہ کرے۔ یہ افتریٰ کے متعلق ہے۔ حضرت سعدی چلپی مفتی نے فرمایا کہ لام عاقبت کی ہے بغیر علم اپنی جہالت سے یہ لیضل کے فاعل سے حال ہے یعنی درانحالیکہ تم جہالت

(باقی ص۷۱ پر)

قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِیْ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ

تم فرماؤ میں نہیں پاتا اس میں جو میری طرف وحی ہوئی کسی کھانے والے پر کوئی کھانا حرام مگر یہ کہ مردار ہو یا رگوں

دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ

کا بہتا خون یا بد جانور کا گوشت وہ نجاست ہے یا وہ بے حکمی کا جانور جس کے ذبح میں غیر خدا کا نام پکارا گیا تو جو

اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ وَ عَلَى الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا

ناچار ہوا نہ یوں کہ آپ خواہش کرے اور نہ یوں کہ ضرورت سے بڑھے تو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور یہودیوں پر ہم نے حرام کیا

كُلَّ ذِیْ ظُفُرٍ ۚ وَ مِنَ الْبَقَرِ وَ الْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ شُحُوْمَهُمَاۤ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَاۤ

ہر ناخن والا جانور اور گائے اور بکری کی چربی ان پر حرام کی مگر جو ان کی پیٹھ میں لگی ہو

اَوِ الْحَوَایَاۤ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ؕ ذٰلِكَ جَزَیْنٰهُمْ بِبَغْیِهِمْ ۖ٘ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝۱۴۶

یا آنت یا ہڈی سے ملی ہو ہم نے یہ ان کی سرکشی کا بدلہ دیا اور بیشک ہم ضرور سچے ہیں

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَ لَا یُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ ۝۱۴۷

پھر اگر وہ تمہیں جھٹلائیں تو تم فرماؤ کہ تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے اور اس کا عذاب مجرموں پر سے نہیں ٹالا جاتا

سَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشْرَكْنَا وَ لَاۤ اٰبَآؤُنَا وَ لَا حَرَّمْنَا مِنْ

اب کہیں گے مشرک کہ اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے نہ ہمارے باپ دادا نہ ہم کچھ حرام ٹھہراتے

شَیْءٍ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ

ایسا ہی ان سے اگلوں نے جھٹلایا تھا یہاں تک کہ ہمارا عذاب چکھا تم فرماؤ کیا تمہارے پاس

مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ۝۱۴۸

کوئی علم ہے کہ اسے ہمارے لیے نکالو تم تو نرے گمان کے پیچھے ہو اور تم یونہی تخمینے کرتے ہو

قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝۱۴۹ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ

تم فرماؤ تو اللہ ہی کی حجت پوری ہے تو وہ چاہتا تو سب کو ہدایت فرماتا تم فرماؤ لاؤ اپنے وہ گواہ جو

الَّذِیْنَ یَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَ لَا

گواہی دیں کہ اللہ نے اسے حرام کیا پھر اگر وہ گواہی دے بیٹھیں تو تو اے سننے والے ان کے

تَتَّبِـعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَ هُمْ بِرَبِّهِمْ

ساتھ گواہی نہ دینا اور ان کی خواہشوں کے پیچھے نہ چلنا جو ہماری آیتیں جھٹلاتے ہیں اور جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور اپنے

يَعْدِلُوْنَ۠ ﴿۱۵۰﴾

رب کا برابر والا ٹھہراتے ہیں

تفسیر عالمانہ: قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِیْ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیَّ فرمائیے کہ میں نہیں پاتا اس میں جو میری طرف وحی ہوئی۔ ایسا طعام مُحَرَّمًا حرام۔ عَلٰی طَاعِمٍ اور پر کسی کھانے والے کے خواہ وہ مرد ہو یا عورت اس میں اُن کے اس عقیدہ کا رد ہے جو کہا کرتے کہ وہ طعام ہماری عورتوں پر حرام ہے۔ یَّطْعَمُهٗۤ جو اسے کھاتا ہے یہ طاعم کی تفسیر کے لئے ہے۔ اِلَّاۤ اَنْ یَّكُوْنَ مگر یہ کہ ہو وہ طعام مَیْتَةً مردار یعنی جسے شرعی طور ذبح نہ کیا جائے جیسے وہ جانور کہ جس کی گلا گھونٹ کر جان نکالی جائے۔ اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا یا رگوں کا بہتا ہوا خون۔

فائدہ: ہم نے رگوں کی قید لگائی ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ رگوں کے ماسوا دوسرے بہتا ہوا خون حرام نہیں جیسے جگر اور طحال کا خون۔ اس لئے کہ یہ خون جامد ہوتا ہے اور شرع نے انہیں مباح کیا ہے۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے دو مردار اور دو خون حلال کئے۔ دو مرداروں سے مچھلی اور مکڑی اور دو خونوں سے جگر اور طحال مراد ہیں۔

مسئلہ: وہ خون جو گوشت میں ہے کہ اس کا علیحدہ کرنا ناممکن ہے تو وہ بھی مباح ہے اس لئے کہ وہ بہتا ہوا خون نہیں۔ اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ اور خنزیر کا گوشت اس لئے کہ وہ رِجْسٌ نجاست ہے کیونکہ خنزیر کو نجاست کھانے کی عادت ہے۔

فائدہ: حضرت حدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس شے سے طبیعت کو طبعی نفرت ہو وہ رجس ہے اور یہ بھی

بقیہ ص ۵۰۸

ہے لاعلمی سے اور وہ اس لاعلمی سے دوسروں کو گمراہ کرتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں کو راہ نہیں دکھاتا یعنی اُن کی کسی حالت میں بھی اصلاح نہیں ہو سکتی نہ ہی جلدی اور نہ بدیر۔ جب ظالم سے ہدایت کی نفی ہے تو اظلم کو بطریق اَولٰی ہدایت نصیب نہ ہو۔

marfat.ocm

جائز ہے کہ فانہ کی ضمیر خنزیر کے گوشت کی طرف لوٹے اور وہ اس لئے کہ گوشت کو اہمیت حاصل ہے اگرچہ خنزیر نجس العین ہے کہ اس کا گوشت پوست اور اس کی چربی اور ہڈیاں اور بال سب حرام ہیں اور چونکہ ہر حیوان سے مطلوب گوشت ہوتا ہے اور اصالۃً حلت و حرمت اسی کی طرف منسوب ہوتی ہے اس لئے اس کے ذکر کی تخصیص مناسب ہوتی ہے اور باقی اشیاء گوشت کے تابع ہوتی ہیں۔

قاعدہ نحویہ حضرت سعدی چلپی مفتی مرحوم لکھتے ہیں کہ ضمیر کا لوٹنا مضاف کی طرف ہوتا ہے اور کلیہ قاعدہ ہے اس لئے مقصود بالذات تو وہی ہے اور مضاف الیہ اسے مفرد یا خاص کرنے کیلئے ہوتا ہے۔

اَوْ فِسْقًا اس کا عطف لحم الخنزیر پر ہے یا یہ کہ کوئی جانور ہو کہ **اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ** جس کے ذبح میں غیر اللہ کا نام پکارا جائے۔ یہ فسقًا کی صفت موضحہ ہے اور اسے فسق سے اس لئے تعبیر کرتے ہیں کہ ایسا جانور نرا فسق ہی فسق ہے۔ **فَمَنِ اضْطُرَّ** پس جسے ایسی ضرورت گھیر لے کہ اسے کھانے کے سوا اور کوئی چارہ نہ ہو۔ **غَيْرَ بَاغٍ** مجبوری پر نہ بغاوت کرنے والا ہو۔ **وَّلَا عَادٍ** اور نہ ضرورت سے بڑھنے والا۔ **فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ** بے شک تیرا رب غفور رحیم ہے یعنی بہت بڑی مغفرت و رحمت والا ہے کہ اس پر مواخذہ نہ فرمائے گا۔

فائدہ: یہ آیت محکمہ ہے اس لئے کہ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ حضور علیہ السلام نے الٰہی احکام کے خلاف اور کوئی حکم نہیں پایا اور نہ ہی اُن کے بعد کوئی اور وحی تحریم کے متعلق اُتری۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں میتۃ سے دنیا مردار مراد ہے اس لئے کہ وہ ایک خوشنما جیفہ ہے۔ چنانچہ کسی شاعر نے کہا۔

وما هي الا جيفة مستحيلة
عليها كلاب همهن اجتذابها
فان تجتنبها كنت سلما لاهلها
وَانْ تجتذبها نازعتك كلابها

دنیا ایک خوشنما جیفہ ہے اسے بہت سے کتے اپنی طرف کھینچنا چاہتے ہیں۔ اگر تم اس سے کنارہ کشی کرو گے تو دنیا داروں کے دکھ تکالیف سے محفوظ رہو گے اور اگر اسے تم اپنی طرف کھینچو گے تو تیرے ساتھ دنیا کے کتے خوب لڑیں گے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے ہاں وحی بھیجی کہ اے داؤد (علیہ السلام) یہ دنیا ایک جیفہ ہے جسے بہت سے کتے اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کر رہے ہیں کیا تم بھی اُسے اپنی طرف کھینچو گے۔ حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

marfat.ocm

ہمائے چوں تو عالی قدر حرص استخوانی حیف است
دریغا سایۂ ہمت کہ بر نا اہل افگندی

ترجمہ : تُو تو عالی ہمت ہما ہے تجھے ہڈی کا حرص ہے افسوس ہے افسوس ہے کہ تو نے سایہ ہمت نا اہل پہ ڈالا ہے۔

اور الدم المسفوح سے وہ شہوات لذات مراد ہیں کہ جن پر دین کا خون بہایا جاتا ہے اور لحم الخنزیر وہ نجاست جو شیطان کے عمل سے ہو کما قال تعالیٰ انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ اور حقیقت میں رجس طریق حق سے ہٹ جانے اور اُس سے دوری کا نام ہے۔

ولادت مبارکہ سے محل کسریٰ کو زلزلہ آگیا مروی ہے جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تو کسریٰ کے محل کو زلزلہ آگیا یعنی اسے ایسے زلزلہ آیا کہ اس سے اس سے حرکت کی آواز سنائی دیتی تھی۔

: رجس وہی ہے جو سالک کو حق سے دُور رکھے۔

او فسقا اھل لغیر اللہ بہ اس سے غیر حق کی طلب میں حق کی طلب سے نکل جانا مُراد ہے حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

خلاف طریقت بود کاولیا
تمنا کنند از خدا جز خدا

ترجمہ : یہ طریقت کے خلاف ہے کہ اولیاء خدا تعالیٰ سے غیر خدا کی تمنا کریں۔

امور مذکورہ بالا کا ارتکاب حرام ہے اس لئے کہ ان کے ارتکاب سے بندہ حق کے قرب سے محروم ہو جاتا ہے ہاں بقدر ضرورت حلال ہے اس لئے کہ مقولہ مشہور ہے کہ "الضرورت تبیح المحذورات" ضرورت ممنوع اشیاء کو مباح کر دیتی ہے۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا "تمعددوا واخشوشنوا" یعنی سعد بن عدنان کی اقتداء کر کے موٹا لباس پہنو اور ننگے پاؤں رہو۔ اس لئے کہ اس طرح سے تواضع حاصل اور تکبر ترفع سے نجات ملتی ہے۔

حدیث شریف ، حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ دنیا داری سے بچو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے دنیا داری کو پسند نہیں کرتے ؎

بناز و نعمت دنیا منہ دل
کہ دل برداشتن کاریست مشکل

ترجمہ • دنیا کے ناز و نعمتوں پہ دل نہ لگا۔ اس لئے کہ اس سے پھر دل اٹھانا مشکل ہے۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ وہ دنیا کی بے رغبتی اختیار کرے۔ بلکہ اسبابِ دُنیا سے کنارہ کش رہے جیسے حضرات انبیاء علیہم السلام اور کاملین اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے۔

حکایت • بعض بزرگوں سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ میں نے ایک درویش کو دیکھا کہ جنگل میں ایک کنویں سے پانی لینے آیا۔ جب کنویں میں ڈول ڈالا تو رسی ٹوٹ گئی اور ڈول کنویں میں گر گیا۔ اُس درویش نے وہاں تھوڑی دیر ر کہا کہ اے رب العالمین مجھے تیری عزت کی قسم ہے کہ میں ڈول لے کر جاؤں گا یا پھر کوئی اور حکم صادر فرما دیجئے تاکہ میں چلا جاؤں۔ درویش ابھی وہیں پہ کھڑا تھا کہ ایک پیاسا ہرنی کنویں پہ آ گئی اور کنویں کے اندر جھانکا تو کنویں کے پانی نے جوش مارا ر کنویں کے لبوں سے باہر اُبلنے لگا اور درویش کا ڈول بھی تیرتا ہوا باہر آ گیا۔ درویش یہ حال دیکھ کر رو دیا اور کہا یا العالمین میں اس ہرنی سے بھی گیا گزرا ہوں کہ اسے اتنا بڑا مرتبہ عنایت فرمایا اور مجھے اتنا پریشان فرمایا۔ اس پر تف غیبی نے جواب دیا کہ تم ڈول اور رسی لے کر آئے اور ہرنی تمام اسباب توڑ کر صرف اللہ تعالیٰ کے سہارے حاضر ئی اس لئے وہ تجھ سے بازی لے گئی۔

سبق • اس حکایت سے معلوم ہوا کہ سالک پہ لازم ہے کہ غیر اللہ سے کلی طور منقطع ہو جائے۔

تفسیر عالمانہ ۱۴۶ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا اور ان لوگوں پر جو یہودی ہیں یعنی یہ حکم صرف یہودیوں کیلئے ہے یہ پہلے لوگوں کے لئے اور نہ بعد والوں کے لئے۔ حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ہم نے ہر ن والے جانور کو حرام کیا۔

فائدہ • ہر انگلی والا جانور ذی ظفر کہلاتا ہے اس سے انگلیوں کے درمیان میں کشادگی ہو جیسے درندوں ر کتوں اور بلیوں کے تمام اقسام یا نہ ہو جیسے اونٹ اور شتر مرغ اور مرغابی اور بطخ۔

فائدہ • ان پر بعض ناخن والے جانور حلال تھے پھر جب انہوں نے نافرمانی کی سزا کے طور تمام ذی ظفر حرام ہو گئے من الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ یہ حرمنا علیہم شحومہما کے متعلق ہے اور گائے بکریوں کی چربی ہم نے اُن پر حرام کی نہ کہ گوشت ہ حرام تھا۔ بلکہ ان پر اُن کی حلت باقی رہی۔ شحوم بمعنی شحم ب یعنی چربی وغیرہ۔ إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَا یہ م سے مستثنیٰ ہے یعنی مگر وہ چربی جو ان کی پیٹھوں اور کمروں پہ ہے یعنی دونوں مونڈھوں سے لیکر دونوں رانوں ا اندر اور باہر والی چربی اُن کے لئے حلال ہے۔

أَوِ الْحَوَايَا اس کا عطف ظہورہما پہ ہے یعنی ان کی آنتوں وغیرہ پر جو چربی ہے وہ بھی اُن کیلئے حلال ہے الحوایا الحویہ کی جمع ہے کذا فی الصحاح بمعنی آنتیاں وغیرہ أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ اس کا عطف علیٰ ما حملت پہ ہے یا وہ چربی جو ہڈیوں سے ملی ہوئی ہوتی ہیں اس سے رانیں مراد ہیں اور اختلاط بمعنی اتصال ہے اور

marfat.ocm

ہڈی سے عصعص مراد ہے یعنی دم کی ہڈی جو پیٹھ کی انتہا سے شروع ہوتی ہے

فائدہ ، بعض روایات میں ہے کہ سب سے اسے پہلے پیدا کیا جاتا ہے اور مرنے کے بعد تمام ہڈیوں سے سب سے آخر میں یہی گلتی ہے۔ ذٰلِكَ یعنی جَزَیْنٰهُمْ ہم نے ان یہودیوں کو جزا دی بِبَغْیِهِمْ ان کی بغاوت یعنی ظلم کے سبب سے۔ ان کے ظلم یہ تھے (۱) انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کرنا۔ (۲) سود لینا۔ (۳) لوگوں کا باطل ذریعہ سے مال کھانا۔

قاعدہ ان کے لئے ضابطہ بن چکا تھا کہ گناہ کی سزا میں حلال اشیاء کو اُن پر حرام کر دیا جاتا تھا چونکہ اب یہ اُن کے منکر ہو گئے اور کہتے کہ یہ اشیاء جیسے ہم پر حرام ہیں گذشتہ امتوں پر بھی حرام تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے حلال کر کے اسے پھر مؤکد فرمایا کہ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ اور بے شک ہم سچے ہیں یعنی ان کی ہر بات کی خبر دینے میں۔

۱۴۷ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ پس اگر وہ آپ کی تکذیب کرتے ہیں اس سے یہود اور مشرکین مراد ہیں اور وہ ان کی تکذیب یہ تھی کہ حلال و حرام کی تفصیل جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی اس کا انکار کر دیا۔

فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ج پس فرمائیے تمہارا رب تعالیٰ بہت بڑی رحمت والا ہے کہ وہ تمہاری تکذیب کے باوجود تمہاری سزا میں عجلت نہیں کرتا لیکن تمہیں اس سے دھوکہ میں نہ رہنا چاہیے اس لئے کہ وہ تمہیں مہلت دے رہا ہے کہ کہیں سمجھ جاؤ۔ لہٰذا اس تصوّر میں نہ رہو کہ وہ تمہیں سزا بھی نہیں دے گا۔

وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ اور اس کا عذاب روکا نہیں جا سکتا۔ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ۔ مجرم قوم سے جب کہ نازل ہو گا۔ ۱۴۸ سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ عنقریب مشرکین کہیں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں شرک میں مبتلا کرنا نہ چاہتا مَآ اَشْرَكْنَا تو نہ ہم شرک کرتے وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ط اور نہ ہمارے آباء و اجداد اور نہ ہم کسی شے کو حرام کرتے اس سے ان کا منشا یہی تھا کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ راضی ہے (معاذ اللہ) كَذٰلِكَ اسی تکذیب کی طرح یعنی جیسے وہ کہتے ہیں کہ ہم نے شرک کیا یا جن اشیاء کو حرام بتایا یہ سب مشروع اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب و مرغوب ہیں اور یہ کہتے کہ اے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تم ان باتوں میں معاذ اللہ جھوٹے ہو جب کہ کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے شرک سے روکا ہے اور جن اشیاء کو تم حرام کہتے ہو انہیں اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں کیا۔ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اُن کے متقدمین نے سابقہ انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی حَتّٰى ذَاقُوْا یہاں تک کہ انہوں نے چکھا یہ حتیٰ امتداد التکذیب کی غایۃ کے لئے ہے بَاْسَنَا۔ ہمارا عذاب جو کہ ان کی تکذیب پر ہم نے اُن پر نازل کیا۔

قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ یہ مِن زائدہ ہے عِلْمٍ یعنی فرمائیے اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کیا تمہیں

عـه ، فقرہ یوں ہو تو بہتر ہو گا۔ گناہ کی سزا میں حلال اشیاء کو الی آخرہ۔

کوئی ایسا امر معلوم بھی ہے کہ جس سے تم اپنے دعویٰ پر حجت کے طور پیش کر سکو۔ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا اگر ہے تو اسے ہمارے سامنے پیش کرو۔ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ تم صرف گمان کی اتباع کرتے ہو یعنی جن امور کے تم مرتکب ہو رہے یعنی شرک اور حلال چیزوں کو حرام کہتے ہیں تم اپنے گمان کی تابعداری کر رہے ہو۔ حالانکہ وہ سراسر باطل اور جہالت پر مبنی ہے۔ ذرہ بھر بھی اس میں یقین کا شائبہ نہیں ہو سکتا۔ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ۔ اور تم اللہ تعالیٰ پر افتراء کر رہے ہو۔ ۱۴۹ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ یہ فاء محذوف شرط کی جزاء ہے اصل عبارت یوں تھی۔ وَاِذَا قَدْ ظَهَرَ اَنْ لَا حُجَّةَ لَكُمْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ۔ یعنی اور جب ظاہر ہو گیا کہ تمہارے ہاں کوئی دلیل نہیں تو اللہ تعالیٰ کے ہاں حجۃ بالغہ ہے۔

فائدہ: حجت بالغہ اس دلیل کو کہتے ہیں کہ متانت اور ثبات کے انتہا کو پہنچے یا ایسی دلیل کہ جس سے مدعی اپنے دعویٰ پر صحیح اترے۔ اس سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور ان کا بیان مراد ہے۔ فَلَوْ شَآءَ پس اگر اللہ تعالیٰ تم سب کو ہدایت دینا چاہے لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ تو تم سب کو ہدایت دیدے یعنی تمہیں اسلام لانے کی توفیق بخشے اور ہدایت کے اسباب تیار فرمائے لیکن وہ جسے ہدایت دینا چاہتا ہے تو اسے طریق حق کی طرف پھیر دیتا ہے اور اگر کسی کو گمراہ کرنا چاہتا ہے تو اس کے ارادے اسلام کے خلاف کر دیتا ہے۔

۱۵۰ قُلْ هَلُمَّ یہ اسم فعل ہے بمعنی احضروا یعنی اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرمائیے کہ حاضر کرو۔ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا اپنے لیڈروں کو جو ثابت کر دکھلائیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اسے حرام کیا ہے۔ شہداء سے ان کے وہ لیڈر مراد ہیں جن کے اقوال و اعمال کو وہ اپنا مذہب سمجھتے تھے۔ اس سے وہ شہداء مراد نہیں کہ اُلٹی سیدھی مار کر ان کا دعویٰ صحیح کر دکھائیں۔ اس لئے شہداء کے لفظ کو ان کی طرف مضاف فرمایا یہ حکم اس لئے سنایا تاکہ ان پر حجت قائم ہو کر انہیں معلوم ہو جائے کہ واقعی وہ گمراہی پر ہیں ورنہ اُن کے دعویٰ کی دلیل نہ اُن کے پاس تھی اور نہ ہی اُن کے لیڈروں کے پاس۔

فَاِنْ شَهِدُوْا بفرض محال اگر اُن کے لیڈر کچھ کہہ بھی دیں اور ثابت کرنے کی کوشش کریں کہ ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔ فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ تو آپ ان کی تصدیق نہ فرمائیں اس لئے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں۔ خالص جھوٹ ہے اور واضح طور اس کا فساد بیان کیا جا چکا ہے وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ۔ اور آپ ہماری آیات کی تکذیب کرنے والوں اور آخرت پر ایمان نہ لانے والوں کی اتباع نہ کریں۔ اس سے بتوں کے پجاری مراد ہیں موصول ثانی کے موصوف اول پر عطف ہے یہ عطف الصفۃ علی الصفۃ مع اتحاد الموصوف کے قبیل سے ہے اس لئے کہ جو آیات کی تکذیب کرتا ہے وہی آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔ اسی طرح بالعکس وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ

marfat.ocm

اور وہ اپنے رب کے ساتھ اس کا ہمسر مانتے ہیں اس کا عطف "لایؤمنون" پر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ ان لوگوں کی اتباع نہ کیجئے جو مذکورہ بالا اوصاف قبیحہ کے جامع ہیں۔

(۱) وہ آیاتِ الٰہی کی تکذیب کرتے (۲) آخرت کا انکار کرتے (۳) اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں اس معنی پر نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے روکا ہے بلکہ انہیں یوں فرماتا ہے کہ وہ ایسے بدبخت ہیں کہ ان جملہ امور بالا مذکورہ کے جامع اور ان صفات قبیحہ سے موصوف ہیں۔

فائدہ جامعہ اللہ تعالیٰ نے طیبات کو حلال فرما کر کافروں کے ان توہمات کا رد فرمایا جو اپنی طرف سے بعض اشیاء کو حرام کر دیا۔ اس لئے کہ دین کی بنا وحی پہ ہے نہ کہ خواہش نفسانی پر اور خبیث ترین چیزوں کو بھی حرام کیا۔ جیسے شراب اور مردار اور بہتا ہوا رگوں کا خون اور خنزیر وغیرہ یعنی ان کا جیسے کھانا پینا حرام ہے ایسے ہی بیچنا بھی حرام ہے۔ ایسے ہی اُن کے بیچنے سے جو قیمت حاصل ہوگی وہ بھی حرام ہے۔ اُن کے ماسوا ان اشیاء سے انتفاع جائز ہے۔ جیسے مردار کی چربی کو کشتیوں کے سوراخ پر لگایا جاتا ہے اور چمڑوں پر تیل کے طور پر لگاتے ہیں اور اُسے بعض لوگ روشنی کے لئے جلاتے ہیں یہ تمام امور حرام نہیں۔

فائدہ: جتنے امور اللہ تعالیٰ نے حرام کئے ہیں وہ بطور سزا کے تھے یا اُلٹا ان سے انعام دینا مطلوب تھا جیسے یہود پر ان اشیاء کی حرمت بطور سزا کے تھا اور اہلِ ایمان سے بعض چیزوں کی حرمت محض اس کا فضل وکرم ہے۔ اس لئے کہ اُسے معلوم ہے کہ ان اشیاء کا ضرر نفسانی یا روحانی ونفسانی ہے جیسے زہر کا ضرر اور دیگر وہ اشیاء کہ جن کے استعمال سے ہلاکت جان ہوتی ہے۔ دوسرا ضرر روحانی ہوتا ہے جیسے درندوں اور موذی جانوروں کا گوشت وغیرہ اس لئے کہ اُن کے گوشت سے ان کی عادات کا اثر کھانے والے کے نفسانی اخلاق پر پڑتا ہے۔

حدیث شریف: حضور علیہ السلام نے فرمایا "دودھ بھی عادات پر اثر انداز ہے۔"

حکایت: حضرت الشیخ ابو محمد الجوینی اپنے گھر میں داخل ہوئے۔ دیکھا کہ اُن کے صاحبزادے امام ابو المعالی کو غیر عورت دودھ پلا رہی ہے۔ آپ نے بچے کو اٹھایا الٹا دیا اور پیٹ کو ملنا شروع کر دیا اور منہ کے اندر انگلی دبا دی۔ اسی طرح بار بار کیا۔ یہاں تک کہ بچے نے پیا ہوا دودھ قے کر دیا حضرت شیخ نے فرمایا کہ میرا بچہ مر جائے تو مجھے اتنا رنج نہیں ہوگا۔ جتنا اس کا غیر عورت کے دودھ پینے سے غم والم ہوگا۔ پھر جب امام ابو المعالی رحمۃ اللہ تعالیٰ جوان ہوئے تو مناظرہ کے وقت ان کی طبیعت پر بوجھ پڑ جاتا۔ فرماتے یہ اس غیر عورت کے دودھ کا اثر ہے۔

فائدہ: ماں کے دودھ سے بچے کے عادات پر اثر پڑتا ہے اگر عورت نیک ہو تو بچے کو نیکی کی عادت ہوگی اگر عورت

marfat.ocm

بڑی تو بچہ کے عادات بھی بُرے ہونگے۔

فائدہ: حیوانات کے گوشت میں بھی بہت بڑی تاثیر ہوتی ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گائے بھینس کا دودھ اور گھی لازم پکڑلو اور ان کے گوشت سے بچو اس لئے کہ ان کے دودھ اور گھی میں شفا اور اُن کے گوشت میں بیماری ہے۔

سوال: اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کے نزدیک گائے بھینس کا گوشت ناجائز ہے حالانکہ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ آپ نے اپنی ازواج مطہرات کی قربانی کے لئے گائے ذبح فرمائی۔

جواب ۱: امام حلیمی نے گائے وغیرہ کے گوشت کو بیماری فرمایا۔ وہ بھی صرف اہل حجاز کی یبوست کے پیش نظر کہ انہیں بھی یبوست اور گوشت میں بھی یبوست۔ اس لئے اہل عرب کی بیماری لازمی امر ہے اور ان کی خشکی کا گائے کے دودھ اور گھی سے دُور ہونا ضروری۔ جس سے اُن کی شفا ضروری۔ بنابریں کہ آپ نے عرب کی طبع کے پیش نظر یونہی فرمایا اور یہی جواب موزوں تر بھی ہے ورنہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ازواجِ مطہرات کی قربانی کے لئے بری شے کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش نہ کرتے اور اسے بیماری اس یبوست اور اہل عرب کی یبوست کی وجہ سے تعبیر فرمایا۔

جواب ۲: گائے کو قربانی میں ذبح کرنا بیان جواز کے لئے ہے۔

جواب ۳: اس وقت آپ کو قربانی کے لئے صرف وہی گائے میسر آئی (کذا فی المقاصد الحسنہ) جواب اوّل موزوں تر ہے

جنوں سے حفاظت کا علاج گائے بھینس کے منجملہ فوائد کے ایک فائدہ یہ ہے کہ جو منہ نہار اس کا دودھ پچاس درہم کی مقدار پیئے تو اسے جنوں سے حفاظت ہوگی اگر اسے ہوگا بھی اس کے دودھ کی برکت سے دفع ہو جائے گا۔

مسئلہ: حضرت فقیہ ابو اللیث فرماتے ہیں کہ بقدر ضرورت طب کا پڑھنا مُستحب ہے بالخصوص جس بیماری میں مبتلا ہو اُس کے مضرات و مفیدات کے ضروری معلومات یاد کرلئے جائیں۔ اس لئے کہ علم دو ہیں (۱) علم الابدان (۲) علم الادیان (العلم علمان علم الابدان وعلم الادیان) علم الابدان کو مقدم فرمانے میں اشارہ فرمایا کہ اس کے ذریعہ انسان بلکہ دیگر حیوانات کے لئے شفا حاصل ہوتی اور جب کہ انسان کا جسم ہی بیمار ہو تو عبادتِ خداوندی نیز حقوق العباد میں کمی آئے گی اور اسی طرح دیگر حیوانات کا حال ہے بالخصوص وہ حیوانات جو کہ انسان سے متعلق ہیں۔ مثلاً اونٹ گائے بھینس گھوڑا بکری وغیرہ جو انسان کیلئے کارآمد ہیں۔

(باقی ص۷۱۹ پر)

marfat.ocm

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَّ
تم فرماؤ آؤ میں تمہیں پڑھ سناؤں جو تم پر تمہارے رب نے حرام کیا یہ کہ اس کا کوئی شریک نہ کرو اور
بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُم مِّنْ إِمْلَاقٍ ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ
ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اور اپنی اولاد قتل نہ کرو مفلسی کے باعث ہم تمہیں اور انہیں سب
وَإِيَّاهُمْ ۖ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۖ وَلَا تَقْتُلُوا
کو رزق دیں گے اور بے حیائیوں کے پاس نہ جاؤ جو ان میں کھلی ہیں اور جو چھپی اور جس جان کی
النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿١٥١﴾
اللہ نے حرمت رکھی اسے ناحق نہ مارو یہ تمہیں حکم فرمایا ہے کہ تمہیں عقل ہو
وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۚ وَأَوْفُوا
اور یتیموں کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر بہت اچھے طریقہ سے جب تک وہ اپنی جوانی کو پہنچے اور ناپ
الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَإِذَا قُلْتُمْ
اور تول انصاف کے ساتھ پوری کرو ہم کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتے مگر اس کے مقدور بھر اور جب بات کہو تو انصاف کی کہو
فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ۚ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ
اگرچہ تمہارے رشتہ دار کا معاملہ ہو اور اللہ ہی کا عہد پورا کرو یہ تمہیں تاکید فرمائی کہ کہیں تم
تَذَكَّرُوْنَ ﴿١٥٢﴾ وَأَنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ
نصیحت مانو اور یہ کہ یہ ہے میرا سیدھا راستہ تو اس پر چلو اور اور راہیں نہ چلو
فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ۚ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿١٥٣﴾ ثُمَّ اٰتَيْنَا
کہ تمہیں اس کی راہ سے جدا کر دیں گی یہ تمہیں حکم فرمایا کہ کہیں تمہیں پرہیزگاری ملے پھر ہم نے موسیٰ کو
مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ أَحْسَنَ وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّ
کتاب عطا فرمائی پورا احسان کرنے کو اس پر جو نکوکار ہے اور ہر چیز کی تفصیل اور ہدایت
رَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٥٤﴾
اور رحمت کہ کہیں وہ اپنے رب سے ملنے پر ایمان لائیں

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ ۱۵۱ قُلْ اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کفار مکہ سے فرمائیے تَعَالَوْا یہ تعالیٰ کا امر ہے دراصل اس لفظ سے اونچے مکان پر چڑھ کر نیچے والے کو بلانے کیلئے وضع کیا گیا لے گویا جیسے نیچے ہیں یا اپنی طرف متوجہ کرنا مطلوب ہوتا ہے تو اس کلمہ سے مخاطب کو بلایا جاتا ہے بلانے والا خواہ اوپر ہو یا نیچے

لے: جیسے انگریزی دان کہا کرتے ہیں come up یا come on اس سے اُن کی مراد دوسرے کو مخاطب کرنا تقاضے زوردار لہجے میں ہوتا ہے۔

بقیہ صفحہ

مسئلہ: بوقت ضرورت علماء نے حرام اشیاء سے علاج کی اجازت بخشی ہے

مسئلہ: اشیاء میں سے کہ طعام میں جب تغیر آ جائے (یعنی عفونت) تو وہ پلید ہو جاتا ہے

مسئلہ: شوربہ، زیتون، گھی میں جب بدبو پیدا ہو جائے تو ان کا کھانا حرام نہیں۔

مسئلہ: مرغی ذبح کر کے اس کا پیٹ چاک کئے بغیر ہانڈی پر چڑھا دی جائے تو وہ پانی بھی پلید اور نجاست ہوا بھی (خواہ پانی کے بغیر بھونی ہی جائے) ہاں بلی اُسے اٹھا کرے جائے لیکن خود اس کے آگے نہیں رکھیں گے۔ (یہ احتیاطی حکم ہے)

سبق دانا پر لازم ہے کہ بدن کو ضرر پہنچانے والی اشیاء سے احتراز کرے بدن کے مضرات میں پیٹ بھر کھانا بھی شمار ہوتا ہے۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ بیماریوں کا اصل پیٹ بھر کر کھانا اور اس کا علاج بھوکا رہنا ہے ؎

آں حکیمے کہ دُر حکمت سفت
کُلُوا قلیلا تعش کثیرا گفت

ترجمہ: اس حکیم نے حکمت کے موتی پروئے ہیں فرمایا کہ تھوڑا کھا بڑی عمر تک زندگی بسر کرے گا۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

ندارند تن پروراں آگہی
کہ پُر معدہ باشد ز حکمت تہی

ترجمہ: نہیں رکھتے تن پرور خبر اس لئے کہ معدہ کو پُر کرنے والے حکمت سے خالی ہوتے ہیں۔

marfat.ocm

اوپر نیچے کے الفاظ محض محاورہ کیلئے ہیں ورنہ واقعۃً ایسا ہونا ضروری نہیں) اُتْلُ یہ تَعَالَوْا امر کا جواب ہے اس لئے مجزوم ہے بمعنی اقرا یعنی آؤ میں تمہیں پڑھ سناؤں مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ وہ چیزیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر حرام فرمائی ہیں یعنی وہ آیات پڑھ کر سناؤں جن میں اشیاء کی حرمت کا بیان ہے۔ عَلَيْكُمْ یہ حَرَّمَ سے متعلق ہے ان مفسرہ اور لَا ناہیہ ہے۔ تُشْرِكُوْا بِهٖ اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک نہ بناؤ۔ شَيْئًا اس کی تنوین تنکیر کی ہے۔

قاعدہ تفسیریہ ان تین آیات میں یعنی لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ الخ سے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ تک دس خصلتوں جو تمام بھلائی کی جامع ہیں کا بیان ہے اور تمام آسمانی کتب تا قرآن مجید میں منسوخ ہو کر مندرج ہو رہی ہیں یہ تمام خصلتیں تمام بنی آدم پر حرام ہیں اور تمام زمانوں اور تمام امتوں میں بحال رہی ہیں کبھی ان میں تغیر و تبدل اور اختلاف نہیں ہوا۔ وہ دس خصلتیں یہ ہیں

(۱) لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا شرک کے بیان میں تقدیم اس لئے ہے کہ یہ راس المحرمات ہے مشرک کی کوئی نیکی بھی قبول نہیں ہوتی۔ شرک دو قسم ہے (۱) جلی یعنی بتوں کی پرستش شرک جلی ہے (۲) خفی یعنی اللہ تعالیٰ واحد قہار کے ساتھ اغیار کا خیال (صوفیاء کے نزدیک) شرک خفی ہے ؎

تا دم وحدت زدی حافظ شوریدہ حال
خامہ توحید کش بر ورق این و آن

ترجمہ: توحید کا دم بھرتا ہے تو اے حافظ شوریدہ حال تو تجھے چاہیے کہ توحید کا قلم این و آن کے ورق پر

(۲) وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اور ماں باپ سے احسان کرو یعنی ان کی نافرمانی نہ کرو۔ اس لئے کہ ان کی نافرمانی حرام ہے

(قاعدہ) شے کا امر اس کی ضد کی نہی کو مستلزم ہے جیسے احسان کے امر سے بدزبانی کی نہی ثابت ہوئی اسی طرح فرمایا اَوْفُوْا اس میں کم تولنے کی نہی ہے۔

سوال: اگر نہی مطلوب ہے تو پھر اسے امر سے کیوں تعبیر کیا ہے؟

جواب: تاکہ حقوق کی رعایت میں مبالغہ ہو اس لئے کہ محض ان کے حقوق کی ادائیگی میں ترک اساءت ناکافی ہے ان دس خصلتوں میں یہ دوسری خصلت ہے۔

سوال: تحریم شرک کے بعد تحریم عقوق کے ذکر میں کیا راز ہے۔؟

جواب: والدین بچے کے لئے قریبی سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ بندے کا موجد ہے تو والدین کو پرورش کے لحاظ سے درجہ ثانویہ حاصل ہے فلہٰذا ان کے حقوق کی ادائیگی میں سستی کرنے کا نام عقوق ہے اور یہی شرک بعد کبیرہ گناہ ہے

حکایت ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے جنگل میں جا رہا تھا۔ دیکھا کہ اچانک میرے ساتھ ایک بزرگ چل رہے ہیں۔ مجھے ان سے تعجب ہوا اور خیال گزرا کہ یہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔ میں نے اُن سے عرض کیا کہ آپ کو خدا تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں سچ فرمائیے آپ کون ہیں انہوں نے فرمایا میں تیرا بھائی خضر ہوں۔ میں نے عرض

marfat.ocm

کیا آپ میرے ساتھ کیوں چل رہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا چونکہ تم اپنی والدہ کے فرمانبردار ہو اس لئے میں تمہارے ساتھ چلنے پر مامور ہوں ۔

جنت کہ سرائے مادر انست
زیر قدمات مادر انست

ترجمہ : وہ جنت جسیں ہماری سرائے ہے وہ ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔

(۳) وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو یعنی اپنے بچوں کو زندہ درگور نہ کرو۔
مِنْ اِمْلَاقٍ تنگ دستی کی وجہ سے اتفاق یعنی زاد و نفقہ کو جاری کرنا۔ مثلاً کہا جاتا ہے املق الرجل یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی زاد و نفقہ کا انفاد کرے ملق سے ماخوذ ہے بمعنی طلب مراد میں اپنی جد و جہد خرچ کرنا
نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ہم تمہیں اور انہیں رزق دیں گے فلہذا فقر و افلاس سے نہ ڈرو اس خطرہ سے کہ تم رزق کیسے حاصل کرسکوگے۔

یہ تیسرا حکم ہے ان دس خصلتوں میں جن کے متعلق پہلے بیان کیا گیا ہے
نکتہ : بچوں کو قتل کرنے کی رکاوٹ اس لئے ہے کہ اس طرح سے اللہ تعالیٰ کے دین کی بنیاد کو ڈھانا ہے اور ملعون ہے وہ جو اللہ تعالیٰ کے دین کی بنیاد کو ڈھاتا ہے اور اس طرح سے اس کے درخت کا ثمرہ توڑنا اور اس کی کھیتی کو اجاڑنا اور نسل کو قطع کرنا اور امر رزق میں توکل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔ ان امور سے تکذیب الٰہی لازم آتی ہے اس لئے کہ اس کا وعدہ ہے وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔ ؎

ما آبروئے فقر و قناعت نمی بریم
با پادشاہ بگوئے کہ روزی مقداست

ترجمہ : ہم نے فقر و قناعت کی قدر نہ کی۔ بادشاہ کو کہہ کہ روزی مقدر ہے۔
(۴) وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ (اور زنا کے قریب نہ جاؤ) نکتہ فواحش جمع کے صیغہ میں لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ زنا کے جمیع انواع حرام ہیں۔ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ" سے الفواحش سے بدل الاشتمال ہے۔ مَا ظَهَرَ سے وہ زنا مراد ہے جو گھروں میں عام زنا کیا جائے۔ جیسے کہ رذیل لوگوں کی عادت ہے۔ وَمَا بَطَنَ سے وہ زنا مراد ہے جو چوری چھپے کیا جائے۔ جیسے شرافت کے مدعیوں سے اس طرح کی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔

یہ ان دس خصلتوں سے چوتھا حکم ہے
نکتہ : زنا سے قریب جانے کی نہی سے مبالغہ مقصود ہے یعنی یہ ایسی گندی خصلت ہے کہ اس کے قریب بھی نہ جانا چاہئے۔

مسئلہ: اس میں وہ اعمال بھی داخل ہوں گے جو بہشت سے دوری اور دوزخ میں داخلے کا سبب بنتے ہیں مَا ظَهَرَ کا یہی مطلب ہے اور بعض امور وہ ہیں جن سے اگرچہ بہشت سے دوری اور دوزخ کے داخلہ کا سبب تو نہیں لیکن حق سے دور اور محجوب بنا دیتے ہیں یہ مَا بَطَنَ سے یہی مراد ہے۔

فائدہ: مَا ظہر سے وہ گناہ مراد ہیں جن کا ارتکاب ہو جائے اور مَا بَطَنَ سے وہ جو ابھی ارادہ میں ہیں اور آنکھ کا زنا بھی اس میں داخل ہے ؎

ایں نظر از دور چوں تیر است و سم
عشقت افزوں میشود صبر تو کم

ترجمہ: یہ نگاہ دور سے تیر و زہر کی طرح ہے اس سے عشق بڑھے گا اور صبر کم۔

اعجوبہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مرد میں شیطان کے تین گھر ہیں۔ (۱) دونوں آنکھیں (۲) قلب (۳) اور ذکر اور عورت میں بھی اس کے تین گھر ہیں۔ (۱) دونوں آنکھیں (۲) قلب (۳) دامن۔

(۵) وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ اور اس نفس کو قتل نہ کرو جس کا قتل اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے یعنی احکام اسلام کی رو سے یا اس سے معاہدہ ہوا ہے۔ اس سے حربی خارج ہوا کہ اس کے قتل کرنے میں حرج نہیں اس لئے کہ اس کے قتل سے نہ اللہ تعالیٰ نے روکا ہے اور نہ ہی اس سے معاہدہ ہوا ہے۔

اِلَّا بِالْحَقِّ۔ یہ استثناء مفرغ ہے یعنی اس کا مستثنیٰ منہ اعم الاحوال مقدر ہے یعنی اسے کسی حال میں بھی قتل نہ کرو۔ مگر بوقت حق سے ملابس ہونے کے اور وہ شرع کا حق ہے یعنی جس کے قتل میں شرع نے اجازت بخشی ہے اور وہ یہ ہیں (۱) مرتد ہونے کے بعد (۲) شادی شدہ کا زنا کرنا (۳) نفس معصومہ کو قتل کرنے کے بدلے میں۔ یہ ان دس خصلتوں میں سے پانچواں حکم ہے۔

نکتہ: کسی کو ناحق قتل کرنے میں امر حق کی تعظیم اور شفقت علی الخلق کا ترک لازم آتا ہے اور یہ دونوں امر دین کی بنیاد ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: دراصل قتلِ حق یہ ہے کہ بندہ طلب حق میں مر جائے اور جو راہِ حق میں مر جائے حقیقۃً وہ زندہ ہے۔

حکایت: حضرت ابو سعید خراز رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مکہ معظمہ میں ایک دن میرا بنو سقیفہ کے ایک گھر سے گزر ہوا۔ میں نے ایک نوجوان کو مردہ پایا۔ میں نے اسے جھانک کر دیکھا تو اس نے میرے دیکھنے پر آنکھ کھول اور ہنس پڑا اور فرمایا اللہ والے مرتے نہیں۔ بلکہ وہ زندہ رہتے ہیں۔ وہ ایک دار سے منتقل ہو کر دوسری دار میں چلے جاتے ہیں ؎

شو بمرگ ز امداد اہل دل نا اُمید ؎
کہ خواب مردم آگاہ عین بیداریست

ترجمہ: اللہ والوں کی موت کے بعد ان کی امداد سے ناامید نہ ہو، کیونکہ مردم آگاہ، مردانِ خدا کی نیند میں بیداری ہے۔
ذٰلِکُمْ: یہ مذکورہ بالا امورِ خمسہ کی طرف اشارہ ہے۔ وَصّٰکُمْ بِهٖ: تمہیں ان امور کی اللہ تعالیٰ نے وصیت فرمائی ہے یعنی ان کی حفاظت کا تاکیدی حکم فرمایا ہے۔ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ: تاکہ تم سمجھ جاؤ یعنی اگر عقل سے کام لو تو ان امورِ قبیحہ کے ارتکاب سے تمہیں خود بخود رکنا پڑے گا۔

۵ (۱۵۲) وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ: مالِ یتیم کے قریب نہ جاؤ۔ یعنی ان کے مال کا کسی حال میں بھی تعرض نہ کرو۔

فائدہ: یتیم انسانوں میں اسے کہا جاتا ہے کہ جس کا بچہ بلوغت سے پہلے باپ فوت ہو جائے اور حیوانوں میں اسے کہتے ہیں جس کی ماں مر جائے اور یہ خطاب یتیموں کے متولیوں اور وصیوں کو ہے۔ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ: مگر اس خصلت سے کہ یہ اچھی ہے یعنی اس کے مال کی حفاظت کرتے ہوئے بقدر ضرورت کچھ کھا لیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ: یعنی یتیم کے مال کی اس وقت تک حفاظت کرو جب کہ وہ بالغ اور سمجھدار ہو جائے۔ اس کے بعد اس کا مال اس کے حوالے کر دو۔

مسئلہ: حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پختہ عمری پچیس سال تک ہو جاتی ہے جب لڑکا اس عمر کو پہنچے تو اس کا مال اس کے حوالے کر دیا جائے لیکن شرط یہ ہے کہ پاگل نہ ہو۔

صرفی تحقیقات: **فائدہ:** جوہری نے لکھا کہ اَشُدّ بمعنی قوت اور یہ پندرہ سے اٹھارہ تیس سال تک کے درمیانی عمر کا نام ہے، یہ آنُک کی طرح واحد ہے اور جمع کے وزن پر آیا ہے۔ اس کے سوا باقی اور کوئی صیغہ واحد ہو کر جمع کے وزن پر نہیں آتا۔ سیبویہ نے کہا کہ یہ جمع ہے اس کا واحد شدہ ہے۔

فائدہ: یہ ان خصلتوں میں سے چھٹا حکم ہے۔

نکتہ: یتیم کے مال کی حفاظت کا حکم اس لئے دیا ہے کہ یتیم عاجز ہوتا ہے اس کے عجز کے پیش نظر اللہ تعالیٰ خود اس کا متولی ہوا اور اپنے بندوں کو حکم دیا کہ وہ اس پر نظرِ شفقت فرما کر اس کے حقوق کی نگرانی کریں۔ ؎

الا تا نگرید کہ عرشِ عظیم
بلرزد ہمی چوں بگرید یتیم

ترجمہ: خبردار یتیم نہ روئے کیونکہ عرشِ عظیم کانپ جاتا ہے جب یتیم روتا ہے۔

(ع) وَاَوْفُوا الْكَيْلَ: تکیلات کو پورا بھر دو یعنی انہیں مکمل کر کے کسی شے کو نہ گھٹاؤ۔ وَالْمِيْزَانَ: اور وزن والی چیزوں کو ترازو سے پورا تولو۔ بِالْقِسْطِ: اَوْفُوْا کے فاعل سے حال ہے یعنی ان دونوں کو پورا کرو۔ درآنحالیکہ تم عدل کرنے والے ہو۔ قسط بمعنی عدل۔

سوال : ایفاء الکیل والمیزان قسط (عدل) کا دوسرا نام ہے پھر تکرار کا کیا فائدہ ؟

جواب : اس میں اشارہ ہے کہ دینے والے کو چاہیے کہ حق والے کو پورا پورا حق ادا کرے۔ اسی طرح لینے والے پر بھی لازم ہے کہ وہ صرف اپنا حق کا مطالبہ کرے۔ لالچ کر کے زائد کا طالب نہ ہو۔

لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ہم کسی کو اس کی طاقت سے زائد تکلیف نہیں دیتے یعنی جتنا اس سے آسانی سے ہو سکے وہ اس پر گراں نہیں ہوتا۔

سوال : اوامر کے بعد ہی اسے بیان کیا گیا ہے۔ اس کا کیا فائدہ۔

جواب : تاکہ معلوم ہو کہ بندے سے جملہ امور کی حقیقی طور پابندی مشکل ہے اس لئے کہیں گھبرا کر اُن پر عمل کرنا چھوڑ نہ دے اس سے اُسے تسلی ہو کہ ما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ میں نجات ہے جتنا اس سے ہو سکے بجا لائے اور جو اس سے نہیں ہو سکتا اس پر مالک مواخذہ نہیں فرمائے گا۔

مسئلہ : جو شخص بھر تول میں اپنے خیال سے کمی بیشی نہیں کرتا۔ بلکہ اپنے خیال سے اُسے صحیح بھر تول سمجھتا ہے تو اس سے اگرچہ معمولی کمی بیشی ہو جائے تو وہ اسے معاف ہے۔ اُس سے کسی قسم کی گرفت نہیں ہوگی۔

مسئلہ : جو بھر تول میں کمی بیشی کرتا ہے تو اس کو معاف نہیں کیا جائے گا۔

سبق : انسان کو چاہیے حتی الامکان کوتاہی نہ کرے۔ اگر بے خبری میں غلطی ہو جائے تو معاف ہے۔

حکایت منقول ہے کہ ایک شخص بھر تول میں عمداً کمی بیشی کرتا تھا جب اس پر نزع طاری ہوئی تو اُسے لا الٰہ الا اللہ (کلمہ توحید) کی تلقین کی گئی تو کہنے لگا کیا کروں میری بھر تول کا ترازو میری زبان پر چڑھا ہوا ہے اس لئے کلمہ توحید پڑھا نہیں جا سکتا۔ اس سے پوچھا گیا کیا تم بھر تول میں عمداً کمی بیشی کیا کرتے تھے اُس نے کہا نہیں صرف اتنی غلطی ہوئی ہے کہ کبھی ترازو کے پلڑے میں گرد و غبار کو صاف کئے بغیر سودا دے دیتا تھا چونکہ اس گرد و غبار کی مقدار گاہک کو نقصان ہوتا تھا۔ بنابریں حقوق غیر میں میری گرفت ہو رہی ہے۔

سبق : غور کیجئے جب معمولی گرد و غبار سے اتنی سخت سزا تو جو لوگ منوں کے من ہڑپ کر جاتے ہیں ان کا کیا حشر ہوگا۔

حکایت حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ کا ایک ہمسایہ تھا۔ اس پر نزع طاری تھی۔ آپ اس کے ہاں تشریف لے گئے اور حال پوچھا تو اس نے کہا آگ کے دو پہاڑ میرے سامنے ہیں اور مجھے حکم ہوتا ہے کہ ان پر چڑھ جاؤں۔ لیکن میرے سے چڑھا نہیں جاتا۔ حضرت مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اُس کے گھر والوں سے پوچھا کہ اس کا عمل کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ اس کے دو طرح کے ترازو تھے دینے کا اور لینے کا اور۔ میں کہا دونوں کو میرے ہاں لے آؤ۔ جب ترازو آپ کے ہاں لایا گیا تو آپ نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ پھر پوچھا تو اس نے کہا کہ اُلٹا اُس سے اور زیادہ مصیبت بڑھتی ہے۔

marfat.ocm

فائدہ: یہ ان دس خصلتوں سے ساتواں حکم ہے۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ ہر چیز کا پیمانہ وزن رکھو اور میزانِ شرع سے حقوق کا جو تعین ہے پورے کرو اور اپنے استعداد کے مطابق حظوظ کی تکمیل کرو۔ ؎

ہر کسی بقدر بال و پر خویش می پرد

ترجمہ: ہر شے اپنے بال و پر کی طاقت کے مطابق اڑتی ہے۔

(۸) وَاِذَا قُلْتُمْ اور جب تم احکام حکومت کے متعلق بات کہو یا گواہی میں اور اسی طرح جملہ امور میں فَاعْدِلُوْا تو عدل و انصاف سے کام لو۔ وَلَوْ كَانَ اور اگرچہ مقول لہ ہو یا مقول علیہ ذَا قُرْبٰى تمہارا رشتہ دار ہو۔ تو رشتہ داری کی وجہ سے اس کی رعایت نہ کرو کیونکہ کا سب کا دار و مدار حق شرع کی اتباع اور طلب رضائے الٰہی میں ہے نہ کہ رشتہ داری اور غیر رشتہ داری پر۔

فائدہ: یہ دس خصلتوں میں سے آٹھواں حکم ہے

تفسیر صوفیانہ: عدل کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں غیریت کا شائبہ نہ ہو اور ہر کلام اللہ تعالیٰ کے لئے اسی کی قیل و قال ہو اور یہ بات صرف اہلِ تحقیق کو نصیب ہوتی ہے اس لئے کہ دوسروں کے کلام میں کوئی غرض مضمر ہوتی ہے ؎

بانگ ہدہد گر بیاموزد فتی
راز ہدہد کو و پیغام سبا

ترجمہ: ہدہد کی اگر آواز کسی نے سیکھ لی تو اسے چاہیے کہ ہدہد اور سبا کا راز سمجھائے۔

(۹) وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا اور اللہ تعالیٰ کا معاہدہ پورا کرو جو اس سے ہوا۔ وہ جس طرح کا بھی ہو مثلاً عدل و انصاف سے کام لینا۔ احکام شرع ادا کرنا۔ وغیرہ وغیرہ۔

فائدہ: عہد اپنے فاعل کی طرف مضاف ہو تو اس سے یا وہ معاہدہ مراد ہوتا ہے جو ہم ایمان و نذور کے ذریعہ معاملات کرتے ہیں یا اس سے وہ ایفائے عہد مراد ہوتا ہے جو انسان آپس میں کرتے ہیں۔ یا اس سے وہ ایفائے عہد مراد ہوتا ہے جو انسان آپس میں کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس لئے مضاف ہے کہ اس نے اس کے ایفاد و حفاظت کا حکم فرمایا ہے ؎

وفا و عہد نکو باشد ار بیاموزی
وگرنہ ہر کہ تو بینی ستمگری داند

ترجمہ: وعدہ وفائی اگر تم سیکھو تو اچھا ہے ورنہ جسے بھی دیکھو وہ ظلم کرنا جانتا ہے۔

marfat.ocm

یہ ان دس خصلتوں سے نواں حکم ہے۔

تفسیر صوفیانہ

حقیقی عہد یہ ہے کہ بندہ اپنے مولیٰ کی عبادت کے سوا کسی کی عبادت نہ کرے اور صرف اُسی کی محبت میں مستغرق ہو۔ سوائے اس کے اور کسی کو نہ دیکھے ؎

از دم صبح ازل تا آخر شام ابد
دوستی و مہر بر یک عہد و یک میثاق بود

ترجمہ، صبح ازل سے لے کر ابد کی شام تک دوستی و مہر و محبت ایک عہد و میثاق پر ہے۔

ذٰلِکُمْ، یہ چاروں امور بالا کی طرف اشارہ ہے جو ابھی مذکور ہوئے وَصّٰکُمْ بِہٖ اُس کی تمہیں اللہ تعالیٰ نے وصیت فرمائی یعنی تاکیدی امر فرمایا ہے۔ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ تاکہ تم نصیحت حاصل کرو یعنی اُن کی تاکید کو سمجھ کر اُن کے مقتضیٰ پر عمل کرو۔

۱۵۳ وَاَنَّ یہاں لام مقدر ہے اور یہ پچھلے امر کی علت ہے یعنی اس لئے کہ ھٰذَا یہ اس سورۃ کے مضمون یعنی اثبات توحید و نبوت اور بیان شریعت کی طرف اشارہ ہے صِرَاطِیْ میرا مسلک اور میری شریعت ہے۔ شریعت کو طریقہ الٰہی اس لئے کہا گیا کہ اس کی وجہ جنت کے ثواب کو حاصل کیا جاتا ہے اور یاء متکلم سے حضور علیہ السلام مُراد ہیں اور وہ اس لئے کہ آپ اس راستہ پر چلتے ہیں اور اس نسبت سے صراط کو حضور علیہ السلام کی طرف مضاف کیا گیا نہ اس وجہ سے کہ آپ ہی اس کے واضع ہیں اس لئے کہ اس کا واضع اللہ تعالیٰ ہے اس اعتبار سے اسے صراط اللہ کہا جاتا ہے۔ مُسْتَقِیْمًا سیدھی راہ اور نہایت مضبوط یہ حال موکدہ ہے۔ فَاتَّبِعُوْہُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ۔ پس اس کی تابعداری کرو اور دوسرے راستوں کی اتباع نہ کرو۔

فائدہ، دوسرے راستوں سے وہ راستے مُراد ہیں جو صراط مستقیم کے خلاف ہیں جیسے یہودیت و نصرانیت اور دیگر گمراہی ملتیں۔ فَتَفَرَّقَ بِکُمْ یہ مضارع منصوب ہے اس لئے کہ فاء کے بعد ان مقدر ہے اس لئے کہ نہی کے جواب میں جب فاء مضارع پر ہوتی ہے وہاں ان مقدر ہوتا ہے اور مضارع کی دوسری تاء بھی محذوف ہے۔ دراصل فَتَتَفَرَّقَ تھا۔ اور یہ باء تعدیہ کی ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہی مختلف راستے تمہیں متفرق کر کے ہٹا دیں گے۔ عَنْ سَبِیْلِہٖ اللہ تعالیٰ کے راستہ سے یعنی اس کے اِس دین سے جسے وہ پسند کرتا ہے اور جس کی اس نے تمہیں وصیت فرمائی ہے اس سے دین اسلام مُراد ہے۔

فائدہ، اس سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام کا راستہ بعینہٖ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے۔

فائدہ، یہ اُن دس خصلتوں میں سے دسواں حکم ہے ؎

۱۔ خلافِ پیغمبر کسے راہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

۲۔ پندار سعدی کہ راہِ صفا
تواں رفت جز در پے مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

marfat.ocm

ترجمہ: ۱: پیغمبر علیہ السلام کے خلاف جس نے راہ اختیار کیا وہ منزلِ مقصود کو ہرگز نہ پہنچے گا۔

۲: اے سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ گمان نہ کر کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کے بغیر راہ مل پائے گا۔

ذٰلِكُمْ یہ اتباع سبیل الٰہی اور ترکِ اتباعِ سبیل مخالفہ کی طرف اشارہ ہے وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ تمہیں اللہ تعالیٰ نے اس کی وصیت فرمائی ہے تاکہ تم سبیلِ کفر کی اتباع اور گمراہی سے بچ جاؤ۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ آیت تلاوت فرمائی تو آپ نے ایک لکیر کھینچ کر فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے پھر اس راستے کے دائیں بائیں لکیریں کھینچیں (جس کا نقشہ یہ ہے 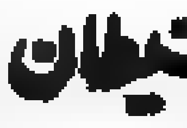) اور فرمایا کہ یہ جو مختلف راستے ہیں کہ ہر ایک کے سرے پر شیطان بیٹھ کر اپنی طرف بلاتا ہے

فائدہ: شریعت پاک کا دوسرا نام صراطِ مستقیم ہے وہ تلوار سے تیز اور بال سے باریک تر ہے اسی لئے ہم نماز کی ہر رکعت میں بارگاہِ حق میں عرض کرتے ہیں "اِھدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِیم" جو دنیا میں اس راستہ سے بھٹک گیا وہ آخرت کے سیدھے راہ سے محروم ہو گیا۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا، دنیا میں اس راستہ سے بھٹکنے والے بہت ہیں اُن میں سب سے زیادہ عورتیں ہیں۔

فائدہ: دورِ حاضرہ میں شہوات رانی اور اپنی من مانی پر عمل کرنے میں مرد عورتوں سے کم نہیں۔ دین غریب ہو کر شروع ہوا اور غریب ہو کر لوٹے گا۔ بہت تھوڑے لوگ اس سے مانوس ہوتے اور اس سے پیار کرنے والے ہوں گے۔

فائدہ: تفسیر نظری میں ہے "محققین فرماتے ہیں کہ صراطِ مستقیم بدایت و نہایت کے ساتھ متعین نہیں ہو سکتا اور عارف کو معلوم ہے کہ سیر کی ابتدا کسی سے ہے اور سب کی انتہا ایک ہے اور حضرت شیخ صدر الدین قونوی قدس سرہٗ نے اعجاز البیان میں فرمایا کہ راہِ حق لا تناہیت ہے اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر محیط ہے اس سے احاطہ وجودی مراد ہے یا علمی یہ اختلاف اقوال اس کا منتہائے سیر صراط ہے اور سیر کی غایت سالک ہے۔ چنانچہ فرمایا "وہ اللہ کہ زمین و آسمان وما بینھما جس کے قبضہ میں ہے اس کا راستہ وہ ہے جو صرف اسی کی طرف راجع ہے" ؎

۱: ہر جا قدمے زدیم در کوئے تو بود
ہر گوشہ کہ رفتیم سوئے تو بود
۲: گفتیم مگر سوئے دگر راہے ہست
ہر راہ کہ دیدیم ہمہ سوئے تو بود

ترجمہ: ۱: جہاں بھی ہم نے قدم رکھا وہی تیری گلی ہی تھی جس کونے میں ہم پہنچے ان کا رُخ تیری طرف ہی تھا۔

۲: ہم نے سمجھا کہ کوئی اور راہ ہوگا لیکن جو راہ دیکھا وہ تمہاری طرف ہی تھا۔

(باقی صہ ۷۳۳ پر)

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَ
اور یہ برکت والی کتاب ہم نے اتاری تو اس کی پیروی کرو اور
اتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآىِٕفَتَیْنِ مِنْ
پرہیزگاری کرو کہ تم پر رحم ہو کبھی کہو کہ کتاب تو ہم سے پہلے دو گروہوں پر اتری تھی
قَبْلِنَا وَ اِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِیْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّاۤ اُنْزِلَ عَلَیْنَا
اور ہمیں ان کے پڑھنے پڑھانے کی کچھ خبر نہ تھی یا کہو کہ اگر ہم پر کتاب اترتی تو ہم ان
الْكِتٰبُ لَكُنَّاۤ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ
سے زیادہ ٹھیک راہ پر ہوتے تو تمہارے پاس تمہارے رب کی روشن دلیل اور ہدایت اور رحمت
فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ صَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِی الَّذِیْنَ
آئی تو اس سے زیادہ ظالم کون جو اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے اور ان سے منہ پھیرے عنقریب وہ جو ہماری آیتوں سے
یَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰیٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا یَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ
منہ پھیرتے ہیں ہم انہیں بڑے عذاب کی سزا دیں گے بدلہ ان کے منہ پھیرنے کا کاہے کے انتظار میں ہیں
اَنْ تَاْتِیَهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ اَوْ یَاْتِیَ رَبُّكَ اَوْ یَاْتِیَ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّكَ ؕ یَوْمَ یَاْتِیْ
مگر یہ کہ آئیں ان کے پاس فرشتے یا تمہارے رب کا عذاب یا تمہارے رب کی ایک نشانی آئے جس دن تمہارے رب
بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّكَ لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ
کی وہ ایک نشانی آئے گی کسی جان کو ایمان لانا کام نہ دے گا جو پہلے ایمان نہ لائی تھی یا اپنے
فِیْۤ اِیْمَانِهَا خَیْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْۤا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ
ایمان میں کوئی بھلائی نہ کمائی تھی تم فرماؤ رستہ دیکھو ہم بھی دیکھتے ہیں وہ جنہوں نے اپنے دین میں جدا جدا راہیں نکالیں
وَ كَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ ؕ اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا
اور کئی گروہ ہو گئے اے محبوب تمہیں ان سے کچھ علاقہ نہیں ان کا معاملہ اللہ ہی کے حوالہ ہے پھر وہ انہیں بتا دے گا جو کچھ
یَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ
وہ کرتے تھے جو ایک نیکی لائے تو اس کے لیے اس جیسی دس ہیں اور جو برائی لائے تو اسے بدلہ
فَلَا یُجْزٰۤى اِلَّا مِثْلَهَا وَ هُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ
نہ ملے گا مگر اس کے برابر اور ان پر ظلم نہ ہوگا تم فرماؤ بے شک مجھے میرے رب نے
اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ
سیدھی راہ دکھائی

marfat.ocm

دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ

ٹھیک دین ابراہیم کی ملت جو ہر باطل سے جدا تھے اور

الْمُشْرِكِیْنَ ﴿١٦١﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ

مشرک نہ تھے تم فرماؤ بے شک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کے لیے ہے جو رب

الْعٰلَمِیْنَ ﴿١٦٢﴾ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿١٦٣﴾ قُلْ

سارے جہان کا اس کا کوئی شریک نہیں مجھے یہی حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں تم فرماؤ

اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ ؕ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ

کیا اللہ کے سوا اور رب چاہوں حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے اور جو کوئی کچھ کمائے وہ

نَفْسٍ اِلَّا عَلَیْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۚ ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ

اسی کے ذمہ ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی پھر تمہیں اپنے رب

مَّرْجِعُكُمْ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿١٦٤﴾ وَهُوَ الَّذِیْ

کی طرف پھرنا ہے وہ تمہیں بتادے گا جس بات میں اختلاف کرتے تھے اور وہی ہے جس

جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ

نے زمین میں تمہیں نائب کیا اور تم میں ایک کو دوسرے پر درجوں بلندی دی کہ

لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَآ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ

تمہیں آزمائے اس چیز میں جو تمہیں عطا کی بے شک تمہارے رب کو عذاب کرتے دیر نہیں لگتی اور

لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿١٦٥﴾ ع

بے شک وہ ضرور بخشنے والا مہربان ہے

۱۵۴ وَهٰذَا اور یہ قرآن کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے اتارا۔
فائدہ: منکرین کا گمان غلط ہے جب کہ کہتے ہیں کہ اسے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے بنا لیا ہے۔

مُبٰرَكٌ بابرکت ہے یعنی دینی و دنیوی منافع سے پُر ہے۔

بقیہ صـ۷۲۷

۱۵۵ ثُمَّ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ اس کا عطف فعل مقدر پر ہے اس کی اصل عبارت یوں ہے فَعَلْنَا ذٰلِکَ التوصیۃ باتباع صراط اللہ ثم اٰتَیْنَا الخ یعنی ہم نے تمہیں حکم فرمایا کہ صراط اللہ کی اتباع کرو۔ پھر ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا فرمائی یہاں کتاب سے تورات مُراد ہے اور لفظ ثم اخبار میں تراخی کے لئے ہوتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں۔ بلغنی ما صنعت الیوم ثم ما صنعت امس اعجب (تَمَامًا) بحذف الزوائد اتم کا مصدر ہے یعنی تمہارے اوپر کرامت و نعمت کو مکمل کرکے عَلَی الَّذِیْنَ اَحْسَنَ۔ اوپر اُس کے جس نے نعمت کے حقوق پورے ادا کئے۔
فائدہ: اس سے انبیاء علیہ السلام اور خواص مومنین مراد ہیں۔ وَتَفْصِیْلًا لِّکُلِّ شَیْءٍ اور دین کے امور میں جن باتوں کی ضرورت پڑتی ہے اسمیں اس کا تفصیلی بیان ہے۔
سوال: شریعت میں اجتہاد کا ثبوت ملتا ہے اسی لئے کہ جب قرآن مجید میں ہر شے کی تفصیل ہے تو پھر اجتہاد کی کیا ضرورت ہے۔
جواب: قرآن مجید میں مسائل شرع کے اصول کی تفصیل ہے اور اجتہاد فروع میں ہوتا ہے چنانچہ قرآن مجید میں اصول کی تفصیل کا ذکر سورۃ یوسف میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ وَتَفْصِیْلَ کُلِّ شَیْءٍ وَّهُدًی اور وہ گمراہی سے بچاکر ہدایت دینے والا ہے" وَرَحْمَةً مومن اور نیک عمل کرنے والے کو عذاب سے نجات دلا کر رحمت عطا فرماتا ہے لَعَلَّهُمْ اس سے بنی اسرائیل مراد ہیں۔
فائدہ: یہ ضمیر بنی اسرائیل کی طرف اس لئے لوٹائی گئی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا ذکر خیر پہلے آگیا ہے اس قرینہ سے یہاں پہ بنی اسرائیل مراد لینا زیادہ موزوں ہے۔ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ۔ اپنے رب سے ملنے پر ایمان لائیں یہ مادہ یومنون کے متعلق ہے تاکہ مر اٹھنے پر ایمان لاکر ثواب و عقاب کی تصدیق کریں۔

marfat.ocm

قسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے اس کی برکتیں آپ پر اس لئے ہیں کہ آپ کے قلب اطہر پر اس کا ورود ہوا پھر آپ کی عادات سراپا قرآن ہو گئیں اور آپ کی امت پر برکت اس لئے ہے قرآن ایک ایسی رسی ہے جو بندے کو اپنے مولا سے ملاتی ہے جو اسے مضبوط پکڑ لیتا ہے وہ اپنے مولائے کریم سے فرود فروز ہوتا ہے۔ فَاتَّبِعُوْهُ پس اس کی اتباع کرو۔ یعنی اس کے تمام احکام پر عمل کرو وَاتَّقُوْا اور قرآن مجید کی الفت سے بچو۔ لَعَلَّكُمْ اس کی اتباع اور اس پر عمل کی وجہ سے امید ہے کہ تم پر رحم ہوگا۔

۵۵ اَنْ تَقُوْلُوْٓا الخ یہاں پر بصریوں کے نزدیک مبتدا محذوف ہے دراصل عبارت یوں ہے اَنْزَلْنٰهُ اهة اَنْ تَقُوْلُوْٓا الخ ہم نے اسے نازل کیا تاکہ قیامت میں تم اے اہل مکہ عذر کر کے کہو کہ ہمارے ہاں تو کوئی تاب نازل نہیں ہوئی تھیں۔ اِنَّمَآ اُنْزِلَ بے شک کتاب تورات و انجیل نازل کی گئیں۔ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ ر دو گروہوں کے مِنْ قَبْلِنَا۔ جو ہم سے پہلے تھے یعنی یہود و نصاریٰ۔

سوال: ان دو کتابوں کی تخصیص کیوں۔ حالانکہ زبور اور دوسرے صحف بھی نازل ہوئے۔

جواب: چونکہ سماوی کتب میں اہل مکہ انہی کو زیادہ جانتے تھے اور شہرت بھی زیادہ انہی کی تھی۔ اور مکہ والے رف یہود و نصاریٰ سے متعارف تھے۔ اس لئے ان کی تخصیص کی گئی۔ وَاِنْ یہ مخففہ من المثقلہ ہے دراصل اِنَّا ا یعنی بے شک شان یہ ہے کہ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ۔ ہم ان کی قرأت سے

سوال: دِرَاسَتِهِمَا کیوں نہ فرمایا؟

جواب: اس لئے کہ ان دونوں یعنی اہل تورات و انجیل میں ہر ایک علیحدہ اور مستقل گروہ تھا۔

لَغٰفِلِيْنَ۔ ہم غافل تھے ہمیں معلوم نہیں تھا کہ ان کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے اس لئے کہ وہ کتابیں ری لغت میں نہیں تھیں۔ ہم انہیں پڑھ نہیں سکتے تھے اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ۔ کہو کہ ان کی طرح اگر ہمارے اوپر بھی کوئی کتاب نازل کی جاتی لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ البتہ ہم ان سے زیادہ یت والے ہوتے ہیں یعنی حق جو کہ وہی انسان کا مقصود اعظم ہے کی طرف ہم زیادہ پہنچنے والے ہوتے یا بڑے بڑے م اور شرائع اور دقائق کو ہم ان سے زیادہ سمجھتے اس لئے کہ ہم ان سے ذہنی طور تیز اور ہمارے فہم ان سے زیادہ قل تر ہیں اور علاوہ ازیں علمی فنون سے ہم زیادہ واقفیت رکھتے ہیں، ہم قصص و اشعار و خطابتوں کے زیادہ الے ہیں۔ اگرچہ ہم ان پڑھ ہیں۔ فَقَدْ جَآءَكُمْ اس کا تعلق فعل محذوف سے ہے جو کہ وہی معلل بہ ہے۔ صل عبارت یوں تھی لَا تَعْتَذِرُوْا بِذٰلِكَ الْقَوْلِ یعنی یہی باتیں بنا کر عذر مت کرو۔ اس لئے کہ بے شک ے ہاں آ چکے ہیں۔ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ دلائل تمہارے رب کی طرف سے یہاں پر حجۃ واضح مراد ہے۔ هدی و رحمۃ اور ہدایت و رحمت ہے۔ قرآن کو بینۃ سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ انہیں معلوم

marfat.ocm

ہو جائے کہ اس کے پڑھنے اور سمجھنے پر ہیں پوری قوت و طاقت حاصل ہے اس لئے کہ قرآن مجید اُن کی لغت پر نازل ہوا۔ جب پڑھ سمجھ لیں گے لامحالہ وہ ان کے لئے ہدایت و رحمت کا سبب ہے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ جو اللہ تعالیٰ کے آیات یعنی قرآن کو جھٹلاتا ہے وَصَدَفَ عَنْهَا اور ان آیات سے لوگوں کو پھیرتا ہے وہ خود گمراہ اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔ قاموس میں ہے صدف عنہ یصدف یہ فلانا صرفہ سے معروف تر ہے۔ سَنَجْزِی الَّذِیْنَ بہت جلدی ہم انہیں جزا دیں گے اس لئے کہ یصدفون وہ لوگوں کو روکتے تھے عَنْ اٰيٰتِنَا ہماری آیات سے۔ یہ اُن کے لئے وعید ہے اور ان کے گمراہ کرنے کی جزا بتا کر ان کی اپنی گمراہی کی بھی ساتھ ظاہر کی گئی ہے سُوْٓءَ الْعَذَابِ برے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ۔ بسبب اس کے کہ وہ حق سے روکتے تھے۔

فائدہ: انہیں ہمیشہ نت نئے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اس لئے کہ وہ کفر پہ مداومت رکھتے اور نت نئے طریقے سے کفر کے مرتکب ہوتے تھے۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ بقدر امکان قرآن پر عمل کرے اور اس کے غیر سے دُور رہے اس لئے کہ ثواب کے درجات و مراتب اللہ تعالیٰ سے ہر اُس شخص کو نصیب ہوں گے جو قرآن پاک کا عامل ہے اور قرآن جو کہ روحانی غذا ہے اس سے اعراض کرنے سے رُوحانی نقصان ہے۔ جیسے جسم کی ضروریات سے روگردانی کرنے سے جسمانی نقصان ہوتا ہے۔ یہی ظاہری تفسیر ہے جسے ظاہری علوم کے علماء نے فرمائی ہے۔

قراتِ سبعہ اہل تحقیق کے اقوال باطن قرآن کی تفسیر ہے اور ہر ایک کو اپنے مسلک و مشرب کا علم ہوتا ہے۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قرآن مجید سات قرأتوں یعنی سات لغات پر نازل ہوا ہے اور وہ عرب میں فصیح ترین سمجھی جاتی ہیں اور وہ یہ ہیں۔ قریش و ہذیل و ھوازن و یمن اور طے اور ثقیف وغیرہ صرف امت کی سہولت کے لئے سات قرآتوں پر نازل کیا گیا تاکہ ہر قبیلہ اپنی لغت کے مطابق قرآن مجید پڑھ سکے بشرطیکہ اس طرح اُس نے حضور علیہ السلام سے سُنا بھی ہو۔ اس لئے کہ اگر انہیں صرف ایک لغت پر قرآن پڑھنے کا مکلف بنایا جاتا تو انہیں شاق ہوتا اس لئے کہ مانوس و مالوف الفاظ کے بجائے دوسرے الفاظ کا استعمال گراں گزرتا ہے یا سبعہ احرف سے سات قرأتیں مراد ہیں جن کا حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا گیا انہیں آپ کی اُمت نے جمع کیا۔ پھر ہر قرأت ان کی طرف منسوب ہونے لگی جسے صحابہ کرام کی اکثریت نے اپنایا اور پھر قاریوں میں جس قاری نے جس قرأت کو اختیار کیا تو وہ قرأت اس کی طرف منسوب ہوئی وہ قراء یہ ہیں۔

۱۔ نافع ۲، ابن کثیر ۳، ابوعمرو ۴، ابن عامر ۵، عاصم ۶، حمزہ ۷، کسائی۔

مسئلہ: سات قرأتوں کا منکر کافر ان کے سوا باقی قرأتوں کا منکر آثم و مبتدع ہے۔

marfat.ocm

تفسیر صوفیانہ جب قرآن عظیم عالم حقیقت سے نازل ہوتا تو لے تمام الواح محفوظ پہ لکھ لیا جاتا۔ پھر اس تعیّن کی تختی پر بھی اسے لکھا گیا یہاں تک کہ انسانی وجود کی لوح میں بھی اسے لکھ لیا گیا اور ہر ایک انسان اس کے پڑھنے اور سمجھنے کی قابلیت رکھی گئی۔ لیکن اس نے اصل مقصد اس پر عمل اور اس کے مطابق زندگی ڈھالنا بجائے مخرج ادا کرنا اور اس کے ظاہری الفاظ کو اچھا کر کے پڑھنا۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ؎

۱۔ نقد عمرش ز نکتہ مُعوّج
خرچ شد در رعایت مُعوّج

۲۔ صرف کردش ہمہ حیات عمر
در قرآت سبعہ و عشرہ

ترجمہ ۱۔ تیرے نکتے سے اس کا نقد عمر ٹیڑھا ہو گیا اس ٹیڑھے پن کی رعایت میں اس کی عمر خرچ ہو گئی۔

۲۔ تمام عمر اس نے خرچ کر دی قرأۃ سبعہ و عشرات میں۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

عشقت رسد بفریاد گر خود بسان حافظ
قرآن ز بر بخوانی در چار دہ روایت

ترجمہ۔ حافظ کی طرح فریاد کر تو تیرا عشق پہنچے گا قرآن ظاہری طور اگرچہ چودہ روایت سے پڑھ لو تو کوئی فائدہ نہیں جب تک اس کا دل پر اثر نہ ہو۔

حافظ قرآن کے فضائل۔ حدیث شریف ۱ میں ہے کہ اگر قرآن مجید ایک چمڑے میں ہو تو اسے آگ نہیں لگے گی۔ اس کی شرح کرتے ہوئے قاضی بیضاوی نے کہا کہ اگر قرآن مجید لکھ کر کسی چمڑے میں رکھا جائے اور پھر اسے آگ میں ڈالا جائے تو قرآنِ مجید کی برکت سے اسے آگ نہیں لگے گی۔

فائدہ۔ اس سے اس کا شان خود معلوم کر لیجئے جو قرآن مجید کا حافظ ہو بشرطیکہ وہ اس کی تلاوت پر مداومت کرتا ہو۔

حدیث شریف ۲ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو قرآن مجید رات کے نوافل میں کھڑے ہو کر پڑھتا ہے تو اسے ایک حرف کے بدلے میں سو نیکی نصیب ہو گی جو اسے بلا وضو پڑھتا ہے تو اسے ایک حرف کے بدلے دس نیکیاں ملیں گی۔

حکایت ایک شخص قرآن مجید کی کثرت سے تلاوت کرتا تھا۔ اسے جب نزع طاری ہوئی تو کسی نے اسے کہا پڑھو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ سورۃ طٰہٰ کو مع تسمیہ شروع کر کے الا ھُوَ الا

marfat.ocm

سَمَارُ الحُسنیٰ تک پڑھ جاتا۔ اسے بار بار کہا گیا تو وہ بار بار اسی طرح کرتا رہا یہاں تک کہ اس کی روح پرواز کر گئی۔

سبق: اس سے ثابت ہوا کہ موت سے پہلے انسان کو جس کام کی عادت ہوتی ہے اُسی پر روح پرواز کرتی ہے۔

حکایت: ایک شخص گھاس فروش تھا جب نزع طاری ہوئی تو اسے کہا گیا پڑھو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ اس کے جواب میں کہتا کہ یہ گٹھڑی۔ اتنا پیسوں میں ہی کہتے ہوئے اس کی موت واقع ہوئی ہم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں کہ ہمارا خاتمہ اسلام پر ہو۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ: هَلْ يَنْظُرُوْنَ ۱۵۸ یہ هَلْ استفہامیہ بمعنی نفی ہے اور يَنْظُرُوْنَ بمعنی ینتظرون اس لئے کہ نظر بمعنی انتظار عام مستعمل ہوتا ہے گویا اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا کہ باوجودیکہ میں نے اہل مکہ پر حجت قائم کی اور اُن پر کتاب نازل فرمائی لیکن وہ بجائے ایمان لانے کے اب اس انتظار میں ہیں۔ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ کہ اُن پر ملائکہ نازل ہوں یعنی ان کی ارواح قبض کرنے کے لئے ملک الموت اور ان کے خدام تشریف لائیں۔ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ یا تمہارا رب یعنی اس کے عذاب و انتقام کا حکم صادر ہو۔

: بغوی نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بلا کیف میدان قیامت میں جلوہ گری فرما کر ہمارا فیصلہ فرمائے یا اللہ تعالیٰ کے تشریف لانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنا زور لگا کر ہمارے ہاں جملہ آیات بھیج دے یعنی قیامت قائم کر کے ہماری تباہی کے جملہ اسباب استعمال کرے۔

اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ سے معلوم ہوتا ہے یعنی یا تمہارے رب کے بعض آیات آئیں۔ اس سے علامات قیامت مراد ہیں وہ یہ ہیں۔ (۱) دھواں (۲) دابۃ الارض (۳) مشرق و مغرب میں خسف یعنی زمین میں دھنس جانا (۴) جزیرۂ عرب میں خسف کا ہونا (۵) دجال کا آنا (۶) مغرب سے سورج کا طلوع ہونا (۷) یاجوج و ماجوج (۸) عیسیٰ علیہ السلام کا نزول (۹) علاقہ عدن سے آگ کا نکلنا وغیرہ وغیرہ۔

سوال: انہیں اللہ تعالیٰ کے فرشتوں یا اللہ تعالیٰ کے آنے یا آیاتِ قاہرہ کے ہونے کا انتظار ہی کیا تھا وہ تو ایسے امور کے منکر تھے پھر انہیں ان کا منتظر کیوں کہا گیا۔

جواب: ان کی روش ہی ایسی تھی کہ گویا وہ ان کے منتظر ہیں۔ منتظرین سے مشابہ ہونے کی وجہ سے انہیں منتظرین کہا گیا۔ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ یہ ظرف ہے لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا کے لئے۔ یعنی جس دن تمہارے رب کی ایک نشانی آئے گی تو کسی کو ایمان لانا کام نہ دے گا۔ جیسے نزع روح کے وقت ایمان لانا بے سود ہے ایسے ہی اس وقت اس لئے کہ قیامت کے علامات دیکھ لینا روح کی نزع کے مشابہ ہیں جیسے وہ ایمان غیر قابل قبول ہے ایسے ہی یہ کیونکہ دیکھ کر ایمان لانے سے کسی قسم کا فائدہ نہیں اس لئے کہ ایمان بالغیب ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول و منظور ہے۔

لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ جو جان پہلے ایمان نہ لائی تھی یہ صفت نفسًا کی اور من قبل سے بعض آیاتِ

marfat.ocm

بعض الآیات مراد ہے۔ اَوْ کَسَبَتْ فِیْٓ اِیْمَانِهَا خَیْرًا ۔ یا اپنے ایمان سے کوئی نیکی نہ کمائی تھی۔

سوال: اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ ایمان عمل صالح کے بغیر بھی غیر قابلِ قبول ہے حالانکہ اہل سنت کا مذہب ہے کہ عمل صالح نہ ہو تب بھی ایمان میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی گویا آیت سے اہلسنت کے مذہب کی تردید ہوگئی

جواب: حضرت الشیخ الشہیر بالہدائی الاسکداری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس کے دو جواب دیئے ہیں۔

۱: اوکسبت کا عطف آمنت مقدر پر ہے نہ کہ آمنت مذکور پر۔ اب مطلب یہ ہوا کہ ایمان غیر قابلِ قبول ہے جب کہ اس سے قبل نہ ایمان لایا یا ایمان بھی نہ لایا اور نیک عمل بھی نہ کئے۔

۲: اس کا عطف اسی آمنت مذکور پر ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ لف میں بھی ایک مقدر ہے اور نشر میں بھی اس کی اصل عبارت یوں مانی جائے۔ لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُهَا وَلَا کَسْبُهَا خَیْرًا لَمْ تَکُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ کَسَبَتْ فِیْٓ اِیْمَانِهَا خَیْرًا یعنی اب ایمان نفع نہ دے گا نہ نیکی جب کہ اس سے قبل نہ ایمان لایا نہ کوئی نیکی کی۔ قُلِ انْتَظِرُوْٓا۔ فرمایئے تم جن باتوں کا انتظار کرنا چاہتے ہو جب کہ کہتے کہ ان امور ثلثہ میں سے کوئی ایک آجائے تو دیکھیں کیا ہوتا ہے، تو کرلو انتظار۔ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ہم بھی ان کا انتظار کرتے ہیں کیونکہ ان کے آنے سے تو ہمیں کامیابی ہے اور تم پر چونکہ عذاب نازل ہوگا اس لئے تمہارے لئے وبال ہوگا۔

فائدہ: بغوی نے فرمایا کہ مذکورہ آیت میں بعض آیات سے طلوع الشمس من المغرب مراد ہے۔ یہی اکثر مفسرین کی رائے ہے۔

حدیث شریف (سورج کا مغرب سے طلوع کرنا اور اس کی تفصیل)

حداوی نے اپنی تفسیر میں لکھا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ روزانہ جب سورج ڈوبتا ہے تو ساتویں آسمان کی طرف ایک سکینڈ میں ملائکہ کرام کی طرح اڑتا ہے اور زیرِ عرش جا کر ٹھہر جاتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ مغرب سے طلوع کروں یا مشرق سے۔ اسی طرح چاند کا طریقہ ہے وہ دونوں روزانہ ایسے ہی طلوع غروب کرتے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ وہ وقت لائے گا جو بندوں کی توبہ کے دروازے کی بندش کا ہے۔ اس وقت زمین پر گناہوں کی کثرت ہوگی اور نیکی کا نام تک نہیں رہے گا اور نہ ہی کوئی امر بالمعروف کا فریضہ ادا کرے گا۔ اور برائی عام پھیل جائے گی۔ کوئی کسی کو برائی سے روکنے والا نہ ہوگا جب یہ بات عام ہو جائے گی تو پھر سورج عرش کے نیچے ایک رات کی مقدار ٹھہرا رہے گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرکے عرض کریگا۔ اب مجھے طلوع کے متعلق کیا حکم ہے کہاں سے طلوع کروں۔ اسے کوئی جواب نہ ملے گا۔ یہاں تک کہ چاند بھی حاضر ہو جائے گا۔ دونوں بارگاہِ حق میں اکٹھے سجدہ ریز ہو کر عرض کریں گے کہ سورج کہاں سے طلوع کرے پھر بھی کوئی جواب نہ ملے گا۔ اس طرح سے انہیں تین راتیں گذر جائیں گی۔ اس مقدار کو زمین پر صرف تہجد گزار لوگ سمجھیں گے اس وقت تہجد گزار تمام روئے زمین پہ صرف چند

marfat.ocm

ایک گنتی کے ہوں گے اس لئے کہ اس وقت لوگوں کو نماز سے سستی بہت زیادہ ہوگی۔ حسبِ دستور رات کو لوگ سو جائیں گے اور تہجد گزار لوگ اپنے وقت پر اٹھ کر تہجد پڑھیں گے اُن کے اوراد و وظائف کی مصروفیت کے بعد کافی وقت گزر جائے گا۔ تب بھی صبح نہیں ہوگی۔ باہر نکل کر آسمان کو دیکھیں گے تو بدستور رات نظر آئے گی اور ستارے گھوم رہے ہوں گے اس سے وہ اپنی کوتاہی سمجھ کر دل میں کہیں گے کہ ہم نے نماز میں جلدی کی ہے یا تھوڑی رکعتیں پڑھی ہیں۔ یا وقت سے پہلے اٹھ بیٹھے ہیں۔ پھر لوٹ کر دوبارہ مصلّٰی پر کھڑے ہو نماز پڑھیں گے۔ اسی طرح اُن دوسری رات کا پروگرام بھی ایسے ہی گزرے گا۔ لیکن اس رات بھی صبح کا نشان کہیں نہیں اس لئے خوف بڑھے گا۔ اس رات ہر علاقے کے تہجد گزار اپنی اپنی مساجد میں جاکر روئیں گے اور آہ وزاری کریں گے۔ اللہ تعالیٰ جبرائیل علیہ السلام کو سورج اور چاند کے ذریعے پیغام بھیج کر فرمائے گا کہ تم مغرب کی طرف سے طلوع کرو۔ لیکن اب تم سے روشنی چھین لی گئی ہے وہ سُن کر روئیں گے جسے ساتوں آسمان بلکہ عرش کے نیچے والے سب سُنیں گے بلکہ وہ سب خوف کے مارے رو پڑیں گے اور کہیں گے کہ اب قیامت آگئی۔ اس وقت جب کہ تہجد گزار رو رہے ہوں گے اور غافل لوگ اپنی غفلت کے نشے میں ہوں گے تو سورج اور چاند مغرب سے طلوع کریں گے جن کا رنگ کالا سیاہ ہوگا نہ سورج میں روشنی ہوگی نہ چاند میں چمک جس طرح ان کی خسوف وکسوف کے وقت کیفیت ہوتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔ وجمع الشمس والقمر مغرب سے اوپر کو اٹھیں گے جیسے دو اونٹ اٹھتے ہیں اور ایک دوسرے کے آگے بڑھنے کی کوشش کریں گے اس کیفیت کو دیکھ کر زمین والے دہشت کے مارے روئیں گے۔ نیک لوگوں کا رونا فائدہ دیگا کہ وہ رونا اُن کے اعمالنامہ میں عبادت لکھی جائے گی لیکن منافق کو اس وقت کا رونا کوئی فائدہ نہیں دیگا بلکہ وہ رونا [illegible] حسرت اور ندامت ہوگی۔ جب سورج اور چاند دونوں آسمان کے درمیان میں پہنچیں گے تو جبریل علیہ السلام دونوں کو پکڑ کر واپس مغرب کی طرف لے جائیں گے اور وہ دونوں باب التوبہ میں گم ہوجائیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ فرمائیے کہ باب التوبہ کیا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا "اے عمر (رضی اللہ عنہ) اللہ تعالیٰ نے مغرب کی جانب ایک دروازہ پیدا فرمایا جس کی دونوں چوکھٹیں سونے کی ہیں ہر دونوں چوکھٹ کے درمیان چالیس سال کی راہ ہے جو ایک سوار سواری پر سفر کرے جب سے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اُس وقت سے وہ کھلا ہے۔ اس وقت بند ہوگا جب سورج مغرب کی جانب سے طلوع کرے گا۔ جب وہ دونوں سورج اور چاند غروب کریں گے۔ اس کے بعد اس کے دونوں دروازے آپس میں مل جائیں گے اور ایسے معلوم ہوں گے کہ گویا وہ تھے ہی نہیں۔ جب توبہ کا دروازہ بند ہوگا تو اس کے بعد بھی نیکیاں فائدہ دیں گی۔ اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مَنْ اَوْ كَسَبَتْ فِيْ اِيْمَانِهَا خَيْرًا

ترجمہ :۔ اس دن کہ تیرے رب کی بعض آیات آئیں گی تو جو ان سے پہلے ایمان نہیں لایا اب اسے ایمان نفع نہ دیگا نہ ہی اس ایمان کے بعد کوئی نیکی فائدہ دیگی۔ **سوال :** اس وقت ایمان کیوں قابلِ قبول نہیں ہوگا۔

marfat.ocm

جواب: اس وقت کا ایمان اختیاری نہیں بلکہ اضطراری ہوگا۔ یعنی ہلاکت کے خوف سے ایمان لائیں گے اور خوفِ ہلاکت کا ایمان قابلِ قبول نہیں ہوتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَلَمْ یَنْفَعُهُمْ اِیْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا۔

ترجمہ: تو انہیں ایمان لانا نفع نہ دیگا جب ہمارا عذاب دیکھ لیے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

۱ ۔ چہ سود از دزد آنگہ توبہ کردن
کہ نتوان کمند انداخت بر کاخ

۲ ۔ بلند از میوہ گو کوتاہ کن دست
کہ این کوتہ ندارد دست بر شاخ

ترجمہ: ۱۔ اس چور کو توبہ کرنے کا کیا فائدہ محل (مکان) پر کمند ڈالنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

۲۔ بلند قد والے کو کہو کہ درخت کے میوے سے ہاتھ ہٹالے ورنہ چھوٹے قد والا تو خود بھی ہاتھ درخت تک نہیں لے جا سکتا۔

مسئلہ: توبہ و ایمان کی عدم قبولیت مخصوص ہے صرف ان لوگوں سے جو طلوع شمس کا مشاہدہ کریں گے۔ یہی صحیح تر اور اوفق ہے اس لئے کہ جو شخص طلوع شمس کے بعد پیدا ہوا یا اس وقت موجود تو تھا لیکن اُسے کفر و ایمان کی تمیز نہیں تھی اگر یہ طلوع شمس کے بعد بھی ایمان لائیں تو قابلِ قبول ہے۔ اسی کو شرح المصابیح میں صحیح تر کہا۔

حدیث شریف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب قیامت کی علامات میں سے پہلی علامت ظاہر ہو گی تو اس پر قضاء قدر کی قلمیں پھینک دی جائیں گی اور کراماً کاتبین فارغ ہو جائیں گے اور اجسام اپنے اعمال کی خود گواہی دیں گے۔

امام مہدی کا ظہور حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ امام مہدی دجال سے سات سال پہلے ظاہر ہوں گے اور دجال طلوع شمس سے دس سال پہلے آئے گا۔ امام مہدی علیٰ نبینا و علیہ السلام کا ظہور بارہویں یا چودہویں صدی کے بعد ہوگا۔ وَاللہُ اَعْلَمْ۔

فائدہ: حضرت ابن العربی قدس سرہ نے فرمایا بیسویں صدی ہجری سے پہلے ظہور ہوگا۔ (کذا قال شاہ احمد رضا فی ملفوظاتہ)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے نفس اور قلب کو ایمان کے بیج اور اس کے انبات و تربیت کی بہترین زمین بنائی ہے چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ لا الٰہ الا اللہ انسان کے دل میں ایمان کو ایسے اُگاتا ہے جیسے سبزی کو پانی اُگاتا ہے۔ ایمان بیج کلمہ شہادت کا بیج ہے جب کہ اسے قلب کی تصدیق اور زبان کے اقرار سے ادا کرے یہ عالم دنیا آخرت کی کھیتی ہے اس لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ الدنیا مزرعۃ الآخرۃ

marfat.ocm

دنیا آخرت کی کھیتی ہے) جس نے عالم دنیا میں کھیتی نہ بوئی اسے آخرت میں کوئی شے کام نہیں دے گی یا جس نے دنیا میں وہ اعمال صالحہ نہ کئے جو کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو اٹھا کرلے جانے والے ہیں اور یہی وہ درخت ہے جس سے ثمرے نصیب ہوتے ہیں اور یہ ثمرات ہر وقت آخرت میں بہشت میں دوہرے ہونے دیں گے۔ معرفت و محبت و کشف و مشاہدہ وصول وصال اور نیل الکمال سے تعبیر کرتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے تحقیق توحید کی توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ ۱۰۵ اِنَّ الَّذِیْنَ بے شک وہ یعنی یہود و نصاریٰ نے فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کیا یعنی علیحدہ علیحدہ اجزاء بنا دیئے۔ جس کے ہر جزو کو ہر فرقے نے اپنا علیحدہ دین بنا لیا وَكَانُوْا شِيَعًا شیعۃ کی جمع ہے مثلاً کہا جاتا ہے شایعہ علی الامر یہ اس وقت کہتے ہیں جب اس امر میں وہ اس کی تابعداری کرے یعنی اُن میں ہر فرقے نے اپنا علیحدہ امام بنا لیا تھا۔

حدیث شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہود کے اکہتر فرقے ہو گئے جو سب کے سب جہنم میں اور اُن میں سے صرف ایک بہشت میں جائے گا اور نصاریٰ کے بہتر فرقے ہوئے وہ سب جہنم میں۔ اُن میں سے صرف ایک بہشت میں جائے گا اور میری امت تہتر فرقے ہو گی وہ بھی سب جہنم میں صرف ایک فرقہ بہشت میں جائے گا۔

فائدہ: یہود و نصاریٰ میں ایک فرقے کا استثنار کا جواز اس وقت تک سمجھا جائے گا جب تک اُن کی شریعت منسوخ نہ ہوئی اور جب منسوخ ہوئی تو بھی اپنے مذہب پر رہے اور نسخ کا کوئی اعتبار نہ کیا تو وہ بھی جہنم میں جائیں گے لَسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ آپ ان کی کسی شے میں نہ ہوں۔ آپ ان کے متفرق ہونے پر کسی بحث میں نہ پڑیں اور نہ ہی اپنے ہمعصر اہل کتاب سے اُن کے متعلق جھگڑا اور مواخذہ کریں۔

اِنَّمَآ اَمْرُھُمْ اِلَی اللّٰہِ۔ بے شک ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ نفی مذکور کی تعلیل ہے یعنی صرف وہی ایک اُن کے اُمور کا متولی و متصرف ہے اُن کے پہلے اور پچھلے سب اسی کے قبضۂ اختیار میں ہیں۔ اپنی حکمت کے تقاضا پر اُن کے اُمور کی تدبیر جس طرح چاہتا ہے ثُمَّ یُنَبِّئُھُمْ پھر انہیں خبر دے گا یعنی قیامت میں بِمَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ۔ اُن کے اعمال کی جس کا وہ ارتکاب کرتے ہیں۔ اظہار کو تنبیہ سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اُن کو آپس میں گہری مناسبت ہے اس لئے کہ یہ ہر دونوں علم کے سبب ہیں۔ نیز اس سے انہیں تنبیہ ہو گی کہ وہ اپنے جملہ اُمور کے انجام سے بے خبر تھے اس سے انہیں معلوم کرانا مقصود ہے کہ ان امور کے ارتکاب سے تمہارا انجام برباد ہو گا اور اللہ تعالیٰ انہیں بر سر میدان ظاہر کر کے دکھلائے اور بتلائے گا کہ جن امور کا تم ارتکاب کرتے تھے وہ سب بہت بُرے تھے لہٰذا اتنی ہی سخت اور بُری سزا ملے گی۔

فائدہ: جتنے امور کا عالم دنیا میں ارتکاب کیا جاتا ہے اُن کی آخرت میں نہایت قبیح صورت نظر آئے گی اگرچہ اب

marfat.ocm

دنیا میں بھی ان کی گندگی اور نہایت قبیح صورت ہوتی ہے لیکن بوجہ امتحان و آزمائش کے وہی صورت انسان کو اچھی اور بہتر محسوس ہوتی ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ شہد میں زہر ملائی جائے تو پینے والا شہد کی لالچ میں اسے پی کر جان سے ہاتھ دھو بیٹھے (ہم اللہ تعالیٰ سے برے اعمال کے ارتکاب سے پناہ مانگتے ہیں)

فائدہ: بہشت کو تکالیف کا اور دوزخ کو شہوات کا احاطہ دیا گیا۔ یعنی بہشت کے گرد مکروہ اشیاء کا احاطہ ہے اور دوزخ کے گرد ان اشیاء کا احاطہ ہے جو نفس کو محبوب و مرغوب ہیں۔

فائدہ صوفیانہ

روح اپنے مولا اور دین کی طرف توجہ رکھتی ہے اور چاہتی ہے کہ دین کی وہ باتیں نصیب ہوں۔ جنہیں اس کا کمال منحصر ہے لیکن یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے۔ جب انسان ظاہری باطنی طور اعمال صالحہ سے آراستہ و پیراستہ ہو۔ لیکن انسان قلبی طور ان سے دوری حاصل کرلیتا ہے اور باطنی طور ریا و سمعۃ کا ارتکاب کرلیتا ہے تو وہ گمراہ فرقوں میں شمار ہوتا ہے یعنی ان لوگوں میں ہوجاتا ہے جو حقیقت کے مدعی ہوتے ہیں لیکن ان کا معاملہ حقیقت کے برعکس ہوتا ہے۔

فائدہ: حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ آفندی نے حضرت ہدائی قدس سرہما کو مخاطب کرکے فرمایا کہ شکر کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ملحدوں کی صحبت سے بچایا۔ اس لئے کہ الحاد جذام کی طرح لاعلاج بیماری ہے اور میرا گمان ہے کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور ان کا دوزخ میں خروج ناممکن ہے اس لئے کہ وہ گفتار کے غازی تو ہیں لیکن کردار سے عاری ہیں

بعض گمراہ پیر فقیروں کا رد

ان ملحدوں میں ایک قلندریہ فرقہ بھی ہے۔ ان کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے سر کے بال اور داڑھی کا صفایا کرتے ہیں ؎

۱۔ قلندری نہ بریشت وموی ویا ابرو
حساب راہ قلندر بدانکہ موی بوست
۲۔ گذشتن از سر مو در قلندری سہلت
چو حافظ آنکہ سر بگذرد و قلندر اوست

ترجمہ: ۱۔ قلندری داڑھی اور مونچھ اور ابرو صاف کرنے کا نام نہیں قلندر کا حساب ذرہ ذرہ معلوم کر
۲۔ سر کے بال چھوڑنا تو آسان ہے ہاں حافظ کی طرح سر سے خالی ہوجائے تو وہ قلندر ہے۔

بعض گمراہ فقیروں کا دوسرا گروہ

ایک مبتدعہ فرقہ جوالقیہ بھی ہے جو داڑھی منڈاتے اور ٹاٹ لپیٹتے اور گاڑھے کپڑے پہنتے ہیں۔

حدیث شریف[1]: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے شہرت کے لباس سے روکا ہے خواہ وہ نرم و نازک ہو یا موٹا کھدر وغیرہ کا۔ اس لئے کہ وہ ایسے لباس سے لوگوں سے نمایاں ہوکر عوام میں مشہور ہوتے ہیں۔

[1] اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

marfat.ocm

حدیث شریف[2] : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : لوگوں میں عمومی شکل وصورت سے بچا کرو۔

فائدہ : جب بندہ ریاکاری میں مبتلا ہو تو اُسے ٹاٹ پہننا فائدہ دیتا ہے نہ درویشانہ لباس۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

۱ ۔ بروئے ریا خرقہ سہل است دُوخت
گرش با خدا در توانی فروخت

۲ ۔ گر آوازہ خواہی در اقلیم فاش
بُرون حلہ کن کو درون حشو باش

۳ ۔ در غزا کند مرد باید مرد
بر مخنث سلاح جنگ چہ سود

ترجمہ ۱ ۔ رُوئے ریا سے گدڑی سینا آسان ہے اگر تو اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں بیچنا (قبول کرانے) کا ارادہ رکھتا ہے

۲ ۔ اگر تو اپنا دنیا میں آوازہ (شہرہ) ظاہر (مشہور) چاہتا ہے۔ حلہ باہر کر اس لئے کہ اندر صحیح ہو۔

۳ ۔ جنگ کے میدان میں مرد چاہیے۔ ہیجڑہ پر جنگ کے ہتھیار کا کیا فائدہ۔

کرامت مجذوب حضرت الشیخ قطب الدین حیدر مجذوب بہت بڑے صاحبِ حال تھے اُن کی کرامت مشہور ہے کہ انہوں نے لوہار کی بھڑکتی ہوئی آگ کی بھٹی سے گرم لوہا ہاتھ سے باہر نکال لیا جیسے کوئی چھوٹے سے انگارے کو اٹھاتے پھر اس گرم لوہے کو اپنی گردن پر رکھ دیا۔ اور گھنٹہ بھر وہ گرم لوہا اُن کی گردن پر رکھا رہا۔ اور انہیں بال برابر بھی نقصان نہ ہوا۔ انہیں مجذوب کی وجہ سے بعض لوگ اپنے آپ کو حیدریہ سے منسوب کرتے اور گلے میں لوہے کے زنجیر لٹکائے پھرتے ہیں۔

مسئلہ : لوہا پہننا سونے کے پہننے سے زیادہ گناہ ہے

سبق : دانا پر لازم ہے کہ وہ بدعت سیئہ اور اہل بدعت (سیئہ) سے پرہیز کریں۔

---

[1] سابقہ صفحہ سے : یہ فرقہ اپنے کو حضرت شاہ شرف الدین بو علی قلندر قدس سرہ سے منسوب کرتا ہے حالانکہ یہ بات اُن کے قول و فعل سے ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہوتی کیونکہ یہ لوگ شریعت مطہرہ کے علانیہ منکر رہتے ہیں اور ہر وقت بھنگ چرس کے نشے میں مخمور اور حقوق اللہ و حقوق العباد کے سراسر تارک رہتے ہیں اور بعض تو یہ کہہ کر سے دم مست قلندر دھر رگڑا۔ نہ رہے شرع کا کوئی جھگڑا (معاذ اللہ) شرع محمدی کے منکر ہی ہو جاتے ہیں۔ بُو علی قدس سرہ تو بڑے درجے کے متشرع اور متقی پرہیزگار تھے اور وہ تو فقر کے تمام اسرار و رموز کے واقف اور پورے پورے سلوک قلندری کے پابند اور بلند پرواز تھے۔ مگر یہ نقلی قلندر علم و عمل سے کورے سر منڈا لینے کو ہی قلندری سمجھ کر گمراہ ہو رہے ہیں انہیں کے متعلق فرمایا گیا ہے ؎

ہزار نکتہ باریک بر ز مو ایں جاست ۔۔ نہ ہر کو مو منڈا شد قلندری داد

حکایت: حضرت ابن المبارک رضی اللہ عنہ کو کسی نے خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ آپ کے ساتھ کیا سلوک ہوا۔ فرمایا مجھے سزا کے طور تیس سال تک کھڑے ہونے کی سزا ملی صرف اس لئے کہ میں نے ایک دن مبتدع (گمراہ بدعتی) کو نظر شفقت سے دیکھا اور فرمایا گیا کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے دشمن کو ایک دین کے مخالف کو نظر عنایت سے کیوں دیکھا۔

سبق: یہ اس محدث اور بزرگ کی کہانی ہے جس پر محدثین کو ناز ہے پھر ایک معمولی کم فہم انسان پر کیا گزرے گی جو گمراہوں کی مجلسوں میں زندگی بسر کرتا ہے۔

مسئلہ: بدمذہبی صرف انسانوں سے مخصوص نہیں بلکہ جنات وغیرہ میں بھی بدمذہب ہوتے ہیں۔

حکایت شیعہ کش: حضرت اعمش فرماتے ہیں کہ ہماری کسی مجلس میں ایک جن شریک ہوا۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ تمہیں کونسی غذا مرغوب ہے کہا چاول۔ میں نے چاول کی ایک پلیٹ اس کے آگے رکھ دی۔ دیکھا گیا کہ لقمے اُٹھ رہے ہیں لیکن اٹھانے والا نظر نہیں آتا۔ میں نے اس سے پوچھا کیا تم میں بدمذہب بھی ہوتے ہیں۔ اس نے کہا ہاں۔ میں نے پوچھا تمہارے ہاں شیعہ رافضی کیسے ہیں۔ اس نے کہا ہم میں بدترین سمجھے جاتے ہیں۔

علامت رافضی شیعہ: رافضی شیعہ وہ ہیں جنہوں نے حضرت زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ساتھ چھوڑا۔ جب کہ ان لوگوں نے ان سے مطالبہ کیا کہ ہم آپ کی بیعت اس شرط پر کرتے ہیں کہ آپ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے برأت کا اظہار کریں۔ آپ نے فرمایا میں تمہارے تعلقات توڑ سکتا ہوں لیکن ان حضرات سے کسی طریق سے دور نہیں ہو سکتا۔ اسی روز سے یہ لوگ اُن سے علیحدہ ہو گئے اور ان کا یہی لقب (رافضی) اسی روز سے پڑا۔ اب بھی اُن میں یہی بری عادت ہے کہ شیخین کی مذمت میں غلو کرتے ہیں بلکہ صحابہ کرام کو لعنت کرنے کو عبادت سمجھتے ہیں۔

حضرت زید بن علی بن حسین رضی اللہ عنہم کا دعویٰ خلافت: حضرت زید بن علی بن حسین رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں اپنی خلافت کا اعلان کیا تو کوفہ کے بعض لوگ آپ کی خلافت کو قبول کرنے کے لئے تیار ہوئے لیکن اس شرط پر کہ آپ شیخین سے اظہار برأت کریں۔ آپ نے انکار کیا تو انہوں نے کہا (رفضناک) ہم آپ کو چھوڑتے ہیں۔ اس دن سے شیعوں کا نام رافضی پڑ گیا۔

اور کوفہ کی ایک دوسری جماعت حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہولی اور کہا ہم شیخین کی محبت کا دم بھرتے ہیں اور جو اُن سے بری ہے ہم اس سے بری ہیں اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کے بیعت ہوئے اس لئے ان کا نام "زیدیہ" ہو گیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے شیعہ کے بغض کا ایک سبب: شیعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس لئے بغض رکھتے ہیں کہ ان کا خیال ہے کہ جب غزوہ اُحد میں

marfat.ocm

شیطان نے پکار کر کہا قَدْ مَاتَ مُحَمَّدٌ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے تو سوائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یقین ہو گیا کہ واقعی حضور علیہ السلام کا وصال ہو گیا اس پر برسوں تک جھگڑا رہا۔ یہاں تک کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دَور میں یہ نزاع طول پکڑ گئی۔ آپ نے سب کو بلا کر فرمایا کہ اگر اس کے خلاف ثبوت مل جائے یعنی ثابت ہو جائے کہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی اس وقت یہی عقیدہ تھا جو میرا تو پھر میں تم سب کو قتل کر دوں گا۔ چنانچہ تحقیق کی گئی تو ان لوگوں کا خیال غلط نکلا باوجودیکہ قتل ہو جانے کے مستحق تھے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں معاف فرما دیا۔ اس وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کی محبت میں اضافہ ہوا اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے حق میں بدستور بغض و عداوت میں رہے ؎

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ کسی کا پردہ فاش کرتا ہے تو اس کا میلان طبیعت اللہ والوں پر طعنہ زنی کا ہو جاتا ہے۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ اللہ والوں سے بہت زیادہ محبت رکھے تاکہ قیامت میں ان کی شفاعت سے نوازا جائے۔ اس کے لئے اور کونسی بدبختی ہوگی کہ جو حضرات شفاعت کریں وہ اُلٹا کل قیامت میں اس کے دشمن ہو کر اسے جہنم میں لے جائیں (اے اللہ تعالیٰ ہمیں بچا اور ہمارے قلوب ٹیڑھے نہ ہوں اور ہمیں سیدھے راہ پر چلا اور طریق تحقیق کی توفیق عطا فرما (آمین)

۱۵۹ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ جو مومن قیامت میں صرف ایک نیکی لائے گا۔ ہم نے ایمان کی قید اس لئے لگائی ہے کہ قیامت میں نیکی صرف اہلِ ایمان لائیں گے۔

مسئلہ: حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس پر اجماع ہے کہ کفار کو قیامت میں کوئی نیکی فائدہ نہیں پہنچائے گی اور نہ ہی انہیں کسی نیکی کا ثواب ملے گا اور نہ ہی ان کے عذاب کی تخفیف ہوگی۔ البتہ کسی کو سخت تر عذاب ہوگا اور کسی کو کم۔

مسئلہ: اسلام قبول کرنے کے بعد کفر کی حالت کی خیرات کا ثواب ملے گا۔

حدیث شریف میں ہے کہ حَسَنَاتُ الْكُفَّارِ مقبولۃ بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ۔ کفار اسلام قبول کر لیں تو کفر کی حالت میں ہوئی نیکیاں بھی قبول ہو جائیں گی۔ یعنی اسلام کے بعد ان کا ثواب اب لکھا جائے گا۔

تفسیر الکاشفی میں ہے کہ جو شخص دنیا میں ایک نیکی کر کے آئے گا **فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا** تو اسے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایک کے عوض دس نیکیاں نصیب ہونگی۔

فائدہ: لفظ امثالہا عشر کی تمیز نہیں بلکہ اس کی تمیز حسنات ہے اور امثال اس حسنات کی صفت ہے اس لئے

marfat.ocm

کہ عشر پر حرف تا نہیں داخل کیا گیا۔

فائدہ: بعض نحویوں نے کہا کہ یہ عشر مونث ہے اس لئے کہ اس کا قاعدہ ہے کہ جب وہ ایسے اسم جمع کی طرف مضاف ہو جس کا واحد مذکر ہو (چنانچہ امثالہا کی ضمیر مونث بتاتی ہے کہ یہ عشر مونث ہے اس پر حرف تا تانیث داخل نہیں ہوتا۔ اس قاعدہ کی بناء پر جیسے یلتقطہ بعض السیارۃ میں لفظ بعض کو مونث کہا گیا ہے اس لئے کہ اس کا مضاف الیہ مونث ہے یاد رہے کہ امثالہا کی ضمیر مونث حسنۃ کی طرف راجع ہے۔ "وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ اور جو ایک برائی لائے گا۔ فَلَا يُجْزٰى اِلَّا مِثْلَهَا تو اسے صرف ایک برائی کی سزا ملے گی جیسا کہ وعدہ کریمہ ہے کہ "اَلْوَاحِدَةُ بِالْوَاحِدَةِ"

سوال: کفر صرف ایک لمحے کے لئے سرزد ہوتا ہے لیکن سزا بہت بڑی سخت کہ وہ دائمی طور جہنم میں پڑا رہے گا اس سے "الواحدة بالواحدة" کا اصول کہاں گیا۔

جواب: کافر اپنے کفر پر عزم بالجزم دائمی طور رکھتا ہے بنا بریں اسے عذاب بھی دائمی ملے گا۔ بخلاف مومن گنہگار کے کہ وہ اپنے گناہ سے ہٹنے کا عزم رکھتا ہے اگرچہ گناہ میں مبتلا ہے لیکن اسے گناہ سمجھتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس سے بچ جائے لیکن نفس کی شرارت باز نہیں ہونے دیتی۔ بنا بریں اس پر عذاب منقطع ہوگا۔

مسئلہ: وعدہ کریمہ میں ایک نیکی کے عوض سات سو ستر کی تعداد بھی بتائی گئی ہے اور بغیر حساب کا ارشاد بھی وارد ہے۔ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ "اور وہ ظلم نہ کئے جائیں گے کہ ثواب کم ہو اور عذاب زیادہ ہو۔

فائدہ: امام حدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نعمتوں میں اضافہ کرنا جائز ہے اور عذاب کی ابتداء ناجائز ہے۔

فائدہ: دوبرا ثواب کرنا اس کی کم از کم مقدار دس گنا ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا اس سے بڑھ کر ہو تو اس کی کوئی حد نہیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

۱: نکو کاری از مردم نیک رائے
یکے را بدہ می نویسد خدا

۲: تو نیز اے پسر ہر کرا یک ہنر
بہ بینی زدہ عیبش اندر گزر

ترجمہ ۱: نیک مرد سے ایک نیکی ہو تو اس کی ایک کے بدلے دس نیکیاں لکھتے ہیں

۲: تو بھی اے عزیز کسی کا ایک ہنر دیکھتا ہے تو اس کے دس عیوب سے درگزر کر۔

نکتہ: لفظ عشر کا ذکر حصر کے لئے نہیں بلکہ کثرت کے لئے ہے جیسے کوئی کسی کو کہتا ہے کہ اگر تو مجھے کچھ دیگا تو میں تجھے اس کے عوض دس گنا دوں گا۔ اس سے بھی کثرت مراد ہے۔

marfat.ocm

نکتہ: ایک عوض انگنت نیکی اس لئے کہ کل قیامت میں اگر خصمار نیکیاں اپنے حق کے عوض میں لے جائیں تو بندے کیلئے کچھ تو بچ جائے۔ مثلاً اس کے خصم کو ایک نیکی عوض کے طور دی جائے تو نیکیاں اسے اپنے لئے بچ جائیں

مسئلہ: یاد رہے کہ حقداروں کا حق ان زائد نیکیوں سے ادا کیا جائے گا۔ اصل نیکی بندے کے ہاں باقی رکھی جائے گی اس لئے کہ زوائد اللہ تعالیٰ کا فضل تھا۔ جو اپنے بندے کو عنایت فرمایا ورنہ اصل نیکی بندے کی طرف ایک ہے اور وہ کسی کو دینے کی نہیں کیوں کہ ایک کا بدلہ ایک دنیا میں اس کا عدل ہے اور اس کے خلاف کبھی نہیں ہوتا

حدیث ۱: میں ہے کہ بدبخت وہ ہے کہ جس کے احاد اعشار پر غالب ہو جائیں یعنی برائیاں نیکیوں پر بڑھ جائیں۔

حدیث شریف ۲: اعمال چھ قسم ہیں، ۱، ۲ موجبتیاں
۳، مثل بمثل
۴، حسنۃ بحسنۃ
۵، حسنۃ بعشر امثالہا
۶، حسنۃ بسبعمأۃ

موجبتیاں یعنی واجب کرنے والی۔ انہیں پہلی یہ ہے کہ جو شخص مومن ہو کر مرے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے تو اس کے لئے بہشت واجب ہو گئی (۲) دوسری یہ کہ جو شخص مشرک ہو کر مرے تو جہنم میں جائے گا مثل بمثل کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص برائی کا ارتکاب کرے تو اس کے لئے ایک برائی لکھی جائے گی (۳) حسنۃ بحسنۃ کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص صرف نیکی کا ارادہ کرے اگرچہ عمل کرنے کا موقع بھی نہ ملے تب بھی اس کے لئے ایک نیکی لکھی جائے گی (۴) حسنۃ بعشر امثالہا کا مطلب یہی ہے کہ جو شخص ایک نیکی کرتا ہے تو اسے دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے (۵) ایک کے عوض سات سو کا ثواب اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا نصیب ہوتا ہے ؎

کنوں بر کف دست نہ ہر چہ ہست
کہ فردا بدنداں گزی پشت دست

ترجمہ: آج جو تیرے ہاتھ میں راہِ خدا میں دے ورنہ کل (مرنے کے بعد) تو افسوس کے ہاتھ مسلیگا۔

نکتہ: شریعت مطہرہ جس عمل کی ترغیب میں ثواب کا اظہار فرمائے اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ جن اعمال کے ثواب کا بیان نہیں ہوا .. اس عمل سے درجہ میں کم ہیں۔ حالانکہ ان کے لئے ثواب کا بیان تو نہیں ہوتا البتہ تاکید شدید ہوتی ہے اس کا مطلب صرف یہی ہے کہ بندہ کو ان کا ثواب بتاتے ہوئے اعمال میں رغبت ہو۔ مثلاً حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص ضحیٰ کی بارہ رکعتیں پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے بہشت میں سونے کا محل بنائے گا۔ حالاں کہ سب کا اتفاق ہے کہ نماز ظہر کی

marfat.ocm

سنتیں مؤکدہ اور ضحٰی کے نوافل سے افضل ہیں باوجودیکہ اربعہ اُن ظہر کی سنتوں کے متعلق اس قسم کا ثواب بیان نہیں کیا گیا۔ اسی طرح مغرب وعشاء کے مابین چھ رکعت (اوابین) کے متعلق حضور علیہ السلام کا ارشادِ گرامی ہے کہ جو انہیں پڑھتا ہے تو اسے بارہ سال کی عبادت کا ثواب ملتا ہے۔ حالانکہ مغرب کی سنتیں ان سے مؤکدہ ہیں۔ لیکن ان کے متعلق اتنا بڑا ثواب نہیں ہوا۔

نکتہ : رغبت اس لئے دی گئی ہے کہ یہ اوقات انسان کے غفلت کے ہیں لہٰذا دلائی گئی تاکہ بندہ غفلت کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور میں سر جھکائے اور اس طرح کے تقاضے بے شمار ہیں جس کا نتیجہ نکلا کہ سنن مؤکدہ کی افضلیت اپنے مقام پہ حق ہے اگرچہ ان کے متعلق ثواب اور فضائل کا اظہار نہیں۔

قاعدہ : اہل علم کا اتفاق ہے کہ فرائض کے درجہ کو واجبات نہیں پہنچ سکتے اور نہ ہی واجبات کے درجہ کو سنن پہنچ سکتی ہیں۔ درجے سے اجر اور فضیلت یا حکم مراد ہے اسی طرح نوافل سنن مؤکدہ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے اگرچہ سنن کے متعلق اتنے بڑے فضائل بیان نہیں ہوئے جتنا چند ایک نوافل کے لئے بیان کئے گئے ہیں اس لئے کہ فرائض کے اندر کمی واقع ہونے کے احتمال پر سنن مؤکدہ کو اس کمی کی تکمیل کے لئے اور سنن میں کمی کی تکمیل کے لئے سنن غیر مؤکدہ مشروع ہوئی ہیں۔ علاوہ ازیں نوافل فرائض کے قائم مقام نہیں ہو سکتیں۔ بلکہ فرائض کی قضاء ہے ایسے بھی نہیں ہو سکتا کہ نوافل سے قضاء ساقط ہو جائے۔

فائدہ : بعض جہلا کی عادت ہے کہ نوافل بکثرت پڑھتے ہیں لیکن فرائض قضاء کر دیتے ہیں۔ ان کا گمان ہے کہ نوافل پڑھنے سے فرائض کے درجات خود بخود حاصل ہو جاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جب کہ نوافل کا اتنا ثواب ہے تو پھر فرائض کی ان سے کمی پوری ہو جائے گی۔ مثلاً مغرب کے فرائض کسی نے نہ پڑھے ہوں وہ اوابین کے نوافل سے ادا ہو جائیں گے۔ ان کا خیال ہے کہ نوافل فرائض کے قائم مقام ہو سکتے ہیں۔ ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ اس لئے کہ اعمال و اذکار کے اجر کی ترتیب وحی والہام ربانی پہ موقوف ہے۔ اس میں اپنے خیالات اور تخمینے نہیں چل سکتے۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ نے بندے سے اپنے فضل وکرم سے فرمایا کہ ابھی تو نے نیکی نہیں کی تو تیرے لئے دس نیکیاں پہلے لکھ دی گئیں۔ کما قال مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا۔ یعنی ابھی نیکی عمل طور پر صادر نہیں ہوئی تو اسے دس حسنات عطا فرما دیں۔ یہاں تک کہ اسے قدرت نصیب ہو جائے کہ ان دسوں نیکیوں کو حاصل کرنے کے بعد اور نیکی عمل میں لائے۔ وہ دس حسنات یہ ہیں۔

۱ : حسنۃ الایجاد بعد العدم

۲ : حسنۃ الاستعداد بایں طور کہ اسے احسن تقویم میں پیدا فرمایا تاکہ احسان کے لئے مستعد ہو سکے۔

marfat.ocm

۳ ، حسنۃ التربیۃ
۴ ، حسنۃ الرزق
۵ ، حسنۃ بعثۃ الرسل
۶ ، حسنۃ انزال الکتب
۷ ، حسنۃ تعین الحسنات والسیات
۸ ، حسنۃ التوفیق
۹ ، حسنۃ الاخلاص فی الاحسان
۱۰ ، حسنۃ قبول الحسنات

، مَنْ جاء بالسیۃ الا یجزیٰ الا مثلھا اس میں یہ راز ہے کہ برائی ایک بیج ہے جو نفس میں بویا گیا اور نفس خبیث ہے اس لئے کہ وہ برائی کا حکم دیتا ہے اور نیکی بھی ایک بیج ہے جو قلب میں بویا جاتا ہے اور قلب پاک ہے اس لئے کہ ذکر اللہ قلوب مطمئن ہو جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَالْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُہٗ بِاِذْنِ رَبِّہٖ وَالَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَکِدًا

نکتہ عجیبہ ، قرآن مجید یا حدیث شریف میں جن نیکیوں کے مختلف درجات کا وعدہ ہے اس میں بھی ایک راز ہے کہ گنتی کے اعداد کے مراتب چار ہیں (۱) احاد (۲) اعشار (۳) مآت (سینکڑے) (۴) الوف (جمع الف) ہزار احاد میں واحد اعشار میں عشر (دس) مآت میں یکصد اور الوف ایک ہزار۔ اور اسی طرح انسان میں بھی چار مراتب ہیں (۱) نفس (۲) قلب ، (۳) رُوح (۴) سِتر۔ پس واحد کا مرتبہ نفس کو دیا گیا۔ اسی لئے فرمایا کہ وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا۔ اس لئے کہ نفس سے ہی برائی ہوتی ہے اور اعشار میں سے عشر (دس) کا مرتبہ قلب کو دیا گیا ، فلہٗ عشر امثالھا۔ اس لئے کہ قلب اعشار کے مرتبہ میں ہے اور مرتبہ روح سے عبادت ہو تو اُسے مآت کا درجہ دیا جاتا ہے اس لئے کہ روح مرتبہ مآت سے ہے اور مرتبہ سر میں عبادت ہو تو اس میں ہزاروں بلکہ مالانہایۃ مراتب عطا ہوتے ہیں۔ جس قدر سفائی قلب اور خلوص نیت ہوتی ہے اسی قدر اجر و ثواب نصیب ہوتا ہے اور اس کا کوئی انتہا نہیں اور یہی مرتبہ الوف کا ہے۔ وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں سے احسان فرمایا کہ ابھی انہوں نے نیکی نہیں کی تو دس ایسی حسنات عطا فرمائیں جو بے شمار حسنات پر مشتمل ہیں پھر جب انہوں نے نیکی تو ان میں کسی قسم کی کمی نہ فرمائی بلکہ دوہرے اجر و ثواب سے نوازا۔ چنانچہ آیت وَلَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ وَاِنْ تَکُ حَسَنَۃً یُّضٰعِفْھَا وَیُؤْتِ مِنْ لَّدُنْہُ اَجْرًا عَظِیْمًا۔ دلالت کرتی ہے۔

ترجمہ :۔ اللہ ذرہ برابر بھی ظلم کریگا اگر اسکی نیکی ہے تو اسے دوگنا کریگا اور اپنی جانب سے بہت بڑا اجر عطا فرمائیگا

تفسیر عالمانہ

۱۶۰ قُل ، اے پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کفار مکہ سے فرمائیے جو مدعی ہیں کہ وہی دین حق پر ہیں اور صرف وہی دین حق کے عامل ہیں۔ اِنَّنِیْ ھَدٰنِیْ رَبِّیْ بے شک میرے رب تعالیٰ نے مجھے وحی کے ذریعہ صحیح راستہ بتایا ہے اور آفاق و انفس میں آیات تکوینیہ کے ایسے دلائل

marfat.ocm

فرمائے ہیں کہ اُن سے راہِ حق نصیب ہوتا ہے اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ وہ مرادِ مستقیم جو موصل الی الحق ہے دِیْنًا الی صراط کے محل سے بدل ہے۔ اصل عبارت یوں تھی۔ ھَدٰی اِلٰی صِرَاطًا قِیَمًا ایسا دین جو مضبوط ہے یہ مصدر ہے بمعنی القیام بطور مبالغہ کے۔ یہ دین کی صفت ہے دراصل عوض کی طرح قِوَمٌ ہونا چاہیے تھا۔ لیکن چونکہ علہ کے فعل پر قانون صرفی جاری ہوا اس لئے اس پر بھی جاری کیا گیا ہے۔ جیسے قیام دراصل قوام تھا۔ اس پر اسی فعل کی وجہ سے قانون جاری ہوا۔ مِلَّۃَ اِبْرٰھِیْمَ دِیْنًا کا عطف بیان ہے۔ مِلَّۃ، ملت الکتب سے مشتق ہے بمعنی املیتہ۔ وہ امور جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے مشروع فرمائے ہیں انہیں ملت سے تعبیر کیا جاتا ہے نکہ ان امور مشروعہ کو مدون کیا اور وہ لکھے گئے اور مومنین اس کی اتباع کی وجہ سے آپس میں تعلیم و تدریس کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں اس لئے انہیں ملت کہا گیا اور چونکہ جن لوگوں کے لئے یہ امور مشروع ہوئے اور وہ اس طریقہ کی طاعت نے کے بنا پر انہیں دین سے تعبیر کیا گیا۔ یعنی اسے اللہ تعالیٰ نے ان کا طریقہ اور حق پر چلنے کا راستہ بنایا۔

حَنِیْفًا ابراہیم سے حال ہے یعنی وہ ادیان باطلہ سے ایسے روگردان تھے کہ ان کا اُن کی طرف میلان کا امکان تک نہیں۔ وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔ وہ مشرکین کے امور میں سے کسی امر کسی امر پر نہیں تھے اصول میں نہ فروع میں۔

نکتہ: ملت کو ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے میں یہ راز ہے کہ اہلِ عرب انہیں معظم جانتے اور ن کے دلوں پر اُن کی عظمت راسخ تھی۔ بلکہ ہر صاحبِ دین اپنے دین کو انہی کی طرف منسوب کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید میں ارشاد فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام مشرکین سے نہیں تھے۔ اس لئے کہ نہ ان کا عقیدہ مشرکانہ تھا اور نہ اعمال رسوم مکہ کے مطابق تھے اور وہ یہودی بھی نہ تھے۔ اس لئے کہ یہودیوں کا عقیدہ تھا۔ عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کے لئے اس عقیدہ کا تصور تک نہیں ہو سکتا اور وہ نصرانی بھی نہ تھے اس لئے کہ نصرانیوں کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کے لئے ایسا عقیدہ تصور کرنا حماقت ہے۔

تفسیر صوفیانہ

حقیقت میں مشرک وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر کی طلب کو جگہ دے اور اس کے سوا کسی دوسرے سے طلب کرے۔

شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

خلاف طریقت بود کاولیاء
تمنا کنند از خدا جز خدا

ترجمہ: یہ طریقت کے خلاف ہے کہ اولیاء اللہ خدا کے سوا غیرِ خدا کو چاہیں۔

marfat.ocm

سوال: قُل جب مضمون ایک ہے تو پھر قُل کا اعادہ کیوں ؟

جواب : پہلے قل میں اصول عقائد کا بیان تھا۔ اب دین کے فروع کا بیان کرنے کیلئے قل کا اعادہ کیا گیا۔ اِنَّ صَلَاتِیْ فرمائیے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کہ میری پانچ فرض نمازیں وَنُسُکِیْ اور تمام عبادتیں ۔ نسک دراصل میں اس عمل کو کہا جاتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کا تقرب مطلوب ہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار بندے کو ناسک کہتے ہیں۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ صلاتی سے نماز عید اور نسکی سے قربانی مراد ہے

حدیث شریف : حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سینگ والے ملیح مینڈھا قربانی کے لئے لاکر فرمایا لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ان صلاتی ونسکی الی قولہ وانا اول المسلمین ۔ اس کے بعد آپ نے اسے ذبح فرمایا اور فرمایا کہ اس کے بال اور اُون میرے بالوں کے لئے اور اس کا چمڑہ میرے چمڑے کے لئے اور اس کا خون میرے خون کے لئے اس کا گوشت میرے گوشت کے لئے اور اس کی ہڈیاں میری ہڈیوں کے لئے اور اس کی رگیں میری رگوں کے لئے آتشِ جہنم کے لئے فدیہ ہیں صحابہ کرام نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ مینڈھا بہت خوب ہے یہ صرف آپ کے لئے ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں میری تمام امت کے لئے جو قیامت تک پیدا ہوں گے اسی طرح جبرائیل علیہ السلام نے میرے رب تعالیٰ سے مجھے خبر دی ہے وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ اور جن اعمال پر زندگی گزار رہا ہوں اور جس پر میری موت واقع ہوگی یعنی ایمان وطاعت وغیرہ اصل عبارت ذا حیاتی و ذا مماتی یعنی جو اعمال دخیرہ حیات و ممات میں واقع ہوں گے جیسے کہا ہے در ذا اَنَا تک" یعنی میرے برتن والی شئے ۔ اس سے طعام مراد ہے ۔ یہاں بھی ذا حیات و ذا ممات سے اعمال وایمان مراد ہیں۔ ادنیٰ ملابست کی وجہ سے اُس کی طرف اضافت ہوئی ہے۔ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۱۶۲ لَا شَرِیْکَ لَہٗ اللہ تعالیٰ رب العالمین کے لئے اور اس کا کوئی شریک نہیں یعنی میرے جملہ امور مذکورہ بالا خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں ۔ میں کسی دوسرے کو شریک نہیں ٹھہراتا۔

وَبِذٰلِکَ اور اسی اخلاص کے لئے اُمِرْتُ مجھے حکم ہے اس کے غیر کا میں مامور نہیں ۔ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۔ اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں ۔ اس لئے کہ ہر نبی کا اسلام اپنی امت کے اسلام سے مقدم ہوا کرتا ہے ۔ اس میں تصریح ہے کہ حضور علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ہر حکم میں سبقت فرماتے اور جملہ مامورات کی فرمانبرداری صرف حضور علیہ السلام سے ہی مخصوص نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے تمام بندوں کو حکم ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کی اقتدا میں جملہ مامورات کی تعمیل کریں ۔

marfat.ocm

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اِنَّ صَلَاتِیْ یعنی منہاج الصلوٰۃ کی طرف میری سیر۔ اس سے معراج الی اللہ مراد ہے اور نُسُکِیْ سے اپنے نفس کو ذبح کرنا مطلب ہے وَمَحْیَایَ۔ قلب اور روح حیات وَمَمَاتِیْ۔ اس سے نفس کی موت مراد ہے۔ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنی طلب حق و وصول الی اللہ کیلئے لَا شَرِیْکَ لَهٗ لب میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس لئے کہ اس کے سوا ہمارا اور کوئی مطلب نہیں۔ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ یعنی میری ب اور قصد الی اللہ میرا اپنا نظریہ یا اپنی عقل اور طبیعت سے نہیں۔ بلکہ میں مامور من اللہ ہوں۔ جو کچھ کرتا ہوں اس کے فضل اور اسی کی رحمت اور اسی کی ہدایت سے کرتا ہوں۔ یہ اس کی عنایت ہے کہ مجھ میں یہ طلب اور اشتیاق پیدا فرمایا میرے ہاں اس کی وحی آتی ہے اور میں وحی کا عامل ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا — تَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا اور فرمایا ثُمَّ ذَرْهُمْ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ۔ اور میں وہی ہوں س نے امر کُنْ کے سامنے سب سے پہلے سر تسلیم خم کیا جب فیض محبت نے جوش مارا تو میں نے سب سے پہلے ل کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا "یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ" بلکہ محبت حق کے لئے سب سے پہلے میں نے سر جھکا لیا جس کے لئے نَهٗ اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے اس محبت کا افتتاح میں نے فرمایا۔ اس کی تائید حدیث شریف سے بھی ہوتی ے حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ "اَنَا اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ" (کذا فی التاویلات النجمیہ)

مسئلہ صوفیانہ ۔ آیت میں توحید کی ترغیب دلائی گئی ہے اور اخلاص کا سبق دیا گیا ہے ان دونوں لئے علامت یہ ہے کہ بندہ ماسوی اللہ سے ظاہراً و باطناً بری ہو جائے یہاں تک کہ وہ اپنے نفس سے بھی زار ہو اور حقائق ذاتیہ کی محبت میں مستغرق ہو جائے۔

حکایت حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حج کے لئے نکلا۔ راستہ میں مجھے ایک نوجوان ملا جس کے پاس نہ زادِ راہ تھا اور نہ سواری۔ میں نے اس سے پوچھا کہاں سے آئے ہو سنے کہا اللہ تعالیٰ سے، میں نے پوچھا کہاں جاؤ گے۔ کہا اللہ تعالیٰ کے ہاں۔ میں نے پوچھا سامان بھی ساتھ ہے اُس کہا اس کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر ہے۔ میں نے کہا آخر اتنا بڑا لمبا سفر ہے اس میں زادِ راہ کی ضرورت ہے اور پانی تھ رکھنا لازمی ہوتا ہے اس نے کہا یہ اشیاء میرے پاس ہیں۔ میں نے کہا وہ کہاں۔ اُس نے کہا جب میں گھر نکلا تو پانچ حرف ساتھ لائے۔ میں نے پوچھا وہ کونسے کہا "کٓهٰیٰعٓصٓ"۔ میں نے کہا ان کا کیا مطلب ہے اس نے کہا کاف "الکافی" ھا سے (الہادی) یا سے المودّی، عین سے العالم ص سے الصادق مراد ہے ل نے کہا جس کے ساتھ "الکافی" الحادی، مودی، العالم۔ الصادق ہوں وہ کبھی ضائع نہیں ہو سکتا۔ ور نہ ہی کسی سے ڈرتا ہے اور نہ ہی اسے زادِ راہ کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ ہی رزق کی کمی ہوتی ہے۔ حضرت مالک بن ار فرماتے ہیں جب میں نے اس سے یہ کلام سنا تو میں نے اپنا قمیص اتار کر اسے پہنانا چاہا۔ اُس نے کہا حضرت جی!

marfat.ocm

اس دارِ فنا کی قمیص سے ننگا رہنا بہتر ہے اس لئے کہ حلال مال سے پہنوں تو حساب ہوگا حرام سے حاصل کروں تو سزا ملے گی۔ اس سے بہتر ہے کہ نہ پہنوں۔ پھر جب رات ہوئی تو آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا۔ اے اللہ تعالیٰ تو طاعا سے خوش ہوتا ہے اور برائیاں تجھے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتیں جو امور تجھے خوش کرتے ہیں ان کی مجھے توفیق عطا فرما۔ اور جن سے تجھے کوئی نقصان نہیں ان سے مجھے محفوظ رکھ اور کئے گناہ معاف فرما۔ جب لوگوں نے احرا باندھ کر لبیک پکارا تو میں نے اسے کہا کہ آپ بھی لبیک پکارئیے۔ جواب دیا کہ مجھے خطرہ ہے کہ اگر میں پکاروں تو اس سے جواب ملے لَا لَبَّیْکَ وَلَا سَعْدَیْکَ اور فرمائے کہ نہ میں تیری بات سنتا ہوں اور نہ تیری طرف دیکھتا ہوں یہ کہہ کر کہیں چلا گیا۔ پھر میں نے اسے منیٰ میں دیکھا۔ دعا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے کہتا ہے یا اللہ تمام لوگوں نے تیری راہ میں قربانیاں پیش کی ہیں اور ہدایا بھی۔ میرے ہاں کوئی ایسی شے نہیں کہ میں تیرے حضور پیش کرسکتا ہاں صرف یہی نفس ہے اسے قبول فرمالے۔ یہ کہہ کر چیخ ماری اور اللہ تعالیٰ کو پیارا ہوگیا۔ اچانک کوئی قائل کہتا تھا ھٰذَا حَبِیْبُ اللّٰہِ ھٰذَا قَتِیْلُ اللّٰہِ قُتِلَ بِسَیْفِ اللّٰہِ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا محبوب و مقتول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ا محبت کی تلوار سے قتل فرمایا ہے۔ میں نے اس کی تجہیز و تکفین کی اور اسے دفن کردیا رات کو میں اس کے متعلق متفکر ہوکر سوگیا تو میں نے اسے خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ تیرے ساتھ کیا ہوا۔ اس نے کہا وہی نوازشیں ہوئیں جو شہدائے بدر سے ہوئیں۔ اس لئے کہ وہ کفار کی تلوار سے اور میں سیفِ جبار سے مارا گیا ؎

۱۔ جان کہ نہ قربانیٔ جاناں بود
جیفۂ تن بہتر از آناں بود
۲۔ ہر کہ نشد کشتۂ شمشیرِ دوست
لاشۂ مردار بہ از جانِ اوست

ترجمہ ۱۔ وہ جان جو محبوب پر قربان نہ ہو اس سے مردار بہتر ہے۔

۲۔ جو دوست کی تلوار سے ذبح نہ ہوا مردار بیکار اس جان سے بہتر ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے صراطِ مستقیم پر چلنے کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ

۱۶۳ قُلْ ۔ اے میرے پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیے ان کافروں سے جو آپ کو کہتے کہ آپ ہمارے دین میں آجائیے اَغَیْرَ اللّٰہِ اَبْغِیْ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کو طلب کروں۔ درانحالیکہ رَبًّا۔ وہ دوسرا رب ہو اور میں اسے عبادت میں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراؤں وَّھُوَ رَبُّ حالاں کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کا رب ہے اور میری طرح باقی اس کے تمام مربوب یعنی پلے ہوئے ہیں۔ پھر مربوب کو کیسے رب کی عبادت میں شریک بنایا جائے۔

marfat.ocm

وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا اور جو کچھ کوئی کمائے وہ اسی کے ذمہ ہے۔

شانِ نزول کفار مسلمانوں سے کہتے تھے تم ہمارے دین کی طرف آجاؤ۔ اگر اس کا کوئی گناہ ہے تو وہ ہم اٹھا لینگے اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ اس سے اگر کوئی گناہ لکھے جاتے ہیں تو ہم اپنے اعمالنامہ میں لکھوا لینگے یا اس کا یہ مطلب ہوتا کہ قیامت میں اگر اس کا کوئی گناہ ہوگا تو ہم اپنے سر پر رکھ لینگے۔ آیت میں ان کے اس قول باطل کا رد ہے کہ ہر ایک اپنے گناہوں کا خود ذمہ دار ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے عدل کے خلاف اور بالکل محال ہے کہ کرے کوئی تو بھرے کوئی۔ جب یہ غلط ہے تو تمہاری دعوت خود بخود غلط ہوگئی۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائیگی یہ ان کے دوسرے قول کا رد ہے۔ یعنی قیامت میں کوئی کسی دوسرے کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور بمعنی الثقل یعنی بوجھ۔ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ پھر تمہیں اپنے رب تعالیٰ کی طرف پھرنا ہے یعنی وہ تمہارے جملہ امور کا مالک ہے اور قیامت میں اسی کی طرف تم نے پھرنا ہے۔ فَيُنَبِّئُكُمْ پس اس دن وہ تمہیں بتادے گا۔ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ۔ جس میں تم اختلاف کرتے تھے۔ یعنی ہدایت گمراہی سے کھل جائے گی اور اہلِ حق اہل باطل سے نمایاں ہوجائیں گے۔

خلاصہ تفسیر آیت ہذا سے چند امور ثابت ہوئے۔ نہایت مقصود اور منتہائے مراد صرف ذات حق ہے جسے خدا تعالیٰ مِلا اسے خدائی مل گئی۔ جو اس نے گیا وہ گم گشتہ راہ ہوا۔ پھر اسے کہیں ٹھکانا نہیں ملے گا۔ عاقل عاشق تو صرف اس کو چاہتا ہے کیونکہ حقیقی محبوب وہی ہے اور محب کو محبوب کے بغیر چین نہیں آتا۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

درد مرا طبیب نداند دوا کہ من
بے دوست خستہ خاطریا درد خوشترا

ترجمہ: میرے درد کا دوا طبیب نہیں جانتا میں تو دوست کے بغیر دل کا زخمی اور درد سے ہوں اور اسی میں بہت خوش ہوں۔

جو کوئی کچھ کماتا ہے بھلائی یا برائی تو اس کا نفع و نقصان اپنا ہے شر سے گرفتار ہو کر سزا پائے گا اور خیر سے کامیابی لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ صرف رضائے الٰہی مطلوب ہو اور ریا، و عجب اور فخر سے پاک۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

چہ قدر آود بندۂ بد دلیس
کہ زیر قبا دار داندام پیس

ترجمہ: کیا قدر لائے گا بندہ بدطریقہ والا جو قبا کے نیچے گندا جسم رکھتا ہے۔"

یہ تو ظاہر ہے کہ نفس برائیوں کا امر دینے والا ہے اور یہ سوائے برائی کے اور کچھ نہیں چاہتا اس لئے

marfat.ocm

برائی کی اسے سزا ملے گی نہ کہ اس سے نفع اور نفس کا کام نقصان پہنچانا ہے جو بھی اپنے آپ کو اس کے سپرد کرتا ہے تو وہ ذلیل و خوار ہوتا ہے ہاں جسے اللہ تعالیٰ اپنے رحم و کرم سے بچالے۔ اس سے ہم ہمیشہ یہ دعا عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ آنکھ جھپکنے کی دیر یا اس سے کم بھی مجھے اپنے نفس کے سپرد نہ فرما۔ حالانکہ نفس کو بھی میرا اللہ کے لیے حکم تھا کہ وہ عبدیت کا اظہار کر کے طاعت الٰہی سے لگا رہے اور اعمالِ صالحہ پر مداومت کرے۔

نسخہ روحانی حضرت الشیخ ابو عبد اللہ محمد بن الفضل رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے تعجب ہے اس سالک سے جو بڑی پُرخار وادیوں اور ویرانے جنگلوں اور سنگستان مقامات کو طے کرتا ہوا اللہ تعالیٰ کے گھر یعنی کعبہ معظمہ میں پہنچتا ہے اس لئے کہ یہیں پر انبیاء علیہم السلام کو زیارت کا موقعہ نصیب ہوتا ہے باوجودیکہ وہ اپنے نفس کو نہیں چھوڑتا اور خواہشات کے پورے کرنے میں لگا رہتا ہے پھر وہ کیسے اپنے مالک سے ملاقات کر سکتا ہے جب کہ ان کو مٹانے کے بعد ہی قلب میں مولیٰ کریم جاگزین ہو گا کیونکہ وہ صرف پاک قلب والوں کو ہی ملتا ہے ہر شخص صرف اپنے گناہوں کی وجہ سے گرفتار ہو گا کسی دوسرے کے گناہوں کی وجہ گرفتار نہ ہو گا اور نہ کسی دوسرے کے گناہوں سے متعلق اس سے بازپرس ہو گی۔

حدیث شریف میں ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی حق اگر کسی کا دینا ہے تو آج دیدو۔ مثلاً کسی کو رنجایا ہے تو معافی مانگ لو اور کسی کے حق میں کوئی کمی بیشی کی ہے تو ابھی سے ختم کر لو۔ اس دن سے پہلے جب کہ اس وقت نہ دینار ہو گا نہ درہم۔ اُس دن صرف اعمال صالحہ ہوں گے جس کا حق دینا ہے تو حکم ہو گا کہ اس کی نیکیاں اس کے حق خواہ کو دیدو۔ اگر نیکیاں نہ ہوں گی تو حکم ہو گا کہ حق والے کی برائیاں اس کے سر پہ رکھدی جائیں۔

سوال : حدیث شریف مذکورہ بالا آیت کے مضمون کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے عدل کے خلاف ہے کہ ایک شخص کی برائیاں دوسرے شخص کے عملنامے میں ڈال یا کسی کے عمل چھین کر ایسے کو دیدے جس نے اعمال نہیں کئے۔

جواب : امام قرطبی نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی منجملہ حکمتوں و مصلحتوں میں سے ایک ہے جن پر بندوں کو مطلع ہونا ضروری نہیں اور نہ اس کی حکمتوں و مصلحتوں کو کوئی پا سکتا ہے اگر ہر وہ امر جو بندوں کے عقول کے مطابق نہ ہو تو اسے چھوڑ دینے و لزامات ہے تو پھر شریعت کے اکثر احکام سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے اس لئے کہ بہت سے امور شرعیہ ایسے ہیں کہ جن کا معقول وافہام کو ادراک ناممکن ہے۔

قواعد شرعیہ بندہ راقم الحروف کہتا ہے گناہ دو قسم میں (۱) لازم (۲) متعدی۔ لازم جیسے شرب الخمر مثلاً اس سے وہی گرفتار ہو گا جس نے شراب پی ہے دوسرے اس کا مواخذہ نہ ہو گا ایسے گناہ صرف ایک جہت رکھتے ہیں۔ متعدی جیسے قتل النفس مثلاً اگرچہ اسمیں بھی صرف اسی سے مواخذہ ہو گا جس نے قتل کا ارتکاب کیا ہے لیکن اس کی دو جہتیں ہیں۔

marfat.ocm

(۱) قاتل کا حد شرع سے تجاوز (۲) وقوع الجنایۃ علی العبدای التماثل ایسے مجرم کی نیکیاں لیکر مقتول کو دی جائیں اور مقتول کی برائیاں قاتل کے سر ڈالی جائیں تو یہ درحقیقت اس کے اپنے کئے کی اسے سزا مل رہی ہے اس میں نہ نیکوں کے چھننے کا شبہ ہے اور نہ ہی ظلم کا واہمہ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ آیت و حدیث نتیجہ کے لحاظ سے متحد ہیں اگرچہ بظاہر تناقض معلوم ہوتی ہیں۔ (واللہ اعلم الحقیقۃ الحال)

(۲) جیسے اہل کفر و اہل ایمان کا آپس میں اختلاف ہوتا ہے ایسے ہی اہل اخلاص و اہل ریا میں بھی ہوتا ہے پھر حق و باطل والے کے مابین امتیاز شریع بتاتی ہے لیکن حقیقت حال کا انکشاف اور اقوال و افعال کے پہلون کا ظہور اس دن ہوگا جب کہ اندرونی راز کھلیں گے اور دل کی باتیں ظاہر ہوں گی۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

۱۔ چون کند جان باژگونہ پوستین
چند واویلا بر آید ز اہل دین
۲۔ بر دکان ہر زر نما خندان شدہ است
زانکہ سنگ امتحان پنہاں شد است
۳۔ قلب پہلوی زند با زر بشب
انتظار روزمی دارد ذہب
۴۔ با زبان حال زر گوید کہ باش
اے مزور تا بر آید روز فاش

ترجمہ ۱۔ جب کرتا ہے کوئی جان کو پوستین (ظاہر) کو اچھا چند اہل دین سے شور اٹھے گا۔
۲۔ ہر زرگر کے دکان پر ہنسی نظر آتی ہے اس لئے کہ اس کے امتحان والا پتھر پوشیدہ ہے۔
۳۔ کھوٹا سونا رات کو تو سونے کے ساتھ برابری کا دم بھر سکتا ہے سونے خالص کو دن ہونے کا انتظار ہوتا ہے،
۴۔ پھر زر خالص زبان حال سے کہتی ہے اے کھوٹا سونا ذرا دیر کر ابھی دن آنے والا ہے پھر پتہ چل جائے گا تو کون ہے اور میں کون۔

حدیث شریف سے تبلیغی جماعت کی علامت

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت کے قرب میں ایسا دور آئے گا کہ جس میں لوگ دنیا کو ل کے ذریعے حاصل کریں گے۔ ان کا طریقہ یہ ہوگا کہ اللہ والوں کا بھیس بدل لیں گے اور ان کا کلام کھانڈ سے زیادہ میٹھا لیکن ان کے دل بھیڑیے کی طرح ہوں گے۔ قیامت میں اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا کیا میری وجہ سے یہ کام

ظہ ؛ جیسے آجکل تبلیغی جماعت کا طریقہ ہے۔

marfat.ocm

کرتے تھے یا یہ سے ادپہ جرأت کر کے دین کے عوض دنیا لوٹتے تھے۔ مجھے اپنی ذات کی قسم کہ میں انہیں سے فتنہ کھڑا کروں گا یعنی وہی بڑے فتنوں کے اصل سبب ہوں گے کہ ان فتنوں کو دیکھ کر ہر ذی فہم حیران ہو جائے گا۔

سبق مومن کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے ظاہر و باطن کو صاف رکھے اور ہر اختلاف سے دور رہے اس لئے کہ حق صرف ایک ہے اور حق کے بعد باطل ہی باطل ہے۔

مسئلہ: فروعی مسائل میں امت کا اختلاف عوام کے لئے رحمت ہے اسے لفظاً تو اختلاف کہا جا سکتا ہے لیکن درحقیقت یہ اختلاف یونہی نہیں اس لئے اختلاف میں میں تو لڑائی جھگڑا وغیرہ ہوتا ہے بلکہ جھگڑے اشخاص اور اُن کے احوال پر مبنی ہوتے ہیں اور آئمہ کی شخصیات مبارکہ اور اُن کے احوال طیبہ کو دنیا جانتی ہے کہ اُن کے معاملات مبنی بر قتل و جدال نہیں تھے۔ بنا بریں وہ حق پر تھے اور جن کی اتباع لازمی ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس اختلاف سے بچائے جو دین کے فساد کا سبب بنے اور جھگڑوں سے محفوظ فرمائے کہ جن سے دائرہ یقین ختم ہو اور ہمیں ان لوگوں سے ملائے جو صواب کے توفیق یافتہ ہیں اس لئے کہ وہ کریم اور فیض سخا اور جود و عطا کا مالک ہے۔

تفسیر عالمانہ ۱۶۴ وَهُوَ اور وہ اللہ تعالیٰ اَلَّذِیْ جَعَلَکُمْ وہ ہے جس نے تمہیں بنایا۔ اے لوگو خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ۔ زمین میں نائب یعنی جنات کے بعد یا نوع بنی آدم سے سابقہ امتوں سے یا تم اللہ تعالیٰ کی زمین میں نائب ہو۔ تو تم اس میں تصرف کرتے ہو۔

فائدہ: خلائف خلیفہ جیسے وصائف وصیف کی جمع ہے ایسے ہی خلائف خلیفہ کی جمع ہے ہر وہ جو کسی جانے والے کا مقام سنبھالے اس کا اسے خلیفہ کہتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ اس کا جانشین ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہر آدم کا بچہ اپنے وقت کا آدم (علیہ السلام) اور میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے اور خلافت کا راز بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی صفات کا مظہر بنایا ہے کہ وہی حیاً قیوماً سمیعاً بصیراً علماً قادراً متکلماً مریداً کا مظہر ہے

۱۔ آدمی چیست برزخ جامع
بصورت خلق و حق در واقع
۲۔ متصل با دقائق جبروت
مشتمل بر حقائق ملکوت

ترجمہ ۱۔ آدمی کیا ہے برزخ جامع ہے ظاہر خلق درحقیقت (جلوہ) حق ہے۔
۲۔ دقائق جبروت کے متصل اور حقائق کے ملکوت پر مشتمل ہے۔

وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ اور شرف وغنا میں تمہارے بعض کو فَوْقَ بَعْضٍ بعض پر بلند مرتبہ بنایا۔ دَرَجٰتٍ درجات میں کہ ان کے ایک دوسرے کے مراتب و درجات میں بہت بڑا فرق ہے لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا اٰتٰكُمْ تاکہ تمہیں آزمائے اس چیز میں جو تمہیں عطا کی۔ مال وجاہ سے۔ یعنی تاکہ تمہارے ساتھ وہ معاملہ کرے جیسے کسی سے امتحان لیا جاتا ہے اور اس کی آزمائش کی جاتی ہے تاکہ ظاہر ہو جائے کہ تم شکر کرتے ہو یا ناشکری۔

حکایت حضرت جنید رضی اللہ عنہ بچپن میں بچوں سے کھیل رہے تھے تو حضرت سری سقطی رضی اللہ عنہ کا ان سے گزر ہوا۔ حضرت سری سقطی نے حضرت جنید سے پوچھا بیٹا بتلایئے شکر کسے کہتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ اس کی نعمتوں کو گناہوں کی اعانت میں صرف نہ کیا جائے۔ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ بے شک تمہارے پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کو عذاب کرتے دیر نہیں لگتی۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ کے کیے ہوئے احکام کی پاسداری اور نہ ہی شکر گزاری کرتا ہے تو اس کے عذاب دینے میں دیر نہیں لگاتا۔

سوال: وہ حلیم صبور ہے اور پھر مہلت بھی دیتا ہے پھر سریع العقاب کیسے؟

جواب: جس کے لئے عذاب دینے کا وقت آجاتا ہے اس کے لئے عذاب میں دیر نہیں ہوتی۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ہے

مہلتے کہ سپہرت دہد ز راہ مبرد
ترا کہ گفت ایں زال ترک دستاں کرد

ترجمہ: وہ مہلت جو تجھے آسمان نے دی۔ سیدھے راہ سے نہ ہٹ، تجھے کس نے کہا کہ بوڑھی (دنیا) تو مکر وفریب سے ہٹ ہے۔

وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اور بے شک وہ غفور رحیم ہے اس کے لئے جو اس کے حقوق واحکام میں حتی الامکان پاسداری کرتا ہے۔

حدیث شریف قیامت میں ایک شخص کو لایا جائے گا۔ جس نے حرام مال جمع کر کے حرام پر خرچ کیا ہوگا اس کے لئے حکم ہوگا اسے جہنم میں لے جاؤ اور ایک کو لایا جائے گا جس نے حلال کمائی کر کے حلال پر خرچ کیا ہوگا لیکن اسے کہا جائے گا کہ تو نے اپنے فرائض کی ادائیگی میں کمی کی ہوگی۔ مثلاً نماز نہیں پڑھی ہوگی یا پڑھی تو اس کے ارکان رکوع سجود قیام وغیرہ میں غلطیاں کمائی ہوں گی کہ بلا ضرورت سواری خریدی یا کپڑے۔ جنہیں فخر وریا کا شائبہ ہوگا۔ عرض کریگا نہیں یا اللہ اس طرح میں نے نہیں کیا تھا۔ پھر حکم ہوگا کہ تو نے اس مال کے خرچ کرنے میں کوتاہیاں کی ہوں گی کہ کسی کے حقوق ادا نہ کیے ہوں مثلاً عورت کے حقوق اسی طرح دیگر رشتہ داروں اور یتامی و مساکین اور مسافروں کے حقوق میں کمی کی ہوگی۔ عرض کرے گا نہیں یا اللہ۔ ان کے حقوق میں بھی

marfat.ocm

میں نے کوتاہی نہیں کی تھی۔ میں نے مال حلال کمائی سے کمایا اور فرائض میں کسی قسم کی کمی نہیں کی اور نہ ہی حقوق العباد میں کوئی کوتاہی کی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس کے حق داروں کو بلاؤ۔ وہ اس کے متعلق کیا کہتے ہیں۔ جب انہیں بلایا جائے گا تو وہ گواہی دیں گے یا اللہ تونے اسے مال دیا اور یہ ہمارا کفیل تھا اسے تیرا حکم تھا کہ وہ ہمارے حقوق ادا کرے اُس نے ہمارے پورے پورے حقوق ادا کئے اور تیرے فرائض کی ادائیگی میں بھی کوتاہی نہیں کرتا تھا پھر اسے حکم ہوگا ٹھہر جا مجھے میری عطا کی ہوئی نعمتوں کی ادائیگی شکر کا حساب دے اور ایک ایک لقمہ اور ایک ایک گھونٹ پانی اور ایک ایک لذت کا شکرانہ تونے کیا یا نہ۔ اسی طرح اس سے کئی طرح کے سوالات ہوں گے۔ تب کہیں اسکی نجات ہوگی۔

تفسیر صوفیانہ جس طرح اللہ تعالیٰ جاہ ومال دیکر دیکھتا ہے۔ کہ ان میں کون شکر گزار ہے اور کون ناشکرا۔ اسی طرح حال یعنی خلافت کی استعداد عنایت فرماکر دیکھتا ہے کہ متخلق باخلاق اللہ اور اوامر ونواہی کا پابند اور حقوق العباد والبلاد وغیرہ پر قائم رہتا ہے اور کون رجعت قہقری کرکے صفات بہائم وانعام کی طرف لوٹتا ہے۔

قاعدہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے صفات کو صفات بہیمیہ میں تبدیل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے قلب اور سمع وبصر پر مہر لگا دیتا ہے پھر وہ اس غیبی مکان کی طرف نہیں لوٹ سکتا کہ جس سے وہ ہجرہ ہوکر یہاں دنیا میں پھنسا بلکہ اسفل سافلین کے ملک طبیعہ میں گرفتار رہتا ہے ہاں جو خواہشات اور اتباع نفس اور مخالفت حق سے تائب ہوکر کورا مومن ہوجاتا ہے اور خلافت کے لئے عمل صالح کرتا ہے تو اسے ہدایت نصیب ہوجاتی ہے اور نہ ہی وہ رجعت قہقری میں پھنستا ہے۔

حکایت سیدنا ابراہیم بن ادہم رضی اللہ عنہ ایک دفعہ حج کیلئے تشریف لے گئے حرم شریف میں طواف کررہے تھے اچانک ان کی نظر ایک نوجوان حسین وجمیل پر پڑ گئی اور اس نوجوان کے حسن وجمال نے لوگوں کو فریفتہ کر رکھا تھا۔ حضرت ابراہیم بھی اسے اسے دیکھنے لگ گئے اسے دیکھتے بھی جاتے اور روتے بھی جاتے۔ آپ کے بعض مریدوں نے یہ کیفیت دیکھ کر کہا " اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ " اُن کا خیال تھا کہ شیخ بھی اس نوجوان پر عاشق ہوگئے ہیں اور آپ غفلت کا شکار ہوگئے ایک مرید نے عرض کی حضرت اس نوجوان کو دیکھ کر کیوں روتے تھے۔ آپ نے فرمایا " اے عزیز میں نے اللہ تعالیٰ سے معاہدہ کیا تھا کہ اس کا توڑنا ناممکن ہے ورنہ تو مجھے اس کے بالکل قریب دیکھتا۔ بلکہ اس کے پاس جاکر اس سے علیک سلیک کرتا۔ یہ تو میرا لختِ جگر اور آنکھوں کی ٹھنڈک پیارا بیٹا ہے اسے میں دودھ پیتا چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی تلاش میں نکلا تھا۔ اب بفضلہ تعالیٰ جوان ہوکر یہاں میری تلاش میں نکلا ہے۔ میرا بھی جی چاہتا ہے کہ میں اسے جاکر گلے لگاؤں لیکن مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آتی ہے کہ اپنے وعدہ کے خلاف کروں اب اے عزیز تم چلے جاؤ۔ اسے سلام جاکر کہو کچھ تو مجھے تسلی مل جائے گی اور اس کی جدائی سے جو آگ بھڑک رہی ہے کچھ تو ٹھنڈی

ہو جائے گی۔ مرید جا کر نوجوان سے کہنے لگا اللہ تعالیٰ تمہارے باپ کو خوش رکھے وہ نوجوان سن کر چونکا اور کہا میرا باپ کہاں انہیں تو کئی برس گزرے جو اپنے تخت کو چھوڑ کر راہِ حق میں نکلے تھے۔ کاش اب مجھے ان کی زیارت کے بعد مجھے موت بھی آ جائے یہ کہہ کر باپ کی یاد میں جب آنسو بہائے پھر کہا کاش مجھے ان کا دیکھنا نصیب ہوتا۔ پھر اگرچہ وہیں پر میں مرجاؤں مرید صاحب فرماتے ہیں میں واپس حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے ہاں لوٹا تو انہیں دیکھا کہ وہ مقام ابراہیم میں سربسجود ہو کر خوب رو رہے تھے۔ آپ کے آنسوؤں سے وہاں کے پتھر تر ہو گئے۔ آہ و زاری کرتے ہوئے یہ شعر پڑھ رہے تھے

ہجرت الخلق طرًا فی ھواکا
وایتمت العیال لکی اراکا
فلو قطعتنی فی الحب اربا
لما سکن الفؤاد الی سواکا

ترجمہ: میں نے صرف تیری محبت سے تمام مخلوق سے قطع تعلق کر لیا اور صرف تمہارے دیدار کے لئے میں نے بچوں کو یتیم بنایا اگرچہ تو مجھ سے لاکھ بار دور ہو لیکن میرا دل تو تیرے سوا قرار نہیں پائے گا۔

میں نے کہا اگر بچے سے ملنا منظور نہیں تو اس کے لئے دعائے خیر فرمایئے۔ آپ نے بچے کیلئے کہا اللہ تعالیٰ اسے گناہوں سے بچائے اور وہ جو کچھ چاہتا ہے اس کی مدد فرمائے۔

سبق: یہ اس کا حال ہے جس نے حق کی تلاش میں تخت و سلطنت کو لات ماردی اور فقر و فقیری میں زندگی بسر فرمائی۔ ایک ہم ہیں کہ دولت کے پیچھے سرگرداں اور فقر و فقیری کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے حضور علیہ السلام نے عرض کی اے اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت اتنی فرما کہ جس سے فقط سانس باقی رہ سکے۔

فائدہ: قوت کفایۃ بلا اسراف و کو کہتے ہیں۔

سبق: اس سے معلوم ہوا کہ کفایت شعاری دنیا داری سے افضل ہے اس لئے کہ اگر یہ افضل نہ ہوتی تو اس کے لئے حضور علیہ السلام آرزو نہ کرتے اور آپ نے اپنے لئے افضل الاحوال کی تمنا فرمائی حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

دریں بازار گر سودیست با درویش خورسند است
الٰہی منعم گرداں بدرویشی و خرسندی

ترجمہ: یہ بازار پُر منافع والے کی یا کسی درویش خوشحال کی۔ مجھے تو یا رب درویشی اور خورسندی عطا فرما۔

بقیہ صفحہ ۷۵۹

marfat.ocm

سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ

یہ سورۃ مکیہ ہے۔ اس سورۃ کی کل دوسو پانچ ۲۰۵ آیات ہیں۔ صرف آٹھ آیات جو واسئلھم سے شروع ہو کر واذ نتقنا الجبل الآیۃ تک ختم ہوتی ہیں مدنیہ ہیں۔ تمام آیات محکمہ ہیں۔ بعض نے کہا واعرض عن المشرکین تک مدنیہ ہیں۔

سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اٰيَاتُهَا ۲۰۶ رُكُوْعُهَا ۲۴
سورۂ اعراف مکی ہے اور اس میں اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا ہے دو سو چھ آیتیں اور چوبیس رکوع ہیں
الٓمّٓصٓ ① كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ
اے محبوب ایک کتاب تمہاری طرف اتاری گئی تو تمہارا جی اس سے نہ رکے اس لیے کہ تم اس
بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ② اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا
سے ڈر سناؤ اور مسلمانوں کو نصیحت اے لوگو اس پر چلو جو تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے اترا
مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ③ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا
اور اسے چھوڑ کر اور حاکموں کے پیچھے نہ جاؤ بہت ہی کم سمجھتے ہو اور کتنی ہی بستیاں ہم نے ہلاک کیں تو ان پر ہمارا عذاب
فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ④ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ
رات میں آیا یا جب وہ دوپہر کو سوتے تھے تو ان کے منہ سے کچھ نہ نکلا جب ہمارا عذاب
بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ⑤ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ
ان پر آیا مگر یہی بولے کہ ہم ظالم تھے تو بیشک ضرور ہمیں پوچھنا ہے ان سے جن کے پاس رسول گئے
وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ⑥ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ○
اور بیشک ضرور ہمیں پوچھنا ہے رسولوں سے تو ضرور ہم ان کو بتا دیں گے اپنے علم سے اور ہم کچھ غائب نہ تھے
وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ۣالْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○
اور اس دن تول ضرور ہونی ہے تو جن کے پلے بھاری ہوئے وہی مراد کو پہنچے

marfat.ocm

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا
اور جن کے پلے ہلکے ہوئے تو وہی ہیں جنہوں نے اپنی جان گھاٹے میں ڈالی ان زیادتیوں کا بدلہ جو
يَظْلِمُوْنَ ۝٩ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِى الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا
ہماری آیتوں پر کرتے تھے اور بیشک ہم نے تمہیں زمین میں جماؤ دیا اور تمہارے لیے اس میں زندگی کے اسباب بنائے بہت ہی
مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝١٠ ع
کم شکر کرتے ہو

بقیہ صفحہ نمبر ۷۵۷

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان لوگوں سے بنائے جو حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مقدسہ پر چلنے والے ہیں اور ہماری تمنائیں وصول الی مقام التوکل والیقین کی طرف لگادے اور وہ اپنے مسائل کو ناامید نہیں کرتا اور نہ ہی اپنے دعا مانگنے والے کی دعا کو رد کرتا ہے اور نہ ہی کسی کی کوشش کو ضائع فرماتا ہے۔

صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ سورۃ انعام بفضلہ تعالیٰ جمادی الاولیٰ کی آخری تاریخ سنہ ۱۱۰۰ھ میں ختم ہوئی۔

وقد تمت هذه السورة من قلم الفقير القادری ابی الصالح محمد فیض احمد الاویسی الرضوی غفرله ربه یوم ولادة حبیب رب العلمین فی السادس والعشرین من الشهر صفر المظفر المنتظم فی سلك شهور سنة الف وثلاثمأة وخمس وتسعین سنہ ۱۳۹۵ھ من هجرة امام الانبیاء والمرسلین صلی الله علیه وعلی آله واصحابه اجمعین فی دار التصنیف والتالیف التی من دار العلوم لاهل السنة والجماعة المعروفة بالجامعة الاویسیه الرضویه الواقعة فی البلدة دار السرور الشهیرة ببهاولپور من بلاد الباکستان۔

صوفیانہ نکات الٓمّٓصٓ: (الف) ذاتِ احدیہ کی طرف (ل) سے ذات صفۃ العلم کی طرف اشارہ کرتے ہیں (م) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معنی یعنی آپ کی ذات اور حقیقت پہ دلالت کرتا ہے اور (ص) صُورۃ محمدیہ یعنی آپ کے جسد اطہر اور ظاہری صورت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ (صٓ) مکہ معظمہ میں ایک پہاڑ کا نام ہے جب رات تھی نہ دن تھا اس وقت اللہ تعالیٰ کا عرش اس پہ تھا۔ اس بنا پہ اس پہاڑ کی طرف اشارہ کر کے حضور علیہ السلام کے جسد مبارک اور عرش رحمٰن سے آپ کا قلب شریف مُراد لیا ہے۔

حدیث شریف میں ہے "قلب المؤمن عرش اللہ" مومن کا دِل عرش الٰہی ہے۔ حدیث شریف میں فرمایا کہ اس وقت رات تھی نہ دن تھا یعنی وحدت ہی وحدت تھی اس لئے کہ قلب جب نفس کی زمین کے سایہ میں ہو کر صفات نفس سے محجوب ہو جاتی ہے تو اس کے لئے وہی کیفیت بمنزلہ رات کے ہوتی ہے پھر جب اس پہ روح کے سورج کی کرن پڑتی اور وہ اس سے نورُ حاصل کرتی ہیں تو وہ حالت اس کے لئے بمنزلہ دن کے ہوتی ہے پھر جب معرفت الٰہی اور شہود ذاتی سے وحدۃ میں پہنچتی ہے تو اس میں نور وظلمت مساوی ہو کر فانی ہو جاتے ہیں تو اس کے لئے یہی ہوتا ہے کہ اس کے لئے نہ رات ہے نہ دن اس وقت پہ عرشِ الٰہی مستقر ہوتا ہے اب مطلب یہ ہوا کہ وجود الکل من اعلٰہ الی الآخرۃ ایک کتاب ہے جس کا علم ہم نے آپ کی طرف نازل فرمایا (کذا فی التاویلات القاشانیہ)

دوسری صوفیانہ تقریر حضرت الشیخ نجم الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے ذات وصفات بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے بیان فرمائے تو اپنا ذاتی تعارف المصٓ سے کرایا۔ یعنی وہ اپنے لطف سے معبود ہے اور بندہ محبت ومعرفت سے فرد ہے اس نے آپ پر نازل کردہ کتاب کے واسطے سے معرفت ومحبت کے کمال کو قبول کرنے سے صبر وصدق سے نوازا گیا۔

فائدہ؛ تفسیر فارسی میں ہے کہ "المصٓ" قرآن پاک کا نام ہے یا اس سورۃ کا نام ہے یا اس کا ہر حرف اسمائے الٰہی کے کسی اسم کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جیسے الف سے اللہ لام سے لطیف میم سے ملک، صاد سے صبور یا ہر حرف اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت پہ دلالت کرتا ہے۔ مثلاً الف اکرام پہ لام لطف پر اور میم مجد پر صاد صدق پر یا اسم "المقتدر" سے کنایہ ہے یا بعض حروف اسماء پہ دلالت کرتے ہیں اور بعض افعال وتقدیر پہ۔ اب اس کا معنی ہوا "انا اللہ اعلم وافصل" میں اللہ ہوں۔ جانتا اور بیان کرتا ہوں یا یہ کہ میں تمام سے زیادہ عالم اور حقائق میں حق وباطل کا فرق بتاتا ہوں۔

فائدہ؛ حضرت سلمی فرماتے ہیں کہ الف کا اشارہ ازل کی طرف اور لام ابد کی طرف اور میم ازل وابد

marfat.ocm

کے ابین کی طرف اور صاد کا اشارہ ہر متصل کے اتصال اور ہر منفصل کے انفصال کی طرف ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسمیں اتصال کی گنجائش ہے نہ انفصال کو سہ

۱۔ این چہ راہست این بروں از فصل و وصل
کا ندرونی فرع می گنجد نہ اصل

۲۔ نے معانی نے عبارت نے عیاں
نے حقائق نے اشارت نے بیان

۳۔ برتر است از مدرکات عقل و وہم
لاجرم گم گشت دروے فکر و فہم

۴۔ چوں بکلی رہ گفت و گوئی نیست
ہیچکس را جز خموشی روئے نیست

ترجمہ ۱۔ یہ کیا راہ ہے فصل و وصل سے خارج اسمیں نہ اصول سما سکتے ہیں نہ فروع

۲۔ نہ معانی نہ عبارت نہ ظاہر نہ حقائق نہ اشارہ نہ بیان

۳۔ مدرکات عقل و وہم سے برتر ہے۔ بہرحال اس میں وہم و فکر گم ہے۔

۴۔ جب مکمل طور اس میں گفتگو نہیں ہو سکتی تو پھر کسی کو خاموشی کے سوا چارہ نہیں۔

صاحب روح البیان کا فیصلہ

فقیر کہتا ہے کہ یہ حروف مقطعات متشابہات سے ہیں ان میں عقول کو کسی قسم کا درک نہیں البتہ اسے اہل اللہ ضرور جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم سے وہ اُن سے خوب واقف ہیں۔ انہیں مفسرین نے جو کچھ کہا ہے وہ ان کے معانی و لوازم و حقائق سے اشارہ سمجھ کر کہا ہے۔ بنابریں ہم بھی اس کے متعلق کچھ کہتے ہیں۔ وہ یہ کہ ان حروف میں ترکیب صفاتی و فعلی واحدی ابدی ہے۔ یہ مرتبہ وحدۃ ذاتیہ میں ایک علیحدہ علیحدہ افراد تھے پھر تجلی الٰہی سے وہ فرد مرکب ہو گیا اور جمع سے متفرق ہو گیا۔ وہ قوت سے فعل ہو گیا اور جمع سے متفرق ہو گیا۔ اس سے نسب و اضافات کا صدور ہوا جیسے کلام ترکیبی کا اصل حروف مفردہ ہیں یعنی حروف تہجی پھر ترکیب سے آب و ہوا پھر ابجد ہوا بعد ازاں الحمد للہ ہوا یوں سمجھئے کہ انسان اصل تعین جسم کے لحاظ سے ایک نطفہ ہے پھر اس کی ایک تصویر کھینچی گئی اس سے ترکیب جسمانی ہوئی۔ واللہ اعلم"

۵ کِتٰبٌ یہ کتاب ہے اُنْزِلَ اِلَيْكَ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے آپ کے ہاں نازل کیا گیا فَلَا يَكُنْ فِیْ صَدْرِكَ حَرَجٌ پس آپ کے سینہ میں کوئی تنگی نہ ہو یعنی اس کے حق ہونے میں شک نہ ہو یہ ایسے ہے

marfat.ocm

جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَاِنْ كُنْتَ فِىْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ صرف فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں اسے حرج صدر سے تعبیر فرمایا ہے جو کہ شک کو لازم ہے اس لئے کہ شکی کو ہی دل تنگی ہوتی ہے جیسے یقین کرنے والے کو انشراح صدر ہوتا ہے ۔ یہ خطاب حضور علیہ السلام کو ہے لیکن اُمت مراد ہے۔ یعنی اے اُمتیوا شک نہ کرو اور منہ حَرَجٌ کے متعلق ہے مثلاً کہا جاتا ہے "حرج منہ" ای ضاق بہ صدرہ ۔ اور جائز ہے کہ حرج اپنے حقیقی معنی پر ہو یعنی آپ کفار کے خوف سے تبلیغ کرتے ہوئے ملال نہ فرمائیں۔ اس خیال سے کہ کفار تکذیب کریں گے جیسا کہ ابتداء اسلام میں آپ کو اپنی قوم کی تکذیب اور ان کے اعراض سے خوف رہتا تھا اس لئے کہ تبلیغ کے وقت آپ کو ملال ہوتی اور کھل کر آپ تبلیغ نہیں کر سکتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو امن وسلامتی عطا فرمائی اور فرمایا کہ آپ بے پرواہ ہو کر انہیں تبلیغ فرمائیں۔

لِتُنْذِرَ بِهٖ یہ اُنزل کے متعلق ہے تاکہ اس کتاب منزل من اللہ سے ڈرائیں وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ تاکہ مومنین کو خوب نصیحت فرمائیں ۝۳ اِتَّبِعُوْا اتباع کرو اے حکم بردارو۔ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ اس کی جو تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لئے اُترا ہے۔ یعنی قرآن مجید کی اتباع کرو۔ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اور اس کی تابعداری مت کرو جو تمہارے رب تعالیٰ سے نہیں اُترا۔ اس لئے کہ وہ تمہیں حق کی طرف نہیں لے جائے گا۔ من دونہ ولا تتبعوا ۔ کے فاعل سے حال ہے اب معنٰی یہ ہوا کہ تابعداری نہ کرو درانحالیکہ تم اللہ تعالیٰ سے تجاوز کرنے والے ہو ۔ اولیاء یعنی وہ من دونہ اولیاء الجن والانس ہیں تم ان کی اطاعت سے اللہ تعالیٰ کی بے فرمانی میں پڑو گے۔ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ تذکرون دراصل تتذکرون تھا اس کی ایک تاء حذف کر دی گئی اور قلیلاً ما میں لفظ ما زائدہ ہے اسے قلت کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے یعنی تم تھوڑی یا تھوڑی دیر نصیحت پا سکو گے یعنی اس کا زیادہ دیر اثر نہیں رہے گا۔ پھر بہت جلدی تم اس سے متنفر ہو جاؤ گے قرآن کے موجب پر عمل نہیں کرو گے بلکہ سرے سے اللہ تعالیٰ کے دین کو چھوڑ کر غیر دین کو کرنے لگ جاؤ گے ۔

ربط ، اب گزشتہ امتوں میں سے جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی نہ کی بلکہ اپنے دوستوں کی باتوں کی اتباع کرتے اور اس پر اصرار کرنے لگے ، ان کی سزاؤں اور انجاموں کا بیان فرمایا کہ ۝۴ وَكَمْ یہ کم خبریہ اور مبتدا ہے آنے والا جملہ اس کی خبر ہے مِّنْ قَرْيَةٍ یہ کم تکثیریہ کی تمیز ہے ۔ اَهْلَكْنٰهَا ھا کی ضمیر کم کے معنی کثرت کی طرف راجع ہے یعنی بہت سے علاقوں کو ہم نے تباہ کرنے کا ارادہ کیا یا ان علاقوں کے بہت سے لوگوں کے ہلاک کرنے کا ارادہ کیا۔ اس تقریر ثانی پہ کم اھلکنا سے محلاً منصوب ہے جیسے لقدرہ "انا کل شیءٍ خلقناہ" میں محلاً منصوب ہے۔ فَجَآءَهَا پس اُن کے اہل کے ہاں آیا۔ بَاْسُنَا بَيَاتًا ہمارا عذ

marfat.ocm

مصدر ہے بمعنی فاعل اور وہ حال کے قائم مقام ہے۔ بیاتًا ای بائتین درانحالیکہ وہ رات میں سونے والے تھے۔ جیسے لوط علیہ السلام کی قوم کے ساتھ ہوا۔

فائدہ: حدادی نے فرمایا کہ رات کو بیات اس لئے تعبیر کرتے ہیں کہ اس میں شب باشی ہوتی اور مقیل کی ضد کو کہا جاتا ہے بیتوتۃ رات کے آنے کو کہتے ہیں اس میں نیند کی جائے یا نہ جیسے فارسی رات گذاشتن رات گزارنا کہتے ہیں۔ اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ۔ اس کا عطف بیاتًا پر ہے اور قیلولۃ مشتق ہے دوپہر کے آرام کرنے کو کہتے ہیں یعنی انہیں دوپہر میں اللہ تعالیٰ کے عذاب پہنچے۔ جیسے علیہ السلام کی قوم سے ہوا کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے سخت گرمی میں دوپہر کے وقت تباہ و برباد کیا۔

لطیفہ: تفسیر فارسی میں ہے کہ عذاب کو ان دونوں وقتوں سے اس لئے مخصوص کیا گیا کہ یہ دونوں استراحت و آرام کے اوقات ہیں۔ ان دونوں وقتوں میں عذاب کا وقوع غیر متوقع ہوتا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ عدم توقع میں عذاب سخت تر محسوس ہوتا ہے جیسے نعمت غیر مترقبہ کا حصول لذیذ اور عجوبتر ہوتا ہے۔

دَعْوٰىهُمْ پس اس وقت انکو کوئی دعوی نہ تھا انہوں نے نہ کوئی دعا کی اور نہ ہی عجز زاری اِذْ جَآءَهُمْ ان پر بَاْسُنَآ ہمارا دیا ہوا عذاب آیا۔ (یعنی اس کے علامات معلوم کئے) اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا مگر یہ کہ کہا کہا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ بے شک ہم ظالم ہیں یعنی اپنی غلطیوں کا اب اعتراف کیا کہ واقعی جن امور کا ارتکاب کرتے تھے وہ غلط تھے۔ اس وقت ان کی اپنی غلطی کی خود گواہی دینا حسرت و ندامت اور جان کے طمع پر تھا۔ لیکن اب وقت نکل گیا اس لئے کہ نزول عذاب کے وقت توبہ بھی ناقابل قبول ہے پھر صرف ندامت وغیرہ انہیں کیا فائدہ دیتی۔ اس لئے کہ توبہ اور مکلف ہونا ہر دونوں اسوقت اکٹھے مرتفع ہوجاتی ہیں۔ لیکن یونس علیہ السلام کی قوم اس سے مستثنیٰ ہے اس کا مفصل بیان آئے گا (انشاء اللہ) مثنوی میں ہے

۱۔ ہمچوں آن مرد مفلسف روز مرگ
عقل را می دید بس بے مال و برگ

۲۔ بے غرض می کرد آن دم اعتراف
کز ذکاوت راندہ ایم اسپ از گزاف

۳۔ از غروری کہ کشیدیم از رجال
آشنا کردیم در بحر خیال

۴۔ آشنائی نیست اندر بحر روح
نیست آنجا چارہ جز کشتی نوح

marfat.ocm

۵۔ اینچنیں فرمودہ آں شاہِ رُسل
کہ منم کشتی دریں دریائے کُل

۶۔ یاکسے کو در بصیر تہائے من
شُد خلیفہ راستی برجائے مَن

۷۔ کشتئ نُوحیم در دریا کہ تا
رو نہ گردانی زکشتی اے فتی

ترجمہ ۱: اس فلسفی کی طرح جو موت کے وقت عقل کو بے سروسامان دیکھ کر
۲: بلا تاخیر اعتراف کرتا ہوا کہتا ہے کہ تیزئ عقل سے ہم بلا فائدہ گھوڑے دوڑاتے رہے
۳: عزور سے لوگوں سے ہم علیٰحدہ رہے ہم صرف بحر خیال میں غرق رہے۔
۴: بحر روح میں کون آشنا ہے وہاں کشتئ نوح کے سوا کوئی چارہ نہیں۔
۵: ایسے شاہ رسولاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسی دریائے کل کا میں ہی کشتی
۶: جو بھی میری بصیرتوں پر میرا خلیفہ تابعداری ہوا۔
۷: ہم کشتی نوح ہیں اس دریا میں اے نوجوان اس کشتی سے منہ نہ پھیرنا۔

۶ فَلَنَسۡـَٔلَنَّ الَّذِیۡنَ اُرۡسِلَ اِلَیۡهِمۡ ۔ یہ فاء ترتیب کے لئے ہے کہ احوال اُخرویہ کو احال
مرتب کرتا ہے یعنی قیامت میں ہم تمام اُمتوں سے سوال کریں گے درانحالیکہ ہم انبیاء علیہم السلام سے پو
کہ جن کے ہاں تم بھیجے گئے انہوں نے تمہیں کیا جواب دیا وَلَنَسۡـَٔلَنَّ الۡمُرۡسَلِیۡنَ اور ہم پیغمبران
علیہم السلام سے بھی پوچھیں گے کہ تمہاری امتوں نے کیا کہا۔ اس سے کافروں کو توبیخ اور انہیں تنبیہ
مطلوب ہے۔

سوال: دوسری آیت میں امت سے سوال کی نفی ہے "قال و لا یسال عن ذنوبھم المجرمون"
جواب۱: استعلام کے سوال کی نفی ہے یعنی اُن سے صرف حالات کے اظہار کا سوال نہیں ہوگا۔ اگرچہ
کے طور۔

جواب۲: سوال ہوگا موقف حساب میں لیکن ان سے موقف عقاب میں سوال نہ ہوگا بلکہ حساب کے بعد
بغیر جہنم میں دھکیلے جائیں گے۔
جواب۳: (فخرالدین رازی) تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ اُن سے ان کے اعمال کے متعلق سوال ہوگا بلکہ
کے اسباب کے متعلق ہوگا کہ یہ اعمال تم نے کیوں کئے اور ان کے ارتکاب پر کس چیز نے تمہیں ابھارا

صَّقَ عَلَيْهِمْ۔ جب انبیاء علیہم السلام عرض کریں گے۔ "لا علم لنا انک انت علام الغیوب"
نہیں بیان کریں گے (بعلم) علم سے اس لئے کہ ہم ان کے ظاہر و باطن کو خوب جانتے ہیں وَمَا كُنَّا
بِیْنَ اور ہم اُن سے کسی وقت بھی غائب نہیں اس لئے ہم سے ان کے اعمال و احوال مخفی نہیں
• قیامت میں رسل کرام علیہم السلام کہیں گے "سَلِّمْ سَلِّمْ"۔ انہیں اپنی امت کا بہت بڑا خوف ہوگا
وہ عذابِ الٰہی سے مامون و محفوظ ہوں گے۔ لیکن قربِ الٰہی کی وجہ سے خائف ہوں گے۔ وہ طاہر و مطہر
ن کے بواطن ضلالت و گمراہی کی ہر طرح کی گرد و غبار سے محفوظ رہے اور اُن کے ظواہر کے لئے
مخالفت کا پہلو بھی نہیں نکل سکتا۔ وہ ہر طرح کے امن و سکون میں ہوں گے کہ انبیاء علیہم السلام
ن مراتب سے بوجہ خوشی رشک کریں گے۔ اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام کو اپنی امتوں کا خوف ہوگا
ہیں کسی قسم کا خطرہ ہی نہیں ہوگا۔

ت میں کون لوگ محفوظ ہوں گے

جس کی موت اس حالت میں واقع ہوئی کہ

(۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔

(۲) نبی علیہ السلام کی نبوت پر ایمان رکھتا تھا۔

(۳) ہر عمل صالح اخلاص سے کرتا تھا۔

(۴) سحر اور جادو سے پاک تھا۔

(۵) مسلمانوں کے ناحق خون نہیں بہاتا تھا

(۶) اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کا خیرخواہ تھا۔

(۷) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کے فرمانبردار بندوں سے محبت کرتا تھا۔

(۸) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کے باغیوں سے بغض رکھتا تھا۔

کو عرشِ الٰہی کے نیچے جگہ ملے گی اور قیامت کے ہر غم اور الم سے محفوظ ہو جائے گا اور جو ان امور میں کسی ایک
ب کرتا ہوا مرا یا دینی باتوں میں سے اس کا دل بگڑا یا شک کیا تو وہ قیامت میں ایک ہزار سال سخت
غم و الم اور عذاب میں مبتلا رہے گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی جس طرح چاہے فیصلہ فرمائے۔

ت

کندہ کا بادشاہ بہت بڑا عیاش تھا ہر گھڑی عیش و عشرت میں گزارتا۔ ایک دن شکار یا کسی کام
کے لئے گھر سے نکلا۔ دور جا کر لشکر سے علیحدہ ہو گیا۔ ایک جگہ دیکھا کہ ایک شخص نے مُردوں کی
ڈیاں جمع کی ہوئی ہیں اور انہیں لے کر بچوں کی طرح الٹ پلٹ کر رہا ہے۔ بادشاہ نے اُس سے پوچھا اے
بہ کیا کر رہے ہو اور تجھے کیا ہے کہ رنگ فق ہے اور حالت تبدیل ہے اور اکیلا جنگل میں بیٹھا ہوا ہے۔ اُس نے

marfat.ocm

کہا بھائی کیا پوچھتے ہو۔ میں دور کا مسافر ہوں اور مجھے دو سپاہی ایسے گھر کی طرف دھکیلتے جا رہے ہیں جس گھر میں نہ
ساتھی اور نہ کوئی آرام کے اسباب نہایت ہی ویرانہ اور سخت تاریک ماحول میں اور گہرائی کا کیا کہنا اور ٹھہرنے سے
طبیعت کو سخت کراہت و نفرت۔ وہاں مجھے سوائے گلنے اور سڑنے اور تباہی و ہلاکت کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ایسی
تک مجھے بھیجا جا رہا ہے وہ زمین کے اوپر نہیں بلکہ زمین کے اندر ہے۔ مجھے پھر اس میں ایک حال پہ نہیں
جائے گا بلکہ وہاں تنگی اور وحشت اور جسم کو کیڑے مکوڑے کھا جائیں گے اور میرے جسم کی بوٹی بوٹی نوچ لیں
اور ہڈیاں چورہ چورہ ہو جائیں گی تو پھر جسم کو پہلے کی طرح کیا جائے گا باوجودیکہ ابھی یہ نہیں پتہ کہ پھر
انجام کیا ہوگا۔ نا معلوم مجھے سعیدوں میں رکھا جائے گا یا بدبختوں میں۔ مجھے پھر اس گھر سے نکال کر میدان حش
ے جائیں گے۔ اس میں مجھ سے زندگی بھر کے جرائم و معاصی و دیگر اعمال کے متعلق بہت بڑی دیر تک حساب
گا۔ پھر معلوم نہیں مجھے کونسی دار میں رہنا نصیب ہو۔ اب سوچ کر بتلائیے جس کا یہ حال ہو وہ کس طرح عیش و عش
سے گزارے۔ بادشاہ اس کی یہ بات سن کر خوفزدہ ہو کر گھوڑے سے اترا اور اس مرد کے قریب بیٹھ گیا اور
باتوں سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور میرے دل پر ان کا گہرا اثر ہوا ہے مہربانی کر کے کچھ اور سنائیے
مرد سے کہا تمہیں معلوم ہے یہ ہڈیاں کیسی ہیں۔ بادشاہ نے کہا فرمائیے۔ اس مرد نے کہا یہ ان بادشاہوں کی ہڈیاں
جنہیں دنیا نے دھوکہ دیا اور اس کی رونقوں کے فریب میں آ گئے اور ان کے دلوں کو دنیا کی رنگینیوں میں پھنسا
اور موت کے جھٹکوں کو بالکل فراموش کر بیٹھے یہاں تک کہ ان پر موت نے حملہ کیا۔ جس سے ان کی تمام تمنائیں
مل گئیں اور ان کی تمام شان و شوکت ملیامیٹ ہو گئی یہی ان کی ہڈیاں ہیں جنہیں چند دنوں کے بعد جسم دیکر
جائیں گے۔ اُن سے دنیا کی نعمتوں کا حساب ہو گا۔ پھر یا انہیں دارالقرار (بہشت) میں جانا نصیب ہو گا
والبوار (جہنم) میں۔ یہ کہہ کر وہ نوجوان بادشاہ کی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ اس کے بعد بادشاہ اپنے ساتھی
جا ملا لیکن اس کا حال متغیر تھا اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ جب رات ہوئی تو شاہی لباس اتار کر پھٹے پرا
پہنے اور راتوں رات وہاں سے نکل کھڑا ہوا اور مرتے دم تک اسی حال پر رہا۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ؎

افنی القرون التی کانت منعمة
کر الیسلات اقبالا و ادبارا

یا راقد باللیل مسرورا باوله
ان الحوادث قد یطرقن اسحارا

لا تامنن بلیل طاب اوله
ضرب آخر لیل اجم النار

marfat.ocm

ترجمہ: بہت سے خوشگوار زمانہ کے لوگوں کو راتوں کی آمد و رفت نے فنا کیا۔ اے پہلی رات کو خوش ہو کر سونے والو (خوف کرو)، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آخری رات کو حوادث گھیر لیتے ہیں پہلی رات کے بہلانے سے خوش ہو کر نہ سو (ممکن ہے کسی غلطی سے)، تم رات کے آخر میں جہنم کا ایندھن بن جاؤ۔

حضرت امام زین العابدین کی نصیحتیں

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اس اترانے والے متکبر سے تعجب ہوتا ہے کہ وہ نہیں سمجھتا کہ کل نطفہ تھا چند روز کے بعد اسے جیفہ بنا کر مٹی میں دبا دیا جائے گا اور اس شخص پر بھی بڑا تعجب ہے جو اللہ تعالیٰ کے متعلق شک کرتا ہے حالانکہ اسے معلوم ہے کہ یہ تمام مخلوق اس کی پیدا کردہ ہے اور اس بندے پر بھی تعجب ہے جو قیامت کا انکار کرتا ہے حالانکہ اسے یقین ہے کہ دنیا فانی ہے اس انسان پر بھی تعجب ہے جو دارِ فنا کے لئے تو کمائی کرتا ہے لیکن دارِ بقا کے لئے کچھ نہیں کماتا۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ اپنی گذشتہ زندگی سے عبرت پکڑے۔ اس وقت افسوس کے ہاتھ ملے گا جبکہ قضا و قدر کا پیغام پہنچیگا۔ طریق حق کے لئے جدوجہد کرے اور ہر صبح و شام اللہ تعالیٰ کے ذکر میں بسر کرے۔ موت کے نزول سے پہلے ہی تیار رہے۔ وقت ہوا کی طرح گزر جائے گا۔ غور کیجیے اب وہ بدبخت کہاں ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کرتے تھے۔ انہیں بھی دارِ جزاء کی طرف دھکیلا گیا ہے ایک دن یہ دنیا فنا ہو جائے گی۔ پھر اس عالم دنیا پر کوئی نہ ہوگا فرشتے۔ جن بنو آدم سب کو فنا ہے اس وقت تمام اعمالنامے لپیٹ لئے جائیں گے اور سوال و جواب کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور سب حاضر ہوں گے پھر ہر چھوٹا بڑا عمل سامنے آ جائے گا۔ بدبختوں کو بدبختی اور نیک بختوں کو سعادت نصیب ہوگی۔ اے اللہ ہم موت کی یاد کا سوال کرتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ ہمیں ہر وقت اطاعت کی توفیق نصیب ہو اور ظاہری باطنی طور سیدھے راہ پہ چلنے کی طاقت حاصل ہو اے قادر قوت رب کریم ہم ضعیفوں کی مدد فرما۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ وَالْوَزْنُ یعنی وزن اعمال یعنی واضح کرنا کہ راجح عمل کونسا ہے اور کمزور کون اور انہیں کھرا کون ہے اور کھوٹا کون۔ فارسی میں اس کا ترجمہ یوں کیا گیا کہ "سنجیدن اعمال ہر یک" کے اعمال کی تول الحق ہے۔ فارسی میں اس کا ترجمہ ہے "راست و بودنی" سچ اور ہونے والی بات ہے۔ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ پس جس کے اعمال بھاری ہوں گے یعنی وہ نیکیاں جو تولی جائیں گی اگر بوجھل ہونگی موازین موزون کی جمع ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ وہ میزان کی جمع ہو۔ بوجہ مختلف ہونے موزونات اور متعدد ہونے وزن کے

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ موازین کو جمع لانے میں راز یہ ہے کہ ہر ایک بندے کے مناسب حال پر علیحدہ علیحدہ ترازو کھڑے کئے جائیں گے۔ مثلاً بدن کے لئے ایک ترازو ہوگا کہ اس سے

marfat.ocm

بدن کے اوصاف تولے جائیں گے۔ اسی طرح سِر کا ترازو ہوگا۔ اس سے اس کے احوال تولے جائیں گے خفی کا ایک اور ترازو ہوگا اس سے اس کے اخلاق تولے جائیں گے۔

فائدہ : خفی لطیفہ روحانیہ کا نام ہے یہی اخلاق ربانیہ کے فیض کے قابل ہے۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ خلق حسن کا بوجھ تمام اعمال سے زیادہ وزنی ہوگا اس لئے کہ خلقِ حسن بندوں کے اوصاف سے نہیں بلکہ رب العالمین کی صفت ہے اس لئے بندوں کو حکم ہے کہ وہ اخلاقِ الٰہیہ کی عادت پیدا کریں۔

فَاُولٰٓئِكَ لفظ مَن کے معنی میں جمع کے معنی کا اعتبار کرکے اشارہ جمع کا لایا گیا۔ هُمُ یہ ضمیر فصل کی ہے جو مسند الیہ و مسند کے درمیان واقع ہوتی ہے۔ اَلْمُفْلِحُوْنَ وہی لوگ کامیاب ہیں یعنی نجات و ثواب پانے والے ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فارسی میں اس کا ترجمہ یوں ہے "ہرکہ سبک شود وزن کردہ او آں سبکی بمعصیت خواہد بود" یعنی جس کے عمل ہلکے ہوں گے یعنی دوسرا پلڑا گناہوں کی نحوست سے ہلکا ہلکا فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یہ وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنی فطرت سلیمہ کہ جس پیمان کی تخلیق ہوئی کو ضائع کردیا اور ایسے اعمال کا ارتکاب کیا جو عذاب کے سبب بنے تو انہوں نے اپنے نفوس کو خسارے میں ڈالا۔

فائدہ : حدادی نے فرمایا کہ "خسران بمعنی راسِ اعمال ضائع کردینا اور انسان کا راس امال اپنا نفس ہے پھر جب وہ بُرے اعمال سے ہلاک و تباہ ہوا تو گویا اس نے نفس کو ضائع کردیا۔ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ۝ بوجہ اس کے کہ انہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی۔ یعنی ان کی تصدیق کے بجائے تکذیب کی اور بِمَا خَسِرُوْا کے متعلق ہے اور ما مصدریہ اور بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ کے متعلق ہوکر تکذیب کے معنٰی کو متضمن ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ترازو صرف اہلِ حق اور ارباب صدق اور نیک عمل والوں کے لئے ہوگا اہل باطل کے لئے کوئی ترازو نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا۔

حدیث شریف : قیامت کے دن ایک ایسے مرد کو لایا جائے گا کہ دنیا میں بہت بڑا عظیم المرتبہ بڑا قد آور اور کھاتا پیتا تھا اُسے تولا جائے گا تو مکھی کے پر کے برابر بھی اس کا وزن نہیں ہوگا اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ وزن صرف اشخاص کا ہوگا نہ کہ اعمال کا جیسا کہ بعض علماء کا مذہب ہے لیکن جمہور کا مذہب ہے کہ اعمال کا وزن ہوگا ان اعمال کے صحیفے ہوں گے وہی صحیفے ترازو میں رکھے جائیں گے اس ترازو کے دو پلڑے ہوں گے اسے تمام لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے تاکہ حق تعالیٰ کے عدل و انصاف کا ظہور ہو اور مجرموں کا عذر ختم ہو جب کہ اللہ تعالیٰ اُن سے سوال فرمائے گا تو وہ اپنے گناہوں کا انکار کریں گے لیکن ان کی زبان اور دوسرے اعضاء گناہوں کی گواہی دیں گے اس کے بعد حضرات انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ کرام اور دوسرے گواہ بھی گواہی دیں گے اور اُن کے اعمال اعمال ناموں میں

marfat.ocm

منکر ہوں گے جنہیں مجرموں کے سامنے کر اقرار سے پڑھایا جائے گا۔ یہ یوم حساب کے وقت ہوگا۔

حدیث شریف: قیامت کے دن ایک ایسے شخص کو لایا جائے گا جس کے ننانوے اعمالنامے کھولے جائیں گے جنہیں وہ بندہ آنکھوں سے دیکھ رہا ہوگا لیکن ایک ایسا پرچا نکالا جائے گا جس پر کلمہ شہادت لکھا ہوگا اس کے تمام اعمال ایک پلڑے میں اور دوسرے پلڑے میں وہی کلمہ شہادت کا پرچہ رکھا جائے گا باوجودیکہ وہ پرچہ نہایت ہی چھوٹا ہوگا لیکن دوسرے تمام اعمال سے بوجھل ہو جائے گا۔

فائدہ: حدیث مذکور میں لفظ بطاقہ واقع ہوا ہے کاغذ کے اس چھوٹے ٹکڑے کو کہا جاتا ہے کہ جو کپڑے کی لپیٹ میں رکھ دیا جاتا ہے اسی پر کپڑے کی قیمت لکھتے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی حکایت

حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ الٰہ العالمین مجھے ترازو کی اصل صورت دکھلایئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے ترازو کی اصل صورت ظاہر فرمائی۔ دیکھا تو اس کا ایک کونہ مشرق میں اور دوسرا مغرب میں۔ یہ دیکھ کر داؤد علیہ السلام پر غشی طاری ہوئی جب افاقہ ہوا تو عرض کی یا اللہ کس سے اس کے پلڑے کے لئے نیکیاں جمع ہو سکتی ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے داؤد علیہ السلام میں جس بندے سے راضی ہو جاؤں تو صرف ایک کھجور کے صدقے سے اس پلڑے کو پُر فرما دونگا

فائدہ: تفسیر فارسی میں ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ترازو کا ایک ستون پچاس ہزار سال کی مسافت کے برابر ہے اس کا ایک پلڑا نوری ہے دوسرا ظلماتی۔ نیکیاں نوری پلڑے میں اور برائیاں ظلماتی پلڑے میں رکھی جائیں گی۔

حکایت ایک بزرگ نے فرمایا کہ میں نے کسی بزرگ کو خواب میں دیکھا۔ میں نے اُن سے پوچھا آپ کے ساتھ کیا ہوا انہوں نے فرمایا کہ میری نیکیاں اور برائیاں تولی گئیں میری برائیوں کا پلڑا بھاری ہو گیا پھر اچانک ایک تھیلی آسمان سے اتری اور میری نیکی کے پلڑے میں رکھ دی گئی۔ اس سے میری نیکی کا پلڑا بھاری ہو گیا۔ میں نے اس تھیلی کو دیکھا تو اس میں وہ مٹی کا ڈھیلا تھا جو میں نے ایک مسلمان کی قبر پر رکھا تھا۔

حکایت ایک دوسرے شخص کا واقعہ ہے کہ اس کے عمل نامے لائے جائیں گے تو اس کی برائیاں بھاری ہو جائیں گی اس کے بعد ایک بادل سا آسمان سے اُترے گا جو اس کی نیکیوں کے پلڑے میں بیٹھ جائے گا اس سے اس کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو جائے گا پھر اسے کہا جائے گا تجھے معلوم ہے یہ کیا ہے کہا واللہ اعلم۔ اُسے کہا گیا یہ تیرا علم ہے اسی کی برکت سے تیرا کام بن گیا۔ یعنی وہ علم کہ تو لوگوں کو پڑھاتا تھا۔

حکایت ایک اور شخص کا واقعہ ہے کہ اس کے دونوں پلڑے برابر ہو جائیں گے یعنی نیکیاں اور بدیاں برابر ہو جائیں گی عرض کرے گا یا اللہ اب میرا کیا ہوگا کہ نہ میں بہشتی اور نہ دوزخی۔ اس کے بعد ایک پرچا اس کی

marfat.ocm

بریوں میں اچانک آکر پڑے گا تو اس کی برائیاں بوجھل ہو جائیں گی دیکھا جائے گا تو اس میں جھڑکی ہوگی جو اس نے اپنے ماں باپ کو کی ہوگی اور یہ گناہ اتنا بوجھل ہے کہ پہاڑ بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے اس کے بعد حکم ہوگا کہ اسے جہنم میں لے جاؤ۔ بندہ عرض کرے گا مجھے جہنم سے تو انکار نہیں لیکن ایک دفعہ مجھے اللہ تعالیٰ کے ہاں لے جاؤ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اسے میرے ہاں لے آؤ۔ جب وہ حاضر ہوگا اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے باپ کے بے فرمان تو مجھے کیا کہتا ہے عرض کرے گا یا اللہ مجھے معلوم تھا کہ میرے باپ نے جہنم میں جانا ہے۔ جیسا کہ اس کے اعمال تھے۔ میں نیکیوں پہ بھروسہ کرتا تھا کہ میں بہشت میں جاؤں گا لیکن مجھے وہ بہشت دوہرا عذاب محسوس ہوتی جب کہ والد دوزخ میں ہو اس سے میرا ارادہ تھا کہ جہنم میں جاکر اسے چھڑا لوں گا اور جہنم میں جانے کا یہی واحد سبب تھا۔ جو میں نے کیا اللہ تعالیٰ اُس کی اس بات سے خوش ہو کر فرمائے گا کہ دنیا میں تو باپ کا بے فرمان رہا اب آخرت میں اُس کی فرمانبرداری کا دم بھرتا ہے۔ جا میں نے تجھے بخش دیا اور تیرے والد کو بھی۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

طمع ز فیض کرامت مبر کہ خلق کریم
کہ بخشد و بر عاشقاں بخشاید

ترجمہ: فیض کرامت سے امید منقطع نہ کر۔ وہ بخشتا ہے اور بخشتا بھی عشاق کو ہے

بے حساب و بے کتاب

ستر ہزار افراد ایسے ہوں گے جو بغیر حساب و کتاب بہشت میں داخل ہوں گے اُن کے لئے کوئی ترازو نہیں لایا جائے گا۔ اس طرح اہل مصیبت کیلئے بھی کوئی ترازو نہیں رکھا جائے گا ان پر اجر و ثواب موسلا دھار بارش کی طرح برسے گا اس وقت دنیا میں تندرست رہنے والے لوگ آرزو کریں گے کاش ہمارے اجسام کو مقراضوں سے کاٹا جاتا جب کہ وہ بیماری و تکلیف والوں کے اجر و ثواب ملاحظہ کریں گے اس لئے کہ وہ لوگ بہشت کے ایک درخت کے سایہ تلے ہوں گے۔ شجرۃ البلویٰ نام ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّمَا یُوَفَّی الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔

تفسیر صوفیانہ

اہل تحقیق فرماتے ہیں کہ توحید رسمی کے لئے ترازو رکھا جائے گا۔ اس لئے کہ اس کی ضد پائی جاتی ہے۔ چنانچہ حدیث سجلات سے معلوم ہوا توحید حقیقی کے لئے ترازو رکھا جائے گا۔ اس لئے کہ اس کا مدمقابل کوئی نہیں اس لئے کہ ایمان و کفر کا اجتماع محال ہے۔ البتہ ایمان اور سیئات کا اجتماع ہوا کرتا ہے اس لئے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ افضل الاذکار ہے اور صرف اللہ اللہ سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ذکر افضل ہے۔ یہی عارفین کا مذہب ہے کیوں کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ جامع ذکر ہے اس لئے کہ اس میں نفی بھی ہے اور اثبات بھی اور علم و عرفان پر مشتمل ہے جس سے خلق کے عین کی نفی صرف مجاز

marfat.ocm

کی اور عملاً نہیں تو اس نے حق کا اثبات کیا حکماً بھی عقلاً بھی اور اللہ جامع جمیع الاسماء ہے اور وہ صرف ایک ہے کسی دوسرے پر اس کے اطلاق کا شائبہ تک نہیں۔ یہی ذات حق کا مستحق ہے کہ جس کے قبضۂ قدرت میں سے اونچا کرنا۔

فائدہ: حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا کہ میزان صرف سات اعضاء کے اعمال کے لئے ہے اور وہ اعضاء سات یہ ہیں (۱) سمع (۲) بصر، (۳) زبان (۴) ہاتھ (۵) پیٹ، (۶) فرج (۷) پاؤں۔

فائدہ: اعمال معنویہ کے لئے یہی میزان ظاہری نہیں بلکہ ان کے لئے عمل کا ترازو ہوگا وہ بھی معنوی ترازو ہے اس سے واضح ہوا کہ ظاہری اعمال کے لئے ظاہری ترازو ہوگا اور معنوی اعمال کے لئے معنوی ترازو ہوگا۔ اس لئے کہ ہر شے اپنی جنس کے بالمقابل ہوتی ہے۔

فائدہ: علمائے کرام فرماتے ہیں کہ حساب کے اختتام کے بعد ہی ترازو رکھا جائے گا اس لئے کہ اعمال کا وزن جزاء کے لئے ہوگا اور وہ محاسبہ کے بعد ہی موزوں ہے کیونکہ محاسبہ تقریر اعمال کے لئے ہوتا ہے اور وزن مقادیر کے اظہار کے لئے۔ تاکہ جزاء اسی کے مطابق دی جائے۔ (کذا فی تفسیر الفاتحہ للفناری)

سبق: دو عمال پر لازم ہے کہ وہ خیرات وحسنات وطاعات میں سبقت کرے بالخصوص وہ حسنات جو سب سے افضل واعلیٰ ہوا اور وہ کلمۂ شہادت ہے اس لئے کہ اعمال میں یہی سب سے زیادہ وزنی ہے تاکہ اسے کامیاب لوگوں کے زمرہ میں داخل ہونے کی سعادت نصیب ہو۔

تفسیر عالمانہ: وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِی الْاَرْضِ ۔ اور بے شک ہم نے تمہیں زمین پر قدرت بخشی یعنی تمہارے لئے زمین پر مکان وقرار بنایا اور تمہیں اسمیں تصرف کرنے کی قدرت دی کہ جیسے چاہو اسمیں تصرف کرو۔ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ ؕ اور تمہاری اس میں وجہ معاش بنائی یعنی اسمیں تمہاری ضروریات ومصلحتوں کے لئے اسباب پیدا کئے تاکہ تم اس میں زندگی بسر کر سکو معاش معیشۃ کی جمع ہے وہ شے جس سے زندگی بسر کی جائے۔ مثلاً کھانے پینے و دیگر ضروریات کی اشیاء یہ قریش کو خطاب ہے اس لئے کہ انہیں جملہ عرب پر فضیلت تھی پھر وہ گرمیوں میں ملک شام میں اور سردیوں میں ملک یمن میں تجارت کے لئے جاتے انہیں ایسے سفروں میں کسی قسم کا خطرہ نہیں تھا جیسے اور جب چاہتے چلے جاتے۔ انہیں کسی سے کوئی خوف نہ تھا اور لوگ عزت واحترام سے پیش آتے اس لئے کہ حرم شریف سے نسبت رکھتے اور اس کے مجاور تھے۔ لوگ ان کے گرد جمع ہوتے اور وہ تجارت کے کام میں سے اپنے کھانے پینے و دیگر ضروریات پہ کامیاب تھے۔ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ تم میں بہت تھوڑے لوگ ہیں جو میری دی ہوئی نعمتوں کا شکر کرتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ "تمکین" لفظ عام اور جامع ہے اس سے ہر قسم کے اسباب خیر کی تحصیل کی تمکین وتسلیط وقدرت مراد ہو سکتی ہے وہ دینی ہو یا دنیوی یا اخروی

marfat.ocm

اسی طرح کمال استعداد المعرفۃ والمحبۃ اور طلب اور سیر الی اللہ ونیل الوصول والوصال وغیرہ اور یاد رہے کہ اس تمکین کا شرف صرف حضرت انسان کو نصیب ہوا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے۔ اس وجہ سے وہ مسجودِ ملائکہ ٹھہرا اور اسی سے اس کی خلافت کا امر پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے اور وہ نہ صرف حضرت آدم علیہ السلام سے مخصوص ہے بلکہ اس کی اولاد کو بھی یہ دولت عطا ہوئی چنانچہ وَلَقَدْ مَکَّنّٰکُمْ فِی الْاَرْضِ کے عموم سے معلوم ہوتا ہے یعنی اے بنو آدم علیہ السلام ہم نے تمہیں زمین کی خلافت بخشی جو کہ اور کسی دوسرے زمین کے مکینوں کو نصیب نہ ہوئی اور نہ ہی آسمان والوں کو اور صرف تمہیں اس کی معاش سے ہر قسم کی اشیاء بخشیں کہ تمہارے اندر ملکیت حیوانیت شیطانیۃ کے جواہر رکھ دیئے گئے کہ تم ان سے دنیا میں زندگی بسر کرو۔ یا معنیٰ یہ ہے کہ تمہارے لئے انہیں میں وجہ معاش بنائی ہے کہ تم ان چہار عناصر یعنی ملکیت شیطانیہ حیوانیہ وانسانیہ کا مجموعہ ہو۔ اس بنا پر ملکی معیشت انسان کے روح کو نصیب ہوئی اور حیوانی اس کے بدن اور شیطانی اس کے نفسِ امارہ کو جب کسی کو یہ تینوں معیشتیں نصیب ہوتی ہیں تو وہ اس ترکیب سے مرتبۂ انسانیت کو پاتا ہے۔ اسی طرح کا مجموعہ نہ ملک کو نصیب ہے نہ کسی دیگر حیوان کو اور نہ شیطان کو اور انسانی مراتب یہ ہیں (۱) قلب (۲) سر (۳) خفی قلب کی معیشت شہود اور سر کی معیشت کشوف اور خفی کی معیشت وصال وصول، "قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ" بہت تھوڑے ہیں جو ان نعمتوں کا شکر کرتے ہیں۔ وہ نعمتیں یہ ہیں (۱) نعمۃ التمکین (۲) نعمۃ الانس ، ان نعمتوں کو سامنے رکھ کر انہیں بیان کرو اس لئے کہ نعمتوں کو ماننا شکر ہے تو انہیں بیان کرنا بھی شکر ہے (کذا فی التاویلات النجمیہ) ؎

نعمت بے وشکر گذار نہ اندکیست
گوئندہ سپاسِ الٰہی زصد یکیست

ترجمہ ، نعمتیں بہت لیکن شکر کرنے والے کتنے ہیں۔ اللہ کا شکر کرنے والا سو میں ایک ہے

قاعدہ جو نعمت کا شکر نہیں کرتا کبھی اس سے وہ نعمت چھین لی جاتی ہے اور اس سے بھی نعمت چھن جاتی ہے جو اس کی قدر نہیں کرتا۔

حکایت مروی ہے کہ کسی نبی علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ بلعم باعورا کو اتنی بڑی نعمتیں اور کرامتیں دیکر اس سے کیوں چھینی گئیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے اسے جب سے یہ نعمتیں اور کرامتیں عطا کیں اس نے کبھی کسی ایک دن بھی اس کا شکر ادا نہ کیا۔ اگر وہ ایک دفعہ بھی ان کا شکر ادا کرتا تو کبھی اس سے یہ نعمتیں وکرامتیں نہ چھینتا۔

marfat.ocm

سبق اے بندۂ خدا ضرور شکر کر اللہ تعالیٰ ہر نعمت پر شکر کرنے کی جدوجہد کر بلکہ اُس کی حمد بجالا کہ اُس نے اپنی کرم نوازی سے تجھے اسلام جیسی نعمت سے نوازا۔ مثلاً اپنی تسبیح و تہلیل کی توفیق بخشی اور ایسی غذا کے استعمال کرنے سے بچایا جو اس کی ناراضگی کا موجب بنتی ہے۔ یہی اس کا لطف ہے کہ ہم اس کا شکر ادا کریں تو پھر مزید نعمتوں سے نوازتا اور ایسی دولت سے بچاتا ہے کہ اسکے بڑھنے سے نہیں ہٹاتا ورنہ سب سے بڑی ذلت و خواری اس کے لیے یہی ہوا کہ پہلے بہت بڑھا اس کا مرتبہ پھر نیچ کر کے نیچے گرا دیا جائے بلکہ اس سے وہ عہدہ و مرتبہ چھین لیا جائے اسے کہتے ہیں الاہانۃ بعد الاکرم عزت دے کر ذلیل کرنا۔ الطرد بعد التقریب (قربت سے دور کر کے دور ہٹا دینا۔ "الفراق بعد الوصل" وصال دیکر جدا کر دینا۔

شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ہے

۱ ؛ نداند کسے قدر روز خوشی
گر روزے افتد بسختی کشی

۲ ؛ مکن تکیہ بر دست گاہے کہ ہست
کہ باشد کہ نعمت نماند بدست

۳ ؛ بسا اہل دولت بہ بازی نشست
کہ دولت برفتش ببازی ز دست

۴ ؛ فضیحت بود خوشہ اندوختن
پس از خرمن خویشتن سوختن

۵ ؛ تو پیش از عقوبت در عفو کوب
کہ سودے ندارد فغاں زیر چوب

۶ ؛ اگر بندہ کوشش کند بندہ وار
عزیزش بدارد خداوند گار

۷ ؛ وگر کند ایست در بندگی
ز جانداری افتد بخر بندگی

ترجمہ ۱ ؛ خوشی کے ایام کی قدر کوئی نہیں جانتا تو ایک دن وہ سختی کھینچنے میں مبتلا ہوگا۔
۲ ؛ اس طاقت پر جو تجھے ملی ہے تکیہ نہ کر ہو سکتا ہے تیرے ہاتھ میں یہ نعمت نہ رہے۔
۳ ؛ بہت سے دولتمند کھیل کود میں بیٹھے ہی تھے کہ انکے ہاتھ سے دولت چھین لی گئی۔

باقی صد پر

marfat.ocm

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ق
اور بے شک ہم نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہارے نقشے بنائے پھر ہم نے ملائکہ سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو
فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝١١ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ
تو وہ سب سجدے میں گرے مگر ابلیس یہ سجدہ والوں میں نہ ہوا فرمایا کس چیز نے تجھے روکا کہ تو نے سجدہ نہ کیا جب
اِذْ اَمَرْتُكَ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝١٢
میں نے تجھے حکم دیا تھا بولا میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے بنایا
قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ
فرمایا تو یہاں سے اتر جا تجھے نہیں پہنچتا کہ یہاں رہ کر غرور کرے نکل تو ہے ذلت
الصّٰغِرِيْنَ ۝١٣ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝١٤ قَالَ اِنَّكَ مِنَ
والوں میں بولا مجھے فرصت دے اس دن تک کہ لوگ اٹھائے جائیں فرمایا تجھے مہلت
الْمُنْظَرِيْنَ ۝١٥ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝١٦
ہے بولا تو قسم اس کی کہ تو نے مجھے گمراہ کیا میں ضرور تیرے سیدھے راستہ پر ان کی تاک میں بیٹھوں گا
ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ
پھر ضرور میں ان کے پاس آؤں گا ان کے آگے اور ان کے پیچھے اور ان کے داہنے اور ان
شَمَآئِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝١٧ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا
کے بائیں سے اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا فرمایا یہاں سے نکل جا رد کیا گیا راندہ ہوا
لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝١٨ وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ
ضرور جو ان میں سے تیرے کہے پر چلا میں تم سب سے جہنم بھر دوں گا اور اے آدم تو اور تیرا
وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا
جوڑا جنت میں رہو تو اس سے جہاں چاہو کھاؤ اور اس پیڑ کے پاس نہ جانا کہ حد سے
مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝١٩ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا
بڑھنے والوں میں ہو گے پھر شیطان نے ان کے جی میں خطرہ ڈالا کہ ان پر کھول دے ان کی شرم کی چیزیں جو
مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا
ان سے چھپی تھیں اور بولا تمہیں تمہارے رب نے اس پیڑ سے اسی لیے منع فرمایا ہے کہ کہیں تم
مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ۝٢٠ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝٢١ ع
دو فرشتے ہو جاؤ یا ہمیشہ جینے والے اور ان سے قسم کھائی کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں

marfat.ocm

فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ
تو اتار لایا انہیں فریب سے پھر جب انہوں نے وہ پیڑ چکھا ان پر ان کی شرم کی چیزیں کھل گئیں اور اپنے بدن پر
عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ
جنت کے پتے پہنانے لگے اور انہیں ان کے رب نے فرمایا کیا میں نے تمہیں اس پیڑ سے منع نہ کیا
وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سکتہ
اور نہ فرمایا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے دونوں نے عرض کی اے رب ہمارے ہم نے اپنا
وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ اهْبِطُوْا
آپ برا کیا تو اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور نقصان والوں میں ہوئے۔ فرمایا اترو تم میں
بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ فِيْهَا
ایک دوسرے کا دشمن ہے اور تمہیں زمین میں ایک وقت تک ٹھہرنا اور برتنا ہے فرمایا اسی میں
تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾
جیو گے اور اسی میں مرو گے اور اسی میں سے اٹھاؤ گے

بقیہ حصہ

۴۔ رسوائی ہے خوشے جمع کرنا اپنی خرمن جلانے کے بعد۔

۵۔ سزا سے پہلے معافی کا دروازہ کھٹکا۔ ڈنڈہ برستے وقت فریاد بے سود ہے۔

۶۔ اگر بندہ بندوں کی طرح کوشش کرے تو اس سے مالک پیار کرتا ہے۔

۷۔ اگر خدمت میں سستی کرے تو عزت سے ذلت میں گریگا!!

اے اللہ ہمیں ناشکری سے بچا اور ہر گھڑی اور ہر آن ہمیں شکر گزاری کی توفیق عطا فرما۔

marfat.ocm

اس پیڑ سے منع نہ کیا اور نہ فرمایا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے[۲۲] دونوں نے عرض کی کہ اے ہمارے رب ہم نے اپنا آپ برا کیا تو اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور نقصان والوں میں ہوئے[۲۳] فرمایا اترو تم میں ایک دوسرے کا دشمن ہے اور تمہیں زمین میں ایک وقت تک ٹھہرنا اور برتنا ہے[۲۴] فرمایا اسی میں جیو گے اور اسی میں مرو گے اور اسی میں اٹھائے جاؤ گے[۲۵]

تفسیر عالمانہ

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ۔ اور ہم نے تمہیں پیدا کیا اور تمہاری تصویر بنائی یعنی ہم نے آدم علیہ السلام کو پہلے مٹی سے بلا صورت مخصوصہ بنایا۔ اس کے بعد اس کا نقشہ تیار کر کے اس کی صورت بنائی یعنی ثم سے آدم علیہ السلام کی مکمل تخلیق مراد ہے گویا یوں کہا گیا کہ پہلے ان کی تخلیق کا ارادہ ہوا پھر اس کی مکمل تخلیق فرمائی یا یہ مراد ہے کہ ان کی اولاد کو زمین پر آباد کیا۔ اگر صرف آدم علیہ السلام مراد ہیں احسان کی اطلاع ان کے ضمن میں مطلوب ہے تو ضمیر کا جمع لانا مجازی ہے ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ پھر ہم نے تمام ملائکہ سے فرمایا اس سے تمام ملائکہ مراد ہیں کہ لفظ عام ہے اور اس کا مخصص بھی کوئی نہیں۔ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ آدم علیہ السلام کو تحیۃ تکریم کا سجدہ کرو۔ اس لئے شرعی سجدہ یعنی عبادت کی نیت پر سر زمین پر ٹیکنا۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے فَسَجَدُوْا حکم سنتے ہی بلا جھجک تمام فرشتے سجدے میں گر گئے۔ اِلَّآ اِبْلِيْسَ لیکن شیطان ابلیس لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ان حضرات سے نہ ہوا جنہوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کو تو سجدہ کرتا تھا[۲] قَالَ یہ نیا جملہ ہے ایک سوال کا جواب ہے گویا پوچھا گیا کہ جب شیطان نے سجدہ نہ کیا تو اسے اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا تو اس کے جواب میں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "مَا" کونسی شئے نے مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ تجھے سجدہ کرنے سے روکا۔ لفظ لا لئلا یعلم اہل الکتاب کی طرح صلہ کا ہے۔ وہاں بھی یہی مطلب ہے کہ اہل کتاب کا علم محقق ہو جائے جیسے یہی مطلب ہے کہ ابلیس کا سجدے سے انکار محقق ہو جائے۔ اِذْ اَمَرْتُكَ جب کہ میں نے تجھے حکم فرمایا۔ قَالَ ابلیس نے کہا اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ مجھے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے اس بات نے روکا ہے کہ میں اس سے افضل ہوں۔ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ تو نے مجھے آگ سے اور اسے مٹی سے پیدا کیا۔ نار ایک نورانی لطیف جوہر ہے اور طین ظلمانی اور کثیف جسم ہے لہٰذا نار طین سے افضل ہوئی۔ وہ لعین فضیلت کا دار و مدار مادیہ عنصریہ کو سمجھ بیٹھا۔ تب ہی تو دھوکا کھا گیا۔

۱: ز آدمی ابلیس صورت دید و بس
غافل از معنی شد آں مردود خس

۲ نیست صورت چشم را نیکو بجال
تا ببینی شمع نور جمال

ترجمہ: ۱۔ ابلیس نے آدمی کا صرف ظاہر دیکھا وہ کینۂ معنی سے غافل تھا۔

۲۔ بال کی طرح آنکھ لگنے سکنا اچھا نہیں اس سے ہٹ کر نورِ جلالی کی شعاعیں دیکھ۔

کسی نے کیا خوب فرمایا ہے

۱۔ صورتِ خاک ارچہ دارد تیرگی در تیرگی
نیک بنگر کز رہِ معنیٰ صفا از صفاست

۲۔ ایں چنیں خاکِ مبارک وصف او صاحبدلی
نکتہ گفتش کز ازو دیدۂ جاں را جلاست

۳۔ جستن گوگرد احمر عمر ضائع کردنست
رو بہ خاکِ سیاہ آر یکسر کیمیاست

ترجمہ ۱۔ صورتِ خاک اگرچہ تاریکی در تاریکی ہے (اندھیرا ہی اندھیرا ہے) اچھی طرح دیکھ اس لئے کہ معنیٰ کا دیکھنا صفائی میں ہی ہے۔

۲۔ اس مبارک خاک کے متعلق کسی صاحبِ دل نے نکتہ کہا ہے کہ اس سے ہی دیدۂ جان کو روشنی نصیب ہوتی ہے۔

۳۔ گندھک سرخ کی تلاش سراسر عمر ضائع کرنا ہے اسی خاکِ سیاہ کی طرف توجہ کر یہ کہ سراسر کیمیا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

۱۔ گفت نار از خاک بے شک بہتر است
من ز نار او ز خاک اکدر ست

۲۔ پس قیاس فرع بر اصلش کنیم
او ز ظلمت من ز نورِ روشنیم

۳۔ گفت حق نے بلکہ لا انساب شد
زہد و تقویٰ فضل را محراب شد

۴۔ ایں نہ میراثِ جہانِ فانیست
کہ بانسابش بیان جانیست

۵۔ بلکہ ایں میراثِ انبیا است
وارث ایں جانہا اتقیاست

marfat.ocm

۶ ، پور آن بوجہل شد مؤمن عیاں
پور آں نوح نبی از گمرہاں

۷ ، زادۂ خاکی منور شد چو ماہ
زادۂ آتش توئے اے روسیاہ

۸ ، ایں قیاسات وتحری رُوز ابر
یا بشب مر قبلہ را کردست خبر

۹ ، لیک با خورشید وکعبہ پیش رو
ایں قیاس وایں تحری را مجو

۱۰ ، کعبہ نادیدہ مکن رُو رُو متاب
از قیاس واللہ اعلم بالصواب۔

ترجمہ ۱ ، کہاکہ نار خاک سے بہتر ہے میں نار سے ہوں اور وہ میلی کچیلی مٹی سے ہے۔

۲ ، تو فرع کا اصل پر قیاس کریگے وہ اندھیرے سے میں روشن نور سے ہوں

۳ ، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا قانون لا انساب (نسب کی کوئی بات نہیں) زہد وتقویٰ فضیلت کی محراب (اصل) ہے۔

۴ ، یہ میراث جہان فانی کی نہیں اسکی انساب تو روحانی میراث ہے۔

۵ ، بلکہ یہ انبیاء علیہم السلام کی میراث ہے ایسی جانوں کے وارث متقی ہیں۔

۶ ، بوجہل کا بیٹا مومن (کامل) ہوا۔ نوح علیہ السلام کا بیٹا گمراہوں میں مل گیا۔

۷ ، مٹی کا پیدائشی روشن چاند کی طرح ہوگیا۔ آتش کا پیدائشی تو ہے اے سیاہ چہرے والا (لعنتی)

۸ ، یہ قیاسات اور سوچیں ابر کے دن میں ہوتی ہیں یا رات میں کہ اسے قبلہ مجبوراً بنایا گیا۔

۹ ، لیکن جب سورج سامنے اور کعبہ آگے ہو تو یہ قیاس اور سوچ کی تلاش کیوں۔

۱۰ ، کعبہ دیکھے بغیر کسی طرف منہ نہ کر ہاں نظر نہ آئے تو قیاس سے منہ نہ پھیر (واللہ اعلم بالصواب)

تفسیر صوفیانہ

حضرت آدم علیہ السلام کی مسجودیت اور سجدہ کرنے والوں پر فضیلت اسی مٹی سے خمیر ہونے کی وجہ سے نہیں تھی۔ اگرچہ ان کا یہ شرف بھی کچھ معمولی نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ خود اپنے دستِ قدرت سے بنایا۔ کما قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ" اور حدیث شریف میں ہے " خَمَّرَ اللّٰهُ طِينَةَ آدَمَ بِيَدِهٖ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا " آدم علیہ السلام کے گارے کو چالیس روز تک

marfat.ocm

اپنے دستِ اقدس سے گوندھا۔ بلکہ اُن کی یہ خصوصیت و فضیلت نفخ رُوح سے تھی۔ جیسے اللہ تعالیٰ اپنی طرف بلا واسطہ کما قال تعالیٰ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ۔ اور اس خصوصی تجلی کی وجہ سے تھی جو نفخ روح کے وقت انہیں نصیب ہوئی۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے "اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ فَتَجَلّٰی فِیْہِ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرما کر انہیں اپنی خصوصی تجلی سے نوازا یہی وجہ ہے کہ ملائکہ کو ان کے سجدہ کا حکم تخلیق کے بعد نہیں بلکہ نفخ رُوح کے بعد ہوا چنانچہ فرمایا۔ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَہٗ سٰجِدِیْنَ"

نکتہ: آدم علیہ السلام نفخ رُوح کے بعد تجلی حق کے مستعد ہو گئے کیوں کہ رُوح میں بوجہ لطافت و نورانیت تجلی حق کا استحقاق حاصل تھا۔ پھر وہ مٹی کا ڈھانچہ جس نے فیضِ الٰہی کو قبول کیا اور تجلی کے وقت اسے اپنے اندر محفوظ رکھا وہ سجود ملائکہ حق دار ٹھہرا۔ اس وجہ سے وہ حقیقی کعبہ کہلانے کا مستحق ہے اور حقیقی کعبہ ہونے کی وجہ سے ملائکہ کرام نے سجدہ کیا۔

تفسیر عالمانہ

کما قال اللہ تعالیٰ لمن غواہ فَاهْبِطْ اے ابلیس اُتر جا مِنْهَا بہشت سے۔

سوال: ابھی بہشت کا ذکر نہیں ہوا۔ اور ضمیر اس کے لئے پہلے لائی گئی۔ اس سے اضمار قبل الذکر لازم آگیا اور وہ ناجائز ہے۔

جواب: اس کے ساکنین کی وجہ سے وہ بہشت مشہور تھی اور کسی کی شہرت پر دھوکہ فی الذہن کی بنا پر ضمیر لائی جاتی ہے۔

فائدہ: وہ اس وقت جنتِ عدن میں تھے نہ کہ جنت خلد میں اور اسی جنت عدن میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی اور ابلیس کو یہ امر سزا کے طور ہے جب کہ اُس نے حکم الٰہی سے انکار کرکے معصیت کا ارتکاب کیا۔

فَمَا يَكُوْنُ لَكَ تیرے لئے ناروا ہے یا نامناسب یا تیرے شان کے لائق نہیں کہ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا یہ کہ تو بہشت میں تکبر کرے۔

مسئلہ: اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ باہر تکبر جائز ہے بلکہ وہ ہر جگہ ناجائز ہے۔ فَاخْرُجْ پس نکل جا۔ فاھبط کی تاکید کے طور واقع ہوا ہے۔ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ بے شک تو ذلیلوں سے ہے یعنی تو اُن ذلت بھروں سے ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے اولیاء کے نزدیک ذلیل و خوار ہیں صرف تیرے تکبر کی وجہ سے۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اس لئے اپنی درگاہ سے ہٹا کر بہشت سے نکالا کہ اُس نے تکبر کیا نہ کسی دوسری غلطی کی وجہ سے۔

حدیث شریف: جس نے اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع کی اسے اللہ تعالیٰ بلند مرتبہ دے گا اور جو تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ذلیل و خوار کرے گا۔ مثنوی شریف میں ہے

marfat.ocm

۱، علتی بدتر ز پندار کمال
نیست اندر جانت اے مغرور ضال

۲، از دل و دیدہ ات بس خوں رود
ناز تو معجبے بیروں رود

۳، علت ابلیس انا خیر بدست
وین مرض در نفس ہر مخلوق ہست

۴، گرچہ خود را بس شکستہ بیند او
آب صافی دان و سرگیں زیر جو

۵، چوں بشوراند ترا در امتحان
آب سرگیں رنگ گردد در زماں

۶، در تگ جو ہست سرگیں اے فتی
گرچہ جو صافی نماید مر ترا

ترجمہ ۱، کوئی بیماری پندار (خیالی قیاس سے خود کو اچھا سمجھنا) سے بد۔ ے مغرور اے گمراہ تیرہ جان میں کوئی بیماری۔

۲، تیری دل اور آنکھ سے بہت خون جاری ہو گا یہ تیرا ناز و فخر اور عجب خارج ہو جائیگا

۳، انا خیر (میں بہتر ہوں) کی بیماری ابلیس کو ہوئی اور یہ بیماری مخلوق کے ہر نفس میں ہے۔

۴، اگرچہ وہ بظاہر خود کو نہایت عاجز ظاہر کرے اور ساف پانی کی طرح صاف ہو لیکن سرگین (گندگی) تو نیچے چھپی ہوئی ہے۔

۵، امتحان کے وقت تجھ سے ظاہر ہو جائے گی اسی وقت میں وہ سرگین کے پانی سے صاف پانی گدلا ہو جائے گا۔

۶، نہر کے تہہ میں اے نوجوان سرگین (گندگی) ہے اگرچہ وہ تجھے صاف نظر آتا ہے۔

فائدہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نفس کی شرارتوں سے خون کے آنسو بہاتے تھے۔

حکایت

منقول ہے کہ شہر کا قاضی حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ تمہاری طرح ہم بھی تو پڑھے ہیں لیکن جتنی تمہارے اندر کشش اور تاثیر ہے ہمارے میں نہیں اس کی کیا وجہ ہے آپ نے فرمایا کہ سیر بھر اخروٹ لے کر ایک برتن میں ڈال کر اپنے گلے میں ڈال دے اور بر سر بازار اعلان

marfat.ocm

کرتا جا کر جب مجھے ایک طمانچہ لگے گا میں اسے ایک اخروٹ دوں گا۔ یہاں تک کہ تمام اخروٹ ختم ہو جائیں اسی طرح طمانچے کھاتے جاؤ اور اخروٹ دیتے جاؤ۔ جب تم اس طرح کرو گے تو تمہارے اندر بھی ہماری جیسی کشش اور تاثیر پیدا ہو جائے گی۔ قاضی نے کہا: استغفر اللہ۔ حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ نے فرمایا یہ تم نے دوسرے گناہ کا ارتکاب کیا اس لئے کہ تجھے تکبر سے بچنے اور خلوص پیدا کرنے کا نسخہ بتاتا ہوں اور تو اس پر استغفار پڑھتا ہے یہی تو تکبر ہے جو تمہیں ہماری جیسی تاثیر اور کشش پیدا نہیں کرنے دیتا۔

روحانی نسخے: حضرت ابو جعفر بغدادی نے فرمایا چھ خصلتیں چھ آدمیوں سے اچھی نہیں —

(۱) طمع علماء سے (۲) عجلت امراء سے (۳) بخل اغنیاء سے (۴) تکبر فقراء سے (۵) کینہ پن مشائخ سے (۶) خطرہ ملامت صاحبین سے۔

سبق: سالک کو توبہ کا پابند ہونا لازمی ہے اس لئے کہ وہ سیف براں ہے کہ وہ گندی خصلت کو نفس سے کاٹ کر باہر پھینک دیتی ہے۔ ۞ قَالَ شیطان نے کہا جب کہ وہ بارگاہِ حق سے دھتکارا گیا۔ انظرنی مجھے مہلت دیجئے یعنی موت واقع نہ ہو۔ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۞ اس وقت تک جب کہ لوگ اٹھائے جائیں یعنی آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد جزا کے لئے اٹھائے جائیں۔ فنا ہونے کے بعد۔ اس سے نفخ صور ثانی مراد ہے اس سے اس ملعون کا یہ ارادہ ہوا کہ آدم اور آدم زادوں کو گمراہ کرنے اور ان سے ایمان کی پونجی چھیننے کا مقصد تھا اور ارادہ کیا کہ وہ موت سے بچ جائے گا۔ ۞ قَالَ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ۞ بے شک تجھے مہلت دی گئی یعنی تو منجملہ ان لوگوں کے ہے جن کی عمریں نفخہ اولیٰ تک باقی رکھی جائینگی۔

سوال: شیطان نے مہلت مانگی نفخہ ثانیہ تک۔ تم نے آیت میں نفخہ اولیٰ کی قید کیوں لگائی۔

جواب: ہم نے اپنی طرف سے اضافہ نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ المنظرین کو دوسرے مقام پر الی یوم الوقت المعلوم سے تعبیر فرمایا ہے اور بالاتفاق الوقت المعلوم سے نفخۂ اولیٰ مراد ہے اس لئے کہ اس دن تمام مخلوق مرے گی۔ اس میں ان کے ساتھ ابلیس بھی مرے گا۔

فائدہ: نفخۂ اولیٰ و ثانیہ کے درمیان کا فاصلہ چالیس سال کا ہے اس سے معلوم ہوا کہ بعض دعا مستجاب ہوتی نہ کہ کل۔

مسئلہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ استدراج کے طور کافر کی بعض دعائیں قبول ہو جاتی ہیں اس پر علماء کا فتویٰ ہے

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے اِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ فرمایا حالانکہ اس وقت سوائے ابلیس کے اور کوئی نہ تھا۔ گویا آنے والوں کو مدنظر رکھ کر کہا گیا۔

marfat.ocm

فائدہ عجیبہ ابلیس زمانہ کی رفتار کے مطابق بوڑھا ہو کر پھر اسے تیس سالہ بنایا جاتا ہے اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ؎

غافلاں از مرگ مہلت خواستند
عاشقاں گفتند نے زود باد

ترجمہ: غافلوں نے موت سے مہلت چاہی لیکن عشاق نے کہا بہت جلد ہو۔

نکات: ابلیس کو مہلت دینے کے چند وجوہ ہیں (۱) وہ گمراہ کرنے پر زور لگائے اس سے واضح ہو کہ بندوں میں فرمانبردار کون ہے اور نافرمان کون۔ گویا بندوں کی آزمائش کے لئے اسے مہلت دیدی (۲) اسے مہلت دیکر مخلصین کے ثواب میں اضافہ فرمایا تاکہ وہ اس کی شرارت سے بچ کر اللہ تعالیٰ کے انعام واکرام کے مستحق بنیں اور مجرموں کی سزا کا معیار قائم ہو جائے کہ نافرمانی سے یوں سزا ملتی ہے۔

(۳) اسے اس لئے مہلت ملی کہ اس نے لاکھوں سال آسمان و زمین پر عبادت کی اس کی عبادت کا ثمرہ اسے ابھی مل جائے تاکہ قیامت میں اس کا مطالبہ نہ کر سکے اور معلوم ہو کہ وہ کریم کسی کے عمل ضائع نہیں کرتا۔

(۴) استدراجاً اسے طویل عمر عطا ہوئی کہ اسے معلوم ہو بھی نہیں کہ اس سے اس کا بیڑا غرق ہو رہا ہے کہ قیامت میں تمام اشرار و کفار سے اس کے جرائم کا انبار بڑھا ہوا ہو گا لیے طویل عمر ملنے سے عقل والوں کو عبرت دلانے کے لئے ہے کہ طویل عمر ہونا کچھ اچھا معاملہ نہیں۔ اگر یہ معاملہ اچھا ہوتا تو شرارتیوں کے سردار کو لمبی عمر نصیب نہ ہوتی۔

فائدہ: اسمیں اختلاف ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے بلاواسطہ کلام فرمایا بلکہ فرشتہ کا درمیان میں واسطہ تھا۔ اصح یہی ہے کہ اس وقت اس سے فرشتے کے واسطے سے کلام کیا گیا۔ اس لئے کہ بلاواسطہ کلام کرنا ایک شرافت اور بزرگی اور عزت و احترام پر دلالت کرتا ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام سے بلاواسطہ کلام ان کی عزت و احترام کی وجہ سے تھا اور یہ مرتبہ صرف حضرت موسیٰ اور حضرت خلیل اور سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوا اور بس۔

سوال: بذریعہ پیغام اس سے ہمکلام ہونا بھی ایک شرافت ہے حالاں کہ یہ ابلیس کے لئے ثابت ہے جیسے تم نے بھی مانا۔ پھر جیسے پیغام ابلیس وغیرہ کے لئے ثابت ہے اور اس سے شرافت اور بزرگی کا پہلو نہیں نکلتا کلام میں بھی ایسے ہی ہو۔

جواب کسی کی طرف پیغام بھیجنا ہمیشہ شرافت اور بزرگی کی وجہ سے نہیں ہوتا۔ بلکہ تمام حجت کے لئے بھی ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ فرعون اور ہامان کو میرا فلاں پیغام پہنچا دو تو اس سے

marfat.ocm

ان کی شرافت کا کیا معنیٰ جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دشمن تھے۔ بہرحال بلاواسطہ کسی سے ہمکلام ہونا ایک شرافت ہے، جو ابلیس کو نصیب نہ ہوئی۔

سوال: قرآن مجید میں ہے "یوم ینادیھم" یہ ضمیر کفار کی طرف لوٹتی ہے قیامت میں کفار سے ہمکلام ہونا ثابت ہوا۔

جواب: وہاں بھی بالاتفاق یہ ندا ملائکہ کرام کے واسطے سے ہوگی۔ قَالَ کہا ابلیس نے فَبِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ پس جس کی وجہ سے تو نے مجھے گمراہ کیا۔ یہ بار قسم محذوف فعل سے متعلق ہے اور اغوار بمعنی اضلال (گمراہ کرنا یعنی سیدھا راستہ سے ہٹا دیا) اور اسی کی وجہ سے مجھے اپنی رحمت سے محروم کر دیا تو میں تیری عزت کی قسم کھا کر کہتا ہوں لَاَقْعُدَنَّ لَھُمْ میں آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کی تاک میں بیٹھا رہوں گا جیسے راہگیروں کے لئے ڈاکو ڈاکہ مارنے کے لئے راستوں پر تاک میں بیٹھتے ہیں۔ صِرَاطَکَ تیرے سیدھے راستہ پر اَلْمُسْتَقِیْمَ وہ راستہ جو بہشت کی طرف لے جائے۔ اس سے دین اسلام مراد ہے اور قعود سے بنو آدم کو گمراہ کرنے میں جدوجہد کرنا مراد ہے اس لئے کہ جو شخص شیطان کی جدوجہد کی وجہ سے گمراہی کے گھاٹ اُترا تو گویا وہ اپنی منزل مقصود سے محروم رہ کر فارغ البال ہو کر بیٹھ گیا۔ ثُمَّ لَاٰتِیَنَّھُمْ پھر میں ان کے ہاں آؤں گا۔ مِنْ بَیْنِ اَیْدِیْھِمْ یوم آخرت سے پہلے اور انہیں آخرت کے متعلق شک میں ڈال دوں گا یا ان کے دلوں میں حسد ڈالوں گا اور اس طریقہ سے بہتر بنا کر اُن کے دلوں میں حسد پیش کروں گا کہ وہ اپنے ہم زمان علماء مشائخ پر حسد کر کے اُن کے احوال و اعمال و اقوال پر طعن زنی کریں گے[1] وَمِنْ خَلْفِھِمْ اور ان کے پیچھے یعنی از جہت دنیا کہ انہیں دنیوی امور کی رغبت دلاؤں گا یا از جہت تعصب کہ وہ صحابہ تابعین اور سابقہ مشائخ و اولیاء کرام پر طعن و تشنیع کریں گے اور اُن کے بغض میں مبتلا ہوں گے۔ وَعَنْ اَیْمَانِھِمْ اور ان کی دائیں جانب یعنی از جہت حسنات کہ انہیں عجب و ریاء میں مبتلا کروں گا یا از جہت انبساط کہ مریدین کو باوجودیکہ مشائخ و علماء و اولیاء کی صحبت میں گزاریں گے لیکن آداب مجلس سے محروم ہونگے کہ ان کی عظمت و ہیبت اُن کے دلوں میں اٹھا لوں گا اور ایسا بے باک بنا دوں گا کہ وہ ان کے ساتھ بیٹھ کر بلاتکلف کلام کریں گے اور مذاق اور ہنسی اور ٹھٹھہ مخول کرنے سے نہیں رکیں گے۔ اس بنا پر وہ صحبت کے فیوض و برکات سے محروم ہو جائیں گے۔ وَعَنْ شَمَآئِلِھِمْ اور ان کی بائیں جانب سے یعنی از جہت مخالفت کے اپنے مشائخ

---

[1] جیسے عموماً وہابیہ، دیوبندیہ اور اُن کے جملہ فرقوں، شیعہ، خارجی، تبلیغی، احراری، مودودی وغیرہ کا حال اور عادت ہے یا پھر آج کل کے نیچری و طلوع اسلامی و مغرب زدہ۔

۱۲ اُویسی غفرلہٗ۔

marfat.ocm

وعلماء کے اوامر نواہی کی صریح مخالفت کریں گے۔ اور انہیں ان کی مخالفت پر سخت اکساؤنگا۔ پھر غیرت ولایت کے حملوں سے انہیں تباہ وبرباد کر ڈالوں گا۔ اگرچہ وہ اُن کے ارشادات کے قبول کرنے کے مدعی ہونگے لیکن ہونگے پکے مخالف۔

فائدہ: ان چہار جہتوں کی تخصیص صرف اس لئے ہے کہ دشمن کا حملہ ہمیشہ انہیں جہات سے ہوتا ہے اس سے شیطان کی سخت جدوجہد کا بیان ہے کہ وہ انسان کو بہکانے اور سیدھے راہ سے ہٹانے میں پوری جدوجہد کرتا ہے۔ جس طرح سے اس سے بن پڑتا ہے وہ انسان کو راہِ حق سے ہٹا کر جہنم کی طرف لے جانا چاہتا ہے

نکتہ: اس وجہ سے تحت وفوق کا ذکر نہیں کیا گیا کہ دشمن کا حملہ ان دو جہتوں سے ہوتا نہیں اور اگر ہوتا ہے تو بہت کم۔

نکتہ: چار جہتوں میں پہلی دو جہتوں کو "مِنْ" سے بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان دو جہتوں سے شیطان انسان کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور دوسری دو جہتوں کو لفظ عن سے اس لئے کہ ان دونوں جہتوں سے مجاوزت مطلوب ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ "جَلَسْتُ عَنْ یمینہٖ"۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ میں اس کی جانب یمین سے متجاوز ہو کر بیٹھا گویا اس سے منحرف ہو کر بیٹھنا ہوا۔ اس سے شیطان کے شدید حملہ کی طرف اشارہ ہے۔ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝ اور تم اُن کے اکثر کو ناشکرا پاؤ گے۔ یعنی اُن کے اکثر مطیع نہیں ہوں گے۔ تفسیر فارسی میں ہے کہ کافر ہے وہ جو اپنے منعم کو پہچانتا۔

فائدہ: شیطان نے یہ بات بطور ظن وتخمینہ کے کی نہ کہ اسے اس کا علم یقینی تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لقد صدق علیہم ابلیس ظنہ اس لئے کہ اولاد آدم کے جب اوصاف سُنے تو ان میں متعدد اوصاف مبداء شرور وفساد تھے۔ مثلاً شہوت، غضب اور دیکھا کہ اسمیں مبداء خیر وفساد ایک ہے یعنی عقل اور اسے خیال گزرا کہ متعدد کو ایک پر غلبہ ہوسکتا ہے بنا بریں وہی کہا جو مذکور ہوا۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا

؎ ۱۔ نہ ابلیس در حق ما طعنہ زد
کزینان نیاید بجز کارِ بد

۲۔ فغان از بدیہا کہ در نفس ماست
کہ ترسم شود ظن ابلیس راست

۳۔ چوں ملعون پسند آمدش قہر ما
خدا یش بر انداخت از بہر ما

۴۔ کجا سر بر آریم ازیں عار و ننگ
کہ با او بصلحیم و با حق بجنگ

ترجمہ: ۱۔ کیا ابلیس نے ہمارے حق میں طعنہ نہیں مارا تھا کہ ان سے سوائے برے کاموں کچھ نہیں آئے گا۔

۲۔ نفسوں کی برائیوں سے فریاد ہے کہ کہیں ابلیس کا گمان سچا نہ ہو جائے۔

۳۔ چونکہ ملعون کو ہمارے لیئے قہر پسند ہے اسی لئے اسے اللہ تعالیٰ نے ہماری خاطر رتبہ سے گرایا۔

۴۔ اس عار و ننگ سے ہم کب سر اونچا کر سکتے ہیں کہ اس دشمن ابلیس کے ساتھ ہمیشہ صلح اور حق تعالیٰ کے ساتھ جنگ۔

۵۔ قال اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے فرمایا " اُخْرُجْ مِنْهَا بہشت سے نکل جا درانحالیکہ مَذْءُوْمًا تو مذموم ہے۔ ذام سے ماخوذ ہے بمعنی ذم۔ ذام۔ مہموز الفاء اور مضاعف کا ایک معنیٰ ہے دراصل کسی کو سخت عیب دار کہنے کو کہا جاتا ہے۔ مَدْحُوْرًا دھتکارا گیا جب کہ اس نے عیب کیا اور اپنے آپ کو اعلیٰ افضل سمجھا۔

فائدہ: اس سے آنے والی تمام مخلوق کو عبرت حاصل کرنی چاہیے لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ۔ یہ لام قسم کے لئے اور من شرطیہ ہے اس کا فارسی میں معنی ہوا کہ بخدا کہ ہر کہ در پے تو آید " خدا کی قسم جو بھی تیری تابعداری کریگا۔ لَأَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ أَجْمَعِيْنَ ۝ میں تمہیں جہنم سے بھر دونگا۔ یہ قسم کے جواب اور شرط کی جزا کے جواب کے قائم مقام ہے۔ یعنی اے ابلیس میں تجھے اور تیری اولاد سے آدم علیہ السلام کی کافر اولاد سے جہنم کو بھروں گا۔

حدیث شریف جہنم اور جنت نے آپس میں جھگڑا کیا۔ دوزخ نے کہا میرے اندر سرکش اور متکبر ہوں گے۔ بہشت نے کہا میرے اندر ضعیف و مسکین ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جہنم سے فرمایا تو میرا عذاب ہے تیرے ذریعہ میں جسے چاہوں عذاب دوں گا اور بہشت سے فرمایا تو میری رحمت ہے تیرے اندر انہیں داخل کروں گا۔ جن پر میرا رحم و کرم ہوگا اور میرا وعدہ ہے کہ میں تم دونوں کو پُر کرونگا۔

فائدہ: شیطان کے تابع وہی لوگ ہوں گے جنہیں چار جہتوں سے شیطان گمراہ کرنے کی قسم کھا چکا ہے اور وہ اس کے حکم کو مانیں گے۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ شیطان کی اتباع سے بچ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت میں زندگی بسر کرے تاکہ جہنمیوں کے ساتھ اسے جہنم میں داخل نہ ہونا پڑے۔

حدیث شریف جب قیامت کا دن ہوگا تو ہر مومن کو ہر دین باطل کا ایک فرد دکھایا جائے گا کہ اسے تجھ پر فدا کر کے جہنم میں داخل کیا گیا ہے۔

marfat.ocm

فائدہ : اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو اہلِ ایمان سے بہت بڑا لطف وکرم ہے کہ اُن پر اپنے دشمنوں کو فدا کرے گا۔

فائدہ : فدیہ بننے کا کچھ معنی اور ہے وہ یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے دوزخ سے وعدہ کیا کہ تمہیں جنوں اور انسانوں سے پُر کیا جائے گا تو اب تب کہ اسے کافروں مجرموں سے بھر دیا تو گویا یہی لوگ اہلِ ایمان کا فدیہ بن گئے۔

فائدہ : اہلِ اسلام جب پُل صراط سے گزریں گے تو جہنم سے بچنے کے لئے کفار کو شعلوں میں جھونکا جائے گا اس معنی پر انہیں اہل اسلام کا فدیہ کہا گیا۔

حکایت : ایک بزرگ نے فرمایا کہ میں نے حضرت ابو بکر بن الحسین المقری کو اس رات خواب میں دیکھا جس شب کو ان کا انتقال ہوا میں نے اُن سے پوچھا۔ استاد کیا معاملہ ہوا انہوں نے کہا کہ جس رات میں فوت ہوا اسی رات ابُوالحسن عامری فوت ہوا تو اسے میرا فدیہ بنا یا گیا (ابوالحسن عامری مشہور فلسفی تھا اور مجھے کہا گیا کہ اسے تیرا فدیہ بنایا گیا ہے۔

حدیث شریف قیامت میں اہلِ اسلام پہاڑوں کی طرح گناہ لائیں اور اللہ تعالیٰ انہیں بخش دے گا اور ان کے گناہ یہود و نصاریٰ کے سر پہ رکھ دے گا۔

مسئلہ : اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ کچھ بعید نہیں کہ وہ اپنے فضل وکرم سے اہل اسلام پہ اہل کفر کو فدا فرما دے اور یہ بھی اہلِ سنت کے ساتھ اس کا عدل اور اہلِ اسلام سے فضل ہے۔ اسمیں معتزلہ کا اختلاف ہے۔ وہ اس مسئلہ میں کہتے ہیں کہ کسی کا گناہ کسی دوسرے پر نہیں رکھا جائے گا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ”وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرٰی“ اگرچہ اس آیت کا اہلِ سنت کے نزدیک کچھ اور معنی ہے لیکن یاد رہے کہ معتزلہ اس مسئلہ میں قرآن وسنت کے خلاف چلے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”وَلَیَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ“۔ یہ آیت مذکورہ بالا مسئلہ کی تائید کرتی ہے اس کا پہلی آیت سے استدلال صحیح نہیں اس لیے کہ جن گناہوں کا بوجھ کفار پر رکھا جائے گا اگرچہ لفظاً غیروں کے ہیں لیکن درحقیقت یہ انہیں کے ہیں۔ ”وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْحَالِ وَاِلَیْهِ الْمَآلُ“

۱۹ وَیٰاٰدَمُ اور ہم نے کہا اے آدم علیہ السلام۔ یہ ارشاد آدم علیہ السلام کو ابلیس کو بہشت سے نکالنے کے بعد ہوا اُسْکُنْ اَنْتَ : تم ٹھہرے رہو۔ یہ امر اباحت کا ہے۔ آدم کی عزت وتکریم کے لئے فرمایا وَزَوْجُكَ اور اپنی زوجہ سمیت (یعنی بی بی حوا) زوج کا لفظ اہل عرب کے نزدیک اس عددی فرد کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ دوسرا ساتھی ہو اور وہ ان دونوں پہ زوجان مستعمل ہوتا ہے۔ (اَلْجَنَّةَ) بہشت میں۔

فائدہ : اس سے یا تو دارالخلد مراد ہے، دارالجزاء ہے۔ اسی کو اکثر اہلِ علم نے لیا ہے اس پر چند دلائل بھی قائم

کئے ہیں۔ بعض کے نزدیک اس سے وہ جنت مراد ہے جو آسمان میں ہے۔ جس سے یہ حضرات نیچے اُترے تھے اور بہشت جیسے سلسلے اور نعمتیں اور رونق و سرور وغیرہ وغیرہ اسے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے امتحان کے لئے یہاں زمین پر تیار فرمائی۔ بعض محققین اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان میں چند اہلِ ظواہر ہیں اور کچھ اہلِ باطن اُن کی دلیل یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اسی میں ٹھہرا کر حکم فرمایا کہ فلاں درخت سے نہ کھانا۔ یہ حکم تکلیفیہ ہے اور بہشت میں احکامِ تکلیفیہ کہاں۔ وہاں تو احکام کی خبر ملے گی۔ علاوہ ازیں وہ اس میں نیند کرتے رہے اور پھر نکلے سو گئے اور اس کے اندر ابلیس بھی چلا گیا۔ حالانکہ بہشت میں نیند کیسی اور آدم علیہ السلام کا خروج بعد الدخول کیا اور پھر ابلیس کہ جب بہشت سے نکالا گیا تو پھر اس کا داخلہ کیسا۔ چوتھی بات یہ ہے کہ قابیل مدعی تھا کہ میں بہشت کا بچہ ہوں۔ (یعنی میری ولادت بہشت میں ہوئی۔)

حکایت مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو وصال کے وقت بہشت کے انگور کی خواہش ہوئی آپ کی اولاد میں سے چند لوگ اس کی تلاش کے لئے نکلے۔ راستہ میں انہیں ملائکہ کرام ملے اور پوچھا کہاں کا ارادہ ہے، انہوں نے کہا ہمارے والد ماجد کو بہشت کے انگور کی خواہش ہوئی۔ فرشتوں نے کہا اب تم واپس جاؤ۔ تمہارا کام بن گیا جب وہ واپس لوٹے تو ملائکہ کرام نے آدم علیہ السلام کی روح قبض کر لی۔ انہیں غسل دیا گیا۔ ان کے کفن کو خوشبو لگائی گئی آپ کی نمازِ جنازہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پڑھائی۔ آپ کی اولاد نے اُن کے پیچھے پڑھی پھر انہیں دفنایا گیا اور حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا قیامت تک تمہارے مُردوں کے لئے یہی طریقہ رہے گا۔

فائدہ: اِس روایت سے ثابت ہوا کہ اگر جنت زمین پر نہیں اور اس کا ملنا ناممکن ہے تو پھر اس کی تلاش کیسی۔ معلوم ہوا کہ بہشت زمین پہ ہے نہ کہ آسمان پر۔ پانچویں دلیل یہ ہے کہ دریائے نیل بہشت سے نکلتا ہے اگر وہ زمین پر نہیں تو دریائے نیل کے نکلنے کا کیا مطلب۔ ان دلائل سے ثابت ہوا کہ وہ بہشت زمین کے باغ سے ہے؎۔ (واللہ اعلم) فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا پس کھاؤ جہاں سے چاہو اور بہشت کی جن نعمتوں اور اس کے ثمرات سے جس طرح کھاؤ۔ تمہارے لئے عام اجازت ہے اور وہ بہت بڑی وسعت ہے۔ فَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ۔ اور اس درخت کے قریب مت جانا۔

فائدہ: اس درخت کے متعلق بھی اختلاف ہے جس کا تفصیلی ذکر سورہ بقرہ میں گزرا ہے اور اُسے مبہم رکھنے اور ذکر نہ کرنے میں مصلحت ہے اگر اسے ذکر کیا جاتا تو آدم علیہ السلام کو جس مصلحت کے لئے روکا گیا ہمیں بھی اس کے کھانے سے روکا گیا۔ ہمیں بھی اس کے کھانے سے روکا جاتا جیسے کہ دوسرے امور کا معاملہ ہے اس طرح سے ہمارے لئے تکلیف ہوتی اور اللہ تعالیٰ بندوں کی تکلیف نہیں چاہتا۔ (کذا فی احکام الرحمان) فَتَكُونَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ پس تم دونوں ظالموں سے ہو جاؤ گے۔ یعنی تم بھی منجملہ ان لوگوں سے ہو جاؤ گے جو اپنے نفوس

؎: ان اقوال کی تردید فقیر کی تفسیر اُویسی میں ہے (۱۲)

marfat.ocm

پر ظلم کیا کرتے ہیں۔ ۲۰ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّیْطٰنُ ای یریدالیہما۔ اہلِ عرب مجموعہ فعل کو کسی کی طرف پہنچانے کا اسے وسیلہ بناتے ہیں۔ دراصل اس خفی کلام کو کہا جاتا ہے جو بار بار شیطان کسی انسان کے دل میں ڈالے تاکہ جو چیز شرعاً بُری ہے وہ اسے اچھی محسوس ہو۔

فائدہ: شیطان نے جب آدم علیہ السلام کو بہشت سے نکالنے کی تدبیر بتائی تو پہلے بی بی حوا اور اُن کے سامنے بہت رویا۔ ایسا کہ اُس کے رونے سے دونوں میاں بیوی غمگین وحزیں ہوئے انہوں نے اس سے پوچھا۔ ارے بیچارے تو کیوں روتا ہے۔ اس نے کہا مجھے تمہارا غم لاحق ہوا ہے وہ یہ ہے کہ تم مرجاؤ گے تو ایسے اعزاز واکرام سے محروم ہوجاؤ گے۔ شیطان کی بات اُن کے دل پر اثر کر گئی۔ اس کے بعد اُن کے پاس آیا اور وسوسہ ڈالا اور کہا "تاآخرکما" اس کا بیان ابھی آتا ہے۔ لِیُبْدِیَ لَهُمَا تاکہ انہیں ظاہر کردے۔ یہ لام عاقبت کی ہے اس لئے کہ اس لعین نے اُن کے دل میں اس لئے ڈالا تاکہ اس کا انجام یہ ہو کہ وہ دونوں معصیت میں مبتلا نہ ہوں۔ اس کا ارادہ نہیں تھا کہ اُن کے عورات ظاہر ہوں۔

سوال: جب اس کا ارادہ معصیت میں ڈالنے کا نہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے ظہورِ عورات کا نام کیوں لیا۔

جواب: چونکہ معصیت کے بعد انجام یہی ہونا تھا اس لئے بطور تشبیہ اسے بیان فرمایا گیا۔

فائدہ: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ لام غرض کی ہو اس لئے کہ شرمساری میں مبتلا ہوں وہ اسی طرح ہوسکتا تھا کہ ملائکہ کے سامنے اُن کے ستر کھل جائیں اس لئے کہ ابلیس نے ملائکہ کی کتابیں پڑھی تھیں کہ آدم علیہ السلام کا بھی ستر ہے لیکن خود آدم علیہ السلام کو اپنے ستر سے (بوجہ استغراق وغیرہ) بے خبری تھی۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ ستر کا کھولنا خلوت میں بھی ناجائز ہے کہ اس سے شیطان خوش ہوتا ہے۔

مسئلہ: اپنی زوجہ کے سامنے بھی بلاضرورت کشف عورت قبیح اور ناموزوں ہے۔

حکایت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے زندگی بھر اپنا فرج نہیں دیکھا۔ اس نیت پر کہ جن آنکھوں نے محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ اقدس دیکھا پھر نہایت قبیح امر ہے کہ اُن آنکھوں سے فرج کو دیکھوں[1]۔

سبق: جب اپنے فرج کو دیکھنے کے متعلق علمائے کرام کا یہ خیال ہے تو پھر غیر کے فرج کو دیکھنے کے متعلق وہ کیا فرمائیں گے۔

مسئلہ: ستر کھولنا سب سے قبیح ترین فعل ہے۔ سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ زندگی بھر نہ میں نے حضور علیہ السلام کا ستر دیکھا اور نہ آپ نے میرا۔ مَاوٗرِیَ عَنْهُمَا وہ جو ان دونوں سے چھپایا گیا

---

[1] : بعض روایتوں میں یہ واقعہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے لئے منقول ہے ۱۲۔ اُویسی رضوی غفرلہ۔

marfat.ocm

وُوْرِیَ وَارٰی کا ماضی مجہول ہے مِنْ سَوْاٰتِهِمَا ان دونوں کے ستر سے وہ نہ ملے۔ اپنا ستر دیکھتے تھے اور نہ ہی ایک دوسرے کا۔ اس لئے کہ انہوں نے کچھ اس طرح کا لباس پہنا ہوا تھا کہ انہیں اندر کے حصے نظر نہیں آتے تھے۔

فائدہ: سَوْآت سَوْءَةٌ کی جمع ہے اور اسے سَوْءَہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس سے انسان شرمساری اور رسوائی پاتا ہے۔

سوال: ان دونوں کے لئے جمع صیغہ کیوں۔

جواب ۱: نحوی قاعدہ ہے کہ تثنیہ کا صیغہ تثنیہ کی طرف مضاف نہیں ہوتا اور ایسی اضافت مکروہ ہے بوقت ضرورت مضاف کو جمع کر دیا جاتا ہے۔

جواب ۲: اسے جمع لانا ہی موزوں تھا۔ اس لئے کہ ان دونوں کے دو دو علیحدہ ستر شمار ہوئے مثلاً دُبُر و قبل اس طرح سے چار ہوئے اور اس کے لئے صیغہ جمع کا لانا مناسب ہے۔

سوال: انہیں سَوْءَۃ سے کیوں تعبیر کیا جاتا ہے۔

جواب: اُن کے کھلنے سے انسان کو شرمساری اور خجالت ہوتی ہے بنابریں انہیں سوءۃ سے تعبیر کیا گیا۔

وَقَالَ اس کا عطف وسوس پر ہے اور اس کی وضاحت کے لئے شیطان نے کہا۔ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اور تمہیں اللہ تعالیٰ نے اس درخت کے کھانے سے نہیں روکا۔ اِلَّآ مگر اس لئے کہ اسے نامنظور ہے۔ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ۔ یہ کہ تم دونوں ملائکہ کی طرح ہو جاؤ جسمانیت کے لحاظ سے یا غذا کھانے پینے سے مستغنی ہو جانے سے وغیرہ وغیرہ۔

مسئلہ: ملائکہ کا بعض باتوں میں (مثلاً نہ کھانا نہ پینا) انبیاء کرام پر مطلقاً افضلیت ثابت نہیں ہوتی اس لئے کہ نوع بشر میں بعض دوسرے وجوہ موجود ہیں جو ان کی ملائکہ پر افضلیت کو ترجیح دیتے ہیں اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ میں یہ بھی مراد نہیں کہ اس کی حقیقت بشریہ حقیقت ملکیہ سے تبدیل ہو جائے گی۔ اس لئے کہ ایسا انقلاب محال ہے

فائدہ: سعدی مفتی نے فرمایا کہ اشاعرہ کے نزدیک انقلاب حقیقت جائز ہے۔ اس لئے کہ اجسام ایک دوسرے کے ہم جنس ہیں۔

فائدہ: انسان، ملک، جن کی صورت اور شکل میں ایک دوسرے کے مباین ہیں۔ اگر انسان اس صورت اور شکل پہ باقی رہے تو انسان ہے۔ اگر اس شکل و صورت سے اسے تبدیل کیا جائے تو وہ انسان نہیں رہتا فرشتے اور جن تشکلات ظاہرہ کے بدلنے سے اپنی حقیقت سے مختلف نہیں ہو جاتے اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ۔ یا ہمیشہ رہنے والے ہو جاؤ یعنی تمہیں موت نہ آئے اور ہمیشہ بہشت میں رہو ۝21 وَقَاسَمَهُمَآ اور اُن کے سامنے

marfat.ocm

قسمیں کھائیں ۔

سوال ؛ قسم تو صرف ابلیس نے کھائی پھر مفاعلہ کیوں جب کہ یہ جانبین کے لئے مستعمل ہوتا ہے اس نے قسم کھانے کی ایسی جد و جہد کی گویا اس کی ایک قسم دو کے برابر تھی ۔ اِنِّی لَکُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ بے شک میں تمہارے لئے خیر خواہ ہوں سے ہوں یعنی جو کچھ کہتا ہوں اس میں تمہاری خیر خواہی مطلوب ہے النصح بمعنی بذل المجہود فی طلب الخیر فی حق الغیر ۔ دوسرے کی طلب خیر میں جد و جہد کرنا فَدَلّٰهُمَا پس درخت سے کچھ کھانے کیلئے انہیں اوپر سے نیچے اتارا ۔ یا بلند مرتبہ سے گرا دیا ۔ یعنی اطاعت کے مرتبہ سے گرا کر معصیت کے مرتبہ میں پہنچا دیا اور یہی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا راستہ ہے ۔

فائدہ ؛ التدلیہ بمعنی ارسال الشئی من الاعلیٰ الی الاسفل کارسل الدلو فی البئر یعنی شئے کو اوپر سے نیچے لٹکانا جیسے بقو (دلوکہ) کو کنویں لٹکایا جاتا ہے ۔ بِغُرُوْرٍ بوجہ اس کی جھوٹی قسم کھا کر دھوکہ میں ڈالنے کے وہ اس لئے کہ جب آدم علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ قسم کھا کر دھوکہ میں ڈالنے کے وہ اس لئے کہ جب آدم علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ قسم کھا کر بات کر رہا ہے تو سمجھے کہ جھوٹی قسم کون کھاتا ہے اس لئے دھوکہ کھا گئے اس لئے کہ مومن کی شان یہی ہے کہ قسم کا اعتبار کرے خواہ جھوٹی ہو ۔ اس لئے کہ مومن کے دل میں اللہ تعالیٰ کے نام عظمت ہوتی ہے ۔ چنانچہ بعض علماء کرام کا فرمان ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے نام سے دھوکہ کھا جاتے ہیں ۔ حدیث شریف میں مومن اچھا اور کریم ہے اور فاجر کم بخت لئیم ہے ۔ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا ۔ پس جس وقت انہوں نے درخت کو چکھنے کا ارادہ کیا تو انہیں سزا نے گھیرا اور معصیت کی شامت سامنے آ گئی تو ان سے لباس اتر گیا اور ان کے ستر کھل گئے اس سے دونوں حضرات حیاء میں ڈوب گئے ۔

حدیث شریف اخبار میں ہے کہ ان کے ستر کو ان کے سوا اور کسی نے نہ دیکھا ۔ آدم علیہ السلام کا لباس جنت میں ان کا لباس ناخنوں کی طرح تھا جو نہایت لطیف اور نرم اور بہت سفید تھا ۔ جس سے اصلی بدن پر کسی کی نظر نہ پڑ سکتی تھی ۔ جب انہوں نے گندم دانہ کھایا تو وہ تمام لباس اتر گیا صرف ان کے انگلیوں کے سروں پر باقی رہا تاکہ چھنی ہوئی نعمت کی یاد دہانی ہو سکے اور انہیں دیکھ کر ہر وقت نادم ہوتے رہیں ۔ بعض کہتے ہیں ان کا لباس نورانی تھا جو ان کے بدن کے اندرونی حصہ کے نظر سے حاجب تھا ۔ بعض کے نزدیک بہشت کے لباسوں سے ایک لباس تھا ۔ وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ اور وہ دونوں ڈھانپتے اور چپکاتے تھے ایک پتے کو دوسرے پتے پر عَلَيْهِمَا اپنے بدن پر یا اپنے ستر پر ۔ اگر سوآتہما یعنی سر مراد ہو تو صفت قلوبکما کے قبیل سے ہوگا ۔ یعنی جمع کے صیغے کی طرف تثنیہ کا ارجاع اور وہ جائز ہے جبکہ اس جمع سے تثنیہ کا معنیٰ مراد ہو ۔ جس کا قاعدہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں[1] اور قاعدہ مذکورہ کے علاوہ جب مقصد

---

[1] اس کی تفصیل فقیر کی کتاب "نعم الہامی" میں دیکھئے ۔ اویسی غفرلہ

marfat.ocm

مراد میں التباس نہ ہو تو بھی جمع کی طرف تثنیہ کی ضمیر لوٹانا جائز ہے۔ مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ بہشت کے پتوں سے بعض کہتے ہیں کہ وہ انجیر کے پتے تھے۔

انجیر کی کہانی

بہشت میں آدم و حوا علیہما السلام کو انجیر کے سوا کسی اور درخت نے پتے نہ دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا کہ جیسے تم نے آدم و حوا علیہما السلام کو پتے دیئے ہیں ایسے ہی تجھ سے تیرا پھل پہلے نکالوں گا اور دوسرے درختوں کے پھل بعد کو ہوتے ہیں۔[1] یہی وجہ ہے کہ انجیر کے سوا باقی تمام درختوں کے ثمر پہلے ایک غلاف میں ہوتے ہیں اور جب پکتے ہیں تو ظاہر ہوتے ہیں بخلاف انجیر کے کہ اس کا پھل غلاف کے بغیر ابتداءً ہی ظاہر ہو جاتا ہے۔

مسئلہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ستر کھولنا آدم علیہ السلام کے زمانے سے ہی قبیح ہے کسی شریعت نے اسے جائز نہیں رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ آدم و حوا علیہم السلام ستر کھلتے ہی فوراً پتوں سے ستر ڈھانپنے کے درپے ہوئے کیونکہ اُن کے عقول میں یہ مسئلہ راسخ تھا کہ کشف عورت قبیح ہے۔ وَنَادٰهُمَا رَبُّهُمَآ اُن کے رب نے فرمایا یعنی اُن کے مالک کے امر سے یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں زجر و توبیخ (محبت کرتے ہوئے) فرمایا۔ ممکن ہے کہ یہ حکم انہیں بذریعہ وحی پہنچا ہو اگرچہ فرشتے کے ذریعے یا اُن کے دل میں الہام کے طور کہا گیا ہو۔

ف: بعض مفسرین فرماتے ہیں اس دفعہ کی خجالت اُن کے لئے تمام دُکھ اور تکالیف سے سخت تر تھی۔

اَلَمْ اَنْهَكُمَا۔ کیا میں نے تمہیں منع نہ کیا تھا۔ یہ نَادٰهُمَا کی تفسیر ہے اور اس کا علیحدہ کوئی اعراب نہیں۔ عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ۔ کیا میں نے تمہیں نہیں فرمایا تھا۔ وَاَقُلْ لَّكُمَا کا اَلَمْ اَنْهَكُمَا پر عطف ہے اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ یہ قول باری تعالیٰ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى کی طرف اشارہ ہے اور لکما فیہ کے معنیٰ سے متعلق ہے۔

آدم علیہ السلام کا زمین پر اُترنا

مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ اے آدم علیہ السلام کیا بہشت کے دوسرے درخت اس درخت سے بہتر نہیں تھے۔ عرض کی یا اللہ بہتر تھے لیکن مجھے یہ خیال گزرا کہ یہاں کون جھوٹی قسم کھا سکتا ہے۔ جب ابلیس نے قسم کھا کر کہا تو مجھے اعتبار آ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایسا عیش تا قیامت نہیں ملے گا۔ اب زمین پر جاؤ اور کما کر کھاؤ۔ دکھ اور تکلیف سے رزق ملے گا۔ آدم علیہ السلام زمین پر اُترے اور لوہے کے کاروبار اور کھیتی باڑی کے لئے مامور ہوئے۔ آپ نے کھیتی کی اُسے پانی دیا۔ بڑی ہوئی تو اسے کاٹا اور کاٹ کر گاہا اور صاف کر کے پیسا اور چھانا اور آٹا گوندھ کر روٹی پکائی (پھر کھائی)۲۳ قَالَا غلطی کا اعتراف اور اظہار توبہ کر کے دونوں نے کہا۔

---

[1] یعنی عام درختوں کو پہلے پھول لگتے ہیں پھر پھل، مگر انجیر کو پہلے پھل پھر پھول۔

marfat.ocm

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا۔ ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا یعنی خطا کر کے اپنے آپ کو ضرر پہنچایا اور بہشت سے نکالے جانے کا سبب ہم نے خود تیار کیا۔ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا اور اگر تو ہمیں نہ بخشے یعنی ستر پوشی نہ فرمائے۔ وَتَرْحَمْنَا اور ہماری توبہ قبول کر کے ہم سے اوپر رحم نہ فرمائے۔ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ تو ضرور ہم ہلاکت والوں سے ہوں گے۔ جنہوں نے گھڑی بھر کی لذت کے بدلے آخرت کا بہت بڑا حصہ ضائع کیا۔

مسئلہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صغائر پر بھی سزا ہوتی ہے اگر انہیں معاف نہ کیا جائے۔ ان میں مغفرت مشکوک ہے یقینی نہیں۔

تنبیہہ: آدم علیہ السلام کا یہ فعل بھی صغائر سے ہے اس لئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کی۔ قصداً گندم دانہ نہیں بلکہ شیطان لعین کی جھوٹی قسم پر اعتماد کر کے کھایا تھا کہ اس ملعون نے قسم کھا کر جھانسا دیا۔ جس سے اُن کی طبیعت کا میلان ہو گیا۔ جیسے فطرۃِ انسانی کا تقاضا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم کے پیشِ نظر پھر بھی آپ رُک گئے۔ چند لمحات کے بعد انہیں حکم ربانی یاد نہ رہا اور جو حکم اس درخت کے کھانے سے مانع تھا وہ زائل ہوا تو میلانِ طبع کے تحت اسے تناول فرما لیا اور یہ کوئی قابلِ گرفت بات نہیں جب کہ نسیان کی گواہی اللہ تعالیٰ نے خود ہی دی ہے۔ کما قال ونسی آدم اور اُن کے قصداً کھانے کی نفی فرمائی ہے۔ کما قال "ولم نجد لہٗ عزماً" اور جو فعل نسیان سے کیا جائے وہ عام انسانوں کے لئے بھی گناہ نہیں چہ جائیکہ ایک پیغمبر علیہ السلام۔

دوسری تقریر: آدم علیہ السلام نے اجتہاد کے طور گندم دانہ کھایا اور انبیاء علیہم السلام کو اجتہاد روا ہے جیسے داؤد علیہ السلام کا اجتہاد مشہور ہے اور وہ اجتہاد یہ تھا کہ "نہی ربانی" مبنی بر تنزیہ ہے۔ اگرچہ ان کا یہ اجتہاد مبنی برصواب نہیں تھا اور وہ قابل گرفت نہیں جیسے داؤد علیہ السلام کا اجتہاد[1] **مسئلہ** کھیتی میں مبنی برصواب نہیں تھا اور انہیں کوئی گرفت نہ ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی بھی (سلیمان علیہ السلام) کی تعریف فرمائی۔

تیسری تقریر: آدم علیہ السلام نے ایک خاص درخت کی طرف اشارہ سمجھا۔ اگرچہ اشارہ خاص درخت کی طرف تھا۔ لیکن اس سے اس کے جمیع انواع مراد تھے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے ریشم اور سونا ہاتھ میں لے کر ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ دونوں میری اُمت کے مردوں پر حرام اور عورتوں کے لئے حلال (جائز) ہیں۔ اس کے اجتہادات قابلِ گرفت نہیں ہوتے ۲۴ قال اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہ اعدلوا ،

---

[1] ، ایسے ہی امیر معاویہ کا اجتہاد جو انہوں نے حضرت علی سے جنگ لڑی۔ رضی اللہ عنہما۔ ۱۲۔ اویسی غفرلہ ،

marfat.ocm

اُتر جاؤ یہ خطاب آدم وحوا علیہما السلام اور ان کی اولاد کو یا انہیں اور ابلیس کو ہے بَعْضُکُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ تم میں ایک بعض کے ہو۔ یہ اِھْبِطُوْا کے فاعل سے حال ہے۔ یعنی در انحالیکہ تم ایک دوسرے سے دشمنی رکھنے والے ہونگے۔ ابلیس کی عداوت کی عادت ایسی ہے جیسے بچھو کو ڈسنے کی اور بھیڑیے کو بکری وغیرہ پر جھپٹنے کی عادت ہے کہ اسے اس لئے عداوت ہوئی کہ اس کی شان وشوکت آدم علیہ السلام نے چھینی ہے اسی لئے ابلیس سے عداوت کرنے کا حکم ہے کہ بیٹے پہ لازم ہے کہ وہ باپ کے دشمن سے دشمنی رکھے۔ وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ اور تمہیں زمین پہ ایک وقت ٹھہرنا (مستقر) یعنی قرار گاہ اور آرام کی جگہ۔ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ۔ ایک وقت تک یعنی جب تمہاری عمریں ختم ہوں گی۔

(ربط) یہ سن کر آدم علیہ السلام مغموم ومحزون ہوئے کہ شاید ان کی بہشت کی طرف واپسی نہ ہو۲۵ قَالَ اللّٰہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فِیْھَا تَحْیَوْنَ۔ اسی زمین میں زندہ رہوگے یعنی زندگی بسر کروگے۔ وَفِیْھَا تَمُوْتُوْنَ۔ اور اسی میں تمہاری قبریں ہوں گی۔ یعنی اس میں تم مدفون ہوگے۔ وَمِنْھَا اور اسی سے جزاء کے لئے نکالے جاؤگے

فائدہ:۔ آیت کے مضمون سے ثابت ہوا کہ آدم علیہ السلام بہشت میں واپس تشریف لائیں گے اور اس میں تسلی بھی دی گئی ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے نوازے گا اور ان کے ساتھ بہشت کا وعدہ کریمہ بھی ہے۔

فائدہ عجیبہ: امام قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو عجائبات سے نوازا کہ وہ ملائکہ کے مسجود ہوئے تو انہیں ان کا مسجود بنایا گیا۔ ان کے سر پہ موصل وصال کا تاج شاہانہ رکھا گیا اور ان کے جسم اطہر کو کرامت کا لباس پہنایا گیا اور ان کی کمر میں قربت کا کمربند باندھا گیا اور ان کے گلے میں قربِ الٰہی کا ہار پہنایا گیا۔ اپنی مخلوق میں اس سے اور کسی کو افضل نہ بنایا اور نہ ہی کوئی ہم پلہ پیدا ہوا نہ ہوگا۔ ہر لحظہ انہیں اللہ تعالیٰ سے تسلی کے لئے ندا آتی۔ یا آدم یا آدم لیکن جب لباس اُتارا گیا تو اس سے وہ اُنس اٹھا گیا اور وہ مراتب (وقتی طور) چلے گئے اور زمانہ کا رنگ بدل گیا۔

سبق سالک کو غور کرنا چاہیے کہ جب ایسے ذی شان بزرگ سے صرف ایک سہو (خطا) کے ساتھ کی وجہ سے ایسے ہوا تو اس کا کیا حشر ہوگا جو معمولی انسان ہو کر سر سے پاؤں تک جرائم ومعاصی میں گھرا ہوا ہو۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

چہ گونہ دعوی وصلت کنم بجاں کہ شُد است
م وکیل قضائ دلم ضمان فراق

ترجمہ:۔ کیسے وصال کا دعویٰ کروں اس جان سے جس کی قضار کا وکیل اور دل فراق کی ضمانت میں ہے۔

marfat.ocm

قاعدہ : اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر ہر ایک پر جاری ہوتی ہے نبی علیہ السلام ہو یا ولی کامل ؎

نہ از پردہ تقویٰ پدر اُفتادم و بس
پدرم نیز بہشت ابداز دست بہشت

ترجمہ : پردہ تقویٰ سے ہمارا دادا علیحٰدہ ہوا میرے باپ نے بھی دائمی بہشت ہاتھ سے گنوا دی تھی۔

تفسیر صوفیانہ درحقیقت حضرت آدم علیہ السلام نے محبت کے درخت کا پھل کھایا جس سے محبت کے جال میں گرفتار ہوئے تو انہیں ہجر و فراق کی تلقین کی گئی اور فرمایا کہ چند دن کے بعد تمہیں اس دیدار سے نوازا جائے گا پھر سب نے دیکھا کہ تنزلات صوریہ سے انہیں کتنی ترقیات معنویہ نصیب

مقام عیش میسر نمی شود بے رنج
بلیٰ بحکم بلا بستہ اند حکم الست

ترجمہ : عیش کا مقام بلا تکلیف حاصل نہیں ہوتا۔ ہاں بحکم قالو بلیٰ الست کے حکم کے ہم پابند ہیں۔

فائدہ صوفیانہ شجرۂ علم مجرد مکاشفہ و مشاہدہ و معائنہ کے بغیر قریب جانے سے منع کیا اس لئے کہ صاحب شجرہ لذات ثمرات الحقیقۃ سے محروم و محجوب کر دیا جاتا ہے اسے چاہیے کہ ابتدا میں مشاہدہ کے لئے ہمت سے کام لے تاکہ موت سے پہلے ایسے کمال تک پہنچ سکے۔ اچانک موت نے گھیر لیا اور وہ ابھی راستہ میں ہوا۔ جب بھی اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اُسے منزل تک پہنچا دے گا۔ اگرچہ دنیا میں نہ سہی برزخ میں ہی۔

سبق : سالک پر لازم ہے کہ وہ شجر تدبیر کے قریب بھی نہ بھٹکے اس لئے کہ تقدیر نہ غنی کو چھوڑتی اور نہ فقیر کو۔ یہی راز ہے صوفی کی نماز میں۔

صوفی نماز : قیام صلوٰۃ میں تقدیر ازلی کی طرف اشارہ ہے یعنی اپنے جملہ اُمور اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے اور رکوع میں تقدیر ابدی یعنی تسلیم و رضا کی طرف اشارہ ہے اور سجدہ میں فنا رکلی کی طرف اس لیے کہ جیسے سالک پر لازم ہے کہ وہ جیسے ان صفات کی عادت ڈالے ایسے ہی پورے طور فنائیت بھی حاصل کرے۔

دوسری آیت کی تفسیر صوفیانہ : اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فِیْھَا تَحْیَوْنَ" یعنی محبت و صدق طلب صبر کر کے کشادگی کا دروازہ کھلنے اور عہد پر ثابت قدم رہنے کی زندگی بسر کرو گے۔ وَفِیْھَا تَمُوْتُوْنَ طلبِ حق میں اقدام طریقت سے شریعت پر مرو گے۔ وَمِنْھَا تُخْرَجُوْنَ اور اس سے عالم حقیقت کی طرف رجوع کرو گے۔ چنانچہ حضور علیہ

marfat.ocm

نے فرمایا " جیسے زندگی بسر کروگے اسی حال پہ مروگے اور جس حال پہ مروگے اسی پہ اٹھوگے۔

۱۔ بکوشش خواجہ و از عشق بے نصیب مباش
کہ بندہ را نخرد کس بعیب بے ہنری

۲۔ مرا دریں ظلمات آنکہ رہنمائی کرد
دعائے نیم شبے بود و گریہ سحری

ترجمہ ۱: اے خواجہ کوشش کر عشق سے بے نصیب نہ ہو۔ کوئی بھی اس بندے کو نہیں خریدتا جس میں عیب کے ساتھ بے ہنری ہو۔

۲: میری اس ظلمات میں کس نے رہبری کی وہ دعائے نیم شب اور سحر کے وقت کی گریہ وزاری۔

---

marfat.ocm

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ
اے آدم کی اولاد بیشک ہم نے تمہاری طرف ایک لباس اتارا کہ تمہاری شرم کی چیزیں چھپائے اور ایک وہ کہ تمہاری آرائش ہو اور پرہیزگاری

ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ
کا لباس وہ سب سے بھلا یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ کہیں وہ نصیحت مانیں اے آدم کی اولاد خبردار تمہیں شیطان فتنہ میں نہ ڈالے جیسا

اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ
تمہارے ماں باپ کو بہشت سے نکالا اتروا دیئے ان کے لباس کہ ان کی شرم کی چیزیں انہیں نظر پڑیں بیشک

يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ
وہ اور اس کا کنبہ تمہیں وہاں سے دیکھتے ہیں کہ تم انہیں نہیں دیکھتے بیشک ہم نے شیطانوں کو ان کا دوست کیا

لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ
ہے جو ایمان نہیں لاتے اور جب کوئی بے حیائی کریں تو کہتے ہیں ہم نے اس پر اپنے باپ دادا کو پایا اور اللہ

اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا
نے ہمیں اس کا حکم دیا تم فرماؤ بیشک اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا کیا اللہ پر وہ بات لگاتے ہو جس کی تمہیں

تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۟ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ
خبر نہیں تم فرماؤ میرے رب نے انصاف کا حکم دیا ہے اور اپنے منہ سیدھے کرو ہر نماز کے وقت

وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَرِيْقًا هَدٰى وَ
اور اس کی عبادت کرو نرے اس کے بندے ہوکر جیسے اس نے تمہارا آغاز کیا ویسے ہی پلٹو گے ایک فرقے کو راہ دکھائی

فَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
اور ایک فرقے کی گمراہی ثابت ہوئی انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو والی بنایا

وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ
اور سمجھتے یہ ہیں کہ وہ راہ پر ہیں اے آدم کی اولاد اپنی زینت لو جب مسجد میں جاؤ

وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾
اور کھاؤ اور پیؤ اور حد سے نہ بڑھو بیشک حد سے بڑھنے والے اسے پسند نہیں

تفسیر عالمؒ ۲۶ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ یہ تمام لوگوں کو خطاب ہے۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ اہلِ عرب کی عادت تھی کہ وہ بیت اللہ شریف کا ننگے ہو کر طواف کرتے تھے اور کہتے کہ ہم وہ کپڑے پہن کر طواف نہیں کرتے۔ جن سے ہم نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ چنانچہ یہی آیت اُن جواہلِ رَد میں نازل ہوئیں۔ قَدْ اَنْزَلْنَا لِبَاسًا۔ اے

آدم ہم نے تمہارے لئے لباس اُتارا۔ یعنی آسمان سے ایسی بارش نازل فرمائی جو تمہارے لباس کی پیدائش کا سبب بنے۔ جو کچھ بھی زمین سے نکلتا ہے مثلاً کپاس روئی وغیرہ یہ سب آسمان کے پانی سے پیدا ہیں۔ ایسے ہی جانوروں کے بال اور اُون وغیرہ بھی آسمان کے پانی سے ہیں۔ کیونکہ جانور جب تک گھاس وغیرہ نہ کھائیں پئیں تو اُون وغیرہ کہاں سے آئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جانوروں کا قوام بھی آسمان کے پانی پر ہے۔

فائدہ: آسمان کے پانی میں قوت فاعلیہ ہے اور زمین میں قوت قابلہ اور تمام حوادث ارضیہ آسمان کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ تمام وہ اشیاء جو زمین سے پیدا ہوتی ہیں تمام کی تمام آسمانی تدبرات سے ہوتی ہیں۔ **یُوَارِیۡ سَوۡاٰتِکُمۡ** جو تمہارے ستروں کو ڈھانپے۔

فائدہ: باوجودیکہ ستر ڈھانپنے کا کپڑا بھی موجود ہو تب بھی کوئی اس سے ستر نہ کرے تو قبیح ترین عمل ہے

فائدہ: جیسے شیطان گمراہ کر کے تو اس کی یہی حالت ہوتی ہے جیسے آدم و حوا علیہما السلام سے گیا جیسے ان کا

وَرِیۡشًا ط یہ اس قبیل سے ہے کہ جس کا موصوف محذوف کر کے اس کی صفت اس کے قائم مقام کھڑی کر دی جاتی ہے۔ یعنی دراصل لباس ریشاً تھا ای ذات ریش وزینۃ تجملون بہ" یعنی ایسا لباس جو پروں و زینت والا ہے جس سے تم سنگھتے ہو۔ زینت کو ریش سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ جیسے پرندے کے لئے پر زینت ہیں ایسے ہی لباس انسان کے لئے بناؤ سنگار ہے۔ ہم نے تمہارے اوپر دو لباس نازل کئے ہیں ایک وہ جو تمہارے لئے ستر عورت کرے دوسرا وہ جو تمہاری زینت بنے۔ اس لئے کہ لباس سے اصل غرض زینت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے لترکبوھا وزینۃ۔

فائدہ: حسین کاشفی نے فرمایا کہ "زاہد کی یہی تعبیر ہے کہ وہ لباس روئی وغیرہ کا پہنے۔ اور ریش ابریشم و کتان ریشم وغیرہ سے ہوتا ہے۔ **وَلِبَاسُ التَّقۡوٰی** اور اللہ تعالیٰ کے خوف و خشیہ کا لباس۔ یہ مبتدا ہے اور ذٰلِکَ خَیۡرٌ خبر ہے وہ اچھا ہے۔ تقویٰ کو لباس سے اس لئے تشبیہ دی گئی ہے کہ جیسے لباس انسان کو چھپاتا ہے اور حفاظت کرتا ہے۔ ایسے ہی تقویٰ انسان کو ضرر رساں چیزوں سے بچاتا ہے۔

فوائد۔ فائدہ: قتادہ و سدی تقویٰ سے عمل صالح مراد ہے اس لئے کہ عمل صالح ہی بندے کو عذاب سے بچاتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ تقویٰ کا لباس اس ظاہری لباس سے بہتر ہے اس لئے کہ فاسق کتنا ہی اچھا لباس پہنے تو صرف ظاہری ستر ڈھانپنے کا ہے ؎

انی کانی اری من لاحیا له
ولا امانة وسط القوم عریانا

ترجمہ: میں حیاء و امانت کے عاری کو قوم کے اندر ننگا دیکھتا ہوں۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

marfat.ocm

قلندراں حقیقت بہ نیم جو نخرند
قبائے اطلس آنکس کہ از ہنر عاریست

ترجمہ ،

فائدہ ، تفسیر فارسی میں ہے ۔ وہ لباس جو تقویٰ کے طور متواضعانہ منکسرانہ لباس پہنتے ہیں جیسے اُونی اور موٹا کپڑا وغیرہ ایسا لباس عبادت کے وقت اللہ والے پہن کر یادِ خدا میں گزارتے ہیں۔ وہ زرق برق اور نرم و نازک لباس متکبرانہ طور نہیں پہنتے۔

حدیث شریف ، جس کا نرم و نازک لباس ہو تو اس کا دین بھی ضعیف ہے۔

فائدہ : مروی ہے کہ اُون کا لباس سب سے پہلے حضرت آدم و حوا علیہما السلام نے پہنا۔ جب کہ بہشت
عزت واحترام کا لباس اتر گیا اس سے اُتار لیا گیا۔ (ہم شیطان کے شر سے پناہ مانگتے ہیں)
سے نکالے گئے۔

فائدہ ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُون کا لباس پہنتے اور درخت کے پتے کھاتے تھے جہاں شام ہوتی وہیں قیام پذیر ہو جاتے۔

فائدہ : اون اور بالوں کے کپڑے پہننا تواضع کی علامت نہیں البتہ مسکینوں درویشوں سے شباہت ضرور ہے

سبق : دانا وہ ہے جو نیک بخت لوگوں کی سیرت کو اپنانے کی جدوجہد کرتا ہے۔ صائب نے فرمایا ؎

جمعے کہ پشتِ گرم بعشق نیند
ناز سمور و منت سنجاب میکشند

ترجمہ ، وہ لوگ جن کی پشت عشق سے گرم نہیں وہی سمور کا ناز اور سنجاب کی منت اٹھاتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

انسان کا ہر جزء ایک لباس ہے اور ہر جزء اپنے ظاہری باطنی ستر کو ڈھانپتا ہے پس شریعت کا لباس احکام شریعت ظاہرہ سے افعال قبیحہ کو ڈھانپتا ہے اور باطن میں آداب طریقت سے صفات ذمیمہ نفسانیہ حیوانیہ کا ستر ڈھانپا جاتا ہے تقویٰ قلب کا لباس ہے اسی طرح روح اور سر اور خفی کا لباس بھی، یہی تقویٰ ہے لیکن ان چاروں کے لباس تقویٰ سے مختلف اطوار میں قلب کے لئے تقویٰ کا لباس یہ ہے کہ بندہ طلب میں صداقت کر کے طمع دنیا و مافیہا کے ستر کو ڈھانپے اور روح کا لباس یہ ہے کہ محبتِ حق سے بغیر مولا کے تعلق کے ستر کو ڈھانپے اور سر کا لباس یہ ہے کہ شہود انوار لقاء سے مولیٰ کے دیدار کے ستر کو ڈھانپے اور خفی کا لباس ہویتِ حق کی بقا سے ہویت خلق کے ستر کو ڈھانپے یعنی تعینات مضمحل اور لاشے ہو جائیں۔ موجودات سے بندہ

marfat.ocm

جابات ہٹا کر سرلن الملک کے ساتھ وحدت واحد کے وثیقے کو جلنے سے

۱۔ ملک ملک اُوست او خود مالکست
غیر ذاتش کل شئے ہالکست

۲۔ کل شئے ما خلا اللہ باطل
ان فضل اللہ غیم ہاطل

۳۔ ہالک آمد پیش وجہش ہست نیست
ہستی اندر نیستی خود طرفہ ایست

رجمہ ۱: تمام ملک اسی کی ملک ہے وہی سب کا مالک ہے اس کی ذات کے سوا باقی سب فانی ہیں۔

۲: ہر شئے اللہ کے سوا باطل ہے اور اللہ تعالیٰ کا فضل برسنے والا بادل ہے۔

۳: یہ سب فانی ہیں اس کی وجہ وہی ہے کہ اس کی حقیقت نیست ہے عجیب بات ہے کہ نیستی ہستی کے رنگ میں کیونکر آئی۔

فسیر عالمانہ ذٰلِكَ لباس کو نازل کرنا مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کے آیات سے ہے جو اس کے فضل اور رحمت پر دلالت کرتی ہیں۔ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝ تاکہ نصیحت حاصل
کہ اس کی نعمتوں کو پہچانیں کہ پتوں کے پیٹنے کے بجائے لباس سے نوازا یا معنیٰ یہ ہے کہ نصیحت حاصل کر کے قبائح
عورۃ کی طرح جمیع قبائح سے بچیں۔

فسیر صوفیانہ اسرار محمدیہ میں ہے کہ تمام جہان ارواح سے پُر ہے۔ گھر کی کوئی جگہ اور کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں روح نہ ہو اسے خدا جانتا ہے کیونکہ وہ اپنے لشکروں کو آپ جانتا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ ہی)

ائدہ: حجۃ الاسلام نے اپنی کتاب معراج السالکین میں لکھا ہے کہ حضور علیہ السلام نے تنہائی میں ننگے ہونے سے
ا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ ننگے ہو کر زن و شوہر جماع نہ کریں۔

ائدہ: حضرت حسن و حسین اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہم پانی میں داخل ہوتے تب بھی سلوار پہن کر تشریف
جاتے اور فرماتے کہ پانی کے اندر مکینوں سے بھی حیاء آتا ہے۔

کایت حضرت احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ایک جماعت کو غسل خانے میں ننگے نہاتے دیکھا تو میں نے حدیث پاک کو مدنظر رکھ کر غسل خانے میں ننگے نہانے سے احتراز کیا۔ وہ حدیث پاک یہ ہے
شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ حمام میں چادر پہنے بغیر داخل نہ ہو۔ اس ارشاد پر میں نے ننگے
ر غسل نہ کیا تو اسی رات میں نے کسی کو خواب میں دیکھا کہ وہ مجھے فرما رہا ہے تمہیں مبارک ہو اے احمد بن حنبل۔

marfat.ocm

تجھے اللہ تعالیٰ نے سُنت پر عمل کرنے کی وجہ سے بخش دیا۔ میں نے اس سے پوچھا تو کون ہے انہوں نے فرمایا۔ میں جبرئیل علیہ السلام ہوں اور تمہیں خوشخبری سناتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا کا امام بنائے گا۔ تمام مخلوق آپ کی اقتدا کرے گی

مسئلہ: لباس پہننے میں ستر عورت کی نیت کرے اور اُن سے عیوب کو چھپانے کے لئے کہ جن کا ڈھانپنا ضروری ہے اور اہل اسلام کی نظروں میں محبت رکھنے کے لئے اور نہ حظِ نفس کے لئے۔ اس لئے کہ ایسا لباس تصفیہ قلب اور عقل کو جلا بخشتا ہے اور عقل کی تمام کدورتیں دُھل جاتی ہیں۔ ایسی نیت کرنے سے نفس کی تمام اُمنگیں مٹ جاتی ہیں اور وہ اپنے حظ کو ملیا میٹ سمجھتا ہے پھر ایسی نیت سے ثواب بھی ملتا ہے یہی فرق ہے انسان اور حیوان میں کہ انسان کا ہر عمل نیک نیتی سے ہوتا ہے اور حیوان کی سرے سے نیت ہی نہیں۔ اور جس انسان کی حالت حیوان سی ہو اُسے صُورتاً انسان کہا جاتا ہے لیکن حقیقی انسان کہلانے کا ہرگز مستحق نہیں۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ وہ اپنے عزم کو اتنا بلند کرے کہ اس کے دل میں سوائے حق کے کسی کا گذر تک نہ ہو

تفسیر عالمانہ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۲۷ اے بنی آدم تمہیں شیطان فتنہ میں نہ ڈالے یعنی تمہیں فتنہ و محنت میں نہ واقع کردے بایں طور کہ وہ تمہیں گمراہ کرکے بہشت میں داخل ہونے سے روکے گا۔ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ جیسے اُس نے تمہارے ماں باپ کو بہشت سے نکالا یہ مصدر محذوف کی صفت ہے اصل عبارت یوں ہے۔ لَا يفتننكم فتنة مثل فتنة اخراج آدم وحواء من الجنة اس لئے کہ جب وہ آدم وحوا کے ساتھ مکر کرکے گمراہ کرنے پہ قدرت پا گیا تو وہ ان کی اولاد کو گمراہ کرنے پر بطریق اولیٰ قدرت رکھتا ہے۔ اس لئے تمہارے لئے واجب ہے کہ تم اس کے وسوسے احتراز کرو۔ اس میں نہی شیطان کی طرف منسوب ہے لیکن مراد عوام ہیں اس لئے کہ انہیں شیطان کی اتباع اور اس کے فتنہ ڈالنے سے روکنا مطلوب ہے۔ یہ عبارت لا تقبلوا فتنة الشيطان سے زیادہ بلیغ ہے۔ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا یہ مِنْ اَبَوَيْكُمْ سے حال ہے۔ یعنی درانحالیکہ وہ شیطان اُن کے لباس اُتارتا تھا۔

اعجوبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت آدم وحوا علیہما السلام کا لباس ناخن کی طرح تھا یعنی ناخن کے مشابہ تھا۔ یعنی ان کے جسم پر وہ لباس ناخن کی طرح پیدائشی تھا۔

سوال: شیطان کی طرف لباس اُتارنے کا کیا معنی۔ اس لئے کہ اُس نے ان کا لباس نہیں اُتارا تھا بلکہ بحکم خداوندی ملائکہ نے اُتارا تھا۔

جواب: چونکہ لباس اُترنے کا سبب شیطان ہوا اس لئے لباس اُتارنے کی نسبت اس کی طرف کی گئی۔ لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا۔ تاکہ انہیں ان کا ستر دکھلائے اس لئے کہ اس سے پہلے نہ انہوں نے اپنا ستر دیکھا تھا نہ کسی

آدم علیہ السلام کی کہانی مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام طویل القامت تھے ایسے معلوم ہوتے تھے گویا ایک کھجور کا درخت ہے اور آپ کثیر بالوں والے تھے۔ جب آپ سے خطاء ظاہری سرزد ہوئی تو آپ کا ستر کھل گیا۔ آپ نے ستر دیکھا تو فوراً بہشت کی طرف دوڑے۔ آگے آپ کو ایک درخت نے اپنے پتوں سے گھیر لیا اور آگے نہ جانے دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم مجھ سے بھاگ کر کہاں جاتے ہو۔ آدم علیہ السلام نے عرض کی اے مولا کریم مجھے آپ سے بھاگنے کا ارادہ نہیں بلکہ ستر کھلنے سے حیاء دامنگیر ہوا۔ اِنَّہٗ بے شک شان یہ ہے کہ شیطان و یَرٰکُمْ هُوَ وَ قَبِیْلُهٗ تمہیں وہ اور اس کا قبیلہ یعنی شیطان کا لشکر اور اس کی اولاد بھی دیکھتی ہے۔ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ یہ من ابتدائیہ ہے جو رویت کی غایت کے لئے ہے اور حَیْثُ رویت کی نفی کا ظرف مکان ہے یعنی تمہیں شیطان اور اس کی اولاد اس لئے نہیں نظر آتی کہ اُن کے اجسام نہایت باریک اور لطیف ہیں اور چونکہ تمہارے اجسام کثیف ہیں اس لئے وہ تمہیں دیکھتے ہیں۔ جس کا دشمن چھپا ہوا ہو وہ بہت زیادہ خطرناک ہوتا ہے بنابریں تمہیں اُن سے زیادہ خوف رکھنا چاہیے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

۰۱ از نبی برخواں کہ دیو و قوم او
می برند از حال انسی خفیہ بو

۰۲ از رہے کہ انس ازاں آگاہ نیست
زانکہ محسوس و زیں اشباہ نیست

۰۳ مسکے دارند از دیدہ دروں
ما ز دزدیہائے ایشاں سرنگوں

۰۴ دمبدم خبط و زیانے مے کنند
صاحب نقب و شگافِ زور بند

ترجمہ ۰۱ نبی علیہ السلام سے پڑھیے کہ شیطان اور اس کی قوم انسان کے حالات پوشیدہ طور سے جانتے ہیں۔
۰۲ اس راہ سے کہ انسان بے خبر ہے، اس لئے کہ وہ محسوس صورتوں سے تو نہیں ہیں۔
۰۳ وہ راستہ ایسا رکھتے ہیں جو آنکھوں کے اندر ہے یعنی مخفی ہے۔ ہم ان کی چوری سے پریشان ہیں۔
۰۴ ہر گھڑی پریشان اور ہمارا نقصان کرتے ہیں یہ صاحب نقب اور طاقتور ہیں۔

فائدہ ہمارا شیاطین کو نہ دیکھنا اس صورت میں ہے جب کہ وہ اپنی اصلی شکلوں میں ہوں ورنہ اگر وہ متمثل

marfat.ocm

ہو کر دوسری شکلیں اختیار کر کے نظر آجائیں تو یہ ناممکن نہیں۔ مثلاً ہوا کتنی لطیف ہے جب اپنی صورت میں رہتی ہے تو ہمیں نظر نہیں آتی۔ لیکن جب وہ غبار کی صورت اختیار کرے تو اسے ہم دیکھ لیتے ہیں۔

فائدہ: بعض لوگوں سے منقول ہے کہ انہوں نے جنات کو اپنی اصلی صورت میں کھلم کھلا دیکھا علاوہ ازیں آکام المرجان فی احکام الجان" میں ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اُن کے اجسام کو ظاہر فرمائے اور ہماری آنکھوں کو روشن تر بنا دے تو ان کو دیکھ لیں گے۔ نیز لوں بھی ہے کہ وہ ان کے اجسام کثیف ہو جائیں تب بھی ہم انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں جیسے کہ ہوا اپنی لطافت پر رہے تو ہمیں نظر نہیں آتی لیکن جب وہ کثیف ہو کر غبار بن جائے تو ہم اسے دیکھ لیتے ہیں۔

فائدہ: جنات کا ہمارے اجسام میں داخل ہونا ناممکن نہیں جیسے ہوا اور ہماری اپنی سانس ہمارے اجسام میں سرایت کر جاتے ہیں یعنی ہماری روح ہمارے اجسام میں ہر وقت اِدھر اُدھر پھر رہی ہے جیسے یہ ممکن ہے تو وہ بھی ایک لطیف اجسام ہیں تو اُن کا داخل ہونا بھی ممکن ہے۔

حدیث شریف: شیطان آدم میں خون کی طرح پھرتا ہے

انسان سے جنات کے نکالنے کا طریقہ: اگر کسی کے اندر جن گھس جاتا ہے تو اس کی جن سے جان چھڑانے اور شیطان کے بھگانے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اس انسان کے پاؤں پر ایک مضبوط ڈنڈا تین یا چار سو بار یا اس سے کم و بیش زور سے مارا جائے تو یہ مار جن پر پڑے گی جس پر جن کا حملہ ہے اسے محسوس تک نہ ہوگا۔ ورنہ اگر یہی مار انسان پر پڑتی تو کبھی وہ بچ کر نہ نکلتا فوراً مر جاتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جن انسان کے اندر گھس جاتا ہے۔

فائدہ: جن پتھروں کے اندر بھی شگاف کئے بغیر گھس جاتے ہیں جب کہ اس پتھر میں پہلے سوراخ ہوں۔ جیسے اس سوراخ دار پتھر میں ہوا داخل ہو جاتی ہے

سوال: اگر یہ عقیدہ مان لیا جائے کہ جن انسان کے اندر گھس جاتا ہے تو دو خرابیاں لازم آتی ہیں۔

(۱) تداخل الاجسام یعنی ایک جسم کا دوسرے میں داخل ہونا اور یہ اسلامی نظریہ کے خلاف ہے

(۲) جن ناری جسم ہے اگر اس کا انسان میں داخل ہونا مانا جائے تو اس کا جل جانا ماننا پڑے گا۔ حالانکہ وہ جلتا نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ جن انسان میں داخل نہیں ہو سکتا۔

جواب: یہ قاعدہ ہے کہ جسم لطیف جسم کثیف کے سوراخوں کے اندر داخل ہو جاتا ہے جیسے ہوا تمام اجسام میں داخل ہو جاتی ہے اس سے کسی نے نہیں کہا کہ ایک چیز میں متعدد جواہر کا اجتماع ہو گیا۔ یہ اس لئے کہ ان کا اجتماع علے طریق المجاورۃ نہیں نہ ہی علے سبیل الحلول ہے ان کا ہمارے اجسام میں داخل ہونا ایسے ہے جیسے برتن سوراخ دار میں ہوا

marfat.ocm

کا داخل ہونا ہوتا ہے۔ دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ جن نارِ محرقہ (جلانے والی) نہیں۔ بلکہ ان کی نار سے تخلیق ہے جیسے آدم کی تخلیق مٹی سے ہے ہر شے کسی عنصر کے غلبہ کی وجہ سے اسی کی طرف منسوب ہوتی ہے ایسے ہی یہاں سے کہ جن نار کے عنصر کا غلبہ ہے اس لئے اسی کی طرف وہ منسوب ہے۔

تفسیر صوفیانہ بحر الحقائق میں لکھا ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ وہ تمہیں اس حیثیت بشریت سے دیکھتے ہیں کہ وہ اصل میں صفات حیوانیہ کا منشا ہے اور تم انہی صفات حیوانیہ کی وجہ سے ان سے محجوب ہو کر انہیں نہیں دیکھ سکتے ہو اور حیثیت روحانیت کو اس میں دخل نہیں۔ کیونکہ وہ تو علوم اسماء و معرفت سے عبارت ہے بنابریں وہ تمہارے اس مقام کو نہیں دیکھ سکتے بلکہ تم انہیں اس نظر روحانی بلکہ نظر ربانی سے دیکھتے ہو۔ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ نہ دیکھنے کی علت ہے کہ وہ تمہارا ایسا سخت دشمن ہے کہ تمہارا اس کے مکر سے بچنا مشکل ہے اس لئے کہ جو دشمن ہمیں دیکھ سکتا ہو اور ہم اسے نہ دیکھ سکیں تو اس کے شر سے بچنا نہایت ہی محال ہوتا ہے۔ ہاں جسے اللہ تعالیٰ کا فضل حمایت کرے وہ ہر طرح سے اس کے شر اور ضرر سے محفوظ ہوتا ہے۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ ہر وقت ایسے دشمن شیطان سے ڈرتا رہے۔

سوال: جسے ہم دیکھ بھی نہیں سکتے پھر ہم اس سے جنگ کیسے کریں اور اس سے بچ بھی کس طرح سکتے ہیں اور ہمیں اس کا حکم بھی دیا جا رہا ہے یہ تکلیف مالا یطاق ہے۔

جواب: ہمیں ان کی ذات سے لڑائی اور بچنے کا حکم نہیں بلکہ اُن کے وسوسے کو دور کرنے اور اس کے شر کو قبول نہ کرنے کا حکم ہے کہ جس وقت وہ ہمارے دلوں میں اس طرح کے وسوسے ڈالے تو ہم انکار کر دیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آکر اس کے شر سے بچیں۔

نکتہ: سیدنا ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اگرچہ وہ ہمیں دیکھتا ہے اور ہم اُسے نہیں دیکھ سکتے لیکن ہمارا رب تو اُسے دیکھتا ہے اور وہ رب تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتا۔ پھر ہم اپنے رب کریم سے استمداد کر کے شیطان کے شر اور مکر سے بچنے کی کوشش کریں اس لئے کہ اس کا مکر اور شر اللہ تعالیٰ کے سامنے بیکار ہے اور نہایت کمزور ہے۔ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بے شک ہم شیطانوں کو ان کا یار بنایا ہے جو بے ایمان ہیں کہ اُن کے مابین خذلان و غوایت (گمراہی) کی مناسبت پیدا کر دی۔ جس سے وہ ایک دوسرے کے دوست ہو کر بے ایمان لوگ اُن کی گمراہی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اولیاء ولی کی جمع ہے بمعنی پکا دوست اس معنی پہ ولی عدو کی نقیض ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے "تولاہ" فلاں نے فلاں کو پکا اور گہرا دوست بنا لیا ہے۔

marfat.ocm

شیطان حضور علیہ السلام کی خدمت میں

حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان ابلیس سے کہا کہ میرے محبوب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر انہیں سوالات کا جواب دے۔ شیطان حضور علیہ السلام کی خدمت میں ایک بوڑھے کی شکل میں ایک گٹھڑی لے کر حاضر ہوا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے۔ عرض کی ابلیس ہوں۔ آپ نے فرمایا میرے ہاں کیوں آیا۔ عرض کی مجھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں آپ کی خدمت میں حاضری دوں اور جن باتوں کا آپ مجھ سے سوال کریں میں اُن کا جواب دوں۔ آپ نے اس سے ایک سوال کیا جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

ابلیس لعین کے پندرہ ۱۵ دشمن اور دس ۱۰ دوست

حضور علیہ السلام نے فرمایا میری امت میں تیرے کتنے دشمن ہیں۔ شیطان نے کہا پندرہ۔

(۱) آپ میرے سب سے بڑے دشمن ہیں (۲) امام عادل (۳) غنی متواضع (۴) سچا تاجر (۵) خداترس عالم دین۔
(۶) مومن دین کا جان نثار (۷) مومن رحیم القلب (۸) توبہ کر کے اس پر مضبوط رہنے والا (۹) حرام سے بچنے والا۔ (۱۰)
وضو پر مداومت کرنے والا (۱۱) مومن بہت زیادہ صدقہ وخیرات دینے والا (۱۲) حُسنِ خلق (۱۳) لوگوں کو نفع پہنچانے
والا (۱۴) قرآن کا حافظ پھر اس کی تلاوت پر مداومت کرنے والا۔ (۱۵) رات کو اٹھ کر عبادت کرنے والا جب کہ
دوسرے لوگ نیند کر رہے ہوں۔

ابلیس کے دس ۱۰ دوست

پھر حضور علیہ السلام نے شیطان ملعون سے پوچھا کہ تیرے دوست کتنے ہیں۔ اُس نے کہا کہ

(۱) سلطان ظالم (۲) غنی متکبر (۳) تاجر خائن (۴) شرابی (۵) چغلخور (۶) سود خوار
(۷) یتیم کا مال کھانے والا (۹) مانع زکوٰۃ (۱۰) ریا کار (۱۰) بڑی بڑی آرزو دِل میں لانے والا۔

فائدہ: مذکورہ بالا تقریر سے ثابت ہوا کہ اس کے دوست نہ صرف کفار ومشرکین ہیں بلکہ اہلِ ایمان کے متعلق میں سے بھی بعض اُس کے دوست ہیں (نسأل اللہ العنایۃ والتوفیق)

حکایت: منقول ہے کہ ابلیس ملعون نے حضرت یحیٰی بن زکریا علیٰ نبینا وعلیہما السلام کے ہاں حاضر ہو کر عرض کی کہ میں آپ کو کچھ نصیحت کرنا چاہتا ہوں آپ نے فرمایا مجھے تیری نصیحتوں کی ضرورت نہیں ہاں بنو آدم کے متعلق کوئی باتیں سنانی ہیں تو سنا دے۔ اُس نے کہا بنو آدم ہمارے نزدیک تین قسم ہیں۔ (۱) یہی ہمارے لئے سخت پریشان کن ہیں ہم جتنا ہی ان کے بہکانے کی تدبیریں بناتے ہیں وہ تمام رائیگاں جاتی ہیں۔ وہ لوگ استغفار پڑھنے والے ہیں کہ ہم جب انہیں بہکانے کا پروگرام بناتے ہیں تو وہ استغفار پڑھ کر ہمیں بھگا دیتے ہیں لیکن ہم بھی ان کے گمراہ کرنے سے نا اُمید بھی نہیں ہوتے۔ مگر وہ ہمارے قابو میں نہیں آسکتے۔

(۲) یہ لوگ ہمارے ہاتھوں کے اشارہ پر ہوتے ہیں جیسے بچوں کے ہاتھ میں گیند یہی ہمارے اور ہم اُن کے۔ یعنی وہ لوگ گناہوں میں ہر وقت لگے رہتے ہیں"

(۳) آپ جیسے معصوم حضرات پر ہمارا کسی قسم کا بس نہیں چل سکتا"۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے ساتھ تم نے کبھی کوئی ایسا معاملہ کیا ہے کہ جسے تو اپنی کامیابی سمجھتا ہو۔ اس نے کہا آپکی زندگی میں مجھے آپ پر صرف ایک بار حملہ کرنے کا موقع ملا۔ یحییٰ علیہ السلام نے کہا وہ کب اور کیسے۔ شیطان نے کہا ایک دفعہ آپ کو طعام کی خواہش ہوئی اور آپ نے باوجودیکہ اپنی طبیعت کو روکا۔ لیکن آپ نہ رک سکے اور خوب پیٹ بھر کر کھایا اس سے مجھے موقع مل گیا تو آپ کو رات کو سُلا دیا۔ آپ رات کی عبادت معمول کے مطابق نہ کر سکے۔ یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اب کے بعد میں کبھی سیر ہو کر طعام نہیں کھاؤں گا۔ شیطان نے کہا آئندہ میں بھی کبھی کسی کو اپنا راز نہیں بتاؤنگا۔

حکایت: حضرت یحییٰ علیہ السلام سے ایک دفعہ شیطان ابلیس کی اصلی شکل میں ملاقات ہوئی تو حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ تیرے محبوب ترین کون لوگ ہیں اور مبغوض ترین کون۔ شیطان نے کہا ہمیں محبوب ترین وہ مومن ہیں جو بخیل ہو اور مبغوض ترین وہ فاسق ہے جو سخی ہو۔ یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا وہ کیسے؟ ابلیس نے کہا وہ اس لئے کہ بخیل کو میرے بخل سے حصہ ملا اور فاسق سخی کی سخاوت سے مجھے خطرہ رہتا ہے کہ اس کی سخاوت کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ بخش دے یہ کہہ کر چل پڑا اور کہہ رہا تھا کہ اگر آپ یحییٰ علیہ السلام نہ ہوتے تو میں آپ کو یہ راز نہ بتاتا۔ (کذا فی احکام المرجان فی احکام الجان)

۝۲۸ **وَاِذَا فَعَلُوْا** اور جب کرتے ہیں (کفار قریش، (مکہ) **فَاحِشَۃً** کسی برائی کو۔ یعنی ایسا فعل جو برائی کی انتہا کو پہنچا ہوا ہے۔ جیسے بت پرستی اور ننگا ہو کر طواف کرنا جیسے قریش مکہ ننگے ہو کر طواف کرتے تھے وغیرہ وغیرہ۔ جنہیں مذکورہ بالا برائیوں سے روکا گیا تو وہ نصیحت گروں کو جواب دیتے گویا وہ انہی افعال قبیحہ کے اچھے ہونے پر حجت کے طور کہتے کہ ان میں قباحت کیسی جب کہ وَجَدْنَا عَلَیْهَا آبَآءَنَا۔ ہم نے ایسے ہی اپنے آباء کو پایا علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ پر افتراء کر کے کہتے کہ (معاذ اللہ) ان کا ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے چنانچہ کہا وَاللّٰہُ اَمَرَنَا بِہَا اور ان کا ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے۔

سوال: ان کی دو حجتیں ہیں (۱) تقلید الآباء (۲) "امر الٰہی" اللہ تعالیٰ نے ان کی امر الٰہی کی حجت کی تو تردید فرمائی۔ لیکن تقلید الآباء کی کوئی تردید نہیں فرمائی۔ اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب: تقلید الآباء درحقیقت ایسی دلیل نہیں جسے صحتِ فعل پر حجت قائم بنایا جا سکے بالخصوص ایسے فعل کے لئے جس کے بطلان پر دیگر دلائل قاطعہ موجود ہوں گویا تقلید الآباء کی حجت ایسی ظاہر البطلان ہے کہ جس کی تردید کی ضرورت ہی نہیں اور دوسری دلیل بھی ان کی ایسی ہی ہے لیکن چونکہ اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا ان کا افتراء

marfat.ocm

ہما۔ بنابریں ان کی تردید میں فرمایا قُلْ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ فرمائیے اللہ تعالیٰ برائی کا حکم نہیں فرماتا اس لئے کہ اس کی عادت کریمہ ہے کہ وہ صرف محاسن افعال کا حکم فرماتا ہے اور مکارم خصال کی ترغیب دیتا ہے۔ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ کیا اللہ تعالیٰ پر ایسی باتوں کا افتراء کرتے ہو جن کا تمہیں خود بھی علم نہیں کہ واقعی اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے یا نہ اس لئے کہ علم کا حصول یا تو ابتداءً اللہ تعالیٰ سے ہو یعنی کسی نبی علیہ السلام کے واسطے کے بغیر کہ اسے کسی نبی علیہ السلام سے تبلیغ کے طور معلوم نہ ہوا ہو بلکہ اللہ تعالیٰ سے براہِ راست علم ہو اور وہ اس کے منکر تھے کہ انہیں نبی علیہ السلام نے بتایا ہے اس لئے کہ وہ تو ہر نبی علیہ السلام کی نبوت کے منکر تھے دوسرا طریقہ علم کے حصول کا انبیاء علیہم السلام کے واسطے سے ہوتا ہے اور وہ علی الاطلاق انبیاء علیہم السلام کی نبوت کا انکار کرتے ہیں۔ ان وجوہ سے ثابت ہوا کہ احکام الٰہی کے حصول کا ان کے ہاں کوئی طریقہ ہی نہیں تھا۔ اس سے نتیجہ نکلا کہ جو وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔ ان کی یہ بات ایسی کہ جسے وہ خود بھی نہیں جانتے۔ اَتَقُوْلُوْنَ ان کے مامور بہ کے قول کا تتمہ ہے اور یہ ہمزہ انکار کے لئے ہے کہ جو کچھ تم کہتے ہو اس کا کوئی وجود ہی نہیں اور تمہارا دعویٰ طرز قبیح ہے

تفسیر صوفیانہ

آیت ہذا میں اشارہ ہے کہ فاحشہ سے دنیا اور طلبِ دنیا اور اس کے جمع کرنے کی حرص مراد ہے اس لئے کہ تمام فواحش کا سرچشمہ حبِ دنیا ہے جو کہ ہر برائی کی جڑ اور سردار ہے اب آیت کا معنیٰ یوں ہوا کہ جب اہلِ غفلت طلبِ دنیا اور اس کی زینت اور اس سے متمتع ہونے میں شیطان کے اکسانے اور اس کی تدبیریں بتلانے اور اس کی زینت کے ابھارنے سے واقع ہوئے تو اللہ تعالیٰ کے داعی نے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا اور فرمایا دنیا اور اس کی طلب کو چھوڑ دو تو انہوں نے اس کے جواب میں کہا کہ ہم نے اپنے آباء کو بھی حبِ دنیا اور اس کی شہوات میں پایا۔ پھر ہم ان کی تقلید کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں علاوہ ازیں ہمیں اللہ تعالیٰ نے کسبِ حلال کی طلب کا حکم بھی دیا ہے۔ اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ فحشاء یعنی حبِ دنیا اور اس کے جمع کرنے کے حرص کا نہیں بلکہ اسے تو بقدر ضرورت کسب حلال کا حکم فرمایا کہ جس سے تمہارے بدن کا قوام صحیح رہ سکے اور بقدر ضرورت ضرورت لباس مہیا کر سکو تا کہ حقوق عبادت میں تساہل و تکاہل نہ ہو۔ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کیا تم اللہ تعالیٰ پر ایسے امور کا افتراء کرتے ہو جن کے آفات کو تم نہیں جانتے اور نہ ہی تم ان کے عاقبت کے وبال کو جانتے ہو اور یہ بھی تمہیں معلوم نہیں کہ یہ بھی منجملہ شیطان کے فتنوں سے اور اس کی تزیین و اغواء سے ہے (کذا فی التاویلات النجمیہ) مثنوی شریف میں ہے ؎

ایں جہان جیفہ است و مردار رخیص
بر چنیں مردار چوں باشم حریص

ترجمہ: یہ جہان مردار اور نہایت ہی بد بودار مردار ہے تو ہم ایسے مردار کے لئے کیسے حریص بن سکتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ ۲۹ قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ۔ فرمائیے اے محبوب کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ میرے رب تعالیٰ نے عدل وانصاف کا حکم فرمایا ہے (ربط) جس امر کی غلط نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے اس کی نفی کے بعد اب مامور بہ کا بیان فرمایا۔ القسط یعنی عدل ہر وہ درمیانہ امر جو افراط و تفریط سے خالی ہو۔ حدیث شریف میں ہے خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُھَا۔ امور میں وہ امر بہتر ہوتا ہے جو اوسط ہو۔

تَوَسَّطْ اِذَا مَاشِئْتَ اَمْرًا فَاِنَّہٗ
کِلَا طَرَفَیْ قَصْدِ الْاُمُوْرِ ذَمِیْمٌ

ترجمہ۔ جب تم کسی کام کو کرنا چاہتے ہو تو امور کے درمیانہ کام کو اختیار کرو۔ اس لئے کہ شئے کے درمیان کی ہر دونوں طرفیں مذموم ہوتی ہیں۔

وَاَقِیْمُوْا وُجُوْھَکُمْ اس کا امر مقدر ہے۔ یعنی قل محذوف ہے۔

سوال: تم نے فعل قُلْ کو مقدر کیوں مانا ہے۔

جواب: تاکہ جملہ خبریہ پر جملہ انشائیہ کا عطف ڈالا جائے اب معنیٰ یوں ہوا کہ فرمائیے اب محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چہرے کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کیجئے مطلب یہ کہ تم سیدھے یعنی خلوصِ قلب سے عبادت کرو۔ عبادت سے منہ نہ موڑو۔ یا یہ معنیٰ ہے کہ تم اپنے چہرے قبلہ کی طرف متوجہ رکھو۔ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ نزدیک یا ہر نماز کے سجدے کے وقت اس سے ظرفِ زمان مراد ہے یا ظرفِ مکان یعنی سجدہ کے وقت یا سجدہ کے مکان میں اور مسجد سے سجدہ نماز مراد ہے۔ جزء بول کر کل مراد لیا گیا ہے۔

مسئلہ: کلبی نے فرمایا کہ جب نماز کا وقت ہو جائے اور اس وقت تم مسجد میں ہو تو تم نماز پڑھو یہ نہ کہو کہ ہم اپنی مسجد میں جا کر نماز پڑھیں گے۔

مسئلہ: اگر مسجد میں نہ ہو اور نماز کا وقت ہو جائے تو جونسی مسجد مل جائے اس میں نماز پڑھ لو۔

مسئلہ: نماز کی ادائیگی محلہ کی مسجد میں جامع مسجد سے افضل ہے۔ بشرطیکہ مسجد محلہ میں نماز پڑھانے والا (متقی) عالم دین ہو۔

مسئلہ: کاروباری لوگ اور دکانداروں کے لئے اس علاقہ کی مسجد محلہ کہلائے گی۔

مسئلہ: مدارک فرماتے ہیں کہ اس آیت سے فرضی نماز کو باجماعت ادا کرنے کا وجوب ثابت ہوا۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نماز کی اذان سُنی اور وہ بلا عذر نماز کے لئے حاضر نہ ہوا تو اس کی نماز کامل نہ ہوئی۔

مسئلہ: اکیلی نماز سے باجماعت نماز کا ستائیس درجے زائد ثواب ہے۔

marfat.ocm

نکتہ: ایک نماز باجماعت ادا کرنے سے دن رات کی نمازوں کا ثواب مِل جاتا ہے اس لئے کہ دن لا رات کی جملہ فرضی نمازیں سترہ اور سنتیں دس رکعتیں ہیں اُن کا مجموعہ ستائیں ہوتا ہے۔

مسئلہ: فرائض وتراویح کو مسجد میں باجماعت ادا کرنا انہیں گھر پہ ادا کرنے سے افضل ہے۔ کذا قال العلماء

نکتہ: اس لئے کہ مسجد میں نماز ادا کرنا شعائر اسلام سے ہے۔ جیسے گھر پہ اکیلے نماز پڑھنے والے کی بہ نسبت گھر پہ باجماعت نماز پڑھنے کا زیادہ ثواب ہے۔ وَادْعُوْہُ۔ اور اللہ تعالیٰ کو پکارو یعنی عبادت کرو۔

قاعدہ: دعا بمعنی عبادۃ اطلاق الخاص علی العام کے قبیل سے ہے[1] اس لئے دُعا بھی ایک عبادۃ ہے۔ اس لئے کہ دُعا کے وقت فقیری ومسکینی کا اظہار ہوتا ہے اور عبادۃ بھی اس اظہار عجز وفقر اور مسکینی کو کہتے ہیں بلکہ دُعا کا جوہر یہ خضوع وخشوع ہے[2] مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ ط اس لئے دین یعنی اطاعت کو اخلاص کے ساتھ ادا کرنے والے ہو کر۔ اس لئے کہ تم سب کا رجوع آخرت کی طرف ہے ؎

فردا کہ پیش گاہِ حقیقت شود پدید
شرمندہ رہروئے کہ عمل بر مجاز کرد

ترجمہ: کل قیامت میں حقیقت کے سامنے شرمسار ہوگا وہ راہرو جس نے مجاز کے مطابق عمل کیا ہوگا۔

کَمَا بَدَاَکُمْ: جیسے تمہاری ابتداء کی ہے یعنی تمہیں ابتداءً پیدا فرمایا تَعُوْدُوْنَ ۰ تم اسی کے بولانے پر اسی کی طرف لوٹو گے۔ پھر وہ تمہارے اعمال کی تمہیں جزا دے گا اور کاف محل نصب میں ہے اور وہ مصدر محذوف کی صفت ہے اصل عبارت یوں تھی۔ تَعُوْدُوْنَ عُوْدًا مِثْلَ مَا بَدَاَکُمْ اور بداء ہمزہ کے ساتھ بمعنی انشاء واختراع۔

سوال: انشاء (پیدا کرنے) کو بدأ سے کیوں تعبیر کیا ہے۔

جواب: تاکہ معلوم ہو کہ یہ فعل ممکن اور اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے یعنی اپنے لوٹنے کو اپنی پہلی پیدائش پر قیاس کرکے قیامت میں لوٹنے کا انکار نہ کرو اس لئے کہ جو ذات ابتدائی تخلیق پر قدرت رکھتی ہے اسے لوٹانے کی بھی طاقت وقدرت ہے اسے تمہاری تخلیق سے تمہارا لوٹانا کوئی مشکل نہیں ۰ فَرِیْقًا مابعد کی وجہ سے منصوب ہے هَدٰی ایک گروہ کو ہدایت دی بایں طور کہ انہیں ایمان کی ہدایت بخشی وَفَرِیْقًا مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔ پھر معنوی لحاظ سے فعل مابعد اس فعل مقدر کی تفسیر کرتا ہے اور وہ فعل مقدر کا اصل ہے اب معنی یوں ہوا اَضَلَّ فَرِیْقًا ایک گروہ کو گمراہ کیا۔ حَقَّ عَلَیْہِمُ۔ ان کے لئے لائق ہو گئی۔ اَلضَّلٰلَۃُ گمراہی تقاضائے سابق

---

[1] لیکن اس قاعدہ سے وہابیوں، دیوبندیوں، مودودیوں وغیرہم کو انکار ہے ۱۲۔ اُویسی غفرلہ،

[2] اس لئے حدیث شریف میں ہے "الدعاء مخ العبادۃ دعا عبادت کا مغز ہے" ۱۲۔ اُویسی غفرلہ،

marfat.ocm

پر جو کہ مشیت کے تابع ہے اور اس میں بے انتہا حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ اِنَّهُمُ اتَّخَذُ الشَّيَاطِيْنَ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۔ بے شک انہوں نے شیطانوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا دوست بنایا۔ یہ ما قبل کی علت ہے یعنی وہ گمراہ اسلئے ہوئے کہ انہوں نے شیطانوں کو دوست بنایا اور اُن کی دعوت کو بلا تامل قبول کر لیا اور حق و باطل کی تمیز نہ کر سکے۔

مسئلہ: اگرچہ ہدایت و گمراہی کی تخلیق اللہ تعالیٰ کرتا ہے لیکن اس وقت جب کہ بندہ ہدایت و گمراہی کے آمادہ ہو کر اس کے حصول کی سعی کرتا ہے۔ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۔ اور وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ خطاءً کفر کرنے والا اور ضد میں عمداً کفر کرنے والا ہر دونوں برابر ہیں اس لئے کہ خطاءً کفر کرنے والے کی اللہ تعالیٰ نے مذمت فرمائی ہے کہ اس کا گمان ہے کہ وہ جس دین پہ ہے وہ حق ہے اِس بناء پر گمراہی اس کے دل میں راسخ ہے اس لئے کہ یہ بھی معاند و جاحد کے حکم میں ہے۔

مسئلہ: اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ دین میں صرف گمان اور خیالی ارادہ بیکار ہے جب تک کہ اس پر یقین اور جزم نہ ہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کی مذمت اُن کے گمان کی وجہ سے کی ہے۔ کَمَا قَالَ ویحسبون انہم مہتدون۔ کیونکہ اگر محض گمان مفید ہوتا تو اللہ تعالیٰ اُن کی مذمت نہ کرتا۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ یقین اور تحقیق حاصل کرے محض تقلید اور اصحابِ تحقیق کی تقلید میں گرفتار نہ ہو اس لئے کہ عقائد میں تقلید معتبر نہیں بلکہ مسائل میں تقلید ضروری ہے اس لئے کہ حال و مقام کا مرتبہ عرفان سے معلوم ہوتا ہے۔ صائب نے خوب فرمایا ؎

واقف نمے شوند کہ گم کردہ اند راہ
تا رہرواں بہ رہنمائی نمے رسند

ترجمہ: آگاہ نہیں ہوتے کہ وہ راہ گم کر چکے ہیں۔ ایسے گمراہ کہ اب راہ بتلانے والوں سے بھی رہنمائی نہیں لیتے تاکہ منزل تک پہنچ سکیں۔)

تفسیر صوفیانہ تقلید باطل اور شک و ریاء اور حُبِ دنیا و حبِ خلق سب کی سب اللہ تعالیٰ کے ہاں مذموم ہیں اور انہیں کسی قسم کا فائدہ نہیں۔

حکایت حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں ایک پہاڑ کے قریب سے گزرا تو دیکھا کہ ایک بندۂ خدا نماز پڑھ رہا ہے اور اس کے گرداگرد درندے گھوم رہے ہیں۔ گویا اس کا پہرہ دے رہے تھے۔ جب مجھے دیکھا تو وہ درندے بھاگ گئے اور اس بندۂ خدا نے نماز مختصر کر کے مجھے فرمایا

marfat.ocm

اے ابوالفیض اگر تم طلبِ حق میں خلوص کرو تو یہ درندے بھی تمہارے غلام ہیں اور پہاڑ بھی تیرے حکم کے پابند۔ میں نے کہا۔ خلوصِ قلب کا کیا معنیٰ! ۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی غیر کا تصور تک نہ ہو۔ میں نے پوچھا۔ وہ کس طرح حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اس نے فرمایا کہ حبِ خلق کو دل سے نکال دو۔ جیسے شرک کو دل میں جگہ نہیں ایسے حبِ خلق کو جگہ نہ دو۔ میں نے کہا یہ تو ہمارے لئے مشکل ہے۔ انہوں نے فرمایا عارفین کیلئے یہ معمولی بات ہے۔

سبق : جب عام مخلوق کی دوستی کا یہ حال ہے تو پھر سوچیئے کہ شیطان کی دوستی کا کیا حال ہوگا۔ یاد رہے کہ جیسے شیطان سے دوستی اچھی نہیں ایسے ہی شیاطین الانس کی یاری و دوستی بھی نہایت نامعقول ہے

سبق : سالک کے لئے حبِ الٰہی ضروری ہے وہ بڑا بدبخت ہے جو اللہ تعالیٰ کی دوستی کا دم بھرتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ماسوی اللہ کی دوستی کو مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ سے تعبیر کرکے اس کی مذمت فرمائی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے کہ ہمارے قلوب کو ہدایت کا راہ دکھانے کے بعد ٹیڑھا نہ بنائے بلکہ اپنی محبت کا وافر حصہ نصیب فرمائے اور ہمیں اپنی طاعت وعبادت کا راہ عنایت فرمائے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ ۳۱ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ اے آدم زادو ہر نماز کے وقت اپنی زینت لو۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اگرچہ زینۃ بمعنیٰ ما یتزیّنُ بہٖ ہے یعنی ہر وہ لباس فاخرہ کہ جس سے زینت حاصل کی جائے۔ لیکن یہاں پر بالاتفاق وہ کپڑے مراد ہیں جن سے ستر ڈھانپا جاتا ہے جیسا کہ اس کا شانِ نزول بتاتا ہے۔

شان نزول جاہلیت کے دَور میں عرب کے چند قبیلے کعبہ معظمہ کا طواف ننگے ہو کر کرتے تھے اور کہتے کہ ہم ان کپڑوں سے کیسے طواف کریں جن میں ہم گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اُن کے مرد دن کو اور عورتیں رات کو طواف کرتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا کہ وہ کپڑے پہن کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور عبادت ننگے ہو کر نہ کریں۔ طواف ہو یا نماز۔ ان کی عادت تھی کہ طواف کے لئے جب حاضر ہوتے تو کپڑے اتار کر کعبہ معظمہ کے باہر رکھ لیتے اور پھر طواف کرتے۔

-**فائدہ** : تفسیر مدادی میں ہے کہ ان کی عادت تھی کہ جب وہ منیٰ میں حاضر ہوتے تو کپڑے اُتار کر سامان میں رکھ دیتے اور پھر ننگے طواف وغیرہ کرتے۔ اگر کسی کے بدن پر کپڑے ہوتے تو اُسے مارتے اور اس کے کپڑے اتار لیتے تھے اور عورتیں رات کے وقت تمام کپڑے اتار لیتی تھیں۔ صرف ایک لنگوٹا زانوؤں تک باندھتی تھیں جس سے وہ اپنا پورے طور سے بھی ڈھانپتی تھیں۔

مسئلہ : یہی آیت اصل ہے اس مسئلہ کی کہ نماز میں ستر عورت واجب ہے اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ

marfat.ocm

یا طواف کے وقت اپنے سترِ عورت کے لئے کپڑے لے لو۔

مسئلہ: شیخ الاسلام خواہرزادہ نے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ نماز یا طواف کے وقت بہترین کپڑے پہننا مستحب ہے اس لئے کہ زینت سے مُراد لباس ہے مسبب بول کر سبب مُراد لیا گیا ہے۔

مسئلہ: خلاصہ یہ کہ نماز میں مطلق اور بہترین لباس پہننا مسنون ہے۔

امام ابوحنیفہ کی کہانی سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز کے لئے ایک مخصوص لباس تیار کرایا تھا وہ لباس یہ تھا۔ (۱) قمیص (۲) عمامہ (۳) چادر (۴) سلوار۔ اس زمانہ میں ان کی مجموعی قیمت ڈیڑھ ہزار درہم تھی اسے دن رات پہنتے اور فرماتے کہ اللہ تعالیٰ کو لباس فاخرہ سے مِلنا لوگوں کے ملنے سے اولیٰ ہے۔

مسئلہ: فقہاء کرام نے فرمایا اگرچہ اندھیری رات ہو تب بھی نماز کے لئے لباس واجب ہے اس لئے کہ ستر عورت صرف حقوق الخلق سے نہیں۔ بلکہ یہ حقوق الصلوٰۃ سے بھی ہے۔

تفسیر صوفیانہ تفسیر فارسی میں ہے کہ ظاہری لباس شریعت میں نماز کے لئے اور طریقت میں راز کے لئے حضور قلب ضروری ہے ؎

ذوق طاعت بے حضورِ دل نیابد ہیچکس
طالبِ حق را دل حاضر بریں درگاہ بس

ترجمہ: حضور دل کے سوا کسی کو بھی طاعت کا ذوق نصیب نہ ہوگا طالبِ حق کو اس درگاہ میں دل حاضر رکھنا ضروری ہے۔

تفسیر عالمانہ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا۔ اطعمہ واشربہ میں سے جو دِل چاہے کھاؤ اور پیو۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ بنو عامر ایام حج میں معمولی طور کھاتے اور گھی والی غذا سے تو بالکل پرہیز کرتے اس سے وہ سمجھتے کہ اس طرح سے وہ حج کی عزت وعظمت کا حق ادا کر رہے ہیں۔ بعض لوگوں کا اسلام قبول کرنے کے بعد اسی طرح حج کی عظمت میں مذکورہ بالا طریق کے ارتکاب کا ارادہ ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اہلِ بیات یعنی فقراء کی طرح مقامِ عبودیت میں وہی طعام کھاؤ اور وہی پانی پیو جو انہیں اس طعام میں نصیب ہوا۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ کے ہاں شب باش رہتا ہوں وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے اور حضور علیہ السلام رمضان میں جس خصوصیت کے ساتھ عبادت کرتے اور کسی دوسرے مہینہ میں نہ ہوتی یہاں تک کہ کئی راتیں کھانے پینے کا نام تک نہ لیتے تاکہ

marfat.ocm

عبادت سے وافر حصہ نصیب ہو۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس سے روکتے۔ صحابہ کرام نے عرض کی کہ آپ خود تو صوم وصال رکھتے اور ہمیں روکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں تمہارے جیسا نہیں ہوں۔ میں اپنے رب کے ہاں گزارتا ہوں اور ایک روایت میں ہے کہ میں اپنے رب کے ہاں ہوتا ہوں وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔

٭ رب کے اس دیئے طعام وشراب کے متعلق علماء کرام کا اختلاف ہے اور اس میں دو قول ہیں۔

(۱) طعام وشراب (ربانی) اس قسم سے تھا جسے ہم کھاتے پیتے ہیں۔ اس طرح سے حدیث شریف کا حقیقی معنی مراد ہوگا اور حقیقہ سے مجاز کی طرف رجوع نہیں کرنا پڑتا اور وہ طعام بہشت سے لایا جاتا ہے (۲) انوار ومعارف مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور علیہ السلام کو لذتِ مناجات میں اور اس کے قرب سے جو آپ کو آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب ہوتی ہے اور محبت کی وہ نعمتیں جنہیں حضور علیہ السلام نے پایا اور یہ غذا مسلسل ملتی رہی جو قلوب کی غذا اور ارواح کی نعمت اور آنکھوں کی ٹھنڈک اور نفوس کی رونق ہے۔

حکایت منصور حلاج حضرت منصور حلاج رحمۃ اللہ تعالیٰ کا ایک خادم خاص کہتا ہے کہ حضرت الشیخ منصور مرحوم ومغفور دو سال کعبہ معظمہ میں ٹھہرے رہے۔ آپ کے ہاں ایک جگہ سے روزانہ طعام بھیجا جاتا لیکن آپ اسے ہاتھ تک نہ لگاتے وہ جوں کا توں پڑا رہتا۔ جسے پھر ہیں کھا جاتا۔ اس طرح سے آپ نے دو سال مسلسل گزار دیئے۔ لیکن کبھی آپ کو ہم نے طعام کھاتے نہیں دیکھا۔

حضور علیہ السلام طعام کے محتاج نہیں کھایا تو امت کی تعلیم کیلئے ۔ حضرت الشیخ الشبیر بافادہ افندی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے طعام اس لئے کھایا کہ امت ضعیفہ کو تعلیم نصیب ہو ورنہ آپ کو کھانے پینے کی حاجت و ضرورت نہیں تھی۔

ازالۂ وہم: آپ کا کبھی کبھی فقر وفاقہ کے دوران شکم اطہر پہ پتھر باندھنا بھوک کی وجہ سے تھا کہیں یہ لطیف جسم عالم ملکوت کی طرف پرواز نہ کرے۔ اس لئے پتھر باندھ دیتے تاکہ عالم دنیا میں رہ کر خلقِ خدا کے لئے راہِ ہدایت کا کام سرانجام دے سکیں اور انہوں نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام حدوثِ عالم پہ نظر رکھ کر تجلّی لقا سے بہرہ یاب رہتے

وَلَا تُسْرِفُوْا حلال کو حرام کی طرف تعدی نہ کرے یعنی وہ اشیاء جو ماکولات ومشروبات وملبوسات میں حرام وناجائز ہیں انہیں عمل میں نہ لاؤ۔ یا اس کے معنی یہ ہے کہ طعام حد سے زیادہ نہ کھاؤ اور اس کی حرص کرو کہ بدن کے قوام کے لئے ضرورت ہی نہیں تو تم خواہ مخواہ لذت کے طور کھاؤ اس لئے کہ یہ بھی اسراف کے قبیل سے ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ بے شک اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کے عمل سے محبت نہیں کرتا۔ یعنی ان سے راضی نہیں اور نہ ہی ان کی تعریف کرتا ہے۔

فائدہ: بعض کے نزدیک اسراف یہ ہے کہ جو جی چاہے کھا ڈالے اور یہ بھی اپنے مقام پہ صحیح ہے کہ جو ہر وقت

marfat.ocm

کھانے پینے کی فکر میں لگا رہے وہ خسیس اور ذلیل ترین انسان ہے ؎

۱: خواجہ را بین کہ از سحر تا شام
دارد اندیشۂ شراب و طعام
۲: شکم از خوشدلی و خوشحالی
گاہ پُر میکند گہے خالی
۳: فارغ از خلد و ایمن از دوزخ
جائے او مزبلست و یا مطبخ

ترجمہ ۱: خواجہ کو دیکھ کر صبح سے شام کھانے پینے کی فکر ہیں۔
۲: پیٹ خوشدلی اور خوشحالی سے پُر ہے کبھی اسے پُر کرتا ہے کبھی خالی کرتا ہے
۳: یہ بہشت کے خیال سے خالی اور دوزخ کے خوف سے فارغ ہے اس کی جگہ یا پاخانہ یا باورچی خانہ ہے

نکتہ عجیبہ: حضرت شیخ الاسلام عبد اللہ انصاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اسراف اس کا نام نہیں کہ ساری دنیا کے طعام اُٹھا کر منہ میں ڈال دیں بلکہ اسراف وہ لقمہ ہے جو رضائے الٰہی کے لئے نہیں بلکہ نفس پروری کے لئے کھایا جائے

؎

یک جوان را کہ خیر دائم داشت
پند می داد راہبے در دیر
کائے پسر خیر نیست در اسراف
گفت اسراف نیست اندر خیر

ترجمہ: ایک جوان کو نیکی کا حرص تھا۔ اسے دیر میں ایک راہب نے نصیحت کی کہ اے بیٹے اسراف اچھا نہیں نوجوان نے کہا۔ بزرگ خیر میں اسراف ہوتا ہی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اسراف دو قسم ہے۔ (۱) افراط۔ (۲) تفریط۔ افراط یہ ہے کہ حاجتِ ضروریہ سے زائد کا ارتکاب بخلاف شرع عمل یا طبع و شہوت کے مطابق کیا۔ یا غفلت میں یا ترک ادب کر کے یا حرص کے طور ہو وغیرہ وغیرہ اور تفریط یہ ہے کہ حاجتِ ضروریہ میں بلا وجہ کمی اور قوت و طاقت جو حقوق عبادت کے قوام میں کوتاہی یا اپنے نفس کو ضائع کر کے یہاں تک کہ وہ تباہ ہو جانے پر زور دیا جائے یا اپنے نفس کے خواہشات پورے کر کے حقوق ربوبیت ضائع کئے جائیں یا خواہشات نفسانی میں حقوق قلب و روح و سر ضائع کر دیئے جائیں۔ اب آیت کا معنیٰ یوں ہوا کہ اپنے حقوق حظوظ نفسانیہ کی وجہ

marfat.ocm

سے ضائع نہ کرو۔

حکایت عجیبہ ہارون رشید کا ایک حکیم حاذق نصرانی تھا اس نے ایک مرتبہ حضرت علی بن حسین بن واقد پر سوال کیا کہ تمہارے قرآن مجید میں علم طب کا معمولی سے معمولی مسئلہ بھی بیان نہیں کیا گیا حالاں کہ علم دو ہیں۔ (۱) علم الابدان و علم الادیان۔ آپ نے اسے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تمام طبی مسائل کو صرف ان دو لفظوں میں جمع فرما دیا ہے۔ کما قال تعالیٰ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا۔ نصرانی نے کہا کہ کیا تمہارے نبی علیہ السلام کو بھی طب سے کچھ واقفیت تھی۔ انہوں نے کہا ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طب کے جمیع مسائل مختصر الفاظ میں بیان فرمائے ہیں اور وہ یہ ہیں۔

(۱) المعدۃ بَیْتُ الداء معدہ بیماریوں کا گھر ہے۔

(۲) الحمیۃ راس کل دواء حمیت ہر دوا کی سرتاج ہے۔

(۳) عودا کل جسم ما عتاد جسم کو عادت پر چلاؤ۔

نصرانی حکیم نے کہا تمہارے قرآن مجید اور تمہارے نبی علیہ السلام نے تو جالینوس کا کوئی طبی مسئلہ نہیں چھوڑا

فائدہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جو مرضی آئے کھاؤ پیو اور جو چاہو پہنو۔ صرف اسراف اور تکبر کو اپنے قریب نہ پھٹکنے دو۔

ف: اگرچہ ہمارے لئے جائز ہے کہ بلا اسراف جتنا چاہیں کھائیں لیکن پھر بھی صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ صرف دو لقموں پر اکتفا کرنا چاہیے۔ ایک دن کو دوسرا رات کو اور یہ بھی عوام کے لئے اور وہ بھی غیر رمضان میں اور خواص کو دن اور رات کے لئے صرف ایک لقمہ پر قناعت چاہیے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں اگر عوام دو لقموں سے تیسرا لقمہ اور خواص ایک لقمہ سے دوسرے لقمہ کی طرف ہاتھ بڑھائیں گے تو اسراف کے مرتکب ہوں گے اور ہمارے لئے حق پہنچتا ہے کہ اُن کو کہا جائے کہ وہ بہائم (جانوروں) کے صفات سے موصوف ہیں۔

ف: ہندی اطباء کہتے ہیں کہ تمام امراض کا علاج الحمیۃ ہے اس لئے کہ یہ مریض کو کھانے پینے اور [illegible] سے روکا جائے تو وہ خود بخود تندرست ہو جائے گا۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ الحمیۃ پر مداومت کرے۔

marfat.ocm

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ
تم فرماؤ کس نے حرام کی اللہ کی وہ زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لیے نکالی اور پاک رزق تم فرماؤ کہ وہ ایمان والوں
اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ
کے لیے ہے دنیا میں اور قیامت میں تو خاص انہیں کی ہے ہم یونہی مفصل آیتیں بیان کرتے
لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا
ہیں علم والوں کے لیے تم فرماؤ میرے رب نے تو بے حیائیاں حرام فرمائی ہیں جو ان میں کھلی ہیں اور جو
بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ
چھپی اور گناہ اور ناحق زیادتی اور یہ کہ اللہ کا شریک کرو جس کی اس نے
بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ
سند نہ اتاری اور یہ کہ اللہ پر وہ بات کہو جس کا علم نہیں رکھتے اور ہر گروہ کا ایک وعدہ ہے تو جب
فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا
ان کا وعدہ آئے گا ایک گھڑی نہ پیچھے ہو نہ آگے اے آدمؑ کی اولاد اگر
يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ
تمہارے پاس تم میں کے رسول آئیں میری آیتیں پڑھتے تو جو پرہیزگاری کرے اور سنورے تو اس پر نہ کچھ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ
خوف اور نہ کچھ غم اور جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں اور ان کے مقابل تکبر کیا وہ
اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا
دوزخی ہیں انہیں اس میں ہمیشہ رہنا تو اس سے بڑھ کر ظالم کون جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا یا اس
اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ
کی آیتیں جھٹلائیں انہیں ان کے نصیب کا لکھا پہنچے گا یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے
رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالُوْا ضَلُّوْا
ہوئے ان کی جان نکالنے آئیں تو ان سے کہتے ہیں کہاں ہیں وہ جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے تھے کہتے ہیں وہ ہم سے

marfat.ocm

عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿٣٧﴾ قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ

گم گئے اور اپنی جانوں پر آپ گواہی دیتے ہیں کہ وہ کافر تھے اللہ ان سے فرماتا ہے کہ تم سے پہلے

خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ

جو اور جماعتیں جن اور آدمیوں کی آگ میں گئیں انہیں میں جاؤ جب ایک گروہ داخل

اُخْتَهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ

ہوتا ہے دوسرے پر لعنت کرتا ہے یہاں تک کہ جب سب اس میں جا پڑے تو پچھلے پہلوں کو کہیں گے اے رب ہمارے

اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿٣٨﴾

انہیں نے ہم کو بہکایا تھا تو انہیں آگ کا دونا عذاب دے فرمائے گا سب کو دونا ہے مگر تمہیں خبر نہیں

وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ

اور پہلے پچھلوں سے کہیں گے تو تم کچھ ہم سے اچھے نہ رہے تو چکھو عذاب بدلہ

بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿٣٩﴾

اپنے کیے کا

شانِ نزول ۳۲ **قل** جب مسلمانوں نے کعبہ شریف کا طواف کپڑے پہن کر شروع کر دیا اور گوشت کھانے لگے اور گھی والی اشیاء بھی۔ تو مشرکین نے مسلمانوں کو عار دلائی اس لئے کہ وہ بوقت احرام ننگے ہو کر طواف کرتے اور گوشت اور گھی والی اشیاء بھی نہیں کھاتے تھے۔ اس پہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا کہ اے میرے پیارے محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ ان سے فرمایئے کہ مَنْ یہ استفہام انکاری ہے۔ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ کس نے حرام کیا ہے اللہ تعالیٰ کی زینت دی ہوئی اشیاء کو مثلاً کپڑے یا اس طرح کی وہ دوسری چیزیں جن سے زینت اور سنگار کیا جاتا ہے اَلَّتِيْٓ اَخْرَجَ وہ چیزیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے محض اپنی قدرت کاملہ سے نکالا ہے لِعِبَادِهٖ اپنے بندوں کے لئے۔ نباتات مثلاً لباس کتان وغیرہ اور جانوروں میں سے جیسے ریشم اور اون وغیرہ اور معادن میں سے جیسے منق وغیرہ اور یہ تمام چیزیں لباس سے تعلق رکھتی ہیں۔ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ اور دیگر پاکیزہ چیزیں رزق میں سے اس کا عطف "زینۃ اللہ" پہ ہے۔ یعنی کس نے حرام کیا ہے اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی لذیذ چیزیں یعنی کھانے پینے کی اشیاء اور گھی والی چیزیں اور دودھ وغیرہ۔

مسئلہ: انسان فرائض کی ادائیگی میں خوش خوراک خوش پوشاک رہے اس ارادہ پہ کہ خوش منظر نظر آئے تو اس کے لئے جائز ہے۔

مسئلہ: جو معمولی معاش پہ گزارہ کر کے باقی دولت اللہ تعالیٰ کے نام لٹا دے تو یہی افضل و اولیٰ ہے

marfat.ocm

اس لیے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے وہ اس سے درجہا بہتر و برتر ہے۔

مسئلہ: آدمی جیسا بھی گزر اوقات رکھتا ہو ٹھیک ہے۔ اعلیٰ اور بہتر خوراک و پوشاک کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی بھی اجازت ہے بشرطیکہ فرائض میں کوتاہی نہ ہو اور وہ مال حلال سے ہو۔

مسئلہ: آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ خوراک و پوشاک میں تمام قسم کے کھانے اور لباس استعمال کرنا مباح ہیں جب تک ان میں شرعی قباحت کی صراحت نہ ہو) اس لئے کہ آیت میں استفہام انکار کے لئے ہے جیسا کہ امام شافعی اور اکثر اصحاب ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب ہے کہ "الاصل فی الاشیاء الاباحۃ" اشیاء میں اصل اباحت ہے۔

فائدہ: بعض کے نزدیک توقف ہے کہ نہ اباحت اور نہ عدم اباحت اور بعض کے نزدیک اشیاء میں اصل حظر یعنی ممانعت ہے۔

قاعدہ شرعیہ و نکتہ عجیبہ الاصل فی الاشیاء الاباحت کے قائلین کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غنی ہے اور علی الاطلاق جواد ہے اور جس کی ایسی شان ہو وہ اپنے مال کو اپنے بندوں سے منع نہیں کرتا۔ صرف ان چیزوں سے روکتا ہے جو اُن کے لئے مضر ہوں اس سے ثابت ہوا کہ اصل اباحۃ ہے اس اعتبار سے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور غنی اور جواد ہے اور حرمۃ (ممانعت ضرر کے لئے عوارض میں سے ہے اور اس کا جب تک ثبوت نہ ہو اس کا اعتبار نہیں ہوتا اور یہاں آیت میں بھی ایسی صورت ہے مانعین کی دلیل یہ ہے کل اشیاء علی الاطلاق اللہ تعالیٰ کی مِلک ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ کسی کے مال میں تصرف کرنا مالک کی اجازت کے بغیر جائز نہیں اور اس مالک کی اجازت کی خبر نہیں۔ یعنی اس کا ثبوت نہیں جب اباحۃ کا ثبوت نہیں تو اباحت کی بالمقابل حظر باقی ہے اس لئے کہ اس کا موجب ہے یعنی ملک الغیر۔ اس سے ثابت ہوا۔ یا الاصل فی الاشیاء الحظر ہے۔ توقف کہنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ شے کی حلت و حرمت شرع کے حکم پر موقوف ہے۔ شرعی حکم کے ورود سے پہلے ہم نہ اباحت کو ثابت کر سکتے ہیں اور نہ حظر کو بنابریں توقف ہی لازم ہوا۔

فائدہ: عبدالقاہر بغدادی نے کہا کہ فقہاء کے نزدیک توقف اس ہر عمل کو کہا جاتا ہے کہ جس کے متعلق شریعت سے اباحت و حظر کا کوئی ثبوت نہیں ہو۔ اس پر اگر عمل کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے مرتکب کو ثواب ہوگا اور نہ (عذاب) **قُلْ هِيَ** پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیے یہ زینت اور طیبات (کذا فی التفسیر الفارسی) **لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** ان لوگوں کو جو ایمان لائے۔ لِلَّذِیْنَ کا تعلق مُستقرۃ محذوف سے ہے۔ فی الحیوۃ الدنیا اس کا تعلق آمنوا سے ہے۔ بعض نے کہا کہ مستقرۃ کے متعلق ہے کہ جس سے لِلَّذِیْن سے ہے۔

فائدہ: طیبات کی تخلیق کا اصلی مقصود یہی ہے کہ بندگان خدا کو عبادتِ الٰہی پر تقویت حاصل ہو تا کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتیں پا کر عبادتِ الٰہی میں مصروف ہوں اور کفر و معاصی سے بیزاری کا اظہار کریں۔

marfat.ocm

نکتہ: نعمتیں حقیقۃً اہلِ ایمان کے لئے پیدا ہوئیں اور کفار اہلِ ایمان کے طفیلی ہیں تاکہ قیامت میں ان کو کوئی عذر نہ ہو اس لئے یہ نہ فرمایا۔ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلِغَيْرِهِمْ فِي الدُّنْيَا۔ خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ قیامت میں نعمتیں خالص اہلِ ایمان کے لئے ہوں گی۔ اس وقت ان کا کوئی شریک نہ ہوگا۔ اگرچہ دنیا میں ان کے ساتھ نعمتوں میں کفار بھی شریک ہیں اور خالصۃً کا منصوب ہونا جو لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے معنوی طور حال ہونے کی وجہ سے ہے اور یوم القیمۃ خالصۃً کے متعلق ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ تمہیں طلبِ کمالات سے کون منع کر سکتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے غیب الغیب سے اپنے مخصوص بندوں یعنی انبیاء و اولیاء کے لئے پیدا فرمایا اور تمہارے اوپر ان کمالات و کمالات کے کون حرام کر سکتا ہے جو انہیں طلب کرنے کی سعی کرتا ہے تو بلا تاخیر اور بلا کم و کاست اسے نصیب ہوتی ہیں اور زینۃ کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف اس لئے ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے الطاف اور کرم نوازیوں کے حقائق سے پیدا فرمایا۔ مثلاً ابدان کو شریعتوں اور ان کے آثار سے اور نفوس کو آداب اور ان کے اقتدا سے اور قلوب کو شواہد اور ان کے انوار اور ارواح کو معارف اور ان کے اسرار سے اور اسرار سے د جمع سر کو لوائح اور ان کے اشارے سے زینت بخشی بلکہ یوں کہو کہ انسان کے ظواہر کو آثارِ جود سے اور بواطن کو انوارِ وجود سے زیب و زینت بخشی۔ الطیبات من الرزق درحقیقت ان امور کو جاتا ہے۔ جنہیں نفس کے حقوق کو نہ ہو اور نہ ہی اس کے حظوظ انہیں شامل ہوں بلکہ وہ خالص اللہ تعالیٰ کے حقوق و عطیات اور حقوق ہوں۔

قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا " یہی کرامات و مقامات صرف انہی مشائخ و سادات کے لئے ہیں۔ جنہوں نے دنیا میں زندگی بسر کی اور انہیں نفس کے آفات سے بھی مقابلہ کرنا پڑا اور صفات بہیمہ کی کدورات سے بھی واسطہ پڑا۔ " خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ " لیکن قیامت میں آفاتِ نفسانیہ اور کدورات بہیمیہ سے پاک اور صاف ہوں گے۔ گویا ان کے حق میں فرمایا کہ " وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اور ہم نے ان کے سینوں سے کھوٹ باہر نکال پھینکا۔ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۔ اسی طرح ہم علم والوں کے لئے آیات کو تفصیلی طور بیان کرتے ہیں۔ یعنی دوسرے احکام کی طرح اس حکم کو بھی ہم مفصل طور بیان کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے جو علم والے ہیں۔ ان کے لئے ان آیات کے عجیب معانی و مطالب بیان کر دیئے گئے ہیں ۳۳ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم فرمایئے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے فواحش کو حرام فرمایا ہے اور فواحش وہ ہیں کہ جن کا قبح واضح اور ظاہر ہو۔ ان سے کبائر مراد ہیں۔ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ سو وہ جو ظاہر اور باطن ہیں یہ الفواحش سے بدل ہے یعنی وہ فواحش جو کھلم کھلا یا پوشیدہ طور ہوتے ہیں جیسے کفر و منافقت وغیرہ وغیرہ وَالْاِثْمَ اور وہ امور جو گناہ کا سبب بنیں وہ صغائر ہوں یا کبائر وَالْبَغْيَ اس سے ظلم اور تکبر مراد ہے۔

سوال: اس کا ذکر الاثم میں آ گیا ہے پھر اسے علیٰحدہ ذکر کرنے کا کیا فائدہ۔

marfat.ocm

جواب و مبالغہ مقصود ہے تاکہ ان کی زجر کے لئے مزید تاکید ہو جائے۔

بِغَیْرِ الْحَقِّ - یہ بغی کے متعلق ہے اس کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے اس لئے بغی ہوتا بھی ہمیشہ ناحق ہے۔ اس میں حق کا مفہوم پیدا ہو سکتا ہی نہیں۔ **وَاَنْ تُشْرِکُوْا بِاللّٰهِ** اس کا عطف حرّم کے مفعول پر ہے۔ یعنی ہم نے تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنے کو حرام فرمایا ہے۔ **مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ** ایسی چیزیں جنہیں اللہ تعالیٰ کیلئے شریک مانتے ہو اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نہیں نازل فرمائی اور نہ ہی ان کی عبادت کا حکم فرمایا۔

سُلْطٰنًا یعنی حجت اور برہان۔ اس سے مشرکین کے ساتھ تہکم مطلوب ہے اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنانے کی کوئی دلیل ہے ہی نہیں تو اس کے ذکر سے تہکم ہی مقصود ہو سکتا ہے اور ان سے استہزا ہی ہوگا۔ اس لئے کہ اشراک باللہ کے لئے کوئی برہان ہو تو اُسے نازل کیا جائے۔ جب دلیل ہے ہی نہیں تو اس کے نزول کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ **وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝** اور یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے لئے وہ باتیں کہتے ہو جن کا تمہیں علم ہی نہیں۔ مثلاً الحاد یا اللہ تعالیٰ پر افتراء اور بہتان تراشی وغیرہ مثلاً کہا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کسی قسم کا امر نہیں فرمایا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ فواحش وہ امور ہیں جن کے ارتکاب سے بندہ اپنے مولا سے دور ہو جائے اور وہ بندے کو مولا کی طرف پہنچنے کے لئے مانع ہوں۔ عوام کے لئے یہی ظاہر ہیں کہ جن سے شریعت نے روکا ہے۔ لیکن بندہ ان کا ارتکاب کرے اور ان کے باطن سے وہ وساوس مراد ہیں جو دل پر کھٹکتے ہیں اور خواص کے ظاہر سے وہ امور جو ان کے لئے نفوس میں حظوظ و شہوات رکھے گئے ہیں مراد ہیں اور وَمَا بَطَنَ سے محبوب سے صبر کرنا (اگرچہ ایک لمحہ) مراد ہے اور اخص الخواص کا ظاہر منہا ترک استحباب یا اسباب دنیا میں کسی ایک سبب سے متعلق ہونا اور وَمَا بَطَنَ سے دارین کی کسی شے کا میلان اور عالمین میں ماسوی اللہ کی طرف ملتفت ہونا اور الاثم سے اعراض عن اللہ۔ اگرچہ آنکھ جھپکنے کی دیر ہو اور البغی سے غیر اللہ کی محبت اور اسے غیر محل میں رکھنا مراد ہے۔ اَنْ تُشْرِکُوْا بِاللّٰهِ یعنی جن چیز دل کے لئے غیر اللہ میں سے اجازت نہیں۔ تم ان سے استعانت نہ کرو۔ جب تک اللہ تعالیٰ ان کے لئے دلیل اور حجت نہ نازل فرمائے۔ یعنی جب تک ان کے لئے شریعت مطہرہ کی اجازت نہ ہو **وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ** - یعنی اپنے نفس اور اس کی خواہش کے مطابق فیصلے مت کرو یا یہ کہ اپنے عقلی ڈھکوسلوں سے اللہ تعالیٰ کی حقیقت معلوم کرنے کا دم نہ مارو یا یہ کہ جب تمہیں معلوم ہی نہیں تو تم اللہ تعالیٰ کے عرفان اور اللہ والوں کے مقامات و مراتب اور اثبات کرامات اپنی طرف سے بیان نہ کرو۔ اس لئے کہ تم ایسی باتوں سے بے خبر ہو اور نہ ہی تمہیں ان کے متعلق کچھ معلومات ہیں۔

(ربط) اب رسل کرام کے مکذبین مشرکین کی تہدید کی جائیں گی ۳۴ ۝ **وَلِکُلِّ اُمَّةٍ** جتنی امتیں ہلاک ہوئیں ان سب کے لئے۔ **اَجَلٌ** ایک میعاد مقرر ہے یعنی ان کی ہلاکت کے لئے ایک وقت مقرر کر دیا گیا تھا۔

marfat.ocm

فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ پس جب اُن کے لئے وقت آجاتا ہے ھُمْ ضمیر کا مرجع کُلِّ اُمَّۃٍ ہے اس لئے اجلہا نہیں فرماتا تاکہ معلوم ہو کہ جس کے لئے جو وقت مقرر ہوا اُس کا وہی وقت مقرر کردہ اس پر وارد ہوا۔ تو وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب میں گرفتار ہوا لَا یَسْتَاخِرُوْنَ اس مقرر کردہ وقت سے پیچھے نہیں ہوں گے۔ سَاعَۃً گھڑی بھر یعنی تھوڑی دیر بھی اسے نہایت معمولی وقت کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اس سے مقصد یہی ہے کہ وہ اپنے مقرر کردہ وقت سے پیچھے نہ ہٹے۔ باب استفعال لاکر واضح کیا گیا کہ انہیں اس معاملہ اتنا عجز اور کمزوری تھی کہ ان کا کوئی بس نہیں چل سکتا تھا اور محروم ایسے تھے کہ اُن کے مطالبہ کے باوجود بھی انہیں کسی طرح بھی مہلت نہ مل سکی وَلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ○ اور نہ اپنے اجل سے پہلے مرتے تھے۔

اجل چوں فردا آیدت پیش و پس
پیش و پس نگذارد یک نفس

ترجمہ: جب کل اجل آگے پیچھے آیا۔ تو پھر سانس کو آگے پیچھے نہیں ہونے دے گا۔

حکایت

منقول ہے کہ ایک بادشاہ نہایت ہی عبادت گزار تھا لیکن اسے دنیا کا میلان پیدا ہوا اور شاہی کے امور میں سخت منہمک ہوگیا۔ اس نے ایک محل تیار کرایا اور بہت بڑا مضبوط بنایا اور اس کا اچھا فرش تیار کیا اور اعلیٰ اعلیٰ قسم کے کمرے بنوائے اس میں ایک دن اپنے بڑے بڑے وزیروں امیروں مشیروں کو دعوت کے لئے بلایا اور بہترین کھانے تیار کئے۔ اس میں اُس نے عوام کو بھی بلایا۔ تمام رعایا خوش ہو کر اس محل میں حاضر ہوئی اور خوب کھایا پیا اور بادشاہ کو دعائیں دیں اور محل کو دیکھ کر حیران رہ گئے عوام تو کھانا کھا کر چلے گئے اور بادشاہ اور اُس کے وزراء وغیرہ وہیں پر رہ گئے اور چند روز ٹھہر کر کہا کہ میں واقعی اس محل کی تیاری سے کتنا خوش ہوں اور تم دیکھتے ہو کہ میری خوشی کی کیا انتہا ہے اور ساتھ یہ بھی کہا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں تمام لڑکوں کے لئے اس طرح کا علیحدہ علیحدہ محل بنواؤں۔ تم چند روز میرے ہاں ٹھہرو اور مجھے اس کے متعلق مفید مشورے دو۔ وہ وزراء اور مشیرانِ کار اس کے ہاں ٹھہر گئے اور مختلف طور کی رائیں قائم ہوتی رہیں اور متعدد مشورے طے ہوئے۔ ایک رات بیٹھے تھے کہ اس محل کے کنارے سے آواز آئی۔ جس کا مضمون یہ تھا

یا ایہا البانی الناسی لمنیتہ
لاتامن فان الموت مکتوب
ھٰذا الخلائق ان سروا ان فرحوا
فالموت حتف لذی الامال منصوب
لا تبنین دیارا لست تسکنہا
وراجع انسک کیما یغفر الحوب

ترجمہ: اسے محل تیار کرکے اپنی موت کو بھولنے والو بے خوف ہو اس لئے کہ موت تو ضرور آئے گی یہ مخلوق کتنی خوشحالی سے زندگی بسر کرے لیکن موت جھپٹ لگانے کے لئے تیار کھڑی ہے۔ ایسے مکانات کیوں تیار کرنا چاہتے ہو جہاں تم نے ٹھہرنا ہی نہیں۔ نیکیوں میں لگو تاکہ تمہارے گناہ بخشے جائیں۔

یہ مضمون سن کر وہ بادشاہ اور اس کے ساتھی بہت گھبرائے۔ بادشاہ نے سب سے کہا کیا تم نے سنا نہیں کیا کہا گیا ہے۔ سب نے کہا ہاں ہم نے سنا ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کیا اس سے تمہیں میری طرح کچھ محسوس بھی ہوا انہوں نے کہا آپ کو کیا محسوس ہوا۔ اس نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ اب موت میرے سرہانے کھڑی ہے۔ سب نے کہا گھبرائیے نہیں آپ کی عمر دراز ہو۔ ہم سب آپ کے خادم ہیں۔ آپ تا دیر اپنے مال و منال سے فائدہ اٹھائیں۔ بادشاہ نے کہا اب یہ باتیں مجھے اچھی نہیں لگتیں لاؤ شراب کی بوتلیں اور ان سب کو توڑ دو اور لاؤ گانے بجانے کا سامان اسے ٹکڑے ٹکڑے کردو۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا اور اس سے فارغ ہو کر جملہ گناہوں سے تائب ہوا

اور موت کہتے کہتے اس کی جان نکل گئی۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

۱۔ خواجہ در بند نقش ایوانست
خانہ از پائے بست ویرانست

اور فرمایا۔ ۲۔ آں کہ قرارش نگرفتے و خواب
تا گل و نسرین نہ فشاندے نخست

۳۔ گردش گیتی گل رویش بریخت
خاربنان بر سر خاکش برست

ترجمہ: (۱) جو لجہ مکان کے نقش و نگار کے خیال میں کہ مکان اور ویران ہے اس سے بڑا ہوتا اور ابھارنا لو

(۲) ایک وہ جو قرار نہ پاتا اور نہ اسے نیند آتی جب تک بستر پر گل و نسرین نہ بچھاتا

(۳) گردش زمانہ نے اس کے گلاب کے چہرے کو ایسا بے عزت کیا کہ کانٹے ہی اس کی قبر سے اگ آئے

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ ہر ایک قوم خواہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف جانے والے ہیں یا بہشت کی طرف یا دوزخ کی طرف) کے لئے مدت معلوم اور وقت مقرر ہے۔ پھر جب ان کی مقرر کردہ ختم ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے ازل میں مقرر فرمائی تو "لَا يَسْتَأْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ" ایک گھڑی بھی آگے پیچھے نہیں ہوں گے۔ یہ وعدہ اللہ والوں کے لئے تسلی قلب اور دشمنوں کے لئے وعید اور سزا سنائی ہے (کذا فی التاویلات النجمیہ)

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ ۳۵ یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ یہ خطاب تمام لوگوں کو ہے۔ اِمَّا۔ یہ دراصل اِنْ مَا تھا۔ لفظ ما، کے میم میں ان شرطیہ کے نون کو مدغم کیا گیا ہے۔ ان شرطیہ کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے اس لئے کہ لفظ ما بھی شرط کے لئے آتا ہے۔ یَاْتِیَنَّكُمْ رُسُلٌ اے آدم زادو اگر تمہارے ہاں رسل کرام علیہم السلام تشریف لائیں مِّنْكُمْ درانحالیکہ وہ تمہاری جنس سے ہوں یہ رُسُل کی صفت ہے۔ یَقُصُّوْنَ عَلَیْكُمْ اٰیٰتِیْ۔ یہ رسل کی دوسری صفت ہے یعنی تمہارے لئے ہمارے احکام و شرائع بیان کریں گے۔

سوال : ظاہری کلام کا تقاضا یہی ہے کہ یہاں پر ان کے بجائے اِذَا ہونا چاہیے۔ اس لئے کہ انبیاء و رسل کرام علیہم السلام کا تشریف لانا اللہ تعالیٰ کے علم میں محقق الوقوع ہے۔

جواب : معلوم کو مشکوک کے طور لا کر تنبیہ کر دی گئی ہے کہ رسل کرام علیہم السلام کا بھیجنا اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں بلکہ عقلاً ایک جائز امر ہے کہ یوں کہا جائے کہ وہ رسل کرام کے نہ بھیجنے پر قادر ہے اور نہ ہی اُسے رسل کرام کا بھیجنا شرعاً واجب ہے یہاں تک کہ کہا جائے کہ (معاذ اللہ) نہ بھیجے گا تو گنہگار ہوگا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ پر عقلاً و شرعاً کوئی شئے واجب نہیں۔ ہاں اس کی حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ رسل کرام کو بھیجے کہ ارسال رُسُل میں بے شمار مصلحتیں اور حکمتیں ہیں۔

فَمَنِ۔ یہ مَن شرطیہ ہے۔ پس جو کوئی اتَّقٰی تکذیب سے ڈرے۔ وَاَصْلَحَ اپنے اعمال کی اصلاح اور رسول علیہ السلام کی اطاعت و فرمانبرداری کرتا ہے۔ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ۔ پس ان پر کوئی خوف نہیں یعنی مستقبل میں گنہگاروں کو لاحق ہوگا اس سے یہ لوگ بے خوف ہوں گے۔ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ اور نہ وہ لوگ غمگین ہوں گے۔ یعنی انہیں دنیا میں کسی چیز کے فوت ہو جانے کا غم نہ ہوگا اس لئے کہ جنت کی دار الکرامۃ کی نعمتوں میں ایسے مستغرق ہوں گے کہ انہیں دنیا و مافیہا کا خیال تک نہ رہے گا۔

۳۶ وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا اور جن لوگوں نے ہمارے آیات کی تکذیب کی۔ یعنی ہمارے رسل کرام علیہم السلام کی وَاسْتَكْبَرُوْا۔ اور تکبر کیا یعنی اپنی عظمت کا خیال کیا اور سرکشی کی عَنْهَآ آیات سے جو کہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانے کے لئے دلائل کی حیثیت ہیں اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ وہی دوزخی ہیں یعنی ہمیشہ دوزخ میں مقیم رہیں گے۔ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ۔ وہ اس دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے یعنی دوزخ کی اقامت دائمی ہوگی ۳۷ فَمَنْ اَظْلَمُ پس کون زیادہ ظالم ہے یعنی کوئی ایسا نہیں مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا جو کہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا افتراء کرے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی بات کی نسبت کرے جو اس نے نہیں فرمائی۔

فائدہ : اس کا شریک اور زوجہ اور اولاد ثابت کرنا بھی افتراء میں داخل ہے۔ اَوْ كَذَّبَ۔ یا اس کی آیات کو جھٹلائے یعنی جو کچھ اس نے فرمایا ہے اُسے جھوٹا کہے۔

فائدہ : اللہ تعالیٰ پر افتراء اور اس کے آیات کی تکذیب کا گناہ برابر ہے۔ چنانچہ فرمایا اُولٰٓئِكَ وہ لوگ جو اصحاب مذکورہ کے موصوف ہیں یعنی افتراء اور تکذیب کرنے والے یَنَالُهُمْ انہیں پہنچے گا نَصِیْبُهُمْ ان کا حصہ مِّنَ

marfat.ocm

الکتٰبِ ۔ کتاب سے مراد اُن کے لئے کتاب میں رزق اور زندگی لکھی گئی ہے۔ حَتّٰىٓ اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا ۔ یہاں تک کہ اُن کے پاس ہمارے رسل کرام علیہم السلام تشریف لائیں گے یعنی ملک الموت اور اُن کے خدام یَتَوَفَّوْنَهُمْ ۔ درانحالیکہ وہ انہیں وفات کریں گے یعنی ان کی روحیں قبض کریں گے۔

فائدہ: اگرچہ لفظ حتیٰ سے کلام کا آغاز کیا گیا ہے لیکن یہاں یہ اپنے ما قبل یَنَالُهُمْ کی غایت کیلئے ہے اب عبارت یوں ہوئی یَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ اِلٰٓى اَنْ تَاْتِيَهُمْ مَلٰٓئِكَةُ الْمَوْتِ ۔ الخ پھر جب ان کے پاں ملائکہ ارواح قبض کرنے والے آئیں گے تو انہیں زجر و توبیخ کرتے ہوئے۔ قَالُوْٓا کہیں گے اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۔ کہاں ہیں تمہارے وہ معبود جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا دنیا میں پرستش کرتے تھے۔

سوال: اَيْنَ کا قاعدہ ہے کہ اسے علیحدہ لکھا جائے اس لئے کہ ما موصولہ اور این اسم ظرف ہے۔ لیکن یہاں دونوں کو اکٹھا لکھا گیا۔ اس کی وجہ کیا ہے۔

جواب: صحیفہ عثمانی میں یونہی لکھا گیا ہے لہٰذا اس کی اتباع میں ہر جگہ قرآن میں ایسے ہی لکھا جائے گا۔

قَالُوْا کفار جب جواب دیں گے ضَلُّوْا عَنَّا وہ ہم سے غائب ہو گئے۔ اب ہم انہیں نہیں جانتے کہ وہ کہاں ہیں وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۔ اس کا عطف قَالُوْا پر ہے یعنی وہ اپنے لئے اعتراف کریں گے۔ اَنَّهُمْ كَانُوْا ۔ تحقیق وہ دنیا میں تھے۔ كٰفِرِيْنَ ۔ کافر یعنی جو عبادت کے ہرگز مستحق نہیں تھے ان کی عبادت کرتے تھے۔ جب وہ اپنے کردار کا انجام اور گمراہی دیکھیں گے۔

سوال: یہاں پر اُن کا اعتراف کا بیان ہے حالانکہ دوسرے مقام پر فرمایا کہ وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ اللہ کی قسم ہم مشرک نہیں تھے۔

جواب ۱: مختلف فرقے مختلف جواب دیں گے بعض یہی کہیں گے جو آیت ہذا میں ہے بعض وہی کہیں گے جو سوال میں مذکور ہوا۔

جواب ۲: یا وہ مختلف اوقات میں ایسے مختلف جواب دیں گے۔

فائدہ: مقصد یہ ہے کہ انہیں تنبیہ کی گئی ہے کہ قیامت کے وقوع میں کوئی دیر نہیں گویا کہ مرتے ہی اُن کے لئے قیامت قائم ہو جائے گی۔ اگر یہی تاویل نہ کی جائے تو سوال پیدا ہو گا کہ یہی سوال و جواب پھر انہیں سزا کے طور جہنم میں داخلے کا حکم پھر جہنم میں اُن پر لعن وطعن یہ سب کی سب قیامت کے قیام کے وقت ہوں گی۔

۳۸ **قَالَ** انہیں قیامت میں اللہ تعالیٰ یا کوئی فرشتہ کہے گا اُدْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ داخل ہو جاؤ ان امتوں میں جو ان کے ساتھی ہوں گے۔ قَدْ خَلَتْ تحقیق گزر چکے مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۔ گزری ہوئی امتوں میں تم سے پہلے جنوں اور انسانوں سے فِى النَّارِ دوزخ میں۔ اس کا تعلق اُدْخُلُوْا سے ہے۔

marfat.ocm

سوال : جنات کو انسانوں سے پہلے کیوں ذکر کیا گیا۔

جواب : تخلیق میں جنات پہلے ہیں۔ اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے جن پیدا فرمائے تو ان میں بعض مومن تھے اور بعض کافر۔ جب اہلِ ایمان پر کفار جنات غلبہ پا گئے تو اللہ تعالیٰ نے کفار کو مار ہٹایا۔ چنانچہ منقول ہے کہ ان کے ہاں فرشتوں کا ایک لشکر بھیجا۔ جن کا امیر بنا کر ابلیس کو بنایا گیا۔ انہوں نے جنات کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور سب کو فنا کر ڈالا۔ اس کے بعد ہی آدم علیہ السلام اور انسان کی اولاد کو پیدا فرمایا۔ انہیں بھی بعض کافر تھے جیسے قابیل اور بعض مومن۔ جیسے ہابیل۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر زمانہ میں کافر بھی رہے۔ جو جہنم کے مستحق ہوئے اور مومن بھی جو بہشت کے مستحق۔ تا قیامت یہ سلسلہ رہے گا۔ یہاں تک کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت جب قائم ہو گی تو اس وقت ایک بھی اللہ اللہ کرنے والا نہ ہو گا۔

كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ جب اگلی پچھلی تمام امتیں جہنم میں داخل ہوں گی لَعَنَتْ أُخْتَهَا تو وہ ہر اس دوسری امت پر لعنت کرے گی جس نے اسے گمراہ کیا ہو گا یا جس کی تقلید میں اس سے گمراہی سرزد ہوئی ہو گی مثلاً مشرکین کا ایک گروہ دوسرے کو اور یہودی اپنے دوسرے یہودیوں کو اور نصاریٰ اپنے دوسرے نصاریٰ کو اور مجوس دوسرے مجوسیوں کو لعنتی کہیں گے اس طرح ہر چھوٹے طبقہ کے گمراہ اپنے بڑے لیڈروں پر لعنت کریں گے مثلاً کہیں گے خدا تم پہ لعنت کرے تم نے ہی ہمیں دھوکہ دیا۔

فائدہ : اخت سے دین و ملت میں ہمجنسیت مراد ہے۔

سوال : اختہا کے بجائے اخاہا کیوں نہ کہا۔

جواب : یہاں پر دوسری جنس کی امت اور جماعت مراد ہے اور یہ دونوں مونث ہیں حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ما قبل کی غایت کے لئے ہے یعنی کافروں کو گروہوں میں بانٹ کر گروہ در گروہ جہنم میں داخل ہوں گے جب ایک گروہ جہنم میں داخل ہو گا تو وہ دوسرے پر لعنت کرتا ہوا داخل ہو گا۔ یہاں تک کہ سب کے سب جہنم میں داخل ہو جائیں گے۔ اور جب تمام جہنم میں اکٹھے ہو جائیں گے۔

فائدہ : ادارکو دراصل تدارکوا تھا۔ تاء دال ہو کر دال میں مدغم ہوئی ہے۔ اس کے بعد ہمزہ وصلی داخل کیا گیا ہے۔ قَالَتْ أُخْرٰىهُمْ تو ہر پچھلی امت کہے گی یعنی وہ جو پہلی جماعت کے بعد اس کی دوسری جماعت جہنم میں داخل ہو گی۔ اس سے لیڈروں کے تابعدار مراد ہیں۔

فائدہ : آخری بمعنی آخرۃ ہے آخر کی مونث۔ جو اول بالمقابل ہے نہ آخری بمعنی غیر جیسے وزراء اخری میں ہے۔

لِاُوْلٰىهُمْ اپنے سے پہلی جماعت کے لئے یعنی اپنے لیڈروں کے لئے جب وہ اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہوں گے۔ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا اے ہمارے رب انہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا۔ یعنی انہوں نے طرح طرح کے شبہات ڈال کر ہمیں ہدایت سے دور رکھ کر گمراہ کیا اور ہم ان کی اقتدا میں گمراہ ہوئے۔ فَاٰتِهِمْ عَذَابًا پس انہیں دوہر

marfat.ocm

عذاب میں مبتلا فرما۔ مِنَ النَّارِ جہنم کے عذاب سے اس لیے کہ وہ خود گمراہ تھے اور ہمیں بھی گمراہ کیا۔ قَالَ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ لِكُلٍّ ہر ایک اگلے پچھلے لوگوں کے لئے ضِعْفٌ دوہرا عذاب ہے لیڈروں پر بوجہ کفر اور دوسروں کو گمراہ کرنے کی وجہ سے اور ان کے مقتدیوں پر بوجہ کفر اور لیڈروں کی تقلید کے۔

فائدہ: یہ تضعیف اس لئے نہیں کہ وہ اس کے مستحق نہیں۔ اس طرح سے بلا وجہ کسی کو دوہرے عذاب مبتلا کرنا

---

[1] یہ مرۃ قاصرہ ہے اس کی تفصیل فقیر کی اعراب القرآن میں دیکھئے۔ (اویسی غفرلہٗ)

ظلم ہے۔ بلکہ کفر کے علاوہ لیڈروں کو دوہرا عذاب دوسروں کو گمراہ کرنے کی وجہ سے اور ان کے مقتدیوں کو بوجہ تقلید کے وَلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۝ لیکن تمہیں معلوم نہیں ہے کہ تمہیں کیا ہو رہا ہے اور تمہارے دوسروں کو کس طرح عذاب میں مبتلا کیا جا رہا ہے ۳۹ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ کافروں کے لیڈر خطاب کرتے ہوئے لِاُخْرٰىهُمْ اپنے پیروکاروں سے کہیں گے جب وہ اللہ تعالیٰ کا عذاب سن لیں گے۔ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ۔ تمہیں ہم پر کسی قسم کی فضیلت نہیں کہ تم نے کفر سے کنارہ کشی کی اور گمراہی سے دور رہے ہو۔ بلکہ تم کفر و گمراہی میں ہمارے برابر کے شریک ہو پھر اب کس خیال میں ہو کہ تمہیں بہ نسبت ہمارے عذاب میں تخفیف ہوگی یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ تمہیں ہمارے سے زائد عذاب ہو۔ ہم نے کفر پر تمہیں مجبور تھوڑا کیا تھا بلکہ تم خود اس میں مبتلا ہوئے اس لیے کہ وہ تمہاری خواہشات کے عین مطابق تھا۔ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ پس تم عذاب چکھو۔ جیسا کہ تمہارے مقدر ہوا ہے یہ کفار کے لیڈر اپنے دل کی تسلی کے لئے کہیں گے۔ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝ بسبب اس کے کہ تم کفر کا ارتکاب خود کرتے تھے اور اب اس کا عذاب دوسروں پر ڈالتے ہو۔

ع
جملہ دانند ایں اگر تو نگروی
ہر چہ کاریش روزے بدروی

ترجمہ: سب کو معلوم ہے اگر تو یقین نہیں کرتا تو جو کچھ تو بوئے گا وہی پھل کاٹے گا۔

فائدہ: کفار وہی تو ہیں کہ جنہوں نے اللہ والوں کی رہبری سے انکار کیا اور برائیوں کے مرتکب ہوئے اور انہیں انبیاء و اولیاء کے طریقے اچھے نہ لگتے تھے۔ اب وہ اپنی اُن غلطیوں کا اعتراف کریں گے اور کہیں گے کہ واقعی وہ دنیا میں گمراہ تھے لیکن ان کا یہ اقرار اس وقت کسی کام نہ آئے گا۔

سبق: دانا وہ ہے جو موت سے پہلے ہی اپنے حالات صحیح کرلے۔

حدیث شریف: اپنے ایمان کی روزانہ تجدید کر لیا کرو۔

فائدہ: تجدید سے ایک مرتبہ سے دوسرے مرتبہ کی طرف منتقل ہونا مراد ہے اس لئے کہ احناف کے نزدیک تو ایمان پہلی بار کلمہ شہادۃ پڑھنے سے مکمل ہو گیا اب اس کی تجدید کا کیا معنٰی۔ البتہ ایمان کے اٹھارہ مراتب ہیں

marfat.ocm

انہیں وصلے کرتا ہے جسے عنایت الٰہی نصیب ہو۔ مثنوی شریف میں ہے۔

۱۔ تازہ کن ایمان نہ وز قول زبان
اے ہوا را تازہ کرد در نہاں

۲۔ تا ہوا تازہ است ایمان تازہ نیست
کیں ہوا جز قفل آں دروازہ نیست

ترجمہ ۱۔ ایمان تازہ کر لیکن نہ صرف زبانی باتوں سے اسے وہ جو تو نے خواہشات دل میں ٹھہرا رکھی ہیں۔
۲۔ جب تک خواہشات نفسانی تازہ ہیں ایمان تر و تازہ نہیں ہو سکتا یہ خواہشات تو اس دروں کا تالا ہیں۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے واسطے سے ایمان کی دعوت دی ہے جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کی دعوت قبول کی وہ ہدایت پا گیا اور اسے بہشت نصیب ہو گی اور جو منکر ہوا وہ جہنم میں گیا۔

عجائبات بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جہنم بھی نہایت شفقت سے پیدا فرمائی ہے اس لئے کہ مثلاً جو شخص اعلان کرے کہ میری مہمانی قبول کرو۔ جو آئے گا عزت پائے گا اگر نہیں آئے گا تو اس پر حرج نہیں لیکن دوسرا یوں اعلان کرے کہ میری مہمانی قبول کرو جو آئے گا عزت پائے گا اگر نہیں آئے گا تو اسے سزا ملے گی۔ یہ صرف اپنی مہمانی کی حاضری کے لئے کہے تو اس دوسرے کا اعلان شفقت و رحمت میں ہو کر تر ہو

(۳) بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ نارِ جہنم ایک وجہ سے خیر ہے اور دوسری وجہ سے شر۔ جیسے نمرود کی آگ کفار کی نظروں میں عذاب تھی لیکن ابراہیم علیہ السلام کے لئے نعمت و رحمت یا جیسے حاکم کے ہاتھ کا ڈنڈا سرکشوں کے لئے رحمت ہے کہ انہیں سیدھا کر کے برائی سے بچائے گا اور دوسرے لوگ اسے عذاب سمجھیں گے۔

نسخہ: جو شخص عذابِ جہنم سے بچنا چاہے اسے بزرگوں اور اولیاء اللہ کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

حکایت حضرت مولانا روم قدس سرہ ایک دن قرامان والوں کو وعظ فرما رہے تھے کہ جو شخص گناہ کرتے کرتے توبہ کے بغیر مر گیا تو وہ جہنم میں جائے گا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا عدل ہے ظلم نہیں۔ پھر گناہوں کی سزا دے کر اللہ تعالیٰ اسے جہنم سے نکال کر بہشت میں داخل فرمائے گا۔ ایک شخص نے وعظ میں کہا کاش کہ ایسا بندہ اپنی بے عزتی سے پہلے سمجھ جاتا تو اسے عزت و احترام سے بہشت نصیب ہوتی پھر اُس نے حضرت مولانا روم قدس سرہ سے عرض کی۔ حضرت! آپ میرے لئے دعا فرمائیے کہ وہ کریم مجھے عزت و احترام سے ہی بہشت عطا فرمائے۔ ہم بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ کریم ہمارے ساتھ لطف و کرم فرمائے۔ وہی توفیق و ہدایت کا مالک ہے۔

marfat.ocm

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ
وہ جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں اور ان کے مقابل تکبر کیا ان کے لیے آسمان کے

لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ
دروازے نہ کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں جب تک سوئی کے ناکے اونٹ داخل نہ ہو

وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ ۝ لَهُم مِّن جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِن فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ
اور مجرموں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں انہیں آگ ہی بچھونا اور آگ ہی اوڑھنا

وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا
اور ظالموں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں اور وہ جو ایمان لائے اور طاقت بھر اچھے کام کیے ہم کسی پر طاقت سے

إِلَّا وُسْعَهَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم
زیادہ بوجھ نہیں رکھتے وہ جنت والے ہیں انہیں اس میں ہمیشہ رہنا اور ہم نے ان کے سینوں میں سے

مِّنْ غِلٍّ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَٰذَا
کینے کھینچ لیے ان کے نیچے نہریں بہیں گی اور کہیں گے سب خوبیاں اللہ کو جس نے ہمیں اس کی راہ

وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ وَنُودُوا
دکھائی اور ہم راہ نہ پاتے اگر اللہ ہمیں راہ نہ دکھاتا بیشک ہمارے رب کے رسول حق لائے اور ندا ہوئی

أَن تِلْكُمُ الْجَنَّةُ أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ
کہ یہ جنت تمہیں میراث ملی صلہ تمہارے اعمال کا اور جنت والوں نے دوزخ والوں

أَصْحَابَ النَّارِ أَن قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدتُّم مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ
کو پکارا کہ ہمیں تو مل گیا جو سچا وعدہ ہم سے ہمارے رب نے کیا تھا تو کیا تم نے بھی پایا جو تمہارے رب نے تمہیں

حَقًّا قَالُوا نَعَمْ فَأَذَّنَ مُؤَذِّنٌ بَيْنَهُمْ أَن لَّعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ۝
سچا وعدہ دیا تھا بولے ہاں اور بیچ میں منادی نے پکار دیا کہ اللہ کی لعنت ظالموں پر

الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا وَهُم بِالْآخِرَةِ كَافِرُونَ ۝
جو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اسے کجی چاہتے ہیں اور آخرت کا انکار رکھتے ہیں

marfat.ocm

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمٰهُمْ ۚ وَنَادَوْا
اور جنت و دوزخ کے بیچ میں ایک پردہ ہے اور اعراف پر کچھ مرد ہوں گے کہ دونوں فریق کو ان کی پیشانیوں سے پہچانیں گے اور
أَصْحٰبَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۟ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ ﴿۴۶﴾ وَإِذَا
وہ جنتیوں کو پکاریں گے کہ سلام تم پر یہ جنت میں نہ گئے اور اس کی طمع رکھتے ہیں اور جب
صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَاءَ أَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ
ان کی آنکھیں دوزخیوں کی طرف پھریں گی کہیں گے اے ہمارے رب ہمیں ظالموں کے
الظّٰلِمِينَ ﴿۴۷﴾
ساتھ نہ کر

تفسیر عالمانہ: اِنَّ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ۔ بے شک وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی۔ **فائدہ:** آیات سے وہ دلائل مراد ہیں جو اصولِ دین پر دلالت کرتے ہیں جیسے توحید نبوت ، بعثت۔

جزا وَاسْتَکْبَرُوْا عَنْهَا اور انہوں نے تکبر کیا آیات سے یعنی اُن سے انکار کرکے ایمان سے محروم رہے اور نہ ان کے تقاضا پر عمل کیا۔ اس سے کفار مراد ہیں۔ لَا تُفَتَّحُ تا ثانیہ کو مشدد کرکے پڑھا جائے اس لئے کہ آسمان کے دروازے کثیر التعداد ہیں۔ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ اُن کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے یعنی نہ ان کی دعائیں مستجاب ہوتی ہیں اور نہ ہی ان کے اعمال قبول ہوتے ہیں اور نہ ہی آسمان کی طرف اُن کی روحیں جا سکتی ہیں جیسے اہلِ ایمان کی شان ہے کہ ان کی دعائیں بھی مستجاب ہوتی اور ان کے اعمال بھی قبول ہوتے ہیں اور ان کی ارواح بھی آسمان پر جاتی ہیں۔

حدیث شریف: مومن کی روح آسمان پر لے جائی جاتی ہے تو اس کے لئے آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں پھر اسے کہا جاتا ہے مبارک ہو اس نفس کو جو پاکیزہ جسم کے اندر رہا۔ اسی طرح اسے ساتوں

آسمانوں پر سے جایا جاتا ہے اور اسی طرح اس کا استقبال ہوتا ہے اور کافر کی روح کے لئے جب آسمان کے دروازہ کھولنے کے لئے کہا جاتا ہے تو اس کے لئے جواب آتا ہے کہ لے خبیث روح ذلیل و خوار ہو واپس لوٹ جا۔ اسی طرح اسے سجین میں دھکیلا جاتا ہے۔

فائدہ: سجین سب سے نیچے ابلیس کے ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ساتوں زمینوں کے نیچے واقع ہے۔

مسئلہ: تمام ارواح خواہ سعید ہوں یا شقی سب کے سب اپنے اجسام کے ساتھ متعلق رہتے ہیں۔ اس بنا پر روح کو عذاب ہوتا ہے تو جسم کو اس سے درد محسوس ہوتا ہے جیسے سورج کو آسمان پر ہے لیکن اس کا نور زمین پر ہے

وہابی دیوبندی کو تازیانۂ عبرت

اہلِ ایمان گنہگاروں کی روحیں زمین و آسمان کے درمیان ہوا میں لٹکی رہتی ہیں ان میں بعض اپنی قبور میں مقید ہوتی ہیں کسی ایک ہفتہ تک کسی کو مہ و سال تک کسی کو کم، کسی کو زائد لیکن ان کو اس وقت نجات نصیب ہوتی ہے جب ان کے لئے ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے اور نیکیوں کے ذریعے ان کی امداد کی جاتی ہے تب وہ کہیں صرف آسمانِ دنیا کی کسی ایک اقامت گاہ میں انہیں جگہ ملتی ہے [1]

وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ اور وہ بہشت میں داخل نہیں ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل ہو۔ یعنی یہاں تک کہ کوئی بڑے جسم والی شے کسی چھوٹے سوراخ والی شے میں داخل ہو جائے اور ظاہر ہے بڑے جسم والا اونٹ ہے اور تنگ سوراخ والی سوئی ہے یعنی جب مذکورہ بالا صورت ناممکن ہے اسی طرح اس کا موقف یعنی کافر کا بہشت میں داخل ہونا بھی محال ہے۔ عرب کا دستور ہے کہ کسی غیر ممکن الصدور شے کو دوسری غیر ممکن الصدور سے مثال دیا کرتے ہیں۔ مثلاً کسی شاعر نے کہا ہے

اذ شاب الغراب اتیت اھلی
وصار القار کاللبن الحلیب

ترجمہ: جب کوا بوڑھا ہوگا تو میں اپنے گھر آؤں گا یا اس وقت تارکول سیاہ دودھ کی طرح سفید ہوگا یعنی نہ کوا بوڑھا ہوگا۔ اسی طرح نہ تیل مذکور سفید ہوگا۔ نہ گھر واپس آئے گا۔

حل لغات

الجمل ناقہ (اونٹنی) کے نر کو کہا جاتا ہے اور نہ اونٹ کو اس وقت جمل کہا جاتا ہے جب وہ ساتویں سال میں قدم رکھے ایسے ساتویں والے اونٹ کو رباع اور اونٹنی کو رباعیہ

---

[1] بفضلہ تعالیٰ ثواب کی سنت ہم اہل سنت میں بکثرت مروج ہے اور دیوبندی وہابی ٹولہ تعیین کی چکر بازی سے اکثر اس سنت نبوی سے محروم رہتے ہیں۔ ۱۲ - اویسی غفرلہ،

marfat.ocm

(بالتخفیف) کہتے ہیں۔ الخیاط ہر وہ شے کہ جس سے کسی شے کو سیا جائے۔ لیکن یہاں پر سوئی کا سوراخ (ناکہ مراد ہے)۔

فائدہ: اگر الجمل بضم الجیم و تشدید المیم ہو یعنی جمل سے بنی ہوئی موٹی رسی۔ یا کشتی کا موٹا رسا ہے قلس کہتے ہیں جسے چند رسیوں سے ملا کر بہت موٹا کر کے بٹا جاتا ہے۔ وَكَذٰلِكَ اور اسی طرح بہت بڑی ہیبت ناک جزا یعنی بہشت سے محرومی کی طرح نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ۔ ہم مجرموں کو سزا دیتے ہیں اس سے مجرمین کی جنس مراد ہے کہ جو بھی مجرم ہوگا وہ ہر حال میں جنت سے محروم ہوگا لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ ان کے لئے جہنم کے بچھونے ہوں گے مِنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ سے حال ہے مہاد سے جہنم کے بچھونے مراد ہیں۔ جن پر جہنمی لیٹیں گے اور ان پر بیٹھیں گے۔ وَمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ اور ان کے اوپر پردے ہوں گے۔ غواش غاشیہ کی جمع ہے ہر وہ چیز جو کسی شے کو چھپا لے۔ خلاصہ کہ جہنم انہیں ہر طرف سے گھیرے گی۔ اس طرح معلوم ہوگا کہ آگ جہنم کا بالاپوش ہے

حدیث شریف کافر کو قبر میں جہنم کی دو تختیاں پہنائی جاتی ہے۔ وَكَذٰلِكَ اور اسی طرح سخت سزا یعنی جہنم کے عذاب میں مبتلا کرنے سے نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ۔ ہم ظالموں کو سزا دیتے ہیں۔ چونکہ جہنم کے ایسے عذاب دینے سے سب سے بڑا عذاب سمجھا جاتا ہے اس لئے اس کے بالمقابل جرم بھی سب سے بڑا ذکر کیا گیا ہے۔

حکایت حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک شخص کا ذکر کیا گیا کہ حدیث شریف میں ہے کہ سب سے آخر میں جہنم سے اس شخص کو نکالا جائے گا جس کا ھناد نام ہوگا جسے جہنم میں ایک ہزار سال "یاحنان یامنان" پکارتے گزرا ہوگا۔ یہ حکایت سن کر حضرت حسن رو پڑے اور کہا کاش کہ وہی ھناد میں ہوتا۔ آپ کے مریدین نے یہ سن کر تعجب کیا تو آپ نے فرمایا کیا تم نے نہیں سنا کہ پھر بھی جہنم سے نکلے گا اور ہمیں تو اتنا بھی اپنے اوپر بھروسہ نہیں۔

تفسیر صوفیانہ اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا الخ میں اچھی عادتیں مراد ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کو عنایت فرمائیں یا وہ کرامات و علوم لدنیہ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اولیاء کرام کو عطا ہوئیں۔ جن کا مخالفین نے ان کے ماننے سے انکار کیا بلکہ یہ سمجھا کہ ایسی باتیں ایسے لوگوں سے ظاہر نہیں ہو سکتیں۔ لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ آیت میں ابواب السماء سے قلوب سماء مراد ہیں کہ جن کے دروازے کھلتے ہیں تو سالک کو بارگاہ حق کا حضور نصیب ہوتا ہے۔ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ میں الجنۃ سے القربۃ والوصال کی جنت مراد ہے "حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ" میں الجمل سے نفس متکبر مراد ہے فی سم الخیاط سے طریقت کا راستہ مراد ہے کہ جس سے نفس امارہ کی تربیت کی جاتی ہے اور اس کا اس سے تزکیہ کیا جاتا

marfat.ocm

ہے تاکہ وہ امارہ سے مطمئنہ ہو جائے تاکہ وہ ارجعی کے خطاب کا مستحق ہو خلاصہ یہ کہ جب نفس امارہ تکبر سے اونٹ کی طرح ہو جاتا ہے وہ تو جنت حقیقت کے واخلہ کا مستحق نہیں جب تک کہ احکام شریعت اور آداب طریقت سے اس کا تزکیہ نہ ہو۔ جب کہ اس کا تزکیہ ہو جاتا ہے تو اس کے صفات ذمیمہ مٹ جاتے اور ما سوی اللہ کے تمام تعلقات درمیان سے اٹھ جاتے ہیں تو پھر [illegible] کے ہزارویں حصے سے باریک ہو جاتا ہے اس طرح وہ نلکے دھاگے میں سما سکتا ہے۔ بنا بریں اس کے بعد اسے جنت البقاء کی بہشت میں داخل کیا جاتا ہے اسے پورے طور سمجھ لو کَذٰلِکَ الْمُجْرِمِیْنَ۔ اسی طرح ہم مجرموں کو سزا دیتے ہیں۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے ضعیف لطیف نفس پر گناہوں کا بوجھ لادا ہے اور اسے ایسا کمزور کیا کہ وہ اونٹ کی طرح ہو گیا۔ جیسے اس کی بوجھ اٹھانے کی علامات بن جاتی ہے ایسے ہی اس کے لئے ہم نے بھی ان کے لئے مجاہدہ و ریاضت کے بچھونے بنائے کما قال لہم من جہنم مہاد و من فوقہم غواش یعنی مخالفت نفس اور خواہشات نفسانی کو مٹانا ان کا اوڑھنا بچھونا بن جاتا ہے کہ یہ ہر دونوں باتیں نفس کو مجاہد ہو کر انہیں پگھلا دیتی ہیں۔ بلکہ ان کی انانیت بالکل گل سڑ جاتی ہے اور ساتھ ہی ان کے وہ گناہ بھی جل جاتے ہیں جن کہ وہ قبل ازاں مرتکب ہوئے تھے اس طرح سے وہ بہشت کے مستحق ہو جاتے ہیں۔

وَکَذٰلِکَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ یعنی ظالمین کو بھی ہم اس طریقے سے سزا دیتے ہیں تاکہ دنیا میں ان کے گناہ معاف ہو جائیں اور جتنے لوگوں کے حقوق ان کے ذمہ ہیں وہ سب کے سب مستحقین کو واپس مل جائیں۔ پھر جب وہ آخرت میں پہنچیں تو وہ بہشت کے داخلہ کی استعداد رکھتے ہوں۔ اگر کوئی بھی دنیا کی سزا سے بچ گیا تو وہ مذکورہ بالا طریقے سے اسے آخرت میں سزا دیں گے۔ کما قال ولنذیقنہم من العذاب الادنی دون العذاب الاکبر۔ لَعَلَّہُمْ یَرْجِعُوْنَ۔ یعنی ہم انہیں دنیا کا عذاب چکھائیں گے جو بہ نسبت آخرت کے عذاب کے بہت کم ہے تاکہ وہ گناہوں سے رجوع کریں۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

نسخہ روحانی مجاہدہ اور سلوک طریق تصفیہ اخیار (بزرگوں کا طریقہ ہے)

حکایت جب حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ وادی میں داخل ہونے لگے تو آپ کو شیطان نے وسوسہ ڈالا کہ اس میں نہ جائیں اس لئے کہ وادی مذکور جان لیوا ثابت ہو گی لہٰذا اپنا ارادہ ترک فرمائیے اور پھر آپ کے ساتھ زاد راہ بھی نہیں اور نہ ہی آپ کے پاس سواری ہے آپ نے اس کے جواب میں یہ ارادہ ظاہر فرمایا کہ جائیں گے ضرور لیکن ہر میل پہ ایک ایک دوگانہ پڑھتے جائیں گے۔ آپ کو اسی طرح اس وادی کو طے کرتے ہوئے بارہ سال گزر گئے یہاں تک کہ ہارون الرشید حج کو گیا تو آپ کو دیکھا کہ آپ ایک میل کے نیچے نوافل پڑھ رہے ہیں۔ آپ کو دیکھ کر پوچھا یہ کون بزرگ ہیں۔ انہیں بتایا گیا کہ یہ ابراہیم

marfat.ocm

بن ادہم ہیں۔ چنانچہ ہارون رشید آپ کے ہاں حاضر ہوا اور عرض کی۔ اے ابو اسحاق کیا حال ہے اس کے جواب میں آپ نے یہ شعر پڑھ کر سنائے ؎

نرقع دنیانا بتمزیق دیننا
فلا دیننا یبقی ولا ما نرقع
فطوبی لعبد آثر اللہ ربہ
وجاد بدنیاہ لما یتوقع

ترجمہ:- ہم دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے دنیا جمع کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن بدقسمتی سے نہ جانے ہاتھ میں دین باقی رہتا ہے نہ دنیا۔ وہ بندہ خوش قسمت ہے جو صرف طالب مولا ہے۔ پھر اس کی شان یہ ہوتی ہے کہ دنیا اس کے قدموں پر قربان ہوتی ہے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

دع التکاسل تغنم فقد جری مثل
کہ زاد راہرواں چستیست و چالاکی

ترجمہ: سستی چھوڑ اور وقت کو غنیمت جان اس لئے کہ مسافروں کا زادِ راہ چستی اور چالاکی ہے۔

تفسیر عالمانہ

۴۲ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اور وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ تعالیٰ کی آیات پر وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور نیک عمل کئے یعنی ان اعمال صالحہ پر عمل کیا جو آیات مذکورہ سے مشروع ہیں اُن سے وہ اعمال مراد ہیں جنہیں رضائے الٰہی مطلوب ہو۔ لَا نُکَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَآ ہم کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتے مگر اس کی وسعت کے مطابق۔

فائدہ: وسع بمعنی طاقت اور قدرت ہے یہ مبتدا و خبر کے درمیان جملہ معترضہ ہے تاکہ معلوم ہو کہ بہشت کا استحقاق دو باتوں سے ہے ایمان اور اعمال صالحہ لیکن اعمالِ صالحہ حسب وسعت و طاقت بشری کے اس سے مراد یہ نہیں کہ اعمال صالحہ میں کمال چاہئے۔ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ وہی لوگ بہشتی ہیں یعنی ایسے لوگوں کے لئے بہشت لازم ہے۔ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اصحاب الجنۃ سے حال ہے۔ ۴۳ وَنَزَعْنَا نزع بمعنی شے کو جڑ سے اکھیڑ دینا۔ مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ یعنی اُن کے دلوں کو اندر جو کچھ ہوگا اسے باہر نکال کر پھینک دیں گے۔ مِّنْ غِلٍّ یعنی ان کے دلوں کے اندر ایک دوسرے کی سخت رنجش اور آپس کا بغض یعنی جو کچھ دنیا میں ایک دوسرے پر بغض و عداوت کے اسباب ان کے دلوں پر پیدا ہوئے انہیں ہم نکال دیں گے اس لئے کہ وہ اسباب بوجہ دنیا میں رہنے اور اس سے متعلق

ہونے کی وجہ سے تھے۔ اب جب کہ دنیا میں نہ رہے تو ان اسباب کا ہونا کس لئے۔

فائدہ: حسد بغض کینہ وغیرہ دنیا میں شیطان کے وسوسے سے پیدا ہوتا ہے جب دار آخرت میں پہنچیں گے تو نہ شیطان ہوگا نہ وہ وسوسہ ڈالے گا اور نہ حسد اور بغض و کینہ پیدا ہوگا۔ اس لئے کہ شیطان تو جہنم کے عذاب میں مبتلا ہوگا جب اُسے اس سے فراغت ہی نہ ہوگی تو قلبِ انسانی میں کس طرح وسوسہ ڈال سکے گا یا یہ معنی ہے کہ ہم اُن کے قلوب سے حسد اور بغض و عداوت کو دھو ڈالیں گے اب جب کہ مادہ فاسدہ ہی نہ ہوگا تو پھر وہاں سوائے آپس کی محبت کے اور کچھ نہ ہوگا۔ یعنی قیامت میں ایک دوسرے کے درجات بلند دیکھ کر آپس میں حسد نہیں کریں گے اور نہ ہی کسی کو بلندی درجات کی محرومی سے کچھ رنج و غم ہوگا

شانِ نزول حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی و طلحہ و زبیر و ابن مسعود و عمار بن یاسر و سلمان و ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حق میں نازل ہوئی جب کہ دنیا میں اُن کے آپس میں معمولی جھگڑے ہوئے یا جنگیں ہوئیں۔ ان کے تمام خیالات و تصورات مٹا دیئے جائیں گے اور بھائی بھائی ہو کر بہشت کے بلند تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے نظر آئیں گے ؎

پاک و صافی شو و از چاہ طبیعت بدر آئی
کہ صفائی نہ دہد آب تراب آلودہ

ترجمہ: پاک و صاف ہو اور طبیعت کے کنوئیں سے باہر آجا جس میں مٹی ہو وہ کنواں صاف پانی نہیں دیتا۔

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ ان کے درختوں اور بالاخانوں کے نیچے جاری ہوں گی **اَلْاَنْهٰرُ** نہریں تاکہ ان کے سرور اور لذت میں اضافہ ہو۔ **وَقَالُوْا** جب اہل جنت اپنی منزلیں دیکھیں گے تو کہیں گے **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا** تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں ہدایت بخشی **لِهٰذَا** اس دین اور اعمال صالحہ کے لئے کہ جس کی جزا یہی بلند مراتب ہیں۔ **وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ** ورنہ ہم مرتبہ علیہ پر پہنچنے کے لائق نہ تھے۔ **لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ** اگر ہمیں اللہ تعالیٰ ہدایت نہ دیتا یعنی صرف اس کی توفیق سے ہمیں یہ مراتب نصیب ہوئے ؎

۱۔ گر بدرقہ لطف تو ننماید راہ
از راہ تو ہیچکس نگردد آگاہ

۲۔ آنکہ کہ برہ رسند و باید رفتن
توفیق رفیق نشد وا ویلاہ

ترجمہ: اگر تیرا لطف رہبر بن کر راہ نہ دکھلائے تو تجھ تک کسی کو راہ نصیب بھی نہ ہو۔

وہ جو صحیح راہ پا چکے اور اسی پر چلنا چاہیے لیکن افسوس کہ منکرین کو توفیق نہ ہوئی۔

اعجوبہ تفسیر : حضرت سدی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جب بہشتیوں کو بہشت میں لے جایا جائے گا تو بہشت کے دروازہ پر ایک درخت پائیں گے جس کی جڑوں سے دو چشمے جاری ہوں گے اُن کے ایک سے پانی پئیں گے تو ان کی دلوں میں جتنا حسد اور بغض و کینہ ہوگا وہ سب نکل جائے گا۔ یہی شراباً طہورا ہوگا دوسرے سے غسل فرمائیں گے تو انہیں بہشت کی رونق نصیب ہو جائے گی کہ جس سے سر کے بال اجڑے ہوئے نظر آئیں گے اور نہ ہی جسم پر میل کچیل اور ہر طرح کے تغیر و تبدل سے محفوظ ہو جائے گا۔

فائدہ : شعث بمعنی سر کے بالوں کا منتشر ہونا۔ اشعث ہر وہ شخص جس کے سر کے بال اُجڑے ہوئے اور غبار آلود ہوں اور شعب : از باب نَصَرَ یَنْصُرُ بمعنی تغیر۔ ان چشموں کے پانی پینے اور نہانے کے بعد بہشت میں داخل ہونے سے پہلے ان کا ملائکہ کرام استقبال کرتے ہوئے کہیں گے۔ اَنْ تِلْکُمُ الْجَنَّۃُ اُوْرِثْتُمُوْھَا بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ یہ وہی بہشت ہے جس کے تم وارث بنائے گئے ہو بوجہ ان اعمال صالح کے جو تم نے دنیا میں کئے بہشتی جب بہشت میں داخل ہو کر اپنی منزلوں میں قرار پائیں گے تو کہیں گے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰنَا۔ الخ۔

تفسیر صوفیانہ صوفیاء کرام کے نزدیک غل سے صفات بشریہ اور اس کی کدورت مراد ہے اور دل کی پاکی نور ایمان سے اور روح کی مادِ عرفان سے اور اسرار کی شرابِ طہور سے ہوتی ہے جس کی وجہ سے اُن پر صفاتِ جمال متجلی ہوتے ہیں۔ اور اہلِ حقیقت کے دلوں میں حسد اور بغض و عداوت ہوتی ہی نہیں نہ دُنیا میں نہ آخرت میں۔

تفسیر عالمانہ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا۔ یہ جواب ہے قسم محذوف کا جو کہ دراصل "واللہ لقد جاء" تھا۔ یعنی بخدا بے شک ہمارے ہاں ہمارے رب تعالیٰ کے رسل کرام تشریف لائے بالحق حق لے کر یہ با تعدیہ کی ہے یا ملابست کی ہے۔ اس معنی پر عبارت ہوگی لقد جاؤا متلبسین بالحق اس کا تعلق اہل جنت سے جب وہ اپنے رسل کرام کے دیئے ہوئے وعدوں کے مطابق نعمتوں کو آنکھوں سے دیکھیں گے تو یوں کہیں گے گویا وہ خوشی اور سرور مستی سے اقرار کرتے ہوئے اپنی مسرت کا اظہار کریں گے۔

فائدہ : حدادی صاحب نے فرمایا کہ اس سے ان کی شہادت مراد ہے کہ واقعی ہمارے ہاں اللہ تعالیٰ کے پیغمبران عظام علیہم السلام حق لے کر تشریف لائے اور ہم نے نہ مانا۔ وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْکُمُ الْجَنَّۃُ۔ اہل بہشت کو دُور سے ملائکہ پکار کر کہیں گے کہ تم جو کچھ دیکھ رہے ہو یہ وہی بہشت ہے جس کا تمہیں دنیا میں وعدہ دیا گیا تھا اس معنی پر یہ اَنْ مفسرہ ہوگا یا مخففہ ہے اور تِلْکُمْ مبتدا ہے۔ یہ اس کی طرف اشارہ ہے جو بہشتی دور سے دیکھیں گے۔ الجنۃ خبر ہے۔ اور اس کی لام عہد کی ہے۔

marfat.ocm

اُورِثْتُمُوْهَا ۔ تم اس کے وارث بنائے گئے ہو یہ الجنۃ سے حال ہے۔ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۔ بسبب ان اعمال صالح کے جو تم نے دنیا میں کئے۔

سوال: اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال کی وجہ سے بہشت میں داخل ہوگا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے تم میں کوئی بھی اپنے اعمال کی وجہ سے بہشت میں داخل نہ ہوگا۔ بلکہ بہشت کا داخلہ صرف رحمت الٰہی کے سبب سے ہوگا۔ آیت مبارکہ و حدیث شریف میں تطبیق کس طرح دوگے۔

جواب: اعمال صالحہ ذاتی طور تو بہشت کے داخلے کا اسباب نہیں بلکہ اس لئے کہ ان پر عمل کرنے کا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور ان کی بجا آوری پہ اس نے اپنے فضل و کرم سے بہشت میں داخل کرنے کا وعدہ فرمایا ہے یہ محض اس کا فضل و احسان ہے چونکہ فضل و کرم کا وعدہ اعمال کے سبب سے ہے بنا بریں آیت میں اسے بیان کیا گیا۔ اس لئے فرمایا گیا ہے اُورِثْتُمُوْهَا الخ ورنہ حقیقی طور تو بہشت کا داخلہ اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے ہوگا " کذا فی حواشی ابن الشیخ "

حدیث شریف قدسی بہشتیوں کو قیامت میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ پل صراط سے میرے عفو و کرم سے گزرو اور بہشت میں میری رحمت سے داخل ہوجاؤ اور اسے اپنے اعمال کے مطابق تقسیم کرلو اس سے اعمال کی وہ جنت ہے جس میں لوگ اپنے اعمال کے مراتب کے مطابق داخل ہوں گے جس کے اعمال زیادہ ہوں گے انہیں بہشت کا وافر حصہ ملے گا خواہ اس مرتبہ پر کوئی اور بھی فائز ہو بہشت میں بعض ایسے درجات بھی ہیں جو خصوصیت سے مخصوص اعمال پر ملیں گے۔

حضرت بلال اور شب معراج حدیث صحیح میں ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رض سے فرمایا کہ اے بلال رض تم کس عمل کی برکت سے مجھ سے پہلے بہشت میں پہنچے میں بہشت میں تیرے جوتوں کی آہٹ سنتا تھا۔ حضرت بلال رض نے عرض کی۔ میں بے وضو نہیں رہتا جب وضو ٹوٹتا ہے تو فوراً وضو کر لیتا ہوں اور جب وضو کرتا ہوں تو فوراً دوگانہ پڑھ لیتا ہوں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا بس یہی وجہ ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ حضرت بلال رض کو وہ مرتبہ ایک خصوصی عمل سے نصیب ہوا۔

قاعدہ: ہر فرض و نفل اور ہر کار خیر اسی طرح ہر برائی اور مکروہ عمل سے بچنے پر علیحدہ علیحدہ مخصوص بہشت کا مرتبہ مختص کیا جائے گا اور خصوصی نعمت نصیب ہوگی جو صرف اس عمل کی وجہ سے ہوگی۔

اقسام طاعات بعض کے مراتب بڑھاپے کی وجہ سے بڑھ جائیں گے مثلاً کوئی شخص طاعت الٰہی میں بڑی عمر پاکر مرے گا تو اس کے مراتب اس شخص سے بلند ہوں گے جو چھوٹی عمر میں طاعت

marfat.ocm

الہٰی بجا لا کر مرا۔ بعض کو زمانہ کی نسبت سے فضیلت ہوگی۔ مثلاً رمضان شریف اور جمعہ مبارک اور لیلۃ القدر اور دسویں ذوالحج و محرم یعنی یوم عاشورہ کی عبادت کا ثواب بہ نسبت دوسرے ایام کے افضل و اعلیٰ ہے بعض کو بوجہ مکانات کے فضیلت ہوگی مثلاً مسجد حرام کی عبادت مسجد مدینہ سے اور مسجد مدینہ طیبہ کی عبادت مسجد اقصیٰ سے اور مسجد اقصیٰ کی تمام مساجد کی عبادت سے افضل ہے بعض کو بعض احوال سے فضیلت ہوتی ہے۔ مثلاً نماز باجماعت پڑھنا اکیلے کی نماز سے افضل ہے بعض اعمال بھی بہ نسبت دوسرے اعمال کے افضل ہوتے ہیں مثلاً نماز افضل عبادت ہے بہ نسبت راستہ سے ایذا دینے والی چیز کو دور کرنے سے بعض موقع ایک کے ساتھ نیکی کرنے سے بہت لوگوں کے ساتھ نیکی کرنے سے زیادہ ثواب ہوتا ہے۔ مثلاً رشتہ دار کو صدقہ دینا دوسروں کے صدقہ دینے سے افضل ہے۔ اسی طرح سید صاحب کو نذرانہ پیش کرنا بہ نسبت دوسروں سے مروت و احسان کے زیادہ ثواب ہے۔ بعض اعمال ایسے ہوتے ہیں کہ اس سے ہر وقت اعمال کثیرہ کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً روزے دار کو بوقت روزہ آنکھ اور کان اور ہاتھ کو پابند شرع رکھنے سے ہر ایک عضو کا علیحدہ علیحدہ ثواب ملتا ہے۔ اسی طرح صدقہ دیتے وقت آنکھ اور ہاتھ وغیرہ کا صدقہ کے علاوہ ثواب ملتا ہے بلکہ نماز میں تو سارے تعظیم کے رونگٹے رونگٹے کا اجر و ثواب نصیب ہوتا ہے اور اس میں اندرونی اعضاء مثلاً نیت قلبی سے قلب کے علاوہ ثواب ملے گا دیکھئے ایک وقت میں کتنا بہت بڑا اجر و ثواب نصیب ہوا۔ صرف اس لئے کہ ایک کام کرتے وقت متعدد وجوہ سے ثواب حاصل ہوتا گیا ؛ یں نماز کی عبادت اور بہت بڑی عبادات پر فوقیت رکھتی ہے

فائدہ: ایک جنت مخصوص ہے جو قیامت میں مندرجہ ذیل مخصوص حضرات کو ملے گی جو اللہ تعالیٰ خصوصی طور اعمال کے بغیر عطا فرمائے گا۔

(۱) وہ چھوٹے بچے جو عمل صالح کے لائق نہ ہوئے تھے کہ انہیں پیک اجل پہنچا اس کی مدت چھ سال ہے یعنی وہ چھوٹے بچے جو پیدا ہونے کے بعد چھ سال کے اندر فوت ہوگئے انہیں جن کو خداوند قدوس چاہے گا اپنی خصوصی جنت عطا فرمائے گا۔

(۲) وہ مجنون اور پاگل جو دنیا میں بے عقل ہو کر زندگی بسر کر گئے۔

(۳) اہل توحید علمی

(۴) اہل عزت یعنی اس زمانہ کے لوگ جس زمانہ میں کوئی نبی علیہ السلام مبعوث نہ ہوا۔ اسی طرح وہ لوگ جن کو کسی نبی علیہ السلام کی دعوت دینی نہ پہنچ سکی۔

فائدہ: ایک جنتِ میراث بھی ہوگی اسمیں وہ ہی لوگ داخل ہوں گے جن کا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے اور اہل ایمان سب کے سب یعنی وہ مقامات جو اہل نار کے لئے متعین تھے کہ اگر وہ بھی ایمان و اعمال صالحہ کرتے تو انہیں دیے

marfat.ocm

مقامات نصیب ہوتے۔ لیکن شومی قسمت سے وہ دولت ایمان اور اعمال صالحہ سے محروم ہو کر دوزخ میں پہنچ گئے۔ اس لئے ان کے مقامات و مراتب خدا کے نیک لوگوں اور اہل ایمان پر تقسیم ہوں گے۔

حدیث شریف جب وہ اس وقت آرزو کریں گے کہ کاش ہمیں بھی ہدایت نصیب ہوتی اس سے وہ ندامت کے آنسو بہائیں گے جب اہل بہشت دوزخ میں اپنے متعین مقامات دیکھیں گے تو کہیں گے اگر ہمیں ہدایت نصیب نہ ہوتی تو ہم بھی وہاں ہوتے لیکن اس کریم نے ہمیں دوزخ سے بچا لیا۔

تفسیر صوفیانہ بہشت دو قسم ہے (۱) صوری (۲) معنوی صوری جنت تو محسوسات سے تعلق رکھتی ہے اور وہ اپنے پہلو پہ ملے گی۔ لیکن معنوی جنت معقولات سے تعلق رکھتی ہے وہ نقد ملتی ہے اس کے لئے کوئی بیت مقرر نہیں ایسی بہشت کے داخل ہونے والوں کو اہل فنا و بقا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ہے

جنت نقد است ایں جا عشرت و عیش و حضور
زانکہ در جنت خدا بر بندہ ننوید گناہ

اَللّٰھُمَّ شَرِّفْنَا بِالْجِنَانِ اِنَّکَ اَنْتَ الْمَنَّانُ

ترجمہ: اے اللہ ہمیں جنت سے مشرف فرما بے شک تو منت و احسان والا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَنَادٰٓی اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ اَصْحٰبَ النَّارِ اور بہشتی دوزخیوں کو پکار کر کہیں گے بوجہ اپنے مآل پر مسرور ہو کر اعدائے اسلام کا برا احوال دیکھ کر اور انہیں حسرت میں ڈالنے کی غرض سے نہ انہیں اپنے حال سے باخبر کرنے یا ان سے احوال پوچھنے کی بنا پر۔

نکتہ اہل جنۃ و اہل نار کو آپس کی گفتگو اور ایک دوسرے کو ندا دینے کی ایک وجہ یہی ہے کہ اہل نار کو حسرت ہو ورنہ ان کے مابین اتنا بڑا بعد ہوگا کہ جس کی مقدار صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اس لیے کہ اہل جنت کے درجات کی بلندی ان کے اعمال مطابق جتنا اونچی ہو گی اتنا اہل نار کے درجے جہنم میں نیچے ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ انہیں جنتیوں کے درجوں پر جھانکنے پر قدرت دے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"فاطلع فرآہ فی سوالجحیم" یعنی اہل جنت جھانک کر جہنم کے وسط کو دیکھے گا اور کہے گا۔ اَنْ یہ منادی کی تفسیر کے لئے ہے اس لئے کہ ندا بمعنی قول کے ہے اور ایسے ابواب کے بعد اَنْ تفسیریہ آتا ہے یا مخففہ ہے۔

قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا کیا تم نے بھی اپنے رب تعالیٰ کے وعدہ کو پایا ہے یا نہ۔ یعنی

جیسے تمہارے لئے عذاب کا حکم فرمایا تھا وہ تمہارے ساتھ پورا ہوا یا نہ۔

فائدہ :- وَعَدَ خیر و شر ہر دونوں کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔ حَقًّا سچا وعدہ یہاں پر فعل ثانی کا مفعول محذوف ہے اس لئے کہ یہ "مَا وَعَدَکُمْ" ہونا چاہیے تھا۔ جیسا کہ پہلے جملہ میں "مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا" کہا گیا ہے۔

نکتہ مفعول کو حذف کرنے میں اشارہ ہے کہ وہ ایسے گرے ہوئے ہیں کہ اب وہ خطاب کی شرافت سے محروم ہیں۔ قَالُوْا نَعَمْ جہنمی کہیں گے ہاں ہم اپنے رب تعالیٰ کے وعدے کو پا چکے ہیں۔ وہ ایسے وقت اعتراف کریں گے لیکن اس وقت انہیں وہ اعتراف کوئی فائدہ نہ دے گا۔ کسی شاعر نے فرمایا ہے ؎

۱۔ کنون باید اے خفتہ بیدار بود
چو مرگ اندر آرد زخواست چہ سود
۲۔ تو پیش از عقوبت در عفو کوب
کہ سودے ندارد فغاں زیر چوب

ترجمہ ۱۔ اے سونے والا ابھی جاگ جب موت خواب سے بیدار کرے تو کیا فائدہ۔
۲۔ سزا سے پہلے ہی معافی کا دروازہ کھٹکا، ڈنڈا کے نیچے فریاد فائدہ نہ دے گی۔

فَاَذَّنَ پس اعلان کرے گا۔ مُؤَذِّنٌ اعلان کنندہ اس سے وہ فرشتہ مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہوگا کہ ان سب کو اعلان کردے جسے وہ تمام بہشتی اور جہنمی سن لیں گے۔ بعض کہتے ہیں اس سے اسرافیل علیہ السلام مراد ہیں۔ بَیْنَہُمْ درمیان باذن کا مفعول فیہ ہے یعنی اسے حکم ہوگا کہ وہ دونوں فریقوں کے درمیان اعلان کرے کہ اَنْ یہ تفسیریہ ہے اس لئے کہ "تاذین" بمعنی قول ہے یا مخففہ ہے لَعْنَۃُ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کی لعنت لازم ہو چکی ہے۔ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ کفار پر (نہ کہ اہلِ ایمان پر)۔

سوال : تم نے یہاں پر "الظالمین" کا معنیٰ الکافرین کہاں سے سمجھا۔

جواب : جب لفظ ظلم مطلقاً مستعمل ہو تو وہاں ظلم کا آخری درجہ مراد ہوتا ہے اور ظلم کا آخری درجہ کفر و شرک ہے اس لئے ان کے حال کی خبر دینا مطلوب ہے بعض کہتے ہیں کہ ان پر لعنت کی ابتدا اس وقت سے ہوگی۔

۴۵ الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ وہ لوگ جو روکا کرتے تھے یہاں پر یَصُدُّوْنَ بمعنی یُعْرِضُوْنَ ہے۔

سوال : یَصُدُّوْنَ بمعنی یَمْنَعُوْنَ کیوں نہیں کیا گیا۔

جواب : یمنعون متعدی ہے اور اس کے لئے مفعول بہ مقدر ماننا پڑتا ہے اور مقدرات بلا وجہ نہیں ہوتے۔ یعرضون سے بلا ضرورت معنیٰ صحیح ہو سکتا ہے تو پھر یَمْنَعُوْنَ کا معنیٰ میں تو وہاں حذف کی ضرورت پڑے گی۔ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کے راستے یعنی دین سے جو کہ وہی اللہ تعالیٰ کا

marfat.ocm

راستہ تھا اور وہی بہشت کے داخلہ کا سبب تھا۔

فائدہ السبیل بمعنی الطریق وما وضح منہ ہے (کذا فی القاموس)

وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا اور وہ اس کے لئے ٹیڑھا پن کی تلاش میں رہتے تھے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے واضح طریق کو ٹیڑھا قرار دیتے اور اسے ہزاروں لوگوں کو حق سے دور سمجھتے تھے **وَهُمْ بِالْآخِرَةِ كَافِرُوْنَ** اور وہ آخرت کے بھی منکر تھے اور کہتے تھے کہ مرنے کے بعد اٹھنا نہیں۔

فائدہ اگر ظالمین بمعنی کافرین ہو تو اوصاف مذکورہ بمنزلہ تاکید کے ہوں گے اس لئے کہ ظالمین کی جو تین صفتیں بیان کی گئی ہیں یہ کفار کی صفتیں ہیں وہ تین صفات یہ ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کے راستہ سے روکنا

۲۔ اللہ تعالیٰ کے دین کو ٹیڑھا پن ظاہر کرنا۔ یعنی دین کی حقانیت کے دلائل میں شکوک و شبہات پیدا کرنا۔

۳۔ آخرت کا انکار کرنا یہ تمام صفات صرف کفار کے ہیں۔ جن ظالموں میں یہ اوصاف پائے گئے ان کے لئے کفر ثابت ہو گیا۔

تفسیر صوفیانہ

اصحاب الجنۃ یعنی ارباب محبت اصحاب النار یعنی قطعیت کے اصحاب کو پکار کر کہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ "الا من طلبنی وجدنی" خبردار جو مجھے تلاش کرتا ہے وہ مجھے پا لیتا ہے کیا تم نے بھی اپنے وعدے کو پا لیا ہے کہ فرمایا تھا۔ مَنْ يَطْلُبُ غَيْرِيْ لَمْ يَجِدْنِيْ جو میرے غیر کی طلب میں ہوتا ہے وہ مجھے ہرگز نہیں پائے گا۔ اہل قطعیت انہیں جواب دیتے ہیں کہ ہاں ہمیں اس غلطی کی سزا مل گئی ہے اس کے بعد عزت و عظمت کا اعلان کنندہ ان کے مابین اعلان کرے گا کہ ان ظالموں پر لعنت ہو کہ جنہوں نے اپنی استعداد کو غیر محل میں رکھا اور اسے غیر مصرف پر صرف کیا۔ ظالم وہ لوگ ہیں جو قلوب روح کو اللہ تعالیٰ کی راہ اور اس کی طلب سے دور رکھتے تھے بلکہ اس کے اندر ٹیڑھا پن تلاش کرتے تھے یعنی اپنے ارادوں کو دنیا و مافیہا کی طرف لگاتے اور وہ آخرت کے منکر تھے یعنی اہل محبت کی ان باتوں کا انکار کرتے تھے جہاں ان کی رسائی نہیں تھی بلکہ وہ ایسے امور کے طالب رہتے تھے جو ان کے حواس تک محدود تھے اور آخرت کی انہیں کسی قسم کی پرواہ نہ تھی۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

سبق لوگوں کے مختلف مراتب ہیں کوئی اقراری کوئی انکاری، نگاہ کے مطابق مرتبہ نصیب ہوتا ہے جو سالک ہیں ان کے مراتب بلند ہیں اور وہ اس راہ سے بے خبر اور محروم ہی محروم ہیں۔ مثنوی شریف میں ہے۔

کودکاں گرچہ بیک مکتب دارند
در سبق ہر یک زیک بالاترند

marfat.ocm

خود ملائک نیز تا ہمتا بدند
زیں سبب بر آسماں صف صف شدند

ترجمہ :۱۱ اگرچہ بچے ایک ہی مدرسہ میں پڑھتے ہیں لیکن سبق میں ایک دوسرے بلند و بالا ہیں
۱۲ فرشتے بھی جب ہمتا ہوئے تو پھر آسمان پر صف بہ صف ہوئے۔

سبق سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ طلبِ حق میں جد و جہد کرے تاکہ اسے حقیقت کے خزانوں پر آگاہی نصیب ہو اس لئے کہ مطلب اعلیٰ اسے نصیب ہوتا ہے جو کھرے کھوٹے کا امتیاز رکھتا ہو۔

موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی نصیحتیں

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ پرندے کی طرح زندگی بسر کرو کہ وہ اپنی روزی درختوں سے لیتا ہے اور پانی پی کر زندگی بسر کرتا ہے جب رات آجاتی ہے تو کسی غار میں چھپ کر رات بسر کر لیتا ہے اسے محبت ہے تو صرف میری ذات سے اور ڈرتا ہے اس سے جو میرا نافرمان ہے اے موسیٰ علیہ السلام میں نے قسم کھائی ہے جو عمل کا مدعی ہے اس کا دعویٰ غلط کردوں اور جو میرے سوا کسی دوسرے سے امید رکھتا ہے اس کی آرزو پوری نہ کروں اور جو میرے غیر پر بھروسہ کرتا ہے اس کی جڑ کاٹ دوں اور اس سے منہ پھیر لوں جو میرے سوا کسی دوسرے سے محبت کرتا ہے اے موسیٰ علیہ السلام میرے بعض بندے ایسے بھی ہیں کہ اگر وہ مجھے بلائیں تو میں ان کی بات سنوں اگر وہ مجھ سے دعا مانگیں تو میں ان کی دعا قبول کروں اگر وہ میری طرف متوجہ ہوں تو میں انہیں قریب کر دوں۔ اگر وہ میرا قرب چاہیں تو میں اُن سے پردہ ہائے صفات ہٹا دوں وہ جو عمل کریں میں اُن کی انہیں جزا دوں۔ میں ان کے جملہ امور کی کفالت کروں اور ان کے قلوب کو راز سے بھر دوں۔ بلکہ ان کے تمام کاموں میں، میں ہی متولی بنوں۔ ان کی راحت صرف میرے ذکر میں ہوتی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی بیماریاں بھی شفا ہوتی ہیں اور اُن کے دل نور سے منور رہتے ہیں وہ صرف مجھ سے مانوس ہیں ان کے دل کا سفر صرف میری طرف ہوتا ہے۔ اُن کو قرار صرف میری ذات سے نصیب ہوتا ہے ایسا اور ان دونوں فریقوں یا بہشت و دوزخ کے درمیان حجاب پردہ ہوگا۔ جیسے شہر کے لئے چار دیواری ہوتی ہے کہ دوزخی بہشتیوں کے ہاتھ نہیں پہنچ سکیں گے اور نہ ہی بہشتی دوزخیوں سے ایذا پا سکیں گے اور نہ ہی دوزخی بہشتیوں کی نعمتوں سے بہرہ ور ہو سکیں گے اس لئے کہ وہی پردہ ان کے ایک دوسرے تک پہنچنے نہیں دے گا نہ وارد ہے کہ اگر حور عین بہشت سے دنیا کی طرف جھانک کے دیکھے تو دنیا اس کے نور سے منور اور اس کی خوشبو سے معطر ہو جائے اسی طرح دوزخ کے متعلق لکھا ہے کہ اگر اس کی ایک چنگاری دنیا میں گرے تو تمام دنیا کو جلا کے رکھ دے۔

marfat.ocm

سوال: یہ مذاد مسافت یا یہ حجاب کیسا اور اس کی یہ تعبیر کیسی جب کہ وارد ہے کہ بہشت آسمانوں کے اوپر ہے اور دوزخ زمینوں کے نیچے۔

جواب: اللہ تعالیٰ نے آیت میں توضیح نہیں فرمائی اور نہ ہی اس کی مسافت بتائی ہے لیکن حجاب کا لفظ فرمایا تو ہمارا اس پر ایمان ہے اس کے بعد مسافت کو حجاب سے تعبیر کیا جائے تو بجا ہے۔

وَعَلَى الْاَعْرَافِ اس حجاب کے اعراف یعنی اس کی بلندیوں پر اس سے وہ مضبوط قلعے مراد ہیں جو اہل ایمان اور کفار کے مابین کھڑے کئے گئے ہیں بعض کہتے ہیں کہ ریت اور پہاڑ ان کے درمیان حجاب کے طور کھڑا کیا جائے گا اعراف عرف کی جمع ہے ہر اونچی اور بلند شے کو کہا جاتا ہے مثلاً کہتے ہیں عرف الدیک والفرس اور اسے اس نام سے اس لئے موسوم کرتے ہیں کہ اونچی شے نیچے والی اشیاء سے اعرف معروف تر ہوتی ہے رِجَالٌ بعض لوگ ہیں۔ اس سے وہ اہلِ ایمان مراد ہیں جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی وہ جنتیوں اور دوزخیوں ہر دونوں کو دیکھیں گے کوئی ایسا عمل نہیں ہو گا جس کے سبب سے وہ جہنم یا بہشت میں کسی ایک کے لئے راجح بن سکے پھر جب انہیں قیامت میں سجدہ کا حکم ہو گا تو یہی ایک سجدہ باقی ہو گا جس سے سجدہ کرنے پر بہشت اور نہ کرنے پر جہنم میں جانا ہو گا چنانچہ وہ سجدہ میں گر پڑیں گے تو بہشت میں داخل ہوں گے اس لئے کہ اس ایک سجدہ سے نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو جائے گا اعراف کے متعلق چند اقوال اور ہیں جنہیں ہم آگے چل کر بیان کریں گے منجملہ ان کے ایک یہی ہے۔ **يَعْرِفُوْنَ** یہ رجال کی صفت ہے یعنی وہ لوگ پہچانیں گے **كُلًّا** ہر ایک کو بہشت اور دوزخ والوں کو **بِسِيْمٰهُمْ** ان کی نشانیوں سے جو کہ اللہ تعالیٰ نے بطورِ علامت کے ان ہر ایک کو دے رکھی ہیں۔ مثلاً بہشتیوں کے چہرے سفید ہوں گے اور دوزخیوں کے سیاہ لیکن علامات سے پہچاننا میدانِ حشر میں ہو گا اور بہشت کے داخلہ سے پہلے جب وہ لوگ بہشت یا دوزخ میں داخل ہو جائیں گے اس کے بعد علامات سے پہچاننے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ اس وقت مشاہدہ واحساس سے معلوم ہو گا کہ یہ بہشتی ہے اور وہ دوزخی۔

فائدہ: ندا۔ صرف اس کا ذکر آتا ہے۔ ایتان بہشت بہشت میں داخل ہونے کے بعد ہو گا۔ **وَنَادَوْا** یہ رجال کی دوسری صفت ہے۔

سوال: **يَعْرِفُوْنَ** اول مضارع و نَادَوْا صفت ثانی ماضی یہ کیوں۔

جواب: ندا کو وقوع پذیر ہونے پر محمول کر کے ماضی سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ علم معانی کا قاعدہ ہے۔

اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ بہشتیوں کو وہ اعراف والے ندا دیں گے۔ **اَنْ** یہ تفسیریہ یا مخففہ ہے۔

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ یعنی جب اعراف والے بہشتیوں کو دیکھیں گے تو انہیں دنیاوی دستور کے مطابق کہیں گے السلام علیکم اور اس سے بہشتیوں کی تعظیم و تکریم مطلوب ہو گی گویا انہیں مصائب و آفات

marfat.ocm

سے بچ جانے پر مبارکباد پیش کریں گے۔ لَمْ يَدْخُلُوْهَا نادوا کے فاعل سے حال ہے یعنی اعراف والے بہشت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے۔ وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ۔ حالانکہ انہیں بہشت میں داخلے کا طمع ہوگا۔ یہ لَمْ يَدْخُلُوْهَا کے فاعل سے حال ہے یعنی اگرچہ اعراف والے بہشت میں داخل نہیں ہونگے لیکن انہیں امید قوی ہوگی اور اس انتظار میں ہونگے کہ انہیں ابھی بہشت میں داخل کیا جائے گا وہ اس لئے کہ دنیا میں انہوں نے کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ تو پڑھا ہوگا لیکن ان کا نامۂ اعمال نیکی سے خالی ہوگا اور انہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ بالبرابر بھی کسی پر ظلم نہیں کرے گا اور انہیں یقین ہو جائے گا کہ اگر ان کے نامۂ اعمال میں تھوڑی سی نیکی کہیں سے مل جائے تو نیکی کا پلڑا ترجیح پا جائیگا اس وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے امیدوار ہوں گے اور اس کے عدل پر بھی ان کی نگاہ ہوگی اور یہ بھی سمجھتے ہوں گے کہ کلمہ طیبہ کی وجہ سے ہم پر ضرور لطف وکرم ہوگا۔ اس لئے وہ ایک مدت تک ٹھہر کر پُرامید ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے حق میں بہتر فیصلہ ہوگا اور کرم نوازی سے ہم بہشت میں جائیں گے چنانچہ ایسے ہوگا بھی اور بہشت میں داخل ہونے والے یہی آخری لوگ ہوں گے۔ جب اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے گا تو حکم کہ انہیں نہر الحیاۃ میں لے جاؤ۔ یہ وہ نہر الحیات ہے کہ جس کے کنارے سنہری ہوں گے اور موتیوں کے جڑاؤ سے مزین اور اس کی مٹی عطر وکستوری سے ہوگی ان لوگوں کو اس نہر سے اتنا صاف کیا جائے گا کہ ان کے جسم گلبدن ہو جائیں گے اور ان کے سینوں پر ایک سفید پکر پڑ جائے گی۔ یہ بہشت میں اُن کی پہچان ہوگی اس کے بعد انہیں بہشت میں داخل کیا جائے گا۔ انہیں مساکین الجنۃ کہا جائے گا۔ حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا۔

ہست امیدم علے رغم عدو روز جزا
فیض عفوش ننہد بار گنہ بر دوشم

ترجمہ :۔ مجھے اُمید ہے کہ دشمن کی ناک رگڑی جائے) قیامت میں اس کے عفو کا فیض گناہوں کا بوجھ میرے کاندھوں پر نہ رکھے گا۔

۴۷ وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ اور جب ان کی آنکھیں جہنمیوں کی طرف پھیری جائیں گی۔

سوال :۔ بہشتیوں کو بھی تو وہ دیکھیں گے پھر یہاں پر جہنمیوں کی تخصیص کیوں۔

جواب :۔ چونکہ بہشتیوں کو تو اپنی رغبت ومحبت سے دیکھیں گے ان کی طرف پھیرے جانے پر مجبور کئے جائیں گے

فائدہ : تفسیر زاہدی میں ہے اعراف والوں کی آنکھیں بحکم الٰہی فرشتہ پھیرے گا۔

قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۔ کہیں گے اے ہمارے رب کریم ہمیں ظالم قوم کا ساتھی نہ بنا یعنی ہمیں ان کے ساتھ یعنی ہمیں اُن کے ساتھ جہنم میں نہ ٹھہرانا۔ یہ دعا اللہ تعالیٰ کے خوف سے نکلی

marfat.ocm

گے جب کہ انہیں اپنے گناہوں پر نظر پڑے گی۔

اعراف والے ۱۔ پہلا قول گزر چکا (۲) حضرات انبیاء علیہم السلام بھی اہلِ اعراف بایں معنی ہیں کہ انہیں بہشت میں اتنا اونچا مقام نصیب ہوگا کہ وہاں سے بہشتیوں اور دوزخیوں کا معائنہ کریں گے اور قیامت میں انہیں نمایاں رکھا جائے گا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ یہ شخصیت اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں پھر وہ بلند مقام سے قیامت والوں کے حالات کے علاوہ ان کے ثواب و عتاب کی مقدار سے مطلع ہوں گے اور اپنی امت کے حالات کا مشاہدہ کریں گے اس تقریر پر "وَھُمْ یَطْمَعُوْنَ" نَادَوْا کے مفعول سے حال ہوگا اور وہ اصحاب الجنۃ ہیں اس لئے ممتاز شخصیتوں کو بہشت میں داخلے کے طمع کا کیا معنٰی۔ اب آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ قیامت میں ممتاز شخصیات اہلِ جنت کو ندا دیں گے جبکہ وہ اونچی منزلوں میں ہوں گے اور اہلِ جنت کا حال یہ ہے کہ وہ ابھی بہشت میں داخل ہونے کے لئے پُرامید ہوں گے

فائدہ یہی تقریر آنے والے وجوہات میں کی جائے اس لئے کہ اعراف سے ان کے بلند مراتب مراد لئے گئے ہیں ان کے لئے طمع کا کیا معنٰی۔ طمع کا معنی صرف عام بہشتیوں کیلئے تو ہو سکتا ہے لیکن وہ بھی بعض میں ورنہ بعض میں پہلی تقریر ضروری ہوگی

(۳) شہداء میدانِ حشر میں انہیں ممتاز دکھایا جائے گا تاکہ پتہ چلے کہ شہداء بہ نسبت دوسرے لوگوں میں تعظیم و تکریم کے زیادہ مستحق ہیں اور وہ اس لائق ہیں کہ انہیں بلند مقامات پر بیٹھایا جائے تاکہ وہ میدانِ حشر میں لوگوں پر حکمِ الٰہی کے اجراء کا مشاہدہ کریں کہ کس پر فضل ہوتا ہے۔ اور کس سے عدل

(۴) اہلِ ایمان کی وہ بزرگترین شخصیات مراد ہیں جو اپنے اعمال کی جزا لے کر فارغ البال ہو کر دوسرے لوگوں کے احوال کے مشاہدہ کے لئے انہیں بلند مقام پر بیٹھایا جائے گا۔

حدیث شریف جب قیامت میں اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو جمع فرمائے گا تو ایک منادی ندا دے گا کہ اہلِ فضل لوگ کہاں ہیں ان میں بعض لوگ دوڑتے ہوئے بہشت کی طرف جانے کیلئے عجلت کریں گے اور کہیں گے ہم اہلِ فضل ہیں ان سے سوال ہوگا تم کس طرح اہلِ فضل ہو۔ جواب دیں گے ہم پر ظلم برسائے گئے تو ہم نے صبر کیا اور ہمارے ساتھ کسی نے برائی کی تو ہم نے انہیں معاف کیا۔ ہمارے ساتھ لوگوں نے جھگڑے اٹھائے تو ہم نے حوصلہ کیا۔ اس پر انہیں حکم ہوگا کہ جاؤ بہشت میں واقعی تم اہلِ فضل ہو۔ اور ایسے عمل والوں کو بہتر جزاء نصیب ہوتی ہے۔

(۵) باعمل علماء و فقہاء مراد ہیں۔ ان کی فقاہت اور ان کے علم کی برکت سے انہیں دوسروں پر فوقیت حاصل ہوگی۔

(۶) قیامت میں اُمتوں کے اعمال پر گواہی دینے والے عادل لوگ مراد ہیں اور یہ ہر امت میں سے ہوں گے

(۷) حضرت عباس و حمزہ و علی بن ابی طالب و جعفر ذوالجناحین رضی اللہ تعالیٰ عنہم مراد ہیں کہ یہ حضرات

marfat.ocm

اپنے دوستوں کو ان کے چہروں کی سپیدی سے اور اپنے دشمنوں کے چہروں کی سیاہی سے پہچانیں گے۔

(۸) وہ فرشتے جو اعراف کی دیوار پر متعین ہیں مراد ہیں۔ تاکہ وہ بہشتیوں کے بہشت میں اور دوزخیوں کے دوزخ میں داخل ہونے سے پہلے اہل ایمان وکفار کے درمیان امتیاز کر دکھلائیں۔

سوال: لفظ رجال اس تقریر کے منافی ہے۔

جواب: چونکہ ان فرشتوں کو مردوں (انسانوں) کی شکل دی جائے گی بنا بریں انہیں رجال سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ " وَاِنْ کَانَ رجال من الانس والجن یعوذون برجال من الجن " میں جنات کو رجال سے تعبیر کیا گیا ہے اس لئے کہ ان جنات کو انسانوں کی شکل حاصل ہوتی ہے

سوال: ربنا لا تجعلنا مع القوم الظالمین ملائکہ کے لئے کس طرح مناسب ہوگا۔

جواب: وہ بھی بنو آدم کی طرح مکلف ہیں اس لئے قیامت میں اپنے لئے امن وسلامتی کی دعا مانگیں گے۔

(۹) وہ شہداء مراد ہیں جو جہاد فی سبیل اللہ میں مارے گئے لیکن اپنے آباء کی اجازت کے بغیر جہاد کو گئے تھے اس لئے کہ انہیں ان کے گناہوں کے باوجود دوزخ سے دور رکھا گیا لیکن باپ کی نافرمانی کی نحوست سے تاحال بہشت میں داخل نہیں ہوں گے۔

(۱۰) وہ لوگ مراد ہیں جن پر باپ تو راضی تھا لیکن ماں ناراض یا ماں راضی تھی لیکن باپ ناراض۔

(۱۱) ولد الزنا

(۱۲) اولاد المشرکین

(۱۳) وہ لوگ مراد ہیں جو زمانہ فترہ میں فوت ہوئے اور فترت کا زمانہ وہی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان عرصہ گزرا ہے۔

(۱۴) وہ صغیرہ گناہ والے جن کے دنیا میں مصائب وتکالیف اور درد وآلام کفارہ نہ بنے اس بنا پر وہ بہشت میں جانے سے روک دیئے جائیں گے اس سے انہیں جو غم لاحق ہوگا وہ غم ان کا کفارہ بن جائے گا اس کے بعد وہ بہشت میں داخل ہوں گے۔

(۱۵) وہ اہل کبائر جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے کہ وہ بڑے بڑے گناہ کے مرتکب ہیں لیکن چونکہ وہ اہل قبلہ ہوں گے اس لئے انہیں دوزخ سے نجات تو مل جائے گی لیکن بہشت میں نہیں جا سکیں گے۔

حکایت ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات سو رہا تھا کہ خواب میں نظر آیا کہ گویا قیامت قائم ہو گئی ہے اور لوگوں سے محاسبہ ہو رہا ہے ان میں بعض کو بہشت میں اور بعض کو دوزخ میں لے جایا جا رہا ہے بہشت کے دروازے پر حاضر ہوا اور اہل بہشت کو ندا دی اور پوچھا کہ تم بہشت میں کس عمل سے

marfat.ocm

داخل ہوئے ہو اور تمہیں یہ رضوان اور یہ بلند مکان کس وجہ سے ملے ہیں وہ جواب دے رہے ہیں کہ طاعت رحمٰن اور مخالفت شیطان کی وجہ سے پھر میں دوزخ کے دروازے پر آیا اور ان سے پوچھا کہ اے دوزخیو! تمہیں یہ سزا کس عمل سے ملی ہے انہوں نے جواب دیا بطاعت شیطان و مخالفت رحمان کی وجہ سے اس کے بعد دیکھا ایک قوم ہے جو بہشت اور دوزخ کے درمیان ٹھہری ہوئی ہے۔ میں نے اُن سے پوچھا تم کیوں یہاں ٹھہرے ہو جواب دیا کہ ہمارے بہت سے گناہ ہیں اور نیکیاں بہت کم ہیں۔ برائیوں نے ہمیں بہشت میں داخل ہونے سے رُوک رکھا ہے اور نیکیوں سے ہم دوزخ میں نہیں جا سکتے گویا انہوں نے یہ شعر پڑھا ہے

نحن قوم لنا ذنوب کبار
منعتنا من الوصول الیہ
ترکتنا مذبذبین حیاریٰ
امسکتنا من القدوم علیہ

ترجمہ: ہم کبیرہ کے مرتکب ہونے والے ہیں۔ اس بنا پر ہم اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکے اور انہوں نے ہمیں حیران و گردان کر رکھا ہے اور ان کی وجہ سے ہی ہم اللہ تعالیٰ کی حاضری سے محروم ہیں۔"

یہ اقوال میرے مطالعہ سے گزرے ہیں اللہ تعالیٰ کی عنایت سے میرے علم میں آئے اور حقیقت رب کریم جانتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ اہل جنت و اہل نار کے درمیان ایک حجاب ہے اور وہ اوصاف بشریہ اور اخلاق ذمیمہ نفسانیہ ہیں اس حجاب کی وجہ سے دوزخی بہشتیوں کو نہیں دیکھ سکتے اور بہشتی اہل اللہ ہیں کما قال وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ یعنی اہل اعراف اہل جنۃ اور اہل نار کو ان علامات سے دیکھتے ہیں انہیں قلبی نور و ظلمات سے حاصل ہوئے ہیں۔

فائدہ: اعراف کو اس لئے اعراف کہا جاتا ہے کہ وہ اہل معرفۃ کی اقامت گاہ ہے اور اہل معرفت کو رجال اس لئے کہا کہ وہ ماسوی اللہ پر تصرف رکھتے ہیں اور ان پر کسی شئے کا تصرف نہیں۔

کما قال تعالیٰ فیہ رجالٌ لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله اور اللہ تعالیٰ کا طریقہ مبارکہ ہے کہ خواص کو ہر جگہ بلفظ رجال سے یاد فرمایا ہے۔ کما قال رجالٌ صدقوا اور فرمایا فیہ رجال یحبون ان یتطہروا اور رجولیت سے ہی طلبِ حق میں عوام و خواص کا امتیاز ہوتا ہے اور جو بھی ہمت بلند رکھتا ہے حقیقۃً وہی مرد ہے اور اصحاب اعراف اس لئے بلند مراتب پا گئے کہ انہوں نے بشریت کی پستیوں سے نجات پا کر بلندی حاصل کی اور جہنم سے بچ کر بہشت کے درجات حاصل کئے

اور روحانیت میں مقامات کو پہنچے اور ان کی شان یہ تھی کہ دارین کی نعمتوں سے بے نیاز ہے اور نہ انہیں دنیا و آخرت کے کمالات کی طرف توجہ تھی۔ تمام مخلوق سے بے نیاز ہو کر مقام اعراف تک پہنچے یاد رہے کہ مقام رب الرحمٰن کے ہاں حظائرِ قدس میں جنان کے بلند و بالا ایک مقام کا نام ہے اور وہ اپنی بلندی کی وجہ سے بہشتیوں اور دوزخیوں کو برابر طور دیکھتے رہتے ہیں جب وہ بہشتیوں کو دیکھتے ہیں کہ بہشت کی نعمتوں اور دیگر خوش باتوں میں مشغول ہیں لیکن اپنے مولیٰ کے دیدار کی طرف انہیں خیال نہیں تو اعراف والے بہشتیوں کو ندا کر کہتے ہیں السلام علیکم یعنی تمہیں یہی نعمتیں مبارک ہوں اور اپنی حوروں قصوروں میں خوش رہو۔ خود اعراف والوں کا یہ حال ہے لَمْ يَدْخُلُوْهَا یعنی بہشت کی نعمتوں کو مشاہدہ و معائنہ کرنے بلکہ اُن کے حصول کے باوجود ان کی کسی شے کی طرف معمولی توجہ بھی نہیں کریں گے وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ اور ان کو صرف اپنے آقا و مولیٰ کے وصال کی تمنا ہو گی اور وہ اس میں پُر امید ہوں گے۔

سوال: تمہاری یہ تقریر آیات قرآنی کے خلاف ہے اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لئے فرمایا: وادخلی جنتی۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بہشت کو اپنی طرف مضاف فرمایا ہے تو اس کے بندوں کو اس سے غیر متوجہ کیوں اور فرمایا: وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَاءَ اَصْحَابِ النَّارِ۔

جواب: یہ ان سے آزمائش کے طور ہو گا کہ انہیں معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اتنی بڑی سخت خرابیوں سے نجات بخشی اور انہیں بہترین انعامات سے نوازا ہے لیکن حضرات عارف باللہ ان تمام باتوں کا اعتراف کرتے ہوئے بہشت کے داخلہ کو اپنا مقصود نہیں سمجھتے۔

فائدہ: اربابِ کمالات کو سلوک کے مقامات طے کرتے ہوئے جتنا خواطر نفسانیہ لاحق ہوتے ہیں یا انہیں دنیوی عز و جاہ و جلال اور عوام میں مقبولیت، عامہ یہ خلق میں مشغولیت تامہ کا پیش آنا۔ یہ تمام انسانی عروج میں داخل نہیں بلکہ ان میں بندہ کا امتحان اور اس کی آزمائش مطلوب ہے تاکہ سالک کو گوشہ نشینی اور تجرید اور جلوات میں اُنس مع اللہ کی قدر و منزلت معلوم ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جب سالک شکر کا حق ادا کرتا ہے یا منعم حقیقی کی کوئی نعمت دیکھتا ہے تو کہتا ہے رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔ یعنی اے مولا کریم جب کہ تو نے ہمیں ظالموں کے اوصاف و اخلاق اور ان کے درجوں اور ان کے احوال سے ایک نجات بخشی ہے تو پھر ہمیں دوبارہ ان کے ساتھ نہ ملانا اور نہ ہی ان کے زمرہ میں ہمیں شامل کرنا [1]

---

[1] (کذا فی التاویلات النجمیہ)

marfat.ocm

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ
اور اعراف والے کچھ مردوں کو پکاریں گے جنھیں ان کی پیشانی سے پہچانتے ہیں کہیں گے
قَالُوْا مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ㊽ اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ
تمہیں کیا کام آیا تمہارا جتھا اور وہ جو تم غرور کرتے تھے کیا یہ ہیں وہ لوگ جن
اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ
پر تم قسمیں کھاتے تھے کہ اللہ ان پر اپنی رحمت کچھ نہ کرے گا ان سے تو کہا گیا کہ جنت میں جاؤ نہ تم کو
اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ㊾ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا
اندیشہ نہ کچھ غم اور دوزخی بہشتیوں کو پکاریں گے کہ ہمیں اپنے
عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى
پانی کا کچھ فیض دو یا اس کھانے کا جو اللہ نے تمہیں دیا کہیں گے بیشک اللہ نے ان دونوں کو کافروں
الْكٰفِرِيْنَ ㊿ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا
پر حرام کیا ہے جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا لیا اور دنیا کی زیست نے انہیں فریب دیا
فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ (51)
تو آج ہم انہیں چھوڑ دیں گے جیسا انہوں نے اس دن کے ملنے کا خیال چھوڑا تھا اور جیسا ہماری آیتوں سے انکار کرتے تھے
وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (52)
اور بیشک ہم ان کے پاس ایک کتاب لائے جسے ہم نے ایک بڑے علم سے مفصل کیا ہدایت و رحمت ایمان والوں کے لیے
هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ
کاہے کی راہ دیکھتے ہیں مگر اس کی کہ اس کتاب کا کہا ہوا انجام سامنے آئے جس دن اس کا بتایا انجام واقع ہوگا بول اٹھیں گے وہ جو اسے
قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ
پہلے سے بھلائے بیٹھے تھے کہ بیشک ہمارے رب کے رسول حق لائے تھے تو ہیں کوئی ہمارے سفارشی جو ہماری شفاعت کریں
اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا
یا ہم واپس بھیجے جائیں کہ پہلے کاموں کے خلاف کام کریں بیشک انہوں نے اپنی جانیں نقصان میں ڈالیں اور ان سے کھوئے گئے
كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ (53) ع
جو بہتان اٹھاتے تھے

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ

۴۸ وَنَادٰی اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ اور اعراف والے ندا دیں گے۔ یہاں پر اہل اعراف سے وہ حضرات مراد ہیں جن کے درجات بہشت میں سب سے بلند تر ہوں گے یعنی حضرات انبیاء کرام اور اولیاء عظام علی نبینا و علیہم السلام آیت کے مابعد والے مضمون سے واضح ہے کہ یہی حضرات مراد ہوں تو موزوں تر ہے اس لئے کہ بعد کو انہیں حکم ہوتا ہے " ادخلوا الجنۃ " اور یہ خطاب عمل میں کوتاہی کرنے والے کے لائق نہیں۔ رِجَالًا بہت سے لوگوں کو ان سے کافروں کے بڑے بڑے لیڈر مراد ہیں جب کہ انہیں جہنیوں میں دیکھیں گے جہنیوں کے بڑے لیڈر یہ ہیں ابوجہل بن ہشام اور ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل وغیرہ وغیرہ یَعْرِفُوْنَ بِسِیْمٰهُمْ۔ انہیں ان کی علامات سے پہچانیں گے جو اس وقت ان کے برے حال پر دلالت کریں گی اور ان کی دنیا والی شان و شوکت سے بھی انہیں کچھ علامتیں محسوس ہوں گی، بسیمٰھُمْ کی با سببیہ ہے قَالُوْا اس کا نادٰی پر عطف ہے یعنی اعراف والے اپنے بلند مقامات پر کھڑے ہو کر جہنیوں کو زجر و توبیخ کے طور فرمائیں گے۔ مَآ اَغْنٰی عَنْکُمْ یہ ما استفہامیہ زجر و توبیخاً لایا گیا ہے یا نافیہ ہے اب معنی ہوگا تمہیں عذاب سے نہ بچایا۔ جَمْعُکُمْ تمہاری جمعیت اور تمہارے تابعداروں یا یاروں نے یا تمہارے مال جمع کرنے نے۔ وَمَا کُنْتُمْ تَسْتَکْبِرُوْنَ۔ یہ ما مصدریہ ہے یعنی نہ ہی تمہارے خلق خدا سے تکبر نے تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچایا۔

۴۹ اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا یَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ۔ یہ اصحاب اعراف کے قول کا تتمہ کافروں کے لیڈروں کو کہیں گے کہ یہ وہی ہیں جن کے متعلق تم قسمیں کھاتے تھے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت نہیں پہنچے گی اور یہ جملہ محلاً منصوب ہے۔ بوجہ قول متقدم کے اور یہ اشارہ غریب مسلمانوں کی طرف ہے کہ جنہیں دنیا میں کفار حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور بڑے زور و شور سے قسمیں کھاتے تھے کہ یہ لوگ غریب مسلمان بہشت میں ہرگز داخل نہیں ہوں گے اور " لَا یَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ " اقسمتم کا جواب ہے خلاصہ یہ کہ کافر دنیا میں قسمیں کھاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان غریب مسلمانوں کو ہرگز نہیں بخشے گا۔ ادخلوا الجنۃ

اصحاب اعراف غریب مسلمانوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمائیں گے بہشت میں داخل ہو جاؤ تاکہ کافروں کو ذلت و رسوائی ہو۔ غریب مسلمانوں میں سے حضرت بلال و صہیب و سلمان و جناب رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی تھے۔ **لاخوف علیکم** جب کفار خائف ہوں گے تو تم پر کوئی خوف نہ ہوگا۔ وَلَا انتم تحزنُونَ ہ اور نہ ہی تم غمگین ہو گے جب جہنمی غم میں مبتلا ہوں گے۔

مسئلہ: اس آیت میں خدام اور یاروں اور مددگاروں کی وجہ سے فخر و تکبر کی مذمت کی گئی ہے۔

۱، نہ منعم بمال از کسے بہتر است
خر ار جل اطلس بپوشد خر است

۲، بدیں عقل و ہمت نخوانیم کست
دگر میرود بصد غلام از پست

۳، تکبر کند مرد حشمت پرست
نداند کہ حشمت بحلم اندر است

۴، چو منعم کند سفلہ را روزگار
نہد بر دلِ تنگ درویش بار

۵، چو بام بلندش بود خود پرست
کند بول و خاشاک بر بام پست

ترجمہ ۱، دولتمند مال سے بہتر نہیں چالیس ریشمی کپڑے پہننے سے گدھا گدھا ہی رہے گا۔
۲، ایسے عقل و ہمت سے میں اسے کچھ نہیں سمجھتا اگرچہ اس کے پیچھے سو نوکر چلیں۔
۳، حشمت کا پجاری تکبر کرتا ہے اسے معلوم نہیں کہ حشمت تو حوصلہ میں ہے۔
۴، جب کمینے کو زمانہ دولتمند بناتا ہے تو کمینہ درویش کی پریشان دل پہ بوجھ ڈالتا ہے
۵، کسی خود پرست کی دیوار اونچی ہو تو نیچے والی دیواروں پر اپنے خس و خاشاک پھینکتا ہے۔

مسئلہ صوفیانہ حب مال اور تکبر نفس کے عادات سے ہے سالک پہ لازم ہے نفس کو ان عادات سے پاک کرے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت دعا مانگتے۔ اَللّٰھُمَّ حسن خلقی وخلقی۔ اے اللہ تعالیٰ میری سیرت و صورت کو حسین و جمیل بنا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم ہ سے آپ کی مدح فرمائی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ آپ ہمیشہ غریبوں و فقیروں کے ساتھ نشست و برخاست رکھتے اور ہمیشہ اُن کے ساتھ کھانا کھاتے اور آپ کی سیرت طیبہ تھی کہ چھوٹوں اور بالخصوص

marfat.ocm

چھوٹے بچوں سے گزرتے تو انہیں السلام علیکم سے نوازتے ۔ ایک دفعہ آپ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا تو آپ کی ہیبت سے کانپنے لگا ۔ آپ نے اسے فرمایا ڈرتے کیوں ہو میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں ۔ میں تو اس غریب قریشی عورت کا صاحبزادہ ہوں جو باسی[1] گوشت پر گزارہ کرتی تھیں آپ جب اپنے یاروں کے ساتھ بیٹھتے تھے تو نمایاں کیفیت سے نہیں بلکہ ایسے محسوس ہوتا کہ آپ بھی منجملہ انہیں سے ایک ہیں یہانتک کہ کوئی اجنبی دیکھتا تو اُسے آپ کے متعلق پوچھنا پڑتا ۔ آپ کو جو بھی بلاتا تو آپ فوراً لبیک فرماتے ۔ یعنی اس کا مقصد فوراً پورا کرتے یہ تمام امور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع پر مبنی ہیں ۔

علاماتِ سعادت حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سعادت کے علامات یہ ہیں ۔ (۱) اولیاء صالحین کی محبت (۲) ان کے قرب میں رہنے کا شوق ۔ (۳) تلاوتِ قرآن مجید (۴) شبِ بیداری (۵) علماء کرام کی صحبت (۶) رقتِ قلب ۔

تفسیرِ صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ بعض اوقات عوام اہل ایمان اور علماء ظاہرین اپنی کم ہمتی کی بناء پر اہلِ محبت ومعرفت اور اربابِ طلب سے کہتے ہیں کہ تمہیں وصول الی اللہ نصیب ہوگا ۔ نہ وصال کی منزلِ میسر آئے گی اور یہ بات پورے وثوق سے قسمیں کھا کر کہتے ہیں ۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اصحابِ اعراف سے فرمایا ہے کہ اس بہشت میں داخل ہو جاؤ جو خطائرِ قدس وعالم جبروت میں میری طرف منسوب ہے اس سے تمہیں نہ نکلنے کا خوف ہے اور نہ تمہیں جنت کی ان نعمتوں کا خطرہ ہوگا جو تمہارے سے فوت ہو چکی ہیں جب کہ تم ہمارے جمال کے شہود اور ہمارے وصال کے وجود میں تھے ۔

نکتہ کفار اہل اللہ کو یعنی اصحاب اعراف کو ظاہری طور اس وقت دیکھتے رہتے ہیں جب وہ کونین کے مقامات میں موجود رہتے ہیں ۔ جب وہ اہل اللہ اس حقیقت کی جنت میں داخل ہوتے ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب اور وہ عزت وعالم جبروت کے پردوں میں پوشیدہ ہے تو پھر وہ نہ صرف کفار سے بلکہ ملائکہ مقربین کی نظروں سے بھی اوجھل ہو جاتے ہیں ۔

حکایت :۔ منقول ہے کہ حضرت بابا جعفر ابہری حضرت بابا طاہر ہمدانی رحمہما اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان سے پوچھا ۔ اب تک کہاں رہے انہوں نے کہا گذشتہ شب میں خاصانِ خدا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوا لیکن میں نے وہاں آپ کو نہیں دیکھا حالانکہ آپ بھی خاصانِ خدا سے ہیں ۔ انہوں نے فرمایا تو نے سچ کہا اس لئے کہ تو خاصانِ خدا کے ساتھ دربار کے دروازہ پر تھا ۔ میں اخص الخواص کی جماعت کے

---

[1] باسی سے خشک ہے نہ کہ متعفن جیسے کہ بعض لوگ متعفن چیز کو بھی باسی کہہ دیا کرتے ہیں مگر یہاں یہ مراد نہیں ۔ اویسی غفرلہ

marfat.ocm

ساتھ دربارِ خداوندی میں حاضر تھا۔ اس وجہ سے تجھے نہیں دیکھ سکا۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ وہ اللہ والوں سے جدا نہ ہو اوران کے ساتھ اعتقاد میں کمی نہ کرے۔

حدیث شریف ہر شے کی کنجی ہے اور بہشت کی کنجی مساکین کی محبت ہے یعنی اللہ والوں سے محبت وعقیدت۔ یہ لوگ قیامت میں اللہ تعالیٰ کے ہمنشین ہوں گے ؎

حب درویشاں کلید جنت است
دشمن ایشاں سزائے لعنت است

ترجمہ: "درویشوں کی محبت بہشت کی کنجی ہے ان کا دشمن لعنت کے لائق ہے"

مثنوی شریف میں اللہ والوں کے ساتھ نیک اعتقاد رکھنے کے متعلق دیاکہ ؎

۱: گر گدایاں طامع اند و زشت خو
در شکم خواراں تو صاحب دل بجو

۲: در تگ دریا گہر با سنگہا ست
فخرہا اندر میاں ننگہا ست

ترجمہ ۱:

۲:

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں عرض کیا کرتے اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ" اے اللہ تعالیٰ مجھے مسکینوں میں زندہ رکھ اور مسکینوں میں موت دے اور قیامت میں مسکینوں کے زمرہ میں اٹھا۔

فائدہ: حقیقی مسکین وہ ہے کہ جس کے ہاں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کچھ نہ ہو۔ اہل اللہ واہل اعراف ایسے لوگوں کو کہا جاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ ۵ وَنَادٰٓی اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّۃِ۔ دارین کے استقرار کے بعد دوزخی بہشتیوں کو پکاریں گے اَنْ مفسرہ یا مخففہ ہے جیسے بارہا گذرا ہے۔ اَفِیْضُوْا عَلَیْنَا" ہمارے اوپر ڈالو مِنَ الْمَآءِ بہشت کے پانی سے تاکہ ہمارے اندر جو پیاس کی گرمی ہے بجھ جائے۔ اس کی وجہ ہے کہ جب ایک عرصہ تک دوزخ میں بھوکے پیاسے ہو کر گزاریں گے تو اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ الٰہ العلمین بہشت میں ہمارے رشتہ دار رہتے ہیں ہمیں اجازت بخشے کہ ہم انہیں دیکھ کر ان سے باتیں کریں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بہشتیوں کے دیکھنے اور ان سے ہم کلام

marfat.ocm

ہونے کی اجازت مرحمت ہوگی تو رشتہ داروں کو دیکھیں گے کہ وہ بہترین نعمتوں سے سرشار ہیں۔ دوزخی اپنے بہشتی رشتہ داروں کو پہچان لیں گے لیکن بہشتی دوزخیوں کو نہیں پہچان سکیں گے اس لئے کہ دوزخیوں کے چہرے کالے سیاہ ہو جائیں گے دوزخی پہلے اپنے رشتہ داروں کو اپنا تعارف کرائیں گے۔ پھر انہیں کہیں گے ہمیں تھوڑا سا بہشت کا پانی دیجئے۔

اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ میں پینے کی اشیاء کی قید لگائی ہے علاوہ ازیں دراصل لفظ افاضہ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ مما رزقکم اللہ میں پینے کی چیزیں مراد ہوں اس لئے کہ افاضہ کا حقیقی معنی ان چیزوں کے لئے ہوتا ہے جو سیلانی مادہ رکھتی ہوں اور انہیں پینے سے تعلق ہو یا پھر عام ہو تو اس سے کھانے کی چیزیں مراد ہو سکتی ہیں یعنی پینے اور کھانے کی چیزیں دو تاکہ ہم انہیں کھا پی کر اپنی بھوک اور پیاس بجھائیں۔ اس معنی پر افاضہ میں کثرت مطلوب ہوگی اس لئے کہ اضافہ کثرۃ الاعطاء کو بھی کہتے ہیں۔

فائدہ:۔ ابو حیان نے فرمایا کہ اَفِيْضُوْا القو کے معنی کو متضمن ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ندا دینے والے وہ ہیں جو دنیا میں پیٹ کے پجاری رہے اور رات دن صرف کھانے پینے سے واسطہ رکھتے تھے۔ اس لئے انہیں اسی عادت پر میدانِ حشر میں اٹھایا جائے گا تو حسبِ دستور اسی خبط میں ہوں گے اور وہی کہیں گے جو اوپر مذکور ہوا اور بہشتی حضرات چونکہ دنیا میں کھانے پینے سے دور رہ کر بھوک اور پیاس کے عادی ہو چکے تھے اور انہیں یہ کٹھن صرف جنۃ الفردوس کی دعوت کے لئے اٹھانی پڑی۔ اگر انہیں بہشت میں کچھ تھوڑی بہت کھانے پینے میں مصروفیت ہوگی تو صرف شہوات نفس اور اس کے حقوق کی ادائیگی کے لئے ورنہ وہاں کھانے پینے میں ہر وقت انہماک کیسا۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ ان کو کھانے پینے کی ہر حالت میں ضرورت محسوس ہوتی ہے خواہ کتنا ہی عذاب میں مبتلا ہو۔ حضرت ابو الجوزا فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ کونسا صدقہ افضل ہے آپ نے فرمایا پانی۔ پھر فرمایا دیکھئے اہلِ نار جب بہشتیوں سے صرف پانی مانگتے تھے اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ میری ماں فوت ہو گئی ہے اس کے لئے کونسا صدقہ افضل ہے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پانی چنانچہ اس حکم پر حضرت سعد نے ایک کنواں کھودا اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے هٰذَا لِاُمِّ سَعْدٍ یہ سعد

marfat.ocm

کی ملک کے لئے فرمایا۔

فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ حدیث شریف[1] سے ثابت ہوا کہ صدقہ سے اموات کو نفع پہنچتا ہے جیسا کہ اہلسنت کا مذہب ہے۔

نکتہ: پانی کی تخصیص اس لئے ہے کہ اہل عرب کو پانی کی زیادہ ضرورت رہتی ہے اس لئے اس میں ثواب بھی زیادہ ہے یا اس لئے کہ جہنم گرمی کا مرکز ہے اس کا دفعیہ اس کی ضد ہو گا اور وہ ٹھنڈک ہے اور ٹھنڈک پانی کا جز ہے اور قاعدہ ہے کہ ہر شے اپنی ضد کے بالمقابل واقع ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

تفسیر عالمانہ قَالُوْٓا

اہل جنت دوزخیوں کو کہیں گے۔

فائدہ: مروی ہے کہ دوزخیوں کی فریاد پر اہل بہشت کو حکم ہو گا کہ چالیس سال تک دوزخیوں کو کوئی جواب نہ دیں۔ چالیس سال گزرنے پر بہشتی دوزخیوں کو جواب دیتے ہوئے کہیں گے۔ اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَہُمَا عَلَی الْکٰفِرِیْنَ بے شک اللہ تعالیٰ نے کافروں پر بہشت کا طعام اور اس کی مشروبات حرام فرمائی ہیں اور یہ حرمت بھی قطعی ہے جیسے دنیا میں مکلف عاقل بالغ کو محرمات سے منع کیا گیا تھا اب ان چیزوں کا کھانا پینا سخت مشکل ہے۔

فائدہ: کافروں کو ایسا گرم پانی پلایا جائے گا کہ جس سے پیٹ اور چمڑے جل کر جسم سے علیحدہ ہو جائیں گے اور ان کا کھانا کانٹے دار اور زہریلے درخت سے مقرر ہو گا (پناہ بخدا)

۵۱ اَلَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَہُمْ وہ کافر کہ جنہوں نے دین کو ٹھٹھا مخول بنا رکھا تھا

تفسیر ۱: یہاں پر دین سے اسلام مراد ہے کہ اس پر انہیں چلنے کا حکم تھا لیکن انہوں نے بجائے اس کی حقانیت پر ایمان لانے کے اُلٹا اس کے ساتھ ٹھٹھا مخول کیا لَہْوًا وَّ لَعِبًا مذاق اور کھیل یعنی دین حق کو کھیل کا آلہ بنا رکھا تھا کہ اس سے گویا کھیلا کرتے تھے جسے چاہتے حلال کرتے مرضی آئی تو اس شے کو حرام کر دیتے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تابعداری کا نام تک نہ لیتے ان کا ہر معاملہ اتباع نفس سے تھا اور شیطان نے ان کے لئے اپھرا مچا رکھا تھا۔

تفسیر ۲: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس دین سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا دین مراد ہے لیکن کفار نے اسے بدل دیا اور اپنی مرضی کے مطابق احکام گھڑ لئے اور اپنی طبیعتوں کو ایسے غلط امور میں لگا رکھا تھا کہ جو اس لائق نہ تھے کہ ان سے طبیعت لگائی جائے اور ایسی چیزوں کی طلب میں رہتے تھے کہ جن کا طلب رنا

---

[1] دیوبندی وہابیوں کے لئے اس حدیث میں کتنا بڑا سبق ہے۔ ۱۲ اویسی غفرلہ

marfat.ocm

بجائے اچھائی کے برا تھا۔

- **فائدہ:** تفسیر فارسی میں لکھا ہے کہ دین سے مراد عید ہے وہ اس لئے کہ کفار کا طریقہ تھا کہ عید کے دن کعبہ معظمہ کے گرد جمع ہو کر بچوں کی طرح تالیاں بجا کر کھیل تماشے کرتے رہتے تھے۔

مسئلہ: ہتھیاروں سے کھیلنا۔ گھوڑے دوڑانا۔ اسی طرح مردوں کا دوڑنا ایسے ہی وہ افعال جو شرعاً مباح ہیں عید کے دن کھیل کے طور جائز ہیں۔ جیسے دورِ سابق میں عید کے دن دَف بجاتے لیکن اس میں گھنگرو نہیں ہوتے تھے۔

انتباہ: آج کل جو عیدوں اور ختنوں اور شادی بیاہ وغیرہ کے موقع پر ہمارے عوام مرد اور گھنگرو وغیرہ والے دف بجاتے ہیں یہ بالکل ناجائز ہیں شرعاً ان کی کسی طرح اجازت نہیں اس لئے کہ یہ لہو و لعب کے آلات ہیں۔

سوال: اہل شرع کا مقولہ مشہور ہے اِنَّ فِ دِیْنِنَا فُسْحَۃً" ہمارے دین میں تنگ ظرفی نہیں بلکہ وسعت ہے اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ ایسے مواقع پر ایسے آلات کا استعمال جائز ہو۔

جواب: وہ مقولہ ان امور میں ہے جو شرعاً مباح ہیں جن کے شرع کی ممانعت صراحۃً ہو اس میں وسعت کیسی مثلاً مزاح مباح ہے لیکن جس مزاح میں شرع کی مخالفت لازم آتی ہو وہ تو مزاح حرام ہے وَغَرَّتْہُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اور انہیں حیواۃ دنیا اور اس کی رنگینیوں اور ان کی اپنی لمبی آرزوؤں نے دھوکہ دیا ہے اس لئے وہ اہل اسلام سے استہزار کرتے تھے۔

- **فائدہ:** مروی ہے کہ ابوجہل نے استہزار کے طور ایک شخص کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا کہ جاکر انہیں سوال کرو کہ مجھے بہشت کا انگور یا کوئی اور میوہ کھلائیے۔ جب وہ شخص حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاں حاضر ہوا اور ابوجہل کا مقولہ دہرایا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہی آیت پڑھ دی۔ وَحَرَّمَہُمَا عَلَی الْکٰفِرِیْنَ۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ دنیا سے دھوکہ نہ کھا جائے اس لئے کہ دنیا غدارہ و مکارہ ہے۔ ؎

۱ در دیدہ اعتبار خوابیست
بر رہگذر اجل سرا بیست
۲ مشغول مشو بسرخ و زردش
اندیشہ مکن ز گرم و سردش

marfat.ocm

۳ سرمایۂ آفتست زنہار
خود را از فریب او نگہدار

ترجمہ ۱: دیدۂ عبرت میں خواب ہے اس راہ سے گزر جا یہ اجل سراب ہے
۲: اس کے سرخ و زرد میں مشغول نہ ہو اس کے گرم و سرد کا فکر بھی نہ کر
۳: اس کا سرمایہ آفت ہے خبردار خود کو اس کے فریب سے نگاہ رکھ۔

فَالْيَوْمَ قیامت کے دن (یہ فاء فصیحہ ہے) **نَنْسٰهُمْ** ہم انہیں بھلا دیں گے یعنی ان کے ساتھ وہی ہوگا جو بھولنے والا بھولے ہوئے شخص سے کرتا ہے یعنی قیامت میں ان کے ساتھ کسی قسم کی لطف و رعایت نہ ہوگی اور نہ ہی ان کا کوئی اعتبار ہوگا اور انہیں جس وقت سے جہنم میں ڈالا جائے گا پھر ان کی کسی قسم کی خبرگیری نہیں ہوگی۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ نسیان سے منزہ اور پاک ہے لیکن چونکہ کفار سے قیامت میں ایسا معاملہ کریگا جیسے نسیان والے سے سرزد ہوتا ہے بنا بریں اس تشبیہ سے اللہ تعالیٰ پر لفظ نسیان کا اطلاق ہوا ہے۔

كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ہم نے انہیں اسی طرح بھلا دیا جیسے انہوں نے ہمارے اس دن کی حاضری کو بھلایا۔ ان کے دل میں کبھی خیال تک نہ گزرتا تھا کہ انہوں نے ہمارے ہاں حاضر ہونا ہے اور نہ ہی اس دن کی حاضری کے لئے وہ مستعد تھے۔

سوال: اس معنی پر کفار کو نسیان سے موصوف کرنا ناموزوں ہے اس لئے کہ نسیان تو اس کیلئے بولا جاتا ہے جسے پہلے کسی شے کا علم ہو پھر کسی عارضہ سے اس کے ذہن سے وہ بات اتر جائے اور کفار تو سرے سے قیامت کی حاضری کے قائل ہی نہیں تھے۔

جواب: چونکہ بھولنے والا بھولنے کے بعد اس شے کا کچھ اعتبار نہیں کرتا۔ اس مناسبت سے کفار پر نسیان کا اطلاق ہوا کہ وہ بھی قیامت کی حاضری کا کچھ اعتبار نہیں کرتے گویا انہیں اس شخص سے تشبیہ دی گئی جو شے کو جاننے کے بعد بھول جائے ایسے استعارے قرآن پاک میں بہت ہیں اس لئے کہ عالم غیب کے معانی کا سمجھانا یوں آسان ہوتا ہے کہ انہیں عالم شہادت کے مماثل بنایا جائے **وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ** ۔ اس کا عطف ما نسوا پر ہے یعنی جیسے انہوں نے قیامت کی حاضری کو درخور اعتناء نہیں سمجھا۔ اس لئے وہ ہمارے آیات کا دائمی طور انکار کرتے ہیں۔ ممکن ہے ما مصدریہ اور کما کا کاف تعلیلیہ ہے اس لئے کہ **مَا نَسُوْا** میں کسی شے کے ساتھ تشبیہ واضح طور نہیں ہاں

marfat.ocm

اگر کچھ ہے تو باعتبار لازم کے یعنی ترک کے اعتبار سے۔ ۵۲ وَلَقَدْ جِئْنٰھُمْ بِکِتٰبٍ فَصَّلْنٰہُ اور ہم نے ان کے ہاں ایسی کتاب لائی جسے ہم نے اسے مفصل طور بیان کیا یعنی ہم نے اس کے معانی تفصیلی طور بیان کئے یعنی عقائد اور احکام و مواعظ مفصل طور کتاب میں مذکور ہوئے اور ہم کی ضمیر تمام کفار کی طرف راجع ہے اور کتاب سے جنس کتاب مراد ہے یا یہاں پر کفار سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصرین اور الکتاب سے قرآن مجید مراد ہے۔ عَلٰی عِلْمٍ یہ فَصَّلْنَا کے فاعل سے حال ہے یعنی درانحالیکہ ہم کتاب کی وجہ تفصیل کو جانتے ہیں کہ کتاب حکیم بن کر تشریف لائی اور یہ بھی ہے کہ یہ فَصَّلْنَا کی ضمیر مفعول سے حال ہے یعنی وہ کتاب بے شمار حکمتوں پر مشتمل ہے ھُدًی وَّرَحْمَۃً یہ فَصَّلْنٰہُ کی ضمیر سے حال ہے یعنی کتاب ہادی اور ذی رحمت ہے۔ لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۔ اس قوم کے لئے جو ایمان لاتے ہیں یعنی وہ تصدیق کرتے ہوئے یقین رکھتے ہیں کہ واقعی وہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے تشریف لائی ہے اور یہی لوگ کتاب اللہ کے آثار سے نفع پاتے اور اس کے انوار سے اقتباس کرتے ہیں۔

۵۳ ھَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِیْلَہٗ ط اور کفار صرف اپنے انجام کا انتظار کر رہے ہیں یعنی وہ چاہتے ہیں کہ وہ وعد وعید ظاہر ہو جائیں جن کے متعلق انہیں خبر دی جا رہی ہے یَوْمَ یَاْتِیْ تَاْوِیْلُہٗ اس دن کہ ان کا انجام ظاہر ہوگا یعنی جب ان کا وہ انجام آئے گا جس کے متعلق انہیں وعدہ دیا گیا ہے اس سے قیامت کا دن مراد ہے یعنی جب قیامت کے دن وہ اپنے انجام کو آنکھوں سے مشاہدہ کریں گے یقول الذین نسوہ من قبل جنہوں نے اس دن کو اس سے قبل بھلا رکھا تھا وہ کہیں گے یعنی اس دن کے آنے کو وہ لوگ مانتے تھے۔ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ج بے شک ہمارے رسل کرام حق لائے تھے یہ باء تعدیۃ یا ملابست کی ہے تو بالحق حال ہے اصل عبارت یوں ہے مُلْتَبِسِیْنَ بِہٖ یعنی انہیں اعتراف ہے کہ اخبار واحکام مثلاً بعثت حساب وجزاء انبیاء علیہم السلام لائے ہیں حق ہیں اس کے بعد کفار اپنی نجات کے لئے دو تمنائیں پیش کریں گے اور چاہیں گے کہ ان میں سے ایک تو پوری ہو جائے تاکہ قبر کے عذاب سے چھٹکارا نصیب ہو۔ پہلا ان کے لئے کوئی سفارشی ہمارا فکر کریں چنانچہ فرمایا فَہَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَیَشْفَعُوْا لَنَا ۔ کیا ہمارے کوئی سفارشی ہیں جو ہمارے لئے آج سفارش کریں اور ہمیں ایسے عذابِ سخت سے نجات دلائیں۔ دوسرا دنیا میں واپسی کی اجازت مل جائے تاکہ نیک عمل کریں چنانچہ فرمایا اَوْ نُرَدُّ یا ہمیں دنیا میں لوٹایا جائے فَنَعْمَلَ یہ دوسرے استفہام کی وجہ سے منصوب ہے پس عمل کریں۔ "غَیْرَ الَّذِیْ کُنَّا نَعْمَلُ" اس کے برعکس جو پہلے ہم دنیا میں عمل کرتے تھے یعنی اب ہم رسل کرام علیہم السلام کی تصدیق کریں گے اور اعمال صالحہ میں زندگی بسر کریں گے اس پر اللہ تعالیٰ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ہو گا۔ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ہیں آتا ہے

چونکہ بدکردم [illegible]
مہرہ برگشت [illegible] گذاشت

ترجمہ: [illegible]

فائدہ [illegible]

[illegible] تو مثنوی میں یہ حکایت ہے

قصہ آن آبگیرست ای عنود ۔ کہ درو سہ ماہی اشگرف بود
چند صیادی سوی آن آبگیر ۔ برگذشتند و بدیدند آن ضمیر
پس شتابیدند تا دام آورند ۔ ماہیان واقف شدند و ہوشمند
آنکہ عاقل بود عزم راہ کرد ۔ عزم راہ مشکل ناخواہ کرد
گفت با اینہا ندارم مشورت ۔ کہ یقین سستم کنند از مقدرت
مہر زاد و بود بر جانشان تند ۔ کاہلی و جہلشان بر من زنند
مشورت را زندہ باید نکو ۔ کہ ترا زندہ کند آن زندہ کو
نیست وقت مشورت ہین راہ کن ۔ چون علی تو آہ اندر چاہ کن
محرم آن آہ کمیابست بس ۔ شب رو و پنہان روی کن چون عسس
سوی دریا عزم کن زین آبگیر ۔ بحر جو و ترک این گرداب گیر
سینہ را پا ساخت میرفت آن حذور ۔ از مقام با خطر تا بحر نور

marfat.ocm

رنجہا بسیار دید و عافیت ✦ رفت آخر سوی امن و عافیت
خویشتن افگند در دریای ژرف ✦ کہ نیابد حد آں را ہیچ طرف
پس چو صیاداں بیاوردند دام ✦ نیم عاقل را ازاں شد تلخ کام
گفت آہ من فوت کردم فرصہ را ✦ چوں نگشتم ہمرہ آں رہنما
بر گذشتہ حسرت آوردن خطاست ✦ باز ناید رفتہ ہباست
لیک زاں نندیشم و بر خود زنم ✦ خویشتن را ایں زماں مردہ کنم
ہمچناں مردہ شکم بالا فگند ✦ آب می بردش نشیب و گہ بلند
ہر یکے زاں قاصداں بس غصہ برد ✦ گہ دریغا ماہی بہتر برُد
پس گرفتش یک صیاد ارجمند ✦ پس برو تف کرد و بر خاکش فگند
غلط غلطاں رفت پنہاں اندر آب ✦ ماند آں احمق ہمی کرد اضطراب
از چپ و از راست می جست آں سلیم ✦ تا کہ بجہد خویش برہاند گلیم
دام افگندند و اندر دام ماند ✦ احمقی او را دراں آتش نشاند
بر سر آتش بہ پشت تابہ ✦ با حماقت کرد او ہم خوابہ
او ہمی جوشید از تفِ سعیر ✦ عقل می گفتش الم یاتک نذیر
او ہمی گفت از شکنجہ وز بلا ✦ ہمچو جان کافراں قالوا بلیٰ
باز می گفتی کہ گر ایں بار من ✦ وا رہم زیں محنت گردن شکن
من نسازم جز بدریائی وطن ✦ آبگیری را نسازم من سکن
آب بیحد جویم و ایمن شوم ✦ تا ابد در امن و صحت می روم
آں ندامت از نتیجہ رنج بود ✦ نی ز عقل روشن چوں گنج بود
میکند او توبہ و پیر خرد ✦ بانگ لو ردوا لعادوا می زند

خلاصہ حکایت کسی پانی کھینچنے والے کے تین مچھلیاں ہاتھ لگ گئیں ان میں سے ایک بھاگ نکلنے کا مشورہ دیا لیکن کسی نے نہ سنی بالآخر وہ خود بھاگنے میں کام ہو گئی۔ دوسری نے بھی چند ساعات کے بعد بھاگنے کی تدبیر سوچی اور اس نے بھی کامیابی حاصل کر تیسری غفلت کا شکار ہوئی تو لوگوں نے کاٹ کر پکا کر کھا لی وہ اس دکھ درد کے وقت یہی کہ کاش میں ان کے کہنے پر چلتی جیسے کافر دوزخ میں دکھ درد اٹھائیں گے اور آرزو کریں گے۔

سبق: دانا وہ ہے جو اپنے حال کی سنبھال میں رہتا ہے اور نہ ہی لمبی چوڑی تمناؤں کا شکار ہوتا ہے

حکمت: امام غزالی قدس سرہ نے فرمایا جو کسان کھیتی کے کام میں محنت کرتا ہے تو وہ اناج کا ڈھیر جمع کر لیتا ہے تو اسے حق پہنچتا ہے کہ وہ کہے کہ مجھے اس سے ایک سو بوری گندم کی اُمید ہے اور اگر کوئی کھیتی کے کام میں سستی برتے اور کام کا ٹھیک وقت غفلت میں بِتا دیتا ہے تو اناج اٹھاتے وقت کہے کہ مجھے ایک سو بوری گندم حاصل ہوگی۔ یہ صرف زبانی جمع خرچ ہے اور کچھ نہیں۔ اسی طرح ہر وہ بندہ جو نیکی میں جد وجہد کرتا ہے اور برائی سے بچتا ہے تو اُسے کہنا مناسب ہے کہ وہ کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری نیکی قبول کرے اور میری غلطیاں معاف فرمائے اور ثواب عنایت فرمائے۔ یہ اُمید بھی موزوں ہے اور اسے کہنا لائق ہے لیکن ہر وہ بندہ جو غفلت میں غرق اور طاعات کے ترک کی عادت رکھتا اور ہر برائی کا ارتکاب کرتا اور خوفِ خدا اس کے دل سے اٹھ گیا ہو اور نہ ہی رضائے الٰہی مطلوب ہو اور اس کے وعدہ وعید کی پرواہ نہ کرے پھر بھی کہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی بہشت میں داخلے اور جہنم سے نجات کی اُمید ہے تو ایسا شخص نفس کا کھلونا ہے جیسے عوام بلکہ بعض بڑے خواص بھی اسی مرض میں مبتلا ہیں۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دانا وہ شخص ہے جو اپنے نفس کو راہِ حق میں لگائے اور موت کے بعد والی زندگی کے لئے عمل کرے اور فاجر وہ ہے جو نفس کے تابع ہو اور خواہشات نفسانیہ اس پر سوار ہوں پھر بھی اللہ تعالیٰ سے امیدیں وابستہ رکھے۔

فائدہ: غم تین ہیں (۱) نیکی قبول نہ ہو

(۲) گناہ معاف نہ ہوں

(۳) معرفت چھن جائے۔

حکایت حضرت یوسف بن اسباط رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں حضرت سفیان رضی اللہ عنہ کے ہاں حاضر ہوا تو ان کی حالت یہ تھی کہ رات بھر روتے رہے آپ نے فرمایا۔ میں نے کہا تو پھر آپ کیوں روتے ہیں۔ انہوں نے ایک تنکا اٹھایا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ تمام کو بخشنے میں اتنا بوجھ بھی نہیں۔ مجھے خطرہ ہے کہ کسی گناہ کی شامت سے میرے سے اسلام نہ چھن جائے۔

ف: تمام رسل اور ابدال و اولیاء علیٰ نبینا و علیہم السلام طاعت باوجود اتنی بہت بڑی جد وجہد کے اللہ تعالیٰ کے خوف سے ہر وقت پریشان رہتے ہیں پھر بھی ہمیں اپنے لئے سوچنا چاہیے کہ باوجود اتنے

باقی صد پر

marfat.ocm

إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ

بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے

اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا وَّ

پھر عرش پر استواء فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے رات دن کو ایک دوسرے سے ڈھانکتا ہے کہ جلد اس کے پیچھے لگا آتا

الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ

ہے اور سورج اور چاند اور تاروں کو بنایا سب اس کے حکم کے دبے ہوئے سن لو اسی کے ہاتھ ہے پیدا کرنا اور حکم دینا

رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٥٤ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝٥٥

بڑی برکت والا ہے اللہ رب سارے جہان کا اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑاتے اور آہستہ بیشک حد سے بڑھنے والے اسے پسند نہیں

وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا اِنَّ

اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ اس کے سنورنے کے بعد اور اس سے دعا کرو ڈرتے اور طمع کرتے بیشک

رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝٥٦ وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا

اللہ کی رحمت نیکوں سے قریب ہے اور وہی ہے کہ ہوائیں بھیجتا ہے اس کی رحمت

بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ حَتّٰى اِذَا اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ

کے آگے مژدہ سناتی یہاں تک کہ جب اٹھا لائیں بھاری بادل ہم نے اسے کسی مردہ شہر کی طرف چلایا پھر اس سے

فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى

پانی اتارا پھر اس سے طرح طرح کے پھل نکالے اسی طرح ہم مردوں کو نکالیں گے

لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝٥٧ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ وَالَّذِيْ

کہیں تم نصیحت مانو اور جو اچھی زمین ہے اس کا سبزہ اللہ کے حکم سے نکلتا ہے اور جو خراب ہے

خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ۝٥٨

اس میں نہیں نکلتا مگر تھوڑا بمشکل ہم یونہی طرح طرح سے آیتیں بیان کرتے ہیں ان کے لیے جو احسان مانیں

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ ⁵⁴ اِنَّ رَبَّکُمُ : یہ خطاب ان کفارِ مکہ کو ہے جنہوں نے بے شمار معبود بنا رکھے تھے یعنی بیشک تمہارا رب "اللہ" اللہ کریم ہے جو جمیع کمالات کا جامع ہے الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ جس نے آسمان اور زمین پیدا فرمائے کہ ان کی پہلی کوئی مثال بھی نہیں تھی فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ چھ دنوں یعنی چھ وقتوں میں اگرچہ وہ قدرت رکھتا ہے کہ صرف ایک دن میں تمام کائنات کو پیدا فرمائے لیکن چھ دنوں میں پیدا کرنے میں اپنے بندوں کو بتایا کہ دیر میں خیر ہوتی ہے۔ مثنوی شریف میں ہے۔

١۔ مکر شیطانست تعجیل و شتاب
خوئے رحمانست صبر و احتساب

٢۔ با تانی گشت موجود از خدا
تا بشش روز ایں زمیں و چرخہا

٣۔ ورنہ قادر بود کز کن فیکون
صد زمین و چرخ آوردی بروں

یشے گناہوں کا کبھی بھی خدا کا خوف اس کے تصور میں نہیں آتا۔

سوال : حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر نیک گمان رکھنا چاہیے ہم گنہگار ہیں لیکن اس کی رحمت کے امیدوار ہیں۔

جواب : ان حضرات کو اللہ تعالیٰ پر نیک گمانی کا علم نہیں تھا یا وہ اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت کو نہیں جانتے تھے ہم سے انہیں زیادہ علم تھا۔ لیکن وہ سمجھتے تھے کہ یہ بھی نفس کا دھوکہ اور ایک قسم کا شیطانی غرور ہے۔ اے اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی کتاب کا عامل اور اپنی بارگاہ کا واصل بنا۔ ان لوگوں میں ہمارا شمار نہ ہو جو تجھے بھلا کر نفس کے تابع ہو جاتے ہیں۔ (آمین ثم آمین الوفا الوفا)

marfat.ocm

۴ : این تانی از پے تعلیم تُست
صبر کن در کار دیر آئی دورست

ترجمہ ۱ : شیطانی تدبیر عجلت اور جلدی میں ہے رحمانی عادت صبر و حوصلہ میں ہے۔

۲ : دیر سے ہی کھیتی اللہ تعالیٰ سے آتی ہے دن اور زمین اور آسمان کی گرمی سے۔

۳ : ورنہ وہ قادر ہے کہ کُن سے سب کچھ کرسکتا ہے سو زمین سو آسمان بنا سکتا ہے۔

۴ : یہ صبر د تاخیر، تیری تعلیم کے لئے ہے صبر کر دیر میں خیر ہے۔

علماء فرماتے ہیں مندرجہ ذیل اُمور میں جلدی کرنا ضروری ہے۔

عجلت میں خیر

(۱) گناہوں سے توبہ
(۲) قرض کی ادائیگی
(۳) مہمان نوازی
(۴) بچی بالغہ کی شادی د نکاح و رخصتی، جلدی کرنا چاہیے
(۵) میت کا دفن
(۶) جنابت کے بعد کا غسل۔

نکتہ : اللہ تعالیٰ نے اپنی خالقیت و قادریت سے آسمانوں کو پیدا فرمایا اور اپنے کمال تدبر اور حکمت بالغہ کی بنا پر اُن کی تخلیق میں چھ روز لگائے۔

نکتہ : چھ قسم کی مخلوق کو چھ دنوں میں پیدا کرنے میں منقسم فرمایا۔ چھ قسم کی مخلوق سے مندرجہ ذیل اشیاء مراد ہیں۔ ۱ : ارواح مجرد

۲ : ملکوتیات : جیسے ملائکہ جنات شیاطین ملک السموات جیسے عقول نفوس مرکبہ

۳ : نفوس جیسے نفوس الکواکبؒ نفوس الانسان و نفوس الحیوان و نفس النبات والمعادن۔

۴ : اجرام یعنی بسائط علویہ کے اجسام لطیفہ۔ جیسے عرش کرسی سمٰوٰت۔ جنت۔ نار۔

۵ : اجسام مفردہ یعنی عناصر اربعہ۔

۶ : عناصر کے اجسام مرکبہ کثیفہ

سوال : ان امور کی تخلیق کو چھ ایام سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے حالانکہ اس وقت تو نہ دن تھے نہ راتیں

جواب : اس سے ایام متعینہ مراد نہیں بلکہ مطلق وقت مراد ہے کہ اگر اس وقت تمہارے یہ ایام ہوتے

تو انہی ایام کی مقدار پر تخلیق ہوئی۔ گویا یہ تفسیر الشئ بملازمہ کی وجہ سے ہے۔

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ تک عرش بمعنی تخت کہ جس پر بادشاہ بیٹھے اور ہر اس شئے کو بھی کہا جاتا ہے جو سر کے اوپر سایہ افگن ہو۔

سوال: مذکورہ بالا ہر دو معانی اللہ تعالیٰ کے لئے محال ہیں۔

جواب: یہاں لغوی معنی مراد نہیں بلکہ سلطنت ملک اور غلبہ مراد ہے اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے کے بعد جس طرح چاہا اپنے ملک پر تصرف فرمایا مثلاً افلاک کو حرکت اور ستاروں کو گردش اور ساعتوں اور دنوں کو باری باری بدلنے کی قوت بخشی اور حکمت کاملہ کے تحت جس طرح چاہا۔ اپنی مصنوعات کو تیار فرمایا۔

فائدہ: تقریر مذکورہ کی تائید قاضی بیضاوی کی تفسیر سے بھی ہوتی ہے انہوں نے لکھا کہ استوی علی العرش ای استقر امر ربوبیتہ یعنی اس کی ربوبیت کا امر مستقر اور اُن کے امر کا اجراء ہوا اور اس نے اپنی حکمت کاملہ کے تقاضا پر اپنے مصنوعات میں تدبیر فرمائی۔

سوال: اگر مذکورہ بالا مطلب ہے تو پھر لفظ عرش سے اس کی تعبیر کی کیا تخصیص ہے۔

جواب: عرش الٰہی چونکہ تمام مخلوق سے بڑا ہے بلکہ جمیع اجسام کو محیط ہے تو پھر جو ذات اس پر تصرف اور قبضہ رکھتی ہے تو گویا اس کا تمام مخلوق پر قبضہ رکھتی ہے تو گویا اس کا تمام مخلوق پر قبضہ ہے اس لئے کہ جنت و دوزخ اور آسمان و زمین بلکہ تمام عناصر وغیرہ عرش کے گھیرے میں ہیں۔ اس بنا پر لفظ عرش سے تعبیر کیا گیا ہے۔

فائدہ: تفسیر فارسی میں اس جملہ کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ ” پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے عرش کی تخلیق کا ارادہ فرمایا۔

(**ثُمَّ بمعنی واؤ**) صاوی صاحب نے فرمایا کہ یہاں پر ثم بمعنی واؤ علی طریق الجمع ہے یہاں پر ثم اپنے معنی تراخی میں نہیں اس لئے کہ عرش کی آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق سے برسوں پہلے ہو چکی تھی۔

حدیث شریف: مروی ہے کہ سب سے پہلے[1] اللہ تعالیٰ نے قلم پھر لوح پیدا فرما کر قلم کو قیامت تک ہونے والے تمام واقعات لکھنے کا حکم دیا اس کے بعد عرش اس کے بعد عرش کے حاملین ملائکہ اس کے بعد آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا۔ صاحب روح البیان نے فرمایا کہ میرے شیخ قدس سرہ نے فرمایا کہ یہاں

---

[1] اس سے اولیت اضافی مراد ہے تفصیل اس کی فقیر کے رسالہ ”الحبل المتین“ میں مطالعہ کریں ۱۲ (اویسی غفرلہ)

marfat.ocm

پر استویٰ لغوی معنیٰ میں مستقل نہیں ہو رہا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اس معنیٰ کا استعمال ناممکن ہے اور وہ ایسے معانی سے منزہ اور پاک ہے البتہ یہاں پر اس کا امر ایجادی اور تجلی احدی مراد لی جائے تو موزوں ہے جسے قرآن مجید نے حق سے تعبیر کیا ہے اور قاعدہ ہے کہ استواء امر ارادی ایجادی علی العرش شرعی استواء امر تکلیفی ارشادی کے قائم مقام ہوتا ہے۔ جیسے یہ دونوں امر برابر طور ایک دوسرے کے عکس ہیں اسی طرح عرش شرع بھی برابر طور ایک دوسرے کے عکس ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب جمیع کائنات مذکورہ کی تخلیق مکمل ہوئی تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے عرش پر تصرف کا ایسے ہی ارادہ فرمایا جیسے دوسری مخلوق کی تخلیق کے بعد تصرف کا ارادہ فرمایا اس وقت سے ہی عرش ماتحت اثریٰ تک تصرف کا اجراء ہوا۔

سوال :- اگر جملہ امور اور جمیع مخلوق میں تصرف مراد ہے تو پھر عرش کی تخصیص کیوں۔

جواب :- پہلے گزر چکا کہ عرش محیط بکل مخلوق ہے۔ علاوہ ازیں اجسام لطیفہ کا مبداء بھی یہی ہے یعنی وہ اجسام لطیفہ جو فیض رحمانی قبول کرنے کی استعداد رکھتے ہیں۔

مسئلہ : استواء بھی اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے لیکن اس استواء سے وہ مراد نہیں جو مخلوق کے استواء کے مشابہ ہو۔ جیسے علم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے لیکن وہ علم مخلوق کے علم سے کسی قسم سے مشابہت نہیں رکھتا اس لئے کہ (لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ) کی شان ہے۔

نکتہ : انسان اگر اپنی خلافت پر غور کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کیوں اپنی خلافت کا اہل بنایا ہے اس غور و خوض کے بعد اسے اپنے نفس کی معرفت حاصل ہوگی تو پھر اسے معرفت الٰہی نصیب ہو جائے گی

نکتہ عجیبہ اس کی توضیح یوں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی انسان کو پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے جب نطفہ ماں کے رحم میں قرار پکڑتا ہے تو اسے انسانی ڈھانچے میں تبدیل کرنے پر اس کی روح کو مقرر فرماتا ہے تاکہ وہ ایام حمل اپنی مرضی سے تصرف کرے چونکہ روح پہلے سے ہی عالم کبیر سے واقف ہوتی ہے اس لئے عالم کبیر کے مطابق اسے سمیع و بصیر بنا کر اس کے بدن کو زمین کی طرح اور اس کے سر کو آسمان کے مشابہ اور اس کا دل عرش الٰہی کی ساخت پہ اور اس کا سِر (راز و رموز کا مرکز) کرسی کے مطابق تیار کرتا ہے یاد رہے کہ روح کا یہ تصرف حق تعالیٰ کے حکم اور اس کی نیابت و خلافت کے تحت ہوتا ہے جب روح انسانی ڈھانچہ کی تکمیل سے فراغت پاتی ہے تو اس کے بعد عرش قلب کی طرف متوجہ ہوتی ہے روح کی تکمیل مذکور کے استوائے مکانی سے تعبیر کرتے ہیں اور روح کی صرف عرش قلب پر توجہ نہیں بلکہ انسانی ڈھانچہ

marfat.ocm

میں صرف قلب ہی فیضانِ حق کے حصول کی استعداد رکھتی ہے پھر اسی سے ہی جمیع مخلوق کو فیضِ الٰہی نصیب ہوتا ہے جیسے ابھی ہم نے عرض کیا ہے روح کے واسطے سے ہی قلب پر فیضِ حق پہنچتا ہے۔ پھر قلب کے ذریعے باقی اجزاءِ انسانی سرشار ہوتے ہیں ایسے ہی فیضانِ الٰہی کا مرکز قلبِ ولی ہے کہ جس کے واسطہ سے تمام مخلوق کو فیض پہنچتا ہے۔

انتباہ: ہماری مذکورہ بالا تقریر کو کسی بندہ نے غلط سمجھنے کی کوشش کی تو اُسے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس کا مفہوم بہتر طور سمجھ آجائے گا اور اسے مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ کا معنیٰ بھی یہاں سے متحقق ہو جائے گا۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

ربط: استوائے عرش میں اپنی قدرت کاملہ اور اپنے امور میں اجرائے احکام کے تصرف کو بیان فرما کر بطور استیناف فرمایا۔ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ دن کو رات سے پوشیدہ کرتا ہے یعنی رات کو دن کے لئے بمنزلہ ایک حجاب کے بنایا کہ وہ اور اس کی تاریکی پردوں کے طور دن کو چھپا لے۔[1]

سوال: اس کے برعکس کیوں نہیں بیان کیا گیا حالانکہ دن بھی تو اپنی روشنی سے رات کو چھپا دیتا ہے

جواب: قاعدہ ہے کہ ضدین میں سے ایک کا ذکر کیا جائے تو اس کی ضد (متقابل) خود بخود ذہن میں اُتر جاتا ہے پھر اس کی ضد کے ذکر کرنے کی ضرورت بھی نہیں رہتی۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ نفس کے صفات مذمومہ اور اس کی خواہشات قبیحہ کی تاریکیوں کا جب قلب کے انوار پر پرچھاؤں پڑ جاتی ہے تو سالک کا حال پھر ویسا ہوتا ہے جیسے رات کی تاریکی سے دن کی کیفیت ہوتی ہے۔ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا یہ الیل سے حال ہے یعنی رات کی تاریکی دن کی روشنی کا حجاب بنتی ہے تو اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ دن کو طلب کرتی ہے۔

فائدہ: چونکہ دن اور رات کے گزر جانے بعد ایک دوسرے کے آنا بلا فصل ہوتا ہے تو اسے یوں تعبیر کیا گیا ہے کہ گویا وہ ایک دوسرے کی طلب میں ہے وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ اس کا عطف السمٰوٰت پر ہے یعنی سورج اور چاند اور ستاروں کو پیدا فرمایا درانحالیکہ وہ تمام اللہ تعالیٰ کے حکم اور تصرف اور اس کی قضاء و قدر کے تابع ہیں یعنی ان کے طلوع و غروب کے لئے جیسے وہ چاہتا ہے

---

[1] رات بذاتِ خود پردہ ہے جیسے کہ ارشادِ باری ہے وَجَعَلْنَا الَّیْلَ لِبَاسًا۔ اور دوسرا اس کا پردہ ہونا تاریکی کی وجہ سے ہے پہلی بات تفصیل طلب ہے انشاء اللہ پھر عرض کیا جائیگا۔ یہاں اس کے بیان کی گنجائش نہیں ۱۲۔ اویسی

marfat.ocm

یہ ویسے ہی سر تسلیم خم کرتے ہیں ان کی حرکات مقدرہ اور ان کے احوال سب کے سب حکم الٰہی کے تحت ہیں اَلَا یہ تنبیہ کے لئے ہے بمعنی اعلموا یعنی خبردار کہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے یہ خبر ہے اور اس کی تقدیم تخصیص کے لئے ہے۔ اَلْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تخلیق اور جملہ امور تکوینیہ یعنی علی الاطلاق ہر شے کا موجد اور متصرف صرف وہی اللہ تعالیٰ ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جو شئے امر الٰہی کے واسطہ کے بغیر پیدا کی گئی اسے امر کہا جاتا ہے اور جو کسی واسطے سے پیدا ہوئی ہے وہ خلق ہے حضرت امام صاحب نے فرمایا کہ ماسوی اللہ کا نام عالم ہے اور وہ دو قسم ہے (۱) عالم الخلق (۲) عالم الامر۔ عالم الاجساد والجسمانیات کو عالم خلق اور عالم ارواح والمجردات کو عالم امر کہتے ہیں اس لئے کہ خلق بمعنی تقدیر ہے اور ہر وہ شے جو جسم یا جسمانی ہو وہ ایک مقدار معین سے مخصوص ہوتی ہے بنا بریں اسے عالم خلق سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جو شئے حجم اور مقدار سے مجرد ہو اسے عالم الارواح کہتے ہیں اور وہ مکنونات جو صرف امر کن سے پیدا ہوئی ہیں عالم امر میں داخل ہیں ان ہر ایک کو کسی مناسبت کے مناسب نام سے موسوم کیا جاتا ہے اسی لئے فرمایا کہ میرے شیخ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ عالم العین والکون والحدوث روح ہو یا جسم کو عالم خلق کہا جاتا ہے اور عالم العلم و الالٰہ والوجوب کو عالم امر کہتے ہیں۔ عالم خلق عالم امر کے تابع ہوتا ہے اس لئے کہ عالم امر عالم خلق کا اصل و مبدا ہے قال تعالیٰ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ اور فرمایا ” وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ۔

تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اللہ رب العالمین کی ذات بڑی برکت والی ہے اور وہ اپنی الوہیت میں وحدانیت کے ساتھ بلند اور ارفع شان کا مالک ہے اور ربوبیت میں تفرد کے ساتھ عظیم البرکت ہے۔ اس آیت میں ان کافروں کا رد فرمایا ہے جنہوں نے اپنے لئے بے شمار معبود بنا رکھے تھے بہت بڑی حکمت اور نہایت مضبوط حجت سے انہیں توحید کی دعوت دی ہے۔

نکتہ: آیت کو لفظ اِنَّ تحقیقیہ سے شروع کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ کفار سرے سے ذات حق کی ربوبیت کے منکر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں اِنَّ رَبَّكُمُ الخ فرمایا کہ محکم ربانی ہے اور اس کی یہ صفت اس کے کمال علم وحکمت و قدرت پر دلالت کرتی ہے اور وہ ایسا حکیم ہے کہ جس نے تمام مشاہدات کو پیدا کر کے ایک بہت بڑے بادشاہ کی حیثیت سے اپنی مملکت میں بہتر سے بہتر تدبیر فرمائی۔

حکایت: مروی ہے کہ صاحب بن عباد (ادیب) کو ” الرقیم “ تبارک۔ المتاع کے معانی میں تردد تھا۔ بہت بڑے قبائل عرب کے بڑے ادیبوں سے ملے لیکن تسلی و تشفی نہ ہوئی۔ ایک دن ایک بدوی عورت سے اچانک سنا کہ وہ اپنے چھوٹے بچے سے پوچھ رہی تھی کہ ” این المتاع “ چھوٹے بچے نے

marfat.ocm

جواب میں کہا فجاء الرقیم واعذ المتاع وتبارک الجبال۔ یعنی کتا آیا اور وہ متاع لے کر پہاڑ پر چڑھ گیا ہے۔ اس عبارت کا مفہوم ان کے اس قدر خوش ہونے سمجھنا چاہا تو اس عورت نے کہا الرقیم بمعنی الکلب یعنی کتا اور المتاع بمعنی زنبیل یا [illegible] یعنی متاع جو پانی سے تر کرکے پیالہ کو صاف کیا جاتا ہے اور تبارک بمعنی صعد [illegible] یعنی پہاڑ پر چڑھ گیا۔

حدیث شریف جو شخص کسی مصلحت کی توفیق پر اللہ تعالیٰ کی حمد نہیں کرتا بلکہ اپنے نفس کی بہت بڑائی تعریف کرتا ہے تو وہ کافر ہے اور اس کا وہ عمل ضائع ہو جاتا ہے اسی طرح جس کا یہ خیال ہو کہ میرے ذاتی اثر کے لئے کسی شے کو سبب بنایا تو سمجھو کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے انبیاء علیہم السلام سے کفر کیا۔ شاعر کہتا ہے ؎

وان اللہ فعل الامر فی خلقہ معا
ولیس الی المخلوق شئ من الامر

ترجمہ: یعنی مخلوق کے جمیع امور حضرت اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں اور ذاتی طور مخلوق کے کسی فرد کو کوئی اختیار نہیں۔

اُدْعُوْا رَبَّکُمْ اپنے رب کریم کو پکارو یہاں پر رب بمعنی مربی از تربیت ہے یعنی کسی شے کو بتدریج کمال پہنچانا۔ اللہ تعالیٰ ظواہر یعنی نفوس کی نعمت سے اور بواطن یعنی قلوب کی رحمت سے تربیت کرتا ہے عابدین کے نفوس کی احکام شریعت سے اور مشتاقین کے قلوب کو آداب طریقت سے اور اسرار محبین کو انوار حقیقت سے تربیت کرتا ہے۔

اسم اعظم کی تحقیق رب تعالیٰ کا نام ہے اور اسم اعظم لفظ رب ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے جس اسم کو الٹا کرو گے تو معنی باطل ہو جاتا ہے بخلاف لفظ رب کے کہ اسے الٹاؤ تو معنی باطل نہیں ہوتا۔ کیونکہ رب کا عکس بر ہے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔

حدیث خضری خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ اسم اعظم لفظ رب ہے اس لئے کہ ہر نبی و ولی بلکہ اعدائے اسلام بھی اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگتے ہیں تو لفظ رب سے ابتداء کرکے چنانچہ ملاحظہ ہو۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا الآیۃ اسی طرح باقی آیات اور صحابہ کرام کو دعا مانگنے کا طریقہ بتایا گیا۔ ربنا ما خلقت ھذا الآیہ اور اعدائے اسلام کے کلمات بھی یونہی ہیں۔ شیطان نے کہا رَبِّ اَنْظِرْنِیْ الآیۃ اور قیامت میں کفار کہیں گے۔ ربنا ابصرنا وسمعنا فارجعنا۔

تَضَرُّعًا وَّخُفْیَۃً بمعنی زاری کرنا (کذا فی تاج المصادر) اس کا مادہ ضرع یضرع ضراعۃ

marfat.ocm

ا باب فتح ہے بمعنی خشوع و ذلّ اور یہ دونوں اُدعُوا کے فاعل سے حال ہیں۔ یعنی متضرعین متذللین و مخفین بالدعا۔ یعنی اپنے رب کریم کو پکارو درانحالیکہ عجز انکسار کرنے والے اور دعا کو چھپانے والے ہو تاکہ اقرب الی الاجابۃ ہو۔ اس لئے اخفاء اخلاص اور احتراز عن الریاء کی دلیل ہے۔

حدیث شریف مروی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کسی جنگ کے موقع پر ایک وادی کو جھانک کر بلند آواز سے تکبیر و تہلیل کہنے لگے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سُن کر فرمایا آہستہ آہستہ تکبیر و تہلیل کہو۔ اس لئے کہ تم جسے پکار رہے ہو وہ نہ تو بہرا ہے اور نہ تم سے دُور ہے بلکہ وہ ہر وقت تمہارے ساتھ ہے (اور وہ تمہاری ہر بات سنتا اور جانتا ہے اس کا علم ہر شے کو محیط ہے۔ بنا بریں یہی عقیدہ ہو کہ ہر وقت ہر ایک کے ساتھ ہے۔

مسئلہ: حدیث شریف میں ہے کہ اللہ کا آہستہ ذکر کرنا مستحب ہے۔

مسئلہ: شرح کشاف میں ہے کہ یہ ہر ایک کے لئے نہیں بلکہ بعض کے لئے تو ذکر بالجہر مستحب ہوتا ہے۔ جیسے مبتدی سالک کو مرشد کامل ذکر بالجہر کا حکم دیتا ہے تاکہ اس کے دل پر جتنا شیطانی حرکات ہیں دور ہو جائیں۔ (کذافی شرح مشارق الانوار لابن الملک)

فائدہ: حسین کاشفی رسالہ عالیہ میں لکھتے ہیں کہ بعض اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے ہیں کہ جنہیں نفس کی شرارتوں کا علم ہوا تو ذکر بالجہر کرنا مناسب سمجھ کر ذکر خفی کو ترجیح دی تاکہ ریاء سے بچ جائیں اور اپنی دلیل وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً کو سمجھا اور ان میں بعض اللہ والے ایسے بھی ہیں جن کے دل اخلاص سے پُر ہیں اور ریاء سے کوسوں دُور بنا بریں انہوں نے ذکر بالجہر پر زور دیا یہ ہر دو گروہ پاکباز ہیں ہم کو ہر ایک سے خوش عقیدہ رکھنا ضروری ہے۔ علاوہ ازیں ان کے ہاں قرآن و حدیث کے دلائل موجود ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے۔

گفت ادعوا اللہ بی زاری مباش
تا بیاید فیضہائے دوست فاش

تا سقاہم ربہم آید خطاب
تشنہ باش واللہ اعلم بالصواب

ترجمہ ۱، فرمایا ادعوا اللہ (اللہ کو پکارو) زاری کے بغیر نہ ہو تاکہ دوست کے فیوض کھول کر آئیں۔
۲، تاکہ سقاہم کا خطاب آئے۔ پیاسہ ہو (پھر خطاب آئے گا)، واللہ اعلم بالصواب۔

marfat.ocm

دُعا کے آداب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور تاجدار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا کیلئے ہاتھ اٹھاتے تو اختتام پر اپنے چہرے مبارک پر دونوں ہاتھ پھیرتے تھے تاکہ وہ رحمت الٰہی جو دعا کے وقت ہاتھوں پر نازل ہوئی اس کے برکات چہرہ کو بھی نصیب ہوں۔ کما قال سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۔ علاوہ ازیں ہاتھوں کو چہرے پر ملنے میں حقیقت حقیقۃ جامع کی طرف رجوع ہے اس لئے کہ چہرہ کی ذات ہے چنانچہ اسرارِ قدریہ میں لکھا ہے کہ انسان دعا کے وقت ظاہراً و باطناً ہر طرح اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ دعا میں حضور قلب کی شرط میں بھی یہی راز ہے۔

نکتہ : دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر چہرے پر ملنے میں ایک نکتہ اور بھی ہے وہ یہ کہ بندے کا ایک ہاتھ ظاہراً اس کے حال ظاہری کا ترجمان ہے اور دوسرا اس کے باطنی حال کا اور زبان ہر دونوں کی مترجم ہے۔

نکتہ : ہاتھوں کو چہرے پر پھیرنا تبرک کی دلیل ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ اس طرح سے بندہ حقیقت جامعہ بین الروح والجسد کی طرف رجوع کرتا ہے اس لئے کہ ہر شے کا چہرہ اس کی حقیقت کہلاتی ہے اور یہی ظاہری چہرہ اس حقیقت کا مظہر ہے۔

مسئلہ : دعا مانگنے والے کیلئے سنت یہ ہے کہ دعا کے وقت ہاتھوں کو آسمان کی طرف خوب پھیلائے

مسئلہ : دعا کے وقت ہاتھوں کو گریبان سے باہر پورے طور کھلا رکھنا سنت ہے۔

حکایت : سیدنا بایزید بسطامی قدس سرہ (سلطان العارفین) نے فرمایا کہ ایک روز میں نے دعا مانگی تو ایک ہاتھ تو کھلا رکھا لیکن دوسرا سردی کی وجہ سے گریبان سے باہر نہ نکال سکا اسی رات نیند میں دیکھا کہ میرا ایک ہاتھ نور سے بھرپور لیکن دوسرا بالکل خالی۔ میں نے عرض کی یا الٰہ العالمین اس میں کیا راز ہے جواب ملا کہ جسے تم نے ہمارے سامنے خالی پھیلایا اُسے ہم نے نور سے بھر دیا اور جسے تم نے چھپائے رکھا وہ خالی رہ گیا۔

نکتہ : ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھا کر اپنے ہاتھوں کو دیکھتے رہنا ایسے ہے جیسے ایک سائل شاہی خزانہ کو دیکھ کر اشارہ کرتا ہو کہ اے بادشاہ اپنے خزانہ سے میرے ان خالی ہاتھوں میں کچھ ڈال دے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ۔

مسئلہ : آسمان دعا کا قبلہ ہے اور نزول برکات کا مرکز۔

مسئلہ : افضل یہی ہے کہ دعا مانگتے وقت ہاتھ کھلے رکھ کر دونوں ہاتھوں کے درمیان میں تھوڑا فاصلہ چھوڑنا چاہیے۔ ہاں اگر مجبوری ہو یا سخت سردی ہو تو شہادت کی انگلی سے اشارہ ضرور کرے تاکہ وہ اشارہ دونوں ہاتھ کھلے رکھنے کے قائم مقام ہو جائے۔

marfat.ocm

مسئلہ: مستحب ہے کہ دعا کے وقت ہاتھ دونوں سینوں کے بالمقابل ہوں اس لئے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا طریقہ یونہی نقل فرمایا ہے۔

اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ بے شک اللہ تعالیٰ تجاوز کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو دعا اور دیگر مامور بہا امور میں تجاوز کرتے ہیں۔ اس میں تنبیہ ہے کہ دعا میں ایسے موضوعات پیش نہ کرے جو مانگنے کے لائق نہیں مثلاً انبیاء کا مرتبہ مانگنا یا آسمان پر چڑھنا بعض کہتے ہیں اس سے دعا میں پہنچا چلانا مراد ہے۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں عنقریب ایسے لوگ پیدا ہونے والے ہیں جو دعا مانگنے میں تجاوز کریں گے دعا میں اتنا الفاظ کافی ہیں اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْجَنَّةَ وَمَا قَرَّبَ اِلَیْهَا مِنْ قَوْلٍ وَّعَمَلٍ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ النَّارِ وَمَاتَبِ اِلَیْهَا سے قول وعمل اے اللہ میں تجھ سے بہشت اور قول وعمل کا سوال کرتا ہوں جو اس کے قریب کرے اور میں جہنم اور اس قول وعمل سے پناہ مانگتا ہوں جو اس کے قریب کرے یہ فرما کر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھ کر "انہ لا یحب المعتدین" دعا میں اہم بالشان امور کا سوال کرنا چاہیے مثلاً بہشت کا داخلہ اور جہنم سے نجات کا سوال کرنا جیسا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی سے فرمایا جب کہ اس نے کہا "میں اللہ تعالیٰ سے بہشت کا سوال کرتا ہوں اور اس کے فضل وکرم سے جہنم سے پناہ مانگتا ہوں۔ اے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ آپ کے دندنہ کو جانتا ہوں اور نہ معاذ کے دندنہ کو۔" آپ نے ایسے فرمایا "حولہا ندندن" اس کلام سے اعرابی کا مقصد یہ تھا کہ میں لمبی چوڑی دعائیں نہیں جانتا میں تو صرف اتنا کہتا رہتا ہوں "اللہم انی اسئلک الجنۃ الخ" آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ہمارا مقصد بھی وہی ہے جو تو کہہ رہا ہے لیکن لمبے چوڑے الفاظ سے ہم اجر عظیم کی امید رکھتے ہیں ۵۶ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ اور کفر وگناہ کا ارتکاب کرتے زمین پر فساد مت پھیلاؤ۔ انبیاء علیہم السلام کے تشریف لانے اور اجرائے احکام سے زمین کی اصلاح کے بعد

فائدہ: [illegible] نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر بے فرمانیاں مت کرو تاکہ تمہارے گناہوں کی نحوست سے بارش بند نہ ہو جائے جس سے سرسبز کھیتیاں تباہ وبرباد ہو جائیں۔

وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا خوف اور طمع ہر دونوں مصدر حال واقع ہوئے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ

marfat.ocm

کو پکارو در انحالیکہ تمہارے دل میں یہ خوف ہو کہ کہیں ہمارے کوتاہیوں سے ہمارے اعمال رد نہ کئے جائیں اور تمہیں یہ طمع ہو کہ وہ اپنے فضل و کرم سے ہماری دعائیں قبول فرمائے۔

إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت نیک لوگوں کے قریب ہے۔

سوال: قریب رحمت کا مسند ہے اور ان میں مطابقت ضروری ہے لیکن یہاں مطابقت نہیں۔

جواب: رحمت بمعنی احسان ہے مذکر ہے اس لئے کہ یہ بمعنی رحم آیا ہے کما قال تعالیٰ واقرب رحما۔

فائدہ: امام کسائی نے کہا کہ إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ الخ "وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا" کی طرح ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حصول کی ایسی امید رکھنی چاہیے۔

خلاصۃ التفسیر: اللہ تعالیٰ کی رحمت ان لوگوں کے قریب ہے جن کی زبان ذکر سے ذاکر و شاکر اور جن کا دل حاضر و ناظر ہو اور رحمت حق کے لطف سے بھرپور اور اپنے لئے رحمت ایزدی کے حصول کیلئے پُر امید ہو۔ یہ دعا کی قبولیت کا بہترین وسیلہ ہے۔ اور احسان (بِأَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ) کا راز بھی اس میں مضمر ہے۔

حدیث شریف: اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے وقت یقین ہو کہ میری یہ دعا ضرور قبول ہو جائیگی اور وہ کریم میری دعا ضرور مستجاب فرمائے گا اس لئے کہ دعا کا رد کرنا یا تو عاجزی سے ہوتا ہے یا جس سے سوال ہوتا ہے وہ مروت اور کرم سے یکسر خالی ہو یا یہ کہ سرے سے اسے مانگنے والے کا علم ہی نہ ہو اور یہ تمام امور اللہ تعالیٰ سے نہیں ہو سکتے اس لئے کہ وہ علیم کریم اور قادر قدیر ہے اس لئے دعا قبول کرنے سے کوئی مانع بھی نہیں ہو سکتا۔

اعجوبہ: حضرت سہل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب بندہ اپنے سوال کے وقت اللہ تعالیٰ کے ہاں عجز و انکسار کا اظہار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ اگر میرے بندے کو میرے کام کے بوجھ اٹھانے کی طاقت ہوتی تو میں اس کے معروضات پر فوراً لبیک کہتا۔

حکایت: حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک شخص سے گزرے جو بہت بڑے عجز و انکسار سے دعا مانگ رہا تھا موسیٰ علیہ السلام نے دل میں کہا کہ اگر میرے بس میں ہوتا تو میں اس کی آرزو پوری کرتا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ میں آپ سے زیادہ رحیم تر ہوں لیکن اس کی حالت تو دیکھیے کہ وہ مجھ سے مانگ رہا ہے اور دل بکریوں سے لگائے ہوئے ہے پھر میں اس بندے کی دعا کیسے قبول کروں کہ سوال تو میرے سامنے کرے لیکن دل میرے غیر سے وابستہ رکھے۔ یہی بات موسیٰ علیہ السلام نے اس بندے

marfat.ocm

کو سنائی۔ پھر وہ بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف پورے طور متوجہ ہوا۔ جس سے اس کی آرزو پوری ہو گئی۔

سبق :۔ دُعا میں حضور قلب اور اللہ تعالیٰ سے نیک گمان رکھنا ضروری ہے تاکہ دُعا جلد قبول ہو۔

حکایت : ایک بے وقوف حج کے وقت الوداعی طواف کر رہا تھا کسی نے اس سے مزاحاً پوچھا کہ تم نے حج پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے جہنم سے اپنی برأت کا پرچہ لیا ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ پھر بے وقوف نے مزاح کرنے والے سے پوچھا کیا دوسروں کو برأت کا پرچہ ملا ہے اس نے کہا سب کو مل گیا ہے صرف تجھے ہی نہیں ملا۔ وہ بیوقوف یہ سن کر رونے لگا اور حجرِ اسود کی طرف جا کر کعبہ معظمہ کے پردوں سے چمٹ کر زار و قطار روتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اپنی برأت کا پرچہ مانگتا تھا۔ اسے تمام دوستوں نے سمجھایا کہ تم سے مذاق کیا گیا ہے اتنی پریشانی کیوں لیکن وہ کسی کی نہیں مانتا تھا اور بدستور اسی طرح کعبہ معظمہ کے غلاف کو پکڑ کر روتا رہا کہ اچانک کعبہ معظمہ کے میزاب کی طرف سے اس پر ایک پرچہ گرا۔ جس پر لکھا ہوا تھا کہ ہم نے تجھے جہنم سے آزاد کیا۔ وہ دیکھ بہت خوش ہو کر لوگوں کو دکھاتا پھرتا تھا۔ اس پرچہ کی عجیب شان تھی کہ وہ ہر طرف سے برابر پڑھا جاتا تھا۔ جدھر دیکھا جاتا ایک ہی عبارت ہوتی جس کی عبارت میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں تھا۔ اگر اسے دیکھا جاتا تو بھی مطلب مطابق ہوتا۔ اس سے لوگوں کو یقین ہوا کہ واقعی یہ پرچہ اسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے نصیب ہوا ہے۔

فائدہ : منقول ہے کہ عوام کی دُعا اقوال سے اور زہاد کی افعال سے اور عارفین کی احوال سے ہوتی ہے جس کے لئے اجابت کا ارادہ فرماتا ہے تو اُسے ایسے الفاظ کی توفیق بخشتا ہے کہ جس کے بولنے سے اس کی دُعا فوراً قبول ہو جائے۔

مسئلہ : دکھ اور درد کے وقت دعا نہ مانگنا مذموم ہے یہ اہل طریقت کا مذہب ہے اس لئے کہ اس وقت دُعا نہ مانگنا گویا اللہ تعالیٰ سے مقابلہ کرنا ہے اور ظاہر کرنا ہے کہ اسے مشقت اور تکالیف کی برداشت کی طاقت ہے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے جیسا کہ شیخ محقق ابن الفارض قدس سرہٗ نے فرمایا۔ ؎

ویحسن اظہار التجلد للعدیٰ
ویقبح غیر العجز عند الاحبۃ

ترجمہ :۔ دشمنوں کو ہمت مردانہ کا اظہار ضروری ہے لیکن دوستوں کو عجز و انکساری ظاہر کرنا لازم ہے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

؎ فقیر و خستہ بدرگاہت آدم رحمے
کہ جز دعائے توام نیست ہیچ دستاویز

ترجمہ: فقیر و غمستہ تیری درگاہ میں آیا ہوں اور رحم کی درخواست ہے میرے پاس دعا کے سوا کوئی دستاویز نہیں۔ شیخ الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ کی مناجات عجیب ہے کہا کہ اے اللہ العالمین اگر تیرے وفادار تجھ سے رحمت کے امیدوار ہیں تو ہم جیسے جفاکار بھی تیری رحمت کی امید سے پیچھے نہیں۔ انہیں بھی تیری پناہ کی بیحد ضرورت ہے

تفسیر صوفیانہ

تضرعاً ہر وقت عجز و انکساری جس سے مخلوق کو خبر ہو اور خفیہ ہر دو آہ و زاری جسے صرف حق تعالیٰ جانے یا یوں کہو کہ تضرع کا اعضاء سے تعلق ہے اور خفیہ قلب سے متعلق ہے اور دعا میں [illegible] یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے خیر کی طلب کی جائے اور ماسوا کی رضا طلب مقصود ہو

وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ میں صوفیاء کہتے ہیں کہ الارض سے ارض القلوب مراد ہے بعد اصلاحِہا کی ضمیر کا مرجع ارض القلوب ہے یعنی جب اللہ تعالیٰ اپنے اور قلوب کے درمیان وسائط اٹھالے تو پھر تم اس میں فساد نہ ڈالو یا یوں کہ قلوب سے غیر حق کو نہ دیکھو اور قلوب کی اصلاح یہی ہے کہ وہ صرف حق کو دیکھیں اور بس۔ بعض صوفیاء کرام کہتے ہیں کہ "بعد اصلاحہا" کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ قلوب کو غیر سے صاف فرمادے، تو پھر ان کو مختلف آرزوؤں اور تمناؤں میں نہ پھنساؤ جبکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے قلوب متابعت نفس سے بچالیا تو پھر تم انہیں اتباع نفس میں ڈال کر کیوں خراب کرسکتے ہو۔

مسئلہ: حظوظِ نفس، کی طرف رجوع کرنا بھی فسادِ قلوب میں سے ہے یعنی جب کہ قلوب حقوق الٰہیہ کے قیام میں سرگرم ہوں تو پھر انہیں حظوظ نفس کی طرف جھکنے نہ دو۔ "وادعوہ خوفاً" یعنی انقطاع عن الحق کے خوف سے بچنے کی دعا مانگو۔ وَطَمَعاً اور رحمتِ الٰہی کے حصول کے طمع میں رہو یہاں پر رحمت سے مراد یہی آرزوؤں و تمناؤں کو شامل ہے۔ "قریب من المحسنین" محسنین سے یہاں وہ لوگ مراد ہیں جو طاعات کے وقت تجلیاتِ حق کا مشاہدہ کرتا ہے یعنی اس طرح پر طاعات کرتے ہیں کہ انہیں طاعات میں ذاتِ حق کے جلوے نصیب ہوتے ہیں۔ اس ارادہ پر نہیں کہ وہ یہ سمجھیں کہ طاعت کریں گے تو جلوہ ہائے حق نصیب ہوں گے۔ اس لئے کہ یہ تو سودا بازی ہے اور طاعات میں سودا بازی کیسی۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ

وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جو ہواؤں کو چھوڑتا ہے

قاعدہ ۱: قرآن پاک میں لفظ الریاح ہر جگہ رحمت کے لئے مستعمل ہوا ہے اور الریح عذاب کے لئے اس قاعدہ کی تائید حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے۔

حدیث شریف مروی ہے کہ جب ہوا چلتی تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو گھٹنوں کے بل پڑے اور سر مبارک کو سجدے میں رکھا ہوا دیکھا جاتا اور آپ کو پڑھتے سُنا جاتا۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا لَنَا رِیَاحًا وَّلَا تَجْعَلْھَا رِیْحًا اے اللہ تعالیٰ آنے والی ہوا کو ہمارے لئے ریاح اور رحمت بنا اور اسے ہمارے لئے ریح (عذاب) نہ بنا۔ لَاتَقْتُلْنَا بِغَضَبِکَ وَلَا تُھْلِکْنَا بِعَذَابِکَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِکَ۔ اور ہمیں اپنے غضب میں مبتلا کرکے نہ مارنا اور نہ ہی اپنے عذاب سے تباہ و برباد کرنا بلکہ غضب و عذاب سے پہلے ہی ہمیں عافیت سے ہمکنار فرمانا۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "الریح" (ہوا) کو گالی مت دو۔ بلکہ جب ہوا کا ہیبتناک منظر دیکھو تو یوں عرض کرو۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ مِنْ خَیْرِ ھٰذِہِ الرِّیْحِ وَخَیْرِ مَا فِیْھَا وَخَیْرِ مَا اُمِرَتْ بِہٖ وَنَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ ھٰذِہِ الرِّیْحِ وَشَرِّ مَا فِیْھَا وَشَرِّ مَا اُمِرَتْ بِہٖ

اے اللہ تعالیٰ ہم تجھ سے اس ہوا کی بھلائی مانگتے ہیں اور ہمارا اس کی اس بھلائی کا سوال ہے جو تو نے اس کے اندر امانت رکھی ہے اور اس کا تو نے اسے حکم فرمایا ہے اور ہم تیری پناہ مانگتے ہیں اس ہوا کے شر سے اور اس کے اس شر سے جو تو نے اس کے اندر رکھا ہے اور جس کا تو نے اسے حکم فرمایا ہے۔

مسئلہ: دریا میں کشتی پر سوار ہو کر ہوا کے رُخ صحیح یا غلط پر بھروسہ مت کرنا کہ یوں سمجھنے لگو کہ آج ہوا موافق ہے۔ فلہٰذا کشتی صحیح سالم نکل کر کنارے لگے گی یا آج ہوا کا رُخ غلط ہے فلہٰذا اس کے غرق ہونے کا خطرہ ہے اس لئے کہ (عند المحققین یہ توحید کے منافی ہے یعنی توحید فی الافعال میں شرک اسی کو کہتے ہیں۔ ایسا عقیدہ حقائق الامور سے جہالت کی دلیل بنتا ہے جسے حقیقت منکشف ہو جاتی ہے وہ سمجھتا ہے کہ ہوا خود تو نہیں چلتی بلکہ اس کے چلانے والا کوئی اور ہے اور اسے کسی دوسرے کا حکم ہے اور وہ دوسرا کسی اور کا محتاج ہے یہانتک کہ آمر حقیقی یعنی ذاتِ باری تعالیٰ تک معاملہ پہنچے گا اور ظاہر ہے کہ اس کا حکم نہ ہوتا تو نہ فرشتے ہوا کو چلاتے اور نہ وہ چلتی اور وہ کسی کا محتاج نہیں بلکہ ایسے عقیدہ سے وہ منزہ اور پاک ہے بلکہ یوں کہو اس طرح کی تشبیہات سے بھی وہ مقدس ہے کہ اسے کسی کی محتاجی کا شائبہ ہو۔ اس طرح سے واضح ہو گیا کہ ہوا از خود نہیں چلتی بلکہ کسی کے حکم سے چلتی ہے فلہٰذا اسے گالی دینے کا کیا معنیٰ؟

بُشُرًا اور اس کے پہلے دونوں حرفوں کو ضمہ کے ساتھ پڑھنا ہے یہ بشیر کی جمع ہے جیسے رغیف کی رغف جمع آتی ہے یعنی وہ ہوائیں خوشخبری دینے والی ہوتی ہیں بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِہٖ اس کی

marfat.ocm

رحمت سے پہلے یہاں پر رحمت سے بارش مراد ہے اس لئے صبا بادلوں کو پھیلاتی ہے اور باد شمال انہیں جمع کرتی ہے اور جنوبی ہوا بارش برساتی ہے اور غربی باد بادلوں کو منتشر کرتی ہے۔

فائدہ: باد صبا وہ ہوا ہے جو طلوع شمس کے مقام سے آدھی رات اور عین دوپہر کے وقت چلتی ہے اور دبور اس کی بالمقابل ہوا کو کہتے ہیں۔ پچھوا وہ ہوا جو غروب شمس کے مقام سے چلتی ہے اور باد شمال اور یا شمالی، جو قطب ستارہ کی جانب سے چلتی ہے اور بادِ جنوب اس کی بالمقابل کو جاتی ہے۔

فائدہ: حدیث شریف باد جنوب کے متعلق "تدر السحاب" کا لفظ واقع ہے اس کا معنی ہے۔ دودھ دوہنا چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ہوا اللہ تعالیٰ بھیجتا ہے تو وہ بادلوں کو ایسے ہانکتی ہے جیسے کوئی تم میں سے اونٹنیوں اور بکریوں کو ہانک کرلے جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ان کا دودھ دوہ لیا جاتا ہے۔

فائدہ نحویہ: آیت میں رحمت سے بارش کا معنیٰ اس لغت سے لیا گیا ہے جو اہلِ عرب کا ایک مقولہ مشہور ہے کہ "انی افر من الرحمۃ" ای من المطر" میں رحمت یعنی بارش سے بھاگتا ہوں۔

حَتّٰی اِذَا اَقَلَّت یہ حتّٰی یرسل کی غایت ہے سحاباً یعنی یہاں تک کہ وہ ہوائیں بادلوں کو تنگی اور سہولت سے اٹھا کر لے جاتی ہیں یعنی وہ ہوائیں بادلوں کو نہایت خفیف اور قلیل محسوس کرتی ہیں یہ اقللتہ کذا ای حملتہ بالسہولۃ وحمل الشیٔ بسہولۃ کے قبیل سے ہے اور واقعی یہ معاملہ ایسے ہی ہے کہ وہ بادل باوجودیکہ پانی سے پُر ہونے کی وجہ سے بوجھل ہوتے ہیں لیکن ہوا اُٹھا کر نہایت ہی ہلکی شے کی طرح اُڑاتی ہوئی لے جاتی ہے اس تقریر سے واضح ہوا کہ یہ اَقَلَّت کا مادہ "قلت" ہے نہ کوئی اور ثقل ثقالاً ثقیل کی جمع ہے یعنی وہ بادل پانی کی وجہ سے نہایت ہی وزنی ہوتے ہیں۔

سوال: سحاب واحد ہے اور ثقالاً جمع اور یہ ہے بھی "سحاب" کی صفت اور نحو کا قاعدہ ہے کہ موصوف اور صفت میں مطابقت ضروری ہے۔

جواب: سحاب اسم جنس ہے اور اسم جنس کا قاعدہ ہے کہ وہ جیسے واحد کے لئے مستعمل ہو وہ مافوق الواحد پر بھی مستعمل ہوتا ہے بنابریں یہاں پر سحاب یعنی سحائب ہے اور سحاب وہ بادل جو آسمان میں چلتا ہوا نظر آتا ہے۔

سُقْنٰہُ - سوق سے مشتق ہے اور ضمیر کا مرجع سحاب ہے اور وہ لفظاً اور معناً واحد ہے۔ اگرچہ باعتبار جنسیت کے اس کا اطلاق جمع پر بھی ہوتا ہے۔ کما تو یعنی ہم برسنے والے بادلوں کو چلاتے ہیں

لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ - ویران شہروں کی آبادی کے لئے یعنی ہر وہ جگہ جو سبزی اور خنکی سے محروم ہے

marfat.ocm

فائدہ: زمین کی ہر جگہ کو البَلَد کہا جاتا ہے خواہ وہ جگہ آباد ہو یا ویران۔ اس پر لوگوں کا بسیرا ہو یا نہ ہو اس کے ایک حصہ کو بلدۃ اور اس کی جمع کو بلاد کہا جاتا ہے۔

فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ پس ہم اس جگہ پر پانی برساتے ہیں۔ یہ باء الصاق کی ہے یعنی پانی کے انزال کا الصاق البلد سے ہوتا ہے۔ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ پس ہم اس پانی کے ذریعہ سے نکالتے ہیں مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ہر قسم کے ثمرات۔ یہاں پر کل عرفی استغراق کے لئے ہے یعنی[1] ہر وہ اشیاء جو پانی سے پیدا ہوتی ہیں۔ استغراق مطلق اس لئے نہیں کہ بہت سے ثمرات ایسے ہیں جو پانی کے ذریعے پیدا نہیں ہوتیں۔

" كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى " کذلک کا اشارہ " اخراج ثمرات یا احیاء البلد المیت " کی طرف ہے یعنی جیسے ہم پانی میں قوت نباتیہ اور اس میں خشکی کی طاقت پیدا کر کے ہر طرح کی انگوریاں اور پھل ظاہر کرتے ہیں ایسے ہی قیامت میں ابدان کے بکھرے ہوئے اجزاء جمع کر کے قویٰ و حواس میں روح لوٹانے کے بعد تمام مردگان کو قبروں سے زندہ کر کے اٹھائیں گے۔ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۔ یہ دراصل تَتَذَكَّرُوْنَ تھا ایک تا گر گئی ہے یعنی مذکورہ مضمون اس لئے سنایا گیا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو اور یقین کرو کہ جو ذات ویران شہروں کے آباد کرنے اور انگوریاں اور پھلوں کو عدم سے وجود بخشنے پر قدرت رکھتی ہے اسے یہ بھی قدرت ہے کہ قیامت میں جمیع اموات کو قبروں میں زندہ کر کے اٹھائے۔ اس میں کسی قسم کا شک و شبہ ہو سکتا ہی نہیں۔

مرنے کے بعد اُٹھنے کی تفصیل

حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ نفخ اولیٰ سے جب تمام لوگ مر جائیں گے تو چالیس روز تک مادہ منی کی طرح ان پر بارش ہوتی رہے گی اس سے وہ اپنی قبروں میں سے انگوریوں کی طرح بڑھتے رہیں گے جیسے مادہ منی کے بعد ماؤں کے شکموں میں بڑھتے ہیں یا جیسے پانی سے انگوریاں نشوونما پاتی ہیں جب ان کے اجسام دنیوی ابدان کی کیفیت حاصل کر لیں گے تو پھر ان میں ارواح پھونکے جائیں گے لیکن جونہی ارواح ان کے اجساد میں داخل ہوں گے تو فوراً ان پر نیند طاری کر دی جائے گی وہ اپنی قبروں میں ہی سوتے رہیں گے یہاں تک کہ دوسرا پھونکا جائے گا یہی مرنے کے بعد اٹھانے کا نفخ ہوگا جس سے تمام مردگان اپنی اپنی قبروں سے یک لخت نکلیں گے لیکن ان کے سروں میں نیند کا خمار محسوس ہوگا جیسے تم نیند سے

---

[1] ، فقیر اویسی غفرلہ کا اضافہ ہے اس میں قانون کے تحت موسیٰ علیہ السلام اور بلقیس کے واقعہ میں بھی کل کل عرفی استغراق کے لئے ہے " و تفصیل فی التفسیر الاویسی ۱۲ "

اٹھتے ہی نیند کا نشہ محسوس کرتے ہیں اس وقت کہیں گے " مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا هٰذَا " ہمیں ہمارے بستروں سے کس نے اٹھایا ہے تو اللہ تعالیٰ کا منادی جواب دے گا " هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ " یہ وہی وقت ہے جس کا تمہیں اللہ تعالیٰ نے وعدہ دیا اور رسل کرام علیہم السلام کے ذریعے سے تمہیں پیغام پہنچا اور جو کچھ انہوں نے فرمایا تھا وہ سچ تھا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ ریاح سے ریاح عنایت مراد ہے اور سحاب سے سحاب ہدایت اور ماء سے ماء المحبت۔ اسی پانی کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ مشاہدات و مکاشفات اور عجیب غریب کمالات ظاہر فرماتا ہے۔ " وَكَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى " میں الموتیٰ سے مردہ دل اور قبور سے ان کے صدور مراد ہے۔ " لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ " یعنی تاکہ تم اپنی اپنی زندگی میں ان حیاض انس و ریاضِ قرب کو یاد کرو جو تمہیں حظائر قدس کے ہاں نصیب تھے۔

ف: انسان کا مقصودِ اعظم عنایت ازلی ہے جو بندے کو ہر خلاء و ملاء یعنی ہر تنہا اور کھلے میدان میں نصیب ہو سکتی ہے۔

حکایت: ایک ولی اللہ سے کہا گیا کہ دار مشرکین میں تشریف لے جائیے۔ وہاں ایک صدیق رہتے ہیں ان سے ملاقات کیجئے۔ اس ولی اللہ کو پوشیدہ ہو جانے پر قدرت حاصل تھی۔ وہ جونہی دار مشرکین میں پہنچے تو انہیں ایک مشرک نے قید کر کے گرجا کے خادم کے پاس بیچ دیا۔ اس ولی اللہ نے عرصہ تک صدق و صفائی سے اس کی خدمت کی۔ ایک دن اتفاقاً بادشاہ گرجا میں تشریف لایا۔ اس نے تنہائی میں عبادت کرنے کیلئے گرجا کو صرف اپنے لئے خالی کرا لیا۔ وہ بادشاہ گرجا کے اندر گیا اور نماز شروع کی تو ولی اللہ اپنی پوشیدہ ہونے والی قوت سے گرجا کے اندر پہنچ گیا۔ بادشاہ نے دیکھ کر اس سے پوچھا تم کون ہو ولی اللہ نے کہا میں آپ جیسا ایک مسلمان ہوں ولی اللہ کو بادشاہ کے گرجا میں داخل ہونے سے پہلے معلوم ہو گیا کہ اسی کے ذریعہ صدیق ملے گا۔ جس کی خاطر وہ دار مشرکین میں آئے تھے۔ ولی اللہ نے بادشاہ سے پوچھا صدیق کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے بادشاہ نے کہا وہ بہت بڑا اچھا انسان ہے نہایت بہتر زندگی بسر کر رہا ہے حلال رزق کماتا ہے ریاء سے ہٹ کر اللہ تعالیٰ کی مخلص ہو کر عبادت کرتا ہے کفار کا سخت دشمن ہے اور مسلمانوں کا معین و مددگار ہے۔ ولی اللہ نے کہا اگر آپ ان کے بادشاہ ہیں تو مجھے ان کی قید سے بچائیے۔ بادشاہ جب گرجا سے باہر نکلا تو میرے سے پوچھا اس گرجا کے پادری اور اس قوم کے بڑے مقتداء اور گرجا کے خدام کہاں رہتے ہیں ولی اللہ نے ان سب کو نشاندہی کی تو بادشاہ نے اُن سب کے سر قلم کر دیئے اور انہیں کہا خود تم اللہ تعالیٰ کی عبادت سے کنی کتراتے ہو۔ لیکن دوسری ملت کے لوگوں سے

marfat.ocm

اپنی خدمت کراتے ہو ۔ ان سب کو قتل کرنے کے بعد ولی اللہ کو فرمایا۔ اب چلیئے آپ ان کی قید سے آزاد ہیں۔

سبق اس حکایت سے ثابت ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ دشمنانِ اسلام کو تباہ و برباد کرنا چاہتا ہے تو انہیں معمولی سبب سے مروا ڈالتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے الطافِ کریمانہ بے حد و حد ہیں۔

حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

تیغے کہ آسمانش از فیض خود دہد آب
تنہا جہاں بگیرد بے منت سپاہی

ترجمہ: وہ تلوار جسے آسمان اپنے فیض سے پانی دے وہ تنہا جہان کو برباد کر سکتی ہے اسے کسی سپاہی کی ضرورت نہ ہو گی۔

اور فرمایا ؎

دلا طمع مبر از لطف بے نہایت دوست
کہ میرسد ہمہ را لطف بے نہایت او

ترجمہ: اے دل دوست کے بے نہایت لطف سے نا امید نہ ہو اس لئے کہ اس کا بے نہایت لطف ہر ایک کو پہنچتا ہے۔

سبق اہل بصیرت اور اہل توحید کی نگاہ مؤثر حقیقی اور فیض ازل پر ہوتی ہے انہیں مخلوق اور وسائط و اسباب سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔

دُعا: اللہ تعالیٰ ہمیں ان حضرات کی معیت نصیب فرمائے جو سعادت ابدیہ اور عنایت سرمدیہ سے نوازے گئے ہیں اور ہمیں حقیقت و طریقت احمدیہ کے راہ پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائے وہی رحیم ہے اور وہی نوازشیں فرمانے والا ہے۔

تفسیر عالمانہ ۵۸ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ اور وہ زمین جو پاکیزہ ہو۔ تفسیر فارسی میں ہے کہ اس سے وہ زمین مراد ہے جو نہ پتھریلی ہو اور نہ ریتلی بلکہ ایسی پاکیزہ کہ اس میں کھیتی باڑی کی جا سکے۔ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ وہ اپنی انگوری وغیرہ کو اپنے رب تعالیٰ کے اذن و حکم سے نکالے یعنی جیسے اُسے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ویسے ہی وہ اپنے اندر سے انگوری وغیرہ باہر نکالے یعنی وہ زمین نہایت اچھی اور کثیر النفع ہو وَالَّذِیْ خَبُثَ اور وہ زمین کہ جس کی مٹی خبیث ہو مثلاً پتھریلی اور

فائدہ: الحرہ ہر وہ زمین جس میں ایسے سیاہ پتھروں کی بہتات ہو کہ گویا ان پتھروں کو جلا کر اس زمین کی مٹی سے ملایا گیا ہے۔

marfat.ocm

نَكِدًا: نکمی اور دلدلی یعنی شوروالی زمین کو کہا جاتا ہے۔ ان ہر دو قسموں میں کھیتی باڑی نہیں ہو سکتی۔ **لَا يَخْرُجُ۔** ایسی زمین سے انگوری کسی حال میں بھی نہیں نکلتی۔ **اِلَّا نَكِدًا** مگر تھوڑی اور وہ بھی قلیل النفع۔ یہ استثنا مفرغ ہے یعنی اس کا مستثنیٰ منہ اعم الاحوال محذوف ہے۔

فائدہ: **نَكِدًا** بکسر الکاف ہے یعنی قلیل الخیر والممتنع من افادۃ النفع علی جہۃ البخل والغفلۃ یعنی ہر وہ شے جس میں بہت کم ہو اور اس کے بخل و تنگ دستی کی وجہ سے کسی کو نفع پہنچانے سے درجۂ امتناع کو پہنچا ہوا ہے اس معنی کما البخیلین ارباب الطبیعۃ اشتد عیشہ وضاق" یعنی ہر وہ انسان جس کی زندگی تلخ اور معاشی امور نہایت تنگ ہوں۔ **كَذٰلِكَ** اسی مذکورہ عجیب و غریب تمثیل کی طرح۔ **نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ** ہم آیات کو بار بار باتکرار بیان کرتے ہیں۔ **لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ۔** ایسی قوم کے لئے جو شکر گزار ہیں۔

سوال: ایسی تمثیلات تو ہر ایک کے لئے ہیں پھر شاکرین کی تخصیص کیوں۔

جواب: چونکہ ایسی تمثیلات سے استفادہ صرف یہی لوگ کرتے ہیں بنا بریں صرف انہی کا نام لیا گیا جیسے قرآن پاک سب کا ہادی ہے لیکن فرمایا۔ **هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ**

فائدہ: یہ آیت و تمثیل رسل کرام کی تشنہ لبی پر جو حیات قلوب کو نفع بخشتا ہے جس سے ہر عاقل و بالغ اپنی مردہ قلوب کے لئے حیات قلوب کو نفع بخشتا ہے جس سے ہر عاقل و بالغ اپنی مردہ قلوب کے لئے حیات یادرا سکتا ہے اس لئے کہ ان کے دلوں کو جو انوار نصیب ہوں گے وہ انہیں انبیاء علیہم السلام کے انوار کی خاطر ہو گی لیکن جو ازلی بدنصیب ہیں وہ ایسی بے بدل نعمتوں سے محروم رہیں گے۔

فائدہ: تفسیر فارسی میں ہے کہ جب رب العالمین کے کلام کے انوار کی بارش ہوتی ہے تو طاعات و عبادات کی خوگر جگمگا اٹھتی ہیں جن کے اثرات مومن کے اعضاء سے محسوس ہونے لگتے ہیں۔ لیکن بدقسمت کافر جونہی کلام کو سنتا ہے تو اس کا دل اس کے انوار و تجلیات کو قبول نہیں کرتا۔ اسی وجہ سے اس سے کلام الٰہی کے اثرات ظہور پذیر نہیں ہوتے۔ شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

زمیں شور سنبل بر نیارد
درو تخم عمل ضائع مکن

ترجمہ: زمین شور خوشہ نہیں لائے گی تم اس میں بیج ضائع نہ کرو۔

حافظ صاحب قدس سرہ نے فرمایا ؎

گوہر پاک بباید کہ شود قابل فیض
ورنہ ہر سنگ و گلے لؤلؤ و مرجان نشود

ترجمہ:۔ گوہر پاک چاہیے تاکہ وہ فیض کے قابل ہو ورنہ ہر پتھر و گل لؤ لؤ و مرجان نہیں ہوتے۔

حکایت بہلول دانا اور ہارون الرشید بادشاہ

عبداللہ بن مہران فرماتے ہیں کہ ایک سال ہارون الرشید بادشاہ کے لئے بغداد سے مکہ معظمہ کو تشریف لے جا رہے تھے تو چند روز کوفہ میں ٹھہرے۔ جب کوفہ سے روانگی ہوئی اور لوگ کوفہ سے چلنے لگے تو ان میں حضرت بہلول (مجنوں) دانا رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے لیکن وہ باہر نکل کر ایک مٹی کے ڈھیر پر بیٹھ گئے جہاں انہیں چھوٹے بچے ستانے لگے اور طرح طرح کی اذیتیں دینی شروع کر دیں لیکن جب ہارون الرشید کی سواری بہلول دانا کے قریب سے گزری تو آپ نے زور سے بار بار پکارا۔ اے امیر المومنین! ہارون الرشید نے آپ کی آواز سن کر کجاوہ سے پردے ہٹا کر جواب میں کہا لبیک یا بہلول حضرت بہلول نے پڑھا حدثنا ایمن بن نائل عن قدامہ بن عبداللہ العامری قال رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی علی جمل وتحتہ رحل رث فلم یکن ضرب ولا طرد ولا الیک الیک یعنی مجھے ایمن بن نائل سے یہ روایت پہنچی اور وہ قدامہ بن عبداللہ عامری سے روایت کرتے ہیں حضرت قدامہ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اونٹ پر سوار دیکھا لیکن آپ کے اونٹ کا کجاوہ وغیرہ نہایت بوسیدہ اور پرانا تھا۔ آپ کی سواری کے آگے آنے والے کو نہ مارا جاتا اور نہ ہی اسے راستہ سے ہٹایا جاتا اور نہ ہی یعنی ہو تاکہ راستہ سے ہٹ جاؤ فلہذا تجھے بھی اے ہارون الرشید تواضع ضروری ہے۔ ایسے مقدس سفر کو جا رہے ہو یہاں تکبر کیا۔ یہ راہ سر کے بل چلنے کے لائق ہے۔ ہارون رشید حضرت بہلول کی نصیحت سن کر خوب رویا۔ یہاں تک کہ ان کی آنکھوں کے آنسو زمین پر ٹپک پڑے پھر بہلول سے عرض کی اے بہلول۔ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے کچھ اور فرمائیے۔ حضرت بہلول نے یہ اشعار پڑھے ؎

هَبْ اِنَّكَ قَدْ مَلَكْتَ الارض طُرًّا
دان لَكَ العباد ماذا
اَلَيْسَ غدًا مَصِيْرُكَ جَوْفَ قبر
ويحثو الترب هٰذا ثم هٰذا

ترجمہ: مانا کہ تم روئے زمین کے مالک بن گئے ہو اور یہ بھی مانا کہ تمہارے بے شمار غلام اور نوکر چاکر ہیں لیکن تا بکے کیا تمہارا انجام بکار قبر نہیں کیا تمہارے اوپر مٹی نہیں ڈالی جائیگی۔ میری یہ بات پورے طور سمجھ لے کام آئیگی

یہ اشعار سن کر ہارون الرشید نے گریہ کرکے اَحْسَنْتَ یا بَہْلُوْلُ۔ اے بہلول آپ نے ٹھیک فرمایا ہے لیکن ابھی آپ کی نصیحتوں سے جی نہیں بھرا کچھ اور فرمائیے حضرت بہلول نے فرمایا اے امیر المومنین جس بندے کو اللہ

marfat.ocm

تعالیٰ مال وجمال عنایت فرمائے تو وہ مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں لٹائے اور جمال میں تقویٰ کا دامن پکڑے اور پاکدامن زندگی بسر کرے تو اللہ تعالیٰ ابرار کی فہرست میں درج فرمائے گا۔ ہارون الرشید نے کہا اَحسنت یا بہلول۔ اے بہلول آپ نے بجا فرمایا۔ ہارون الرشید نے حضرت بہلول کی نصیحتوں سے متاثر ہو کر خزانچی کو فرمایا کہ بہلول کو انعام دیجئے۔ حضرت بہلول نے فرمایا۔ قرض ہے کہ کسی کا قرض ادا کرنا داناؤں کا کام نہیں۔ یعنی تمہارے ہاں جو دولت ہے وہ تمہاری کب ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی ہے لہٰذا میرے قرضہ ادا کرنے کے بجائے پہلے اپنا قرض اُتاریے یعنی حقداروں کے حقوق واپس دیجئے۔ بلکہ تیری اپنی ذات بھی کسی کا قرض ہے یہ قرض ابھی تیرے ذمہ ہے تو دوسروں کے قرض کس طرح اُتار سکتا ہے پھر ہارون الرشید نے کہا کچھ تو ہم آپ کو بطور نذرانہ دیدیں تاکہ آپ اپنی بقایا زندگی آرام سے بسر کر سکیں۔ حضرت بہلول نے یہ سُن کر سر آسمان کو اُٹھایا اس کے بعد فرمایا اے امیرالمومنین میں اور آپ ہر دو اللہ تعالیٰ کے عیال ہیں۔ اگر وہ تمہیں کچھ دے گا تو اس کی شان کے لائق نہیں کہ مجھے بھلا دے ہارون الرشید نے بہلول کا یہ آخری کلام سُن کر [illegible] پھر لٹکا دیا اور چل پڑے۔

سبق: اس حکایت سے مقصود یہ ہے کہ اتنا بہت بڑا بادشاہ ہو کر ایک (بظاہر) مجنون کی باتیں کیسے دل لگا کر سنیں۔ بلکہ انہیں تہہ دِل سے قبول بھی کیا۔ دراصل بات یہ ہے کہ ان کا ظاہر تو شاہانہ تھا لیکن درویشانہ اور بیدار مغز انسان تھا یہی وجہ ہے کہ اُن سے اکثر باتیں پاکیزہ ظاہر ہوئیں۔

صوفیانہ تقریر

جس کا نفس امارہ ہو تو اسے ارض خبیثہ کی مانند سمجھو کہ بدبختی سے اخلاقِ ذمیمہ اور ردی افعال سرزد ہوں گے۔ ہاں جس کا قلب اللہ تعالیٰ کے نور سے زندہ ہو تو اس کے نور کا عکس اس کے نفس پر بھی پڑتا ہے اس لئے اس کا نفس اس کے دل کی طرف نورانی ہو جاتا ہے اور اس کے تمام اوصاف نفسانیہ قلب کے مطابق ہو جاتے ہیں اور نفسانی ظلمات بالکل مٹ کر رہ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایسا انسان ذکرِ الٰہی اور اس کی طاعت سے چین پاتا ہے جیسا کہ زندہ دِل حضرات کا طریقہ ہے اور جس بدبخت کا دل مردہ اور نفس امارہ زندہ ہو تو اس کے نفس کے ظلمات اس کے دل کے نور کو ڈھانپ دیتے ہیں اس وجہ سے اس کے دل کے اوصاف مٹ جاتے ہیں لیکن نفس کے صفات غلبہ پا جاتے ہیں۔ اس کی علامت یہ ہے کہ ایسا انسان دنیوی امور سے چین پاتا ہے لیکن دینی امور میں اس کا دل نہیں لگتا۔

دُعا: اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ہمیں ان لوگوں سے بنائے کہ جن کے دِل ذکرِ الٰہی سے چین پاتے ہیں اور ہر وقت دینی فکر اور شکر میں زندگی بسر کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کا طریقہ نصیب فرمائے جو اپنے مُنعم اور اس کی نعمتوں کی قدر کرتے ہیں (آمین)

marfat.ocm

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ

بیشک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تو اس نے کہا اے میری قوم اللہ کو پوجو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں

اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿٥٩﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ

بیشک مجھے تم پر بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے اس کی قوم کے سردار بولے بیشک ہم تمہیں کھلی

فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٦٠﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ

گمراہی میں دیکھتے ہیں کہا اے میری قوم مجھ میں گمراہی کچھ نہیں میں تو رب العالمین کا

رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦١﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا

رسول ہوں تمہیں اپنے رب کی رسالتیں پہنچاتا اور تمہارا بھلا چاہتا اور میں اللہ کی طرف سے وہ

لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٢﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ

علم رکھتا ہوں جو تم نہیں رکھتے اور کیا تمہیں اس کا اچنبا ہوا کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نصیحت آئی تم میں

لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿٦٣﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ

کے ایک مرد کی معرفت کہ وہ تمہیں ڈرائے اور تم ڈرو اور کہیں تم پر رحم ہو تو انہوں نے اسے جھٹلایا تو ہم نے اسے اور جو اس

مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿٦٤﴾ ع

کے ساتھ کشتی میں تھے نجات دی اور اپنی آیتیں جھٹلانے والوں کو ڈبو دیا بیشک وہ اندھا گروہ تھا

تفسیر عالمانہ

۵۹ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖ یہ قسم محذوف کا جواب ہے دراصل "وَاللّٰہِ لَقَدْ اَرْسَلْنَا" الخ تھا۔ یعنی بخدا ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کے ہاں رسول بنا کر بھیجا۔

نوح علیہ السلام کا نسب نامہ

نوح علیہ السلام کا نسب نامہ یوں ہے نوح بن لمک بن متوشلخ بن اخنوخ یعنی ادریس علیہ السلام بن یرد بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن آدم

علیہ السلام۔ شیث کے بعد ادریس ان کے بعد نوح علیہم السلام نبی ہوئے۔ آپ نجار تھے۔ چالیس سال عمر کے تھے
کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبی مقرر فرمایا۔ آپ نے دنیا میں ایک ہزار دو سو چالیس سال زندگی بسر فرمائی۔

فائدہ: تفسیر فارسی میں ہے کہ آپ اپنی قوم کو جو اکثر قابیل کی اولاد تھی جو بت پرستی میں مبتلا تھے کی
طرف نبی بنا کر بھیجے گئے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ جس وقت قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا تو آدم علیہ السلام
نے اسے اور اس کی اولاد کو یمن کے علاقہ میں شہر بدر کے طور روانہ کیا۔ یہی پہلے وہ تھے جنہوں نے بت پرستی
کا آغاز کیا۔ **فَقَالَ** تو نوح علیہ السلام نے فرمایا۔ **یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ** اے میری قوم اللہ تعالیٰ واحد لاشریک لہٗ
کی عبادت کرو۔ اس لئے وہ عبادت جو کسی کو خدا تعالیٰ کا شریک بنا کر کی جائے وہ عبادت کسی کام کی نہیں۔ **مَا
لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ** تمہارا سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی معبود نہیں کہ جس کو تم مستحق عبادت سمجھو۔
وَغَيْرُهٗ مِنْ اِلٰهٍ کی صفت ہے مرفوع اس لئے ہے کہ من الٰہ باعتبار اپنے محل کے مبتدا ہے اسمیں (من زائدہ
ہے اور لکم خبر مقدم ہے۔ **اِنِّیْ اَخَافُ عَلَيْكُمْ** اگر تم اس کی عبادت نہیں کرو گے جیسا کہ اس کا حکم ہے
تو مجھے تمہارے لئے خطرہ ہے۔ یہ عبادت کے داعی کا بیان ہے۔

عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ بڑے دن کے عذاب کا، اور اس بڑے دن سے قیامت یا یوم طوفان مراد ہے
۶۰ ۵ **قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ**۔ یہ جملہ مستانفہ ہے اور آپ کی قوم کے لیڈروں نے کہا۔ قوم سے مراد
وہ سردار ہیں جو کہ جرم و قصور کی محفلوں کے سرگرم رکن تھے اور ان کی وجہ سے گناہوں کی محفلیں رونق پذیر ہوتیں
اور وہی ہر خرابی کے سرغنہ تھے۔ **اِنَّا لَنَرٰىكَ** اے نوح علیہ السلام ہم آپ کو دیکھتے ہیں۔ **فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ**
کھلی گمراہی میں یعنی ہم آپ کو سیدھے راہ سے بھٹکا ہوا سمجھتے ہیں اس لئے کہ آپ ہمارے ہر معاملہ میں مخالفت
کرتے ہیں۔

فائدہ: یہاں پر رؤیت قلبی مراد ہے ۶۱ ۵ **قَالَ** یہ جملہ بھی مستانفہ ہے یعنی نوح علیہ السلام نے فرمایا **یٰقَوْمِ**
اے میری قوم۔ نوح علیہ السلام نے انہیں حق سے مانوس کرنے کی خاطر اپنی قوم سے فرمایا۔ **لَيْسَ بِیْ**۔ یہ باء
ملابست کی یا ظرفیہ ہے **ضَلٰلَةٌ**۔ مجھ میں گمراہی نہیں ہے۔ آپ نے اپنے سے گمراہی کی نفی میں مبالغہ فرمایا کہ مجھ
سے گمراہی کے کسی فرد کا تعلق نہیں ہے چہ جائیکہ مجھ میں گمراہی ہو۔ جیسے انہوں نے آپ کو ہر طرح کی گمراہی سے ملوث
فرمایا۔ **وَلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ**۔ میں رب العالمین کا رسول ہوں مِنْ ابتداء الغایۃ کے لئے بطور مجاز
ہے اور رسالۃ کو ہدایت تام لازم ہے اور نہ ہی اس میں گمراہی کے قبول کرنے کا مادہ ہوتا ہے لیکن کہہ کر ملزوم کو بیان
فرمایا تاکہ استدراک لازم پر برہان قائم ہو گویا آپ نے قوم سے فرمایا کہ میں تو انتہائی کامل ہدایت پر ہوں اس لئے
کہ رب العلمین کا رسول ہوں ۶۲ ۵ **اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ** میں تمہارے ہاں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا

marfat.ocm

ہوں۔

سوال: رسالت ایک صفت ہے جو ذاتِ رسول سے متعلق ہوتی ہے وہ ایک ایسی نسبت ہوتی ہے (جو مُرسِل) بھیجنے والے) اور مُرسَل الیہ کے درمیان واسطہ بنتی ہے لیکن یہاں پر صیغہ جمع لایا گیا۔

جواب: ان کے اپنی نبوت کے پیغامات کے علاوہ سابقہ انبیاء علیہم السلام جیسے ادریس و شیث علیہما السلام کی نبوت بھی مراد ہیں جیسا کہ مروی ہے کہ شیث علیہ السلام پر پچاس اور ادریس علیہ السلام پر تیس صحیفے نازل ہوئے تھے

وَاَنْصَحُ لَكُمْ اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں۔ لَكُمْ میں لام زائدہ ہے اس لئے کہ نصح متعدی بنفسہ ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے نصحتک۔

نکتہ: اسمیں اشارہ ہے کہ نوح علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ میری یہ نصیحت خالص تمہارے لئے اور محض تمہارے نفع اور مصلحت کے لئے ہے ورنہ بہت سی نصیحتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن میں خود ناصح کو اپنا فائدہ ملحوظ ہوتا ہے لیکن یہاں پر یہ نہیں ہو سکتا کہ نوح علیہ السلام نے انہیں نصیحت دے کر اپنا کوئی فائدہ مدِ نظر رکھا ہو۔

تبلیغ رسالت و نصیحت میں فرق رسالت کی تبلیغ کا معنی ہے احکام تکلیفیہ شرعیہ الٰہیہ کے انواع کا تعارف کرانا اور نصیحت بمعنی ترغیب فی الطاعۃ اور تحذیر عن المعاصی اور بتانا کہ اس میں فلاں فلاں مصلحتیں اور برکتیں مضمر ہیں۔

فائدہ: حداوی نے فرمایا کہ نصیحت یعنی قول و فعل کا غل و غش دور کرنا۔

وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ اور میں اللہ تعالیٰ سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے یعنی میں جانتا ہوں کہ وہ کتنی بہت بڑی قدرت کا مالک ہے اور مجھے خبر ہے کہ وہ اپنے دشمنوں کی کتنی سخت گرفت فرماتا ہے جب اس کا عذاب کسی قوم پر نازل ہوتا ہے تو پھر اسے کوئی نہیں روک سکتا۔

فائدہ: بعض کہتے ہیں کہ وہ لوگ سابقہ قوموں پر عذاب کے نزول کا انہیں علم نہیں تھا۔ وہ ایسے معاملات سے بےخبر تھے اس لئے نڈر اور بے باک تھے اور نوح علیہ السلام چونکہ وحی سے جانتے تھے اس لئے انہیں فرمایا اِنِّیْۤ اَعْلَمُ ؕ

۶۳ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ہمزہ برائے استفہام انکاری ہے اور واؤ کا فعل مقدر پر عطف ہے دراصل عبارت استبعدتم وعجبتم تھی یعنی تم بعید سمجھتے ہوئے تعجب میں ہو کہ تمہارے ہاں وحی اور نصیحت تمہارے مالک و مولیٰ سے آئی ہے عَلٰی رَجُلٍ مِّنْكُمْ اور پر ایسے مرد کی زبان سے جو تمہاری جنس سے ہے انہیں اس پر تعجب تھا کہ ایک بشر کو اللہ تعالیٰ نے رُسل بنا کر بھیجا حالانکہ بشر سے اللہ تعالیٰ کو کوئی مناسبت نہیں ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نہایت تقدس و تنزہ میں ہے اور بشر سراپا تعلق و تکدر بالدنیا ہے اس پر ان کو نوح علیہ السلام

marfat.ocm

کا رسول بن کر تشریف لانا اجنبی معلوم ہوا۔ حالانکہ واضح امر ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک عام آدمی کو بلا واسطہ کس طرح فیض پہنچائے کہ عظمت و کبریائی کے حجابات اس سے مانع ہیں کہ وہ عام انسانوں پر فیض پہنچائے یا وہ اس سے فیض پائیں اس لئے انسانوں کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ایک ایسا واسطہ بنایا جو ذوجہتین[2] ہو کہ اپنے تجرد اور روحانیت کی جلا سے عالم غیب سے فیض پا کر و انکی ہمجنس ہونے کی وجہ سے اپنے بنی نوع انسانی کو پہنچائے۔ رسول علیہ السلام میں جہت علوی ہوتی ہے کہ جس سے عالم غیب سے فیض پاتے ہیں

اور انہیں ایک جہت سفلی ہوتی ہے کہ جس سے عالم سفلی کو فیض دیتے ہیں [1]

لِيُنْذِرَكُمْ یہ انبیاء علیہم السلام کے تشریف لانے کی علت ہے یعنی نبی علیہ السلام اس لئے تشریف لاتے ہیں تاکہ کفر و معاصی کا انجام بتا کر تمہیں اللہ تعالیٰ کا ڈر سنائیں۔ **وَلِتَتَّقُوْا** اور تاکہ تم ان کی تبلیغ سن کر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر جاؤ۔ **وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ** اور تاکہ تم رحم کئے جاؤ۔ یعنی تاکہ تمہارے ڈر جانے پر تمہارے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمت متعلق ہو۔

فائدہ: لفظ لَعَلَّ جو امید کے لئے آتا ہے اس میں ایک فائدہ یہ ہے کہ وہ معلوم کریں کہ فعل مذکور مہتم بالشان ہے اور انہیں یہ بھی معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کا فضل تقویٰ کا محتاج نہیں اور نہ ہی تقویٰ و طہارت سے اللہ تعالیٰ کی رحمت حاصل ہوتی ہے بلکہ اس کی اپنی مہربانی ہے جس پر چاہے رحم فرمائے۔

سبق: متقی کو تنبیہ ہے کہ وہ اپنے تقویٰ پر بھروسہ نہ کرے بلکہ اس کی رحمت کا امیدوار رہے اور اس کے عذاب سے ہر وقت ڈرتا رہے۔ ۶۴ **فَكَذَّبُوْهُ** پس انہوں نے نوح علیہ السلام کو جھٹلایا اور بہت عرصہ تک اسی ہٹ دھرمی پر رہے اور نوح علیہ السلام کی ایک بات بھی نہ مانی۔

ربط: مروی ہے کہ جب نوح علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ بدبخت کوئی بات بھی نہیں مانتے تو اللہ تعالیٰ سے تباہ و برباد ہونے کی استدعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو ایک کشتی تیار کرنے کا حکم فرمایا جب کشتی تیار ہو گئی تو آپ اپنی جماعت مومنین کے ساتھ کشتی میں داخل ہو گئے تو پھر اللہ تعالیٰ نے طوفان بھیج کر ان تمام کافروں کو غرق فرما دیا۔ اس طوفان سے نوح علیہ السلام اور اہل ایمان نے نجات پائی "کما قال فَاَنْجَیْنٰهُ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ" پس ہم نے انہیں نجات دی اور ان لوگوں کو بھی جو آپ کے ساتھ تھے۔

فائدہ: صرف چالیس مرد اور چالیس عورتیں نوح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے جو طوفان سے بچ نکلے۔ باقی تمام کفار ہمیشہ کیلئے غرق ہو کر برباد اور تباہ ہو گئے۔ فِی الْفُلْكِ یہ فعل محذوف سے متعلق ہے جو "استقروا" ہے یعنی ہم نے

---

[1] اس نکتہ کو نہ وہ سمجھ سکے اور نہ یہ کہ اب بھی بشر بشر کی رٹ لگاتے ہوئے انبیاء علیہم السلام کو اپنی مثل کہتے پھرتے ہیں۔ یعنی دیوبندی وہابی وغیرہ۔ [2] دو طرفوں والا۔ اویسی ۱۲

ان لوگوں کو نجات بخشی جو کشتی میں بیٹھے تھے وَاَغْرَقْنَا الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ط اور ہم نے انہیں غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی یعنی جو ہماری آیات کی تکذیب پر ڈٹے رہے۔

فائدہ : ان غرق ہونے والوں سے صرف وہ لیڈر مراد نہیں جنہوں نے نوح علیہ السلام سے گفتگو کی بلکہ اس سے تمام تکذیب کرنے والے مراد ہیں وہ لیڈر بھی اور ان کے تابعدار بھی۔

نکتہ : انجاء کو اغراق پر مقدم کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ رحمت اللہ تعالیٰ کی ایسی صفت ہے کہ اس کی کریمی کا تقاضا ہے کہ وہ بندوں پر رحم و کرم فرمائے۔ ہاں جب وہ جرم و قصور سے باز نہیں آتے تو پھر غضب ہی غضب اِنَّهُمْ کَانُوْا قَوْمًا عَمِیْنَ ہ بے شک وہ اندھی قوم تھی عمین دراصل عمیین تھا۔ اس کا واحد عمیٌ ہے جو دراصل عمی بر وزن خضر تھا۔ قاض کے قانون کی طرح اس پر قاعدہ جاری کیا گیا ہے اہل عرب کہتے ہیں۔ رَجُلٌ عَمِیٌ یہ اس کے لئے کہا جاتا ہے جو بصیرۃ کے لحاظ سے اندھا ہو اور جیسا بصارت کا اندھا ہو اس کے لئے کہتے ہیں "اَعْمیٰ" اب معنی یہ ہوا کہ وہ الوہیت و نبوت کے اسرار و رموز سے بالکل نا آشنا تھے اور نہ ہی انہیں آخرت کے امور سے کچھ خبر تھی۔ جب دل پر ایسی تاریکی اور ظلمت چھا جاتی ہے تو پھر آیات و مشاہدات نظر نہیں آتے۔ حضرت حافظ شیرازی صاحب قدس سرہ نے فرمایا ؎

جمال یار ندارد نقاب و پردہ ولے
غبار رہ بنشاں تا نظر توانی کرد

ترجمہ : جمال یار کو نقاب و پردہ نہیں تو غبار راہ دور کر پھر اسے دیکھ سکے گا۔

نکتہ : آنکھ کا اندھا اگر استعداد رکھتا ہو تو اس کیلئے نہ صرف ممکن بلکہ حقیقت ہے کہ وہ تجلیات ربانی و آیات حقانی کا مشاہدہ کر لیتا ہے جناب صائب نے فرمایا ؎

چو دل بینا است چہ غم دیدہ اگر نابینا است
خانہ آئینہ را روشنی از روزن نیست

ترجمہ :- جب دل بینا ہے اگر آنکھیں نابینا ہیں تو کیا ہوا۔ آئینہ کی روشنی دریچہ سے نہیں

تفسیر صوفیانہ

آیت میں نوح سے روح مراد ہے جو جسم کے قالب کی قوم یعنی قلب کی اصلاح اور اس کی صفات کی تربیت کے لئے بھیجا گیا اور اسے حکم ہے کہ وہ نفس اور اس کے صفات کا تزکیہ کرے لیکن نفس اور اس کے صفات کا تقاضا یہی ہے کہ وہ روح کی تکذیب کرے اور وہ اس کی مخالفت میں سرتوڑ کوشش کرتا ہے بلکہ اس کی ہر نصیحت سے وہ روگردانی کرتا ہے لیکن روح کا کام ہے کہ وہ اپنی قوم یعنی قلب کو دنیا اور اس کی زینت کی طرف میلان کرنے سے روکے تاکہ وہ رحمت حق کے حصول سے محروم نہ ہو جائے لیکن نفس اور اس کے صفات

marfat.ocm

نے روح کی ہر بات کو جھٹلایا اور اسی پر وہ ڈٹ گیا تو اللہ تعالیٰ نے روح کو نفس کی ظلمات اور اس کے تمرد سے نجات بخشی اور ساتھ ہی روح کے ساتھیوں کو بھی یعنی قلب اور اس کے وہ صفات جنہوں نے روح کی دعوت کو قبول کیا اور وہ اس روح کے ساتھ شریعت کی کشتی پر سوار ہو گئے پھر اللہ تعالیٰ نے روح کی تکذیب کرنے والے نفس اور صفات کو بحر دنیا اور اس کے شہوات میں ڈبو دیا۔ اس لئے کہ وہ رویت الٰہی اور وصالِ حق کی نعمت سے محروم تھے اور نفسانی و شہوانی امور کا انجام بھی یہی ہے اگر وہ داعی حق کی دعوت کو قبول کر کے غلط کاریوں سے باز آ جائیں تو وہ بھی نجات پا جائیں۔

حکایت ایک دن حضرت تقا قدس سرہ دریا کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے کہ وہاں سے ایک ایسے لوگوں کی کشتی میں گذر ہوا جن کے ہاں بہترین میوہ جات اور شراب کی بوتلیں اور حسین و جمیل عورتیں اور حسین و بے ریش لڑکے اور راگ ڈھول ڈھولکے اور دنیوی عیش و عشرت کا ہر طرح کا ساز و سامان تھا اور نہایت ہی لہو و لعب اور غلط کاریوں میں مصروف تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا اے خدا کے بندو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرو یہ کیا کرتے جا رہے ہو۔ لیکن انہوں نے حضرت شیخ کی بات کی طرف توجہ تک بھی نہ کی۔ آپ نے دریا کو حکم فرمایا کہ ان کمبختوں کو ڈبو دے۔ جب کشتی غرق ہونے لگی تو شیخ موصوف سے فریادی ہوئے اور سچے دل سے توبہ کی تو کشتی غرقہ ہونے سے بچ گئی۔ اس کے بعد پکے سچے مسلمان ہو گئے اور تادم زیست حضرت شیخ کی زیارت کے لئے حاضر ہوتے رہے۔ حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا۔

امروز قدر پند عزیزاں شناختم
یارب روان ناصح ما از تو شاد باد

ترجمہ: آج نصیحت والوں کی نصیحت کو ہم نے سمجھا۔ اے اللہ ناصح کی روح تجھ سے ہم شاد وآباد ہو۔

سبق عاقل کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر چھوٹے اور بڑے کی نصیحت قبول کرے۔ اس لئے کہ نصیحت کرنا آسان ہے لیکن اسے قبول کرنا مشکل ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا ؎

مرد باید کہ گیرد اندر گوش
ور نوشت است پند بر دیوار

ترجمہ: مرد کو چاہیے کہ وہ نصیحت پر غور کرے اگرچہ وہ نصیحت دیوار پہ لکھی ہو۔

اے اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں سے بنا جو تیری دعوت قبول کر کے تیری بہشت میں داخل ہوتے ہیں۔

marfat.ocm

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۗ
اور عاد کی طرف ان کی برادری سے ہود کو بھیجا کہا اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں

اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿٦٥﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ
تو کیا تمہیں ڈر نہیں اس کی قوم کے سردار بولے بے شک ہم تمہیں بیوقوف سمجھتے ہیں

وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٦٦﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ
اور بیشک ہم تمہیں جھوٹوں میں گمان کرتے ہیں کہا اے میری قوم مجھے بیوقوفی سے کیا علاقہ میں تو پروردگار

رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٧﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ
عالم کا رسول ہوں تمہیں اپنے رب کی رسالتیں پہنچاتا ہوں اور تمہارا معتمد خیر خواہ ہوں

اَمِيْنٌ ﴿٦٨﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ
اور کیا تمہیں اس کا اچنبا ہوا کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نصیحت آئی تم میں کے

لِيُنْذِرَكُمْ ۗ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْ ۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي
ایک مرد کی معرفت کہ وہ تمہیں ڈرائے اور یاد کرو جب اس نے تمہیں قوم نوح کا جانشین کیا اور تمہارے بدن کا پھیلاؤ

الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٦٩﴾ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ
بڑھایا تو اللہ کی نعمتیں یاد کرو کہ کہیں تمہارا بھلا ہو بولے کیا تم ہمارے پاس اس

اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ
لیے آئے ہو کہ ہم ایک اللہ کو پوجیں اور جو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے انہیں چھوڑ دیں تو لاؤ جس کا ہمیں وعدہ دے رہے

الصّٰدِقِيْنَ ﴿٧٠﴾ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ۗ
ہو اگر سچے ہو کہا ضرور تم پر تمہارے رب کا عذاب اور غضب پڑ گیا

اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْۤ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا
کیا مجھ سے خالی ان ناموں میں جھگڑ رہے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے اللہ نے ان کی کوئی سند

مِنْ سُلْطٰنٍ ۗ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿٧١﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ
نہ اتاری تو راستہ دیکھو میں بھی تمہارے ساتھ دیکھتا ہوں تو ہم نے اسے اور اس کے ساتھ

مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٢﴾ ع
والوں کو اپنی ایک بڑی رحمت فرما کر نجات دی اور جو ہماری آیتیں جھٹلاتے تھے ان کی جڑ کاٹ دی اور وہ ایمان والے نہ تھے

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ ٦٥ وَإِلَىٰ عَادٍ اور ہم نے عاد کی طرف بھیجا۔

عاد کا نسب نامہ عاد اہل یمن کی ایک قوم کا نام ہے ان کے بادشاہ کا نام عاد تھا اور اس کا نسب نامہ یوں ہے عاد بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام اَخَاھُمْ ان کے نسب کے ایک فرد کو حقیقی بھائی مراد نہیں یہ اس محاورے سے ہے جو اہل عرب کہتے یا اخا العرب ھُوْدًا یہ اخاھم کا عطف بیان ہے۔

ھود علیہ السلام کا نسب نامہ ہود بن عبد اللہ بن رباح بن خلود بن عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام۔ ہود علیہ السلام کو اپنے قبیلے میں اس لئے رسول بنا کر بھیجا کہ وہ لوگ ان کی باتوں کو اچھی طرح سمجھتے اور ان کے صدق اور امانت و دیانت کو خوب جانتے تھے اور یہی بات اقرب الی الاتباع ہوتی ہے۔ قال یہ جملہ مستانفہ ہے۔

فائدہ: تفسیر فارسی میں ہے کہ قوم عاد نہایت ہی موٹے جسم والے اور طویل القامۃ لوگ تھے ان جیسا طاقت و قوت والا روئے زمین پر اور کوئی قبیلہ نہیں تھا اور وہ کثیر التعداد اور کثیر المال تھے عمر بھر بت پرستی کرتے رہے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ہود علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا تاکہ [illegible] ان کے ہاں تشریف لے جا کر انہیں راہ ہدایت دکھائیں۔ حضرت ہود علیہ السلام ان کے ہاں تشریف لائے اور انہیں دعوت حق پیش فرمائی چنانچہ فرمایا۔ یٰقَوْمِ اے میری قوم اعبدوا اللہ۔ اللہ کی عبادت کرو۔ یعنی اس کی توحید کا اقرار کرو۔ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرُهٗ غیرہ الٰہ کی صفت ہے اس لئے کہ الٰہ محلاً مرفوع مبتدا ہے اس پر من زائدہ ہے اور لَکُمْ اس کی خبر ہے یعنی تمہارے لئے سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی معبود نہیں۔ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ہمزہ برائے استفہام انکاری ہے اور فاء کا عطف فعل مقدر پر ہے دراصل اَفَلَا تتفکرون فَلَا تَتَّقُوْنَ الخ" تھی یعنی کیا تم تفکر نہیں کرتے

marfat.ocm

اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں ڈرتے۔

۶۶ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ یہ جملہ مستانفہ ہے جیسے کہ پہلے ہم بیان کر آئے ہیں ان کی قوم میں سے ان لیڈروں نے کہا جو کافر تھے۔

سوال : یہاں پر لیڈروں کو کفر سے صراحۃً موصوف کیوں کیا حالانکہ اُن کے لیڈر تو کافر تھے ہی۔

جواب : یہ لیڈر نوح علیہ السلام کی قوم کی طرح سب کے سب کافر نہیں تھے بلکہ ان میں بعض حضرات مومن تھے۔ جیسے مُرثد بن سعد لیکن اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھے۔ صرف اس انتظار میں تھے کہ ہود پیغمبر علیہ السلام تشریف لائے بلکہ وہ عاد کی خرابیوں سے تنگ ہو کر مکہ معظمہ حاضر ہو کر ذیل کے اشعار استغاثہ کے طور پڑھے۔

عصت عاد رسولهم فامسوا
عطاشا ما تبلهم السماء
لهم صنم يقال له صمود
يقابله صداء والهباء
فبصرنا الرسول سبيل الرشد
فابصرنا الهدى وجلى العماء
وان اله هود هو الهي
على الله والتوكل والرجاء

ترجمہ : عاد کی قوم نے اپنے رسول علیہ السلام کی نافرمانی کی تو پیاسے مر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر آسمان کا پانی بند کر دیا ان کا ایک بُت ہے جسے صمود کہتے ہیں۔ اس پر صرف زیب و زینت ہے اور بس شکر ہے ہمیں اللہ تعالیٰ کے رسول نے راہِ ہدایت دکھائی۔ ہمیں ہدایت نصیب فرمائی اور کفر کی کالی گھٹائیں چھٹ گئیں جو ہود علیہ السلام کی خدا وہی میرا معبود ہے۔ اس اللہ تعالیٰ پر میرا توکل اور اس کی رحمت پر مجھے اُمید ہے۔

ف : الملأ۔ قوم کے سرداروں کو کہا جاتا ہے دراصل الملأ بمعنی الجماعۃ ہے۔

اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ ہم تمہیں اے ہود علیہ السلام بے وقوفی میں دیکھتے ہیں۔ وہ بیوقوفی تمہارے میں ایسی راسخ ہے کہ اب اس کا ہٹنا مشکل ہے اس لئے کہ تم اپنے آباؤ اجداد کے دین کو چھوڑ بیٹھے ہو۔

فائدہ : سفاھتہ بمعنی خفۃ الحلم والراے یعنی عقل و رائے کی کمی کو کمزوری کہا جاتا ہے۔

وَاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۔ جس کے لئے آپ ہمیں دعوت دیتے ہیں اس میں ہم آپ کو جھوٹا سمجھتے ہیں

marfat.ocm

آیت میں اشارہ ہے کہ نوح علیہ السلام کی طرح قوم عاد کے دل گندے اور خبیث تھے اس لئے ہود علیہ السلام نے جب اُن سے کھوٹ نکالا تو ان سے معمولی طور ثمرہ نکلا۔ لیکن تھوڑے بندوں نے دین حق قبول کیا چونکہ ان کی زمین اچھی نہیں۔ اس لئے جب ہود علیہ السلام نے توحید کا بیج بویا تو خراب زمین والوں سے سوائے خبث اور تسفیہ و تکذیب نہ نکلا۔ اس لئے وہ اپنے اسلاف اور اپنے ہمجنسوں کے طریقہ کو اختیار کرکے وہی کہا جو اوپر مذکور ہوا۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) در زمین گر نیشکر و خوردنی ست
ترجمان ہر زمین نبت وے است
(۲) ریگ و خاکو این زمین با ثبات
باز گوید بر تو انواع نبات

ترجمہ (۱) زمیں میں نے ہے یا کھانے کے لائق کوئی شے ہر زمین کا ترجمان اس کی انگوری ہے
(۲) ریتلی زمین ہے یا پکی اس کی بات تجھے مختلف کھیتیاں بتائینگی۔

۶۵ **قال** ہود علیہ السلام نے فرمایا باوجودیکہ ان سے غلط اور سخت غلیظ کلمات سنے۔ لیکن آپ نے حسنِ سلوک کے طور اچھا طریقہ برتا اور ایسے ہی ہر ناصح و واعظ کے لئے چاہیے۔

یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ اے میری قوم میں بے وقوفی کا شائبہ تک نہیں رکھتا۔ یا بار ملابستہ یا ظرفیہ ہے۔

وَلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ لیکن میں رب العالمین کا رسول ہوں یعنی انتہا درجہ کی رُشد و ہدایت اور سچائی پر ہوں اس لئے کہ رب العالمین کا پیغمبر ہوں۔ آپ نے ایسے جملہ سے استدراک فرمایا جسے رشد و ہدایت اور سچائی لازم ہو کیوں کہ رسول میں دین و دنیا کے انتہائی درجہ کی عقلمندی ہوتی ہے[1]

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ ۝ میں تمہیں اپنے رب تعالیٰ کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور میں تمہارا خیر خواہ اور نہایت درجہ کا امین ہوں اور رسول میں یہ دونوں صفتیں بدرجہ اُتم اور لام بہت مشہور ہوتی ہیں۔

فائدہ: رسالت کو جمع لانے کا ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اسی طرح نصح اور تبلیغ کا فرق بھی ہم نے بیان کیا ہے

---

[1] اس میں دیوبندیوں وہابیوں نیچریوں اور پرویزیوں جملہ بدمذاہب کا رد ہے کہ وہ کہتے ہیں نبی علیہ السلام صرف دین کی باتیں جانتے ہیں۔ دنیوی امور سے بے خبر (معاذ اللہ)

marfat.ocm

نکتہ : ناصح امین کہہ کر متنبہ فرمایا کہ اے میری قوم تم میری یہ دونوں صفتیں خوب جانتے ہو۔

قاعدہ : حال ہمیشہ ذوالحال کی ہیئت کذائیہ کو بیان کرتا ہے۔

قاعدہ : کسی شے کو کسی صفت سے موصوف کرنے کا فائدہ اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب وہ صفت مشہو بین المخاطب ہو۔

نکتہ : نصیحت اور امانت کا متعلق ظاہر نہیں کیا گیا۔ یہ از قبیل مجبور ہے تاکہ اگر وہ ان کا مقابلہ کریں ت اپنے متعلق دونوں حقیقتوں کو ظاہر فرمادیتے یہ بھی ایک قسم کی ہنرمندی ہے۔

۶۹ **اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ** کیا تمہیں تعجب ہے کہ رب تعالیٰ (جو تبل تمام امور کا مالک ہے) کی طرف سے وحی ظاہر ہو۔ **عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ** تمہارے ہم جنس انسان کی زبا **لِيُنْذِرَكُمْ** تاکہ وہ کفر و معاصی کے برے انجام سے تمہیں ڈرائے۔

اعجوبہ وحی من اللہ کے لئے اپنے جیسے انسان پر نزول پر تو تعجب کر رہے تھے لیکن انہیں اپنے تعجب نہیں ہوا کہ وہ پتھروں کی پوجا کرتے اور انہیں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرا لیا۔

وَاذْكُرُوْا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ (ربط) نصیحت و امانت کے احکام کی ترتیب شروع فرمائی ا ارتذار اور اس کی تفصیل بھی۔

ترکیب : اِذْ فعل محذوف کی وجہ سے منصوب اور اس کا مفعول ہے۔ اس کا یہ اِذْ ظرف دراصل عبارت یوں تھی "واذکروا اذ جعلکم الخ" یعنی یاد کرو۔ جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں جانشین بنایا

سوال : صاحب الفرائد فرماتے ہیں اذ اور اذا ہمیشہ ظرفیہ ہوتے ہیں اور تم نے کہا یہاں اذ ظرفیہ نہ

جواب : نحوی قاعدہ باب الاتساع واسع یعنی ظروف کے حروف میں وسعت ہوتی ہے۔ انہیں جو بن سکتے ہیں۔

فائدہ : مولانا ابوالسعود مفسر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کا عطف فعل مقدر پر ہے۔ دراصل عبا لَاتعجبوا من ذٰلک وتدبروا فی امرکم واذکروا الخ یعنی اس سے تعجب مت کرو۔ بلکہ تدبر کرکے اس وقت کو کرو جب کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے جانشین بنایا۔ "**مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ**" نوح علیہ السلام کے بعد یعنی ان کے گزر ان کی زمینوں کا تمہیں جانشین بنایا کہ ان کے بعد تم اس پر بادشاہ بنائے گئے۔ اس لئے کہ شداد بن عاد تمام زمین کا بادشاہ تھا۔ جس کا دارالخلافہ شہر صالح تھا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں بعض کو بعض کا خلیفہ بنایا۔ اس بنا پ روئے زمین کے خلیفہ ہوئے اس لئے کہ ایک مرتا ہے تو دوسرا اسی زمین کا مالک بن جا

marfat.ocm

رح اہل غفلت کے غافلین اور وصال والوں کے واصلین جانشین ہوتے ہیں۔

وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ ۔ اور تمہیں بڑھایا یعنی لوگوں میں تمہاری کثرت فرمائی۔ بَسْطَةً ج ۔ قدوقامت اور قوت وطاقت کے لحاظ سے۔ اس لیے کہ ان کے زمانہ میں ان سے اور کوئی بڑے قد والا نہیں تھا۔ ان کے بڑے سے بڑا قد والا سو گز اور چھوٹے سے چھوٹا ساٹھ گز کا ہوتا تھا۔

فائدہ: حضرت وہب نے فرمایا کہ ان کا سر اتنا بڑا ہوتا کہ آجکل کے دونوں ہاتھوں کے پھیلاؤ یں آسکتا تھا اور آنکھ کی پیشانی اتنی تھی کہ اس میں ایک شیر کے بچے کی جگہ آسانی سے بن سکتی تھی۔ اسی رح ان کے ناک وغیرہ کا حال تھا۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے عام مخلوق میں جسمانیت کا فرق ہے ایسے ہی اُن کی سیرت میں فرق ہوتا ہے بعض سیرت میں اتنے بلند ہوتے ہیں کہ ان کا مقابلہ نہیں ہوسکتا۔ فرزدق نے کہا ؎

وقد تلتقی الاسمار فی الناس ولکنی
کثیرا ولکن فَرَّقُوْا فی الخلائق

ترجمہ: اسمار اور کنیت میں ایک دوسرے سے لفظی مناسبت ہوتی ہے لیکن گہری نگاہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عادات واخلاق میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

ف: شعر میں الخلائق خلیقۃ کی جمع ہے بمعنی طبیعت۔ خاقانی نے فرمایا ؎

نے ہمہ یک رنگ دارد در نیستاں و لیک
از یکے نے قند خیزد و ز دگر نے بوریا

ترجمہ: دونوں نے جنگل (کھیت) میں ایک رنگ نظر آتے ہیں لیکن ایک سے کھانڈ حاصل ہوتی ہے دوسرے سے ٹاٹ وغیرہ۔

فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ پس اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو۔ آلاء الی بمعنی نعمت کی جمع ہے پہلے مخصوص نعمتوں کا ذکر تھا۔ اب عام نعمتوں کا بیان فرمایا ہے جیسا کہ تعمیم بعد التخصیص کا قاعدہ ہے۔

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ تاکہ تم کامیابی حاصل کرلو یعنی نعمتوں کا ذکر تمہارے لئے شکر کی ادائیگی کا سبب بن جائے۔ تم تکالیف سے نجات پانے کے مستحق ہو جاؤ اور تمہیں اصل مقصود نصیب ہو جائے لیکن ان کے پاس سوائے تقلید آباء کے اور کیا تھا اور اس کے سوا وہ اور کیا جواب دے سکتے تھے۔

ؕ قَالُوْٓا۔ مذکورہ بالا بہترین نصیحتیں سن کر قوم عاد نے ہود علیہ السلام کو جواب دیا۔ اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ

marfat.ocm

اے ہود علیہ السلام تم ہمارے ہاں تشریف لائے ہو تاکہ ہم ایک معبود کی عبادت کریں۔ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاؤُنَا اور ہم ان معبودوں کی پرستش چھوڑ دیں جن کی ہمارے آباء و اجداد عبادت کرتے آئے۔

فائدہ ۱۔ اَجِئْتَنَا یا تو اس لئے کہا کہ ہود علیہ السلام نے چند روز ان سے علیحدگی اختیار کرلی جیسے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حراء میں چند روز عبادت کے لئے تنہائی اختیار فرمائی پھر جب ان پر وحی الٰہی کا نزول ہوا تو اپنی قوم کے پاس دعوتِ حق سنانے کے لئے تشریف لائے یا ان کا مطلب یہ تھا کہ آپ آسمان سے تشریف لائے ہیں وہ اس لئے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ آسمان سے اللہ تعالیٰ فرشتہ رسول بنا کر بھیجتا ہے۔ زمین والوں سے کوئی بشر رسول نہیں بن سکتا اس سے وہ ہود علیہ السلام کے ساتھ استہزاء کرتے یا یہاں مجازاً یہ لفظ کہا ہے اس لئے کہ ان کی مجیئ سے مطلق فعل اور اس کا ارتکاب مراد تھا۔ گویا انہوں نے ہود علیہ السلام سے کہا کہ کیا آپ کا یہی ارادہ ہے کہ ہم صرف ایک معبود کی عبادت کریں اور آپ ہمیں اس کا مکلف بناتے ہیں۔ جیسے اہل عرب کہتے ہیں۔ ذَهَبَ يَشْتِمُنِيْ اس میں ذہب کا اصلی معنی مراد نہیں ہے۔ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا۔ پس لایئے وہ عذاب کہ جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو۔

سوال: گذشتہ مضمون میں تو عذاب کے ڈرانے کی تصریح نہیں تو پھر ان کا یہ کہنا کس طرح

جواب: جب "اَفَلَا تَتَّقُوْنَ" حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں فرمایا تو اس سے عذاب کی دھمکی مراد تھی۔ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو کہ اگر تمہاری بات نہ مانی گئی تو عذاب آجائے گا
۵ قَالَ ہود علیہ السلام نے فرمایا قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ تمہارے لئے عذاب واجب ہوگیا۔ یہ مجاز ہے اس لئے کہ مسبب بول کر سبب مراد لیا ہے کیونکہ علم الٰہی میں نزولِ عذاب وجوب نزول کا سبب ہے۔ مِنْ رَّبِّكُمْ تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے "رِجْسٌ" عذاب۔ یہاں رجس بمعنی ارتجاس ہے یعنی اضطراب وَغَضَبٌ اور غضب یعنی ارادۂ انتقام۔ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ کیا تم میرے ساتھ ان کے لئے جھگڑتے ہو جو صرف نام ہی نام ہیں۔ بتوں کے نام تو ہیں لیکن ان کے مسمیات کی کوئی حقیقت نہیں اس لئے کہ وہ بت بنا کر ان کا نام معبود حقیقی کے نام کے مطابق موسوم کرکے ان کی عبادت کرتے اور صرف انہیں عبادت کا مستحق سمجھتے تھے حالانکہ الوہیت واستحقاق عبادۃ کی حیثیت سے کوسوں دور تھے۔ سَمَّيْتُمُوْهَا۔ انہیں تم نے ہی نام رکھے اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ۔ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اور تمہارے آباء کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے کوئی حجت اور برہان نہیں نازل فرمایا۔

ترکیب۔ سمیتموھا اسماء کی صفت ہے ما نزل اللہ بھی اسی کی صفت ہے اور من سلطان ما نزل کا مفعول ہے اور من زائدہ ہے۔ خلاصہ یہ کہ اے قوم عاد تم میرے ساتھ ان مسمیات کے لئے جھگڑا کرتے ہو جن کے

marfat.ocm

صرف نام ہیں لیکن ان اسماء میں وہ حقیقت موجود نہیں جس سے تم نے انہیں موسوم کر رکھا ہے اور وہ فعل قابل مذمت ہوتا ہے جس کا نام لفظ ہو لیکن معنی نہ ہو اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ اسم بھی رہی ہو اور مسمّٰی بھی رہی ۔

قوم ہود کی بتوں کے اسماء اور ان کی کارگزاریاں

قوم ہود نے اپنے ہر بت کا علیحدہ نام اور ان کے متعلق علیحدہ علیحدہ کارکردگی سمجھ رکھی تھی چنانچہ ان کے ایک بت کا نام سائفہ تھا۔ اس کے متعلق ان کا عقیدہ تھا کہ بارش بھی برساتا ہے ایک اور کو حافظہ کہتے تھے اس کے متعلق ان کا خیال تھا کہ یہ سفر میں ان کی نگرانی کرتا ہے۔ ایک اور بت تھا اس کا نام رازقہ۔ اسی طرح سالمہ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ یہ صرف نام ہیں۔ مسمّٰی ان کا کچھ بھی نہیں۔ کیوں کہ وہ تو چند ڈھیلوں کا مجموعہ ہوتے انہیں کسی شے پر قدرت کیسی۔ اس پر ہود علیہ السلام نے انہیں فرمایا۔ اے قوم عاد میرے سے تم ان بتوں کے بارے میں جھگڑتے ہو جن کے تم نے ازراہِ جہالت نام رکھ چھوڑے ہیں

فَانْتَظِرُوْٓا یہ قد وقع سے مربوط ہے یعنی اے قوم عاد جو کچھ تم مانگتے ہو اور مجھے کہتے ہو فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ بس انتظار کرو۔ اِنِّیْ مَعَکُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ میں بھی تمہارے ساتھ تمہارے اوپر نزول عذاب کا انتظار کرتا ہوں۔

۷۲ فَاَنْجَیْنٰهُ فَانْفَجَرَتْ کی طرح فا فصیحہ ہے یعنی اس کے بعد قوم عاد پر عذاب واقع ہوا اور ہم نے ہود علیہ السلام کو نجات دے دی۔ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ اور ان لوگوں کو جو دین میں اُن کے ساتھ ہوئے بِرَحْمَةٍ مِّنَّا بہت بڑی رحمت سے جو ان پر ہماری طرف سے ہوئی۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ ہود علیہ السلام باوجودیکہ نبی تھے اور بہت بڑے مراتب و درجات کے مالک تھے لیکن انہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نجات نصیب ہوئی تاکہ بندگانِ خدا کو معلوم ہو کہ نجات حق اعمال کی محتاج نہیں اور نہ ہی اعمال صالحہ کی وجہ سے ملتی ہے بلکہ نجات محض فضلِ الٰہی اور اس کی رحمت پر موقوف ہے اس لئے جسے بھی نجات نصیب ہوئی تو محض فضل حق اور رحمت رب سے اور بس وَقَطَعْنَا دَابِرَ اور ہم نے کاٹ دی جڑ اس قوم کی الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی یعنی ہم نے ان کی بنیادیں اکھیڑ ڈالیں اور ان کا نام ونشان تک مٹ جائے وَمَا کَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ ۔ اور وہ مومن نہ تھے۔ اس کا عطف کَذَّبُوْا پر ہے اور یہ بھی الذین کے صلہ کے حکم میں ہے یعنی انہوں نے کفر و تکذیب پر اصرار کیا اور اس سے سرمو بھی پیچھے نہ ہٹے اس لئے ہم نے بھی انہیں تباہ و برباد کر ڈالا۔

مسئلہ: آیت سے معلوم ہوا کہ نجات کا دار و مدار ایمان اور آیاتِ الٰہی کی تصدیق پر ہے جیسے کفر و تکذیب سے تباہی و بربادی ہی نصیب ہوتی ہے (معاذ اللہ)

marfat.ocm

قوم ہود کا تفصیلی واقعہ قوم عاد ملک یمن کے احقاف کے علاقہ میں رہتے تھے اور یہ ریتیلا علاقہ ہے اس کے ساتھ چند مقامات اور متعلق ہیں۔ مثلاً عالج۔ دہمان۔ مرین یہ علاقہ عمان اور حضرموت کے مابین واقع ہے۔ ان لوگوں نے اپنی قوت وطاقت سے اللہ کی زمین پر فتنہ و فساد برپا کر کے اہل زمین کا عرصہ حیات نہایت تنگ کر رکھا تھا ان کے چند بت تھے جن کی تین وقتوں صبح دوپہر اور شام کو پرستش کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے اُن کے ہاں ہود علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا تھا جو ان کے نسب میں تو اوسط درجے کے تھے لیکن شرافت و بزرگی میں نہایت بلند مقام کے مالک تھے ہود علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ بُت پرستی چھوڑ دو۔ صرف اللہ تعالیٰ واحد لاشریک کی عبادت کرو اور ساتھ یہ ظلم وستم جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر کرتے ہو ختم کر دو۔ انہوں نے کہا تم کون ہو ہمیں سمجھانے والے ہم یہی کریں گے جو کر رہے ہیں۔ ہمارا بالمقابل ہے کون۔ اس کے بعد اُلٹا انہوں نے اپنی کاروائی اور تیز کر دی اور سرکشی اور رعونت کا بازار گرم کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں عبرت کے طور تین سال تک اُن پر بارش بند کر دی اس وقت لوگوں کی عادت تھی کہ جب اس طرح کی کوئی مصیبت رُونما ہوتی تو مسلمان اور کافر سب مل کر مکہ معظمہ میں جا کر کعبۃ اللہ کے سامنے گڑگڑاتے۔ اس وقت مکہ معظمہ کے باشی عمالیق تھے یعنی عملیق بن لاوُذ بن سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد تھی ان کے سردار کا نام معاویہ بن بکر تھا۔ اس کی والدہ بھی قوم عاد سے تھی اس دستور کے مطابق قوم عاد نے بھی مکہ معظمہ کو جانے کے لئے پروگرام بنایا۔ چنانچہ ایک وفد تیار کیا آمدورفت کا خرچ اٹھا کر کے ستر آدمی روانہ کئے۔ جن کے امیر قافلہ قیل بن عشر اور مرثد بن سعد مقرر کئے گئے جب وہ شہر مکہ میں وارد ہوئے تو معاویہ بن بکر سردار مکہ کے ہاں ٹھہرے ان کا مکان شہر سے باہر تھا۔ اُس نے ان کے اعزاز واکرام میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اس لئے کہ اسے اپنے ننھیالی رشتہ داری کی عزت واحترام مدِ نظر تھی۔ لیکن ان صاحبان نے آتے ہی عیش وعشرت کے مزے لوٹنے بجائے کعبہ معظمہ میں جانے کے معاویہ بن بکر کے مکان پر پورا ایک ماہ گزار دیا۔ اس لئے کہ وہاں شراب کی بوتلیں آزادی سے اپنی ہی مرضی سے پیتے پھر نغمہ وسرود کی محفلیں خوب گرم ہوتیں جرادتین کے گانے انہیں مدہوشی میں ڈال دیتے۔ جرادین معاویہ بن بکر کی گانے بجانے والی دو لونڈیوں کا نام تھا۔ ان میں ایک کا نام وردہ تھا اور دوسری کا جرادہ تغلیباً ہر دونوں کو جرادتین کہا جاتا معاویہ کو اُن کا یہ طریقہ ناگوار ہوا اس لئے کہ آئے تو تھے کعبہ میں گڑگڑانے اور زاریاں کر کے بارش مانگنے لیکن یہاں عیش ونشاط کی محفلوں میں سرمست ہو گئے۔ نامعلوم پس ماندگان پر کیا گزری لیکن بحیثیت مہمان نوازی کے انہیں کچھ کہہ بھی نہیں سکتا تھا اس لئے خاموش رہتا۔ لیکن جب کافی عرصہ گزرتا چلا گیا تو اس سے نہ رہا گیا اس نے اپنی دونوں لونڈیوں یعنی جرادین سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ آپ ہمیں ایسے اشعار منظوم کر دیں جن کے متعلق انہیں محسوس نہ ہو کہ ان کا منظوم کرنے والا کون ہے ہم ان کو جا کر سنائیں گے امید اغلب ہے کہ ان کے سنتے ہی

marfat.ocm

وہ یہاں سے چل نکلیں گے۔ معاویہ نے جو اشعار منظوم کئے وہ یہ ہیں۔

الا یا قیل ویحک قم فہیم
لعل اللہ یسقینا غماما
فیسقی ارض عاد ان عادا
قد امسوا ما یبینون العلاما
من العطش الشدید فلیس نرجو
بہ الشیخ الکبیر ولا الغلاما
وقد کانت نسارہم و بخیر
فقد امست نسارہموا یامیٰ
وان الوحش تاتیہم جہارا
فلا تخشی لعادی سہاماً
وانتم ھہنا فیما اشتہیتم
نہارکم ولیلکم التماما
فقبح وفدکم من وفد قوم
ولا لقوا التحیۃ ولا السلاما

ترجمہ: ”خبردار اے قیل افسوس ہے اٹھ کھڑا ہو اور بارش مانگ امید ہے اللہ تعالیٰ ہمیں بارش عنایت فرمائے گا اس سے قوم عاد کو بھی بارش نصیب ہو گی اب تو ان کی یہ حالت ہے کہ وہ بھوک اور پیاس سے بول بھی نہیں سکتے اس میں بوڑھے اور نوجوان سب شامل ہیں۔ جب تم چلے تھے اس وقت تمام عورتیں بخیر و عافیت تھیں لیکن اب ان کی بہت عورتیں بے شوہر ہو چکی ہیں۔ اب تو وحشی کھلم کھلا ان کے گھروں کے گرد گھومتے پھرتے نظر آتے ہیں اس لئے کہ نہ کوئی مرد ہے کہ نہ انہیں کوئی تیر مارتا ہے اس وجہ سے اب انہیں کسی سے خطرہ ہی نہیں اور تم یہاں عیش و عشرت میں گم ہو رات اور دن کو ایک کئے ہوئے ہو۔ اس گندہ خصلت والے وفد کی قباحت تم سے بڑھ کر نہیں جو سلامتی و عافیت سے ہمکنار نہیں ہوتے۔“

جب جرادین نے انہیں یہ اشعار سنائے تو آپس میں لگے کہنے کہ یار وہم نے کافی وقت یہاں گزار دیا۔ اٹھو چلو حرم شریف میں گریہ وزاری کرو تاکہ ہمیں بارش نصیب ہو۔ اُن کے امیر قافلہ مرثد نے کہا میرا جی چاہتا ہے کہ اب ہم اپنے نبی ہود علیہ السلام کو مان لیں تو اچھا ہے ورنہ ہمارے کردار بتلاتے ہیں کہ ہماری دعاؤں سے بارش کا ایک قطرہ بھی نصیب

marfat.ocm

نہیں ہوگا بلکہ اب وقت ہے کہ ہم سچے دل سے توبہ کریں اس پر انشاء اللہ تعالیٰ بارش ہو جائے گی بلکہ اس سے تو اپنے ایمان کا اظہار بھی کر دیا۔ ان سب نے مرثد کی تقریر سنی تو سارے ناراض ہوگئے اور معاویہ سے کہا کہ مرثد کو قید کر دیجئے۔ یہ ہمارے ساتھ اب کعبہ میں جانے کا نہیں رہا۔ اس لئے کہ اس نے ہود علیہ السلام کا دین قبول کر لیا اور اپنے آباؤ اجداد کے دین کو چھوڑ دیا۔ یہ کہہ کر سب کے سب کعبہ معظمہ میں حاضر ہوئے اور مرثد نے یہ دعا کی۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ انسے مسجد حرام میں کھڑے ہو کر دعا میں عرض کیا۔ اے اللہ تعالیٰ ہم تیرے ہاں مریض کی شفا مانگنے نہیں آئے اور نہ کسی قیدی کو چھڑانے کے لئے عرض کرتے ہیں بلکہ ہمیں بارش عطا فرما۔ اس لئے کہ ہم ہلاک ہو رہے ہیں۔ اے اللہ عاد کو پہلے کی طرح بارش سے نواز۔ ساتھ والوں نے کہا۔ اے اللہ تیرے سے قیل جو کچھ مانگ رہا ہے اسے عنایت فرما ہمارا بھی وہی مقصد ہے جو وہی عرض کر رہا ہے۔ فلہذا ہمیں خالی ہاتھ نہ لوٹا۔ ان کی دعا پر تین قسم کے بادل نمودار ہوئے۔

(۱) سفید
(۲) سرخ
(۳) سیاہ

اور غائبانہ ندا دینے والے نے کہا" اے قیل اپنی قوم کے لئے ان تینوں میں سے ایک کا انتخاب کرلے۔ اس نے عرض کی ہمیں سیاہ بادل عنایت فرمادے اس لئے کہ سیاہ بادل میں بارش ہوتی ہے لیکن آواز آئی کہ اے قیل تو نے وہ بادل مانگا جس میں ہلاکت و تباہی کے سوا کچھ نہیں۔ اس سے عاد کی قوم کا ایک بچہ بھی باقی نہیں رہے گا۔ تمام بوڑھے جوان اور بچے فنا ہو جائیں گے۔ اس کے بعد وہ سیاہ بادل چل پڑا۔ جس میں عذاب یعنی تباہی و بربادی تھی اور عاد کی قوم کی طرف رخ کیا اور ان کے وادی مغیث کے بالمقابل پہنچا۔ جونہی قوم عاد نے دیکھا تو خوش ہوئے اور کہا یہ بادل آگیا۔ ہمیں بارش سے بھرپور کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا نہیں یہ وہی عذاب ہے جو اپنے رب تعالیٰ کے حکم سے تم سب کو تباہ برباد کر ڈالے گا چنانچہ اس کے بعد اس بادل سے ایک کالی سیاہ ہوا چلی جو ان پر سات دن اور آٹھ راتیں مسلسل چلتی رہی۔

قوم عاد کے عذاب کی کیفیت: ان کے عذاب کی کیفیت یہ تھی کہ ہوا سے بڑے بڑے پتھر برستے جو ان کے سروں پر پڑ پڑ کر انہیں ریزہ ریزہ کر دیتے۔ جونہی انہوں نے یہ کیفیت دیکھی تو زمین میں گڑھے کھودے تاکہ ان گڑھوں میں چھپ جائیں لیکن ہوا اتنی زوردار تھی کہ زمین کے نیچے زور لگا کر ان کے دو دو آدمیوں کو اوپر اٹھا اٹھا کر ان کو آپس میں ٹکرا دیتی۔ پھر انہیں زمین میں ایسے زور سے پھینکتی کہ زمین میں دھنس جاتے۔ اس حالت کو تمام اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے اور ان کی چیخ و پکار اپنے کانوں سے سنتے رہے۔ یہاں تک کہ تمام کے

marfat.ocm

تمام فنا و برباد ہو گئے۔

ہود علیہ السلام کو امان ہجرت ہود علیہ السلام اور آپ کے ماننے والے ایک مقام پہ محفوظ رہے جہاں انہیں وہی ہوا ٹھنڈی ٹھنڈی بھینی بھینی خوشبودار ہو کر پہنچتی۔

واقعہ مذکور کا آغاز منقول ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس عذاب والی ہی کو عذاب کے لئے بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو ہوا سے فرمایا کہ اپنے مخرج سے بیل کے ناک کے سوراخ کے برابر باہر نکل جب وہ اس مقدار میں نکلی تو تمام حضرموت میں زلزلہ آگیا۔ مشرق سے مغرب تک زمین کا چپہ چپہ جھکولے کھا رہا تھا ہوا کے داروغہ فرشتہ نے عرض کیا یا اللہ تعالیٰ اگر ہوا کی یہی حالت رہی تو نہ زمین رہے گی نہ زمین والے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہوا کو فرمایا کہ انگشتری کے سوراخ کے برابر نکل۔ چنانچہ اسی قدر نکلی تو وہی کیفیت پیدا کر دی جو مذکور ہوئی۔

قصہ قوم عاد بروایت دیگر حضرت سدی نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہوا کو عاد کی طرف بھیجا جب ان کے قریب ہوئی تو انہوں نے دیکھا کہ ان کے اونٹ اور بیل ہوا کی شدت سے اڑ کر آسمان کی طرف چلے گئے ہیں وہ بھاگ کر اپنے گھروں میں گھس گئے۔ لیکن ہوا نے انہیں گھروں سے نکال کر وہی کیفیت پیدا کر دی جو مذکور ہوئی۔

سوال: بیچارے حیوانات کا کیا قصور تھا کہ انہیں بھی ایسے سخت عذاب میں مبتلا کیا گیا۔

جواب: جب اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوتا ہے تو عام ہوتا ہے اس میں کسی شے کی تخصیص نہیں رہتی اور اس کے اپنے افعال میں ہزار حکمتیں ہوتی ہیں اور پھر وہ ان کے قبضے میں تھے ان سے ان کے مالکوں سے پہلے کی طرح جدا کیا جاتا۔ پھر ممکن ہے کہ ان حیوانات کو وہ عذاب نہ ہو بلکہ ان کے لئے راحت ہو۔

ہود علیہ السلام کی ہجرت: حضرت ہود علیہ السلام اپنی قوم کے اہل ایمان کو بچا کر مکہ معظمہ میں تشریف لائے اور وہیں پر ان کا وصال ہوا اور اللہ تعالیٰ کا یہی طریقہ ہر نبی علیہ السلام سے رہا کہ جونہی ان کی باغی قوم عذاب میں مبتلا ہوتی ہے تو ان کو حکم ہوتا ہے کہ وہ اپنے ماننے والوں کو لیکر مکہ معظمہ کی طرف ہجرت کر جائیں اور وہیں پر بقایا زندگی بسر فرمائیں۔

مکہ معظمہ میں مزارات بعض مفسرین فرماتے ہیں حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان ننانوے انبیاء علیہم السلام مدفون ہیں۔ ہود و شعیب اور صالح و اسماعیل علیہم السلام کے مزارات بھی یہیں پر ہیں اھ

مسئلہ: جب کسی قوم پر عذاب اور غضب ہو تو وہاں سے ہجرت کرنا چاہیے اس لئے کہ ان کے کفر و معاصی کی وجہ سے

ف جو لوگ مزارات کی حاضری کو شرک کہتے ہیں انہیں کعبہ معظمہ میں نہ جانا چاہیے کہ وہاں بھی انبیاء علیہم السلام کے مزارات ہیں

marfat.ocm

اس جگہ سے خیر و برکت اُٹھ جاتی ہے۔ وہاں سے اللہ تعالیٰ کے جلال سے ڈرنا چاہیے۔ اسی لئے اپنی جگہ چھوڑ کر وہاں جانا چاہیے جہاں امان ہی امان ہو اور کعبہ معظمہ تو امن کا مرکز ہے۔ کما قال تعالیٰ "وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ آمِنًا"

مسئلہ ، مقامات کی فضیلت کی بنا پر وہاں کی عبادت میں بھی ثواب مختلف درجات کا حکم رکھتا ہے۔ چنانچہ مکہ معظمہ میں ایک نیکی لاکھ کے برابر ہوتی ہے اس لئے کہ مکہ معظمہ کو تمام انبیاء عظام و اولیاء کرام کے قدم میمنت لزوم کا شرف ملا۔ یہی حال اوقات کے متعلق ہے کہ بعض اوقات دوسرے بعض سے افضل ہوتے ہیں۔

نکتہ ؛ مبارکباد کے مستحق ہوتے ہیں ؎۲ لوگ جو اہلِ بدعت اور اہلِ شر کے علاقوں کو چھوڑ کر اہلِ سنت و اہلِ ھدی کے ہاں چلے جاتے ہیں اس لئے کہ اہلِ خیر و اہلِ صلاح (اولیاء اللہ) پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی نگاہِ کرم ہوتی ہے۔

مسئلہ ؛ جو شخص اپنی کسی نفسانی خواہش اور دنیوی غرض یا اپنے معاش کے تحت وہیں پر پڑا رہتا ہے جہاں اہلِ معاصی و اہلِ نفاق کا بسیرا ہے تو سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا میں عذاب میں مبتلا فرمایا اور گویا اسے اپنی جنت سے ایسے شخص کو دور رکھا ہے۔ ایسے شخص نے اپنے معاملات میں سخت نقصان اٹھایا اور اسے ایسی تجارت میں سراسر گھاٹا نصیب ہوا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ہدایت یافتہ انسان گمراہوں کے ساتھ نہیں بسر کر سکتا۔ جب کہ ایسے دلائل و براہین سے معلوم ہو جائے کہ اُن کے ساتھ رہنا سراسر نقصان ہے ؎

سعدیا حُبِ وطن اگرچہ حدیث است صحیح
نتواں مرد بسختی کہ من اینجا زادم

ترجمہ ، سعدی اگرچہ حب الوطن والی حدیث صحیح سہی لیکن وہاں سختی سے مرنا اور کہنا کہ میں یہاں پیدا ہوا تھا۔

صاحب روح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے اہلِ بغی و فساد سے اہلِ ارشاد کا طریقہ حاصل کرلے کے لئے ہجرت کی پھر دیارِ رُوم سے بروسہ محروسہ میں بھی اسی غرض سے پہنچا ؎۳ اللہ تعالیٰ ہمیں طریقِ حق و ارشاد پر ثابت قدم رکھ اور ہمیں سیرِ مطلق کی ہجرت سے نواز (آمین)

؎۲ یہی کو الف اہلِ حق

یعنی اہلسنت کو نصیب ہیں ورنہ دوسرے تو اولیاء اللہ کی طرف جانے کو شرک کہتے ہیں۔ لا تشد الرحال والی حدیث پڑھ کر بندگانِ خدا کو ڈراتے ہیں

؎۳ ، فقیر اُویسی نے بھی اپنے غریب خانہ کو اسی لئے ترک کیا کہ وہاں دینی اُمور کی کچھ قدر نہ تھی اور اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ محکم دین سیرانی قدس سرہ کا پڑوس اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ہجرت کو منظور فرما کر سیرِ مطلق ہجرت کے اسرار سے نوازے ۱۲۔

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَٰلِحًا ۗ قَالَ يَٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ

اور ثمود کی طرف ان کی برادری سے صالح کو بھیجا کہا اے میری قوم اللہ کو پوجو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں

قَدْ جَاءَتْكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ هَٰذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ ءَايَةً ۖ فَذَرُوهَا تَأْكُلْ

بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل آئی یہ اللہ کا ناقہ ہے تمہارے لیے نشانی تو اسے چھوڑ

فِىٓ أَرْضِ اللَّهِ ۖ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوٓءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٣﴾ وَاذْكُرُوٓا إِذْ

دو کہ اللہ کی زمین میں کھائے اور اسے برائی سے ہاتھ نہ لگاؤ کہ تمہیں دردناک عذاب آئے گا اور یاد کرو جب تم کو

جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنۢ بَعْدِ عَادٍ وَبَوَّأَكُمْ فِى الْأَرْضِ تَتَّخِذُونَ مِن

عاد کا جانشین کیا اور ملک میں جگہ دی کہ نرم زمین میں محل بناتے

سُهُولِهَا قُصُورًا وَتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ بُيُوتًا ۖ فَاذْكُرُوٓا ءَالَآءَ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا

ہو اور پہاڑوں میں مکان تراشتے ہو تو اللہ کی نعمتیں یاد کرو اور زمین میں

فِى الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٧٤﴾ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِن قَوْمِهِۦ لِلَّذِينَ

فساد مچاتے نہ پھرو اس کی قوم کے تکبر والے کمزور

اسْتُضْعِفُوا لِمَنْ ءَامَنَ مِنْهُمْ أَتَعْلَمُونَ أَنَّ صَٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّن رَّبِّهِۦ ۚ قَالُوٓا

مسلمانوں سے بولے کیا تم جانتے ہو کہ صالح اپنے رب کے رسول ہیں بولے

إِنَّا بِمَآ أُرْسِلَ بِهِۦ مُؤْمِنُونَ ﴿٧٥﴾ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوٓا إِنَّا بِالَّذِىٓ ءَامَنتُم

وہ جو کچھ لے کر بھیجے گئے ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں متکبر بولے جس پر تم ایمان لائے ہمیں اس سے

بِهِۦ كَٰفِرُونَ ﴿٧٦﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوا يَٰصَٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا

انکار ہے پس ناقہ کی کوچیں کاٹ دیں اور اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی اور بولے اے صالح ہم پر

تَعِدُنَآ إِن كُنتَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٧٧﴾ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِى دَارِهِمْ

لے آؤ جس کا تم وعدہ دے رہے ہو اگر تم رسول ہو تو انہیں زلزلہ نے آلیا تو صبح کو اپنے گھروں میں اوندھے پڑے

جَٰثِمِينَ ﴿٧٨﴾ فَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَٰقَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّى وَنَصَحْتُ

رہ گئے تو صالح نے ان سے منہ پھیرا اور کہا اے میری قوم بیشک میں نے تمہیں اپنے رب کی رسالت پہنچا دی

لَكُمْ وَلَٰكِن لَّا تُحِبُّونَ النَّٰصِحِينَ ﴿٧٩﴾ وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِۦٓ أَتَأْتُونَ

تمہارا بھلا چاہا مگر تم خیرخواہوں کے غرضی ہی نہیں اور لوط کو بھیجا جب اس نے اپنی قوم سے کہا کیا وہ بے حیائی

الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ (80) إِنَّكُمْ لَتَأْتُوْنَ الرِّجَالَ
کرتے ہو جو تم سے پہلے جہاں میں کسی نے نہ کی تم تو مردوں کے پاس شہوت

شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ (81) وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ
سے جاتے ہو عورتیں چھوڑ کر بلکہ تم لوگ حد سے گزر گئے اور اس کی قوم کا کچھ

إِلَّآ أَنْ قَالُوْٓا أَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ (82) فَأَنْجَيْنٰهُ
جواب نہ تھا مگر یہی کہنا کہ ان کو اپنی بستی سے نکال دو یہ لوگ تو پاکیزگی چاہتے ہیں تو ہم نے اسے

وَأَهْلَهٗٓ إِلَّا امْرَأَتَهٗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ (83) وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا فَانْظُرْ
اور اس کے گھر والوں کو نجات دی مگر اس کی عورت وہ رہ جانے والوں میں ہوئی اور ہم نے ان پر ایک مینہ برسایا تو دیکھو کیسا

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ (84)
انجام ہوا مجرموں کا

تفسیر عالمانہ ۷۳ وَإِلٰى ثَمُوْدَ ؛ یعنی ہم نے ثمود کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ ثمود عرب کا ایک قبیلہ اپنے مورثِ اعلیٰ کی وجہ سے اس نام سے موسوم ہوئے۔

ثمود کا نسب نامہ ثمود بن عاد بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام۔ اس کا مسکن شام و حجاز کے مابین مقام حجر میں تھا جو وادی القریٰ کی جانب واقع ہے۔

ف : ثمود کا لفظ قرآن مجید میں منصرف و غیر منصرف ہر دو نوں طرح مستعمل ہوا ہے۔ کما قال تعالیٰ اَلَا اِنَّ ثَمُوْدَا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ اور فرمایا اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ۔ جو اسے منصرف پڑھتے ہیں وہ اسے ایک قبیلہ کا نام بتاتے ہیں اور جو اسے

marfat.ocm

غیر منصرف پڑھتے ہیں وہ اسے ایک قبیلہ کا اسم علم قرار دیتے ہیں۔ اَخَاھُمْ ان کے بھائی کی طرف اس سے ان کا نسبی مراد ہے ورنہ شرافت اور بزرگی کے لحاظ سے تو آپ بہت بلند تھے۔ جیسے ہود علیہ السلام کے بیان میں گزرا۔ صٰلِحًا۔ صالح علیہ السلام کو بھیجا۔ ان کا تعارف یہ ہے

صالح علیہ السلام کا نسب نامہ حضرت صالح علیہ السلام بن عبید بن آصف بن ماسخ بن عبید بن حاذر بن ثمود قَالَ یٰقَوْمِ صالح علیہ السلام نے فرمایا۔ یٰقَوْمِ اے میری قوم اعْبُدُوا اللّٰہَ اللہ واحد لاشریک کی عبادت کرو۔ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام احکام و شرائع کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف تھے لیکن عقیدہ توحید میں سب متحد تھے اس لئے ہر ایک نبی نے پہلے دعوت توحید دیتے ہے۔ چنانچہ سابقہ مضامین میں نوح، ہود و صالح علیہم السلام نے یہی فرمایا۔ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ۔

قوم ثمود کا واقعہ مروی ہے کہ جب قوم عاد مر مٹی تو اس کے بعد قوم ثمود نے شہروں کو آباد کیا اور ان کے جانشین بنے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اموال و اولاد میں وسعت بخشی تو بغاوت پر تل گئے اور اس کی زمین پر فساد برپا کیا اور حسب دستور سابق بت پرستی میں لگ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لئے صالح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا قوم ثمود ان کی نسب سے تعلق رکھتے تھے اور صالح علیہ السلام ان میں متوسط گھرانہ سے متعلق تھے۔ آپ نے انہیں دعوتِ توحید دی اور بڑے عرصہ تک ان کی اصلاح میں لگے رہے یہاں تک کہ بڑھاپے کو پہنچے لیکن سوائے چند معدودہ افراد کے کسی نے آپ کی نہ سنی اور جو آپ کے متبع ہوئے وہ بھی نہایت غریب آپ نے سرکشوں کو بہت ڈرایا۔ دھمکایا۔ انہوں نے از راہ غرور تکبر کہا یا آپ سے معجزہ طلب کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم کونسی دلیل مانگتے ہو۔ انہوں نے صالح علیہ السلام سے کہا کہ آپ عید کے دن ہمارے ساتھ چلیں۔ سال میں ان کا ایک دن عید کا ہوتا تھا۔ تم اپنے معبود سے دعا طلب کرو۔ ہم اپنے معبودوں کو پکارتے ہیں۔ اگر تیرا رب تیری دعا قبول کرے تو ہم تیری دعوت قبول کر لیں گے۔ اگر ہمارے معبود ہمارا کہنا مان لیں تو تم ہماری اتباع کرنا آپ نے قبول کر لیا اور ان کے ساتھ چل پڑے جب وہ بتوں کے قریب ہو کر دعا مانگنے لگے تو خاک بھی جواب نہ ملا۔ بہت سخت شرمندہ ہوئے۔ ان کا لیڈر حضرت صالح علیہ السلام کو سامنے پڑے ہوئے پتھر کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا پتھر پہاڑ کی جانب تنہا پڑا تھا اسے کاتبہ کہا جاتا تھا۔ اگر اس سے بہت بڑی موٹی اونٹنی جو بختی اونٹوں کے مشابہ ہو نکال دو تو ہم تیری دعوت قبول کر لیں گے آپ نے ان سب سے عہد و پیمان لے کر دوگانہ پڑھا اور دعا مانگی یا اللہ کریم اس پتھر سے انہی کے حسب منشا اونٹنی ظاہر فرما دے وہ پتھر ایسے ہی حرکت میں آ گیا۔ جیسے اونٹنیاں بچہ جنتے وقت حرکت کرتی ہیں اس سے اس طرح کی اونٹنی نمودار ہوئی جیسے کہ وہ چاہتے تھے۔ جندع نامی ان سب کا لیڈر تو اسی وقت مسلمان ہو گیا اس کے ساتھ چند اور بھی لیکن باقی برادری نے انکار کر دیا ان سب

marfat.ocm

کا سرخیل ذواب بن عمرو الجناب تھا۔ جو بتوں کا محافظ اور تمام کاہنوں کا سردار تھا ؎

۱: یکے بنور غنایت رہ ہدایت یافت
یکے بوادی خذلان بماند سرگردان

۲: یکے بوسوسۂ دیو رفت سوئے سقر
یکے ز پیروی حق گرفت ملک جنان

ترجمہ ۱: کسی نے تو نورِ غنایت سے راہ پائی دوسرا وادی رسوائی میں سرگرداں رہا۔

۲: ایک وسوسہ شیطان سے دوزخ میں گیا دوسرے نے پیروی حق سے بہشت کی راہ لی۔

فائدہ: وہ اونٹنی بچے سمیت قوم ثمود میں رہنے سہنے لگی وہاں سے گھاس چرتی اور انہی کے پانی سے پانی پیتی اس معجزہ کے ظہور کے بعد صالح علیہ السلام نے فرمایا۔ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ جاءتکم کے متعلق ہے یا اس کا متعلق محذوف ہے اور بینہ کی صفت ہے یعنی وہ بینہ جو تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے۔

فائدہ: حضرت مولانا ابو السعود مفسر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ صالح علیہ السلام کا وہ پہلا کلام ہے جو آپ نے اپنی قوم کی تبلیغ و نصیحت اور انہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی تذکرے سے فارغ ہوئے تو سب سے پہلی گفتگو یہی فرمائی لیکن انہوں نے آپ کی ایک نہ مانی۔ بلکہ آپ کی تکذیب کی۔ چنانچہ سورۂ ہود کے مضمون ھو انشاکم من الارض واستعمرکم فیھا” الی آخر الآیات سے معلوم ہوتا ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ گفتگو آپ نے ان سے دعوتِ توحید کے بعد فرمائی لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ اس کے لئے کوئی قرینہ نہیں ملتا اور پہلی تقریر کے لئے قرینہ پایا جاتا ہے جسے ہم نے پہلے بیان کر دیا۔

هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی تمہارے لئے معجزہ بن کر آئی ہے یہ جملہ مستانفہ ہے اور سوال مقدر کا جواب ہے گویا انہوں نے سوال کیا کہ اے صالح علیہ السلام بتایئے۔ یہ اونٹنی کیا ہے انہوں نے جواب میں فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی ہے۔ میں تمہیں متنبہ کرتا ہوا صریح الفاظ میں کہتا ہوں کہ میری نبوت کے لئے ایک دلیل اور علامت ہے۔

سوال: ناقۃ اللہ کی طرف مضاف کیوں جب کہ اقسام اضافت سے کسی ایک قسم سے بھی یہ نہیں بن سکتی۔

جواب: ناقہ کی عظمت بتانے کے لئے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ اسے اضافت تشریفی کہا جاتا ہے۔ جیسے بیت اللہ میں اضافت تشریفی ہے۔

جواب ۲: چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے اگرچہ ہر شے اللہ تعالیٰ سے آتی ہے لیکن اسباب سے متعلق ہو کر اور یہ مقررہ اسباب کے بغیر آئی ہے اور اس کی تخلیق میں ذرائع مستقل نہیں ہوئے جیسے دوسری اشیاء

marfat.ocm

کی تکوین میں معروف سبیل مستقل ہوتے ہیں۔ مثلاً نر و مادہ کا اجتماع پھر صلب سے رحم میں آنا اور پھر اس کا کئی عرصہ ماں کے پیٹ میں پرورش پانا پھر اس کے بڑے ہونے تک انسانوں کی سعی وغیرہ وغیرہ اور لَکُمْ میں بھی ایک سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ آیت کس کے لئے ہے تو اس کے جواب میں فرمایا لَکُمْ یعنی یہ تمہارے لئے ہے۔

سوال: یہ معجزہ تو عام کے لئے تھا۔ لیکن اس تخصیص کیوں۔

جواب: چونکہ اس معجزہ کا سوال انہوں نے کیا اس لئے ان کی تخصیص ہوئی اور اگر وہ عناد کو چھوڑ کر دلائل و براہین سے ہدایت کے طالب ہوتے تو ان کے لئے یہ مفید بھی ہوتی۔ بنابریں ان کی تخصیص کی گئی فَذَرُوْهَا اس پر تفریع ہے چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی آیات سے ایک آیت ہے فلہذا اس کا تعرض ناجائز ہے فلہذا تم اسے چھوڑ دو۔ تَاْکُلْ فِیْٓ اَرْضِ اللّٰهِ امر کا جواب ہے۔ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی ہے اور زمین بھی اللہ تعالیٰ کی ہے اس لئے کہا ہے جو کے مالکوں کی زمین میں چھوڑ دو۔ یہ جہاں سے چاہے گھاس کھائے۔ تمہارے لئے اسے روکنے کا کوئی حق نہیں اور نہ ہی اسے کسی جگہ کے پانی پینے سے روک سکتے ہو۔

سوال: آیت میں صرف اکل کا بیان ہے تم نے پینے کا معنیٰ کہاں سے لیا۔

جواب: اکل کو شرب مستلزم ہے۔ اس التزام سے ہم نے شرب کا معنیٰ لیا۔ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ یہ باء ملابست کی ہے یعنی اسے نہ چھوؤ۔ درانحالیکہ تم ملتبس ہو برائی کے ساتھ یعنی اس کے ساتھ کوئی ایسا کام نہ کرو جو اسے تکلیف پہنچائے مثل قتل کرنا۔ مارنا۔ یا اس طرح ڈرانا دھمکانا۔ کھانے پینے سے روکنا صرف اللہ تعالیٰ کی نسبت کے اکرام و اعزاز کے پیش نظر۔

فائدہ: سوء اسم ہے جو ایذا کی جمیع اقسام پر حاوی ہے۔

فائدہ: باء تعدیہ کی ہے معنیٰ یہ ہے کہ اسے تم کسی بھی قسم کی تکلیف نہ پہنچاؤ۔

فائدہ: اس میں مبالغہ ہے کہ اسے برائی سے ہاتھ لگانے سے بھی روکا گیا ہے چہ جائیکہ اسے دکھ یا کسی قسم کی تکلیف پہنچائی جائے۔ فَیَاْخُذَکُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ پس تمہیں دردناک عذاب پکڑے گا یہ نہی کا جواب ہے۔ تفسیر فارسی میں ہے کہ اونٹنی کی وجہ سے عذاب کے مستحق نہ ہوئے بلکہ جب انہوں نے معجزہ دیکھ کر انکار کیا تو کافر ہوئے۔ اس کفر سے انہیں سزا ملی اور جب وہ دیکھ چکے کہ اونٹنی واقعی حقیقی معجزہ ہے تو پھر بھی اسے قتل کر ڈالا تو یہ ان کے کفر میں سخت انہماک کی دلیل ہے۔

تفسیر صوفیانہ عوام کے لئے معجزہ تو یہی تھا کہ پتھر سے ایک بہترین اونٹنی نکلی۔ لیکن خواص کے لئے یہ معجزہ تھا کہ ان کے دل سے سراسر سے راز کا صدور ہو اور سراسر ایک مخفی بھید

marfat.ocm

کانام جسے صرف اہل اللہ جانتے ہیں اور ناقۃ اللہ سے وہ مرد مجاہد مراد ہے جو معرفت الٰہی کی امانت کا حامل ہو اور اس کے دودھ سے وہ واردات الٰہیہ مراد ہیں جو وہ مردِ خدا بندگانِ الٰہی کے ظاہری جسم کے قوٰی و حواس کو فیض پہنچاتا ہے۔ تاکل فی الارض سے اولیاء اللہ کا ریاض قدس سے فیضاب ہونا اور حیاض انس کے انوار سے مستنیر ہونا مراد ہے۔ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ۔ شریعت کی مخالفت اور طریقہ کا معارضہ نہ کرو فَیَاْخُذَکُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ اگر کروگے تو اصلاحات حقیقۃ سے انقطاع اور ہجران کا دردناک عذاب تمہیں گھیرے گا ۴

۵ وَاذْکُرُوْٓا اِذْ جَعَلَکُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے عاد کے بعد تمہیں علاقہ حجر کا جانشین بنایا ہے یعنی انہیں تباہ و برباد کرکے ان کی زمینوں کا تمہیں مالک بنایا ہے اس تقدیر میں اذ کا منصوب علی المفعولیۃ ہے جیسے اس کی تقریر پہلے گزری۔ وَبَوَّاَکُمْ فِی الْاَرْضِ تمہیں حجر کی زمین پر آبادی اور وہاں پر تمہیں جگہ۔

- **فائدہ:** مولانا ابوالسعود رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حجاز و شام کے درمیان کے علاقہ حجر میں تمہیں گھر اور رہنے سہنے کی منزل بنانے کی کیفیت بیان کی گئی ہے یعنی اس زمین کی نرم جگہ میں تم بلند و بالا مکان بناتے ہو

فائدہ: یہاں پر من بمعنی فی ہے جیسے وَاِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ میں من بمعنی فی ہے یا زمین کی نرمی مراد ہے کہ اس سے کچی پکی اینٹیں تیار کرتے تھے۔ وَتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ اور پہاڑوں کو گھڑتے ہو۔ الجبال۔ الصخور صخر کی جمع بمعنی پتھر اور تنحتون النحت سے ہے کسی سخت شے کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا اور الجبال تنحتون کا مفعول بہ ہے۔ بُیُوْتًا۔ الجبال سے حال مقدرہ ہے۔ جیسے خط ہذا الثوب قمیصا میں قمیصا حال مقدرہ ہے بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ان کے سردیوں میں پہاڑوں میں مسکن ہوتے ہیں اور گرمیوں میں زمین کی آبادیوں میں اس لئے دو علیحدہ جملے بیان کئے گئے ہیں۔ بعض فرماتے ہیں چونکہ ان کی عمریں بہت بڑی ہوتی تھیں۔ اس لئے زمین پر جتنے گھر بناتے تھے وہ ان کی عمروں کے اختتام سے پہلے پرانے ہو جاتے تھے ان کے گرنے کا خطرہ ہوتا تو پھر پہاڑوں سے مکان تیار کرتے۔

فَاذْکُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰہِ۔ پس اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو یعنی ان کی حفاظت کرو وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ زمین پر فساد نہ پھیلاؤ یعنی اشد الفساد کو کہا جاتا ہے یعنی اے کافرو زمین پر سرکشی نہ کرو درآنحالیکہ تم فساد پھیلانے والے ہو۔ یہ حال ان کے تعارف کے لئے ہے نہ کہ عامل کو مقید کرنے کے لئے ورنہ اس کا مفہوم مخالف کا معنیٰ فائدہ بخش ہوتا۔ حالانکہ اس کے مفہوم مخالف کا کوئی معنیٰ نہیں مثلاً مفہوم مخالف یوں ہے "تمادوا فی الفساد حال کونکم مصلحین" یہ معنی کسی صورت میں جائز نہیں۔

سوال: مفسدین سے اس لئے مقید کیا گیا ہے کہ العثی دراصل مطلقاً تعدی کو کہتے ہیں۔ لیکن فساد کے

marfat.ocm

یعنی عام مستقل ہونے لگ گیا ہے اس لئے کہ یہ کبھی غیر فنا کے معنیٰ میں بھی مستعمل ہوتا ہے جیسے ظالم کا معنیٰ
تعدی پر مستقل ہونا عام ہو گیا ہے لیکن کبھی غیر ظالم پر بھی مستعمل ہوتا ہے یعنی ہر وہ شخص جو اپنے نفس
کو مکروہ اور تکالیف میں مبتلا کرے بلکہ کبھی اس میں خیر اور بھلائی ہوتی ہے جیسے خضر علیہ السلام نے
بچے کو قتل کر دیا اور غریبوں کی کشتی توڑ دی۔ اس معنیٰ پر اس کے قائل کو مقید ہونا لازم ہے جیسے عام کو
خاص کیا جائے۔

قَالَ۔ یہ جملہ مستانفہ ہے الْمَلَأُ۔ اس سے کفار کے لیڈر اور ان کے سردار مراد ہیں۔ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا
مِنْ قَوْمِهٖ جن لوگوں نے کہا جو صالح علیہ السلام کی قوم کے سردار تھے اور جو حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت سے
تکبر کر کے حق سے روگردانی کر چکے۔ لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا یہ لام تبلیغ کا ہے یعنی ان لوگوں سے جو صالح علیہ
السلام پر ایمان لائے اور ان کی قوم میں نہایت ہی کمزور اور تنگدست تھے۔

لِمَنْ آمَنَ مِنْهُمْ ۔ لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا سے بدل الکل ہے اور منہم کی ضمیر قوم کی طرف راجع
ہے أَتَعْلَمُونَ کیا تم جانتے ہو۔ أَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ واقعی صالح علیہ السلام اپنے رب
کی طرف سے رسول ہیں۔ صالح علیہ السلام کو رسول کے لفظ سے تعبیر کرنا استہزاء ہے ورنہ وہ انہیں رسول کب
مانتے تھے۔ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ الخ ضعیف اور کمزور لوگوں نے کہا ہم ان کے لائے ہوئے حکم
اور تعلیمات پر مُؤْمِنُوْنَ ایمان رکھنے والے ہیں۔

سوال: کافروں کے سوال سے اہل ایمان نے عدول کیوں کیا۔ انہیں صرف نعم کہنا تھا یا نعلم انہ مرسل منہ تعالیٰ
کہتے۔

جواب: تاکہ کفار کو تنبیہ ہو کہ اے کافرو تم اتنے غبی ہو کہ تمہیں ان کی رسالت پر اب بھی شک ہے
ان کی رسالت تو اظہر من الشمس ہے اور وہ تمہیں معلوم ہے اگرچہ ضد سے نہیں مانتے تھے اس لئے انہوں نے اپنے
جواب میں اسے موصول کا صلہ بنایا ہے اور قاعدہ ہے کہ جو شئے کسی کا صلہ بنے وہ ایسا جملہ ہو جو ذات موصول
کے لیے معلومۃ الانتساب ہو۔ اس جواب کا خلاصہ یہ ہوا کہ گویا اہلِ ایمان سے کافروں نے کہا اے کافرو صالح
علیہ السلام کے رسول ہونے میں اب بھی کوئی شک کی گنجائش رہ گئی ہے ہر عاقل سمجھدار پر اُن کی رسالت واضح
ہو چکی ہے جب کہ وہ ایک معجزہ دکھا چکے ہیں جو عقل کی جولانیوں سے کوسوں دور ہے پھر بھی شک اور شبہ
تمہارا کام ہے۔ ہاں اُن پر ایمان لانے کا معاملہ شک میں ہے تو سن لو کہ ہم ان پر ایمان لا چکے ہیں یہ ایک ایسا
جواب ہے جو اپنا جواب آپ ہے اور یہ جواب صرف دانائی و حکمت سے دیا جا سکتا ہے اس لئے کہ اس
جواب میں ایسی باتیں آ گئی ہیں جو مخاطب کے ذہن میں نہیں تھیں دیہ تمام برکت صالح علیہ السلام

marfat.ocm

کی صحبت کی تھی جیسے ہمارا عقیدہ ہے ؎ چوں با اہل دل رسی جوہر شوی

ترجمہ:۔ جب تم اہل دل کے ہاں پہونچو گے۔ جوہر ہو جاؤگے

۵ ۷۶ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِیْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ کٰفِرُوْنَ۔ کہا ان لوگوں نے جو متکبر تھے کہ ہم تو اس کے ساتھ کفر کرنے والے ہیں۔ کفار نے جواب مطابق سے اعراض کیا وہ جواب ان کا پہلے یہ تھا کہ "انا بما ارسل بہ کافرون" اس لئے پہلے جواب میں ثابت ہوتا تھا کہ صالح علیہ السلام کا رسول ہونا مسلم نہیں اور نہ ہم کو ان کا رسول ہونا ہمیں معلوم ہے وہ تو صرف ان کا اپنا دعویٰ ہے اور تم بھی ان پر ایمان لائے ہو لیکن ہمیں ان کے رسول ہونے کا اقرار نہیں۔

فائدہ: اہل ایمان نے اپنے دعویٰ کو کفار کے کفر کی دلیل بنائی ؎

قسمت اپنی اپنی نصیب اپنا اپنا

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے کافروں کی مذمت دو طریقوں سے فرمائی۔

(۱) استکبار یعنی اپنے آپ کو اپنی قدر و منزلت سے زائد ظاہر کرنا اور حق کا انکار کرنا۔

(۲) جو لوگ نبی علیہ السلام کی تعظیم و تکریم بجالاتے ان کو بالکل ناکارہ آوارہ سمجھنا[1]

فائدہ: آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی مدح فرمائی کہ وہ حق پر ثابت قدم ہیں اور باوجودیکہ دنیوی حیثیت سے کچھ نہیں تھے لیکن کفار کے سامنے جرات سے کام لیتے ہوئے کہہ دیا۔ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ فَعَقَرُوا النَّ ۷۷ پس انہوں نے اونٹنی کو قتل کر دیا۔

سوال: قتل تو صرف ایک نے کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان سب کو اس گناہ میں شامل کر دیا اس کی کیا وجہ ہے

جواب: بوجہ ملابست کے[2]

جواب[2]: چونکہ وہ اس قتل سے راضی تھے اس لئے جو کسی کے غلط فعل سے راضی ہو وہ بھی اس حکم میں شامل ہوتا ہے۔

قصہ اونٹنی کا مروی ہے کہ اونٹنی ایک دن چھوڑ کر دوسرے دن پانی پیتی تھی۔ جب اس کی باری ہوتی تو اپنا سر کنویں میں رکھتی اور اس وقت سر اٹھاتی جب کنویں کا پانی بالکل ختم ہو جاتا۔ پھر تمام

---

[1]، [2]، سابقہ صفحہ سے؛ [1]، جیسے وہابی، دیوبندی و دیگر فرقے اہلسنت کو نبی کریم علیہ السلام کی تعظیم و تکریم کی وجہ سے بیوقوف اور ناکارہ آوارہ سمجھتے ہیں [2]، اس قاعدہ کے تحت ہم نے کہا کہ نجدیوں، وہابیوں، دیوبندیوں، قادیانیوں سے جو کفریہ کلمات صادر ہوئے ان پر جو لوگ مطلع ہو کر پھر بھی کہتے ہیں کہ وہ اچھے ہیں تو وہ بھی ان کے حکم میں ہیں۔

پھیلا دیتی۔ لوگ اس سے دودھ کے برتن بھر لیتے۔ جتنا چاہتے پھر اسے پیتے رہتے۔ جو بچ جاتا اسے دوسرے دن کیلئے رکھ چھوڑتے۔ اونٹنی کی موٹائی کی کیفیت اتنی وسیع تھی کہ کنوئیں کو جس راہ سے جاتی تو واپس اس راہ سے نہیں آ سکتی تھی پھر اسے پانی پینے کے بعد کنوئیں سے دوسرا راستہ اختیار کرنا پڑتا۔

فائدہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں قوم ثمود کے علاقہ میں گیا تو مجھے اونٹنی کا ایک راستہ جانے کا دکھایا گیا۔ جس کی پیمائش ساٹھ گز تھی۔ جس دن اونٹنی کے پانی پینے کی باری نہ ہوتی اس دن قوم ثمود کنوئیں سے پانی بھی لیتی اور اپنے جانوروں کو بھی پلاتی اور دوسرے روز کے لئے پانی بھی بھر کر رکھ چھوڑتے۔

اونٹنی کی دوسرے جانوروں پر ہیبت مروی ہے کہ اونٹنی گرمی سے وادی کے کنارے جا گزیں ہوتی تو قوم ثمود کے تمام جانور ڈر کے مارے بھاگ کر وادی کے اندرونی حصہ میں چلے جاتے۔ جب سردی پڑتی تو اونٹنی وادی کے اندرونی حصہ میں چلی جاتی تو ان کے جانور ڈر کر بھاگ کر وادی کے اوپر باہر سردی میں گزارتے یہ بات قوم ثمود کو ناگوار گزری۔

اونٹنی کے قتل کا منصوبہ جب قوم ثمود اونٹنی کی مذکورہ کاروائی سے تنگ آگئے تو انہیں دو عورتوں غنیزہ ام غنم اور صدوقہ بنت المختار نے اونٹنی کو قتل کر دینے کا مشورہ دیا۔ بلکہ اس پر انہیں خوب ابھارا۔ اس لئے کہ تمام برادری سے ان دونوں عورتوں کے جانور بہت زیادہ تھے۔ اور انہیں بہت زیادہ تکلیف ہوتی تھی۔

فائدہ: حضرت سدی نے فرمایا کہ ثمود کی قوم میں ایک عورت صدوق نامی بڑی حسینہ و جمیلہ تھی اور مالدار بھی تھی۔ اونٹ گائے بکریاں بھی اس کی بہت زیادہ تھیں۔ اسے حضرت صالح علیہ السلام سے بھی سخت دشمنی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ کسی طرح ناقہ قتل کر دی جائے اس لئے اس نے اپنے چچا زاد کو بلایا۔ جس کا نام مصدع بن دہر تھا۔ اسے کہا کہ اگر اس اونٹنی کو قتل کر دو تو میں تیرے نکاح کو لوں گی اس نے کہا میں قتل کر دوں گا اس کے بعد اس عورت نے قدار بن سالف کو بلایا۔ وہ سرخ رنگ اور کا اور پستہ قد تھا۔ مشہور تھا کہ وہ ولد الزنا ہے اگرچہ وہ سالف کے نکاح میں پیدا ہوا۔ اس عورت نے قدار کو کہا کہ اگر تم اونٹنی کو قتل کر دو تو میری لڑکیوں میں سے جس سے چاہو نکاح کر دوں گی۔ وہ بھی قوم ثمود میں بہادر تھا۔ اس نے بھی اس کام کی سرانجامی کا وعدہ کر لیا۔ ہر دونوں چل پڑے۔ قوم ثمود میں سے نو آدمی اپنے ساتھ اور ملا لئے اور اونٹنی کو قتل کرنے کیلئے چل نکلے۔

اونٹنی کے قتل سے قبل صالح علیہ السلام کو علم اس اثنار میں اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام کے ہاں وحی بھیجی کہ اونٹنی کے قتل کے منصوبے ہو رہے

marfat.ocm

ہیں۔ آپ اپنی قوم کو سمجھائیں۔ آپ نے قوم ثمود کو سارا ماجرا سنایا۔ لیکن ان سب نے انکار کردیا بلکہ قسمیں کھائیں کہ ہم ایسا ہرگز نہیں کرینگے۔ لیکن آپس میں مشورہ کیا اور قسمیں کھائیں کہ اونٹنی اور صالح علیہ السلام کے گھر والوں پر رات کے وقت حملہ کرینگے اس کی صورت یہ ہے کہ ہم سفر کے لئے چلیں لوگ سمجھیں گے کہ وہ سفر کو چلے اور ہم کسی غار میں چھپ جائیں جب رات ہو گی تو اونٹنی کو قتل کر دیں گے اور پھر واپس غار میں چند روز چھپے رہیں گے چند دنوں کے بعد گھر واپس آئیں گے تو وہ ہمارے سے سوال کرینگے تو ہم قسم کھا کر کہہ دیں گے ہمیں اونٹنی کا کیا پتہ ہم تو سفر میں تھے۔

اونٹنی کی کرامت

حضرت صالح علیہ السلام کی عادت مبارک تھی کہ وہ رات کو اپنے گاؤں میں آرام نہیں فر بلکہ گاؤں سے باہر آپ کی ایک مسجد تھی وہاں چلے جاتے تھے اس مسجد کا نام بھی مسجد صالح رات اس مسجد میں بسر کرکے صبح واپس گاؤں میں آجاتے اور ان لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے۔ پھر شام کو اسی مسج میں واپس پہنچ جاتے۔ ایک رات انس معمول کے مطابق دن کو بستی والوں کو نصیحت کرکے شام کو اپنی مسجد میں چلے گئے اونٹنی کے قاتل بھی اسی دن سفر کا عزم ظاہر کرکے بستی سے باہر نکل کر حسب مشورہ اسی غار میں چھپ گئے لیکن رات کے وقت غار ان پر گری تو وہ مر گئے۔ صبح کو کفار میں سے کسی نے یہ کیفیت دیکھی تو وہ چیخا اور شور مچایا کہ انہیں صالح علیہ السلام نے قتل کرایا ہے۔ اس پر اب تمام کھلم کھلا اونٹنی کے قتل پر متفق ہو گئے۔

صالح علیہ السلام کا دوسرا معجزہ

حضرت ابن اسحاق نے فرمایا کہ ان نو قاتلین ناقہ نے آپس میں مشو کیا کہ صالح علیہ السلام کو بھی قتل کر دینا چاہیے۔ ان کے گھر چلیں وہ سچے نبی ہیں تو ہمیں ان کے قتل کرنے پر قدرت نہیں ورنہ انہیں اونٹنی کے ساتھ مار مٹائیں۔ یہ طے کرکے صال علیہ السلام پر رات کو حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ آپ کے دولت خانہ میں پہنچے تو فرشتوں نے انہیں پتھر مار کر ہلا

اُونٹنی کا قتل

ایک روایت میں ہے کہ قدار مصدع اور نو ساتھی اونٹنی کی تاک میں تھے کہ جب پا سے نکلے گی تو دیکھ جائے گی چنانچہ جب وہ نکلی تو مصدع ایک پتھر کی اُوٹ میں بیٹھا تھا اونٹنی وہاں سے گزری۔ مصدع نے تیر مارا تو اس کی پنڈلی پر لگا۔ اس پر قدار نے تلوار سے اس پنڈلی کو کاٹا جس سے اونٹنی گر پڑی اور وہ بلبلاتی تھی کہ پھر قدار نے تلوار کا دوسرا وار اونٹنی کے گلے پر کرکے اسے ذبح کر دیا شہر والے کافروں کو معلوم ہوا کہ اونٹنی ماری گئی تو آ کر گوشت تقسیم کرکے لے گئے۔ جب اونٹنی کے نوزائیدہ بچے نے یہ کیفیت دیکھی تو وہ ایک پہاڑی پر چڑھا۔ اس پہاڑی کا نام تھا "قارہ" وہاں تین بار بلبلایا اور اس کے ماں کی مفارقت سے آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اس طرح روتا ہوا اسی پتھر کے قریب آیا جہاں سے اونٹنی پیدا کی گئی تھی جب اس پتھر نے منہ کھولا تو وہ اس پتھر میں چلا گیا۔ پھر اس پتھر نے اپنا منہ بند کر لیا۔

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ ۔ انہی سبب سے جو مذکور ہوا **وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ** اور اپنے رب کریم کے امر سے منہ موڑا۔ جو صالح علیہ السلام نے انہیں اللہ تعالیٰ کا امر سنایا کہ فذروہا اور نہی سنائی کہ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ الخ امر سے سرکشی کی یعنی اللہ نے ان کے لئے مشروع فرمایا اور فرمایا یہی تمہارا دین ہے اسی پہ چلو لیکن انہوں نے مخالفت کی۔ یا یہ معنیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے امر کی مخالفت میں ان سے سرکشی صادر ہوئی گویا اللہ تعالیٰ نے امر فرمایا کہ اونٹنی کو آزاد چھوڑ دے رکھنا۔ یہی مخالفت ان کی سرکشی کا سبب بنی۔ اس سے وہ نجات نہ پا سکے یہ وہی محاورہ ہے جو دوسرے مقام پر فرمایا۔ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ (کذا فی الکشاف)

وَقَالُوْا ۔ صالح علیہ السلام کو مخاطب ہوتے یا بمعنی کہ جو بات ہم انہیں کہیں گے وہ پوری نہیں کر سکیں گے اس طرح سے وہ آئندہ ہم سے لاجواب ہو کر رہیں گے۔ کہا **یٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ** ۔ اے صالح لائیے وہ عذاب جو ہم اونٹنی کی وجہ سے آپ ہمیں ڈراتے تھے۔

اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۔ اگر آپ رسولوں سے ہیں یعنی آپ بھی منجملہ رسل کرام علیہم السلام سے ہیں تو وہ وعدہ وعید سناتے اور پھر کر دکھاتے تو تم بھی اپنی صداقت پر کچھ کر کے دکھلائیے۔

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ پس انہیں سخت سے سخت جھٹکے نے پکڑ لیا۔ یہ ان کے مذکورہ بیان کے فوراً بعد کو نہ ہوا بلکہ اس کے بعد بھی کچھ وقفہ دیا گیا اور پھر تین دن انہیں عذاب کے مبادی نظر آتے رہے۔ چنانچہ ان علامات کے متعلق بیان ہوگا اس کے بعد پھر ان پر زلزلہ آیا۔

سوال : کسی جگہ پر ان کے لئے **فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ** کہا گیا اور کہیں ان کے لئے **فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ** کسی جگہ پر **فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ** اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب : اس میں تناقض نہیں اس لئے کہ انہیں مختلف کیفیات سے عذاب دیا گیا۔ مثلاً رجفة صیحة پر مرتب ہوا اس طرح کہ جب صبح کو اٹھے تو دلوں میں ایسی تھرتھراہٹ پیدا ہوئی کہ اس سے ہی مر گئے اور یہ بھی ہے کہ ہر دونوں کے ملنے پر مرے۔

فائدہ : حدادی نے فرمایا کہ پہلے انہیں زلزلے نے گھیرا پھر جبریل علیہ السلام کی چیخ سے سب مر گئے۔

فائدہ : تفسیر فارسی میں ہے کہ جب اونٹنی ماری گئی تو صبح صادق کے بعد زلزلے شروع ہو گئے۔ بالطاغیة میں باء سببیہ ہے اور طاغیة بمعنی طغیان ہے اور اس میں عاقبة میں علامة کی طرح تا مبالغہ کی ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ اپنی سرکشی کے سبب تباہ و برباد ہوئے۔

فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ ۔ پس وہ اپنی زمینوں اور اپنے شہروں یا اپنے گھروں میں ہوئے **جٰثِمِيْنَ** اوندھے پڑے ہوئے یعنی موت کے گھیرے میں آ کر مٹے پڑے تھے کہ ان میں کسی قسم کی حس و حرکت نہ تھی

marfat.ocm

حل لغات جثوم یعنی ابروک (گھٹنے بل پڑنا) ہے مثلاً کہا جاتا ہے۔ الناس جثوم۔ یعنی لوگ ایسے بیٹ ہیں کہ گویا انہیں کوئی حس وحرکت نہیں۔

فائدہ: ابوعبیدہ نے فرمایا کہ الجثوم انسانوں اور پرندوں کے لئے اور ابروک اونٹوں کے لئے بولا جاتا ہے آیت کا مطلب یہ ہے کہ عذاب کی ابتداء میں وہ اسی طرح ہوئے۔ جیسے عادتاً موت کے وقت ہوتا ہے کہ جب اُن سے رو خارج ہوئیں تو انہیں کسی قسم کی حس وحرکت نہ تھی ظاہر ہے کہ اس میں ان پر سخت گرفت اور زود تر عذاب میں مبت کرنے کا بیان ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّا بِکَ نَعُوْذُ مِنْ نُزُوْلِ سَخَطِکَ وَحُلُوْلِ غَضَبِکَ (اٰمین)

سوال: جب ان کے لئے رجفہ میں مبتلا کیا تھا تو ان کے لئے دار کو واحد اور جب صیحۃ کا ذکر فرمایا تو انہیں جمع کا لایا گیا۔ اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب: چونکہ صیحۃ آسمان پر ہوا اس کا علو و بلوغ زلزلہ سے زائد تھا۔ اس لئے اس کے لئے جمع اور رجف کے لئے واحد لانا مناسب تھا۔

صالح علیہ السلام کو ناقہ کے قتل کی اطلاع

مروی ہے کہ صالح علیہ السلام کو مطلع کرنے پہلے اونٹنی کے قتل کے وقت اس کا ننھا بچہ پہاڑ کی طرف بھاگا اور وہاں تین بار بلبلایا اور صالح علیہ السلام کو اطلاع کی گئی تو آپ نے فرمایا اس کے بچے کو قابو کرلو۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے اُن سے عذاب اٹھا لے۔ لیکن بدقسمتی سے وہ بچہ پہاڑ اُتر کر بلبلانے کے بعد پتھر میں گھس گیا۔ صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ اونٹنی کے بچے کے تین بار بلبلانے میں یہ حکمت کہ ہر ایک بلبلانے پر تین روز کی مہلت ہے اب تم اپنے گھروں میں صرف تین روز بسر کر سکتے ہو اس کے بعد کوئی مہلت نہیں اور یہ ہماری آخری بات ہے۔

ف: صالح علیہ السلام کی باغی قوم نے اونٹنی کو بدھ کے دن قتل کیا تو انہیں صالح علیہ السلام نے فرمایا اب تم عذاب کے لئے تیار ہو جاؤ۔

صالح علیہ السلام کا علم ما فی الغد

صالح علیہ السلام نے جب باغیوں کو عذاب کی خبر سنائی تو انہوں نے کہا اس کی کوئی نشانی آپ نے فرمایا کہ خمیس کے دن صبح کو اٹھوگے تو تمہارے چہرے زرد ہوں گے جب جمعہ کو اٹھوگے تو تمہارے چہرے سرخ ہوں گے ہفتہ کے دن صبح کو تمہارے چہرے کالے سیاہ ہوں گے اتوار کے دن صبح سویرے تمہیں عذاب گھیر لے گا۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ جیسے صالح علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ خمیس کے دن صبح کو اٹھے تو ایسے سخت زرد تھے کہ گویا ان کے چہروں پر زعفران مل دیا گیا سب چھوٹے بڑے مردوں اور عورتوں کی یہی کیفیت تھی۔ سب نے یقین کر لیا کہ واقعی صالح علیہ السلام نے سچ کہا

marfat.ocm

پھر مشورہ کیا کہ انہیں تلاش کر کے قتل کر دو۔ لیکن آپ نے ان سے علیحدگی اختیار کر لی اور ایسی جگہ چھپ گئے کہ بسیار تلاش کے باوجود آپ انہیں نہ مل سکے لیکن انہوں نے آپ کے ساتھیوں کو ستانا شروع کر دیا اور کہا بتاؤ ورنہ ہم تمہیں سخت سزا دیں گے۔ لیکن جب جمعہ کا دن ہوا تو ان کے چہرے سرخ ہو گئے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ گویا ان کے چہروں کو خون سے تر بتر کیا گیا ہے یہ حالت دیکھ کر چیخے چلائے اور سخت روئے اور یقین کیا کہ اب عذاب ہمارے قریب آگیا اور جمعہ کا دن ایک دوسرے سے چہروں کے حالات سنانے سنانے میں گزار دیا جب ہفتہ کا دن ہوا تو ان کے چہرے سخت سیاہ کالے ہو گئے گویا ان کے چہروں پہ تارکول مل دیا گیا ہے اور ان پر نیل چھڑکا گیا ہے یہ حالت دیکھ کر سخت روئے اور کہتے رہے عذاب آگیا۔

حضرت صالح علیہ السلام کی ہجرت

اتوار کی رات حضرت صالح علیہ السلام اُن کے ہاں تشریف لائے اور اپنے ماننے والے کو لے کر شام کے ملک کو ہجرت کر گئے شام کے ملک میں پہنچ کر آپ فلسطین میں اُترے۔

عذاب کے نزول کی کیفیت

صالح علیہ السلام کے چلے جانے کے بعد باغی قوم نے دن چڑھے مصبر۔ دوائی کی دھونی لگائی تاکہ اس کی کڑواہٹ سے درندے ان کے قریب نہ آئیں اور کفن پہن کر زمین پر پڑے رہے۔ کبھی آسمان کو دیکھتے اور کبھی زمین پر کہ نا معلوم عذاب کہاں سے آتے چنانچہ آسمان سے ایک کڑک اٹھی۔ جس میں کئی قسم کی آوازیں تھیں اور سخت ڈراؤنی اور زمین سے زلزلہ اٹھا کہ ان کی جان لبوں پر آگئی اور اس سے ان کا ہر چھوٹا بڑا تباہ و برباد ہوا۔

سوال: ایسی تکالیف اور عذاب دیکھ کر کون مانع ہے کہ وہ ایمان پر مجبور نہ ہو جائے۔ جب انہوں نے یہ کوائف پہلے دیکھے تھے تو لازماً ایمان قبول کرنے پر مجبور ہو گئے ہوں گے۔ اب بھی کفر پر ڈٹے رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

جواب: جب انہوں نے عذاب کو آنکھوں سے دیکھ لیا تو اب وہ مکلف نہ رہے اس لئے اس وقت کا ایمان قابلِ قبول نہ رہا۔

۷۹ **فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ** جب صالح علیہ السلام نے ان کے عذاب کے علامات دیکھے تو اُن پر حسرت کرتے ہوئے وہاں سے تشریف لے گئے اور آپ کو اس کا بڑا صدمہ اور رنج بھی تھا کہ باوجودیکہ بڑی جدوجہد کی گئی اور انہیں سمجھایا گیا لیکن نہ مانے۔ **وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُکُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ** اور فرمایا اے میری قوم بیشک میں نے تمہیں اپنے رب تعالیٰ کی رسالت پہنچائی۔ یعنی وہ پیغامات کہ جن کے پہنچانے پر میں مامور تھا میں نے تمہیں پہنچا دیئے۔ **وَنَصَحْتُ لَکُمْ** اور تبلیغ احکام کے وقت میں نے ترغیب و ترہیب کے طور تمہارا

marfat.ocm

بھلا چاہا اور اپنے طاقت کے مطابق جد وجہد کی۔ وَلٰکِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ۔ لیکن تم خیر خواہوں سے محبت نہیں کرتے۔ مضارع کا صیغہ حکایتِ حال ماضی کے لئے ہے۔ یعنی میرا حال تم نے دیکھ لیا لیکن تمہارا حال یہ ہے کہ تم اپنے خیر خواہ سے اُلٹا ٹھٹھا مذاق کرتے ہو وہ اس لئے کہ ناصح کا قول ثقیل اور کڑوا ہوتا ہے اور الحق مُرٌّ (حق کڑوا) بھی مشہور مثال ہے ان ہی باتوں سے لوگ ناصح کے ساتھ بغض رکھتے ہیں کسی شاعر نے کہا۔

وکم سقت ف آثارکم من نصیحۃ
قَدْ یستفید البغضۃ المتنفح

ترجمہ، میں نے تمہاری خیر خواہی (نصیحت) میں کوئی کسر نہیں چھوڑی لیکن نصیحت کرنے والے کو سوائے بغض وعداوت کے اور کچھ حاصل نہ ہوا۔

نکتہ صوفیانہ ، چونکہ ان کے نفس کی زمین خبیث تھی اس لئے اپنی خباثت سے صالح علیہ السلام کی نصیحت کے بیج کو قبول نہ کیا اور نہ ہی اس سے کچھ نتیجہ برآمد ہوا۔

قوم ثمود پر ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثمود کے علاقہ حجر سے بوقت غزوۂ تبوک گزرے تو آپ نے اپنے یاروں سے فرمایا خبردار! تم میں کوئی بھی اس بستی پہ نہ جائے اور نہ ہی وہاں کے کنوئیں سے پانی پیئے اور نہ ہی کوئی ان کے گھروں میں داخل ہو۔ ہاں وہاں سے روتے ہوئے گذرو کہ کہیں تم بھی ان کی طرح کسی عذاب میں مبتلا نہ ہو جاؤ اور فرمایا تمہیں چاہیے کہ تم بھی اپنے رسول سے کسی قسم کا معجزہ طلب نہ کرنا۔ دیکھئے انہوں نے اپنے نبی صالح علیہ السلام سے معجزہ کا مطالبہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایک اونٹنی بھیجی جو ایک راہ سے جاتی اور دوسرے راہ سے نکلتی اور ان کا تمام پانی پی جاتی۔ جب اس کی باری ہوتی اس کے بعد آپ نے اپنے یاروں کو اونٹنی کے بچے کے پہاڑی پہ چڑھنے کی جگہ دکھائی۔ اس کے بعد اس وادی سے جلدی چل دیئے یہاں تک کہ اس وادی کو نہایت تیزی سے عبور فرما لیا۔

حدیث شریف حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی عنہ سے فرمایا کہ اے علی! (رضی اللہ عنہ) تمہیں معلوم ہے کہ پہلے لوگوں میں سے سب سے زیادہ بدبخت کون تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی مجھے معلوم نہیں آپ نے فرمایا وہ کمینہ جس نے صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو قتل کیا پھر فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ پچھلے لوگوں میں سب سے زیادہ بدبخت کون ہوگا۔ انہوں نے عرض کی واللہ اعلم۔ آپ نے فرمایا اے علی (رضی اللہ عنہ) تیرا قاتل پچھلے تمام لوگوں سے بدترین انسان ہوگا

marfat.ocm

مثنوی شریف میں ہے ؎

ناقۂ صالح بصورت بد شتر
پئ بریدندش ز جہل آن قوم مُر
ناقۃ اللہ آب خورد از جوی و میغ
آب حق را داشتند از حق دریغ
شحنۂ قہرِ خدا زیشان بجست
خونبہای اشتری شہری درست
صالح از خلوت بسوی شہر رفت
شہر دید اندر میان دود و تفت
ذاستخوانہاشان شنید او نالہا
اشک خون از جان شان چون ژالہا
صالح آن بشنید و گریہ ساز کرد
نوحہ بر نوحہ کنان آغاز کرد
گفت ای قومی بباطل زیستہ
وز شما من پیش حق بگریستہ
حق بگفتہ صبر کن بر جورشان
پندشان دہ بس نماند از دورشان
من بگفتہ پند شد پند از جفا
شیر پند از مہر جوشد وز صفا
بس کہ کردید از جفا بر جای من
شیر پند افسرد در رگہائے من
حق مرا گفتہ ترا لطفی دہم
بر سر آن زخمہا مرہم نہم
صاف کردہ حق دلم را چون سما
روفتہ از خاطرم جور شما

marfat.ocm

در نصیحت من شدہ بار دگر
گفت امثال سخنہا چوں شکر
شیر تازہ از شکر انگیختہ
شیر شہدی با سخن آمیختہ
در شما چوں زہر گشتہ آں سخن
زانکہ زہرستان بدید از بیخ و بن
چوں شوم غمگیں کہ غم شد سرنگوں
غم شما بودید ای قوم حروں
ہیچ کس بر مرگ غم نوحہ کند
ریش سر چوں شد کسی مو برکند

خلاصہ اشعار مثنوی

حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی اونٹ جیسی تھی لیکن ظالم قوم نے انہیں قتل کر ڈالا حالانکہ وہ اونٹنی تو آسانی پانی پیتی تھی یہی بدبخت تھے جو اسے روکتے پر ان قہر خداوندی برسا تو سارے کے سارے تباہ و برباد ہو گئے صالح علیہ السلام ان کے شہر سے گذرے تو وہاں سے دھواں نکل رہا تھا ان کی ہڈیوں سے آواز آتی تھی اور نالہ باری کی طرح گویا آنسو بہہ رہے تھے صالح علیہ السلام نے سن کر خوب روئے پھر قوم (مردہ) کو مخاطب ہوئے کہ مجھے تم نے ایسے رلایا تو مجھے اللہ نے فرمایا اے صالح صبر کر لیکن انہیں نصیحت کرتے رہو۔ میں نے خوب نصیحت کی تم نہ مانے مجھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارے زخموں پر مرہم رکھوں گا اور سارا دکھ درد دور کردوں گا۔ بالآخر وہی ہوا کہ آج تم عذاب کی مار کھا رہے ہو اور مجھے اللہ نے آرام و سکون بخشا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں صالح سے مراد روح ہے جسے نفخۂ حق دیکر بلدۂ قلب اور اس کے ساکنین کی طرف بھیجا گیا تاکہ وہ انہیں اوصاف ردیہ سفلیہ ظلمانیہ حیوانیہ سے اخلاق حمیدہ علویہ نورانیہ روحانیہ کی دے لیکن نفس اور اس کی صفات نے سر الٰہی کی ناقۂ قلب کو مخالفت حق اور استکبار کی چھری سے ذبح کر ڈالا اور توحید و معرفت کے امر الٰہی سے روگردانی کرکے ہلاکت کے گڑھے میں پڑے۔ اسی طرح جہل انکار کی وادی میں رہے۔ ہم سب کو اللہ تعالیٰ ان امور سے محفوظ رکھے جو روح کو نقصان دہ اور فتوح سے مانع ہیں

تفسیر عالمانہ

ۚ وَلُوْطًا اور ہم نے لوط علیہ السلام کو بھیجا۔

لوط علیہ السلام کا نسب نامہ

لوط علیہ السلام بن ہاران بن تارخ حضرت لوط حضرت ابراہیم علیہ السلام

marfat.ocm

کے بھتیجے تھے اور عراق میں بابل کے علاقہ کے باشی تھے۔ جنہوں نے اپنے چچا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کی اور شام کو چلے گئے اور اردن میں مقیم ہو گئے۔ یہ بھی ملک شام کے علاقے کا نام ہے۔ پھر انہیں اللہ تعالیٰ نے بلد حمص کے علاقہ سدوم کا رسول بنا کر بھیجا۔

ف: تفسیر فارسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کو پیغمبری عطا کر کے اہل موتفکات کی طرف بھیجا ان کے پانچ شہر تھے

(۱) سدوم: یہ تمام شہروں سے بڑا تھا۔
۲: عامرہ
۳: درود
۴: صابورہ
۵: صغور۔

منقول ہے کہ ان شہروں میں بارہ بارہ ہزار آدمی مقیم تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے سدوم میں مقیم ہو کر ان تمام بندگانِ خدا کو دعوتِ حق پیش فرمائی اور بیس سال تک انہیں وعظ فرمایا اور ہر نیکی کی ترغیب دی ان میں بہت سی خرابیاں تھیں زیادہ مشہور لواطت تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ اپنی قوم یعنی سدوم وغیرہ کے باشندوں سے فرمایا۔ اذ ظرفیہ ہے اور اَرْسَلْنَا محذوف کے متعلق ہے یعنی ہم نے لوط علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا۔

سوال: ان کا رسول ہونا تو اس قول سے پہلے ہونا چاہیے نہ یہ کہ جب قوم کو کہا تو اس وقت رسول بن گئے جیسا کہ اذ ظرفیہ سے معلوم ہوتا ہے۔

جواب: یہاں مجاز ہے جیسے تم کہتے ہو۔ زید فی ارض الدوم۔ اور قاعدہ ہے کہ مظروف کے کسی جزء میں فعل کا وقوع ہو تو وہاں کل بول کر جز مراد لیا جاتا ہے۔

اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ - کیا تم فاحشہ کا ارتکاب کرتے ہو۔ یہ استفہام انکاری ہے اور ظاہر کرنا مطلوب ہے کہ یہ فعل جو حد درجہ کا قبیح ہے۔ تم اس کے مرتکب ہوتے ہو۔ یعنی لواطت جو کہ ایک گندا فعل ہے تم وہی کرتے ہو۔ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا تم سے پہلے کسی نے ایسا نہیں کیا۔ یہ باتعدیہ کی ہے۔ جیسے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادِ گرامی " سبقك بها عكاشة یا اہل عرب کہتے ہیں سبقته بالکرة یعنی میں کرہ (گیند) اس سے پہلے مارا میں باتعدیہ کی ہے۔ مِنْ اَحَدٍ من زائدہ نفی کی تاکید کے لئے اور استغراق کا فائدہ دیتی ہے۔ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ یہ من تبعیضیہ ہے۔ یہ جملہ مستانفہ نحویہ ہے۔ یعنی یہ برا کام تم نے ہی شروع کیا ہے۔ اسے انکار سابق کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے گویا پہلے انہیں اس برائی پر زجر و توبیخ

فرمائی۔ اس کے بعد مزید جھڑکا کہ تم نے ہی یہ برائی شروع کی ہے۔

۸۱ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ یہ اس فاحشہ کا بیان ہے۔

ف : حضرت نافع وحفص نے انکم بطریق مبتدا رکے پڑھا ہے باقی آئمہ نے أئنکم الخ استفہام کے طور اتی یہ عرفی جلہ ہے یہ اس وقت بولتے ہیں۔ جب کوئی اپنی عورت سے ہمبستری کرے یعنی بے شک تم مردوں سے برائی (لواطت) کرتے ہو۔

سوال : یہاں الغلمان یا المردان (یعنی چھوٹے لڑکے اور بے ریش) کا لفظ لانا تھا۔ الرجال لانا تو موزوں نہیں اس لیے الرجال بڑے مردوں سے لواطت نہیں کی جاتی۔

جواب : اس کی قباحت کے اظہار میں مبالغہ مقصود ہے کہ جیسے بڑے مردوں سے ایسی برائی لائق نہیں تو چھوٹے لڑکوں سے مناسب نہیں۔ بلکہ یہ سخت گندا عمل ہے گویا اس سے بھی مزید توبیخ مطلوب ہے۔ شَهْوَةً یہ مفعول لہٗ ہے اس سے مقید کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ فعل تمہارا جانوروں کی مثل ہے اور تنبیہ مطلوب ہے کہ سمجھدار کا کام یہ ہے کہ وہ طالب اولاد ہو اور بقاء نوع انسانی اس کی اصل غرض ہو نہ کہ شہوت رانی جو صرف جانوروں کا کام ہے۔ اب تم سمجھو کہ اس گندے فعل سے تمہارا شمار کس گروہ میں ہے مِنْ دُوْنِ النِّسَآءِ عورتوں سے متجاوز ہو کر جب صرف وہی تمہارے لئے مباح رکھی گئی ہے۔ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ۔ بلکہ تم حد سے بڑھنے والے لوگ ہو۔ انکار مذکور سے اعراض کر کے اب ان کے اصل حال کو بتایا گیا ہے کہ جو لوگ ایسے فعل کا ارتکاب کرتے ہیں وہی حد سے بڑھنے والے ہوتے ہیں اور ہر فعل میں ان کی اسراف کی عادت تھی اور حد سے متجاوز ہو جاتے تھے منجملہ ان کے یہ فعل لواطت بھی تھا کہ اسمیں اسراف اور تجاوز عن الحد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے شہوت رانی کی ایک حد مقرر فرما دی۔ لیکن وہ اس حد سے متجاوز ہو کر مسرفین میں داخل ہو گئے ۸۲ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا یہ استثناء مفرغ ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی۔ مَا كَانَ جَوَابًا مِنْ جِهَةِ قَوْمِهٖ شَيْءٌ من الاشياء الا قول بعضهم لبعض یعنی ان کا اور کوئی جواب نہ تھا سوائے اس کے کہ اس کے بعض نے بعض کو کہا۔

اَخْرِجُوْهُمْ لوط علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو نکال دو مِنْ قَرْيَتِكُمْ اپنی اس بستی سے جب کہ ان کے ہاں لوط علیہ السلام کے دلائل کا جواب نہ بن پڑا اور نہ ہی ان کے مواعظ ونصائح کے مطابق پورے اتر سکے تو لڑائی پر اتر آئے اور وہی بکواس کی جو اوپر مذکور ہوئی۔ لیکن لوط علیہ السلام کی ابتدائی تبلیغ سے نہیں بلکہ آخر میں بہت عذاب کے وقوع کا وقت قریب آ گیا۔ چنانچہ کلام کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے ہاں اس سے قبل جب لوط علیہ السلام انہیں نصائح ومواعظ سناتے تو اور طریقے کے بکواسات بکتے

marfat.ocm

اور دیگر قسم کی بدگوئی سے پیش آتے۔ لیکن بکواس مذکورہ آخری تھی۔ چنانچہ جہاں بھی قرآنِ کریم میں اُن کا قصہ بیان ہوا ہے آخر میں یہی قول منقول ہے۔ اس سے اس معاملہ کو اسی حکم میں حصر کیا جائے تو بجا ہے۔

ف: مِنْ قَرْيَتِكُمْ سے ان کا بلدہ شہر مراد ہے اس لئے کہ اہلِ عرب کی عادت ہے کہ بہت بڑے شہر کو قریہ کہہ دیتے ہیں اور اس شہر سے سدوم مراد ہے جہاں لوط علیہ السلام سکونت پذیر تھے اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ۔ بے شک یہ ایسے ہیں کہ ہمارے افعال کو قبیح جان کر اس سے بچنا چاہتے ہیں یعنی ایسے پاکباز لوگوں کو اپنے شہر سے نکال دو۔ یہ انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں سے استہزاءً کہا تھا۔ ۸۳ فَاَنْجَيْنٰهُ پس ہم نے لوط علیہ السلام وَاَهْلَهٗ اور ان کے اہل و عیال کو نجات دی۔ اہل سے ان کی دونوں صاحبزادیاں رعوز اور ریثا اور باقی آپ کے تمام ساتھی مراد ہیں (رحمہم اللہ)۔

رَدِّ شیعہ[1] اس سے معلوم ہوا کہ لفظ اہل کا اطلاق ازواج اولاد بلکہ نوکر اور نوکرانیوں اور تمام رشتہ داروں اور تمام دوستوں اور جمیع متعلقین پر ہوتا ہے اور اصطلاح میں تمام وہ لوگ (مخصوص)، جو صرف اس کی طرف منسوب ہوتے ہیں[2] اِلَّا امْرَاَتَهٗ (زوجہ) مگر لوط علیہ السلام کی اہلیہ کو وہ اندرونی طور کافرہ تھی بلکہ اُلٹا کفار کو لوط علیہ السلام کی خفیہ خبر دیتی تھی۔ استثناء من اہلہ سے ہے كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ۔ یعنی وہ ہلاک ہونے والوں کے ساتھ اپنے گھروں میں رہ جانے والوں میں سے تھی یہ استیناف بیانی ہے اور مقدر کا جواب ہے۔ گویا سوال ہوا کہ لوط علیہ السلام کا کیا ہوا تو اس کے جواب میں فرمایا کانت من الغٰبرین یعنی وہ ہلاک ہونے والوں کے ساتھ اپنے گھروں میں رہ جانے سے تھی۔ یہ الغبور سے ہے بمعنی بماندن یعنی رہ جانا۔

سوال: مِنَ الْغٰبِرٰتِ کہنا چاہیے تھا من الغٰبرین کیوں کہا گیا ہے۔

جواب ۱: اگرچہ ان رہ جانے والوں میں مرد اور عورتیں ہر طرح کے لوگ تھے لیکن تغلیباً مردوں کا نام لیا گیا۔

جواب ۲: یہ بھی منجملہ ان میں سے تھے۔ اس لئے من الغٰبرین کے عموم میں داخل ہے۔

۸۴ وَاَمْطَرْنَا اور ہم نے برسایا عَلَيْهِمْ قوم لوط کے کافروں پر مَّطَرًا ایک قسم کی عجیب بارش یہ پتھر تھے یعنی ہم نے ان پر بارش کی طرح پتھر برسائے۔ فَانْظُرْ پس دیکھئے یہ خطاب ہر دیکھنے اور تامل کرنے والے کو ہے تاکہ ان کا عجیب حال کو دیکھ کر غور و فکر کیا جا سکے اور ان کے اعمال معلوم کرکے غلطیوں سے بچنے کی کوشش

---

[1] : جب کہ شیعہ اہل بیت کا لفظ صرف پنجتن پاک پر محصور کرتے ہیں اور ہم حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات کو بھی اہل بیت مانتے ہیں [2] اس سے صرف ازواج ہی اہل بیت ہی ہو سکتے۔ لیکن ہم نے دوسرے حضرات کو بھی مانا ان کے لئے مجازاً اہل بیت ہوگا اور ازواج مطہرات کا اطلاق حقیقۃً ہوگا۔

marfat.ocm

کی جائے۔

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ کیسا انجام ہوا مجرموں کا۔ یعنی تکذیب کرنے والے کافروں کے انجام پر غور کیجئے کہ انہیں بدکرداریوں پر سزا ملی

لواطت کا آغاز کیسے ہوا

مروی ہے کہ شام کے علاقوں میں سدوم و دیگر اس کے متعلق علاقے بہت بڑے سرسبز تھے ہر قسم کے اناج اور سبزیاں ترکاریاں یہاں دستیاب ہوتی تھیں۔ اطراف واکناف کے لوگ یہاں آنے لگے اور اتنے کثیر التعداد لوگ اطراف واکناف سے آئے کہ یہ لوگ اُن سے تنگ آگئے اور چاہتے کہ ان سے کسی طرح سے نجات میسر ہو کوئی چارہ کار نظر نہ آتا۔ ابلیس ایک بوڑھے کی شکل میں ان کے ہاں پہنچا اور کہا کہ اگر ان سے نجات چاہتے ہو تو ان سے لواطت کرو۔ جب لوگ ایسی گندی عادت سنیں گے تو پھر تمہارے ہاں نہیں آئیں گے پہلے تو اس گندے فعل سے نفرت کا اظہار کیا لیکن بہت زیادہ تنگ ہوئے تو باہر سے آنے والوں سے لواطت شروع کر دی اُن میں بہت بڑے حسین وجمیل بے ریش لڑکے انہیں میسر ہوئے تو ایسا چسکا پڑ گیا کہ عورتوں سے نکاح بھی ترک کر دیا صرف ان میں غریب لوگ عورتوں سے نکاح کرتے تھے باقی سب کے سب لواطت کی بیماری میں مبتلا ہو گئے۔

سب سے پہلے لواطت کرنیوالا کون

کلبی نے کہا کہ سب سے پہلے لواطت ابلیس نے کرائی۔ وہ اس طرح کہ قوم لوط کے سامنے حسین وجمیل بے ریش لڑکے کی شکل میں حاضر ہو کر اس گندے فعل کی انہیں دعوت دی ان کو اس کا چسکا پڑ گیا۔ اس کے بعد جو بے ریش لڑکا انہیں مل جاتا اس سے بدفعلی کرتے۔ خلاصہ یہ کہ ایک طرف تو انہوں نے شہوۃ رانی کی۔ دوسری طرف انہیں باہر سے آنے والے لوگوں سے نجات ملی۔ اس بدفعلی پر انہیں بہت بڑا عرصہ گزرا۔

لواطت کی مذمت

لواطت کی بدعملی سے زمین وآسمان اور عرش فریادی ہوئے

ان کی بدفعلی کو دیکھ کر زمین چیخی۔ جس کی چیخ وپکار آسمان نے سنی وہ چیخا تو اس کی چیخ عرش پہ پہنچی۔ عرش نے ان بدعملوں کی کہانی بارگاہ میں پیش کر دی۔ اللہ تعالٰی نے آسمان کو حکم فرمایا کہ ان پہ پتھر برسائے اور زمین کو فرمایا کہ انہیں اپنے اندر دھنسائے۔ پھر اُن پہ پتھر برسائے گئے ساتھ کے

لہ ، اس سے بے ریش عبرت پکڑیں کہ وہ از خود یا کسی کے ورغلانے سے فعل کراتے ہیں تو وہ سمجھیں کہ وہ اس بدعمل سے کس کے پیروکار ہیں۔ ۱۲۔

بدا انہیں زمین میں دھنسا یا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ جو گھروں میں تھے انہیں زمین میں دھنسا یا گیا اور جو سفر میں تھے ان پر پتھر برسائے گئے

اعجوبہ مروی ہے کہ ایک تاجر انہیں سے حرم شریف کو تجارت کے لئے چلا گیا تھا۔ چالیس روز تک وہ پتھر اس کا منتظر رہا۔ جب وہ حرم سے باہر نکلا تو اسے پتھر نے فنا کر دیا۔

نکتہ: آیت سے واضح ہوا کہ لواطت بہت ہی گندا فعل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی بھی بڑے سے بڑے گناہ پر پتھر نہیں برسائے سوائے اس لواطت کے۔ دیکھئے۔ زنا چوری والدین کی بے فرمانی قتل ناحق اسی طرح دیگر بہت بڑے کبیرہ گناہ یہاں تک کہ شرک بھی۔ مگر لواطت کوئی ایسا قبیح ترین فعل ہے کہ صرف اس کے ارتکاب سے پتھر برسے۔

خنزیر اور گدھا لوطی: جانوروں میں کوئی بھی جانور لواطت کا ارتکاب نہیں کرتا سوائے خنزیر اور گدھا کے۔

مسئلہ: لواطت بہت ہی برا فعل ہے اس سے بلکہ اس کے مبادی یعنی بے ریش لڑکے کے بوس و کنار اور شہوت سے ہاتھ لگانے سے بھی بچنا لازم ہے۔

بے ریش کو بوسہ دینے کے گناہ کا ایک نمونہ حضرت امام فرماتے ہیں کہ جس نے بے ریش کو شہوت سے بوسہ دیا اس نے گویا اپنی ماں کے ساتھ ستر بار زنا کیا اور جس نے ماں سے زنا کیا اس نے گویا ایک کنواری (باکرہ) لڑکی سے ستر بار زنا۔ اور جس نے باکرہ کنواری لڑکی سے زنا کیا اس نے دوسری ایک ہزار عورت سے زنا کیا۔

لواطت سے بچنے کا علاج بے ریش لڑکے کو شہوت سے دیکھنا ہی اس مرض کی بنیاد ہے اس لئے کہ اسے دیکھنے کے بعد بچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لئے شریعت نے بے ریش لڑکے سے میل جول ناجائز قرار دیا ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

۱: خرابت کند شاہد خانہ کن
بر و خانہ آباد گرداں بزن

۲: نشاید ہوس باختن با گلے
کہ ہر بامدادش بود بلبلے

۳: مکن بد بفرزند مردم نگاہ
کہ فرزند خویشت برآید تباہ

۴: چرا طفل یک روزہ ہوشش بزد
کہ در صنع دیدن چہ بالغ چہ خرد

۵۔ محقق ہمی بیند اندر ابل
کہ در خوبرویاں چین و چگل

ترجمہ ۱: تجھے یہ بے ریش (حسین) خراب کرے گا جا عورت سے نکاح کرکے گھر آباد کر۔

۲: اس گل سے خواہش رانی کا کیا فائدہ جس کی ہر تنے روز نئی بلبل (عاشق) ہو۔

۳: لوگوں کے لڑکوں کو بد نگاہ سے نہ دیکھ کہیں تیرا بیٹا تباہ نہ ہو جائے۔

۴: بھلا اس کا ننھے بچے نے ہوش کیوں نہیں اڑایا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی صنعت دیکھنے میں بڑے چھوٹے کا کوئی فرق نہیں۔

۵: محقق تو اونٹ میں وہی دیکھتا ہے جو چین و چگل کے حسینوں میں دیکھتا ہے۔

مکالمہ سلیمان علیہ السلام مابین ابلیس دربارہ لوطی

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک روز عفریت جن سے فرمایا ابلیس کہاں ہے اس نے عرض کی آپ اسے کچھ فرمائیں گے۔ آپ نے فرمایا نہیں لیکن بتلائیے وہ ہے کہاں۔ اس نے کہا آپ میرے ساتھ چلیں جہاں ہوگا میں آپ کو دکھاؤں گا۔ عفریت سلیمان علیہ السلام کو دریا کے کنارے لے گیا۔ آپ نے شیطان کو تخت پر بیٹھا دیکھا ابلیس نے جب سلیمان علیہ السلام کو دیکھا تو گھبرا کر اٹھا۔ آپ اس سے ملے۔ ابلیس نے عرض کی حضرت آج کیسے تشریف لائے کوئی حکم۔ آپ نے فرمایا تجھ سے یہی پوچھنے آیا ہوں کہ تیرا محبوب کون ہے جو اللہ تعالیٰ کا مبغوض ترین ہو۔ اس نے عرض کی یہ میری راز کی بات ہے اگر آپ یہاں تشریف نہ لاتے تو میں اسے ہرگز ظاہر نہ کرتا۔ لیکن مجبوراً عرض کرتا ہوں کہ میرا محبوب ترین اور اللہ تعالیٰ کا مبغوض ترین وہ مرد ہے جو مرد سے لواطت کرے اور وہ عورت جو عورت کے ساتھ برائی کرے (عورتوں کا رحم سے رحم ملا کر ایک دوسرے پر چڑھنا بھی زنا ہے)

مسئلہ: ملتقط الناصری میں ہے کہ لڑکا اگر بالغ ہو جائے اور وہ حسین و جمیل نہ ہو تو اس کا حکم مردوں جیسا ہے ورنہ عورتوں کے حکم میں ہے اسے سمجھو کر سر سے پاؤں تک وہ عورت ہے فلہذا اسے شہوت سے دیکھنا حرام ہے۔

مسئلہ: اسے السلام علیکم اور اسے دیکھنا شہوت سے نہ ہو تو جائز ہے۔ اس لئے اسے پردہ کا حکم نہیں۔

مسئلہ: اگر بے ریش حسین و جمیل لڑکا تعلیم حاصل کرنے کے لئے باہر جائے تو باپ کو چاہیے کہ اسے باہر نہ جانے دے

امام اعظم رحمہ اللہ کا تقویٰ

منقول ہے کہ امام محمد بن الحسن بچپن میں بہت بڑے حسین و جمیل تھے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ انہیں سبق پڑھاتے وقت پیٹھ کے پیچھے بٹھلاتے تھے یا مسجد کے ستون کی اوٹ میں تاکہ ان پر غلط نگاہ نہ پڑ جائے۔ حالانکہ آپ کے تقویٰ سے بھی یہ بعید امر تھا۔

حکایت بے ریش کو غلط نگاہ سے دیکھنا: منقول ہے کہ ایک عالم دین کو ان کے مرنے کے بعد کسی نے انہیں خواب میں دیکھا کہ ان کا چہرہ سیاہ ہے۔ دیکھنے والے نے ماجرا پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ فلاں مقام پر مجھے ایک بے ریش لڑکا نظر آیا تو میں نے اسے غلط نگاہ سے دیکھا اس وجہ سے میرا چہرہ جہنم کی آگ سے جلایا گیا۔

بے ریش کے ساتھ اٹھارہ شیطان: حضرت قاضی صاحب نے فرمایا کہ میں نے حضرت امام صاحب سے سنا ہے کہ ہر عورت کے ساتھ دو شیطان ہوتے ہیں لیکن ہر بے ریش لڑکے کے ساتھ اٹھارہ شیطان ہوتے ہیں۔

مسئلہ: بے ریش لڑکوں اور عورتوں بلکہ بے وقوفوں کے ساتھ ہمنشینی مکروہ ہونے کے علاوہ عوام کے دلوں سے ہیبت و وجاہت نہیں رہتی اور تہمت میں ملوث ہونے کا خطرہ ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

۱۔ چو خواہی کہ قدرت بماند بلند
دل اے خواجہ در سادہ رویاں مبند
۲۔ وگر خود نباشد غرض درمیاں
حذر کن کہ دارد بحرمت زیاں

ترجمہ: ۱۔ اگر تو چاہتا ہے کہ تیرا قدر بلند ہو تو اے خواجہ بے ریش لڑکوں کے ساتھ عشق بازی نہ کر۔
۲۔ اگرچہ تیری ان سے اور کوئی غرض نہ ہو تب بھی خطرہ کر اس لئے کہ اس سے تیری عزت چلی جائے گی۔

مسئلہ: ایسے غلام بے ریش کو ایسے شخص کے ہاں بیچنا مکروہ ہے کہ جس سے غالب ہو کہ وہ اس کے ساتھ بدفعلی کرے گا اس لئے کہ اس سے اعانۃ علی المعصیۃ ہے۔

سوال: مانا کہ بے ریش لڑکا نسل کے اضافہ کا سبب نہیں لیکن اس سے شہوت رانی اور لذت تو حاصل ہوتی ہے بنابریں اگر زر خرید غلام سے مالک لواطت کرے تو کونسا حرج ہے جو فعل عقل کے تقاضا پر پورا اترتا ہو وہ شرعاً بھی عموماً جائز ہوتا ہے۔

جواب: شرع پاک نے بے ریش سے وطی کی اجازت اس کی قباحت اور نہایت درجہ کی خباثت کی وجہ نہیں بخشی (جیسا کہ اس کی خباثت و قباحت اطبا کو معلوم ہے) تو عقلاً بھی یہ فعل پُر از گندگی ہے اور مالک ہونے پر ضروری نہیں کہ اس میں ہر طرح کا تصرف جائز ہو۔ مثلاً کوئی شخص مجوسیہ یا وثنیہ (بت پرست) عورت کا مالک ہو تو مسلمان کو اس سے وطی ہرگز ہرگز جائز نہیں جب تک کہ وہ اسلام قبول نہ کرے اسی طرح مسلمان مالک اپنے زر خرید غلام سے وطی نہیں کرا سکتا۔ بلکہ نہ صرف وطی بلکہ دوسرے اور امور بھی ناجائز ہیں۔ مثلاً بوسہ دینا دلانا مشت زنی وغیرہ وغیرہ جب مالک کو اپنے زر خرید غلام سے یہ امور بھی ناجائز ہیں۔ حالانکہ عقلاً

marfat.ocm

وشرعاً ہر طرح سے جواز کا امکان ہے تو پھر بے ریش لڑکے سے بطریق اولیٰ ناجائز ہیں۔ جب کہ اُن سے ایسے امور عقلاً بھی ناجائز ہیں اور شرع نے ایسے ہی اس کی سخت ممانعت فرمائی ہے۔

لواطت صغریٰ وکبریٰ مرد کی دبر میں وطی کرنا لواطت کبریٰ ہے اور عورت کی دُبر میں وطی کرنا لواطت صغریٰ ہے۔

لواطی لعنتی : حدیث شریف میں ہے کہ لواطت کرنے والا لعنتی ہے۔

بہشت میں لواطت کے متعلق تحقیق سوال پیدا ہوتا ہے کہ بہشت میں لواطت کی اجازت ہوگی یا نہ اس کے متعلق علماء کرام نے فرمایا ہے کہ اگر لواطت کی حرمت عقلاً وشرعاً ہر طرح ثابت ہو جائے تو پھر بہشت میں لواطت کے جواز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اگر اس کی حرمت صرف شرعاً ہے اور عقلاً جواز کا ثبوت ملتا ہے تو پھر بہشت میں بھی جائز ہوگی۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ بہشت میں اس گندے فعل کا تصور کسی گندے ذہن میں آسکتا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ یہ قبیح ترین فعل ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی قباحت میں فرمایا **ما سبقکم بہا من احد من العٰلمین** بلکہ اس فعل بد کو خبیث کہا۔ کما قال **کانت تعمل الخبائث** اور بہشت میں خباثت اور گندگی کیسی۔

ازالۂ وہم حضرت مولانا زیرک زادہ الاشباہ والنظائر کے حواشی میں لکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں ہے کہ **ویطوف علیہم ولدان مخلدون اذا رایتہم حسبتہم لؤلؤا منثورا** دوسرے مقام پر فرمایا **ولکم فیہا ما تشتہی انفسکم**۔ دونوں آیتوں کو ملانے سے نتیجہ نکلتا ہے کہ جب بہشت میں حسین وجمیل بے ریش لڑکے حاضر ہوں گے تو انسانی خواہش سے بعید ہے کہ اُن پر شہوت رانی کا خیال تک بھی نہ ہو۔ خیال اور تصور تو ضرور آئے گا البتہ اس کی خباثت وقباحت کی وجہ نفرت ہوتی ہے لیکن ضروری نہیں کہ جس شے کے لئے دنیا میں نفرت ہو اس سے آخرت میں نفرت ہو یا جو شے دنیا میں کسی سبب سے ناجائز کی گئی ہو ہر لحاظ سے آخرت میں بھی ناجائز ہو۔ اس کے متعلق فقیر صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ بہشت میں لواطت کے جواز پر دلائل مذکورہ نہایت بودے اور کمزور ہیں۔ جسے قلب سلیم اور عقل مستقیم کی دولت نصیب ہے وہ سمجھتا ہے کہ قبیح فعل کی قباحت کیسی ہوتی ہے اور اس کا حسن کیسا۔ اسے کھرے کھوٹے کی تمیز بھی ہوتی ہے۔ آیت طواف میں بے ریش لڑکوں کا بہشت میں حاضر ہونا مسلم ہونا لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان سے وطی بھی ہوگی۔ البتہ آیت ثانیہ کے لفظ اشتہاء سے کچھ اشتباہ ہوتا ہے لیکن اشتہا ضروری ہے کہ وہ لواطت سے ہو۔ بلکہ اُن کے حسن وجمال اور ان کی طرز ادا وغیرہ پر نظر کرنے کا نام بھی اشتہاء ہے۔ بہرصورت لفظ اشتہاء سے بھی لواطت ثابت نہیں ہوتی حد میں بھی بے ریش لڑکے کا قیاس

marfat.ocm

نہیں ہو سکتا اس لئے کہ حور عین اس کی جنس نہیں بلکہ عورتوں کی جنس سے ہوں گی۔

وہم مذکور کے متعلق تقریر ثانی

آیت مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ اگرچہ عام ہے لیکن یہ کب ضروری ہے کہ بہشت میں لواطت اشتہاء کے انواع میں ہو۔ یعنی بہشت میں سب سے اس کی چاہت بھی دلوں سے اٹھا لی جائے اس لئے کہ اس کی حرمت جیسے ادیان میں زنا کی حرمت کی طرح ہے تو جو شے حرام ابدی ہو وہ کس طرح بہشت میں حلال ہو جائے۔

سوال: شراب بھی تو حرام ابدی ہے۔ وہ تو بہشت میں جائز ہوگا۔

جواب ۱: چونکہ وہ ادیان میں جائز تھا یہ اس کی نفرت کی دلیل نہیں بلکہ اس سے طبیعت کے میلان کی دلیل ہے اس لئے اسے بہشت کی نعمتوں میں داخل کیا جا سکتا ہے۔

جواب ۲: اگر لواطت کے لئے جنت میں مطلقاً موانع حرمت مرتفع ہو جائیں گے تو بھی حلت اور جواز کی دلیل نہیں اس لئے کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ جن کے موانع حرمت بھی مرتفع ہوتے ہیں لیکن پھر بھی ناجائز ہیں۔ مثلاً بہشت میں جماع کرنا ہوگا۔ حالانکہ قیامت میں بہشتیوں کی عورتیں خود بھی آخرت میں غیر محارم کے سامنے ظاہر نہیں ہونگی (کذا فی الواقعات الحمویہ)

لوطی کی سزا

لوطی کے متعلق امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لواطت کرنے والے کو قتل کر دیا جائے حضرت امام احمد حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اسے سنگسار کیا جائے۔ اگرچہ غیر شادی شدہ ہو۔

مسئلہ: شرح وقایہ میں ہے کہ لواطت پر شرعی حد نہیں البتہ اسے سخت سزا دے کر قیدخانہ میں ڈالا جائے یہاں تک کہ اس فعل سے وہ سچے دل سے توبہ کرے۔ صاحبین یعنی امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس پر زنا کی حد ہے یعنی شادی شدہ کو سنگسار کیا جائے۔ اگر غیر شادی شدہ ہے تو اسے درے مارے جائیں۔

مسئلہ: احناف کے نزدیک یہ سزا اجنبی لڑکے یا کسی عورت سے لواطت کے متعلق ہے اگر اپنا زرخرید غلام یا اپنی لونڈی یا اپنی عورت سے لواطت کی ہے تو صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اتفاق کیا ہے کہ ایسے آدمی پر حد ہے اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اسطرح اتفاق کیا۔

فائدہ: لوطی کے تعزیر کے وجوہ میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں اسے ایسی بدبودار جگہ پہ قید کیا جائے کہ جب تک وہ مر نہ جائے اسے نہ چھوڑا جائے بعض نے کہا اس کو دیوار کے نیچے کھڑا کیا جائے پھر دیوار گرا دی جائے بعض کہتے ہیں اسے اوپر سے اونچی جگہ جیسے منارہ ہے سے نیچے گرایا جائے۔ یہاں تک کہ ٹکڑے ہو جائے۔ حضرت ابو وراق رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لوطی کو آگ میں جلایا جائے اسی طرح شرح مجمع میں تصریح کی۔

marfat.ocm

مسئلہ: زیادات میں لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ اگر کسی کو اس گندے فعل کی عادت پڑ جائے تو اسے قتل کر دیا جائے یا اسے قید میں ڈالا جائے یہاں تک کہ مر جائے (کذا فی شرح الاکمل)

فائدہ: اس سے واضح ہوا کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک یہ فعل بہت بڑا قبیح ہے۔ زنا۔ قتل کی طرح اس کی سزا مقرر نہیں فرمائی بلکہ صرف سے ایسے بدمعاش کو قتل کرنا ضروری سمجھا تاکہ دنیا پر سے یہ فتنہ اٹھ جائے۔ جیسے یمین غموس کے متعلق ہے کہ اس میں کفارہ نہیں گناہ سخت ہے وہ بھی صرف اس لئے کہ اور قسمیں تو کفارہ سے اٹھ جاتی ہے لیکن یمین غموس (جھوٹی) کا گناہ کفارہ سے نہیں اٹھتا جب تک اس سے توبہ نہ کی جائے۔

جانوروں سے وطی کرنیوالے کے متعلق مسائل: کتاب الحظر والاباحۃ میں ہے کہ ایک شخص نے کسی جانور سے وطی کی تو حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا اگر جانور اسی کا اپنا ہے تو اسے کہو کہ وہ اس جانور کو ذبح کر کے جلا دے اگر حرام جانور ہے اور اگر وہ جانور حلال ہے تو اسے ذبح کر کے جلایا نہ جائے۔

فائدہ: فتوحات مکیۃ کے ترجمہ کی آخری جلد میں ہے کہ جانور کی وطی سے پرہیز کرنا چاہیے اس لئے کہ یہ فعل نہ کسی شرع کا ہے اور نہ کسی دین میں جائز ہے اور نہ ہی کسی نیک مرد کی مروت میں شامل ہے۔

حکایت: ایک بے عقل نے ایک جانور خریدا جس کی اُسے ضرورت نہ تھی کسی نے چند روز کے بعد اس سے پوچھا کہ تو نے اسے کیوں خریدا حالانکہ تجھے اس کی ضرورت ہی نہیں اور خواہ مخواہ اس کے پالنے کے خرچ کا اپنے سر پر کیا ہے اس نے جواب دیا کہ چونکہ میں غیر شادی شدہ ہوں اس لئے میں اس کے ذریعے زنا سے بچتا ہوں۔ اسے کہا گیا کہ اس سے وطی بھی تو حرام ہے وہ چونکہ بے خبر تھا اس لئے رو دیا اور کہا مجھے اس کا علم نہیں تھا اس لئے میں آج کے بعد توبہ کرتا ہوں کہ آئندہ میں اس کے ساتھ وطی نہیں کروں گا اسے کہا گیا کہ تم علم پڑھ لو تاکہ تمہیں حلال و حرام کی تمیز ہو۔

زنا سے بچنے کی تدبیر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو نکاح کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اس پر لازم ہے کہ وہ روزہ رکھے۔

مشت زنی کی تحقیق اس حدیث سے مالکیہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے استدلال کیا ہے کہ مشت زنی حرام ہے وہ اس لئے کہ اگر مشت زنی جائز ہوتی تو آپ بجائے روزے رکھنے کے اس کی اجازت بخشتے جو کہ ایک آسان عمل بھی ہے اور زنا سے بچنے کی تدبیر۔

مسئلہ: حنبلیوں نے مشت کو مباح بتایا ہے اس میں بعض حنفیوں کے متعلق بھی منقول ہے ان کی دلیل

marfat.ocm

یہ ہے کہ شہوت کے نکلنے کے لئے ہے اور شہوت نکلنے کی تدبیر شرعاً مباح ہے۔

مسئلہ: خلاصۃ الکتاب میں ہے کہ اگر کوئی روزے دار اپنے ذکر کو پکڑ کر کسی طریق سے منی نکالتا ہے تو اس کا روزہ ٹوٹ گیا۔ اسپر قضاء کفارہ نہیں (لیکن اسپر فتوی نہیں اور وہ بھی بعض کا خیال ہے یہ تحقیقی قول نہیں

مسئلہ: یہ فعل نہ رمضان میں جائز ہے اور غیر رمضان میں۔

مسئلہ: یہ فعل اگر شہوت توڑنے کی نیت سے کرتا ہے شہوت رانی کیلئے نہیں کرتا تو بعض علماء کا فتویٰ ہے کہ یہ جائز ہے وہ کہتے ہیں کہ چونکہ اس کی نیت صحیح ہے اس لئے امید ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں۔ یہ بھی بعض کا خیال ہے تحقیقی قول نہیں۔

مسئلہ: بعض حواشی بخاری شریف میں ہے کہ مشت زنی حرام ہے یہی حکم قرآن اور حدیث سے ثابت ہے اور یہی قول تحقیقی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ الیٰ ان قال فاولئک هُمُ العادون عادون کا معنی ظالمون ہے یعنی وہ لوگ حلال سے تجاوز ہو کر حرام کا ارتکاب کرتے ہیں۔

مسئلہ: امام بغوی نے فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ مشت زنی حرام ہے۔

حدیث شریف: حضرت ابن جریج نے فرمایا کہ میں نے حضرت عطاء سے مشت زنی کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ قیامت میں ایک قوم ایسی اٹھائی جائے گی جن کے ہاتھ حاملہ (گابھن) ہوں گے۔ یہ وہی مشت زنی کرنے والے ہوں گے۔

اعجوبہ: حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کو صرف اس لئے عذاب میں مبتلا کیا کہ وہ اپنے ذکروں سے کھیلا کرتے تھے یعنی مشت زنی کرتے تھے۔

مسئلہ: مشت زنی کرنے والے پر بھی تعزیر واجب ہے۔

مسئلہ: ابن الملقن وغیرہ نے فرمایا کہ ایک روایت امام اعظم سے اور امام احمد سے منقول ہے کہ مشت زنی جائز ہے اس شخص کے لئے جو اپنے نفس پر زنا کا خطرہ رکھتا ہے اسی طرح اپنی زوجہ اور اپنی لونڈی کے ہاتھ کے ذریعے منی گرانا جائز ہے۔ (یہ قول بھی غیر تحقیقی ہے)

فائدہ: قاضی حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا مع الکراہۃ جائز ہے کیوں کہ یہ بھی عزم میں داخل ہے اور عزل مکروہ ہے۔

فائدہ: تاتار خانیہ میں ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر ایسے شخص کو نہ گناہ ہے نہ سزا ہے۔ یہ قول تحقیقی نہیں (کذا فی انوار المشارق لمفتی حلب الشہباء) واللہ اعلم۔

marfat.ocm

وَاِلٰی مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ
اور مدین کی طرف ان کی برادری سے شعیب کو بھیجا کہا اے میری قوم
اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا
اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل
الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ
آئی تو ناپ اور تول پوری کرو اور لوگوں کی چیزیں گھٹا کر نہ دو اور زمین میں انتظام کے بعد
بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ
فساد نہ پھیلاؤ یہ تمہارا بھلا ہے اگر ایمان لاؤ اور ہر راستہ پر یوں نہ بیٹھو کہ
تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا
راہگیروں کو ڈراؤ اور اللہ کی راہ سے انہیں روکو جو اس پر ایمان لائے اور اس میں
عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۪ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ
کجی چاہو اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے اس نے تمہیں بڑھا دیا اور دیکھو
عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِیْۤ اُرْسِلْتُ
فسادیوں کا کیسا انجام ہوا اور اگر تم میں ایک گروہ اس پر ایمان لایا جو میں لے کر بھیجا
بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰی يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ
گیا اور ایک گروہ نے نہ مانا تو ٹھہرے رہو یہاں تک کہ اللہ ہم میں فیصلہ
وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۷﴾
کرے اور اللہ کا فیصلہ سب سے بہتر

---

۸۵ وَاِلٰی مَدْيَنَ ۔ اور مدین کی طرف ہم نے بھیجا۔ اس سے قبیلہ مدین مراد ہے یعنی مدین کی اولاد وہ بن ابراہیم علیہ السلام" اَخَاهُمْ ان کے بھائی کی طرف۔ اس سے اس کا نسبی بھائی مراد ہے یعنی یہ بھی منجملہ ان میں سے تھے۔ شُعَیْبًا اَخَاهُمْ کا عطف بیان ہے۔

marfat.ocm

شعیب علیہ السلام کا نسب نامہ

شعیب بن میکیل بن یشجر بن مدین انہوں نے ریثا بنت لوط علیہ السلام سے نکاح کیا۔ ان سے اولاد ہوئی اور ان کی نسل ایسی پھیل کر ان کا مستقل قبیلہ مدین بن گیا۔

حضرت شعیب علیہ السلام خوفِ خدا سے بہت زیادہ روتے تھے۔ یہاں تک کہ روتے روتے اپنی آنکھیں بیٹھ گئیں اور عوام میں مشہور ہے کہ وہ نابینا ہو گئے (یہ قول تحقیقی ہے) آپ کو خطیب الانبیاء علیہم السلام کا لقب ملا اس لئے کہ آپکی قوم کو آپ کا زیادہ رجوع تھا۔ آپ کی قوم ناپ تول کے متعلق کمی بیشی کرتے تھے اور یہ ان کی کفر کے علاوہ بیماری تھی۔

قَالَ حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے۔ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ اے میری قوم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو یعنی اس کی توحید کا اقرار کرو۔ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ اس کی تفسیر ہم نے پہلے کر دی۔

قَدْ جَآءَتْکُمْ بَیِّنَۃٌ بے شک تمہارے پاس معجزات آئے ہیں۔ مِّنْ رَّبِّکُمْ تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے یہ جَآءَتْکُمْ کے متعلق ہے یا اس کا متعلق محذوف ہے یہ فاعل کی صفت ہے اس کی ذاتی عظمِ شان کی وجہ سے موکد ہے یہ اس کے نکرہ ہونے کی وجہ سے معلوم ہوا اور بینہ کی عظمِ شان اضافی ہے یعنی وہ بینہ عظیمہ تمہارے اپنے مالک امور کی طرف سے آئی ہے۔ لیکن دوسرے انبیاء علیہم السلام کے معجزات کی طرح ان کا معجزہ قرآن مجید میں بیان نہیں کیا گیا۔ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے معجزات قرآن مجید میں مذکور نہیں ہوئے۔

فائدہ : شعیب علیہ السلام کے معجزات نہ صرف قرآن مجید میں نہیں بلکہ احادیث شریف میں بھی نہیں۔
(کذا قال صاحب التفسیر الفارسی)

شعیب علیہ السلام کا معجزہ

حضرت شعیب علیہ السلام کا ایک معجزہ یہ تھا کہ آپ بہت بڑے اونچے پہاڑ کو حکم فرماتے تو نیچے ہو جاتا تو اس پر آپ چڑھ جاتے اس کے علاوہ بھی اور معجزات صاحب کشاف نے اپنی تفسیر میں بیان فرمائے ہیں۔

فَاَوْفُوا الْکَیْلَ پس تول کو پورا کرو۔ الکیل مصدر ہے مثلاً کہا جاتا ہے کلت الطعام کیل میں نے طعام کو تولا۔ یہاں پر معنی مصدری نہیں بن سکتا اس لئے کہ کمی و بیشی تو اعیان میں ہوتی ہے مصدری معنی اعیان میں نہیں ہوتا۔

marfat.ocm

فائدہ : قاضی صاحب نے فرمایا کہ یہاں پر مضاف محذوف ہے۔ در اصل عبارت فاوفوا آلۃ الکیل جیسے مولانا ابو السعود مفسر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے الکیال سے تعبیر کیا ہے اس قول کی تائید ہے والمیزان سے ہوتی ہے اس سے متبادراً آلہ کا معنیٰ حاصل ہوتا ہے اگرچہ اس میں مصدری معنیٰ میعاد کی طرح پایا جاتا ہے لیکن آلہ کے معنی کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اس معنی پر الکیل بمعنی ما یکال بہ ہے جیسے العیش بمعنی ما یعاش بہ ان کے دو پیمانے تھے ایک بڑا دوسرا چھوٹا۔ جب لوگوں سے کچھ لیتے تو اس بڑے پیمانہ کو استعمال کرتے جب کچھ کسی کو دیتے تو چھوٹے پیمانہ کو عمل میں لاتے۔

خلاصہ یہ کہ انہیں کہا گیا ہے کہ مکیال و میزان کے ساتھ مکمل طور لوگوں کے حقوق ادا کرو۔

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اور لوگوں کے لئے کمی نہ کرو **اَشْيَاءَهُمْ** اُن کی اشیاء میں جو ان کے ساتھ خرید و فروخت کرتے ہو۔ درآنحالیکہ تم اُن کی تکمیل پر اعتماد کرو یعنی جیسے وہ پہلے تھے وہ سب میں مکمل طور حقوق کو ملحوظ کرو۔ ان کی عادت تھی کہ ہر بڑی چھوٹی اچھی اور خراب شے میں کمی و بیشی کرتے تھے۔

سوال : حقوق کے بجائے اشیاء کا لفظ کیوں فرمایا۔

جواب : حقوق مخصوص باتیں ہوتی ہیں اور اشیاء ہر امر پر مشتمل ہے اور یہاں عموم مطلوب تھا اس لئے اشیاء کا لفظ فرمایا۔

نکتہ : خرید و فروخت میں کمی و بیشی کرنا حمق اور نہایت ہی خسیس انسان کا کام ہے اور یہ کام وہ کرتا ہے جس پر حرص و ہوا غالب ہوں اور ہر وہ انسان جو نفس کے خواہشات کے تابع بلکہ یوں کہو کہ وہ انسان پیٹ کا ظالم ہے اور یہ تمام نفس امارہ کی صفات سے پاک کرنے کا حکم دیا ہے جسے تزکیۂ نفس سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی بندے سے اچھے امور دیکھنا چاہتا ہے اور حسین افعال ہے اسے سخت نفرت ہے۔

حدیث شریف ۱ : ان دو بھیڑیوں سے جو بکریوں میں چھوڑے جائیں زیادہ ذلیل وہ انسان ہے جو مال کے حرص میں مبتلا ہے۔

حدیث شریف ۲ : نماز و وضو اور وزن و کیل یہ سب امانتیں ہیں۔

حدیث شریف ۳ : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ تم کو وزن و کیل کا متولی بنایا گیا ہے۔ پہلی قومیں ان کی کمی و بیشی کرنے سے تباہ و برباد ہوئیں۔

وَلَا تُفْسِدُوا فِی الْاَرْضِ کفر و ظلم کرکے اللہ تعالیٰ کی زمین میں فساد برپا نہ کرو۔ **بَعْدَ اِصْلَاحِهَا** جب کہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے اتباع نے زمین میں شرائع و احکام کا اجراء کرکے اصلاح کی۔

ذٰلِكُمْ یہ ان امور کی طرف اشارہ ہے جن کے متعلق اوامر و نہی فرمائے۔ **خَيْرٌ لَّكُمْ** تمہارے لئے بہتر ہیں یعنی

marfat.ocm

اوامر و نواہی پہ عمل کرنا کم تولنے بخس کرنے اور نقصان پہنچانے اور فساد ڈالنے سے بہتر ہے۔

ف: یہاں خیر اسم التفضیل کے معنی میں نہیں بلکہ بیان پر معنی یہ ہے کہ وہ امور اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت مفید ہیں۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اگر تم اہل ایمان ہو یعنی اگر تم میرے امور کی تصدیق کرو گے تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ اور نہ تم سیدھے راستہ پہ نہ بیٹھو۔ یا یہ باء الصاق یا مصاحبت کی ہے۔ اس لئے ان کا ظرف و کائن سے متعلق ہے اور قاعد اس سے ملصق و ملابس ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ باء بمعنی فی ہے اس لئے کہ قاعد اپنے قعود کے مکان میں نازل ہوتا ہے یا یہ باء بمعنی علی ہے اس لئے کہ قاعد مکان کے اوپر ہوتا ہے۔ تُوْعِدُوْنَ ڈراتے ہو تم تَقْعُدُوْا سے حال ہے۔

سوال: اُن کے ڈرانے کا سبب ذکر کیوں نہیں۔

جواب: تاکہ سمجھنے والا سمجھ لے کہ وہ ہر طرح کے ڈرانے کے حربے استعمال کرتے تھے۔

اب معنی یہ ہوا کہ اے میری قوم ہر راستہ پر بیٹھ کر لوگوں کو دین سے مت ڈراؤ یہ تو شیطان کا کام ہے چنانچہ قرآن مجید نے شیطان کا طریقہ بتایا کہ اس نے کہا تھا لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ۔

سوال: اللہ تعالیٰ کی طرف ایک ہی راستہ ہے اور یہاں پر بہت سے راستوں کی نشاندہی کی گئی ہے

جواب: اگرچہ اللہ تعالیٰ کا ایک راستہ ہے لیکن اس کے مختلف انواع و اجناس تھیں۔ مثلاً معارف۔ حدود۔ احکام مخالفین ان ہر قسم کے راستے کاٹنے کی کوشش کرتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے راستہ کو بکل صراط سے تعبیر فرمایا۔

فائدہ: مروی ہے کہ کفار شعیب علیہ السلام کی طرف مختلف آنے والے راستہ پر بیٹھ جاتے ہر راہگیر سے پوچھتے کہ کہاں جاتے ہو۔ اگر وہ کہتا کہ شعیب علیہ السلام کے پاس جاؤں گا تو اسے کہتے ان کے ہاں جا کر کیا کرو گے وہ تو بہت بڑے جھوٹے ہیں (معاذ اللہ) وہ تو ایسے غلط کار ہیں کہ اگر ان کے پاس جاؤ گے تو وہ تمہیں تمہارے آباء کے دین سے بہکا دیں گے اسی طرح وہ ہر دین حق کے کرنے والے مومن کو طرح طرح کی باتیں سنا کر ڈراتے

بعض روایات میں آیا ہے کہ وہ ڈاکو تھے۔ لوگوں کا مال لوٹتے تھے۔ وَتَصُدُّوْنَ اس کا توعدون پر عطف ہے یعنی تم روکتے اور پھیرتے ہو۔ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے راستہ سے یعنی اس راستہ سے جیسا وہ بیٹھے ہوتے مَنْ اٰمَنَ بِهٖ یہ تصدون کا مفعول بہ ہے اور بہ ضمیر کل صراط کی طرف لوٹتی ہے یعنی اسے جو سیدھے راستے پر ایمان رکھنے والے ہوتے ہیں۔ وَتَبْغُوْنَهَا یہ باب الحذف والایصال والتعدیہ سے دراصل تَبْغُوْنَ لَهَا یعنی اس کے لئے طلب کرتے ہو یہ ضمیر سبیل اللہ کی طرف راجع ہے۔

سوال: لفظ سبیل مذکر ہے اور ھا ضمیر مؤنث ہے یہ کیسے۔

marfat.ocm

جواب : چونکہ لفظ سبیل مذکر بھی ہوتا ہے اور مونث بھی اس لئے یہاں پر اس کے لئے ضمیر مونث لائی گئی یعنی اللہ تعالیٰ کے راستہ کو طلب کرتے ہو۔ عِوَجًا یعنی حق سے ٹیڑھا کر کے اس پر طرح طرح کے شبہات ڈالتے ہو یا یہ کہ تم اسے لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہو اور کہتے ہو کہ شعیب علیہ السلام کا راستہ غلط ہے حالانکہ ان کا راستہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے اور اس کے ٹیڑھے ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو طالبان حق سے وصول الی اللہ کا راستہ روکتے ہیں اور ان کے ساتھ کئی قسم کے حیلے اور مکر و فریب کر کے راہِ حق سے انہیں دور رکھتے ہیں اور وہ اپنی شیخی بگھیر کر ان کے لئے کئی قسم کی غلط کاریاں پیدا کرتے ہیں جیسے انہوں نے اپنے نفسوں کو راہِ حق سے روک رکھا ہے اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ معاصی اور جرائم کی نحوست مجرم تک محدود نہیں رہتی بلکہ اس کے اثرات دوسروں پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ پھر وہ اثرات خود معاصی کے مرتکب کو بہت زیادہ لپیٹ لیتے ہیں۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ اور یاد کرو جب تم بہت تھوڑے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں زیادہ کثیر التعداد بنایا۔ یعنی تمہاری نسل بڑھائی اور تمہیں دولتمند بنایا۔ یعنی تمہارا ضعف قوت سے اور تمہارا فقر دولتمندی سے بدل گیا۔

وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ اور دیکھو مفسدین کا انجام کیا ہوا۔ پس تم نے پہلے لوگ جیسے کہ نوح علیہ السلام کی قوم اور ان کے بعد قوم عاد اور ثمود اور اُن جیسے اوروں کا کیا حشر ہوا۔ ان کے حالات پڑھو پھر عبرت پکڑو اور اُن کے غلط طریقوں سے بچو۔

○ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ اگر ایک گروہ اس پر ایمان لے آیا جس کے لئے میں رسول بنایا گیا ہوں۔ یعنی ان شرائع و احکام کو ماننے اور ان پر عمل کرنے جو میں تمہارے ہاں اللہ تعالیٰ سے لایا ہوں وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا اور ایک گروہ جو اس پر ایمان لایا۔

فائدہ : تفسیر فارسی میں ہے کہ شعیب علیہ السلام نے اپنی نبوۃ کا اعلان کیا تو آپ پر ایک گروہ ایمان لے آیا اور دوسرا گروہ منکر ہو گیا اور کہنے لگا کہ قوت و ثروت ہمارے ہاں ہے اور ان پر ایمان لانے والے نہایت غریب اور کمزور ہیں۔ فلہٰذا حق ہمارے پلڑے میں ہے نہ ان کے ہاں اگر ان کے پاس حق ہوتا تو یہ دولتمند اور بہت بڑی قوت و طاقت کے مالک ہوتے حضرت شعیب علیہ السلام نے ان ہر دونوں گروہوں کو فرمایا کہ ایمان لاؤ یا نہ فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے مابین یعنی ہر دونوں گروہوں کے درمیان فیصلہ فرمائے گا کہ حق والوں کی مدد فرمائے گا اور باطل والوں کو مٹا دے گا۔ اس آیت میں اہل ایمان سے وعدہ کریمہ

marfat.ocm

اور اہل کفر کے لئے وعید ہے۔ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ۔ اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے اس لئے کہ اس کے حکم کے خلاف نہیں ہو سکتا اور اس میں ظلم کا شائبہ تک بھی نہیں اس لئے کہ تمام فیصلہ کرنے والوں سے اعدل و احکم ہے۔

آٹھویں پارہ کی تفسیر ۱۰۰۱ھ کے شوال کے اواخر میں ختم ہوئی۔

نوٹ ۔ فقیر اویسی غفرلہٗ کے لئے بھی حسنِ اتفاق سے شوال کے اواخر یعنی ۲۷ شوال ۱۳۹۵ھ شب اتوار (احمد پور لمہ) بموقع جلسہ سالانہ اس کا یہاں ترجمہ ختم ہوا۔

فہرست مضامین پارہ نمبر 6,7,8

نام مضمون	صفحہ نمبر	نام مضمون	صفحہ نمبر
آغاز پارہ نمبر 6 لا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَهر	3	رکوع عربی مع ترجمہ واتْلُ علیھم نبا بنی آدام	200 تا
رکوع یسئلُک اَھل الکتب عربی مع ترجمہ	12 تا 13	حقیقی بہن سے نکاح کا بیان	201
رفع طور کا واقعہ بستی میں داخلہ کا قصہ	16	واقعہ قابیل بعد قتل ہابیل	206
واقعہ قتل عیسیٰ اور یہودیوں کا التباس	19	عالم دنیا کا سب سے پہلا کاتب	208
بنی اسرائیل کا فرقوں اور ان کے عقائد کا بیان	32	منگل کے دن کے خواص	--
رکوع عربی مع ترجمہ انّا اَوْحینا الیک	40 تا 41	یاجوج وماجوج کا نسب نامہ	210
زبور کا تعارف	43	بلعم بن باعوراء کی کہانی	220
رکوع عربی مع ترجمہ لن یَّستنکف المسیح:	64	رکوع عربی مع ترجمہ	222 تا
ایک گمراہ فرقے کا عقیدہ اور ان کا رد	66	یاایھاالذین امنو:	223
ذکر الٰھی کے فضائل	73	رشوت کی اقسام	245
آغاز سورۃ المائدہ عربی مع ترجمہ	78	رکوع عربی مع ترجمہ انّا اَنزلنا التورۃ	248 تا 247
علم غیب نبوی اور اس کی تصدیق	82	رکوع عربی مع ترجمہ یاایھاالذین امنوْ لا	263
رکوع عربی مع ترجمہ حُرِّمتْ علیکم المیتۃ	89، 90	معراج کی رات امت کی شکایات کی فہرست	279
عید میلاد النبی کہنے کا ثبوت	98	رکوع عربی مع ترجمہ یاایھا الذین لاتتخذا	282 تا 281
رکوع عربی ترجمہ یاایھاالذین امنو اذا	116، 117	اذان میں انگوٹھے چومنے کا ثبوت	286
اعضائے وضو کو دھونے اور مسح کی حکمت	123	اولیاء کرام کی علامات	291
غسل کے طبی وشرعی فائدے	131	چونٹی اور بجز کا قصہ	304
رکوع عربی مع ترجمہ ولقد اخذاللہ میثاق	149 تا 150	رکوع عربی مع ترجمہ یاایھا الرسولُ بلّغ مآ	306 تا 305
نصاریٰ کے مابین بغض وعداوت کی ابتداء	166	علامات قیامت	315
رکوع عربی مع ترجمہ واذ قال موسیٰ لقومہ	190	رکوع عربی مع ترجمہ لُعِنَ الذین کفرو	327
عزرائیل علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ اسلام کو تھپڑ مارنے کا واقعہ	197	نجاشی کے اسلام لانے کا واقعہ	336

marfat.ocm

پارہ نمبر 7

نام مضمون	صفحہ نمبر	نام مضمون	صفحہ نمبر
رکوع عربی مع ترجمہ وَاَقْسِمُوْا	338	رکوع عربی مع ترجمہ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ	540-541
رکوع عربی مع ترجمہ	342	[illegible] الموجہ اور مسئلہ حاضر وناظر	544
یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	343	رکوع عربی مع ترجمہ	561 ت
جاہلیت کی ایک رسم کا بیان	356	قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہ	560
عشرہ ذوالحج میں صدقات کے فضائل	361	رکوع عربی مع ترجمہ	574
رکوع عربی مع ترجمہ یاایھا الذین امنوا	363ت364	وَتِلْكَ حُجَّتُنَا اٰتَیْنٰھَا	----
یوم یَجْمَعُ اللّٰہ	410ت409	نمرود کی کہانی	577
نزول مائدہ کی کہانی	421	رکوع عربی مع ترجمہ	585
رکوع عربی مع ترجمہ وَاِذْ قَالَ اللّٰہ یٰعِیْسٰی	426	وَمَا قَدَرُوا اللّٰہ حَقَّ قَدْرِہ	----
آغاز سورۃ الانعام	433ت434	فضیلت تلاوت قرآن پاک	594
آدم علیہ السلام کے لیے زمین سے مٹی اٹھانے	439	رکوع عربی مع ترجمہ اِنَّ اللّٰہ خَالِقُ	605
کی داستان	---	اصل کائنات حضرت محمد ﷺ ہیں	610
ابدال کی علامات	451	رکوع عربی مع ترجمہ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	620
رکوع عربی مع ترجمہ قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ	456ت457	حفیظ ووکیل میں فرق	634
رکوع مع ترجمہ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ	470ت471	ازلی بدبختی کی علامات	----
رکوع مع ترجمہ قُلْ خَسِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا	479ت480		
محبت اولیا کی شان	483	**پارہ نمبر 7 ختم**	
معجزہ نبی ﷺ اور ابوجہل کا بت	496		
رکوع عربی مع ترجمہ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا	499		
رکوع عربی مع ترجمہ وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِیْنَ	515		
فقرائے مسائل	522		
توبہ کا طریقہ	526		
رکوع عربی مع ترجمہ قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ	528		

marfat.ocm

آغاز پارہ نمبر 8

نام مضمون	صفحہ نمبر
ولوْ انّنا نزّلنا	643 تا
عربی مع ترجمہ	644
شیطان کیسے بہکا تا ہے	651
دریائے نیل کی رسم کو فاروق اعظم نے مٹایا	666
رکوع عربی مع رترجمہ	668 تا
اومن کان میْتا	669
ظالم حاکم مثامت اعمال	686
رکوع عربی مع ترجمہ	688 تا
یٰمعشر الجنّ والْاِنس	689
حضرت عبداللہ کو ذبح بنانے کا تفصیلی واقعہ	700
رکوع عربی مع ترجمہ	704
وھو الّذی انشاجنّٰت	----
رکوع عربی سے ترجمہ	709 تا
قُل لّااجدُفی ماْاُوحی	710
والادت مبارکہ سے محل کری کو زلزلہ آ گیا	712
جنوں سے حفاظت کا علاج	717
رکوع عربی مع ترجمہ	718
قُلْ تعالوْ اتل	----
رکوع عربی مع ترجمہ	728 تا
وھذا کتٰب انزلْنہ'	729
حافظ قرآن کے فضائل	733
سورج کا مغرب سے طلوع کرنا	735
اور اس کی تفصیل	----
حدیث شریف سے تبلیغی جماعت کی علامت	753

نام مضمون	صفحہ نمبر
آغاز سورۃ الاعراف عربی مع ترجمہ	758 تا 759
قیامت میں کون کون لوگ محفوظ ہونگے	765
رکوع عربی مع ترجمہ	774 تا
ولَقدْ خلقْنٰکُمْ ثُمّ	775
آدم علیہ السلام کا زمین پر اترنا	791
رکوع عربی مع ترجمہ	796
یٰبنی ادمَ قدْانْزلْنا	—
انسان سے جنات نکالنے کا طریقہ	802
رکوع عربی مع ترجمہ	827 تا
قُلْ منْ حرّمَ زینۃَ	828
حضرت بلالؓ اور شب معراج	835
رکوع عربی مع ترجمہ ونَادٰی اَصْحٰبُ الْاعراف	847
رکوع عربی مع ترجمہ انّ رَبّکُمُ اللہ الّذی	860
دعا کے آداب	869
مرنے کے بعد اٹھنے کی تفصیل	876
رکوع عربی مع ترجمہ لَقدْ ارْسلْنا نُوْحا	882
رکوع عربی مع ترجمہ وَاِلٰی عادٍاَخاھُمْ	888
رکوع عربی مع ترجمہ وَاِلٰی ثمُودَ اَخاھُمْ	901 تا 902
قصہ اونٹنی کا	908
لواطت کا آغاز کیسے ہوا	920
بے ریش کے ساتھ اٹھارہ ۱۸ شیطان	923
رکوع عربی مع ترجمہ	928
وَاِلٰی مَدْینَ اَخاھُمْ	----

marfat.ocm

فیوض الرحمٰن

اردو ترجمہ

تفسیر روح البیان

شیخ القرآن والحدیث فیض ملتِ حضرت علامہ مفتی

محمد فیض احمد اویسی رضوی مدظلہ

مکتبہ اویسیہ رضویہ
سیرانی روڈ بہاول پور

فیوض الرحمٰن

اردو ترجمہ

تفسیر روح البیان

پارہ نمبر ۹ ۱۰ ۱۱

مصنف

سراج العلمأ زبدة الفضلأ حضرت مولانا شیخ **اسماعیل حقی** قدس سرہ

مترجم

شیخ القرآن والحدیث فیض ملت حضرت علامہ مفتی **محمد فیض احمد** اویسی رضوی مدظلہ

ناشر: مکتبہ اویسیہ رضویہ سیرانی روڈ بہاولپور (پاکستان)

نام کتاب فیوض الرحمٰن اردو ترجمہ
تفسیر روح البیان پارہ 9-10-11
مصنف حضرت علامہ الشیخ اسماعیل حقی خفی قدس سرہ
مترجم حضرت شیخ القرآن علامہ مفتی محمد فیض احمد اویسی مدظلہ
مصحح الحاج چوہدری مشتاق محمد خان لاہور

سن طباعت 1992ء
ناشر مکتبہ اویسیہ رضویہ سیرانی روڈ بہاول پور (پاکستان)
باہتمام صاحبزادہ محمد عطاء الرسول اویسی

قَالَ الْمَلَأُ

پارہ نمبر ۹

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ

اس کی قوم کے متکبر سردار بولے اے شعیب! قسم ہے کہ ہم تمہیں اور تمہارے

يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ

ساتھ والے مسلمانوں کو اپنی بستی سے نکال دیں گے یا تم ہمارے دین میں

فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿۸۸﴾ قف قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى

آ جاؤ کہا کیا اگرچہ ہم بیزار ہوں ضرور ہم اللہ پر جھوٹ باندھیں گے

اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰنَا اللّٰهُ مِنْهَا

اگر تمہارے دین میں آ جائیں بعد اس کے کہ اللہ نے ہمیں اس سے بچایا

مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا

اور ہم مسلمانوں میں کسی کا کام نہیں۔ کہ تمہارے دین میں آئے مگر یہ کہ اللہ چاہے

وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا

جو ہمارا رب ہے ہمارے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے اللہ ہی پر بھروسہ کیا اے ہمارے رب

افتح بيننا وبين قومنا بالحق وانت خير الفتحين ⑧⑨

ہم میں اور ہماری قوم میں حق فیصلہ کر اور تیرا فیصلہ سب سے بہتر ہے

وقال الملا الذين كفروا من قومه لئن اتبعتم

اور اس کی قوم کے کافر سردار بولے کہ اگر تم شعیبؑ کے تابع

شعيبا انكم اذا لخسرون ⑨⓪ فاخذتهم الرجفة فاصبحوا

ہوئے تو ضرور نقصان میں رہو گے تو انہیں زلزلہ نے آ لیا تو صبح اپنے گھروں

في دارهم جثمين ⑨① الذين كذبوا شعيبا كان لم

میں اوندھے پڑے رہ گئے شعیب کو جھٹلانے والے گویا ان گھروں میں کبھی رہے

يغنوا فيها الذين كذبوا شعيبا كانوا هم الخسرين ⑨②

ہی نہ تھے شعیب کو جھٹلانے والے ہی تباہی میں پڑے

فتولى عنهم وقال يقوم لقد ابلغتكم رسلت ربي و

تو شعیبؑ نے ان سے منہ پھیرا اور کہا اے میری قوم! میں تمہیں اپنے رب کی رسالت پہنچا چکا اور تمہارے

نصحت لكم فكيف اسى على قوم كفرين ⑨③ ع ١١

بھلے کو نصیحت کی تو کیونکر غم کروں کافروں کا

تفسیر عالمانہ قال الملا الذين استكبروا من قومه کہا ایک جماعت نے شعیب علیہ السلام کی اس قوم سے جنہوں نے سرکشی کی۔ یہ شعیب علیہ السلام کے مواعظ حسنہ سننے کے بعد کی بات ہے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے اور ماقبل کے مضمون کے بیان کے لئے ہے۔

لنخرجنك يشعيب والذين امنوا۔ اے شعیب (علیہ السلام) ہم تمہیں اور تمہاری قوم کو نکال دیں گے والذین کے کاف خطاب پر عطف ہے اور یا شعیب معترضہ کے طور پر ہے جو معطوف و معطوف علیہ کے درمیان واقع ہوا ہے۔

فائدہ حضرت شعیب علیہ السلام کو پہلے اور آپ پر ایمان لانے والوں کو بعد میں ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ اصل شعیب علیہ السلام ہیں اور ان پر ایمان لانے والے اُن کی فرع۔ چنانچہ لفظ معک سے واضح ہوتا ہے یہ لنخرجن سے متعلق ہے اب معنیٰ یوں ہوا کہ اے شعیب علیہ السلام ہم تمہیں اور تیرے متبعین کو ضرور نکالیں گے۔

مِنْ قَرْيَتِنَا آپنے دیہاتوں سے تمہارے ساتھ بغض و عداوت سے اور اس وجہ سے بھی کہ ہمارے علاقوں اور ہمارے ہمسائیگاں سے تمہارا شروفساد ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ متکبرین اور سرکشوں کا یہی کام ہے کہ وہ اپنے آپ کو سب سے بلند و بالا سمجھتے ہیں اور ان کے ذلیل ترین لوگ اشراف کو اپنے ہاں سے نکالنے کے پروگرام میں رہتے ہیں۔

نکتہ یہ صرف مالی دنیا کی وجہ سے ہوتا ہے کہ دنیا و دولت ہوگی تو اس سے عیش و عشرت اُڑائے تو انہیں سرکشی اور تکبر کا اضافہ ہوا اس سے انکا ظلم وستم عام ہوجاتا ہے۔

نکتہ دنیا ہر برائی کا سرچشمہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا فتنہ تمام فتنوں سے عظیم تر ہے اس لئے کہ اس کے اہل کو اللہ تعالیٰ نے ہلاکت و فساد کا سبب بنایا۔ چنانچہ فرمایا وَاِذَا اَرَدْنَا اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا جب کسی علاقہ کو تباہ کرنا چاہتے ہیں تو اس کے مالداروں کو حکم دیتے ہیں الآیۃ

حضرت حافظ شیرازی نے فرمایا

ایمن مشوز عشوہ دنیا کہ ایں عجوز
مکارہ می نشیند و محتالہ می رود

ترجمہ: اس بوڑھی دنیا کے نازونخروں کا خیال رکھو اس لئے کہ یہ مکارہ ہو کر آتی ہے اور حیلہ گر ہوجاتی ہے۔

تفسیر عالمانہ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا یا تم لوٹ آؤ ہمارے دین میں۔ العود بمعنے اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹنا۔

سوال شعیب علیہ السلام تو اُن کے دین پر نہ تھے پھر اُن کے لئے عود کا معنےٰ کیسے صادق آئے گا؟

جواب عود کا اسناد شعیب علیہ السلام اور آپ کے اتباع ہر دونوں کی طرف ہے اس معنےٰ پر حضرت شعیب علیہ السلام کا ذکر ہوا ورنہ عقیدہ مسلّمہ ہے کہ حضراتِ انبیاء علیہم السلام ہر صغائر (سوائے چند ایک کے وہ یہ کہ جس سے اُن کی نبوّت و رسالت کے لئے عوام میں نفرت کا موجب کا نہ بنیں) اور کبائر سے منزہ اور پاک ہیں چہ جائیکہ اُن کی طرف کفر کی نسبت کی جائے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ عود کا اسناد درحقیقت آپ کے اتباع کے لئے ہے آپ کا اسم گرامی تغلیبًا لیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ شعیب علیہ السلام اور آپ کے اتباع کے ساتھ دو کاموں میں ایک ضرور ہوگا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کا مقصد اصلی یہی تھا کہ شعیب علیہ السلام اور اُن کے متبع کفر کو قبول کرلیں شہر بدر کرنے اور انہیں اپنے علاقوں کا نکالنے کا ذکر صرف دھمکی کے طور تھا۔ تاکہ وہ اس دھمکی سے ڈر کر مجبور ہوجائیں چنانچہ شعیب علیہ السلام نے اُن کی دھمکی کا کوئی جواب نہ دیا البتہ عود کے سوال پر کچھ گویا ہوئے۔ چنانچہ ابھی اُس کا ذکر آتا ہے (انشاء اللہ تعالیٰ) گویا کفار نے حضرت شعیب علیہ السلام اور آپ کے اتباع سے کہا کہ ہم تمہیں نہیں چھوڑیں گے یہاں تک کہ تم ہمارے دین میں شامل نہ ہو جاؤ۔

ٖ یہ ایک آیت کا ٹکڑا ہے اسمیں اشارہ ہے کہ وہی مالدار اس بستی کی تباہی کا سبب بنتے ہیں۔

سوال اولتعودن کے بجائے لنعیدنک" ہم تمہیں لوٹائیں گے کیوں نہ کہا؟

جواب کفار کا مقصد یہ تھا کہ وہ کفر میں خود بخود لوٹ آئیں اس لیئے کہ انہیں شہر بدر کرنے کا پہلے خطرہ دلایا کہ اہل ایمان جب اپنی دو تکلیفیں سنیں گے تو اھون الشرین (دوسروں سے آسان) کو اختیار کریں گے اور ان کے لئے آسان یہی تھا کہ وہ کفر کی طرف عود کریں نہ کہ اپنے گھروں سے نکالے جائیں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جیسے نیک صرف نیکوں سے تعلق جوڑتے ہیں ایسے ہی اہل شر بھی اہل شر سے دوستی کا دم بھرتے ہیں ورنہ اگر ہمجنس نہ ملے تو اپنے لئے تنہائی کو ترجیح دیتے ہیں ؎

ہمہ مرغاں کنند با جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز با باز[1]

ترجمہ: تمام پرندے اپنے ہم جنس سے پرواز کرتے ہیں کبوتر کے ساتھ کبوتر باز کے ساتھ باز۔

تفسیر عالمانہ قَالَ حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کے باطل قول کی تردید اور ان کی دعوت کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِیْنَ کیا ہم تمہارے دین کی طرف آسکتے ہیں حالانکہ ہم اس سے کراہت کرنے والے ہیں۔ یہ ہمزہ وقوع کے انکار اور نفی کے لئے ہے۔ واقع اور اس کے قبح کے انکار کے لئے نہیں۔ یہ ایسے ہے جیسے "اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَیْءٍ مُّبِیْنٍ" میں ہے۔ قَدِ افْتَرَیْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ہم اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا بہتان تراشنے والے ہوں گے۔ اِنْ عُدْنَا فِیْ مِلَّتِكُمْ اگر ہم تمہارے دین میں لوٹیں یعنی شرک کریں اور شرط کا جواب محذوف ہے جیسا کہ ما قبل سے معلوم ہوتا ہے اِنْ عُدْنَا مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا قَدِ افْتَرَیْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا عَظِیْمًا الخ (اگر ہم تمہارے دین میں لوٹیں گے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے نجات بخشی) تو ہم اللہ تعالیٰ پر بہت بڑے جھوٹ کا افترا کریں گے۔ جیسا کہ تمہیں بدگمانی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شریک ہے حالانکہ اس کی مثل کوئی شے ہی نہیں اور اگر کہیں کہ جس دین پہ ہم ہیں وہ باطل ہے اور اسے کافر جس دین پر تم ہو وہ حق ہے تو ہم افترا کرنے والے ہوں گے بلکہ اس سے بڑھ کر اور کونسا عظیم ترین افترا ہوگا وَمَا یَكُوْنُ لَنَآ اور ہمارے لئے بالکل ناموزوں ہے اَنْ نَّعُوْدَ فِیْهَآ یہ کہ کسی وقت ہم تمہارے دین وملت میں لوٹیں اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ

---

[1] اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر اجناس کے ملاپ سے دونوں کو نقصان پہنچتا ہے ؎

اہل را صحبت نا اہل زیانہا دارد
آب در کوزۂ ناپختہ گل آلود شود

ترجمہ، بُری صحبت نقصان پہنچاتی ہے کچے کوزے میں پانی گدلا ہو جاتا ہے۔

چاہے یعنی ہمارا لوٹنا مشیت الٰہی میں ہو (تو وہ الگ بات ہے) لیکن ہم سے بالارادہ یہ بالکل محال ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ایسا چاہتا نہیں اس لئے کہ شان ربوبیت کا تقاضا ہے کہ اس کے بندوں کے ارتداد کی مشیت نہ ہو اسی طرح اِذْ نَجّٰنَا اللّٰہُ مِنْھَا سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ان کا کفر کی طرف لوٹنا اللہ تعالیٰ کی مشیت میں نہیں۔ یا یہ معنٰے ہے کہ اگر وہ ہمیں رسوا کرنا چاہے (تو پھر تمہارے دین میں لوٹ سکتے ہیں)۔

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ کفر بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے اس سے یہ مراد نہیں کہ ان کا کفر کی طرف وقوع و امکان میں ہے اور (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کی مشیت یہی ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ گویا وہ کہہ رہے ہیں کہ ہمارے لائق نہیں کہ ہم کفر کی طرف لوٹیں ہاں اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو پھر ہمارا لوٹنا ممکن ہے لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی شان سے بعید ہے کہ وہ کفر کی طرف لوٹا دے (اس کے اسباب و دلائل بتائے جا چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا کفر کی طرف لوٹنا نہیں چاہتا۔

وَسِعَ رَبُّنَا کُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا (ہمارے رب تعالیٰ کا علم ہر شئے کو واسع ہے)۔ علماً تمیزہ کی وجہ سے منصوب اور فاعلیت سے منقول ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا علم ما کان ما یکون کے تمام اشیا کو محیط ہے منجملہ اُن کے بندوں کے احوال و عزائم اور نیات اور پھر ان کے شان کے جو اُمور لائق ہیں سب کو جانتا ہے اس بنا پر محال ہے کہ وہ ہمارے لئے کفر کی طرف لوٹنا چاہے بعد اس کے کہ اس نے ہمیں تمہاری ملت سے نجات دی علاوہ ازیں ہم اُس کے ارشاد کے مطابق عمل کر رہے ہیں۔ عَلَی اللّٰہِ تَوَکَّلْنَا ط صرف اسی پر ہم نے توکل کیا۔ وہی ہمیں) ایمان پر ثابت قدم رکھے گا اور شرارتوں سے بچائے گا۔

ربط حضرت شعیب علیہ السلام کفار کو مذکورہ جواب دے کر معاندین سے اعراض کر کے اللہ تعالیٰ سے مناجات کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا رَبَّنَا فْتَحْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ) اے رب ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کو کھول دے یعنی اُن کے اور ہمارے مابین فیصلہ فرما دے یعنی ایسے براہین و دلائل واضح فرما دے تاکہ واضح ہو جائے کہ ہم میں حق پر کون اور باطل پر کون ہے یعنی ہم ہر دونوں فریقوں کا معاملہ صاف فرما دے۔

وَاَنْتَ خَیْرُ الْفٰتِحِیْنَ۔ اہل عمان کی لغت میں فاتح بمعنے الحاکم ہے اور اسے اس لئے فاتح کہتے ہیں کہ مشکلات کا حل اور جملہ امور کا فیصلہ کرتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ فتح المشکل سے ہو۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی مشکل کو بیان کرے۔ اب معنٰے یہ ہوا کہ ہمارا معاملہ ظاہر کر دے تاکہ واضح ہو جائے کہ ہم کون اور وہ کون ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہمارے اور اُن کے مابین فیصلہ فرما دے تاکہ ہمارا انجام بخیر اور ہماری حقیقت اور اُن کا انجام برباد اور ان کا بطلان واضح ہو جائے۔

تفسیر عالمانہ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَوْمِہٖ اس کا عطف قال الملا الذین استکبروا پر ہے یعنی جب کفر پر بضد ہونے والے لیڈروں نے شعیب علیہ السلام اور اُن کے تابعداروں کو ایمان

پر ثابت قدم اور پختہ عزم دیکھا تو انہیں خوف ہوا کہ یہ استقامت اور دینِ حق کی پختگی دوسرے لوگوں کو بھی اُن کے دینِ حق کو قبول کرنے پر مجبور کر دے گی تو انہوں نے اپنی کافر قوم کو شعیب علیہ السلام سے نفرت دلاتے ہوئے قسم کھا کر تاکیدی طور کہا لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا۔ اگر تم شعیب علیہ السلام کی اتباع کرو گے یعنی اگر تم اپنے آباء کے دین کو چھوڑ کر شعیب علیہ السلام کے دین میں داخل ہو گے۔ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ۔ تو بے شک تم خسارہ والے ہو گے یعنی دینی معاملہ میں تم خسارہ پاؤ گے۔ بایں معنی کہ تم آباء کے دین کو چھوڑ کر ہدایت کے بدلے گمراہی خریدنے والے ہو گے یا یہ معنٰی ہے کہ تم شعیب علیہ السلام کا کہنا مانو گے تو تمہیں دنیوی کاروبار میں خسارہ ہو گا کہ وہ بھر تول میں کمی بیشی کی اجازت نہیں دیتے اور کاروبار اس کے بغیر نہیں چل سکے گا۔ بنابریں معاملات کمزور پڑ جائیں گے تو تمہیں خسارہ ہو گا۔ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ پس انہیں سخت زلزلہ نے پکڑ لیا۔ (اسی طرح ہی سورہ عنکبوت میں ہے)۔

سوال سورہ ہود میں یوں ہے وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ اس طرح سے قول باری تعالیٰ میں تضاد پیدا ہو گیا اور یہ ناموزوں ہے؟

جواب صَيْحَةٌ سے جبریل علیہ السلام کی آواز مراد ہے اور یہ ابتدائی امر ہے اور وہ بھی اُن کی ہلاکت کا سبب بنا اور قاعدہ عام ہے کہ کبھی قریبی سبب کا ذکر کیا جاتا ہے اور کبھی بعیدی کا۔ یہاں بھی وہی معاملہ ہے کہ سورہ ہود میں سبب قریبی کا ذکر ہے اور یہاں پر اور سورہ عنکبوت میں سبب بعیدی اس طرح سے تضاد نہ رہا۔

فائدہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ابتداً اُن کی زمین کو زلزلہ آیا اور سخت گرمی پھیل گئی اور دوسری جانب ایک بادل نمودار ہوا اس بادل سے ٹھنڈک لینے کے لئے دوڑ پڑے جب اس کے نیچے آئے تو وہ بادل برسنے لگا اور اُدھر جبریل علیہ السلام نے سخت قسم کی چیخ ماری۔

فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۖ پس ہوئے اپنے شہر میں۔ اور سورہ ہود میں فِيْ دِيَارِهِمْ جمع کے ساتھ ہے اس سے تعداد امکنہ مراد ہے اور یہاں مجموعہ شہر مراد ہے۔

فائدہ حدادی نے فرمایا کہ وہ اپنے گھروں کے قریب اس مذکورہ بالا سایہ کے نیچے مارے گئے۔ کما قال تعالیٰ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ تو انہیں یوم ظلہ کے عذاب نے پکڑا۔

جٰثِمِيْنَ ۖ درانحالیکہ وہ مرنے والے تھے اپنے منہ اور پر پڑے ہوئے اور گھروں کو پکڑنے والے تھے اور ان کا خیال تھا کہ ہم اپنے گھروں میں ہمیشہ رہیں گے۔

فائدہ مروی ہے کہ وہ اس بادل کے نیچے جل کر مر گئے تو اُن کی لاشیں جلنے کے بعد گھٹنوں کے بل زمین پر جلی پڑی نظر آتی تھیں۔

فائدہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جہنم کا دروازہ کھولا

تو اس کی گرمی نے اُن کے گلے گھونٹ دیئے پھر وہ گھروں کے اندر داخل ہوئے لیکن گرمی کی تپش سے نہ انہیں سایوں سے آرام اور نہ پانی سے سکون ملا۔ بلکہ گرمی انہیں جلائے جا رہی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان سے ایک بادل ظاہر فرمایا جس کی بہتر خوشبو اور ٹھنڈک نے انہیں گھروں سے نکلنے پر مجبور کر دیا تو ادھر بادل کی طرف چل پڑے اور ایک دوسرے کو اس بادل کی ٹھنڈی ہوا کے لئے بلاتے تھے جب اس بادل کے نیچے تمام مرد عورتیں اور بچے جمع ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے اُن پر آگ کی چنگاریاں برسائیں اور ادھر زمین سے جھٹکے لگے وہیں پر بھنی ہوئی مکڑی کی طرح جل کر راکھ ہو گئے اس بناء پر عذاب یوم الظلۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ انہوں نے عناد سے حق کو باطل اور باطل اور فلاح کو گھاٹا اور گھاٹے کو فلاح سے تعبیر کیا تو انہیں زلزلے نے گھیرا۔ پھر ان کی صورتیں اس تصور کے مطابق ہو گئیں اب وہ دیار اشباح میں اپنے ارواح گھٹنے کے بل ڈالنے والے ہو کر زندگی بسر کرتے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ کَذَّبُوْا شُعَیْبًا یہ جملہ مستانفہ ہے اس سے ان کے قول **لَنُخْرِجَنَّكَ یَا شُعَیْبُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْیَتِنَآ** کی نحوست سے انہیں مبتلا کرنے کا بیان مطلوب ہے ان کے قول کے مطابق مقابلۃً انہیں سزا ملی۔ یعنی وہ لوگ جنہوں نے شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی۔ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر **کَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا** ایکبارگی اُن کی ایسی جڑ اکھیڑ دی گئی کہ گویا وہ اس گاؤں میں کبھی ٹھہرے بھی نہ تھے گویا انہیں اس قول کی سزا دی گئی کہ انہوں نے کہا کہ ہم شعیب علیہ السلام اور ان کی اتباع کرنے والوں کو اس گاؤں سے نکال دیں گے۔ اب اُن کے ساتھ وہ حشر ہوا کہ اس گاؤں سے ایسے نکلے کہ پھر ان کا واپس لوٹنا ممکن ہی نہ رہا۔ المغنی بمعنے منزل اور المغانی بمعنے المنازل یعنی وہ منازل کہ جنہیں وہ ٹھہرتے تھے کہا جاتا ہے غنیا بمکان کذا ہم اس میں ٹھہرے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ مکذبین و متکبرین کو اگرچہ وقتی طور بہت بڑا غلبہ ہو لیکن اُن کی شان و شوکت چند دنوں کے بعد مٹ جاتی ہے اور اُن کا غلبہ ختم ہو کر ان کا نام و نشان تک نہیں رہتا اور اہل حق دائمی طور حق کے ساتھ غالب رہتے ہیں اور باطل اپنے جمیع شیوان کے ساتھ افنا ہو جاتا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے۔

یک منارہ در ثنائے منکراں
گو دریں عالم کہ تاشد فشاں
منبرے گو کہ براں جا مخبرے
یاد آرد روزگار منکرے
یار غالب شو کہ تا غالب شوی
یار مغلوباں مشو ہیں اے غوی

ترجمہ: منکرین عارضی تعریف سے انہیں کیا فائدہ۔ اسے کہہ دو کہ اس عارضی شان وشوکت پہ مغرور نہ ہو۔ مرنے کے بعد معلوم ہوگا غالب سے دوستی جوڑ غالب رہے گا۔ مغلوب کی دوستی نقصان دے گی۔

تفسیر عالمانہ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ۝ یہ بھی جملہ متانفہ ہے اس میں بھی شعیب علیہ السلام اور اُن کے اتباع کے۔ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ کے قول کی سزا میں مبتلا ہونے کا بیان ہے یعنی جنہوں نے شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا وہی خسارہ والے ہیں ان کے اپنے قول کے مطابق انہیں سزا میں مبتلا کیا گیا ہے کہ دنیا و دین کے لحاظ سے خسارہ پڑے۔ ان کو خسارہ نہ ہوا جنہوں نے شعیب علیہ السلام کی تابعداری کی۔

فائدہ یہاں پر کفار کی سزا پر اکتفا کرکے گویا تصریح ہوگئی کہ نجات صرف شعیب علیہ السلام اور اُن کے اتباع کو نصیب ہوئی۔ یہاں واضح تصریح نہیں جیسے ہود علیہ السلام کے واقعہ میں تصریح ہے کما قال تعالیٰ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جب ہمارا امر آیا تو ہم نے ہود اور ان کے ساتھیوں کو نجات دی۔

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ تو ان سے منہ پھیر کر فرمایا اے میری قوم بے شک میں نے تمہیں اپنے رب تعالیٰ کے پیغامات پہنچائے اور تمہیں نصیحت بھی کی۔ یہ حضرت شعیب علیہ السلام کا مقولہ ہے۔

فائدہ کفار فنا ہوگئے تو آپ نے شدت غم سے ان پر افسوس کیا۔ لیکن پھر فرمایا۔

فَكَيْفَ اٰسٰى تو میں کیوں افسوس کر رہا ہوں یعنی اُن پر میں کیوں سخت غمگین ہو رہا ہوں۔ یہ فعل مضارع متکلم اَسٰی سے مشتق ہے از باب علم یعلم بمعنے شدة الحزن۔ عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ۝ کافر قوم پر یعنی جو لوگ کفر پہ تھے وہ غم و حُزن کے اہل نہیں اس لئے کہ جو کچھ ان پر نازل ہوا وہ بوجہ کفر کے اور وہ اس کے مستحق تھے یا شعیب علیہ السلام نے بطور عذر فرمایا کہ انہوں نے ہماری تصدیق نہ کی پھر اُن پر غم کی ضرورت ہی کیا ہے اب معنے یوں ہوا کہ میں نے تبلیغ و انذار میں کوئی کمی نہیں کی اور نصیحت میں بھی بہت بڑی جدوجہد کی ہے لیکن انہوں نے میری تصدیق نہ کی فلہٰذا میں ان پر کس طرح غم کھاؤں۔ مثنوی شریف میں ہے۔

① چوں شوم غمگین کہ غم شد نگوں
غم شما بودید اے قوم حرون
② کژ مخواں اے راست خوانندہ بیں
کَیْفَ اٰسٰی خَلْفَ قوم ظالمین

ترجمہ ① میں کیسے غم کھاؤں جب غم اوندھا ہوگیا تم غم کھاؤ اے بے وقوف قوم۔

② سیدھے کو ٹیڑھا نہ کہو اس پیغمبر کا قول یاد کرو انہوں نے فرمایا میں ظالم قوم پر کیسے غم کھاؤں۔

تفسیر صوفیانہ شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے اپنی تبلیغ کے حقوق ادا کر دیئے اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام کے ذمہ صرف تبلیغ ہے اور میں نے تمہیں فی سبیل اللہ نصیحت کی ہے پھر مجھے نہ تو تمہارے اقرار سے فائدہ ہے اور نہ انکار سے غم۔ اگر میری تبلیغ پر عمل کروگے تو تمہیں بہت بڑا فائدہ نصیب ہوگا اور اگر انکار کروگے تو عذاب میں مبتلا ہوگے۔ اعیان سے مالک اعیان اولیٰ ہے اس لئے کہ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور تمام مخلوق اُس کی مِلک ہے وہ چاہے تو تمہیں ہدایت بخشے اور اگر چاہے تو گمراہ کر دے مجھے تمہاری کوئی فکر نہیں کفر کرو یا میرے ساتھ رہو۔

فائدہ اسمیں عدم و فقد و نفی یا کون و وجود کی وجہ سے اظہار تاسف نہیں اس لئے کہ ہر شے کا صدور حکیم اور علیم و خبیر سے ہو رہا ہے اور جو کچھ وہ کرتا ہے اپنی حکمتِ بالغہ سے کرتا ہے چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا:

لِکَیۡلَا تَاسَوۡا عَلٰی مَا فَاتَکُمۡ وَلَا تَفۡرَحُوۡا بِمَاۤ اٰتٰکُمۡ ترجمہ: تاکہ تم اس پر غم نہ کھاؤ جو تمہارے سے رہ گیا اور اس پر خوشی نہ کرو جو تمہیں ملا۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یہ مقام فناءِ کلی کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ مرتبہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیاءِ کرام رعلیٰ نبینا وعلیہم السلام کو نصیب ہوا۔

مسئلہ یاد رہے کہ محققین فرماتے ہیں کہ کفار و مشرکین رحمت الٰہی کے ہرگز مستحق نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تو انہیں عذاب میں مبتلا کرتا ہے اور مبتلا بھی اُن کی غلطیوں کی وجہ سے کیا ہے اول اُسے معلوم تھا کہ وہ اس عذاب کے مستحق بھی ہیں پھر ان پر رحم کرنے کا کیا معنیٰ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات اللہ والے سیف بُراں کی طرح ہوتے ہیں۔ باوجودیکہ وہ طبعاً بڑے رحیم و کریم ہوتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا لَا تَاۡخُذۡکُمۡ بِہِمَا رَاۡفَۃٌ زانیوں پر رحمت نہیں ہوتی۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

کرا شرع فتویٰ دہد بر ہلاک
الا تا ندری زکشتنش باک

ترجمہ: جس کے قتل کرنے کا شریعت حکم دے تو اس کے قتل کرنے میں کوئی باک نہ سمجھو۔

اللہ تعالیٰ غیور ہے بندے کو بھی اسی سے غیرت نصیب ہوگی۔

مسئلہ بحکم شرع کسی پر غصہ کرنا اخلاق انبیاء علیہم السلام سے ہے اور اس طرح کا غصہ فراخ قلبی کے منافی نہیں اور نہ ہی اچھے اوصاف کے خلاف ہے اس لئے کہ احکام شرع کی پابندی طریقت کے دستور کے مطابق ہے۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ امر الٰہی کے سامنے سر خم کرے (زبان و قلب سے) لِمَ لَا وَکَیۡفَ یہ کیوں اور کس طرح کو دفع کرے اس لئے کہ جملہ اُمور اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں نہ کہ بندے کے ہاتھ میں۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ تعالیٰ نے کسی سے کہا کہ کیا تیرا دل چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ولی ہو جائے

(باقی ص۱۳ پر)

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِىْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِىٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ

اور نہ بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی مگر یہ کہ اس کے لوگوں کو سختی اور تکلیف میں

وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ

پکڑا کہ وہ کسی طرح زاری کریں پھر ہم نے برائی کی جگہ بھلائی بدل دی

الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ

یہاں تک کہ وہ بہت ہو گئے اور بولے بے شک ہمارے باپ دادا کو رنج و راحت پہنچے تھے

فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى

تو ہم نے انہیں اچانک کی غفلت میں پکڑ لیا اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے

اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ

اور ڈرتے تو ضرور ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتیں کھول دیتے

وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾ اَفَاَمِنَ

مگر انہوں نے تو جھٹلایا تو ہم نے انہیں ان کے کیے پر گرفتار کیا۔ کیا بستیوں

اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۹۷﴾ اَوَ

والے نہیں ڈرتے کہ ان پر ہمارا عذاب رات کو آئے جب وہ سوتے ہوں یا

اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾

بستیوں والے نہیں ڈرتے کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آئے جب وہ کھیلتے ہوں

اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾

کیا اللہ کی خفی تدبیر سے بے خبر ہیں؟ تو اللہ کی خفی تدبیر سے بے خبر نہیں ہوتے مگر تباہی والے

تفسیر عالمانہ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِىْ قَرْيَةٍ اور ہم نے کسی شہر اور دیہات میں نہیں بھیجا "مِّنْ" زائدہ ہے نَّبِىٍّ کوئی نبی علیہ السلام جسے اس شہر و دیہات والوں نے جھٹلایا اِلَّآ مگر اَخَذْنَآ اَهْلَهَا ہم نے اس کے اہل کو پکڑا یہ استثناء مفرغ ہے۔ اس کا مستثنیٰ منہ اعم الاحوال مقدر ہے۔ اصل عبارت یوں ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا فِىْ قَرْيَةٍ مِّنَ الْقُرٰى الْمُهْلَكَةِ "نَبِيًّا مِّنَ الْاَنْبِيَآءِ الْمُكَذَّبِيْنَ فِىْ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ اِلَّا فِىْ حَالِ

كُوْنِنَا آخِذِيْنَ اَهْلَهَا) ہلاکت شدہ بستیوں میں سے کوئی بستی جھٹلائے ہوئے نبیوں میں سے کوئی نبی اور جملہ احوال میں سے کسی حال میں نہیں بھیجا مگر اس حال میں کہ ہم ان کے اہل کو پکڑنے والے ہیں۔ بِالْبَاْسَآءِ پریشانی اور فقر کے ساتھ وَالضَّرَّآءِ اور ضرر اور نقصان اور بیماری سے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام ابتدًا ہی اخذ مذکور کے ساتھ بھیجے گئے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اخذ انہیں انبیاء علیہم السلام ابتدًا ہی اخذ مذکور کے ساتھ بھیجے گئے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اخذ انہیں انبیاء علیہم السلام کو نہ ماننے اور اُن کی عزت و احترام نہ کرنے پر کفر کی وجہ سے ایسا لازم ہوا کہ قیامت تک انہیں غیر منفک (جدا نہ ہونیوالا) رہیگا۔ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ۝ تاکہ وہ تضرع اور عجز و زاری ظاہر کریں۔ یعنی تکبر اور غرور کو دُور کریں۔ اس لئے کہ سختی بالخصوص بھوک تو اضع پیدا کرتی ہے اور اکثر بندوں کے لئے یہی علاج نہایت موزوں رہتا ہے کہ بھوک انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف لے جاتی ہے۔

فائدہ بلاغات الزمخشری میں ہے ”مرض اور ضرورت اندرائن کے پیلے پتوں سے زیادہ کڑوی ہیں حنظل اور اس کے پتے عام پتوں سے زیادہ کڑوا ہوتا ہے۔

ثُمَّ بَدَّلْنَا اس کا عطف اخذنا پر اور اسی کے حکم میں داخل ہے یعنی ہم نے تبدیل کیا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ اُن کی برائی کے بدلے جو انہیں پہنچی۔ اَلْحَسَنَةَ نیکی سے یعنی مصیبت اور تکالیف کے بجائے کہ جس میں وہ مبتلا تھے ہم نے انہیں خوشحالی اور فراخدستی عطا فرمائی۔ اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ جو نعمت سختی اور تنگی کے بعد نصیب تو وہ فرمانبرداری کی داعی بنتی اور شکر گذاری میں مشغول رکھتی ہے۔

سوال شدہ کو سیئۃ کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب چونکہ شدۃ تنگی میں ڈالتی ہے جیسے خوشحالی کو حسنہ سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ خوشحالی کا اثر انسان کے ظاہر پر ہوتا ہے۔ ورنہ سیئۃ تو ایک قبیح فعل ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کا اسناد نامناسب ہے۔

فائدہ حسنہ اور سیئۃ الفاظ مستتبعہ سے ہیں کہ موصوف مفرد ہو یا جمع وہ ہر طرح واحد رہیں گے۔

فائدہ یہ دونوں ثواب اور خوشحالی اور تنگدستی پر مستعمل ہوتے ہیں۔

حَتّٰى عَفَوْا یہاں تک کہ وہ کثیر التعداد ہو گئے اور نعمت اور خوشحالی نے انہیں تکبر پر اُکسایا۔

حل لغات عفو بمعنے کثرت بھی مستعمل ہوتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے ”عفا النبات“ یہ اس وقت بولتے ہیں جب انگوری

(بقیہ ص ۱۲

اس نے کہا دل تو چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا دل سے دنیا و آخرت کی ہر شے کی رغبت ہٹا دینے کا نام ولایت ہے اور اپنے دل کو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے فارغ کر دے اور دل کو اسی کی طرف متوجہ کر دے اس طرح سے اللہ تعالیٰ بندے کی طرف توجہ فرما کر اپنا ولی بنا دیتا ہے۔

سبق اس سے معلوم ہوا کہ جس کا مطمح نظر نفس پروری اور شہوت رانی ہو تو اسے حق کا ملنا محال ہے اور نہ ہی اس کی دوستی نصیب ہوگی اور نہ ہی کسی حال و مقام پر اللہ تعالیٰ کی اُس کو توجہ حاصل ہوگی۔

بڑھ کر گھنی ہو جائے اسی مادہ سے ہے" اعفاء اللحی" داڑھیوں کا بڑھانا۔

حدیث شریف احفوا الشوارب واعفوا اللحیٰ" داڑھیوں کا بڑھانا۔ شاعر نے کہا ؎

عَفَوْا مِنْ اَحْلَالٍ وَكَانُوا
زمانا لیس عندھم بعیر

ترجمہ: وہ لوگ بہت عرصہ جنگلوں میں رہے لیکن اُن کے ہاں ایک اونٹ بھی نہ تھا۔

فائدہ یہاں بھی عفو بمعنے کثرت کے مستعمل ہوتا ہے۔

وَقَالُوْا انہیں چونکہ مصائب میں گھر جانے کے متعلق یہ معلوم نہ تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہے بنا بریں کہہ دیا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ جیسے ہمیں دُکھ سکھ پہنچا ایسے ہی ہمارے آباؤ اجداد کو بھی پہنچا تھا۔ زمانہ کی اسی طرح عادت ہے کہ کبھی دُکھ کبھی سُکھ دیتا ہے۔ ہمارے آباء اس دین پر مضبوط رہے باوجودیکہ انہیں سخت سے سخت تکلیفیں پہنچیں فلہذا تم بھی اپنے دین پر ڈٹے رہو سر مُو اِدھر اُدھر نہ جاؤ فَاَخَذْنٰهُمْ پس ہم نے ان کی گرفت کی۔ بَغْتَةً" اچانک یعنی سخت سے سخت اُن کی اچانک گرفت ہوئی۔ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ اور وہ نزول عذاب کو سمجھتے نہ تھے بلکہ اتنے سخت مصائب و تکالیف کے باوجود ذرا بھر بھی خیال میں نہ لائے حالانکہ اچانک دی ہوئی سزا سخت تکلیف دہ اور بہت بڑی پریشانی کا موجب ہوتی ہے اس لئے کہ تکلیف اور مشقت سے پہلے کچھ آثار محسوس ہوں تو اس سے اپنے آپ کو تسلی وغیرہ دینے کا موقع مل جاتا ہے لیکن جو مصائب اچانک واقع ہوں اُن کا کیا علاج۔ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اور اگر دیہاتوں والے، اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو عذاب میں مبتلا ہوئے (چنانچہ مضمون کے قرینے سے معلوم ہوتا ہے)۔ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا کفر کے بجائے ایمان لائیں اور معاصی کے ارتکاب کے بجائے نیکی کریں۔ لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ تو ہم ان پر زمین و آسمان کی برکتیں کھول دیں گے یعنی ان پر ہر بھلائی فراواں کر دیں گے اور ان پر جتنا عذاب نازل فرمائے ان کے بجائے زمین کے ہر کونے سے اور آسمان کے ہر گوشے سے اُن کے لئے رزق کا حصول آسان کر دیں گے۔

فائدہ اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ برکات من السماء سے بارش اور برکات الارض سے کھیتی باڑی اور باغات وغیرہ کے ثمرات کی فراوانی مُراد ہے۔

وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ٥ لیکن انہوں نے تکذیب کی تو ہم نے انہیں پکڑا بوجہ اس کے کہ وہ کفر و معاصی کے مرتکب ہوئے۔

نسخہ فراوانی رزق آیت سے ثابت ہوا کہ ذکر و فکر سے رزق میں وسعت ہوتی ہے اور حلال رزق کی فراوانی انسان کی سعادت کی علامت ہے۔

سوال دوسری آیت میں تو وسعت رزق کفر کی علامت بتائی گئی ہے کَمَا قَالَ لَجَعَلْنَا لِمَنْ یَّکْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُیُوْتِھِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّۃٍ ہم نے رحمٰن کے منکرین کے گھر سونے کے بنا دیئے۔

جواب کافر اور ناشکر انسان کے لئے وسعت رزق وبال اور موجب عذاب ہے (اسی لئے اُسے مہلت دی جاتی ہے)۔

تفسیر صوفیانہ تفسیر فارسی میں ہے کہ حقائق سلمیٰ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے میرے احکام کی پابندی اور میری مخالفت سے احتراز کریں یا میری سرزنش کا خوف رکھیں تو میں ان کے دلوں کو اپنے مشاہدات سے منور فرما دوں گا (آیت میں برکات من السماء سے یہی مراد ہیں) اور اُن کے اعضا کو اپنی خدمت میں لگا دوں گا۔ برکات الارض سے یہی مراد ہے ؎

① در زمین و آسمان درہائے جود
می کشاید از پئے اہل سجود

② از زمین پر اطاعت باز کن
بر سمائے معرفت پرواز کن

ترجمہ ① آسمان و زمین کے جود و سخا کے دروازے اہل سجود پر کھول دیتے ہیں۔
② زمین کو اطاعت سے پُر کر پھر اس سے آسمان پر پرواز کر۔

سبق اہل سجود کے لئے اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کے دروازے کھول دیتا ہے اے برادر تم زمین پر عبادت کرو۔

تفسیر عالمانہ اَفَاَمِنَ اَھْلُ الْقُرٰٓی کیا بستیوں والے نہیں ڈرتے۔ یہ ہمزہ واقع کے انکار اور اُس کی قباحت بیان کرنے کے لئے ہے۔ وقوع کے انکار اور اس کی نفی کے لئے نہیں اور اس کی فا عاطفہ ہے فَاَخَذْنٰھُمْ بَغْتَۃً پر عطف ڈالا گیا ہے اب آیت کا معنےٰ یوں ہو کہ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آپ کی تکذیب کرنے والے اہل مکہ اور اس کے گرد و نواح کے لوگ بے خوف ہیں۔ اَنْ یَّاْتِیَھُمْ بَاْسُنَا بَیَاتًا تاکہ ان پر ہمارا عذاب آئے۔ بیاتًا رات کے وقت وَّھُمْ نَآئِمُوْنَ ط اور وہ اپنے گھروں میں آرام کر رہے ہوں انہیں غفلت کی وجہ سے اس عذاب کا شعور بھی نہ ہو۔

اَوَاَمِنَ اَھْلُ الْقُرٰٓی یا بستیوں والے نہیں ڈرتے یعنی شہروں والے خوف ہیں اَنْ یَّاْتِیَھُمْ بَاْسُنَا ضُحًی کہ ان پر عذاب دن چڑھے آئے۔ ضحی بمعنے ضحوۃ الکبریٰ جسے فارسی میں چاشت کا وقت کہا جاتا ہے جب سورج اونچا ہو اور اس کی روشنی زمین پر پھیل جائے۔ وَّھُمْ یَلْعَبُوْنَ ہ وہ کھیل رہے ہوں یعنی فرط غفلت میں منہمک ہوں کہ اس سے انکا نہ دینوی فائدہ ہو اور نہ دینی۔ یا وہ ایسے امور میں مشغول ہیں کہ اُن سے انہیں کسی قسم

کا فائدہ نہیں اس لئے کہ جو آخرت کے معاملہ سے روگرداں ہو کر دنیوی امور میں منہمک ہو جائے تو وہ فضول کھیل میں مشغول والے کی طرح ہے ۔

فائدہ آیت سے نتیجہ نکلا کہ جو رسول کلام کی تکذیب کرتا ہے اُسے عذاب الٰہی سے بے خوف نہ رہنا چاہیئے۔ کسی وقت بھی وہ عذاب میں ضرور مبتلا ہوگا دن میں یا رات کو۔

اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ج کیا وہ اللہ تعالیٰ کی پوشیدہ تدبیر سے بے خبر ہیں۔ یہاں پر مکر اللہ سے بندے کو مہلت دینا اور اُس کی ایسی گرفت مراد ہے جو بندے کو معلوم نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ ان مذکورہ دونوں وقتوں میں کسی وقت بندے کو عذاب میں مبتلا کر دے تو اس سے کون پوچھ سکتا ہے۔ پھر بندہ غفلت میں کیوں ۔

فائدہ حدادی نے فرمایا کہ عذاب کو مکر سے تعبیر کرنا مجازاً اور استعارۃً ہے۔ اس لئے کہ مکر کرنے سے مکر کئے ہوئے پر ایسے طریق سے وارد ہوتا ہے کہ وہ اس سے بے خبر ہوتا ہے ۔

مسئلہ اس سے مکر و فریب عرفی معنے مراد لینا ناجائز ہے اور عرف میں مکر یہ ہے کہ ظاہر کچھ اور باطن کچھ اور اسے منافقت کہا جاتا ہے[1])

فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ یہ فا شرط محذوف کی جزا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا مہلت دینا اور گرفت میں خفیہ تدبیر کا یہ حال ہے تو اُس کی اس خفیہ تدبیر سے نڈر نہیں۔ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ؏ مگر تباہی والی قوم یعنی وہ لوگ جو نفع اُٹھانے والے نہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ خاسرین سے یہاں مجرم و عاصی مراد ہیں یا یہ معنے ہے کہ مجرم گنہگار ہی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف ہیں ورنہ انبیاء علیہم السلام تو ہر وقت خوفزدہ رہتے ہیں اس لئے اُن سے معاصی کا صدور نہیں ہوتا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر اہل قہر سے قہر کے ساتھ اور اہل لطف سے لطف کے ساتھ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے صرف اہل قہر ہی نڈر ہیں جو سعادۃ دارین کی محرومی سے خسارہ میں ہیں اور اہل لطف کے لئے خسارہ کا یہ معنیٰ ہے کہ دنیا و عقبیٰ کی لذتوں سے محروم ہیں انہیں صرف آقا و مولیٰ کے مشاہدہ کا نفع کافی ہے۔ اس معنے پر اہل اللہ عذاب سے بے خوف ہیں اس لئے کہ اُن سے خفیہ تدبیر الطاف کریمانہ کے ساتھ ہوتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے متعلق دوسرے مقام پہ فرمایا اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ اُن کے لئے امن اور وہ ہدایت یافتہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے اس معنیٰ پر فرمایا وَهُوَ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ اس لئے کہ یہ مکر اُن کے استحقاق کے مطابق ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اہل قہر تو قہر کے مستحق ہیں

(باقی صہ ۱۱۱)

---

[1] جیسے شیعہ کا تقیہ اعتقادی اور دیوبندیوں و وہابیوں کا تقیہ عملی ۔ ۱۲ اویسی غفرلہ

أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ أَهْلِهَا أَنْ

اور کیا وہ جو زمین کے مالکوں کے بعد اس کے وارث ہوئے انہیں اتنی ہدایت نہ ملی

لَوْ نَشَاءُ أَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوبِهِمْ ج وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ

کہ ہم چاہیں تو انہیں ان کے گناہوں پر آفت پہنچائیں اور ہم ان کے دلوں پر مہر کرتے ہیں کہ وہ کچھ

لَا يَسْمَعُونَ (۱۰۰) تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَائِهَا ج وَ

نہیں سنتے یہ بستیاں ہیں جن کے احوال ہم تمہیں سناتے ہیں اور

لَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ج فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا

بے شک ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لے کر آئے تو وہ اس قابل ہوئے کہ وہ اس

كَذَّبُوا مِنْ قَبْلُ ط كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوبِ الْكٰفِرِينَ (۱۰۱)

پر ایمان جسے پہلے جھٹلا چکے تھے اللہ یونہی چھاپ لگا دیتا ہے کافروں کے دلوں پر

وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِمْ مِنْ عَهْدٍ ج وَإِنْ وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ

اور ان میں سے اکثر کو ہم نے قول کا سچا نہ پایا اور ضرور ان میں اکثر کو بے حکم ہی

لَفٰسِقِينَ (۱۰۲) ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُوسٰى

پایا پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ

بِاٰيٰتِنَا إِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَإِيْهِ فَظَلَمُوا بِهَا ج فَانْظُرْ كَيْفَ

فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا تو انہوں نے ان نشانیوں پر زیادتی کی تو دیکھو

كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ (۱۰۳) وَقَالَ مُوسٰى يٰفِرْعَوْنُ إِنِّي

کیسا انجام ہوا مفسدوں کا اور موسیٰ نے کہا اے فرعون میں پروردگار عالم

رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعٰلَمِينَ (۱۰۴) لا حَقِيقٌ عَلٰى أَنْ لَا أَقُولَ عَلَى اللّٰهِ

کا رسول ہوں مجھے سزاوار ہے کہ اللہ پر نہ کہوں مگر

إِلَّا الْحَقَّ ط قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ فَأَرْسِلْ مَعِيَ بَنِي

سچی بات میں تم سب کے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں

اِسْرَآئِيْلَ ﴿۱۰۵﴾ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ

تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ چھوڑ دے۔ بولا اگر تم کوئی نشانی لے کر آئے ہو تو لاؤ

مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾

اگر سچے ہو تو موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا وہ فوراً ایک ظاہر اژدہا

۱۳ ع ۲ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِىَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ ع

ہوگیا اور اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالا تو وہ دیکھنے والوں کے سامنے جگمگانے لگا

تفسیر عالمانہ اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ اَهْلِهَآ اور کیا وہ زمین کے مالکوں کے بعد اس کے وارث ہوئے انہیں اتنی ہدایت نہ ملی۔

سوال لَمْ يَهْدِ فعل (ہدایت) کو لام سے کیوں متعدی کیا گیا؟

جواب یہاں پر ہدایت تبیین کے معنے میں ہے اور تبیین کا صلہ لام آتا ہے اور اُس کا مفعول محذوف اور اُس کا فاعل اَنْ لَّوْ نَشَآءُ الخ ہے۔

اب آیت کا معنےٰ یوں ہوا کہ زمین کے مالکوں کے بعد یہی لوگ وارث ہوئے۔ زمین کے مالکوں سے وہ انہیں مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے فنا و برباد ہوئیں۔ پھر یہی لوگ اُن کے وارث ہوئے اور وارثین سے اہل مکہ

(بقیہ صد ۱۶ سے)

اور اہل لُطف لُطف کے۔

فائدہ یاد رہے کہ آیت میں خفیہ تدبیر صرف کفار کے لئے ہے ورنہ اہل اللہ تو لطف کے مستحق ہوتے ہیں اس لئے کہ اُن کو تو دنیا میں ہی امن و سلامتی کا مژدہ بہار سنایا گیا ہے کما قال لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ ان کے لیۓ دنیا و آخرت کی خوشی ہے۔ بلکہ دنیا و آخرت میں اُن کے لئے امن ہی امن ہے چنانچہ اُن کے حق میں فرمایا لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ لیکن وہ اس امن و سلامتی کو پوشیدہ رکھتے ہیں اس لئے کہ وہ چھپانے پر مامور ہیں انہیں اپنی امن و سلامتی کا علم ہوتا ہے اور وہ دوسروں کے متعلق خبر دینے پر مامور نہیں ہوتے۔ البتہ حضرات انبیا علیہم السلام ایسی سلامتی کے اظہار کے مامور ہوتے ہیں اس لئے کہ وہ شرعی امور کے اظہار کے لئے تشریف لائے ہیں اسلئے تمام لوگوں کو عقیدہ رکھنا ضروری ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو یقیناً امن و سلامتی ہے یہ اس لئے کہ عوام کو اگر یہ عقیدہ سامنے نہ ہو تو وہ انبیا علیہم السلام پر کیسے ایمان لائیں گے اور اُن کی دعوت کس طرح قبول کر سکتے ہیں جب تک انہیں اپنے قائد پر امن و سلامتی کا یقین نہ ہو۔

اور اُس کے گردو نواح کے لوگ مراد ہیں اور اَوَلَمْ یَهْدِ بمعنے یَتَبَیَّنَ الخ ہے یعنی انہیں تا حال اُن برباد و تباہ شدہ لوگوں کے حالات واضح نہیں ہوئے کہ وہ اُن کے طریقے پر چل پڑے ہیں" اَنْ "یہ اَنْ مخفف ہے یعنی شان یہ ہے کہ لَوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ (اگر ہم چاہیں تو انہیں ان کے گناہوں پر آفت پہنچائیں) یعنی اُن کے گناہوں اور غلطیوں کی سزا کی وجہ سے یعنی جیسے اُن سے پہلے گذرنے والوں کو ہم نے گناہوں اور خطاؤں کے سبب سے عذاب میں مبتلا کیا انہیں بھی مبتلا کریں گویا یہاں پر لفظ سبب مضاف محذوف ہے۔

فائدہ مفتی چلپی مرحوم فرماتے ہیں کہ اگر اَصَبْنَا بمعنے اَهْلَكْنَا ہو تو مضاف محذوف ماننے کی ضرورت ہی نہیں۔

وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اس کا اَوَلَمْ یَهْدِ الخ پر عطف ہے گویا یوں کہا گیا کہ وہ ہدایت نہیں پائیں گے اور سزا کے طور ہم اُن کے دلوں پر مہر لگا دیں گے۔ فَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ٥ پس وہ کچھ نہیں سنتے۔ یعنی ہلاکت و تباہی والی قوموں کے حالات سنتے ہی نہیں۔ جب سُننا گوارا ہی نہیں کرتے تو پھر ان کے حالات پر غور و فکر کر کے ان سے عبرت پکڑ کر کس طرح ہدایت حاصل کر سکتے ہیں۔

فائدہ کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حق سے دل کا کان فائدہ اُٹھاتا ہے یہ آب و گل سے بنا ہوا کان اس سے کسی قسم کا فائدہ نہیں اُٹھاتا۔

① ایں سخن را گوشِ دل باید شنود
گوشِ گل اینجا ندارد ہیچ سود

② گوشِ سر با جملہ حیواں ہمدم است
گوشِ سر مخصوصِ نسلِ آدم است

③ گوشِ سر چوں جانبِ گویندہ است
گوشِ سر سہلت اگر آئندہ است

ترجمہ: ① اس سخن کو دل کے کان سے سننا چاہیئے مٹی کے کان کا یہاں کوئی کام نہیں۔
② سر کا کان تو تمام حیوانات میں ہے لیکن دل کا کان صرف انسان کا خاصہ ہے۔
③ سر کا کان صرف اپنی جانب کی بات سنتا ہے گوشِ دل ہر طرف سے آنے والی بات آسان ہے

تِلْكَ الْقُرٰى یہ لام عہد کا ہے اس سے وہ امتیں مراد ہیں جو سابقہ زمانہ میں تباہ و برباد ہوئیں جن کا ابھی ذکر ہوا ہے۔ نَقُصُّ عَلَیْكَ یعنی یہ وہی بستیوں والے ہیں جن کی خبریں ہم آپ کو بیان کرتے ہیں۔ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا یہ مِن تبعیضیہ ہے یعنی اُن کی وہ بعض خبریں جن میں وعظ و نصیحت ہے۔ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ج یہ بٗ یا تو فعل مذکور کے ساتھ متعلق ہے اس لحاظ سے یہ تا تعدیہ کی مُتَلَبِّسِیْنَ ہے یا اس کا متعلق محذوف ہے اور وہ فعل مذکو

کے فاعل سے حال ہے۔ اصل عبارت یوں ہے مُلْتَبِسِیْنَ (بِالْبَیِّنٰتِ) اب آیت کا معنیٰ یوں ہوا کہ بخدا۔ ان تمام ہلاک و برباد شدہ امتوں میں سے ہر ایک اُمت کے ہاں اُن کے رسول بہت بڑے معجزات و بینات لائے جو انہیں وہ معجزات و بینات اپنی رسالت و نبوت کی تصدیق کے لئے دکھلاتے جو اُن امتوں کے ایمان کی پختگی کا سبب بنتے ہیں۔ فَمَا کَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا تو اس شان کے لائق نہ ہوئے کہ وہ اس پر ایمان لاتے یعنی جب واضح ہو گئی اور اُن کے سامنے دلائل روشن ہوئے تو انہیں چاہیئے کہ انبیاء علیہم السلام پر ایمان لاتے۔

بِمَا کَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ یہ بَالِیُؤْمِنُوْا کا صلہ ہے یعنی انہوں نے انبیاء علیہم السلام کے معجزات لانے سے پہلے ہی تکذیب کی اور پھر اس پر انہوں نے مداومت کی۔

فائدہ تکذیب سے وہ عقائد و اصول شرائع مراد ہیں جن پر تمام انبیاء علیہم السلام کا اتفاق رہا یعنی توحید اور اُس کے لوازمات۔

فائدہ دیگر انبیاء علیہم السلام کی تشریف آوری سے پہلے اُن کی تکذیب کا یہ مطلب ہے کہ وہ جاہلیت میں ایسے گرفتار تھے کہ توحید کا کلمہ اُن کے کانوں تک نہیں پہنچا تھا۔ بلکہ جس سے بھی توحید کے متعلق کچھ سنتے تو اسے جھٹلاتے۔ اسی طرح انبیاء علیہ السلام کی تشریف آوری کے بعد بھی اُن کی وہی حالت رہی کہ جونہی انبیاء علیہم السلام نے توحید کا نام لیا تو انہوں نے حسب عادت ان کے پیغامات کو ٹھکرا دیا گویا اُن کے عوام کی تبلیغ کے لئے انبیاء علیہم السلام آئے ہی نہیں۔

فائدہ یا اُن کے ایمان نہ لانے سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی غلط روش پر مصر تھے اور بما کذبوا من قبل الخ سے بھی یہی مراد ہے کہ اُن کی تکذیب کا یہ سلسلہ غیر منقطع تھا کہ انبیاء علیہم السلام کی تشریف آوری سے لے کر تا دم زیست اُن کی حالت یکساں رہی اب آیت کا مطلب یوں ہوا کہ اُن کی تکذیب پر ڈھٹائی کا یہ عالم تھا کہ انبیاء علیہم السلام کے تشریف لانے سے پہلے پھر تا دم زندگی اس تکذیب پر ڈٹے رہے۔ انبیاء علیہم السلام کی دعوت و تبلیغ ذرہ برابر اُن پر اثر انداز نہ ہوئی اور نہ ہی آیات و معجزات سے کچھ فائدہ پایا۔ اس معنے پر اُن کی تکذیب سے جمیع انبیاء علیہم السلام کے جمیع عقائد و اصول و فروع مراد ہوں گے بہر حال ہر دونوں تقریروں پر تمام ضمائر کا مرجع ایک ہو گا یعنی کفار اور مکذبین۔

فائدہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ کذبوا کی ضمیر اُن کے اسلاف کی طرف لوٹتی ہے اب معنےٰ یہ ہوا کہ اُن کے اسلاف نے جس کی تکذیب کی تو اب اُن کی اولاد اس قابل نہیں کہ اپنے اسلاف کی تکذیب کردہ اُمور پر ایمان لائیں حضرت ابو سعود مفسر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ معنےٰ بعید از مقصد ہے۔

اَقُوْلُ فقیر صاحب روح البیان کہتا ہے کہ اگرچہ ضمائر کا مرجع ایک ہو تو بھی معنیٰ میں خلل اس لئے نہیں کہ حقیقی مکذب تو ان کے آباء و اجداد تھے لیکن اُن کی طرف تکذیب کا اسناد اُن سے متصل ہونے یا اُن کی کارکردگی پر رضامندی کی وجہ سے ہے جب اس معنیٰ میں کسی قسم کا خلل نہیں اس لئے کہ اس کی نظیر سورۃ بقرہ میں گذری ہے کہ مخاطب ان بنی اسرائیل کو بنایا گیا ہے جو حضور علیہ السلام کے معاصرین تھے حالانکہ ان اُمور کا ارتکاب اُن کے آباء و اجداد نے کیا وہاں بھی یہی تقریر کی گئی۔ چونکہ

یہ لوگ اپنے آبا و اجداد کے کردار پر راضی تھے۔ بنا بریں ان اُمور کو انہی کی طرف منسوب کیا گیا۔

كَذٰلِكَ محلاً منسوب اور مفعول ہے **يَطْبَعُ اللّٰهُ** یعنی محکم اور شدید مہر کی طرح اللہ تعالیٰ مہر لگاتا ہے **عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ۔** مذکور کا فروں وغیرہم کے دلوں پر۔ اسی لئے ان پر آیات اثر انداز نہیں ہوتے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ ماقبل کی طرف اشارہ ہو۔ یعنی جیسے اللہ تعالیٰ نے گذشتہ امتوں کے کفار کے دلوں پر مضبوط مہر لگائی اسی طرح ان کے دلوں پر بھی سخت مُہر لگا دی ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے ایمان کی دولت سے محروم رہیں گے۔ **وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ** اور ان کے اکثر کو ہم نے نہیں پایا۔ یہاں پر وَجَدْنَا بمعنے صادفنا ہے **مِّنْ عَهْدٍ** یہ من زائدہ ہے جو مفعول پر واقع ہے اور اس کا مضاف محذوف ہے اس لئے کہ صرف عہد کی نفی سے کوئی فائدہ نہیں بلکہ وفائے عہد کی نفی سے معنے صحیح ہو جاتا ہے یعنی ہم ان کے اکثر کو ایفائے عہد میں پختہ نہیں پایا بلکہ ایسے لوگ دُکھ اور سکھ کے وقت اللہ تعالیٰ کے تمام کئے ہوئے وعدے توڑ دیتے ہیں۔ بلکہ جب انہیں تکلیف پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ اگر ہم نے اس سے نجات پائی تو ہم اللہ تعالیٰ کے شکر گذار بندے بن جائیں گے لیکن اس کے بعد پھر اسی طرح کافر ہے تے۔

سوال اکثر کی قید کیوں ؟

جواب اس لئے کہ اُن کے بعض ایفائے عہد میں پختہ تھے اور ان کافروں کے بعض تو ایسے بدبخت تھے کہ سرے سے معاہدہ ہی نہ کرتے۔

فائدہ یہ بھی جائز ہے کہ یہاں وجدنا بمعنے علمنا ہو اور من عہد کا مفعول اول اور لاکثرھم اُس کا مفعول ثانی ہے۔ **وَاِنْ** یہ ان مخففہ ہے یعنی اور بیشک شان یہ ہے کہ **وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ۔** ہم نے اُن کے اکثر کو فاسق پایا۔ یعنی طاعت سے خروج کرنے اور وعدے توڑنے والے۔

حکایت موسیٰ علیہ السلام مترجم فتوحات مکیہ شریف کے آخر میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاں اللہ تعالیٰ نے پیغام بھیجا کہ جو تمہارے ہاں اُمید لے کر آئے اسے نا اُمید نہ کرنا اور جو بھی تمہاری پناہ مانگے اسے پناہ دینا۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام سیر و سیاحت کے لئے گھر سے باہر کہیں جا رہے تھے کہ اچانک آپ کے کاندھے پر ایک کبوتر آکر بیٹھ گیا۔ اس کے بعد فوراً ایک باز آکر آپکے دوسرے کندھے پر آبیٹھا تو کبوتر مونڈھے سے اُٹھ کر آپ کی آستین میں چھپ کر کہنے لگا کہ حضرت مجھے پناہ دیجئے۔ یہ سُن کر باز نے بھی بزبان فصیح عرض کی کہ حضرت عمران کے صاحبزادے مجھے بھی محروم نہ فرمایئے اور میرے رزق میں رُکاوٹ نہ ڈالیئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ششش و پنج میں تھے کہ یا الٰہ العٰلمین مجھے کس امتحان میں ڈال دیا۔ آپ نے فوراً اپنی ران کا گوشت کاٹنے کا ارادہ فرمایا تاکہ باز کو غذا پیش کریں اور اس طرح سے اللہ تعالیٰ کے دونوں وعدے پورے ہوں کہ کبوتر کو بھی پناہ نصیب ہو جائے اور باز کی امید بھی پوری ہو جب باز اور کبوتر نے آپ کو اپنے عزم میں بالجزم پایا تو دونوں نے بیک زبان کہا حضرت عجلت مت کیجئے ہم دونوں اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔ ہم آپ کی آزمائش کے لئے حاضر ہوئے۔ بفضلہٖ تعالیٰ آپ اپنے امتحان میں کامیاب ہیں

ایا سامعا یسی السماع بنافع
اِذَا اَنْتَ لَمْ تفعل فما انت سامع
اِذْ اکنت فِی الدُّنیا عَنْ خیر عاجِزًا
فما انت فی القیامۃ صالح

ترجمہ اے سُن کر عمل نہ کرنے والے تیرا صرف سُننا تجھے کیا فائدہ دے گا جب تو سُن کر عمل نہیں کرتا۔ جب دنیا میں تیری یہ حالت ہے کہ نیک عمل کرنے سے عاجز ہے تو پھر قیامت میں کیا کرے گا۔ (یعنی سخت سزا پر تیرا کیا عذر ہو گا)

فائدہ انبیاء علیہم السلام وعدوں پر قائم رہنے اور فاسقوں کے عہد توڑتے ہیں کسی کو کلام نہیں البتہ تعجب ان لوگوں پر ہے جو ایمان دار اور فرمانبردار ہونے کے مدعی ہو کر پھر کبھی ایک دن بھی ایفائے عہد پر پورے نہیں اترتے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے

وفا مجو زکس در سخن نمی شنوی
بہرزہ طالب سیمرغ و کیمیا مباش

ترجمہ، کسی سے بھی وفا مت تلاش کر اگر تو میری بات نہیں مانتا تو پھر بے شک خواہ مخواہ سیمرغ اور کیمیا کی طلب میں وقت گذار۔

حدیث شریف حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم چھ یا سات آٹھ افراد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے آپ نے ہمیں فرمایا کہ تم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کیوں نہیں کرتے۔ اُس وقت ہم نئے مسلمان ہوئے تھے۔ ہم سب نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم نے تو ایک دفعہ آپ کی بیعت کی ہے پھر دوبارہ حکم ہو تو بھی حاضر ہیں آپ سے کس کے متعلق بیعت کریں آپ نے فرمایا صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو گے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے اور پانچ وقت نماز پابندی سے ادا کرو گے اور اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کے سامنے سر جھکاؤ گے۔ اس کے بعد ایک بات نہایت آہستہ بتائی جس کے لئے ہمیں خصوصیت سے متوجہ ہونا پڑا وہ یہ کہ لوگوں سے کسی قسم کا سوال نہ کرنا۔ اس کے بعد میں نے اپنے دوستوں میں سے بعض کی یہ حالت دیکھی کہ سواری پر سے سونٹا گر گیا تو سواری سے اُتر کر اُسے خود اُٹھایا لیکن کسی کو اُسے اُٹھا دینے کا سوال نہ کیا۔ اس خوف سے کہ کہیں وعدہ کی خلاف ورزی نہ ہو۔ وفائے عہد میں اہتمام کی وجہ سے۔

سبق غور کیجئے ان حضرات کا کیسا بہترین طریقہ تھا کہ بیعت میں جو کچھ کہا اُسے پورا کر دکھایا اور طریقِ حق پر نہایت مضبوطی سے ثابت قدم رہے۔ بلکہ ہر نیکی میں سبقت کرنے کے عادی تھے۔ غور کا مقام ہے کہ جب وہ ڈنڈا اُٹھانے کے لئے کسی سوال کرنے سے ڈرتے تھے تو بڑے بڑے گناہوں سے کیوں نہ احتراز کرتے ہوں گے۔ ہم سب کو سوچنا چاہیئے کہ ہم کس طرح

اور کتنا قدر غلطیوں اور خطاؤں میں گھرے ہوئے ہیں کہ ہم کسی وقت بھی بُرائیوں سے بچنے کا نام نہیں لیتے بلکہ افعال باطلہ اور اقوال فاسدہ پر عادت ثانوی بن چکی ہے۔

سچے صوفی ہم تو غلط کار ہیں ہی کہ ہم عامی انسان ہیں لیکن قربان جاؤں ان حضرات صوفیاء کرام پر جو اپنے دلوں پر ایک آن کے لئے بھی غیر اللہ کا خیال تک بھی نہیں لاتے اور صرف اس سے ہی سوال کرتے ہیں اور غیروں کے آگے اپنا ہاتھ نہیں پھیلاتے۔ اگر اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگتے ہیں تو صرف اسی کا مشاہدہ اور دیدار۔ لیکن آج کے ایسے کہاں بالخصوص ہمارے زمانہ میں صرف تصوف کا نام رہ گیا اور تقویٰ و طہارت کے دعوے بڑے لمبے لمبے لیکن اندر سے بالکل خالی۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ کریم اپنی ذات کی طرف متوجہ کرے اور اپنے افعال صفات پر چلنے کی توفیق بخشے اور اپنی خصوصی برکات سے نوازے بلکہ اپنی مخصوص ہدایات سے ہمیں شرفیاب فرمائے اس لئے کہ عنایات میں وہ بہت بڑا فیاض اور کریم ہے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰی پھر مذکورہ رُسل کرام علیہم السلام کے واقعات ختم ہو جانے کے بعد ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا یعنی نوح و ہود و لُوط و صالح اور شعیب علیہم السلام کے بعد۔

سوال جب ثم تراخی کے لئے آتا ہے تو پھر من بعدھم کی تصریح کیوں؟

جواب تاکہ معلوم ہو کہ انبیاء علیہم السلام کے بھیجنے میں اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہی رہا ہے کہ وہ پے در پے تشریف لاتے رہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ ایک نبی علیہ السلام کے وصال کے بعد دوسرا نبی علیہ السلام بھیج دیتا رہا۔ جیسے مخلوق میں سے ایک قرن کے لوگوں کے مرنے کے بعد دوسرے قرن کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور یہ بھی اُس کی مہربانی اور شفقت ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے ہاتھوں معجزات ظاہر فرماتا ہے۔ تاکہ وہ نور معجزات سے ظلمات طبیعت سے نکل کر نور حقیقت کی طرف پہنچیں اس لئے کہ اہل قرن اور ہر زمانہ کے اکثر لوگ دین سے غفلت کا شکار ہوتے ہیں اور دین کے حقائق سے بے خبر۔ بلکہ وہ عموماً بحر دنیا میں مستغرق۔ شہوات و لذات نفسانیہ۔ حیوانیہ کی وادیوں میں ہلاک اور برباد ہوتے ہیں۔ کوئی زائد اور کوئی کم۔

بِاٰيٰتِنَآ آیات سے وہی نو معجزات مراد ہیں جو مشہور و معروف ہیں عصائے موسیٰ علیہ السلام ید بیضا۔ قحط سالی نقص ثمرات۔ طوفان۔ جراد (ٹڈی) قمل جوں۔ مینڈک۔ خون۔ ان کا مفصل بیان اس پارہ میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اِلٰی فِرْعَوْنَ یہ مصر کے بادشاہ کا لقب ہے جیسے کسریٰ فارس اور قیصر روم اور خاقان چین اور تبع یمن اور قیل عرب اور نجاشی حبشہ اور خلیفہ بغداد اور سُلطان آل سلجوق کا لقب ہوتا تھا۔ فرعون کا اصلی نام قابوس۔ بعض کے نزدیک اس کا نام ولید بن مصعب بن زیان تھا اور وہ قبطی قبیلہ سے نہیں تھا اور اس نے چار سو سال عمر گذاری۔

وَمَلَا۟ئِهٖ فرعون اور اس کی برگزیدہ جماعت کی طرف۔

سوال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت عمومی تھی صرف فرعون اور اُس کی مخصوص جماعت کے نام لینے کا کیا فائدہ ؟

جواب چونکہ یہی لوگ عوام کے لیڈر اور ان کے جملہ اُمور کے سربراہ تھے اس لئے اُن کے ذکر پر اُن کے متبعین بھی ضمناً شامل ہو گئے ۔

فَظَلَمُوْا بِهَا

سوال ظلم کا صلہ بَا نہیں آتی پھر یہاں بِہَا کیوں ؟

جواب ظلم یہاں پر بمعنے کفر ہے یا بَا بمعنے علیٰ ہے ۔ یعنی پھر موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو انہوں نے ٹھکرایا ۔ یا موسیٰ علیہم السلام کے معجزات سے انہوں نے ظلم کیا بایںمعنیٰ کہ انہیں جادو سے تعبیر کیا اور یہ بھی ظلم ہے کہ شئے کو اصلی معنٰے سے تبدیل کر کے دوسرے معنٰے میں استعمال کیا جائے ۔

فَانْظُرْ یہ خطاب عام ہے یعنی پس عقل سے دیکھ لے ہر وہ کہ جس کو نظر تامل کی دولت نصیب ہے کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ ۝ کہ مفسدوں کا انجام کیسا ہے یعنی غور سے دیکھو کہ پھر ہم نے ان کا کیا حشر کیا ۔ اس معنٰے پر کیف کان کی خبر اور عاقبۃ اس کا اسم ہے اور جملہ بنزع الخافض محلاً منصوب ہے اس لئے کہ یہ دراصل فَانظر اِلیٰ کذا کذا وغیرہ ۔

سوال یہاں کلام کا تقاضا تھا ۔ عاقبتہم ہو ۔ لیکن عاقبۃ المفسدین لایا گیا ہے یعنی اسم ضمیر کے بجائے اسم مظہر کیوں ؟

جواب تاکہ تنبیہ ہو کہ ظلم کو افساد لازم ہے جہاں ظلم ہو گا وہاں افساد لازماً ہو گا ۔

نبوت موسیٰ علیہ السلام کا آغاز فارسی تفسیر میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام اپنے ملک سے مدین تشریف لے گئے تو شعیب علیہ السلام کے ہاں ٹھہرے ۔ شعیب علیہ السلام نے اپنی صاحبزادی بی بی صفورا کا عقد نکاح موسیٰ علیہ السلام سے کر دیا ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک عرصے کے بعد اپنے وطن مالوف واپس لوٹے ۔ راستے میں جب وادیٔ ایمن سے گذرے تو وہاں انہیں پیغمبری عطا ہوئی اور آپ کو عصا و بیضا کا معجزہ بھی اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ آپ مصر پہنچ کر فرعون اور اُس کی قوم کو دعوتِ دینی پیش فرمایئے ۔ موسیٰ علیہ السلام فرعون کو بڑی مدت کے بعد ملاقی ہوئے اور ملتے ہی موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دعوت دینی پیش فرما دی ۔

موسیٰ علیہ السلام کا عصا حضرت حدادی نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا عصا اُن کے قد مبارک کے مطابق دس گز لمبا تھا اور بہشت کے درخت مُورد سے تیار کیا گیا تھا ۔ اسے زمین پر مارتے تو اس سے انگوری پیدا ہو جاتی ۔ اگر زمین پر ڈال دیتے تو سانپ بن کر دوڑتا نظر آتا اگر پتھر پر مارتے تو پانی بہہ نکلتا ۔

سیاہ خضاب اور فرعون آپ نے آتے ہی اپنا عصا مبارک فرعون کے دروازہ پر مارا تو فرعون اس قدر

ڈر کر گھبرایا کہ اس کے جسم پر خوف کی شدت سے سیاہ بال سفید ہو گئے۔ چنانچہ وہ ازاں بعد بالوں پر سیاہ خضاب لگاتا عالم دنیا میں سیاہ خضاب سب سے پہلے اس فرعون نے لگایا۔

مسئلہ سیاہ خضاب لگانا حرام ہے[1] سیاہ خضاب (بلا وجہ شرعی) لگانے والا بہشت سے محروم ہوگا۔

مسئلہ صاحب محیط نے فرمایا کہ یہ حکم غیر غازیوں کے لئے ہے۔ اس لئے کہ غازی (جنگ کے موقع پر اس ارادہ پر لگائے کہ اُس سے دُشمنوں پر ہیبت ہو گی تو جائز ہے) اگر وہ بھی محض زینت کی غرض سے لگائے تو اس کے لئے حرام ہے۔

وَقَالَ مُوْسٰی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے ہاں تشریف لائے اس وقت بھی اُن کے برادر محترم حضرت ہارون علیہ السلام اُن کے ساتھ ہو گئے اس لئے کہ ان دونوں کو اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بنا کر فرعون کے ہاں بھیجا۔ وہ دونوں جونہی فرعون کے پاس پہنچے تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا **یٰفِرْعَوْنُ اِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ** اے فرعون میں اللہ تعالیٰ رب العلمین کا رسُول بن کر تیرے ہاں آیا ہوں۔ تجھے رب العلمین کی عبادت کا حکم سناتا ہوں اور تجھے اپنے دعویٰ اُلوہیت سے روکتا ہوں فرعون نے سنتے ہی کہا تم جھوٹے ہو تم اللہ تعالیٰ کے کس طرح پیغمبر بن سکتے ہو اس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا **حَقِیْقٌ عَلٰۤی اَنْ لَّاۤ اَقُوْلَ عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ** میرے لئے لائق ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے متعلق صرف حق بات کہوں۔

سوال یہاں پر باؔ کے بجائے علیٰ کیوں؟

جواب علیٰ میں مزید تقویت ہوتی ہے مثلاً کہا جاتا ہے رَمَیْتُ عَلَی الْقَوْسِ اور جِئْتُ عَلٰی حَالَۃٍ حَسَنَۃٍ یہ دونوں جملے دراصل رَمَیْتُ بِالْقَوْسِ جِئْتُ بِا لْحَالَۃِ تھے صرف تقویت کے لئے لفظ علیٰ لایا گیا ہے یا باؔ حرص کے معنے کو متضمن ہے اور حرص کے بعد علےٰ آتا ہے۔

فائدہ تفسیر مدارک میں ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ علیٰ رسُول کے معنےٰ فعل سے متعلق ہو اور اصل عبارت یوں ہو اِنِّیْ رَسُوْلٌ حَقِیْقٌ جدید بالرسالۃ اُرْسِلْتُ علےٰ الخ۔

فائدہ امام نافع کی قراۃ میں "علیّ" تشدید الیا ہے۔

رابطہ جب موسیٰ علیہ السلام نے دعویٰ نبوت کا اظہار فرمایا تو اب اس کی دلیل سے واضح فرماتے ہوئے کہا۔

قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَیِّنَةٍ میں تمہارے ہاں دلیل واضح یعنی معجزہ لایا ہوں۔ **مِّنْ رَّبِّكُمْ** تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے یعنے دو معجزے عصا اور ید بیضا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے ہاں لایا ہوں۔

فَاَرْسِلْ مَعِیَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔ یعنی انہیں عام رُخصت

---

[1] یہی حق ہے اعلیٰحضرت بریلوی قدس سرہٗ نے اس موضوع پر ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے ۱۲۔ اُویسی غفرلہٗ

ہو کہ ہم انہیں بیت المقدس کی طرف لے جائیں۔

فائدہ بیت المقدس لے جانے کا اس لئے فرمایا کہ بنی اسرائیل کا اصلی وطن یہی تھا۔ یعنی اُن کے آبا و اجداد کی بود و باش یہیں پر تھی لیکن فرعون نے انہیں اپنا عبد بنا رکھا تھا۔

بنی اسرائیل مصر کیسے پہنچے بنی اسرائیل کا مصر پہنچنے کا سبب یہ ہے کہ جب یعقوب علیہ السلام اپنے بچوں اور پوتوں سمیت یوسف علیہ السلام کی دعوت کے لئے تشریف لائے تو وہ حضرات مستقل طور یہیں پر مقیم ہو گئے اور یہیں پر اُن کی آل و اولاد اور نسل کا سلسلہ بہت بڑھا۔ جب یعقوب و یوسف علی نبینا علیہما السلام اور برادران یوسف کا وصال ہو گیا اور یوسف علیہ السلام کا ہمزمان فرعون بھی فوت ہوا تو اس کے بیٹے معصب نے عنان اقدار سنبھالی بنی اسرائیل کی عزت و احترام میں کمی نہ کی وہ بھی مر گیا تو اُس کا بیٹا ولید یعنی موسیٰ علیہ السلام کے ہم زمان فرعون تخت نشین ہوتے ہی اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی کا مدعی بن بیٹھا لیکن بنی اسرائیل نے اس کے دعویٰ کو قبول نہ کیا اس نے بنو اسرائیل سے کہا تمہیں میرے باپ دادا نے خریدا تھا۔ بنا بریں تم ہمارے زرخرید غلام ہو۔ اس طرح زبردستی بنو اسرائیل کو فرعون نے اپنا غلام بنا رکھا تھا۔ اور اُن سے سخت سے سخت کام لیتا تھا۔ مثلاً کچی پکی اینٹیں تیار کرانا اور سر پر مٹی اُٹھا کر لانا اور مکانات کی تعمیرات کے لئے مٹی گارا اینٹیں اٹھوانا۔

فائدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ارادہ تھا کہ ان لوگوں کی جان رہائی فرما کر انہیں بیت المقدس یعنی آبائی وطن کی طرف لے جائیں۔ یاد رہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام کے مصر میں داخل ہونے کے درمیانی مسافت چار سو سال ہے۔

قَالَ (فرعون نے کہا) یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے۔ اِنْ کُنْتَ جِئْتَ بِاٰیَۃٍ (اگر تم دلیل لائے ہو) یعنی وہ دلیل دکھلایئے جو تمہیں بھیجنے والے نے دیکر بھیجا ہے اور اس کے تم مدعی ہو۔ فَاْتِ بِهَآ تو پیش کیجئے اور وہ مجھے دکھایئے تاکہ تمہاری صداقت کا ہمیں یقین ہو۔

مجیٔ و ایتان میں فرق اگرچہ یہ دونوں ہم معنے ہیں لیکن انمیں فرق ہے وہ اس طرح کہ مجیٔ میں نقل شئے کا مبدأ ملحوظ ہوتا ہے اور ایتان میں منتہی کا لحاظ ہوتا ہے یہاں پر مبدأ مجیٔ کا بارگاہِ حق اور ایتان کا منتہی مرسل الیہ ہے اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو۔

فَاَلْقٰی عَصَاهُ پس موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ مبارک سے اپنا عصا شریف ڈالا۔ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ پس اس وقت وہ ایک بڑا سانپ تھا۔ ثعبان پیلے رنگ کے بہت بڑے سانپ کو کہتے ہیں۔ جو تمام سانپوں سے بڑا ہوتا ہے اور اُس کے گھوڑے کی طرح بال ہوتے تھے۔

مُّبِیْنٌ ۝ کھلم کھلا اور واضح ہوتا کہ سب کو یقین ہو کہ یہ واقعی اژدہا ہے پھر کسی کو وہم و گمان تک نہ ہوتا تھا

کہ یہ اژدھا نہیں اور نہ ہی سب کو معلوم تھا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کا عصا مبارک ہے۔

اعجوبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اس عصا مبارک کو زمین پر پھینکا تو بالوں والا بڑا سانپ بن گیا۔ یعنی اس کی پیٹھ پر لمبے لمبے تیروں کی طرح بڑے بڑے بال تھے اور اس نے سانپ بنتے ہی منہ کھولا تو اس کے دونوں طرفوں (جبڑوں) کی مسافت اسّی گز تھی اور اس نے منہ کا ایک حصہ زمین پر رکھدیا اور دوسرا فرعون کے محل کے دیواروں پر پہنچایا پھر آہستہ آہستہ فرعون کی طرف بڑھنے لگا جب فرعون نے یہ حالت دیکھی تو بھاگا۔ اس کا لشکر بھی خوف کے مارے اِدھر اُدھر بھاگنے لگا۔ اس اژدھے کی ہولناک اور ڈراؤنی شکل کو دیکھ کر گھبراہٹ سے اسی وقت اسّی ہزار انسان مر گئے فرعون یہ ہولناک منظر دیکھ کر چیخا اور موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی اے موسیٰ میں آپ کو اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا۔ اژدہے کو پکڑ لے۔ میں آپ پر ایمان لاتا ہوں اور آپ کے حسب الحکم بنی اسرائیل کو بھی آپ کے ساتھ بھیجتا ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس فریاد کو سن کر اسے پکڑا تو وہ حسبِ دستور سابق عصا بن گیا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے عصا کو اپنی طرف منسوب فرمایا۔ کما قال "هِیَ عَصَایَ" پھر اس کو اپنی ضروریات کا محل بنایا۔ کما قال "اَتَوَکَّؤُا عَلَیْهَا الخ" اس میں اشارہ ہے کہ جس چیز کو اپنی طرف کرکے اپنی حاجات وضروریات کا محل سمجھوگے تو وہ درحقیقت تمہارے لئے سانپ اژدھا ہے کہ وہ نکل کر کھا جائے گا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا اَلْقِهَا یٰمُوْسٰی یعنی اے انسان اس شے کو اب اپنے پاس مت رکھ اور نہ ہی اس پر اعتماد کر۔ ورنہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ اس شے کو تیرے ہاتھ میں ہی سانپ بنا دے جس سے تجھے ہزاروں دُکھ اور تکالیف پہنچیں۔ (التاویلات النجمیہ)۔

ربط موسیٰ علیہ السلام سے عصا کا معجزہ دیکھ کر فرعون نے عرض کی کیا آپ کے پاس کوئی اور معجزہ بھی ہے آپ نے فرمایا ہاں۔

تفسیر عالمانہ وَّنَزَعَ یَدَهٗ اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ مبارک کو اپنے گریبان یا بغل سے نکالا۔ فَاِذَا هِیَ بَیْضَآءُ لِلنّٰظِرِیْنَ ع تو اس وقت دیکھنے والوں کے لئے وہ سفید نورانی تھا اور خرقاً للعادۃ ہاتھ مبارک سے نُور کی شعاعیں تھیں۔ اس کے عجیب منظر دیکھنے کے لئے بہت بڑا اجتماع ہوگیا۔

فائدہ مروی ہے کہ جب فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ مبارک دکھایا تو اس سے پوچھا یہ کیا ہے عرض کی یہ آپ کا ہاتھ ہے۔ پھر آپ نے اپنا ہاتھ مبارک اپنے گریبان میں ڈال کر باہر نکالا تو ایسا نورانی تھا کہ اس کے نور کے شعاع سے سورج بے نور ہوگیا۔ حالانکہ موسیٰ علیہ السلام گندمی رنگ والے تھے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ بالاصالۃ انسانی ہاتھ نورانی ہیں لیکن جب وہ دنیوی اشیائ سے متعلق ہوتے ہیں تو کالے سیاہ یعنی ظلماتی ہوجاتے ہیں۔ پھر بندہ اپنے ہاتھوں سے اشیا کو پھینک دے تو

باقی صذیر

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾ يُّرِيْدُ

قوم فرعون کے سردار بولے یہ تو ایک علم والا جادوگر ہے تمہیں

اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ

تمہارے ملک سے نکالا چاہتا ہے تو تمہارا کیا مشورہ ہے بولے انہیں اور ان کے

وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ

بھائی کو ٹھہرا اور شہروں میں لوگ جمع کرنیوالے بھیج دے کہ ہر علم والے جادوگر کو تیرے

سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾ وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا

پاس لے آئیں اور جادوگر فرعون کے پاس آئے بولے کچھ ہمیں انعام ملے گا

اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

اگر ہم غالب آئیں بولا ہاں اور اس وقت تم مقرب ہو جاؤ گے

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِىَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

بولے موسیٰ یا تو آپ ڈالیں یا ہم ڈالنے والے ہوں

قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ

کہا تمہیں ڈالو جب انہوں نے ڈالا لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور انہیں ڈرایا

وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ

اور بڑا جادو لائے اور ہم نے موسیٰ کو وحی فرمائی کہ اپنا

عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ ۚ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَ

عصا ڈال تو ناگاہ ان کی بناوٹوں کو نگلنے لگا تو حق ثابت ہوا اور

بَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ ۚ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا

ان کا کام باطل ہوا تو یہاں وہ مغلوب پڑے اور ذلیل

صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ ۚ وَاُلْقِىَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ

ہو کر پلٹے اور جادوگر سجدے میں گرا دیئے گئے بولے ہم ایمان لائے جہان کے

الْعٰلَمِيْنَ (۱۲۱) رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ (۱۲۲) قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ

رب پر جو رب ہے موسیٰ اور ہارون کا فرعون بولا تم اس پر ایمان لے آئے قبل

قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِى الْمَدِيْنَةِ

اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں یہ تو بڑا جعل ہے جو تم سب نے شہر میں پھیلایا ہے

لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (۱۲۳) لَاُقَطِّعَنَّ

کہ شہر والوں کو اس سے نکال دو تو اب جان جاؤ گے قسم ہے کہ میں تمہارے

اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ (۱۲۴)

ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا پھر تم سب کو سولی دوں گا

قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ (۱۲۵) ۚ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا

بولے ہم اپنے رب کی طرف پھرنے والے ہیں اور تجھے ہمارا کیا بُرا لگا یہی نا کہ ہم اپنے رب کی

بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا

نشانیوں پر ایمان لائے جب وہ ہمارے پاس آئیں۔ اے رب ہمارے! ہم پر صبر انڈیل دے اور ہمیں

مُسْلِمِيْنَ (۱۲۶) ع

مسلمان اٹھا

تفسیر عالمانہ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ فرعون کی قوم کے لیڈروں یعنی فرعون کے مشیروں نے کہا۔ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ بیشک یہ موسیٰ علیہ السلام تو جادوگر ہیں۔ عَلِيْمٌ یعنی جادو کے علم کا بڑا حاکم اور اس فن کا بہت بڑا ماہر ہے چونکہ ان کے دور میں جادو کا بہت چرچا تھا اس لئے اُن کی سوچ میں یہی خیال جم گیا اور ان کی سوچ بظاہر تو صحیح تھی اس لئے کہ ہر فن میں مختلف طبقات کے ماہرین ہوا کرتے ہیں۔ انہوں نے سمجھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے جادو کا فن سیکھا ہے اور اسمیں بہت بڑے ماہر ہوگئے ہیں اب وہ اس فن کے ذریعے فرعون کا اقتدار چھیننا چاہتے ہیں۔ چنانچہ فرعون کو مشیروں نے یہی بات سمجھائی يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ موسیٰ علیہ السلام کا ارادہ ہے کہ وہ اپنے جادو کے ذریعے تمہیں نکال دے مِّنْ اَرْضِكُمْ تمہاری زمین یعنی مصر سے تمہیں نکال کر اقتدار کی کرسی پر بنی اسرائیل کو بٹھا دے جب فرعون نے لیڈروں سے یہ بات سنی تو کہا فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ہ بفتح النون اور ماذا کا منصوب تامرون

(بقیہ صفحہ ۲۸)

تو بدستور سابق نورانی ہو جاتے ہیں اسی نکتہ کو خوب سمجھ لینا چاہیئے۔

ربط جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ دونوں معجزے دیکھے تو اپنے مشیروں کو بلا کر مشورہ لیا۔

کا مفعول ثانی ہے۔ اور یہاں پر حرف جارہ اور موصول اوّل محذوف ہے۔ اصل عبارت یوں تھی "بای شیءٍ تامُرُوْنِی" یعنی فرعون نے کہا جب یہ معاملہ ہے تو اب تمہارا کیا مشورہ ہے۔ **قَالُوْٓا** مشیروں نے فرعون سے کہا **اَرْجِہْ** بہمزہ ساکنہ وہاء مضمومہ تھا الارجاء سے بمعنے التاخیر یعنی اسے مہلت دے **وَاَخَاہُ** اور اس کے بھائی ہارون علیہ السلام کو بھی موسیٰ علیہم السلام کے ذکر سے تعریض کی وجہ ظاہر ہے کہ اُن کی شہرت ایسی ہو گئی ہے کہ وہ جس طرح کے کرشمے دکھانا چاہتے ہیں دکھاتے جا رہے ہیں اس لئے کہ نام کی حاجت نہ رہی۔ اس جملہ سے فرعون کے مشیروں کا مقصد یہی تھا کہ اب اُن کے درپے آزار ہوتے ہیں عجلت مناسب نہیں بلکہ انہیں مہلت دیجئے **وَاَرْسِلْ فِی الْمَدَآئِنِ** یہ جار مجرور ارسل سے متعلق ہے اور مدائن مدینہ کی جمع ہے۔ مدینہ ہر اُس جگہ کو کہا جاتا ہے جو چار دیواری سے محفوظ اور اس پر کسی بادشاہ کا تسلط ہو۔ اور مصر میں ایک مخصوص خطہ تھا۔ جہاں جادوگروں کو تربیت دی جاتی تاکہ وہ بوقت ضرورت کام دیں۔ اب مطلب یہ ہوا کہ آپ اپنے سپاہی ان مدائن کی طرف بھیج دیجئے۔ **حٰشِرِیْنَ** ۙ اس کا مفعول محذوف ہے دراصل **حٰشِرِیْنَ السَّحَرَۃَ** تھا۔ مطلب یہ ہے کہ مدائن کے تمام جادوگروں کو جمع کر کے تیرے ہاں حاضر کریں۔

یَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِیْمٍ ہر ماہر جادوگر کو تیرے ہاں لائیں گے۔

فائدہ سحر لغت میں اعجوبہ ظاہر کر کے لطیف حیلہ کرنا ایسے ہی ہر مخفی امر کو سحر سے تعبیر کرتے ہیں اسی لئے رات کے آخری حصہ کو سحر کہا جاتا ہے کہ اندھیرے کی وجہ سے شخص کا تشخص پوشیدہ ہوتا ہے اور ریہ کو اس لئے سحر کہا جاتا ہے کہ گلے کے کسی وقت بھول جانے اور کمزور پڑ جانے سے پوشیدہ ہوتا ہے۔

فائدہ منقول ہے کہ ہر زمانہ میں جادو ہوتے لیکن جتنا زور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تھا ایسے کسی زمانہ میں نہ ہوا اور نہ ہو گا ان کے زمانہ میں جادوگروں کے سردار مدائن کے خطہ میں رہتے تھے تفسیر و میاطی میں ہے کہ خطہ مدائن میں دو بھائی جادوگر فن جادو میں یکتا تھے اور انہیں فن سحر پہ پورا پورا عبور تھا جب ان کے پاس فرعون کا پیغام پہنچا تو وہ ماں سے کہنے لگے کہ ہمیں ہمارے باپ کی قبر پر لے چلیئے تاکہ ہم اس سے مشورہ لے لیں۔ چنانچہ باپ کی قبر پر حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ فرعون کے ہاں دو ایسے آدمی آئے ہیں جنہوں نے اس پر زمین تنگ کر دی ہے۔ ان کے ہاں ایک عصا ہے جسے وہ سانپ بنا دیتے ہیں جو شئے اُس کے آگے آتی ہے وہ اُسے کھا جاتا ہے بتلایئے ہم اس کا مقابلہ کریں یا نہ۔ قبر سے آواز آئی کہ وہاں پہنچ کر معلوم کرنا کہ وہ عصا اُن کی نیند کے وقت بھی اژدھا ہو جاتا ہے یا نہ۔ اگر نیند کے وقت بھی سانپ ہو جاتا ہے تو سمجھنا کہ وہ جادو نہیں۔ اس لئے کہ جادوگر کا جادو خواب کے وقت جاری نہیں ہو سکتا۔ یہ جواب سُن کر وہ جادوگر اپنے شاگردوں کے ساتھ فرعون کے ہاں پہنچ گئے۔ بارہ ہزار تھے۔ زاد المسیر میں لکھا ہے کہ وہ ستر ہزار تھے۔

فائدہ اتنی بڑی تاخیر سے فرعونیوں نے سمجھا کہ وہ اس کی تقدیر تبدیل کر لیں گے انہیں کیا معلوم کہ حق ہمیشہ غالب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر کون بدل سکتا ہے اور جب اس کا حکم جاری ہوتا ہے تو اُسے کوئی نہیں ٹال

سکتا۔ وہاں نہ علم کو کوئی چارہ ہوتا ہے اور نہ ہی کسی کا فہم و ذکا کام کر سکتا ہے۔

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ اور وہ جادوگر فرعون کے پاس حاضر ہوئے جبکہ اُن کے ہاں جمع کرنے والوں نے انہیں بلایا۔ قَالُوْٓا انہوں نے اپنے غلبہ پر یقین کرتے ہوئے کہا۔ اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ بے شک ہمارے لئے بڑا انعام ہوگا اگر ہم غالب ہوگئے بطریق اخبار کہا کہ انعام ملے گا اور یہ انعام وجوبی طور ہوگا یا انہوں نے یہ انعامی بات بطور استفہام تقریری کے کہا اس لئے کہ یہاں ہمزہ استفہام محذوف ہے ان کا اِنْ كُنَّا نَحْنُ بطور شک و تردّد کے نہیں تھا بلکہ ثبوت اجر کے موقوف علیہ کے یقین کے لئے کہا۔ اور ضمیر کو درمیان میں لانا اور خبر کو لام سے خالی رکھنا قصر کے لئے ہے یعنی اس وقت ہم ہی غلبہ پائیں گے اور موسیٰ علیہ السلام کے غلبہ پانے کا وہم و گمان تک بھی نہ تھا قَالَ نَعَمْ فرعون نے کہا ہاں تمہارے لئے بہت بڑا انعام ہوگا۔ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ اور تم میرے ہاں بلند مرتبت ہوگے۔

فائدہ کلبی نے کہا اس سے فرعون کا مطلب یہ تھا کہ میری کچہری میں سے تمہیں حاضری کی اجازت ہوا کرے گی اور کچہری برخاست کے وقت سب سے بعد کو تم جایا کرو گے (اور یہ ان کے ہاں بڑا اعزاز سمجھا جاتا تھا)۔

تفسیر صوفیانہ فرعون کے منہ سے مقربین کا کلمہ صدق و حق کے طور نکلا کہ واقعی وہ لوگ مقربین حق ہو گئے جبکہ انہیں موسیٰ علیہ السلام سے حق قبول کرنا نصیب ہوا۔ (التاویلات النجمیہ)

فرعون کے جادوگروں میں تردّد کا آغاز منقول ہے کہ فرعون کے جادوگروں کے سردار چار تھے دو بھائی جن کا ابھی ذکر کیا گیا۔

① مسمی بہ شابور۔

② غادور اور دو اور تھے۔

③ حطط۔

④ مقفی اور لباب میں مذکور ہے کہ ان چاروں کا ایک سردار تھا شمعون۔

جب یہ جادوگر مصر پہنچے تو شابور و غادور نے اپنے باپ کے سوال و جواب کے متعلق استفسار کیا۔ فرعون نے کہا موسیٰ علیہ السلام جب آرام فرماتے ہیں تو اُن کا عصا اژدہا بن کر اُن کی نگرانی کرتا ہے انہیں اس سے دل میں تردّد پیدا ہوا کہ جب ہمارے والد کا فرمان کے مطابق یہ جادوگر نہیں تو پھر ان کا مقابلہ کس طرح ہوگا۔ لیکن مقابلہ کے لیے بدستور تیار رہے۔ جب فرعون نے اُن کا مناظرہ موسیٰ علیہ السلام سے کرنے کا انتظام کیا تو فرعون اپنے محل کے بالاخانہ پر نظارہ دیکھنے کے لئے بیٹھا اور مصر کے تمام لوگ مناظرہ گاہ میں جمع ہوئے۔ ستر ہزار جادوگر ایک طرف تھے۔ ادھر موسیٰ و ہارون علیہما السلام تھے۔ مناظرہ کے وقت فرعون کے جادوگر نے موسیٰ علیہ السلام کے ہاں باادب حاضر ہو کر عرض کی۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ اے موسیٰ علیہ السلام یا آپ پہلے اپنا عصا مبارک پھینکیے وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ۝ یا پھر ہم اپنی رسیاں اور ڈنڈے ڈالتے ہیں۔

باادب بانصیب انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو اختیار دیا اس لئے کہ لفظ اما تخییر کے لئے آتا ہے اس پر حرف عطف کا اطلاق مجازاً ہوتا ہے اس لئے مفسرین نے فرمایا کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کا ادب کیا تو انہیں دولت ایمان نصیب ہوئی[1]۔

قَالَ اَلْقُوْا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا پہلے تم ڈالو۔

سوال حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں جادو کا حکم کیوں فرمایا۔ حالانکہ جو شے ناجائز ہو اس کا امر بھی ناجائز؟

جواب ① یہاں پر شرط محذوف ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ کرلو اپنا کام۔ اگر تم حق پر ہو جیسا کہ تمہارا گمان ہے۔

جواب ② اس لئے یہ بھی اس کا امر فرمایا تاکہ معجزہ کے لئے تاکید ہو جائے۔

جواب ③ قاضی صاحب نے فرمایا کہ یہاں مطلق القوا ہے۔ اس سے جادو کے علاوہ کوئی دوسرا امر بھی مراد ہوسکتا ہے وہ یہ کہ القوا کرمًا تسامحًا یا یوں کہو کہ اُن کی تحقیر کرتے ہوئے اَلْقُوْا فرمایا اس لئے کہ اُنہیں پورا یقین تھا کہ فرعون کے جادوگر میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادو کو مباح فرمایا نہ ہی کفر سے راضی ہوئے۔ اب معنے یہ ہوا کہ ڈالو جو کچھ ڈالنا چاہتے ہو۔

سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ تو انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو چلا دیا۔ اس لئے کہ بے حقیقت اشیا کو اُن کے دلوں میں خیال ڈالا۔

فائدہ ابن الشیخ نے فرمایا کہ اُن کی آنکھیں ایسی بدل ڈالیں کہ انہیں وہی نظر آتا جو کہ وہ چاہتے تھے اس سبب سے کہ جو کچھ انہوں نے مکر و فریب کا پروگرام بنایا۔

وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ استفعال یہاں پر بمعنے افعال ہے اور سین اس فعل کی تاکید کے لئے ہے یعنی اُن کے ڈرانے پر جتنا زور لگانا تھا لگایا وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ اور بڑا جادو لائے۔

اعجوبہ منقول ہے کہ انہوں نے بہت بڑی اور موٹی رسیاں جمع کیں ان کے ساتھ بڑی اور موٹی لکڑیاں بھی۔ وہ دور سے ایسے محسوس ہوتیں کہ گویا وہ بڑے اور موٹے سانپ ہیں۔ پھر ان رسیوں کو انہوں نے کالے سیاہ تیل سے لتھڑ پتھڑ کیا۔ تیل کی طرف ڈنڈوں کی طرف کردی جونہی اُن پر سورج کی گرمی نے اثر ڈالا تو وہ متحرک ہوگئیں اور متحرک ہوکر ایک دوسرے سے چمٹیں اور چونکہ وہ کثیر تھیں اسی لئے لوگوں کو محسوس ہوا کہ وہ اپنے اختیار سے متحرک ہوکر ایک دوسرے سے چمٹ رہی ہیں اور گویا وہ میدان سانپوں سے بھر گیا ہے۔ حالانکہ انہوں نے ہاتھ کے کھیل سے ایک کرشمہ دکھایا۔

تفسیر عالمانہ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ۚ اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ آپ اپنا عصا مبارک زمین پر پھینک دیجئے۔ جب انہوں نے یعنی موسیٰ علیہ السلام نے اسے زمین پر پھینکا تو وہ جادوگروں کی بناوٹی چیزوں کو نگلنے لگا۔ اس آیت میں فا فصیحہ ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام نے جونہی عصا زمین پر پھینکا تو وہ سانپ بن گیا اور تلقف بمعنے تلقم یعنی لقمہ کرنا اور نگلنا تھا۔ یہ لقف یلقف

---

[1] اس موضوع پر فقیر کا ایک رسالہ ہے [illegible]

بروزن علم یعلم سے مشتق ہے اور اہل عرب کہتے ہیں لقفتہ و القفتہ تلقفتہ و تلقفتہٗ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی شئے کو جلدی سے پکڑ کر کھا جائے اور فوراً نگل بھی دے اور یافکون بمعنے یزورونہٗ" افک سے مشتق ہے اس کا لغوی معنے بدلنا اور شئے کو اپنی حیثیت سے پھیرنا ہے ۔

اعجوبہ مروی ہے کہ جب جادوگروں کی رسیوں اور ڈنڈوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا مبارک نے جلدی سے جھپٹ کر سب کو کھا لیا تو وہ حاضرین مجلس یعنی تماشائیوں اور خود جادوگروں کی طرف متوجہ ہوا تو وہ ڈر کے مارے بھاگے اور جلدی میں ایک دوسرے پر گرے تو ہزاروں کی تعداد میں مر گئے ۔ (یا اُن کی تعداد صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے) اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے اپنے ہاتھ میں لے لیا تو پھر عصا بن گیا ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اس کی ساخت والی ہیئت کو مٹا دیا یا اس کے غلیظ اجزا کو لطیف ترین بنا دیا ۔ جادوگروں نے یہ کیفیت دیکھ کر فیصلہ کیا کہ اگر یہ عصا بھی جادو ہوتا تو اس کے ختم ہو جانے کے بعد ہماری رسیاں اور ڈنڈے باقی بچ رہتے ۔

فَوَقَعَ الْحَقُّ حق واضح ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام اپنے دعویٰ (اِنِّیْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ بے شک میں رب العالمین کا رسول ہوں) میں سچے ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے سے معجزہ فرما کر اُن کی تصدیق فرمائی **وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ؕ** اور وہ جو عمل کرتے تھے باطل ہوا یعنی ان کا دائمی عمل یعنی سحر کا بطلان ظاہر ہو گیا **فَغُلِبُوْا** پس فرعون اور اس کے متبعین مغلوب ہو گئے **هُنَالِكَ** اس مجلس یعنی تماشہ گاہ میں **وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ۚ** اور ہو گئے وہ ذلیل اور متحیر ۔ یہاں انقلاب معنے صیرورۃ ہے **وَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سٰجِدِیْنَ ۚ** اور گرے جادوگر سر سجدہ میں رکھ کر وہ ایسے گرے کہ گویا گرانے والے نے انہیں گرایا ہے اس لئے کہ اس واقعہ کے بعد فوراً ہی انہوں نے سر سجدہ میں رکھ دیا ۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ گویا انہیں کسی نے جبراً زمین پر گرا دیا ہے اور ایسے کیوں نہ ہوتا جبکہ انہیں حق نے حیران کر دیا اور سجدہ کرنے پر مجبور ہو گئے ۔

فائدہ آیت میں استعارہ تمثیلیہ ہے اس لئے کہ جب انہوں نے معجزہ دیکھ کر جلدی سجدہ کیا تو ان کی اس حالت کو منہ کے بل گرنے والے سے تشبیہ دی اور اُن کے حال کو مشبہ بہ کے حال سے تعبیر کیا گیا ۔

قَالُوْا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ رَبِّ مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ ○ انہوں نے کہا کہ ہمارا رب العٰلمین یعنی موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے رب پر ایمان ہے ۔

سوال جب رب العٰلمین کہا تو پھر رب موسیٰ کے بعد ہارون کے کہنے کی کیا ضرورت تھی ؟

جواب تاکہ کسی کو وہم و گمان نہ ہو کہ رب العٰلمین سے فرعون مراد ہو اس لئے کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی بچپن میں تربیت کی تھی نہ کہ ہارون علیہ السلام کی ۔ بنا بریں ہارون السلام کی تصریح سے وہم مذکور رفع ہو گیا ۔

فائدہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تمام جادوگر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور بنی اسرائیل سب کے

سب آپ کے ساتھ ہو گئے۔ جن کی تعداد چھ لاکھ تھی۔

قَالَ فِرْعَوْنُ فرعون نے جادوگروں پر انکار کر کے جھڑک دے کر کہا **اٰمَنْتُمْ بِهٖ** ایک ہمزہ ہو تو اخبار نہیں ہے لیکن توبیخ کے متضمن ہیں اگر اسے استفہام توبیخی کے طور مانا جائے تو اس میں ہمزہ استفہام ہے (جیسے اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا میں تقریر گزری)۔ **قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ** قبل اس کے تمہیں اجازت دیتا یعنی میری اجازت کے بغیر تم نے ایمان کیوں قبول کیا۔ یہ عبارت بغیر اَنْ (اٰذَنَ لَكُمْ قبل ان تنفد کلمات رَبِّیْ) کی طرح ہے وہاں بھی بغیر ان تنفدالخ عبارت ماننی پڑتی ہے۔ اگرچہ یہ ناممکن تھا کہ وہ فرعون انہیں ایمان باللہ کی اجازت دیتا۔ **اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ** یعنی جو کچھ تم نے کیا ہے تم نے معجزہ یا کوئی مضبوط دلیل دیکھ کر ایمان قبول کیا ہے غلط اور حال کے تقاضا کے خلاف ہے البتہ یوں کہا جائے کہ یہ ایک حیلہ (مکر و فریب) ہے جو تم نے موسیٰ علیہ السلام سے ساز باز کر لی ہو گی مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جادوگروں کے سردار سے مناظرہ سے پہلے ملاقات ہو گئی تو آپ نے اُس سے فرمایا کہ اگر میں تجھ پر غالب ہو گیا تو تمہیں مجھ پر ایمان لانا پڑے گا اور میرے لائے ہوئے پیغامات الٰہیہ کو مانو گے انہوں نے کہا کہ اگر آپ غلبہ پا گئے تو ہم آپ پر ایمان لائیں گے۔ اُن کی اس گفتگو کو فرعون سُن رہا تھا اس لئے اُس نے جھڑک دیتے ہوئے یہی کہا۔ **لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا** تاکہ تم مصر کے شہریوں کو مصر سے نکال کر تم اور بنی اسرائیل اس کے مالک بن جاؤ۔ **فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝** پس عنقریب تم اپنے کئے کا انجام دیکھ لو گے۔ یہ اجمالی تہدید تھی اب اُس کی تفصیل بتاتا ہوں۔

لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ (خلاف طرفوں سے میں تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالوں گا)۔ یعنی دایاں ہاتھ ہو گا تو بایاں پاؤں۔ **ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝** (پھر میں تم سب کو سولی پر چڑھاؤں گا)۔ یعنی دریائے نیل کی کھجوروں کی ٹنڈوں پر تم سب کو سولی کے طور چڑھا دوں گا جس سے تمہارے لئے عذاب اور دوسروں کے لئے عبرت ہو گی۔

فائدہ بعض مفسرین نے کہا کہ یہ طریقہ سب سے پہلے اسی فرعون نے جاری کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہی سزا عذاب ڈاکوؤں کے لئے مشروع رکھا تاکہ معلوم ہو کہ ڈاکہ زنی بہت بڑا جرم ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا نام محاربۃ اللہ ورسولہ رکھا۔

قَالُوْا جادوگروں نے (جو کہ اب اہل ایمان تھے) اپنے ایمان پر ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے **اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۝** بے شک ہم اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے والے ہیں (یعنی موت ایک دن آنے گی ہی) ابھی یا دیر سے۔ پھر ہمیں تیری زجر و توبیخ کا کیا خطرہ۔ ہمیں اپنے ربِّ کریم کی رحمت اور ثواب پر امید ہے۔ اس لئے کہ ہم نے مرنے بعد اسی کے ہاں حاضر ہونا ہے اگر تو ہمارے ساتھ اپنی وعید پوری کرے گا تو حرج کوئی بھی نہیں گویا وہ حضرات اس کی وعید سے الٹا خوش ہوئے انہیں اللہ تعالیٰ کی زیارت کا شوق پیدا ہو گیا۔

مثنوی شریف میں ہے

① جانہائے بستہ اندر آب و گل
چوں رہند از آب و گلہا شاد دل
② در ہوائے عشق حق رقصاں شوند
ہمچو قرص بدر بے نقصاں شوند
③ حق نقاب تن نرفت از روئے روح
بقائے دوست دارد صد فتوح
④ میزند جاں درجہاں آبگوں
نعرہ یا لَیۡتَ قَوۡمِیۡ یَعۡلَمُوۡن

ترجمہ: ① جانیں آب و گل سے وابستہ ہیں جب آب و گل سے میرا دل شاد ہو گا
② عشق کی خواہش میں رقص کریں گے چودھویں شب کے چاند کی طرح کامل ہوں گے۔
③ جب تک روح سے جسم کا پردہ نہ اترا اس کے لئے دوست کے دیدار کا پردہ نہ کھل سکا۔
④ رنگ و رنگ جہان میں روح زور زور سے پکارتی ہے کاش میری قوم کو علم ہوتا۔

وَمَا تَنۡقِمُ مِنَّاۤ اور ہمیں اس سے کوئی عیب نہیں اِلَّاۤ اَنۡ اٰمَنَّا بِاٰیٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتۡنَا مگر یہ کہ ہمارے ہاں جب اللہ تعالیٰ کے آیات و براہین آئے تو ہم ان پر ایمان لائے) اور یہی ایمان خیر الاعمال و اصل المناقب ہے۔ اس سے ہٹنا اور ایمان جیسی دولت چھوڑ کر تیری رضا طلب کرنا اب ہمارے بس کی بات نہیں رہی۔ جادوگروں نے فرعون کو ڈٹ کر جواب دے کر اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے ہوئے عرض کی۔ رَبَّنَاۤ اَفۡرِغۡ عَلَیۡنَا صَبۡرًا اے ہمارے رب کریم ہمیں صبر کی توفیق بخش) جب فرعون اپنی وعید کو عملی جامہ پہنائے تو ہمیں صبر سے بھرپور فرما جیسے پانی شے کو گھیر لیتا ہے۔

حل لغات افراغ اوپر سے نیچے پانی ڈالنے کو کہا جاتا ہے یہ بھی استعارہ ہے کہ فرعون کی وعید پر صبر کو گھیرنے والے پانی سے تشبیہ دی ہے یہ ایسی تشبیہ ہے جو صرف مفہوم و معنی سے تعلق رکھتی ہے پھر اسے صبر کو پانی کی طرح ڈالنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف خیالی کی گئی ہے اسے استعارہ بالکنایہ کہتے ہیں اس لئے کہ افراغ پانی کے لزوم اور اس کے کثیر ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

وَّتَوَفَّنَا مُسۡلِمِیۡنَ۠ اور ہمیں مسلمان کر کے فوت فرما یعنی جس دولت ایمان سے ہمیں نوازا ہے اس پر ثابت قدم رکھ۔ اور ہمیں فرعون کے ڈرانے دھمکانے سے پھر کفر میں مبتلا نہ فرما۔

فائدہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ فرعون اُن پر غلبہ نہ پا سکا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے وعدہ فرما چکا تھا اَنْتُمَا وَ مَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ تم اور تمہارے تابعدار ہمیشہ غالب رہیں گے۔

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ فرعون جادوگروں سے یہ کہہ کر ان کے ہاتھ پاؤں کاٹنے لگا اور فوراً ہی کھجوروں کے ٹنڈوں پر مصر کے کنارے سُولی پر چڑھا دیا۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

ساحراں چوں حق لبشناختند

دست و پا در جرمہا درباختند

ترجمہ: ساحروں نے جب حق پہچانا تو ہاتھ پاؤں اللہ کے راہ میں قربان کر دیئے۔

تفسیر صوفیانہ قصہ میں اشارہ ہے کہ فرعون سے نفس مراد ہے اور وہ اپنے صفات کے ایمان کا منکر ہے بلکہ انہیں زجر و توبیخ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ تم میری اجازت کے بغیر موسیٰ یعنی رُوح پر کیوں ایمان لائے ہو۔ پھر نفس انہیں کہتا ہے کہ اے صفات کے جادوگرو یہ تمہارا مکر و فریب ہے جو تم نے موسیٰ یعنی روح کے ساتھ مل کر کیا ہے یعنی مدینہ قالب (جسم) میں تم نے روح سے موافقت کر لی تاکہ تم اس کے مکینوں یعنی لذات دنیا اور اُس کے شہوات کو نکال کر باہر پھینکو۔ عنقریب تم میری گرفت اور سزا کو معلوم کر لو گے کہ میں کوشش کر کے تمہاری کارروائی کو باطل کر دوں گا۔ اور دنیا کی لذات و شہوات پر اُبھاروں گا اور تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالوں گا) یعنی اعمال صالحہ سے تمہیں دلبرداشتہ کر دوں گا۔ اس کے بعد تم سب کو دنیوی تعلقات کی سولی پر چڑھا دوں گا اور تمہارے دل میں دنیا کے نقش و نگار سما جائیں گے۔ رُوح اور اُس کے متعلقین نے جواب دیا کہ ہم تو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع رکھتے ہیں۔ ہمیں دنیوی آرائش سے کیا غرض اور اس میں ہمیں عیب بھی نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہمیں دنیوی تعلقات سے آزاد فرما کر اپنی عبودیت میں موت عنایت فرما۔ (آمین)

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰی وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا

اور قوم فرعون کے سردار بولے کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو اس لیئے چھوڑتا ہے کہ وہ

فِی الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ

زمین میں فساد پھیلائیں اور موسیٰ تجھے اور تیرے ٹھہرائے ہوئے معبودوں کو چھوڑ دے

وَنَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ قَالَ مُوْسٰی

بولا اب ہم ان کے بیٹوں کو قتل کریں گے اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رکھیں گے اور ہم بے شک ان پر غالب ہیں موسیٰؑ نے اپنی قوم سے فرمایا

لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ

اللہ کی مدد چاہو اور صبر کرو بے شک زمین کا مالک اللہ ہے اپنے بندوں میں جسے چاہے

يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾

وارث بنائے اور آخر میدان پرہیزگاروں کے ہاتھ ہے

قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ

بولے ہم ستائے گئے آپ کے آنے سے پہلے اور آپؑ کے تشریف لانے کے بعد

قَالَ عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِی

کہا قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کرے اور اس کی جگہ زمین کا مالک تمہیں بنائے

الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ع

پھر دیکھے کیسے کام کرتے ہو

تفسیر عالمانہ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اور فرعون کی قوم کے لیڈروں نے کہا۔ مروی ہے کہ جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھے یعنی عصا اژدہا اور ید بیضا تو تو اُس کا خوف بڑھا اسی لئے اُس نے موسیٰ علیہ السلام کا تعرض نہ کیا اور انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا۔ لیکن ان کی قوم کے بڑوں نے اسے کہا کہ اَتَذَرُ مُوْسٰی وَقَوْمَهٗ کیا تم موسیٰ علیہ السلام اور اس کی قوم کو چھوڑ رہے ہو لِيُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ تاکہ وہ زمین پر فساد ڈالیں۔ یعنی مصر میں اپنے دین کو رائج کر کے فساد ڈالیں گے بلکہ یہاں تک کہ لو[illegible] کو تیری پیروی سے پھیرلیں گے وَيَذَرَكَ اس کا لِيُفْسِدُوْا پر عطف ہے وَاٰلِهَتَكَ ؕ اور وہ تجھ کو اور تیرے معبودوں کو چھوڑ دے گا۔

فائدہ فرعون ستاروں کی پوجا کرتا تھا۔ لیکن تفسیر فارسی میں لکھا ہے کہ صحیح تر یہ ہے کہ فرعون نے اپنے مجسمے تیار کرا کر عوام کو اُن کی پرستش کا حکم دے رکھا تھا اور کہا تھا کہ اُن کی پرستش سے تم میرے قریب ہو جاؤ گے اس لئے انہیں کہا تھا (اَنَا رَبُّکُمُ الاَعْلیٰ)۔ لیڈروں کے سوال کے جواب میں کہا۔

قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَ هُمْ عنقریب ہم اُن کی نرینہ اولاد قتل کر دیں گے **وَنَسْتَحْیٖ نِسَآءَ هُمْ** (اور اُن کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیں گے)۔ پھر جب وہ جوان ہوں گی تو ہم اُن سے خدمت کرائیں گے۔ اس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ ہم اُن کے ساتھ وہی کاروائی کریں گے جو بوقت ولادت موسیٰ علیہ السلام کے کی تھی اور انہیں بتا دیں گے کہ ہمیں تمہارے اوپر بدستور قبضہ اور غلبہ ہے۔ اور انہیں یہ وہم نہ چاہیئے کہ یہ وہی لڑکا ہے جس کے متعلق کاہنوں اور جادوگروں نے خبر دی تھی کہ وہ آ کر فرعون سے ملک چھین لے گا۔ **وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ** (اور ہم ان پر غالب ہیں) یعنی ان پر بدستور غلبہ رکھتے ہیں اور ہم موسیٰ علیہ السلام کے مناظرہ جیت جانے کے بعد گھبرا نہیں گئے اور نہ ہی مغلوب ہوئے ہیں بلکہ ہم اب بھی قوت و غلبہ رکھتے ہیں۔

قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے تسلی دیتے ہوئے فرمایا جب انہوں نے فرعون کی دھمکی سنی اور اس کے مقابلہ سے وہ عاجز بھی تھے تو موسیٰ علیہ السلام سے شکایت کے طور کہا تو آپ نے انہیں حسن انجام کی رہبری فرمائی کہ **اسْتَعِیْنُوْا بِاللّٰهِ** (اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو) تاکہ تمہارے سے فرعون کی شرارت دور فرمائے۔ **وَاصْبِرُوْا اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ** قف بے شک تمام زمین (اس میں مصر بھی ہے) اللہ تعالیٰ کی ہے **یُوْرِثُهَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ** اپنے بندوں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے **وَالْعَاقِبَةُ** نیک عاقبت یا فتح و نصرت یا بہشت **لِلْمُتَّقِیْنَ** متقیوں کے لئے ہے منجملہ اُن کے تم بھی ہو۔

فائدہ مروی ہے کہ جب فرعون کے جادوگر مغلوب ہوئے اور انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا یقین ہو گیا کہ اس کے دلائل و براہین واضح ہو چکے تھے تو بنی اسرائیل سے چھ ہزار افراد موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور شرک و گناہوں سے بچ گئے۔

مسئلہ آیت سے معلوم ہوا کہ ہر کام میں استعانت اور تکالیف پر صبر کرنا بھی تقویٰ کا ایک باب ہے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ فرماتے ہیں ؎

آنکہ پیرانہ سرم صحبت یوسف بنواخت
اجر صبریست کہ در کلبہ احزان کردم

ترجمہ: مجھے بڑھاپے نے صحبت یوسف بخشی میں نے مدتوں تک صبر کیا یہ اس کا اجر ہے۔

قَالُوْا (بنی اسرائیل نے کہا) **اُوْذِیْنَا** (فرعون سے ہم ایذا دیئے گئے) **مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِیَنَا** آپ کی

تشریف آوری سے پہلے۔ اس سے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے دعویٰ سے پہلے کا وہ وقت مراد ہے جو موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے ایام تھے۔ وَمِنۢ بَعۡدِ مَا جِئۡتَنَا اور آپ کی تشریف آوری کے بعد بھی۔ اس سے اُن کی یہی مراد ہے کہ فرعون نے نہ صرف انہیں دھمکی دی بلکہ عمل کرکے دکھلائے گا۔ کیونکہ انہیں یقین تھا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کی عداوت میں اس طرح کے ظلم وستم اور عذاب کرتا رہتا ہے۔

قَالَ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھا کہ بنی اسرائیل فرعون کی دھمکی سے سخت مضطرب ہیں تو آپ نے انہیں صراحۃً تسلی سے نوازا۔ اگرچہ اجمالی طور ان لارض لِلّٰہ الخ میں پہلے بھی تسلی دی لیکن اب کھلے الفاظ سے فرمایا کہ عَسٰی رَبُّكُمۡ اَنۡ یُّهۡلِكَ عَدُوَّكُمۡ۔ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کو تباہ وبرباد کردے گا۔ یعنی تمہارا وہ دشمن جس نے سابقًا تمہارے ساتھ ظلم وستم کئے اور اب اُس کی دھمکیاں دیتا ہے اس کے ہلاک وبرباد ہونے کا وقت قریب ہوگیا ہے۔

قاعدہ عسیٰ عسیٰ اگر بندے سے ہو تو اسمیں اُس کی خبر میں طمع دلانا مطلوب ہوتا ہے اگر اللہ تعالیٰ سے ہو تو اُس کی خبر کا وقوع یقینی ہوتا ہے۔ اس لئے کہ کریم جب طمع دلاتا ہے تو اُسے پورا فرماتا ہے۔ ایسا کہ گویا اس نے وہی امر اپنی ذات کے لئے واجب کردیا ہے (اگرچہ فی نفسہٖ اس کے لئے وہ امر واجب نہ ہو)۔

وَیَسۡتَخۡلِفَكُمۡ فِی الۡاَرۡضِ اور تمہیں زمین مصر اور بیت المقدس کا جانشین بنائے گا۔ فَیَنۡظُرَ نظر سے کبھی اس سے نگاہ پھیر کر کسی شے کو دیکھنا مراد ہوتا ہے اور اسی دیکھی ہوئی شئے پہ امر کا ترتب مطلوب ہوتا ہے لیکن یہ ہر دونوں معانی اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے محال ہیں۔ بنا بریں تاویلًا کہنا پڑا کہ یہاں نظر کی غایت مراد ہے یعنی نظر بمعنے رؤیت یعنی اظہار ہے كَیۡفَ تَعۡمَلُوۡنَ یعنی پھر دیکھیں گے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ نیک یا بد تاکہ تمہیں تمہارے عمل کے مطابق جزا وسزا دے یعنی تم میں سے ظاہر ہوں گے کہ شکر کون کرتا ہے تو کفرانِ نعمت کون۔ طاعت کون کرتا ہے تو نافرمانی کون۔

حدیث شریف میں ہے کہ دنیا میٹھی اور سبز باغ کی طرح ہے یعنی اس کا منظر عجیب ہے کہ دیکھنے والا پھنس جاتا ہے دنیا سے کبھی اس کی صورت اور اُس کے ساز وسامان مراد ہیں اور سبزے سے اس لئے تعبیر کرتے ہیں کہ جیسے سبزیاں سریع الزوال ہیں اسی طرح دنیا جلد ہلاک اور تباہ ہونے والا ہے اس سے اصل مقصد یہ ہے کہ دنیا دھوکہ کا سرچشمہ ہے۔ اس کے حسن وجمال کو دیکھ کر لوگ فریفتہ ہوجاتے ہیں اور اس کی چاشنی میں مکھی کی طرح پھنس جاتے ہیں۔

فائدہ زمین میں تمہیں خلیفہ بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے مال ومتاع اور اسباب تمہاری ملکیت نہیں بلکہ تمہیں عارضی طور دیئے گئے ہیں جیسے خلیفہ شئی کا حقیقی مالک نہیں ہوتا بلکہ وہ مالک کی طرف سے چند لمحات کا عارضی ملکیت رکھتا ہے۔ اسی طرح انسان کو بھی یقین ہو کہ ان تمام اشیاء کا مالکِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اور ہم تو چند روز اس کے

وکیل بن کر تصرف کرنے کے مجاز ہیں۔

فائدہ خلیفہ بنا کر پھر اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے کہ تم انہیں کس طرح تصرف کرتے ہو۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے اسلاف کا خلیفہ بناتا ہے کہ ان کو موت دے کر ان کا مال و اسباب تمہارے قبضہ میں دیتا ہے۔ پھر دیکھتا ہے کہ کیا تم اپنے اسلاف کے حالات سے عبرت پکڑتے ہو یا نہ اور اُن کے انجام پر تمہیں نظر ہے یا نہ؟ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

① نرود مرغ سوئے دانہ فراز
چوں دیگر مرغ بیند اندر بند

② پند گیر از مصائب دگراں
تا نگیرند دیگراں ز تو پند

ترجمہ: ① وہ پرندہ جال کے قریب نہیں جاتا جب دیکھتا ہے کہ دوسرا پرندہ قید میں ہے۔
② تم دوسروں سے نصیحت لو ایسا نہ ہو کہ دوسرے تجھ سے نصیحت لیں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ نفس فرعون کو جب خواہشات اور غضب اور کبر وغیرہ نے کہا کہ کیا تو موسیٰ یعنی روح اور اُس کی برادری یعنی قلب و سِر اور عقل کو چھوڑتا ہے تاکہ وہ بشریت کی زمین پر فساد برپا کریں اور تاکہ تجھے اور تیرے معبودوں (نفس کا معبود دنیا اور شیطان اور طبع ہے) کو چھوڑ دیں۔ فرعون یعنی نفس نے انہیں جواب دیا کہ میں اُن کے بیٹوں یعنی روح و قلب اور نفس کے صفات یعنی اعمال صالحہ کو ریا و عجب اور حیلہ سے ضائع کرا دوں گا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دوں گا۔ یعنی نفس کے وہ صفات جن سے اعمال کا صدور ہوتا ہے اور میں مکر و فریب اور حیلہ سازی میں ان سب سے اونچا ہوں۔ اس پر موسیٰ یعنی رُوح نے اپنی برادری یعنی قلب و عقل اور سِر سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو اور نفس سے جہاد اور اس کی مخالفت اور حق کی اتباع میں صبر کرو اس لئے کہ بشریت اللہ تعالیٰ کی ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے عنایت فرماتا ہے۔ سعادت مندوں کی بشریت کی زمین روح کے حوالہ فرماتا ہے اور اس کے صفات بھی۔ بنا بریں وہ انہی صفات سے موصوف ہوتا ہے اور بدبختوں کی بشریت اور اس کے صفات بدبختوں کے سُپرد فرماتا ہے۔ اس لئے کہ وہ انہی اوصاف مذمومہ سے موصوف ہوتا ہے اور اچھا انجام یعنی خیر و سعادت اتقیاءً و سعداً کو نصیب ہوتی ہے۔ روح کی برادری نے روح سے کہا کہ ہم تیرے بالغ ہونے سے پہلے جبکہ تو ہمارے ہاں واردات لے کر نہیں آیا تو بھی ہم ایذا دیئے گئے یعنی اوصاف بشریت اور اس کے معاملات سے ہم کو ایذا پہنچی تھی اور اب بھی تمہارے بلوغ کے بعد جبکہ واردات و الہامات کو لائے ہو تو بھی بشریت کے دواعی سے ہم ایذا پاتے ہیں رُوح نے جواباً

(باقی ص۴۲ پر)

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ

اور بے شک ہم نے فرعون والوں کو ۔برسوں کے قحط اور پھلوں کے گھٹانے سے پکڑا کہ

لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿١٣٠﴾ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ

کہیں وہ نصیحت مانیں اور جب انہیں بھلائی ملتی کہتے یہ ہمارے لیئے ہے

وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا

اور جب برائی پہنچتی تو موسیٰؑ اور اس کے ساتھ والوں سے بدشگونی لیتے ۔ سن لو ان کے

طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٣١﴾ وَقَالُوْا

نصیبہ کی شامت تو اللہ کے یہاں ہے لیکن ان میں اکثر کو خبر نہیں اور بولے

مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٢﴾

تم کیسی بھی نشانی لے کر ہمارے پاس آؤ کہ ہم پر اس سے جادو کردو۔ ہم کسی طرح ایمان لانیوالے نہیں

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ

تو بھیجا ہم نے ان پر طوفان اور ٹیڑی اور گھن (یا کلنی یا جوئیں) اور مینڈک

وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۫ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا

اور خون جدا جدا نشانیاں، تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم قوم تھی ۔

مُّجْرِمِيْنَ ﴿١٣٣﴾ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ

اور جب ان پر عذاب پڑتا کہتے اے موسیٰؑ ہمارے لیئے

لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ

اپنے رب سے دعا کرو اس عہد کے سبب جو اس کا تمہارے پاس ہے بیشک اگر تم ہم پر عذاب اٹھادو گے

لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿١٣٤﴾ ۚ فَلَمَّا

تو ہم ضرور تم پر ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ کردیں گے پھر جب ہم ان

كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ

سے عذاب اٹھالیتے ایک مدت کے لیئے جس تک انہیں پہنچنا ہے جبھی وہ

يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ

پھر جاتے تو ہم نے ان سے بدلہ لیا تو انہیں دریا میں ڈبو دیا اس لیئے کہ ہماری آیتیں

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ

جھٹلاتے اور ان سے بے خبر تھے اور ہم نے اس قوم کو جو دبالی

الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا

گئی تھی اس زمین کے پورب پچھم کا وارث کیا

الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ

جس میں ہم نے برکت رکھی اور تیرے رب کا اچھا وعدہ بنی اسرائیل پر

اِسْرَآءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ

پورا ہوا بدلہ ان کے صبر کا اور ہم نے برباد کردیا جو کچھ فرعون اور اس کی قوم بناتی اور

قَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ

جو چنائیاں اٹھاتے تھے اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا پار اتارا تو ان کا گزر

فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى

ایک ایسی قوم پر ہوا کہ اپنے بتوں کے آگے آسن مارے تھے بولے اے موسیٰ !

اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

ہمیں ایک خدا بنادے جیسا ان کے لیئے اتنے خدا ہیں بولا تم ضرور جاہل لوگ ہو

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾

یہ حال تو بربادی کا ہے جس میں یہ لوگ ہیں اور جو کچھ کر رہے ہیں نرا باطل ہے

قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾

کہا کیا اللہ کے سوا تمہارا اور کوئی خدا تلاش کروں حالانکہ اس نے تمہیں زمانے بھر پر فضیلت دی

وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ

اور یاد کرو جب ہم نے تم کو فرعون والوں سے نجات بخشی کہ تمہیں بری مار دیتے

يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ط وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ

تمہارے بیٹے ذبح کرتے اور تمہاری بیٹیاں زندہ رکھتے اور اس میں تمہارے

مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾ ع

رب کا بڑا فضل ہوا

١٦ ع ٦

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ اور ہم نے آل فرعون کی گرفت کی۔ آل سے اُس کی قوم یا اُس کا دین قبول کرنے والے مراد ہیں۔ دراصل آل الرجل سے اس کے وہ مخصوص لوگ مراد ہیں جن پر اسے پُورا اعتماد ہو۔ بِالسِّنِيْنَ قحط سالی سے یہ سنۃ کی جمع ہے دراصل مطلق سال کو کہا جاتا ہے لیکن اب عموماً قحط سالی پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا ذکر عام چلتا ہے اور اس سے تاریخیں بتائی جاتی ہیں گویا یہ اس کا علم بن گیا ہے جیسے نجم مطلق ستارہ کو کہا جاتا ہے لیکن اب اس کا عموماً اطلاق ثریا پر ہوتا ہے۔

وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ۔ اور ثمرات کی کمی سے کہ ان کی کھیتی باڑی اور باغات پر کسی قسم کی آفتیں نازل کی جاتیں۔ یہ قحط سالی سے بھی سخت تر ہوتی۔ اس لیے کہ ثمرات انسانی غذا کا نام ہے جب غذا ہی نہ ہو تو پھر اس کی زندگی کی امید کہاں۔

فائدہ ۔ حضرت کعب رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ قربِ قیامت لوگوں پر ایک ایسا دور آئے گا کہ کھجور سے صرف ایک دانہ پیدا ہوگا۔

فائدہ ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں مذکورہ

(بقیہ صنکا سے)

کہا اللہ تعالیٰ دشمن نفس اور اُس کے اور اس کے صفات کو اللہ تعالیٰ وارداتِ ربانیہ سے مٹائے گا اور تمہارے سے اس کی تمام اذیتیں دفع فرمائے گا۔

فائدہ اس میں اشارہ ہے کہ نفس اور اس کے صفات کو مٹانے کے لئے وارداتِ روحانیہ کے ساتھ صفات ربوبیت کی تجلی بھی ضرورت ہے اس کے بعد تمہیں خلیفہ بنائے گا یعنی جب اللہ تعالیٰ اپنے صفات میں سے کسی صفت کا تجلیٰ ڈالے گا تو بشریت کی زمین نفس کے صفات کی کوئی صفت بھی باقی نہیں رہے گی بلکہ اُس کی جملہ صفات روح و قلب کے صفات سے تبدیل فرمادے گا۔ انہی صفات کے ساتھ تمہیں اپنا خلیفہ بنائے گا پھر دیکھے گا کہ تم اقامت عبودیت اور ربوبیت کی نعمتوں کا شکر کرتے ہو یا نہ۔ (التاویلات النجمیہ)۔

قحط سالی دیہاتوں اور بادیہ نشینوں میں اور ثمرات کی کمی شہریوں کو تھی۔

لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ۔ "تاکہ وہ اس سے نصیحت حاصل کریں اور انہیں یقین ہو کہ یہ شامت ان کے اعمال سیئہ کی وجہ سے ہے" تاکہ اس سے عبرت حاصل کر کے برائیوں اور سرکشی و عناد سے باز آجائیں۔

فائدہ: لفظ لَعَلَّ اَخَذْنَآ۔ کی علت کے لیے ہے۔

اللہ تعالےٰ کے افعال اگرچہ اسباب کے محتاج نہیں۔ لیکن چونکہ اسباب بندوں کی طرف منسوب ہوتے ہیں بنا بریں اس کا اطلاق اللہ تعالےٰ کے لیے جائز ہے۔ جیسا کہ اکثر اہل سنّت کا مذہب ہے یا اسے ترتب غایۃ کے لیے لایا گیا ہے کہ غایت فعل کے ثمرہ کا نام ہے پھر اس غایت کے بجائے غرض کو لایا گیا ہے اور اللہ تعالےٰ کے تمام افعال غایات و مصالح پر مبنی ہوتے ہیں۔ لیکن وہ مصالح یقینی اور پختہ ہوتے ہیں جنہیں علۃ غائیہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کہ اگر وہ علۃ غائیہ نہ ہو، تب بھی وہ افعال صادر ہوں گے۔ اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔

فائدہ: آیت سے ثابت ہوا کہ مصائب و محن اور شدائد و تکالیف انتباہ اور عبرت دلانے کیلئے ہوتے ہیں۔ لیکن یہ صرف اہل سعادت (اولیاء اللہ) کے لیے ہے ورنہ اہل شقاوت کو نہ کثرت نعمت سے تنبیہ ہوتی ہے، اور نہ ہی تکالیف و شدائد سے عبرت پکڑتے ہیں۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

بکوشش نروید گل از شاخ بید   نہ زنگی بگرما بہ گردد سفید

ترجمہ: نہ کوشش سے بید کے درخت سے پھل پیدا ہوتا ہے نہ ہی حمام میں خوب نہلانے سے زنگی سفید ہوگا۔

فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ۔ (پس جب کہ ان کے ہاں حسنہ آئی۔ یہاں پر حسنہ سے رزق کی فراوانی اور وسائل کی وسعت اور دیگر آرام و آسائش کے اسباب مراد ہیں۔ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ج (تو کہا یہ ہمارے لیے ہیں) یعنی یہ صرف ہماری خاطر ہے اور ہم اس کے مستحق تھے۔ انہیں یہ کبھی تصور نہ ہوتا کہ یہ فضلِ ربّی ہے،

وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ (اور اگر انہیں سیئہ یعنی قحط سالی یا مصیبت آگھیرے)

يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ط۔ (تو موسٰی علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں سے بدفالی پکڑتے، کہتے کہ یہ قحط سالی اور مصائب ان کی شامت ہے۔ يَطَّيَّرُوْا دراصل یطیروا تھا۔ قرب مخرج کی وجہ سے تاء کو طاء میں ادغام کیا گیا ہے۔

تطیّر کی لغوی تحقیق: تطیر کا مادہ طیر ہے یعنی پرندہ جیسے کوّا۔ (اُلّو) وغیرہ۔ شوم۔ یُمن (برکت) کی ضد کا نام ہے۔ یعنی بے برکتی اور اسے طیر اور طائر (پرندے) سے اس لیے تشبیہ دی جاتی ہے کہ ان پرندوں کی وجہ سے بے برکتی پھیلتی ہے پھر مدلول علیہ کا نام دال (دلالت کرنے والی شئے) کا رکھا گیا اس لیے کہ اہلِ عرب ان مخصوص پرندوں کی وجہ سے بے برکتی سمجھتے ہیں اور اسے تفعّل کے باب

سے پڑھنے میں حکمت یہ ہے کہ اس میں عموماً تجنّب (کنارہ کشی) کا معنےٰ ہوتا ہے یعنی اس میں اشارہ ہوتا ہے جیسے تحوب بمعنے تجنب عن الحوب ای الاثم" یعنی گناہ سے کنارہ کش ہونا" اس کی مزید تفصیل طیرہ میں آئے گی

اعجوبہ ء حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالٰے سے مروی ہے کہ فرعون نے چار سو سال شاہی کی۔ تین سو سال کے عرصہ میں اسے کسی قسم کی تکلیف نہ ہوئی یہاں تک کہ بخار اور سر کا درد بھی نہ ہوا اور نہ ہی کبھی بھوکا ہوا۔ یہ مدّت اس کے دعویٰ ربوبیت کی ہے۔

نبوّت کی انوکھی شان ء جب انہوں نے کہا کہ ہمیں خوشحالی اس لیے حاصل ہے کہ ہم اس کے مستحق ہیں لیکن یہ قحط سالی اور تکالیف کا نزول حضرت موسٰی علیہ السلام اور اس ساتھیوں کی نحوست ہے (معاذ اللہ) اللہ تعالٰے نے ان کی تکذیب کی اور فرمایا تمہارے ہر دونوں خیالات غلط ہیں۔ اَلَآ۔ خبردار یاد رکھو۔ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ۔ ان کی بے برکتی اللہ تعالٰے کے ہاں ہے۔ یعنی جو کچھ انہیں خوشحالی یا قحط سالی پہنچتی ہے۔ ان ہر دونوں کے اسباب اللہ تعالٰے کے ہاں ہیں یعنی ان ہر دونوں کی قضا و قدر اللہ تعالٰے کے ہاں ہے۔ وہ جس طرح چاہتا ہے ہوتا ہے۔ نہ کسی کی ذاتی برکت ہے اور نہ ہی کسی میں بے برکتی۔

سوال ء شوم بری شئے ہے اور اس کی نسبت اللہ تعالٰے کی طرف کیونکر؟

جواب ء پہلے بتایا گیا ہے کہ شوم کو طائر سے اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ طائر اس نحوست بے برکتی وغیرہ پر دلالت کرتا ہے اور وہ طائر بھی نحوست کا ایک سبب ہے۔ اسی طرح اللہ تعالٰے نے اس دلالت کی بنا پر اسے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے کہ ان کے اعمال سیئہ اللہ تعالٰے کے ہاں ہیں اور وہ اعمال سیئہ ان بندوں کے ہیں جن کی وجہ سے وہ مصائب و شدائد میں مبتلا ہوئے۔ جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ طائر یعنی دلیل بول کر مجازاً مدلول علیہ مراد لیا گیا ہے۔ ایسے ہی یہاں طائر کو اللہ تعالٰی نے اپنی طرف منسوب فرما کر مجازاً بندوں کے اعمال سیئہ مراد لیے ہیں۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ لیکن ان کے اکثر نہیں جانتے۔ یعنی جو کچھ انہیں اللہ تعالٰے کی طرف سے مصائب کا نزول ہوتا ہے یا جو کچھ انہیں ان کے اعمال سیئہ سے نحوست پڑتی ہے۔ تو وہ کچھ بھی نہیں جانتے۔ بلکہ اس کے علاوہ الٹی سیدھی کہہ کر کچھ کا کچھ بکتے ہیں۔ چنانچہ ابھی ان کی باتوں کی تفصیل گذری ہے

نکتہ ء آیت میں اکثر کی قید سے معلوم ہوا کہ ان کے بعض ایسے امورات واقف تھے۔ لیکن عمل نہ کرنے یہ ان کا تکبّر اور عناد تھا۔

طیرہ کی تحقیق ء یاد رہے کہ طیرۃ تطیر بمعنے تشاءم کا اسم ہے۔ بروزن عنبۃ بمعنے ما یتشاءم بہ من الفال الردی" ردی فال کے لیے جس شئے کو نحوست کا سبب

سمجھا جائے اسے "طیرۃ" کہا جاتا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ اہلِ عرب پرندوں سے بد فالی پکڑتے تھے۔ مثلاً کوئی شخص سفر کو جاتا تو راستہ میں اس کی سیدھی جانب سے کوئی پرندہ گذر جاتا تو اس پرندہ کو بابرکت سمجھتے اور اس کا نام "سانح" رکھتے۔ اگر کوئی پرندہ بائیں جانب سے گذرتا تو اسے منحوس سمجھتے اور اس کا نام بارح رکھتے۔ اس طرح کے پرندے گذرنے پر سفر کو بے ظفر سمجھ کر سفر کا ارادہ ترک کر کے گھر بیٹھ جاتے۔ اس طرح سے یہ طریقہ پرندوں سے ہونے لگا۔ تو ایسے پرندوں کو بد فالی کے طور طیر سے تعبیر کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ہر بد فالی کو طیرہ و طائر کہنے کا رواج ہو گیا۔

بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان عظیم: حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اظہارِ نبوت کے بعد فوراً ہی اس گندے عقیدے کی جڑ کاٹ دی اور فرمایا کہ "الطیرۃ شرك۔ بد فالی پکڑنا شرک ہے اور اس کلمہ کو سہ بار فرمایا۔

سوال: طیرۃ شرک کیسا۔ یہاں پرستش تو نہیں؟

جواب: چونکہ مشرکین بد فالی کو نفع و نقصان کا اعتقاد رکھتے تھے اس لیے اسے شرک سے تعبیر فرمایا[1] پھر وہ اس نفع و نقصان کو ان اشیاء کو ذاتی طور مانتے۔ بنابریں گویا انہوں نے اس بد فالی کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا۔

مسئلہ: حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص گھر سے سفر کا اسی ارادہ سے ترک کرے جیسے مذکور ہوا تو وہ مشرک ہے یا کم از کم گنہگار ضرور ہے۔

مسئلہ: محیط (فقہ کی کتاب) میں ہے کہ جب کبوتری غیر مانوس آواز سے بولے تو کوئی کہے کہ اس کی منحوس آواز بتاتی ہے کہ فلاں مریض فوت ہو جائے گا تو یہ قائل کافر ہو گیا۔ (عند بعض المشائخ)

مسئلہ: جب کوئی شخص سفر کے لیے نکلا تو کوے (عقعق) کی آواز سن کر سفر کا ارادہ ترک کر کے واپس گھر کو آ گیا تو بعض مشائخ کے نزدیک کافر ہو گیا (جب کہ عقیدہ مذکورہ دل میں ہے ورنہ نہیں)

حکایت: حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ہاں بیٹھے تھے کہ اچانک (عقعق) کوا کائیں کرتا ہوا گزرا تو ایک شخص نے کہا خیر ہے خیر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا نہ خیر ہے نہ شر (کچھ بھی نہیں)

نکتہ: کوے کو نحوست کی فال لینے کا نکتہ یہ ہے کہ عربی میں کوے کو غُراب کہتے ہیں (مشتق از اغتراب

---

[1] چونکہ انہوں نے اسے ایجاد بندہ کے طور نفع و نقصان کا اعتقاد رکھا۔ اس لیے مشرک ہوئے اور اہل سنت انبیاء و اولیاءؑ کو نفع و نقصان کا سبب مانتے ہیں اور انہیں سبب یعنی وسیلہ ماننا عین اسلام ہے

فافہم وتدبر ولا تکن من الوہابین ۱۲ اویسی

بمعنے جدا ہونا) اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اسے بھیجا کہ جاؤ دیکھو طوفان کا پانی کتنا ہے۔ یہ گیا تو واپس نہ لوٹا۔ اس لیے اسے غراب البین سے تعبیر کرتے ہوئے اس سے شامت و نحوست کی فال پکڑتے ہیں۔ اس معنے پر غربتہ (مسافری) کو اس سے اخذ کیا گیا ہے۔ [1]

فائدہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ بدفالی اسے نقصان پہنچاتی ہے جو بدفالی کے خیال میں ہو ورنہ اس سے کسی قسم کا نہ نفع ہے نہ نقصان۔

فائدہ: اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ جو بدفالی پکڑتا ہے یا اس کا عقیدہ وہی ہے تو کسی وقت اس مصیبت میں ضرور گرفتار ہو گا۔ ورنہ جو متوکل علی اللہ ہے اور صرف اسی پر بھروسہ کرتا ہے اور اس کا دل اس عقیدہ پر مضبوط ہے کہ خوف و رجاء صرف اللہ تعالیٰ سے متعلق ہے۔ اسے اسباب کی طرف قطعاً توجہ نہ ہو (اگر ہو تو صرف اسباب کی حد تک) اور جن کلمات کے پڑھنے کا حکم ہے انہیں اس نیت سے پڑھے کہ ان کا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے اور انہیں بھی صرف پڑھنے پر محدود رکھے۔ یہاں تک یہ تصور تک نہ ہو کہ انہی کلمات سے یہ مصیبت ٹلے گی۔ ہاں ان کی برکت کا عقیدہ ہو اگرچہ تقدیر ٹالنے کا عقیدہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہو تو اسے ایسی فالیں نقصان نہیں پہنچاتیں۔

فائدہ: کلماتِ نبویہ سے یہ دعا مراد ہے:

اللهم لا طير الا طيرك ولا خير الا خيرك ولا اله غيرك ولا حول ولا قوة الا بالله ما كان شاء الله كان لا ياتي بالحسنات الا الله ولا يذهب بالسيئات الا الله واشهد ان الله على كل شيء قدير۔

ترجمہ: اے اللہ کوئی فال نہیں سوا تیرے اور نہیں کوئی بھلائی سوا تیری بھلائی کے اور نہیں معبود تیرے سوا اور نہیں طاقت و قوت سوا تیرے وہی ہوتا ہے جو تو چاہتا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا حسنات کوئی نہیں لاتا اور برائیوں کو وہی ہٹاتا ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر شے پر قادر ہے۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر کوئی کسی کام کے لیے جائے اور اسے بدفالی کا تصوّر آجائے تو کام کرنے سے رکنے کے بجائے مذکورہ بالا دعا پڑھ کر کام کے لیے چل پڑے۔ اللہ تعالیٰ کامیاب فرمائے گا) کیونکہ انسان کو جو کچھ بھلائی برائی برکت یا نحوست حاصل ہوتی ہے وہ سب کی سب اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر اور اس کے حکم اور ارادہ کے تحت ہوتا ہے۔

حدیث شریف: نحوست عورت اور گھوڑے اور دار میں ہے۔

---

[1] مزید تفصیل سورۂ ہود میں پڑھیے۔

شرح الحدیث: عورت کی نحوست یہ ہے کہ وہ عورت بدخلق ہو یا اس کی حق[1] مہر حد سے زائد وصول کی جائے۔ بعض نے کہا منحوس عورت وہ ہے جو بچے نہ جنے اور گھوڑے میں نحوست یہ ہے کہ وہ بے قابو ہو جائے یا یہ کہ اس کے ذریعے جنگ و جہاد نہ کیا جا سکے اور دار کی نحوست یہ ہے کہ وہ تنگ ہو یا اس کے ہمسائیگان برے ہوں۔

فائدہ: یہ حکم اکثری ہے کلی نہیں۔

نکتہ: ان تینوں کی تخصیص اس لیے ہے کہ ان میں اکثر و بیشتر نقصان ہوا کرتا ہے یا انسان آفات میں ان کی وجہ سے مبتلا ہو جاتا ہے۔

مسئلہ: جس انسان کو ان اشیاء سے واسطہ پڑ جائے تو انہیں اپنے سے جدا کرنے کی کوشش کرے۔

سوال: حدیث شریف میں ہے کہ "**لا طیرۃ** الخ" یعنی اسلام میں بدفالی کا تصور حرام ہے؟

جواب: ابن قتیبہ نے فرمایا کہ یہ حدیث مخصوص عنہ البعض ہے۔ اب حدیث مذکور کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام میں بد فالی نہیں۔ اگر ہے تو صرف ان تینوں میں ہے۔

حکایت: ایک فلسفی نے دھیمی آواز سن کر کہا کہ سنا ہے لوگ کہتے ہیں کہ اُلو کی آواز کسی کی موت پر دلالت کرتی ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو یہ آواز بتاتی ہے کہ اُلو کی مادہ مرجائے گی ۔

زیبقم در گوش کن تا نشنوم　　　　یا دام بگشا تا بیروں روم

ترجمہ: میرے کان میں روئی ٹھونس دے تا کہ میں کچھ نہ سن سکوں یا میرا پھندا کھول دے تاکہ باہر چلا جاؤں۔

حکایت: ایک بادشاہ کے زمانہ میں ستارے گرے تو اسے خطرہ لاحق ہو گیا کہ ممکن ہے کہ اسے کوئی آفت نازل ہو۔ اپنے ملک کے نجومیوں اور مولویوں کو بلایا تاکہ اسے اس کی حکمت سے آگاہ کر کے اس کے دفعیہ کا علاج بتائیں۔ لیکن ان میں کوئی بھی اس گتھی کو نہ سلجھا سکا تو جیل شاعر نے کہا ؎

ھذی النجوم تساقطت　　　　لرجوم اعداء الامیر

ترجمہ: یہ ستارے ہمارے بادشاہ کے دشمنوں کے سر توڑنے اور مٹانے کے لیے گرے ہیں۔

بادشاہ نے اس کے شعر کو نیک فال تصور کیا۔ اس کے صلہ میں شاعر کو بہت بڑے انعام و اکرام سے نوازا۔

مسئلہ: نیک فالی شرعاً جائز ہے (جیسے بادشاہ مذکور نے کہا)

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نیک فال سے خوش ہوتے۔ البتہ بدفالی سے

---

[1] آجکل تو نحوست مردوں پر ہے کہ مہر کے بجائے جہیز کی لعنت سے کئی بیچاری عورتیں زندگی بھر کنواری رہ جاتی ہیں۔

کراہت فرماتے۔

فائدہ: نیک فالی یہ ہے کہ کسی سے اچھا کلمہ سن کر اپنے لیے بہتری تصور کرے۔ مثلاً کوئی شخص کسی کام کی طلب میں ہے تو اسے اچانک کسی نے کہا " یا واجد یا نجیح " اسی طرح کوئی سفر میں ہے تو کسی سے اچانک سنے یا سالم۔

مسئلہ: نیک کاموں میں نیک فالی جائز ہے۔ لیکن بد فالی ہر حال حرام ہے۔

سوال: یہ عجیب معاملہ ہے کہ نیک فالی جائز ہے اور بد فالی ناجائز۔ حالانکہ ہر دونوں کا طریقہ ایک ہے اس لیے کہ نیک فالی میں بھی انسان کے منہ سے نکلی ہوئی بات سے انجام کار پر دلیل لی جاتی ہے اور بد فالی میں بھی حیوان یا پرندے کو بدانجامی کی دلیل بنایا جاتا ہے۔

جواب: انسانی ارواح میں قوت و طاقت بہت زیادہ اور یہ روشن ترین اور صاف و شفاف ہوتی ہیں بنا بریں انہیں نیک فالی کی دلیل بنانا ممکن ہے اور حیوانات اور پرندوں کے ارواح صاف و شفاف نہیں اور حد درجہ کے ضعیف اور کمزور رہتے ہیں۔ بنا بریں انہیں انجام کار کی دلیل بنانا بیکار ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے استسقاء کے موقعہ پر چادر مبارک کو الٹا۔ اس سے صاحب ہدایہ نے استدلال فرمایا کہ آپ نے چادر مبارک کو نیک فالی کے طور الٹایا اس لیے کہ گویا اللہ تعالیٰ سے عرض کر رہے تھے کہ یا اللہ تعالیٰ جس طرح ہم نے چادر کو الٹا ہے تو ہمارے حال کو خوشحالی سے بدل دے۔

مختار کل نبی: حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کی حضور! میں آپ سے بہت سی حدیثیں سن کر بھول جاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اپنی چادر پھیلا دے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی چادر کو پھیلایا۔ تو آپ نے میری چادر کو اپنے ہاتھ مبارک میں لیا اور اسے متفرق طور ادھر ادھر کر کے پھر مجھے فرمایا اسے جمع کر لے۔ میں نے اسے جمع کر کے ملایا تو اس کے بعد مجھے کوئی بات نہ بھولتی۔

فائدہ: اس حدیث شریف سے بھی نیک فالی کا ثبوت ملتا ہے۔ اس لیے کہ چادر کو پھیلانے اور متفرق کرنے سے علم کو چادر پر گرایا نہیں گیا تھا۔ بلکہ اس فرق وضم میں اس نیک فالی کی طرف اشارہ تھا کہ جیسے چادر کو پھیلا دیا ہے کہ اس سے کوئی شئے گر نہ جائے۔ اسی طرح میں نے سنی ہوئی شئے کی طرف کان لگایا ہے۔ پھر جیسے تو اسے الٰہ العٰلمین کسی بندے کو رزق واسع عطا فرماتا ہے تو گویا دونوں ہاتھوں سے ہی عطا فرماتا ہے۔ ایسے

ہی اے الٰہ العٰلمین اس بندے کو علم کی وسعتوں سے نواز دے اسی طرح جیسے کسی شئے سے ملنے سے احوال بدل جاتے ہیں۔ ایسے ہی بعض اسماء بعض امور پر دلالت کرتے ہیں۔

حکایت : حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کسی سے پوچھا تیرا نام کیا ہے تو اس نے کہا "جمرہ" (انگارہ) آپ نے پھر پوچھا تیرے باپ کا نام کیا ہے۔ اس نے عرض کی شہاب۔ آپ نے فرمایا تیرے قبیلہ کا نام کیا ہے کہا "حرقہ" آپ نے فرمایا کہاں رہتے ہو اس نے کہا حرہ میں۔ حرہ سیاہ پتھروں والی زمین کو کہا جاتا ہے جسے دور سے دیکھ کر محسوس کیا جائے کہ گویا وہ جل گئی ہے۔ آپ نے اسے فرمایا اپنے گھر جلد پہنچ وہ جل رہا ہے۔ واپس لوٹا دیکھا تو تمام گھر والے جل کر راکھ ہو چکے تھے۔

حکایت : حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو کسی کام کے لیے کسی سے مدد لینے کی ضرورت محسوس ہوئی آپ نے اس سے نام پوچھا تو اس نے جواباً کہا "ظالم بن سراق" آپ نے فرمایا میں تجھ سے مدد نہیں لیتا اس لیے کہ تو ظالم اور تیرا باپ چور۔

فائدہ : تقریر مذکور اور احکامات سے معلوم ہوا کہ قبیح اسماء کو نیک اسماء سے تبدیل کرنا بھی نیک فالی ہے مسئلہ مذکور کی نظیر حدیث شریف میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا "لا تمارضوا فتمرضوا" اپنے آپ کو مریض مت ٹھہراؤ کہ کہیں واقعی تم مریض نہ ہو جاؤ۔ یعنی جو شخص اپنے لیے مریض ہونا ظاہر کرے اور کہے کہ میں مریض ہوں اور اس کے اس فعل و قول سے مرض پیدا ہو جائے تو اس کا اس قول و فعل پر مواخذہ ہوگا۔

گفت پیغمبر کہ رنجوری بلاغ   رنج آرد تا بمیرد چوں چراغ

ترجمہ : حضور سرور عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا مذاق سے بیماری ظاہر کرنے سے تجھے بیماری آکر دیئے کی طرح بجھا دے گی یعنے تجھ پر موت آجائے گی۔

اللہ تعالےٰ ہی حسنات کا ہادی اور برائیوں کا دافع ہے۔

تفسیر عالمانہ : وَقَالُوْا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات عصا مبارک اور قحط سالی اور نقص ثمرات کو فرعون اور اس کی برادری نے جب ملاحظہ کیا تو کہا مَھْمَا۔ یہ اسم شرط دو فعلوں کو مجزوم کرتا ہے مثلاً مہما تفعل فعل" میں دونوں فعل مجذوم ہیں۔ یہ کسی کے سوال پر بولا جاتا ہے۔ مثلاً کوئی سوال کرے کہ تم اس فعل کو عمل میں لانے کی قدرت نہ رکھو تو تجھے کیا کرنا چاہیے۔ تو پھر اس کے جواب میں کہا جاتا ہے مَھْمَا نَفْعَلْ۔ یہ محلاً مرفوع اور مبتدا ہے اس کی خبر (فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ) یعنی اے موسیٰ علیہ السلام تم جو

بھی تَاتِنَا بِہٖ (ہمارے ہاں لاؤ گے) یعنی ہمارے سامنے ظاہر کرو گے) اور بڑی مشکل سے مشکل بات کو حاضر کرو گے۔ بِہٖ کی ضمیر مہما کی طرف لوٹتی ہے مِنْ اٰیَۃٍ یہ مِنْ بیانیہ ہے۔ اور مہما کا بیان ہے۔ یعنی جس طرح کا معجزہ لاؤ گے۔

سوال : فرعونی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے پر اعتماد نہیں رکھتے تھے بلکہ وہ تو اسے جادو سے تعبیر کرتے پھر اسے "مِنْ اٰیَۃٍ" کیوں کہا گیا ہے؟

جواب : یہ مخالف نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے اعتقاد کے مطابق کہا نہ کہ اپنے اعتقاد کے مطابق۔ جیسے مخالف سے گفتگو کا طریقہ ہے کہ اس کے اعتقادیات یا تصوّرات کے مطابق گفتگو کی جاتی ہے۔

لِتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ تاکہ تم اس کے ذریعے ہماری آنکھوں پر جادو چلا کر انہیں مخمور کر دیں۔ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ بہر حال ہم تمہاری نبوّت کی تصدیق نہیں کریں گے اور نہ ہی تمہارے اوپر ایمان لائیں گے۔

فارسلنا علیهم ۔ مروی ہے کہ فرعونیوں کو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا[۱]۔ ید بیضا[۲]۔ قحط سالی[۳]۔ نقص ثمرات[۴] چاروں معجزات دکھائے تو آپ نے دعا مانگی کہ یا اللہ فرعون نے تیری زمین پر قبضہ کر رکھا ہے اور باغی و سرکش ہو گیا ہے اور اس کی قوم بھی تیرے معاہدے توڑ چکی ہے۔ اب ایسا معاملہ فرما کہ ان کے لیے عذاب بھیج تاکہ میری قوم کے لیے نصیحت اور آنے والوں کے لیے عبرت ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا مستجاب ہوئی تو فرعونیوں کو مندرجہ ذیل امور میں مبتلا فرمایا (چنانچہ فرمایا) ہم نے ان پر بھیجا۔

اَلطُّوفَانَ۔ ایسا پانی جو ان کے ہاں پہنچ کر تمام کو محیط ہو گیا۔ بلکہ ان کے مکانات اور کھیتوں کو گھیر لیا۔ آسمان سے سخت بارش ہوئی یا سیلاب کا زور ہوا۔

والجیراد (ٹڈی) جسے فارسی میں "ملخ" اردو میں ٹڈی کہتے ہیں۔

ٹڈی کے متعلق تحقیق : حیوۃ الحیوان میں ہے کہ جنگلی ٹڈی جب انڈے سے نکلے تو اسے "الدبا" کہا جاتا ہے۔ جب اسے پر رنگ چڑھتا ہے اور بڑی ہو جاتی ہے تو اگر پیلا رنگ اختیار کرے تو وہ نر ہوتا ہے۔ اگر سیاہ رنگ ہو تو وہ مادہ ہوتی ہے۔ اس سن والی کو عربی میں الجراد کہتے ہیں۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا : کہ ٹڈیوں کو قتل مت کرو۔ اس لیے کہ یہ اللہ تعالےٰ کا بڑا لشکر ہے۔

فائدہ ومسئلہ : اگر یہ حدیث صحیح ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ تمہاری کھیتی کا نقصان نہ کریں تو تم بھی انہیں نہ مارو۔ ہاں اگر کھیتی کا نقصان کریں تو انہیں قتل کرنا جائز ہے۔

اعجوبہ وحدیث شریف : حضور سرور عالم صلیّ اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کے ہاتھ مبارک پر ایک ٹڈی آکر بیٹھی اس پر عبرانی زبان میں لکھا تھا کہ ہم اللہ تعالےٰ کا بہت بڑا لشکر ہیں اور ہماری ایک ٹڈی ننانوے انڈے دیتی ہے اگر پورا مکمل سَو ہو جاتا تو ہم تمام دنیا و مافیہا کو کھا جاتے۔ یہ دیکھ کر آپ نے دعا مانگی۔ اے اللہ ٹڈی کو ہلاک وتباہ کردے اور ان کی بڑی بڑی ٹڈیوں کو قتل کر دے اور ان کی چھوٹی چھوٹی ٹڈیوں کو مار دے اور ان کے انڈے خراب کر دے اور مسلمانوں کی کھیتیوں اور ان کی معاش سے انکے منہ بند کردے۔ تو دعاؤں کو سننے والا ہے۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے تو عرض کی کہ آپ کی دعا بعض ٹڈیوں کے لیے قبول ہو گئی ہے۔

حکایت : سیّدنا حسن بن علی رضی اللہ تعالےٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم ایک دستر خوان پر جمع تھے۔ اس پر میرا بھائی محمدّ بن الحنفیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور میرے چچیرے بھائی حضرت عبداللہ وقثم وفضل ابنائے عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہم بھی موجود تھے اچانک ہمارے دستر خوان پر ایک ٹڈی آپڑی۔ جسے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے پکڑ لیا اور مجھ سے پوچھا اس پر کیا لکھا ہوا تھا۔ فرمایا کہ میں نے اپنے باپ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضور سرور عالم صلیّ اللہ تعالیٰ علیہ وسلمّ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اس پر لکھا ہوا ہے " انا اللہ لاالہ الا انا رب الجراد ورازقھا الخ (میں اللہ ہوں میرے سوا عبادت کا مستحق کوئی نہیں۔ میں ٹڈی کا رب ہوں اگر چاہوں تو زمین پر پھیلا کر اپنی مخلوق کا رزق بناؤں اگر چاہوں تو اسے اپنی مخلوق پر بلا بنا کر بھیجوں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ پوشیدہ علوم میں سے ایک ہے۔

اعجوبہ : انسانی غذا میں زیادہ شرارت وفساد ڈالنے کے لحاظ سے ٹڈی سے بڑھ کر اور کوئی جانور نہیں۔

مسئلہ : تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ ٹڈی حلال ہے۔

مسئلہ : ائمہ اربعہ کا فتویٰ ہے کہ ٹڈی کا ہر حال میں کھانا حلال ہے وہ مردہ ہو یا زندہ یعنی خواہ خود بخود مری ہو یا ذبح کرنے سے اسے مسلمان نے شکار کیا ہو یا مجوسی نے اس کی کوئی شئے کاٹ دی ہو۔ اس کی حلت کے عموم پر حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد گرامی دلالت کرتا ہے، ہمارے لیے دو مردار اور دو خون حلال ہیں۔ دو خون سے جگر اور طحال (تلی)، اور دو مردار سے مچھلی اور ٹڈی مراد ہے۔

طبی چٹکلہ نمبر ۱ : جسے سلسل بول ہو وہ جنگلی ٹڈی کی دھونی دے تو آرام ہو جائے گا۔

طبی چٹکلہ نمبر ۲ : ابن سینا نے فرمایا کہ استسقاء کی بیماری کے لیے مجرب ہے کہ بارہ عدد ٹڈی پکڑ کر ان کے سر اور پاؤں کاٹ کر اس میں مُورد خشک (ایک دوائی کا نام ہے) ملا کر پیا جائے تو شفا ہوگی۔

فائدہ : بحری ٹڈی وہ صدف (سیپ) کی ایک قسم ہے وہ عموماً بلاد عرب میں دریا کے ساحل پر پائی جاتی ہے۔ اسے عموماً بھون کر اور پکا کر بھی کھاتے ہیں اور وہ اس کا گوشت (جذام) کوڑھ کو فائدہ پہنچاتا ہے۔

(وَالْقُمَّلَ) تفسیر فارسی میں اس کا ترجمہ "ملخ پیادہ" لکھا ہے۔ بعض کہتے ہیں کبار القردان مراد ہیں اور قردان قراد کی جمع ہے جسے ترکی زبان میں کنہ کہتے ہیں وہ اونٹ پر مسلّط ہو جاتے ہیں۔ امثال میں کہا جاتا ہے فلان اسمع من قراد۔ فلاں قراد سے بھی زیادہ سنتا ہے وہ اس لیے کہ وہ اونٹوں کے پاؤں کی آواز ایک دن کے سفر کی مسافت سے سن کر حرکت میں آجاتا ہے۔ یعنی اس کی آمد کی خوشی سے کہ وہ اس پر مسلّط ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ بعض کہتے ہیں قمل سے وہ کیڑا مراد ہے جو گندم سے خارج ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں قمل ایک پرندہ ہے جو گندم پر پڑتا ہے جو ٹڈی کے علاوہ ہے۔ اس کا کام ہے کہ وہ گندم کی کچی بالی کو کھا جاتا ہے پھر وہ کھیتی بالی کے بغیر بڑی ہوتی ہے۔

فائدہ : حضرت حسن نے (الفتح القاف وسکون المیم) سے پڑھا ہے اور اس سے وہ جوئیں مراد لی ہیں جو انسان کے بدن اور کپڑوں میں پڑتی ہیں۔

اعجوبہ نمبر ۱ : زندہ جوئیں پھینکنے سے نسیان پیدا ہوتا ہے یعنی جوئیں مار ڈالنی چاہیئیں ورنہ نسیان کی بیماری ہوتی ہے

نسیان کی بیماری : کھٹی اشیاء اور چوہے کا پس خوردہ کھانے اور جوئیں زندہ چھوڑنے سے نسیان پیدا ہوتا ہے۔

اعجوبہ نمبر ۲ : عورت کے حمل کو معلوم کرنا چاہیں کہ اس میں لڑکا ہے یا لڑکی تو ایک جوں پکڑ کر کسی کی ہتھیلی پر رکھ کر اس عورت کا دودھ اس پر ڈالا جائے۔ اگر وہ جوں مر جائے تو سمجھو اس کے حمل میں لڑکا ہے۔ اگر زندہ نکل جائے تو سمجھو کہ اس کے حمل میں لڑکی ہے۔

ادرار بول کا بہترین نسخہ : کسی کا پیشاب رک جائے تو اسی کے جسم کی جوں پکڑ کر اس کے ذکر کے سوراخ میں رکھی جائے تو اس کا پیشاب کھل جائے گا۔

فائدہ : جون انسان کے پسینہ اور جسم کی میل کچیل سے پیدا ہوتی ہے اور اس سے وہ پسینہ اور میل کچیل مراد ہے جو زائد ہو کر جسم سے نکل کر کپڑے اور موٹے کپڑوں اور بالوں کو لگ جائے اور اس سے بدبو پیدا ہو جائے

فائدہ: بعض انسان جُوئی طبیعت ہوتے ہیں۔ اگرچہ صاف ستھرے رہتے ہوں اور جسم پر خوشبو بھی لگاتے ہوں اور بار بار کپڑے بھی بدلتے ہیں تب بھی ان میں جوئیں بہت پیدا ہوتی ہیں۔ جیسے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور زبیر بن العوام رضی اللہ تعالےٰ عنہما جوئی طبع واقع ہوئے۔ یہاں تک کہ انہیں رسول خدا صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے ریشمی کپڑے پہننے کی اجازت طلب کرنی پڑی اور آپ نے انہیں ریشمی کپڑے پہننے کی اجازت بخش دی۔

فائدہ: اگر ان کے لیے ریشم پہننا ضروری نہ ہوتا تو حضور علیہ السّلام انہیں کبھی اجازت نہ بخشتے۔ اس لیئے کہ ریشمی کپڑے کے استعمال کی سخت مخالفت ہے۔

مسئلہ: جوئیں دفع کرنے کے لیے ریشم کا استعمال جائز اس لیے ہے کہ ریشم میں جوں دفع کرنے کی خاصیّت رکھی ہوتی ہے۔

فائدہ: ریشم کا استعمال جوئیں والے کے لیے صرف سفر میں مخصوص نہیں۔ بلکہ حضر میں بھی جائز ہے

فائدہ: جوئیں ٹھنڈی طبیعت رکھتی ہیں اس لیے سردیوں میں زیادہ ہوتی ہیں اور گرمیوں میں نہیں ہوتیں

خصوصیت نبوّت: امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالےٰ نے فرمایا حضور سرور عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر مکھی بیٹھتی اور نہ ہی آپ کے جسم مبارک میں جوئیں پیدا ہوئیں۔

وَالضَّفَادِعُ۔ ضفادع بروزن ضفدع کی جمع ہے لغت کے لحاظ سے یہی زیادہ مشہور اور صحیح تر ہے اس کی مؤنث ضفدعۃ آتی ہے۔ عوام ضفدع کی دال پر (درہم کی طرح) فتح پڑھتے ہیں لیکن خلیل نے اس کا انکار کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ کلام عرب میں اس وزن کے صرف چار اسماء آتے ہیں (۱) درہم (۲)، ہجدم (۳)، ہبلع (۴)، بلغم اور یہ بھی ایک اسم ہے اسی لیے یہ ان چاروں سے نہیں فلہٰذا درہم کی طرح بفتح الدال نہ ہوگا۔

مینڈکوں کی اقسام: مینڈک کئی ہیں بعض وہ ہوتے ہیں جو نر و مادہ کے جمع ہونے سے پیدا ہوتے ہیں یہ جنگلوں میں بچے دیتے ہیں اور پانی میں زندگی بسر کرتے ہیں دوسرے وہ جو نر و مادہ کے جمع ہونے کے بغیر پیدا ہوتے ہیں۔ یہ ضعیف چلنے والے پانی اور کھڑے پانی میں اور بدبودار پانی اور تیز کثیر اور زوردار بارش سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ لوگوں کو گمان ہوتا ہے کہ یہ بادل سے گرتے ہیں۔ اس لیے بارش اور ہوا کے بعد یہ گھروں کی چھتوں پر بکثرت پائے جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ نر و مادہ کے جمع ہونے سے پیدا نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالےٰ نے انہیں اس مٹی کی تاثیر سے ایسے ہی اپنی قدرت کاملہ سے اسی وقت پیدا فرمائے ہیں۔

اعجوبہ: مینڈک ایک ایسا جانور ہے جس میں ہڈی نہیں ہوتی۔ ان میں بعض وہ ہیں جو ٹرٹر کرتے ہیں اور بعض بالکل گونگے ہوتے ہیں اور ٹرٹر کرنے والوں کی آواز بھی کان کے قریب سے نکلتی ہے اور اس میں قوت سامعہ بھی بہت تیز ہوتی ہے لیکن یہ اسوقت ہوتا ہے جب ٹرٹر نہ کریں اور ہوں بھی پانی سے باہر۔

اعجوبہ: جب اس کی نچلی باچھ پانی میں ڈبو دی جائے اور پانی اس کے منہ کے اندر چلا جائے تو ٹرٹر نہیں کرسکتا۔ کسی ایک شاعر نے اس پر ایک عجیب شعر کہا اور خوب کہا۔ اس پر اسے بڑا جھگتنی پڑی وہ شعر یہ ہے

بیت: قالت الضفدع قولا ۔ فسرته الحکماء ۔ فی فمی ماء وهل ینطق من فیه ماء

ترجمہ: مینڈک نے کوئی بات کہی تو حکماء نے اس کی تفسیر کی کہ میرے منہ میں پانی ہے اور جس کے منہ میں پانی ہو وہ کیا بات کرے۔

فائدہ: حضرت سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مینڈک سے کوئی زیادہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا نہیں۔

فائدہ: زمخشری نے کہا کہ اس کی تسبیح یہ ہے سبحان الملك القدوس

حکایت: حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا کہ میں آج رات اتنا تسبیح پڑھوں گا کہ اس کا کوئی بھی مقابلہ نہ کر سکے گا۔ یہ سن کر ایک گوشہ سے مینڈک بولا کہ حضرت جی! فخر مت کیجئے مجھے ستر سال ہوئے اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھ رہا ہوں۔ ایک لمحہ کے لیے بھی ذکر الٰہی سے میری زبان نہیں رکی اور دس راتوں سے نہ تو میں نے کچھ کھایا نہ پیا۔ وہ اس لیے کہ ان دو کلمات کے پڑھنے سے فراغت ملی ہے نہ کھا پی سکا ہوں۔ آپ نے فرمایا وہ کلمات کونسے ہیں۔ عرض کی یہ ہیں "یا مسبحاً بکل لسان و مذکور بکل مکان (اے وہ ذات کہ جس کی ہر زبان میں تسبیح اور ہر مکان ہیں اس کا ذکر ہوتا ہے)۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے دل میں کہا کہ کاش میں اس سے بلیغ تر ہوتا۔

حدیث شریف: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ مینڈک کو مت مارو اس لیے کہ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آگ بجھانے کے لیے منہ میں پانی رکھ کر آتش نمرود پر پانی ڈالا تھا۔

فائدہ: ابن سینا نے کہا کہ جس سال مینڈکوں کی کثرت ہو (عادت سے زائد ہوں) تو سمجھ لو کہ ان کے مرنے کے بعد وبا پھیلے گی۔

خواب کی تعبیر: جو شخص خواب میں مینڈک دیکھے تو اسے پوشیدہ طور کوئی نقصان اٹھانا ہوگا۔ اس

لیے کہ واقعات محمودیہ میں لکھا ہے کہ یہ دراصل اناج بھرنے والا تھا اور اناج کو کم کر کے کھاتا۔ اس نقصان کی وجہ سے تعبیر وہی ہوگی جو مذکور ہوئی۔

خواص مینڈک : (۱) جو عورت چاہے کہ اسے حمل نہ ہو تو وہ بحری مینڈک پکڑ کر اس کا منہ کھول کر اس کے منہ میں اپنی تھوک ڈال دے پھر اس مینڈک کو جلدی سے پانی میں پھینک دے وہ زندگی بھر حاملہ نہیں ہوگی۔

(۲) بال اکھیڑ کر مینڈک کا خون اس جگہ پر مل دیا جائے تو پھر وہاں پر بال نہیں اُگتے۔

(۳) مینڈک کی چربی جس دانت پر رکھ دی جائے تو وہ درد کے بغیر اکھڑ جائے گا۔

حکایت : امام قزوینی رحمۃ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ ہم موصل میں تھے کہ ایک دوست نے باغ لگایا اس میں بیٹھنے کا ایک مکان بنایا اور ساتھ ہی اس کے ایک پانی کا گڑھا کھودا۔ اس گڑھے میں بہت سے مینڈک پیدا ہو گئے۔ لیکن جب وہ جمع ہو کر ٹرٹر کرتے تو وہاں کے رہنے والے ان کے شور سے پریشان ہو جاتے اور نہ ہی انہیں کسی طرح بھگا سکتے تھے۔ اتفاقاً وہاں ایک آدمی کہیں سے آیا۔ اس نے کہا کہ اس حوض کے اوپر الٹا تھال رکھ دو۔ جونہی انہوں نے اس گڑھے پر الٹا تھال رکھا تو مینڈک ایسے خاموش ہوئے کہ اس کے بعد ان کی کبھی آواز نہ سنی گئی۔

وَالدَّمَ۔ مروی ہے کہ فرعونیوں پر آٹھ دن مسلسل بارش ہوتی رہی اور وہ آٹھ دن سخت تاریک بھی تھے۔ ان دنوں کوئی بھی اپنے گھر سے باہر نہیں جا سکتا تھا اور اتنی بڑی زوردار بارش تھی کہ ان کے گھروں کے اندر گھس گئی اور بیٹھنے سونے کا موقعہ نہ ملتا تھا تو وہ کھڑے ہو گئے اور کھڑے ہونے میں بھی ان کو پانی گلوگیر ہو گیا۔

فائدہ : تراقی ترقوۃ کی جمع ہے وہ ہڈی جو سینہ کے انتہائی حصہ اور کاندھوں کے درمیان واقع ہے سر سے نیچے گردن پر چادر لٹکنے کی جگہ کو ترقوہ کہا جاتا ہے۔

قبطیوں کے عذاب کی تفصیل : اتنی بہت بڑی بارش یہاں فرعونیوں کو غرق کر رہی تھی تو بنی اسرائیل کے گھروں میں ایک قطرہ بھی نہ ٹپکا۔ حالانکہ قبطیوں (فرعونیوں) اور بنی اسرائیل کے گھر دیوار بدیوار تھے۔ لیکن پانی بنی اسرائیل پر برستا ہوا کھیتوں۔ باغوں اور جنگلوں میں نکل کر فوراً خشک ہو جاتا۔ سات دن مسلسل جب بارش نے قبطیوں کو ستایا کہ وہ نہ گھروں میں رہنے کے رہے اور نہ کھیتوں میں جا سکتے تھے تو مجبور ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ دعا مانگئے ہمارے سے یہ عذاب ٹل جائے ہم آپ پر ایمان لائیں گے۔ آپ نے ان کے لیے دعا مانگی تو ان سے بارش کا عذاب دفع ہو گیا۔ پانی خشک ہوتے ہی زمین سے

ٹڈیاں جو کچھ چھوڑ گئیں تھیں۔ جوئیں نے آکر سب پر ہاتھ صاف کیا۔ بلکہ ان کے پکے ہوئے طعاموں میں اور ان کے کپڑوں اور چمڑوں میں گھس کر انہیں چوستیں بلکہ ڈنس لگاتیں اور ان کے سر اور ابرو اور بھوؤں کے بال کھا گئیں ان پہ زندگی دوبھر ہو گئی۔ نیند حرام ہو گئی اور قرار کھو بیٹھے ان پر چیچک کی وباء پھوٹ پڑی اور یہ جب سے پھوٹی تا حال ہمارے اوپر مسلّط ہے۔ یہ کیفیت دیکھ کر قبطی گھبرائے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس عذاب سے نجات کی استدعا کی۔

آپ نے اس وقت بھی دعا فرمائی اور ان سے عذاب دفع ہو گیا۔ لیکن بدبختوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا اب ہمیں یقین ہو گیا کہ آپ بہت بڑے جادوگر ہیں اور تمہارے رب کا معاملہ عجیب ہے کہ اس نے ہماری کھیتی تباہ و برباد کر ڈالی اور ہمارے اناج ضائع کر دیے۔ اب تم جو چاہو کر لو ہم کسی قیمت پر تمہارے اوپر بہترین انگوریاں اور گھاس پیدا ہوا۔ جسے دیکھ کر جی خوش ہوتا تھا۔ ایسا خوش منظر کبھی نہ دیکھا گیا۔ قبطی کہنے لگے یہی ہم چاہتے تھے اور ہمارے لیے یہ نعمت نازل ہوئی اور خوش حالی بھی نصیب ہوئی اور ہم اس کے مستحق بھی تھے۔ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا احسان کیسا۔ فلہٰذا اے حضرت موسیٰ علیہ السلام ہم آپ پر ایمان نہیں لاتے۔

اس طرح سے انہوں نے معاہدہ توڑا اور اس حالتِ کفر پر صرف ایک مہینہ گزرا تو ان پر اللہ تعالےٰ نے ٹڈی بھیج دی اور ان کے سارے کھیتوں کو گھیر لیا اور اتنی کثیر کہ ایک دوسری پر ایک ایک گز تہ بہ تہ تھی اور آتے ہی ان کے تمام کھیت اور باغات اور ان کے جنگلات اور تمام لکڑیاں یہاں تک کہ ان کے گھروں کے دروازے اور چھتیں اور ان کے کپڑے تمام کھا گئیں۔ لیکن بنی اسرائیل کے گھر محفوظ رہے۔

ایک ٹڈی بھی ان کے گھروں میں داخل نہ ہوئی۔ قبطی یہ حالت دیکھ کر گھبرائے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس عذاب کے دفعیہ کے لیے استدعا کی۔ آپ نے جنگل میں جا کر ٹڈیوں کو اپنے عصا مبارک سے مشرق و مغرب کی طرف اشارہ کیا تو تمام ٹڈیاں جہاں سے آئیں واپس لوٹ گئیں حالانکہ سات دن تک قبطیوں کے گھروں کو گھیرا ڈال رکھا تھا لیکن اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم سے ایک بھی باقی نہ رہی۔ قبطیوں نے جونہی دیکھا کہ بعض بعض مقامات پہ کھیتی اور گھاس وغیرہ ٹڈیوں کی تباہی سے محفوظ ہیں۔ تو آپس میں مشورہ کیا کہ سال تک ہمارے اور ہمارے جانوراں کے لیے اناج اور گھاس کی کفایت کرے گا۔ سال کے بعد پھر ہم کاروبار کو سنبھال لیں گے فلہٰذا کیا ضرورت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آگے سر جھکائیں اور ان پر ایمان لائیں۔ یہ طے کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا ہم آپ کو نہیں مانتے۔ ان کی اس سرکشی پہ اللہ تعالےٰ نے ان پر جوئیں اور کیڑے اور دیمک بھیج دی۔ انہوں نے آکر قبطیوں کی تمام سبزیاں ہضم کر لیں اور زمین پر پڑا ہوا اناج وغیرہ تمام چٹ کر گئیں

ایمان نہیں لاتے اللہ تعالےٰ نے اس کی سرکشی پر مینڈک بھیج دیے۔ یہاں تک کہ ان کے پہنے ہوئے کپڑوں اور پکائے طعاموں میں مینڈک ہی مینڈک پھیل گئے۔ بلکہ ان کے بستروں اور پکتی ہوئی ہانڈیوں میں مینڈک اچھلتے کودتے نظر آتے اور جب کلام کرتے تو ان کے منہ سے مینڈک نکل آتے۔ مینڈکوں کی بہت زیادہ ٹرٹر کرنے سے ایک دوسرے کی بات سن سمجھ نہیں سکتے تھے۔ جب انہیں مارتے تو گندگی کا انبار لگ جاتا کہ جہاں انہیں بیٹھنے کے لیے ایک انچ بھی جگہ نہ ملتی۔ اس سے گھبرا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عجز والحاح کی۔ آپ نے اب بھی ان کے لیے دعا فرمائی تو انہیں اس عذاب سے نجات ملی کہ ایک ایسی تیز ہوا چلی جس نے مینڈکوں کو اٹھا کر دریا میں پھینک مارا لیکن ان بدبختوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے معاہدہ توڑ دیا پھر اللہ تعالےٰ نے ان پر خون کی بارش برسادی کہ ان کے پانی یہاں تک کہ کنوئیں اور نہریں اور چشمے خون آلود ہو گئے اور عذاب اتنا واضح کہ بنی اسرائیل اور قبطی ایک برتن سے پانی پیتے تو بنی اسرائیل کی جانب سے بہترین پانی لیکن قبطی کی جانب سے خون ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ اگر بنی اسرائیل کے منہ سے قبطی پانی چوستا تو وہ بھی قبطی کے منہ میں پہنچتے ہی خون بن جاتا۔

؎ قوم موسیٰ شو بخور ایں آب را
صلح کن با من ببیں مہتاب را

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم ہو کر یہ پانی پی میرے ساتھ صلح کر پھر مہتاب نظر آئے گا۔

فرعون کی حالتِ زار

فرعون کو جب پیاس نے ستایا تو اس کے لیے جنگلوں سے درختوں کے پتے توڑ کر لائے جاتے جنہیں نچوڑا جاتا۔ لیکن جب فرعون پینے کا ارادہ کرتا تو وہ خالص خون ہوتا یا نہایت کڑوا۔ اسی طرح سات دن تک قبطیوں نے نہ کھایا نہ پیا۔ اگر کچھ پیٹ کی آگ بجھاتے تو وہ بھی خون ہی خون ہوتا۔ فرعون نے کہا اے حضرت موسیٰ علیہ السلام یقین کیجئے مجھے تمہارے معبود کی قسم اب اگر آپ نے ہمارے سے عذاب ٹال دیا تو ہم آپ پر ایمان لائیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تو وہی پانی میٹھا اور لذیذ بن گیا۔ لیکن فرعون اور اس کے ساتھی کفر پر پہلے کی طرح ڈٹ گئے یہاں تک کہ دریا میں غرق ہو کر تباہ و برباد ہوئے۔

اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ؕ یہ (اَرْسَلْنَا) کے مفعول سے حال ہے۔ یعنی ہم نے ان پر مذکورہ بالا اشیاء کو بھیجا درآنحالیکہ وہ ایسی واضح آیات وعلامات تھیں کہ جس کے سمجھنے پر کسی عاقل کو کسی قسم کا اشکال نہیں تھا اور ہر ایک کو یقین ہو گیا کہ یہ واقعی اللہ تعالےٰ کی آیات اور اس کا عذاب ہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا مفصلات بمعنے متفرقات ومفصلات ہے اس لیے کہ وہ ایک زمانہ کی مہلت کے بعد دوسری کا وقوع ہوتا تھا۔ تاکہ ان کا امتحان اور آزمائش ہو کر کیا وہ اس سے عبرت حاصل کرتے ہیں یا مخالفت وعناد پر بدستور سرکش رہتے ہیں۔ ان میں ہر

ایک کو ایک ماہ کے بعد نازل کیا جاتا اور ہر ایک ہفتہ تک مسلسل جاری رہتی۔

فَاسْتَكْبَرُوْا۔ اس کے بعد پھر بھی وہ متکبّر رہے اور ایمان سے نفرت اختیار کی۔

وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ۔ اور وہ مجرم قوم تھی۔ یعنی کفر میں ایسے سرکش کہ باوجود آیات کے ظہور اور مسلسل عذاب میں مبتلا رہنے کے ایمان نہ لائے۔

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ۔ اور جب عذاب مذکور یعنی طوفان وغیرہ بطور سزا کے ان پر نازل ہوا۔ قَالُوْا تو ہر بار کہا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ۔ اے حضرت موسیٰ علیہ السلام جس کا تمہارے ساتھ تمہارے رب تعالےٰ نے وعدہ فرمایا ہے ہمارے لیے دعا کیجئے۔ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ کی باء اُدْعُ کا صلہ اور ما مصدریہ ہے اور اس عہد سے نبوّت مراد ہے۔ یعنی دعا کیجئے تاکہ ہم سے عذاب وغیرہ ٹل جائے اور معاہدہ کا وسیلہ پیش کرو۔ جس کا تمہارے ساتھ رب تعالےٰ نے وعدہ فرمایا ہے یعنی نبوّت کا وسیلہ اس لیے نبوّت کے حقوق اور اس کے مقتضیٰ سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنی امّت کے مصائب و شدائد کو دفع کرنے کے لیے نبوّت کو وسیلہ بنائیں۔

فائدہ: نبوّت کو عہد سے تعبیر کرنے میں مبالغہ ہے۔ بایں معنی کہ جب اللّٰہ تعالےٰ نے کسی نبی علیہ السلام کو نبوّت عطا فرمائی تو گویا اس پر ایک بوجھ ڈالا کہ جس سے وہ اپنے رب تعالےٰ کے پیغامات پہنچائیں اور وہ اس کے صلہ میں ان کی ہر مشکل کے وقت دعا مستجاب فرمائے۔ یہاں عہد بمعنے معہود ہے۔

فائدہ: تفسیر فارسی میں لکھا ہے کہ وہ وعدہ جو اللّٰہ تعالےٰ نے آپ سے کیا ہے وہ یہی کہ جب تم دعا مانگو گے وہ قبول کرے گا۔ اس معنے پر یہ ما موصولہ ہے اور اس سے وہ الفاظ مراد ہیں جو دعا مانگنے والا اپنی طلب حاجت کے وقت اللّٰہ تعالےٰ کے حضور میں پیش کرے اور اس معنے پر بھی باء اُدْعُ کا صلہ ہوگی۔

لَئِنْ كَشَفْتَ۔ البتہ اگر وہ ٹال دیں گے عَنَّا الرِّجْزَ۔ ہمارے سے وہ جو ہمارے اوپر نازل ہوا ہے عذاب لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ۔ تو البتہ ضرور ہم آپ پر ایمان لائیں گے اور آپ کے ساتھ بنی اسرائیل کو ان کے آبائی وطن یعنی بیت المقدس جانے کے لیے اجازت دیں گے) اور انہیں اپنی خدمات سے آزاد کر دیں گے۔

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ۔ پس جس وقت ہم نے ان سے عذاب کو ایک مدت تک چھوڑ رکھا۔ یعنی اس مدت تک کہ جس کے عذاب میں مبتلا ہو کر فنا و برباد ہوئے یعنی پانی میں ڈوب کر مر جانے تک۔ اِلٰٓى اَجَلٍ كَشَفْنَا سے متعلق ہے اور هُمْ بٰلِغُوْهُ۔ محلاً مجرور ہے اس لیے کہ یہ اجل کی صفت

ہے۔ اِذَا ھُمْ یَنْکُثُوْنَ۔ یہ لما کا جواب ہے یعنی ہم نے انہیں نجات دی تو وہ اچانک تامّل و توقف کے بغیر وعدہ توڑنے پہ آ گئے۔

نکث فارسی میں بمعنے عہد شکستن (وعدہ توڑنا) ہے۔ فَانْتَقَمْنَا مِنْھُمْ۔ یہ فاء انتقام وعذاب کے عہد شکنی کی سببیّت کے لیے ہے اور انتقام سے یہاں نتیجہ مراد ہے۔ یعنی تباہی و بربادی اسی طرح غضب سے بھی یہی مراد ہے اس لیے کہ ان کا حقیقی معنٰے اللہ تعالےٰ کے لیے مراد لینا محال ہے۔

فائدہ: ابن الشیخ نے فرمایا کہ برائی کی سزا برائی سے دینے کو مجازاً انتقام سے تعبیر کیا گیا ہے۔

سوال: انتقام اللہ تعالےٰ کی طرف منسوب کیوں ہے حالانکہ یہ کام تو انبیاء و اولیاء کا ہے۔

جواب: چونکہ انبیاء و اولیاء فانی فی اللہ و باقی باللہ ہوتے ہیں ان کا مطمح نظر سوائے ذاتِ حق کے اور کچھ نہیں ہوتا اسی لیے اللہ تعالےٰ ان کی جانب سے یہ کام سرانجام دیتا ہے کہ ان کے دشمنوں کو بدلہ کے طور عذاب میں مبتلا کرتا ہے اب آیت کا معنے یہ ہوا کہ ہم نے فرعون اور اس کی قوم سے بدلہ لینے کا ارادہ فرمایا جبکہ وہ معاصی و جرائم میں مبتلا ہوئے۔ اس معنے پر فَاَغْرَقْنٰھُمْ انتقام کا عین ہے یعنی لفظ دو ہیں معنے ان کا ایک ہے۔

سوال: اگر یہ انتقام کا ہم معنی ہے تو پھر اس پر فاء کا دخول کیوں۔

جواب ۱: لفظاً عین نہیں بلکہ معنیً ہے اور معنیً بھی بایں طور ہے کہ سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا ہے تاکہ تنبیہ ہو کہ ایسے لوگوں کا انتقام اللہ تعالےٰ کے ارادہ سے غیر منفک نہیں ہوتا۔

جواب ۲: یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مطلق انتقام مراد ہو۔ اس معنے پر فاء تفسیریہ ہے چنانچہ دوسرے مقام پہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا **ونادی نوح ربہ فقال رب الخ**

فِی الْیَمِّ۔ ایسے دریا میں کہ جس کی گہرائی کا ادراک ناممکن ہو یا یم سے مراد دریا کی بہت بڑی گہرائی مراد ہے اہلِ عرب (لُجَّۃُ الْبَحْرِ) دریا کی بہت بڑی گہرائی کو کہتے ہیں۔

فائدہ: حدادی نے فرمایا کہ یم عبرانی لغت میں دریا کو کہا جاتا ہے اور عبرانی یہودیوں کی لغت ہے۔

فرعون کے غرق ہونے کا بیان

تفسیر فارسی میں ہے کہ فرعون اور اس کا لشکر دریائے قلزم میں غرق ہوا اور دریائے قلزم مصر کے نزدیک ہے وہ اس لیے کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ بنی اسرائیل کو مصر سے باہر لے جائیں اس سے قبل بنی اسرائیل کی عورتوں نے قبطیوں کی عورتوں سے زیور عاریتاً لے رکھے تھے۔ ان سے کہا کہ ہم نے ایک (عید) خوشی میں شمولیت کرنی ہے۔ انہوں نے انہیں اپنے زیور دے دیئے اچانک حضرت موسیٰ علیہ السلام

کو مصر سے باہر نکلنے کا حکم ہوا اور وہ بنی اسرائیل کو رات کے پہلے حصے میں لے کر چلے تھے۔ اس وقت بنو اسرائیل (مرد و عورت اور بچے ملاکر) کل میزان چھ ہزار تھے۔

فرعون کو معلوم ہوا تو ایک لاکھ دو ہزار لشکر لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پالیا۔ جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کا لشکر دریا میں پہنچ چکے تھے اور دریا میں عصا مبارک مارا تو اس میں بارہ سڑکیں بن گئیں (اس لیے کہ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے)، ہر قبیلہ دریا کی اپنی سڑک پر گزرا۔ فرعون اور اس کا لشکر انہی راستوں سے دریا میں داخل ہوئے جہاں سے بنی اسرائیل دریا میں داخل ہوئے تھے۔ جب وہ دریا کے درمیان میں پہنچے تو اللہ تعالےٰ نے دریا کو حکم دیا تو جوش میں آکر اس نے فرعون اور اس کے تمام لشکر کو ڈبو دیا۔

بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ۔ (اس لیے کہ انہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور ان سے وہ غافل تھے)، یہ غرق ہونے کی تعلیل ہے یعنی انہیں اس لیے غرق کر دیا گیا کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لائے ہوئے معجزوں کی تکذیب کی اور ان سے روگردانی کر کے ان میں پورے طور غور و فکر نہ کیا۔ یہاں تک کہ وہ ان معجزات سے گویا غافلوں جیسے ہو گئے۔

فائدہ: اگرچہ فاء کا تقاضا یہ ہے کہ ان کا اغراق نکث عہد کے بعد ہو لیکن تعلیل کی تصریح سے ثابت ہوا کہ اس سے یہ بتانا مطلوب ہے کہ ان سب کا دار و مدار آیاتِ الٰہیہ کی تکذیب اور ان سے روگردانی پر ہے تاکہ سامعین کے لیے زجر و توبیخ ہو کہ تم بھی اگر حضور رسولِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے لائے ہوئے آیات و معجزات کا انکار یا اعراض کرو گے تو تمہارا حشر بھی وہی ہوگا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کرنے والوں کا ہوا۔

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ (اور ہم نے انہیں وراثت بخشی ایسی قوم کی)، اس سے بنی اسرائیل مراد ہیں اور اَلْقَوْمَ اَوْرَثْنَا کا مفعول اول ہے كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ جنہیں قبطیوں نے کمزور کر ڈالا تھا اور ان پر جبر و تشدد اور قہر و استبداد کرتے یعنی ان کے لڑکوں کو ذبح کر کے اور ان کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑ کر ان سے خدمت کرا کر اور خود انہیں اپنے نوکر اور غلام بنا کر ذلیل کرتے۔

مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا۔ یہ اَوْرَثْنَا کا مفعول ثانی ہے اس سے شام کا ملک مراد ہے۔ یعنی اس علاقہ کے مشارق و مغارب۔ یعنی شرقی و غربی جہات کا انہیں وارث بنایا۔ چنانچہ فراعنہ و عمالقہ کے بعد اس ملک پر بنو اسرائیل کا قبضہ ہو گیا اور وہ اس کے مستقل طور مالک بن گئے۔

الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا۔ ایسا کہ ہم نے ان میں برکتیں نازل فرمائیں کہ وہ ملک خوشحال بن گیا اور بنی اسرائیل کو رزق

کی فراوانی نصیب ہوئی۔ یہ جملہ مشارق و مغارب کی صفت ہے۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى۔ اور تیرے رب تعالےٰ کا اچھا کلمہ مکمل ہو گیا۔

فائدہ : کلمہ سے یہاں اللہ تعالےٰ کا ان سے فتح و نصرت کا وعدہ مراد ہے جو انہیں اللہ تعالےٰ نے ملک شام پر قبضہ بخشا۔ چنانچہ ان کے متعلق اللہ تعالےٰ نے فرمایا " ونمکن لھم فی الارض ونری فرعون و ھامان وجنودھا ومنھم ما کانوا یحذرون " اور اس سے قبل کا ارشاد کہ " ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلھم ائمہ ونجعلھم الوارثین " اور کلمہ کے اتمام سے اپنے وعدہ کا ایفاء اور اس کی تکمیل مراد ہے اس لیے کہ شئے کی تکمیل کا تقاضا یہ ہے کہ وہ مکمل کرنے والے سے وقوع پذیر ہو (زبان سے یا لکھنے سے اور عیان و خارج میں)، اتمام و تکمیل کا یہی مقصد ہے کہ وہ شئے واقع ہو جائے۔

علی بنی اسرائیل بما صبروا۔ (بنی اسرائیل بوجہ اس کے کہ انہوں نے صبر کیا)، یعنی ان شدائد و مصائب پر صبر کرنے کا صلہ ہے جو انہیں فرعون اور اس کی قوم سے پہنچے۔ وَدَمَّرْنَا۔ (اور ہم نے خراب و برباد اور ہلاک کر ڈالا)۔

مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ (وہ جو فرعون اور اس کی قوم کرتی تھی)، یعنی فرعون اور اس کی قوم کی تعمیرات اور ان کی بلڈنگیں اور مکانات و محلات یعنی ہم نے فرعون کی تمام عمارتیں ڈھا دیں۔

(ترکیب) فرعون کان کا اسم اور یصنع اس کی خبر اسم پر مقدم ہے اور یہ تمام جملہ ناقصہ ماموصولہ کا صلہ ہے اور اس میں عائد محذوف ہے۔ اصل عبارت یوں تھی " ودمرنا الذی کان یصنع فرعون وما کانوا اور وہ تھے یعرشون بلند کرتے یعنی ان کے باغات انگوروں کے یا کھجوروں کے اور درخت وغیرہ۔

فائدہ : زبدۃ التفاسیر میں ہے کہ عرش کے انگوروں اور درختوں کے اوپر کے حصے (جو چھت نما ہوتے ہیں) مراد ہیں۔

تفسیر صوفیانہ : آیت میں اشارہ ہے کہ عزیز وہ ہے جسے اللہ تعالےٰ عزت دے اور ذلیل وہ ہے جسے اللہ تعالےٰ ذلیل کرے اور جو شخص بھی مصائب و شدائد میں اللہ تعالےٰ کی رضا میں صبر کرے تو اسے ضرور عزت نصیب ہو گی ورنہ انجام بخیر تو نصیب ہو گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو وعدہ پورا کر کے دکھایا کہ انہیں مشارق و مغارب کی سلطنتیں قبضہ میں دیدیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو بھی سورہ نور میں وعدہ بخشا کہ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔

فائدہ اَلْاَرْض سے عرب و عجم کے کفار کی زمین اور اَلَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِہِمْ سے بنو اسرائیل مراد ہیں۔

مختارِ کل نبی علیہ السلام ① حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین کو لپیٹا تو میں نے تمام مشارق و مغارب کا معائنہ فرمایا۔ یاد رکھو کہ میری اُمّت کی ملکیت مملکت وہاں تک محیط ہو گی جہاں تک میں نے مشارق و مغارب کو دیکھا (مشکوٰۃ شریف وغیرہ)۔

② ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شبِ معراج اس تمام زمین کو جمع کر کے میرے سامنے رکھا (اس سے شبِ معراج کے علاوہ کوئی دوسرا وقت مراد ہے بہرحال) میں نے مشارق و مغارب کی تمام زمین کے گوشے گوشے کو دیکھا۔ پھر وعدہ دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ میری اُمت کو اس تمام روئے زمین سے بھر دے گا اور وہ اس دھرتی کو عدل سے پُر کر دیں گے جیسے اس سے قبل وہ دھرتی جور و ستم سے پُر ہو جائے گی اور مومنین کو تمام روئے زمین کا مالک بنا دے گا (یہ اس صورت میں ہے جب الارض کی الف و لام کو استغراق پر محمول کیا جائے۔ بعض نے کہا کہ یہ الف لام عہد خارجی کی ہے جیسے کہا جاتا ہے اخلق الباب۔ جبکہ اس سے مخصوص دروازہ مراد ہو اور اس میں مِنْ تبیینیہ ہے۔

فائدہ اس سے یہ ضروری نہیں کہ زمین کا چپہ چپہ مراد ہو اور نہ ہی آپ کی اُمت کا زمین کے چپے چپے کا مالک ہونا ضروری ہے۔

اعجوبہ زمین کے جس ٹکڑے پر حضور علیہ السلام کی نگاہ کرم ہوئی کہ وہ دار الاسلام ہوئی اور جو زمین آپ سے محجوب رہی وہ دار الکفر ٹھہری۔ حقیقت حال کو اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے اسی سے کرم و نعمت اور اسی کی طرف رجوع اور اچھا انجام ہے ۔ وَاللہُ تعالیٰ اعلم بحقیقہ الحال ومنہ الکرم والنوال والیہ الرجوع والمآل۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے عبور کرایا۔ فاعل بمعنے فعل یعنی جاوز بمعنے جاز ہے۔ ایسے ہی اہل عرب کہتے ہیں جاوز الوادی یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اس اس وادی کو طے کر جائے۔ ایسے ہی کہتے ہیں جاوزہ بغیرہ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی اس دریا کو عبور کر لے۔ یہاں پر با تعدیہ کی ہے جیسے ہمزہ اور تشدید بھی تعدیہ کے لئے ہوتے ہیں اس تقریر پر اب آیت کا معنےٰ ہوا کہ ہم نے بنی اسرائیل کو دریا عبور کرایا۔ یعنی جاوزنا بمعنے اجزنا یا جوزنا ہے اس کا معنےٰ فارسی میں بگذرانیدیم (ہم نے عبور کرایا) اور اس سے دریائے قلزم مراد ہے لیکن جس نے اس سے دریائے نیل مراد لی

ہے اس سے غلطی ہوئی۔ قاموس میں ہے قلزم بروزن قنفد ایک شہر کا نام ہے جو مصر و مکہ کے درمیان کوہ طور کے قریب واقع ہے۔ اس کی طرف بحر کی اضافت ہوتی ہے مثلاً کہا جاتا ہے بحر القلزم اس لئے کہ وہ اس کے کنارے واقع ہے یا اس لئے کہ وہ دریا اتنا زوردار ہے کہ جو بھی اس سے گذرے تو وہ اُسے لقمہ بنالیتا ہے قلزمتہ سے ماخوذ ہے بمعنی الابتلاع یعنی نگلنا۔

فائدہ مروی ہے کہ اس دریا کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عاشورہ کے دن عبور فرمایا اسی لئے اس دن انہوں نے اللہ تعالیٰ کی شکر گذاری کے لئے روزہ رکھا۔

فَاَتَوْا پس آئے یعنی گذرے۔ **عَلٰی قَوْمٍ** (ایک قوم سے) اس سے کنعان کے عمالقہ مراد ہیں جن کے متعلق موسیٰ علیہ السلام نے جنگ کا حکم فرمایا تھا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ وہ لخم قوم تھی (وہ یمن کے ایک قبیلہ کا نام ہے) اور بعض اُن میں جاہلیت کے دور میں بادشاہ بھی تھے۔ زمخشری نے کہا کہ وہ مصر کا قبیلہ تھا۔

یَّعْکُفُوْنَ عَلٰٓی اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ اپنے بتوں کے ارد گرد بیٹھے تھے یعنی ان کی عبادت پر مواظبت و مداومت رکھتے تھے۔

حل لغات العکوف تاج المصادر میں ہے کہ کسی شے کے گرد اگرد پھرنا یا کسی جگہ مقیم ہونا۔ مثلاً کہا جاتا ہے عکف ای جلسہ اور عکف علیہ یعنی فلاں شے پر مواظبت کرنے والا ہے۔

قَالُوْا اس قوم کا حال دیکھ کر کہنے لگے۔ **یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا** اے موسیٰ علیہ السلام ہمارے لئے بھی مجسمے بنائیے تاکہ ہم اُن کی پرستش کریں **کَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ** جیسے ان کے معبودوں کے مجسمے ہیں اور وہ وہ ان کی پرستش کرتے ہیں۔ اس کاف کا متعلق محذوف ہے جو اِلٰهًا کی صفت ہے اور ما موصولہ ہے اور لہم اس کا صلہ ہے اور آلہۃ ما سے بدل ہے۔ اصل عبارت یوں تھی **اجْعَلْ لَنَا اٰلِهًا کائنا کالذی استقر لهم الخ** اس تقریر پر عائد محذوف ماننا پڑے گا۔

فائدہ اس قوم کے بت گائے کی شکل کے تھے۔ یہی واقعہ بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی کا پیش خیمہ بنا۔

قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝ فرمایا تم جاہل قوم ہو۔

سوال حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں مطلق جہالت سے کیوں موصوف فرمایا؟ (اس لئے کہ تجہلون کا مفعول مذکور نہیں اور قاعدہ ہے کہ جہاں فعل متعدی کا مفعول محذوف ہو وہاں مطلق مراد ہوتا ہے)۔

جواب اُن کی شان سے بعید تھا باوجودیکہ وہ بہت بڑے معجزات اور آیات مفصلات کا مشاہدہ کر چکے تھے لیکن پھر بھی غیر دانشمندانہ سوال کر دیا۔ اسی لئے وہ مطلق جہالت کی صفت سے موصوف ہونے کے لائق ہوئے۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ باب تفعیل کا مفعول ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں تبرہ تتبیراً ای کسرہ و اہلکہ یعنی اس شے

کو توڑ کر تباہ و برباد کر ڈالا۔ متبرہ بمعنے متجر و مہلک یعنی بے شک وہ قوم جو مجسموں کی پرستش کر رہے ہیں اُن کا یہ حال بربادی کا ہے۔ مَّا هُمْ فِيْهِ جس میں وہ ہیں یعنی جس دین باطل کے مطابق ہو کر جو کچھ کر رہے ہیں تو وہ ایسا دین ہے جسے اللہ تعالیٰ عنقریب تباہ و برباد کر دے گا۔ اور اُن کے بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے بلکہ ملیا میٹ کر دے گا مَا هُمْ فِيْهِ متبرٌ کے ان کی خبر ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ماھم فیہ متبر کا فاعل ہو اس لئے کہ متبرٌ کا معتمد علیہ یعنی مسند اللہ موجود ہے اسی لئے وہ اب اپنے فعل کا عمل کرے گا وَ بٰطِلٌ اور نرا باطل ہے۔ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وہ عمل یعنی وہ جو بتوں کی پرستش کرتے ہیں۔ اگرچہ ان کی پرستش تقرب الی اللہ کے ارادہ پر ہے لیکن چونکہ بلا اجازت شرعیہ ہے اسی لئے یہ تقرب وسیلہ بھی کفر ہے[1]

قَالَ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اَغَيْرَ اللّٰهِ کیا عبادت کے غیر مستحق کو اَبْغِيْكُمْ یہاں لام محذوف ہے دراصل "ابغی لکم" تھا۔ تمہارے لئے تلاش کروں [اِلٰهًا] معبود یہ لفظ غیر سے تمیز یا حال ہے اور وہ غیر ابغی کا مفعول ہے۔ اور یہ ہمزہ انکاری ہے۔ یعنی وہ شے جو اللہ تعالیٰ کا غیر ہے وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایسی نعمتوں سے نوازا۔ جو تمہارے سے پہلے کسی کو نصیب نہ ہوئیں۔ یعنی مذکورہ آیات باہرہ معجزات شریفہ صرف تمہارے نبی موسیٰ علیہ السلام کو عنایت ہوئے تمہارے سے پہلے کسی ایک کو ایسے آیات مفصلات نصیب نہیں ہوئے۔

فائدہ حدادی نے فرمایا کہ اس سے ان کے ہمزمان قبطی مراد ہے۔ اس لئے کہ اس سے قبل بنی اسرائیل قبطیوں کے نوکر تھے اور نہایت ذلت کی زندگی بسر کر رہے تھے جس میں انہیں تنبیہ کی گئی ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے حصول کے بعد شکر گزاری کے بجائے برائی کا مظاہرہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے بہت بڑے مراتب سے فائز المرام ٹھہرایا لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا استحقاق ذلیل ترین مخلوق کے لئے ظاہر کیا بلکہ ذلیل ترین مخلوق کو اس کا شریک ٹھہرایا۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

ہمائی چوں تو عالی قدر حرص استخواں حیفست
دریغا سایۂ ہمت کہ بر نا اہل انگند

ترجمہ: تُو تو ہما ہے تو کتنا عالی قدر ہے لیکن افسوس ہے کہ تو ہڈیوں کا حریص ہے تجھ پر افسوس کہ تو نے اپنی سایہ ہمتی نا اہل کو دیدی ہے۔

---

[1] اس سے انبیاء و اولیاء کو تقرب الی اللہ یعنی وسیلہ سمجھنا کا عقیدہ صحیح ٹھہرا اس لئے کہ انبیاء و اولیاء کو وسیلہ بنانا اجازت شرعیت محمدیہ ہے علی الصاحبہا الصلوٰۃ والسلام ۱۲۔ اُویسی غفرلہ

سبق: اس شخص پر بڑا افسوس ہے کہ جو نا قدر شناس ہے اور اپنی عالی ہمتی کا تعلق نا اہل سے وابستہ کرتا ہے ؎

خلق را نیست سیرت پدراں
ہمہ بر سیرت زمانہ روند

ترجمہ: خلق خدا کی سیرت باپ کی وراثت نہیں ہر ایک اپنی سیرت پر چلتا ہے۔

ربط اب نجات پانے اور اس کے متعلقات نعمتوں کا ذکر فرمایا کہ

وَاِذْ اَنْجَیْنٰکُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ اور اے بنی اسرائیلو! یاد کرو اللہ تعالیٰ کی وہ کرم نوازی جو تمہارے ساتھ کی گئی وہ یہ کہ تمہیں فرعون اور اس کے لشکر کی تباہی و بربادی سے پوری پوری نجات بخشی۔

ربط اب بتایا جاتا ہے کہ اُن کو کس مصیبت سے نجات بخشی گئی وہ یہ کہ

یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ اور تمہیں سخت ترین اور نہایت ہی ہولناک مصائب میں دوچار کرتے تھے یہ سأ السلعۃ سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب سامان کی طلب کی جائے۔ اس جملہ سے بدل بنا کر اس کی مزید تشریح فرمائی کہ یُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَکُمْ وہ تمہارے بچوں کو ذبح کرتے۔ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَکُمْ اور تمہاری بیٹیوں کو خدمت کے ارادہ پر باقی رکھتے۔ وَفِیْ ذٰلِکُمْ اور اس نجات دینے اور بڑی سزائیں بَلَآءٌ نعمت یا محنت (آزمائش) ہے اس لئے کہ لفظ بَلَآءٌ ہر دو نوں معنوں پر ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (وَبَلَوْنٰھُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّیِّاٰتِ) مِّنْ رَّبِّکُمْ تمہارے امور کے مالک سے اس لئے کہ نعمت و محنت ہر دونوں من جانب اللہ ہوتی ہیں۔ عَظِیْمٌ ایسی بڑی کہ جس کا کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ (انجاء اور عاشورہ کے فضائل کا بیان سورہ بقرہ میں گذرا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت ہذا میں بنی اسرائیل سے قلب کے صفات اور نفر سے قالب اور اس کے صفات مراد ہیں اور بحر سے دنیا اور فرعون سے نفس مراد ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ قلب و قالب اور اس کے صفات کے عذاب میں مبتلا تھے جب اللہ تعالیٰ نے انہیں (نفس) اور دنیا سے نجات بخشی تو ان کا ایک قوم پر گذر ہوا یہاں قوم سے صفات رُوح مُراد ہیں جو کہ وہ اپنے بتوں کی پرستش میں سرمست تھیں یہاں بتوں سے معانی معقولہ و معارف روحانیہ مراد ہیں تو انہوں نے انہیں بہتر اور اعلیٰ سمجھ کر وہاں ٹھہرنے کا ارادہ کر لیا یعنی صفات روح نے عالم ارواح حقبہ پر اقامت کا پروگرام بنانے کا ارادہ کیا تو موسیٰ کو کہا۔ یہاں پر موسیٰ سے وہ وارد ربانی مراد ہے جس نے انہیں بحر دنیا سے عبور کرایا۔ یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰھًا کَمَا لَھُمْ اٰلِھَۃٌ ط اس میں اشارہ ہے کہ اگر بندے پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم نہ ہوتا کہ اسی کے فضل و کرم سے قدم عبودیت و صدق طلب پر ثابت قدم رکھ کر مقصد اعلیٰ تک

پہنچاتا ہے، تو بندہ نفائس عقلی تو زہے قسمت خسائس دنیا کی طرف جھک جانا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب سے خطاب فرماکر اس مضمون کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ۝ (اگر ہم تمہیں ثابت قدم نہ رکھتے تو تم ان کی طرف تھوڑے سے جھک جاتے)۔ تو موسیٰ یعنی وارد ربانی نے ان صفات روحانیہ کی طرف جھکتا دیکھ کر فرمایا اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝ تم اللہ تعالیٰ کی قدر و منزلت سے بے خبر ہو اور نہ ہی تمہیں اُن کی عنایات بے غایات کا علم ہے اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ بے شک یہ صفات روح مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ سراسر تباہی ہے وہ جو اس میں ہیں فیہ کی ضمیر کا مرجع رُکون و عکوف ہے۔ یعنی صفات کا صرف معانی معقولہ و معارف روحانیہ کے معلومات کی طرف جھکنا اور انہیں پہ مداومت کا پروگرام بنانا رُوح کے لئے سراسر تباہی ہی بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اور باطل ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں وہ سب باطل اور ضائع ہے قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ کہا کیا تمہیں ایسی منزل پر اُتاروں جو وصال وصول سے تعلق نہیں رکھتا۔ وَهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں جمیع حیوانات وجنات اور ملائکہ پر فضیلت بخشی ہے وہ اس طرح کہ انسان جب جسمانیات اور روحانیات کو عبور کرکے معارف و حقائق الٰہیہ تک پہنچ جائے وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ اور یاد کرو جب ہم نے تمہیں نفس اور اُس کی صفات سے نجات بخشی يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ اور تمہیں بُعد و فراق کے بہت بُرے عذاب میں مبتلا رکھتے تھے۔ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ اور تمہارے اعمال صالحہ کو باطل کرتے بایں طور کہ اعمال صالحہ قلب سے متولد ہوتے ہیں۔ لیکن نفس اور اس کے صفات ریا و عجب نفسانی و دیگر خرابیوں کو قلب پر مسلّط کرکے تمام اعمال صالحہ ضائع کر دیتے۔ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ اور باقی رکھتے نفس اور اس کے صفات کے لئے قلب کے صفات بایں طور کہ قلب سے جو عمل صالح صادر ہوتا ہے وہ سمعۃ و عجب سے ملوث ہوتا تاکہ نفس اور اُس کے صفات کی خدمت ہوتی رہے وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝ اور اس میں تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی آزمائش یا نعمت ہے یعنی نفس اور اس کے صفات کے لئے قلب کے صفات کی خدمت کرنے میں بایں طور کہ قلب اور اُس کے صفات کے تمام صالحہ میں ریا و سمعۃ ہو تاکہ نفس کو منافع دنیوی کے حصول میں حظ وافر نصیب ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے تمہیں نفس اور اس کے صفات کی قیود سے نجات بخشی تاکہ تم غیر اللہ کی طلب اور ماسوی اللہ کی عبادت میں مبتلا نہ ہو اور نہ ہی صرف روحانیات اور معقولات کی طرف جھکو۔ اُن خرابیوں سے بچ جاؤ گے تو تمہیں مراتبِ وصول اور درجاتِ وصال نصیب ہوں گے (التاویلات النجمیہ)

صوفیانہ چٹکلے ① وصال حق کی پہلی منزل نفس کو یکلخت چھوڑ دینا ہے اسی طرح وصال حق سے محرومی منزل نفس کو اوّلیت کا درجہ دینا ہے۔

② درجاتِ قرب کا پہلا درجہ یہ ہے کہ نفس کے تمام شواہد مٹا کر حق کو جگہ دی جائے ۔

③ دلالت الی اللہ کی طلب کی کوئی انتہا نہیں ۔

④ یہ اصول مسلم ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی طلب میں رہتا ہے اسے ضرور اللہ تعالیٰ کا وصال نصیب ہوگا۔ اس گھڑی کا اگرچہ تعین نہیں کیا جا سکتا لیکن جب نصیب ہوتا ہے تو پھر آنکھ جھپکنے سے بھی پیشتر۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

غرض ز مسجد و میخانہ ام وصال شما است
جز ایں خیال ندارم خدا گواہ منست

ترجمہ: مجھے مسجد اور میخانہ سے تیرا وصال مقصود ہے میری اس غرض کا اللہ تعالیٰ گواہ ہے ۔

ایک صوفی کی آپ بیتی ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ مجھے دنیا اپنی پوری زیبائش و آرائش سے دکھائی گئی لیکن میں نے اس سے منہ پھیر لیا۔ پھر مجھے عقبیٰ اور حور و قصور اور اُن کے حسین و رنگین نقوش سامنے لائے گئے لیکن میں نے بے رغبتی دکھائی تو آواز آئی اگر تو دنیا کو پسند کر لیتا تو تجھے عقبیٰ کی نعمتوں سے محروم رکھا جاتا پھر اگر تُو عقبیٰ کو دیکھ کر مست ہو جاتا تو اللہ تعالیٰ کے دیدار سے محجوب رہتا۔ اب ہم نے تیرے حجابات ہٹالئے ہیں دونوں جہانوں میں ہم تیرے تو ہمارا۔

حضرت بایزید بسطامی کی کہانی حضرت احمد بن حضرویہ رحمہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ رب العزۃ جل شانہٗ کو خواب میں دیکھا تو فرمایا اے احمد سارے لوگ مجھ سے دنیا و آخرت کا مطالبہ کرتے ہیں لیکن صرف بایزید کو میری طلب ہے ۔

حضرت ابراہیم بن ادھم قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ جبریل علیہ السلام کے ہاتھ میں سفید کاغذ ہے میں نے پوچھا حضرت اسے کیا کرو گے فرمایا کہ میں اس پر اللہ تعالیٰ کے دوستوں (محبوں) کے نام درج کروں گا۔ حضرت ابراہیم بن ادھم قدس سرہٗ نے عرض کی تو اس فقیر کا نام ان سب کے نیچے لکھ دینا۔ غیب سے ندا آئی کہ اے جبریل ابراہیم کا نام سب سے اوپر لکھ دیجئے۔

وَوٰعَدْنَا مُوسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ

اور ہم نے موسیٰؑ سے تیس رات کا وعدہ فرمایا اور ان میں دس اور بڑھا کر پوری کیں تو

اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِىْ فِىْ قَوْمِىْ وَ

اسکے رب کا وعدہ پوری چالیس رات کا ہوا۔ اور موسیٰؑ نے اپنے بھائی ہارونؑ سے کہا میری قوم پر میرے نائب رہنا اور

اَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَمَّا جَآءَ مُوسٰى لِمِيْقَاتِنَا

اصلاح کرنا اور فسادیوں کی راہ کو دخل نہ دینا اور جب موسیٰؑ ہمارے وعدہ پر حاضر ہوا اور

وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِىْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ قَالَ لَنْ تَرٰىنِىْ وَلٰكِنِ

اس سے اس کے رب نے کلام فرمایا عرض کی اے رب میرے مجھے اپنا دیدار دکھا کہ میں تجھے دیکھوں فرمایا تو مجھے ہرگز نہ دیکھ سکے گا ہاں

انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِىْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى

اس پہاڑ کی طرف دیکھ یہ اگر اپنی جگہ ٹھہرا رہا تو عنقریب تو مجھے دیکھ لے گا پھر جب اس کے

رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ

رب نے پہاڑ پر اپنا نور چمکایا اسے پاش پاش کردیا اور موسیٰ گرا بے ہوش۔ پھر جب ہوش ہوا بولا

قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ قَالَ

پاکی ہے تجھے میں تیری طرف رجوع لایا اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں فرمایا

يٰمُوسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ

اے موسیٰؑ میں نے تجھے لوگوں سے چن لیا اپنی رسالتوں اور اپنے کلام سے

فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى

تو لے جو میں نے تجھے عطا فرمایا اور شکر والوں میں ہو اور ہم نے اس کے لیے تختیوں

الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ

میں لکھ دی ہر چیز کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل اور فرمایا اے موسیٰؑ

فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۭ سَاُورِيْكُمْ

اسے مضبوطی سے لے اور اپنی قوم کو حکم دے کہ اس کی اچھی باتیں اختیار کریں

دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ

عنقریب میں تمہیں دکھاؤں گا بے حکموں کا گھر اور میں اپنی آیتوں سے انہیں پھیر دوں گا جو زمین میں

فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ

ناحق اپنی بڑائی چاہتے ہیں اور اگر سب نشانیاں دیکھیں ان پر ایمان نہ لائیں

وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا

اور اگر ہدایت کی راہ دیکھیں اس میں چلنا پسند نہ کریں اور گمراہی کا راستہ

سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا

نظر پڑے تو اس میں چلنے کو موجود ہو جائیں یہ اس لیے کہ انہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں

وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ

اور ان سے بے خبر بنے اور جنہوں نے ہماری آیتیں اور آخرت کے دربار کو

الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا

جھٹلایا ان سب کا کیا دھرا اکارت گیا انہیں کیا بدلہ ملے گا مگر وہی جو

يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع

کرتے تھے

تفسیر عالمانہ وَوٰعَدْنَا کسی نفع کے پہنچنے سے پہلے خبر دینے کا نام وَعْدٌ ہے یعنی ہم نے وعدہ کیا **مُوْسٰی** موسیٰ علیہ السلام سے یہ عجمی اسم ہے اس کا کوئی اشتقاق نہیں یا یہ موسیٰ الحدید سے مشتق ہے اس کا وزن مفعل ہے اَوْسَیْتُ لاسَنۃ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اپنا سر منڈائے یا اس کا وزن فعلیٰ ہے ماس یماس اس کا اصل ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شخص چلنے میں نازو نزاکت کا مظاہرہ کرے اور موسیٰ (سر مونڈنے کا استرہ) کو اس لئے موسیٰ کہتے ہیں کہ وہ سر مونڈتے وقت سر پر چلتا پھرتا رہتا ہے۔ ثَلٰثِیْنَ لَیْلَۃً تیس شبارروز کا۔

سوال آیت میں تو لفظ لیلۃ ہے تم نے دنوں کو کیسے شامل کر لیا؟

جواب چونکہ اہل عرب کے مہینوں کا دارومدار رُویت ہلال پر ہے اور وہ رات کو نظر آتا ہے بنا بریں آیت میں لیلۃً کا لفظ بول کر مطلق شب و روز مراد لیا گیا ہے اور ثَلٰثِیْنَ وَوٰعَدْنَا کا مفعول ثانی ہے

اُن سے پہلے مضاف محذوف ہے وہ لفظ تمام ہو یا مکث۔

سوال ابن الشیخ نے فرمایا کہ موعود کا ایفاً واعدا وعدہ کرنے والے سے ہوتا ہے اور یہاں یہ معنےٰ اللہ تعالیٰ کے لئے صحیح نہیں ہو سکتا؟

جواب یہ مفاعد یعنی واعدنا اپنے معنیٰ پر ہے کہ اللہ تعالیٰ سے وعدہ کا ایفاء کا یہ معنے ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام وہاں کوہ طور پر ٹھہر کر تیس ۳۰ روزے مکمل کریں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے انہیں موعودہ کتاب تورات عنایت فرمائے گا اور موسیٰ علیہ السلام سے ایفائے عہد کا معنےٰ یہ ہے کہ وہ یہاں ٹھہر کر کوہِ طور پر تشریف لا کر روزے مکمل فرمائیں۔

خلاصہ جواب یہ ہے کہ واعدنا بمعنے وعدنا نہیں بلکہ اپنے حقیقی (مفاعلہ) معنےٰ پر ہے جبکہ اس کی یہ تاویل کی جائے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ صراحۃً ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا وعدہ ضمناً ہے جس پر اُن کا اس حکم پر سر تسلیم خم کرنا دلالت کرتا ہے۔

وَاَتۡمَمۡنٰهَا بِعَشۡرٍ اور ہم نے ان تیس دنوں کو دس سے مکمل کیا۔ یعنی ان تیس دنوں پر ہم نے دس دن اور بڑھا دیئے۔ **فَتَمَّ مِيۡقَاتُ رَبِّهٖۤ** پس اس کے رب تعالیٰ کا مقرر کردہ وقت مکمل ہوا۔

وقت اور میقات میں فرق میقات ہر اُس وقت کا نام ہے کہ مقرر کردہ وقت میں کوئی عمل بجا لایا جائے اور وقت وہ ہے جس میں کسی شئے کا وقوع ہو۔ اس وقوع کے لئے مقدر کرنے والا فعل کو مقدر کرے یا نہ۔

اَرۡبَعِيۡنَ لَيۡلَةً ۚ یہ میقات ربہ سے حال ہے اب معنےٰ یہ ہوا کہ درانحالیکہ رب تعالیٰ کا مقرر کردہ وقت چالیس راتوں میں مکمل ہوا۔ بعض نے کہا کہ اَرۡبَعِيۡن ليلة تَمَّ کا مفعول ہے اور وہ بمعنے بلغ ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کا کوہِ طور پہ قیام حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو وعدہ دے رکھا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ ہمارے مخالفین فرعون وغیرہ کو تباہ و برباد کرے گا تو اس کے بعد انہیں ایک کتاب منجانب اللہ نصیب ہوگی جس میں اُن کی زندگی کا دستور العمل ہوگا کہ کونسے اُمور سے اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوتا ہے اور کن اُمور سے وہ ناراض ہوتا ہے جب فرعون اور اس کا لشکر تباہ و برباد ہو گیا تو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی کہ لائیے اپنے رب تعالیٰ سے کتاب موعود۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حسب وعدہ اللہ تعالیٰ سے عرض کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تیس روزے رکھئے ماہ ذی قعدہ شریف کی پہلی تاریخ سے تا آخر شب و روز کا روزہ تھا۔ اس کی تکمیل کے بعد اللہ تعالیٰ اُن سے ہمکلام ہوا اور وحی بھیجنے اور نبوت کی تکمیل بات فرمائی چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے تیس دن اور راتیں کھانا پینا بند رکھ کر ان تمام روزوں کو مکمل فرمایا۔

سوال ان تیس دن اور راتوں میں انہیں بھوک نے نہ ستایا ہوگا یا ستایا تو صبر سے کام لیا کہ کبھی بھی کھانے

کا نام تک نہ لیا لیکن جب خضر علیہ السلام کے ہاں تشریف لے گئے تھے تو وہاں دوپہر تک صبر نہ کر سکے۔ بلکہ صاف صاف کہہ دیا کہ آتِنَا غَدَاءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا لائیے ہمارے ہاں صبح کا کھانا کہ ہم اس سفر میں خوب تھک گئے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب خضر علیہ السلام کے ہاں سفر میں تھے وہ بھی امتحان و ابتلاء و تادیب کا سفر تھا اور صحبت بھی ایک مخلوق کی تھی کہ صرف آدھے دن میں بھوک سے نڈھال ہو گئے خلاصہ یہ کہ وہاں بلاء و ابتلا کے علاوہ مخلوق کی صحبت میں تھے جس میں بھوک کا تصور سامنے رہا اور یہاں کوہ طور کی حاضری دیدار الٰہی کے شوق کے لئے تھی اور ذاتِ حق کی قربت و صحبت کی ہیئت بھی شامل تھی جس سے بھوک کا تصور ذہن سے اتر گیا۔ بلکہ یوں کہو کہ ان وجوہ کی بدولت انہیں کھانے پینے کی حاجت ہی نہ رہی[1]

دس راتوں کے اضافہ کی حکمت

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب تیس شب و روز کھانا پینا چھوڑا اور اب وعدۂ وصل نزدیک ہوا تو شوق دیدار سے متوجہ الی اللہ ہوئے تو اپنے منہ سے بو محسوس فرمائی اور خیال فرمایا کہ اس حالت سے اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی ناموزوں ہے چونکہ اس وقت ان کے منہ سے اس طرح بو محسوس ہوئی جیسے عموماً روزہ دار کو افطار سے پہلے محسوس ہوتی ہے۔ اس لئے اس حالت میں خرنوب (ایک قسم کا درخت ہے) کی لکڑی سے مسواک فرمایا اور زمین سے کوئی سبز پتہ لے کر چبایا تاکہ منہ کی مکروہ بُو خوشبو سے تبدیل ہو۔ آپ کی اس کاروائی کو دیکھ کر ملائکہ کرام نے آپ سے فرمایا کہ ہم آپ کے منہ مبارک سے مُشک سے خوشبو سونگھتے تھے لیکن آپ نے اسے مسواک سے ضائع کر دیا۔ بعض روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو پیغام بھیجا کہ اے موسیٰ (علیہ السلام) کیا تمہیں معلوم نہیں کہ روزے دار کے منہ کی خوشبو مجھے مشک سے بھی زیادہ مرغوب ہے تو پھر تم نے مسواک کیوں کیا۔ اس حکمت کے پیش نظر امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے روزہ کی حالت میں شام کے وقت مسواک کرنا کراہت کا فتویٰ دیا۔ اس لئے کہ مسواک روزہ سے پیدا شدہ بو کو ختم کرتا ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد پھر حکم نازل فرمایا کہ دس دن ذوالحج شریف کے اور روزے رکھئے تاکہ انہیں روزوں سے منہ کی بُو واپس لوٹے پھر ہم کلامی کا شرف نصیب ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے ذوالحج شریف کے دس دن مکمل فرمائے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دسویں دن کو ہمکلامی اور وحی سے نوازا (کذا قال اہل التفسیر)۔

سوال ہمکلامی اور وحی دسویں ذوالحج مقرر ہو تو پھر چالیس دن مکمل نہیں ٹھہرتے۔ اس لئے کہ دسویں ذوالحج کا روزہ شرعاً مکروہ ہے؟

جواب ① یہ تکمیل راتوں کے لحاظ سے ہے کہ دسویں شب کے اختتام تک روزہ مکمل کر کے دن کو شرع کے قانون پر روزہ نہ رکھا ہو۔

---

[1] جیسے یوسف علیہ السلام کی زیارت سے بھوک ختم ہو جاتی اور یہاں تو خود ذاتِ حق ہے۔

جواب ② دسویں کا روزہ کی ممانعت ہماری شریعت میں ہوا اور اُن کی شریعت میں مشروع ہو۔ مؤخرالذکر جواب فقیر (صاحب روح البیان) کی رائے ہے۔

ربط جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر حاضری کا حکم دیا تو فرمایا کہ اپنی قوم کے دانشمندوں اور برادری کے سرداروں کو ساتھ لائیں تاکہ موسیٰ علیہ السلام پر جو عنایات ہوں اُن کی اپنی برادری کو گواہی کے طور بیان کریں چنانچہ موسیٰ علیہ السلام اُن کا انتخاب کر کے حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا جانشین بناکر کوہِ طور روانہ ہوئے کَمَا قَالَ مُوْسٰی لِاَخِیْہِ هَارُوْنَ اور اپنے بھائی ہارون علیہ السلام سے روانگی سے پہلے فرمایا (تفسیر الحدادی)۔
اور لفظ ہارون اخیہ کا عطفِ بیان پر ہے اُخْلُفْنِیْ میرا خلیفہ اور میرا قائم مقام رہ فِیْ قَوْمِیْ میری قوم میں اور اُن کے اوامر و نواہی پر انکی نگہداشت فرما وَ اَصْلِحْ اور اُن کے امور کی اصلاح فرمایئے جو قابل اصلاح ہوا اور اُن کے ساتھ وہ طریقہ اختیار فرمایئے جس میں اُن کا نقصان نہ ہو۔ بلکہ جن اُمور میں تمہیں اپنا جانشین بناکر جارہا ہوں اُن کو ثابت رکھنے یعنی ایمان اور اخلاص عبادت کی انہیں تلقین فرماتے رہیئے وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ اور فسادیوں کی اتباع نہ کرنا۔ یعنی انہیں جو فساد پر مجبور کرے یا اس کی دعوت دے تو آپ اس کی اتباع نہ کرنا۔

سوال یہ قبل از وقت واویلا کے مترادف ہے اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ اس طرح کریں گے؟

جواب قطع نظر نبوت کی فراست کے آپ اپنی قوم کا تجربہ کر چکے تھے کہ مخالفت کے عادی ہیں بنابریں اتنا شدید تاکید فرمائیں۔

سوال ہارون علیہ السلام تو موسیٰ علیہ السلام کی نبوت میں شریک تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرماتے ہوئے کہا کہ وَاَشْرِکْهُ فِیْ اَمْرِیْ۔ جب وہ بھی نبوت میں شریک تھے تو پھر انہیں اپنا خلیفہ بنانے کا کیا معنےٰ۔

جواب ① ایک امر کے دو مامور اپنے کسی امر میں منفرد نہیں ہو سکتے جبتک کہ ایک دوسرے سے متفق نہ ہوں اسی لئے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اُخْلُفْنِیْ۔

جواب ② موسیٰ علیہ السلام اور نبوت میں اصل اور ہارون علیہ السلام اُن کے تابع اور معاون تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے اس طرح عرض کی "فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ یُصَدِّقُنِیْ اسے میرا مددی بناکر بھیج جو میری تصدیق کرے اسی لئے مناجات کے لئے بھی انہیں مخصوص فرمایا اور عطیہ الواح کے لئے بھی انہیں۔

جواب ③ موسیٰ علیہ السلام پر اس قسم کا اعتراض وہ کرے گا جسے شانِ کلیمی سے بے بہرگی ہے ورنہ ظاہر

ہے کہ فرعون کے پاس جانے کے لئے بھی موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے منوایا کہ اے الہٰ العلمین فرعون کے پاس جانے سے انکار نہیں لیکن میرے ساتھ ہارون علیہ السلام کو بھی میرا شریک کار بنا دے اب جبکہ مناجات کے لئے تشریف لے جا رہے ہیں تو بھی یہی موسیٰ علیہ السلام ہیں جو اپنے بھائی سے کہتے ہیں کہ آپ بجائے میرے ساتھ چلنے کے قوم کی نگہبانی کیجئے۔ اس آخری بات پر معترض کو اعتراض سوجھا اسے یہ نظر نہ آیا کہ یہ جملہ اُمور موسیٰ علیہ السلام جیسے پیارے اور ذو قدر نبی علیہ السلام اپنی مرضی سے نہیں کر رہے بلکہ تمام اللہ والے جو کچھ کرتے ہیں اپنی مرضی سے نہیں کرتے بلکہ اُن کے قلوب پر واردات والہامات کا ورُود ہوتا ہے اور وہ از خود نہیں بناتے بلکہ ان کا ہر فعل اور قول امر الہٰی سے ہوتا ہے جسے یہ قول مسلم ہے اسے موسیٰ علیہ السلام کا مبنی بر صواب معلوم ہوگا اور اُن کے یہ دونوں معاملے مطابق وموافق محسوس ہوں گے بلکہ اہل تحقیق کے نزدیک تو سرے سے یہ اعتراض ہی لغو ہے کیونکہ نبوت کا معاملہ ہے۔

جواب ④ مذکورہ بالا جوابات سے قطع نظر انبیاء علیہم السلام درجات وکمالات پر ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں کما قال تعالیٰ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔ یہی موسیٰ علیہ السلام ہیں کہ انہیں مناجات کے لئے بلایا جا رہا ہے تو پھر انہیں دیدار سے بھی منع کیا جا رہا ہے اسی طرح ہارون علیہ السلام کو ایک وقت نبوت کا شریک کار بنایا گیا تو دوسرے وقت انہیں مناجات کی حاضری سے روکا گیا۔ یہ اعتراض موسیٰ علیہ السلام پر نہیں بلکہ ذات حق پر ہونا چاہیئے۔ وَهُوَ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا۔

جواب ⑤ ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے شریک کار تھے تو اُمور ظاہرہ میں امور باطنہ میں اُن کی شرکت کی بات نہیں اور ظاہر ہے کہ اُمور ظاہرہ کی شرکت امور باطنہ کی مقتضی نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ارفع واعلیٰ اور جامع شریعت وطریقت تھے اگر انہیں مناجات کے لئے مخصوص کیا گیا یہ ایک باطنی امر ہے اور حضرت ہارون علیہ السلام کو قوم کی نگرانی سپرد ہوئی وہ ظاہری امر ہے انہیں اپنے مقام کی حیثیت بخشی گئی اور اپنی حیثیت کا مقام بخشا گیا۔ سچ ہے لِکُلِّ مقام رِجَالٌ ہر مقام کے لئے اہل ہوتے ہیں۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

رموز مصلحت ملک خسروان دانند
گدائے گوشہ نشینی تو حافظ مخروش

ترجمہ: مصلحت کے رموز بادشاہ جانتے ہیں اے حافظ تو تو ایک گدا گوشہ نشین تجھے کیا خبر فلہذا چپ رہ۔

خلافت محمدی وخلافت موسوی کا فرق

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا جانشین بھائی کو بنایا تو صرف دس دنوں میں تمام قوم گمراہ ہو گئی۔ لیکن ہمارے نبی پاک

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے وصال شریف کے وقت اپنی اُمت کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد فرمایا تو صدیاں گذر جانے کے باوجود اُمتِ محمدیہ گمراہی سے محفوظ ہے۔

اشہر الحرام کے فضائل ذیقعدہ و ذوالحجہ دونوں ماہ اشہر الحرام سے ہیں اُن کی فضیلت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان دونوں مہینوں میں روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔ پھر انہی مہینوں کو ان کی حاجات کی قبولیت اور مناجات کا مرکز بنایا۔

حدیث شریف میں ہے کہ اشہر الحرام کا ایک روزہ ایک ماہ کے روزوں کے برابر ہے اور غیر اشہر الحرام کا ایک روزہ دس روزوں کے مساوی ہے۔

حدیث شریف جو شخص اشہر الحرام کے خمیس اور جمعہ اور ہفتہ کا روزہ رکھتا ہے تو اُسے نوسو سال کی عبادت کا ثواب نصیب ہوگا۔

حدیث شریف حضرت کعب الاخبار فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو تمام زمانوں میں اشہر الحرام کے ایام محبوب تر ہیں۔

فائدہ ذوقعدہ کو اس نام سے موسوم کیا گیا کہ اس ماہ کے احترام کے پیشِ نظر اس ماہ میں اہل عرب ایک دوسرے کی جنگ سے بیٹھ جاتے تھے۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ اس ماہ میں ظاہری روزوں کی پابندی کرے اور باطنی طور پر اپنے ہر امر پر نگاہ رکھے کہ کہیں غلطی کا ارتکاب نہ ہو جائے اس لئے کہ سالک کی روح کو وصال کی تمنا اور رؤیت جمال کا اشتیاق ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ دیدار کے لئے حقیقی وعدہ تو چالیس دنوں کا تھا لیکن سالک کی بشریت کے ضعف کے پیشِ نظر تیس دنوں کا وعدہ دیا جاتا ہے پھر نفس کی شرارت سے بچانے کے لئے بھی۔ پہلے تیس روزوں کا اظہار فرمایا تاکہ چالیس دنوں کو بہت زیادہ تبا کر نفس کو غالب ہونے کا موقعہ بھی نہ دیا۔

نکتہ چالیسویں عدد کو انبیاءٔ علیہ السلام کے لئے استماعِ کلام کا استحقاق بتایا گیا ہے جیسا کہ چلہ کشیوں سے اولیاءٔ کے قلوب سے حکمت کے چشمے ابلتے ہیں۔ چنانچہ حضورؑ علیہ السلام نے فرمایا جس نے چالیس دن اللہ تعالیٰ کی عبادت پر مداومت کی تو اس کے دل کی حکمتوں کے چشموں کا اظہار زبان سے ہوگا۔

نکتہ عارفین فرماتے ہیں کہ چار کے عدد میں ہزاروں حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ مثلاً عرش کے چار پائے ہیں تو عناصر بھی چار ہیں۔ اسی طرح ارکان بھی چار اور موسیٰ علیہ السلام کے اعشاری چار ہیں۔ یہی راز ہے کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق اور نفخ روح کا فاصلہ چار جمعات تھا۔ شکلوں میں بھی سورۃ تربیع اثر انداز ہوتی ہے وہ اعداد احاد ہوں یا

یا اعشارہ مآت ہوں یا مألوف یعنے سو عدد والے یا ہزار والے ۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے اسی طرف اشارہ فرمایا کہ بہترین ساتھی چار ہیں اور بہترین سرایا کے عدد چار سو ہیں ۔

تفسیر عالمانہ وَلَمَّا جَآءَ مُوسٰی لِمِیْقَاتِنَا اور جب موسیٰ علیہ السلام ہمارے مقرر و متعین کردہ کے مطابق حاضر ہوئے یعنی وہ وقت انہیں بتا دیا گیا یعنی چالیسویں یوم مکمل کر کے حاضر ہوئے یعنی اُن کا آنا ہمارے مقرر کردہ میعاد سے مخصوص تھا ۔ یہ لام اَتَیْتُهٗ لِعَشْرٍ خَلَوْنَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ کی طرح اختصاص کی ہے اور یہ لام بمعنے عند نہیں اور میقات بمعنے وقت ہے میقات اور وقت کا فرق ہم گذشتہ سطور میں بیان کر چکے ہیں ۔

سوال اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے اپنی ہمکلامی کا تعین جبل فوق العلی اور تحت الثریٰ (اگرچہ ان سب سے ایک مراد ہے) کے لئے کیوں کیا حالانکہ وہ توجہات سے منزہ ہے ؟

جواب چونکہ جبل میں ایسے اوصاف ہیں جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ہمکلام کا اور دیدار کے لئے اپنے جمال کا تعلق اور عرض امانت اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا شرح صدر مبارک اور موسیٰ علیہ السلام کی مناجات جبال سے متعلق فرمائی اور وہ اوصاف یہ ہیں ۔

① تثبت ۔
② تمکن ۔
③ تفرد ۔
④ علو ۔

انہی وجوہ سے جب زمین کو استقرار نہیں ہوتا تھا تو پہاڑوں سے اسے مستقر فرمایا کہ پہاڑوں کی میخیں اس پر گاڑ دیں ۔ ویسے قاعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مقامات کو ایک دوسرے پر فضیلت بخشی ہے ۔

فائدہ حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ آفندی ابروسی قدس سرہٗ نے فرمایا ۔ خیر الجماعۃ جماعۃ الارواح" (ارواح کی جماعت تمام جماعتوں سے افضل ہے) اور اُن کا اجتماع بھی پہاڑوں اور ویرانوں میں ہوتا ہے اُن کے اجتماع کی علامت یہ ہے کہ وہاں نہ سردیوں میں کھیتی ہو سکتی ہے اور نہ گرمیوں میں ۔ بلکہ وہ جگہ بظاہر بے رونق سی معلوم ہوتی ہے[1] ۔ چنانچہ انہوں نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ہم بھی پہاڑ کے اس گوشہ میں اس لئے

---

[1] حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہٗ نے اسی کی ترجمانی فرمائی ہے ؎

اتھاں درد منداں دے ڈیرے
جتھاں لوئی کرڑ کنڈا ڈھیرے

درد مندوں کی قیام گاہ وہاں ہوتی ہے جہاں ویرانوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا ۔ (مفہوم) اویسی غفرلہٗ

حاضری دیتے ہیں کہ یہاں پر ارواح کا اجتماع ہوتا ہے فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اس گوشہ سے پہاڑ کا ایک کونہ مراد ہے اور وہ کونہ شہر بروسہ کے پہاڑ میں عوام میں مشہور ہے۔ بفضلہ تعالیٰ مجھے بھی اس مقام مقدس کی زیارت اور حضرت آفندی بروسی کے مزار کی زیارت بھی نصیب ہوئی اور ان کا مزار مبارک قلعہ کے اندر واقع ہے۔

کلیم اللہ کی ہمکلامی کا خوش منظر

حضرت وہب نے فرمایا کہ جب موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر تشریف لائے تو ان کے ساتھ حضرت جبریل علیہ السلام بھی تھے تو علیہ السلام نے غسل فرمایا اور کپڑے بھی صاف کیے اس کے بعد تاریکی چھا گئی۔ یہاں تک کہ سنت فرسخ تک تاریکی تیار کی تھی۔ اتنی مسافت تک شیاطین کو دور رکھا گیا اور موذی جانور بھی اُس کے اندر نہیں جا سکتے تھے آپ کی نگرانی ملائکہ کرام کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ آسمانوں کے دروازے کھول دیئے آپ نے فرشتوں کو دیکھا کہ وہ آسمان میں کھڑے ہیں۔ آپ نے عرش کو بھی دیکھا اور قضاء قدر کے فرشتوں کے قلم کی آواز بھی سُنی۔

وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے بلا واسطہ اور بلا کیف گفتگو فرمائی جیسے ملائکہ کرام سے بلا واسطہ اور بلا کیف کلام فرماتا ہے اگرچہ جبریل علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے مگر وہ اس وقت اللہ تعالیٰ کا کلام نہ سُن سکے وہ کلام صرف موسیٰ علیہ السلام نے سُنا اس لئے انہیں کلیم کے لقب سے ملقب فرمایا اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام (سوائے ہمارے حضور علیہ السلام کے) اور عوام البشر کو خصوصیت نصیب نہ ہوئی یہ شرف صرف موسیٰ علیہ السلام کو نصیب ہوا اس لئے کہ دیگر انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف بواسطہ کتاب یا وسیلہ ملائکہ نصیب ہوا۔

سوال موسیٰ علیہ السلام کو کیسے معلوم ہوا کہ واقعی یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

جواب ۱ جب وہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام تھے تو اُن کی سانس نہیں ٹوٹتی تھی جیسے عام مخلوق سے کلام کرتے کرتے وقت سانس کھینچنا پڑتا ہے بلکہ وہ کلام غیر منقطع طور وجدانی سے تھا اور وہ مشاہدہ کر رہے تھے کہ اُن کی حالت بمنزلہ آلہ کے ہے جیسے صانع اپنے آلہ کو چلاتا ہے اور وہ آلہ اس صانع کی حرکت کا محتاج ہوتا ہے کہ وہ جس طرح چاہے چلائے اس لئے کہ آلہ کسی کام کو از خود نہیں کر سکتا اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام کو یقین ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہو رہے ہیں۔

جواب ۲ موسیٰ علیہ السلام کو یوں یقین ہوا کہ انہیں محسوس ہوتا تھا کہ یہ کلام مخلوق کی نہیں اس لئے کہ وہ کلام شش جہات سے سنائی دیتا تھا اور وہ سننے کے لئے بھی کانوں تک محدود نہیں تھا بلکہ تمام جوارح سامع ہو گئے چنانچہ اُن کے تمام جسم کو شنوائی کا شرف نصیب ہو رہا تھا اور اس کلام سے جسم کا ذرّہ ذرہ لذّت پا رہا تھا جیسے لذیذ کلام سے صرف کان محظوظ ہوتا ہے۔ ایسے ہی اس کلام سے تمام جسم کا رونگٹا رونگٹا محظوظ ہو رہا تھا۔

عقیدہ ابن الشیخ نے اپنے حواشی میں لکھا۔ کلام اللہ تعالیٰ کی ازلی صفت ہے جو اس کی ذات سے قائم ہے۔ حروف و اصوات کے جنس سے نہیں پھر جبکہ اس کی ذات کا دیدار قیامت میں جائز ہے حالانکہ وہ نہ جسم ہے نہ عرض تو پھر اس کا کلام کیونکر جائز نہ ہو۔ حل الرموز میں ہے کہ آخرت میں مومن سارے کا سارا منہ اور آنکھ اور کان محض ہو جائے گا کہ ہر جہت سے اپنی ہر جہت کے ساتھ اور ہر جہت پر دیکھے سُنے گا اس کے لئے کوئی خصوصی جہت نہیں ہو گی پھر جب حق کا مشاہدہ کرے گا تو اس کا ہر جہت سے مشاہدہ ہو گا اس وقت کوئی مخصوص جہت نہ ہو گی۔ ان جہات کو نہ سمع حاجب ہو گی نہ بصر۔ چنانچہ حدیث قدسی میں اسی طرف اشارہ ہے کہ کنت سمعہ وبصرہٗ الخ

ولی کامل کی شان مذکورہ بالا تقریر قیامت میں عوام بہشتیوں کی ہے اور وہ ان کو آخرت میں یہ اوصاف نصیب ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے ولی کامل کو دنیا میں نصیب ہو جاتے ہیں اس لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا مُوتوا قبل اَنْ تمُوْتُوْا۔ یعنی مرنے سے پہلے مر جاؤ اور فرمایا حاسِبُوْا قبل ان تحاسِبُوْ محاسبہ کرو اس سے قبل کہ تمہارا محاسبہ ہو۔

ازالہ توہم مذکورہ بالا قاعدہ (یعنی عوام بہشتیوں کو جو کچھ آخرت میں نصیب ہو گا وہی ولی اللہ کو دنیا میں نصیب ہوتا ہے)۔ کا انکار یا اس پر اعتراض اُسے ہے جسے اولیاء اللہ سے ضد اور عناد ہو ورنہ اُن کا اعتراض کیسا۔ سب کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سمع کے حاسہ کو سننے کے ادراک کے لئے پیدا فرمایا لیکن اس کی قدرت سے بعید نہیں کہ وہ ایک حاسہ سے دوسرے حاسہ کا کام لے اور متکلمین نے اپنے فن میں اس قاعدہ کو دلائل سے ثابت کیا ہے اسے عقل بھی مانتی ہے کہ ہر ادراک کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اس میں حواس کی تاثیر کو کسی قسم کا دخل نہیں بنا بریں جائز ہے کہ وہ کریم باصرہ کی حاسہ میں اصوات کا ادراک پیدا فرما دے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ قادر کریم کی قدرت سے بعید نہیں کہ انسان کے تمام اعضا میں تمام حواس کا ادراک پیدا فرما دے اور یہی حق بات ہے۔

سوال اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ کلام کے لئے صرف موسیٰ علیہ السلام کو کیوں مخصوص فرمایا؟

جواب تمام انبیاء علیہم السلام سے موسیٰ علیہ السلام کے بہت بڑے زبردست دشمن تھے مثلاً فرعون ہامان۔ قارون۔ یہود بلکہ خود ان کی اپنی برادری سخت بے ادب اور گستاخ طبع اور ہٹ دھرم اور ضدی قوم تھی اس لئے بطور انعام ان سے بلا واسطہ کلام کی خصوصیت فرمائی۔ اور یہود کی اُن سے دشمنی حد سے بڑھی ہوئی تھی اس لئے کہ بار بار معجزات دیکھنے کے باوجود انکار پہ ڈٹے رہے ورنہ جنہیں عقل سلیم نصیب تھی۔ انہوں نے پہلی بار عصا کا معجزہ دیکھتے ہی اسلام قبول کر لیا فرعون کے جادوگروں نے مذکورہ بالا دشمنوں کی دشمنی کے پیش نظر موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے انعام عطا فرمایا۔

اعدائے محمدی واعدائے موسوی کا موازنہ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے اعدأ کی اشدیت دوسرے انبیاء علیہم السلام کے اعدأ کے لئے ہے ورنہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اعدأ تمام انبیأ علیہم السلام یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام کے اعدأ سے بھی سخت تر تھے چنانچہ فرعون کتنا سرکش تھا لیکن مرتے وقت ایمان قبول کر لیا (اگرچہ اس کا ایمان نامقبول ہوا) لیکن ابوجہل مرتے وقت بھی عداوت کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ اس سے اندازہ کیجئے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بلند قدری وعلو ہمتی کتنا ارفع واعلیٰ ہوئی یہی وجہ ہے کہ آپ کو شب معراج بلا وسیلہ مکالمہ اور رویت نصیب ہوئی۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک لاکھ چوبیس ہزار کلمات سے مشرف ہوئے اور یہ سلسلہ تین دن جاری رہا اور وہ کلمات وصایا پر مشتمل تھے (کذا فی الوسیط)

فائدہ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ سلسلہ چالیس دن جاری رہا (واللہ اعلم) لیکن یاد رہے کہ یہ چالیس یوم پہلے چالیس ایام کے علاوہ تھے ان چالیس دنوں میں وحی وتعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔

حکایت حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اپنے مشائخ سے یہ حکایت پہنچی ہے کہ جس وقت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف بہار تھے تو ابلیس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاں حاضر ہونے کی جدوجہد کر رہا تھا۔ ابلیس سے ایک فرشتہ نے کہا کہ یہ کیا حرکت ہے اب بھی تجھے بہکانے کا موقعہ میسّر آئے گا اس نے کہا میں نے اس کے باپ کو بہشت میں بہکا لیا یہ تو بہشت سے باہر ہیں تو پھر میرے لئے کونسا مشکل ہے۔

حکایت دیگر حضرت سدی نے فرمایا کہ جب موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی سے سرشار ہو رہے تھے تو زمین میں غوطہ لگا کر موسیٰ علیہ السلام کے سامنے آگیا اور کہا تم خوش ہو کہ اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہو رہے ہو تمہیں کیا معلوم کہ جس سے تم کلام کر رہے ہو وہ شیطان ہو۔ (معاذ اللہ)۔

فائدہ حکایت مذکور کو مذکورہ بالا قول ٹھکراتا ہے یعنی یہ حکایت غلط ٹھہرتی ہے جبکہ پہلے بیان ہو چکا کہ سات فرسخ کوہِ طور سے شیطان کو دور رکھا گیا جب وہ مسلّم ہے تو اب اس کا موسیٰ علیہ السلام کے ہاں پہنچ جانا کیسے صحیح ہے اس لئے کہ شیطان کا تسلط اہل ملک پر تو ممکن ہے لیکن اہل ملکوت میں اس کا تسلط کیسا اور پھر عین حضور ذات قدوس میں اس سے وہ وہم دور ہو گیا کہ شیطان نے آدم علیہ السلام کو بہشت میں کیسے بہکا لیا تو اس کا جواب یہی ہے کہ آدم علیہ السلام کا بہشت میں ہونا اہل ملکوت کی حیثیت سے نہیں تھا اور نہ ہی کوہِ طور کی حاضری کی طرح عین حضور ذات خداوندی میں تھے۔

سوال سورہ حج میں ہے کہ "وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَسُوْلٍ ولا نبیٍ الا اذا تمنی القی الشیطان" اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر نبی علیہ السلام شیطان کی حرکت میں مبتلا ہو جاتا ہے بالخصوص تلاوتِ کلام کے وقت

اور موسٰی علیہ السلام کی مناجات بھی تلاوت جیسی تھی ؟

جواب تلاوت ظاہری اور مناجات باطنی میں بہت بڑا فرق ہے مناجات باطنی ایک خصوصی رازو نیاز ہوتا ہے چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ جب خصوصی رازو نیاز میں ملک مقرب اور نبی مُرسل کے لئے بھی حاضری کی گنجائش نہیں تو پھر ابلیس لعین کی رسائی کیسے وہ راندۂ درگاہ ہے یہی جواب گویا الہامی طور میرے ذہن میں اُترا۔ جسے میں نے تفسیر ہذا میں قلمبند کر دیا ہے واللّٰہ اعلم حقیقۃ الحال ۔

ربط ۱ جب حضرت موسٰی علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے کلام سے محظوظ ہوئے تو انہیں شوق دیدار غالب ہوا اور سمجھا کہ جس ذاتِ حق کے کلام میں اتنی لذت ہے تو پھر اس کے دیدار میں کتنا سُرور ہو گا اسی لئے دیدار کی آرزو کی ۔

ربط ۲ انسان کی فطرت ہے کہ جب کسی بہتر مرتبہ پر کامیاب ہو جاتا ہے تو چاہتا ہے کہ اس سے اور بلند و بالا مرتبہ کو حاصل کرے اسی فطرت پر حضرت موسٰی علیہ السلام جب ہمکلامی سے مشرف ہوئے تو انہیں شوق ہوا کہ اس سے ارفع و اعلیٰ مرتبہ یعنی دیدار سے بھی سرشار ہوں۔ بنا بریں کہا ربِّ اَرِنِیْ ۔

ربط ۳ تفسیر فارسی میں ہے کہ جب موسٰی علیہ السلام کلام حق سے محظوظ ہوئے تو پھر انہیں ایسی محویت اور استغراق تام ہوا کہ اب اُن کے خیال سے بھی یہ بات اُتر گئی کہ وہ اس وقت دنیا میں ہیں یا فردوس اعلیٰ میں اس لئے عرض کر دیا۔

رَبِّ اَرِنِیْ اے میرے رب مجھے اپنے دیدار سے سرشار فرمائیے ۔

اَنْظُرْ اِلَیْکَ تاکہ میں تجھے دیکھوں۔ یہاں نظر بمعنے رؤیۃ ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ موسٰی علیہ السلام کے اندر دیدار کی طاقت پیدا فرمائے پھر وہ دیدار سے سرشار ہوں اس طرح سے توشیٔ کا غایۃ لنفسہٖ لازم آتا ہے اس لئے کہ اس صورت میں معنےٰ یوں ہو گا مجھے اپنی ذات دکھا تاکہ میں تمہیں دیکھوں۔ یہ معنےٰ فاسد ہے بلکہ اس سے مطلوب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں دیدار کی قوت عطا فرمائے اور دیدار کی قوت عطا فرمانا ذاتِ حق کے دیدار کا سبب ہے ۔

خلاصہ یہ کہ سبب بولکر مسبب عنہ مراد لیا گیا ہے اسی لئے فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) نے ارنی کو مکنی من رویتک سے تعبیر فرمایا ہے ۔

فائدہ مروی ہے کہ جب موسٰی علیہ السلام نے اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ کہا تو آپ کے درمیانی حجابات اُٹھے تو انہیں ایک پہاڑ نظر آیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے موسٰی علیہ السلام سے فرمایا اُنْظُرْ دیکھ۔ موسٰی علیہ السلام نے دیکھا کہ اس پہاڑ کی اوٹ میں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں احرام باندھ کر تکبیر پڑھتے ہوئے یہی عرض کرتے

ہیں آرِنِی، آرِنِی۔

فائدہ جیسے اجسام اغذا سے نشو و نما پاتے ہیں ایسے ہی احوال اوقات کی صفائی روشن و متجلّٰی ہوتے ہیں۔ چنانچہ برتنوں کو جتنا صاف اور ستھرا رکھا جائے تو اتنا ان کے اندر کی اشیاء روشن نظر آتی ہیں بنابریں اجسام کو حلال غذائیں دی جاتی ہیں ایسی ہی ارواح کی طاعات سے تربیت کی جاتی ہے جس کی دل کی روشنی مٹ جائے اور ہمت کے ارادے بے کار ہو جائیں تو اُسے کیا نصیب ہوگا۔ ان لوگوں کی منازل کی طرف بڑھنا چاہیئے جن کی دل کی آنکھیں کھلی ہیں اور جن کے مخفی اسرار جذبہ غیب سے فیضیاب ہیں۔

سبق سالک کے لئے لازم ہے کہ اپنی حد سے بڑھ کر بڑے بڑے دعوے نہ کرے۔ ہر وقت اپنے اوپر کڑی نگرانی رکھے اور اس تصور میں رہے کہ اللہ تعالیٰ میرے ہر حال کو خوب جانتا ہے یہ تصور اسے بہت بڑی منزلیں طے کرا دے گا۔ اپنے آپ کو معمولی سے معمولی خیال کرے اور اپنے اندر آداب و اخلاق اکابر کے پیدا کرے۔ مثلاً دیکھیے حضرت موسیٰ علیہ السلام جب ابتدائی منزل میں تھے اور اللہ تعالیٰ انہیں اپنی خصوصی تربیت سے نوازتا تھا تو وہ حد سے متجاوز نہ ہوئے۔ چنانچہ ان کا ابتدائی حال اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا کہ رَبِّ انی لما انزلت الیّ من خیر فقیر جب تکمیل کو پہنچے تو انہیں ابتدائی منازل والی باتوں سے سیر نہ ہوئی بلکہ یوں کہہ دیا رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ۔

مسئلہ اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار جائز ہے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوال سے واضح ہوتا ہے کہ اُن کا عقیدہ بھی یہی تھا کہ رویۃ باری تعالیٰ فی الدنیا جائز" ورنہ اس کا ہرگز سوال نہ کرتے اس لئے کہ جواز مالا یجوز علی اللہ کفر ہے (التیسیر)

فائدہ حضرت شیخ کبیر صدر الدین قونوی قدس سرہٗ نے فص داؤدی کے اختتام کی شرح میں لکھا ہے" ہر وہ شے جو عوام کے لئے متعذر ہو وہ خواص کے لئے غیر متعذ ہوتی ہے یہ ان کے کمال قابلیت کی وجہ سے ہوتا ہے اور نہ ہی یہ محال ہے ہاں اگر اللہ تعالیٰ انہیں کسی فعل سے روک دے تو وہ اس قاعدے سے خارج ہے اور وہ اس روکنے پر بضد نہیں ہوتے بلکہ سر تسلیم خم کرتے ہیں بلکہ اسے عوام میں وہ محال کا اظہار کرتے ہیں مثلاً موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ پر غور کیجیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے مخصوص انداز میں دیدار کی التجا کی۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سے منع فرمایا تو موسیٰ علیہ السلام نے سر تسلیم خم کر کے اپنا سوال واپس لے لیا۔

قَالَ یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے لَنْ تَرٰنِیْ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم مجھے نہیں دیکھ سکو گے۔

سوال یہاں پر لَنْ تَنْظُرْ اِلَیَّ کیوں نہ فرمایا جبکہ سوال کے الفاظ کے جواب کا تقاضا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے سوال میں کہا انظر الیک؟

جواب موسیٰ علیہ السلام کا مقصد صرف نظر نہیں بلکہ انہیں رؤیت مطلوب تھی۔ سوال کے الفاظ کا جواب دینا ملحوظ نہیں بلکہ اُس کے حقیقی معنے کا لحاظ مدّنظر تھا۔

رؤیۃ ونظر میں فرق رویت اس دیکھنے کو کہا جاتا ہے جس میں کنہ کا ادراک بھی شامل ہو اور نظر شے کو صرف آنکھوں سے دیکھ لینے کو کہتے ہیں اسمیں ادراک ہو یا نہ ہو بلکہ لبا اوقات ادراک نہ ہو تب بھی نظر کا مفہوم حاصل ہو جاتا ہے بخلاف رؤیۃ کے کہ اسے ادراک لازمی اور ضروری ہے۔

تفسیر فارسی میں ہے لَنْ تَرَانِیْ یعنی تم مجھے نہیں دیکھ سکو گے اس لئے کہ ہم نے ازل میں لکھ دیا ہے کہ جو شخص بھی مجھے دنیا میں دیکھے گا وہ شخص مر جائے گا۔

فائدہ تفسیر مدارک میں اس کی توجیہہ یہ بیان کی کہ مجھے دنیا کی فانی آنکھ سے نہیں البتہ میری مہربانی اور لطف و کرم سے بقا کی آنکھ سے دیکھو گے۔

نکتہ صاحب کشف الاسرار لکھتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام اَرِنِیْ کے بجائے لَنْ تَرَانِیْ کے مقابلہ جو بلند مرتبہ میں تھے اس لئے کہ اَرِنِیْ میں اپنی تمنا لئے ہوتے تھے۔ لَنْ تَرَانِیْ میں رضائے حق سے سر تسلیم خم تھے یہ مقام اول سے بلند و بالا تر ہے۔

لَنْ تَرَانِیْ می رسد از طور موسیٰ را جواب

ہر چہ آں از دوست آید سر بند گردن متاب

ترجمہ: طور سے موسیٰ علیہ السلام کو لَنْ تَرَانِیْ کا جواب ملتا اس سے انہیں پریشانی نہیں ہوتی تھی اس لئے کہ جو بھی دوست سے جواب ملے اس سے سر اور گردن نہیں پھیرنی چاہیئے۔

مسئلہ اس سے اہلسنت کی تائید ہوئی کہ رویت باری تعالیٰ دنیا میں جائز ہے اس لئے "لَنْ تَرَانِیْ" فرمایا کہ تم مجھے نہیں دیکھ سکتے لَنْ اُرِیْ "نہیں کہ میں نہیں دیدار کراتا یعنی اگر رؤیت باری تعالیٰ ممتنع ہوتی تو فرمایا جاتا کہ وہ ذات نہیں دیکھی جاسکتی اور نہ ہی عدم رؤیت بتائی جاتی اس لئے کہ علت اس کی بتائی جاتی ہے جو ممکن ہو اور جو ممتنع ہو اس کی علت کے بیان کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔

خلاصہ یہ کہ یہاں پر یہ بتایا گیا ہے کہ طالبِ دیدار میں رؤیت دیدار کی استعداد نہیں اور دیدار کا حصول استعداد پر موقوف ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہاں استعداد کی نفی ہے نہ کہ رُؤیت کی۔ اور استعداد کی نفی سے رؤیت کا جواز ثابت نہ کہ امتناع۔ اس لئے کہ ان میں حصول رؤیت سے مانع کا انکا اپنا حجاب ہے جو ابھی اُن سے نہ اُٹھ سکا۔

صاحب روح البیان کی تحقیق فقیر (صاحب رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ اکثر اہلِ تفسیر کی یہ رائے ہے لیکن اُن کا یہ کہنا ناموزوں ہے کہ اُن کی یہ کیفیت ابتدائی تھی اُن کی یہ کیفیت ابتدائی نہیں بلکہ بالائی تھی یعنی اُن کا کوہِ طور پر تشریف لے جانے کا وہی مقام ہے جو شبِ معراج حضور ﷺ

پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام تھا اور آپ کے اس مقام کو کوئی بھی ابتدائی مرتبہ نہیں کہہ سکتے بلکہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ آپ کا یہ بالائی مرتبہ تھا اور تحقیق سے بھی بعید از قیاس ہے کہ ایک بلند مرتبہ نبی علیہ السلام کے لئے یہ مانا جائے کہ وہ بھی پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچے تھے۔ مشائخ کرام اور علمأ محققین کے دامن سے وابستگاں تو ماننے کے لئے تیار نہیں البتہ جو اُن کی تقلید سے محروم ہو وہ ایسی باتیں کہہ سکتا ہے۔

نکتہ معراج اور تقریر صوفیانہ فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ میں نے اپنے شیخ کامل (قدس سرہٗ) سے لَنْ تَرَانِیْ کی تفسیر کے متعلق اہل تفاسیر کے حوالہ جات پیش کر کے تحقیق چاہی تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے لَنْ تَرَانِیْ سے مطلق رویت کا انکار نہ فرمایا بلکہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اے موسیٰ علیہ السلام آپ اپنی بشریت اور اپنے وجود کو مدِ نظر رکھ کر مجھے نہیں دیکھ سکتے اس لئے کہ بشریت میرے دیدار کے لئے حجاب ہے اور ظاہر ہے کہ اس وقت موسیٰ علیہ السلام نے رؤیت کا سوال بشریت کو مدِ نظر رکھ کر کیا تھا اور آپ نے وجود کونی کو بھی پیشِ نظر رکھا ہوا تھا اور یہ قاعدہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ بشریت و وجود کونی رؤیت کے منافی ہے البتہ دیدار کا حصول اس وقت ہوتا ہے جبکہ بشریت و انائیت مٹ جائے اور فنائیت کلی نصیب ہو۔

سوال حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ شبِ معراج آپ نے اللہ تعالیٰ کو سر کی آنکھوں سے دیکھا اور یہ لازمۂ بشریت ہے۔

جواب ① وہ محبوب ہیں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) محبوبوں سے قواعد مستثنیٰ ہوتے ہیں اور ان پر دوسروں کا قیاس نہیں جاتا۔

جواب ② آپ سے سِرّ و روح سے جسم کے رنگ میں دیدار کیا تھا وہاں اس جسم کی حیثیت سے نہیں آپ نے اس جسم کے متعلقات کو عبور فرمایا یعنی آپ عالم اجسام کے تمام علائق سے متجاوز ہو کر عالم ارواح کو عبور فرماتے ہوئے عالم امر تک پہنچ چکے تھے۔

سوال تم نے کہا کہ حضور علیہ السلام نے بصیرۃ کی نگاہ سے دیکھا پھر اس میں حضور علیہ السلام کی کیا خصوصیت ہے اس میں تو تمام انبیأ و اولیا علی نبینا علیہم السلام مشترک ہیں جبکہ فنا کلی انہیں بھی ہوتی ہے۔ بنا بریں موسیٰ و سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کیا فرق رہا پھر وہاں لَنْ تَرَانِیْ اور یہاں اُدْنُ مِنِّیْ نیز اس معنے پر آپ کی خصوصیت ما فوق العرش کے عروج بھی غیر ممتاز ٹھہرتی ہے اس لئے کہ وہ رؤیت بھی تمام عینۃ جمعیۃ کی حیثیت سے تھی نہ کہ مقام غیریت فرقہ قالبۃ کی حیثیت سے ؟

جواب امر رؤیت اگرچہ انسلاخ عن الاکوان مطلقاً کا محتاج ہے لیکن قلب قالب سے بھی بالکل فارغ ہو جانا صرف ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاصہ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام و دیگر انبیأ کرام علی نبینا وعلیہم السلام اگرچہ

اپنے اقوال سے فارغ ہوتے لیکن عالم عناصر میں موجود ہوتے ہیں بخلاف ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کہ عالم عناصر و عالم طبیعت اسی طرح عالم قلب وقالب سے تجاوز کرنا صرف آپ کا خاصہ ہے اس سے واضح ہوگیا کہ ہمارے آقا و مولیٰ سیدنا الانبیا و امام المرسلین علی نبینا وعلیہم السلام کا کیسا امتیازی شان ہے کہ وہاں کسی ملک مقرب اور نبی مرسل کی رسائی نصیب نہیں۔

فائدہ میرے اور میرے شیخ کریم کی یہ باہمی گفتگو اور سوال وجواب ایک مخصوص مجلس میں تھی۔ لیکن اجازت عام تھی کسی کو وہاں حاضری سے ممانعت نہیں تھی وہاں جہاں اپنوں کو حاضری کی اجازت تھی لیکن یہ گفتگو آپ کے علم کے بحر ذخار سے ایک قطرہ تھی۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور تمام احباب (اہلسنت) کو اُن کے فیوض وبرکات سے مستفیض فرمائے اور آخرت میں آپ کی شفاعت سے ہم سب سرشار ہوں۔

نکتہ حضرت شیخ طریقت یعنی سلسلہ جلوتیہ (البتح الجیم) مرجع طریقت الشہیر بافتادہ البروسی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جیسے انسان کی دو آنکھیں ظاہری ہیں ایسے ہی اُس کے باطن میں دو آنکھیں رکھی گئی ہیں جب وہ کھلتی ہیں تو انہیں تجلی صفات کا مشاہدہ ہوتا ہے پھر اُن کی دو باطنی آنکھیں رکھی گئی ہیں جو کہ لطیف ترین ہیں۔

سوال آپ نے تخصیص کیوں کی کہ اس باطنی آنکھ سے صرف تجلی صفات کا مشاہدہ ہوتا ہے تجلی ذات کا کیوں نہیں ہوتا؟

جواب تجلی ذات کا مشاہدہ صرف معنوی آنکھ سے ہوتا ہے وہ معنوی آنکھ اس باطنی آنکھ کے علاوہ ہے اسے آنکھ کی حاجت بھی نہیں۔

جاہل صوفیا کا رد اس سے ان جاہل صوفیوں کا رد ہوگیا جو اتحاد وحلول کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ بندہ میں خدا حلول کر جاتا ہے یہ غلط ہے اس لئے کہ ممکن حقیقی و واجب حقیقی میں تضاد و اختلاف ہے علاوہ ازیں جب سالک اپنی منزلیں طے کرتا ہوا فنا کے مقام پر پہنچتا ہے تو مقام بقا میں گم ہو کر خود معدوم ہو جاتا ہے جب وہ معدوم ہو جاتا ہے تو پھر اس پر احکام کا اجرا تو کجا حلول و اتحاد کا قول حماقت وجہالت ہے۔

سوال بہت بڑے صوفیا کرام کے ملفوظات میں اتحاد کا قول ملتا ہے اور تم اسے حماقت وجہالت سے تعبیر کرتے ہو؟

جواب بزرگوں کے اقوال میں جہاں اتحاد کا لفظ ملتا ہے وہ ان کا ایک اصطلاحی معنےٰ ہے اور اس سے وہ تقرب تام مراد لیتے ہیں۔ جو بندے کو رضائے الٰہی کے بعد نصیب ہوتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں متحد اور فلاں یہاں اتحاد کا یہ معنےٰ نہیں کہ وہ ایک دوسرے میں حلول کئے ہوئے ہیں بلکہ یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی رضا و خوشنودی میں ایک اور آپس میں متفق ہیں۔ ان میں حلول کا مفہوم لینا حماقت وجہالت ہے اس لئے کہ وہ دونوں علیحدہ علیحدہ مستقل تشخص اور وجود کے مالک ہیں۔

محویت صوفیانہ کی تشریح بندے کے معدوم ہونے کا معنٰے یہ ہے کہ وہ بحرِ استغراق میں غوطہ لگا کر انوار و تجلیات میں ایسا گم ہو جاتا ہے کہ وہ نہ صرف ماسوی اللہ سے پوشیدہ ہوتا ہے بلکہ اپنے وجود سے بھی اوجھل ہو جاتا ہے پھر وہ نہ اپنے آپ کو دیکھتا ہے اور نہ ہی ذات حق کی توجہ کے وقت اپنے میں نظر رکھتا ہے بلکہ یوں کہو کہ اسے اس وقت ماسویٰ اللہ سے کُلّی طور بے التفاتی ہوتی ہے اس کی مثال آسمان کو دیکھنے والے کی ہوتی ہے کہ وہ آسمان کو دیکھنے کے وقت زمین کی طرف کوئی التفات نہیں رکھتا۔ اسی طرح جو مشرق کی طرف دیکھتا ہے مغرب سے ملتفت نہیں ہوتا۔ اس مثال سے واضح ہو گیا کہ ایک جانب دیکھنے والا اپنے وجود سے بالکل مٹ نہیں جاتا بلکہ غیر ملتفت ہوتا ہے ایسے ہی ذاتِ حق میں محو ہونے والا اپنے وجود سے بالکل معدوم نہیں ہو جاتا بلکہ ذات حق کی طرف ایسی توجہ تام ہوتی ہے کہ اسے غیر اللہ کی طرف توجہ تا التفات کا ہوش تک نہیں رہتا۔

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت کا ایک نکتہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح دوسرے انبیأ علیہم السلام کو بھی ذات حق کے تجلیات سے نوازا گیا لیکن ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک خاص تعین ہے جہاں کسی نبی علیہ السلام کی رسائی نہیں۔ حضرت موسٰی علیہ السلام نے دیدار کے لئے ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا تعین مخصوص کی حیثیت سے سوال کر دیا چونکہ وہ تعین صرف محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخصوص تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے انکار فرمایا۔

بعض لوگوں نے لن ترٰی کی توجیہ یونہی نہیں فرمائی ہے لیکن یہ توجیہ لایعنی ہے اس لئے کہ حضرت موسٰی علیہ السلام ہماری طرح حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مراتب و مقامات سے بے خبر نہیں تھے بلکہ انہیں شان و مقام رسالت کا پورا علم تھا جب انہیں مراتب و کمالاتِ نبوت کا علم تھا تو پھر سوال کیسا اس میں ایک نکتہ اور تھا وہ یہ کہ موسٰی علیہ السلام کا دیدار اس ارادہ پر تھا کہ اُن سے قوم نے کہا ادنا اللہ جہرۃ۔ ہمیں اپنے رب کا کھلم کھُلا دیدار کرا دیجئے آپ نے عملی طور طور سمجھایا کہ جب وہ ذات مجھے لَنْ تَرَانِیْ کا جواب عنایت فرماتا ہے تو تم کون ہوتے ہو اس کے دیدار کو کھلم کھلا دیکھنے والے۔

سبق اس سے ثابت ہوا کہ موسٰی علیہ السلام کی آرزو اور پھر انہیں لَنْ تَرَانِیْ کا خطاب ان کی امت کے لئے تھا ورنہ وہ تو ذات کی تجلیوں سے متعدد بار مشرف ہو چکے تھے اور ان کے لئے یہ وہم غلط بھی تھا کہ انہیں تجلیات سے محروم رکھا گیا ہو۔ اس لئے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے رسالت سے نوازا اور ہمکلامی کا شرف بخشا بالفعل بوجہ مصلحت کے انکا سے ثابت نہیں ہوتا کہ انہیں بالکلیہ تجلیات کے مشاہدہ سے محروم رکھا گیا ہوگا۔ یہ صرف کسی وہمی کا خیال ہو سکتا ہے ورنہ نبوت عاشق اور شریعت کا نام لیوا ایسا تصور نہیں کر سکتا۔ یہاں تقریر اقتادہ آفندی کی

ختم ہوئی (الواقعات المحمودیہ)

سوال حضرت الشیخ علی دوہ قدس سرہٗ نے اسئلہ الحکم میں لکھا کہ عالم دنیوی میں دیدار الٰہی کیوں ممنوع ہے۔

جواب دیدار الٰہی دنیا کی تمام نعمتوں سے ایک مکرم و معظم تر نعمت ہے اور یہ نعمت صرف ان کے نصیب ہو گی جو اللہ تعالیٰ کے ہاں جملہ کائنات سے معظم و مکرم ترین ہوں اور وہ سوائے حضور تاجدار انبیاؑ علیہم السلام کے اور کوئی نہیں اس لئے کہ آپ ہی صرف مقام محمود کے مالک ہیں۔ بنا بریں شبِ معراج صرف آپ نے اللہ تعالیٰ کو سر مبارک کی آنکھوں سے مشاہدہ فرمایا۔

نکتہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سوال کے بغیر دیدار سے نوازا تاکہ بلا عوض آپ کو یہ دولت نصیب ہو ورنہ اگر آپ کو سوال کے بعد زیارت نصیب ہوتی تو یہ بدلہ ہوتا اور یہ ایک ایسا احسان عظیم ہے کہ نہ کسی کو نصیب ہوا اور نہ ہوگا۔

سوال تم نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ دیدار الٰہی دنیا میں ممکن ہے یہ غلط ہے اس لئے کہ لَنْ تَرَانِیْ میں لفظ لن دلالت کرتا ہے کہ یہ ناممکن ہے اس لئے کہ لن دائمی نفی کے لئے مستعمل ہوتا۔ کذا قال اہل اللغۃ۔

جواب اہل لغت کے دعاوی پر عقائد کا دارومدار نہیں بلکہ کتاب و سنت کے دلائل پر ہے اہل لغت کے ہاں اپنے اس دعویٰ پر کتاب وسنت کی کوئی سند معتبر نہیں اور نہ ہی اُن کے ہاں کوئی نقل صحیح موجود ہے علاوہ ازیں ان کا یہ دعویٰ قرآن مجید کے مضمون سے باطل ہے چنانچہ یہودیوں کی موت پر لن نافیہ کے علاوہ ابدا کا لفظ مؤکد ابھی موجود ہے لیکن باوجود ایں ہمہ یہودی موت کی تمنا کریں گے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا یا مالک لیقض علینا ربک اور فرمایا یا لیتہا کانت القاضیۃ" یہاں پر القاضیہ سے موت مراد ہے نیز لن ترانی سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ موسیٰ علیہ السلام کو دائمی طور دیدار سے روکا گیا بلکہ مطلق رویت کی نفی ہے اور مطلق رؤیت کی تقریر ہم نے پہلے لکھی ہے اس سے معتزلہ کا مذہب ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ بار باران کی تردید ہوتی چلی آئی ہے۔ حضرت عارف جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

جہاں مرآت حسن شاہد ماست۔
فشاہد وجہہٗ فی کل ذرات

ترجمہ: جہان محبوب کے حسن کا آئینہ ہے اسی لئے تم ہر ذرہ اسی کا مشاہدہ کرو۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

چوں مستعد نظر وصال مجو
کہ جام جم نکند سود وقت بے بصری

ترجمہ: تیرے میں استعداد نہ ہو تو پھر وصال یار کی کوشش نہ کر اس لئے کہ جام جمشید کام نہ دے گا جب دیکھنے والی آنکھ نہ ہو۔

تفسیر عالمانہ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ اور لیکن پہاڑ کو دیکھئے۔ یعنی ذات کے مشاہدہ کا مطالبہ نہ کیجئے اس لئے کہ آپ میرے مشاہدہ کی تاب نہیں رکھتے بلکہ کچھ دیکھنا ہے تو میرے اور اپنے درمیان پہاڑ کو وسیلہ بنایئے اگر یہ تاب لا سکا تو آپ بھی جلوہ بچا سکیں گے اگر وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جائے تو پھر اس ارادہ سے باز آجایئے اس لئے کہ وہ آپ کی ظاہری جسمانیت سے مضبوط تر ہے جب اس کی حالت کمزور ہو جائے تو اپنے لئے خود سوچ لیجئے۔

فائدہ کلبی نے کہا کہ مدین میں سب سے بڑا پہاڑ یہی تھا زبیر نام تھا قاموس میں ہے کہ زبیر بروزن امیر اس پہاڑ کا نام ہے جہاں موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف نصیب ہوا۔

اعجوبہ ابن الجوزی مرآۃ الزمان میں لکھتے ہیں کہ صحیح تر یہ ہے کہ یہ وہی پہاڑ ہے جو کوہ طور کے نام سے مشہور اور بحر قلزم کے قریب ہے جب پہاڑوں نے سنا کہ کوہ طور یا زبیر کو تجلیات ربانی کا مرکز بنایا جا رہا ہے تو کہنے لگے یہ کبھی نہیں ہو سکتا اس لئے کہ وہ کوہ طور یا زبیر ان تمام پہاڑوں سے چھوٹے تھے لیکن کوہ طور یا زبیر نے سنتے ہی شرم کے مارے گردن جھکا لی کہ ہم کہاں اور تجلیات حق کی مرکزیت کہاں۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی تواضع و انکسار سے پیار آگیا۔ بنا بریں اپنے فضل و کوہ طور یا زبیر کو تجلیات کے لئے چن لیا۔ (عقد الدرر واللآلی)

مثنوی شریف میں ہے ؎

ای خنک آنرا کہ ذلت نفسہ
وای آں کز سرکشی شد چوں کہ او

ترجمہ: اسے مبارک ہو جس کا نفس ذلیل ہوا افسوس ہے اس پر جس کا نفس اس کی طرح سرکش ہوا۔

نکتہ جب موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہونے کے لئے روانہ ہوئے تو اپنی قوم اور اپنے درمیان اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو جانشین (واسطہ) بنایا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے ان کے اور اپنے دیدار کے درمیان پہاڑ کو واسطہ بنایا۔ اسمیں اشارہ ہے کہ تم نے میری زیارت سے پہلے میرے اوپر بھروسہ نہ کرتے ہوئے اپنے بھائی پر اعتماد کیا اور مجھے اپنی امت کا کفیل نہ بنایا اسی طرح میں بھی آپ کو اپنی زیارت کا وسیلہ پہاڑ کو بناتا ہوں۔ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ پس اگر وہ پہاڑ اپنی جگہ پر ٹھہر جائے اور ثابت قدم رہے فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ تو آپ بھی مجھے دیکھ لیں گے یعنی پھر آپ کو میری زیارت کی طاقت نصیب ہو جائے گی اگر وہ اپنی جگہ پر نہ ٹھہر سکے تو سمجھ لینا آپ کو بھی میری زیارت کی طاقت نہیں اس لئے کہ فطری امر ہے کہ پہاڑ باوجودیکہ بہت بڑا سخت ہے لیکن جب اس پر تجلی حق اثر انداز ہوئی تو ریزہ ریزہ ہو گیا۔ وہ تجلی حق برداشت نہ کر سکا بلکہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر مٹ گیا تو پھر انسان

ضعیف البنیان کہ جس کی عادت ہے کہ ہولناک امور کو دیکھ کر خوفزدہ ہوجاتا ہے اس کی پھر کیا کیفیت ہوگی جبکہ اس ذی عظمۃ و جلال کا مشاہدہ ہو کہ جس کے جلال و کبریائی کا کوئی کنارہ نہیں ۔

اہل سنت کے دلائل اس سے بھی اہل سنت کا مذہب ثابت ہوا کہ دیدار الٰہی ممکن ہے کہ کسی شے کو معلق بالاممکن کیا جائے تو وہ شے ممکن ہوتی ہے جیسے معلق بالامتناع ممتنع ہوتا ہے مثلاً کفار کا بہشت میں داخل ہونا ممتنع ہے تو اسے ممتنع سے معلق کیا گیا ہے کما قال تعالٰے ۔ حتی یلج الجمل فی سم الخیاط ۔

اسی طرح جعلہٗ دکًا سے بھی واضح ہوا کہ دیدار الٰہی ممکن ہے اس لئے کہ پہاڑ کا ٹکڑا ہونا اپنی طرف منسوب فرمایا ورنہ اندک کہنا موزوں تھا اور قاعدہ ہے کہ جس فعل کی ایجاد کی نسبت اللہ تعالٰی کی طرف ہو وہ ممکن ہوتا ہے اس لئے وہ اپنے فعل کا مختار ہے محتاج نہیں ۔

اگر دیدار الٰہی ناممکن ہوتا تو اللہ تعالٰی موسٰی علیہ السلام کو دیدار سے مطلقاً ممانعت فرماتا ۔ یہاں ممانعت کے بجائے دیدار کرانے کو معلق فرمایا اس سے انہیں مایوس کرنے یا جھڑک دینے کی بجائے پُرامید فرمایا ورنہ ممتنع فعل کی استدعا پر موسٰی علیہ السلام کو عتاب ہوتا ۔ جیسے نوح علیہ السلام سے محبوبی عتاب فرمایا انی اعظک ان تکون من الجاھلین جبکہ انہوں نے اپنے بیٹے کو غرق ہونے سے نجات کی استدعا کی ۔

فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّہٗ لِلْجَبَلِ پس جبکہ اللہ تعالٰی نے اپنا جلوہ پہاڑ پر ظاہر فرمایا یعنی جبکہ اللہ تعالٰی کی عظمت اور اُس کی قدرت کا مظاہرہ پہاڑ سے معلق ہونے کا یہ معنے ہے کہ عظمت و اقتدار کا پہاڑ سے تعلق ہوا ۔ اور ان کا ظہور اس میں سے ہوا ۔

سوال تم نے عظمت و اقتدار کی قید کیوں لگائی ہے ؟

جواب اس لئے کہ ذات کا تعلق پہاڑ (جماد) سے غیر معقول ہے ۔

فائدہ تفسیر العیون میں ہے کہ اللہ تعالٰی نے اپنے جوابات سے اپنا نور خنصر و ابہام کے درمیانی فاصلہ کے قدر ظاہر فرمایا تھا جبکہ انہیں آپس میں ملایا جائے اور انگوٹھے کو اوپر والے جوڑ پر رکھا جائے ۔

بصورۃ ہکذا

فائدہ سہل بن ساعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے اپنے نور کو ستر ہزار پردوں سے صرف ایک درہم کی مقدار ظاہر کیا ۔

فائدہ تفسیر فارسی میں ہے کہ اللہ تعالٰی نے اپنے نور یا عرش کے نور سے سوئی تاکہ برابر ظاہر فرمایا

فائدہ شیخ ابو منصور رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ پہاڑ پر تجلی ڈالنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے پہاڑ میں حیاۃ و علم

اور رؤیت پیدا فرمائی یہاں تک کہ اُس نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا۔ اس دلیل سے واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار دنیا میں جائز ہے

جَعَلَہٗ دَکًّا دکا مصدر بمعنی مدکوک ہے اب معنے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ فرمایا۔ غور کیجئے کہ جب دیدار سے پہاڑ کی اتنی بڑی عظیم الضخامتہ کے باوجود یہ حالت ہوئی تو پھر انسان ضعیف البنیان کی کیا کیفیت ہو گی۔

فائدہ تفسیر کواشی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو موسیٰ علیہ السلام کو فدا فرمایا۔ اگر موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہونے تو اُن کی بظاہر کیفیت یہی ہوتی جیسے پہاڑ کی ہوئی۔

اعجوبہ مفسرین فرماتے ہیں کہ اس روز ہر کڑوا پانی میٹھا اور ہر مجنوں ذی ہوش اور ہر بیمار تندرست ہو گیا اور کانٹے دار درختوں کے کانٹے جھڑ گئے اور ویرانے سرسبز ہو گئے بلکہ ان میں بہار آ گئی اور مجوسیوں کے آتشکدے بجھ گئے اور بت منہ کے بل گر گئے اور ملائکہ کی آوازیں منقطع ہو گئیں اور وہ پہاڑ جس پر موسیٰ علیہ السلام کھڑے تھے وہ اُن کے نیچے سے ہلا اور پانی کی طرح بہتا ہوا سب کا سب ریزہ ریزہ ہو گیا بلکہ راکھ بن کر اڑنے لگا۔

فائدہ ذرہ اس گرد و غبار کو کہا جاتا ہے جو روشنی کی کرنوں میں اڑتی ہوئی نظر آتی ہے یعنی وہ کرن جو دریچوں سے داخل ہوتی ہے اس کے اندر سے چھوٹے چھوٹے گرد و غبار کے ریزے نظر آتے ہیں وہی ذرات کہلاتے ہیں۔

اعجوبہ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ وہی پہاڑ تجلی حق سے چھ ٹکڑے ہو گیا۔ اس کے تین حصے مدینہ طیبہ میں اڑ کر تین علیحدہ علیحدہ پہاڑ ہو گئے۔ اُن کے نام یہ ہیں۔

① احد

② رقان

③ رضوی

اور تین مکہ معظمہ میں پہنچے وہ یہ ہیں۔

① ثور

② ثبیر

③ حرا

لیکن تفسیر مدادی میں آٹھ ٹکڑے لکھے ہیں اُن میں چار مکہ معظمہ میں ہیں جن کے نام یہ ہیں۔

① ثور

② ثبیر

③ حـــراؔ
④ غار ثور

اور باقی چار مدینہ میں ان کے نام یہ ہیں ۔

① احــد
② اقان
③ رضوی
④ مہراس

فائدہ حضرت حسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کے تین ٹکڑے ہوئے ۔

① ایک زمین میں دھنس گیا ۔
② دریاؤں میں ڈوب گیا ۔
③ اُڑ کر عرفات میں پہنچا ۔ یہی وجہ ہے کہ وہ خوف الہٰی سے ہر کمزور سے کمزور تر ہوگیا ۔

نکتہ پہاڑ باوجود عظیم الجثہ ہونے کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا اور انسان باوجود کمزور جسم ہونے کے اس پر نگاہ کرم ہوتی رہتی ہے ۔ چنانچہ فرمایا وَلٰكِنْ يَنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ اور وہ اس نظر عنایت سے محکوم و مضبوط ہوتا ہے اس کی وجہ ظاہر ہے کہ پہاڑ پر قہر و غضب اور ہیبت کی نگاہ پڑی اور حضرت انسان کے دل پر لطف و کرم اور رحمت کی نگاہ پڑتی ہے ۔ بنا بریں پہاڑ ویران ہوگیا اور انسان کا دل آباد ہوا

تفسیر صوفیانہ صوفیا کرام فرماتے ہیں کہ جبل سے یہاں جسم حجابی کی صورت مراد ہے اس لئے وہ ریزہ ریزہ ہوگیا اور یہ قاعدہ ہے کہ جسم حجابی جب تک ریاضت اور فنا سے ٹکڑے ٹکڑے اور ریزے ریزے نہ ہو اس وقت تک وہ تجلیات کی استعداد نہیں ہوتی اس لئے کہ تجلیات روح کو نصیب ہوتی ہیں اور روح کا مقام قلب ہے اور جبل یعنی جسم میں تحیز و حصر وغیرہ ہے اور تجلیات کا مرکز ہر وہ شے ہوتی ہے جو غیر متحیز ہو ۔ یہ ایک راز کی بات ہے اس پر غور و فکر چاہیئے بلکہ اس کے لئے ہر طرح کی تحقیق لازم ہے (کذا فی اسئلۃ الحکم)

وَخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ؕ پہاڑ سے جو کچھ دیکھا اس کے ہول سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہوگئے اور یہ بے ہوشی جمعرات کی شام سے لے کر جمعہ کی شام تک مسلسل رہی اور وہ نویں ذوالحجہ کا دن تھا ۔ یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے ۔ حضرت قتادہ نے فرمایا کہ اس وقت موسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے تھے لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول زیادہ صحیح ہے اس لئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے فَلَمَّآ اَفَاقَ فرمایا ہے اور افاقہ بیہوش ہونے کے لئے مستعمل ہوتا ہے مردہ کے لئے افاقہ کا لفظ نہیں بولا جاتا ۔ بلکہ اس کے لئے بعث کہا جاتا ہے چنانچہ

سورہ بقرہ میں فرمایا ثُمَّ بَعَثْنٰکُمْ مِنْ بَعْدِ مَوْتِکُمْ۔

مثنوی شریف میں ہے

① جسم خاک از عشق بر افلاک شد
کوہ در رقص آمدہ وچالاک شد

② عشق جان طور آمد عاشقا
طور مست و خر موسیٰ صعقا

ترجمہ: ① خاکی جسم عشق سے آسمان پر گیا کوہ طور رقص میں آکر ہوشیار ہوا۔

② عشق طور کی جان ہے اے عاشق۔ طور مست ہوا اور موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گرے۔

اعجوبہ حضرت الشیخ افتادہ آفندی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جبل مذکور اگرچہ بظاہر جل کر راکھ ہو گیا لیکن اس کا وجود معنوی موسیٰ علیہ السلام کی تجلی کے عکس سے خالص لعل ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس پہاڑ کو کعبہ اور مدینہ اور بیت المقدس کی طرح بہشت میں داخل کیا جائے گا اس لئے کہ وہ تجلیاتِ حق کا مظہر ہے۔

فَلَمَّا اَفَاقَ پس جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بے ہوشی سے افاقہ پایا۔

فائدہ حضرت مولانا ابو السعود قدس سرہٗ نے فرمایا "الافاقۃ رجوع العقل والفہم الانسان بعد ذھابہا بسبب من الاسباب"۔ عرف عام میں عقل و فہم چلے جانے کے بعد کسی سبب سے ان کا انسان کی طرف رجوع کرنے کو افاقہ کہا جاتا ہے۔

قَالَ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مشاہدہ کی عزت و احترام کے پیشِ نظر تعظیماً کہا۔ سُبْحٰنَکَ تیری اجازت کے بغیر میرے سوال کرنے سے تیری تنزیہہ ہے۔

تُبْتُ اِلَیْکَ اجازت کے بغیر سوال کرنے کی جرأت سے میں نے توبہ کی یا میری اس سے توبہ ہے کہ میں نے موجودہ دیدار کا دنیا میں سوال کر لیا۔ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ اور میں تمام لوگوں میں سے پہلے تیری عظمت و جلال پر ایمان لایا ہوں یا میں سب سے پہلے ایمان لاتا ہوں کہ دنیا میں تیرا دیدار نہیں ہو سکتا۔

ای کہ زیک لمعات کوہ لصد پارہ شد
چہ عجب از مشتِ گل عاجز و بیچارہ شد

ترجمہ: تیرے نور کی ایک جھلک سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا اگر خاک کا پتلہ اس سے عاجز و بیمار ہو گیا تو اس سے کوئی تعجب نہیں کرنی چاہیے۔

دیدار الٰہی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دیدار کا سوال کیا تو اس وقت بارہ میل تک بارش ہی بارش تھی اور اندھیرا چھا گیا اور ہولناک بادل دکڑکیں اور گرجیں اور بجلی اس پہاڑ کو گھیر گئیں اور ہر چار

سو بارہ بارہ میل تک یہی حال تھا اور آسمان کے ملائکہ کو حکم ہوا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے سامنے حاضر ہوں۔ دنیا کے آسمان آپ کے سامنے گذرے اُن کے آگے بہت بڑی تعداد میں گائیں تسبیح و تقدیس پڑھ رہی تھیں اور اُن کی آوازیں بادل کی گرج سے بہت زیادہ سخت تھیں اُس کے بعد دوسرے آسمان کے فرشتوں کو حکم ہوا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے سامنے حاضری دیں اور اُن کی کثرت انبوہ دار چیونٹیوں کی طرح تھیں اور وہ بھی تسبیح و تقدیس کا غلغلہ کر رہے تھے ان کی اس ہولناک مجموعی آواز سے موسیٰ علیہ السلام گھبرا گئے یہاں تک کہ اس خوف سے آپ کے جسم کے تمام بال کھڑے ہو گئے پھر اپنے دل میں کہنے لگے کہ کاش میں دیدار کا سوال نہ کرتا۔ پھر کہا کاش مجھے کوئی شے اس ہولناک منظر سے بچا لیتی اُن کی یہ باتیں سن کر تمام ملائکہ نے فرمایا کہ اے موسیٰ علیہ السلام اپنے سوال پر صبر کیجئے عنقریب آپ کو اس سوال کا منظر سامنے آجائے گا پھر تیسرے آسمان کے فرشتوں کو حکم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کی حاضری دیں اور آپ کے سامنے گدھوں کی صورت میں حاضر ہوئے جن کی تسبیح و تقدیس سے ہولناک آواز تھی اور وہ آواز اتنی پرجوش تھی گویا بہت بڑا لشکر نعرے لگاتا جا رہا ہے اور وہ آگ کے شعلوں کی طرح آگے بڑھتے آ رہے تھے اس سے موسیٰ علیہ السلام گھبرائے اور خوف سے سانس منقطع ہو گیا۔ یہاں تک کہ حیات سے ناامید ہو گئے اس پر ان فرشتوں کے سردار نے کہا اے موسیٰ بن عمران علیہم السلام گھبرائیے نہیں۔ صبر کیجئے عنقریب آپ اس سے کئی گنا زائد خوفناک منظر دیکھو گے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے چوتھے آسمان کے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ بھی نیچے اتریں

چنانچہ وہ جب اُترے تو اُن کے رنگ آگ کے شعلوں کی طرح تھے لیکن برف کی طرح سفید اور اُن کے منہ سے تسبیح و تقدیس کے چشمے ابلتے تھے اور ان کی اونچی اونچی آواز تھی جیسے بادل گرج رہا ہو پہلے تمام تینوں آسمان کے فرشتوں کا ان کا زمین پر اترنا زیادہ ہیبتناک تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا تو خوف سے ان کے دونوں گھٹنے لرز رہے تھے اور آپ کا دل کانپ رہا تھا چنانچہ آپ سخت روئے۔ اُن سے اُن کے سردار سردار نے کہا اے ابن عمران صبر کیجئے۔ جس کا تم نے سوال کیا یہ اُس کی نسبت کچھ بھی نہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے پانچویں آسمان کے فرشتوں کو حکم دیا وہ زمین پر اُترے تو ان کے اجسام سات رنگ کے تھے اُن کی اتنی سخت ہیبت تھی کہ موسیٰ علیہ السلام اُن کی ہیبت کی وجہ سے اُن کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتے اور نہ انہوں نے ایسا منظر پہلے کبھی دیکھا اور نہ ہی ان جیسی پہلے کبھی آواز سُنی۔ آپ کا پیٹ مبارک خوف سے پھول گیا اور غم بڑھ گیا اور بہت روئے۔ آپ سے ان فرشتوں کے سردار نے کہا اے ابن عمران صبر کیجئے اس سے بڑا ہیبتناک منظر دیکھو گے کہ جس کے لئے صبر کرنا مشکل ہو جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے چھٹے آسمان کے فرشتوں سے فرمایا کہ وہ زمین پر نازل ہوں۔ جب تمام فرشتے نازل ہوئے تو اُن کے ہر ایک کے ہاتھ میں آگ تھی جس کی لمبائی ایک بہت بڑی کھجور کے برابر تھی اور وہ آگ سورج سے بھی زیادہ روشن تھی اور ان کا لباس آگ کے شعلوں کی طرح تھا اور

نہایت ہولناک آواز سے پڑھتے سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْعِزَّةِ اَبَدًا لَایَمُوْتُ" ان سب کے چہرے پر چار منہ تھے ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن کے ساتھ تسبیح پڑھنے لگے ۔ روتے ہوئے کہتے تھے "رَبِّ اذْکُرْنِیْ وَلَا تَنْسَ عَبْدَكَ" ان کے سب سے بڑے فرشتے نے کہا اے ابن عمران؛ علیہم السلام جو کچھ آپ نے سوال کیا ابھی پورا ہوگا ۔ تھوڑی دیر صبر کیجئے پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عرش کو ساتویں آسمان پہ رکھ دیجئے اور فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کو عرش کا منظر دکھاؤ ۔ جب عرش کا نور ظاہر ہوا تو عرش الٰہی کی عظمت سے پہاڑ پھٹ گیا تمام آسمانوں کے فرشتوں نے مل کر کہا سُبْحَانَ اللّٰہِ القدوس رب العزۃ لَایموت" پھر وہ پہاڑ اور اُس کے اندر کے تمام درخت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر منہ کے بل گرے اور روح پرواز کر گئی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے روح واپس لوٹائی ۔ اور جب ہوش میں آئے تو دیکھا کہ جس پتھر پر کھڑے تھے اُس کی ہیئت تبدیل تھی کہ وہ ایک قبہ کی شکل میں موسیٰ علیہ السلام کے لئے ایک حصار بنا ہوا تھا کہ کہیں موسیٰ علیہ السلام جل نہ جائیں ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اٹھا کر ایک جگہ بٹھایا جیسے ماں بیٹے کو اُٹھا کر بٹھاتی ہے ۔ موسیٰ علیہ السلام اُٹھتے ہی تسبیح پڑھنے لگے اور کہتے تھے اے اللہ تعالیٰ میں تجھ پر ایمان لایا ہوں اور تصدیق کرتا ہوں کہ تجھے دنیا میں کوئی نہیں دیکھ سکتا اور تجھے اگر کوئی دیکھے تو وہ زندہ نہ رہ سکے بلکہ جو صرف تیرے فرشتوں کو دیکھے تو اس کے ہوش و حواس اُڑ جائیں تو اس کی کیا حالت ہوگی جو تیری عظمت کا مشاہدہ کرے تیری اور تیرے ملائکہ کی عظمت کا کیا کہنا ۔ تو تمام پرورش کنندگان کا پالنے والا اور تمام بادشاہوں کا بادشاہ ہے نہ تیرا کوئی ثانی ہے اور نہ ہی تیرا کوئی مقابلہ کر سکتا ہے ۔ میں نے تیری طرف رجوع کیا اور حمد و ثناء تیرے لئے اور تیرا شریک کوئی بھی نہیں ۔ (التیسیر) ۔

مسئلہ احادیث مذکورہ میں ملائکہ کا نزول بیان ہوا ۔

تفسیر صوفیانہ اربابِ مکاشفہ کے بعض محققین نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے وجود کو مدِّ نظر رکھ کر اللہ تعالیٰ کی ذات کے دیدار کا سوال کیا ۔ چنانچہ رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْكَ سے اسی طرف اشارہ ہے کہ صیغہ متکلم سے اپنے وجود کے پیش نظر بارگاہِ حق میں عرض کیا ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ سوال لَنْ تَرٰىنِیْ سے رد فرمایا یعنی موسیٰ علیہ السلام تم اپنے وجود کے بقائے کے باوجود اس ذات کو نہیں دیکھ سکتے جس سے مخاطب ہو ۔ لیکن پہاڑ کی طرف دیکھو ۔ یہاں پر پہاڑ سے موسیٰ علیہ السلام کی ذات و ہویت مُراد ہے ۔

فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ پس اگر تمہارا وجود اپنی جگہ ٹھہرا رہا یعنی تمہارا وجود فنا پذیر نہ ہوا فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ" پھر تم مجھے دیکھ سکو گے یعنی فنائیت کے بعد تم مجھے دیکھ لو گے فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ پس جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ یعنی موسیٰ علیہ السلام کے وجود پر اپنا نور ڈالا تو اُن کا بدن اللہ تعالیٰ کے خوف سے مضطرب

ہوا جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا اور موسیٰ علیہ السلام اپنی ہویت سے فانی ہو کر عین حق سے حق کو دیکھا فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ جب افاقہ پایا تو کہا اے تیری ذاتِ پاک ہے اب میں نے توبہ کی کہ آئندہ ہویت کو مدِ نظر رکھ کر تیری ذات کے دیدار کا سوال نہ کروں گا۔

تفسیر صوفیانہ کی دوسری تقریر تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ یعنی جب موسیٰ علیہ السلام کو قربِ الٰہی کی استعداد نصیب ہو گئی تو ان پر صفات کے شرابی صاف پیالے نازل ہونے لگے۔ مکالمات الٰہیہ کے لبریز پیالے اُن کے پیش ہوئے اور ان میں اللہ تعالیٰ کی ہمکلامی کی لذتیں محسوس ہونے لگیں جب اس شرابِ حقیقی سے مدہوش ہوئے تو وجد میں آ گئے یا یوں کہئے کہ جب واردات شراب کی مستی اور مخاطبات کی ملاطفات کے سماع سے مسرور ہوئے تو مدہوش ہو گئے۔ اس محبوب کیفیت سے کہ دیدار الٰہی سے اُن کی استعداد میں مزید ترقی ہوئی اور شوقِ دید کی مستی کا غلبہ ہوا بلکہ دوامی محبت کا پورا جوش موجزن ہوا تو کہا رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ اے میرے اللہ مجھے اپنے دیدار سے نوازیئے۔ اس کے جواب میں کہا گیا اے موسیٰ علیہ السلام تم دوئی کی وجہ سے ابھی دیدار سے کوسوں دور اور جبل انانیت سے محجوب ہو جب تم مجھے اپنی انانیت کو سامنے رکھ کر دیکھو گے تو دیکھ سکو گے ہاں جب کہ میں آنکھ بن جاؤں تو وہ مجھے میری بصر سے دیکھ سکے گا اگر مجھے دیکھنا چاہتے ہو تو اپنے انانیت کے پہاڑ کو دیکھو۔ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ اگر وہ تجلی حق کے وقت اپنی جگہ ٹھہر جائے فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ پھر تم اپنی انانیت کی بصر سے مجھے دیکھ لو گے۔ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ پس جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے جبل انانیت پر تجلی ڈالی تو جَعَلَهٗ دَكًّا تو اُن کی انانیت کے پہاڑ کو نیست و نابود کر دیا اب اس کی یہ حالت تھی کہ گویا وہ تھا ہی نہیں وَخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا تو موسیٰ علیہ السلام انانیت کے مٹنے پر بیہوش ہو کر گرے۔ پھر ان کے ساتھ وہی ہوا جو ہونا تھا اور دیکھا جو انہوں نے دیکھنا تھا۔ اب یہ کیفیت تھی کہ تمام دھرتی نُور سے بھر گئی حق کے ظہور سے باطل مٹ گیا اس لئے کہ باطل کو مٹنا ہی ہے۔

قد کان ما کان سر الا ابوح بہٖ
فَظُنَّ خیرًا وَلَا تَسْئَالْ عَنِ الْخَیْر

ترجمہ: ہوا جو کچھ ہوا جس کا مجھ سے اظہار نہیں ہو سکتا اس کا یہ خیال ہوا کہ وہ خیر ہے لیکن مجھ سے مت پوچھو کہ وہ کیا تھی۔

اگر نفس کی انانیت کا جبل موسیٰ روح کے درمیان نہ ہوتا اور پھر ربِ تعالیٰ کی تجلی کا ظہور ہوتا تو وہ فوراً مٹ جاتے اور انہیں زندگی کا ایک لمحہ بھی نصیب نہ ہوتا اگر تجلی حق کے وقت ان کا قلب ان کا خلیفہ نہ ہوتا تو انہیں اس مدہوشی کے بعد افاقہ حاصل نہ ہوتا اور نہ ہی وجود کی طرف انہیں رجوع کا موقعہ میسر آتا یہ راز

کی بات ہے اسے خوب یاد رکھیئے)۔

فائدہ اگر روح کا جسم سے تعلق نہ ہوتا تو جسم کی تجلی حق کی استعداد نہ ہوتی تجلی کے فہم و ادراک کی خبر بھی نہ ہوئی جب موسیٰ علیہ السلام وہ سطوۃ تجلی حق سے انانیت کی غشی سے ہوش میں آئے تو محویت کے خاتمہ پر کہا سُبْحٰنَكَ • تیری ذات اس سے پاک ہے کہ مخلوق کے تجھ سے اتصال ہو۔

تُبْتُ میں اپنی انانیت سے تیری ہویت کے ساتھ تیری طرف رجوع کرتا ہوں وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اور میں پہلا ایمان لانا والا ہوں۔ اس بات پر کہ تجھے انانیت سے نہیں دیکھا جا سکتا اور نہ ہی تیری ہویت کے بغیر تجھے دیکھا جا سکتا ہے۔

امام قشیری کی صوفیانہ تقریر حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب موسیٰ علیہ السلام مشتاق اور مغلوب الحال لوگوں کی طرح حاضر ہوئے تو اس وقت وہ موسیٰ (بلا موسیٰ تھے) بلکہ اس وقت وہ موسیٰ نہ رہا اور لاکھوں بلکہ کروڑہا ایسے مردانِ خدا نے اسی طرح کی مسافتیں طے کیں اور انانیت کو مٹایا۔ آج تک کسی کو خبر ہی نہیں۔ یہ صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خاصہ ہے کہ اُن کی اس منزل کو طے کرنے پر تا حال ہر زبان پر ان کا ذکر جاری ہے اور تا قیامت اسی طرح جاری رہے گا۔

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا جب موسیٰ علیہ السلام اپنے وعدہ کے مطابق حاضر ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی ہمکلامی کا شرف بخشا ہمکلامی کے ذوق میں آپے سے باہر ہو کر عرض کی رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ ؕ اے میرے رب کریم مجھے اپنے دیدار سے سرشار فرمائیے اس لئے کہ مشاہدہ کے وقت کمال وصال سے انہیں غلبہ وجد سے مجبوراً انہیں یہ کہنا پڑا اور قاعدہ ہے کہ مغلوب الحال جو کچھ کہے اس سے باز پرس نہیں ہوتی۔ اور مشہور بات ہے کہ مغلوب الحال ناشکری کی باتیں کرے۔ اسے جب کہا جائے تو وہ انکار کر جاتا ہے اور یہ بھی قاعدہ ہے جو محبوب کے زیادہ قریب ہوتا ہے وہ تمام مخلوق سے شوق دیدار سے بہت زیادہ بے صبر ہوتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اللہ تعالیٰ کی مناجات سے سرشار ہوئے اور انہیں کرامات و انعامات نے گھیرا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے بلا جہات اور بلا واسطہ کلام فرمایا تو عرض کرنے لگے رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ اے اللہ مجھے دیدار سے نوازیئے گویا وہ اس وقت اپنے سے گم ہو کر مشاہدۂ حق کی محویت کہہ رہے تھے۔ یہ قاعدہ ہے کہ ایسے حضرات کو جونہی شرابِ مستی سے جام بھر بھر پلائے جائیں اُن کی پیاس میں اضافہ ہوتا ہے۔

نکتہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کی خواہش کلام سے ظاہر فرمائی۔ اس کا جواب انہیں لَنْ تَرٰىنِیْ کے کلام سے ملا۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تحویل قبلہ کی آرزو دل میں چھپائی تو انہیں قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ارزانی کے طور ملا۔

نکتہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نفی کے جوابات سے بارہا مبتلا ہونا پڑا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سے دیدار کی تمنا کی تو جواب ملا لَنْ تَرٰىنِیْ۔ اور حضرت خضر علیہ السلام سے صحبت کی آرزو کی تو انہیں بھی یہی کہا لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا۔ اس طرح موسیٰ علیہ السلام گویا حق اور بالا موسیٰ ہی رہے اور یہ قاعدہ ہے کہ موسیٰ کے لئے موسیٰ کے ساتھ ہر نصیب سے رکھا جائے یعنی اللہ تعالیٰ کے لیئے اپنے آپ کو انانیت کی ہر خواہش سے پاک رکھا جائے۔ چنانچہ کسی شاعر نے کہا ؎

نبی ابینا نحن اھل منازل
ابدا غراب البین فینا یزعق

ترجمہ: ہم وہ لوگ ہیں جو غراب البین کی طرح جدائی میں فریادی رہتے ہیں۔

نکتہ لَنْ تَرٰىنِیْ کی آزمائش فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ لِلْجَبَلِ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ سے سخت تر تھی اس لئے کہ فسوف ترانی میں زیارت کرانے کا طمع دلایا گیا جب موسیٰ علیہ السلام کی توقع بڑھی تو پہاڑ کو پاش پاش کر دیا اگرچہ وہ قادر تھا کہ پہاڑ کو پاش پاش نہ ہونے دیتا۔ لیکن ناز محبوبانہ میں عجیب راز و نیاز ہوتے ہیں ان کی بہتر تقریر ہم نے پہلے بیان کر دی ہے۔

نکتہ اُنْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ میں بھی موسیٰ علیہ السلام کے لئے ایک شدید ابتلاء تھا اس لئے کہ اسے اپنی ذات سے منع کر کے غیر کو دیکھنے کا حکم فرمایا اس لئے انہیں اپنی ذات سے روک کر آنکھ بند کرنے کا حکم ہوتا کہ اب کسی کو بھی نہ دیکھو تو یہ ان کے لئے آسان تر تھا لیکن انہیں لَنْ تَرٰىنِیْ کہہ کر وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ" کے حکم سے سخت تر آزمائش میں ڈالدیا اس لئے کہ انہیں تکلیف ہوئی کہ مجھے اپنی تجلیات سے دور کر کے جبل کو اپنی تجلیات کا مرکز بنایا ہے وہ اس امر سے سخت آزمائش میں مبتلا ہوئے کہ آرزو تو ذات کے دیکھنے کی کی گئی ہے لیکن انہیں جبل کو دیکھنے کا حکم ہوا اس سے اگرچہ انہیں سخت تکلیف ہوئی لیکن راضی برضا ہو کر تسلیم خم کر دیا جیسا کہ عشاق کا کام ہے اس معنے پر کہا گیا ہے ؎

اُرِیْدُ وِصَالَہ وَیُرِیْدُ ھَجْرِی
فَاَتْرُكُ مَا اُرِیْدُ لِمَا یُرِیْدُ

ترجمہ: میں اس کے وصال کا طالب ہوں لیکن وہ مجھ سے جدائی چاہتا ہے۔ اب میں اپنی مراد ترک کر کے اس کے ارادہ کو ترجیح دیتا ہوں۔

نکتہ غور سے دیکھا جائے تو یہ بھی موسیٰ علیہ السلام سے ایک لطیف ترین نوازش اور کرم نوازی ہے کہ دیدار کی ممانعت کی تصریح نہیں بلکہ اس کی علت ظاہر کر کے ان کے صبر پر معاونت فرمائی۔

لطیفہ مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے قریب ہو کر فرمایا تھوڑا صبر کیجئے۔

نکتہ جب موسیٰ علیہ السلام کو دیدار الٰہی سے روکا گیا تو پھر راس الامر یعنی توبہ کی طرف رجوع کر کے فرمایا تبت اِلَیْکَ" یعنی اگر رؤیت جو راس الرتبہ ہے نہ سہی تو میں تجھ سے راس الامر یعنی توبہ کا طالب ہوں۔

نکتہ اس طریقہ کو اختیار کرنے میں حقوق عبودیت سے بچنے کی طرف اشارہ ہے وہ اس لئے کہ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ علیہ السلام میرے اور تمہارے مابین قربت ہے عدم عدم رؤیت حائل نہ ہو اس لئے کہ رؤیت میں میری خدمت کے حق میں ادائیگی ہے پھر حق رب پر اپنے حظ نفس کو ترجیح دینا ناموزوں ہے (کذا فی تفسیر التیسیر نقلا عن القشیری)۔

مسئلہ بعض علمائے کے نزدیک دُنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے۔

مسئلہ حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ آفندی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ آخرت میں دیدارِ الٰہی کا اہل ایمان کے لئے وعدہ مسلّم ہے البتہ دنیا میں دیدار الٰہی کے لئے اگرچہ دائرہ امکان میں ہے لیکن نہ اُس کا کسی وعدہ ہے اور نہ ہی اس پر عادتِ الٰہی کا اجرا ہے۔

فائدہ دنیا میں رؤیت کے انواع ہم نے سُورہ انعام میں بیان کئے ہیں۔

فائدہ کسی نے بعض علمائے سے دنیا میں رُؤیت باری تعالیٰ کے امکان کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ لا زمان لہٗ ولا مکان فی ای مکان یعنی اس کے لئے نہ زمانہ ہے اور نہ اُس کا مکان تو پھر کہاں اس کی زیارت ہو۔

فائدہ ایسے مسئلہ میں صُورۃ سوال یوں ہو المنزہ ذاتہ عن الزمان والمکان بای وجہ یطلب وبای طریق یوجد ویوصل الیہ" اس کی ذات زمان و مکان سے منزہ ہے پھر اسے کیسے طلب کیا جائے اور اُسے کیسے پایا جائے اور اس کا وصال کیسے نصیب ہو۔

شان ولایت کی جھلک اس کے جواب میں ادب سے یہ کہا جائے کہ "مَنْ اَرَادَ رُؤْیَۃَ جَمَالِہٖ فَلْیَنْظُرْ فِیْ قُلُوْبِ اَوْلِیَاءِ فَاِنَّ قُلُوْبَہُمْ مَظَاہِرُ وَمَرَایَا لِجَمَالِہٖ" جو شخص اللہ تعالیٰ کی رویت کا طالب ہے اسے چاہیئے کہ وہ اولیاء کرام کے قلوب کو دیکھے اس لئے اُن کے قلوب جمالِ الٰہی کے مظاہر و مراکز ہیں۔

اہلسنت کی مذمت از معتزلہ معتزلہ آخرت میں بھی رُؤیت باری تعالیٰ کے منکر ہیں یہاں تک کہ صاحب کشاف نے اہلسنت کی خوب خبر لی اور اس مسئلہ کے تحت ان کی سخت مذمت کی ہے اور انہیں تحقیر و تضلیل سے نوازا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا ہے کہ جب وہ مسلمان ہیں تو پھر رؤیت باری تعالیٰ کے امکان کے قائل ہو کر اسے اپنا مذہب کیسے بنا لیا۔ اس کے بعد کہا کہ اے مخاطب ان کے ایسے کتابوں میں چھپے

رہنے سے دھوکہ مت کھائیو اس لئے کہ یہ طریقہ اُن کے بعض اکابر کا جاری کردہ ہے اس لئے معتزلہ کی طرف سے شناعت و مذمت کے طور اہل سنت کے متعلق کسی شاعر نے کہا ہے کہ

① الجماعة سموا هواهم سنة
لكنهم حمر لعمري مؤكفه
② قد شبهوه بخلقه وتخوفوا
شنع الورى متستروا بالبلكفه

ترجمہ: ① ایک جماعت ہے جس نے اپنی خواہشات کا نام سنت رکھ چھوڑا بخدا وہ گدھے ہیں اس لئے کہ۔

② انہوں نے اللہ تعالیٰ کو مخلوق سے تشبیہ دی تو خوف کے مارے نقابوں سے اپنے منہ ڈھانپ رکھے ہیں۔

مذمت از اہلسنت بر معتزلہ اس کے جواب میں کسی شاعر نے یوں فرمایا ؎

① عجبا لقوم ظالمين تلقبوا
بالعدل ما فيهم لعمري معرفه
② قد جاءهم من حيث اليدرونه
تعطيل ذات الله مع نفي الصفه

ترجمہ ① ایسے ظالم لوگوں پر نہایت ہی تعجب ہے کہ وہ اپنے آپ کو عدل کی تصویر سمجھتے ہیں حالانکہ انہیں ذرہ برابر بھی معرفت نصیب نہیں۔

② جہالت سے انہوں نے اللہ تعالیٰ کو معطل جیسی قبیح صفت سے موصوف کیا اور جو اس کے حقیقی صفات ہیں ان کا انکار کر دیا۔

حضرت مولانا ابراہیم الاروستی نے معتزلہ کی تردید میں فرمایا کہ ؎

① رَضِيْنَا كتاب الله للفصل بيننا
وقول رسُول الله اوضح فاصل
② وتحريف آياتِ الكتاب ضَلَالَةٌ
وليس بعدل رد نص الدلائل

③ وتضلیل اصحاب الرسولِ وذمّھم
وتصویب آراء النظام و واصل

④ ولَو کان تکذیب الرسول عدالة
فاعدل خلق اللہ عاص بن وائل

⑤ فلولاک حار اللہ من فرقة الھویٰ
لکنت جدیرا باجتماع الفضائل

ترجمہ: ① ہم اپنے فیصلہ کے لئے کتاب اللہ پر راضی ہیں اور رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث پر بھی ۔

② نہایت ہی بہتر اور واضح فیصلہ کن اور کتاب اللہ کے آیات کی تحریف گمراہی ہے اور دلائل قرآنی کے نصوص کو رد کرنا عدل نہیں ۔

③ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گمراہ سمجھنا اور اُن کی مذمت کرنا اور اپنے مولوی نظام اور مولوی واصل کے اقوال برحق سمجھنا بھی ناموزوں ہے ۔

④ اگر رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کا نام عدل ہے تو دنیا میں سب سے بڑا عادل عاص بن وائل (مشرک) ہے ۔

⑤ اے حار اللہ زمخشری اگر گمراہ فرقہ سے نہ ہوتا تو تم اپنے علم و ادب کیوجہ سے مجمع فضائل و کمالات کہلانے کا مستحق تھا ۔

تفسیر عالمانہ قَالَ

ربط جب موسیٰ علیہ السلام نے کہا اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْکَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ ہ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا یٰمُوسٰی اے موسیٰ علیہ السلام میں نے آپ کی اصلاح لقاءً کے لئے رؤیۃ سے روکا فلہٰذا مغموم و محزون نہ ہوں اِنِّی اصْطَفَیْتُکَ بے شک میں نے آپ کو چن لیا یعنی اپنے لئے پسند فرمایا اور اپنا برگزیدہ بنایا اور ممتاز کیا عَلَی النَّاسِ آپ کے ہمعصروں پر جو اب زندہ ہیں ۔

سوال کیا موسیٰ علیہ السلام ہارون علیہ السلام سے بھی برگزیدہ تھے حالانکہ وہ اُن سے سن میں بڑے تھے اور نبی بھی ؟

جواب اگرچہ اُن سے بڑے اور نبی تھے لیکن موسیٰ علیہ السلام کے متبع تھے اس لئے کہ وہ نہ تو کلیم تھے اور نہ مستقل طور صاحبِ شرع ۔ یا یہاں پر الناس سے تمام لوگ مراد ہیں اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام جیسی فضیلت (یعنے رسالت اور بلا واسطہ کلام) پہلے کسی کو نصیب نہیں ہوئی (ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مستثنیٰ ہیں)

سوال علے الناس کے بجائے علی الخلق کیوں نہ فرمایا؟

جواب اگرچہ موسیٰ علیہ السلام ملائکہ سے افضل تھے لیکن ان کو بھی موسیٰ علیہ السلام کی طرح بلاواسطہ ہمکلامی کا شرف ملا اس لئے انسانوں کی قید لگائی ہے ورنہ الخلق عام ہے اس میں ملائکہ کرام بھی شامل ہیں ۔

بِرِسٰلٰتِیْ یہ رسالہ کی جمع ہے یہ دراصل مصدر ہے بمعنے ارسالی اور شرع میں مرسل بہ الی الغیر مراد ہوتا ہے اور یہاں پر رسالات سے اسفار التوراۃ مراد ہیں ۔

فائدہ اسفار سفر کی جمع ہے بمعنے کتاب مثلاً کہا جاتا ہے سفرہ ای کتبہ یعنی اس نے لکھا اور تورات کی تختیوں کو الواح اس لئے کہا جاتا ہے کہ اُن پر تورات لکھی ہوئی تھی ۔

وَبِکَلَامِیْ یعنے اور اپنے کلام سے یعنی تمہارے ساتھ بلا واسطہ کلام کیا۔ بعض کے ہاں یہاں مضاف محذوف ہے دراصل عبارت یوں تھی **وسمٰع کلامی** ۔

سوال خاصہ صرف موسیٰ علیہ السلام کا نہیں اس لئے کہ آپ کے ساتھ اور ستر آدمیوں نے بھی بلاواسطہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنا تھا جنہیں وہ خود ساتھ لے گئے تھے ۔

جواب ساتھ لے جانے والی روایت مردود نا قابلِ قبول ہے اس لئے کہ نص کے مقابلہ میں واقع ہوئی اور جو روایت نصِ قرآنی یا صحیح روایت کا مقابلہ کرے وہ مردود اور نا قابل قبول ہوتی ہے ۔

موسیٰ علیہ السلام کی تمنا کہ وہ اُمتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہوں ہر نبی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ عام مخلوق سے ایک یا دو مراتب یا اس سے مزید خصوصیات سے مخصوص فرماتا ہے اور یہ سلسلہ اس وقت سے شروع ہوا جبکہ آدم علیہ السلام کا جسم اطہر تیار کیا گیا تو آدم علیہ السلام میں اُن کی اولاد کے ذرّات میں انبیا علیہم السلام کو رسالہ و مکالمہ سے نمایاں اور نوح ثانی کو یہ مرتبہ نہیں ملا تھا اس لئے انہیں نمایاں نہیں تھا لیکن موسیٰ علیہ السلام کو نمایاں کیا گیا اسی طرح دنیا میں دیدار الٰہی کا مرتبہ حضور علیہ السلام اور آپ کی امت سے مخصوص ہے یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تمنا کی کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت بنایا جائے مثلاً یوں دُعا مانگی **اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنْ اَصْحَابِہٖ** اے اللہ مجھے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اصحاب سے بنا ۔

حکایت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ سے کلام کے لئے کوہِ طور پر حاضری دی تو آپ نے اُونی جبّہ زیب تن فرمایا۔ اور پہاڑ کے کونے سے سہارا لگا کر کھڑے ہو گئے اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام میں نے آپ کو ایسے مقام پہ فائز المرام فرمایا ہے نہ آپ سے پہلے کسی کو یہ مقام نصیب ہوا اور نہ آپ کے بعد کسی کو نصیب ہوگا اور میں نے آپ کو اپنی ہمکلامی کا شرف بخش کر اپنا مقرب بنایا۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی یا اللہ تعالیٰ تو نے مجھے اتنا بلند مرتبہ کیوں عطا فرمایا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تیری تواضع کے پیش نظر جب موسیٰ علیہ السلام نے

اللہ تعالیٰ کا لذیذ ترین کلام سُنا تو عرض کی "اے اللہ کریم تو مجھ سے قریب ہے تاکہ میں تیرے ساتھ کوئی راز کی بات کروں۔ یا تو بعید ہے تاکہ تجھے پکاروں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام میں ہر اس شخص کا جلیس ہوں جو مجھے یاد کرتا ہے۔

اعجوبہ جب موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہو کر واپس ہوئے تو کسی کو ممکن نہ تھا کہ جلووں کے پرتو کی وجہ سے ان سے گفتگو کر سکے اس لئے تادم واپسیں آپ برقع میں محجوب رہے۔

اعجوبہ مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زوجہ مکرمہ نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی آپ سے میں بیوہ تو نہیں ہو چکی کہ جب اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی سے مشرف ہوئے اس وقت سے میں آپ کے چہرہ کی زیارت سے محروم ہوں جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی زوجہ محترمہ کے لئے چہرے سے نقاب ہٹایا تو انہیں موسیٰ علیہ السلام کا رُخ انور سورج کی طرح چمکتا ہوا محسوس ہوا یہاں تک کہ بی بی کو تھوڑی دیر کے لئے موسیٰ علیہ السلام کے چہرے سے اپنے منہ پر ہاتھ رکھنا پڑا جیسا کہ عموماً سورج کو دیکھنے سے چہرے پر ہاتھ رکھا جاتا ہے بی بی صاحبہ نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی کہ آپ میرے لئے دعا فرمایئے تاکہ بہشت میں بھی آپ کی زوجہ ہوں آپ نے فرمایا کہ آخرت میں تو میری زوجہ ہو گی بشرطیکہ میرے بعد کسی دوسرے سے نکاح نہ کرنا۔

مسئلہ قیامت میں زیادہ شوہروں سے نکاح کرنے والی عورت ہر اس شوہر کو ملے گی جس کے عقد میں اسے موت واقع ہو۔

مسئلہ بعض کے نزدیک پہلے شوہر کو ملے گی۔ بعض کہتے ہیں جس نے اس سے حسن خلق سے زندگی بسر کی ہو گی۔

خصوصیت مصطفیٰ یہ صرف ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاصہ ہے کہ آپ وصال شریف کے بعد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے ازواج مطہرات سے کوئی بھی نکاح نہیں کر سکتا۔

فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ جو کچھ میں نے آپ کو شرف نبوت اور بزرگی وحکمت عنایت فرمائی اُسے لیجئے۔ **وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝** اور میری نعمت پر شکر گزار لوگوں سے ہو جایئے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وہ استعداد لیجئے جو تمہیں عطا ہوئی اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر بہت بڑا فضل وکرم ہے کہ اُس نے آپ کو نبوت ورسالت سے نوازا ہے اور بلا واسطہ ہمکلامی کا شرف بخشا ہے۔

وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ اور شکر کیجئے اس لئے کہ یہی شکر آپ کو منزل مقصود تک پہنچائیگا یعنی اس کی وجہ سے دولت دیدار سے نوازے جاؤ گے اس لئے کہ شکر سے نعمت میں برکت و اضافہ ہوتا ہے کما قال لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ[۱] ۔ یہاں زیادتی کے حصول سے رؤیت حق مراد ہے چنانچہ دوسرے مقام پہ اللہ

---

[۱] اگر شکر کرو گے تو میں تمہیں (نعمتوں میں) بڑھاؤں گا۔

لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَ زِیَادَہ۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا الزیادۃ ھی الرؤیۃ اور اَلْحُسْنٰی ھی الجنۃ یعنی آیت میں زیادہ سے رؤیت اور الحسنٰی سے مراد بہشت ہے۔

تفسیر عالمانہ وَکَتَبْنَا لَهٗ اور ہم نے قلم اعلیٰ کو حکم فرمایا کہ وہ لکھے یا ہم نے جبریل علیہ السلام سے کہا کہ وہ قلم سے فرمائیں تاکہ وہ لکھے کہ موسیٰ علیہ السلام کے لئے لَهٗ فِی الْاَلْوَاحِ تختیوں میں وہ نو عدد اور سبز زمرد کی تھیں یہی صحیح تر ہے اسمیں توراۃ کندہ تھی جیسے انگشتری میں نقش کندہ ہوتے ہیں ان میں تختی کا طول دس گز تھا۔ قاموس میں ہے کہ تختی ہر اس صحیفے کو کہا جاتا ہے جو لکڑی یا ہڈی سے جوڑ کر کے تیار کیا جائے۔ بصورتِ ھٰکذا تختی کا نقشہ ۔ اس کی جمع الواح آتی ہے۔

فائدہ رویت کا سوال نویں ذوالحج کو ہوا اور توراۃ دسویں ذوالحج کو عطا کی گئی۔

مِنْ کُلِّ شَیْءٍ یعنی وہ اُمور جن کے وہ محتاج تھے مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِیْلًا لِّکُلِّ شَیْءٍ۔ جار مجرو یعنی مِنْ کُلِّ شَیْءٍ سے بدل ہے اس لئے کہ وہ محلاً منصوب ہے کیونکہ کتبنا کا مفعول بہٖ ہے اور اس کا من تبعیضیہ نہیں زائدہ ہے دراصل عبارت یوں ہے وکتبنا لہٗ کل شیءٍ مِنَ الْمَوَاعظہ الخ یعنی ہم نے اس کے لئے مواعظ و تفصیل احکام مندرج تھے وہ یہ ہیں۔

① میں اللہ رحمٰن رحیم ہوں میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔

② ڈاکہ زنی۔

③ زنا۔ } نہ کرنا۔

④ ماں باپ کی نافرمانی۔

فَخُذْهَا بحذف قول اس کا عطف کتبنا پر ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی کہ فقلنا خذھا پس ہم نے کہا ان تختیوں کو لیجئے۔ بِقُوَّةٍ جدوجہد اور پختہ ارادہ سے وَّاْمُرْ قَوْمَكَ بطریق مذہب اور افضل شے کے حصول کی ترغیب دلا کر اپنی قوم کو حکم فرمایئے یَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا یہ با زائدہ ہے اور حسنہا۔ یاخذوا کا مفعول بہٖ ہے۔

فائدہ احسن سے عزائم اور حسن سے رخصتی امور مراد ہوتے ہیں یعنی تاکہ انہیں معلوم ہو کہ امور عزیمۃ میں ثواب زیادہ ہوتا ہے اُس کی مثال یہ ہے کہ فرائض کی ادائیگی کے ساتھ نوافل کی پابندی یا دکھ درد اور پریشانی کے وقت بدلہ نہ لینے کے ساتھ صبر کرنا۔

فائدہ قطرب نے کہا کہ یہاں احسن بمعنے حسن ہے اس لئے کہ احکام الٰہی سب کے سب حسن ہیں جیسے اکبر و لذکر اللہ اکبر" میں مطلق بزرگی مراد ہے یہاں بھی احسن سے مطلق حسن مراد ہے۔

سَاُورِیْکُمْ اے بنی اسرائیل ہم تمہیں عنقریب دکھائیں گے **دَارَ الْفٰسِقِیْنَ** فاسقوں کی دار۔ یعنی مصر میں فرعون اور اُس کی قوم کے مکانات عنقریب مٹ کر رہ جائیں گے جیسے ان سے پہلے عاد و ثمود اور اُن جیسوں اور کافروں کی منزلیں تباہ و برباد ہوگئیں۔ تم انہیں دیکھ کر عبرت پکڑو اور احکام تورات سے روگردانی کر کے اُن پر عمل نہ کر کے مخالفت خداوندی سے بچ جاؤ۔ نیز دار الفاسقین سے ارض مصر اور شام کے جابرہ و عمالقہ کی کوٹھیاں اور بنگلے مراد ہیں۔

فائدہ دار دکھانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم تمہیں اُن کی جائیداد منقولہ وغیر منقول کا وارث بنائیں گے۔

فائدہ پہلی تقریر پر اس میں وعید و ترہیب ہے اور تقریر ثانی پر وعدہ و ترغیب ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت ہذا میں اشارہ ہے کہ دار دنیا کے بجائے آخرت دار کی طلب احسن ہے اسی طرح دیدار الٰہی کی طلب آخرت کی طلب سے احسن ہے۔

سبق عاشق پر لازم ہے کہ وہ احسن شے کو اختیار کرے۔

فائدہ آیت میں فاسقین سے خارجین مراد ہے یعنی بہشت سے خارج ہونے والے یعنی ہم انہیں طلب آخرت سے نکلنے والوں کی دار دکھائیں گے اس لئے کہ جو طلب الٰہی میں ہوتا ہے وہ طلب آخرت سے بھی آگے نکل جاتا ہے پھر اُس کی دار ملیک مقتدر کے ہاں ایک نہایت اعلیٰ اور بہتر مقام ہوتا ہے۔ حضرت حافظ شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

① سایۂ طوبیٰ و دلجوئی حور و لب حوض
بہوائے سرگوئی تو برفت از یادم

② نیست بر لوح دلم جز الف قامت دوست
چہ کنم حرف دگر یاد نداد استادم

ترجمہ ① سایہ طوبیٰ کا اور حوروں کی دلجوئی اور حوض کے کنارے خواہشات نفسانی سے اب وہ تیری یاد سے نکل گئے۔

② میرے دل کی تختی پر سوائے قد و قامت دوست کے اور کچھ نہیں میں کیا کروں مجھے استاد نے اور کچھ سکھایا نہیں۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ آیات سے وہ مواعظ اور احکام مراد ہیں جو تورات میں مندرج تھے اسی طرح وہ آیات تکوینیہ بھی مراد ہیں جو منجملہ اُن کے دار الفاسقین کے دکھانے کا وعدہ تھا اور صرف بمعنے پھیرنے سے اُن کے دلوں پر مہر لگانا مراد ہے یعنی اُن کے دلوں پر ایسی مہریں لگائی

جائیں گی کہ وہ ان آیات نہ تفکر کر سکیں گے اور نہ ہی انہیں عبرت حاصل کرنے کا موقعہ میسر آئے گا۔ اس لئے کہ وہ اپنے مذہب وملت اور تکبر وتجبر پر ڈٹے ہوئے تھے اب آیت کا معنےٰ یوں ہوا کہ ہم اُن کے ان لیڈروں کے دلوں پر مہر ثبت کر دیں گے جو اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھتے اور خلقِ خدا پر اپنی فضیلت کا دم بھرتے ہیں وہ نہ ہمارے آیات تنزیلہ سے نفع پا سکیں گے اور نہ ہی آیاتِ تکوینیہ سے۔

فائدہ آیات تکوینیہ سے وہ نشانیاں مراد ہیں جو انفس وآفاق میں اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلالت کرتی ہیں۔ اور مذکورہ بالا لیڈر جیسے آیات تنزیلیہ وتکوینیہ کے انتفاع سے محروم ہوں گے ایسے ہی اُن کے آثار سے جو فوائد مرتب ہوں گے ان کے حصول سے نفع نہیں لے سکیں گے لہٰذا تم اے بنی اسرائیلیو! ان کے طریقہ پر چل کر اُن کی طرح نہ ہو جاؤ۔

بِغَیْرِ الْحَقِّ ط یہ یتکبّرون کا صلہ ہے یعنی اس امر کی وجہ سے اتراتے ہیں جو حق نہیں بلکہ باطل ہے اس سے ان کا اُن کے دینِ باطل کا انکار اور اُن کا ظلم وافر مراد ہے۔

ربط چونکہ تکبّر آیات مذکورہ کے انتفاع سے محروم کرتا ہے بلکہ انہیں ضائع کرنے کی نوبت تک پہنچاتا ہے۔ اس لئے کہ بنی اسرائیل کو تکبر سے ڈرایا گیا ہے اگر تکبر کے خوگر ہو گے تو آیات الٰہیہ کے تفکر اور ان سے ہدایت کے انتفاع سے محروم ہو جاؤ گے۔ یہ اس لئے ہوا تاکہ وہ لوگ تورات کے احکام پر عمل کرنے میں جدوجہد کر کے پوری رغبت اور محبت سے ان پر عمل کریں اس سے ظاہر ہو گیا کہ آیت ہذا کا تعلق بنی اسرائیل کے قصہ کے درمیان واقع ہوا ہے یعنی اُن کے واقعہ کا کچھ حصہ بیان ہو چکا۔ اس جملہ کے بعد بقایا بیان کیا جائے گا اور یہ بطور جملہ معترضہ کے واقع ہوا ہے۔

حدیث شریف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت کے متکبرین کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے معانی کے فہم کے ادراک سے محروم رکھا ہے اور انہیں ان کے اندر تدبر کا موقعہ میسر نہیں آتا۔

فائدہ مثل مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اٹل فیصلہ ہے کہ ظالمین کے قلوب حکمتِ قرآن کے فہم وادراک سے محروم ہیں اسی طرح انہیں قرآن پاک کے عجائبات سے محروم رکھا جاتا ہے ؎

حیف است چنیں گنج دراں ویرانہ

ترجمہ: ایسے ویرانہ میں ایسا خزانہ افسوس ہے۔

وَاِنْ یَّرَوْا اگر وہ مشاہدہ کریں **کُلَّ اٰیَۃٍ** تمام اُن آیات کا جو معجزہ کے طور انہیں دکھائی گئیں۔ **لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا** ج تو وہ ان پر ایمان نہیں لائیں گے یعنی ان سب کا انکار کریں گے اس لئے کہ اُن کے

دل روشن نہیں ۔

وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ اور اگر وہ ہدایت دیکھ بھی لیں تب بھی وہ اسے راہ حق سمجھ کر اس کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے اور نہ ہی اس پر چلیں گے اس لئے کہ اُن پر شیطنیت سوار ہے اور انہوں نے ٹیڑھا پن اور راہِ حق سے انحراف کا پختہ ارادہ کر رکھا ہے ۔

وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ اور وہ گمراہی کا راہ دیکھ لیں تو اس کو وہ اپنے چلنے کا راہ بنا لیتے ہیں یعنی اپنے لئے دائمی طور وہی راستہ اختیار کر لیتے ہیں اور پورا عزم رکھتے ہیں کہ اس راہ سے سرِ مُو بھی نہیں ہٹیں گے وہ اس لئے کہ وہ راستہ اُن کی خواہشات باطلہ کے موافق ہوتا ہے اور وہی راستہ انہیں شہوات پر انی پہ اُبھارتا ہے ۔

ذٰلِكَ یہ اُن کے تکبر اور آیات پر ایمان نہ لانے اور راہِ حق سے روگردانی اور گمراہی کی طرف پورے جھکاؤ کی طرف اشارہ ہے بِاَنَّهُمْ امور مذکورہ بالا انہیں اس سبب سے نصیب ہوئے کہ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا انہوں نے ہمارے آیات کی تکذیب کی ۔

فائدہ آیات سے وہ دلائل مراد ہیں جو اُن کے قبیح صفات پر دلالت کرتے ہیں اور وہ واضح کرتے ہیں کہ جن اوصاف پر یہ ہیں وہ نہایت گندے ہیں اور اُن کے برعکس وہ اوصاف جو موسیٰ علیہ السلام وغیرہ میں پائے جاتے ہیں وہ حق اور بہتر ہیں ۔

فائدہ یا آیات سے معجزات اور آیات منزلہ مراد ہیں ۔

وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۝ اور وہ ان سے غافل تھے یعنی اُن آیات میں وہ تفکر نہیں کرتے تھے ورنہ اُن سے مذکورہ بالا غلط کاریاں اور خرابیاں سرزد نہ ہوتیں اس سے ثابت ہوا کہ یہاں عدم تفکر مراد ہے اور عدم تفکر کو غفلت سے تشبیہ اس لئے ہے کہ جیسے غافل کو کوئی شے حائل ہو کر مقصود سے دُور رکھتی ہے ایسے ہی ان لوگوں کو اپنی گمراہی حائل ہوئی اور وہ حق سے دائمی طور محروم ہو گئے ۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ اور وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیات اور ہماری حاضری سے انکار کیا لقاء الاخرۃ میں مصدر مضاف بمفعول بہ ہے اور اس کا فاعل محذوف ہے دراصل ولقاہم الدار الآخرۃ تھا ۔

حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۭ اور ان کے اعمال حبط ہو گئے یعنی اُن کے اعمال کا بُطلان ظاہر ہو گیا یعنی اس سے قبل جو اعمال صالحہ کرتے مثلاً صلہ رحمی اور مظلوموں کی فریاد رسی وغیرہ وغیرہ یہ سب کے سب ضائع ہو گئے کہ اب اُن سے انہیں کوئی نفع نہ ہو گا ۔

هَلْ يُجْزَوْنَ یہ استفہام بمعنے نفی وانکار ہے یعنی وہ کسی قسم کی جزا نہیں پائیں گے۔ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ؏ انہیں اعمال کے مطابق سزا ملے گی۔ یعنی وکفر و معاصی کے ارتکاب سے وہ خوب سزا پائیں گے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب اُن کے نزدیک ہمارے اعمال انبیاء علیہم السلام کی بعثت اور انزال کتب واظہار معجزات سے حبط ہوئے تو ہم نے اُن کے تکبر کی وجہ سے اُن کو سزا دی کہ اُن کے وہ تمام اعمال حبط کردیئے جو ہمارے ہاں موجود تھے اس لیئے کہ ہم اہل شرک اور اُن کے شرک سے مستغنی ہیں اور کبریا و غنا ہمارا خاصہ ہے اور یہ حکم جزاءُ سیئۃ سیئۃٌ مثلہا کے عین مطابق ہے۔

فائدہ آیت ہذا میں تکبر کی مذمت کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ انسان کو تکبر بہت انانیت بڑھاتا ہے اور ابلیس بھی مطرود و ملعون ہوا تو اسی تکبر کی وجہ سے۔

اعجوبہ حکایت کسی نے ایک متکبر کی یوں تعریف کی کہ وہ اتنا بلند مرتبہ رکھتا ہے کہ کسریٰ اس کا حاشیہ بردار اور اُس کے اخراجات کا کفیل اور بلقیس اُس کی ایک ایک ادنیٰ خادمہ اور گویا یوسف علیہ السلام جیسے حسین اُن کی آنکھوں کے گوشوں پر قربان ہے اور لقمان کی تمام حکمت اس کے دفتر کا ایک باب ہے یوں کہئے کہ سبزیاں صرف اُس کی خوشنودی کے لئے سر سبز اور غبار اسی کا نام لیوا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

① ایں تکبر زہر قاتل دانکہ ہست
از می پُر زہر شد ایں گیج مست

② چوں می پُر زہر نوشد مدبرے
از طرب یکدم بجنباند سرے

③ بعد یکدم زہر جانش زند
زہر در جانش کند داد و ستد

④ گر نہ داری زہر یش را اعتقاد
گرچہ زہر آمد نگر در قوم عاد

⑤ چونکہ شاہے دست یابد بر شہے
بکشدش یا باز دارد در چہے

⑥ ور بیابد خستہ افتادہ را
مرہمش شہ و دُہد عطا

⑦ کہ نہ زُہراست ایں تجبرلیس چرا
گشتت شہ را بے گناہ وبے خطا

⑧ دیں دگر را پے خدمت چوں نواخت
زیں دو جُنبش زہر را شاید شناخت

⑨ نردبان خلق ایں ما و منیت
عاقبت زیں نردباں افتادنیست

⑩ ہرکہ بالا تر رود ابلہ تر است
کاستخواں او بہتر خواہد شکست

⑪ ایں فروعست و اُصولش آں بُوَد
کہ ترفع شرکت یزداں شود

⑫ چوں نمردی و نگشتی زندہ زو
یاغی باشی بشرکت ملک جو

⑬ چُوں بدو زندہ شدی آں خود ویست
وحدت محض است آں شرکت نیست

ترجمہ، ① یہ تجبر زہر قاتل ہے۔ شراب مستی سے یہ زہر قاتل تیار ہوا ہے۔

② جب ایسا شراب کو بدمست پیتا ہے تو اس کا سر چکراتا ہے۔

③ لیکن تھوڑی دیر کے بعد وہی زہر دار شراب اس کی جان کا لیوا ثابت ہوتا ہے۔

④ اگر تجھے اُس کی زہر پر اعتبار نہیں تو دیکھ لے قوم عاد کا کیا حشر ہوا۔

⑤ دیکھئے ایک سلطنت کا بادشاہ جب دوسرے پر قبضہ کرلیتا ہے تو وہ اُسے فوراً مروا دیتا ہے یا زہر پلاکر اسے جان سے ختم کردیتا ہے۔

⑥ لیکن وہی بادشاہ کسی کمزور کو بیمار دیکھتا ہے تو اس کی مرہم پٹی کرتا ہے۔

⑦ اگر اس تجبر میں زہر نہ ہوتی تو ایک بادشاہ دوسرے کو کیوں قتل کرتا۔

⑧ اور دوسرے کمزور کا علاج کیوں کیا حالانکہ وہ بھی اُس کی طرح انسان ہے۔

⑨ مخلوق ہم تم کے تجبر میں ہے جب یہ ہم تم موت نے چھینی تو فنا ہی فنا۔

⑩ خلاصہ کلام یہ کہ تجبر ایک قسم کا شرک ہے تیرا اس طرح کا ہونا نمرود سے کم نہیں۔

⑪ کہ وہ بھی تجبر سے ملک گیری کی ہوس رکھتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ سے شرک کرتا تھا لیکن تباہ و برباد ہوگیا۔

(باقی صـ۱۰۹ پر)

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا

اور موسیٰؑ کے بعد اس کی قوم اپنے زیوروں سے ایک بچھڑا بنا بیٹھی بے جان کا دھڑ

لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ

گائے کی طرح آواز کرتا کیا نہ دیکھا کہ وہ ان سے نہ بات کرتا ہے اور نہ انہیں کچھ راہ بتائے

اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْۤ اَيْدِيْهِمْ وَ

اسے لیا اور وہ ظالم تھے اور جب پچھتائے اور سمجھے کہ ہم بہکے

رَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ

بولے اگر ہمارا رب ہم پر مہر نہ کرے اور ہمیں نہ بخشے تو

لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى

ہم تباہ ہوئے اور جب موسیٰ اپنی

قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ

قوم کی طرف پلٹا غصہ میں بھرا جھنجھلایا ہوا کہا تم نے کیا بُری میری جانشینی کی میرے

اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ

بعد کیا تم نے اپنے رب کے حکم سے جلدی کی اور تختیاں ڈال دیں اور اپنے بھائیؑ کے سر کے بال پکڑ کر اپنی

يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا

طرف کھینچنے لگا کہا اے میرے ماں جائے قوم نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے

يَقْتُلُوْنَنِيْ ۖ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ

مار ڈالیں تو مجھ پر دشمنوں کو نہ ہنسا اور مجھے ظالموں میں

الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ

نہ ملا عرض کی اے میرے رب مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے

رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ ع

اور ہمیں اپنی رحمت کے اندر لے لے اور تو سب مہر والوں سے بڑھ کر مہر والا

تفسیر عالمانہ وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰی مِنْ بَعْدِہٖ اور موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے اُن کے کوہِ طور پر تشریف لے جانے کے بعد بنایا۔ یہ من ابتداء غایت کے لئے ہے مِنْ یہ مِنْ تبعیضیہ ہے۔

حُلِیِّهِمْ اپنے زیورات سے۔ حُلِیٌّ۔ حَلْیٌ کی جمع ہے جیسے ثُدِیٌّ ثَدْیٌ کی جمع ہے چاندی اور سونے کی ہر وہ شے کہ جس سے زینت حاصل کی جائے۔

سوال یہ زیورات تو قبطیوں کے تھے لیکن بنی اسرائیل کی طرف منسوب ہیں؟

جواب معمولی مناسبت کی وجہ سے اُن کی طرف منسوب ہوئے وہ مناسبت یہی ہے کہ اب اُن کے قبضے میں تھے اگرچہ بطورِ عاریت کے سہی۔ اس لئے کہ مصر سے روانگی سے قبل قبطیوں سے یہ زیورات عاریۃً لئے تھے۔

عِجْلًا یہ اتخذ کا مفعول ثانی ہے اس لئے کہ یہ فعل متعدی بدو مفعول ہوتا ہے جبکہ بمعنے تصیر ہو اور

(۱۳) اگر تم بھی اس تجربہ میں رہے تو شرک کا ارتکاب کرتے رہو گے۔

(۱۲) اللہ تعالیٰ کے ہاں وحدت پسند ہے۔ شرک اس کے لئے نہایت اور ناپسندیدہ امر ہے۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ وہ تجربہ سے اپنے آپ کو پاک کر کے طریق حق میں تواضع وانکسار کی عادت ڈالے اور ہر عمل میں خلوص پیدا کرے اس لئے جو شخص اپنے اعمال میں خلوص کرتا اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا پر نیک عمل کرتا ہے تو اُسے فیوض و برکات سے نوازا جاتا ہے بلکہ رہتی دنیا تک اس کے لئے آثار نمودار رہیں گے۔

خلوص نیت کی کہانی نافۂ مشک ہرنی کی زبانی مروی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام زمین پہ تشریف لائے تو جنگل کے تمام جانور آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے آپ نے ان کے لئے دُعا فرمائی اور ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا۔ آدم علیہ السلام کے دست مبارک کی برکت سے اُن ہرنوں میں نافۂ مشک پیدا ہو گئی جب باقی ہرنوں نے اُن کی یہ کیفیت دیکھی تو اُن سے پوچھا تمہیں یہ برکت (نعمت) کہاں سے نصیب ہوئی۔ انہوں نے کہا تو پھر ہم کیوں محروم رہیں ہم بھی اُن کی زیارت کے لئے حاضر ہوتے ہیں ہماری پیٹھ پر دست مبارک پھیریں گے تو ہمیں بھی نافہ مشک کی دولت نصیب ہوں گے چنانچہ وہ سب حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے اُن کے لئے دعا فرمائی اور دستِ مبارک بھی اُن کی پشتوں پر پھیرا لیکن اُن میں خوشبو ظاہر نہ ہوئی۔ واپس لوٹ کر اپنے ہمجولیوں (ہرنوں) سے کہا ہم خالی ہاتھ لوٹے اسکی وجہ۔ انہوں نے کہا کہ ہم صرف رضائے الٰہی کے پیشِ نظر اُن کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے اور تم ایک طمع لے کر حاضر ہوئے اس لئے تم اس دولت سے محروم ہو کر لوٹے اور ہم صرف رضائے الٰہی کے لئے حاضر ہوئے تو یہ برکات نہ صرف ہم تک محدود رہیں گے بلکہ تا قیامت ہماری اولاد کو بھی یہ دولت نصیب ہو گی۔

سبق اس کہانی سے ثابت ہوا کہ ہر شخص اپنے کیا کی جزا پاتا ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد۔ لیکن بہتر جزا وہ ہے جو دائمی طور نصیب ہوتی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سستی و کاہلی اور غلط کاری اور خطا سے پناہ مانگتے ہیں۔

اس کا دوسرا مفعول محذوف ہے یعنی الٰہا اب معنٰی یہ ہوا کہ انہوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا۔

"اَلْعِجْلُ" بقرہ گائے کا بچہ اس کے باپ کو ثور (بیل) کہا جاتا ہے عجل کی جمع عجاجیل اور اس کی مؤنث عجلۃ آتی ہے اور اسے العجل سے اس لئے تعبیر کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے اس کی پرستش میں عجلت کی اور وہ اس کی پرستش چالیس روز کرتے رہے اس کی سزا انہیں جنگل میں چالیس سال حیران پھرنے سے دی۔ گویا دن کے بدلے ایک سال سزا مقرر کی گئی۔

جَسَدًا یہ عجلاً سے بدل ہے یعنی وہ بچھڑا ذو جسد اور ذو دم اور ذو لحم تھا لیکن اس کا جسد سونے کا تھا جس میں روح نہیں تھی اس لئے کہ جسد ہر اس جسم کو کہا جاتا ہے جس میں گوشت اور خون ہو اور ہر اس جثے پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جس میں روح نہ ہو۔ **لَهٗ خُوَارٌ** اس گائے سے آواز آتی تھی۔

بچھڑا پرستی کی وجہ اس کی وجہ یوں ہوئی کہ حضرت موسٰی علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو کوہ طور کی طرف جاتے ہوئے فرمایا کہ میں تیس دنوں کے بعد آجاؤں گا لیکن وہاں انہیں چالیس دن گذارنے پڑے۔ سامری نے آپ کی اس دیر سے فائدہ اٹھایا۔

فائدہ یہ سامری بستی سامرہ کا باشی تھا اور بنی اسرائیل میں اس کی بہت بڑی عزت اور اس کی ہر بات مانی جاتی تھی سامری نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تم فرعونیوں کے زیورات لے کر انہیں واپس نہیں کر سکے ان کی یہ سزا تمہیں ملی ہے کہ حضرت موسٰی علیہ السلام کو تمہارے ہاں واپس لوٹنے کے لئے روک لیا۔ اب وہی زیورات جمع کر کے میرے پاس لاؤ میں انہیں جلا دوں ممکن ہے کہ ہماری اس کاروائی سے اللہ تعالٰی موسٰی علیہ السلام کو اجازت دے یا پھر تم اس سے سوال کرو کہ اب وہ کس کی عبادت کریں چونکہ بنی اسرائیل کو بچھڑا پرستی کی طرف اس وقت سے میلان تھا جبکہ انہوں نے عمالقہ کو گائے کی پرستش کرتے ہوئے دیکھا۔

جبریل علیہ السلام کی گھوڑی کے پاؤں کی مٹی سے بیجان بچھڑے کو جان ملی سامری نے زیورات کو آگ میں پگھلا کر بچھڑا تیار کر لیا اس لئے کہ وہ زرگر تھا اور سونا چاندی کا کام خوب جانتا تھا پھر اس بچھڑے کے منہ میں مٹی کی چٹکی ڈالی جو کہ اس نے جبریل علیہ السلام کی گھوڑی کے پاؤں کے نیچے سے اٹھائی تھی اور وہ گھوڑی حیات تھی کہ جہاں اس کا پاؤں لگتا وہ جگہ سرسبز ہو جاتی۔ سامری نے یہ مٹی یا تو دریا کو عبور کرنے سے پہلے یا موسٰی علیہ السلام کے کوہ طور کو جاتے وقت اٹھائی ہوگی۔ جب اس سونے کے بناوٹی بچھڑے میں سامری نے مٹی ڈالی تو وہ ذی جسد اور ذی لحم اور ذی دم ہو گیا اور وہ گائے کی سی آواز کر کے بچھڑے کی طرح بھاگنے کودنے لگا۔ سامری نے کہا اے بنی اسرائیلیو! یہ تمہارا اور موسٰی علیہ السلام کا معبود ہے۔ اس وقت بنی اسرائیلیوں کی تعداد ساٹھ ہزار تھی۔ بارہ ہزار افراد کے

سوا باقی سب بچھڑا پرستی میں مبتلا ہو گئے۔

اعجوبہ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ سامری نے بچھڑے کو کھوکھلا کر کے تیار کیا اسمیں مخصوص طریقے کی ڈاڑھیں رکھیں پھر اُسے ہوادار جگہ پر رکھ دیا۔ جب ہوا اس کے اندر جاتی تو اس سے گائے سی ایک مخصوص آواز نکلتی جس سے بنی اسرائیل کو وہم گذرا کہ یہ زندہ ہے بنی اسرائیل بچھڑے کی یہ کیف حالت دیکھ کر اس کے گرد جمع ہو کر رقص کرتے۔

غلط کار صوفی حضرت امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت طرشوشی رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہیں کہ اُن سے سوال ہوا کہ ایک ایسی قوم جو کسی مکان میں بیٹھ کر قرآن پڑھتی ہو پھر وہ اپنے اس اجتماع میں اشعار گائیں اور اُن سے رقص کر کے سرود و مستی کا اظہار کریں اور ساتھ طبل بجائیں کیا ایسے لوگوں کی محفل میں جانا جائز ہے یا نہ انہوں نے فرمایا کہ ایسے غلط کار صوفیوں کا مذکورہ بالا طریقہ نہ صرف جہالت بلکہ باطل محض اور سراسر گمراہی ہے اسلاف صرف کتاب اللہ وسنت رسول اللہ (جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم) کا نام ہے۔ رقص اور وجد مذکور کا طریقہ سامری کے یاروں کا ایجاد کردہ ہے جیسا کہ مذکور ہوا کہ بچھڑے کی آواز سُن کر بنی اسرائیل جھومنے لگے اور رقص و وجد کرتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا وجد و رقص کا طریقہ کافروں اور بچھڑے کے پجاریوں کا ہے اسلام وقار اور سکون سکھاتا ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جب حضور علیہ السلام کے سامنے بیٹھے ہوتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ اُن کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ بادشاہوں اور سلطنت کے ذی اثر افسروں پر لازم ہے کہ ایسے غلط کار نام نہاد صوفیوں کو مسجدوں میں نہ آنے دیں اور نہ مسلمانوں کی دوسری تقاریب میں تاکہ عوام میں اُن کا بُرا اثر نہ پھیلے اور نہ کسی مسلمان کے لئے جائز ہے کہ اُن کی مجلسوں میں جائے اور نہ ہی اُن کی کسی قسم کی مدد کرے۔ یہی امام ابو حنیفہ و مالک و شافعی و احمد رحمہم اللہ تعالیٰ و دیگر آئمہ کا مذاہب ہے (حیاۃ العیون)

مسئلہ نصاب الاحتساب میں ہے کہ سماع (مزامیر وغیرہ) پر رقص ناجائز ہے۔

مسئلہ ذخیرہ میں ہے کہ سماع پر رقص وغیرہ گناہ کبیرہ ہے۔

اولیاء اللہ اور سچے صوفیاء کا وجد اور رقص مشائخ صوفیاء کرام یعنی اولیاء عظام کے ہاں وہ وجد اور رقص مباح ہے جس میں رقص کرنے والا اتنا مدہوش ہو کہ اُسے اپنی بھی خبر نہ ہو کہ اور اس کی ہر حرکت رعشہ کے بیمار کی سی ہو۔ اسی طرح سماع (بلا مزامیر) بھی وہی جائز ہے جو قرآنی آداب اور وعظ ونصیحت کے طور ہو اگر عام قوالی کی طرح ہو تو وہ بھی حرام ہے اس لئے کہ سرود اور قوالی (سماع) حرام ہے

حلال سماع کے شرائط مشائخ صوفیاء کرام کے نزدیک سماع اس شخص کے لئے مباح ہے جو خواہشاتِ نفسانیہ سے آزاد اور تقویٰ وطہارت کی تصویر ہو اور اسے سماع کی ایسی ضرورت

محسوس ہو جیسے بیمار کو دوا کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے سماع کے متعلق مشائخ نے چند شرائط قائم فرمائے ہیں۔

① مجلس میں کوئی بے ریش لڑکا نہ ہو۔

② اس میں سب کے سب اہل ہوں جنہیں سماع کے آداب سے واقفیت اور شرع مطہرہ کے عاشق ہوں۔ خلاصہ یہ کہ ان میں کوئی فاسق و فاجر نہ ہو اور نہ ان میں کوئی اہل دنیا اور نہ ہی کوئی عورت۔

③ قوال کی نیت میں بھی اخلاص ہو اور وہ اُجرت کے طور یا اور کسی لالچ پر قوالی نہ کرے۔

④ طعام یا فتوحات کی لالچ میں ان (صوفیوں) کا اجتماع نہ ہو۔

⑤ وجد و رقص کی اجازت صرف صاحبِ حال کو ہو اور وارفتگی میں تصنع کے مرتکب کو کسی قسم کی اجازت نہ ہو۔

⑥ وجد کرنے کے لئے صرف صاحبِ وجد کھڑا ہو باقی خواہ نہ اُٹھیں۔

حضرت شیخ عمر بن الفارض رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قصیدہ موسوم بہ نظم الدار میں فرمایا ؎

اذا هام شوقا بالمناعي وهم ان
يطير الى اوطانه الاوّلية
يسكن بِا التحريك وهو بمهده
اذا ناله ايدى المربى بهزة

ترجمہ معہ شرح از امام قاشانی جب ولی کامل حیران و مضطرب ہو کر مرکز اصلی اور وطن اوّلی کی طرف سرود کے نغموں کی وجہ سے اچھلتا ہے یا اس کی روح کا پرندہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے اصلی اور ازلی گھونسلے کو جائے تو اُسے اس کا مربی و مرشد تھپکیوں سے مہد سے سُلا دیتا ہے اسی وجہ سے پھر وہ اچھلنے کودنے سے سکون اختیار کر لیتا ہے اس سے شیخ کا مقصد صرف سماع کے فوائد کا اظہار ہے اور بتانا ہے کہ کاملین کا رقص اور وجد اور ان کا اچھلنا کودنا خالی از اسرار نہیں وہ یہی ہے کہ کامل کی روح سماع کے وقت اصلی کی طرف جانا چاہتی ہے بلکہ بدن سے نکل کر اس عالم قدس میں پہنچنے کے لئے بیتاب ہو جاتی ہے لیکن عالم دنیا کا نظام اسے تھپکیاں دے کر ساکن کر دیتا ہے کہ ابھی تمہارے جانے کے لئے دیر ہے وہ اس لئے کہ قادر مطلق نے اس کا میعاد مقرر کیا ہے اس سے پہلے جانے کی اجازت نہیں ہے اور عزیز علیم کے مقرر کردہ حدود ہیں۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

① مکن عیب درویش مدہوش و مست
کہ غرقست ازاں می زند پا و دست
② نگویم سماع اے برادر کہ چیست
مگر مستمع را بدانم کہ کیست!
③ گر از برج معنے پرد طیر او
فرشتہ فرماند از سیر او
④ اگر مرد بازی و لہو است و لاغ
قوی تر شود دیوش اندر دماغ
⑤ چہ مرد سماعست شہوت پرست
بآواز خوش خفتہ خیزد نہ مست

ترجمہ ① مدہوش و مست درویش پر عیب نہ کر کیونکہ وہ تو غرق دیدار ہے اسی لئے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔

② میں نہیں کہتا (اے بھائی) سماع کیا ہے ہاں میں یہ جانتا ہوں کہ سننے والا کیا ہے۔

③ اگر برج معنیٰ سے اس کا پرندہ (روح) پرواز کرتا ہے تو فرشتے بھی اس کی پرواز سے عاجز ہوں (ایسے چشتی وغیرہ کو سماع جائز ہے۔

④ اگر وہ (چشتی صاحب) لہو ولعب اور کھیل تماشہ والا ہے تو اس کا دیو (نفس) دماغ اور طاقت ور ہوجائے گا (یعنی خواہشات نفسانی میں اضافہ ہوگا۔

⑤ اس لئے کہ ایسے (چشتی صاحب) کا سماع شہوت پرستی ہوگی یہ تو آواز خوش سے بیدار رہتا ہے نہ کہ مست۔

فائدہ حضرت سروری نے فرمایا کہ چونکہ سماع حرکت کا سبب بنتا ہے اس لئے حرکت کو سماع کہا جانے لگا گویا سبب بول کر مسبب مراد لیا جاتا ہے۔

فائدہ جب کسی کی خوش آواز سے حالتِ غیر ہوجائے تو اس حالت کو غیر صوفیا کرام کی اصطلاح میں وجد کہا جاتا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے۔

① پس غذائے عاشقاں آمد سماع
کہ درو باشد خیال اجتماع
② قوتے گیرد خیالات ضمیر
بلکہ صورت گردد از بانگ ضمیر

ترجمہ: ① عشاق (چشتیہ وغیرہ) کے لئے سماع غذا ہے اس لئے اس میں تو اجتماع (وصال) کا تصور ہے
② ضمیر خیالات سے قوت پاتی ہے بلکہ سماع کی آواز سے تو ایک صورت تیار ہوتی ہے۔

سچے صوفیوں کی اقسام یاد رہے کہ وجد بھی متلون اور مبتدی کو ہوتا ہے اور منکر (یعنی منتہد وجد سے کوسوں دُور ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ نے اپنی آخری عمر میں سماع سے توبہ فرمائی تھی صوفیوں کی تین اقسام ہیں۔

① متواجد
② اہل وجد
③ اہل وجود

پہلا وہ مبتدی صوفی جسے ضعیف انجذاب ہوتا ہے دوسرا متوسط ہے جسے قوی انجذاب ہوتا ہے تیسرے ایسے ہی انجذاب قوی ہوتا ہے لیکن وہ ظاہری طور اچھلتا کودتا نہیں بلکہ معنوی طور اندرون خانہ بگمسلہ ماؤ کی ہے جو صرف اسے معلوم ہوتا ہے اُس کی کیفیت یہ کہ کراما کاتبین را چہ خبر نیست۔

سبق عشق اور وجد اور رقص سماع کے وقت وجد و رقص کی حرکت میں صداقت ضروری ہے ورنہ صداقت نہیں۔

خلاصہ کلام علمائے کرام میں سماع کے متعلق اختلاف ہے بعض جواز کے قائل ہیں بعض انکار کرتے ہیں اس کے بارے میں صحیح مسلک یہ ہے کہ چونکہ سالکین راہِ حق مختلف طبائع رکھتے ہیں بنا بریں اختلاف بجا ہے شرع کا پابند ہو اور اس میں سماع کی اہلیت و لیاقت بھی تو اس کے لئے سماع وجد و رقص وغیرہ جائز ہے ورنہ ناجائز۔

فائدہ حضرت الشیخ افتادہ آفندی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ہمارے اور شیخ الحاج بیرم ولی قدس سرہٗ کے سلسلہ میں وجد و رقص وغیرہ کا کوئی جواز نہیں اس لئے کہ یہ اُمور ان مبتدیوں کے لئے متعین کئے گئے ہیں جنہیں وساوس و خواطر شیطانی و نفسانی حائل ہوں اور ہمارے ہاں ان کا توحید سے بہتر علاج موجود ہے اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی توحید کی تلقین پر زور دیا ہے۔

علم موسیقی کا ایجاد و نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و علی رضی اللہ عنہ کی کہانی

منقول ہے کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے حضورِ نبی کریم معہ رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے عرض کی کہ مجھے عبادت میں لذت و ذوق محسوس نہیں ہوتا۔ آپ نے انہیں توحید کی تلقین فرما کر وصیت فرمائی کہ آثارِ توحید کے ظہور تک کسی سے گفتگو نہ کرنا۔ جب شیرِ خدا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا باطن انوارِ توحید سے لبریز ہوا تو آپ بولنے پر مجبور ہو گئے لیکن امر نبوی کے پابند تھے اس لئے مجبور ہو کر جنگل میں چلے گئے۔ جنگل میں ایک کنوئیں میں جھانک کر کچھ بولے تو اُس سے ایک بانس پیدا ہوا۔ اسے

یک چرواہے نے کاٹ کر بانسری تیار کی اس وقت سے علم موسیقی ایجاد ہوا (واللہ اعلم)

اعجوبہ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ایک شخص مسمی عبدالمومن نے افلاک کی بازگشت کی آواز سُنی تو اس سے اس نے فنِ موسیقی تیار کر لیا۔ یہی وجہ ہے کہ موسیقی کے اُصول بُروج کے مطابق بارہ ہیں لیکن ان کی صدا ایک طرز پر ہے مگر حضرت انسان اس سے بھی مزید قابلیت رکھتا ہے۔ (کذا فی الواقعات المحمودیہ)

فائدہ اس سے ثابت ہوا کہ "جلوتیہ بفتح الجیم" طریقہ میں نہ سرود ہے نہ وجد اور نہ رقص۔ اس میں توحید کا راز کافی ہے اور پھر ذکر و فکر کہ اُٹھتے بیٹھتے اس پر مداومت کی جاتی ہے جو چند شرائط و آداب پر مشتمل ہے۔

فائدہ البتہ سماع اور وجد و رقص (خلوتیہ بفتح الحاء) کے طریقہ میں شامل ہے کہ وہ اس کو اپنے اکابر و اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ سے ذوقی طور عامل ہیں لیکن اُن کے نزدیک بھی اگر شرائط و آداب کی پابندی کے ساتھ ہو تو ممدوح و مقبول ہے ورنہ مذموم و مردودؒ[1]۔

فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ ہم اپنے زمانہ کے بعض لوگوں کو سماع کا خوگر پاتے ہیں لیکن افسوس کہ وہ شرائط و آداب بجالانا تو بڑی بات ہے الٹا سماع کی اصلی غرض کے خلاف چلتے ہیں۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ وہ طریقہ اختیار کرے جس میں اس کی سلامتی اور فلاح ہو خواہ مخواہ آوارہ گفتگو اور بے کار قیل و قال سے احتراز کرے اور نہ ہی بلا وجہ کسی سماع کے عاشق و عامل پر اعتراض کرے اس لئے کہ **لِکُلِّ زَمَانٍ رِجَالٌ وَ لِکُلِّ رجال مقام وحال** ہر زمانہ میں مردانِ خدا ضرور رہتے ہیں اور ہر مردِ مولیٰ کا اپنا مقام اور انوکھا حال ہوتا ہے۔ ہمیں ان پر اعتراض کر کے اپنی عاقبت برباد نہ کرنی چاہیئے[2]۔

سچے جھوٹے صوفی کی پہچان حضرت شیخ ابو العباس رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص تصوف کا دم بھرتا ہو اور پھر ظالم اور فاسق فاجر لوگوں کے مال سے پیٹ کا تنور بھرتا ہو تو سمجھ لو کہ وہ کذاب اور یہودیت کا کھلونا ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا **سمّاعون لِلْکَذِبِ اکّالون للسحت** جھوٹ سننے کے عادی اور حرام کھانے کے خوگر ہیں۔

سبق حضرت الشیخ الحاتمی نے فرمایا کہ ہمارے زمانہ میں نہ سماع جائز ہے اور نہ ہی ایسے شیخ کو مقتدا بنایا جائے جو سماع کا قائل ہے اس لئے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ مجالس سماع میں حسین و جمیل

---

[1] ہمارے دور میں چشتیہ سلسلہ کے حضرات سماع پر بڑا زور دیتے ہیں لیکن افسوس کہ شرائط و آداب انہیں بھی مفقود ہیں اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔

[2] جیسے دیوبندی وہابی اور ان کے تمام فرقے مودودی وغیرہ وغیرہ کا وطیرہ ہے۔ ۱۲ اُویسی غفرلہٗ۔

بے ریش لڑکے اور عورتیں شامل ہوتی ہیں اور سب کو معلوم ہے کہ یہ سب راہِ سلوک کے لئے ایک بڑی آفت ہیں بلکہ ان کی صحبت اور اُن کے ساتھ میل جول سالک کے لئے زہر قاتل ہے بلکہ یہی بیماری جو سالک کو آناً فاناً تباہ و برباد کر دیتی ہے اس لئے کہ یہ گمراہ کرنے کے لئے شیطان کا بہترین آلہ ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے شیطان کے مکر تباہی سے پناہ مانگتے ہیں وہی طریق وصال کا ہادی اور اپنی ذات و صفات سے پردے ہٹانے والا اور اپنے جلال و جمال کے بعد کمال تک پہنچانے والا ہے وہی سب کا مالک اور ہر طریق کا رفیق ہے

اَلَمْ یَرَوْا کیا انہوں نے نہیں دیکھا یا انہیں کہ **اَنَّہٗ** بے شک وہ بچھڑا **لَا یُکَلِّمُھُمْ** اُن سے گفتگو نہیں کرتا یعنی اُن کی الوہیت کے احکام میں سے ایک بھی نہیں کہ جب وہ گفتگو پر بھی قادر نہیں تو پھر امر و نہی خاک کرے گا۔

وَلَا یَھْدِیْھِمْ سَبِیْلًا م اور نہ ہی انہیں سیدھا راستہ دکھا سکتا ہے یعنی اس میں یہ صلاحیت ہی نہیں کہ کسی کو بھلائی کا راہ دکھائے تاکہ لوگ اُس کا حکم سُن کر نیکی کریں اور نہ ہی وہ کسی کو برائی سے روک سکتا ہے تاکہ لوگ اس کے روکنے سے برائی نہ کریں۔

اِتَّخَذُوْہُ انہوں نے اس بچھڑے کو معبود بنا لیا حالانکہ اس میں الوہیت کی کوئی علامت بھی نہیں کہ وہ نہ کسی سے گفتگو کر سکتا ہے اگر وہ معبود ہوتا تو ضرور اُن سے بولتا اور انہیں ہدایت کا راستہ بتاتا اس لئے کہ معبود اپنے پرستاروں کو بے کار نہیں رہنے دیتا۔ انہیں فوائد اور بھلائی کی راہ بتاتا ہے۔

سوال اتخذوہ کو مکرر کیوں لایا گیا ہے؟

جواب تاکہ اُن کے معبود باطل کی مذمت میں مبالغہ ہو۔

خلاصہ یہ کہ انہوں نے بچھڑے کو معبود بنا کر اس خیال میں مبتلا ہو گئے کہ وہی بچھڑا خالق الاجسام والقوی القدر ہے۔

وَکَانُوْا ظٰلِمِیْنَ ٥ اور تھے وہ ظالم یعنی امور حقیقیہ (عبادت وغیرہ) کو اپنے اصلی محل وقوع پر غیر کو رکھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بچھڑا کی عبادت میں نہ صرف یہی مبتلا ہوئے بلکہ ان سے قبل اور بھی اس غلطی کا شکار ہوئے۔

فائدہ تفسیر فارسی ہیں ہے کہ اپنے ہاتھ سے گھڑ کر اُسے پوجنا اور ہے اور جس نے پیدا کیا اس کی عبادت کرنا اور یعنی ان میں زمین و آسمان کا فرق ہے ؎

آنرا کہ تو ساختی نسازد کارت
سازندۂ تو ہست در دو عالم یارت

ترجمہ: جسے تو نے کارساز بنا رکھا ہے تیرا کام نہ بنائے گا وہی کارساز حقیقی ہی دونوں عالم میں تیرا مددگار ہو گا۔

وَلَمَّا سُقِطَ فِیْۤ اَیْدِیْھِمْ جب وہ اپنے ہاتھوں پریشان ہوئے (یہ سخت ندامت میں کہا اس

لئے کہ جس کی ندامت حد سے بڑھ جائے تو ہاتھ چباتا ہے اور اپنا ہاتھ منہ میں دباتا ہے گویا اُن کا مُنہ اُن کے ہاتھ میں آگیا۔ اب مطلب یہ ہوا کہ بچھڑے کی عبادت سے سخت نادم ہوئے اور سُقِطَ کا مسند الیہ فِیْ اَیْدِیْهِمْ ہے۔

وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا اور انہیں معلوم ہوگیا کہ وہ بچھڑے کی عبادت کرکے گمراہ ہوگئے ہیں اور ان کا یہ علم بمنزلہ یقین کے تھا۔ اس لئے اسے رویت سے تعبیر کیا گیا ہے کہ گویا انہوں نے اپنی گمراہی آنکھوں سے دیکھ لی۔

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ یَرْحَمْنَا رَبُّنَا انہوں نے کہا کہ توراۃ نازل کرکے اگر ہمارے رب تعالیٰ نے ہم پر رحم نہ کیا چونکہ وہ سمجھتے تھے کہ نزول سے اُن کے گناہ جھڑ جائیں گے۔ اس لئے نزول تورات کا پروگرام سامنے رکھا **وَیَغْفِرْ لَنَا** اور اگر اللہ تعالیٰ ہمارے گناہ معاف نہیں فرمائے گا۔

لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ تو ہم زیاں کار اور ہلاک شدگاں سے ہوجائیں گے؟

سوال مذکورہ بالا اُمور یعنی اظہار ندامت و گناہوں کا اعتراف وغیرہ سب کے سب موسٰی علیہ السلام کے کوہ طور کی واپسی پر واقعہ ہوئے چنانچہ سورۃ طٰهٰ کے آیات سے واضح ہوتا ہے؟

جواب یہاں پر واقع کی تقدیم میں اشارہ کیا گیا کہ وہ ایک ہی واقعہ تھا جیسا کہ قرآن مجید کا طریقہ ہے کہ ایک ہی مضمون کے آیات مختلف مقامات پہ مقدم و مؤخر کرکے بیان کرتا ہے۔

وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اور جب حضرت موسٰی علیہ السلام کوہ طور سے واپس لوٹے **اِلٰى قَوْمِهٖ** اپنی قوم کی طرف درانحالیکہ **غَضْبَانَ اَسِفًا** غضبناک اور غصہ ور تھے۔ غضبان سخت غضبناک انسان کو کہتے ہیں ایسے ہی اَسِفًا مثلاً کہا جاتا ہے آسَفَنِیْ فَاَسِفْتُ ای اَغْضَبَنِیْ فَغَضِبْتُ یعنی فلاں نے مجھے غصہ دلایا تو میں نے غصہ کیا۔ اس محاورہ سے بقول باری تعالیٰ **فَلَمَّا اَنْتَقَمْنَا مِنْهُمْ**۔

موسٰی علیہ السلام کا غیب جاننا اس سے ثابت ہوا کہ حضرت موسٰی علیہ السلام کو واپس تشریف لانے سے پہلے ہی قوم کی بچھڑا پرستی کا علم ہوگیا اس لئے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے کوہ طور پر ہمکلامی کے وقت اُن کے حالات بتا دیئے۔

قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِیْ موسٰی علیہ السلام نے فرمایا میرے بعد تم نے بہت بُرا کیا یعنی میرے کوہِ طور پہ چلے جانے اور میری عدم موجودگی میں تم نے بچھڑے کی پرستش کرکے بہت بُرا عمل کیا۔

خلف ہر اس بُرے عمل کو کہتے ہیں جو کسی کی عدم موجودگی میں کیا جائے۔ بِئْسَمَا میں ما نکرہ موصوفہ ہے جو بِئْسَ کے فاعل کی تفسیر بند واقع ہوا ہے اور بِئْسَ کا فاعل ضمیر ہے جو بِئْسَ میں ہے اور اس کا مخصوص بالذم محذوف ہے اصل عبارت یوں ہے بِئْسَ خلافۃ خَلَفْتُمُوْنِیْهَا مِنْ بعد خلافتکم اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ یہ ہمزہ استفہام انکاری ہے کیا تم نے اپنے رب تعالیٰ کے حکم سے عجلت کی ہے یعنی تم نے اس کے حکم کو نا مکمل سمجھ کر چھوڑ دیا۔

سوال عجل متعدی بعن ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے عجل عن الامر یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو ادھورا چھوڑ دے اُس کی نقیض تَمَّ الْاَمْرُ آتی ہے (یہ اس وقت بولتے ہیں جبکہ کام مکمل کردے۔ یہاں براہِ راست متعدی کیوں ؟

جواب یہاں عجل بمعنے سبق ہے اور سبق بلا واسطہ متعدی ہوتا ہے۔ اب آیت کا معنےٰ یہ ہوا کہ تم نے اپنے رب تعالیٰ کے حکم پر عجلت کی وہ اس لئے کہ انہیں موسیٰ علیہ السلام کی واپسی کا انتظار ضروری تھا جب تک وہ واپس تشریف نہ لاتے اُن کے عہد و پیمان اور اُن کی وصیت پر ڈٹے رہتے۔

فائدہ یہ امر یا تو امر واحد ہے یا بمعنے نامور بہ ہے اور العجلۃ بمعنے شے کو وقت مقرر سے پہلے عمل میں لانا اس لئے کہ یہ مذموم ہے بخلاف سرعۃ کے کہ وہ مذموم نہیں اس لئے کہ سُرعۃ شئے کو اوّل وقت میں عمل میں لانے کو کہا جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اے رُوح کے صفات تم نے وقت سے پہلے دنیا اور اُس کی زینت اور اس کے تعلق پیدا کرنے میں جلدی کی ہے کہ ابھی اُس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے حکم صادر نہیں فرمایا تھا کہ تم نے مذکورہ بالا امور پر عمل کرنا شروع کر دیا اس میں اشارہ ہے کہ ارباب طلب اور اصحاب سلوک پر لازم ہے کہ وہ دنیا کی کسی چیز کی طرف توجہ نہ دیں اور نہ ہی اثناءً طلب و سلوک اس سے تعلق پیدا کریں تاکہ دنیا کی طرف توجہ اور تعلق کی وجہ سے حق سے منقطع نہ ہو جائیں ہاں جب نفس اور خواہش کے جنگل کو طے کر کے وصالِ یار کے کعبہ تک پہنچ جائیں تو پھر ان کے لئے صرف اتنا اجازت ہے کہ وہ خلق کو حق سے ملانے اور دعوتِ حق اور صحیح طریق سے دنیا و عقبیٰ پر چلانے کے لئے اگر وہ دنیا کی طرف رجوع کریں تو جائز ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ اور موسیٰ علیہ السلام نے وہ تختیاں کہ جنہیں تورات رکھی تھی اپنے ہاتھ سے نیچے ڈال دیں۔

وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ اور اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو سر کے بالوں سے پکڑ لیا موسیٰ علیہ السلام کا یہ حال تھا کہ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ کہ ہارون علیہ السلام کو اپنی طرف غصہ سے کھینچتے تھے۔ ان کا یہ کھینچنا اہانت کے طور نہیں بلکہ بطور عتاب تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کو غصہ اس خیال پر تھا کہ ہارون علیہ السلام نے اپنی قوم کو ہدایت دینے میں کوتاہی کی حالانکہ انہوں نے حتی الامکان انہیں گمراہی سے بچانے میں بڑی جدوجہد فرمائی لیکن چونکہ حلیم الطبع اور نرم دل تھے اس لئے بنی اسرائیل کو یہی محبوب تر تھے۔ ویسے سن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑے تھے۔

قَالَ ہارون علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا ابْنَ اُمَّ اے میری ماں جائے (بھائی) یہاں پر حرف ندا محذوف ہے۔ دراصل یا ابن اُمّا تھا۔ اُمّا کا الف بھی حذف کر دیا گیا۔ یہ الف دراصل یائے متکلم سے مبدل ہو کر آیا تھا۔ الف کو حذف کر کے فتح پر اکتفا کیا گیا تاکہ مزید تخفیف حاصل ہو اس لئے کہ اضافت در اضافت سے کلام طویل ہو گیا ہے اور ندا میں تخفیف مطلوب ہوتی ہے۔

سوال حضرت ہارون حضرت موسیٰ علیہما السلام کے حقیقی بھائی تھے لیکن آیت میں صرف ماں کا ذکر کیوں ؟

جواب تاکہ ماں کے نام لینے سے اُن پر موسیٰ علیہ السلام رحم فرمائیں گویا موسیٰ علیہ السلام کو نرمی سے متوجہ کرنے کی نیت سے ماں کا نام لیا اور یہی عرب طریقہ بھی ہے (بلکہ اکثر ممالک میں یہی دستور ہے)۔

اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِیْ ترجمہ بے شک قوم نے مجھے عاجز سمجھا اور قریب تھا کہ وہ مجھے مار ڈالتے یہ ہارون علیہ السلام نے اس لئے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کا وہ وہم دُور ہو کہ ہارون علیہ السلام نے اپنی قوم کو بُرائی سے روکنے میں کوتاہی کی ہے اب مطلب یہ ہوا کہ میں نے انہیں برائی سے بچانے کی حتی المقدور کوشش کی لیکن وہ مجھ پر غالب آگئے بلکہ قریب تھا کہ وہ مجھے اس کی پاداش میں قتل کر ڈالتے۔

فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ پس میرے دشمنوں کو مجھ پر خوش نہ کرو اور ایسا عمل نہ کیجئے کہ اُن کی آرزوئیں پوری ہوں کہ وہ بھی چاہتے ہیں کہ میری اہانت ہو مثلاً کہا جاتا ہے شمت بہ یشمت از باب علم یہ اس وقت بولتے ہیں جبکہ کسی کو دشمن سے دکھ اور تکلیف پہنچے پھر اسے متعدی کرکے باب افعال پر لایا گیا۔ شماتت بمعنے کسی کے دُکھ پر خوش ہونا اور وہ دُکھ اور جو اسے دشمن سے پہنچے اور یہ لفظ باؔ سے متعدی ہوتا ہے اور شمات بمعنے شادکام کردن دشمن را (کذا فی تاج المصادر) - اور ظاہر ہے کہ دشمن کا شادکام ہونا تمام مصائب اشد ہے۔ اس لئے عربوں کا مقولہ مشہور ہے کہ الموت دون شماتۃ الاعدا" یعنی موت کی سختی دشمنوں کی شادکامی سے بہت کم ہے۔

وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ اور مجھے قوم ظالمین سے نہ ملایئے یعنی مواخذہ یا قصوروار ہونے میں مجھے ظالم قوم میں شمار نہ کیجئے۔

تفسیر صوفیانہ ہارون سے قلب اور موسیٰ سے رُوح مراد ہے اور قلب رُوح کا بھائی ہے اور اعدا سے نفس و شیطان اور خواہشات نفسانیہ مراد ہیں اور قوم ظالمین سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے دنیا کے بچھڑے کی پرستش کی اور اس سے قلب کے صفات مراد ہیں اب معنے یہ ہوا کہ قلب کی صفات کی رعونات سے اثر پذیر ہوتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ عیاروں کی مکاری اور اُن کی رعونات اور اُن کی غلط کاریاں ارباب طریقت سے ہو ہی جاتی ہیں لیکن قلب من حیث ہو اپنی فطرت و جبلت سے متغیر نہیں ہوتی اور اِس کی فطرت و جبلت حُب و طلب دنیا ہے البتہ نفس کے صفات میں تغیر ہوتا ہے تو لوّامہ بن جاتا ہے اگر لوّامہ ہے تو مُلہمہ ہو جاتا ہے اگر مُلہمہ ہے تو مطمئنہ ہو جاتا ہے اور اُسے رجوع الی الحق کا خوگر بھی بنایا جا سکتا ہے یاد رہے کہ اس سے آنکھ جھپکنے کی دیر بھی غفلت برتی جائے تو جس حال میں بھی ہو امارتیت کی طرف لوٹ جانے میں دیر نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کا یہی طریقہ ہے کہ ہر ایک کو اپنی جبلت و فطرت پہ رکھے اور اس کی فطرت کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔

تفسیر عالمانہ **قَالَ** یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی **رَبِّ اغْفِرْ لِیْ** اے اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے یعنی وہ عمل جو میں نے اپنے بھائی کو بلاوجہ مارا ہے حالانکہ اُن کا کوئی قصور نہ تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی کو بے قصور مان لیا لکن تاہم اُن سے ظاہری طور بنی اسرائیل کو گمراہی

سے نہ روکنے کا عمل واضح ہے اس لئے اُن کے لئے بھی عرض کی وَلِاَخِیْ اور میرے بھائی کو بھی معاف کیجئے اُن سے بنی اسرائیل کو گمراہی سے نہ روکنے کا فعل صادر ہوا۔

نکتہ انبیاء علیہم السلام کے ہر فعل میں حکمت ہوتی ہے اور وہ گناہوں سے بھی معصوم ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود استغفار کر رہے ہیں اس میں ایک حکمت یہ ہے کہ بھائی کو مارا اور اُدھر ان کے دشمن خوش ہوئے تو اب آپ نے اپنے لئے استغفار فرمائی تاکہ بھائی خوش ہو جائے کہ واقعی موسیٰ علیہ السلام انہیں بے قصور سمجھتے ہیں اور اُدھر دشمنوں کی غلط فہمی بھی دور ہو کہ ہارون علیہ السلام موسےٰ علیہ السلام کے ہاں گرے ہوئے نہیں بلکہ معزز ترین بزرگ ہیں اور بھائی کے لئے استغفار میں یہ حکمت تھی کہ بھائی کو معلوم ہو اگرچہ وہ اپنے اس معاملہ میں بے قصور ہیں لیکن تاہم استغفار سے مستغنی نہیں اور انہیں متنبہ کیا کہ بنی اسرائیل کی غلطی پر صرف جدوجہد کافی نہیں تھی بلکہ وہ ان سے ایسی غلطی پر جنگ کرتے اُن سے جنگ نہ کرنا بھی ایک قسم کا قصور ہے اگرچہ وہ اسے کہ مامور بہ نہیں تھے لیکن حقیقۃً اُن کی کوتاہی تھی اس لئے اُن کے لئے بھی استغفار فرمائی۔

وَاَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِكَ اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما یعنی مزید انعامات سے نوازیئے بعد اس کے کہ ہماری موجودہ کمی کی معافی عطا ہو۔

فائدہ حدادی نے فرمایا اس سے اُن کی مراد یہ ہے کہ مذکورہ قصور معاف فرما کر بہشت عطا فرمانا یعنی رحمت سے بہشت مُراد ہے۔

وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۝ اور تو ارحم الراحمین ہے یعنی تو ہمارے لئے ہمارے آباؤ امہات بلکہ خود اپنے نفسوں سے بھی زیادہ رحیم ہے۔

حکایت ماں کی نافرمانی کی

مروی ہے کہ ایک شخص کی موت کے وقت کلمہ شہادت کے لئے زبان بند ہو گئی بہت بڑی جدوجہد کے باوجود زبان نہ کھلی۔ حضور سرور عالم صلی اللہ

میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ زمین نے اُسے چھوڑا تو قابیل نے کہا یا اللہ میرے باپ سے بھی تو غلطی ہو گئی تھی لیکن اسے یہ سزا نہ ملی مجھے کیوں اتنی بڑی سزا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اُس سے ایک غلطی ہوئی تو دو غلطیوں کا مرتکب ہوا ہے ایک میری بے فرمانی دوسری باپ کی نافرمانی کہ تو نے اس کے حکم کے خلاف اپنے بھائی کو قتل کر دیا دوبارہ پھر آدم علیہ السلام نے زمین سے فرمایا قابیل کو پکڑ لے۔ زمین نے اُسے دھنسا دیا قابیل نے زمین سے کہا کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل مجھے چھوڑ دے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں زمین نے اُسے چھوڑ دیا تو قابیل نے کہا یا الٰہ العٰلمین ابلیس نے بھی تو تیری نافرمانی کی تھی اُسے اتنی سزا نہ ملی۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے کی طرح جواب دیا پھر قابیل نے کہا یا اللہ کیا تیرے ننانوے اسما نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہاں قابیل نے عرض کی تو کیا رحمٰن و رحیم نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہاں اُس نے عرض کی کیا تیرا نام رحمٰن اس لئے نہیں کہ تو کثیر الرحمۃ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ٹھیک ہے پھر اُس نے عرض کیا اگر تیرا ارادہ میرے ہلاک کرنے کا مصمم ہے تو پھر اپنے اسما سے رحمٰن و رحیم کو نکال دے پھر مجھے ہلاک

فرما دے۔ اس لئے کہ بندے کے ایک جرم سے اتنی بڑی سزا صرف رحمت کے مقتضیٰ سے نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے زمین سے فرمایا اسے چھوڑ دے۔

سبق جب کافر کے لئے اتنی بڑی رحمت ہے تو پھر مومن کے لئے کتنی رحمت ہو گی قصو وار انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنی ہر حاجت اپنے مالک سے طلب کرے اور وہ اپنے ہر چھوٹے بڑے گناہ کے لئے استغفار کرے تاکہ رحمت میں داخل ہونے کے لائق ہو جائے اور اُس کی رحمت سے جنت الفردوس مراد ہے۔

حضرت حافظ شیرازی نے فرمایا ؎

سیاہ نامہ تر از خود کسے نمے بینم
چگونہ چوں قلم دود لبسر نرود

ترجمہ: میں سیاہ عملنامہ اپنے سے زیادہ اور کسی کا نہیں دیکھتا کیسے قلم کی طرح میرے دل سے سیاہی نہ لے جائے گا۔

تفسیر صوفیانہ رب اغفرلی میں سیر الی الصفات کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ مغفرت و رحمت صفاتِ الٰہیہ ہیں۔ پھر موسیٰ روح اور اُس کے بھائی ہارون قلب میں اشارہ ہے کہ انہیں جذبہ الٰہیہ کے قبول کرنے کی استعداد ہے کہ یہی جذبہ الٰہی انہیں صفات تک پہنچائیں گے وَ اَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِكَ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۔ اور تو ارحم الرحمین ہے اس لئے کہ تیرے غیر میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ اپنی صفات میں غیر کو داخل کرے لیکن تو چاہتا ہے اُس پر قدرت بھی رکھتا ہے چنانچہ یُدْخِلُ مَنْ یَّشَآءُ فِیْ رَحْمَتِہٖ اس پر دلالت کرتا ہے (کذا فی التاویلات النجمیہ)

علیہ وآلہ وسلم سے واقعہ عرض کیا گیا۔ آپ نے بھی اُسے کلمہ کی تلقین فرمائی لیکن اُس کی زبان نہ چلی آپ نے فرمایا کہ کیا وہ نماز نہیں پڑھتا تھا سب نے عرض کی کہ وہ بہت بڑا نمازی تھا پھر آپ نے فرمایا کہ وہ روزے نہیں رکھتا تھا سب نے عرض کی کہ وہ روزے بھی رکھتا تھا۔ آپ نے فرمایا کیا یہ ماں باپ کا نافرمان تو نہیں۔ سب نے عرض کی ہاں یہ ماں کا نافرمان تھا۔ آپ نے فرمایا اس کی ماں زندہ ہے اُسے میرے ہاں لاؤ۔ اس کی والدہ بوڑھی اور نابینا تھی۔ اُسے حضور علیہ السلام کی خدمت میں لایا گیا۔ آپ نے فرمایا کیا تو اپنے بیٹے کو معاف کرتی ہے یا نہ اُس نے عرض کی میں اسے کبھی معاف نہ کروں گی اس لئے کہ اس نے مجھے ایک دن ایسا زور سے تھپڑ مارا کہ میری آنکھ نکل گئی۔ آپ نے فرمایا لکڑیاں جمع کرو اور آگ لاؤ۔ بڑھیا نے عرض کی یہ کیوں۔ آپ نے فرمایا کہ میں تیرے بیٹے کو تیرے سامنے جلاتا ہوں تاکہ اُسے تیری نافرمانی کی سزا ملے۔ اُس نے عرض کی میں نے اُسے نو ماہ پیٹ میں اُٹھایا اور دو سال دودھ پلایا صرف اس لئے کہ میں اسے جلتا ہوا دیکھوں پھر ماں کی ممتا کہاں گئی۔ جب اس کی اس حالت پر رحم آیا تو اُس کی زبان کلمہ شہادت کے لئے کھل گئی۔

نکتہ ماں صفت رحیمیہ رکھتی ہے جو رحمانیہ کی صفت سے درجہ میں کم ہے جب وہ اتنا کم درجہ کی مظہر نے بچے کو جلانے کی اجازت نہ دے سکی تو پھر وہ قادر کریم بہت بڑی رحمت کا مالک اپنے بندوں کو جہنم میں

باقی صفحہ ۱۱۱ پر

إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ

بے شک وہ جو بچھڑا لے بیٹھے عنقریب انہیں ان کے رب کا غضب اور ذلت

وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ ﴿۱۵۲﴾

پہنچنا ہے دنیا کی زندگی میں اور ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں بہتان بازوں کو

وَالَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوا مِنْ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْۤا

اور جنہوں نے برائیاں کیں اور ان کے بعد توبہ کی اور ایمان لائے

إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۵۳﴾ وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ

تو اس کے بعد تمہارا رب بخشنے والا مہربان ہے اور جب موسیٰؑ کا غصہ تھما

مُّوسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۖۚ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّ

تختیاں اٹھالیں اور ان کی تحریر میں ہدایت اور

رَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَاخْتَارَ مُوْسٰى

رحمت ہے ان کے لیے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور موسیٰؑ نے اپنی قوم

قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّاۤ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ

سے ستر مرد ہمارے وعدہ کے لیے چنے پھر جب انہیں زلزلہ نے لیا

قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ؕ اَتُهْلِكُنَا

موسیٰؑ نے عرض کی اے رب میرے تو چاہتا تو پہلے ہی انہیں اور مجھے ہلاک کر دیتا کیا تو ہمیں اس

بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاۤءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ

کام پر ہلاک فرمائے گا جو ہمارے بے عقلوں نے کیا وہ نہیں مگر تیرا آزمانا تو اس سے بہکائے جسے چاہے

تَشَاۤءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَاۤءُ ؕ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا

اور راہ دکھائے جسے چاہے تو ہمارا مولیٰ ہے تو ہمیں بخش دے اور ہم پر مہر کر

وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا

اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے اور ہمارے لیے اس دنیا میں بھلائی لکھ

حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ؕ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ

اور آخرت میں بے شک ہم تیری طرف رجوع لائے فرمایا میرا عذاب میں جسے چاہوں

بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا

دوں اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہے تو عنقریب میں نعمتوں

لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا

کو ان کے لیئے لکھ دوں گا جو ڈرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ ہماری آیتوں پر

يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ

ایمان لاتے ہیں وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی

يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ

جسے لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توریت اور انجیل میں وہ انہیں

بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ

بھلائی کا حکم دے گا اور برائی سے منع فرمائے گا اور ستھری چیزیں ان کے لیئے حلال فرمائے گا

يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ

اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا اور ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے جو

الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ

ان پر تھے اتارے گا تو وہ جو اسپر ایمان لائیں اور اسکی تعظیم کریں اور اسے

وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ

مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اترا وہی بامراد

الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ ع

ہوئے

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ بے شک ان لوگوں کو کہ جنہوں نے بچھڑے کو معبود بنایا اور وہ سامری اور اس کے دوسرے ہمنوا کہ جن میں بچھڑے کی پرستش گھر کر چکی تھی، کی طرح بچھڑے کی عبادت پر مداومت کی

سَيَنَالُهُمْ انہیں آخرت میں پہنچے گا **غَضَبٌ** بہت بڑا غضب جو ہونے والا ہے **مِّنْ رَّبِّهِمْ** اُن کے رب تعالیٰ سے اس لئے کہ ان کا جرم تمام جرائم اور تمام غلطیوں سے بہت بڑی غلطی تھی۔

فائدہ یہاں پر غضب سے اس کی غایت مُراد ہے یعنی انتقام و تعذیب اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق غضب کا حقیقی معنے مراد لینا محال ہے۔

وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا اور دنیوی زندگی کی ذلت و خواری مثلاً غریبی و مفلسی اور مسکینی اُن کو اور اُن کی اولاد کو لازم رہے گی اور سامری کو بھی ذلت و خواری میں مبتلا کیا گیا کہ اس کے بعد اسے تنہا زندگی بسر کرنا پڑی اور بلا وجہ طرح طرح کے مصائب میں مبتلا رہا۔

حکایت مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو قتل کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اسے قتل نہ کیجئے اس لئے کہ یہ سخی ہے البتہ اسے شہر بدر کر دیں اور اسے زندگی بھر معیبت میں مبتلا رکھا جائے گا اور جو بھی اس کے حال سے بے خبری سے اس سے ملاقات کرے گا تو وہ اُسے کہے گا **لَا مِسَاسَ** یعنے مجھے ہاتھ نہ لگا اور نہ میں تجھے ہاتھ لگاتا ہوں اگر کسی کا بے خبری سے اس کو ہاتھ لگ جاتا تو وہ شخص عمر بھر بخار میں مبتلا رہتا۔

اعجوبہ یہی حالت اس کی اولاد میں تا حال موجود ہے۔

سوال جُرم تو سامری نے کیا تو پھر اُس کی اولاد کو کیوں ایسے عذاب میں مبتلا کیا گیا؟

بقیہ ۲۱ سے آگے

جلانے کی کیسے اجازت دے گا۔ لیکن ہر وہ بندۂ مؤمن جو کلمہ شہادت پہ ستر سال (مثلاً) مواظبت کرے حالانکہ وہ تو ارحم الرحمین ہے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

① لطف خدا بیشتر از جرم ماست
نکتہ سربستہ چہ دانی خموش

② دلا طمع مبر از لطف بے نہایت دوست
کہ می رسد ہمہ را لطف بے نہایت او

ترجمہ: ① اللہ کا لطف ہمارے جُرم سے زیادہ ہے اے بندۂ خدا تو سربستہ راز کو کیا جانے اسی لئے خاموش رہ۔

② اے دل تو دوست کے لطف بے نہایت سے طمع نہ چھوڑ کیونکہ اس کا بے نہایت لطف سب کو پہنچتا ہے۔

قابیل اور وسیلہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض اہلِ تفاسیر سے منقول ہے کہ جب قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا تو آدم علیہ السلام نے زمین سے فرمایا کہ قابیل کو پکڑ لے۔ چنانچہ جب زمین نے قابیل کو پکڑا تو اُس نے کہا کہ اے زمین خدا کا نام مان مجھے چھوڑ دے

جواب عبرت کے لئے یہ طریقہ عام ہے کہ اسلاف کی نحوست اخلاف پر بھی پڑتی ہے جیسے اسلاف کی برکات ان کے اخلاف کو نصیب ہوتے ہیں۔

وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُفْتَرِيْنَ اور اسی طرح ہم افترا کرنے والوں کو سزا دیتے ہیں یعنی وہ اللہ تعالیٰ پر افترا کرتے اور اللہ تعالیٰ پر افترا کرنا بہت بڑا جرم عظیم ہے اور وہ افترا یہی تھا کہ سامری نے بنی اسرائیل سے بچھڑے کے بارے میں کہا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى۔

نکتہ سامری جیسا نہ پہلے کسی نے افترا کیا اور نہ ہی تا قیامت ایسا افترا کوئی کرے گا۔

وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اور وہ لوگ جو برائیاں کریں ثُمَّ تَابُوْا پھر اُس سے تائب ہوں مِنْۢ بَعْدِهَا اور ان بُرائیوں کے ارتکاب کے بعد وَاٰمَنُوْٓا اور ایمان لائیں یعنی خالص و مخلص ہو کہ صحیح طور پر ایمان قبول کریں پھر ایمان صحیح کے تقاضا کے مطابق عمل صالح میں مشغول ہو جائیں۔ پھر بُرائیوں کا ارتکاب نہ کریں اور نہ ہی پہلے گروہوں کی طرح برائیوں پر مصر ہوں۔ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا بے شک تیرا رب اُن کی سچی توبہ مع الایمان کے بعد لَغَفُوْرٌ ان کے گناہوں کو بخشنے والا ہے خواہ کتنے بڑے اور زیادہ ہوں رَّحِيْمٌ اور دینی دنیوی طرح طرح کی رحمت عطا کرنے میں بہت بڑا رحیم ہے۔

تفسیر صوفیانہ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ بے شک جن لوگوں نے خواہشات نفسانیہ کے بچھڑے کو معبود بنایا۔ قرآن مجید میں دوسرے مقام پر نفسانی خواہشات کو معبود سے تعبیر کیا گیا۔ کما قال تعالےٰ اَرَاَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا اس میں اشارہ ہے کہ نفسانی خواہشات کی پرستش غضب الٰہی کا موجب ہے چنانچہ حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ما عبد فی الارض الٰہ ابغض علی اللہ من الھوٰی۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں خواہشات نفسانی سے مبغوض ترین اور کوئی معبود باطل نہیں۔

نکتہ وہ اس لئے کہ نفسانی خواہش کا پرستار ہمیشہ نفس کی شرارتوں اور اس کی گندی صفات مثلاً صفات حیوانیہ اور سبعیہ (درندگی) اور شیطانیہ میں مبتلا رہتا ہے اور اسے یہ خواہشات نفسانی کے پرستاروں کو ہم ہمیشہ غضب و طرد و اَلباد و ذلّت میں مبتلا رکھیں گے اگرچہ وہ دعویٰ کریں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی قوت اور طاقت حاصل ہے کہ ہمیں خواہشات نفسانی اور دنیاوی علائق اور نفس کی متابعت اور اس کی خواہشات کی پرستاری نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔ یہ محض ان کا اللہ تعالیٰ پر افترا ہے۔ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا اس کے بعد تائب ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبودیت کا اقرار کریں اور اس کی سچی طلب میں مشغول ہو جائیں اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا یعنی اُن کے ترکِ شہوات و رجوع الی طلب الحق کے بعد لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ کہ اُن کی غلطیاں معاف کر کے انہیں قرب و کرامات سے نوازے گا (التاویلات النجمیہ)

فوائد و مسائل شرعیہ اور صوفیانہ چٹکلے

مسئلہ معتزلہ کے نزدیک توبہ مغفرت و رحمت کی علت موجبہ ہے اور ہم اہلسنت کے نزدیک مغفرت و رحمت کے لئے سبب محض ہے ۔

مسئلہ توبہ کا لغوی معنےٰ ہے رجوع اگر اس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہو تو اُس کا مطلب ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ کو عذاب سے بچا کر اسے مغفرت و رحمت سے نوازا اگر اس کی نسبت بندے کی طرف ہو تو اس کا معنےٰ ہوتا کہ اُس نے اپنے گناہوں سے رجوع کر کے اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کی طلب کی ۔

مسئلہ توبہ دو قسم ہے

① ظاہری

② باطنی

توبہ ظاہری یہی ہے کہ ظاہر گناہوں سے توبہ کرنا یعنی عزم کر لینا کہ آئندہ شرع مطہرہ کے احکام کی مخالفت نہیں کرے گا اور حتی المقدور طاعت الٰہی میں زندگی بسر کرے گا اور باطنی توبہ قلب کو باطنی گناہوں سے پاک و صاف کرنا اور باطنی گناہ یہ ہے کہ ذکر الٰہی سے غافل ہو جائے ۔ حالانکہ سچے سالک کی علامت یہ ہے کہ اگرچہ زبان ذکرِ الٰہی سے خاموش ہو لیکن قلب بدستور ذکر میں مصروف ہو اور نفس کی توبہ یہ ہے کہ نفس علائق دنیا بالکل ختم کر دے اور دائمی طور پاکدامنی اور ہر نیک عمل میں سبقت رکھے اور عقل کی توبہ یہ ہے کہ بواطن آیات و آثار مصنوعات میں تفکر پیدا کرے اور رُوح کی توبہ یہ ہے کہ معارفِ الٰہیہ سے آراستہ و پیراستہ ہو اور سر کی توبہ یہ ہے کہ دنیا و عقبیٰ سے رُوگردان ہو کر حضرتِ عُلیا کی طرف متوجہ ہو ؎

① گر سیہ کردی تو نامہ عمر خویش
توبہ کن زانہا کہ کردستی تو پیش

② عمر اگر بگذشت بے خش ایں دم است
آب توبش دہ اگر او بے نم است

③ چو بر آرند از پشیمانی انین
عرش لرزد از انین المذنبین

ترجمہ: ① اگر تو نے زندگی بھر اپنا عملنامہ سیاہ کیا اب پچھلے تمام گناہوں سے تائب ہو جا۔

② اگر عمر گذر گئی تو اس کی جڑ ابھی موجود ہے اسے توبہ کا پانی دے اگرچہ وہ اب خشک ہے ۔

③ کیونکہ گنہگار جب پریشانی سے فریاد کرتے ہیں تو گنہگاروں کی فریاد سے عرش الٰہی لرز جاتا ہے ۔

فائدہ جب بندہ گناہوں سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندے کے حالات صحیح فرما کر اُس سے رُکے ہوئے انعامات لوٹا دیتا ہے ۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے سُنا ہے کہ بنی اسرائیل سے کسی نے گائے کے بچھڑے کو اُس کی ماں کے سامنے ذبح کیا تو اس کا ہاتھ سوکھ گیا پھر چند روز بعد ایک چڑیا کے بچے کو دیکھا کہ گھونسلے سے نیچے گر کر چیخ رہا ہے اُس نے اُسے اٹھا کر گھونسلے میں رکھ دیا اللہ تعالیٰ کو اس پر رحم آیا تو اس کا سوکھا ہوا ہاتھ صحیح فرمایا ۔

سبق مؤمن پر لازم ہے کہ وہ توبہ میں جلدی کرے اور عمل صالح میں سبقت رکھے اس لئے کہ نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں ۔

حدیث شریف حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم مجھے ایسا عمل بتائیے جو بہشت کے قریب اور دوزخ سے دور کر دے ۔ آپ نے فرمایا خدانخواستہ کسی وقت گناہ کا ارتکاب ہو تو فوراً کوئی نیکی کر لیا کرو ۔ اس لئے کہ ایک نیکی سے دس گنا ثواب نصیب ہوتا ہے ۔ کما قال تعالیٰ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا پھر میں نے عرض کی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ بھی نیکی ہے ۔ آپ نے فرمایا یہ تو تمام نیکیوں کی سردار ہے ؎

کار نیکو تر بداں جز ذکر نیست

ترجمہ، کوئی نیک کام ذکر سے بڑھ کر نہیں ۔ (واللہ الھادی) (اور اللہ تعالیٰ ہدایت دینے والا ہے) ۔

تفسیر عالمانہ وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اور جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ تھم گیا یعنی ہارون علیہ السلام کی معذرت اور قوم کی توبہ سے موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا ۔

سوال سکوت بمعنے کلام کا منقطع ہو جانا اور یہ دلالت کرتا ہے کہ اس سے قبل ثابت تھا حالانکہ حالت غضب میں کلام کا تصوّر بھی نہیں ہوتا تو اس کے منقطع ہونے کا کیا معنےٰ ؟

جواب یہاں مجازی معنےٰ مراد ہے یعنی سکوت بمعنے سکون ۔

فائدہ یہاں پر غضب کو بمنزلہ الانسان کے کیا گیا ہے کہ گویا اُس نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے بھائی کے متعلق بھڑکایا کہ جناب آپ جب کوہ طور پر تشریف لے گئے تو آپ کے بھائی نے اپنے فرض منصبی سے کوتاہی کی ۔ فلہذا آپ اُس کی اہانت کیجئے کہ سر کے بال پکڑ کر کھینچئے اور اُسے ایسے ایسے کلمات کہئے اور جو تمہارے ہاتھ میں توراۃ کی تختیاں ہیں وہ بھی پھینک دیجئے یہ کہہ کر گویا وہ غضب خاموش ہو گیا اور اس طرح سے اس کا کلام منقطع ہو گیا ۔ اس میں استعارہ مکنیہ ہے اور سکت اسی استعارہ سے کنایہ ہے ۔

فائدہ حدادی نے فرمایا کہ عبارت یوں تھی وَلَمَّا سَكَتَ مُوْسٰى عَنِ الْغَضَبِ اور یہ مقلوبی طریقہ عرب میں عام ہے چنانچہ کہتے ہیں ادخلت قلنسوۃ فی راسی میں نے اپنی ٹوپی سر میں داخل کی ۔ یہ عبارت بھی مقلوبی

ہے اس لئے کہ یہ دراصل راسی فی قلسوق۔

اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ہے اٹھالیا اُس نے تختیوں کو۔ اس سے ثابت ہوا کہ وہ تختیاں جو موسیٰ علیہ السلام نے غصہ میں پھینک دی تھیں وہ نہ تو ٹوٹیں اور نہ ہی اُن میں سے کوئی تختی آسمان پر اٹھالی گئی جیسا کہ بعض مفسرین کی رائے ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے تختیاں زمین پر پھینکیں تو ان میں سے بعض تختیاں آسمان پر اُٹھالی گئیں۔ **وَفِیْ نُسْخَتِهَا** حالانکہ ان تختیوں کی لکھی ہوئی عبارات میں یہاں نُسْخَۃ بمعنے اصل شئے سے نقل کردہ ہو المکتوبہ عبارات مراد ہیں اور اصل سے لوح محفوظ مراد ہے اس لئے کہ لغت میں کتابت کی شکلوں کو اصل منقول عنہ سے نقل کرنے کو نسخ کہتے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے **نسختُ هذا الکتاب مِن ذلك الکتاب** ای **نقلتہٗ عنہ** بمعنے میں نے اس کتاب کو اُس سے نقل کیا۔

هُدًی حق کا بیان تھا یہ مبتدا اور فی نسختہا اُس کی خبر ہے **وَرَحْمَةٌ** اور مخلوق کے لئے رحمت۔ اس لئے کہ تورات انہیں خیر اور بھلائی کی رہبری کرے گی۔ **لِلَّذِیْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ یَرْهَبُوْنَ** ان کے لوگوں کے لئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ **لِرَبِّهِمْ** کی لام فعل مؤخر کے عمل کی تقویت کے لئے ہے جیسے **اِن کُنْتُمْ لِلرُّؤْیَا تَعْبُرُوْنَ** میں لام تقویت عمل کے لئے ہے۔

قاعدہ وہ فعل جو اپنے معمول سے مؤخر ہو جائے تو اُس میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے اس کے ضعف کو دور کرنے کے لئے لام تقویت کی لائی جاتی ہے۔

سوال تورات کی ہدایت و رحمت خوف رکھنے والے کے لئے مخصوص کیوں حالانکہ اُسے تو ہر ایک کے لئے ہدایت و رحمت ہونی چاہیئے؟

جواب چونکہ اس سے صرف وہی نفع پاتے ہیں اسی مناسبت سے صرف انہی کا نام لیا گیا ہے۔

فائدہ بندہ جب سچی طلب سے اللہ تعالیٰ کی طرف اور حسن عمل سے بہشت کی طرف رغبت کرتا اور فرقۃ و انقطاع کے دردناک عذاب اور دخول نار سے ڈرتا ہے تو اُسے خوف اور رجاء نصیب ہو جاتے ہیں اُن کی وجہ سے وہ جو چاہتا ہے اُسے حاصل ہو جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ خشیہ صفات حق کے عرفان کے بعد نصیب ہوتی ہے اس کی علامت یہ ہے کہ بندہ دنیا و خلق سے دوری اور متابعت نفس و شیطان سے فرار چاہیئے اس لئے کہا جاتا ہے **رهبۃ خیر من رحمۃ** یعنی رحمت سے رہبۃ بہتر ہے اس لئے کہ سنورنے سے پہلے صفائی ضروری ہوتی ہے۔

حکایت حضرت یحییٰ بن زکریا علیٰ نبینا و علیہما السلام نے ایک جو کی روٹی پیٹ بھر کر کھائی جس سے آپ کو نیند آگئی تو اُس دن کے اوراد و وظائف قضا ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام پہنچا کہ اے یحییٰ تمہیں میری دار سے کوئی اور بہتر دار یا میری جوار رحمت سے کوئی اور جوار یا میری عزت سے اور کوئی بہتر عزت یا میرے جلال سے

کوئی افضل جلال حاصل ہوا۔ اگر تم فردوس اعلیٰ کو جھانک لیتے تو اس کے اشتیاق میں تمہارا جسم پگھل جاتا اور زندگی کو اس کے شوق میں قربان کر دیتے اگر جہنم کو جھانک لیتے تو اس کے ڈر سے خون کے آنسو بہاتے اور زندگی بھر اچھے کپڑے چھوڑ کر ٹاٹ کا لباس پہنے رہتے۔

لطیفہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کتے کو مار بھگاؤ اور لاکھ بار دروازے سے ہٹاؤ لیکن جب ایک سوکھا ٹکڑا روٹی کا ڈالو تو وہ پچھلے تمام ظلم و ستم کو بھول جاتا ہے۔ خدا کے خوف رکھنے والوں کو بھی کتے کی طرح اپنے مالک سے طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

وفا کنیم و ملامت کشیم و خوش باشیم

کہ در طریقت ما کافریست رنجیدن

ترجمہ: ہم وفا کریں گے ملامت کھینچیں گے اور خوش رہیں گے اس لئے کہ ہمارے طریقہ میں ناراض ہونا کفر ہے۔

حدیث شریف جو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا اس سے تمہیں ڈرنا لازم ہے امام سخاوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس حدیث کا معنےٰ صحیح ہے وہ اس لئے کہ جو خدا تعالیٰ سے نہیں ڈرتا وہ اپنے ساتھی کو دکھ اور تکلیف پہنچانے میں گریز نہیں کرے گا۔ مثنوی شریف میں ہے۔

① لا تخافوا ہست منزل خائفاں

ہست در خور از برائے خائف آں

② ہر کہ ترسد مرورا ایمن کنند

مر دل ترسند را ماکن کنند

③ آنکہ خوفش نیست چوں گوئی بترس

درس چہ دہی نیست او محتاج درس

ترجمہ ① لا تخافو (خوف نہ کرو) خوف والوں کی مہمانی ہے اس کے لائق ہے کیونکہ وہ دنیا میں خوف خدا میں با۔

② جو خدا سے ڈرتا رہا اسے بے خوف بکھیں گے (قیامت میں) اللہ سے ڈرنے والے دل کو تسکین دیں گے۔

③ جسے خوف نہیں اسے کہو کہ خوف کر اسے کیا درس دیتے ہو اب وہ درس کا محتاج نہیں۔

تفسیر عالمانہ وَاخْتَارَ مُوْسٰی اختار الاختیار سے مشتق ہے اس کا مادہ الخیر ہے مثلاً کہا جاتا ہے اختارُ الشیَّ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کار خیر اور بھلائی کو اختیار کرے یعنی اور چن کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قَوْمَهٗ اپنی قوم سے یہاں حرف محذوف ہے اور بلا واسطہ فعل کو مفعول کی طرف پہنچایا گیا ہے اور یہ اختار کا دوسرا مفعول ہے۔ سَبْعِيْنَ رَجُلًا یہ اختار کا مفعول اوّل ہے لِمِيْقَاتِنَا ہمارے اس وقت کے لئے جسے ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے لئے مقرر و معین فرمایا کہ اس معین وقت میں بنی اسرائیل کے ممتاز اور منتخب شدہ ستر آدمی کوہِ طور ہمارے ہاں لے آئیں تاکہ تمام قوم کی بچھڑے کی پرستش کی خطا کا عذر پیش کریں۔

فائدہ یاد رہے کہ یہ میقات توبہ کا اور ہے اور مناجات و ہمکلامی کا میقات اور تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہر میقات کے لئے جاتے ہوئے بنی اسرائیل کے ممتاز ستر آدمی منتخب کرکے ساتھ لئے اس لئے کہ آپ کی قوم بارہ قبیلوں پر مشتمل تھی۔ آپ نے ہر ایک قبیلہ سے چھ آدمی لئے تو دو آدمی ستر سے بڑھ گئے آپ نے سب کو کہا کہ مجھے صرف ستر آدمیوں کو لانے کا حکم ہے تم میں دو بڑھ گئے ہیں لہٰذا تم میں دو آدمی بیٹھ جائیں لیکن کوئی بھی بیٹھنے کے لئے تیار نہ ہوا۔ آپ نے فرمایا جو نہیں چلے گا اُسے میرے ساتھ جانے والے کے برابر ثواب ملے گا حضرت یوشع و کالب نہ چلنے پر راضی ہوگئے اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام باقی ستر افراد کو لے کر کوہ طور کی طرف چل پڑے۔

فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ پس جب انہیں زلزلے نے پکڑا اس جرم پر کہ جاتے ہی انہوں نے اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا دیکھنے کا مطالبہ کر دیا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً۔ رجفۃ بمعنے کانپنا اور شدید حرکت یعنی زلزلہ اس سے کوہ طور کا زلزلہ مُراد ہے۔ جب پہاڑ کو زلزلہ آیا تو سب کے سب بے ہوش ہوگئے یعنی مر گئے۔

فائدہ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے گفتگو فرمائی تو اس سے ان کے کانوں تک آواز پہنچی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے موسیٰ علیہ السلام اگر تو یہ قبول ہے تو انہیں فرمائیے کہ وہ اپنے آپ کو قتل کر دیں۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کو سننے کے بعد انہیں طمع پیدا ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بے حجاب دیکھیں اس لئے کہہ دیا حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً لیکن مفسرین کا مذکورہ قول سراسر غلط ہے اس لئے کہ یہ قرآنی نص کے خلاف ہے کما قال تعالیٰ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ یہی صاحب تیسیر کا مذہب ہے۔

قَالَ عرض کی موسیٰ علیہ السلام نے لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ اے میرے خدا اگر تو انہیں ہلاک کرنا چاہتا تھا تو اس سے پہلے ہلاک کر دیتا جبکہ انہوں نے بچھڑے کی پرستش کرکے تیرے فرمان کی خلاف ورزی کی تھی یا بچھڑا پرستوں کو غلطی میں منہمک دیکھ کر انہوں نے اس سے بائیکاٹ نہ کیا وَاِيَّایَ اور مجھے بھی یعنی اگر تو ہمارے ہلاک کرنے کا ارادہ رکھتا تھا تو ہمیں اس سے پہلے مار دیتا۔ اس سے موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے معافی کا اظہار کر رہے ہیں کہ اے مولیٰ کریم جیسے تو نے ہمیں پہلے معاف فرما دیا اب بھی معاف فرما دیجئے اَتُهْلِكُنَا کیا تو ہمیں ہلاک کرتا ہے۔ یہ ہمزہ انکاری ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر بھروسہ کرکے وقوع اہلاک کا انکار کر رہے ہیں یعنی اے اللہ کریم تو ہمیں ہلاک نہیں کرے گا۔ بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ بیوقوفوں کی بیوقوفی کی وجہ سے مِنَّا درانحالیکہ وہ ہمارے ہیں یعنی اگرچہ انہوں نے عناداً یا تمردی سے رؤیت کا مطالبہ کر لیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رؤیت کا مطالبہ بعض نے کیا۔ اب مطلب یہ ہوا کہ اے مولیٰ کریم ہمارے بعض بے وقوفوں کی غلطی سے ہم سب کو ہلاک کر دینا تیرے شان کریمی سے بعید ہے۔ اِنْ هِیَ نہیں ہے وہ فتنہ جو بے وقوفوں سے سرزد ہوا۔

اِلَّا فِتْنَتُكَ مگر تیری آزمائش و ابتلا کہ خود تو نے انہیں اپنا کلام سنایا تو وہ سنتے ہی اس آزمائش میں مبتلا

ہو گئے کہ وہ تیرے دیدار کے مشتاق ہو گئے اس میں ان کا کیا قصور ہے ہاں یہ مسلم ہے کہ تو نے ہی اُن کی آزمائش کی ہے اور تو نے ہی خود انہیں امتحان میں مبتلا فرمایا ہے ۔

فائدہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے باری تعالیٰ کا کلام سُنا لیکن انہیں عزت و احترام کے پیش نظر نہیں بلکہ بطور آزمائش اور امتحان کے اور یہ اِنِّیْ اصْطَفَیْتُکَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَبِکَلَامِیْ کے منافی نہیں اُس لئے کہ اُن کے اور موسیٰ علیہ السلام کے کلام الٰہی کے سننے میں زمین و آسمان کا فرق ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام کو کلام عزت و احترام کے پیش نظر اور اُن کی قوم کے منتخب افراد کو امتحان و آزمائش کے طور سنایا ۔
فشتان بینہما ۔

فائدہ فصل الخطاب میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو مقام بسط میں رکھا تا کہ بکمال انس اور محبوب حقیقی کا عشوہ ناز دیکھ کر دیدار کی آرزو کریں اور ایسے ناز و عشوے محبوبیت کو لازم ہیں اس لئے حضرت مولانا روم قدس سرہٗ نے فرمایا کہ عاشق کی گستاخی کو ترکِ ادب سے تعبیر نہیں کیا جاتا بلکہ عُشاق کی اصطلاح میں وہی عین ادب ہے ؎

① گفتگوئے عاشقان در کار رب
جوشش عشقست نہ ترکِ ادب

② ہر کہ کرد از جام حق یک جرعہ نوش
نہ ادب ماند درد نہ عقل و ہوش

ترجمہ: ① گفتگوئے عشاق رب تعالیٰ کے اُمور میں عشق کا جوش ہوتا ہے نہ کہ ترک ادب ۔
② جو بھی جامِ حق سے ایک گھونٹ پیتا ہے اسے نہ ادب رہتا ہے نہ اسمیں عقل و ہوش ۔

تُضِلُّ بِهَا اس آزمائش سے تو گمراہ کرتا ہے **مَنْ تَشَآءُ** جسے تو گمراہ کرنا چاہتا ہے تو وہ حد سے متجاوز ہو کر اپنی لیاقت و اہلیت سے بڑھ کر مطالبے کرتا ہے **وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ** اور جسے تو راہ حق کی ہدایت دینا چاہتا ہے تو وہ ایسی باتوں سے متزلزل نہیں ہوتا بلکہ اُلٹا اُن سے اُس کا ایمان مضبوط ہوتا ہے ۔ **اَنْتَ وَلِيُّنَا** تو ہمارے دینی دنیوی امُور کا کفیل اور ہمارا حافظ و ناصر ہے ۔ **فَاغْفِرْ لَنَا** پس ہماری غلط کاریوں کو معاف فرما دیجئے **وَارْحَمْنَا** اور ہمارے حال پر رحم فرما کر ہمیں دینی و دنیوی رحمتوں سے نوازیئے ۔

فائدہ ابن الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مغفرۃ بمعنے اسقاط العقوبۃ اور رحمۃ بمعنے ایصال الخیر ہے ۔

سوال مغفرت کو رحمت پر کیوں مقدم کیا گیا؟

جواب دافع المضرۃ کا تحصیل المنفعۃ پر مقدم ہونا ضروری ہے ۔

وَاَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ ۝ اور تو ہی سب سے مغفرت کرنے والوں سے بہتر ہے کہ تو برائیوں کی مغفرت فرماتا بلکہ برائیوں کو نیکیوں سے تبدیل کرتا ہے اور تیرے سوا جو بھی کسی کے گناہ بخشتا ہے تو اُسے یا تو کسی کی تعریف

سے اُمید وابستہ ہوتی ہے یا ثواب کا خواہشمند ہوتا ہے یا سمجھتا ہے کہ میرے اس عمل سے قساوت قلبی دور ہوگی۔ بہرحال اس کی معافی کسی طمع یا اُمید سے وابستہ ہوتی ہے اور تیری ذات طمع و اُمید اور غرض اور ہر خطرہ سے مستغنی ہے بلکہ تو جو کچھ کرتا ہے وہ محض تیرا فضل و کرم ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ تو خیر الغافرین اور ارحم الرحمٰن ہے۔

سوال پہلے مغفرت و رحمہ ہر دونوں کا ذکر ہے اور خیر الغافرین میں صرف مغفرت کا ذکر ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب بحسب المقام اس کو اہمیت حاصل ہے اس اہمیت کے پیشِ نظر مغفرت کا ذکر کیا گیا۔

وَ اكْتُبْ لَنَا اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور ہمارے لئے معین فرمایا۔

فائدہ کتابت چونکہ مداومت پر دلالت کرتا ہے اس لئے اس کا ذکر کیا گیا۔

فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةً اسی حیات دنیا میں اچھی معاش اور طاعت کی توفیق **وَ فِی الْاٰخِرَةِ** اور ہمارے لئے آخرت میں ثواب یا بہشت کا داخلہ لکھ دے۔ **اِنَّا هُدْنَاۤ اِلَیْكَ** بے شک ہم نے تیری طرف رجوع کیا اور یہ طلب مغفرت و رحمت کی علت ہے یہ ہاد یہود سے مشتق ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی شئ کی طرف رجوع کرے یہاں **هُدْنَا** بمعنٰے تبنا و رجعنا ہے یعنی ہم نے جو بڑے بڑے گناہ کئے ہیں اب ہم نے اُن سے توبہ کی ہے اور ہماری اس غلطی سے بھی توبہ ہے جبکہ ہم نے تجھ سے رؤیت کا مطالبہ کیا اس کے باوجود تیرے لطف و کرم سے بعید ہے کہ ہماری توبہ قبول نہ ہو۔

فائدہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب اُن پر زلزلہ سے موت واقع ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آہ و زاری کی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کیا۔ اس کا مفصل واقعہ سورہ بقر کی تفسیر میں ہم نے بیان کیا ہے۔

قَالَ ۔ یہ جملہ مستانفہ بیانیہ اور سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ گویا کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **عَذَابِیْۤ** میرے عذاب کی کیفیت یہ ہے کہ **اُصِیْبُ بِهٖ** یہ باتعدیہ کی ہے یعنی میں پہنچاتا ہوں **مَنْ اَشَآءُ** جسے عذاب دینا چاہوں اسمیں کسی کو دخل نہیں **وَ رَحْمَتِیْ** میری رحمت اور اُس کی کیفیت یہ ہے **وَسِعَتْ** دنیا میں پہنچی ہے **كُلَّ شَیْءٍ** یعنی ہر شے یعنی مومن و کافر بلکہ مکلف و غیر مکلف کو اور اُسے جو شیئت کی تعریف میں داخل ہے اس لئے کہ دنیا میں ہر مؤمن و کافر پر رحمت الٰہی اور اس کی نعمتوں کے آثار نمایاں ہیں انہی کی زندگی بسر کرتے اور انہی میں کاروبار چلاتے ہیں البتہ آخرت میں اہل ایمان سے مخصوص ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ **فَسَاَكْتُبُهَا** پس آخرت میں لکھوں گا یعنی معین اور ثابت کروں گا۔

لِلَّذِیْنَ ان لوگوں کے لیئے جو **یَتَّقُوْنَ** کفر اور معاصی سے بچتے ہیں۔ **وَ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ** اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں زکوٰۃ کی تخصیص اس لئے کہ انسان کو ادائیگی شاق محسوس ہوتی ہے **وَ الَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا** اور وہ لوگ جو ہماری تمام آیات پر **یُؤْمِنُوْنَ** دائمی طور ایمان لاتے ہیں کسی ایک آیت کا انکار نہیں کرتے۔

فوائد قیود حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جب مذکورہ بالا آیات نازل ہوئیں تو ابلیس نے

دعوئی کیا کہ میں بھی شئی ہو" من الاشیا ہوں اللہ تعالیٰ نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا لِلَّذِیۡنَ یَتَّقُوۡنَ الخ اس سے یہود و نصاریٰ نے کہا کہ ہم متقی بھی ہیں اور زکوٰۃ بھی ادا کرتے ہیں اور اپنے رب کے آیات پر ایمان لاتے ہیں اُن کے رد میں فرمایا۔

اَلَّذِیۡنَ یَتَّبِعُوۡنَ الرَّسُوۡلَ یہ محلاً مجرور ہے اس لئے کہ لِلَّذِیۡنَ یَتَّقُوۡنَ الخ کی صفت یا اس سے بدل ہے اور الرسول سے حضور سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں یعنی وہ لوگ جو حضور سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے ہیں یعنی ان پر نازل شدہ کتاب پر ایمان لاتے ہیں النَّبِیَّ وہ نبی صاحبِ معجزہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

سوال لفظ رسول لایا گیا بحیثیت اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے اور نبی بایں حیثیت کا کہ منسوب الی المخلوق ہیں؟

جواب

اَلۡاُمِّیِّ اُمّی ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو لکھ پڑھ نہ سکے اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اُمّی ہونا بھی معجزہ ہے اس لئے کہ اگر حضور علیہ السلام بظاہر لکھے پڑھے ہوتے تو آپ پر کفار اتہام لگاتے کہ آپ نے پہلے لوگوں کی کتابیں پڑھ کر اتنے بڑے علوم حاصل کر لئے ہیں اور چونکہ آپ کے لائے ہوئے قرآن مجید میں اولین وآخرین کے علوم ہیں اس لئے کہ کفار کو موقع مِل جاتا کہ آپ نے یہ مجموعہ اپنے مطالعہ کے زور سے جمع فرمایا ہوگا۔ حالانکہ اُمّی ہونے پر کفار کا اتفاق تھا آپ نے جب اُن کے عقول وفہوم کو حیرت میں ڈال دیا تو اس سے اہل ایمان کو یقین ہو گیا کہ یہ آپ کا معجزہ ہے لیکن مخالفین کورے کے کورے رہ گئے ؎

نگارِ من کہ بمکتب نرفت وخط ننوشت
بغمزہ مسئلہ آموز صدر مدرس شد

ترجمہ: میرا محبوب کسی درس گاہ میں نہ گیا اور کسی سے لکھنا سیکھا صرف اشارہ سے مسئلہ سیکھ کر صدر مدرس خاموش ہو گیا۔

شانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان جب آپ کی خدمت میں قلم الٰہی حاضر اور لوحِ محفوظ ہر وقت پیشِ نظر تھی تو پھر آپ کو ظاہری علوم کے حصول کی کیا ضرورت۔

فائدہ اللہ تعالیٰ نے انجیل میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کی یوں مدح فرمائی اُمّۃ مُحَمَّد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) انا جیلہم فی صدورہم ولولم یکن رسم الخطوط لکانوا یحفظون شرائعہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بقلوبہم لکمال قوتہم وظہور استعداتہم حضور نبی پاک حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کی شان ہے کہ قرآنی علوم اُن کے سینوں میں محفوظ ہوں گے اگرچہ ظاہری خطوط بھی انہیں حاصل

نہ ہوں تب بھی وہ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شرعی احکام کے حافظ ہوں گے اس لئے کہ ان کی قوت کمال اور ظہور استعداد عروج پر ہو گی ۔

فائدہ اُمّ لغت میں اصل کو کہا جاتا ہے ۔ کما قال تعالیٰ وعندہٗ اُمُّ الکتٰب ۔

اَلَّذِیْنَ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ جن کے اسم گرامی اور آپ کے اوصاف کو وہ لوگ لکھا ہوا پاتے ہیں **عِنْدَھُمْ** اپنے ہاں یہ یَجِدُوْنَہٗ یا مَکْتُوْبًا کے متعلق ہے اسی طرح فی التوراۃ وَالْاِنجیل بھی یا یجدونہ کے متعلق ہے یا مکتوبًا کے یعنی تورات وانجیل میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف وکمالات اور مناقب ومحامد لکھے ہوئے تھے اور وہ یہود ونصاریٰ انہی دونوں کتابوں کے مطابق عبادتِ الٰہی بجالاتے مثنوی شریف میں ہے ؎

① پیش از آنکہ نقش احمد رُو نمود
نعت او ہر کبریا تعویذ بود

② سجدہ می کردند کائے رب بشر
در عیاں او ہر چہ زود تر

③ نقش او می گشت اندر راہشاں
در دل و در گوش در افواہشاں

④ ایں ہمہ تعظیم وتفخیم و وداد
چوں بدیدندش بصورت بُرد بار

⑤ قلب آتش دید دردم شد سیاہ
قلب را در قلب کے بدست راہ

ترجمہ: ① حضور علیہ السلام کی تشریف آوری سے پہلے ہر دور میں آپ کا اسم گرامی ہر دکھ اور درد کی دوا تھا۔

② وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے کہ حضور علیہ السلام کا جلد تر عالم دنیا میں ظہور ہو ۔

③ اور آپ کا انہیں بہت چرچا تھا اور اُن کے دلوں اور ذہنوں میں

④ آپ کی تعظیم وتکریم بہت زیادہ تھی لیکن جب حضور علیہ السلام تشریف لائے ۔

⑤ تو ان کی محبت بغض وعداوت اور حسد ودشمنی سے بدل گئی ۔

سوال آیت سے معلوم ہوا کہ رحمت صرف انہی سے مخصوص ہوئی حالانکہ یہ غلط ہے اللہ تعالیٰ کی مذکورہ رحمت ہر مؤمن کو نصیب ہو گی ۔

جواب یہ نبی علیہ السلام کے ہمزماں اہل کتاب کی خصوصیت بیان کی گئی ہے تاکہ انہیں ترغیب ہو لیکن وہ بیچارے

اس دولت سے محروم رہے۔

يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ انہیں نیکی یعنی توحید و شرائع اسلامیہ کا حکم فرماتے ہیں **وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ** اور انہیں برائی اور ہر اس عمل سے روکتے ہیں جس کا شریعت اور سنت سے کوئی تعلق نہیں۔

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ اور اُن کے لئے (پاک اشیاء) حلال کرتے ہیں حالانکہ اس سے قبل اُن کی شامت اعمال کی وجہ سے اُن پر وہ چیزیں حرام تھیں مثلاً شحوم وغیرہ۔

وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ اور اُن پر خبیث اشیاء حرام فرماتے ہیں جیسے دم (خون) الخنزیر وغیرہ۔ الطیبات سے وہ اشیاء مُراد ہیں جو طبائع کو پسند اور اُن سے وہ لذت پائیں اور الخبائث وہ ہیں جن سے طبائع کراہت و نفرت کریں۔

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ جن اشیاء سے طبائع کو لذت [illegible] ہو وہ حلال اور جن سے نفرت و کراہت محسوس ہو وہ حرام جبتک کہ ان اشیاء کے لئے خصوصیت سے کوئی دلیل وارد نہ ہو

مسئلہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جسے شرع حلال وطیب کہے وہ حلال اور جسے وہ خبیث کہے وہ حرام جیسے ربا ورشوت وغیرہ وغیرہ اور آیت کا صحیح مدلول بھی یہی ہے کہ جسے شرع حلال کہے وہ حلال اور جسے حرام کہے وہ حرام۔ اس سے طبع کی احساس لذت اور نفرت و کراہت کا کوئی تعلق نہیں۔

وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ط اور اُن سے اُن کے بوجھ اور طوق ہٹاتے ہیں جو ان پر تھے یعنی وہ امور شاقہ جو ان پر مقرر تھے اُن سے معاف کرا دیئے مثلاً ان کی شریعت مندرجہ ذیل اُمور نہایت سخت تر تھے مثل قتل خطا ہو یا عمل قصاص لازم تھا اُن کے لئے دیت کی اجازت تھی۔ لیکن حضور علیہ السلام نے دیت کا اجرا فرمایا اور جن اعضاء سے خطا سرزد ہوتی اسے کاٹنا ضروری تھا۔ لیکن حضور علیہ السلام کی شریعت میں صرف دھونا کافی ہے اور جسم یا کپڑے پر نجاست ہو تو اس ٹکڑے کا کاٹنا لازم تھا لیکن حضور علیہ السلام نے فرمایا انہیں دھو ڈالنا کافی ہے اُن کے مال غنیمت کو آگ کھا جاتی لیکن حضور علیہ السلام کی شریعت میں یہ مجاہدین میں تقسیم کی جاتی اور انہیں ہفتہ کے دن عمل کرنا جرم تھا لیکن ہمارے لئے اجازت ہے ان تکالیف کو اصر اور اغلال سے تشبیہ دی گئی ہے اغلال ہر وہ لوہے کی کڑی کہ جسے ہاتھ کو باندھ کر گردن سے جکڑا جائے اور اصر ہر وہ بوجھ جو انسان پر پڑنے کے بعد اسے حرکت کرنے سے روک دے۔

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ پس وہ لوگ جو لوگ ان کی نبوت و رسالت پر ایمان لائے اور اُن کے اوامر و نواہی پر عمل کیا۔ **وَعَزَّرُوْهُ** اور ان کی تعظیم و تکریم کی اور دشمنوں پر غلبہ پانے کے لئے اُن کی مدد کی **وَنَصَرُوْهُ** اور دین کی خاطر اُن کے دشمنوں سے لڑائیاں لڑیں **وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗ** اور اس نُور کی اتباع کی جو اُن کے ساتھ نازل ہوا یعنی قرآن جو اُن کے ساتھ نازل ہوا اور اُس کی روشنی دلوں میں ایسے ہے جیسے آنکھوں

کے اندر روشنی ہے ۔

سوال صاحب کشاف نے کہا کہ حضور علیہ السلام کے ساتھ قرآن نازل نہیں ہوا ۔ بلکہ جبریل علیہ السلام کی معیت سے آسمان سے زمین پر اُترا؟

جواب آپ کی نبوت کے اظہار پر اس کا نزول شروع ہوا گویا اس مناسبت سے آپ کے ساتھ اُترا ۔

فائدہ مَعَهٗ اُنْزِلَ کے متعلق ہے اور اس کی ضمیر سے حال ہے اور اسمیں مضاف مقدر ہے اصل عبارت رانزل ذٰلِكَ النور مصاحبًا نسوبة تھی ۔

اُولٰٓئِكَ وہی لوگ جن کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۠ وہی کامیاب ہیں یعنی مطلوب پانے والے اور کرب سے نجات حاصل کرنے والے ہیں اُن کے ماسوا باقی لوگوں کو درجات و مراتب نصیب نہیں ہوں گے ۔

فائدہ اس میں موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو جنہوں نے توبہ کی اور نہ ہی حضور علیہ السلام کے کمالات کا اقرار کیا تو انہیں نہ نجات نصیب ہوئی اور نہ کامیابی ۔ اس سے آیات کی تطبیق و تحقیق صحیح طور واضح ہوئی کہ موسیٰ کی دعا بھی مستجاب ہوئی اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد عَذَابِیْٓ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ بھی پورا ہوا ۔

مسئلہ اس سے ثابت ہوا کہ ایمان کے بعد حضور علیہ السلام کی تعظیم اور قرآن کی اتباع فوز فلاح کا بہترین ذریعہ ہے ۔

فائدہ حضور علیہ السلام کی نصرت دو قسم ہے ۔

① عام
② خاص

عام اہلِ شریعت کو نصیب ہوتی ہے اور خاص اہل طریقت و ارباب حقیقت یہی حضرات ہیں جو کمالِ انوارِ رحمٰن اور اسرار توحید کو اخلاص سے پا چکے ہیں اور یہی انوار و اسرار انہیں سے مخصوص ہوئے ۔

شانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان انبیاء علیہم السلام کو سلسلہ وار بھیجنے میں مقصود بالذات حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس تھی اور دیگر انبیاً علیہم السلام بمنزلہ مقدمہ و تمہید کے تھے اس لئے آپ کو انبیاً علیہم السلام کا خلاصہ و زبدہ و نتیجہ اور اشرف جیسے القاب سے یاد کیا جاتا ہے ۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دیگر انبیاً علیہم السلام پر چھ چیزوں کی وجہ سے افضل بنایا ہے ۔

① جوامع الکلم سے نوازا گیا ہوں ۔
② مجھے رُعب عطا ہوا ہے ۔
③ میرے لئے غنائم حلال کئے گئے ہیں

④ میرے لئے تمام روئے زمین کو مسجد اور پاک کرنے والا بنایا گیا ہے۔

⑤ تمام مخلوق کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

⑥ مجھ پر نبوت ختم ہوئی۔

نکتہ جیسے حضور علیہ السلام دوسرے انبیاء علیہم السلام کا زُبدہ و خلاصہ ہیں ایسے ہی دوسرے انبیاء علیہم السلام کی کتابوں میں قرآن مجید زبدہ و خلاصہ ہے بلکہ اُن سے اعظم و اکرم اور ان سب کی تصدیق کنندہ ہے اور ایسے ایسے بے نظیر الفاظ سے سجایا گیا کہ اس کی صرف ایک سُورۃ سے بہت بڑے فصحاً و بُلغا عاجز آگئے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ جو دوسری کتابوں میں احکام و آداب و فضائل یا دلائل و بُراہین و جمع تھے وہ اس کتاب میں مل جاتے ہیں۔

نکتہ دوسری تمام اُمتوں میں سے مقصودِ اصلی یہی تھی جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اُمتوں کا زُبدہ و خلاصہ ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کو امتہً وسطًا یاد فرمایا ہے (اسی طرح تمام گذشتہ بادشاہوں و سلاطین خلاصہ اور زبدہ ہیں اور ان سب کا زُبدہ خلاصہ ملوک عثمانیہ ہیں کہ وہ اور اُن کی دولت تمام دولتوں کی زبدہ و خلاصہ ہیں کہ اُن کے بعد ظہورِ مہدی و عیسیٰ علی نبینا و علیہم السلام تک کسی کو ایسی دولت نصیب نہ ہوگی اس لئے کہ یہی دجال کے مبادی کفّار و فجار یعنی افرنجی و دیگر اعدائے اسلام اور تمام بے دینیوں سے جہاد کرتے ہیں اور صرف انہیں ہفت اقلیم میں بہت بڑی جمعیت اور طاقت اور دولت عُظمیٰ نصیب ہوئی ہے تمام مشارق و مغارب کے اطراف میں انہیں بڑی شوکت اور جاہ و جلال حاصل ہے اُن سے قبل کسی کو ایسی شان و شوکت نصیب نہیں ہوئی اور سب سے پہلی دلیل یہ ہے کہ اُن کے جدِ اعلیٰ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جامع القرآن ہیں اور یہی حضرات اسمِ حق کے مظہر ہیں جیسے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسلام میں ایک خصوصی شان و شوکت نصیب ہوئی انہیں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حاصل ہے چنانچہ مروی ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہوئے تو حضور علیہ السلام سے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کیا ہم حق پر نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا یقینًا ہم حق پر ہیں اور مجھے قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہم حق پر ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی میں بھی یہی عرض کرتا ہوں کہ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہم حق پر ہیں تو ہم اب پوشیدہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کریں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وجہ سے دین کو غلبہ نصیب فرمایا اس لئے کہ دین کا غلبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان سے مشروط تھا۔ یہی دین کے غلبہ کا پہلا ظہور تھا اس کے بعد رفتہ رفتہ عروج ہوتا گیا یہاں تک کہ دولت عثمانیہ میں پورے شباب پر تھا اس لئے یہ دشمنانِ اسلام سے خوب لڑتے ہیں اور انہیں حق کی تلوار اپنے اکابر اور مجاہدین اسلام سے نصیب ہوئی۔

حکایت منقول ہے سلطنت عثمانیہ کے مورثِ اعلیٰ حضرت عثمان اتنے بہت بڑے عروج کو پہنچے تو صرف کلام الٰہی کی نگہبانی کی وجہ سے اور پھر وہ سلطان الاسخیاء بھی تھے وہ اس طرح کہ اُن کے ہاں جو بھی حاضر ہوتا

اُسے دولت سے وافر حصہ عطا فرماتے ۔ اُن کی سخاوت اُن کے ہمسائیگاں پر ناگوار تھی اس سے اسے بہت پریشانی ہوئی اپنی بھی شکایت لے کر چلے تاکہ الحاج یکتاش اور دوسرے معززین کو اپنی داستانیں سنائیں چنانچہ ایک معزز آدمی کے گھر مہمان ہوئے تو دیکھا کہ قرآن مجید ایک غلاف میں رکھ کر کسی کھونٹی پر لٹکایا گیا ہے آپ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے انہوں نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا ادب ضروری ہے آپ باادب ہو کر قرآن مجید کے سامنے باادب کھڑے ہو گئے ۔ ساری رات ایسے ہی قرآن مجید کے سامنے باادب کھڑے رہے جب صبح ہوئی آپ چلے تو انہیں راستہ میں ایک شخص ملا اور کہا کہ میں آپ کا مطلب ہوں اور کہا آپ کو اللہ تعالیٰ نے آج کے بعد معظم بنایا ہے اور آپ کی اولاد کو سلطنت سے نوازا ہے اس لئے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے کلام کی عزت کی ہے ۔ پھر آپ نے ایک درخت کے کاٹنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اس کے سر پر ایک رُومال باندھ دیا جائے یہی ہمارا نشان (جھنڈا) ہے اس طرح سے آپ کے پاس ایک بہت بڑی جماعت ہو گئی ۔ آپ نے اُن کے ساتھ مل کر کافروں پر حملہ کر دیا اس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتح و نصرت اور غلبہ نصیب فرمایا ۔ اس کے بعد ظاہری سلطنت کے لئے آپ کو سلطان علاؤالدین نے بھی اجازت دیدی اس طرح سے آپ مستقل طور بادشاہ بن گئے اُن کے انتقال کے بعد ان کا صاحبزادہ اورخان سلطان مقرر ہوا ۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی مدد سے بروسہ (شہر) کو فتح کیا ۔ اس وقت سے دولتِ عثمانیہ ایک مستقل بادشاہی کے نام سے معنون ہو گئی اور ہمارے زمانہ تک یہ سلسلہ موجود ہے ۔ خدا کرے اس سے انہیں ترقی نصیب ہو ۔ یہ صرف اس وجہ سے انہیں اتنا بڑا مرتبہ نصیب ہوا کہ انہوں نے کلام اللہ شریف کی تعظیم و تکریم کی جیسے پہلے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم ہوتا تھا ایسے ہی اُن پر ہوا ۔ خدا کرے اُن کی آنے والی نسل پر بھی ایسے ہی لطف و کرم ہو ۔ اگر یہ حضرات کبھی غصہ اور رنج کا اظہار فرماتے ہیں تو وہ رعایا کی تادیب و تنبیہ کے لئے ہوتا ہے جو درحقیقت وہ بھی ایک قسم کا لطف و کرم ہے ۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

① ز ظلمت مترس ای پسندیدہ دوست
کہ ممکن بود کآبِ حیوان دروست

② دل از بے مرادی بفکرت مسوز
شب آبستن است اے برادر بروز

ترجمہ: ① اے محبوب دوست اندھیرے سے نہ ڈر کہ ممکن ہے کہ آبحیات اس میں ہو ۔

② دل کو بے مرادی کی وجہ سے فکر سے نہ جلا کیونکہ شب حاملہ ہوتی ہے تو دن روشن جنتی ہے ۔

خُلاصۃُ التفسیر آیات میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اپنی قوم سے چند بندے اختیار فرمائیں اس میں اشارہ ہے کہ جس کا اللہ تعالیٰ امتحان لینا چاہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بندہ ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ ہرگز نہیں ہو سکتا جسے مخلوق پسند کرے اس لئے کہ حقیقی مختار اللہ ہے ۔ کما قال تعالیٰ

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ اور مخلوق کو حقیقی اختیار نہیں چنانچہ فرمایا مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ پھر اُن پسندیدہ لوگوں میں سے انہیں نکالا گیا جو زلزلہ صعقہ ۔ ہلاکت کے مستحق ہوئے یعنی کھلم کھلا اللہ تعالیٰ کی زیارت کا سوال کرنے والے اور وہ بارگاہِ حق کی بے ادبی اور گستاخی بھی ۔ چونکہ وہ بے ادبی ان میں پوشیدہ تھی اس لئے موسیٰ علیہ السلام کو محسوس نہ ہوئی اور اللہ تعالیٰ تمام مخفی بھیدوں کو جانتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اُن کے ظاہری صلاحیت کے مطابق فرمایا لیکن اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو واضح کر دیا کہ جسے میں چنتا ہوں وہ تیرے جیسے ہوتے ہیں ۔ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحٰى اور جنہیں تم چنتے ہو وہ عام قوم کی طرح ہوگا اس سے موسیٰ علیہ السلام کو یقین ہوگیا کہ اصلی مختار ہے جسے اللہ تعالیٰ چُنے اس لئے آپ نے اپنی قوم کے متعلق فرمایا کہ وہ عقل سے بے بہرہ ہیں اور خود بارگاہ حق میں انکسار سے توبہ و استغفار و اعتذار کر کے رحم و کرم کی درخواست پیش کر دی ۔ چنانچہ اُن کے عجز و دُعا وغیرہ کا بیان قرآن مجید میں یوں ہے قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ؕ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ

تفسیر صوفیانہ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے دل میں نارِ شوق پوشیدہ طور بھڑک رہی تھی لیکن جونہی کلام الٰہی سُنا تو اندر میں وہ بھڑکنے والی آگ کھل کر باہر آگئی اس کی وجہ یہی ہے کہ جونہی کلام کا مسالہ قلب کے پتھر سے رگڑا گیا تو اس نارِ شوق کے انگارے ظاہر ہونے لگے پھر اس سچی زبان کی دیا ئی سلائی سے شعلہ بھڑکا اور سوال کا تھا چنانچہ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ایسے نارِ شوق قوم کے قلوب کے پتھروں میں موجزن تھی لیکن پوشیدہ پھر کلام الٰہی کو سُننے کے بعد بھڑک اُٹھی اور اُن کی دیا سلائی سے شعلے نکلے چونکہ وہ زبان نبوت نہ تھی اس لئے اس سے سوال کا دھواں اُٹھا جو زلزلہ و صعقہ کا موجب بن گیا اس میں راز نہانی یہی تھا کہ موسیٰ علیہ السلام اور دیگر لوگوں کو معلوم ہوا کہ بندوں کے دل نارِ محبت کی امانت کے لئے مخصوص ہیں موسیٰ علیہ السلام کو بھی خیال نہ گذرے کہ وہ اس راز سے مخصوص ہیں تاکہ وہ دوسروں سے معذرت کریں بلکہ یہ عام ہے کہ جو بھی کلام الٰہی سے محظوظ ہوتا ہے تو اس پر دیدار الٰہی کا غلبہ و شوق طاری ہوجاتا ہے اس لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا ”ہر بنی آدم کا دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں (قدرت) کے درمیان ہے چاہے تو اس کے دل کو مضبوط کرے چاہے اسے ٹیڑھا بنا دے اس میں صفت جمال و جلال کی طرف اشارہ ہے لیکن یاد رہے کہ اس کرامت کا حقدار انسان کے سوا اور کوئی نہیں یعنی قلب کا اللہ تعالیٰ کی زیر نگرانی ہونا ۔

فائدہ دل کو سیدھا اور ٹیڑھا رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اسے صفات جمال کا شیشہ بنا دیا جاتا ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ کے لُطف و رحمت سے اس پر شوق و محبت کا غلبہ رہتا ہے اور یہ بھی کہ قلب کو صفات جلال کا آئینہ دار بنایا جاتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب کی وجہ سے شہوت اور حرص علی الدنیا کا غلبہ رہتا ہے ۔

نکتہ چونکہ موسیٰ علیہ السلام کا قلب اصطفاءِ رسالت سے مخصوص ہو چکا تھا اور قوم اس دولت سے محروم

تھی اس لئے آپ نے شعلہ نارِ محبت کی رؤیت کے لئے ادب کو ملحوظ رکھا جیسا کہ اُن کے قرب کا تقاضہ ہے چنانچہ عرض کی رَبِّ اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡكَ اس میں ربوبیت کی عزت کو مقدم کرکے اپنی عبودیت کی عاجزی کا اظہار کیا اور قوم کا سوال غفلت اور لاپرواہی کے رنگ میں تھا اور ایسی نارِ شوق کی بے ادبی اور گستاخی سے اُن نقصان پہنچا (چنانچہ انہیں پہنچا) اُن کے سوال میں گستاخی و بے ادبی کا پہلو دیکھئے انہوں نے کہا لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهۡرَةً انہوں نے انکار اور ہٹ دھرمی کو مقدم کرکے پھر رویت کا سوال جہرۃً سے مشروط کیا اس لئے انہیں صعقہ نے گھیر لیا۔

صعقہ موسیٰ وصعقہ قوم کا فرق موسیٰ علیہ السلام کے صعقہ اور قوم کے صعقہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام کو بے ہوش کیا گیا صفت ربوبیت کی تجلی سے اور وہ بھی لطف و کرم کے ساتھ اور قوم کو بے ہوش کیا گیا اپنی صفت عزۃ و عظمۃ ظاہر کرکے اور قہر و غضب کا مورد بنا کر۔

نکتہ چونکہ موسیٰ علیہ السلام مقام توحید میں ثابت قدم تھے اس لئے وہ نورِ وحدت سے دیکھتے تھے بنا بریں وہ تمام اشیاء کو منجانب اللہ دیکھا کرتے تھے اس لئے آپ کو قوم کی صفات کا علم ہوگیا کہ اُن کے ساتھ جو کچھ ہونے والا ہے یہ اُن پر آزمائش ہے اور انہیں قہر و غضب کا مورد بنایا جائے گا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مکالمات کے پیالوں سے گھونٹ نوش کئے تو مناجات کی مستی سے مدہوش ہو گئے تو انبساط کے بستر پر گر کر کہنے لگے اِنۡ هِىَ اِلَّا فِتۡنَتُكَ تضل من تشاءُ یہ آزمائش ہے تو جس کے قلب کو صفت قہر کی انگلی سے ٹیڑھا کرنا چاہتا ہے تو تو گمراہ کرتا ہے اور صفت لطف و کرم کی انگلی سے جس قلب کو تو سیدھا کرتا ہے تو تو اسے ہدایت دیتا ہے اَنۡتَ وَلِيُّنَا تو ہی ہمارے جملہ اُمور کا کفیل اور ہماری ہدایت کا حامی و ناصر ہے فَاغۡفِرۡ لَنَا ہم سے جتنی خطائیں سرزد ہوئیں سب کی سب بخش دے وَارۡحَمۡنَا اور ہم نے رویت کی نعمت کا سوال کیا ہے وہ بھی عطا فرما وَاَنۡتَ خَيۡرُ الۡغٰفِرِيۡنَ ۝ اور تو خطا پوشی میں سب سے بہتر ہے یعنی وہ اگرچہ دوسروں کے گناہوں پر پردہ ڈالتے ہیں لیکن اُن کے مقاصد حل نہیں کرتے اور تو وہ کریم ہے کہ اُن کے گناہوں پر نہ صرف پردہ ڈالتا ہے بلکہ اُن کی غلطیوں کو نیکیوں سے تبدیل کر دیتا ہے اور ساتھ ہی اُن کے مقاصد و مطالب بھی حل فرماتا ہے۔

وَاكۡتُبۡ لَنَا فِىۡ هٰذِهِ الدُّنۡيَا حَسَنَةً" یعنی ہمارے لئے دنیا میں حسنہ لکھ۔ یعنی دنیا میں ہمیں دولت دیدار سے نوازیئے جیسے اپنے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کی امت کے خواص کو دنیا میں دولتِ دیدار سے نوازتا ہے اور ہمیں آخرت میں بھی سرفرازی کا موقعہ عطا فرما۔ اِنَّا هُدۡنَاۤ اِلَيۡكَ ہم نے اسی فضیلت کی طلب میں تیرے ہاں پوشیدہ طور رجوع کیا اور تو ہر پوشیدہ سے پوشیدہ تر امر کو جانتا ہے انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے پوشیدہ امر کا جواب پوشیدہ طور عنایت فرمایا گویا راز مخفی سے انہیں اس لئے نوازا کہ انہوں نے مخفی طور معروض پیش کیا۔ چنانچہ فرمایا عَذَابِىۤ اُصِيۡبُ بِهٖ مَنۡ اَشَآءُ ۚ یعنی قہری صفت سے جسے چاہتا ہوں پکڑتا ہوں۔

فائدہ ایک قرأت میں مَنْ اَشَآءُ کے بجائے مَنْ اَسَاءَ یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں عذاب میں اُسے مبتلا کروں گا جو میرے دیدار کی طلب میں لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً کہہ کر بے ادبی اور گستاخی کرتا ہے تو میں بھی انہیں محض تادیباً تنبیہاً عذاب فرقت وجدائی میں مبتلا کر دیتا ہوں وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ اور میری رحمت ہر شئے کو محیط ہے اور بطور نعمت اور ایجاد وتربیت کے فَسَاَكْتُبُهَا پس عنقریب میں وہی حسنہ یعنی دیدار اور وہ رحمت کہ جس کا تم مطالبہ کرتے ہو لکھوں گا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ ان لوگوں کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی مہربانی کی مدد سے اُس کے غیر سے بچتے اور اسی مقام کے نصاب سے زکوٰۃ ادا کرتے ہوں اور یہ زکوٰۃ ان لوگوں کو دی جاتی ہے جو اسی مقام کے طالب وسالک ہیں وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ یعنی وہ لوگ شواہد آیات کے انوار سے تحقیقاً ایمان لاتے ہیں نہ تقلیداً۔ اُن اُمت کے خواص اولیاء کرام مراد ہیں چنانچہ اُن کے احوال واعمال کی تصریح فرمائی کہ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ اس میں اشارہ ہے کہ آپ کی اُمت میں بھی چند ایسے اشخاص ہیں جنہیں ان تینوں مقامات[1] کے حصول کی استعداد ہے وہ تین مقام یہ ہیں۔

شان لولاک کا عجیب وغریب بیان

① مقامات رسالت

② مقامات نبوت۔ یہ وہ مقامات ہیں جن میں آپ کے ساتھ دوسرے انبیاء علیہم السلام بھی شریک ہیں۔

③ مقامِ اُمّی یہ مقام صرف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخصوص ہے کسی نبی رسول کو یہ مرتبہ ملا اور نہ ہی کسی دوسرے کے لئے امکان ہے۔

نے فرمایا اوّل ما خلق اللہ روحی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے روح مبارک کو پیدا فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے حکایتہً فرمایا کہ لولاک لَمَا خَلَقْتُ الْخَلْقَ اگر آپ نہ ہوتے تو میں دوسری مخلوق کو پیدا نہ کرتا چونکہ آپ جمیع کائنات اور مخلوقات کا مبدا اور اصل ہیں اس لئے آپ کا لقب شریف اُمی ہے جیسے مکہ معظمہ کو اُم القریٰ کہا جاتا ہے وہ اس لئے کہ وہ تمام بلاد وقری وغیرہ کا مبدا اور اصل ہے اسی طرح قرآن مجید کو اُم الکتاب سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ بھی اس لئے کہ وہ یعنی قرآن مجید کتب سماویہ کا مبدا اور اصل ہے۔

معنٰے اتباع کا اعجوبہ رسول ونبی کی حیثیت سے اتباع کا معنٰے تو ظاہر ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمایا کہ وَمَا اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا کہ سالک پر لازم ہے کہ جملہ احکام کی پابندی کرے اور آپ کے منہیات سے بچے اس لئے کہ رسالت کو احکام ظاہری سے تعلق ہے اور نبوت اُمّی یعنی حضور علیہ السلام اُم الموجودات والکائنات ہیں چنانچہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

[1] مقامات کی استعداد مُراد ہے نہ کہ عین نبوت جیسا کہ مرزائیوں کا عقیدہ ہے حصول مقامات اور ہے اور نبوت شے دیگر۔ فافہم وَلَاتَکُنْ مِنَ الْجَاهِلِیْنَ ۱۲ اُویسی غفرلہٗ

کو احکام باطنی سے عوام کو خواص سے انتفاع عن الرسالہ میں اشتراک ہے لیکن خواص نبوت سے انتفاع کی وجہ سے مخصوص ہیں کہ نبوت کے انتفاع میں عوام کو اُن سے کسی قسم کا اشتراک نہیں جو شخص انتفاع رسالت میں کامل فی الاتباع ہوتا ہے تو اُسے نبوت کے انتفاع یعنی باطنی اُمور سے اُس کا دروازہ کھولا جاتا ہے پھر اُسے خصوصیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہامات و انکشافات سے نوازا جاتا ہے اور اُسے سچے خواب نصیب ہوتے ہیں اور گاہے ہاتف غیبی بھی اس سے ہمکلام ہوا کرتے ہیں بعض ایسے خوش نصیب بھی ہوتے ہیں کہ انہیں ان امور کی ترقی پر مکالمات و مکاشفات کی دولت نصیب ہوتی ہے اس مرتبہ دعوۃ الخلق الی الحق پر اسے مامور کیا جاتا ہے لیکن باتباع الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ باستقلال چنانچہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علمآ امتی کا انبیآ بنی اسرائیل۔

نکتہ یہی راز ہے کہ سابقہ اُمم میں کا صاحب کوئی اس مرتبہ پر پہنچا تو اُسے مستقل نبی بنایا جاتا بخلاف ہمارے نبی پاک کی اُمت کے کہ وہ نبی تو نہیں بن سکتے اس لئے کہ حضور علیہ السلام پر نبوت ختم۔ البتہ انہیں نبوت کے مقامات و کمالات و کرامت سے نوازا جاتا ہے اس لئے کہ شرعی اصطلاح میں نبی وہی ہوتا ہے جو اپنے سابق رسول کی کتاب اور اس کے احکام کے مطابق حکم الٰہی کے اجرآ کا مامور ہوتا ہو۔ اسی طرح ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے متعلق بھی ہے کما قال تعالیٰ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ آئمه يَهْدُوْن بامرنا (الآیۃ)

اتباع اسم اُمّی کا عجیب کرشمہ اسم اُمّی کی اتباع صرف اخص الخواص اولیاء کرام کو نصیب ہوتی ہے وہ اس طریق سے کہ حضور علیہ السلام نے مقام بشریت سے مقام روحانیت اُولیٰ کی طرف رجوع فرمایا پھر جذبات وحی سے آپ نے مقام توحید میں نزول اجلال فرمایا پھر انوار ہویت نے آپ کی انانیت کو محو فرما کر مقامِ احدت میں پہنچا دیا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ اور فرمایا ثم دنیٰ فتدلیٰ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى۔ فقاب قوسین اَوْ اَدْنٰی سے مقام توحید اور اَوْ اَدْنٰی سے مقام وحدت مراد ہے۔ غور کرو گے تو تمہیں یہ مقام جلد تر سمجھ میں آئے گا۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

جو شخص حضور علیہ السلام کی اتباع میں کامل ہوتا ہے تو وہ بھی مقام بشریت سے مقام روحانیت کی طرف رجوع کرتا ہے پھر اسے جذبات (بوجہ اتباع) سے مقام توحید میں منزل نصیب ہوتی ہے وہاں سے انوار متابعت نبویہ کی برکت سے انانیت کو محو کر کے مقام وحدت تک پہنچ جاتا ہے اس طریق سے وہ بندہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمیت سے حظ وافر حاصل کرتا ہے۔ اَلَّذِيْنَ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ یعنی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر مبارک بنی اسرائیل کی کتابوں میں مندرج تھا ورنہ درحقیقت آپ تو مصدق میں نہایت درجہ سے مستور و مکنون تھے يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ یہاں پر اُن کی نیکی سے طلب حق اور اُس کی طرف پہنچنا مراد ہے۔ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ اور المنکر سے طلب ماسوا اور اس سے انقطاع مراد ہے۔ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ سے قربات الی اللہ مراد ہیں یا طیب سے اللہ تعالیٰ کی ذات

مطلوب ہے اور وَیُحَرِّمُ عَلَیْھِمُ الْخَبٰٓئِثَ الخبائث سے دنیا اور وہ امور مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ سے دُور کرنے والے ہوں مراد ہیں ۔ وَیَضَعُ عَنْھُمْ اِصْرَھُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْھِمْ الاصر سے وہ عہد مراد ہے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اُس کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ کیا کہ مقام اُمّیۃ اور مقام حبیبیۃ تک صرف آپ کی اُمّت ہی پہنچ سکے گی اور بس یا وہ لوگ جو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے حقدار ہوں گے بوجہ آپ کی تابعداری کے ۔ کما قال تعالیٰ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ (الآیہ)

اور حضور علیہ السلام نے فرمایا میری شفاعت کے تمام لوگ محتاج ہیں یہانتک کہ ؎

ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی (صلی اللہ علیہ وسلم)

یہ عہد اُن کے لئے نہایت سخت اور بمنزلہ لوہے کے گلے کے طوق کے تھا جو انہیں مقام اُمّیۃ اور حبیبتہ تک پہنچنے سے روکتا تھا۔ حضور علیہ السلام نے تشریف لاتے ہی اُن سے وہ بوجھ ہلکا کیا اور دعوت متابعت دے کر اُن سے وہی طوق اُن کی گردن سے ہٹایا۔ اس معنے کو فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِہٖ وَعَزَّرُوْہُ وَنَصَرُوْہُ مؤکد کرتا ہے وَعَزَّرُوْہُ بمعنے وَقَّرُوْا ہے یعنی ان لوگوں نے حضور نبی علیہ السلام کو اس مقام سے مخصوص سمجھ کر تعظیم وتحریم کی۔

وَنَصَرُوْہُ اور انہوں نے آپ کی تابعداری کر کے آپ کی مدد کی۔ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَہٗٓ یعنی جب حضور علیہ السلام کو انوار ہویت نے انانیت سے محو کیا تو انہوں نے نُورِ وحدت سے استفادہ کا موقعہ نصیب ہوا یہاں تک کہ اُس کے بعد اُن کی انانیت مٹ کر رہ گئی اور صرف باقی نُور ہی نور رہ گیا۔

پھر جب آپ کو مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا تو آپ کے ساتھ نُورِ وحدت بھی آتارا گیا۔ کما قال تعالیٰ قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ یعنی تمہارے اللہ تعالیٰ کی طرف نور یعنی حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لائے وَکِتٰبٌ مُّبِیْنٌ اور آپ کے ساتھ قرآن مجید بھی۔ حضور علیہ السلام کی متابعت کا مخلوق کو اس لئے حکم ہوا کہ وہ آپ کی تابعداری کی برکت سے نُورِ وحدت سے مشرف ہو کر سعادتِ کبریٰ ونعمت عظمیٰ سے نوازے جائیں۔ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وہی جو ب انانیت میں نُورِ وحدت سے فائز المرام ہیں (کذا فی التاویلات النجمیہ)

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ۨالَّذِىْ

تم فرماؤ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں کہ آسمانوں اور

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْىٖ

زمین کی بادشاہی اسی کو ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں جلائے

وَيُمِيْتُ ۖ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِىِّ الْاُمِّىِّ الَّذِىْ

اور مارے تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول بے پڑھے غیب بتانے والے پر

يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ ⑱

کہ اللہ اور اس کی باتوں پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی غلامی کرو کہ تم راہ پاؤ

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ

اور موسیٰؑ کی قوم سے ایک گروہ ہے کہ حق کی راہ بتاتا اور اسی سے

يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَىْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ۭ

انصاف کرتا اور ہم نے انہیں بانٹ دیا بارہ قبیلے گروہ گروہ

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ

اور ہم نے وحی بھیجی موسیٰؑ کو جب اس سے اس کی قوم نے پانی مانگا کہ اس پتھر پر

بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۭ

اپنا عصا مارو تو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے

قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ

ہر گروہ نے اپنا گھاٹ پہچان لیا اور ہم نے ان پر ابر سائبان کیا اور ان پر من و سلویٰ اتارا

وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا

کھاؤ ہماری دی ہوئی پاک

رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

چیزیں اور انہوں نے ہمارا کچھ نقصان نہ کیا لیکن اپنی ہی جانوں کا برا کرتے ہیں

وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ

اور یاد کرو جب ان سے فرمایا گیا اس شہر میں بسو اور اس میں جو چاہو

شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ

کھاؤ اور کہو گناہ اترے اور دروازے میں سجدہ کرتے داخل ہو ہم تمہارے گناہ بخش دینگے

خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ؕ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

عنقریب نیکوں کو زیادہ عطا فرمائیں گے تو ان میں کے ظالموں نے بات بدل دی

مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا

اس کے خلاف جس کا انہیں حکم تھا تو ہم نے ان پر آسمان سے عذاب

مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ ع

بھیجا بدلہ ان کے ظلم کا۔

تفسیر عالمانہ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا تم فرماؤ اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بن کر تشریف لایا ہوں یہ خطاب عام ہے اس لئے کہ آپ اپنے ہم عصر جن وانسان اِلٰی یوم القیٰمۃ تمام کے لئے رسول بن کر تشریف لائے ہیں بخلاف دوسرے انبیاء علیہم السلام کے کہ وہ صرف اپنے ہم زمان کی طرف مبعوث ہوئے اور اُن کے وصال کے بعد اُن کی شریعت کا اجرا دائمی نہ ہوتا اِلَیْکُمْ رَسُوْل کے متعلق ہے اور جمیعًا اِلَیْکُمْ کی ضمیر سے حال ہے۔

فائدہ حدادی نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اے لوگو میں تم سب کا پیغمبر ہوں تمہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اُس کی توحید کی دعوت دیتا ہوں تاکہ تم اس پر عمل کر کے اپنے آقا سے ملو۔

مسئلہ آکام المرجان میں ہے کہ تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انسانوں اور جنوں اور عرب وعجم کے رسول ہیں۔

سوال اس میں حضور علیہ السلام کی کیا خصوصیت ہے حضرت سلیمان علیہ السلام انسانوں کے علاوہ جنات کے بھی نبی تھے بلکہ اُن پر اُن کی حکومت بھی تھی بلکہ حیوانات بھی آپ کے تابع تھے؟

جواب حضرت سلیمان علیہ السلام جنات وحیوانات کی طرف رسول بنا کر نہیں بھیجے گئے بلکہ آپ کی اُن پر صرف حکومت وسلطنت تھی۔ آپ اُن سے خدمات لیتے تھے لیکن انہیں دینی دعوت کے مامور نہیں تھے۔ اس لئے کہ

جنات کے علاوہ بڑے بڑے شیاطین وعفاریت آپ کی خدمت کرتے اور آپ کے حکم کے پابند تھے لیکن کفر پہ رہے اور سرکشی و طغیان سے سرِ مُو نہ ہٹے۔ کذا حققہ والبی الاسکوبی۔

اعجوبہ ۱ لغۃً الناس میں جنات بھی شامل ہیں اس لئے کہ الناس ناس ینوس سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ تحرک۔

اعجوبہ ۲ جوہری اور صاحب قاموس فرماتے ہیں کہ الناس انس وجن ہر دونوں کے لئے مستعمل ہوتا ہے اس کے لئے یہ انس کی جمع ہے الناس دراصل اناس تھا ایسی جمع نادرًا واقع ہوتی ہے کہ اس پر الف داخل ہو تو اس کا اصلی حرف گر جائے گا۔

الَّذِیْ منصوب یا مرفوع علی المدح ہے پہلی ترکیب پر اعنی محذوف ہوگا دوسری پر ہو لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج وہ اللہ کہ آسمان وزمین کی بادشاہی اسی کی ہے اور ان ہر دونوں کا تصرف اسی کے قبضہ قدرت میں ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اس کے سوا کوئی معبود نہیں یعنی اس کے سوا اور کوئی ایسا نہیں جو عبادت کا مستحق ہو۔ یہ جملہ الذی صلہ سے بدل اور اس کے اجمال کو بیان کرنے کے لئے واقع ہوا ہے اس لئے کہ جو تمام عوالم کا مالک ہے تو عبادت بھی صرف اُس کی ہونی لازم ہے اور الوہیت کی مستحق بھی وہ ذات ہو جو اپنی ایسی ملکیت میں منفرد ہو کہ اس کے ساتھ اور کسی کی مشارکت نہ ہو۔

تقریر صوفیانہ ھو ضمیر اسم ہے جو اللہ تعالیٰ کے خصوصی اسمائے سے ہے اس میں غیبوتہ کا معنےٰ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے مخصوص ہے اس لئے کہ وہ ایسی ذات ہے کہ وہاں عقول کی رسائی محال اور اوہام کا ادراک ممتنع ہے اور یہ حضرت غیب الثانیہ کا اسم ہے اور یہی ذات کے تعینات کا پہلا اسم ہے جسے برزخ سے تعبیر کیا جاتا ہے یہی برزخ حکم ظاہر و باطن کا جامع ہے اگر اسمیں واؤ کو چھپایا جائے حضرت غیب الغیب کا اسم ہوگا۔ یہی حضرات ذات کے حضرت اولیٰ کا نام ہے یہی فاتحہ الاسمأ اور اُن کی اُم الکتاب ہے اس کا وہی مرتبہ ہے جو حروف میں الف (کذا فی ترویح القلوب لعبد الرحمٰن بسطامی قدس سرہٗ)

فائدہ صوفیانہ مقربان درگاہِ حق چونکہ ماسوی اللہ کو جانتے نہیں اس لئے جب (ھُو) کا لفظ بولتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف اشارہ کرتے ہیں خواہ پہلے اس کا ذکر خیر ہوا ہو یا نہ اس کی مزید تحقیق سورۂ اخلاص کے حواشی ابن الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ میں دیکھئے۔

یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وہ جلاتا اور مارتا ہے یہ الوہیت کی تقریر کے لئے ہے اس لئے کہ احیأ و اماتت پر وہی قدرت رکھتا ہے جس کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق نہ ہو۔

فائدہ حدادی نے فرمایا کہ مخلوق کو نطفہ سے پیدا کرتا ہے میعادِ زندگی ختم ہونے پر انہیں مارتا ہے اور سوائے اللہ تعالیٰ کے اُس پر کوئی قادر نہیں۔ لبعض نے اس کے برعکس معنےٰ کیا ہے وہ یہ کہ مردوں کو قیامت میں زندہ کر کے اٹھائیگا اور زندوں کو دنیا میں موت دیتا ہے۔

فَاٰمِنُوْا بِاللہِ وَرَسُوْلِہٖ پس اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ۔

یہ فا تمہید و تقریر رسالت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تفریع کے لئے ہے ۔ **اَلنَّبِیَّ الْاُمِّیَّ** وہ رسول جو نبی اُمّیؔ کے لقب سے ملقب ہیں ۔

لفظ الامی میں بھی نبی علیہ السلام کی مدح ہے اس لئے لغت میں امیؔ وہ ہے جو لکھنا جانتا ہو اور نہ پڑھنا۔ لیکن حضور علیہ السلام کو بایں معنے ماننے کہ وہ کتابوں کے علوم اور زمانۂ ماضی کے تمام حالات جانتے ہیں اس اعتبار سے کہ آپ کے علم کا سرچشمہ وحی ربانی ہے۔

اَلَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَکَلِمٰتِہٖ وہ نبی علیہ السلام جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے وہ کلمات جو اُن پر نازل ہوئے اُن پر ایمان لاتے ہیں ۔

فائدہ کلمات سے وہ اُمور مراد ہیں جو آپ کو بذریعہ وحی انبیاؑ علیہم السلام کے واقعات اور اُن کی کتب کے حالات اور وحی وغیرہ معلوم ہیں اور آپ کو اس وصف سے اس لئے موصوف کیا گیا ہے تاکہ اہل کتاب کو آپ کے احکام قبول کرنے میں تامل نہ ہو۔

فائدہ اللہ تعالیٰ پر ایمان کی تصریح اس لئے ہے کہ ذات حق کا ایمان ہر حال میں ضروری ہے اگرچہ کلمات پر ایمان لانے میں ایمان باللہ بھی آجاتا ہے ۔

وَاتَّبِعُوْہُ اور حضور علیہ السلام کے ہر حکم کی تابعداری کرو۔ یعنی اُن کے تمام اوامر و نواہی کی اتباع لازمی ہے **لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ** تاکہ تم ہدایت پاجاؤ۔ یہ دونوں فصلوں کی علت یا ان کے فاعلوں سے حال ہے اگر علت ہو تو معنےٰ ہوگا کہ تم امور بالا مذکورہ پر عمل کرنے کے بعد اُمید کرو کہ تمہیں اپنے مطلوب تک رسائی نصیب ہوگی اگر حال ہو تو معنےٰ یوں ہوگا کہ اُمور مذکورہ بالا پر عمل کرنے والوں کا حال یہ ہے کہ وہ ہدایت کی اُمید رکھنے والے ہیں ۔

مسئلہ ایمان کو اتباع سے معلق کرنے میں اشارہ ہے کہ ایمان کے ساتھ اتباع ضروری ہے اگر کوئی شخص ایمان لاکر اتباع نبوی سے گریز کرتا ہے تو سمجھو کہ وہ ابھی گمراہ ہے ۔

مسئلہ صوفیانہ راہ حق ہر طرف سے مسدود ہیں۔ کسی پر اُن کے کھولنے کی اجازت نہیں۔ سوائے اس کے جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرے کہ متبع رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے راہِ حق ہر طرف سے کھُلے ہیں۔

حضرت ابنِ عربی قدس سرہٗ صاحب فتوحاتِ مکیہ کی پیاری تقریر

الشیخُ العارف الواصل الکامل سیدنا محی الدین بن العربی قدس سرہٗ نے سنت اور سُنّی کو بیان فرماتے ہوئے لکھا کہ شرعی نقطہ نگاہ سے انسان تین قسم ہوتے ہیں ۔

① محض باطنی وہ یہ کہ صرف تجرید توحید کے قائل ہو حالانکہ قولاً و فعلاً یہ عقیدہ احکام شرعیہ کی تعطیل بلکہ اُن کے بالکل برعکس کا عادی بنا دیتا ہے یہ بھی مذموم ہے اس لئے کہ شرعی قواعد میں سے کسی قاعدے یا حضور علیہ السلام کی سنت کے خلاف کیا جائے تو وہ قابل مذمت ہے خواہ یہ خلاف کھانے پینے میں ہو یا جماع

وغیرہ میں یا حلالت کے کسی ایک معاملہ میں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسی مذموم حرکات سے بچائے۔

② محض ظاہری ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے جسم ثابت کرے یا اُسے مخلوق سے کسی شئے سے تشبیہ دے (العوذ باللہ منہا)۔ جیسے فرقہ مجسمہ و مشبہہ کے عقائد ہیں یا کسی خاص فقیہ کا مقلد ہے اور فقیہ سے وہ مراد ہے جو علوم احکام میں ایسا منہمک ہو کہ اُس کا قلب حُبِ دنیا کی وجہ سے ملکوت سے محجوب ہو۔ اس کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے مذہب کو اس خوف سے ترک کرنے کو تیار نہیں کہ وہ دوسرے فقیہ کا مقلد کیوں ہو جبکہ اُس کے اس مذہب کے خلاف حضور علیہ السلام کی ہزاروں احادیث سنائی جائیں لیکن وہ ایسی احادیث سننے تک گوارا نہیں کرتا بلکہ وہ اپنی ان مرویہ روایات پر بھی بدگمانی کرتا ہے کہ اُن کے راویوں کا اعتبار نہیں کرتا خواہ وہ کتنا ثقہ ہوں یا تابعین یا ائمہ مجتہدین ہوں صرف اس خیال پر کہ اگر یہ روایات قابل قبول ہوتیں تو اُس کے مذہب کے پیشوا کی کتابوں میں درج ہوتیں (جیسے غیر مقلدین اور دیوبندیوں وہابیوں کا وطیرہ ہے) یہ طریقہ بھی خالی از مذمت نہیں ہم اللہ تعالیٰ سے ایسے طریقہ سے پناہ مانگتے ہیں۔

④ شریعت کے احکام کا پابند ہے جیسے اسے شرع کا حکم ہے ویسے ہی عمل کرتا ہے۔ کسی حکم کا ایسے پابند کیا جاتا ہے تو وہ پابند ہو جاتا ہے جہاں سے اسے شریعت روکتی ہے رُک جاتا ہے اپنی طرف سے اس کی کوئی رائے نہیں جیسے کتب احادیث سے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ پر چلتا ہے ایسے شخص کے طریقہ کو سنت اور اُسے (حقیقی) سُنی کہیں گے[۱] اور یہی اللہ تعالیٰ کی سچی محبت کا دم بھر سکتا ہے۔

حضرت ابن العربی قدس سرہ کی شریعت کی پابندی کی عجیب و غریب داستان

حضرت ابن العربی قدس نے فرمایا کہ میں نے حضور علیہ السلام کے ارشاد گرامی اور آپ کی ہر قول و فعل سنت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ صرف ایک سنت میرے بس کے باہر ہے وہ یہ کہ آپ نے اپنی صاحبزادی کا نکاح حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے کیا اور بلا تکلف آپ کے ہاں تشریف لے جاتے لیکن افسوس کہ نہ میری لڑکی ہے اور نہ میں ایسے کر سکا۔

حکایت (سنت کا مخالف کبھی ولی نہیں ہو سکتا)

سلطان العارفین سیدنا ابو یزید بسطامی قدس سرہ السامی نے ایک دن اپنے مریدوں سے فرمایا "میں نے فلاں شخص کے متعلق سُنا ہے کہ وہ ولایت کا مُدعی ہے آج میں اس سے ملاقات کے لئے جاتا ہوں آپ چند ساتھیوں کو لے کر اس کے ہاں پہنچے تو اُسے دیکھا کہ وہ مسجد کی طرف جا رہا ہے لیکن جب اُس نے تھوکا تو قبلہ کی طرف تھوک پھینکی حضرت سلطان العارفین سیدنا بایزید قدس سرہ اسے سلام اور مصافحہ کئے بغیر واپس لوٹے اور فرمایا جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت پاک کی مستحبات سے بے خبر ہے وہ ولایت

---

[۱] اس سے ہمارے دور کے سُنی اور حضرت ابن العربی کے نام لیوا غور کریں کہ یہ بدعملی میں یکتا ہونے کے باوجود پھر بھی مدعی ہیں کہ ہم سُنی ہیں۔ ہاں یہ زبانی کلامی۔ رسمی سُنی تو ہیں حقیقی سنی نہیں۔ ۱۲ اُویسی غفرلہٗ

صدیقیت کے کمالات کا مدعی کیسے ہے یعنی جو شریعت کے مستحباب کا عامل نہیں وہ ولی کامل کا ہے کا۔ (لیکن آج کل کے مدّعیانِ ولایت تو فرائض تک ہضم کر جاتے ہیں تب بھی ولی ہیں)۔

امام احمد بن حنبل کو امامت کیسے ملی سیدنا امام احمد بن حنبل قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔ میرے چند ساتھی ننگے ہو کر غسل کر رہے تھے میں نے حدیث پاک کے پیش نظر (جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے اور آخرت کو مانتا ہے تو اُسے چاہیئے کہ وہ حمام میں بھی کپڑا باندھ کر غسل کرے) میں نے کپڑا باندھ کر غسل کیا۔ رات کو مجھے کسی نے کہا مبارک ہو اے احمد! اللہ تعالیٰ نے سنت پاک پر عمل کرنے سے برکت سے تمہیں بخش دیا اور مخلوق کا تمہیں امام بنا دیا گیا۔ آج کے بعد اللہ تعالیٰ کے بندے تمہاری اقتدا کیا کریں گے میں نے عرض کی آپ کون ہیں انہوں نے فرمایا جبریل علیہ السلام ہوں۔

حجر اسود اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت عابس بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو حجر اسود کو مخاطب کر کے کہتے سُنا کہ اے حجر اسود مجھے معلوم ہے کہ تو ایک پتھر ہے تجھ میں کسی قسم کا نفع یا نقصان دینے کی طاقت نہیں لیکن اگر میں اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تجھے چومتے نہ دیکھتا تو تجھے ہرگز نہ چومتا۔[1]

نکتہ کتے کے گلے میں رسہ ڈالا جائے تو وہ کتا تابع فرمان چلتا ہے اسی طرح نفس کو حال ہے کہ اُسے بے لگام چھوڑا جائے تو آوارہ ہو جاتا ہے[2]۔ اگر اس کے گلے میں شریعت کا رسہ ڈالا جائے تو تابع ہو کر چلتا ہے سالک پر لازم ہے کہ وہ اپنے نفس کو قابو رکھے۔ ے

سگ اصحاب کہف روزے چند
پے مردم گرفت و مردم شد

ترجمہ: اصحاب کہف کے کتے نے چند روز نیکوں کے قدم پکڑے تو وہ بہشت میں جائے گا تو آدمی کا بھیس بدل کر

فائدہ اگر تم کسی کے تابع فرمان ہو کر زندگی بسر کرنا چاہتے ہو تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تابعداری اختیار کرو کہ قیامت میں آدم علیہ السلام سے عیسیٰ علیہ السلام تک تمام حضرات انبیاء کرام علیہم السلام آپ

---

[1] یہ روایت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی اتباعِ سنت کے کمال کی دلیل بنا کر لائی گئی ہے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں یا مرغوب چیزوں میں نفع و نقصان کی تاثیر نہیں۔ اسی روایت کے آخر میں ہے کہ حضرت علی نے فرمایا کہ حجر اسود نفع و نقصان دیتا ہے (اُویسی غفرلہٗ) اس بحث کی تفصیل یوں ہے کہ کسی چیز کا تاثیر کا مالک ہونا اور ہے اور مؤثر ہونا اور ہے۔ مالک تو ہر چیز اور اس کے اثرات کا اللہ تعالیٰ ہی ہے اور مؤثر ہونا باذن اللہ وہی شے ہوتی ہے۔ اس کی بحث و تحقیق فقیر کی کتاب التحر یسجد فی الحجر الاسود میں دیکھئے۔ (اویسی غفرلہٗ)

[2] اور یہ ناممکن ہے کہ وہ کتا زہریلا گوشت کھا کر باؤلہ ہو جائے اور لوگوں کو کاٹنے لگے جیسا کہ مشہور ہے کہ کتا اگر مردہ سانپ کھائے تو پاگل ہو جاتا ہے۔

کے جھنڈے تلے ہوں گے۔ اگر آپ کے کسی امتی کے تابع ہونے کا پروگرام ہے تو اس کی اتباع کرو۔ جو مشہور زمانہ ہوا اور اقرائو سلاطین سے میل جول رکھتا ہو اور اُن سے اُن کی بات بنی ہو بلکہ اس کی تابعداری اختیار کیجئے جو مردِ مولیٰ ہو اس لئے بزرگوں کا حکم ہے کہ پہلے بندے کو اہل حق پہچانیئے پھر اس سے دوستی بنایئے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ جو شخص حق کی معرفت کا دارومدار شہرت کو جانتا ہو تو وہ ہمیشہ گمراہی کے گڑھے میں رہے گا۔ اگر مردانِ حق کو حق سے پرکھتا ہے تو اسے حق ضرور نصیب ہوگا لیکن اس وقت تک محال ہے جبتک حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت مبارکہ پر عمل کر کے اُن سے مناسبت پیدا نہ کرے آپ کی سنت پر عمل کرنے سے ان کی محبت میں اضافہ بھی ہوگا بلکہ آپ کی تمام متعلقہ اُمور سے محبت پیدا ہو جائے گی مثلاً آپ پر درود شریف بھیجنے اور آپ کے مزار اقدس کی زیارت اور مؤذن کی اذان کا جواب اور اذان کے بعد دُعا پڑھنے سے محبت نبوی کا اضافہ ہو جاتا ہے۔

حضور علیہ السلام کے تبرکات بھی دافع البلاء ہیں ① حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بال مبارک یا آپ سے منسوب کوئی اور لکڑی، کپڑا، چمڑہ جیسے نعلین شریف موزے وغیرہ کسی گنہگار کی قبر پر رکھے جائیں تو انہی تبرکات کی برکت سے وہ گنہگار عذابِ قبر وغیرہ سے نجات پا جائے گا

② اگر کسی کے گھر یا مکان یا شہر میں تبرکات ہوں تو ان تبرکات کی برکت سے وہ مکان اور شہر ہر بلا سے محفوظ ہوں گے اگرچہ انہیں معلوم نہ ہو۔

مسئلہ آبِ زمزم اور جس کفن کو آب زمزم سے تر کیا جائے اسی طرح کعبہ شریف کے غلاف کے ٹکڑے میت کے ساتھ دینا یا اس غلاف سے میت کو کفنانے میں بھی وہی برکات ہیں جو حضور علیہ السلام کے تبرکات ہیں۔

تبرکات کے دافع البلاء ہونے کی عقلی دلیل حضرت امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ تبرکات کے دافع البلاء ہونے کے لئے عقل بھی مانتی ہے کہ اس لئے کہ مثلاً کوئی شخص کسی شہر میں جائے اور بادشاہ کے تیر یا تیروں کے نشان لے جائے تو وہ شخص اس بادشاہ کا مطیع اور محب و عاشق ہے تو اس شہر کو معظم و محترم سمجھے گا صرف اس لئے کہ اسمیں بادشاہ کے متعلقات موجود ہیں اسی طرح ملائکہ کرام کی کیفیت ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے لئے سلطان معظم ہیں وہ ملائکہ جب اپنے سلطان معظم کی کوئی چیز کسی مکان یا شہر یا قبر میں ملاحظہ کرتے ہیں تو اپنے سلطان معظم کی وجہ سے ان تبرکات کی عظمت و عزت کے تحت وہاں پر عذاب نازل نہیں کرتے۔

وہابیوں اور دیوبندیوں کا رد مذکورہ تقریر سے ثابت ہوا کہ جس قبر پر قرآن مجید رکھا یا پڑھا جائے یا اوراق لکھ کر میت کے ہاتھ میں دیا جائے تو اُسے قبر میں بہت بڑا فائدہ[1] ہوتا ہے (کذا فی الاسرار المحمدیہ)۔

---

[1] اس سے کفنی لکھنا اور عہد نامہ لکھنا اور عہد نامہ میت کے ہاتھ میں دینے کا ثبوت ملا۔

مثنوی شریف کے دفتر سوم میں سے۔

معجزہ نبوی

① از انس فرزند مالک آمد است
کہ بمہمانی او شخصے شدست

② او حکایت کرد کز بعد طعام
دیدش دستارخوانرا زرد فام

③ حرکت آلودہ وگفت اے خادمہ
اندر افگن در تنورش یکدمہ

④ در تنور پر ز آتش در فگند
آنزماں دستارخوانرا ہوشمند

⑤ جملہ مہماناں دراں حیراں شدند
انتظار دود کندی دری بدند

⑥ بعد یکساعت برآورد از تنور
پاک و اسپید و زاں ردساخ دور

⑦ قوم گفتند اے صحابی عزیز
چوں نسوزید و منقا گشت نیز

⑧ گفت زانکہ مصطفٰے دست و دہاں
پس بمالید اندریں دستارخواں

⑨ چوں جمادی را تشریف داد
جان عاشق را چہا خواہد کشاد

ترجمہ ① حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ ان کا کوئی آدمی مہمان ہوا۔
② وہ فرماتے ہیں کہ انس رضی اللہ عنہ کا دسترخوان میلا کچیلا تھا۔
③ انہوں نے اُسے اٹھا کر خادمہ سے فرمایا کہ اسے آگ میں ڈال دے۔
④ اس خادمہ نے فوراً وہ دسترخوان آگ میں ڈال دیا۔
⑤ لوگ حضرت انس کی اس عجیب روش سے حیران ہو گئے انہیں خیال تھا کہ یہ دسترخوان جل کر راکھ ہو جائے گا۔

⑥ لیکن انس رضی اللہ عنہ نے اسے تھوڑی دیر کے بعد نکالا تو وہ دسترخوان آئینہ کی طرح صاف وشفاف تھا۔
⑦ لوگوں نے پوچھا حضرت یہ کیا ماجرا ہے کہ اسے آگ نے نہ جلایا بلکہ اُلٹا صاف وشفاف ہوگیا ہے
⑧ حضرت انس نے فرمایا کہ اس سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ اور چہرہ
⑨ پونچھا تھا وجہ برکت ہے کہ آگ نے نہیں جلایا۔

اے اللہ ہمیں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں محو فرما اور اُن کی شفاعت سے بہرہ ور فرما (آمین) وہابی حضور علیہ السلام کی برکت نہیں مانتے انہیں بھی اپنے نبی علیہ السلام کی شان کو مان لینا چاہیئے۔

فائدہ مولانا رومی قدس سرہٗ نصیحت کے طور آخر میں لکھتے ہیں کہ اے خدا کے بندہ ایسی مبارک ہستیوں کا قرب حاصل کرو۔ جہنم کی آگ سے بچ جاؤ گے اس لئے کہ جب وہ بے جان چیزوں کو آگ سے بچا سکتے ہیں تو ہم حضرت انسان ہیں کیوں نہ بچائیں گے۔ اس سے وہابی، شیعہ سوچیں کہ وہ ذات پاک کہ جس نے صدیق اکبر و عمر رضی اللہ عنہما کو ساتھ سلایا ہے اُن کی کیا شان ہے۔

تفسیر عالمانہ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰی (اور موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں)

ربط جبکہ بچھڑا پرستوں اور اُن کے غلط اقوال لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً کا ذکر ختم ہوا اور وہ لوگ تھے بھی بدبخت اُن کے بعد ان حضرات کا ذکر فرمایا جو اشقیاء کی ضد یعنی سعدا نیک بخت تھے آیت میں لفظ قوم سے وہ بنی اسرائیل مراد ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمزمان تھے اُمَّةٌ ایک جماعت تھی یَّهْدُوْنَ جو عوام کی رہبری کرتی تھی اس کا مفعول محذوف ہے بِالْحَقِّ درانحالیکہ وہ جماعت حق کے ساتھ متلبس تھی یعنی وہ حق والے تھے وَبِهٖ حق کے ساتھ یَعْدِلُوْنَ جو اُن کے لئے احکام جاری ہوتے ہیں اُن پر عادلانہ طور عمل کرتے ہر دونوں افعال میں مضارع کا صیغہ بول کر ماضی کی حکایتِ حال کا ارادہ کیا گیا ہے۔

اعجوبہ لیکن مشہور ترین مفسرین کے نزدیک یہ ہے کہ اس اُمت سے وہ بنو اسرائیل مراد ہیں جو چین سے بھی آگے بجانب مشرق (پہاڑوں میں) اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہیں۔

اعجوبہ مذکورہ کا عجیب واقعہ ان کا واقعہ یوں ہوا کہ جب موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے خلیفہ حضرت یوشع علیہ السلام کا وصال ہوگیا تو بنی اسرائیل کے بعض افراد کی سرکشی اور بغاوت حد سے بڑھنے لگی یہاں تک کہ انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنا و دیگر بڑے بڑے جرائم کا ارتکاب اُن کا مشغلہ بن گیا۔ اُن کی نحوست سے قتل وغارت عام ہوگئی انہیں سے بعض نیک طینت اور مبارک سیرت بھی تھے۔ جو اُن کی غلط کاریوں سے بری الذمہ تھے بلکہ انہیں برائیوں سے روکتے تھے لیکن اُن کی غلط کاری عادت بن چکی تھی اس لئے وہ بضد ہوگئے تو اُن نیک لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ان میں ایسی جدائی ڈالدے کہ پھر ایک دوسرے سے ملنے کا امکان بھی نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کے نزدیک ان کے لئے ایک سُرنگ کھولی وہ اُس کے اندر گھس گئے اللہ تعالیٰ کی قُدرت سے

اُن کے آگے آگے روشنی کے گیس روشن ہو گئے دن کو وہ اس روشنی سے غار کا راستہ طے کرتے رہتے جب سورج ڈوبتا روشنی بجھ جاتی وہ روشنی کے بجھنے پر وہیں آرام فرماتے جب صبح ہوتی تو وہ روشنی پھر سامنے آجاتی اور سارا دن سفر کرتے رہتے اسی طرح ان کا ڈیڑھ سال تک یہی طریقہ رہا کھاتے پینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اُن کے ساتھ ایک نہر جاری کردی یا اپنی قدرت کاملہ سے اُن کے لئے کھانے پینے کی اشیاء حسبِ ضرورت انہیں منزل بمنزل مل جاتیں ڈیڑھ سال کے سفر کے بعد ملک چین کے اختتام پر بجانب مشرق ایک زمین میں پہنچے جہاں پر درندے وحشی اور موذی جانور رہائش پذیر تھے لیکن اُن کے پہنچنے پر انہیں کسی قسم کا ایذا نہ پہنچایا۔ وہ وہاں پر تورات کے احکام پر پابندی سے عمل کرتے ہیں لیکن ہر وقت اسلام کے مشتاق رہتے ہیں اُن کی نیکی و بزرگی کے پیش نظر ان کے ہاں ملائکہ کرام حاضر ہوتے ہیں۔ وہ ہم سے اتنے دور ہیں کہ نہ ہم اُن سے مل سکتے ہیں اور ان میں سے کوئی ایک نہ ہمارے ہاں آسکتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ملک چین کے اختتام پر ایک ریت کی نہر جاری ہے جس کا عبور کرنا نہایت ناممکن ہے

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ وہ نہر شہد کی ہے۔

فائدہ سدی نے فرمایا کہ وہ آپس میں بہت بڑا اتفاق رکھتے ہیں گویا وہ ایک باپ کی اولاد ہیں۔ وہ ایک دوسرے کا مال اپنا مال سمجھتے ہیں۔ یعنی کسی قسم کا فرق نہیں سمجھتے۔ رات کو اُن کے ہاں بارش ہوتی ہے تو صبح کو بآرام سارا دن گذارتے ہیں کھیتی باڑی کرتے ہیں حسبِ ضرورت اناج لے لیتے ہیں باقی ویسے چھوڑ دیتے ہیں یعنی ذخیرہ اندوزی نہیں کرتے۔

شبِ معراج کا ایک منظر

شبِ معراج حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے فرمایا کہ مجھے بنی اسرائیل کی اس قوم سے ملاقات کرائیے جس کی اللہ تعالیٰ نے اُمَّةٌ "یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ۝ سے تعریف فرمائی ہے جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ وہ آپ سے اتنی دور نہیں اُن تک پہنچنے کے لئے آنے جانے کا راستہ صرف بارہ دن رات کا ہے لیکن آپ اپنے رب تعالیٰ سے عرض کیجئے جو حکم ہو اس پر عمل فرمائیے۔ حضور علیہ السلام نے اُن کی ملاقات کے لئے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی۔ جبریل علیہ السلام نے اٰمین کہی۔ آپ کی دُعا مستجاب ہوئی کہ بذریعہ جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے محبوب علیہ السلام کو ان لوگوں کے ہاں براق پر سوار کر کے لے جائیے۔ آپ براق پر سوار ہوئے کہ چند قدم اٹھانے پر ان لوگوں کی آبادی میں پہنچے آپ نے انہیں السلام علیکم کہا۔ انہوں نے سلام کا جواب دے کر عرض کی کہ آپ کون ہیں ؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے فرمایا" میں نبی اُمّی ہوں (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) انہوں نے عرض کی آپ کے لئے موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے اوصیاء نے ہمیں بشارت دی تھی کہ ہم میں جو بھی آپ سے ملے تو آپ پر اُن کی طرف سے سلام عرض کرے۔ فلہٰذا ہماری طرف سے اُن کا سلام قبول فرمائیے آپ نے ان کا سلام قبول فرمایا پھر انہوں نے پوچھا آپ کے ساتھ کون ہے ؟ آپ نے فرمایا کیا تم اُن کو دیکھ رہے ہو عرض کی ہاں۔ آپ نے فرمایا یہی جبریل علیہ السلام

ہیں۔ آپ نے فرمایا میں نے اُن اسلاف کے مزارات دیکھے جو ان کے گھروں کے قریب ہیں۔ میں نے اُن سے پوچھا یہ کیا عرض کی یہ اس لئے تاکہ ہم اُن کی روزانہ زیارت کریں اور عبرت حاصل کر کے موت کو یاد رکھیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ آپ لوگوں کے مکانات بالکل زمین سے ملے ہوئے ہیں بلند مکانات کیوں نہیں بنوائے انہوں نے عرض کی اس لئے کہ کسی کا مکان دوسرے سے بلند ہو کر اُس کی دوسرے پر بزرگی نہ جتلائے۔ دوسرا اس طرح سے ہوا نہ رُکے اور سب کو برابر ہوا پہنچے۔ میں نے پوچھا کہ تمہارے ہاں نہ کوئی حاکم مقرر ہیں نہ قاضی۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ عرض کی ہم ایک دوسرے کے ساتھ عدل و انصاف سے پیش آتے ہیں کوئی بھی کسی کا حق نہیں کھاتا۔ اس لئے نہ ہمیں حق کی ضرورت ہے نہ قاضی کی۔ پھر آپ نے فرمایا تمہارے ہاں بازار نہیں اور نہ کوئی شہر۔ انہوں نے عرض کی کہ ہم کھیتی باڑی کر کے اپنی ضرورت کا اناج وغیرہ لے لیتے ہیں باقی اپنے محتاج اور کمزور لوگوں کے لئے چھوڑ دیتے ہیں نہ ہمیں بیچنے کی نوبت آتی ہے اور نہ بازار اور شہر بن سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم میں بعض ایسے ہیں جنہیں میں بہت ہشاش بشاش اور ہنستا چہرہ دیکھتا ہوں اس کی کیا وجہ ہے۔ عرض کی کہ اُن کے عزیز و اقارب کا ابھی تازہ انتقال ہوا ہے وہ ان پر اس لئے خوش ہیں کہ دینِ حق پر انہیں موت آئی ہے۔ آپ نے فرمایا انمیں بعض کو بہت غمگین پاتا ہوں اس کی وجہ کیا ہے عرض کی اس لئے کہ اُن کے ہاں بچے پیدا ہوئے ہیں۔ اب وہ غمگین ہیں کہ نامعلوم وہ بڑے ہو کر کیسا دین اختیار کرتے ہیں۔ خدانخواستہ بڑے ہو کر انہوں نے غلط راستہ اختیار کر لیا تو پھر ہمارا کیا بنے گا۔ آپ نے فرمایا اگر تمہارے ہاں لڑکا پیدا ہو تو کیا کرتے ہو اور اگر لڑکی پیدا ہو تو کیا۔ عرض کی لڑکے کی پیدائش ہر ایک ماہ شکرانہ کا روزہ رکھتے ہیں اور لڑکی کے لئے دو ماہ روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اس طرح کیوں عرض کی اسی طرح ہمیں موسیٰ علیہ السلام کا حکم ہے کہ لڑکیوں کی پرورش میں لڑکوں کے دوہرا ثواب ملتا ہے۔ آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی زنا کرے تو کیا کرتے ہو۔ عرض کی ہمارے ہاں کوئی زانی نہیں۔ اگر خدانخواستہ ہمارے میں سے کسی سے ایسی غلطی ہو جائے تو اُسے آسمان اچک لے اور زمین نگل جائے۔ آپ نے فرمایا تم میں سے اگر کوئی سود کھائے تو عرض کی ہمارے ہاں کوئی ایسی غلطی نہیں کرتا۔ یہ وہ کرتا ہے جسے اللہ تعالیٰ کا رزّاق ہونے پر ایمان نہ ہو لیکن ہم میں ایسا کوئی نہیں آپ نے فرمایا تم بیمار بھی ہوتے ہو کہا کہ نہ ہم گناہ کرتے ہیں اور نہ بیمار ہوتے ہیں۔ یہ آپ کی اُمّت کا کام ہے کہ وہ گناہ کرتے ہیں تو بیمار ہو جلتے ہیں پھر وہی بیماری اُن کے گناہوں کا کفارہ بنتی ہے۔ آپ نے فرمایا تمہارے ہاں درندے اور مُوذی جانور نہیں ہیں عرض کی ہیں لیکن ہم اُن کے قریب آتے جاتے ہیں اور وہ ہمارے قریب سے گذرتے ہیں نہ ہم انہیں کچھ کہتے ہیں نہ وہ ہمیں ایذا پہنچاتے ہیں۔ اس بڑی طویل گفتگو کے بعد آپ نے اپنی شریعت کی انہیں دعوت دی اور سورۃ فاتحہ کے علاوہ قرآن کی چند اور سورتیں بھی سکھائیں اور پانچ نمازوں کی ادائیگی کا بھی حکم فرمایا۔

فائدہ حدادی نے کہا کہ شبِ معراج سے پہلے مکہ معظمہ میں آپ پر دس سورتیں نازل ہو چکی تھیں آپ نے انہیں وہی سورتیں سکھائیں اور اس وقت نماز اور زکوٰۃ کا حکم بھی نازل ہو چکا تھا۔ آپ نے انہیں نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ہفتہ کی تعظیم بھی چھوڑ دو۔ اور جمعہ کی نماز ادا کیا کرو۔ اور وہیں پر تا قیامت مقیم رہو۔ اس روز سے وہ

مسلمان اور صحیح دین پر مضبوط ہیں اور ہمارے قبلہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔

فائدہ تجمیع کا لفظ حدیث مذکور میں واقع ہے اس کا معنٰی ہے جمعہ کی نماز ادا کرنا۔

سوال مذکورہ بالا احکام میں سے چند ایسے احکام بھی ہیں جو شبِ معراج کے بعد نازل ہوئے ہیں؟

جواب جو احکام اُس وقت نازل ہو چکے تھے وہ اُس وقت بتا دیئے باقی بعد کو۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ کو معراج صرف ایک بار ہوئی بلکہ آپ متعدد بار معراج سے مشرف ہوئے۔ البتہ معراج جسمانی ایک بار ہوئی باقی روحانی طور آپ نے ان لوگوں کی تکمیل روحانی معراج کے طور فرمائی۔

دیگر جواب بطرزِ عقیدہ حاضر و ناظر[1] آپ نے انہیں اس وقت نماز کی تلقین فرمائی اور سب کو معلوم ہے کہ نماز شبِ معراج فرض ہوئی۔ علاوہ ازیں آپ نے انہیں جسمانی طور بعد کو تلقین فرمائی اس لئے کہ آپ کے جسم اطہر کی پرواز ایک لمحہ میں کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتی جیسا کہ متعدد بار ہوا کہ ہماری آنکھ کی پرواز اس پرواز سے عاجز ہے جہاں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جسم مُبارک کے ساتھ پرواز فرماتے اور آپ کے لئے قرب و بُعد یکساں تھا۔ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے یہی جواب مجھے اہل تفاسیر کے مختلف بیانات سے ثابت ہوا اور مذکورہ بالا حدیثِ معراج سے جو اعتراض پیدا ہوا وہ اس تقریر سے باآسانی رفع ہو سکتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰی اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ اس سے خواص اولیاء اللہ مراد ہیں کہ وہ خود بھی ہدایت پر ہیں اور خلقِ خدا کو بھی راہِ حق دکھاتے ہیں۔ لیکن کتاب اللہ کی روشنی میں وَبِهٖ یَعْدِلُوْنَ اور اسی سے عوام کے ساتھ فیصلہ کرتے ہیں۔ لیکن یہ موسٰی علیہ السلام کے خواص اولیاء کا حکم ہے اور ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اولیاء کی شان بہت بلند ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کی تابعداری کی برکت سے روحانیت کے بہت بڑے مقامات طے کر لیتے ہیں یہاں تک کہ وہ انانیت مٹا کر جذبات متابعت نبوی کے انوار سے مقامِ وحدۃ میں پہنچ جاتے ہیں اور یہی مقام اُن کی بقاء وحدۃ کے لئے اُن کے وجود کا مصدر و مرکز ہے چنانچہ اللہ تعالٰی نے حدیث قدسی میں فرمایا كُنْتُ لَهٗ سَمْعًا وَّبَصَرًا وَّلِسَانًا فَبِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یُبْصِرُ وَبِیْ یَنْطِقُ میں اُس کا کان و آنکھ اور زبان بن جاتا ہوں۔ پھر وہ مجھ سے سنتا اور دیکھتا اور بولتا ہے۔

یہی اولیاء جب اس مقام پہ پہنچتے ہیں تو انہیں اُمّی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اس لئے کہ وہ اب اس مقام پہ پہنچتے ہیں جو اُن کے ایجاد کا اصل ہے لیکن بنی اسرائیل کے اولیاء کو یہ مقام نصیب نہیں ہوا اس لئے کہ اُن کا نبی حضرت موسٰی علیہ السلام انانیت کے حجاب سے محور ہے چنانچہ رویت کا سوال کیا تو انانیت کو مدِّ نظر رکھا تھا۔ کما قال اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ ط اس کے جواب میں انہیں کہا گیا لَنْ تَرٰىنِیْ اس لئے کہ ابھی تم اپنی انانیت میں ہو مجھے اس وقت دیکھو گے جب انانیت مٹ کر ہویت غالب ہو جائے گی اس لئے کہ مجھے وہی دیکھ سکتا ہے جو میرے

---

[1] اسی کو ہم اہلسنت حاضر و ناظر سے تعبیر کرتے ہیں۔

جلووں میں پورا پورا ڈوبا ہوتا ہے جس میں ابھی تک اپنے وجود کی بُو آتی ہے وہ دیدار سے محروم رہتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ انانیت کو مٹا کر میرے جلووں میں مستغرق ہو جاتا ہے تو پھر میں ہی اُس کی آنکھ ہوتا ہوں اسی سے مجھے دیکھتا ہے اور مقام صرف اس اُمّت کا ہے جس کے نبی اُمّی ہیں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حضور علیہ السلام کی کی امت کے اس بلند مقام کو دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنْ اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا اُمتی بنا۔ (التاویلات النجمیہ)

① مصطفےٰ را انبیاً امت شدند
جملہ در زیر لوأ اوبُند

② پایۂ ایں اُمّت مرحومہ بیں
کہ یقالوا بین ارباب الیقین

③ رفعتش بین الامم چوں آفتاب
درمیاں انجم اے عالیجناب

④ پیشہ کن اے حقی[1] شرع ایں نبی
تا نباشد فوت از تو مطلبی؛

ترجمہ: ① مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انبیاً علیہم السلام امتی ہوئے تمام آپ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوئے۔

② اس سے اُمّت (محمدیہ) کا مرتبہ دیکھ ان کو ارباب الیقین کے درمیان کتنا بلند مرتبہ نصیب ہوا

③ امتوں میں اس مرتبہ ایسے ہے جیسے ستاروں میں آفتاب۔

④ اے حقی اس نبی علیہ السلام کی شریعت پر چل تاکہ تجھ سے تیرا مطلب فوت نہ ہو۔

تفسیر عالمانہ وَقَطَّعْنٰھُمُ اور ہم نے انہیں بنا ڈالا۔ اس سے موسیٰ علیہ السلام کی قوم مراد ہے۔ اس سے یہ لوگ مراد نہیں جن کی تفصیل ہم نے بیان کی ہے اثْنَتَیْ عَشْرَۃَ یہ قطعنا کا دوسرا مفعول ہے اس لئے کہ قطعنا تعییر کے معنےٰ کو متضمن ہے۔

سوال اثْنَتَیْ عَشْرَۃَ مونث کا صیغہ ہے اور اس سے مراد قوم ہے اور اس کے لئے مذکر کا صیغہ لانا چاہیئے؟

جواب قوم بتاویل الجماعۃ یا القطعۃ ہے۔ یعنی ہم نے انہیں بارہ گروہ یا بارہ ٹکڑے بنا دیئے جو ایک دوسرے سے جداگانہ حیثیت رکھتے تھے۔

اَسْبَاطًا یہ اثنتی عشرۃ سے بدل ہے اس لئے جمع کر کے لایا گیا ہے ورنہ نحوی قاعدہ ہے کہ احد عشر تا تسع عشرہ" کی تمیز مفرد اور منصوب ہوتی ہے اس قاعدہ کے مطابق اسباطًا تمیز بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

---

[1] یہ تخلص صاحب روح البیان کا ہے۔

اور یہ سبط کی جمع ہے اور اسحاق علیہ السلام کی اولاد کو سبط کہا جاتا ہے جیسے لفظ قبیلہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد پر مستعمل ہوتا ہے۔ سبط دراصل ولد الولد یعنی پوتے کو کہا جاتا ہے (پھر مجازاً اولاد اسحاق (علیہ السلام) کے لئے مستعمل ہونے لگا۔ اُمَمًا بدل کے بعد بدل ہے۔ یہ امت کی جمع ہے بمعنے الجماعۃ۔

سوال بنی اسرائیل کے بارہ گروہ کیوں بنائے گئے؟

جواب وہ اس لئے کہ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ صاحبزادوں کی اولاد تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن پر انعام کے طور انہیں بارہ گروہ علیحدہ علیحدہ بنائے تاکہ ان کا انتظام درہم برہم نہ ہو اور معاشی حالات بھی درست رہیں اس لئے کہ وہ لوگ سخت جھگڑالو اور ایک دوسرے سے بغض و حسد رکھنے والی اور متعصب قوم تھی۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ سْتَسْقٰهُ قَوْمُهٗٓ اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی جبکہ اُن کی قوم نے پانی مانگا۔ یعنی اُن کی قوم نے اس لئے پانی مانگا کہ اُن پر جنگل کی پیاس نے حملہ کیا جبکہ انہوں نے غلطی کی تو بطور سزا انہیں جنگل میں حیران و سرگردان کر دیا گیا۔

اَنِ یہ اَوْحَيْنَا کے لئے مفسرہ ہے اضْرِبْ بِّعَصَاكَ اپنے عصا کو ماریئے۔ آپ کا وہ عصا بہشت کے درخت مُورو کا تھا اُسے آدم علیہ السلام بہشت سے زمین پر لائے۔ آپ کی وراثت میں انبیاء علیہم السلام کو ملا یہاں تک کہ شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو دے دیا۔

اَلْحَجَرَ؟ اس پتھر کے متعلق بہت بڑا اختلاف ہے۔

فائدہ تفسیر فارسی میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سے پتھر نے گفتگو کی اور کہا کہ آپ مجھے ساتھ لے جائیے آپ کو میرے بہت فائدے ہوں گے چنانچہ جب موسیٰ علیہ السلام اُسے جنگل میں لے گئے تو جب قوم نے پیاس سے پانی کا مطالبہ کیا تو آپ نے اس پتھر پر اپنا عصا مارا۔

فَانْبَجَسَتْ پس وہ پتھر چِر گیا یعنی کھل گئے مِنْهُ اس پتھر سے اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا بارہ چشمے یعنی بارہ قبیلوں کے مطابق بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔

فائدہ حدادی نے لکھا کہ تھوڑے پانی نکلنے کو الانبجاس کہتے ہیں اور اگر زوردار طریق سے ہو تو الانفجار کہا جاتا ہے۔

سوال فَانْبَجَسَتْ کبھی فَانْفَجَرَتْ کیوں؟

جواب ابتداً اس پتھر سے تھوڑا سا پانی نکلتا تھا اُس کے بعد زور سے چشمے نکلتے تھے اس لئے کبھی الانبجاس اور کبھی الانفجار۔

قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ بے شک معلوم کر لیا ہر قبیلے نے۔

سوال یہاں پر الاسباط کے بجائے اناس کیوں کہا گیا؟

جواب تاکہ معلوم ہو کہ وہ ہر قبیلہ کثیر التعداد تھا۔

مَّشْرَبَهُمْ اپنے نامزد پانی کے چشمے۔ اس لئے کہ قبیلہ صرف اپنے چشمے سے پانی لیتا تھا کیا مجال ہوئی کہ کوئی دوسرا اس چشمہ سے پانی لے سکے۔ یہ صرف اس وجہ سے کہ ان لوگوں میں تعصب بہت زیادہ تھا کہ اپنے جتھے کے سوا دوسروں کو اپنا ہمنوا گوارہ نہیں کرتے تھے۔

فائدہ حضرت ابن الشیخ نے فرمایا کہ اس پتھر کے بارہ سوراخ تھے جونہی کسی جگہ نازل ہوتے تو پتھر سے اپنے مخصوص سوراخ کو کھول کر اپنی منزل تک نالی کھود کر پانی لے جاتے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے فرمایا **قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ** مشرب بمعنے موضع شرب یعنی پانی کا گھاٹ۔

وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ اور ہم نے اُن کے اوپر بادلوں کا سایہ کیا یعنی ہم ان پر بادلوں کا سلسلہ ایسے طریق سے کیا کہ دن کو جہاں جاتے بادل اُن کے سروں پر سایہ کیا کرتے تاکہ انہیں سُورج کی گرمی نہ ستائے اور رات کو وہی بادل نورانی گیس بن جاتے تاکہ راہ چلتے وقت انہیں تاریکی سے تکلیف نہ ہو۔

وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ اور ہم نے اُن پر مَن نازل کیا۔ اس سے بعض مفسرین نے ترنجبین مراد لی ہے قاموس میں ہے کہ دراصل مَن ہر اُس شبنم کو کہا جاتا ہے جو درختوں اور پتوں پر رات کو نازل ہوتی ہے اور وہ میٹھی ہوتی ہے جو جم جانے کے بعد شہد کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور خشک گوند کی طرح خشک کی جاتی ہے جیسے شیرخشت اور ترنجبین۔ **وَالسَّلْوٰى** امام قزوینی وابن بیطار نے کہا ہے کہ وہ بٹیر تھا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ وہ اور پرندہ ہے جو بٹیر کی طرح ہوتا ہے۔

فائدہ تفسیر فارسی میں ہے کہ وہ ایک پرندہ ہے جو بٹیر کی شکل میں یمن میں چڑیا سے بڑا اور کبوتر سے چھوٹا ہوتا ہے اور سلوای کو اس نام سے اس لئے موسوم کرتے ہیں کہ وہ انسان کو سالن سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے لحوم میں سے بہتر گوشت پرندوں کا ہے اور فرمایا کہ "دنیا و آخرت میں تمام سالنوں کا سردار گوشت ہے اور دنیا و آخرت کے پینے کی چیزوں کا سردار پانی ہے اور دنیا و دنیا کی تمام خوشبوؤں حنا ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث بھی اس کی تائید کرتی ہے کہ **سید الطعام اللحم**۔ تمام طعاموں کا سردار گوشت ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا "**فضل عائشة على النساء كفضل الثريد على سائر الطعام**" بی بی عائشہ رضی اللہ عنہ کو تمام عورتوں پر فضیلت ایسے ہے جیسے ثرید[1] کو تمام طعاموں پر۔

فائدہ مَن برف کی طرح ایک شے تھی جو صبح سے طلوع شمس تک آسمان سے نازل ہوتی تھی اور ہر انسان کے لئے ایک صاع کی مقدار نازل ہوتی اور جنوب کی طرف بٹیرے (پرندے) نازل ہوتے جنہیں ہر انسان پکڑ کر اپنے لئے ذبح کرتا۔

كُلُوْا ہم نے انہیں کہا کہ کھاؤ **مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ** ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تمہیں عطا کیں۔ **مَا** موصولہ یا موصوفہ اس سے من وسلویٰ مراد ہے۔

---

[1] عرب کا سب سے افضل کھانا یعنی شوربا میں بھگوئی ہوئی روٹی (المنجد) اُویسی غفرلہ

تفسیر فارسی میں ہے کہ جو کچھ ہم نے تمہیں اپنے فضل وکرم سے عنایت فرمایا۔ یعنی وہ روزی جو اللہ تعالیٰ سے نصیب ہوا اُسے کھاؤ۔ لیکن ذخیرہ مت کرو۔ انہوں نے خلاف کرکے ذخیرہ بنا کر من وسلویٰ کو چھپا کر رکھ چھوڑا جس سے وہ چند روز کے بعد بدبودار ہو گئے۔

وَمَا ظَلَمُوْنَا اس کا عطف جملہ محذوفہ پر ہے صرف اختصار کے پیش نظر اسے محذوف کر دیا گیا ہے دراصل عبارت یوں تھی **فَظَلَمُوْا بِاَنْ كفروا تلك الانعم الجليلة وماظلمونا** یعنی انہوں نے اتنی بہت بڑی نعمتوں کا انکار کرکے ہمارے اوپر نہیں بلکہ اپنے اوپر ظلم کیا۔ **وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ** ۝ لیکن وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرتے تھے۔ اس لئے کہ ظلم ضرر انہیں کسی صورت میں بھی نہیں چھوڑیگا۔

فائدہ حدادی نے کہا کہ وہ اپنے لئے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دے کر اور وہ رزق جو دنیا میں بلا تکلف اور بلا مشقت ان پر نازل ہوتا اس کا مادہ کاٹ کر اپنے نفسوں کو نقصان پہنچایا حالانکہ بلا تکلف حصول کے علاوہ آخرت میں اس پر حساب کتاب بھی نہیں تھا۔

وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اور اے پیارے حبیب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یاد کیجئے کہ اُن کے اسلاف کو کہا گیا یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا **اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ** اسی گاؤں میں ٹھہرو۔ اس کا منصوب ہونا مفعولیت کے طور مثلاً کہا جاتا ہے "**سکنت الدار**" بعض نے کہا اس کا منصوب ہونا بطور وسعت کے علی الظرفیۃ ہے۔

فائدہ **اَلْقَرْيَة** سے بیت المقدس یا اریحاؑ کے قریب جبارین رہا کرتے اور یہ لوگ عاد کا بقایا تھے انہیں عمالقہ کہا جاتا اُن کا سردار عوج بن عنق تھا۔

وَكُلُوْا مِنْهَا اور اس سے کھاؤ۔ یعنی اس بستی کے باغات کے مطاعم وثمرات **حَيْثُ شِئْتُمْ** جہاں سے چاہو یعنی اس بستی کے گردونواح کے باغات اور کھیتوں میں جہاں سے چاہو تمہیں کسی قسم کی مزاحمت نہیں کروں گا۔

وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ اور کہو کہ ہمارا سوال ہے کہ ہمارے گناہ معاف ہو جائیں **حطۃ** بروزن فعلۃ الحط سے ہے جیسے الردۃ رد سے ہے الحط بمعنے کسی شے کو اوپر سے نیچے گرانا یہاں پر بمعنے گناہوں کی مغفرت یا ان کا جھڑ جانا مراد ہے۔ **وَادْخُلُوا الْبَابَ** اور اس بستی کے دروازہ سے داخل ہو جاؤ۔ **سُجَّدًا** سجدہ کرتے ہوئے یعنی سر کو جھکا کر اور متواضع ہو کر سجدہ کرتے ہوئے شکریہ کے طور کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جنگل کے عذاب سے نجات دی۔

فائدہ اگر اس القریہ سے اریحا مراد ہو تو اب مطلب اس روایت کے مطابق ہے۔ مروی ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام بقایا بنی اسرائیل یا ان کی اولاد کو علی اختلاف الروایتین لے کر مذکورہ بستی میں داخل ہوئے تو یہ بھی ساتھ اس موقعہ پر موسیٰ علیہ السلام نے اس بستی کو فتح کیا جیسا کہ سورہ مائدہ میں گذرا۔ اور اگر اس سے بیت المقدس مراد ہو تو مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں یہ لوگ اس میں داخل ہوئے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ الباب سے وہ قبہ مراد ہے جس میں نماز پڑھتے تھے۔ (کذا فی الارشاد)۔

نَغْفِرْ لَكُمْ خَطِيٰٓـٰتِكُمْ تمہاری استغفار اور خضوع سے ہم تمہارے پچھلے گناہ معاف فرما دیں گے۔

سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ یہ جملہ متانفہ بیانیہ اور سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب انہیں مغفرت نصیب ہو گئی تو پھر ان کے لئے مزید کیا چاہیئے تھا اس کے جواب میں فرمایا کہ ہم نیکی کرنے والوں کے ثواب و احسان میں اضافہ فرمائیں گے خلاصہ یہ ہے کہ مغفرت انہیں فرمان کی تعمیل سے اور ثواب محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نصیب ہوا۔ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ پس ظالموں نے تبدیل کیا۔ یعنی انہیں حکم ہوا کہ توبہ و استغفار کریں لیکن انہوں نے اس سے اعراض کر کے اس کے بجائے قَوْلًا دوسرا قول کہا جس میں اُن کی کسی قسم کی خیر و خوبی نہیں تھی۔

فائدہ مروی ہے کہ وہ بجائے سجدہ کی حالت کے چوتڑوں پر چلے اور حطہ کے بجائے حنطۃ کہتے اور وہ بھی قول باری تعالیٰ کی حقارت اور موسیٰ علیہ السلام سے استہزا کر کے اللہ تعالیٰ سے معافی اور رحمت کی طلب سے روگردانی کر کے دنیا فانی کمینی کے اسباب اور اپنی خواہشات کے مطابق چند اور باتیں طلب کیں۔

غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ یہ قولًا کی صفت ہے یعنی جو کچھ انہیں کہا گیا اُس کے مخالف اور بات کی۔

سوال لفظ بدل سے تو ثابت ہوتا کہ انہوں نے غیر کا مطالبہ کیا۔ پھر آیت میں لفظ غیر کی تصریح کیوں؟

جواب تاکہ معلوم ہو کہ جو کچھ انہوں نے طلب کیا وہ ایک معمولی شے تھی اور واضح کرنا ہے کہ وہ ہر وجہ سے حکم الٰہی کے خلاف تھا۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ پس ہم نے اُن پر بلا تاخیر نازل کیا یعنی جونہی اُن سے مخالفت صادر ہوئی۔ ہم نے بلا تاخیر اُن پر نازل کر دیا۔ ارسال بھی انزال کی طرح اوپر سے نیچے بھیجنے کو کہتے ہیں۔

رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ عذاب جو کہ آسمان سے نازل ہوا۔ اس سے طاعون مراد ہے۔

فائدہ مروی ہے کہ صرف ایک گھڑی میں چوبیس ہزار بنی اسرائیل مر گئے۔

بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ۝ اُن کے ظلم کی وجہ سے خواہ وہ پہلے ان سے سرزد ہوا یا اب۔ یہ عذاب صرف تبدیلیٔ کلمات کی وجہ سے نہ ہوا۔

سبق اسی طرح جو بھی اللہ تعالیٰ کی ناشکری کر کے اس کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دیتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اپنی تقدیر کا نشانہ بنا کر اُسے مصائب و تکلیف میں مبتلا فرما دیتا ہے۔

فائدہ بنی اسرائیل نے دو نعمتیں ضائع کیں۔

① دنیوی بایں معنی کہ ان پر من و سلویٰ اور دیگر کئی نعمتیں جو انہیں بلا مشقت نصیب ہوتی تھیں سب کی سب نافرمانی میں ضائع کر دیں۔

② آخرت بایں معنی کہ مغفرت و ثواب سے محروم ہو گئے کہ مرنے کے بعد اُس کا تدارک ناممکن ہو گیا پھر سوائے تحسر اور ندامت کے انہیں کچھ نصیب نہ ہوا۔

(بقیہ ص ١٦٣)

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِیْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِۘ اِذْ يَعْدُوْنَ

اور ان سے حال پوچھو اس بستی کا کہ دریا کنارے تھی جب وہ ہفتے

فِی السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا

کے بارے میں حد سے بڑھتے جب ہفتے کے دن ان کی مچھلیاں پانی پر تیرتی ان کے سامنے

يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۚۛ كَذٰلِكَ ۚۛ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿١٦٣﴾

آتیں اور جو دن ہفتے کا نہ ہوتا نہ آتیں اس طرح ہم انہیں آزماتے تھے ان کی بے حکمی کے سبب

وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ

اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا کیوں نصیحت کرتے ہو ان لوگوں کو جنہیں اللہ ہلاک کرنیوالا ہے

اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰی رَبِّكُمْ

یا انہیں سخت عذاب دینے والا ہے بولے تمہارے رب کے حضور معذرت کو

وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿١٦٤﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ

اور شاید انہیں ڈر ہو پھر جب بھلا بیٹھے جو نصیحت انہیں ہوئی تھی

يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَئِيْسٍۭ

ہم نے بچا لیئے وہ جو برائی سے منع کرتے تھے اور ظالموں کو برے عذاب میں پکڑا

بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿١٦٥﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا

بدلہ ان کی نافرمانی کا پھر جب انہوں نے ممانعت کے حکم سے سرکشی کی

لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿١٦٦﴾ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ

ہم نے ان سے کہا ہو جاؤ بندر دھتکارے ہوئے اور جب تمہارے رب نے حکم سنا دیا کہ

عَلَيْهِمْ اِلٰی يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ

ضرور قیامت کے دن تک ان پر ایسے کو بھیجتا رہوں گا جو انہیں بری مار چکھائے

رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۚۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٦٧﴾ وَقَطَّعْنٰهُمْ

بیشک تمہارا رب ضرور جلد عذاب دینے والا ہے اور بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے اور انہیں ہم نے

فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۫

زمین میں متفرق کر دیا گروہ گروہ ان میں کچھ نیک ہیں
اور کچھ اور طرح کے

وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾ فَخَلَفَ

اور ہم نے انہیں بھلائیوں اور برائیوں سے آزمایا کہ کہیں وہ رجوع لائیں
پھر

مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا

ان کی جگہ ان کے بعد وہ ناخلف آئے کہ کتاب کے وارث ہوئے
اس دنیا کا مال

الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ

لیتے ہیں اور کہتے اب ہماری بخشش ہوگی
اور اگر ویسا ہی مال ان کے پاس اور آئے تو

يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا

لے لیں کیا ان پر کتاب میں عہد نہ لیا گیا کہ اللہ
کی طرف

يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ

نسبت نہ کریں مگر حق
اور انہوں نے اسے پڑھا اور بے شک

خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ

پچھلا گھر بہتر ہے پرہیزگاروں کو تو کیا تمہیں عقل نہیں
اور وہ جو کتاب کو مضبوط

بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾

تھامتے ہیں اور انہوں نے نماز قائم رکھی ہم نیکوں کا
نیگ نہیں گنواتے

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ

اور جب ہم نے پہاڑ ان پر اٹھایا
گویا وہ سائبان ہے اور سمجھے کہ ان پر گر پڑے گا

بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ

لو جو ہم نے تمہیں دیا زور سے
اور یاد کرو جو اس میں ہے کہ کہیں تم

تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ ع

پرہیزگار ہو

تفسیر عالمانہ وَسۡئَلۡهُمۡ اور اُن سے پوچھیئے۔ اس کا عطف اذکر پر ہے جو وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ میں مقدر ہے اور ضمیر ہم اُن یہودیوں کی طرف راجع ہے جو حضور علیہ السلام کے زمانہ اقدس میں موجود تھے اور اس سوال سے یہ مطلوب نہیں کہ حضور علیہ السلام کو اُن کے حالات کا علم نہیں تھا اور آپ اُن سے پوچھیں اس لئے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی اُن کے تمام حالات سے آگاہی تھی بلکہ اس سے مقصود یہ ہے کہ انہیں تنبیہ ہو کہ وہ خود اقرار کریں کہ واقعی ان کے حالات بگڑے اور اس سے قبل وہ کفر کے گڑھے میں پڑے ہوئے تھے بلکہ وہ حدود الٰہی سے متجاوز تھے اور وہ اپنے اسلاف کی طرح انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کرتے رہے اور اس سے انہیں ان کی غلطی کا اعتراف کرایا گیا۔

منہ ۲۶ سے آگے

حکایت عجیب وغریب زمانہ جاہلیت میں دو بھائی سفر کے لئے نکلے۔ صفات میں ایک درخت کے نیچے آرام کیا۔ شام ہوئی تو صفاۃ سے ایک سانپ نکلا۔ جس کے منہ میں ایک دینار تھا اُس نے وہ دینار ان مسافروں کے آگے ڈالدیا۔ انہوں نے سمجھا کہ یہاں کوئی بہت بڑا خزانہ ہے جس سے یہ سانپ اُٹھا کر لایا ہے تین دن دونوں بھائی وہاں ٹھہر گئے اور سانپ روزانہ اُن کے پاس ایک دینار لا کر رکھ دیتا انمیں ایک بھائی نے کہا یقیناً یہاں خزانہ ہے اب ایسا کریں کہ اس سانپ کو قتل کر کے خزانہ اُٹھا لیا جائے۔ دوسرے بھائی نے کہا یہ نامناسب ہے کہ اولاً احسان فراموشی ہوگی ثانیاً ممکن ہے خزانہ نہ ہو ہم خواہ مخواہ اتنی مشقت بھی کریں اور مراد بھی پوری نہ ہو۔ اُس نے بھائی کی بات نہ مانی جونہی سانپ اپنی بل سے باہر نکلا تو اس کے پاس ایک کلہاڑا تھا وہ سانپ پر دے مارا۔ سانپ کے سر پہ لگا۔ لیکن ضرب خفیف تھی اس لئے سانپ پر اتنا اثر نہ ہوا۔ پھر سانپ نے جلدی سے اس پر حملہ کر کے اُسے ایسا ڈنس لگایا کہ وہ جانبر نہ ہو سکا۔ بھائی نے اسے دفنایا۔ وقت مقرر پر اس سانپ کا انتظار کیا۔ جب سانپ باہر نکلا تو سر پر پٹی باندھ رکھی تھی لیکن خالی ہاتھ نکلا۔ اس شخص نے کہا کہ بھائی سانپ تمہیں معلوم ہے کہ میں اپنے بھائی کے خلاف تھا اور آپ کے ساتھ لڑائی سے میں نے اُسے روکا تھا لیکن اس نے میری نہ مانی۔ اب آپ میرے ساتھ صلح کر لیں کہ میں یہاں پر زندگی بسر کروں نہ تو مجھے کچھ ایذا دینا اور نہ میں تیرے درپے آزار ہوں گا۔

سانپ نے کہا اے برادر! یہ سودا مجھے نامنظور ہے اس لئے کہ تم اپنے بھائی کی قبر کو دیکھ کر اپنے دل کی بھڑاس نکالنے پر مجبور ہو جاؤ گے اور مجھے بھی سر کا زخم یاد آئے گا تو مجھ سے رہا نہ جائے گا۔ (کذا فی الحیٰوۃ الحیوان)

مثنوی شریف میں ہے ؎

بر گذشتہ حسرت آوردن خطاست
باز ماند رفتہ یادِ آں ہباست

ترجمہ: گذشتہ حسرت یاد کرنا اچھا نہیں۔ اس لئے کہ گئی ہوئی واپس نہیں لوٹتی پھر آوارہ یاد سے کیا فائدہ۔

دعا اے اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں سے بنا جو صبح آخرت سے پہلے جاگ اُٹھتے ہیں اور نہ ہی ہمیں ان لوگوں سے بنا جو امور باطنہ اور ظاہرہ کی اہمیت سے غفلت کرتے ہیں بلکہ ہمیں توفیق بخش تاکہ ہم تیری تسبیح میں ہر وقت لگے رہیں اور تیرے ذکر سے ہماری زبانیں تر رہیں۔ تو ہی ہمیں دیکھتا ہے تو ہی ہمارے حال سے باخبر ہے۔

تاکہ انہیں حضور علیہ السلام کا معجزہ دیکھ کر یقین ہو جائے کہ باوجود اُمّی ہونے کے آپ تمام حالات سے باخبر ہیں فلہذا انہیں ماننا چاہیئے کہ آپ نبی برحق ہیں۔ آپ کو وحی سے وہ باتیں معلوم ہیں جو سوائے وحی کے اور کسی طرح سے معلوم نہیں کی جاسکتیں اور نہ ہی تعلیم الٰہی کے بغیر انہیں کوئی جان سکتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمّی ہونے کے باوجود اور کتب سابقہ کے مطالعہ نیز کسی خواندہ آدمی کی صحبت کے بغیر آپ نے بلا کم وکاست اور بلا اضافہ تمام حالات بتا دیئے اس سے یقین ہونا لازم ہے کہ آپ کو بذریعہ وحی علم ہوا اور آپ کا پورے پورے حالات بتا دینا آپ کے معجزات سے ایک معجزہ ہوا۔

عَنِ الْقَرْيَةِ بستی کے متعلق۔ یعنی اُس کے حالات اور خبریں کہ اس کے مکینوں پر کیا گذری وہ کس طرح سخت مصائب وتکالیف اور عذاب میں مبتلا ہوئے اس قریہ سے ایلہ مراد ہے وہ مدین اور کوہ طور کے درمیان واقع ہے۔

سوال وہ تو ایک بہت بڑا شہر ہے یہاں اسے القریہ (بستی) سے تعبیر کیا گیا ہے؟

جواب اہل عرب کے نزدیک القریہ کا اطلاق شہر پر بھی ہوتا ہے۔

الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ وہ قریہ جو دریا کے کنارے کے قریب تھی اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ جبکہ وہ ہفتہ میں تجاوز کرتے تھے یعنی انہیں روکا گیا تھا کہ ہفتہ کے دن سوائے عبادت کے اور کوئی کام نہ کریں اور اِذْ ظرف مضاف ہے اور اس کا مضاف الیہ محذوف ہے اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ جبکہ اُن کے ہاں مچھلیاں آتی تھیں یہ يَعْدُوْنَ کے متعلق ہے۔ حِيْتَانُهُمْ جبکہ اُن کے ہاں مچھلیاں آتی تھیں یہ يَعْدُوْنَ کے متعلق ہے حِيْتَانُهُمْ حوت کی جمع ہے دراصل حوتان تھا۔ واؤ بوجہ کسرہ ماقبل کے یا سے تبدیل ہوئی جیسے نُون بمعنے مچھلی کی جمع نینان آتی ہے اُس کا اصل بھی نُونان تھا۔

فائدہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرمایا کرتے تھے سُبْحَانَ مَنْ يَعْلَمُ اخْتِلَافَ النِّيْنَانِ فِي الْبِحَارِ الْغَامِرَاتِ پاک ہے اس ذات کے لئے جو دریا کی گہرائیوں میں مچھلیوں کے اختلاف کو جانتی ہے

سوال حیتان کو ان کی طرف مضاف کیوں کیا گیا ہے؟

جواب چونکہ وہ مچھلیاں انہی کے علاقوں میں تھیں اسی معمولی نسبت کے تحت ان کی طرف مضاف ہوئیں۔

يَوْمَ سَبْتِهِمْ ہفتہ کے دن کی تعظیم کرنے کے دن یہ تاتیہم کے متعلق ہے یعنی مچھلیاں اُس دن ظاہر ہوتیں جبکہ وہ ہفتہ کے دن کی تعظیم کرتے تھے سبت یہاں پر مصدر ہے سبتَ الیہودُ سے ماخوذ ہے یعنی یہود نے ہفتہ کے دن کی تعظیم کی کہ اسی دن کو عبادت کے لئے مخصوص کر رکھا تھا۔ تفسیر فارسی میں سبت سے یوم سبت یعنی ہفتہ کا دن مراد لیا ہے۔

شُرَّعًا۔ شارع کی جمع ہے شرع علیہ سے ماخوذ ہے اس وقت بولتے ہیں۔ جب کوئی کسی کے قریب ہوکر اُس کی طرف جھانکے۔ یہ حِيْتَانُهُمْ سے حال ہے یعنی اُن کے ہاں ہفتہ کے دن مچھلیاں ساحل بحر پر پانی پر ظاہر ہوکر

آجاتی تھیں ۔ وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ اور جس دن کو وہ ہفتہ کے دن کی تعظیم بجا نہ لاتے ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی ہفتہ کے دن کی تعظیم نہیں کرتے تھے ۔ یہ بھی ہے کہ مچھلی سرے سے ہفتہ کے دن کے سوا باقی دنوں میں ظاہر ہوتی ہی نہیں تھیں ۔ لَا تَاْتِيْهِمْ تو ان کے ہاں مچھلیاں نہیں آتیں ۔ جیسا کہ ہفتہ کے دن کھل کر آجاتیں ۔ اُن کے شکار کے خطرے سے چھپی رہتیں ۔

فائدہ ہفتہ کے دن کھل کر آنے کی دو وجہیں تھیں ۔

① اُس وقت کے نبی علیہ السلام کے معجزہ کا اظہار ۔

② ہفتہ کے دن مچھلیوں کا ہونا اور دنوں میں نہ ہونا ان لوگوں کے لئے آزمائش اور امتحان تھا ۔

كَذٰلِكَ نَبْلُوْهُمْ ہم اسی طرح انہیں آزمائیں گے ۔ كَذٰلِكَ محلاً منصوب اور اُس کا ناصب نبلوهم ہے یعنی اس میں عجیب وغریب آزمائش سے ہم ان سے وہ معاملہ کریں گے جو آزمائش اور امتحان والوں سے کیا جاتا ہے تاکہ اُن کی عداوت وسرکشی کھل جائے پھر اس عداوت سے ان کا مواخذہ کیا جائے ۔

بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ان کے فسق کی وجہ سے جو اوامر ونواہی میں خلاف ورزی کرتے تھے **وَاِذْ قَالَتْ** اس کا عطف اِذ یعدون پر ہے اور یاد کرو جبکہ کہا **اُمَّةٌ مِّنْهُمْ** انہیں سے ایک جماعت نے اس سے ان کے وہ نیک بخت لوگ مراد ہیں جنہوں نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر انہیں نصیحت کی ۔ اگرچہ انہوں نے اس کی پاداش میں ان نیک بختوں کو بہت ذلیل وخوار کیا یہاں تک کہ وہ اب ان کی نصیحت سے نا اُمید ہو گئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ یہ ماننے والے نہیں اور نہ ہی اُن پر کسی قسم کا وعظ ونصیحت اثر کرتا اور انہیں اپنے وعظ ونصیحت کے اثرات ان پر غیر مفید پائے اور سمجھ گئے کہ اب انہیں ہمارا ڈرانا اور سمجھانا بے سود ہے تو اُن میں سے بعض نے دوسروں کو کہا **لِمَ تَعِظُوْنَ** کیوں نصیحت کرتے ہو **قَوْمَا** ایسی قوم کو **نِ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ** جنہیں اللہ تعالیٰ تباہ وبرباد کرے گا اور انہیں جڑ سے اکھیڑ کر اپنی زمین کو اُن سے پاک وستھرا کرے گا **اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا** یا انہیں سخت عذاب میں مبتلا کرے گا ۔

سوال وعظ سے روکنا یا رُکنا تو گناہ ہے یہاں نیک لوگوں نے کیوں روکا ؟

جواب بطور مبالغہ کے کہا یہ کہا کہ جب دیکھا کہ وہ کوئی بات مانتے ہی نہیں پھر انہیں وعظ ونصیحت کرنے کا کیا فائدہ اس سے نہ تو ان کا وعظ سے انکار کرنا مطلوب ہے اور نہ ہی ان کی ان غلطیوں پر وہ راضی تھے ۔

قَالُوْا وعظ کرنے والوں نے **مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ** اپنے رب کریم سے معذرت کرتے ہوئے کہا ۔ معذرة مفعول لہٗ ہے یعنی ہم انہیں وعظ ونصیحت کرتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ سے معذرت کر کے ۔ المعذرة مصدر ہے بمعنے العذر بضم الاوّل وسکون الثانی ۔ انسان کا اپنی غلطیوں کے ازالہ کے لئے جدوجہد کرنا تاکہ اس کی غلطیاں معاف ہو جائیں ۔ مثلاً معذرت کرتے ہوئے بندہ کہے کہ میں نے یہ اس لئے نہیں کیا ۔ یا اُس کے کرنے کی وجہ یہ ہے یا کہے کہ اب مجھ سے یہ غلطی ہو گئی ہے آئندہ ایسے نہیں کروں گا ۔

اور **مَعْذِرَۃً اِلٰی رَبِّکُمْ** بھی ایک قسم کی توبہ ہے اس لئے کہ ہر عذر کو توبہ کہا جا سکتا ہے۔ لیکن ہر توبہ کو عذر نہیں کہا جا سکتا۔ بعض کہتے ہیں کہ **المعذرۃ** بمعنے الاعتذار ہے مثلاً کہا جاتا ہے **اِعْتَذَرْتُ اِلٰی ذُلَانٍ مِنْ جُرْمِیْ** میں نے فلاں کے آگے اپنی غلطی کا عذر پیش کیا اور یہ من سے متعدی ہوتا ہے اور عذر کرنے والا کبھی بطور احقاق کے ہوتا ہے اور کبھی اس کے برعکس۔ (کذا فی تاج المصادر)۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

① گر بمحشر خطاب قہر کند

انبیاً را چہ جائے معذرت است

② پردہ از لطف گو کہ بر دارد

کاشقیا را امید مغفرت است

ترجمہ ① اگر محشر میں اللہ تعالیٰ قہر کا حکم فرمائے تو انبیا علیہم السلام کو کونسا عذر ہے۔

② عرض کیجئے کہ وہ لطف سے پردہ ہٹائے کہ اس وقت اشقیاً کو بھی مغفرت کی امید ہے۔

وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ اس کا عطف معذرت پر ہے یعنی امید ہے کہ وہ غلطیوں سے بچ کر گناہوں کو چھوڑ دیں اس لئے کہ واضح حق کا قبول کرنا سمجھدار سے اُمید کی جا سکتی ہے اور نا اُمیدی ہلاکت و تباہی و بربادی ہونے والوں میں سے نہیں تھے ورنہ **لَعَلَّهُمْ** کے بجائے **لَعَلَّكُمْ** ہوتا۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ پس جبکہ بھول گئے جو انہیں نصیحت کی گئی یعنی متنبا انہیں نیک لوگوں نے نصیحتیں کیں سب کو پس پشت ڈال دیا جیسے بھولنے والے کے ذہن سے بات بالکل اُتر جاتی ہے ایسے انہوں نے واعظوں کی بات کو خیال تک نہ لائے کہ نصیحت کرنے والوں کے تمام کلمات سے ایسی بے اعتنائی برتی کہ گویا انہوں نے سُنا ہی نہیں۔ مسبب بول کر سبب مُراد لیا ہے۔ **اَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ یَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ** ہم نے انہیں نجات دی جو بُرائیوں سے روکتے تھے۔ یعنی شکار کرنے سے ہم نے انہیں بچایا جو بُرائیوں سے روکنے والے تھے وہ دو گروہ تھے جن کا ابھی ذکر گذرا ہے۔

فائدہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ مداہن اور متحمل ہر دونوں عذاب میں مبتلا ہوئے۔

فائدہ دو فرقے نجات پا گئے صرف ایک فرقہ ہلاک و تباہ ہوا۔ یہ امام حسن کا قول ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی تردید فرمائی ہے جس کا ناجی ہونا یقینی ہے دوسرا جس نے وعظ و نصیحت اگرچہ نہیں کی لیکن وعید تو سُنائی اور وعید سُنانا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے بہترین طریقوں سے ہے اور انہوں نے فرمایا وعید کا بلیغ کلمہ **لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا** ہے۔

فائدہ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول اقوی ہے (کذا فی تفسیر مدادی)

وَاَخَذْنَا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اور ہم نے ظالموں کی گرفت کی۔ یہاں یہ ظالموں سے حد سے تجاوز کرنے اور امر الٰہی کی مخالفت کرنے والے مُراد ہیں۔ **بِعَذَابٍ بَئِیْسٍ** بمعنی شدید معنًی بھی وزنًا بھی۔ **بِمَا کَانُوْا یَفْسُقُوْنَ** اخذنا کے متعلق ہے پہلی بآ جارہ کی طرح۔

سوال دو ظرفین اور ایک متعلق یہ کیسے؟

جواب جب دونوں معنًا مختلف ہوں تو جائز ہوتا ہے اب معنٰی یہ ہوا ہم نے اُن کے فسق میں سرکشی کی وجہ سے انہیں مذکورہ عذاب میں گرفتار کیا۔

فائدہ فسق بمعنے خروج عن الطاعۃ ہے۔ یہ بھی ظلم اور عُدوان ہے۔

فائدہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پہلے معمولی سے عذاب میں مبتلا کیا پھر وہ جب اس مہلت سے گمراہی و ضلالت اور سرکشی و بغاوت میں بڑھے تو انہیں مسخ میں مبتلا کر کے اُن کی جڑ کاٹ دی۔ چنانچہ فرمایا۔

فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ پس جب وقت ممانعت کے باوجود انہوں نے سرکشی کی یعنی اللہ تعالیٰ کی نہی سُن کر اُلٹا سرکشی اور تکبّر کیا۔ یہاں پر مضاف محذوف ہے اس لئے کہ دراصل ترک مانہوا عنہ تھا۔ مضاف اس لئے محذوف مانا گیا ہے کہ صرف منہی عنہ سے انکار و تکبیر مذموم نہیں بلکہ اس کے ترک سے تجرو بآ مذموم ہے یہ آیت اس حکم کے مطابق ہے کما قال تعالیٰ **وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ** یعنی جبکہ انہوں نے امر رب کے امتثال سے سرکشی کی۔ یہاں بھی امر سے پہلے امتثال کا لفظ مضاف محذوف ہے۔ عاتی ہر وہ سرکش جو فساد برپا کرے۔ کسی کی نصیحت کو ملنے کو بھی تیار نہ ہو **قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِیْنَ** ۝ ہم نے انہیں کہا کہ بندر ہو جاؤ ذلیل و خوار کر کے **خٰسِئِیْنَ** بمعنے صاغرین۔ ذلیل ترین اور لوگوں سے دور ہونے والے۔ قاموس میں ہے خسا الکلب بروزن منع یعنی کتے کو دفع کیا اور دُور بھگایا۔ القِردۃ قرد کی جمع ہے بمعنے بندر۔ اس کی مونث قردۃٌ آتی ہے اس کی جمع قمرد ہے جیسے قربۃ کی جمع قرب ہے اور کونوا امر تکوینی ہے نہ قولی نہ تکلیفی اس لئے کہ انہیں بندر بننے کی از خود طاقت نہیں تھی اور یہ تکلیف مالا یُطاق محال ہے۔ علاوہ ازیں حقیقتاً نہ یہاں قول ہے اور نہ امر نہ مامور۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ انہیں بندر بنا دے تفصیل کے لئے دیکھیں فیوض الرحمن ترجمہ تفسیر روح البیان سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۶۵

مسخ ہونے والوں کا واقعہ مروی ہے کہ یہود کو ہماری طرح کا حکم ہوا کہ وہ جمعہ کی تعظیم بجا لائیں انہوں نے جمعہ ترک کر کے ہفتہ کو اختیار کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد۔ **انما جعل السبت علی الذین اختلفوا فیہ** اسی طرف اشارہ کرتا ہے اُن کے اس غلط اختیار کی انہیں سزا ملی۔ اُس دن اُن پر شکار کرنا حرام ہو گیا۔ اور مامور کئے گئے کہ اس دن صرف عبادت کریں۔ اسی طرح اُس کی تعظیم بجا لانا ہو گی۔ ادھر مچھلیوں کو حکم ہوا کہ وہ صرف ہفتہ کے دن ظاہر ہوں چنانچہ ہفتہ کے دن بہت بڑی بڑی اور بہترین اور موٹی مچھلیاں پانی پر تیرتی نظر آتیں اور اتنی کثیر التعداد کہ پانی کو ڈھانپ لیتیں اور باقی دنوں میں ایسی چھپ جاتیں کہ ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہتا۔ عرصہ دراز تک ایسے ہی رہا۔ اُن کے ہاں ابلیس پہنچ گیا اور

آپ نے فرمایا ہاں ہوگا۔ لیکن اُس وقت جبکہ وہ لوگ[1] ریشم پہنیں گے اور زنا کو مباح جانیں گے اور شراب عام پیئں گے پھر تول میں کمی بیشی کریں گے اور گانے بجانے اور اُس کے سُننے سنانے میں مشغول ہو جائیں گے اور دف بجائیں گے اور حرم شریف کے اندر شکار حلال سمجھیں گے۔

تفسیر صُوفیانہ آیت میں القریہ سے جسد حیوانی اور البحر سے بشریت اور اہل قریہ سے صفاتِ انسانیہ مُراد ہیں اور صفات انسانیہ تین قسم ہیں۔

① روحانی جیسے رُوح کے صفات۔
② قلبی جیسے قلب کے صفات۔
③ نفسانی جیسے نفس امارہ کے صفات۔

ان سب کو روکا گیا ہے کہ وہ محارم الٰہی کے ہفتہ میں دواعی بشریہ کی مچھلیوں کا شکار نہ کریں انسان کی ایک قسم وہ ہے جس نے حکم سنتے ہی تعمیل کے لئے سر تسلیم خم کر دیا۔ یعنی شکار کرنے سے رُک گئی۔ یہ صفات روحانیہ ہیں دوسری وہ ہے جس نے خود تو شکار نہ کیا لیکن دوسروں کو بھی نہ روکا۔ یہ صفات قلبیہ ہیں تیسری وہ جو جس نے شکار میں بھرپور حصّہ لیا۔ یہ صفات نفسانیہ ہیں۔

صاحب رُوح البیان کے شیخ یعنی پیر و مُرشد کی صوفیانہ تقریر صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے شیخ نے فرمایا کہ نفس امارہ کا طور یوم سبت میں یہی ہے کہ وہ اپنے تمام اہل وعیال سے منقطع ہوگیا جبکہ اُس نے طاغوت وجبت کی اتباع قبول کی اور اُس کے شہر حرام یہی ہیں کہ مُراد اور قربت و وصال الٰہی سے محرومی کا طوق گلے میں ڈالا اور اُس کا نجم قمر اور اس کا فلکِ آسمان دُنیا ہے اور اس کی نصیحت کے متعلق آیت یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمنوا اتقوا اللہ و قنظر لنفس مَا قَدَّمَتْ لِغَدٌ کافی ہے۔

فائدہ نفس کی عادت ہے کہ وہ شیطان کو دھوکہ دینے اور اُس کے اُبھارنے پر دواعی بشریت میں منہمک ہوجاتا ہے اس لئے کہ انسان کی عموماً عادت ہے کہ جس چیز سے اُسے روکا جائے اس پر بہت زیادہ حریص ہوتا ہے اور جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے نہیں روکا ان میں نفس کو رغبت تک نہیں ہوتی۔ جس میں روحانی صفات اور نفس پر غلبہ اور اُس کے صفات کا تزکیہ وتحلیہ جیسے اوصاف پائے جائیں یقین کرلو کہ وہ اہل نجات وارباب درجات واصحاب قربات سے ہے اگر اس پر نفس کا غلبہ اور اُس کے صفات کا حملہ ہو تو سمجھو کہ وہ اہل ہلاکت وارباب درکات واصحاب مباعدات سے ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

① نفس تو تا مست و تازہ است و قدید
وانکہ روحت حاسۂ غیبی ندید

---

[1] مسلمانو! بتاؤ اب ان اُمور میں باقی کونسی کمی رہ گئی ہے۔ سنبھلو اب وقت ہے ورنہ پھر پچھتانا کام نہ دے گا ۱۲ اویسی غفرلہٗ

② کہ علاماتست زاں دیدار نور
التجافی منک عن دار الغرور
③ وانکہ آنکہ عقل او مادہ بود
نفس زشتش نرو امادہ بود
④ لاجرم مغلوب باشد عقل او
جز سوئے خسران نباشد نقل او
⑤ وصف حیوانی بود بر زن فزوں
زانکہ سوئے رنگ و بو دارد زکون

ترجمہ ① تیرا نفس مکمل اور تازہ اور مضبوط ہے تیری رُوح نے غیبی حس کو بھی نہیں دیکھا۔
② اس نور کے دیدار علامات میں سے ہے کہ تو دار الغرور سے کنارہ کش رہ۔
③ اس پر افسوس ہے جس کی عقل مادہ ہے اس کا نفس پلید نر اور ہوشیار رہے۔
④ اس اعتبار عقل ہمیشہ اس سے مغلوب رہے گی اسے سوائے خسارہ کے کوئی چارہ نہ ہوگا۔
⑤ حیوانی وصف مادہ میں زیادہ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ رنگ و بو کی طرف مائل ہوتی ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ تاذن بمعنے آذن جیسے توعد بمعنے واعد اور الایذان بمعنے الاعلام اور بمعنے عزم اس لئے جو شخص کسی امر کا پختہ ارادہ کر کے قصد مصمم رکھتا ہے تو اس سے اس کا نفس اُس کے ساتھ بولتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس فعل کے وقوع کو ایک مقرر وقت تک اپنے علم و ارادہ سے معلق کیا۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ اے حبیب کریم محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہودیوں کے اس وقت کو یاد کیجئے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے مقدر فرمایا کہ لَيَبْعَثَنَّ البتہ اٹھائے گا۔ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اُن پر قیامت تک۔ علیہم لیبعثن کے متعلق ہے اور لَيَبْعَثَنَّ کی لام جواب قسم کے لئے ہے اس لئے کہ وَاِذْ تَاَذَّنَ الخ قسم کے قائم مقام ہے جیسے لفظ علم اللہ وشہد اللہ" قسم کے قائم مقام آتے ہیں اس لئے کہ یہ دونوں اپنی خبر موذن بہٖ کی تاکید کے لئے واقع ہوتے ہیں۔ بنا بریں انہیں قسم کے قائم مقام سمجھا جاتا ہے۔ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ ایسے لوگ جو انہیں رنج پہنچائیں گے۔ سَوم بمعنے رنج بچشانیدن (کذا فی تاج المصادر)

سُوْٓءَ الْعَذَابِ، سخت عذاب سے۔ جیسے ذلیل و خوار کرنا اور جزیہ مقرر کرنا۔ اسی طرح کے اور گوناگوں عذاب چنانچہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد بخت نصر کو اُن پر مسلط فرمایا جس نے اُن کی آبادیوں کو تہ و بالا کر دیا اور اُن کے بقایا جزیہ مقرر کیا جو مجوسیوں کو ادا کرتے تھے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ وآلہ وسلم کے ظہور تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ آپ نے بھی اُن پر جزیہ مقرر فرمایا۔ اور وہ اسی طرح ذلیل و خوار ہوں گے۔

فائدہ عدادی نے فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت تک یہود کو عزت و احترام نصیب نہیں ہوگا۔

اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۚ بے شک تمہارا رب جلد حساب لینے والا ہے اور انہیں دنیا میں بھی عذاب میں مبتلا کرے گا وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اور بے شک جو ان کے حضور میں تائب ہو کر ایمان لائے اس کے لئے غفور رحیم ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ شیطان کو تا قیامت مہلت دی گئی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی انسانی مخلوق کو تکالیف و مصائب کا شکار بنائے یعنی قربت الٰہی سے دُور کرے اور گمراہی پر اُبھارے اور عبودیت میں کمزوری پیدا کرے اور راہ مستقیم سے پھیرے اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۚ اور انہیں دنیا میں سزا دیتا ہے اور مہلت بھی تاکہ گناہوں میں منہمک ہوں اور یہ اُن کی دنیوی سزا ہے اور یہی اُخروی سزا کا موجب بنتی ہے وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے گناہ بخشتا ہے جو اس کی طرف تائب ہو کر رجوع کریں۔ یعنی اگر قلوب و ارواح نفس کی متابعت اور اُس کی خواہش سے تائب ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے اپنی کوتاہیوں پر استغفار کریں تو اللہ تعالیٰ غفور ہے اور جو توبہ کر کے اس کی طرف رجوع کرے تو اس کے لئے رحیم ہے۔

تفسیر صُوفیانہ کی دوسری تقریر اِنَّهٗ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ یعنی اہل ایمان کو دنیا میں مختلف تکالیف و مصائب میں مبتلا کرتا ہے یعنی خوف اور بھوک اور نقص اموال والانفس والثمرات جیسے مصائب اُس کے گناہوں کا کفارہ بنیں یہاں تک کہ جب وہ دنیا سے رخصت ہوں تو گناہوں سے بالکل پاک ہوں انہیں آخرت میں کسی قسم کا عذاب نہ ہوگا وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اور ایسے لوگوں کے لئے آخرت میں اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

حکایت حضرت یحییٰ علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام سے ملے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہنس پڑے۔ یحییٰ علیہ السلام نے انہیں فرمایا کیا وجہ ہے کیا آپ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے مطمئن ہیں۔ یعنی تمہیں اللہ تعالیٰ کا کوئی خوف نہیں رہا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تو آپ اتنا خوفزدہ کیوں ہیں۔ کیا آپ کو اللہ تعالیٰ کی رحمت پر کوئی اُمید نہیں۔ دونوں نے کہا ہم دونوں اپنے نظریہ پر قائم نہیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے وحی آئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی طرف وحی بھیجی کہ تم میں سے مجھے وہی زیادہ محبوب ہے جو میرے ساتھ حُسنِ ظن رکھتا ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

① نہ یوسف کہ چندیں بلا دید و بند
چو حکمش رواں گشت و قدرش بلند

② گنہ عفو کرد آل یعقوب را
کہ معنیٰ بود صُورت خوب را

③ بکردار بدشاں مقید نہ کرد
بضاعات مزجات رد نہ کرد

④ زلطفت ہمی چشم داریم نیز
بریں بے بضاعت ببخش اے عزیز

ترجمہ: ① دیکھئے یوسف علیہ السلام نے کتنی مصیبتیں اور قیدیں دیکھیں جب ان کا حکم جاری اور قلندر بلند ہوا۔
② آل یعقوب (علیہ السلام) کا گناہ معاف فرمایا حسین صُورت کو ایسا معنیٰ ہونا ہوتا ہے۔
③ انکے بُرے کردار سے انہیں مقید نہ کیا اور نہ ہی انکی معمولی پونجی رد کی۔
④ ہم بھی تیرے لُطف سے (اے اللہ) یہی اُمید رکھتے ہیں اے غالب (رب تعالیٰ) ہماری بے بضاعتی کے باوجود ہمیں بخش دے۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ وہ اپنے رب پر حُسنِ ظن کے عقیدہ پر مضبوط رہے اور عبادت کے متعلق معمولی طور پر بھی سستی اور تکاسل نہ برتے اس لئے کہ کشتی خشکی پر نہیں چل سکتی۔

حکایت مع نصیحت حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے بصرہ کے ایک جنگل میں سعدون مجنون کو دیکھ کر کہا آپ کا کیا حال ہے اور زندگی کیسے گذُر رہی ہے۔ اُنہوں نے فرمایا اے مالک اس کا کیا حال پوچھتے ہو جو صبح و شام بہت بڑے سفر کو گلے لگا رہا ہو اور اُس کے ہاں زادِ سفر اور سامانِ راہ بھی نہ ہو اور جانا بھی ایسے مالک کے ہاں ہو جو عادل ہو اور اُس کا فیصلہ بھی عوام کے سامنے ہوگا۔ یہ کہہ کر خوب رویا۔ میں نے اُس سے پوچھا آپ روتے کیوں ہیں انہوں نے فرمایا نہ مجھے غمِ دُنیا ہے اور نہ ہی موت سے گھبرایا ہوں رونا اس لئے آتا ہے کہ زندگی آوارگی میں گذر گئی کوئی نیکی بھی پلے نہ باندھ سکا۔ اب گریہ و زاری کے سوا اور کیا کروں جبکہ جانتا ہوں کہ زادِ راہ بالکل نہیں لیکن سفر بہت لمبا ہے اور سفر کی منزلیں بھی پُرخطر ہیں۔ سفر طے کرنے کے بعد یہ بھی پتہ نہیں کہ میرا مالک مجھے جنت میں بھیجتا ہے یا کہ دوزخ میں۔ میں نے اُن کی پُرحکمت گفتگو سے متاثر ہو کر عرض کی کہ لوگ آپ کو مجنون (پاگل) کہتے ہیں حالانکہ آپ کی باتیں حکیمانہ اور دانشمندانہ ہیں۔ انہوں نے فرمایا آپ کو بنی اسرائیل کی طرح دھوکہ ہوا۔ لوگوں کا غلط خیال ہے مجھے جنون نہیں بلکہ اپنے محبوب کی محبت میں ایسا پگھل گیا ہوں کہ اب میرا قلب اور آنتیں ایک ہو گئی ہیں اور عشق نے میرے گوشت اور خون اور ہڈیوں کو جلا کر راکھ بنا دیا ہے۔ بس میں اگر مجنون ہوں تو اُسی کے عشق کا جنون ہے اور حیرانی چھائی ہے تو اُسی کی محبت کے شغف نے مجھے دنیا سے ناآشنا بنا دیا ہے۔ میں نے اُس سے عرض کی تو پھر آپ لوگوں کے ساتھ بیٹھتے کیوں نہیں اُن سے متنفر ہو کر جنگلوں اور ویرانوں میں کیوں پھرتے رہتے ہیں۔ اس کے جواب میں انہوں نے مندرجہ ذیل شعر پڑھا۔

کن من الناس جانبا
وارض با اللہِ صاحبا
قلب الناس کیف شئت
تجدهم عقاربا

ترجمہ: لوگوں سے علیحدگی اختیار کر کے اللہ تعالیٰ کی دوستی میں زندگی بسر کرو۔ اس لئے کہ لوگوں کے خیالات کا کیا کہنا وہ تو دوسروں کو زک پہنچاتے ہیں بچھوؤں سے کم نہیں ہیں۔

(روض الریاحین للیافعی رحمہ اللہ تعالیٰ)

تفسیر عالمانہ **وَقَطَّعۡنٰهُمُ** اور ہم نے بنی اسرائیل کے گروہ بنائے **فِی الۡاَرۡضِ** زمین میں۔ یعنی ہم نے ہر فرقہ ان تتے بتایا۔ زمین کے ہر ہر علاقہ میں کہ کوئی علاقہ بھی اُن سے خالی نہیں کہ جہاں یہاں سے کوئی فرقہ نہ ہو۔ بطور سزا کے جبکہ انہوں نے حق سے روگردانی کی تاکہ متحدر رہنے سے اُن کی شان و شوکت نہ بڑھے۔

اُمَمًا یہ **قَطَّعۡنٰهُمُ** کے مفعول سے حال ہے۔ یعنی اُن کا حال یہ تھا کہ وہ بہت بڑی جماعتیں تھیں۔ یا قَطَّعۡنَا مفعول ثانی ہے باعتبار اس کے کہ وہ صیرنا کے معنےٰ کو متضمن ہے۔

مِنۡهُمُ الصّٰلِحُوۡنَ بعض اُن میں نیک بخت ہیں۔ یہ **اُمَمًا** کی صفت ہے۔ اُن سے وہ حضرات مُراد ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین کے سچے پیروکار تھے **وَمِنۡهُمۡ دُوۡنَ ذٰلِكَ** اور بعض ان کے ماسوا تھے **دُوۡنَ ذٰلِكَ** موصوف محذُوف کی صفت ہے یہ دراصل **وَمِنۡهُم نَاسٌ دُوۡنَ ذٰلِكَ** تھا اور وہ محذوف موصوف یعنی ناس اپنی صفت سے مل کر مُبتدا اور منہم اس کی خبر ہے۔

سوال ظرف مبتدا بننے بلکہ وہ کسی مسند الیہ ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی اور یہاں پر دونوں ظرفین ہیں؟

جواب علامہ تفتازانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ عرب میں عام شائع و ذائع ہے کہ مُبتدا و خبر دونوں ظرف واقع ہو سکتی ہیں۔ اس قاعدہ پر نحویوں نے کہا جب ایسی صورت واقع ہو تو ظرف اوّل کو مبتدأ اور دوسری کو خبر بشرطیکہ اس ظرف میں موصوف محذوف نہ مانا جائے۔ جیسے یہاں کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے برعکس کرنا جائز ہے۔ اگرچہ معنوی لحاظ سے یہ بہت بعید ہے ایسی صورت میں خبر کو مؤخر کرنا اَولیٰ ہوتا ہے اور ساتھ ہی یہ نحویوں نے کہا ہے کہ ایسی صُورت میں موصوف کو محذوف ماننا اولیٰ ہے۔

فائدہ اسمیں یہ بھی اشارہ ہو گیا کہ یہاں بھی صلاحیت کو محذوف ماننا مناسب ہوگا۔ جیسے اس سے قبل وَمِنۡهُمُ الصالحون" اس پر دلالت کرتا ہے۔ گویا اصل عبارت وَ **مِنۡهُمُ اهل ذلك الصلاح** ہونی چاہیئے تھی۔ یعنی یہ لوگ اہل صلاح کے درجہ سے گرے ہوئے ہیں اس سے کافر یا فاسق لوگ مراد ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہاں **ذٰلِكَ** بمعنے **اُولٰٓئِكَ** ہوا اور اُس کا مشار الیہ صالحون ہے۔

قاعدہ نحویہ نحویوں کا مسلّم قاعدہ ہے کہ ذٰلِكَ اسم اشارہ مفرد تثنیہ جمع سب کے لئے مستعمل ہوتا ہے (کذا فی حواشی سعدی چلپی[1])

---

[1] والتفصیل فی شرح نعم الحامی شرح جامی ۱۲۔ اُویسی غفرلہٗ

وَبَلَوْنٰهُمْ اور ہم نے انہیں آزمایا۔ یعنی اُن سے وہ معاملہ کیا جو آزمائش و امتحان والوں سے کیا جاتا ہے بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّیِّاٰتِ نیکیوں اور برائیوں یعنی نعمتوں اور سزاؤں سے کہ کبھی انہیں بہت زیادہ مالدار بنا دیا اور تندرستی سے نوازا۔ کبھی بھوک اور فاقہ اور دیگر تکالیف میں مبتلا کر دیا۔ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ تاکہ لوٹ آئیں یعنی برائیوں سے رک جائیں۔ اور کفر و معاصی کو چھوڑ کر نیکی کا راستہ اختیار کریں۔ اس لئے کہ حسنات و سیئات ہر دو نوں طاعت و فرمانبرداری کی طرف بلاتی ہیں۔ کیونکہ حسنات میں طاعات کی ترغیب اور سیئات میں خوفِ خداوندی کی تذکیر ہوتی ہے۔

فائدہ کاشفی نے لکھا کہ نعمت میں شکر کرنے کے بجائے سرکشی اور تکبر میں مبتلا ہو گئے۔ مثلاً کہا۔ اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَآءُ اور تکالیف میں بجائے صبر کرنے کے ناشائستہ باتیں کیں۔ مثلاً يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ بے چارے یہ دونوں امتحانوں میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ؎

خوش بود گر محک تجربہ آید میاں
تا سیہ روئی شود ہر کہ درو غش باشد

ترجمہ: اچھا ہے اگر کسوٹی کا تجربہ درمیان میں آئے اس لئے کہ جس میں جھوٹ ہوتا ہے اسے رسوائی ہوتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات النجمیہ میں ہے کہ بَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ ہم نے اُن کی طاعت سے آزمائش کی کہ وہ کثرت طاعت سے عجب میں مبتلا ہو گئے جیسے ابلیس کا حال ہوا کہ کثرت عبادت پر عجب میں مارا گیا۔ وَالسَّيِّاٰتِ اور سیئات یعنی معاصی میں مبتلا ہو کے انہیں غلطی تصور کر کے تائب ہونے اور ندامت کے اظہار سے ہم نے انہیں آزمایا کہ غلطی کے بعد اللہ تعالیٰ کے خوف و خشیہ سے تائب و نادم ہوئے جیسے حضرت آدم علیہ السلام نے کیا کہ گندم دانہ کھانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہو کر عرض کی۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا

تفسیر عالمانہ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ یعنی مذکورہ لوگوں کے بعد اُن کے جانشین ہوئے۔ خَلْفٌ نااہل لوگ اُن سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمزمان یہود مراد ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے پیرو کاروں کے جانشین تھے۔ لیکن اُن کی مخالفت کر کے حضور علیہ السلام کے دشمن بن گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں زمین پر مختلف علاقوں میں پھیلا دیا جیسے آج بھی اُن کی حالت ہے کہ کوئی روس میں دھکے کھا رہا ہے انیں کوئی امریکہ کی چاپلوسی میں سرمست ہیں کوئی برطانیہ کے کاسہ لیس وغیرہ۔

بعض اُن میں نیک بھی تھے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام اور اُن کے ساتھی جنہوں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری قبول کر کے تہ دل سے اسلام کے شیدائی و مِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ اور بعض اُن میں صلاحیت سے خالی ہیں جیسے عام یہود (یعنی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کے باغی اور اپنے اصلی دین موسوی سے بھی منحرف) الخلف مصدر ہے لیکن صفت کا معنےٰ دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ واحد و جمع دونوں کے لئے مستعمل ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے "خلف فلاں فلانا" یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کو پارٹی میں اپنا نائب اور جانشین بنا جائے یعنی اسے

اپنا قائم مقام چھوڑ جائے کہ قوم اور برادری کے جملہ امور کی تدبیر اس کے سپرد ہوں۔

فائدہ ابن الاعرابی نے فرمایا الخلف بفتح اللام ہو تو بمعنے نیک اور جانشین اگر باسکان اللام ہو تو بُرا جانشین مراد ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ردی کلام کو بھی خلف کہا جاتا ہے۔

فائدہ محمد بن جریر نے کہا کہ مدح میں اکثر بفتح اللام مستعمل ہوتا ہے اور ذم میں بتسکین اللام اور کبھی اس کے برعکس یعنی بفتح اللام ذم پر اور تسکین اللام مدح پر بولتے ہیں اور ساتھ یہ بھی کہا کہ میرا خیال یہ ہے کہ ذم پر جب مستعمل ہو گا تو خلف اللبن سے ماخوذ ہو گا۔ وہ اُس وقت بولتے ہیں جب دودھ کھٹا ہو جائے جبکہ اُس کے برتن میں اتنا دیر تک رکھا جائے تو وہ خراب ہو جائے۔ اس سے وہ محاورہ بھی ہے کہ اہل عرب کہتے ہیں خلف فم الصائم یہ اس وقت بولتے ہیں جب اس کے منہ کی بو میں تغیر آجائے۔ گویا مراد اہلِ فساد مشبہ بہ اور فم الصائم مشبہ اور وجہ تشبیہ تغیر و فساد ہے۔

خلاصہ یہ کہ خلف خیر و شر ہر دونوں کے لئے مستعمل ہوتا ہے البتہ بفتح اللام اکثر خیر کے لئے مستعمل ہوتا ہے (کذا فی تفسیر الحدادی)۔

وَرِثُوا الْكِتٰبَ وہ کتاب کے وارث ہوئے یعنی اپنے بڑوں سے کتاب تورات کے وارث ہوئے جسے وہ پڑھتے اور اُس کے مضامین کو سمجھتے تھے۔

فائدہ میراث ہر اُس شے کو کہا جاتا ہے جو مرنے والے سے کسی کو ملے اور یہ محلاً مرفوع ہے کہ خلف کی صفت ہے۔

يَأْخُذُوْنَ عَرَضَ اس ادنیٰ کے اسباب حاصل کرتے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے یعنی دُنیا کمینی کے اسباب حاصل کرتے ہیں ادنیٰ دنو سے مشتق ہے بمعنے القرب هذه الدار وهذه الحيوة۔

فائدہ دُنیا سے اسے اس لئے موسوم کرتے ہیں کہ وہ انسان کو قریب اور جلدی سے ملتی ہے۔ مثلاً کہتے ہیں دنوت منه دنوا یعنی میں اُس کے قریب ہوا اور الدانی بمعنے القریب یا الدنیا الدناة سے مشتق ہے مثلاً کہا جاتا ہے دنا الرجل دناءة یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی خسیس اور کمینہ ہو جائے کہ اُس میں کسی قسم کی بھلائی نہ ہو اور یہودیوں کا تورات کے ذریعے دنیوی اشیاء لینے سے اُن کی رشوتیں لینا اور کلام حق (تورات) کی تحریف مراد ہے۔

فائدہ حدادی نے کہا کہ متاعِ دنیا کو عرض سے اسلئے تعبیر کرتے ہیں کہ دنیا کے تمام ساز و سامان فانی ہیں گویا عارضی طور چند لمحات کے لئے حاصل ہو کر فنا ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا هذا عارض ممطرنا اس میں عارض سے بادل مُراد ہے کہ وہ بھی عارضی طور نمودار ہو کر چھپ جاتا ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ج کہتے ہیں کہ عنقریب ہمیں بخش دیا جائے گا یعنی اللہ تعالیٰ ہمیں غلطیوں پر مواخذہ نہیں فرمائے گا۔ بلکہ ہماری غلطیوں سے درگذر فرمائے گا۔ مثلاً کہا جاتا ہے غفر الله ذنبه یہ اس وقت کہا جاتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کسی کے گناہ چھپا کر معاف فرما دے۔

سَيُغْفَرُ یہ جار مجرور یعنی لنا کی طرف مسند یا یاخذون کی ضمیر کی طرف مسند ہے جیسے عدلوا هو اقرب میں۔

اب عبارت یوں ہوگی۔ سَيُغْفَرُ لَنَا اَخْذَ الْعَرَضِ الاَدْنٰی

تفسیر صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ بعض نفوس کی عادت ہے کہ وہ مواہبِ ربانیہ اور کشوف روحانیہ کو عروضِ دنیوی کا ذریعہ سمجھ کر انہیں مال وجاہ اور لذات وشہوات رائی میں صرف کرتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ سَيُغْفَرُ لَنَا ہمیں بخش دیا جائے گا اس لئے کہ ہم بہت بڑے مقام ومرتبہ کو پہنچ چکے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ ہماری غلطیاں اور تمام گناہ معاف فرمائے گا جیسے بعض اہل اباحت کا مذہب[1] ہے۔ یہ ان کا سراسر دھوکا اور فریب اور جہالت اور حماقت ہے۔

فائدہ یہاں ایک اور معنیٰ بھی ہوسکتا ہے کہ جب ہم بخشش مانگتے ہیں تو ہم کو بخش دیا جاتا ہے حالانکہ اُن کی یہ استغفار صرف زبان تک محدود ہوتی ہے دل سے نہیں اس لئے کہ ان کی یہ بات بھی دھوکہ اور فریب کاری سے خالی نہیں۔

وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ اور اگر ان کے ہاں اُس جیسا اور سامان آئے تو اُسے لے لیتے ہیں اور يَقُوْلُوْنَ کے فاعل سے حال ہے یعنی وہ حکم الٰہی غلط بتا کر اور عوام کے رجحان کے مطابق تورات میں تحریف کرنے پر رشوت لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے اس کاروبار پر اللہ تعالیٰ ہمیں نہیں پکڑے گا یعنی جو کچھ ہم اسباب دنیوی لیتے ہیں اللہ تعالیٰ ہماری غلطیوں سے درگذر فرمائے گا یہ کہتے جاتے ہیں اور دنیوی اسباب یعنی رشوتیں لیتے بھی جاتے ہیں اس رویہ سے تائب نہیں ہوتے۔

اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ کیا اُن سے عہد مذکور کتاب تورات میں نہیں لیا گیا تھا۔

اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ کہ اللہ تعالیٰ پر سوائے حق کے اور کوئی بات نہ کہنا۔ یہ میثاق سے عطف بیان ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ پر تہمت پردازی چھوڑ دو۔ مثلاً یقینی طور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بخش دے گا اور گناہوں کا دھڑا دھڑ ارتکاب کئے جا رہے ہیں وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ اور جو کچھ تورات میں ہے اُسے انہوں نے پڑھا بھی ہے کیا یہ حکم انہیں انہوں نے نہیں پڑھا ہوگا۔ من حیث المعنیٰ اس کا عطف اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ الخ پر ہے اس مضمون کی تقریر یہ ہے یعنی واقعی اُن سے کتاب میں وعدہ لیا گیا اور واقعی وہی حکم انہوں نے خود بھی کتاب میں پڑھا۔

فائدہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا عطف لَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ پر ہو تو استفہام کا تعلق ہر دو نوں افعال سے ہو اس معنیٰ پر یہ استفہام تقریری ہے۔

وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ یہ نجات کی دار یعنی آخرت۔ خَيْرٌ دار دنیا سے بہتر ہے لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ان لوگوں کے لئے ——— جو حرام خوری اور افترا علے اللہ سے بچتے ہیں اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کیا وہ سمجھتے نہیں یعنی جب انہیں معلوم ہے تو ان پر لازم ہے کہ اعلیٰ یعنی دائمی نعمت کے عوض ادنیٰ یعنی دنیوی اسباب نہ لیں۔

وَالَّذِيْنَ اور اُن لوگوں کے لئے بھی بہتر ہے۔ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ جو اپنے دینی امور میں کتاب سے تمسک پکڑتے ہیں۔

---

[1] بعض صوفیوں کا۔ ۱۲ اویسی غفرلہ

فائدہ یمسّکون کا مادہ تمسک ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے مَسَّک بالشیٔ و تمسّک بہ یعنی تفعّل اور تفعیل کا ایک معنےٰ ہے۔

فائدہ حضرت مجاہد نے فرمایا کہ اُس سے وہ لوگ مراد ہیں جو تورات کے سچے اور صحیح عامل تھے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام اور اُن کے ساتھی۔ اس لئے کہ ان حضرات نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی کتاب سے تمسک پکڑا اور اس کے صحیح اور سچے عامل رہے نہ انہوں نے تورات کی تحریف کی اور نہ ہی اس سے کوئی احکام چھپائے اور نہ اسے لوگوں سے کھانے پینے اور مال بٹورنے کا سبب اور وسیلہ بنایا۔

فائدہ حضرت عطاؒ نے فرمایا کہ اس سے حضور نبی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اُمّت مراد ہے تو الکتاب سے قرآن مجید مراد لینا ہوگا۔

وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ اور انہوں نے نماز قائم کی۔

سوال نماز کا ذکر یُمَسِّکُوْنَ بِالْکِتٰبِ میں عمومی طور ہو گیا پھر اُسے علیحدہ ذکر کرنے کا کیا فائدہ؟

جواب یہ ذکر الخاص بعدَ ذکر العامّ کے قبیل سے ہے تاکہ نماز کی فضیلت اور اُس کے مہتم بالشان ہونے پر تنبیہ ہو اس لئے کہ ایمان کے بعد نماز کی پابندی تمام عبادات سے افضل ہے اس لئے اسے ذکر کیا گیا تاکہ باقی انواع احکام سے اُس کی شرافت اور بزرگی نمایاں ہو۔

① خانۂ دین خویش را چوں خدا
بر ستون نماز کرد بنا

② بے شکے تا ستون بجائے بود
خانۂ دین حق بپائے بود

ترجمہ: ① جب اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے گھر کی بنا نماز پر رکھی ہے۔

ترجمہ: ② تو یقیناً جب تک ستون قائم رہیں گے تو دین کا گھر بھی قائم رہے گا۔

اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِیْنَ ۝ بے شک ہم نیک لوگوں کی نیکی ضائع نہیں کرتے یعنی اُن کے قول و عمل کا انہیں پورا اجر دیتے ہیں۔

فائدہ کاشفی نے کہا کہ نیک بخت لوگ نیکی کرتے ہیں ہم انہیں ان کی نیکی کا اجر اور ثواب عنایت فرماتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ اصلاح ۲ دو قسم ہے۔
① اصلاح ظواہر۔
② اصلاح بواطن۔

اصلاح ظواہر یہ ہے کہ اعمال صالحہ پر پابندی اور اصلاح بواطن یہ ہے کہ نفس کی ایسی تربیت کی جائے کہ اسمیں

فیض الٰہی کے نُور قبول کرنے کی استعداد ہو جائے۔

سبق دورِ حاضرہ میں قرآن پاک پر عمل نہ کرنے کی عادت بن گئی ہے بہت بڑے نیک بخت لوگوں بلکہ بہت بڑے اولیاء اللہ کی اولاد بد اعمالی کے شکار ہو کر بدبختوں کے زمرے میں شریک ہو گئی[1] ہے اور دنیا کی رنگینیوں پر فریفتہ نظر آتے ہیں۔

حکایت حضرت حسن البصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ستر بدری صحابہ رضی اللہ عنہم کو آنکھوں سے دیکھا کہ وہ حلال اشیأ سے پرہیز کرتے کہ نا معلوم اس کے متعلق ہم حساب دے سکیں گے یا نہ۔ لیکن تم حرام کردہ اشیأ سے نہیں بچتے بلکہ اُن کے ارتکاب کے بہت منہمک نظر آتے ہو حالانکہ وہ اپنے دور میں تمہارے سے زیادہ سخت تکالیف میں مبتلا تھے لیکن اس کے باوجود شادکام تھے۔ اگر تم ان کو دیکھتے تو سمجھتے کہ یہ مجنون (پاگل) ہیں اگر وہ آج تمہارے بہتر سے بہتر لوگوں کو دیکھ لیں تو کہیں گے کہ انہیں بداخلاقیاں کہاں سے نصیب ہوئی ہیں۔ اگر وہ تمہارے اشرار کو دیکھ لیں تو فوراً فتویٰ صادر فرما دیں کہ انہیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ (جل جلالہٗ وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان نہیں۔ اگر وہ ان حضرات کو اپنا حلال پیش کریں تب بھی وہ اس خطرہ سے قبول نہ کریں گے کہ اُن کی حالت خراب فلہٰذا نا معلوم یہ مال حلال کا ہے یا حرام کا۔ اس شک وشبہ کی بناء پر اُسے ترک کر دیں گے۔

حکایت سیدنا اُویس قرنی رضی اللہ عنہ سے حضرت ہرم نے عرض کی کہ مجھے کہاں رفاقت پذیر ہونا چاہیئے آپ نے انہیں شام کے علاقہ کے لئے اشارہ فرمایا۔ انہوں نے عرض کی وہاں کے لوگوں کی معاش کیسی ہے حلال کی معاش کے خوگر ہیں یا حرام خوار۔ آپ نے فرمایا یہ مت پوچھیئے اُن کے دلوں پر مشتبہات کا اثر ہو چکا۔ ہاں اللہ تعالیٰ کی توفیق شاملِ حال ہو تو وہ علیحدہ بات ہے۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ؎

خانہ پر گندم ویک جو نفرستادہ بگور
غم مرگت چو غم برگ زمستانی نیست

ترجمہ: گھر گندم سے پُر ہے لیکن تو نے اپنی قبر کے لئے ایک جو بھی نہ بھیجا۔ تجھے موت کا اتنا غم بھی نہیں کہ جتنا سردیوں کی موسم میں تیری کھیتی کے پتے جھڑنے پر تجھے غم ہوتا ہے۔

سبق اس سے ثابت ہوا کہ سالک کے لئے مُرشد کامل کی تربیت ضروری ہے اس لئے کہ وہ نفس کے مصالح مفاسد کو خوب جانتا ہے ؎

زمن اے دوست ایں یک پند بپذیر
برو فتراک صاحبِ دولتے بگیر

ترجمہ، اے دوست مجھ سے ایک نصیحت قبول کر ابھی سے کسی صاحبِ دولت (ولی) کا دامن پکڑ۔

---

[1] جیسے آج کل ہمارے مشائخ کے بعض سجادہ نشین اور پیرزادگان کا حال ہے ۱۲ اُویسی

تفسیر عالمانہ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ اور یاد کرو جبکہ ہم نے پہاڑ کو اکھیڑ کر اُن کے اوپر کر دیا النتق بمعنے شے کو اپنی جگہ سے اکھیڑنا۔ الجبل سے کوہ طور مُراد ہے کہ جس پر حضرت موسٰی علیہ السلام نے کلام الٰہی سُنا اور وہیں پر انہیں تورات کی تختیاں عطا ہوئیں یا فلسطین کا کوئی پہاڑ مُراد ہے یا وہ پہاڑ مُراد ہے جو بیت المقدس میں تھا اور فوقہم منصوب ہے۔ نتقنا اس کا ناصب ہے متضمن بمعنے رفعنا گویا یوں فرمایا گیا کہ ہم نے پہاڑ کو آپکے اوپر کر دیا۔ اس معنے پر نتق رفع اور اس کے حصول کے مقدمات اور اُس کا ایک سبب ہوگا۔ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ گویا وہ ایک سائبان تھا۔ ظُلَّةٌ بمعنے سقیفہ جسے فارسی میں سائبان کہا جاتا ہے۔ یعنی ہر وہ شے جو کسی پر سایہ افگن ہو وَظَنُّوْٓا اور انہوں نے یقین کیا کہ اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ کہ وہ اُن پر گرنے والا ہے اس لئے کہ جب پہاڑ اکھڑ جائے تو وہ خلا میں نہیں ٹھہر سکتا۔ علاوہ ازیں انہیں اس سے قبل کہا گیا کہ اگر تم تورات کے احکام نہیں مانو گے تو پہاڑ تمہارے اوپر گرایا جائے گا۔

پہاڑ کے گرنے کا واقعہ مروی ہے کہ حضرت موسٰی علیہ السلام جب بنی اسرائیل کے ہاں تورات لائے اور انہیں پڑھ کر سنائی۔ انہوں نے تورات کے احکام قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ اس میں تکالیف اور مشقت بھرے احکام تھے۔ انہوں نے انکار کے ساتھ اپنی بات منوانے کی باتیں شروع کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو حکم فرمایا کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹ کر اُن کے سروں پر کھڑا ہو جائے چنانچہ وہ اپنی جگہ سے ہٹ کر اُن کے تمام لشکر کے سروں پر آ کر کھڑا ہو گیا اور سارا لشکر اُس کے نیچے آ گیا۔ کوئی ایک بھی پہاڑ سے باہر نہ تھا اور پہاڑ ۲×۳ میل تک لمبا چوڑا تھا۔ اب انہیں حکم ہوا کہ اگر تورات کے احکام قبول نہ کرو گے تو تمہارے اوپر گرا دیا جائے گا۔ جب یہود نے دیکھا کہ پہاڑ گرنے کو ہے تو سب کے سب منہ کے بل بائیں جانب سجدہ میں گر گئے اور دوسری جانب سے پہاڑ کو ترچھی نگاہ سے دیکھتے رہے یہی وجہ ہے کہ اب یہود منہ کی بائیں جانب سجدہ کرتے ہیں اس کی علت یہی بتاتے ہیں کہ چونکہ ہمارے اسلاف سے پہاڑ اسی طرح سجدہ کرنے سے اُٹھایا گیا فلہٰذا اب ہم بھی اسی طرح سجدہ کریں گے۔

نکتہ چونکہ انہوں نے تورات کے احکام بادلِ ناخواستہ مجبور ہو کر مانے تھے اور قاعدہ ہے کہ جو کسی بات کو مجبورًا بادل ناخواستہ مانے تو وہ اس بات سے ہٹ جاتا ہے چنانچہ یہودیوں کے اسلاف و اخلاف کا بھی یہی معاملہ ہے کہ وہ چند روز کے بعد نہ صرف اپنے معاہدہ سے ہٹ گئے بلکہ تورات میں تحریف کر ڈالی۔

خُذُوْا یہاں قلنا محذوف ہے یعنی ہم نے انہیں کہا کہ لے لو مَآ اٰتَيْنٰكُمْ جو کتاب احکام ہم نے صادر کئے ہیں بِقُوَّةٍ بڑی مضبوطی اور عزم بالجزم سے اگرچہ انمیں مشقت اور تکالیف بھی ہیں۔ اور یہ خُذُوْا کی ضمیر سے حال ہے۔ وَاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ اور جو اس میں ہے اسے یاد کرو۔ یعنی اس پر عمل کرو لاپرواہی کر کے اسے پس پشت ڈالو۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ تاکہ تم تورات کے احکام پر عمل کرنے سے قبیح اعمال اور رذیل اخلاق سے بچ جاؤ۔

تفسیر صوفیانہ اگر انسان کو نفس کے رحم و کرم پر چھوڑا جائے تو وہ طبعًا امورِ دینیہ کو قبول نہیں کرتا اور نہ ہی شرعی بوجھ اٹھانے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ اگر اسے کسی طریق سے منوایا جائے اور وہ اُن کے ظاہر یا باطن پر عمل کرتا بھی ہے تو مجبور ہو کر قبول کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اربابِ عنایت کو توفیق بخشتا ہے تو بڑے بڑے مجاہدات و ریاضات کا عامل بن جاتا ہے لیکن عنایتِ الٰہی سے نہ از خود اور اپنے ارادوں سے احکام بجالاتے ہیں۔ مثنوی شریف ہے ؎

① چشمہا و گوشہا را بستہ اند
جز مر آنہا کہ از خود رستہ اند
② جز عنایت کہ کشاید چشم را
جز محبّت کہ نشاید خشم را
③ جہد بے توفیق خود کس را مباد
در جہاں واللہ اعلم بالرشاد

ترجمہ: ① انہوں نے آنکھیں اور کان بند کر لئے ہیں اس کے سوا باقی تمام دور ہیں۔
② عنایتِ الٰہی کے سوا کون آنکھ کھولے محبت کے سوا غضب کو کون فرو کرے۔
③ بے توفیقِ الٰہی کسی کو جد و جہد نصیب نہ ہو جہاں میں اللہ تعالیٰ ہی رہبری کو خوب جانتا ہے۔

حکایت حضرت الشیخ افتادہ آفندی نے حضرت الہدائی قدس سرہما سے فرمایا کیا وجہ ہے کہ بہت سے لوگ تیس سال تک عبادات و مجاہدات میں لگے رہتے ہیں لیکن انہیں مراتب و کمالات حاصل نہیں ہوتے جتنا آپ حضرات کو معمولی سے ریاضت و طاعت سے حاصل ہوئے۔ انہوں نے فرمایا کہ جس دروازے کے ہم بھکاری ہیں وہ بہت بلند و بالا ہے اور وہ اُس دروازے تک پہنچتے نہیں بلکہ وہ اِدھر اُدھر بھٹکتے رہتے ہیں لیکن یہ اپنی ہمت سے نہیں بلکہ اُس کے فضل و کرم سے عنایت ہوا۔ شیخ آفندی اُن کی آخری بات سُن کر ہنس پڑے۔

حکایت منقول ہے کہ حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ نے ایک عرصہ تک خربوزہ نہ کھایا اس خیال پر نا معلوم حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُسے کس طرح تناول فرمایا۔ (کاٹ کر یا ویسے ہی)۔

نکتہ حضرت شمس تبریزی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ تربوز کے قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ تا حال حجاب میں تھے۔

سبق حضرت الشیخ افتادہ آفندی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حضرت شمس تبریزی قدس سرہٗ کا مطلب یہ ہے کہ بایزید بُسطامی قدس سرہٗ کے کمالات میں نقص نہیں تھا جیسے شمس تبریزی کے کمال میں نقص کا احتمال نہیں ہو سکتا صرف فرق اتنا کہ بایزید بُسطامی سرہٗ زہد کے ذریعہ کمال کو پہنچے اور شمس تبریزی قدس سرہٗ کو معرفت کے ذریعے حاصل

ہوا اور اللہ تعالیٰ کے قرب کے طریقے کثیر اور مختلف ہیں لیکن یاد رہے کہ ریاضت سے جو کمال حاصل ہوتا ہے وہ احکم و اثبت ہوتا ہے اس لئے کہ صاحب زہد کو اگرچہ عرصہ دراز تک راہ نہیں ملتا لیکن جب ملتا ہے تو آنکھ جھپکنے سے پہلے حاصل ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت حلاج اس کو ضبط نہ کر سکے اس لئے کہ شریعت و طریقت کے فتوی کی زد میں آگئے لیکن یہ تو معلوم ہوا کہ انہیں بھی یہ کمال نصیب ہوا تو مذکورہ طریقہ کے مطابق ملا۔

قاعدہ صاحب کمال کو پہلے عنایت رہبری کرتی ہے پھر اُسے زُہد کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔ پھر وہ ریاضت و مجاہدہ میں لگ جاتا ہے۔ اس کے عشق سے سرشار ہوتا ہے پھر ایک خصوصی حال سے مشرف ہوتا ہوا عالم حقیقت میں پہنچتا ہے۔

قاعدہ اللہ تعالیٰ کے ملنے کے راہ مخلوقات کے سانس کے برابر ہیں جب بھی کسی راہ سے وصال نصیب ہوتا ہے وہ حق ہوتا ہے۔

ازالۂ وہم اللہ تعالیٰ کے ملنے کی کوئی راہ متعین نہیں جیسے بعض جاہل لوگوں کا خیال ہے کہ اس کے ملنے کے چند مخصوص راہ ہیں البتہ یہ ضرور ہے کہ اُس کے اسلوب ظاہر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا اس آیت میں ابواب سے وہ طریقے مراد ہیں جو ہر ایک کے حال مناسب ہیں۔

قاعدہ وصال الٰہی کا بہترین طریقہ تقویٰ و ذکر اللہ ہے۔

قاعدہ کتب الٰہیہ اور انبیاء و رسل علیہم السلام کا تشریف لانا بھی رحمت و عنایت حق ہے جو بھی اُن کی اتباع کرتا ہے تو وہ جمیع عقبات سے نجات پا جاتا ہے بلکہ اس عالم دنیا کے گورکھ دھندوں سے محفوظ ہو کر عالم ملکوت اعلیٰ میں پہنچ جاتا ہے ؎

بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد
اگر خارے بود گلدستہ گردد

ترجمہ: جس کام کے لئے ہمت باندھ لی جائے اگر وہ کانٹا ہو تو گلدستہ ہو جائے گا۔

نسخہ تسخیر بلادِ ہند میں ایک ایسی قوم تھی کہ جب کوئی ارادہ کرتے تو لوگوں سے علیحدگی اختیار کر کے اس تصور میں لگ جاتے یہاں تک کہ جیسے وہ چاہتے ویسے ہو جاتا۔

حکایت حضرت سُلطان محمود غزنوی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ ایک بار دیارِ ہند کو فتح کرنے کے لئے غزنی سے ہند تشریف لائے۔ ہند میں ایک شہر کو فتح کرنے کی ٹھان لی لیکن جونہی اس کے لئے جنگ کا ارادہ کرتے بیماری میں مبتلا ہو جاتے۔ بار بار اس طرح ہوتا لوگوں سے پوچھا تو انہوں نے کہا یہاں ایک جماعت ہے کہ جیسے وہ تصور باندھ کر بیٹھتے ہیں۔ اسی طرح ہو کر رہتا ہے۔ سُلطان نے اپنے مشیروں سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ انکے قرب میں طبل اور نقارہ وغیرہ وغیرہ بجوائیں تاکہ وہ تشویش میں پڑ کر تصور نہ باندھ سکیں۔ سُلطان نے ایسے کیا۔ اُدھر ان کے خیالات منتشر ہوئے اُدھر بادشاہ کو نصیب اور تندرستی ملی۔ پھر وہ شہر فتح ہوا۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ ذکر بالجہر کے طبل بجائے تاکہ نفس کے خیالات اور شیطان کے وسوسے منتشر ہوں۔ اس طرح قلب کا شہر نفس و شیطان کے پنجہ سے آزاد ہوگا۔ لیکن عنایت الٰہی ہر وقت شامل حال سمجھے۔

نماز کے بعد ذکر بالجہر کا ثبوت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جونہی نماز سے فراغت پاتے تو جہر سے پڑھتے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ الملك ولہ حمد وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

فائدہ حضرت ابوالنجیب سہروردی قدس سرہ نے فرمایا کہ اِنْ تُبْدُوا الصَّادِقَاتِ فَنِعِمَّا ہِیَ الصادقات سے ذکر بالجہر مراد ہے۔

ذکر بالجہر کے فوائد

حضرت عمر نسفی اور امام واحد رحمہما اللہ نے اپنی اپنی تفسیر میں لکھا کہ ذکر بھی فرائض میں سے ہے اور اور فرائض کو علی الاعلان کرنا محبوب ترین طریقہ ہے تاکہ لوگ بدگمان اور تہمت نہ لگائیں۔ ذکر بالجہر دل کو بیدار اور فکر کو بلند کرتا اور توجہ الی اللہ کو بڑھاتا اور نیند کو ہٹاتا اور سرور و فرحت لاتا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

① یا دہانِ خویشتن را پاک کن
رُوح خود را چابک و چالاک کن

② ذکرِ حق پاکست چوں پاکی رسید ۔
رخت بر بندد بیروں آید پلید

③ می گریزد ضدہا از ضدہا
شب گریزد چوں برفروزد ضیا

④ چوں در آید نام پاک اندر دہاں
نے پلیدی ماند و نے اندہاں

ترجمہ: ① اے بندہ خدا اپنا منہ پاک بنا اور روح کو چست و چالاک بنا۔
② اللہ کا ذکر پاک ہے جب پاکی پہنچتی ہے تو پلیدی وہاں سے چلی جاتی ہے۔
③ نقیض نقیض سے بھاگتی ہے۔ رات بھاگ جاتی ہے جب روشنی چمکتی ہے۔
④ جب پاک نام منہ میں آئے گا تو پلیدی اور گندگی بھاگ جائیں گی۔

فائدہ حضرت شیخ مفتی سعدی قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا کہ مراد از نزول قرآن سورت خوب کا حصول کرنا وَاذْکُرُوْا مَا فِیْہِ ذکر لفظی اور حفظ ظاہری کو بھی شامل ہے اگر ان سب میں سے عمدہ عمل ہے

(بقیہ بر صـ ۱۸۶)

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ

اور اے محبوب ! یاد کرو جب تمہارے رب نے اولادِ آدم کی پشت سے ان کی نسل نکالی اور

اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۛۚ

انہیں خود ان پر گواہ کیا کیا میں تمہارا رب نہیں سب بولے کیوں نہیں

شَهِدْنَا ۛۚ اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ ﴿۱۷۲﴾

ہم گواہ ہوئے کہ کہیں قیامت کے دن کہو کہ ہمیں اس کی خبر نہ تھی

اَوْ تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّیَّةً مِّنْۢ

یا کہو کہ شرک تو پہلے ہمارے باپ دادا نے کیا اور ہم ان کے بعد بچے ہوئے

بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ

تو کیا تو ہمیں اس پر ہلاک فرمائے گا جو اہلِ باطل نے کیا اور ہم اسی طرح آیتیں

الْاٰیٰتِ وَلَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾ وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْۤ

رنگ رنگ سے بیان کرتے ہیں اور اس لیئے کہ کہیں وہ پھر آئیں اور اے محبوب انہیں ان کا احوال سناؤ جسے

اٰتَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّیْطٰنُ فَكَانَ مِنَ

ہم نے اپنی آیتیں دیں تو وہ ان سے صاف نکل گیا تو شیطان اس کے پیچھے لگا تو وہ گمراہوں

الْغٰوِیْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى

میں ہو گیا اور ہم چاہتے تو آیتوں کے سبب اسے اٹھا لیتے مگر وہ تو زمین

الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ

پکڑ گیا اور اپنی خواہش کا تابع ہوا تو اس کا حال کتے کی طرح ہے تو اس پر حملہ

عَلَیْهِ یَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ یَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ

کرے تو زبان نکالے اور چھوڑ دے تو زبان نکالے یہ حال ہے ان کا جنہوں نے ہماری

كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾

آیتیں جھٹلائیں تو تم نصیحت سناؤ کہ کہیں وہ دھیان کریں

سَآءَ مَثَلًا الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا

کیا بُری کہاوت ہے ان کی جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں اور اپنی ہی جان کا

يَظْلِمُوْنَ (۱۷۷) مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ

بُرا کرتے تھے جسے اللہ راہ دکھائے تو وہی راہ پر ہے اور جسے

يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (۱۷۸) وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ

گمراہ کرے تو وہی نقصان میں رہے اور بے شک ہم نے جہنم کے لیے

كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا

پیدا کیے بہت جن اور آدمی وہ دل رکھتے ہیں جن میں سمجھ نہیں

وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۫ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ

اور وہ آنکھیں جن سے دیکھتے نہیں اور وہ کان جن سے سنتے نہیں

بِهَا ۭ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ (۱۷۹)

وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر گمراہ وہی غفلت میں پڑے ہیں

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۠ وَذَرُوا الَّذِيْنَ

اور اللہ ہی کے ہیں بہت اچھے نام تو اسے ان سے پکارو اور انہیں چھوڑ دو جو اس کے

يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۱۸۰)

ناموں میں حق سے نکلتے ہیں وہ جلد اپنا کیا پائیں گے

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ (۱۸۱) ع

اور ہمارے بنائے ہوؤں میں ایک گروہ وہ ہے کہ حق بتائیں اور اس پر انصاف کریں

تفسیر عالمانہ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ اے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنی اسرائیل کے اس وقت کو یاد کیجئے جبکہ تیرے رب تعالیٰ نے لیا۔ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ آدم علیہ السلام کی اولاد سے آدم علیہ السلام سمیت۔

سوال آیت میں صرف بنی آدم علیہ السلام کہاں سے نکال لیا؟

جواب عرف میں بنی آدم نوع انسان بشر کو کہا جاتا ہے بنابریں آدم علیہ السلام کا شامل ہونا اس عرفی معنے کے

اعتبار سے ہے اور اس سے وہ لوگ مراد ہیں جن سے اولاد کا سلسلہ جاری ہو حقیقۃً یا حکماً۔ حکماً سے یہ مراد ہے کہ اُن سے اولاد کا ہونا بالقوہ پایا جائے خواہ بالفعل موجود نہ ہو بوجہ کسی عارضہ اور سبب کے جیسے عقیم ہونا یا سرے سے شادی نہ کرنا یا بچپن میں مر جانا۔

مِنْ ظُهُوْرِهِمْ یہ بنی آدم سے بدل ہے یعنی اُن کی پشتوں سے۔

مسئلہ اس سے ثابت ہوا کہ ہر انسان سے اصلابِ آباء میں عہد لیا گیا۔ یہ اس وقت ہوا جب وہ ماں کے پیٹ میں منتقل نہ ہوئے۔

ذُرِّيَّتَهُمْ اُن کی اولاد سے۔ یہ اخذ کا مفعول ہے یعنی ہر دور کی نسل سے اس کا یہ طریقہ کیا گیا کہ جس ترتیب سے پیدا ہوں گے اور جس طرح اُن کے زمانہ کی تربیت ہو گی اسی طرح انہیں ایک دوسرے سے نکال کر وعدہ لیا گیا جو سب سے آخر میں پیدا ہو گا **وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ** ج اور اُن کو اپنے نفسوں پر گواہ بنایا جنہیں پشتوں سے نکال کر ظاہر کیا گیا ان سب کو صرف اپنے اپنے نفس کے لئے گواہ بنایا گیا دوسرے پر نہیں کہ سب نے اپنے طور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کر کے اس پر مضبوط اور قائم رہنے کا وعدہ کیا اور معاہدہ ہوا کہ ہم عبودیت معبودِ حقیقی سے مخصوص کریں گے۔ اُس کے غیر کے لئے عبودیت کا حق نہیں سمجھیں گے اسی طرح معبودِ حقیقی کے احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کریں گے۔

اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کیا میں تمہارا نہیں ہوں۔ یہاں قائلاً محذوف ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اُن سے عہد لے کر فرمایا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ یعنی کیا میں تمہارا رب اور تمہارے جملہ اُمور کا مالک نہیں ہوں اور علی الاطلاق تربیت میرے قبضہ میں ہے کہ اسمیں اور کسی کو دخل نہیں۔ کیا اسے تم مانتے ہو یا نہ۔

قَالُوْا یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے اور مقدر سوال کا جواب ہے مگر سوال یہ ہے گویا کسی نے کہا تو پھر اللہ تعالیٰ کو بندوں نے کیا جواب دیا تو فرمایا۔ **قَالُوْا** یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی **بَلٰى** ج **شَهِدْنَا** ج ہاں ہم اپنے نفوس پر گواہی دیتے ہیں کہ بے شک تو ہمارا رب کریم اور معبود برحق ہے تیرے سوا نہ کسی کو رب مانیں گے اور نہ معبود۔

فرق مابین بَلٰى و نَعَم بَلٰی نفی کے بعد واقع ہو کر اپنے مابعد کو مثبت بناتا ہے مثلاً یہاں پر اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ واقع ہوا ہے تو اُس کا مابعد مثبت یعنی بے شک اے رب کریم تو ہمارا رب ہے۔ اس نفی کے بعد اثبات کے اقرار سے ایمان ثابت ہوا اور نعم نفی کے بعد واقع ہو کر اس کی نفی کی تاکید کرتا ہے مثلاً اس

ص ۱۸۳ سے آگے

ہے نہ کہ لکھی ہوئی سورت کی ترتیل عامی پیدل چل کر منزل مقصود کو پہنچ جاتا ہے اور عالم بے عمل سواری (علم) کے باوجود اسپر عمل نہ کرنے سے سو گیا تو محروم رہا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو غفلت و جہالت کی نیند سے بیداری بخشے اور ہمارے خاتمے احسن حال پر سر انجام ہوں۔

تجارت کو لیجئے کہ اگر کوئی اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے بعد نعم کہہ دے تو اب معنیٰ ہوگا کہ بے شک اے اللہ تعالیٰ تو ہمارا رب نہیں اس طرح کا اقرار سراسر کفر ہے۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ ایک خیالی اور تمثیلی امر ہے نہ کہ تحقیقی اور واقعی اسے اس شخص سے تمثیل دی گئی ہے جس کے سامنے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت و الوہیت پر آفاقی و انفسی دلائل موجود ہوں جنہیں وہ دیکھ کر اقرار و اعتراف کرے کہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت و ربوبیت حق اور ثابت ہے ورنہ نہ کوئی اشہاد تھا نہ اخذ و عہد اور نہ ہی کوئی اور نہ جواب۔ یہ صرف ایک خیالی اور تمثیلی مثال قائم کی گئی ہے اور ایسے تخیلات و تمثیلات عرب میں عموماً ہوتے ہیں بلکہ قرآن و حدیث اور کلام بلغا میں بکثرت موجود ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان سے فرمایا فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا

اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ یہ اخذ و اشہاد کا مفعول لہٗ یعنی ہم نے یہ امور اس لئے طے کئے کیونکہ جب قیامت میں تمام معاملہ کھل کر سامنے آجائے گا اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا بے شک ہم تھے اس سے یعنی ربوبیت اور وحدانیت اور اس کے احکام سے غٰفِلِيْنَ ۙ بے خبر۔ اور ایسے غافل کہ ہم کسی دلیل سے متنبہ نہ ہو سکے۔ اس سے واضح ہوا کہ اگر معرفتِ حق انسان کا جبلی فطری امر ہے لیکن عوارض سے محجوب ہو کر یونہی معذوری پیش کریں گے جیسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا۔

فائدہ اس سے ثابت ہوا کہ مذکورہ بالا اشہاد و اخذِ میثاق وغیرہ تمثیلی و تخیلی امر ہیں۔ ورنہ اگر حقیقی و وقوعی ہوتے تو یوں کہنا پڑے گا کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ان پر بے التفاتی اور نسیان طاری فرمادی ہے اس وجہ سے قیامت میں جواب دیں گے۔ اِنْ كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۙ یہ بات عبث اور بے فائدہ ہوئے گی اور یہ اللہ تعالیٰ کے شان کے خلاف ہے (کذا فی حواشی سعدی چلپی المفتی)۔

اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا یا تم کہو کہ بے شک ہمارے آباء نے شرک کیا۔ اس کا عطف اَنْ تَقُوْلُوْا پر ہے۔ یہ واؤ منع الخلو کے لئے ہے جمع کے لئے نہیں یعنی ہمارے آبا و اجداد نے شرک کو اختراع کیا اور وہ انہی کا گھڑا ہوا طریقہ تھا۔ ہم اُن کے تابع تھے۔ مِنْ قَبْلُ ہمارے زمانہ سے پہلے وَكُنَّا اور ہم تھے ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ ۚ اُن کی اولاد اُن کے بعد ہمیں کسی قسم کی خبر نہیں تھی اور نہ ہی ہم حق و باطل کی تمیز کر سکتے تھے اَفَتُهْلِكُنَا کیا پس تو ہمارا مواخذہ کر کے ہمیں تباہ و برباد نہ کیجئے۔ بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ اس کی وجہ سے جو گمراہ کن لوگوں نے کیا۔ اگرچہ وہ ہمارے آباء و اجداد تھے یہ اس وقت کہیں گے جب اُن کے آباء و اجداد کی گمراہی ظاہر ہو جائے گی اور انہیں یقین ہو جائے گا کہ وہ واقعی مجرم ہیں تو معذرت کرتے ہوئے عرض کریں گے ہم تدبیر اور معاملہ اور فہم و ادراک سے بالکل عاجز تھے۔ لیکن جب انہیں بتایا گیا کہ تم بڑی استعداد کے مالک تھے اب تمہارا یہ عذر نامعقول اور غیر قابل قبول ہے اس لئے کہ دلائل و براہین قائم ہونے کے بعد ان سے استدلال کی قوت و طاقت کے باوجود عذر غیر مسموع ہوتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ یہ اشارہ اس اشارہ مصدر کی طرف ہے جو آنے والے فعل میں ہے اور یہ محلاً منصوب اور مفعول مطلق ہے یعنی تفصیل بیع جو بہت منافع کی جامع ہے کی طرح ۔ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ ہم واضح طور آیات بیان کرتے ہیں ۔ اس سے مذکورہ آیات مُراد ہیں نہ کوئی اور وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ٥ تاکہ جو لوگ گناہوں میں منہمک ہیں یا آباء کی تقلیدِ باطل میں گرفتار ہیں اور دیگر خرابیوں سے روگردانی کر لیں ۔ ہم اس لئے ان کو واضح دلائل و براہین دکھاتے ہیں اس معنے پر اس جملہ کی دونوں واؤیں ابتدائی ہیں یا دوسری واؤ عاطفہ ہے جس کا معطوف علیہ مقدر ہے اور اُس کا ترتب تفصیل مذکور پر ہے اب آیت کا معنٰی یہ ہوا کہ ہم آیات کو مفصّل طور اس لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ ان آیات کو ملاحظہ کریں اور اُن کے ترغیب دہندہ اُمور اور بھڑکنے والی باتوں پر غور کر کے برائیوں سے رُک جائیں ۔

فائدہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ اُمور یعنی اشہاد و اخذِ میثاق وغیرہ خیالی یا تمثیلی نہیں بلکہ حقیقی اور وقوعی ہیں ۔

ارواح سے اخذِ میثاق حقیقی تھا نہ کہ خیالی و تمثیلی اور اس کے دلائل

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو اُن کی پیٹھ پر رحمت کا ہاتھ پھیر کر اُن سے ہر پیدا ہونے والی روح کو ظاہر کر کے فرمایا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ تو انہوں نے جواب دیا بَلٰی اسی وقت "جف القلم" کا اعلان ہوا ۔ یعنی اب کے بعد کسی کو اقرار و انکار فائدہ نہ دے گا ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے آیت کریمہ مذکورہ کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا جبکہ آپ سے اسی آیت کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم پیدا فرما کر ان کی پیٹھ مبارک پر سیدھا دست (قدرت) پھیرا اور اُن سے کی بعض اولاد کی روحیں باہر نکالیں اور فرمایا ان کو بہشت کے لئے پیدا فرمایا ۔ اُن کی علامت یہ ہے کہ وہ اہل بہشت کے عمل (نیک) کریں گے پھر بایاں دست (قدرت) پھیر کر بقایا رُوحیں نکالیں اور فرمایا ان کو دوزخ کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور اُن کی علامت یہ ہے کہ وہ دوزخیوں کے بُرے عمل کریں گے ۔ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر عمل کی جدوجہد کا کیا فائدہ ؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ جس بندے کو بہشت کے لئے پیدا فرماتا ہے تو اُس سے بہشت کے اعمال کا صدور رہتا ہے اور جسے دوزخ کے لئے پیدا فرماتا ہے تو اُس سے دوزخ کے اعمال کی عادت ہو جاتی ہے ہر دونوں کی یہی کیفیت موت تک ہوتی ہے کہ مرتے وقت اگر بہشتیوں کے اعمال کا عادی ہے تو مرتے ہی اُسے اللہ تعالیٰ بہشت میں داخل فرماتا ہے اگر مرتے وقت اس سے دوزخیوں کے اعمال سرزد ہوتے ہیں تو مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اُسے دوزخ میں داخل کرے گا ۔

فائدہ اس حدیث سے یہ نہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے تمام ارواح بالذات آدم علیہ السلام سے نکالے بلکہ اس طرح ہوا کہ پہلے اُن کی پشت مبارک سے وہ نکالے جو اُن سے بلا واسطہ پیدا ہونگے پھر ان ارواح کو جتنے پیدا ہوں گے۔ اسی طرح تا قیامت کے سلسلہ کی ترتیب یہی۔

سوال آیت تو مطلق ہے تم نے اپنی طرف اسے کیسے مقید کر لیا؟

جواب چونکہ آیت میں سلسلہ کی ترتیب کا بیان مطلوب نہیں اس لئے وسائط مذکورہ کی تصریح نہیں اور نہ ہی اس کی ضرورت حدیث شریف میں بھی اجمالی طور ذکر کیا گیا ہے۔ آیت و حدیث شریف میں اصلی مقصد یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے دور کے کافروں پر حجت قائم کی جائے کہ تمہارا یہ عذر غیر مفید ہوگا کہ ہم آباؤ اجداد کے مقلد رہے ہیں ذاتی طور رب تعالیٰ کی ربوبیت والوہیت کا اعتراف کر چکے ہو کہ تمہاری روحیں اصلابِ آباؔ سے نکالی گئیں اور تم نے خود سوال اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کے جواب میں بلیٰ کہا تھا۔ پھر اب تمہارا عذر نا معقول ہے جو کہتے ہو اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ الخ مطلوب مذکور کے پیشِ نظر وسائط کی ضرورت نہیں تھی ورنہ اخراج ارواح کا سلسلہ وار تھا جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا ہے (کذا فی الارشاد)

سوال تفسیر مدادی میں ہے کہ کفار پر میثاق کی باتیں کیسے حجت بن سکتی ہیں۔ جب انہیں یاد ہی نہیں (جیسے کہ ہمیں یاد نہیں) کہ واقعی انہیں اصلاب آدم علیہ السلام سے سلسلہ وار اُن کے آباء کی سے نکال کر سوال و جواب کیا گیا تھا؟

جواب حضراتِ انبیاء علیہم السلام نے انہیں دلائل و براہین قائم کر کے تمام باتیں واضح طور پر بتائیں جن کے سامنے انہیں سوائے ماننے کے کوئی چارہ نہ رہا۔ صرف ہٹ دھرمی اور ضد سے منکر رہے۔ حضراتِ انبیاء علیہم السلام کی تذکیر اُن کے لئے حجت کافی ہے اس وجہ سے پھر قیامت میں انکا عذر غیر مسموع ہوگا۔ اس کی مثال یوں ہے کہ نماز پڑھتے ہوئے ایک رکعت چھوڑ جاتا ہے اور اُس سے نسیان کی وجہ سے ایک وہ رکعت متروک ہوئی اب فراغت کے بعد معتبر اور ثقہ لوگ اسے کہتے ہیں کہ تو نے ایک رکعت چھوڑ دی۔ ان لوگوں کی بات اس پر حجت ہوگی کہ اگر نماز کا اعادہ نہ کرے گا تو مجرم ہوگا۔ اگرچہ خود کو اسے یاد نہیں اور یاد کرنے پر زور لگاتا ہے تب بھی یاد نہیں پڑتا۔ تو اب اس کا غیر مسموع ہے کہ مجھے خود کو یاد نہیں آتا۔ جب لوگوں نے تجھے بتا دیا تو اب انکار کیسا۔ ایسے کفار کو کہا جائیگا کہ تمہیں حضراتِ انبیاء علیہم السلام نے یاد دلایا تھا تو اب تمہیں انکار کیوں؟

فیصلہ کن تقریر بعض مفسرین نے اس میثاق وغیرہ کو خیالی اور تمثیلی سے تعبیر کیا۔ لیکن حضرت ابو السعود مفسر قرآن نے فرمایا کہ یہ حقیقی اور وقوعی معاملہ تھا۔ یہی جمہور کا مذہب ہے اور وہ جو بعض مفسرین نے اَن تقولوا الخ کو اشہدھم الخ کا مفعول قرار دیا ہے اور کہا کہ اگر یہ حقیقی میثاق ہوتا تو معنیٰ فاسد ہوگا چنانچہ اُن کی تقریر پہلے گذر چکی ہے۔ اُن کا یہ قول بھی غلط ہے اس لئے کہ اَنْ تقولوا الخ فعل مقدر کا مفعول ہے جیسے کلام کا سیاق و سباق بتاتا ہے۔ اب معنیٰ اس فعل مضمر کے مطابق یہی ہوگا "ہم نے ان سے کیا جو کرنا تھا کہ میثاق لیا ارواح کو ظاہر کر کے انہیں اپنے نفوس پر گواہ بنایا تا کہ قیامت میں اے کافر و یہ نہ کہہ سکو کہ ہم اس میثاق سے بے

خبر تھے۔ اس سے ہم دنیا میں متنبہ نہیں ہو سکے ورنہ ہم نیک عمل کرتے۔

فائدہ کاشفی صاحب نے فرمایا کہ یہی آیت الست کے عہد کا مرکز ہے تاکہ بے خبر کو متنبہ کرے ورنہ ہوشمند اور بیدار دل حضرات اس روز کے سوال و جواب سے غافل نہیں۔ ؎

ندائے الست ہمچناں شان بگوش
بفریاد قالوا بلیٰ خروش

ترجمہ: الست کی ندا تاحال ان کے کانوں میں گونج رہی ہے اسی لئے وہ ابھی قالوا بلیٰ کی فریاد کر رہے ہیں۔

حکایت مست الست نفحات میں مذکور ہے کہ حضرت علی سہل اصفہانی سے سوال ہوا کہ الست کے دن کی کوئی بات آپ کو یاد ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ دن بھی کوئی بھولنے کا ہے اس لئے کہ وہ تو میرے لئے کل کی بات محسوس ہوتی ہے۔

فائدہ حضرت شیخ الاسلام خواجہ انصاری نے فرمایا یہ جواب ابھی ناقص ہے اس لئے کہ صوفی کو شب و روز سے کیا مطلب صوفی تو تاحال اُسی اَلست کی گھڑی میں ہے ؎

① روز امروز است اے صوفی وشان
کے بود از دی وفردا نشان

② آنکہ از حق نیست غافل یک نفس
ماضی و مستقبل و حالست و بس

ترجمہ ① صوفیوں کا ہر روز امروز (الیوم) ہے ان کے ہاں تو آج اور کل کا کوئی نشان نہیں۔

② جو حق سے لمحہ بھر غافل نہیں اس لئے ماضی و مستقبل و حال یکساں ہیں۔

حکایت بادہ خوار اَلَسْتُ حضرت ذُو النون مصری قدس سرہٗ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو بھی الست کی گھڑی یاد ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں وہی آواز میرے کانوں میں تاحالی گونج رہی ہے۔

اَلَسْتُ کی صوفیانہ تحقیق بعض کاملین کی ارواح کو اس مزاج جزی عنصری کے تعین سے پہلے علمی اوصاف حاصل ہوتے ہیں یعنی یہی عنصری مزاج جو مرتبہ عین اور خارج میں ہے اس سے بھی پہلے وہ باخبر ہوتے ہیں اور یہ مرتبہ عینی خارجی از جہت کلیہ روحانیہ مرتبہ نفس کلی مراد ہے جو نفس تعین روح الہٰی اصلی سے متعلق تھا پس روح کلی وصفاً ہو یا ذاتاً کاملین کی ارواح کے لئے مراتب و عوالم میں ایک مرتبہ اور ایک عالم متعین ہوتا ہے اور ان کاملین کے ارواح پر نزول و ہبوط کے وقت وہ عوالم و مراتب گذرتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کا نزول مرتبہ حس ظاہری اور عالم مزاج عنصری پر ہوا۔ اُن کا اس نشاۃ عنصریہ سے متصل ہونے کی ایک تعین ہے اس تعین میں بھی اس کا حکم روح اصلی کے مقتضیٰ پر ہوتا ہے یعنی جیسے اس عالم و مرتبہ میں اس کا مقتضیٰ تھا اس تعین میں بھی اس کا وہی تقاضا ہے پھر اس تعین میں کہ اب نشاۃ عنصریہ سے متصل ہوا روح اصلی الہٰی ہے جتنا اللہ چاہتا ہے

اُسے اپنے علوم سے باخبر فرماتا ہے۔ جسے مذکورہ تحقیق ذہن نشین ہوگئی وَکُنْتُ نَبِیًّا وَ آدَمَ بَیْنَ الْمَاءِ والطین کے راز سے واقف ہو جائے گا۔ اور اُسے حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذکورہ بالا جواب کا حال منکشف ہو جائے گا۔ اس سے تحقیق مطلوب ہو تو "مفتاح الغیب" مصنفہ حضرت صدرالدین قونوی کا مطالعہ کیجئے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں چند اشارات ہیں۔

① موجود کا اخذ موجود سے یہ مخلوق کے حق میں ہے۔

② معدوم کا اخذ عدم سے مثلاً فرمایا خلقتك من قبل ولم تك شیئًا۔

③ معدوم کا اخذ معدوم سے کما قال تعالیٰ و اِذْ اَخذ ربك من بنی آدم ظھورھم۔

اس وقت بنو آدم معدوم تھے اور ان کا ظہور بھی معدوم تھا اور ذریات بھی معدوم تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت سے ذریات معدوم الیٰ یوم یوم القیمۃ اور اُن کے ظہور معدوم اور بنو آدم معدوم سے اس طور دعدہ لیا کہ ان معدومین کو اس حالت مخصوصہ میں پیدا فرما کر انہیں اس حال کے مناسب ایک مخصوص وجود بخش کر اُن سے الست کا خطاب فرمایا ہے۔

عالم میثاق میں ارواح کی تقسیم جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت مبارک سے اُن کی اولاد کے ذرّات نکال کر اُن کی پشتوں سے اُن کی ذریات اور قیامت تک آنے والی ارواح (جن ذرّات میں امانت رکھے گئے تھے) کو ظاہر کیا تو اُس وقت وہ تین گروہ تھے۔

① صف اوّل میں سابقین کی ارواح۔

② اصحاب میمنہ۔

③ اصحاب مشئمہ۔

فائدہ ذرات ارواح کے انوار سے چمک اُٹھے انہیں ذرّات موجودہ نے وجود ربانی سے لباس روحانی پہنایا۔ اسی طرح ان کے کانوں اور آنکھوں اور قلوب کو روحانی لباس پہنایا گیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کا خطاب فرمایا۔ سابقین کی ارواح نے سمع نورانی و روحانی سے حقتعالیٰ کا خطاب سنا اور نورانی آنکھوں سے ذاتِ حق کے جمال کا مشاہدہ فرمایا۔ اور روحانی نورانی ربانی قلوب میں نورِ محبت کے ساتھ ذاتِ حق کے دیدار کا عشق پیدا کیا۔ محبت بھرے انداز میں اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کے خطاب کے جواب میں عرض کی۔ بے شک اے رب کریم تو ہمارا محبوب و معبود ہے۔ ہم نے تیری محبوبیت و معبودیت کا مشاہدہ کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن سے وعدہ لیا کہ سوائے میرے نہ کسی سے محبت کرنا اور نہ کسی کی عبادت کرنا اُس کے بعد اصحابِ میمنہ کی باری آئی تو انہوں نے خطاب حق کو سمع روحانی سے سنا اور اُس کے جلال کا ابصارِ روحانیہ سے مطالعہ کیا۔ قلوبِ ربانیہ الٰہیہ کے ساتھ ایمان لا کر عبودیت کے رنگ میں عرض کی کہ اے رب کریم ہم نے مانا کہ تو ہمارا معبود ہے۔ ہم نے تیرا خطاب سن لیا اور پورا الیقین کر لیا۔ ان سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ لیا کہ میرے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا۔ اس کے بعد اصحاب مشئمہ کی نوبت آئی انہوں نے بھی خطاب حق کو سمع روحانی سے سنا لیکن ان کے آگے عزت کا حجاب تھا اور ان کے کانوں میں عزت الٰہی کا بوجھ رکھا گیا اور اُن کی آنکھوں پر شقاوۃ کی پٹی باندھی گئی اور اُن کے دلوں پر محنت کی مہر لگائی جس کی وجہ سے نہایت تکلف سے جواب دیا کہ یا اللہ

ہم نے مانا کہ تو ہمارا رب ہے لیکن ہم مجبور ہو کر کہہ رہے ہیں لیکن دل نہیں مانتا اللہ تعالیٰ نے اُن سے عبودیت کا وعدہ لیا۔ اس اعتبار سے مخلوق کئی قسم ہے۔ کوئی کافر ہیں اور کوئی مؤمن اس لئے جس طرح میثاق میں روحانی استعداد تھی وہی نصیب ہوا۔ اسے پورے طور سمجھ لو کیا بہترین مضمون ہے۔

دیگر صوفیانہ تقریر ہم جانتے ہیں کہ عدم میں اپنی مخلوق سے اللہ تعالیٰ نے صرف انسان سے کلام فرمایا باقی کسی کو ایسا شرف نہ ملا۔ انسان ابھی معدوم تھا تو اس سے روز میثاق میں ہمکلامی کا شرف بخشا گیا پھر اس انسان کا خاصہ ہے کہ معدوم ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے سوال کا جواب دیا۔ یہ بھی اس کریم کی مہربانی ہے کہ وجود کے بغیر ہی انسان کو جود و کرم ہی سے نواز رہا ہے۔

نکتہ اس لئے صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ انسان کی ابتداً یہی ہے تو انتہا بھی یہی ہے اس کی توضیح یوں ہے کہ انسان ایسی محویت پیدا کرے کہ خود اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی سمع و بصر اور زبان ہو جائے چنانچہ حدیث قدسی میں اسی طرف اشارہ ہے چنانچہ فرمایا **کنت لہ سمعًا و بصرًا و لسانا فبی یسمع و یبصر و بی ینطق** یعنی میں بندے کی سمع و بصر اور زبان ہوتا ہوں کہ وہ مجھ سے سنتا دیکھتا اور بولتا ہے۔ اس طرف حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے اشارہ فرمایا۔ جب آپ سے پوچھا گیا کہ سالک منتہی کب ہوتا ہے تو آپ نے فرمایا جب وہ ہدایت کی طرف رجوع کرتا ہے۔ یعنی معدوم محض ہو کر محویت کلی حاصل کرنے سے سالک منتہی بنتا ہے اور یہی عدم انسان کی ہدایت داً ابتداً ہے۔

نتیجہ اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ مذہب اہل حق کا ہے اور وہ اس کے حصول کے لئے شب و روز کوشاں رہتے ہیں اور بات حق بھی یہی ہے اور جسے روحانیت کا غلبہ نصیب ہوتا ہے۔ اُسے یہ بات معمولی اور آسان معلوم ہوتی ہے کہ محویت کا حصول کچھ مشکل نہیں۔ بخلاف اہل ظواہر اور معتزلہ[۱] کے کہ وہ اس طریقہ کے منکر ہیں اُن کی دلیل یہ ہے کہ اخذ میثاق بصورت مذکورہ محال ہے اس لئے کہ یہی ظاہری جسمانیت حیاۃ اور عقل و ادراک کے لئے شرط ہے اور جن ذرات کے متعلق تم کہتے ہو کہ انہیں ظہور بنی آدم سے باہر نکالا گیا ان میں نہ تو شعور تھا اور نہ فہم و ادراک اور یہ امور تو انہیں اس وقت نصیب ہوئے جب انہیں گوشت پوست اور خون وغیرہ میسر آیا اور ظاہر ہے کہ گوشت پوست وغیرہ کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے ہو کر قیامت تک تدریجًا ہر ایک کو حاصل ہوا اور ہو رہا ہے اور ہو گا۔ اور یہ اُمور عرصۂ دنیا کے ہیں پھر کیونکر ممکن ہے کہ یہی اشخاص صُلب آدم میں موجود تھے پھر یک وقت انہیں وہاں سے نکالا گیا۔

معتزلہ اور اہل ظواہر کا رد سابقہ مضامین میں اُن کے مذکورہ بالا غلط استدلال کا رد ہو چکا ہے لیکن ان بے وقوفوں کو کون سمجھائے کہ قادر قدیر کی قدرت کاملہ سے بعید نہیں۔ یہ تو معمولی اجساد و اشخاص کا معاملہ ہے اگر وہ کریم چودہ طبقات آسمان و زمین کے علاوہ تمام پہاڑ اور اشجار اور تمام دریا و دیگر

---

[۱] یہی بات آج کل کے معتزلہ وہابی غیر مقلد اور اُن کے بیٹی بند بھائی دیوبندی کہتے ہیں۔

اشیاء ایک انڈے میں سمو دیئے اور انڈے میں نقص بھی نہ آئے تو وہ قادر ہے۔ سرسری طور ان عقل کے اندھوں سے پوچھا جائے تو بلا تامل اور بے دھڑک کہہ دیں گے کہ یہ تو ناممکن ہے۔ (العیاذ باللہ)۔

سبق طالب حق پر لازم ہے کہ وہ الست کے عہد کو ہر وقت خیال میں رکھے پھر وہ بھید اور اسرار کھلیں گے کہ جنہیں مشاہدہ کر کے حیران ہوگا۔ اور وہ غیبی خزانے ایسے کھُل کر سامنے آجائیں گے جیسے سورج چمک رہا ہے یہ دل کے سودے ہیں جو عمل کرتا ہے۔ اس لئے سُورۃ و معنے اور ظہور و خفا ایک ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ دولت نصیب فرمائے (آمین)

وَاتْلُ اے پیارے محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم پڑھ سنایئے **عَلَيْهِمْ** یہودیوں کو **نَبَأَ الَّذِىٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا** اس کے بلند مرتبہ اور عالیشان کا حال کہ ہم نے اپنی آیات عنایت فرمائیں۔

سوال تم نے نبا کا معنےٰ بلند مرتبہ اور عالیشان کا کہاں سے نکال لیا؟

جواب نبا کا استعمال امر عظیم کے لئے ہوتا ہے اس لئے ہم نے ترجمہ میں اسی استعمال کی بناء پر معنے مذکور کیا ہے آتینا آیاتنا سے مراد یہ ہے کہ ہم نے اسے اپنی الوہیت و وحدانیت کے دلائل سکھلائے اور سمجھائے۔

فائدہ اس شخص کے بارے میں مفسرین کے کئی اقوال ہیں یہاں مقام و حال کی مناسبت سے کہ یہودیوں کو زجر و توبیخ کرنا مطلوب ہے اس لئے بنی اسرائیل کا کوئی عالم مراد ہے۔ (کذا فی الارشاد)۔

یا اس سے بلعم باعُورا مراد ہے (کذا فی منہاج العابدین للامام غزالی قدس سرہٗ۔

سوال مؤرخین کہتے ہیں کہ وہ کنعانین اور جبارین سے تھا۔ امام غزالی قدس سرہٗ کے قول سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ بنی اسرائیل سے تھا؟

جواب انسان ہمیشہ منشا و مولد کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ چونکہ اس کی ولادت اور نشو ونما وہاں ہوئی تھی اس لئے اُن کی طرف منسوب ہوتا تھا۔

بلعم باعورا کا تفصیلی واقعہ مدادی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کسی شہر میں ایک عابد رہتا تھا۔ اس شہر پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حملہ کرنے کا ارادہ ہوا اس لئے کہ اس شہر کے مکین کافر تھے اور بلعم باعورا کو اسم اعظم معلوم تھا۔ اس شہر کے بادشاہ نے استدعا کی کہ موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے ساتھی اہل ایمان کے لئے بددُعا کیجئے تاکہ وہ ہمارے شہر پر حملہ نہ کر سکیں۔ اُس نے جواب دیا کہ میرا اور اُن کا ایک دین ہے اور اپنے دین والے کی تباہی کے لئے بددُعا کرنا میرے لئے لائق نہیں۔ علاوہ ازیں وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور اُن کے ساتھ مدد کے لئے فرشتے اور اہل ایمان ہیں اور مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم عطا ہوا ہے اور مجھے یقین ہے کہ اگر میں اُن کے لئے بددعا کروں گا تو نہ دنیا کا رہوں گا اور نہ دین کا اور آخرت بھی برباد۔ بادشاہ اور اس کے حوارین نے اسے مال اور جاہ و جلال کی بڑی پیش کش کی اور بہت سے ہدایا و تحائف بھی پیش کئے یہاں تک کہ اُس کے ورغلانے میں کامیاب ہوگئے

بعض روایات میں ہے کہ اسے اپنی عورت سے بڑی محبت تھی اس لئے اس کا مطیع و فرمانبردار رہتا تھا اس کے شہر کے لوگوں نے بہت بڑے تحفے اور مال و دولت جمع کر کے اس کی عورت کے سامنے رکھدیئے۔ لالچ میں آکر اُس نے اُن ہدایا و تحائف کو قبول کر لیا۔ قوم نے کہا کہ ہم بہت بڑی مصیبت میں گرفتار ہیں جسے تم دیکھ رہی ہو براہِ مہربانی بلعم باعورا کو سفارش کریں تاکہ وہ ہمارے دُکھ درد کا مداوا کریں۔ بلعم کو اس کی بیوی نے کہا دیکھئے قوم کے ہمارے اُوپر بہت بڑے احسانات ہیں۔ علاوہ ازیں اُن کے حقوق ہمسائیگی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہم اُن کی مدد کریں اور آپ تو مجھ سے زیادہ جانتے ہیں ہمسائیگان کے دُکھ درد کے وقت مدد کرنا ہمارا دینی اور اخلاقی فرض ہے اور وہ اس سے قبل آپ کے ساتھ احسان و مروّت سے پیش آتے رہے اور آپ احسان کا بدلہ احسان کے ضابطہ کو بھی جانتے ہیں اور پھر آپ میں اُن کی مشکلکشائی کی صلاحیت و اہلیت بھی ہے۔ بلعم باعورا نے جواب دیا کہ چونکہ یہ حکم خدائی ہے میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور نہ ہی تو مجھے مجبور کر سکتی ہے۔ اگر شرعی مجبوری مجبوری نہ ہوتی تو میں اُن کی ضرور مدد کرتا لیکن عورت بضد ہو گئی اور بالآخر منوا ہی لیا۔ بلعم باعورا گدھی پر سوار ہو کر پہاڑ کی طرف چل دیا تاکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بددُعا کرے۔ گدھی تھوڑی دیر چل کر گر پڑی۔ بلعم باعورا کو غصہ آیا نیچے اُتر کر بیچاری کو خوب مارا۔ یہاں تک کہ گدھی کی جان لبوں پر آگئی مجبوری کھڑی ہوئی اس پر پھر سوار ہوا مگر وہ تھوڑی دُور چل کر پھر گر پڑی۔ پھر بلعم باعورا نے اُسے مارا۔ اللہ تعالیٰ نے گدھی کو بولنے کی طاقت دی بلعم باعورا کو کہا اے بدبخت! ذرا سوچ تو کہاں جا رہا ہے دیکھ میرے آگے فرشتے ہیں جو مجھے وہاں جانے سے روکتے ہیں۔ میں وہاں کیسے جاؤں جہاں موسیٰ علیہ السلام کے لئے بددُعا کی جائے وہ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں اور پھر اُن کے ساتھ اہل ایمان ہیں۔ بلعم باعورا نے گدھی کو چھوڑ کر پیدل چلنا شروع کیا اور پہاڑ پر جا کر دعا مانگنی شروع کی جب وہ موسیٰ علیہ السلام اور اہل ایمان کے لئے بددُعا کرتا تو اللہ تعالیٰ اُس کی زبان پھیر کر اُس کی اپنی قوم کا نام زبان پر جاری کرا دیتا۔ اگر دعائے خیر کرتا اللہ تعالیٰ اُس کی زبان پر موسیٰ علیہ السلام اور اہلِ ایمان کا نام جاری کرا دیتا قوم نے کہا یہ کیا کر رہے ہو بددُعا ہمیں کرتے ہو اور دعائے خیر موسیٰ علیہ السلام اور اہلِ ایمان کے لئے اس نے جواب دیا یہ میرے بس کی بات نہیں بخدا میری زبان اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے وہ جس طرح چاہتا ہے چلاتا ہے اس کے بعد اس کی زبان بڑھتی ہوئی سینہ پر لڑھک گئی۔ اس نے اپنی قوم سے کہا اب مجھ سے دنیا بھی گئی اور دین بھی برباد اور آخرت بھی برباد۔ اُس نے کہا کہ اب میرے اندر جو جوہر تھا وہ چھن گیا۔ اب سوائے حیلہ اور مکرو فریب کے کوئی چارہ گر نہیں ہو سکتا۔ اب یوں کرو کہ اپنی عورتوں کو سنگار کر بنی اسرائیل میں بھیج دو اور انہیں کہہ دو کہ ان کے ساتھ بنی اسرائیل جس طرح کریں اُن کا حکم مانیں۔ اگر اُن پر تمہاری عورتوں کا جادو چل گیا تو تمہارا کام بن جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی حسین و جمیل عورتوں کو سنگار کر کے بنی اسرائیل کے ہاں بھیج دیا ان میں سے ایک نہایت حسین و جمیلہ عورت کا ایک بنی اسرائیل کے ہاں سے گذر ہوا اُس نے اُسے پکڑا اور موسیٰ علیہ السلام کے ہاں لے گیا اور کہا کہ آپ کا تو فتویٰ ہے کہ یہ عورت میرے لئے حرام ہے لیکن اب بات میرے بس کی نہیں رہی

فلہٰذا اب میں اسے لئے جا رہا ہوں۔ چنانچہ اس نے اپنے حجرے میں جا کر اس سے زنا کیا اس کی اس نحوست سے بنی اسرائیل پر طاعون پھوٹ پڑا۔ حضرت فخاص بن الغیرار حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشیر کار تھے۔ وہ اس موقعہ پر موجود نہیں تھے۔ واپس لوٹے۔ حالات پوچھے تو ایک بدبخت کی نحوست سے بنی اسرائیل پر یہ مصیبت ہے وہ اپنا خنجر جو لوہے کا تھا لے کر اسی بدبخت کے حجرے میں پہنچے تو دیکھا کہ وہ دونوں بدبخت جرم میں مبتلا ہیں انہوں نے انہیں خنجر کا وار کیا۔ اُن کے حملہ سے دونوں ان کے خنجر میں پھنس گئے۔ آپ نے دونوں کو خنجر میں لے کر موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا۔ اور کہا یا اللہ تعالیٰ ہم یہی سزا دیں گے جو ایسے جُرم میں مبتلا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے طاعون کو فوراً اٹھا لیا اس طرح سے بقایا بنی اسرائیل طاعون کی زد سے بچ گئے اور جو اس وبا میں ہلاک ہوئے اُن کی تعداد ستر ہزار تھی جو زنا کی گھڑی سے لے کر اس کے جرم کی سزا کے درمیان میں مرے تھے وہ ستر ہزار تھے اُس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام یا اُن کے جانشین حضرت یوشع بن نونؑ نے اس شہر کے لوگوں سے جنگ کی۔ اُن پر غلبہ پایا بعض کو قتل کیا اور بعض کو قیدی بنایا۔ ان قیدیوں میں بلعم باعورا بھی تھا جسے بعد کو قتل کیا گیا۔ اُسے جو مال و دولت قوم سے ہدایا و تحائف کے طور ملا وہ بھی لایا گیا۔ جسے مال غنیمت میں شامل کر لیا گیا۔

فَانْسَلَخَ مِنْهَا پس وہ ان آیات سے صاف نکل گیا جیسے بکری اور سانپ سے کھال اُتر جاتی ہے اور اُسے اپنی بدانجامی کا دل میں خیال تک نہ ہوا۔ **فَاَتْبَعَهُ الشَّیْطٰنُ** پس اُس کے پیچھے شیطان لگا۔ اتبع اور تبع اردف اور ردف کے ہم معنیٰ ہیں اب آیت کا معنیٰ یوں ہوا کہ شیطان اس کے گمراہ کرنے کے درپے رہا اور وہ ایمان و طاعت کی وجہ سے اس کے قابو میں نہیں آتا تھا لیکن جب اُس کی شومئی قسمت کہ اُس نے آیات کو چھوڑا تو شیطان کو اُس کے گمراہ کرنے کا موقعہ مل گیا۔

فَكَانَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ○ گمراہوں میں سے یعنی منجملہ گمراہوں کے جو کہ گمراہی میں راسخ ہوتے ہیں حالانکہ اس سے قبل وہ ہدایت یافتہ لوگوں میں سے تھا۔

فائدہ الغی کبھی بمعنیٰ ہلاک اور کبھی بمعنے خیبۃ آتا ہے۔ قاموس میں ہے غوٰی بمعنے ضَلَّ (گمراہ ہوا)۔

ولی اللہ اور عرشِ مُعلّٰی حضرت امام غزالی قُدِّسَ سِرُّہٗ نے فرمایا کہ بلعم باعورا اتنا بلند مرتبہ تھا کہ یہیں پر بیٹھ کر عرشِ مُعلّٰی کو دیکھ لیتا لیکن جونہی تھوڑا سا دنیا کی طرف مائل ہوا تو اللہ تعالیٰ کو غیرت آئی کہ اس نے ولایت کو دھبہ لگایا تو اس کی ولایت چھین لی۔ اس کا ایک وقت تھا کہ اس کے ملفوظات لکھنے والے بیک وقت بارہ ہزار قلم دوات لئے پیچھے بیٹھے رہتے کہ اس کے علم و حکمت کے جوہر و موتی جمع کر لیں لیکن جب مردُود ہوا تو منحوس نے خود ایک کتاب لکھی کہ جہان کا کوئی صانع نہیں کمیونسٹ (دہری) ہو گیا۔ نعوذ باللہ من سخطہ ہم اللہ تعالیٰ کے غضب سے پناہ کر سکتے ہیں۔ یاد رہے کہ اس موضوع پر سب سے پہلا مصنف یہی بلعم باعورا ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس سے اہل حق عبرت پکڑیں کہ وہ قادر مطلق کیسا بے پرواہ ہے فلہذا کتنے بہت بڑے بلند مقامات طے ہو جائیں یہاں تک کہ پیغمبروں کے درجات سے فائز ہو یا آئمہ اور صحابہ کے مقامات حاصل کرلے اور تابعین اور مشائخ کاملین کا رُتبہ پالے تب بھی خدا تعالیٰ کے غضب اور قہر سے ڈرتا ہے اور اپنے اوپر دنیوی عیش و عشرت کا دروازہ نہ کھولے نہ کھانے میں نہ پینے میں نہ لباس میں نہ نکاح کے معاملات میں اور نہ مکانات وغیرہ۔ اس لئے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے اولیاء کرام کے لئے عالم غیب میں کئی طرح کے احسانات و احسانات رکھے ہیں کہ نہ کسی نے آنکھ سے دیکھے ہیں نہ کسی کان نے سنے اور نہ کسی دل پر اُن کا تصور ہو سکتا ہے۔ ایسے ہی اُن کے لئے بلائیں اور مصائب و تکالیف پوشیدہ ہیں۔ کامل عارف بلکہ واصل منتہی پر لازم ہے کہ دنیا کے عیش و عشرت کی طرف جھکاؤ کر کے اللہ تعالیٰ کی اُن کی بلاؤں اور مصیبتوں کو دعوت نہ دے۔ ہر حال میں خواہشات نفسانیہ اور تلذذات دنیویہ سے بچتا رہے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)۔

فائدہ کاشفی نے لکھا کہ شیخ الاسلام نے فرمایا کہ نامعلوم بادِ تقدیر کھلتے ہی کیا گل کھلاتی ہے اگر فضل و کرم لائے تو بہرام جیسے کافر سے زنا اتروا کر دین حق کا شیدائی بنا دے۔ اگر عدل کا ترازو لے کر آئے تو بلعم باعورا جیسے ولی کامل سے ایمان بلکہ شرافت انسانی چھین کر کتوں کے ہم پلہ بنا دے ؎

① آنرا بری از صومعہ بر دیر گبراں افگنی
دین را کشی از بتکدہ سر حلقہ مرداں کنی

② چوں و چرا در کار تو عقل زبونرا کے رسد
فرمان دہ مطلق توئی حکمیکہ خواں آں کنی

ترجمہ: ① اسے صومعہ (عبادتگاہ) سے اٹھا کر کافروں کے بتکدہ میں پھینکتا ہے اسے بتکدہ سے نکال کر مردانِ خدا کا سرخیل بناتا ہے۔

② کسی کی عقل کو چوں و چرا کی طاقت ہے مطلق فرمان دینے والا تو ہی تو جیسے چاہے حکم فرماتا ہے

تفسیر عالمانہ وَلَوْ شِئْنَا اور اگر ہم کسی کو بلند قدر بنانا چاہیں۔ لَرَفَعْنٰهُ تو ہم اُسے اولیا ابرار کے مراتب عنایت فرما دیں۔ بِهَا انہیں آیات اور اُن پر مداومت کرنے کے سبب سے۔

فائدہ مفسرین فرماتے ہیں کہ ان آیات سے صحف ابراہیم علیہ السلام مراد ہیں جنہیں بلعم باعور اسنے پڑھا تھا یا وہ کلمات مراد ہیں جو اسم اعظم پر مشتمل تھے۔

وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ لیکن وہ زمین کو چمٹ گیا۔ یعنی دنیا کی طرف جھکا تو ہم نے اُس کے مراتب بلند نہ کئے اس لئے کہ اس نے بلندی درجات و مراتب کے خلاف ارتکاب کیا۔

فائدہ الاخلاد الی الارض" سے آیات پر غور و فکر کے مداومت اور اُن کے مقتضی کے مطابق عمل کرنے سے روگردانی کرنا مراد ہے اور معانی کا قاعدہ ہے کہ الکنایۃ ابلغ من التصریح" یعنی کلام میں کنایہ تصریح سے زیادہ

بلیغ ہوتا ہے۔

وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ اور دنیا کو مرغوب بنا کر اور اسے پسند کر کے خواہش نفسانی کے تابع ہوا اس وجہ سے گرا تو سر کے بل اور بہت زیادہ گرا اور مُرتد ہو کر بہت ذلیل ترین لوگوں میں شامل ہو گیا۔ اسی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا **فَمَثَلُهٗ** پس رذیل و خسیس ہونے میں اس کی مثال۔

فائدہ لفظ مثل مشترک ہے مابین صفت و کہاوت کے لیکن یہاں پر بمعنے صفت ہے (کذا فی البحر)۔

كَمَثَلِ الْكَلْبِ کتے کی طرح یعنی اس کے خسیس ترین احوال میں سے اس کا ایک حال کتے کی طرح تھا۔

اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ اگر اس پر حملہ کرو اور اسے ہٹاؤ۔

فائدہ یہ خطاب ہر اس شخص کو ہے جو خطاب کے لائق ہے اور یہی زیادہ موزوں ہے اس لئے کہ کسی کی شناعت اور خرابی کی اشاعت اس طریق سے ابلغ ہوتی ہے۔

يَلْهَثْ ہانپے۔ اللہث بمعنے سخت سانس کھینچ کر زبان کو باہر نکالنا **اَوْ تَتْرُكْهُ** یا اسے چھوڑ دو تو بھی ہانپے۔ گویا اس کی ہمیشہ یہی حالت رہی ہے اسے جھڑکیاں دے کر بھگایا جائے یا رہنے دیا جائے وہ اپنی مذکورہ حالت کو نہیں چھوڑتا۔ اس لئے کہ اپنی قلبی ضعف کی وجہ سے نہ گرم ہوا کہ ہٹا سکتا ہے اور نہ ٹھنڈی ہوا کو کھینچ سکتا ہے بنابریں وہ مجبوراً لمبے لمبے سانس کھینچتا ہے بخلاف دوسرے حیوانات کے کہ وہ لمبے لمبے سانس کھینچنے کے محتاج نہیں اور نہ انہیں ضرورت ہوتی ہے ہاں تھکان اور دوسری تکالیف کے وقت وہ ایسا کر لیتے ہیں پس جیسے کتا ہمیشہ زبان نکال کر سانس کھینچتا ہے اور تنگی میں رہتا ہے اسی طرح اس کافر کا حال ہے کہ اسے نصیحت کرو اور غلطی سے روکو تو نہ وہ اپنی غلطی سے ہٹتا ہے اور نہ نصیحت قبول کرتا ہے اگر اسے اپنے حال پر چھوڑ دو تب بھی ہدایت نہیں پاتا اور اسے اپنی اس غلطی کا احساس تک بھی نہیں ہوتا۔ بلکہ خباست و رذالت اور کمینگی کی حد تک پہنچنے کی جدوجہد کرتا ہے۔

دُنیا کی مذمت غور کیجئے دنیا کس طرح ذلیل و خوار کرتی ہے بالخصوص علما[1] کے لئے تو زہر قاتل ہے۔

حدیث شریف جو علمی پرواز تو بلند رکھتا ہے لیکن اس سے ہدایت نہیں پاتا تو اللہ تعالیٰ سے بھی اُسے بُعد اور دُوری نصیب ہوگی۔

نکات جو شخص نعمت پر شکر نہیں کرتا اسے ناشکرا کہا جاتا ہے پھر اس سے نعمت چھین لی جاتی ہے۔ جیسے کتا عزت و شرافت اور بزرگی صرف روٹی کے ایک ٹکڑے کو جانتا ہے اسے جس سے ٹکڑا ملے اسی کا غلام ہے جو اسے ٹکڑا روٹی کا کھلائے یا ہڈی چبوائے خواہ وہ اسے مٹی پہ لٹوا دے یا گندگی پہ ڈالو یا بہترین تخت پہ بٹھاؤ اس کے لئے برابر ہے اسی طرح لالچی انسان کا حال ہے کہ اسے بزرگی و شرافت سے کیا مطلب اور نہ ہی

---

[1] لیکن ہمارے بعض علما صاحبان تو اس کمینی کو شیرِ مادر سمجھتے ہیں۔ نامعلوم اس کے حصول میں کیا کیا پاپڑ بیلتے ہیں۔

وہ کسی نعمت کا حق جانتا ہے بلکہ وہ فضل وکرامت اور شرافت کا لباس پھینک کر قہر وتکبر کی چادر اوڑھ لیا ہے[1]۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جاہل احمق اس پر خوش نہ ہو کہ اتباع ہوائے نفس اُسے نقصان نہیں پہنچائے گی۔ جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام[2] کو اتباع ہوائے نفس سے روکنا بلکہ انہیں طرح کی وعیدیں سناتا ہے پھر ہم کس باغ کی مولی۔ چنانچہ داؤد علیہ السلام سے فرمایا یَا دَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَیْنَ النَّاسِ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَیُضِلَّكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

مباش غرہ بعلم وعمل فقیہہ مدام
کہ ہیچکس ز قضائے خدا جاں نبرد

ترجمہ: اے فقیہ (عالم دین) ہمیشہ علم وعمل سے دھوکہ میں نہ رہ کیونکہ اس کی قضا سے کوئی جان بر نہیں ہو سکتا۔

تفسیر عالمانہ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ۚ ان لوگوں کی طرح ہے جنہوں نے ہمارے آیات کی تکذیب کی۔ اس سے مراد یہود ہیں یعنی جیسے بلعم باعورا باوجودیکہ آیات الٰہی سے نوازا گیا لیکن اُن سے نکل کر دنیا کی طرف جھکا۔ یہاں تک کہ کتے کی طرح ہو گیا ایسے ہی یہود ہیں کہ انہیں تورات عطا ہوئی جو دیگر احکام کے علاوہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نعمت پر مشتمل تھی اور اس میں قرآن کریم کے متعلق بھی مذکور تھا کہ وہ بھی اُس آخر الزمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منجملہ معجزوں کے ایک معجزہ ہو گا اور اس میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق جو خوشخبری بھی تھی کہ وہ عنقریب تشریف لائیں گے چنانچہ آپ کے وسیلہ وجلیلہ سے کفار پر فتح ونصرت کی دُعا بھی مانگتے تھے لیکن اس کے باوجود وہ اُن امور سے نکل کر حضور علیہ السلام کے خلاف ہو گئے اور آپ کی جی بھر کر تکذیب کی بلکہ آپ کے متعلق تورات میں تحریف کی۔

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ پس انہیں خبر دیجئے۔ القصص سلب کی طرح مصدر بمعنے مفعول اور اس میں الف لام عہدی ہے لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ۝ اس سے تفکر کی امید رکھئے جو وہی تفکر انہیں نصیحت قبول کرنے کی طرف پہنچا دے۔ سَآءَ مَثَلًا ۨ۔ ساءَ بمعنے بئس ہے اور مثلاً ساء کے فاعل مضمر سے تمیز اور اس فاعل مضمر کی تفسیر ہے۔ الْقَوْمُ مخصوص بالام اور اس کا مضاف محذوف ہے اُس کے اور فاعل وتمیز کے درمیان تصادف کے وجوب کی وجہ سے دراصل عبارت یوں تھی۔ سَآءَ مَثَلًا ۨ الْقَوْمِ وبئس الوصف وصف القوم" یعنی قوم کا طریقہ یا وصف بُرا ہے۔

---

[1] جیسے آج کل کاروباری حضرات اور دوکاندار صاحبان اور دنیا داروں وغیرہ وغیرہ کا حال ہو گیا ہے۔
[2] علیہم السلام = اویسی غفرلہٗ

فائدہ حدادی نے فرمایا کہ یہاں بُرائی اور قباحت اُن کے فعل کی مطلوب ہے نہ کہ نفس مثل کی اب مطلب یہ ہوگا۔ کہ ان کا فعل بُرا ہے جس کی وجہ سے انہیں وصف قبیح سے موصوف ہونا پڑا اور نہ یہ تو ظاہر ہے کہ یہ مثال اللہ تعالیٰ کی جانب سے دی گئی ہے اور اس کا ہر فعل پُراز حکمت اور نہایت صواب ہی صواب ہوتا ہے۔

اَلَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا جنہوں نے ہمارے آیات کی تکذیب کی باوجودیکہ اُن پر حجج و براہین قائم تھے اور وہ انہیں جانتے بھی تھے۔ وَاَنۡفُسَہُمۡ کَانُوۡا یَظۡلِمُوۡنَ ۝ اور وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرتے تھے یعنی تکذیب سے ان کا اپنا نقصان ہوا۔ اس لئے اُس کا وبال انہیں پر پڑے گا۔

مَنۡ یَّہۡدِ اللّٰہُ جس کے لئے اللہ تعالیٰ ہدایت کی تخلیق فرماتا ہے فَہُوَ الۡمُہۡتَدِیۡ ج پس وہی ہدایت یافتہ اس کے سوا اور کوئی ہدایت نہیں پاسکتا خواہ وہ کیسا ہی بلند قدر ہو۔

سوال جب اس کی تخلیق پر منحصر ہے پھر وعظ و نصیحت کا کیا فائدہ؟

جواب وعظ و نصیحت اس ہدایت تخلیقی کا وسیلہ ہیں یہ نہیں کہ انمیں کسی قسم کی تاثیر ہو کہ اُن سے خواہ مخواہ ہی ہدایت نصیب ہو جائے۔ صرف اُن سے اتنا فائدہ ہوگا کہ اُن کی وجہ سے بندہ اپنے اختیارات کے حصول کے لئے صرف کرے گا۔

وَمَنۡ یُّضۡلِلۡ اور جس کے لئے ضلالت کی تخلیق کرے یعنی اس کے اندر ہدایت کے بجائے ضلالت کی تخلیق کرے یعنی اس کے اندر ہدایت کے بجائے ضلالت پیدا فرمائے کہ بندہ اپنے اختیار کو ضلالت پر صرف کرے۔

فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ۝ پس وہی ہیں خسارے والے نہ اُن کے غیر۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ جسے عنایتِ الٰہی اور ہدایت ابدی نصیب ہوتی ہے وہ بلند مراتب سے نہیں گرتا۔ دراصل یہ وہ حضرات ہیں جنہیں ازلی نور کے چھینٹے نصیب ہوئے جبکہ ازل میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کے چھینٹے ڈالے وہ ہدایت پا گیا اور جو اس نور کے چھینٹے سے محروم رہا وہ گمراہ ہوگیا اور وہ خواہش نفسانی کے گھیرے میں آکر اللہ تعالیٰ کے راہ سے ہٹ گیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ازلی نور کے چھینٹوں سے محرومی ہوئی نہ انہیں وہ نور نصیب ہوا اور نہ وہ ہدایت پا سکے۔

حکایت حضرت سُفیان ثوری رضی اللہ عنہ ہر وقت بارگاہِ حق میں عرض کرتے۔ اَللّٰہُمَّ سَلِّمۡ سَلِّمۡ اے اللہ تعالیٰ سلامتی بخش۔ اس شخص کی طرح کہ جس کی کشتی دریا کے بھنور میں پھنسی ہو وہ نہایت عجز و نیاز سے عرض کرتا ہے اَللّٰہُمَّ سَلِّمۡ سَلِّمۡ۔

حکایت سیدنا یعقوب علیہ السلام کو جب یوسف علیہ السلام کی خوشخبری گئی تو آپ نے پوچھا وہ کس دین پر ہیں عرض کی گئی وہ دین اسلام پر ہیں۔ آپ نے کہا "اب ان کے لئے نعمت کی تکمیل ہوئی۔

فائدہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ محبوب کلمہ یہ ہے کہ بندہ اُس کا شکر کرتے ہوئے کہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْعَمَ عَلَیْنَا وَ ھَدَانَا اِلَی الْاِسْلَامِ جمیع محامد اللہ کے لئے ہیں کہ اُس نے ہمیں نعمت سے نوازا اور دولت اسلام بخشی۔

سبق سالک کے لئے لازم ہے کہ وہ شکر سے غافل نہ ہو مثلاً کہے کہ میں مسلمان ہوں یا عارف ہوں یا نیکی کی توفیق یافتہ ہوں یا گناہوں سے محفوظ ہوں بلکہ یہ سمجھے کہ یہ سب اُسی کی کرم نوازی ہے ورنہ وہ بے نیاز ہے اگر چاہے تو اس گھڑی میں معاملہ برعکس کر دے اس لئے کہ تمام اعمال کا دار و مدار خاتمہ پر ہے۔

حکایت اللہ تعالیٰ سے کسی ولی کامل نے عرض کی اے اللہ العٰلمین تو نے بلعم باعورا کو کیوں اپنے دروازے سے ہٹا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے اسے کتنی ہی بڑی نعمتوں اور اور کرامتوں سے نوازا لیکن اس نے کبھی میرا شکر نہ کیا اگر وہ زندگی میں ایک دفعہ بھی شکر کرتا تو میں اس سے کبھی دی ہوئی نعمت نہ چھینتا۔

سبق کسی کے پاس نفیس جوہر ہو کہ جس کی قیمت کروڑوں روپے ہوں۔ لیکن وہ کسی کو ایک دُمڑی (ٹیڈی پیسہ) میں بیچ ڈالے تو دنیا میں اس جیسا غبی جاہل خسارے والا اور کون متصوّر ہوگا اور ہر ایک یہی کہے گا کہ وہ خسیس و ذلیل اور بے وقوف ہے ایسے ہی سالک کا حال ہے کہ وہ عمر جیسے بے بہا گوہر کو کوڑیوں کے عوض بیچ رہا ہے اسے سوچنا چاہیئے کہ میرے ہاں ایک بیش بہا گوہر ہے۔ اسے محفوظ کرنا لازم ہے دنیا چند ساعت ہے۔ عمل میں کوتاہی کرے گا تو نقصان اُٹھائے گا۔ پھر اسے احکم الحاکمین کے سامنے حاضر ہونا ہے جو ذرہ ذرہ کا حساب لے گا۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ وہ کریم ہمارا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔ اس پر یہ کوئی مشکل بھی نہیں اور دُعا کرتے ہیں کہ وہ ہماری غلطیوں سے درگذر فرمائے۔ اے مولا کریم اپنے کوتاہ اندیش بندے کی تمام امیدیں پوری فرما دے (آمین)

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا اور بخدا ہم نے پیدا کیا۔

حل لغات قاموس میں ہے ذرأ جَعَلَ کی طرح بمعنے خلق الشیٔ ہے اس سے ذریۃ کو لیا گیا ہے۔ اس کا انسؔ و جن پر اطلاق ہوتا ہے۔

لِجَھَنَّمَ دخول جہنم اور اسمیں عذاب دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے جہنم کو آخرت کا جیل خانہ بنا دیا ہے اسے اس جہنم کہتے ہیں کہ اس کا گڑھا گہرا ہے مثلاً کہا جاتا ہے ”بئر جہنام“ یہ اس کنوئیں کو کہتے ہیں جس کی گہرائی بہت زیادہ ہو۔ اور جہنم کئی طریقے کی ہے بعض طبقات سخت گرم تو بعض نہایت ٹھنڈے۔ ان کے اندر سخت گرمی بھی ہے اور سخت سردی بھی اور ہر دونوں ہر وقت انتہائی درجہ پر ہوتی ہیں۔

فائدہ جہنم کی گہرائی اور اس کی بالائی حصہ کے درمیان کی مسافت ایک سو پچھتر سال کی ہے۔

كَثِيْرًا بہت سے ہیں مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ سے ان جنوں اور انسانوں سے جو کفر پر مرے جن کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ فلاں اپنے اختیار سے کفر پر زندگی بسر کر کے مرے گا۔ بنا بریں وہ اہل نار سے ہے۔

جن کیسی مخلوق ہے؟ جن ہوائی اجسام رکھتے ہیں اور انہیں مختلف شکلیں اختیار کرنے کی قدرت حاصل ہے انہیں عقول بھی ہیں اور افہام بھی اور بہت بڑے سخت کام سرانجام دے سکتے ہیں بخلاف انسانوں کے اور انہیں جن اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ آنکھوں سے اوجھل اور پوشیدہ رہتے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے "جِنَّہ اللیل" یعنی اسے رات نے ڈھانپ لیا اور جن کا مادہ یہی ہے۔ اور انس و لبشر ایک شے ہے اور وہ آنس الشیٔ سے مشتق ہے بمعنے البصرہ یعنی اسے دیکھ لیا۔ چونکہ انسان لبشر دیکھا جاتا ہے جن کی طرف پوشیدہ انہیں اس نام سے موسوم ہے[1]

سوال آیت میں جن کا ذکر مقدم کیوں؟

جواب ① گنتی میں بھی وہی زیادہ ہیں اور تخلیقاً بھی وہی پہلے ہیں اس لئے انہیں مقدم کیا گیا۔

جواب ② لفظ انس زبان پر اتنا بوجھل نہیں جتنا جن ہے اس لئے کہ انس میں نون خفیفہ اور سین مہموسہ ہیں اور یہ دونوں زبان کے لئے آسان ہیں بخلاف لفظ جن کے کہ اس میں ثقالت ہے پھر تکلم میں ثقیل لفظ کا مقدم ہونا اَولیٰ ہوتا ہے اس لئے کہ متکلم کو بولنے میں اسی طرح راحت محسوس ہوتی ہے۔

مسئلہ تمام امت کا اتفاق ہے کہ جن ہماری شریعت کے مطابق عبادت پر مامور ہیں اس لئے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر دونوں (جن و انسانوں) بلکہ جملہ کائنات کی طرف مبعوث ہوئے۔

مسئلہ سابقہ اُمم میں بھی جنات ہمارے نبی علیہ السلام کے اُمتی ہونے کی طرح احکام شرعیہ کے مکلف تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ حق عَلَیۡہِم الۡقَوۡلُ فِیۡۤ اُمَمٍ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ مِّنَ الۡجِنِّ وَ الۡاِنۡسِ ؕ اِنَّہُمۡ کَانُوۡا خٰسِرِیۡنَ ۝

سوال صرف انسان و جن کا نام کیوں لیا گیا ہے حالانکہ عبادت تمام ملائکہ اور دوسری مخلوق بھی کرتی ہے؟

جواب چونکہ فطرت عبادت و سعادت کی استعداد صرف انہی میں ہے اس لئے اُن کا نام لیا گیا اگر انہیں استعداد مذکور نہ ہوتی تو انہیں مکلف نہ بنایا جاتا۔

---

[1] حضور علیہ السلام اس معنے پر لبشر و انسان ہیں۔ باقی رہی حقیقت اس کے متعلق یہی کہا جائے گا ؎

حقیقت محمد دی پا کوئی نی سگدا
اتھاں چُپ دی جا ہے الا کوئی نی سگدا

اسی لئے کہا گیا ہے ؎

خدا جانے محمد کی رسائی ہے کہاں سے کہاں تک
وہیں تک دیکھ سکتا ہے نظر جس کی جہاں تک ہے۔

[3] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ (اُویسی غفرلہٗ)

سوال کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو اہل اسلام سے زیادہ بنایا ہے؟

جواب ① تاکہ بندوں کو معلوم ہو کہ وہ عبادت سے مستغنی ہے اگر اُسے عبادت کی ضرورت ہوتی تو کفار کو تھوڑا اور اہل اسلام کو زیادہ بناتا۔

جواب ② تاکہ کفار کے درمیان اہل اسلام کی عزت و عظمت کا اظہار ہو۔ اس لئے کہ اشیاء کو اضداد سے پہچانا جاتا ہے۔

جواب ③ شے تھوڑی مقدار میں ہو تو وہی ذیشان متصور ہوتی ہے۔

سوال حدیث شریف میں ہے کہ رحمتِ الٰہی اُس کے غضب پر غالب ہے اس بناء پر اہل رحمت بہ نسبت اہل غضب ہزار میں سے نو سو ننانوے ہیں اور اہل رحمت صرف ایک؟

جواب ① کثرت بہ نسبت بنو آدم کے ہے ورنہ فرشتوں اور حور و غلمان کے لحاظ سے دیکھا جائے تو کثرت اہلِ رحمت کو حاصل ہے۔

جواب ② اہل غضب اس لئے زیادہ ہیں تاکہ اخیار کے لئے فدیہ بن سکیں۔ چنانچہ صحیح حدیث شریف میں ہے کہ ہر مؤمن کافر کی پیشانی سے پکڑ کر اُسے جہنم میں ڈال کر کہے گا یہ میرے نفس کا فدیہ ہے۔

ایک مشکل حدیث شریف کی بہترین تحقیق حدیث شریف میں ہے کہ جہنم کے لئے اولاد الزنا کو پیدا کیا گیا ہے یعنی جہنم میں زنا سے پیدا شدہ انسان زیادہ ہوں گے اس حدیث شریف سے اشکال پیدا ہوتا ہے کہ زنا زانی کا فعل ہے اسے اولاد کے ذمہ کیا قصور۔ اس کے کئی جوابات دیئے گئے ہیں۔

اولاد الزنا اس وقت جہنم کی مستحق ہے جبکہ وہ بھی اپنے آباء و امہات کی طرح زنا کا ارتکاب کریں اگر حدیث مذکور صحیح ہو تو اس کا مطلب وہی ہے جو ہم نے بیان کیا اور تمام علماء کا اتفاق ہے کہ حدیث مذکور اپنے ظاہر کے معنٰے پر نہیں بلکہ اس کی تاویل ضروری ہے۔ ایک تاویل اوپر بیان ہوئی (کذا فی المقاصد الحسنہ)۔

جو زانی و زانیہ زنا پر مواظبت کریں وہ جہنم میں جائیں گے اسی مواظبت کی وجہ سے اسے اس فعل کا ولد کہا جاتا ہے مثلاً شہود کو بنو الصحف اور بہادروں کو بنو الحرب اور مسلمانوں کو بنو الاسلام کہتے ہیں۔

فائدہ مشائخ کا اتفاق ہے کہ ولد الزنا ولایت خاصہ کے لئے نااہل قرار دیئے گئے ہیں۔

لَهُمْ قُلُوْبٌ یہ محلاً منصوب ہے اس لئے کہ کثیرا کی صفت ہے۔ **لَا يَفْقَهُوْنَ بِهَا** یہ محلاً مرفوع ہے اس لئے کہ قلوب کی صفت ہے۔ یعنی اُن کے قلوب تو ہیں لیکن اُن سے کچھ سمجھتے نہیں اور انہیں معرفتِ حق اور دلائل پر غور و فکر نہیں لگاتے۔

فائدہ قلب شیشہ کی طرح ہے جو انکار و غفلت سے زنگ آلود اور تصدیق اور رجوع الی اللہ سے روشن ہو جاتا ہے حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

① غبارِ ہوا چشم غفلت بدوخت
سموم ہوا کِشت عمرت بسوخت
② بکن سرمۂ غفلت از چشمِ پاک
کہ فردا شوی سُرمہ درچشم خاک

ترجمہ: ① خواہشات نفسانی کی غبار نے تیری عقل کی آنکھیں سی دی ہیں۔ نفسانی خواہشات کی لُو نے تیری عمر کی کھیتی جلادی ہے۔

② آنکھوں سے غفلت کا سُرمہ دُور کر کیونکہ کل تو نے خاک کی آنکھ کا سرمہ بنا ہے۔

وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا اور اُن کی آنکھیں تو ہیں لیکن اُن سے اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اشیأ کو بنظرِ عبرت نہیں دیکھتے ہیں

دوچشم از صنعِ باری نکوست
زعیبِ برادر فرو گیر و دوست

ترجمہ، دو آنکھیں اچھی صنعت باری تعالیٰ دیکھنے کے لئے ہیں بھائی اور دوست کے عیب سے انہیں بند رکھ۔

وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ط اور اُن کے کان تو ہیں لیکن اُن سے قرآنی آیات اور وعظ و پند تامل و تذکر سے نہیں سنتے ہیں

گذرگاہ قرآن و پنداست گوش
بہ بہتان و باطل شنیدن مکوش

ترجمہ، کان قرآن و نصیحت کی گذرگاہ ہے۔ بہتان اور باطل سننے کی کوشش نہ کر۔

اُولٰٓئِكَ اوصاف مذکورہ کے موصوف لوگ كَالْاَنْعَامِ جانوروں کی طرح ہیں کہ جیسے انہیں سمجھنے اور عبرت کی نگاہ اور تدبر کے استماع کی صلاحیت نہیں یہ بھی ویسے ہی ہیں یا یہ معنیٰ ہے کہ اُن کے مشاعر و قویٰ کی توجہ عیش و عشرت کے اسباب کی طرف لگی ہوئی ہے اور وہ رات دن صرف اُن کے حصول میں منہمک ہیں۔

حل لغات الانعام بالتحریک کبھی اُس کی عین ساکن ہوتی ہے یہ جمع ہے اس کا اطلاق۔ اونٹ۔ بکری یا صرف اونٹ پر ہوتا ہے (کذافی القاموس)۔

بَلْ هُمْ اَضَلُّ بلکہ وہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں یہ بل اضراب کا ہے ابطال کا نہیں بلکہ یہاں پر ایک حکم سے دوسرے حکم کی طرف انتقال کیا گیا ہے یعنی پہلے جانوروں سے تشبیہ دی گئی ہے پھر اُن پر دوسرا حکم لگایا گیا ہے وہ یہ کہ جانور پھر بھی سکھانے پر کچھ سمجھ بُوجھ رکھتے ہیں لیکن یہ کافر اُن سے بھی گئے گذرے ہیں کہ انہیں جو نہی سیدھی راہ بتاؤ تو وہ الٹے پاؤں چلتے ہیں۔ جانوروں میں یہ ہوتا ہے کہ حتی الامکان اپنے لئے نفع مند چیزوں کے لئے جدوجہد اور جو چیزیں انہیں نقصان پہنچائیں اُن سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن اُن میں یہ بھی

نہیں۔ اُن کی حالت یہ ہے کہ دائمی نعمتوں کو چھوڑ کر دائمی عذاب میں مبتلا ہونا چاہتے ہیں۔

فائدہ بعض مفسرین نے کہا اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جانور اپنے مالک کو پہنچانتا ہے اور اس کی اطاعت کرتا ہے اور وہ اپنے مالک کی یاد سے غافل بھی نہیں ہوتا بخلاف اُن کے وہ نہ اپنے مالک کا عرفان رکھتے ہیں اور اُسے یاد کرتے اور نہ ہی اُس کی اطاعت کرتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ بہ نسبت بنی آدم کے باقی تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ اور فرمانبردار ہیں ؎

دریغ آدمی زادۂ پُر محل
کہ باشد چو انعام بَلْ هُمْ اَضَلّ

ترجمہ: آدم زادے بلند مرتبہ پر افسوس کہ وہ جانوروں جیسا بلکہ اُن سے گیا گزرا ہو۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝ وہی لوگ امر آخرت اور جو کچھ آخرت میں اُس کے لئے تیار کیا گیا ہے سے غافل ہیں۔

تفسیر صوفیانہ انسان میں طرف روحانیت کی ہے دوسری جانب جسمانیت کی۔ اُسے عقل و شہوت سے مرکب کیا گیا ہے اگر اُس کا عقل شہوت پر غالب ہو تو وہ ملائکہ سے افضل ہے اگر وہ شہوت نفسانی سے مغلوب ہو جائے تو پھر جانوروں سے بھی ذلیل و خسیس تر ہے۔ اسی کی ترجمانی کی گئی ہے ؎

بہرہ از ملکت ہست و نصیبے از دیو
ترک دیوی کن و بگذر بفضیلت ز ملک

ترجمہ: تیرا کچھ حصہ ملک اور کچھ دیو (شیطان سے ہے) دیوی (شیطانگی) چھوڑ کر فضیلت میں فرشتوں سے آگے نکل آ۔

فائدہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کئی قسم بنائی ہے ایک وہ ہیں جنہیں صرف اپنے قرب و محبت کے لئے پیدا فرمایا ہے یہ اہل اللہ اور خواص اللہ ہیں۔ انہیں اپنے حسن و جمال کا مظہر بنایا ہے اور یہی حضرات اس کلام کو بلا واسطہ سنتے ہیں اور اُس کے جمال کو بلا واسطہ دیکھتے ہیں اور اس کی معرفت کو بلا واسطہ پہچانتے ہیں اور دوسرے وہ ہیں جنہیں بہشت اور اپنی نعمت کے لئے پیدا فرمایا تاکہ اُن پر اپنا لطف اور رحمت ظاہر فرمائے اور ان میں وہ قلوب ہیں کہ جن سے وہ توحید و معرفت کے دلائل سمجھتے ہیں اور اُن کی دونوں آنکھیں آیاتِ حق کو دیکھتی ہیں اور تیسرے وہ ہیں جو نارِ جحیم کے لئے پیدا کئے گئے ہیں تاکہ اُن پر اپنا قہر و جلال ظاہر فرمائے۔ یہی لوگ جانوروں کی طرح ہیں وہ نہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں اور نہ اُن کے دل میں اس کی طلب ہے بلکہ جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں۔ وہ اس لئے کہ جانوروں میں فطری طور سعادت و معرفت اور طلب الٰہی کی استعداد رکھی ہی نہیں گئی اور انمیں یہ استعداد پیدا کی گئی لیکن بدبختوں نے اس استعداد کو شہواتِ نفسانی اور دنیا کی طرف میلان سے ضائع کر دیا کہ آخرت بیچ کر دنیا خریدلی۔ دین دیکر دنیا لے لی اور اپنے مالک و مولیٰ کو چھوڑ دیا اس لئے وہ جانوروں سے بھی گمراہ تر ہوئے بوجہ استعداد ضائع

کرنے کے وہی لوگ اللہ تعالیٰ سے غافل اور کمالاتِ اہلِ معرفۃ اور اُن کی عزت و عظمت سے جاہل ہیں (التاویلات النجمیہ)۔

تفسیر عالمانہ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى (اللہ تعالیٰ کے بہترین اسمائ ہیں) اَلْحُسْنٰى احسن کی تانیث ہے یعنی اُس کے تمام اسما سے اجل و افضل ہیں۔ اس لئے کہ اسم معنےٰ پر دلالت کرتا ہے جیسے معانی احسن و اشرف ہیں تو اسما بھی۔ اسما سے وہ الفاظ مراد ہیں جو مختلف معانی پر دلالت کرتے ہیں۔

مسئلہ اس سے واضح ہوا کہ اسم معنےٰ کا غیر ہوتا ہے اس لئے کہ اگر اسم مسمّیٰ کا عین ہوتا تو اسمیٰ کی طرح مسمّٰی بھی ذو عدد ہوتا۔ حالانکہ اس کا ذو عدد ہونا محال ہے

فائدہ امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حق یہ ہے کہ اسم تسمیہ اور مسمّٰی غیر ہے اس لئے کہ یہ تین علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں جو ہیں بھی آپس میں متباینہ۔ مترادفہ نہیں۔

فَادْعُوْهُ بِهَا پس انہیں سے انہیں پکارو۔ یعنی اُسے انہیں اسما سے موسوم اور یاد کرو۔

ننانوے اسمائے الٰہیہ اور اُن کے فوائد حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ایک کم سو اسمائے گرامی ہیں جو پڑھتا ہے وہ بہشت میں داخل ہوگا

وہ یہ ہیں هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلرَّحْمٰنُ۔ اَلرَّحِيْمُ۔ اَلْمَلِكُ۔ اَلْقُدُّوْسُ۔ اَلسَّلَامُ۔ اَلْمُؤْمِنُ۔ اَلْمُهَيْمِنُ۔ اَلْعَزِيْزُ۔ اَلْجَبَّارُ۔ اَلْمُتَكَبِّرُ۔ اَلْخَالِقُ۔ اَلْبَارِئُ۔ اَلْمُصَوِّرُ۔ اَلْغَفَّارُ۔ اَلْقَهَّارُ۔ اَلْوَهَّابُ۔ اَلرَّزَّاقُ۔ اَلْفَتَّاحُ۔ اَلْعَلِيْمُ۔ اَلْقَابِضُ۔ اَلْبَاسِطُ۔ اَلْخَافِضُ۔ اَلرَّافِعُ۔ اَلْمُعِزُّ۔ اَلْمُذِلُّ۔ اَلسَّمِيْعُ۔ اَلْبَصِيْرُ۔ اَلْحَكَمُ۔ اَلْعَدْلُ۔ اَللَّطِيْفُ۔ اَلْخَبِيْرُ۔ اَلْحَلِيْمُ۔ اَلْعَظِيْمُ۔ اَلْغَفُوْرُ۔ اَلشَّكُوْرُ۔ اَلْعَلِىُّ۔ اَلْكَبِيْرُ۔ اَلْحَفِيْظُ۔ اَلْمُقِيْتُ۔ اَلْحَسِيْبُ۔ اَلْجَلِيْلُ۔ اَلْكَرِيْمُ۔ اَلرَّقِيْبُ۔ اَلْمُجِيْبُ۔ اَلْوَاسِعُ۔ اَلْحَكِيْمُ۔ اَلْوَدُوْدُ۔ اَلْمَجِيْدُ۔ اَلْبَاعِثُ۔ اَلشَّهِيْدُ۔ اَلْحَقُّ۔ اَلْوَكِيْلُ۔ اَلْقَوِىُّ۔ اَلْمَتِيْنُ۔ اَلْوَلِىُّ۔ اَلْحَمِيْدُ۔ اَلْمُحْصِىْ۔ اَلْمُبْدِئُ۔ اَلْمُعِيْدُ۔ اَلْمُحْيِىْ۔ اَلْمُمِيْتُ۔ اَلْحَىُّ۔ اَلْقَيُّوْمُ۔ اَلْوَاجِدُ۔ اَلْمَاجِدُ۔ اَلْوَاحِدُ۔ اَلْاَحَدُ۔ اَلصَّمَدُ۔ اَلْقَادِرُ۔ اَلْمُقْتَدِرُ۔ اَلْمُقَدِّمُ۔ اَلْمُؤَخِّرُ۔ اَلْاَوَّلُ۔ اَلْاٰخِرُ۔ اَلظَّاهِرُ۔ اَلْبَاطِنُ۔ اَلْوَالِىْ۔ اَلْمُتَعَالِ۔ اَلْبَرُّ۔ اَلتَّوَّابُ۔ اَلْمُنْتَقِمُ۔ اَلْعَفُوُّ۔ اَلرَّؤُفُ۔ مَالِكُ الْمُلْكِ۔ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔ اَلْمُقْسِطُ۔ اَلْجَامِعُ۔ اَلْغَنِىُّ۔ اَلْمُغْنِىْ۔ اَلْمَانِعُ۔ اَلضَّآرُّ۔ اَلنَّافِعُ۔ اَلنُّوْرُ۔ اَلْهَادِىْ اَلْبَدِيْعُ۔ اَلْبَاقِىْ۔ اَلْوَارِثُ۔ اَلرَّشِيْدُ۔ اَلصَّبُوْرُ۔

فائدہ متقدمین فرماتے ہیں کہ مستحب ہے کہ ان کے اول میں یوں کہا جائے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْٓ اَسْئَلُكَ يَا رَحْمٰنُ يَا رَحِيْمُ الخ یعنی ہر اسم مبارک پر حرف ندا داخل کرے پھر آخر میں کہے۔ اَنْ تُصَلِّىَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَنْ تَرْزُقَنِىْ وَجَمِيْعَ مَنْ يَّتَعَلَّقُ بِىْ بِتَمَامِ نِعْمَتِكَ وَدَوَامِ عَافِيَتِكَ يَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیج مجھے اور میرے متعلقین کو اپنی تمام

نعمتیں اور دائمی عافیت عطا فرما اے تمام رحم والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے۔ (الاسرار الحمدیہ)

فائدہ حضرت عبد الرحمٰن بسطامی قدس سرہٗ نے ترویح القلوب میں فرمایا کہ عرفا اسماٗ گرامی میں الف لام کو کلمہ کا اصل سمجھ کر پڑھتے ہیں۔ مثلاً **الرحمن الرحیم** الخ لیکن ملامیہ الف و لام اسماء گرامی میں نہیں لاتے وہ کہتے ہیں کہ الف لام ایک زائد حرف ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں۔

مستجاب دُعا کی کُنجی دُعا کی قبولیت ایک مخفی راز ہے وہ یہ ہے کہ اسماء گرامی میں سے کسی ایک کو لیا جائے مثلاً الکبیر المتعالی وغیرہ۔ اس میں الف اور لام کو چھوڑ کر۔ مثلاً کبیر۔ متعال کیا جائے پھر اس اسم کے ابجد کے قانون پر عدد نکالے جائیں۔ انہی اعداد کے مطابق اس اسم کو تنہائی یا جہاں شور و شغف نہ ہو مع شرائط معلومہ (جو عامل حضرات جانتے ہیں) کے پڑھا جائے لیکن اعداد کی شمار نہ زائد ہو نہ کم تو انشاءاللہ دُعا جلد قبول ہو جائے گی۔

نکتہ زیادہ و نقصان کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ اسما میں گنتی بمنزلہ کنجی کے دندانے کے ہے کنجی میں اگر دندانے بڑھ جائیں یا کم ہو جائیں تو تالہ نہیں کھلتا ایسے ہی ذکر الٰہی کے وقت گنتی میں کمی یا زیادتی ہو جائے تو دعا قبول نہ ہو گی اس راز کو سمجھ کر بہترین انمول موتی متصور کر کے محفوظ کیجئے۔

تفسیر صوفیانہ دین کے تین مقام ہیں۔

① اسلام۔
② ایمان۔
③ احسان۔

ایسے ہی بہشت کے بھی اہل بہشت کے لئے تین مراتب ہیں۔

① جنۃ الاعمال۔
② جنۃ المیراث۔
③ جنۃ لامتنان۔

مرتبہ اوّل مقام اسلام سے اس وقت متعلق ہوگا جب سالک اسماء مذکور کے جملہ احکام اپنے اندر سمو دینے کی کوشش بلکہ ایسی جد و جہد کرے کہ جملہ اسمائے کے آثار اسمیں پائے جائیں پھر ہر اثر کا اپنے عمل کے ساتھ مقابلہ کرے مثلاً انعام پر شکر بلا پر صبر وغیرہ وغیرہ اسی حیثیت کو برقرار رکھنے سے جنۃ اعمال میں داخل ہوگا اور یہ جنت اعراض کے سترکا محل ہے۔ یعنی و اعراض جو اعیان ثابتہ باقیہ سے زائل ہو جلتے ہیں۔ یہی وہ ہے جس کی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خبر دی ہے کہ وہ کھلا میدان ہے اسکے اندر باغات بونا چاہتے ہو یعنی **سبحان اللہ والحمد للہ** کی کثرت کرو۔

مقام ایمان کے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان اسمآ کے حقائق و معانی و مفہومات پر روح روحانیہ سے مطلع ہونے کی جدوجہد کرو۔ اور ان اسمآ کے اخلاق اپنے اندر پیدا کرو۔ جیسے حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ **تخلقو باخلاق اللہ** ۔ اللہ تعالیٰ کی عادات اپنے اندر پیدا کرو۔ اور ان اوصاف میں ایسا کمال حاصل کرو کہ ان اسمآ میں محو ہو جاؤ اس مرتبہ کی تکمیل پر جنتہ المیراث میں جگہ ملے گی۔ یہی جنتہ اولیٰ کا مقام ہے بلکہ اس کا باطنی درجہ ہے جیسے عالم ملک کے لئے عالم ملکوت کا درجہ ہے ایسے ہی جنتہ اولیٰ کو یہی مقام حاصل ہے۔ اس مرتبہ کی طرف حضور علیہ السلام نے اشارہ فرمایا کہ " ہر ایک کی بہشت اور دوزخ میں ایک منزل ہے۔ جب وہ مرتا ہے اور اُسے دوزخ میں داخل کیا جائے تو اس کے بہشت والے مرتبہ کا وارث اہل جنت کو بنایا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآنی آیت سے اس کی تصدیق ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْوَارِثُوْنَ الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوس ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ۔ اور مقام احسان کے حصول کا تحقق تقویٰ اور صور و معانی جنہیں حدوث اور وہ حضرات حق کے آگے پردہ اور حجاب سے تعلق مٹانے سے ہوگا۔ چنانچہ فرمایا ؎

تسترت عن دھری بظل جناحه
بحیث اری دھری ولیس یرانی
فلو تسئال الایام ما اسمی مادرت
واین مکانی ما درین مکانی

ترجمہ: (۱) میں زمانہ سے اس کے پروں کے ذریعہ پوشیدہ رہا۔ میں اسے دیکھتا تھا لیکن وہ مجھے نہیں دیکھ سکتا تھا۔
(۲) اگر تم زمانہ کے ایام سے میرا نام پوچھو تو وہ میرے نام سے بے خبر ہیں اور نہ ہی وہ جانتے ہیں کہ میرا مکان کہاں ہے "۔

جو اس مقام کو عبور کر لیتا ہے تو اُسے جنتہ الامتنان میں داخل کیا جاتا ہے۔ دراصل یہی غیب الغیب کے پوشیدہ اسرار و مخفی بھیدوں کا محل ہے۔ اس کی طرف حضور علیہ السلام نے اشارہ فرمایا کہ وہ ایسا مقام ہے کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سُنا ہے نہ کسی انسان کے دل میں اُس کا تصور آ سکتا ہے۔ اُس کی تائید قرآنی آیت سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان المتقین فی جنٰت ونھر فی مقعد صدق عند ملیك مقتدر نیک متقین باغات اور نہر اور اپنے مالک مقتدر کے نزدیک مقعد صدق میں ہوں گے۔

اسمآ کے متعلق دوسری تقریر حضرت ابن الملک نے فرمایا جو ان اسما گرامی کے حقوق کی پابندی یعنی اقتضا کے مطابق عمل کرتا ہے۔ مثلاً جب کہتا ہے "یا رزاق" تو رزق کا بھروسہ صرف اسی پر کرے اور خیر و شر اسی کی جانب سے مانے جب کہے "الضار۔ النافع" تو یقین کرتے ہوئے ہر نفع پر شکر اور ہر ضرر پر صبر کرے۔ اسی طرح باقی اسما گرامی کے متعلق ہے۔

تیسری تقریر بعض مفسرین نے کہا کہ جملہ من احصاھا جو حدیث شریف میں واقع ہوا ہے اس کا مطلب

یہ ہے کہ جو اُن کے معانی کو سمجھ کر اُن کی تصدیق کرتا ہے ۔

چوتھی تقریر بعض کہتے ہیں کہ جو ان کا علیحدہ علیحدہ تبرک کے طور ذکر کرتا ہے ۔

امام بخاری کی تقریر امام بخاریؒ نے فرمایا کہ اس سے ان کو حفظ کرنا مراد ہے چنانچہ دوسری روایت میں مَنْ احصاھا کے بجائے (من حفظھا ہے) یہی موزوں تر ہے ۔

فائدہ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہی اسمأ زیادہ مشہور ہیں اور فضائل میں ایک دوسرے سے متفاوت بھی ہیں جبکہ معانی کے لحاظ سے متفاوت ہیں جیسے "جلال و شرف" کی صفت جمیں ہوگی وہ دوسرے اسمأ سے افضل ہوگا۔ چونکہ ان ننانوے اسمأ میں شرف وجلال کا معنےٰ بطریق اتم ہے ۔ بنابریں یہ باقی اسمأ سے افضل ہے ۔

اسمأ الٰہی کی گنتی اللہ تعالیٰ کے اسمأ صرف انہی ننانوے کی تعداد میں محصور نہیں بلکہ عقیدہ یہ ہونا چاہیئے کہ اسمأ الٰہی ان گنت ہیں چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جب کسی بندے کو دکھ اور تکلیف پہنچے تو کہے

اللھم انی عبدك وابن عبدك وابن امتك ناصیتی بیدك ماضی فی حکمك اسألك بانّكَ انت اللہ لَا الٰہ اِلَّا انتَ الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکُنْ کُفُوًا اَحَدٌ ۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کا وسیلہ پیش کر کے دُعا مانگتا ہے تو وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگا اور اس کی دُعا مستجاب ہوگی ۔

فائدہ ان ننانوے اسمأ میں اسم اللہ اسم اعظم اور شان و فضیلت میں افضل و اعلیٰ ہے اس لئے کہ وہ ذات پر دلالت کرتا ہے اور وہی جمیع صفات کا جامع ہے کہ کوئی صفت بھی اس سے خارج نہیں ہوتی بخلاف باقی اسمأ کے ان میں یہ جامعیت نہیں بلکہ وہ اپنے اپنے معانی پر دلالت کرتے ہیں ۔ مثلاً علیم علم پر ۔ قدیر قدرت پر وغیرہ وغیرہ ۔

فائدہ لفظ اللہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے اس لئے کہ سوائے اُس کے اور کسی پر اس کا اطلاق جائز نہیں نہ حقیقتاً نہ حکماً بخلاف باقی اسمأ کے اُن کا اطلاق غیر اللہ پر جائز ہے ۔ مثلاً قادر علیم ۔ رحیم وغیرہ ۔ اللہ تعالیٰ کے بندوں پر بولے جاتے ہیں لیکن بعض علمأ فرماتے ہیں کہ یہ اسمأ بھی صرف اس سے مخصوص نہیں کما قال اللہ الاسماء الحُسنیٰ ۔

تقریر صوفیانہ در مراتب اسمأ الٰہیہ ہمارے شیخ حضرت علامہ ابقاہ اللہ بالسلامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض تحریروں میں لکھا کہ ہویت الٰہیہ جمیع مراتب میں جاری و ساری ہے مثلاً پہلے مرتبۂ حیات میں متعین ہوئی ۔ اسے تعین کبریٰ سے تعبیر کرتے ہیں پھر عالم غیب سے منسوب ہو کر متعین ہوئی اسے تعین کبریٰ سے تعبیر کرتے ہیں پھر عالم غیب سے منسوب ہو کر متعین ہوئی پھر مرتبۂ علم میں ہویت دوبارہ متعین ہوئی اور یہی اُس کا آخریت عظمیٰ کا تعین ہے ۔ پھر عالم معانی سے منسوب ہو کر متعین ہوئی ۔ اس مرتبہ کی صورت میں پھر مرتبۂ ارادہ میں اس کا ۔ پھر بار ثالث ظاہریۃ اوّل کے ساتھ تعین ہوا پھر عالم ارواح سے منسوب ہو کر متعین

ہوئی پھر مرتبہ قدرت میں متعین ہوئی اور یہ چوتھا باطنہ اولی کہلاتا ہے۔ پھر عالم شہادت میں منسوب ہو کر متعین ہوئی۔ اس ترتیب سے اس کے اسما کی ترتیب یوں ہے۔ هو الحی العلیم المرید القدیر۔ هو الاوّل والآخر والظاهر والباطن۔ ہویت کے اس سریان سے حقائق اربع کا ظہور ہوا اور اُن کے امہات جمیع حقائق اور امہات الاسماء الالہیہ کہلاتے ہیں وہ اسماء الہیہ ننانوے ہوں یا ایک ہزار ایک اور حقائق کلیہ انہی امہات کے ہر چہار عوالم میں دورہ کرنے سے متعین ہوئے۔ چار کو چار میں ضرب دینے سے سولہ ہوئے۔ ظہور و بطون کے اعتبار سے انہیں ضرب دی گئی تو کل بتیس ہوئے پھر احدیت کے جمع الجمع کے اعتبار سے تینتیس ہوئے پھر عالم سمع و رتبۃ البصر والکلام میں دوران کے اعتبار کے تعین سے ننانوے ہو گئے۔ پھر باعتبار احدیت جمع الجمع کے سو ہو گئے اس لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہر نماز کے بعد تینتیس ۳۳ بار سبحان اللہ تینتیس ۳۳ بار الحمد للہ تینتیس بار اللہ اکبر پڑھا کرو۔ پھر اس کی ایک سو گنتی پورا کرنے کے لئے کہا کرو۔ لَا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریك له الملك وله الحمد وهو علی كُلِّ شیٍٔ قدیر

پھر یہ ظہور بطون میں متعین ہونے کی وجہ سے سو کو دس میں ضرب دی جائے تو ایک ہزار ہو جاتے ہیں پھر احدیت جمع الجمع کا اعتبار ہو تو ایک ہزار ایک اسماء گرامی ہو جاتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ امہات الحقائق والاسماء سات ہیں اُن کے کلیات ننانوے یا ایک ہزار ہوا کہ احد اور اُن کی جزئیات لاتعداد ولاتحصی ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اَسْمَآئِهٖ ؕ اور چھوڑ دو ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کے اسما میں الحاد کرتے ہیں۔

حل لغات الالحاد واللحد بمعنے میانہ روی سے ہٹنا۔ یعنی ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اپنے معاملات میں حق سے ہٹ کر باطل کی طرف جھکتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کے وہ نام رکھنا جو اس نے اپنے لئے مقرر نہیں فرمائے اور نہ ہی کسی آسمانی کتاب میں وہ نام اللہ تعالیٰ کے لئے وارد ہونا معلوم ہے اور نہ ہی ان میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تصریح ملتی ہے یا اللہ تعالیٰ کا ایسا نام لینا جس میں فساد و بطلان کا وہم ہو جیسے بادیہ نشین لوگ اللہ تعالیٰ کو ابو المکارم اور ابیض الوجہ کے نام سے پکارتے ہیں اگرچہ ابو المکارم ہر اُس ذات کو کہتے ہیں جو جمیع حسنات کمالات کا جامع ہو۔ اگرچہ یہ معنے اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال کرنے میں کوئی شرعی قباحت نہیں لیکن ابو المکارم ایسا کلمہ ہے جس کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے ناموزوں ہے۔ ابیض الوجہ کا شرعاً معنے بن سکتا ہے کہ ہر وہ ذات جو تمام گندے اور خراب اخلاق و عادات بلکہ جملہ نقائص سے منزہ و مقدس لیکن چونکہ لفظی معنے کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے لئے نامناسب ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ پر اس کا اطلاق ناجائز ہے۔

فائدہ آیت میں ترک سے اس فعل سے اجتناب مراد ہے اور اسماء سے وہ نام مراد ہیں جو اپنے ظن فاسد سے انہیں اللہ تعالیٰ کے سمجھتے ہیں اس سے یہ مراد نہیں جو اللہ تعالیٰ کے حقیقی اسماء ہیں وہ بھی اس کے لئے استعمال کرنا چھوڑ دو۔

فائدہ یا مُراد یہ ہے کہ اُس کے بعض اسمائے کے اطلاق سے انکار نہ کرو۔ مثلاً کفار کہتے ہیں "رحمٰن" کون ہے ہم تو صرف رحمان الیمامہ کو جانتے ہیں۔ اس معنٰے پر بھی ترک بمعنے اجتناب ہوگا اور اسمائے سے اللہ تعالیٰ کے حقیقی اسما مرادِ ہوں گے۔ اب آیت کا معنٰے یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو جمیع اسما حسنٰی سے پکارو کہ اس کے بعض حقیقی اسما اس کے حقیقی اسما سے خارج نہ کرو۔

شانِ نزول مروی ہے کہ کسی صحابی نے دُعا میں اللہ اور رحمٰن کا نام لیا تو کسی مشرک نے کہا حضرت احمد مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہا کرتے ہیں کہ ہم صرف ایک رب تعالیٰ کی پرستش کرتے ہیں پھر اِن کا یہ صحابی دو معبودوں کی پرستش کا کیوں دم بھر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کے رد میں یہی آیت نازل فرما کر بتادیا کہ رحمٰن کو پکارو یا اللہ کو سب اسی کے نام ہیں۔ اور اسمائے کے تعدّد سے مسمّٰی کا تعدد لازم نہیں آتا۔

سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ٥ جیسا عمل کر رہے ہیں اس کا عنقریب بدلہ پائیں گے یعنی تم بھی الحاد نہ کرو تاکہ اُن کی طرح تم بھی عذاب کی لپیٹ میں نہ آجاؤ۔ چنانچہ عنقریب انہیں الحاد کی سزا ملے گی۔

فائدہ **وَذَرُوا الَّذِيْنَ** الخ اس کا معنٰے یہ ہے کہ ٹیڑھے لوگوں کی طرح اللہ تعالیٰ کے نئے نام رکھنے سے اجتناب کرو یعنی لفظ تسمیۃ مضاف محذوف کہ دراصل "**وَذَرُوا تَسْمِيَةَ الَّذِيْنَ** الخ تھا۔ اس لئے کہ ملحدوں کی ذات سے اجتناب مقصود نہیں بلکہ اُن کے فعل تسمیۃ سے کنارہ کشی مقصود ہے۔

فائدہ بعض علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے الاسماء الحسنیٰ سے صفات الٰہی مراد لی ہیں۔ اس لئے کہ لفظ اسم کا کبھی فوات کی بڑی بڑی صفات پر اطلاق ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے "طار اسمہ فی الآفاق" یعنے زمانہ بھر میں اس کا نام بلند ہے۔ یعنی عالم دنیا میں اس کے اوصاف و اخلاق کی دھوم ہے۔ اس تقریر پر اب "للہ الاسماءُ الحسنیٰ" کا معنے ہے **للہ الصفات العلیٰ** (اللہ کی صفات بلند ہیں)۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات النجمیہ میں ہے **وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى**۔ اس میں اشارہ ہے کہ لفظ اللہ۔ اللہ تعالیٰ کے لئے بمنزلہ علم کے ہے۔ یہی اس کا ذاتی نام ہے باقی تمام اسما صفاتی ہیں۔ اس لئے کہ اسما کی نسبت لفظ اللہ کی طرف کرنے سے ثابت ہوتا ہے۔

فائدہ تمام صفاتی اسما مشتق ہیں۔ سوائے اسم اللہ کے کہ وہ کسی سے مشتق نہیں یہی ہم صوفیاء کرام اور اکثر علمائے شرع کا مذہب ہے اس لئے کہ اللہ اسم ذات ہے پھر جیسے ذاتِ مخلوق کی کسی شے سے پیدا نہیں۔ ویسے ہی اس کا اسم بھی کسی شے سے مشتق نہیں اس لئے کہ تمام اشیا مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ مخلوق کی ہر شے سے مستغنی بلکہ بلکہ ان سب کا خالق ہے۔

---

[1] یہی قانون غیر مسلموں کے رکھے ہوئے اسما مثلاً واہگورو۔ پرمیشور پرماتما۔ ہر۔ ہری رام وغیرہ پر لاگو ہوگا اور دیگر زبانوں میں جیسے لفظ God وغیرہ وغیرہ۔

فائدہ اسمأ صفاتی بھی بعض تو ذاتی صفات سے مشتق اور وہ غیر مخلوق ہیں اس بنأ پر سوال پیدا نہیں ہوتا کہ صفات باری تعالیٰ بھی غیر مخلوق ہیں۔ پھر وہ مخلوق کی اشیأ سے کیسے مشتق ہیں۔

فائدہ بعض صفات، صفات فعل سے مشتق ہیں[1] اگرچہ مخلوق ہیں لیکن ان کا تعلق بایںمعنیٰ ہے کہ بحیثیت ایجاد مخلوق کے اللہ تعالیٰ سے متعلق ہوئی ہیں۔

فائدہ صفات ذاتیہ یہ ہیں

① حیات ③ بصر ⑤ علم ⑦ ارادہ

② سمع ④ کلام ⑥ قدرت ⑧ بقأ

یہ تمام صفات قدیم اور غیر مخلوق ہیں اور صفات الفعل مخلوق ہیں لیکن بایںمعنیٰ کہ انہیں اللہ تعالیٰ سے بایں حیثیت تعلق ہے کہ وہ مُوجد کائنات ہے کہ جب اُس نے کائنات تخلیق کی یا انہیں رزق سے نوازا تو پہلی صفت کے لحاظ سے خالق اور دوسری کے لحاظ سے رزاق کہلائے گا۔ لیکن عقیدہ یہ ہونا ضروری ہے کہ وہ ازل سے قادر علی الخالقیتہ والرزاقیتہ ہے اس تقریر پر وَلِلّٰہِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی کا معنےٰ الصفات الحسنیٰ فادعوہ بہا ہے اللہ تعالیٰ کو یاد کرو اس اسم سے جو اس کی کسی صفت سے مشتق ہے یعنی اُس کی صفات سے موصوف اور اس کے انہی صفات کے تقاضوں کے مطابق متخلق ہو جاؤ۔

فائدہ اُس کے اوصاف سے موصوف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نیات اور اعمال کو انہی کے تقاضوں پر ڈھالو مثلاً صفت خالقیہ سے متخلق اور موصوف ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ نکاح اس نیت سے کرو کہ توالد و تناسل میں اضافہ ہو۔ یعنی نکاح سے صرف سلسلہ نسل بڑھانا مطلوب ہو۔ اس طرح سے بندہ نہیں ہو جاتا بلکہ صفت خالقیت کا مظہر یا متخلق ضرور ہو جاتا ہے۔

حکایت ایک حکیم سے پوچھا گیا کہ آپ کا اپنی عورت کے مجامعت (ہم بستری) سے اصلی مقصد کیا ہوتا ہے جواب میں فرمایا اگر جماع صحیح طریق پہ ہو تو اس سے ایک انسان کا اضافہ ہوگا۔

فائدہ جماع کا مطلب وہی طبی اُصول ہے کہ جس کی تکمیل پر نطفہ ماں کے رحم میں ٹھہرتا ہے۔

فائدہ صفتہ رزاقیتہ سے متخلق اور موصوف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی دولت محتاجوں اور مسکینوں پر لٹائے لیسے ایسے جمع کر کے ذخیرہ اندوزی کی لعنت کا طوق گلے میں نہ ڈالے اسی طرح تمام صفات کے متعلق سمجھئے۔

فائدہ بعض صفات سے متخلق ہونا احوال سے ہوتا ہے مثلاً دل کے آئینہ کا تصفیہ اور ماسوی اللہ کے تعلق توڑنے پر اس کی نگرانی اور اسے ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھنا تاکہ دل کے اندر انہی صفات کے جلوے

---

[1] اس سے نوکر شاہی مولوی عبرت حاصل کریں جبکہ وہ منصوبہ بندی میں گورنمنٹ کو انسانی نسل کشی کے متعلق شرعی دلائل بہم پہنچاتے اور جواز کا فتوای دیتے ہیں۔ ١٢ اُویسی غفرلہٗ

رونما ہوں بلکہ خود وہی اس کے دل پر کارفرما ہوں یہی راز ہے کُنْتُ لَہٗ سَمْعًا وَبَصَرًا فَبِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یُبْصِرُ۔ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اَسْمَآئِہٖ یعنی لوگوں سے دُور رہیئے جو اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف نہیں ہوتے۔

مسئلہ جن اسمأ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات سے موسوم نہیں فرمایا۔ اُن سے اللہ تعالیٰ کو موسوم کرنا الحاد ہے جیسے فلاسفر اللہ تعالیٰ کو علت اولیٰ سے موسوم کرتے ہیں۔ اگرچہ علت اُولیٰ سے اُن کی مُراد موجب بالذات ہے لیکن پھر بھی ایک ایسے لفظ سے اللہ تعالیٰ کو موسُوم کیا جارہا ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو موسوم نہیں کیا۔ علاوہ ازیں علت اُولیٰ سے اُن کی مُراد یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ فعل وخلق و ایجاد میں غیر مختار ہے۔ تَعَالَی اللّٰہُ عَمَّا یَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ عُلُوًّا کَبِیْرًا ۝

مسئلہ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو ایسی صفت سے موصوف کرنا جو اسے اُس کی صفات سے کسی قسم کا تعلق نہیں اور نہ ہی اُس کے لئے کوئی نص وارد ہے تو یہ بھی الحاد ہے۔

سَیُجْزَوْنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝ عنقریب انہیں ایسی رُسوائی نصیب ہوگی کہ الحاد کی نحوست سے اُن کا ہر عمل خواہش پر مبنی ہوگا اور اُن پر ازلی مہر لگ جائے گی کہ اُن کے لئے نجات کا راستہ مسدود ہو جائے گا

ع بپیدہ شود بپائے ہر کس عملش۔ (ہر شخص اپنے عمل سے جکڑا ہوگا)۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے

دہقان سالخوردہ چہ خوش گفت پسر

اَے نورِ چشم من از کشتہ ندروی

ترجمہ: کیا خوب فرمایا بوڑھے کسان نے کہ اے بیٹے میرے نورِ چشم جو کچھ بوئے گا وہی کاٹے گا۔

تفسیر عالمانہ وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اور بعض اُن میں وہ ہیں جنہیں ہم نے پیدا کیا۔

فائدہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں بعض آئمہ ہادین ومہدیین بنائے چنانچہ فرمایا وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓی اُمَّۃٌ یَّھْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِہٖ یَعْدِلُوْنَ ۝ اس اُمّت سے بھی اللہ تعالیٰ نے ائمہ ہادین مہدیین پیدا فرمائے کما قال وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اور یہ ظرف محلًّا مرفوع ہے یا تو اپنے مضمون کے لحاظ سے یا موصوف کے محذوف کے اعتبار سے۔ یہ ظرف مُبتدا ہے اور اُس کا مابعد اس کی خبر ہے۔ دراصل یہ عبارت یوں تھی وَبَعْضٌ من خلقنا یا بعض مِمَّنْ خَلَقْنَآ۔

اُمَّۃٌ ایک بہت بڑا گروہ یَّھْدُوْنَ لوگوں کو ہدایت دیتا ہے درانحالیکہ متلبس ہے بِالْحَقِّ حق کے ساتھ یعنی وہ حق والے ہیں۔ یا یہ معنٰے ہے کہ کلمۂ حق کے ساتھ ہدایت دیتے اور انہیں استقامت کی دلالت کرتے ہیں وَبِہٖ اور حق کے ساتھ یَعْدِلُوْنَ ۝ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ صحیح فیصلہ کرتے ہیں

یعنی ظلم نہیں کرتے ۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت میں بعض ایسے لوگ ہوں گے جو عیسٰی علیہ السلام کے نزول تک حق پر ہوں گے۔ اُن کے نزول تک ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہوگی۔

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت قائم نہیں ہوگی جبتک کہ زمین پر اللہ اللہ ہوتا رہے گا۔

نکتہ حدیث شریف میں ہے کہ لفظ اللہ کو دوبارہ کہنے کا نکتہ شیخ صدرالدین قونوی قدس سرہٗ بیان فرماتے ہیں کہ ذکر صرف لسانی مطلوب نہیں بلکہ حقیقی مقصود ہے ورنہ ہر زبان اللہ اللہ و دردل گاؤخری تو ہیہات ہوگی۔ اس سے ثابت ہوا کہ دنیا اولیاء اللہ کے دم سے قائم ہے کیونکہ حقیقی ذاکر وہی ہیں۔

اولیاء اللہ کے وجود سے دنیا قائم ہے

اس لئے کہ اللہ والے ہی اس اسم اعظم جو کہ جمیع کمالات اور جمیع صفات کا جامع ہے کو حقیقی طور یاد کرتے ہیں اور اس اسم اعظم کو جو جانتا ہے تو سمجھو کہ وہ جمیع اسما کو جانتا ہے اور اس کو معرفتِ حق بطور اتم واکمل حاصل اور یہ قاعدہ اپنے مقام پہ ثابت ہے کہ معرفت رکھنے والا تمام مخلوق سے کامل ترین ہر زمانہ میں موجود ہوتا ہے وہی اللہ کا خلیفہ اور وہی اس زمانہ کا ولی کامل ہوتا ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جب تک دنیا میں انسان کامل ہوگا اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوسکتی۔ اس میں اشارہ ہے کہ معنوی طور وہی عبد کامل دنیا کا ستون اور وہی دنیا کو قائم رکھنے والا ہے یا یوں کہو کہ دنیا کا بقا صرف اس بندہ خدا کی وجہ سے ہے جب اُس کا انتقال ہوجائے گا آسمان پھٹ جائے گا اور سورج بے نور ہوجائے گا اور ستارے گدلے ہوجائیں گے اور صحیفے لپیٹے جائیں گے اور پہاڑ چلائے جائیں گے اور زمین کو زلزلہ آجائے گا۔ پھر قیامت قائم ہوجائے گی حضرت شیخ صدرالدین قونوی قدس سرہٗ کا یہ مضمون (فکوک) میں ہے۔

ابدال کے متعلق احادیث

حدیث ① حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ زمین پر ۳۰۰ انسان ہر زمانہ میں ہوں گے جن کے قلوب آدم علیہ السلام کے مطابق ہوں گے۔ انہیں چالیس مخصوص ہوں گے جن کے قلوب موسٰی علیہ السلام کے مطابق ہوں گے۔ انہیں پانچ مخصوص ہوں گے جن کے قلوب جبریل علیہ السلام کے مطابق ہوں گے اُن میں تین مخصوص ہوں گے جن کے قلوب میکائیل علیہ السلام کے مطابق ہوں گے ان میں ایک مخصوص ہوگا جس کا دل اسرافیل کے مطابق ہوگا۔ جب وہی ایک فوت ہوتا ہے تو ان تینوں میں سے لیا جاتا ہے۔ جب ان تینوں میں سے کوئی فوت ہوتا ہے تو پانچوں میں سے ایک کو لیا جاتا ہے اور جب پانچوں میں سے کوئی فوت ہوتا ہے تو ساتوں میں سے ایک کو لیا جاتا ہے جب ساتوں میں فوت ہوتا ہے تو چالیس میں سے لیا جاتا ہے جب چالیس میں سے فوت

ہوتا ہے تو تین سو میں سے لیا جاتا ہے تو ان تین سو میں سے جب کوئی فوت ہو تو عام آدمیوں میں سے کسی کو لیا جاتا ہے۔

اولیاء دافع البلاء ہیں انہی حضرات کے صدقے اللہ تعالیٰ اس امت کی بلائیں دور فرماتا ہے۔

غوث و قطبِ وقت کون حدیث مذکور میں جو ایک کا ذکر آیا ہے اس سے اُس زمانہ کے قطب مراد ہیں اور اسے دوسرے لفظوں میں غوث کہا جاتا ہے اُن کی شان جمیع اولیاء کرام میں ایسے ہے دائرہ میں نقطہ کی حیثیت ہے گویا وہی جمیع اولیاء کرام کا مرکز ہوتا ہے (جیسے حضور غوث اعظم جیلانی بغدادی رضی اللہ عنہ)۔

حدیث ② حضرت ابوداؤد نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے چند ایسے بندے ہوتے ہیں جنہیں ابدال کہا جاتا ہے وہ نماز و روزہ اور خشوع و خضوع اور اچھے سیرۃ و صورت وغیرہ سے ایسے مرتبہ کو نہیں پہنچتے بلکہ سچے تقویٰ و ورع اور حسنِ نیت و سلامت صدر اور جمیع اہل اسلام پر رحمت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں چُن کر اپنے لئے مخصوص فرمایا ہے وہ چالیس مرد ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب کے مطابق ہوتے ہیں۔ جو فوت ہوتا ہے تو اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے کسی کو مقرر فرما دیتا ہے۔

ابدال کے علامات اُن کی نشانیاں یہ ہیں۔

① کسی کو گالی نہیں دیتے۔
② کسی پر لعنت نہیں کرتے۔
③ اپنے ماتحت کو نہ ایذا دیتے ہیں نہ انہیں حقیر سمجھتے ہیں۔
④ اپنے سے بڑے کے ساتھ حسد نہیں کرتے۔
⑤ لوگوں سے میٹھے بول بولتے ہیں۔
⑥ نہایت نرم اور رفیق ہوتے ہیں۔
⑦ سخی دل ہوتے ہیں۔
⑧ اُن کی پرواز کو نہ تیز گھوڑے پہنچ سکتے ہیں نہ تیز ہوائیں۔ بس اُن کا واسطہ صرف رب تعالیٰ سے ہوتا ہے۔ اُن کے دل عالم ملکوت کی طرف لگے رہتے ہیں اور ہر وقت نیکی میں سبقت کرتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کا حقیقی گروہ یہی حضرات ہیں۔ الا ان حزب اللہ هم المفلحون ۰ یہ حضرت یافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا بیان تھا۔ جو انہوں نے روض الریاحین میں لکھا۔

نسخہ روحانی اولیاء کرام نے اپنے بہت بڑے مراتب اس لئے حاصل کئے ہیں کہ انہوں نے خلق کو حق کی راہ دکھلانے اور اُن کے مابین عدل و انصاف سے پیش آنے کو اپنا دستور العمل بنایا باوجودیکہ انہیں اپنی ذات کے لئے کسی حد تک عدل و انصاف اور ہدایت کی کمی نہیں تھی۔

حکایت حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ تجارت کا کاروبار کرتے تھے اور فرماتے اگر پانچ بزرگ نہ ہوتے تو میں کبھی تجارت کو ہاتھ نہ لگاتا

① امام ابوحنیفہ
② حضرت سفیان
③ حضرت فضیل
④ حضرت ابن سماک
⑤ ابن علیہ رحمہم اللہ تعالیٰ ۔ صرف اُن کی وجہ سے اس لئے تجارت کرتے تاکہ تجارت کا منافع اُن پر خرچ کریں ۔ ایک سال ایسا ہوا کہ جب وہ تشریف لائے تو انہیں عرض کیا گیا کہ ابن علیہ نے خلیفہ (بادشاہ) کی قضا (ملازمت) اختیار کرلی ۔ حضرت عبداللہ بن مبارک نہ ابن علیہ کے ہاں تشریف لے گئے اور نہ ہی مقررکردہ وظیفہ پیش کیا ۔ ابن عُلیہ خود اُن کے ہاں حاضر ہوئے ۔ لیکن حضرت ابن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی طرف توجہ نہ کی بلکہ بعد کو اُن کے ہاں مندرجہ ذیل اشعار لکھ کر بھیج دیئے ۔

یا جاعل العلم لہ بازیا
یصطاد اموال المساکین
اختلت للدنیا ولذاتہا
بحیلہ تذہب بالدین
فصرت مجنونا بہا بعد ما
کنت داواء للمجامین
این روایاتك فی سردھا
سترك ابواب السلاطین
ان قلت اکرھت فذا با باطل
زل حمار العلم فی الطین

ترجمہ: اے علم کو شکاری بناکر مسکینوں کے مال لوٹنے والے تو نے دنیا اور اس کی لذات کے لئے یہ ایک حیلہ گھڑا ہے لیکن دین تو رخصت ہو جائے گا ۔ اس طرح سے تو پاگل ہو گیا ہے حالانکہ اس سے قبل تو پاگلوں کو تندرست بناتا رہا ۔ اس سے قبل کے تیرے وعدے کہاں گئے جبکہ ابواب السلاطین کے ترک پر تو تبلیغ کرتا ہے ۔ علم کا گدھا کیچڑ میں ڈگمگایا ۔

جب اسماعیل ابن علیہ نے یہ ابیات پڑھے تو رشید خلیفہ (بادشاہ) کو استعفےٰ پیش کر دیا بمشکل ان کا استعفےٰ منظور ہوا جب ابن علیہ نے ملازمت چھوڑی تو عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا ۔ کسی نے

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۱۸۲
اور جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں جلد ہم انہیں آہستہ آہستہ عذاب کی طرف لیجائیں گے جہاں سے انہیں
وَاُمْلِيْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ۱۸۳ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا سکتہ مَا
خبر نہ ہوگی اور میں انہیں ڈھیل دوں گا بیشک میری خفیہ تدبیر بہت پکی ہے کیا سوچتے نہیں کہ ان کے صاحب کو جنون سے
بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۱۸۴ اَوَلَمْ
کچھ علاقہ نہیں وہ تو صاف ڈر سنانے والے ہیں کیا انہوں نے
يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ
نگاہ نہ کی آسمانوں اور زمین کی سلطنت میں اور جو جو چیز اللہ نے
مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ
بنائی اور یہ کہ شاید ان کا وعدہ نزدیک آگیا ہو تو اس کے بعد
فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ۱۸۵ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا
اور کون سی بات پر یقین لائیں گے جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی راہ
هَادِيَ لَهٗ ؕ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۱۸۶ يَسْـَٔلُوْنَكَ
دکھانے والا نہیں اور انہیں چھوڑتا ہے کہ اپنی سرکشی میں بھٹکا کریں تم سے
عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ
قیامت کو پوچھتے ہیں کہ وہ کب کو ٹھہری ہے تم فرماؤ اس کا علم تو میرے رب کے پاس ہے
لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ۘ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
اسے وہی اس کے وقت پر ظاہر کرے گا بھاری پڑ رہی ہے آسمانوں اور زمین میں
لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ
تم پر نہ آئے گی مگر اچانک تم سے ایسا پوچھتے ہیں گویا تم نے اسے خوب تحقیق کر رکھا
اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۱۸۷
ہے۔ تم فرماؤ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے لیکن بہت لوگ جانتے نہیں

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ
تم فرماؤ میں اپنی جان کے بھلے برے کا خود مختار نہیں مگر جو اللہ چاہے اور اگر
كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۛۚ وَمَا مَسَّنِيَ
میں غیب جان لیا کرتا تو یوں ہوتا کہ میں نے بہت بھلائی جمع کر لی اور مجھے کوئی برائی
السُّوْٓءُ ۛۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ ع
نہ پہنچی میں تو یہی ڈر اور خوشی سنانے والا ہوں انہیں جو ایمان رکھتے ہیں

تفسیر عالمانہ **وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا** اور وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور آیات کو نون کی طرف مضاف کیا گیا ہے اُس کی شرافت کی وجہ سے اور تکذیب کرنے والوں کو ان کی عظمت جتلانا مطلوب ہے کہ یہی آیات حق کا معیار اور عدل کا مصداق ہیں۔

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ ہم انہیں مہلت دیں گے یعنی انہیں تباہی و بربادی کے قریب کردیں گے۔ لیکن تدریجاً تدریجاً الاستدراج بمعنے الاستقعاد یعنی درجہ وار نیچے سے اوپر لے جانا اور الاستنزال بمعنے درجہ وار اوپر سے نیچے لانا یہاں موزوں تر معنےٰ یہ ہے کہ تباہیوں اور ہلاکتوں کے اعلیٰ درجات کی طرف دھکیلنا تاکہ وہ عقوبت و عذاب کے انتہائی مراتب کو پہنچیں۔ **مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ** ؁ یہ فعل مذکور کے مصدر کی صفت ہے یعنی ہم انہیں مہلت دیں گے کہ انہیں علم تک نہ ہوگا کہ سزا اُن کے جرائم و معاصی سے ملے گی ہی نہیں بلکہ وہ اس مہلت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی عزت افزائی سمجھیں گے یا انہیں معلوم نہیں ہوگا کہ ہم اُن کے متعلق کیا ارادہ رکھتے ہیں وہ اس لئے کہ اُن پر اندریں اثنا نعمتوں کی فراوانی کردی جائے گی۔ اسے وہ سمجھیں گے کہ اُن پر لطفِ الٰہی ہے بنابریں وہ اٹھا کر دھائیں گے اور غلط کاریوں کو تیز تر کردیں گے۔ یہاں تک کہ سخت ترین عذاب کی لپیٹ میں آجائیں گے ؎

مدہ خود را فریب از رنگ و بویم
کہ ہست از خندۂ من گریہ آمیز

ترجمہ: خود کو رنگ و بو میں دھوکہ نہ دے اس لئے کہ خندہ (ہنسنے) سے آنسو بہانے پڑیں گے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

بمہلتے کہ سپہرت دہد ز راہ مرو
ترا کہ گفت کہ ایں زال ترک دستاں گفت

ترجمہ: وہ مہلت جو تجھے زمانہ نے دی ہے اس میں سیدھی راہ سے نہ ہٹ۔ تجھے کس نے کہا ہے

کہ یہ بوڑھی دنیا تیرے ہاتھ میں رہے گی۔

وَاُمْلِیْ لَھُمْ قف کسی کو اس کے اپنے طریقہ پر برقرار رکھ کر اس کی مہلت بڑھا دینا اور اس کے مواخذہ پر عجلت نہ کرنا۔

بقیہ ص ۲۱۵

کیا خوب فرمایا ؎

ابو حنیفہ قضا نکرد و بمُرد
تو بمیری اگر قضا نکنی

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قضا قبول نہ کی اور اسی پر وصال فرمایا۔ تو مرتا ہے اگر کوئی نوکری نہیں کرتا۔

لطیفہ

اعدل تکن من صروف الدھر ممتعنا
فالصرف ممتنع للعدل فی عمر

ترجمہ: عدل کرنے سے تمہارے حوادث دہر دور رہیں گے۔ حضرت عمر میں صرف ممتنع ہے عدل کی وجہ سے۔

عدل کی صوفیانہ تقریر عدل اللہ تعالیٰ کے اسمائے گرامی میں سے ایک ہے بمعنے عادل اور عادل ہر وہ شخص جس سے عدل کا صدور ہو۔ جور و ظلم کی نقیض عدل ہے۔ عادل کو وہ جانتا ہی نہیں جو اس کے عدل سے واقف نہیں اور عادل کے عدل کو پہچانا جاتا جبتک اس کے فعل کا علم نہ ہو اور عدل سے جتنا فوائد انسان کو نصیب ہوتے ہیں وہ سب کو معلوم ہیں۔ عدل سے موصوف ہونے میں سب سے پہلے ضروری ہوتا ہے تو شہوت و غضب کو قیدی بنا دے لیکن عقل و دین کے تقاضوں کے مطابق۔ جو شخص عقل کو غضب و شہوت کا خادم بنا دے اس سے ظلم سرزد ہوتا ہے۔ یہ عدل کا اجمالی خاکہ تھا اس کی تفصیل حدود شرع کے مطالعہ سے معلوم ہو گی۔

اپنے اوپر عدل کے تقاضاؤں کی تفصیل اپنے لئے عدل کی تفصیل یہ ہے کہ ہر عضو کو اس حکم کا پابند بنائے جس طرح اس کے متعلق شریعت مطہرہ کا حکم ہے اسی طرح اپنے اہل و عیال اور اپنے ماتحت لوگوں میں بھی عدل یونہی ہے کہ جیسے شرع پاک نے حکم فرمایا ہے۔

ازالہ وہم عموماً ظلم کا مطلب یہی ہے کہ کسی کو ایذا اور عدل یہی ہے کہ لوگوں کو نفع پہنچائے یہ غلط ہے مثلاً کوئی بادشاہ اپنے خزانہ (جو مختلف اسلحہ اور کئی نادر کتب اور کئی طرح کے اموال سے پُر ہے) مال و دولت کو لٹا دے اور اسلحہ اور قلعے علمأ پر تقسیم کر دے اور نادر کتابیں لشکریوں فوجیوں اور مجاہدوں کو دے کر انہیں مساجد و مدارس کا مالک بنا دے اس طرح سے اس نے غیروں کو فوائد و منافع سے تو بھرپور کیا ہے لیکن حقیقت بیں نگاہ سے دیکھا جائے تو اس نے سراسر ظلم اور عدل سے کوسوں دور کی کارروائی کی ہے اس لئے کہ اشیاء مذکورہ کو غیر محل میں تقسیم کیا ہے اسی طرح مریضوں کو کڑوے دوا مجبور کر کے پلائے جائیں یا انہیں پچھنے لگوائے جائیں اور خون نکالا جائے اور وہ بھی اور یہ اشیاء اس ترتیب پر جیسے حکم الٰہی ہے اور وہ ترتیب لطف و رحمت سے خالی نہیں یہی توجیہ عدل ہے۔ (کذا فی المقصد الاقصیٰ فی شرح اسماء اللہ الحسنیٰ الامام غزالی رحمۃ الملک المتعالی)۔

فائدہ مولانا ابوالسعود رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کا عطف سَنَسْتَدْرِجُهُمْ پر ہے لیکن ضروری نہیں کہ اس میں سین استقبالیہ کا مفہوم بھی ہو اس لئے کہ املاء میں مطلق اطالۃ و امہال مطلوب ہوتی ہے اسمیں استدراج کی طرف تدریجی اُمور کا لحاظ نہیں ہوتا بلکہ یہ ایسا فعل ہے کہ اس کا صدور یکبارگی ہوتا ہے۔

سوال اسمیں بھی بسا اوقات تدریج ہوتی ہے؟

جواب نفسِ فعل میں تدریج نہیں ہوتی۔ البتہ اُس کے آثار و احکام میں گا ہے گا ہے تدریج ہوتی ہے اور آثار و احکام کی تدریج نفسِ فعل کو مستلزم نہیں۔ اس نکتۂ نگاہ میں استدراج میں صیغۂ جمع اور املاء میں واحد کا صیغہ لایا گیا ہے۔

اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ○ بے شک میری خفیہ تدبیر مضبوط ہے یعنی میری گرفت سخت ہے۔

سوال اس گرفت کو کید بمعنے مکر و حیلہ مجازاً خُفیہ تدبیر سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے؟

جواب ① گرفت مذکور کو مکر و حیلہ سے مشابہت ہے کہ بظاہر انہیں نعمتوں سے نوازا گیا ہے لیکن بہ باطن انہیں رُسوا کیا گیا۔

جواب ② سعدی چلپی مفتی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسے کید سے تعبیر اس لئے کیا گیا ہے کہ اُن پر یہ عذاب اس طریق سے نازل ہوا کہ انہیں محسوس تک نہ ہونے دیا کہ اس کا اصلی موجب کیا ہے فرمایا کہ یہی جواب اولیٰ ہے۔

فائدہ الکید بمعنے الاخذ بخفیۃ یعنی کسی کی خفیہ گرفت کرنا۔

فائدہ بدادی نے لکھا کہ الکید بمعنے الاضرار بالشیٔ من حیث لا یشعر بہٖ یعنی کسی کو ایسی شے سے ضرر پہنچانا کہ اُسے اس شے کا احساس تک نہ ہو۔

تفسیر صوفیانہ حکم ① عطائیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دائمی احسانات اسی طرح اس کی دائمی طور تکالیف پہنچانے سے خوف رکھنا لازمی ہے اس لئے کہ ممکن ہے کہ یہ منجملہ ڈھیل دینے کے ہو کما قال سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ اس آیت کی تفسیر میں حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم انہیں نعمتوں سے بھرپور کر دیتے ہیں لیکن وہ نعمتوں میں منہمک ہو کر شکر نہیں کرتے جب وہ نعمتوں کے نشہ سے مخمور ہو جاتے ہیں تو پھر ان کی گرفت کی جاتی ہے۔

② حضرت ابو العباس بن عطا رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ گناہ کرتے ہیں تو ہم انہیں نعمتوں سے نوازتے ہیں۔ اس طرح انہیں استغفار کا موقعہ نہیں ملتا تو پھر پکڑے جاتے ہیں۔

③ حضرت شیخ ابوالقاسم قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ استدراج کے کئی طریقے ہیں۔

① آزمائش خوف کے بغیر کسی پر پے در پے احسان و کرم کرنا۔

② شہرت حاصل کر لینا لیکن خوف خداوندی سے یکسر خالی ہونا۔

(۳) مقاصد پالینا نقصان سے بچ جانا۔

(۴) اُمیدیں پوری کر دینا مقصد براری پر اس کی وفا کا مطالبہ نہ کرنا۔

(۵) بظاہر یاری کا دم بھرنا اندرون خانہ غیروں سے ساز باز رکھنا۔

فائدہ استدراج کا ایک معنی اور بھی ہے وہ یہ سالک کو نہ اپنی خبر ہو اور نہ رب کا پتہ اس لئے بے ادبی کر کے بڑے لمبے چوڑے دعوے کرے یا اپنے آپ کو مصائب کے وقت آزمائش ربانی سمجھے لیکن اس سے معافی کے بجائے اپنے لئے بلندی مراتب کا دم بھرے تو ایسے بندے کو سزا میں مہلت مل جاتی ہے جسے وہ اُلٹا اور بد مست ہو جاتا ہے اور تصور کرتا ہے کہ اگر میرا پروگرام غلط ہوتا تو مجھے اتنا کیوں نوازا جاتا۔ اس گھمنڈ میں وہ مار کھا جاتا ہے جس کا اُسے اپنی غلطی کا احساس تک نہیں ہوتا اسی طرح وہ اپنی تکالیف اور پریشانیوں میں مبتلا ہوتے وقت بھی یہی تصوّر کرتا ہے کہ اگر میرے لئے ترقیٔ درجات نہ ہوتی تو مجھے امتحان میں نہ رکھا جاتا۔ بلکہ مجھے تو آرام ملتا یہ بھی اس کی غلط خیالی ہے اس لئے کہ وہ اس طرح اپنے گھمنڈ کی سزا پائے گا اُسے چاہیئے کہ ترقی درجات کی خوش فہمی میں رہے بلکہ معافی کے سامان کی تیاری کر کے بارگاہ میں گڑگڑائے تاکہ اُسے ایسی تکالیف سے بھی نجات ملے اور رضائے حق بھی نصیب ہو۔

حکایت حضرت احمد حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض شاگردوں سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے عدل کے دبدبہ سے خوف رکھنا اور اُس کے فضل و کرم کی اُمید میں رہنا اور اس کی گرفت سے بھی بے خوف نہ رہنا اگر اُسے ہر بندے کو بہشت میں داخل کرنے کا ارادہ ہوتا تو حضرت آدم علیہ السلام کو بہشت سے نہ نکالتا۔

سوال مجرموں کو مہلت دینے میں کیا حکمت ہے؟

جواب تاکہ بندے کو معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کو اخذ و انتقام سے لطف و احسان محبوب تر ہے ورنہ اگر اخذ و انتقام محبوب ہوتے تو مجرم کے جرم کے بعد فوراً اُس کی گرفت کرتا ہے۔ اُس نے مہلت دیدی تاکہ وہ اُسے گناہوں کی معافی لینے کا موقعہ مل جائے اور وہ کریم بندے کو معاف فرمائے تاکہ بندوں کو معلوم ہو کہ اس کے نزدیک غضب و شفقت اور کرم موازی مرغوب تر ہے اور اس کی غضب پر سبقت رکھتی ہے۔ علاوہ ازیں مہلت دینا اس کی عادات کریمہ سے ہے کہ یہ بھی جود و سخا ہے کہ مجرم کی فوراً گرفت نہیں کرتا۔

فائدہ بعض بزرگوں نے مہلت دینے کی یہ حکمت بیان کی ہے کہ ظالم مہلت میں اور ظلم کرے گا پھر اس کی گرفت اور سخت تر ہو جائے گی اور کسی کو جلد پکڑ لیتا ہے اور وہ بھی اس کی کریمی ہے کہ اگر اس کی جلد تر گرفت نہ ہوتی تو بندہ غلطیوں میں بڑھتا رہتا تو اس کی سزا سخت تر ہوتی اس لئے اس کے لئے آخرت کی سزا میں تخفیف کرتے ہوئے جلد پکڑ لیا۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ وہ خفیہ تدبیر ربانی سے ہر وقت خوفزدہ رہے اور اپنی مسکینی عاجزی اور فقیری و انکساری کو نعمت اور اپنی عزت افزائی سمجھے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فقرا و مساکین سے زیادہ محبت کرتا ہے۔ بلکہ ٹوٹے ہوئے دلوں کے قریب تر ہے اور دنیا کو ایک حالت پر قرار نہیں کسی کو چند دنوں کے لئے ملتی ہے

تو پھر اس سے چھین لی جاتی ہے اور کسی سے چھینی جاتی ہے تو پھر اسے واپس دی جاتی ہے۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ؎

زمانہ بہ نیک وبد آبستن است
ستارہ گہے دوست وگہ دشمن است

ترجمہ، زمانہ نیک و بد سے حاملہ ہے ستارہ کبھی دوست ہوتا ہے کبھی دشمن:

تفسیر عالمانہ اَوَلَمۡ يَتَفَكَّرُوۡا ۗ مَا بِصَاحِبِهِمۡ مِّنۡ جِنَّةٍ[ٹ] کیا انہوں نے نہیں سوچا کہ اُن کے ساتھی کو جنون نہیں۔

شانِ نزول حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قریش کو کئی راتیں صبح تک اللہ کے عذاب سے ڈرانے رہتے تھے اور بتاتے کہ سابقہ اُمتوں کا کیا حشر ہوا۔ تم بھی اگر احکامِ الٰہی کا انکار کروگے تو تمہارا بھی وہی حشر ہوگا۔ ایک رات صفا پہاڑی پر کھڑے ہوکر قبیلہ کا نام لے کر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا اور دعوت اسلام پیش فرمائی یہاں تک کہ صبح ہوگئی انہیں سے ایک کافر نے بکواس کی کہ (حضرت) محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) مجنون ہوگئے ہیں کہ ساری رات شوریدہ او چیختے رہے ہیں۔ (معاذ اللہ) اس کافر کی بکواس پر یہی آیت نازل ہوئی۔

ترکیب ہمزہ انکار و تعجب و توبیخ کے لئے ہے اور واؤ عاطفہ اور اس کا معطوف الیہ مقدر ہے اور ما نافیہ ہے اس کا اسم جنۃ اور بِصَاحِبِهِمۡ اُس کی خبر ہے اور اس جُملہ کا تعلق تفکر سے ہے اس لئے کہ وہ معنےٰ افعال قلوب سے ہے اور یہ ہر دُونوں وجہوں سے علیٰ نزع الخافض منصوب ہے۔

الجنۃ بالکسا جنون کا ایک نوع ہے اس پر مِن داخل کرنے سے بتایا گیا ہے کہ جنون کی کوئی قسم بھی آپ میں نہ تھی اب آیت کا معنےٰ یہ ہوا کہ انہوں نے آیات الٰہی کی تکذیب کی اور انہوں نے اسیں سوچا تک نہیں کہ اُن کے مصاحب کو جنون نہیں وہ تو اُن کی بات انہیں تفکر کی دعوت دیتی ہے کہ وہ اُن کی نبوت صدق و صحت پر غور و فکر کرکے اُن پر اور اُن پر نازل شدہ آیات پر ایمان لائیں۔

فائدہ جنون کی نفی کرکے ان کی بدبختی کو طشت برہام کیا گیا ہے۔

نکتہ حضور علیہ السلام ان کے لئے دشمن ہونے کے باوجود اُن کے صاحب جتلانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ تم خود ہی پہلے انہیں اپنا مصاحب مانتے تھے بلکہ نبوت کے مہارے سے پہلے انہیں "محمد الامین" (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پُکارتے تھے (اب کیا ہوگیا ہے کہ تم ان کے جانی دشمن بن بیٹھے ہو یہ بھی تفکر کی ایک قسم کی دعوت ہے۔

اِنۡ هُوَ نہیں ہیں وہ (حضور علیہ السلام) اِلَّا نَذِيۡرٌ مُّبِيۡنٌ ۝ مگر ڈرانے اور ظاہر کرنے والے اسمیں حضور علیہ السلام کی کمال شفقت و رافت کو بیان کیا گیا ہے اور آپ کی دعوت میں مبالغہ اور شب بھر وعظ کرنے کا عذر بھی بتایا گیا ہے۔ اَوَلَمۡ يَنۡظُرُوۡا یہ ہمزہ بھی انکار کے لیے ہے اور واؤ کا عطف کذبوا مقدر ہے یعنی کیا انہوں نے تامل و استدلال کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ فِىۡ مَلَكُوۡتِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ آسمانوں اور زمینوں کے بہت بڑے ملکوں میں کہ یہی آسمان و زمین کے بڑے بڑے ملک اللہ تعالیٰ کے مالک اور قادر ہونے کی عظمت پر دلالت کریں گے تو انہیں معلوم ہوجائے گا کہ زمین و آسمان کے بڑے بڑے ملکوں کی تخلیق عبث

[ٹ] یعنی ابولہب نے ۔ ۱۲

نہیں اور نہ ہی بندوں کو بے کار چھوڑ رکھا ہے ۔

فائدہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ ملکوتُ السموٰات سے نجوم۔ شمس و قمر اور ملکوت الارض سے بحور۔ جبال اشجار مراد ہیں اور ملکوت بمعنے بڑا نہایت عظیم ملک ہے جیسے رہبوت رہبت سے تا مبالغہ کے طور بڑھائی گئی ہے مثلاً کوئی کہے کہ ملکوت العراق متعلق بی" یعنی عراق کا بہت بڑا عظیم ملک میرے متعلق ہے ۔

وَمَا خَلَقَ اللّٰہُ اس کا عطف ملکوت السموٰات" پہ ہے یعنی کیا تفکر نہیں کرتے ان میں جنہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا۔ مِنْ شَیْءٍ یہ ما خلق اللہ کا بیان ہے تاکہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر صرف بڑی بڑی مصنوعات ہی دلالت نہیں کرتیں بلکہ چھوٹی چھوٹی اور معمولی اشیاء بھی اس کی توحید اور صنعت پر دلالت کرتی ہیں۔ جس پر بھی لفظ شئے کا اطلاق آئے گا وہی دلالت کرے گی خواہ وہ شے بڑی ہو یا چھوٹی اعلیٰ قدر ہو یا معمولی اور شئے کئی اجناس پر مشتمل ہوتی ہے کہ جن کا احصا نا ممکن ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ موجودات کا ہر چھوٹا بڑا فرد غور و فکر کی دعوت دیتا ہے اور دلالت کرتا ہے کہ وہ کریم وحدہٗ لاشریک اور صانع مطلق ہے ۔ کسی شاعر نے کہا ؎

وَفِیْ کُلِّ شَیْءٍ لَہٗ آیَۃٌ
تدل علیٰ اَنَّہٗ وَاحِدًا

ترجمہ: ہر شے دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے ۔

وَّاَنْ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُہُمْ اس کا عطف بھی ملکوت پہ ہے اور اِن مخففہ من المثقلہ ہے ۔ اور اس کا اسم ضمیر شان ہے خبر قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُہُمْ ہے یعنی کیا انہوں نے غور و فکر نہیں کیا کہ شان یہ ہے کہ اُن کی موت کا وقت قریب ہے کہ عنقریب اُن پر موت کا حملہ ہوگا پھر انہیں کیا ہوگیا کہ وہ طلب حق میں عجلت نہیں کرتے اور نہ ہی اس طرح متوجہ ہوتے ہیں کہ کوئی ایسا عمل کریں کہ جس سے اُن کی نجات ہو جائے یہ موت اور نزول عذاب سے پہلے لازمی ہے ؎

① زان پیش کاجل فرا رسد تنگ
وایام عنان ستاند از چنگ
② برمرکب فخر خویش نہ زیں
مردانہ دارہ آری در رہ دیں

ترجمہ: ① اس سے پہلے کہ اجل تیرا راہ تنگ کردے اور دور زمانہ تیرے ہاتھ سے باگ چھین لے ۔
② اپنے فخر کی سواری پر زین رکھ کر جواں مردوں کی طرح راہ دین پر چل ۔

فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ حدیث لغت میں بمعنے جدید اور عرف عام میں بمعنے کلام یعنی پس کونسی بات پر بَعْدَہٗ قرآن مجید کے بعد یُؤْمِنُوْنَ ایمان لائیں گے ۔ یعنی اگر اس قرآن پر ایمان نہ لائیں گے تو پھر کس پر ایمان لائیں گے اس لئے کہ قرآن پاک میں ہر شئے کا بیان مکمل طور سے ہے اس کے بعد نہ کوئی کتاب نازل ہوگی اور نہ ہی کوئی نبی

مُرسل تشریف لائے گا۔ اُن کے ایمان نہ لانے کو قطعی طور پر بیان کیا گیا ہے اور ہر طرح سے نفی کی گئی کہ وہ ہرگز ایمان نہیں لانے والے اور با ئیومنون کے متعلق ہے مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے اور قرآن مجید سے فائدہ نہ اٹھانے دے فَلَا هَادِيَ لَهٗ تو اُسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں وَيَذَرُهُمْ یذر کو یا سے پڑھا جائے اور وہ مرفوع اور جملہ مستانفہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ انہیں چھوڑ دے گا۔ فِيْ طُغْيَانِهِمْ اپنی گمراہی میں یعنی کفر کی انتہائی سرحد میں يَعْمَهُوْنَ ۝ یہ یذرھم کے مفعول سے حال ہے یعنی درانحالیکہ وہ متردد و متحیر پھرتے رہیں گے۔

حل لغات قاموس میں" العمہ محرکۃ۔ التردد فی الضلال و التحرفی منازعۃ او طریق یعنی العمہ کو بالحرکۃ پڑھا جائے گمراہی میں تردد اور منازعت یا طریق میں متحیر ہونا کسی دلیل اور حجت کو نہ جاننا۔

مسئلہ آیت میں تفکر پر برانگیختہ کیا گیا اور بتایا گیا ہے کہ عاقل وہ ہے جو آفاتِ وہم و خیال اور ہوا و ہوس اور تقلیدِ آبا سے بچ کر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق اور آپ کے اخلاق اور سیرت پر غور کرے قطع نظر آپ کے معجزات سے تو یقین سے کہہ سکے گا کہ واقعی آپ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں اور جس کی آپ دعوت دیتے ہیں وہ حق اور صدق پر مبنی ہے۔ ایسے تفکر سے نارِ جہنم سے نجات نصیب ہوتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اہل نار کے متعلق خبر دی ہے کہ وہ اپنے آپ کو ناری اس لئے نہیں سمجھتے کہ انہیں سمجھنے سوچنے کی کوتاہی رہی کما قال حکایۃً منہم" وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا اَصْحَابِ السَّعِيْرِ ۝

تفسیر صوفیانہ اس آیت میں اشارہ ہے کہ مکونات دو قسم ہیں۔

① جنہیں بغیر کسی شئ کے واسطہ کے پیدا کیا گیا اسے ملکوت سے تعبیر کرتے ہیں اور یہی کون کا باطنی طریقہ ہے اور اس پر ظاہری کون قائم ہے وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے قائم ہے" جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ۔

② وہ اشیاء جو کسی شے سے پیدا کی گئی ہیں یعنی یہی ملک جو کون کا ظاہر ہے یاد رہے کہ ظاہر ملک کو آنکھوں سے اور ملکوت یعنی ملک کو عقل اور قلب سے دیکھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ارباب عقول ان آیات کو نظرِ عقل سے دیکھ کر استدلال کرتے ہیں تو انہیں معرفتِ حق نصیب ہوتی ہے اور صانع کے وجود کا اثبات بھی اسی طرح سے کرتے ہیں اور اربابِ عقول کو شواہدِ غیب کا صرف نہیں بلکہ اُسے ملکوت غیب میں داخلہ نصیب نہیں ہوتا۔ تاکہ ایمان ایقان بلکہ عیان ہو چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ۔

فائدہ ملکوت یعنی غیوب کا مشاہدہ کرانا اللہ تعالیٰ کا قدیمی طریقہ ہے کہ ایسا مشاہدہ ہر نبی اور ولی کو کراتا ہے جسے چاہتا ہے عالم ناسوت و ملکوت و جبروت و لاہوت کی سیر کراتا ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ کسی کو عالم صغیر کی سیر نصیب ہوتی ہے کسی کو عالم کبیر کی اور بفضلہٖ تعالیٰ یہ طریقہ تاقیامت جاری رہے گا یعنی جبتک

بندے سیر الی اللہ اور سلوک طے کرتے رہیں گے ۔

انسان کی امتیازی شان بھی اس وجہ سے ہے ورنہ انسان اور حیوان میں بظاہر کوئی فرق نہیں ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نوازش ہے کہ اُس نے نوعِ انسان پر فضل فرمایا کہ اپنے پیارے بندوں کو مخصوص راستے دکھائے جن پر وہ چل کر ترقی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے عالم اکوان سے پرواز کر کے عالم شہود و اعیان بلکہ وصال الی الملک المنان سے نوازے جاتے ہیں ۔ اس وقت انہیں مرتبۂ ایقان نصیب ہوتا ہے اور اس مقام کو مقام احسان کہا جاتا ہے ان منازل کو طے کرنے اور مقام احسان کو حاصل کرنے کے بعد اسے نبی (اگر دورِ نبوت ختم نہ ہوا ہو) ورنہ ولی بنا کر بھیجا جاتا ہے تاکہ اپنے دوسرے بھائیوں کو حکمت بیان کی راہیں دکھلائیں اور اسلام و ایمان کی باتیں بتائیں اور انہیں ربِ رحمٰن کے وصال کی دعوت دیں اور جو اُن کی دعوت پر لبیک پکاریں انہیں بہشت و رضوان کی خوشخبری سنائیں اور جو نہ مانیں انہیں دوزخ سے ڈرائیں

سبق جو اُن کی بات مان لے گا اُسے لطف و احسان سے نوازا جائے گا اور جو انکار کرے گا وہ ہمیشہ خائب و خاسر رہے گا اس لئے حضرت عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا کہ ملکوت السمٰوات والارض کی سیر اسے نصیب ہوگی جو دوبارہ پیدا ہوگا ۔

خلاصۃ المرام اینکہ اصحابِ قلوب کو مشاہدہ ہوتا ہے اور ارباب عقول کی نظر و استدلال سے معرفت نصیب ہوتی ہے (کذا فی التاویلات مع شرح و اضافات شیخنا ابقاہ اللہ بالسلامۃ (قدس سرہ العزیز) ۔

حکایت امام اعظم قدس سرہٗ اور دہریوں کا مسلمان ہونا

منقول ہے کہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ مسجد میں عبادت میں مشغول تھے کہ چند اعدائے اسلام آپ کو قتل کرنے کے لئے آ گئے آپ نے فرمایا کہ مجھے مرنے سے کوئی خطرہ نہیں لیکن میرا ایک سوال ہے اُسے حل کر دو پھر مجھے قتل کر دو ۔ انہوں نے کہا بتایئے وہ سوال کیا ہے آپ نے فرمایا میں نے ایک دریا میں دیکھا کہ کشتی کشتیبان کے بغیر چل رہی تھی ۔ سب ہنس پڑے اور مذاق کرتے ہوئے کہنے لگے کہ کشتی کشتیبان کے بغیر کیسے چل سکتی ہے ۔ آپ نے فرمایا جب ایک معمولی کشتی ملاح کے بغیر نہیں چل سکتی تو چودہ طبقات کا کارخانہ سورج اور چاند ستارے یعنی علوی و سفلی عالم کا نظام چلانے والے کے بغیر کیسے چل سکتا ہے ۔ تمام دہریئے خاموش ہو گئے اور انہیں اکثر کو دولت ایمان و اسلام نصیب ہوئی ۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

در حشمتِ سلیماں ہر کس کہ شک نماید
بر عقل و دانش او خندند مرغ و ماہی

ترجمہ: حضرت سلیمان علیہ السلام کی حشمت پر جو شک کرے گا اس کا مُرغ و ماہی تک مذاق اڑائیں گے ۔

تفسیر عالمانہ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ آپ سے ساعۃ یعنی قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں ۔

تحقیق الساعۃ ① یہ لفظ اکثر قیامت کے معنی پر مشتمل ہوتا ہے جیسے النجم کا اکثر اطلاق ثریا (کہکشاں) پر آتا ہے اور قیامت کو "الساعۃ" سے اس لئے تعبیر کرتے ہیں کہ الساعۃ بمعنے اچانک اور قیامت بھی بغتۃً (اچانک) واقع ہوگی۔ بنا بریں اسی نام سے موسوم ہوئی یا

② اس لئے کہ دنیا کا تمام حساب و کتاب منٹ سیکنڈ میں طے ہو جائے گا۔ بنا بریں اسے "الساعۃ" سے تعبیر کیا گیا۔ (تسمیۃ الکل باسم الجز" کے قبیل سے ہے) یہ گھڑی ایسی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اس وقت اسی حساب و کتاب کے سوا باقی تمام امور بند کر دے گا یا اس لئے کہ وہ اوقات جو بندوں کے ہاں بہت بڑے طویل اور دُور دراز اور لمبے چوڑے محسوس ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں ایک گھڑی میں طے فرمائے گا۔

یاد رہے کہ ساعت اُس گھڑی کو کہا جاتا ہے جبکہ مُردگان قبروں سے اٹھیں گے اس لحاظ سے اسے ساعۃ قیام الناس من الاجداث کہنا چاہیئے تھا لیکن اب اُس کا تعین اور تعلن پر غلبۂ استعمال کی شہرت ہو چکی ہے اس لئے مضاف الیہ اور دیگر متعلقات کے لانے کی حاجت نہیں رہی۔

شان نزول مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں یہودی حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہمیں قیامت کے قیام کا پتہ دیجئے۔ اگرچہ ہمیں معلوم ہے کہ وہ کب قائم ہوگی۔ یہ صرف انہوں نے بطور آزمائش کے کہا ورنہ انہیں بھی یقین تھا کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے مخصوص فرمایا۔ اُن کے سوال کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

اَیَّانَ مُرْسٰهَا ایان ظرف زمان اور استفہام کے معنے کو متضمن ہے اور وہ محلًا مرفوع خبر مقدم ہے اور مُرْسٰهَا مبتدا مؤخر ہے یعنی اس کا اثبات و تقرر کب ہے۔ مُرسیٰ مصدر میمی ہے۔ "ارساہ" سے ہے بمعنے اثبتہٗ و اقرہٗ اور اکثر اس کا استعمال اُن اشیاء میں ہوتا ہے جو بہت زیادہ بوجھل اور ثقیل ہوں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ والجبال ارسها اور چونکہ قیامت کا وقوع مخلوق کے لئے بہت زیادہ ثقیل اور بوجھل ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسے ارسا سے تعبیر فرمایا ہے اور اس کا حرف جر محذوف کیا گیا ہے اس لئے اُسے محلًا منصوب مانا جائے گا اور حرف جر محذوف اس لئے مانتے ہیں کہ جار و مجرور سے بدل ہے صرف مجرور سے بدل نہیں۔ گویا اصل عبارت یوں تھی یسئلونك عن الساعة ان ایان مُرْسٰها۔

قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا فرمائیے میرا محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہ اس کا علم۔

سوال علمها کے بجائے علم وقتها کیوں نہیں فرمایا؟

جواب یہودیوں کا سوال اصل نفس قیامت سے تھا تو جواب اسی نہج سے دیا گیا۔ اگر اسے وقتِ معینؔ سے مضاف کیا جاتا ہے تو باعتبار حلول کے ہے کہ وہ اس وقتِ معین میں واقع ہوگی۔ اس سے اس اعتبار پر سوال نہیں کیا گیا کہ وہی وقت اس کا محل ہے اور وہی محل سوال کا مطلوب ہو اس لئے سوال میں ارسا کو ساعۃ کی وہی ضمیر کی طرف مضاف کیا گیا ہے یہی طرز بتاتا ہے کہ ان کا مقصود نفس ساعۃ کی ضمیر کی طرف مضاف کیا گیا ہے یہی طرز بتاتا ہے کہ ان کا مقصود

نفس ساعت تھا نہ کہ اس کا محل۔

عِنْدَ رَبِّيْ ج میرے رب تعالیٰ کے ہاں ہے یعنی ساعت کا علم اُسی کا خاصہ ہے اس پر کسی ملک مقرب اور نبی مُرسل کو مطلع نہیں فرمایا۔ لَا يُجَلِّيهَا اسے ظاہر نہیں کرے گا۔ یعنی ساعت کا معاملہ کوئی ظاہر نہیں کر سکتا۔ يُجَلِّيهَا تجلیۃ سے مشتق ہے بمعنے اظہار اور تجلی بمعنے ظہور۔ لِوَقْتِهَا اس کے وقت میں یہ لام اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ کی طرح توقیت کی ہے۔ اِلَّا هُوَ ط سوائے اس کے یعنی اسے اللہ تعالیٰ نے وقت وقوع سے پہلے غیروں سے مخفی رکھا ہے اُسے صرف اس وقت ظاہر فرمائے گا جو اُس کا وقت مقرر ہے۔

رد وہابیہ ودیوبندیہ

[1] اس میں اخبار (خبر دینے) کی نفی نہیں اور مخفی رکھنا بھی عوام کے لئے ہے تاکہ وہ طاعات میں لگے رہیں اور برائیوں سے بچیں جیسے عوام کو اپنی موت کا علم نہیں ہوتا۔ اسمیں بھی یہی حکمت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسی لئے عوام سے قیام ساعت کا وقت مخفی رکھا تاکہ وہ توبہ میں عجلت کر کے ہر وقت اطاعت و عبادت میں لگے رہیں اس لئے کہ اگر انہیں قیامت کے متعلق معلوم ہو جائے تو نہ توبہ کریں گے اور طاعت و عبادت میں جدوجہد۔

قیام قیامت کے علم کے ثبوت کے نظائر جیسے عوام سے لیلۃ القدر کی گھڑی پوشیدہ رکھی ہے تاکہ اس کے حصول کے لئے تمام مہینہ کی راتوں میں عبادت و اطاعت میں جدوجہد کریں۔ اسی طرح جمعہ کی اجابت دعا کی گھڑی عوام سے پوشیدہ رکھی تاکہ وہ جمعہ کے اکثر اوقات میں دعا کے لئے کوشاں رہیں۔ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط وہ قیامت آسمان و زمین کے مکینوں کے لئے بہت سخت بوجھل ہے یعنی ملائکہ اور جنات اور انسانوں کے لئے اس کا مخفی ہونا پوشیدہ ہونا ایک اہم اور دائرہ عقول سے ایک خارجی معاملہ ہے یا آسمان و زمین کے مکینوں کے لئے سخت بوجھل ہے کہ انہیں معلوم ہے کہ قیامت کے شدائد تکالیف اور اس کے اندر ہولناک امور ہیں منجملہ اُس کی ہولناکی کے ایک یہی ہے کہ اس کے وقوع پر تمام آسمان و زمین کے مکین فنا و ہلاک ہو جائیں گے اور یہ بات دلوں پر ایک بوجھ ڈالتی ہے۔

لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً تمہارے ہاں وہ نہیں آئے گی مگر اچانک یعنی غفلت کی حالت میں قائم ہوگی یہاں تک کہ اس وقت غافل انسان اپنے جانوروں کو پانی پلانے اور اپنے حوض صاف کرنے اور اپنا سامان بازار میں بیچنے میں اور تاجر اپنے ترازو کو کم و بیش تولنے کی عادت اور کھانے والا لقمہ منہ میں ڈالنے میں مشغول ہوگا ابھی اس کا لقمہ حلق میں نہیں اترے گا کہ قیامت واقع ہو جائے گی۔

يَسْئَلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ط آپ سے سوال کرتے ہیں گویا آپ اُسے جانتے ہیں۔ حَفِيٌّ حفی عن الشیٔ سے ہے یہ اُس کے لئے بولتے ہیں جو کسی شے کے متعلق بار بار سوال کرے اور اس کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے جو کسی شے کے جاننے میں بہت زیادہ جدوجہد کرے اور اس کے متعلق سوال کر کے اس کے معلومات

---

[1] جبکہ یہ فرقہ آیت مذکورہ سے استدلال کرتا ہے کہ قیام ساعت کی تعین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معلوم نہیں تھی ان کے رد میں صاحب روح البیان کا مضمون ہذا ہے۔ (اویسی غفرلہ)

میں پختہ کاری کرلے اور اس کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے جو اس کے معلوم کرنے میں اپنے تمام امکانات صرف کر ڈالے پھر اس کا اُسے ماہر سمجھا جانے اور حضور علیہ السلام کے لئے یہی پچھلا معنی مراد ہے کہ گویا آپ اس کے حاصل کرنے میں ممکن کوشش کر کے جاننے والے ہیں۔

سوال جب حفی بمعنے عالم ہے تو پھر اسے عن سے متعدی کرنے کا کیا مطلب؟

جواب چونکہ اس میں صرف علم کا معنی مطلوب نہیں بلکہ بلیغ فی السوال کے معنے کو متضمن ہے پھر اس کے بعد مفعول یہی ہے کہ سوال میں مبالغہ کرکے اپنے علم کو مستحکم کرنا۔ یہ جملہ تشبیہ ہے اور محلاً منصوب ہے اور یسئلونک کے کاف سے حال ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ آپ سے سوال کرتے ہیں درانحالیکہ آپ کو اس شخص سے تشبیہ دیتے ہیں جو قیامت کے متعلق سوال کرکے معلومات حاصل کرتا ہے۔

قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ فرمایئے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ بے شک اس کا علم اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔

سوال اس کا تکرار کیوں؟

جواب تاکہ یقین ہو کہ اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور ان کی خیالات کی تائید ہو اور رد **وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ** کے لیے تمہید ہو یعنی اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے اس لیے کہ بعض تو سمجھتے ہیں کہ قیامت ہے ہی نہیں اور بعض اس کے وقوع کے قائل تو ہیں لیکن انہیں گمان ہے کہ حضور علیہ السلام اس کے وقوع سے بالذات واقف ہیں اس جہالت کی بنا پر آپ سے سوال کرتے ہیں بعض کو دعویٰ ہے کہ اس کے وقوع کا علم لازم نبوت سے ہے تاکہ اس سے سوال کرکے آپ کو پہچان لینے پر جرح قدح کرسکیں۔

قُلْ لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا فرمایئے پیارے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے لیے نہ نفع کا مالک ہوں اور نہ نقصان کا پھر جو شخص ذاتی طور پر یہ نہیں جانتا کہ نفع کس میں ہے اور نقصان کس میں تو پھر وہ قیامت کے قیام کو کس طرح ذاتی طور نہیں جان سکتا ہاں باذن اللہ تعالیٰ تو قطعاً جاننا اور بات ہے اس کی تشریح آتی ہے۔ لنفسی کا تعلق لا املک سے ہے کذا قال سعدی چلپی المفتی۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ اس کا تعلق نفعا ولا ضرا سے ہے۔ **إِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ** مگر وہ جو اللہ تعالیٰ چاہے کہ مجھے اس کے نفع و نقصان کا الہام فرمائے اور اس کی اطلاع دیدے اسکے لیے پھر اسے قدرت دیدے تو اس کا میں مالک ہوں اس تقدیر پر یہ استثناء متصل ہے یا الّا بمعنی لکن ہے اس معنے پر یہ استثناء منقطع ہے ساعت کے علم سے اظہار عجز پر یہی زیادہ موزوں ہے۔

ف جیسا کہ وہابیوں دیوبندیوں کا طریقہ ہے وہ ہر عبارت سے یہ اعلان [illegible] کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قیامت (ساعۃ) کا علم تھا۔

وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ اور اگر میں غیب جانتا لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ تو میں خیر کثیر جمع کر لیتا۔ یعنی مال جمع کر لیتا اور بہت بڑے منافع کما لیتا یہ معنے اس لئے ہے کہ استفعال کا باب متعدی لنفسہ ہے جیسے استذلہ" بمعنے اُس نے اُسے ذلیل کیا۔ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ ۚ اور نہ ہی فقر و فاقہ کا شکار ہوتا اور نہ ہی کوئی دکھ اور درد پہنچتے۔ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَّبَشِيرٌ میں نہیں ہوں مگر نذیر و بشیر۔ یعنی میں نہیں ہوں مگر ایک بندہ اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا پیغمبر جو ڈر سناتا اور خوش خبری دیتا ہوں اور جو علوم ان دونوں سے متعلق ہیں دینی یا دنیوی ہر لحاظ سے اُن کا مجھ سے سوال کر سکتے ہیں اور جب غیب کو ان دونوں سے تعلق نہیں یا احکام و شرائع سے انہیں کوئی واسطہ نہیں اس کا مجھ سے سوال نہ کرو۔ قیامت کے متعلق بھی جو علوم متعلقہ اس سے واسطہ رکھتے ہیں ان کا میں تمہیں بتاتا رہتا ہوں یعنی اُس کی ہولناک خبریں اور اس دن کی مجرموں کو سزائیں یا اُس کے وقوع کے متعلق یقین دلانا یا اس کا قریب ہونا وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام باتیں میرے ذمہ تھیں اور وہ میں نے بتا دیں باقی رہا اُس کے وقوع کے وقت کا تعین نہ اُسے انذار سے تعلق ہے نہ میں بتاتا ہوں بلکہ بتاؤں تو وہ انذار کے خلاف ہے اس لئے مجھ سے اس کا سوال ہی بے سود اور بے محل ہے اس لئے ار تعین بتا دیا جائے تو پھر کون گناہوں سے بچتا ہے اور کیسے توبہ کی طرف توجہ ہو سکتی ہے اور یہ دونوں باتیں نبوت کی اصل غرض و غایت کے منافی ہیں۔ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۚ اُس قوم کے لئے جو ایماندار ہے اس کا تعلق نذیر و بشیر ہر دونوں سے ہے۔ اس لئے کہ مؤمن جس طرح نبی علیہ السلام کی بشارت سے استفادہ کرتا ہے ایسے ہی انذار سے بھی نفع پاتا ہے یا اس کا تعلق صرف بشیر سے ہے لیکن نذیر کا متعلق محذوف ہے یعنی نذیر لقوم الکافرین۔ یعنی مؤمنین کے بقایا کافرین کے لئے نذیر ہوں اور مؤمنین کے لئے بشیر ہوں بایں معنی کہ تم صرف قیامت پر ایمان لاؤ۔ خواہ وہ کسی وقت بھی واقع ہو۔

مسئلہ اس میں کفار کو ترغیب ہے کہ وہ ایمان کی دولت کو حاصل کریں اور انہیں کفر و عصیان کے اصرار سے ڈرایا گیا ہے۔

مسئلہ حدادی نے آیت کی تفسیر میں لکھا کہ آیت میں اس فرقہ کی تردید ہے جو قائل ہے کہ دنیا کی عمر اتنی ہے اور اس کا استدلال اس حدیث سے ہے۔ مروی ہے کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے اگر یہ بات مان لی جائے تو قیام قیامت کا علم ہو جائے۔ اور وہ آیت کے مضمون کے منافی ہے اور انہوں نے اپنے دعویٰ میں حضور علیہ السلام میں اور قیامت ایسے ہی اکٹھے مبعوث ہوئے ہیں جیسے یہ دو انگلیاں۔ آپ نے درمیانی انگلی اور سبابہ کو ملا کر اشارہ فرمایا تو مطلب یہ ہے کہ ہم دونوں قریب قریب مبعوث ہوئے ہیں۔ اس سے تقریب مطلوب ہے نہ کہ تحدید۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فقد جاء اشراطہا یعنی حضور علیہ السلام کا تشریف لانا قیامت کی علامات سے ایک علامت ہے۔

فائدہ فقیر (صاحبِ روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ دنیا کی عمر کے متعلق طرق اور صحیح سندات کے ساتھ وارد ہوئے ہیں لیکن اس سے تحدید الوقت کا ثبوت نہیں ملتا۔ اس سے یہ بھی لازم نہیں ہوتا کہ کسی ملک یا بشر کو تعین ساعت کا علم ہو۔

حضور علیہ السلام کو قیام قیامت کی تعیین معلوم تھی بعض مشائخ کا مذہب ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باعلام اللہ تعالیٰ نے وقت ساعت کو جانتے تھے اور بقاعدہ شرعیہ آیت کی حصر کے بھی منافی نہیں جیسا کہ اہل علم سے مخفی نہیں اُن کے مذہب کے مندرجہ ذیل دلائل ہیں۔

① صحیح مسلم میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت تک آنے والے تفصیلی واقعات بتا دیئے۔

② حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ جو مرغ کی شکل میں ہے جس کے دونوں پر زبرجد لولو اور یاقوت سے ہیں۔ اس کا ایک پر مشرق میں دوسرا مغرب میں ہے اور اُس کے پاؤں تحت الثریٰ اور عرش معلّٰی کے نیچے تک ہے جب صبح صادق ہوتی ہے تو اپنے پر ہلا کر پڑھتا ہے **سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ** رَبُّنَا اللّٰهُ لَا اِلٰہَ غیر

اُس کے اس پر ہلانے پر تمام زمین کے مرغ اپنے پر ہلاتے اور ذکر الٰہی کا شور و غل مچاتے ہیں جب قیامت کا دن آنے کا تو اللہ تعالیٰ اُس بڑے فرشتے کو حکم دے گا کہ اپنے پر سمیٹ کر آواز کو روک لے۔ اس سے آسمان و زمین والے مکین سمجھ گئے کہ قیامت آگئی۔

③ قیامت کے قرب کی علامات میں سے ہے کہ قیدی اور لونڈے غلام بنانا عام ہو جائے گا اس سے بھی یہ ثابت ہوا کہ اس وقت دین کا چرچا اور اہل اسلام کو غلبہ ہوگا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل اسلام کو کبھی ترقی اور کبھی تنزل ہوگا۔

④ قیامت کے علامات سے ایک یہ بھی ہے کہ مال غنیمت کو دولت سمجھا جائے گا یعنی جب دولتمند اور صاحب اقتدار غنیمت کے حصول کے درپے ہو کر اپنی تجوریاں بھریں گے اور غنیمت کے مستحقین کو "دیکھنے" تک نہ دیں گے۔

⑤ زکوٰۃ کی ادائیگی چٹی سمجھی جائے گی۔ یعنی لوگوں پر زکوٰۃ کا ادا کرنا دکھ محسوس ہوگا بلکہ اسے بجائے عبادت کے ٹیکس سمجھیں گے۔

⑥ امانت مال غنیمت کی طرح کھائی جائے گی یعنی جب اُن کے ہاں امانتیں رکھی جائیں تو وہ امانات کو غنیمت سمجھ کر ہڑپ کر جائیں گے۔

فائدہ منجملہ امانات کے فتویٰ، قضا۔ صدارت۔ وزارت وغیرہ ہے۔ جب دیکھو کہ مذکورہ بالا اُمور نا اہلوں کے سپرد کے سپرد کئے گئے ہیں تو سمجھو کہ قیامت آگئی۔ اور یہ ہمارے زمانہ میں عام ہو رہا ہے اور دورِ حاضرہ میں تو مذکورہ خرابی کا دور دورہ ہے۔

⑦ بعض روایات میں ہے کہ جب زہد صرف نمائشی اور ورع پرہیزگاری میں تصنع (بناوٹ) ہو تو سمجھ لو کہ قیامت قریب ہوگئی۔

فائدہ قیامت کا قیام شرار لوگوں پر قائم ہوگا۔

سوال [illegible] قیامت [illegible]
[illegible] چنانچہ [illegible] حدیث [illegible] حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے [illegible] روایت ہے کہ قیامت
کے قیام تک میری اُمت کا ایک گروہ غالب رہے گا۔

جواب [illegible] ① [illegible] قریب کا حکم بھی [illegible] میں متصور
ہوتا ہے۔

فائدہ [illegible] ②

[illegible] ③ [illegible]

[illegible] ④ [illegible] حشر کے میدان کی طرح [illegible] کبریٰ سے تعبیر کرتے ہیں

⑤ جمیع مخلوق کی موت اسے قیامت وسطیٰ کہا جاتا ہے اور اسے یقینی طور صرف اللہ جانتا ہے
الٰہی تعلیمات سے کچھ معلوم ہوتا ہے لیکن وہ علامات جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہیں بعض کو ہم نے
ابھی بیان کیا اور ہر ایک کی موت اس کے لئے قیامت صغریٰ ہے جیسے حدیث شریف میں ہے جو مرتا ہے اس
کے لئے قیامت قائم ہو جاتی ہے۔

حدیث شریف ⑥ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن جہنم کے حالات بیان فرمائے تو آپ کے
ایک صحابی نے عرض کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے لئے دعا فرمائیں تاکہ میں اس میں داخل
ہو جاؤں دوسرے صحابہ کرام اس کی یہ بات سن کر متعجب ہوئے آپ نے فرمایا اس کی مراد یہ ہے کہ میں قیامت کبریٰ میں ⑦
داخل ہوں۔

فائدہ حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ آفندی قدس سرہ نے فرمایا کہ ہم حضور علیہ السلام کی حقیقی مراد کو نہیں پہنچ سکتے البتہ ⑧
اس کی کچھ توجیہہ بتانا ضروری ہے وہ توجیہہ یہ ہے کہ وہ شخص ارادہ رکھتا تھا کہ اسے قیامت کبریٰ کا مشاہدہ
ہو لیکن وہ اس مرتبہ کو حاصل کرے جہاں کل شیٔ ہالک الا وجہہ کا معائنہ [illegible] ⑨ [illegible] طبیعت
اور نفس و روح اور سر کے مراتب طے کر لیتا ہے تو ماسوی اللہ کو بھول کر مستغرق باللہ ہو جاتا ہے [illegible] سوائے
اللہ تعالیٰ کے اور کچھ نظر نہیں آتا [illegible] ماسوی اللہ کا مٹنا [illegible] غیر اللہ کا فنا ہونا صرف قیامت کبریٰ میں ہوگا [illegible] اس مرتبہ
کو صرف وہی حاصل کر سکتے ہیں جن پر فضل ربانی ہو۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ہے

عنقا شکار کس نہ شود دام باز چیں
کاینجا ہمیشہ باد بدست است دام را ⑩

ترجمہ: عنقا کسی کا شکار نہیں ہو سکتا فلہذا اپنی دام اٹھا کر چلا جا جہاں الٹا دام اس کے ہاتھ میں [illegible]

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ ایسے مراتب و کمالات حاصل کرنے کی جدوجہد کرے جو اہل اللہ حاصل کر چکے ہیں۔

باقی بر صفحہ ۲۳۲

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا
اور اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا
وہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا

لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا فَمَرَّتْ
پھر جب مرد اس پر چھایا اسے ایک ہلکا سا پیٹ رہ گیا تو اسے لیے پھرا کی
کہ اس سے چین پائے

بِهٖ ۚ فَلَمَّاۤ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَىِٕنْ اٰتَیْتَنَا صَالِحًا
ضرور اگر تو ہمیں جیسا چاہیے بچہ
پھر جب بوجھل پڑی دونوں نے اپنے رب سے دعا کی

لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ (۱۸۹) فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ
پھر جب اس نے انہیں جیسا چاہیے بچہ عطا فرمایا
دیگا تو بے شک ہم شکر گزار ہوں گے

شُرَكَآءَ فِیْمَاۤ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ (۱۹۰)
میں اسکے ساتھی ٹھہرائے تو اللہ کو برتری ہے ان کے شرک سے
انہوں نے اس کی عطا

اَیُشْرِكُوْنَ مَا لَا یَخْلُقُ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ (۱۹۱) وَلَا
اور نہ وہ ہیں
کیا اسے شریک کرتے ہیں جو کچھ نہ بنائے اور وہ خود بنائے ہوئے

یَسْتَطِیْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَاۤ اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ (۱۹۲) وَاِنْ
اور اگر کریں
اور نہ اپنی جانوں کی مدد
ان کو کوئی مدد پہنچا سکیں

تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا یَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَیْكُمْ
تم پر ایک سا ہے چاہے
تو تمہارے پیچھے نہ آئیں
تم انہیں راہ کی طرف بلاؤ

اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ (۱۹۳) اِنَّ الَّذِیْنَ
بے شک وہ جن کو تم
رہو چپ
انہیں پکارو یا

تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ
پھر وہ تمہیں
تمہاری طرح بندے ہیں تو انہیں پکارو
اللہ کے سوا پوجتے ہو

فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (۱۹۴) اَلَهُمْ اَرْجُلٌ
کیا ان کے پاؤں ہیں
اگر تم سچے ہو
جواب دیں

يَّمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ
جن سے چلیں یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے گرفت کریں یا ان کی آنکھیں

يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا قُلِ ادْعُوْا
ہیں جن سے دیکھیں یا ان کے کان ہیں جن سے سنیں تم فرماؤ کہ اپنے

شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ (۱۹۵) اِنَّ وَلِیِّ
شریکوں کو پکارو اور مجھ پر داؤں چلو اور مجھے مہلت نہ دو بے شک میرا والی اللہ ہے

اللّٰهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ (۱۹۶) وَ
جس نے کتاب اتاری اور وہ نیکوں کو دوست رکھتا ہے اور

الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ
جنہیں اس کے سوا پوجتے ہو وہ تمہاری مدد نہیں کر سکتے

وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ (۱۹۷) وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى
اور نہ خود اپنی مدد کریں اور اگر تم انہیں راہ کی طرف بلاؤ تو

لَا يَسْمَعُوْا ۗ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ (۱۹۸)
نہ سنیں اور تو انہیں دیکھے کہ وہ تیری طرف دیکھ رہے ہیں اور انہیں کچھ بھی نہیں سوجھتا

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ (۱۹۹) وَ
اے محبوب! معاف کرنا اختیار کرو اور بھلائی کا حکم کرو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو اور

اِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ
اے سننے والے اگر شیطان تجھے کوئی کونچا دے تو اللہ کی پناہ مانگ بیشک

سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (۲۰۰) اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ
وہی سنتا جانتا ہے بے شک وہ جو ڈر والے ہیں جب انہیں کسی شیطانی خیال کی

الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ (۲۰۱) ۚ وَاِخْوَانُهُمْ
ٹھیس لگتی ہے ہوشیار ہو جاتے ہیں اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور وہ جو شیطانوں

يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿٢٠٢﴾ وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ

کے بھائی ہیں شیطان انہیں گمراہی میں کھینچتے ہیں پھر کمی نہیں کرتے اور اے محبوب! جب تم ان کے پاس

بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ط قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰىٓ اِلَيَّ مِنْ

کوئی آیت نہ لاؤ تو کہتے ہیں تم نے دل سے کیوں نہ بنائی تم فرماؤ میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف میرے

رَّبِّيْ ج هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ

رب سے وحی ہوتی ہے۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے آنکھیں کھولنا ہے اور ہدایت اور رحمت مسلمانوں

يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٢٠٣﴾ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا

کے لیے اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ

لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿٢٠٤﴾ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ

تم پر رحم ہو اور اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کرو زاری اور

خِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا

ڈر سے اور بے آواز نکلے زبان سے صبح اور شام اور

تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿٢٠٥﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ

غافلوں میں نہ ہونا بے شک وہ جو تیرے رب کے پاس ہیں اس کی عبادت سے

عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿٢٠٦﴾

تکبر نہیں کرتے اور اس کی پاکی بولتے اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں

تفسیر عالمانہ **هُوَ** (اللہ تعالیٰ) **الَّذِيْ** وہ عظیم الشان ہے جس نے **خَلَقَكُمْ** تم سب کو ایک اکیلے نے پیدا فرمایا اس کے ساتھ کسی دوسرے کو کسی قسم کا دخل بھی نہیں۔

مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ایک نفس سے یعنی آدم علیہ السلام سے۔

حضور علیہ السلام ابوالارواح ہیں جیسے آدم علیہ السلام نفوس کے ابوالبشر ہیں ایسے ہی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ابوالارواح ہیں۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا **اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ رُوْحِيْ** سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میری روح کو پیدا فرمایا۔

فائدہ تمام انواع کا اس نوع سے ایک منشا اور اصل ہوتا ہے جو ان تمام کے لئے بمنزلہ اب کے ہوتا ہے وہ حیوانات ہوں یا نباتات ۔ ؎

گر بصورت من ز آدم زادہ ام
من بمعنے جدِّ جد افتادہ ام

ترجمہ: اگرچہ میں بظاہر آدم زادہ ہوں لیکن درحقیقت سب کا دادا اصل ہوں۔

وَجَعَلَ اور پیدا فرمایا **مِنْهَا** اس نفس واحد کی جنس سے **زَوْجَهَا** اس کی زوجہ یعنی بی بی حوا علی نبینا و علیہا السلام یا نفس سے اس کا جسم مراد ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ آدم علیہ السلام کی ایک پسلی سے بی بی حوا علی نبینا و علیہا السلام کو پیدا فرمایا لیکن پہلا معنےٰ زیادہ موزوں ہے اس لئے کہ جنسیت ہی اصلی غرض و غایت کو واضح کرتی ہے نہ کہ جزئیت **لِيَسْكُنَ** تاکہ وہ سکون حاصل کرے۔

سوال نفس مؤنث ہے اس کے لئے فعل مؤنث چاہیئے لیکن یہاں فعل مذکر کیوں ہے؟

جواب نفس کا یہاں معنی مراد لیا گیا ہے یعنی آدم علیہ السلام کی ذات اس اعتبار سے صیغہ مذکر موزوں ہے۔

اِلَيْهَا اس زوج یعنی بی بی حوا علے نبینا و علیہا السلام سے یعنی تاکہ اس سے مانوس ہوں اور اطمینان حاصل کریں جیسے ازدواجی زندگی کا تقاضا ہے۔

ص۲۳۰ سے آگے

① بال بکشاؤ از شجر طوبیٰ زن
حیف باشد چو تو مرغے کہ اسیر قفسی

② کاروانِ رفت و تو در راہ کمیں گاہ بخواب
وہ کہ بس بے خبری زبانگ جرسی

ترجمہ: ① پر کھول اور شجر طوبیٰ پر آواز دے تیرے جیسے مرغ کا افسوس کہ تو پنجرے کا قیدی ہے۔
② قافلہ گیا تو دنیا میں خواب غفلت میں پڑا ہے افسوس کہ تو جرس کی آواز سے بے خبر ہے۔
کسی نے کیا خوب فرمایا ؎

عاشق شوراں روزے کار جہاں سر آید
نا خواندہ نقش مقصود از کارگاہ ہستی

ترجمہ: عاشق شوریدہ حال نے یہ پڑھ رکھا ہے کہ مقصود از کارگاہ (دنیا) ہستی سے یہ ایک دن اس جہان کا کام تمام ہو جائے گا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ان اعمال کی توفیق جسے وہ پسند ے اور جس سے وہ راضی ہو اور ان سے ان بیمار قلوب کا علاج کرے وہی ہر حال اور ہر وقت معین و مددگار ہے۔

فَلَمَّا تَغَشّٰهَا پس جبکہ اُس نے اسے اپنے میں ڈھانپا۔ یہاں بھی **تَغَشّٰهَا** کے بجائے **تَغَشّٰهَا** فرمایا کیونکہ اس سے آدم علیہ السلام کی ذات شریف مراد ہے۔

حل لغات تَغَشِّیْ اور تغشیۃ بمعنے تغطیۃ ہے جسے فارسی میں "چیزے برکسے پوشیدن" اردو میں کسی شے سے چھپانا یہاں پر جماع مراد ہے۔ اس لئے کہ جماع کے وقت مرد عورت کو چھپا لیتا ہے کیونکہ مرد اوپر اور عورت نیچے ہوتی ہے۔

حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا ہلکے سے بوجھ سے حاملہ ہوئی۔ اس لئے ابتدائی مہینوں میں بوجھ محسوس نہیں ہوتا اس لئے کہ چند ماہ تک حمل نطفہ پھر علقہ پھر مضغہ کی صورت میں ہوتا ہے اور وہ ما بعد کے حمل کی نسبت ہلکا پھلکا ہوتا ہے۔ حملاً یا مفعول مطلق ہے یا حملاً مصدر بمعنے مفعول ہے۔ یعنی حَمَلَتْ محمولاً خفیفاً اور یہاں بھی محمول سے وہی نطفہ یا جنین جو پیٹ کے اندر ہوتا ہے مراد ہے۔

اس تقریر ثانی پر حملاً مفعول بہ ہوگا ایسے گویا کہا گیا ہے حملت زیدًا دمثلاً یہی معنے مناسب ہے۔

فائدہ حمل اگر بالفتح ہو تو اس سے وہ جو پیٹ میں یا درخت کی چوٹی پر ہو مراد ہوتا ہے۔ اگر بالکسرہ ہو تو ہر وہ شے جو انسان یا کسی جانور کی پیٹھ پر ہو۔

فَمَرَّتْ بِهٖ پس اسے پہلے کی طرح لئے پھرتی رہیں[1]۔ یعنی جیسے اٹھتیں بیٹھتیں کام کرتیں فارغ بیٹھتیں اب بھی ویسے ہی تھیں۔ اس حمل سے انہیں کسی قسم کی رکاوٹ پیدا نہ ہوئی فَمَرَّتْ مرور سے مشتق ہے بمعنے ذہاب و معنی بمعنے چلنا مَرّ سے نہیں جو بمعنے اختیار رد وسول کے ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے مر علیہ وبہ مرا ای اجتاز د تر یمر مرا و مرورا ای ذھب داستمر ایک ہی طریق سے گردان ہوگی۔ استمر میں سین ہو تو اسمیں طلب تقدیری ہوگا جیسے **استخرجۃ** میں طلب تقدیری ہے۔

فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ پس وہ بچے کے پیٹ کے اندر بڑے ہونے کی وجہ سے جب بوجھل ہوئی **دَّعَوَا اللّٰهَ** تو دونوں یعنی آدم و حوا علیہما السلام نے مل کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی جب انہیں اس امر نے وحشت میں ڈالا کہ نا معلوم اس کا کیا انجام ہوگا تو غمگین ہو کر اللہ تعالیٰ سے نہایت عجز و انکساری سے دعا کے طالب ہوئے۔ **رَبَّهُمَا** اپنے رب تعالیٰ یعنی جملہ امور کے مالک سے جو اس لائق ہے کہ صرف اس سے دعا مانگی جائے۔ یہاں پر دعا کا متعلق محذوف ہے وہ یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں بچہ عطا فرمایا تو ہم اُس کے شکر گزار ہونگے۔ چنانچہ عرض کی **لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا** البتہ اگر تو نے ہمیں صالح بچہ عطا فرمایا۔ یہاں صالح سے یا تو اعضاء کے لحاظ سے صحیح سالم یا اس سے صالح فی الدین مراد ہے۔

لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ٥ یعنی ہم ہوں گے شکر گزار لوگوں سے۔

سوال حضرت آدم علیہ السلام نے دعا میں صالح کی قید کیوں لگائی اور تم نے صالح کے دو معنے کہاں سے لئے؟

---

[1] صیغہ واحد مؤنث کی بجائے جمع مؤنث کا احترامًا لیا گیا۔

جواب روزِ میثاق جب آدم علیہ السلام کو اُن کی پشت سے ذریّت دکھائی گئی تو انہیں دیکھا کہ بعض اعضا کے لحاظ سے صحیح سلامت تھے اور بعض لنگڑے لُنجے وغیرہ اور اُن میں بعض متقی طبع محسوس ہوتے اور بعض غیر متقی اس لئے انہوں نے ولدِ صالح کی استدعا کی اور ہم نے بھی اسی روایت کے مطابق دونوں مطلب بیان کئے۔

جب انہیں اُن کی استدعا کے مطابق صاحبزادہ صالح یعنی صحیح الاعضا اور نیک طبع عطا ہوا تو حسبِ وعدہ اللہ تعالیٰ کا شکر کیا اس لئے کہ وہ ان لوگوں سے نہیں تھے کہ خود وعدہ کریں اور پھر اُس کی خلاف ورزی کریں۔

فائدہ بی بی حوا علےٰ نبینا وعلیہا السلام ایک حمل سے جڑواں لڑکا لڑکی جنتی تھیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ پانچسو بار حمل ہوا اور اُن سے مجھے ہزار بچے بچیاں پیدا ہوئیں۔

ربط حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ بیان کر کے اب عوام اہلِ اسلام کو زجر و توبیخ کے طور فرمایا **فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا** بچہ عطا کیا جاتا یعنی آدم علیہ السلام کی مشرک اولاد کو جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اُن کی آرزو کے مطابق صحیح الاعضا اور نیک طبع ہوتا ہے۔ **جَعَلَا لَهٗ** تو اُسے مشرک ماں باپ بناتے ہیں[1] **شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا** اللہ تعالیٰ کے شریک اُسمیں جو اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے بایں طور کہ اپنے بچوں کے نام عبد العزیٰ و عبد مناف وغیرہ نام رکھتے ہیں اور اس نعمت کے شکریہ میں بتوں کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔

فائدہ حضرت ابو مسعود رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی تاویل میں یوں لکھتے ہیں کہ پس جبکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں وہی عطا کیا جو انہوں نے طلب کیا پھر اصالۃً یا اولاد یا اسی طرح اور کی اولاد الی الاسفل تو پھر اُن کی اولاد اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت اولاد میں اللہ تعالیٰ کے شریک ٹھہراتے ہیں۔ اس تقریر پر لفظ مضاف ضمیرِ **هما** پہلے محذوف ہے پھر حسبِ قاعدہ نحویہ مضاف کو محذوف کر کے مضاف الیہ پر احکام جاری کئے گئے۔ یہ تاویل اس لئے کی گئی ہے کہ آدم و حوا کی طرف شرک کی نسبت ہوتی ہے اور وہ دونوں شرک سے بری تھے۔ چنانچہ آنے والے مضمون میں صیغہ جمع اس تقریر کی تائید کرتا ہے۔

فَتَعٰلَى اللّٰهُ پس اللہ تعالیٰ بزرگ تر اور پاک ہے۔ **عَمَّا يُشْرِكُوْنَ** ٥ اس سے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ اُن کے شریک بنانے سے پاک ہے اور ان کا شرک یہی تھا کہ وہ اپنے بچوں کے اسماء غیر اللہ کی طرف منسوب کرتے۔ اگر یہاں پر واقعی آدم و حوّا علیہما السلام مراد ہوتے تو بجائے عَمَّا يُشْرِكُوْنَ کے عَمَّا يُشْرِكَانِ ہوتا[2] **اَيُشْرِكُوْنَ** کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔ **مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا** ایسی چیزوں کو جو کسی شے کو پیدا کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ اور معبود کے حقوق سے ہے کہ وہ اپنے عابد کو پیدا کرے۔ **وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ** ٥ۖ

---

[1] یہ پہلی تاویل ہے جو آدم علیہ السلام کی عصمت پر اعتراض کرنے والوں کو پیش کی جاتی ہے۔ دوسری اور بیان کرتے ہیں اس کے متعلق بہترین جوابات فقیر نے اپنی تفسیر اُویسی میں عرض کئے۔

[2] مفسرین نے یہ بھی کہا کہ آیت میں مطلقاً کسی ماں باپ کا ذکر ہے اس سے آدم و حوا مراد ہیں ہی نہیں اس طرح سے مذکورہ بالا تاویل کی ضرورت ہی نہیں۔ ۱۲ والتفصیل فی تفسیر الاویسی ۱۲ اُویسی غفرلہٗ

ان کا تعلق مالا یخلق پر ہے اس سے اُن کے معبودانِ باطلہ مراد ہیں۔ یعنی اور وہ مخلوق ہیں۔

سوال اُن کے بت تو غیر ذوی العقول تھے پھر اُن کے لئے ضمائر ذوی العقول کیوں؟

جواب یہ کفار کے اعتقاد کے مطابق ہے کہ وہ اپنے معبودوں کو عقلاً تصور کرتے تھے اور اُن کے مجسمے بھی ذوالعقول کے مطابق بنائے[1]۔ پہلے اُن کی خالقیت کی نفی پھر اُن کے مخلوق ہونے کا اثبات اس لئے ہے تاکہ کفار کی ہر اعتقادی صورت پُورے طور واضح ہو جائے۔

وَلَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ اور نہ ہی وہ اپنے پرستاروں کے لئے کوئی استطاعت رکھتے ہیں کہ جب انہیں کوئی پریشانی لاحق ہو تو پھر یہ بُت اُن کی پریشانی دور کر سکیں۔

نَصْرًا یعنی انہیں کسی قسم کی مدد کرنے کی طاقت نہیں کہ وہ اپنے پرستاروں کو نفع پہنچائیں یا اُن سے کوئی دُکھ درد ٹال سکیں **وَلَا أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُونَ** ۝ اور نہ ہی اپنی مدد آپ کر سکتے ہیں کہ جب انہیں حوادث گھیریں تو وہ ان حوادث کو دفع کر سکیں۔ مثلاً اگر کوئی اِن بتوں کو توڑنا چاہے یا اُن پر کوئی گندگی یا گوبر ڈالے تو اسے کسی طریقے سے اپنے سے دفع نہیں کر سکتے۔

اعجوبہ حدادی نے فرمایا کہ مشرکین اپنے بتوں کے منہ پر شہد اور خوشبوئیں مل لیتے تو مکھیاں اُن پر جمع ہو جاتیں تو وہ بت اپنے سے مکھیوں کو نہ ہٹا سکتے۔ **وَإِنْ تَدْعُوهُمْ** اور اگر تم اے مشرکو انہیں بلاؤ **إِلَى الْهُدَىٰ** ہدایت کی طرف یعنی اس لئے بلاؤ کہ وہ تمہیں ہدایت دیں یا تمہارے مقاصد پورے کریں۔

لَا يَتَّبِعُوكُمْ تو وہ تمہاری اتباع نہیں کریں گے یعنی وہ تمہاری مُراد پوری نہیں کریں گے اور نہ ہی وہ سوالات کا جواب دیں گے جیسے اللہ تعالیٰ تمہارے سوال کا جواب دیتا ہے۔ **سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ** اے مشرکو۔ تمہارے لئے برابر معاملہ ہے کہ **أَدَعَوْتُمُوهُمْ** ان بتوں کو تم بلاؤ۔ **أَمْ أَنْتُمْ صَامِتُونَ** ۝ یا چپ رہو یعنی نہ تمہیں ان کو بلانے میں فائدہ ہے اور نہ ہی چپ رہنے میں۔ نہ وہ تمہارے حال کو تبدیل کر سکتے ہیں اور نہ تم اُن کے حال کو بدل سکتے ہو اس لئے کہ وہ جماد محض ہیں۔

سوال ام صامتون کیوں کہا؟

جواب آیات کے قوافی کی رعایت پر ایسے کیا گیا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ بے شک وہ جنہیں تم اللہ تعالیٰ کے ماسوا کو پکارتے ہو اور ان کا معبود نام رکھتے ہو **عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ** وہ تمہارے جیسے بندے ہیں یعنی وہ بھی تمہاری طرح اللہ کے مملوک اور اُسی کے حکم کے پابند ہیں بلکہ نفع و نقصان پہنچانے سے عاجز ہیں۔

سوال بتوں کو **عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ** کیوں کہا؟

جواب اس لئے کہ انہوں نے اپنے معبودوں کی صورتیں انسان کی شکلوں میں بنا رکھی تھیں۔

---

[1] یہی جواب وہابی دیوبندی۔ نجدی۔ فرقوں کو دیا جائے جبکہ وہ اِن آیات کو انبیاؑ و اولیاؒ پر چسپاں کر کے مذکورہ بالا سوال کرتے ہیں۔

فَادْعُوْهُمْ پس انہیں حصول نفع اور دفع نقصان کے لئے پکارو۔ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ پس چاہیئے وہ تمہیں جواب دیں صیغے امر کے تعجیزاً استعمال ہوئے اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ اگر تم سچے ہو اپنے گمان میں کہ جن بتوں سے تم عاجز ہو وہ ان پر قادر ہیں۔ اَلَهُمْ کیا ان بتوں کے لئے اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ ز کے پاؤں ہیں کہ وہ جن پر چلتے ہوں۔ یعنی اُن کے پاؤں ہیں کہ وہ چل کر تمہارے سوالات کا جواب دیں۔ اس لئے کہ استجابت اس کے لئے متصور ہو سکتی ہے جس کے اندر حیاۃ کا محرک یا قوی کا محرک ہو اور اس کے قویٰ مدرکہ ہوں جس میں اُن امور میں سے کوئی شے بھی نہ ہو تو وہ کسی کام کا نہیں چلنے کی وصف سے ہی نہیں۔

اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ ز کیا اُن کے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑتے ہیں یہ ام منقطعہ ہے بل اور ہمزہ مقدر ہے اور البطش بمعنے قوت سے پکڑنا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ کیا اُن کے ہاتھ میں جن سے اپنی ہر ارادہ کردہ شے کو پکڑتے ہیں۔ بل اضراب کے لئے ہے یعنی فن تبکیت کی تکمیل کے بعد دوسرے فن کی طرف منتقل ہونا اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ ز اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا کیا اُن کی آنکھیں ہیں کہ جن سے دیکھتے ہیں یا ان کے کان ہیں کہ جن سے سنتے ہیں" مشی (چلنے) کو مقدم کیا اس لئے کہ وہ اُن کی اپنی حالت ہے اور بطش (پکڑنا) ان کا کام ہے لیکن دوسرے سے متعلق ہو کر مشی کو نہ صرف اس لئے بلکہ تمام افعال پر مقدم کیا گیا ہے۔

سوال مشی کے علاوہ باقی تمام افعال برابر ہیں تو پھر بطش کو باقی سب پر مقدم کرنے کی کیا وجہ؟

جواب چونکہ پاؤں سے ہاتھوں کو مناسب ہے اس وجہ سے مشی کے بعد بطش کا ذکر کیا گیا ہے۔

سوال بطش کے بعد اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ کے لانے کی کیا وجہ ہے؟

جواب آنکھیں بہ نسبت کانوں کے زیادہ مشہور ہیں تعین اور اثر کے لحاظ سے بھی یہی زیادہ ظاہر ہیں۔

ربط کفار حضور علیہ السلام کو اپنے معبودانِ باطلہ سے بار بار ڈراتے تھے چنانچہ کہتے نخاف اَنْ يُّصِيبكم لعض آلهتنا بِسُوْءٍ اُن کے جواب میں فرمایا۔ قُلِ ادْعُوْا میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرمایئے لمے مشرکو بلایئے شُرَكَآءَكُمْ اپنے شریکوں کو اور میری عداوت میں اُن سے مدد مانگئے ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ پس مجھے گھڑی بھر مہلت نہ دو مجھے تمہاری کوئی پرواہ نہیں اس لئے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور نگرانی کافی ہے ؎

اگر ہر دو جہانم خصم گردند
نترسم چو نگہبانم تو باشی

ترجمہ: اگرچہ دونوں جہان والے میرے دشمن ہو جائیں مجھے کوئی خوف نہیں جب تو میرا نگہبان ہو۔

اِنَّ وَلِيِّ َۦ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بے شک میرا نگہبان اللہ ہے جس نے کتاب نازل فرمائی ہے۔ ان سے لاپرواہی کے اظہار کی علت بتائی گئی ہے۔

سوال لاپرواہی کی تصریح نہیں ہے پھر اس کی علت کے اظہار کا کیا معنےٰ؟

جواب اگرچہ تصریح نہیں ہے لیکن کلام سابق سے واضح طور مفہوم ہوتا ہے۔

فائدہ ولی میں تین باتیں ہیں یاء اُولی فعیل کی ہے اور وہ ساکن ہے اور دوسری یا فعل کی لام کے وزن کی ہے اور یہ مکسورہ ہے اور پہلی یا ساکن اور دوسری یا مکسورہ میں مدغم ہوئی ہے اور تیسری یا اضافت کی ہے اور وہ مفتوحہ ہے یہاں پر ولی بمعنے ناصر و حافظ۔ جو یا متکلم کی طرف مضاف ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ بے شک وہ جو میری نصرت و حفاظت کا متولی ہے وہی قرآن پاک نازل کر کے اور وحی بھیج کر میری عزت کرے گا۔ اور کتاب کی وحی رسالت کو متلزم ہے۔

وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ٥ اور وہ نیک بخت لوگوں کا متولی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ ہے کہ وہ اپنے نیک بندوں کا متولی اور اُن کی مدد کرتا ہے اور انہیں شرمسار نہیں کرتا اور حضرات انبیاء علیہم السلام کی شان تو بلند و بالا ہے۔ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ اور جنہیں تم پکارتے ہو اے بت کے پجاریو مِنْ دُوْنِهٖ اللہ کے غیروں کو اور وہ جو اللہ تعالیٰ اور اُس کی دُعا سے متجاوز ہو جاتے ہیں۔

سوال اس آیت کا دوبارہ ذکر کیوں؟

جواب تکرار نہیں بلکہ پہلے بُت کے پجاریوں کو تنبیہ کی گئی ہے اور اب لاپرواہی کی تعلیل کی تکمیل ہے۔

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وہ تمہاری مدد کرنے میں کسی قسم کی طاقت نہیں رکھتے۔ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اور اگر تم ان بتوں کو بلاؤ اِلَى الْهُدٰى ہدایت کی طرف۔ یعنی اگر تم انہیں بلاؤ کہ وہ مقاصد کے حصول کے لئے تمہاری مدد کریں۔ لَا يَسْمَعُوْا تو وہ تمہاری دعوت کو سنتے ہی نہیں چہ جائیکہ وہ تمہاری موافقت کریں یا مدد کریں۔

وہابیوں اور دیوبندیوں کا رد

بعض لوگ اس مضمون کو اولیاء کرام و انبیاء عظام علی انبیا وعلیہم السلام پر چسپاں کرتے ہیں۔ یہ اُن کی غلط فہمی ہے اس لئے کہ انبیاء و اولیاء کی توجہ روحانیت کا انکار جہالت ہے اس لئے کہ یہ حضرات بھی اگرچہ مخلوق ہیں لیکن اُن سے مدد مانگنا اور انہیں بارگاہِ حق کا وسیلہ بنانا اور اُن کی طرف منسوب ہونا (قادری چشتی۔ اُویسی۔ نقشبندی۔ سہروردی) اس لحاظ سے ہے کہ وہ حق تعالیٰ کے مظاہر اور اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات کے مراکز اور اس کے کمالات کا عکس اور ظاہری و باطنی اُمور کے سفارشی ہیں۔ علاوہ ازیں وہ بہت بڑے کمالات و مناقب کے مالک ہیں اور یہ شرک نہیں بلکہ عین توحید بلکہ مطالع انوار کا مطالعہ اور مکاشفہ اسرار کا مصحف ہے۔ حضرت صائب نے فرمایا ؎

مشو بمرگ ز امداد اہلِ دل نومید
کہ خواب مردم آگاہ عین بیداریست

ترجمہ، اہلِ دل (اولیاءؔ) کی موت کے بعد ان کی امداد سے ناامید نہ ہو اس لئے کہ مردان خدا کی نیند (موت) عین بیداری (حیات) ہے۔

وَتَرٰهُمْ اور تم انہیں دیکھتے ہو۔ یہاں رُویت سے رؤیت بصری مراد ہے اور یہ خطاب تمام مشرکین کو ہے یعنی اے دیکھنے والو تم ان بتوں کو آنکھوں سے دیکھتے ہو يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وہ تمہاری طرف دیکھتے رہتے ہیں اور

یہ تراہم کے مفعول کا حال ہے۔ یعنی وہ دیکھنے والوں سے مشابہت رکھتے ہیں اور ظاہری طور خیال کیا جاتا ہے کہ وہ آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اس لئے کہ بُت پرست اپنے بتوں کی آنکھیں جواہر و روشن موتی سے تیار کرتے تھے اور ان کی آنکھوں کی صورت ایسے طور تیار کی گئی تھیں کہ گویا وہ کسی کو دیکھ رہے ہیں **وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ** ٥ حالانکہ وہ نہیں دیکھ سکتے تھے۔ یہ ینظرون کے فاعل سے حال ہے یعنی درانحالیکہ وہ دیکھنے کے عجز کا بیان کیا گیا۔

فائدہ بعض کے نزدیک صیغہ خطاب سے حضور علیہ السلام مراد ہیں اور ھُم کی ضمیر کا مرجع مشرکین ہیں اس تقریر پر لَا يَسْمَعُوْا تک سابقہ مضمون کی علت ختم ہو گئی۔ اب مطلب یہ ہوا کہ اے محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ تو رہے ہیں لیکن وہ آپ کو دل کی آنکھوں سے نہیں دیکھتے۔

فائدہ اے محبوب مدنی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ اپنی حقیقت کے لحاظ سے اُن سے غائب ہیں۔ صرف ظاہری طور اگر توحید کا اقرار کرلیں اور آپ کی رسالت کو مان جائیں تو اُن کے لئے فائدہ ہے۔

انگشتری سلیمان علیہ السلام اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی

منقول ہے کہ حضرت سلیمان کی انگشتری میں سطر اوّل پر **بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ** سطر ثانی پر **لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه** اور سطر ثالث پر **محمد رسول اللّٰه** (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لکھا ہوا تھا۔ جب وہ انگشتری سلیمان علیہ السلام کی انگلی میں ڈالی گئی تو تمام ہمنشین آپ کو دیکھنے سے عاجز ہو گئے اس لئے کہ اسم گرامی کی نورانی چمک سے آنکھوں کی نگاہ خیرہ ہو گئیں۔ عجز و نیاز سے سب نے عرض کی کہ ہمیں آپ کی زیارت سے محرومی کیوں؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا پڑھو **لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه محمد رسول اللّٰه** (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس مبارک کلمہ کو پڑھا تو پھر اُن کی آنکھیں نور سے روشن ہو گئیں۔

نکتہ پہلے نہ دیکھنے کی یہی وجہ تھی کہ اُن پر حضور علیہ السلام کے اسم گرامی کی ہیبت چھا گئی۔ جب آپ کا کلمہ توحید پڑھا تو انہیں سلیمان علیہ السلام کی زیارت کی استعداد اور قدرت نصیب ہوئی۔

حکایت حضرت سلطان محمود غزنوی) رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت عارفِ ربانی شیخ ابوالحسن خرقانی قدس سرہٗ کی زیارت کے حاضر ہوئے۔ بادشاہ تھوڑی دیر بیٹھا۔ شیخ سے پوچھا کہ حضرت سلطان بایزید بسطامی قدس سرہٗ کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا بایزید بسطامی قدس سرہٗ وہ کامل تھے کہ جسے اُن کی زیارت نصیب ہوئی وہ نہ صرف ہدایت پا گیا بلکہ واصل باللہ ہو گیا۔ سلطان محمود نے کہا یہ جواب بظاہر صحیح نہیں اس لئے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابوجہل نے بار ہا دیکھا لیکن اُسے ہدایت نصیب نہ ہوئی اور نہ ہی اپنی بدبختی سے نجات پا سکا۔ شیخ نے فرمایا ابوجہل نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں دیکھا بلکہ اُس نے اس عقیدہ سے دیکھا کہ یہ محمد بن عبداللہ ہیں اگر وہ آپ کو رسولِ خدا کی حیثیت سے دیکھتا تو بدبختی سے نکل کر سعادت ابدی میں داخل ہو جاتا اُس کی دلیل یہی آیت ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا **وَتَرٰهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ** ٥ (وہ نہیں آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں لیکن وہ حقیقت میں کچھ نہیں دیکھ رہے)۔

سبق صرف ظاہری آنکھ سے دیکھنے سے سعادت نصیب نہیں ہوتی بلکہ قلب اور سر کی آنکھ سے دیکھنے سے یہ دولت حاصل ہوتی ہے اور بایزید کو بھی اس قلب و سر کی آنکھ سے دیکھنے والا سعادتمند ہوجاتا ہے ورنہ ظاہری آنکھ سے دیکھنے سے وہ مرتبہ نہ ملتا۔

برائے دیدن روئے تو چشم دیگرم باشد
کہ ایں چشمیکہ من دارم جمالت را نمی شاید

ترجمہ: تیرے دیدار کے لئے تو مجھے دوسری نگاہ چاہیئے کیونکہ یہ آنکھ جو تجھے حاصل ہے تیرے جمال کے دیدار کے لائق نہیں۔

حدیث شریف مُبارک ہو اُسے جو مجھے دیکھے۔ اسی طرح اسے جو میرے دیکھنے والے کو دیکھے۔ اسی طرح میرے دیکھنے والے کے دیکھنے والے کو دیکھے۔ اسی طرح اسے جو میرے دیکھنے والے کو دیکھے (کذا فی الرسالہ العلیۃ)۔

① گفت طوبیٰ من رآنی مصطفےٰ
والذی یبصر لمن وجہی رآی
② چوں چراغے نور شمع را کشید
ہر کہ دید آنرا یقین آں شمع دید
③ ہمچنیں قاصد چراغ از نقل شد
دیدن آخر لقائے اصل شد
④ خواہ نور از واپسیں لبتان بجاں
ہیچ فرقے نیست خواہ از شمع داں

ترجمہ، ① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسے مبارک ہو جس نے مجھے دیکھا اور جس نے میرا چہرہ دیکھا اسے بھی۔
② جب چراغ نے شمع کا نور حاصل کیا جس نے چراغ دیکھا اس نے یقیناً شمع کو دیکھا۔
③ اسی طرح ہزاروں چراغ جلاتے جاؤ بالآخر دیکھنا اسی اصل کا ہوگا۔
④ خواہ آخری چراغ کو دیکھو خواہ شمع کو اسمیں کوئی فرق نہیں۔

مسئلہ اس سے ثابت ہوا کہ اولیاء کرام کی وہی زیارت مفید ہوسکتی ہے جو قلبی بصیرت سے ہو خواہ وہ بیداری میں ہو یا خواب میں۔

فائدہ یہی تقریر حضور علیہ السلام کے ارشاد گرامی "مَنْ رآنی فقد رأی الحق" میں جاری ہوگی یعنی بیداری میں زیارت نصیب ہو یا خواب میں تو دیکھنے والا یقین رکھے کہ اس نے واقعی رسول حق کی زیارت کی۔

فائدہ بعض نے اُس کی توجیہ یہ کی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے بعد یہ عقیدہ ضروری ہے کہ واقعی یہ خواب سچا ہے اسمیں یہ تصور بھی نہ ہو کہ ممکن ہے کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے (معاذ اللہ)۔

فائدہ شیخ اکمل نے شرح المشارق میں لکھا ہے حدیث میں لفظ حق سے مراد یہ ہے کہ رؤیا میں جو کچھ فرشتہ دکھاتا ہے وہ حق ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ خواب پر ایک فرشتہ مقرر کرتا ہے جو خواب دیکھنے والے کے دل پر حکمت اور مثالی طور صورتیں القاء کرتا ہے۔ اور یہ بھی اللہ تعالیٰ نے اس فرشتے کو تمام اولادِ آدم کے قصے بتا دیئے ہے یعنی لوحِ محفوظ کا مطالعہ اس کے لئے عام ہوتا ہے وہ اس سے واقعہ دیکھ کر اس کی مثالی صورت تیار کر کے خواب والے کے دل پر القاء کرتا ہے۔ جب نیند کرنے والا نیند کرتا ہے تو اس کے دل پر وہ اشیاء مثالی صورتیں بن کر سامنے آجاتی ہیں تاکہ اس بندے کو یا خوشخبری نصیب ہو یا اسے ڈرانے کے طور پیش کیا جائے یا اسے جھڑک دی جاتی ہے تاکہ سابقہ لوگوں کی اُس مثالی صورتوں سے عبرت حاصل کرے۔

مسئلہ تمام انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے معصوم بنایا ہے کہ خواب یا بیداری میں شیطان انکی صورت میں نہیں آسکے تاکہ حق و باطل میں اشتباہ نہ ہو۔

شیطان اولیاء کرام کی صورت میں نہیں آسکتا

فقیر صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ کہ میرے شیخ نے فرمایا کہ اولیاء کاملین رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے قطبِ وجود کی صورت میں شیطان نہیں آسکتا اس لئے کہ وہ نبی علیہ السلام کا مظہر ہوتا ہے اور آپ کی صورت و سیرت کا نمونہ ہوتا ہے۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ قیل و قال کو چھوڑ کر اور فضول باتیں ترک کر کے حکم الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے باکمال لوگوں کا مرتبہ نصیب فرمائے اور شیطان کے مکر و فریب سے نجات عطا فرمائے اس کے بعد وہی ہادی اور مہدی ہو جائے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر میں لکھا ہے۔ اے اللہ تعالیٰ ہمیں رویت حق کی طرف ہدایت عطا فرما اور اشیاء کے حقوق دکھا اور ہمیں مناہی و ملاہی میں مشغول ہونے سے نجات عنایت فرما اس لئے کہ تو ہر قسم کے بندوں کے لئے سخی ہے۔ تجھ سے مبدأ اور تیری طرف معاد ہے۔

خُذِ العَفْوَ

شانِ نزول مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ خُذِ العَفْوَ کا کیا معنیٰ ہے۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی مجھے اس کا علم نہیں۔ مہلت دیجئے میں اللہ تعالیٰ سے پوچھ لوں آپ نے اجازت دی جبریل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایئے کہ جو محروم کرے اسے دینا اور جو جدائی ڈالے اس کے ساتھ ملنا ملانا اور جو ظلم کرے اسے معاف کرنا اور جو بُرائی کرے اس کے ساتھ احسان کرنا یہی ہے عفو پر عمل کرنا۔

ہر کہ زہرت دہد بدو دہ قند
و آنکہ از تو برد بدو پیوند

ترجمہ: وہ جو تجھے زہر کھلائے تو اُسے کھانڈ کھلا وہ جو تجھ سے توڑے تو اس سے تعلق جوڑ۔

فائدہ عفو اللہ تعالیٰ کے صفات سے ہے۔

حدیث شریف حضرت سعید بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی آپ مجھے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اخلاق کا تعارف کرا دیجئے۔ آپ نے فرمایا کیا تونے قرآن کریم نہیں پڑھا۔ میں نے کہا پڑھا ہے تو آپ نے فرمایا حضور علیہ السلام کا خلق قرآن ہے۔ یعنی آپ کو تمام عادات و اخلاق قرآن سے سکھائے گئے کما قال خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝ اور فرمایا وَاصْبِرْ عَلٰى مَا أَصَابَكَ إِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْر اور فرمایا فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ وغیرہ وغیرہ یعنی وہ آیات جو حضور علیہ السلام کے عادات و اخلاق پر دلالت کرتی ہیں۔

وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ اور بہت اچھے اور بہتر افعال و اخلاق کا حکم دیجئے۔ اس لئے کہ لوگ ایسی باتوں کو بلا انکار جلد تر قبول کرتے ہیں۔

فائدہ تفسیر تیسیر میں ہے کہ اہل تصوف فرماتے ہیں کہ تقویٰ۔ صلہ رحمی جھوٹ وغیرہ سے زبان کو بچانا اور محارم سے آنکھیں بند رکھنا اور گناہوں سے اعضاء کو روکنا وغیرہ وغیرہ کو عرف کہا جاتا ہے **وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝** اور جاہلوں سے درگذر فرمائیے۔ جھوٹ کا بدلہ جھوٹ اور سفاہت کا بدلہ سفاہت نہ دیجئے اور نہ ہی اُن سے جھگڑا کیجئے اور ان کی تکلیف دہی پر حوصلہ کیجئے اور جتنا پریشان کن باتیں کریں اُن سے چشم پوشی کیجئے۔

فائدہ یہ اللہ تعالیٰ نے اس لئے فرمایا کہ حضور علیہ السلام جب نصیحت فرماتے تو کفار و جہال آپ کے ساتھ سفاہت کا مظاہرہ کرتے بار بار ایذا و تکلیف پہنچاتے بلکہ ایذا پر دینے پر کمر بستہ رہتے۔ آپ کی باتوں پر ہنسی مذاق کرتے۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام کو ان کی باتوں پر حوصلہ اور درگذر فرمانے کی تلقین فرمائی۔

مسئلہ آیت سے ثابت ہوا کہ عوام کے ساتھ معاملات میں درگذر حوصلہ اور صبر سے کام لینا چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام سے فحش سرزد نہیں ہوتے اور نہ ہی آپ فحش باتوں کے عادی تھے اور نہ ہی بازار میں بیٹھ کر یاوہ گوئی کی۔ اور نہ ہی آپ برائی کا بدلہ بُرائی سے لیتے۔ بلکہ معاف کرنا اور غلطی سے درگذر فرمانا آپ کا شیوہ تھا (کذا فی الحواشی)۔

شانِ نزول مروی ہے کہ جب یہی آیت اُتری تو حضور علیہ السلام نے عرض کی یا رب یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ غصہ انسانی فطرت ہے پھر یہ حکم نازل ہوا کہ

وَإِمَّا یہ دو کلمے ہیں اِن شرطیہ اور ما زائدہ ہے **يَنْزَغَنَّكَ** نزع وخس۔ غزز کا ایک معنٰی ہے مثلاً کہا جاتا ہے نزغہ ای طعن فیہ و نزغ بَيْنَهُمْ ای افسد و غزی وسوس اور کہا جاتا ہے نخس الدابۃ ای غرزای

مؤخرای جنبہا لعود ونحوہ۔

مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ یعنی اگر شیطان تمہیں فساد ڈالنے والا فساد ڈالے۔ نزغ بمعنے نازغ مثلاً کہا جاتا ہے رجل عدل ای عدل۔ یہاں پر شیطان کا وسوسہ مُراد ہے اور وسوسہ کو انسان سے تشبیہ دی ہے اس لئے کہ جیسے انسان لکڑی سے شئے کو ہانک کر اپنے مقصد کی طرف لے جاتا ہے اسی طرح یہ بھی انسان کو گناہوں پر اُبھارتا ہے یعنی شیطان کی طرف کوئی ایسا وسوسہ تمہیں اپنے فعل پر برانگیختہ کرے جو آپ کو امر الٰہی کے خلاف کرنا پڑے مثلاً کسی معاملہ میں بلاوجہ غصہ طاری ہوجائے۔ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ پناہ مانگئے یعنی اللہ تعالیٰ سے ہی شیطان کے شر کی پناہ مانگئے اِنَّهٗ سَمِیْعٌ بے شک وہی اللہ تعالیٰ سمیع ہے جس طرح کی پناہ کا عرض کروگے وہ سُنے گا عَلِیْمٌ اور جو معروضات دل سے کروگے اُسے جانیگا اُسے زبان پر لاؤ یا نہ لاؤ۔ اس سے التجاء کی جائے تو بالضرور شیطان کے شر سے حفاظت فرمائے گا۔

نکتہ اس مضمون کو سمیع وعلیم دونوں صفات پر ختم کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ استعاذہ کو اگرچہ زبان سے واسطہ ہے لیکن جب تک اس کا معنے دل پر مستحضر نہ ہو وہ غیر مفید ہوتا ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اقوال کو سُنتا اور تمہارے دل کے رازوں کو جانتا ہے۔

فائدہ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ شیطان سے حقیقی شیطان مراد ہے یا ہمزاد۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہمارے حق میں ہمارا ہمزاد مراد ہے کما قال تعالیٰ وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِکْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَهٗ شَیْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِیْنٌ اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ابلیس مُراد ہوگا لیکن آپ پر اُس کا کسی قسم کا حملہ نہیں ہوسکتا اور انسان میں بھی وسوسہ کا سبب پہلے وہی ہمزاد بنتا ہے اور دانا تو صرف اس سے پناہ مانگتا ہے جو اُسے نقصان پہنچائے اور حضور علیہ السلام کے لئے ہم نے ہمزاد کے بجائے ابلیس کا اس لئے کہا کہ حضور علیہ السلام کا ہمزاد آپ پر ایمان لاچکا ہے اس لئے آپ اُس کے غیر سے پناہ مانگیں گے اور غیر سوائے ابلیس کے اور کون ہوسکتا ہے یا شیاطین میں سے کوئی بڑا شیطان مُراد ہے۔

شیطان کا تخت مروی ہے کہ ابلیس شیطٰن کا بحر اخضر میں تخت لگا رہتا ہے اس کے اردگرد شیاطین کھڑے رہتے ہیں جو سب سے زیادہ شریر ہوتا ہے وہی ابلیس کے قریب تر ہوتا ہے ہر ایک کی کارروائی روزانہ خود دیکھتا سنتا ہے اور خود سوائے بڑی شرارتوں کے اور کہیں نہیں جاتا اور چونکہ حضور علیہ السلام کا مقابلہ اُس کے ذریات کے بس کا نہیں اس لئے ان کے لئے خود شرارت کرتا ہے اگرچہ کامیاب نہیں ہوسکتا۔

حضور علیہ السلام اور ابلیس کے مقابلہ کی داستان حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابلیس نے ایک نار کا شعلہ لے کر میرے منہ میں دینا چاہا میں نے تین بار پڑھا اعوذ باللہ منک پھر میں نے کہا تجھ پر اللہ تعالیٰ کی کامل لعنت ہو یہ بھی تین بار کہا لیکن وہ باز نہ آیا۔ پھر میں نے اسے پکڑ لینے کا ارادہ کیا بخدا اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کی دُعا نہ ہوتی تو میں اُسے باندھ دیتا۔ صبح

کو مدینہ طیبہ کے چھوٹے چھوٹے بچے اس سے کھیلتے۔

فائدہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا سے یہ کلمات مراد ہیں رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِیْ (اے اللہ مجھے بخش اور مجھے وہ ملک دے جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو) اس لئے آپ نے شیطان کو نہ باندھا کہ اس طرح کا ظاہری قبضہ سلیمان علیہ السلام سے مخصوص تھا اگرچہ آپ کو بھی اللہ تعالیٰ سے اختیار کامل حاصل تھا۔

سوال آپ کی ولادت مبارکہ کی برکت سے تو شیاطین آسمان کے اوپر جانے سے روک دیئے گئے لیکن حضور علیہ السلام پر حملہ کرنے سے رکاوٹ نہ تھی اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب الزامی بہت سے امور کسی شئے کی وجہ سے روکے جاتے ہیں لیکن خود عین سے انہیں رکاوٹ نہیں ہوتی۔ مثلاً رات دن کو روکتی ہے اور دن رات کو لیکن ان دونوں میں نور وظلمت کی رکاوٹ نہیں دن میں ظلمت ہوتی ہے تو رات میں بھی نور (روشنی) ہوتا ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو احیا الموتیٰ کی قدرت تھی لیکن انہیں موت وارد ہوئی۔

جواب تحقیقی جب شیاطین کو حضور علیہ السلام کی وجہ سے آسمان سے رکاوٹ ہوئی تو انہیں گمان ہوا کہ حضور علیہ السلام سے بھی ممانعت ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں کہا کہ میرے محبوب علیہ السلام پر بھی تمہیں تسلط کی اجازت ہے لیکن اپنے فضل وکرم سے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے شر وفساد سے معصوم فرمایا تاکہ انہیں معلوم ہو کہ وہ حضور علیہ السلام پر تسلط کی اجازت تو ہے لیکن مقابلہ کی ہمت نہیں۔

فائدہ نیشاپوری نے فرمایا کہ شیطان کو حضور علیہ السلام پر تسلط کی اجازت اس لئے تھی تاکہ مخلوق کو معلوم ہو کہ صرف اللہ تعالیٰ سب پر قادر وغالب ہے اس کے غیر مقہور بھی ہیں اور غیر معصوم بھی۔ ہاں جسے اپنے فضل وکرم سے معصوم ومحفوظ فرمائے۔

جواب[1] بعض مفسرین نے فرمایا کہ يَنْزَغَنَّكَ کا خطاب حضور علیہ السلام کو ہے لیکن اس سے آپ کی امت مراد ہے تاکہ استعاذہ کی مشروعیت ہو۔

صوفیانہ جواب[2] فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے آخری جواب کی تائید اولیاء کرام کے اقوال سے بھی ہوتی ہے چنانچہ حکایات مندرجہ ذیل ملاحظہ ہوں۔

① حضرت ابو سفیان دارانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے زیادہ آسان شیطان ہے کہ میں اسے جیسے چاہوں قابو کر سکتا ہوں اگر مجھے اس سے استعاذہ کا حکم ربانی نہ ہوتا تو میں اس سے کبھی

---

[1] اس طرح عموماً آیات میں ہے اس کی توجیہات فقیر کی کتاب "احسن البیان فی مقدمۃ تفسیر القرآن" میں ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

[2] اسی طرح کا واقعہ بی بی رابعہ بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے بھی منقول ہے کذا قال سیدی شاہ مہر علی گولڑوی ملفوظاتہٗ۔ ۱۲ اویسی غفرلہٗ۔

استعاذہ نہ کرتا۔

② کسی کامل ولی اللہ سے سوال ہوا کہ آپ شیطان کے مقابلہ کے وقت کیا کرتے ہیں انہوں نے فرمایا شیطان کون ہے ہم نے جب سے اللہ تعالیٰ سے لَو لگائی ہے اس وقت سے سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کی خبر نہیں۔

سبق جب یہ کوائف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اولیائے اُمّت کے ہیں تو پھر حضور علیہ السلام کی شان اقدس کا کیا کہنا۔

جوابِ ۵ آیت میں حرف شرط (اِن) یعنی اِمّا کہ دراصل اِنْ مَا تھا اور حرف شرط میں یقین نہیں بلکہ شک ہوتا ہے جب معاملہ شک میں ہے تو پھر اعتراض کیسا۔

روحانی چٹکلہ غضب وغصّہ کے وقت شیطان کی حرکتیں شامل ہوتی ہیں اگر اس وقت اعوذ باللہ الخ وغیرہ پڑھی جائے تو غصہ ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔

روایت وحکایت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اپنے بھائی سے جھگڑ رہا ہے غصہ سے سُرخ و پیلہ ہوا کھڑا تھا اور غضب سے رگیں پھولی ہوئی تھیں آپ نے فرمایا میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں اگر یہ شخص اسے پڑھ لے تو اس کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ آپ نے فرمایا وہ کلمہ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔

غُصّہ اُتارنے کا بہترین نسخہ حدیث شریف میں ہے کہ غضب و غصّہ آگ سے ہے اور آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے جب تم میں کسی کو غصہ و غضب ہو تو وضو کر لیا کرے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

① چوز خشم آتش تو در دلہا زدی
مایہ نارِ جہنم آمدی

② آتشت اینجا چو آدم سوز بود
آنچہ از وے زادِ مرد افروز بود

③ آتشِ تو قصد مردم مے کند
نار کز وے زاد بر مردم زند

④ آں سخنہائے چو مار و کژ دست
مار و کژدم گشت و میگرد دوست

⑤ خشم تو تخم سعیر دوزخست
ہیں بکش ایں دوزخت راکیں فخت

ترجمہ ① جب تو اپنے غصے کی آگ لوگوں پر مارتا ہے تو سمجھ لے کہ تو جہنم کا سرمایہ لے آیا ہے۔

② تیری آگ آج آدم سوز ہے لیکن اس کا جو نتیجہ ہے وہ یہ ہے کہ وہ مرد افروز ہے۔

③ تیری آگ لوگوں کے ارادہ کے لئے ہے اس سے جو آگ پیدا ہوگی وہ لوگوں پر لگتی ہے۔

④ ایسے سخن سانپ اور اژدہا ہیں۔ سانپ و اژدہا ہوکر تیرا خون بنیں گے۔

⑤ تیرا غصہ تو دوزخ کا بیج ہے اس دوزخ کو آج بجھا دے کہ ایک معمولی انگارہ ہے۔

حدیث شریف واعجوبہ مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ شیطان کی اولاد بڑھے اور اس کی زوجہ پیدا کرنی چاہی تو ابلیس پر غضب طاری فرما دیا اس سے آگ کا ایک شعلہ بھڑک اٹھا اس شعلہ سے شیطان کی عورت پیدا فرمائی (کذا فی حیوۃ العیون)۔

تفسیر صوفیانہ خُذِ الْعَفْوَ یعنی اللہ تعالیٰ کی عادات پیدا کر و اور اللہ تعالیٰ کے عادات وصفات سے عفو بھی ہے وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ یہاں عرف بمعنے معروف یعنی نیکی ہے اس سے اللہ تعالیٰ کی طلب مُراد ہے اور عارفین کی نیکی طلب حق تعالیٰ ہے وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ ہ اور ہر وہ شے جو تمہیں غیر اللہ کی طرف بلائے اور ہر وہ شخص جو غیر اللہ تعالیٰ کی دعوت دے اس سے روگردانی کیجئے اس لئے جو اللہ تعالیٰ کو نہیں جانتا وہی جاہل ہے اور جاہل اللہ تعالیٰ کی طلب کرتا ہی نہیں۔ ہاں عالم اللہ تعالیٰ کو جانتا اور طلب کرتا ہے وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ نزغ اور اگر تمہیں اللہ کی طلب میں کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے پہنچے تو فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ تو غیر اللہ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگئے۔ یعنی اسی کی طرف جایئے اور غیر اللہ کو بالکل ترک کردیجئے اِنَّهٗ سَمِيْعٌ بے شک وہی اللہ تعالیٰ تمہارے اقوال کو سنتا اور تمہاری دعاؤں کو قبول فرماتا ہے۔ عَلِيْمٌ ان چیزوں کو جانتا ہے جو نفع و نقصان پہنچائیں۔ پس تمہارے سے وہ باتیں سننا چاہتا ہے جو تمہیں نفع دیں نہ کہ جو تمہیں نقصان پہنچائیں۔

(کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بے شک وہ لوگ جو اپنے نفسوں کو ان امور سے بچانے میں موصوف ہیں جو انہیں نقصان پہنچاتی ہیں۔ اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ جبکہ شیطان سے انہیں معمولی وسوسہ پہنچتا ہے "طائف" طاف یطوف" کا فاعل ہے بمعنے کسی شئے کے ارد گرد گھومنا اور شیطان کا وسوسہ چونکہ انسان کے خیالات کو ادھر ادھر کی مار کر اپنے ہمخیال بنانے کی جدوجہد کرتا ہے بنا بریں اسے طائف سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یا طائف طاف بہ الخیال یطیف طیفًا سے ہے بمعنے نازل ہونا اور طائف بمعنے نازل ہونے والا صحاح (لغت کی کتاب) میں ہے "طیف الخیال" یعنی وہ خیال جو خواب میں آتا ہے اور شیطان کی کارروائی بھی اسی طرح کی ہوتی ہے اور خیال تخیل کا اسم ہے اور اصطلاح میں صورت کا قوۃ متخیلہ میں مرتسم ہوتا۔ کبھی اس کا اطلاق اُس صورتِ تسمیہ پر بھی ہوتا ہے جو قوۃ متخیلہ میں مرتسم ہوتی ہے اور اس کا طائف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ صورۃ متخیلہ میں مرتسم ہوئی۔ تَذَكَّرُوْا مامور بہ اور منہی عنہ کو یاد کرتے ہیں مولانا ابو سعود رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے پناہ

مانگتے اور اس پر توکل کرتے۔ فَاِذَا هُمْ پس اس وقت یعنی اس تذکر کی وجہ سے۔ مُّبْصِرُوْنَ ۝ خطا کے مقامات اور شیاطین کے مکر و فریب جانتے ہیں۔ اس لئے وہ ان سے بچ کر شیاطین کی اتباع نہیں کرتے۔

وَاِخْوَانُهُمْ اور شیاطین کے بھائی۔ ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو گمراہی میں منہمک اور لغزشوں کو جو نقصان پہنچاتی ہیں ان کی پرواہ نہیں کرتے۔ اس معنے پر اخوانہم کی ضمیر شیطان کی طرف راجع ہے اگرچہ شیطان واحد ہے لیکن باعتبار جنسیت کے اس میں جمع کا معنےٰ پایا جاتا ہے بنابریں اس کے لئے جمع کی ضمیر لائی گئی ہے۔

یَمُدُّوْنَهُمْ فِی الْغَیِّ انہیں گمراہی کی طرف دھکیلتے ہیں یعنی گمراہی میں شیاطین اُن کی مدد کرتے ہیں کہ گمراہ کن باتوں کو مزین کر کے اُن کے سامنے لاتے ہیں۔ پھر انہیں گمراہی اور ضلالت کی طرف اُبھارتے ہیں۔

ثُمَّ لَا یُقْصِرُوْنَ ۝ پھر وہ اسمیں کوتاہی نہیں کرتے۔ یعنی شیاطین ایسے لوگوں کے گمراہ کرنے میں ان کا پیچھا نہیں چھوڑتے یہاں تک کہ انہیں کامل طور گمراہی کا خوگر بنا دیتے ہیں۔

حکایت کسی اللہ والے نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ اسے شیطان کے وسوسہ ڈالنے کی کیفیت کا معائنہ کرائے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے شیطان کی بلوری صورت انسانی شکل میں دکھائی اور نقشہ میں دو کاندھوں کے درمیان گھونسلے کی طرح ایک سیاہ تل دکھایا گیا اُس صورت میں شیطان بنام خناس نے اندر گھس کر ہر جانب کو سونگھا۔ اس خناس کی صورت خنزیر کی دکھائی گئی جس کی سونڈ ہاتھی کی طرح تھی۔ اس شیطان خناس نے آتے ہی کاندھوں کے درمیان اپنی سونڈ کو بندے کے قلب کی طرف بڑھایا اور وسوسہ ڈالنے لگا لیکن جب بندے نے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا تو وہ شیطان پیچھے ہٹ گیا اس لئے اس کا نام خناس رکھا گیا اس لئے کہ اسے جب ذکرِ الٰہی کا نور محسوس ہوتا ہے تو وہ اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹ کر بھاگتا ہے۔

نکتہ یہی راز ہے دونوں کاندھوں کے درمیان پچھنے لگوانے میں کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی لگوائے اور تمام اُمت کو اس کا حکم فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ مجھے جبریل علیہ السلام نے اُس کی وصیت فرمائی ہے وہ اس لئے کہ شیطان کے گھسنے کا مادہ کمزور پڑ جائے بلکہ اُس کے اندر داخل ہونے کی راہیں کٹ جائیں کیونکہ اس کا وسوسہ انسان میں ایسے دوڑتا ہے جیسے انسان کے رگ و ریشہ میں خون دوڑتا ہے۔

نکتہ یہی حکمت ہے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں کے درمیان میں مہر نبوت پیدا کرنے میں کہ لوگوں کو یقین ہو کہ اس کا محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شیطان کے وسوسہ سے معصوم و مامون ہے اس لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مہر نبوت کی برکت سے اپنے شیطان پر غلبہ دیا بلکہ وہ مسلمان ہو گیا ہے۔

یہ حضور علیہ السلام کا خاصہ ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے صرف انہیں یہ شرف بخشا ہے اور کلی عصمت عطا فرمائی کہ آپ کے ساتھ رہنے والا شیطان آپ سے مغلوب ہو کر آپ پر ایمان لایا۔ یہی وجہ ہے کہ آدم علیہ السلام کا شیطان مسلمان نہ ہوا۔ بنابریں وہ آدم علیہ السلام پر وسوسہ ڈال کر کامیاب ہو گیا۔

فائدہ دل میں دو طرح کے القا ہوتے ہیں۔

① رحمانی
② شیطانی

رحمانی القا فرشتہ ڈالتا ہے۔ اور شیطانی شیطان۔ رحمانی القا کی علامت یہی ہے کہ وہ خیر کی باتیں القا کرتا ہے جس سے انسان کو عبادت کی رغبت نصیب ہوتی ہے اور وہ بُرے انجام کی آفت سے محفوظ ہو جاتا ہے اور غیر اللہ تعالیٰ کی طرف بھی جلد سے جلد منتقل نہیں ہو سکتا بلکہ اسے حق تعالیٰ کی طرف توجہ تام نصیب ہوتی ہے اور اُسے ہر عبادت میں روحانی لذت محسوس ہوتی ہے اسے القائے ملکی کہا جاتا ہے اور جو اس کے برعکس ہو وہ القائے شیطانی ہوتا ہے

فائدہ بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ کبھی شیطان اچھی باتیں دکھا کر برائی کرا لیتا ہے۔

ضابطۂ صوفیانہ تمام اولیائے کرام کا اتفاق ہے کہ جس کا قوت (روزی) یعنی خورد و نوش اور لباس وغیرہ حرام سے ہو وہ القائے ملکی اور شیطانی میں امتیاز نہیں کر سکتا۔ بلکہ بعض مشائخ نے تو یہاں تک فرمایا کہ جسے اپنی روزی کی حلت و حرمت کا علم نہ ہو وہ بھی حق و باطل کی امتیاز نہیں کر سکتا۔ مثنوی شریف میں ہے۔ ؎

① طفل جاں از شیر شیطاں باز کن
بعد از آنش با ملک انباز کن

② تا تو تارک و ملول و تیرۂ
دانکہ با دیو لعین ہمشیرۂ

③ لقمہ کو نور افزود و جمال
آں بود آوردہ از کسبِ حلال

④ چوں ز لقمہ تو حسد بینی و دام
جہل و غفلت زاید آنرا داں حرام

⑤ زاید از لقمہ حلال اندر دہاں
میل خدمت عزم رفتن آں جہاں

ترجمہ: ① جان کے طفل کا دودھ شیطان سے چھڑا لے اس کے بعد اسے فرشتے کا شریک بنا۔
② جبتک تو خود تارک غافل ڈھیلا ہے یقین کر تو شیطان کا دودھ پیتا بھائی ہے۔
③ وہ لقمہ جو نُور و جمال کو بڑھاتا ہے وہ ہے جو حلال کی کمائی سے ہو۔
④ جب لقمہ سے حسد اور جہل اور غفلت میں اضافہ ہو سمجھ لے حرام کا ہے۔
⑤ حلال لقمہ کی نشانی یہ ہے کہ اس سے خدمت (عبادت) کا جذبہ اور اس جہاں (آخرت) کی طرف میلان ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ ہمارے شیخ کامل قدس سرہٗ نے (کتاب الائمات البرقیات) میں لکھتے ہیں کہ وہ فرشتہ جو اللہ والوں کے لئے مقرر ہے وہ اللہ والوں کے دلوں پر ہمیشہ حق کا القا کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ جب انہیں شیطانی وسوسہ دل میں آتا ہے تب وہ فرشتہ بتاتا ہے کہ یہ وسوسہ شیطانی ہے اس لئے ایسے حضرات اللہ تعالیٰ کو ہر وقت یاد رکھتے اور حق کے مشاہدات ہر وقت کرتے رہتے ہیں اور جن پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے ان پر شیطان مسلط ہوتا ہے۔ نہ وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی نشانیاں دیکھ سکتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ شان رحمانی سے حق و باطل کا امتیاز ہو جاتا ہے اور شان شیطانی سے حق و باطل کا امتیاز نہیں ہو سکتا یہی راز ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہادی و مہدی اور شیطان کے بندے گمراہ اور گمراہ کن ہوتے ہیں۔ ارادۂ اولیٰ بعینہٖ ہدایت کا نام اور ارادۂ ثانیہ اضلال ہے اور یاد رہے کہ جیسے ہدایت اہتدا کو مستلزم ہے ایسے ہی اضلال ضلال کو۔

دوسری تقریر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا سے اہل دل مراد ہیں۔ اس لئے تقویٰ دل کا فعل ہے چنانچہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اشارہ فرمایا اَلتَّقْوٰی هٰهُنَا "تقویٰ اِدھر ہے" اس وقت آپ نے اپنے قلب مبارک کی طرف اشارہ فرمایا۔ اور تقویٰ ایک نور ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے بندے حق و باطل کو آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں اس لئے فرمایا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ یعنی جب متقی پرہیزگار کے دل کے گرد شیطان کا کوئی عمل چکر لگاتا ہے تو دل اسے نورِ تقویٰ سے دیکھ لیتا ہے اور یقین کرتا ہے کہ یہ شیطانی شرارت ہے تو پھر یاد آ جاتا ہے کہ اگر میں اس کے کہنے پر چلا تو یہ مجھے خراب کر دے گا۔ اور میری روشنی کو اندھیرے سے بدل دے گا اس طرح سے میرے دل پر زنگ چڑھ جائے گی۔ بنا بریں اہل دل شیطان سے دور رہتے اور اس سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۝ وَاِخْوَانُهُمْ یَمُدُّوْنَهُمْ فِی الْغَیِّ یہاں پر ھُم کی ضمیر قلوب کی طرف لوٹتی ہے اور اخوان سے نفوس مراد ہیں اس لئے کہ نفس اور قلب جڑواں ہیں قالب و روح کے رشتہ ازدواج پیدا ہوئے اس وجہ سے نفس قلب کو طاعت الٰہی پر مدد کرتا ہے اور نفس کی وجہ سے قلب سے گناہ صادر ہوتا ہے اگر نفس نہ ہوتا تو دل سے کبھی گناہ کا صدور نہ ہوتا اس لئے قلب جبلۃً ذکر اور طاعت سے پیدا ہوئی ہے ثُمَّ لَا یُقْصِرُوْنَ یعنی وہ نفوس و قلوب ایک دوسرے کے فعل سے ملال نہیں کرتے اور اپنی جبلی عادت کو بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تاکہ اہل دل نفس کے مکر و فریب سے بے خوف نہ رہیں اور نہ ہی نفس پرست اصلاح قلوب کے بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا اُمید ہوں۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ اور جب آپ ان اہل مکہ کے ہاں نہیں لاتے بِاٰیَةٍ کوئی آیت قرآن کریم کی جبکہ وحی اُترنے میں کسی مصلحت کے تحت تاخیر ہو جاتی ہے۔ یا آیت سے یہاں معجزہ مراد ہے۔ اور معجزہ نہ لانے کا مطلب یہی ہے کہ خواہ مخواہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمارے فلاں مُردہ کو زندہ کیجئے تاکہ

وہ ہمارے ساتھ ہمکلام ہو اور جس کے لئے آپ ہمیں بلاتے ہیں اُس کی وہ تصدیق کرے وغیرہ وغیرہ۔

قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَیْتَهَا انہوں نے کہا کہ تم نے اسے کیوں نہ جمع کرلیا۔ اجتبی الشیٔ بمعنے جباہ لنفسہ ای جمعہ یعنی وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سوال مطابق تم نے قرآن کے دوسرے آیات کی طرح یہ آیات بھی اپنی طرف سے گھڑلی ہوتیں اور اسمیں حرج ہی کیا ہے ان کا عقیدہ تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی طرف سے قرآن کی آیات بنالیتے ہیں اس لئے سوال کےمطابق تم نے قرآن کے دوسرے آیات کی طرح یہ آیات بھی اپنی طرف سے گھڑلی ہوتیں اور اسمیں حرج ہی کیا ہے ان کا عقیدہ تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی طرف سے قرآن کی آیات بنالیتے ہیں اس لئے سوال کا جواب نہ پاکر یہی کہا کرتے کہ جب تم نے دوسری آیات گھڑکر ہمیں سنائی ہیں تو پھر اب ہماری سوال کردہ مضامین کے متعلق کیوں نہیں آیات گھڑلیتے۔ یا اجتبیٰ بمعنے اصطفٰے ہے یعنی آپ ہمارے سوالی پر مُردوں کو زندہ کیوں نہیں کرتے تاکہ آپ اپنے دوسری مہمات سے انہیں ممتاز فرمائیں اور اللہ تعالیٰ سے اُن کو طلب کرکے ہمارے مقاصد پورے فرمائیں۔

قُلْ (اے محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) انکا رد کرتے ہوئے فرمائیے **اِنَّمَآ اَتَّبِعُ** بیشک میں اتباع کرتا ہوں یعنی کوئی فعل اتباع کے بغیر نہیں کرتا۔ **مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ج** وہ جو میرے رب تعالیٰ سے میری طرف وحی ہوتی ہے نہ آیات کو میں خود گھڑتا ہوں اور نہ ہی خود ان کے متعلق مطالبہ کرتا ہوں **هٰذَا** یہ قرآن **بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ** تمہارے رب تعالےٰ کی طرف سے تمہارے لئے بمنزلہ ان بصائر کے ہیں جو قلوب کو حق کی سہیری کرتی ہیں اور انہیں راہ صواب دکھائی۔

سوال بصائر آیت کے لئے لائی گئی ہیں اور آیت مفرد ہے اور آیات جمع اس کی وجہ؟

جواب آیت جنس کے اعتبار سے سور و آیات ہر ایک شامل ہے اور انہیں سور و آیات کی وجہ سے بصائر کہا گیا ہے۔

وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ہ اور اہل ایمان کے لئے ہدایت اور رحمت ہیں اس لئے کہ وہی آیات کے انوار سے اقتباس اور اُس کے آثار سے استفادہ کرتے ہیں اور یہ جملہ قل کے مامور بہ سے ہے اور قل کا مقولہ سارا جملہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جیسے انبیأ عظام علیہم السلام وحی ربانی کے متبع ہوتے ہیں ایسے ہی اولیأ کرام علیٰ نبینا وعلیہم السلام بھی الہام کے تابع ہوتے ہیں وہ تزکیۂ نفوس پر وحی والہام کے بغیر ذرہ برابر بھی قدرت نہیں رکھتے۔ اگر وحی والہام کے متبع نہ ہوتے تو وہ بھی منجملہ اہل ھوٰی سے ہوتے اور ارشاد وہدایت کی بھی صلاحیت نہ ہوتی بلکہ وہ خائن کہلاتے اور خائن کو تو اسرارِ نبوت وولایت کا امین بنایا ہی نہیں جاتا۔

حکایت باکرامت بعض اہل علم سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ میں مصطبہ میں تھا میں نے دو بزرگوں کو دیکھا کہ تنہائی میں راز و نیاز کی باتیں کررہے تھے۔ جب فارغ ہوکر چلنے لگے تو ان میں سے ایک نے کہا کہ کچھ ہمیں اپنے علم سے بھی فائدہ اُٹھانا چاہیئے۔ دوسرے نے فرمایا ضروری ہے لیکن اس کا طریق کار کیا ہو۔ پہلے

نے فرمایا کہ آج کے بعد ہم دونوں عہد کریں کہ ہم وہ شے ہرگز نہیں کھائیں گے جس میں مخلوق کے عمل کو دخل ہو۔ اس پر اتفاق کر کے چلنے لگے تو میں نے عرض کی کہ مجھے بھی اپنے عہد میں شامل کر لو۔ انہوں نے فرمایا ہماری شرط مذکور منظور ہے۔ میں نے سر تسلیم خم کیا وہ مجھے جبل لکام میں لے گئے اور ایک غار میں بٹھا دیا اور فرمایا یہاں عبادت کرتے رہو۔ تیری خوراک کا انتظام ہو جائے گا چنانچہ میں وہیں پر عبادت میں مصروف ہو گیا اور وہ دونوں روزانہ میرے ہاں وقت پر کھانا پہنچا جاتے تھے ایک مدت تک یہی سلسلہ رہا۔ ایک دن میرے دل میں خیال گذرا کہ یہاں کب تک مقید رہوں گا۔ کیوں نہ ہو طرطوس (شہر) میں چلا جاؤں۔ وہاں حلال کی روزی کما کر کھاؤں اور لوگوں کو اپنے علم سے فائدہ پہنچاؤں اور قرآنی تعلیم عام کروں۔ اس کے بعد میں اُٹھ کر طرطوس چلا گیا۔ وہاں مجھے صرف ایک سال گذرا تو اچانک مجھے ان دونوں بزرگوں سے ایک کی ملاقات ہو گئی اور مجھے فرمایا ہمارے ساتھ تو نے خیانت کی اور وعدہ توڑا۔ اگر تم صبر کرتے جیسے ہم نے صبر کیا تو تجھے بھی وہی مرتبہ نصیب ہوتا جو ہمیں نصیب ہوا۔ میں نے پوچھا آپ کو کونسا مرتبہ نصیب ہوا۔ انہوں نے فرمایا ہمیں تین مراتب نصیب ہوئے۔

① طی الارض کہ مشرق تا مغرب کی مسافت ہمارے لئے صرف ایک قدم ہے۔

② پانی پر تیرنا۔

③ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہونا۔

یہ کہہ کر میری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ میں نے کہا آپ کو اس ذات کی قسم جس نے آپ کو یہی مرتبہ عطا فرمایا مجھے زیارت سے مشرف فرمائیے آپ کی جدائی سے میرا دل پگھلا جا رہا ہے۔ میری گذارش پر پھر ظاہر ہو کر میرے سامنے آ گئے۔ میں نے کہا اب کوئی تجویز بتلائیے جس سے مجھے وہی مرتبہ نصیب ہو سکے انہوں نے فرمایا خائن کو ایسا مرتبہ ملنا مشکل ہے۔ حضرت حافظ نے فرمایا ہے

وفا مجوی زکس در سخن نمے شنوی

بہرزہ طالب سیمرغ و کیمیا مباش

ترجمہ: وفا کی اُمید نہ رکھ اگر تو کسی کی بات نہیں مانتا۔ پاگل پن میں سیمرغ اور کیمیا کا طالب

سبق اس حکایت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے منشا پر جسے چاہتا ہے مرتبہ عطا فرماتا ہے۔

حکایت شیخ جوہر جو عدن میں مدفون ہیں وہ کسی کے غلام تھے جو بعد کو آزاد ہوئے آزاد ہو کر بازار میں بیع و شرا کا کام کرتے تھے لیکن فارغ اوقات میں فقرا کی مجالس میں بیٹھتے اور ان سے نہ صرف عقیدت رکھتے بلکہ اُن کے عشق میں بھرپور تھے۔ جب حضرت الشیخ الکبیر سعد الحداد جو کہ وہ بھی عدن میں مدفون ہیں فوت ہونے لگے تو اُن سے اُن کے مریدین اور خلفا نے پوچھا کہ آپ کا جانشین کسے بنایا جائے انہوں نے فرمایا میری موت کے تیسرے روز فقرا و درویش میرے گھر جمع ہوں گے جن کے سر پر سبز رنگ کا پرندہ آ کر بیٹھے وہی میرا جانشین ہو گا اُن کے وصال کے بعد تین روز تک اُن کے مزار پر فقرا اور درویش جمع ہوتے رہے۔ جب تیسرا روز ہوا تو تمام درویش اور فقرا

ذکر اور تلاوت قرآن مجید سے فارغ ہوئے تو شیخ کے ارشاد کا انتظار کرنے لگے کہ کس خوش قسمت کے سر پر سبز رنگ کا پرندہ آکر بیٹھتا ہے۔ بہت بڑے بڑے عہدہ دار درویش اور فقرا تمنا میں تھے لیکن وہی سبز رنگ کا پرندہ اڑتا ہوا شیخ جوہر مذکور کے سر پر آکر بیٹھ گیا۔ حالانکہ نہ اسے اُس کی امید تھی اور نہ ہی دوسروں کو اس کا تصور۔ اس کے بعد شیخ سعد حداد مذکور کے تمام خلفاء اور مریدین اُٹھے اور شیخ جوہر کو اعزاز و اکرام سے شیخ کی مسند پر بٹھلانے کے لئے حاضر ہوئے۔ شیخ جوہر رونے لگے اور کہا کہ میں تو ایک عام آدمی بازار میں خرید و فروخت کرنے والا اس کا اہل نہیں ہوں کہ اتنا بہت بڑے شیخ کامل کے مصلّٰی پر بیٹھوں اور پھر آداب طریقت سے بھی ناواقف ہوں اور تجارتی کاروبار کی وجہ سے میرا لوگوں سے لین دین وسیع ہے میں انہیں کیا جواب دوں گا۔ سب نے کہا کہ امر الٰہی ہے اس کے لئے سر تسلیم خم کرنا ہوگا۔ مسند شیخت پر بیٹھنے کے آداب طریقت کا اللہ تعالیٰ ذمہ دار ہے۔ شیخ جوہر نے فرمایا کہ مجھے تھوڑی مہلت چاہیئے تاکہ میں حساب و کتاب سمیٹ لوں۔ یہ کہہ کر بازار میں جاکر ہر صاحبِ حق کو حقوق ادا کئے اور اس کے بعد آکر مصلّٰی پر بیٹھ گئے اور ایک عرصہ فقرا اور درویشوں کا حق ادا کیا یہاں تک کہ اسم بامسمّٰی جوہر ہی ہو گئے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا

طالب لعل و گہر نیست وگرنہ خورشید
ہمچناں در عمل معدن و کان است کہ بودٗ

ترجمہ: وہ لعل و گوہر کا طالب نہیں ورنہ سورج میں تو وہی کان اور معدن کا کام ہے۔

نیز فرمایا ؎

گوہر پاک بباید کہ شود قابل فیض
ورنہ ہر سنگ وگلے لؤلؤ و مرجان نشود

ترجمہ: گوہر پاک چاہیئے تاکہ فیض کے قابل ہو ورنہ ہر پتھر و گل لؤلؤ و مرجان نہیں ہوتے۔

ربط جب اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک کی ھٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ سے بیان فرمائی تو اب اس کے ساتھ مضمون کو اور مؤکد فرمایا۔ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ اور جب قرآن پڑھا جائے وہ جس کے بہت شان بتائے گئے ہیں۔

تفسیر عالمانہ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ پس اُسے سنو یعنی سن کر اس کا احکام قبول کرکے اُن پر عمل کرو اس لئے کہ اس کا استماع مطلقاً واجب ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ باب افتعال میں تصرف و سعی اور اس کے حکم پر عمل کرنے کا معنٰے ہوتا ہے۔

مستمع اور سامع میں فرق مستمع ہر وہ شخص جو سننے کا قصد رکھتا ہو اور شئے کے سننے کے لئے خصوصیت سے کان لگائے اور سامع وہ ہے جو اتفاقاً کوئی بات سن لے جس کا قصد نہ ہو اس معنٰے پر ہر مستمع سامع ہو سکتا ہے لیکن ہر سامع مستمع نہیں ہو سکتا۔

وَ اَنْصِتُوْا اور خاموشی اختیار کرو یعنی قرأت قرآن کے دوران خاموش رہو اور قرأۃ کے اختتام تک خاموشی اختیار رکھو قرآن مجید کی عزت اور احترام کے پیش نظر تاکہ استماع مکمل طور ہو سکے۔ انصات اور سکوت کے درمیان فرق یہ ہے کہ انصات میں استماع کا مفہوم مدِ نظر ہوتا ہے اور سکوت عام ہے کہ اسمیں استماع کی خاطر ہو یا نہ۔

لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ہ تاکہ تم حصول رحمت میں کامیاب ہو جاؤ اور یہی کامیابی کا آخری ثمرہ ہے۔

شانِ نزول حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ اس آیت کے نزول سے پہلے لوگ نماز کے اندر بولتے اور اپنی ضروریات بتاتے رہتے تھے مثلاً کوئی شخص نماز کھڑی ہو جانے کے بعد حاضر ہوتا تو وہ نمازیوں سے پوچھتا کہ کتنی رکعتیں ادا ہو چکی ہیں تو نمازی نماز میں کہتے کہ ہم نے اتنی رکعتیں پڑھ لی ہیں اور اتنی رکعتیں باقی رہتی ہیں۔ اُن کے اس طریقہ کو روکنے کے لئے یہی آیت نازل ہوئی اور حکم فرمایا کہ آئندہ نماز میں باتیں نہ کیا کریں اور نہ ہی نماز میں قرآن پڑھا کرو اس لئے کہ نماز ایک اہم رکن ہے۔

ردِ غیر مقلدین وہابیہ اس آیت سے امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے استدلال کیا ہے کہ مقتدی کو امام کے پیچھے خاموش رہنا واجب ہے اس لئے کہ امام کی قرأت مقتدی کو کفایت کرتی ہے۔ نماز جہری ہو یا سری اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے دو باتیں واجب فرمائی ہیں۔

① استماع

② انصات

سری نماز میں اگرچہ استماع نہیں۔ دوسرے حکم پر تو عمل کرنا واجب ہے یعنی خاموشی پر۔

وہابی غیر مقلد انصات میں مطلق خاموشی کا حکم ہے نہ کہ قرأت کا۔

سُنی حنفی آیت ① میں انصات مطلق ہے خواہ مطلق کلام ہو یا قرأت قرآن۔ اور قواعد عربیہ کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ حکم لفظ کے عموم سے ثابت ہوتا ہے نہ کہ کسی واقعہ سے۔

② بقول مفسرین ایک جماعت کے یہ آیت نماز کے متعلق نازل ہوئی جبکہ مقتدی حضور علیہ السلام کے پیچھے قرأت پڑھتے رہتے اور حدادی نے اپنی تفسیر میں لکھا کہ یہی قول اصح ہے۔

فائدہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہ صرف مقتدی سے قرأت ساقط فرمائی ہے بلکہ اسے قرأت سے روکا بھی ہے صرف امام پر شفقت کرتے ہوئے تاکہ جہری نماز میں مقتدی و امام کی قرأت میں التباس نہ ہو جیسا کہ جامع ازہر مصر میں ہوتا ہے۔

مسئلہ قرأت خلف الامام مکروہ تحریمہ ہے یہی اصح ہے (کذا فی شرح المجمع لابن ملک)۔

حدیث شریف سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا "من قرء خلف الامام فقد اخطاء الفطرة ای السنة" جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے وہ فطرة سے خطا کر گیا فطرة سے یہاں سنت مراد ہے۔

مناظرہ بہ ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اہلسنت شوافع کے بعض لوگ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مناظرہ کے لئے حاضر ہوئے موضوع مناظرہ قرأت خلف الامام تھا ان کا مقصد وحید یہی تھا کہ آپ کو اس مسئلہ پر دلائل دے کر لاجواب کر کے عوام میں رسوا کریں گے۔ آپ نے فرمایا بیک سب سے تو مناظرہ نہیں ہو سکے گا اپنے میں سب سے زیادہ بڑے عالم کو میرے مناظرہ کے لئے منتخب کرلو۔ سب نے آپ کی اس رائے پر اتفاق کیا۔ آپ نے فرمایا کیا یہ مانتے ہو یا نہ کہ اُس کی ہار تم سب کی ہار اور اُس کی جیت تم سب کی جیت۔ انہوں نے کہا واقعی ایسے ہی ہوگا۔ آپ نے فرمایا وہ کیوں انہوں نے کہا کہ وہ اب ہمارا بمنزلہ امام کے ہوگا اب اس کی ہر بات ہماری بات ہوگی۔ آپ نے فرمایا یہی ہم کہتے ہیں کہ جب ہم نے امام کو نماز میں اپنا نمائندہ منتخب کرلیا کہ وہ ہماری طرف سے بارگاہِ حق میں گفتگو کرے اب اس کی ہر بات ہماری بات ہوگی تو قرأۃ خلف الامام کیسے جائز ہو سکتی ہے۔ سب نے امام صاحب کے مذہب کا اقرار کرلیا۔ واقعی قرأۃ خلف الامام ناجائز یعنی مکروہ تحریمی ہے۔

مسئلہ مع نکتہ قرأت کا اصلی مقصد تدبر و تفکر اور اس پر عمل کرنا ہے اور استماع و انصات سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ بنا بریں مقتدی پر انصات واجب ہے اس کی مثال خطبہ کی سی ہے کہ جمعہ کا خطبہ امام پڑھتا اور مقتدی اسے سنتا ہے وہ بھی صرف اس بنا پر کہ خطبہ میں وعظ و نصیحت ہے اس لئے اسے سننا واجب ہے تاکہ سننے کا اصل مقصد حاصل ہو ایسے نہیں کہ خطیب کے ساتھ ہر شخص خطبہ پڑھتا جائے۔ بخلاف دیگر ارکان کے ان میں خشوع مطلوب ہوتا ہے اور وہ رکوع و سجود وغیرہ میں مقتدی و امام ہر دونوں بجالاتے ہیں۔

مسائل فقہیہ

مسئلہ آیت کے ظاہر سے یونہی ثابت ہوتا ہے کہ خارج از صلوٰۃ قرآن مجید کو چُپ کر کے سننا واجب ہے لیکن آئمہ فقہاء کے نزدیک یہ بھی مستحب ہے (کذا فی التفاسیر) اور حدادی نے لکھا کہ خارج از صلوٰۃ ہر قاری کی قرأت چپ کر کے سننا واجب نہیں بلکہ مخصوص اوقات میں واجب ہے یعنی صرف اسی مقصد سے سُن رہا ہو۔

مسئلہ قاری[1] یعنی قرآن پڑھنے والے کے ساتھ کوئی شخص مسائل فقہیہ لکھ رہا ہو یا کوئی اور دینی کام کر رہا ہو اور وہ اس کے لئے ضروری ہے اور قرآن مجید سننے کا اس کو وقت نہیں تو گناہ قاری کو ہے۔ جبکہ وہ جہر کر کے پڑھتا ہو ایسے ہر مقام پر۔

---

[1] عرف شرع میں قاری قرآن کی تلاوت کرنے والے کو کہتے ہیں اس سے یہی معنے مراد ہے اور تجوید کے ماہر کو بھی قاری کہا جاتا ہے لیکن وہ یہاں مراد نہیں۔ ۱۲ اویسی غفرلہٗ۔

مسئلہ جو شخص کسی اونچے مقام مثلاً مکان کی چھت پر جہر سے قرآن پڑھے اور لوگ اپنے کاروبار میں مصروف یا سو رہے ہوں اور وہ قرآن مجید کی طرف توجہ نہیں کر سکتے تو یہاں پر بھی پڑھنے والا گنہگار ہوگا (کذا فی الخلاصہ)

مسئلہ بچہ گھر میں قرآن مجید جہر سے پڑھتا ہے اور گھر والے اپنے کام میں لگے ہوتے ہیں اگر وہ بچے کا قرآن مجید نہیں سنتے تو مجرم نہ ہوں گے بشرطیکہ انہوں نے بچے کی قرأت سے پہلے کام شروع کیا ہو اگر اس کے شروع کرنے کے بعد کام شروع کیا ہے تو گنہگار ہوں گے۔

مسئلہ قرآن پاک کی تلاوت جہر سے کرنے والے کے بالمقابل فقہ کے مسائل کی گفتگو مکروہ ہے یعنی خاموشی سے سننا لازم ہے۔

مسئلہ مکتب میں قاری قرأت بالجہر پڑھ رہا ہو اور وہاں سے لوگ گذر رہے ہوں تو اُن پر قرآن سُننا واجب ہے بشرطیکہ قرأت طویل نہ ہو۔ اگر طویل ہو جیسے حفاظ شبینہ یا آپس میں دور کرتے ہوئے طویل قرأت کرتے ہیں تو ان لوگوں کو کوئی گناہ نہیں۔

مسئلہ سب کو بیک وقت ایک مقام پر جہر سے قرآن مجید نہ پڑھنا چاہیئے اس لئے کہ استماع و انصات کے حکم کے خلاف ہوگا۔ بعض فقہاً نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں۔

قاعدہ اس میں شرعیہ یہ ہے کہ قرآن مجید کا چُپ کر کے سُننا فرض کفایہ ہے جیسا کہ علامہ حلبی نے شرح کبیر میں تحقیق فرمائی ہے (اس سے معلوم ہوا کہ شبینہ میں جو حفاظ پڑھتے ہیں اس میں بعض سننے میں شریک ہیں دوسرے لوگ اگر بوجہ سستی یا ضروریات کے نہیں سنتے تو کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ قنیہ میں ہے کہ ختم قرآن سورہ اخلاص کا ختم اکٹھے ہو کر بالجہر سے ہو تو جائز ہے لیکن ایک پڑھے اور باقی چُپ کر کے سنیں تو اولیٰ یہی ہے۔

مسئلہ ایک فقہ کے مسائل یاد کرنے میں مصروف ہے کہ بار بار انہی مسائل کو دہراتا ہے تاکہ یاد ہو جائیں اور دوسرا اُس کے ساتھ قرآن مجید جہر سے تلاوت کر رہا ہے تو فقہ کے مسائل یاد کرنے والے کو اس وقت قرآن مجید سننا واجب نہیں۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دفعہ مسجد میں تشریف لائے تو ایک گروہ مسائل فقہ کی گفتگو میں مصروف تھا۔ دوسرا گروہ قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا۔ آپ تشریف لاتے ہی مسائل فقہ سے گفتگو کرنے والوں کے ساتھ بیٹھ گئے۔

فائدہ اس سے واضح ہوا کہ مسائل فقہ کی تحقیق خالی تلاوتِ قرآن سے افضل ہے اس کا مطلب واضح ہے کہ مسائل فقہ گفتگو قرآن کی معنوی تلاوت ہے اور الفاظ مبارکہ کی تلاوت ظاہری تلاوت ہے اور قاعدہ ہے کہ معنویت کو ظاہریت پر فوقیت حاصل ہے اس لئے کسی نے کیا خوب فرمایا ؎

علم دیں فقہست و تفسیر و حدیث   ہر کہ خواند ازیں گردد خبیث

ترجمہ: اصل علم فقہ و حدیث و تفسیر ہے اس کے سوا جو پڑھتا ہے وہ خبیث[1] ہے۔

مسئلہ نصاب الاحتساب میں ہے کہ قبروں پر قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے۔ یہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ کا قول ہے لیکن امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مکروہ نہیں اسی پر فتویٰ ہے اس لئے کہ ہمارے مشائخ نے امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کو لیا ہے لیکن بالجہر سے نہ پڑھیں تاکہ قبر والے کے رشتہ داروں کو حرج واقع نہ ہو جبکہ اُن کے ہاں لوگ تعزیت کے لئے آ جا رہے ہوں یا دیگر مصروفیات میں ہوں اور قاعدہ ہے کہ مشغول ہونے والے لوگوں کے سامنے قرأت بالجہر مکروہ ہے۔

مسئلہ خطبہ کے احکام قرآن کی طرح ہیں اس لئے کہ خطبہ قرآنی آیات پر مشتمل ہوتا ہے۔ بنا بریں قرآنی آیات کی عزت و احترام کے پیش نظر اس کے ظاہر پر عمل ضروری ہے کہ خاموشی سے سُننا لازم ہے اگرچہ خطبہ میں آیات کے علاوہ اور بھی ہوتے ہیں اُن میں بھی احتیاطی طور خاموشی سے سننے کا وجوب کا اشتباہ ہو تو احتیاطاً وجوب پر عمل ضروری ہے بنا بریں خُطبہ کو خاموشی سے سُننا لازم ہوا۔ یہاں تک کہ خطیب اگرچہ حضور علیہ السلام پر درود شریف بھی پڑھے اُسے خاموشی سے سُنے اس لئے کہ ہمیں خطبہ سُننا واجب ہے اور درود شریف اس خطبہ کا جُز ہے اور شئے کے جُز کا وہی حکم ہوتا ہے جو اصل شے کا ہے ہاں اگر اثنائے خطبہ میں سامعین کو درود شریف پڑھنے کا حکم دے مثلاً آیت صلوا علیہ و آلہ وسلموا پڑھے تو پھر بھی سامع دل میں ہی درود شریف پڑھے زبان کو حرکت نہ دے۔

مسئلہ جو شخص ممبر سے دور ہو وہ بھی خاموش رہے اگرچہ اُس کے کانوں تک خطبہ کی آواز نہیں پہنچ رہی تاکہ انصات کے حکم پر عمل ہو اور اُسے سننے والوں سے مشابہت نصیب ہو۔ علاوہ ازیں خطیب کی آواز تو برابر صفوں کو پہنچ رہی ہے لیکن چونکہ دور والوں کو پہلی صفیں مانع ہیں ایسے موانع و عوارض شرعی مسئلہ کو مانع نہیں ہو سکتے۔

مسئلہ تاتارخانیہ میں ہے کہ اگر خطیب اثنائے خطبہ دعا مانگے تو سامعین پر ضروری نہیں کہ وہ بھی اس کے ساتھ ہو جائیں کہ ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگنا شروع کر دیں اور نہ ہی زبان سے دعا مانگیں۔

مسئلہ اثنائے خطبہ میں سامعین زبان سے درود شریف نہ پڑھیں۔ ہاں دل سے پڑھ سکتے ہیں اگر زبان سے درود شریف پڑھیں گے تو گنہگار ہوں گے بلکہ علمائے کرام کو چاہیے کہ ایسے لوگوں کو درود شریف پڑھنے سے روکیں اگر نہیں روکیں گے تو گنہگار ہوں گے۔

مسئلہ نصاب الاحتساب میں ہے کہ اثنائے خطبہ خطیب کوئی بات نہ کہے اگرچہ امر بالمعروف یا نہی عن المنکر ہو تب بھی خطبہ کو جاری رکھے البتہ ہاتھ یا آنکھ سے اشارہ کرے تو صحیح یہی ہے کہ وہ جائز ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ خطبہ کے درمیان میں جب کوئی کسی کو کہے چُپ رہ تو اس نے لغو کیا یعنی لایعنی کلام کیا۔

نکتہ مع مسئلہ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خطبہ کے درمیان ہر قسم کا کلام ممنوع ہے اس لئے کہ جب

---

[1] وہ یوں خبیث ہے کہ وہ دوسرے علوم کو ان تینوں پر فائق سمجھ کر یا انکی طرح اصل مان کر ورنہ صرف و نحو و معانی و بیان تمام علوم کا پڑھنے والا کیسے خبیث ہو سکتا ہے۔ ۱۲ اُویسی۔

حدیث میں انصت (چپ رہ) کی ممانعت ہے حالانکہ وہ امر بالمعروف سے متعلق ہے تو پھر دوسرے ہر قسم کے کلام ناجائز ہوئے۔

مسئلہ اگر کسی کو کسی فعل سے روکنا مطلوب ہو تو اشارہ سے روکنا چاہیئے۔

مسئلہ جب خطبہ شروع ہو اس وقت بات کرنا ناجائز ہے یہی امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے اور سیدنا امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب امام خطبہ کے لئے مسجد میں داخل ہو تو اس وقت سے کلام نہ کرنا واجب ہے چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اذا خرج الامام فلا صلوٰۃ ولا کلام (جب امام خطبہ کے لئے نکلے تو اس وقت نہ نماز جائز ہے نہ کلام۔ حدیث میں مطلق نفی ہے اور اس سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔

مسئلہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ امام کے خطبہ شروع کرنے سے پہلے خطبہ کی فراغت کے بعد کلام کرنے میں کوئی حرج نہیں اس لئے جائز بات کرنا اس وقت ناجائز ہے جب خطبہ شروع ہو اس لئے کہ بات چیت خطبہ کے لئے خلل انداز ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ بات کرنے کی ممانعت صرف خطبہ تک محدود ہے کیونکہ بات کی ممانعت خطبہ کے استماع کی وجہ سے ہے نہ پہلے اور نہ بعد کو۔

مسئلہ قنیہ میں ہے کہ عیدین کے خطبہ میں کلام مکروہ نہیں اس لئے کہ عیدین کا خطبہ سنت ہے اور جمعہ کا خطبہ نماز کے لئے شرط ہے بخلاف عیدین کے خطبوں کے کہ وہ نماز کے لئے شرط نہیں اس لئے کہ حضور علیہ السلام نے نماز کے لئے فرمایا "یَوْمُ الْعِیْدِ مَنْ شَاءَ مِنْکُمْ اَنْ یَّخْرُجَ فَلْیَخْرُجْ" یہ عید کا دن ہے تم میں جو بھی عیدگاہ کی طرف نماز کے لئے جانا چاہے تو وہ جائے۔

مسئلہ خلاصہ یہ کہ جب امام خطبہ کے لئے تیاری کرکے مصلیٰ پر تشریف لا چکا ہو تو اس وقت ہر قسم کی بات اور نوافل وغیرہ پڑھنا حرام ہیں ہاں اثنائے خطبہ نماز قضا پڑھنا جائز ہے۔ اسی پر صاحب نہایہ نے نص فرمائی ہے۔

مسئلہ اثنائے خطبہ تسبیح وغیرہ پڑھنا بالاتفاق جائز ہے۔

مسئلہ الاشباہ میں ہے کہ کسی نے نفل کی نیت باندھی تو اسی وقت امام صاحب خطبہ کے لئے تشریف لائے تو اس پر لازم ہے کہ ایک دوگانہ پڑھ کر نماز کا سلام پھیر دے (کذا فی الکافی[1]) اور اگر وہ دوسرے دوگانہ کی تیسری رکعت شروع کر چکا ہے تو اب اسے کامل چار رکعت پڑھ لینی چاہیئں۔ (کذا فی الاختیار)

مسئلہ اگر جمعہ کی سنتیں شروع کیں تو امام صاحب تشریف لائے تو جمعہ کی چار سنتیں اسے پوری کرنا لازم ہیں۔ (کذا فی الاشباہ وغیرہ)۔

فائدہ امام کا خطبہ کے لئے نکلنے کا مطلب یہ ہے کہ اہل عرب کی عادت تھی کہ وہ امام کے احترام و اعزاز کے پیش نظر اس کے لئے مسجد کے قرب میں ایک حجرہ تیار کر دیتے تھے۔ جب خطبہ کی اذان ہوتی تو اس وقت امام صاحب

---

[1] صاحب کنز کی ایک تصنیف کا نام ہے۔ اس سے شیعوں والی اصول کافی مراد نہیں۔ ۱۲ اویسی غفرلہ

حجرہ سے باہر تشریف لاتے ورنہ ہمارے علاقوں میں نماز وکلام کی ممانعت اس وقت ہے جب امام خطبہ کے لئے منبر پر تشریف لائے اور خطبہ کے لئے شروع ہو جائے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے انصاف حُسن استماع کے لئے شرط ہے اور استماع حسن اسماع کے لئے شرط ہے۔

دوسری تقریر اَنْصِتُوْا یعنی زبان ظاہری کو بند کرو اور ظاہری کانوں سے کلام الٰہی سنو اور باطنی زبان بند کر کے باطنی کانوں سے کلام الٰہی سنو تاکہ تمہیں ایسے استماع سے حقیقی سماع نصیب ہو جائے۔ جسے کُنْتُ لَهٗ سَمْعًا فَبِیْ یَسْمَعُ سے تعبیر کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کا کلام اللہ تعالیٰ کے نورِ جلال وجمال سے سُنتا ہے تو وہ قاری سے بھی سُن رہا ہے ورنہ اُس کا سُننا نہ سُننا برابر ہے اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ کا یہی راز ہے۔ حضرت عارف جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

عجب نبود کہ از قرآن نصیبت نیست جز حرفے

کہ از خورشید جُز گرمی نہ بیند چشم نابینا

ترجمہ: تعجب نہیں کہ قرآن سے تجھے حرفوں کے سوا کچھ حاصل نہ ہو تو اس طرح ہے جیسے نابینا کو سورج سے سوائے گرمی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

تفسیر عالمانہ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اور اے محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے رب کو یاد کیجئے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ خطاب تمام مخلوق کو ہو۔

فائدہ غفلت کو ہٹانے کا نام ذکر ہے اس لئے ذکر بہشت میں نہیں ہوگا کیونکہ وہاں دائمی حضوری ہوگی۔

فِیْ نَفْسِكَ اپنے دل میں۔ اس سے وہ کلام خفی مراد ہے اس لئے کہ ذکر خفی دل پر زیادہ اثر انداز ہوتا ہے اور اجابت کے لئے بھی یہی قریب تر ہے۔

مسئلہ یہ تمام اذکار کو شامل ہے۔ تلاوتِ قرآن اور دعا وغیرہ (اکمال قال فی الاسرار المحمدیہ)۔

مسئلہ ذکر کی فضیلت صرف تسبیح وتہلیل وتکبیر ودعا پر منحصر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہر عامل کو ذاکر کہا جائے گا۔

تَضَرُّعًا یہ مصدر اُذْكُرْ کے فاعل سے حال کے قائم مقام واقع ہوا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو یاد کیجئے درانحالیکہ تم عجز ونیاز اور انکسار کرنے والے ہو۔ الضراعۃ بمعنے الخضوع والذل والاستکانۃ ہے یعنی عاجزی۔ ذلت اور اظہار مسکینی۔ مثلاً کہا جاتا ہے تضرع الی اللہ ای ابتہل و تذلل یعنی اُس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی و ذلت کا اظہار کیا۔ الابتہال بمعنے الاجتہاد فی الدُّعا والاخلاص یعنی دعا واخلاص میں جدوجہد کرنا۔

فائدہ صوفیانہ بعض عارفین فرماتے ہیں کہ نماز افضل الحرکات اور روزہ افضل سکنات ہے اور تضرع عبادات کی صُورتوں میں جن امور کو افلاک دائرات نہیں کھولتے انہیں عبادات کی صورتوں میں تضرع

سے کھولا جاسکتا ہے۔

لو لم ترد نیل ما ارجو و اطلبه
من فضل جودك ما علمتني الطلبا

ترجمہ: اگر تم میری آرزو اور میرا مطلب اپنے فضل وکرم سے پورا نہیں فرماتے تو تم نے مجھے طلب کا ڈھنگ سکھایا کیوں۔

وَّخِیْفَةً بکسر الخا دراصل خوفۃ تھا واو ساکن کسرہ کے بعد واقع ہونے کی وجہ سے یا سے تبدیل ہوئی یہ بھی حال واقع ہے یعنی درانحالیکہ تم ذکر کے وقت خائف ہو۔

فائدہ ابن الشیخ نے فرمایا کہ یہ خوف " تقصیر فی الاعمال اور خاتمہ وسابقہ کو شامل ہے۔ اس لئے کہ خاتمہ کا خوف اس ابتدائی حکم پر منحصر ہے جو ابتداً یعنی ازل میں سبقت کرچکا۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ " قلم خشک ہوگیا اس پر جو قیامت تک ہونے والا ہے۔

رد وہابیہ دیوبندیہ فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ یہ صرف امتوں کے متعلق ہے۔ ورنہ انبیاء بلکہ کامل اولیاء علی نبینا وعلیہم السلام فاتحہ وخاتمہ کے خوف سے پُرامن ہیں ہاں وہ بھی خوف سے خالی نہیں ہوتے لیکن اُن کے خوف کی نوعیت علیحدہ ہے یعنی وہ خوف اُن کے مقام ومرتبہ کے مناسب ہے۔

نکتہ انسان کا انتہائی مقام ومرتبہ یہ ہے کہ وہ اپنے کی ربوبیت کی عظمت اور اپنی عبودیت کی ذلت کا اظہار کرے۔ ان دونوں کو یکجا بیان کیا گیا ہے پہلے مرتبہ کو وَاذْكُرْ رَبَّكَ میں دوسرے کو تضرعًا وخیفۃ میں تاکہ دونوں مراتب کی تکمیل ہو۔ ؎

ای خنک آنراکہ ذلت نفسہ
کسے را کہ یردئی افسہ

ترجمہ: مبارک ہو اسے جس کا نفس ذلیل ہوا افسوس ہے اس پر جو نفس جیسا سرکش ہوا۔

وَّدُوْنَ الْجَهْرِ یہ صفت ہے موصوف محذوف کی اور وہ موصوف حال ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی متکلمًا کلاما هو دُوْنَ الْجَهْرِ یعنی اللہ تعالیٰ کو یاد کیجئے درانحالیکہ تم ایسا کلام کرو کہ وہ جہر سے نہ ہو اس لئے کہ حسن تفکر کو یہی قریب تر ہے۔

مسئلہ امام جہری نماز میں آواز نکالے جتنی کہ اُس کی فطری آواز ہے کہ قریب والے سن لیں۔

مسئلہ کشف میں ہے کہ اتنے زور سے پڑھے جو مقتدیوں کی ضرورت سے باہر ہے تو وہ امام گنہگار ہے۔

قاعدہ اساءت سے کراہت افحش ہے۔

روایت باحکایت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو نوافل میں بہت زیادہ جہر کرتے ہوئے پوچھا یہ کیوں؟ تو انہوں نے عرض کی نمازیوں کو جگاتا اور شیطانوں کو بھگاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اب سے ذرا آہستہ پڑھا کریں۔ اس کے بعد آپ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں تشریف لے گئے وہ نہایت ہی آہستہ آواز سے قرأت پڑھ رہے تھے۔ آپ نے انہیں فرمایا تھوڑا اونچا کرکے پڑھا کریں۔

ذکر جلی افضل یا خفی حضرت علامہ نووی قدس سرہٗ نے ذکر جلی وخفی کی مختلف احادیث میں تطبیق دیتے ہوئے لکھا کہ جہاں ریا کا خطرہ ہو یا ذکر جہر سے نمازیوں کی نماز میں خلل واقع ہو یا نیند والوں کو تکلیف پہنچتی ہو تو وہاں ذکر خفی ذکر افضل ہے یہ عوارض نہ ہوں تو ذکر بالجہر افضل ہے۔ اس لئے کہ ذکر بالجہر میں عمل زیادہ ہے اور اس کا فائدہ سامعین کو بھی پہنچتا ہے اور ذکر سے حسِ شنوائی دوسری طرف توجہ نہیں کرتی اور اس سے نیند بھی ہٹ جاتی ہے اور اس سے روحانی کیف وسرور بھی حاصل ہوتا ہے۔

مسئلہ اخیارِ اُمت کے نزدیک نماز وغیرہ میں تکبیر وغیرہ زور سے کہنا مکروہ ہے۔

مسئلہ جہر وخفی کا درمیانہ طریقہ اختیار کرکے نہایت عجز وانکسار اور خشوع وخضوع کے ساتھ ذکر وغیرہ کیا جائے اور ریا نہ ہو تو مکروہ نہیں یعنی باتفاق العلماء جائز ہے (کذا فی انوار المشارق)۔

فائدہ صوفیانہ شارح کشاف نے لکھا ہے کہ کبھی مرشد اپنے مبتدی مرید کو ذکر بالجہر کا اس لئے حکم دیتا ہے کہ مرید کے دل کے اندر جو جو خواطر ووساوس شیطانی گھر کئے ہوئے ہیں وہ دور ہو جائیں۔

بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ صبح اور شام میں اذکر کے متعلق ہے یعنی ان دونوں وقتوں میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔ غدو سے صبح کی گھڑیاں اور اصال سے شام کے اوقات مراد ہیں۔ الغدو غدوہ کی جمع ہے یعنی صبح کی نماز سے طلوع شمس کا درمیانہ وقت اور اصال اصیل کی جمع ہے یعنی بعد العصر الی المغرب کا نام ہے۔ اور العشی والعشیۃ بمعنے وقت صلوٰۃ المغرب الی العشاء۔

سوال ان دونوں وقتوں کو ذکر سے کیوں مخصوص کیا گیا ہے؟

جواب ان دونوں وقتوں میں عالم کے حالات کے تغیر میں عجیب کیفیت ہوتی ہے وہ دلالت کرتی ہے کہ ان کا مؤثر حقیقی وہی ایک معبود ہے جو حکمت باہرہ اور قدرت قاہرہ کا مالک ہے پھر جو بھی ان تغیرات کا مشاہدہ کرے اس پر لازم ہے کہ تضرع وابتہال سے اسے یاد کرے اور خوف رکھے کہ کہیں اس کا حال بھی کسی برائی کی طرف نہ بدل جائے۔

سوال اگر اس سے دن رات مراد ہیں تو پھر ان کی دونوں طرفوں پر اکتفا کیا گیا ہے؟

جواب تاکہ اشارہ ہو جائے کہ بندہ کو چاہیئے کہ حسب امکان اللہ تعالیٰ کا ذکر زبان مبارک پر لائے تو اس کے معانی دل کے سامنے لائے کیونکہ ذکر فی نفسہٖ کا حقیقی منشا یہی ہے کہ ذکر کرنے والا ذکر کے معانی کا عارف ہو اس کے بعد فرمان ہوا کہ دل سے اللہ تعالیٰ کے جلال اور اس کی کبریائی کو نہ بھلائے جسے غفلت کہتے ہیں اور غفلت سے اجتناب کا حکم فرمایا۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں ایسے عمل کی خبر نہ دوں جو تمہارے لئے بہتر اور کفار کے اُس جہاد سے بھی افضل ہو کہ ان کے مقابلہ میں جا کر تم ان کی گردن اڑا دو اور وہ تمہاری۔ سب نے عرض کی ضرور بتایئے آپ نے فرمایا وہ ذکر اللہ تعالیٰ ہے۔

نکتہ غزوہ اور کلمہ شہادت و دیگر اعمال کا مقصد حصول جنت ہے اور ذکر اللہ تعالیٰ سے خدا تعالیٰ کی ہمنشینی نصیب ہوتی ہے اور یہ بھی ہمنشین یعنی اپنے قرین کو اپنا مشاہدہ کراتا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ ذکر کرنے والا حق کا مشاہدہ کرتا ہے اور شہودِ حق حصول جنت سے افضل ہے یہی وجہ ہے کہ رویت حق حصول جنت کے بعد ہوگا اور مکمل ترین نعمت دیدارِ الٰہی ہے باقی سب ہیچ۔

حقیقی ذکر کیا ہے حقیقی ذکر یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر زبان پر جاری ہو تو اس کے قلب اور رُوح حاضر ہوں اسی طرح جمیع اعضا و قویٰ یہاں تک کہ ذکر کے وقت بندہ بالکلیہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور توجہ بھی ایسی کہ دل کے خطرات اور نفس کے غلط خیالات بالکل مٹ جائیں۔ ایسے ذکر پر مداومت کرنے سے زبانی ذکر سے قلبی ذکر نصیب ہوگا۔ اسی طرح ترقی کرتا ہوا اس کے تمام پردے اُٹھ جائیں گے اور وہ بلا حجاب تجلیات حق سے سرشار ہوگا۔ اس مرتبہ کے حصول کے بعد نُورانیت نصیب ہوتی ہے بلکہ اُس کے دل کی زمین سب کی سب چمک اُٹھے گی پھر اُسے صفاتیہ واسمائیہ پھر ذاتیہ حاصل ہوں گے۔ جن کی برکت سے بندہ فانی فی اللہ و باقی باللہ ہو جائے گا اس وقت ذاتِ حق خود ذاکر ہوگی اور خود بندہ مذکور جیسا کہ اس کے شان کے لائق ہے لیکن یہ مقام منتہیانہ ہے کہ دوئی دُور کرنے اور حقیقت احدیت کے منکشف ہونے پر یہ مرتبہ نصیب ہوتا ہے (شرح الفصوص لداؤد القیصری فی الکلمۃ الیونسیہ) ؎

چوں تجلی کرد اوصاف قدیم
پس بسوزد وصف حادث را کلیم

ترجمہ: جب اوصاف قدیم کا جلوہ ہوتا ہے تو حادث وصف کی کمبل جل جاتی ہے۔

نسخہ رُوحانی جو بھی اللہ تعالیٰ کے کسی اسم کے ذکر کی مداومت کرتا ہے تو اس کے رُوح اور اس اسم الٰہی کے درمیان بفضلہ تعالیٰ و کرمہ اتنی مناسبت حاصل ہوگی کہ اس کا اس اسم سے شغل ہے[1]۔ جس قدر اس اسم پاک سے شغل بڑھتا جائے گا اسی قدر مناسبت اور کمال میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ اس مناسبت کی مختلف حدود[2] ہیں۔ جوں جوں بندہ ان حدود تک پہنچتا ہے جوں جوں فتوحات منجانب اللہ تعالیٰ مع جود و عطا بندے کو مسمّٰی سے مناسبت نصیب ہوتی ہیں۔ لیکن اتنی قدر کہ جس قدر اس بندے کے اندر کمال اور قوت ہوتی ہے اُسی مناسبت کی برکت سے بندے کی بشری کثافتوں پر قدسی جلوؤں

---

[1] ہم نے ایک فقیر معروف بہ بنّی فقیر مرحوم سے اس نُسخہ کا مشاہدہ کیا۔ جبکہ وہ ہر وقت اللہ الصمد پڑھا کرتے اور حالت یہ تھی کہ دنیا اور ما فیہا سے بے نیاز تھے زمانۂ طالب علمی میں فقیر نے اُن کی زیارت کی پھر وہ مدینہ طیبہ چلے گئے اور وہاں اُن کا وصال ہوا و اللہ اعلم بالصواب

[2] حدود کے کئی اقسام اور اُن کے الگ الگ نام ہیں اور تاثیرات بھی مختلف مثلاً زکوٰۃ۔ نصاب۔ قفل۔ دور۔ دور مدد وغیرہ

بقیہ برصفحہ ۲۶۳

کا غلبہ شروع ہو جاتا ہے اس وجہ سے وہ بندہ عالم قدس کے اندر قدم رکھتا ہے پھر اس عالم کی ترقی بشری کثافتوں کے مٹنے کے مطابق ہوتی ہے جس قدر بشری کثافتیں فنا ہوتی جائیں گی اسی قدر عالم قدس میں ترقی ہوگی۔ پھر اس اسم کے مرتبہ سے اللہ تعالیٰ اس بندے کو جلوہ دکھاتا ہے لیکن اسی قدر کہ جس قدر بندے کو اسم سے مناسبت ہوتی ہے اور اسی قدر استعداد اور اسی قدر اسے علوم و معارف اسرار الٰہیہ وکونیہ نصیب ہوتے ہیں لیکن وقت کا تقاضا اور اس کے ظرف اور اس کی قابلیت ملحوظ خاطر ضرور ہوتی ہے اس کے بعد اس بندے کو وہ علوم و معارف و اسرار حاصل ہوتے ہیں جو اس سے قبل اسے نصیب نہیں تھے بلکہ اس سے قبل وہ اپنے اندر جہل اور غفلت محسوس کرتا تھا[1] (کذا فی حواشی تفسیر الفاتحہ لحضرۃ شیخنا الاجل قدس سرہٗ)

قاعدہ صوفیانہ جو کسی ورد کا عامل نہیں اسے واردات سے محرومی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ صوفی اپنے ورد کا پابند ہوتا ہے کیونکہ جس سے حضر اور صحت اور جوانی میں کوئی ورد قضا ہو جائے تو سمجھو کہ وہ محروم اور اللہ تعالیٰ سے بعید اور رسوا شدہ انسان ہے مگر بیماری سفر۔ بڑھاپا موت مستثنیٰ ہیں کہ ان اوقات میں اگر قضا ہو جائیں تو کوئی حرج نہیں لیکن حتی الامکان انہیں ادا کرنے کی ہمت کرے۔

سبق جو کسی ورد کا عامل ہو اس پر لازم ہے کہ وہ اس پر مداومت کرے۔ اگر کسی مجبوری سے فوت ہو جائے تو اس کی قضا کرے یعنی اس کو پورا کرے اگرچہ ہفتہ کے بعد سہی۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیہ کرام سے تہجد قضا ہو جائے تو بھی اس کی قضا پوری کرتے ہیں اگرچہ تہجد فرائض میں سے نہیں۔

نکتہ اس میں راز یہ ہے کہ اوراد ہوں یا کوئی اور اعمال صالحہ اُن کی ادائیگی صفات باطنیہ کو جلا اور قلب کے رذائل جڑ سے اکھاڑے جاتے ہیں پھر احاد اعمال سے اُس کے آثار مرتب نہیں ہوتے بلکہ محسوس تک بھی نہیں ہوتا البتہ اُن کے آثار کا ترتب مجموعہ اعمال سے ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ جب عمل اول کا اثر ہوا تو اس کے بعد ثانی و ثالث سے اثر پڑے گا۔ لیکن جب وہ راستہ میں منقطع ہو گیا تو پچھلے آثار بھی مٹ جاتے ہیں (جیسے کھیت میں پانی مسلسل چلے تو پہنچتا ہے ورنہ راستہ میں گم ہو کر کھیت خشک رہ جاتا ہے۔

بقیہ حاشیہ سابقہ

وغیرہ اور ان کی تعداد قرأت کا اصول یہ ہے کہ جس اسم حسنیٰ کا وظیفہ کرنا ہو اس کے اعداد بحرف ابجد قمری نکال کر اُس کے حروف کے شمار سے ضرب دی جائے تو یہ پہلے مرتبہ و تاثیر کا تعین ہوگا اور اگر اسی شمار حروف پر پھر ضرب دی جائے تو دو۔ را تعین پھر ضرب دی جائے تو تیسرا۔ علیٰ ہذا القیاس اور اسی سے قوت و تاثیر بھی بڑھتی جاتی ہے۔ مثلاً صمد کے تین حروف ہیں اور اعداد ص۔ م۔ اور دال کے ۴ کل مجموعہ ۱۳۴ ہوا۔ اس کو ۳ سے ضرب دیتے جاتے ہیں چنانچہ پہلا تعین ۴۰۲ کا ہوگا اور دوسرا ۴۰۲ کو پھر ۳ سے ضرب دینے سے ۱۲۰۶ پھر ضرب دیں تو ۳۶۱۸ (اسی طرح حسب ضرورت ہوتا جائے گا اگر زیادہ تفصیل مطلوب ہو تو علم جفر کی کتب ملاحظہ ہوں (گلشن)۔ (حاشیہ سابقہ ختم)

[1] یہ وہ مراتب ہیں جو اولیاء کرام کو حاصل ہوتے ہیں۔ جن کا وہابیہ دیوبندیہ کو انکار ہے اسی وجہ سے وہ تفسیر روح البیان کو نہیں مانتے۔ ۱۲ فافہم۔

حدیث شریف میں بھی ہے "اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب ترین اعمال وہ ہیں جن پر مداومت ہو۔

نکتہ مداومت پر اعمال میں ایک راز یہی ہے کہ نفس اس عمل کا عادی بن جاتا ہے اس سبب سے وہ اس عمل کی ادائیگی کی طرف راغب ہو کر متوجہ الی اللہ ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے اولیاء کرام صوفیائے عظام جیسے ترک فرائض کو برا سمجھتے ہیں ایسے ہی مستجاب یعنی اوراد وغیرہ کے ترک کو برا محسوس فرماتے ہیں۔

وہابیوں دیوبندیوں کی تردید اولیاء کرام کے اوراد وظائف کی تحقیر صرف جاہل ہی کرتے ہیں (جیسے ہمارے دور میں وہابیوں دیوبندیوں کی عادت ہے کہ اولیاء کرام کے ہر ورد وظیفہ کی تحقیر کرتے ہیں وہ اس لئے کہ ورد حقوق ربانیہ سے ہے اور اس طرح سے نفس تابع حق ہوتا ہے اور ایسے طریقے سے بندہ مولےٰ مل سکتا ہے۔

مسئلہ بہشت کے درجات حسب معمولات نصیب ہوں گے۔

حدیث قدسی اللہ تعالیٰ قیامت میں اپنے بندوں سے فرمائے گا کہ بہشت میں میری رحمت سے داخل ہو جاؤ اور اس کے مراتب اپنے اعمال کے مطابق حاصل کرو۔

نکتہ ورد کی پابندی سے مراتب وافر و کثیر نصیب ہوں گے جس سے جتنے اوراد و وظائف ناغہ ہو جائیں گے۔ اتنا قدر اس کے مراتب و درجات کم ہوں گے اس لئے بہشت کے ثواب کا ترتب انہی اعمال یعنی اوراد و وظائف پر تھا۔ لیکن یہ نکتہ وہ سمجھتے ہیں جنہیں عقل و دانش سے کچھ حصہ نصیب ہے جو عقل و دانش سے محروم ہیں وہ الٹا اس پر اعتراض کرتے ہیں (کالوہابیہ وھم قوم جاہلون)۔

اور ایسے لوگ محروم بھی ہوں گے اس لئے کہ جب نفس کو طمع ہو کہ یہ کام کروں گا تو مجھے ثواب ملے گا۔ اگر سرے سے نفس کو موقع دیا جائے کہ ایسے اوراد و وظائف فضول لایعنی (یا بدعت ہیں) جیسے وہابی دیوبندی کہہ دیتے ہیں تو وہ عمل سے رہ جائے گا اس وجہ سے اسے وہ مراتب بھی نصیب نہیں ہوں گے۔

نکتہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے ذکر الٰہی کرنے سے خوش ہوتا ہے بلکہ اس کا اس سے مطالبہ کرتا ہے اور یہ حق عبودیت بھی ہے اگرچہ اس میں بندہ ذکر کے عوض کا طالب ہوتا ہے اور وہ غلطی ہے لیکن ثواب سے محروم بھی نہیں ہوتا اور حقیقی ذکر یہی ہے کہ وہ صرف اس کی رضا جوئی پر اس کا ذکر کرے۔ غور کیجئے کہ وہ مطلوب ہو کر تیرے ذکر کا طالب ہے یہ عہدہ کچھ معمولی نہیں کہ مطلوب ہو کر طالب ہے۔ بنا بریں بندے کو ذکر و فکر عمل اور اوراد و وظائف میں دلچسپی ضروری ہے اس لئے بزرگوں کا فرمان ہے کہ سالک کو طالب الاستقامۃ ہونا چاہیے نہ کہ طالب الکرامۃ اگرچہ کمینہ کرامت سے خوش ہو کر اسی کا طالب ہوتا ہے اور مولیٰ کریم بندے سے استقامت کا مطالبہ کرتا ہے اب بندہ خود انصاف کرے کہ مطالبہ حق کا ادا کرنا ضروری ہے یا نفس کا۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

صحبت حور نخواہم کہ بود عین قصور
باخیال تو اگر با دگرے پردازم

ترجمہ: حور کی صحبت چاہوں یہ تو سزا جرم و تصور ہے مجھے تو صرف آپ کا خیال کافی ہے کسی دوسرے کے تصور میں مشغول ہونا ہی نہیں چاہتا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ یعنی اپنے رب کریم کو افعال و اخلاق و ذات سے یاد کر فِیْ نَفْسِكَ اپنے نفس میں یا بایں طور کر اپنے نفس کے افعال اُن امور سے تبدیل کر دے جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اسی طرح اپنے اخلاق اخلاق خداوندی کے مطابق بدل اور اپنی ذات کو ذاتِ حق میں فنا کر دے جیسا کہ حدیثِ قدسی میں ہے کہ "بندہ جب مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اُسے اپنی ذات میں یاد کرتا ہوں یہی راز ہے فَاذْكُرُوْنِیْ اَذْكُرْكُمْ میں۔ پروانے کو دیکھئے کہ جب وہ اپنے آپ کو شمع میں فنا کر دیتا ہے تو وہ شمع بھی اپنی فنائیت تک اس کی یاد میں آنسو بہاتی رہتی ہے۔ یہ صرف سمجھانے کے لئے مثال دی گئی ہے ورنہ "چہ نسبت خاک را عالم پاک"۔ تَضَرُّعًا وَّخِیْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ یعنی نہایت عجز و زاری سے اور وہ تکلف سے یعنی ابتدائی ذکر کا طریقہ یہی ہے کہ سالک اپنے نفس کے افعال کو شریعت کے اعمال میں ڈھالنے کی کوشش کرے۔ اگرچہ اس طرح سے ظاہری طور تکلیف ہوگی لیکن اس کا انجام بہتر ہوگا۔ اس کا درمیانہ درجہ یہ ہے کہ بندہ اپنے اخلاق اخلاق خداوندی کے مطابق بنائے۔ لیکن آدابِ طریقت کے پیش نظر۔ لیکن یہ طریقہ پوشیدہ ہو اور اُس کے اثرات باطن پر پڑیں گے اس کا انتہائی درجہ یہ ہے کہ بندہ انوار حقیقت سے فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہو جائے اور اُسے زبان پر لانے کی اجازت بھی نہیں ہے اس لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ افشاءُ سر الربوبیۃ کفرٌ اسرار ربانی کا اظہار کفر ہے بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ یہاں پر غدوت ازل اور اصال سے ابد مُراد ہے اس لئے کہ ذکر حقیقی و مذکور حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے وہی ازلی ہے وہی ابدی ہے اُس نے ہی ازل میں فرمایا فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ یعنی ازل میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ارواح سے مخاطب ہوا تو اس معنے پر ذاکر ہوا اور اس نے اپنا ذکر فرمایا تو مذکور بھی خود ہوا۔ اس لئے ہم کہتے ہیں اُس نے ہی اپنا ذکر خود فرمایا "یوسف بن حسین رازی کے قول ما ذکر احد اللہ الا اللہ اللہ تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی کسی نے یاد نہیں کیا" کا یہی مطلب ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِیْنَ ۝ یعنی ان لوگوں سے نہ ہو جو یہ نہیں کہ حقیقی طور ذاکر بھی اللہ تعالیٰ ہے اور مذکور بھی وہی۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِیْنَ

شانِ نزول منقول ہے کہ کفار مکہ اللہ تعالیٰ کے سجدہ کرنے سے نہ صرف انکار بلکہ اس سے سخت متنفر تھے اور کہتے السجد لما تامرنا وزادھم نفورا "کیا ہم تیرے حکم سے سجدہ کریں اس سے اُن کی نفرت از سجدۂ حق تعالیٰ میں اضافہ ہوا (کذا قال الکاشفی)۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محبوب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تسلی کیجئے بے شک وہ حضرات عِنْدَ رَبِّكَ جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہیں یعنی ملائکہ مقربین ان سے قرب شرافت مُراد ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ مکانیت و مسافت سے منزہ ہے اور یہ معنے اس کے لئے موزوں ہے۔ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ وہ سرکشی نہیں کرتے عَنْ عِبَادَتِهٖ اللہ

تعالیٰ کی عبادت سے بلکہ جس طرح انہیں حکم ہے اسی طرح عبادت کا حق ادا کرتے ہیں وَیُسَبِّحُوْنَہٗ اور اس کی شان کبریائی کے جس طرح لائق ہے ویسے ہی اُن کی تنزیہہ و تقدیس بیان کرتے ہیں وَلَہٗ یَسْجُدُوْنَ ۩ سجدہ کرتے ہیں یعنی غایۃ تذلل و انکسار فی العبودیۃ صرف اللہ تعالیٰ سے خاص سمجھتے ہیں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے اسمیں اشارہ ہے کہ ملائکہ کی طرح تمام مکلفین سجدہ ریز ہوں یہی وجہ ہے کہ اس آیت کی تلاوت کے بعد سجدہ واجب ہے

فائدہ سجدہ نہایت عجز و انکسار اور تذلل کا نام ہے اسے تین وجوہ سے عمل میں لایا جاتا ہے۔

① نقصان کی تلافی کے لئے جیسے سہو کا سجدہ۔
② کفار کی مخالفت میں۔
③ اہل اسلام کی موافقت میں۔

فائدہ کاشفی نے لکھا ہے کہ سجدہ تلاوت کے چودہ مقام ہیں۔ اس سجدہ تلاوت کے متعلق قرآن میں دو مقامات پر آئمہ کا اختلاف ہے۔

① سورہ حج کے آخر والے سجدہ میں امام شافعی و امام احمد کے نزدیک یہ سجدہ واجب ہے اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک یہاں سجدہ واجب نہیں۔

② سورہ صٓ میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک سجدہ واجب ہے دوسرے آئمہ کے نزدیک واجب نہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سورہ صٓ میں آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ کیا تھا۔ دوسرے آئمہ نے عقلی دلیل پیش کی ہے وہ یہ کہ یہاں پر رکوع کا ذکر ہے سجدہ کا نہیں فلہٰذا سجدہ واجب نہیں (فالحق عند ابی حنیفہ والحق احق ان یتبع بہ)۔

فائدہ سورہ فصلت میں سجدہ تلاوت اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ "پر ہے یہی قول سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا ہے اس قول کو امام شافعی رضی اللہ عنہ نے لیا ہے اور حضرت عمرو ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیت لَا یَسْاَمُوْنَ پر ہے ہم احناف نے اس قول پر عمل کیا ہے اس لئے یہ آیت مذکورہ آیت کے بعد ہے اور اس پر عمل کرنے سے اول پر بھی عمل ہو جاتا ہے اس لئے کہ تاخیر سجدہ بالاتفاق جائز ہے لیکن تقدیم جائز ہے۔

مسئلہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک تلاوت کرنے اور قرأت کرنے والے ہر دونوں پر سجدہ واجب ہے نماز میں ہو یا خارج از نماز۔ اگر اس وقت فوت ہو جائے تو اس کی قضا لازم ہے اور دیگر آئمہ کے نزدیک سجدۂ تلاوت سنت ہے واجب نہیں اس لئے اُن کے نزدیک اگر یہ سجدہ فوت ہو جائے تو اس کی قضا بھی نہیں۔

مسئلہ تلاوت کے وقت فوراً سجدہ کرنا چاہیئے بلا وجہ تاخیر مکروہ ہے۔

مسئلہ سجدہ میں تلاوت کے وقت کھڑا ہو کر تکبیر کہتے ہوئے سجدہ میں جا کر نماز کی طرح تین تسبیح یعنی سبحان ربی الاعلیٰ پڑھ کر تکبیر کہتا ہوا کھڑا ہو جائے پورا کھڑا ہونے کے بعد پھر بیٹھ کر تلاوت شروع کرے یہ طریقہ مستحب ہے اس لئے

کہ سجدہ کی ہیئت مذکور مکمل ترین صورت سمجھی جاتی ہے۔

فائدہ نماز کی تسبیح سبحان ربی الاعلیٰ سجدہ تلاوت میں پڑھنا مستحب ہے یہی اصح ہے۔

مسئلہ بعض فقہا نے کہا ہے کہ تسبیح کے بجائے سجدہ میں کہے خضعت الرحمٰن فاغفرلی یا رحمٰن۔ مجھے بخش دے۔

فائدہ بعض فقہا نے کہا کہ یہ دُعا پڑھے "یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک وطاعتک اے قلوب کو بدلنے والے میرے قلب کو اپنے دین اور اپنی اطاعت پر ثابت قدم رکھ۔ صاحب الاسرار المحمدیہ کے نزدیک یہی قول مختار ہے رجمہور کا قول اوّل صحیح اور قابل عمل اور مفتی بہ ہے۔

فائدہ بعض نے کہا کہ صاحب الاسرار المحمدیہ کو دُعا مذکور اس لئے پسندیدہ کہ انہیں ہاتف غیبی نے اسی طرح سکھایا (لیکن یہ صرف انہی تک محدود رہے گا) شرعًا دوسروں کے لئے حجت نہ ہوگا۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ سجدہ تلاوت میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ سجد وجھی لِلّذی خلقہ وصورہ فاحسن الخالقین۔ اللّٰھُمَّ اکتب لی بھا عندک اجرًا وضع عنّی بھا وزرًا واجعلھا لی عندک ذخرًا وتقبلھا منی کما تقبلت من عبد داوٗد علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

فائدہ یہ گاہ گاہ کا عمل تھا۔ دائمی نہیں تھا کوئی اس طرح کرے تو روا ہے لیکن عوام کے لئے طریقہ اولیٰ موزوں جو بھی احادیث سے ثابت ہے۔

فائدہ ابن فخر الدین رومی نے مختلف سجدوں کے لئے مختلف الفاظ لکھے ہیں وہ یہ کہ اگر سجدہ سبحان کی آیت پڑھی ہے تو اُس وقت سلطان الساجدین کے وہ کلمات پڑھے جسے حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں وہ یہ ہیں، سبحان ربنا اِن کانَ وعد ربنا مفعولا " اگر آیت تنزیل یا اعراف کی آیت ہذا پڑھی ہے تو کہے اللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ من الساجدین لوجھک المسبحین بحمدک واعوذ بکَ من المستکبرین عن امرکَ اگر الم سجدہ کی آیت پڑھی ہے تو یہ دعا پڑھے اللّٰھُمَّ اجعلنی من عبادک المنعم علیھم المھدیین الساجدین الباکین عند تلاوۃ کتابک۔ اگر سُورہ نجم کی آیت سجدہ پڑھی ہے تو یہ دُعا پڑھے اللّٰھُمَّ اجعلنی من الباکین الیک الخاشعین لک اسی طرح باقی آیاتِ سجدہ تلاوت ہیں۔

فائدہ مولانا اخی چلپی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کوئی دعائیں نقل نہیں کیں بلکہ فرمایا ہے کہ سب کے لئے وہی تسبیح کافی ہے جو نماز میں پڑھی جاتی ہے یعنی سبحان ربی الاعلیٰ اس لئے کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی کلمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب نہیں اور اس کلمہ کے لئے روایات تو یہ ملتی ہیں۔

مسئلہ تلاوت کرنے والے کے ساتھ سننے والے کو سجدہ کرنا مستحب ہے اور تلاوت کرنے والے سے پہلے سر سجدہ سے نہ اُٹھائے۔ کیونکہ وہ اس کے لئے بمنزلہ امام کے ہے۔

مسئلہ مطلق سجدۂ تلاوت ضروری ہے تعین ضروری نہیں مثلاً کسی شخص پر متعدد آیات تلاوت کے سجدات واجب

ہیں تو قضا کے وقت متعدد سجدے کرے تو ہر سجدہ میں یہی نیت ہو کہ میں سجدہ تلاوت ادا کر رہا ہوں۔ اس کے لئے ضروری نہیں کہ کہے یہ سجدہ فلاں آیت کے لئے ہے اور یہ سجدہ فلاں آیت کے لئے۔

مسئلہ تلاوت کرنے والے کے مستحب ہے کہ آیت سجدہ آہستہ کر کے پڑھے۔ یہ اس وقت ہے جب سامع تلاوتِ قرآن کے لئے نہیں دوسرے کام میں مشغول ہے یا اس سے سجدہ کرنے کی تیاری نہیں کی مثلاً اسے وضو نہیں وہ اس لئے کہ تلاوت کرنے والے سے اگر سامع کو ایسی حالت میں پایا ہے کہ سجدہ تلاوت نہیں کر سکتا تو اُسے وہ عمداً گناہ میں ڈال رہا ہے اور دوسرے کو گناہ میں مبتلا کرنا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ اگر سامع آیت سجدہ کی تیاری کئے ہوئے ہے تو پھر جہر سے پڑھے تو مستحب ہے تاکہ سامع کو عبادت کی ترغیب ہو اور سجدہ کر کے دوہرا ثواب حاصل ہو۔

نکتہ امام خبازی نے شرح ہدایہ میں لکھا ہے کہ جب حضور علیہ السلام کا اسم گرامی مذکور ہو تو درود شریف پڑھنا مستحب ہے لیکن آیتہ سجدہ کی تلاوت کے وقت فوراً سجدہ ضروری نہیں۔ بلکہ اگر ایک مجلس میں بار بار وہی آیت مذکور ہو تو صرف ایک سجدہ کافی ہے بخلاف حضور علیہ السلام کے اسم گرامی کے ذکر کے کہ انہیں ہر بار درود پڑھنا چاہیے اس کی وجہ یہ ہے کہ سجدہ عبادت خداوندی ہے اُسے کسی شئے کی محتاجی نہیں نہ بلندی درجات کی نہ حصول ثواب کی لیکن مصطفےٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بلندی درجات و رفع مراتب کی ضرورت ہے اس لئے وہاں بار بار درود شریف پڑھنا ضروری ہوگا۔ (نیز اپنے حبیب علیہ السلام کی شان اقدس کا اظہار بھی ہے کہ ہر بار نام لینے پر امتی کو لازم ہے کہ نبی شفیق پر ہدیہ صلوٰۃ وسلام پیش کرے۔

فائدہ حضرت ابن العربی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ بنی آدم کے کسی عمل سے شیطان کو اتنا تکلیف نہیں جتنا اس کے صلواتیہ سے اسے دُکھ اور درد پہنچتا ہے اس لئے بنی آدم کے لئے ضروری ہے کہ لمبے لمبے اور کثیر التعداد سجدے کرے تاکہ شیطان کو زیادہ سے زیادہ دُکھ اور درد پہنچے۔

نکتہ نماز کے ہر ایک رکن میں انسان کو ابلیس بہکانے کی جدوجہد کرتا ہے لیکن سجدہ کی حالت میں انسان کو کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس لئے کہ انسان کے سجدہ کے وقت شیطان اپنی غلطی کی سوچ میں لگ جاتا ہے غمگین ہو کر اُسے اپنی پڑ جاتی ہے اس وجہ سے انسان اس کی شرارت سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

شیطان کی دھاڑ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جب ابن آدم سجدہ پڑھ کر سجدہ کرتا ہے تو شیطان تنہائی میں جا کر روتا ہوا کہتا ہے "ہائے افسوس کہ بنی آدم سجدہ کے لئے مامور ہوئے وہ سجدہ کر کے بہشت میں جائیں گے اور مجھے بھی سجدہ کا حکم ہوا تھا لیکن شومئ قسمت کہ میں نے انکار کر دیا جس سے مجھے جہنم نصیب ہوگی۔

سوال نمازی کو سجدہ میں بھی خیالات تو گذرتے ہیں پھر تمہارا یہ کلیہ کس کام کا کہ بحالت سجدہ شیطان کی شرارت سے انسان محفوظ ہوتا ہے۔

جواب جب نمازی سجدہ سے سر اُٹھاتا ہے تو شیطان کا غم والم ہٹ جاتا ہے جس سے وہ پھر نمازی کو بہکانے لگ جاتا ہے۔ (۱) امام محمد بن العربی قدس سرہٗ کی یہ تقریر اُن کی کتاب رُوح القدس سے لی گئی ہے۔

فائدہ صاحب روح البیان فرماتے ہیں کہ اسمیں اشارہ ہے کہ شیطان نے ازراہ تکبر سجدہ سے انکار کیا تو جو بھی اسی کی طرح بوجہ تکبر سجدہ کا انکار کرتا ہے جیسے کفار کی عادت تھی تو ایسے لوگ اپنے تمام احوال میں شیطان کے ساتھی ہیں اور جو شخص متواضع ہو کر سجدہ کرتا ہے جیسے کہ مؤمنین کا شیوہ ہے تو اس حالت میں اس سے شیطان دور بھاگ جاتا ہے۔ جمیع احوال میں نہیں ہاں اگر تزکیۂ نفس ہو تو پھر نہ صرف جمیع احوال میں بلکہ اُسے مخلص بندوں میں بنا دیا جاتا ہے۔ ؎

① زینت تو بس کمر بندگی
تاج تو در سجدہ سر افگندگی
② شرم تو باد اکہ بالا ئے پست
سجدۂ طاعت بروش ہر چہ ہست
③ تو کنی از سجدہ او سر کشی
بہ کہ ازیں شیوہ قدم در کشی

ترجمہ ① تیری زینت بس یہی ہے کہ تیری کمر بندگی میں جھکی رہے تیرا تاج سر سجدہ میں رکھنے میں ہے۔
② تجھے شرم ہو کہ بلندی و پستی سجدہ طاعات میں ہے کہ بلندی ہوگی سجدہ کرنے سے (پستی نہ کرنے سے)
③ تو اس کے سجدہ سے سرکشی کرتا ہے بہتر ہے کہ تو اس گندی عادت سے باز آجا۔

فائدہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس سر میں سجدہ کی خو نہ ہو تو وہ سر نہیں بلکہ ہانڈی ہے۔ اور جس ہاتھ میں جود و سخا کی عادت نہیں وہ ہاتھ نہیں بلکہ چمچہ ہے۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ؎

شرف نفس بجود است وکرامت بسجود
ہر کہ ایں ہر دو ندارد عدمش بہ ز وجود

ترجمہ: نفس کی شرافت سخاوت سے اور اس کی کرامت سجود سے ہے جس میں یہ دونوں نہ ہو اس کا مرنا جینے سے بہتر ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ یعنی وہ لوگ جو اپنے افعال و اخلاق بلکہ اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کے اوامر و اخلاق اور اُس کی ذات میں فنا کر کے اپنی انانیت سے مٹ

ص ۲۷۲

---

۱ ؎ میں نے کہا ہر ایک سر جھکتا ہے کیوں در پر تیرے
حق نے کہا وہ سر نہیں جس میں نہیں سودا مرا۔

(اعلحضرت بریلوی)

سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ خَمْسٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ وَسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَعَشْرُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ انفال مدنی ہے اور اس میں اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا پچھتر آیتیں اور دس رکوع ہیں

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ

اے محبوب! تم سے غنیمتوں کو پوچھتے ہیں تم فرماؤ غنیمتوں کے مالک اللہ اور رسول ہیں

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۠ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ

تو اللہ سے ڈرو اور اپنے آپس میں میل رکھو اور اللہ اور رسول کا حکم مانو

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ① اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ

اگر ایمان رکھتے ہو ایمان والے وہی ہیں کہ جب اللہ یاد کیا جائے

وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا

ان کے دل ڈر جائیں اور جب ان پر اس کی آیتیں پڑھی جائیں ان کا ایمان ترقی پائے

وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ② ۚ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا

اور اپنے رب ہی پر بھروسہ کریں وہ جو نماز قائم رکھیں اور ہمارے دیے سے کچھ

رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ③ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ

ہماری راہ میں خرچ کریں یہی سچے مسلمان ہیں ان کے لیے

دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ④ ۚ كَمَآ

درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور بخشش ہے اور عزت کی روزی جس طرح اے

اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ

محبوب! تمہیں تمہارے رب نے تمہارے گھر سے حق کے ساتھ برآمد کیا اور بے شک مسلمانوں کا ایک گروہ

الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ⑤ ۙ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ

اس پر ناخوش تھا سچی بات میں تم سے جھگڑتے تھے بعد اسکے کہ ظاہر

كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ⑥ ۭ وَاِذْ يَعِدُكُمُ

ہو چکی گویا وہ آنکھوں دیکھی موت کی طرف ہانکے جاتے ہیں اور یاد کرو جب

اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ
اللہ نے تمہیں وعدہ دیا تھا کہ ان دونوں گروہوں میں ایک تمہارے لیئے ہے اور تم یہ چاہتے تھے
ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ
کہ تمہیں وہ ملے جس میں کانٹے کا کھٹکا نہیں اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنے کلام سے سچ کو سچ کر دکھائے
بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ⑦ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ
اور کافروں کی جڑ کاٹ دے کہ سچ کو سچ کرے اور جھوٹ
الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ⑧ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَا
کو جھوٹا پڑے بُرا مانیں مجرم جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے
سْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ⑨
تو اس نے تمہاری سُن لی کہ میں تمہیں مدد دینے والا ہوں ہزار فرشتوں کی قطار سے
وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا
اور یہ تو اللہ نے کیا مگر تمہاری خوشی کو اور اس لیئے کہ تمہارے دل چین پائیں اور
النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ⑩ ع
مدد نہیں مگر اللہ کی طرف سے بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے

تفسیر عالمانہ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ آپ سے اے میرے محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) مالِ غنیمت کے متعلق پوچھتے ہیں یہ سوال استفتائی ہے اس لئے اُسے عن استعطائی سے متعدی کیا گیا ہے جیسے وہ کبھی بلا لفظ عن متعدی ہوتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے سَاَلتہ درہما۔

قاعدہ ① جب سوال اس معنے کے اقتضا کے لئے ہو جو معنے نفس مسئول عنہ میں ہوتا ہے تو اس وقت فعل سوال عن سے متعدی ہوتا ہے جیسے سلی ان جہلت الناس عنی وعنہم (ترجمہ) اگر تمہیں بے خبری ہے تو میرے اور اُن کے متعلق لوگوں سے پوچھ لے۔

قاعدہ ② کبھی میلان وغیرہ کے معنے میں آتا ہے تو بھی متعدی بدو مفعول ہوتا ہے جیسے مثال مذکور میں ہے النفل بمعنے الزیادۃ۔

سوال یہ غنیمت کے معنے میں کیوں مستعمل ہوتا ہے ؟

جواب ۱ جہاد کا اصل مقصد اُخروی اجر و ثواب ہے لیکن اسے دنیا میں جہاد کی وجہ سے مال غنیمت ملتا ہے گویا یہی زائد شے اسے ملی ہے اس لئے کہ مجاہد کا اصل مقصد مال غنیمت نہیں۔

جواب ۲ چونکہ یہ غنیمت صرف اس امت کو نصیب ہوئی ورنہ سابقہ امتیں غنیمتوں سے محروم تھیں بلکہ آسمانوں سے آگ آکر اُن کی غنیمتوں کو کھا جاتی۔ بنا بریں اس امت کی خصوصیت کے پیش نظر مال غنیمت کو نفل سے تعبیر کیا گیا۔

فائدہ فرائض کے ماسوا باقی دیگر نمازوں کو نفل کہا جاتا ہے۔ اولاد کی اولاد کو بھی نفل سے تعبیر کرتے ہیں اسی طرح جہاں خطرہ ہو امام اعلان فرما دے کہ جو اسے سر کرلے گا اسے اتنا انعام ملے گا۔ اس انعام کو بھی نفل کہا جائے گا اس لئے اسے وہ حصص مال غنیمت سے ایک زائد حصہ ملے گا۔

شان نزول مروی ہے کہ بدر کی جنگ سے مالِ غنیمت کے متعلق اہل اسلام کا اختلاف ہوا کہ اسے کس طرح تقسیم کیا جائے گا اور کہاں خرچ ہوگا اور کن کن لوگوں کو دیا جائے گا اس کی تولیت مہاجرین کے سپرد ہوگی یا انصار یا سب اس کے متولی ہیں اُن کے اختلاف کو دُور کرنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔

چکے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں فانی فی اللہ ہو کر باقی باللہ ہو گئے لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِہٖ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے اس لئے تکبر نہیں کرتے کہ تکبر ان کی عادات میں شامل تھا لیکن انہوں نے اپنی تمام عادات کو مٹا کر اللہ تعالیٰ کی ذات میں محو ہو گئے اب اُن میں تکبر کا تصور ہی نہیں ہو سکتا اور تکبر کریں بھی کیسے جبکہ انہوں نے اپنے افعال اللہ تعالیٰ کے اوامر میں فنا کر دیئے اب تو انہیں سوائے عبادت کے اور کچھ ہے ہی نہیں اس لئے اب اُن کے اعمال قائم بالعبادۃ ہیں ان سے کسی فعل کا صدور اس وقت ہے جبکہ وہ فانی فی اللہ اور باقی باللہ نہ ہوں حالانکہ اب تو وہ فانی فی اللہ و باقی باللہ ہیں۔ وَیُسَبِّحُوْنَہٗ وہ اللہ تعالیٰ کو حلول و اتحاد و اتصال سے منزہ مانتے ہیں اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ نہیں اور نہ بندہ اللہ تعالیٰ ہے بلکہ وہ ذات تو وہی ہے جو ازل میں تھی جبکہ کوئی شے نہ تھی وَلَہٗ یَسْجُدُوْنَ ○ اس کے لئے وہ ازل و ابد سے وجود و عدم میں سجدہ کرتے ہیں یعنی ازل سے عدم میں اس کے لئے فرمانبردار اور تابع احکام اور اس کے تصرفات اعدام و ایجاد و ابقاء کی قدرت کے جمیع احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والے ہیں۔

تتمہ ۲۱۹ سے آگے

فراغت صاحب رُوح البیان صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے سورہ اعراف کی جمیع آیات کی تفسیر و تاویل سے عشر اوّل صفر المظفر ۱۱۱۱ھ میں فراغت پائی اور فقیر قادری ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ کو اس سورہ اعراف کی تفسیر کے ترجمہ سے ۱۷ رجمادی الآخر ۱۳۹۵ھ بروز جمعۃ المبارک قبل صلوٰۃ الجمعہ فراغت نصیب ہوئی۔

وما توفیقی اِلَّا بِاللہِ العلی العظیم فصلی اللہ تعالیٰ حبیبہِ الکریمِ الرؤف الرّحیمِ وعلیٰ آلِہٖ وَاَصْحابِہِ الَّذِیْنَ اقاموا دِینَہُ القویمِ

فائدہ یَسْئَلُوْنَكَ کی ضمیر غائب اصحاب بدر کی طرف لوٹتی ہے۔

سوال اُن کا نام کہیں آیا نہیں تو پھر ضمیر لوٹانا کیسا؟

جواب چونکہ معنے کے اعتبار سے اصحاب بدر متعین ہو چکے ہیں اس اعتبار سے (صراحتًا) اُن کے ذکر کی ضرورت نہیں اب معنےٰ یہ ہوا کہ غنیمتوں کے بارے میں آپ سے استفسارًا پوچھتے ہیں۔

قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ج فرمایئے کہ مال غنائم صرف اللہ تعالیٰ اور اُس کے پیارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہیں ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے جس طرح اس کا حکم ہو اسی طرح اسے تقسیم کرو۔ البتہ اُس کے نائب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس لئے وہ جس طرح چاہیں تقسیم فرمائیں تم اس میں رائے زنی مت کرو۔

نکتہ حدادی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا اسم گرامی محض بزرگی کے طور لیا ہے ورنہ غنائم کی تقسیم اور اس کا مصرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان فرمائیں گے اس لئے اصل مقصود انہی کا ذکر خیر ہے۔ **فَاتَّقُوا اللّٰهَ** پس اللہ سے ڈرو۔ **وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ** اور آپس میں صلح صفائی رکھو۔

حل لغات

① ذات البین ہر وہ احوال جو لوگوں کے مابین کھلم کھلا واقع ہوں۔

② ذات الصدور ہر وہ اُمور جو دل ہی دل میں ہوں۔

③ ذات الانا ہر وہ شے جو برتن میں ہو از قسم طعام یا پینے کی اشیاء چونکہ ہر وہ شے جو برتن وغیرہ میں حلول کرئے اُس کی مصاحبت اختیار کر لیتی ہے اس لئے اس شئے کو صاحب محل الشئ و ذروہ کہا جاتا ہے۔ مثلاً اہل عرب کہتے ہیں اسقنی ذا نائک "مجھے اس برتن والی شے پلایئے" یعنی وہ پانی جو اس برتن میں ہے۔ اب آیت کے جملہ کا مطلب یہ ہوا کہ اپنے جملہ اُمور میں راضی خوشی ہو کر گذارو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جس طرح کے رزق سے نوازا ہو تم اسی پر خوش رہو اس لئے کہ تمہارے اُوپر اس کا بہت بڑا فضل و کرم ہے۔ دراصل واقعہ یوں ہوا کہ نوجوانوں نے کہا کہ جنگ میں ہم نے جان کی بازی لگائی ہے تو مال غنیمت حاصل ہوا فلہٰذا اس کے حقدار صرف ہم ہیں اس سے بوڑھوں کا کوئی حق نہیں جبکہ وہ خیموں میں عیش و آرام کرتے رہے اسی طرح ان سرداروں کو بھی کچھ نہ ملنا چاہیئے جو صرف جھنڈے کے نیچے پھرتے رہے۔

فائدہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت ہمارے حق میں نازل ہوئی جبکہ ہم بدر کی فتح کے بعد مال غنیمت میں جھگڑے اور ایک دوسرے کو سخت سُست بھی کہا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا کہ جھگڑا یوں مٹا دیا کہ حکم فرمایا یہ مال صرف میرے پیارے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے وہ جیسے اور جس طرح چاہیں تقسیم فرمائیں۔ اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام مال نوجوانوں اور بوڑھوں میں برابر تقسیم فرمایا۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اللہ تعالیٰ اور ان کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرو جس طرح وہ فرمائیں اُن کے امر و نہی کے سامنے سر تسلیم خم کرو۔ **اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ** ٥ مذکورہ بالا سہ امور پر

عمل کرو اگر تم مؤمن ہو۔

سوال ان کے ایمان کو مذکورہ بالا ہر سہ امور سے کیوں متعلق کیا حالانکہ وہ تو صرف اطاعت اللہ ورسولہ سے متعلق ہوتا ہے؟

جواب اس سے ایمان کا کمال مُراد ہے وہ اس طرح کہ اگرچہ ایمان اطاعۃ اللہ ورسولہ کو حق ماننے اور اس کی حقیقت پر عقیدہ رکھنے کا نام۔ لیکن اس کا کمال اعمال صالحہ سے ہوتا ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ امور مذکورہ بالا پر عمل کرو۔ اگر تم کامل الایمان ہو۔ اس لئے کہ ایمان کا کمال ان ہر سہ امور مذکورہ بالا سے متعلق ہے۔

مسئلہ بار بار سوال کرنے سے مسئول عنہ تنگدل ہوجاتا ہے اس لئے خواہ مخواہ اور بار بار کے سوالات سے احتراز کیا جائے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے چند امور حرام فرمائے ہیں وہ امور یہ ہیں۔

① حقوق الامہات (ماؤں کی بے فرمانی)۔

② بچیوں کو زندہ درگور کرنا۔

③ مباح شئے نہ دینا۔ اور خواہ مخواہ دوسرے سے ہر شئے مانگنا۔

④ بلاوجہ زیادہ گفتگو۔

⑤ کثرت سوال

⑥ مال ضائع کرنا۔

شرح حدیث المذکور والدین کی نافرمانی گناہ کبیرہ ہے۔

سوال حدیث میں صرف ماں کا ذکر ہے تم نے باپ کا کیسے بڑھایا؟

جواب ① قاعدہ ہے کہ دو ایسی چیزیں جو لازم و ملزوم ہوں انمیں ایک کے ذکر سے دوسرا خود بخود مذکور ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آیت" واللہ وَرَسُوْلَہٗ اَحَقُّ اَن یُّرْضُوْہ میں ضمیر واحد لوٹتا ہے اس سے اس قاعدہ کی تصدیق ہوتی ہے۔

جواب ② چونکہ ماں کے حقوق زائد ہوتے ہیں اس لئے کہ وہ بچے کی خدمت میں زیادہ دکھ اور تکلیف اُٹھاتی ہے اس لئے اہمیت کے طور صرف اسی کا ذکر کیا گیا۔ حدیث شریف مذکور میں بچیوں کو زندہ درگور کرنے سے روکا گیا ہے اس لئے کہ اہل جاہلیت کی عادت تھی کہ اگر لڑکا پیدا ہوتا تو اسے زندہ رہنے دیتے۔ اگر لڑکی پیدا ہوتی تو اُسے زندہ دفنا دیتے اس خیال پر کہ نسل انسانی زیادہ ہوگی تو معاش کا معاملہ تنگ ہوجائے گا (جیسے آج کل ہمارے جدت پسند اور مغربیت زدہ لوگوں کا خیال ہے اس وجہ سے خاندانی منصوبہ بندی پر زور دیتے ہیں) اور دوسرا اس خیال سے لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے کہ وہ نہ ہوں نہ کسی کو داماد بنانا پڑے اور اسے ننگ و عار سمجھتے کہ اپنی لڑکی

کسی کے نکاح میں دیں وغیرہ وغیرہ۔

اور حدیث شریف میں المنع سے ان اُمور کی ممانعت مراد ہے کہ جن کی ادائیگی واجب یا مستحب ہے۔ اور ہات سے وہ اُمور مراد ہیں جن کا ارتکاب مکروہ یا حرام ہے۔ اس میں بلا وجہ یا قصد ثواب کی گفتگو سے ممانعت کی گئی۔ اس لئے کہ ناجائز گفتگو دل میں قساوت پیدا کرتی ہے۔ حدیث شریف میں کثرت سوال سے بھی روکا گیا ہے۔

فائدہ لوگوں سے دنیوی اموال مانگنے اور لایعنی سوالات سے ممانعت ہے (کذا قال ابن الملک)۔

حدیث شریف میں مال ضائع کرنے سے نہی فرمائی گئی ہے۔ گناہوں میں مال خرچ کرنا اس میں شامل ہے فضول خرچی کی ممانعت بھی اس سے ثابت ہوئی۔ مثلاً جو لوگ روزمرہ کے اخراجات یا مکانات کی تعمیر یا لباس میں اسی طرح بچھونے وغیرہ اور برتنوں پر سونے چاندی کی ملمع سازی اسی طرح تلوار وغیرہ پر سونے چاندی کے کام میں فضول خرچی کرتے ہیں وہ سب اسی میں شامل ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بکثرت سوالات کئے تو آپ نے فرمایا **ذرونی ما ترکتکم فانہ انما ھلک من کان قبلکم بکثرۃ سوالھم واختلافھم علی انبیاءھم** مجھ سے سوال نہ کرو جب تک میں تمہیں خود نہ بتاؤں۔ پہلی امتیں بھی اپنے انبیاء علیہم السلام پر بکثرت سوال اور اُن سے اختلاف کی وجہ سے برباد ہوئیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کثرت سوال میں سے ایک یہی سوال **یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَنْفَالِ** الخ بھی تھا۔ اور اُن کا سوال اس ارادہ پر تھا کہ مال غنیمت صرف انہیں حاصل ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کی آرزو کے خلاف حکم صادر فرمایا۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم غنیمتوں کے متعلق جس طرح چاہیں کریں۔ تم اے صحابیو! اپنے ارادہ پر نہ چلو اور نہ ہی ان پر سوالات کرو بلکہ اپنے دین کی خاطر اُن کے سامنے سرِ تسلیم خم کردو اور دنیوی حرص ترک کردو تاکہ تمہارے دینی اعمال دنیوی اغراض میں نہ مل جائیں۔ **فَاتَّقُوا اللّٰہَ** ماسوای اللہ کے تعلقات منقطع کرنے پر اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ **وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِکُمْ** اور اپنے گندے عادات اور بُرے ارادے ترک کرکے اچھے ہو جاؤ یعنی اپنے سے حرص علی الدنیا اور حسد علی الاخوان و دیگر مذموم صفات دُور کردو تاکہ وہ گندے صفاتِ تمہارے قلوب پر اثر انداز ہو کر تمہارے نورِ ایمان کے لئے حاجب نہ ہوں۔ **وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ** اللہ جل جلالہٗ اور رسولِ اکرم صلی اللہ کے احکام کے سامنے سر جھکا دو اُن کے اوامر بجالاؤ اور ان کے نواہی سے بچو۔ **اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ** ۝ اگر تم تحقیقی مؤمن ہو۔ تقلیدی مؤمن ہو تو پھر تم جانو۔ مؤمن حقیقی وہ ہے جس کے دل پر اللہ تعالیٰ نے اپنے قلم عنایت سے خود ایمان کو لکھا اور اپنے رُوحِ خاص سے اُس کی تائید فرمائی۔ ایسا شخص نُورِ ربانی پر ہوتا ہے۔

مثنوی میں ہے۔ ؎

بود گبرے در زمان بایزید
گفت اورا ایک مسلمان سعید

کہ چہ باشد گر تو اسلام آوری

یا بیابی صد نجات و سروری

گفت۔ ایں ایمان اگر ہست اے مرید

آنکہ دارد شیخ عالم بایزید

من ندارم طاقتِ آں تاب آں

کاں فزوں آمد ز کوشش ہائے جاں

گرچہ در ایماں و دیں ناموختم

لیکن در ایماں او بس مؤمنم

مؤمن ایماں اویم در نہاں

گرچہ مہرم ہست محکم در دہاں

باز ایماں اگر خود ایماں شماست

نے بداں میلیتم و نے مشتہاست

آنکہ صد میلش سوئے ایماں بود

چوں شمارا دید زاں فاتر شود

زانکہ نامی بیند و معنیش نے

چوں بیابی با مفازہ گفتنے

خلاصہ حکایت مذکور

حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ کے زمانہ میں ایک کافر کو کسی نے کہا مسلمان ہو جا۔ اس میں نجات ہے اُس نے کہا ایمان سے اگر بایزید کا ایمان مراد ہے تو اس پر میرا ایمان ہے اگرچہ میں زبان سے نہیں کہتا لیکن میرا دل مانتا ہے اگر ایمان سے تمہارا ایمان مراد ہے تو اُس سے میرا اسلام اس لئے کہ تمہارے حالات دگرگوں ہیں بلکہ تمہارے ایمان کو کوئی دیکھے گا تو سو نفریں پڑھے گا۔ اے اللہ ہمیں ان محققین سے بنا جو حقائق ایمان سے واقف ہیں اور ہمیں عرفان و احسان کے مراتب سے ہمکنار فرما (آمین)۔

تفسیر عالمانہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ کامل اور مخلص فی الایمان وہ لوگ ہیں اَلَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ جن کے سامنے اللہ کا ذکر ہوتا ہے (تو) وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ تو ان کے دل ہیبت جلال اور عظمت مولیٰ لایزال سے ڈر جاتے ہیں۔

فائدہ ایسا خوف اہلِ کمال کو لازم ہے خواہ وہ ملک مقرب ہو یا نبی مُرسل یا مؤمن کامل بخلاف خوف عقاب کے کہ وہ ذکر الٰہی سے حاصل ہوتا ہے بلکہ گناہ کے ملاحظہ سے یوں بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عقاب گناہگاروں کو سنایا جاتا ہے تاکہ وہ سمجھیں کہ یہ عقاب ہمارے گناہوں کا انتقام ہے اسی طرح جو شخص گناہ کا ارادہ کرے تو اسے کہا جاتا ہے "اتق اللہ" اللہ تعالیٰ سے ڈر۔ یہ سُن کر وہ گناہ کے انتقام پر عقاب الٰہی سے ڈرتا ہوا گناہ سے بچ جاتا ہے اسی طرح گناہ کے ارادہ کرنے والے کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر آجائے (اگرچہ اللہ تعالیٰ کے دیگر صفات و افعال قہاریہ جباریہ کا ذکر نہ ہو) تو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی ہیبت اور اس کے عظیم شان کے تصور سے گناہ سے بچ جاتا ہے۔

فائدہ صوفیانہ دل کے نور سے منور ہونے کی شان یہ ہے کہ وہ نورِ دل کو رقیق بنائے اور صفات نفس اور اس کے کدورات و ظلمات سے اُسے صاف ستھرا کرے اور اس کی سختی دور فرمائے اس کی علامت یہ ہے کہ نورانی دل ذکر الٰہی سے نرم ہو جاتا ہے بلکہ اسے ہر گھڑی شوقِ الٰہی دامنگیر رہتا ہے۔ یہ مبتدیوں کے متعلق ہے اور منتہیوں کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ انہیں ذکرِ الٰہی سے اطمینان و سکون نصیب ہوتا ہے۔

حکایت اسلام میں نئے لوگ شریک ہوتے تو قرآن مجید سُن کر روتے آہیں بھرتے۔ گریہ و زاری کرتے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ابتدائے اسلام میں ہماری بھی یہی کیفیت تھی لیکن اب ہمارے دل سخت ہوگئے۔

فائدہ اس سے وہ سختی مراد نہیں جو عام مشہور ہیں بلکہ قساوتِ قلبی سے مراد یہ ہے کہ ہمارے دل اطمینان و سکون کے انتہائی مرتبہ کو پہنچ چکے ہیں اس لئے اب گریہ و زاری ہمارے قلوب کو لاحق نہیں ہوتا۔

وَاِذَا تُلِيَتْ اور جب پڑھی جاتی ہیں عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ اُن کے سامنے اللہ تعالیٰ کے آیات یعنی جب وہ قرآن مجید کے اوامر و نواہی اور دیگر مضامین سنتے ہیں زَادَتْهُمْ تو بڑھا دیتی ہیں اِيْمَانًا اُن کے ایمان اور یقین اور اُن کے نفوس کے اطمینان کو یہ اسناد مجازی ہے یعنی ایمان کو اللہ تعالیٰ بڑھاتا ہے لیکن یہاں آیات کی طرف اسناد مجازی ہے یعنی ایمان کو اللہ تعالیٰ بڑھاتا ہے لیکن یہاں آیات کی طرف اسناد ہے اس لئے کہ دلائل اور و براہین کی پختگی اطمینان قلبی و قوۃ یقین میں اضافہ کرتی ہے۔

مسئلہ حضرت علامہ تفتازانی ان کی اتباع میں مولانا ابومسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نفس تصدیق زیادہ و نقصان اور اضافہ کو قبول کرتی ہے تاکہ انبیاء علیہم السلام اور ارباب مکاشفات اور عوام امت کے یقین کے درمیان فرق ظاہر ہو جائے اس لئے حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا لو کشف الغطاء ما دت یقیناً اگر پردے کھل جائیں تو میرے یقین میں اضافہ ہوتا ہے۔ اسی طرح فرق ہو۔ ان مسائل کے درمیان کہ کسی کے ثبوت میں صرف ایک دلیل ہوتی ہے اور کسی پر دلائل کثیرہ ہوتے ہیں۔

فائدہ تفسیر کاشفی میں ہے کہ حقائق سلمی میں ہے کہ تلاوت قرآن مجید کی برکت سے دل کے اندر ایک نور یقین پیدا ہوتا ہے اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ نورِ یقین سے طاعت الٰہی کے لئے دل کو شوق ہوتا ہے۔ بحرالحقائق میں بھی

ہے کہ ایمان حقیقی ایک نور ہے کہ دل کے دریچہ کی وسعت کے مطابق دل میں چمکتا ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت کی برکت سے دل کے دریچہ میں کشادگی پیدا ہوتی ہے بنابریں نورِ ایمان اُس پر اُسی وُسعت کے مطابق چمکتا ہے جس کی وجہ سے وہ حضراتِ جمالِ الٰہی میں مستغرق رہتے ہیں۔

وَّعَلٰی رَبِّهِمۡ اور اپنے اللہ تعالیٰ پر یعنی مالک اور بندوں کا جملہ اُمور کا تدبیرہ کنندہ يَتَوَكَّلُوۡنَ ۚ توکل کرتے ہیں یعنی اپنے جملہ اُمور میں اسی کی طرف سپرد کرتے اور صرف اُسی سے ڈرتے اور صرف اُسی پر امید رکھتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے عَلٰی رَبِّهِمۡ يَتَوَكَّلُوۡنَ ۰ اپنے رب کریم پر توکل کرتے ہیں نہ کہ دنیا اور اُس کے اہل پر اس لئے کہ جو لوگ نُورِ ایمان سے حق کے جمال وجلال کا مشاہدہ کرتے ہیں تو وہ شہودِ حق کے بحرِ بے کنار میں غوطہ زن ہو کر کسی کی طرف توجہ نہیں کرتے اور نہ ہی انہیں اس شہود کے استغراق سے فراغت ملتی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انہیں جملہ موجوداتِ جلالِ الٰہی کے مشاہدہ سے لاشئے نظر آتے ہیں اس لئے انہیں صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہوتا ہے نہ اُس کے غیر پر

① ہر کہ او در بحر مستغرق شود
فارغ از کشتی واز زورق شود

② غرقہ دریا بجز دریا ندید
غیر دریا ہست بروئے ناپدید

ترجمہ: ① جو دریا میں غرق ہوتا ہے اسے کشتی وغیرہ کی ضرورت نہیں۔

② غرق شدہ دریا کا دریا کے سوا کچھ نہیں دیکھتا سوائے دریا کے اس کے ہر شے ناپدید ہے (ظاہرشی)

ربط وہ اعمالِ حسنہ جنہیں اعمالِ قلوب سے تعلق ہے (جیسے خشیہ اور خوفِ الٰہی جو جلال عظمتِ الٰہی کے ملاحظہ سے پیدا ہوتا ہے) اسی طرح اخلاص وتوکل) کا ذکر کیا اب ان افعال جوارح کا ذکر فرمایا جن پر اعمال قلوب کا دارومدار ہے جیسے نماز صدقہ وغیرہ اس لئے فرمایا اَلَّذِيۡنَ يُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وہ جو نماز قائم کرتے ہیں یعنی وضو کر کے اوقاتِ مقررہ پر خشوع وخضوع سے رکوع وسجود کی صحت کا خیال کر کے نماز ادا کرتے ہیں۔ یہ جملہ مرفوع ہے اس لئے کہ یہ موصول اوّل کی صفت ہے۔ وَمِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ اور جتنا مال و دولت ہم نے انہیں عنایت فرمائی ہے اس سے يُنۡفِقُوۡنَ ؕ اللہ تعالیٰ کی طاعت میں خرچ کرتے ہیں۔ نماز وزکوٰۃ کی تخصیص صرف اہمیت و عظمت کی وجہ سے ہے تاکہ بندگانِ خدا کو معلوم ہو کہ ان کا ادا کرنا ضروری ہے اور مہتم بالشان ہے۔ اُولٰٓئِكَ یعنی وہ لوگ جو ظاہری باطنی اعمال کے جامع ہیں۔ هُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وہی مومن ہیں حَقًّا ؕ یقیناً اس لئے کہ انہوں نے اپنے ایمان کو مزین فرمایا لَهُمۡ دَرَجٰتٌ اُن کے بہت بلند مراتب ہیں۔ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ اپنے رب کریم کے ہاں بہت

بڑی تعظیم و تکریم ہو گی اور بہت بڑے بلند مراتب ہوں گے اور قرب الٰہی نصیب ہو گا۔ بعض مفسرین نے فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے اعمال کی مقدار میں بہشت میں انہیں بہت بڑے مراتب و درجات نصیب ہوں گے

قاعدہ لغویہ مشارق الانوار میں لکھتے ہیں کہ (الدرجہ) اگر بمعنے المرقاۃ (سیڑھی) ہو تو اس کی جمع درج آئے گی۔ اگر بمعنے المرتبہ والطبقہ ہو تو اس کی جمع درجات ہو گی۔

وَمَغْفِرَةٌ اور تمہارے گناہ کی مغفرت ہو گی **وَرِزْقٌ كَرِيمٌ** اور رزق کریم نصیب ہو گا۔ یعنی وہ بہتر روزی نصیب ہو گی جس میں کسی قسم کی تکلیف اور پریشانی نہیں اٹھانی پڑے گی اور نہ ہی اس پر کوئی حساب کتاب ہو گا اور نہ ہی اس میں ختم ہونے اور نہ ملنے کا خوف و خطرہ ہو گا۔ یعنی جیسے دنیا میں ہر ایک کو روزی ملتی تھی اس سے کہیں بڑھ کر اور بہتر آخرت میں ملے گی۔

قاموس میں ہے کہ رزقًا کریمًا کثیرًا ہے۔ ایسے ہی کہا جاتا ہے "قولًا کریمًا سہلًا لینًا یعنی اکرمہ و کرمہ عظمہ و نزہہ۔ امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "رزق کریم وہ ہے کہ مرزوق اللہ تعالیٰ کے مشاہدات سے ہر وقت بہرہ ور ہو۔

① تو ز روزی دہ بروزی دامان
از سبب بگذر مسبب ہیں عیاں
② از مسبب میرسد ہر خیر و شر
نیست ز اسباب وسائط اے پدر
③ اصل بیند دیدہ چوں اکمل بود
فرع بیند دیدہ چوں احول بود

ترجمہ ① روزی دینے والے پر سہارا کر روزی کا فکر نہ کر سبب سے گذر مسبّب (سبب بنانے والا) کو دیکھ۔
② مسبب سے ہی ہر خیر و شر پہنچتا ہے نہ کہ اسباب و وسائل سے اے بزرگ۔
③ جب آنکھ کامل ترہو وہی اصل کو دیکھتی ہے فرع کو وہ آنکھ دیکھتی ہے جو بھینگی ہو۔

فائدہ تمام عباداتِ جسمانی سے نماز افضل اور تمام عباداتِ مالی سے صدقہ افضل و اکمل ہے۔ (کذا فی المجالس المحمودیہ)۔

حکایت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا مروی ہے کہ بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنا قمیص مبارک سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو دے کر فرمایا کہ اس کے عوض صاحبزادے حسن رضی اللہ عنہ جو کچھ چاہیں خرید دیں۔ وہ قمیص مبارک چھ درہم میں بیچا گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ وہ قمیص بیچ کر واپس آرہے تھے کہ راستے میں ایک سائل نے سوال کیا تو آپ نے اسے یہ چھ درہم دے دیئے اس کے بعد آپ کو ایک شخص ملا جو اونٹنی لے کر جا رہا تھا۔ آپ نے اس سے ادھار ایک سو ساٹھ دینار میں خرید لی۔ اس کے بعد

آپ کو ایک اور شخص ملا جو اونٹنی کا خریدار تھا آپ نے اُسے وہی اونٹنی ساٹھ دینار اور چھ دراہم میں بیچی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ اب اونٹنی کی رقم نقد مل گئی ہے فلہٰذا ادھار والے کو قرضہ دیدوں۔ آپ نے اسے بہت تلاش کیا لیکن نہ پایا۔ آپ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جا کر واقعہ عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ سائل تو رضوان جنت تھا اور اونٹنی بیچنے والے جبریل علیہ السلام اور خریدنے والے میکائیل علیہ السلام تھے۔

فائدہ اس حکایت سے صدقہ کی فضیلت کا اظہار مقصود ہے۔

عالم باعمل کی فضیلت حضور سرورِ عالم عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ چار اشخاص بغیر حساب و کتاب بہشت کے دروازہ پر جائیں گے۔

① وہ حاجی جس نے شر و فساد سے محفوظ ہو کر حج کیا۔

② وہ شہید جو معرکۂ جنگ میں مارا گیا۔

③ وہ سخی جس نے سخاوت کے وقت ریا سمعہ کو دخیل نہ ہونے دیا۔

④ وہ عالم دین جس نے علم کے مطابق عمل کیا۔ یہ ہر چہار بہشت کے دروازہ پر پہنچ کر بہشت کے اندر داخل ہونے پر ایک دوسرے سے سبقت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ جبریل علیہ السلام کو بھیج کر فیصلہ فرمائے گا جبریل علیہ السلام تشریف لا کر پہلے شہید سے فرمائیں گے کہ تم کس عمل کے بل بوتے بہشت میں سب سے پہلے داخل ہونے کی امید رکھتے ہو۔ شہید کہے گا میں معرکۂ جنگ میں اللہ تعالیٰ کی رضا پر مارا گیا جبریل علیہ السلام فرمائیں گے تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ جو شخص شہید ہو جائے وہ سب سے پہلے بہشت میں جائے گا۔ شہید کہے گا میں نے علمائے کرام سے ایسے ہی سُنا تھا جبریل علیہ السلام فرمائیں گے پھر تمہیں تو اپنے استاد صاحب کا ادب لازمی ہے اس لئے عالم دین سے سبقت نہ کیجئے اس کے بعد حاجی اور سخی سے بھی اسی طرح کی گفتگو ہوگی۔ انہیں بھی یہی فرمان ہوگا کہ جاؤ سب سے پہلے بہشت میں۔ وہ وہیں پر عرض کرے گا یا الٰہ العٰلمین مجھے یہ دولت سخی کی سخاوت سے نصیب ہوئی اس لئے میں چاہتا ہوں کہ میرے سے پہلے ہی سخی بہشت میں داخل ہو۔

عالم باعمل و بے عمل کا فرق

اس میں اشارہ ہے کہ عالم سے باعمل مراد ہے۔ اس لئے کہ انصاف وہی کرتا ہے جس کے نفس کی اصلاح ہو چکی ہو اور نفس کی اصلاح عمل کے بغیر ناممکن ہے اس لئے عوام کو علمائے ظواہر سے دھوکہ نہ کھانا چاہیئے اس لئے کہ صرف علم نجات دہندہ نہیں ہو سکتا ہے اگر کسی کا یہ مذہب ہو تو وہ غلط اور فاسد ہے کیونکہ عالم بے عمل بلکہ عالم فاسق و فاجر ہو تو وہ سخت عذاب میں مبتلا ہوگا اسے جاہل سے بھی زائد عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ یقین جانیئے کہ عالم سے باعمل مراد ہے باعمل عالم ہی قلب کی صفائی کر کے عرفان کی منزلیں طے کر سکتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ یقین کرنا چاہیئے کہ آیت میں جن حضرات کا ذکر ہوا وہ یقیناً مؤمن ہیں اس لئے کہ صرف انہوں نے ہی اپنے اموال و نفوس راہ حق میں نثار کئے اور علائق بدنیہ و مالیہ سے فارغ ہو کر بقا باللہ کے مراتب کو پہنچے۔ بلکہ یوں کہا جائے کہ انہوں نے ماسوی اللہ یہاں تک کہ اپنے نفوس کو بھی ترک کیا اور ظاہر ہے جس کی یہ حالت ہو کہ ذاتِ حق کی خاطر ماسوی اللہ سے علیحدگی اختیار کرے تو وہ حق رکھتا ہے کہ وہ اپنے جمیع مرادات کی انتہائی منزل کو پہنچے اور اللہ تعالیٰ اس پر یوں نوازش فرمائے کہ اس کی جملہ مرادیں پوری فرمائے اور اُس کے جملہ اُمور اس کی آرزو پر مکمل کرے۔

تفسیر عالمانہ كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ جیسے تجھے تیرے رب تعالیٰ نے نکالا۔

سوال حضور علیہ السلام کو جنگ کے لئے نکالنے والے کفار تھے لیکن یہاں پر اللہ تعالیٰ اُسے اپنی طرف منسوب فرماتا ہے؟

جواب چونکہ ہر امر کا آمر اللہ تعالیٰ ہے اور ہر فعل کا مسبب حقیقی وہی ہے مروی ہے کہ جب کفار مکہ مکرمہ سے جنگ کی تیاری کرنے لگے تو حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی اللہ تعالیٰ آپ کو حکم فرماتا ہے کہ آپ مکہ والوں سے لڑیں۔

مِنْۢ بَیْتِكَ آپ کے گھر مدینہ طیبہ سے بِالْحَقِّ اَخْرَجَكَ کے مفعول سے حال ہے یعنی آپ گھر سے نکالے گئے درانحالیکہ آپ حق کے ساتھ ملتبس تھے۔

فائدہ یہاں پر حق سے اظہار دین اللہ اور قہراً اعداً اللہ مراد ہے اور كَمَآ اَخْرَجَكَ کا کاف اوّل محلاً مرفوع اس لئے کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی ھٰذِہِ الْحَالُ كَمَا اَخْرَجَكَ الخ اور ھٰذِہِ الْحَالُ سے غنائم کی تقسیم مراد ہے یعنی جیسے آپ مامور من اللہ ہوئے کہ بدر سے حاصل شدہ غنائم کو نوجوانوں بوڑھوں اور آرام سے خیموں میں بیٹھنے والے کے درمیان برابر طور تقسیم فرمائیں اسی طرح جنگ کے لئے آپ کا نکالا جانا امر من اللہ ہے فلہٰذا جیسے تقسیم اُن کی طبع کو ناپسند تھی۔ ایسے ہی آپ کا مخالفین سے مقابلہ کرنا بھی انہیں ناگوار ہے لیکن آپ اسمیں مجبور ہیں اس لئے کہ آپ مامور من اللہ ہیں۔

وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝ اور بے شک اہل ایمان کا گروہ جنگ کو جانے کے لئے ناخوش ہے اُس کی ناخوشی یا جنگ سے طبعی کراہت کی وجہ سے تھا یا اس لئے کہ انہیں جنگ کی حاضری کی استعداد نہیں تھی مالی کمزوری کی وجہ سے یا بوجہ دیگر۔

سوال از شیعہ اگر طبع کی نفرت کراہت تھی تو پھر وہ مؤمن کاہے کے ہوئے چہ جائیکہ انہیں صحابیت کا درجہ دیا جائے؟

جواب از سنی[1] انسانی فطرت اپنے اختیار سے باہر ہوتی ہے اور طبعی نفرت ایک غیر اختیاری فعل تھا اور غیر

---

[1] مزید جوابات فقیر کی کتاب "آئینہ مذہب شیعہ" میں دیکھئے۔

اختیاری فعل پر نہ جرم لکھا جاتا ہے نہ گناہ دکھا قال تعالیٰ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا اور رفع عن امتی الخطاء والنسیان ۔

غزوۂ بدر کیوں پیش آیا

مروی ہے کہ قریش کا قافلہ بہت مالِ تجارت سے نفع یاب ہو کر شام کے ملک سے آرہا تھا۔ اس میں چالیس سوار تھے اس قافلہ میں ابوسفیان اور عمرو بن العاص مخرمہ بن نوفل تھے یہ ۲ھ کا واقعہ ہے۔ جبریل علیہ السلام نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قافلہ کی خبر دی۔ آپ نے مسلمانوں کو بتایا تو مسلمان بہت خوش ہوئے اور کہا کہ مفت کے مال کو کون چھوڑتا ہے اس لئے کہ قافلہ کا مال بہت زیادہ اور اس کے نگران بہت تھوڑے ہیں فلہٰذا اس قافلہ کو لوٹنا چاہیئے۔ یہ کہہ کر تیاری شروع کر دی۔ ابوسفیان کو معلوم ہوا تو اس نے ضمیضم بن عمرو غفاری کو مکہ بھیجا اور ابوجہل وغیرہ کو صورتحال سے آگاہ کیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ ابوجہل کو کہنا کہ قریش مکہ کو صورتِ حال سنا دو اور کہہ دو کہ میرے قافلے کو لوٹنے کے لئے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام تیار ہو رہے ہیں تم میں اگر غیرت ہے تو آجاؤ۔ اس خبر نے مکہ والوں کے اندر کھلبلی مچا دی۔ ابوجہل نے مکہ معظمہ کے لوگوں کو مزید غیرت دلانے کے لئے اور اعلان کیا یا اھل المکۃ النجا النجا علی کل صعب و ذلول غیرکم و اموالکم یعنی اپنے قافلہ اور اموال کو جلد سنبھالو ورنہ اگر محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے غلاموں کے ہاتھ لگ گیا تو پھر قیامت تک نہیں ملے گا اور نہ ہی پھر تمہیں ٹھکانا نصیب ہوگا۔

بی بی عاتکہ کا ایک خواب

بی بی عاتکہ یعنی حضرت عباس بن عبد المطلب کی ہمشیرہ نے ضمضم بن عمرو الغفاری کے پیغام پہنچنے سے تین راتیں پہلے ایک خواب دیکھا کہ ایک فرشتہ آسمان سے اُترا ہے اس نے ایک پتھر شہر مکہ پر پھینکا جس سے مکہ کی تمام آبادی تباہ و برباد ہو گئی۔ بی بی نے اپنے بھائی کو خواب سنایا یعنی حضرت عباس کو۔ انہوں نے اپنے دوست عتبہ بن ربیعہ بن شمس نامی کو۔ اُس نے اپنی لڑکی کو سنایا تو خبر مکہ میں عام ہو گئی۔ اس سے اہل مکہ گھبرا گئے۔ ابوجہل نے حضرت عباس کو عار دلاتے ہوئے کہا " یا ابا الفضل ما یرضٰی رجالکم ان یتنبأ واحتی تنبأت نساؤکم۔ اے ابوالفضل تمہارے مرد وں سے نبوت کے دعویٰ سے خوش ہوتے ہیں۔ اس سے اس کا مطلب یہ تھا کہ عورتوں کے خواب بھی کچھ وقعت رکھتے ہیں کہ جب سے تم نے عاتکہ کا خواب سنا ہے تو گھبرا گئے ہو۔ یہ کہہ کر اہل مکہ کو ابوسفیان کے قافلہ کو واپس لانے کی تیاری میں لگ گیا جب اہل مکہ کے بہادر اور چھوٹے بڑے تیار ہو کر بدر کی طرف روانہ ہوئے تو راستہ میں اطلاع ملی کہ قافلہ سلامت بچ کر آرہا ہے فلہٰذا واپس چلے جانا چاہیئے۔ ابوجہل نے کہا اب ہم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اُن کے نام لیواؤں کو مٹا کر چھوڑیں گے۔ ہم بدر میں ضرور جائیں گے مسلمانوں کو ختم کر کے وہاں جشن منائیں گے اونٹ ذبح کر کے خوب شراب نوشی ہو گی

اور سرود گانے وغیرہ کی محفلیں جمائیں گے واپس لوٹنا مردوں کا کام نہیں جبکہ تمام عرب میں مشہور ہوگیا ہے کہ ہم جنگ کے لئے گھر سے نکل کھڑے ہوئے ہیں اگر واپس لوٹیں تو لوگ ہمیں کیا کہیں گے۔ یہ کہتا ہوا اپنے تمام لشکر کو بدر تک لالیا

فائدہ بدر ایک کنوئیں کا نام ہے اہل عرب سال میں ایک دفعہ وہاں آکر جشن مناتے۔

بدر کی فتح کا مژدۂ بہار حضور سرور عالم کو جبریل علیہ السلام نے قبل از وقت خوشخبری سنائی کہ آپ کو قافلہ کا مال حاصل ہوگا یا پھر بدر کی لڑائی میں آپ کو فتح ونصرت اور غلبہ نصیب ہوگا۔ آپ کو ان دو میں سے ایک کا اختیار ہے جسے چاہیں۔ آپ نے اپنے یاروں سے مشورہ لیا کہ ادھر مکہ سے کفار ہمارے ساتھ جنگ کرنے کے لئے چل نکلے ہیں اور وہ اپنے تمام زور بازو کو یہاں آکر آزمائیں گے۔ لیکن تم بتاؤ لڑو گے یا وہی مال ومتاع کا بھرا ہوا قافلہ چاہیئے۔ بعض صحابہ نے کہا کہ لڑائی سے تو مال ومتاع بہتر ہے کون جلتے دشمن کے منہ میں۔ یہ جواب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت ناخوشگوار ہوا جس سے آپ کا چہرہ مبارک غصہ آور ہوا پھر فرمایا خدا کے بندے قافلہ تو یہاں سے نکل کر مکہ کی حدود کو پہنچ گیا۔ لیکن بدبخت ابوجہل لشکر لے کر تمہارے سروں پر آگیا ہے اب بتاؤ کیا چاہتے ہو۔ اس سے آپ نے اپنی رائے گرامی کا اظہار فرمادیا کہ اب ہمارے لئے سوائے جنگ وجہاد کے اور کوئی چارہ نہیں رہا۔ اس کے باوجود بھی بعض کے منہ سے وہی نکلا کہ چھوڑیئے حضرت! جلتے دیکھئے کون لڑتا ہے دشمن کے ساتھ آپ وہی قافلہ والی بات کیجئے۔ آپ اس سے سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ جہاد میں تمہارا فائدہ ہے اس لئے کہ فتح ونصرت کا وعدہ تو منجانب اللہ ہو چکا ہے اب ہم ان دشمنوں کو ضرور مار بھگائیں گے۔ اس سے عالم دنیا میں ہماری بہادری کی دھاک بیٹھ جائے گی اور اسلام کی فتح ونصرت سے کفر کو شکست ہوگی اس سے اسلام کی شان وشوکت کا سکہ ہر دل پر بیٹھ جائے گا۔ یہ فرما کر اُٹھے۔ آپ کے اُٹھنے پر سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہ بھی اُٹھ کھڑے ہوئے اُن کے بعد خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہ بھی تیار ہوگئے اور عرض کی سرکار! آپ اپنے عزم کو پختہ فرمایئے۔ بخدا ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ بال بچے جان ومال آپ پر قربان ہیں ہمیں جہاں لے جائیں ہم اپنی جان کا آخری قطرہ آپ کے قدموں پر قربان کریں گے ہم وہ نہیں ہیں جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا" اِذْھَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا ھٰهُنَا قَاعِدُوْنَ ۔ یعنی جاؤ تم اور تمہارا خدا جاکر دشمنوں سے لڑو۔ ہم تو یہاں بیٹھے ہیں بلکہ ہم تو جب تک جسم میں جان ہے اس وقت تک ہم آپ کے اشاروں پر مر مٹنے کو تیار ہیں۔ اس سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوش ہوکر تبسم فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا اے انصاریو! تم بتاؤ کیا تم میری معاونت کرو گے یا نہیں یہ جنگ فیصلہ کن ثابت ہوگی تم اپنے دل کی بتاؤ۔ انصار سے خطاب کا مقصد یہ تھا کہ انہوں نے لیلۂ عقبیٰ میں وعدہ کیا تھا کہ آپ جبتک مدینہ طیبہ کے حدود میں رہیں گے آپ پر کوئی حملہ آور نہیں ہوسکتا اگر آپ پر کسی نے حملہ کیا تو ہم اس سے خود نپٹ لیں گے مدینہ طیبہ کے حدود سے باہر کے ہم ذمہ دار نہیں ہوں گے۔ یہ جنگ چونکہ شہر کے حدود سے باہر تھی اس لئے آپ چاہتے تھے کہ انصار سے بھی معاہدہ لیں۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خطاب سُن کر حضرت سعد [illegible] اللہ عنہ اُٹھے اور

عرض کی یا رسول اللہ آپ ہم سے مخاطب ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں! اس نے عرض کی اب تو ہم آپ پر فدا ہو چکے ہیں آپ ہماری جانوں کو جہاں چاہیں خرچ فرمائیں۔ ہماری خوش بختی ہے کہ آپ انہیں قبول فرمالیں۔ جب ہم نے آپ کا کلمہ پڑھ لیا ہے اور آپ کے غلام بے دام ہو گئے تو تجدید کا کیا معنے اب اگر ہمیں آپ دریا میں غوطہ لگانے کا فرمائیں تو ہم سوچے بغیر دریا میں چھلانگ لگا دیں گے اور صرف میں نہیں کہہ رہا بلکہ انصار کا بچہ بچہ کفن بردوش ہے۔ اور اس سے دل تنگ ہو کر نہیں بلکہ اس میں ہمارا دل ٹھنڈا ہوگا اور اس کو ہم اپنی آنکھوں کا نور سمجھیں گے۔ اب دیر کیا ہے چلئے۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی اس مخلصانہ تقریر سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا "سیروا علی برکۃ اللہ" چلو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر وَاَبْشِرُوْا فان اللہ وَعَدَنِی احد الطائفتین واللہ لکانی الان انظر الی مصارع القوم" اور تمہیں مبارک ہو کہ میرے اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ ان دونوں (قافلہ یا فتح ونصرت) میں سے ایک کا وعدہ فرمایا اور یقین کرو میں ابھی سے دشمنوں کے مرنے کے مقامات[1] دیکھ رہا ہوں۔ آیت کا معنے یوں ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے گھر سے اس لئے نکالا تاکہ آپ قافلہ کا تصور چھوڑ کر دشمنوں پر حملہ کرنے کی سوچیں۔ اگرچہ اس سے آپ کے بعض ساتھی اظہار کراہت کر رہے تھے لیکن آپ نے اپنے عزم کا جزم فرمایا۔

تفسیر عالمانہ یُجَادِلُوْنَکَ فِی الْحَقِّ آپ سے حق کے بارے میں جھگڑتے تھے۔ وہ چاہتے کہ قافلہ کا مال حاصل کیا جائے اور فرماتے کہ دشمنوں سے جہاد کر کے ان پر فتح ونصرت اور غلبہ پایا جائے۔ بَعْدَمَا تَبَیَّنَ یُجَادِلُوْنَکَ کا مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور ما مصدریہ ہے۔ یعنی باوجودیکہ آپ نے انہیں بتادیا کہ فتح ونصرت اور غلبہ تمہیں نصیب ہوگا۔ جو ان دونوں امور میں سے جسے چاہیں۔ لیکن وہ چاہتے کہ قافلہ کا مال حاصل ہو اور وہ آپ سے یہی منوانے اور کہتے کہ ہم صرف قافلہ کا مال حاصل کریں گے اور آپ ہمیں جنگ وجدل کے لئے مجبور نہ کریں۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں ایک گروہ تو اس لئے جنگ سے اظہار کراہت کرتے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مدینہ طیبہ سے باہر نہ جائیں۔ دوسرا گروہ جنگ سے کراہت کی وجہ سے رکاوٹ ڈالتا۔ کَاَنَّمَا یُسَاقُوْنَ اِلَی الْمَوْتِ۔ یہ کاف محلاً منصوب ہے اور یکارہون کی ھم ضمیر سے حال ہے یعنی گویا وہ موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں جو موت سے گھبراتے اور نفرت کرتے ہیں۔ وَھُمْ یَنْظُرُوْنَ ۝ یہ یساقون کی ھم ضمیر سے حال ہے یعنی ان کا حال یہ تھا کہ وہ موت کے اسباب دیکھتے تھے۔ گویا اسے وہ اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کر رہے ہیں۔

ازالہ وہم اس سے شیعہ کو وہم ہوگا کہ ان لوگوں نے جنگ سے لیت ولعل کیوں کی۔ حالانکہ اصل وجہ یہ تھی کہ اس وقت وہ جنگ کے اسباب سے بالکل فارغ تھے نہ ہتھیار نہ تلوار اور جنگ کے لئے سواریاں بھی نہ تھیں حالانکہ یہ دونوں امر جنگ کا اہم جزو تھے اور خصوصی وجہ یہ تھی کہ ان کی تعداد بہت کم تھی ورنہ عرب کی بہادری

---

[1] اسی کو ہم اہلسنت کہتے ہیں علم غیب اور یہی ہے "علم ما فی الغد" جسے وہابیہ شرک اور کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ۔

اور شجاعت ضرب المثل تھی اور لڑائی توان کا فطری جوہر تھا۔ پھر ڈر کاہے کا۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شوق کا اظہار فرمایا تو جان نثاری کی وہ مثال قائم فرمائی جس کی نظیر نہ سابقہ امم میں ملے اور نہ بعد کو ملنے کا امکان ہے۔

اعجوبہ غزوہ بدر کی روانگی کے وقت تین سو تیرہ بہادروں کا لشکر روانہ ہوا جنمیں صرف دو سواریوں والے تھے۔ یعنی حضرت زبیر و حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور باقی پیدل اور کفار کے ستر سوار اور چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں اور لشکر کفار کئی گنا زائد تھا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جذباتِ عنایت سے تحقیقی ایمان والوں کو وطن بشریت سے نکال کر اپنے قُربِ خاص میں جگہ دی جیسے آپ کے رب کریم نے آپ کو وجود سے حق کے ساتھ نکالا۔ یہاں پر حق سے وہ تجلی صفات جمال وجلال مراد ہے جو اللہ تعالیٰ سے آپ کو نصیب ہوئے **وَاِنَّ فَرِیۡقًا مِّنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ لَـکٰرِهُوۡنَ ۙ** یہاں پر مؤمنین سے قلب و رُوح مراد ہیں یعنی تجلی کے وقت فنا سے ہر ذی وجود گھبراتا ہے۔ **یُجَادِلُوۡنَكَ** یعنی روح و قلب آپ سے جھگڑتے ہیں۔ **فِی الۡحَقِّ** حق کے آنے کی وجہ سے **بَعۡدَ مَا تَبَيَّنَ** ۔ بعد حق کے ظہور کے فنا سے کراہت کرکے **كَاَنَّمَا يُسَاقُوۡنَ اِلَى الۡمَوۡتِ وَهُمۡ يَنۡظُرُوۡنَ ۙ** گویا وہ فنا کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہوتے ہیں حالانکہ فنا کے بعد بقا نصیب ہوتی ہے (التاویلات النجمیہ) مثنوی شریف میں ہے ؎

① شیرِ دُنیا جوید اشکارے وبرگ
شیرِ مولیٰ جوید آزادی و مرگ

② چونکہ اندر مرگ بیند صد وجود
ہمچو پروانہ بسوزد اندر وجود

③ کل شیءٍ ہالک جز وجہ او
چوں نۂ در وجہ او ہستی مجو

④ ہر کہ اندر وجہ ما باشد فنا
کل شیءٍ ہالک نبود جزا

⑤ وانکہ در الّاست او از لا گذشت
ہر کہ در الّاست او فانی نگشت

ترجمہ ① دنیا کا شیر شکار و اسباب کا متلاشی ہے اور شیر حق آزادی اور موت کا طالب ہے۔
② چونکہ وہ موت میں بے شمار وجود دیکھتا ہے اسی لئے پروانہ کی طرح اپنے وجود کو جلاتا ہے۔
③ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا باقی ہر شے کو فنا ہے جب تو نیست ہے تو پھر اس نیست سے ہستی

تلاش نہ کر۔

④ جو اللہ تعالیٰ کی ذات میں فانی ہوتا ہے اس کی کل شئے ہالک جزا نہیں ہوتی۔

⑤ جو اِلّا میں ہے وہ لا سے گذر گیا تو اِلّا میں ہے وہ فانی نہ ہوا۔

عقیدہ جیسے انبیاء علیہم السلام کی وحی پر اعتراض حرام ہے ایسے ہی اولیاء کرام کے الہامات واشارات پر اعتراض کرنا بھی جرمِ عظیم ہے سعادت اسی میں ہے کہ اُن کے ارشادات پر عمل کرنا چاہیئے۔

قاعدہ ہر صاحب وجود کو وجود محبوب ہوتا ہے لیکن اہلِ شہود کو فنا محبوب ومرغوب ہوتی ہے۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ تمام دنیوی لذات سے دور ہو اور نفس کو گندی اغراض سے پاک وصاف رکھے دنیا میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کا ہر حکم ہر شئے سے محبوب ترین ہو یہاں تک کہ آل واولاد اور ماں باپ اپنی جان سے بھی اس ذوق میں زندگی بسر کرے۔

حکایت بخاری شریف میں ہے حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ حضرتِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ پنجہ ملا کر چل رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ مجھے ساری کائنات سے محبوب ترین ہیں صرف مجھے اپنا نفس محبوب نظر آتا ہے۔ حضور سرورِ عالم نے فرمایا کہ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے جب تک مجھے اپنے نفس سے محبوب ترین نہیں سمجھو گے کامل ایمان نہیں ہو سکے گا یعنی ایمان کی تکمیل اس میں ہے کہ میری رضا کو اپنی رضا پر ترجیح دی جائے اگرچہ اس پر جان قربان کرنی پڑے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی اَلْآنَ وَاللّٰہِ اَنْتَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ نَّفْسِیْ مجھے اپنے نفس سے آپ محبوب ترین ہیں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے عمر اب تمہارا ایمان مکمل ہوا۔

فائدہ حضرت ابن الملک فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی محبت اختیاری مراد ہے طبعی نہیں اس لئے کہ طبعی طور انسان اپنی ذات کی محبت پر مجبور ہے کہ وہ اپنی ذات کو دوسروں پر ترجیح دے۔ لیکن حضور علیہ السلام کی محبت کو اپنی ذات پر بھی ترجیح دے۔

فائدہ یعنی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا اور خوشنودی اپنی رضا وخوشنودی پر ـــــــ ترجیح دے اس سے ایثار مراد ہے کما قال تعالیٰ ویؤثرون علٰے انفسہم ولو کان بھم خصاصۃ جیسے یہ ایثار کسی مؤثر کا محتاج نہیں اسی طرح نبی علیہ السلام کی محبت وایثار بھی کسی مؤثر کی محتاج نہیں۔ اس لئے آپ کی محبت ہر شے پر زائد ہونی چاہیئے۔

نکتۂ صوفیانہ اس سے بڑھ کر صوفیاء کرام کا پروگرام کچھ اور ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب نفس اپنی طبیعت سے فنا پذیر ہو جائے نہ اسے قلب کی خبر ہو اور نہ قالب کی تو پھر اس کی محبت کا کیا معنےٰ یعنی جب اسمیں دوئی نہ رہے اور اسے مقام محمود کا مرتبہ نصیب ہو جائے کہ جس کا نہ کوئی انتہا ہے اور نہ غایت

پھر اسے اپنی محبت کیسی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل و کرم سے وہی مرتبہ اور مقام نصیب عطا فرمائے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اور اے مومنو یاد کرو اس وقت کو جبکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ وعدہ فرمایا اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ دو گروہوں سے ایک کا یعنی ابوسفیان کے قافلے کو سامان سمیت دوں گا یا ابوجہل کے لشکر پر فتح و نصرت اور غلبہ عطا فرماؤں گا اَنَّھَا لَکُمْ یہ احدی (الطائفتین) سے بدل الاشتمال ہے وعدے کی کیفیت بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے۔ یعنی ان دونوں گروہوں میں سے ایک خالص تمہارے لئے ہوگا اور تم اُن پر ایسے مسلط ہوگے جیسے مالک اپنی ملکیت پر تسلط رکھتا ہے پھر جس طرح چاہو اس میں تصرف کرنا وَتَوَدُّوْنَ اس کا عطف یعدکم پر ہے اور یہ بھی (اُذْکُرُوْا) کے امر کے تحت ہے یعنی یاد کرو جبکہ تم چاہتے تھے اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَۃِ تَکُوْنُ لَکُمْ تمہارے لئے ان دو گروہوں میں سے وہ نصیب ہو جو ذات شوکۃ نہ ہو۔ ذات شوکہ سے وہ گروہ مراد ہے جو جنگ کے لئے تیار ہو کر آ رہا تھا جن کا سردار ابوجہل تھا وہ ایک ہزار بہادر جنگی ساتھ لے کر بدر کے میدان کی طرف بڑھ رہا تھا اور غیرت ذات الشوکہ سے قافلے والے لوگ مراد تھے جو صرف چالیس سوار تھے اُن کا سردار ابوسفیان تھا۔ اُن کی قلتِ تعداد کے پیش نظر بعض صحابہ نے چاہا کہ یہی گروہ ہمیں چاہیئے۔

حل لغات الشوکہ بمعنے تیزی۔ اس سے ہتھیار از قسم تلوار وغیرہ مُراد ہے اس لئے کہ اُن میں تیزی ہوتی ہے جیسے تیر و تلوار وغیرہ ہیں۔ تیر کی نوک کو شوکت کے واحد سے استعارہ کیا گیا ہے اور شوکت ایک کانٹے دار گھاس کو کہتے ہیں جس کے اوپر سوئی کی طرح چبھونے والی شے ہوتی ہے۔

وَیُرِیْدُ اللّٰہُ اس کا عطف یَوَدُّوْنَ پر ہے اور یہ بھی اُذْکُرُوْا کے حکم میں داخل ہے یعنی یاد کرو جبکہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ اور اپنے معمولی گروہ کی پسندیدگی اور اللہ تعالیٰ کے ارادہ کریمہ تھا اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ یعنی وہ چاہتا تھا کہ حق کا بول بولا ہو۔ بِکَلِمٰتِہٖ یعنی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ حق کو اپنے کلمات سے غلبہ دے۔ کلمات سے جہاد وَیَقْطَعَ دَابِرَ الْکٰفِرِیْنَ ہ اور کافرین کی جڑ کاٹ دے کہ وہ پھر سر نہ اُٹھا سکیں یعنی جب تم چاہتے تھے کہ بلا تکلیف مال و دولت حاصل ہو لیکن اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ وہ حق کا بول بالا کرے اور دین کو غلبہ دے اور تم دارین کی فلاح و کامیابی حاصل کرو لِیُحِقَّ الْحَقَّ وَیُبْطِلَ الْبَاطِلَ۔ یہ لام فعل مقدر مؤخر کے متعلق ہے یعنی اس مقصد جلیل یعنی اللہ تعالیٰ نے دین کے غلبہ اور کفر کے ابطال کے لئے کیا کچھ کیا اس کے سوا اور کوئی غرض و غایت نہیں تھی۔

سوال احقاقِ حق کا ذکر پہلے بھی ہوا اور اب بھی اس سے تکرار لازم آگیا اور وہ فصاحت کے خلاف ہے؟

جواب پہلے احقاق حق سے ہر دونوں ارادوں میں فرق ظاہر کرنا مطلوب ہے دوسرے احقاق سے بتانا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمہارے ارادے کو ٹھکرا کر جنگ کی آمادگی صرف اس لئے ظاہر فرماتے ہیں کہ کفار سے جنگ

کرنے میں اسلام کو فتح نصیب ہوگی اور کفار مرمٹیں گے ۔

سوال حق کا احقاق اور کفر کا ابطال خود پہلے سے ہی ایسے ہے پھر ان کو ان اوصاف سے موصوف کرنے کا کیا معنے ؟

جواب اُن کے یہ اوصاف ظاہر کرکے دکھلانا مطلوب ہے تاکہ حق والوں کو اطمینان اور کفر والوں کو خجالت حاصل ہو ۔

وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ؀ اگرچہ احقاق اور ابطال باطل سے مجرم یعنی مشرک نہ چاہیں **اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ** یاد کرو جب تم کامیابی کی دعائیں مانگتے تھے ۔ الاستغاثۃ بمعنے طلب اَلْفَوْزُ وَالنَّصْرُ وَالْعَوْنُ ۔ جب صحابہ کرام نے دیکھا اب لامحالہ جنگ پہ جانا ضروری ہے تو دعا مانگنے لگے **رب انصرنا علٰی عدوک یا غیاث المستغیثین اغثنا** " اے اللہ اپنے دشمنوں پر ہمیں کامیاب فرما اے فریادیوں کے فریادرس ہماری فریادرسی فرما ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناز کی ایک جھلک

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کو دیکھا کہ وہ ایک ہزار اور اپنے یاروں کی تعداد تین سو تیرہ سے کچھ اُوپر تو قبلہ کی طرف مُنہ کرکے دعا کے لئے ہاتھ پھیلائے **اَللّٰهُمَّ اِنْ تُهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةَ لَا تُعْبَدُ فِي الْاَرْضِ** اے اللہ تو نے جو میرے ساتھ وعدہ کیا اُسے پورا فرما ۔ اے اللہ کریم یہ مختصر سی جماعت اگر آج ماری گئی تو پھر تیری عبادت کرنے والا اور کوئی نہ ہوگا ۔[1] حضور علیہ السلام یہی کلمہ دہراتے رہے یہاں تک کہ آپ کی ردا مبارک کاندھے شریف سے گر پڑی ۔ اُسے اُٹھا کر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے کاندھے پاک پر رکھی اور عرض کی " **یا نبی اللہ کفاک مناشدتک ربک فانہ سینجز ما وعدک** اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اب بس کیجئے ۔ اللہ تعالیٰ آپ سے کیا ہوا وعدہ پورا فرمائے گا ۔[2]

سوال یہ استغاثہ جس طرح صحابہ کرام نے کیا ایسے ہی نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی تو پھر فعل کا اسناد صحابہ کی طرف کیوں ؟

جواب حضور علیہ السلام بھی اسمیں شامل تھے ۔ چنانچہ ابھی گذرا کہ آپ اپنے رب تعالیٰ سے دعا کرتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اُس پر (آمین) کہتے ۔

فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اس کا عطف تستغیثون پر ہے اور یہ بھی تذکیر کے حکم میں ہے یعنی یاد کرو جبکہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری دعا قبول فرمائی کہ **اَنِّيْ** بیشک میں **مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ** ۔ تمہاری ایک ہزار ملائکہ سے مدد کرنے والا ہوں درانحالیکہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو تمہاری مدد کے لئے ساتھ

---

[1] یہی ناز ہے جس کی نازبرداری اللہ تعالیٰ نے فرمائی ۔ ۱۲ ۔

[2] صدیق اکبر کا یقین ملاحظہ ہو ۔ لیکن شیعہ بدقسمتی سے ان پر ناجائز حملہ کرکے اپنا بیڑہ غرق کرتے ہیں ۔ ۱۲ اویسی غفرلہ

ملانے والے ہوں گے یعنی اُن کے سردار آگے آگے اور اُن کے متبعین اُن کے پیچھے پیچھے آنے لگے یہاں تک کہ ایک ہزار کے بعد تین ہزار پھر پانچ ہزار ہو گئے۔ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اس کا عطف فعل مقدر پر ہے کہ دراصل نامدکم اللّٰہ بانزال الْمَلٰٓئِکَۃِ عیانا وَمَا جَعَلَهُ الخ تھا یعنی پس ان ملائکہ کو کھلم کھلا نازل کر کے تمہاری مدد فرمائی اور وہ مدد کسی اور غرض پر مبنی نہ تھی۔ اِلَّا بُشْرٰی صرف تمہاری خوشنودی کے لئے تھی تاکہ تمہیں خوشی ہو کہ تم فتحیاب ہو گے اعم العال سے یہ استثنا مفرغ ہے وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ اور اس امداد سے مطمئن ہوں قُلُوْبُكُمْ تمہارے دل تاکہ تمہارے دل کا وہ خطرہ ٹل جائے کہ ہم قلیل المقدار اور بے سروسامان ہیں۔

سوال حرف استثنا سے معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ کا نزول صرف اُن کی بشارۃ تک محدود رہا۔ اگر یہی بات ہے تو پھر اُسے امداد سے کیا تعلق؟

جواب یہ بھی ایک قسم کی مدد ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل ملائکہ کے نزول سے مضبوط ہو گئے اور اُن کی قلت کثرت سے بدل گئی وغیرہ ورنہ اگر وہ لڑائی کے لئے آتے تو ان کی اتنی کثیر التعداد کی ضرورت ہی کیا تھی۔ کافروں کے لئے تو صرف ایک فرشتہ بھی کافی تھا۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے صرف ایک پر سے لوط علیہ السلام کی قوم کے سات شہر آسمان پر اُٹھا کر زمین پر دے پٹخے۔ اسی طرح صرف ایک چیخ سے ثمود کی قوم کا تختہ اُلٹ دیا۔

فائدہ منقول ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام پانچ سو فرشتے لے کر لشکرِ اسلام کے میمنہ میں شامل ہوئے۔ اس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے اور میکائیل علیہ السلام پانچ سو فرشتے لے کر میسرہ میں شامل ہوا اسمیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے۔

فائدہ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ملائکہ غزوۂ بدر میں لڑائی میں شریک رہے لیکن غزوہ احزاب میں حاضر تو ہوئے لیکن لڑائی میں شرکت نہیں کی تھی۔ اسی طرح غزوۂ حُنین میں بھی صرف شرکت کی۔

فائدہ مروی ہے کہ ایک صحابی فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مشرک کی گردن اُڑانے کے لئے تلوار ماری لیکن میری تلوار کے پہنچنے سے پہلے اس کا سر اُڑ چکا تھا۔

وَمَا النَّصْرُ علی الاطلاق حقیقی فتح و نصرت نصیب نہیں ہوتی اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ مگر اللہ تعالیٰ سے یعنی سبب و ذریعہ کے بغیر صرف اللہ تعالیٰ کی مدد ہوتی ہے باقی رہا ملائکہ کا نزول یا کثرت عدد اور دیگر جنگی سامان وغیرہ جو سب ذرائع و وسائل ہیں۔ اسمیں ذاتی طور کسی قسم کی تاثیر نہیں ہوتی ان ذرائع و اسباب پر فتح و نصرت کے لئے بھروسہ مت کرو اور نہ ہی اُن کے نہ ہونے سے اللہ تعالیٰ کی مدد سے مایوس ہو۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ؎

النصر لیس یاجنا و مجندۃ
لکنہ بسعادات و توفیق

ترجمہ: فتح و نصرت لشکروں کی محتاج نہیں ہاں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی عنایات بے غایات پر وہ ضرور منحصر ہے

اِنَّ اللّٰہَ عَزِیۡزٌ بے شک اللہ تعالیٰ غالب ہے کہ اس حکم پر نہ کسی کو غلبہ ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس کے فیصلوں کو کوئی ٹال سکتا ہے۔ حَکِیۡمٌ وہ حکیم ہے جس طرح اس کی حکمت و مصلحت کا تقاضا ہوتا ہے ویسے ہی کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ ملائکہ ہر حق والے لشکر کی امداد کرتے ہیں اگرچہ ہم نہ ان کا مشاہدہ کر سکتے ہیں اور نہ ہی انہیں آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں اور ملائکہ سے مراد عند الصوفیہ قوی روحانیہ غالب مراد ہیں کہ جب وہ کسی جہاد اکبر کے مجاہدہ میں ظاہر ہوتے ہیں تو ان کے نفوس شریرہ مغلوبہ مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اسی طرح ان کا مقابلہ ان کے مظاہر کفار بھی نہیں کر سکتے دراصل یہ قوتِ یقین و اطمینان سے نصیب ہوتی ہے۔

فائدہ بنی اسرائیل کو ملائکہ کے بجائے سکینہ و نصرت کا سبب بنتی۔ سکینہ ایک ساکن ہوا کو کہا جاتا ہے جو دشمن کے قلوب کو اپنی آواز میں لے لیتی۔ اس کی وجہ سے دشمن پر رعب چھا جاتا تھا۔ اس کا نزول دو صفوں (اہل ایمان و کفر) کے وقت ہوتا تھا۔ یہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کا معجزہ اور نیک دل بادشاہوں کے لئے کرامت متصور ہوتی تھی۔

سکینہ کے دیگر معانی معنے مذکور کے علاوہ سکینہ کے دیگر دو معانی اور ہیں۔

① وہ ایک لطیفہ ربانی ہے جو حکمت کے تیار کرنے والے قلب میں ڈالی جاتی ہے جیسے انبیاء علیہم السلام کے دل پر وحی کا القاء ہوتا ہے جس سے وہ اسرار کو بیان کرتا ہے اور اس پر رموز ربانی منکشف ہوتے ہیں۔

② ایک قوۃ کا نام ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کو نصیب ہوئی وہ نور و قوۃ و روح کا مجموعہ تھا کہ اس سے خوفزدہ کو سکون اور غمزدہ کو تسلی و اطمینان نصیب ہوتا۔ ان سے پھر بطور وراثت یہ قوت مجاہدین فی سبیل اللہ کو نصیب ہوتی ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا

سوال اگر یہی بات ہے تو پھر نبی علیہ السلام اور صحابہ کرام اور مجاہدین فی سبیل اللہ کو کفار کے مقابلہ میں شکست کیوں ہوئی؟

جواب بعض مواقع اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے تحت اسے ظاہر نہیں فرماتا۔ جس سے غافل تو بے خبر ہیں۔ البتہ اللہ والوں سے وہ حکمت مخفی نہیں ہوتی۔ ؎

ہر خلل کاندر عمل بینی ز نقصان دل ست

رخنہ کاندر قصر بینی از قصور قیصر است

ترجمہ: وہ خلل جو کام میں دیکھتے ہو وہ دل کی خرابی سے ہے وہ خلل جو محل (مکان۔ عمارت) میں ہے وہ بنانے

والے کی وجہ سے ہے۔

فائدہ ہر پچھلا دور پہلے دور کی بہ نسبت تنزل میں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض جنگوں میں شکست فاش ہوتی ہے بلکہ کافروں کو کہا جاتا ہے ان (اہل ایمان فاجروں فاسقوں کی گردن اڑا دو[1]

نکتہ از شیر خدا رضی اللہ عنہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالی سے عرض کی گئی آپ کی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں کیا معاملہ تھا کہ خانہ جنگیوں میں گذری اور شیخین (ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کا دور کتنا ترقی پر تھا۔ حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا شیخین کے دور میں عثمان رضی اللہ عنہ معاون تھے اور ہمارے دور میں تمہارے جیسے کمزور لوگ ہمارے معاون تھے اب خود ہی سمجھ لو کہ ہمارے دور کی کمی کس وجہ سے ہوئی اور شیخین رضی اللہ عنہما کے دور میں ترقی کس وجہ سے۔

سبق مجاہدین پر لازم ہے کہ وہ ہر وقت اللہ تعالی سے تضرع وزاری کریں جیسے غزوہ بدر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تضرع وزاری کی تو کامیاب وکامران ہوئے۔

دعائے ضعیفانِ امیدوار
ز بازوئے مردی بہ آید بکار

ترجمہ: امیدوار ضعیفوں کی دعا اور بازوئے مردی سے کام بن جاتا ہے۔

اِلا یا ایھا المرءُ الذی فی عسرۃٍ اصبح
اِذا اشتد بك الامر فلا تنس الم نشرح

ترجمہ: اے مصیبت میں پھنسنے والے جب تمہیں مصیبت اور دکھ ستائے تو الم نشرح سورہ کو پڑھ لیا کرو اسمیں دکھ اور درد والوں کو بہتر نصیحت کی گئی ہے۔

فائدہ سب سے زیادہ سچا فرمانِ خداوندی اور ارشاد مصطفوی ہے وہ جس طرح وعدہ فرماتے ہیں پورا کرتے اور ہر طرح کی مدد فرماتے ہیں۔

حکایت اور نسخہ علاج امراض حضرت شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہٗ فتوحاتِ مکیہ شریف کے باب الوصایا میں لکھتے ہیں کہ ہمارے ہاں ایک معزز دوست کوڑھ کی بیماری میں مبتلا ہو گیا (رحمہم اللہ تعالی سے ایسی بیماری سے پناہ مانگتے ہیں۔ ڈاکٹروں طبیبوں سنیاسیوں سب نے اسے لاعلاج سمجھ کر جواب دیدیا اور کہتے کہ یہ بیماری اس شخص کے رگ وریشہ میں گھر کر چکی ہے اب اس کا کوئی علاج نہیں

---

[1] جیسے ہمارے پاکستان کی جنگ ۱۹۷۰ء میں ہوا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اس وقت کے لیڈر۔ حکام شراب اور بدفعلیوں میں مست تھے لیکن اس سے ۱۹۶۵ء میں پاکستان کے فتح نے قدم چومے اس وقت صورتحال درست تھی فوج کے سربراہ اور پاکستان کے بڑے بڑے لیڈر خدا خوفی اور اعمال وکردار میں صحیح تھے۔ ۱۲ اویسی۔

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ

جب اس نے تمہیں اونگھ سے گھیر دیا تو اس کی طرف سے چین تھی اور آسمان سے تم پر پانی اتارا

مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ

کہ تمہیں اس سے ستھرا کر دے اور شیطان کی ناپاکی تم سے دور فرما دے

عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ⑪ اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى

اور تمہارے دلوں کو ڈھارس بندھائے اور اس سے تمہارے قدم جمادے جب اے محبوب! تمہارا رب

الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ

فرشتوں کو وحی بھیجتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم مسلمانوں کو ثابت رکھو۔ عنقریب میں کافروں کے دلوں

الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ

میں ہیبت ڈالوں گا تو کافروں کی گردنوں سے اوپر مارو اور ان کی ایک ایک پور

كُلَّ بَنَانٍ ⑫ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَمَنْ

پر ضرب لگاؤ یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی اور جو اللہ

يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ⑬

اور اس کے رسول سے مخالفت کرے تو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے

ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ⑭ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

یہ تو چکھو اور اس کے ساتھ یہ ہے کہ کافروں کو آگ کا عذاب ہے اے ایمان والو

اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ⑮ وَ

جب کافروں کے لام سے تمہارا مقابلہ ہو تو انہیں پیٹھ نہ دو اور

مَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا

جو اس دن انہیں پیٹھ دے گا مگر لڑائی کا ہنر کرنے یا اپنی جماعت میں جا ملنے کو

اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ وَ

تو وہ اللہ کے غضب میں پلٹا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور

بِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑯ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا

کیا بُری جگہ ہے پلٹنے کی تو تم نے انہیں قتل نہ کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا اور

رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ

اے محبوب وہ خاک جو تم نے پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی اور اس لیئے کہ مسلمانوں کو

مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ⑰ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ

اس سے اچھا انعام عطا فرمائے بے شک اللہ سُنتا جانتا ہے یہ تو لو اور اس کے ساتھ

مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ⑱ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ

یہ ہے کہ اللہ کافروں کا داؤ سُست کرنیوالا ہے اے کافرو! اگر تم فیصلہ مانگتے ہو تو یہ فیصلہ

الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ

تم پر آچکا اور اگر باز آؤ تو تمہارا بھلا ہے اور اگر تم پھر شرارت کرو تو ہم پھر

تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ

سزا دیں گے اور تمہارا جتھا تمہیں کچھ کام نہ دے گا چاہے کتنا ہی بہت ہو اور اس کے ساتھ یہ ہے

الْمُؤْمِنِيْنَ ⑲ ع

کہ اللہ مسلمانوں کے ساتھ ہے

تفسیر عالمانہ

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ. مفسرین فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا کہ مشرکین سے جنگ کرو تو آپ چل پڑے آپ کے ساتھی بھی آپ کے ساتھ چلے جب بدر کے قریب پہنچے تو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راستہ میں دو شخص ملے آپ نے اُن سے پوچھا کہ تمہیں قافلہ ملا تھا۔ انہوں نے کہا ہاں ہمیں گذشتہ شب کو ملا تھا۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے دس مجاہد چل رہے تھے انہوں نے ان دونوں کو پکڑ لیا ایک حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا غلام ابو رافع دوسرا عبد العقد ابی معیط اسلم نامی تھا۔ دونوں پانی پر مامور تھے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسلم سے تم حال دریافت کرو۔ ابو رافع سے میں پوچھتا ہوں آپ نے ابو رافع سے پوچھا کہ مکہ سے ہمارے لڑنے کے لئے کون کون آرہے ہیں عرض کی سب آرہے ہیں کوئی ایک بھی مکہ میں نہیں رہا آپ نے فرمایا مکہ شریف نے اپنے تمام جگر ہمیں بھیج دیئے ہیں آپ نے اُس سے پوچھا کوئی امن میں واپس بھی لوٹا ہے؟ ابو رافع نے کہا ہاں اَبی بن شریق قبیلہ بنی زہرہ کے تین سو سپاہی

واپس نے گیا ہے اس لئے کہ وہ قافلہ کی خاطر آیا تھا جب دیکھا کہ قافلہ صحیح سالم واپس لوٹ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا نام اخنس رکھا بمعنے "خنس بقومہ" یعنی اپنی قوم سے ہو چکا ہے اس کے بعد آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوئے اور دیکھا کہ وہ اسلم سے حالات دریافت کر رہے ہیں اور وہ کہہ رہا ہے کہ مکہ سے فلاں بھی آرہا ہے اور فلاں فلاں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے اچانک مار کر فرمایا اسے بدبخت تو جھوٹ بولتا ہے اس ارادہ پر کہ کہیں ہمارے مجاہد بر دل پڑ جائیں۔ حضور علیہ السلام نے انہیں فرمایا اِن صدقکم ضربتموہ اِن کذبکم ترکتموہ وہ بے چارہ تمہیں سچی بات بتاتا ہے تو تم اسے مارتے ہو اگر وہ جھوٹ بولتا تو اُسے چھوڑ دیتے۔ اس سے انہیں معلوم ہوا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے حالات سے باخبر تھے۔ ان دونوں سے حالات دریافت کر کے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھیوں کو لے کر چل پڑے یہاں تک کثیف اعفر میں اجلال نزول فرمایا۔ کثیف اعفر سے ریت کا سرخ ٹیلا مراد ہے، وہاں اتنی ریت تھی کہ پاؤں رکھتے ہی اس کے اندر چلا جاتا اور وہاں پانی بھی نہ تھا۔

بقیہ صــ ۲۹۱ سے آگے

اور نہ اس پر کوئی دوائی اثر کر سکتی ہے۔ ہمارے دور کے محدث اعظم حضرت شیخ سعد السعود رضی اللہ عنہ نے اس معزز دوست سے بہت افسوس فرمایا ان محدث اعظم رضی اللہ عنہ کو حدیث شریف کے ہر ارشاد پر پختہ ایمان اور تجربہ کامل نصیب تھا اس معزز دوست سے فرمایا کہ اس بیماری کا علاج کیوں نہیں کراتے۔ اس نے عرض کی کہ بہت بڑا علاج کرایا ہے اب اطباء وغیرہ نے لا علاج کر کے چھوڑ دیا ہے۔ حضرت محدث اعظم شیخ سعد السعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اطباء جھوٹ بولتے ہیں اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاذق ترین نے سچ فرمایا کہ الحبۃ السوداء انھا شفاء من کل داء کلونجی[ط] ہر بیماری کا دوا ہے یہ کوڑھ تیرا بھی منجملہ انہی بیماریوں سے ہے۔ جاؤ کلونجی اور شہد لے آؤ۔ وہ ہمارا دوست کلونجی اور شہد لایا تو محدث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں کو آپس میں ملا کر اس بیمار کے تمام جسم پر مل دیا اور تھوڑا سا اُسے کھلا بھی دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد بیمار سے فرمایا کہ غسل کر لو چنانچہ غسل کیا تو وہ کوڑھ والا چمڑا اتر گیا اور نیا بہترین چمڑا ظاہر ہو گیا۔ اطباء کوڑھی کو دیکھ کر متعجب ہوئے اور محدث اعظم رضی اللہ عنہ کی حدیث مبارک پر یقین و اطمینان کی داد دی۔ اور محدث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت مبارکہ تھی کہ وہ اپنی ہر بیماری میں کلونجی استعمال فرماتے۔ یہاں تک کہ اگر انہیں آشوبِ چشم ہوتا تو بھی کلونجی کو پیس کر سرمہ کی طرح آنکھ میں سلائی سے لگاتے تو انہیں آرام ہو جاتا (رضی اللہ عنہ وعنہا)

سبق اطمینان اور قوتِ ایمان انسان کی ہر آرزو پوری کرتی ہے۔ لیکن ایسے لوگ دنیا میں بہت کم ہیں (بالخصوص ہمارے مادہ پرست دور میں)۔ واللہ اعلم۔

[ط] ایک دوائی ہے جو عام ہر پنساری دوا فروش سے ملتی ہے (ایک مشورہ) اکثر دیکھا گیا ہے کہ پیاز کے بیج جو کہ کلونجی کے بالکل ہم شکل ہوتے ہیں وہ عام پنساری کلونجی کی جگہ دے دیتے ہیں اس لئے اگر کوئی صاحب کلونجی خریدے تو خوب تحقیق کرے۔

اور یہ ٹیلا مدینہ طیبہ کے قریب تھا اور کفار نے بدر میں پہلے پہنچ کر مدینہ طیبہ کی مخالف جانب یعنے مکہ کے قریب تر مکان اختیار کیا جو اس مقام اور مکہ کے درمیان صرف ایک وادی حائل تھی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم رات کو سوئے تو صبح کو اکثر جنبی ہو گئے اُن کے پانی نہ تھا اور جہاں پانی تھا وہاں کفار و مشرکین نے قبضہ کر رکھا تھا۔ شیطان خبیث انسانی بھیس بدل کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں پہنچ گیا اور وسوسہ ڈالنا شروع کر دیا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیو! تمہارا گمان ہے کہ تم حق پر اور اولیاء اللہ ہو اور تم میں اللہ تعالیٰ کا رسول بھی ہے لیکن پانی کے لئے ترس رہے ہو اور یہاں تک کہ نمازیں بھی بغیر وضو کے پڑھ رہے ہو اور جنابت کی شامت بھی تم پر پڑی ہے اور پیاس سے مر رہے ہو اگر تم حق پر ہوتے تو پانی پر کفار و مشرکین قبضہ نہ کرتے اب تمہیں غم و فکر کرنا ہے۔ کچھ دیر نہیں تمہارے دشمن تمہاری گردن اڑا دیں گے بچ جاؤ گے تو تمہیں قید کر کے مکہ کو لے جائیں گے۔ شیطان خبیث کی باتیں سن انہیں بعض صحابہ بہت گھبرائے اور انہیں یہ معاملہ سخت ناگوار گذرا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس شب کو ایسی زوردار بارش برسائی کہ بدر کی وادیاں بہنے لگیں اس سے مسلمانوں نے غسل کیا اور خوب سیر ہو کر پانی پیا اور جانوروں کو پانی پلایا اور اپنی ریتلی زمین میں بڑے حوض بنائے۔ ریت پانی سے جم کر سمنٹ بن گئی جس سے ان کے رہنے سہنے کی جگہ نہایت بہترین ہو گئی اور کفار کے مرکز کیچڑ سے بھر گئے پکی زمین تھی۔ بارش کے پانی سے نہایت زبوں حال بن گئی کہ چلتے وقت کفار ڈگمگا جاتے۔ اس طرح سے مسلمانوں کے دلوں سے شیطان خبیث کا وسوسہ دور ہو گیا اور جنگ کے لئے مسلمانوں کے دل بڑھ گئے اور خوشی و راحت سے بھرپور ہو گئے اور کل کی جنگ کے لئے خوب آراستہ و پیراستہ ہونے لگے اس بناء پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ یعنی اے مومنو! یاد کرو اس وقت کو جبکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے نعاس (اونگھ) بنائی۔ نعاس نیند کی پہلی گھڑی کو کہتے ہیں جبکہ انسان کو نیند پورے طور گھیر لے اور اُسے محیط ہو کر اسے بے حس و حرکت نہ بنا لے جسے اُردو میں اونگھ کہتے ہیں۔

اَمَنَةً مِّنْهُ اس سے امن اور چین کی وجہ سے یہ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ سے جو فعل مرتب ہوتا ہے مفعول لہ ہے۔ دراصل عبارت يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاس فتنعسون آمنا کائنا من اللہ تھی۔ یعنی تمہیں اونگھ ڈھانپتی تھی پھر تم امن اور چین سے اونگھتے تھے نہ کہ تھکان یا دوسری وجہ سے۔ مثلاً بوجھل ہونے کی وجہ سے اس تقریر پر مفعول لہ اور فعل معلل بہٖ کا فاعل ایک ہو جائے گا اس لئے کہ امن اور چین نعاس سے پیدا ہوا۔

تفسیر صوفیانہ نعاس میں اشارہ ہے کہ اہل اسلام کو باوجودیکہ سخت گھبراہٹ تھی اور ہر وقت دشمن کفار سے خوفزدہ تھے لیکن ایکدم ان میں خوف و خطر چین اور امن سے بدل گیا اور آنکھ جھپکنے میں ان کا حال پلٹا۔ اسے امر تکوینی کہا جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے آگ سے کہا یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِیْمَ۔ اللہ نے جس طرح فرمایا ویسے ہوا۔ ایسے ہی یہاں خوف کو حکم ہوا کُن آمنا علی محمد واصحابہ چنانچہ خوف بھاگا اور امن آ گیا (کذا فی التاویلات النجمیہ)۔

فائدہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جہاد میں اونگھ رحمت ایزدی اور نماز میں اگر اونگھ آئے تو شیطان کا حملہ ہے۔

فائدہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا شیطان کا ایک چاٹنے کا چمچہ اور ایک سرمہ دانی ہے جھوٹ شیطان کا چمچہ اور ذکر الٰہی کے وقت شیطان کی سرمہ دانی ہے۔

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ اور تمہارے اوپر آسمان سے پانی اتارا تاکہ تمہیں اس بارش کے پانی سے حدث وجنابت سے پاک کرے **وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ** اور تاکہ تمہارے سے شیطان کی ناپاکی دور فرما دے یعنی اس کے وسوسہ اور اس کا تمہیں پیاس سے ڈرانا۔

فائدہ رجز سے ان کی وہ جنابت مراد ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو احتلام کی وجہ سے پہنچی اس لئے کہ احتلام شیطان کے وسوسہ اور اس کے خیال ڈالنے سے ہوتا ہے۔

نسخہ دافع احتلام اور فضیلت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام اپنے سینہ پر لکھ کر سو جایا کرے احتلام نہ ہوگا اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شیطان بھاگتا تھا اور راہ چھوڑ جاتا تھا۔ جس راہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ گذر فرماتے[1]

وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ اور تاکہ تمہارے دلوں کو ڈھارس بندھائے۔ **الربط بمعنے الشد والتقویۃ۔** یعنی کسی شے کو باندھنا اور مضبوط کرنا اور علیٰ صلہ کا ہے۔ یعنی تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے دل مضبوط کر دے لفظ علیٰ لانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ ان کے دل بھر گئے گویا اللہ تعالیٰ کا ربط ان کے اوپر ہوا **وَيُثَبِّتَ بِهِ** اور اس بارش کے پانی سے جمادے **الْاَقْدَامَ** تمہارے قدم تاکہ وہ زمین میں نہ دھنسنے پائیں اور یہ بھی جائز ہے کہ بہ کی ضمیر ربط کی طرف لوٹے اس لئے کہ جنگ میں قدم جمتے ہیں جب کسی کا دل مضبوط ہو اس سے صبر نصیب ہوتا ہے اس سے جرأت ہوتی ہے ؎

دلا در عاشقی ثابت قدم باش
کہ دریں راہ نباشد کار بے اجر

ترجمہ: اے دل عاشقی میں ثابت قدم ہو کیونکہ اس راہ میں کوئی اجر ومزدوری نہیں۔

فائدہ صدق وصبر اور دل کی پختگی اور ثابت قدمی سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم دنیا پر چھا گئے اور رہتی دنیا تک ان کی بزرگی اور شرافت کا ڈنکا بجتا[2] رہے گا۔

---

[1] معلوم ہوا کہ شیعہ کا نمبر شیطان سے بڑھا ہوا ہے وہ ڈر کر بھاگتا ہے لیکن یہ انہیں گالی دیتے ہیں اس سے وہابی سوچیں کہ جن کے غلام کے نام کی یہ تاثیر ہے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم پاک میں کتنی تاثیر ہوگی۔ ولکن الوہابیۃ قوم یعقلون۔

[2] اور شیعہ حسد سے مرتے رہیں گے۔ ۱۲ اویسی غفرلہ

قاعدہ کسی کو اگر کسی پر فضیلت ہے تو صرف تقویٰ و دیانت سے۔

حکایت درفضیلت تقویٰ وعلم باعمل مروان کے بیٹے عبد الملک کے ہاں حضرت زہری محدث رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اس نے پوچھا آپ کہاں سے تشریف لائے آپ نے فرمایا مکہ معظمہ سے۔ اُس نے پوچھا آج کل وہاں کس کی سرداری ہے آپ نے فرمایا عطا بن رباح کی۔ اُس نے پوچھا وہ عربی ہے یا عجمی اور موالی سے تو نہیں آپ نے فرمایا وہ موالی سے ہے اُس نے پوچھا کہ وہ موالی ہو کر کس طرح سب کا آقا بنا۔ آپ نے فرمایا تقویٰ و دیانت و روایت حدیث سے اُس نے کہا جس میں یہ اوصاف ہوں اس کے لئے لائق ہے کہ وہ سب کا سردار ہو۔ پھر اُس نے پوچھا یمن کا اب سردار کون ہے۔ آپ نے فرمایا طاؤس بن کیسان اُس نے پوچھا وہ عربی ہے یا عجمی اور موالی سے تو نہیں۔ آپ نے فرمایا وہ موالی سے ہے اُس نے کہا وہ یمن کا سردار کیسے بنا۔ آپ نے فرمایا جیسے عطا بن رباح عرب کا سردار بنا۔ اُس نے کہا جس میں یہ صفات ہوں وہ ضرور سب کا آقا ہے پھر پوچھا مصریوں کا آقا کون ہے آپ نے کہا یزید بن ابی حبیب پھر وہی سوال دہرایا کہ وہ عربی ہے یا عجمی موالی سے ہے۔ آپ نے فرمایا وہ موالی سے ہے پھر وہی گفتگو ہوئی جیسے دو پہلے بزرگوں کے متعلق ہوئی اس کے بعد پوچھا اہل شام کا آقا کون۔ آپ نے کہا مکحول الدمشقی پھر وہی سوالات جوابات ہوئے آپ نے فرمایا مکحول وہ غلام ہے جسے ہذیل قبیلہ کی ایک عورت نے آزاد کیا ہے۔ اس کے بعد وہی بات ہوئی جو پہلے گذری۔ اس کے بعد جزیرہ والوں کا سردار کون ہے آپ نے فرمایا میمون بن مہران اس پر وہی سابق گفتگو ہوئی پھر اس سے پوچھا ہمارا آقا کون ہے آپ نے ضحاک بن مزاحم اُن کے بارے میں بھی وہی سوال و جواب ہوئے اس نے پوچھا۔ اہل بصرہ کا آقا کون ہے آپ نے فرمایا حسن بن ابی الحسن رضی اللہ عنہما اُن کے بارے میں بھی وہی سوال و جواب ہوئے پھر اُس نے پوچھا کوفیوں کا آقا کون۔ آپ نے فرمایا ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ یہاں بھی وہی سوال و جواب ہوا پھر اُس نے کہا اے زہری آپ نے تو پریشان کر دیا کہ ہر جگہ موالی (عجمی) آقا بن بیٹھے ہیں اب خطبات اُن کے پڑھے جائیں گے اور عربی منبروں کے نیچے بیٹھ کر اُن کی غلامی کے سامنے سر تسلیم خم کریں گے۔ حضرت زہری نے فرمایا اے امیر المؤمنین یہ تو اللہ تعالیٰ کی دین ہے اور اس کی مرضی لیکن یہ بھی تو ہے کہ جو اس کے دین کی خدمت کرتا ہے تو اُسے اللہ تعالیٰ مخدوم بناتا ہے اور جو دین سے مُنہ موڑتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے وقار میں کمی کرتا ہے۔

فائدہ آیت سے ثابت ہوا کہ پانی بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ پیاس اور بھوک کا خوف شیطان کا وسوسہ ہے جب بندہ اپنے مولا پر پورا بھروسہ کرتا ہے تو اس کے نزدیک شئے کا ہونا نہ ہونا یکساں ہوتا ہے اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ اس کا مولیٰ خالق ہے تو رازق بھی ہے۔

اعجوبہ شیر تمام جانوروں کے بادشاہ ہونے کے باوجود پیاس اور بھوک پر بہت بڑا صبر کرتا ہے اس کی عادت ہے کہ وہ دوسروں کا کیا ہوا شکار نہیں کھاتا اور نہ کسی کا پس خوردہ کھاتا ہے جب وہ شکار سے سیر ہو جاتا ہے تو دوسروں کے لئے چھوڑ دیتا ہے اور نہ ہی بھوک کے وقت اسے دوبارہ منہ لگاتا ہے اور جب اس کا طعام سے پیٹ بھر جاتا ہے تو اس پر اکتفا کرتا ہے دوسرے وقت کے لئے ذخیرہ بنا کر نہیں رکھتا جس پانی کو کتا منہ لگا لے

وہاں سے پانی نہیں پیتا

سبق مومن کو شیر کے اوصاف سے کم نہ ہونا چاہیئے ؎

علی المرء ان یسعی لتحسین حالہ

ولیس علیہ ان یساعدہ الدھر

ترجمہ: مومن کو اپنا حال سنوارنا لازم ہے اُسے زمانہ کی موافقت کا منتظر نہیں رہنا چاہیئے۔

فائدہ اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ ہے کہ وہ مؤمن کی مدد فرماتا ہے مؤمن کامل کی شان یوں ہونی چاہیئے کہ وہ اپنے مسلم بھائی کی حسبِ طاقت بشریہ مدد کرے۔

حکایت آل ساسان کا بادشاہ فیروز بن یزدجرد بن بہرام جب تخت سلطنت پہ بیٹھا تو عدل و انصاف کیا لیکن سات سال تک اس کے ملک میں بارش نہ ہوئی۔ اس نے قانون جاری کیا کہ ہر علاقہ کے دولتمند فقرا (تنگدستوں) کو کھانا کھلائیں اگر کوئی فقیر کسی علاقہ میں بھوک سے مرگیا تو وہاں کے دولتمند کو اس کے عوض قتل کیا جائیگا۔

حضرت حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

توانگرا دل درویش خود بدست آور

کہ مخزن زر و گنج درم نخواہد ماند

ترجمہ: اے دولتمند دل درویش کا دل راضی کر کیونکہ یہ زر و درم کے خزانے ہمیشہ نہیں رہیں گے۔

اے اللہ ہمیں مرتے دم تک بخل و کسل سے محفوظ فرما۔

تفسیر عالمانہ اِذْ یُوْحِیْ رَبُّکَ اِلَی الْمَلٰٓئِکَۃِ

حل لغات الوحی بمعنے القاء المعنے الی النفس من وجہ خفی" پوشیدہ طور کسی کے دل میں کوئی معنے ڈالنا۔ اب معنے یہ ہوا کہ اے محمد کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یاد کیجئے کہ جب تیرے رب تعالیٰ نے ملائکہ کی طرف پیغام بھیجا کہ اِنِّیْ مَعَکُمْ یوحی کا مفعول بہ ہے یعنی بے شک میں بھی تمہارے ساتھ ہوں یعنی امر تثبیت میں میں تمہاری مدد کروں گا۔ اور تمہیں تثبیت کی توفیق بخشوں گا۔

سوال یہ خوشخبری تو اس کے لئے ہو جو کسی سے ڈرتا ہو ملائکہ کو تو کفار سے کسی قسم کا خوف نہیں تھا؟

جواب یہ لا تحزن اِن اللہ معنا کے قبیل سے ہے کہ یہ خوشخبری ازالہ خوف کے لئے نہیں تھی بلکہ ان کے لئے بطور اعزاز و اکرام کے تھا چنانچہ لفظ مَعَ سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معیت میں اُن کا اعزاز تھا تاکہ معلوم ہو کہ صورۃً ملائکہ امداد کے لئے پہنچے ہیں لیکن یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی امداد ہے اس معنے پر یہ معیت اِنَّ اللہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ کے مشابہ ہوگی۔

فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا پس اہل ایمان کو ثابت قدم رکھو خوشخبری دے کر ان کی جماعت میں شریک ہو کر اور دیگر ایسے امور کہ جن سے اُن کے دل جنگ کے لئے مضبوط ہوں۔

فائدہ تثبیت سے مواطن جنگ میں اہل ایمان کو ثابت قدمی پہ ابھارنا مراد ہے تاکہ جنگ کے شدائد و تکلیف ان کے وہم و گمان کے تصور سے دور ہوں ۔

سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ عنقریب میں کافروں کے دل میں ہیبت ڈالوں گا یعنی اُن پر تمہارے سے خوف پیدا ہو جائے گا اس میں ملائکہ کو تلقین کی گئی ہے اور سوال مقدر کا جواب ہے گویا پوچھا گیا کہ ملائکہ اہل ایمان کو ثابت قدمی پہ کیسے ابھاریں تو انہیں جواب دیا گیا کہ انہیں کہو سَاُلْقِیْ الخ فَاضْرِبُوْا پس اے مومنو! "مارو" اس خطاب سے واضح ہوتا ہے کہ ملائکہ جنگ میں شریک نہیں بلکہ صرف شامل حال تھے ۔ فَوْقَ الْاَعْنَاقِ کافروں کی گردنوں کے اُوپر اعناق سے مذابح یا سر مراد ہے ۔

فائدہ حدادی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی گردن اڑانے کا حکم اس لئے فرمایا کہ گردن کٹ جانے کا نام قتل ہے گویا استعارۃً یونہی فرمایا ۔

وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ط اور ان کی ایک ایک پور پر ضرب لگاؤ "البنان" انگلیاں اور دیگر وہ اعضاء کہ جن پر انسان کے قوام و حیاۃ کا مدار ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اُن کے ہر عضو کو اوپر سے نیچے تک ٹکڑے ٹکڑے کردو۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے اُن کا چہرہ مُراد ہے یعنی اُن کا مدافعہ اور اُن سے لڑائی کرو۔ کما قالَ التفتازانی الخ

ذٰلِكَ وہ ضرب و قتل اور وہ سزا ان پر واقع ہو یہ اس لئے کہ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اللہ جلَّ شانہٗ اور اس کے پیارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کی اور ان پر غلبہ کی ٹھان لی حالانکہ اُن کی کیا مجال کہ اُن پر غلبہ کا تصور کریں ۔

شان ولایت حضرت الشیخ نے فرمایا کہ اس سے اولیاء اللہ کی مخالفت مراد ہے اور المشاقۃ کا مادہ شق ہے اور مشاقہ اس لئے کہ وہ دونوں ہر ایک شق مخالف پر ہوتا ہے جیسے المحادۃ میں ہر دونوں آپس میں حد مخالف پہ ہوتے ہیں۔

مسئلہ آیت میں اشارہ ہے کہ بندہ کو جو سعادہ و شقاوۃ دنیا و آخرت میں حاصل ہوتی ہے اسمیں اُس کے کسب کو دخل ہوتا ہے ۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور وہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کرے یعنی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کرے فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہے ۔

فائدہ یشاق کو عامل جازم کے وقت ادغام نہ کرنا اہل حجاز کی لغت ہے اُن کے غیر ایسے مقام پر بوجہ ہمجنس ہونے دو حرفوں کے پہلے کو دوسرے پر ادغام کرتے ہیں جیسے وَمَنْ يُّشَاقِّ اللّٰهَ پڑھا گیا ہے یعنی ایک قاف مشدد کے ساتھ۔

ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ه اور کافروں کو عذاب ہے ذٰلکم مبتدا محذوف کی خبر ہے وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ الخ اس کا معطوف علیہ ہے اور فَذُوْقُوْهُ جملہ معترضہ ہے اور مشارع اللہ کے ضمن میں جو ضمیر ہے وہ عقاب کی طرف لوٹتی ہے دراصل عبارت حکم اللہ ذٰلکم الخ تھا۔ یعنی یہ عذاب تمہیں اسی دنیا میں ملے گا اور عذاب نار تمہیں آخرت میں حاصل ہوگا

سوال عذابِ دُنیا کو فذوقوہ سے کیوں تعبیر کیا گیا؟

جواب ذوق بمعنے چکھنا اور وہ معمولی طور محسوس ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ کفار کو دنیا میں جتنا عذاب دیا گیا مثلاً ضرب۔ قتل۔ قید وغیرہ وہ بہ نسبت آخرت کے عذاب کے ایسے ہے جیسے کوئی شے چکھی جائے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ فَذُوْقُوْهُ یعنی دنیا میں صورۃً و معنےً عذاب چکھو۔ صورۃً جیسے ضرب قتل قید و دیگر مصائب و مکروہات اور معنًی جیسے حضرتِ حق کی جُدائی۔ دُوری۔ حجابات۔ قلب کی موت اور بصیرت کا اندھاپن۔ روح کا ضعف اور ضعفِ قوۃ نفس۔ نفس کے صفات کا غلبہ۔ خواہشاتِ نفسانیہ کا ہجوم۔ ایسے اُمور کا حصول جو حق سے ہٹاتے ہیں اور باطل کے قریب لاتے ہیں۔

ملائکہ کا نزول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب بدر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صفیں بنائیں اور جھنڈے بُلند کئے اور ہر صف اپنے مقام پہ کھڑی تھی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اونٹ پر سوار ہو کر دُعا مانگتے تھے اور نہایت عجز و زاری سے اللہ تعالیٰ کو پکار رہے تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور اُن کے ساتھ ملائکہ کی بہت بڑی جمعیت تھی۔ انہوں نے پانچسو فرشتوں کو لشکر کے میمنہ کے ساتھ کھڑا کر دیا اور میکائیل علیہ السلام اپنے پانچسو ملائکہ کی جمعیت کو صف کے میسرہ پر کھڑا کیا اور فرشتے مسلمانوں کے سامنے انسانی بھیس میں آکر بتلاتے کہ ہم مشرکین کے لشکر کے قریب سے گذرے وہ آپس میں کہہ رہے تھے کہ مسلمان اتنے دلیر ہیں کہ اگر وہ ہمارے اُوپر حملہ کر دیں تو ہم تاب نہیں لاسکیں گے ادھر اللہ تعالیٰ نے کفار کے دلوں پر مسلمانوں کا رُعب ڈال دیا جب کافروں نے دیکھا کہ مسلمان ایک آن میں اتنے کثیر التعداد کس طرح ہوئے اس کے باوجود کفار نے لڑائی کی ٹھان لی تھی۔ عتبہ بن ربیعہ نے حضور علیہ السلام سے عرض کی کہ ہمارے ہاں قریبی رشتہ داروں کو بھیجئے تاکہ ہم اُن سے مقابلہ کریں۔ حضور علیہ السلام نے اُن کے ہاں انصار کی عفراء کے دو بیٹے حضرت عوذ و معوذ کو بھیجا اُن کی ماں عفراؔ اور ان کا باپ حارث تھا۔ یہ بھی جنگ میں اُن کے ساتھ گیا تھا لیکن کفار نے کہا تم واپس چلے جاؤ اور ہمارے ہاں ہمارے قریبی رشتہ داروں کو بھیجو یعنی بنو ہاشم میں سے ہمارے مقابلہ کے لئے آئیں۔ کفار کے للکارنے پر حضرت حمزہ و حضرت علی و حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہم میدانِ جنگ میں تشریف لائے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں کہ میرے مقابلہ میں ولید بن عتبہ آگے کو بڑھا۔ میں نے اس پر حملہ کیا تو اس کا ایک ہاتھ ٹوٹا میں نے بڑھ کر اس کی گردن اڑا دی۔ اُس کے بعد شیبہ بن ربیعہ نے حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ پر حملہ آور ہوا دونوں نے ایک دوسرے پر تلوار سے وار کیا۔ حضرت عبیدہ نے پھرتی سے دوسرا حملہ کیا تو شیبہ کی ٹانگ توڑ دی

اس کے بعد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے عتبہ کو للکار کر فرمایا انا اسد اللہ و اسد رسولہ میں ہوں اللہ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شیر۔ یہ کہہ کر عتبہ پر حملہ کر کے اسے جہنم میں پہنچا دیا۔ اس کے بعد ابوجہل نے کفار میں تقریر کی اور جنگ پر اُبھارا اور کہا کہ اس معمولی شکست سے مت گھبراؤ۔ دراصل ہمارے ساتھیوں نے عجلت کی جس کا نتیجہ انہوں نے بھگتا۔ یہ کہہ کر یک لخت حملہ کرا دیا۔ اُدھر مسلمان حملہ آور ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اہل اسلام کو فتح و نصرت ہوئی۔

اہل بدر کے فضائل انہی بدریوں رضی اللہ عنہم کے حق میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اطلع اللہ علیٰ اھل بدر" اللہ تعالیٰ نے بدریوں کو جھانک کر دیکھا یعنی اُن پر نظر کرم کی اور انہیں مغفرت کا مژدہ سنایا۔

② فقال اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم اور فرمایا کہ اب جو کچھ کرتے جاؤ میں نے تمہیں بخش دیا۔[1]

ازالہ توہم اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آئندہ غلط کاری اور گناہ وخطا کی اجازت بخشی ہے (معاذ اللہ) بلکہ اعملوا ما شئتم فرما کر ان سے اظہار لطف وعنایت فرمایا ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے کوئی محبوب سے کہتا ہے اِصنَعۡ مَا شِئۡتَ اس سے اُن کے مراتب علیا کا اظہار مطلوب ہے۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مجاہدات کی پیروی کرے تاکہ اُسے بھی ان جیسے مراتب و کمالات نصیب ہوں (نہ شیعوں کی طرح کہ اُلٹا انہیں سب وشتم کر کے اپنا بیڑا غرق کرے۔ حضرت حافظ نے فرمایا ؎

در رہ نفس کز و سینۂ ما بتکدہ شد
تیر آہے بکشائیم و غزائے بکنیم

ترجمہ: نفس کی راہ میں ہمارا سینہ بتکدہ بن گیا پھر ہم آہ کا تیر کھینچکر اس سے جنگ کرتے ہیں۔

اور اہل جزع کے بارے میں فرمایا ؎

ترسم کزیں چمن نبری آستین گل
کز گلشن تحمل خاری نیکنی

ترجمہ مجھے ڈر ہے کہ تو اس چمن سے گل کی آستیں لے کر نہ لے جائے گا جب تجھے اس کے گلشن کے کانٹے سے حوصلہ نہیں۔

---

[1] یہ ہیں صحابہ وخلفاء راشدین جنہیں شیعہ معاذ اللہ جہنمی اور کافر کہتے ہیں۔ ۱۲۔

اے اللہ تعالیٰ ہمیں صابرین کی جماعت میں شامل فرما۔

تفسیر عالمانہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا اے ایمان والو جب تم کافروں کو دیکھو لقاء بمعنے رویت ہے زحفا کثیر التعداد الزحف بمعنے الابیب کثیر۔ مثلاً کہا جاتا ہے زحف الصبی زحفا" از باب فتح یہ اس وقت بولتے ہیں جب چھوٹا بچہ آہستہ آہستہ دُبر کے بل چلے اور عرف میں بڑا کثیر التعداد لشکر کو کہا جاتا ہے جو دشمن کی طرف بڑھ رہا ہو۔ وہ اپنی کثرت کی وجہ سے دُور سے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ دبر کے بل چل رہا ہے اس لئے کہ وہ چلتے وقت ایک جسم کی مانند نظر آتے ہیں اُن کی رفتار نہایت آہستہ آہستہ محسوس ہوتی ہے اگرچہ وہ فی الواقع دوڑتے چلے آرہے ہوں اور زحفا لقیتم کے مفعول سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یعنی جب دیکھو کہ وہ تمہاری طرف بڑھ رہے ہیں۔ اب معنے یہ ہوا کہ اے مسلمانو! جب دیکھو کہ وہ تمہاری طرف بڑھ رہے ہیں اور تم تصور کرو ہم تو بالکل تھوڑے ہیں۔ فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ تو تم انہیں پیٹھ مت دو۔ چہ جائیکہ بھاگو۔ بلکہ ہمت کر کے ان کا مقابلہ کرو اور ان سے لڑو اگرچہ تمہاری مقدار بہت تھوڑی ہو تو کیا ہوا اس سے متنبہ کرنا مقصود ہے کہ جب قلت کے وقت کفار سے لڑنا ضروری ہے تو پھر ان کے برابر مقدار ہونے تک کا انتظار کیا۔

انتباہ لفظ ادبار لانے میں تنبیہ کیا گیا ہے کہ جنگ سے بھاگنا اتنا سخت قبیح ہے کہ اُسے ادبار سے تعبیر کیا گیا ہے۔

فائدہ تولیۃً کسی شے کو کسی دوسری شے کے قریب لانا۔ یہ دونوں مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے اہل عرب کہتے ہیں ولاہ دبرہ" یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اپنی پیٹھ کسی کی طرف کر دے۔

وَمَنْ یُّوَلِّهِمْ یَوْمَىٕذٍ دُبُرَهٗۤ اور جو اس دن انہیں پیٹھ دے گا چہ جائیکہ بھاگ جائے یعنی ان کے جنگ کے بڑھنے اور عین جنگ کے وقت۔

قاعدہ یَوْمَىٕذٍ بمعنے حِیْنَىٕذٍ اس لئے کہ یوم اگرچہ دن کے ابتدائی حصے کو کہا جاتا ہے لیکن وہ بھی جب مطلق ہو اگر اُسے کسی فعل غیر ممتد کے ساتھ استعمال کیا جائے تو وہاں یوم سے مطلق وقت ہوتا ہے۔

اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ مگر لڑائی کے ہنر۔

ہنر کے طریقے لڑائی میں مخالف کے ساتھ ہنر کے کئی طریقے ہیں۔

① ایک مخالف آگے کو بڑھتا آرہا ہے دوسرا پیچھے سے مگر پیچھے والا سخت تر ہے تو اس پیچھے والے مخالف کے لئے آنے والے سے منہ موڑ کر پیچھے والے کی طرف جانا۔

② دشمن سے منہ پھیر کر چلے جانے میں یہ ارادہ ہو کر دشمن سمجھیگا کہ وہ ڈر سے بھاگ گیا وہ مطمئن ہو کر واپس لوٹے تو پیچھے سے اکیلا یا دوسرے چھپے ہوئے ساتھیوں کو لے کر حملہ کرتا یہ خداع الحرب کے باب سے ہے جو مجاہدین عام طور ایسے کرتے رہتے ہیں۔

حل لغات انحرف تحرف ہر دونوں ایک ہیں یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی ایک کنارے کو چھوڑ کر دوسرے کنارے کو چلا جائے۔ الحرف بمعنے الطرف والجانب اور متحرفاً حال ہے۔ اصل عبارت یوں تھی "وَمَنْ یُوَلِّهِم متلبسا بحال من الاحوال آیۃ حال کانت اِلَّا فی حال کذا۔ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰی فِئَۃٍ یا دوسرے گروہ سے جا ملنے کے لئے یعنی دشمنوں سے اس لئے پیٹھ کر جائے کہ اہل اسلام کی دوسری جماعت وہاں سے قریب یا دُور ہے اسے لے کر دشمن پر حملہ کرنے کا ارادہ ہے تو بھی حرج نہیں۔

مسئلہ مذکورہ بالا ہر دونوں صورتوں کے علاوہ جنگ کے وقت پیٹھ دے کر چلے جانا حرام ہے۔ مذکورہ بالا دونوں صورتوں کے علاوہ جنگ میں پیٹھ دے کر چلے جائے۔

فَقَدْ بَآءَ تو بے شک وہ پلٹا **بِغَضَبٍ** ساتھ غضب کے جو ہونے والا ہے **مِنَ اللّٰهِ** اللہ تعالیٰ سے **وَمَاْوٰهُ** اور آخرت میں اس کا ٹھکانا **جَهَنَّمُ** جہنم ہے یعنی جنگ کو پیٹھ دے کر اس ارادہ سے کہ جان بچ جائے گی اُسے جان بچانے کے ٹھکانے کے بجائے جہنم کا ٹھکانا نصیب ہوا۔

فائدہ الماویٰ ہر اس مکان کو کہتے ہیں جو انسان کی بود و باش کے لئے ہو۔

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ اور وہ جہنم بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔

فائدہ یہ وعید اگر ان تمام لوگوں کو ہے جو کفار کے مقابلہ میں جنگ کے وقت پیٹھ پھیریں لیکن اس سے وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو شمار میں کفار سے کم ہوں چنانچہ اس سورہ کے آخر میں فرمایا **الان خفف اللّٰہ عَنْكُمْ وعلم ان فِيكُم ضعفا فان يكن مِنكُمْ مائۃ صابرۃ يغلبوا مائتين وان يكن مِنكُم الف يغلبوا الفين باذن اللّٰہ۔**

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جو ایک مجاہد تین کافروں سے پیٹھ دے تو اُسے بھاگنا نہیں کہا جائے گا ہاں دو کافروں کے مقابلہ سے ایک پیٹھ دے تو اُسے کہا جائے گا کہ وہ بھاگ گیا یعنی وہ حرام فعل کا مرتکب ہوا۔

مسئلہ جنگ سے بھاگنا گناہ کبیرہ ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

① این چنیں ہوشے کراز موشے پرید
اندراں صف تیغ چو خواہد کشید

② چالش است آں خمرہ خوردن نیست ایں
تاتو برمالے بخوردن آستیں

③ نیست خمرہ خوردن اینجا تیغ
حمزہ باید دریں صف آہنیں

④ کار ہر نازک دلے نبود قتال
کہ گریزد از خیالے چوں خیال
⑤ کار ترکانست نے ترکاں بود
جائے ترکاں ہست خانہ خانہ شو

ترجمہ ① ایسا ہوش جب فوجی سے اڑ جائے تو وہ جنگ کی صف کیا تلوار کھینچے گا۔
② جنگ ہے کوئی شراب پینے کی مجلس نہیں کہ اس کے لئے آستین چڑھا رہا ہے۔
③ یہاں شراب پینا نہیں تلوار اٹھانی ہے ایسی سخت جنگ کے لئے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے بہادر چاہئیں۔
④ نازک دل کا جنگ کرنا کام نہیں کہ وہ خیال کی طرح جنگ سے بھاگتا ہے۔
⑤ یہاں بہادروں کا کام ہے نہ صرف تیر برداروں کا۔ یہ جگہ تیروں کی ہے آ جا ورنہ بیٹھ جا۔

مسئلہ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ کبائر (گناہوں) کی کل تعداد ستر ہے ان میں سے ایک جنگ سے بھاگنا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ جب بالمقابل کفار تعداد میں کم یا برابر ہو۔

قاعدہ دربارہ گناہ کبیرہ جس عمل کی مسلمان کے درمیان شہرت خراب ہو یا اس عمل میں حرمت الٰہی اور دین (نبوت و ولایت) کی حرمت ہوتی ہو وہ گناہ کبیرہ ہے۔

گناہ کبیرہ کا حکم گناہ کبیرہ کے مرتکب کی شہادت قابل قبول نہیں۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ جنگ کے وقت صدق دل سے جرأت دکھائے اور یقین رکھے کہ بزدلی موت سے نہیں بچا سکتی اور نہ ہی جنگ میں جانے سے موت واقع ہوتی ہے اس لئے کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے جو وقت سے نہ پہلے آتی ہے نہ پیچھے اور نہ اپنے وقت سے ٹل سکتی ہے

غازی کے اوصاف جنگ کے درمیان غازی میں مندرجہ ذیل اوصاف پیدا کرنے چاہئیں اسے شیر کا دل رکھنا ضروری ہے اس لئے کہ شیر بزدل نہیں ہوتا وہ آگے بڑھتا ہے پیچھے ہٹنے کا نام نہیں لیتا اس لئے وہ مقابلہ کے وقت بزدلی کو اپنے لئے موت سمجھتا ہے اور نہایت ہی پھرتی سے آگے بڑھتا رہتا ہے اسی طرح غازی کو کرنا چاہئیے۔ چیتے کی طرح غازی کو ہونا چاہئیے اس لئے کہ جس طرح چیتا دشمن کے سامنے جھکنا نہیں جانتا اسی طرح غازی کو بھی چاہئیے کہ دشمن کے سامنے ہرگز نہ جھکے اور بہادری میں اسے ریچھ کی طرح ہونا چاہئیے اس لئے کہ وہ مقابلہ کے وقت اپنے تمام اعضائے سے لڑتا ہے اور اسے خنزیر کی طرح حملہ آور ہونا چاہئیے اس لئے کہ وہ مقابلہ کے وقت پیٹھ دے کر نہیں بھاگتا اسے بھیڑیئے کی طرح غیرت سے لڑائی کا طریقہ لازم ہے اس لئے کہ اسے جب ایک طرف مایوسی ہوتی ہے تو دوسری طرف سے لڑتا ہے اور بہت بڑے بوجھل بوجھ کو اٹھا کر چلنا چیونٹی سے سیکھنا چاہئیے کہ وہ اپنے جسم سے کئی گنا زائد بوجھ اٹھا کر چلتی ہے اور اسے ثابت قدمی پتھر سے حاصل کرنا چاہئیے کہ پتھر جہاں پڑا ہو وہ وہاں سے نہیں ہٹتا اور غازی کو صبر گدھے سے سیکھنا لازم ہے اور اسے وفا کتے

سے سیکھنی چاہیئے کہ اسے اگر اپنا مالک آگ میں بھی ڈال دے تو گریز نہیں کرتا۔ فرصت اور فتحمندی مرغے سے سیکھنا ضروری ہے اور اُسے صف میں نمازی طرح نہایت خشوع و خضوع سے کھڑا ہونا لازم ہے جیسے وہ اپنے امام کی حرکات و سکنات کا پابند ہوتا ہے ایسے ہی اسے جنگ میں امیر لشکر کا حکم کا پابند ہونا چاہیئے جیسے مقتدی اپنے امام کی کسی بات میں مخالفت نہیں کرتا ایسے یہ بھی امیر لشکر کے کسی حکم کے خلاف نہ کرے اور اپنے ہتھیار ہر وقت ایسے چھپائے رکھے جیسے باکرہ لڑکی حیاء و شرم سے اپنا چہرہ چھپائے رکھتی ہے جب اسے پہلی شب اپنے شوہر کے ہاں بھیجا جاتا ہے۔ اپنے تھوڑے ہتھیار کو ظاہر کرنے میں ریاکار کی طرح ہونا چاہیئے کہ اس کی اگرچہ عبادت معمولی ہوتی ہے لیکن وہ لوگوں کے سامنے بہت زیادہ ظاہر کرتا ہے مکر و فریب میں لومڑی کی طرح ہونا چاہیئے یعنی اگر اُس پر دشمن غلبہ پا جائے تو اُسے ایسے مکر و فریب سے کام لینا چاہیئے جیسے لومڑی کرتی ہے کہ جب اُس پر کتا حملہ کرتا ہے تو مکر و فریب کر کے اس سے بچ نکلتی ہے۔ ایسے ہی اسے دشمن سے بچ نکلنے سے لومڑی کی طرح کرنا چاہیئے اس لئے کہ جنگ بھی ایک دھوکہ ہے اُسے وہی طریقہ کرنا چاہیئے جنگ میں اُسے عروس کی طرح ناز و عشوہ کرنا چاہیئے اور جنگ کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ کی طرف پھرتی کر کے ایسے جانا چاہیئے جیسے بچے کھیل کے وقت پھرتی کرتے ہیں اور اُسے میدان جنگ میں بادل کی طرح گرجنا چاہیئے۔

فائدہ رعد بادلوں کے فرشتے کو کہا جاتا ہے۔ بعض مفسرین کی یہی رائے ہے اور جنگ میں ہر خطرہ سے اسے ایسے ڈرنا چاہیئے جیسے کوا ہر خطرہ سے چوکنا رہتا ہے۔

فائدہ (ابقع) اُس کوے کو کہتے ہیں جس میں سیاہی و سفیدی ہوتی ہے اور اپنی حفاظت اور خدشات سے بچنا اسے کرکی سے سیکھنا چاہیئے کرکی ایک مشہور پرندہ ہے اس کا زرد رنگ ہوتا ہے تعلق سے مشابہ ہوتا ہے اسے کلنگ کہتے ہیں مشہور جانور ہے اور یہ کام وہ پرندہ سر انجام دے سکتا ہے جو سب کا سردار ہو اس لئے کہ اس کی طبیعت میں نگرانی کرنا ہے اور یہ اپنے کنبے کی باری باری نگرانی کرتا ہے اور اپنی آواز دھیمی دھیمی نکالتا رہتا ہے تاکہ ہر کسی کو معلوم ہو کہ وہ نگرانی کر رہا ہے۔ جب اس کی باری ختم ہو جاتی ہے تو دوسرے کو جگاتا ہے وہ بھی اپنی نگرانی کا حق ادا کرتا ہے۔ حضرت قزوینی (عجائب المخلوقات) میں لکھتے ہیں کہ کرکی زمین میں ایک پاؤں رکھ کر چلتا ہے دوسرے کو اوپر رکھتا ہے اگر رکھتا بھی ہے تو معمولی سا اس خوف سے کہ کہیں زمین نہ دھنسا دیا جائے (کذا فی حیوۃ الحیوان)

تفسیر صوفیانہ اے قلوبِ مومنین جب تم کفار نفوس اور اُس کے صفات کو دیکھو کہ وہ مجتمع ہو کر تمہارے اور تمہاری صفات پر حملہ کرنے کے لئے آئیں تو مت گھبراؤ اور نہ ہی نفوس کے حملہ اور اُن کے صفات کے غلبہ سے پیچھے ہٹو بلکہ صدقات نفس کے حملوں کے وقت ثابت قدمی دکھاؤ اس لئے کہ صبر کے اجر و ثواب کا ترتب پہلے حملہ پر ہوتا ہے چنانچہ مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ اپنے بچے کی موت پر رو رہی ہے آپ نے اسے فرمایا بی بی اللہ تعالیٰ سے ڈر کر کے صبر کر۔ اس نے جواب دیا آپ کو میرے

دکھ کی کیا خبر۔ آپ واپس تشریف لے گئے۔ اس بی بی کو کہا گیا کہ تجھے نصیحت کرنے والے رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے اُسے بچے کی موت سے اُسے یہ دہرا دکھ اور درد ہوا۔ روتی ہوئی حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر معذرت کرنے لگی۔ آپ نے فرمایا صبر پہلے صدمہ پر ہونا چاہیئے۔

فائدہ الصدم بمعنے سخت شے پر مارنا اور الصدمہ اس کے یکبارگی مصدر کا نام ہے یعنی انسان کو اچانک کی مصیبت کے پہلے وار پر صبر کرنا لازمی ہے اور اسی پر ہی اجر و ثواب ملتا ہے اس لئے کہ مصیبت کا جونہی وقت گذرتا ہے اس کی برداشت بھی ہو جاتی۔ **وَمَنْ یُّوَلِّهِمْ یَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰى فِئَةٍ** یعنی اگر قلب نفس کے حملے سے اس نیت پر روگردانی کرے کہ نفس کے حملوں کے لئے جنگی اسباب تیار یا کسی دوسرے قدسی روح سے استمداد کے لئے منہ پھیرے تا کہ اس روح سے مشورہ کرکے اور اس کے صفات پیدا کرکے یا شیخ کے حضور میں نفس کی شرارتوں سے بچ کر اور اس کے ساتھ مجاہدہ اور ریاضت کے طریقے سیکھ کر حضرت ربانیہ کے لائق ہو جائے **فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ** اللہ تعالیٰ کے غضب سے دوری و مہجوری اور اس کی درگاہ سے محرومی مراد ہے **وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ** اور اس کا ٹھکانہ جہنم اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی درگاہ کی دوری اور مہجوری اور محرومی کی آگ بہت سخت عذاب والی ہے اور ایسا ٹھکانہ سخت سے سخت ہے۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ یعنی اگر تم فخر کرکے کہو کہ تم نے بدر میں کفار کو قتل کیا تو یہ فخر مت کرو اس لئے انہیں تم نے اپنی قدرت و طاقت سے قتل نہیں کیا **وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ** اللہ تعالیٰ نے تمہیں مدد دے کر اور ان پر مسلط کرکے اور ان کے دلوں میں تمہارا رعب ڈال کر قتل کیا۔

شان نزول اور نبی علیہ السلام کا معجزہ

مروی ہے کہ جب کفار نے عقنقل ٹیلے سے اہل اسلام کو جھانک کر دیکھا۔ عقنقل وہ ٹیلہ ہے جو وادی کی طرف واقع اور وہاں سے بدر میں داخل ہوتے تھے۔ جب کافروں نے مسلمانوں کو جھانکا تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کافر فخر و غرور سے آئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے رسول علیہ السلام کو جھٹلاتے ہیں تو اے اللہ تعالیٰ میں تجھ سے تیرے وعدہ کریمہ کا سوال کرتا ہوں۔ اس پر جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی آپ مٹی مٹھی لے کر کافروں کی طرف پھینکیئے جب وہ آپ کے مقابلہ پر آئیں۔ چنانچہ جب اسلام و کفر کا لشکر آمنے سامنے ہوا تو حضور علیہ السلام نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے فرمایا کہ وادی سے کنکریاں اٹھا کر مجھے دیجئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کنکریاں اٹھا کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیں تو آپ نے کافروں کے منہ پر کنکریاں مارتے ہوئے فرمایا **شاهت الوجوه** "کافروں کے چہرے ذلیل و خوار ہوں۔ اس وقت لشکر کفار میں سے کوئی ایسا نہ تھا کہ جس کی دونوں آنکھوں اور ناک کے نتھنوں اور منہ میں کنکر اور مٹی نہ پہنچی ہو۔ اس سے کفار شکست کھا کر بھاگے تو مسلمان ان کے پیچھے ہو لئے اور انہیں قتل کرتے اور بعض کو قید کرتے رہے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنگ سے غلبہ پا کر اور غنیمتیں حاصل کرکے واپس لوٹے

تو آپس میں فخر و ناز سے کہتے جا رہے تھے۔ کوئی کہتا میں نے فلاں کو قتل کیا اور دوسرا کہتا کہ میں نے فلاں کو قید کیا وغیرہ وغیرہ تو یہ آیت نازل ہوئی۔

فائدہ ظاہر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر بدر کا بقایا قصہ کو بیان کیا گیا اور فا شرط محذوف کی جزا ہے جیسا کہ سابق مضمون امدادِ الٰہی اور امر تثبیت وغیرہ سے معلوم ہوا گویا کہا گیا کہ جب امداد الٰہی ہوئی اور ملائکہ نے تثبیت کے طور تمہاری ڈھارس دی تو پھر یقین کرو کہ کافروں کو تم نے قتل نہیں کیا۔

ابو السعود نے اپنے تفسیر میں اس قول کو مختار بتایا ہے۔

وَمَا رَمَيْتَ اور اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حقیقۃً آپ نے کنکریاں نہیں ماریں **اِذْ رَمَيْتَ** جبکہ ظاہری طور آپ نے کنکریاں پھینکیں ورنہ ان کنکریوں کا اسی طرح اثر ہوتا جیسے عام بشروں کی کنکریوں سے ظاہر ہوتا ہے **وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰىۚ** لیکن اللہ تعالیٰ نے کنکریاں ماریں یعنی کنکریوں سے جو تاثیر پیدا ہوئی وہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ تھی کہ حضور علیہ السلام کے کنکر پھینکتے وقت تمام مشرکین کی آنکھوں پر لگیں یہاں تک کہ وہ شکست کھا کر بھاگے اور صحابہ کرام ان پر غلبہ پا گئے خلاصہ یہ کہ کنکریوں کا ظاہری طور پھینکنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صادر ہوا اور ان کا اثر اللہ تعالیٰ کی طرف تھا اس لئے کہ انسانی طاقت سے باہر ہے کہ مٹھی بھر کنکریوں سے اثر تمام مشرکین کو پہنچے کہ کوئی ایک بھی اُن سے بچ نکلے۔

فائدہ کبھی بول کر اس کا مُسمّٰی مراد لیا جاتا ہے یا اس کا کمال مراد ہوتا ہے مثلاً لفظ مؤمن بول کر کبھی مؤمن کامل مراد لیا جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فعلِ قتل کی نفی کر کے اُسے اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا ہے کہ قتل کے جملہ اسباب مثلاً ملائکہ کی امداد کافروں کے دل میں رُعب ڈالنا اور اہلِ ایمان کے دل مضبوط وغیرہ کا مسبب وہی ہے اور قاعدہ ہے کہ فعل کی نسبت سبب کی طرف مجازاً ہوتی ہے مثلاً ہم کہتے ہیں **القلم یکتب ملیحا** اور کبھی اصل کی طرف بھی نسبت ہوتی ہے مثلاً کہا جاتا ہے **الکاتب یکتب ملیحا** مثنوی شریف میں ہے ؎

① ہرچہ خواہد آن مسبب آورد
قدرت مطلق سببہا بر درد

② از مسبب می رسد ہر خیر و شر
نیست ز اسباب و وسائط اے پدر

③ این سببہا بر نظرہا پردہ است
کہ نہ ہر دیدار صنعش را سزاست

④ دیدہ باید سبب سوراخ کن
تا حجب را برکند از بیخ و بُن

⑤ تا مسبب بیند اندر لامکان
ہرزہ داند جہد واکساب ودکان

ترجمہ: ① جو مسبب (سبب بنانے والا اللہ تعالیٰ) چاہتا ہے وہی لاتا ہے قدرت تمام اسباب ختم بھی کرسکتی ہے
② مسبب سے ہی ہر خیر وشر پہنچتا ہے یہ اسباب ووسائل سے نہیں اے بزرگ۔
③ نظروں کے سامنے اسباب پردے ہیں نہ ہر نگاہ اس کی صنعت دیکھنے کے قابل ہے۔
④ دیکھنا چاہتا ہے تو سبب کو توڑ دے تاکہ پردے جڑ سے کٹ جائیں۔
⑤ تاکہ مسبب کو لامکاں میں دیکھ سکو جدوجہد اور کمائی اور دکان پر بھروسہ کرنا بے وقوفی ہے۔

نکتہ عجیبہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے قتل کی بالکلیہ نفی کرکے اسے اپنی طرف منسوب فرمایا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے صرف رمی کی نفی نہیں فرمائی بلکہ وہاں سرے سے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود کی بھی نفی فرمادی ہے اور کلی طور صرف اپنے وجود کا اثبات فرمایا چنانچہ ملاحظہ ہو "وَمَا رَمَيْتَ" یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے اپنے وجود سے کنکر نہیں مارے اِذْ رَمَيْتَ یعنی جبکہ آپ نے کنکر مارے وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى" ای لکن رمیت باللہ" اس کی وجہ یہ ہے کہ رمی کے وقت حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام تجلی پہ تھے اور اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ جب اپنے کسی بندے پر اپنی کسی صفت کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے تو بندے سے اس فعل کا صدور کراتا ہے جسے اس صفت سے تعلق ہوتا ہے مثلاً عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ملاحظہ ہو کہ جب اللہ تعالیٰ اُن پہ صفت احیاء سے جلوہ گر ہوا تو عیسیٰ علیہ السلام اس جلوہ کی وجہ سے مُردوں کو زندہ کرتے تھے اس تقریر کو حدیث قدسی کے مضمون سے سمجھئے کما قال تعالیٰ "كُنْتُ لَهٗ سَمْعًا وَّبَصَرًا الخ الطریق" سے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صفت قدرت سے جلوا گر ہوا تو آپ نے کنکر پھینکے۔ اس قدرت کی صفت کی تجلی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ کہا اور اس حقیقت کو اپنے ارشاد اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ سے واضح فرمایا۔

نکتہ دیگر جس فعل کو بندے کی طرف منسوب کیا جائے تو چونکہ بندہ حوادث وآفات کا مرکز ہے اس لئے اس کے لئے جائز ہے لیکن اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حوادث وآفات کی نسبت گوارہ نہ کرتے ہوئے ان کے فعل کو اپنی طرف منسوب فرمایا اور وہ ہر قسم کے حوادث وآفات سے منزہ ہے۔ ؎

① ما رمیتَ اِذْ رمیتَ گفت حق
کار ما بر کارہا دارد سبق

② گر بپرانیم تیراں نے زماست
ما کمان و تیر اندازش خداست

③ تانشد مغلوب کس ایں سر نیافت
گر تو خواہی آنطرف باید شتافت

ترجمہ ① **مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ** (جب تو نے کنکریاں ماریں تو نے نہیں ماریں) حق تعالیٰ نے فرمایا ہمارا کام تمام کاموں پر غالب ہے۔

② اگر ہم تیر پھینکتے ہیں تو ہم نہیں پھینک رہے ہمارے ہاتھ میں تو صرف کمان ہے حقیقی تیر انداز تو اللہ تعالیٰ ہے۔

③ جب تک مغلوب نہ ہو اس راز کو نہ پائے گا۔ اگر اس راز کو چاہتا ہے تو اس کی طرف دوڑ۔

وَلِیُبْلِیَ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْہُ اور تا کہ اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے اہل ایمان کو انعام و اکرام سے نوازے **بَلَآءً حَسَنًا** بہت بڑی اچھی عطا بخشنے یعنی فتح و نصرت اور آیات کے مشاہدات جنہیں کسی قسم کی رنج اور تکلیف وغیرہ کا اختلاط نہ ہو اور غنائم جیسی بڑی بڑی نعمتیں عطا فرمائے۔

اعجوبہ لغویہ لفظ بلا کا اطلاق نعمت پر بھی ہوتا ہے اور محنت پر بھی۔ دراصل اس کا معنیٰ ہے الاختبار بمعنے آزمائش پھر چونکہ آزمائش جیسے دکھ اور تکالیف میں ہوتی ہے ایسے ہی نعمتوں میں بھی تاکہ بندہ شکر کرے تو نعمت بحال رہے گی ورنہ زوال کا خطرہ۔

سوال امتحان وہ لیتا ہے جسے علم نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے لئے امتحان کا اطلاق کیسا؟

جواب اللہ تعالیٰ کا امتحان عوام کے سامنے ظاہر کرنا مطلوب ہوتا ہے۔

فائدہ اور لام فعل مؤخر محذوف کے متعلق ہے۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی صحابہ کرام کو فتح و نصرت یا غنیمت اور اجر وغیرہ کی عنایت بطور احسان تھا ورنہ اس کی اس سے اور کیا غرض متعلق ہو سکتی ہے اور نہ ہی اس سے اللہ تعالیٰ کو کوئی فائدہ۔

فائدہ یا **لِیُبْلِیَ الْمُؤْمِنِیْنَ** الخ کی لام رمی سے متعلق ہے اس معنے پر واؤ کا علت محذوفہ پر عطف ہے دراصل عبارت یوں تھی **وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی لِیَمْحَقَ الْکٰفِرِیْنَ وَلِیُبْلِیَ الْمُؤْمِنِیْنَ**۔

فائدہ بلاً **لِیُبْلِیَ** کا اسم مصدر ہے دراصل **لِیُبْلِیَ الْمُؤْمِنِیْنَ بَلَآءً حَسَنًا** کذا قال الشیخ اور قاضی بیضاوی کی تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ شئے **مَبْلُوٌّ بِہٖ** (جس کے لئے امتحان لیا گیا) پر برانگیختہ کرنے کی خاطر مصدر لا کر مفعول مراد لیا گیا ہے گویا فرمایا کہ "**ولینعم علیہ نعمتہ عظیمہ**۔"

صوفیانہ تقریر ① کاشفی حقائق سلمی میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ بلاً حسن یہ ہے کہ اپنے بندوں کو نفوس فانی فی اللہ بنائے فنا کے بعد مقام ہویت پر بقاء سے نوازے۔

صوفیانہ تقریر ② حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بلاءِ حسن یہ ہے کہ مبتلا انسان عین بلاء میں محبت و پیار کا مشاہدہ کرے[1] ؎

① چوں دانستی کہ ایں درد تو از کیست
زرنج خویشتن می باش خرم
② گر زند زہرت دہد بہتر ز شکر
در او زحمت نہد بہتر کہ مرہم

ترجمہ ① جب تجھے معلوم ہو جائے کہ یہ درد کہاں سے آیا ہے تو پھر تو اپنی رنج سے خوش ہو۔
② اگر وہ زہر کھلائے تو شکر سے بہتر ہے اگر زخم کرتا ہے تو مرہم سے بہتر ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ بے شک اللہ تعالیٰ ان کے ثنا اور دعا کو سنتا ہے **عَلِیْمٌ** اور ان کے ارادے اور اُن کے وہ احوال جانتا ہے جو اُن کی اجابت کا سبب ہیں۔

ذٰلِکُمْ یہ بلاءِ حسن کی طرف اشارہ ہے اور وہ محلاً مرفوع ہے اس لئے کہ وہ مبتدأ محذوف کی خبر ہے۔

وَاَنَّ اللّٰہَ مُوْہِنُ کَیْدِ الْکٰفِرِیْنَ کا عطف ذٰلِکُمْ پر ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ اہل ایمان کو عطایا سے نوازے اور کفار کے تمام مکر و حیلے مٹائے اور اُن کی تمام تدبیریں خاک میں ملا دے۔

حل لغات الایہان بمعنے سست کرنا۔ اس کا فاعل مُوہِن ہے کذا فی تاج المصادر۔ الوہن بمعنے الضعف اور الکید بمعنے المکر و حیلہ والحرب۔ اب معنے یوں ہوا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کافروں

---

[1] اس نکتہ کو مجنوں کی زبان سے سنیئے ؎

کہتے ہیں لیلیٰ کا یہ دستور تھا   بھیک دیتی در پہ جو آتا گدا
ایک دن مجنوں بھی کاسہ ہاتھ لے   جا پکارا مجھ کو کچھ للہ دے
آئی لیلیٰ اور سبھوں کو کچھ دیا   ہاتھ سے مجنوں کے کاسہ لے لیا
لے کے دے پٹخا زمیں پر ایک بار   رقص میں مجنوں ہوا بے اختیار

جب یہاں نوبت پہنچی تو کسی نے مجنوں سے اعتراضاً پوچھا ؎

تب کہا مجنوں سے یہ مجنونِ خام   رقص کرنے کا تھا اس میں کیا مقام

مجنوں نے جواب دیا ؎

یوں کہا خاموش! تو عاشق نہیں   عاشقی کے رمز سے واقف نہیں
یہ بلا ہرگز نہیں اک ناز ہے   یہ بھی اک معشوق کا انداز ہے
کس کے عاشق کے ہوئے ایسے نصیب   خود بلا نازل کرے اپنا حبیب   از اویسی غفرلہ

کا داؤ سست کرنے والا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ ہر فعل کی تاثیر منجانب اللہ ہے۔ بندہ درمیان میں صرف بمنزلہ آلہ کے ہے اس لئے ہمارے لئے حکم ہے کہ ہم اپنے اور اپنے اعمال پر عجب نہ کریں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ اپنی مہربانی اور لطف کا اظہار فرمایا۔

فائدہ اپنے عمل صالح کو توفیق ایزدی کی طرف منسوب نہ کرتے ہوئے اسے بہت بڑا سمجھنے کو اصطلاح صوفیہ میں عجب کہتے ہیں اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریین سے فرمایا جیسے بہت سے دیئے ہوا سے بجھ جاتے ہیں اسی طرح بہت سے عابدوں کے اعمال صالحہ عجب سے برباد جاتے ہیں۔

فائدہ عجب کرنے والے تین قسم ہوتے ہیں۔

① وہ ہر وقت اپنے اعمالِ صالحہ کے گھمنڈ میں رہتے ہیں جیسے کہ معتزلہ۔ قدریہ اسی طرح نجدیہ وہابیہ کے جملہ فرقے مثلاً غیر مقلد۔ دیوبندی۔ تبلیغی۔ مودودی وغیرہ وغیرہ تھو خیرہ) وہ اپنے افعال میں اللہ تعالیٰ کی منت و احسان کو کسی قسم کا دخیل نہیں بناتے بلکہ عونِ الٰہی اور توفیق ایزدی اور لطف کا بسا اوقات انکار کرتے ہیں اور اُن پر عجب کا ہر وقت غلبہ رہتا ہے۔

② بعض نیک بختوں کو عجب کا حملہ ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی کو مدنظر رکھ کر اس عجب کو دور کرتے ہوئے ہر وقت اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھتے ہیں اس طرح ان سے عجب دُور ہو جاتا ہے ایسے لوگ اعمال صالحہ پر جزاً دیئے جاتے ہیں اور انہیں گویا بصیرت سے یہ مرتبہ نصیب ہوا اور انہیں مخصوص لوگوں میں شمار کیا گیا۔

③ کبھی عجب میں گرفتار اور کبھی عجب سے رُستگار ہوتے ہیں یہ عوام اہلسنت ہیں ان کو جب عجب کا احساس ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے منتِ ایزدی کا دامن پکڑتے ہیں کبھی غفلت کا شکار ہو جاتے ہیں تو عجب میں مبتلا ہوتے ہیں لیکن انکا یہ عجب عارضی ہے جو انہیں اجتہاد کی کمی اور بصیرت کے نقص کی وجہ سے لاحق ہوا۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ اپنے ہر عمل صالح کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے بلکہ اسے لاشئے سمجھے اور یقین سے کہے کہ اگر فضل خداوندی نہ ہوتا تو وہ نیک عمل نہ کرتا اس طرح سے اس کے عمل کی اللہ تعالیٰ کے ہاں قدر ہوگی اور اُسے اجر عظیم نصیب ہوگا۔ نیز سالک پر لازم ہے کہ کسی وقت ایسا عمل نہ کرے کہ جس سے رضائے الٰہی میں فرق آئے اور وہ ذات حق کے لائق نہ ہو حالانکہ وہ اپنی غلطی سے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے سمجھتا ہے اس سے عمل ضائع ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی قدر و منزلت گھٹ جائے گی اور پھر اپنی اصلی حالت کی طرف لوٹ آئے گا۔ جو نہایت برا درجہ ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھیے کہ کوئی شخص انگور یا کوئی اچھی شئے بازار سے چند ٹکوں میں خرید کر کے بادشاہ کے ہاں تحفہ بھیجے اگر اس سے بادشاہ خوش ہوگیا تو اُسے ہزاروں روپاؤں کے انعام سے نوازے گا۔ اگر اُسے ناراضگی سے واپس کرے گا تو اس انگور کی وہی قیمت ہوگی جو بازار میں عام بکتا ہے ایسے ہی سالک کی حالت ہے کہ اگر اُس کے اعمال صالحہ کو اللہ کریم قبول فرمالے تو بیڑا پار ورنہ ویسے کا ویسا۔

حکایت حضرت وہب فرماتے ہیں کہ سابق دور میں ایک شخص نے ستر سال عبادت کی اور ہفتہ بھر روزہ رہتا۔ ایک دن اللہ تعالیٰ سے ایک دعا مانگی لیکن اللہ تعالیٰ نے قبول نہ فرمائی اس کے منہ سے نکلا کہ تعالیٰ کے ہاں کچھ ہوتا تو مجھے دیتا۔ اس کی اس غلط گفتار پر اللہ تعالیٰ نے فرشتہ بھیجا اور فرمایا کہ اسے کہو اے ابن آدم معمولی بات سے کتنا غلطی کا شکار ہوا ہے تیری وہ گھڑی بہتر تھی جس میں تو عاجزانہ منکسرانہ حالت میں مجھ سے مانگ رہا تھا تیری یہ حالت ستر سال کی عبادت سے بہتر اور اکمل تھی۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے کیا فرمایا ہے

در راہِ ما شکستہ دلی می خرند و بس
بازار خود فروشی ازاں سوئے دیگرست

ترجمہ: ہماری راہ شکستہ دلی کی خرید ہے اور بس، بازار میں بیچ ڈال پھر ادھر چلو وہ راہ دیگر ہے۔

اے اللہ! ہمیں توفیق والوں سے بنا اور ان لوگوں سے فرما جو تحقیق کا راہ چلتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا یہ خطاب اہلِ مکہ کو ہے ان سے بطورِ تہکم کہا گیا ہے۔ مروی ہے کہ جب مکہ معظمہ سے بدر کی طرف روانہ ہوئے تو کعبہ کے غلاف کو پکڑ کر کہنے لگے اَللّٰھُمَّ اَنْصُرْ علی الجندین واھدی الفئتین واکرم الحزبین وافضل الدینین" اے اللہ ہم میں بلند قدر لشکر اور زیادہ ہدایت یافتہ اور دو گروہوں کا محترم ترین اور افضل دین والے کو فتح و نصرت عطا فرما۔

ابوجہل کی دعا مروی ہے کہ ابوجہل نے بدر کے دن دعا مانگی۔ اَللّٰھُمَّ انْصُرْ افضل الفریقین واحقہما بالنصر۔ اَللّٰھُمَّ اینا اقطع للرحم وافسد للجماعت فاھلکہ۔ اے اللہ جو دو گروہوں سے افضل اور انہیں سے جو فتح و نصرت کا زیادہ حقدار ہو اسے فتح و نصرت عطا فرما اور ہم میں جو قطع رحم کرنے والا اور جماعت میں انتشار پھیلانے والا ہے اسے ہلاک کر دے۔ اس بدبخت نے انتہائی حماقت سے اپنے لئے دعا مانگی اللہ تعالیٰ نے اس کی قبول کر لی کہ بدر میں عفراء کے دو بیٹوں عوذ اور معاذ نے اسے جان سے مار دیا۔ اور اس پر ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے سر کاٹ دیا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے کافرو اگر علی الجندین کے لئے فیصلہ مانگتے ہو۔

فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ تو یہ فیصلہ تمہارے اوپر آ چکا حالانکہ تمہارا گمان تھا کہ تم اعلیٰ ہو۔ تہکم فتح کے آنے میں کیا گیا ہے یا معنیٰ یہ ہے کہ تمہارے اوپر ہزیمت اور قہر الٰہی اور رسوائی آ چکی اس معنے پر تہکم نفس فتح میں کیا گیا ہے اس لئے کہ رسوائی و ہزیمت کی ضد بتا کر انہیں جواب دیا گیا۔

وَاِنْ تَنْتَھُوْا اور اگر تم کفر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عداوت اور دشمنی سے باز آ جاؤ فَھُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ تمہارے لئے بہتر ہے اس جنگ سے جس کا تم نے مزہ چکھا اس لئے کہ اس میں قتل و قید سے سلامتی و عافیت ہے مبنی اعتبار اصل الخیریۃ کا مفضل علیہ میں ہے اسمیں بھی تہکم ہے۔ وَاِنْ تَعُوْدُوْا اور اگر تم پھر شرارت کرنے لوٹو گے نَعُدْ ہم بھی سزا کے لئے عود کریں گے اور اہل اسلام کی مدد کریں گے وَلَنْ تُغْنِیَ اور ہرگز نفع نہ دے گا۔ عَنْكُمْ تم سے فِئَتُكُمْ تمہارا جتھا۔ یعنی تمہارا وہ لشکر جسے تم نے اہل اسلام کو شکست دینے کے لئے

جمع کیا اور ان سے مدد چاہتے ہو۔ شَیْئًا کوئی شے تمہارے بچانے کے لئے یہ شیئًا منصوب علی المصدریۃ (مفعول مطلق) ہے یا تمہارا جتھا تمہارے سے کسی قسم کا ضرر اور نقصان نہیں ہٹا سکے گا اس معنے پر شیئًا منصوب علی المفعولیۃ (مفعول بہ) ہے۔

وَلَوْ كَثُرَتْ ۙ اگرچہ وہ تمہارا جتھا تعداد میں ہی بہت ہو۔ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اور بے شک اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے ساتھ ہے یا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کی مدد کرتا ہے چنانچہ بدر میں مدد فرمائی۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ نجات ایمان و اسلام اور امرِ الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے میں ہے اور باطل کا انجام برباد اور ہلاکت ہے اگرچہ اسے کتنا ہی مہلت مل جائے۔ حضرت حافظ شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ؎

اسم اعظم بکند کار خود اے دل خوش باش
کہ بتلبیس و حیل دیو سلیمان نشود

ترجمہ: اسم اعظم اپنا کام کرتا اے دل خوش رہ اس لئے دیو کا مکر و حیلہ سلیمان کے سامنے نہ چلے گا۔

ولی اللہ کا دشمن اولیاء اللہ کی دشمنی ایسے ہے جیسے انبیاء کی دشمنی لیکن بفضلہٖ تعالیٰ ہر دو نوں حضرات اپنے دشمنوں پر فاتح و کامران رہتے ہیں اس لئے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نہ انہیں بھلاتا ہے اور انہیں ایسے بیکار چھوڑتا ہے۔

حکایت حضرت دانیال علیہ السلام ایک کنوئیں میں ڈالے گئے۔ آپ پر ایک درندہ ڈالا گیا۔ درندہ جاتے ہی آپ کو چاٹنے لگا اور آپ کی خوشامد کرتا تھا اس پر اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا فرشتہ حاضر ہوا اور اوپر سے کہا گیا اے دانیال! آپ نے پوچھا کون؟ عرض کی انا رسول ربك اليك ارسلني عليك بالطعام "میں تیرے رب کا قاصد ہوں اور آپ کے ہاں طعام لایا ہوں۔ آپ نے پڑھا الحمد للہ الذی لا ینسی من ذکرہ شکر اُس کا جو اپنے کو ذکر کرنے والے کو نہیں بھلاتا۔ ؎

واذا السعادۃ لاحظتك عيونها
نم فالمخاوف كلهن امان
واصطد بها العنقا فهي حبالة
واقتد بها الجوزاء فهي عنان

ترجمہ: اور جب سعادت کی نگاہ تمہیں نوازے تو پھر سوجا اور کسی شئے سے خوف نہ کھا بلکہ تمام تکالیف تیرے لئے امان بن جائیں گی اور عنقا کو شکار کرلے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سعادت تمہیں اسی کے طور نصیب ہوئی ہے اور اسی سے تم جوزا تک چلے جاؤ اس لئے کہ یہی سعادت تمہیں باگ کے

طور عنایت ہوئی ہے ۔

حکایت الماوردی نے ادب الدنیا والدین میں لکھا ہے کہ ولید بن یزید بن عبد الملک نے قرآن مجید سے فال نکالی تو یہ آیت شریف نکلی "واستفتحوا وخاب کل جبار عنید" اس نے قرآن مجید کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے یہ شعر پڑھا ؎

اتوعد کل جبار عنید
فھا انا ذاک جبار عنید
اذا ما جئت ربک یوم حشر
فقل یا رب مزقنی الولید

ترجمہ: کیا تم ہر جبار عنید کو ڈراتا ہے سن لے اے قرآن میں بھی جبار عنید ہوں پھر جب تو قیامت میں حاضر ہوگا تو تو اپنے رب سے کہنا کہ ولید نے مجھے ٹکڑے ٹکڑے کیا تھا۔

اس بدبخت کو تھوڑے دنوں کے بعد قتل کر کے اس کے اپنے محل پر سولی پر چڑھایا گیا پھر اس کے سر کو اتار کر شہر کے صدر دروازہ پر لٹکایا گیا۔

مسئلہ قاضی ابوبکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے احکام القرآن میں سورۂ مائدہ میں لکھا کہ قرآن مجید سے فال نکالنا حرام ہے اسی طرح قرافی نے طرطوشی سے نقل کر کے انہوں نے بھی حرمت کا فتویٰ دیا لیکن حنابلہ کے ابن بطہ نے اسے مباح بتایا بعض فقہا کراہت کا فتویٰ صادر کرتے ہیں (کذا فی حیوۃ الحیوان للامام الدمیری رحمہ اللہ تعالیٰ)

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا یعنی اگر صدق و اخلاص اور ترک ما سوی اللہ کی کنجی سے طلبِ تجلی میں اگر تم قلوب کو کھولنا چاہتے ہو فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ تو تمہیں تجلی حق سے فتح نصیب ہوگی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ذاتی طور ازلاً و ابداً تجلیات سے اپنے بندوں کو نوازتا ہے اسے کسی قسم کا تغیر نہیں ہاں اس کی مخلوق کے احوال میں تغیر ہے اس لئے کہ جب ان کے دل بند ہوتے ہیں تو تجلی حق سے محروم ہوتے ہیں اور جب ان کے دل کے دروازے کھلتے ہیں تو تجلیاتِ حق سے نوازے جاتے ہیں۔ وَاِنْ تَنْتَهُوْا طلبِ حق میں غیر اللہ سے رک جاؤ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وہی تمہارے لئے بہتر ہے وَاِنْ تَعُوْدُوْا اور اگر تم دنیا اور اس کی لذات و شہوات اور اس کے نقش و نگار اور ما سوی اللہ کی طرف جھکو گے۔ نَعُدْ تو ہم بھی تمہیں تمہارے نفس کی رسوائی اور اس کی خواہشات اور خواہشات کے اسباب اور نفس کے صفات کے غلبات میں مبتلا کریں گے۔

وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا اور جتھا تمہیں نہیں بچا سکے گا یعنی اللہ تعالیٰ کے الطاف و کرم کے مقابلہ میں اگر دنیا و آخرت وَمَا فِيْهَا پیش کرو تو بھی حق کو نہیں پا سکتے وَلَوْ كَثُرَتْ یعنی اگرچہ اللہ تعالیٰ کی آخرت و دنیا کی بے شمار نعمتیں تمہیں نصیب ہوئی ہیں لیکن جو کچھ اللہ کریم نے اپنے خواص اولیاء پر انعامات فرمائے ہیں اُن کے

بقیہ ۳۱۶

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ

اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو

وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ ﴿۲۰﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ

اور سن سنا کر اس سے نہ پھرو اور ان جیسے نہ ہونا جنہوں نے

قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿۲۱﴾ إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ

کہا ہم نے سنا اور وہ نہیں سنتے بے شک سب جانوروں میں بدتر

اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۲۲﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ

اللہ کے نزدیک وہ ہیں جو بہرے گونگے ہیں جن کو عقل نہیں اور اگر اللہ ان میں کچھ

فِيهِمْ خَيْرًا لَأَسْمَعَهُمْ وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُعْرِضُونَ ﴿۲۳﴾

بھلائی جانتا تو انہیں سنا دیتا اور اگر سنا دیتا جب بھی انجام کار منہ پھیر کر پلٹ جاتے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ

اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہو جب رسول تمہیں

لِمَا يُحْيِيكُمْ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ

اس چیز کے لیے بلائیں جو تمہیں زندگی بخشے گی اور جان لو کہ اللہ کا حکم آدمی اور اس کے دلی ارادوں میں حائل

وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۲۴﴾ وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ

ہوجاتا ہے اور یہ کہ تمہیں اس کی طرف اٹھنا ہے اور اس فتنہ سے ڈرتے رہو جو ہرگز تم میں خاص

ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾

ظالموں کو ہی نہ پہنچے گا اور جان لو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے

وَاذْكُرُوا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ مُسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ

اور یاد کرو جب تم تھوڑے سے ملک میں دبے ہوئے ڈرتے تھے کہ کہیں لوگ تمہیں

تَخَافُونَ أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهِ

اچک نہ لے جائیں تو اس نے تمہیں جگہ دی اور اپنی مدد سے

وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

زور دیا اور ستھری چیزیں روزی دیں تمہیں کہ کہیں تم احسان مانو اے ایمان والو!

اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ

اللہ اور رسول سے دغا نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں دانستہ خیانت

تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَّاَنَّ

اور جان رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد سب فتنہ ہے اور اللہ

اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ ع

کے پاس بڑا ثواب ہے

تفسیر عالمانہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ اے ایمان والو اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول علیہ السلام کی اطاعت کرو اور روگردانی نہ کرو۔ وَلَا تَوَلَّوْا دراصل تتولوا تھا ایک تا حذف کر دی گئی ہے تولّوا بمعنے اعراض یعنی رو بگردانیدن (منہ پھیرنا) عنہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے۔

سوال یہاں عنہا ہونا چاہیئے تھا؟

جواب تاکہ معلوم ہو کہ رسول پاک کی اطاعت حقیقۃً اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے (اس سے پرویزی. چکڑالوی ٹولہ عبرت پکڑیں جبکہ وہ طاعتِ رسول کو طاعت الٰہی کا غیر سمجھتے ہیں.

وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ۚ حالانکہ تم سنتے ہو کہ قرآن مجید میں بار بار نہیں کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طاعت تمہارے لئے ضروری ہے اور بے شمار وعظ بلکہ سخت زجر و توبیخ کی جاتی ہے ان کی مخالفت سے تمہیں سخت نقصان ہے ان کی ہر بات کی تصدیق کرو اور ان کے ہر قول کو صدق دل سے سمجھو اور مانو۔

وَلَا تَكُوْنُوْا امر و نہی کی مخالفت کر کے نہ ہو جاؤ كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا ان لوگوں جیسے جنہوں نے کہا ہم نے سنا اور مانا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ حالانکہ وہ سنتے تو ہیں لیکن مانتے نہیں اور وہ سنتے اس لئے ہیں کہ وہ سن کر ان کی

بقیہ ۳۱۲ سے آگے

مقابلہ میں تمہارے اوپر عطا کردہ نعمتیں عشر عشیر بھی نہیں وَاَنَّ اللّٰهَ اور بے شک اللہ تعالیٰ اپنے الطاف کریمانہ سے مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ان اہل ایمان کے ساتھ جو ان مقاماتِ عالیہ پر فائز اور جو ان مقامات کے طالب ہیں اور معیت خاصہ کے مستحق ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان مقامات پر اپنے فضل و کرم سے پہنچایا ہے وہ اپنی ذاتی قدرت و طاقت سے ان مقامات پر نہیں پہنچے (کذا فی التاویلات النجمیہ)۔

تمرد کریں اور کھلکر روگردانی کریں جیسے کافروں نے کہا کہ سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا ہم نے سن کر نافرمانی کی یا جیسے منافقین نے کیا کہ ان کا دعویٰ تھا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات تہ دل سے مانتے ہیں حالانکہ وہ صرف زبان سے ایسے کہتے تھے ورنہ اُن کے دل تو کفر و تکذیب سے لبریز تھے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

① نیست را چہ خوانده چہ نا خوانده
ہست پائے او بگل درمانده

② گر سرش جنبد بسیر باد رو
تو بسر جنبانیش غره مشو

③ آں سرش گوید سمعنا اے صبا
پائے او گوید عصینا خلتا

ترجمہ: ① نیست کو پڑھو یا نہ اس کی ہستی کے پاؤں کیچڑ میں ہیں۔

② اگر اس کا سر ہلتا ہے تو ہوا کی سیر کے ساتھ جا لیکن اس کے سر ہلانے پر غرہ نہ ہو۔

③ اس کا سر کہتا ہے اے صبا ہم نے سن لیا لیکن اس کے پاؤں کہتے ہیں ہم نے نافرمانی کی۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ بے شک سب جانوروں سے بدتر یعنی وہ شے جو زمین پر چلتی ہے یہاں پر دابۃ کا لفظ اپنے لغوی معنے پر محمول ہے یا بمعنے شر البہائم ہے۔ اس معنے پر لفظ دابۃ عرفی معنے پر محمول ہوگا اس لئے کہ عرف میں دابۃ ہر اُس جانور کو کہا جاتا ہے جو چارپایہ ہو خواہ وہ بری ہو یا بحری عِنْدَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے ہاں یعنی اس کی قضا و قدر کے حکم کے سامنے اَلصُّمُّ وہ بہرے ہیں یعنی وہ ایسے ہیں جو حق کو سن کر قبول نہیں کرتے اَلْبُكْمُ گونگے ہیں یعنی ایسے ہیں کہ جو حق کی بات نہیں کرتے۔ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ وہ ایسے ہیں جو حق کو نہیں سمجھتے اللہ تعالیٰ نے کفار کو بہائم میں داخل کر کے اُن کے شر کا تعارف کرایا تاکہ معلوم ہو کہ یہ اپنے گمراہی کے لحاظ سے باقی مخلوق سے نمایاں ہیں۔

سوال جب انہیں صم و بکم کہا گیا تو پھر لا یعقلون کہنے کا کیا فائدہ جبکہ اصم و ابکم ہوتا بھی وہی ہے جو لا یعقل ہو؟

جواب گونگا بہرہ بات کو سمجھ لیتا ہے بلکہ وہ باتوں کو نہ صرف سمجھ لیتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی اشارہ و کنایہ سے سمجھا لیتے ہیں وہ عقل کی دولت کھو بیٹھے جیسے کفار و مشرکین اور منافقین کی عقل ماری گئی تو ایسا انسان شرارت و بدحالی میں بدترین مخلوق ہوتا ہے پاگلوں اور مجنونوں کی کیفیت سب پر عیاں ہے۔ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ نے فرمایا ؎

① بہائم خوشند و گویا بشر
پراگنده گو از بہائم بتر

② بنطق است و عقل آدمی زاده فاش
چو طوطی سخن گوئی و نادان مباش

لے یہ آیت وہابیہ دیوبندیہ کے اعتراض ولو کنت اعلم الغیب الخ کے جواب میں ہم الزامی طور پیش کرتے ہیں۔ فقیر کی تفسیر اویسی میں دیکھئے

ترجمہ ① جانور خاموش اور انسان ناطق (بولنے والا) ہے غلط اور بکواس کرنے والے سے جانور بہتر ہیں۔

② بولنے سے اور عقل سے آدمی کا جوہر کھلتا ہے طوطی کی طرح بول اور نادان نہ ہو۔

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيهِمْ خَيْرًا اور اگر اللہ تعالیٰ انہیں کچھ بھلائی جانتا۔ یعنی بھلائی کی جنس منجملہ اس کے ان کا حق کی باتوں کے لئے سوچ و بچار اور ہدایتِ حق کی اتباع میں ہے **لَأَسْمَعَهُمْ** تو انہیں سنا دیتا یعنی انہیں حق قبول کرنے کا فہم و تدبر بخشتا۔ جس سے وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت سے باخبر ہو جاتے اور ان کی اطاعت کرتے ان پر ایمان لاتے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ وہ اس دولت سے محروم ہیں اس لئے انہیں حق کی باتیں نہ سنائیں کیونکہ انہیں بلا وجہ ایسے ہی سنا دیتا تو بے سود اور حکمت سے خالی بات ہوتی اور وہ اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف ہے۔

علم الٰہی کی نفی کا جواب ابن الشیخ نے فرمایا کہ یہاں پر علم الٰہی کی نفی نہیں بلکہ عدم استقرار الخیر کو نفی علم سے تعبیر کیا گیا ہے اس لئے کہ یہ لازمی امر ہے کہ جو شے فی الواقع ہوگی تو اسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور جو دوسرے سے ہی نہیں تو اس سے اللہ تعالیٰ کے علم کا کیا تعلق۔ اس عدم الشئی کو عدم علم سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ علم معانی کا قاعدہ ہے کہ لازم بول کر ملزوم مراد لیا جاتا ہے اور عرب میں ایسا کلام بلیغ تر سمجھا جاتا ہے۔ اس تقریر سے مطلب صاف ہو جاتا ہے کہ نہ انہیں بھلائی تھی نہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حق قبول کرنے کی توفیق بخشی

سوال اگر **لَوْ كَانَ فِيهِمْ خَيْرًا لَأَسْمَعَهُمْ** کہا جاتا تو کلام مختصر ہوتا اور اللہ تعالیٰ کے علم پر اعتراض بھی پیدا نہ ہوتا۔ اس طرح سے مطلب مذکور بھی واضح ہے۔

جواب اگرچہ مقصود اس جملہ سے واضح ہو جاتا ہے لیکن کلام بلیغ تر نہیں بنتا اس لئے کہ معانی کا قاعدہ پہلے عرض کیا گیا ہے وہ جملہ مذکورہ میں نہیں پایا جاتا اور کلام میں بلاغت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب لازم کی نفی کی جائے شئے یا شئے کی جنس کی نفی سے کلام بلیغ ترین نہیں بنتا اس لئے کہ لازم شے کی نفی کرنے سے مقصود بھی واضح ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ دلیل اور بینہ بھی قائم ہو جاتا ہے کہ جیسے منکر سن کر تسلیم پر مجبور ہو جاتا ہے اس لئے کہ آیت کا مجموعہ وَلَوْ علم اللہ الخ وَلَوْ کان فیھم الخ سے بلیغ تر ہے (وھو المقصود)

وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ اور اگر اللہ تعالیٰ انہیں سنا دیتا یعنی اگر اللہ تعالیٰ انہیں فہم و تدبر کا موقعہ بخشتا تو بھی وہ اپنی فطرت نے پیش نظر کرنے سے بالکل محروم ہیں ان کا انجام کار یہ ہوتا کہ **لَتَوَلَّوْا** حق کو سن کر رو گردان ہو جاتے اور اس سے کلی طور نفع حاصل نہ کرتے یا یہ کہ تصدیق کے بعد مرتد ہو جاتے اور ایسے ہو جاتے کہ گویا انہوں نے سنا ہی نہیں۔

وَهُمْ مُعْرِضُونَ یعنے وہ روگردان کر جاتے اور ایسے ہو جاتے اور ان کا حال یہ ہوتا کہ گویا انہوں نے سنا ہی نہیں اس لئے کہ نبوت کے عناد سے ان کے دل پر ہیں۔

تفسیر صوفیانہ اسمیں اشارہ ہے کہ جسے شقاوۃ مقدر ہو تو اثنائے سلوک میں متابعت اور اللہ تعالیٰ اور اس کی طلب سے روگردانی کر کے دنیا اور اس کے نقش و نگار میں دل لگا دیتا ہے۔

فائدہ انسان احسن تقویم کے ساتھ پیدا کیا گیا تاکہ تربیت و ترقی کے قابل اور اس کمال کا مستعد ہو جائے جہاں پر ملک مقرب کی رسائی نا ممکن ہے پس وہ ابتداءً تخلیق ہی حیوان سے تو بلند قدر تھا لیکن مرتبہ میں ملک سے گھٹیا مگر شریعت کی تربیت سے ملک سے بڑھ کر خیر البریہ کہلانے کا مستحق ہوتا ہے جبکہ یہ شریعت کی مخالفت اور خواہشاتِ نفسانیہ کی اتباع کرتا ہے تو حیوان سے بھی درجہ گھٹ جاتا ہے اس بناء پر اسے شر البریہ کہا جائے تو بجا ہے جب ایسا شخص جسے ملک سے بھی افضل و اکمل ہونا تھا لیکن شامتِ اعمال اور شریعت کی مخالفت سے حیوان گھٹ گیا تو لائق ہے کہ اسے بہائم سے بھی بدتر کہا جائے۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ نہ امر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار کرے اور نہ شرعیہ کی مخالفت حالانکہ حیوان بے عقل و لاشعور سہی لیکن وہ بھی حکم الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہے پھر انسان ہو کر کیوں نہ سر جھکائے۔

معجزہ و اختیارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر میں تھے کہ آپ کے ہاں ایک مرد حاضر ہوا اور عرض کی حضور! میرا ایک باغ ہے جس میں میری اور میرے بچوں کی بسر اوقات ہے اس میں میرے دو اونٹ بھی ہیں الناضح ہر اس اونٹ کو کہتے ہیں جس پر پانی لاد کر زندگی کا گزارہ کیا جائے لیکن اب وہ دونوں اونٹ مجھے بلکہ کسی کو باغ میں نہیں جانے دیتے اور نہ ہی اپنے قریب کسی کو پھٹکنے دیتے ہیں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر باغ میں تشریف لائے اور باغبان کو فرمایا۔ اس کا دروازہ کھول دے ہم باغ کے اندر جاتے ہیں۔ اُس نے عرض کی باغ کے اندر دو اونٹ بڑے خطرناک ہیں آپ نے فرمایا تم دروازہ کھولو پھر ہم جانیں اور اونٹ۔ جب باغبان نے دروازہ کھولنا شروع کیا تو اونٹوں نے آواز سُنی تو حسبِ عادت بھاگ کر دروازہ کے قریب آگئے لیکن دروازہ کھلتے ہی جونہی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو گھٹنوں کے بل گر کر حضور نبی پاک کو سجدہ ریز ہوئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے سر پر ہاتھ پھیرا اور انہیں پکڑ کر اُن کے مالک کے ہاتھ میں دیدیئے اور فرمایا اُن سے خوب کام لے لیکن اُن کی خدمت (چارہ پانی) وغیرہ میں کمی مت کرنا۔ صحابہ کرام نے یہ حال دیکھ کر عرض کی حضور! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو جانور سجدہ کریں اور ہم محروم رہیں ہمیں بھی سجدہ کرنے کی اجازت مرحمت فرمایئے آپ نے فرمایا سجدہ صرف حی و قیوم کے لئے ہے اگر میں سجدہ کا حکم کرتا تو عورت کو فرماتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

سبق حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن امور پر عمل کرنے اور جن سے روکیں تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم سر تسلیم خم کریں ہمارے لئے لائق نہیں کہ ہم پوچھتے پھریں کہ اس امر میں کیا حکمت ہے اور فلاں بات سے

---

[1] جیسے آیت کے ظاہر سے علم الٰہی کی نفی پر تاویل ضروری ہے ایسے ہی جہاں بظاہر نبی علیہ السلام کے علم کی نفی ہوتی ہے وہاں بھی تاویل لازم اس لئے کہ نبوت الوہیت کا جلوہ (مظہر) ہے بلکہ حضور علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بے مثل مظہر اتم ہیں۔
(اُویسی غفرلہٗ)

کیوں رد کا گیا وغیرہ وغیرہ۔ ہم تو اُن کی ہر بات پر سرِ تسلیم خم کریں اسی میں ہماری نجات اور اسی میں ہماری کامیابی ہے ایک مسلمان بحیثیت مسلمان ہونے کے ناطے اپنے نبی علیہ السلام کے قول میں کیوں چہ میگوئی کرے جب وہ دیکھتا ہے کہ طبیب جب بیمار کو کہتا ہے کہ فلاں دوائی تیرے لئے مفید اور فلاں مضر ہے تو بیمار طبیب سے حکمتیں نہیں پوچھتا بلکہ آنکھ بند کر کے وہ دوائی لیتا ہے اور جس سے وہ روکتا ہے تو وہ اس سے کوسوں دور بھاگتا ہے حالانکہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ

اِنَّهٗ علیہ السلام مکاشِفٌ مِنَ الْعَالِمِ بِجَمِیْعِ اسرارِ والحکم کَمَا اَخْبَرَ عَنْ نَفْسِہٖ وقَالَ فَعَلِمْتُ علم الاولین وَالاٰخِرِیْنَ ۱؎

ترجمہ: بے شک حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کائنات کے تمام اسرار و رموز اور حکمتیں جانتے ہیں۔ چنانچہ خود فرمایا کہ میں نے اوّلین و آخرین کا علم جان لیا۔

تفسیر صوفیانہ انسان کو صلبِ آدم سے نکال کر مقامِ الست سے اسفل سافلین کی طرف دھکیلا گیا پھر اسے دعوت دی گئی کہ وہ جد و جہد کر کے اعلیٰ علیین کو پہنچے جتنا کہ اس کے مقدر میں ہے اتنا جد و جہد کرے لیکن اعلیٰ علیین تک پہنچنا صرف دو طریقوں سے ممکن ہے۔

(۱) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت و عقیدت یہاں تک کہ کائنات کی ہر شئے آل و اولاد۔ ماں باپ بلکہ اپنے نفس سے بھی حضور علیہ السلام کو محبوب تر سمجھے۔

(۲) جملہ اُمور میں اُن کی تابعداری کرے اور جن اُمور سے روکا ہے اُن سے رُک جائے انہی دو طریقوں سے حضور علیہ السلام سے مناسبت نصیب ہوگی تو آپ کی متابعت کی برکت سے عروج کر سکے گا۔

فائدہ آپ کی محبت کی علامات میں سے ایک علامت قرآن کی قرأت و تلاوت کی بھی ہے۔ ورنہ ایسے شخص کو بھی حضور علیہ السلام کی متابعت سے روگرداں سمجھا جائے گا جو قرآن سے محبت نہیں کرتا وہ آپ کی محبت کی علامت سے فقر و زہد فی الدنیا اختیار کرنا بھی ہے۔ ؎

کیں جہاں جیفہ است و مردار و رخیص

بر چنیں مردار چوں باشم حریص

ترجمہ: جو یہ جہاں مردار اور بدبودار ہے ایسے مردار پر میں کیوں حریص بنوں۔

اے اللہ ہمیں جمیع مہالک سے بچا اور ہمیں خیر المسالک پر چلنے والوں سے بنا۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور رسول کریم کا کہا مانو یعنی اُن کی اطاعت کرو اِذَا دَعَاكُمْ جب رسول اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمہیں بلائیں۔

سوال دَعَاكُمْ میں صرف رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام کیوں؟ اللہ تعالیٰ نے اپنا نام کیوں نہیں لیا۔

۱؎ روح البیان صـ۸۳۳ ج ۱ مطبوعہ قدیم (اویسی غفرلہٗ)

۲؎ اس سے منکرینِ حدیث پرویزی چکڑالوی ٹولہ کا رد ہے کہ وہ قول رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے منکر ہیں۔ ۱۲

جواب تاکہ معلوم ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعوتِ اسلام دینا درحقیقت یہ بھی امرِ ربانی ہے اس لئے واحد کی ضمیر لائی گئی ہے ۔

فائدہ دَعَا دِعَاؤٌ سے بمعنے اسلامی احکام کی دعوت دینا ۔

لِمَا يُحْيِيكُمْ لام[1] بمعنے ان ہے یعنی وہ دعوت دیتے ہیں تاکہ وہ زندہ کریں ۔ حضور علیہ السلام کا زندہ کرنا کئی قسم ہے منجملہ اُن کے آپ کا علوم کے ذریعے مُردہ دلوں کو زندہ کرنا ہے اس لئے علم قلب زندگی اور جہل اُس کی موت ہے کسی شاعر نے کہا ؎

لا تعجبن الجهول حلة

فذاك ميت وثوبه كفن

ترجمہ: جاہل کی زرق برق پوشاک سے تعجب نہ کیجئے اس لئے کہ وہ مردہ ہے اور یہی کپڑے اس کا کفن ہیں ۔

دوسرے شاعر نے کہا ؎

① جاہلیکہ بعلم زندہ نشد

مَیّتش داں و مسکنش مدفن

② از جنازہ نشان جنازۂ او

جامہائے تنش بجائے کفن

ترجمہ: ① وہ جاہل جو علم سے زندہ نہ ہوا اُسے مردہ جان کہ اس کی سکونت گورستان ہے ۔

② اس کی چارپائی جنازہ کا نشان ہے اس کے کپڑے جسم پر کفن ہیں ۔

علم کی فضیلت حدیث شریف میں ہے اللہ تعالیٰ نے مُردہ دل کو علم سے زندہ فرماتا ہے جیسے ویران زمین کو بارش کے قطرات سے سرسبز کرتا ہے ۔

مسئلہ علم سے دینی فنون جیسے تفسیر و حدیث اور اُصول فقہ فقہ اور علم میراث وغیرہ مراد ہیں ۔ ؎

علم دین فقہ است و تفسیر و حدیث

ہر کہ خواند غیر ازیں گردد خبیث

ترجمہ: دین کا علم صرف فقہ و تفسیر و حدیث ہے جو ان کے سوا پڑھتا ہے وہ خبیث ہے ۔

مسئلہ عقائد و اعمال صالحہ بھی انہی میں شامل ہیں جو دائمی نعمتوں کا مستحق بنا کر دائمی زندگی بخشتے ہیں ۔

مسئلہ جہاد بھی انہی سے ہے اس لئے کہ وہ بھی بقا کا سبب ہے اگر اُسے ترک کر دیا جائے تو دشمن غلبہ پا

---

[1] اس سے وہابیوں نجدیوں دیوبندیوں کا رد ہے کہ وہ نبی علیہ السلام کے اختیار کے منکر ہیں اور ان کے احیاءِ الموتیٰ باذن اللہ کا بھی انکار کرتے ہیں ۱۲ اُویسی غفرلہٗ

جاتا ہے بلکہ صفحۂ ہستی سے ختم کردے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ۔

مسئلہ آنہی شہادۃ ہے اس لئے کہ شہدا اللہ تعالیٰ کے ہاں زندہ ہیں۔ خواہ وہ کفار کی تلوار سے شہید ہوں یا ریاضاتِ شاقہ اور مجاہداتِ قویہ سے ؎

① دانۂ مردن را شیریں شداست
بل ھُم احیاء پے من امداداست

② اقتلونی یا ثقاتیٔ لائما
ان فی قتلی حیاتی دائما

ترجمہ ① جوانمردوں کا دانہ میٹھا ہے بلکہ وہ زندہ ہیں میری طرف سے انہیں امداد ہے۔

② اے دوستو مجھے قتل کر ڈالو اس لئے کہ مجھے قتل کے بعد دائمی زندگی نصیب ہوتی ہے۔

موت فنا عن الکل کا نام موت اور بقاء بنور اللہ تعالیٰ کا نام حیات ہے۔

وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِہٖ اور یقین کرو اللہ تعالیٰ مرد اور اس کے دل کے درمیان میں حائل ہوتا ہے۔

قاموس میں ہے ہر وہ شے جو دو چیزوں کے درمیان آڑ بنے اس کے لئے کہتے ہیں حال بینھما یعنی وہ شے ان دونوں کے درمیان حائل ہوئی

تقاریر برائے یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِہٖ ① اس میں بندے و مولیٰ کے غایت قرب کی تمثیل ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اس کے دل سے بھی قریب تر ہے اس لئے کہ جو شے کسی دوسرے شے کے درمیان حائل ہوتی ہے تو وہ بہ نسبت دوسری شے کے اقرب ہوتی ہے اسمیں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے قلب کے تمام پوشیدہ امور پر مطلع ہے ہم اپنی غفلت سے جن اُمور سے بے خبر ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں بھی جانتا ہے اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی دُعا میں عرض کرتے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ مَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِہٖ مِنِّیْ اے اللہ میرے وہ امور بھی بخش دے جنہیں تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔

② اس سے بندے کو برانگیختہ کرنا مراد ہے کہ وہ اپنے جملہ اُمور خالص مخلص ہو کر سرانجام دے اور قلب کو ہر وقت صاف رکھے قبل اس کے کہ اللہ تعالیٰ اُس کے اور اس کے قلب کے درمیان حائل ہو۔ موت دے کر یا آفات و بلیات میں مبتلا کر کے گویا بندوں کو کہا گیا کہ اے مومنو علام الغیوب کے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات پر فرصت کے ضائع ہونے سے پہلے پابندی کر کے تصفیہ قلوب و تزکیۂ نفوس کرو۔ ورنہ فرصت کو تم نے غنیمت نہ سمجھا اور وقت ضائع کر دیا تو پھر اللہ تعالیٰ تمہارے لئے ایسے اسباب پیدا فرمائے گا جن سے بندے کو اپنے قلب کی اصلاح نہیں ہو سکے گی اس طرح سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی میں موت واقع ہو گی۔

③ **حیولتہ القلب** سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے قلب کو اپنے قبضہ میں لے لیتا ہے اس پر غلبہ پاکر اس کو اپنے عزائم و مقاصد پر پورا نہیں اترنے دیتا۔ مثلاً اگر وہ بندے کے لئے سعادتمندی کا ارادہ فرماتا ہے تو پھر اسے کفر کے قریب نہیں پھٹکنے دیتا اگر کسی بدبخت کے لئے اللہ تعالیٰ شقاوت چاہتا ہے (معاذ اللہ) تو اسے ایمان کی دولت سے دُور رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام اپنی دُعا میں بکثرت عرض کرتے **یا مقلب القلوب والابصار ثبت قلبی علیٰ دینک** اے قلوب و ابصار کے بدلنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھ۔ اور بندے کا امن و خوف سے اور ذکر کو نسیان سے بدل دیتا ہے اسی طرح اُس کے جملہ امور سعادت کے شقاوت سے بدل دیتا ہے اس لئے کہ اُس نے فرصت کو غنیمت نہ سمجھا تو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا نشانہ بن گیا۔ (معاذ اللہ)

فائدہ کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ علماً کا کام ہے کہ وہ اپنے قلوب کی نگہداشت رکھیں لیکن عرفا دل کی نگرانی سے گذر کر ذات حق کی تلاش میں رہتے ہیں اسی لئے علماً کے لئے **وَلِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ** میں اشارہ فرمایا اور عرفا کے لئے **يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ** لیکن عرفا یا علماً ابتدائے سلوک میں قلب کی نگہداشت ضروری ہوتی ہے لیکن منتہی کے لئے وہی دل دیدار الٰہی کے لئے حجاب بن جاتی ہے اس لئے منتہی اپنے سلوک کی آخری منازل پر قلب سے بھی بیزار ہو جاتے ہیں ؎

زین پیش ہمی دیدمش اندرِ دل خویش
دل نیز حجاب بود برداشت زپیش

ترجمہ: اس سے پہلے میں نے اسے اپنے دل میں دیکھا پھر دل بھی حجاب نظر آیا تو اسے بھی آگے سے ہٹایا۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ اپنے صفات سے بندے اور اس کے دل کے درمیان جلوہ گر ہوتا ہے یعنی جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کے قلب کے شیشے اور ظلماتی اوصاف کے درمیان خود حائل ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ایسے خوش نصیب سے ظلمات کوسوں دُور رہتے ہیں پھر اس کا ہر فعل و قول انوارِ جلال و جمال کا آئینہ دار ہوتا ہے۔

وَاَنَّهٗ اور جانو کو بے شک **اِلَيْهِ** اللہ تعالیٰ کی طرف **تُحْشَرُوْنَ** تم اٹھائے جاؤ گے اور جمع ہو کر اس کے حضور میں پیش ہو گے تو تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق جزا و سزا دے گا اگر نیکی ہو گی تو بھلائی ہے ورنہ عذاب کے کوڑے پڑیں گے اس لئے اے اللہ کے بندو! اللہ تعالیٰ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طاعت میں جد و جہد کرو اور اُن کے فرمان پر چلنے میں کوتاہی نہ کرو۔

نکات صوفیانہ اللہ تعالیٰ کی استجابت سرائر میں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی استجابت ظواہر میں یا استجابت الٰہی یہ ہے کہ ارواح کو شہود کے لئے اور قلوب کو شواہد کے لئے اور اسرار کو مشاہدہ

---

[1] یہی راز ہے جس سے وہابی۔ دیوبندی۔ مودودی وغیرہ بے خبر ہو کر شان ولایت و نبوت سے عداوت رکھتے ہیں اور ہمیں انہی کی وجہ سے کوستے ہیں۔ یاد رہے کہ اس بنا پر ایسی تفاسیر کے منکر بھی ہیں۔ (۱۲ اویسی غفرلہٗ)

کے لئے اور خفی کو فنا فی اللہ کے لئے تیار کرو۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی استجابت یہ ہے کہ اقوال و احوال و افعال میں صرف انہی کی تابعداری کرو۔

شان رسالت بہ انتباہ الوہیت

مروی ہے کہ حضرت اُبیّ رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کام سے بلایا نماز جلدی پڑھ کر حاضر ہوئے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اتنی دیر کیوں؟ عرض کی میں نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کیا تمہیں فرمان ایزدی معلوم نہیں۔ اِسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ یعنی تمہیں نماز چھوڑ کر میرے ہاں حاضر ہونا تھا۔ (سبحان اللہ کتنا ارفع و بلند شان ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی۔ لیکن ؎

آنکھ والا تیری رفعت کا تماشا دیکھے
دیدۂ کور کو کیا نظر آئے کیا دیکھے

؎ خدا جانے رسائی مصطفٰے[1] ہے کہاں سے اور کہاں تک ہے
وہی تک دیکھ سکتا ہے نظر[2] جس کی جہاں تک ہے)

مسئلہ اسمیں فقہائے کرام نے اختلاف کیا ہے کہ نماز کے اندر کسی کے بلانے پر نماز توڑنا جائز ہے یا نہ بعض فقہا نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کے سوا کسی دوسرے کے لئے نماز توڑنا ناجائز ہے اس لئے کہ یہ صرف آپ ہی کی خصوصیت ہے اور نماز ایک عمل کو ضائع کرنا ہوتا ہے اور ابطال عمل حرام ہے۔

مسئلہ بعض فقہا فرماتے ہیں کہ نماز ہر اس ضرورت کے لئے توڑنا جائز ہے کہ جس میں تاخیر مضر ہو مثلاً کسی کو دیکھے کہ وہ چھت سے گر جائے گا یا آگ میں جل مرے گا یا پانی میں ڈوب جائے گا ایسے مواقع پہ نماز توڑنا نہ صرف جائز ہے بلکہ واجب ہے اگرچہ فرض ادا کر رہا ہو یا نفل پڑھ رہا ہو (غنیۃ الفتاوی)۔

مسئلہ نوافل پڑھنے والے کو ماں بلائے تو ماں کے لئے نفلی نماز توڑنا جائز ہے۔

مسئلہ باپ کے لئے نوافل توڑنا جائز نہیں اس لئے کہ ماں کے حقوق بہ نسبت باپ کے زائد ہیں اس لئے کہ ماں بیٹے کی پرورش میں بہت زیادہ دکھ اٹھاتی ہے اسی لئے حدیث شریف میں ماں کے لئے فرمایا گیا ہے کہ **الجنۃ تحت اقدام الامہات** بہشت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے یعنی ماں کی خدمت و تواضع بہشت کے داخلہ کا سبب ہے۔

مسئلہ بعض فقہا فرماتے ہیں کہ عزت و احترام میں باپ کو اور خدمت و تواضع میں ماں کو ترجیح ہے یہاں تک کہ اگر ماں باپ اکٹھے تشریف لائیں تو عزت و احترام کے لئے پہلے باپ کے لئے پھر ماں کے لئے اٹھے۔

مسئلہ امام طحاوی نے فرمایا اگر نوافل پڑھ رہا ہے اور ماں باپ جانتے ہیں کہ وہ نماز میں ہے تو بھی بلائیں۔ اگر چاہے تو نماز توڑ کر انہیں جواب دے نہ توڑے تو حرج نہیں۔ اگر ان کی نماز نفل کے انہیں علم نہیں تو پھر توڑ دے۔

---

[1] (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔

[2] اضافہ ([illegible] غفرلہ)

مسئلہ فرائض پڑھنے والا کسی حالت میں بھی ماں باپ کے لئے نماز نہ توڑے۔ ہاں اگر وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو کر اسے پکاریں تو بلا ضرورت نماز نہ توڑے یہی نفلی روزے کے احکام ہیں کہ اگر اسے زوال سے قبل نفلی روزے توڑنے پر مجبور کرے تو نفلی روزہ توڑ دینا جائز ہے اگر زوال کے بعد کوئی مجبور کرے تو نفلی روزہ نہ توڑے۔ ہاں اگر روزہ نفلی توڑنے میں والدین کی نافرمانی لازم آتی ہو تو پھر زوال کے بعد بھی نفلی روزہ توڑنا جائز ہے (کذا فی شرح النخفہ والوقایہ)۔

مسئلہ قضا روزے توڑنا ہر حالت میں مکروہ ہے (کذا فی الزاہد)

مسئلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی فرمانبرداری میں اولیاء، علماء، ادباء، امناء کی اطاعت بھی شامل ہے اس لئے کہ وہ بھی حضورِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وارث اور آپ کے راستہ میں چلنے والے ہیں ان کا طریقہ بھی درحقیقت رسول پاک کا وطیرہ[1] ہے۔

سبق جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنا چاہتا ہے اسے مرشد کامل کا دامن پکڑنا ضروری ہے یعنی وہ عارف کامل جو مقامات و مراتب ولایت کو طے کر چکا ہو ایسے شیخ کی ہر بات کے سامنے سر جھکانا ضروری ہے خواہ اس پر عمل کرنے میں اسے رنج پہنچے یا خوشی۔ یاد رہے کہ یہ طریقہ عقل سے نہیں بلکہ کشف و الہام سے نصیب ہوتا ہے۔ ؎

گر در سرت ہوائے وصالست حافظا
باید کہ خاک درگہ اہل نظر شوی

ترجمہ: اگر تیرے سر میں وصال کی خواہش ہے تو اے حافظا چاہیئے کہ اہل نظر کی درگاہ کی خاک ہو جا۔

فائدہ اہل طریقت تین ہیں۔

① عبّاد۔
② مریدین۔
③ عارفین۔

عبّاد کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اعمال صالحہ میں لگے رہیں زنا اور گمراہی سے بچیں۔

مریدین کا طریقہ یہ ہے کہ وہ تمام غلط روّیوں سے اپنے باطن کو پاک و صاف رکھیں اور مشاغل دنیا سے دور رہیں۔

عارفین کا طریقہ یہ ہے کہ قلب صرف اللہ تعالیٰ کے لئے اور دُنیا و آخرت کو اللہ تعالیٰ کی رضا پر نثار کر دے۔

اَللّٰھُمَّ اَجْعَلْنَا مِنَ المستجیبین للدعوۃ الحقیقہ وَارْزُقْنَا من حلاوۃ الاسرار المحققہ

(ترجمہ) اے اللہ مجھے اپنی دعوت حقیقہ قبول کرنے والوں سے بنا اور اسرار محققہ کی حلاوت عطا کر (آمین)

تفسیر عالمانہ وَاتَّقُوْا فِتْنَۃً لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْکُمْ خَآصَّۃً ج اور ڈرو اس فتنہ سے کہ تم میں خاص ظالموں کو نہ پہنچے گا۔

---

[1] اس سے غیر مقلدین (وہابی ٹولہ) کا رد ہو گیا کہ وہ اولیاء و فقہا کا علیحدہ طریقہ بتا کر عوام کو گمراہ کرتے ہیں۔
(اُویسی غفرلہٗ)

شانِ نزول اور علم غیب نبوی حدادی نے اپنی تفسیر میں لکھا کہ یہ آیت حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ عنہما کے متعلق نازل ہوئی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر دی کہ ان دونوں کی وجہ سے ایک ایسا فتنہ پھیلے گا کہ اس میں نہ صرف ظالم مبتلا ہوں گے بلکہ مظلوم بھی اور یہ فتنہ خاصہ آپ کے وصال کے بعد ہوگا۔ آپ نے یہ واقعہ ان دونوں حضرات کے علاوہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتایا۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دورِ خلافت میں کتنا عظیم فتنہ برپا ہوا اور وہ سب کو معلوم ہے۔ اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ فتنہ مذکورہ نہ صرف ظالمین کے لئے مخصوص ہے بلکہ وہ تو عام ہے ظالم غیر ظالم سب کو پہنچے گا۔ مثلاً برائیوں کا کھلم کھلا ارتکاب ہوگا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی مخالفت ہوگی اور کلمہ حق میں افتراق پیدا کر دیا جائے گا بدعات سیئہ کا دور دورہ ہوگا جہل سے ڈھیل اور غفلت بڑھتی جائے گی وغیرہ وغیرہ۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ اور یقین کرو کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہے کبھی برائی کے غیر مرتکب کو بھی دوسروں کی شامت سے عذاب پہنچتا ہے۔

مسئلہ اس میں تنبیہ ہے کہ جو فتنہ پر کرے اسے سخت تر عذاب ہوگا۔

حدیث شریف جبکہ فتنہ شہروں میں پھیل کر ہمہ گیر ہو کر سب کو پہنچتا ہے تو سخت عذاب اسے ہوگا جس نے یہ فتنہ پھیلایا۔

حدیث شریف فتنہ نیند میں ہوتا ہے لیکن بہت بڑا بدبخت ہے وہ جو اسے جگاتا ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

زاں ہمنشیں تا توانی گریز
کہ مر فتنہ خفتہ را گفت خیز

ترجمہ: اس ساتھی سے جہاں تک ہو سکے بھاگ جو سوتے فتنہ کو کہے اٹھ کھڑا ہو۔

سوال آیات ① ولا تزر وازرة وزر اُخریٰ (کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا)۔

② کُلُّ نفس بما کسبت (ہر نفس کو وہ ملے گا جو اس نے کمایا)۔

③ کل نفس بما کسبت رهين (ہر نفس گروی ہے اس کے ساتھ جو اس نے عمل کیا)۔

④ لَهَا مَا كَسَبَتْ وعليها مَا اكْتَسَبَتْ (اس کے لئے وہ ہے جو اس نے کمایا اس پر وہ ہے جو اس نے عمل کیا)۔

اس سے ثابت ہوا کہ کسی کے گناہ کی وجہ سے دوسرے سے مواخذہ نہیں ہوگا بلکہ گناہ صرف اسی سے ہوگا جو اس کا ارتکاب کرتا ہے؟

جواب گناہ جب عام ہو تو جسے معلوم ہو اس پر فرض ہو جاتا ہے کہ اس بُرائی کو اپنی امکانی طاقت سے روکے اگر نہ روکے گا تو جیسے گناہ کا مرتکب سزا پائے گا ایسے ہی وہ۔ بشرطیکہ وہ اُس کی بُرائی پر راضی ہو ورنہ دل سے رنج منانے والا اس وعید کا مستحق نہیں اور عامل اور راضی ہر دونوں برابر کی سزا پائیں گے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے یونہی حکم فرمایا تاکہ برائیوں کا پورے طور انسداد ہو۔ سیدنا ابن العربی قدس سرہٗ نے ایسے ہی فرمایا ہے اور حضرت شیخ صدر الدین قونوی قدس سرہ نے شرح الاربعین میں ایک حدیث کی شرح میں کہا کہ کبھی ایسے بھی ہوتا ہے کہ عمل فاسد کا غلبہ عمل صالح پر اثر انداز ہوتا ہے جس سے عمل صالح والے کو ضرر پہنچتا ہے اگرچہ اس کا ضرر اُن کے اعمال صالحہ کو نہ ہو۔ جیسا کہ وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا الآیۃ سے اشارۃ ثابت ہوتا ہے اور یہ ولا تزر وازرۃ وزر اُخریٰ کے منافی بھی نہیں اس لئے کہ ہمارے نزدیک ضروری نہیں کہ ہر بُرے کے ساتھ ہر نیک کو اس کی بُرائی کی سزا ملے گی بلکہ ہم کہتے ہیں کہ بُرے کی برائی کی سزا ہر اس نیک کو ملے گی جو بُرے کی برائی پر راضی ہے ولا تزر وازرۃ وزر اُخریٰ مابہ الامتیاز کے طور فرمایا ہے تاکہ تنبیہ ہو کر مجرم گناہ کر کے کسی پر سہارا نہ کرے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کے ارشادات اپنے عموم پر ہر ایک کو شامل ہوتے ہیں اگر کوئی تخصیص ہوتی ہے تو اس کے کچھ عوارض ہوتے ہیں یہاں بھی ایسے ہوا۔

فائدہ مذکورہ بالا تقریر شر کے لئے ہے ایسے ہی خیر (بھلائی) کا حکم ہے اور وہ مذکور ہے اس حدیث میں جسے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلقہ کے ذکر کے فضائل میں بیان فرمایا ہے کہ "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں ذکر کرنے والے حلقوں سے ملائکہ کے سامنے فخر و ناز کرتا ہوں کہ میں نے انہیں بخش دیا۔ اس پر ایک فرشتہ عرض کرتا ہے اِنَّ فِیْھِمْ فلانا لیس منھم وانما اَتٰھُمْ لحاجۃ" اس حلقہ ذکر میں فلاں اُن کا ساتھی نہیں اور نہ ہی وہ ذکر کے لئے یہاں آیا۔ بلکہ اُسے تو کوئی کام تھا جس کی وجہ سے وہ یہاں ٹھہر گیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جواب دیتا ہے وَلَہٗ قَدْ غَفَرْتُ ھُمُ الْقَوْمُ لَا یَشْقٰی جَلِیْسُھُمْ میں نے اُسے بھی بخش دیا اس لئے کہ وہ ایسی مبارک قوم ہے کہ اُن کا ساتھی بدبخت نہیں ہوتا۔ یہ حکم عام ہے اور کلیہ ضابطہ کے طور بیان کیا گیا ہے کہ بُرے عمل والے پر عمل صالح والے کا اثر ہوا کہ صرف ساتھ بیٹھنے سے وہی مرتبہ نصیب ہوا جو عمل صالحہ کے عمل کو۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

① اے خنک آں مرد از خود رستہ شد
در وجود زندہ پیوستہ شد
② وائے آں کزندہ کہ با مردہ نشست
مردہ گشت و زندگی از وے بجست
③ حق ذاتِ پاک اللہ الصمد
کہ بود بہ مار بد از یار بد

④ مار بد جانے ستاند از سلیم
یار بد آرد سوئے نار مقیم

ترجمہ: ① اے خوش قسمت ہے وہ مُردہ جو دنیا سے نجات پاگیا اور وہ زندہ وجود سے جا ملا۔
② اس زندہ پر افسوس جو مُردوں کے ساتھ بیٹھا وہ مُردہ ہوگیا اور زندگی (حقیقی) اس سے گئی۔
③ حق ذات پاک اللہ الصمد (کی قسم) کہ یار بد سے سانپ بد اچھا ہے۔
④ سانپ بد تو جان لے گا لیکن یار بد ہمیشہ والی آگ (جہنم) میں لے جائے گا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ وَاتَّقُوْا یعنی اے وصال یار سے ہمکنار ہونے والو فِتْنَةً اس آزمائش سے ڈرو یعنی نفوس کے دنیوی و دینی حظوظ میں مبتلا ہونے سے بچو۔ لَا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً وہ فتنہ نہ صرف ظالمین کو پہنچتا ہے بلکہ اس کی ظلمت ارواح نورانیہ اور قلوب ربانیہ کو بھی پہنچے گی وہ اس طرح کہ وہ انہیں حظائر قدس اور ریاض انس سے نکال کر صفات انس کے گڑھوں میں پھینک دی گئی کما قال تعالیٰ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ، اس بناء پر وہ واصلین کو جدائی اور ما سویٰ اللہ کی طرف اُن کی توجہ سے انہیں استدراج کی سزا میں مبتلا کرتا ہے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ وَاذْكُرُوْٓا اور اے مہاجر یاد کرو اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ اپنے اس وقت کو کہ جب تم گنتی میں تھوڑے تھے مُسْتَضْعَفُوْنَ یہ انتم کی دوسری خبر ہے یعنی تم کمزور تھے اس لئے کہ تم قریش کے ماتحت ہو کر ذلیل و خوار تھے۔ فِي الْاَرْضِ مکہ کی زمین میں تَخَافُوْنَ یہ انتم کی تیسری خبر ہے تم خوفزدہ تھے کہ تمہیں کوئی اچک نہ لے جائیں یہ اس لئے کہ اہل اسلام مکہ معظمہ سے اس خطرہ سے باہر نہ نکلتے تھے کہ کہیں انہیں کفار اُچک نہ لے جائیں۔ فَاٰوٰىكُمْ پس اللہ تعالیٰ نے تمہیں جگہ دی کہ وہاں سے اطمینان و تسلی سے واپس لوٹتے ہو۔ اس سے مدینہ طیبہ مراد ہے جہاں وہ ہجرت کرکے آئے وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ اور اپنی مدد سے کفار پر تمہاری طاقت بڑھائی وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ اور تمہیں پاکیزہ چیزوں سے روزی بخشی۔ اس سے وہ غنیمتیں مراد ہیں جو صرف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے لئے حلال ہوئیں ورنہ سابقہ اُمتوں کے لئے مال غنیمت حلال نہیں تھا لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ کہ تم ان نعمتوں کا شکر ادا کرو۔

حکایت جنید بغدادی قدس سرہٗ سیدنا جنید بغدادی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں سات سالہ بچہ تھا حضرت سری سقطی رضی اللہ عنہ کی مجلس مبارک میں حاضر ہوا۔ وہاں سالکین کی ایک بہت بڑی جماعت موجود تھی۔ آپس میں شکر کے بارے میں باہم گفتگو کر رہے تھے مجھ سے حضرت سری سقطی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ شکر کسے کہتے ہیں۔ میں نے کہا شکر یہ ہے کہ بندہ نعمتیں پاکر اپنے مولیٰ کی نافرمانی نہ کرے فرمایا کہ یہ تیری زبان کا نصیبہ تجھے اللہ تعالیٰ سے ملے گا۔ باوجودیکہ اس جواب سے ایک کامل نے مجھے خوشخبری دی لیکن تاہم میں عمر بھر

خوفزدہ رہا۔

انتباہ دولت عثمانیہ اسلامیہ حکومتوں میں بہت بڑی سمجھی جاتی۔ اس کا ابتدائی حال بھی ایسے ہی تھا کہ ابتدأ میں یہ بہت تھوڑے تھے اور فارس و روم کی سلطنتوں کے ماتحت تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں بعد کو غلبہ نصیب فرمایا اور دشمنوں پر پورا غلبہ پایا۔ مشارق و مغارب میں دُور دُور تک فاتح اسلام بنے اور بہت بڑی سلطنت قائم ہوئی تاریخ کے اوراق اُن کی سلطنت کے واقعات سے پُر ہیں۔ اسے بھی اُن کے سمجھدار بادشاہ ایک **نعمت عظمیٰ** سمجھتے رہے ممکن ہے (ہو کر رہا) کہ یہ کسی وقت اس پہلی حالت میں ہو جائے اس لئے کہ اسلام کے انجام کو دیکھئے کہ ابتدً غریب تھا تو انجام بھی اس کا ایسے ہی غریب ہوگا۔ یہ صرف بندوں کے لئے ہوتا ہے کہ کہیں وہ مغرور نہ ہوں اور نعمتوں کی ناشکری نہ کریں اور نہ سمجھیں کہ یہ ہمیں ہمارے استحقاق پر نصیب ہوئیں بلکہ یہ عقیدہ رکھیں یہ سب کچھ **فضل و احسان ربانی** ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ست

① ترا آنکہ چشم و دہاں داد و گوش
اگر عاقلی در خلافش مکوش
② مکن گردن از شکر منعم مپیچ
کہ روزے پسیں سر برآری ہیچ

ترجمہ: ① تجھے اللہ نے آنکھ منہ کان عطا فرمائے ہیں اگر دانا ہے تو اس کے خلاف کوشاں نہ ہو۔
② ایسا نہ کر اور نہ ہی نعمت دینے والے کے شکر نہ ہٹ کہ موت کے آخری وقت ہیچ کی طرف سر لے جائے گا یعنی ذلیل ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ روح و قلب ابتدأ جسم اور اس کے صفات میں نفس کے غلبات سے ماتحت اور کمزور تھے اس لئے کہ وہ انہی کے آدابِ طریقت کے دودھ کی تربیت میں تھے اور ان پر احکام شرعیہ کا اجرا بھی نہ تھا۔ وقت بلوغ تک نفس اور اس کے صفات کے محتاج تھے جب جسم میں استحکام پیدا ہوا اور وہ احکام شرعیہ کے لائق ہوا تو رُوح و قلب کو خوف تھا کہ کہیں انہیں نفس اور اس کے صفات اُچک نہ لے جائیں۔ اسی طرح شیطان اور اس کے حواریین سے خطرہ تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں حظائر قدسی میں جگہ دی اور انہیں اپنی مراد سے واردات ربانیہ کی تقویت بخشی اور پاکیزہ یعنی وہ مواہب طاہرہ جو حدوث سے مُنزہ تھیں کی روزی سے نوازا۔ **لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ** ۝ کہ شکر کر کے مزید الطاف و احسانات کے مستحق بنو۔

شکر نعمت نعمتت افزوں کند
کفر نعمت از کفت بیروں کند

ترجمہ: شکر تیری نعمت میں اضافہ کرے گا ناشکری تیرے ہاتھ سے نعمت چھین لے گی۔

نسخہ رُوحانیہ صوفیائے کرام کے عمدہ اصول یہ ہیں

① قلت طعام
② کثرت شکر
③ کثرت طاعت

اور صوفیاء کرام رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ طعام کھانے میں چار باتیں فرض ہیں۔

① اکل حلال
② یہ عقیدہ ہو کہ یہ رزق اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے۔
③ جو کچھ عطا ہو اس پر راضی ہو۔
④ حتی الامکان اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچے۔

اور طعام کی چار سنتیں ہیں۔

① ابتداً بسم اللہ پڑھے۔
② فراغت پر الحمد للہ پڑھے۔
③ طعام سے پہلے اور بعد کو دونوں ہاتھ دھوئے۔
④ سیدھا پاؤں کھڑا کرے اور بایاں پاؤں پر بیٹھے۔

اور کھانے پر چار مستحب ہیں۔

① اپنے آگے سے کھائے۔
② بہت خوب چبا کر کھائے۔
③ چھوٹے چھوٹے لقمے اٹھائے۔
④ دوسرے لقمے اٹھانے والے کو نہ دیکھے۔

دو باتیں ایسی ہیں کہ اُن پر عمل کرنے سے ہر بیماری کا علاج خود بخود ہو جاتا ہے۔

① طعام سے جو شے گر جائے اُسے اُٹھا کر کھائے۔
② برتن کو چاٹ لے۔

دو چیزیں طعام میں مکروہ ہیں۔

① طعام کو سونگھنا۔
② طعام میں پھونک نہ مارنا اور طعام کو ٹھنڈا کر کے نہ کھانا۔ اگرچہ لذت گرم طعام میں ہے لیکن برکت ٹھنڈے طعام میں ہے۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی رضا میں کوشاں رہ کر حلال رزق کے حصول میں جد وجہد کرے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بہت زیادہ شکر کرے اس لئے کہ بندے پر اللہ تعالیٰ کی ظاہری و باطنی اور چھوٹی بڑی بے شمار نعمتیں ہیں۔

تفسیر عالمانہ یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خیانت نہ کرو۔ **الخون بمعنے خیانت** **جیسے الوفا بمعنے اتمام**۔ یہ امانت کی ضد میں مستعمل ہوتا ہے اور وہ نقصان کے معنے کو متضمن ہے اس لئے کہ جو کسی کی خیانت کرتا ہے تو وہ گویا اس کا نقصان کرتا ہے۔

شان نزول یہ آیت ابولبابہ ہارون بن عبدالمنذر انصاری کے حق میں نازل ہوئی واقعہ یہ تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہود بنی قریظہ کا دو ہفتہ سے زیادہ عرصہ تک محاصرہ فرمایا۔ وہ اس محاصرہ سے تنگ آ گئے اور ان کے دل خائف ہو گئے تو اس نے اُن کے سردار کعب بن اسد نے یہ کہا کہ اب تین شکلیں ہیں یا تو اس شخص یعنی سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تصدیق کرو اور ان کی بیعت کر لو کیونکہ قسم بخدا وہ نبی مرسل ہیں یہ ظاہر ہو چکا اور یہ وہی رسول ہیں جن کا ذکر تمہاری کتاب میں ہے اُن پر ایمان لے آئے تو جان مال اہل و اولاد سب محفوظ رہیں گے مگر اس بات کو قوم نے نہ مانا تو کعب نے دوسری شکل پیش کی اور کہا کہ اگر تم اسے نہیں مانتے تو آؤ پہلے ہم اپنے بی بی بچوں کو قتل کریں پھر تلواریں کھینچ کر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اُن کے اصحاب کے مقابل آئیں کہ اگر ہم اس مقابلہ میں ہلاک بھی ہو جائیں تو ہمارے ساتھ اپنے اہل و اولاد کا غم تو نہ رہے۔ اس پر قوم نے کہا کہ اہل و اولاد کے بغیر جینا ہی کس کام کا ہے تو کعب نے کہا کہ یہ بھی منظور نہیں تو سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے صلح کی درخواست کرو شاید اس میں کوئی بہتری کی صورت نکلے تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے صلح کی درخواست کی۔ لیکن حضور نے منظور نہ فرمایا سوائے اس کے کہ وہ اپنے حق میں سعد بن معاذ کے فیصلہ کو منظور کریں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ ہمارے پاس ابُو لبابہ کو بھیجئے کیونکہ ابُولبابہ سے اُن کے تعلقات تھے اور ابو لبابہ کا مال اور ان کی اولاد اُن کے عیال سب بنو قریظہ کے پاس تھے۔ حضور نے ابو لبابہ کو بھیج دیا بنی قریظہ نے اُن سے رائے طلب کی کہ کیا ہم سعد بن معاذ کا فیصلہ منظور کر لیں جو کچھ وہ ہمارے حق میں فیصلہ دیں وہ ہمیں قبول ہو۔ ابو لبابہ نے اپنی گردن پر ہاتھ پھیر کر اشارہ کیا کہ یہ تو گلے کٹوانے کی بات ہے ابو لبابہ کہتے ہیں کہ میرے قدم ہٹنے نہ پائے تھے کہ میرے دل میں یہ بات جم گئی کہ مجھ سے اللہ اور اس کے رسول کی خیانت واقع ہوئی یہ سوچ کر وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں آنے کے بجائے سیدھے مسجد شریف پہنچے اور مسجد شریف کے ایک ستون سے اپنے آپ کو بندھوایا اور اللہ کی قسم کھائی کہ نہ کچھ کھائیں گے نہ پئیں گے یہاں تک کہ مر جائیں یا اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرے۔ وقتاً فوقتاً اُن کی بی بی انہیں نمازوں کے لئے اور انسانی حاجتوں کے لئے کھول دیا کرتی تھیں اور پھر باندھ دیتے جاتے تھے حضور کو جب یہ خبر پہنچی تو فرمایا کہ ابو لبابہ میرے پاس آتے تو میں اُن کے لئے مغفرت کی دعا کرتا لیکن جب انہوں نے یہ کیا تو انہیں نہیں کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ اُن کی توبہ قبول کرے وہ سات بندھے رہے

نہ کھایا نہ پیا یہاں تک کہ بے ہوش ہو کر گر گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کی توبہ قبول کی۔ صحابہ نے انہیں توبہ قبول ہونے کی بشارت دی تو انہوں نے کہا میں خدا کی قسم نہ کھولوں گا جبتک کہ رسول رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے خود نہ آکر کھولیں حضرت نے انہیں اپنے دست مبارک سے کھولدیا۔ ابُولبابہ نے کہا میری توبہ اس وقت پوری ہوگی جب میں اپنی قوم کی بستی چھوڑ دوں جس میں مجھ سے یہ خطا سرزد ہوئی اور میں اپنے کل مال کو اپنے ملک سے نکال دوں۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تہائی مال کا صدقہ کرنا کافی ہے اس کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔[1]

وَتَخُونُوٓا اَمٰنٰتِکُمۡ اور نہ ہی آپس میں امانتوں کی خیانت کرو۔ یہ پہلے لَا تَخُونُوۡا کی مجزوم ہے۔
وَاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ٥ اور تم جانتے ہو کہ واقعی یہ خیانت ہے یعنی تمہارے سے عمداً خیانت واقع ہوا اس لئے

---

[1] اس سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محبت کا اندازہ لگایا جائے کہ باوجودیکہ توبہ کی قبولیت کا حکم باریتعالیٰ سے پالیا لیکن تمنا ابھی باقی ہے کہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ مبارک سے باندھے ہوئے غلام کو چھوڑیں

صحابہ کرام حُبِ مصطفیٰ یعنی عشق رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو جان ایمان سمجھتے تھے دورِ حاضرہ میں چونکہ یہ دولت عشق رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مہنگی ہوتی جا رہی ہے۔ فقیر اُویسی قارئین کی خدمت میں یہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے چند واقعات پیش کرتا ہے کہ ان کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کتنا عشق تھا ہم بھی عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اگر حرزِ جان بنائیں تو دارین میں فلاح و کامیابی نصیب ہو۔

عشق رسول بحکم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایمان کی جان ہے چنانچہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اُس وقت کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ وہ مجھ کو اپنے مال، اولاد اور جان سے زیادہ عزیز نہ رکھے۔" اس حدیث شریف سے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شدت کا اندازہ ہوتا ہے مسلمانوں نے اس ارشادِ رسول پر کہاں تک عمل کیا، ذیل کے چند واقعات اس سلسلے میں پیشِ خدمت ہیں۔

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کو جب کفارِ مکہ سُولی دینے لگے، تو ابوسفیان نے اُن سے کہا کہ زید تم دل سے چاہتے ہو گے کہ آج تمہارے بدلے تمہارے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو سولی دی جاتی اور تم آرام سے ہوتے۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ فرمایا خدا کی قسم! میں تو یہ بھی نہیں چاہتا کہ میری رہائی کے عوض حضور علیہ السلام کے پاؤں مبارک میں ایک کانٹا چُبھے۔ (نعوذ باللہ)۔ ابوسفیان حیران رہ گیا اور پکار اُٹھا کہ ایسی بے پناہ محبت میں نے اس سے قبل کہیں نہیں دیکھی۔

خاتون کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم جنگ احد میں ایک مسلمان خاتون کا باپ، بھائی اور شوہر شہید ہو گئے وہ مدینہ سے چل کر میدانِ جنگ میں آئی، اور اپنے اعزّہ کی شہادت کی خبر کے باوجود صرف حضور علیہ السلام کی خیریت کا پتہ پوچھتی رہی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جمالِ جہاں آرا کو دیکھا تو

([illegible])

کہ خیانت سہواً نہیں ہوتی۔ اگر ہوتی تو اُسے خیانت نہیں کہا جاتا۔

ربط جب خیانت سے روکا گیا تو اب تنبیہ کی جاتی ہے کہ خیانت کا سبب کیا ہے فرمایا کہ وہ مال اور اولاد کی محبت سے ہوتی ہے **مثلاً** حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے یہ فعل اس لئے ہوا کہ اُن کی اولاد اور مال کفارِ مکہ کے قبضہ میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جوشِ محبت میں بول اُٹھی ؎

میں بھی اور باپ بھی شوہر بھی برادر بھی فدا
اے شہ دین تیرے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم
سب کچھ خدا سے مانگ لیا تجھ کو مانگ کر
اُٹھتے نہیں ہیں ہاتھ مرے اس دُعا کے بعد

خُبیب صحابی رضی اللہ علیہ کا عشق حضرت خبیب کو سُولی پر چڑھا کر تڑ پا تڑ پا کر بار بار کچوکے دیئے جا رہے ہیں اور عضو عضو سے خون ٹپک رہا ہے مگر عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حضرت خبیبؓ مگن ہیں۔ بلکہ ایسے نازک وقت میں طبیعت کی موزونیت دیکھئے کہ وہ شانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شعر موزوں کر رہے ہیں جبکہ ایسے جانکاہ موقعہ پر لوگ آہیں بھرتے ہیں۔ چیختے چلاتے ہیں، مگر حضرت خبیب شانِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شعر گنگنا رہے ہیں۔ بس عقل حیران ہے اور ناطقہ سر بگریباں! اور ایسے میں ابوجہل پوچھتا ہے کہ اے خبیب! "اب تم یہ ضرور پسند کرو گے کہ تمہاری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں اور تم چھٹکارا پا جاؤ!" آپؓ نے تڑپ کر فرمایا: "میں ہزار بار اپنی جان قربان کرنے کو تیار ہوں، لیکن یہ کبھی برداشت نہ کروں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک بال کو بھی ایذا پہنچے"! اللہ اکبر! کیا والہانہ جذبۂ عشق و محبت تھا، کہ اس پر جس قدر رشک کیا جائے کم ہے۔

صدیق کو خدا کا رسول ایک مرتبہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ کے موقع پر صحابہ کرام سے چندہ جمع کرنے کے لئے فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے سوچا کہ میرے دوست ابوبکر صدیق ہر نیکی کے کام میں مجھ سے بڑھ جاتے ہیں انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ آج نیکی کرنے میں ابوبکر صدیق سے سبقت لے جائیں گے غرض آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان سنتے ہی سب صحابہ کرام اپنے اپنے گھروں کی جانب چلے۔

حضرت عمر بھی خوشی خوشی گھر واپس آئے اور بہت سا سامان حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لاکر رکھ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے عمر! کچھ بچوں کے لئے بھی چھوڑ آئے ہو؟ عرض کی یا رسول اللہ: قربان جاؤں آپ پر، میں نصف مال گھر پر بیوی بچوں کے چھوڑ آیا ہوں اور نصف آپ کی خدمت میں حاضر کر دیا ہے، یہ سن کر سرکار نے فرمایا مرحبا عمر مرحبا! تو نے کمال کر دکھایا۔ اتنے میں یارِ غار صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی حاضرِ خدمت ہوئے اور سامان لاکر ڈھیر کر دیا۔ کالی کملی والے آقا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دریافت فرمایا کہ کیا وہ بھی اپنے بال بچوں کے لئے کچھ گھر پر چھوڑ آئے ہیں؟ صدیق اکبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے عرض کی اے کالی کملی والے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ) کی جان

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تھا ان کی محبت سے انہیں مخفی راز سے آشنا کر دیا اور اُن کی خیر خواہی اور مسلمانوں کے راز کا افشا صرف مال اور اولاد کی محبت سے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ "اور جان لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد سب فتنہ ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

ہے، میں سوئی بھی گھر میں چھوڑ کر نہیں آیا۔ کیونکہ ؎

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس

صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس

ذوالبجادین رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کا قدیم نام عبدالعزیٰ تھا۔ مدینے سے منزل دو منزل کے فاصلے پر کسی گاؤں میں رہتے تھے۔ بچپن میں باپ نے انتقال کیا تھا۔ ابھی نوجوان ہی تھے کہ اسلام کی آواز کانوں میں پڑی دلی چچا تھا جو تمام مال واسباب اور جائداد پر قابض تھا۔ دیدارِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا شوق عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بے چین کر رہا تھا، مگر ظالم چچا کے خوف سے خاموش تھے۔ آخر شوقِ دیدار ہر خوف پر غالب آیا۔ چچا سے خدمتِ نبوی میں حاضری کی اجازت چاہی۔ چچا نے خوب مارا، پھر جسم کے کپڑے تک اتار کر گھر سے نکال دیا لیکن ؎

گر ہمہ تن ریزہ ریزہ گردد

مہر تو زجاں رود محال است

عبداللہ اسی حالتِ عریانی میں اپنی ماں کے پاس آئے، ماں نے ایک کمبل دیا جس کے دو ٹکڑے کر کے ایک سے ستر پوشی کی اور ایک بدن کے اوپر ڈال لیا۔ اسی حالت میں مدینے پہنچے۔ بیعتِ اسلام کی اور شوقِ شہادت ظاہر کیا۔ اسی دن سے اُن کا نام عبداللہ اور لقب ذوالبجادین (کمل کے دو ٹکڑوں والا) رکھا گیا۔ یہ اصحابِ صفہ میں داخل ہوگئے۔ دن رات تعلیم دین میں بسر کرتے۔ نوجوان تھے۔ قرآن زوردار آواز میں پڑھتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دن شکایت کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ان کی آواز سے نمازیوں کی نماز میں خلل پڑتا ہے۔ رحمۃ اللعالمین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا "اسے کچھ نہ کہو، یہ اپنا سب کچھ خدا کی راہ میں قربان کر کے آیا ہے"۔ انہی ایام میں سفرِ تبوک پیش آیا عبداللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بھی مجاہدین میں شامل ہوئے اور حضور اکرم سے شہادت حاصل ہونے کے لئے دُعا کی درخواست کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اگر تمہیں راستے میں موت آجائے تب بھی تم شہیدوں میں داخل ہو جاؤ گے"۔ الغرض لشکر روانہ ہوا اور راستے میں ہی عبداللہ کو تیز بخار آیا جس سے انہوں نے وفات پائی۔ بوقتِ وفات عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سرہانے مقصودِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(باقی اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تشریف فرما تھے۔ جمالِ اقدس پر نظر جمی ہوئی تھی کہ پیامِ اجل آگیا۔

بہ چہ ناز رفتہ باشد ز جہاں نیاز مندے
کہ بوقتِ جاں سپردن بہ سرش رسیدہ باشی

بعض روایتوں میں ہے کہ عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی تکفین کے لئے حضورِ اکرم نے اپنی چادر مبارک عنایت فرمائی، اس لئے کہ خدا اور رسول کی راہ میں عبد اللہ نے برہنہ ہو کر گھر سے نکلنا گوارا کیا تھا۔ اُن کی تدفین بھی عجب شان سے ہوئی اجلہ صحابہ نے قبر کھودی، قبر تیار ہونے کے بعد حضورِ اکرم خود قبر میں لیٹے پھر اُٹھ کر کہا "لاؤ اپنے بھائی کو"۔ حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس مبارک لاشے کو سہارا دے کر اُتارا حضورِ اکرم نے فرمایا ادبا الیٰ اخیکما یعنی عبد اللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) عام مرنے والوں جیسا نہیں۔ اسے دھیرے دھیرے ادب سے اتار دو۔

آہستہ برگِ گل بفشاں بر مزارِ او
بس نازک است شیشۂ دل در کنارِ او

بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہاتھ میں مشعل لئے تھے اس لئے کہ شب کے وقت تدفین عمل میں آئی تھی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" ہمہ تن فدا" (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی لاش کو اپنی گود میں لے کر اُتارا۔ زمین پر لٹا کر ماتھے پر بوسہ دیا اور فرمایا اے اللہ! "آج شام تک مرنے والے پر راضی رہا ہوں تو بھی اس سے راضی رہنا"۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہما) جیسے صحابہ اس مرنے والے کی موت پر رشک کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے" اے کاش! اس قبر میں ہم دفن کئے جاتے۔ ایک عمر اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر کیا موقوف ہے؛ دیکھنے والے تو الگ رہے سننے والوں میں کون اہل ایمان ہے جو ایسی موت پر زندگیوں کو قربان کرنے کی تمنا نہ رکھتا ہو! ے

منم وہمیں تمنا کہ بہ وقتِ جاں سپردن
برُخِ تو دیدہ باشم تو درون دیدہ باشی

ایک صحابی کا نرالا عشق ایک دفعہ ایک صحابی رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جوشِ محبت سے بے تاب ہو گئے آگے بڑھے، آپ کی قمیض کو جو آپ نے زیب تن کر رکھی تھی، ہاتھ سے اُلٹ دیا خود اس کے اندر گھس گئے آپ سے لپٹ گئے اور جسم اطہر کو چوما۔

صدیق تو جان دے چکے حضورِ اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکے سے ہجرت کر کے مدینے کی طرف روانہ ہوئے، تو حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے رفیقِ سفر تھے۔

رات کی تاریکی میں دونوں چلے جا رہے تھے۔ پیچھے سے کفار کے تعاقب کا خدشہ تھا مکے سے چار پانچ میل کے فاصلے پر کوہِ ثور تھا، جہاں راستہ بے حد دشوار تھا، پتھروں سے پاؤں مبارک زخمی ہو گئے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ تکلیف دیکھی نہ گئی، اپنے کندھوں پر اُٹھا لیا، آخر ایک غار تک پہنچے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو باہر ٹھہرایا خود اندر جا کر غار کو صاف کیا تن کے

(باقی اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

کپڑے پھاڑ پھاڑ کر غار کے سوراخ بند کر دیئے، ایک سوراخ بند نہ ہو سکا اُسے پاؤں کے انگوٹھے سے بند کر دیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے زانو پہ سرِ اقدس رکھ کر خواب استراحت فرمانے لگے۔ اتفاق کی بات اس سوراخ میں کوئی سانپ تھا، اُس نے صدیقِ اکبرؓ کے انگوٹھے میں ڈس لیا۔ وہ شدت درد سے بے تاب ہو گئے مگر اف تک نہ کی

صدیقؓ نے پیروں کو جنبش تک نہ ہونے دی
یہی ڈر تھا کہیں آنکھیں نہ کھل جائیں پیمبر کی

درد کی شدت کی وجہ سے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، ایک آنسو حضورِ اکرم کے چہرۂ اقدس پہ گرا جس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ کھل گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب تمام واقعہ معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا لعابِ دہن زخم پہ لگا دیا، جس سے زہر کا اثر زائل ہو گیا۔

نوجوان بچی

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت سیاہ فام تھے، اسلام قبول کرنے کے بعد وہ اسلام کے جانثاروں میں شمار ہونے لگے۔ ایک دفعہ حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خوش ہو کر فرمایا! سعد شادی کیوں نہیں کر لیتے انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھ ایسے کالے کلوٹے کو لڑکی دینا کون پسند کرے گا۔ آپ نے فرمایا جاؤ! قبیلہ ثقیف کے سردار سے جا کر کہو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھیجا ہے، مجھ سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دو۔ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جا کر پیغام پہنچایا سردار اُن کی صورت دیکھ کر بہت برہم ہوا کہ اپنی خوبصورت بیٹی کا نکاح اس سے کر دوں۔ سعد رضی اللہ عنہ مایوس ہو کر واپس جانے لگے تو پردے کی اوٹ سے آواز آئی "جانے والے ذرا ٹھہر جا"، وہ ٹھہر گئے۔ پھر آواز آئی کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تجھے میرے ساتھ نکاح کرنے کو بھیجا ہے اگر یہ واقعی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے تو بسر و چشم قبول ہے۔ اُس کے بعد اُس سعادت مند بیٹی نے باپ کو سمجھایا آپ نے بڑا کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پیغام کا بُرا منایا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعمیل سے انکار کیا۔ آپ اس کے کالے رنگ کو نہ دیکھیں بلکہ اس کے بھیجنے والے کو دیکھیں۔ ؎

میں یہ نہیں کہتی کہ اس کے رنگ کالے کو دیکھ
میں تو یہ کہتی ہوں کہ اس کے بھیجنے والے کو دیکھ

اسلام تو اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خوشنودی حاصل کرنے کا نام ہے بہتر ہے کہ آپ بارگاہِ رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جا کر معافی مانگیں۔ بیٹی کی باتوں کا باپ کے دل پر اثر ہوا اور بات سمجھ میں آ گئی کہ واقعی مجھ سے غلطی سرزد ہوئی ہے۔ چنانچہ فوراً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر معذرت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تسلی دی اور بالآخر کالے سعد کی شادی عرب کے اسی معزز سردار کی خوبصورت بیٹی سے ہو گئی۔ کتنی خوش نصیب تھی وہ بیٹی اور کتنا خوش نصیب تھا وہ باپ جس نے اپنی دختر حضورِ اقدسؐ کے قدموں میں نثار کر دی۔

ایک اور نوجوان بچی

ایک دفعہ حضورِ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک انصاری سے فرمایا، تم اپنی بیٹی میرے حوالے کر دو۔ صحابہ کرام کے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی سعادت نہ تھی کہ وہ حضورؐ کی کسی خواہش

(باقی اگلے صفحہ پر)

کو پورا کریں۔ وہ انصاری باغ باغ ہو گئے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، میں اپنے لئے نہیں خیبب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے لئے یہ پیغام دے رہا ہوں خیبب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگ ان کی جا و بے جا ظرافت کی وجہ سے پسند نہ کرتے تھے۔ اُن کا نام سُن کر متامل ہوئے اور عرض کی میں ذرا لڑکی کی والدہ سے مشورہ کر لوں۔ ماں نے خیبب کا نام سنتے ہی انکار کر دیا۔ لیکن لڑکی بولی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات سے انکار کرنا مناسب نہیں۔ میرے متعلق حضور نے جو فیصلہ کیا ہے، اُس کے آگے سرِ تسلیم خم ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا جوئی میں خدا مجھے ضائع نہیں کرے گا۔

حضرت خثیمہ کا عشق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

جب غزوۂ تبوک ہوا تو سخت گرمی کا موسم تھا۔ حضرت خثیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی وجہ سے اس غزوہ میں شریک نہ ہو سکے۔ ایک دن وہ گھر میں آئے تو دیکھا کہ اُن کی بیبیوں نے اُن کی راحت و آسائش کے لئے بالاخانے پر چھڑکاؤ کیا ہے۔ پانی سرد کیا ہے اور عمدہ کھانا تیار کر رکھا ہے یہ سب سر و سامان دیکھ کر کہنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اس لُو اور شدتِ گرمی میں کھلے میدان میں ہوں اور میں سرد پانی اور عمدہ غذا سے لطف اندوز ہوں۔ خدا کی قسم یہ نہیں ہو سکتا۔ میں ہرگز بالاخانے پر نہ جاؤں گا چنانچہ اسی وقت زادِ راہ لیا اور تبوک کی طرف روانہ ہو گئے۔

سنت کا عاشق

ایک دفعہ دو صحابی کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں پانی کا نالا آ گیا۔ ایک صحابہ گذر گئے لیکن دُوسرے ابھی کھڑے تھے۔ پہلے نے پوچھا کہ نالے کو عبور کیوں نہیں کرتے؟ وہ کہنے لگا کہ ایک دفعہ میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اسی نالہ سے گذرا تھا میں سوچ رہا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے دایاں پاؤں اُٹھایا تھا یا کہ بایاں۔ تاکہ میں سنت پر عمل پیرا ہو سکوں۔

بچے کو تھپڑ مار دیا

ایک دفعہ ایک صحابی کھانا کھا رہے تھے، کہ اُن کے بیٹے نے کہا ابا جی مجھے تو کدو پسند نہیں ہے وہ صحابی جوش میں آ گئے اور بیٹے کو تھپڑ رسید کر کے کہنے لگے، ظالم! جس چیز کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پسند فرمایا ہے تو کہتا ہے کہ مجھے پسند نہیں۔ سبحان اللہ! اب ایسے عاشق صادق تو ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتے۔

ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضورِ اقدس ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو وہاں ہر ایک کی دلی تمنا تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہمانی کا شرف مجھے حاصل ہو، یہ شرف بالآخر حضرت ایوب انصاری کے حصے میں آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے مکان کے نچلے حصے میں قیام پسند فرمایا۔ ایک دن اتفاقاً اوپر چھت پر پانی سے بھرا ہوا گھڑا ٹوٹ گیا۔ چھت چونکہ پختہ نہ تھی۔ حضرت ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خیال آیا مبادا چھت ٹپکے اور پانی نیچے جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف ہو گی۔ میاں بیوی کے پاس ایک ہی لحاف تھا اُسے بہتے ہوئے پانی میں ڈال دیا تاکہ پانی اس میں جذب ہو جائے اس کے بعد میاں بیوی نے کونوں میں دبک کر رات بسر کی۔ صبح حضرت ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے اور رات کا قصہ بیان کیا اور

پھر درخواست کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوپر کی منزل پر تشریف رکھیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اوپر ٹھہرنا قبول فرمالیا۔

موت منظور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اسلام قبول کیا تو سب سے پہلے توحید پر خطبہ دیا۔ کفار یہ کلمات سن کر اُن پر ٹوٹ پڑے اور انہیں اس قدر شدت سے مارا کہ وہ قریب المرگ ہوگئے۔ دیکھنے والوں کو اُن کی موت کا یقین آگیا۔ اُن کے قبیلہ بنی تیمم کے لوگوں نے انہیں ایک کپڑے میں لپیٹا اور اُٹھا کر گھر لے گئے شام کے قریب جب انہیں کچھ ہوش آیا اور ہوش بجا ہوئے تو بجائے اپنی تکلیف بیان کرنے کے' زبان کھلتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خیریت دریافت کی۔ یہ حال دیکھ کر قبیلے کے لوگوں نے بھی قطع تعلق کرلی باایں ہمہ ان کو اُسی محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رٹ لگی رہی۔ آخر کار لوگوں نے انہیں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچادیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حالت دیکھی تو بڑی رقت پیدا ہوئی اُن کے اوپر گرے اور اُن کا بوسہ لیا۔

حضرت صدیق کا عشق وادب قال ابن الاعرابی روی اِن اعرابیا جاءَ اِلیٰ ابی بکر فقال انت خلیفۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال (باقی اگلے صفحہ پر) لا قال فما انت قال الخالفہ بَعْدَہٗ۔ یعنے روایت ہے کہ ایک اعرابی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ ہیں۔ حضرت ابو بکر نے جواب دیا نہیں تو اُس نے کہا کہ پھر آپ کیا ہیں۔ حضرت ابو بکر نے کہا کہ خالفہ ہوں حضرت کے بعد۔

فائدہ خالفہ اُس شخص کو کہتے ہیں جو کسی گھر یا تمام لوگوں میں ایسا ہو جس میں کوئی صلاحیت نہ ہو۔ چونکہ خلیفہ جانشین کو کہتے ہیں۔ صدیق اکبر کو ادب واحترام نے اس کی اجازت نہ دی کہ اپنے کو اس لفظ کا مصداق سمجھیں اُس کو ایسے طور سے بدلا کہ خلافت کا مادہ بھی باقی رہا اور ادب بھی قائم رہا۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ادب وعشق وادب عن عبد اللہ ابن عباس قال قیل للعباس انت اکبر او رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال ھو اکبر منی وانا ولدت قبلہ (کنز العمال)۔ یعنی حضرت عبد اللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ کسی نے حضرت عباس (رضی اللہ عنہما) سے پوچھا کہ آپ بڑے ہیں یا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت عباس نے جواب دیا کہ حضرت بڑے ہیں لیکن میں آپ سے پہلے پیدا ہوا۔

فائدہ حضرت عباس سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی چچا تھے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کا احترام کرتے تھے۔ لیکن حضرت عباس کو احترام نبوی نے اپنے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اکبر کہنے کی اجازت نہیں دی۔ بلکہ حضرت عباس نے فرمایا کہ میں آپ سے پہلے پیدا ہوا۔

اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کا عشق حضور علیہ السلام کے پردہ فرمانے کے بعد کی بات ہے کہ جب کبھی مسجد نبوی کے گرد کسی مکان میں میخ وغیرہ ٹھوکی جاتی تو اس کی آواز سن کر حضرت عائشہ صدیقہ

فائدہ فتنہ کا اطلاق جیسے آفت و بلیات پر ہوتا ہے ایسے ہی ابتلا و امتحان پر بھی۔ پہلے معنے پر مطلب یہ ہوگا کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد وہ اسباب ہیں جو تمہیں آفات و بلیات یعنی دنیا میں گناہ کے ارتکاب پر برانگیختہ کرتے ہیں جنکی وجہ سے تمہیں آخرت کے سخت عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ دوسرے معنے پر مطلب ہوگا کہ مال اور اولاد ایسے اسباب ہیں جو اللہ تعالیٰ کے امتحان و آزمائش میں ڈالتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ خواہش انسانی کا بندہ کون ہے اور رضائے الٰہی کا طالب کون۔

وَ اَنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ اور بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا ثواب ہے یعنی جو اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہے اور اُس کی حدود کا پابند تو اُسے بہت بڑا اجر نصیب ہوگا۔

سبق ہمیں لازم ہے کہ ہم اپنے جملہ مقاصد اللہ تعالیٰ سے وابستہ رکھیں تاکہ اس کی کرم نوازی سے خیانت سے بچ جائیں۔

لطیفہ حضرت احمد انطاکی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مال اور اولاد کو فتنہ بتایا لیکن بدقسمتی سے ہم ان ہر دو فتنوں کی محبت میں مبتلا ہیں ؎

جوان و پیر کہ در بندِ مال و فرزندند
نہ عاقلند کہ طفلان ناخردمندند

رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوراً کہلا بھیجتیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت نہ دو۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عشق حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے دونوں کواڑ مدینہ منورہ سے باہر مناصع کے مقام پر تیار کروالئے۔ تاکہ ان پر کام کرنے سے اوزاروں کی آواز مسجد نبوی میں نہ جائے اور اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت نہ پہنچے (وفاء الوفا)

[illegible]

اس سے بھی زیادہ عقیدت و محبت کا اظہار حکومت ترکیہ نے اپنے زمانہ خلافت میں کیا جب اصل مسجد (تو آج بھی موجود ہے) کی تعمیر کی گئی۔ حکومت ترکیہ نے دس دس بارہ بارہ سال کے نوجوان معمار ترکھان و دیگر کاریگر وغیرہ اپنے ہاں بھرتی کئے۔ ان کو عرصہ دس سال میں قرآن کریم حفظ کرایا گیا اور تعمیر کی تعلیم دی گئی۔ ان کو مدینۃ النبی لایا گیا تو تعمیر کے کام کا تمام سامان لوہا۔ کاٹنا، سنگ تراشی لکڑی کاٹنا وغیرہ مدینہ منورہ سے ۱۲ میل باہر کیا گیا یہ اس لئے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام میں خلل نہ آئے یہ کاریگر حفاظ مسجد کی تعمیر دنوں میں بھی ہر وقت قرآن پاک کی تلاوت کرتے رہتے تھے۔

آج کی سعودیہ حکومت نے اس تعمیر کو گرانے کے لئے بڑی طاقتور مشینیں منگوائی اور یہ مشینیں دو ماہ تک مسجد کی ستونوں کو گرانے یا توڑنے کی کوشش کرتی رہیں مگر اس کی تعمیر تو باوضو حافظ قرآن ہنرمندوں کے ایمان و عشق کا ثبوت تھا اور ایک انچ بھی زمین نہ ہل سکی اور یہ وحشت ناک کوشش ترک کر دی گئی اور یہ تعمیر آج بھی موجود ہے حکومت سعودیہ نے اس کے ساتھ علیحدہ اضافہ کیا ہے۔ (مشتاق محمد خاں)

(حاشیہ ختم)

ترجمہ: جوان اور بوڑھے مال اور اولاد کی محبت میں گرفتار ہیں ایسے لوگ دانا نہیں بلکہ بے عقل بچے ہیں۔

نکتہ ہر مال و اولاد اللہ تعالیٰ کے قرب سے محرومی کا سبب ہوں تو وہ منحوس ہیں۔ اگر وہی مال اور اولاد دیگر اُمور اللہ تعالیٰ کے قرب اور طاعتِ الٰہی کے سبب ہوں تو وہ محبوب بلکہ ہر انسان کا مطلوب ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

① چیست دنیا از خدا غافل بدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

② مال را کز بہر دیں باشی حمول
نعم مالٌ صالحٌ خواندش رسول

③ آب در کشتی ہلاک کشتی است
آب اندر زیر کشتی پشتی است

④ چونکہ مال و ملک را از دل براند
زاں سلیماں خویش جز مسکین نخواند

ترجمہ: ① دنیا کیا ہے خدا سے غافل ہونا نہ سونا نہ چاندی نہ اولاد نہ عورت۔
② مال اگر دین کے لئے اُٹھا رہا ہے تو اس کے لئے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا صالح مال اچھا ہے
③ کشتی میں پانی آجائے تو وہ کشتی کی ہلاکت ہے اگر پانی کشتی کے نیچے ہو تو اس کا امدادی ہے۔
④ چونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے مال کو دل سے ہٹا دیا تھا اس لئے وہ شہنشاہ ہونے کے باوجود خود مسکین کہلواتے تھے۔

حدیث شریف جب کوئی کہتا ہے دنیا ملعون ہے تو دنیا کہتی ہے ملعون وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے۔

سبق عاقل وہ نہیں جو دنیا پر لعن طعن وسب وشتم میں مشغول ہے بلکہ عاقل وہ ہے جو اپنے نفس کو اس کی محبت پہ اور حُبِ دنیا میں مبتلا ہونے کے باوجود اس پر لعنت کرنے سے ملامت کرتا ہے۔

مکالمہ بایزید قدس سرہٗ با رب مجید تعالیٰ شانہٗ حضرت بایزید قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں نے جمع خاطر اپنے دل پر قابو کر کے اپنے آپ کو بارگاہِ حق میں پیش کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے بایزید میرے لئے کیا تحفہ لائے ہو۔ میں نے عرض کی دنیا کو سہ طلاق دی صرف تیری رضا جوئی میں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے بایزید! دنیا تو میرے لئے مکھی کے پر کی مقدار بھی وقعت نہیں رکھتی پھر تحفہ کیسا۔ میں نے عرض کی میں اپنی غلطی کی معافی چاہتا ہوں۔ واقعی یہ تحفہ تیرے لئے لائق نہیں۔ البتہ یہ تحفہ پیش کرنے کے لائق ہے کہ میں تیرے اوپر توکل کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تحفہ کیسا؟ میں نے تیرے ہر معاملہ کا ذمہ اُٹھایا تھا۔ پھر اُس کا معنے یہ ہوا کہ تجھے میری ذمہ داری پر بھروسہ نہ ہوا تو پھر میرا سہارا کیسا۔ حضرت بایزید نے عرض کی اے الہ العلمین یہ بھی میری غلطی ہے اس سے معافی مانگتا ہوں اور عرض کرتا ہوں کہ میں کچھ نہیں اور نہ تحفہ لانے کے قابل ہوں ایک عاجز فقیر ہوں

جو تیرے حضور میں حاضر ہوا ہوں اللہ تعالیٰ اس جواب سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا بس یہی میری بارگاہ کا تحفہ ہے جو تم لائے ہو۔

سبق غور کیجئے جب عارفین کا یہ حال ہے۔ کہ باوجودیکہ زندگی طلبِ حق میں گذری اور سرِ مُو حقوق میں کمی نہ ہونے دی تو پھر ہم کون اور تم کون۔ ان کی جانثاری پر اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا محرم بنایا۔

اسباقِ عارفانہ ① فرائض و سنن ایسے اعمال ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاں امانت رکھے ہیں تاکہ ہم اُن کی ادائیگی میں سرِ مُو کمی نہ کریں انہیں ان کے اوقات پر اُن کی حدود و حقوق کے مطابق ادا کریں جو انہیں ضائع کرتا ہے یقین جانو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی امانات کی خیانت کر رہا ہے۔

② وجود اور اُس کے توابع ہمارے ہاں امانت ہیں یعنی جسم کا ہر عضو ہمارے پاس بطور امانت ہے ہم انہیں اسی طرح استعمال کریں جس طرح ہمیں حکم ہے، اگر ہم نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کے خلاف استعمال کیا تو ہم اللہ تعالیٰ کے خائن ہیں۔

③ غلام اور لونڈیاں اسی طرح اہل و عیال اور آل و اولاد اسی طرح ہمارے خدام نوکر چاکر ہمارے ہاں امانت ہیں اگر ہم اُن کے حقوق پابندی سے ادا کریں گے تو امانت سلامت ورنہ خیانت کی سزا پائیں گے۔

④ سلطنت، وزارت، امارت، حکومت، قضا (فیصلے وغیرہ) فتویٰ نویسی الغ جیسے امور ہمارے ذمہ امانات ہیں اگر ہم نے سرِ مُو کمی کی تو سخت سزا۔

حدیث شریف کسی شخص کو حکومت کا کوئی عہدہ دیا جائے (حالانکہ اس سے دیگر زیادہ لائق تھا) تو حکومت کا عہدہ دینے والا اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام اہلِ ایمان کا خائن ہے۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

① کسے را کہ با خواجۂ تست جنگ
بدستش چرا می دہی چوب سنگ

② سگ آخر کہ باشد کہ خوانش نہند
بفرمائی تا استخوانش دہند

ترجمہ: ① جیسے تیرے آقا سے جنگ ہے اس کے ہاتھ میں ڈنڈا اور پتھر کیوں پکڑاتا ہے۔

② کتا کون لگتا ہے کہ اس کے آگے دسترخوان رکھا جائے حکم فرما کہ اسے ہڈیاں دیں۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں دو شریکوں کا ایک ہوں۔ جبکہ ان دونوں میں کوئی خیانت نہ کرے۔ اگر کوئی خیانت کرے تو میں اُن سے علیحدہ ہو جاؤں گا اور شیطان اُن کا ساتھی ہو جائے گا۔ ([illegible] ص ۳۴۲ بر)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ

اے ایمان والو! اگر اللہ سے ڈرو گے

فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ط

تو تمہیں وہ دے گا جس سے حق کو باطل سے جدا کرلو اور تمہاری برائیاں اتار دیگا اور تمہیں بخش دیگا

وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ (۲۹) وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا

اور اللہ بڑے فضل والا ہے اور اے محبوب! یاد کرو جب کافر تمہارے ساتھ

لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ ط وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ ط

مکر کرتے تھے کہ تمہیں بند کرلیں یا شہید کر دیں یا نکال دیں اور اپنا سا مکر کرتے تھے اور اللہ اپنی

وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ (۳۰) وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا قَالُوا قَدْ

خفیہ تدبیر فرماتا تھا اور اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر۔ اور جب ان پر ہماری آیتیں پڑھی جائیں تو کہتے ہیں ہاں ہم نے

سَمِعْنَا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَٰذَا لا إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ (۳۱)

سنا ہم چاہتے تو ایسی ہم بھی کہہ دیتے یہ تو نہیں مگر اگلوں کے قصے

وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ

اور جب بولے کہ اے اللہ اگر یہی (قرآن) تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر

فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (۳۲)

آسمان سے پتھر برسا یا کوئی دردناک عذاب ہم پر لا

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ ط وَمَا كَانَ اللَّهُ

اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو اور اللہ انہیں

مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ (۳۳) وَمَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ

عذاب کرنے والا نہیں جب تک وہ بخشش مانگ رہے ہیں اور انہیں کیا ہے کہ اللہ انہیں عذاب

اللَّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوا

نہ کرے وہ تو مسجد حرام سے روک رہے ہیں اور وہ اس کے

اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا

اہل نہیں ان کے اولیاء تو پرہیزگار ہی ہیں مگر ان میں اکثر کو

يَعْلَمُوْنَ ۳۴ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّ

علم نہیں اور کعبہ کے پاس ان کی نماز نہیں مگر سیٹی اور

تَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۳۵

تالی تو اب عذاب چکھو بدلہ اپنے کفر کا

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ

بے شک کافر اپنے مال خرچ کرتے ہیں کہ اللہ کی راہ سے

سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ

روکیں تو اب انہیں خرچ کریں گے پھر وہ ان پر پچھتاوا ہوں گے پھر

يُغْلَبُوْنَ ۬ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ۳۶

مغلوب کر دیئے جائیں گے اور کافروں کا حشر جہنم کی طرف ہو گا

لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ

اس لیے کہ اللہ گندے کو ستھرے سے جدا فرما دے اور نجاستوں کو تلے اوپر رکھ کر

بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ

سب ایک ڈھیر بنا کر جہنم میں ڈال دے

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۳۷ ع

وہی نقصان پانے والے ہیں

تفسیر عالمانہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو۔ ان امور میں جن کے بجا لانے اور ان سے بچنے کا حکم ہے۔ يَجْعَلْ لَّكُمْ اس کے سبب سے تمہارے لئے اللہ تعالیٰ بنا دے گا فُرْقَانًا حق و باطل سے جدا کرنے والا یعنی تمہارے قلوب میں ایسا امر پیدا فرمائے گا جس سے تم حق و باطل کا امتیاز کر سکو گے یا تمہاری مدد فرمائے گا جس سے تمہیں اہل حق و باطل کا امتیاز ہو گا یعنی اہل ایمان کو اعزاز دے گا اور اہل باطل کو

ذلیل فرمائے گا۔ چنانچہ فرمایا یوم الفرقان یوم الجمعان ٗ اس یوم الفرقان سے یہی مُراد ہے کہ اُس دن اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو عزت بخشی اور کفار کو ذلیل و خوار فرمایا۔ وَیُکَفِّرْ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ اور تمہاری برائیاں چھپادے گا۔

فرق درمیان سیئۃ وخطیئۃ سیئہ ہر وہ عمل جو بالذات بُرا ہو اور خطیئہ ہر وہ عمل جو بالعرض بُرا ہو اس لئے کہ یہ خطأ سے مشتق ہے۔

وَیَغْفِرْ لَکُمْ اور تمہیں بخش دے گا یعنی تمہارے گناہ معاف فرما کر اُن سے درگذر فرمائے گا وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔ یعنی اپنے بندوں پر بہت بڑا فضل فرماتا ہے

بقیہ صفحہ ۳۴۱ سے آگے

سبق بندے پر لازم ہے کہ وہ امین غیر خائن ہو اس لئے کہ خیانت سے اللہ تعالیٰ کے غضب کا مورد ہوگا۔ ہم اللہ تعالیٰ کے غیظ و غضب سے پناہ مانگتے ہیں۔

لطیفہ امین کتا اپنے خائن مالک سے بہتر ہے۔

حکایت حضرت حارث بن صعصأ کے بہت سے ساتھی تھے۔ وہ اُن سے جدا نہ ہوتے اور وہ بھی اُن سے محبت کرتے تھے ایک دفعہ سیر و سیاحت کے لئے باہر نکلے اُن کے ساتھ ان کے ساتھی بھی تھے جب ساتھیوں میں سے ایک خائن نکل کر گھر واپس لوٹا اور اپنی زوجہ کو کھانے پینے کی اشیاء کا کہا۔ وہ لائی اور وہ کھا پی کر سوگئے تو اُن دونوں پر کتے نے حملہ کر دیا۔ حارث ان کے گھر واپس لوٹے تو ان دونوں کو مقتول پاکر یہ اشعار پڑھے۔ ؎

① وما زال یرعی ذمتی ویحوطنی
ویحفظ عرسی والخلیل یخون

② فیا عجبا للخل تحلیل حرمتی
ویا عجبا للکلب کیف یصون

ترجمہ: ① وہ ہماری ذمہ داری کی نگرانی اور احاطہ کرتا تھا اور میری دولہن کی بھی حفاظت کرتا تھا اور خلیل خیانت کرتا ہے۔
② افسوس اس کی دوستی پر جس نے میری حلال شے کو حرام کیا۔ لیکن تعجب ہے کتے پر کہ وہ کس طرح حفاظت کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ اے ارواح اور قلوب جو نورِ ایمان سے منور اور سعادات عرفان کے لئے مستعد ہیں۔ لَا تَخُوْنُوا اللّٰہَ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں میں خیانت نہ کرو۔ یعنی انہیں دنیوی ضروریات پر خرچ نہ کرو اور نہ ہی اس کے اہل کا شکار ہو جاؤ اور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ترک نہ کرو اور نہ ہی بدعات کو رواج دو۔ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِکُمْ امانت بمعنے محبت الٰہی اور خیانت سے اللہ تعالیٰ کی محبت کے بجائے مخلوق کی محبت میں مبتلا ہو جانا۔ اس میں اشارہ ہے کہ اربابِ قلوب واصحاب سلوک کو چاہیئے کہ جب طاعات و قربات سے اعلیٰ مراتب و مقامات سے فائز المرام ہوں تو وہ دنیا اور اس کی زینت کی طرف توجہ نہ دیں اور کسی قسم کا تصنع کرکے اللہ تعالیٰ کی خیانت نہ کریں اور ترک سنت کرکے اور بدعات سیئہ کو مروج کرکے رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خیانت نہ

بقیہ اگلے صفحہ پر

ماقبل کی علت بتائی گئی ہے اور تنبیہ کی گئی ہے کہ تقویٰ پر اجر عنایت فرمانا یہ بھی اُس کا فضل و کرم ہے نہ کہ اُس کا فضل و کرم تقویٰ پر منحصر ہے جیسے کوئی آقا اپنے غلام سے فرمائے کہ فلاں کام سرانجام دو تمہیں انعام ملے گا اس سے غلام کو آقا کی مہربانی سمجھنی چاہیئے نہ یہ کہ اُس کے آقا کا احسان و انعام اس عمل کی وجہ سے ہوگا۔

فوائد آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

آیت میں تقویٰ کا حکم دیا گیا ہے شریعت کا تقویٰ وہی ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا **فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ** اپنی امکانی طاقت کے مطابق اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور حقیقت کا تقویٰ بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا **وَاتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ** اللہ تعالیٰ سے ڈرو جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے۔

فائدہ متقی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو اپنے لئے بچانے کا معین و مددگار بنالے یعنی اپنی ذات و صفات و افعال اس کی ذات و صفات و افعال میں فنا کردے ؎

گم شدہ چوں سایہ نورِ آفتاب
یا چو بوئے گل در اجزائے گلاب

ترجمہ: نور سورج سے سایہ جب گم ہوگیا۔ یا خوشبو تلاش کر اجزائے گلاب سے۔

فائدہ حضرت ابن مبارک نے حضرت سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا کہ "الناس کون ہیں۔ فرمایا علما پھر پوچھا اشراف کون ہیں فرمایا "متقین" پھر پوچھا بادشاہ کون فرمایا زاہدین پھر پوچھا غوغا کون ہیں فرمایا قصہ کہانیاں سنانے والے۔ جو لوگوں کو قصے کہانیاں سنا کر روزی کماتے ہیں پھر پوچھا بے وقوف کون ہیں فرمایا ظالم۔

بقیہ صفحہ گذشتہ

نہ کریں اس لئے کہ خیانت سے امانت یعنی محبت الٰہی میں فرق پڑ جاتا ہے بلکہ بلکہ آہستہ آہستہ محبت الٰہی چھین لی جاتی ہے جس سے پھر اُس کا دنیا کی طرف نہ صرف جھکاؤ بلکہ وہ شب و روز اسی کے حصول اور جمع کرنے میں منہمک اور زر و اولاد کے حرص میں مشغول رہتا ہے **وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ** اور تم جانتے ہو کہ اس طرح سے دین کے بجائے دنیا اور مولیٰ کو چھوڑ کر ایک خسیس شے کے پیچھے دوڑ رہے ہو۔ **وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ** اور یقین کرو کہ جس مال اور اولاد کے پیچھے دوڑ رہے ہو اور اللہ تعالیٰ سے منہ پھیر رہے ہو **فِتْنَةٌ** لا یہ تمہارے لئے فتنہ ہے اس سے تمہارا امتحان ہو رہا ہے کہ تم میں عاشق کون ہے اور منافق کون۔ اور تم میں صدیق کون و زندیق کون جو شخص دنیا اور اس کے متعلقات کو سہ طلاق دے تو سمجھو کہ وہ طالبِ مولیٰ ہے۔ **وَاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ** اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اُس کا بہت بڑا اجر و ثواب ہے جو دنیا سے روگرداں ہو کر صرف اللہ تعالیٰ کی طلب میں زندگی بسر کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے لئے بہت بڑا اجر پائے گا۔

نکتہ دراصل عظیم اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ اسمیں اشارہ ہے کہ اوصافِ مذکورہ کے موصوف کو خود اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ نصیب ہوگا۔ جو سالک کا حقیقی مقصد ہے (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تقویٰ کا اسناد مخاطبین کی طرف۔ اور فرقان کو اپنی طرف اس لئے فرمایا کہ جب کسی بندے کے لئے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اُسے اپنے لئے چُن لیتا ہے پھر اُس کے دل میں ایسا نُور قدسی ڈالتا ہے جس سے وہ خود بخود حق و باطل اور وجود و عدم اور حدوث کا امتیاز فرماتا ہے اور اپنے نفوس کے عیوب سے بھی پورا واقف ہو جاتا ہے۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ

حضرت احمد بن عبداللہ مقدسی فرماتے ہیں حضرت ابراہیم بن ادھم رضی اللہ عنہما کے حضور حاضر ہوا اور عرض کی سرکار! آپ نے دنیا فانی کو سہ طلاق کیسے دی اور پھر اتنا بلند مراتب و کمالات کو کیسے حاصل کیا فرمایا۔ ایک دن میں اپنے ایوان خاص میں ارکانِ دولت کے ساتھ بیٹھا تھا اور نوکر۔ غلام میرے سامنے دست بستہ کھڑے تھے اچانک میری نگاہ اپنے محل خاص کے صدر دروازے پر پڑی دیکھا وہاں ایک درویش بیٹھا ہے اُس کے ہاتھ میں خشک روٹی ہے جسے وہ پانی میں بھگو کر کھا رہا ہے اور سالن کے بجائے خشک نمک سے گذارہ کر رہا ہے جب کھانے سے فارغ ہوا تھوڑا سا پانی پیا اور حمد و شکر خداوندی بجا لاکر وہیں پر سو گیا۔ اُس سے میرا دل بہت متاثر ہوا میں نے اپنے کسی غلام سے کہا کہ جس وقت یہ درویش بیدار ہو تو اسے میرے پاس لانا۔ چنانچہ جب وہ جاگا تو غلام نے عرض کی حضرت! آپ کو صاحب خانہ بلاتے ہیں اور آپ سے کوئی بات کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے پڑھا بِسۡمِ اللّٰہِ وَبِاللّٰہِ وَ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ لاحول ولاقوۃ اِلَّا بِاللّٰہِ العلی العظیم یہ کہہ کر میرے غلام کے ساتھ چل پڑا اور میرے ہاں تشریف لاکر کہا "السلام علیکم"! میں نے انہیں سلام کا جواب دے کر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ جب وہ آرام سے بیٹھ گئے میں نے عرض کی "اے درویش تم بھوکے تھے سوکھی روٹی کھائی اس سے کیا سیر بھی ہوئے اُس نے کہا ہاں جی۔ میں نے پوچھا آپ پیاسے تھے پانی پیا کیا اس سے تمہاری پیاس بجھ گئی۔ کہا ہاں اس کے بعد تم آرام سے سو گئے تمہیں نہ کوئی فکر تھا نہ غم کیا اس حالت میں تمہیں نیند بھی آئی اُس نے کہا ہاں جی۔ درویش کی کہانی سُن کر میں نے اپنے نفس کو ملامت کی "اے بندہ خدا دیکھ وہ بھی تو ایک انسان ہے جسے ایسی معمولی خوراک اور پوشاک کفایت کرتی ہے۔ ایک تو یہ تجھے بہت بڑی شاہی سے بھی بے چینی اور اضطراب ہے اس کے بعد میں نے توبہ کا عزم بالجزم کر لیا۔ دن بڑی بے چینی سے گذرا۔ رات ہوئی تو میں نے شاہی لباس اُتارا اور درویشانہ اُون کا لباس پہنا اور سر پر اُونی صُوفیانہ ٹوپی اوڑھی اور پاؤں سے ننگا اللہ تعالیٰ کی تلاش میں چل پڑا۔

فائدہ حضرت ابن ادھم کی توبہ کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ انہیں سے ایک یہ بھی ہے جو ہم نے بیان کی۔ مغفرت بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

سبق بندے پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار اور اس پر نیک گمان ہو کر زندگی بسر کرے۔ اس لئے کہ اُس کا فضل و کرم بے حد و عد ہے۔

لہ اسے ہم نبوت کے لئے علم غیب اور ولایت کے لئے کشف و الہام سے تعبیر کرتے ہیں جیسے بے چارے وہابیوں نجدیوں دیوبندیوں نے اسے شرک سے تعبیر کیا۔ (لان الوہابیہ قوم لایعقلون) یہاں مختصر سی بحث عرض کر دوں تا کہ تسکین ہو علم غیب کے مسئلہ میں حق پر مذہب اہلسنت ہے اور بس۔

موسیٰ علیہ السلام کی وحی کا نمونہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی اور فرمایا کہ آپ کو پانچ باتیں سکھائی جاتی ہیں انہیں یاد کرلو اس لئے کہ وہی دین کا ستون ہیں۔ یاد رکھو میرے ملک کو زوال نہیں آسکتا اس لئے تم میری اطاعت کو کبھی نہ چھوڑنا۔

① ہمہ تخت و ملکے پذیر و زوال
بجز ملک فرمانده لازوال

ترجمہ: تمام تخت و ملک زوال پذیر ہیں سوائے ملک فرمان دینے والے بے زوال کے۔
خزائن الٰہیہ کبھی ختم نہ ہوں گے فلہٰذا تمہیں رزق کا فکر نہ ہونا چاہیئے

② در دائرہ قسمت ما نقطہ تسلیم
لطف آنچہ تو اندیشی و حکم آنچہ تو فرمائی

ترجمہ: ہماری قسمت کے دائرہ میں نقطہ تسلیم ہے لطف وہی ہے جو تیرے ارادہ میں ہے اور حکم وہی جو تیرا فرمان ہے۔
اپنے دشمن ابلیس کو مردہ مت سمجھو وہ اچانک حملہ کرتا ہے فلہٰذا اس کے حملہ سے ہر وقت چوکس رہیں

③ کجا سر برآریم ازیں عار و ننگ
کہ با او بصلحیم و با حق بجنگ

ترجمہ: اس عار و ننگ سے ہم سر باہر کیسے لائیں کہ شیطان سے صلح اور حق کے ساتھ جنگ کر رہے ہیں
میں نے آپ کی مغفرت فرمادی لیکن دیگر مجرموں کو حقارت کی نگاہ سے بھی نہ دیکھنا

④ مکن بنامہ سیاہی ملامت من مست
کہ آگاہ ست کہ تقدیر بر سرش چہ نوشت

ترجمہ: مجھ مست کے سیاہ عملنامہ پر ملامت نہ کر کیونکہ اسے خبر ہے کہ اس کی تقدیر میں کیا لکھا ہے
جبتک بہشت میں داخلہ نصیب نہ ہو میری گرفت سے ڈرتے رہنا

⑤ زاہد ایمن مشو از بازی غیرت زنہار
کہ راہ از صومعہ تا دیر مغاں ایں ہمہ نیست

ترجمہ، غیرت الٰہی سے اے زاہد بے خوف نہ ہو۔ عبادتگاہ اور بتخانہ تک اس کے لئے راستہ یکساں ہے۔

تفسیر صوفیانہ عاقل وہ ہے جو مرتے دم تک اپنی مغفرت کے لئے جدوجہد کرتا ہے اس ارادہ پر گناہ معاف ہو جائیں بلکہ وجود فانی ہی رہے اور جلال و جمال کے انوار و تجلیات سے نوازا جائے اس لئے کہ وہ بندہ جو خودی مٹا کر فنا پائے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے بہت بڑا فضل کرتا ہے یعنی اُسے فنا کے بعد بخشتا ہے۔
(کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ اور اے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یاد کیجئے جبکہ کافر آپ کے لئے مکر کرتے تھے۔

ربط جب حضور علیہ السلام مکہ میں تھے تو آپ کے ساتھ کفار مکہ نے ایک فریب سازی کی اللہ تعالیٰ نے آپ کو یاد دلایا تاکہ آپ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کریں۔ اللہ تعالیٰ نے کیسے آپ کو ان کے مکر و فریب سے بچا کر کتنا بلند قدر اور مراتب علیا سے نوازا اور پھر ان سب پر آپ کو غالب اور فاتح فرمایا۔

شیخ نجدی کی کہانی

حضرت اسحاق رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس میں اس واقعہ کا بیان ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ذکر فرمایا کہ کفار قریش دار الندوہ (کمیٹی گھر) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت مشورہ کرنے کے لئے جمع ہوئے اور ابلیس لعین ایک بڈھے کی صورت میں آیا اور کہنے لگا کہ میں شیخ نجد ہوں مجھے تمہارے اس اجتماع کی اطلاع ہوئی تو میں چلا آیا مجھ سے تم کچھ نہ چھپانا۔ میں تمہارا رفیق ہوں میں بہتر رائے سے تمہاری مدد کروں گا انہوں نے اس کو شامل کر لیا اور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ کے متعلق رائے زنی شروع ہوئی۔

ابوالبختری نے کہا میری رائے یہ ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو پکڑ کر ایک مکان میں قید کر دو اور مضبوط بندشوں سے باندھ دو۔ دروازہ بند کر دو۔ صرف ایک سوراخ چھوڑ دو جس سے کبھی کبھی کھانا پانی دیا جاتے اور وہ وہیں ہلاک ہو کر رہ جائیں۔ اس پر شیطان لعین جو شیخ نجدی بنا ہوا تھا بہت ناخوش ہوا اور کہا نہایت ناقص رائے ہے یہ خبر مشہور ہوگی تو اُن کے اصحاب آئیں گے اور تم سے مقابلہ کریں گے اور اُن کو تمہاری قید سے چھڑا لیں گے۔ لوگوں نے کہا شیخ نجدی ٹھیک کہتا ہے پھر ہشام بن عمرو کھڑا ہوا اُس نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ ان کو (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو) اونٹ پر سوار کر کے اپنے شہر سے نکال دو۔ پھر وہ جو کچھ بھی کریں۔ اس سے تمہیں کچھ ضرر نہ ہوگا۔ ابلیس نے اس رائے کو بھی ناپسند کیا اور کہا جس شخص نے تمہارے ہوش اڑا دیئے اور تمہارے دانشمندوں کو حیران کر دیا ہے اس کو تم دوسروں کی طرف بھیجتے ہو۔ تم نے اس کی شیریں کلامی سیف زبانی دل کشی نہیں دیکھی ہے اگر تم نے ایسا کیا تو وہ دوسری قوم کے قلوب کو تسخیر کر کے اُن لوگوں کے ساتھ تم پر چڑھائی کریں گے۔ اہل مجمع نے کہا شیخ نجدی کی رائے ٹھیک ہے اس پر ابوجہل کھڑا ہوا اور اُس نے یہ رائے دی کہ قریش کے ہر ہر خاندان سے ایک ایک عالی نسب جوان منتخب کیا جائے اور اُن کو تلواریں دی جائیں وہ سب یکبارگی حضرت پر حملہ ہو کر قتل کر دیں تو بنی ہاشم قریش کے تمام قبائل سے نہ لڑ سکیں گے غایت یہ ہے کہ خون کا معاوضہ دینا پڑے تو دے دیا جائے گا۔ ابلیس لعین نے اس تجویز کو پسند کیا اور ابوجہل کی بہت تعریف کی اور اس پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ گذارش کیا اور عرض کیا کہ حضور اپنی خوابگاہ میں شب کو نہ رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اذن دیا ہے کہ مدینہ طیبہ کا عزم فرمائیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو اپنی خوابگاہ پر رہنے کا حکم دیا اور فرمایا ہماری چادر شریف اوڑھو تمہیں کوئی ناگوار بات پیش نہ آئے گی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دولت سرائے اقدس سے باہر تشریف لائے اور ایک مشتِ خاک دستِ مبارک میں لی اور آیت اِنَّا جَعَلْنَا اَغْلٰلًا پڑھ کر محاصرہ کرنے والوں پر

ماری۔ سب کی آنکھوں اور سروں پر پہنچی سب اندھے ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ دیکھ سکے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مع ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غار ثور میں تشریف لے گئے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگوں کی امانتیں پہنچانے کے لئے مکہ مکرمہ میں چھوڑا۔ مشرکین رات بھر سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دولت سرائے کا پہرہ دیتے رہے۔ صبح کو جب قتل کے ارادے سے حملہ آور ہوئے تو دیکھا حضرت علی ہیں۔ اُن سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دریافت کیا کہ کہاں ہیں۔ انہوں نے فرمایا ہمیں معلوم نہیں تو تلاش کے لئے نکلے جب غار پر پہنچے تو مکڑی کے جالے دیکھ کر کہنے لگے کہ اگر اس میں داخل ہوتے تو یہ جالے باقی نہ رہتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس غار میں تین روز ٹھہرے پھر مدینہ روانہ ہوئے۔

واقعہ مذکور کی طرف اشارہ کر کے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ الخ

لِيُثْبِتُوْكَ تاکہ آپ کو بیڑیوں سے بند کر کے جیل میں ڈال دیں۔ اثبات الشئ وتثبیتہ" سے کسی جگہ کو باندھنا مراد ہوتا ہے۔ اس لئے جو کسی کو باندھتا ہے تو ایسا جکڑتا ہے کہ اُسے کسی قسم کی حرکت کی گنجائش نہیں ہوتی۔ یہ عمرو بن ہشام کے مقولے کی ترجمانی ہے اَوْ يَقْتُلُوْكَ یا آپ کو مختلف تلواروں سے شہید کر دیں۔ یہ ابوجہل کے منصوبے کا اظہار ہے اَوْ يُخْرِجُوْكَ یا آپ کو اپنے شہر مکہ سے کسی دوسرے شہر کی طرف جلا وطن کر کے نکالدیں" یہ ابوالخیری کے خیال کا اظہار ہے وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ط اور وہ اپنا مکر کرتے تھے اوا اللہ تعالیٰ اپنی تدبیر فرماتا تھا یعنی اُن کی کاروائی چاہ را کندچاہ در پیش کے مطابق بناتا تھا۔

ازالۂ وہم اللہ تعالیٰ کے شان کے لائق نہیں کہ ابتدًا اس کے لئے مکر کا اسناد کیا جائے اس لئے کہ مکر وفریب اور دھوکہ دہی سے اللہ تعالیٰ منزہ اور پاک ہے البتہ مقابلۃً ومشاکلۃً اس کا استعمال جائز تو ہے لیکن وہاں خفیہ تدبیر مراد لی جائے گی۔[1]

وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ○ اور اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر ہوتی ہے۔ اُن کی تدبیر اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے بالمقابل کچھ نہیں۔

فائدہ حدادی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر حق وصواب پر ہوتی ہے اور ان کا باطل وظلم پر مبنی۔ مخلوق کا مکر حیلہ اور عجز پر دلالت کرتا ہے اور خالق کی خفیہ تدبیر کے مقابلہ میں باطل اور بے کار ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی تدبیر خفیہ حق اور ثابت ہوتی ہے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

سحر با معجزہ پہلو نزند ایمن باش
سامری کیست کہ دُرست اندید بیضا برد

---

[1] لیکن دیوبندیوں اور وہابیوں کے پیر و مرشد اور استاد اسماعیل دہلوی نے مکر اللہ کا ترجمہ مکر سے کیا۔
(تقویۃ الایمان) (اویسی غفرلہ)

ترجمہ: سحر معجزہ سے دم نہیں مار سکتا مجھے خوف ہو (اطمینان کر) سامری کون لگتا ہے جو ید بیضا سے بازی لے جائے۔
اور نے کہا ہے

صعوہ کو باعقاب سازد جنگ
دہد از خون پرِ خویش را رنگ

ترجمہ: ممولا کون لگتا ہے کہ وہ عقاب سے لڑائی مول لے یہی ہوگا کہ وہ اپنے پروں کو خون سے رنگے گا (یعنی مار کھائے گا)

قرآنی مکالمہ ابوالعینا فرماتے ہیں کہ میرے چند جانی دشمن بہت بڑے ظالم تھے۔ میں نے اُن کی شکایت حضرت احمد بن داؤد سے کی اور عرض کیا کہ وہ اب متحد ہو کر میرا مقابلہ کریں گے جس سے مجھے بہت بڑا خطرہ ہے انہوں نے فرمایا یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ یعنی غم نہ کھا اللہ سب پر غالب ہے میں نے کہا وہ بہت بڑے عیار و مکار ہیں آپ نے پڑھا وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ یعنی اُن کی عیاری و مکاری اُلٹا انہیں نقصان دہ ثابت ہوگی میں نے کہا کہ وہ تعداد میں بہت زیادہ ہیں آپ نے پڑھا كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ یعنی تھوڑے زیادہ پر اللہ کے فضل و کرم سے غلبہ پا جاتے ہیں۔

ہر کرا او باشد اقبال راہنموں
دشمن گردد بزودی سرنگوں

ترجمہ: جس کا بخت رہبر ہو دشمن بھی اس کے آگے سرنگوں ہوں گے۔

سکندر کی وصیتیں سکندر کے حالات میں اس کا اپنا مکتوب ملا جس میں لکھا تھا جس شخص کی غرض و غایت صرف ذاتِ حق ہو وہی اس کی سب سے بڑی عبادت ہے، جو سمجھتا ہے کہ موت آئیگی وہ دنیا کی طرف جھکے تو سمجھو کہ وہ سخت دھوکے میں ہے جس کا عقیدہ ہو کہ تقدیرِ ربانی حق ہے تو اسے دنیا کا حرص فضول ہے۔ جس کے دل میں دھوکہ فریب گھسا ہو وہ اگر کسی پر بھروسہ کرے تو وہ اُس کے عجز کی دلیل ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام عدل و انصاف سے مقرر فرمائے تو اُن کی سزائیں بندوں کے لئے اُن کی کارکردگی کی وجہ سے ہیں مثلاً جب ابوجہل نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تو اللہ تعالیٰ نے اُسے بدر میں قتل کرا دیا۔ اہلِ اسلام اس کے شر سے بچ گئے یہ محض اللہ تعالیٰ کا عدل اور عین فضل ہے۔ کفار نے باوجودیکہ حضور نبی پاک شہِ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت بڑے معجزے دیکھے تو بجائے ماننے کے حضور علیہ السلام کو ایذا دی تو ان کے کفر و عناد میں اضافہ ہوا۔ بنابریں وہ تمام لوگوں سے بہت زیادہ بدبخت سمجھے جاتے۔

فائدہ در ردِ وہابیہ آج اگر کوئی کافر کسی اللہ والے کی کرامت دیکھے تو یقیناً اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کریگا بلکہ حتی المقدور اس کی تعظیم و تکریم کرے گا۔

حاشیہ ملے (اگلے صفحہ پر)

حکایت منقول ہے کہ ایک جابر کافر بادشاہ نے اہلِ اسلام کی سلطنت پر قابض ہو کر تمام مسلمانوں کو قتل کرا دیا اور اُن کے اموال و اسباب لوٹ لئے اس کا ارادہ ہوا کہ مسلمانوں کے پیروں فقیروں کو بھی قتل کر دے۔ انہیں ایک بزرگ بادشاہ کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا اس ارادہ سے باز آجا۔ بادشاہ نے کہا اگر تم حق پر ہو تو ہمیں اپنی کوئی کرامت دکھایئے اُس اللہ والے نے اونٹ کی مینگنی پر نظر ڈالی تو وہ سونا بن گئی اور جواہر و موتیوں کی طرح چمکتا تھا اور مٹی کے خالی برتنوں کو حکم دیا تو وہ خلا میں اُلٹے ہوئے پانی سے بھر کر بادشاہ کے اوپر کھڑے رہے اُن میں سے ایک بوند پانی کی بھی نہ ٹپکی۔ اس سے بادشاہ کو ہیبت طاری ہو گئی۔ اس کے ہمنشینوں نے کہا کہ گھبراتے کیوں ہو یہ تو جادو ہے بادشاہ نے پھر سنبھل کر کہا کچھ اور دکھایئے بزرگ نے فرمایا آگ جلاؤ اور مزامیر لا کر مجھے سناؤ۔ مزامیر لائے گئے۔ درویش نے سماع سنا اور وجد آیا تو آگ میں چلا گیا آگ بہت تیز تھی۔ بزرگ نے آگ کے اندر سے بادشاہ کے بیٹے کو کھینچ لیا اور آگ میں غوطہ لگایا اور بادشاہ کا بیٹا بھی ساتھ۔ اس سے بادشاہ گھبرا کر بیٹے کی وجہ سے سخت رو دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد فقیر اور بادشاہ کا بیٹا آگ سے بسلامت نکلے ایک کے ہاتھ میں سیب دوسرے کے ہاتھ میں انار تھا۔ بادشاہ دیکھ کر خوش ہوئے اور پوچھا کہاں چلے گئے فرمایا ہم ایک باغ میں تھے اور جلدی سے صرف دو میوے لائے بادشاہ کو حیرانی چھا گئی۔ لیکن بُرے حاشیہ نشینوں نے کہا بادشاہ سلامت آپ گھبراتے کیوں ہیں یہ بھی ایک کھیل تماشہ ہے جو ہاتھ کی صفائی سے۔ درویش نے ہمیں دھوکہ دیا ہے۔ بادشاہ نے درویش سے کہا ہم آپ کے کارنامے دیکھتے جا رہے ہیں لیکن یقین نہیں آتا۔ اب آخری بات ہے یہ پیالہ پی لیں تب ہم مانیں کہ واقعی آپ اللہ والے ہیں۔ وہ پیالہ زہر قاتل سے بھرا ہوا تھا کہ جس کا صرف ایک قطرہ جان لیوا ثابت ہوتا تھا۔ بزرگ نے حسبِ دستور سماع کا حکم فرمایا۔ مجلس سماع گرم ہوئی۔ درویش پر وجدانی کیفیت طاری ہوئی تو تمام کپڑے پھاڑ ڈالے اور پہنائے گئے وہ بھی پھاڑ دیئے اسی طرح کئی بار ہوا۔ آخر میں صرف پسینہ آیا اور جوش تھم گیا۔ جب ہوش میں آئے تو بادشاہ کے قدموں میں گر گیا اور درویشوں کو عزت و احترام سے رخصت کیا اور کہا کہ آپ لوگ میری سلطنت میں با امن و سلامت زندگی بسر کرو تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔

فائدہ صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اسلم واللہ اعلم۔ تقریباً وہ مسلمان ہو گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

وَإِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ

شانِ نزول یہ آیت نضر بن حارث کے حق میں نازل ہوئی وہ تجارت کے لئے فارس روم اور حیرہ کے علاقوں میں جاتا رہتا تھا اور اُن سے اسفندیار، رستم اور عجمیوں کے قصے کہانیاں سنتا تھا پھر وہاں سے اس قسم کے قصے کہانیوں کی کتابیں خرید لیں اور یہود و نصاریٰ کو رکوع و سجود کرتا ہوا دیکھ آیا تھا اُن سے تورات و انجیل بھی سن پائی تھیں جب مکہ میں واپس لوٹا تو دیکھا کہ حضور علیہ السلام نماز پڑھتے ہوئے رکوع و سجود فرماتے تو وہ بھی ان لوگوں کے

لہ بخلاف وہابیہ نجدیہ کے کہ وہ اُلٹا شرک اور کفر کا فتویٰ دیں گے اور اسے بدعتی کہہ کر ٹھکرائیں گے (آزما کر دیکھئے) ۱۲
(اویسی غفرلہ)

ساتھ مل کر بیٹھا جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استہزا کرتے تھے۔ انہیں عجمیوں کے قصّے سنا کر ہنساتا اور انہیں امم سابقہ کے واقعات و حالات سناتا اور اُن کے نام بھی بتاتا تھا اس کا گمان تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح گذشتہ لوگوں کے حالات سناتا ہے پھر کہتا ہے کہ ہم چاہتے تو ہم بھی ایسی ہی کتاب کہہ لیتے اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ مقولہ نقل کیا کہ اسمیں ان کی کمال بے شرمی و بے حیائی کہ قرآنِ پاک کی تحدی فرماتے اور فصحائے عرب کو قرآن کریم کے مثل ایک سورہ بنا لانے کی دعوتیں دیتے اور اُن سب کے عاجز و درماندہ رہ جانے کے بعد یہ کلمہ کہنا اور ایسا ادعائے باطل کرنا نہایت ذلیل حرکت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآنی آیات بھیج کر فرمایا کہ یاد کیجئے کہ جب پڑھی جاتی ہیں عَلَيْهِمْ نضر اور اُس کے تابعداروں پر اٰيٰتُنَا ہماری قرآنی آیات قَالُوْا تو کہتے ہیں قَدْ سَمِعْنَا ہم نے یہ سُن لیا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ اگر ہم چاہتے تو ایسا کلام کہہ دیتے۔ یہ ان کی ہٹ دھرمی اور ضد ہے ورنہ انہیں اِس جیسے کلام لانے کی طاقت تھی تو چاہتے کیوں نہ تھے۔ انہیں اس ارادہ سے کونسی شئے مانع تھی حالانکہ اس سے قبل دس سال حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چیلنج کرتے رہے۔ باوجودیکہ آپ سے اُن کی مخالفت و معاندت زوروں پر تھی لیکن چیلنج قبول نہ کیا۔ بلکہ صم بکم لاجواب رہے حالانکہ انہیں اپنی فصاحت و بلاغت پر بہت بڑا ناز تھا جب بالکل ہر طرح کے حربے سے عاجز ہوئے تو اب بھی مکابرہ و معاندہ کے طور صرف اتنا کہا کہ ہم چاہیں تو ایسا کلام بنا سکتے ہیں وغیرہ اِنْ یہ نافیہ ہے هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ یہ نہیں مگر اگلوں کے بناوٹی قصّے یعنی یہ وہی قصے ہیں جو اگلے لوگوں نے لکھ کر چھپا رکھتے تھے۔

فائدہ اساطیرہ اسطور کی جمع ہے بمعنے مسطورہ و مکتوبہ۔

تفسیر عالمانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قالوا سمعنا وہ بظاہر تو کہتے ہیں کہ ہم نے سنا حالانکہ درحقیقت انہوں نے کچھ بھی نہیں سُنا تھا۔ اس لئے کہ قرآن تو سراسر ہدایت ہے اسے جو بھی سنتا ہے وہ ہدایت پا جاتا ہے۔ جیسے جنات نے بمجرد سنتے ہی ہدایت پائی۔ البتہ کفار نے وہی سُنا جو وہ خود کہہ بیٹھے کہ یہ بناوٹی باتیں ہیں انہیں بناوٹی قصے بنانے تو آتے تھے لیکن اُن کے بس کی بات نہیں کہ وہ قرآن مجید جیسا کلام بنا سکیں۔ اسی لئے کہ قرآن مجید تو کلام الٰہی ہے اور اُس کا کلام اس کی صفت قدیمہ ہے اور ان کا کلام مخلوق و حادث تھا۔ پھر کلام مخلوق حادث کلام قدیمی جیسی صورۃً و معناً کس طرح ہو سکتا ہے۔ کلامِ قدیم سے اسرار و انوار کہاں اور مخلوق کے عقل و فہم کہاں انہیں وہاں تک رسائی کیسی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْجِنُّ وَالْاِنْسُ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا فرمایئے اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر انس و جن جمع ہو کر قرآن جیسا کلام لائیں تو نہیں لا سکیں گے۔ اگرچہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

① چوں کتاب اللہ بر آمد ہم براں
اینچنیں طعنہ زدند آں کافراں

② کہ اساطیر است و افسانہ نژند
نیست لقمیقی و تحقیقی بلند

③ کودکاں خرد فہمش مے کنند
نیست جز امر پسند و ناپسند

④ ذکر یوسف ذکر زلف پر خمش
ذکر یعقوب و زلیخا و غمش

⑤ ظاہر است ہر کسے پے میبرد
گو بیاں کہ گم شود در وے خرد

⑥ گفت اگر آسان نماید ایں بتو
اینچنیں یک سورہ گو اے سخت ور

⑦ جنیان و انسیان و اہل کار
تو یکے آیت ازیں آسان بیار

ترجمہ: ① جب کتاب اللہ نازل ہوئی تو اس پر کافروں نے ایسے ہی طعنہ مارا۔
② کہ یہ کہانیاں اور پرانے لوگوں کے افسانے ہیں نہ یہ بلند تحقیقی کتاب ہے نہ لقمیقی۔
③ اسے بچے بھی سمجھ سکتے ہیں سوائے پسند و ناپسند امر کے اس میں اور کچھ نہیں۔
④ ذکر یوسف اور پر پیچ زلفوں اور ذکر یعقوب اور زلیخا اور اس کے غم کا ذکر ہے۔
⑤ ظاہر ہے کہ اس سے ہر ایک مطلب نکال سکتا ہے انہیں کہو کہ یہ کتاب آسان نہیں اس میں تو عقل گم
⑥ انہیں کہو اگر آسان ہے تو اس جیسی ایک آسان سورہ لاؤ اے سخت لوگو۔
⑦ جن و انس اور دیگر عقلا بھی سب مل کر ایک آسان آیت لاؤ۔

تفسیر عالمانہ

وَاِذْ قَالُوْا اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یاد کیجئے جب نضر اور اس کے تابعداروں نے کہا کہ یہ قرآن تو پرانے قصے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے بدبخت یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس لئے اس نے کہا اَللّٰھُمَّ اے اللہ۔ اِنْ کَانَ ھٰذَا ھُوَ الْحَقَّ اگر یہ قرآن حق ہے۔ ھُوَ ضمیر فعل کی ہے اس کا اعراب کے لحاظ سے کوئی محل نہیں۔ الحق سے مراد یہ ہے کہ واقعی نازل شدہ ہے۔ مِنْ عِنْدِکَ لے تیری طرف سے یعنی وہ راست اور درست ہے فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَۃً پس ہم پر پتھر برسا جو نازل ہونے

لے دیکھئے وہ اَللّٰھُمَّ کہہ کر بتا رہے ہیں کہ وہ خدا کو مانتے ہیں اور پھر عندک ضمیر واحد بول کر یہ ثابت کر رہے ہیں کہ خدا کو واحد ہی جانتے ہیں مگر یہ توحید پرستی ان سے عذاب کو ٹال نہ سکی اس لئے کہ وہ رسالت کے منکر تھے۔ یہی مطلب ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا پکڑا چھڑا کوئی نہیں سکتا۔ یعنی خدا رسالت کے منکر کو ہرگز نہیں چھوڑتا۔ رسالت کو لغو اور ایک جال زوالوں کا حشر بھی ہوتا ہے

(اویسی غفرلہ)

والا ہے مِنَ السَّمَآءِ آسمان سے جو وہ ہم پر سنگ کے طور برسے۔ جیسے لوط علیہ السلام کی قوم اور اصحاب الفیل پتھر برسے تھے اَوِ ائۡتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ یا کوئی عذاب لا جیسے سابقہ اُمتوں پر آئے۔ اس سے کفار تہکم واستہزا کر رہے تھے اور بنا رہے تھے کہ انہیں یقین ہے کہ (معاذ اللہ) یہ قرآن باطل ہے۔

فائدہ مروی ہے کہ نضر بن حارث کے حق میں دس کے اوپر چند آیات نازل ہوئیں اُس نے جو کچھ مانگا اسے بدر میں مل گیا چنانچہ خود حضور نبی علیہ السلام نے نضر بن حارث کے علاوہ دو اور قریشیوں کافروں (طعیمہ بن عدوی اور عُقبہ بن ابی معیط کو اپنے ہاتھوں سے قتل کیا اُسے مقداد بن اسود نے قیدی بھی بنایا تھا۔

فائدہ غور کیجئے کہ اس بدبخت نے ضد وعناد یا جہالت و حماقت سے مذکورہ دُعا مانگی۔ اگر اس کی بجائے یوں کہتا کہ اے اللہ! اگر یہ قرآن حق ہے تو ہمیں ہدایت دے اور اس سے نفع اندوزی کا موقع میسر فرما اور اسے ہمارے قلوب کے لئے شفا اور ہمارے صُدور کا نُور بنا لیکن جس بدبخت کے منہ سے خیر کے بجائے شر نکلے وہ کس طرح کلام خداوندی جیسا کلام بنا سکتے سکتا تھا۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمۡ وَاَنۡتَ فِيۡهِمۡ ؕ اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ نہیں جب تک آپ اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں تشریف فرما ہیں اس لئے کہ جب عذاب نازل ہوتا ہے تو ہمہ گیر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس وقت تک کسی قوم پر عذاب نازل نہیں کرتا جب تک کہ وہاں سے نبی علیہ السلام مع اہل ایمان کوچ نہ کر جائیں۔

شانِ رسالت کا بیان اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کا بیان فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت و عظمت بے پایاں ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا ہے جب آپ رحمتِ خداوندی کے بحرِ بے کنار ہیں تو پھر وہاں عذاب کیسا کہ رحمت و عذاب دو نقیضین[1] ہیں اور قاعدہ ہے **النقیضان لا یجتمعان** دو نقیضین جمع نہیں ہو سکتیں۔

قاعدہ در شانِ رسالت اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب تک عالم دنیا میں تشریف فرما ہوں تو لوگ اللہ تعالیٰ کی امان میں ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب تک اُن کی سنت پر عمل ہوتا رہے اس سے بھی دنیا والوں کے لئے امان رہتی ہے۔

مسئلہ آیت سے ثابت ہوا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرافت و بزرگی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی عزت و احترام بے پایاں ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا کہ وہ بندوں کے لئے امان[2] ہیں۔ اور آپ کی وجہ سے عذاب کا نزول ممنوع قرار دیا گیا۔

---

[1] نقیض ضد کو کہتے ہیں مگر ضد میں اور نقیض میں یہ فرق ہے کہ دو ضدیں بیک جا اکٹھی ہو سکتی ہیں مگر دو نقیضیں ایک جگہ اور ایک وقت میں اکٹھی نہیں ہوتیں جیسے دن اور رات کا ایک وقت ہونا محال ہے۔

[2] اسی کو ہم اہلسنت عین اسلام کہتے ہیں لیکن بدقسمت وہابی دیوبندی اسے شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔ (اُویسی غفرلہٗ)

مسئلہ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاں اللہ والے متقی پرہیز گار لوگ موجود ہوں وہاں سے بھی اللہ تعالیٰ اپنا عذاب ہٹا لیتا ہے بشرطیکہ معذب قوم اللہ والوں کے دامن کو لپٹیں چنانچہ صاحب روح البیان کی عبارت یوں ہے وفی ذلک ایماءٌ الی ان اللہ یدفع عذاب قوم لاقترانہم باھل الصلاح والتقی[1] (اسمیں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قوم سے عذاب ہٹا لیتا ہے جو اللہ والوں سے تعلق جوڑیں

حاضر و ناظر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور وہابیہ دیوبندیہ

قال صاحب روح البیان قدس سرہٗ جمیع الانتظام بوجودہ الشریف فانہ مظھر الذات وطلسم العوالم حتیٰ قیل فی وجہ عدم ارتحال جسدہ الشریف من الدنیا مع ان عیسیٰ علیہ السلام قد عرج الی السماء بجسدہ انہ انما بقی جسمہ الطاھر ھنا لاصلاح عالم الاجساد وانتظامہ[2]

یعنی حضرت الشیخ الشہیر بافتاد قدس سرہٗ نے فرمایا۔ خداوندِ عالم کے تمام عوالم کا انتظام حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود مبارک سے متعلق ہے کہ آپ ذات الٰہی کے مظہر ذاتی اور تمام عوالم کے موقوف علیہ ہیں یہی وجہ ہے کہ باوجودیکہ آپ تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل واکمل ہیں لیکن عیسیٰ علیہ السلام تو آسمان پر رونق افروز ہیں اور آپ زمین پر تشریف فرما ہیں وہ صرف اس لئے کہ عالم اجساد کی اصلاح آپ کی وجہ سے ہے۔ حضرت شیخ عطار قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

خویشتن را خواجہ عرصات گفت
انما انا رحمۃ مھداۃ گفت

ترجمہ: خود کو خواجہ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرصات فرمایا ہے کہ میں رحمت ہدایت والی ہوں۔

رزقنا اللہ شفاعتہ ہمیں اللہ تعالیٰ آپ کی شفاعت نصیب فرمائے (آمین)

تفسیر عالمانہ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ اور اللہ تعالیٰ انہیں عذاب کرنے والا نہیں جب تک وہ بخشش مانگ رہے ہیں۔ اس سے وہ بقایا اہل ایمان مراد ہیں جو اپنی کمزوری کی وجہ سے ہجرت نہ کر سکے اور وہیں پر مقیم تھے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے وہ مراد ہیں جو ابھی اپنے آباواجداد کی اصلاب میں تھے بعض نے کہا وہی کفار مراد ہیں جو انجام بکار کفر سے تائب ہوں گے۔

فائدہ حضرت امیر المؤمنین علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ زمین پر دو امانتیں نازل ہوئیں ایک امان اٹھائی گئی دوسری باقی ہے۔ جو اٹھائی گئی ہے وہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے جو وصال فرما گئے۔ دوسری استغفار ہے جو باقی ہے اس کے بعد یہی آیت پڑھی۔

---

[1] ص ۴۰، ۱۲۸ [2] ایضاً۔

نکتہ وہ مؤمن جسے اپنے ایمان میں صدق اور خلوص ہے اسے قیامت میں اللہ تعالیٰ عذاب نہیں کرے گا اس لئے کہ اُن کے نبی علیہ السلام انہی میں موجود ہوں گے اور اللہ تعالیٰ نے قسم یاد کر کے فرمایا کہ جہاں محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے وہاں عذاب نہیں ہوگا ۔

فائدہ صدق فی التوبہ بندے کو نجات بخشتی ہے اور توبہ بمعنے اظہار ندامت کر کے گناہ سے بالکل دوری اختیار کر لینا صرف زبان سے توبہ کا اظہار نہ ہو ۔

فائدہ عوام گناہوں سے اور خواص رؤیتِ اعمال سے جبکہ اس نظریہ سے اپنے اعمال پر نگاہ کریں کہ یہ اُن کے اعمال ہیں لیکن یہ خیال نہ آئے کہ اگر فضلِ رب نہ ہوتا تو اس سے اعمال نہ ہوتے اور ابرار و اولیاء ماسوی اللہ کسی شئے کو تصور میں لاتے ہی نہیں ہے

گفت حق آمرزش از من می طلب
کان طلب مر غفورا باشد سبب
از پے زہر گناہ ار بشنوی
ہست استغفار تریاق قوی

ترجمہ: "حق تعالیٰ نے فرمایا کہ بخشش مجھ سے طلب کر اس لئے کہ یہی معافی کا سبب ہے ۔
(۲) اگر سچ پوچھو تو ہر گناہ کی معافی کے لئے استغفار قوی تریاق ہے ۔

وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ اور انہیں کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہ کرے یعنی ان کے لئے کونسی شئے حائل ہے جو اُن کے عذاب نہ کرنے کا سبب ہے کہ انہیں کسی قسم کا عذاب بھی نہ ہو جب مانع نہ ہوگا اور انہیں مہلت دی گئی اس سے بھی انہوں نے فائدہ نہ اٹھایا تو انہیں لامحالہ عذاب ہوگا اور انہیں عذاب کیوں نہ ہو جبکہ ان کا حال یہ ہے کہ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان کو روکتے ہیں عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ مسجد حرام سے یعنی کعبہ کے طواف سے جیسے عام حدیبیہ میں ہوا ۔ انہی کے ایذا سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت پر مجبور ہو گئے اور وہ کہتے کہ ہم ہیں بیت اللہ شریف کے متولی جسے ہم چاہیں بیت اللہ شریف جانے دیں جسے چاہیں تو نہ جانے دیں ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ اور وہ اس کے اہل نہیں ۔ یعنی بیت اللہ میں وہ کسی قسم کا استحقاق نہیں رکھتے اس لئے کہ وہ مشرک ہیں اور مشرک کو اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کے گھر کی تولیت کیسی ؟ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ اُس کے اولیاء صرف پرہیزگار ہیں ۔ یعنی وہ لوگ جو شرک سے بچتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی پرستش نہیں کرتے وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ لیکن اُن کے اکثر نہیں جانتے کہ وہ بیت اللہ کے متولی نہیں ہو سکتے ۔

فائدہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے بعض جانتے تھے کہ ہم کعبہ معظمہ کی تولیت کے اہل نہیں لیکن اس کے باوجود پھر بھی بضد تھے ۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں پر اکثر سے کل مراد ہیں جیسے کبھی قلت سے عدم مراد ہوتا ہے

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ولی اللہ وہ ہے جو متقی باللہ عما سوی اللہ ہو لیکن بہت سے اولیائے ایسے ہوتے ہیں جو اپنے آپ سے بے خبر ہوتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ بعض اولیاء اللہ اپنے آپ کو جانتے ہیں کہ واقعی وہ اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں لیکن اکثر ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں اپنے ولی ہونے کا علم نہیں ہوتا۔

تفسیر عالمانہ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ اور مشرکین کی نماز و دعا نہیں۔ عِنْدَ الْبَيْتِ بیت اللہ یعنی کعبہ معظمہ کے نزدیک اِلَّا مُكَآءً مگر سیٹی۔ یہ مُکَاءٌ یمکو مکاء سے ہے بمعنے سیٹی بجانا۔

فائدہ حدادی نے فرمایا کہ المکاء عرب میں ایک پرندہ کا نام ہے جو سیٹی سی آواز کرتا ہے اس آواز کی وجہ سے اس کا نام مکاء پڑ گیا۔

وَّتَصْدِيَةً اور تالی بجانا جب دونوں ہاتھوں کو ایک دوسرے پر مارا جائے اس سے جو آواز نکلتی ہے اُسے تصدیہ (تالی) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ در اصل تصدیہ بمعنے احداث الصدی اور صدی ہر اُس آواز کو کہا جاتا ہے جو خالی مکانات سے نکلتا ہے جیسے صدائے بازگشت سے تعبیر کرتے ہیں مثلاً کہا جاتا ہے صدی یصدی تصدیہ۔ مشرکین بیت اللہ کے قریب بجائے تسبیح و دعا کے تالی اور سیٹی بجاتے تھے اور اس کو وہ قرب اور عبادت الٰہی سمجھتے تھے چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مشرکین عرب مرد اور عورت ننگے ہو کر بیت اللہ شریف کا طواف کرتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ پنجہ ملا کر سیٹی اور تالی بجاتے تھے آیت کا مقصد یہ ہے کہ وہ عذاب کے مستحق اس لئے ہوئے کہ وہ بیت اللہ کی توہین کرتے تھے اس بنا پر وہ بیت اللہ کی تولیت کے اہل بھی نہیں اس لئے کہ جو بیت اللہ میں اس طرح کی اہانت کرکے اسے اپنی عبادت سمجھے تو ایسا احمق بیت اللہ کی تولیت کا مستحق کس طرح ہو سکتا ہے۔

فائدہ مقاتل فرماتے ہیں کہ جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد حرام میں نماز پڑھتے تھے تو بنی عبدالدار کے دو مرد آپ کے دائیں اور بائیں کھڑے ہو کر مکاء پرندے کی طرح سیٹی بجاتے اور زور زور سے تالیاں بجاتے تاکہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دلجمعی سے نماز نہ پڑھ سکیں اور نہ ہی احسن طریقے سے قرآن پاک پڑھ سکیں۔ اسی طرح وہ ہر مؤمن کے ساتھ کرتے طرفہ یہ کہ وہ بھی اس کو اپنی نماز اور عبادت وغیرہ تصور کرتے۔ اس تقریر پر آیت میں صلوٰتہم سے یہی نماز مامور بہ مراد ہوگی۔

فَذُوْقُوا الْعَذَابَ پس تم عذاب چکھو اس سے بدر کے دن کا قتل اور قید مراد ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ انہیں قیامت میں کہا جائے گا کہ فذوقوا العذاب۔ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ اس کا بدلہ جو تم کفر کرتے تھے۔

فائدہ کفر و معصیت عذاب کے وقوع کا اور توبہ و استغفار اللہ تعالیٰ کے فیض و رحمت کا سبب اور وسیلہ ہیں۔

---

[1] اعلحضرت قدس سرہٗ نے اس تفسیر کے مطابق ترجمہ میں لفظ نماز استعمال فرمایا۔

تفسیر صوفیانہ توبہ و استغفار گناہوں کے لئے بمنزلہ صابن کے ہیں جسے توبہ نصیب نہیں اُسے قلبی طہارت کبھی نصیب نہیں ہوگی اس لئے عام مسلم قلب کی مسجد کا متولی نہیں ہوسکتا۔ بلکہ قلب کی مسجد کی تولیت اس خوش نصیب کو عطا ہوتی ہے جو عارف باللہ ہو۔ یعنی ہر وہ انسان جو فارغ عن الشواغل اور مُعرض عن العلائق اور طاہر من الذنوب ہو۔ اللہ تعالیٰ جسے تجلیات عالیہ اور اذواق و حالات متوالیہ کی جنات میں اپنے اولیاء کو داخل کرتا ہے پھر اُسے عذاب نہیں دیتا۔ اس لئے کہ ایسے اولیاء کے وجود (جو ایندھن کے مشابہ ہوتے ہیں) کو آگ میں نہیں جلاتا ایسے لوگوں میں سوائے نور الٰہی کے اور کچھ نہیں ہوتا اس لئے کہ اُن کے قلب میں نورِ خداوندی چمکتا رہتا ہے پھر ایسے حضرات کو عذاب کیسا۔ البتہ عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو رحمت کے لئے مستعد نہیں یا جو شخص اپنے نیک اعمال سے بُرے اعمال ملا دیتا ہے۔ ایسے کو گناہوں کی آلائش سے پاک کرنا ضروری ہوتا ہے اس لئے انہیں عذاب ہو تو کوئی حرج نہیں۔

نسخہ روحانی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء اور اُن کے احکام کی پابندی نہ صرف نجات کا موجب ہیں بلکہ اُن سے قلب کی صفائی نصیب ہوتی ہے۔

سبق انسان پر لازم ہے کہ وہ نیکی اختیار کرے اور ایسے افعال سے بچے جو اللہ تعالیٰ کی آزمائش کا موجب بن جائیں یہی دونوں یعنی اختیار و اجتناب ہر انسان کے لئے فرض ہیں اور یہی ہر دونوں تقویٰ کی رُوح ہیں۔ بیماری دفع ہوتی ہے اور بیمار دلوں کا علاج کرنا ہر عبادت اور ہر امر سے بہتر اور ہر معاملہ میں اہمیت رکھتا ہے لیکن دل کا علاج تقویٰ کے سوا اور کوئی نہیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرۃ مبارکہ کو اپنانا تقویٰ کی رُوح اور اصل ہے۔

حدیث شریف ① مَنْ اَحْیٰی فَقَدْ احیانی وَمَنْ اَحیانی فقد اَحبنی ومن احبنی کان مَعِی فِی الجنۃِ یوم القِیٰمۃِ جو میری سنت کو زندہ کرتا ہے وہ میری رُوح کو خوش کرتا ہے جو مجھے خوش کرتا ہے تو وہ مجھ سے محبت و عقیدت رکھتا ہے اور جو مجھ سے محبت و عقیدت رکھتا ہے وہ قیامت میں بہشت میں میرے ساتھ ہوگا۔

حدیث شریف ② من حفظ سنتی اکرمہ اللہ باربع خصال المحبۃ فی قلوب البررۃ والہیبۃ فی قلوب الفجرۃ والسعۃ فی الرزق والثقۃ بالدین

جو میری سنت مبارک کی حفاظت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے چار خصلتوں سے نوازتا ہے۔

① نیک لوگوں میں اُس کا وقار پیدا ہو جاتا ہے۔
② فاسق و فاجر لوگوں پر اس کی ہیبت چھا جاتی ہے۔
③ رزق کی وسعت نصیب ہوتی ہے

④ اسے دین کا وثوق عطا ہوتا ہے۔

فائدہ جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب نہیں ہوئی اس کے لئے یہ سعادت کچھ کم نہیں کہ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کو اپنا لے یا حدیث نبوی کے عشاق کی زیارت کرے پھر یوں سمجھے کہ گویا محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہو گئی اور بفضلہٖ تعالیٰ یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ (انشاء اللہ تعالیٰ) یک زمانہ صحبت با اولیاؑ۔ اللہ والوں اور متقیوں کی صحبت میں بڑی تاثیر[1] ہوتی ہے اور کلامِ الٰہی اور کلام دینوی سننے سے دل زندہ ہوتا ہے۔ لیکن جب تک توفیق ایزدی اور ہدایت الٰہی نہ ہو اس وقت تک اس کا حصول مشکل ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے اغراض درست فرمائے اور ہمیں نیک اعمال زیادہ کرنے کی توفیق بخشے۔ نورِ کتاب وسنت سے ہمارے دل منور فرمائے اور جنت میں بلند کے مقامات سے نوازے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یہ آیت مشرکین مکہ کے اُن لوگوں کے حق میں نازل ہوئی جو لشکر کفار کو بدر میں باری باری طعام کھلاتے تھے۔ وہ بارہ ۱۲ اشخاص تھے۔ ہر ایک شخص دن میں دس اُونٹ ذبح کرتا تھا۔ جزور جزر کی جمع ہے۔ اونٹ کو کہتے ہیں نر ہو یا مادہ مگر لفظ جزور مؤنث ہے اس لئے لفظی عبارت کے وقت کہا جائے گا ھٰذہ الجزور اگرچہ اس سے مذکر بھی مراد ہوں یعنی بے شک وہ لوگ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عداوت ودشمنی میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں لِیَصُدُّوْا تاکہ لوگوں کو روکیں عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے راستہ یعنی دین اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع۔ سے اس لئے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع بھی دین ہے اس سے بھی ثواب اور جو اس راہ پر چلتا ہے اُسے دائمی بہشت کا داخلہ نصیب ہوتا ہے[2] اور لیصدوا کی لام صیرورۃ کی ہے۔ اسے عاقبت و مآل سے تعبیر کرتے ہیں۔ فَسَیُنْفِقُوْنَهَا پس اب وہ تمام مال خرچ کر دیں گے اوّل انفاق سے بدر میں خرچ کرنا

---

[1] سید میراں بھیک قدس سرہٗ فرماتے ہیں ؎

آدھی سے بھی آدھی گھڑی آدھی سے بھی آدھ
بھیکا سنگت سادھ کی کٹت کوٹ اپرادھ

یعنی آدھی سے بھی آدھی بلکہ اس کی آدھی گھڑی صحبت اولیاء اللہ گناہوں کی بڑے بڑے انباروں کو کاٹ دیتی ہے، (سادھ، درویش۔ کوٹ بمعنے انبار۔ اپرادھ بمعنے گناہ۔ یہ الفاظ ہندی پوربی کے ہیں اور ان کا کلام اسی زبان میں پایا جاتا ہے۔

[2] اس میں منکرین حدیث یعنی پرویزیوں اور چکڑالویوں کا رد ہے جو اتباع رسول کو اتباع حق سے علیحدہ تصور کرتے ہیں۔ ۱۲۔ اویسی غفرلہٗ۔

مُراد ہے۔ دوسرے سے آنے والے غزوات میں خرچ کرنے کی خبر دی گئی ہے۔ مثلاً غزوہ احد وغیرہ یہ بھی جائز ہے کہ اس سے بیک وقت خرچ کرنا مُراد ہے۔ پھر یُنفقون کو استمرار جدید پر محمول کیا جائے گا اور فَسَيُنْفِقُونَهَا کا سین تسویف کا نہیں بلکہ تاکید کا ہے اس اعتبار سے اُن کے یہ دونوں انفاق ایک ہوں گے صرف فرق یہ ہے کہ پہلے خرچ میں غرض وغایت دوسرے میں اس کا انجام بیان کیا گیا ہے۔

ثُمَّ تَكُونُ پھر ہوں گے اُن کے تمام اموال عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ان پر پچھتاوا یعنی ندامت اور غم کہ مال بھی گیا اور اُس سے فائدہ بھی کوئی نہ ہوا چونکہ ان کا یہ انفاق اُن کے دلوں میں حسرت کا موجب بنے گا اس لئے اُن کے اموال کو عین حسرت ظاہر کیا گیا۔ گویا وہی حسرت کا عین ہے اسمیں مبالغہ ہے۔

حل لغات حسرۃ حسر سے ہے بمعنے الکشف۔ مثلاً کہا جاتا ہے "حسر راسہ" یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اپنا سر کھولے الحاسر بمعنے کاشف الراس۔ اب معنے یہ ہوا کہ ان پر واضح ہو جائے گی وہ بات جو ان کے لئے حسرت کا سبب ہو گی۔

ثُمَّ يُغْلَبُونَ پھر مغلوب کر دیئے جائیں گے۔ یعنی اگرچہ جنگیں زوروں پر ہوں گی مگر اُن کا انجام یہ ہوگا کہ کفار مغلوب کر دیئے جائیں گے وَالَّذِينَ كَفَرُوا اور وہ لوگ جو کفر پر ڈٹے ہوئے ہیں إِلَىٰ جَهَنَّمَ جہنم کی طرف۔ يُحْشَرُونَ جمع کئے جائیں گے یعنی انہیں ہانک کر جہنم میں دھکیلا جائے گا۔ لِيَمِيزَ اللَّهُ یہ لام يُحْشَرُونَ یا يُغْلَبُونَ کے متعلق ہے اور میز سے مشتق ہے بمعنے جدا کردن یعنی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جدا کرے۔ الْخَبِيثَ خبیث یعنی کفار کو مِنَ الطَّيِّبِ ستھرے یعنی اہل ایمان سے وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَىٰ بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا اور کرے گا کفار خبیث کو اُوپر تلے کرکے سب کو ایک ڈھیر بنائے یعنی انہیں جمع کرکے ایک دوسرے سے ملا دے تاکہ سب ایک ڈھیر بن جائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ الرکم مطلقاً جمع کے معنی میں ہے بلکہ ایسے جمع کو کہتے ہیں جو ایک دوسرے کے اوپر تلے ڈھیر لگے ہوں اسی لئے وہ بادل جو ایک دوسرے کے نیچے ہوں انہیں السحاب المرکوم سے تعبیر کرتے ہیں۔ فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ پس ان سب کافروں کو جہنم میں ڈال دے۔ أُولَٰئِكَ وہی کفار خبیث هُمُ الْخَاسِرُونَ وہی مکمل طور خسارے والے ہیں اس لئے کہ انہوں نے مال بھی خرچ کئے اور جانیں بھی گئیں۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ نے روح علوی اور نورانی اور نفس کو سفلی اور ظلمانی پیدا فرما کر ان ہر دونوں کو مشترک امر کا شریک بنایا۔ اس کا راس المال استعداد فطری مقرر فرمائی جو یہی استعداد معرفت اور خسارہ و نقصان ترقی و تنزل کو قبول کرتی ہے جس نے اس فطرت سے تجارت کرکے دولتِ ایمان حاصل کی اور مال سے جہاد کیا اور اللہ کا طالب ہو کر اللہ والوں کے مرتبہ کو پہنچا تو سمجھو اُس نے اپنی تجارت میں نفع کمایا اس کے نفس اور روح دونوں بہرہ یاب ہوئے اور جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول علیہ السلام پر ایمان لانے کے باوجود گناہوں میں مبتلا ہو گیا اور شریعت کی مخالفت پر زندگی بسر کی اس کے رُوح کی تجارت کو نفع ہوا لیکن اُس کے نفس نے

گھاٹا پایا۔ اور جس بدبخت کو دولتِ ایمان بھی نصیب نہ ہوئی اور کفر میں منہمک ہوا تو اس کا نفس اور روح ہر دونوں خسارے میں ہے

حکایت شبلی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت شبلی قدس سرہٗ بوقت وفات فرما رہے تھے یجوز۔ یجوز۔ یعنی جائز ہے جائز ہے۔ آپ سے اس کا مطلب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نفس اور روح کو پیدا فرماکر ان دونوں کو تجارت میں شریک کیا۔ ہر دونوں عرصہ دراز تک تجارتی امور میں مشغول ہوئے اب ہر دونوں سے حساب ہوا تو دونوں نے خسارہ پایا۔ انہیں کسی قسم کا نفع نہ ہوا۔ اب آپس میں جدائی کا ارادہ کرتے ہیں تو میں کہتا ہوں یجوز۔ یجوز۔ یعنی درست ہے کہ اب دونوں کی آپس میں جدائی ہونی چاہیئے۔ شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

① کوس رحلت بکوفت دستِ اجل
اے دو چشم وداع سر بکنید

② اے کف و دست و ساعد و بازو
ہمہ تودیع یکدگر بکنید

③ برمن افتادہ مرگ دشمن کام
آخر اے دوستاں حذر بکنید

④ روزگارم بشد بنادانی
من نکردم شما حذر بکنید

ترجمہ: ① دست اجل نے کوچ کا نقارہ بجایا اے دونوں آنکھیں سر سے الوداع کرو۔
② اے ہتھیلی اور ہاتھ اور گھٹنوں اور بازو تم بھی ایک دوسرے سے الوداع کرو۔
③ میری موت سے دشمن کی مراد پوری ہوئی اے دوستو تم خوف میں رہو۔
④ میرا وقت نادانی سے گذرا میں تو کچھ نہ کرسکا تم خوفِ خدا کرکے کچھ کرلو۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ نقصان سے بچنے کے لئے جدوجہد کرے اور نفس و مال خرچ کرکے اپنی تجارت میں نفع کمائے اور طالبین پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طلب میں پاکیزہ مال خرچ کریں اور صوفیا کے نزدیک خبیث مال وہ ہے جو طالبِ الٰہی میں حاجت غیر ضروریہ میں خرچ کرے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل بنادے اور اس کی طلب سے سست پڑجائے اسی طرح وہ طریقِ حق سے بھٹک جاتا ہے۔

حدیث شریف مروی ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ خبیث مال کو جہنم میں ڈالے گا تو خبیث مال کے مالکوں کو بھی ساتھ ڈالا جائے گا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **یوم یحمیٰ علیہا فتکویٰ بہم جنوبہم وظہورہم** قیامت کے دن ان کے مال جہنم کی آگ سے گرم کئے جائیں گے پھر ان لوگوں کی پیشانیاں اور کروٹیں اور پیٹھیں داغی

جائیں گی۔

حکایت مروی ہے کہ ابو سفیان (قبل از اسلام) نے احد کی جنگ میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے عربی جنگیوں کے علاوہ دو ہزار جنگی مزدوروں کے لئے چالیس اوقیہ سونا خرچ کئے۔

فائدہ بیالیس مثقال کا ایک اوقیہ ہوتا ہے (کذا فی القاموس)۔

سبق غور کیجئے کہ کفار حضور نبی علیہ السلام کی مخالفت پر کتنا مال خرچ کرتے تھے جبکہ ان کی غرض فاسد تھی یعنی ارادہ رکھتے کہ مسلمان راہ حق سے ہٹ جائیں اور مسلمان کو اور کچھ بھی میسر نہ ہو تو رضائے محبوب میں جذب و وصال کا جذبہ تو پیدا کرے یہی اس کا اصلی مقصد ہے۔

سبق ہر انسان پر لازم ہے کہ نفس کو اس کی مرغوب چیزوں سے روکے اور نفس کی مرغوب شے مال ہے۔

روحانی چٹکلہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے تصوف کے اسباق قیل وقال سے حاصل نہیں کئے بلکہ نفس کو بھوکا اور اسے دنیا سے دور اور اس کی مرغوبات و مطلوبات اشیاء سے محروم رکھنے سے حاصل کئے ہیں۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک شخص نے پوچھا ای الناس افضل لوگوں میں کون سب سے افضل ہے۔ آپ نے فرمایا مؤمن یجاھدُ بنفسہٖ ومَالِہٖ فِیْ سبیل اللہِ۔ وہ مؤمن جو اپنے اور مال کو اللہ تعالیٰ کے راہ میں خرچ کر کے جہاد کرتا ہے پھر پوچھا اس کے بعد کون آپ نے فرمایا رَجُلٌ ل فی شعب من الشعاب یَعْبُدُ رَبَّہٗ وہ مرد جو علیحدگی اختیار کر کے تنہائی میں اپنے رب کریم کی عبادت کرتا ہے۔ ویدع الناس من شرہ اور لوگوں کو اپنے شر سے دور رکھتا ہے۔

مسئلہ صوفیانہ اس سے ثابت ہوا کہ تنہائی میں رہنا افضل ہے اور جب لوگوں کے دین میں شر و فساد پھیل جائے اُن کے دینی حالات متغیر ہو جائیں تو اس وقت تنہائی اختیار کرنا مستحب ہے اسی طرح جب فتنے سر اٹھائیں اور معاملات گڑبڑ ہو جائیں تو بھی جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے حضور علیہ السلام کے وصال شریف کے بعد کیا۔ ایسے ہی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ جب اسلامی حالات بدل جائیں اور لوگوں میں اختلاف پیدا ہو جائیں اور لوگ فضول باتوں میں منہمک ہوں تو علیحدگی اختیار کی جائے اور گھروں میں بیٹھ جانا چاہیئے تلوار توڑ کر اسے کند بنا دیا جائے۔

فائدہ امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کا اجماع ہے کہ جب لوگوں سے بدل جائیں تو تنہائی میں سلامتی ہے اور اسلاف کا فرمان ہے کہ ایسے اوقات میں السلامۃُ الوحدۃ (سلامتی وحدت میں ہے) کا حکم دیتے اور اسی کے متعلق وصیت فرماتے۔ اور یہ سب کو معلوم ہے کہ اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کا ہر فعل و قول مبنی بر مصالح دینیہ ہوتا ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اُن کے بعد کے ادوار خیر کی طرف نہیں جا رہے بلکہ شر

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ

تم کافروں سے فرماؤ اگر وہ باز رہے تو جو ہو گزرا

مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ

جو ہو گزرا وہ انہیں معاف فرما دیا جائیگا اور اگر پھر وہی کریں تو اگلوں

مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ (۳۸) وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ

کا دستور گزر چکا ہے اور ان سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فساد

فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا

باقی نہ رہے اور سارا دین اللہ ہی کا ہو جائے پھر اگر وہ باز رہیں تو اللہ ان کے

يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (۳۹) وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ

کام دیکھ رہا ہے اور اگر وہ پھریں تو جان لو کہ اللہ تمہارا مولیٰ ہے

نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ (۴۰)

تو کیا ہی اچھا مولیٰ اور کیا ہی اچھا مددگار۔

تفسیر عالمانہ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا آپ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کافروں سے فرمائیے لام تعلیل کی یا معنے اجل ہے۔ اس سے ابوسفیان (جبکہ وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے) اور اُس کے یار دوست مراد ہیں۔ اِنْ يَّنْتَهُوْا اگر وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عداوت اور دشمنی سے باز ہو کر اسلام میں داخل ہو جائیں۔ يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ انہیں بخش دیا جائے گا جو اُن سے گذرا یعنی اُن کے اسلام لانے سے قبل ان سے جتنی غلطیاں ہوئیں انہیں معاف فرما دیا جائے گا وَاِنْ يَّعُوْدُوْا اور اگر وہ جنگ کی طرف لوٹ آئیں تو ہم ان سے انتقام لیں گے اور انہیں تباہ و برباد کریں گے۔

فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ۔ پس پہلے لوگوں کا طریقہ گذرا یعنی کفار نے سابقہ انبیا علیہم السلام کو ہلاک و برباد کیا۔ جیسے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں سے بدر میں کیا۔ بعض شعرا نے فرمایا ؎

یستوجب العفو الفتی اذا اعترف
ثم انتہی عمّا اتاہ واقترف

بقولہ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا

اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس مجرم کو معاف کرتا ہے جو اپنی غلطی کا اعتراف کرتا ہے اور سابقہ تمام گناہوں سے بصدقِ دل توبہ کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا[1] قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا الخ

وَقَاتِلُوْهُمْ اے مومنو کفار سے لڑو حَتّٰى یہاں تک کہ لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ نہ ہو فتنہ یعنی شرک یعنی کوئی مشرک اور بت پرست اور اہل کتاب نہ رہے وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ اور سارا دین اللہ تعالیٰ کا ہو جائے اور باقی تمام ادیان باطلہ مٹ جائیں یا وہ سب قتل کے خوف سے اس دین حق میں شامل ہو جائیں فَاِنِ انْتَهَوْا پس اگر وہ کفر سے باز آئیں فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ پس اللہ تعالیٰ اُن کے کام دیکھ رہا ہے تو انہیں اسلام لانے پر جزا اور اسلام نہ لانے پر سزا دے گا۔ وَاِنْ تَوَلَّوْا اور اگر وہ قبول حق سے اعراض کریں فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ یقین کرو اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار ہے۔ پس اسی پر سہارا کرو۔ نِعْمَ الْمَوْلٰى وہ کیسا بہتر مولیٰ ہے، وہ اپنے پیاروں کو ضائع نہیں کرتا وَنِعْمَ النَّصِيْرُ اور کیا ہی بہتر مددگار ہے جس کی وہ مدد کرے وہ کبھی مغلوب نہیں ہوتا۔

مسئلہ آیت میں جہاد کی ترغیب ہے۔

بقیہ ص۳۶۳ سے آگے

اور فساد کی طرف لوٹ رہے ہیں چنانچہ عرب کا مقولہ مشہور ہے کل یوم ابتر وادھی امس۔ ہر دن ابتر اور سیاہ کڑوا ہے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

① تو عمر خواہ و صبوری کہ چرخ شعبدہ باز
ہزار بازی ازیں طرفہ تر برانگیزد

② اِن دام ھٰذا ولم یحدث لہٗ غیرٌ
لم یُبْكِ مَیْتٌ ولم یفرح بمولود

ترجمہ: ① تو عمر مانگ لیکن صبر بھی کیونکہ چرخ شعبدہ باز (کا خیال رکھنا) کیونکہ ہزار بازی ہر لمحہ میں کھڑی کرتا رہتا ہے۔
② اگر وہ ایک حالت پہ رہے تو پھر نہ کسی مردہ پر کوئی روئے اور نہ کسی بچے کی پیدائش پر کوئی خوش ہو
یعنی ایک حالت پہ رہے نہ کسی کی موت ہو اور نہ کوئی بچہ پیدا ہو تو پھر رونا اور ہنسنا کہاں۔
اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الصَّابِرِيْنَ ۝ اے اللہ ہمیں صابرین سے بنا۔

---

[1] چونکہ یہ آیت ابھی مذکور ہوئی ہے اس لئے الخ کر دیا ہے۔

جہاد کے فضائل گھڑی بھر جہاد فی سبیل اللہ میں ٹھہرنا لیلۃ القدر کی ساری رات اور وہ بھی حجرِ اسود کے نزدیک کی عبادت افضل ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے ساتھ پانچ باتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے معاہدہ فرمایا کہ انمیں کسی ایک پر عمل کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ کریمہ ہے کہ اُسے بہشت عطا فرمائے۔

① بیمار پرسی۔

② جنازہ کے ساتھ چلنا۔

③ امام کی خدمت میں حاضری محض اس کی تعظیم وغیرہ کی نیت پر۔

④ جہاد فی سبیل اللہ کے ارادہ پر جنگ کو جانا۔

⑤ اپنے گھر میں رہے اور لوگوں کو نہ ستائے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جو حج کے لئے جلے اور راہ میں مر گیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے قیامت تک حج کا ثواب لکھے گا اور جو عمرہ کے لئے گھر سے باہر نکلتا ہے اور راستہ میں مر گیا اُسے قیامت تک عمرے کا ثواب ملے گا۔ اور جو شخص جنگ کے ارادہ پر نکلتا ہے اور راستہ میں مر گیا اُسے قیامت تک جنگ کا ثواب لکھا جائے گا۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ وہ تاحدِ امکان ایسے اسباب تیار کرے جو اُس کے دین کو زندہ کریں تاکہ اللہ تعالیٰ اسے وہی انعامات نصیب فرمائے جو دین کے زندہ کرنے والوں کو نصیب ہوں گے۔ مخلوق سے کسی قسم کی امید رکھنا نامناسب ہے اس لئے کہ مخلوق تمام اللہ تعالیٰ کے حضور میں عجز میں برابر ہیں بالخصوص فساق سے استمداد تو زیادہ نقصان دہ ہے اس لئے لازم ہے اہلِ خیر شریر ظالمین سے کسی قسم کی استمداد نہ کریں کسی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

در کارِ دیں ز مردمِ بے دیں مدد مخواہ
از ماہ مُنخَسِف مطلب نورِ صبح گاہ

ترجمہ: دینی کام میں بے دین سے مدد نہ مانگ۔ چاند گرہن ہو تو اس سے صبح گاہ جیسا نور نہ طلب کر۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے وقاتلو الخ یعنی نفوس اور سچائی نفس کو صدق کی تلوار سے قتل کرو۔ یہاں تک کہ وہ نفس و ہوئی تمہیں عالمِ حقیقت تک پہنچنے سے آفت مانعہ نہ ہو جائیں وَیَکُوْنَ الدِّیْنُ الخ اور وجود کو حاصل کرنے کے لئے وجود کو خرچ کرو اور موجود کو معدوم بنا کر تمام دین اللہ تعالیٰ کا ہو جاؤ۔ فَاِنِ انْتَھَوْا پس اگر نفوس اپنے معاملات سے لگ جائیں اور اپنے اوصاف تبدیل کر کے قلوب و ارواح کے تابع ہو کر احکامِ الٰہی کے اطمینان سے تابع ہو جائیں فَاِنَّ اللّٰہَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ جو کچھ وہ عبودیت اور صدقِ طلب میں عمل کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بصیر ہے کہ اس سے کوئی شے مخفی نہیں خواہ وہ چھوٹی ہو

یا بڑی تمہاری مساعی کے مطابق تمہیں جزا و سزا ملے گی۔ اور اگر نفوس حقوق سے اعراض کر کے شہوات و حظوظ سے اعراض کریں۔ اے ارواح و قلوب یقین کرو کہ ہدایت تمہارے مولیٰ کریم کے ہاتھ میں ہے وہی تمہارے نفوس کو مغلوب کرنے اور شہوات کو مٹانے میں تمہاری مدد کرے گا۔ نِعْمَ الْمَوْلٰی وہ بہت اچھا مولیٰ اور وہی تمہارا مددگار ہے کہ اس کے کرم سے اس کی طرف تم ہدایت پاؤ گے وَنِعْمَ النَّصِیْرُ اور وہ بہت اچھا مددگار ہے کہ جو امور تمہیں حق سے جدائی کا موجب بنیں گے اس سے تمہیں بچائے گا اور اپنے تک پہنچانے کے وہی اسباب تیار فرمائے گا۔

فائدہ نور سے وہ حقائق مراد ہیں جو قلب کا لشکر اسماء و صفات سے حاصل کر کے نفس و ہویٰ و شیطان کا مقابلہ کرتے ہیں اسی طرح ظالمین سے وہی معانی مراد ہیں جو ہوائے نفسانی اور عوائد ردیئہ نفس کے لشکر کو نصیب ہوتے ہیں کہ جن سے وہ قوت پا کر قلب کا مقابلہ کرتا ہے اور اُن کے درمیان جنگ جاری رہتی ہے اللہ تعالیٰ نفس پر اس بندے کی امداد فرماتا ہے جو اس سے اس کے انوار کے لشکر کی مدد چاہتا ہے جبکہ اس پر نفس کے ظالمین حملہ کرتے ہیں تو وہی اسماء و صفات کے حقائق کا نور اس کے مقابلہ کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے جو نفس کے ظالمین کو مار بھگاتا ہے یہاں تک کہ ان ظالمین کے ظلم کے آثار مٹ جاتے ہیں اور ان میں سے غیریت کا نام و نشان نہیں رہتا۔ شہوت و ہوائے نفسانی کا وجود ہی ختم ہو جاتا ہے اور اخلاق مذمومہ کے تصورات ہی نہیں رہتے (کذا فی التاویلات النجمیہ)۔

فائدہ شرح الحکم العطائیہ میں ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے یہی چاہتے ہیں کہ وہ اپنے پیارے اولیاء کے طفیل ہماری مدد فرمائے اور اپنے انوار و فیوض سے ہمارے قلوب کو فیضیاب فرمائے (آمین)

صاحب روح البیان نے پارہ نا نواں کو اواسط ربیع الاوّل شریف ۱۱۰۱ھ میں فراغت پائی۔
وصلی اللہ علیہ وسلم علی حبیبہ خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد وعلی آلہٖ
واصحابہ اجمعین۔
فقیر پر تقصیر ابو الصالح محمد فیض احمد اُویسی رضوی قادری غفرلہٗ ربہٗ نے پارہ نویں کے ترجمہ سے
۱۷ ذوالحجہ ۱۳۹۵ھ بروز اتوار عند اذان العصر فراغت پائی۔

وما توفیقی اِلّا باللہِ العظیم والحمد علی ذلک والصلوٰۃ
السلام علی حبیبہ الکریم الامین وعلیٰ آلہٖ واصحابہ اجمعین ○

پارہ نمبر ۱۰

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ

اور جان لو کہ جو کچھ غنیمت لو تو اس کا پانچواں حصہ خاص اللہ اور

لِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ

رسول اور قرابت والوں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں

السَّبِیْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ

کا ہے اگر تم ایمان لائے ہو اللہ پر اور اس پر جو ہم نے اپنے بندے پر فیصلہ کے دن

الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ ط وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ

اتارا جس دن دونوں فوجیں ملیں تھیں اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے

قَدِیْرٌ ﴿۴۱﴾ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْیَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ

جب تم نالے کے کنارے تھے اور کافر پرلے

الْقُصْوٰی وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ط وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَا

کنارے اور قافلہ تم سے ترائی میں اور اگر تم آپس میں کوئی وعدہ کرتے

خْتَلَفْتُمْ فِی الْمِیْعٰدِ لا وَلٰكِنْ لِّیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ

تو ضرور وقت پر برابر نہ پہنچتے لیکن یہ اس لیے کہ اللہ پورا کرے جو کام

مَفْعُوْلًا لا لِّیَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَیِّنَةٍ وَّیَحْیٰی مَنْ حَیَّ

ہونا ہے کہ جو ہلاک ہو دلیل سے ہلاک ہو اور جو جیئے دلیل

عَنْۢ بَیِّنَةٍ ط وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۴۲﴾ لا اِذْ یُرِیْكَهُمُ

سے جیئے اور بیشک اللہ ضرور سنتا جانتا ہے جب کہ اے محبوب اللہ تمہیں

اللّٰهُ فِیْ مَنَامِكَ قَلِیْلًا ؕ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِیْرًا لَّفَشِلْتُمْ

کافروں کو تمہاری خواب میں تھوڑا دکھاتا تھا اور اے مسلمانو اگر تمہیں بہت کرکے دکھاتا تو تم ضرور بزدلی

وَلَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ

کرتے اور معاملہ میں جھگڑا ڈالتے مگر اللہ نے بچا لیا بیشک وہ دلوں

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾ وَاِذْ یُرِیْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَیْتُمْ فِیْۤ

کی بات جانتا ہے اور جب لڑتے وقت کافر تمہیں تھوڑے

اَعْیُنِكُمْ قَلِیْلًا وَّیُقَلِّلُكُمْ فِیْۤ اَعْیُنِهِمْ لِیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا

کرکے دکھائے اور تمہیں ان کی نگاہوں میں تھوڑا کیا کہ اللہ پورا کرے جو کام

كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾ ع

ہونا ہے اور اللہ کی طرف سب کاموں کی رجوع ہے

تفسیر عالمانہ

وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَا (سوال) یہ اَنَّ ملفوظ نہیں بلکہ عاملہ اور مَا موصولہ ہے۔ بنا بریں انہیں علیحدہ لکھنا تھا جیسے دوسری آیت (اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ) میں دونوں علیحدہ لکھے گئے ہیں۔ (جواب) چونکہ صحیفہ عثمانی میں یونہی لکھا ہے اور رسم الخط میں ان کی اتباع ضروری سمجھتے ہوئے ایسے ہی ملا کے لکھا گیا ہے۔ معنے یہ ہیں کہ بے شک وہ جو غَنِمْتُمْ تم نے کافروں پر قہر و غلبہ حاصل کیا ہے (اَلْغُنْمُ بمعنی اَلْفَوْزُ بِالشَّیْءِ) کسی شے کے حصول میں کامیاب ہو جانا اور (اَلْغَنِیْمَةُ) ہر وہ کامیابی جو دشمن سے ملے اب وسعت دے کر دشمنوں سے جو شے بھی حاصل ہو گی اسے غنیمت کہا جائے گا۔ حصول کا طریقہ جیسا بھی ہو۔ (مسئلہ) فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ ایک یا دو مسلمان امام کی اجازت کے بغیر دار الحرب میں داخل ہو کر کفار سے کچھ مال و اسباب لوٹ لائیں تو ان سے خمس نہیں لیا جائے گا، اس لیے کہ غنیمت وہ ہے جو قہر و غلبہ کے طور کفار سے حاصل ہو نہ یہ کہ جو مال ان سے چھپ کر یا چوری کرکے حاصل کیا جائے۔ یہی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس مال سے بھی خمس لیا جائیگا مِنْ شَیْءٍ یہ مَا غَنِمْتُمْ کے مَا موصولہ کے عاید محذوف سے حال ہے۔ یہ دراصل مَا غَنِمْتُمُوْهُ تھا۔ یعنی غنیمت سے جو کچھ بھی حاصل ہو درآنحالیکہ اس پر شے کا اطلاق ہو سکے۔ یہاں تک کہ تاگہ۔ سوئی جیسی اشیاء حاصل ہوں تو وہ بھی غنیمت میں شامل ہوں گی (مسئلہ) جب امام اعلان کرے کہ مقتول کا مال قاتل کو انعام کے طور پر دیا جائے گا۔ پھر کوئی مسلمان مجاہد کسی کافر حربی کو قتل کرکے اس کا مال لائے تو وہ غنیمت میں شامل نہ ہوگا، بلکہ اسی قاتل کے حوالہ کیا جائے گا۔ (مسئلہ) قیدیوں کے متعلق امام وقت کو اختیار ہوگا کہ وہ جو چاہے ان سے کرے۔ (مسئلہ) وہ زمین جو مال غنیمت کے طور پر قبضہ میں آئی ہے اس کا اختیار بھی امام کو ہے۔

(شانِ نزول) آیت بدر میں نازل ہوئی۔ (فائدہ) مالِ غنیمت سے خمس لینے کا حکم غزوۂ بنی قینقاع میں یعنی غزوۂ بدر کے بعد نازل ہوا۔ ان دونوں غزووں کے درمیان ایک ماہ تین دن کا فاصلہ ہے۔ اور یہ حکم ۱۵ شوال ۲ھ میں نازل ہوا۔ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ یہ مبتدا اور اس کی خبر محذوف ہے۔ دراصل یہ عبارت یوں ہے: حُكْمُهٗ ثَابِتٌ فِيْمَا شَرَعَهُ اللّٰهُ الخ یعنی اس کا حکم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے مشروع فرمایا کہ بے شک مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے یا یہ خبر ہے اور اس کا مبتدا محذوف ہے۔ دراصل عبارت یوں ہے کہ فَالْحُكْمُ اَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ یعنی حکم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مالِ غنیمت سے پانچواں حصہ ہے۔ الخُمُسُ بمعنی پانچواں حصہ۔ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰى رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رشتہ داروں کے لیے ہے۔ (سوال) لام جارہ لذی القربیٰ میں کیوں مکرر لائی گئی ہے۔ حالانکہ اس کے بعد کے جمیع اصنافِ ثلاثہ میں لام کا اعادہ نہیں۔ (الجواب) تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ قرابت والے قربِ اتصال کی وجہ سے نبی علیہ السلام کے سہم میں مشترک ہیں بلکہ ان کا حصہ اپنا ہے اور ان کا اپنا۔ (فائدہ) ذوی القربیٰ سے بنو ہاشم اور بنو المطلب مراد ہیں۔ اس میں بنو شمس و بنو نوفل شامل نہیں۔

حضور علیہ السلام کے نسب نامہ کا مختصر تعارف

حضور علیہ السلام کا نسب نامہ یوں ہے: سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف ——— حضرت عبد مناف کے چار صاحبزادے تھے: (۱) ہاشم (۲) مطلب (۳) عبد شمس (۴) نوفل ——— اور حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ کے دو صاحبزادے تھے: (۱) عبد المطلب (۲) اسد ——— حضرت عبد المطلب کے دس صاحبزادے تھے: (۱) حضرت عبد اللہ (۲) ابوطالب (۳) حمزہ (۴) عباس (۵) ابولہب (۶) حارث (۷) زبیر وغیرہم۔ ان سب کو ہاشمی کہا جاتا ہے، اس لیے کہ یہ سب کے سب حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ کی اولاد ہیں۔

قریش کا مختصر تعارف

عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی ابن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ۔ نضر کی تمام اولاد کو قریشی کہا جاتا ہے۔ کنانہ کی تمام اولاد قریشی نہیں بلکہ قریشی وہ ہوں گے جو حضرت نضر سے متعلق ہوں گے۔ اس سے واضح ہوا کہ قریش وہ قبیلہ ہے جن کا نسب پدری حضرت نضر سے ملتا ہے۔ (نکتہ) بنو ہاشم و بنو المطلب کو حضور علیہ السلام کی قرابت سے متعلق کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ ان دونوں حضرات نے حضور علیہ السلام کا جاہلیت اور اسلام میں زیادہ ساتھ دیا۔ اس لحاظ سے یہ دونوں طریقوں سے ذی قرابت ہوئے، یعنی نسبًا بھی اور دکھ سکھ کے ساتھی ہونے کے لحاظ سے بھی بنا بریں صرف انہیں خمس سے حصہ ملا۔ (نکتہ) اگرچہ بنو عبد شمس و بنو نوفل قرابت میں بنو المطلب کے قریب ہیں۔ لیکن خمس سے اس لیے محروم ہو گئے کہ حضور علیہ السلام کے ساتھ اسلامی اخوت اور دکھ سکھ کی شرکت میں ان کے اکثر لوگ محروم رہے۔ وَالْيَتٰمٰى یہ یتیم کی جمع ہے۔ یتیم ہر وہ بچہ یا بچی جس کا باپ اس کے سنِ بلوغ سے پہلے فوت ہو گیا ہو۔ وَالْمَسٰكِيْنِ یہ مسکین کی جمع ہے۔ مسکین وہ ہے جسے ضعف و کمزوری نے حاجت پوری کرنے سے بٹھا دیا ہو۔ یعنی وہ مسلمان جو فاقہ و حاجات ضروریہ میں گھرے ہوئے ہوں۔ وَابْنِ السَّبِيْلِ اور وہ مسافر جو اپنے گھریلو مال و دولت سے دور ہو۔ (فائدہ) کاشفی نے کہا کہ ابن السبیل مسافر مسلمان یا وہ غریب الدیار لوگ جو مسلمانوں کے ہاں مہمان ہو کر ٹھہریں۔ (فائدہ تفسیریہ) یہ لام استحقاق

کی ہے جو مالِ غنیمت کے خمس کے بیان میں واقع ہوئی ہے۔ اس کے ظاہر معنی سے ثابت ہوتا ہے کہ غنیمت کے چھ مصارف ہیں لیکن جمہور نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا نام محض تبرک و تعظیم کے لیے ہے ورنہ اسے غنیمت کی کیا ضرورت۔ یعنی کلام کا آغاز اللہ تعالیٰ کے اسم مقدس سے ہوا تاکہ کلام متبرک ہو جائے ورنہ اسے غنیمت کی کیا حاجت۔ بلکہ ساری کائنات اسی کی پیدا کردہ ہے۔ اسی لیے خمس کا چھٹا حصہ نہیں نکالا جائے گا کہ اس سے چھٹا حصہ لے کر اللہ تعالیٰ کے نام علیحدہ کر کے اس کے گھر (کعبۃ اللہ) کو تیار کیا جائے یا کسی مسجد کو بنایا جاتے۔ اس لیے کہ مساجد اللہ تعالیٰ کی گھر کہلاتی ہیں۔ جیسا کہ بعض علماء کرام نے اسی قول کو لے کر اللہ تعالیٰ کا مصرف کعبہ اور مساجد کو بتایا ہے، یا یوں کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا حصہ اس کے رسول علیہ السلام کے حصہ میں ملایا جائے۔ جیسا کہ دیگر بعض علماء کرام کا یہی مذہب ہے لیکن قول وہی صحیح ہے جو جمہور کا ہے۔ (فائدہ) غنیمت سے حضور علیہ السلام کا حصہ آپ کے وصال کے بعد ختم ہو گیا۔ اس لیے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی وراثت مالی نہیں ہوتی۔ (نکتہ) ابن الشیخ نے فرمایا کہ جیسے آپ کی رسالت کے بعد آپ کی رسالت کا کوئی حقدار نہیں، اسی طرح آپ کے سہم کا کوئی حقدار نہیں۔ یہی امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب ہے۔ لیکن امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کا سہم تاحال باقی ہے۔ لیکن اسے عامۃ المسلمین کی ضروریات پر خرچ کیا جائے۔ یا ان امور پر جن میں اسلام کی قوت و طاقت کا اضافہ ہو۔ (فائدہ) اسی طرح حضور علیہ السلام کے قرابت والوں کا حصہ بھی حضور علیہ السلام کے بعد ساقط ہو گیا۔ اگر اب انہیں غنیمت وغیرہ سے کچھ دیا جائے تو ان کے فقر و احتیاج کے پیشِ نظر، حضور علیہ السلام کی قرابت کی وجہ سے نہیں، اس لیے کہ قرابت کا حصہ حضور علیہ السلام کی وجہ سے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام ان حضرات کے ہر غنی و فقیر کو غنیمت سے عطا فرمایا کرتے۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو باوجودیکہ وہ غنی تھے اتنا مال کثیر عنایت کرتے تھے کہ وہ مال اٹھاتے وقت دوسروں کی مدد کے خواہشمند ہو جاتے۔ خلاصہ یہ کہ حضور علیہ السلام کے وصال کے بعد آپ کے ذی قرابت دوسرے فقراء کی طرح نہیں، صرف ان کی رعایت ضروری ہے کہ دوسروں سے انھیں مقدم رکھا جاتے۔ لیکن اُن کے اغنیاء کو نہیں دیا جائیگا

(مسئلہ) حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے تمام صدقات یعنی فرائض و نوافل بنی ہاشم کو دینا جائز فرمایا ہے اور حرمت حضور علیہ السلام کے زمانۂ اقدس تک تھی۔ اس لیے کہ انھیں خمس کا خمس ملتا تھا۔ جب خمس الخمس حضور علیہ السلام کے وصال سے ساقط ہو گیا تو اب ان کے لیے ہر طرح کے صدقات حلال ہو گئے۔ کذا فی شرح الاثار۔ امام طحاوی نے فرمایا ہم جواز کے قائل ہیں[1]۔ (فائدہ) جب دو سہم ساقط ہوئے بلکہ تین یعنی اللہ جل جلالہٗ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور علیہ السلام کے قرابت والوں کے اسہام تو آج مالِ غنیمت تین حصوں پر منقسم ہوگا، اور انھیں تین قسموں پر صرف کیا جائے گا، (۱) یتامٰی (۲) مساکین (۳) ابناء السبیل۔ باقی حصص غانمین پر منقسم ہوں گے۔ دو دو حصے سواروں کے اور ایک ایک حصہ پیدل مجاہدین کو دیا جائے گا۔ (فائدہ) حیوٰۃ الحیوان میں ہے کہ ہاتھی کا سوار بہ نسبت گھوڑے کے سوار کے دشمن کو زیادہ زخمی کرتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان دونوں کے حصص برابر ہونگے۔

(مسئلہ) تین مذکورہ یعنی یتامٰی و مساکین و ابن السبیل مصارفِ غنیمت بحیثیت استحقاق کے نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر تمام مال یعنی اُن ہر سہ مستحقین کے حصص صرف ایک کو دیے جائیں تو جائز ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ اس کا متعلق یعنی جزاء محذوف ہے۔ جس پر وَاعْلَمُوْا دلالت کرتا ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَاعْلَمُوْا الخ

---

[1] یہ قول مرجوح ہے۔ اسی لیے کہ یہ امام طحاوی کا اپنا عندیہ ہے۔

یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے خمس کا مستحق مذکورہ بالا لوگوں کو بنایا ہے۔ فلہٰذا انھیں ان کے حقوق سپرد کر دو، اور تم اس میں ذرہ برابر بھی طمع نہ رکھو۔ حصص اربعہ باقیہ تمہارے لیے ہیں اور وہی تمہارے لیے کافی ہیں۔ (سوال) تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہاں پر اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ کی جزاء محذوف ہے۔ (جواب) اللہ تعالیٰ نے ہمیں اِعْلَمُوْا کا امر صرف عمل کے لیے دیا ہے۔ اس لیے کہ ایسے امور کا صرف جاننا مقصود نہیں بلکہ ان پر عمل کرنا مطلوب ہوتا ہے۔ وَمَآ اَنْزَلْنَا اس کا عطف باللہ پر ہے یہ دراصل وَبِمَآ اَنْزَلْنَا تھا۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے نازل کردہ احکام پر ایمان رکھتے ہو۔ عَلٰى عَبْدِنَا ہمارے عبد مقدس حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس سے آیات اور حضور علیہ السلام کی نصرت الٰہی مراد ہے علاوہ ازیں انزال سے مجرد ایصال وتیسیر مراد بھی ہے اس طرح سے انتظام حقیقی سب کو شامل ہوگا۔ يَوْمَ الْفُرْقَانِ یہ انزلنا کی ظرف ہے۔ اس سے بدر کا دن مراد ہے۔ اس لیے کہ اسی دن حق و باطل کا امتیاز کیا گیا کہ اہلِ اسلام کو فتح و نصرت نصیب ہوئی اور کفار کو شکست اور ذلت وخواری۔ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ اس دن دو جماعتیں ٹکرائیں یعنی مسلمان اور کافر لڑائی میں ایک دوسرے کے بالمقابل ہوئے۔ یہ ظرف اول سے بدل ہے وہ جمعہ کا دن اور ۹ار رمضان المبارک ۲ھ تھا۔ یہی پہلا معرکۂ جنگ تھا جس میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کلمۂ حق اور دین کی بلندی کے لیے خود بہ نفس نفیس تشریف لائے۔ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ اور اللہ ہر شے پر قادر ہے کہ قلیل کو کثیر پر اور کمزوروں کو قوت والوں پر غلبہ بخشتا ہے جیسے اس نے اے مسلمانو! تمہیں کافروں و مشرکوں پر فتح و نصرت عطا فرمائی۔

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا جب تم اترے اس وادی کے کنارے پر جو مدینہ طیبہ کے قریب تر تھی۔ یہ يَوْمَ الْفُرْقَانِ سے دوسرا بدل ہے وَهُمْ اور تمہارے دشمن نازل ہوتے بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى اسی کنارے پر جو مدینہ طیبہ سے بعید تھا۔ اس سے وہ جانب مراد ہے جو کہ مکہ معظمہ کے قریب تھی (حل لغات) اَلْعُدْوَة وادی کے کنارہ کو کہا جاتا ہے۔ وہ اس لیے کہ عُدْوَةٌ بمعنی تجاوز ہے۔ اور چونکہ یہ وادی سے متجاوز ہو کر پانی کو اپنے سے آگے جانے سے روکتی ہے۔ بنابریں اسے اس نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اور اَلدُّنْيَا دَنَا يَدْنُوْ دُنُوًّا سے مشتق ہے اور اَلْقُصْوٰى، قَصَا الْمَكَانَ يَقْصُوْ قُصُوًّا سے ماخوذ ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اس مکان سے دور ہو جائے۔ (سوال) قانون کا تقاضا ہے کہ اَلْقُصْيَا الدُّنْيَا کی طرح ہو۔ یعنی اس کی واؤ کو یاء سے تبدیل کیا جائے۔ یہ قانون جاری نہیں کیا گیا اس کی کیا وجہ ہے۔ (جواب) قَوَدٌ کی واؤ کی طرح اسے اپنے حال پہ چھوڑا گیا ہے تاکہ یہ اپنے دوسرے ہم جنسوں پر دلالت کرے کہ وہ بھی اس کی طرح وادی تھے۔ وَالرَّكْبُ یہ رَاكِبٌ کی جمع ہے جیسے صَحْبٌ صَاحِبٌ کی جمع ہے۔ راکب ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو اونٹ کا سوار ہو جیسے فارس گھوڑے کے سوار کو کہا جاتا ہے۔ یہاں پر مطلق قافلہ مراد ہے یعنی وہ قافلہ جو شام سے مکہ معظمہ کو جا رہا تھا یا اس کے قائدین مراد ہیں۔ یعنی ابوسفیان اور اس کے ساتھی جو سب کے سب اونٹوں پر سوار تھے۔ اَسْفَلَ مِنْكُمْ اس جگہ نازل ہوئے جو تمہاری جگہ سے نیچے تھی اور وہ دریا کے کنارے پر مسلمانوں سے تین میل کے فاصلے پر اترے اور اَسْفَلَ اگرچہ منصوب علی الظرفیۃ یعنی مفعول فیہ ہو کر مبتدا کی خبر کے قائم مقام واقع ہوا ہے۔ لیکن درحقیقت لفظ مکان محذوف کی صفت ہے اور یہ سالم

جملہ سابق ظرف سے حال ہے۔ خلاصہ یہ کہ واضح کرنا ہے کہ اس وقت دشمنان اسلام بڑی قوت اور طاقت کے مالک اور مسلمان نہایت کمزور تھے۔ (نکتہ) ہر دونوں فریقوں کے مرکز بیان کیے تو بات جو واضح ہوگئی اس لیے کہ جہاں مسلمان اترے وہ زمین ریتلی تھی کہ چلتے وقت پاؤں ریت میں دھنس جاتے اور بڑی مشکل سے چلا جاتا۔ اور وہاں ضرورت پوری کرنے کے لیے پانی بھی نہیں تھا بخلاف عُدْوَۃُ الْقُصْوٰی کے، یعنی جہاں کفار اُترے وہ زمین بھی اچھی تھی اس میں سایہ دار درخت بھی تھے اور پانی کے علاوہ ضرورت کی ہر شے مہیا ہو جاتی تھی۔ ان دونوں کے اُترنے کی کیفیت بیان کرنے سے اُن ہر دونوں کے ضعف و قوت کا پتہ چلتا ہے تاکہ سب کو یقین ہو کہ اسلام کی فتح محض فضلِ ربانی سے ہوئی ورنہ ظاہری طور حال کمزور تھا۔ (فائدہ) اس سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کی طرف اشارہ ہے کہ غزوۂ بدر میں معجزانہ طور اہلِ اسلام کو غلبہ نصیب ہوا تاکہ خَارِقًا لِّلْعَادَۃِ[عہ] ان کے ایمان و شکر میں اضافہ ہو۔ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ اور اگر تم آپس میں کوئی وعدہ کرتے۔ اس سے مجاہدین مراد ہیں۔ یعنی تم اے مجاہدو! اپنا اور کفار کا حال معلوم کر لیتے۔ لَاخْتَلَفْتُمْ فِی الْمِیْعٰدِ تو وعدہ میں ضرور مختلف ہوتے اور کفار کی ہیبت سے وقت پر برابر نہ پہنچتے اور ان پر فتحیابی سے مایوس ہو جاتے۔ وَلٰکِنْ لیکن نہ تم مختلف ہوئے اور نہ ہی وقت پر پہنچنے سے پیچھے رہے بلکہ دل جمعی سے تم اکٹھے ہو گئے لِیَقْضِیَ اللّٰہُ تاکہ اللہ تعالیٰ پورا کرے اَمْرًا کَانَ مَفْعُوْلًا وہ کام جو لا محالہ ہونا ہے۔ یعنی اہلِ اسلام کو فتح و نصرت اور دشمنانِ اسلام کو شکست و ہزیمت ہوئی حکمت کے تقاضا پر جو کچھ ہونا تھا وہ ضرور ہوا تاکہ معلوم ہو کہ حکمت کا مقتضا ضرور ہو کر رہنا ہے لِّیَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَیِّنَةٍ یہ لِیَقْضِیَ سے بدل ہے۔ جیسے عَمَّا قَلِیْلٍ لَّیُصْبِحُنَّ نٰدِمِیْنَ میں عَمَّا بمعنے بعد ہے۔ اب معنی یہ ہوا تاکہ ہلاک ہونے والا ہلاک ہو۔ بعد مشاہدہ کرنے واضح دلیل کے یعنی دلیل دلالت کرے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ دین اسلام ہے اور اس کی حقانیت میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں یعنی اسلام سے محروم ہونے والوں کا اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر قسم کا عذر غیر مسموع ہوگا وَیَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْۢ بَیِّنَةٍ اور جو زندہ رہے تو دلیل سے زندہ رہے یعنی انہیں ایسا مشاہدہ نصیب ہوا کہ اس کا یقین مضبوط اور ایمان مکمل ہو گیا۔ اسی لیے کہ غزوۂ بدر کا واقعہ حقانیتِ اسلام کی ایک واضح اور روشن دلیل ہے۔ اِس کے بعد جو بھی کفر میں پھنسا رہا تو وہ سرکشی اور حق سے عمداً منہ موڑنے والا ہوگا۔ اسی لیے کہ جب اسلام کی حقانیت واضح ہوگئی تو پھر انکار سوائے سرکشی اور ہٹ دھرمی کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ یاد رہے کہ یہاں مَنْ هَلَكَ سے وہ شخص مراد ہے جو ہلاکت کے گھاٹ اُترنے والا اور حَیَّ سے جو آئندہ زندہ رہنے والا ہے۔ (فائدہ) سعدی چلپی نے فرمایا کہ یہاں غزوۂ بدر کے مشاہدہ کے بعد دائمی حیات مراد ہے۔ اسی تقریر پر مشارفۃٌ فی الحیاۃ کا معنی ثابت ہوا یعنی اسے مشاہدہ ہوا جو واقعہ بدر کے بعد زندہ رہا۔ وَاِنَّ اللّٰہَ لَسَمِیْعٌ عَلِیْمٌ اور بے شک اللہ تعالیٰ ضرور سنتا جانتا ہے کافر کے کفر اور اس کے انجام اور مومن کے ایمان اور اس کے ثواب کو۔

(نکتہ) یہاں پر صفت سمیع و علیم کو اکٹھا بیان کرنے میں حکمت یہ ہے کہ کفر و ایمان کا تعلق زبان اور دل دونوں سے ہے۔ یعنی یہ دونوں قول و اعتقاد پر مبنی ہیں اور یہ سمع و علم سے متعلق ہیں۔ اسی لیے یہاں پر یہ دونوں صفتیں لائی گئیں۔

[عہ] خلاف عادت یعنی معجزہ وغیرہ ۱۲ اویسی غفرلہ

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ بدر سے پہلے ایک خواب جسے مافی الغد کا علم کہا جائے

منقول ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی شب (کہ جس کی صبح کو غزوۂ بدر ہونا تھا) خواب میں دیکھا کہ قریش (کفار) کا لشکر بالکل تھوڑا اور نہایت ذلیل ہے۔ آپ نے اس کی تعبیر بتائی کہ اہلِ اسلام کو فتح و نصرت اور غلبہ اور کفار کو شکست و ذلت ہو گی۔ یہ تعبیر سن کر مسلمان بہت خوش ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی نعمت کی یاد دہانی فرمائی کہ اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ یاد کیجیے اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم جبکہ تمہیں تمہارے دشمن اللہ تعالیٰ دکھاتا تھا۔ فِيْ مَنَامِكَ یہ مصدر میمی ہے بمعنے نوم یعنی آپ کو خواب میں قَلِيْلًا۔ يُرِيْكَهُمْ کے مفعول ثانی یعنی هُمْ سے حال ہے یعنی درانحالیکہ وہ تھوڑے نظر آتے تھے۔ (فائدہ) یہاں اِرَاءَةٌ سے رویت بصری مراد ہے۔ اس لیے کہ یہ دو مفعولوں کی طرف سے متعدی ہوا ہے۔ (حدیث شریف) حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں کفارِ قریش تھوڑے کر کے دکھائے اور آپ نے وہی خواب اپنے صحابہ کو بتایا۔ اور وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب حق پر مبنی ہے۔ اس وقت وُہ تھوڑے بھی تھے لیکن خواب سے ان کے دل مضبوط ہو گئے وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا اور اے مسلمانو! اگر تمہیں وُہ کفار بہت کر کے دکھاتا تو لَفَشِلْتُمْ تم بزدلی کر کے جنگ کی صفوں سے پیچھے ہٹ جاتے۔ (حل لغات) حدادی نے فرمایا کہ اَلْفَشَلُ بمعنی اَلضُّعْفُ مَعَ الْوَجَلِ یعنی خوف کے مارے کمزور ہو جانا۔ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ اور جنگ کے معاملہ میں جھگڑا کر دیتے۔ یہاں امر بمعنے جنگ کا معاملہ ہے یعنی تمہارے آراء مختلف ہو جاتے۔ کوئی کہتا جنگ پہ چلنا چاہیے اور کوئی کہتا ایسی بڑی طاقت والوں سے راہِ فرار اختیار کرنی چاہیے۔ اَلتَّنَازُعُ بمعنی دو انسانوں کا آپس میں کسی معاملہ میں جھگڑنا۔ تو ہر ایک دُوسرے کو اپنی رائے کی طرف کھینچے۔ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ لیکن اللہ تعالیٰ نے بچا لیا یعنی تمہیں بزدلی اور جھگڑا سے صحیح سالم رہنے کی نعمت بخشی اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ بے شک وہ اللہ تعالیٰ دلوں کی بات جانتا ہے اور اسے علم ہے کہ جرأت کون کرے گا اور بزدلی کون دکھائے گا اور کون صبر کرے گا اور کون جزع فزع کرے گا۔ اسی لیے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو معاملہ کی حقیقت دکھا دی۔ وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اس کی دونوں ضمیریں یعنی كُمْ خطاب اور هُمْ، يُرِي کا مفعول ہیں اور يُرِي کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ یعنی اور اے صحابہ کرام! یاد کرو کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے دشمن کافر دکھائے۔ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ جبکہ تم آپس میں ملے تمہاری نظروں میں درانحالیکہ وہ قَلِيْلًا تھوڑے تھے۔ (اعجوبہ) جنگ کے دوران کفار اہلِ اسلام کو گنتی کے چند نظر آتے تھے یہاں تک کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے قریبی ساتھی سے فرمایا کہ دیکھو وہ تو کل ستر ہزار ہیں۔ ساتھی نے کہا مجھے زیادہ سے زیادہ ایک سو نظر آتے ہیں حالانکہ اُس وقت ایک ہزار یا نو سو پچاس تھے۔ یہ قلت اللہ تعالیٰ نے اس لیے دکھائی تاکہ وہ ثابت قدم رہیں اور ان کے دل مضبوط ہوں۔ اور ساتھ ہی پیارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب مبارک کی تصدیق بھی ہو جائے۔ ان کا خواب وحیِ الٰہی تھی اس میں کسی قسم کا شک اور وہم و گمان نہیں ہو سکتا۔ وَيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ اور تمہیں بھی ان کی نگاہوں میں تھوڑا کر کے دکھایا۔ یہاں تک کہ ابوجہل نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھی

اُکُلَةَ جَزُورٍ ہیں یعنی گنتی کے چند ہیں۔ یہ مثال اس شے کے لیے بول دیتے ہیں جو نہایت قلیل ہو۔ یعنی وہ اتنا قلت میں ہیں کہ صرف ایک اونٹ کے گوشت سے ان کا پیٹ بھر جائے۔ (نکتہ) مشرکین کو مسلمانوں کی تعداد تھوڑی دکھانے میں یہ حکمت تھی تاکہ وہ جنگ سے پہلے مقابلہ میں جم جائیں اور انھیں معمولی سمجھ کر خصوصی اہتمام نہ کریں اور معمولی سا سامان لے کر میدانِ جنگ میں آئیں۔ پھر جب جنگ میں کود پڑے تو مسلمان اُنھیں زیادہ تعداد میں نظر آنے لگے۔ یہاں تک کہ انھیں محسوس ہوا کہ مسلمانوں کی تعداد ان سے دوہری ہے۔ اس اچانک کی کثرت سے مبہوت ہوگئے اور ان کے دل یک لخت ٹوٹ گئے۔ (نکتہ) تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یُقَلِّلُکُمْ فِیْٓ اَعْیُنِہِمْ میں نکتہ یہ ہے کہ کفار مسلمانوں کو صرف ظاہری آنکھوں سے دیکھتے تھے۔ اور اہلِ ایمان کی کثرت اور قلبی طاقت اور ان کی ملائکہ کی مدد سے اندھے تھے۔ اس لیے کہ ان کی بصیرتیں اور قلبی طاقتیں مٹ چکی تھیں اور ساتھ ہی یہ بھی مقصود تھا کہ وہ اہلِ ایمان کی حقیقی طاقت کو دیکھ کر جنگ سے بھاگ نہ جائیں جیسے ابلیس ملائکہ کی مدد کو دیکھ کر بھاگ گیا تھا۔

حکایتِ ابلیس

شیطان سراقہ کی شکل میں غزوۂ بدر میں حاضر ہوا تھا لیکن جب وہ بھاگنے لگا تو کفار نے پوچھا: کہاں جاتا ہے؟ اس نے کہا جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں تم نہیں دیکھ رہے۔

لِیَقْضِیَ اللّٰہُ اَمْرًا کَانَ مَفْعُوْلًا تاکہ اللہ تعالیٰ وہ کام پورا کرے جو ہونا ہے۔ (سوال) اس جملہ کا تکرار کیوں، حالانکہ تکرارِ کلام بلاغت کے منافی ہے۔ (جواب) جب حیثیت مختلف ہو تو اُلٹا وہ تکرارِ کلام کو چار چاند لگا دیتا ہے۔ یہاں پر اہلِ اسلام و کفار کی حیثیت فعل معلل بہ کی وجہ سے مختلف ہے۔ حالت مذکورہ میں فریقین کا جمع ہونا پہلے کا معلل بہ ہے اور ہر دونوں کا ایک دوسرے کو قلیل سمجھنا دوسرے کا۔ قاعدہ ہے کہ حیثیت کے مختلف ہونے کی وجہ سے اس جملہ کا مکرر لانا ضروری ہوا۔

وَاِلَی اللّٰہِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ اور اللہ تعالیٰ کی طرف تمام امور کا رجوع ہے۔ جیسے چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے نہ اسے کوئی روک سکتا ہے اور نہ کوئی اسے مجبور کر سکتا ہے۔ (فائدہ) اس میں تنبیہ ہے کہ دنیا کے جملہ امور غیر مقصود ہیں بلکہ اس کے تمام امور سعادتِ اخرویہ کے وسائل ہیں اور اُنہی کی بدولت رضائے الٰہی حاصل کی جاسکتی ہے۔

تفسیرِ صوفیانہ

آیاتِ مذکورہ میں چند لطیف اشارات ہیں: (۱) ارکانِ اسلام پانچ ہیں۔ در اصل یہی دین کی غنیمتیں ہیں، اور ان میں اعلیٰ اور مکمل ترین توحید ہے۔ اس لیے یہ رکن خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور باقیوں میں جوارح کو دخل ہے۔ (سبق) عاقل کے لیے ضروری ہے کہ وہ عبادات کے غنایم اور ان کے جملہ متعلقہ معارف و کمالات (جو اللہ والوں (عارفین کاملین) کو نصیب ہوئے) کو حاصل کرنے کی جد و جہد کرے تاکہ اس کی روح اور جملہ اعضاء محرومی سے بچ کر پورے طور پر محفوظ ہو جائیں۔ تاویلات نجمیہ میں ہے: وَاعْلَمُوْٓا الخ یعنی اے عبادت گزار بندو! جو کچھ تمہیں رفعِ حجابات کے وقت انوار مشاہدات و اسرار اور مکاشفات نصیب ہوں تو اُن میں سے چار حصے تمہارے لیے ہیں کہ تم انہی کی بدولت اللہ تعالیٰ کے ساتھ زندگی بسر کرو۔ لیکن اغیار سے مخفی رکھو۔ ؎

داند دیو شد بامر ذوالجلال
کہ نا باشد کشف راز حق حلال

ترجمہ: شیطان کو پتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اسے رازِ حق نصیب نہیں ہوگا۔

اور انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں مخلص ہو کر اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تابع ہو کر خرچ کرو اور رشتہ داروں کے لیے دینی بھائیوں کے لیے خدا کی دوستی کی بناء پر اور یتامیٰ سے اہلِ طلب مراد ہیں جن سے اُن کے مشایخ غائب ہیں اور وہ بے چارے حدِ کمال تک نہیں پہنچ سکے اور مساکین سے وُہ طالب صادق مراد ہیں جو ارادت وعقیدت کے ہاتھ سے تمہارے ارشاد و رہبری کے دامن کو مضبوط پکڑے ہوئے ہیں" وابن السبیل "اس سے مراد وہ عوام ہیں جو سلوک کی راہوں سے بےخبر ہو کر تمہارے ہاں حاضر ہوتے ہیں تو ان کی صدقِ نیت اور حسنِ ارادت اور سچی طلب اور حقیقی استعداد اور ان کے استحقاق کے مطابق اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری اور ان کی سیرت اور طریقہ پر چلنے کی وجہ سے ان کے حقوق ادا کرو۔ (۲) اللہ تعالیٰ نے جیسے غزوۂ بدر میں اہلِ اسلام اور کفار کو اسی حالتِ مذکورہ میں جمع فرمایا تاکہ اُن کے اجتماع سے اسلام کی عزت اور کفر کی ذلت واضح ہو اسی طرح ارواح ونفوس کو ایسے ہیاکل و قوالب میں جمع فرمایا کہ اگر وُہ اپنی اصلی حالت پر علیحدہ علیحدہ رکھتے اور انہیں آپس میں تناقض ہوتا تو اجتماع مشکل ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے جمع فرمایا تاکہ ارواح کو مقعدِ صدق کا مقام نصیب اور نفوس کو ملائکہ مقربین کی معیت حاصل ہو۔ چنانچہ فرمایا: فَادْخُلِیْ فِیْ جَنَّتِیْ اے نفسِ مطمئنہ! جبکہ تو دُنیا اور جسم کی قید میں تھا اس سے نجات پا کر اب تو جنّاتِ نعیم اور اعلیٰ علیین میں داخل ہو جا جبکہ اس سے قبل تو اسفل سافلین میں تھا۔ یہ خطاب اُن خوش بختوں کو ہوگا جو تحیاتِ قربات سے نوازے گئے اور وہ بدبخت جنہیں جہنم کا ایندھن بنایا جائے گا اُن کے لیے یہ مراتب نہیں۔ یاد رہے کہ انسان میں ترقی و تنزل کے ہر دو نوں مادے پیدا کیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی انسانوں پر حجتِ کامل ہے (فائدہ) کاشفی نے لکھا ہے کہ ترجمۂ تنفار میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جوہر جیسے دوستوں کے سینوں میں رکھا ہے ایسے ہی اپنے دشمنوں کی آستینوں میں بھی ڈالا ہے تاکہ ہلاک ہونے والا ہلاک اور زندہ رہنے والا زندہ رہے یعنی جس کے عقل کو نورِ عنایت الٰہی و توفیق ایزدی سے چمک نصیب ہوئی تو وہ ہدایت یافتہ ہُوا اگر اس پہ قہر و خذلان کا حملہ ہوا تو دشمنوں کی آنکھیں خیرہ ہوئیں جس سے وہ گمراہ ہو گئے۔ اس لیے فرمایا" یضلُّ بہ کثیرا و یہدی بہ کثیرا" اس سے بہتوں کو گمراہ اور بہتوں کو ہدایت دیتا ہے۔ ~

گرت صورت حال بد یا نکوست
نگاریدہ دست قدرت اوست

ترجمہ: اگر تیری صورتِ حال اچھی یا بُری ہے کاتبِ تقدیر کے ہاتھ کی بنائی ہُوئی ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ وہ اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو حقائق الاشیاء کا یقینی طور مشاہدہ کرائے جن کی وہ عوام کو خبر دیتے ہیں ظاہر بین انہیں عقل کی کسوٹی سے غلط سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ آزمائش اور امتحان ہوتا ہے۔ مومن ہو یا منافق لیکن مومن تو اپنے نبی علیہ السلام کی تصدیق کر کے ان کے اقوال و اعمال و احوال کو بلا تامل مان لیا جاتا ہے جس کے ایمان میں اللہ تعالیٰ برکت اور نورانیت بخشتا ہے اور منافق جونہی نبی علیہ السلام کی باتیں سُنتا ہے تو بجائے تصدیق کے اس کے دل میں شبہات اُبھرتے ہیں جن سے وہ اعتراضات کرتا ہے۔ اُن کی نحوست سے اُس کی منافقت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ ہمیشہ کے لیے انہماک رہتا ہے وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ مومن کا حال تو یوں ہو جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا پہ راضی ہوتا ہے اور کافر اللہ تعالیٰ کے غضب کا

بقیہ بر صـ ۳۷۸

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ
اے ایمان والو! جب کسی فوج سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کی یاد

كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا
بہت کرو کہ تم مراد کو پہنچو اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور آپس میں

تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ
جھگڑو نہیں کہ پھر بزدلی کرو گے اور تمہاری بندھی ہوئی ہوا جاتی رہے گی اور صبر کرو بے شک اللہ صبر والوں

الصّٰبِرِيْنَ ﴿٤٦﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ
کے ساتھ ہے اور ان جیسے نہ ہونا جو اپنے گھر سے نکلے اتراتے اور لوگوں

بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ
کے دکھانے کو اور اللہ کی راہ سے روکتے اور ان کے

بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝ وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ
سب کام اللہ کے قابو میں ہیں اور جبکہ شیطان نے ان کی نگاہ میں ان کے کام بھلے کر دکھائے

وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا
اور بولا آج تم پر کوئی شخص غالب آنیوالا نہیں اور تم میری پناہ میں ہو تو جب

تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ
دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے الٹے پاؤں بھاگا اور بولا میں تم سے الگ ہوں

مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ
میں وہ دیکھتا ہوں جو تمہیں نظر نہیں آتا میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ کا

الْعِقَابِ ۝
عذاب سخت ہے

تفسیر عالمانہ

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً۔ اے ایمان والو! جب تم جماعت کو ملو یعنی جب کفار سے جنگ کرو۔ (سوال) تم نے لَقِيْتُمْ کا معنی ”جنگ کرنا“ کہاں سے نکالا۔ (جواب) لفظ لِقَاءٌ اکثر حرب و قتال میں مستعمل ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اہل اسلام صرف کفار سے ہی جنگ کرتے تھے فَاثْبُتُوْا تو جنگ وغیرہ کے وقت

ثابت قدم رہو۔

حدیث شریف دشمن سے ملنے کی آرزو نہ کرو۔ لیکن جب ان سے لڑائی ہو جائے تو ڈٹ کے مقابلہ کرو اور ان سے جتنی تکالیف پہنچیں ان پر) صبر کرو۔ (نکتہ) دشمن سے ملنے کی آرزو سے روکنے کا ایک سبب یہ ہے کہ انسان کے اندر عجب خود بینی اور صرف اپنی قوت وطاقت پر بھروسہ کا خیال عموماً پیدا ہو جاتا ہے اور یہ جملہ امور تباہی و بربادی کا موجب ہیں (علاوہ ازیں ایسے تصورات سے دشمن سے مقابلہ کے لیے اہتمام سے لاپرواہی اور ان کی تحقیر کے خیالات آتے ہیں اور یہ بھی شکست کا سبب بنتا ہے اور احتیاط کے منافی بھی ہے۔

مناظرہ کرنے کا ایک گُر مناظرہ کے شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ اپنے بالمقابل کو حقیر تصور نہ کرنا چاہیے۔ یعنی یہ نہ سمجھے کہ وُہ مجھ سے عمر اور علم و تجربہ میں کم ہے۔ اس لیے کہ بہت بار سوءِ اتفاق سے ایسے تصور میں لاپرواہی سے بالمقابل کے ساتھ کمزور دلیل اور ضعیف کلام منہ سے نکل جاتا ہے۔ جو وہی کمزوری بالمقابل کے غلبہ کا سبب بن جاتی ہے اس کے بعد ضعیف قوی ہو جاتا ہے اور قوی ضعیف اور وُہ شر جو بلا توقع حائل ہو وُہ بہت زیادہ درد پہنچاتا ہے۔ (سبق) عاقل پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ سے عفو و عافیت کا طلبگار رہے۔ اسے کیا پتہ کہ اس کے ساتھ کیا ہوگا۔

اول شکستہ باش کہ اوج سریر ملک
یوسف پس از مجاورت قعر چاہ یافت

ترجمہ: پہلے مٹنا پڑتا ہے پھر تخت و تاج شاہی نصیب ہوتا ہے جیسے یوسف علیہ السلام نے کنُویں کی تکلیفیں اٹھائیں تب انھیں تخت و تاج حاصل ہوا۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا اور اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ یاد کرو یعنی جنگوں کے گھمسان میں شدت کے مقامات پر اللہ تعالیٰ کی تکبیر و تہلیل کی کثرت کرو اور اللہ تعالیٰ سے اہلِ ایمان کی نُصرت اور کفار کی شکست و ہزیمت کی دُعا کرو جیسے پہلے لوگ کہا کرتے رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ[1] (اے اللہ! ہمیں صبر کی توفیق بخش اور ہمیں ثابت قدمی عطا فرما اور کافروں پر ہمیں فتح و نصرت بخش۔) تاکہ تم اپنے مقاصد میں کامیاب ہو جاؤ اور مرادیں پالو تاکہ تمہیں فتح و نصرت اور بے شمار ثواب حاصل ہو۔ (سبق) اس میں سالک کو پند و نصیحت ہے کہ بندے کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے کوئی شے مانع نہ ہو اور اسے چاہیے کہ ہر مصیبت اور دُکھ درد کے وقت اللہ تعالیٰ سے التجا کرے اور بالکل فارغ البال ہو کر اسی طرف متوجہ ہو جائے اور یقینی طور خیال میں رہے کہ اسی کریم کا لطف و کرم میرے شامل حال ہے۔

(فائدہ) دفع ضرر اور جلب منافع کے لیے اللہ تعالیٰ کے ذکر میں بہت بڑی تاثیر ہے۔ ؎

تو بہرہ اسے کہ باشی روز و شب یک نفس غافل مباش از ذکر رب
در رخنی ذکر تو شکر نعمتست در بلاہا التجا با حضرت تست

---

[1] س بقرہ ، ع ۳۳

ترجمہ: جس حال پر زندگی بسر ہو رات دن اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہو پل بھر بھی غفلت نہ کرو۔ خوشی و راحت کے وقت ذکر شکر نعمت کا سبب بنے گا اور بلاؤں میں بارگاہِ حق میں ذکر التجا بن جائے گا۔

لطیفہ اہل اللہ کہتے ہیں کہ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی بہشت موجود ہے جو اس میں داخل ہوتا ہے تو اس کا جی باغ باغ ہو جاتا ہے اس سے اُن کی مراد مجالس ذکر ہیں۔ (غور سے دیکھا جائے تو واقعی مجالس ذکر بہشت بلکہ اس میں اس سے بھی زیادہ لذت ہے۔ بشرطیکہ حقیقی ذکر نصیب ہو)

حدیث شریف اللہ تعالیٰ کے بعض ملائکہ زمین کے بعض حصوں پر پھرتے رہتے ہیں ان کا کام یہی ہے کہ ذکر کے حلقے تلاش کریں۔ جب وہ ذکر کے حلقوں کو پا لیتے ہیں تو انھیں گھیر لیتے ہیں۔ فراغت کے بعد ان کے سردار فرشتے اللہ تعالیٰ رب العزت کے حضور میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں کہ ہم آج تیرے ایسے بندوں کے ہاں حاضر ہوئے جو تیری نعمت کی عظمت بیان کرتے تھے اور تیری کتاب کی تلاوت نہایت خشوع و خضوع سے کرتے تھے اور تیرے محبوب مدنی حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے تھے اور دنیا و آخرت کی بھلائی کا تجھ سے سوال کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان فرشتوں سے فرماتا ہے کہ جاؤ انہیں میری رحمت سے ڈھانپ لو وہ ایسے ہیں کہ ان کے ساتھ بیٹھنے والا کبھی کمبخت نہیں ہو سکتا۔

مسئلہ مشارق الانوار میں ہے کہ جیسے ذکرِ الٰہی مستحب ہے، ایسے ہی ذکر کے حلقوں میں بیٹھنا بھی مستحب ہے۔ (فائدہ) ذکر کے حلقہ کا طریقہ یہی ہے کہ ذکر علانیہ طور ہو۔ اس لیے کہ ہر دور میں حلقۂ ذکر کا چرچا رہا ہے اور کوئی ایسا دور نہیں جس میں حلقۂ ذکر کے لیے لوگوں کا اجتماع نہ ہوا ہو۔ (ذکر بالجہر کے فوائد) (۱) قلب مبتدی پر جو وساوس شیطانی و خواطر نفسانی جم جاتے ہیں وہ ذکر بالجہر سے دفع ہوتے ہیں۔ (۲) جن گھروں یا محلوں سے اللہ تعالیٰ کا ذکر بلند ہوتا ہے تو لوگ فخریہ طور اور ان لوگوں کے برکات حاصل کرتے ہیں۔ (۳) قیامت کے دن ہر شے خشک و تر (جہاں تک ذکر کی آواز جائے گی) ذاکر کے لیے خیر کی گواہی دے گی بالخصوص ایسے مقامات

بقیہ صفحہ ۳۷۵ سے آگے

مورد بن جاتا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور غضب اس کے لطف و قہر کے آثار ہیں۔ وہ حکیم مطلق ہے جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے۔

اولیاءِ کرام کے عشاق اور اعداء یہی کیفیت اولیاءِ کرام کے الہامات کی ہے کہ ان کے الہامات و احوال معتقدین و منکرین کے سامنے بیان کیے جاتے ہیں تو معتقدین و منکرین کے لیے وہی الہامات و احوال و کرامات امتحان و آزمائش کا سبب بن جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ کسی اللہ والے کے محب و معتقد ہوتے ہیں۔ یہ اُن پر قہر و غضب کی وجہ سے ہے کہ امور حقہ اسے نامناسب معلوم ہوئے جن سے وہ اولیاءِ کرام سے بدظن ہو کر اب اُن پر طعن و تشنیع کرتا ہے۔ وہ محبت ختم ہو گئی۔ اگر پھر معتقد ہو جائے تو سمجھو کہ اس پر فضل الٰہی ہوا کہ اسی کریم نے اسے اپنے قہر و لطف کا مورد بنایا ہے اور یہ مرتبہ بہت بلند ہوا کہ دُوری کے بعد قُرب نصیب ہو۔ بہرحال اربابِ ظواہر بکثرت ہوتے ہیں۔ اور اصحابِ حقیقت بہت تھوڑے کسی مرشد کامل کو صرف ایک ہی سچا تابعدار مل جائے تو غنیمت سمجھے۔

پہ غافلوں کو تنبیہ اور فاسقوں کو نیکی کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔

مسئلہ جو فاسقوں کی مجلس میں اس نیت سے ذکر کرے کہ وہ فسق میں مشغول ہیں تو میرے ذکر سے فسق سے باز آجائیں گے۔ ایسا ذکر بہت بڑی فضیلت رکھتا ہے۔

مسئلہ بازار میں ذکر بالجہر زیادہ فضیلت رکھتا ہے بہ نسبت دوسرے مقامات کے، اس لیے کہ اس طرح سے بازار والوں کی غفلت کے پردے ہٹتے ہیں۔

مسئلہ مجلسِ ذکر میں صرف ایک دفعہ کی حاضری ستر بُری مجلسوں کی حاضری کا کفارہ بن جاتی ہے۔ (مسئلہ) جس مجلس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ ہو وہاں جانا منع ہے (مسئلہ) اسی طرح جس مجلس میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھا جائے وہاں جانا ممنوع ہے۔ بلکہ ایسی مجلس ان لوگوں کے لیے بجائے فائدہ کے حسرت کا سبب بن جائے گی (مسئلہ) حدیث شریف میں ہے، جب ایسی مجلس میں بیٹھنے کا اتفاق ہو کہ جہاں گپ شپ ہوتی رہی تو مجلس سے اُٹھنے سے پہلے "سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَ اَتُوْبُ اِلَيْكَ" پڑھ لے تو اس کے وہ تمام گناہ دُھل جائیں گے جو اس سے اسی مجلس میں سرزد ہُوئے۔ (سبق) عاقل پر لازم ہے کہ وہ ہر وقت زبان کو ذکر اور دعا و استغفار سے تر رکھے۔ خصوصًا اوقاتِ مبارکہ میں اس کا خصوصی اہتمام کرے۔

روایت مع حکایت مروی ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی طرف ایک لشکر جہاد کے لیے بھیجا تو وہ جلدی غنیمت لے کر واپس لوٹے یعنی انہیں بہت جلد کامیابی حاصل ہو گئی۔ کسی نے عرض کی کہ اس جیسا غنیمت اور واپسی کے لحاظ سے بڑی فضیلت والا لشکر اور کوئی نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں ایک ایسی قوم کے متعلق رہبری نہ کروں جو غنیمت اور واپسی از جہاد میں عجلت کے لحاظ سے اسی قوم سے افضل ہو۔ سب نے کہا، ضرور بتائیے۔ آپ نے فرمایا، وہ لوگ جو صبح کی نماز کے لیے مسجد میں باجماعت ادا کر کے پھر طلوعِ شمس تک ذکر میں لگے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ دو رکعت پڑھ کر گھر لوٹتے ہیں (یعنی اشراق نماز پڑھ کر واپس ہوتے ہیں)۔ (ف) نمازِ اشراق سورج کے نکلنے کے بعد پڑھی جاتی ہے جبکہ سورج میں پُوری روشنی آجائے۔ جو شخص اس کا ایک دوگانہ پڑھتا ہے تو اسے حج و عمرہ کا مکمل ثواب نصیب ہوگا۔ آپ نے یہ کلمہ تین بار دُہرایا۔

شرح حدیث مذکور شرح المصابیح میں ہے کہ حضور علیہ السلام کا ارشادِ گرامی "ثُمَّ قَعَدَ يَذْكُرُوا اللّٰهَ" دلالت کرتا ہے کہ اس وقت صرف ذکرِ الٰہی مستحب ہے نہ تلاوتِ قرآن و دیگر اوراد و وظائف۔ اس لیے کہ یہ وقت بہت بڑا برگزیدہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر پر مواظبت کرنے میں نفوس میں بہترین اثر پیدا ہو جاتا ہے۔ (مسئلہ) مُنیہ (کتاب) میں جمع العلوم سے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ فجر کی نماز کے بعد طلوعِ شمس تک تلاوتِ قرآن وغیرہ سے ذکرِ الٰہی اَولیٰ ہے۔ اسی کی تائید قنیہ (کتاب) کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ حضور نبی علیہ السلام پر درود بھیجنا اسی طرح دعا و تسبیح میں مشغول ہونا تلاوتِ قرآن سے افضل ہے۔ یعنی ان اوقات میں کہ جن میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے۔ (حدیث شریف) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا: میں تمہیں بہشت کی ساعات سے ایک ایسی ساعت نہ بتاؤں کہ اس وقت بہشت کے

درختوں کے سائے دراز ہوتے ہیں اور ان میں رزق تقسیم ہوتا ہے اور اس میں رحمت کے دروازے کھلے ہوتے ہیں، اور دعا مستجاب ہوتی ہے۔ سب نے عرض کی، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بتائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛ وہ گھڑی صبح صادق سے [illegible] طلوعِ شمس کے درمیان ہے۔

روایت وحکایت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن حضور علیہ السلام بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے۔ انھیں دیکھا کہ وہ طلوعِ شمس سے پہلے نیند کر رہی ہیں۔ آپ نے انھیں پاؤں کی ٹھوکر سے جگا کر فرمایا؛ اُٹھ کھڑی ہو، اور اپنے رب تعالیٰ کے رزق کا مشاہدہ کیجیے اور غافلین سے نہ ہو جائیے۔ اسی لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے رزق طلوع فجر سے طلوعِ شمس کے مابین تقسیم فرماتا ہے۔

ذکر خفی افضل ہے یا جلی علماءِ کرام کا اختلاف ہے کہ کیا تسبیح وتہلیل وغیرہ زبان سے مع حضورِ قلب افضل ہے یا صرف قلب سے۔ صرف قلب کے قائلین کی افضلیت کی دلیل یہ ہے کہ قاعدہ شرعیہ ہے کہ ہر وُہ عمل جو مخفی طور ہو وُہ افضل ہوتا ہے۔ اور جو لوگ ذکر لسانی مع حضورِ قلب کی افضلیت پر زور دیتے ہیں اُن کی دلیل یہ ہے کہ اس میں عمل زائد ہے اور عمل کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے۔ انہی حضرات کا قول صحیح ہے۔ (ذکرہ النووی فی شرح مسلم)

نسخہ روحانی ذکرِ کثیر دراصل وُہ ہے جو قلب کی صفائی سے ہو اور تصفیۃ القلب دنیا میں ایک بہشت ہے۔ جو صرف عارفین کو معلوم ہے اس لیے کہ ذکر الٰہی سے سالک نفسِ امّارہ کی جہنم سے نکل کر حضورِ خداوندی کی نعمتوں میں پہنچتا ہے۔

حکایت حضرت ابوبکر فرغانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ایک دفعہ مَیں قافلہ سے رہ گیا اور منزلِ مقصود کے لیے صحیح راستہ نہیں مل رہا تھا۔ مَیں نے الٰہ العٰلمین کے حضور میں عرض کی، کاش! مجھے اسمِ اعظم نصیب ہوتا تو میں منزل کو پا لیتا۔ اندریں اثنا مجھے دو نوجوان ملے۔ اُن میں سے ایک نے کہا کہ اسمِ اعظم ہے "یا اللہ"۔ میں سُن کر خوش ہو گیا کہ مجھے اسمِ اعظم کی تعلیم نصیب ہُوئی۔ دوسرے نے کہا کہ صرف زبان سے کہنے سے "اسمِ اعظم" کام نہیں دے گا، بلکہ نہایت عجز وانکسار سے جیسے کوئی دریا کی موجوں میں اور اس کی سخت طغیانی میں پھنس کر عرض کرتا ہے "یا اللہ"۔ اگر ایسے ہی کہو گے تو یہی اسمِ اعظم ہے اور اسی سے تمام مشکلات حل ہوتی ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی ماویٰ وملجا نہیں۔ (مسئلہ) جہاد تمام طاعات کا سرتاج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مجاہد کی گرد پر جہنم کی آگ کا دھواں نہیں پہنچ سکے گا۔ اس کا ایک قدم تمام گناہ مٹا دیتا ہے۔ دُوسرے قدم سے اس کے لیے نیکیاں ہی نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ (مسئلہ) مجاہد پر لازم ہے کہ تحتِ جہاد نیت صاف رکھے اور جنگ کے ہر مشکل سے مشکل مقام پر ثابت قدم رہے۔ اس لیے کہ ثابت قلبی اور صدق قدمی سے ہی مرد کی قدر معلوم ہوتی ہے (صدیق اکبرؓ کی شان) صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تمام صحابہ پر فضیلت ہے۔ اس لیے کہ حضور علیہ السلام کے وصال کے وقت (باوجودیکہ آپ کے وصال کو قیامت سے تعبیر کیا جاتا ہے جس سے تمام صحابہ سیدنا عمر وسیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سمیت بیہوش نظر آتے تھے۔ لیکن) صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ثابت قدمی کا ثبوت دیتے ہُوئے فرمایا کہ جو سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرنے کا قائل ہو تو اسے سنا دو کہ ان کا وصال ہو گیا ہے اور جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے تو وہ ہمیشہ زندہ رہے گا اور اُس پر موت نہیں آئے گی اور نہ وُہ ظلم کرتا ہے اور نہ اس سے معاصی کا تصور ہو سکتا ہے۔ اگر دشمنوں کا خطرہ ہے تو یقین کر لو کہ اعداء پر غلبہ تو قُوتِ قدسیہ اور تائیدِ الٰہی

سے ہوتا ہے نہ قوتِ جسمانیہ اور کثرتِ تعداد سے۔ کیا تمہیں یاد نہیں کہ غزوۂ بدر میں اللہ تعالیٰ نے اہل و ایمان کی ملائکہ کرام کے ذریعہ کس طرح مدد فرمائی، حالانکہ اہلِ ایمان چند گنتی کے۔ اور کفار بکثرت تھے۔ جو لوگ تقویٰ اور صبر و ثبات کو مدِ نظر رکھ کر جہاد کرتے ہیں۔ وہ ہمیشہ دشمنوں پر غالب رہتے ہیں بلکہ بہت بڑے درجات اور کمالات حاصل کرتے ہیں، کہ ؎

گہ شتابِ چو صرصر گہ قرار چو کوہ
گہ نشیب کبوتر گہ فراز عقاب

حکایت سکندر رومی نے حکم فرمایا کہ جنگی لشکر میرے سامنے لاؤ۔ لشکر کے آگے آگے ایک مرد حاضر ہوا، جو لنگڑے گھوڑے پر سوار تھا۔ سکندر نے فرمایا، اسے گھوڑے سے گرادو۔ وہ سنتے ہی ہنس پڑا۔ سکندر نے متعجب ہو کر پوچھا کہ اب ہنسنے کا کونسا مقام ہے؟ اس نے عرض کی: مجھے آپ سے تعجب ہے کہ آپ کے ہاں جنگ سے بھاگنے کے سامان ہیں اور میرے پاس بفضلہٖ تعالیٰ ثابت قدمی کی نعمت ہے۔ گھوڑے سے گرایا گیا ہے تو کیا ہوا۔ مجھ سے ثابت قدمی تو نہیں چھینی گئی۔ سکندر نے اس کے جواب سے خوش ہو کر اسے انعام دیا۔

تفسیرِ صوفیانہ جیسے ظاہری طور پر باغی طائفہ کفار و فجار کو کہا جاتا ہے ایسے ہی باطن کے باغی ٹولے ہیں۔ جیسے قوائے نفسانیہ اور نفسِ امارہ کا لشکر۔ پھر جیسے مومن کو حکم ہے کہ ظاہری باغی طائفہ کے مقابلہ میں ثابت قدم رہے۔ اسی طرح اسے حکم ہے کہ باطنی باغیوں کے مقابلہ کے وقت بھی مجاہدات میں ثابت قدمی دکھائے (جیسے کفار سے جہاد کا حکم ہے) اسے جہادِ اکبر ت تعبیر کرتے ہیں اور قاعدہ ہے اصغر سے اکبر افضل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہادِ اکبر کے شہید کو صدیق کہا جاتا ہے اور جہادِ اصغر میں مرنے والے کو شہید۔ اور قاعدہ ہے کہ صدیق شہید سے افضل ہوتا ہے۔ کما قال اللہ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ۔[1] (فائدہ) ظلماتِ خلقیہ سے خلاص اور انوارِ ذکر میں مشغول ہونا جو انواعِ جہادِ اکبر و اعلیٰ طریقہ سے ہے۔ بڑی کامیابی ہے بلکہ رب العباد تک پہنچنے کا جلد تر پہنچانے والا عمل ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں حقائقِ ذکر و توحید سے آشنا فرمائے۔ آمین

تفسیرِ عالمانہ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو ان تمام امور میں جو عمل میں لاتے یا چھوڑتے ہو بالخصوص امرِ جہاد اور معرکۂ قتال میں ثابت رہنے میں وَلَا تَنَازَعُوْا اور مختلف آراء پیش کر کے نہ جھگڑو جیسے بدر و اُحد میں تم نے مختلف آراء کا مظاہرہ کیا فَتَفْشَلُوْا پس بزدل ہو جاؤ گے۔ یہ نہی لَا تَنَازَعُوْا کا جواب ہے فشل بمعنی کسل و تراخی و جُبنٌ ہے۔ یہاں آخری معنی مراد ہے وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ یہ فعل منصوب ہے اس کا نہی کے جواب پر عطف ہے اور تمہاری ہوا چلی جائے گی۔ یعنی تمہاری دولت و شوکت تمہارے سے نکل جائے گی۔ اسے دولت سے استعارہ کیا گیا ہے کہ دولت چل چلاؤ اور خرچ ہونے والی شے ہے۔ اسے ہوا کے چلنے

---

[1] سورۃ النساء، رکوع ۹ ترجمہ وہاں اُن کے ساتھ ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا۔ وہ انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین ہیں۔ ع ان کی تیزی آندھی جیسی اور قرار پہاڑ جیسا۔ [illegible] اور [illegible]

اور جاری ہونے سے مشابہت دی گئی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہاں پر رِیۡحُکُمۡ اپنے حقیقی معنی پر ہے۔ اس لیے کہ فتح و نصرت ہوا کے ذریعے پہنچتی ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے رِیۡحُ النَّصۡرَۃِ۔

معجزہ

مروی ہے کہ مدینہ طیبہ کے قریش و غطفان و بنو قریظہ نے یوم خندق محاصرہ کیا تو بادِ صبا ایسی سخت زور سے چل کر اُن کے خیمے اُکھاڑ ڈالے اور ان کی ہانڈیاں اُتر گئیں۔ اس زور کی آندھی سے وُہ لوگ بھاگ گے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا: مَیں بادِ صبا سے مدد دیا گیا ہُوں اور قوم عاد دبور یعنی پچھوائی ہوا سے تباہ و برباد ہُوئی۔ (فائدہ) الصبا بفتح الصاد و بالقصر۔ وُہ ہوا جو مشرق سے چلتی ہے اور الدبور وُہ ہوا جو صبا کے بالمقابل چلتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہوا مَامُوۡرَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ ہے۔ کبھی وہ فتح و نصرت لاتی ہے تو کبھی تباہ و برباد کر ڈالتی ہے۔ مثنوی شریف میں ہے؎

جملہ ذرات زمین و آسمان — لشکر حقند گاہ امتحان
باد را دیدی کہ با عادان چہ کرد — ابر را دیدی کہ با طوفان چہ کرد

ترجمہ: زمین و آسمان کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ کا لشکر ہے۔ دیکھئے ہوا نے عاد کو کیسے تباہ کیا اور بارش نے کہ قوم نوح کس طرح برباد کی۔

وَاصۡبِرُوۡا اور بوقت شدائد حرب اور بوقتِ قتال صبر کرو۔ یعنی ایسے اوقات میں پیٹھ دے کر نہ بھاگو۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ صابرین ان کو بالاصالۃ اس حیثیت سے کہا گیا ہے کہ صبر انہی سے ہوتا ہے اس لیے کہ اس عمل میں یہ اصل ہیں۔ باقی ان کے تابع اور اللہ تعالیٰ کی معیت مکانی نہیں بلکہ بحیثیت امداد و اعانت کے ہے۔ وَلَا تَکُوۡنُوۡا اور نہ ہو جاؤ اے مومنو کَالَّذِیۡنَ خَرَجُوۡا مِنۡ دِیَارِھِمۡ اُن لوگوں کی طرح جو اپنے گھروں سے نکلے یعنی وُہ اہلِ مکہ جو شام سے آنے والے قافلہ کی حمایت کے لیے نکلے تھے بَطَرًا یہ مفعول لہٗ ہے یعنی اپنے آباؤ واجداد و امہات کے کارناموں کو یاد کر کے اتراتے اور فخر کرتے ہُوئے دراصل بَطَرٌ تکبر اور غرور نعمت کے مقابلہ کو کہا جاتا ہے۔ وَرِئَآءَ النَّاسِ اور لوگوں کے دکھانے پر تاکہ وہ ان کی شجاعت و سخاوت کی داد دیں۔

واقعہ کفار بدر

مروی ہے کہ جونہی قریش (کفار) نے سنا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے شامی قافلے کو لوٹنا چاہتے ہیں تو زبردست جنگ لڑنے کی تیاری کے لیے مکہ معظمہ سے روانہ ہُوئے۔ لیکن شامی قافلہ بچ کر مکہ معظمہ پہنچنے والا تھا۔ ابوسفیان کو معلوم ہُوا کہ قریشِ مکہ حضور علیہ السلام سے محض شامی قافلہ کے لیے لڑنے جا رہے ہیں تو اُس کا قاصد قریشیوں کو جا کر ملا اور بڑا سمجھایا کہ اب اُن سے لڑائی کی ضرورت نہیں اس لیے کہ ہم اپنا قافلہ صحیح و سالم لائے ہیں۔ فلہٰذا واپس چلو۔ ابوجہل نے کہا: بخدا ہم بدر میں کم از کم ایک دفعہ ضرور جائیں گے وہاں جا کر شراب کی محفلیں جمائیں گے اور بہترین گانیوالی عورتوں کے گانے سُنیں گے اور وہاں جو لوگ ہماری خاطر پہنچے انہیں دعوتیں کھلا کر واپس لوٹائیں گے۔ چنانچہ بضد ہو کر کفار کا تمام لشکر بدر کی طرف چل پڑا۔ اُن کی شومیٔ قسمت کہ بجائے شراب کے موت کے پیالے پیئے۔ اور گانے بجانے والی عورتوں کی

بجائے ان پر نوحہ گر عورتیں روئیں۔ اسی وجہ سے اہلِ اسلام کو ایسے فخر و مباہات سے روکا گیا کہ ریا سے بچ کر تقویٰ و طہارت پیدا کریں اور سراسر اخلاص کا نمونہ بن جائیں۔ (سوال) آیت میں تو صرف بَطَر (فخر و غرور) اور ریاء سے روکا گیا ہے۔ تم نے تقویٰ و خلوص وغیرہ کے سبق دینے شروع کر دیئے۔ (جواب) قاعدہ ہے کہ شے کی نہی سے اس کی نقیض کا حکم خود بخود ثابت ہو جاتا ہے (مثلاً زنا سے روکا جائے تو اس سے اس کی نقیض کا حکم ہوگا یعنی عفت و پاکدامنی کا شیوہ اختیار کرو) وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور وہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے ہیں۔ بتاویل المصدر اس کا بطرًا پر عطف ہے۔ یعنی کفار کا ایک کام اللہ کے دین سے منع کرنا ہے یعنی وہ دین جو بندے کو بہشت اور ثواب کا حقدار بناتا ہے۔ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ اور وہ جو عمل کرتے ہیں اسے اللہ تعالیٰ محیط ہے۔ اسی لیے وہ انہیں اس کی جزا و سزا دے گا۔ (مسئلہ) آیت ہذا میں اعمالِ قلبیہ پر تہدید کی گئی ہے بالخصوص وہ اعمال جو آیت ہذا میں مذکور ہوئے ہیں یعنی فخر و غرور اور ریاء۔ (ف) اپنی اچھائیاں ظاہر کرنے اور برائیاں چھپانے کا نام ریاء ہے اور یہ بھی نفس کی صفات ذمیمہ میں سے ہے۔

حکایت ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ بر سرِ راہ میری کوٹھی تھی اس کے بالاخانے میں میں نے صبح سویرے اٹھ کر سورۃ طٰہٰ شریف پڑھی۔ اختتام کے بعد تھوڑی دیر کے لیے میں وہیں پر سو گیا۔ خواب میں ایک شخص کو دیکھا کہ وہ آسمان سے اترا ہے اور میرے سامنے آ کر ایک صحیفہ کھولا جس پر سورۃ طٰہٰ مکتوب تھی جس کے ہر حرف کے نیچے دس دس نیکیاں لکھی ہوئی تھیں صرف ایک کلمہ ایسا تھا جس کے نیچے نہ صرف نیکیاں محو تھیں بلکہ خود اس کے حروف بھی مٹا دیئے گئے ہیں۔ میں نے کہا یہی کلمہ تو میں نے پڑھا تھا لیکن اس کا نہ مجھے ثواب ملا اور نہ ہی وہ عمل نامے میں مکتوب ہے۔ وہیں پر مجھے کسی نے کہا کہ ٹھیک ہے کہ واقعی تو نے اسے پڑھا بھی ہے اسے ہم نے سنا اور لکھا بھی ہے لیکن ہمیں عرشِ الٰہی سے حکم ملا ہے کہ اسے مٹا دو۔ بزرگ مذکور فرماتے ہیں: یہ سن کر میں بہت رویا اور کہتا رہا یا رب کریم! میرے ساتھ ایسا معاملہ کیوں ہوا۔ فرمان ملا کہ اثنائے تلاوت میں تیرے قریب سے ایک شخص گزرا تھا تو نے دکھاوے کی نیت سے یہی کلمہ زور سے پڑھا اسی لیے اس کا ثواب جاتا رہا۔ (حدیث شریف) جہنم اور جہنمی ریاکار کو دیکھ کر زاری کرتے اور شور مچاتے ہیں۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی اس کی وجہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: جہنم ریاکار کو عذاب دینے پر خوشی کے مارے چیختی چلاتی ہے۔ اور جہنم والے عذاب کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ (سبق) ریاکاروں کے لیے بہت بڑی خرابی ہے کہ وہ بہت گندے عمل میں مبتلا ہوتے ہیں۔ (مسئلہ) جو لوگ نیکوں کا لباس ریاء کے طور پہنتے ہیں یا شہروں کے چکر اسی لیے لگاتے ہیں کہ لوگوں میں ان کا چرچا ہو کہ یہ بھی ان نیکوں میں سے ہیں جیسے ہمارے دور کے لوگ پیروں، فقیروں، صوفیوں کا لبادہ اوڑھ کر ہر جائی نظر آتے ہیں۔ انہیں ایسے لباس اور طور طریق سے اہل اللہ کے ساتھ حقیقی تشبہ مقصود نہیں بلکہ محض دکھاوا مطلوب ہوتا ہے۔ ایسے لوگ انوارِ معرفت اور اسرارِ حقیقت سے محروم اور دائرۂ طریقت سے خارج ہیں۔

حضرت حافظ شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ؎

مدعی خواست کہ آید بتماشا کہ راز
دست غیب آمد و بر سینۂ نامحرم زد

ترجمہ: مدعی نے چاہا کہ باغ میں آئے اور تماشا دیکھے لیکن دستِ غیب نے اس کے سینہ پر ہاتھ مار کر اسے نامحرم سمجھ کر باغ میں داخل نہ ہونے دیا۔

(سبق) عاقل کے لیے ضروری ہے کہ اپنی ہر عبادت میں مالی ہو یا بدنی، خلوص پیدا کرے۔ یعنی یہ نیت رکھے کہ قربِ الٰہی نصیب ہو اور عبادت محض امرِ ربی کی عظمت کے لیے کرے اور عقیدہ رکھے کہ یہ اس کا حکم ہے اسی لیے بجا لاتا ہوں۔ (مسئلہ) تاتارخانیہ میں ہے کہ اگر کسی نے نماز محض رضائے الٰہی کے حصول کی نیت سے شروع کی پھر اس کے دل میں ریاء کا خیال گزرا تو اس کی نماز ریاء میں داخل نہ ہوگی بلکہ خالص عبادت لکھی جائے گی۔ (مسئلہ) لوگوں کے سامنے نہایت خشوع و خضوع سے نماز ادا کرتا ہے لیکن جب لوگ نہ ہوں تو اُلٹی سیدھی کرکے پڑھتا ہے تو یہ بھی ریاء ہے اُسے اصل نماز کا ثواب تو نصیب ہوگا لیکن اس کی روح سے محروم رہے گا۔ (مسئلہ) روزہ میں ریاء نہیں البتہ اس غرض سے روزہ رکھے کہ روزوں سے چہرہ زرد نظر آئے گا اور کمزوری نظر آئے گی تو لوگ مجھے نیک بخت اور صالح انسان سمجھیں گے اور کہیں گے کہ یہ شخص خوفِ آخرت سے نڈھال ہو رہا ہے تو ایسا روزہ ریاء میں داخل ہے۔ (سبق) ایسے بیوقوف کو کون سمجھائے کہ اتنی بہت بڑی تکلیف لوگوں کے لیے کیوں اٹھا رہا ہے کیا اچھا ہوتا کہ وہ رضائے الٰہی کا طالب ہوتا اگر اسے عقلِ سلیم اور فہمِ مستقیم ہوتا تو ایسی سخت غلطی نہ کرتا۔ ایسے پاگلوں کے لیے عرب میں کہاوت مشہور ہے کہ "اَخَفُّ حُلْماً مِنْ عُصْفُوْرٍ" فلاں چڑیا سے بھی زیادہ کم عقل ہے۔ (ف) عقل کی کمی اور طیش کے لیے بھی چڑیا کی مثال دی جاتی ہے۔ چڑیا ہوتی بھی کم غضب ناک اور کم عقل ہے) حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ؎

لَا بَأْسَ بِالْقَوْمِ مِنْ طُوْلٍ وَّ اَعْظَمٍ
جِسْمُ الْبِغَالِ وَ اَحْلَامُ الْعَصَافِيْرِ

ترجمہ: قوم کے عظم و طول کا کیا حرج ہے جن کے اجسام خچروں کے اور عقول چڑیوں جیسے ہیں۔

(سبق) دنیا کچھ نہیں خواہ مخواہ زندگی ضایع کرکے مرتے دم تک اس کے حصول میں لگے رہنا یہ کسی عقلمند کا کام نہیں۔

حکایت و روایت سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جوہڑ سے گزرے اُس میں ایک بکری کا مُردار بچہ پڑا تھا۔ آپ نے صحابہ کرام سے پُوچھا، کیا اس کی لوگوں کو ضرورت نہیں ہے؟ عرض کی گئی، اگر انھیں ضرورت ہوتی تو اسے جوہڑ میں کیوں چھوڑ جاتے۔ آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا کی حیثیت اس مردار جیسی بھی نہیں کہ اہلِ دنیا اسے حاصل کریں۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ العزیز نے فرمایا: ؎

وگر سیم اندودہ باشد نحاس   تواں خرج کردن بر ناشناس

منہ آب زر جان من بر پشیز — کہ صراف دانا نگیرد بچیز
چہ قدر آورد بندۂ خوردبیس — کہ زیر قبا دارد اندام پیس

ترجمہ: تانبے کو سونے کا پانی لگا کر کسی بے خبر کے ہاں تو بیچا جا سکتا ہے اس لیے تمہیں چاہیے کہ تانبے پر سونے کا پانی مت لگاؤ کیونکہ صراف دانا ہے وہ تمہارے اس کھوٹے سکے کو ہرگز نہیں لے گا۔ اس بندے کو دنیا میں کیا عزت حاصل ہو گی جو اوپر تو بہتر قبا رکھتا ہے لیکن اندر بدبوئی سے پُر ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں دین کی راہوں پر چلتے وقت پھسلنے سے بچائے اور ہمیں ہر قول و فعل میں اپنی رضا عطا فرمائے وھو المعین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم۔

وَاِذْ زَیَّنَ لَھُمُ الشَّیْطَانُ اَعْمَالَھُمْ اور یاد کیجیے اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اس وقت کو جبکہ شیطان نے انھیں ان کے کردار بھلے کر کے دکھائے۔

ابلیس میدانِ بدر میں اللہ تعالیٰ نے وہی قصہ یہاں بیان فرمایا یعنی میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! یاد کیجئے کہ شیطان کیسے کفار کو اپنے کام بھلے دکھا کر اہلِ ایمان کی دشمنی کے لیے اُبھارتا تھا۔ (ف) حقائق سلمی میں ہے کہ شیطان نے کفار کی نگاہ میں ان کی قوت و طاقت دکھائی تاکہ وہ اپنی طاقت و قوت کے بھروسے پر جنگ سے پیچھے نہ ہٹیں **وَقَالَ لَاغَالِبَ لَکُمُ الْیَوْمَ مِنَ النَّاسِ۔** اور کہا کہ آج تم پر کوئی غلبہ پانے والا نہیں، اس لیے کہ تم کثیر ہو اور وہ قلیل ہیں

ترکیب لَکُمْ، لَاغَالِبَ کی خبر ہے۔ دراصل لَاغَالِبَ کَائِنٌ لَکُمْ تھا اور اَلْیَوْمَ خبر۔ یعنی کائن کی وجہ سے منصوب ہے اور مِنَ النَّاسِ اس کی ضمیر سے حال ہے اور النَّاس سے اہلِ ایمان مراد ہیں۔

وَاِنِّیْ جَارٌ لَّکُمْ اور میں بنی کنانہ کا تمہارا ذمہ دار اور مددگار ہوں۔ (**حلِ لغات**) جار بمعنی مُجِیْرٌ و مُحَافِظٌ جو دشمنوں کے ضرر سے بچائے۔ جیسے ہمسایہ اپنے ہمسایہ کو ہر طرح کے دُکھ درد سے بچاتا ہے۔ اہلِ عرب کہتے ہیں اَنَا جَارٌ لَکَ مِنْ فُلَانٍ یعنی میں فلاں کی ضرر رسانی سے تمہاری حفاظت کروں گا۔ وہ تمہیں کسی قسم کا دکھ نہیں پہنچا سکے گا۔ قاموس میں ہے: اَلْجَارُ بمعنی اَلْمُجَاوِرُ یعنی وہ شخص جو کسی کو بچائے و بمعنی اَلْمُجِیْرُ یعنی بچانے والے۔ **فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ** جب دونوں لشکر بدر میں آمنے سامنے ہوئے۔ کاشفی نے کہا جب دونوں لشکروں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ **نَکَصَ عَلٰی عَقِبَیْہِ** تو شیطان اُلٹے پاؤں بھاگا۔ نُکُوْصٌ بمعنے رَجْعَۃٌ قَہْقَرِیٌّ۔ اس لیے کہ جو بھی دشمن سے جنگ کے وقت بھاگتا ہے تو دشمن کے خوف سے اس کی طرف پیٹھ دینے کے بجائے اُلٹے پاؤں بھاگتا ہے۔ (**ترکیب**) عَلٰی عَقِبَیْہِ نکص کی ضمیر سے حال مؤکدہ ہے اسی لیے رجعۃ قہقری اُلٹے پاؤں ہوتی ہے۔ (**ف**) اس سے مکر و حیلہ اور دھوکہ فریب سے شکست کھا کر بھاگنا مراد ہے۔

حکایت

منقول ہے کہ جب ملائکہ کرام بدر میں تشریف لائے تو شیطان انھیں دیکھ کر بھاگنے لگا۔ اس وقت وہ حارث بن ہشام کے ہاتھ میں ہاتھ ملائے ہوئے تھا۔ بھاگتے وقت ہاتھ چھڑائے تو حارث نے کہا: اے سُراقہ! (شیطان اُس وقت سراقہ کی شکل میں نمودار ہوا تھا) تو ہمیں اکیلا چھوڑ کر کہاں جاتا ہے؟ ابلیس اس کے سینہ پر ہاتھ مار کر چلتا بنا۔ وَقَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْکُمْ اور کہا میں تم سے بیزار ہوں۔ یعنی اب میں تمہیں پناہ نہیں دے سکتا۔ اِنِّیْٓ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ بے شک میں وہ دیکھتا ہوں جو تمہیں نظر نہیں آتا۔ (فائدہ) یعنی مدد کے لیے ملائکہ کا نزول۔ حارث نے اسے کہا کہ ہمیں تو صرف یثرب کے چھوٹے چھوٹے مرد نظر آتے ہیں۔ (فائدہ) الجعاشیش جعشوش کی جمع ہے بمعنی الرجل القصیر۔ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ بے شک میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں کہ مجھے ملائکہ کوئی تکلیف نہ پہنچائیں یا مجھے اللہ تعالیٰ ہلاک و تباہ نہ کر دے۔ اگرچہ میری ہلاکت کا ایک وقت مقرر ہے، اور اس وقت تک میں مہلت لے چکا ہوں۔ وَاللّٰہُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ اور اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہے۔ (فائدہ) واقعی کذاب نے سچ کہا اور وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا بھی تھا کہ اگر وہ عذاب واقع ہوتا تو وہ مٹ کے رہ جاتا۔

فضائلِ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ

شیطان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سائے سے بھاگتا تھا اور جس گلی سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گزر ہوتا تو شیطان بچ کر دوسری گلی کو نکل جاتا صرف اسی بناء پر کہ کہیں اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ولایت کے نور کا عکس نہ پڑ جائے جس سے وہ جل کر راکھ ہو جاتا۔ اور اسے یقین تھا کہ وہ معذبین و معاقبین سے ہے۔ (فائدہ) شیطان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے خوف اسی لیے بھی تھا کہ اسے معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی کوئی انتہا نہیں کیونکہ اس کا ہر عذاب ہر دوسرے عذاب سے سخت تر ہوتا ہے۔ (نکتہ) شیطان کا خوفِ الٰہی سے ڈرنا دلالت کرتا ہے کہ اس نے تا حال اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اُمید بندھی ہوئی ہے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

عجیب کہانی

منقول ہے کہ جب کفار شکست کھا کر مکہ معظمہ کو لوٹے تو سُراقہ کو کہلا بھیجا کہ تُو نے ہی ہمیں شکست دلائی ہے اس لیے کہ نہ تو ہمیں بھروسہ دیتا نہ ہم جنگ کو جاتے۔ سُراقہ نے قسم کھا کر کہا کہ تا حال مجھے تمہاری جنگ کا علم تک نہیں۔ اس کے بعد سب کو معلوم ہوا وہ دھوکہ باز شیطان ابلیس تھا کہ سُراقہ کی صورت میں آ کر اس نے ہمیں دھوکہ دیا۔ (سوال) یہ کیسے ممکن ہے کہ شیطان نے اپنی اصلی صورت چھوڑ کر سراقہ کی شکل اختیار کر لی۔ اگر کہو کہ وہ انسانی صورت بدلنے کی قدرت رکھتا ہے تو پھر یہ بھی مانو کہ وہ انسان بنانے کی طاقت رکھتا ہے اور یہ ممتنع ہے۔ (جواب) بشرطِ صحت روایت مذکورہ اس کا جواب یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے ابتداءً ہی شیطان کو سُراقہ کی شکل میں پیدا فرمایا ہو اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید نہیں کہ وہ کسی کو سراقہ کی صورت میں پیدا کرے۔ اور وہ ذات جو سُراقہ کی صورت میں پیدا کر سکتی ہے شیطان کو سراقہ کی صورت میں بھی ظاہر کر سکتی ہے۔ (کذا فی التفسیر الحدادی)

(مسئلہ) قاضی ابو یعلیٰ نے فرمایا کہ شیاطین کو یہ قدرت نہیں کہ وہ اپنی تخلیق میں تغیر پیدا کر سکیں یا کسی اور صورتوں میں

منتقل ہو سکیں۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں چند کلمات سکھا دیے یا انہیں ایسا عمل بتا دیا جس سے وہی عمل کر کے یا وہی کلمات پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے دوسری صورت میں منتقل ہو جائیں۔ پھر کہا جائے کہ وہ مختلف صورتوں و شکلوں میں منتقل ہونے کی قدرت رکھتا ہے بایں معنی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے کلمات یا عمل کی وجہ سے قدرت رکھتا ہے کہ وہی اعمال و افعال استعمال کر کے دوسری صورت میں منتقل ہو جائے۔ خلاصہ یہ کہ منتقل کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور بتائے ہوئے کلمات یا اعمال کو استعمال کرنا شیطان کا کام۔ اس استعمال کی وجہ سے مختلف صورتوں میں منتقل ہونے کی نسبت شیطان کی طرف مجازاً ہے ورنہ اس کا اپنی اصلی صورت سے دوسری صورت میں منتقل ہونا محال ہے اس لیے کہ اصلی صورت سے منتقل ہونا مستلزم ہے کہ پہلے اس کی اصلی صورت اور پہلا تیار کیا ہوا ڈھانچہ مٹے اور اس کے ڈھانچہ کے اجزاء ٹکڑے ٹکڑے ہوں۔ اگر ایسا مان لیا جائے تو پھر نہ ڈھانچہ رہے گا نہ حیات، اور ایسا ہونا محال بھی ہے۔

ازالہ وہم مذکورہ تقریر کے مطابق جواب ہوگا ملائکہ کا مختلف شکلوں میں آنا۔ صحیح حدیث میں مروی ہے کہ ابلیس کا سُراقہ کی صورت بن جانا اور جبریل علیہ السلام کا دحیہ کی صورت میں ہونا اور جبریل علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا۔ یہ تمام اسی پر محمول ہوگا کہ اللہ تعالیٰ انہیں کوئی کلمہ سکھا دیتا ہے جسے وہ کہہ کر ایک شکل سے دوسری شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ (کذا فی آکام المرجان) اسی طرح انبیاء و اولیاء مختلف شکلیں اختیار کر سکتے ہیں[1] (فائدہ) والہی الاسکوبی نے اس میں فرق بتایا ہے وہ اس طرح کہ جبریل علیہ السلام متمثل ہوئے لیکن ابلیس متصور ہوا۔ مگر ان کا بھی یہ مطلب نہیں کہ دونوں کو اس تمثیل یا تصویر کی ذاتی قدرت تھی۔ بلکہ ان کا بھی وہی مقصد ہے کہ ان دونوں کو اللہ تعالیٰ نے قدرت بخشی جو تمثیل و تصویر جیسے چاہتے عمل میں لاتے تھے۔ یہ دونوں اقوال آپس میں منافات نہیں رکھتے۔ ان دونوں کا خلاصہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت سے یہ تمثیل و تصویر کے لحاظ سے مختلف ہو جاتے تھے اور وہ قدرت دراصل چند اسباب تھے۔ جیسا کہ اسباب سے مخلوق کے کام چلتے ہیں۔ (ف) صاحب روح البیان فرماتے ہیں کہ ملائکہ و شیاطین ارواح لطیفہ کے قبیل سے ہیں۔ اور ارواح کو مختلف صورتوں میں متصور ہونے کی قدرت دی جاتی ہے۔ جیسے اجسام کو مختلف لباس پہننے کی قدرت حاصل ہے۔ لیکن یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت دینے پر ہے۔ یاد رہے کہ اس مسلک کو سمجھنا سخت مشکل کام ہے[2]۔ صرف انبیاء کرام و اولیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم السلام کو اس کا علم ہو سکتا ہے۔ اور وہ لوگ جو مکاشفہ کے مالک ہیں، وہ بھی سمجھتے ہیں (واللہ اعلم) بحمدہ تعالیٰ ہم اہل سنت اس مسئلہ کو خوب جانتے ہیں[ع]

تنبیہہ شیطان کی عادت ہے کہ جو بھی اس کی اطاعت کرتا ہے تو وہ اپنے مطیع کو تباہی و بربادی کے گھاٹ اتار کر اس سے بیزار ہو جاتا ہے۔

---

[1] اسی مسئلہ کے مزید ابحاث فقیر کے رسالہ "الانجلاء فی تطورات الاولیاء" یا "ولی اللہ کی پرواز" میں دیکھیے۔ (فقیر اویسی رضوی غفرلہٗ)

[2] جیسے وہابی دیوبندی اس حقیقت سے آج تک بے خبر ہیں۔ ورنہ مسئلہ واضح ہے کہ قدرت رب کی ہے استعمال بندہ کرتا ہے۔ ۱۲

[ع] یعنی تسلیم کرتے ہیں کہ ایسی قدرت اللہ تعالیٰ انبیاء و اولیاء کو عطا فرماتا ہے اور وہ اسے عمل میں لا کر متعدد مقامات پر حاضر و موجود اور ناظر ہوتے ہیں (ولکن الوھابیہ قوم لا یعقلون) (اویسی غفرلہٗ)

حکایت

منقول ہے کہ ایک عبادت گزار بندہ اپنے حجرے میں عرصۂ دراز تک عبادتِ الٰہی میں مشغول رہا۔ اسی علاقہ کے بادشاہ کو ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ بادشاہ کو خیال گزرا کہ اسے کہیں ایسی جگہ چھوڑ آؤں۔ جہاں کسی کو معلوم نہ ہو سکے کہ بادشاہ کی لڑکی ہے اس طرح سے وہ ننگی سے بچ جائے گی۔ اور وُہ یہی چاہتا تھا کہ اس کی لڑکی کا کسی سے نکاح نہ ہو۔ چنانچہ اس لڑکی کو اس عابد کے حجرے کے قریب ٹھہرا دیا۔ جب وہ لڑکی جوان ہُوئی تو شیطان نے اُسی عابد زاہد کے دل میں وسوسہ ڈال کر اس کے ساتھ جماع کرنے پر مجبور کر دیا۔ وہ زاہد عابد شیطان کا دھوکا کھا کر اس لڑکی سے جماع کر بیٹھا، اور اس سے وہ لڑکی حاملہ ہوگئی۔ پھر شیطان اسی زاہد کے ہاں حاضر ہُوا کہ اگر اس لڑکی سے بچہ پیدا ہوا یا اس کے حمل کا بادشاہ کو علم ہوگیا تو تیری رُسوائی ہوگی۔ اس کے متعلق صحیح صورت یہی ہے کہ بادشاہ کی لڑکی کو قتل کر کے کہیں دفن کر دے۔ اور بادشاہ کو جا کر کہہ دے کہ تیری لڑکی مرگئی ہے۔ عابد زاہد نے اس کے کہنے پر لڑکی کو قتل کر کے دفنا دیا۔ پھر شیطان بادشاہ کے ہاں حاضر ہوا اور کہا کہ تیری لڑکی سے اُس زاہد نے زنا کیا جس سے وُہ حاملہ ہُوئی۔ پھر اُس نے اپنی شرمساری کو چھپانے کے لیے اسے قتل کر دیا ہے۔ اگر یقین نہ ہو تو قبر کھود کر اس کا پیٹ چیر دیں اس سے بچہ نکلے گا۔ اگر اس کے خلاف ہو تو مجھے قتل کر دینا۔ بادشاہ نے قبر کھودی اور پیٹ چیرا تو بات سچی نکلی۔ بادشاہ زاہد کو حجرہ سے گرفتار کر کے شہر لایا اور برسرِ میدان سُولی پر لٹکا دیا۔ جب وہ سُولی پر لٹکایا جا رہا تھا تو اس کے ہاں شیطان حاضر ہُوا اور کہا کہ آپ نے میری تمام باتیں مانی ہیں اب آخری بات بھی مان لو، وہ یہ کہ تم میرا کلمہ (ابلیسی) پڑھ لو، بادشاہ کی سزا سے بچواؤں گا۔ چونکہ اب اسے بدبختی گھیر چکی تھی اسی لیے وُہ شیطان کے کہنے پر ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ اور کہا کہ اے ابلیس! اب تو بچائیو۔ اس نے کہا میں نے تو صرف دھوکا دیا تھا اب میں تیری مدد کروں تو مجھ پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا۔

(سبق) دانا پر لازم ہے کہ وُہ شیطان کے مکروفریب سے ہر وقت ڈرتا رہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

آدمی را دشمن پنہاں بسیست
آدمی با حذر عاقل کسیست

ترجمہ: بے شک آدمی کے بڑے دشمن پنہاں نہیں، عاقل وُہ ہے جو ہر وقت ڈرتا رہے۔

(فائدہ) شیطان جب کسی سالک پر غلبہ پا لیتا ہے تو وہ اسے قوت وکمال کا دھوکا دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اب تم درجۂ کمال کو پہنچ چکے ہو فلہٰذا اب تمہیں دنیوی امور سے کسی قسم کا نقصان نہیں بلکہ بعض منہیات شرعیہ کے ارتکاب سے اُلٹا تمہیں فائدہ ہوگا مثلاً ریاء وعُجب سے بچ جاؤ گے جیسے ملامتیہ فرقہ کے لوگ برائیوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔

علاج روحانی

اگر نفس کے عُجب کو مٹانے کے لیے کسی مباح فعل کا اظہار کیا جائے تو اہلِ حقیقت کے نزدیک جائز ہے لیکن حرام فعل کا ارتکاب نہ کرے۔ اس پر تمام مشایخِ اہلِ حقیقت کا اتفاق ہے۔ (سبق) سالک پر لازم ہے کہ ان باتوں کا خصوصیت سے خیال رکھے ورنہ بہت سے غلط کار صوفی ایسی بے شمار غلطیاں کر جاتے ہیں۔ وہ تو حلال وحرام کی حدود بھی توڑ دیتے ہیں بلکہ اپنے مشایخ سے کیے ہُوئے تمام وعدے ختم کر ڈالتے ہیں حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ قرآن وحدیث پر عمل کرنے

بقیہ بر ۳۹۰

اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ

جب کہتے تھے منافق اور وہ جن کے دلوں میں آزار ہے کہ یہ مسلمان اپنے دین

هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٤٩﴾

پر مغرور ہیں اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ

اور کبھی تو دیکھے جب فرشتے کافروں کی جان نکالتے ہیں مار رہے ہیں ان کے

وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ج وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿٥٠﴾ ذٰلِكَ

منہ پر اور ان کی پیٹھ پر اور چکھو آگ کا عذاب یہ بدلہ ہے

بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿٥١﴾

اسکا جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

جیسے فرعون والوں اور ان سے اگلوں کا دستور وہ اللہ کی آیتوں کے منکر

فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ط اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٥٢﴾

ہوئے تو اللہ نے انہیں ان کے گناہوں پر پکڑا بیشک اللہ قوت والا سخت عذاب والا ہے

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى

یہ اس لیے کہ اللہ کسی قوم سے جو نعمت انہیں دی تھی بدلتا نہیں جب تک

يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٥٣﴾ كَدَاْبِ

وہ خود نہ بدل جائیں اور بے شک اللہ سنتا جانتا ہے جیسے

اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ط كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ

فرعون والوں اور ان سے اگلوں کا دستور انہوں نے اپنے رب کی آیتیں جھٹلائیں

فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ج وَكُلٌّ كَانُوْا

تو ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کیا اور ہم نے فرعون والوں کو ڈبو دیا اور وہ سب

ظٰلِمِيْنَ ﴿٥٤﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ

ظالم تھے بیشک سب جانوروں سے بدتر اللہ کے نزدیک وہ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور ایمان

لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٥٥﴾ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ

نہیں لاتے وہ جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا پھر ہر بار اپنا عہد توڑ

عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿٥٦﴾ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ

دیتے ہیں اور ڈرتے نہیں تو اگر تم انہیں کہیں

فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿٥٧﴾

لڑائی میں پاؤ تو انہیں ایسا قتل کرو جس سے ان کے پسماندوں کو بھگاؤ

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ

اس امید پر کہ شاید انہیں عبرت ہو اور اگر تم کسی قوم سے دغا کا اندیشہ کرو تو

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ﴿٥٨﴾ ع

ان کا عہد ان کی طرف پھینک دو برابری پر بے شک دغا والے اللہ کو پسند نہیں

میں سلامتی ہے اور اولیاء کرام کے آدابِ طریقت پر چلنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ یہ بات اسے کام دے گی جو اسرارِ الٰہی کے حرم میں داخل ہونے کا ارادہ رکھتا ہے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا: ؎

در راہِ عشق وسوسہ اہرمن بسیست
ہش دار و گوش دل بہ پیام سروش کن

ترجمہ: عشق کے راستہ پر شیطان کے وسوسے بہت ہیں۔ ہوش کر کے فرشتے کا پیام دل میں محفوظ کر لے۔

تفسیر عالمانہ اِذْ یہ اُذْکُرْ محذوف کی وجہ سے محلاً منصوب ہے۔ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ یعنی یاد کرو اسے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! جبکہ منافقین کہتے تھے۔ ان سے قبیلۂ اوس و خزرج کے لوگ مراد ہیں۔ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اور وہ لوگ کہ جن کے دلوں میں مرض تھا۔ ان سے وہ قریش مراد ہیں جو مکہ معظمہ میں مسلمان تو ہو چکے تھے لیکن قوت کے فقدان اور اپنے اقرباء کی ممانعت از ہجرت کی وجہ سے مدینہ طیبہ ہجرت کر کے نہ آ سکے۔ جب کفارِ مکہ جنگِ بدر کے لیے آئے تو انہیں باجبار و اکراہ ساتھ لائے۔ ایسے لوگوں نے جب دیکھا کہ اہلِ اسلام تو مٹھی بھر ہیں تو شک میں پڑ کر مرتد ہو گئے اور اہلِ مکہ یعنی کفار سے کہا، غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ان مسلمانوں کو ان کے دین نے دھوکا دیا ہے کہ قلت کے باوجود جنگ کے لیے

قریشِ مکہ کے مقابلے میں نکل کھڑے ہیں حالانکہ اُن کی کثرت بھی ہے اور شان و شوکت بھی۔ اور انہوں نے نہ صرف شک کیا بلکہ انہیں یقین تھا کہ قریش (کفار) اہلِ اسلام پر غلبہ پا جائیں گے کیونکہ " (کفار) ایک ہزار کے لگ بھگ تھے اور یہ (اہلِ اسلام) صرف تین سو تیرہ۔ اللہ تعالیٰ نے ان مرتدوں کو جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اور جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے یعنی اپنے جملہ امور اسی کو سپرد کر دے اور سہارا ہو تو صرف اسی کا، اور اس کی ہر تقدیر کے سامنے سر جھکائے۔ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ تو بے شک اللہ تعالیٰ غالب ہے کہ جو اس پر بھروسہ کرے اُسے ذلیل و خوار نہیں کرتا بلکہ اُسے پناہ دیتا ہے اگرچہ وہ کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو۔ حَكِيْمٌ حکمت والا ہے اپنی حکمت سے وہ کام کرتا ہے جس کا عقول و فہوم ادراک نہیں کر سکتے بلکہ اس کے امور کو دیکھ کر بہت بڑے عقیل و فہیم حیران رہ جاتے ہیں۔

حجاج بن یوسف ظالم اور ایک بیباک نڈر حاجی

منقول ہے کہ ایامِ حج میں حجاج بن یوسف ظالم مکہ معظمہ میں تھا۔ ایک شخص کو دور سے تلبیہ پڑھتے ہُوئے سُن کر فرمایا: اسے میرے ہاں لے آؤ۔ جب وہ شخص حاضر ہوا تو حجاج نے پُوچھا: تُو کون ہے؟ اس نے کہا: میں مسلمان ہوں۔ حجاج نے کہا: میرا مطلب یہ ہے کہ تُو کہاں سے آیا ہے؟ عرض کی: یمن سے۔ حجاج نے کہا: میرے بھائی! محمد بن یوسف کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا: خوب موٹا تازہ ہے، خوش لباس ہے، ہر وقت سواریوں پر سوار نظر آتا ہے۔ حجاج نے کہا: میرا مطلب یہ نہیں کہ وُہ معاش میں کیسا ہے بلکہ یہ بتائیے کہ عوام سے اس کا معاشرہ کیسا ہے۔ اس نے کہا: معاشرہ پوچھتے ہو تو حد درجہ کا ظالم، انتہائی غاصب، مخلوق کا مُطیع اور خالق کا نافرمان ہے۔ حجاج نے غصہ آمیز لہجہ میں کہا: تمہیں اتنی بڑی جرأت کیونکر ہُوئی جب تجھے معلوم ہے کہ وُہ میرا بھائی ہے اور میرے دل میں اس کی کتنی قدر ہے۔ اس نے کہا کہ میں بھی تو معمولی انسان نہیں ہُوں اس لیے کہ میں اللہ تعالیٰ کا مہمان اور اس کے پیارے نبی علیہ السلام کا زیارتی اور اس کے دین اور اس کے حقوق کی ادائیگی کرنے والوں کا عاشق ہوں۔ حجاج اسے کوئی جواب نہ دے سکا۔ وہ شخص اس سے پُوچھے بغیر وہاں سے چلا گیا اور کعبہ شریف کے پردوں کو پکڑ کر پڑھنے لگا: اَللّٰهُمَّ بِكَ اَعُوْذُ بِكَ اَلُوْذُ اَللّٰهُمَّ فَرَجُكَ الْقَرِيْبُ وَمَعْرُوْفُكَ الْقَدِيْمُ وَعَادَاتُكَ الْحَسَنَةُ۔

ترجمہ: اے وہ ذات کہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں، اے اللہ! تیری کشادگی قریب اور تیری نیکی قدیم اور تیری عادت کریمہ اچھی ہے۔

(سبق) اس حاجی صاحب کی جرأت قابلِ داد ہے۔ اس نے حق بیان کر ہی دیا اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے ذرہ برابر بھی خوف نہ کیا بالخصوص حجاج ظالم سے بھی نہ گھبرایا کہ جس کے ظلم کی مثال نہیں ملتی۔ وہ ظالم حجاج جس نے کسی عزت والے کو نہ چھوڑا اور جس نے ناحق ظلم کرکے بہت بڑے کاملین کے خون سے زمین کی پیاس بجھائی۔ اس کے ظلم کی داستان سنانے سے زبان تھراتی اور قلم لرزتا ہے لیکن اس بندۂ خدا نے جب اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا تو اس کریم نے اسے اپنی پناہ میں لے لیا۔ سب سے بڑی جرأت یہ کہ وُہ اکیلا اور حجاج اپنے لشکر میں تھا۔ (نکتہ) اس مردِ مومن کے غلبہ کی ایک وجہ اور بھی ہے وُہ یہ کہ مومن روحانی طور تندرست، اور فاسق و

فاجر بیمار کی مانند ہوتا ہے۔ اور تندرست ہمیشہ بیمار پر غالب ہوتا ہے بالخصوص مومن منافق پر غلبہ رکھتا ہے اور حجاج تو اسی امت کا منافق تھا۔

تفسیرِ صوفیانہ دراصل قلب کی بیماریاں دو قسم کی ہیں:

(۱) ایمان میں شک و شبہ اسی طرح دین کے بارے میں اور اس کی حقانیت پر پورا یقین نہ ہو۔ یہ کفار و منافقین کے قلوب ہوتے ہیں۔

(۲) دنیا اور اس کے شہوات کی طرف میلان اور حظوظِ نفسانیہ۔ آیت میں اشارہ ہے کہ کفار و منافقین کے قلوب کی بیماری کا علاج ایمان و یقین و تصدیق قلبی سے ہوتا ہے۔ اگر وہ اسی بیماری میں مر جائیں اور علاج نہ کرائیں تو تباہ و برباد ہوں گے یعنی دائمی طور پر جہنم میں رہیں گے اور اہل ایمان کے قلوب کی بیماریاں توبہ و استغفار، زہد و اطاعت اور ورع و تقویٰ سے دُور ہو سکتی ہیں۔ اگر یہ لوگ اس حالت میں مر گئے تو انہیں انبیاء کرام و اولیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم السلام کی شفاعت سے جہنم سے نجات ہو سکتی ہے۔ ایسے لوگوں کی بیماری سے خطرہ ہے کہ کہیں ایسی بیماری سے کفر میں نہ دھکیل دیے جائیں۔ گناہوں کے مرض میں اضافہ ہو تو نوبت کفر تک پہنچتی ہے۔ چنانچہ اہل مکہ کے بعض کی کیفیت پہلے بیان کی گئی ہے کہ انہوں نے مکہ معظمہ میں رہ کر اپنی بیماری کا علاج ترک کیا اور طبیب حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے دوری اختیار کی اور غذا نا موافق کھاتے رہے۔ مثلاً کہا: غَرَّ هٰؤُلَاءِ دِيْنُهُمْ۔ تو شک ہونے والوں کے ساتھ ظاہر اور باطن تباہ و برباد ہو گئے۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ وہ اپنی موت سے پہلے اپنے ظاہر و باطن کی اصلاح کرے اور یہ حضرت اللہ والوں کی صحبت اور ہمنشینی سے نصیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ تو وہ کریم ہے جو عوام پر بھی لطف و کرم فرماتا ہے اور جب عقیل و فہیم اور عاشق زار ہو کر اس کے فضل و کرم کی طلب کرے تو وہ بہت بڑا مہربان ہے۔ حضرت حافظ نے فرمایا: ؎

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نکرد
اے خواجہ درد نیست ورنہ طبیب ہست

ترجمہ۔ عاشق کا محبوب ہو کر رہو لیکن نظر عنایت سے نہ نوازا، اے خواجہ درد نہیں ورنہ تیرا طبیب تو تیرے ساتھ ہے۔

دوسرے اور بزرگ نے فرمایا: ؎

گر اصحاب دل بفتند و شہر عشق شد خالی
جہاں پر شمس تبریز است و مرشد کو چو مولانا

ترجمہ۔ یوں نہ کہو کہ ارباب دل چلے گئے اور عشق کا شہر خالی ہو گیا سارا عالم تو شمس تبریز (اولیاء) سے پُر ہے لیکن مولانا (روم) جیسا کہا

اے مولا کریم! ہمیں ان اعمال کی توفیق بخش جن سے تجھے محبت اور جن سے تو راضی ہے، اور ان بیمار قلوب کا علاج ہمارے لیے آسان فرما۔ آمین

تفسیرِ عالمانہ وَلَوْ تَرٰی اور اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ کفار کا حال دیکھ لیں۔ (سوال) تَرٰی مضارع کو ماضی کے معنے میں کیوں۔ (جواب) لَوْ مضارع کو ماضی کے معنے میں لاتا ہے جیسے لفظ اِنْ ماضی کو

مضارع بنا ہے۔ اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ کَفَرُوْا جب فرشتے کافروں کی جان نکالتے ہیں یعنی جب عزرائیل علیہ السلام کا لشکر بدبخت کفار کی روحیں نکالتا تھا۔ اَلْمَلٰٓئِکَۃُ یتوفّی کا فاعل ہے یَضْرِبُوْنَ فرشتوں کا یہ حال تھا کہ وہ لوہے کے گُرزوں سے مارتے تھے۔

مروی ہے کہ جب وہ کافروں کے منہ میں لوہے کے گرز مارتے تو ان کے چہروں سے آگ کی چنگاریاں نکلتی تھیں۔

وُجُوْھَھُمْ ان کے چہروں یعنی اعضا کے اگلے حصّوں پر **وَاَدْبَارَھُمْ** اور اُن کے پچھلے حصّوں پر **وَذُوْقُوْا** انہیں گزمارتے ہُوئے کہتے کہ دنیا کی تلواروں کے درد کے بعد چکھو **عَذَابَ الْحَرِیْقِ** جلانے والا وہ عذاب جو کہ آخرت کے عذابوں سے پہلا عذاب ہے۔ اَلْحَرِیْقُ فعیل بمعنی مفعل یعنی اَلْمُحْرِقُ ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے حَرَقَہُ النَّارُ ای اَحْرَقَہٗ وَ حَرَّقَہٗ فَاحْتَرَقَ وَ تَحَرَّقَ یعنی اسے آگ نے جلایا پھر وہ جل گیا۔ اور لَوْ کا جواب محذوف ہے۔ اور اسے اس لیے محذوف کیا گیا تاکہ تنبیہ ہو کہ وہ ایسا سخت ترین منظر ہے کہ خارج از بیان ہے در اصل یہ عبارت یُوں ہوگی؛ لَرَاَیْتَ اَمْرًا فظیعًا لَا یَکَادُ یُوْصَفُ تو تم اسے ڈراؤنا منظر دیکھتے ایسا کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ **ذٰلِکَ** وُہ جو مذکور ہُوا یعنی فرشتوں کا مارنا اور عذاب کا واقع ہونا **بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْکُمْ** سبب اس کے جو تم نے کفر و معاصی کا ارتکاب کیا۔ (ف) یہاں پر ید سے نفس و ذات کو مراد ہے اس سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ اعمال میں جوارح سے سب سے زیادہ ہاتھ کو دخل حاصل ہے

وَاَنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ اور اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ یہ جملہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اور یہ جملہ معترضہ تذییلیہ ہے اپنے ماقبل کے مضمون کی تقریر کے لیے واقع ہوا ہے یعنی معاملہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر انکے گناہوں کے بغیر عذاب نہیں دیتا جس کا نتیجہ نکلا کہ اہلِ ایمان کو جہنم اور اس کے عذاب کی سزا نہیں دیتا۔ بلکہ یہ سزا کفار و منافقین و مرتدین کے لیے ہے کہ وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں۔ (ف) ظلم کی نفی کر کے عذاب کی نفی میں ایک راز ہے۔ اس لیے کہ اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ گناہ نہ ہو وہ عذاب دے تب بھی ظلم نہیں چہ جائیکہ بندوں سے گناہ سرزد ہو تو عذاب دے۔ یہ تو بطریق اولیٰ ظلم متصور نہ ہوگا۔ اس کی مفصل تقریر سورۂ آل عمران میں گزری ہے۔

سوال؛ ظلّام بصیغہ مبالغہ ظالم سے اخص ہے اس لیے کہ اس کے اندر تکثیر کا معنی ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ اخص کی نفی سے اعم کی نفی نہیں ہوتی۔ خلاصہ سوال یہ ہے کہ اگر وہ ظلّام نہیں تو ظالم ہے۔ (معاذ اللہ)

جواب ۱؛ یہاں کثرت ظلم سے متعلقین کی کثرت مراد ہے۔ اس لیے کہ لفظ عبید کثرت پر دلالت کرتا ہے۔ اس بنا پر ان پر ظلم کا پہنچنا بطور کثرت ہوگا۔ پھر جب ان سے ظلم کی نفی ہو گئی تو گویا اس ذات سے ہر طرح ظلم کی نفی ثابت ہوئی (وَھُوَ الْمَقْصُوْدُ) اب معنی یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی ایک پر بھی ظلم نہیں کرتا۔

جواب ۲: کثیر کی نفی سے قلیل کی بھی نفی ہو جاتی ہے۔ اس لیے جو بھی کسی پر ظلم کرتا ہے تو کسی نفع کو مدِ نظر رکھ کر پھر جو شخص کثیر نفع کو ترک کر کے کسی پر ظلم نہیں کرتا تو قلیل نفع کے لیے کیسے ظلم کر سکتا ہے۔ یہ عمومی مفہوم کی حیثیت سے ہے کہ جسے نفع یابی یا ضرر

سے بچنے کا خیال ہو ورنہ اللہ تعالیٰ کے لیے ایسا مفہوم کہاں۔

جواب ۳: یہ فعّال بزّاز و عطّار کی طرح نسبت کے لیے ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت بھی نہیں کی جا سکتی۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ اس میں حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ سے قریش کا مقابلہ فرعون والوں کی طرح ہے۔ وہ ایسے قبیح اعمال میں مشہور ہیں تو یہ بھی اُن کے طریقے پر چل رہے ہیں۔

حل لغات: دَاْب لغت میں اِدامۃ العمل کو کہا جاتا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں فُلَانٌ یَدابُ فی کذا۔ یعنی وہ ایسے عمل پر مداومت کرتا ہے پھر عادت پر اس کا اطلاق ہونے لگا۔ اس لیے کہ انسان اپنی عادت پر مداومت کرتا ہے اور آلُ کا اطلاق مرد کے ان لوگوں پر ہوتا ہے جو اپنے مؤکد ترین اسباب سے کہ اسی کی طرف لوٹیں اسی لیے قرابت والوں کو آل الرجل کہا جاتا ہے۔ اس کے ساتھیوں کو آل نہیں کہا جاتا لیکن یہاں پر فرعون اور اس کے اتباع مراد ہیں۔

وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اور وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے یعنی فرعونیوں سے پہلے، جیسے قومِ نوح، عاد، ثمود اور دیگر اہل کفر و عناد۔ **كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ** وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کے منکر ہوئے۔ یہ دَاْبُ کی تفسیر ہے اور آیات سے دلائل التوحید مراد ہیں جو آفاق و انفس میں موجود ہیں یا انبیاء علیہم السلام کے معجزات مراد ہیں۔ **فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ** پس اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں پکڑا، یعنی ان کے کفر و دیگر معاصی کی وجہ سے ان کی گرفت ہوئی۔ **اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ** بے شک اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا سخت عذاب والا ہے کہ اس کے عذاب کو کوئی دفع نہیں کر سکتا۔

تفسیر عالمانہ

ذٰلِكَ وہ عذاب جو ان کی غلطیوں سے مرتب ہوا، ورنہ وہ قادر ہے کہ ایسے ہی کسی کو عذاب دے۔ **بِاَنَّ اللّٰهَ** بسبب اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ **لَمْ يَكُ** یہ دراصل لَمْ یَکُنْ تھا۔ نون کو حروفِ علت سے مشابہت کی وجہ سے تخفیفاً حذف کیا گیا ہے وجہِ تشبیہ یہی ہے کہ یہ حرف غنّہ ہے۔ پھر جیسے حرفِ علت بوقت عامل جازم کے محذوف ہو جاتا ہے یہ بھی بوجہ کثرت استعمال کے تخفیفاً محذوف ہوتا ہے اور فعل کَوْن کثیر الاستعمال ہے بخلاف لَمْ یَصُنْ و لَمْ یَخُنْ کے۔ ان میں نون محذوف نہیں ہوا اس لیے کہ وہ کثیر الاستعمال نہیں اور کثیر الاستعمال ہی تخفیف کو چاہتا ہے۔ **مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ** یعنی اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں۔ اور اس کی حکمت کے لیے ناموزوں ہے کہ وہ کسی کو نعمت دے کر پھر اس میں تبدیلی کرے **حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ** یہاں تک کہ تبدیل کریں جو ان کے نفسوں میں ہے یعنی ان کے ان اعمال و احوال کی وجہ سے کہ نعمت کے حصول کے باوجود وہ غلط کاریوں میں مشغول رہے اور نعمت کے تقاضا کے منافی اعمال و افعال کے مرتکب ہوئے خواہ اس سے قبل ان کے احوال و افعال ٹھیک تھے یا نیکی کے لیے اصلاح پذیر تھے۔ مثلاً یہی کفار کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے کہ وہ بت پرستی میں مشغول تھے۔ لیکن ان کے لیے یہ حالت ایسی تھی کہ بحیثیت مہلت دینے کے وہ حصولِ نعمت کے مورد تھے یعنی تمام دنیوی نعمتیں ان کو حاصل تھیں۔ جب حضور نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم معجزات لے کر تشریف لائے تو انہوں نے انہیں بدتر احوال کی طرف تبدیل کیا بایں حیثیت کہ حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کی اور آپ سے اور آپ کے تابعین سے مخالفت و عداوت کی اور ہر طرح کی تکالیف میں مبتلا کیا اور شدائد و مصائب کے ان پر پہاڑ ڈھائے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی دی ہوئی نعمت بھی اُن سے چھین لی کہ جہاں انھیں مہلت دے رکھی تھی انھیں عذاب میں مبتلا کیا۔

فائدہ: حدادی نے فرمایا کہ وہ بھوکے تھے تو ان کے لیے طعام وغیرہ کی فراوانی کی اور انھیں خوف سے مامون و مصئون فرمایا، اور ان سے ہی رسول علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور ان کی ہی زبان میں قرآنِ کریم نازل فرمایا۔ جب انہوں نے ان نعمتوں کا شکر نہ کیا اور نہ اللہ تعالیٰ کی نعمت حاصل کی۔ اس طرح سے انہوں نے نعمتوں کو تبدیل کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی نعمتیں واپس لے کے انھیں ہلاک کردیا اور بدر میں انہیں سخت عذاب میں مبتلا کیا۔

وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ اور بے شک اللہ تعالیٰ سمیع علیم ہے یعنی سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے تمام اعمال خواہ وہ عمل میں لاتے یا انہیں ترک کرتے ہیں ان سب کو جانتا ہے وہ سابق ہیں یا لاحق وہ مناسب و موزوں طریق سے انھیں مرتب فرماتا ہے۔ کسی پر نعمتیں باقی رکھنا موزوں ہوتا ہے تو باقی رکھتا ہے اگر اس سے واپس لینا مناسب ہوتا ہے تو واپس لیتا ہے۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ فرعون والوں کے طریقہ پر۔ اس کا تکرار تاکید کے لیے ہے۔ **وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ** اور وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے جنہوں نے اپنے رب کریم کی آیات کی تکذیب کی پھر ہم نے ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں ہلاک کیا **وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ** اس کا عطف **فَاَهْلَكْنٰهُمْ** الخ پر ہے۔ اور ہم نے فرعون والوں کو غرق کردیا۔

سوال: اغراق کا مفہوم تو اَهْلَكْنَا میں ادا ہوگیا تھا پھر اسے علیحدہ ذکر کرنے کا کیا فائدہ؟

جواب: عموم کے بعد خصوص کا ذکر کسی اہمیت کے پیشِ نظر ہوتا ہے۔ یہاں اغراق کی ہولناکی اور اس کی گھبراہٹ کی سختی کو مدِ نظر رکھ کر اَهْلَكْنَا کے بعد اَغْرَقْنَا لایا گیا ہے۔

وَكُلٌّ اور ان میں ہر ایک یعنی فرعون والے اور قریشِ مکہ **كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ** کفر و معاصی کے مرتکب ہو کر وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہیں کہ انہوں نے اپنے آپ کو ہلاکت و تباہی کے لیے پیش کیا یا معنیٰ ہے کہ وہ ایمان و تصدیق کی بجائے کفر و تکذیب کرکے اپنے آپ پر ظلم کرنے والے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ فرعون اور اس کی قوم کو غرق در دریا سے اس لیے مخصوص کیا گیا کہ فرعون نے ربوبیت کا دعویٰ کیا اور اس کی قوم نے اس کی تصدیق کی اور خواہشات نفسانی کو غالب کرکے جوہر روحانی کو ضایع کرنے کا انتہائی مرحلہ طے کیا۔ اس لیے کہ اگرچہ ہر کافر اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب اور کفر سے اپنے جوہر کو ضایع کردیتا ہے۔ لیکن فرعون اور اس کی قوم کی غلط کاری اور مراتب کفر کو کوئی نہ پہنچ سکا۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ اپنی اصلی فطرت کو ضایع نہ کرے حتی الامکان اسے محفوظ رکھنے کی کوشش کرے اور منحوس معاملات سے بچے، جو اسے فساد اور ہلاک کی طرف لے جائیں اور مخالفت حق کے اعمال سے احتراز کرے اسی طرح

ایسے امور کے قریب نہ جائے جو اسے قبولِ حق سے باز رکھیں۔ یہ پند و نصیحت ہر ایک کو مفید ہے بالخصوص راہِ سلوک پر جو شخص گامزن ہو اس کے لیے نہایت ہی ضروری ہے ؎

کسے را کہ پندار در سر بود
مپندار ہرگز کہ حق بشنود

ترجمہ: جس کے ذہن میں غرور بھرا ہو وہ حق کو ہرگز نہیں سنے گا۔

پندِ غزالی قدس سرہٗ

حضرت امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جو شخص نعمت کی قدر دانی نہ کرے اس سے وہ نعمت چھین لی جاتی ہے۔ اسے ایک مثال دے کر سمجھاتے ہیں کہ ایک بادشاہ اپنی رعایا سے کسی اپنے عبد مملوک کو اعزازاً و اکراماً اپنے قریب تر کر دے اور بہترین لباس اور پوشاک عطا فرمائے اور اسے اپنے تمام نوکروں چاکروں اور خدام و حشم کا سردار بنا دے، اور اسے حکم ہو کہ وہ شاہی دروازہ پر حاضر باش رہے پھر غائبانہ اس کے لیے ایک بہترین بنگلہ تیار کرانا شروع کر دے۔ اسے ہر طرح کی زیبائش سے مزین کر کے اس پر ہر طرح کا بہتر سے بہتر سامان لگائے اور ہر قسم کے خوانِ نعمت اس کے لیے تیار کرائے۔ اور اس میں نہایت حسین و جمیل حور و غلمان مقرر کرے اور اسے اجازت ہو کہ وہ بادشاہ کی خدمت سے فراغت پا کر اسی بنگلہ میں آرام کرے اور وہ اس میں بمنزلہ بادشاہ اور مخدوم و مکرم و معزز ترین انسان کے ہو اگر اسے صرف گھڑی بھر یا اس سے بھی کم رہ کر پھر واپس جلد تر بادشاہ کی خدمت کے لیے جانا ہے۔ اندریں اثناء ایسا شخص دیکھے کہ بادشاہ کے دروازے کے باہر کوئی روٹی کے سوکھے ٹکڑے کھا رہا ہے یا کتا ہڈی توڑ رہا ہے۔ ایسا شخص بادشاہ کی خدمت چھوڑ کر انہی سوکھے ٹکڑوں کو دیکھنا شروع کر دے اور کتے کی ہڈی کو گھور گھور کر دیکھے، اور ان سے اس کی ایسی دلچسپی ہو کہ وہ چاہے کہ اسے یہی سوکھے ٹکڑے اور ہڈی مل جائے۔ نہ اسے بادشاہ کا اعزاز ملحوظِ خاطر ہو اور نہ ہی اپنی موجودہ عزت و احترام کا خیال ہو بلکہ وہ بھوکوں کی طرح انہی سوکھے ٹکڑوں اور کتے کی ہڈی کو حاصل کرنے کے لیے ٹوٹ پڑے اور ان سوکھے ٹکڑوں کے لیے دست دراز کرے اور کتے سے ہڈی چھیننے کے لیے بڑی جد و جہد کرے اور اسے روٹی کے ٹکڑوں اور کتے کی ہڈی کا دل میں بہت بڑا احترام ہو اور اسے ایک نعمتِ عظمٰی تصور کرے۔ بتائیے ایسے شخص کے لیے بادشاہ کو کیا خیال گزرے گا بلکہ کہے گا یہ تو حد درجہ کا پاگل ہے جس نے ہمارے اعزاز و اکرام کی کوئی قدر نہیں کی اور نہ اس نے ہمارے قرب و اکرام اور دیگر الطاف و عنایات کو دیکھا۔ ہم نے اس پر نعمتوں و کرامتوں کے دریا بہا دیے۔ یہی کہا جائے گا کہ یہ جہالت کا استاد بلکہ بیوقوفوں کا سربراہ ہے۔ پھر اس سے وہ تمام نعمتیں چھین لی جائیں گی اور اس کا تمام اعزاز و اکرام برباد ہو جائے گا کہ اسے بادشاہ کے دروازے سے ہٹا دو۔

عالمِ بے عمل

مثالِ مذکور ہر اس عالمِ دین کی ہے جو علم پڑھ کر عمل کرنے کے بجائے دنیاوی عیش و عشرت کی طرف مائل ہو۔ اسی طرح ہر وہ عابد جس کی عبادت کا مطمحِ نظر صرف خواہشِ نفسانی ہو۔

سبق

سالک پر لازم ہے کہ انتہائی جد و جہد کرے تاکہ اسے معرفتِ الٰہی نصیب ہو اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو پہچان سکے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ نعمت اس کے لیے عذاب کا سبب اور رحمت عذاب بن جائے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

ہر کہ او شد مر شاہ را جامہ کش
ہست خراں ہمسر شاہش

ہر کہ با سلطان شود او ہمنشیں　　بر درکش شستن بود حیف و غبین
دست بوسش چوں رسید از بادشہ　　گر گزیند بوس پا باشد گناہ
گرچہ سر بر پا نہادن خدمتست　　پیش آں خدمت و ذلتست
شاہ را غیرت بود بر کہ او　　بر گزیند بعد از انکہ دید او

ترجمہ: جو بادشاہ کے لیے بمنزلہ کپڑے کے ہو اسے بعد کو بادشاہ سے نقصان ہوگا۔ جو بادشاہ کا ہمنشین ہوگا اسے بادشاہ سے ہر وقت خوف و خطر ہوگا۔ جب بادشاہ اس کی تعظیم و تکریم کرے تو اسے غیر کی پا بوسی سے گناہ ہوگا۔ اگر اس کی خدمت پا بوسی پر مقرر ہو ایسی خدمت اس کے لیے ذلت ہے۔ بادشاہ کی اجازت نہ ہوگی کہ وہ اس کے غیر کو دیکھے۔

سبق جو اللہ تعالیٰ اور اس کی نعمتوں کو پہچان لیتا ہے تو وہ دنیا بلکہ کونین سے بے نیاز ہو جاتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے سے بزرگ تر ہے اور اس کا ذکر و کلام ہر ذکر و کلام سے افضل و اعلیٰ ہے۔

حکایت حضرت سلیمان علیٰ نبینا و علیہ السلام اپنے لشکر میں نہایت کرّ و فر سے جا رہے تھے۔ پرندوں نے سایہ کیا ہُوا تھا۔ اور وحوش و انعام جن و انس بلکہ جمیع حیوانات وغیرہ آپ کے دائیں بائیں تھے۔ آپ بنی اسرائیل کے ایک عابد سے گزرے تو اس نے کہا: اے ابن داؤد علیہما السلام! آپ کو ایک بہت بڑا ملک اور تخت نصیب ہُوا۔ آپ کتنے خوش قسمت ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اے عابد! اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے صرف ایک بار تسبیح کہنا ابن داؤد کی شاہی اور تخت و سلطنت سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ اس لیے کہ ابن داؤد کی شاہی اور اس کی سلطنت کو فنا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی تسبیح غیر فانی ہے۔

سبق جو آخرت کا طالب ہے اس کے لیے یہی ذکرِ الٰہی بہتر رہبری ہے۔ اسی طرح جو شواغلِ دنیا سے فارغ ہو کر حضرت علیا کی طرف متوجہ ہے اور آخرت کے لیے ہر وقت جدّ و جہد کرتا ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ بے شک زمین پر چلنے والے یعنی جملہ حیوانات سے شریر تر ہیں۔ اس میں انسان بھی شامل ہیں۔ اس لیے کہ یہاں پر دَوَاب کا لغوی معنیٰ مراد ہے عِنْدَ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کے حکم و قضا میں اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا جنہوں نے کفر کیا یعنی اس پر اصرار کیا فَھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ پس وُہ ایمان نہیں لائیں گے یعنی ان سے ایمان کی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔ اس لیے کہ یہ ان لوگوں سے ہیں کہ جن پر کفر کی مُہر ثبت ہو چکی ہے۔

سوال: انھیں شر الناس کی بجائے شر الدواب کیوں کہا؟

جواب: تاکہ تنبیہ ہو کہ یہ اتنا بدبخت ہو چکا ہے کہ انسانی مجانست سے خارج ہو کر حیوانوں میں داخل ہو گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اولئک کالانعام بل ھم اضل۔ یہ جانوروں جیسے بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں۔ ؎
دریغ آدمی زادہ پر محل　　کہ باشد چو انعام بل ہم اضل

ترجمہ: اس آدمی پر حیف ہے جو جانوروں سے بھی بدتر ہو۔

اَلَّذِيْنَ عَاهَدْتَّ مِنْهُمْ یہ پہلے اَلَّذِیْنَ سے بدل البعض ہے۔ اس کے بیان یا تخصیص کے لیے ہے یعنی ان میں بعض وہ ہیں جن سے آپ نے معاہدہ کیا ہے۔ اس معنی میں یہ مِنْ ابتداءِ غایت کے لیے ہے **ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ** پھر وہ اپنا معاہدہ توڑ ڈالتے ہیں۔ اس کا عطف عَاهَدْتَّ پر ہے۔ **فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ** یعنی ہر بار معاہدہ کر کے توڑ ڈالے **وَهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ** وہ اپنے خلافِ معاہدہ اور کفر کے اصرار کرنے پر دوام رکھتے ہیں اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ اس دھوکہ بازی سے بچتے ہی نہیں۔ اس بارے میں عار اور نارِ جہنم سے نہیں ڈرتے۔

یہود معاہدہ توڑ

اس سے قریظہ کے یہودی مراد ہیں جنہوں نے حضور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کیا تھا یعنی وہ تمہارے دشمنوں سے مل کر تمہیں کسی قسم کا نقصان نہ پہنچائیں گے لیکن انہوں نے نہ صرف معاہدہ توڑا بلکہ بدر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شکست دینے کے لیے اہلِ مکہ کو ہتھیار دیئے۔ جب انہیں معاہدہ کی یاددہانی کرائی گئی تو کہا کہ ہم بھول گئے اور ہم نے غلطی کی۔ اس کے بعد دوبارہ معاہدہ کیا تو غزوۂ خندق میں وعدہ توڑ کر کفار سے مل گئے اور حضور علیہ السلام کو شکست دینے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ اصل وجہ یہ ہوئی کہ یہودیوں نے جب غزوۂ بدر میں اہلِ اسلام کا غلبہ دیکھا تو سمجھا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم وہی سچے نبی ہیں جن کے متعلق خوشخبری دی گئی تھی کہ وہ آخری زمانہ میں تشریف لائیں گے اس لیے معاہدہ کر لیا کہ اب کے بعد ان پر کوئی غلبہ نہیں پا سکے گا۔ پھر مسلمانوں کو جب اُحد میں تھوڑی سی شکست ہوئی اور وہ بھی ان کی ناتجربہ کاری اور غلط تدبیری اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی خلاف ورزی سے، تو شک میں پڑ گئے اگر یہ نبی حق پر ہوتے تو شکست نہ کھاتے۔ اسی لیے معاہدہ توڑ کر اہلِ مکہ کے ہاں خود چلے گئے۔ چنانچہ بنو قریظہ کا سردار کعب بن سعد مکہ معظمہ کے کفار کے ہاں حاضر ہوا اور کہا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں تم نبی علیہ السلام سے مقابلہ کرو، کامیاب ہو جاؤ گے۔ اس لیے کہ پہلے تم اکیلے لڑتے رہے اب ہم تمہارا تعاون کرتے ہیں۔ ان کے اکسانے پر غزوۂ خندق وقوع پذیر ہوا۔

مسئلہ: اس میں اشارۃً معاہدہ توڑنے اور وعدہ خلافی کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے۔ بالخصوص وہ لوگ جنہوں نے عالمِ میثاق میں اللہ تعالیٰ سے کفر اور معاصی سے دور رہنے کا معاہدہ کر کے اب دنیا میں کفر و عصیان کر کے وہ معاہدہ توڑ دیا۔ اور نہ صرف ایک بار بلکہ بار بار۔ ؎

نہ مارا درمیاں عہد و وفا بود — جفا کردی و بدعہدی نمودی
ہنوزت ار سرِ صلحت باز آ — کزاں محبوب تر باشی کہ بودی

ترجمہ: تیرے میرے درمیان معاہدہ تھا لیکن تُو نے ظلم کیا اور معاہدہ توڑا۔ اب بھی اگر تجھے صلح کا خیال ہے تو آ جا پہلے کی طرح تُو میرا محبوب ہو گا۔

فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ یہ ثقفٌ سے ہے اور اس کی گردان باب سمع کے مطابق ہو گی بمعنی مُصَادَفَةٌ وَ اَخْذٌ وَظَفْرٌ وَ اِدْرَاكٌ (کذا فی القاموس) اور لفظ "اِمَّا" اِن شرطیہ اور ما تاکیدیہ سے مرکب ہے یعنی جب ان کا یہی حال ہے جیسے مذکور ہوا۔ تو اگر آپ ان پر فتح پائیں۔ **فِي الْحَرْبِ** جنگوں اور لڑائیوں میں **فَشَرِّدْ بِهِمْ** پس انہیں متفرق فرمائیے۔ کاشفی

فشرّد کا مفعول بہ ہے۔

فائدہ: اس سے آپ کے دشمن کفار مراد ہیں۔ (ف) اَلتَّشْرِیْدُ بمعنی الطرد و تفریق الشمل و تبدید الجمع۔ اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ ان معاہدہ توڑنے والوں پر جنگ میں فتح پالیں تو ان کے ساتھ ایسا سخت معاملہ کرنا اور انہیں قہر و غضب میں ایسا مبتلا کرنا کہ ان کے دل کانپ جائیں تاکہ آپ کے ساتھ آئندہ کوئی معاہدہ توڑنے کی جرأت نہ کر سکیں بلکہ تادمِ زلیست انہیں آپ سے لڑائی اور جنگ کرنے کے تصورات بھی مٹ جائیں۔

لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو معاہدہ توڑنے والوں کے ماسوا ہیں کہ وہ آپ کی سخت سزا سے آئندہ کے لیے نصیحت پائیں گے کہ جس طرح منافقین اور معاہدہ توڑنے والوں کو سزا ملی ہے انہیں بھی ایسے ہی سزا ملے گی۔ اس طرح سے وہ کفر و معاصی سے بچ جائیں گے۔ ؎

دود مرغ سوئے دانہ فراز   چوں دگر مرغ بیند اندر بند
پند گیر از مصائبِ دیگراں   تا نگیرند دیگراں از تو پند

ترجمہ: وہ پرندہ دانے کے لیے نہیں جاتا جب دوسرے پرندے کو جال میں پھنسا دیکھتا ہے۔ دوسروں کے مصائب سے نصیحت حاصل کرو نہ یہ کہ دوسرے تم سے عبرت پکڑیں۔

وَاِمَّا تَخَافَنَّ اور اگر تم معلوم کرو یہاں پر خوف استعارۃً بمعنی علم ہے **مِنْ قَوْمٍ** معاہدہ کرنے والی قوم سے **خِيَانَةً** آئندہ کے معاملات میں ان سے خیانت یعنی عہدشکنی محسوس کریں بایں طور کہ ان کے طور اطوار بتائیں کہ ان کے عزائم اور ارادے کیا ہیں **فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ** تو ان کے معاہدے ان کی طرف پھینک دیں **عَلٰى سَوَآءٍ** ط درانحالیکہ آپ ان کی دشمنی کے اظہار میں سیدھے راستہ پر ہوں بایں طور کہ آپ بھی ان سے عہدشکنی ظاہر فرمائیں یعنی غیر مبہم الفاظ سے انہیں واضح کر دیں کہ اب تمہارا اور ہمارا معاہدہ، اور ایک دوسرے سے تعلق ہمدردی ختم، تاکہ انہیں جنگ کے دوران یہ وہم نہ ہو کہ آپ اپنے معاہدہ کے پابند ہیں حالانکہ اندرونی طور معاہدہ ختم کر کے ان سے لڑائی کا پروگرام ہے۔ جب آپ واشگاف الفاظ سے معاہدہ ختم کا اعلان فرمائیں گے۔ اب وہ کسی وہم و گمان میں نہ رہیں گے اور نہ ہی آپ پر الزام تراش سکیں گے کہ آپ نے ان سے خیانت کی ہے۔

فائدہ: جار مجرور کا متعلق محذوف ہے اور وہ معاہدہ توڑنے والے سے حال ہے یا علی السّواء کا مطلب یہ ہے کہ آپ عہد کے خاتمے کا اعلان ایسے واضح الفاظ سے فرمائیں کہ جس سے ہر چھوٹا بڑا اور اعلیٰ ادنیٰ باخبر ہو اس معنی پر "علی السواء" اَلْمَنْبُوْذُ اِلَيْهِمْ سے حال ہے یا علی السّواء کا مطلب یہ ہے کہ آپ اور وہ اس عہد کے ختم کرنے میں برابر ہیں۔ اس معنی پر علی السواء پر دونوں جانبوں سے حال ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ بطریق استیناف کے یہ امر فَانْۢبِذْ کی تعلیل اور سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس کا انہیں امر کیوں ہوا اور عہدشکنی سے پہلے انہیں جنگ سے کیوں روکا گیا تو اس کا جواب ملا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے کہا کہ پس رمیدہ گردان و متفرق ساز بِهِمْ عہ یعنے ان کے قتل کے سبب سے **مَّنْ خَلْفَهُمْ** وہ جو ان کے پیچھے ہیں۔ یہ

(باقی برصفحہ آئندہ)

عہ بمعنے دور پھینک اور متفرق کر ۱۲ = اویسی غفرلہ

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ۭ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَ

اور ہرگز کافر اس گھمنڈ میں نہ رہیں کہ وہ ہاتھ سے نکل گئے بیشک وہ عاجز نہیں کرتے اور

اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ

ان کے لیے تیار رکھو جو قوت تمہیں بن پڑے اور جتنے گھوڑے باندھ سکو کہ ان سے

تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ

ان کے دلوں میں دھاک بٹھاؤ جو اللہ کے دشمن اور تمہارے دشمن ہیں اور ان کے سوا کچھ اوروں کے دلوں

لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ

میں جنہیں تم نہیں جانتے اللہ انہیں جانتا ہے جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے

سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَاِنْ

تمہیں پورا دیا جائے گا اور کسی طرح گھاٹے میں نہیں رہو گے اور اگر وہ

جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ

صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی جھکو اور اللہ پر بھروسہ رکھو بے شک وہی ہے

السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۱﴾ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ

سنتا جانتا اور اگر وہ تمہیں فریب دیا چاہیں تو بے شک اللہ تمہیں

حَسْبَكَ اللّٰهُ ۭ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ وَ

کافی ہے وہی ہے جس نے تمہیں زور دیا اپنی مدد کا اور مسلمانوں کا اور

اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ

ان کے دلوں میں میل کردیا اگر تم زمین میں جو کچھ ہے سب خرچ کردیتے ان کے دل

اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ

ملا سکتے لیکن اللہ نے ان کے دل ملا دیئے بیشک وہی ہے

حَكِيْمٌ ﴿۶۳﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۴﴾

غالب حکمت والا اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) اللہ تمہیں کافی ہے اور یہ جتنے مسلمان تمہارے پیرو ہوئے

تفسیر عالمانہ ہ اس وہم کے ازالہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَلَا يَحْسَبَنَّ** اور گمان نہ کریں **الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا۔ یہ وَلَا يَحْسَبَنَّ کا فاعل ہے اور اس کا پہلا مفعول محذوف ہے اور وہ اَنْفُسَهُمْ ہے اسے اس لیے محذوف کیا گیا ہے تاکہ تکرار لازم نہ آئے کیونکہ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور اَنْفُسَهُمْ کا ایک معنیٰ ہے۔ **سَبَقُوْا** یہ دوسرا مفعول ہے یعنی وہ جو چوک گئے یعنی وہ جن پر آپ لوگ فتحیاب نہیں ہو سکے۔ اس میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو غزوۂ بدر اور دوسری جنگوں میں بچ گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں۔ اور جی بھر کر جرم و خطائیں کیں۔ **اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ** بے شک وہ عاجز نہیں کر سکتے۔ یہ نہی کی تعلیل اور جملہ مستانفہ اور سوال مقدر کا جواب ہے یعنی وہ اپنے آپ کو اپنے ادراک میں عاجز نہیں پائیں گے۔

حلِ لغات: لَا يُعْجِزُوْنَ میں باب افعال کا ہمزہ اصل فعل کی فاعلیت میں مفعول کے وجود کے لیے ہے یعنی عجز۔ مثلاً کہا جاتا ہے اَبْخَلْتُهٗ۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کو بخیل پائے اور کہا جاتا ہے اَعْجَزَهُ الشَّيْءُ۔ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی کسی سے رہ جائے اور کہتے ہیں اَعْجَزْتُ الرَّجُلَ۔ یہ اُس وقت استعمال کرتے ہیں جب کوئی کسی کو

بقیہ صـ۴۹۹ سے آگے

خیانتوں سے محبت نہیں کرتا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے معاہدہ توڑنے پر طعن کیا گیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد شکنی کر کے بہت سخت غلطی کھائی۔ گویا حضور علیہ السلام سے فرمایا گیا کہ اگر آپ کسی قوم سے عہد شکنی محسوس فرمائیں تو ان کو عہد شکنی کی اطلاع دے کر ان سے جنگ کریں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔ اور یہ یہود بھی منجملہ ان عہد شکنی کرنے والوں سے ہیں جیسا کہ آپ اُن کے حالات معلوم کر چکے ہیں۔

مسئلہ: خلیفۂ اسلام پر واجب ہو جاتا ہے کہ جس قوم سے عہد شکنی کے آثار محسوس کرے تو اُن کو عہد شکنی کا اعلان کر دے۔

مسئلہ: اگر ان سے عہد شکنی یقینی ہو جائے۔ یعنی وہ عہد شکنی کا ارتکاب بھی کر چکے ہوں تو پھر اعلان کی ضرورت نہیں۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مکہ سے کیا کہ جب انہوں نے خزاعہ کو قتل کیا تو وہ حضور علیہ السلام کے ذمہ میں تھے تو آپ نے اس عہد شکنی کے بعد بلا اعلان اہلِ مکہ سے جنگ کی۔

ربط: جب اللہ تعالیٰ نے جنگ سے پہلے عہد شکنی کا حکم فرمایا تو کسی کے دل میں وہم گزرا کہ ہم جنگ سے پہلے دشمن کو کیسے بیدار کریں یا انہیں ہم کس طرح اطلاع دیں کہ ہم ان سے معاہدہ ختم کر چکے ہیں باوجودیکہ وہ خود عہد شکنی توڑ کر قرائن سے معلوم تو کر لیں گے کہ ہم ان سے معاہدہ ختم کر چکے۔ پھر جب ہم انھیں مطلع کریں گے تو وہ جنگ کی تیاری کر کے مضبوط قدم جما سکیں گے کہ ان سے مقابلہ مشکل ہو جائے گا یا کم از کم جنگ سے بھاگنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ بہرحال ہماری اطلاع سے ہمارا مقصود فوت ہو جائیگا یعنی ان سے انتقام لینا مشکل ہو جائے گا۔ پھر اس طرح کیوں نہ ہو کہ انھیں اطلاع دیے بغیر جنگ لڑی جائے اس وقت جب کہ ہم ان سے خیانت کی علامات محسوس کریں۔ ورنہ معاملہ گڑبڑ ہو گا۔ خلاصہ یہ کہ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ مخالفین کی عہد شکنی کے آثار معلوم کرنے کے بعد انہیں اطلاع دیے بغیر ان سے جنگ لڑنی چاہیے۔ لیکن یہ حکم جو فرمایا گیا ہے کہ پہلے انھیں اطلاع دو پھر اُن سے جنگ کرو۔ یہ عقل کے خلاف ہے۔

عاجز پائے۔

مسئلہ: آیت میں ان نفوس کو تہدید سُنائی گئی ہے جو گناہوں پر جرأت رکھتے ہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اسی طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے جرأت مندی کی جاتی ہے۔

حکایت حضرت سری سقطی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ایک دن میں ایک شہر کی جامع مسجد میں وعظ کر رہا تھا تو میرے سامنے ایک نہایت حسین وجمیل نوجوان کھڑا ہوگیا۔ وہ شاہی لباس میں ملبوس تھا۔ اس کے اور بھی ساتھی تھے۔ جب اس نے میرے وعظ کے یہ کلمات سُنے کہ اس ضعیف پر تعجب ہے جو بڑی طاقت والے کی نافرمانی کرتا ہے اس کا رنگ فق ہوگیا اور وُہ اسی حالت میں مجلس سے چلا گیا۔ پھر دُوسرے روز میں حسبِ عادت وعظ کرنے لگا تو پھر وہی نوجوان حاضر ہوا اور مسجد میں آکر السلام علیکم کہا اور دوگانہ پڑھ کر مجھ سے گویا ہُوا: اے سری سقطی! فرمائیے، کل آپ نے کہا کہ اس کمزور پر تعجب ہے جو بڑی طاقت والے کی نافرمانی کرتا ہے۔ اس کا مطلب مجھے سمجھ میں نہیں آیا۔ میں نے کہا: تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ سے قوی تر اور کوئی نہیں، اور بندے سے بھی ضعیف ترین اور کوئی نہیں لیکن اس کے باوجود بندہ اپنے مالکِ حقیقی کی نافرمانی کرتا ہے۔ ؎

گرچہ شاطر بود خروس بجنگ
چہ زند پیش باز روئین چنگ

ترجمہ: اگرچہ مرغ لڑائی میں چالاک ہے لیکن باز کے سامنے اس کی کیا مجال۔

یہ سُن کر اٹھا اور مسجد سے نکل گیا۔ پھر تیسرے روز حاضر ہوا تو بجائے شاہی لباس کے صرف دو سفید کپڑے اس کے زیب تن تھے اور اس کے ساتھ پہلے والا مجمع بھی نہیں تھا بلکہ اکیلا تھا۔ آتے ہی مجھ سے فرمایا: اے سری سقطی! بتائیے اللہ تعالیٰ کے ہاں کونسی راہ جاتی ہے؟ میں نے اسے کہا کہ اگر صرف عبادت مطلوب ہے تو دن کو روزے رکھو اور رات کو نوافل پڑھو، اور اگر اللہ تعالیٰ کا وصال مطلوب ہے تو "ماسوی اللہ" سے علیحدگی اختیار کرو۔ اس طرح سے انشاء اللہ تعالیٰ وصالِ الٰہی نصیب ہو جائے گا اور ماسوی اللہ کا ترک مساجد اور ویرانوں اور گورستانوں میں اقامت پذیر ہونے سے نصیب ہو سکتا ہے۔

یہ سُن کر وُہ اٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ اب انشاء اللہ تعالیٰ سخت سے سخت تر راستے طے کروں گا۔ یہ کہتا ہوا جامع مسجد سے نکل گیا۔ چند دنوں کے بعد میرے ہاں چند نوجوان حاضر ہُوئے اور کہنے لگے: آپ نے احمد بن یزید الکاتب کو کیا کیا ہے؟ میں نے کہا میں اسے جانتا نہیں البتہ میرے ہاں ایک نوجوان اس صورت وسیرت کا کئی روز پہلے حاضر ہُوا تھا اور میری اور اس کی اس طرح گفتگو ہوئی، اس کے علاوہ مجھے اس کے متعلق کوئی علم نہیں۔ انہوں نے کہا: آیندہ اگر اس کے متعلق کچھ معلوم ہو تو ہمیں مطلع کرنا۔ ایک سال کامل اس کے متعلق کوئی خبر نہ مل سکی، ایک رات میں تہجد کے لیے اٹھا تو میرے دروازے پر کسی نے دستک دی، میں نے اسے کہا اندر چلے آئیے۔ وُہ اندر چلا آیا، میں نے دیکھا کہ وہی نوجوان ہے جس کا تہبند ایک اُونی کپڑا ہے اور ایک ٹکڑا اونی کپڑے کا کاندھے پر ڈالے ہُوئے تھا اور بغل میں ایک زنبیل تھی جس میں چند دانے کھجور کی گٹھلیوں کے تھے۔ آتے ہی میری آنکھیں چُومنے لگا اور دُعائیں دیں کہ اے سری سقطی! تجھے اللہ تعالیٰ جہنم سے آزاد فرمائے۔ آپ نے مجھے دنیا کے گورکھ دھندوں

سے بچا لیا۔ میں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ اسے اس کے گھر لے جائیے۔ وُہ اسے گھر لے گیا۔ گھر والی جو خود بھی زیورات سے آراستہ و پیراستہ اور بچے بھی نہایت فاخرہ لباس سے ملبوس تھے۔ اس نے بچے اپنے شوہر کی جھولی میں ڈال دیئے اور کہا: اے میرے آقا! آپ نے مجھے اپنی زندگی میں بیوہ اور بچوں کو یتیم بنا دیا۔ اس نوجوان نے بیوی کی بات سُن کر اپنے ایک بچے کو گلے لگایا اور پیار کرتے ہوئے کہا: اے میرے جگر کے ٹکڑے، اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک۔ یہ کہہ کر بچے کے گلے سے اچھے کپڑے اتار کر اپنے کپڑوں سے ایک ٹکڑا کاٹ کر بچے کے گلے میں ڈال دیا۔ اس کی بیوی نے کہا: یہ کیا کر رہے ہو؟ اور بچے سے پُرانے کپڑے اتارنے اور نئے کپڑے پہنانے میں مشغول ہُوئی تو وہ نوجوان چلتا بنا۔ اس کے جانے کے بعد اس کے گھر میں صفِ ماتم بچھ گئی اور ساری رات اس کے بچے، بیوی اور رشتہ دار روتے رہے۔ صبح کو اس کے عزیز سری سقطی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اگر دوبارہ آپ کو اس کے متعلق علم ہو تو ہمیں مطلع کرنا، میں نے وعدہ کر لیا، بہت عرصہ تک اس کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ ایک دن شونیزیہ سے ایک بڑھیا حاضر ہُوئی اور اسی نوجوان کا سلام پہنچا کر کہا کہ اے سری سقطی! وہی نوجوان آپ کو بلا رہا ہے۔ میں وہاں پہنچا اُسے دیکھا تو نہایت نڈھال ہو گیا تھا اور ایک اینٹ سرہانے رکھ کر سویا ہُوا تھا صرف سانس آ جا رہا تھا میں نے اس سے حال دریافت کیا تو اس نے کہا: اے سری سقطی! کیا میرے اتنے بڑے گناہ معاف ہو سکیں گے؟ میں نے کہا ضرور معاف ہو جائیں گے۔ اس نے کہا: میں نے بڑے ظلم کیے ہیں، کیا وُہ بھی معاف ہو جائیں گے؟ میں نے کہا: ضرور۔ اس نے کہا: اے سری سقطی! میں گناہوں میں غریق ہُوں۔ میں نے کہا: وہ کریم ڈوبوں کو سہارا دیتا ہے۔ اس نے کہا: میرے اوپر کچھ حقوق العباد ہیں ان کے متعلق کیا بنے گا؟ میں نے کہا: فکر مت کیجیے، حدیث شریف میں ہے کہ:

تائب کو قیامت میں حاضر کر کے کہا جائے گا کہ جن لوگوں کے حقوق ہوں وُہ حاضر ہوں جب وُہ آ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں تمہارے حقوق کا بدلہ دیتا ہُوں لیکن تم میرے اس بندے کو چھوڑ دو اس طرح سے اس کے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اس کے بعد اس نوجوان نے مجھ سے فرمایا کہ اے سری سقطی! میرے ہاں گٹھلیوں کی خرید و فروخت کے چند ٹکے محفوظ ہیں میرے مرنے کے بعد اُن ہی سے تجہیز و تکفین کرنا اور میرے اعزہ و اقارب کو مطلع بھی نہ کرنا تاکہ وہ اس میں حرام کا مال نہ ملا دیں۔ میں نے اس کی تجہیز و تکفین کی اور وہیں شونیزیہ میں دفنا دیا۔ چند روز کے بعد اس کے اعزہ و اقربا نے مجھ سے اُس کے متعلق پُوچھا تو میں نے بتانے سے گریز کیا۔ جب انہوں نے مجبور کیا تو میں نے کہا: وُہ فوت ہو گیا ہے، اس کی قبر فلاں جگہ ہے لیکن اس نے شرط لگائی تھی کہ میری تجہیز و تکفین حلال مال سے ہو اور میرے اقارب حرام کا مال نہ ملائیں۔ اس کی بیوی نے کہا: صرف آپ ہمیں اس کی قبر بتا دیں ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اس کی قبر کی زیارت کے سوا اور کوئی بات نہیں کریں گے۔ میں نے اُسے قبر دکھائی تو پہلے تو وہ خوب روئی پھر دو معتبر گواہوں کے سامنے کہا کہ میں نے اپنے شوہر کی تمام کنیزیں اور غلام آزاد کیے اور اس کی تمام زمین اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے دی اور اس کا تمام مال فقراء و مساکین کو دے دیا اور وہیں قبر کے نزدیک عرصۂ دراز تک مقیم رہی اور وہیں فوت ہوئی، رحمۃ اللہ علیہا۔ ؎

فدائے دوست نکردیم عمر و مال دریغ
کہ کارِ عشق ز ما ایں قدر نمی آید

ترجمہ: ہم عمر و مال دوست پر قربان نہ کر سکے افسوس کہ عشق میں ہم سے اتنا بھی نہ ہو سکا۔

وَاَعِدُّوْا اور اے مومنو تیار کرو **لَهُمْ** ان کفار کی جنگ کے لیے یعنی سامان مہیا کر کے اُن سے لڑو **مَّا اسْتَطَعْتُمْ** جتنی تمہیں طاقت ہے درآنحالیکہ **مِّنْ قُوَّةٍ** ایسی قوت یعنی ایسا سامان جو جنگ کے لیے ضروری ہوتا ہے گھوڑے، ہتھیار اور تیر وغیرہ۔

سوال: حضور علیہ السلام نے فرمایا، اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْیُ۔ خبردار جنگی طاقت صرف تیر اندازی ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جنگی طاقت صرف تیر اندازی میں محصور ہے اور اس کے علاوہ اور چیزیں بھی بتائی ہیں۔

جواب: یہ حصر علی سبیل الکمال ہے۔ اس لیے کہ اس وقت جنگی طاقتوں میں مکمل ترین ہتھیار تیر اندازی تھی اور قاعدہ ہے کہ اکمل کا ذکر اس کے باقی جمیع افراد کو مشتمل ہوتا ہے۔

حدیث شریف: مروی ہے کہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُحد میں ایک ہزار تیر مارے۔ اُن کے ہر تیر مارنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے، فِدَاكَ اَبِیْ وَاُمِّیْ یَا سَعْدُ۔ اے سعد! تیرے اُوپر میرے ماں باپ فدا ہوں۔

سوال: بعض علماء کا فتویٰ ہے کہ کسی مسلمان کے لیے بھی لائق نہیں کہ وہ دُوسرے مسلمان بھائی کو کہے فداك ابی وامی۔ چہ جائیکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ایک اُمتی کو فرمائیں۔

جواب: بعض نے کہا کہ یہ اس وقت فرمایا جب حضور علیہ السلام کے ابوین کے متعلق کفر و اسلام کا امتیاز واضح نہیں ہوا تھا۔ لیکن یہ جواب ضعیف ہے اس لیے کہ حضور علیہ السلام کے ابوین کے ایمان و اسلام کا اگرچہ عوام میں امتیاز نہیں ہوا۔ مگر حضور علیہ السلام کو تو اُن کے ایمان و اسلام کا علم تھا۔ لیکن بایں ہمہ آپ نے فِدَاكَ اَبِیْ وَاُمِّیْ یَا سعد فرمایا۔ اس لیے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ علماء کا فتویٰ مبنی بر صحت نہیں کیونکہ صحیح یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے فداك امی وابی کہنا مطلقاً جائز ہے۔ اس لیے کہ ان الفاظ سے حقیقی معنیٰ مراد نہیں ہوتے بلکہ اس سے صرف کلام کو لطیف بنانا مطلوب ہوتا ہے، جو دوسرے کو خوش کرنے اور اس کے دل کو مضبوط کرنے کے لیے بولا جاتا ہے۔ اور اُسے بتایا جاتا ہے کہ بولنے والا اس سے محبت رکھتا ہے۔

تیراندازی کے فضائل

حدیث شریف ۱: ہر نیکی پر تیر اندازی اور دُعا کو فضیلت ہے۔

حدیث شریف ۲: ایک ہی تیر کی وجہ سے تین افراد کو اللہ تعالیٰ بہشت میں داخل فرمائیگا۔

۱۔ تیر بنانے والا جو اس نیت سے تیر بناتا ہے کہ اس کا بنایا ہُوا تیر جہاد میں کام آئے گا۔

۲۔ جس نے ہدیہ کے طور مجاہد کو تیر پیش کیا۔

۳۔ جنگ میں تیر مارنے والا۔

حدیث شریف ۳: جس کی جوانی خدمتِ اسلام میں گزری اُسے قیامت میں ایک خصوصی نُور نصیب ہوگا۔ اور جو جہاد فی سبیل اللہ میں تیر مارتا ہے اس کا تیر اس کے دشمن کو پہنچے یا نہ، تو اُسے ہر تیر پر ایک آزاد شدہ مومن غلام کا ثواب ملے گا، جس کا ایک ایک عضو اس تیر مارنے والے کیلئے جہنم کا فدیہ بنایا جائے گا۔

حدیث شریف ۴: جو شخص تیر اندازوں کے دو نشانوں کے درمیان چلتا ہے اس کے ہر قدم پر اس کے لیے نیکی لکھی جائے گی۔

فائدہ: الغرضُ بفتح الغین المعجمة والزاء بعدها الضاد المعجمة۔ ہر وہ نشان جسے تیر مارنے والا اپنے تیر کے پھینکنے کے لیے منتخب کرتا ہے۔

حدیث شریف ۵: اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سوا ہر فعل و قول اور عمل لہو و لعب میں شامل ہے سوائے چار اعمال کے:

۱۔ تیر اندازوں کے دونوں نشانوں کے درمیان چلنا۔

۲۔ جہاد کی خاطر اپنے گھوڑے کو جنگی تربیت دینا۔

۳۔ اپنی گھر والی سے جائز ہنسی مذاق وغیرہ۔

۴۔ دریا میں تیرنے کا ڈھنگ سیکھنا۔

فائدہ: تیر اندازی تین قسم کی ہے:

۱۔ ظاہری تیر اندازی تیر و کمان سے۔

۲۔ باطنی سحر کے وقت آہ و فغاں کے تیر اور خضوع و خشوع کی کمان سے۔

۳۔ حظِ نفسانی دل سے ہٹ کر توجہ بحق کر کے ماسویٰ سے فراغت کی تیر اندازی (یہ اخص الخواص کا کام ہے) حضرت حافظ نے فرمایا ؎

نیست بر لوحِ دلم جز الفِ قامتِ دوست
چہ کنم حرف دگر یاد نداد استادم[1]

وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ یہ فَعال بمعنی مفعول لباس بمعنی ملبوس کی طرح ہے یعنی خیل مربوط جَرْدُ قَطِيْفَةٍ کی طرح ہے کہ در اصل قَطِيْفَةٌ جَرْدٌ ہے یہاں عام خاص کی طرف مضاف ہے یہ اضافت خاتم فضة کی اضافت بیانیہ یا تخصیص کے لیے ہے۔

سوال: اسے من قوة کے بعد لانے کی کیا ضرورت ہے جبکہ من قوة میں ضمناً اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

جواب: اس کی فضیلت اور اہمیت ظاہر کرنا مطلوب ہے جیسے عموم کے بعد خصوص میں ہوتا ہے جیسے ملائکہ کے ذکر کے بعد حضرت جبرائیل و میکائیل علیہما السلام کا ذکر کیا گیا ہے۔

العجوبہ: جنات اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جہاں گھوڑا یا جنگی ہتھیار ہوں۔

حدیث شریف: جس نے جَو خریدے اور انھیں صاف کر کے بطور گھاس کے جنگی گھوڑے کو کھلائے تو اسے ایک ایک جَو کے عوض نیکی نصیب ہو گی۔

فائدہ: بنو آدم کی طرح گھوڑے کو خواب آتے ہیں۔

مجاہد گھوڑے کے فضائل

۱۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب مجاہدین کے دو گروہ آپس میں ٹکراتے ہیں تو گھوڑا پڑھتا ہے "سبوحٌ قدوسٌ ربنا و رب الملئكة والروح" یہی نکتہ ہے اس میں کہ پیدل

---

[1] میرے دل کی تختی پر سوائے دوست کے قد و قامت کے اور کچھ نہیں میں بھی مجبور ہوں کہ مجھے استاد صاحب نے سوائے الف کے اور کوئی سبق نہیں سکھایا۔

جنگی کو غنیمت کا ایک حصہ اور گھوڑ سوار کو دو حصے ملتے ہیں۔

۲۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور سرورِ عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مادہ گھوڑیوں کو اپنا بہترین سرمایہ سمجھو اس لیے کہ ان کی پیٹھ تمہاری حفاظت اور ان کے پیٹ تمہارے خزانے ہیں۔

۳۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص گھوڑے کو صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے اور اس کا وعدہ پورا کرنے کی نیت سے پالتا ہے تو اس کا گھاس سے سیر ہونا اور اس کی رال اور اس کی لید اور اس کا پیشاب قیامت میں جمع کر کے اس کے اعمال نامے میں رکھا جائے گا۔

حکایت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے پوچھا کہ جانوروں میں سے آپ کو کون سا جانور محبوب تر ہے؟ انہوں نے فرمایا، گھوڑا اور گدھا اور اونٹ، اس لیے کہ گھوڑا اولو العزم رسل کرام علیٰ نبینا وعلیہم السلام کی سواری ہے اور اونٹ حضرت ہود و صالح و شعیب و سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری ہے اور گدھا عیسیٰ و عزیر علیٰ نبینا وعلیہم السلام کی۔ پھر میں ان سے کیوں محبت نہ کروں جب اللہ تعالیٰ ان سے قبل الحشر یعنی موت سے پہلے محبت کرتا ہے۔

فائدہ: گھوڑے تین قسم کے ہیں،

۱۔ رحمٰن کے لیے۔ وہ یہ کہ اسے جہاد فی سبیل اللہ کے لیے خرید کر اس پر سوار ہو کر اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو قتل کیا جائے۔

۲۔ انسان کے لیے۔ وہ یہ کہ اس سے اپنے پیٹ کی خدمت کی جائے یعنی فقر کا ستر۔

۳۔ شیطان کے لیے۔ وہ یہ کہ اس سے جوا کھیلا جائے وغیرہ۔

تُرْهِبُوْنَ بِهٖ درانحالیکہ تم اسے ڈراؤ یہ اعدوا کے فاعل سے حال ہے۔ یعنی تمہارا حال یہ ہو کہ تم اپنے جنگ کے ہتھیار سے دشمنوں کو ڈراؤ دھمکاؤ۔ **عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ** اللہ تعالیٰ اور اپنے دشمنوں کو، اس سے کفارِ مکہ مراد ہیں۔

سوال: اہلِ مکہ کی تخصیص کیوں، حالانکہ تمام کفار اللہ تعالیٰ اور اہلِ ایمان کے دشمن ہیں۔

جواب: اہلِ مکہ دوسرے کفار سے سرکشی اور حد سے متجاوز ہونے میں سخت تر تھے اسی لیے ان کی تخصیص کی گئی۔

وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ اور ان کے ماسوا دوسروں کو بھی ان کے ذریعے ڈراؤ اس سے دوسرے کفار جیسے یہود و نصاریٰ اور منافقین اور فارس کے آتش پرست وغیرہ مراد ہیں اسی طرح جنات کے کفار بھی اس میں شامل ہیں **لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ** تم انہیں نہیں جانتے ہو۔ یہاں پر علم بمعنی معرفت ہے۔ اس لیے کہ یہ ایک مفعول کی طرف متعدی ہے اور معرفت کا تعلق ذات سے ہے یعنی تم ان کی ذات کو نہیں جانتے **اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ** ای یعرفهم یعنی اللہ تعالیٰ انہیں جانتا ہے۔

سوال: معرفت کا اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف کیسے ہو سکتا ہے جبکہ معرفت کو پہلے جہل لازم ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے جہل کا وہم لانا بھی کفر ہے۔

جواب: اللہ تعالیٰ کے لیے جب اسی لفظ کا اطلاق کیا جاتا ہے تو اس سے ان کا ذوات سے مطلق تعلق مراد ہوتا ہے اس میں نسبت جہل وغیرہ کا اعتبار نہیں ہوتا۔ قطع نظر اس کے کہ وہ اشیاء اس کے علم سے متعلق ہونے سے پہلے مجہول تھیں یا نہ۔

فائدہ : آیت سے معلوم ہُوا کہ انسان کو اپنے ہر دشمن کا جاننا ضروری نہیں ۔ ؎

آدمی را دشمنِ پنہاں بسیست
آدمی با حذر عاقل کسیست

وَمَا یہ مَا شرطیہ ہے **تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ** اور وُہ جو اپنے سرکش دشمنوں کی تیاری میں خرچ کرتے ہو وہ قلیل ہو یا کثیر **فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ** اللہ تعالیٰ کی راہ میں جسے جہاد نے واضح کیا ہے **یُوَفَّ اِلَیْکُمْ** تمہیں اس کی پُوری جزا دی جائے گی ۔ **وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ** اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا کہ بالکل ثواب سے محروم کر دیے جاؤ یا تمہارے ثواب میں کمی کی جائے ۔

سوال : ظلم کو ترک ثواب سے کیوں تعبیر کیا ہے اس لیے کہ اعمال ثواب کو موجب نہیں کہ اس کے ترک کو ظلم سے تعبیر کیا جائے ۔

جواب : کمال تنزہ کی وجہ سے کہ جن امور کا اس کی ذات سے صدور محال ہے اس کے اسباب بھی اس کی طرف منسوب نہ کیے جائیں اور اعمال پر ثواب نہ دینا بھی منجملہ اس کے ہے اسی لیے اس کا تنزہ ذاتِ باری تعالیٰ سے ضروری ہُوا ۔

حدیثِ معراج حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حضرت جبریل علیہ السلام ایسا تیز رفتار براق لائے کہ جہاں تک آپ کی نگاہِ اقدس پڑتی وہاں براق کا قدم پہنچتا اور حضرت جبریل علیہ السلام بھی ساتھ تھے آپ کا ایک قوم پر گزر ہُوا جو ابھی بیج ڈالتے تو ابھی کھیتی سر سبز ہو جاتی پھر وُہ اسی وقت کاٹ بھی لیتے ایک دن میں یہ کام مکمل ہو جاتا آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پُوچھا یہ کون لوگ ہیں ۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی : یہ مجاہد فی سبیل اللہ ہیں کہ انھیں ایک نیکی کے عوض دُگنا بلکہ سات سو گنا زائد ثواب ملتا ہے جو کچھ انہوں نے خرچ کیا تھا اب اللہ تعالیٰ انھیں اجر و ثواب عطا فرما رہا ہے ۔

حدیث شریف : جو مجاہد فی سبیل اللہ مدد کرتا ہے یا نہایت ہی دُکھ اور تکلیف کے باوجود جنگ میں شامل ہوتا ہے یا گردن آزاد کرانے والے کی اعانت کرتا ہے تو قیامت میں اللہ تعالیٰ اسے اپنے سایۂ رحمت میں جگہ دے گا جہاں اس کی رحمت کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا ۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

احوال گنج قارون کایام داد بر باد
باغنچہ باز گویند زر را نہاں ندارد

ترجمہ ۔ قارون کے خزانے کا حال سب کو معلوم ہے کہ کیسے برباد ہوا اب غنچے کو کہیں کہ وہ زر کو چھپا نہ رکھے ۔

چہ دوزخی چہ بہشتی چہ آدمی چہ ملک
بمذہب ہمہ کفر طریقت امساک

ترجمہ : دوزخی بہشتی آدمی فرشتہ ہر ایک کا متفقہ فیصلہ ہے کہ طریقت میں بخل کفر ہے ۔

تفسیر عالمانہ **وَاِنْ جَنَحُوْا** (حلِ لغات) اَلْجُنُوْحُ بمعنی اَلْمَیْلُ یعنی جھکنا ۔ اسی سے اَلْجَنَاحُ ہے ۔ چونکہ پرندہ اپنے پر کے ذریعہ جہاں چاہتا ہے جھکتا ہے اسی مناسبت سے اس کے پر کو جَنَاحٌ سے تعبیر کرتے ہیں

عہ آدمی کے پوشیدہ دشمن بہت ہیں خوف خدا رکھنے والا انسان دانا ہے ۔

جَنَحُوْا لام اور الٰی کے ساتھ متعدی ہوتا ہے اب معنی یہ ہوا کہ اگر وہ کفار جھکیں لِلسَّلْمِ صلح کے لیے سر تسلیم خم کریں - یہ اس وقت ہُوا جب کافروں نے مسلمانوں کے سازو سامان کو دیکھا کہ وُہ اب ان کی سرکوبی کے لیے مکمل طور پر تیار ہیں تو ان کے دلوں پر رعب چھا گیا اسی لیے وہ صلح کے لیے تیار ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام سے فرمایا، فَاجْنَحْ لَهَا تو آپ ان کی صلح کو مان لیں۔

سوال : سِلْمٌ مذکر ہے اس کے لیے مونث کی ضمیر کیوں ؟

جواب نمبر ۱ : اس کی نقیض حرب پر محمول کر کے اور وہ مونث ہے۔

جواب نمبر ۲ : سِلْمٌ بمعنے المسالمة یعنی المصالحة ہے۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اور اللہ تعالیٰ پر توکل کیجئے یعنی ان کے مکر و فریب سے خوف نہ کیجئے اس خیال پر کہ ممکن ہے کہ وُہ بظاہر صلح کر رہے ہیں لیکن اندرونی طور در پئے آزار ہوں آپ کو کوئی خطرہ نہ ہونا چاہیے اس لیے آپ کا محافظ اللہ تعالیٰ ہے اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ بے شک وہ سمیع ہے کہ کفار تنہائیوں میں جتنا مکر و فریب اور دھوکہ بازی کے منصوبے بناتے ہیں الْعَلِيْمُ وہ علیم ہے یعنی ان کی نیات و عزائم کو جانتا ہے ان کے استحقاق کے مطابق ان کا مواخذہ فرمائے گا اور ان کے دجل و فریب کو ان کے منہ پر مارے گا۔

مسئلہ : یہ آیت اگرچہ یہودیوں کے متعلق ہے لیکن حکم میں یہود اور غیر یہود یعنی جملہ عہد شکن کفار کو شامل ہے۔

قاعدہ : فَاجْنَحْ لَهَا امر اباحت کا ہے۔

مسئلہ : اس امر کے مطابق عمل کی کارروائی امام (حاکمِ وقت) کی رائے پر مبنی ہوگی۔ اور اس کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ ہمیشہ کفار کے ساتھ جنگ لڑتا رہے اور نہ ہی اس کے لائق ہے کہ ان سے ہمیشہ صلح و سلوک کی باتیں کرے بلکہ ہر معاملہ میں اہلِ اسلام کی بہبودی اور فلاح کو مدِ نظر رکھے۔ مثلاً اہلِ اسلام کو کفار سے لڑائی کی پوری طاقت اور ہمت حاصل ہو۔ تو پھر کفار سے صلح وغیرہ نہ کرے بلکہ لڑائی اور جنگ کے لیے کمر بستہ ہو اور اگر اہلِ اسلام میں ضعف و کمزوری ہو کہ وُہ لڑائی اور جنگ نہیں کر سکتے تو پھر کفار سے لڑائی کے بجائے ان سے مصالحت کی چارہ جوئی کرے اور طاقت و قوت کے وقت لڑائی چھیڑ دے یہاں تک کہ وہ کفار خود صلح پر مجبور ہو جائیں یا جزیہ ادا کریں۔

مسئلہ : اگر صلح کا معاملہ طے ہو تو بھی ان سے ایک سال کامل کا صلحنامہ نہ لکھ دے بلکہ سال سے کم۔ ہاں اگر غلبہ اور قوت و طاقت کفار کو حاصل ہو تو پھر جیسے مناسب دیکھے خواہ دس سال تک کا صلح نامہ لکھے لیکن دس سال سے زائد کا معاہدہ نہ ہو۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار اور پیروی اسی میں ہے۔ چنانچہ آپ نے بھی کفار کو صلح نامہ اسی طرح لکھ دیا لیکن جب کفار نے عہد شکنی کی تو پھر آپ نے مدت سے پہلے ہی عہد شکنی کا اعلان فرما دیا اور یہی عہد شکنی فتح مکہ کا سبب بنی۔

وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اور اگر وُہ لوگ جو آپ سے صلح کا مطالبہ کر کے دل میں ارادہ رکھتے ہیں اَنْ يَّخْدَعُوْكَ یہ کہ آپ سے صلح ظاہر کر کے دھوکہ دیں تاکہ آپ ان سے جنگ کرنے سے باز رہیں فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ پس بیشک آپ کو اللہ تعالیٰ کافی ہے

کہ ان کے فتنوں اور شر سے آپ کو بچائے گا، آپ کا وہی مددگار رہے گا اور آپ کو ان پر غلبہ دے گا۔ یہ اس محاورہ سے ہے مثلاً کہا جاتا ہے؛

"احسبنی فلان ای اعطانی حتی اقول حسبی"

یعنی فلاں نے مجھے ایسا عطیہ عنایت فرمایا کہ جس پر مجھے کافی ہے کہنا پڑا۔

هُوَ الَّذِیٓ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے اپنی کرم نوازی سے آپ کی مدد فرمائی یعنی بغیر کسی ظاہری سبب کے اسی نے اپنے لطف وکرم سے آپ کو تقویت بخشی **وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ** اور آپ کی اہلِ ایمان مہاجر وانصار کے سبب سے مدد فرمائی۔

ربط: اب اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ جس نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلِ ایمان کے سبب سے کس طرح مدد فرمائی۔

وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ اور ان کے دلوں میں آپس کی محبت پیدا فرمائی حالانکہ اس سے قبل تعصب اور بغض وکینہ میں مبتلا تھے اور ایک دوسرے سے انتقام لینے میں مر مٹنے تک تیار رہتے کہ ان سے آپس کی الفت ومحبت کی امید بھی نہیں تھی۔

اُن کے بغض وکینہ کی ایک ادنیٰ مثال

اگر کسی قبیلہ کے ایک آدمی کو کوئی آدمی طمانچہ مارتا تو اس کا سارا قبیلہ مارنے والے قبیلے سے بڑی خونریز جنگ چھیڑ دیتا۔ اسی طرح ان کے درمیان دائمی جنگ رہتی اور ایک دوسرے کی دشمنی میں ان کی زندگی بسر ہوتی کہ ان سے ہمیشہ کے لیے الفت ومحبت اور اتفاق منقطع متصور ہوتا لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری سے انہیں ایسی توفیق عنایت ہوئی کہ اب آپس میں یکجان ہو گئے یہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے روشن ترین معجزات سے ہے۔

فائدہ: اوس وخزرج دونوں قبیلوں کی ایک سو بیس سال سے لڑائی اور جھگڑے چلے آرہے تھے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی برکت سے ان میں الفت ومحبت پیدا فرمائی۔ (کذا قال الکاشفی) ؎

یک حرف صوفیانہ بگویم اجازت است
ای نورِ دیدہ صلح بہ از جنگ آوری

لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا اگر تم ان کی تالیفِ قلوب کے لیے زمین کے اندر کی تمام اشیا خرچ کرتے۔ **مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ** تو تم ان کے دلوں میں کبھی تالیف پیدا نہ کر سکتے یعنی ان کی آپس کی عداوت اس انتہا کو پہنچی ہوئی تھی کہ اگر کوئی خرچ کرنے والا ان کی اصلاح کے لیے زمین کے تمام اموال اور ذخیرے خرچ کر ڈالے تو بھی ان کی اصلاح نہیں کر سکتا **وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ** اور اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان تالیفِ قلوب فرمائی ہے کہ ظاہراً و باطناً اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ سے آپس میں محبت کرتے ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا قلوب پر قبضہ ہے وہ جس طرح چاہتا ہے انہیں پھیرتا ہے۔ **اِنَّهٗ عَزِیْزٌ** بے شک وہ بڑی قدرت والا اور غلبہ والا ہے اس کے ارادہ کے خلاف کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ **حَکِیْمٌ** بڑی حکمت والا ہے جس طرح کسی کو قبضہ دینا چاہتا ہے اپنی حکمت کے مطابق قابض کر دیتا ہے۔

؎ ترجمہ: ایک صوفیانہ نصیحت کرتا ہوں اگر اجازت ہو وہ یہ کہ اے میری آنکھ کے تارے صلح اچھی ہے جنگ سے؛

فائدہ: بھائیوں سے اُلفت ومحبت اور موافقت کرنا عالمِ ارواح سے ہے یعنی آج کی محبت والفت اور موافقت ازلی محبت اُلفت اور موافقت کا نشان ہے۔

حدیث شریف: مومن فطرۃً الفت ومحبت کا گرویدہ ہے اور اس شخص کے لیے کوئی بھلائی نہیں جو نہ الفت کرتا ہے اور نہ کسی کی الفت میں گرویدہ ہوتا ہے۔

حدیث شریف: دُو مومن جب آپس میں ملتے ہیں تو ان کی مثال دو ہاتھوں کی ہے جو ایک دوسرے کو دھوتے ہیں۔ اسی طرح دو مومن جب بھی آپس میں ملتے ہیں تو ایک دوسرے سے بھلائی کا افادہ واستفادہ کرتے ہیں۔

اولیاءِ کرام کی عزت واحترام حضرت ابو ادریس خولانی نے حضرت معاذ سے فرمایا کہ میں آپ سے فی سبیل محبت کرتا ہوں اور آپ کو اس کی بہت خوشی ہونی چاہیے اسی لیے کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے سُنا کہ قیامت میں چند لوگوں کے لیے عرش کے گرد کُرسیاں بچھائی جائیں گی۔ ان کے چہرے چودھویں شب کے چاند کی طرح روشن ہوں گے اس روز اور لوگوں کو گھبراہٹ ہوگی لیکن وُہ گھبراہٹ سے پاک ہوں گے دوسرے لوگ اس دن خوفزدہ ہوں گے لیکن وُہ بے خوف وخطر ہوں گے اور وہ اولیاء اللہ ہوں گے کہ جنہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ غمگین ہوں گے۔ عرض کی گئی وہ لوگ کون ہیں، آپ نے فرمایا: وہ لوگ وُہ ہیں جو آپس میں اللہ واسطے محبت کرتے ہیں۔

نسخۂ روحانی اگر لوگ آپس میں محبت کریں اور اسی کو اپنا دستور العمل بنالیں تو عدالت سے بے پروا ہو جائیں اور عدالت محبت کی نائب ہے، جہاں محبت نہ ہو وہاں عدالت سے کام لیا جاتا ہے یعنی محبت کے فقدان پر جھگڑے اُٹھتے ہیں تو پھر ان کے فیصلہ کے لیے عدالتیں اور کچہریاں لگائی جاتی ہیں۔

نکتہ: محبت سے فرمانبرداری ڈر اور خوف کی اطاعت سے افضل ہے اس لیے کہ محبت کی اطاعت کا تعلق باطن (قلب) سے ہے اور خوف اور ڈر کی اطاعت کا تعلق ظاہر سے ہے اور باطن کو ظاہر پر فوقیت حاصل ہے۔

نکتہ: اسی وجہ سے صوفیہ کرام کی صحبت راہِ راست پر لانے کے لیے بہت بڑی تاثیر رکھتی ہے اس لیے کہ ان کی محبت اللہ واسطے ہوتی ہے اسی لیے وُہ اپنے صحبت یافتہ کو نیک عادات کی تلقین فرماتے ہیں۔ اس طرح سے مرید کو شیخ کی صحبت سے فائدہ نصیب ہوتا ہے اور نیک کی صحبت سے عوام استفادہ کرتے ہیں۔

نکتہ: ہر روز پانچ بار محلہ والوں کو مساجد میں نماز باجماعت ادا کرنے میں بھی یہی راز ہے اور علاقہ والوں کے ہفتہ وار جمعہ کے اجتماع میں بھی یہی نکتہ ہے اور عیدین کی نماز بھی یکجا پڑھنے کے لیے سال میں دو بار اکٹھے ہونے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے جو ابھی مذکور ہُوا، اسی طرح تمام ممالک کے لوگوں کے زندگی میں ایک بار حجِ بیت اللہ ادا کرنے میں فائدہ مذکور مضمر ہے علاوہ ازیں اور بھی ان میں بہت حکمتیں ہیں (جو اہلِ علم سے مخفی نہیں) منجملہ ان کے یہ بھی ہے کہ ان کے ایسے اجتماعات میں ان کی آپس کی محبت و الفت میں اضافہ ہو۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہلِ ایمان کی آپس کی محبت و الفت اور ایک دوسرے سے شفقت کرنے کی مثال ایک جسم کی سی ہے کہ اس کے کسی حصّہ کو درد ہو تو سارا جسم بے قرار اور بے چین ہوتا ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

بنی آدم اعضائے یکدیگر اند　　که در آفرینش ز یک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار　　دگر عضوہا را نماند قرار

نسخۂ روحانی کسی سے الفت و محبت اس کی صحبت کو چاہتی ہے اور صحبت ہو تو نیک لوگوں کی ہو، اس لیے کہ ان کی صحبت راہِ راست پر لانے کے لیے بہت بڑی تاثیر رکھتی ہے بلکہ ان کی صرف نگاہِ کرم بھی لاکھوں کی بگڑی بنا دیتی ہے۔

لطیفہ: صرف کسی کو دیکھنے سے بھی اس کی عادت اور اس کے طور و طریق سے دیکھنے والے پر اثر پڑتا ہے مثلاً کوئی شخص ہمیشہ غمگین و حزین کو بار بار دیکھے تو اس میں حزن و ملال پیدا ہو جائیں گے اسی طرح مسرور اور خوش و خرم آدمی کو بار بار دیکھنے سے سرور اور خوشی پیدا ہو جاتی ہے۔

نکتہ: عرب کا مقولہ مشہور ہے:

"من لا ینفعک لحظہ لا ینفعک لفظہ"

جس کی نگاہ سے تمہیں فائدہ نہ پہنچ سکے تو اس کے ملفوظات بھی تجھے کچھ فائدہ نہیں پہنچائیں گے۔

نکتہ: شرارتی اور فسادی اور سرکش اونٹ کو نرم خو اونٹ کے ساتھ اٹھایا بٹھایا جائے تو وہ سرکش اونٹ نرم خو ہو جائے گا، اس لیے کہ ایک دوسرے کی مقاربت سے جانوروں اور انگوریوں بلکہ جمادات کو فائدہ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہوا اور پانی جیفہ (مردار) سے بدبودار ہو جاتے ہیں۔ یہی راز ہے کہ کھیتوں اور زمینوں سے جڑی بوٹیاں اور فضول قسم کی اشیاء جڑ سے اکھاڑ کر باہر پھینکی جاتی ہیں اس لیے کہ وہی جڑی بوٹیاں اور دیگر فضول چیزوں کے باقی رکھنے سے زمین اور کھیتی کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔

لطیفہ: جب مذکورہ بالا اشیاء کی مقاربت سے نقصان ہی نقصان ہے تو بزرگ ترین صورتیں یعنی حضرت انسان تو اس تاثیر کا زیادہ مستحق ہے اس لیے کہ وہ اشرف المخلوقات ہے۔

نکتہ: بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ انسان کو انسان اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ جسے بھی دیکھتا ہے اس سے مانوس ہو جاتا ہے۔ وہ شے کی اچھائی و بُرائی کو نہیں دیکھتا بس شے کو دیکھتے ہی اس سے متاثر ہو جاتا ہے خیر ہو تو بھی، بُرائی ہو تو بھی۔ پھر اس سے محبت و الفت سے مزید تاثیر پیدا ہو جاتی ہے۔

نکتہ: بُرے لوگوں کی صحبت اور دوستی کے بجائے تنہائی اور ان سے علیحدگی اختیار کرنا بہتر اور اعلیٰ ہے۔

نسخۂ روحانی اہلِ علم و وفا اور صوفیہ کرام اور اخلاقِ حمیدہ والے حضرات کی صحبت اور دوستی نعمت و غنیمت ہے بلکہ ان کی ہم نشینی اور صحبت اللہ تعالیٰ کی ہمنشینی کے قائم مقام ہے جیسے ان کی محبت گویا اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا ہے۔ اُن سے رابطہ قائم کرنا

بنی آدم ایک دوسرے کے اعضا ہیں۔ کیونکہ پیدائش میں ایک جوہر سے ہیں۔ جب ایک عضو کو زمانہ دکھ پہنچاتا ہے تو دوسرے عضو کو قرار نہیں رہتا =

ق سے ملتا ہے اور ان کے غیر سے رابطہ تو طبع و مزاج پر منحصر ہے اسی لیے صوفیہ کرام کا قاعدہ ہے کہ "الصوفی مع غیر الجنس کائن بائن و مع الجنس کائن معائن"۔ صوفی غیر جنس سے مغایر ہو کر گزارتا ہے لیکن اپنے ہم جنس سے گویا عین ہو جاتا ہے۔ اور یہ قاعدہ حدیث سے ثابت ہے کہ "المومن مرأۃ المومن" مومن اپنے دوسرے مومن بھائی کے لیے بمنزلہ شیشے کے ہے۔ جب وہ اپنے نیک بھائی سے ملاقی ہوتا ہے تو اس کی گفتار و رفتار اور احوال سے استفادہ کرتا ہے اس لیے کہ اس کے اقوال و احوال اور گفتار و رفتار تجلیات ربانیہ و تعریفات رحمانیہ اور تلویحات الٰہیہ ہوتے ہیں لیکن انہیں غیروں سے مخفی رکھا جاتا ہے البتہ نورانی لوگوں کو اس کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ (کذا فی عوارف المعارف)

قرآنی کیمیا صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں نے بہت بڑے شیخ کامل اور متقی عالم باعمل سے سُنا، وہ فرماتے ہیں کہ میری دو گھر والیاں تھیں، ان کی ہمیشہ ناچاقی رہتی تھی میں نے یہی آیت "ھو الذی ایدك بنصرہ" الآیہ پڑھ کر پانی پر دم کر کے دونوں کو وہی پانی پلایا تو بفضلہ تعالیٰ ان کی آپس میں محبت و الفت پیدا ہو گئی اور ان کے دلوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بغض و عداوت کافور ہو گئے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یعنی اللہ تعالیٰ سے غیبی خبریں دینے والے اور بہت بڑی بلند شان والے **حَسْبُكَ اللّٰهُ** جمیع امور و معاملات میں آپ کو اللہ تعالیٰ کافی ہے **وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ** واؤ بمعنی مع ہے یعنی آپ کو اللہ تعالیٰ کافی ہے اور آپ کو اپنے تابعدار کافی ہیں یعنی آپ کی مدد کرنے میں وہی آپ کو کافی ہیں یہ اس محاورہ سے ہے کہ کہا جاتا ہے "حسبك و زیدا درھم" یعنی تمہیں زید مع درہم کے کافی ہے یا اس کا اسم اللہ پر عطف ہے۔ دراصل عبارت یوں ہے کہ "کفاك اللّٰه والمؤمنین" یعنی اللہ تعالیٰ اور اہلِ ایمان آپ کو کافی ہیں۔

سوال: حقیقی کفایت کنندہ تو اللہ تعالیٰ ہے تو پھر کفایت کا اسناد اہلِ ایمان کی طرف کیوں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی کفایت کے اسباب ظاہری وہی اہل ایمان تھے بنا بریں کفایت کا اسناد اہلِ ایمان کی طرف جاتا ہے[1]

شانِ نزول ۱۔ یہ آیت غزوۂ بدر سے پہلے البیداء میں نازل ہوئی تاکہ آپ کو کفار کے مقابلہ کے لیے تقویت اور صحابہ کرام کو تسلی ہو اس لحاظ سے آیت میں "المؤمنین" سے انصار مراد ہیں۔

۲۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ یہ آیت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے اسلام لانے پر نازل ہوئی۔ اسی بنا پر یہ آیت مکیہ ہے لیکن حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اسے سورۃ مدنیہ میں لکھا گیا۔ چنانچہ مروی ہے کہ اس آیت کے نزول سے پہلے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تینتیس مرد اور چھ عورتوں نے اسلام قبول کیا۔ ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو ان کی وجہ سے کل چالیس مکمل ہو گئے تو یہ آیت نازل ہوئی حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ دُعا مانگتے تھے "اللھم اعز الاسلام" - اے اللہ تعالیٰ اسلام کو عزت دے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ

---

[1] یہی ہے وہ مسئلہ جو آج تک دیوبندیوں، وہابیوں کو سمجھ نہیں آیا، یا عمداً ضد کرتے ہیں ورنہ ظاہر ہے کہ انبیاء و اولیاء کی امداد بھی اللہ تعالیٰ کی امداد کے لیے ایک ظاہری سبب ہے۔ اسی طرح ان کے تصرفات و اختیار کا مسئلہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ (اویسی رضوی غفرلہٗ)

ایدالاسلام باحد الرجلین اے اللہ تعالیٰ دو مردوں کی وجہ سے موید فرمایا۔ ابوجہل بن ہشام یا عمر بن الخطاب سے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مبارک بدھ کے دن کی تو اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہو گئے اور ان کا اسلام لانا خمیس کے دن تھا۔ اس وقت ان کی عمر مبارک چھبیس سال کی تھی۔ حضرت حمزہ تین ماہ تین دن ان سے پہلے مسلمان ہوئے۔

فائدہ: مروی ہے کہ جب "انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم انتم لہا واردون" نازل ہوئی تو ابوجہل بن ہشام کھڑا ہو گیا۔ ایامِ جاہلیت میں اسے ابوالحکم پکارا جاتا تھا۔ اس لیے کہ عربوں کا خیال تھا کہ فنونِ حکمت کا وہ سرچشمہ ہے، لیکن حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام ابوجہل رکھا۔ اور یہی کنیت اس پر غالب آ گئی۔

فائدہ: ابوجہل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ماموں تھا اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی والدہ ابوجہل کی بہن تھی کیونکہ وہ بھی ہشام بن مغیرہ کی لڑکی تھی اور ہشام ابوجہل کا والد تھا، اسی بنا پر ابوجہل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ماموں ہوا اور ماں کے عصبات بیٹے کے ماموں ہوتے ہیں۔

ابوجہل کی ایک تقریر

ابوجہل اپنے بھانجے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے پر سخت رنجیدہ ہو کر اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہا کہ: یا معشر قریش الخ اے قریشیو! (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) نے تمہارے معبودوں کو گالیاں دیں اور باتوں باتوں میں تمہیں بیوقوف بنایا۔ اور ان کا خیال ہے کہ تم اور تمہارے آباؤ اجداد جہنم میں جائیں گے تم میں کوئی ہے جو (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر ڈالے، اس کے لیے میں ایک سو بہترین سرخ و سیاہ اونٹنیاں پیش کروں گا اور اس کے ساتھ ایک ہزار سونے کا اوقیہ بھی بطور انعام دوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: اس پر تمہارا پختہ ارادہ ہے اور کیا واقعی تم انعام دو گے؟ ابوجہل نے کہا، یقین کیجیے، میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وعدہ ضرور پورا ہو گا۔ اس کے بعد حضرت عمر ابوجہل کو کعبہ معظمہ میں لے گئے اس وقت کعبہ معظمہ میں بہت بڑا بت رکھا تھا جسے ہبل کے نام سے پکارتے تھے وہاں دونوں نے جا کر قسم کھائی کہ ہم (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر کے چھوڑیں گے۔ اس پر اپنے معبود باطل ہُبل کو گواہ بنایا۔ اور ان کی عادت تھی کہ جب کہیں سفر کو جاتے یا شادی و بیاہ کرتے تو ہبل کے ہاں حاضر ہو کر مشورہ لیتے اور جس بات کا پختہ ارادہ کرتے تو اسے گواہ بناتے۔ اس وقت ڈیڑھ ہزار بت کعبہ معظمہ میں رکھے ہوئے تھے۔ حضرت عمر اپنے صنم ہُبل سے مرخص ہو کر تلوار کو نیام سے نکال کر بغل میں دبائے ہوئے چلے، ارادہ یہ تھا کہ جہاں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ملیں گے انہیں قتل کر دے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ دارِ ارقم میں چھپے ہوئے تھے اور حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کا گھر صفا کے نیچے تھا اور ان کے مکان میں چھپ کر عبادتِ الٰہی میں مصروف رہتے اور وہیں پر قرآن پاک پڑھتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کا واقعہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلاش کرتے کرتے اسی مکان پر پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ گھر کے اندر سے کسی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ تلوار سے مسلح ہیں۔ اس نے گھبرا کر حضور علیہ السلام سے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ دیکھو حضرت عمر تلوار سے مسلح ہو کر آ گیا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ کو قتل کرنے کے لیے آیا ہے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، اسے آنے دو اگر خیر کے لیے آیا ہے تو ہم اس کے لیے آنکھیں بچھائیں گے، اگر برائی کے ارادہ سے آیا ہے تو ہم بھی اسے زندہ نہیں جانے دیں گے۔

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اسے آنے دو۔ جب سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے عمر! تم اپنے مقصد کو نہیں پہنچ سکتے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تیرے اُوپر بلا نازل فرمائے۔ آقائے کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کا بازو پکڑا اور ان کے کپڑوں اور تلوار کی حمائل کو کھینچا اس سے حضرت عمر پر سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت چھا گئی جس سے وہ بجائے آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے کے آرام سے بیٹھ گئے اور عرض کی، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اسی اسلام کی تلقین فرمائیے جس کے لیے آپ لوگوں کو دعوت دیتے ہیں۔ حضور نبی پاک شہِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پڑھیے اشهد ان لا اله الا الله وحدهٗ لاشريك له واشهد ان محمداً عبدهٗ ورسولهٗ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کلمۂ شہادت پڑھا تو تمام مسلمانوں نے زور سے نعرہ لگایا جسے مکہ معظمہ کے گلی کوچوں میں دُور دور تک سُنا گیا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کلمۂ شہادت پڑھا تو حضور سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینہ مبارک پر تین بار اپنا ہاتھ مبارک پھیرتے ہوئے پڑھا۔ اللهم اخرج ما فی صدر عمر من غل وابدله ایمانا۔ اے اللہ! عمر کے سینے سے کھوٹ نکال کر اس کے عوض اس کے دل کو ایمان سے بھر دے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کے بعد اسلام کا بول بالا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور عرض کی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے پر تمام آسمان والے مسرور ہوئے۔ لیکن مشرکین کے گھر صفِ ماتم بچھ گئی اور کہتے تھے آج کے بعد ہماری قوم نصف و نصف ہو گئی یعنی عمر کے اسلام لانے پر ہماری آدھی قوم اسلام میں چلی گئی۔

فاروق کی وجہ تسمیہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پُوچھا کہ حضور نبی پاک شہِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا فاروق نام کیوں رکھا؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہُوئی کہ جب میں نے اسلام قبول کیا، اس سے قبل حضور نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ چھپ کر عبادت کرتے، میں نے آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم حق پر نہیں؟ آپ نے فرمایا، ہاں حق پر ہیں۔ میں نے عرض کی: تو پھر ہم چھپ کر کیوں عبادت کریں، مجھے اس ذات کی قسم ہے جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اب میں جس مجلس کفر میں جاؤں گا وہاں اسلام کی دعوت دوں گا، نہ مجھے کسی کا ڈر ہے نہ کسی کا خوف، مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم کہ آج کے بعد ہم چھپ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کریں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس تقریر کے بعد حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے ساتھ دارِ ارقم رضی اللہ عنہ سے باہر نکلے اور آپ کے آگے آگے حضرت عمر رضی اللہ عنہ تلوار نیام سے نکال کر بڑے زور سے پڑھتے جا رہے تھے، لا اله الا الله مُحمد رسول الله (صلی اللہ علیہ وسلم) جلوس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لایا گیا اور آپ مسجد مکہ میں تشریف لائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد میں زور سے اعلان کرتے ہوئے فرمایا: "اے قریشیو! خبردار، اگر تم نے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کوئی حرکت کی تو اسی تلوار سے تمہاری گردن اڑا دوں گا۔" اس کے بعد طواف کے لیے روانگی ہُوئی تو آگے آگے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جا رہے تھے پیچھے پیچھے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام سمیت کعبہ مکرمہ کا طواف کر رہے تھے۔ جی بھر کر

طواف کیا۔ اس کے بعد قرآن مجید زور زور سے پڑھتے رہے۔ کسی کافر کو ہمت نہ ہوئی کہ کوئی بات کر سکے اسی بنا پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام فاروق رکھا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے سے حق و باطل کا امتیاز فرمایا۔

حدیث شریف: سندِ حسن کے ساتھ مروی ہے کہ سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اعلانیہ طور اسلام بیان فرمایا، اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق کے مظہر اکمل تھے۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ حق کو بیان کرنے والا عمر سے بڑھ کر صدیق رضی اللہ عنہ کے سوا اور کوئی نہیں۔ ے

لما لزمت النصح والتحقیقا
لم یترک لی فی الوجود صدیقا

ترجمہ: جب سے میں نے نصیحت و تحقیق کو لازم پکڑا تو حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا ہر پہلو سے حق ادا کر دیا۔

اعجوبہ اور حکایت رافضی شیعہ

حضرت اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ ایک چکی والا رافضی شیعہ ملعون میرا ہمسایہ تھا، اس کمینے کے دو خچر تھے، اس نالایق نے ایک کا نام ابوبکر، دوسرے کا عمر رکھا ہوا تھا۔ اسے اس کے ایک خچر نے ایک رات ایسا زور سے مارا کہ اس کی جان ہی نکال دی۔ اس واقعہ کی خبر میرے جدِ امجد حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہوئی تو آپ نے فرمایا جا کر پوچھو میرا خیال ہے کہ جس خچر نے اسے جان سے مار دیا اسی کا نام عمر ہو گا۔ چنانچہ تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ اس کمینے شیعہ کو مارنے والا خچر عمر نامی تھا۔

فضائلِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

① حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے حج عمرہ کی اجازت چاہی تو آپ نے انہیں فرمایا یا اخی لا تنسنا من دعائک۔

اے بھائی جان! ہمیں اپنی دعا سے نہ بھولنا۔

ف: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے "یا اخی" کہہ کر پکارنے سے اور کوئی کلمہ محبوب تر نہیں۔

② مروی ہے کہ قیامت میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مصافحہ فرمائیں گے۔

③ مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری چار وزراء سے مدد فرمائی ہے، دو آسمانوں میں جبرائیل و میکائیل علیہما السلام ہیں اور دو زمین میں حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ یہ دونوں حضرات حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں وزیروں کی طرح تھے۔ اسی لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں حضرات سے ہر معاملہ میں مشورہ لیا کرتے تھے، اور "شاورھم فی الامر" ان دونوں حضرات کے متعلق نازل ہوئی۔

④ مروی ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلی امتوں میں "محدث" ہوتے تھے۔

ف: محدث بفتح الدال المشددہ ہر اس بزرگ کو کہا جاتا ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے باتیں القاء ہوں، وہ ان باتوں کو

بطور فراست بیان کرے اور پھر اسی طرح ہو جیسے اس کے مُنہ سے نکلے۔ گویا اس کے ساتھ ملاء الاعلیٰ کے ملائکہ گفتگو کرتے ہیں اور اولیاءِ کرام کے لیے یہ بہت بڑا مرتبہ ہے۔ پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میری امت میں وہ محدث ہو تو وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

سوال : اس حدیث میں حرف اِنْ شرط سے حضرت عمر کی محدثیت کا ذکر ہے اور حرف اِنْ شک پر دلالت کرتا ہے، اس سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محدثیت یقینی طور تو ثابت نہ ہوئی۔

جواب : (۱) حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور شک نہیں فرمایا بلکہ آپ نے بطور کنایہ فرمایا کہ دُوسری امتوں میں محدث ہوا کرتے تھے۔ اور آپ کی امت تو افضل الامم ہے۔ جب دیگر امتوں میں محدث کا ہونا یقینی ہے تو پھر اس امت میں بھی اس کا ہونا یقینی ہے، اور جب اس امت کا اس کا ہونا یقینی ہے تو پھر وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

(۲) حرف اِنْ شرط بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے نہیں بلکہ امت کے لیے ہے اور اس کا ازالہ ہم نے پہلے کر دیا ہے۔ اسی مضمون کو غور سے دیکھا جائے تو اس سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے محدثیت کے یقین پر تاکید ہے۔ مثلاً عربی مقولہ مشہور ہے کہ :

ان یکن لی صدیق فھو فلان۔

یعنی اگر میرا کوئی سچا دوست ہے تو وہ فلاں ہے۔

اس جملہ میں اس شخص کی محبت و صداقت کی تاکید مطلوب ہوتی ہے اور اس سے کسی دُوسرے کی صداقت و محبت کی نفی بھی مقصود نہیں ہوتی۔ ایسے ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محدثیت کے ثبوت سے کسی دوسرے صحابی یا ولی سے محدثیت کی نفی نہیں ہوتی۔

⑤ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فضائل پر یہ شعر موزوں ہے : ؎

لہ فضائل لا تخفی علی احد
الا علی احد لا یعرف القمرا

ترجمہ : حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل و کمالات کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ہاں صرف اسے معلوم نہیں جو چاند کو نہیں جانتا۔

⑥ مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا : اے ابن الخطاب (عمر رضی اللہ عنہ)! آپ جس راستہ سے گزرتے ہیں تو شیطان وہ راستہ چھوڑ دیتا ہے۔

ف : حدیث شریف میں "الفج" واقع ہے، ہر اس راستہ کو کہا جاتا ہے جو واسع اور فراخ ہو۔

ف : اس حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت بڑے مراتب و درجات کے مالک تھے کہ شیطان اس راستہ پر نہیں چل سکتا کہ جس راستہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گزر جائیں اور بالخصوص وُہ راستہ بھی کھلا ہوا ہو حالانکہ شیطان وُہ ہے جو ہر انسان کے ہر رگ ریشہ میں خُون کی طرح دَورہ کرتا ہے۔

بقیہ صفحہ ۴۳۰ پر

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ

اے غیب کی خبریں بتانے والے مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دو اگر تم میں کے بیس صبر والے

عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ

ہوں گے دو سو پر غالب ہوں گے اور اگر تم میں کے سو ہوں تو

مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْۤا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا

کافروں کے ہزار پر غالب آئیں گے اس لیے کہ وہ سمجھ

يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ

نہیں رکھتے اب اللہ نے تم پر سے تخفیف فرمائی اور اسے علم ہے کہ تم

ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَ

کمزور ہو تو اگر تم میں سو صبر والے ہوں دو سو پر غالب آئیں گے اور

اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْۤا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ

اگر تم میں کے ہزار ہوں تو دو ہزار پر غالب ہوں گے اللہ کے حکم سے اور اللہ

مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۶۶﴾ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى

صبر والوں کے ساتھ ہے کسی نبی کو لائق نہیں کہ کافروں کو زندہ قید کرے جب تک

يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ

زمین میں ان کا خون خوب نہ بہائے تم لوگ دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ آخرت

الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۷﴾ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ

چاہتا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے اگر اللہ پہلے ایک بات لکھ نہ چکا ہوتا

لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۶۸﴾ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ

تو اے مسلمانو! تم نے جو کافروں سے بدلے کا مال لے لیا اس میں تم پر بڑا عذاب آتا تو کھاؤ جو غنیمت تمہیں ملی

حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۹﴾ ع

حلال پاکیزہ اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

۹ ع ۵

تفسیر عالمانہ يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ اے رفیع القدر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ اہلِ ایمان کو کفار کے ساتھ جنگ کرنے میں زیادہ سے زیادہ برانگیختہ فرمایئے اور انہیں ثواب کا وعدہ دے کر جنگ کی رغبت دیجیے یا انہیں جنگ پر انعام دینے کی ترغیب دیں۔

حلِ لغات: تحریض یہ ہے کہ کسی کو کسی شے پر برانگیختہ کرنا اور اسے اس بات پر ابھارنا کہ اگر اس کے خلاف کرے گا تو تو حارض یعنی ہلاکت کے قریب ہو جائے گا۔

فائدہ: آیت سے ثابت ہوا کہ اہلِ ایمان اگر حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے کفار سے جنگ لڑنے کی ترغیب دلانے کے باوجود جنگ سے پیچھے رہ جائیں گے تو ہلاکت و تباہی کے قریب ہو جائیں گے۔

فائدہ: دوسرے کو کسی امر کے لیے اس وقت ترغیب دلائی جاتی ہے جب پہلے اس امر پر عمل کیا جائے تاکہ دوسرا اس کی

بقیہ صفحہ ۴۱۸ سے آگے

ف: اس میں تنبیہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دین کے معاملہ میں بہت متصلب تھے اور آپ تا دمِ زیست اسی طرح رہے۔

فائدہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی انگشتری کی خاتم پر مکتوب تھا: "نعم القادر اللہ" اللہ کیسا قادر ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خاتم پر مکتوب تھا: "كَفٰى بِالْمَوْتِ وَاعِظًا" موت ہی واعظ کافی ہے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خاتم پر مکتوب تھا: "اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ مُخْلِصًا" میں اللہ تعالیٰ پر مخلص ہو کر ایمان لایا ہوں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خاتم پر مکتوب تھا: "اَلْمُلْكُ لِلّٰهِ" تمام ملک اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی خاتم پر مکتوب تھا: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔

ف: یہ منقوش صرف ظاہری طور پر تھے، جو بدن کی طرف منسوب ہیں ورنہ باطنی نقوش کچھ اور طریقہ رکھتے ہیں۔ ؎

گرت صورت حال بد یا نکوست
نگاریدۂ دستِ تقدیر اوست

ترجمہ: تیری ظاہر حالت اچھی یا بُری ہے یہ تمام اسی کی تقدیر کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

کسی اور بزرگ نے فرمایا: ؎

نقش مستوری و مستی نہ بدست من و تست — آنچہ سلطان ازل گفت بکن آں کردم

ترجمہ: یہ پرہیزداری اور مستی نہ میرے، ہاتھ میں ہے نہ تیرے ہاتھ میں جو کچھ سلطان نے فرمایا کہ وہ کرو ہم نے وہی کیا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہماری لوحِ قلب سے شک و شبہ کے کھوٹ دور کر کے اس پر ایمان کا نقش کندہ فرمائے۔ اے اللہ! ہمارے دل کے کھوٹ دور کر دے تو نے ہمیں ہدایت عنایت فرمائی اور اپنی رحمت سے نوازا، اور تو ہی معطی ہے اور ہمیں ان اہلِ ایقان سے بنا جنہیں تو نے اولئك كتب فی قلوبهم الایمان سے نوازا اور جنہیں تیرے جمال نے منقوش فرمایا انہیں تیرے جلال سے نہیں مٹایا جا سکتا اگرچہ اس پر زندگیاں گزر جائیں۔

اقتدا کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور فخرِ رسل صلی اللہ علیہ وسلم کفار سے جنگ کرتے وقت جب دیکھتے کہ اب جنگ پُورے زوروں پر ہے تو آپ دشمنوں کے زیادہ قریب ہو جاتے تاکہ لوگوں کو ترغیب ہو کہ جنگ میں آگے بڑھنے میں ثواب اور اجرِ عظیم ہے۔

فائدہ: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب جنگ زوروں پر ہوتی اور جنگی ایک دوسرے سے لڑائی پر حملہ آور ہوتے تو ہم حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی کرتے اس لیے کہ آپ اس وقت دشمنوں کے قریب تر ہوتے۔ سلطان سلیم فاتح مصر نے فرمایا: ؎

گر لشکر عدو بود از قاف تا قاف　　باللہ کہ ہیچ رُو نمی تابم از مصاف
چوں آفتاب ظلمت کفر از جہان برم　　گاہے چوں صبح بروں آرم از غلاف

ترجمہ: اگر دشمن کا لشکر کوہ قاف سے کوہ قاف تک ہو بخدا جنگ سے نہیں منہ موڑوں گا۔ کفر کے ظلمات کو جہان سے مٹا کر رکھ دُوں گا جب میں اپنی طاقت کی صبح پردہ سے باہر کروں گا۔

مسئلہ: آیت میں جہاد کی فضیلت بیان کی گئی ہے اس لیے کہ اگر اس کی فضیلت نہ ہوتی تو اس پہ ترغیب نہ دلائی جاتی۔

حدیث شریف: تمام بندگانِ خدا کے اعمال جہاد کے سامنے ایسے ہیں جیسے دریا کے پانی کے سامنے چڑیا کی چونچ کا پانی۔

اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ اگر تم میں سے کوئی اے مسلمانو عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ معرکۂ جنگ میں بیس صبر کرنیوالے ہوں یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِۚ وَ اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ یَّغْلِبُوْۤا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا تو دوسو کافروں پر غالب آجاؤ گے اور اگر تم میں ایک سو ہوں تو ایک ہزار کافروں پر غلبہ پا جائیں گے اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا الف (ہزار) کی ابہام کی تفصیل ہے اور یہی قید اِنْ مِائَتَیْنِ میں بھی ہے یعنی ان دوسو سے بھی کافر مراد ہیں۔ اسی طرح صبر کی قید دونوں مقامات پر معتبر ہے۔ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ اسی لیے کہ وہ ایسی قوم ہے کہ وہ کچھ نہیں سمجھتے یعنی وہ قوم نہ خدا پر ایمان رکھتی ہے اور نہ ہی آخرت پر۔ اس لیے ان کی جنگ ثواب اور حکم الٰہی بجالانے کے لیے نہیں اور نہ ہی اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے ہے اور نہ ہی انہیں رضائے حق مطلوب ہے، وہ تو صرف جاہلیت کے جوش سے جنگ کرتے ہیں اور انہیں شہوات نفسانیہ مدِ نظر ہوتی ہے اور شیطان کی اتباع میں لڑائی کرتے ہیں اور ان کا مقصود صرف یہی ہوتا ہے کہ ملک میں بغاوت اور فساد پھیلے اسی اعتبار سے وہ قہر اور رسوائی کے مستحق ہوتے ہیں۔

مسئلہ: آیت میں وعدہ کریمہ ہے کہ ایک مسلمان دس کافروں کے مقابلہ میں کامیاب ہو سکتا ہے۔

حکایت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو تیس سواروں کے ساتھ ابو جہل کے تین سو کافروں کے مقابلہ کے لیے بھیجا تو بفضلہ تعالیٰ اہل اسلام کو فتح و نصرت نصیب ہوئی۔

ف: اس کے باوجود مسلمانوں پر یہ بات شاق تھی کہ ہم تھوڑے ہو کر کثیر التعداد کفار کے مقابلہ میں کس طرح جائیں بلکہ ایک مدت تک بہت پریشان رہے تو یہ حکم منسوخ ہوا اس کا ناسخ یہ ہے: اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ ابھی اللہ تعالیٰ نے تم پر تخفیف فرمائی ہے کہ ایک کو دو کا مقابلہ کرنا فرض تھا۔

ف : حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اگر کوئی مسلمان تین کافروں کے مقابلہ سے بھاگ جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ ہاں اگر دو کے مقابلہ سے بھاگا تو گنہگار ہے۔

مسئلہ : کافروں کے مقابلہ سے باوجود قوت و طاقت کے بھاگنا گناہِ کبیرہ ہے۔

مسئلہ : ایک مسلمان کا دو کافروں سے مقابلہ اس وقت ضروری ہے جب اس کے پاس ان دو کافروں کے مقابلہ کے لیے ہتھیار اور سامان ہو اگر خالی ہاتھ ہو اور کافر مسلح ہوں تو ان کے مقابلہ سے بھاگ جانا بھی گناہ نہیں۔

وَعَلِمَ اَنَّ فِیْکُمْ ضَعْفًاؕ اور اسے معلوم ہے کہ تم میں کمزوری اور ضعف بدنی ہے۔

سوال : علامہ تفتازانی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا، تخفیف کو اَلْـٰٔنَ سے مقید کرنے میں ثابت ہوتا ہے کہ اس کے بعد اب وہ کفار کے مقابلہ میں ثابت قدم ہوں گے لیکن اسے علم سے مقید کرنے میں اشکال ہے وہ یہ کہ یہاں پر وہم پیدا ہوتا ہے کہ حادثہ کے وقوع سے پہلے اللہ تعالیٰ کو علم نہیں تھا یعنی جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابھی معلوم ہوا کہ تم ضعیف ہو۔

جواب : (۱) یہ نسبت علمی ظہور کی وجہ سے ہے ورنہ اس کا علم تو ازلی ابدی ہے یعنی جو واقع ہوگا یا ہے یا ہوا، وہ تمام اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔

(۲) حدادی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو ازل سے معلوم تھا کہ تم میں سے ایک دس اور دس سو کا اور سو ہزار کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

فَاِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ یَّغْلِبُوْا مِائَتَیْنِۚ وَاِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ یَّغْلِبُوْۤا اَلْفَیْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِؕ پس اگر تم میں ایک سو صبر کرنے والا ہو تو تم دو سو پر غالب ہو گے اور اگر تم میں ایک ہزار ہو تو دو ہزار کافروں پر غلبہ پا جاؤ گے اس لیے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسانی نصیب ہو گی۔

ف : پہلی آیت میں جو دو قیدیں بیان کی گئی ہیں یہاں بھی ان دونوں قیدوں کا اعتبار ہے ماقبل میں بیان ہونے کی وجہ سے یہاں اعادہ نامناسب ہوا۔

وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کی تائید اور مدد فرماتا ہے فلہٰذا یہ کبھی مغلوب نہیں ہو سکتے۔

سوال : اللہ تعالیٰ صرف صبر کرنے والوں کے ساتھ نہیں بلکہ اس کی دیگر ہر نیکی کرنے والے سے بھی خصوصی معیت ہے۔

جواب : چونکہ جہاد کی حیثیت میں صبر کرنے والے اصل اور دوسرے اعمال والے ان کے تابع ہیں اسی لیے یہاں پر اصل کا ذکر کیا گیا ہے۔

نکتہ : جو صبر کرتا ہے وہ فتح پاتا ہے اس لیے کہ صبر کامیابی کی کنجی ہے۔ ؎

صبر و ظفر ہر دو دوستاں قدیمند　　صبر کن اے دل کہ بعد ازاں ظفر آید
از چمن صبر رخ متاب کہ روزے　　باغ شود سبز و شاخ گل بر آید

ترجمہ : صبر اور کامیابی دونوں آپس میں پرانے دوست ہیں۔ اے دل صبر کیجئے اس کے بعد کامیابی نصیب ہو گی۔ صبر کے چمن سے منہ نہ موڑیئے اس لئے کہ کبھی تیرا یہ صبر باغ بن کر تجھے بہترین پھل دے گا۔

سلطان سلیم اوّل نے فرمایا: ؎

سلیمی خصم سیہ دل چہ داند ایں حالت
کہ از ظہور الٰہست فتح لشکر ما

ترجمہ: اے سلیم! سیاہ دل دشمن کو کیا خبر، ہمارے لشکر کی فتح اللہ تعالیٰ کے فضل کا ظہور ہے۔

تفسیر برنگِ دیگر تاویلات نجمیہ میں ہے کہ بِاِذْنِ اللّٰہِ سے قوت وطاقت اور اس کی ظفر اور غلبہ مراد ہے یعنی کفار پر غلبہ پانا تمہاری اپنی قوت وطاقت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی قوت وطاقت ہے اس لیے کہ تم تو ضعیف اور کمزور ہو تمہیں جو کچھ فتح ونصرت ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ازلی حکم سے ہوتی ہے ہاں اگر قوت وطاقت، والے ہیں تو وہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔ اس لیے کہ وہ کفار پر سخت ہیں اس لیے کہ توکل اور یقین اور فہم دین میں بہت بڑی قوت وطاقت رکھتے ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی دشمن کے مقابلہ سے نہیں بھاگتا اگرچہ وہ سیکڑوں کی تعداد میں ہو جیسے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مخصوص اہل قوت یاروں رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا حال تھا۔

فائدہ: حضرت ابن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ میں غزوۂ حنین میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اور آپ کی رفاقت کو میں نے لمحہ بھر بھی ترک نہ کیا آپ سفید خچر پر سوار تھے۔ جب اہل اسلام وکفار کا آمنا سامنا ہُوا تو بعض مسلمان پیٹھ دے کر بھاگے تو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر کو کفار کی طرف متوجہ کرتے، اور میں آپ کے خچر کی لگام کو تھامے ہوئے تھا کہ کہیں آپ کا خچر عجلت کرکے کفار کے لشکر میں نہ چلا جائے۔ اسی طرح حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے رکاب کو تھامے ہُوئے تھے کہ آپ کفار کے ہاں نہ چلے جائیں، اس وقت نہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جنگ سے بھاگے اور نہ ہی آپ کے مخصوص اہلِ قوت دوست صبر کرنے والے۔

سلطان سلیم نے فرمایا: ؎

سیمرغ جان ما کہ بمبدست از دو کون
منت خدا را کہ بجان رام مصطفیٰ است

ترجمہ: ہماری جان کا مُرغ دو کونین سے فارغ ہُوا تو شکر خدا کہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیرِ اثر ہُوا۔

تفسیر صوفیانہ فتوحات مکیہ کے وصایا کے ترجمہ میں ہے کہ آدمی از جہت انسانیت حرص و ہوا اور بزدلی پر، لیکن از جہت ایمان قوت وشجاعت اور جنگ کے اقدام پر پیدا کیا گیا ہے۔

حکایت وروایت مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا کہ ایک دن تم مصر کے والی ہوگے۔ چنانچہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ کرام نے ایک جنگ مصر میں لڑی اور وہاں ایک قلعہ کا محاصرہ کیا وہ صحابی بھی اس جنگ میں موجود تھا اسی نے مجاہدین صحابہ سے فرمایا کہ مجھے ایک فلاں

میں رکھ کر کفار کے قلعہ کے اندر پھینک دو میں ہی ان سے لڑ کر قلعہ کھولوں گا۔ صحابہ کرام اس کی جرأت سے متعجب ہوئے اور پوچھا کہ اتنی جرأت کیوں؟ انہوں نے فرمایا کہ مجھے سرورِ عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تم مصر کے والی ہو گے اور تا حال میں مصر کا والی نہیں بنا اور مجھے یقین ہے کہ میں نہیں مروں گا جب تک کہ مصر کا والی نہ بنوں۔

سبق: غور کیجئے کہ صحابہ کرام کو اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ غیب پر کتنا یقین تھا اور ان کی قوتِ ایمانی کتنی مضبوط تھی[1] ورنہ ظاہر ہے کہ کسی کو فلاخن میں ڈال کر دور پھینکا جائے تو سوائے موت کے اور کوئی چارہ ہی نہیں۔ اسی سے مومن کو سبق سیکھنا چاہیے کہ اہل ایمان کتنا قوی القلب ہوتا ہے۔

سبق: انسان کا دل ایک ڈھکی ہوئی تلوار ہے لیکن اس کے لیے صیقل ضروری ہے۔

اسی لیے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں عرض کرتے، اللھم انی اعوذبک من الشک فی الحق بعد الیقین و اعوذبک من الشیطٰن الرجیم و اعوذبک من شر یوم الدین۔ اے اللہ! میں حق میں یقین کرنے کے بعد شک سے پناہ مانگتا ہوں اور شیطان رجیم سے بھی اور قیامت کے دن کے شر سے بھی۔

نسخہ روحانی بعض مشایخ کا فرمان ہے کہ نیک عمل اللہ تعالیٰ کی جانب سعی الارکان اور نیت سعی القلوب ہے اور قلب بادشاہ ہے اور ارکان اس کا لشکر ہیں اور لشکر کے بغیر دشمن سے لڑنا مشکل ہے اور نہ ہی کوئی لشکر بادشاہ کے بغیر لڑ سکتا ہے۔

مَاکَانَ تفسیر عالمانہ یعنی یہ صحیح نہیں اور نہ ہی موزوں ہے لِنَبِیٍّ کسی نبی علیہ السلام کے لیے اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗۤ اَسْرٰی یہ کہ ان کے ہاں کفار قیدی ہو کر آئیں۔ یہاں یَکُوْنَ بمعنے یَثْبُتُ ہے۔ اس اعتبار سے یہ کَانَ تامہ ہو گا اور اَسْرٰی اسیر کی جمع جیسے جرحٰی جریح کی جمع ہے اور اساری جمع الجمع ہے۔

آیت کا شان نزول اور اسیرانِ بدر کا واقعہ مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں بدر کے ستر قیدی حاضر کیے گئے ان میں حضرت عباس، عقیل بن ابی طالب بھی تھے۔ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ان قیدیوں کے متعلق مشورہ کیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یہ آپ کی برادری کے لوگ ہیں بلکہ قریبی رشتہ دار۔ فلہذا آپ ان سے درگزر فرمایئے ممکن ہے انہیں بعد کو دولتِ اسلام نصیب ہو البتہ ان سے فدیہ لے لیں ان کے مال و دولت سے اسلام کو تقویت ملے گی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی یہ وہی ہیں جنھوں نے آپ کی تکذیب کی اور آپ کو قتل کرنے کی سازشیں کیں۔ لیکن میرا مشورہ یہی ہے کہ ان کی گردن اڑا دو اس لیے کہ یہ کفار کے سرغنے ہیں۔ مجھے فلاں کی گردن اڑانے کی اجازت بخشئے اگرچہ وہ میرا قریبی رشتہ دار ہے، اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو عقیل کی اور حضرت حمزہ سید الشہداء رضی اللہ عنہ کو عباس کے قتل کرنے کا حکم فرمایئے۔ اس طرح سے ہم ان سب کو قتل کر دیں آپ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشورہ

---

[1] یہی عقیدہ بفضلہٖ تعالیٰ اہلسنت (بریلوی) کو نصیب ہوا ورنہ دیوبندی، وہابی، تبلیغی، مودودی و دیگر جاہل فرقے اس عقیدہ کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں
عــه سما ــ تیرے والا حضرت "
(اویسی غفرلہٗ)

قبول نہ کیا بلکہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض بندوں کے دل دودھ سے بھی زیادہ نرم بنائے ہیں اور بعض کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت۔ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ کی مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسی ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کے لیے عرض کی: فمن تبعنی فانہ منی و من عصانی فانک غفورٌ رحیم۔ اور اے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! آپ کی مثال حضرت نوح علیہ السلام جیسی ہے کہ انہوں نے اپنی امت کے لیے عرض کی، رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا۔ اس کے بعد آپ نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا، اب تمہاری مرضی، چاہو تو انہیں قتل کر دو، چاہو تو ان سے فی کس بیس اوقیہ فدیہ لے کر چھوڑ دو۔

ف: اوقیہ ۴۰×۴۰ دراہم اور ۶×۶ دنانیر کا ہوتا ہے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فدیہ لے کر چھوڑ دینے پر تمہیں یہ شرط منظور کرنی پڑے گی کہ جتنا چھوڑو گے اتنا تمہارے مسلمان شہید ہوں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہ شرط منظور کر لی اور عرض کیا اس میں ہمارا کون سا نقصان ہے کہ ہم فدیہ بھی لیں اور بہشت میں بھی جائیں۔ فلہذا ہم فدیہ لیں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ ولیستشہد مناعدتھم، بہرحال آپ نے فدیہ لے لیا اور آپ کے ارشادِ گرامی کے مطابق غزوۂ احد میں ستر صحابی شہید ہوئے۔ پھر اسارٰی بدر کو فدیہ لے کر چھوڑ دینے پر یہی آیت نازل ہوئی۔

فائدہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ رو رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے بھی رونے کا سبب بتائیے تاکہ میں بھی آپ کے ساتھ روؤں۔ اگر رونا نہ آئے تو رونی شکل بناؤں۔ آپ نے فرمایا، میں اپنے دوستوں کے فدیہ کی وجہ سے رو رہا ہوں اور حال یہ ہے کہ میں ان کے عذاب اس درخت سے بھی قریب تر دیکھ رہا ہوں، اور وہ درخت آپ کے بالکل قریب تھا۔

فائدہ: سیرت حلبیہ میں ہے کہ اسارٰی بدر میں بعض ان میں وہ تھے جنہیں فدیہ لیے بغیر چھوڑ دیا گیا۔ مثلاً ابوالعاص اور وہب بن عمیر اور بعض ان میں مر گئے اور بعض ان میں وہ جو قتل کر دیے گئے اور وہ نضر بن الحارث اور عقبہ بن ابی معیط تھے۔

حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ ط یہاں تک کہ وہ زمین پر خون بہائے یعنی زیادہ سے زیادہ قتل کرے اور اس میں بہت زیادہ مبالغہ کرے یہاں تک کہ کفر کو ذلیل و خوار کر کے کافروں کی جماعت کو کمزور کر دے اور اسلام کا بول بالا کرے اور اہل اسلام کو غالب بنا دے اور حَتّٰی انتہائے غایت کے لیے ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اثخان (خونریزی) کے بعد ہی کفار کو قید کرنے اور فدیہ لینے کا کام ہوا۔

حل لغات: الاثخان ثخانۃ سے مشتق ہے بمعنے الغلظۃ و الکثافۃ فی الاجسام۔ پھر استعارۃً قتل اور اس میں مبالغہ کرنے پر مستعمل ہوتا ہے اس لیے کہ خلیفۂ وقت جب کفار کے قتل میں بہت زیادہ مبالغہ کرتا ہے تو دشمن اس شے کی طرح ہوتا ہے جیسے کوئی بوجھل چیز ایک جگہ پر پڑی ہو کر حرکت بھی نہ کر سکے۔ یہ اثخنہ المرض یعنی اسے مرض نے کمزور کر دیا اور بوجھل بنا دیا اور اس سے چلنے پھرنے کی قوت اور طاقت سلب کر لی۔ تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا تم دنیوی اسباب کا ارادہ کرتے ہو۔ یہ جملہ مستانفہ ہے عتاب کا سبب بتایا گیا ہے یعنی فدیہ لے کر دنیوی اسباب کا ارادہ رکھتے ہو اور دنیوی اسباب کو عرض سے تعبیر کرنے میں اس

طرف اشارہ ہے کہ دنیوی اسباب چند روزہ ہیں اس لیے کہ دنیا کے منافع اور اس کے متعلقات کچھ نہیں اور اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ دنیا کو ثبات و قرار نہیں وہ چند روزہ ہے پھر فنا ہی فنا ہے۔

دیوبندیوں، وہابیوں کے اوہام کا ازالہ

یہ خطاب نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور نہ ہی آپ کے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس لیے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فدیہ لینے کا مقصد محض اعزاز دین اور بدر کے قیدیوں کو ہدایت دینا تھا اس میں اشارہ ہے کہ مشرکین قیدیوں سے انبیاء علیہم السلام کا فدیہ لینا انبیاء علیہم السلام اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت میں شامل نہ تھا اس لیے کہ اس سے تو رغبت دنیوی ثابت ہوتی ہے اور حضور علیہ السلام کی عادات میں طمع دنیوی شامل نہیں تھا بلکہ آپ نے تو یہ فرمایا کہ مالی وللدنیا یعنی مجھے دنیا سے کیا غرض۔ ؎

کین جہان جیفہ است و مردار و رخیص
برچنین مردار چون باشم حریص

ترجمہ: یہ جہان مردار اور بدبودار اور بے کار ہے پھر میں ایسے مردار پر ——— کس طرح حریص ہو سکتا ہوں۔

فائدہ: اگر ظاہری طور دنیوی رغبت فرمائی تو وہ بھی صحابہ کرام کے مشورہ پر جس کے لیے اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کما قال تعالیٰ وشاورھم فی الامر۔ (ان کے ساتھ مشورہ کیجیے)

وَاللّٰہُ یُرِیۡدُ الۡاٰخِرَۃَ ؕ اور اللہ تعالیٰ تمہارے لیے ثواب آخرت کا ارادہ کرتا ہے اور اس کے ہاں اتنا وسیع المقدار ثواب ہے کہ دنیا و مافیہا اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

فائدہ: سعدی چلپی المفتی نے فرمایا کہ یہاں پر یُرِیۡدُ بمعنے یَرۡضٰی ہے ارادہ بمعنے رضا بوجہ مشاکلہ کے ہے۔ (واللہ اعلم) اس سے مذہب اہلسنت پر اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ آیت سے بظاہر ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مراد کے خلاف واقع ہوا حالانکہ اس کے ارادہ کے خلاف کبھی کچھ واقع ہوتا ہی نہیں۔ اس کا جواب پہلے بیان ہوا کہ یہاں پر ارادہ بمعنے رضا ہے۔

وَاللّٰہُ عَزِیۡزٌ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے یعنی اپنے دوستوں کو اپنے دشمنوں پر غلبہ عطا فرماتا ہے حَکِیۡمٌ وہ حکیم ہے کہ ہر حال کو اس کے لائق جانتا ہے اور ان حکمتوں کو صرف وہی جانتا ہے جیسے مشرکین کی شان و شوکت کے باوجود خونریزی کا حکم کر کے فدیہ لینے سے روکا گیا اور جب حالات نے پلٹا کھایا کہ اہلِ اسلام کو غلبہ حاصل ہوا تو پھر قیدی کفار کے لیے فدیہ لینے یا منت لگا کر مفت چھوڑ دینے کا اختیار دیا۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام بھی اجتہاد کرتے ہیں اس لیے آیت مذکورہ میں عتاب محبوبی ہے اور ایسا عتاب نہ وحی کے احکام میں ہوتا ہے اور نہ حکم باصواب پر، اور ان کا اجتہاد گاہے مبنی بر خطا ہوتا ہے[1] لیکن اس پر انہیں دوام

---

[1] اس سے مجتہدین کی اجتہادی خطا کو بھی ثواب میں شامل کرنا مقصود ہوتا ہے مزید تشریح کے لیے تفسیر اویسی دیکھئے۔

نہیں ہوتا بلکہ ان کو صواب پر متنبہ کیا جاتا ہے۔

لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ اگر لوح محفوظ میں اللہ تعالیٰ کا حکم ثبت نہ ہوتا۔

ف: لوح محفوظ میں یہی حکم ثبت تھا کہ اجتہاد کی خطا پر گرفت نہیں ہوگی اور نہ ہی اہلِ بدر کو عذاب کیا جائے گا یا ان لوگوں پر سزا مقرر نہیں جن کے لیے کسی حکم کے متعلق نہی کی تصریح نہیں کی گئی اور ان سے حکم کی خلاف ورزی ہوئی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے اگر ان اسارٰی بدر کی سبقت سے کتاب اللہ کا حکم نہ ہوتا تو ان کے بعض ایمان لانے اور ان کی آل و اولاد بھی اسلام قبول کرتی۔ **لَمَسَّكُمْ** تو تمہیں پہنچا **فِيْمَآ اَخَذْتُمْ** اس سبب سے جو تم نے فدیہ لیا **عَذَابٌ عَظِيْمٌ** دردناک عذاب کہ جس کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔

حدیث شریف و فضیلتِ عمر رضی اللہ عنہ (۱) مروی ہے کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر عذاب نازل ہوتا تو اس سے سوائے عمر اور سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اور کوئی نہ بچتا اس لیے کہ ان حضرات نے مشورہ دیا تھا کہ بدر کے قیدیوں کو قتل کر دیا جائے۔

فائدہ: اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بدر کے قیدیوں کے متعلق فدیہ لینے کا مشورہ تمام صحابہ کرام نے دیا سوائے ان دونوں بزرگوں کے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جب کسی امر کے متعلق مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہوتا تو تمام کی رائے ایک طرف اور تنہا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے ان کے برعکس ہوتی تو قرآن پاک اسی طرح نازل ہوتا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے ہوتی۔

(۳) بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل اور زبان پر حق رکھا ہے۔

(۴) متعدد مقامات پر وحی ربانی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کے موافق نازل ہوئی منجملہ ان کے ایک یہی ہے جو مذکور ہوئی اور دوسرا وہ مسئلہ جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی ازواج مطہرات کو نیک اور برے دیکھتے ہیں، کیا اچھا ہوتا کہ آپ انہیں پردہ کا حکم فرماتے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کہنے پر آیت حجاب نازل ہوئی۔ ایک موقعہ حضرت رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں بہ بنائے غیرت آپ کی ازواجِ مطہرات حاضر ہوئیں اور حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑا شروع کر دیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: عسٰی ربہ ان طلقکن ان یبدلہ ازواجا خیر منکن۔ اللہ تعالیٰ نے اسے آیت کا جز بنا دیا۔

شانِ نزول **فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ** مروی ہے کہ مالِ غنیمت لینے سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہی حکم نازل فرمایا کہ میں نے تمہارے لیے غنیمت کا مال وغیرہ جائز رکھا ہے فلہذا کھاؤ جو تم مالِ غنیمت حاصل کرو۔ فدیہ بھی مالِ غنیمت میں داخل ہے۔ **حَلٰلًا** یہ مال مغنوم سے حال ہے۔

سوال: جب انہیں عفو و مغفرت کا مژدہ سنایا گیا تو لازماً ان کے لیے مالِ غنیمت حلال طیب ہو گیا پھر **حَلٰلًا طَيِّبًا** کی تصریح کا کیا فائدہ۔

جواب : صحابہ کرامؓ کو عتاب ملنے پر دل میں طرح طرح کے خطرات و وساوس گزرتے تھے کہ کہیں ہمارے لیے مالِ غنیمت ناجائز نہ ہو تو ان کے خطرات و وساوس دور کرتے ہوئے فرمایا وہ مالِ غنیمت تمہارے لیے حلال ہیں۔

طَيِّبًا طیب ہیں۔

ف : لذیذ شے کو طیب کہا جاتا ہے حلال کو طیب سے موصوف کرنا بوجہ تشبیہ کے ہے کہ طیب وہ ہے کہ اس سے طبیعت کو کسی قسم کی کراہت نہ ہو۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اللہ تعالیٰ کے امر و نہی کی مخالفت سے ڈرو۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے یعنی جو کچھ تم نے فدیہ لے کر زیادتی کی حالانکہ اس کی اباحت کا ابھی تمہیں حکم نہیں دیا گیا لیکن تم سے غلطی ہو گئی تو اللہ تعالیٰ تمہاری اس غلطی سے درگزر فرماتا ہے۔ پھر ایسی غلطیوں سے جو شخص توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ رحم کرتا اور اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

فائدہ : کاشفی صاحب نے لکھا کہ وہ رحیم یعنی مہربان ہے کہ مالِ غنیمت تمہارے لیے حلال فرماتا ہے، حالانکہ دوسری امتوں کے لیے مالِ غنیمت حرام تھا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام پر مالِ غنیمت حرام تھا وہ جتنا بھی مالِ غنیمت حاصل کرتے انہیں حکم تھا کہ وہ راہِ للہ لٹا دیں اور وہ بھی یوں کہ آسمان سے آگ اتر کر اس مال کو کھا جاتی لیکن حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر عنایات بے غایات ہیں کہ ان کے لیے مالِ غنیمت حلال طیب کر دیا گیا۔

مکالمہ آدم با سیدِ آدم حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت آدم علیہ السلام سے شبِ معراج فرمایا کہ آپ پر اللہ تعالیٰ کے چھ انعام ہوئے، فلہٰذا آپ خیر الناس ہیں :

- ○ آپ کو اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا۔
- ○ آپ کو علم کی دولت بخشی۔
- ○ آپ کو مسجودِ ملائکہ بنایا۔
- ○ جس نے آپ کے سجدہ سے انکار کیا اسے ملعون ٹھہرایا۔
- ○ آپ کو اپنے جز سے بیوی سے نوازا۔
- ○ آپ کے لیے بہشت کی تمام نعمتیں مباح فرمائیں۔

سیدنا آدم علیہ السلام نے عرض کی آپ خیر الناس ہیں اس لیے کہ آپ کو ایسی چھ نعمتیں بخشی ہیں جو آپ سے پہلے کسی کو نصیب نہیں ہوئیں :

- ○ آپ کے ہمقرین شیطان کو مسلمان بنایا۔
- ○ آپ کے دشمنوں کو مقہور بنایا۔
- ○ آپ کو بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جیسی زوجہ مکرمہ عطا فرمائی جو تمام جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔

○ آپ کی وجہ سے تمام انبیاء علیہم السلام کو شبِ معراج زندہ فرمایا۔

○ آپ کو اپنی امت کے مخفی اسرار سے مطلع فرمایا۔

○ آپ کی امت کو چھ بہترین عمل عنایت ہوئے؛

○ مجھے ایک گناہ (ظاہری طور ورنہ درحقیقت وہ گناہ نہ تھا سے بہشت سے نکالا گیا لیکن آپ کی اُمت کو ہزاروں گناہوں کے باوجود مسجد سے بھی نہیں نکالا جاتا۔

○ مجھ سے اس گناہ کے بعد تمام کپڑے اتار لیے گئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی سترِ عیوب کی جاتی ہے۔

○ اس گناہ کے بعد میری زوجہ مجھ سے علیحدہ کی گئی لیکن ان سے ان کی عورتیں علیحدہ نہیں ہوتیں۔

○ اس وقت سے میرے قد و قامت میں کمی کی گئی لیکن ان میں کسی قسم کی کمی نہیں کی جاتی۔

○ وعصی آدم کہہ کر مجھے رسوا کیا گیا لیکن ان کی کبھی رُسوائی نہیں ہوئی۔

○ میں سَو سال روتا رہا تب کہیں میری بخشش ہوئی۔ اور آپ کی امت کو صرف ایک عذر سے معافی نصیب ہوتی ہے۔

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے فرمایا: ؎

محالست اگر سر بر زمین در نہی — کہ باز آیدت دست حاجت تہی
بضاعت نیاوردم الا امید — خدایا ز عفوم مکن نا امید

ترجمہ: محال ہے کہ تو عاجزی کر کے سر زمین پر رکھے اور تیرا دستِ سوال خالی لوٹے۔ اے اللہ! میں صرف امیدِ کرم کی پُونجی لایا ہوں مجھے عفو سے نااُمید نہ کر۔

سبق: مومن پر لازم ہے کہ ہر وقت ڈرتا رہے اس لیے کہ جب وُہ امورِ اجتہادیہ جو صرف ظاہری طور خطا پر مبنی ہیں پر گرفت فرماتا ہے تو جو شخص عمداً گناہ کا ارتکاب کرے اس کی کیوں نہ گرفت فرمائے گا جب ایک معمولی دنیوی بادشاہ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے سے سزا ملتی ہے تو پھر حقیقی بادشاہ کی صریح خلاف ورزی سے کیوں سزا نہ ہو۔

ہُدہُد کا واقعہ یاد کیجیے کہ جب اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم کی خلاف ورزی کی کہ چند لمحات کے لیے غائب ہو گیا، تو زجر و توبیخ اور سزا کا مستحق ہُوا۔ اسی طرح جو بھی سلطانِ حقیقی کے حکم کی خلاف ورزی کرے گا سزا کا مستحق ہو گا۔ اگر کوئی طاعتِ الٰہی میں مصروف ہے تو اس کا عذر مسموع ہو گا۔

فائدہ: آیت کے شانِ نزول سے ثابت ہُوا کہ انسان پر لازم ہے کہ ہر وقت بارگاہِ حق کے خوف سے روتا رہے۔ یہی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا طریقہ تھا کہ اس آیت کے نزول کے بعد دونوں حضرات بہت رویا کرتے۔

حدیث شریف: قیامت میں جہنم کو قریب لایا جائے گا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسے فرمائیں گے دُور ہو جا۔ وُہ نہیں ہٹے گی۔ اس کے بعد جبریل علیہ السلام ایک پیالہ پانی کا لائیں گے اور وُہ اسے جہنم پر چھڑک دیں گے۔ اس سے جہنم

بقیہ صـ ۴۳۲

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ

اے غیب کی خبریں جاننے والے جو قیدی تمہارے ہاتھ میں ہیں ان سے فرماؤ اگر اللہ نے تمہارے

اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ

دل میں بھلائی جانی تو جو تم سے لیا گیا اس سے بہتر تمہیں عطا فرمائے گا اور تمہیں

لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷۰﴾ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ

بخش دیگا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور اے محبوب! اگر وہ تم سے دغا چاہیں گے تو اس

خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾

سے پہلے اللہ ہی کی خیانت کر چکے ہیں جس پر اس نے اتنے تمہارے قابو میں دیدیئے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ

بے شک جو ایمان لائے اور اللہ کے لیئے گھر بار چھوڑے اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰۗىِٕكَ بَعْضُهُمْ

سے لڑے اور وہ جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی وہ ایک دوسرے کے وارث

اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ

ہیں اور وہ جو ایمان لائے اور ہجرت نہ کی تمہیں ان کا ترکہ کچھ

وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ

نہیں پہنچتا جب تک ہجرت نہ کریں اور اگر وہ دین میں تم سے مدد

فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰي قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ

چاہیں تو تم پر مدد دینا واجب ہے مگر ایسی قوم پر کہ تم میں ان میں

مِّيْثَاقٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۷۲﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

معاہدہ ہے اور اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے اور کافر آپس میں ایک دوسرے

بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۭ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ

کے وارث ہیں ایسا نہ کروگے تو زمین میں فتنہ اور

وَفَسَادٌ كَبِيرٌ ﴿٧٣﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ

بڑا فساد ہوگا اور وہ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں لڑے

اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا

اور جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی وہی سچے ایمان والے ہیں

لَّهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٧٤﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِن بَعْدُ وَ

ان کے لیئے بخشش ہے اور عزت کی روزی اور جو بعد کو ایمان لائے اور ہجرت

هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا مَعَكُمْ فَأُولَٰئِكَ مِنكُمْ وَأُولُوا

کی اور تمہارے ساتھ جہاد کیا وہ بھی تمہیں میں سے ہیں اور

الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ

رشتہ والے ایک دوسرے سے زیادہ نزدیک ہیں اللہ کی کتاب میں بے شک

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٧٥﴾

اللہ سب کچھ جانتا ہے

ع ۱۰ ۶ ۶

تفسیر عالمانہ یَا أَیُّهَا النَّبِیُّ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے القابات سے یہ لقب بزرگ ترین ہے۔ یعنی اے وہ ذات جو اللہ تعالیٰ یا اس کے احکام کی خبر دینے والی ہے قُلْ لِّمَنْ فِیْٓ اَیْدِیْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰی فرمایئے ان قیدی لوگوں کو جو آپ کے قبضہ میں ہیں۔ اَسْرٰی اسیر کی جمع ہے۔

شانِ نزول وعلم غیبِ رسول مروی ہے کہ یہ آیت حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حق میں نازل ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا جان تھے۔ آپ بدر کے ان دس قیدیوں میں سے تھے جنہوں نے تمام لشکرِ کفار سے وعدہ کیا تھا کہ شام کے قافلہ کی حمایت کے لیے اسے مکہ تک بسلامت لانے تک جتنا طعام کا خرچہ ہوگا اس کے ہم ذمہ دار ہیں۔ حضرت عباس جب بدر کی لڑائی کے لیے نکلے تھے تو ان کے ہاں بیس اوقیہ سونا تھا ارادہ کیا کہ اسے کفار پر خرچ کریں گے لیکن ان کے خرچ کرنے سے پہلے ہی لڑائی شروع ہوگئی۔ اسی بنا پر وہ بیس اوقیہ سونا ان کے پاس رہ گیا۔ جنگ میں ان سے وہی بیس اوقیہ سونا پکڑا گیا۔ حضرت عباس نے حضور علیہ السلام سے عرض کی کہ وہی بیس اوقیہ سونا ان کے فدیہ میں شمار کیا جائے لیکن حضور علیہ السلام نے اس سے انکار کیا اور فرمایا جو چیز تم ہمارے اوپر استعمال کرنے کے لیے لائے اور وہ مال غنیمت میں پکڑی گئی وہ تمہاری نہیں ہماری ہے بلکہ آپ پر لازم ہے کہ آپ اپنے فدیہ کے علاوہ ایک سو اوقیہ زاید ادا کریں اور ساتھ ہی اپنے دونوں بھائیوں کے بیٹوں عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث کی طرف سے

چالیس اوقیہ بھی پیش کریں۔ اس پر حضرت عباس نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپ یہی چاہتے ہیں کہ آپ کا چچا واپس جا کر زندگی بھر قریش سے مانگتا پھرے۔ التکفف یعنے لوگوں کے سامنے سوال کے لیے دست دراز کرنا۔ یعنی مال و دولت مسلمانوں نے لوٹ لیا باقی جو کچھ گھر میں ہے اس کا اپنا اور اپنے بھتیجوں کا فدیہ ادا کروں تو پھر میرا باقی کیا بچ رہے گا۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ سونا کہاں جائے گا جو آپ نے ام الفضل یعنی اپنی زوجہ کے سپرد کیا تھا جبکہ آپ مکہ سے غزوۂ بدر کے لیے نکلے اور اسے سونا دے کر فرمایا کہ کیا معلوم مجھے کیا پیش آئے اور کہا تھا اگر میں مرجاؤں تو یہ تیرا اور تیرے بیٹوں عبد اللہ اور فضل اور قثم کا ہے۔ یہ آپ کے تینوں صاحبزادوں کے نام ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میرے رب تعالیٰ نے مجھے خبر دی ہے۔ حضرت عباس نے کہا: یقیناً آپ سچے ہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ یاد رہے کہ میں نے جب وہ سونا اپنی زوجہ کو دیا تھا اس وقت سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو علم نہیں تھا اور اندھیری رات تھی اس سے قبل مجھے آپ کی نبوت پر شک تھا لیکن آپ کی اس غیبی خبر سے یقین ہو گیا کہ آپ لاریب نبی مرسل ہیں۔

قاعدہ: اگرچہ یہ آیت حضرت عباس کے حق میں نازل ہوئی لیکن اب اس کا حکم عام ہے اس لیے کہ حکم خاص واقعہ سے متعلق نہیں رہتا۔ یعنی اے میرے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ عباس، عقیل اور دیگر قیدیوں سے فرمائیے اِنْ یَّعْلَمِ اللّٰہُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ خَیْرًا اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں خیر یعنی ایمان و اخلاص کو جانتا۔

سوال: اِنْ شرطیہ شک کے لیے آتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے شک کیسا۔

جواب: یہ شک بہ نسبت ہمارے ہے جیسے حضور علیہ السلام نے دعائے استخارہ میں اللہ تعالیٰ سے عرض کی: ان کنت

بقیہ ص۴۲۹ سے آگے

دو، بھاگ جائے گی۔ سوال ہوگا اے جبریل علیہ السلام! یہ پانی کہاں سے لائے ہو؟ وہ فرمائیں گے، یہ گنہگاروں کے آنسو تھے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

تا نگرید ابر کے خندد چمن　　تا نگرید طفل کے جوشد لبن
طفل یکروزہ ہمی داند طریق　　کہ بگریم تا رسد دایہ شفیق
تو نمی دانی کہ دایۂ دائگان　　کم دہد بے گریہ او رائگان
چوں برآرند از پشیمانی انین　　عرش لرزد از انین المذنبین

ترجمہ: بادل جب تک نہیں روتا باغ شاداب نہیں ہوتا۔ جب تک بچہ نہیں روتا ماں کا دودھ جوش نہیں مارتا۔ نومولود دودھ حاصل کرنے کا یہی طریقہ جانتا ہے کہ رونے سے ماں کا دودھ ملے گا اب تم سوچو کہ وہ رب الارباب کہ رونے کے بغیر بھی سب کچھ دیتا ہے۔ گنہگار بندے جب آہ و زاری کرتے ہیں تو عرش الٰہی لرز جاتا ہے۔

تعلمو الخ یعنی اگر تیرے علم و ارادہ کا تعلق ہو۔ چونکہ اس علم کا تعلق بہ نسبت طرف بندے کے مشکوک ہے اسی لیے اسے حرفِ شک سے تعبیر کیا گیا ہے ۔

یُؤْتِکُمْ خَیْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْکُمْ تو تمہیں اس سے بہتر عطا فرمائے گا جو تم سے فدیہ لیا گیا وَ یَغْفِرْ لَکُمْ ط وَ اللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ اور تمہاری مغفرت فرمائے گا ، اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

فائدہ : حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بہتر عطا فرمایا ہے اس سے جو مجھ سے بدر میں لیا گیا کہ اس وقت بحمدہ تعالیٰ میرے بیس مملوک ہیں اور کم درجہ والا بیس ہزار درہم کی تجارت کرتا ہے اور مجھے زمزم کا سقایہ عنایت فرمایا ہے یہ وہ دولت ہے کہ تمام مکہ والے میرا مقابلہ نہیں کر سکتے اور ان دونوں وعدوں سے ایک تو پورا ہو گیا دوسرے وعدے کا مجھے انتظار ہے یعنی باقی مجھے مغفرت کی امید ہے اور اس وعدۂ کریمہ کے خلاف نہیں ہوگا۔ ؎

خلاف وعدہ محالست کز کریم آید   لئیم اگر نکند وعدہ وفا شاید

ترجمہ کریم سے **خلاف** وعدہ محال ہے ہاں نالائق وعدہ پورا نہ کرے تو اس سے ہو سکتا ہے ۔

وَاِنْ یُّرِیْدُوْا اور اگر وہ بدر کے قیدی ارادہ کریں خِیَانَتَکَ آپ سے خیانت کا۔ یعنی جو کچھ آپ سے وعدے کیے ہیں یعنی اسلام سے ہٹ کر اپنے آباء و اجداد کے دین کی طرف ہو گئے فَقَدْ خَانُوا اللّٰہَ مِنْ قَبْلُ انہوں نے اس سے قبل بھی اللہ تعالیٰ کی خیانت کی تھی یعنی کفر کیا تھا اور جو کچھ ازل میں اللہ تعالیٰ سے وعدے کیے سب توڑ دیئے فَاَمْکَنَ مِنْھُمْ پس ان پر تمہیں قبضہ دے گا جیسے بدر میں تمہیں فتح و نصرت دی اب بھی اگر تمہارے ساتھ خیانت کریں تو تمہیں ان پر غلبہ عطا فرمائے گا۔ یہ محاورہ "مکنہ من الشی و امکنہ منہ ای اقدر علیہ فتمکن منہ" سے ہے۔ یعنی فلاں کو فلاں شے پر قدرت دی پھر وہ اس پر غلبہ پا گیا وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ اور اللہ تعالیٰ علیم ہے وہ ان کی نیات اور جس عذاب کے وہ مستحق ہیں انہیں جانتا ہے۔ ؎

بر و علم یک ذرہ پوشیدہ نیست
کہ پیدا و پنہاں نزدش یکیست

حَکِیْمٌ ○ وہ حکیم ہے کہ جیسے اس کی حکمت کاملہ کا تقاضا ہوتا ہے ویسے کرتا ہے۔

فائدہ : ایک روایت میں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ بدر سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے لیکن ظاہر نہیں کرتے تھے اس لیے کہ آپ کے قریش پر بہت قرضہ جات تھے انہیں خطرہ تھا کہ اگر اسلام ظاہر کر دیں تو قرضہ جات وصول نہیں ہو سکیں گے ۔

سوال : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر زاید فدیہ دینے پر کیوں مجبور کیا؟

جواب : یہ بھی ان کے لیے ایک فائدہ تھا اگرچہ بظاہر اُن کے لیے دُکھ تھا لیکن حقیقۃً ان کے لیے نفع ہی نفع تھا۔

ف : جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو اہلِ مکہ کو مجبوراً اسلام قبول کرنا پڑا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے اسلام کا اعلان فرما دیا۔

سوال : اگر حضور علیہ السلام کو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اندرونی اسلام کا علم تھا تو پھر آپ نے ان کے اسلام کا اعلان کیوں نہ فرمایا ؟

جواب : آپ نے بھی وہی مصلحت دیکھی جو خود حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے لیے چاہتے تھے یعنی تاکہ ان کے اظہارِ اسلام سے ان کے قرضہ جات ضایع نہ ہو جائیں۔

ف : حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قدیم الاسلام ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جب انہوں نے ہجرت کے لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا : "یا عم اقم مکانك الذی انت فیہ فان اللہ یختم بك الھجرۃ کما ختم بی النبوۃ" اے چچا جان ! آپ اپنے گھر ہیں رہ جائیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاتم الہجرۃ بنایا ہے جیسے مجھے خاتم النبوۃ۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ ؎ ترجمہ اسکے علم کے آگے کوئی شے پوشیدہ نہیں، پوشیدہ و ظاہر اسکیلئے برابر ہے۔

مسئلہ : آیت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بیان ہے اور دُنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب سے ایمان و اسلام کے سوا بچنا مشکل ہے وہی قادر ہے قوی ہے خالق ہے اور اس کے ماسوا باقی تمام مخلوق عاجز ضعف ہے۔

حدیث شریف : نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قوت والے کو فرما دو کہ تجھے تیری قوت عجب میں ڈالے اگر تجھے بڑی طاقت ہے تو میں موت سے تیری اس قوت کو ملیا میٹ کر دوں گا اور عالم کو فرما دو کہ تجھے تیرا علم عجب میں ڈالے پس اگر تجھے علم کا غرور ہے تو میں تیرا گھمنڈ موت سے مٹا دُوں گا اور دولت مند کو فرما دو کہ تجھے تیری دولت تکبر میں ڈالے تو میں طاقت رکھتا ہوں کہ تیری دولت مخلوق کو لٹا دُوں گا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ آیت میں قیدیوں سے وہ نفوس مراد ہیں جو جہادِ اکبر میں مقید ہیں کہ جن پر سلطان ذکر کا غلبہ ہے اگر نفوس کو ذکرِ الٰہی اور عبودیت اور سلطان ذکر کے احکام کی پابندی سے اطمینان ہے تو انہیں اللہ تعالیٰ جنت کی نعمتیں اور اس کے درجات عطا فرمائے گا اور یہ شہوات دنیا اور اس کی نعمتیں اور اس کی زینت سے افضل ہیں اس لیے کہ دنیا کی نعمتیں فانی ہیں اور جنت اور اس کی نعمتیں باقی ہیں۔

قاعدہ عجیبہ سات چیزوں کی متابعت سے سات چیزیں پیدا ہوتی ہیں :

۱۔ نفس کی متابعت سے ندامت پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قابیل کے متعلق فرمایا ہے، فطوعت له نفسه قتل اخیه فقتله فاصبح من النادمین۔

۲۔ خواہشات نفسانی کی متابعت حق سے دوری پیدا کرتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بلعام کے لیے فرمایا : واتبع ھواہ فمثله کمثل الکلب یعنی اس نے اپنے نفس کی اتباع کی تو اُس کا بعد اور خساست کُتّے کی طرح ہے۔

۳۔ شہوات کی اتباع کفر پیدا کرتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : واتبعوا الشھوات فسوف یلقون غیا۔ یعنی جنہوں

نے شہوات کی اتباع کی تو انہیں وادی غی یعنی کفر میں ڈالا جائے گا۔

۴۔ فرعون کی متابعت دنیا میں دریا کی غرقابی اور آخرت کی جہنم کا دخول پیدا کرتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: واتبعوا امر فرعون۔ یعنی انہوں نے فرعون کے حکم کی تابعداری کی فاوردھم النار تو اللہ تعالیٰ نے انہیں جہنم کی آگ میں ڈالا۔

۵۔ گمراہ لیڈروں کی تابعداری حسرۃ پیدا کرتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اذ تبرأ الذین اتبعوا الی ان قال کذٰلک یریھم اللہ اعمالھم حسرات علیھم وماھم بخارجین من النار۔

۶۔ حضور تاجدار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری ان کا عشق اور محبت پیدا کرتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔

۷۔ شیطان کی تابعداری جہنم کا ایندھن بناتی ہے کما قال اللہ تعالیٰ ان عبادی لیس لک علیھم سلطان الا من اتبعک من الغاوین وان جہنم لموعدھم اجمعین۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بے شک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پاک پر ایمان لائے وَهَاجَرُوْا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اپنے وطن یعنی مکہ معظمہ سے ہجرت کی وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ اور انہوں نے اپنے اموال سے جہاد کیا یعنی انہیں جنگی سامان اور ہتھیار اور دیگر ضروریات پر خرچ کیا وَاَنْفُسِهِمْ اور جنگ میں اور اس کے محاذ پر اور ہلاکتوں کے مراکز پر نفسوں کو قربان کیا۔

سوال: اموال کو انفس پر مقدم کیوں کیا؟

جواب: (۱) مال سے جہاد زیادہ واقع ہوتا ہے اور اسی سے زیادہ ضروریات پوری ہوتی ہیں اور نفس سے جہاد مال کے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔ (کذا فی التفسیر الارشاد)

(۲) صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا: مال نفس و وجود کے توابع سے ہے اور خرچ کے وقت توابع اصل سے مقدم ہوا کرتے ہیں۔

(۳) ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کا یہی بہترین طریقہ ہے اسی لیے صوفیہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا: توحید افعال کے مقابلہ میں مال کو خرچ کیا جاتا ہے اور ذات معبود کی توحید میں وجود کو۔

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جَاهَدُوْا کے متعلق ہے اسے جہاد کے انواع میں سے ایک قسم کے متعلق کیا گیا ہے۔ سبیل اللہ سے وہ طریقہ مراد ہے جو ثواب اور جنت اور درجات و قربات تک پہنچانے والا ہو اور وہ بھی اس وقت پہنچاتا ہے جب اس میں خلوص ہو اس لیے کہ مال اور نفس اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے وقت ریاء ہو تو اس سے رضائے الٰہی نصیب نہیں ہوتی۔

اے اللہ تعالیٰ! ہمیں ان لوگوں سے بنا جو تیرے راستہ پر جہاد کرتے اور تیرے غیر سے دُور رہتے ہیں۔ حضرت شیخ مغربی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

گلِ توحید نروید کہ ز زمینی کہ دور خار شرک و حسد و کبر و ریاء و کین است

ترجمہ: اس زمین پر توحید کا پھول نہیں اُگتا جس میں شرک وحسد وکبر اور کینہ ہو۔

وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا اور وہ لوگ جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ مہاجرین کو پناہ دی یعنی انہیں مدینہ طیبہ میں مکانات بنا دیے اور ان کی دیگر ضروریات پوری کیں۔ الایواء بمعنے الضم یعنی ملانا۔ وَّنَصَرُوْا اور ان کی مدد کی یعنی ان کے دشمنوں پر ان کی مدد فرمائی اور کفار کو تلوار سے مارا۔ پہلا مہاجرین کے متعلق ہے دوسرا انصار کے متعلق ہے اور لفظ انصار خزرج اور اوس دونوں قبیلوں کا علم ہے اسی لیے اس کی جمع کی طرف حرف نسبت لگایا جاتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے انصاری اور انہیں انصار اسی لیے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے حضور امام الانبیاء سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کی تھی۔ انصار نصیر کی جمع ہے جیسے شریف کی اشراف جمع آتی ہے۔

سلطان سلیم اول نے کہا: ؎

شہنشاہ آں گدا کہ بود خاک راہ او　　آزاد بندہ کہ گرفتار مصطفیٰ است
آں سینۂ شاد کز غم او ساخت دل حزیں　　و آں جانِ عزیز کز پے ایثار مصطفیٰ است

ترجمہ: شہنشاہ وہ ہے جو اس راہ کی مٹی کا گدا ہے آزاد بندہ وہ ہے جو مصطفیٰ کے عشق میں گرفتار ہے۔

خوش وہ سینہ ہے جو غم مصطفیٰ سے ہے دل غمگین جان عزیز وہ ہے جو مصطفیٰ کے لیے قربان ہے۔

اُولٰٓئِكَ وہ لوگ جن کے اوصاف مذکور ہوئے بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ میراث میں ایک دوسرے کے وارث ہیں اس لئے کہ مہاجرین و انصار ہجرت و نصرت کی وجہ سے ایک دُوسرے کی وراثت لیتے۔ قرابت و رشتہ داری کا سلسلہ تو تھا نہیں لیکن ایک دُوسرے کے وارث ہو جاتے تو محض ہجرت و نصرت کی وجہ سے۔

مسئلہ: ابتدائے اسلام میں مہاجرین و انصار ہجرت و نصرت کی وجہ سے ایک دوسرے کی وراثت لیتے مثلاً کوئی مہاجر فوت ہو جاتا تو اس کا انصاری بھائی وارث بنتا جبکہ اسی مہاجر کا مدینہ طیبہ میں کوئی دُوسرا بھائی یا وارث مسلمان نہ ہوتا اسی طرح انصاری فوت ہوتا تو اس کا وارث مہاجر بھائی ہوتا اگر انصاری کا کوئی اور وارث نہ ہوتا یہ قانون فتح مکہ تک جاری رہا۔ فتح مکہ کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

مسئلہ: فتح مکہ کے بعد ہجرت کی وراثت کے بجائے قرابت کی وراثت کا اجراء ہُوا۔

فائدہ: الاولیاء، الولی کی جمع ہے جیسے اصدقاء، صدیق کی جمع ہے اور اَلْوَلِیُّ، وَلْیٌ بمعنے قرب یعنی نزدیک ہونا، سے مشتق ہے۔ اب معنیٰ یُوں ہوا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے قریبی (رشتہ دار) ہیں۔ اب نہ تو مومن کافر کا وارث ہے اور نہ ہی مومن مہاجر غیر مہاجر کا۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُهَاجِرُوْا اور وہ لوگ جو ایمان لائے لیکن دُوسرے اہلِ ایمان کی طرح ہجرت نہیں کی۔ مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ تو وہ ان کی ولایت یعنی وراثت میں سے تمہارا کوئی حقدار نہیں اگرچہ وہ تمہارے قریب ترین رشتہ دار ہوں حَتّٰی یُهَاجِرُوْا یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ اس آیت

سے جب صراحۃً نفی کر دی گئی کہ غیر مہاجرین اہلِ ایمان کی وراثت، ولایت مہاجرین سے منقطع ہوگئی تو پھر وُہ مکہ میں مخالفین سے جتنی تکالیف اور دُکھ اٹھائیں ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ ہم ان کی امداد کریں حالانکہ یہ تو مقتضائے اسلام کے بالکل خلاف ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا ازالہ فرمایا کہ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ اور اگر غیر مہاجرین مومن تم سے دینی امور میں مدد طلب کریں فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ تو تمہارے اُوپر واجب ہے کہ تم انہیں دشمنوں پر غلبہ پانے کے لیے دینی امور میں مدد کرو۔ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ مگر اس دشمن قوم پر غلبہ پانے کے لیے اہلِ ایمان غیر مہاجرین کو مدد مت دو بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ؕ جن کا تمہارے اور ان کے مابین معاہدہ ہو، بلکہ ان کی آپس میں ایسی اصلاح کرو کہ جنگ کے بغیر ان کی صُلح ہو جائے وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے فلہذا تم اس کے کسی حکم کی مخالفت نہ کرو تاکہ تم پر عذاب نازل نہ ہو جائے وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ اور وہ لوگ جو کافر ہیں وُہ آپس میں ایک دُوسرے کی میراث کے وارث ہیں۔

مسئلہ: آیت میں تصریح کی گئی ہے کہ کفار ایک دُوسرے کی میراث کے وارث ہیں اس لیے کہ احکام کا خطاب انہیں نہیں بلکہ صرف اہلِ ایمان کو احکام کے لیے مخاطب کیا گیا ہے۔

مسئلہ: مفہوم مخالف کے قاعدہ کی بناء پر مسلمانوں کو کفار کی دوستی اور ان کی وراثت سے روکا گیا ہے بلکہ ان پر واجب ہے کہ ان سے کوسوں دُور رہیں خواہ ان کے کتنا ہی قریبی رشتہ دار ہوں۔

نکتہ: کفار سے محبت و موالات اور دوستی کفر کی نسبت کی وجہ سے ہوتی ہے جیسے اہلِ ایمان کی آپس میں محبت بوجہ نسبت ایمانی کے ہے۔ اسی بنا پر ایمان و کفر کے مابین مناسبت (دوستی و تعلق وغیرہ) کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس لیے کہ کفر ظلمت ہے اور ایمان نور، جیسے نور و ظلمت کا اجتماع ممتنع ہے ایسے ہی ایمان و کفر کا اجتماع بھی محال ہے۔ اسی طرح ایمان و کفر سے موصوفین کا آپس میں تناسب کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ مسلّم ہے کہ کافر اللہ کا دشمن اور مومن اللہ تعالیٰ کا ولی ہے اور قاعدہ ہے کہ غیر جنس سے وصال و یاری کے بجائے انقطاع اور جدائی ضروری ہے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا:

نخست موعظۂ پیر صحبت ایں پند است
کہ وز مصاحب ناجنس احتراز کنید

ترجمہ: بوڑھے تجربہ کار کی ایک نصیحت یاد رکھو کہ ناجنس کی دوستی سے کنارہ کشی ضروری ہے۔

اِلَّا در اصل اِنْ لَا تھا تَفْعَلُوْهُ یعنی وُہ جو تم حکم دیے گئے ہو آپس میں محبت اور دوستی اور ایک دوسرے کی تعلق داری یہاں تک کہ میراث میں اور کفار سے قطع تعلق وغیرہ پر عمل نہیں کرو گے تَكُنْ یہ تامہ ہے فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ تو زمین پر ایک عظیم فتنہ برپا ہوگا یعنی ایمان میں ضعف اور کفر کو غلبہ ہوگا وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ○ؕ اور دارین میں بہت بڑا فساد ہوگا۔

مسئلہ : اس میں اشارہ ہے کہ طالب نصرۃ کی موافقت ضروری ہے اگر اس کی موافقت نہ کی جائے تو خسارہ ہی خسارہ ہے بلکہ دنیا سے امان اُٹھ جائے۔

حدیث شریف : ظالم اور مظلوم دونوں کی مدد کرو۔

فائدہ : ظالم کی مدد کا معنیٰ یہ ہے کہ اسے ظلم کرنے سے روکا جائے۔

مسئلہ : قاضیخان میں ہے کہ اگرچہ رُوم سے ہی جنگ کے لیے اہلِ اسلام مدد طلب کریں تو ان کی مدد کے لیے حسب الامکان جنگ پر جانا ضروری ہے جبکہ زادِ راہ اور وہاں تک پہنچنے کی سواری کی استطاعت ہو ان کی مدد سے بلا عذر بیٹھ جانا ناجائز ہے۔

مسئلہ : جیسے اہلِ اسلام کی جنگ کی مدد میں بہت بڑی فضیلت ہے ایسے ہی جہاں دینی امور کا فائدہ ہے وہاں ہجرت کر جانے میں فضیلت ہے۔

ہجرتِ نبوی کا سبب

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ آپ کے صحابہ کرام پر مکہ معظمہ کے کفار کے پے در پے ظلم کے پہاڑ ڈھا رہے ہیں اور آپ کے ہاں ان کے بچانے کے بظاہر اسباب بھی نہیں تھے تو آپ نے انہیں وہاں سے متفرق مقامات پر چلے جانے کا حکم دیا اور ساتھ ہی خوشخبری سنائی کہ عنقریب تم ایک مقام پر جمع ہو جاؤ گے۔ انہوں نے عرض کی، ہم کہاں جائیں؟ آپ نے حبشہ کا اشارہ فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے صراحۃً فرمایا کہ حبشہ کو چلے جاؤ وہاں کا بادشاہ بہت اچھا ہے وہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا اور وُہ مقام سچائی کا مرکز ہے پھر اللہ تعالیٰ تمہاری تکالیف دور کرنے کے اسباب پیدا فرما دے گا۔

پاک و ہند کی طرف ہجرت کا پروگرام

صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لو کان لی مالٌ لہاجرت من قسطنطنیہ الی ارض الھند۔ اگر میرے پاس (بظاہر) دنیا و دولت کی وفرت ہوتی تو میں قسطنطنیہ سے ہند (و پاکستان) ہجرت کر جاتا اس لیے کہ جس ملک کا ایسا بادشاہ ہو جسے دین کی کوئی غیرت نہ ہو تو وہاں اقامت پذیر ہونے کا کوئی فائدہ نہیں[1]۔ اس کے بعد میرے شیخ نے ہند و پاک کے بادشاہ کے تقویٰ و طہارت کی باتیں سُنائیں۔

فائدہ : میرے شیخ کا یہ کلام شریعت و طریقت کے عین مطابق ہے۔ ایسے ہی بہت بڑے کاملین مشایخ سے منقول ہے کہ وُہ ظالم بادشاہ کی شاہی میں ہرگز مقیم نہ ہوتے۔

حدیث شریف : جو شخص ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ کو دین کی خاطر ہجرت کر جائے اگرچہ ایک بالشت کی مسافت بھی ہو تو اس کے لیے بہشت واجب ہو گئی اور بہشت میں اسے حضرت خلیل علیہ السلام اور سرورِ کونین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت نصیب ہو گی۔

---

[1] فقیر: اب ہمارا جی چاہتا ہے کہ پاکستان کو چھوڑ کر کسی عاشق اسلام اور دین پرور ملک میں چلے جائیں۔

جبشہ کی ہجرت حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی سُن کر بہت سے صحابہ کرام جبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تاکہ کفار کے فتنہ و فساد سے بچ کر اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آ کر اپنا دین بچا لیں پھر بعض ان میں اکیلے ہجرت کر گئے بعض اپنے بال بچوں سمیت چلے گئے اسے ہجرتِ اُولیٰ سے تعبیر کرتے ہیں۔

صُوفی کی ہجرت کا مطلب صوفیہ کرام فرماتے ہیں جو ایمان لاتا ہے تو اس پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ طلبِ حق میں زندگی بسر کرے اور طالبِ حق کو ہجرت ضروری ہے، اور اس کی ہجرت یہ ہے کہ غیر اللہ سے بالکل علیحدہ ہو جائے یعنی افعال قبیحہ طبعیہ چھوڑ کر افعال حسنہ شرعیہ کا پابند ہو جائے اور اوصاف ذمیمہ ترک کر کے اخلاقِ حمیدہ پیدا کرے یا یُوں سمجھو کہ وجودِ مجازی فنا کر کے وجودِ حقیقی حاصل کرے اسی طرح بذل مال اور نفس طلب حق میں ضروری ہے، اور صوفیہ کرام کے نزدیک حق کے سوا باقی ہر شے باطل ہے اور ہر باطل کو مٹانا لازم۔

حضرت سید بخاری قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

ہست تاج عارفاں اندر جہاں از چار ترک
ترکِ دُنیا ترکِ عُقبیٰ ترکِ ہستی ترک ترک

ترجمہ: چار چیزوں کے ترک سے عرفا کو تاج حاصل ہوتا ہے ترکِ دنیا ترکِ عقبیٰ ترک ہستی و ترک نیستی۔

حدیث شریف اور حکایت مروی ہے کہ زمانہ سابق میں ایک بندۂ خدا نے ایک کم ایک سو یعنی ننانوے قتل کیے اور اس نے روئے زمین کے اہلِ علم سے اپنی معافی کی تجویز پُوچھی، تو اسے ایک راہب کے ہاں بھیجا گیا۔ جب وہ اس کے ہاں حاضر ہُوا تو اس نے اپنا ماجرا سُنایا کہ اس نے ننانوے قتل کیے ہیں کیا معافی ہو سکتی ہے۔ اس راہب نے جواب نفی میں دیا تو اسے بھی اس نے قتل کر دیا۔ اس طرح سے اس کے قتل مکمل یکصد ہو گئے۔ پھر رُوئے زمین کے علمأ سے اپنی توبہ کا سوال کیا اُسے ایک عالمِ دین کی طرف بھیجا گیا اس نے اس کی خدمت میں اپنا تمام حال سنایا اور کہا کہ مَیں ایک سَو آدمی قتل کر چکا ہُوں کیا اس کے باوجود بھی میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ اس نے کہا ہاں تیری توبہ میں کونسی کمی ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی بخشش میں کوئی شے حائل ہے۔ لیکن فلاں علاقہ میں جائیے وہاں اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار نیک بندے رہتے ہیں تم بھی ان کے ساتھ عبادت گزاری میں شامل ہو جاؤ لیکن جب تک توبہ قبول نہ ہو تم اپنے گھر نہ لوٹنا اس لیے کہ جہاں تم رہتے ہو وہ بہت بُرا علاقہ ہے واپس آؤ گے تو بُری صحبت سے خراب ہو جاؤ گے۔ وُہ بندۂ خدا اس عالمِ دین کے مشورہ پر انہی نیک لوگوں کے علاقہ کی طرف چل پڑا، ابھی آدھا سفر طے کیا تو ملک الموت تشریف لائے اور اس کی جان نکال لی۔ اس کے مرنے پر رحمت اور عذاب کے فرشتوں کا جھگڑا ہو گیا۔ رحمت کے فرشتے کہتے کہ یہ تائب ہو کر خلوصِ قلب سے اللہ تعالیٰ کی تلاش میں جا رہا تھا اور عذاب کے فرشتے کہتے کہ اس نے زندگی بھر کوئی نیکی نہیں کی فلہٰذا یہ بخشش کا حقدار نہیں۔ ان کا جھگڑا مٹانے کے لیے ایک فرشتہ انسانی لباس میں حاضر ہُوا۔ رحمت و عذاب کے ملائکہ نے کہا اس کا فیصلہ ہمیں منظور ہے ہم اسے اپنا حکم (سرپنچ) بنا لیں۔ اس نے کہا دونوں زمینوں کو ناپو۔ یعنی جتنا طے کر کے آیا اور جتنی بقایا زمین اہل اللہ کے علاقہ تک رہتی ہے۔ جس زمین کو یہ شخص قریب تر ہے اسی کا مستحق ہے یعنی اگر طے کردہ زمین سے گھر کی طرف قریب تر ہے تو اسے جہنم میں لے جاؤ

ورنہ بہشت میں۔ چنانچہ اس کے فیصلہ پر سب فرشتے راضی ہو گئے اور زمین ناپی گئی تو اسی زمین کے قریب تر پایا گیا کہ جس کی طرف ارادہ رکھتا تھا یعنی اللہ والوں کے گھروں کے قریب تر پایا گیا، تو اسے رحمت کے فرشتے بہشت میں لے گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب زمین ناپی جا رہی تھی تو اللہ تعالیٰ نے طے کردہ زمین کی طرف پیغام بھیجا کہ تو لمبی ہو جا، اور دوسری زمین سے فرمایا کہ تو اس بندہ کے قریب تر ہو جا۔

سوال: اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ اس بندہ کے تمام گناہ معاف ہو گئے یہاں تک کہ حقوق العباد بھی۔ حالانکہ حقوق العباد نہیں بخشے جاتے جب تک بندے خود معاف نہ کریں۔

جواب: قاعدہ ہے کہ گنہگار جب سچے دل سے توبہ کرتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لے تو پھر حقوق اللہ تو سب کے سب بخشے جاتے ہیں اور حقوق العباد بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہیں چاہے تو صاحبِ حق کو اپنی طرف سے راضی فرما دے اور چاہے تو صاحبِ توبہ کی نیکیاں صاحبِ حق کو عنایت فرما دے۔

مسئلہ: حدیث شریف میں ہے کہ جہاں بندے سے گناہ سرزد ہوا اس جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ ہجرت کرنا مستحب ہے اور ایسے لوگوں کے ہاں جا کر گزارے جو اس کو نیکی کی معاونت کریں۔

اے اللہ تعالیٰ ہمیں سچے مہاجرین اور نیک بندوں سے بنا۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور وہ لوگ جو ایمان والی چیزوں پر اجمالاً و تفصیلاً ایمان لائے وَهَاجَرُوْا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنے اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی پر اپنے وطن کو خیرباد کیا وَجَاهَدُوْا اور کفار سے جہاد کیا۔ المجاهدة بمعنی اللہ تعالیٰ کی راہ پر کفار سے جنگ کرنا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس سے دین اسلام اور اخلاص مراد ہیں جو ہر دونوں بہشت میں لیجانیوالے ہیں وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا اور وہ لوگ جنہوں نے اہلِ ایمان کو اپنے ساتھ ملایا کہ اپنے گھروں میں ٹھہرایا اور ان کی ضروریات کے لیے دنیوی سامان دیا اور ان کی موافقت کی یہ فعل متعدی بنفسہ اور متعدی بالیٰ ہو کر مستعمل ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے اٰوَيْتُ مَنْزِلِيْ وَاِلَيْهِ اٰوِيًا، ای نزلته بِنَفْسِيْ وَسَكَنْتُهٗ اور کہا جاتا ہے وَاٰوَيْتُهٗ وَاَوَيْتُهٗ ای اَنْزَلْتُهٗ، الماوی اسی سے مشتق ہے بمعنی المکان، الایواء بمعنی جگہ دینا۔ وَنَصَرُوْٓا اور اہلِ ایمان کی ان کے دشمنوں کافروں پر مدد فرمائی۔ پہلے الَّذِيْنَ سے پہلے مہاجرین اولین اور دوسرے سے انصار مراد ہیں۔ چنانچہ اس کی تقریر پہلے گزری ہے۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وہی لوگ وہ ہیں جن کا ایمان حَقًّا حق ہے اس لیے کہ انہوں نے ایمان کے مقتضی کے مطابق عمل کیے مثلاً ہجرت، جہاد اور مال خرچ کرنا اور نصرۃ حق وغیرہ۔ پہلی آیت ان کے حکم کے بیان کے لیے ہے یعنی وہ ایک دوسرے کی وراثت کے مالک اور ایک دوسرے کے متولی ہیں اور اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ مومن کامل فی الایمان وہی پہلے مہاجرین اور انصار ہیں نہ کوئی اور اس تقریر سے ثابت ہوا کہ آیت میں تکرار نہیں اس لیے کہ پہلی بار بیان حکم کے لیے تھا اب ان کے کمال ایمان کے لیے ہے۔ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ ان کے گناہوں کی مغفرت ہے وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ○ اور اس کے ہاں رزق واسع اور کثیر ہے

انہیں بہشت میں بہت بڑا طعام کھلائے گا جو ان کے بدن میں تحلیل ہو کر پسینہ کی صورت میں نکل جائے گا اور اس پسینہ کی خوشبو مشک سے بھی بہتر ہو گی وہ طعام پیٹ میں جا کر پاخانہ وغیرہ نہیں بنے گا۔ نَجْو ہر اس شے کو کہا جاتا ہے جو پیٹ سے خارج ہو، ریح ہو یا پاخانہ۔

ربط: ان کے بعد ان لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جو مذکورہ دونوں امور میں ان سے مشابہت رکھتے اور ان کے طریقہ پر چلتے ہیں۔

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ اور وہ لوگ جو ہجرتِ اُولیٰ کے بعد ایمان لائے **وَهَاجَرُوْا** اور تمہارے بعد ہجرت کر کے آئے **وَجَاهَدُوْا مَعَكُمْ** اور انہوں نے تمہارے ساتھ مل کر بعض غزوات میں جہاد کیا **فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ** پس اے مہاجرین و انصار وہ بھی منجملہ تمہارے سے ہیں۔ اور یہ وہی لوگ ہیں جو اپنی دعاؤں میں کہتے ہیں ربنا اغفر لنا ولِاِخوانِنا الذین سبقونا بالایمان۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں سابقین مہاجرین کے ساتھ ملایا۔ جو فضیلت ان سابقین کو عطا فرمائی انہیں بھی عطا ہوئی تاکہ اس سے انہیں ایمان و ہجرت کی ترغیب ہو۔

حدیث شریف: مروی ہے کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کے مابین بھائی چارہ مقرر فرمایا اسی لیے اگر کوئی مہاجر مسلمان مر جاتا تو بجائے اس کے اپنے قریبی رشتہ دار کے اس کا وارث وہی انصاری بھائی ہوتا اگرچہ اس کا مہاجر بھائی مسلمان بھی ہوتا۔

اس کے بعد آیتِ ذیل سے یہ حکم اللہ تعالیٰ نے منسوخ فرما دیا **وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ** اور قریبی رشتہ دار اس کی وراثت میں زیادہ لائق ہے دوسرے بعیدی رشتہ دار سے **فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ** اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی اس کے حکم میں **اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ۠** بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے کو جانتا ہے منجملہ ان کے یہ بھی ہے کہ پہلے دینی اسلامی رشتہ دار کو وراثت کا مالک بنایا پھر نسبی رشتہ دار کو۔ یہ اس کی بلیغ حکمتوں پر مبنی ہے۔ ؎

نہ در احکام اوست چون و چرا
نہ در افعال او چگونہ و چند

ترجمہ: اس کے احکام میں کسی کو چون و چرا کی ہمت نہیں، اس کے افعال میں چگونہ و چند کوئی نہیں کہہ سکتا۔

مسئلہ: چونکہ مہاجرین سابقین نے قبول ایمان اور اتباعِ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتداء کی اسی لیے وہ انصار سے افضل ہیں۔ چنانچہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ اگر ہجرت کا حکم نہ ہوتا تو میں بھی منجملہ انصار کے ہوتا۔ اس سے انصار کی تعظیم و تکریم مطلوب ہے اس لیے کہ ہجرت کے بعد انصار سے اور کوئی افضل نہیں اس لیے کہ انہوں نے ہی مہاجرین کے بعد دینی نصرت فرمائی۔

فائدہ: مہاجرین کے چند طبقات ہیں:

۱۔ بعض وہ ہیں جنھوں نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی۔

۲۔ بعض وہ ہیں جنھوں نے آقائے کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد لیکن صلح حدیبیہ سے پہلے ہجرت کی، اور صلح حدیبیہ

۲ھ میں ہوئی۔ ان ہر دونوں کو مہاجرین سابقین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۳۔ بعض وہ ہیں جنہوں نے صلح حدیبیہ کے بعد لیکن فتح مکہ سے پہلے ہجرت کی۔ یہ ہجرت ثانیہ والے کہلاتے ہیں۔

۴۔ بعض وہ ہیں جنہوں نے دو ہجرتیں کیں؛

۱۔ ہجرت الی الحبشہ

۲۔ ہجرت الی المدینہ

مسئلہ؛ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو ہر مومن ذی استطاعت پر ہجرت فرض ہوگئی تاکہ دینی امور میں وسعت اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت ہو اور دینِ اسلام کا بول بالا ہو۔

مسئلہ؛ جب مکہ معظمہ فتح ہوا تو اس کے بعد ہجرت کی فضیلت منقطع ہوگئی۔ اس کے بعد کسی کے لیے ہجرت کی فضیلت کا حصول روا نہ رہا اور نہ ہی کسی کو حق پہنچتا تھا کہ وہ مہاجرین کے مراتب کے ہم پلّہ ہونے کا دعوٰی کرے۔

مسئلہ؛ کسی امر دینی کی مصلحت کے تحت ہجرت کرنا خواہ مکہ معظمہ کی طرف یا کسی دیگر شہر کی طرف تو یہ سلسلہ تا قیامت جاری ہے اور ایسی ہجرت جائز ہے۔

حدیث شریف نمبر ۱: فتح مکہ کے بعد ہجرت تو نہیں البتہ جہاد باقی رہے گا۔

حدیث شریف نمبر ۲؛ جس نے میرے وصال کے بعد میرے روضۂ اقدس کی زیارت کی گویا اس نے میری زندگی میں زیارت کی اور جو شخص حرمین شریفین میں سے کسی ایک حرم پاک میں مرے گا تو وہ قیامت میں امن والوں میں سے ہوگا۔

حدیث شریف نمبر ۳؛ امام غزالی قدس سرہٗ نے احیاء العلوم شریف میں نقل فرمایا کہ مروی ہے کہ حضور تاجدار رسل صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ کو واپس (زیارت و حج کے لیے) تشریف لاتے تو کعبہ معظمہ کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ تو خیر ارض اللہ اور احب بلاد اللہ ہے۔ اگر میں تجھ سے مجبوراً نہ نکالا جاتا تو تجھے چھوڑ کر ہرگز نہ جاتا۔

سبق؛ جو شے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب ہے وہ اُمت کو بھی محبوب ہونی چاہیے۔

مسئلہ؛ مکہ معظمہ میں اقامت پذیر ہونا دوسرے مقامات سے افضل ہے بشرطیکہ اس کے آداب بجا لائے جائیں۔ کیوں نہ ہو جبکہ صرف کعبہ معظمہ کو دیکھنا بھی عبادت ہے اور اس میں ایک نیکی پر لاکھوں نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔

مسئلہ؛ اگر کوئی اپنے اوپر اعتماد نہیں رکھتا کہ مکہ معظمہ میں رہ کر اس کے آداب بجا نہیں لا سکے گا تو اسے کعبہ معظمہ میں مقیم نہ ہونا چاہیے۔

حکایت منقول ہے حضرت عمر بن عبدالعزیز قدس سرہٗ جیسے خلفاء (بادشاہوں) کا طریقہ تھا کہ مکہ معظمہ میں پہنچ کر دو خیمے نصب کراتے ایک حرم شریف کے اندر اور دوسرا باہر۔ جب نماز و دیگر عبادات ادا کرنے کا ارادہ ہوتا تو حرم کے اندر والے خیمہ میں تشریف لے جاتے تاکہ مسجد شریف کے فضائل سے بہرہ ور ہو۔ کھانے پینے اور دیگر حوائج پورے کرنے کا ارادہ ہوتا تو حرم سے باہر والے خیمہ میں چلے جاتے۔

فائدہ: مکہ معظمہ کے حرم کا احاطہ بجانب مشرق چھ میل اور بجانب شمال بارہ میل اور بجانب ثالث اٹھارہ میل اور بجانب رابعہ چوبیس میل ہے۔ (کذا قال الفقیہ ابوجعفر رحمہ اللہ تعالیٰ)

اولیاء اللہ حقیقی کعبہ ہیں

جیسے اللہ تعالیٰ اور لوگوں کی نظروں میں بعض مکانات کی شرافت اور بزرگی ہے اسی طرح بعض اہلِ کمالات وکرامات بھی درجہ وار فضیلت رکھتے ہیں بلکہ مکانات کی فضیلت سے ان کی فضیلت وشرافت فزوں تر ہوتی ہے۔ ؎

مسجدے کان در درون اولیاست　　　خانۂ خاص حقست آنجا خدا است
نیست مسجد جز درون سروران　　　آن مجاز است این حقیقت اے جوان

ترجمہ: اولیاءِ کرام کے قلوب حقیقی کعبہ ہیں اس لیے یہی اللہ تعالیٰ کے خاص انوار وتجلّیات کا مرکز ہیں اور حقیقی مسجد یہی ہیں اور دوسری مساجد مجازی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

فاولئك میں ان حضرات کی طرف اشارہ ہے جو متاخرین میں سے راہِ سلوک طے کرتے ہیں کہ یہ بھی ظاہری مرتبہ میں متقدمین کی طرح ہیں اس لیے کہ انہوں نے متقدمین کی طرح اسلام قبول کرنے اور ہجرت اور جہادِ حقیقی میں سرِ مُو کمی نہیں کی اسی لیے ان میں فرق کیسا جبکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نہ صبح ہے اور نہ شام۔ فلہذا جمیع واصلین کنفس واحد ہیں انہیں زمان ومکان کی قید سے مقید نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے ہاں آج اور گزشتہ اور آنے والا لمحہ برابر ہے۔ وہ قُرب وبُعد اور اُونچ اور نیچ سب برابر سمجھتے ہیں۔ اسی لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت بارش کے قطرات کی طرح ہے نہ معلوم ان کا اول خیر ہے یا آخر۔ اسی طرح آپ نے متاخرین امت کو اپنا بھائی بتایا اور ساتھ یہ بھی فرمایا: واشوقاہ الی لقاء اخوانی۔ یعنی مجھے اپنی آنے والی امت کے بھائیوں کے دیدار کا شوق ہے۔

حکایت

حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب سورۂ انفال پڑھتے تو فرماتے کہ وہ لشکر بہت بابرکت تھا جس کے قائد حضور رسولِ خدا محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تھے اور جس کے ساتھ جنگی بہادر شیرِ خدا حضرت المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ تھے اور ان کا جہاد طاعتِ الٰہی کے لیے تھا اور ان کی مدد کے لیے ملائکہ کرام حاضری دیتے اور ان کی مزدوری اور ثواب اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضامندی کا پیام ہوتا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے نیک اعمال اور احسن اقوال واحوال کا سوال کرتے ہیں۔ ہمیں ہر حال میں طاعت گزاروں اور مشغولین فی العبادت سے بنائے۔ آمین

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے سورۃ انفال کی تفسیر
ربیع الآخر کے اواخر سنہ ۱۱۰۱ ہجری میں ختم ہوئی۔ اور

فقیر اویسی غفرلہٗ ربہ القدیر نے اس کے ترجمہ سے ۸ رجب ۱۳۹۵ھ
میں قبل صلوٰۃ العشاء فراغت پائی۔
بفضلہ وکرمہ تعالیٰ وبلطف حبیبہ الاعلیٰ صلی اللہ علیہ وسلم انا الفقیر
ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ۔

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ اٰيَاتُهَا ١٢٩ رُكُوْعَاتُهَا ١٦

سورۃ توبہ مدینہ میں نازل ہوئی اس میں ایک سو انتیس آیات اور سولہ رکوع ہیں

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ

بیزاری کا حکم سنانا ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکوں سے جن سے تمہارا معاہدہ تھا اور وہ قائم

الْمُشْرِكِيْنَ (١) فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا

نہ رہے تو چار مہینے زمین پر چلو پھرو اور جان رکھو کہ تم

اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ (٢)

اللہ کو تھکا نہیں سکتے اور یہ کہ اللہ کافروں کو رسوا کرنیوالا ہے

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ

اور منادی پکار دینا ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے سب لوگوں میں بڑے حج کے دن

اَنَّ اللّٰهَ بَرِىْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ۭ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ

کہ اللہ بیزار ہے مشرکوں سے اور اس کا رسول تو اگر تم توبہ کرو تو تمہارا

خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى

بھلا ہے اور اگر منہ پھیرو تو جان لو کہ تم اللہ کو نہ تھکا سکو گے

اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (٣) اِلَّا الَّذِيْنَ

اور کافروں کو خوشخبری سناؤ دردناک عذاب کی مگر وہ مشرک جن سے

عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ

تمہارا معاہدہ تھا پھر انہوں نے تمہارے عہد میں کچھ کمی

يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى

نہیں کی اور تمہارے مقابل کسی کو مدد نہیں دی تو ان کا عہد ٹھہری ہوئی مدت تک

مُدَّتِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ (٤) فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ

پورا کرو بیشک اللہ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے پھر جب حرمت والے مہینے

الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ

نکل جائیں تو مشرکوں کو مارو جہاں پاؤ اور انہیں پکڑو

وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ج فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا

اور قید کرو اور ہر جگہ ان کی تاک میں بیٹھو پھر اگر وہ توبہ کریں اور نماز

الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیں تو ان کی راہ چھوڑ دو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ

اور اے محبوب اگر کوئی مشرک تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دو کہ وہ اللہ کا کلام

كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ⑥

سنے پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دو یہ اس لیے کہ وہ نادان لوگ ہیں

١ ع ٧

تفسیر عالمانہ

سورۃ توبہ کی ایک سو تیس آیات ہیں اور یہ سورۃ مدنیہ ہے۔

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔

میں شیطان رجیم سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔

سوال: سورۃ توبہ میں بسم اللہ شریف کیوں نہیں لائی گئی؟

جواب: بسم اللہ شریف میں رحمت کا بیان ہے اور سورۃ توبہ قہر و جلال اور منافقین پر غیظ و غضب اور ان سے بیزاری کا ذکر ہے اور قاعدہ ہے کہ رحمت و زحمت کو یکجا نہیں لایا جاتا۔

دلیل احناف: احناف کہتے ہیں کہ بسم اللہ شریف کسی سورۃ کا جز نہیں۔ اسی لیے تاویلات نجمیہ میں لکھا کہ سورۃ براۃ یعنی توبہ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لائی گئی اور سورۂ نمل کے درمیان میں آئی ہے تاکہ معلوم ہو کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن مجید کا جز اور ایک مستقل آیت ہے لیکن کسی سورۃ کا جزو نہیں ورنہ اگر کسی سورۃ کا جزو ہوتی تو اسے مکرراً نہ لایا جاتا البتہ سورۂ نمل کی بسم اللہ شریف اسی سورۃ کا جزو ہے۔

نکتہ: سورتوں کے اوائل میں اسی لیے لائی جاتی ہے تاکہ معلوم ہو کہ پچھلا مضمون پچھلی سورۃ کا تھا۔ اب کا مضمون جو شروع ہو رہا ہے یہ جدید سورۃ کا ہے نیز اس طرف اشارہ ہے کہ ہر سورۃ کو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا تاج پہنا کر نازل کیا جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہر سورۃ کو اوّلاً بسم اللہ شریف سے شروع کیا جاتا ہے سوائے سورۃ توبہ کے کہ اس کے نزول کے ساتھ بسم اللہ شریف کا نزول نہیں ہوا اور سورۂ نمل کے اوّل میں بھی اور اوسط میں بھی بسم اللہ نازل ہوئی اسی لیے اس میں بسم اللہ شریف کو دوبارہ لکھا گیا ہے۔

شانِ نزول ترجمہ اسباب النزول میں فقیہہ ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کرکے فرمایا کہ معتبر مشایخ نے روایت کو عنعنہ کے طور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچایا وہ فرماتے ہیں کہ اس سورۃ انفال کے خاتمہ کی آیات کا کاتب میں (عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ) تھا۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سورتوں (انفال و توبہ) کے درمیان بسم اللہ شریف مجھ سے نہیں لکھوائی۔ (کذا فی تفسیر الکاشفی) اسی شان نزول سے تاویلات نجمیہ کی تعدیہ اور احناف کے مذہب کی تائید ہوتی ہے۔

شیخ ابن العربی قدس سرہٗ کی بہترین تقریر اور شاندار نکتہ سیدنا محی الدین ابن العربی الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا کہ سورۂ توبہ کی بسم اللہ شریف سورۂ نمل کو عنایت ہوئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو جو انعام بخشتا ہے اس سے چھیننا اس کی شان کے خلاف ہے اور یہ بھی اس کی شان کے خلاف ہے کہ شئے کو وجود عطا کرکے اُسے معدوم فرمالے۔ جب سورۂ براۃ (توبہ) کی رحمت عدم سے وجود میں آئی ادھر اس کے ساتھ اس میں کفار سے بیزاری کا حکم بھی نازل ہوا تو رحمت اختصاصیہ کفار کی بیزاری کے ساتھ نہ ٹھہر سکی اس پر رحمت لانے والا فرشتہ حیران تھا کہ اسے کہاں لے جاؤں اس لیے کہ ہر گروہ اپنی اپنی رحمت حاصل کرچکا تھا۔ یہ رحمت کفار سے مخصوص تھی اور وہ اس کے اہل نہیں فرشتے کو اللہ تعالیٰ سے حکم ہوا کہ یہ رحمت ان جانوروں کو بخش دو جنہوں نے سلیمان علیہ السلام پر ایمان لانے کا شرف حاصل کیا اس لیے کہ یہ رحمت اسے نصیب ہوتی ہے جو اپنے رسول علیہ السلام پر ایمان لائے چونکہ جانور سلیمان علیہ السلام کی قدر و منزلت کو پہچان کر ان پر ایمان لاتے اسی لیے جو انسانوں (کافروں) کا حصۂ رحمت تھا وہ انہیں مل گیا یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی وہ رحمت مخصوص جو مشرکین کے لیے مختص تھی وہ جانوروں کو ملی۔ لیکن رحمت رحمانیہ عامہ ہے وہ کفر و ایمان کو نہیں دیکھتی اسی لیے رحمتِ رحمانیہ کے اظہار کے لیے بسم اللہ کی باء کے مقابلہ میں "براۃ" کو باء سے شروع کیا گیا تاکہ رحمتِ رحمانیہ کی علامت کا ظہور اور ہر ایک کو معلوم ہو کہ عالم دنیا میں ہر ایک رحمتِ حق کا محتاج ہے اور ہر ایک کو رحمتِ حق عطا ہوتی ہے خواہ وہ کافر ہو یا مومن، البتہ رحمت خاصہ صرف اہلِ ایمان کو نصیب ہوتی ہے۔

مسئلہ: قرآن پڑھتے وقت اعوذ باللہ پڑھنا چاہیے خواہ سورۃ کا آغاز ہو یا قرآن کی ابتداء یا درمیان میں۔

مسئلہ: جب شاگرد استاذ کے سامنے قرآن مجید یا کوئی سبق شروع کرے تو اَعُوْذُ بِاللہ نہ پڑھے۔

مسئلہ: سورۂ فاتحہ کے اوّل میں بسم اللہ شریف پڑھنی چاہیے۔ اسی طرح ہر سورۃ کے ابتداء میں سوائے سورۃ توبہ کے۔ امت کا اجماع ہے کہ سورۃ توبہ کے اوّل میں بسم اللہ شریف نہیں پڑھنی چاہیے۔

مسئلہ: ہر سورۃ کی کسی آیت سے پہلے بسم اللہ شریف پڑھنے میں اختیار ہے، بسم اللہ شریف پڑھی جائے تو ثواب ہے نہ پڑھی جائے

تو کوئی حرج نہیں۔ ہاں سورۃ برأت کی کسی آیت سے پہلے بسم اللہ شریف پڑھنا نامناسب ہے اسی طرح اس کے اوّل میں بھی بسم اللہ شریف نہ پڑھی جائے۔ (کذافی شرح الشاطبیہ للجعبری)

تفسیر عالمانہ بَرَآءَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖٓ یہ بیزاری اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے جو پہنچے گی۔ اِلَی الَّذِیْنَ عَاھَدْتُّمْ ان کی طرف جن کے ساتھ تم نے اے مسلمانو! معاہدہ کیا مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ ؕ۝ یعنی مشرکین سے۔ یہ مِنْ ابتداءِ غایت کے لیے ہے ایسے ہی اِلٰی بھی انتہاءِ غایت کے لیے ہے، ان ہر دو کا ایک متعلق ہے اور وہ وَاصِلُ ہے۔ یہ "ھٰذا کتاب من فلان الی فلان" کی طرح ہے یعنی ان دونوں مِنْ اور اِلٰی کا متعلق محذوف ایک ہے ایسے ہی بَرَآءَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ الخ کو سمجھیے یہ من براءۃ کا صلہ نہیں جیسے براءت من فلان میں مِنْ صلہ کا ہے اس میں وہ بات نہیں۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کی بیزاری کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے عصمت منقطع کر لی اور ان کے ساتھ جو وعدہ فرمایا تھا وہ ختم کر لیا۔

فائدہ: براءت کے متعلق کا ذکر اس لیے نہیں کیا جیسے "ان اللہ بری من المشرکین" میں مذکور ہوا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اس کا ذکر دُوسری جگہ آ گیا ہے اور اس کے ذکر میں مِنْ کا تکرار لازم آتا ہے وہ بلیغ کلام میں ناموزوں ہے۔ اسی لیے اس کا یہاں ذکر نہیں فرمایا۔

سوال: اللہ تعالیٰ کا معاہدہ توڑنا ناموزوں ہے اور تم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ ختم کر دیا۔

جواب: وہ معاہدہ چونکہ واجبہ نہیں مباحہ تھا اسی لیے اسے ختم کر دینے میں کسی قسم کا عیب نہیں جبکہ وہ مشروط بشرط تھا، اور قاعدہ ہے اذا فات الشرط فات المشروط۔

سوال: معاہدہ تو مسلمانوں سے تھا اور بیزاری اللہ تعالیٰ نے کی اس کی کیا وجہ؟

جواب: چونکہ مشرکین کے ساتھ مسلمانوں نے معاہدہ کیا تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے، اسی لیے بیزاری من جانب اللہ ہوئی اور معاہدہ کا مفہوم بھی مسلمان ادا کر سکتے تھے اور بیزاری ان کے بس میں نہیں تھی جیسے اوامر و نواہی کا تعلق اللہ تعالیٰ سے بحیثیت آمر و ناہی کے ہے اور بندوں سے بحیثیت ادائیگی یا ترک کے ہے اسی حیثیت سے بیزاری اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوئی اور معاہدہ اہل ایمان کی طرف۔ اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ اے مسلمانو! وہ معاہدہ جو تم نے مشرکین سے کیا اس سے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بیزار ہیں اس لیے کہ مشرکین نے اپنا معاہدہ خود توڑ لیا۔

فائدہ: وہ عقد جو قسم سے پختہ کیا جاتا ہے اسے عہد سے تعبیر کرتے ہیں چونکہ مشرکین عرب یعنی اہل مکہ وغیرہ کے ساتھ اہل اسلام نے اللہ تعالیٰ کے اذن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتفاق سے معاہدہ کیا تھا لیکن مشرکین نے سوائے بنی ضمرہ اور بنی کنانہ کے معاہدہ توڑ دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ چار ماہ تک انہیں مہلت دے کر پھر تم بھی اے مسلمانو! معاہدہ توڑ دینا۔ کما قال تعالیٰ فَسِیْحُوْا پس اے مسلمانو! مشرکین کو کہو کہ چل پھر لو فِی الْاَرْضِ اَرْبَعَۃَ اَشْھُرٍ زمین پر چار ماہ تک یعنی اس عرصہ میں تم جنگ و جدال سے مطمئن ہو کر جہاں چاہو آ جاؤ تمہیں کسی طرح کا نقصان نہیں پہنچایا جائے گا نہ تمہیں قتل کیا جائے گا اور

نہ ہی تمہارے مال لوٹے جائیں گے اور نہ ہی کوئی اور تکلیف دی جائے گی۔

حلِ لغات: السیح والسیاحۃ۔ زمین پہ آرام واطمینان کے ساتھ اپنی مرضی سے چلنا پھرنا جیسے پانی کو زمین پر چھوڑ دیا جائے تو وہ اپنی مرضی سے اس پر چلتا پھرتا ہے اسے کسی قسم کی کہیں سے رکاوٹ نہیں ہوتی۔ سیح اور سیاحۃ میں ایسی وسعت ہے جو "سیر" وغیرہ میں نہیں۔

سوال: جب "سَیح" اور "سِیَاحَۃ" میں اتنی وسعت ہے تو پھر اسے "فی الارض" کی کیا ضرورت تھی؟

جواب: یہ صرف تعمیم کے لیے ہے تاکہ کفار و مشرکین کو یقین ہو کر انہیں زمین پر چلنے پھرنے کی ہر طرح کی وسعت ہے انہیں زمین کے کسی خطہ میں جانے کی رکاوٹ نہیں اور نہ ہی انہیں کسی مقام پہ جانے سے خطرہ ہے۔

مسئلہ: اس میں انہیں زمین کی سیر واجب نہیں کی گئی بلکہ انہیں ایسی سیر مباح تھی اور ساتھ ہی انہیں بتایا گیا کہ تم آنے والی جنگ کی خوب تیاری کر لو تمہیں عام اجازت عنایت ہوئی ہے کہ تم آزادی سے اپنا زور پیدا کر لو۔ اس عرصہ میں تمہارے مال و اسباب کی حفاظت بھی کی جائے گی۔

فائدہ: ان چار مہینوں سے وہ مہینے مراد ہیں جن میں ان سے جنگ کرنا حرام تھا یعنی شوال، ذیقعد، ذوالحجہ، محرم۔ اس لیے کہ یہ سورۃ شوال ۹ھ میں فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی اس لیے کہ ۸ھ میں مکہ معظمہ فتح ہوا۔ اس کے بعد مسلمانوں کو حکم ہوا کہ ان چار مہینوں میں کفار و مشرکین کو کچھ نہ کہیں، اگرچہ بعد کو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

نکتہ: مشرکین کو اس مدت میں اس لیے مہلت دی گئی تاکہ انہیں اس اثناء میں تدبر و تفکر کا موقع میسر آجائے اس کے بعد وہ سمجھیں کہ اس کے بعد انہیں اسلام قبول کرنا ہوگا یا تلوار سے ان کا سر اڑایا جائے گا۔ اور ساتھ ہی انہیں خطرہ محسوس ہوگا کہ اگر ہم اسلام قبول نہ کریں گے تو مارے جائیں گے۔ اس کی اور بھی وجہ تھی وہ یہ کہ اگر اچانک قتل کا حکم ہوتا تو کہتے کہ ہمارے ساتھ مسلمانوں نے دھوکہ کیا ہے اور ہمارے ساتھ ان کا معاہدہ اس کے بھی خلاف کیا ہے۔

فائدہ: بعض مفسرین کا خیال ہے کہ ان چار مہینوں سے ذوالحجہ کے بیس دن اور محرم، صفر، ربیع الاول اور ربیع الآخر کے پہلے دن مراد ہیں۔ اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ سورۃ براۃ کے مطابق اعلان کا حکم دسویں ذوالحجہ کو ہوا۔

شیعہ کا رد

مروی ہے کہ فتح مکہ کے سال حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے امیرِ حج حضرت عتاب بن اسید کو مقرر فرمایا اسی سال موسمِ حج میں تمام اہلِ اسلام اور مشرکین کا اجتماع ہوا، پھر ۹ھ میں موسم حج کا امیر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا، جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مکہ کی طرف روانہ ہوتے تو ان کے پیچھے معاہدہ توڑنے کے لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھیج دیا اور انہیں ناقہ عضباء پر سوار کر کے مکہ میں حجاج کے اجتماع میں سورۃ برأت کی آیات پڑھ سنانے کا حکم فرمایا۔ شیعہ کہتے ہیں چونکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ (معاذ اللہ) نااہل تھے اسی لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی امارت منسوخ کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ شیعہ کا بہتان ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امارت منسوخ نہیں ہوئی تھی بلکہ ان کی امارت اپنے مقام پہ حق تھی الٹا حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی

ماتحتی میں آیات برأت پہنچانے کا حکم ہوا اور اس میں حکمت تھی جسے خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرمایا۔ آپ سے صحابہ کرام نے عرض کی؛

لَوْ بَعَثْتَ بِهَا اَبَابَكْرٍ۔ اگر آپ اس کے لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھیجتے۔

ان کے جواب میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛

لَا يُؤَدِّيْ عَنِّيْ اِلَّا رَجُلٌ مِّنِّيْ ؛ یہ کام ہمارا قریبی رشتہ دار سرانجام دے گا۔

اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ جب اہلِ عرب کوئی معاہدہ ایک دوسرے سے توڑتے تھے تو ضروری ہوتا تھا کہ اس کا اعلان وُہ کرے جو قبیلہ کا سردار یا اس کا کوئی قریبی رشتہ دار ہو اسی لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی خصوصی اعلان کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا تاکہ بعد کو کفار و مشرکین یہ نہ کہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اعلان اصول کے خلاف تھا۔

مزید توضیح؛ یہی وجہ تھی کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ مکہ معظمہ میں پہنچے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اُونٹنی کی آواز سُن کر فرمایا یہ آواز تو ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی مبارکہ کی ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں، حضرت علی رضی اللہ عنہ اسی اونٹنی پر سوار ہو کر تشریف لائے ہیں۔ جب حضرت علی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کے قریب پہنچے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پُوچھا؛

اَمِيْرٌ اَمْ مَاْمُوْرٌ۔ آپ ہمارے امیر بنا کر بھیجے گئے ہیں یا مامور ہو کر تشریف لائے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں آپ کی ماتحتی میں کفار و مشرکین کو ایک خاص پیغام پہنچانے آیا ہُوں۔

اس گفتگو کے بعد دونوں حضرات اکٹھے اپنے مرکز کی طرف چلے گئے جب ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ ہوئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور خصوصی ہدایات دیں۔ ذوالحجہ کی دسویں تاریخ کو جمرۂ عقبہ کے قریب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مندرجہ ذیل اعلان فرمایا؛

يَاۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ۔	اے لوگو! میں تمہارے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد بن کر آیا ہُوں۔

لوگوں نے پُوچھا، وہ کیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سورہ توبہ سے اوّل کی تیس یا چالیس آیات پڑھ کر سُنائیں۔ اس کے بعد فرمایا؛

اُمِرْتُ بِاَرْبَعٍ اَنْ لَّا يَقْرُبَ الْبَيْتَ بَعْدَ هٰذَا	میں تمہیں چار حکم سُناتا ہوں۔ آج کے بعد مشرک
الْيَوْمِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوْفُ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ	بیت اللہ کے قریب نہ جائے اور نہ ہی ننگا ہو کر بیت اللہ
وَلَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا كُلُّ نَفْسٍ مُّؤْمِنَةٍ	کا طواف کیا جائے اور بہشت میں اہل ایمان داخل
وَاَنْ يُّتِمَّ اِلٰى كُلِّ ذِيْ عَهْدٍ عَهْدَهٗ۔	ہوگا اور ہر اہلِ معاہدہ کو معاہدہ سپرد کیا جائے۔

فائدہ؛ حدادی نے فرمایا کہ جس سال (۹ھ) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سورۂ برأت کی آیات پڑھ کر سنائی تھیں۔ اس سال

حج ۱۰ ذیقعد کو پڑھا گیا۔ پھر ۱۰ ذوالحجہ کو پڑھا جانے لگا اور معاہدہ کے سال تقدیم اس لیے تھی کہ بنوکنانہ تاخیر کو بُرا سمجھتے تھے چونکہ اعلان میں تمام قوموں کو شامل کرنا مطلوب تھا اسی سال پہلے پڑھا گیا۔

فائدہ: اس تقریر پر چار ماہ ذیقعد کے پہلے دس دن چھوڑ کر ربیع الاول کے پہلے دس دن ملانے تک ہوں گے اور انہی ایام میں کفار و مشرکین کو مہلت دی گئی۔ اسی قول کے بھی بعض مفسرین قائل ہیں۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اور یقین کرو کہ بے شک تم زمین پر چلنے پھرنے اور اس کے جملہ اسباب اپنے قبضہ میں لینے کے باوجود غَیْرُ مُعْجِزِی اللّٰهِ تم اللہ تعالیٰ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو یعنی تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ نہیں سکتے اگرچہ مضبوط قلعوں میں محفوظ ہو جاؤ۔

فائدہ: ربیع الابرار میں معجزی اللہ بمعنے سابقی اللہ ہے یعنی تم اللہ تعالیٰ سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتے۔

قاعدہ: قرآن مجید میں ہر جگہ مُعْجِزُ اللّٰهِ بمعنی سَابِقِ اللّٰهِ ہے۔ بنوکنانہ کی لغت کے مطابق یہی معنیٰ موزوں ہے۔

وَاَنَّ اللّٰهَ اور یقین کرو کہ بے شک اللہ تعالیٰ مُخْزِی الْكٰفِرِیْنَ○ کافروں کو ذلیل کرے گا یعنی دنیا میں قتل اور قید سے اور آخرت میں سخت سزا دے کر۔ اور ظاہر ہے کہ کافروں اور مشرکوں کو دنیا یا آخرت میں جتنی ذلت و خواری نصیب ہوگی یہی ان کے لیے رسوائی اور عار تھی جسے قرآن مجید نے اِخْزَاءٌ سے تعبیر کیا ہے۔

صوفیانہ فائدہ: امام قشیری نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کو ایک مخصوص مدت تک اس لیے مہلت دی تاکہ وہ گمراہی سے بچ کر اپنے نیک انجام کے لیے جدوجہد کریں اس سے انہیں وصال حق سے وافر حصہ نصیب ہو لیکن ان بدبختوں نے جرائم و معاصی سے کنارہ کشی نہ کی اسی لیے وہ عذابِ الٰہی سے نہ بچ سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ کو اسی مضمون پہ ختم کیا کہ اے کافرو! اگر تم گناہوں پر اصرار کر رہے ہو تو یقین کر لو کہ تمہارا انجام برباد ہوگا تمہیں مہلت دی گئی تاکہ تم سمجھ جاؤ لیکن تم نے الٹا سرکشی کی اسی لیے دُنیا میں تمہارا قتل عام کر دیا گیا اور تمہیں ذلت و خواری کا نشان بنایا گیا اور تمہارے لیے یہ سودا بہت بڑے گھاٹے میں رہا۔ ؎

تَبَدَّلْتَ وَتَبَدَّلْنَا وَاَخْسَرُنَا
مَنِ ابْتَغٰی عِوَضًا بِسَعْیٍ فَلَمْ یَجِدْ

ترجمہ: تم نے تبدیل کیا اور ہم نے بھی تبدیل کیا اور ہم نے گھاٹا دیا ہر اس کو جو اپنی جدوجہد کا عوض طلب کرتا ہے لیکن وہ محروم رہا۔

مسئلہ: آیت میں حرب و کفران کے باوجود بھی ان کو صلح و ایمان کی دعوت کا اشارہ ہے ظاہر ہے کہ جو شخص کفر یا گناہوں پر اصرار کرے تو سمجھو وہ اللہ تعالیٰ سے لڑائی مول لے رہا ہے پھر وہ جتنا توبہ میں تاخیر کرے گا اسی قدر اسے ندامت و ذلت زیادہ ہوگی۔ گویا وہ توبہ و استغفار نہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بغاوت کا اعلان کر رہا ہے اسے سوائے قہر و غضب الٰہی کے اور کیا نصیب ہوگا۔

ابدال بننے کا نسخہ بعض بزرگوں کا ارشاد ہے کہ کسی کو ابدال بننے کا شوق ہو تو اسے چاہیے کہ بچّوں کی بعض عادات کو اپنائے اس لیے کہ بچّوں میں پانچ عادات ایسی ہیں کہ اگر انہیں بڑے اپنائیں تو وہ ابدال بن جائیں۔ وہ پانچ عادات یہ ہیں:

① بچّوں کو روزی کی فکر نہیں ہوتی۔

جناب صائب نے کہا: ؎

فکر آب و دانہ در کنج قفس بے حاصلست
زیر چرخ اندیشۂ روزی چرا باشد مرا

ترجمہ: پنجرے میں آب و دانہ کی فکر بے سود ہے۔ آسمان کے نیچے مجھے روزی کی کوئی فکر نہیں۔

② جب وہ بیمار ہوتے ہیں تو شکایت نہیں کرتے۔ ؎

حافظ از جور تو حاشا کہ بنالد روزے
کہ ازان روز کہ در بند توام دلشادم

ترجمہ: حافظ تمہارے ظلم سے فریاد کرے توبہ توبہ اس دن سے کہ میں تیری قید میں ہوں تو خوش ہوں۔

③ طعام اکٹھے کھاتے ہیں: ؎

اگر خواہی کہ یابی ملک و دولت
بخور شاہد بدرویشاں نعمت

ترجمہ: اگر تم چاہو کہ ملک و دولت حاصل ہو تو اے میرے محبوب درویشوں کے ساتھ کھانا کھاؤ۔

④ جب جھگڑتے ہیں تو جلد صلح کر لیتے ہیں۔

سلطان سلیم اوّل نے کہا: ؎

خواہی کہ کنج عشق کنی لوحِ سینہ را
از دل بشوے آئینہ شان کردکینہ را

ترجمہ اگر تو سینہ کو گنجینۂ عشق بنانا چاہتا ہے تو دل سے اولیاءِ کرام کا بغض دھو ڈال

⑤ جب ڈرتے ہیں تو آنسو بہاتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

سوز و مہر و گریہ ابر جہان   چون ہمی دارد جہان را خوش دہان
آفتاب عقل را در سوز دار   چشم را چون ابر اشک افروز دار
چشم گریان بایدت چوں طفل خورد   کم خوران نان را کہ نان آب تو برد

ترجمہ: سوز و مہر و گریہ ابر جہان، جہان کو خوش رکھتا ہے۔ عقل کو سوز میں اور آنکھ کو اشک بہانے میں مصروف رکھ چھوٹے بچے کی طرح چشم گریاں چاہیے تاکہ عزت بحال رہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ نفوس متمردہ مشرکہ وہ ہیں جنہوں نے خواہشاتِ نفسانیہ کو معبود بنا رکھا ہے اور دنیا کے صنم کی پرستش کی، زمانۂ طفولیت سے رُوح اور قلب نے اس کی تربیت کی اور اس کے ساتھ معاہدہ کیا کہ سنِ بلوغ تک نہ اس سے لڑیں گے اور نہ ہی اس کے خلاف کریں گے نفس نے بھی ان سے معاہدہ کیا کہ جسم کی تکمیل قالب اور قوائے بشریہ (کہ جن سے بار امانت اور ارکانِ شریعت کا بوجھ اٹھایا جاتا ہے) کے مستوی ہونے اور کمال عقل (کہ جس سے قبول دعوت اور دعوتِ اسلام کی اجابت کی جاتی ہے اور رسل کرام اور ان کے معجزات پہچانے جاتے ہیں اور صانع کا وجود ثابت کیا جاتا ہے اور اسی سے یقین کیا جاتا ہے کہ عبادت الٰہی واجب ہے تاکہ اس کی نعمتوں کا شکر ادا ہو سکے) کے ظہور تک قلب و روح کے درپے نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ بعد بلوغ ان کے معاہدہ سے بیزار ہے اس لیے کہ نفوس کا قلوب و ارواح کے ساتھ عہد شکنی کا دور یہی ہے کیونکہ قبل بلوغ نفس ماکولات و مشروبات و ملبوسات میں تصرف کا حق رکھتا تھا تو قالب کی تربیت اور دفع ضرورت کے لیے تھا اور وہ اس وقت قلوب و ارواح کے لیے چنداں ضرر رساں نہیں تھا چونکہ بعد بلوغ ماکولات و مشروبات و ملبوسات کی ضروریات بڑھ گئیں اور وہ بھی محض شہوت و خواہشاتِ نفسانی کی بنا پر اسی لیے اب تربیت کو اور تیز کرنا پڑا۔ جب شہوت بڑھی تو ماکولات و مشروبات و ملبوسات و منکوحات کی آفات سے رُوح و قلب کو مقابلہ کرنا پڑا جوں جوں جوانی چڑھتی گئی مذکورہ بالا اشیاء کی شہوات کا بھوت سوار ہوتا گیا۔ اس سے قلب اور رُوح کا مرض بڑھتا گیا ان کے علاج کے لیے حضرات انبیاء علیہم السلام کو بھیجا گیا تاکہ وہ حضرات ارواح و قلوب کی امراض کا علاج کر کے انہیں عالمِ بالا کے لائق بنائیں۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں دفعِ عادات و ترک شہوات کے لیے بھیجا گیا ہوں۔

فائدہ: فَسِیۡحُوۡا فِی الۡاَرۡضِ اَرۡبَعَةَ اَشۡهُرٍ میں اشارہ ہے کہ نفوس ارض بشریہ میں سیر و سیاحت کے لیے آئے ہیں تاکہ اوصافِ اربعہ یعنی نباتیہ، حیوانیہ، شیطانیہ، انسانیہ کی تکمیل ہو اس لیے کہ روح علوی روحانی مفرد اور قالب سفلی مرکب از اربع عناصر کے اجتماع سے اوصاف مذکورہ پیدا ہوتے ہیں مثلاً صفت نباتیہ پانی سے اور حیوانیہ ریح سے اور شیطانیہ آگ سے اور انسانیہ مٹی سے پیدا ہوتی ہے ان اوصاف کی تکمیل کے لیے نفوس کو دنیا کی چراگاہوں میں ڈالا گیا اور اس کی نعمتوں سے اسے مالامال کیا گیا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے سعادت مند نفوس! تمہیں یقین کرنا چاہیے کہ تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے، یعنی اللہ تعالیٰ تم سے دنیوی مال و متاع چھین نہیں لے گا اور نہ ہی اخروی انعامات سے تمہیں محروم رکھے گا۔ ہاں اہلِ شقاوت کو غفلات و شہوات کے جنگلوں میں ذلیل و خوار کرے گا۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖۤ۔ اذان بمعنی اِیۡذَانٌ جیسے عطاء بمعنی اِعۡطَاءٌ آتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلام (جتلانا) پہنچانے والا ہے اِلَى النَّاسِ تم لوگوں تک یعنی تمام اہل ایمان

اور اہل کفر تک انہوں نے وعدہ توڑ دیا ہے یا نہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اذان (اعلام) عام ہے اور برأت و بیزاری خاص ہے جو صرف عہد توڑنے والوں سے مخصوص ہے۔ اس جملہ کا عطف براءۃ من اللہ الخ پر ہے۔ یَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ پہ منصوب ہے اور اس کا تعلق اسی سے ہے جس سے الی الناس متعلق ہے۔ اس یوم حج اکبر کے متعلق دو قول ہیں؛

① اس سے عید کا دن مراد ہے اس لیے کہ اسی دن ارکان حج تکمیل پذیر ہوتے ہیں مثلاً طواف زیارت وغیرہ بلکہ حج کے بہت بڑے امور اسی دن میں انجام پاتے ہیں جیسے قربانی اور رمی وغیرہ، اور برأۃ کا اعلان بھی اسی دن ہُوا۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ دسویں ذوالحج کے دن حجۃ الوداع میں جمرات کے قریب کھڑے ہو کر فرمایا ھذا یوم الحج الاکبر یہی حج اکبر کا دن ہے۔

حدیث علی رضی اللہ عنہ: سیدنا علی کرم اللہ وجہہ دسویں ذوالحج کے دن اپنے سفید خچر پر سوار ہو کر جنابہ کے قریب جا رہے تھے تو ایک مرد نے آکر آپ کے خچر کی لگام پکڑ کر حج اکبر کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا؛ حج اکبر کا دن یہی ہے۔ یہ سن کر اُس شخص نے خچر کی لگام چھوڑ دی۔

② اسی سے نویں ذوالحجہ کا دن مراد ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا؛ الحج عرفۃ۔ حج عرفہ کے دن ہوتا ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے جملہ امور کو عرفہ کے دن سے موقوف فرمایا ہے اور حج کے بہت بڑے امور اسی دن میں ادا کیے جاتے ہیں۔ مثلاً جس شخص نے عرفہ کا دن پا لیا تو اس کا حج ادا ہو گیا۔ جس سے یہ دن فوت ہو گیا تو اس کا حج ضایع ہو گیا۔

نکتہ؛ حج کو اکبر سے اس لیے موصوف کیا گیا کہ حج عمرہ کے ساتھ حج اکبر اور عمرہ کے بغیر ہو تو وہ حجِ اصغر کہلاتا ہے۔

نکتہ؛ چونکہ اسی دن حج کے امور مسلمانوں اور مشرکوں نے متفق ہو کر ادا کیے اور ایسا اجتماع نہ کبھی پہلے ہوا اور نہ قیامت تک ہوگا۔ اس دن کے اجتماع کی عظمت تمام اہل ادیان و جملہ اہل ملل پر اثر انداز ہوئی۔

مسئلہ؛ حدیث شریف میں ہے کہ جو حج جمعہ کے دن ادا کیا جاتے وہی حجِ اکبر ہے۔ اس حج کا ستر حجوں کے برابر ثواب ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ یہ دراصل بان اللہ تھا اس لیے کہ اذان کو باء کا صلہ ضروری ہے لیکن اسے تخفیفاً حذف کر دیا گیا ہے۔ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۙ بے شک اللہ تعالیٰ مشرکین کے اسی معاہدہ سے دست بردار ہے جو انہوں نے توڑا یہاں پہ مشرکین سے وہی مشرک مراد ہیں جنہوں نے عہد شکنی کی وَرَسُوْلُهٗ مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ مرفوع ہے اور اس کا بری کی ضمیر مستتر پر عطف ہے یا منصوب ہے۔ اور اس کی واؤ بمعنے مع ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشرکین سے بیزار ہیں۔ یا مجرور ہے اور واؤ قسمیہ ہے۔

سوال: بری کا تکرار کیوں؟

جواب؛ برأت اولیٰ ثبوت برأت کے اظہار کے لیے اور دوسری وجوب اعلام کے اخبار کے لیے ہے جب ان ہر دو سے مقصود علیحدہ علیحدہ ہے تو تکرار نہ ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ دوسری برأۃ میں الناس مطلقاً مومن مراد ہوں یا کافر، پہلی میں صرف

معاہدہ کرنے والوں کا ذکر ہے۔

فَاِنْ تُبْتُمْ پس اگر تم کفر اور دھوکہ دہی سے توبہ کرو فَھُوَ تو وہی توبہ خَیْرٌ لَّکُمْ تمہارے لیے دارین کی بہتری ہے ورنہ اگر کفر اور دھوکہ دہی پر قایم رہو گے تو دارین میں نقصان پاؤ گے۔ چنانچہ فرمایا: وَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ اور اگر تم توبہ سے روگردانی کرو فَاعْلَمُوْٓا اَنَّکُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی اللّٰہِ ؕ تو یقین کرلو کہ تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ نہیں سکو گے اور نہ ہی اس کی گرفت سے مہلت پا سکو گے یعنی اگر وہ تمہاری گرفت کرنا چاہے تو تمہیں بچنے کا کوئی موقع نہیں ملے گا اور نہ ہی تم اس سے کہیں بھاگ سکو گے یعنی تم اللہ تعالیٰ کو عاجز کرنے والے نہیں بایں معنیٰ کہ اس سے بھاگ جاؤ یا اس سے لڑائی کر سکو۔ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۙ اور کافروں کو آخرت کے عذاب کی خوشخبری دو یہ خطاب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور انذار کے بجائے تبشیر لانے سے تہکم مقصود ہے۔

حدیث شریف: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو براءت کے اعلان کا حکم ہوا تھا تو میں ان کے ساتھ تھا لوگوں نے پوچھا کہ اس اعلان کے الفاظ کیا تھے؛ انہوں نے فرمایا کہ اس اعلان کے الفاظ یہ تھے کہ بہشت میں صرف مومن داخل ہوں گے اور مشرکین و کفار آئندہ سال حج کرنے آئیں اور نہ ہی کعبہ معظمہ کے گرد ننگے ہو کر طواف کریں اور جس کا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ ہو ہم اسے چار ماہ تک مہلت دیتے ہیں۔ جب مکمل چار ماہ گزر جائیں گے اس کے بعد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کے معاہدہ سے دست بردار ہوں گے اِلَّا الَّذِیْنَ عٰھَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ یہ استدراک یعنی نَبَذَ سابق ذکر جس کے لیے چار ماہ کی مہلت دی گئی ہے) سے استثناء منقطع ہے گویا یوں حکم ہوا کہ اے مسلمانو! عہد شکنوں کو چار ماہ سے زاید ہرگز مہلت نہ دو ہاں جن کافروں اور مشرکوں نے تمہارے ساتھ عہد شکنی نہیں کی ان کے ساتھ عہد شکنوں کی طرح قتل و غارت وغیرہ میں عجلت نہ کرو بلکہ ان کے ساتھ معاہدہ کے ایام مکمل کرو۔ ثُمَّ یہ لفظ دلالت کرتا ہے کہ وہ کفار و مشرکین طویل المدت گزارنے کے باوجود اپنے معاہدہ پر ثابت قدم رہے لَمْ یَنْقُصُوْکُمْ شَیْئًا انہوں نے تمہارے ساتھ جتنی شرائط مقرر کیں ان سے کسی ایک میں بھی کمی نہیں کی اور نہ ہی عہد توڑا یا یَنْقُصُ متعدی بدو مفعول ہے اس کا مفعول اول کُمْ اور مفعول ثانی شَیْئًا ہے یا وہ متعدی بدو مفعول ہے۔ اس تقریر پر کُمْ اس کا مفعول ہوگا اور شَیْئًا منصوب علی المصدریۃ ہے بمعنے شیئًا من النقصان۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ انہوں نے تمہارے معاہدوں میں کسی قسم کی کمی نہ کی یعنی تمہارے عہد و پیمان کو انہوں نے توڑا نہیں۔

وَلَمْ یُظَاھِرُوْا عَلَیْکُمْ اَحَدًا انہوں نے تمہارے نقصان پہنچانے کے لیے تمہارے دشمنوں کی مدد نہ کی جیسے بنوبکر نے خزاعہ پر حملہ کیا تو قریش نے بنوبکر کی ہتھیاروں کی مدد کی اور خزاعہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف تھے فَاَتِمُّوْٓا اِلَیْھِمْ عَھْدَھُمْ اِلٰی مُدَّتِھِمْ ؕ تو تم ان کے معاہدوں کو مکمل کرو۔

سوال: اَتِمُّوْٓا متعدی بنفسہ ہے اسے الیٰ سے متعدی کیوں کیا گیا؟

جواب: چونکہ اَتِمُّوْا بمعنی اَدُّوْا ہے اسی لیے اسے اِلٰی سے متعدی کیا گیا ہے یعنی تم اپنے معاہدے مکمل طور ادا کرو اِلٰی مُدَّتِہِمْ

ان کی مدت مقررہ تک یعنی جب عہد شکنوں کی چار ماہ کی مدت ختم ہو تو جن کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے ان پر اچانک حملہ نہ کر دو اور نہ ہی ان کے ساتھ عہد شکنوں جیسا معاملہ کرو۔

باوفا مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی کنانہ سے حدیبیہ والے سال بیت اللہ شریف کے ساتھ معاہدہ فرمایا تھا اسی اعلان کے بعد ان کے ساتھ ابھی نو ماہ باقی تھے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے معاہدہ مکمل طور نبھایا۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ○ بے شک اللہ تعالیٰ متقین سے محبت کرتا ہے۔ اس میں معاہدہ پر پابندی کی علت بتائی گئی ہے اور اس میں تنبیہ ہے کہ معاہدہ کی پابندی بھی تقویٰ میں داخل ہے اور اشارہ ہے کہ وفادار اور بے وفا کو برابر سمجھنا تقویٰ کے خلاف ہے جس سے معاہدہ ہو جائے اگرچہ وُہ کافر ہو تب بھی اس کے ایفائے عہد میں کمی نہ کی جائے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا؛ ؎

وفا و عہد نکو باشد ار بیاموزی
وگرنہ ہر کہ تو بینی ستمگری داند

ترجمہ: وفا و عہد اچھا عمل ہے۔ اگر تم سیکھو تو تمہارے لیے بہتر ہے ورنہ ہر طرح ظلم دیکھو گے۔

متقی کی نشانیاں

حضرت شیخ نصر آبادی نے فرمایا کہ متقی کی چار علامتیں ہیں؛

۱۔ حفظ الحدود (حدود شرعیہ کی پابندی)
۲۔ بذل المجہود (حتی الامکان اللہ تعالیٰ کے راہ پہ مال لٹانا)
۳۔ الوفاء بالعہود (ایفائے عہد یعنی وعدوں کو پُورا کرنا)
۴۔ القناعۃ بالموجود (جو کچھ مل جائے اس پر قناعت کرنا)

کسی شاعر نے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے ؎

متقی را بود چہار نشان   حفظ احکام شرع اول آن
ثانیاً آنچہ دسترس باشد   بر فقیراں و بے کساں پاشد
عہد را با وفا کند پیوند   ہر چہ باشد بداں شود خرسند

ترجمہ: متقی کی چار نشانیاں ہیں، پہلا احکام شرعیہ کی پابندی، دُوسرا جتنا ہو سکے فقیروں اور بیکسوں پر مال خرچ کرنا، تیسرا ایفائے عہد، چوتھا جو کچھ مل جائے اس پر قناعت کرنا۔

صوفی کا حج اور طواف

صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جب سالک کو کعبۂ وصال تک رسائی نصیب ہو وہی اس کا حج اکبر ہے۔ اور اس کا حج اصغر یہ ہے کہ اسے کعبۂ قلب تک پہنچنا اور کعبۂ وصال کی زیارت نصیب ہو جائے۔

یاد رہے کہ اس کعبہ کا طواف صفات ناسوتیہ کے مشرکین پر حرام ہے کیونکہ یہ غیر اللہ کی طرف جھکاؤ رکھتے ہیں اور ان کا ہر وقت ماسوی اللہ کی طرف میلان رہتا ہے۔ اسی لیے حکمِ ربانی ہے ناسوتیہ صفات والے کعبۂ لاہوتیہ کے گرد طواف نہ کریں جب تک کہ انہیں فنائے کلی حاصل نہ ہو اور قاعدہ ہے فنائے کلی جذباتِ الٰہیہ سے نصیب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور لُطف و کرم جب کسی بندہ کے شاملِ حال ہوتا ہے تو اسے "یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی" کے خطاب سے نوازا جاتا ہے، زندگی میں یا مرتے وقت جیسے اس کا مقدر ہوگا ویسے ہی ہوگا اس لیے کہ ہر ایک شے کا حکم اللہ تعالیٰ کے پاس لکھا ہُوا ہے مثلاً سحرۂ فرعون کو جب یہ موقعہ نصیب ہُوا تو کہہ اُٹھے، اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ - ہم اپنے رب تعالیٰ کی طرف لَوٹنے والے ہیں۔

سحرۂ فرعون بہشت میں

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب شبِ معراج مجھے بہشت میں لیجایا گیا تو میں نے رضوان بہشت کو دیکھا کہ اس نے میری زیارت سے مسرت کا اظہار کیا اور مرحبا (خوش آمدید) کہہ کر مجھے بہشت میں لے گیا اور اس نے مجھے بہشت کے عجائبات دکھائے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے بندوں کے لیے جو کچھ تیار فرمایا ان تمام کو میں نے ملاحظہ فرمایا اس میں مَیں نے اپنے یاروں کے درجات بھی دیکھے اس میں عجیب و غریب نہریں اور چشمے تھے۔ بہشت سے بہترین نغمہ سُنائی دیا۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں جو پڑھ رہے ہیں اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ رضوان نے عرض کی، یہ سحرۂ فرعون ہیں۔ اس کے بعد ایک اور آواز سُننے میں آئی۔ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے لبیک اللھم۔ میں نے پوچھا، یہ کون ہیں؟ رضوان نے عرض کی، یہ حجاج کی ازواج ہیں۔ پھر تکبیر کی آواز سُنی گئی میں نے پُوچھا، یہ کون ہیں؟ رضوان نے عرض کی، یہ غازیوں کی آواز ہے۔ پھر تسبیح سُنی گئی میں نے پُوچھا، یہ کون ہیں؟ رضوان نے عرض کی، یہ انبیاء علیہم السلام ہیں۔ پھر میں نے نیک بخت لوگوں کے محلات دیکھے اس کے بعد میں سدرۃ المنتہٰی پہ پہنچا۔ اور اسے منتہٰی اس لیے کہتے ہیں کہ مخلوق کے علوم کا انتہاء یہاں تک ہے۔ یہاں جبریل علیہ السلام ٹھہر گئے۔ میں نے انھیں کہا، آپ مجھے اکیلا چھوڑ رہے ہیں۔ انہوں نے کہا، اے اللہ کے محبوب! اس کے آگے وُہ علاقہ ہے جہاں نہ آپ سے پہلے کوئی گیا ہے نہ آپ کے بعد کوئی جا سکے گا۔ اس کے بعد مجھے میرے رب تعالیٰ نے ندا دی: "ادن منی یا حبیب"۔ اسی آواز کے مَیں قریب ہوتا چلا گیا اور اتنا دُور پہنچا کہ یہ آواز میں نے ہزار بار سُنی یہاں تک کہ میں اللہ تعالیٰ کے قربِ خاص میں واصل ہوا "کما قال اللہ تعالیٰ فکان قاب قوسین او ادنی" میں جب بھی ادن منی سُنتا اس وقت میری ایک حاجت پُوری ہو جاتی گویا قربِ خاص تک پہنچنے تک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہزار حاجات پُوری ہوئیں اس کے بعد میری زبان پر ایک قطرۂ رحمت ڈالا گیا جو شہد سے زیادہ میٹھا اور برف سے زیادہ ٹھنڈا اس کی برکت یہ ہُوئی کہ،

فعلمت علم الاولین والآخرین ۔ میں نے اوّلین و آخرین کے علوم جان لیے۔

اس کے بعد میرے رب تعالیٰ نے مجھے فرمایا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے اسلام آپ کی امت کے دلوں میں اس قطرۂ رحمت سے بھی لذیذ تر بنایا ہے یہاں تک آپ کی امت کے لوگ اسلام کو اپنی جان سے بھی محبوب تر سمجھیں گے اور

ان کے لیے کفر کڑوا بنایا ہے یہاں تک کہ انہیں کفر دنیا کی تمام چیزوں سے کڑوا محسوس ہوگا۔

صاحبِ روح البیان کی تحقیق

صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس مضمون میں امت سے امت دعوت مراد ہے یہی وجہ ہے کہ امت مصطفویہ کو اسلام اپنی جان سے بھی زیادہ پیارا اور کفر تمام چیزوں سے کڑوا محسوس ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ ایمان کی محبت جذبۂ الٰہیہ اور عنایت ازلیہ سے ہے اسی کی برکت سے مومن پہلے کفر سے پھر معاصی وجرائم سے پھر جہل سے پھر ماسوی اللہ سے بچتا ہے یہاں تک کہ اسے ماسوی اللہ کا خیال دل سے اتر جاتا ہے۔

مبارک باد

اے ایمان والو! شکر کرو کہ تمہیں دولتِ ایمان نصیب ہوئی اور اے عرفان والو! تمہیں مبارک ہو کہ تمہیں معرفت کی وجہ سے ہدایتِ خاصہ عطا ہوئی اب اٹھو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا شکریہ ادا کرو کہ اس کریم نے اپنے فضل وکرم سے ایمان وعرفان جیسی گرانقدر نعمت سے تمہیں نوازا اور ساتھ ہی خوشخبری سُنائی کہ ان اللہ یحب المتقین۔ یہ اس کی کریمی ہے کہ محبوب ہو کر کبھی محب ہونے کا اعلان کرتا ہے اور کبھی محبوب ہونے کا۔ یاد رہے کہ مقامِ محبوبیت اعلیٰ ترین مقام ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر اس سے اور کوئی اعلیٰ مقام ہوتا تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف حبیب اللہ نہ کہا جاتا۔

سبق: عقلمند وُہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس کی زندگی اسی مشغلہ میں صرف ہوتی ہے۔ اور جوانمرد وُہ ہے جو اس راہ میں اسے جتنی مشکلات اور موانع درپیش ہوتے ہیں وُہ اپنی لگن میں لگا رہتا ہے سرِ مو بھی اپنے مقصد کے حصول کے لیے پیچھے نہیں ہٹتا اور ہے بھی اسی میں کامیابی کہ جو منزل مقصود کے لیے آگے بڑھتا ہے وُہ سعادت مند ہے اور جو بزدل ہو کر پیچھے ہٹتا ہے وُہ بدبخت ہے ہم اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہیں کہ وُہ ہمیں اپنا پسندیدہ راستہ عطا فرمائے اور ہماری غلطیوں سے درگزر فرما کر اپنی آغوشِ رحمت میں جگہ دے۔ (آمین)

فَاِذَا انْسَلَخَ پس جبکہ ختم ہو جائیں۔ انسلاخ جانور کی کھال اتارنے کو کہا جاتا ہے استعارۃً بمعنے انقضاء ہے۔ الاشہر الحرام جنگ سے حرام کردہ مہینے یعنی وہ مدت ایسے گزر جائے یعنے مکمل ہو جائے جیسے بکری وغیرہ سے کھال اتار لی جاتی ہے، جیسے کھال کا پردہ اُٹھنے پر گوشت وغیرہ کھل کر سامنے آجاتا ہے، ایسے ہی جب یہ ماہ ختم ہو جائیں گے تو کفار ومشرکین سے کھل کر جنگ وجدال کا موقعہ میسر آجائے گا۔

قاعدہ: علمِ ہیئت کا قاعدہ ہے کہ زمان زمانیات کو ایسے محیط ہے جیسے جانور کے جسم کو کھال احاطہ کیے ہوئے ہے اسی طرح اس کا ہر جزاپنے مشتملہ پر مثلاً یوم اپنے مقررہ لمحات کو اور مہینہ اپنے ایام کو اور سال اپنے مہینوں کو وغیرہ وغیرہ۔ پھر جب مقررشدہ لمحات ختم ہوں گے تو گویا اس معین زمانہ کی کھال اُتر گئی۔

فائدہ: حُرُم حرام کی جمع ہے بمعنے حرام کردہ شدہ چونکہ ان مہینوں میں کفار سے جنگ وجدال وغیرہ حرام تھی اسی لیے انہیں حرام کیا گیا۔ وُہ چار ماہ شوال، ذیقعد، ذوالحجہ، محرم ہے۔ کفارِ مکہ کو کھلی چھٹی دی گئی تھی کہ وُہ زمین پر جہاں چاہیں جائیں صرف

سال میں چار ماہ جنگ نہ کریں پہلے زمانہ میں ان کے لیے رجب، ذیلقعد، ذوالحجہ، محرم میں جنگ نہ کرنے کا حکم تھا اور وہ اس کے پابند تھے۔ لیکن اس موقعہ مذکورہ بالا چار ماہ مقرر ہوئے جو ان کے لیے من وجہ مفید تھے کہ مسلسل انہیں کھل کھیلنے کا موقعہ مل گیا، اور دُوسری صورت میں ان کے لیے مہینوں میں خلاء پیدا ہو جاتا کہ کہاں رجب اور کہاں ذیلقعد، ذوالحجہ، محرم۔

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ پس ان مشرکین سے ہمیشہ ابدالآباد جنگ جاری رکھو جو معاہدہ کو توڑ چکے ہیں۔

قاعدہ: یہ آیتِ قرآن مجید ان تمام آیات کی ناسخ ہے جن میں کفار سے جنگ نہ کرنے یا اُن سے نرمی کرنے یا ان کی ایذاء پر صبر کا حکم ہے۔ یہی جمہور علماء کا مذہب ہے حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ جہاں انہیں پاؤ حرم شریف میں یا اس سے باہر وَخُذُوْهُمْ اور انہیں پکڑو یعنی انھیں قیدی بناؤ۔ اخذ بمعنی قید کرنا آتا ہے اسی لیے اخیذ کو اسیر کہا جاتا ہے۔ وَاحْصُرُوْهُمْ اور انھیں بند رکھو حصر بمعنی منع۔ یہاں حصر بمعنے قید کرنا ہے یا کفار کو شہروں سے چلنے پھرنے اور انہیں کاروبار سے یا انہیں مسجد حرام سے روکنا مراد ہے وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ج اور ان کی گزرگاہوں پر بیٹھ جاؤ یعنے سفروں کے لیے جن راستوں سے گزرتے ہیں تم ان کی ناکہ بندی کر دو تاکہ وہاں سے گزریں تو ان کی گردن اڑا دو۔ "کل مرصد" اقعدوا کے مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یعنی ان کی گزرگاہوں پر پہرہ بٹھا دو، یعنی جہاں سے وہ گزریں انہیں فوراً قتل کر دو۔

فائدہ: اس سے کفار کو تنگ کرنا اور انہیں ذلیل و خوار کرنا مطلوب ہے اس سے واقعدوا کا اصلی معنی مراد نہیں۔

فائدہ: کاشفی نے کہا کہ جب چار ماہ گزر جائیں تو انہیں ان کے گھروں میں بند کر دو تاکہ وہ یہاں سے نکل کر دوسرے شہروں کو نہ چلے جائیں۔

فَاِنْ تَابُوْا پس اگر وہ قتل و غارت اور قید و بند کی صعوبتوں سے خطرہ کھا کر شرک سے تائب ہو کر ایمان لائیں وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ اپنی توبہ کو پختہ کرنے کے لیے سچے دل سے نمازیں پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں۔

سوال: صرف صلوٰۃ و زکوٰۃ کا ذکر کیوں حالانکہ ایمان پر دلالت کرنے کے لیے اور عبادات بھی ہیں ان کا ذکر کیوں نہیں کیا؟

جواب: یہ دونوں عبادات رئیس العبادات البدنیہ و المالیہ کہلاتی ہیں ان کے ذکر سے ضمناً دوسری عبادات بھی مذکور ہو گئیں۔

فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ط تو ان کے راستے چھوڑ دو یعنی اس کے بعد انہیں اپنے حال پر چھوڑ دو۔ ان کے امور مذکورہ بالا کے درپے نہ ہو۔

مسئلہ: قاضی نے فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ تارکِ صلوٰۃ و زکوٰۃ کا وہی حشر کیا جائے جو مذکورہ بالا مشرکین سے کیا جاتا ہے۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو تین دن تک نماز نہ پڑھے وہ قتل کا مستحق ہے۔

مسئلہ: فقہاء فرماتے ہیں جس کافر کو اسلام کے لیے مجبور کیا جائے اور وہ مجبوراً کلمۂ اسلام پڑھ لے اسے مسلمان سمجھا جائے گا

اگر اس کے بعد وہ کفر کا اظہار کرے تب بھی اسے قتل نہ کیا جائے، ہاں اسے اسلام پہ مجبور کیا جا سکتا ہے۔ (کذا فی ہدیۃ المہدیین للمولی اخی چلپی)

مسئلہ: کافر اسلام کا تو اقرار نہیں کرتا لیکن مسلمانوں کے ساتھ نماز با جماعت ادا کرتا ہے تو اسے بھی قتل نہ کیا جائے گا بلکہ اسے مسلمان سمجھا جائے گا۔

مسئلہ: اگرچہ اسلام کا اقرار کرتا ہے لیکن مسلمانوں کے ساتھ نماز با جماعت نہیں پڑھتا بلکہ اکیلا پڑھتا ہے تو اسے مسلمان نہ کہا جائے گا۔ اگرچہ ایسا کافر روزہ رکھتا اور حج ادا کرتا اور زکوٰۃ دیتا ہے تو بمطابق ظاہر الروایۃ اسے مسلمان نہ کہا جائے گا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایسا شخص اگر حج اسی طریقے سے ادا کرتا ہے جیسے ہمارے مسلمان حج پڑھتے اور تلبیہ و دیگر مناسک ادا کرتے ہیں تو اسے مسلمان کہا جائے گا۔

اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ یہ کافروں کے راستہ چھوڑنے کی علت ہے یعنی ان کا راستہ اس لیے چھوڑنے کا حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان کا کفر اور ان کے سابقہ معاصی و جرائم بخش دیے ہیں، اس لیے کہ ایمان سابقہ غلطیاں معاف کر دیتا ہے جیسے حج سے سابقہ معاصی و جرائم بخشے جاتے ہیں۔ پھر ان کے ایمان کی وجہ سے ان کی نیکیوں اور طاعت پر اللہ تعالیٰ انہیں اجر و ثواب عنایت فرماتا ہے۔

جہاد کی اقسام

آیت میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم فرمایا ہے اور جہاد کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ جہاد الاولیاء (قلب کو اچھے اخلاق سے سنوارنا)

۲۔ جہاد الزہاد (نفس کا تزکیہ از اوصافِ رذیلہ)

۳۔ جہاد العلماء (اظہارِ حق بالخصوص ظالم بادشاہ اور ظالم حاکم کے سامنے)

۴۔ جہاد الغزاۃ (رُوح کو اللہ تعالیٰ کے راہ پر خرچ کرنا) ؎

بہر روز مرگ این دم مردہ باش
تا شوی با عشق سرمد خواجہ تاش

ترجمہ: ہر دن اُس دم کی موت کا مردہ ہو۔ تاکہ تو عشق دائمی کا غلام ہو۔

کشتہ و مردہ بہ پیشت اے قمر
بہ کہ شان زندگان جائے دگر

ترجمہ: اے محبوب ذبح کیا ہُوا اور مُردہ ہونا تیرے آگے بہتر ہے، دوسروں کے سامنے زندہ ہونے سے۔

فائدہ: قتل نفس دو قسم ہے: (۱) کافروں کو تلوار سے قتل کیا جاتا ہے لیکن بے فرمان نفوس کا قتل یہ ہے کہ اسے خواہش سے روکا جائے اور انہیں ان کی طبیعت کے خلاف پر مجبور کیا جائے۔

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ کون سا جہاد افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: نفس کی خواہشات کے خلاف عمل کرنا بہترین جہاد ہے۔

ایک شخص نے اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ اپنی خواہش اور اپنی عورت کے مشورے کے خلاف عمل کرنا، پھر دنیا میں جس طرح زندگی بسر کرنا چاہو، گزارو۔

ف: حیث وجد تموھم میں نفس کو طاعت الٰہی میں قتل کرنے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ نفس کے قتل کرنے کا یہی معنی ہے کہ نفس کو طاعت میں لگا دیا جائے اور حظام سے مراد یہ ہے کہ اسے اس کی راہوں سے ہٹانا۔

قصیدہ بردہ شریف میں ہے: ؎

و راعها و هی فی الاعمال سائمة
و ان هی استجبت المرعی فلا تسم

ترجمہ: نفس کو بچائیے یہ اعمال کا خوگر ہے اسے جونہی آزاد چھوڑو گے نقصان کرے گا۔

یعنی نفس کو اعمال میں مشغول رکھیے ورنہ ریا و عجب و غفلت و گمراہی میں لگ کر اپنے کمال کا نقصان کرے گا، یعنی اگرچہ یہ بعض نیکیوں کی عادت کرے اور ان سے اسے پیار ہو جائے تب بھی اس سے خطرے میں رہو بلکہ جہاں تک ہو سکے اس سے سخت ترین اعمال کی مشقت کرائے اس لیے کہ عبادت نفس کی عادت کے خلاف کرنے کا نام ہے اگر توبہ کریں اور راجع الی اللہ ہوں یعنی جب نفوس طلب حق میں خواہشات نفسانیہ سے باز آجائیں اور نماز قائم کریں یعنی عبودیت اور توجہ الی الحق پر مداومت کریں اور زکوٰۃ اَدا کریں یعنی نفوس سے اوصاف ذمیمہ دُور کریں۔ فَخَلُّوْا سَبِیْلَهُمْ تو ان کے راستے چھوڑ دو۔ یعنی ریاضات و مجاہدات کے شدائد و تکالیف سے ان کا راستہ چھوڑ دو تاکہ وہ حقیقت کے پہنچنے کے بعد شریعت پر عمل کریں اس لیے کہ بندے کا منتہٰی یہ ہے کہ وہ نہایت سے بدایت کی طرف لوٹے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

سبق: صاحبِ رُوح البیان نے فرمایا کہ سالک اگرچہ غایت مراتب و نہایت مطالب تک پہنچ جائے تب بھی اطلاق کے باوجود شریعت کی بندشوں میں مقید اور اس کے احکام پر عمل کرنے کا پابند ہے اگر معمولی طور شریعت کی رسّی اپنے گلے سے ہٹائیگا تو حق کے دروازہ سے ہٹایا جائے گا اور ملحد اور بے ادب جیسے القاب دے کر اسے رب الارباب کے قرب سے محروم کر دیا جائیگا شریعت ہر جلندی مسالک اور ہر منتہی واصل کی کسوٹی ہے اسی سے سچے اور جھوٹے سالک و واصل کی پہچان ہوتی ہے۔ اور کتب کلامیہ میں ہے کہ ہر عاقل و بالغ انسان پر نماز فرض ہے اوامر و نواہی کے خطابات و ارادہ عام ہیں ان سے کسی کو مستثنیٰ نہیں کیا جا سکتا اور اسی پر مجتہدین و ائمہ دین کا اجماع ہے۔

اے اللہ تعالیٰ! ہمیں ان لوگوں سے بنا جو تیری عبودیت شریعت کی قید میں مقید ہیں اور تیری ربوبیت کے حقوق کی رعایت کرتے ہیں۔

وَاِنْ اَحَدٌ احد مرفوع ہے اس فعل سے جو اس کے بعد اس کی تفسیر کرتا ہے اور یہ مرفوع بالابتدا نہیں اس لیے کہ اِنْ فعل کے عوامل سے ہے مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ان مشرکین میں سے جن کے لیے ہم نے قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ اسْتَجَارَكَ اور اگر آپ سے مشرکین میں سے کوئی ایک ان چار ماہ مذکورہ بالا کے ختم ہونے کے بعد آپ سے امان اور پناہ

طلب کرے **فَاَجِرْهُ** پس اسے پناہ اور امن دیجیے اور اس کے قتل کرنے میں جلدی نہ کیجئے۔ **حَتّٰی یَسْمَعَ** یہاں تک سُنے **كَلٰمَ اللّٰهِ** اللہ تعالیٰ کا کلام یعنی قرآن مجید تاکہ اسے معلوم ہو کر اس کے لیے کون سے امور مفید اور کون سے نقصان دہ ہیں یعنی جب قرآن مجید سُنیں گے تو انھیں معلوم ہوگا کہ کن اعمال سے ثواب نصیب ہوتا ہے اور کن اعمال سے سزا۔

مسئلہ: امام اشعری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اصلی کلام قدیم سننا واجب ہے لیکن امام ماتریدی نے قدس سرہٗ نے فرمایا کہ کلام قدیم کو سننا چونکہ بندے کے امکان میں نہیں اسی لیے بجائے اصلی قدیم کلام سننے کے وہ کلام سننا ضروری ہے جو اس کلام قدیم پر دلالت کرے جیسے کہا جاتا ہے سمعت علم فلان۔ اس سے یہ کسی نے نہیں کیا کہ علم سنا گیا ہے اس لیے کہ اس کا سننا ناممکن ہے البتہ وہ شے سنی جاتی ہے جو علم پر دلالت کرے جیسے کہا جاتا ہے انظر الی قدرتہ۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو کوئی نہیں دیکھتا بلکہ ایسے امور کو دیکھا جاتا ہے جو قدرت پر رکھتا ہے مزید تفصیل علم کلام میں دیکھیے۔

ثُمَّ اَبْلِغْهُ جب کافر قرآن سن کر ایمان نہ لاتے تو اسے پہنچائیے۔ **مَاْمَنَهٗ** ط یعنی اس کے اس مسکن پر پہنچائیے جو اس کی جائے پناہ ہے اس سے اس کی قوم کی آبادی مراد ہے یعنی کافر کو امان دینے کے بعد جب وہ اپنی قوم میں پہنچ جائے پھر اس سے جنگ کرسکتے ہو **ذٰلِكَ** یعنی کافر و مشرک کو پناہ دینا اور انہیں اپنی جائے پناہ پہ پہنچانا **بِاَنَّهُمْ** اس سبب سے ہے کہ بیشک وہ **قَوْمٌ لَّا یَعْلَمُوْنَ** ۝ ایسی قوم ہے کہ نہیں جانتی اسلام اور اس کی حقیقت کو ہے یا اس لیے کہ وہ جاہل لوگ ہیں اسی لیے انہیں امان دینا ضروری ہے یہاں تک کہ وہ سمجھ جائیں اس کے بعد ان کی معذرت غیر قابل قبول ہوگی۔

مسئلہ: اسی قاعدہ پر فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ حربی کافر اگر دار الحرب میں اسلام قبول کرلے لیکن اسے وہاں پر احکامِ شرعیہ مثلاً نماز روزہ وغیرہ نہیں سیکھ سکا پھر دار الاسلام میں داخل ہو تو اس پر گزشتہ احکام کے روزے اور نماز کی قضاء نہیں لیکن اگر کوئی کافر دار الاسلام میں مسلمان ہوا اور اس نے احکام شرعیہ نہیں سیکھے تو اس پر ان کی قضاء ضروری ہے۔

تفسیر صوفیانہ جیسے کفار احکامِ شرعیہ نہیں جانتے ایسے ہی نفس اور اس کی صفات نہ اللہ تعالیٰ کو جانتی ہیں اور نہ اس کے الطاف کو اسی وجہ سے نفس اور اس کی صفات اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ نہیں ہوتیں البتہ نفس اور اس کی صفات دنیا اور اس کے شہوات کو خوب جانتی ہیں اسی لیے انہیں ان کی بہت بڑی رغبت ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ وہ اپنے بندوں کو مہلت دیتا ہے تاکہ اپنے میں وہ طاعت و عبادت کی رغبت پیدا کریں۔

حکایت بنی اسرائیل کے زمانہ میں ایک نوجوان بیس سال تک عبادتِ الٰہی میں مصروف رہا اس کے بعد بیس سال برائی کا مرتکب ہوا، ایک دن اپنا چہرہ شیشے میں دیکھا تو اسے داڑھی کے بال سفید نظر آئے اس سے شرمندہ ہو کر بارگاہِ حق میں عرض کی، اے الٰہ العٰلمین! میں نے بیس سال عبادت کر کے پھر بیس سال گناہوں میں مبتلا رہا، اب گناہوں سے میرا جی بھر گیا ہے اب میں گناہوں سے توبہ کرتا ہوں، کیا میری توبہ قبول ہوجائے گی؟ غیب سے ندا آئی کہ اے میرے بندے!

جب تک تُو میرا رہا تو مَیں بھی تیرے ساتھ محبت کرتا رہا، جب تُو نے مجھے چھوڑا تو مَیں نے بھی تجھے چھوڑے رکھا، اب اگر تُو میرا بنناچاہتا ہے تو مَیں پہلے سے تیار ہُوں۔

سبق: بندے پر لازم ہے کہ جوانی میں توبہ واستغفار کرے اس لیے کہ جوانی میں ہی غلطیوں کے اسباب پُورے زوروں پر ہوتے ہیں اور بڑھاپے میں بُرائی کے اسباب ڈھیلے پڑجاتے ہیں اسی لیے بڑھاپے کی توبہ سے جوانی کی توبہ افضل واعلیٰ ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:

قحبۂ پیر از نابکاری چہ کند توبہ نکند۔

بوڑھی کنجری کو بڑھاپے میں توبہ کرنے کے بغیر اور کوئی چارۂ کار نہیں)

اس لیے کہ اسے اب زنا کی خواہش کا سبب نہیں رہا اسے اچانک موت گھیرلے گی۔

رفرمایا:

شحنۂ معزول از مردم آزاری۔

دکوتوال معزول مردم آزاری چھوڑے تو کیا فائدہ، اس لیے کہ اس کے پاس اب عہدۂ حکومت نہیں رہا) ؎

جوان گوشہ نشین شیر مرد راہ خداست

کہ پیر خود نتواند ز گوشہ برخاست

ترجمہ: جوان ہوکر گوشہ نشینی اختیار کرے وہی شیر اور مرد راہ خدا ہے اس لیے کہ بوڑھا تو خود اپنے بڑھاپے سے مجبور ہے۔

؎

شیخ کبید لہ ذنوب　　تعجز عن حملها المطایا

قد بیضت شعرة اللیالی　　وسودت قلبه الخطایا

ترجمہ: وہ بوڑھا کہ جس کے گناہ سواریوں کے اٹھانے کے نہیں ایسے نالائق کی راتیں گناہوں کی سیاہی میں گزریں اسی وجہ سے اس کا دل بھی سیاہ ہے۔

سبق: افسوس اس غافل پر ہے جس پر سالوں کے سال گزرتے چلے جارہے ہیں لیکن وہ گناہوں کے دریا میں غرق ہے۔ اس بندے پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات اور دیگر عبرتوں کو دیکھ کر سوچے کہ اس پر سال گزرتے چلے جارہے ہیں لیکن پھر بھی غفلت کے نشے میں سب ہے اور اللہ تعالیٰ کے قرآن کی آیات اور سُورتیں سُننے کے بعد اسے ان سے نفع حاصل کرنا چاہیے اور بہت بڑے بڑے امور دیکھ کر بھی فائدہ اٹھانا چاہیے۔ لیکن اس بدقسمت کے لیے کیا کیا جاسکتا ہے جس کی ازل سے قسمت میں کیڑے ہیں ایسے شخص کی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں بلکہ وُہ دل کا اندھا ہے اور جس کے لیے اللہ تعالیٰ نور قسمت میں نہ لکھے تو اسے کون نور بخش سکتا ہے۔ اے اللہ! ہمیں ان لوگوں سے بنا جو تیرے خطاب سے لذت پاتے ہیں اور تیری درگاہ کے قرب کی استعداد رکھتے ہیں اور تیری معرفت کی صفات سے موصوف ہیں اور تیری ذات کے اسرار تک پہنچے ہوئے ہیں۔

كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُولِهٖ

مشرکوں کے لیئے اللہ اور اس کے رسول کے پاس کوئی عہد کیونکر ہو گا

اِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوا

مگر وہ جن سے تمہارا معاہدہ مسجد حرام کے پاس ہوا تو جب تک وہ

لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ⑦ كَيْفَ

تمہارے لیئے عہد پر قائم رہیں تم ان کیلئے قائم رہو بیشک پرہیزگار اللہ کو خوش آتے ہیں بھلا کیونکر

وَاِنْ يَّظْهَرُوا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۚ

ان کا حال تو یہ ہے کہ تم پر قابو پائیں تو نہ قرابت کا لحاظ کریں نہ عہد کا

يُرْضُونَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُونَ ⑧

اپنے منہ سے تمہیں راضی کرتے ہیں اور ان کے دلوں میں انکار ہے اور ان میں اکثر بے حکم ہیں

اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِهٖ ۚ

اللہ کی آیتوں کے بدلے میں تھوڑے دام مول لیئے تو اس کی راہ سے روکا

اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ⑨ لَا يَرْقُبُونَ فِي مُؤْمِنٍ اِلًّا

بیشک وہ بہت ہی برے کام کرتے ہیں کسی مسلمان میں نہ قرابت کا لحاظ کریں

وَّلَا ذِمَّةً ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُونَ ⑩ فَاِنْ تَابُوا وَ

نہ عہد کا اور وہی سرکش ہیں پھر اگر وہ توبہ کریں

اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ ۗ وَ

اور نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور

نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُونَ ⑪ وَاِنْ نَّكَثُوا اَيْمَانَهُمْ

ہم آیتیں مفصل بیان کرتے ہیں جاننے والوں کیلئے اور اگر عہد کرکے اپنی قسمیں

مِّنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا اَئِمَّةَ

توڑیں اور تمہارے دین پر منہ آئیں تو کفر کے سرغنوں سے لڑو

الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ⑫ اَلَا

بے شک ان کی قسمیں کچھ نہیں اس امید پر کہ شاید وہ باز آئیں کیا

تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ

اس قوم سے نہ لڑو گے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑیں اور رسول کے نکالنے کا ارادہ کیا

وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ

حالانکہ انہیں کی طرف سے پہل ہوئی ہے کیا ان سے ڈرتے ہو تو اللہ اس کا زیادہ مستحق

تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑬ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ

ہے کہ اس سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو تو ان سے لڑو اللہ انہیں عذاب دیگا

اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ

تمہارے ہاتھوں اور انہیں رسوا کرے گا اور تمہیں ان پر مدد دے گا اور ایمان والوں

صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۙ ⑭ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَ

کا جی ٹھنڈا کرے گا اور ان کے دلوں کی گھٹن دور فرمائے گا اور

يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑮

اللہ جس کی چاہے توبہ قبول فرمائے اور اللہ علم و حکمت والا ہے

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ

کیا اس گمان میں ہو کہ یونہی چھوڑ دیئے جاؤ گے اور ابھی اللہ نے پہچان نہ کرائی ان کی

جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ

جو تم میں سے جہاد کریں گے اور اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے سوا

وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑯ ع

کسی کو اپنا محرم راز نہ بنائیں گے اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے

تفسیر عالمانہ کَیْفَ یہ محلاً منصوب ہے اور اسے حال اور ظرف سے مشابہت ہے اور یہ استفہام انکاری ہے انکار واقعی کے

معنے ہیں نہیں۔ جیسے دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کیف تکفرون باللہ۔ بلکہ انکار الوقوع کے لیے ہے۔ يَكُوْنُ یہ تامہ ہے لِلْمُشْرِكِيْنَ اس سے وہ مشرکین مراد ہیں جنہوں نے عہد شکنی کی یعنی اب وہ عہد شکن مشرک کس حال میں ہیں عَهْدٌ وہ معاہدہ جو تیار ہے عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کے ہاں یعنی وہ اس کے مستحق نہیں ہیں کہ ان سے کہ معاہدہ کی رعایت کی جائے یا ان کی کوئی مدت مقرر ہو کہ اس مدت تک انہیں کچھ نہ کہا جائے یعنی نہ انہیں قتل کیا جائے اور نہ انہیں قید کیا جائے صرف اس لیے کہ ان سے کوئی معاہدہ ہو چکا ہے حالانکہ ہمارا ان سے کوئی معاہدہ نہیں فلہذا اب انہیں قتل کرنے یا قید کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اِلَّا الَّذِيْنَ اس نفی سے استدراک ہے جو استفہام کے معنے سے سمجھا جاتا ہے جو تمام معاہدہ کرنے والوں کو شامل ہے یعنی عہد شکن مشرکوں کو بیشک قتل یا قید کرو مگر ان مشرکوں کو کچھ نہ کہو عٰهَدْتُّمْ جن سے تم نے معاہدہ کیا اس سے بنی ضمرہ اور بنی کنانہ کے لوگ مراد ہیں عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ج مسجد حرام کے قریب، اس سے غزوہ حدیبیہ مراد ہے جو کہ مکہ معظمہ کے قریب ہے اور مسجد حرام کے قریب کا معاہدہ بتانا ہے کہ ان کے درپے آزار ہونا اچھا نہیں اور یہ محلاً مرفوع علی الابتداء ہے اس کی خبر فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ط فاء میں اشارہ ہے کہ یہ مبتدا متضمن بمعنے الشرط ہے اور ما مصدریہ اور منصوبۃ المحل علی الظرفیۃ بہ تقدیر المضاف ہے۔ اب معنی یہ ہوگا کہ جتنی مدت تک وہ تمہارے ساتھ ایفائے عہد میں درست رہیں تم بھی ان کے ساتھ اسی طرح درست رہو یعنی جب تک وہ عہد شکنی نہ کریں تم بھی ان کے ساتھ اپنے معاہدہ پر مضبوط رہو۔ یا ما مرفوع علی الابتدا ہے اور اس کا عائد محذوف ہے یعنی جتنا عرصہ تک ان کا معاہدہ صحیح ہو تم بھی اتنا عرصہ تک ان کے ساتھ صحیح رہو اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ بیشک اللہ تعالیٰ متقین سے محبت کرتا ہے متقین سے وہ لوگ مراد ہیں جو معاہدہ نہیں توڑتے اور اس میں امر استقامۃ کی علت بتائی گئی ہے اور ساتھ ہی اشارہ کیا گیا ہے کہ ایفائے عہد بھی تقویٰ کے لوازم سے ہے۔

حدیث شریف: قیامت میں ہر دھوکہ باز کا ایک جھنڈا ہوگا جس سے اس کے دھوکہ کی مقدار کا پتہ چلے گا۔

ف: شرح الشہاب میں ہے کہ لواء (جھنڈا) سے اس کی تشہیر مراد ہے یعنی قیامت میں دھوکہ بازی کی مقدار پر دھوکہ باز کو رسوا کیا جائے گا۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

سوئے لطف بے وفایاں ہین مرو　　کان پل ویران بود نیکو شنو
نقض میثاق و عہود از احمقیست　　حفظ ایمان وفا کار تقیست

ترجمہ: بے وفاؤں کی جانب ہرگز ہرگز نہ جاؤ اس لیے کہ ایسے لوگ پرانی پل کی طرح ہیں میثاق کا نقض احمقی ہے ایمان و وفا کی حفاظت متقی لوگوں کا شیوہ ہے۔

كَيْفَ مشرکین کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں معاہدہ کی رعایت کس طرح ہو۔ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ حالانکہ وہ تمہارے اوپر دشمن کے حملہ کے وقت دشمن کی مدد کرتے ہو لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ وہ تمہارے معاملہ میں کسی قسم کی رعایت نہیں کرتے۔

حل لغات: الرقوب بمعنے النظر بطریق الحفظ والرعایۃ۔ کسی شے پر رعایت کے طور نظر رکھنا، اسی سے الرقیب

ہے اب مطلق رعایت کے معنے میں ہے۔

اِلًّا بمعنے حلف اور قرابت۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اِلٌّ عبرانی لفظ ہے بمعنے اَلِالٰہ۔

ف: ازہری نے لکھا کہ ایل عبرانی میں اللہ تعالیٰ کے اسماء میں ایک اسم ہے اس معنی پر ممکن ہے کہ اِلّ اسی کا معرب ہو۔ معنی یہ ہوا کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی رعایت نہیں کرتے۔

وَلَا ذِمَّةً ط اور نہ اس عہد اور حق کی رعایت کرتے ہیں جو ان کے ذمہ لازمی اور ضروری ہے یعنی رعایت اس وقت ضروری ہے جب دوسرا بھی حقوق کی رعایت کرے، جب وہ حقوق کی رعایت نہیں کرتے تو تم بھی ان کے حقوق کی رعایت نہ کرو یُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وہ صرف باتوں سے تمہیں راضی کرتے ہیں۔ یہ جملہ مستانفہ بیانیہ اور گویا سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ مانا کہ وہ قسمیں کھا کر پھر جاتے ہیں یا رشتہ داری کے حقوق کی رعایت نہیں کرتے۔ اس سے کب لازم آتا ہے کہ وہ ہر قسم کے حقوق کی رعایت نہیں کرتے اس کے جواب میں کہا گیا کہ وہ صرف باتوں سے تمہیں راضی رکھنے کے دعاوی کرتے ہیں ورنہ اندرونی طور تمہارے لیے چاہتے ہیں کہ تم مٹ کر فنا ہو جاؤ اس میں اشارہ ہے کہ وہ لوگ مسلمانوں کے کسی طریق سے بھی خیر خواہ نہیں خواہ وہ منہ سے کتنا اونچے اور بلند دعوے کریں اس لیے کہ ان کے قلوب مسلمانوں کی ترقی سے جلتے ہیں وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ اور ان کے دل انکار کرتے ہیں ان باتوں سے جو وہ زبان سے کہتے ہیں یعنی ان کی زبانیں ان کے دلوں کے موافق نہیں بلکہ ان کے سینے تمہارے کینوں سے بھرپور ہیں جو کچھ زبان سے تمہاری محبت و الفت کا دم بھرتے ہیں اور اس پر جو قسمیں کھاتے ہیں وہ ان کا نرا جھوٹ ہے اس لیے کہ ان کی یہ تمام گفتگو مبنی بر مکر و فریب ہے۔

حدیث شریف ۱: مکر و فریب جہنم میں ہوں گے، مکر و فریب کے مرتکب جہنم میں جائیں گے۔

حدیث شریف ۲: جھوٹی قسم علاقوں کو برباد کر دیتی ہے۔

ف: حدیث شریف میں لفظ بلاقع واقع ہوا ہے یہ بلقعۃ کی جمع ہے بمعنے وہ ویران زمین جو ہر قسم کی آبادی سے محروم ہو اسی لیے اس عورت کو بلقعۃ کہا جاتا ہے جو ہر بھلائی سے خالی ہو۔ اب حدیث شریف کا معنیٰ یہ ہوا کہ جھوٹی قسم کھانیوالا فقر و فاقہ کا شکار ہو جائے گا، اس کا مال و اسباب چھن جائے گا اور وہ ہر طرح کی عزت و احترام سے محروم ہو جائے گا۔

سبق: دانا وہ ہے جو جھوٹی قسم سے پرہیز کرے۔ ہر چھوٹی بڑی بات پر قسم کھانے کی عادت نہ بنائے اس لیے کہ بہت سے واقعات ایسے گزرے ہیں کہ جھوٹی قسم کھانے والے کو فوراً عذاب میں مبتلا کر دیا گیا۔

مسئلہ: جو شخص تجارت میں جھوٹی قسم کھا کر مال جمع کرتا ہے اس کا ایسا مال خنزیر سے بھی زیادہ حرام ہے۔

وَاَكْثَرُهُمْ اور اکثر مشرکین فٰسِقُوْنَ ۝ فاسق ہیں یعنی طاعت الٰہی سے خارج ہیں وہ اس لیے کہ حقوق عہد کی رعایت بھی طاعت الٰہی میں داخل ہے اور ایسے لوگ کفر میں بہت بڑے متمرد ہیں نہ ان کا کوئی عقیدہ صحیح ہے جو انہیں کفر سے روکے اور نہ ان کے ہاں کوئی انسانی مروت ہے کہ جس سے وہ برائی سے بچ سکیں۔

فائدہ: اکثر کی قید میں اشارہ ہے کہ مشرکین میں بعض ایسے بھی ہیں جو دھوکہ اور فریب سے نفرت کرتے ہیں اور مسلمانوں کی برائیوں کے بیان کرنے سے احتراز کرتے ہیں۔

فائدہ: اُحْدُوْثَۃُ السُّوْءِ بمعنے مایتحدث الناس فی حقہ من المثالب والمعائب، کسی کے معائب و نقائص افترا کر کے لوگوں میں پھیلانا۔

فائدہ: صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بعض کافروں کی احسن مروت اور نیک اخوت کا تذکرہ میرے پیر و مرشد کی خدمت میں ہُوا تو آپ نے فرمایا کہ ایسے لوگوں کی سعادت ازلی کسی نہ کسی وقت ضرور نمودار ہو گی بلکہ ایسے لوگوں کے لیے نیک انجام اور حسن خاتمہ کی امید رکھنی چاہیے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

من ندیدم در جہان جست و جو — ہیچ اہلیت بہ از خوئے نکو
در پے خوباش و باخوش خوش نشین — چون ندیدی روغن گل را بہ بین
پس بدانکہ صورت خوب نکو — باخصال بد پذیرد یک ملسو
ور بود صورت حقیر و ناپذیر — چونکہ خلقش نیک شد در پاش میر

ترجمہ: میں نے جہان میں اچھی خصلت سے کوئی شے اچھی نہیں دیکھی۔ اچھی خصلت کی تلاش کر کے اچھے لوگوں کے ساتھ خوش ہو کر بیٹھو جب تمہارے ہاں عطر نہ ہو تو گلاب کے پھول کو دیکھ اچھی صورت کو دیکھ کر خوشی نصیب ہوتی ہے اور قبیح شکل سے طبع منغص ہوتی ہے۔ البتہ اچھی خصلت سے قبیح صورت بھی بہتر ہوتی ہے اگر بُری عادت ہو تو اچھی صورت بھی خراب نظر آتی ہے۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسنِ اخلاق کی ایک جامع تقریر

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو ایک جامع اور بہترین تقریر فرمائی جسے محاسن اخلاق کا اعلیٰ نمونہ کہا جائے تو بجا ہے۔ آپ نے فرمایا اے معاذ! میں تمہیں تقویٰ اور سچ بولنے اور ایفائے عہد اور ادائے امانت و ترکِ خیانت و حقوق ہمسایگی کی پاسداری اور یتیم پروری اور نرم گفتگو اور السلام علیکم کہنے کی عادت اور نیک عمل اور دنیوی امور کی آرزوؤں سے نفرت اور التزام علی الاعلان اور قرآن فہمی اور محبّ آخرت اور قیامت کے حساب کے خوف اور تواضع و انکسار اور اہلِ حکمت کا گالی سے بچنے اور سچے کی تکذیب سے احتراز اور امام عادل کی نافرمانی اور بُرے انسان کی فرمانبرداری اور زمین پر فساد پھیلانے سے بچنے کی وصیت کرتا ہوں بلکہ مزید تاکید کرتا ہوں کہ تم ہر حجر و شجر اور ہر آباد و ویران مقام پر اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور ہر گناہ سے توبہ کرنا اگر پوشیدہ گناہ ہے تو پوشیدہ ہو کر اگر کھلم کھلا گناہ کیا ہے تو واضح طور توبہ کا اظہار کرنا ایسے اخلاق کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم فرمایا ہے اور اپنے نبی علیہ السلام کو ایسے آداب کی دعوت دی ہے۔ (کذا فی العوارف)

فائدہ صوفیانہ: نفس کی تخلیق سفلیات سے ہوئی اور اس کی شہوات اور ان کی لذات اور جفاء و غدر اور ریاء و نفاق کی طرف میلان رکھنا اس کی فطرت ہے اللہ تعالیٰ نے نفس سے روزِ میثاق میں صدق و اخلاص کا وعدہ لیا لیکن یہ بدبخت جب تک صفات ذمیمہ کے ساتھ زندہ ہے تو عبودیت خالصہ کے قریب نہیں بھٹکتا ہے اگر اسے مجبور کیا جائے تو اس میں مقاصد اخرویہ و دنیویہ کی ملاوٹ کر دیتا ہے نفس کے صفات ذمیمہ اس وقت مٹتے ہیں جب صفات وجمال کی تجلیات کے انوار کا عکس قلب پر پڑے اس وقت نفس میں انوار خالقیہ پڑتے ہیں پھر جب تک وہ زندہ رہتا ہے تو قول ثابت پر ثابت قدم رہتا ہے اور مرنے کے بعد اسے ثابت قدمی نصیب ہوتی ہے اور میثاق کے عہد پر بھی ایفاء کی توفیق عطا ہوتی ہے۔ المسجد الحرام میں مقام وصول کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ وہ مقام اہلِ دنیا اور اہلِ آخرت پر حرام ہے کیونکہ یہ مقام صرف اہل اللہ کے ساتھ مخصوص ہے یعنی یہ مقام صرف انہی سے مخصوص ہے جو اللہ تعالیٰ کے خواص ہیں ہم اللہ تعالیٰ سے اسی مقام مکین کے وصول اور اسی حرم امین کے دخول کا سوال کرتے ہیں۔ کسی شاعر نے فرمایا: ؎

الزم الصدق و التقی واترک العُجب و الریاء
و اغلب النفس و الھویٰ ترزق المسئول و المنی

ترجمہ: صداقت اور تقویٰ کا التزام کرو اور عُجب و ریاء کو ترک کرو اور نفس و ہویٰ پر غلبہ حاصل کرو پھر جو چاہو پاؤ۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ وہ نفس سے ہر وقت جہاد کرے اور عہود و حقوق کی حفاظت کرے اور فسوق و عقوق سے کنارہ کشی کرے۔

حکایت حضرت شیخ شبلی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں نے ایک دفعہ عزم بالجزم کر لیا کہ صرف حلال رزق کماؤں گا اسی خیال پر جنگل میں چل دیے، فرمایا جب مجھے بھوک نے ستایا تو جنگل میں ایک انجیر کے درخت سے میوہ توڑنے کا ارادہ کیا تو درخت سے آواز آئی کہ آپ نے قصد کیا ہے کہ غیر کا حق نہیں کماؤں گا، مجھے ہاتھ مت لگاؤ اس لیے کہ میں یہودی کا درخت ہوں۔

سبق: صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس حکایت سے دو امر ثابت ہوئے:

① ولی اللہ کی کرامت کا ظہور کہ ایک درخت ان سے ہمکلام ہوا۔

② اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیحت کہ اے شبلی! (قدس سرہٗ) تم نے تو حلال رزق کا عزم کیا ہے فلہذا اپنے عزم پر مضبوط رہو۔

یاد رہے کہ یہ تمام برکتیں صدق و اخلاص کی ہیں جو چاہتا ہو کہ وہ اس مرتبہ کو حاصل کرے اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے وقت کی قدر کرے اور اپنے نفس پر کنٹرول کرنے سے منزل مقصود تک پہنچنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو تجاوز عن الحد سے بچائے اور خروج عن الطریق سے محفوظ رکھے اور حق کی حد کی واقفیت بخشے اور طریق تحقیق پر ثابت رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اِشۡتَرَوۡا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ یعنی وہ مشرکین جو عہد شکنی کرنے والے ہیں وہ ہیں جنہوں نے آیاتِ الٰہی کو بیچا یعنی ان آیات کو

چھوڑ دیا جو انہیں ایفائے عہد و رعایت حقوق کا حکم دیتی تھیں اور ان کے بدلے میں لے لیا ثَمَنًا قَلِیْلًا تھوڑا ثمن یعنی دنیوی اسباب جو کہ ایک معمولی اور حقیر شے ہے اس سے ان کی خواہشات و شہوات نفسانیہ ہیں جن کے وہ تابع ہوئے فَصَدُّوْا پس انہوں نے رکاوٹ ڈالی یعنی روگردانی کی۔ یہ صَدَّ صُدُوْدًا سے ہے اس معنی پر یہ لازم باب ہوا یا صَدُّوْا بمعنے مَنَعُوْا وَ صَرَفُوْا غَیْرَھُمْ یعنی اپنے غیروں کو پھیرا اور روکا۔ اہل عرب کہتے ہیں صَدَّہٗ عَنِ الْاَمْرِ صَدًّا اس معنے پر یہ فعل متعدی ہوگا عَنْ سَبِیْلِهٖ اللہ تعالیٰ کے راستہ یعنی اس کے دین سے جو اس کی طرف پہنچانے والے یا سبیل سے، بیت اللہ یعنی حرم شریف مراد ہے اس لیے کہ کفار حجاج اور عمرہ کرنے والوں کو روکتے تھے۔ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ بیشک بُرا ہے وہ جو عمل کرتے ہیں یعنی جس عمل کا وہ ارتکاب کرتے ہیں وُہ بہت بُرا ہے اور ہمیشہ بُرا ہے یہ ما مصدریہ ہے اپنے متعلق سے مل کر محلاً مرفوع ہے اس لیے کہ وہ سَآء کا فاعل ہے اور اس کا مخصوص بالذم محذوف ہے۔

ابتدائے اسلام میں ابوسفیان کی مخالفت

حضرت ابوسفیان جب مسلمان نہیں ہوئے تھے مکہ معظمہ میں بادیہ نشین بدوؤں کو جمع کرکے انہیں مال و اسباب کا لالچ دیکر انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری سے روکا یا انہیں مال و دولت دے کر اُکسایا کہ وُہ مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ توڑ دیں۔ بادیہ نشینوں نے دُنیوی لالچ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ اسلام سے معاہدہ توڑ دیا۔ اسی تقریر پر اِشْتَرَوْا کے فاعل یہی بدوی ہوں گے اور ثمن قلیل سے ابوسفیان کا وہ دیا ہوا مال ہوگا جو انہوں نے بدویوں کو دین کی مخالفت کے لیے دیا۔

فائدہ: صاحبِ رُوح البیان فرماتے ہیں کہ یہ طریقہ تاحال جاری ہے کہ دنیا دار بعض لالچیوں کو دنیا و دولت دے کر کچہریوں میں جھوٹی گواہیاں دلواتے ہیں بلکہ بہت سے مالدار (شیعہ و وہابی) غرباء کو دنیا کی لالچ میں پھنسا کر اپنے مذہب میں لاتے ہیں یا پھر انھیں (اہلسنّت) کو ذلیل و خوار کرنے کے لیے غنڈوں اور بدمعاشوں کو دنیا و دولت دے کر یہی دھندا کرتے ہیں ان کے لیے یہی وعید کافی ہے۔ (والہدایۃ بید اللہ)

لَا يَرْقُبُوْنَ رعایت نہیں کرتے فِیْ مُؤْمِنٍ مومن کے بارے میں اِلًّا قسم یا رشتہ داری کے حقوق کی وَّلَا ذِمَّةً ط اور نہ کسی معاہدہ کی اس سے عام معاہدہ مراد ہے اور اس پہلی آیت میں معاہدہ خاص مراد تھا اس بناء پر مضمون کا تکرار نہ ہوا وَ اُولٰٓئِكَ یہی لوگ جن کی صفتیں مذکور ہوئیں هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ○ وہی حد سے تجاوز کرنے والے ہیں یعنی ظلم اور ستم اور شرارت کی انتہاء کو پہنچے ہوئے ہیں فَاِنْ تَابُوْا اگر وہ کفر اور اسی طرح دیگر بڑی بڑی شرارتوں سے باز آ جائیں۔ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ اور نماز قایم کریں اور زکوٰۃ دیں اور پھر ان پر التزام کریں اور ان کی فرضیت کا اعتقاد بھی رکھیں فَاِخْوَانُكُمْ پھر وہ تمہارے بھائی ہیں فِی الدِّیْنِ ط یہ اخوانکم کے متعلق ہے اس لیے اس میں فعل کا معنیٰ پایا جاتا ہے یعنی جب سچے اور پکے مسلمان بن جائیں تو پھر وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔ دُکھ، درد اور راحت و آرام میں وہ تمہارے شریک ہیں ان کا اور تمہارا معاملہ آپس میں برابر ہوگا، ان کا نقصان تمہارا نقصان، ان کا فائدہ تمہارا فائدہ بشرطیکہ وہ

شرائط مذکورہ کے پابند رہیں۔ اگر ان میں کسی قسم کی خامی ہو تو پھر تمہارے لیے ان کی حفاظت ضروری نہیں بلکہ ان کی منافقانہ چال سمجھ کر ان سے جوچا ہو کرو وَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ اور وُہ آیات جو عہد شکنی کرنے والے مشرکین کے احوال سے متعلق ہیں اور ان کے وُہ احکام جو ان کے کفر و ایمان سے متعلق ہیں ہم انہیں تفصیل سے بیان کرتے ہیں لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ○ ان لوگوں کے لیے جو اہل علم نہیں یعنی جو لوگ ان آیات کے احکام جانتے اور ان میں غور و فکر کرتے اور ان کے احکام کی پابندی کرتے ہیں انہیں آیات تفصیلی طور معلوم نہیں وَ اِنْ نَّكَثُوْۤا اس کا عطف فَاِنْ تَابُوْا پر ہے یعنی اگر وہ امور معاہدہ پر پُورے نہ اتریں بلکہ توڑ دیں اَیْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ اپنی قسموں کو بعد معاہدہ کرنے کے یعنی ان کے دلوں کے اندر جو تمہارے متعلق بُغض و عداوت پوشیدہ ہیں وُہ ظاہر کر دیں وَ طَعَنُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ اور تمہارے دینِ حق پر طعن و تشنیع کریں یعنی کھلم کھلا تمہارے دین کی تکذیب اور اس کے احکام کی تقبیح کرنے لگ جائیں فَقَاتِلُوْۤا پس قتل کر دو اَئِمَّةَ الْكُفْرِ کفار کے لیڈروں کو اس میں اسم ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لایا گیا تاکہ ان کے قتل کا موجب بھی معلوم ہو جائے اور پتہ چلے کہ دنیا و دولت کی وجہ سے عوام کفار کے کفر میں لیڈر بنے رہے تو اب وہی زیادہ مستحق ہیں کہ سب سے پہلے انہیں قتل کیا جائے۔ بعض مفسرین کے نزدیک ان لیڈروں سے ابوسفیان، حارث بن ہشام، ابوجہل بن ہشام، سہل بن عمرو، عکرمہ بن ابی جہل اور ان جیسے اور بڑے بڑے کافر مراد ہیں اور لیڈروں کے ذکر سے یہ مطلب نہیں کہ دوسرے کافروں کو کچھ نہ کہو بلکہ الٹا اس میں تاکید ہے کہ جب کفار کے لیڈر قتل کے مستحق ہیں تو ان کے تابعدار بطریقِ اُولیٰ تہِ تیغ ہونے کے لایق ہیں، ان کی تصریح صرف ان کی شرارت میں شہرت کی وجہ سے ہے اور اس وجہ سے بھی ہے کہ چھوٹے کافر ان کے دباؤ میں آ کر کفر کا ارتکاب کرتے ہیں اسی اعتبار سے بڑوں کے قتل کی تصریح کی گئی اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ عہد شکن کافروں کو تہِ تیغ کرو بالخصوص ان کے لیڈروں کو کہ جنھوں نے عہد شکنی میں پیش قدمی کی اَئِمَّه دراصل اَءْمِمَه تھا، امام کی جمع ہے، جیسے مثال کی جمع امثلہ۔ اِنَّهُمْ لَاۤ اَیْمَانَ لَهُمْ بیشک وہ ایسے ہیں کہ ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں اس لیے کہ وُہ اپنے عہد و پیمان اور قسموں کی کوئی رعایت نہیں کرتے بلکہ قسم کے خلاف عمل کر لینے کو قبیح نہیں سمجھتے، اگرچہ زبانی طور ہزار بار قسمیں کھائیں۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے پہلے تو ان کی قسمیں ثابت فرمائی ہیں اب سرے سے ان کی قسموں کی نفی فرما دی۔

جواب: پہلے مضمون میں یہی فرمایا کہ وہ قسمیں کھاتے ہیں اور ظاہری طور واقعی وہ قسمیں ہیں لیکن چونکہ ان کی وہ قسمیں جھوٹی تھیں اور انہیں ان کے اعمال سے تضاد تھا اسی لیے ایسی قسمیں نہ ہونے کے برابر ہیں بلکہ الٹا سخت نقصان دہ ہیں اسی لیے اس پچھلی آیت میں انکی نفی فرمائی ہے، اس اعتبار میں ان دونوں مضامین میں تضاد نہیں ان کی قسموں کو کالعدم قرار دے کر ثابت کرنا مطلوب ہے کہ عہد شکن کفار و مشرکین سے جنگ جاری رکھو اگرچہ وُہ ہزار بار معاہدہ کریں اور قسمیں کھا کر اعتبار دلائیں تو اب نہ ان کی قسموں کا اعتبار کرو اور نہ ہی ان کے معاہدوں کا جب تک وُہ سچے اور پکے اور صدقِ دل سے ایمان نہ لائیں، جب وہ سچے اور پکے اور صدقِ دل سے مسلمان ہو جائیں تو پھر وُہ تمہارے بھائی ہیں۔

لَعَلَّهُمْ یَنْتَهُوْنَ ○ یہ فقاتلوا کے متعلق ہے یعنی عہد شکن مشرکین سے جنگ جاری رکھو اس ارادہ پر کہ وُہ

اپنے کفر و شرک سے باز آجائیں، یعنی ان سے تمہاری جنگ اس وقت تک جاری رہے جب تک وہ مسلمان نہ ہوں۔ گویا ان کی جنگ سے انہیں کفر و شرک سے روکنا مطلوب ہے۔

عیسائیوں کی تردید

اس سے عیسائیوں اور دیگر دشمنانِ اسلام کا اعتراض دفع ہو گیا وہ کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ان سے تلوار کی لڑائی دفاع کے لیے تھی، اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید نے فرمایا کہ اے مسلمانو! تمہارا ان کے ساتھ جنگ کرنا ایذاء کے لیے نہ ہو بلکہ انہیں ان کی غلط کاریوں سے بچانے کے لیے ہو، جب وہ غلط کاریوں سے باز آجائیں تو تم ان سے نہ لڑو اسی لیے کفر سے باز آنے والے کو اسلام معمولی ایذاء دینے کا بھی روادار نہیں۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے ہر عمل میں نیک ارادہ اور غرض صحیح کو مدنظر رکھے۔ مثلاً چیونٹی یا جوئیں مارے تو صرف دفعِ ضرر کے لیے، نہ اس سے بدلہ لینے کی نیت پر یعنی اس ارادہ پر کہ چونکہ اس نے مجھے تکلیف پہنچائی اسی لیے میں اسے مارتا ہوں۔

سبق: اس مسئلہ پر صوفیۂ کرام تادمِ زلیست عامل رہتے ہیں۔ اسی لیے صُوفیہ کے عشاق کو بھی اسی کا کاربند ہونا ضروری ہے وہ اس لیے کہ مقامِ فنا اسی طریق سے نصیب ہوتا ہے۔

مسئلہ: حدادی نے فرمایا کہ جس کافر و مشرک سے اسلام کے خلاف یوں صادر ہو کہ وہ اسلام پر طعن و تشنیع کرتا ہے اور ان کے ساتھ معاہدہ ہوا تھا کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب اللہ کے خلاف کوئی بات نہیں کریں گے اسی طرح ایسے امور ان سے سرزد نہیں ہوں گے جو مسلمانوں کو اسلام سے منحرف کرنے والے ہوں اور نہ ہی اہل اسلام کے اموال پر ڈاکہ ڈالیں گے اور نہ ہی مسلمانوں کے خلاف مخالفینِ اسلام کی مدد کریں گے تو اس طرح سے ان سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری ختم، یعنی ایسے کافروں کو عہد شکن کہا جائے گا۔

مسئلہ: اگر ان سے معاہدہ میں مذکورہ امور طے نہیں ہوئے لیکن وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دیتے یا قرآن مجید پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے ہمارے احناف تو ایسے کافر کو تعزیر کا حکم دیتے ہیں، قتل کرنے سے روکتے ہیں۔ ان کے دلائل مندرجہ ذیل روایات سے ہیں:

حدیث شریف ۱: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک یہودی عورت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بکری کے گوشت میں زہر ملا کر لائی تاکہ حضور علیہ السلام اسے کھا کر فوت ہوں، لیکن وہ پکڑی گئی اور حضور علیہ السلام کی خدمت میں لائی گئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ آپ نے اس کے قتل کرنے سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو روکا۔

حدیث شریف ۲: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہودیوں کی شکایت کی کہ وہ آپ کو "السام علیکم" (یعنی آپ کو موت آئے) کہتے ہیں فلہٰذا ان سے بدلہ لینا چاہیے، تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نرمی کو دوست رکھتا ہے

فلہذا انہوں نے اگرچہ مجھے بُرا کلمہ کہا ہے تو ہمیں ان کے قتل کا حکم نہیں بلکہ جیسے انہوں نے کہا ہے ہیں نے بھی انہیں ویسے کہہ دیا ہے۔

دشمن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر امام مالک کا فتویٰ

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو بدبخت یہودی اور نصرانی حضور علیہ السلام کو گالی دے یعنی آپ کی شان میں تنقیص کرے تو اسے قتل کرنا واجب ہے، ہاں مسلمان ہو جائے تو اسے قتل معاف ہے۔ (کذا فی تفسیر الحدادی)

مسئلہ: ابن الشیخ نے فرمایا کہ آیت سے معلوم ہوا کہ ذمی اگر اسلام پر طعن و تشنیع کرے یا اس کی تنقیص و تحقیر کرے تو اس کا قتل کرنا ضروری ہے۔ اس لیے کہ اس کے ساتھ معاہدہ تھا کہ وہ اسلام پر طعن و تشنیع نہیں کرے گا۔ لیکن اس نے اسلام پر طعن و تشنیع کی، تو وہ اپنے معاہدہ سے نکل گیا اسی لیے اس کا قتل کرنا ضروری ہوا۔

مسئلہ: حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ذمی اسلام پر طعن و تشنیع کر کے تائب ہو جائے تو اس کی توبہ قبول ہوگی اس کے طعن و تشنیع پر ہم اپنا معاہدہ نہیں توڑیں گے جب تک وہ عہد شکنی کے خلاف تصریح نہ کرے۔

مسئلہ: مولانا اخی الچلپی ہدیۃ المہدیین میں لکھتے ہیں کہ جب ذمی حضور علیہ السلام کو کھلم کھلا گالیاں یا آپ کی عزت و عظمت پر حملہ کرے یا آپ کی قدر و منزلت میں تحقیر و تنقیص کرے یا آپ کے خلاف ایسے بکواس کرے جو آپ کی شان کے لائق نہیں تو امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسے بدبخت کے قتل کرنے میں کسی قسم کا خلاف نہیں بشرطیکہ وہ اسلام قبول نہ کرلے اس لیے کہ ہم نے معاہدہ اس لیے تو نہیں کیا تھا کہ وہ ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بکواس کرے یہی دوسرے عام علماء و فقہاء کرام کا مذہب ہے صرف امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے اتباع اور امام ثوری اور ان کے اتباع اور دیگر فقہائے کوفہ فرماتے ہیں کہ ایسے بدبخت کو قتل نہ کرنا چاہیے البتہ ایسی سخت سزا دی جائے کہ اسے چھٹی کا دودھ یاد آ جائے۔

مسئلہ: بعض فقہاء کرام نے فرمایا: ایسا بدبخت اگرچہ مسلمان بھی ہو جائے تب بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز و اکرام کی وجہ سے اسے لازمی طور قتل کیا جائے اس لیے کہ یہ ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق میں سے ہے اور ہم کون لگتے ہیں کہ ان کی عزت و عظمت گھٹانے والے کو معاف کر دیں۔ جب اسلام لانے سے اس سے عام مسلمانوں کے حقوق معاف نہیں ہوتے تو مسلمانوں کے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کس طرح معاف ہو سکتے ہیں۔ مثلاً اسلام لانے سے قبل کسی کو قتل کیا تھا یا کسی پر بہتان تراشا تھا تو اسلام لانے پر اس سے نہ قتل معاف ہے نہ بہتان تراشی کی غلطی جبکہ ایک عام انسان کا حق اسلام لانے سے معاف نہیں ہو سکتا تو حضور علیہ السلام کے حقوق کس طرح معاف ہو جائیں اگرچہ وہ مذکورہ غلطوں اور حضور علیہ السلام کی تحقیر سے توبہ کرے تو بھی اس کی توبہ قبول نہیں[1] بایں معنیٰ کہ اسے ضرور قتل کیا جائے گا اگرچہ اس نے

---

[1] دیوبندیوں، وہابیوں، مودودیوں، پرویزیوں، نیچریوں، چکڑالویوں، خاکساریوں کی وہ عبارات سامنے رکھیے جو انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس کے خلاف لکھی ہیں اس کے بعد فیصلہ خود کیجئے کہ ہم اہلسنت حق بجانب ہیں یا نہیں۔

کلمۂ شہادت بھی پڑھا ہے۔

مسئلہ: لیکن ایسے شخص کی اسلامی حیثیت برقرار رہے گی یعنی سابقہ جرائم یعنی نبوت کی تنقیص یا عام مسلمان کے حقوق سے تائب ہو کر مرے یا اسے قتل کر دیا جائے تو اس کی موت اسلام پر سمجھی جائے گی یہاں تک کہ اسے مسلمانوں کی طرح غسل دیا جائے گا اور اس پر نمازِ جنازہ بھی پڑھی جائے گی اور اسے مسلمانوں کے گورستان میں مسلمانوں کی طرح دفنایا جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ نبوت کے گستاخ کو قتل کرنا ضروری ہے اگر وہ اس گستاخی سے توبہ کرے تو قتل تو معاف نہیں ہوگا اور نہ ہی اس بارے میں اس کی توبہ قابلِ قبول ہے البتہ اس کا اسلام لانا صحیح ہوگا کہ مسلمان ہو جانے کے بعد بھی اسے نبوت کی گستاخی کی وجہ سے قتل[1] کیا جائے گا لیکن اسے مسلمان سمجھا جائے گا۔

مسئلہ: اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کرنے سے باز نہ آئے اور اسی پر اکڑا رہے (جیسے دیوبندیوں، وہابیوں کا کام ہے) اور وہ اپنی اس غلطی سے توبہ بھی نہیں کرتا تو اسے قتل کر دینا ضروری ہے اگرچہ وہ اسلام کا دم بھرتا ہے تب بھی اس کا اسلام قابلِ قبول نہیں۔ اس کے قتل ہو جانے پر اسے کافر سمجھا جائے گا۔ اس کا وراثت کا مال مسلمانوں کو دیا جائے اسے نہ غسل دیا جائے اور نہ ہی اس پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے نہ ہی اسے کفنایا جائے گا بلکہ اسے کافروں کی طرح کپڑے میں لپیٹ کر ایک گڑھے میں دبا دیا جائے۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ کی تنقیص کرنے والے کی توبہ قابلِ قبول ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ کو گالی دے کر مسلمان ہو جائے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا بخلاف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخ کے کہ وہ آپ کو گالی دے یا آپ کی شان کی تنقیص کرے تو وہ اگرچہ مسلمان ہو جائے تب بھی اسے قتل کیا جائے۔

ازالۂ اوہام اس سے بعض کمزور ذہن یہ سمجھیں گے کہ اس طرح سے تو نبی کریم علیہ السلام کی شان اللہ تعالیٰ کی شان سے (معاذ اللہ) بڑھ گئی لیکن حقیقت شناس حضرات جانتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخ کے لیے سخت سزا مقرر ہوئی کہ نبی علیہ السلام انسانوں کی جنس سے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت کے بڑے عہدے سے نوازا ہے اسی لیے انسان کو اگر عیب لگایا جائے یا اس کی تنقیص کی جائے تو فطرتاً اس کا دل دکھتا ہے اس قاعدہ پر کہ نبی علیہ السلام کا دل دکھانا کفر ہے اور کافر کی سزا قتل ہے اور اللہ تعالیٰ منزہ از نقائص ہے اور نہ ہی اس کا کوئی ہم جنس ہے کہ اس کے عیب لگانے سے اس کی شان میں نقص کا امکان ہو اور نہ ہی اس کے لیے دلآزاری کا شائبہ ہے انہی وجوہ سے اس کے گستاخ پر سخت سزا یعنی قتل نہیں۔

مسئلہ: تمام علمائے امت کا اجماع ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہوں یا کوئی اور نبی علیہ السلام ان کی ہر قسم کی تنقیص و تحقیر اور گستاخی کفر ہے اس کا قائل اسے جائز سمجھ کر گستاخی کرے یا اس کا وہی عقیدہ ہو یا نہ ہو غصہ، گستاخی کرے یا بلا قصد خطاءً واقع ہو یا سہواً ہر طرح سے اس پر کفر کا فتویٰ ہے نبوت کی شان میں گستاخی میں لاعلمی اور جہالت کا عذر

---

[1] لیکن یہ کام حکومت کا ہے عوام ایسی تعزیرات کا اجراء نہیں کر سکتے ۱۲

غیر مسموع ہے اسی طرح سبقتِ لسانی کا عذر بھی غیر قابل قبول ہے اس لیے کہ عقل سلیم کو ایسی غلطی سے بچنا لازمی اور ضروری ہے

مسئلہ: جو شخص کہے کہ نبی علیہ السلام کالے سیاہ یا ابو طالب کی پرورش کے محتاج تھے یا عقیدہ رکھے کہ ان کا فقر و فاقہ اختیاری نہیں تھا بلکہ وہ اس فقر و فاقہ میں مجبورِ محض تھے اس لیے کہ اگر ان کے اختیار میں کچھ ہوتا تو لذیذ غذائیں اور پیٹ بھر کر کھانا کھاتے۔ اسی طرح کے اور نقائص بیان کرے تو وُہ کافر ہے۔

مسئلہ: جو شخص نبی علیہ السلام کے لیے کہے کہ وُہ تو بکریوں کے چرواہے تھے یا ان سے بھول چوک ہو جاتی تھی یا ان پر نسیان اور سہو طاری ہو جاتا تھا یا وہ جادو میں مبتلا ہو جاتے تھے یا انہیں عورتوں سے شہوانی طور محبت تھی یا آپ کے بال مبارک کو حقارت کے طور بیان کرے تو وہ کافر ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی کہے کہ نبی علیہ السلام ایک لمحہ کے لیے مجنون ہو گئے تھے ایسا قائل بھی کافر ہے ہاں کوئی یُوں کہے کہ آپ پر بیہوشی طاری ہوگئی تو وُہ کافر نہیں۔

حکایت وہابی کُش

حضرت قاضی ابُو یوسف ہارون الرشید کے ہاں مہمان خانے میں کھانے کے لیے بیٹھے تھے۔ اس وقت یہ روایت بیان کی گئی کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کدو مبارک پسند تھا، ہارون الرشید کا ایک دربان کہنے لگا کہ مجھے کدو پسند نہیں۔ حضرت قاضی ابو یوسف قدس سرہٗ نے فرمایا کہ یہ شخص اگر اپنے اس قول سے توبہ نہ کرے تو واجب القتل ہے میں اس کی ابھی گردن اُڑاتا ہوں۔ اس شخص نے فوراً توبہ و استغفار کی۔ اگر وُہ توبہ نہ کرتا تو اس کی گردن اڑائی جاتی۔ (کذا فی الظہیریہ)

مسئلہ: اگر کوئی شخص کہے کہ حضور علیہ السلام کی عادتِ کریمہ تھی کہ آپ طعام کھا کر اپنی انگلیاں مبارک چاٹ لیتے تھے دُوسرا کہے کہ یہ تو بے ادبی ہے ایسا قائل واجب القتل ہے۔

مسئلہ: حضور علیہ السلام کی کسی سنّت یا کسی حدیث کی تحقیر اور گستاخی کفر ہے۔

مسئلہ: کوئی شخص کہے کہ اگر پانچ نمازوں سے ایک نماز یا چالیسویں حصہ پر زکٰوۃ کا وجوب اگر ایک درہم یا ایک ماہ کے روزوں سے ایک روزہ زاید فرض ہوتا تو میں ہرگز عمل نہ کرتا تو ایسا قائل کافر ہے۔

مسئلہ: کوئی شخص کسی سے کہے کہ نماز پڑھ، وُہ جواب دے کہ نماز تو بوجھ اور ایک سخت عمل ہے ایسا شخص کافر ہے۔

مسئلہ: کوئی شخص صرف رمضان شریف میں نمازیں پڑھتا ہے اسے دُوسرے مہینوں میں نماز کا کہا جائے تو وہ جواب دے کہ وہی رمضان شریف والی نمازیں میرے لیے کافی ہیں تو ایسا شخص بھی کافر ہے۔

مسئلہ: جو شخص نمازیں عمداً قضا کرتا ہے اور اس کا ان کی قضاء کا ارادہ بھی نہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا ہے تو ایسا شخص کافر ہے۔

مسئلہ: جو شخص رمضان شریف کی آمد پر کہے کہ آگیا سخت مہینہ یا آگیا تکلیف دہ مہمان تو ایسا شخص بھی کافر ہے۔

دین پر طعن سے تصوف اور سلوک پر انکار مراد ہے اور اَئِمَّةَ الْکُفْرِ سے نفوس امارہ مراد ہیں جیسے تصوف **تفسیر صوفیانہ** کی اصطلاح میں ائمۃ الایمان سے قلوب و ارواح مراد ہوتے ہیں اور قاعدہ ہے کہ نفوس امارہ بے وفا ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کے معاہدہ کا کوئی پاس نہیں اور نہ ہی طلب حق کی خواہش کرتے ہیں اور نہ ہی انہیں ماسوی اللہ کے ترک کا ارادہ ہوتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ نفوس امارہ سے سخت سے سخت جہاد کیا جائے یہاں تک کہ ان کی اصلاح ہو جائے اور بری عادتوں کو ترک کر کے حق تعالیٰ کے احکام کے پابند ہو جائیں۔

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا تم اس گروہ سے جنگ کیوں نہیں کرتے نَّكَثُوْٓا جنہوں نے توڑ دیں اَیْمَانَهُمْ وہ قسمیں جو بہت بڑے وثوق سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ اسلام کے سامنے کھائی تھیں اور معاہدہ کیا تھا کہ وہ مخالفین کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو نقصان نہیں پہنچائیں گے لیکن انہوں نے اس کے برخلاف کیا کہ بنوبکر کے ساتھ مل کر خزاعہ پہ حملہ کر دیا اور خزاعہ مسلمانوں کے حلیف تھے۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ قریشِ مکہ کا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل اسلام سے دوسرا معاہدہ اس طرح تھا کہ وہ ایک دوسرے کے حریفوں کو کچھ نہیں کہیں گے اور نہ ہی ان سے جنگ کرنے والوں کی معاونت کریں گے۔ لیکن بنوبکر نے جب بنوخزاعہ پر حملہ کیا تو قریشِ مکہ نے بنوبکر کی امداد کی اور بنوخزاعہ مسلمانوں کے حلیف تھے۔

وَهَمُّوْا اور مشرکین نے ارادہ کیا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ رسول اللہ کو نکالنے کا، یعنی دار الندوہ میں مشورہ کیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ معظمہ سے نکال دینا چاہیے، چنانچہ مشورہ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت پر مجبور کر دیا تھا اب مسلمانوں کو کفار کے قتل پر ابھارنے پر پرانی باتیں یاد دلائی جا رہی تھیں تاکہ انھیں کفار سے جنگ کرنے میں جوش پیدا ہو۔

ف : بعض مفسر لکھتے ہیں کہ اس سے وہ یہودی مراد ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدے کر کے توڑے اور پھر ارادہ کیا کہ وہ آپ کو مدینہ طیبہ سے نکال دیں۔

وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اور عہد شکنی اور تمہارے ساتھ جنگ کی ابتداء انہوں نے خود کی ہے اَوَّلَ مَرَّةٍ پہلی بار، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں کتابِ خداوندی لائے اور انہیں مقابلہ کا چیلنج دیا لیکن وہ اپنے عجز کی وجہ سے مقابلہ نہ کر سکے اس کے باوجود بھی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے ہیں تو پھر اے مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم ان کے ساتھ جنگ نہیں کرتے اور ان کے درپے آزار ہونے سے گریز کرتے ہو۔ اَتَخْشَوْنَهُمْ کیا تم ان سے ڈرتے ہو، یعنی تم ان سے جنگ اس خوف سے نہیں کرتے کہ کہیں وہ تمہیں نقصان نہ پہنچا دیں فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ پس اللہ تعالیٰ کا خوف زیادہ مستحق ہے کہ تم اس سے ڈر کر اس کے دشمنوں سے لڑو اور اس کے حکم کی خلاف ورزی نہ کرو فَاللّٰهُ مبتدا اور اَحَقُّ اس کی خبر ہے اور اَنْ تَخْشَوْهُ اللہ سے بدل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا ڈر بہ نسبت ان کے ڈر کے زیادہ حقدار ہے اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ اگر تم مومن ہو یعنی ایمان کا تقاضا یہی ہے

کہ صرف اللہ تعالیٰ کا خوف ہو۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ کیا تم نفس کے ساتھ مقابلہ کرتے وقت حظوظ نفسانیہ کے فوت ہوجانے کا خطرہ کرتے ہو حالانکہ حقوق الٰہی اور اس کے وصال کی محرومی کا خطرہ زیادہ ضروری ہے اگر تمہارے دل میں ایمان ہے کہ واقعی اس کے ہاں پہنچا ہے۔

تفسیر عالمانہ قَاتِلُوْهُمْ تو مشرکین سے جنگ کرو يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ انہیں تمہاری تلواروں سے عذاب دے گا یعنی تمہاری تلواروں کے سبب سے وہ مقتول ہوں گے وَيُخْزِهِمْ اور انہیں مغلوب و مقہور کر کے رسوا کرے گا وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ اور تمہیں ان پر مدد دے کر غالب کرے گا یعنی وہ صرف مقتول ہو کر نہیں مریں گے بلکہ تمہیں ان پر پورا غلبہ نصیب ہوگا وَيَشْفِ اور شفا بخشے گا صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ان اہلِ ایمان کے سینوں کو جو جنگ میں شامل نہیں ہو سکے اس سے خزاعہ کا قبیلہ مراد ہے۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اس سے یمن اور سبا کے لوگ مراد ہیں جو مکہ میں نامزد ہو کر مسلمان ہوئے تو ان کی برادری نے انہیں سخت تکلیفیں پہنچائیں۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اطلاع بھجوائی کہ ہمیں مخالفینِ اسلام بہت سخت ایذائیں پہنچا رہے ہیں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہلوا بھیجا کہ تمہیں مبارک ہو عنقریب تمہاری مشکلات حل ہو جائیں گی (چنانچہ تھوڑے عرصے کے بعد کفار و مشرکین مغلوب ہو کر ذلیل و خوار ہوئے اس طرح سے حضور علیہ السلام کا فرمان پورا ہوا، اسے ہم اہلسنت علمِ غیب سے تعبیر کرتے ہیں) حضرت حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

آنکہ پیرانہ سرم صحبت یوسف بنواخت

اجر صبریست کہ در کلبۂ احزان کردم

ترجمہ : بڑھاپے میں مجھے یوسف کی صحبت نصیب ہوئی یہ میرے اس صبر کی جزا ہے جو میں نے عرصہ دراز تک غم اور حزن کا دکھ اٹھایا۔

وَيُذْهِبْ تمہیں مدد دے کر اور کافروں کو مغلوب کر کے لے جائے گا غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ط ان کے دلوں کے اندوہ اور غم کو یعنی کفار کی اذیتوں سے ان کے دلوں کا ملال دور فرمائیگا۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح وعدہ فرمایا اسے احسن طریق سے پورا کر کے دکھایا وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ط اور جس کے لیے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اس کی توبہ قبول فرماتا ہے، یہ جملہ مستانفہ ہے اس میں آنے والے حالات کی خبر دی گئی ہے کہ ایک مدت کے بعد مکہ کے مشرکین میں سے بعض لوگ کفر و شرک سے توبہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرلے گا، چنانچہ ایسے ہی ہوا جیسے اللہ تعالیٰ نے خبر دی وہ یہ کہ فتح مکہ کے بعد حضرت ابو سفیان و عکرمہ بن ابی جہل و سہل بن عمرو وغیرہم رضی اللہ عنہم نے اسلام قبول کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ منظور فرمائی۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ اور اللہ تعالیٰ زمانہ گزشتہ اور آنے والے امور کو خوب جانتا ہے اور وہ جو کچھ کرتا اور جس سے روکتا ہے تو وہ اس کی حکمت بالغہ پر مبنی ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ اَمْ حَسِبْتُمْ اے مسلمانو! کیا تم نے گمان کیا۔ اَمْ منقطعہ ہے، اب معنیٰ یہ ہوا کہ بلکہ تم نے اے مسلمانو! گمان کیا۔

ف: بَلْ اضراب کے معنے میں آتا ہے اب اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اے مسلمانو! تم ان کے جنگ کے معاملہ میں روگردانی کے خیال میں ہو اس میں مسلمانوں کو اس غلط خیالی پر زجر و توبیخ کی گئی ہے۔

اَنْ تُتْرَكُوْا کہ تم جنگ سے فارغ چھوڑے جاؤ گے **وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ** اور ابھی اللہ تعالیٰ نے تمہارے سے جہاد کرنے والوں کو ظاہر نہیں فرمایا یعنی تمہارے سے مخلصین کا غیر مخلصین سے امتیاز نہیں فرمایا۔

سوال: تم نے عدم علم کو ظاہر کرنے سے کیوں تعبیر کیا؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی شان کے منافی ہے کہ وہ کسی شے کو ازل سے نہ جانے اسی لیے اس کی شان کے مطابق ترجمہ ضروری ہے اور یہی معنیٰ موزوں تر ہے اس لیے کہ ثواب کا دار و مدار عمل کے ظہور پر ہے۔ اسی لیے حدادی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو ازل سے علم تھا کہ ان میں مخلصین کون ہیں اور غیر مخلصین کون۔ لیکن وہ پوشیدہ تھا کہ سوائے اس کے اور کسی کو معلوم نہ تھا، اسی لیے اس کا ارادہ ہوا کہ اسے ظاہر فرمائے تاکہ ثواب و عذاب کا ترتب ہو سکے۔ اور وہ موقوف ہے بندوں کے مشاہدوں پر اس لیے اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ کسی کو سزا و جزا اس وقت دیتا ہے جبکہ ان کا علم بندوں کو بھی معلوم ہو کہ انہیں فلاں عمل سے سزا ملے گی اور فلاں عمل سے جزا۔

سوال: جہاد پہ حاضری نہ دینے والوں کا ذکر کیوں نہیں فرمایا؟

جواب: وہ اللہ تعالیٰ کے ارادے میں بھی نہیں تھے اور نہ ہی وہ اس لائق ہیں کہ ایسے معتبر مقام پر ان کا ذکر ہو۔

وَلَمْ يَتَّخِذُوْا اس کا عطف جَاهَدُوْا پر ہے اس لیے کہ یہ بھی ولما یعلم اللہ الذین کے حکم میں داخل ہیں یعنی ابھی انہیں ظاہر نہیں فرمایا جنہوں نے نہیں بنایا **مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** یہ ولم یتخذوا کے متعلق ہے اگر اسے اپنے معنے پر رکھا جائے اور اگر وہ تَصْيِيْر کے معنی میں ہو تو یہ اس کا دوسرا مفعول ہے **وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ط** اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کے سوا کسی کو دوست۔

حل لغات: وَلِيْجَةً بمعنے بطانۃ و صاحب سر یعنی وہ دلی دوست کہ سوائے اس کے اور کوئی دوسرا اس کے اندرونی بھید سے واقف نہ ہو یہ وُلُوْجٌ سے ہے بمعنی الدخول۔ ابو عبیدہ نے فرمایا کہ کسی شے کو دوسری ایسی شے میں داخل کرنا جسے اس دوسری شے سے کسی قسم کا تعلق نہ ہو تو اسے عربی میں ولیجۃ کہتے ہیں۔ واحد، تثنیہ، جمع سب کے لیے یہی صیغہ یعنی ولیجۃ مستعمل ہوتا ہے۔

وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○ اور اللہ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے اسی لیے وہ تمہیں ہر عمل کی جزا و سزا دے گا

اس سے تمہارا کوئی عمل مخفی نہیں وُہ تمہارے جہاد کی غرض و غایت کو جانتا ہے یعنی اسے معلوم ہے کہ تمہارے میں مخلص کون ہے اور غیر مخلص کون۔ اسے خبر ہے کہ تم میں اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کون لڑتا ہے اور مالِ غنیمت جمع کرنے کے لیے کون۔ اور اس کے علم میں ہے کہ رضائے الٰہی کے لیے کون جنگ کرتا ہے اور اپنی شہرت کے لیے کون۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

منہ آب زر جان من بر پشیز — کہ صراف دانا نگیرد بچیز
زر اندودگانرا بآتش برند — پدید آید آنگہ کہ مس یا زرند

ترجمہ: اے عزیز! تانبے کو سونے کا پانی لگا کر نہ لا اس لیے کہ صراف اسے کوڑی برابر بھی نہیں لے گا اس لیے کہ وہ ایسے سکوں کو آگ میں ڈالتے ہیں اس کے بعد واضح ہو جاتا ہے کہ سونا ہے یا تانبہ۔

مسئلہ: آیت میں جہاد کی ترغیب دی گئی ہے۔

حدیث شریف ۱: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صرف ایک دن جہاد کے میدان میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ٹھہرنا سوائے رمضان کے تو وہ ایک دن سو سال کے روزوں اور شب بیداری سے افضل ہے، اگر وہ زندہ بچ کر گھر لوٹا تو اللہ تعالیٰ ہزار سال تک اس کی کوئی بُرائی نہیں لکھے گا بلکہ تادمِ زیست اس کے لیے نیکی لکھی جائے گی اور قیامت تک اس کے لیے نیکی لکھی جائے گی اور قیامت تک اس کے لیے جہاد کی حاضری کا ثواب لکھا جائے گا۔

حدیث شریف ۲: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا اور نماز ادا کرتا اور رمضان کے روزے رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس بندے کو بہشت میں ضرور داخل فرمائیگا وہ جہاد کرے یا اپنے گھر میں بیٹھے زندگی بسر کر دے۔ لوگوں نے عرض کی کہ اجازت ہو تو ہم اہلِ ایمان کو اس کی خوشخبری سنا دیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے بہشت میں سو درجات اہلِ بہشت کے لیے تیار فرمائے ہیں اس کے ہر درجہ کی مسافت زمین و آسمان کے درمیانی خلا کے برابر ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: اگر تم اللہ تعالیٰ سے بہشت کا سوال کرو تو جنت الفردوس مانگو اس لیے کہ وہی تمام بہشت سے اعلیٰ و افضل ہے اور اس کے اوپر عرشِ الٰہی ہے اسی سے باقی بہشت کی نہریں جاری ہیں۔

حدیث شریف ۳: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجاہد وُہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا پر نفس سے جہاد کرتا ہے اے مسلمانو! تم نفس کی خواہشات کے مٹانے کے لیے ایسے جہاد کرو جیسے تم اپنے دشمنوں سے کرتے ہو، تمہارے میں بڑا بہادر وُہ ہے جو اپنے نفس کے لیے بہت زیادہ سخت گیر ہے۔ ایسا عقلمند جو خواہشات نفسانیہ کا اسیر ہے اسے شہوات کا بندہ سمجھو، اسے زر خرید غلام سے بھی ذلیل تر جانو۔ جو شیشہ زنگ آلود ہو اس سے چہرہ کے بدنما داغ نظر نہیں آئیں گے۔ اسی طرح نفسِ امارہ بھی بندے کو اپنے عیوب ظاہر نہیں ہونے دیتا اس لیے کہ وہ شہوات کی زنگ میں ہے۔

مسئلہ: آیت سے واضح ہوا کہ مومن مخلص وُہ ہے جو کافر اور منافق سے دوستی تو بجائے خود اسے اپنے قریب بھی نہ بھٹکنے دیتا۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ

مشرکوں کو نہیں پہنچتا کہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں خود اپنے

عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَ

کفر کی گواہی دے کر ان کا تو سب کیا دھرا اکارت ہے اور

فِى النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ

وہ ہمیشہ آگ میں رہیں گے اللہ کی مسجدیں وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ اور

اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ

قیامت پر ایمان لاتے اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں

وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ قف فَعَسٰۤى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ

اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تو قریب ہے کہ یہ لوگ ہدایت والوں

الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۸﴾ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ

میں ہوں تو کیا تم نے حاجیوں کی سبیل اور مسجد حرام کی خدمت اس کے برابر

الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِىْ

ٹھہرالی جو اللہ اور قیامت پر ایمان لایا اور اللہ کی راہ میں

سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى

جہاد کیا وہ اللہ کے نزدیک برابر نہیں اور اللہ ظالموں کو

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا

راہ نہیں دیتا وہ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مال و جان

فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً

سے اللہ کی راہ میں لڑے اللہ کے یہاں ان کا درجہ

عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾ يُبَشِّرُهُمْ

بڑا ہے اور وہی مراد کو پہنچے ان کا رب انہیں

رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِیْهَا نَعِیْمٌ

خوشی سناتا ہے اپنی رحمت اور اپنی رضا کی اور ان باغوں کی جن میں انہیں

مُّقِیْمٌ ﴿۲۱﴾ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۲۲﴾

دائمی نعمت ہے ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے بے شک اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ

اے ایمان والو اپنے باپ اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ سمجھو

اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَی الْاِیْمَانِ ؕ وَمَنْ

اگر وہ ایمان پر کفر پسند کریں اور تم میں

یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ اِنْ

جو کوئی ان سے دوستی کرے گا تو وہی ظالم ہیں تم فرماؤ

كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ

اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں

وَعَشِیْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ

اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ سودا جس کے نقصان

تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ

کا تمہیں ڈر ہے اور تمہارے پسند کا مکان یہ چیزیں اللہ اور اس کے

اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ

رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں تو راستہ دیکھو یہاں تک کہ

اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۴﴾

اللہ اپنا حکم لائے اور اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا

تفسیر عالمانہ، شانِ نزول

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِیْنَ یہ آیت قریشِ مکہ کے لیڈروں کے حق میں نازل ہوئی جب وہ بدر میں قیدی ہو کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں لائے گئے ان میں حضرت عباس

حضور علیہ السلام کے چچا جان بھی تھے ان قیدیوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شرک سے نفرت دلا رہے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے چچا حضرت عباس کو جھڑکا کہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ نہ کرنی چاہیے تھی اور فرمایا کہ آپ کو صلہ رحمی کرنی لازم تھی اور فرمایا کہ آپ نے مشرکین کی مدد کس نظریہ پر کی، باتوں باتوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس کو خوب کوسا۔ حضرت عباس تمام باتیں سن کر فرمانے لگے کہ تم لوگ ہماری برائیاں تو گنتے جا رہے تھے اور ہمارے محاسن بھی تو ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا، تمہارے کون سے محاسن ہیں؟ حضرت عباس نے کہا: ہمارے محاسن یہ ہیں:

○ ہم مسجد الحرام کی تعمیر کرتے ہیں۔

○ ہم کعبہ معظمہ کے نگران ہیں یعنی ہم پاسبان حرم ہیں (اس لقب پر آج نجدی ناز کرتے ہیں)

○ ہم حج کے موقعہ پر حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی کہ مشرکین کے لیے لائق نہیں یعنی ان کے لیے بالکل ناروا ہے اور نہ ہی ان کو مناسب ہے اس میں تحقق و وجود کی نفی ہے جواز کی نفی نہیں جیسا کہ ظاہری عبارت سے ثابت ہوتا ہے جیسے ما کان لھم ان یدخلوھا الا خائفین میں وجوب و تحقق کی نفی ہے یعنی کفار کے لیے واجب ہے کہ وہ خوفزدہ ہو کر اس میں داخل ہوں۔

اَنْ يَّعْمُرُوْا ایسی تعمیر کریں کہ جس کا اعتبار کیا جائے **مَسٰجِدَ اللّٰهِ** اللہ کی مسجدوں کی۔ اس سے صرف مسجد حرام

بقیہ ص۴۷۸ سے آگے

مسئلہ: مومن کا کافر کو دوست بنانا بھی خیانت ہے۔ اسی طرح کافر سے محبت کرنا بھی اور کفار سے میل جول رکھنا بھی ان سے محبت کی علامت ہے۔ (العیاذ باللہ) اسی لیے ہم اہلسنت بدمذاہب کے میل جول اور ان سے تعلق دوستی حرام سمجھتے ہیں لیکن اسے صرف اہلِ دل سمجھتے ہیں، عوام بیچارے کیا جانیں کہ یہ کیا راز ہے۔

حدیث شریف ۴: حضرت شداد بن اوس اور عبادہ بن صامت فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر تھے آپ نے فرمایا کہ تمہارے میں کوئی اجنبی ہے، اس سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ تمہارے ساتھ کوئی اہلِ کتاب تو نہیں۔ ہم نے عرض کی: ہمارے ساتھ ان کا کیا واسطہ۔ اس کے بعد آپ نے دروازہ بند کرا کر فرمایا، اپنے ہاتھ اٹھا کر کہو: لا الٰہ الا اللہ۔ ہم نے ہاتھ اٹھائے اور کہا لا الٰہ الا اللہ۔ آپ نے ایک گھڑی بھر ہاتھ اٹھائے رکھنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد آپ نے بھی ہاتھ نیچے کر دیا اور ہمیں بھی اپنے ہاتھ نیچے کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا، اے اللہ! تیرا شکر ہے کہ تُو نے مجھے جس کلمے کے اعلان کا حکم فرمایا اور وعدہ فرمایا کہ جو اس کلمہ کو قبول کرے گا اس کے لیے بہشت ہے۔ تیرا وعدہ پختہ ہے اس کے خلاف ہرگز نہیں ہوگا۔ اس کے بعد ہمیں فرمایا کہ تمہیں مبارک ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے گناہ بخش دیے۔

سبق: صاحبِ رُوح البیان نے فرمایا کہ یہ ایک خاص تلقین تھی جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ورثہ کاملین اولیاء کو وراثت میں نصیب نبوی جو حضور علیہ السلام کے زمانۂ اقدس سے آج تک جاری ہے اس پر عوام کو مطلع کو نہیں کیا جاتا تاکہ وہ غیروں تک اسرار و ہمیدہ نہ پہنچا دیں کیونکہ بھید و اسرار غیروں کو بتانا بھی ایک قسم کی خیانت ہے۔

مراد ہے۔

سوال: اگر اس سے مسجد حرام مراد ہے تو پھر صیغۂ جمع کیوں؟

جواب: (۱) چونکہ وہ تمام مساجد کی قبلہ ہے اس کی اسی جامعیت کے پیش نظر جمع لایا گیا ہے اس کی تعبیر گویا تمام مساجد کی تعبیر ہے۔

(۲) اس کی ہر جانب سے مساجد واقع ہیں بخلاف دیگر ہر مسجد کے کہ اس کی کوئی جہت مسجد سے خالی ہوگی۔

فائدہ: حضرت عکرمہ سے پوچھا گیا کہ اسے مسٰجد کیوں پڑھتے ہو حالانکہ وہ تو ایک مسجد ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اسکی فضیلت کی وجہ سے، اس لیے کہ صفا و مروہ کو اللہ تعالیٰ نے شعائر (جمع) کہا جو مسجد حرام کے بالمقابل کوئی شے نہیں اس لیے کہ مسجد الحرام اپنی جنس کے جمیع افراد سے افضل ہے۔

فائدہ: صراحۃً تعبیر مسجد کے ذکر سے یہی طریقہ بلیغ تر ہے۔

مسئلہ: قنیہ میں ہے کہ تمام مساجد سے محترم تر یہی مسجد حرام ہے، پھر مسجد المدینہ، پھر مسجد بیت المقدس، پھر دنیا کی تمام جامع مسجدیں، پھر شارع عام کی مسجدیں، یہی محلے کی مسجدیں مرتبہ کے لحاظ سے بہت کم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی مساجد میں اعتکاف نہیں بیٹھا جا سکتا، ہاں اگر اس مسجد کا امام معین اور اس میں پانچ وقت اذان دی جاتی ہو تو ان تمام مساجد میں کم درجہ والی گھر کی مساجد ہیں کہ ان میں سوائے عورتوں کے اور کوئی اعتکاف نہیں بیٹھ سکتا۔

حقیقی مسجد صاحب روح البیان نے فرمایا: یہ تمام بحث مجازی مساجد کی تھی ورنہ حقیقی مسجد تو اولیاء کرام کے قلوب ہیں جو ہر قسم کے شرک سے پاک ہیں۔ کسی نے کیا خوب فرمایا: ؎

مسجدے کاں در درون اولیاء است — خانۂ خاص حقست آنجا خداست
نیست مسجد جز درون سروران — آن مجازست این حقیقت ای جوان

ترجمہ: وہ مسجد حقیقی ہے جو اولیاء کے اندر دل ہے اس لیے کہ وہی خاص خانۂ خدا ہے۔ اولیاء اللہ کے قلوب کے سوا اور کوئی مسجد نہیں یہ مساجد مجازی مسجدیں ہیں اور حقیقی مساجد وہی قلوب اولیاء ہیں۔

اسی وجہ سے مومن کا دل توڑنے کو ھدم المسجد (مسجد ڈھانے) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِؕ درانحالیکہ وہ اپنے نفسوں پر کفر کی گواہی دیتے ہیں یعنی مسجد حرام کے گرد بتوں کو نصب کر کے اپنے شرک پر خود بخود مُہر ثبت کر رہے ہیں۔ یہی ان کے مشرک ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے ان کا شرک سے انکار کرنا ان کی حماقت ہے۔ یہی تفسیر حضرت حسن سے منقول ہے۔

ف: سدی نے کہا کہ ان کا اپنے نفسوں پر کفر کا خود بخود گواہ ہونا ایسے ہے جیسے کسی سے کوئی پوچھے کہ تم کون ہو؟ تو وہ جواب دے کہ میں یہودی ہوں۔ یا نصرانی سے پوچھا جائے تو وہ کہے میں نصرانی ہوں۔ اسی طرح مجوسی اپنے متعلق کہے کہ میں مجوسی ہوں۔ اسی طرح یہ کافر (اہل مکہ) بت پرستی کا صراحۃً اقرار کرتے ہیں، مثلاً ما نعبدھم الا لیقربونا۔ ہم بت پرستی صرف اس لیے

کرتے ہیں تاکہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں۔

ف: شٰھدین یعمروا کی ضمیر سے حال ہے یعنی ان کا مسجد حرام کی تعمیر کا دم بھرنا بالکل بے سُود ہے جبکہ وُہ بت پرستی کرکے اپنا کیا کرایا ضایع کر دیتے ہیں اس معنے پر ان کی تعمیر مسجد کا دعویٰ کسی کام کا نہ رہا۔

اُولٰٓئِكَ جو تعمیر مسجد اور دیگر نیکیوں کے مدعی ہیں اور بت پرستی بھی کرتے ہیں تو ایسے لوگ وُہ ہیں حَبِطَتْ بوجہ انکے اپنے کفر کے تباہ و برباد اور باطل ہو جائیں گے اَعْمَالُهُمْ ج ان کے وُہ اعمال جن پر وہ فخر کرتے ہیں اگرچہ بظاہر ان کے اعمال مسلمانوں کے اعمال صالحہ کی طرح ہیں وَفِی النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ○ اور وُہ اپنے کفر اور معاصی کی وجہ سے جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔

مسئلہ: حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اُمتِ محمدیہ کا اجماع ہے کہ کفار کو آخرت میں اعمال صالح سے کوئی فائدہ نہیں ملے گا اور نہ ہی انہیں ان اعمال کی وجہ سے کچھ ثواب نصیب ہوگا کہ جس سے جنت کی نعمتوں کے مستحق ہوں یا ان سے عذاب کی تخفیف ہو بلکہ جرائم و معاصی کی مقدار پر عذاب میں مبتلا ہوں گے کسی کو سخت اور کسی کو سخت تر اور کسی کو سخت ترین عذاب ہوگا۔

مسئلہ: امام فقیہہ ابوبکر بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آیات و احادیث میں وارد ہُوا کہ کفار کو کسی نیکی کا ثواب نہیں ملے گا اس کا صحیح مطلب یہی ہے کہ کفار کو اعمال صالحہ کی وجہ سے جہنم سے نجات نہیں ملے گی البتہ انہیں عذاب کی تخفیف نصیب ہوگی۔ وہ اس لیے کہ گناہوں پر جہنم کی سزا مقرر ہے اور نیکیوں پر بہشت کی نعمتیں۔ چونکہ کفار نے بہشت میں تو جانا نہیں اور اُسے نیکیوں کی جزا بھی ملے گی کہ اس سے ان سے جہنم کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی۔ مازری رحمہ اللہ تعالیٰ بھی اسی قول کے موافق ہیں۔

مسئلہ: امام واحدی نے فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہُوا کہ کافر مسلمانوں کی مساجد نہیں بنا سکتا اور نہ ہی اس میں چندہ دے سکتا ہے۔ اس کا حیلہ یہ ہے کہ کوئی مسلمان اس سے مسجد کی تعمیر کے لیے قرضہ لے لے اور وُہ مسجد پر خرچ کر دے پھر کافر مسلمان کو قرض معاف کر دے۔

مسئلہ: اگر کافر مرتے وقت وصیت کرے کہ میرے مال سے مسجد بنانا تو اس کی وصیت پُوری نہیں کی جائے گی: یہی یہ احناف کا اجماع ہے اگر ضرورت ہو تو اس کا وہی حیلہ کیا جائے جسے فقیر اُویسی نے پہلے عرض کر دیا ہے۔

مسئلہ: مساجد میں کفار کو داخل نہ ہونے دیا جائے اگر کوئی کافر کسی مسلمان کی اجازت کے بغیر مسجد میں داخل ہوتا ہے تو اس کافر کو سخت سزا دی جائے۔

مسئلہ: مساجد کی عظمت کا خیال رکھنا ضروری ہے اسی لیے کفار کو مساجد میں داخل نہ ہونے دینا افضل ہے۔ اسی طرح دُوسرے دشمنانِ اسلام کا حال ہے۔ اسی طرح مرزائی، شیعہ، رافضی، وہابی، دیوبندی وغیرہ وغیرہ بھی ہماری مساجد میں داخل نہ ہوں۔ اس کی مزید تشریح فقیر کی تفسیر اویسی میں دیکھیے۔

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ بے شک اللہ تعالیٰ کی مساجد تعمیر کرتے ہیں اس سے مسجد حرام کے علاوہ

دوسری تمام مساجد مراد ہیں۔ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ جو اللہ تعالیٰ واحد لاشریک لہٗ پر ایمان لاتے ہیں۔

ف : اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا بھی داخل ہے اس لیے کہ اللہ جل جلالہٗ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ایک دوسرے سے متحد ہیں ان کا کبھی ایک دوسرے کے بغیر ذکر نہیں ہوتا جیسے کلمۂ شہادت اور اذان اور اقامت وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اور وہ آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔

ف : حساب و کتاب اور دیگر وُہ امور جو آخرت سے متعلق ہیں اسی میں داخل ہیں۔

وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ اور باجماعت نماز ادا کرتے ہیں۔

مسئلہ : اکثر مشایخ فقہاء کا خیال ہے کہ نماز باجماعت ادا کرنا واجب ہے۔

حدیث شریف : گھر کے بجائے مسجد میں نماز ادا کرنے میں دوہرا اور بجائے بازار (دکان) مسجد میں پچیس گنا زیادہ ثواب ہے۔

مسئلہ : تراویح کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا افضل ہے۔

قاعدۂ فقیہہ : جو نماز جماعت سے تعلق رکھتی ہو اسے مسجد میں ادا کرنا افضل ہے۔

مسئلہ : مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنے کا ثواب زیادہ ہے اس نماز سے جو گھر میں جماعت کے ساتھ ادا کی جائے۔

وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ اور وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اس سے صدقہ واجبہ مراد ہے یعنی اسے فرض سمجھ کر بطیب خاطر ادا کرتے ہیں۔

ف : زکوٰۃ کو صلوٰۃ کے ساتھ ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ وہ ایک دوسری کے بغیر قبول نہیں ہو سکتی یعنی کسی کو زکوٰۃ کی طاقت ہے لیکن ادا نہیں کرتا تو وہ اگرچہ نمازی ہے تو اس کی نماز بھی ناقابل قبول ہے اسی طرح زکوٰۃ کا پابند ہے لیکن نماز نہیں ادا کرتا تو اس کی زکوٰۃ بھی قابلِ قبول نہیں ہوگی۔ خلاصہ یہ کہ مسجد کی تعمیر ایسے شخص کی قابل قبول ہے جو امور مذکورہ بالا یعنی کمالات علیہ وعملیہ کا جامع ہو۔

وَلَمْ یَخْشَ اور امور دین میں کسی سے نہیں ڈرتے اِلَّا اللّٰہَ اللہ تعالیٰ کے سوا۔ اسی بناء پر وہ اللہ تعالیٰ کے اوامر کے مطابق عمل کرتے اور اسی کے نواہی سے بچتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے اور نہ ہی انہیں کسی ظالم سے خطرہ ہے۔

مسئلہ : جنگ کے میدان سے نہ گھبرانا بھی اسی حکم میں ہے یعنی مومن جنگ کو جانے سے نہیں گھبراتا اسی طرح کے اور دیگر امور کو سمجھیے۔

سوال : وُہ امور کہ جن سے فطرۃً انسان کو خوف لاحق ہوتا ہے مثلاً درندوں اور ظالموں اسی طرح دیگر خطرات کہ جن سے انسان کو فطرتی طور ڈر رہتا ہے وُہ اس میں داخل نہیں حالانکہ وُہ بھی غیر اللہ ہیں اور تم کہتے ہو مومن غیر اللہ سے نہیں ڈرتا۔

جواب : اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں پیدا کرنا پڑتا ہے مثلاً اس کی عظمت وجلال اور اس کی ہیبت و قدرت کا تصور دل میں لایا جاتا ہے اس لیے کہ اس کا علم ہر شے کو محیط ہے اس تصور سے بندہ کو خوف لاحق ہوگا کہ اگر میں اس کے احکام

کی خلاف ورزی یا اس کے نواہی کی پروا نہ کروں گا تو سزا پاؤں گا ایسے خوف پیدا کرنے میں بندے کے کسب کو دخل ہے اور درندوں ظالموں وغیرہ سے اوّلاً تو مومن کامل ڈرتا نہیں اگر کوئی ان سے خوفزدہ ہوتا ہے تو چونکہ اس میں ہمارے قصد وارادے کو تعلق نہیں اور نہ اس میں ہمارے کسب کو دخل ہے اس لیے ایسا خوف آیت کے خلاف نہیں۔

فَعَسٰۤی ممکن ہے ایسا گروہ اُولٰٓئِكَ اَنْ یَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ○ ہدایت یافتہ لوگوں سے ہو جائے ، یعنی بہشت اور بہشت کی نعمتوں کو حاصل کرنے والوں سے ہو جائیں اور انہیں بھی وہی بلند درجات نصیب ہوں جو دوسرے بہشتیوں کو نصیب ہوں گے۔

سوال : مذکورہ بالا حضرات کو صرف اہتداء کی توقع سے کیوں موصوف کیا حالانکہ ایمان اور دُوسرے اعمال صالحہ کی وجہ سے دیگر مراتب علیا بھی تو انہیں نصیب ہوں گے۔

جواب : کافروں کی امیدوں کو ملیامیٹ کرنے کے لیے یعنی کافروں کو اپنے اعمال صالحہ سے امیدیں تھیں کہ انہیں بہت بڑے بلند مراتب حاصل ہوں گے اللہ تعالیٰ نے ان کی امید پر پانی پھیر دیا بایں معنی کہ کافروں کو اہل اہتداء میں شمولیت نہیں اور بہشت اور اس کے بلند مراتب صرف اہلِ اہتداء کو نصیب ہوں گے۔ اس میں کافروں کو زجر و توبیخ کی گئی ہے کہ وہ کتنی ہی بہتر اعمال کی جدوجہد کریں وہ کسی حالت میں بھی اہل اہتداء میں شامل نہیں ہو سکتے۔

نکتہ : اہلِ ایمان کو اگرچہ بار بار یقین دلایا گیا ہے لیکن پھر بھی انہیں لعلّ وعسٰی سے ہدایت یافتہ والوں میں شامل ہونے سے وعدہ فرمایا ہے پھر کافروں کو اپنے اعمال صالحہ سے کس طرح امید ہو سکتی ہے اس طریق سے اہل کفر کی تمام امیدوں کا دروازہ نہایت ابلغ طریق سے بند کر دیا گیا ہے۔ ؎

جائیکہ شیرِ مرداں در معرض عنا بند
روباہ سیرتاں را آنجا چہ تاب باشد

ترجمہ : جہاں شیر مردوں کو جھڑکا جا رہا ہے وہاں لومڑی صفت والوں کا کیا حال ہوگا۔

سبق : آیت میں اہلِ ایمان کو تنبیہ ہے کہ وُہ اپنے اعمالِ صالحہ پر مغرور نہ ہوں۔

قاعدہ : اگرچہ لفظ عسٰی اللہ تعالیٰ کے لیے یقینی امر پر دلالت کرتا ہے لیکن اس میں بندوں کو تنبیہ ہوتی ہے کہ وہ اعمال صالحہ کے باوجود بھی عذابِ الٰہی سے ڈرتے رہیں کہ کہیں ان سے ایسا عمل سرزد نہ ہو جائے جس سے ان کے اعمال حبط ہو جائیں۔ (کذا قال الحدادی)

؎

ہر کہ ازل مغرور است
از فیض عمل مہجور است

ترجمہ : جو نیک عمل پر مغرور ہے وہ ازلی فیض سے دور ہے۔

ہ

مباش غرہ بعلم و عمل کہ شد ابلیس
بدیں سبب از بارگاہ عزت دور

ترجمہ: علم و عمل سے دھوکہ نہ کھاؤ اس لیے کہ ابلیس بھی اسی دھوکہ سے بارگاہِ حق سے دُور ہوگیا۔

مسئلہ: تعمیرِ مساجد کئی قسم ہے مثلاً نئی مساجد تیار کرنا یا تعمیر شدہ مسجد کی ضروریات پُوری کرنا۔

حدیث صدقہ جاریہ

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات ایسے عمل ہیں جن کا اجر و ثواب مرنے کے بعد بھی قبر میں پہنچتا رہتا ہے:

① علم پڑھانا
② نہر کھدوانا
③ کنواں بنوانا
④ باغ بونا (کھجوروں کا بالخصوص)
⑤ مسجد بنوانا
⑥ قرآن مجید پڑھنے کے لیے دینا (ایسے ہی دینی کتب)
⑦ نیک اولاد چھوڑ جانا جو اپنے والدین کے لیے استغفار کرتی رہے۔

فضیلت تعمیر مسجد

حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مسجد بنواتا یا اس میں حصہ لیتا ہے تو مسجد کی ہر انگلی یا ہر ہاتھ کی مقدار کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اس کے لیے بہشت میں چالیس لاکھ شہر تیار فرمائیگا ہر شہر میں ایک ایک لاکھ گھر ہوگا ہر گھر میں ایک ایک لاکھ پلنگ بچھے ہوں گے ہر پلنگ پر اس کے لیے حوریں بٹھائی جائیں گی اور مذکورہ بالا گھروں میں ایک ایک کے اندر چالیس چالیس ہزار دسترخوان بچھے جائیں گے ہر ہر دسترخوان پر چالیس چالیس ہزار پیالے (پلیٹیں) ہوں گی جن میں مختلف رنگ اور مختلف ذائقہ کے طعام ہوں گے اور اس بندے کی ہر قوت (جماع، خورد و نوش وغیرہ) میں اضافہ کیا جائے گا کہ ان طعاموں کو کھا کر پچا سکے گا اور مذکورہ بالا حوروں سے جماع بھی کر سکے گا۔[1] (ذکرہ الزندوستی فی الروضہ)

مسئلہ: کوئی مسجد ویران ہو جائے یا وہاں کے رہنے والے مسجد کو چھوڑ کر چلے جائیں اور مسجد ویران ہو جائے تو اس مسجد کی زمین کی وراثت مسجد کے بانی کو ملے گی وہ اس میں جو چاہے بنوائے مکان یا دکان۔ یہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور یہ غیر معتبر ہے۔ صحیح یہ ہے کہ وہ تا قیامت مسجد ہے۔ یہی قول امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے، اور اسی پر علمائے اسلام کا فتویٰ اور یہی معتبر اور صحیح ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی بد دماغ مسجد کو کھیل کا میدان اور کھیل کے میدان کو مسجد سے تبدیل کرے تو یہ بالکل ناجائز ہے۔

ف: ماڈرن دماغ اس کے قائل بلکہ اسی کے عامل ہیں۔[2]

---

[1] اس مضمون کو اگرچہ ماڈرن دماغ قبول نہیں کرے گا لیکن حقیقت یہ ہے کہ عالم آخرت کے حالات کو دنیوی امور پر قیاس کرنا بھی جہالت و حماقت ہے۔ [2] فقیر کو بھی ایک کشنر سے واسطہ پڑا تھا اس کی تفصیل رسالہ "تعمیر مسجد کی داستان" میں ہے۔

فائدہ: صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ روم میں بعض بدباطنوں نے مسجدوں کو گھوڑوں کی اصطبل اور مال گودام ودیگر ضروریات میں تبدیل کر دیا۔ یہ ان کے دور کی بات ہے۔ ہمارے دور میں تو یہ عام ہو رہا ہے کہ مسجدیں ڈھا کر مکانات وغیرہ تعمیر کیے جا رہے ہیں، اور نہ صرف عوام بلکہ حکومت کے بڑے ذمہ دار حکام۔

مسئلہ: مدارس عربیہ یعنی دینی تعلیم گاہوں کا بھی احترام ضروری ہے لیکن بددماغ ان کی عزت کو ذلت سے تبدیل کرنے میں کوئی باک نہیں رکھتے۔ صاحبِ روح البیان فرماتے ہیں: وَقَدْ شَاهَدْنَاهُ فِیْ دِیَارِ الرُّوْمِ۔ (العیاذ باللہ) لیکن آج تقریباً تمام ممالک میں ہو رہا ہے۔

ملفوظاتِ علی کرم اللہ وجہہٗ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا کہ اچھے انسان کے لیے چھ عادتیں لازمی ہیں، تین حضر میں اور تین سفر میں۔ گھر کے لیے تین عادات یہ ہیں:

○ تلاوتِ قرآن مجید
○ تعمیرِ مسجد اور اس کی صفائی اور آبادی از قسم نماز وغیرہ۔
○ مہمان نوازی

اور سفر کی تین عادات یہ ہیں:

○ زادِ راہ کی وسعت
○ حسنِ خلق
○ معاصی وجرائم سے پرہیز کو مدِ نظر رکھ کر جائز ہنسی مذاق۔ (کذا ذکرہ الخطیب فی الروضہ)

مسجد کی صفائی مسجد کو جھاڑو دینا اور اسے صاف ستھرا رکھنا بھی ضروری ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ بہشت کی حورعین کا حق مہر مسجد کے جھاڑو دینے اور اسے صاف ستھرا رکھنے میں ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ برتنوں اور گھر کے صحن کی صفائی سے تونگری حاصل ہوتی ہے۔

فائدہ: جب عام گھر کی صفائی تونگری کا موجب ہے، اللہ تعالیٰ کے گھر کی صفائی کو تو بطریق اولیٰ تونگری کا موجب ہونا چاہیے۔

فائدہ: حدیث شریف میں لفظ فنا واقع ہوا بمعنی صحن الدار والدکان ونحوھا۔

مسئلہ: مسجد کی صفائی کی طرح درس گاہوں کا صاف ستھرا رکھنا بھی ضروری ہے۔

مسئلہ: مساجد کو فرش وغیرہ سے آراستہ رکھنا چاہیے۔

فائدہ: مساجد میں سب سے پہلے چٹائیاں وغیرہ بچھانے کا عمل حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے جاری فرمایا ورنہ ان کے زمانہ سے پہلے مسجدوں میں کنکریوں پر نماز ادا کی جاتی تھی۔

اعجوبۂ زمانہ ایک روز حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد شریف میں تشریف لائے تو مسجد شریف میں بارش کی وجہ سے کیچڑ تھی، ایک صحابی کو دیکھا کہ وہ کنکریوں کی جھولی بھر کر مسجد میں ڈال رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ بہترین فرش ہے۔

اس کے بعد حکم صادر فرمایا کہ مسجد کے اندر باہر کنکریاں ڈال دی جائیں۔ ابھی یہ کام مکمل نہ ہُوا کہ آپ کا وصال ہوگیا۔ اس کی تکمیل حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمائی یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں مسجد میں نہ صرف کنکریاں بچھوائیں بلکہ مسجد کو چٹائیوں سے آراستہ فرمایا۔

بدعتِ حسنہ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے احیاء العلوم شریف میں لکھا کہ:

اکثر معروفات ھذہ الاعصار منکرات فی عصر الصحابۃ اذ من عد المعروف فی زماننا من فرش المساجد بالبسط الرقیقۃ وقد کان یعد فرش البواری فی المسجد بدعۃ وکانوا لا یرون ان یکون بینھم وبین الارض حائل[1]

اکثر اسی زمانہ نیکیاں صحابہ کرام کے زمانہ میں برائیاں متصور ہوتی تھیں مثلاً ہم اپنے زمانہ میں مساجد میں فرش فروش بچھانے کو ثواب سمجھتے ہیں حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد میں صرف چٹائیاں بچھانا بدعت کہا کرتے وہ مسجد کی مٹی اور سجدہ کے درمیان کسی شے کا حائل ہونا اچھا نہیں سمجھتے تھے۔

مسئلہ: فقہاء فرماتے ہیں کہ نمازی کے لیے مستحب ہے کہ زمین پر سجدہ کرے۔ سجدے اور زمین کے درمیان کوئی شے حائل نہ ہو نہ چٹائی نہ اینٹ نہ دیگر کوئی شے۔ اس لیے کہ تواضع و انکساری کا تقاضا اسی طرح ہے۔ اس طرح کرنے سے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلاف سے بھی بچاؤ ہوگا اس لیے کہ ان کے نزدیک سجدہ اگر زمین یا زمین کی جنس پر نہ ہو تو نماز مکروہ ہے۔

مسئلہ: اُون کے موٹے گدے اور اسی طرح دیگر ہر قسم کے فروش پر بلا کراہت نماز کا سجدہ جائز ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ فرش یا گدا ایسا سخت ہو کہ اس پر سجدہ کرنے سے ماتھا اور ناک وغیرہ اس کی تہ میں نہ چلے جائیں اس لیے کہ مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے چمڑے کے بنے ہُوئے گدے پر نماز پڑھی تھی۔

مسئلہ: مسجد کو گچ اور سفید مٹی یعنی چونے وغیرہ سے آراستہ کرنا جائز ہے۔ منقول ہے کہ ولید بن عبد الملک نے شام کے خراج کے سہ گنا مال سے جامع مسجد دمشق کی تعمیر کی تھی۔

اعجوبہ بیت المقدس مروی ہے کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے مسجد بیت المقدس کی تعمیر اور اس کی آراستگی پر پُورا زور لگایا یہاں تک کہ مسجد کے قُبّہ کی چوٹی پر کبریت نصب فرمایا اور وُہ اس زمانہ میں ایک بیش بہا اور نادرِ روزگار سمجھا جاتا تھا اور اس کی میلوں تک روشنی نظر آتی ہے یہاں تک کہ بارہ میل کے اندر چرخہ کاتنے والی عورتیں اس کی روشنی میں چرخہ کاتتی تھیں جب بدبخت بخت نصر نے بیت المقدس کو ویران اور برباد کیا تو نہ صرف

---

[1] ہم اہلسنت اس وسعت کو بدعات حسنہ سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کے ہم اور مخالفین سب عامل ہیں لیکن ان بیوقوفوں سے تعجب ہے جو کہتے ہیں کہ بدعت خواہ حسنہ ہو تب بھی حرام ہے لیکن وہ اس پر نہ صرف عمل کرتے ہیں بلکہ اسے اجرِ عظیم سمجھتے ہیں اور نہ صرف ایک بلکہ وہ تہائی دین میں اسی قاعدہ پر چل رہا ہے۔ تفصیل فقیر کی کتاب "العصمۃ من البدعۃ" میں ہے۔

کبریت احمر بلکہ مسجد شریف کا تمام سونا چاندی اور تمام جواہر و لعل اپنے شہر بابل لے گیا۔ اس سامان کو ایک لاکھ ستر اونٹوں پر لادا گیا۔

مسئلہ: مسجد میں روشنی کے قندیل لٹکانا اور دیے، موم بتی وغیرہ جلانا جائز ہے۔

حدیث شریف: جو شخص مسجد میں روشنی کے لیے قندیل لٹکاتا ہے تو اس کے لیے اس وقت تک ستر ہزار فرشتے استغفار کرتے رہیں گے جب تک وہ قندیل نہیں ٹوٹے گا۔ (کذا فی الکشف)

حدیث شریف: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو شخص مسجد میں چراغ جلاتا ہے تو جب تک مسجد میں روشنی رہیگی تو اس کے لیے فرشتے اور حاملین عرش استغفار کرتے رہیں گے۔

فائدہ: حضرت سلیمان علیہ السلام نے مسجد میں ایک ہزار سات سو سونے کے قندیل چاندی کے زنجیروں سے لٹکانے کا حکم صادر فرمایا تھا۔

حکایت مروی ہے کہ مسجد نبوی میں روشنی کے لیے کھجور کی چھال جلائی جاتی تھی۔ جب حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئے تو اپنے ساتھ قندیل اور ایک رسی یعنی بٹ اور تیل ساتھ لائے اور مسجد کے ہر ستون کے ساتھ قندیل لٹکا دیا۔ جب حضور علیہ السلام نے مسجد شریف میں بہت زیادہ روشنی دیکھی تو آپ نے تمیم داری کو دعا دی اور فرمایا: تم نے ہماری مسجد کو روشن کیا اللہ تعالیٰ تمہیں روشن کرے۔ اور فرمایا: بخدا اگر میری لڑکی ہوتی تو میں اس کا تیرے ساتھ نکاح کر دیتا۔

فائدہ: بعض مورخین نے لکھا کہ مسجد میں سب سے پہلے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے قندیل لٹکایا۔ اسی قول کی تائید بعض مفسرین کے اقوال سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا: والمستحب من بدع الافعال تعلیق القنادیل فیھا۔ یعنی بدعت حسنہ کو اپنانا مستحب ہے۔ ان میں ایک یہ ہے کہ مسجد میں قندیل لٹکایا جائے۔ اور یہ کام سب سے پہلے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کیا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ نے لوگوں کو حکم فرمایا کہ نماز با جماعت ادا کریں اور اسکی امامت اُبی بن کعب فرمائیں۔ جب تراویح کی جماعت کا حکم فرمایا تو مساجد میں قنادیل لٹکانے کا حکم بھی صادر فرمایا۔

حضرت علی نے حضرت عمر کو دعا دی جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ مسجدیں بارونق ہیں، حفاظ مساجد میں قرآن شریف سُنا رہے ہیں تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غائبانہ دعا دی کہ اے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ! اللہ تعالیٰ آپ کی قبر کو نور سے بھر دے جیسے آپ نے ہماری مساجد کو روشن فرمایا۔

ازالۂ وہم حضرت عمر بن الخطاب کے متعلق یہ روایت بھی صحیح ہے اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کا قندیل لٹکانا بھی درست۔ اس کی تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمیم داری رضی اللہ عنہ کی رسمِ قندیل کو مزید فروغ بخشا پھر یہ قاعدہ ہے کہ فعل کبھی اصل موجد کے بجائے فروغ دینے والے کی طرف منسوب ہوتا ہے۔

حکایت کسی کو مامون الرشید نے کہا کہ مسجد میں روشنی کے متعلق معقول وجہ بتائیے جبکہ زاید از ضرورت روشنی جلائی جائے۔

وہ شخص کہتا ہے کہ میں حیران تھا کہ مامون کو کیا جواب دُوں، اسی حیرانی میں مجھے نیند آگئی، مَیں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا مجھے کہتا ہے کہ مامون کو کہو کہ مسجد کی روشنی تہجد گزاروں کے لیے موجب انس اور اس سے اللہ تعالیٰ کے گھر سے تاریکی کی وحشت کا دفیعہ مطلوب ہوتا ہے۔ اس پر میں جاگ اُٹھا اور مامون کو یہی وجہ لکھ کر بھیجی۔

مسئلہ: لیکن اتنی زاید روشنی بھی نہ ہو کہ جس سے اسراف کا وہم پیدا ہو جیسے شب برات یعنی ۱۵ شعبان کی شب کو زاید از ضرورت روشنی کا انتظام کیا جاتا ہے یہاں تک اسی رات کا بعض لوگوں نے لیلۃ الوقود (روشنی والی رات) نام رکھ دیا۔

فائدہ: اس کے جواز و عدم جواز اور کراہت اور عدمِ کراہت کا حکم وہی ہے جو مسجد کے نقش و نگار اور اس کے سنوارنے کا ہے بعض فقہاءؒ نے مکروہ کہا اور بعض نے ناجائز۔ (کذا فی انسان العیون للحلبی)

بدعت حسنہ اور اولیاء کرام کے قبہ جات وغیرہ کا ثبوت

حضرت الشیخ عبدالرحمٰن نابلسی[1] قدس سرہٗ نے کشف النور عن اصحاب القبور" میں عرصہ پہلے وہابیوں دیوبندیوں کا منہ بند کر گئے چنانچہ اوّلاً وہ بدعتِ حسنہ کا قاعدہ لکھتے ہیں پھر اسی قاعدہ پر بدعتِ حسنہ کو سنت کا لقب دے کر اہلسنت (بریلوی) کی تائید فرماتے ہیں جسے وہابی دیوبندی نہ مانیں یہ ان کی اپنی بدقسمتی ہے ورنہ یہ سیکڑوں سال پہلے کی بات ہے جسے آج ہم بیان کرتے ہیں تو وہابی دیوبندی فتویٰ سے بدعتی اور مشرک کہلاتے ہیں۔ سیدنا عبدالغنی نابلسی کا ارشاد گرامی ملاحظہ ہو:

ان البدعۃ الحسنۃ الموافقۃ لمقصود الشرع تسمّٰی سنۃ فبناء القباب علی قبور العلماء والاولیاء والصلحاء ووضع الستور والعمائم والثیاب علی قبورھم امر جائز اذا کان القصد بذلک التعظیم فی اعین العامۃ حتی لا تحتقروا صاحب ھذا القبر وکذا ایقاد القنادیل والشمع عند قبور الاولیاء والصلحاء من باب التعظیم والاجلال ایضاً للاولیاء فالمقصد

بدعت حسنہ جو شرع کے مقصود کے موافق ہو اس کا نام سنت ہے، یہی وجہ ہے کہ اولیاء و علماء کے مزارات پر قبہ جات بنانا اور ان کے مزارات پر غلاف ڈالنا اور ان کے سرہانے پگڑی باندھ کر رکھنا اسی طرح ان پر اور کپڑے ڈالنا جائز ہے اس لیے کہ ایسے امور کا مقصد صرف یہی ہے کہ عوام کی نظروں میں اولیاء و علماء کی تعظیم ہو ان کی معمولی قبروں کو دیکھ کر انھیں حقیر نہ سمجھیں اسی طرح ان کے مزارات پر روشنی چراغاں کرنے سے مقصد بھی یہی ہے کہ اولیاء و علماء کا اعزاز و اجلال ہو اس نیت سے ان

---

[1] یہ وہی نابلسی ہیں جو شاہ ولی اللہ کے اجداد اساتذہ سے ہیں ۱۲

فیھا مقصد حسن و نذر الزیت والشمع للاولیاء یوقد عند قبورھم تعظیما لھم و محبۃ فیھم جائز ایضًا لاینبغی النھی عنہ[1]

امور کا کرنا جائز ہے بلکہ مستحسن ہے مزارات کے لیے تیل اور روشنی وغیرہ کی منت ماننا جائز ہے جبکہ اس سے اولیاء و علماء کی تعظیم مطلوب ہو اور یہ امور محبت و عقیدت سے بجالائے جائیں ایسے امور کا روکنا نہایت ناموزوں ہے۔

مسئلہ: مسجد میں داخل ہونا اور بیٹھنا اور اس میں ٹھہرنا اور عبادت کرنا اور ذکر کرنا اور درس و تدریس کا شغل رکھنا اسی طرح کے دیگر امورِ خیر تمام جائز ہیں۔

حدیث شریف: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ تمہیں بہترین عمل بتاؤں جو جہاد سے بھی افضل ہے۔ تمام لوگوں نے عرض کی، بتایئے۔ آپ نے فرمایا کہ مسجدیں بناؤ تاکہ اس میں قرآن اور فقہ اسلامی اور سنّت نبوی کی تعلیم ہو۔ (کذا فی الاسرار المحمدیہ)

مسئلہ: مسجد کو ایسے امور سے بچایا جائے جن امور کے لیے نہیں بنائی گئی یعنی اس میں دنیوی باتیں نہ کرنے دی جائیں۔

حدیث شریف: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد میں دنیوی باتیں نیکیوں کو ایسے کھا جاتی ہیں جیسے سُوکھی لکڑیوں کو آگ یا جیسے گھاس کو جانور کھا جاتے ہیں۔

مسئلہ: مسجد اور مجلس علم میں اور مُردے کے قریب اور گورستان میں اور اذان اور تلاوتِ قرآن کے وقت دنیوی باتیں کرنے سے تیس سال کے اعمال حبط ہو جاتے ہیں۔

حدیث شریف قدسی: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ زمین پر میرے گھر مساجد ہیں اور میرے زائر ان کی تعمیر کرنے والے ہیں، اس بندے کو مبارک ہو جو گھر سے وضو کرکے میرے گھر میں عبادت کے لیے آتا ہے پھر گھر والے کا حق ہے کہ اپنے مہمان کی تعظیم کرے۔

صوفیانہ باتیں

حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عمارت مسجد سے مراد یہ ہے کہ: وافق عبودیت کو آباد کیا جائے لیکن ان کی آبادی بشریت کے اوطان کو برباد اور ویران کیے بغیر ناممکن ہے۔ اسی لیے صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ عابد وہ ہے جو اوطان شہوت کو مٹائے اور زاہد وہ ہے جو بشریت کا تصور بھی ختم کر دے ہر ایک صنف اپنے مقام پر ہے اسی طرح ان کے ایمان کے مراتب بھی مختلف ہیں کسی کا ایمان برہان سے کسی کا بیان سے کسی کا عیان سے، اسی طرح ان کے فضائل کے درجات ہیں، ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں حقیقی معماروں اور سچے زائرین سے بنائے آمین

---

[1] اس موضوع پر اعلحضرت بریلوی قدس سرہٗ نے ایک رسالہ "بریق المنار" لکھا ہے۔

تفسیر عالمانہ ، **شانِ نزول**(۱) اَجَعَلۡتُمۡ سِقَایَةَ الۡحَآجِّ وَعِمَارَةَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ مروی ہے کہ مشرکین مکہ نے کہا حجاج کو حج کے موقعہ پر پانی پلانا اور مسجد حرام کی تعمیر اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور جہاد کرنے سے بہتر ہے کفار حرم مکہ کی نگرانی پر بہت بڑا فخر کرتے اور کہتے کہ ہم اہلِ ایمان سے بہت زیادہ ہیں اور حرمِ مکہ کی ہمسائیگی اور اس کی تعمیر کرنے والے بھی ہم ہیں اُن کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی:۔

شانِ نزول ۲ کاشفی نے لکھا ہے کہ بعض مشرکین مکہ زمانۂ جاہلیت میں حجاج کو زبیب کا نچوڑ یا شہد یا ستو پیش کرتے تھے حضور علیہ السلام کے زمانۂ اقدس میں پانی پلانے کا منصب حضرت عباس کے سپرد تھا اور مسجد حرام کی تعمیر شیبہ بن طلحہ کی ذمہ داری میں تھا۔ ایک دن یہ دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فخریہ طور کہنے لگے کہ سقایہ اور مسجد حرام کی تعمیر کا کام ہمارے سپرد ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمیں دولتِ اسلام اور جہاد نصیب ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تصدیق میں اللہ تعالیٰ نے یہی آیت نازل فرمائی۔

شانِ نزول ۳ مروی ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر شریف کے قریب بیٹھے باہم گفتگو کر رہے تھے۔ ایک نے کہا: مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ حجاج کو پانی پلاتا ہوں اس بڑے عمل کے بعد دوسرے اعمال کی مجھے ضرورت کیا ہے۔ دُوسرے نے کہا کہ مجھے مسجد حرام کی تعمیر کی سعادت حاصل ہے اس بڑے عمل کے بعد مجھے اور کسی عمل کی حاجت نہیں۔ تیسرے نے کہا کہ تمہارے ان اعمال سے جہاد افضل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر شریف کے سامنے آواز بلند مت کرو۔ یعنی ادب کا مقام ہے فلہٰذا اب خاموش رہو تمہاری یہی تمام گفتگو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی جائے گی (یہ جمعہ کا دن تھا) جب ہم نماز سے فارغ ہو جائیں گے تو حضور علیہ السلام کو عرض کریں گے ان کی اس گفتگو پر یہی آیت نازل ہوئی۔ آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اے لوگو مسلمانو! یا مشرکو! تم سقایہ اور تعمیر مسجد کی خدمت اور دیگر امور کو ہجرت اور جہاد اور اسی طرح کے دُوسرے اعمال پر ترجیح دیتے ہو اور سمجھتے ہو کہ سقایہ اور تعمیر مسجد حرام علو درجات اور فضیلت میں۔ كَمَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَجَاهَدَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ؕ اس شخص کی طرح ہیں جو اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان لایا اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کیا۔

سوال: سقایہ اور عمارۃ دونوں مصدر ہیں اور یہ عوارض یعنی معنوی امور ہیں انہیں من اٰمن سے کس طرح تشبیہ دی جا سکتی ہے جبکہ من اٰمن ذوجبد ہیں یعنی معنوی امور کو اشیاءِ محسوسہ سے تشبیہ کیوں دی گئی۔

جواب: سقایہ اور عمارۃ سے پہلے مضاف محذوف ہے۔ یعنی عبارت در اصل اهل السقاية و اهل العمارة تھی۔ اس تقدیر پر محسوسات کو محسوسات سے تشبیہ ثابت ہوئی یا من اٰمن باللہ سے پہلے ایمان مضاف محذوف ہے۔ اس تقدیر پر عبارت یوں تھی سقاية وعمارة کا ایمان من اٰمن باللہ الخ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سقایہ اور عمارۃ المسجد الحرام اگرچہ نیکی کا کام ہیں لیکن۔ ذٰہ مومن کے ایمان وجہاد سے کسی طرح بھی مشابہ نہیں ہو سکتے چنانچہ فرمایا:

لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ یعنی فریق اوّل یعنی مشرکین، فریقِ ثانی یعنی مومنین کے برابر نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں فریق ثانی کا درجہ بلند ہے اس لیے کہ ہر موصوف اپنے صفات سے بلندی پاتا ہے۔ ان دو گروہوں کو غور سے دیکھا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کے صفات ایمان وجہاد اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند مراتب ہیں اس سے نتیجہ نکلا کہ ان کے موصوف یعنی مسلمان کافروں سے افضل ہیں وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ○ اور اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں بخشتا یعنی وہ کافر جو شرک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی کر کے ظالم ہوئے اسی وجہ سے وہ گمراہی میں منہمک ہیں بنا بریں وہ ان لوگوں کی برابری نہیں کر سکتے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت بخشی اور انہیں حق وصواب کی توفیق عطا فرمائی اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یہ جملہ مستانفہ ہے۔

ربط: پہلی آیت میں واضح کیا گیا ہے کہ مومن وکافر کو برابری حاصل نہیں اور ثابت کیا گیا ہے کہ مشرکین گمراہ اور ظالم ہیں۔

یعنی وہ لوگ جو مومن ہیں وَهَاجَرُوْا اور انہوں نے اپنے وطن کو خیر باد کہہ دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو گئے وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور طاعتِ الٰہی میں اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے مقابلہ کیا بِاَمْوَالِهِمْ مجاہدوں پر اپنے اموال خرچ کر کے یعنی اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو زیر کرنے کے لیے اپنے اموال مجاہدوں کے لیے تیار رکھتے ہیں۔ وَاَنْفُسِهِمْ اور جنگ کے میدان میں اپنے نفسوں کو پیش کر کے یعنی وہ حضرات جو ان اوصاف سے موصوف ہیں اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ بہت بڑے مراتب و درجات والے ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں اور بزرگی وکرامت میں یہ حضرات کافروں سے بلند وبالا ہیں، اگرچہ کافروں میں کتنی ہی نیکیاں پائی جائیں منجملہ ان کے سقایہ وتعمیر مسجد حرام بھی ہے تب بھی وہ اہل ایمان کے مراتب ودرجات وکمالات کو کسی صورت میں نہیں پہنچ سکتے۔

سوال: اعظم افعل التفضیل کا صیغہ ہے اس کا تقاضا ہے کہ کافر اللہ تعالیٰ کے ہاں عظیم ہیں حالانکہ کافروں کو اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی قسم کی عزت وعظمت نہیں بلکہ وہ تو اس کے ہاں ذلیل ترین ہیں۔

جواب: چونکہ کفار اپنے خیال پر اپنی عزت وعظمت کے قائل تھے ان کے غلط خیال کے مطابق ایسے فرمایا چنانچہ دوسرے مقام پر اس کی تائید ملتی ہے اصحاب الجنة خیر مستقرا و احسن مقیلا۔ بہشتی لوگ استقرار کے لحاظ سے بہتر اور آرام کرنے کے اعتبار سے احسن ہیں اس آیت میں بھی کافروں کی غلط خیالی کا رد ہے یا یوں کہو کہ یہ افعل التفضیل کے صیغے مطلق معنے پر دلالت کرتے ہیں اس کے جوابات ہم نے اسی تفسیر میں پہلے کسی جگہ پر مفصل عرض کیے ہیں۔

وَاُولٰٓئِكَ اور یہی لوگ جن کے اوصاف اوپر مذکور ہوئے هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○ وہی بہت بڑی کامیابی کے ساتھ مخصوص ہیں یا یہاں پر مطلق کامیابی مراد ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ کامیابی صرف انہی سے منسوب ہے اگر ان کے ماسوا کو کوئی کامیابی حاصل ہوتی ہے تو وہ کالعدم بلکہ ان کی کامیابی کے مقابلہ میں ان کے ماسوا کی کامیابی لاشئ متصور ہوتی ہے۔

فائدہ: ان کے ماسوا سے وہ کفار مراد ہیں جو سقایہ وتعمیر مسجد وغیرہ پر فخر کرتے تھے۔

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ انہیں ان کا رب تعالیٰ دنیا میں رسل کرام علیہم السلام کے ذریعے خوشخبری سناتا ہے بِرَحْمَةٍ بہت

بڑی رحمت کی مِّنۡهُ اپنی جانب سے یہاں پر رحمت سے عذاب آخرت سے نجات مراد ہے وَرِضۡوَانٍ اور کامل خوشنودی وَجَنّٰتٍ اور بہت بلند اور عالیشان باغات نصیب ہوں گے لَّهُمۡ ان کے لیے ان باغات میں نَعِيۡمٌ مُّقِيۡمٌ ۝ دائمی نعمتیں ہیں، یعنی وہ نعمتیں جو انہیں بہشت میں نصیب ہوں گی وہ غیر منقطع ہوں گی خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ وہ لوگ ان میں ہمیشہ رہیں گے اَبَدًا ؕ یہ خٰلدین کی تاکید ہے تاکہ آیت کا مطلب مؤکد اور مزید واضح ہو جائے تاکہ خٰلدین سے کوئی مجازی معنے مراد نہ لے سکے اس لیے کہ خلود بمعنے طویل المکث (دیر تک رہنا) کے بھی آتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عِنۡدَهٗۤ اَجۡرٌ عَظِيۡمٌ ۝ بیشک اللہ تعالیٰ کے ہاں بہشت میں اجر و ثواب اندازہ سے باہر ہے اور یہ محض اس کی رحمت اور اپنا فضل و کرم ہوگا ورنہ وہ دنیوی اعمال کی مزدوری نہیں ہوگی۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے رحمت عاصیوں کے لیے اور رضوان فرمانبرداروں کے لیے اور جنت جمیع اہلِ ایمان کے لیے ہے۔

نکتہ: رحمت کی تقدیم میں اشارہ ہے کہ گنہگار کو رحمت سے ناامید نہ ہونا چاہیے بلکہ گنہگار کو یقین ہو کہ اس کے گناہ اگرچہ عظیم ہیں لیکن اس کی رحمت عظیم تر ہے۔ ؎

گنہ ما بروں ز حد و شمار عفوت افزوں تر از گناہ ہمہ
قطرہ ز آبِ رحمت تو بس است شستن نامۂ سیاہ ہمہ

ترجمہ: ہمارے گناہ حد و شمار سے باہر ہیں لیکن تیری عفو و مغفرت ہمارے گناہوں سے بہت زیادہ ہے۔ تیری رحمت کا تو صرف ایک قطرہ بھی کافی ہے اس ایک قطرہ سے ہمارے تمام گناہ دُھل جائیں گے۔

تفسیر صوفیانہ جیسے کفار و مشرکین بکفر و شرکِ جلی اہلِ ایمان کے اعمال و طاعات کے مساوی نہیں ایسے ہی مشرکین بشرکِ خفی یعنی عوام طاعت گذار بھی مخلصین اولیاء اللہ کے احوال و مقامات کے برابر نہیں ہو سکتے اس لیے وہ زہد و تصوف اور تعرف و تعبد جس میں ریاء و ہوٰی اور اغراض دنیویہ و اخرویہ کی ملاوٹ ہو اہل اللہ کے نزدیک سب بیکار ہے اس لیے کہ یہ خدمت ناقص ہے اس سے کسی قسم کا اچھا نتیجہ ثابت ہوگا جیسے خراب بیج زمین میں ڈالنے سے اچھا پھل پیدا نہیں ہوتا۔ ؎

دنیا داری و آخرت مے طلبی
ایں ناز بخانۂ پدر باید کرد

ترجمہ: دنیادار ہو کر آخرت کا دعویدار رہتا ہے یہ ناز برداری باپ کے گھر میں ہو سکتی ہے۔

خادم و متخادم کا فرق اللہ تعالیٰ کے ہاں سُرخرو ہوسے نہ والا کبھی لوگوں سے یہ طمع نہیں کرتا کہ وہ اس کی قدر و منزلت پہنچائیں۔ اسی لیے صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ خادم و متخادم میں فرق ہے۔ متخادم وہ ہے جو مخدوم کی خدمت میں اپنی خواہش نفسانی کو دخل دے اس کی علامت یہ ہے کہ وہ مخدوم کی خدمت میں اس کی رضا اور رنجش کو مدِ نظر نہیں رکھتا بلکہ وہ اپنی قلبی خواہش کے پیشِ نظر خدمت کرتا ہے پھر خدمت کر کے منتظر رہتا ہے کہ اس کی مدح و ثناء ہو اور خادم ان تمام بیماریوں سے پاک ہوتا ہے۔

زھد کیا ہے

حضرت سری سقطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا،
جمیع مافی الدنیا کے جمیع حظوظ نفسانی کے ترک کا نام زہد ہے۔

ایک روحانی مرض اور اُس کا علاج

حظوظ مالیہ وجاہیہ اس وقت سے پیدا ہوتے ہیں جب بندہ چاہے کہ لوگوں کے ہاں اس کی قدر و منزلت ہو اور چاہتا ہے کہ لوگ اس کی بہت زیادہ تعریف کریں۔

اس کا علاج حدیث شریف میں ہے کہ بندہ لا الٰہ الّا اللہ کہتا ہے تو اس سے غضبِ الٰہی دُور رہتا ہے جب تک دنیا کے کسی نقصان کی پرواہ نہ کرے جس وقت دنیوی نقصان پر ملال کرنے لگتا ہے تو پھر ہزاروں بار لا الٰہ الّا اللہ پڑھے تو جواب ملتا ہے کہ تیرا یہ کلمہ صدقِ دل سے نہیں ہے۔

حکایت

بنی اسرائیل کے ایک نیک بخت نوجوان کو کسی شہزادی ملکہ نے زنا کے لیے اپنے قابو میں لے لیا۔ اُس نوجوان نے کہا کہ مجھے غسل خانہ میں لے چلو تاکہ میں صاف ستھرا ہو لُوں۔ جب اُسے غسل خانہ میں لیجایا گیا تو وہ چوری چھپے کسی اونچے مکان پر چڑھ گیا اور وہاں سے چھلانگ لگائی تاکہ زنا کی لعنت سے بچ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے فرمایا کہ اسے پرُوں پر اٹھا کر زمین پر آرام سے جا کر بٹھا دو تاکہ اسے کسی قسم کی چوٹ نہ آئے۔ چنانچہ ایسے ہوا کہ اُسے فرشتوں نے آرام سے زمین پر پہنچایا۔ شیطان سے کسی نے اس کے متعلق سوال کیا کہ تم نے اسے گمراہ کیوں نہ کیا؟ شیطان نے جواب دیا کہ اللہ والوں پر میری کوئی نہیں چلتی۔

سبق: جو بھی نفس کی خواہشات کے خلاف کرتا ہے اسے یہی مرتبہ نصیب ہوتا ہے کہ اس کی نگرانی خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اور حقیقی جہاد یہی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی رضا میں زندگی بسر کرے۔ اور اس کا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ اسے دنیا و آخرت کے نقصانات سے نجات نصیب ہوتی ہے۔

فائدہ: عارف باللہ حضرات فرماتے ہیں کہ سالک پر لازم ہے کہ وُہ ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقدم رکھے کھانے پینے میں، لباس وغیرہ میں۔ یعنی کپڑے پہنے تو اللہ کی رضا پر کھائے یا پیئے تو اللہ تعالیٰ کی رضا پر اسی طرح نیند کرے تو بھی اللہ تعالیٰ کے لیے۔

حدیث شریف: جو خوشبو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے لگاتا ہے تو قیامت میں آئے گا تو اس کی خوشبو خالص مُشک سے بھی زیادہ معطّر ہو گی اور جو خوشبو اللہ تعالیٰ کی رضا کے بغیر لگاتا ہے تو قیامت میں اس سے مردار سے زیادہ گندی بدبُو آئے گی۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ وہ اپنا ہر قول و فعل اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کرے اپنے نفس کے کنٹرول میں لحہ بھر بھی چشم پوشی نہ کرے اس کی ہر حرکت ہر کلام اللہ تعالیٰ کی رضا پر ہو۔

خلاصہ یہ کہ آیت میں نفس سے جہاد کرنا اور وجود و موجود کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا ضروری ہے۔ نفس متمردہ کے لیے مقام عندیہ میں قرب اسی طرح نصیب ہوتا ہے اور جسے مقام عندیہ کا وصال حاصل ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ خود اس کے لیے اجر بن جاتا ہے

اسے پورے طور پر یاد کر لینا ضروری ہے اس سے غفلت نہ کرنی چاہیے۔

تفسیرِ عالمانہ **شانِ نزول ۱** یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم فرمایا ان میں سے بعض ان لوگوں نے کہا (جو اپنی عورتوں اور اولاد اور رشتہ داروں کی محبت میں مبتلا تھے) کہ ہم آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتے ہیں کہ آپ ہمیں ایسے کام پر مجبور نہ کریں کہ جس سے ہم ضایع ہو جائیں۔ حضور علیہ السلام ان کے حال پر رحم فرماتے ہوئے ہجرت کا ارادہ ترک کرانے پر آمادہ ہوئے تو یہ آیت نازل ہوئی کہ اے ایمان والو! لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اپنے کافر آباء اور بھائیوں کو تم میں نہ بناؤ اَوْلِیَآءَ دوست اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ اگر وہ کفر کو پسند کریں عَلَى الْاِیْمَانِؕ ایمان پر۔ استحبوا کو علی سے متعدی کرنے کا اشارہ ہے کہ یہ اختیار اور حرص کے معنیٰ میں ہے وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ اور جو تم میں ان سے دوستی کرتا ہے لیعنی ان کے کردار (کفر) کو اچھا سمجھتا ہے۔ یہ مَن تبعیضیہ نہیں بلکہ جنسیہ ہے۔ فَاُولٰٓىٕكَ پس وہی دوستی کرنے والے هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ وہی ظالم ہیں اس لیے کہ انہوں نے دوستی کے فعل کو غیر محل میں رکھا گویا باقی ظلم ان کے ظلم کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔

ف: حضرت امام نے فرمایا کہ یہ سورۃ فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی اور یہی صحیح ہے پھر یہ کیسے کہا گیا کہ اس آیت سے ہجرت واجب ہوئی اور سب کو معلوم ہے کہ ہجرت قبل از فتح مکہ واجب ہوئی تھی حق یہ ہے کہ اس آیت سے یہ ثابت کیا جائے کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کی بیزاری کا وجوب اسی آیت سے ثابت ہوا اور آج کے بعد لازم کر دیا کہ رشتہ داروں سے ہر طرح کی دوستی ترک کر دو ظاہراً بھی باطناً بھی اور ان سے تمام تعلقات منقطع کر دو ان کے سامنے اپنے مخفی اسرار کا افشاء بھی نہ کرو اور انہیں یہ بھی نہ کہو کہ کاش ہم ہجرت نہ کر جاتے وغیرہ۔ اس تقریر کی تائید ومن یتولھم منکم فاولئك ھم الظّٰلمون سے بھی ہوتی ہے اس لیے کہ الظّٰلمون بمعنے المشرکون ہے۔

نکتہ: حدادی نے لکھا کہ ان کی دوستی کو کفر و شرک سے اسی لیے تعبیر فرمایا ہے کہ شرعی قاعدہ ہے کہ الراضی بالکفر یکون کافرا۔ کسی کے کفر پر راضی ہونے والا بھی اس کی طرح کافر ہوتا ہے[1]

شانِ نزول ۲ کاشفی نے لکھا ہے کہ جب آیت مذکورہ بالا نازل ہوئی تو ہجرت سے گریز کرنے والوں نے کہا کہ اگر ہم مکہ سے ہجرت کر کے چلے جائیں تو سب سے بڑی خرابی یہ ہوگی کہ ہم اپنے قبائل و عشائر سے جدا ہو جائیں گے

---

[1] اسی قاعدہ کے تحت ہم ان عبارات کفریہ کی وجہ سے موجودہ دیوبندیوں وہابیوں مودودیوں کو خارج از اسلام اور مرتد کہتے ہیں کہ ان کے اکابر کلمات کفریہ اپنی کتابوں میں لکھ گئے ہیں تو یہ لوگ ان عبارات کو صحیح کہہ کر ان کی تاویلات کا دروازہ کھولتے ہیں گویا اس معنے پر وہ ان کی عبارات کفریہ پر راضی ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیے اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کی کتاب "حسام الحرمین" شریف۔ (اویسی غفرلہٗ)

اس وقت ہمارے تجارتی معاملات زوروں پر ہیں اور بسر اوقات بھی اچھی ہے لیکن ہجرت سے یہ تمام امور بگڑ جائیں گے علاوہ ازیں ہمارے ماں باپ نے یہاں زندگیاں بسر کیں اور وُہ اب بھی زندہ موجود ہیں ہم انہیں چھوڑ کر کہاں جائیں۔ یہ سودا ہمارے لیے گھاٹے کا ہے ہجرت کر کے ہم اپنے آپ کو بیکس اور بے بس نہیں بنانا چاہتے ان کی اس غلط پالیسی پر یہ آیت اُتری قُلْ فرمائیے میرے پیارے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم! ہجرت سے گریز کرنے والوں سے اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ اگر ہیں تمہارے آباء و ابناء اور بہن بھائی اور تمہاری عورتیں اور اور تمہارے قریبی رشتہ دار۔ العشیرۃ قریبی رشتہ داروں کو کہا جاتا ہے اس کا مادہ معاشرہ ہے بمعنے مخالطہ۔ وَاَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا اور وہ مال جو تم نے مکہ میں کما کر حاصل کیے۔

نکتہ: مال کو اقتراف سے موصوف کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ اموال انہیں بہت مرغوب تھے اس لیے کہ انہوں نے ان کے حصول میں بہت بڑی جدوجہد کی تھی وَتِجَارَةٌ اور وہ مال و متاع جو تم نے تجارت اور حصول نفع کے لیے خریدا۔ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا جس کے گھاٹے کا تم کو خطرہ ہے یعنی خطرہ کرتے ہو کہ تجارتی اسباب کا نرخ گر جائے تو موسم حج میں انہیں گراں قیمت سے بیچ سکو وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اور تم اپنے ان مکانات سے خوش ہوتے ہو یعنی ان مکانات کو اپنا بہترین سرمایہ سمجھتے ہو کہ ایسے بہتر اور اچھے مکانات اور باغات کہاں اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طاعت سے (کہ انہوں نے تمہیں ہجرت الی المدینہ کا حکم فرمایا) محبوب تر ہیں وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ اور تمہیں جہاد فی سبیل اللہ سے وہی محبوب تر ہیں۔

ف: یہاں اختیاری محبت مراد ہے یعنی وہ محبت جو ان کو کسی دوسری وجہ سے اختیار کرنی پڑی اس سے جبلی محبت مراد نہیں اس لیے کہ یہ تو ہر انسان میں غیر اختیاری ہوتی ہے اور یہ تکلیف شرع کے حکم میں داخل نہیں اس لیے کہ امور تکلیفیہ وہاں ہوتے ہیں جہاں بندے کی قوت و طاقت کو دخیل ہونا پڑے۔

فَتَرَبَّصُوْا یہ شرط کا جواب ہے یعنی پس انتظار کرو حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ یہاں تک کہ لائے اللہ تعالیٰ بِاَمْرِهٖ اپنے حکم کو اس سے جلدی یا دیر کا عذاب مراد ہے اس میں ان لوگوں کو وعید ہے جو اپنی نفسانی خواہشات کو دینی مصلحت پر ترجیح دیتے ہیں وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ○ اور اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا یہاں فاسقین سے وُہ لوگ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طاعت کے برعکس مشرکین کی محبت میں گرفتار ہوئے۔

سبق: یہ وہ سخت وعید ہے کہ جس سے بہت کم لوگ بچ سکتے ہیں ورنہ دور حاضرہ کے زاہدوں عابدوں اور تقویٰ کے دم بھرنے والوں (غلط کار پیروں فقیروں) کے حالات نہایت ناگفتہ بہ ہیں اس لیے کہ ان کا دنیوی معاملہ اگر معمولی طور بھی گھاٹے میں پڑ جائے تو کئی روز تک حیران اور پریشان بلکہ غمگین و حزیں رہتے ہیں لیکن ان سے بڑے بڑے دینی امور ضایع ہو جائیں، تو پروا نہیں۔ یہ ان کے دور کا حال ہے ہمارا دور اس سے بھی نازک تر ہے۔

مسئلہ: آیت میں اشارہ ہے کہ جو شخص طاعت الٰہی پر دنیوی امور اور خواہشات نفسانی کو ترجیح دیتا ہے تو اسے زود یا بدیر عذاب کا انتظار کرنا چاہیے۔

سبق صوفیانہ: اے عزیز! تمہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح کونین سے بے نیاز ہو جانا چاہیے۔ چنانچہ فرمایا: فانھم عدو لی الا رب العٰلمین۔ ان کی سیرت تم نے پڑھی ہے کہ مال مہمانوں پر اور بال بچے راہِ حق میں قربان کر دیئے اور خود کو آتشِ نمرود میں ڈال دیا تا کہ اللہ تعالیٰ سے دوستی کا دم بھرنا صحیح ثابت ہو۔ ؎

آنکس کہ ترا شناخت جانرا چہ کند
فرزند و عیال و خانرا چہ کند

ترجمہ: جس نے تجھے پہچانا وہ جان کو کیا کرے گا بلکہ آل اولاد اور جملہ خاندان کی بھی اسے پروا نہیں رہے گی۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک مجھے اپنی جان اور آل و اولاد اور ماں باپ اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ سمجھے۔ ابن الملک نے فرمایا کہ اس نفی سے کمال کی نفی اور محبت سے بھی اختیاری مراد ہے مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مومن سے فرمائیں کہ کافروں سے لڑ کر شہید ہو جاؤ یا فرمائیں کہ اپنے کافر ماں باپ اور کافر بیٹوں کو قتل کر دے تو اس پر لازم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں کوتاہی نہ کرے اور یقین رکھے کہ دارین کی فلاح و بہبود اسی میں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا جائے اس میں اپنے نفس کی خواہش کو دخیل نہ ہونے دے۔ اس کی مثال اس بیمار کی ہے کہ اسے معلوم ہے کہ دوائی کڑوی ہے اسے طبیعت ہرگز قبول نہیں کرتی لیکن جب طبیب (ڈاکٹر) اسی دوائی کے پینے کا حکم فرماتا ہے تو مریض کو وہی کڑوی دوائی پینی پڑتی ہے اگرچہ اس کی طبیعت اسی دوائی سے متنفر ہے لیکن سمجھتا ہے کہ اسی میں بھلائی ہے۔

سبق: جب ایک معمولی انسان یعنی طبیب (ڈاکٹر) کے فرمان پر اسے اتنا اعتماد ہے تو پھر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی پر کیوں اعتماد نہ ہو جبکہ بحیثیت مسلمان اور ان کے اُمتی ہونے کے اسے یقین ہے کہ وہ خود نہیں فرما رہے بلکہ ان کا فرمان فرمانِ حق ہے۔ اسی لیے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے مقابلہ میں آباء و ابناء کی محبت کیا وقعت رکھتی ہے جب یقین ہے کہ وہ ہمارے لیے ماں باپ سے بھی زیادہ شفیق اور رحیم و کریم ہیں اور ہماری شفقت و رحمت سے انہیں ذاتی طور کوئی غرض بھی نہیں۔

نبی علیہ السلام سے محبت کی علامات کا بیان

حضور علیہ السلام کی محبت کی ایک علامت یہ ہے کہ آپ کی سنت کی نصرت اور آپ کی شریعت پر اعتراضات کی مدافعت کی جائے۔

حکایت منقول ہے کہ احمد بن یحییٰ دمشقی ایک روز اپنی ماں باپ کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا قصہ چل نکلا ان کے والدین نے فرمایا: بیٹے! ہم آپ کو اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے قربان کرتے ہیں

جاؤ دین حاصل کرو۔ احمد بن یحییٰ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی: اے الٰہ العٰلمین! اب بجز تیرے میرا کوئی حامیِ کار نہیں۔ پھر کعبہ میں جا کر خوب روئے۔ اسی طرح چوبیس بار کعبہ کے غلاف کو پکڑ کر بار بار روئے اس کے بعد پھر والدین کی زیارت کے لیے گھر واپس آئے۔ دمشق میں پہنچ کر باپ کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا والد صاحب گھر پر نہیں تھے۔ اندر سے ماں بولی: تو کون ہے؟ اس نے کہا آپ کا بیٹا احمد ہوں۔ بی بی نے کہا: ہمارا ایک بیٹا تھا اسے ہم نے راہِ خدا میں دے دیا ہے تم کون ہو جاؤ ہم احمد، محمود نامی بیٹوں کو نہیں جانتے۔ (کذا قال شیخ الاسلام قدس سرہٗ)

فائدہ: اس سے بی بی کی استقامت کا اندازہ کیجیے۔ ؎

ما ہرچہ داشتیم فدائے تو کردہ ایم　　جانرا اسیر بند ہوائے تو کردہ ایم
ما کردہ ایم ترک خود و ہر دو کون نیز　　دینہا کہ کردہ ایم برائے تو کردہ ایم

ترجمہ: ہمارے ہاں جو کچھ تھا وہ ہم نے تیرے اوپر قربان کر دیا یہاں تک کہ جان بھی تیرے اوپر فدا کر دی ہم نے اپنی خودی مٹا دی بلکہ ہر دو جہانوں کا تصور بھی دل سے ہٹا دیا جو کچھ کیا ہے صرف تمہاری خاطر کیا ہے۔

فائدہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کا عملی ثبوت مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پیش کیا کہ مکہ معظمہ سے کفار و مشرکین کی اذیتوں سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ چلے گئے اور وہ بھی رضائے الٰہی اور حصول اجر و ثواب کے پیشِ نظر پھر واپس اسی شہر کو لوٹنے کے لیے اگرچہ ان کا جی نہیں چاہتا تھا لیکن جونہی انہیں اس شہر کی واپسی کا حکم ہوتا فوراً لوٹ کر ضروریات دینیہ پوری کرتے اور اپنا طبعی اختیار چھوڑ کر تعمیل ارشاد نبوی کو ترجیح دیتے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے دین کی اصلی غرض و غایت یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی محبت سے سرشار ہو کر اپنی استعداد کو محبت الٰہی کے غیر میں صرف کرے گا تو مارا جائے گا اسی کو قرآن کی اصطلاح میں فاسق کہا جاتا ہے مشتق از فسق بمعنے الخروج من محبۃ الخالق الی محبۃ المخلوق۔ یعنی خالق کی محبت کو چھوڑ کر مخلوق کی محبت میں مبتلا ہو جانا اور قاعدۂ تصوف ہے کہ جو شخص اپنے دنیوی امور کی محبت میں محبت الٰہی کی استعداد ضایع کر دے تو اس سے فیض الٰہی کے قبول کرنے کی صلاحیت و اہلیت سلب ہو جاتی ہے اور وہ دائمی طور پر محروموں کی صف میں کھڑا کر دیا جاتا ہے، جب محروموں میں شامل کیا جاتا ہے تو اسے قہر الٰہی گھیر لیتا ہے، چنانچہ فرمایا: واللہ لا یہدی القوم الفاسقین۔ یہاں الفاسقین سے وہی لوگ مراد ہیں جو اپنی فطری استعداد سے محروم ہو بیٹھے یعنی اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو اپنی درگاہ اور فیض جمال کے قبول کرنے کی رہبری نہیں فرمائے گا اس لیے کہ انہوں نے حسنِ استعداد کو ضایع کر دیا۔

زیارتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ہدایات عجیبہ حضرت بشر بن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت نصیب ہوئی مجھے فرمایا: اے بشر تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے معاصرین سے تمہیں بلند قدر کیوں بنایا ہے؟ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

(باقی بر صفحہ آئندہ) ص ۵۰۱

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ

بے شک اللہ نے بہت جگہ تمہاری مدد کی اور حنین کے دن جب تم

اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ

اپنی کثرت پر اترا گئے تھے تو وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اتنی

عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿٢٥﴾ ج

وسیع ہوکر تم پر تنگ ہوگئی پھر تم پیٹھ دے کر پھر گئے

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ

پھر اللہ نے اپنی تسکین اتاری اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر

وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ

اور وہ لشکر اتارے جو تم نے نہ دیکھے اور کافروں کو عذاب دیا اور

ذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ○ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ

منکروں کی یہی سزا ہے پھر اس کے بعد اللہ جسے چاہے گا توبہ

عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٦﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے اے ایمان والو

اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ

مشرک نرے ناپاک ہیں تو اس برس کے بعد وہ مسجد حرام کے پاس

بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ

نہ آنے پائیں اور اگر تمہیں محتاجی کا ڈر ہے تو عنقریب اللہ تمہیں دولت مند

اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۤ اِنْ شَآءَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٨﴾ قَاتِلُوا

کر دیگا اپنے فضل سے اگر چاہے بیشک اللہ علم و حکمت والا ہے لڑو

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ

ان سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور قیامت پر اور حرام نہیں مانتے

مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ

اس چیز کو جس کو حرام کیا اللہ اور اس کے رسول نے اور سچے دین کے تابع نہیں ہوتے یعنی وہ جو

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ○

کتاب دیئے گئے جب تک اپنے ہاتھ سے جزیہ نہ دیں ذلیل ہو کر

۴ ع ۵ ۱۰

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ اے اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تمہیں تمہارے دشمنوں پر غلبہ بخشا اور باوجودیکہ تم

تفسیرِ عالمانہ ضعیف اور کمزور اور گنتی میں بہت قلیل تھے لیکن تمہیں بلندی بخشی فِیْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ جنگوں کے بہت سے مقامات میں۔ مواطن موطن کی جمع ہے، ہر وہ جگہ جہاں انسان اپنے کسی امر کے لیے قیام اختیار کرے۔ ان مواطن سے غزوۂ بدر واحزاب وقریظہ ونضیر وحدیبیہ وخیبر وفتح مکہ مراد ہے وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ اور حنین کے دن۔ اس کا عطف مواطن کے محل پر اور اس کا مضاف محذوف ہے تاکہ مکان کا مکان پر عطف ہو یہ عبارت دراصل یوں تھی: ومکان یوم حنین۔ یا مواطن کثیرہ سے پہلے ایام مضاف محذوف ہے (ایام مواطن کثیرۃ) تاکہ زمان کا عطف زمان پر ہو اور یوم کو حنین کا مضاف اس لیے بنایا گیا ہے کہ یہ جنگ ان دنوں اسی مقام پر ہوئی تھی۔ اس معنی پر یوم حنین بمعنی غزوۂ حنین ہے اس کا دوسرا نام غزوۂ ہوازن ہے اسے غزوۂ اوطاس بھی کہا جاتا ہے اس لیے کہ غزوۂ حنین اسی اوطاس کے مقام پر ختم ہوئی!

مجھے اس کا کوئی علم نہیں۔ آپ نے فرمایا، اس کے وجوہ یہ ہیں:

۱۔ میری سنت کی اتباع

۲۔ نیک لوگوں کی خدمت

۳۔ مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی

۴۔ میرے صحابہ کی محبت

۵۔ میرے اہلبیت کی محبت

تمہیں مبارک ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ابرار ومتقین کی فہرست میں درج فرما دیا ہے۔

فائدہ: صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ محبت ایک بہت بڑا بلند مرتبہ ہے یہ صرف ان حضرات کو نصیب ہوتا ہے، جو قلبِ سلیم سے نوازے گئے ہیں۔

سبق: محبت کی تاثیر بہت عجیب وغریب ہے اور اس کا معاملہ بہت عظیم المرتبہ ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو اس کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر کسی شئے کو ترجیح نہیں دیتے۔ (آمین)

[illegible]

فائدہ : حنین ایک وادی کا نام ہے جو مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان واقع ہے۔

اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ جب تمہیں تمہاری کثرت تعجب میں ڈال رہی تھی یعنی اس جنگ میں تمہاری فوج بہت زیادہ تھی اس سے تم بڑے خوش تھے الاعجاب بمعنی السرور بالتعجب یعنی متعجب ہو کر مسرور ہونا۔ یہ یوم حنین سے بدل ہے۔

فائدہ : حنین کی جنگ میں مسلمان بارہ ہزار تھے ان میں مہاجرین و انصار میں سے بعض وہ حضرات بھی تھے جو فتح مکہ میں موجود تھے اور ان میں دو ہزار طلقاء تھے یعنی وہ اہل مکہ جنہیں فتح مکہ کے موقعہ پر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فدیہ کے بغیر آزاد فرمایا تھا اور مسلمانوں کی یہ جنگ ہوازن و ثقیف کے لوگوں کے ساتھ تھی جو خود چار ہزار افراد تھے سوائے اہل عرب کے دوسرے امدادیوں کے۔

غزوہ حنین کا تفصیلی واقعہ

مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کو اواخرِ رمضان میں فتح کیا تھا یعنی رمضان المبارک کے باقی صرف تین دن رہ گئے تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے ۱۳۔ رمضان المبارک کو مکہ فتح فرمایا اس کے بعد وہیں پر قیام پذیر رہے یہاں تک کہ شوال المکرم شروع ہوا، بروز ہفتہ ۶ شوال المکرم کو غزوۂ حنین کی صبح کو میدان جنگ کی طرف روانگی فرمائی اور مکہ معظمہ میں عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو نماز کی امامت کے لیے مقرر فرمایا اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ یہاں کے لوگوں کو مسائل شرعیہ سمجھاتے رہیں۔

غزوہ حنین کا موجب

جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کو فتح فرمایا تو عرب کے تمام قبائل نے آپ کی اطاعت قبول کرلی۔ صرف ہوازن و ثقیف کے لوگ اکڑ گئے اس لیے کہ یہ لوگ سرکش اور فرعون مزاج تھے پھر انہیں خوف پیدا ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ جنگ کریں گے اسی لیے انہوں نے از خود جنگ کی تیاری شروع کردی اسی خیال پر کہ انہیں حضور علیہ السلام اسلام کی دعوت دیں گے اس سے قبل وہ تیار رہیں چنانچہ تیار ہو کر بغاوت کے طور اعلان کیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اب تک ان لوگوں سے لڑتے رہے جنہیں جنگ کرنے کا سلیقہ نہیں تھا۔ ہمارے ساتھ جنگ لڑینگے تو انہیں معلوم ہوگا کہ کسی سے واسطہ پڑا تھا۔ آپس میں مشورہ کیا کہ مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کے لیے مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے سب کے سب چلو کوئی بھی گھر میں نہ رہے، بلکہ گھروں کی تمام پونجی ساتھ لے جاؤ۔ یہ طے کر کے لشکریوں کی ترتیب دی کہ عورتیں سب کی سب اونٹوں پر سوار لیکن مردوں کے پیچھے پیچھے، عورتوں کے پیچھے بچے اور اونٹ، بکریاں وغیرہ ہوں تاکہ مسلمانوں پر کثرت کا رعب ہو اور ہمارے میں سے کوئی ایک بھی جنگ سے بھاگنے کی کوشش نہ کرے، اور اتنا لڑو کہ تلواریں ٹوٹ جائیں۔ اپنا لشکر تیار کر کے ہوازن تک پہنچے ادھر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جاسوسی کے لیے حضرت عبداللہ بن ابی کو بھیجا یہ کافروں کے لشکر میں گھس گئے اور اُن کے امیر لشکر مالک بن عوف سے سُنا وہ لشکر کو ہدایت دے رہا تھا کہ یاد رکھو اس وقت تم چار ہزار ہو، مسلمانوں پر یکبارگی حملہ کرو یہاں تک کہ تمہاری تلواریں ٹوٹ جائیں۔ یہ خبر سُن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جاسوس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور دشمن کا عزم عرض کر دیا۔ صحابہ کرام نے جب یہ خبر سُنی تو سلمہ بن سلامہ وقسی انصاری نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آج ہم کسی صورت میں مغلوب نہیں ہوں گے اس لیے کہ وہ صرف چار ہزار ہیں اور ہم بارہ ہزار۔ یہ بات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ناگوار گزری۔

فائدہ: بعض مفسرین یہ قول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور بعض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بتاتے ہیں۔ لیکن حضرت الامام صاحب التفسیر الکبیر نے فرمایا کہ ایسا قول حضور علیہ السلام کی شان کے خلاف ہے اس لیے کہ آپ متوکل علی اللہ ہو کر ایسی بات ہرگز نہیں فرماتے کیونکہ آپ کا قلب دنیا اور دنیوی اسباب سے پاک تھا۔

فائدہ: ابن الشیخ نے اپنے حواشی میں لکھا کہ اگر حضور علیہ السلام کی طرف یہ قول منسوب ہو تو کوئی حرج نہیں اس لیے اسباب دنیا پر اعتماد کرنا توکل کے منافی نہیں۔

غزوۂ حنین کی تیاری حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر مبارک دلدل نامی پر سوار ہوئے اور وہ زرہ جسے داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کرتے وقت پہنا تھا، زیبِ تن فرمایا اور علمِ جہاد بلند فرمایا اور جنگ کے جھنڈے مہاجرین و انصار کے ہاتھوں میں تھے بالکل صبح اندھیرے میں حنین کی وادی میں اسلامی لشکر وارد ہوا۔ یہ منگل کا دن تھا، دشمنوں نے اپنے سپاہی غاروں میں چھپائے ہوئے تھے انہوں نے تیراندازی شروع کر دی ادھر مسلمانوں نے جوابی تیر پھینکے سخت لڑائی ہوئی یہاں تک کہ مشرکین شکست کھا کر بھاگے اور ایسے بدحواس ہوئے کہ بچے وہاں چھوڑ گئے لیکن کچھ آگے جا کر انہوں نے اپنے لشکر کو غیرت دلائی، اس پر ان کا لشکر لوٹا اور یکبارگی حملہ کر دیا یہاں تک کہ مسلمانوں نے (سابقہ کلمۂ تعجب کی وجہ سے) شکست کھائی کہ مشرکین کا معمولی حملہ ان پر کامیاب ہو گیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا پس تمہیں تمہاری کثرت نے نہ بچایا۔ الاغناء بمعنے اعطاء ما تدفع بہ الحاجۃ۔ کسی کی ضرورت پوری کرنے کے لیے کوئی شے دینا۔ اب معنیٰ یوں ہوا کہ تمہاری کثرت نے تمہاری ضرورت پوری نہ کی وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ اور زمین باوجود وسیع ہونے کے تمہارے اوپر تنگ ہو گئی۔ مَا مصدریہ اور باء بمعنے مع ہے یعنی تم زمین پر کوئی ایسی جگہ نہ پاتے تھے جس میں تمہیں اطمینان نصیب ہو سکے اس لیے کہ تمہارے اوپر دشمنوں کا رُعب چھا گیا اسی بنا پر تمہاری کیفیت اس شخص جیسی ہو گئی جسے کہیں سکون نہ ملے۔ کسی شاعر نے کہا: ؎

كان بلاد الله وهى عريضة
على الخائف المطلوب كفة حابل

حلِ لغات: حابل بمعنی شکار کی رسّی۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے شہر فراخ ہونے کے باوجود مطلوب خائف کے لیے شکار کی رسّی سے کم نہیں۔

ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝ پھر تم نے کافروں سے پیٹھ پھیر دی، درانحالیکہ تم شکست کھانے والے تھے کہ پھر تم مڑ کر نہیں دیکھتے تھے ولّی ھارباً ای ادبر الادبار الذھاب الیٰ خلف خلاف الاقبال۔ اقبال کے خلاف یعنی کسی کی پیٹھ کے پیچھے چلنا۔

حکایت مروی ہے کہ مکہ کے لوگوں کو جب مسلمانوں کی شکست معلوم ہوئی تو اس سے بعض اہلِ مکہ بہت خوش ہوئے بلکہ مسلمانوں کو جی بھر کر گالیاں دیں یہاں تک کہ صفوان بن امیہ کے بھائی نے اپنی ماں سے کہا کہ آج نبی علیہ السلام کا

جادو ٹوٹا۔ اس وقت اگرچہ صفوان مشرک تھے لیکن اپنے بھائی سے ناراض ہو کر فرمایا: فض اللہ فاك ۔ یعنی اللہ تعالیٰ تیرے دانت توڑ دے ۔ بخدا مجھے قریش سے اتنا پیار ہے کہ اب مجھے اپنے قبیلہ کے لوگ ایک آنکھ نہیں بھاتے ۔

مسلمانوں کی شکست کے بعد کیا ہوا

مسلمانوں کو جب شکست ہوئی تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے رہ گئے ، صرف آپ کے ساتھ آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے خچر کی لگام تھامے ہوئے تھے اور دوسرے ان کے ابن العم حضرت ابوسفیان بن حرب بن عبد المطلب آپ کی سواری کے رکاب پکڑے ہوئے تھے اور آپ اپنی سواری کو مشرکین کی طرف لے جانے کے لیے حرکت دیتے ہوئے فرماتے تھے ؎

انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب

ترجمہ: میں ہوں نبی (علیہ السلام) اس میں کسی قسم کا جھوٹ نہیں میں ہوں عبد المطلب کا صاحبزادہ ۔

شرح شعر ہذا: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شعر بلا قصد پڑھا۔ نیز آپ نے اپنے آپ کو عبد المطلب کا صاحبزادہ ظاہر فرمایا حالانکہ آپ تو حضرت عبد اللہ کے صاحبزادے تھے وہ صرف اس لیے کہ آپ اہل عرب میں اپنے دادا کی طرف منسوب تھے وہ اس لیے کہ عرب میں حضرت عبد المطلب زیادہ مشہور تھے اور حضرت عبد اللہ آپ کی ولادت سے پہلے فوت ہو چکے تھے ، اور آپ نے یہ نسبت فخر کے طور پر بھی نہیں فرمائی کیونکہ فخر کے طور اپنے آباد کا ذکر جاہلیت کی رسوم سے تھا اور آپ تو جاہلیت کی تمام رسوم ختم کرنے آئے تھے چونکہ حضرت عبد المطلب کو حضور علیہ السلام نے ان کی زندگی میں دیکھا تھا اور حضرت عبد المطلب کے حالات اہل عرب میں مشہور تھے ان کی اسی شہرت پر آپ نے اہلِ عرب میں اپنا تعارف کرایا اور بعض باتوں میں نبی علیہ السلام کے معجزات اہل عرب میں مشہور تھے آپ نے وہ بھی سب کو بتائے اور رؤیا کا واقعہ بھی مشہور تھا وہ بھی سب کو معلوم کرایا۔ (کذا فی عقد الدرر واللآلی)

واقعہ رؤیا

حضرت عبد المطلب یعنی حضور علیہ السلام کے دادا نے ایسا خواب دیکھا کہ جس سے خوفزدہ ہو کر اٹھے ۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اس وقت سمجھدار بچہ تھا، میں اپنے والد کی اس حالت سے گھبرایا اور ان کے پیچھے ہو لیا کہ وہ کیا کرتے ہیں ۔ وہ ایک کاہن کے ہاں تشریف لے گئے اسے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا ایک چاندی کی زنجیر میری پشت سے نکلی اس زنجیر کی چار اطراف تھیں اس کی ایک طرف مشرق میں دوسری مغرب میں تیسری شمال میں چوتھی جنوب میں اور اس کی طرف آسمان کی جانب ثریا تک پہنچی ہوئی تھی اسی حالت میں ایک سبز شاخ نورانی نظر آئی اسی اثناء میں مجھے دو بزرگ ملے میں نے ان میں ایک سے پوچھا آپ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا میں نوح نبی علیہ السلام ہوں پھر میں نے دوسرے بزرگ سے پوچھا آپ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا میں ابراہیم نبی علیہ السلام ہوں ۔ کاہنوں نے کہا اگر تمہارا خواب سچا ہے تو تمہارے سے نبی خاتم الانبیاء پیدا ہوں گے وہ ایسے نبی علیہ السلام ہیں کہ جن پر آسمان اور زمین والے سب کے سب ایمان لائیں گے، اور یہ زنجیر دلالت کرتی ہے کہ آپ کے تابعدار و انصار بیشمار ہیں

زنجیر کے سلسلے اور درخت کی ٹہنی کی رجوع دلالت کرتی ہے اور آپ کی نبوت کے احکام ثابت اور آپ کا ذکر کائنات کے ذرہ ذرہ میں ہوگا اور جو آپ پر ایمان نہیں لائیں گے وہ نوح علیہ السلام کی قوم کی طرح تباہ و برباد ہوں گے اور آپ کی ملت ملتِ ابراہیمی کی طرح ظاہر ہوگی۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اسی عبد المطلب کا صاحبزادہ ہُوں جس نے یہی خواب دیکھا تھا اس سے آپ نے فخریہ طور فرمایا، آپ نے اپنی علوِ ہمت اور کمال نبوت کا اظہار فرمایا۔

حنین کا آخری واقعہ

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کافروں پر مسلمانوں کو ابھارتے تھے، مسلمان بھاگتے ہوئے لوٹنے لگے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کو نہ روکتا تو آپ کی سواری مشرکین کے مجمع میں چلی جاتی۔

فائدہ: اس سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ آپ ایسے وقت میں بھی دشمنوں سے نہ ڈرے اس کی محض یہی وجہ تھی کہ آپ کو منجانب اللہ تائید حاصل تھی حضور علیہ السلام نے دُعا مانگی کہ اے اللہ! آج آپ اپنا وعدہ پُورا فرمائیے۔ اس کے بعد حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: بلند آواز سے مسلمانوں کو بلائیے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بہت بلند آواز تھے ان کے متعلق مشہور ہے کہ ایک دن انہوں نے مکہ معظمہ میں بلند آواز سے پکارا تو ان کی آواز سے حاملہ عورتوں کے حمل گر گئے ان کی آواز آٹھ میل تک پہنچ جاتی تھی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے پہلے انصار کو بلایا پھر بیت الرضوان والوں کو پھر سورۃ البقرہ والوں کو۔ اہل سورۃ البقرہ وہ ہیں جو اس سورۃ کو خصوصیت سے حفظ کرتے تھے اور وُہ کہتے تھے کہ جو سورۃ بقرہ و آل عمران کو یاد کر لیتا ہے وُہ ہمارے میں بزرگ ترین ہے ان لوگوں کا ذکر سورۃ البقرہ امن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمومنون میں ہے۔ حضرت عباس کے پکارنے پر مسلمان جوق در جوق لَوٹنے لگے اور کہتے تھے: لبیک، لبیک۔

ثُمَّ اَنۡزَلَ اللّٰہُ سَکِیۡنَتَہٗ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی۔ سکینہ سے وُہ رحمت مراد ہے جس سے قلوب کو سکون ملے اور فتح قریب کے لیئے اطمینان کلی نصیب ہو۔ اگرچہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلق تسکین حاصل تھی لیکن یہاں ایک خصوصی تسکین مراد ہے وَعَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اور اہل ایمان پر اس سے شکست خوردہ وغیرہ تمام اہل ایمان مراد ہیں بہرحال بھاگنے والے لوگ واپس آگئے پھر اہل اسلام کامیاب ہوئے وَاَنۡزَلَ جُنُوۡدًا لَّمۡ تَرَوۡهَا اور ایسا لشکر اتارا جسے تم نے نہیں دیکھا یعنی تم انہیں آنکھوں سے نہ دیکھ سکے جیسے تم ایک دوسرے کو دیکھتے ہو، اس سے وُہ فرشتے مراد ہیں جو لشکری لباس میں ابلق گھوڑوں پر سوار ہو کر آسمان سے زمین پر اُترے جنہیں کافروں نے تو دیکھ لیا اور مسلمانوں نے نہیں دیکھا تھا۔

معجزۂ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ جنگ کی تیاری کو دیکھ کر فرمایا کہ حمِیَ الوطیس اب جنگ کے شعلے بھڑک اُٹھے۔

ف : الوطیس ہر وُہ پتھر کہ جس کے نیچے آگ جلا کر اہل عرب گوشت بھُونتے تھے۔ دراصل الوطیس تنور کو کہا جاتا ہے اور یہ کلمات صرف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنے گئے آپ سے پہلے کسی نے یہ کلمات نہیں پڑھے "حمی الوطیس" شِدَّۃ الحُرُب سے کنایہ ہے۔ جب جنگ شروع ہو گئی تو آپ اپنی سواری سے نیچے اُترے اور اس سے قبل بموقعۂ جنگ اپنی سواری سے کبھی نیچے نہیں اُترے تھے سواری سے اُتر کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کنکریاں دیجئے یا آپ کی سواری زمین کی طرف اتنی نیچے ہو گئی کہ حضور علیہ السلام نے زمین سے خود ہی کنکریاں اٹھالی تھیں اور وہ کنکریاں آپ نے مشرکین کی طرف پھینکیں اور فرمایا، شاھت الوجوہ۔ یہ آپ کا معجزہ تھا کہ لشکرِ کفار میں سے کوئی ایک ایسا نہ تھا کہ جس کی آنکھ میں کنکری نہ پڑ گئی ہو اس کے بعد آپ نے مشرکین سے مخاطب ہو کر فرمایا: انہزموا ورب الکعبۃ۔

فائدہ : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ (عصا سے سانپ بن جانے) سے بہت بڑا تھا اس لیے کہ موسیٰ علیہ السلام کے عصا نے صرف رسیوں اور ڈنڈوں کو نگل لیا اس کا موسیٰ علیہ السلام کے دشمنوں پر کچھ اثر نہ ہُوا اور نہ ہی اس سے دشمنوں کی صفوں میں گڑ بڑ ہُوئی بلکہ بعد کو اور زیادہ موسیٰ علیہ السلام کے باغی و طاغی اور گمراہ ہُوئے بخلاف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معجزہ مبارکہ کے کہ بمجرد کنکریوں کے پھینکنے کے دشمن تباہ و برباد ہُوئے اور ان کی صفوں میں نہ صرف ہلچل مچ گئی بلکہ شکست کھا کر میدانِ جنگ چھوڑ کر بھاگ گئے۔

ف : اس جنگ میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دُعا فرمائی:

اللھم لک الحمد والیک المشتکی وانت المستعان۔

اے اللہ تعالیٰ! تیرے لیے حمد اور تیرے ہاں شکایت ہے اور تُو ہی مددگار ہے۔

آپ سے حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ یہ وُہ دعا ہے جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو دریا عبور کرتے وقت سکھائی تھی۔

فائدہ : علماء کرام کا اختلاف ہے کہ اس موقع پر کتنے فرشتے تھے۔ بعض کہتے ہیں آٹھ ہزار، بعض کہتے ہیں پانچ ہزار، بعض کے نزدیک سولہ ہزار تھے نیز اس میں بھی اختلاف ہے کہ وہ فرشتے غزوۂ حنین میں شریک ہُوئے یا نہ۔ بعض فرماتے ہیں کہ لڑائی میں صرف غزوۂ بدر میں شریک ہُوئے تھے اس وقت اس لیے آسمان سے اُترے تاکہ مسلمانوں کے دِلوں میں نیکی کی باتیں ڈال کر ان کے دل مضبوط کریں اور ان کے زمین پر تشریف لانے سے کافروں پر رعب ہو۔

وَعَذَّبَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اور کافروں کو قتل و قید وغیرہ سے عذاب دے **وَ ذٰلِکَ** جو کچھ کافروں سے ہُوا، **وَجَزَآءُ الْکٰفِرِیْنَ ○** کافروں کو دنیا میں اسی طرح سزا ملتی ہے۔

حنین کی فتح کے بعد

مشرکین حنین سے شکست کھا کر اوطاس میں جا گھُسے اس لیے کہ وہیں پر ان کے اموال اور اہل و عیال مقیم تھے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی سرکوبی کے لیے اوطاس کی جنگ کا امیرِ لشکر اشعریوں کے ابو عامر رضی اللہ عنہ کو بنایا انہوں نے اوطاس میں لشکرِ کفار کو شکست پہنچائی بہت سے مشرکوں کے اہل و عیال کو قیدی بنایا لیکن ان کا امیر مالک بن عوف چوری چھپے بھاگ کر طائف میں ایک مضبوط قلعہ تیار کر کے اس کے

اندر چھپ بیٹھا اگرچہ اس کا تمام اہل و عیال مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔ اسی جنگ میں مسلمانوں کے امیر لشکر یعنی ابو عامر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ مالک بن عوف کو گرفتار کرنے کے لیے حضور علیہ السلام کا لشکر طائف میں پہنچا اور مالک بن عوف اور اس کے ساتھیوں کا محاصرہ شوال کے اخیر تک رہا۔ جب ذیقعدہ کا مہینہ شروع ہوا چونکہ ماہ ذیقعدہ اشہر الحرام سے تھا اسی لیے آپ مالک بن عوف کے محاصرہ کو ترک کر کے بمقام جعرانہ تشریف لائے۔

ف: جعرانہ ایک جگہ ہے جو مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان واقع ہے۔ جعرانہ ایک عورت کا نام تھا اس کی وجہ سے اس مقام کو جعرانہ سے موسوم کیا گیا۔ اس کا اصلی نام ریطہ بنت سعد تھا۔ آیت التی نقضت غزلہا میں یہی جعرانہ مراد ہے۔

تقسیم مال غنیمت از غزوۂ حنین

جعرانہ کے مقام سے ہی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کے لیے احرام باندھا جبکہ آپ یہیں پر تیرہ راتیں مقیم رہے اور فرمایا کہ یہیں سے ستر انبیاء علیہم السلام نے احرام باندھا تھا یہیں پر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین و اوطاس کا مال غنیمت تقسیم فرمایا اور ان دونوں مقامات پر چھ ہزار قیدی اور چوبیس ہزار اونٹ اور بکریاں چالیس ہزار سے زائد اور چار ہزار اوقیہ چاندی مال غنیمت میں حاصل ہوا اسی مال غنیمت سے تالیف قلوب فرمائی کہ ایک ایک مرد کو ڈیڑھ ڈیڑھ سو اونٹ عنایت فرما دیے جب تالیفِ قلوب کے افراد نے مالِ غنیمت لے لیا تو اس کے ہر مخلص مومن کو صرف چار چار اونٹ اور بیس بیس بکریاں عنایت فرمائیں۔

انصار کا اعتراض لیکن عشق و محبت کے رنگ میں

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تالیف قلوب کیلئے بعض کو بہت زیادہ اور مخلصین اہلِ ایمان کو بہت کم مال عنایت فرمایا تو انصار نے کہا:

یا للعجب ان اسیافنا تقطر من دمائہم و غنائمنا ترد علیہم۔	تعجب ہے کہ ہماری تلواریں ان کے خون سے پُر ہیں اور ہماری غنیمتیں بھی ہمارے سے چھین گئیں۔

ان کا یہی مقولہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچایا گیا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جمع فرما کر پوچھا کہ تم نے ایسا کہا ہے چونکہ وہ جھوٹ بولنے کے عادی نہیں تھے اس لیے صاف کہہ دیا کہ ہاں ہم نے کہا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تمہیں یاد ہے کہ تم گمراہ تھے میرے طفیل اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہدایت سے نوازا اور تم نہایت کمزور تھے میرے صدقے تمہیں اللہ تعالیٰ نے عزت بخشی۔ اسی طرح چند ایک احسانات اسلام انہیں بیان فرما کر فرمایا:

اما ترضون ان ینقلب الناس بالشاء والابل وتنقلبون برسول اللہ الی بیوتکم۔	اگر تمام لوگ بکریاں اور اونٹ لے جائیں اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو، کیا تمہیں سودا منظور ہے۔

انصاریوں نے خوش ہو کر عرض کی:

بلیٰ رضینا یا رسول اللہ واللہ ما قلنا ذلک الا محبۃ للہ ولرسولہ۔	یا رسول اللہ! ہم ایسے سودے پہ بہت خوش ہیں بخدا پہلی بات بھی ہم نے بہ بنائے محبت کہی تھی۔

ان کی تصدیق ہیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ و رسولہ یصدقانکم[1] ویعذرانکم۔

واقعی وہ کلمہ تم نے محبت سے کہا اس کی اللہ جل جلالہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کرتے ہیں اور واقعی تم اپنی محبت میں معذور ہو۔

ثُمَّ يَتُوبُ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرماتا ہے عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ جس کی توبہ قبول کرنا چاہے یعنی بتقاضائے حکمت جسے چاہتا ہے اسے اسلام کی دولت سے نوازتا ہے وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ اور اللہ تعالیٰ غفور ہے یعنی سابق زمانہ کے کفر و معاصی سے درگزر فرماتا ہے رَّحِيْمٌ ○ رحیم ہے یعنی اپنے بندوں پر فضل و کرم فرماتا اور ان کے نیک اعمال کی انہیں جزا عطا فرماتا ہے۔

حنین کے باغی مسلمان ہوگئے

حنین کے بعض لوگ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اسلام قبول کرنے کے لیے حاضر ہوگئے۔ جب مسلمان ہوگئے تو عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ خیر الناس وابر الناس ہیں، ہمارے اہل وعیال اور چھوٹے بچے آپ کی قید میں ہیں اور ہمارے مال بھی آپ نے مالِ غنیمت میں لیے ہیں براہِ کرم وہ سب واپس فرما دیجیے۔ حضور علیہ السلام نے انہیں فرمایا تم دیکھ رہے ہو کہ میرے ہاں کچھ باقی نہیں رہا البتہ اگر چاہو تو تمہارے اہل وعیال اور تمہارے بال بچے واپس کر دوں چاہو تو تمہارے مال واسباب لوٹا دوں۔ انہوں نے کہا ماکنا نعدل بالاحساب۔ حسب کی جمع احساب آتی ہے بمعنے وہ امور جو انسان کے فخر و مباہات کا موجب ہیں ان کا بھی اس سے یہی مطلب تھا کہ عورتوں بچوں کا قید میں ہونا ہمارے لیے موجب عار ہے فلہذا مال واسباب نہ ملے تو کوئی حرج نہیں عورتوں بچوں کو آزاد فرما دیجیے تاکہ فخر و مباہات میں نقص واقع نہ ہو اور نہ ہی ان کے قیدی ہونے یا کسی کی غلامی سے ہمیں ذلت و رسوائی ہو۔ ان نومسلموں پر ترس کھا کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک اثر انگیز تقریر فرمائی جن کے پاس ان لوگوں کی عورتیں اور بچے قیدی اور ان کے مال واسباب قبضے میں جا چکے وہ بطیب خاطر انہیں لوٹا دے اگر اس کا دل نہیں چاہتا تو وہ ہمیں بطور قرض دے دے ہم انشاء اللہ تعالیٰ اسے دوسرے کسی موقعہ پر کسر نکال دیں گے تمام صحابہ کرام نے عرض کی: رضینا سلمنا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم بطیب خاطر ان کی عورتیں اور بال بچے اور مال واسباب مفت واپس کرتے ہیں آپ نے فرمایا کیا معلوم تم بطیب خاطر واپس دیتے ہو یا مجبور ہو کر ہم تمہارے ہاں چند تجربہ کار آدمی بھیج کر تمہارے سے نفسیاتی طور اندازہ لگا کر ہمیں تسلی دیں گے تو پھر ہم تمہارے سے یہ پیش کش قبول کریں گے۔ چنانچہ ان تجربہ کاروں کی رپورٹ پر آپ نے ان کی پیشکش قبول فرمائی۔

مالک بن عوف کا مسلمان ہونا

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوازن کے نومسلموں سے پوچھا کہ تمہارے امیر لشکر کا کیا حال ہے؟ عرض کی کہ وہ تو ہوازن سے بھاگ کر طائف میں مضبوط قلعے میں

---

[1] غور کرو مسلمانو! اگر یہی کلمہ برالو یا ہیہ کہے تو اس پر حضور ناراض ہوں وہی کلمہ انصار کے لیے محبت و عشق بن رہا ہے اور حضور علیہ السلام کے علم مافی الصدور کی تصدیق ہوتی ہے۔ تفصیل کتاب "آئینہ دیوبند" میں دیکھیے۔

محفوظ ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا کہ آج بھی اگر وہ مسلمان ہو کر ہمارے ہاں آجائے تو میں اس کے نہ صرف اہل و عیال اور مال بچے اور مال اسباب واپس کروں گا بلکہ الٹا اسے سو اونٹ انعام کے طور پر عنایت فرماؤں گا۔ جب اسے حضور علیہ السلام کی نوازشیں معلوم ہوئیں تو وہ قلعے سے نکل کر چوری چھپے حضور علیہ السلام کی طرف روانہ ہوا صرف اس خطرہ سے کہ اسے ثقیف کے لوگ قید نہ کر ڈالیں یہاں تک کہ دھنا، کے مقام پہ پہنچا اور یہاں سے بمقام جعرانہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا حضور علیہ السلام نے حسبِ وعدہ اسے مال و اسباب اور اس کے اہل و عیال لوٹا دیے اور انہیں ہوازن کا حاکم مقرر فرما دیا یہ وہی مالک بن عوف ہیں جنہوں نے ملک شام فتح فرمایا۔

فوائد: ۱۔ آیت سے ثابت ہوا کہ اس جنگ میں حضور علیہ السلام کا لشکر بہت زیادہ تھا اور جنگی قوت بھی بہت زیادہ رکھتے تھے لیکن جب بعض صحابہ نے اپنی کثرت و قوت پر ناز کیا تو اللہ تعالیٰ نے ناپسندیدگی کا نہ صرف اظہار فرمایا بلکہ انہیں شکست سے دوچار کیا لیکن جونہی انہوں نے عجز و انکسار اور الحاح و زاری کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں قوت بخشی یہاں تک کہ کفار و مشرکین کو شکست فاش ہوئی۔

۲۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو دنیا پر بھروسہ کرے تو وہ دین سے فارغ ہو جاتا ہے اور جب وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر کے دین کو دنیا پر ترجیح دیتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ دین و دنیا کی نعمتوں سے احسن وجوہ سے نوازتا ہے۔

۳۔ اس سے واضح ہوا کہ اگرچہ ظاہری اسباب ظاہری فتح کا موجب ہیں لیکن ان کے لیے بھی فضلِ ربانی کا شاملِ حال ہونا ضروری ہے اسی طرح اعمال و طاعات اگرچہ یہ بھی فتح معنوی کا سبب ہیں لیکن ان میں بھی اللہ تعالیٰ کی ہدایت و توفیق کا ہونا ضروری ہے۔

سبق: سالک کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں عجز و نیاز اور الحاح و انکسار لازم ہے۔

حضرت حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ؎

تکیہ بر تقویٰ و دانش در طریقت کافریست
راہبر گر صد ہزار دارد توکل بایدش

ترجمہ: طریقت میں تقویٰ و دانش پر سہارا کرنا کفر ہے۔ اگرچہ رہبر ہزاروں ساتھ ہوں لیکن پھر بھی توکل ضروری ہے۔

مسئلہ: مومن گناہِ کبیرہ یا صغیرہ کے ارتکاب سے ایمان سے خارج نہیں ہوتا اس کی دلیل یہی مضمون ہے کہ حنین میں بعض صحابہ کرام جنگ سے فرار کی وجہ سے کبیرہ کے مرتکب ہوئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں بدستور مومن کی صفت سے موصوف فرمایا کما قال "ثم انزل السکینۃ علیٰ رسولہ وعلی المومنین" اس لیے کہ ایمان تصدیقِ قلبی کا نام ہے مومن کے دل سے خارج نہیں ہو سکتا جب تک اس کے منافی فعل یا قول کا صدور نہ ہو

فائدہ: گناہ کا ارتکاب چند وجوہ سے ہوتا ہے وہ وجوہ یہ ہیں:

۱۔ غلبۂ شہوت
۲۔ غیرت جاہلیت

۳۔ عار ۴۔ سستی

۵۔ خوف بالخصوص جب اس میں سخت عقاب کا خطرہ ہو۔ ۶۔ معافی کی اُمید

۷۔ عزم علی التوبہ

یہ تمام وجوہ ایمان کے منافی نہیں۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎ بپوشش دامن عفوے بزلت می مست
که آبروئے شریعت بدیں قدر نرود

ترجمہ: مجھ جیسے بدمست کی غلطی پر پردہ پوشی فرمائیے اس لیے کہ میرے جیسے کو معاف فرمانے سے شریعت کی قدر و منزلت کم نہیں ہو جائے گی۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎ پردہ از روئے لطف گو بردار
کہ اشقیاء را امید مغفرتست۔

ترجمہ: لُطف و کرم کا پردہ اٹھا دے اس لیے کہ گنہگاروں کو تیری مغفرت کی امید ہے۔

فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی جنگ میں فرار ثابت نہیں۔

سوال: حدیث شریف میں ہے کہ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مررت برسول الله صلى الله عليه وسلم منهزمًا" اس سے معلوم ہُوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی فرار ثابت ہے۔

جواب: منہزمًا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حال نہیں بلکہ مررت سے ہے۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ہزیمت خوردہ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گزرا یعنی روایت سے سلمہ بن اکوع کی انہزام ثابت ہُوئی نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

نبوت کا گستاخ واجب القتل ہے

حضرت قاضی عبداللہ بن المرابط رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو کہے کہ حضور علیہ السلام بعض غزوات سے بھاگے تھے ایسے کہنے والے کو قتل کر دینا واجب ہے یعنی جب اسے کہا جائے کہ تُو نے نبی علیہ السلام کی گستاخی کی ہے فلہذا تجھے توبہ لازم ہے اگر وہ توبہ سے انکار کرے تو اسے قتل کرنا لازم ہے اس لیے کہ اس بدبخت نے منصب نبوت کے خلاف بات کی ہے اور نبی علیہ السلام کا نقص بتایا اور ان کا عیب ظاہر کیا جبکہ آپ ہر عیب و نقص سے پاک ہیں اور آپ پر ایسی تہمت لگائی جو آپ کی شان کے لائق نہیں تھی اس لیے کہ آپ ہر امر میں بصیرت تامہ رکھتے اور یقین کی ہر اونچی منزل پر تھے اور آپ ہر طرح کی لغزش سے معصوم تھے بالخصوص شجاعت کے معاملہ میں آپ کو اللہ تعالیٰ نے ہر شجاع سے اعلیٰ و اکمل بنایا اور دشمن کے سامنے جراُت مندی آپ پر ختم تھی آپ ہر صفت میں لاثانی اور بے نظیر تھے پھر ان سے شکست کا تصور کسی گندے ذہن میں سما سکتا ہے۔ ؎

شاہی و ملائکہ سپاہست خلق تو عظیم حق گواہست

فائدہ : ذیقعدہ کا مہینہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑی قدر و منزلت رکھتا ہے۔ ہر انسان کو اس میں عبادتِ الٰہی میں جد و جہد لازمی ہے یہ وہی مہینہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو تیس دن روزہ رکھنے کا حکم فرمایا تھا اور فرمایا ان کی تکمیل کے بعد کوہِ طور پر ہمکلامی کے لیے تشریف لانا وہیں پر ہمکلامی کے علاوہ موسیٰ علیہ السلام کو انوار و مشاہدات سے نوازا گیا۔

فائدہ : کعب الاحبار نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام زمانوں کو اپنی محبت کے لیے اختیار فرمایا کہ اشہر الحرام نے اللہ تعالیٰ سے محبت کا دم بھرا انہی اشہر الحرام میں ایک مہینہ ذیقعدہ بھی ہے اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔

ف : ذوالقعدہ کو اس نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ لوگ اس مہینہ میں جنگ سے فارغ ہو کر گھر بیٹھ جاتے تھے۔

حدیث شریف : حضرت قتادہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پوچھا کہ آپ نے اپنی زندگی مبارک میں کتنے عمرے کیے؛ حضرت انس نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے زندگی بھر صرف چار عمرے کیے؛

۱- عمرہ حدیبیہ، یہی عمرہ ذوقعدہ میں ہوا۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیبیہ کے مشرکین نے حج کرنے سے روکا تھا۔

۲- اس کے دوسرے سال کا عمرہ، جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین سے صلح فرمائی۔

۳- عمرۂ جعرانہ، جب آپ نے غزوۂ حنین کا مالِ غنیمت تقسیم فرمایا۔

۴- پھر میں نے سوال کیا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے حج پڑھے؛ حضرت انس نے فرمایا، صرف ایک۔ یعنی ہجرت کے بعد صرف ایک حج پڑھا۔ وہ اس لیے کہ ہجرت سے پہلے متعدد حج پڑھے تھے۔ (کذا فی عقد الدرر و اللآلی وکذا قال صاحب الروضہ)

فائدہ : حضور علیہ السلام کی ہجرت کے نویں سال حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زیرِ نگرانی لوگوں نے حج پڑھا۔ ہجرت کے دسویں سال حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا الوداعی حج ہوا۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہجرت کے بعد حضور علیہ السلام نے صرف یہی ایک حج پڑھا ہاں نبوت سے قبل اور اعلانِ نبوت کے بعد تو بہت حج پڑھے لیکن ان کی صحیح تعداد کسی کو معلوم نہیں۔ البتہ ہجرت کے بعد چار عمرے ثابت ہیں۔

فائدہ : دسویں ہجری کو حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اور گیارھویں ہجری کو حضور علیہ السلام کا وصال مبارک ہوا۔

اے اللہ! ہمارا خاتمہ ایمان پہ فرما اور ہمیں مقامِ اُنس میں جگہ عنایت فرما اور ہمارا ٹھکانا حضرۃ القدس میں ہو۔ آمین۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ اے ایمان والو! بے شک مشرک نجس ہیں۔

حلِ لغات: النجس بفتحتین نجاست کا مصدر ہے۔ مشرکین کو نجاست سے موصوف کرنے میں اشارہ ہے کہ وہ بالکل نجس ہیں۔ ان سے ہر طرح بچنا ضروری ہے، ان سے ہر طرح بیزاری لازمی ہے چہ جائیکہ ان سے دوستی کا دم بھرا جائے۔

فائدہ: حدادی نے فرمایا کہ مشرکین کو نجس سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ وہ پلیدی کی طرح ہیں کہ جس طرح تم پلیدیوں سے احتراز کرتے ہو ان سے بھی احتراز کرو یا اس لیے کہ وہ جنابت و حدوث سے پاک نہیں ہوتے اور نہ ہی نجاستوں سے بچتے ہیں۔ اکثر طور وہ پلید رہتے ہیں اور نجاستوں سے پاک ہونا ان کے طریقے میں داخل نہیں اسی بناء پر ان پر نجاست کا حکم لگایا گیا ہے کہ وہ نجاست حقیقی و حکمی والے ہیں یعنی جس طرح یہ باطنی نجاست ان کے اندر ہے ایسے ہی یہ ظاہری نجاست سے بھی خالی نہیں ہیں۔ باطنی نجاست سے شرک اور ان کے بُرے اعتقاد مراد ہیں۔ اس معنے پر نجس، حسنٌ کی طرح صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ اس تقریر پر نجس سے پہلے ذو مضاف محذوف ماننے کی ضرورت نہیں۔

فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ یہ فاء سببیہ ہے یعنی مشرکین مسجد حرام کے قریب بھی نہ ہوں اس سبب سے کہ وہ نجاست والے ہیں۔ جب وہ مسجد حرام کے قریب جانے کے لائق نہیں تو وہ اس کے اندر کیسے داخل ہو سکتے ہیں۔ مسجد کے قریب نہ جانے کی نہی سے اس میں داخل نہ ہونے کے لیے مبالغہ کیا گیا ہے۔

مسئلہ: تبیان میں ہے کہ مشرکین کو احاطۂ حرم میں داخل ہونے سے منع کرنا ضروری ہے۔ حرم شریف کا احاطہ از جانب مدینہ طیبہ تین میل اور از جانبِ عراق سات میل اور از جانبِ جعرانہ نو میل اور از جانبِ طائف نو میل اور از جانبِ جدہ دس میل ہے۔

بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا اس سال کے بعد اس سے ہجری کا نواں سال مراد ہے یعنی جس سال امیرِ حج حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا گیا تھا۔ اور حجۃ الوداع دسویں ہجری میں ہوا۔ آیت کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے اور یہی امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اس سے مشرکین کو روکا گیا ہے کہ بیت اللہ میں حاضر ہو کر نہ حج پڑھ سکتے ہیں اور نہ عمرہ ادا کر سکتے ہیں۔ اسی قول کی تائید حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول سے بھی ہوتی ہے جبکہ انہیں حضور علیہ السلام نے مشرکین سے معاہدہ توڑنے کا اعلان کرنے کے لیے بھیجا تو اس میں یہ عبارت بھی تھی کہ لا یحج بعد عامنا ھذا مشرك۔ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج پڑھنے نہ آیا۔

مسئلہ: امام اعظم کے نزدیک مشرک کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے نہ روکا جائے اور نہ ہی دوسری مساجد سے۔ چنانچہ الاشباہ میں احکام الذمی میں لکھا کہ مشرک کو مسجد میں داخل ہونے سے نہ روکا جائے اگرچہ وہ جنبی ہو بخلاف مسلمان کے کہ جب وہ جنبی ہو تو اسے مسجد میں داخل ہونے سے روکا جائے۔

مسئلہ: ہمارے نزدیک یہ بھی ضروری نہیں کہ مشرک کسی مسلمان سے اجازت لے کر مسجد میں داخل ہو۔ یہی مسجد حرام کا حکم ہے۔

مسئلہ: اسی الاشباہ میں احکام الحرم میں لکھا کہ کافر مشرک مسجد حرام میں ٹھہر نہیں سکتا البتہ صرف داخل ہونے سے اسے روکا بھی نہ جائے۔

نکتہ: صاحبِ رُوح البیان فرماتے ہیں کہ جنبی کافر کو مسجد میں داخلے سے نہ روکنے اور مسلمان جنبی کو روکنے میں راز یہی ہے کہ کافر

کے اندر معنوی نجاست کفر وشرک اور خبث قلبی موجود ہے۔ جب اس بڑی نجاست کے ہوتے مسجد میں داخل ہونے سے ممانعت نہیں تو حکمی نجاست کی وجہ سے روکنے کا کیا معنیٰ! ہاں اگر اس کے جسم پر ظاہری نجاست پائی جائے تو پھر اسے مسجد کے اندر داخل ہونے سے روکا جائے اس لیے کہ ہم مامور من اللہ ہیں کہ مساجد کو غلاظتوں اور نجاستوں سے محفوظ رکھیں۔

مسئلہ: اسی نقطۂ نگاہ سے چھوٹے بچوں اور پاگلوں کو مسجد میں داخل ہونے سے روکا جاتا ہے اس لیے کہ ان میں اغلب طور نجاست حقیقی پائی جاتی ہے اگر ان میں نجاست حقیقی نہ ہو تو پھر ان کو داخل ہونے دینا مکروہ ہے۔ (کذا فی الاشباہ)

وَاِنۡ خِفۡتُمۡ عَيۡلَةً

شانِ نزول جب کفار ومشرکین کو مسجد کے قریب آنے سے بھی روکا گیا تو بکر بن وائل کے کافر تاجروں نے مکہ معظمہ کے مسلمانوں سے کہا کہ عنقریب تمہیں اس کا مزہ معلوم ہوگا کہ تم ہمیں مسجد حرام سے روکتے ہو تو ہم تمہارے لین دین بند کر دیں گے، تم ہمارے اوپر سختی کرتے ہو تو ہم تمہارے کاروبار کے راستے بند کر دیں گے اور نہ ہی تمہارے ہاں تجارتی مال واسباب آنے دیں گے۔ کفار ومشرکین کی اس جھڑکی سے اہل مکہ متاثر ہوئے اور مسلمانوں کے دلوں میں شیطان نے وسوسہ ڈال دیا کہ جب بکر بن ابی وائل کے لوگ تمہیں تجارتی سامان نہیں بھیجیں گے تو تم کہاں سے کھاؤ گے اور تمہاری معیشت اس سے متاثر ہوگی تم پریشان حال ہو جاؤ گے۔ جب مشرکین تجارتی سامان تمہارے سے روک لیں گے تو تم کیسے کرو گے۔ مسلمان اس کا اعتراف کرتے ہوئے آپس میں کہنے لگے نہ معلوم ہمارا معاملہ کس طرح ہوگا جب مشرکوں نے ہمارے سے تجارتی سامان روک دیا مسلمانوں کے غم کے ازالہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہی آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں سے فرمایا کہ اگر تم فقر سے خوفزدہ ہو یعنی تمہیں خطرہ ہو کہ تم نے انہیں مسجد حرام میں حج سے روکا تو وہ تمہارے سے تمہاری ضروریات زندگی اور امور تجارت کو روک کر تمہیں فقر وفاقہ میں مبتلا کر دیں گے **فَسَوۡفَ يُغۡنِيۡكُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖۤ** تو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے فضل وکرم سے دوسرا دروازہ کھول دیتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ کریمہ یوں پورا فرمایا کہ چند دنوں کے بعد موسلا دھار بارش نازل فرمائی اور اہل مکہ کو مالی خوشحالی اور غلہ سے مالا مال فرما دیا اس کے بعد تبالہ وجرش کے قبائل مسلمان ہو گئے وہ اہل مکہ کے لیے بہت سا غلہ لائے اس کے بعد عجم وعرب کے بے شمار بلاد اور علاقے مسلمانوں نے فتح کیے۔ ان گنت غنیمتیں اہل اسلام کو حاصل ہوئیں اور زمین کے کونے کونے سے مکہ کی طرف لوگ جوق در جوق آنے لگے۔ **اِنۡ شَآءَ** اگر وہ تمہیں غنی کرنا چاہے۔

سوال: اہل اسلام کے غنی کرنے کو مشیت سے کیوں مقید فرمایا حالانکہ یہ وعدہ کے خلاف ہے کہ ایک طرف انہیں فقر وفاقہ سے بےخوف کر دینے کا وعدہ فرمایا پھر اسے مشیت سے معلق فرما دیا۔

جواب ۱: تاکہ اہل اسلام صرف وعدہ موعودہ سے نہ آس لگا کر بیٹھ جائیں بلکہ وہ اپنے کریم کی نوازش سے دل لگائیں اور اپنے مقاصد ومطالب حل کرنے اور آفات وبلیات کے دفعیہ کے لیے صرف اسی کی طرف رجوع کر کے عجز ونیاز کریں۔

جواب ۲: تاکہ اہل اسلام کو معلوم ہو کہ وعدہ کا ایفاء اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں بلکہ یہ عقیدہ رکھیں کہ ایفائے عہد اس کا فضل وکرم ہے کہ اگر چاہے تو پورا فرما دے، نہ پورا کرے تو اسے کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔

جواب ۳: تاکہ معلوم ہو کہ یہ وعدہ موعودہ تمام اشخاص کے لیے نہیں اور نہ ہی کسی مکان وزمان سے مخصوص ہے وہ جب چاہے

جہاں چاہے جس کے لیے جیسے چاہے مختار ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌ بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے مصالح کو خوب جانتا ہے حَکِیۡمٌ۝ دینا نہ دینا اس کی حکمت ہے۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ وُہ کریم بندوں کے مآل وانجام کے مطابق حکم فرماتا ہے اگر کسی کے رزق کا ایک دروازہ بند کرتا ہے تو دُوسرا کھول دیتا ہے ؎

گمان مدار اگر ضائعم تو بگذاری — کہ ضائعم نگذارد مسبب الاسباب
برائے من در احسان اگر تو در بندی — درے دگر بگشاید مفتح الابواب

ترجمہ : مجھے تمہارے ضایع کر دینے کا کوئی خطرہ نہیں اسی لیے کہ مجھے مسبب الاسباب ضایع نہیں چھوڑ دے گا اگر تم مجھ پر احسان کا ایک دروازہ بند کرو گے تو میرا کارساز اور دروازہ کھول دے گا۔

حکایت حضرت ابویعقوب بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حرم شریف میں کئی دنوں تک فقر و فاقہ اور تنگ دستی میں مبتلا رہا یہاں تک کہ بھوک سے نڈھال ہو گیا۔ مجھے نفس نے مشورہ دیا کہ حرم سے باہر کہیں رزق کی تلاش کرنی چاہیے تاکہ یہ ضعف و نقاہت دفع ہو اسی ارادہ پر میں حرم شریف سے باہر نکل پڑا۔ ایک راستہ پر سمندری سیپیوں کے دانے گرے پڑے ملے، میں نے انہیں اٹھا تو لیا لیکن ان کے اٹھانے سے مجھے وحشت نے گھیر لیا اور اور کوئی کہنے والا مجھے کہہ رہا تھا کہ دس دن حرم شریف میں بھوک برداشت کی بالآخر بے صبری کر کے حرم شریف سے باہر نکلا تو مجھے ایسا سمندری سیپ ملا جو اندر سے گلا سڑا اور بدبودار ہے میں نے اسے پھینک دیا اس کے بعد مسجد حرام شریف کے اندر اطمینان و سکون سے بیٹھ گیا تھوڑی دیر گزری میرے ہاں ایک مرد آ کر بیٹھا اور ایک توشہ داں میرے آگے رکھ دیا اور فرمایا یہ آپ کے لیے ہے میں نے پُوچھا میری تخصیص کیسی۔ اس نے کہا کہ ہم دس دن دریائی سفر میں رہے۔ ایک دن کشتی غرق ہونے لگی ہم سب نے منت مانی کہ یہاں سے بسلامت دریا کے کنارے لگ گئے تو صدقہ و خیرات غرباء و مساکین کو دیں گے اور میں نے منت مانی کہ اگر ہم سلامت بچ گئے تو یہی توشہ دان حرم شریف کے ایسے آدمی کو پیش کروں گا جسے میں سب سے پہلے دیکھوں گا میں حرم شریف میں داخل ہوا تو میری نگاہ سب سے پہلے آپ پر پڑی فلہذا میرا نذرانہ قبول فرمائیے میں نے اسے کہا کہ اسے کھولیے۔ اس نے توشہ دان کو کھولا تو اس کے اندر کیک یعنی میدے کی سفید روٹی اور سفید شکر و دیگر اشیاء خوردنی تھیں میں نے اس سے ضرورت کی چند چیزیں اٹھا لیں اور اسے کہا کہ اسے اپنے بچوں پر تقسیم کر دیجئے یہ میری طرف سے آپ کے بچوں کے لیے ہدیہ ہے۔ اس کے چلے جانے کے بعد میں نے دل میں کہا کہ میرا رزق تو دس دن سے میرے لیے مقدر ہو چکا تھا میں خواہ مخواہ حرم شریف کے باہر بھٹکتا پھرتا رہا۔ حضرت صائب نے فرمایا ؎

فکر آب و دانہ در کنج قفس بے حاصلست
زیر چرخ اندیشہ روزی چرا باشد مرا

ترجمہ : آب و دانہ کا فکر پنجرے میں بے سُود ہے اس لیے کہ آسمان کے نیچے مجھے روزی کا کوئی فکر نہیں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس وقت تک مرفوع القلم بنایا ہے جب تک اس کے قالب کی تکمیل نہیں ہوتی یعنی سنِ بلوغ تک وہ آزاد رہتا ہے اور اسی اثناء میں قالب کعبۂ قلب کے گرد طواف کرتا رہتا ہے اور قوائے عقلیہ و روحانیہ سے فیض پاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قبل بلوغ اگر ماحول گندہ ہے تو وہ دنیا اور اس کی خواہشات میں گرفتار ہو کر بعد بلوغ عبدالدنیا ہو جاتا ہے۔ شرک و کفر اس کی طبیعت میں گھس جاتا ہے۔ اگر کسی کامل کی صحبت نصیب رہی تو سنِ بلوغ تک قالب کی تکمیل کے ساتھ روحانی تربیت کی طرف دل لگ جاتا ہے۔ سنِ بلوغ کے وقت شہواتِ نفسانیہ کا ظہور ہوتا ہے اسی وقت سے بندے کو احکامِ شرعیہ کا مکلف بنایا جاتا ہے اور اسے حکم ہوتا ہے کہ قلب کو نفس کی اتباع سے بچانا اور اس وقت سے اسے یہ بھی حکم ہوتا ہے کہ وہ اپنے نفس سے جہاد کرے اور اسے قلب کے حرم میں داخل نہ ہونے دے تاکہ کعبۂ قلب نفس کی نجاسات سے ہو کر اسے اوصافِ ذمیمہ میں مبتلا نہ کر دے۔ جب قلب سے نفس اور اس کی دُور رکھنے کا حکم ہوا تو قلب کو خطرہ محسوس ہوا کہ لذات سے بالکلیہ محروم کر دیا جاؤں گا تو اللہ تعالیٰ نے اسے ان لذات سے مستغنی کر دیا کہ اس پر واردات ربانیہ اور شواہد و کشوف رحمانیہ سے نوازا گیا۔ ان لذات نفسانیہ کو ایسے عطیات و انعامات سے ذرہ بھر بھی نسبت نہیں اور اِنْ شَآءَ میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں سوائے اس کی مشیت کے کسی کو نصیب نہیں ہوتیں (کذا فی التاویلات النجمیہ)

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا، ؎

سکندر را نمی بخشند آبے
بزور و زر میسر نیست ایں کار

ترجمہ، سکندر کو آب حیات نہیں بخشتے اور یہ کام زور اور زر سے حاصل نہیں ہوتا۔

قَاتِلُوا اے مسلمانو! جنگ کرو **الَّذِيْنَ** ان لوگوں سے **لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ** جو اللہ تعالیٰ پر اس طرح ایمان نہیں لاتے جیسے اس کی شان کے لائق ہے مثلاً یہود مُثنّیہ (دو خدا ماننے والے) اور نصاریٰ ثلثہ (تین خدا مانتے) ہیں۔ اس معنی پر ان کا ایمان لانا نہ لانے کے برابر ہے **وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ** اور آخرت کے دن پر بھی اس طرح ایمان نہیں لاتے جیسے اس پر ایمان لانا چاہیے۔ مثلاً یہودی کہتے ہیں کہ بہشت میں نہ کھانا ہے نہ پینا۔ اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ آخرت کی زندگی روحانی ہے۔ اس معنی پر ان کا آخرت کو ماننا نہ ماننے کے مترادف ہے اس لیے کہ ان کے اصول ہی ایسے غلط ہیں جو سراسر باطل ہیں۔ ان کے اصول کو نہ ایمان سے رابطہ صحیح ہے نہ آخرت سے کامل واسطہ ہے۔ اور مومن کامل وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو اس کی شان کے لائق مانتا ہے اور اس کی تنزیہہ و تقدیس کا قائل ہے اور آخرت کو جسمانی اور روحانی اور اس کی نعمتیں بھی صوری و معنوی دونوں طرح مانتا ہے اس لیے کہ جسم کو جسمانی نعمتیں لائق ہیں اور روح کو روحانی۔ اسی لیے انہیں ان کے لائق نعمتیں ملنی لازم ہیں۔ ہر شئے کو اپنے مناسب حال و مقام نعمتوں کا حصول ہو **وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ** اور جو کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کرنا چاہتے ہیں وہ حرام نہیں کرتے یعنی جن امور کی تحریم کا ثبوت وحی متلو یعنی کتاب اللہ اور وحی غیر متلو یعنی سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے جیسے دم مسفوح و لحم الخنزیر و خمر وغیرہ وغیرہ۔ **وَلَا يَدِيْنُوْنَ**

دِیْنَ الْحَقِّ دین الحق، یدینون کا مصدر (مفعول مطلق) یا اس کا مفعول بہ ہے۔ اور لا یدینون بمعنے لا یعتقدون ولا یقبلون ہے اور الحق صفت مشبہ بمعنی الثابت ہے اور دین کا حق کی طرف مضاف ہونا اضافۃ الموصوف الی الصفۃ کے قبیل سے ہے اس لیے کہ یہ دراصل ولا یدینون الدین الحق تھا یہاں پہ دین الحق سے اسلام مراد ہے اس لیے کہ وہ حق اور ثابت ہے اور باقی تمام ادیان منسوخ اور اب غیر ثابت ہیں۔

ف: قتادہ نے فرمایا کہ یہاں الحق سے ذاتِ حق مراد ہے۔ یعنی وہ کافر و مشرک اللہ تعالیٰ کے دین کو قبول نہیں کرتے جس کا نام اسلام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کا تعارف خود فرمایا کہ ان الدین عند اللہ الاسلام۔

مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ بیانیہ ہے اور الکتٰب سے تورات و انجیل مراد ہیں۔ یہ الذین لا یؤمنون کا بیان ہے **حَتّٰی** غایت کے لیے ہے **یُعْطُوا الْجِزْیَۃَ** یہاں تک کہ جزیہ قبول کرکے اسے ادا کریں۔

سوال: آیت میں اعطاء الجزیۃ کا بیان ہے تم نے قبول جزیہ کی شرط کہاں سے نکالی ہے۔

جواب: کفار سے جنگ بندی اعطاء جزیہ پر موقوف نہیں بلکہ قبول جزیہ پہ موقوف ہے۔ الجزیۃ بروزن فعلۃ جزا دینیہ کے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کا قرضہ ادا کرے اور اصطلاحِ شرع میں کافر کی ہر وہ ادائیگی جو اس پہ معاہدہ کے وقت مقرر کی جائے اور اسے جزیہ سے بھی اسی لیے تعبیر کرتے ہیں کہ اس کا ادا کرنا واجب ہے یا اس لیے کہ وہ ذمی کو کفایت کرتا ہے یعنی ذمی کو اس کی ادائیگی لازمی اور ضروری ہوتی ہے وہ ذمی سے اس لیے کفایت کرتا ہے کہ وہ جب جزیہ قبول کرلیتا ہے تو وہ مسلمانوں کی امان میں آجاتا ہے اسی وجہ سے وہ قتل سے محفوظ ہوجاتا ہے۔ گویا اس جزیہ نے اسے قتل سے کفایت کرلی۔

عَنْ یَّدٍ ان یعطوا کی ضمیر سے حال ہے بمعنے مسلمین بایدیھم الخ یعنی جزیہ کی ادائیگی خود بخود کریں دوسروں کے ذریعے یا ان کے کہنے پر ادا نہ کریں یہی وجہ ہے کہ جزیہ کی توکیل ممنوع ہے یا اس کا معنی عن ید مطیعۃ غیر ممتنعۃ ہے یعنی مطیع و فرمانبردار ہو کر ادا کریں۔

مسئلہ: جب جزیہ مانگنے میں جبر و اکراہ کی نوبت آجائے تو عقد ذمہ باطل ہو کر اس وقت ان کا قتل و قتال روا ہو جاتا ہے اس تقریر پر عن ید سے ان کی فرمانبرداری اور اطاعت مراد ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے اعطی فلان بیدہ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کے سامنے سر جھکاتے اور اس کی فرمانبرداری قبول کرے۔ اور اسے عن ید سے اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ جب کوئی کسی شے کے دینے سے انکار کرتا ہے یا اپنے ہاتھ سے نہیں دیتا بخلاف مطیع کے کہ جب وہ کسی کو کچھ دینا چاہتا ہے تو وہ اپنے ہاتھ سے دیتا ہے یا ید سے غنا اور دولت مندی مراد ہے اسی وجہ سے اسلام نے کافر فقیر اور اس محتاج سے جزیہ معاف فرمایا ہے جو روزی نہیں کما سکتا یا ید بمعنے انعام ہے یعنی کافر کا جزیہ ادا کرنا اس پر انعام بایں معنی ہے کہ جزیہ سے ہی ان کی زندگی کو رونق نصیب ہوئی۔ اگر جزیہ نہ ادا کرتا تو قتل و قتال سے ذلیل و خوار ہوتا اس معنی پر اس لیے جزیہ بہت بڑی نعمت ٹھہری، یا ید سے ید قاھرہ متولیۃ علیم مراد ہے اور "ید قاھرۃ" اسلام ہے۔ اس معنے پر عن سببیہ ہو گا جیسے

لیسمنون عن الاکل و الشرب یعنی کھانے پینے کی وجہ سے موٹے تازے ہو جاتے۔ وَهُمْ صَاغِرُونَ ۝ در انحالیکہ وہ ذلیل وخوار ہوں۔ چنانچہ اسلام نے ان کی ذلت وخواری کا اظہار یوں فرمایا کہ انہیں حکم تھا کہ جزیہ خود بخود اور پیدل چل کر ادا کرنے آئیں اور جب خلیفۂ اسلام کو ادا کریں تو غلاموں کی طرح نہایت الحاح وزاری سے پیش کریں اور خلیفۂ وقت جزیہ لیتے وقت اسے کہے کہ اے ذمی، اے اللہ تعالیٰ کے دشمن! جزیہ ادا کر۔

فائدہ: کافر کی تین اقسام ہیں:

۱۔ ان سے اس وقت تک جنگ جاری رہے گی یہاں تک کہ مسلمان ہو جائیں جیسے مشرکین عرب اور جمیع مرتد۔ اسلام کی مشرکینِ عرب کے متعلق تو یہی دلیل کافی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان میں تشریف لائے اور انہیں معجزات دکھائے لیکن وہ ایسے بدبخت تھے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کے لیے تُل گئے اس لیے ان کا کفر افحش ہوگا اور چونکہ مرتدین سے اس لیے جنگ ضروری ہے باوجودیکہ انہیں اسلام کے محاسن سے اطلاع دی گئی لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ اسی بنا پر ان کا کفر اقبح ہوگا اور سزا بھی جنایت کے مطابق ہوتی ہے۔ ایسے بدبختوں سے جزیہ نہیں لیا جاتا اس لیے کہ جزیہ تخفیف کو چاہتا اور یہ لوگ تخفیف کے مستحق نہیں۔

۲۔ ایسے کفار جن سے جنگ جاری رکھی جائے یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں یا جزیہ ادا کریں۔ ان سے یہود و نصاریٰ اور مجوس مراد ہیں۔ یہود و نصاریٰ کے لیے دلیل یہی آیت ہے اور مجوس کے لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجوسیوں سے اہلِ کتاب جیسا معاملہ کرو یعنی ان کی عورتوں سے نکاح نہ کرو اور نہ ان کا ذبیحہ کھاؤ۔

۳۔ وہ کافر جو نہ اہلِ کتاب ہیں اور نہ مجوس اور نہ مشرکینِ عرب سے، جیسے ترک و ہند کے پرست۔

مسئلہ: ایسے کافروں سے جزیہ لینا جائز ہے۔ یہی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے اصحاب کا مذہب ہے اس لئے کہ جزیرۂ عرب کے غیروں میں دو دینوں کا اجتماع جائز ہے اور یہ لوگ جزیرۂ عرب کے غیر ہیں۔

مسئلہ: فقیر ہنرمند سے بطور جزیہ کم از کم بارہ درہم لینے چاہییں، وہ بھی ہر درہم ایک مہینے میں۔ یہ اسی فقیر کیلئے ہے، جو اکثر سال صحیح اور تندرست ہو کر کاروبار کرتا ہے۔

مسئلہ: اگر اکثر یا نصف سال بیمار رہتا ہے تو اس سے جزیہ معاف ہے۔ متوسط حال سے چوبیس دراہم سال میں اور ہر ماہ میں دو درہم۔ اور دولت مند کافروں پر سال میں اڑتالیس دراہم، ہر ماہ میں چار درہم لیے جائیں۔

مسئلہ: فقیر اور کمانے سے عاجز شیخ فانی، لنگڑا، نابینا، نابالغ لڑکا، عورت اور وہ راہب جو لوگوں سے میل جول نہیں رکھتا، پر جزیہ لازم نہیں، ان سے اس لیے جزیہ معاف ہوا کہ اصلی غرض جزیہ سے یہی تھی کہ ان کافروں کو کفر سے زجر و توبیخ اور اسلام کی ترغیب ہو اور دوسرے اس لیے کہ ان کے کفر پر جزیہ قتل کے قائم مقام ہے اور چونکہ یہ قتل کے اہل نہیں ان پر جزیہ نہیں علاوہ ازیں جب جزیہ ان کے اصل پر مقرر ہوگیا تو ان کے تبع انہی میں شامل ہو گئے۔

بقیہ برصفحہ ۵۲۱ پر

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ نِ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ

اور یہودی بولے عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصرانی بولے مسیح اللہ کا

ابْنُ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ج يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ

بیٹا ہے یہ باتیں وہ اپنے منہ سے بکتے ہیں اگلے کافروں کی سی بات بناتے

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ط قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ز اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۰﴾

ہیں اللہ انہیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ

انہوں نے اپنے پادریوں اور جوگیوں کو اللہ کے سوا خدا بنا لیا

اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ج وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا

اور مسیح بن مریم کو اور انہیں حکم نہ تھا مگر یہ کہ ایک اللہ کو

وَّاحِدًا ج لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ يُرِيْدُوْنَ

پوجیں اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں اسے پاکی ہے ان کے شرک سے چاہتے ہیں کہ

اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ

اللہ کا نور اپنے منہ سے بجھا دیں اور اللہ نہ مانے گا مگر اپنے

نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ○ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ

نور کا پورا کرنا پڑے برا مانیں کافر وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت

بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ

اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے پڑے

كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ

برا مانیں مشرک اے ایمان والو بیشک بہت پادری

الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ

اور جوگی لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں اور

يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ
اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور وہ کہ جوڑ کر رکھتے ہیں سونا
وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ
اور چاندی اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں خوشخبری سناؤ
بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۴﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى
دردناک عذاب کی جس دن وہ تپایا جائیگا جہنم کی آگ میں پھر اس سے
بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ
داغیں گے ان کی پیشانیاں اور کروٹیں اور پیٹھیں یہ ہے وہ جو تم نے اپنے لیے
لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ○ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ
جوڑ کر رکھا تھا اب چکھو مزا اس جوڑنے کا بیشک مہینوں کی گنتی
عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ
اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں اللہ کی کتاب میں جب سے اس نے
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ
آسمان اور زمین بنائے ان میں سے چار حرمت والے ہیں یہ سیدھا دین ہے
الْقَيِّمُ ۙ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وقفہ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ
تو ان مہینوں میں اپنی جان پر ظلم نہ کرو اور مشرکوں سے ہروقت لڑو
كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۶﴾
جیسا وہ تم سے ہروقت لڑتے ہیں اور جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے
اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
ان کا مہینے پیچھے ہٹانا نہیں مگر اور کفر میں بڑھنا اس سے کافر بہکائے جاتے ہیں
يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ
ایک برس اسے حلال ٹھہراتے ہیں اور دوسرے برس اسے حرام مانتے ہیں کہ اس گنتی کے برابر ہو جائیں

اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ

جو اللہ نے حرام فرمائی ہے اور اللہ کے حرام کیئے ہوئے حلال کرلیں ان کے بُرے کام ان کی آنکھوں میں بھلے لگتے ہیں اور اللہ

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۳۷ ع

کافروں کو راہ نہیں دیتا

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ۨابْنُ اللّٰهِ اور یہودیوں نے کہا کہ عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔

تفسیر عالمانہ

ف : عزیر کو تنوین کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور یہ مبتدا اور ابن اللہ اس کی خبر ہے اور عزیر کی تنوین حذف نہ کرنے میں اسی طرف اشارہ ہے کہ وہ مبتدا ہے اس کا مابعد اس کی صفت نہیں۔

ف : حضرت عزیر علیہ السلام بن شرحیا — لاوی بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ ان کا نسب حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ چودھویں پشت میں ملتا ہے۔

فائدہ : حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنا یہودیوں کے قدماء کا عقیدہ تھا اس کے بعد یہ عقیدہ اخلاف میں منقطع ہوگیا۔ اسی لیے اب وہ اس عقیدہ سے انکار کرتے ہیں لیکن ان کا انکار ہمارے لیے مضر نہیں اس لیے کہ قرآن مجید نے ان کے اسلاف کا عقیدہ بتایا ہے۔ اگر ایک گروہ اس کا انکار کرتا ہے تو کیا حرج ہے اس لیے کہ بہت سے عقاید اسلاف میں ایسے تھے جو ان کے نزدیک ممدوح لیکن اخلاف کے نزدیک مذموم ہیں۔ (کذا فی بحر العلوم)

عزیر علیہ السلام کا قصہ

جب بخت نصر بابلی بادشاہ نے بیت المقدس پر حملہ کرکے بنی اسرائیل کے خون سے ہولی کھیلی ان کے علماءِ کرام کو چُن چُن کے قتل کرایا چونکہ اس وقت حضرت عزیر علیہ السلام صغر سن تھے لیکن تھے تورات کے حافظ۔ اس نے انہیں معمولی بچہ سمجھ کر قتل نہ کیا۔ اس کے بعد بنی اسرائیل میں کوئی ایسا باقی نہ رہا تھا جسے تورات یاد ہو۔ اور بخت نصر بیت المقدس کو ویران کرکے اپنے علاقہ بابل کو چلا گیا اور ساتھ ہی بقایا بنی اسرائیل کو قید کرکے ساتھ لے گیا ان میں حضرت عزیر علیہ السلام بھی تھے۔ جب حضرت عزیر علیہ السلام نے بخت نصر کی قید سے رہائی پائی تو گدھا پر سوار ہوکر واپس اپنے گھر تشریف لارہے تھے تو راستہ میں دجلہ کے کنارے ہرقل کی دیر میں فروکش ہوئے۔ تمام شہر کا گشت لگایا اس میں کوئی انسان نہ ملا۔ باغات پھلوں سے لدے ہوئے تھے۔ آپ نے بھوک مٹانے کے لیے میوے توڑے اور پیاس بجھانے کے لیے انگور نچوڑ کر پیا۔ میوہ جات اور انگور کے نچوڑ کا بقایا اپنے سامان میں محفوظ کرلیا تاکہ سفر میں بوقتِ ضرورت کام آئے۔ جب بیت المقدس سے گزرے تو فرمایا "یہ ویران بستی بھی کبھی آباد ہوسکتی ہے"۔ یہ آپ نے قادرِ مطلق کی قدرت پر شک کرکے نہیں بلکہ بطور تعجب کے کہا۔ اس پر حضرت عزیر علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ

بقیہ ص۵۲۳

بقیہ ص۳۱۷ سے آگے

سوال: بعض بے دین اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام نے کفار پر جزیہ مقرر کر کے اپنی عزت گھٹا دی اس لیے کہ معمولی ٹکے کافروں کے اسلام کا بدلہ کیسے بن گئے۔

جواب: ہم ان سے جزیہ اس لیے نہیں لیتے کہ ہم ان کے کفر پہ راضی ہیں بلکہ یہ جزیہ ان پر سزا کے طور مقرر ہے تاکہ انہیں معلوم ہو کہ وہ اگر کفر پہ نہ ہوتے تو وہ اتنا ذلیل وخوار نہ ہوتے۔ یہ اسلام کی دُور اندیشی اور فراخدلی کا ثبوت ہے کہ وہ اپنے مخالف پر جبر واکراہ اور تشدد کا قائل نہیں اور اسے مہلت اسی لیے دی گئی ہے کہ وہ اسلام کی اچھائی وبرائی میں سوچ بچار کر سکے پھر جب اسے مفت مہلت دینا جائز ہے تو پھر اس سے ذلت وخواری کی نیت پر جزیہ لینا کیوں نا جائز ہو۔

مسئلہ: حکام اور قوت وطاقت رکھنے والوں پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی حدود سے متجاوز نہ ہوں اس لیے کہ ظلم مطلقاً ناجائز ہے کیونکہ ظلم کا وبال نہ صرف ظالم کی طرف لوٹتا ہے بلکہ ظلم کی نحوست کا اثر دوسروں پر بھی پڑتا ہے۔

حدیث شریف: پانچ اعمال سے پانچ سزائیں لازم ہیں:

○ سودخوری عام ہوگی تو زمین میں دھنسنا اور زلزلے عام ہو جائیں گے۔
○ جب حکام ظلم کریں گے تو رحمت کی بارشیں بند ہو جائیں گی۔
○ جب زنا کی کثرت ہوگی تو موت کی کثرت ہوگی۔
○ جب زکوٰۃ کی ادائیگی بند ہو جائے گی تو جانوروں میں قلت ہوگی۔
○ جب اہلِ ذمہ پر زیادتیاں شروع ہو جائیں گی تو دولت سمٹ کر انہی کے پاس چلی جائے گی۔ (کذا فی الاسرار المحمدیہ لابن فخر الدین الرومی رحمہ اللہ تعالیٰ) ؎

جملہ دانند کہ اگر تو نگردے
ہرچہ می کاریش روزے بدروے

ترجمہ: سب کو معلوم ہے اگر تمہیں اعتبار نہ ہو وہ یہ کہ جو کچھ بوؤ گے وہی اٹھاؤ گے۔

صاحبِ روح البیان نے فرمایا کہ ہم ۱۰۹۴ھ سے تا حال یعنی ۱۱۰۱ھ تک دیکھتے چلے آ رہے ہیں کہ بلاد رومیہ اور دریائے اسود وابیض تک اہلِ اسلام پر کفار کا غلبہ ہے اس سے قبل ایسا ہمارے اسلاف نے نہ دیکھا ہوگا اور نہ معلوم اس دور کے بعد کیا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے جو چاہے کرے یہ نحوست صرف اسی لیے ہے کہ ہمارے دور میں مسلمانوں اور ذمیوں پر ظلم ڈھائے گئے جس کی نحوست جھوٹے بدعمل مسلمانوں کے نصیب ہوئی۔ اور یہ بھی منجملہ ان کی ذلت وخواری کے ہے اور ہم نے آنکھوں سے دیکھ لیا ہے (اور ظاہر ہے کہ "شنیدہ کے بود مانند دیدہ" عربی مقولہ مشہور ہے لیس الخبر کالمعاینۃ۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں اہل حق سے لاحق فرمائے اور ارض مقدسہ میں داخل ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

تفسیر صوفیانہ

اللہ تعالیٰ نے اہل حق پر دنیا اور اہل دنیا پر دنیا کی محبت حرام فرمائی ہے۔ اس لیے کہ دنیا کی محبت ہر برائی کی سرتاج ہے کفار نے چونکہ دین کے بدلے دنیا کو اختیار کیا اسی لیے ان پر جزیہ لازم کر دیا گیا اور نفس امارہ کافر کا جزیہ یہ ہے کہ اس کی طبیعت کے خلاف کیا جائے تاکہ وہ شریعت کے احکام اور طریقت کے آداب کے ماتحت ذلیل وخوار ہو کر زندگی بسر کرے۔ اسی لیے سالک پر لازم ہے کہ وہ نفس سے ہر وقت جہاد کرے اور اسے ایسا ذلیل وخوار کرے وہ روح کے ملک عزت ودولت کی طرف لوٹنے پر مجبور ہو جائے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

آنچہ در فرعون بود اندر تو ہست — لیک اژدہات محبوس چہ ست

آتشت ہیزم فرعون نیست — زانکہ چوں فرعون اورا عون نیست

ترجمہ: وہ جو فرعون میں تھا وہ تم میں بھی ہے صرف فرق یہ ہے کہ تمہارا اژدہا کنویں میں ہے۔ تیرے پاس لکڑیاں تو ہیں لیکن اس میں آگ نہیں اسی لیے کہ فرعون کی طرح تمہیں طاقت نہیں۔

سبق: یہی نفس کا حال ہے کہ یہ فرعونی طبع رکھتا ہے اسی لیے اسے ذلیل وخوار رکھنا ضروری ہے یہاں تک کہ نفس اپنے دعاوی کو گم کر دے اور اسے حقیقی عزت نصیب ہو اسی مقام پہ پہنچ کر نفس فانی اور مطمئن ہوتا ہے اس وقت اسے اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر جھکانے اور فرمان ماننے کی اہلیت وصلاحیت پیدا ہوتی ہے۔

بقیہ صفحہ ۵۲۰ سے آگے

نے نیند طاری فرما دی اور وہ نیند کی حالت میں سو سال تک وہیں پر کالیٹ آرام فرماتے رہے۔ اسی طرح آپ کے گدھے کو بھی حقیقی موت واقع فرما دی۔ چونکہ آپ کے ساتھ میوہ اور انگور کا نچوڑ تھا وہیں پر محفوظ رہا جہاں آپ آرام فرما رہے تھے، وہیں سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی آنکھیں دیکھنے سے اندھی کر دیں یہاں تک کہ سو سال تک آپ کو کسی نے نہ دیکھا۔ سو سال کے بعد زندہ ہوئے اور آپ کا گدھا بھی تو اسی گدھے پر سوار ہو کر اپنے گھر پہنچے تو نہ وہ نقشہ نہ وہ لوگ۔ نہ یہ اہل محلہ کو پہچانتے ہیں نہ اہل محلہ انہیں اپنی برادری کے متعلقین کے حالات سے آگاہی فرمائی تو آپ کو اپنا صاحبزادہ ملا جو اس وقت ایک سو اٹھارہ کے بوڑھے اور کئی پوتوں پرپوتوں کے دادا تھے اور ایک نابینا بوڑھی عورت نہایت کمزور جو چل پھر نہ سکتی تھی اس کی عمر ایک سو بیس سال تھی وہ حضرت عزیر علیہ السلام کی کنیزوں میں سے تھی۔ جب عزیر علیہ السلام ان سے جدا ہوئے تھے اس وقت اس بی بی کی عمر صرف بیس سال تھی۔ آپ نے حالات کا جائزہ لے کر اعلان فرما دیا کہ میں عزیر ہوں مجھے اللہ تعالیٰ نے سو سال فوت کر کے پھر زندہ فرمایا ہے۔ بڑھیا نے کہا کہ عزیر علیہ السلام مستجاب الدعوۃ تھے، وہ بیماروں کو تندرست بنا دیتے اور مصیبت زدہ لوگوں کو خوشحال فرما دیتے تھے اگر آپ واقعی عزیر علیہ السلام ہیں تو میرے لیے دعا فرمائیے تاکہ میں بینا ہو کر تمہیں دیکھوں اور اپنی آنکھوں سے دیکھ کر تمہیں پہچان

---

[1] جسے فاماتہ اللہ سے اللہ تعالیٰ نے تعبیر فرمایا ہے وہاں پر موت بمعنے نیند ہے جیسا کہ روح البیان جلد ۱ صفحہ ۴۰۹ تحت آیت وقالت الیہود عزیر ابن اللہ لکھا کہ فالقی اللہ تعالیٰ علیہ النوم ونزع منہ الروح وبقی میتا الخ چونکہ نوم بمنزلہ موت کے ہوتی ہے اسی لیے اسے موت سے تعبیر کیا گیا ۱۲

سکوں۔ حضرت عزیر علیہ السلام نے دُعا فرمائی اور بی بی کی آنکھوں پر رحمت بھرا ہاتھ پھیرا تو وہ بی بی انکھیاری ہوگئی۔ اس کے بعد عزیر علیہ السلام نے بڑھیا کے ہاتھ پکڑ کر اسے فرمایا: قومی باذن اللہ۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اٹھ کھڑی ہو۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے وہ بی بی تندرست ہو کر کھڑی ہوگئی اور غور سے دیکھ کر کہا میں گواہی دیتی ہوں کہ واقعی آپ عزیر علیہ السلام ہیں۔ حضرت عزیر علیہ السلام کے صاحبزادے نے کہا کہ میرے والد ماجد کے دونوں کاندھوں کے درمیان ہلالی شکل کا ایک تل تھا آپ اپنے کاندھے سے کپڑا ہٹائیے تاکہ ہم اس کی پہچان کرلیں، آپ نے اپنے کاندھے سے کپڑا ہٹایا تو ہلالی شکل کا تل بھی موجود تھا۔

فائدہ: سدی وکلبی نے کہا کہ جب بخت نصر نے بیت المقدس کو برباد کیا تو اس نے تورات کو بھی جلا دیا تھا۔ تورات کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ کا وعدہ بھی نہیں تھا اور نہ ہی عزیر علیہ السلام کے پاس اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی ہدایت کے لیے کوئی سبب تھا اس وقت عزیر علیہ السلام نے دعا مانگی کہ انہیں تورات کا علم نصیب ہو اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں خوب روئے تو اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ بھیجا جس کے ہاتھ میں پانی کا پیالہ تھا وہ عزیر علیہ السلام کو پلا دیا۔ اس کی برکت سے آپ کو تورات مکمل طور پر یاد ہوگئی۔ اس کے بعد عزیر علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مبعوث فرمایا ہے تاکہ میں تمہارے لیے تورات کے احکام کی تجدید کروں۔ انہوں نے کہا پہلے ہمیں تورات سُنائیے۔ آپ نے انہیں تمام تورات زبانی سُنا دی۔ بنی اسرائیل کے ایک مرد نے کہا کہ میں نے اپنے باپ دادا سے سُنا تھا کہ تورات فلاں انگور کے درخت میں مدفون ہے اسے نکال کر عزیر علیہ السلام کی پڑھی ہُوئی تورات سے مقابلہ کرو۔ چنانچہ اس مدفونہ تورات کو اسی انگور کے درخت سے نکالا گیا اور عزیر علیہ السلام سے سُنا تو اس کے ایک حرف میں بھی فرق نہ پایا گیا اس پر ان میں بعض بیوقوفوں نے کہہ دیا کہ عزیر اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے۔ (معاذ اللہ) اس لیے کہ یہ کتاب اللہ کی ہے تو اس نے اپنی کتاب اپنے بیٹے کو ہی یاد کرا دی ہے۔ اسی بنا پر متقدمین یہودیوں کا عقیدہ ٹھہرا کہ عزیر اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے۔

وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ اور نصرانیوں نے کہا کہ مسیح (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے۔

ف: یہ قول بھی نصاریٰ کے بعض کا ہے انہوں نے بھی عیسیٰ علیہ السلام کے لیے خدا کا بیٹا ہونے کا دعویٰ اسی لیے کیا کہ کوئی لڑکا باپ کے بغیر پیدا نہیں ہوتا، اور چونکہ عیسیٰ علیہ السلام باپ کے بغیر پیدا ہوئے ہیں بنا بریں وہ خدا تعالیٰ کے بیٹے ہوں گے۔ دُوسرا یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام مادر زاد اندھوں کو انکھیارا اور برص والے کو تندرست اور مُردوں کو زندہ کرتے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ اس لیے کہ ایسے خدائی کام خود خدا کر سکتا ہے یا اُس کا بیٹا۔

ذٰلِكَ یہ اشارہ یہودیوں اور نصرانیوں کے مذکورہ بالا گندے عقیدے کی طرف ہے **قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ** ان کا یہ قول بناوٹی ہے اس پر نہ ان کے ہاں کوئی برہان ہے نہ حجت۔ یہ صرف منہ سے ایسے ہی کہہ دیا ہے۔ مہمل کلمہ کی طرح اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

ف: حدادی نے فرمایا کہ ان کا یہ قول ایسا ہے جو صرف لفظوں تک محدود ہے اسے معنے سے کوئی تعلق نہیں اس لیے کہ

وہ خود معترف ہیں کہ اس دعویٰ کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں اور ان کو یہ بھی اعتراف ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی زوجہ نہیں۔ جب ان دونوں کا انہیں اعتراف ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹے کا وجود کیسے۔

یُضَاهِئُوْنَ یضاھی بمعنی یُشَابِهُ یعنی ان کا قول کفر و شناعت میں مشابہ ہے **قَوْلَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ** ان کافروں کے قول سے جو ان سے پہلے گزرے ہیں اس سے وہ مشرک مراد ہیں جو کہتے کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں **قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ** اللہ تعالیٰ انہیں تباہ و برباد کرے یہ ان سب کی تباہی و بربادی کی دعا ہے اس لیے کہ جسے اللہ تعالیٰ قتل کرے وہ تباہ و برباد کرے گا اس میں لازم کا ذکر کر کے ملزوم مراد لیا گیا ہے اس لیے کہ یہاں پر حقیقی معنے مراد لینا محال ہے نیز ممکن ہے کہ یہاں ان کے اس گندے عقیدے پر تعجب کا اظہار کیا گیا ہو۔ اگرچہ اس کے اصلی معنے کی بجائے مجازی معنیٰ مراد لیا جا سکتا ہے **اَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ ○** کہاں پھیرے جا رہے ہیں یعنی یہ حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف کس طرح منتقل ہو رہے ہیں حالانکہ باطل کی طرف جانے کی کوئی راہ ہی نہیں یہ استفہام تعجب ہے **اِتَّخَذُوْٓا** یہودیوں نے بنا رکھا ہے **اَحْبَارَهُمْ** اپنے علماء کو احبار۔ حبر (بالکسر) کی جمع ہے یہی فصیح تر ہے اور حبر کو اس لیے اس لفظ سے مبہم کرتے ہیں کہ وہ اپنے علم کو سیاہی سے بہت زیادہ لکھتا ہے یا چونکہ معانی احسن وجوہ سے بیان کرتا ہے اسی لیے اسی نام سے موسوم ہوا۔ یہ یہود کے ان علماء کا لقب ہے جو ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھے **وَرُهْبَانَهُمْ** اور نصاریٰ نے اپنے راہبوں کو بنا رکھا ہے۔ یہ راہب کی جمع ہے۔ ہر وہ شخص جس کے دل میں رھبة خوف و خشیت الٰہی گھر کر چکی ہو جس کے آثار اس کے چہرے اور زبان سے نمایاں ہوں اور اس کی شکل و صورت واضح کرے کہ واقعی اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہے ایسے شخص کو راہب کہا جاتا ہے۔ لیکن اب نصاریٰ کے ان پادریوں کا لقب بن گیا جو ان کے عقاید و مسائل کے عالم اور ان کے گرجوں کے اندر رہ کر عبادت میں مصروف رہتے ہوں **اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اللہ تعالیٰ کے سوا ان یہود و نصاریٰ نے رب بنا رکھا ہے۔ یہ تشبیہ بلیغ کے قبیل سے ہے یعنی یہ اپنے پادریوں اور راہبوں کی فرمانبرداری میں ایسے سر دھنتے ہیں جیسے غلام اپنے آقا کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہے جن اشیاء کو وہ حرام بتاتے ہیں یہ صرف انہی کو حرام اور جن اشیاء کو وہ حلال کہتے ہیں یہ صرف انہی کو حلال سمجھتے ہیں اور ان کا حال یہ ہے کہ جن اشیاء کو اللہ تعالیٰ نے حرام بتایا یہ اسے حلال اور جن اشیاء کو اس نے حلال فرمایا یہ حرام کہتے ہیں۔

حدیث شریف: کسی شے کو حرام کرنے والا ایسے ہے جیسے حرام شے کو حلال کہنے والا یعنی دونوں کی سزا برابر ہے۔

مسئلہ: حلال کو حرام اور حرام کو حلال سمجھنا کفر محض ہے یہ ایسے ہے جیسے کوئی کہے کہ دودھ حرام ہے۔ اس میں اور اس دوسرے قائل میں کوئی فرق نہیں جو کہتا ہے کہ شراب اور خنزیر حلال ہے وغیرہ وغیرہ۔

وَالْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ ۚ اس کا عطف اربابًا من دون اللہ پر ہے یعنی انہوں نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو بھی رب اور معبود بنا رکھا ہے جبکہ اس سے قبل یہ کہتے رہے کہ وہ خدا تعالیٰ کا بیٹا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی شان بلند ہے کہ اس کا کوئی شریک یا اس کا کوئی بیٹا ہو۔

ف : اِتخذوا کی ضمیر ہردو یعنی یہود و نصاریٰ کی طرف لوٹتی ہے چونکہ یہاں التباس کا کوئی خطرہ نہیں ہے اسی لیے دونوں کی ایک ضمیر لائی گئی ہے۔

وَمَآ اُمِرُوْٓا حالانکہ ان کافروں کو تورات و انجیل اور عقل کی روشنی سے حکم نہیں ہے **اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا** مگر یہ کہ وہ صرف اسی معبودِ عظیم الشان کی عبادت کریں اور اسی کے احکام کی اطاعت کریں۔ اس کے غیر کی اطاعت سے انہیں روکا گیا ہے اس لیے کہ اس کے غیر کی اطاعت اس کی عبادت کے لیے مخل ہے اور اس قاعدہ پر تمام کتب سماویہ متفق ہیں۔

سوال : تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی فرض سمجھتے ہو حالانکہ اطاعتِ رسول بھی تو غیر اللہ کی اطاعت میں شامل ہے

جواب : اطاعتِ رسول کا حکم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان کی اطاعت بھی درحقیقت اطاعت[1] الٰہی ہے۔ **لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ** اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ یہ اللہ کی دوسری صفت ہے۔ **سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ** ○ اللہ تعالیٰ پاک ہے اس سے جو اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔ یہ مَا مصدریہ ہے یعنی اسے دوسروں کے ساتھ شریک ٹھہرانے میں منزہ سمجھنا ضروری ہے۔ نہ عبادت میں اس کا کوئی شریک ہے نہ اطاعت میں۔ **يُرِيْدُوْنَ** اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) **اَنْ يُّطْفِـُٔوْا** بجھانا چاہتے ہیں **نُوْرَ اللّٰهِ** اللہ تعالیٰ کے نور کو، یعنی قرآن مجید جو توحید و تنزہ عن الشرکاء و الاولاد و دیگر احکام کا حکم فرماتا ہے اس کی وہ تردید و تکذیب کرتے ہیں منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حلال کردہ کو حرام اور اس کی حرام کردہ اشیاء کو حلال قرار دیتے ہیں **بِاَفْوَاهِهِمْ** اپنے منہ سے یعنی ایسی باطل اور گندی تاویلیں ان کے منہ سے نکلتی ہیں جو کسی طرح سے بھی احکامِ خداوندی اور عقلِ سلیم کے مطابق نہیں اور نہ ہی وہ کسی قانون و قاعدہ اور ضابطہ کے تقاضا پر ہیں **وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ** یہ استثناء مفرغ من الموجب اس لیے ہے کہ اس کا معنی نفی کا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا کوئی ارادہ نہیں مگر وہ یہی چاہتا ہے کہ اس کے نور کا اتمام اعلائے کلمۃ التوحید و اعزاز دین الاسلام سے ہو **وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ** ○ لَوْ کا جواب محذوف ہے اس لیے کہ اس کا ماقبل اس کے جواب کے محذوف ہونے پر دلالت کرتا ہے اور اس جملہ کا عطف جملہ متقدمہ پر ہے جو اس سے قبل محذوف ہے اور وہ ہردونوں محلاً منصوب حال ہیں اب عبارت یوں ہوگی کہ لا یرید اللہ الا اتمام نورہ ولو لم یکرہ الکافرون ذٰلک بل ولو کرھوا۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نور کی تکمیل چاہتا ہے اگرچہ کافروں کو ناگوار گزرے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کو نور کی تکمیل ناگوار ہے۔ خلاصہ یہ کہ کافروں کی دونوں حالتوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے نور اللہ کی تکمیل ضروری ہوگی۔

---

[1] پرویزی و چکڑالوی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے منکر ہیں ان کا رد ہوگیا۔ اسی طرح وہابیہ وغیرہ کا بھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات میں رخنہ اندازی کرتے ہیں انہیں معلوم ہو کہ ہم وہ کمالات و اختیارات بھی حقیقۃً خدا تعالیٰ کے سمجھتے ہیں۔

قاعدہ: جملہ اولیٰ ایسے مقامات پہ قانونی طور اس لیے محذوف ہوتا ہے کہ جملہ ثانیہ اس کے محذوف ہونے پر دلالت واضح طور دلالت کرتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب کوئی شے کسی مانع کے باوجود بھی مستحق ہو جائے تو بوقت قرینہ تو بطریق اولیٰ ہے کہ وہ متحقق ہو تو ایسے مقام پہ اس کا محذوف ہونا مضر نہیں۔ ؎

چراغے را کہ ایزد بر فروزد
کسے کش پف کند سُبلت بسوزد

ترجمہ: وہ چراغ جسے اللہ تعالیٰ روشن کرے اسے پھونک مار کر جو بجھائے گا اس کی اپنی مونچھیں جل جائیں گی۔

هُوَ الَّذِیْٓ وہ ذات جو نورِ الٰہی یعنی دین اسلام کے اتمام کا ارادہ رکھتی ہے وہ ہے **اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ**۔

تفسیرِ عالمانہ بھیجا ایسے رسول علیہ السلام کو جو ملتبس ہیں **بِالْهُدٰی** ہدایت کے ساتھ یعنی انہیں وہ قرآن عطا ہوا ہے جو متقین کو ہدایت دیتا ہے **وَدِیْنِ الْحَقِّ** اور دین حق کے ساتھ اس سے دین اسلام مراد ہے **لِیُظْهِرَهٗ** تاکہ غالب کرے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو **عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ** تمام اہلِ ادیان پہ یہاں مضاف محذوف ہے یا دین حق تمام ادیان کو منسوخ کر دے جیسا کہ حکمت الٰہی کا تقاضا ہو **لِیُظْهِرَهٗ** کی لام ارسل رسولہٗ کے سبب موجب کے اثبات کے لیے ہے۔ شرعاً یہ لام حکمت و سبب کی اور عقلاً علت کی ہے اس لیے اشاعرہ کا مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال **مُعَلَّلَةٌ بِالْاَغْرَاضِ** نہیں ہیں۔ ہاں غایات جلیلہ کے مستتبع ہو کر ان کا صدور ہوتا ہے گویا غایت کا ترتب اس کے ثمرہ کے مطابق ہوتا ہے جیسے غرض کو کسی امر کے لیے ہونا چاہیے **وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ** ○ اگرچہ مشرکین کو دین اسلام کا غلبہ ناگوار ہو۔

سوال: کفر کے بعد شرک کی کیا ضرورت ہے۔

جواب: تاکہ انہیں تنبیہہ ہو کہ رسول علیہ السلام اور ان کے دین سے عناد بھی کفر بعد کفر ہے۔

فائدہ: ابن الشیخ نے فرمایا کہ دین اسلام کا غلبہ تدریجاً ہوگا اور قیامت کے قرب میں اس کی تکمیل ہوگی یعنی جب عیسٰی علیہ السلام آسمان سے زمین پر نازل ہوں گے تو ان کی تشریف آوری کے بعد مکمل طور دینِ اسلام کا غلبہ ہوگا۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب عیسٰی علیہ السلام آسمان سے زمین پہ تشریف لائیں گے تو ان کے زمانہ میں تمام ادیان مٹ کر رہ جائیں گے اُن کے دور میں صرف دینِ اسلام کا دور دورہ ہوگا۔

فائدہ: بعض علماء فرماتے ہیں کہ دین اسلام کا غلبہ حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کے ظہور کے وقت ہوگا اس لیے کہ ان کے ظہور کے وقت تمام لوگ خود بخود دین اسلام میں داخل ہو جائیں گے یا پھر خراج کی ادائیگی پہ مجبور ہوں گے۔

حدیث شریف: دین اسلام کے معاملہ میں شدت اور دنیا کے امور میں ڈھیلا پن اور لوگوں کے بخل میں اضافہ ہوتا رہے گا اور قیامت شریر لوگوں پر قائم ہوگی اور مہدی صرف عیسٰی علیہ السلام ہیں۔ یعنی مہدی علیٰ نبینا علیہ السلام کے معاون صرف عیسٰی علیہ السلام ہوں گے۔ یعنی عیسٰی علیہ السلام کا نزول صرف مہدی علیٰ نبینا و علیہ السلام کی نصرت اور ان کی معاونت

کے لیے ہوگا۔

تعارف امام مہدی

امام مہدی علیٰ نبینا وعلیہ السلام حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے ہوں گے۔ وہ امام عادل ہیں، نبی یا رسول نہیں ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام اور ان میں یہی فرق ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نبی رسول اور ان کی طرف اللہ تعالیٰ کی وحی کا نزول ہوگا اور مہدی علیٰ نبینا وعلیہ السلام نبی رسول نہیں ہیں اور ان کی طرف وحی کا نزول ہوگا، نیز عیسیٰ علیہ السلام خاتم الولایت بن کر تشریف لائیں گے اور مہدی علیٰ نبینا وعلیہ السلام خاتم الخلافۃ ہوں گے، بہرحال ہوں گے۔ ہر دو خدام الاسلام اس لیے کہ اسلام ہی خیر الادیان اور اللہ تعالیٰ کا محبوب ترین دین ہے۔

حکایت باکرامت

ایک رومی نومسلم کا بیان ہے کہ میرا اسلام لانا ایک عجوبہ ہے وہ اس طرح کہ اہلِ اسلام نے ہمارے ساتھ جنگ کا اعلان کیا۔ دونوں لشکروں کے مقابلہ کے دوران میں میں کفار کے لشکر کا بہت بڑا افسر تھا۔ مسلمانوں کے دس لشکریوں کو ہم نے قید کر لیا ہم نے انہیں قید کر کے خچروں پر سوار کر کے جیل خانے میں بند کر دیا اور حکم جاری کیا کہ ہر قیدی کے ساتھ ایک سپاہی نگرانی کے لیے مقرر ہو۔ ایک دن میں جیل خانہ کا گشت کرتا ہوا ایک مسلمان جیلی کو دیکھا کہ وہ نماز میں مصروف ہے۔ میں نے اس کے نگران سے پوچھا یہ کیسا جیلی ہے۔ اس نے کہا کہ اس قیدی کا معاملہ بھی عجیب ہے وہ اس طرح کہ جونہی نماز پڑھ کر فارغ ہوتا ہے تو مجھے ایک دینار لازماً عطا کرتا ہے۔ میں نے پوچھا کیا اس کے ہاں دراہم ودنانیر کا خزانہ ہے۔ میں نے کہا نہیں پھر وہ کہاں سے لاتا ہے۔ اس نے کہا جب وہ نماز سے فارغ ہوتا ہے تو دونوں ہاتھ زمین پر مارتا ہے شاید وہیں سے پیسے نکال کر دیتا ہے۔ مجھے اس نیک بخت قیدی کی زیارت کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ دوسرے روز میں نے فقیروں مسکینوں جیسے پرانے کپڑے پہنے اور نہایت دُبلے کمزور گھوڑے پر سوار ہو کر اس نیک بخت کے نگران سپاہی کے ساتھ مذکورہ بالا کرشمہ دیکھنا چاہا۔ ہم اس کی کوٹھڑی کے قریب بیٹھ گئے۔ جب اس نیک بخت نے ظہر کی نماز پڑھنا چاہی تو میری طرف اشارہ فرمایا کہ کیا تمہیں بھی دینار چاہییں؟ میں نے اشارہ کیا کہ مجھے دو دینار چاہییں۔ اس نے نماز پڑھ کر حسبِ دستور زمین پر ہاتھ مار کر میری طرف دو دینار پھینکے۔ جب عصر کی نماز پڑھنی چاہی تو مجھ سے پہلے کی طرح دنانیر لینے کا اشارہ کیا۔ میں نے اشارہ کیا کہ اب مجھے پانچ دینار چاہییں نماز پڑھ کر حسبِ دستور زمین پر ہاتھ مار کر پانچ دنانیر میرے ہاتھ میں تھما دیے۔ جب اس نے مغرب کی نماز پڑھنا چاہی تو میرے سے اشارہ کر کے پوچھا تو میں نے اشارہ کیا کہ اب مجھے دس دینار چاہییں۔ نماز پڑھ کر پہلے کی طرح مجھے دس دینار عنایت فرمائیے۔ اس کا یہ عجیب کرشمہ دیکھ کر صبح کو پھر اس کے ہاں حاضر ہوا اور عرض کی کیا آپ واپس اپنے لشکرِ اسلام میں جانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے جانے کی خواہش ظاہر کی تو میں نے اسے اپنے خچر پر سوار ہو کر زادِ راہ دے کر لشکرِ اسلام کی طرف روانہ کیا۔ اس بندۂ خدا نے روانگی کے وقت میرے لیے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تجھے نیک دین پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور اسی پر آپ کا خاتمہ ہو۔ اس وقت سے میرے دل میں اسلام کی محبت پیدا ہوئی یہاں تک کہ میں پکا اور سچا مسلمان ہوگیا۔

سبق: مومن پر لازم ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم میں بدل و جان جد و جہد کرے کہ انہیں ایسے دین حق سے نوازا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اسمِ گرامی کو صفحات کون کے ذرہ ذرہ میں لکھا ہے۔

ہر درد کی دوا ہے نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم

منقول ہے کہ بعض مشایخ فرماتے ہیں کہ میں بلادِ ہند کے ایک شہر میں وارد ہوا وہاں ایک ایسا درخت دیکھا جس کا میوہ بادام کے مشابہ، جس کے اُوپر ایک چھلکا بھی تھا۔ جب اسے توڑا جاتا تو اس میں سے ایک سبز رنگ کا پتہ لپیٹا ہُوا نمودار ہوتا جس پر سُرخ سیاہی سے مکتوب تھا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ اس کا رسم الخط ہندی خط کے مشابہ تھا۔ اہلِ ہند اسی سے برکات حاصل کرتے۔ جب بارش نہ ہوتی تو اسے وسیلہ بناتے تو بارش ہو جاتی اور اس کے قریب کھڑے ہو کر عجز و نیاز سے دُعا مانگتے تو مشکلیں حل ہو جاتیں۔

دُوسری عجیب کہانی

وہی بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو یعقوب صیاد کو یہی واقعہ سُنایا، انہوں نے فرمایا میں نے اس سے بڑھ کر اور عجیب واقعہ دیکھا۔ وہ یہ کہ ایلہ میں مَیں نے ایک ایسی مچھلی کا شکار کیا جس کے دائیں کان کے قریب لا الٰہ الا اللہ اور دوسرے کان کے قریب محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) لکھا ہُوا تھا۔ میں نے اس مچھلی کو پھر دریا میں پھینک دیا صرف اس کے احترام کے پیشِ نظر کہ اس پر اللہ جل جلالہٗ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی مکتوب تھا۔ ؎

شہباز ہوائے قاب قوسین   پُرشد ز تو آشیاں کونین

ترجمہ: قاب قوسین کی ہوا کے شہباز آپ سے آشیانۂ کونین آباد ہُوا۔

وہابی کش حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تجعلونی کقدح الراکب ای لا تنسونی
فی حالة الشدة و الرخاء و لا تذکرونی
کضیع الراکب مع قدحه المعلق فی
مؤخر رحله اذا احتاج الیه من
العطش استعمله و اذا لم یحتج
الیه ترکه وقیل لا تجعلونی فی
آخر الدعاء فان اللائق ان یذکر
اسمه الشریف اولا و آخرا و یجعل
الدعاء له عنوان الادعیة۔

مجھے سوار کے پیالے جیسا نہ سمجھو یعنی دکھ درد کے وقت مجھے نہ بھُولو بلکہ ایسے میں مجھے ہر وقت پکارو، مجھے سوار کے اس پیالہ کی طرح نہ سمجھو جو سواری کے پیچھے لٹکا رہتا ہے اور اسے اس وقت اٹھایا جاتا ہے جب ضرورت پڑتی ہے اور ضرورت نہ ہو تو وہ ویسے ہی پڑا رہتا ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ مجھے دعا کے آخر وقت میں یاد نہ کرو بلکہ ضروری ہے کہ آپ کا اسم گرامی دعا کے اوّل و آخر دونوں وقتوں میں یاد کیا جائے بلکہ آپ کا ذکر مبارک ہر دعا کا عنوان ہو۔

(روح البیان ج ١ ص ١٩١ مطبوعہ قدیم تحت آیت ہٰذا)

۵

ہر چند شد آخرین مقدم
شد بر ہمہ نوا نو مقدم

ہم سب کو اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی درگاہ کا خادم اور ہمیں اپنی جناب کا ان کے وسیلہ کے قائلین سے بنائے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ اے ایمان والو! بہت سے احبار۔

تفسیر عالمانہ ان سے علمائے یہود مراد ہیں جو ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھے وَالرُّھْبَانِ اور نصارٰی کے پادری جو ان کے گرجوں میں رہ کر عبادت کرتے تھے۔ یہ راہب کی جمع ہے اس کی تحقیق ہم نے پہلے بیان کی ہے لَیَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ البتہ لوگوں کے مال باطل کے طور کھاتے ہیں یعنی احکام و شرائع اور ان میں تخفیف و تیسیر کے لیے تغیر و تبدل کرکے رشوت لیتے ہیں اور لوگوں کے ذہنوں میں اپنی دھاک بٹھاتے کہ وہ تاویل آیت میں بہت بڑے ماہر و حاذق ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ کی مراد جانتے ہیں۔

دورِ حاضرہ کے مفتی اور ظالم حکام صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہی حال غلط کار مفتیوں اور ظالم حکام کا ہے کہ وہ فتوٰی لینے والے کے مطلب و مراد پر بھاری رقمیں لے کر فتوے دیتے اور احکام صادر کرتے ہیں کبھی مرجوح اقوال پر فتوٰی دیتے ہیں بلکہ بسا اوقات شرع مطہرہ کے خلاف احکام صادر کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جس طرح انہوں نے فتوٰی دیا ہے ان کی سند قوی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے غلط کار مفتیوں اور ظالم حکام کو ذلیل و خوار کرے۔

فائدہ: چونکہ رشوت لینے اور حرام کا مال کمانے سے اکل و شرب میں بہت فائدہ ہوتا ہے اسی لیے اسے لیاکلون سے تعبیر فرمایا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ رشوت لینا اور حرام مال کی کمائی ہر طرح حرام ہے خواہ اسے کھانے میں استعمال کیا جائے یا دوسری ضروریاتِ زندگی میں۔

وَیَصُدُّوْنَ اور وہ لوگوں کو روکتے ہیں عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کے راستہ سے یعنی دینِ اسلام سے۔ یا اس کا معنٰی یہ ہے کہ وہ رشوت کا مال اور حرام کی کمائی سے اپنے آپ کو دینِ اسلام سے دور رکھتے ہیں۔ وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ اور وہ لوگ جو سونا اور چاندی جمع کرکے ان کی نگرانی کرتے ہیں اسے دفن کرکے یا کسی اور طریق سے۔

حلِ لغات: اہل عرب کے عرف میں الکنز بمعنے الجمع ہے اور ایک شے کو دوسری شے سے جمع کرنے کو مکنوز کہتے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے: ھذا الجسم مکتنز الاجزاء۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ جسم مجتمع الاجزاء ہو

اور سونے کو عربی میں الذھب اس لیے کہتے ہیں کہ وہ چلنے والی اور باقی نہ رہنے والی شئے ہوتی ہے۔ اسی لیے اس نام سے موسوم ہوا۔ اور چاندی کو الفضہ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ بھی متفرق ہو کر باقی نہیں رہ سکتی اس لیے اسے اس نام سے موسوم کیا گیا۔

سبق؛ سونے چاندی کے عاشق کو عبرت حاصل کرنی چاہیے کہ جب ان کا نام بھی ایسا ہے کہ وہ کسی حالت میں بھی باقی نہیں رہ سکتے یعنی فانی ہی فانی ہیں تو پھر ان سے دل لگانا کیسا!

سونے، چاندی اور اگربتی کو سزا ملی

منقول ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام بہشت سے زمین پر تشریف لائے تو بہشت کی ہر شے نے آنسو بہائے سوائے چاندی، سونے اور لوبان (اگربتی کی لکڑی) کے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا کہ اگر تمہارے دل میں ذرہ بھر بھی نرمی ہوتی تو تم بھی میرے خوف سے روتے لیکن تم سنگدل ہو، اور میرا دستور ہے کہ جو سنگدل ہوتا ہے میں اسے آگ میں جلاتا ہوں، مجھے اپنی عزت و جلالت کی قسم ہے، اے سونا چاندی! تمہارے سے جب درہم، دینار اور کنگن یا کوئی اور زیور بنائیں گے تو تمہیں آگ سے پگھلا کر تیار کریں گے۔ اور اے لوبان (اگربتی کی لکڑی)! تو بھی ہمیشہ آگ میں سلگائی جائے گی۔ اور تم سب تاقیامت غم اور حزن میں مبتلا رہو گے۔

فائدہ: الذین اسم موصول سب کو شامل ہے، احبار ہوں یا رہبان یا کوئی اور مسلمان ہوں یا کافر، لیکن وہ جو مال کو راہِ حق میں خرچ نہ کریں۔ یہ اسم موصول مبتدا اور اس کی خبر فبشرھم الخ ولا ینفقونہا فی سبیل اللہ

وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور اموال کو اللہ تعالیٰ کے راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ یعنی ان کی زکوٰۃ نہیں ادا کرتے اور نہ ہی اس سے اللہ تعالیٰ کا حق پورا کرتے ہیں۔

فائدہ: یہاں پر لفظ مِنْ محذوف ہے لیکن نیست میں ہے جیسے دوسری آیت میں اسے ظاہر کر دیا گیا کما قال اللہ تعالیٰ خذ من اموالھم صدقۃ۔ یعنی ان کے مال سے صدقہ لیں۔

حدیث شریف؛ دو سو دراہم چاندی سے پانچ درہم اور بیس مثقال سونے سے آدھا مثقال راہِ حق میں دو۔

فائدہ؛ اگر اس سے تمام مال خرچ کرنا مراد ہو تو وہ کسی حال میں صحیح نہیں ہو سکتا۔ (کذا فی تفسیر الحدادی)

سوال؛ ینفقونہا میں ضمیر واحد مونث کی ہے حالانکہ اس سے پہلے ذھب و فضۃ تثنیہ ہے۔

جواب۱؛ ذھب و فضۃ سے کثرت مراد ہے اور ضمیر واحد مونث اسی کثرت کی وجہ سے ہے۔

جواب۲: یہ ضمیر اموال کی طرف راجع ہے۔

جواب۳: الکنوز کی طرف راجع ہے جیسا کہ یکنزون سے معلوم ہوتا ہے۔

جواب۴؛ فضہ کی طرف راجع ہے اس لیے کہ وہی قریب ہے۔ پھر چونکہ ذہب و فضہ آپس میں لازم و ملزوم ہیں اسی لیے ان کا ایک دوسرے کو مستلزم ہے۔ جیسا کہ آیت "و اذا راو تجارۃ او لھوا انفضوا الیھا" سے بھی ثابت ہوتا ہے اسی طرح علیھا کی ضمیر کی تقریرات ہوں گی۔

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ اور انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دیجیے۔ وعید کے بجائے بشارت سے تہکم کیا گیا ہے **یَوْمَ** عذاب مصدر کا مفعول فیہ ہے اسی وجہ سے منصوب ہے۔ **یُحْمٰی عَلَیْھَا فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ** (حلِ لغات) حمیت النار ای اشتدت حرارتھا، یعنی اس دن انہی دراہم و دنانیر پر سخت گرم آگ جلائی جائے گی۔

ف: علیہا محلاً مرفوع کا یُحْمٰی کے فاعل کے قائم مقام ہے۔

فَتُکْوٰی پس داغی جائیں گی **بِھَا** انہی گرم کردہ دراہم و دنانیر سے **جِبَاھُھُمْ وَجُنُوْبُھُمْ وَظُھُوْرُھُمْ** ان کی پیشانیاں اور ان کی کروٹیں اور ان کی پیٹھیں۔

نکتہ: ان تینوں اعضاء کو داغنے میں حکمت یہ ہے کہ جب دولت مند فقیر طالب زکوٰۃ کو دیکھتا ہے تو تیوری چڑھاتا ہے اس کے بعد جب اس سے سائل کچھ مانگتا ہے تو پیٹھ کی طرف منہ پھیرتا ہے، جب فقیر اسے مزید پریشان کرتا ہے تو اپنی جگہ سے اٹھ کر سائل کو پیٹھ دے کر چلا جاتا ہے اور ایسے دولت مندوں کی اکثر عادت بھی یہی ہوتی ہے کہ وہ سائلوں کو کچھ دیتے بھی نہیں۔

نکتہ: اس کی اور وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ذخیرہ اندوزی کرنے والا عموماً دولت اسی لیے سمیٹتا ہے کہ عوام کی نظروں میں اس کی وجاہت ہو اور چہرے میں سب سے اونچا ماتھا ہے اور دولت سے اعلیٰ مقصد لذیذ خوراک ہے اور خوراک سے ہی بندہ موٹا ہوجاتا ہے . . . . اور دولت سے دوسرا عظیم مقصد لباس ہے اور کپڑے باہر سے اٹھا کر لائے جاتے ہیں تو پیٹھ پر انہی وجوہ سے مذکورہ اعضاء داغے جائیں گے۔

ھٰذَا مَا کَنَزْتُمْ یعنی قیامت میں داغتے وقت انہیں کہا جائے گا کہ یہ وہی دولتِ دنیا ہے جسے تم نے دنیا میں جمع کیا تھا **لِاَنْفُسِکُمْ** منافع کے لیے اب اس کا عین تمہیں ضرر دے رہا ہے اور وہی تمہارے عذاب کا موجب ہے **فَذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَ** اب تم ذخیرہ اندوزی کا وبال چکھو۔ یہ ما مصدریہ اور اس کا مضاف محذوف ہے، یعنی یہ دراصل فذوقوا وبال ماکنتم الخ تھا، مضاف اس لیے محذوف مانا گیا ہے کہ کنز (ذخیرہ اندوزی) (مصدر) چکھنے کی شے نہیں بلکہ اس کا وبال و عذاب انہیں چکھایا جائے گا۔

نکتہ: ذخیرہ اندوزی کا وبال آخرت میں اسی لیے چکھنے کا کہا گیا ہے کہ اس کا احساس آخرت میں ہوگا ورنہ دنیا تو دارِ غفلت ہے اس میں نومِ غفلت کا غلبہ ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ نیند والے کو داغے جانے کا احساس نہیں ہوتا، ہاں اس کا احساس جاگنے کے بعد ہوتا ہے اور سب کو معلوم ہے کہ دنیا میں ہم خوابِ غفلت میں ہیں، جب مریں گے تو اس خواب سے بیداری ہوگی۔ ؎

مردماں غافلند از عقبیٰ   ہمہ گویا بخفتگاں مانند
ضررِ غفلتے کہ مے ورزند   چوں بمیرند آنگہے دانند

ترجمہ: لوگ آخرت سے غافل ہیں، یوں کہو گویا وہ تمام نیند میں ہیں، ایسی غفلت سے نقصان اٹھائیں گے جب مریں گے تو انہیں معلوم ہوگا۔

فائدہ: بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ اگر دوسرے لوگ مال کا خزانہ جمع کریں تو تم اعمال کا خزانہ جمع کرو۔ اگر دوسرے اسبابِ فانیہ کی چیزیں جمع کریں تو تم رموز و اسرار کی جستجو کرو۔ ؎

یکدرم کان دہی بدرویشے   بہتر از گنجہائے مدخر است
زانچہ داری تمتع بردار   کان دگر روزے کے دگر است

ترجمہ: ایک فقیر کو دینا ایک درہم ہزاروں خزانوں کو محفوظ کرنے سے بہتر ہے۔ جتنا ہو سکتا ہے تم اپنے مال سے آج نفع اٹھاؤ ورنہ کل تو اس کا کوئی اور یا لک ہو گا۔

تارکِ زکوٰۃ کی سزا

حدیث شریف میں ہے کہ ہر وہ صاحبِ خزانہ کہ جس نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہ کی ہو گی تو اس کا مال آگ سے گرم کر کے صاحبِ مال کا چہرہ اور ماتھا اور کروٹیں داغی جائیں گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حساب سے فارغ ہو۔ اور حساب و کتاب کا دن تمہارے انہی ایام کے مطابق پچاس ہزار سال کا ہو گا اب بندہ سوچ لے، چاہے تو بہشت کا راستہ اختیار کرے چاہے دوزخ کا۔ اسی طرح ہر وہ شخص کہ جس کے ہاں بہت سے اونٹ تھے لیکن اس نے ان کی زکوٰۃ ادا نہ کی تو اس شخص کو زمین پر لٹا کر اونٹوں کو اس کے اوپر سے چلایا جائے گا اور اونٹ جونہی اس کے اوپر چلیں گے تو خوب کود کر، اور سخت سے سخت ہاتھ پاؤں سے اس شخص کو روندتے ہوئے جائیں گے، اور جب ان میں سے ایک کا گزر ہو گا تو دوسرا اس کے پیچھے اسی طرح کودتا ہوا جائے گا۔ جب ایک دفعہ سارے گزر جائیں گے تو پھر از سرِ نو آئیں گے۔ یہ سلسلہ اس وقت تک رہے گا جب تک بندوں کا حساب مکمل نہ ہو جائے، اور اس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔ اب بندوں کا اختیار ہے چاہے بہشت میں جائیں یا دوزخ میں۔ اسی طرح بکریوں کی زکوٰۃ نہ دینے والے کا حشر ہو گا کہ اسے مٹی پر لٹا کر بکریوں کو اس کے اوپر سے چلایا جائے گا جو اسے سینگوں سے ماریں گی اور پاؤں سے روندیں گی۔ ان کا سلسلہ بھی اسی طرح ہو گا کہ ان میں سے ایک جائے گی تو اس کے پیچھے اور آئے گی۔ تمام بکریوں کے ختم ہونے کے بعد از سرِ نو سلسلہ شروع ہو گا اور حساب و کتاب کے اختتام تک اس کا یہی حال ہو گا۔ اس سے بندے خود سوچیں کہ کون سا راستہ اچھا ہے، بہشت کا یا دوزخ کا۔

نکتہ: مال کی نعمت کے شکرانہ کی ادائیگی کے لیے زکوٰۃ کا حکم ہوا، جیسے نماز، روزہ، حج اعضاء کی صحت و عافیت کے شکر کی ادائیگی کے لیے مقرر ہوئے ہیں۔ صلوٰۃ الضحیٰ کے متعلق بھی یہی تقریر ہے کہ انسان کے بدن میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں ان کی صحت و سلامتی کے شکرانہ میں بندہ کو ہر صبح دوگانہ پڑھنا چاہیے۔

مسئلہ: دو سو درہم میں سے پانچ درہم اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے فقراء کو دینے ضروری ہیں۔

مسئلہ: ایسے آدمی کو زکوٰۃ دینا کہ جس سے کسی قسم کی دنیوی غرض مطلوب ہو تو اس کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہو گی۔

مسئلہ: یتیم کی پرورش کرنے والا اگر یتیم کو زکوٰۃ کے مال سے کھانا کھلائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (خلافاً لمحمد رحمہ اللہ تعالیٰ)

اس لیے کہ زکوٰۃ کا رکن یہاں پایا گیا ہے یعنی تملیک یہ اس وقت ہے جب یتیم کو طعام کا مالک بنا دے۔ اگر اسے مالک بنائے بلکہ اسے اپنے قبضے میں چھوڑ دے اور اسے بقدر ضرورت دے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اس لیے کہ تملیک نہیں پائی گئی۔

مسئلہ: یتیم سے اگر خدمت لے کر اسے زکوٰۃ دیتا ہے تو بھی ایسے یتیم کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

مسئلہ: ایسے ہی غیر مملوک غلام کو زکوٰۃ دینا لیکن اس سے کسی قسم کی خدمت کی اُمید نہ رکھی جائے۔ اگر اس سے کسی قسم کی خدمت لی جائے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

سبق: ان مسائل سے اکثر لوگ نہ صرف غافل ہیں بلکہ ان کا ارتکاب بھی کرتے رہتے ہیں۔

مسئلہ: ایسے ہی رشتہ داروں کو بہ نیت زکوٰۃ کھانا وغیرہ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی بشرطیکہ اس کے ایسے قریبی رشتہ دار نہ ہوں جن کا نان و نفقہ اس کے لیے ضروری ہو۔

مسئلہ: افضل یہ ہے کہ پہلے زکوٰۃ اپنے بھائیوں کو دے اگر وہ مستحق ہوں، وہ نہ ہوں تو پھر چچا، وہ نہ ہو تو پھر ماموں، پھر دوسرے رشتہ دار، پھر ہمسائیگاں، پھر محلہ والوں کو، پھر شہر والوں کو۔

مسئلہ: زکوٰۃ اور صدقۂ فطر میں فرق یہ ہے کہ زکوٰۃ ذمی کو دینا جائز ہے بخلاف فطرانہ کے کہ وہ ذمی کو نہیں دیا جا سکتا، دوسرا زکوٰۃ کا کوئی وقت معین نہیں لیکن فطرانہ کا وقت معین ہے۔ بعض فقہاء کے نزدیک اگر فطرانہ دوسرے دن دے گا تو گنہگار ہوگا۔

مسئلہ: فرماتے ہیں کہ کل زکوٰۃ عمر کے کسی ایک وقت میں ادا کرنا فرض ہے۔ بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ فرض ہوتے ہی ادا کرنا لازمی ہے۔ بعض فقہاء کا اسی پر فتویٰ ہے، ان کے نزدیک زکوٰۃ میں تاخیر گناہ ہے۔ ایسے شخص کی گواہی بھی ناقابل قبول ہے۔

مسئلہ: زکوٰۃ کو چھپا کر دینا مستحب ہے بالخصوص جب ظالم حکام کا خطرہ ہو تو فقیری کا اظہار کر کے زکوٰۃ پوشیدہ دے تو جائز ہے یہ امام صاحب کا مذہب ہے۔ (خلافاً لمحمد رحمہ اللہ تعالیٰ)

مسئلہ: کسی کے پاس اور کوئی سامان نہیں صرف ایک مکان جس کی قیمت نصاب کو پہنچتی ہے تو اس کے لیے صدقۂ فطر ادا کرنا چاہیے۔ لیکن ایسے شخص پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ ہاں اگر وہ مکان تجارت کا ہو اور اس کی قیمت نصاب کو پہنچتی ہے تو اس شخص کو زکوٰۃ دینی ہوگی۔

مسئلہ: زعفران اس ارادہ پر خریدا کہ روغنی روٹی پر لگائے گا اور وہ روٹیاں اگرچہ تجارت کی ہوں، تب بھی اس زعفران پر زکوٰۃ نہیں، اگرچہ ان تجارتی روٹیوں پر روغن سمیت زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اگر صرف روغن خریدا تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اس لیے کہ پہلی صورت میں زعفران تبعاً خریدا گیا ہے، دوسری صورت میں روغن بالاصالۃ خریدا گیا ہے۔

مسئلہ: لکڑی اور نمک (جو روٹی پکانے والے نے) اور صابون اور کھار دھوبی نے خریدا اور شب یمانی، رظ (م ادویہ) موچی (جوتے سینے والے) نے خریدا تو ان چیزوں پر زکوٰۃ نہیں اور پیلا رنگ اور زعفران رنگریز نے خریدا تو زعفران اور پیلے رنگ پر زکوٰۃ واجب ہے۔ (کذا فی الاشباہ والنظائر)

مسئلہ: سونے اور چاندی میں نصاب اور ادائیگی کا اعتبار وزن پر ہے اس کا اعتبار عرف عام پر نہیں اس لیے کہ اس کے دراہم و دنانیر بنا کر بادشاہوں کی مہر لگا کر کاروبار کرتے ہیں۔

مسئلہ: زکوٰۃ کی ادائیگی اسی طرح کفارہ سوائے اعتاق کے اسی طرح عشر و منّت میں بجائے سونا چاندی دینے کے نقد رقم دینا جائز ہے۔

مسئلہ: کسی نے منّت مانی کہ میں آج یہی درہم فلاں فقیر کو دوں گا، اس نے بجائے آج کے کل وہی درہم اسی فقیر کو دیا تو حانث نہ ہوگا۔ یہی احناف کا مذہب ہے۔

مسئلہ: کسی میت کے مال سے زکوٰۃ ادا کرنا لازم نہیں، ہاں اگر اس نے وصیت کی ہو تو اس کے مال سے زکوٰۃ دینا جائز ہے لیکن تہائی مال سے زاید نہ ہو۔

مسئلہ: مریض کو اگر وارثوں سے خطرہ ہو تو وہ اپنے مال سے پوشیدہ طور خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے فقراء کو دینا جائز ہے۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ۔ عِدَّةٌ مصدر ہے بمعنے عدد یعنی گنتی۔ یعنی احکام شرعیہ جیسے حج، عمرہ، روزہ، زکوٰۃ، عیدین وغیرہ وغیرہ کے لیے مہینوں کی گنتی، اور یہاں پر شہود سے قمری مہینے مراد ہیں، جس کا ہر مہینہ پہلی تاریخ سے دوسرے مہینہ کی پہلی تاریخ تک چلتا ہے اور وہ کبھی پورے تیس دنوں کا ہوتا ہے اور کبھی انتیس دنوں کا، اور اس کے سال کے دن تین سو پنتالیس اور تہائی دن کا ہوتا ہے، بخلاف فارسی اور رومی (عیسوی) مہینوں کے کہ انکے بعض ماہ تیس دن کے ہوتے ہیں اور بعض اکتیس کے، اور ان کا نظام شمسی ہوتا ہے، اس لیے ان کے سال کے ایام تین سو پینسٹھ، اور دن کا چہارم حصہ ہوتے ہیں۔

فائدہ: سورج کے بارہ بروج ہیں جنہیں سال میں تمام طے کر لیتا ہے اور چاند ان سب کو صرف ایک مہینے میں طے کرتا ہے۔ وہ بارہ بروج یہ ہیں، حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو، حوت فلکیات کی اصطلاح میں سورج کے سالانہ دورے کا آغاز راس الحمل کے نقطہ سے شروع ہو کر اسی نقطہ میں دورہ کا اختتام ہوتا ہے۔ کیونکہ سورج اسی نقطہ سے آغاز کرتا ہے تو انگوریوں کو قوۃ اور اسی وقت سے نشوونما شروع اور سردیوں کا دور ختم اور گرمیوں کے فصل بیع کا آغاز ہوتا ہے یعنی گرمی و سردی کا موسم معتدل ہوتا ہے۔

فائدہ: چونکہ اہل عرب کا سن قمری ہے یہ اپنے معاملات دینی جیسے حج، صوم، فطرانہ وغیرہ اسی سن کے مطابق سرانجام دیتے ہیں اور یہ بہ نسبت سن شمسی کے مقدار میں کم ہے اسی لیے حج و روزہ وغیرہ کبھی سردیوں میں واقع ہوتے ہیں کبھی گرمیوں میں، بخلاف دوسرے لوگوں یعنی عیسائی وغیرہ کے کہ ان کے معاملات شمسی نظام کے مطابق ہوتے ہیں اسی لیے وہ ایک ہی موسم میں آتے ہیں۔

عِنْدَ اللّٰهِ یہ عدۃ کی ظرف یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم میں اثْنَا عَشَرَ یہ ان کی خبر ہے شَهْرًا یہ تمیز موکد ہے، جیسے عندی من الدنانیر عشرون دینارا میں تمیز موکد ہے فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ یہ اثنا عشر کی صفت ہے۔ اصل عبارت اثنا عشر شہرا مثبتۃ فی کتابہ یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب میں بارہ ماہ ہیں اس سے لوح محفوظ مراد ہے۔

فائدہ: فی کتٰب اللّٰہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان کا کتٰب اللّٰہ میں ہونا خصوصیت سے ہے ورنہ بہت سے کام ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں یوں تو کہا جاسکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم میں ہیں لیکن انھیں فی کتٰب اللّٰہ سے موصوف نہیں کیا جاتا۔

یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ منصوب اور ظرف ہے۔ یہ اسی کے متعلق ہے جس کے متعلق فی کتٰب اللّٰہ ہے یعنی یہ بھی مثبتۃ کے متعلق ہے یعنی یہ بارہ ماہ کتاب اللہ میں اس وقت سے ثبت ہیں جس وقت سے اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین پیدا فرمائے۔ اور آسمان وزمین سے اجرامِ کثیفہ ولطیفہ مراد ہیں۔ اور یہ قید اس لیے لگائی کہ سورج وغیرہ کو آسمان وزمین پر اس وقت سے جاری فرمایا جب سے ان کی تخلیق فرمائی۔ اس بناء پر یہ نہ بارہ سے بڑھ سکتے ہیں اور نہ ان سے کم ہو سکتے ہیں۔ ان مہینوں کا پہلا مہینہ محرم اور آخری ذوالحج ہے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے سال کو بارہ ماہ میں اس لیے مقید فرمایا کہ اہلِ عرب کی عادت تھی کہ وہ سال کو تیرہ ماہ کا مقرر کرتے اور ان کی عادت تھی کہ وہ ہر دو سالوں میں حج کو آگے بڑھا کر ادا کرتے۔ پھر آیندہ سال اسی ماہ کو دوسرے سال میں شمار نہیں کرتے تھے اسی طریق سے ان کا سال کا دورہ بدلتا رہتا تھا۔ جس ماہ سے حج کا آغاز کرتے پچیس سال کے بعد پھر اسی ماہ کی باری آتی۔ یہ طریقہ ان کا ایجاد کردہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر سال ان کا حج کا مہینہ تبدیل ہوتا رہتا تھا حُسنِ اتفاق سے جس سال ان کا حساب حج کرنے کا ماہ ذوالحج پہ پہنچا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سال ان کے ساتھ حج پڑھا، حضور علیہ السلام نے جبل عرفات میں نویں تاریخ کو اہلِ جاہلیت سے فرمایا کہ تمہارے حج کی تواریخ کو بدلنا اور اسے تاخیر سے ادا کرنا نہایت قبیح ہے۔ اس کی بحث ابھی آئیگی (اِن شاء اللہ تعالیٰ) بارہ ماہ کو کسی شاعر نے یوں نظم فرمایا: ؎

چوں محرم بگزرد آید بزد تو صفر　　پس ربیعین وجمادین ورجب آید بر
باز شعبانست وماہ صوم وعید وذی القعد　　بعدازاں ذوالحج نام ماہ ہا آمد بسر

ترجمہ: محرم کے بعد صفر، پھر ربیع الاول والآخر اور جمادی اولالیٰ والاخریٰ اور رجب ہوں گے اس کے بعد شعبان ورمضان وشوال وذیلقعد اور ذوالحجہ آئیں گے۔

بارہ مہینوں کی وجہ تسمیہ

محرم کو اس لیے اس نام سے موسوم کرتے کہ اہلِ عرب اس مہینے میں جنگ حرام سمجھتے تھے یہاں تک کہ اگر کوئی کسی کے باپ یا بیٹے کے قاتل کو قابو کر لیتا تب بھی اس کے درپے آزار نہیں ہوتا اور صفر کو اس لیے اس نام سے موسوم کرتے کہ صفر بمعنے خالی اور اس مہینے میں چونکہ ان کے اخراجات غلہ وغیرہ ختم ہو جاتے اور انکے گھر گندم وغیرہ سے خالی پڑ جاتے بلکہ اسی مہینہ میں غلہ حاصل کرنے کی خاطر گھروں کو چھوڑ کر دوسرے شہروں کو چلے جاتے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام صفر رکھا گیا، اسی لیے کہتے ہیں صفر السقاء یہ اس وقت بولتے جب ستا میں پانی نہ ہو۔ اور الصفر بمعنی الخالی من کل شیءٍ ہے کذا فی التبیان اور شرحِ التقویم میں ہے کہ صفر کا نام صفر اس لیے رکھا گیا کہ یہ ماہ اس حرمت قتال سے خالی ہو گیا جو ماہِ محرم میں تھی اور ربیع الاول والآخر اس نام سے اس لیے موسوم ہوئے کہ ان دو ماہ میں بوجہ کثرت خوشحالی،

اہلِ عرب موٹے تازے ہوجاتے۔

فائدہ: اہل عرب کے نزدیک ربیع دو ہیں،

۱۔ ربیع الشہور

۲۔ ربیع الازمنہ

تو یہی دو مہینے ربیع الاول والآخر ہیں جو ماہِ صفر کے بعد واقع ہوتے ہیں۔ (اغلاط العوام) اکثر لوگ ربیع کو الاول والآخر کا مضاف پڑھتے ہیں یہ غلط ہے اس لیے کہ ربیع الاول والآخر کا مضاف نہیں بلکہ یہ آپس میں موصوف صفت ہیں اسی لیے ربیع پر تنوین پڑھنا ضروری ہے اور ربیع الازمنہ بھی دو ہیں،

۱۔ جس میں الکماءۃ والنور بکثرت پیدا ہوتے ہیں، اسی لیے اسے ربیع الکلأ کہا جاتا ہے۔

۲۔ وہ موسم جس میں درختوں کے پھل پکتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ان دونوں کے مابین فرق ظاہر کرنے کے لیے مہینوں کے استعمال میں شہر ربیع الاول والآخر کہا جاتا ہے تاکہ واضح ہو کہ اس سے ربیع الشہور مراد ہے نہ ربیع الازمنہ۔

اور جمادی الاولیٰ والاخریٰ کو ان اسمائے اس لیے موسوم کیا گیا کہ ان دونوں مہینوں میں برف جم جاتی تھی۔ اور جمود بمعنے برف کا جم جانا۔ (کذا فی التبیان)

اور شرح التقویم میں ہے کہ جُمادَی الاولیٰ بضم الجیم وفتح الدال الجمد بضم الجیم والمیم سے ایک لغت میں بمعنے سخت اور اونچا مکان جو گرمی کو قبول نہ کرے اور انہیں اس نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ ان کی اول وضع کے وقت موسم بہت سخت گرم تھا اور مکان بہت سخت اور بلند اور حرارت کی تاثیر کو قبول کرنے والے نہ تھے اور جمادی الاخریٰ کی وجہ تسمیہ بھی جمادی الاولیٰ کی طرح ہے۔

ف: ابن الکمال نے فرمایا کہ،

الجمادی بروزن فعالی حباری کی طرح: یعنی دال مہملہ کے ساتھ (اغلاط العوام) عوام بلکہ بہت پڑھے لکھے ذال مکسورہ کے ساتھ اور اولیٰ و اُخریٰ یا آخرہ کے بجائے الاول والثانی سے موصوف کر کے پڑھتے ہیں اس میں ان کی تین غلطیاں ہیں،

۱۔ دال کے بجائے ذال

۲۔ فتحہ کے بجائے کسرہ

۳۔ تانیث کے بجائے تذکیر

چوتھی غلطی وہ بھی ساتھ ملا لو کہ موصوف کے بجائے مضاف۔

صحیح یہ ہے کہ جمادی الاولیٰ اور جمادی الاُخریٰ یا جمادی الآخرہ لکھنا پڑھنا چاہیے۔ جمادی الاول وجمادی الثانی پڑھنا لکھنا غلط ہے۔

فائدہ: چونکہ جمادی ایک ماہ کا علم ہے فلہذا اس کی صفت پر الف لام داخل کرنا جائز ہے۔ اسی طرح ربیع الاول و ربیع الآخر جب مہینوں کے نام ہوں تو ان کے صفت پر الف ولام کے ساتھ پڑھنا لکھنا ہوگا اور موصوف یعنی ربیع پر الف ولام نہ لانا چاہیے۔ ہاں جب ربیع سے زمانہ مراد ہو تو الربیع، یعنی موصوف پر الف لام ضروری ہے اس لیے کہ اس وقت الربیع کسی شے کا علم نہیں۔

رجب کو اس نام سے اس لیے . . . . موسوم کرتے ہیں کہ اہلِ جاہلیت اس ماہ کی بہت بڑی تعظیم کرتے تھے یہاں تک کہ اس ماہ میں جنگ وجدال حرام سمجھتے تھے۔ رجب بمعنے تعظیم وتکریم۔ چنانچہ کہا جاتا ہے رجبۃ (بالکسر) بمعنی عظمت۔ اور الترجیب بمعنی التعظیم۔ اور اسے "رجب مضر" بھی کہا جاتا، اس لیے کہ قبیلۂ مضر کے لوگ بہ نسبت دوسرے لوگوں کے اس کی بہت زیادہ تعظیم کرتے تھے۔

حدیث شریف: فیہ رجب مضر الذی بین جمادی وشعبان' اس میں وہ رجب مضر ہے جو جمادی وشعبان کے درمیان واقع ہے۔

ف: حدیث شریف میں رجب کو الذی سے موصوف کیا گیا ہے یا تو تاکید مطلوب ہے یا آپ نے رجب کا تعارف کرایا کہ وہ رجب جو جمادی وشعبان کے درمیان واقع ہے اس میں جنگ وجدال حرام ہے لیکن اس میں "تاخیر وغیرہ کی صورت نہیں کرتے تھے جیسے حج کے متعلق بارہ ماہ کے بعد تیرھواں مہینہ مقرر کرتے یا آپ نے رجب مضر سے اسے اس لیے تعبیر فرمایا کہ اہلِ عرب شعبان ورجب کو ملا کر انہیں" رجبین" تعبیر کرتے۔ آپ نے ان دونوں کے درمیان امتیاز کے طور فرمایا رجب مضر۔ اس معنے پر رجب کی شعبان پر تغلیب ہو گی اور کبھی شعبان کو رجب پر غلبہ دے کر" شعبانان" کہتے۔ شعبان کو اس نام سے اس لیے موسوم کرتے کہ اسی مہینہ میں جنگ وجدال ودیگر ضروریات کے لیے ماہ رجب حرام مہینہ سے فراغت پا کر متفرق ہوتے۔ یہ التشعیب سے مشتق ہے بمعنے التفریق یعنی جدا کرنا۔

رمضان کو اسی لیے رمضان کہتے کہ جب اس کی وضع ہوئی تو وہ اتنی سخت گرمیوں کے دن تھے کہ گرمی کی شدت کے پیشِ نظر جانوروں کے بچے دودھ پینا چھوڑ دیتے۔ یہ ایسے ہے جیسے ذوالحج کو حج کی نسبت سے ذوالحج کہا گیا، اسے بھی گرمی کی نسبت سے رمضان کہا گیا۔

ف: شرح التقویم میں ہے کہ رمضان، الرمض سے ہے بمعنی شدت یعنی سورج کی دھوپ جب ریت پر پڑے اس وقت کی گرمی کو رمض سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پھر اس ماہ کی اس نام سے مناسبت ظاہر ہے کہ اہل عرب ہر ماہ کو زمانہ کی نسبت سے موسوم کرتے اور مہینوں کے اسماء تدریجی زمانہ کے مطابق رکھے گئے اور جب ماہِ رمضان کا نام رکھا گیا تو وہ سخت گرمیوں کے ایام تھے۔

فائدہ: بعض کے نزدیک رمضان کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ چونکہ رمضان گناہوں کو ڈھانپ دیتا ہے، بناء بریں اس نام سے

موسوم ہوا۔

مسئلہ: حضرت مجاہد صرف رمضان کہنے کو مکروہ سمجھتے وہ اس لیے کہ رمضان اللہ تعالیٰ کا نام ہے تو شہر رمضان کہا جائے۔ حدیث شریف سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ:

لا تقولوا جاء رمضان وذهب رمضان ولكن قولوا جاء شهر رمضان فان رمضان اسم من اسماء الله تعالیٰ۔ (کذا فی التفسیر)

یعنی یوں نہ کہو کہ رمضان آیا اور رمضان گیا، بلکہ کہو کہ ماہِ رمضان آیا اور گیا، اس لیے کہ رمضان اللہ تعالیٰ کے اسماء سے ہے۔

فائدہ: تلویح میں ہے کہ اس ماہ کا علم "شہر رمضان" ہے۔ یعنی شہر مضاف اور رمضان مضاف الیہ۔ پھر صرف رمضان کہنا مضاف کو تخفیفاً حذف کر کے پڑھنا، کہنا جائز ہے۔ (کذا فی الکشاف) وہ فرماتے ہیں کہ اگر رمضان اس کا علم ہوتا تو شہر رمضان کی ترکیب ایسے ہے جیسے کہا جائے انسان زید۔ اور ایسی ترکیب عند النحاۃ قبیح تر ہے یہی وجہ ہے کہ عرب میں اس کا نام "شہر رمضان" کے ساتھ شہرت رکھتا ہے ورنہ دوسرے مہینوں کے ساتھ بھی شہر لگایا جاتا اور اہل عرب سے شہر رجب و شہر شعبان سنا نہیں گیا یعنی باضافہ شہر الی رجب یا شعبان وغیرہ وغیرہ۔

فائدہ: مولانا حسن چلپی مرحوم نے فرمایا کہ قبح کا ازالہ ہو سکتا ہے وہ اس طرح کہ شہر رمضان کی اضافت بیانیہ ہو اور اضافۃ بیانیہ نحو میں شائع ذائع اور مشہور ہے، ہاں جب غیر معروف قاعدہ ہو تو پھر اس کی قباحت میں شک نہیں۔

اور شوال کو اس لیے اس نام سے موسوم کرتے ہیں کہ یہ مہینہ گناہوں کو دُور کرتا ہے مشتق از شال یشول۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی شے کو اٹھا کے لے جائے۔ اہل عرب کہتے ہیں شالت الناقة بذنبها، یعنی اونٹنی نے اپنی دُم اٹھائی۔ یہ اس وقت کرتی ہے جب اسے مارا جائے۔ (کذا فی التبیان)

اور شرحِ التقویم میں ہے کہ یہ الشول سے مشتق ہے بمعنے الخفة من الحرارة فی العمل والخدمة، یعنی خدمت و عمل کی حرارت کی خفت وہ اس لیے کہ انسان رمضان شریف کے روزوں میں نفس امارہ اور اس کی شہوات کے مٹانے میں لگا رہا۔ شوال کے ماہ میں ان دونوں کی سختیوں سے خفت پائی۔ اسی بناء پر اس کا نام شوال رکھا گیا۔

اور ذوالقعدہ کو اس لیے اس نام سے موسوم کرتے ہیں کہ قعدہ بمعنے بیٹھنا۔ چونکہ اہلِ عرب اپنی خوشحالی کی وجہ سے یا جنگ وجدال سے اس ماہ میں اپنے گھروں میں بیٹھ جاتے تھے۔ اور شرح التقویم میں لکھتے ہیں کہ اس ماہ کو اس نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ یہ مکہ معظمہ میں بیٹھنے کا مہینہ ہے۔ القعدہ بفتح القاف وسکون العین المہملہ۔

ف: ابن الملک نے فرمایا کہ ذوالقعدہ و ذوالحجہ میں فتح القاف و فتح الحاء، اور ان ہر دو کو مکسور بھی پڑھنا جائز ہے لیکن القعدہ (بفتح القاف) اور الحجہ میں (بکسر الحاء) زیادہ مشہور ہے۔

اور ذوالحج کو اس لیے اس نام سے موسوم کیا گیا کہ اس ماہ میں حج پڑھا کرتے تھے۔

فائدہ: عقد الدرر و اللآلی فی فضائل الشہور والایام واللیالی میں ہے کہ اسماء مشہور کے نام رکھنے کے لیے ایک عجیب طریقہ اختیار کیا گیا، وہ اس طرح کہ جب اصاغر نے دیکھا کہ اس ماہ میں اکابر نے عادات کو ترک کر دیا اور جنگوں کو اپنے اوپر حرام کیا تو اس ماہ کا نام محرم رکھا۔ اور جس ماہ میں دیکھا کہ ان کے ابدان مریض اور ان کے بازو کمزور اور ان کے چہرے زرد ہو گئے تو اس ماہ کا نام صفر رکھ دیا۔ اور پھل پھول اُگے اور باغات سرسبز دیکھے تو ان دونوں مہینوں کو ربیع الاول و آخر سے تعبیر کیا۔ جب ثمرات میں کمی پائی اور ہوائیں سردی محسوس کی۔ اور دیکھا کہ پانی برف کی طرح منجمد ہو گیا تو ان دونوں مہینوں کا نام جُمادی الاولیٰ والاُخریٰ رکھا۔ جب دیکھا کہ دریا موجزن ہیں، نہریں جاری ہو گئیں اور درختوں میں خشکی آگئی تو اس ماہ کو رجب سے موسوم کیا گیا۔ اور جب قبائل سفروں کو چلے جاتے اور ایک دُوسرے سے ان کی آپس کی ملاقات کے اسباب منقطع ہو جاتے تو اس ماہ کا نام شعبان رکھتے۔ جب فضا گرم ہو جاتی اور میدان تنور کی طرح تپ جاتے تو اس ماہ کو رمضان سے موسوم کرتے۔ جب مٹی جمع ہو جاتی اور مکھیوں کی بہتات ہو جاتی اور اونٹنیاں اپنے دم ہلاتی رہتیں تو اس ماہ کا نام شوال پڑ گیا۔ اور جب دیکھتے کہ تجار سفروں کو ترک کر کے گھروں میں بیٹھ گئے، نہ سردار کہیں جاتے ہیں نہ ان کے نوکر چاکر، تو اس ماہ کو ذوالقعدہ سے موسوم کر دیا۔ اور جب دیکھتے ہر سمت سے لوگ حج کے لیے کھچے کھچے اور لبیک پکارتے ہوئے میلے کچیلے، اور کفنیاں پہنے ہوئے کعبۃ اللہ کی طرف آ رہے ہیں تو اس ماہ کا نام ذوالحجہ رکھ دیا۔

مِنْهَآ ان بارہ مہینوں سے اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ چار ماہ حرام ہیں، اور وہ چار ماہ یہ ہیں۔

۱۔ رجب

۲۔ ذوقعدہ

۳۔ ذوالحجہ

۴۔ محرم

حل لغات: الحرم بضمتین، الحرام کی جمع، یعنی وہ چار ماہ جن میں جنگ وجدال حرام ہے اور ان مہینوں کے عین کو حرام کو حرام کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اوقات کہ جن میں جنگ کرنا حرام ہے وہ انہی مہینوں میں ہیں یا حکم کا اسناد شے کے ظرف کی قبیل سے ہے اور یہ اسناد مجازی ہے اگرچہ اوقات من حیث الاوقات سب کے سب برابر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بعض اوقات کو کسی خصوصیت سے ممتاز فرمایا ہے مثلاً یومِ جُمعہ اور یومِ عرفہ یہ ایسے دن ہیں: جن کی عزت و حرمت کے مقابلہ میں دوسرے ایام ہیچ ہیں اس لیے کہ ان میں مخصوص عبادت کرنے کا حکم ہے اور اسی عبادت کی نسبت سے انہیں فضیلت حاصل ہے۔ اسی طرح ماہِ رمضان کو دوسرے مہینوں سے فضیلت حاصل ہے وہ بھی اسی مخصوص عبادت کی وجہ سے۔ اسی طرح بعض ساعات دوسری ساعات سے افضل ہیں۔ بعض ساعات دن کی افضل ہیں تو بعض ساعات

رات کی، مثلاً اوقات الصلوٰۃ دوسرے اوقات سے افضل ہیں۔ اسی طرح بعض مکانات دوسرے مکانات سے افضل ہوتے ہیں ان کی تعظیم و تکریم بہ نسبت دوسرے مکانات کے زیادہ ہوتی ہے۔ اس تقریر سے معلوم ہُوا کہ اگر بعض ماہ دوسرے مہینوں سے تعظیم و تکریم کے مستحق ہیں تو کیا حرج ہے، اسی طرح ان کے اندر عبادات کے ثواب میں اضافہ ہوتا ہے دوسروں میں کم یا ان کے اندر گناہوں کی دُگنی سزا ملتی ہے تو عقلاً و نقلاً دونوں طرح جائز ہے۔

فائدہ: اسئلۃ الحکم میں لکھا ہے کہ مہینوں اور دنوں اور راتوں اور اوقات کی ایک دوسرے پر فضیلت کا وہی حکم ہے جو انبیاء علیہم السلام کی فضیلت کا ہے یعنی جیسے انبیاء علیہم السلام ایک دوسرے سے افضل ہیں ایسے ہی بعض شہور و ایام و اوقات ایک دوسرے سے افضل و اعلیٰ ہیں اس لیے کہ ان کی بزرگی و شرافت کی وجہ سے قلوب ان کے ادراک و احترام و اکرام کے لیے پُر شوق اور نفوس و ارواح ان میں عبادات کرنے میں پُر ذوق رہتی ہیں اور ان کے فضائل کے حصول میں خلقِ خدا کو رغبت بھی ہوتی ہے اور ان میں اجرو ثواب کا اضافہ منجانب اللہ ہے اسی کا اپنا فضل و کرم ہے وہ جس طرح چاہے کسی کو بڑھائے یا گھٹائے یہ اس کی اپنی خصوصیات ہیں جسے جس طرح مخصوص فرمائے۔

فائدہ: الاسرار المحمدیہ میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے پر لطف و کرم فرماتا ہے تو اسے نیک اوقات اور افضل ساعات میں بہتر عبادات کی توفیق بخشتا ہے۔ اگر وہ کسی بندے پر ناراض ہوتا ہے تو اسے ایسے مقدس ایام میں بھی اس سے برائی کراتا ہے جس سے وہ دائمی عذاب میں مبتلا ہو کر ان اوقات کی برکات سے محروم ہو جاتا ہے۔

سبق: دانا وہ ہے جو اوقات متبرکہ کی برکات کے حصول سے غفلت نہیں کرتا اس لیے کہ جن اوقات کو اللہ تعالیٰ نے عبادات کے لیے مخصوص فرمایا ہے وہ یوں سمجھو کہ اطاعاتِ الٰہی کے لیے بمنزلہ موسم بہار کے ہیں یا یوں سمجھو کہ وُہ گھڑیاں نیکیوں کی منڈی ہیں۔ پھر جس طرح ایک تاجر اپنی تجارت کے سیزن میں غفلت نہیں کرتا ایسے ہی نیکی کے سیزن کو بھی سمجھدار انسان ضایع نہیں کرتا جسے فضائلِ اوقات کی قدر نہیں تو وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ہاں دینی امور میں چستی و چالاکی مفید رہتی ہے، جیساکہ فارسی میں ایک مثال مشہور ہے: ع

زاد راہ رواں چیست و چالاکی

ترجمہ: رُوح کی غذا چستی و چالاکی ہے۔

مسئلہ: تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ رمضان شریف تمام مہینوں سے افضل ہے، اس کے بعد ربیع الاول شریف، اس لئے کہ وہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا مہینہ ہے۔ پھر رجب شریف، کیونکہ معظم مہینوں میں سے ایک یہی ہے۔ پھر شعبان، اس لیے کہ حبیب الرحمٰن صلی اللہ علیہ وسلم کا مہینہ ہے اور آجال و اعمال کی تقسیم اسی مہینہ میں ہوتی ہے۔ اور دو بڑے معظم مہینوں یعنی رجب و رمضان کے درمیان واقع ہے۔ گویا اسے دُو بزرگوں کی ہمسائیگی کی وجہ سے فضیلت و بزرگی حاصل ہُوئی۔ ایسی فضیلت اور کسی دُوسرے مہینے کو نصیب نہیں، اس کے بعد ذوالحجہ، اس لیے کہ اسی میں حج پڑھا جاتا ہے

اور اس کے پہلے دنوں کی ہر رات کی فضیلت لیلۃ القدر کے برابر ہوتی ہے۔ اس کے بعد محرم کو، اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کا مہینہ ہے اور سن ہجری کا آغاز اسی ماہ سے ہوتا ہے، اور یہ بھی معظم مہینوں سے ایک ہے اور چند وجوہ سے یہ افضل مہینوں سے مقرب بھی ہے۔

ذٰلِكَ ان معین چار مہینوں کی تحریم **الدِّيْنُ الْقَيِّمُ** وہی دین مستقیم ہے۔ یعنی یہی ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کے دین کا حکم ہے اور اہل عرب کو یہی دین وراثت میں ملا اور متوارثًا ان معین مہینوں کی تحریم و احکام دینِ ابراہیمی میں تھے لیکن جاہلیت کے چند بدبختوں نے تاخیر کی بدعت نکالی تو اس وقت سے ان معین مہینوں کی تحریم میں تغیر پیدا ہوگیا۔ **فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ** پس ان مہینوں کی ہتک اور جن امور سے ممانعت ہے ان کا ارتکاب کرکے اپنے نفسوں پر ظلم نہ کرو۔

سوال: تبیان میں ہے کہ اثنی عشر گنتی کے لحاظ سے جمع ہے لیکن منہا اربعۃ حرم میں ضمیر واحد کی لائی گئی ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: اثنا عشر کو کثرۃ کی تاویل میں لے کر مونث واحدہ کی ضمیر اس کی طرف لوٹائی گئی ہے۔

سوال: فیہن میں ضمیر جمع مونث غائب کی کیوں؟

جواب: چونکہ وہ معین چار ماہ ہیں اور عرب تین اور تین سے اوپر الی غیر نہایۃ کو جمع کہتے ہیں اور دس تک جمع قلت ہوتی ہے اور اس کے بعد الی غیر نہایۃ جمع کثرت اور جمع کثرت کی طرف ضمیر لوٹائی جاتی ہے تو اکثر واحدہ مونث غائبہ کی ہوتی ہے، اور جمع قلت میں اکثر جمع مونث غائبات کی۔ اسی لیے فلا تظلموا فیہن میں ضمیر جمع مونث اور منہا میں ضمیر واحد مونث لائی گئی ہے تاکہ فرق معلوم ہو کہ اس ضمیر کا مرجع جمع کثرت ہے یا جمع قلت۔

قاعدہ: یہ آیت منسوخ ہے یعنی ان معین مہینوں میں جنگ و جدال کی حرمت منسوخ ہوگئی یہی جمہور کا مذہب ہے۔

مسئلہ: ہاں ان معین مہینوں میں معاصی کا ارتکاب گناہِ کبیرہ ہے جیسے بحالت احرام اور حرم شریف میں گناہ کرنا نہ صرف کبیرہ بلکہ ایک عظیم ترین جرم ہے۔ ایسے ہی ان معین مہینوں میں گناہ ایک جرم عظیم ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اسے ظلم (فلا تظلموا) سے تعبیر کیا ہے۔ اسی لیے جمہور نے فرمایا ہے کہ اگرچہ ان معین مہینوں میں تحریم القتال منسوخ ہے لیکن جرائم کا ارتکاب بھی ظلم عظیم ہے۔

سوال: گناہ کا ارتکاب ہر ماہ میں حرام ہے، پھر ان معین چار مہینوں کی تخصیص کیوں؟

جواب: تاکہ اشارہ ہو کہ ان معین چار مہینوں کی عزت و عظمت منسوخ نہیں بلکہ ان کے اندر جو مخصوص حکم تھا وہی منسوخ ہوگیا۔

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً اور تمام مشرکین سے جنگ کرو۔

حلِ لغات: کافّۃً کَفَّ کا مصدر ہے اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ ثلاثی مجرد کے مصادر کبھی فاعلۃ کے وزن پر آتے ہیں جیسے عافیۃ وغیرہ، اور کافۃ بمعنے کل و جمیع، اور وہ منصوب علی الحال ہے۔ وہ قاتلوا کے فاعل سے حال ہے۔ اب معنیٰ ہوگا کہ اے مسلمانو! تم سب کے سب ایک دوسرے کے معاون بن کر مشرکین سے جنگ کرو۔

فائدہ: مسلمان بھائی کی معاونت دعا سے بھی کی جاسکتی ہے، بلکہ یہی بہترین ہتھیار ہے اسے عارفین معنوی ہتھیار سے تعبیر

کرتے ہیں جیسے ہم ظاہر بین تلوار کو جنگ کا ظاہری ہتھیار سمجھتے ہیں۔

مسئلہ: جو شخص میدانِ جنگ میں نہیں جا سکتا اسے چاہیے کہ وُہ اپنے جنگی بھائیوں کے لیے نہایت خشوع وخضوع سے دُعا مانگے اس لیے کہ اب وہ خاطر جمع رکھتا ہے بخلاف جنگیوں کے کہ اگرچہ وہ افضل الاعمال میں مصروف ہیں لیکن بوجہ میدانِ جنگ میں ہونے کے پراگندہ دل ہیں، اسی لیے جسے جنگ پہ جانا نصیب نہیں ہوا تو اسے دُعا کرنے سے معنیً جنگ کی شمولیت نصیب ہو گی۔ اگرچہ ظاہری طور اسے حاضری نصیب نہیں۔ معنًا تو نصیب ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

در رہِ عشق مرحلۂ قُرب و بُعد نیست
می بینمت عیاں و دُعا می فرستمت

ترجمہ: عشق میں نہ قرب ہے نہ بُعد، میں آپ کو حاضر دیکھ کر سلام ودعا عرض کرتا ہُوں۔

كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ط جیسے وہ سارے کافر مجتمع ہو کر تمہارے ساتھ جنگ کرتے ہیں۔

فائدہ: ہم نے پہلے جملہ میں لکھا کہ کافۃ، قاتلوا کے فاعل سے حال ہے۔ اس جملہ میں یہ بھی جائز ہے کہ وہ مفعول سے حال ہو اب اسی جملہ کا معنی ہو گا کہ اے مسلمانو! تمام مشرکین سے جنگ کرو، ان میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑو، جیسے وہ تم سب سے جنگ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

فائدہ: کافۃ جیسے قاتلوا المشرکین میں فاعل اور مفعول سے علیحدہ علیحدہ حال بن سکتا ہے ایسے ہی دونوں سے بیک وقت حال واقع ہو سکتا ہے۔ اب معنیٰ ہو گا کہ اے تمام مسلمانو! تمام مشرکین سے جنگ کرو۔

قاعدہ: فاعل ومفعول دونوں سے بیک وقت حال واقع ہو سکتا ہے جیسے ضرب زید عمرو اقائمین، یعنی زید نے عمرو کو مارا۔ درانحالیکہ وہ دونوں قایم تھے۔

سوال: کافۃً مصدر واحد ہے اور فاعل ومفعول دونوں جمع کے صیغے حال و ذوالحال میں مطابقت ضروری ہوتی ہے۔

جواب: کافۃً مصدر ہے اور مصدر مشترک کہاتا ہے مذکر ومونث واحد تثنیہ جمع سب کے لیے یکساں مستعمل ہوتا ہے۔

فائدہ: کافۃً کو منصوب علی الظرفیہ یعنی مفعول فیہ بھی بنایا جا سکتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہو گا کہ اے مسلمانو! مشرکین کے ساتھ ہر جگہ اور ہر وقت جنگ کرو حرم وغیر حرم اور اشہر الحرام وغیرہ کی تخصیص نہ کرو اور ان سے ہمیشہ تا قیامت لڑتے رہو، اس لیے کہ قیامت تک جہاد جاری رہے گا[1]

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ○ اور یقین کرو کہ اللہ تعالیٰ متقین کے ساتھ ہے۔ یعنی جب وُہ مشرکین و

---

[1] اس سے قادیانی کا رد ہے جس نے برطانیہ کے اشارے پر جہاد کی فرضیت کا انکار کر کے اپنے لیے اور اپنی تمام جماعت کے لیے جہنم خریدی

کفار سے جنگ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرتا ہے۔

سوال: یہاں عربی قاعدہ کے مطابق "معھم" ہونا چاہیے۔ ضمیر کے بجائے اسم ظاہر کیوں لایا گیا ہے۔

جواب۱: تاکہ معلوم ہو کہ ان کی تعریف و توصیف ان کے تقویٰ و طہارت کی وجہ سے ہے۔

جواب۲: تاکہ معلوم ہو کہ مجاہدین تقویٰ و طہارت سے موصوف ہوں تو فتح و نصرت ان کے قدم چومتی ہے۔

جواب۳: تاکہ تقویٰ و طہارت سے جی چرانے والوں کو بھی معلوم ہو کہ جہاد تقویٰ کے بغیر اپنے آپ کو شکست کے منہ میں دینا ہے اگر وہ کریم اپنی مہربانی سے فضل و کرم کرے تو وہ علیحدہ بات ہے ورنہ غیر متقی کو منجانب اللہ کبھی فتح و نصرت نصیب نہیں ہوتی۔

(کذا فی الارشاد)

فائدہ: قاضی نے لکھا کہ تقویٰ و طہارت والوں کو گویا ضمانت دی گئی ہے کہ تم تقویٰ کرو گے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ کریمہ ہے کہ وہ تمہیں ضرور اور لازماً فتح و نصرت عطا فرمائے گا اور بارہا تجربہ کیا جا چکا ہے کہ مجاہدین کا تقویٰ اتنا بڑا کام کر گیا کہ جہاں ہتھیاروں اور خالی دعاؤں نے کام نہ کیا تاریخ کی ورق گردانی سے اس کلیہ کی تصدیق ہو سکتی ہے۔

تقویٰ کے درجات

تقویٰ کا ادنیٰ درجہ کلمۂ شہادت پر یقین رکھنا اور اس کا اقرار کرنا ہے۔ اسی ادنیٰ درجہ کی برکت ہے کہ مسلمان کو دنیا میں مال اور اولاد میں حفاظت اور آخرت میں عذاب الٰہی سے نجات نصیب ہوتی ہے

پھر جب تقویٰ کے شرائط ظاہری و باطنی پورے کئے جائیں تو قلب کو ایک باطنی نور نصیب ہوتا ہے یعنی قلب اوصافِ ذمیمہ سے پاک اور صاف ہو جاتا ہے۔ قلب کی صفائی سے سالک کو تقویٰ السر نصیب ہوتا ہے۔ اور تقویٰ السر یہ ہے کہ بندہ کا قلب ماسوی اللہ سے فارغ ہو جائے، پھر اسے مقام "من کان للہ کان اللہ لہ بالنصرۃ والامداد" نصیب ہوتا ہے[1]

تفسیر صوفیانہ

تلوار دو قسم کی ہے:

۱۔ ظاہری تلوار

۲۔ باطنی تلوار

ظاہری سے ظاہری جہاد، اور باطنی سے جہاد معنوی مراد ہے۔ ظاہری جہاد سے صرف اتنا ہوتا ہے کہ کفار و مشرکین کو فی النار والسقر کیا جاتا ہے، اور باطنی جہاد سے نفس کی اندرونی بغاوتیں اور شرارتیں مٹا کے رکھ دی جاتی ہیں۔ جہاد ظاھری میں اسمائے الٰہیہ کے اسم "الظاہر" کا مظہر یعنی بادشہ اور اس کا لشکر کام کرتا ہے۔ اور جہاد معنوی پر اسم "الباطن" کا

---

[1] اسی کو علامہ اقبال مرحوم نے یوں بیان فرمایا کہ: ؎

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

مظہر ولی اللہ، یعنی قطبِ وقت اور اس کا لشکر مامور رہتا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کر وہ ہمارے بادشہ کو اپنے "ممد و ناصر و معین" کی برکات سے مدد دے۔ اور ہمارے دشمنوں کو اپنے اسماء المنتقم، القہار، ذوالجلال کی برکات سے ذلیل وخوار کرے۔

حضرت شیخ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

دعائے ضعیفاں امیدوار
زبازوئے مردے بر آید بکار

ترجمہ: ضعیف امیدواروں کی دُعا مرد کے بازوؤں کو بہت بڑا کام دیتی ہے۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہُوا کہ اعدائے اسلام سے جہاد کرنا ضروری اور لازمی ہے۔

حدیث شریف: القتل فی سبیل اللّٰہ مصمصہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں لڑنے سے گناہوں سے صفائی و ستھرائی نصیب ہوتی ہے۔ "مصمصہ" مصمص الاناء سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب پانی برتن میں ڈال کر برتن کو متحرک کیا جائے۔ مضمضہ کا معنیٰ بھی یہی ہے، کُلّی کرنے میں یہی مفہوم مطلوب ہوتا ہے۔ (کذافی تاج المصادر)

حدیث شریف: ان ابواب الجنۃ تحت ظلال السیوف۔ بہشت کے دروازے تلواروں کے سائے تلے ہیں۔ یعنی جنگ میں مجاہد کی یہ شان ہوتی ہے کہ گویا بہشت کے دروازے اس کے آگے ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ مخالفین کی تلواروں کے سائے انسان کے قلب پر اثر انداز ہوتے ہیں اور اس کا نفس چاہتا ہے کہ جنگ سے فرار اختیار کر جائے۔ لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے پیشِ نظر قلب کو تھام کر جانبازی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے بہشت کے دروازے کھول دیتا ہے تاکہ مرتے ہی فوراً بہشت میں چلا جائے۔ اس میں اشارہ ہے کہ مسلمان مجاہد بوقتِ جہاد بہشت کے بالکل قریب ہوتا ہے۔

فائدہ: سیوف (تلوار) کی قید اتفاقی ہے اس لیے کہ عرب میں اس دور میں عموماً جنگ تلوار سے لڑی جاتی ہے ورنہ اب ہم جنگی سامان میں سے تلوار کی بجائے جس شے کو تعبیر کریں، جائز ہے۔ مثلاً ٹینک، گولی وغیرہ۔

مسئلہ: جنگ کے میدانوں اور محافلِ دُعا میں ریاء و سُمعہ (شہرت) سے بچنا بھی تقوٰی ہے۔

حضرت خسرو دہلوی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

غازیِ اسمی کہ بغارت رود   ہست چو حاجی کہ تجارت رود
آنکہ غزا خوانی و جوئی رضا   گر غرضے ہست نباشد غزا
رو بغزا دل غرض آلودہ وائے   جہد خود است ایں نہ جہاد خدائے

ترجمہ: نام کا غازی جو جنگ میں جاتا ہے اسے یُوں سمجھو جیسے حاجی حج کو تجارت کی غرض سے جائے۔ جس جنگ میں رضائے الٰہی کے سوا کوئی اور غرض ہو تو اسے تم جنگ کا نام دیتے رہو تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ

جنگ نہیں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ ان عدۃ الشھور عند اللہ مہینوں کی گنتی اللہ تعالیٰ کے ہاں یعنی ازل سے فی کتاب اللہ اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں یوم خلق السمٰوٰت والارض اس دن کہ آسمان اور زمینوں کو پیدا فرمایا منھا اربعۃ حرم ان میں چار ماہ معزز و معظم ہیں۔ یعنی ازل سے اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ زمین و آسمان کی تخلیق سے یہ ماہ حرمت والے ہوں۔ یعنی حکمتِ الٰہیہ کا تقاضا ہوا کہ ان مہینوں میں جرائم و معاصی کے ارتکاب کی سزا بہت زیادہ ہو بلکہ بندوں پر لازم کر دیا گیا کہ ان مہینوں میں بہ نسبت دوسرے مہینوں کے عبادت و اطاعت میں زیادہ وقت گزاریں اور اس میں شواغل دنیویہ وحظوظِ نفسانیہ کو بالکل ترک کر دیں۔

دوسری صوفیانہ تقریر اس میں اشارہ ہے کہ طالب حق پر لازم ہے کہ اپنی زندگی کے اکثر لمحات طلبِ حق میں بسر کرے۔ اگر کوئی ضرورت درپیش ہو تو دو تہائی عمر اسی شغل میں گزرے ورنہ نصف زندگی تو نہایت ضروری ہے سالک پر تہائی عمر بھی غیر حق میں صرف کرنا حرام ہے اور وہ بندہ خسارے میں رہے گا جو تہائی عمر بھی طلبِ حق میں صرف نہیں کرتا۔ ہم نے یہ قیود اس لیے لگائی ہیں کہ بندے پر اپنی آل اولاد اور اہل وعیال کی معاش کے اسباب تلاش کرنا ضروری ہے، ورنہ جو بندہ اہل وعیال سے فارغ ہے اسے اپنی زندگی کا ایک لمحہ بھی غیر حق کی طلب میں صرف کرنا حرام ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ذٰلک الدین القیم یہی دین مستقیم ہے، یعنی جو شخص اپنی زندگی کے لمحات غیر حق کی طلب میں صرف کرتا ہے تو اس کا دین مستقیم نہیں بلکہ جتنی زندگی ضایع کرے گا اتنا ہی اس کا دین ٹیڑھا ہو گا۔ فلا تظلموا فیھن اور طلب میں عمر کا تہائی حصہ بھی ضایع کر کے اپنے نفسوں پر ظلم نہ کرو، اس لیے کہ بارہ مہینوں کی تہائی چار ماہ ہے۔ اس میں اسی طرف اشارہ ہے کہ اگر تم نے اپنی زندگی کا تہائی حصہ طلب حق کے غیر میں صرف کیا تو یقین کرو کہ تم نے اپنے نفسوں پر بہت بڑا ظلم کیا۔ صوفیاءِ کرام کے نزدیک ظلم علی النفس کا معنیٰ یہ ہے کہ صفات وحظوظِ نفس کو قلوب وارواح کی صفات پر غالب کر دینا اور ظاہر ہے کہ دنیوی مشاغل و مصالح میں زندگی کا اکثر حصہ ضایع کرنا اپنے قلوب وارواح کو مجروح کرنا ہے اور مشاغلِ دنیویہ میں منہمک ہونے سے نفس روح و قلب پر غلبہ پاتا ہے اور یہ انسان پر ظلمِ عظیم ہے اور قاعدہ ہے کہ قلب و روح پر نفس کی صفاتِ ذمیمہ کے غلبہ سے انسان کا جھکاؤ دنیا کی طرف ہو جاتا ہے، اور صوفیاءِ کرام دنیا کی طرف میلان کو عبادت غیر اللہ سے تعبیر کرتے ہیں اور نفس کے پجاریوں کو صوفیاءِ کرام مشرک کہتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وقاتلوا المشرکین کافۃ یعنی اے سالکو! تم اپنے قلوب وارواح کی صفات کو بحال رکھنے کے لیے نفس دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کرو کما یقاتلونکم کافۃ جیسے سرکش نفوس تمہارے قلوب وارواح اور ان کی صفات کو مذموم بنانے کے لیے سر کی بازی لگاتے ہیں۔

فائدہ: نفسِ امارہ سے جنگ کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کے ہر ارادہ کی مخالفت کی جائے اور اس کی ہر خواہش کو دبایا جائے اور اس کی جملہ صفات مذمومہ کو ملیا میٹ کیا جائے اور اسے خواہشات سے باز رکھ کر اور اسے ہر وقت طاعت و عبادتِ الٰہی

میں مصروف رکھا جائے اور اسے معاملاتِ روحانیہ وقلبیہ میں لگایا جائے۔ خلاصہ یہ کہ نفس سرکش کا اوصافِ ذمیمہ سے تزکیہ اور اخلاق حمیدہ سے تحلیہ ضروری ہے۔ واعلموا ان اللہ مع المتقین اور یقین کرو کہ اللہ تعالیٰ متقین کے ساتھ ہے۔ صوفیاء کرام کے نزدیک متقین سے وہ قلوب وارواح مراد ہیں جو شرک یعنی التفات لغیر اللہ سے پاک ہیں اور ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معیت کی علامت یہ ہے کہ اگر ان پر اللہ تعالیٰ کا لطف وکرم نہ ہوتا تو ارواح وقلوب کو تقویٰ وطہارت کی توفیق نصیب نہ ہوتی یہ اسی کا کرم ہے کہ یہ ماسوی اللہ سے فارغ ہو کر صرف اللہ تعالیٰ کے ہو گئے ہیں۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

اِنَّمَا النَّسِیٓءُ یہ نسأہ بمعنے اخرہ کا مصدر ہے بروزن فعیل جیسے مسّ کا مصدر مسیسٌ آتا ہے۔ اہلِ عرب کی جاہلیت میں عادت تھی کہ جب مہینہ حرام آتا اور وہ جنگ میں مصروف ہوتے تو ماہِ حرام میں جنگ جاری رکھتے ہوئے کہتے کہ اس مہینے کے بدلے دوسرا مہینہ حرام کا مقرر کر دیں گے یہاں تک کہ مہینے حرام کے جنگوں میں گزار دیتے۔ پھر اپنی مرضی سے دوسرے مہینے ان کے عوض مقرر کر دیتے۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ اہلِ جاہلیت کو جنگ وجدال کا بہت شوق تھا۔ لیکن ماہِ حرام میں جنگ وجدال نہیں کرتے تھے مگر جب مسلسل تین ماہ گھر بیٹھے رہتے تو تنگ ہو کر مختلف تجویزیں سوچتے۔ ایک دفعہ قیس کنانی نے اہلِ عرب کو جمع کر کے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ماہِ صفر تک حرام کے مہینے مؤخر کر دیے ہیں۔ لوگوں نے اس کی بات پر اعتبار کر کے حرام کے مہینوں میں جنگ وجدال جاری کر دی۔ دوسرے سال کسی دوسرے نے اس سال تمہارے لیے ماہ محرم کو حرام کیا ہے اور صفر میں جنگ حلال کر دی گئی ہے۔ اسی طرح ہر سال اپنی مرضی سے ماہِ حرام کو حلال اور ماہِ حلال کو حرام کر دیتے۔ کبھی مسلسل چار ماہ کو حرام کر دیتے۔ اس طریق سے ماہِ حرام اصلی حالت پہ نہ رہے۔ ان کے نزدیک سال میں صرف چار ماہ حرام تھے خواہ وہ کوئی مقرر کر لیے جائیں۔ اپنے اس طریق کو نسیٔ (تاخیر) سے تعبیر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں فرمایا کہ ایک ماہ حرام کو دوسرے ماہ سے مؤخر کرنا زِیَادَۃٌ زیادتی ہے فِی الْکُفْرِ کفر میں، یعنی حدودِ الٰہی سے تجاوز کرنا ہے، اس لیے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ امور کو حلال اور حلال کو حرام کرنا ہے۔ یہ کفر ہے۔ اس طرح سے ان کے کفر معروف کے ساتھ ایک اور کفر کا اضافہ ہوا، یعنی کافر تو تھے ہی، لیکن ایجاد بندہ یعنی بدعتِ سیئہ کے اجراء سے اپنے کفر میں مزید اضافہ کر دیا یُضَلُّ بِہٖ گمراہ کیے جاتے ہیں دین میں نئی ایجاد یعنی تاخیر کی وجہ سے الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وہ لوگ جو کافر ہیں اور حقیقۃً سب کا مضل اللہ تعالیٰ ہے اس لیے کہ ضلال کی تخلیق اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ جب وہ گمراہی کے امور کا ارتکاب کرتے ہیں یا جب ان میں گمراہی کے اسباب پائے جاتے ہیں تو ان میں اللہ تعالیٰ گمراہی پیدا فرماتا ہے یا گمراہ کرنے والے ان کے لیڈر تھے۔ اس معنیٰ پر الذین اسم موصول سے ان لیڈروں کے تابعدار مراد ہیں یعنی لیڈروں کی گمراہی کی اتباع میں ان کے متبعین گمراہ ہو جاتے ہیں یا گمراہ کنندہ شیطان ہے اس لیے کہ وہ اسم الٰہی مضل کا مظہر ہے۔

صوفیانہ تقریر صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شیطان، نفس اور گمراہی درحقیقت ایک شے ہے

مختلف اعتبارات کی وجہ سے علیحدہ نام سے مُعَنوَن ہوتے ہیں۔ یعنی شریعت والے اس حقیقت کو شیطان سے اور طریقت والے نفس سے اور حقیقت والے ضلال سے تعبیر کرتے ہیں لیکن یاد رہے کہ ایک اصطلاح کو دوسری اصطلاح پر استعمال کرنا ناجائز ہے۔ یہی تقریر صاحبِ رُوح البیان کے پیرومرشد کی ہے یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا حلال کرتے ہیں ایک سال میں ماہ مؤخر کو یہ ضمیر اس ماہ موخر کی طرف لوٹتی ہے جس پر نسئ مذکور دلالت کرتا ہے، عَامًا سے زندگی کے سالوں میں سے کوئی سال مراد ہے یعنی جو ماہ حرام نہیں تھا اسے اپنی طرف سے حلال ماہ کو حرام قرار دیتے ہیں۔ وَيُحَرِّمُوْنَهٗ اور اس ماہ کی حرمت کی محافظت کرتے ہیں۔ اس آنے والے ماہ کو حرام سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ وہ آنے والے سال اسی حلال کردہ ماہ کو حرام قرار دیں گے عَامًا دوسرے سال میں یہ اس وقت ہے جب انہیں اس ماہ کی تحریم سے کوئی غرض متعلق ہو لِّيُوَاطِئُوْا المواطاۃ سے مشتق ہے بمعنی الموافقۃ یعنی تاکہ اس حکم کی موافقت کر کے عمل کریں عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ان چار ماہ کی گنتی جو اللہ تعالیٰ نے حرام مقرر فرمائی اور وہ کہتے کہ اللہ تعالیٰ نے چار ماہ جنگ حرام فرمائی ہم نے اس حکم کو پورا کر لیا فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ط باوجود اینہمہ وہ اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ کو حلال کرتے تھے یعنی حیلہ سازی کر کے اللہ تعالیٰ کے حکم کی موافقت کی کوشش کرتے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ مہینوں کو حلال بنا لیتے۔ اسی لیے چار ماہ کی گنتی سے تعمیل حکم الٰہی کے بجائے بے فرمانی کے مرتکب ہوئے۔ خلاصہ یہ کہ ان پر دو امر واجب تھے ایک چار ماہ کی گنتی دوسرا معین ماہ کی حرمت انہوں نے گنتی کے امر کی تعمیل تو کی لیکن حرمت کی تعمیل کی خلاف ورزی کی زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ان کے لیے بُرے اعمال سنگارے گئے یعنی وہ اعمال ان کو ایسے محبوب و مرغوب تھے جو ان کے نفوس کی خواہش کے مطابق تھے حقیقی مزین اللہ تعالیٰ اور مجازاً شیطان یا نفس ہے۔ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۧ اور اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا یعنی انہیں وہ ہدایت نصیب نہیں ہوتی جو موصل الی المطلوب ہو۔ ہاں انہیں موصل الی المطلوب کا راستہ دکھایا لیکن چونکہ انہوں نے اپنے اختیار سے اس راہ سے ہٹ کر دوسرا غلط راستہ اختیار کیا اسی لیے وہ گمراہی کے جنگل میں بھٹکتے رہے۔

فائدہ: ینابیع میں ہے کہ کفار نے چار ماہ اپنے اوپر سے حرام کر رکھا تھا کہ کسی کو ضرر نہیں پہنچائیں گے۔ مسلمانوں نے اپنے اوپر لازم کر لیا کہ تمام سال کسی کو دُکھ درد نہیں دیں گے نہ ہاتھ سے نہ زبان سے۔ ؎

آزار دل خلق مجو بے سببے　　تا بر نکشند یاربے نیم شبے
بر مال و جمال خویشتن تکیہ مکن　　کانرا بشبے برند ایں را بہ تبے

ترجمہ: بلا سبب کسی کا دل نہ دکھا تاکہ وہ آدھی رات کو اللہ تعالیٰ سے فریاد نہ کریں۔ اپنے مال و جمال پر بھی سہارا مت کر اس لیے کہ مال ایک سیکنڈ میں ختم ہو سکتا ہے اور جمال بھی۔

احساسِ زیاں جاتا رہا

صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہمارے دور میں غلط کاریوں کی انتہا ہو گئی ہے کہ لوگوں نے آج کل ہر ماہ گناہوں کے ارتکاب کی کوئی کسر باقی نہیں رکھی نہ کسی بابرکت مہینہ

کی شرم وحیا رہی نہ دوسرے عام ہی غلطیوں میں کمی ہے یہاں تک کہ ماہِ رمضان جیسے مقدس مہینے میں کھلے بندوں برائیوں کا ارتکاب ہو رہا ہے بعض بے حیا تو برسرِ بازار کھانے پینے میں مست رہتے ہیں اور رات کو جب حفاظِ قرآن مجید مساجد میں سُنانے سے ملائکہ کے لیے رشک بنے ہوتے ہیں اور خوش قسمت نمازِ تراویح کی ادائیگی میں مصروف ہوتے ہیں بدبخت رنگ رلیوں میں مستغرق ہوتے ہیں۔ ایسے بدمعاشوں کو جب برائیوں سے روکا جاتا ہے تو دست بگریباں ہوتے ہیں۔ ہائے افسوس کہ دین کی غربت کا وقت آگیا ہے کہ مسلمانوں کے دلوں سے رمضان و قرآن و اسلام کی عزت و احترام کا احساس نکل گیا ہے اور وہ انوار و برکات جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے مختص فرمائے ان سے آدم زادہ یکسر محروم ہوگیا (انا للہ و انا الیہ راجعون)۔۔ ہم اللہ تعالیٰ سے توفیق کی دُعا کرتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو اس کے انوار و تجلیات کے حصول کیلیے شب و روز جد و جہد کرتے ہیں۔

فائدہ: انما النسیٔ المذکور میں حدیث شریف کی طرف اشارہ ہے۔ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا عدوی ولا ھامۃ ولا صفر۔

شرح الحدیث المذکور: عدوی "اعداء" مصدر کا اسم ہے جیسے دعوی "ادعا" کا اسم ہے بمعنے تجاوز، اور اصطلاح عوام میں ایک آدمی کی بیماری دوسرے کو چمٹنا۔ اہل جاہلیت کا عقیدہ تھا کہ ایک کی بیماری دُوسرے کو چمٹ جاتی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو کسی طرح سے دخیل نہیں سمجھتے تھے۔ اب لا عدوی کا معنیٰ یہ ہُوا کہ کسی کی بیماری دوسرے کو نہیں چمٹتی۔ اس کا مطلب مفسرینِ و علماء شرع یہ بتاتے ہیں کہ اس میں سرایۃ العلۃ و التعدیۃ کی نفی مطلوب نہیں اس لیے کہ یہ تو طب کے قانون کے عین مطابق ہے کہ بعض بیماریاں متعدی ہوتی ہیں۔ اور بارہا کا تجربہ ہے کہ بہت سی بیماریاں متعدی ہو کر دوسروں کو چمٹ جاتی ہیں بلکہ اس عقیدہ کی نفی ہے کہ اس بیماری کے تجاوز میں اللہ تعالیٰ کو دخیل نہ سمجھنا، حالانکہ یہ کفر ہے۔ اسلام نے اس کے برعکس عقیدہ دیا کہ ایک کی بیماری دُوسرے کو کبھی چمٹ جاتی ہے تو اس میں بھی تقدیرِ ربانی کو دخل ہے صرف بیماری ایک سبب ہے اصل اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو مانا جائے اور سبب دُوسری شے کو۔ یہی عین اسلام ہے۔ یہی عقیدہ ہم اہلسنت کو نصیب ہُوا ہے کہ ہم نفع و نقصان کا مالک اللہ تعالیٰ کو سمجھتے ہیں۔ انبیاء و اولیاء کو ان کا سبب اور وسیلہ مانتے ہیں۔ اس کے برعکس جو ہمارے خلاف لوگ بیان دیتے ہیں اس کے لیے ہم صرف کہیں گے ھذا بُہتان عظیم۔

مزید شرح: اس قاعدہ قانون پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا یورد ممرض علی مصحح صاحب ابل الصحیحۃ۔

حلِ لغات: الممرض بمعنے صاحب الابل المریضہ اور المصحح بمعنے صاحب الابل الصحیحۃ۔ اب حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ بیمار اونٹ تندرست اونٹ کو بیمار نہیں کرتا بلکہ بیمار کو بیماری اللہ تعالیٰ نے دی ہے اور تندرست کو تندرستی اللہ تعالیٰ نے بخشی ہے۔ اس حدیث شریف میں بھی یہی سبق دیا گیا ہے کہ ہر شے کا مالک اللہ تعالیٰ ہے لیکن

س کے پیدا کردہ اسباب کو مدنظر رکھنا بھی ضروری ہے کہ جن اسباب سے نقصان ہوتا ہے ان سے بچنا لازمی اور جن سے نفع حاصل ہوتا ہے انہیں اسباب سمجھ کر عمل میں لانا بھی ضروری ہے۔ بحمدہٖ تعالیٰ یہی طریقہ ہم اہلسنّت کو حاصل ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے آگ کو جلانے اور پانی کو ڈبونے کے لیے پیدا فرمایا ہے تو ہمارے لیے لازم ہے کہ ہم آگ اور کثیر پانی سے بچنے کی کوشش کریں ایسے ہی جس دیوار کے گرنے کا یقین ہو۔ اس کو ہلاکت کا سبب سمجھ کر ہمیں اس سے بچنا لازمی ہے اسی طرح وہ جملہ اسباب کہ جن سے انسان کو نقصان اور ضرر پہنچتا ہے۔ ان سے دُور رہنا لازم، مثلاً جذام (کوڑھ) کے مریض سے اسی طرح جس شہر یا بستی میں طاعون، وبا، کا حملہ ہوا ان سے بچ کر رہنا اس معنے پر ضروری ہے کہ یہ ضرر و نقصان کا موجب ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ نے ضرر و نقصان کے لیے پیدا فرمایا ہے اسی لیے دُور رہنا لازم ہے لیکن یہ حکم ضعیف اور کمزور مومن کا ہے کیونکہ اسے جونہی ایسے اسباب سے تکلیف پہنچے گی تو فوراً سمجھے گا کہ انہی اسباب نے نقصان اور ضرر پہنچایا ہے اسے اللہ تعالیٰ کی تقدیر و تخلیق کا خیال تک نہیں آئے گا۔ اس غلطی پر وہ کفر کے گھاٹ اُتر جائے گا ورنہ جو مومن کامل اور ولی اللہ ہے وہ توکل علی اللہ کے عقیدہ میں پختہ اور مضبوط ہے اور اس کا ایمان کسی طریق سے متزلزل نہیں ہو سکتا اس کے لیے ایسے اسباب ضرر رساں نہیں یہاں تک کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مشہور ہے کہ آپ نے ایک جذامی (کوڑھی) کے ساتھ کھانا تناول فرمایا، اور کھانے کے آغاز میں فرمایا: بسم اللہ ثقۃ باللہ توکلت علی اللہ۔ اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت اور اسی پر بھروسہ اور توکل کر کے کھاتا ہوں۔

حضرت عمر اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کی کرامت

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا واقعہ مشہور ہے کہ آپ نے زہرِ قاتل کی شیشی پی لی۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق زہر نوش فرمانے کا واقعہ مشہور ہے لیکن ان پر زہر نے کسی قسم کا اثر نہ کیا۔

نکتہ: ان حضرات پر زہر کا اثر ہوتا کیسے جبکہ انہوں نے یہ زہر مقامِ حقیقۃ میں پی لی تھی ان کی نگاہ اس ظاہری زہر پر تھی ہی نہیں۔

سوال: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ حقیقۃ سے کون اونچا ہو سکتا ہے ان پر تو زہر کا اثر ہو گیا تھا۔

جواب: اس کی تفصیل ہم نے پہلے عرض کر دی ہے کہ آپ نے اپنے اختیار سے مقامِ بشریت میں نزول فرما کر زہر نوش فرمائی تھی وہ اس لیے کہ آپ عالمِ دنیا میں ارشاد و رہبری کے لیے تشریف لائے تھے اور یہ آپ کے لیے عالمِ تنزل تھا اگرچہ آپ کے لیے یہ عالمِ ارواح سے کم نہ تھا بلکہ اسے اعدل المراتب سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس عالم کا تنزل بھی ہمارے لیے اختیار فرمایا تھا ورنہ آپ کو عالمِ بالا سے عالمِ تنزل میں نزول کی ضرورت کیا تھی۔ اور یہ بھی ان کی شان تھی کہ عالمِ تنزل میں نزول فرمانے کے باوجود زہر نوش فرمائی تو اس کا اثر بارہ سال کے بعد ہوا۔ یہ بھی آپ کے معجزات سے ایک معجزہ ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اگر کوئی اور اس عالمِ تنزل میں زہر پیتا تو فوراً ڈھیر ہو جاتا۔ یہی نکتہ آپ کی موت کے وروہ کا ہے کہ آپ پر بھی موت اس وقت طاری ہوئی جب آپ عالمِ تنزل میں تشریف لائے۔ اسی طرح جب آپ عالمِ تنزل میں تشریف لائے تو پھر زہر نے بھی

اپنا اثر دکھا لیا۔

سبق: اس تقریر کو خوب یاد کر لو، اس لیے کہ حضور علیہ السلام ان حالات کو دیکھ کر بہت سے لوگوں کے دماغ چکرا گئے (جیسے دیوبندی وہابیوں نے ان حالات کو دیکھ کر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کو اپنے جیسی بشریت سمجھ لیا اور ان کو اپنا بڑا بھائی تصور کر کے اپنا اور قوم کا بیڑا غرق کیا۔

وَلَا هَامَّۃَ کی شرح

ھامہ کی میم کو مخفف کر کے پڑھا جائے، اس کی دو تقریریں ہیں؛

۱۔ اہلِ عرب ھامۃ کو منحوس سمجھتے تھے، اور ھامہ ایک پرندہ ہے جو دوسرے بعض پرندوں کی طرح رات کے وقت ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں ھامہ کا دُوسرا نام بُوم ہے۔ یہ پرندہ رات کے وقت جب گھر پہ اترتا تو اہلِ عرب کہتے کہ اس گھر یا ان کے متعلقین پر لازماً موت وارد ہوگی۔ یہی تفسیر مالک بن انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

۲۔ بعض اہلِ عرب کہتے کہ جس مقتول کے خون کا بدلہ نہ لیا جائے تو اس کی رُوح ھامہ پرندہ کی طرح ہو جاتی، پھر وہ اس مقتول کی قبر پہ بچھا دیتا ہے اور کہتا ہے "اسقونی اسقونی من دم قاتلی" مجھے میرے قاتل کا خون پلاؤ۔ جب تک اس کے قاتل سے خون کا بدلہ نہ لیا جاتا تو وہ اس طرح کہتی رہتی۔ جب بدلہ لے لیا جاتا تو وُہ اڑ جاتی۔

۳۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ بعض اہلِ عرب کا عقیدہ تھا کہ جب میّت کی ہڈیاں بہت پُرانی ہو جاتی تھیں تو وہ ھامہ پرندے کی شکل اختیار کر جاتیں، اس کو عربی میں الصدی، فارسی میں کوف، اردو میں اُلّو کہتے ہیں اور قبر سے نکل کر پھر اسی قبر میں داخل ہو جاتی اور قبر میں جا کر میّت (کی روح) کو اس کے اہل و عیال کے احوال سے آگاہ کرتی ہے۔ اکثر علماء نے اسی تفسیر کو لیا اور یہی مشہور قول ہے۔

مسئلہ: حضور علیہ السلام نے مطلقاً ھامہ کے عقیدہ سے منع فرمایا ہے خواہ تفسیر اوّل ہو یا دوم یا سوم یا کوئی اور۔

مسئلہ: قاضی خان میں ہے کہ جس وقت ھامہ پرندہ بولے اور کسی کے منہ سے نکل جائے کہ ھامہ کا بولنا بتاتا ہے کہ ہم میں سے کوئی مر جائے گا۔ ایسے قائل کو فقہاء کافر کہتے ہیں۔

مسئلہ: جو شخص سفر کو جائے اور صبح کو کوّے کے بولنے پر کہے کہ فلاں سفر سے واپس آئے گا تو ایسے قائل کو بھی فقہاء نے کافر کہا ہے۔

ولا صفر کی تشریح: صفر کے متعلق بھی دو تقریریں ہیں؛

۱۔ اہلِ جاہلیت کا خیال ہے کہ ہر انسان کے پیٹ میں ایک سانپ ہے، اس کا صفر نام ہے۔ جب وہ انسان کے جگر کو کاٹتا ہے تو اسے بھوک لگتی ہے۔ یہ بھوک اسی صفر نامی سانپ کے کاٹنے کا نام ہے۔

۲۔ صفر کا وُہ مہینہ جو اہلِ جاہلیت محرم کے بجائے جنگ و جدال وغیرہ کے لیے صفر کا مہینہ مقرر کر دیتے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے النسئ سے تعبیر فرمایا۔ حدیث شریف میں یہی یا دونوں مراد ہوں اسی لیے کہ اسلام میں صفر کی دونوں

صورتیں باطل ہیں۔ ان کا اسلام میں کوئی نام و نشان نہیں۔

فائدہ: بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ اہلِ جاہلیت صفر کے مہینے کو منحوس سمجھتے تھے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی ممانعت فرمائی کہ صفر کے مہینے کو منحوس مت سمجھو۔

حکایت ایک اعرابی کا سفر کا ارادہ ہوا دل میں خیال کیا کہ اگر محرم کے مہینہ کو جاؤں تو ممکن ہے کہ مقصد و مطلب سے محروم رہوں اگر صفر میں جاؤں تو ممکن ہے خالی ہاتھ لوٹوں، کیونکہ صفر بمعنی خالی ہے، اسی لیے ربیع الاول میں جاؤں، چنانچہ ربیع الاول کے مہینے میں سفر کو روانہ ہوا تو بیمار ہو گیا اور اپنے مقاصد سے مکمل طور محروم ہو گیا۔ اس پر اس نے کہا کہ میں نے تو ربیع الاول میں اس لئے سفر کا آغاز کیا کہ ربیع بمعنے بہار ہے اور وہ میرے لیے ربیع الریاض ثابت ہو گا لیکن وہ تو ربیع الامراض بن گیا۔

فائدہ: حضرت علی و حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کی جنگِ صفین کا آغاز ماہ صفر ۳۷ھ میں ہوا تھا۔ کچھ لوگ اسی مناسبت سے بھی ماہِ صفر کو منحوس سمجھنے لگے۔

فائدہ: روضۃ الاخیار میں ہے کہ بہتر ہے کہ ماہِ صفر میں سفر کے بجائے گھر میں آرام کیا جائے (لیکن یہ کوئی شرعی مسئلہ نہیں صرف خیالی بات ہے) جمہور کا یہی مذہب ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مجھے صفر کے مہینے کے ختم ہونے کی خبر دے میں اسے بہشت کی خوشخبری دوں گا۔

ازالۂ وہم: بعض لوگ اسی حدیث کو پیش کر کے صفر کی نحوست کا اثبات کرتے ہیں۔ صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ ان کی تردید کرتے ہوئے ایک بہترین توجیہہ بیان فرماتے ہیں، وہ یہ ہے:

يقول الفقير هذا الحديث لا يدل على مدعاه وهو اولوية القعود فى صفر فان النبى عليه السلام انما قال كذلك شغفا بشهر ولادته و وفاته وجا لدخوله فان الانبياء عليهم السلام والاولياء يستبشرون بالموت لكونه تحفة لهم وينتظرون زمانه اذ ليس انتقالهم الا الى جوار الله تعالى۔

فقیر یعنی صاحبِ روح البیان فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ صفر میں گھر پر بیٹھنا زیادہ اچھا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے لیے فرمایا: تاکہ آپ کی ولادت کے مہینے سے عوام کو محبت ہو اور آپ کو بھی اس سے محبت اسی لیے تھی کہ آپ کا وصال اسی مہینہ میں ہوا اور انبیاء و اولیاء موت سے خوش ہوتے ہیں اس لیے کہ یہ موت ان کا تحفہ ہے اسی لیے وہ اس کے منتظر رہتے ہیں کیونکہ انہیں موت کے بعد حق کا قرب نصیب ہوتا ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چاند کے محاق میں سفر نہ کرو اور نہ ہی ان دنوں میں جب چاند

بُرجِ عقرب میں ہو۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان دنوں میں سفر اور نکاح مکروہ سمجھتے۔ جب چاند بُرجِ عقرب میں ہوتا۔ صاحب رُوح البیان نے فرمایا:

هو اسناد صحیح - اس کا اسناد صحیح ہے۔

مسئلہ: حضرت الشیخ الشہیر بافتا زادہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایام کی نحوست بہ برکت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس امت سے مرتفع ہوگئی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول اگر صحیح سند سے ثابت ہے تو ان کے قول ہر ماہ میں سات دن منحوس ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نفس و طبیعت منحوس ہیں۔ اسی بناء پر جس کا نفس اور طبیعت بدبخت ہیں تو اس کے لیے وہ ایام منحوس ہیں اور جس کی طبیعت اور نفس سعید ہیں تو اس کے لیے وہ ایام منحوس نہیں، چونکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے ہمارے نفوس و طبائع سے نحوست مرتفع ہو چکی ہے فلہٰذا ہمارے لیے نہ ایام منحوس ہیں نہ لیالی اور نہ شہور نہ سنین۔

ازالۂ توہمات

عقد الدرر و اللآلی میں ہے کہ بہت سے جُہّال ماہِ صفر کو منحوس سمجھ کر اس ماہ میں سفر کرنے کو بُرا سمجھتے ہیں حالانکہ جس طرح بدفالی ہمارے اسلام میں نہیں اسی طرح ماہ صفر کے سفر کی نحوست کا مسئلہ بھی ہمارے ہاں نہیں۔

اسی طرح بعض لوگ بدھ[1] اور موسم سرما کے آخری ایام میں سفر کرنے کو مکروہ سمجھتے ہیں۔ یہ بھی ایک غلط فہمی ہے اور بعض لوگ شوال کے مہینے میں شادی بیاہ کو منحوس فعل سمجھتے ہیں۔ یہ بھی زمانۂ جاہلیت کے توہمات سے ہے۔ ان کا خیال ہے کہ کسی زمانہ میں شوال کے مہینے میں زبردست طاعون واقع ہُوا۔ اس سے بہت نوجوان دُولہے، دُلہنیں اور دوشیزائیں مر گئیں۔ اس وجہ سے جاہلیت کے لوگ شوال میں نکاح و بیاہ کو منحوس سمجھنے لگے، حالانکہ شرع مطہرہ نے اس کی زبردست تردید فرمائی ہے۔

بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح اور بیاہ شوال میں

حضرت ام المومنین بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھ نکاح اور پھر بیاہ شوال میں فرمایا۔ پھر دُنیا جانتی ہے کہ مجھ جیسا خوشگوار معاشرہ دنیا بھر کی کسی عورت کو نصیب نہ ہُوا اور نہ ہوگا۔

مسئلہ: کسی ماہ، دن اور رات اور سال، جیسے صفر وغیرہ، کو منحوس سمجھنا کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں۔ فلہٰذا ان کی نحوست کا خیال رکھنا حرام ہے اس لیے کہ تمام زمانے اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں ان میں نحوست کا خیال کرنا در اصل

---

[1] سلسلہ چشتیہ کے بعض مشایخ مثلاً خواجہ غلام فرید قدس سرہٗ بدھ کے دن سفر کو نہایت منحوس امر سمجھتے ہیں۔ فقیر نے اس کی عجیب توجیہ اپنے رسالہ "اربعاء" میں عرض کر دی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی تخلیق پر طعن و تشنیع کے مترادف ہے۔ علاوہ ازیں انہی زمانوں کو بنی آدم کے نیک اعمال واقع ہوتے ہیں۔ انہی برکات سے نحوست کے اجتماع کا کیا معنیٰ۔

ہر شب شب قدر ست جس وقت میں بندہ نیکی کرے وہی اس کے لیے سعید اور جس گھڑی اس سے گناہ سرزد ہوتا ہے وہی وقت اس کے لیے منحوس ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی زمانہ منحوس نہیں۔ دراصل منحوس بندے کا اپنا برا عمل ہے۔

فائدہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر نحوست ہوتی تو جبڑوں کے درمیان ہوتی، یعنی زبان ہیں۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نحوست تین چیزوں میں ہے:

① عورت ② دار ③ فرس

شرح الحدیث: عورت وہ منحوس ہے جو بچے نہ جنے۔

دار وہ منحوس ہے جس کا ہمسایہ برا ہو، اس لیے کہ برے ہمسائے سے اذیت پہنچتی ہے۔ مثلاً

حدیث شریف میں ہے کہ:

اَدْفِنُوْا مَوْتَاکُمْ وَسْطَ قَوْمٍ صَالِحِیْنَ۔

(اپنے موتیٰ کو نیک اور صالح لوگوں کے درمیان دفنایا کرو)

اس لیے کہ:

فَاِنَّ الْمَیِّتَ یتاذی بجار السوء کما یتاذی الحیّ بجار السّوء۔

یعنی میت کو برے ہمسایہ سے اذیت پہنچتی ہے۔ جیسے زندہ ہمسایہ سے زندہ انسان کو۔

اور فرس یعنی گھوڑے میں یہ نحوست ہے کہ جب اس پر سوار ہو کر جہاد نہ کیا جائے۔

گھوڑے تین قسم کے ہیں:

① رحمان کے لیے ② انسان کے لیے ③ شیطان کے لیے

رحمٰن کے لیے وہ ہے کہ جس سے جہاد کیا جائے۔ یعنی اس پر سوار ہو کر اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے جنگ کی جائے۔

انسان کے لیے یہ ہے کہ جس کے ذریعے سے روزی کمائی جائے۔

شیطان کے لیے یہ ہے کہ جیسے کھیل، تماشہ اور جوا و قماربازی وغیرہ کے لیے شرط پر دیا جائے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِیْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِیْ

اے ایمان والو تمہیں کیا ہوا جب تم سے کہا جائے کہ خدا کی راہ

سَبِیْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوةِ

میں کوچ کرو تو بوجھ کے مارے زمین پر بیٹھ جاتے ہو کیا تم نے دنیا کی زندگی آخرت

الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ

کے بدلے پسند کرلی اور جیتی دنیا کا اسباب آخرت کے سامنے نہیں

اِلَّا قَلِیْلٌ ۝۳۸ اِلَّا تَنْفِرُوْا یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۙ وَّ یَسْتَبْدِلْ

مگر تھوڑا اگر نہ کوچ کرو گے تو تمہیں سخت سزا دے گا اور تمہاری

قَوْمًا غَیْرَكُمْ وَ لَا تَضُرُّوْهُ شَیْــٴًـا ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ

جگہ اور لوگ لے آئیگا اور تم اسکا کچھ نہ بگاڑ سکو گے اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے

قَدِیْرٌ ۝۳۹ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ

اگر تم محبوب کی مدد نہ کرو تو بیشک اللہ نے انکی مدد فرمائی جب کافروں کی شرارت

كَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ

سے انہیں باہر تشریف لیجانا ہوا صرف دو جان سے جب وہ دونوں غار میں تھے جب اپنے یار سے فرماتے تھے

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلَیْهِ وَ

غم نہ کھا بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے تو اللہ نے اس پر اپنا سکینہ اتارا اور

اَیَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَ جَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِیْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ

ان فوجوں سے اس کی مدد کی جو تم نے نہ دیکھیں اور کافروں کی بات نیچے ڈالی

وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ الْعُلْیَا ؕ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝۴۰ اِنْفِرُوْا خِفَافًا

اللہ ہی کا بول بالا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے کوچ کرو ہلکی جان

وَّ ثِقَالًا وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ

سے چاہے بھاری دل سے اور اللہ کی راہ میں لڑو اپنے مال اور جان سے

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ لَوْ كَانَ عَرَضًا

یہ تمہارے لیئے بہتر ہے اگر جانو اگر کوئی قریب مال

قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ

یا متوسط سفر ہوتا تو ضرور تمہارے ساتھ جاتے مگر ان پر تو مشقت کا راستہ دور

الشُّقَّةُ ؕ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ

پڑ گیا اور اب اللہ کی قسم کھائیں گے کہ ہم سے بن پڑتا تو ضرور تمہارے ساتھ چلتے

يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۴۲﴾ ع

اپنی جانوں کو ہلاک کرتے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ وہ بے شک ضرور جھوٹے ہیں

ع ۶ ۵ ۱۲

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (ربط) غزوۂ حنین کے بعد غزوۂ تبوک کے متعلق تشریح فرمائی۔

تفسیر عالمانہ ف: تبوک ایک مقام ہے جو مدینہ طیبہ اور شام کے درمیان واقع ہے۔ اس جگہ پر جنگ لڑی گئی ہے۔ اسی لیے اس جنگ کو غزوۂ تبوک سے موسوم کرتے ہیں، اسے "غزوۃ العسرۃ" بھی کہا جاتا ہے۔ اسے "غزوۃ الفاضحہ" بھی کہتے ہیں۔ اس لیے اس جنگ میں بہت سے منافقین کے حالات کھل کر عوام کے سامنے آگئے جس سے منافقین کو سخت رسوائی ہوئی۔ بنا بریں اسے فاضحہ (رسوا کرنے والی) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

شانِ نزول مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ معظمہ کو فتح فرما کر ہوازن و ثقیف حنین و اوطاس وغیرہ سے جنگ کی، اور پھر طائف کا محاصرہ فرمایا ان تمام غزوات سے کامیاب ہو کر جعرانہ سے عمرے کا احرام باندھا۔ عمرہ سے فراغت پا کر مدینہ طیبہ میں تشریف لائے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد حکم فرمایا کہ غزوۂ روم کو چلو۔ یہ جنگ رجب ۹ھ میں واقع ہوئی جبکہ آپ کو خبر پہنچی کہ رومیوں نے اسلام کے خلاف بہت بڑے جنگی جمع کیے ہیں۔ بلکہ مقام بلقاء تک بھی پہنچ چکے ہیں۔

فائدہ: روم کو بنو الاصفر بھی کہا جاتا ہے اس لیے کہ یہ روم بن العیص بن اسحاق نبی علیہ السلام کی اولاد سے ہیں، اور ان کی اولاد اور روم کو اصفر بھی کہا جاتا ہے اس لیے کہ اس کی رنگت زرد تھی۔ بعض کہتے ہیں اس کے والد کی رنگت کی وجہ سے اس کے بیٹے کو اصفر کہا گیا۔

فائدہ: غزوۂ تبوک ایسے موسم میں ہوا جب لوگوں کی معاش نہایت تنگ تھی اور گرمی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ ادھر مدینہ طیبہ کی کھجوریں پک کر اپنی جوانی کو پہنچی ہوئی تھیں۔ اور مدینہ طیبہ سے تبوک تک کا سفر بھی طویل تھا، اس لیے بعض لوگوں کو غزوۂ تبوک پہ جانا مشکل سا ہو گیا، ان کی ناخوشی طبع کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے یہی آیت نازل فرمائی۔

یعنی ایمان والو! تمہیں کیا ہوگیا ہے مَا لَكُمْ لفظاً استفہام اور معناً انکار و توبیخ ہے اِذَا قِيْلَ لَكُمْ جب تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اِنْفِرُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی راہ میں چل کر جہاد کرو یعنی جنگ کے لیے نکلو۔

حل لغات: نفر القوم ینفرون نفرا و نفیرا۔ اس کی گردان ہے، یہ اس وقت بولتے ہیں جبکہ کوئی کسی مکان کی طرف کسی مصلحت کے پیشِ نظر جائے، اس مکان کی طرف جانے والی قوم کو نفیر کہا جاتا ہے۔ اور کہتے ہیں استنفر الامام الناس لجهاد العدو۔ یعنی امام نے لوگوں کو دشمنوں کے جہاد کے لیے نکلنے کا مطالبہ اور انہیں برانگیختہ کیا

اِثَّاقَلْتُمْ دراصل تثاقلتم تھا۔ یہ لفظاً ماضی اور معناً مضارع ہے اس لیے کہ یہ مالکم سے حال ہے۔ اِلَى الْاَرْضِ یہ اثاقلتم کے متعلق اور میلان و اخلاد کے معنے کو متضمن ہے۔ یعنی تمہیں کون سا سبب روکتا ہے اور کون سی غرض تمہیں چمٹی ہے اور کون سی بات تمہارے دل میں بیٹھ گئی ہے کہ جب تمہیں جنگ کے لیے کہا جاتا ہے تو تم دنیا اور شہوات نفس فانیہ کی طرف جھکے جا رہے ہو حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ دنیا کی تمام نعمتیں عارضی اور چند روزہ ہیں۔ اور تم سفر جہاد کی مشقتوں سے بھی گھبرا رہے ہو حالانکہ جہاد سے دائمی راحتیں اور مسرتیں نصیب ہوتی ہیں۔ اس تقریر سے معلوم ہوا کہ آیت میں الارض سے دنیا اور اس کی شہوات مراد ہیں۔ بعض مفسرین نے اس کی تفسیر” ملتم الی الاقامة بارضکم و دیارکم“ فرمائی ہے۔ یعنی تم اپنی زمینوں اور گھروں سے محبت کرتے ہو۔ اَرَضِيْتُمْ یہ استفہام توبیخی ہے۔ یعنی کیا تم راضی اور خوش ہو بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا دنیا کی زندگی اور اس کی لذتوں یعنی باغات کے پھلوں اور سایوں کے ساتھ مِنَ الْاٰخِرَةِ آخرت اور اس کی نعمتوں کے بجائے۔

ف: کلمۂ مِنْ بمعنے البدل ہے جیسے جعلنا منکم ملائکة میں بمعنے بدل ہے۔

فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا پس نہیں حیٰوۃ دنیا کا سامان۔ یعنی دنیا اور اس کی لذتوں سے نفع اٹھانا نہیں۔ فِی الْاٰخِرَةِ بہ نسبت آخرت کے اِلَّا قَلِيْلٌ ○ مگر تھوڑا یعنی ایسی حقیر و قسیر کہ اسے کسی شمار میں نہیں لایا جا سکتا۔ اس لیے کہ دنیا کا سامان فانی اور معیوب، اور آخرت کا سامان باقی اور مرغوب ہے۔

حدیث شریف: مروی ہے کہ دنیا آخرت کے مقابلہ میں ایسے ہے جیسے کوئی اپنی انگلی دریا میں ڈبو دے، پھر دیکھے کہ دریا سے انگلی کے پانی کو کیا نسبت ہے۔

اِلَّا یہ دراصل دو کلمے ہیں۔ اِنْ حرفِ شرط اور لَا نافیہ بمعنے لَمْ۔ تَنْفِرُوْا اگر تم جنگ کے لیے نہ نکلے يُعَذِّبْكُمْ تو تمہیں اللہ عذاب دے گا عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ عذاب دردناک جو تمہارے ابدان و اجسام اور قلوب کو گھیر لے گا۔ یعنی تمہیں بہت بڑی گھبراہٹ سے تباہ و برباد کرے گا، مثلاً کبھی قحط سالیوں سے اور کبھی دشمنوں کے غلبوں سے وَيَسْتَبْدِلْ تمہارے تباہ و برباد کرنے کے بعد تبدیل کرے گا قَوْمًا غَيْرَكُمْ ایسی قوم سے جو تمہاری غیر ہو یعنی تمہارے بجائے

یہاں اور ایسے لوگ آجائیں جو اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندے اور دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے والے جو تمہارے ساتھ ان کا کوئی خاندانی رشتہ نہ ہو، نہ آبا سے، نہ امہات سے، مثلاً وہ اہلِ یمن یا ابنائے فارس ہوں وَلَا تَضُرُّوْهُ اور ترکِ جہاد سے اللہ تعالیٰ کو کسی قسم کا ضرر نہ دو گے شَيْئًا ط معمولی سا بھی، یعنی تمہارا جہاد سے جی چرانا اللہ تعالیٰ کو نقصان نہیں دے گا اس لیے کہ وہ ہر شے سے مستغنی ہے وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے وہ تمہارے ہلاک کرنے اور تمہارے بجائے دوسری قوم کو لانے پر قادر ہے۔

فائدہ: بیکاری انسان کے دل کو سیاہ کر دیتی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

فائدہ: انسان پر لازم ہے کہ آخرت کے امور یا دنیوی کاروبار میں مشغول رہے اور حلال رزق کے حصول میں جد و جہد کرے حلال رزق سے اعمال صالحہ کا دوہرا بلکہ کئی گنا زاید ثواب نصیب ہوتا ہے اور امورِ معاش کی جد و جہد سے خوشحالی حاصل ہوتی ہے اگر کوئی شخص نہ دینی امور کا مشغلہ رکھے اور نہ دنیوی کاروبار میں وقت بسر کرے اس کا دل سیاہ اور سخت ہو جاتا ہے۔

فائدہ: انسان کو تحرک ضروری ہے اس لیے کہ حرکات میں صد برکات ہیں وہ حرکات حضری ہوں یا سفری۔

فائدہ: سفر دو قسم ہے:

۱۔ سفرِ دنیا

۲۔ سفرِ آخرت

پہلے سے دوسرے میں زیادہ مشقت ہے۔

حدیث شریف: السفر قطعة من العذاب۔ سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے۔

لطیفہ: بعض مشایخ سے منقول ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے الفاظ کی تبدیلی جائز ہوتی تو میں کہتا: السفر قطعة من السقر۔ سفر جہنم کا ایک ٹکڑا ہے۔

نکتہ: حضور علیہ السلام نے سفر کو عذاب کا ٹکڑا فرمایا ہے ورنہ عقل کا تقاضا ہے کہ اسے موت کا حصہ کہا جاتا لیکن بغور دیکھا جائے تو صحیح فرمایا ہے اس لیے کہ موت سے صرف جسم کو لیکن سفر سے جسم اور دل ہر دونوں کو دکھ اور درد پہنچتا ہے۔

حجاج بن یوسف ظالم کا مقولہ

حجاج بن یوسف ظالم کا مقولہ مشہور ہے کہ اگر مسافر کو گھر کی واپسی کی خوشی کا تصور نہ ہوتا (اس لیے کہ مسافر جب گھر لوٹتا ہے تو اسے سفر کی تمام تکالیف اور پریشانیاں بھول جاتی ہیں) تو میں لوگوں کو قتل کرانے کے بجائے سفر کی مشقتوں میں مبتلا کرتا۔

مسئلہ: دینی سفروں میں سے ایک سفر جہاد بھی ہے۔

حدیث شریف مع شرح

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لغدوة فی سبیل اللہ۔
غدوة بمعنے صبح کے وقت کہیں جانا، اور روحة بمعنے دن کے آخری حصے میں جانا۔

خیر من الدنیا وما فیہا یعنی جنگ وجہاد کے لیے صبح یا شام کو جانا دنیا کی تمام نعمتوں سے افضل ہے۔ اس لیے کہ دنیا کی تمام نعمتیں زوال پذیر ہیں اور آخرت کی نعمتیں زوال پذیر نہیں ہیں۔

مسئلہ: جہاد میں نیت یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کا دین بلند اور اللہ تعالیٰ کے دشمن ذلیل وخوار ہوں اور جہاد میں صرف رضائے الٰہی مدِ نظر ہو اور اثنائے جنگ میں ذکرِ الٰہی کی کثرت کرنی چاہیے۔ جنگ کے دوران آل اولاد اور اپنی عورتوں اور اپنے گھر، مال، اسباب اور وطن کی باتوں کو دل میں نہ لائے، اس لیے کہ ان کی یاد سے جہاد میں دل نہیں لگتا۔ نصائح مذکورہ کے مطابق جہاد کی مشغولی افضل العبادات ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ملفوظ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ غازیوں سے کوئی گناہ ہو جائے تو کوئی حرج نہیں اور سخن چین کی عبادت بیکار ہے، مخنث کی دعا ناقابل قبول ہے (جبکہ غلط کاریوں میں مشغول ہو اور اسی طریقے کی دعا مانگے) شرابی کی دعا بھی مستجاب نہیں ہوتی۔

سبق: عاقل وہ ہے جو اپنی زندگی طاعتِ الٰہی میں بسر کرے اور صرف رضائے الٰہی میں جد وجہد رکھے۔

حدیث شریف: دو ایسی نعمتیں ہیں جن سے لوگوں کو بہت رشک ہونا چاہیے:

۱۔ صحت

۲۔ فراغت

یہ روحانی اسباب، کامیابی اور نجات پانے کے موجبات ہیں۔

نکتہ: حضور علیہ السلام نے مکلف (عاقل بالغ انسان) کو تاجر سے اور صحت وفراغت کو راس المال فرمایا، اس لیے کہ یہی روحانی اسباب اور نجات پانے کے موجبات ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس بندے کو اوامر کی پابندی کی توفیق بخشتا ہے تو اس کو دنیوی زندگی میں تاجر کی طرح بہت نفع نصیب فرماتا ہے۔ کما قال تعالیٰ ہل ادلکم علیٰ تجارۃ تنجیکم من عذاب الیم تومنون باللہ ورسولہ وتجاہدون فی سبیل اللہ باموالکم وانفسکم۔ کیا میں تمہیں ایسی تجارت کی رہبری نہ کروں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے۔ وہ یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام پر ایمان لاؤ اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے مالوں اور نفسوں سے جہاد کرو۔

مسئلہ: جو شیطان کی اتباع کرتا ہے تو اس کا راس المال ضایع ہو جاتا ہے، اسے نفع حاصل نہ ہوگا بلکہ زندگی کے ضایع ہونے پر بعد کو سخت پچھتائے گا۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کے ارشادات پر عمل کرنے سے انسان کا انجام بخیر ہوتا ہے اگرچہ بظاہر نفس کو اس سے سخت کوفت ہوتی ہے مثلاً جہاد سے نفس سخت گھبراتا ہے لیکن اس کا انجام نہایت اعلیٰ وافضل ہے۔ خلاصہ یہ کہ ترکِ راحت اور اختیارِ مشقت میں انسان دنیوی اور دینی مقاصد میں کامیاب رہتا ہے لیکن اس میں توفیق ایزدی کا شاملِ حال ہونا ضروری ہے اس لیے کہ ہر مشقت اٹھانے والے کو یہ مقام نصیب نہیں ہوتا اور نہ ہی ہر ایک دنیوی پریشانی اٹھانے والے کو دین سے وافر حصہ حاصل ہوتا ہے حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

خام را طاقت پروانۂ پُر سوختہ نیست
نازکانرا نرسد شیوۂ جاں افشانی

ترجمہ: کچے عاشق کو پروانے جیسی طاقت نہیں۔ اسے نازبرداری کا کیا پتہ جو جان دینا نہیں جانتا۔

تفسیر صوفیانہ جیسے اللہ تعالیٰ ایک قوم کو تبدیل کر کے اس کے بجائے دُوسری قوم کو لاتا ہے، ایسے ہی انسان کی بعض صفات کے بجائے دوسری صفات لاتا ہے۔ مثلاً جو شخص شہواتِ نفسانی کی اتباع یعنی اپنی تمام حرکات و سکنات میں خواہش نفسانی کے مطابق عمل کرتا ہے تو ایسا شخص وادیٔ طبع و نفس میں تباہ و برباد ہوتا ہے اسے رجال عالم قدس و انس کے مقامات کبھی نصیب نہیں ہوں گے اور نہ ہی اسے ایسے حضرات کے مقالات و مقامات و حالات سے تعلق پیدا ہو سکتا ہے کیونکہ اس خبیث النفس اور ان پاکبازوں کے مراتب و حالات میں بہت بڑا بُعد ہے۔ اس لیے کہ اس خبیث النفس کی صفات نفس و طبیعت کی صفات ہیں اور ان پاکبازوں کی صفات رُوح اور ان کے اخلاق اخلاقِ الٰہی ہیں۔ ان دونوں صفات کا اجتماع محال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ ہر انسان کو اس کی ان صفات کی صورت میں اٹھائے گا جو صفات مذمومہ اس پر غالب ہوں گی، ہاں جسے اپنے فضل و کرم سے معاف فرما دے اور ستار العیوبی کے طور اپنے لُطف و کرم کی چادر میں اسے ڈھانپ لے تو وہ علیحدہ بات ہے۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ اگر تم نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غزوۂ تبوک میں مدد نہ کی **فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ** تو ان کی اللہ تعالیٰ مدد فرمائے گا جیسے ان کی مدد فرماتا رہتا ہے۔ مثلاً **اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** جبکہ انہیں کافروں نے نکالا یعنی جب ان کی ہجرت کے لیے کافر سبب بنے۔

سوال: تم نے ترجمہ کے بعد یہ کہاں سے نکال لیا کہ کافر حضور علیہ السلام کی ہجرت کا سبب بنے۔

جواب: ظاہر ہے کہ ہجرت کا حکم حضور علیہ السلام کو منجانب اللہ تھا اور آپ نے اسی حکم کی تعمیل کی۔ البتہ کفار نے انہی ایّام میں حضور علیہ السلام کو شہید کرنے کے منصوبے بنائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے منصوبوں کو سبب بنا کر اپنے محبوب علیہ السلام کو مکہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کا حکم فرمایا۔

ثَانِيَ اثْنَيْنِ یہ اخرجہ کی ہٗ ضمیر سے حال ہے۔ یعنی درانحالیکہ آپ دو میں سے ایک تھے، اس میں آپ کو اثنین سے ثانی بایں معنیٰ کہا گیا ہے کہ گویا اثنین میں آپ داخل ہی نہیں تھے۔ یہ عرب کا ایک خاص محاورہ ہے اسے تجرید سے تعبیر کرتے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے ثالث ثلاثہ اور رابع اربعہ وغیرہ۔ یعنی ان اعداد میں سے اگرچہ وُہ خود بھی داخل ہو پہلے ان اعداد مثلاً اثنین، ثلاثہ، اربعہ کو مطلق گنتی کے طور تصور میں لا کر گویا بعد کو ثانی، ثالث، رابع لایا گیا ہے۔

فائدہ: اس آیت میں بالاتفاق حضرت[1] ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ **اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ** یہ اخرجہ سے بدل البعض ہے اس لیے کہ اس سے وسیع زمانہ مراد ہے الغار سے وہ گڑھا مراد ہے، جو

---

[1] اس کے متعلق شیعہ کتب کے حوالوں سے بھرپور مضمون فقیر کی کتاب "آئینۂ شیعہ نما" کا مطالعہ کریں۔ اویسی غفرلہ

ثور کے اوپر والے حصے میں ہے۔ ثور ایک پہاڑ ہے جو مکہ معظمہ کی دائیں جانب تھوڑی مسافت پر واقع ہے۔

ف: تبیان میں ہے کہ تخمیناً دو فرسخ یعنی چھ میل کا فاصلہ ہے۔ اور قاموس میں ہے کہ اسے ثور اطحل بھی کہا جاتا ہے۔ دراصل پہاڑ کا نام اطحل ہے چونکہ اس پر ثور بن عبد مناۃ مقیم ہوا اسی بناء پر اسے ثور اطحل سے موسوم کیا گیا۔ پھر کثرتِ استعمال کی وجہ سے صرف ثور کے نام سے مشہور ہوا۔

ف: انسان العیون میں لکھا ہے کہ اسے ثور اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کی شکل بیل سے ملتی ہے اور عربی میں بیل کو ثور کہتے ہیں۔

ہجرت کیوں

مکہ معظمہ میں جب مسلمانوں کو کفار نے بہت تنگ کیا تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہجرت کی اجازت بخشی، لیکن جگہ کے تعین کے بغیر فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تمہاری ہجرت گاہ کا وہ علاقہ ہے جہاں بہت سی کھجوریں ہیں، اور وہ دو پہاڑیوں کے درمیان واقع ہے۔ اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ہجرت کی اجازت بخشے گا۔ یہ سن کر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ھل ترجو بابی وامی۔ آپ پر میرے ماں باپ قربان آپ بھی ہجرت کی امید رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ایسے ہی ہوگا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کفار کی اذیتیں سر پہ اٹھالیں لیکن ہجرت کا مصمم ارادہ یوں کیا کہ جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کریں گے میں ان کی خدمت کرتا جاؤں گا، یعنی ان کی معیت و رفاقت میں ہجرت کروں گا، رسول علیہ السلام کو اکیلا چھوڑ کر جانا نہایت ناموزوں ہے[1]۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کی اجازت کا سنتے ہی مکہ معظمہ مسلمانوں سے خالی ہوگیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ صرف حضرت ابوبکر وحضرت علی وحضرت صہیب اور دیگر وہ صحابہ رضی اللہ عنہم باقی رہ گئے جو کفار کی قید میں تھے یا بیمار تھے یا ہجرت کرنے کی فرصت نہیں رکھتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ السلام سے ہجرت کی خوشخبری سنتے ہی آٹھ سو درہم میں دو اونٹنیاں خریدلیں[2]۔ یہ ہجرت سے تین ماہ پہلے کی بات ہے اس لیے کہ آپ نے ہجرت کا اذنِ عام ماہِ ذوالحج میں فرمایا اور خود ربیع الاول میں تشریف لے گئے۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عشق دیکھیے کہ تین ماہ پہلے دو اونٹنیاں خرید کر انہیں خوب موٹا تازہ کر رہے ہیں، انہیں عمدہ گھاس ڈالنے کے علاوہ خصوصیت[3] سے آٹا وغیرہ درختوں کے پتوں میں ملا کر خوب کھلاتے۔ قریشِ مکہ یعنی مشرکین نے جب دیکھا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ ظاہری روز بروز بڑھتی جا رہی ہے کہ قبائل کے قبائل اور اطراف و اکناف کے لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوتے

---

[1] یہ بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عشق کی ایک دلیل ہے اگر کوئی کہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تو رہ گئے تھے۔
جواب: وہ ہجرت کی تمنا میں نہیں بلکہ وہ چونکہ حضور علیہ السلام کی تربیت گھریلو خدمات پر متعین تھے اسی لیے، ورنہ ان میں بھی عشق تھا لیکن اولیت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نصیب ہوئی۔ ۱۲ فافہم

[2] حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دوسرا نمونہ ہے کہ لوگ اپنے کاروبار میں مشغول ہیں لیکن وہ تصورِ یار میں۔

[3] یہ ہے عشق کی تڑپ جو صرف صدیق کو نصیب ہوئی۔

جارہے ہیں، یہاں تک کہ اوس اور خزرج کے لوگ نہ صرف اسلام میں داخل ہوئے بلکہ ہر قسم کی معاونت کا اعلان کر دیا۔ اسی لیے انہیں انصار کے لقب سے نوازا گیا۔ اس سے مشرکینِ مکہ کو خوف ہوا کہ اگر اسلام کے اثرات اسی طرح پھیلتے گئے تو پھر ان کی خیر نہیں۔ اسی لیے بطور حفظِ ماتقدم آپس میں مشورہ کیا اور دار الندوہ میں بیٹھ کر تہیہ کر لیا کہ حضور علیہ السلام کے ساتھ کوئی ایسی کارروائی کی جائے جس سے وہ اسلام کو آگے نہ پھیلا سکیں۔

ف: پہلا مکان جو مکہ معظمہ میں تیار ہوا، وہ یہی درالندوہ ہے۔ یہ دراصل قصیٰ بن کلاب کا گھر تھا، جو حجرِ اسود کی جانب مقام حنفی کے نزدیک واقع ہے اس کا ایک دروازہ مسجد حرام کی طرف تھا، اسے دار الندوہ اس لیے کہتے کہ یہاں مشورہ کے لیے جماعتیں جمع ہوتیں اور الندوہ بمعنے جماعت ہے اس دن اس کا نام دار الزحمۃ رکھا گیا۔ الزحمۃ بمعنے ہجوم۔ اسی مشورہ میں قریش کے تمام قبائل مثلاً بنی عبد شمس اور بنی نوفل و بنی عبد الدار و بنی اسد و بنی مخزوم وغیرہ وغیرہ کے تمام بڑے بڑے لیڈر جن کی عقل و فکر بلند تھی، کوئی ایک بھی ان میں سے غیر حاضر نہ تھا سب اسی مشورے میں شریک ہوئے انکا یہ مشورہ ہفتہ کے دن تھا۔

ف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہفتہ کے دن کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: وہ مکر و فریب کا دن ہے۔ عرض کی گئی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا کہ قریشِ مکہ نے اس دن مکر و فریب کی سوچ و بچار کی۔ چنانچہ ان کی مشاورتی کمیٹی میں ابلیس (شیطان) شیخ نجدی کی شکل میں شامل ہوا، اور کہا کہ میں نجدی ہوں شیطان کو اپنے تعارف میں نجدی کہنے کی ضرورت اس لیے پیش ہوئی کہ قریشِ مکہ نے پابندی لگا رکھی تھی کہ تہامہ کے لوگوں میں سے کوئی ایک فرد بھی ہماری اس کمیٹی میں داخل نہ ہونے پائے۔ اس لیے کہ انہوں نے سنا تھا کہ وہ لوگ اندرونی طور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے ہوئے ہیں۔ لیکن نجدیوں پر تو انہیں یقین تھا کہ وہ ان کی طرح حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصی دشمن ہیں۔ اسی لیے جب ابلیس نے کہا کہ میں نجدی ہوں، تو تمام مشرکین نے کہا کہ اس کے شریک ہونے سے ہمیں کوئی خطرہ نہیں۔ اگر مکہ کا باشی ہوتا تو ضرور خطرے والی بات تھی۔ مشورہ میں کسی نے کہا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو قید کر لو۔ دوسرا بولا کہ انہیں شہر بدر کر دو۔ چنانچہ اسی واقعہ کو تفصیلی طور سورۂ انفال کی آیت "و اذیمکر بك الذین" میں ہم نے بیان کر دیا ہے۔ جتنی صورتیں اس وقت بیان ہوئیں سب کو ابلیس شیخ نجدی نے رد کر دیا۔ اس کے بعد ایک بات ابوجہل نے کی، جس پر تمام آراء کا اتفاق ہو گیا۔ ابوجہل نے کہا: ہر قبیلہ کا ایک فرد (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) پر حملہ کر کے (نعوذ باللہ) قتل کر دے۔ اگر ان کا بدلہ دینا پڑا تو ہر قبیلہ پر ان کی دیت تقسیم ہو جائے گی۔ اور بنو عبد مناف کے لوگ یعنی حضور علیہ السلام کے ورثاء تمام قبائل سے تو نہیں لڑ سکتے، لامحالہ دیت پر راضی ہو جائیں گے۔ اور دیت کی ادائیگی ہمارے لیے مشکل نہیں۔ اس مشورہ کی شیخ نجدی نے بھی تائید کی۔ اس مشورہ پر اتفاق کر کے تمام مشرکین متفرق ہو گئے۔ حضور علیہ السلام کو رات کے وقت جبریل علیہ السلام نے قریش مکہ کی تمام کارروائی بیان کر دی اور مشورہ دیا کہ آج رات آپ اپنے بستر کو چھوڑ کر چلے جائیں۔ آپ کو جب یقین ہو گیا کہ آج رات کو قریشِ مکہ نے شرارت کرنی ہے تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ آج رات آپ میری حضرمی چادر اوڑھ کر میرے بستر پر سو جائیے۔ لیکن

یاد رکھو کہ قریشِ مکہ تمہیں کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچا سکیں گے۔ آپ اطمینان سے سوتے رہنا[1]

فائدہ: یہ حضرمی چادر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کے موقعہ پر پہنا کرتے تھے۔ اس کی لمبائی چار ہاتھ اور چوڑائی دو ہاتھ اور ایک بالشت تھی۔

ف: یہ چادر سبز تھی یا سُرخ۔ دوسرے قول کی تائید حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کے موقعہ پر سُرخ رنگ کی چادر پہنا کرتے تھے، اسی طرح جمعہ میں بھی۔ اور سیرۃ الحافظ الدمیاطی میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ میری سُرخ چادر اوڑھ کر سو جائیے۔

ف: حضرمی حضرموت کی طرف منسوب ہے۔ اس سے اسی قبیلہ یا یمن کے شہر کی چادر مراد ہے۔ اس لیے کہ آپ حضرمی چادر یمن سے منگوایا کرتے تھے اور آرام فرمانے وقت وہی یمنی چادر اوڑھتے تھے۔

نکتہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر آرام فرمانے کے لیے اس لیے حکم فرمایا کہ مشرکین کو بستر پر آرام فرمانے والے سے التباس پڑے گا، وہ اس طرف آئیں گے اتنی دیر آپ اپنے ساتھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لے کر ہجرت کی طرف چل دیں۔ چنانچہ ایسے ہی ہُوا کہ جُونہی رات کا تہائی حصہ گزرا، مشرکین نے حسبِ مشورہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کو گھیر لیا اور وہ ایک سو افراد تھے اور دروازے کے باہر اس تاک میں تھے کہ کس وقت حضور علیہ السلام آرام فرماتے ہیں تاکہ ان کا (معاذ اللہ) سر قلم کریں۔ ان لوگوں کے دروازہ پر موجود ہونے کے باوجود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم "یٰسین والقرآن الحکیم الیٰ قولہ تعالیٰ فاغشینٰھم فھم لا یبصرون" پڑھتے ہوئے گزر گئے۔ مگر وہ آپ کو دیکھ نہ سکے۔

سورۂ یٰسین کے فضائل

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ یٰسین کے فضائل میں فرمایا کہ، خوف زدہ پڑھے تو اس کا خوف دُور ہو گا۔ اگر بھُوکا پڑھے تو اسے کھانا ملے گا۔ ننگا پڑھے تو اسے کپڑے ملیں گے۔ پیاسا پڑھے تو اسے پانی ملے گا۔ بیمار پڑھے تو شفایاب ہو گا۔

معجزۂ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

حضور علیہ السلام جب اپنے گھر کے دروازے سے باہر نکلے تو آپ نے مٹی کی مٹھی بھر کر ان مشرکوں کافروں کے سر پر پھینکی اور چلے گئے۔ تھوڑی دیر گزری کہ ان منتظر مشرکوں کے پاس کوئی آیا اور کہا، کس کا انتظار کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کو شہید کرنے کے لیے بیٹھے ہیں۔ اس نے کہا، اللہ تعالیٰ تمہیں خائب و خاسر کرے۔ بخدا (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) تو تمہارے سامنے سے چلے گئے، بلکہ اُلٹا تمہارے سروں پر مٹی ڈال گئے ہیں۔ چنانچہ سب نے اپنے سروں پر ہاتھ پھیرا تو واقعی ان کے سروں پر مٹی تھی۔ یہ دیکھ کر حضور علیہ السلام کے گھر چلے گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پُوچھا کہ (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ

---

[1] اس واقعہ کو شیعہ بغلیں بجا کر بیان کرتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہادری مسلّم لیکن اس واقعہ سے ان کی بہادری ثابت نہیں ہوتی اس لیے کہ انہیں حضور علیہ السلام نے تسلی دے دی۔ بہادری درحقیقت حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی ہے کہ اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں کے عین حملہ کے وقت کاندھے پر اٹھا کر دشمنوں کے سامنے سے لے گئے۔ ۱۲ فافہم

وسلم) کہاں ہیں ؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا : مجھے کیا معلوم یہاں سے تو وہ باہر چلے گئے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قسمت کا ستارا بلند

حضرت جبریل علیہ السلام کے حکم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا : چلیے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا : کیا مجھے آپ ساتھ لے چلیں گے ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ہاں۔ یہ سن کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو گرنے لگے۔ کسی نے کیا خوب فرمایا : ؎

ورد الکتاب من الحبیب بانہ   سیزورنی فاستعبرت اجفانی
ھجم السرور علی حتی انہ   من فرط ما قد سرنی ابکانی

یاعین صار الدمع عندك عادۃ   تبکین من فرح و من احزان

ترجمہ : محبوب کا خط آیا اس میں لکھا تھا کہ میں عنقریب تمہارے ہاں آؤں گا اس خوشی میں میری پلکیں آنسوؤں سے تر ہو گئیں اور مجھے سرور و مستی سے اتنا غلبہ ہوا کہ رونے پر مجبور ہو گیا اے میری آنکھو ! تم بھی عجیب ہو کہ غم اور خوشی ہر دونوں وقتوں میں روتی ہو۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دونوں اونٹنیاں لے کر حاضر ہو گئے اور عرض کی : اس میں ایک آپ چن لیں۔ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اس کی قیمت لیجئے۔

سوال : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب جانتے تھے کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ اونٹنی صرف انہی کے لیے پال رکھی ہے پھر قیمت کا کیا مطلب ؟

جواب : تاکہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت مال سے بھی ہو، جیسے نفس سے ہجرت فرما رہے تھے ایسے ہی اپنے مال کے ساتھ بھی ہجرت کا ارادہ فرمایا۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جاں نثاری کے نمونے

بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر چالیس ہزار، ایک روایت میں چالیس لاکھ دینار خرچ فرمائے، یہ وہی اونٹنی تھی جو قصوی یا الجدعا کے نام سے مشہور تھی۔ یہ حضور علیہ السلام کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں فوت ہوئی۔

حضور علیہ السلام کی ایک اونٹنی عضباء نامی تھی، اسی پر قیامت میں بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا سوار ہوں گی۔

اعجوبہ

ہجرت کی روانگی کے وقت بنو کے قبیلہ سے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کو مزدوری پر لیا، اس کا نام عبداللہ بن اریقط تھا، تاکہ وہ مدینہ کے راستہ کی رہبری کرے۔ اور وہ عبداللہ قریشِ مکہ کے دین پر تھا۔ آپ نے اپنی اونٹنیاں اس کو دے کر فرمایا کہ تیسرے روز صبح سویرے غارِ ثور میں لانا۔ وہ رات حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر پہ گزاری۔ دوسری رات کو غار کی طرف روانگی ہوئی۔ راستہ طے کرتے وقت کبھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

حضور علیہ السلام کے آگے چلتے کبھی پیچھے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سبب پُوچھا تو انہوں نے عرض کی: آگے ہوتا ہُوں تاکہ دشمنوں کو دیکھوں کہ کہیں لڑنے کے لیے تو نہیں چُھپے بیٹھے، اور پیچھے ہو جاتا ہوں کہ شاید دشمن آجائیں تو پہلے میں آپ پر فدا ہوں[1]۔ حضور علیہ السلام اس رات پاؤں کی انگلیوں کے کناروں پر چلتے تھے تاکہ آپ کے قدموں کے نشانات ظاہر نہ ہوں، یہاں تک کہ آپ کے قدموں پر چھالے پڑ گئے۔ حضور علیہ السلام کی یہ کیفیت جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دیکھی تو آپ کو اپنے کاندھے پر اٹھا کر غارِ ثور تک پہنچایا۔ ایک روایت میں ہے کہ پہاڑی راستے کی وجہ سے آپ کے پاؤں مبارک زخمی ہو گئے ورنہ اتنا لمبا سفر تو تھا نہیں کہ بُعدِ مسافت سے آپ کے قدم مبارک زخمی ہو جاتے۔ ممکن ہے بُعدِ مسافت سے ہوں کیونکہ بعض روایات میں آیا ہے کہ آپ راستہ بھُول گئے۔ اس لیے ساری رات چلتے رہے۔ اسی وجہ سے آپ کے قدموں پر چھالے پڑ گئے۔

دو عاشقوں (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سانپ) کا مقابلہ

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسی شب پہلے جبل حنین پر تشریف لے گئے تو حنین نے عرض کی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمن تلاش کر رہے ہیں خدانخواستہ اگر وہ آپ کو شہید کر دیں تو میں مارا جاؤں فلہٰذا میرے ہاں سے چلے جائیے۔ حنین کی یہ بات سُن کر جبل ثور نے آواز دی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس غلام کو سرفراز فرمائیے، میرے ہاں تشریف لائیے۔ ثور کی غار موذی کیڑوں مکوڑوں کا خزانہ مشہور تھی۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اندر جانے کا ارادہ فرمایا تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ عرض کی[2]: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ٹھہریئے، میں اسے صاف کر لوں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ غار میں گھس گئے اور اپنے کپڑے پھاڑ کر غار کے سوراخوں کو بند کرتے گئے اس خطرہ سے کہ کہیں کوئی شے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا نہ دے غار کا ایک سوراخ بچ گیا جس سے سانپ کی آمد و رفت تھی۔ اس جگہ پر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا پاؤں کا گٹا دبا دیا۔ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اندر تشریف لا کر آرام فرما ہُوئے۔ سانپ چونکہ حضور علیہ السلام کی زیارت کا مشتاق تھا اس لیے اس نے اپنے سوراخ سے حضرت صدیق اکبر کو ڈسا اور خوب ڈنگ لگائے۔ لیکن صدیق جیسا عاشق سوراخ سے پاؤں کب ہٹاتا تھا۔ سانپ کے ڈنگ کے سخت اثرات سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بیدار ہُوئے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ڈسے ہُوئے مقام پر لُعابِ دہن لگایا تو فوراً شفا ملی۔

عجمی شیعوں کا کمینہ پن

عجمی شیعہ خوشی سے اپنے سروں پر سونے کے رنگ کا سر پر ایک تاج پگڑی میں باندھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسی سانپ کی یاد میں ہم ایسا کرتے ہیں اس لیے کہ اس نے (معاذ اللہ) ہمارے دشمن کو ڈسا تھا۔

العجوبہ

جونہی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم غار میں تشریف لے گئے تو غار کے منہ پر اللہ تعالیٰ نے فوراً کانٹے دار درخت بعض نے کہا کہ کیکر کا درخت پیدا فرمایا جس کی ٹہنیاں غار کے منہ پر چھا گئیں اور اس کا قد انسان کے قد کے برابر

---

[1] یہ ہے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا عشق ۱۲ [2] یہ ہے عشقِ صدیق رضی اللہ عنہ ۱۲ [3] ایضاً [4] صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عشق کی یہ داستان قابل

ہوگیا۔ بعض روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ثمامہ درخت پر گزر ہُوا، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: اسے ساتھ لے جانا چاہیے۔ چونکہ وہ ضعیف اور نہایت چھوٹا ہوتا ہے، جو غار کے منہ کے برابر تھا، اسی لیے غار کے منہ پر ڈال دیا گیا اس کے اوپر مکڑی نے تانا تنا اور اتنا گہرا کہ چار سال کا تنا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ قصیدہ بُردہ شریف میں ہے ؎

ظنوا الحمام و ظنوا العنکبوت علی
خیر البریۃ لم تنسج و لم تحم

ترجمہ مع شرح: یعنی کافروں نے گمان کیا کہ اگر حضور علیہ السلام اسی غار کے اندر ہوتے تو مکڑی یہاں پر تانا نہ تنتی اور نہ ہی اس کے گرد پھرتی یا غار کے منہ میں جانے سے تانا ٹوٹ جاتا۔

لم تحم ای تطف بہ حام حولہ سے ہے بمعنی طاف و دار بہ علفتھا تبنًا وماءً باردًا کے قبیل سے ہے۔

حضرت جامی قدس سرہ السامی نے فرمایا:

شد دو سہ تارے کہ عنکبوت تنید
بر در آں غار پردہ دار محمدؐ

ترجمہ: مکڑی کی تاریں غار پہ حضور علیہ السلام کی غلامی میں کھڑی ہوگئیں۔

فائدہ: ایسے ہی مکڑی نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے بھی تانا تنا تھا، جب وہ جالوت کے خطرے سے غار میں چھپے تھے۔

اسی طرح سیدنا زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کے ستر پہ بھی مکڑی نے تانا تنا تھا۔

حضرت زید بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعارف اور ان کا دردناک واقعہ

یہ زید حضرت امام باقر کے بھائی اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہم کے چچا ہیں۔ انہیں یوسف بن عمر ثقفی امیر العراقین منجانب ہشام بن عبد الملک نے سُولی پہ چڑھایا تھا۔ جب حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی بادشاہی کے خلاف علم بلند فرمایا تو اس بدبخت نے آپ کو ننگا کر کے سُولی پہ چڑھا دیا۔ یہ ۱۲۶ھ کا واقعہ ہے آپ اسی حالت میں چار یا پانچ سال سُولی پہ کھڑے رہے لیکن اس اثنا میں آپ کا ستر کسی کو نظر نہ آیا۔ بعض کہتے ہیں مکڑی نے تانا تنا۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ کے پیٹ کا گوشت آپ کے ستر پہ پھیل گیا تھا، ممکن ہے دونوں معاملے ہوں،

اعجوبہ آپ کو سُولی چڑھاتے وقت قبلہ کی جانب سے آپ کا چہرہ پھیرا گیا لیکن جونہی روح نے پرواز کی۔ آپ کا چہرہ قبلہ کی طرف پھر گیا۔ پانچ سال پر چڑھائے رکھنے کے بعد آپ کا جسم اطہر سُولی کی لکڑیوں سمیت آگ سے جلایا گیا۔

مکڑی کے فضائل

مکڑی کی سب سے بڑی فضیلت اور شرافت یہی ہے کہ اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غار پہ تانا تننے کا شرف نصیب ہُوا، اسی وقت سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکڑی کو قتل کرنے سے منع فرمایا:

انہا جند من جنود اللہ" یہ اللہ تعالیٰ کے لشکروں سے ایک لشکر ہے۔

مثنوی شریف میں ہے:

جملہ ذرات زمین و آسماں
لشکر حق اند گاہ امتحاں

ترجمہ: زمین و آسمان کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ کا لشکر ہے۔

سوال: حدیث شریف میں ہے:

"العنکبوت شیطان فاقتلوہ" "مکڑی شیطان ہے اسے قتل کر دو۔

ایک روایت میں ہے:

"العنکبوت شیطان مسخہ اللہ فاقتلوہ" "مکڑی شیطان ہے اسے اللہ تعالیٰ نے شیطان سے مکڑی کی صورت میں بنایا ہے فلہذا اسے قتل کر دو۔

ان دو روایات سے معلوم ہوا کہ مکڑی بہت بُرا جانور ہے اور تم اس کی فضیلت کے قائل ہو۔

جواب: دونوں روایات مذکورہ صحیح نہیں۔ اگر صحیح ہوں تو آپ نے واقعہ ہجرت سے پہلے اس کی مذمت فرمائی۔ اس کے بعد آپ اس کی تعریف فرماتے۔ فلہذا ہمارے نزدیک بھی قابلِ ستائش ہے۔ اس معنی پہ مذکورہ بالا دونوں اور اسی طرح کی اور روایات منسوخ ہیں۔

سوال: حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا:

"طہروا بیوتکم من نسج العنکبوت فان ترکہ فی البیوت یورث الفقر" اپنے گھروں کو مکڑی کے تانے سے صاف رکھو۔ اس لیے کہ مکڑی کا تانا گھر میں ہو تو اس سے فقر و فاقہ پیدا ہوتا ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ مکڑی قابلِ ستائش نہیں بلکہ قابلِ مذمت ہے۔

جواب: شے کی شرافت، بزرگی اور شے ہے اور اس کے متعلقات میں نحوست یا بے برکتی کا ہونا اور شے۔ مگر اس طرح سے کسی شے کو مذموم نہیں سمجھا جاتا اور نہ ہی اس کی شرافت اور بزرگی میں فرق پڑتا ہے۔

حیاۃ الحیوان میں ہے کہ مکڑی کا تانا مکڑی کے جسم کے خارجی حصے سے نکلتا ہے نہ کہ پیٹ سے۔

زخموں کا علاج اس کے خواص میں سے ہے کہ اگر جسم کے خون بہنے والے زخموں پر مکڑی کا تانا رکھا جائے تو خون بھی رُک جاتا ہے اور یہ زخموں پر ورم بھی نہیں ہونے دیتا۔ ویسے جہاں سے خون بہہ رہا ہو تو اس پر تانا رکھا جائے تو بہنے والا خون رُک جاتا ہے۔

بخار کا علاج مکڑی کا وہ تانا جو ٹٹی خانوں اور جانوروں کے گوبر خانوں میں ہوتا ہے اگر اسے توڑ کر بخار والے کے

ئے میں لٹکایا جائے تو بخار کا آرام ہوجاتا ہے۔ (کذا قال ابن الزبیر)

کبوتری کے انڈے جونہی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم غار کے اندر تشریف لے گئے تو مکڑی کے تانے پر کبوتری نے انڈے دے دیئے۔ اس لیے حضور علیہ السلام نے کبوتروں کو دعا فرمائی اور ہ میں رہنے کی اجازت بھی بخشی۔

ندہ : حرم شریف کے یہی کبوتر اسی کبوتری کی اولاد ہیں یا کوئی اور۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ اور ہیں۔ اس لیے کہ حضرت نوح علیہ السلام علق مروی ہے کہ آپ نے کبوتر کو کشتی سے بھیجا کہ زمین پر حالات دریافت کرے۔ وُہ اڑ کر حرم کی وادی میں پہنچا جہاں اب کعبہ مکرمہ موجود ہے۔ یہاں پانی خشک ہوچکا تھا اور یہاں کی کیچڑ سُرخ تھی۔ کبوتر نیچے اترا تو اس جگہ کا گارہ پاؤں سے چمٹ گیا۔ اسی وجہ سے کبوتر کے پاؤں کے بال سُرخ ہوتے ہیں۔ کبوتر نے حضرت نوح علیہ السلام کی خدمت میں حاضری دی تو آپ نے اس کی گردن پر ہاتھ پھیرا اور خصوصی طوق پہنایا۔ کبوتر کے گلے کا طوق اور پاؤں کی سرخی اسی روز سے ہے اسی روز سے حضرت نوح علیہ السلام نے حرم شریف میں رہنے کی اجازت بخشی اور اس کے لیے برکت کی دُعا بھی فرمائی۔ بعض روایات میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کے دن کبوتر نے سایہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے برکت کی دُعا فرمائی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریین سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کبوتروں کی طرح بھولے ہو جاؤ۔

اعجوبہ اس لیے کہ کبوتر سے زیادہ بھولا اور کوئی پرند نہیں۔ اس لیے کہ اس کے گھونسلے سے اس کے سامنے اس کے بچے پکڑ کر ذبح کر دو اور اسے وہاں سے بھگا دو تو بھی واپس اسی گھونسلے میں آئے گا۔ پھر اسی جگہ پر بچے دے گا اور رہے گا۔ کبوتر کی ایک عادت یہ ہے کہ وُہ اپنے گھونسلے کو نہیں چھوڑتا اگرچہ ہزاروں میل تک دُور جائے تب بھی اپنے گھونسلے میں واپس آجاتا ہے۔ دُور دراز کی خبریں آن کی آن میں پہنچاتا ہے۔ (کذا فی المغرب)

فائدہ : عراق و شام میں کبوتر بہت مہنگی قیمت میں بکتے ہیں۔ بہت دور کی خبریں لاتا ہے۔ اس کے گلے میں خطوط ڈال دیے جاتے ہیں ان کے جوابات واپس پہنچاتا ہے۔ اگر کبوتر نہ ہوتے تو بصرہ والوں کو پتہ نہ چلتا کہ کوفہ میں کیا ہو رہا ہے، اور نہ ہی ایک دن میں ایک دوسرے کے حالات سے باخبر ہوتے۔ اسی طرف فصحاء بلغاء کے اشعار میں بھی اشارات ملتے ہیں۔

حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہٗ نے مثنوی شریف میں فرمایا : ؎

رقعہ بر پر مرغ دوختے
پر مرغ از تف رقعہ سوختے

ترجمہ : میں نے کبوتر کے پر پر خط لکھا، خط کے دردناک احوال سے کبوتر کے پر جل گئے۔

حضرت سلطان سلیم اول یعنی فاتح مصر نے لکھا کہ : ؎

مرغِ چشمِ من کہ پروازش بجز سوئے تو نیست
بستہ ام از اشک صد جانامۂ شوقش ببال

ترجمہ : میری آنکھ کے پرندے کو تیری جانب کے سوا اور کہیں پرواز نہیں۔ اسی لیے میں نے شوق سے اس کے ہر بال میں عریضہ باندھ دیا ہے۔

مسئلہ : حیوٰۃ الحیوان میں ہے کہ انڈے نکالنے اور بچے حاصل کرنے اور صرف انس اور خطوط پہنچانے کے لیے کبوتر پالنا بلا کراہت جائز ہے۔

مسئلہ : کبوتروں سے کھیلنا اور اڑانا اور دوڑانا، بعض فقہاء جواز کا فتویٰ دیتے ہیں، اس لیے کہ کبوتروں سے جنگ میں خطوط پہنچانے کا کام لیا جاتا ہے، لیکن صحیح تر یہ ہے کہ کبوتر پالنا اور اپنے گھروں میں رکھنا مکروہ ہے۔

مسئلہ : کبوتروں کے ساتھ جُوا قمار کھیلنا مکروہ ہے اور ایسے شخص کی گواہی ناقابل قبول ہے۔

ہجرت کے واقعہ کا باقی حصہ

جب مشرکین نے حضور علیہ السلام کو نہ پایا، شہر کا کونہ کونہ چھان ڈالا، انہیں الٹا اپنی جان کا خطرہ لاحق ہو گیا تو سراغ رسانوں کا سہارا ڈھونڈا۔ یعنی ایسے لوگ بلوائے جو قدموں کی رفتار سے جانے والوں کا پتہ چلاتے ہیں۔ آپ کے قدموں سے علقمہ بن کرز نے خبر دی کہ حضور علیہ السلام کا جانا غارِ ثور تک ثابت ہوتا ہے اس کے بعد نہ معلوم کہاں تشریف لے گئے۔ (یہ علقمہ بن کرز فتح مکہ کے موقعہ پر مسلمان ہو گئے تھے۔

فائدہ : حضور علیہ السلام شثن الکفین والقدمین تھے۔ شثن شثنت کفہ شثنا و شثونۃ بمعنی خشنت وغلظت فہو شثن الاصابع بالفتح۔ (کذا فی القاموس) مکہ کے نوجوان پُرجوش تھے، مکڑیاں کلہاڑیاں اٹھا کر ادھر ادھر گشت لگا رہے تھے اور کہتے جہاں بھی (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) مل گئے انہیں (معاذ اللہ) قتل کر دیا جائے گا۔ ہر وادی، ہر پہاڑی، ہر غار کو جھانک کر اور نہایت غور و خوض سے دیکھتے تھے یہاں تک کہ غارِ ثور کے منہ پر پہنچے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ غار کے اندر ہوں گے۔ امیہ بن خلف نے کہا کہ اس میں کیسے جا سکتے ہیں جب کہ اس کے منہ پر مکڑی نے تانا تنا ہے اور میں اس غار کو (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیدائش سے پہلے اسی طرح دیکھتا چلا آ رہا ہوں۔ اگر وہ غار میں داخل ہوتے تو مکڑی کا تانا کب بچ سکتا تھا اور نہ ہی کبوتری کے انڈے باقی رہتے۔ غار کے گرد گھومنے والوں کو دیکھ کر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کی خاطر گھبرائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

اِذْ یَقُوْلُ یہ دوسرا بدل یا دوسری ظرف ہے یعنی جب فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے **لِصَاحِبِہٖ** اپنے ساتھی سے۔ اس سے بالاتفاق حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔

ردِ شیعہ : تمام امت کا اتفاق ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحبت کا منکر کافر ہے، اس لیے کہ وہ کلامِ الٰہی

کا انکار کرتا ہے۔

مسئلہ: روافض اسی لیے کافر ہیں کہ وہ شیخین یعنی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو گالی دیتے اور (معاذ اللہ) انہیں لعنتی اور کافر کہتے ہیں۔

مسئلہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان پر فضیلت دینا بدعت سیئہ ہے۔

مسئلہ: بدعت سیئہ گناہِ کبیرہ ہے۔ (کذا فی ہدیۃ المہدیین)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا گریہ

ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام و تابعین کی جماعت سے فرمایا کہ تم میں کوئی سورۂ توبہ پڑھ کر سنائے۔ ایک شخص نے کہا: میں سناتا ہوں۔ چنانچہ اس نے سورۂ توبہ پڑھنا شروع کی۔ جب "اذ یقول لصاحبہ" تک وہ شخص پہنچا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور فرمایا:

بخدا لصاحبہ سے یہی بندۂ عاجز مراد ہے۔ وَلَا تَحْزَنْ اور غم نہ کھائیے۔

سوال: آپ نے لا تخف کیوں نہ فرمایا؟

جواب: خوف کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ خائف پہلے اپنے نفس کا خیال رکھتا ہے پھر دوسرے کا۔ اور حزن میں اپنا تصور دل سے ختم ہو جاتا ہے جب اس سے دوسرا مطلوب ہو۔

ردِ شیعہ: شیعہ شنیعہ سمجھتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام سے ناراض ہُوا تو حضور علیہ السلام نے اسے غصّے سے فرمایا: لا تحزن۔

ایک جواب تو ہم نے پہلے عرض کر دیا کہ لا تحزن میں جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنا تصور نہیں تھا تو پھر ناراضگی کیسی۔ دوسرا حضور علیہ السلام نے لا تحزن فرما کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مانوس فرمایا اور اسے خوشخبری سے نوازا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو و لا یحزنک قولھم فرما کر مانوس فرمایا۔ اس سے واضح ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مرتبہ بہت بلند ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اس طرح تسلیاں اور خوشخبریاں سنائیں جیسے انہیں ان کا رب تعالیٰ حزن و ملال کے وقت تسلیاں و خوشخبریاں سناتا ہے۔ تیسرا اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نیکی سمجھ کر حزن و ملال کر رہے تھے تو حضور علیہ السلام کا روکنا بے سُود ہے۔ اس لیے کہ نبی کریم نیکی سے روکتے نہیں بلکہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی غم اور حزن تھا نہیں اس لیے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے لیے غم اور حزن نہیں کر رہے تھے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کر رہے تھے اسی لیے ماننا پڑا کہ یہ نہی انس اور بشارت کی تھی۔ اس کے سوا اور کوئی معنیٰ بنتا ہی نہیں۔ (کذا فی انسان العیون) اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے وہی ہماری مدد فرمائے گا اور وہی ہمیں بچائے گا۔

ف: یہاں معیت سے ایسی ولایت دوستی مراد ہے کہ جس میں حزن و ملال کا شائبہ تک نہ ہوا وہ خصوصیت جو متبوع سے تابع کو

نصیب ہوتی ہے یا وہی معیت مقصود ہے جو تابعداری سے تابع کو فضائل و کمالات حاصل ہوتے ہیں۔

نکتہ: حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کلیم خدا علیہ السلام پر اسی لیے ہے کہ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اللہ تعالیٰ کا نام لیا کما قال ان اللہ معنا۔ اور کلیم علیہ السلام نے پہلے اپنا نام لیا کما قال ان معی ربی بے شک میرے ساتھ میرا رب تعالیٰ ہے۔

معجزۂ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مروی ہے کہ جب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم غار میں تشریف فرما تھے تو کفار و مشرکین غار کے اوپر سے اندر جھانک کر دیکھنے لگے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خطرہ لاحق ہوا کہ اگر ان کمینوں نے ہمیں دیکھ لیا تو حضور علیہ السلام کو سخت تکلیف پہنچائیں گے۔ اس لیے حضور علیہ السلام سے عرض کی۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بندۂ خدا! ڈر کاہے کا، ہم دو ہیں تو تیسرا ہمارے ساتھ ہمارا خداوند قدوس ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کے ارشاد گرامی کے مطابق صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو تسلی ہوئی اور کافروں مشرکوں کو اللہ تعالیٰ نے اندھا بنا دیا کہ اگرچہ غار کے اندر جھانکتے رہے لیکن انہیں نہ حضور علیہ السلام نظر آئے اور نہ ہی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔

دوسرا معجزہ اور غار کے اندر سرکار دو عالم نے ابوبکر کو دونوں طرف سے سڑک دکھائی

مروی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ اب کیا ہوگا جبکہ کفار و مشرکین سر پر آگئے ہیں اور غار کے اوپر سے پھر رہے ہیں، اگر وہ نیچے نگاہ ڈالیں تو وہ ہمیں دیکھ لیں گے۔ اس طرح وہ ہمیں گرفتار کریں گے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: لوجاؤنا من ھٰھنا لذھبنا من ھٰھنا۔ اگر وہ ہمارے ہاں ادھر آئیں گے تو ہم اسی غار کے اندر سے ہی اُدھر نکل جائیں گے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے غار کے اندر جس طرف اشارہ فرمایا اس طرف سے غار پھٹ گئی اور میں نے دیکھا کہ اس طرف ایک بڑا دریا ہے اور اس کے ساتھ کشتی پار جانے کو تیار کھڑی ہے۔ ابن کثیر نے کہا:

وھذا[عہ] لیس بمنکر من القدرۃ العظیمۃ۔ اور قدرت الٰہی سے کچھ بعید بھی نہیں۔ یعنی ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دریا کو دیکھنا اور غار کا پھٹ جانا حق ہے[لہ]۔

فضائل صدیق اور رد شیعہ زندیق

آیت میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا بلند مرتبہ ثابت ہوا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کی صحابیت نص قطعی سے ثابت ہے۔ جیسے غار میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ثانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ نصیب ہوا ایسے ہی ازل سے عالم ارواح میں بھی آپ ثانی ہیں اس لیے کہ عالم عدم سے عالم وجود میں جب ارواح لائے گئے تو اس وقت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روح مبارک کے دوسرے نمبر پر

[عہ] روح البیان ج ۱، ص ۹۰۳ مطبوع قدیم تحت آیت ہذا۔

[لہ] لکن الوھابیۃ والرافضۃ قوم لا یعقلون ۱۲۔ اس لیے یہ دونوں گروہ اس واقعہ کے منکر ہیں۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رُوح اقدس تھی۔ اسی لیے آپ ہجرت میں ثانی ہیں تو غار میں بھی ثانی۔ خلافت میں ثانی تو مزار میں بھی ثانی۔ اسی طرح جب میدانِ محشر کے لیے مزار شریف شق ہو گی تو صدیق اکبر حضور علیہ السلام کے ثانی، اسی طرح دخول جنت میں بھی ثانی۔ کما قال علیہ السلام؛

اما انك یا ابا بکر اول من یدخل الجنة من امتی۔	اے ابوبکر! قیامت میں تم میرے ساتھ میری امت سے سب سے پہلے بہشت میں داخل ہو۔

خصوصی جلوہ؛ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر سے فرمایا:

الا ابشرك قال بلیٰ بابی انت وامی قال ان اللہ عزوجل یتجلی للخلائق یوم القیمٰة و یتجلی لك خاصة۔	اے ابوبکر! میں تمہیں خوشخبری سناتا ہوں، وہ یہ قیامت میں اللہ تعالیٰ ہر ایک کو جلوہ دکھائے گا لیکن تجھے خاص جلوہ سے نوازے گا۔

غار میں صدیق اکبر کو بہشتی شراباً طہورا

مروی ہے کہ غار میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پیاس محسوس ہوئی۔ حضور علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ غار سے باہر جائیے وہاں سے پانی پیجئے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ غار سے باہر تشریف لے گئے۔ وہاں ایسا پانی نوش فرمایا جو شہد سے زیادہ میٹھا اور دودھ سے سفیدتر اور مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انہار جنت کے صدر فرشتہ سے فرمایا کہ جنت الفردوس سے ایک نہر کھود کر غار کے کنارے تک پہنچا دو تاکہ میرے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پیاس بجھائیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی؛ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا اللہ تعالیٰ کے ہاں میرا اتنا مرتبہ ہے۔ حضور سرور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے بڑھ کر ہے مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تیرے ساتھ بغض وکینہ رکھنے والا بہشت میں ہرگز نہیں جائے گا، اگرچہ اس کے اعمالِ صالحہ ستر انبیاء علیہم السلام کے برابر ہوں[1]

فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ پس اللہ تعالیٰ نے سکینہ اتاری۔

ف؛ سکینہ ہر وہ خصوصی چین کہ جس سے قلوب کو اطمینان وقرار نصیب ہوتا ہے۔ کاشفی نے لکھا ہے کہ اس سے وہ رحمت مراد ہے جس سے قلوب آرام اور چین پاتے ہیں۔ عَلَیْہِ حضور علیہ السلام پر۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام پر ایسی رحمت نازل فرمائی کہ جس سے خوف کا معمولی شائبہ بھی آپ کے دل میں نہ رہا۔ یا اس سے حضرت ابوبکر مراد ہیں۔ اور صحیح تر یہی ہے، اس لیے کہ خوف اور حزن وملال تو صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو تھا ورنہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت

---

[1] اس سے شیعہ گروہ کو سوچنا لازم ہے کہ محض مرثیہ خوانوں اور ذاکروں کے کہے اور غلط تواریخ کے من گھڑت حوالوں سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بغض وعداوت کر کے اپنا بیڑا غرق کرتے ہیں ۱۲۔

اطمینان و قرار تھا۔ اسی دوسرے قول کی طرف حضرت فریدالدین عطار قدس سرہٗ نے اشارہ فرمایا: ؎

خواجۂ اول کہ اول یار اوست
ثانی اثنین اذ ھما فی الغار است

ترجمہ: سیدِ اولین کا یار بھی اس کا پہلا خلیفہ ہے۔ ثانی اثنین اذ ہما انہی کے حق میں ہے۔

چون سکینہ شد ز حق منزل برو
گشت مشکلہائے عالم حل برو

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ سے ابوبکر رضی اللہ عنہ پر سکینہ نازل ہوئی تو ان کی تمام مشکلیں حل ہوگئیں۔

سعدی چلپی المفتی نے فرمایا کہ ضمیر کا مرجع حضور علیہ السلام ہیں۔ اور یہی موزوں تر ہے۔ اور یہ ضروری نہیں کہ نزول سکینہ صرف حزن و ملال کی وجہ سے بلکہ مزید اطمینان و سکون کے لیے بھی ہوتا ہے جیسے غزوۂ حنین میں اللہ تعالیٰ نے نزولِ سکینہ کا مورد صرف اپنے حبیب علیہ السلام کو ٹھہرایا ہے اور فاء تعقیب ذکری کے لیے ہے۔

ف: مصحف حفصہ میں "فانزل اللہ سکینتہ علیہما" ہے (لیکن قرآن مجید مصاحف کا نام نہیں بلکہ اصل لوحِ محفوظ کے مطابق کا نام قرآن مجید ہے۔ اسی لیے ہم شیعہ کے مصاحف فاطمہ و مصاحف علی کے قائل نہیں اور نہ ہی ہم مصاحف ابن مسعود و حفصہ وغیرہم کے قائل ہیں۔

وَاَيَّدَهٗ اور اللہ تعالیٰ نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو تقویت بخشی۔ **بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا** ایسے لشکر سے جسے تم دیکھ نہیں سکتے تھے۔ اس سے وہ ملائکہ کرام مراد ہیں جو حضور علیہ السلام کی مدد کے لیے بدر، احزاب اور حنین میں تشریف لائے تاکہ آپ کو آپ کے دشمنوں پر غلبہ ہو۔ اس کا عطف نصرہ اللہ پر ہے۔ **وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى** اور کافروں کے کلمہ کو نیچے کرے یعنی شرک کو قیامت یعنی ابدالآباد تک مقہور و مغلوب کرے۔ یا کلمۂ سفلیٰ سے کفار کی دعوت کفر مراد ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا تاکہ اللہ تعالیٰ کافروں کی دعوت کفر کو ذلیل و خوار فرمانے۔ **وَكَلِمَةُ اللّٰهِ** اس سے توحید کا کلمہ یا دعوت الی الاسلام مراد ہے اور یہ مرفوع بالابتداء ہے یعنی اور اللہ تعالیٰ کا کلمۂ توحید یا دعوتِ اسلام۔ **هِيَ** ضمیر فصل کی ہے دفع توہم کے لیے لائی گئی وہ وہم یہ تھا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ کلمۃ اللہ کے علاوہ اور کوئی کلمہ بھی بلند و بالا ہوگا۔ ضمیر فصل میں چونکہ حصر کے لیے ہوتی ہے اسی لیے اب وہ وہم دفع ہوگیا۔ **الْعُلْيَا** بلند ہے۔ یعنی ابدالآباد تک یہ مبتدا کی خبر ہے اور کلمۂ توحید کو اس طرح بلند فرمایا کہ کافروں سے ہی نبی علیہ السلام کو اپنے کلمۂ توحید کے اعلان کے لیے مبعوث فرمایا۔

ف: یعقوب قاری نے کلمۃ اللہ کو منصوب پڑھا ہے اس کا عطف کلمۃ الذین پر ڈالا ہے لیکن اس کا یہ قول ضعیف ہے اس لیے کہ اس سے ثابت ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ پہلے نیچے تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اسے بلند فرمایا حالانکہ یہ بالکل

غلط ہے اس لیے کہ اس کا کلمہ ابتداءً ہی بلند ہے کسی کے بلند کرنے سے بلند نہیں ہوا۔

مسئلہ: مناظرات المکی میں ہے کہ اگر کوئی عمداً "وجعل کلمۃ الذین کفروا السفلیٰ وکلمۃ اللّٰہ" پڑھ کر وقف کر کے اسے کلمۃ اللّٰہ ھی العلیاء سے نہ ملائے تو وہ کافر ہو جائے گا۔

وَاللّٰہُ عَزِیۡزٌ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے اور اہلِ توحید کو غالب فرماتا ہے **حَکِیۡمٌ ○** اپنے امور اور اپنی جملہ تدابیر اور تمام احکامات میں حکمت والا ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ اہلِ کفر کو ذلیل و خوار کرنے والا ہے اور اسے ان کی ذلت و خواری کی حکمت معلوم ہے۔

ربط: غزوۂ تبوک کے درمیان واقعِ غار کو ذکر کرنے میں جہاد سے نفرت و کراہت کرنے والوں کو تنبیہ ہے کہ اگر تم میرے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت نہیں کرو گے تو انہیں کسی قسم کا نقصان نہیں اس لیے کہ میں خود احکم الحاکمین ان کا حامی و مددگار ہوں۔ مثلاً جبکہ ہجرت کے وقت ایک فرد بھی ان کی مدد کرنے والا نہیں تھا اور پھر قریشِ مکہ کا ایک ایک فرد ان کی جان کا پیاسا ہو گیا تھا لیکن میں نے ان کی مدد فرمائی اور ان کے دشمنوں سے انہیں بچا کر با امن و سلامت مدینہ طیبہ پہنچایا۔ فتح و نصرت کی چابیاں میرے ہاتھ میں ہیں جس کو کوئی مدد ملتی ہے تو وہ میری طرف سے ہوتی ہے۔ ؎

یاری از وے جوئے نہ ز خیل و سپاہ　　　راز با من گوی نے با امیر و شاہ
ہر کرا یاری کنم بر تر شود　　　ہر کرا دور افگنم ابتر شود

ترجمہ: مدد سپاہ و لشکر سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے تلاش کرو۔ اپنے راز بھی اللہ تعالیٰ سے عرض کرو۔ امیر و بادشاہ کو نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا تمام یاریاں برباد ہو جاتی ہیں اور جسے اللہ تعالیٰ اپنی درگاہ سے دور فرما دے وہ ذلیل و خوار ہوتا ہے۔

غارِ ثور کے بعد کیا ہُوا جب قریشِ مکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی تلاش سے عاجز ہُوئے تو گرد و نواح میں بہت بڑے ظالم خونخوار آدمیوں کو مقرر کر کے اعلان کیا کہ جو بھی کوئی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سر قلم کر کے یا انہیں قید کر کے لائے تو منہ مانگا انعام پائے یعنی اسے ایک سو اونٹنی، ایک روایت میں دو سو اُونٹنیاں دی جائیں گی۔ ادھر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم غارِ ثور شریف میں تین راتیں بسر کر کے مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہُوئے اور عبد اللہ بن ابی بکر اس وقت چھوٹے تھے۔ دن کو مکہ میں رہتے، رات کو حضور علیہ السلام کے ہاں حاضر ہو کر مکہ والوں کے حالات سناتے، پھر اندھیرے میں نکل کر صبح سویرے مکہ معظمہ پہنچ جاتے۔ مشرکوں کو ایسے محسوس ہوتا کہ گویا وہ رات کو اپنے گھر پر رہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بکریاں چراتا تھا۔ رات کے وقت ان بکریوں کا دُودھ دوہ کر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں پہنچاتا تھا اور حضرت اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا رات کو کھانا پکا کر پہنچاتی تھیں۔ جب مکمل تین راتیں ختم ہوئیں، تو جس

عبداللہ کو مزدوری کے لیے مقرر فرما کر آئے تھے وہ صبح سویرے دونوں اُونٹنیاں لے کر حاضر ہو گیا اور دونوں حضرات اونٹنیوں پر سوار ہو کر مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہُوئے ان کے ساتھ حضرت فہیرہ یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ سوار ہو گئے۔ اس روانگی کے وقت "وقل رب ادخلنی مدخل صدق و اخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنك سلطانا نصیرا۔" نازل ہُوئی۔

فائدہ: حضرت زید بن اسلم نے فرمایا کہ آیت میں مدخل صدق سے مدینہ طیبہ اور مخرج صدق سے مکہ معظمہ، اور سلطانا نصیرا سے انصار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم مراد ہیں۔

مکہ معظمہ حضور علیہ السلام کی جدائی سے رو پڑا مروی ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ معظمہ کو چھوڑ کر مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہُوئے تو حضور علیہ السلام کی جدائی سے مکہ معظمہ کی در و دیوار کی چیخیں نکل گئیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ معظمہ کے شہر کو مخاطب ہو کر فرمایا: بخدا میں تجھ سے ہرگز جدا نہ ہوتا مجھے تیرے مکینوں نے یہاں سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ بخدا اے مکہ! تو مجھے تمام شہروں سے محبوب ترین اور مکرم ترین ہے۔ اگر مجھے مکہ والے ہجرت پر مجبور نہ کرتے تو میں تجھے چھوڑ کر کہیں نہ جاتا۔

مسئلہ: اسی روایت کو لے کر محدثین نے فیصلہ فرمایا ہے کہ مکہ معظمہ تمام شہروں سے افضل ہے۔

حدیث شریف: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مکہ کی گرمی پر گھڑی بھر صبر کیا تو اس سے سو سال کی مسافت تک جہنم کی آگ دُور رہے گی اور مکہ معظمہ کی ایک نیکی لاکھ نیکیوں کے برابر ہے۔

شانِ رسالت کی ایک جھلک زمین کے جس حصہ سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسمِ اطہر آرام فرما ہے وہ تمام مکانات یہاں تک کہ عرش معلیٰ اور کرسی وغیرہ سے افضل ہے۔ طوفانِ نوح علیہ السلام سے یہی حصہ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ پہنچا۔ اس لحاظ سے یہ ٹکڑا بھی درحقیقت مکہ مکرمہ (کعبہ اقدس) کا ہے۔

سراقہ کو زمین نے نگل لیا جب سراقہ بن مالک بن جعشم الکنانی نے سُنا کہ جو شخص حضور علیہ السلام اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو قتل کر کے یا انہیں قید کر کے لائے اسے ایک سو اُونٹ انعام ملے گا۔ وُہ لالچ سے حضور علیہ السلام اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تلاش میں چل نکلا، یہاں تک کہ ان دونوں حضرات کو ساحل کے کنارے پا لیا اور دُور سے للکارا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آج آپ کو میری گرفت سے کون بچائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا: مجھے میرا رب جبار واحد قہار بچائے گا۔ اندریں اثناء حضور علیہ السلام کی خدمت میں حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہُوئے اور عرض کی کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو آپ کے تابع فرما دیا ہے آپ اسے جو حکم دیں گے وُہ بجا لائے گی۔ آپ نے زمین سے فرمایا کہ سراقہ کو نگل لے۔ زمین نے سراقہ کو

گھوڑے سمیت گھٹنوں تک نگل لیا۔ اس پر سراقہ نے حضور علیہ السلام سے امان چاہی۔ آپ نے زمین سے فرمایا کہ سراقہ کو چھوڑ دے۔ چنانچہ زمین نے سراقہ کو اچھلا۔ بعض روایات میں ہے کہ سراقہ کے ساتھ اسی طرح سات بار ہُوا کہ جب وہ معاہدہ توڑتا تو زمین اسے پکڑ لیتی۔ جب وُہ پناہ مانگتا تو اسے چھوڑ دیتی۔ جب ساتویں بار اس نے صدقِ دل سے توبہ کی تو مکہ کو لوٹا اور اسے جو کافر بھی حضور علیہ السلام کی طلب کے لیے ملتا اسے واپس کر دیتا تھا اور کہتا تھا کہ میں نے خوب چھان بین کی مجھے اس راستہ پر کوئی نہیں ملا۔ ہجرت کے تفصیلی واقعات کتبِ سیر میں موجود ہیں۔

اِنْفِرُوْا اے مومنو! غزوۂ تبوک کی طرف حضور علیہ السلام کے ساتھ چلو۔

ف: تاج المصادر میں ہے النفیر و النفور بمعنے سفر کے لیے باہر جانا۔

خِفَافًا وَّ ثِقَالًا خفیف و ثقیل ہو کر یعنے درانحالیکہ تم نوجوان ہو یا بوڑھے، فقیر ہو یا غنی، سوار ہو یا پیدل، تندرست ہو یا مریض، شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، محض اعلانِ جنگ سنتے ہی جلد تر تیار ہو کر نکلنے والے یا سوچ بچار کے بعد جنگی ہتھیار تیار ہیں یا نہیں، سامانِ جنگ تھوڑا ہے یا بہت، زیادہ خوش ہو کر یا غمگین ہو کر تمہارے لیے جنگ پہ جانا آسانی ہے یا بوجھ محسوس ہوتا ہے۔ مشاغل میں مصروف ہو یا غیر مصروف، کمزور ہو یا موٹے تازے، قوی ہو یا ضعیف، گھر بار والے ہو یا یک سر دو گوش۔

ف: اس سے یہ نہ سمجھنا کہ ہر معاملہ بالمقابل کا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ غزوہ تبوک پہ جانے کی ہر اہل اسلام کو تاکید تھی۔ چنانچہ مولانا ابوالسعود نے فرمایا کہ اے مسلمانو! جس حال میں ہو غزوۂ تبوک کو جاؤ۔ دولت مندی کی تخصیص نہیں، ہر امیر غریب جائے۔ تندرستی کی بھی تخصیص نہیں، ہر تندرست اور بیمار جائے۔ اور نہ ہی فارغ البال کی تخصیص ہے کوئی یک سر دو گوش ہے یا کوئی عیال دار اور کنبہ دار ہے تو بھی جائے۔ اسبابِ جنگ حاصل ہیں یا نہیں، ہر حالت میں جانا پڑے گا۔

ف: یہ حکم سن کر حضرت عبداللہ بن ام مکتوم نابینا صحابی رضی اللہ عنہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور عرض کی، کیا میں بھی جنگ پہ چلوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، تم بھی چلو۔ گھر واپس آئے تو جنگ کا کوئی سامان بھی میسر نہ آیا۔ پھر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہُوئے تاکہ سامان کے نہ ہونے کی معذرت کریں۔ یہ ابھی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے ہی تھے کہ یہ آیت نازل ہُوئی: لیس علی الاعمی حرج۔ نابینا پر کوئی حرج نہیں اگر وہ جنگ پہ نہ جائیں تو۔

قاعدہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیت ہذا لیس علی الضعفاء و لا علی المرضی (الآیہ) سے منسوخ ہے۔

تفسیر صوفیانہ شبلی نے فرمایا کہ خفافا سے عبادت میں چست چالاک اور ثقالا سے عبادت سے جی چرانے والے مراد ہیں۔ حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خفافا سے بند شہود ماسوی اللہ سے آزاد حضرات۔ اور ثقالا سے قید تعلقات سے مقید لوگ مراد ہیں۔

بحرالحقائق میں ہے کہ انفروا اے طالبانِ حق! حق کی طلب میں چلو۔ خفافا علائق اولاد و اہالی سے مجرد اور عوائق املاک و اموال سے منقطع ہوکر، وثقالا اور متمول (اہل مال) متاہل (اہل عیال والے) ہوکر۔

نیز خفافا مجذوبین بالعنایۃ ہوکر وثقالا اور سالکین بالهدایۃ ہوکر۔ یعنی خفاف سے وہ مجذوب مراد ہیں جو راہِ سلوک پر عنایت الٰہی کی کشش سے چلتے ہیں اور ثقال سے وہ سالک مراد ہے جو پرورشِ حق سے جذبۂ حقانی کی طرف متوجہ ہے اور یہ دونوں حضرات ابھی راستہ طے کر رہے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پہلا کشش کے پروان سے اڑ رہا ہے دوسرا مشاہدہ ما سوی اللہ کے ساتھ پرواز کر رہا ہے۔ ؎

مرد عارف چوں بداں سے پرد ۔۔۔ در دمے از نہ فلک سے بگذرد
سیر زاہد در دمے یک روزہ راہ ۔۔۔ سیر عارف ہر زماں تا بہ تخت شاہ

ترجمہ: عارف مرد جب حق کی طرف پرواز کرتا ہے وہ نو آسمانوں سے بھی گزر جاتا ہے زاہد کی پرواز ایک دن کی راہ کے برابر ہوتی ہے اور عارف کی سیر ایک آن میں بادشاہ کے تخت تک ہوتی ہے۔

وَجَاهِدُوْا اور جہاد کرو۔ جہاد اصطلاحِ شریعت میں دین کو مضبوط کرنے کے لیے کفار کو قتل کرنا۔ کذا فی شرح الترغیب للمنذری خالصۃ الحقائق میں لکھا ہے کہ اہل حکمت کہتے ہیں اپنی جد و جہد کو صرف کرنا اور سرکشوں کو قتل کرنا صرف اس لیے کہ وہ اسلام قبول کریں اور اصنام پرستی سے باز آجائیں۔

اعدائے اسلام کے اوہام کا ازالہ

بعض کمیونسٹ اور دشمنانِ اسلام جہاد کو رحمتِ نبوی کے منافی قرار دے کر مسلمانوں کو جہاد سے روکتے ہیں، حالانکہ جہاد رحمتِ نبوی کے عین مطابق ہے اس لیے کہ جہاد کا حکم ارحم الراحمین رب کریم کا حکم ہے اور نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کریم کے حکم کی تعمیل فرماتے ہیں۔ نیز اُمم سابقہ جب اپنے نبی علیہ السلام کے خلاف چلتے تو فوراً عذابِ الٰہی میں گرفتار ہوجاتے بخلاف ہمارے رحمۃ للعالمین نبی کریم علیہ السلام کے کہ آپ نے اپنے مخالفین کو صرف تلوار کا ڈر سنایا تو بہت سے خوش قسمت کفر کی لعنت سے بچ کر اسلام کی آغوشِ رحمت میں آگئے امم سابقہ مخالفتِ نبوت پر فوراً تباہ و برباد ہوئیں بخلاف ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے کہ اسے بجائے نیست و نابود کرنے کے اسلام کی دعوت دی گئی اور اسے تلوار کا ڈر سنایا گیا اگر قبول کر لیا تو زندگی کے مزے بھی لیے اور مرنے کے بعد آخرت کی دائمی نعمتوں سے بھی اسے نوازا گیا۔ یہ صرف ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمۃ للعالمینی کا صدقہ ہے۔ یہی جواب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بعض عربوں کو پہلے کئی سال سمجھا گئے۔ چنانچہ مروی ہے کہ بعض اہلِ عرب نے آپ سے سوال کیا کہ افنانا السیف یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی تلوار نے ہمیں فنا کر ڈالا۔ آپ نے فرمایا: ذلك ابقی لاٰخرکم یہ تلوار تو تمہاری بقا کے لیے ہے۔ (کذا فی ابکار الافکار)

بِاَمْوَالِكُمْ اپنے مالوں سے یعنی وہ مال جس سے تم جہاد کا زادِ راہ اور ہتھیار خریدو۔ **وَاَنْفُسِكُمْ** اور اپنے نفسوں سے

یعنی وہ پیاری جانیں تم راہِ حق میں قربان کرو یعنی جہاد ان دونوں سے ہو۔ اگر دونوں ناممکن ہوں تو ان میں سے ایک سے یعنی مال یا جان سے۔ یعنی جو جنگ میں مال اور جان دونوں خرچ کرے تو یہی طریقہ افضل و اعلیٰ ہے۔ ورنہ اگر مال ہے تو مال خرچ کرو، ورنہ جان دے دو۔

تفسیر صوفیانہ "تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اموال کی تقدیم میں اشارہ ہے کہ نفوس کو راہِ حق میں صرف کرے۔ لیکن اس میں صفات مذمومہ موجود ہوں تو ایسے نفوس راہِ حق میں قربان کرنے کے لائق نہیں۔ مثلاً نفوس میں دنیا کی حرص اور بخل باقی ہو تو وہ نفوس راہِ حق میں قربان ہُوئے تو کیا فائدہ۔ اسی لیے اموال کی تقدیم میں اشارہ فرمایا ہے کہ پہلے نفوس کے صفات مذمومہ کو مٹاؤ۔ اور وہ یہی ہے کہ اموال کو راہِ حق میں لٹا کر پُورے تارک الدنیا ہو جاؤ۔

حدیث شریف میں ہے تعس عبد الدینار و عبد الدرھم۔ تعس بفتح العین وکسرہا بمعنے عثر او ھلک ولزمہ الشر او سقط لوجھہ او انتکب اس سے بد دعا مراد ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ دراہم و دنانیر کے پجاری کو تباہ و برباد کرے وہ اس لیے کہ اسے حلال و حرام کے امتیاز کے بغیر دنیا و دولت کے جمع کرنے کا شوق ہوتا ہے پھر اسے اللہ تعالیٰ کے راہ پر خرچ کرنے سے جی چراتا ہے اور ایسا انسان متاع دنیا فانی کا عاشق اور آخرت کی نعمتوں کے حصول سے دُور بھاگنے والا ہوتا ہے

حضرت سلطان ولد قدس سرہٗ نے فرمایا؛ ؎

بگذار جہاں را کہ جہان آں تو نیست   ویں دم کہ ہمی زنی بفرمان تو نیست
گر مال جہاں جمع کنی شاد مشو   ور تکیہ بجان کنی جان تو آں نیست

ترجمہ؛ جہانِ دنیا کو ترک کر دے کہ یہ جہانِ دنیا تیرا نہیں بلکہ یہ سانس جو تیرے سینہ سے نکل رہا ہے یہ بھی تیرے ہاتھ میں نہیں۔

تمام جہان کا مال جمع کر کے خوش نہ ہو اگر اپنی جان پر سہارا کرتا ہے تو غلط ہے اس لیے کہ یہ جان تیرے قبضے میں نہیں۔

فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کے راستے میں یہ لفظ عام ہے۔ ہر وہ عمل جو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے کیا جائے، اور اس سے تقرب الی اللہ مقصود ہو وہ فرائض ہوں یا نوافل اسی طرح کے اور عبادات کے انواع کی ادائیگی کو فی سبیل اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور قرآن مجید میں اس کا اکثر اطلاق جہاد پر ہوتا ہے۔ پھر جہاد پر کثرتِ استعمال کی وجہ سے فی سبیل اللہ کا اطلاق صرف جہاد پر مقصود ہوتا ہے۔ (کذا فی شرح الترغیب)

ف؛ صاحبِ رُوح البیان نے فرمایا کہ فی سبیل اللہ بمعنی وُہ راستہ جو موصل الی الجنۃ و القربۃ والرضیٰ ہو۔ اس کی علامت یہ ہے کہ اس کی ادائیگی میں کسی قسم کا لالچ اور غرض نہ ہو نہ دنیوی نہ اُخروی یہاں تک دخول بہشت کا تصور بھی نہ ہو۔ (کذا فی المفاتیح)

حکایت حضرت یوسف بن اسباط جو متقدمین صوفیاؑ سے ہیں اُن سے کسی نے سوال کیا کہ میرا نفس کے ساتھ جنگ پہ جانے کا جھگڑا چل رہا ہے میں چاہتا ہوں کہ جنگ پہ جاؤں لیکن نفس روکتا ہوں۔ آپ نے اسے کہا کہ نفس کی خواہش پوری نہ کرنا جنگ پہ جانے سے افضل ہے خواہ جنگ پہ جا کر کسی کو قتل کرو یا شہید ہو جاؤ یعنی جنگ پہ جاؤ یا نہ جاؤ لیکن نفس کی خواہشات کو دباؤ۔

حکایت منقول ہے کہ قتیبہ بن مسلم جب بخارا کو فتح کرنے کے لیے دریائے جیحوں کے قریب پہنچا تو کفار نے کشتیاں اڑا لیں تاکہ مسلمان ان پر سوار ہو کر دریا کو عبور کر کے انہیں شکست نہ دے قتیبہ دریا کے کنارے ہو کر اللہ تعالیٰ سے عرض کرنے لگے: اے الٰہ العالمین! اگر میں تیری رضا اور تیرے دین کے اعزاز کے لیے آیا ہوں تو مجھے اس دریا میں غرق نہ کرنا۔ اگر اس کے برعکس میرا ارادہ ہو تو مجھے اس دریا میں غرق کر دے یہ کہہ کر اپنی سواری دریا میں ڈال دی اس کے پیچھے اس کا لشکر بھی دریا میں لیکن بفضلہ تعالیٰ بسلامت و عافیت دریا کے کنارے پہنچے۔

حکایت مروی ہے کہ کسی نے ابلیس کو دیکھا کہ اس کا جسم نہایت کمزور، رنگ زرد اور آنکھیں رونے سے سُوجی ہوئی، اور پیٹھ ٹیڑھی، اس نے شیطان سے وجہ پُوچھی تو اس نے کہا کہ جب غازیوں کے گھوڑے جنگ پہ جاتے ہُوئے ہنہناتے ہیں تو اس سے میرا جسم کمزور پڑ گیا ہے حالانکہ میں چاہتا تھا ان سواریوں اور سواروں کو میں اپنے کام میں لگاتا لیکن وہ اسلام کے کام آئے۔ اس غم سے میرا جسم کمزور پڑ گیا ہے اور میرا رنگ زرد لوگوں کے دینی امور میں ایک دوسرے کی معاونت کے غم سے ہے۔ حالانکہ مجھے ان سے امید تھی کہ وہ میرے کہنے پر برائیوں پہ ایک دوسرے سے تعاون کرتے لیکن اس کے بجائے وہ نیکیوں میں مصروف ہیں، ان کے اس طریقۂ کار سے مجھے درد ہے، اس لیے بدن کا رنگ زرد ہو گیا ہے اور آنکھیں رو رو کر اسی لیے سُوج گئی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حجاج حج کرنے جا رہے ہیں اور اس سے ان کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہے۔ میرے لیے یہ سودا مہنگا پڑے گا حالانکہ میرا ارادہ تھا کہ میں ان کو گندے عزائم میں پھنسا کر ان کا سودا سستا کر دوں گا لیکن وہ نیک نصیب والے ہیں، اسی لیے میں نے رو رو کر اپنی آنکھیں سوجا دی ہیں۔

حدیث شریف: صحیحین میں ہے حضرت ابو سعید سے مرفوعاً مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ افضل الناس کون ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ مُومن جو اپنے نفس و مال سے جہاد کرتا ہے۔ عرض کیا گیا: اس کے بعد۔ آپ نے فرمایا: نیکی کا کوئی ایک شعبہ مثلاً اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور لوگوں کو اپنے شر سے ڈرائے۔

ذٰلِكُمْ وہ مذکورہ بالا حکم یعنی جہاد اور اس کی تیاری **خَيْرٌ لَّكُمْ** تمہارے لیے جنگ پہ نہ جانے سے جہاد بہتر ہے۔

سوال: خیر افعل التفضیل کا صیغہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترکِ جہاد جائز ہے۔ حالانکہ ظاہر ترک جہاد گناہ ہے۔

جواب: اس حکم میں خیریت مطلوب نہیں بلکہ جزا و ثواب مطلوب ہے یعنی ترکِ جہاد سے راحت و استراحت اور آرام و عیش حاصل ہوگا۔ اس سے آخرت کا ثواب اور بہشت کی نعمتیں افضل و برتر ہیں۔ (کذا فی البحر)

نیز دنیا میں بہتری نصیب ہوگی کہ جہاد سے دشمنوں پر غلبہ اور فتح و نصرت کے علاوہ مالِ غنیمت اور دشمنوں کے شہروں پر قبضہ بھی حاصل ہوگا، علاوہ ازیں آخرت کا اجر و ثواب اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی بھی حاصل ہوگی (کذا قال سعد الچلپی)

اور ترک جہاد میں صرف راحت اور وہ مذکورہ بالا جہاد کی خیریت سے کم درجہ پر ہے ان کنتم تعلمون اگر تم جانتے ہو کہ جہاد میں خیر ہی خیر ہے۔ اس لیے کہ اس میں دارین کی بھلائی نصیب ہوتی ہے اور ترکِ جہاد کے مفاسد سب کو معلوم ہیں۔

تفسیر صوفیانہ بحر الحقائق میں ہے کہ طلبِ حق میں تمہارے لیے نفس اور دنیا سے تمہارے لیے ترکِ دنیا اور نفس کو قربان کرنا بہتر ہے اگر تم طلبِ حق کی قدر و منزلت جانتے ہو اور اگر تمہیں معلوم ہے کہ سیر الی اللہ کے کیا فائدے ہیں تو تم جہادِ نفس اور ترک دنیا کے لیے ہر وقت تیار رہو۔ اس لیے کہ طلبِ مال و نفس میں وبال اور گناہ کے سوا کچھ حاصل نہیں اور طلبِ حق میں وصل و وصال نصیب ہوتا ہے۔

صحابی کے جذبۂ جہاد کا واقعہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضرت ابو طلحہ نے سورۂ براۃ پڑھی جب آیت انفروا خفافا وثقالا پر پہنچے اپنے بیٹوں سے فرمایا کہ میرے لیے جنگی سامان تیار کرو میں جنگ پہ جاتا ہوں۔ سب نے عرض کی کہ آپ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر جنگ لڑیں یہاں تک کہ ان کا وصال ہوا ان کے بعد حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ میں ہر اسلامی جنگ میں شریک رہے اب بھی آپ کا جہاد سے جی نہیں بھرا۔ آپ سے گزارش ہے کہ اب آپ آرام فرمائیے ہم آپ کی طرف سے جنگ پہ جاتے ہیں۔ لیکن حضرت ابو طلحہ نے فرمایا، جلدی کرو، میرے لیے جنگی سامان تیار کرو، میں جنگ پر ضرور جاؤں گا۔ چنانچہ آپ تیار ہو کر جنگ پر چلے گئے اور دریا میں فوت ہو گئے۔ چونکہ دریائی سفر میں کوئی ایسا جزیرہ نہ ملا جہاں انہیں دفن کیا جائے۔ سات دن بلا دفن رہے مگر آپ کے جسم میں کسی قسم کا تغیر یا بدبو نہ ہوئی۔ سات دن کے بعد مدفون ہوئے۔ (کذا فی زبدۃ التفاسیر)

حیوٰۃ الانبیاء والاولیاء کے منکرین کے [illegible] پر طمانچہ روح البیان دو صدی پہلے کی تفسیر ہے لیکن موجودہ دور کے مسئلہ کو واضح فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ مذکورہ بالا واقعہ لکھ کر آخر میں تحریر فرمایا کہ:

وذلك لان اجساد الانبياء والاولياء و	انبیاء، اولیاء، شہداء کے اجسام طاہرہ زمین میں تبدل
الشهداء لا تبلى ولا تتغير لما ان الله تعالىٰ	و متغیر نہیں ہوتے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انکے اجسادِ طاہرہ

قد نقی ابدانہم من العفونۃ الموجبۃ للتفسخ و برکۃ الروح المقدس الی البدن کالاکسیر۔

کو عفونت سے پاک فرمایا جس کی وجہ سے وہ اجسام نہیں پھٹتے اور ان کے ابدان میں ان کی روح اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔

فائدہ: لوگ دو قسم کے ہیں:

۱۔ صاحبِ رخصت

۲۔ صاحبِ عزیمت۔ اور یہ صاحبِ عزیمت ہر نیکی میں سبقت و سرعت کرنے والے ہوتے ہیں۔ اسی لیے اے سالک! تم انہی صاحبانِ عزیمت کے طریقہ پر چلو۔

فائدہ صوفیانہ: آیت کریمہ میں تنبیہ ہے کہ نفس شرارتی ہے اسی لیے اس کی اصلاح ضروری ہے۔ اس لیے کہ نفس ہمیشہ مال کی محبت میں گرفتار رہتا ہے اور مال خرچ کرنے سے اس کی اصلاح ہوتی ہے اور وہ تمام گندی عادات سے پاک اور صاف ہو جاتا ہے جسے یقین ہوتا ہے کہ فقر و فاقہ اور دولت مندی اللہ تعالیٰ دیتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر یقین رکھتا ہے اور اس پر مال خرچ کرنا بھی آسان ہوتا ہے اور وہ مال بقدرِ ضرورت اپنے پاس رکھ کر باقی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیتا ہے جیسے کسی کو معلوم ہو کہ میں عنقریب مر جاؤں گا تو وہ اپنی دولت اپنے پاس نہیں رکھتا بلکہ اسے خرچ کرنے کی کوشش کرتا ہے اور ظاہر ہے موت کا ایک وقت ہے، وقت سے پہلے کسی کو موت نہیں آئے گی اس لیے سمجھدار دشمنانِ اسلام کے مقابلہ سے نہیں بھاگتا اور نہ ہی مال خرچ کرنے سے ڈرتا ہے۔

مسئلہ: مال ضرورت کے لیے محفوظ رکھنا جائز ہے اور ضرورت سے زائد مال جمع کرنا اور ذخیرہ اندوزی حرام ہے۔

حکایت حضرت عبداللہ بن عمر کا غلام حضرت نافع جو حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہم کے استاذِ مکرم بھی تھے بوقت فوتیدگی ایک جگہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اسے کھود دو۔ اسے کھودا گیا تو وہاں سے بیس ہزار درہم ایک بند گھڑے میں ملے۔ آپ نے فرمایا، میرے جنازہ سے فراغت پا کر یہی بیس ہزار درہم کسی مفلس فقیر کو دے دینا۔ عرض کی گئی، یا حضرت! یہ دراہم آپ نے کیوں چھپا کے رکھ چھوڑے تھے؟ آپ نے فرمایا، اسی تنگ وقت کے لیے میں نے چھپائے تھے جبکہ میرے اوپر زکوٰۃ بھی واجب نہیں ہوئی اور زندگی بھر اہل و عیال کے حقوق بھی پورے کرتا رہا۔ لیکن میں نے اپنی خواہش کو پورا نہ کیا، بلکہ جب کسی چیز کے لیے میرا نفس کچھ مطالبہ کرتا تھا تو میں اتنی مقدار اس گھڑے میں رکھ چھوڑتا تھا اس ارادہ پر کہ اگر ضرورت شدید محسوس ہو تو کہیں سے سوال نہ کرنا پڑے۔ (کذا فی شرح الشہاب)

فوائد و مسائل: اس حکایت سے چند باتیں ثابت ہوئیں:

۱۔ دینی مقتدائے امت کو لائق نہیں کہ وہ کسی حرص یا طمع و لالچ کے پیشِ نظر دنیا و دولت جمع کرے، اس لیے کہ "الناس علی دین ملوکھم" کا مقولہ مشہور ہے اور مقتدایانِ امت بھی بمنزلہ بادشاہوں کے ہوتے ہیں اسی لیے صوفیۂ کرام

فرماتے ہیں کہ جس پیر و مرشد میں دنیا و دولت جمع کرنے کا شوق ہو اس کا مرید نہ ہونا چاہیے اس لیے کہ صوفیاء کرام کا مسلّم قاعدہ ہے کہ دنیا و دولت سے پیار رکھنے والے کو کبھی دیدار نصیب نہیں ہوتا۔

۲۔ جسے نفس کی خواہش کا غلبہ ہو وہ اس کے خلاف مال و دولت خرچ کرنے کے بجائے کسی کارِ خیر میں مال و دولت خرچ کرے تو وہی حقیقی مجاہد بالنفس والطبیعت ہے نفس سے تو اس لیے کہ اس کی طلب کا مال اس سے روک کر کسی کارِ خیر میں خرچ کرنے کا ارادہ کیا اور طبیعت سے اس لیے کہ جو وہ چاہتی تھی اس کے برعکس معاملہ کر دیا۔ اسی کو صوفیاء کرام کی اصطلاح میں جہادِ اکبر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۳۔ کمینے کے سامنے اپنی ضرورت پیش کرنا نہایت مذموم ہے شرعاً بھی اور طریقۃً بھی۔ اسی لیے صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص بھوکا ہو لیکن اپنی محتاجی کو بتائے بغیر رجوع الی اللہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے سال بھر رزق کی کشادگی فرماتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ شکایۃ الحبیب الی الحبیب عن التوحید والی غیرہ شرك۔ محب اگر محبوب کو شکایت سنائے تو یہ عین توحید ہے اگر غیر کو بتائے تو صوفیاء کے نزدیک عین شرک ہے اور شرک کی جتنی وعیدیں وارد ہوئی ہیں وہ اسی کو لائق ہوں گی۔

سبق: دانا وہ ہے جو اصحابِ صُفّہ کے طریقے پر چلتا ہے اس لیے انہوں نے مال و دولت حاصل کرنے کے بجائے راہِ حق میں اپنی جانیں قربان کردیں اس لیے وہی حق کے قریب تر تھے اگر مکمل طور ان کے طریقے نصیب نہیں ہو سکتے تو جتنا ہو سکے عمل میں لائے۔ "مالا یدرك كله لا یترك كله" یعنی بزرگوں کا فرمان ہے کہ کل شے کا حصول ناممکن ہے تو سالم کو بھی ترک نہ کرنا چاہیے۔

قاعدہ: شریعت نے بھی طاعت کا حکم اتنی مقدار پہ دیا ہے جتنی انسان کی طاقت ہے۔ اس سے زائد کا حکم نہیں دیا۔ اور یہی حق ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ ہمیں طاعتِ حق میں جان و مال خرچ کرنے کی توفیق بخشے اور ماسوی اللہ کی طرف توجہ کرنے سے بچائے، بلکہ اپنی جناب تک پہنچنے کے اسباب بنائے کیونکہ ہمارا اصلی مطلوب و مقصود وہی ہے۔

تفسیر عالمانہ

شانِ نزول: منقول ہے کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کا اعلان فرمایا تو اصحاب کے تین گروہ ہو گئے۔ اصحاب کبار مہاجرین و انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم تو حسبِ حکم سنتے ہی جنگ کے لیے فوراً حاضر ہو گئے۔ ضعیف و کمزور ایمان والے لوگ پس و پیش کرنے لگے اور منافقین نے صراحۃً انکار کرتے ہوئے جنگ پہ جانے سے معذرت چاہی اور غیر معقول اعذار کیے۔ اس آخری گروہ یعنی منافقین کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔ **لَوْ كَانَ** یعنی اے پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! جس کے لیے آپ انہیں دعوت دے رہے ہیں اگر ہوتا [illegible] کان کا اسم محذوف ہے اس پر اس کا ماقبل دلالت کرتا ہے **عَرَضًا قَرِيبًا** عرض بمعنے اسباب دنیا کے منافع جو انسان کو حاصل ہوں یعنی اگر مالِ غنیمت قریب اور آسان طریقہ سے حاصل ہونے والا ہوتا **وَّسَفَرًا قَاصِدًا** قاصد بمعنے ذو قصد یعنی وہ درمیانی شے جو قریب و بعید کے مابین واقع ہو اس تقریر پر قاصد بمعنے ذو قصد ہے جیسے لابن بمعنے ذو لبن اور تامر بمعنے ذو تمر اور سفر کو اس لیے سفر کہتے ہیں کہ سفر بمعنی کشف، اور سفر انسان کے اخلاق و عادات کو ظاہر کرتا ہے یعنی اور اگر

ان کا سفر درمیانہ ہوتا لَّاتَّبَعُوْكَ تو وہ جنگ کے لیے آپ کی اتباع کرتے صرف مال کے طمع ولالچ میں منافقین کی اتباع کو دونوں امروں سے متعلق کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اتباع کا عدم تحقق، وجوہ بالا کے فقدان کی وجہ سے ہے وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ لیکن چونکہ ان کی مسافت پُرمشقت ہے اسی لیے جہاد سے کترا رہے ہیں وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ یہ سین استقبالیہ ہے یعنی جب آپ جنگ سے فراغت پاکر واپس تشریف لائیں گے تو یہی لوگ جھوٹی قسمیں کھائیں گے چنانچہ منافقین نے ویسے کیا جیسے اللہ تعالیٰ نے پہلے خبر دی۔ صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”فهو من جملة المعجزات النبويه“ پس یہ بھی نبی علیہ السلام کے معجزات سے ایک معجزہ ہے کہ قبل از وقوع آپ نے منافقین کا حال بتادیا[1]۔

لَوِاسْتَطَعْنَا یعنی جھوٹی قسمیں کھانے کے بعد کہیں گے کہ اگر ہمارے ہاں جنگ کے اسباب یا ہمیں صحت وعافیت یا دونوں یعنی اسبابِ جنگ اور صحت وعافیت میسر ہوتی لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ تو ہم آپ کے ساتھ جنگ کے لیے چل پڑتے باللہ، سیحلفون کے متعلق ہے لخرجنا معکم قسم کا جواب اور شرط کی جزاء ہر دو کے قائم مقام ہے۔ اس لیے کہ لواستطعنا سے قسم کا مفہوم خودبخود ظاہر ہوجاتا ہے يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ یہ سیحلفون باللہ سے بدل ہے، اس لیے کہ جو بھی جھوٹی قسمیں کھاتا ہے وہ تباہ و برباد ہوتا ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جھوٹی قسمیں علاقہ جات کو ویران کر دیتی ہیں۔

ف: حدیث مذکور میں لفظ بلاقع واقع ہوا ہے وہ بلقع کی جمع ہے اور بلقعہ ہر وہ زمین جو نہایت ویران اور غیر آباد ہو۔ اسی طرح البلقعہ ہر اس عورت کو کہا جاتا ہے جس میں خیر و برکت بالکل نہ ہو یعنی جو شخص دنیا اور مال کے اضافہ کے لیے جھوٹی قسم کھاتا ہے یا اپنے مرتبہ کو بحال رکھنے کے لیے۔ تو اسے ذلت وخواری کا سامنا کرنا پڑے گا کہ نہ اس کے پاس مال باقی رہے گا اور نہ ہی جاہ وجلال۔ اسی وجہ سے وہ خود ذلیل و تباہ اور اس کی دار بھی خراب و ویران اور برباد۔

حدیث شریف: جھوٹی قسم مال واسباب کو بظاہر رواج اور چالو بنادیتی ہے وہ بھی قسم کھانے والے کے اندازہ کے مطابق ورنہ اور کاروبار کی برکات کو ختم کرنے والی ہے یعنی جو کچھ کمائے گا وہ تادیر نہیں رہے گا اور جو کچھ خرچ کرے گا اسے اس کا اخروی نفع نصیب نہ ہوگا اور نہ ہی دنیوی نفع کی اسے برکت حاصل ہوگی اگر اس کے پاس وہ یا اس کا نفع باقی بھی رہے گا یا اس کے ورثاء کو ملے گا تو وہ مال حرام کا ہوگا اور حرام کا مال ہر طرح سے مذموم وغیر محمود ہے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ○ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ بے شک وہ منافقین جھوٹے ہیں۔ یعنی اس دعویٰ میں کہ کہا تھا کہ اگر ہمیں جنگ پہ جانے کی استطاعت ہوتی۔ حالانکہ انہیں جنگ پہ جانے کے ہر قسم کے اسباب میسر تھے اور دنیوی فارغ البالی کے علاوہ تندرست بھی تھے لیکن نہ گئے، صرف اسی لیے کہ ان کے دل کے اندر منافقت کی بیماری ہے۔

---

[1] لیکن وہابیوں دیوبندیوں کے تعصب و نبوت دشمنی کا کمال ہے کہ اس آیت کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے عفا اللّٰه عنك پیش کرکے عوام کو بہکاتے ہیں۔ اس کی تفصیل آتی ہے۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ

اللہ تمہیں معاف کرے تم نے انہیں کیوں اذن دے دیا جب تک نہ کھلے تھے تم پر سچے

الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾ لَا يَسْتَاْذِنُكَ

اور ظاہر نہ ہوئے تھے جھوٹے اور وہ جو

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا

اللہ پر ایمان رکھتے ہیں تم سے چھٹی نہ مانگیں گے اس سے کہ

بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾ اِنَّمَا

اپنے مال اور جان سے جہاد کریں اور اللہ خوب جانتا ہے پرہیزگاروں کو تم سے

يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

یہ چھٹی وہی مانگتے ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتے

وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَوْ

اور ان کے دل شک میں پڑے ہیں اور وہ اپنے شک میں ڈانواں ڈول ہیں انہیں

اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ

نکلنا منظور ہوتا تو اس کا سامان کرتے مگر خدا ہی کو ان کا اٹھنا ناپسند ہوا

انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾

تو ان میں کاہلی بھردی اور فرمایا گیا کہ بیٹھ رہو بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ

لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاَاوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ

اگر وہ تم میں نکلتے تو ان سے سوا نقصان کے تمہیں کچھ نہ بڑھتا اور تم میں فتنہ ڈالنے کو تمہارے

يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

بیچ میں غرابیں دوڑاتے اور تم میں ان کے جاسوس موجود ہیں اور اللہ خوب جانتا

بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ

ہے ظالموں کو بیشک انہوں نے پہلے ہی فتنہ چاہا تھا اور اے محبوب تمہارے لیے تدبیریں

الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿٤٨﴾

الٹی پلٹیں یہاں تک کہ حق آیا اور اللہ کا حکم ظاہر ہوا اور انہیں ناگوار تھا

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ

اور ان میں کوئی تم سے یوں عرض کرتا ہے کہ مجھے رخصت دیجئے اور فتنہ میں نہ ڈالیئے سن لو وہ فتنہ

سَقَطُوْا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿٤٩﴾ اِنْ

ہی میں پڑے اور بے شک جہنم گھیرے ہوئے ہے کافروں کو اگر تمہیں

تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا

بھلائی پہنچے تو انہیں برا لگے اور اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچے تو کہیں

قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ﴿٥٠﴾ قُلْ

ہم نے اپنا کام پہلے ہی ٹھیک کر لیا تھا اور خوشیاں مناتے پھر جائیں تم فرماؤ

لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰنَا ۚ وَعَلَى

ہمیں نہ پہنچے گا مگر جو اللہ نے ہمارے لیئے لکھ دیا وہ ہمارا مولیٰ ہے اور مسلمانوں

اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿٥١﴾ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ

کو اللہ ہی پر بھروسہ چاہیئے تم فرماؤ تم ہم پر کس چیز کا انتظار کرتے ہو

اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ؕ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ

مگر دو خوبیوں میں سے ایک کا اور ہم تم پر اس انتظار میں ہیں کہ اللہ تم پر عذاب ڈالے

اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖۤ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۖ فَتَرَبَّصُوْۤا اِنَّا

اپنے پاس سے یا ہمارے ہاتھوں تو اب راہ دیکھو

مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿٥٢﴾ قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ

ہم بھی تمہارے ساتھ راہ دیکھ رہے ہیں تم فرماؤ کہ دل سے خرچ کرو یا ناگواری سے تم سے

يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ؕ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿٥٣﴾ وَمَا مَنَعَهُمْ

ہرگز قبول نہ ہوگا بے شک تم بے حکم لوگ ہو اور وہ جو خرچ

أَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ إِلَّآ أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللّٰهِ وَبِرَسُولِهٖ

کرتے ہیں اسکا قبول ہونا بند نہ ہوا مگر اسی لیئے کہ وہ اللہ اور رسول سے منکر ہوئے

وَلَا يَأْتُونَ الصَّلٰوةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ

اور نماز کو نہیں آتے مگر جی ہارے اور خرچ نہیں کرتے مگر

كٰرِهُونَ (۵۴) فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَآ أَوْلَادُهُمْ ط إِنَّمَا

ناگواری سے تو تمہیں ان کے مال اور ان کی اولاد کا تعجب نہ آئے اللہ یہی

يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ

چاہتا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ان چیزوں سے ان پر وبال ڈالے اور کفر ہی پر

أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُونَ (۵۵) وَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ إِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ط

ان کا دم نکلے اور اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں

وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُونَ (۵۶) لَوْ يَجِدُونَ مَلْجَأً أَوْ

اور تم میں سے ہیں نہیں ہاں وہ لوگ ڈرتے ہیں اگر پائیں کوئی پناہ یا غار یا

مَغٰرٰتٍ أَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا إِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُونَ (۵۷) وَ

سما جانے کی جگہ تو رسیاں تڑاتے ادھر پھر جائیں گے اور

مِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ج فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا

ان میں کوئی وہ ہے کہ صدقے بانٹنے میں تم پر طعن کرتا ہے تو اگر ان میں سے کچھ ملے تو

رَضُوا وَإِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ (۵۸) وَلَوْ

راضی ہو جائیں اور نہ ملے تو جبھی وہ ناراض ہیں اور کیا

أَنَّهُمْ رَضُوا مَآ آتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللّٰهُ

اچھا ہوتا اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ و رسول نے ان کو دیا اور کہتے ہمیں اللہ کافی ہے

سَيُؤْتِينَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُولُهٗٓ إِنَّآ إِلَى اللّٰهِ رٰغِبُونَ (۵۹) ع

اب دیتا ہے ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور اللہ کا رسول [illegible]

تفسیر عالمانہ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ۔ لم اور لھم کی لام اذنت کے متعلق ہیں اور یہ دونوں لام معناً بھی مختلف ہیں مثلاً پہلی تعلیل اور دوسری تبلیغ کے لیے ہے اور ھُمْ ضمیر مجرور تمام مستأذنین کی طرف لوٹتی ہے یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے انہیں جنگ پہ نہ جانے کی کیوں اجازت دے دی جبکہ انہوں نے آپ کو نہ جانے کے لیے مختلف علتیں اور معذرتیں کیں۔

سوال: لوکان عرضا قریبا وسفرا قاصدا لاتبعوك سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض افراد نے جنگ کے معاملہ میں حضور علیہ السلام کی اتباع سے روگردانی کی اس لیے کہ لو کا قاعدہ ہے کہ بوجہ انتفائے جواب کی نفی سے شرط کی نفی ہو جاتی ہے اور عفا اللہ عنك الخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا جنگ پہ نہ جانا حضور علیہ السلام کی اجازت سے ہُوا۔ اور یہ غلطی گویا (معاذ اللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہُوئی تبھی تو اللہ تعالیٰ نے عفا اللہ عنك فرمایا، اور خطا عصمت نبوت کے منافی ہے۔

جواب: حضور علیہ السلام کا منافقین کو جنگ پہ نہ جانے کی اجازت بخشنا از قبیل خطا نہیں اور اسے خطا کہنا خود خطا میں مبتلا ہونا ہے یا اسے گناہ سے تعبیر کرنا خود بڑا گناہ ہے۔ زیادہ سے زیادہ اسے ترکِ اولیٰ کہہ سکتے ہیں اور خلافِ اولیٰ شرعاً گناہ یا خطا نہیں وہ اس طرح کہ منافقین کو اجازت بخشنے کے بجائے حضور علیہ السلام کو تاخیر و توقف کرنا چاہیے تھا تاکہ منافقین کا معاملہ زیادہ منکشف اور واضح ہو جاتا۔

فائدہ: لم اذنت لھم عفو کا بیان ہے جس کا عفا اللہ عنك میں اشارہ ہے۔

نکتہ: عفا اللہ عنك کی تقدیم میں لطیف اشارہ ہے وُہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لیغفر اللہ ما تقدم وما تاخر کی خوشخبری سے نوازا تو عفا اللہ عنك میں اس کی تصدیق و توثیق فرمائی اب مطلب واضح ہو گیا کہ اے محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ نے منافقین کو اجازت بخش کر خلاف اولیٰ کا ارتکاب فرمایا ہے جسے عوام (وہابی وغیرہ) عتاب یا غلطی سے تعبیر کرتے ہیں تو کیا ہوا آپ تسلی فرمائیے کہ جب میں نے آپ سے پہلے وعدہ کر رکھا ہے کہ آپ کے گزشتہ اور آیندہ امور اگرچہ خلاف اولیٰ ہوں تمام بخش دیے ہیں۔

ردِّ وہابیہ و دیوبند وہابی مودودی، دیوبندی یہ آیت پڑھ کر عوام کو بہکاتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے عتاب کیا ہے، جھڑک دی ہے۔ (معاذ اللہ)

صاحبِ رُوح البیان ان کی اس غلطی کا ازالہ صدیوں پہلے فرما گئے کما قال:

وقوله لم اذنت لهم ما كان على وجه	لم اذنت لھم بطور عتاب نہیں بلکہ درحقیقت
العتاب حقيقة بل كان على اظهار	اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم
لطفه به وكمال رافته فى حقه۔	سے کمال شفقت و محبت کا اظہار فرمایا ہے۔

(كذا فى التاويلات النجميه)

اور فرمایا:

قال سفیان بن عیینه انظروا الیٰ ھٰذا اللطف بداء بالعفو قبل ذکر العفو ولقد اخطأ و اساء الادب و بئسما فعل فیما قال وکتب من[1] زعم الکلام کنایة عن الجنایة و ان معناه اخطأت و بئسما فعلت کذا فی الارشاد۔

(روح البیان ص ۴۰۰ ج ۳ تحت آیت ہٰذا)

سفیان بن عیینہ نے فرمایا کہ مسلمانو! دیکھو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام کے ساتھ لطف و کرم فرمایا کہ خطا کے اظہار سے بغیر عفو کا اظہار فرمایا اور اس شخص سے بہت غلطی ہوئی جو لکھتا ہے کہ اس میں حضور علیہ السلام کو جھڑکا گیا ہے۔

اور فرمایا:

ویجوز ان یکون انشاء کما قال الکاشفی فی تفسیرہ عفا اللہ عنك دعا لہ است حق سبحانہٗ وتعالیٰ پیغمبر خود را می فرماید کہ عفو کناد از تو خدائے و عادت مردم می باشد کہ دعا کنند کسے را بعفو و رحمت و مغفرت بے وقوع خطائے از وے چنانچہ مثلاً تشنہ را آب دہد و او در جواب می گوید غفر اللہ لک یا در جواب عاطس می گوید یرحمك اللہ۔ (ایضاً)

ممکن ہے کہ یہ جملہ انشائیہ ہو جیسا کہ کاشفی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ عفا اللہ عنك میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشفقانہ طور پر دعا دی ہے لوگوں کی عام عادت ہے کہ جرم و قصور کے صدور کے بغیر دعائیں دیتے ہیں مثلاً کسی کو کوئی پانی پلائے تو وہ اسے کہتا ہے غفر اللہ لك۔ اسی طرح چھینک دینے والے کو کہا جاتا ہے یرحمك اللہ۔

صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ کا اپنا فیصلہ

صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا حوالہ جات لکھ کر آخر میں تحریر فرمایا کہ:

اقول ولقد اصاب فی تفسیرہ و رجاد فی تقریرہ فان خطاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم وسھوہ ونسیانہ لیس من قبیل خطاء الامة وسھوھم ونسیانھم فاولی التأدب ان یسکت عما یشین بحالہ او لا یلیق بکمالہ[2] (ایضاً)

بہترین قول وہ ہے جس نے لکھا کہ نبوت کے خطا و نسیان کو امت کے خطا و نسیان سے دُور کا بھی واسطہ نہیں اسی لیے ہمیں ایسے مقامات پہ خاموش رہنا بہتر ہے۔

---

[1] اس زعم سے مراد صاحبِ روح البیان کے دَور کے لوگوں کے علاوہ دورِ حاضر کے وہابی، دیوبندی، مودودی، پرویزی اور چکڑالوی وغیرہ وغیرہ سبھی ہیں جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضور علیہ السلام کو جھڑکا ہے۔ ۱۲

[2] یہی ہم اہلسنت کا عقیدہ ہے اور اسلام نبوت کے آداب سکھاتا ہے نہ کہ نبوت پر حرف گیری اور کفار کی طرح اعتراضات

حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا یہاں تک کہ تمہارے لیے سچے لوگوں کے حالات پورے طور پر واضح ہو جاتے جبکہ انہوں نے مالی یا بدنی یا دونوں کی کمزوری کا عذر پیش کیا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ○ اور جھوٹے لوگوں کو بھی جان لیتے کہ ان کا عذر مذکور غلط اور سراسر جھوٹ ہے۔ اس کے بعد مذکورہ بالا دونوں گروہوں کا معاملہ اسی طرح فرماتے جس طرح کے وُہ مستحق ہیں۔

ف: خلاف اولیٰ کے بعد اب اولیٰ و افضل کا ذکر فرمایا۔ یعنی اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! منافقین وغیرہ کی جنگ پہ نہ جانے کی اجازت بخشی کے بجائے توقف فرمانا آپ کے لیے اولیٰ و افضل تھا اور حتّٰی کا متعلق محذوف ہے جیساکہ اس پر کلام مذکور دلالت کرتا ہے۔ یہ عبارت دراصل یُوں تھی لما سارعت الی الاذن لہم وھلا اخرتھم وتأنیت الی ان تبین الامر وینجلی او لیتبین کما ھو قضیۃ الجرم۔ یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے ان کی اجازت بخشی میں کیوں جلدی فرمائی آپ اس معاملہ میں دیر فرماتے، یہاں تک کہ معاملہ خود بخود کھل جاتا یا یہاں تک کہ ان کے جُرم کا ماجرا خود بخود منکشف ہو جاتا۔

ف: اس تقریر پر حتّٰی بمعنے الیٰ یا بمعنے لام ہے۔ لفظ حتّٰی کا تعلق اذنت سے نہیں اس لیے کہ ان کے اذن کا موجب یہی غایۃ ہوگی اور ان کا اذن تبین کے لیے تھا اور یہ دونوں امر عتاب کے موجب نہیں اور کلام سے عتاب یعنے اظہار خلاف اولیٰ مطلوب ہے۔

ف: آیت میں اشارہ ہے کہ جو دنیا اور اس کی زینت کا طالب ہے تو اسے دنیا کے اسباب وافر و وافر بلکہ ہر شئے فراوان حاصل ہوگی اور جو طالب حق اور وصال الٰہی کا عاشق ہے تو اسے پہلے تو دنیوی اسباب راس نہیں آئیں گے۔ اگر کچھ میسر ہوں گے تو نہایت تنگ اور بہت تھوڑے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

حفت الجنۃ بمکروھاتنا
حفت النیران من شھواتنا

ترجمہ: بہشت کو دُکھ اور درد محیط ہیں اور دوزخ کو شہوات نفس و دنیا گھیرے ہُوئے ہیں۔

یعنی جنت ان اعمال کی ادائیگی پر موقوف رکھی گئی ہے جن کی ادائیگی سے ہمارے نفوس کو مکروہ یعنی گراں محسوس ہوتی ہیں اور جہنم ان امور پر واجب کر دی گئی ہے جو ہمارے نفوس کو محبوب و مرغوب ہیں اور ظاہر ہے کہ محبوب و مرغوب اشیاء کا حصول انکے چھوڑنے سے آسان نہیں بلکہ مطلوب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے لوگ ہزاروں روپے ضایع کر کے بھی جہنم میں داخل ہو رہے ہیں لیکن ایک درم دے کر بہشت کا داخلہ قبول نہیں کرتے۔

فائدہ: آیت اخیرہ میں اشارہ ہے کہ جملہ امور میں سوچ بچار ضروری ہے یعنی کام سے پہلے سوچنا لازمی ہے۔

حدیث شریف: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے عرض کیا کہ مجھے وصیت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ کام کرنے سے پہلے تدبر ضروری ہے اگر تدبر کے بعد اس کا نتیجہ اچھا نکلے تو اس پر عمل کرو اگر اس کا انجام

غلط محسوس ہو تو اسے چھوڑ دینا لازمی ہے اس لیے کہ عجلت شیطان کی صفت ہے۔

حدیث شریف[۲] : مروی ہے کہ شیطان نے جب آدم علیہ السلام کا مٹی کا ڈھانچہ دیکھا جبکہ ابھی اس میں رُوح نہ پھُونکا گیا تھا، تو عجلت کرتے ہُوئے کہا کہ اگر اسے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر افضل اور بہتر بنایا تو میں اس کی اطاعت نہیں کروں گا۔ اگر مجھے اس پر افضل و برتر بنایا گیا تو میں اسے ذلیل و خوار کروں گا۔ پھر جب آدم علیہ السلام کے ڈھانچے میں روح پھونکی گئی اور ملائکہ اور ابلیس کو حکم ہوا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو۔ تو ابلیس نے عجلت کرتے ہُوئے عداوت کا اظہار کر کے سجدہ سے انکار کر دیا اور ساتھ اپنا عزم بھی ظاہر کر دیا کہ میں آدم علیہ السلام کو ہلاک کروں گا۔ اس میں اسے تدبر کرنا ضروری تھا اور انجام پر نظر رکھ کر توقف کے بعد اسے یقین ہو جاتا کہ سجدۂ آدم میں اس کا فائدہ ہے۔

فائدہ : آیت سے معلوم ہُوا کہ دیر کے بعد عمل کرنا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ آسمان و زمین کی تخلیق میں چھ دن لگانے میں بھی یہی حکمت ہے اگرچہ وہ قادر ہے کہ آنکھ جھپکنے سے پہلے تمام کائنات کو پیدا فرما دیتا۔

سبق : دانا وہ ہے جو اپنے ہر امر میں تدبر و تفکر کرے اور وہ افضل و برتر فعل پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے زندگی بھر اس کا یہی معمول رہتا ہے وہ اس لیے کہ ان متخلفین (منافقین) میں اس کا اندراج نہ ہو۔

ملفوظ حضرت شقیق حضرت شقیق بلخی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو تمام ادیان پر غلبہ بخشا ہے تو صرف جہاد کی برکت سے جو شخص اپنے زمانہ میں جہاد میں کسی حیثیت سے حصہ لیتا ہے تو گویا اس نے اپنے سے پہلے تمام مجاہدین کے جہاد میں شرکت حاصل کی اگر وُہ اپنے زمانہ میں جہاد کے کسی شعبہ سے محروم رہا تو وہ گویا متخلفین (منافقین) میں شامل ہو گیا یاد رہے کہ جہاد سے سستی اور غفلت ہر وُہ شخص کرتا ہے جس کے بدن میں طبعی غفلت کا غلبہ ہو اور جس کی روحانیت تازہ ہو وُہ جہاد میں چستی اور چالاکی دکھاتا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

ہر گرانی و کسل خود از تنست
جان ز خفت جملہ در بر بدنست

ترجمہ : یہ سستی و کاہلی بدن کی روح کی خفت بدن کی خرابی سے ہوتی ہے۔

اے اللہ! دینی امور کی سستی سے ہمیں بچا بلکہ ان کی ادائیگی میں ہماری مدد فرما۔ اس لیے کہ تو ہمارا ہر کام میں مدد کرنے والا ہے۔

تفسیر عالمانہ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ آپ سے وُہ لوگ اجازت نہیں مانگتے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ط اس بارہ میں کہ وُہ اپنے اموال اور نفوس جہاد میں صرف کریں بلکہ ان کے مخلصین بلا توقف اذن سے پہلے ہی جان کی بازی لگا دیتے ہیں وہ تو جنگ پر نہ جانے کی اجازت کا نام تک نہیں لیتے اور دوسروں کا اجازت طلب کرنا نہ صرف ان کے ایمان کی ضعف کی دلیل ہے بلکہ ایسے لوگوں کی منافقت کا بیّن ثبوت ہے۔

قاعدہ: جیسے جنگ پہ نہ جانے کی اجازت کی طلب بے ایمانی کو علت بنایا گیا ہے ایسے ہی اجازت نہ طلب کرنا ایمان خالص کی علت بن سکتی ہے اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ کسی حکم کو کسی وصف سے معلق کرنا اسی وصف کو اسی حکم کی علت بناتا ہے۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ○ اور اللہ تعالیٰ متقین کو خوب جانتا ہے یعنی اہل ایمان کے مخلصانہ طور جنگ کی تیاری پر اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ متقین کے زمرہ میں شامل ہیں اور ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ ان کا جنگ کے لیے ہر وقت مستعد ہونا ان کے متقین ہونے کی علت ہے۔ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ بے شک جنگ پہ نہ جانے کی اجازت آپ سے وہ لوگ طلب کرتے ہیں الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔

فائدہ: جنگ پہ نہ جانا دورِ نبوت میں منافقت کی علامت بن گئی تھی[1]۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ غزوۂ تبوک میں جنگ پہ جانے کے لیے انتالیس مردوں نے اجازت طلب کی تھی۔

وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ اور ان کے دل شک میں ہیں اس کا عطف صلہ یعنی لا یؤمنون الخ پر ہے اور ماضی کے صیغہ میں اشارہ ہے کہ ان کے دل میں ریب (شک) راسخ ہو چکا ہے۔

فائدہ: الریب ھو اضطراب القلب ــــــــــ قلب کے اضطراب کو ریب سے تعبیر کرتے ہیں۔

مسئلہ: آیت سے معلوم ہوا کہ ضروریاتِ دین میں شک و ریب کرنے والا مومن نہیں ہو سکتا۔

فَهُمْ پس ان کا حال یہ ہے کہ وہ فِيْ رَيْبِهِمْ شک میں (جو ان کے قلوب میں راسخ ہے) يَتَرَدَّدُوْنَ ○ حیران پھرتے ہیں۔ تردد متحیر کی عادت ہوتی ہے، جیسے ثابت قدمی دانشمند کی عادت ہے۔ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض منافقین نے جنگ پہ نہ جانے میں معذرت کے طور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ ہمارا جنگ پہ جانے کا ارادہ تو تھا لیکن ہم جنگ کی تیاری نہیں کر سکے۔ اب جنگ پہ جانے کا وقت قریب ہے اس لیے ہمارے لیے ناممکن ہو گیا کہ ہم آپ کے ساتھ جنگ پہ چل سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر وہ منافقین غزوۂ تبوک کی جنگ پر دشمنوں پر حملہ کرنے کے لیے نکلنے کا ارادہ کرتے تو لَاَعَدُّوْا لَهٗ وقت پر نہ نکلنے کے لیے تیاری کر لیتے۔ عُدَّةً سامان مثلاً زادِ راہ اور ہتھیار اور دیگر وہ اشیاء جو سفر کے لیے ضرورت پڑتی ہیں وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی تیاری سے کراہت کی، یعنی جنگ پہ چلنے کے لیے اللہ تعالیٰ کا ارادہ ان کے متعلق نہیں تھا اس لیے کہ ان کا جنگ پہ چلنا بجائے خود صد مفاسد کو متضمن تھا۔ الانبعاث بمعنے برانگیختہ شدن۔ (کذا فی تاج المصادر) لفظ لٰکن جملہ متقدمہ سے استدراک کے لیے ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہاں پر لفظ لٰکن محض تاکید کے لیے ہے۔ (کذا فی حواشی سعدی چلپی) فَثَبَّطَهُمْ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں سستی اور بزدلی میں گرفتار فرمایا اسی لیے جنگ سے سستی کر کے اس کی تیاری ترک کی التثبیط صرف الانسان عن الفعل الذی یھم بہ انسان کا اس فعل سے ارادہ بدل لینا کہ جس کا پہلے اسے ارادہ تھا

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ ہر دور میں بدمذہبی کی ایک علامت ہوا کرتی ہے جیسے آجکل "یارسول اللہ"، گیارھویں شریف، اعراس و دیگر مسائل معروفہ کا انکار وہابیت، دیوبندیت، نجدیت کی علامت بن گیا ہے۔

اسے عربی میں "تثبیط" سے تعبیر کرتے ہیں۔ وَقِیۡلَ اقۡعُدُوۡا مَعَ الۡقٰعِدِیۡنَ ۝ اور انہیں کہا گیا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ یعنی ان لوگوں کے ساتھ بیٹھو جن کے لیے عموماً گھروں میں بیٹھنا ضروری ہے جیسے لنجے لنگڑے، مریض، اندھے، عورتیں اور بچے۔

ف: اس میں جنگ پہ نہ جانے کی معذرت کرنے والوں کی مذمت اور "انفروا خفافا و ثقالا" کی کھلی مخالفت کا بیان ہے۔ اسی بنا پر مفسرین نے کہا کہ یہ مضمون بطور تشبیہ و تمثیل ہے مثلاً امرِ آمر کے بعد ان کے دلوں میں کراہت ڈالے جانے کو گھروں میں بیٹھنے والوں کے بیٹھنے سے تشبیہ دی ہے اس کے بعد ان کے جنگ پہ جانے کی خود اللہ تعالیٰ نے کراہت کی وجہ بیان فرمائی کہ لَوۡ خَرَجُوۡا فِیۡکُمۡ اور تمہارے ساتھ ان کا جنگ کے لیے خروج ہوتا۔ یعنی وہ جنگ پہ تمہارے ساتھ مل کر چلتے۔ مَّا زَادُوۡکُمۡ تو تمہارے میں نہ بڑھاتے یعنی تمہیں کسی شے کا وارث بنا کر نہ چھوڑتے۔ اِلَّا خَبَالًا مگر شر اور فساد کو مثلاً بزدل ہو جانا اور کفار کے ساتھ جنگ کرنے سے ڈرانا اور اہل ایمان کی باتیں سن کر کفار کو جا کر بتانا (یعنی چغلخوری کرنا) اور مسلمانوں کے درمیان میں فساد برپا کرنا اور ایک دوسرے کو لڑانا ان کے بعض کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنا اور ان کے بعض کو گھٹیا ظاہر کرنا تاکہ ان کے آپس میں اختلاف پیدا کر دیں اس سے دوسرے لوگ بھی جنگ پہ نہ جا سکیں اس طرح سے وہ دین کو ضعف پہنچاتے۔

ف: عام الاعم یعنی الشیٔ سے مستثنیٰ مفرغ ہے۔

ردِّ شیعہ

بعض شیعہ الزام لگاتے ہیں کہ بعض صحابہ کرام بھی منافقین کے ہمنوا ہونا چاہتے تھے۔ شیعوں کا یہ الزام غلط ہے اس لیے کہ صحابہ کرام میں کسی ایک کو بھی یہ خیال فاسد نہ ہوا اور نہ ان سے شر و فساد کی توقع کی جا سکتی ہے البتہ لفظ زیادہ سے مطلوب وہی منافقین ہیں جو ایک دوسرے کے شر و فساد کے اضافہ کے سبب بنتے تھے۔ یہ استثناء بھی اعم العام سے ہے نہ بایں معنی کہ وہی قبائح و منکرات جو ان میں تھے ان سے استثناء ہے۔ اس طرح سے استثناء الشیٔ عن الشیٔ لازم آتا ہے۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ اس جنگ میں منافقین بکثرت تھے اور ان میں اپنے ایمان اور اسلامی امور میں تو شک تھا ہی اس لیے کہ اگر وہ جنگ کے لیے نکلتے بھی تو موجب صد شر و فساد ہوتا۔

وَّلَاۡاَوۡضَعُوۡا خِلٰلَکُمۡ اور البتہ وہ کوشش کرتے اور عداوت برانگیختہ کرنے میں عجلت کرتے یا ایسے اسباب بناتے جس سے شکست لازماً ہوتی۔

حل لغات: اَلۡاِیۡضَاعُ بمعنے تَہۡیِیۡجُ الۡمَرۡکُوۡبِ وَحَمۡلُہٗ عَلَی الۡاِسۡرَاعِ سواری کو برانگیختہ کرنا اور اسے تیز دوڑنے پر اُبھارنا۔ مثلاً کہا جاتا ہے وضع البعیر وضعا۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب اُونٹ تیز دوڑے۔ اور کہا جاتا ہے اوضعتہ انا۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کو تیز دوڑنے کے لیے برانگیختہ کرے۔ اب معنیٰ یوں ہوا کہ وہ تمہارے مابین سواریوں کے دوڑانے میں عجلت کرتے ہیں۔ رکائبکم لاوضعوا کا مفعول محذوف ہے اس کا اصلی مقصد یہ ہے

کر وہ منافقین تمہارے ساتھ جنگ پہ چلتے تو تمہاری باتیں کفار کو پہنچانے میں جد وجہد کرتے اور انہیں جنگ میں سوائے چغلخوری کے اور کوئی کام نہ ہوتا اور انہیں سواریوں کی تیز رفتاری سے اس لیے موصوف کیا گیا ہے کہ چلنے والے سے سوار تیزی سے کام کرتا ہے اور الخلال خلل کی جمع ہے بمعنی الفرجه یعنی دو چیزوں کے درمیان کا سوراخ، جسے ہم نے بینکم سے تعبیر کیا ہے اور وہ لاوضعوا کے مفعول فیہ (ظرف) ہونے کی وجہ سے منصوب ہے يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ یہ اوضعو کے فاعل سے حال ہے یعنی درانحالیکہ وہ تمہارے لیے فتنہ کی طلب کرتے یعنی یہی لوگ کلمۂ حق کے افتراق کے موجب بنتے وَفِيْكُمْ اور تمہارے درمیان ہیں سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ ان کے چغلخور جو تمہاری باتیں سن کر انہیں جا کر سناتے ہیں اس معنے پر لام تعلیل کی ہوگی یا اس کا معنی یہ ہے کہ تمہارے وہ لوگ کمزور دل والے ہیں کہ منافقین کی باتیں سن کر ان کی اطاعت کرتے اس معنے پر لام عمل کی تقویت کے لیے ہے اس لیے کہ یہ عامل یعنے سَمّٰعُوْن عمل میں اصل نہیں بلکہ فرع ہے جیسے فعال لما یرید میں لام تقویت عمل کے لیے ہے وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ○ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے اس لیے کہ اس کا علم محیط ہے وہ ہر ایک کے ظواہر و بواطن کو خوب جانتا ہے اور اسے ہر ایک کے ماضی اور حال و مستقبل کے احوال و افعال و اعمال کو جانتا ہے۔ یہ جملہ سمّٰعون وقاعدون دونوں گروہوں کو شامل ہے۔ لَقَدِ ابْتَغَوُا البتہ بے شک منافقین نے طلب کیا ہے الْفِتْنَةَ فتنہ، یعنی منافقین چاہتے ہیں کہ جملہ حالات بگڑ جائیں اور آپ کے اصحاب سے علیحدہ ہو جائیں مِنْ قَبْلُ اس غزوۂ تبرک سے پہلے یعنی انہوں نے غزوۂ احد میں اسی طرح کا کردار ادا کیا چنانچہ عبداللہ بن ابی سلول رئیس المنافقین اپنے تین سو ساتھیوں کو ورغلا کر جنگِ اُحد سے بھاگ نکلا تھا۔ اُحد میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ سات سو خالص مومن مجاہد باقی رہ گئے تھے۔ اور یہی ابی بن سلول غزوۂ تبوک میں بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روانگی کے بعد اپنے ساتھیوں سمیت مقام ذی جدہ سے لوٹا تھا۔ یہ ثنیۃ الوداع (وادی) کی نچلی جانب واقع ہے اسی طرح خندق میں بھی انہوں نے یہی کھیل کھیلا تھا، چنانچہ انہوں نے ببانگِ دہل اعلان کیا:

> یا اهل یثرب لامقام لكم فارجعوا۔ اے یثرب والو! جنگ سے واپس چلو کیونکہ کفار کا مقابلہ تمہارے بس سے باہر ہے۔

ایسے ہی لیلۃ المعقبہ میں انہوں نے حضور علیہ السلام کی اونٹنی کے پاؤں میں کوئی شے پھینکی جس سے اونٹنی ڈر گئی، یہاں تک کہ حضور علیہ السلام اونٹنی سے گرنے کے قریب ہو گئے۔ لیلۃ العقبہ میں ثنیۃ الوداع کے موقعہ پہ بارہ منافقین نے حضور علیہ السلام کے شہید کرنے کا منصوبہ بنایا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام کو مطلع فرما دیا۔ اس طرح سے حضور علیہ السلام ان کی شرارت سے محفوظ ہو گئے۔

ف: الفتك بمعنے ان یاتی الرجل علی صاحبه وهو غار غافل حتی یشتد علیه فیقتله، یعنی کسی کے ساتھ غفلت میں دھوکے کا کوئی طریقہ بنا کر پھر اسے پکڑ کر قتل کر دیا جائے۔ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ (تقلیب الامر) بمعنے تعریفه الی وجه وتردیده لاجل التدبیر والاجتهاد فی المکر والحیلة یعنی مکر و فریب اور دھوکہ دہی

کے لیے کسی شے کو پھیرنا۔ اسی لیے ہر وُہ شخص جو مکر و فریب کا ماہر ہو اس کے لیے اہلِ عرب کہتے ہیں: حوّل قلب۔ دل پھرا۔ اب آیت کا معنیٰ یوں ہُوا کہ منافقین نے آپ کے لیے طرح طرح کے حیلے کر کے آپ کے امورِ دینیہ مٹانے کی قسم وقسم کی آرا دزنی کی۔

حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ یہاں تک کہ حق یعنی نصرت و تائیدِ الٰہی آئی۔ **وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ** اور اللہ تعالیٰ کا امر ظاہر ہُوا، یعنی اللہ تعالیٰ کا دین غالب ہوا اور اس کی شرافت بلند ہُوئی۔ **وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝** حالانکہ منافقین دین کی سربلندی اور نصرتِ الٰہی آپ کے لیے نہیں چاہتے تھے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اس لیے منافقین کا نہ چاہنا نقصان دہ نہ ہوا۔ ؎

چوں ترا اندر حریم قرب خود رہ دادہ شاہ از تغیرِ پردہ دار و طعن دربان غم مخور

ترجمہ: جب تجھے اپنے حریم خاص نے اللہ تعالیٰ نے جگہ دی دشمن کی دشمنی اور دربان کی زجر سے غم نہ کھا۔

سبق: آیت میں منافقین کی مذمت و مذلت کی گئی اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان کو تسلّی دی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ نیک انجام متقین کو نصیب ہوگا اور اس سے یہ بھی معلوم ہُوا کہ ہر زمانہ میں مخلصین و منافقین ہوتے ہیں، اور دونوں مل کر گزارتے ہیں اور یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا لیکن جس کی نیت نیک اور ارادہ سچا ہوتا ہے تو وہ تمام اہلِ ہوا اور اہلِ ریاء سے علیحدگی اختیار کرتا ہے اس لیے غیر جنس کی صحبت سے دینی امور میں تشویش اور تفرقہ پیدا ہوتا ہے، بلکہ اہلِ یقین کے عزائم میں ایسی صحبتوں سے سستی ہو جاتی ہے اسی لیے سالک پر لازم ہے کہ اپنے غیر جنسوں کی صحبتوں سے دُور بھاگے ان کے قریب بیٹھنا تو درکنار، انہیں دیکھنا بھی گناہِ عظیم سمجھے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

چوں بہ بندی تو سر کوزہ تہی درمیان حوض و یا جوئی تہی
تا قیامت آں فرود آید بہ پست کہ دلش خالیست در وے بادہست
میل بادش چوں سوئے بالا بود ظرف خود را ہم سوئے بالا کشد
باز آں جانہا کہ جنس انبیاء ست سوئے ایشاں کش کشں چوں سایہ ہاست
جاں ہامان جاذب قبطی شدہ جان موسٰی جاذب سبطی شدہ
معدۂ خر کہ کشد در اجتذاب معدۂ آدم جذوب گندم آب

ترجمہ: جب تم کوزے کا سر بند کر کے حوض اور دریا میں ڈالو تو وہ قیامت تک خالی رہے گا بلکہ اسے الٹا کرو گے تو اسے خالی پاؤ گے اور وہ اس خالی ہونے کی وجہ سے جتنا ڈبوؤ گے اُوپر کو اُبھرے گا، ہاں جن کی رُوحیں انبیاء علیہم السلام سے تعلق رکھتی ہیں تو وُہ ان کے پیچھے سایہ کی طرح لگی رہتی ہیں۔ ہامان کی رُوح نے قبطی کو کھینچ لیا اور موسٰی علیہ السلام کی روح نے سبطی کو اپنے ساتھ ملایا۔ گدھے کا معدہ گندگی چاہتا ہے، آدم علیہ السلام کا معدہ گندم نفیس شے چاہتا ہے۔

چغلخور کی مذمت آیت میں چغلخور کی مذمت کی گئی ہے۔ چغلخوری کو عربی میں النمیمہ کہا جاتا ہے وھی کشف ما یکرہ کشفہ یعنی جس کا اظہار نہ چاہے اسے ظاہر کرنے کا نام النمیمہ (چغلخوری) ہے۔ مروی ہے کہ قبر کا تہائی عذاب چغلخوری سے ہوگا۔

ولد الزنا کی علامت حضرت عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ولد الزنا بات کو نہیں چھپا سکتا۔ حضرت امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کوئی بات سن کر بجائے پوشیدہ رکھنے کے اسے دوسروں تک فتنہ وفساد پھیلانے کی نیت سے پہنچاتا ہے تو یقین کر کہ وہ ولد الزنا ہے۔

چغلخور جہنّم میں بندروں کی شکل میں حدیثِ معراج میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جہنم کے داروغے سے کہا کہ مجھے جہنم دکھائیے۔ اس نے عرض کی، آپ کا کام نہیں۔ آپ نے فرمایا: کچھ تو دکھائیے اگرچہ سُوئی کے ناکہ کے برابر۔ آپ نے فرمایا: جونہی دوزخ کو میں نے دیکھا تو اس میں مجھے ایک قوم بندروں کی صورت میں نظر آئی، میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ عرض کی گئی، یہ چغلخور ہیں۔

نمّام وقتّات میں فرق نمّام ہر وُہ شخص جو شر وفساد پھیلانے والوں کے ساتھ باتوں میں شریک ہو۔ قتّات وہ ہے جو ایسی قوم کو شر وفساد کے لیے ایسی باتیں جا کر سُنائے جس کو ان باتوں کا علم نہ ہو، لیکن جونہی اس کی باتیں سُنیں تو شر وفساد کے لیے تُل جائیں۔

چغلخور حضرت حسن بصری قدس سرہٗ کے حضور میں ایک شخص حضرت حسن بصری قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہُوا اور عرض کی کہ میں نے فلاں سے آپ کی مذمت سُنی۔ آپ نے اس سے فرمایا: کب؟ اس نے کہا: آج۔ آپ نے فرمایا: کہاں؟ اس نے کہا: اس کے گھر میں۔ آپ نے فرمایا: تم وہاں کیا کرنے گئے تھے؟ عرض کی: اس کی مہمانی تھی۔ اُس نے کیا کھلایا؟ اُس نے آٹھ کھانے گِن سُنائے۔ حضرت حسن قدس سرہٗ نے فرمایا: اے بیوقوف! اُس نے تیرا پیٹ آٹھ کھانوں سے پُر کیا تُو نے اس کی بات بھی نہ پچائی، اُٹھ کھڑا ہو میری مجلس سے اے بدبخت[1]!

سبق: اس میں اشارہ ہے کہ چغلخوری کی دوستی اچھی نہیں اور نہ ہی اس کی بات کا اعتبار کیا جائے۔

پُرحکمت حکایت ایک حکیم کے ہاں ایک شخص حاضر ہُوا اور عرض کی کہ فلاں آپ کی مذمت کر رہا تھا۔ حکیم نے اسے فرمایا: کاش! تُو مجھے ملنے نہ آتا، اس لیے کہ تُو نے آتے ہی تین خرابیاں پیدا کیں،

۱۔ میرے دوست کو میرا مبغوض فرمایا۔

۲۔ میرے فارغ دل کو تشویش میں ڈالا۔

۳۔ میرے سے اپنا وقار کھویا۔ (کذا فی الروضہ والاحیاء)

---

[1] بحمدہ تعالیٰ یہی عادت کریمہ میرے استاذ مکرم حضرت مولانا سردار احمد لائلپوری قدس سرہٗ کی تھی۔ اللہ تعالیٰ ہم کو سب بزرگانِ دین کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔ (آمین)

سبق: آجکل ہمارے بھائیوں میں چغلخوری کی عام عادت ہے اللہ تعالیٰ ان کی اصلاح فرمائے۔ سالک پر لازم ہے کہ وہ زبان بند رکھے اور بُری عادات و رسوم سے بچے بلکہ تمام گناہوں سے کنارہ کشی کرے اس لیے کہ کل قیامت کو آنکھ، زبان اور کان بلکہ ہر عضو سے سوال ہوگا۔

وَمِنْهُمْ اور ان منافقین میں بعض وُہ ہیں **مَّنْ يَّقُوْلُ** جو اے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ سے عرض کرتے ہیں **ائْذَنْ لِّيْ** ہمیں غزوۂ تبوک پہ نہ جانے کی اجازت بخشیے۔ **وَلَا تَفْتِنِّيْ** اور ہمیں فتنہ میں نہ ڈالیے۔ یہ **فَتَنَهٗ يَفْتِنُهٗ** سے مشتق ہے بمعنے اوقعہ فی الفتنۃ یعنی فلاں نے اسے فتنہ میں ڈالا۔ یہ لازم اور متعدی دونوں طرح مستعمل ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے فتنہ وافتنہ (کذا فی تاج المصادر) اور فُتُوْن و فِتْنٌ مصدر ہے بمعنی فتنہ میں ڈالنا اور فتنہ میں ہونا۔ اب آیت کا معنیٰ ہوگا کہ منافقین کہتے کہ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! ہمیں فتنہ میں نہ ڈالیے۔ یہاں پر فتنہ بمعنے گناہ ہے۔ اس سے منافقین کی غرض یہ تھی کہ اے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ہمیں اجازت دیں یا نہ دیں ہم غزوۂ تبوک کے لیے آپ کے ساتھ نہیں چل سکتے اگر ہم چلیں تو فتنہ وغیرہ میں پڑیں گے یا فتنہ بمعنے ہلاکت ہے، اب معنیٰ ہوگا کہ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! ہمیں اگر آپ اپنے ساتھ لے گئے تو ہمارے اہل وعیال ہلاک ہوں گے اس لیے کہ ان کا ہمارے سوا اور کوئی سہارا نہیں۔ **اَلَآ** خبردار جان لو **فِي الْفِتْنَةِ** فتنہ میں مکمل طور **سَقَطُوْا** گرے یعنی ان کا جنگ پہ نہ جانا ایک عظیم جرم ہے، دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی، تیسرے ان کی منافقت کا کھل جانا یعنی ان کا خیال ہے کہ جنگ پہ نہ جانے سے فتنہ سے بچاؤ ہوگا حالانکہ جنگ پہ نہ جانے سے ایک نہیں متعدد فتنوں میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اس طرح سے وہ فتنہ سے بچنے کے بجائے متعدد فتنوں میں گرے حالانکہ ان کے لیے لازم تھا کہ جونہی جنگ کا حکم ہوتا فوراً اس کے لیے لبیک پکارتے۔ **وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝** اور جہنم کافروں کو محیط ہے اس کا جملہ سابقہ پر عطف۔ اور مذکورہ بالا تنبیہ میں داخل ہے یعنی جہنم قیامت میں منافقین و کافرین کو ہر طرف سے گھیرلے گی نتیجۃً یہ منافقین جہنم میں لازماً داخل ہوں گے اس لیے کہ جہنم جسے گھیرتی ہے اُسے ہر طرف سے اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے (کذا فی الحدادی) یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جہنم اب بھی کفار کو اپنے گھیرے میں لیے ہوئے ہے اس لیے کہ وُہ لوگ جہنم کے تمام اسباب یعنی کفر و معاصی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ آج جہنم ان اعمال کفر و معصیت کی شکل میں متشکل ہے جو بھی ان اعمال سیئہ کا ارتکاب کرتا ہے گویا وہ جہنم کی لپیٹ میں ہے لیکن اس کا ظہور عالم دنیا میں نہیں بلکہ عالمِ آخرت میں ہوگا۔ اسی طرح اعمالِ صالحہ کا حال ہے کہ جو اعمال صالحہ اور ایمان سے مزین ہے وہ گویا بہشت میں ہے لیکن اس کا ظہور عالمِ آخرت میں ہوگا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ شہید کا خون قیامت میں عطر و مشک اور کستوری میں متشکل ہوگا یعنی شہید کے خون سے مُشک و کستوری کی خوشبو آئے گی۔ (کذا فی الشرع)

شانِ نزول یہ آیت جد بن قیس منافق کے حق میں نازل ہُوئی جبکہ اسے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے لیے بلایا اور اسے جہاد کی رغبت دلائی اور فرمایا، اے لوگو! بنی الاصفر کی لمبے قد والی عورتیں چاہتی ہیں کہ ان میں بعض کو تم خدمت گزار اور بعض کو اپنی لونڈیاں بناؤ۔ جد بن قیس نے کہا کہ مجھے گھر رہنے دیجئے مجھے جنگ پر لے جا کر فتنہ میں نہ ڈالیے اس لیے کہ روم کی عورتیں حسین وجمیل ہیں اور میں ان کو دیکھ کر ان کے حسن وجمال میں مبتلا ہو جاؤں گا، قبل تقسیم ممکن ہے

[illegible]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جد بن قیس کا عذر مسموع فرما کر ارشاد فرمایا: میں نے تو تجھے اجازت دے دی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے جد بن قیس کا عذر قبول نہیں فرمایا۔ اسے یقین ہونا چاہیے کہ وہ بہت بڑے فتنہ میں مبتلا ہو گیا اس لیے کہ اس نے نبی علیہ السلام کے حکم کی مخالفت کی ہے۔

ف: بنی الاصفر سے رومی لوگ مراد ہیں اور وہ روم بن عیصو بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ اور روم کو بنی الاصفر اس لیے کہا جاتا ہے کہ زمانۂ قدیم میں روم کے بادشاہ فوت ہوتے چلے گئے ان کے خاندان میں صرف ایک عورت بچ گئی، ہر ایک چاہتا تھا کہ اس سے نکاح کرلے تاکہ روم کی بادشاہی ہاتھ آجائے۔ اس معاملہ پر بہت بڑا شور اٹھا۔ بالآخر طے پایا کہ ایک جگہ بیٹھ جاؤ جو سب سے پہلے ہماری اس مجلس میں باہر سے آئے گا وہی ہمارا بادشاہ ہوگا اور اس شہزادی کا نکاح اس سے کر دیں گے۔ چنانچہ یہ بیٹھے ہوئے ہی تھے کہ یمن سے ایک شخص اپنے غلام کو لے کر روم آرہا تھا کہ راستہ میں وہ غلام بھاگا اور رومیوں کی مجلس سے گزرا، سب نے اسے دیکھ کر کہا کہ ایک مصیبت سے چھوٹے تو دوسری میں پڑ گئے۔ اب فیصلہ سے پھرنا اچھا نہیں۔ اسی شہزادی کا نکاح اسی حبشی سیاہ کالے غلام سے کر دیا گیا۔ اسی غلام سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام اصفر رکھا گیا۔ ایک عرصہ کے بعد اس غلام کا مالک تلاش کرتا ہوا آیا تو کہا: یہ تمہارا بادشاہ میرا غلام ہے اس کے غلام نے بھی تصدیق کی۔ چونکہ رومی غلام کو اپنا بادشاہ بنا چکے تھے اس لیے انہیں اس کے مالک کو راضی کرنا پڑا، اور وہ راضی ہو گیا۔ اور انہیں بنوالاصفر سے بھی اسی لیے تعبیر کیا گیا کہ اس حبشی اور شہزادی سے جو بچہ پیدا ہوا وہ رنگ کا زرد تھا اس لیے کہ شہزادی سفید اور اس کا شوہر سیاہ رنگ کا تھا، ان دونوں کی وجہ سے بچہ درمیانے رنگ کا یعنی زرد پیدا ہوا۔

ف: بعض مفسرین نے کہا کہ چونکہ ان کا دادا عیصو بن اسحاق علیہ السلام پیلے رنگ کے تھے ان کی وجہ سے ان سب کو بنوالاصفر کہا گیا اور بعض کے نزدیک خود روم بن عیصو بن اسحاق علیہ السلام کا رنگ پیلا تھا اور اسی روم بن عیصو کی والدہ کا نام قسمۃ بنت اسماعیل علیہ السلام تھا۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ سب رومی بنوالاصفر نہیں اس لیے کہ ان کے گمان پر روم اول یونان بن یافث بن نوح علیہ السلام تھا۔

ف: بعض نے کہا کہ انہیں بنوالاصفر اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کے جد روم بن عیصو بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام نے حبشہ کے بادشاہ کی بیٹی سے نکاح کیا تھا، اس سے جو لڑکا پیدا ہوا، والد کے سفید رنگ اور والدہ کے سیاہ رنگ کی وجہ سے سیاہی سفیدی کی ملاوٹ محسوس ہوتی تھی۔ ایسے رنگ کو وہ اصفر سے تعبیر کرتے تھے۔ بعض کہتے ہیں اس کی تمام اولاد کا یہی رنگ تھا۔

ف: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حبشی بادشاہ رومیوں پر غالب ہوا تو اس نے ان کی عورتوں سے (نکاح کر کے) وطی کی تو

ان کی سفیدی میں اس کی سیاہی ملی تو اس رنگ والے پیدا ہوئے تو ان کا نام بنو الاصفر پڑ گیا۔

اعجوبۂ خواب اور اس کی عجیب تعبیر

کسی بزرگ نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی تو عرض کی کہ میرا ارادہ روم میں جانے کا ہے۔ آپ نے فرمایا: الروم لا یدخلہ المعصوم۔ روم میں معصوم داخل نہیں ہوتے۔ اس سے اس بزرگ کو پریشانی ہوئی کہ گویا روم تمام فاسقوں کا ملک ہے حالانکہ یہ عقل اور تجربہ کے خلاف تھا اس لیے کہ وہاں بہت بڑے علماء، مشایخ و اولیاء کرام رہتے چلے آئے، اور اس وقت بھی بے شمار ایسی ہستیاں موجود تھیں۔ بڑی سوچ کے بعد سمجھ میں آیا کہ اس میں انبیاء علیہم السلام کی مستقل اقامت نہیں رہی اور معصوم صرف انبیاء علیہم السلام ہوتے ہیں اور اولیاء محفوظ ہوتے ہیں۔ یہ تمام ابحاث انوار المشارق سے لیے گئے ہیں۔

حدیث شریف اور علم ما فی الغد

صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرب قیامت میں کوئی بھی مسلمان نہیں رہے گا سوائے روم کے ملک کے۔

ف: حالانکہ اس وقت اس ملک میں کفار کی کثرت تھی۔ لیکن نگاہِ نبوت نے قیامت کے قرب تک کی خبر دے دی۔

ف: جنگ پہ نہ جانا یہ بھی انسان کے بخل کی دلیل ہے اور بخل انسان کی مذموم ترین صفت ہے۔

ملفوظ حضرت ابراہیم بن ادھم قدس سرہٗ

حضرت ابراہیم بن ادھم قدس سرہٗ نے فرمایا کہ بخل سے بچو۔ عرض کی گئی: بخل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: دنیا والوں کے نزدیک بخل مالی ہے کہ مال کو خرچ نہ کیا جائے۔ اور آخرت والوں کے نزدیک بخل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان نہ خرچ کرنا۔

قاعدہ صوفیانہ: صوفیاء کرام کا قاعدہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی راہ پہ جان دیتا ہے اس کے قلب پر اللہ تعالیٰ ہدایت کے واردات وارد فرما کر اسے تقویٰ کی دولت سے نوازتا ہے اور اس پر سکینہ کا نزول ہوتا ہے اور اسے عقل راجح اور وقار و علم نصیب ہوتا ہے۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ جان و مال اللہ تعالیٰ کے لیے خرچ کرے۔ یہی جہاد اصغر و اکبر ہے اسی سے رضائے الٰہی نصیب ہوتی ہے اور جُود انسان کی بہترین صفت ہے۔

بے نظیر ہمدردی کی کہانی

ابی جہم بن حذیفہ نے فرمایا کہ غزوۂ تبوک کی جنگ میں میں اپنے چچا کی تلاش میں نکلا۔ میرے پاس تھوڑا سا پانی تھا، ایک جگہ انہیں دیکھا کہ حالتِ نزع میں ہیں اور پانی پلانے سے ان کی جان بچ جانے کا امکان تھا، میں نے وہی پانی ان کے قریب کیا تو ایک طرف سے آواز آئی، العطش۔ پانی کی پیاس ہے۔ میرے چچا نے سر کے اشارے سے اسی طرف جانے کا حکم فرمایا۔ میں نے دیکھا وہ ہشام بن العاص تھے۔ میں نے ان سے عرض کی: آپ کو پانی پلاؤں۔ وہ بھی نزع میں تھے اگر پانی پلایا جاتا تو ممکن تھا ان کی جان بچ جاتی۔ لیکن میں نے جونہی پانی پیش کیا

تو ایک کونے سے پانی مانگنے والے کی آواز آئی تو انہوں نے مجھے اس طرف جانے کا اشارہ فرمایا۔ میں وہاں پہنچا تو وہ پانی مانگنے والا مر چکا تھا۔ پھر واپس تمام کی طرف پانی لایا تو وہ سب فوت ہو چکے تھے بالآخر چچا کے ہاں آیا تو وہ بھی جاں بحق ہو چکے تھے (کذا فی خالصۃ الحقایق)

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

فدائے دوست نکردیم عمر و مال دریغ
کہ کارِ عشق زما ایں قدر نمی آید

ترجمہ: افسوس کہ ہم نے اپنی عمر و مال کو دوست پر قربان نہ کیا کہ عشق کی کارروائی مجھے نصیب نہ ہوئی۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا۔ ؎

اگر گنج قارون بچنگ آوری
نماند مگر آنچہ بخشی بری

ترجمہ: اگرچہ قارون کا خزانہ بھی تیرے ہاتھ لگ جائے وہ تیرے کام کا نہیں بلکہ تیرے کام کا وہ مال ہے جو تُو نے راہِ خدا پہ لٹایا۔

تفسیر عالمانہ اِنۡ تُصِبۡكَ اگر تمہیں بعض جنگوں میں پہنچے حَسَنَةٌ فتح و نصرت اور مالِ غنیمت جیسے غزوۂ بدر میں تَسُؤۡهُمۡ تو انہیں بُرا لگتا ہے یعنی آپ کی فتح و نصرت سے منافقین کا دل دُکھتا ہے اور وہ چونکہ آپ سے عداوت اور حسد رکھتے ہیں اس لیے وہ آپ کی ہر کامیابی سے غمگین و حزیں ہوتے ہیں وَ اِنۡ تُصِبۡكَ اور آپ کو بعض غزوات میں پہنچتی ہے مُصِيۡبَةٌ زخم یا کوئی اور تکلیف، جیسے غزوۂ اُحد میں ہُوا یا صحابہ کرام کا شہید ہونا اور شکست۔

ف: اس خطاب سے اہلِ ایمان مراد ہیں جیسے کہ آنے والے ضمائر دلالت کرتے ہیں کہ ان میں جمع متکلم کی ضمیریں لائی گئی ہیں۔

ادبِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ خطاب اہلِ ایمان کو اس لیے کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ نبی علیہ السلام کو شکست ہوئی تو اسے توبہ لازم ہے اگر توبہ سے انکار کرے تو اسے قتل کر دینا واجب ہے اس لیے کہ یہ ایک عیب ہے اور حضور علیہ السلام ہر نقص اور عیب سے پاک ہیں ان کے لیے شکست کا کیا معنی۔ اس لیے شکست ۱۲ کھانا ہے جو جنگی تدبیروں سے نا واقف ہو، اور حضور علیہ السلام ہر معاملہ میں بصیرت تامہ کے مالک تھے بلکہ آپ کے لیے ہر معاملہ عین الیقین کے درجہ پر تھا[1] اور آپ ہر غلطی سے معصوم تھے۔ (کذا فی ہدیۃ المہدیین عن القاضی عبداللہ بن المرابط رحمہ اللہ تعالیٰ)

---

[1] یہ تھا اسلاف کا طریقہ۔ لیکن آجکل تو نبوت کے معاملات کو اپنے اوپر قیاس کر کے ایسی باتوں کو بیان کرنا عین اسلام سمجھا جا رہا ہے۔

[2] لیکن اشرف علی تھانوی نے کہا کہ دنیوی کاموں میں بعض انسان نبی علیہ السلام سے فائق ہوتے ہیں۔ (معاذ اللہ)۔ تفصیل فقیر کے رسالہ "دیوبندی بریلوی فرق" میں دیکھئے۔ اویسی غفرلہٗ

يَقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَا اَمْرَنَا منافقین کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے معاملات میں احتیاط سے کام لیا ہے مِنْ قَبْلُ شکست اور زخم وغیرہ کھانے سے پہلے یعنی منافقین کہتے ہیں کہ یہ ہماری دُور اندیشی کا بیّن ثبوت ہے کہ ہم جنگ پہ نہیں گئے۔ ورنہ جیسے مسلمانوں کو تکالیف وغیرہ پہنچی ہیں ہم بھی ان میں مبتلا ہوتے۔ وَيَتَوَلَّوْا اور مجلس اجتماع اہل اسلام اور باصلاحیت لوگوں کی گفت گو کرنے سے کتراتے ہیں وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ○ اور وُہ اپنی کارکردگی مثلاً مسلمانوں سے علیحدگی اور جنگ پہ نہ جانے سے خوش ہیں اور یہ جملہ یقولوا اور یتولوا کی ضمیر سے حال ہے نہ صرف یتولوا کی ضمیر سے اس لیے کہ ان کی خوشی کا تعلق دونوں فعلوں سے ہے قُلْ منافقین نے جس عقیدہ سے اپنی خوشی کا اظہار کیا ان کے عقیدہ کے بطلان کو بیان فرمایا گیا ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! فرمایئے۔ لَنْ يُّصِيْبَنَا ہمیں ہیشہ تک ہرگز نہیں پہنچے گا اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ مگر وہ جو اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ میں لکھا لَنَا یہ لام تعلیل کی ہے یعنی لوحِ محفوظ جس میں ہمارے لیے خیر وشر اور شدّۃ وفرحت لکھی گئی ہے اس میں ہرگز تغیر نہیں ہوگا تم موافقت کرو یا مخالفت، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنی تقدیر میں لکھا ہے وہ اسی طرح ہوگا کیونکہ اس کا لکھا ہوا مضبوط اور محکم ومبرم ہے هُوَ مَوْلٰنَا وہی ہمارا حامی وناصر اور ہمارے جملہ امور کا متولی ہے وَعَلَى اللّٰهِ یہ مامور بہ کلام کا تتمہ ہے ممکن ہے کہ یہ جملہ مستانفہ ہو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ یُوں کہو کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک لہٗ پر فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ اہلِ ایمان کو توکل کرنا چاہیے التوکل تفویض الامر الی اللہ تعالیٰ والرضی بما فعلہ اللہ تعالیٰ کی طرف جملہ امور سپرد کرنے اور اس کے ہر فعل پر راضی ہونے کا نام توکل ہے۔ اب معنیٰ یوں ہوا کہ بندے پر لازم ہے کہ وہ اپنے رب تعالیٰ پر توکل کرے اور اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا متلاشی رہے اور اعتقاد رکھے کہ کوئی شے نقصان نہیں پہنچا سکتی مگر وہ جو اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں لکھا ہو لازماً ہوگا۔ ؎

پیرِ ما گفت خطا بر قلم صنع نرفت
آفرین بر نظر پاک خطا پوشش باد

ترجمہ: میرے شیخ نے فرمایا کہ قلم تقدیر کو خطا نہیں نظر پاک پہ آفرین خدا کرے کہ وہ میری خطا پوشی فرمائے۔

حدیث شریف: بندہ کا ایمان کامل نہیں ہوتا جب تک عقیدہ نہ رکھے کہ جو کچھ تقدیر میں لکھا ہے وُہ ضرور پہنچے گا اور جو کچھ نہیں لکھا وُہ ہرگز نہیں پہنچے گا۔

قُلْ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! منافقین کو فرمایئے هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ، "التربص المکث مع انتظار مجئ شئ خیرا کان او شرا" کسی شے (خیر ہو یا شر) کے آنے کے انتظار میں ٹھہرنے کو تربص کہا جاتا ہے اور بنا کی باء تعدیۃ کی ہے اور تربصون میں ایک تاء محذوف ہے۔ یہ دراصل تتربصون تھا، یعنی تم ہمارے لیے انتظار نہیں کرتے اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ دو نیکیوں میں سے ایک کا یعنی دو انجاموں میں سے ایک کا جو کہ ان دونوں میں ہر ایک کا اچھا نتیجہ ہوگا یعنی مدد یا شہادت، جواب اول میں جو بات مبہم تھی یہ اسی نوع کا بیان ہے اس میں منافقین کے گمان کی حقیقت حال کو واضح کیا گیا جبکہ انہوں نے سمجھ رکھا تھا کہ جنگ پہ جانے سے مسلمانوں نے نقصان اٹھایا حالانکہ جنگ

پہ جانے پر انہیں دو بہتر انجاموں سے ایک بہتر شے نصیب ہوگی یعنی مددِ الٰہی سے غنیمت یا شہادۃ۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اسے منافقو! تم نہیں خوش ہو رہے مگر اس بہتر انجام سے جو ہمیں نصیب ہوگا اور تم اس سے محروم ہو گئے۔ پھر تمہاری سمجھداری کہاں گئی اور تمہارے گھر میں بیٹھنے سے تمہیں کیا حاصل ہوا۔

حدیث شریف: جو شخص ایمان خالص سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کے پیشِ نظر گھر سے جنگ کے لیے نکلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بہشت میں داخل فرمائے گا یا اگر وہ بسلامت گھر لوٹے گا تو اسے اجر و ثواب اور غنیمت سے نوازے گا۔ ؎

دولت اگر مدد دہد دامنش آورم بکف
گر بکشد زہے طرب ور بکشد زہے شرف

ترجمہ: اگر دولت میری مدد کرے تو میں اسے ہاتھ میں لوں گا، اگر وہ میرے ساتھ رہے تو خوشی ہے اگر بھاگے تو بھی خوشی ہے۔

وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اور ہم تمہارے بُرے انجام کے منتظر ہیں اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ یہ کہ تمہیں اللہ تعالیٰ پہنچائے بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اپنی طرف سے عذاب جیسے سابقہ امتوں پر عذاب نازل کر کے انہیں تباہ و برباد کیا مثلاً انہیں سخت آواز یا زلزلہ یا زمین میں دھنسا دیا گیا بعذاب من عندہ میں اشارہ ہے کہ عذاب بھیجنا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے اس میں بندوں کو کسی قسم کا دخل نہیں ہوتا اَوْ یا تمہیں عذاب ہو بِاَيْدِيْنَا ہمارے ذریعے سے مثلاً تمہارے کفر کی وجہ سے تمہیں قتل کرنا فَتَرَبَّصُوْٓا فا فصیحیہ ہے یعنی جب معاملہ یُوں ہے تو تم ہمارے انجام کا انتظار کرو اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ○ ہم تمہارے انجام کا انتظار کرتے ہیں۔ پھر جب ہمیں یا تمہیں جو کچھ پہنچے گا تو تم ہماری تکالیف کو دیکھ کر خوشیاں مناؤ گے اور ہم تمہاری تکالیف کو دیکھ کر خوش ہوں گے۔

حدیث شریف: مومن کی مثال اس بالی کی طرح ہے کہ کسی وقت ہوا کے جھونکوں سے کھڑی ہو جاتی ہے اور کبھی گر جاتی ہے اور منافق اور کافر کی مثال اس مضبوط تنے کی ہے کہ وہ کسی وقت بھی نہیں ہلتا مگر اس وقت کہ اسے جڑ سے کاٹا جائے۔ بعض نے کہا کہ اس درخت سے مراد وہ ہے جو صنوبر کے مشابہ ہو وہ شام اور ارمن کے علاقوں میں ہوتا ہے بعض نے کہا کہ اس سے خود صنوبر مراد ہے۔ اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ مومن کو کبھی خوشی نصیب نہیں ہوتی بلکہ وہ اکثر اوقات غم میں مبتلا رہتا ہے اگر اسے کوئی نعمت نصیب ہوتی ہے تو پھر بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے اکثر اوقات اُس کے پریشانی میں بسر ہوتے ہیں اور کافر و منافق اکثر خوش و خرم ہو کر زندگی بسر کرتا ہے۔

ولی اللہ کی شان حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو میرے کسی ولی کی بے عزتی کرتا ہے وہ میرا مقابلہ کرتا ہے۔ ولی سے مومن فرمانبردار مراد ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اس کا مددگار ہے جو اس بندے سے دشمنی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے۔ اس معنے پر ولی اللہ کا دشمن درحقیقت اللہ تعالیٰ

کا دشمن ہے اور ولی اللہ کی بے عزتی کرنے والا کافر یا منافق ہے اس کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ ولی اللہ کا دشمن ہلاک اور برباد ہوگا۔ ؎

قصۂ عاد و ثمود از بہر چیست　　تا بدانی کہ انبیاء را ناز کیست
ایں نشانِ خسف و قذف و صاعقہ　　شد بیان عز نفس ناطقہ
جملہ حیوانزا پے انسان بکش　　جملہ انساں را بکش از بہر ہش
ہش چہ باشد عقل کل ہوشمند　　ہوش جزئی ہش بود اما نژند

ترجمہ: عاد و ثمود کے قصے کس لیے ہیں تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ انبیاء علیہم السلام کی شان میں نزاکت ہے، خسف و قذف و صاعقہ کے نشانات صرف نفس کے غرور کو توڑنے کے لیے نہیں تمام حیوانات کو نفس کے لیے مار اور تمام انسانوں کو ہوش کے لیے ہوش ہے نزدیک عقل کل ہوشمند (ولی کامل) ہے۔ یہ ہوش اسی ہوش کل کا ظل ہیں۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے منافقین کی دو باتوں کی وجہ سے مذمت فرمائی ہے:

١۔ وہ ایک حال پہ نہیں رہتے۔

٢۔ ان کا حال ان کے قال کے مطابق نہیں ہوتا۔

حدیث شریف: مومن مستقیم نہیں رہ سکتا جب تک اس کا دل مستقیم نہ ہو اور دل مستقیم نہیں ہو سکتا جبکہ اس کی زبان استقامت پذیر نہ ہو۔

حدیث شریف: اس بندے کو مبارک ہو جس کی کمائی حلال کی اور جس کا دل صحیح اور ظاہر اچھا ہو اور لوگ اس کے شر سے محفوظ ہوں۔

حدیث شریف: لوگوں میں شریر ترین وہ ہے جو دو منہ رکھتا ہے یعنی منافق کہ وہ نہ ادھر کا نہ اُدھر کا۔ اور جو دنیا میں دو منہ رکھتا ہے اس کے لیے جہنم کی دو لگامیں ہوں گی۔ (کذا فی ابکار الافکار)

قُلْ اے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم اجد بن قیس کے باب میں فرمایئے جبکہ اس نے غزوہ میں غیر حاضری کی معذرت کر کے اجازت چاہی اور کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو مالی امداد بھجواؤں گا **اَنْفِقُوْا** اے منافقو! اللہ تعالیٰ کے راستہ میں مال خرچ کرو۔ **طَوْعًا** درانحالیکہ اس میں تمہارے نفوس خوشی میں ہوں **اَوْ كَرْهًا** یا خوفِ قتل سے کراہت کرتے ہوں۔ (کذا فی الحدادی)

ف: الارشاد میں لکھا ہے کہ طوعًا بمعنی من غیر الزام من جهة عليه السلام ولا رغبة من جهتكم او هو فرض لتوسيع الدائرة. یعنی خود بخود خرچ کرو اس میں حضور علیہ السلام کی طرف سے تمہارے اوپر الزام نہ ہوگا اگرچہ تمہیں اس خرچ کرنے کی کوئی رغبت نہ ہو یا فرضی طور انہیں کہا گیا ہے کیونکہ فرضی باتوں کا دائرہ وسیع ہے۔ اس

معنے پر یہ "ولا ینفقون الا وھم کٰرھون" کے منافی نہیں ہے

لَنۡ یُّتَقَبَّلَ مِنۡکُمۡ تمہارا کوئی خرچ قبول نہ ہوگا یعنی حضور علیہ السلام تمہارے دیے ہوئے مال کو قبول نہیں فرمائیں گے یا اگرچہ خرچ کرو اور اسے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم قبول بھی فرمالیں لیکن اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرمائیگا اور نہ ہی اس پر اجر و ثواب عنایت فرمائے گا۔

ف : انفقوا بمعنے خبر یعنی انفقتم ہے اس لیے کہ لن یتقبل امر کے حقیقی معنے کو قبول نہیں کرتا اس لیے کہ یہ فضول بات ہے کہ پہلے کسی کو حکم دیا جائے کہ فلاں کام کرو پھر اس کے لیے خبر دی جائے کہ وہ قابل قبول نہیں۔

جب منافق مذکور یعنی جد بن قیس نے جنگ پہ جانے کی معذرت کی تو اس کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے **اعجوبہ** کہا کہ آپ کی یہ معذرت آپ کی منافقت پر دلالت کرتی ہے دیکھ لینا تمہاری اس منافقت پر قرآنی آیت کا نزول ہوگا جد بن قیس نے اپنے لڑکے کے مُنہ پر جُوتا مارا۔ پھر جب یہی آیت نازل ہوئی تو جد بن قیس کے لڑکے نے کہا کہ میں نے نہیں کہا تھا کہ آپ کی منافقت کے اظہار میں قرآنی آیت کا نزول ہوگا۔ اس پر جد بن قیس نے اپنے لڑکے سے کہا اسکت یا لکع فواللہ لانت اشد علی من محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خاموش اے بدبخت! بخدا تم میرے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ سخت ہو۔

ربط : آنے والے جملہ میں بتایا ہے کہ تمہارے خرچ کرنے کو اللہ تعالیٰ کیوں قبول نہیں کرتا، کما قال اِنَّکُمۡ کُنۡتُمۡ قَوۡمًا فٰسِقِیۡنَ ○ اس لیے کہ تم فاسق یعنی کافر ہو۔ فسق سے اس کا فرد کامل مراد ہے اور اس کا فرد کامل کفر کے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتا۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ بے شک تم اے منافقو! دائرۂ اسلام سے خارج ہو۔ اور ظاہر ہے دائرۂ اسلام سے خارج کافر ہوتا ہے اور کافر کا کوئی خرچ اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس جملہ کا اور انھم کفروا باللہ کا ایک مطلب ہے یعنی ان کے انفاق کی عدمِ قبولیت کی علت ان کا اپنا کفر ہے۔

جد بن قیس مسلمان ہوگیا بعض روایات میں ہے کہ جد بن قیس نے منافقت (کفر) سے مکمل طور توبہ کی اور مسلمان ہوکر اسلام پر قائم ہوا، یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں بحالتِ اسلام فوت ہوا

وَمَا مَنَعَهُمۡ اَنۡ تُقۡبَلَ مِنۡهُمۡ نَفَقٰتُهُمۡ اِلَّاۤ اَنَّهُمۡ كَفَرُوۡا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوۡلِهٖ یہ اعم الاشیاء سے مستثنیٰ ہے یعنی ان کے نفقات کی قبولیت کو کسی شے نے نہیں روکا مگر ان کے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر نے۔ اس معنے پر مستثنیٰ مفرغ مرفوع المحل ہے اس لیے کہ منع کا فاعل ہے اور ان تقبل نزع الخافض کے بعد اس کا دوسرا مفعول ہے یا بلا نزع الخافض بلاواسطہ مفعول ہے اس لیے کہ منع کبھی دو مفعول چاہتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے: "منعت الشئ ومنعت فلانا حقه ومنعته من حقه" میں نے فلاں کو اس کے

حق سے روکا۔

ف: ابوالبقاءؒ نے کہا کہ ان تقبل محلاً منصوب ہے اس لیے کہ منعہم کے مفعول سے بدل ہے۔

وَلَا يَأْتُونَ الصَّلٰوةَ اور نماز باجماعت میں نہیں آتے۔ اس کا کفروا پر عطف ہے۔ **اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى** مگر آتے ہیں اس حال میں کہ وہ سستی کرنے والے ہوتے ہیں یعنی نماز باجماعت کی حاضری انہیں بوجھ نظر آتی ہے۔

کاشفی نے لکھا کہ نماز باجماعت کی حاضری ان کے لیے ایک بڑا بوجھ ہے اس لیے اس کی حاضری سے کراہت کرتے ہیں کیونکہ انہیں نماز سے سچی ارادت نہیں اور الکسالیٰ کسلان کی جمع ہے جیسے سکران کی جمع سکریٰ ہے۔

سوال: بغوی نے لکھا کہ ان کے لیے الکسل فی الصلوٰۃ کا ذکر کیا جبکہ سرے سے ان کی نماز ہی نہیں۔

جواب: اس سے دراصل ان کے کفر کی مذمت ہے کہ کفر کی وجہ سے ہی انہیں نماز میں سستی ہوتی ہے اسی لیے مقولہ مشہور ہے: "الکفر مکسل والایمان منشط" کفر سستی پیدا کرتا ہے اور ایمان نشاط یعنی چستی اور پھرتی۔

وَلَا يُنْفِقُونَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ○ اور وہ خرچ نہیں کرتے مگر حالانکہ وہ ہیں کراہت کرنے والے۔

نکتہ: ابن الشیخ نے فرمایا کہ ادائے عبادات میں رغبت اور نشاط ثواب کی امید پر ہوتا ہے اور اس کے ترک پر خوف عتاب اور رجا اس وقت نصیب ہوتے ہیں جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے احکام پر ایمان ہو اور منافق اس دولت سے کورا ہے اس لیے نہ اسے آخرت کے ثواب کی امید ہے نہ عذاب کا خطرہ۔ اس لیے اسے ادائیگی نماز میں سستی اور مال خرچ کرنے میں کراہت ہوتی ہے اس لیے کہ خوف و رجا سے خالی ہو کر لامحالہ نماز پہ جانے سے بدنی تکلیف اور مال خرچ کرنے میں تضیع مال تصور کریں گے۔

ف: آیت میں سستی کی مذمت کی گئی ہے، اسی لیے ایک عربی مقولہ مشہور ہے: من دام کسلہ خاب املہ۔ جو سستی کا شکار ہو وہ مطالب و مقاصد کے حصول سے محروم ہے۔

حضرت ابوبکر الخوارزمی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

لا تصحب الکسلان فی حالاتہ   کم صالح بفساد آخر یفسد
عدوی البلید الی الجلید سریعۃ   والجمر یوضع فی الرماد فیخمد

ترجمہ: کسی حالت میں بھی سست لوگوں کے ساتھ نہ رہو۔ بہت سے نیک لوگ فسادیوں کے ساتھ بیٹھنے سے فسادی بن بیٹھے۔ احمق کی حماقت عقلمند پر جلد اثر انداز ہوتی ہے۔ انگارہ راکھ میں پڑتا ہے تو فوراً بجھ جاتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

گر ہزاراں طالب اند و یک ملول   از رسالت باز می ماند رسول
کے رسانند آں امانت را بتو   تا نباشی پیش شان راکع دو تو

ترجمہ: اگر ہزاروں طالب ہوں اور ایک ان میں بیکار ہو تو اس کے سمجھانے کے لیے رسول باز رہتا ہے۔

تمہیں سمجھنا چاہیے کہ امانت تجھے نصیب نہ ہوگی جب تک تم ان کے آگے عاجزی و انکساری نہیں کرو گے۔

تفسیر عالمانہ فَلَا تُعْجِبْكَ الاعجاب بمعنی الاستحسان علی وجه التعجب من حسنه اپنے فعل کے حسن پر تعجب کرکے اسے اچھا سمجھنا۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ تمہیں تعجب میں نہ ڈالے۔

یہ خطاب اگرچہ حضور علیہ السلام کو ہے لیکن اس سے آپ کی امت مراد ہے، یعنی اے مومنو! تمہیں تعجب میں نہ ڈالیں اَمْوَالُهُمْ منافقین کے مال وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ط اور نہ ان کی اولاد اس لیے مال اور اولاد ان کے لیے قیامت میں وبال ثابت ہوں گے یہ صرف دنیا میں چند روز انہیں دیے گئے کما قال اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا بیشک اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ انہیں انہی مال و اسباب کے ذریعے حیٰوۃ دنیا میں عذاب پہنچائے۔

ف: ھا ضمیر کا مرجع صرف اموال ہے اس لیے کہ دنیا میں اسے جمع کرنے میں مشقت اٹھاتے اور ان کی نگرانی میں دکھ پاتے اور ان کے خرچ کرنے میں کراہت کرتے ہیں۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ اس سے اموال و اولاد دونوں مراد ہوں وہ اس لیے کہ انسان کو جس طرح اموال کے متعلق تکالیف و پریشانیاں لاحق ہوتی ہیں ایسے ہی اولاد کے متعلق بھی، مثلاً ان کی پرورش و تربیت کا دکھ اور ان کے معاش کے اسباب کی تیاری اور ان کے کھانے پینے اور لباس و دیگر ضروریات۔ اگر وہ چھوٹے ہو کر مریں تو ان کی جدائی و فراق کا درد اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ جس سے محبت ہو اس کی ہجرانی پہ بہت زیادہ رنج پہنچتا ہے۔

سوال: صاحب روح البیان نے لکھا کہ مذکورہ بالا وجوہ میں مومن و کافر تمام برابر ہیں۔ پھر ان میں کافر کی تخصیص کیوں؟

جواب: مومن کو ایمان کی برکت سے انکا درد بہت کم ہوتا ہے اس لیے کہ اسے آخرت کے ثواب کی امید ہوتی ہے اور شدائد پر صبر سے اجر کا منتظر ہوتا ہے اس بناء پر وہ بہ نسبت کافر کے بہت کم دکھ اور درد پاتا ہے۔

وَتَزْهَقَ الزهوق بمعنی خروج الشئ بصعوبة کسی شے کا بمشکل نکلنا۔ اور نکلیں گے اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ○ ان کے نفوس درانحالیکہ وہ کافر ہوں گے یعنی وہ کافر ہو کر مریں گے انہیں عاقبت کی فکر نہ اس لیے توجہ نہیں ہوگی کہ وہ مال و اولاد سے نفع اٹھانے میں مصروف رہیں گے پھر مرتے وقت وہ مال و اولاد ان کے لیے نعمت کے بجائے عذاب بن جائیں گے اس لیے کہ نزع روح کے وقت نہ اسے مال بچا سکتا ہے اور نہ اولاد۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ شریر النفس اور موذی کے کفر اور اسی پر اس کی موت پہ خوش ہونا جائز ہے اگر وہ اپنے کیے کی سزا پائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کے لیے اپنے ارادہ کا اظہار فرمایا تاکہ ان سے ان کے کفر کا انتقام لیا جائے اس کا یہ مطلب نہیں کہ فی نفسہٖ کفر کو مستحسن سمجھا جائے یا اس کے ارتکاب کی اجازت دی جائے۔

مسئلہ: فقہاء کرام نے فرمایا کہ اگر ظالم کو بددعا کے طور پر کہے اماتك الله على الكفر یا اسے کہے سلبك الله الایمان یا اسے فارسی الفاظ میں بددعا دے کہ "خدا جان بکافری بستاند" قائل کافر نہ ہوگا۔ جب وہ اس قول کو مستحسن نہ سمجھے، اور اس کی اجازت نہ دے ہاں ظالم کی بددعا اس نیت پر ہو کہ اللہ تعالیٰ اس ظالم سے ایمان کی دولت چھین کر اسے اس کے

ظلم کی سزا دے جبکہ وُہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو ایذا پہنچاتا رہا۔

ف: طاعة فی العبودیة تین قسم ہے:

① مال

② بدن

③ قلب

مال[۱] سے یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اسے خرچ کیا جائے۔

حدیث شریف: جو غازی کو کچھ دے اگرچہ سُوئی کا تاگہ تو اللہ تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے گناہ بخش دے گا اور جو غازی کو ایک درہم بطور امداد و عنایت کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے ستر درجے بہشت میں بلند فرمائے گا۔

حدیثِ معراج: حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ شبِ معراج حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ا… گھوڑا لایا گیا جس کا ایک قدم تا حدِ نگاہ پہنچتا تھا۔ اس شب کو جبریل علیہ السلام آپ کے ساتھ تھے۔ حضور علیہ السلام ایک… ایسی قوم سے گزرے جو کھیتی کاشتے تو فوراً ان کے پیچھے اُگتی جاتی تھی۔ آپ نے جبرائیل علیہ السلام سے ان کے متعلق پوچھا، تو جبریل علیہ السلام نے عرض کی: یہ مجاہد فی سبیل اللہ ہیں، ان کی ہر نیکی ستر سو نیکیوں کے برابر ہے، اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو کچھ خرچ کرو گے اس کا اجر پاؤ گے۔

بدن[۲] سے عبادت یہی ہے کہ اوامر و نواہی و سنن و مستحبات مستحسنہ پر عمل کیا جائے۔

اور قلب[۳] کی عبادت یہی ہے کہ ایمان و صدق اخلاص فی النیة ہو۔

مسئلہ: جب تک قلب کی عبادت نہ ہو بدنی، مالی عبادات بالکل مقبول نہیں جیسے منافقین۔ چونکہ وہ قلبی عبادت سے محروم تھے اس لیے ان کی بدنی و مالی عبادت قبول نہ ہوئی۔

مسئلہ: قلبی عبادت ہو تو بدنی اور مالی عبادت بھی قبول ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مومن کی نیت اس کے عمل سے بلیغ تر ہے۔ قربتِ الٰہی نصیب ہوتی ہی نہیں جب تک ایمان کی حقیقت نصیب نہ ہو اور ایمان جملہ طاعات بدنیہ و مالیہ کے لیے شرط ہے۔

حدیث شریف: مال نہ ہو تو بھی فتنہ ہے اس لیے کہ مال کو ریاء اور منت و اذی کے طور پر خرچ کرنا فتنہ ہے اور اسے روکنا ملامت و ذلالت بلکہ ضلالت ہے۔

حدیث شریف: ہر امت کے لیے فتنہ تھا۔ اس امت کا فتنہ مال ہے۔

ف: جو شے جسے رشد و ہدایت اور دین سے محروم کر دے وہی شے اس کے لیے فتنہ ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی علاقہ کا بادشاہ ہو، اگر وہ بادشاہی اس کے دین کو فائدہ پہنچائے تو وہ بادشاہی اس کے لیے مفید ورنہ فتنہ۔

مثنوی شریف میں ہے،

چیست دنیا از خدا غافل بدن   نے قماش و نقرہ و میزان وزن
مال راکز بہر دین باشی حمول   نعم مال صالح خواندش رسول
آب در کشتی ہلاک کشتی است   آب اندر زیر کشتی پشتی است
چونکہ مال و ملک را از دل براند   زاں سلیماں خویش جز مسکین نخواند

ترجمہ ؛ دنیا خدا سے غافل ہونے کو کہتے ہیں قماش نقرہ و میزان وزن کا نام دنیا نہیں اگر مال دین کی خاطر اٹھا رہا ہے تو بہت خوب ہے ایسے مال کو حضور علیہ السلام نے صالح مال فرمایا ہے پانی کشتی میں جائے تو غرق کر دیتا ہے پانی کشتی کے نیچے ہو تو مدد دیتا ہے۔

حضرت علی و معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کسی عورت سے پوچھا ؛ حضرت علی رضی اللہ عنہ کیسے تھے۔ اس نے عرض کی ؛ وہ ایسے بزرگ تھے جنہیں ملک مال نے غرور میں نہ ڈالا۔

جادو و آسیب اثر نہ کرے گا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ؛ جو مال و دولت سے محبت نہیں کرتا اس پر جادو وغیرہ اثر نہیں کرتے۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے عرض کی ؛ مجھے ایسا عمل بتائیے کہ مجھ پر شیطان کا حملہ نہ ہو سکے۔ آپ نے فرمایا کہ مال اور نامحرم عورتوں سے دور رہ۔ (کذا فی شرح الشہاب)

س

مکن تکیہ بر ملک و جاہ و حشم
کہ پیش از بود است و بعد از توہم

ترجمہ ؛ ملک و جاہ و حشم پر بھروسہ مت کر اس لیے تیرے سے بہت سے لوگ گزرے ہیں اور تیرے بعد بھی بہت سے لوگ آئیں گے۔

وَیَحْلِفُوْنَ اور منافقین قسمیں کھاتے ہیں بِاللّٰہِ یہ یحلفون کے متعلق ہے یا یہ منافقین کا ایک علیحدہ مستقل کلام ہے یعنے بخدا اِنَّھُمْ لَمِنْکُمْ بیشک وہ بھی منجملہ تمہارے سے یعنی مسلمانوں سے ہیں وَمَا ھُمْ مِّنْکُمْ اور ان کے قلبی کفر کی وجہ سے وہ تمہارے سے نہیں ہیں۔ وَلٰکِنَّھُمْ قَوْمٌ یَّفْرَقُوْنَ ○ لیکن وہ قوم ڈرپوک ہے۔ یعنی انہیں خوف ہے کہ تم ان سے وہی حشر کرو جو مشرکین کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے تقیہ[1] کر کے وہ نہ صرف اسلام کا اظہار کرتے ہیں بلکہ جھوٹی قسمیں کھا کر اسلام کے ٹھیکیدار بنتے ہیں۔

---

[1] شیعہ کا تقیہ تو مشہور ہے لیکن دیوبندی جماعت کا خصوصی شعار ہے کہ اہل سنت میں اپنے آپ کو سنی ظاہر کر کے اپنے مذہب کی گاڑی چلاتے ہیں ۱۲

حلِ لغات: یفرقون از فرق نفرح کی طرح ہے یعنی از باب علم بمعنے فَزِعَ اور الفرق بفتحتین بمعنے الفزع۔

لَوْ یَجِدُوْنَ اگر پائیں۔

سوال: مضارع مستقبل بمعنے ماضی کیوں؟

جواب: یہ مضارع لَوْ شرطیہ کی شرط ہے اور قاعدہ ہے کہ جونہی لَو کی شرط ماضی ہو، اور دوسرا قاعدہ ہے کہ مضارع جب ماضی کے معنے میں آئے تو وہاں استمرار مطلوب ہوتا ہے یعنی انہیں ابد' عدم الوجدان دائمی ہے۔

مَلْجَاً جائے پناہ یعنی پہاڑوں یا قلعوں یا جزیروں میں انہیں کوئی ایسا مضبوط اور محفوظ مکان مل جائے جہاں وہ اپنا سر چھپا سکیں اور پناہ گزیں ہو سکیں۔ مَلْجَأٌ بروزن مَفْعَلٌ لَجَاءَ اِلَیْہِ یَلْجَأُ ای اِنْضَمَّ اِلَیْہِ لِیَتَحَصَّنَ بِہٖ" یعنی فلاں اس جگہ سے ملا تاکہ وہاں محفوظ ہو سکے۔ اَوْ مَغٰرٰتٍ یا انہیں ایسی غاریں مل جائیں جو بلند پہاڑوں میں ہوتی ہیں۔ مغٰرٰت بمعنے غیران یعنی غاریں یا ایسے گڑھے جہاں وہ اپنے آپ کو چھپائیں۔ مغٰرت مغٰرۃ بروزن مفعلۃ کی جمع ہے ہر وہ جگہ جہاں انسان چھپ جائے غیر بمعنے غیبٌ و استتارٌ بمعنے غائب ہو جانا اور چھپ جانا۔ اَوْ مُدَّخَلاً مدخل زمین کے اندر کا گڑھا جیسے کنواں۔ مدخل ہر وہ گڑھا جسے کھود کر اندرونی حصہ کو باہر سے پتھروں کے ساتھ بند کر دیا جائے یا ایسی قوم کی حفاظت کے تحت کسی گڑھے میں گزارنا تاکہ وہ قوم اپنی طاقت کے بل بوتے پر ان کی نگرانی کریں جن کی نگرانی سے انہیں کسی قسم کا بیرونی خطرہ نہ رہے۔ (کذا فی الحدادی) مُدَّخل بروزن مفتعل از دخول یہ دراصل مُدْتَخَلٌ تھا، بقانون معروف مدخل ہوا۔

ف: ابن الشیخ نے فرمایا مغٰرت اور مدخل کا عطف ملجاء پر عطف الخاص علی العام کے قبیل سے ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ وہ لوگ ایسی جگہوں میں چھپ کر محفوظ ہو جاتے تھے۔

اس لیے کہ الملجاء بھی ہر اس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں انسان پناہ گزیں ہو تو پھر وہ ہر طرح کے بیرونی خطرہ سے محفوظ ہو جائے۔ لَوَلَّوْا البتہ منہ پھیریں گے اور متوجہ ہوں گے اِلَیْہِ اسی کی طرف یعنی مذکورہ بالا ہر سہ مقامات میں سے کسی ایک کی طرف وَھُمْ یَجْمَحُوْنَ ○ درانحالیکہ وہ دوڑتے ہوں ایسی جگہوں کی طرف تیز رفتار گھوڑے کی طرح ایسے دوڑ کر جائیں کہ انہیں کوئی روک نہ سکے صرف اسی خوف سے کہ انہیں تمہارے ساتھ مل جل کر وقت گزارنے کا موقعہ نہ ملے اور تم سے بہت دور جا کر بسیں۔

حلِ لغات: یَجْمَحُوْنَ از الجموح بمعنے النفور باسراع تیزی سے بھاگنا، مثلاً کہا جاتا ہے الفرس الجموح، ہر اس تیز رفتار گھوڑے کو کہا جاتا ہے کہ جب تک لگام سے اسے نہ روکا جائے وہ کہیں رکنے کا نام تک نہ لے۔

اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ منافقین اگرچہ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تمہارے ساتھ ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ اس دعویٰ میں جھوٹے ہیں اور ان کا قسمیں کھا کر اعتبار دلانا بھی سراسر جھوٹ اور فریب ہے اور وہ صرف اسی طمع پر کہ وہ قتل سے بچ جائیں اس لیے وہ جنگ پہ نہ جانے کی معذرت کرتے ہیں تاکہ وہ بجائے تمہارے ساتھ جانے کے گھر پہ رہ جائیں اور

وہ بھی اس لیے کہ انہیں سوائے اپنے گھروں کے اور کوئی جگہ نظر نہیں آتی ورنہ اگر انہیں پہاڑوں کی بلندیوں پر کوئی جائے پناہ یا پہاڑوں کے اندر غاریں یا زمین کے کوئی ایسے گہرے گڑھے مل جائیں جہاں وہ اپنا سر چھپا سکیں تو وہ ایسی تدبیروں کو کر ڈالتے لیکن انہیں ایسی جگہیں نہیں ملتیں اس لیے مجبور ہو کر تمہارے ساتھ گزارہ کر رہے ہیں ورنہ تم انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتے اور چاہتے ہیں کہ تم انہیں لمحہ بھر بھی نظر نہ آؤ۔

ف : آیت ہ سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اہلِ اسلام سے بہت زیادہ دشمنی رکھتے تھے اور سرتاپا اُن کے بُغض سے پُر تھے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ منافق کا مخلص کے ساتھ گزارہ مشکل ہوتا ہے بلکہ وہ اپنے ہم جنس کی طرف جھکاؤ رکھتا ہے۔

حکایت

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے گلستان میں لکھا ہے کہ طوطی کو کوّے کے ساتھ ایک پنجرے میں بند کر دیا گیا طوطی کوّے کو دیکھ کر کہتی تھی:

ایں چہ طلعت مکروہست و ہیأۃ ممقوت و منظر ملعون و شمائل ناموزوں یا غراب البین یا لیت بینی و بینک بعد المشرقین۔

ترجمہ: یہ کیسی بُری شکل اور نظارہ قبیح اور منظر ملعون اور عادتیں گندی ہیں۔ اے کوّے! کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق و مغرب کا فاصلہ ہوتا۔

سہ

علی الصباح بروئے تو کہ برخیزد صباح روز سلامت برومسا باشد
بداخترے چو تو در صحبت تو بایستی وے چنانکہ تو در جہاں کجا باشد

ترجمہ: صبح کو جس کی تیرے اوپر نگاہ پڑے گی اس کا سارا دن پریشانی سے گزرے گا، کوئی بدبخت تیرا ساتھی ہوتا لیکن جہان میں تیرے جیسا منحوس کون ہوگا۔

جس طرح طوطی کوّے سے نالاں تھی کوّا بھی طوطی کی صحبت سے خوش نہیں تھا وہ بھی جوابی طور پر کہتا تھا:

ایں چہ بدبخت نگونست و طالع دوں و ایّام بوقلموں لائق قدر من آنستی کہ با زاغے در دیوار باغے خراماں ہمی رفتے۔

ترجمہ: یہ کیسا بدبخت اور بُری شکل اور دور کی خرابی کا ملا ہے میرے لائق تو یہ تھا کہ میرے ساتھ دوسرا کوّا ہوتا اور ہم دونوں خراماں باغ میں چلتے۔

سہ

پارسا را بس ایں قدر زنداں
کہ بود ہم طویلۂ زنداں۔

ترجمہ: نیک کے لیے اتنی قید کافی ہے کہ اسے کمینوں کے ساتھ جوڑ بنایا جائے۔

کوے نے پھر کہا:

"تا چہ گنہ کردہ ام روزگارم بعقوبت آں در سلک صحبت چنیں ابلہ خودرائے و ناجنس و بافذاری و بچنیں بند بلا کردہ است۔

ترجمہ: میں نے کون سا گناہ کیا ہے کہ مجھے سزا کے طور پر ایسے بیوقوف، متکبر اور ناجنس اور بیہودہ گو کے قید میں پھنسا دیا گیا ہے۔

کس نیاید بپائے دیوارے   کہ بران صورتت نگار کنند
گر ترا در بہشت باشد جائے   دیگراں دوزخ اختیار کنند

ترجمہ: کوئی بھی ایسی دیوار کے قریب نہیں آئے گا جس پر اس جیسے کمینے کی تصویر ہو گی۔ اگر تیرے جیسے بہشت میں چلے گئے تو دوسرے دوزخ کو جانا پسند کریں گے!

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہم نے یہ مثال اس لیے بیان کی ہے کہ جس طرح دانا کو نادان سے نفرت ہے ایسے ہی نادان کو دانا سے وحشت ہے اس لیے ایک عربی مقولہ مشہور ہے "اضیق السجون معاشرۃ الاضداد"۔ تنگ ترین وہ جیل خانہ ہے جہاں غیر جنس کے ساتھ گزارہ ہو۔

حکایت

اصمعی کہتے ہیں کہ میں خلیل نحوی کے ہاں حاضر ہوا وہ چھوٹی سی چٹائی پر بیٹھے تھے، مجھے بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں نے کہا: جگہ تنگ ہے آپ کو تکلیف ہو گی۔ انہوں نے فرمایا کہ تمام دنیا دو مبغوضوں کے لیے تنگ ہے لیکن دو دوستوں کے لیے صرف ایک بالشت بھی وسیع تر از روئے زمین ہے۔ اسی طرح ایک مشہور عربی مقولہ ہے: الصدیق الموافق خیر من الشفیق المخالف۔ دوست موافق شفیق مخالف سے بہتر ہے۔

سبق: دانا وہ ہے جو آفاق و انفس کی بقدر امکان رعایت کرتا اور ظاہر و باطن کی اصلاح میں ہر لحظہ لگا رہتا اور دشمنوں سے دور بھاگتا ہے اگرچہ وہ اسے سو بار بھروسہ دیں کہ ہم تمہارے بھائی ہیں منجملہ اعداد کے انسان کا ایک دشمن نفس اور اس کی صفات ہیں اور یہ انسان کو تسلی دلاتی ہیں کہ وہ روح و قلب اور سر اور ان کے طریقوں پر ہے حالانکہ یہ سراسر اس کا جھوٹ ہے اس لیے کہ نفس وغیرہ عالم خلق سے ہیں اور وہ عالم امر و ارواح سے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ عالم اشباح یعنی نفس کی اصلاح کی جائے اور اس کے اندر جتنا رذیل اور ردی اخلاق ہیں انہیں زائل کیا جائے تاکہ وہ روح کی صحبت کے لائق ہو اور اسے انواع ذوق و فتوح کا ذائقہ نصیب ہو۔

وَمِنْهُمْ اور بعض منافقین میں سے مَّنْ يَّلْمِزُكَ وہ ہیں جو آپ پر عیب لگاتے ہیں اس لیے کہ لمز اور ھمز بمعنے عیب۔ لامز، ھامز اور لماز، ھماز اور ھمزۃ بمعنے عیاب۔ بعض کے نزدیک لامز وہ ہے جو منہ پر عیب ظاہر کر دے اور ہامز وہ ہے جو لِپِ پشت عیب بیان کرے۔ فِي الصَّدَقٰتِ صدقات کے متعلق ہے یعنی آپ جب زکوٰۃ کی تقسیم کرتے ہیں تو منافق آپ کی بدگوئی کرتے ہیں الصدقٰت صدقۃ کی جمع ہے۔ صدق سے مشتق ہے عطیہ کو صدقہ کہہ کر اس سے ثواب مراد لیا جاتا ہے اس لیے کہ اسی سے بندے نے صداقت فی العبودیت کا اظہار کیا ہے۔ (کذا فی الکرمانی)

شان نزول یہ آیت ابی جواظ منافق کے حق میں نازل ہوئی۔ اس نے کہا کہ نبی علیہ السلام کو دیکھو وہ چرواہوں کو بکریاں تقسیم کر کے سمجھتے ہیں کہ اس نبی علیہ السلام نے عدل وانصاف کیا۔

فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا ان کی بدگوئی کا بیان ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ ان کا مقصد صرف حصولِ دنیا ہے اور بس۔ اور انہیں صرف اسی کی حرص ہے کہ اگر انہیں دنیوی مال انہی کی منشاء و مراد پر عطا ہو رَضُوْا تو اس عطیہ سے خوش ہوتے ہیں اور اس طرح کی تقسیم پر راضی ہو کر اس کی بہت بڑی تعریف کرتے ہیں وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اور اگر انہیں ان کی منشاء و مراد کی مقدار سے کم ملے اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ○ تو اچانک ناراض ہوتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اگر انہیں کچھ نہ ملے تو انہیں اچانک غصہ آجاتا ہے، وہ اپنی فطرت کے خلاف فوراً لڑائی جھگڑے پہ تُل جاتے ہیں صرف دُنیا کی محبت اور حرص کی وجہ سے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ صوفیاءِ کرام کے نزدیک "نفاق" "تزیین الظاهر بارکان الاسلام وتعطیل الباطن عن انوار الایمان (ظاہر کو ارکانِ اسلام سے سنوارنے اور باطن کو انوارِ ایمان سے بیکار چھوڑ دینے کو کہتے ہیں اور قاعدہ ہے کہ جس کا قلب انوارِ ایمان سے بیکار ہو دنیا کی محبت کے ساتھ کفر سے مزین ہوتا ہے، ایسا انسان دنیا ہو تو خوش نہ ہو تو رنج ہوتا ہے۔

شیخ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

نکند دوست زینہار از دوست   دل نہادم بر انچہ خاطر اوست
گر بلطفم بنزد خود خواند   ور بقہرم براند و واند

ترجمہ: دوست سے دوست پناہ نہیں مانگتا، میں نے تیری رائے پر چلنا ہے اگر لطف سے بلاؤ تو کرم، اگر دھتے دے دے تو بھی منظور۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ اور اگر وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کے عطیات سے راضی ہوں یعنی جو کچھ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرمائیں اسے خوشی سے لے لیں اگرچہ تھوڑا ہی ہو۔

ف: اللہ تعالیٰ نے اپنا نام تبرکاً لیا ہے ورنہ غنائم کا دینا لینا بظاہر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تھا۔ اس میں لطیف اشارہ ہے کہ رسول اللہ کا دینا درحقیقت اللہ تعالیٰ کا دینا ہے کیونکہ وہ جو کچھ دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی رضا سے[1] دیتے ہیں فلہذا ان پر کسی قسم کا اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔

---

[1] اس میں ایک طرف پرویزیوں کا رد ہے دوسری طرف وہابیوں، دیوبندیوں، مودودیوں کا، جو رسول علیہ السلام کو بے اختیار مانتے ہیں۔ ١٢

وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ اور کہیں ہمیں اللہ تعالیٰ کا فضل کافی ہے جو کچھ اس نے ہمارے لیے کیا ہے وہ ہمیں منظور ہے اس لیے جو کچھ اس کی عنایات ہو رہی ہیں وہ اس کی اپنی مہربانی اور اس کا فضل وکرم ہے اس میں ہمارے کسب کو دخل ہو یا نہ سَیُؤْتِیْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ہمیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اور عطیات سے نوازے گا ان عطیات سے مزید جو ابھی ہمیں عطا ہوئے وَرَسُوْلُهٗۤ اور اس کے رسول کی طرف سے عنایات ہوں گی اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ۝ بے شک ہم اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت کرنے والے ہیں اسی لیے وہ ہمیں اپنے فضل وکرم سے ہر ضرورت سے مستغنی بنا دیگا۔

یہ آیت شرط کے قایم مقام ہے اور اس کا جواب محذوف ہے جو کہ لکان خیراً لہم ہے وہ اس لیے کہ جزاء کا محذوف ہونا ظاہر ہے اسے ہر طرح سے سمجھا جا سکتا ہے وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم پہ راضی ہونا موجب صد برکات اور اس سے غصہ کا اظہار باعثِ صد نحوسات ہے۔

فائدہ روحانی: حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی رہتا ہے وہ ہر رنج وغم اور حزن وملال سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ ؎

رضا بداده بده وز جبیں گره بکشا
کہ بر من و تو در اختیار نکشاد است

ترجمہ: محبوب کے لیے رضا و تسلیم کا سر جھکا اور پیشانی سے گرہ ہٹا اس لیے کہ ہمارے لیے کوئی اختیار نہیں رکھ گیا۔

اسی کے مطابق کسی نے فرمایا: ؎

بشنو ایں نکتہ کہ خود را زغم آزادہ کنی
خون خوری گر طلب روزی ننہادہ کنی

ترجمہ: میرے سے یہ نکتہ یاد رکھ کہ غم سے آزاد ہو ورنہ خون پیتا رہے گا اگر روزی کی فکر کی۔

مقولہ عجیبہ "اذا کان القدر حقا کان السخط حمقا" جب عقیدہ ہو کہ تقدیر حق ہے تو پھر اس سے رنج ہونا حماقت ہے۔

حکایت حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نابینا ہونے کے بعد مکہ معظمہ میں تشریف لائے تو آپ سے لوگوں نے کہا: آپ مستجاب الدعوۃ ہیں، اپنی بینائی کے لیے دعا فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے سامنے سر جھکانا مجھے بینائی سے زیادہ محبوب ہے۔

ف: کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ انسان پیدائش کے وقت انگلیاں بند کرتا اور موت کے وقت کیوں کھول دیتا ہے؟ اس کے جواب میں انہوں نے یہ اشعار پڑھے: ؎

و مقبوض کف المرء عند ولادة   دلیل علی الحرص المرکب فی الحی
ومبسوط کف المرء عند وفاتہ   یقول انی خرجت بلا شئے

ترجمہ: بچہ پیدائش کے وقت ہاتھ بند کیے ہوتا ہے اس طرف اشارہ ہوتا ہے کہ زندگی حرص و ہوا کا گھر ہے اور مرتے وقت ہتھیلی کھول کر بزبان حال کہتا ہے کہ میں دنیا سے خالی ہاتھ جا رہا ہوں۔

حکایت ایک نباش نے حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ کے ہاتھ پر توبہ کی۔ آپ نے اس سے توبہ کا سبب پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ میں نے ہزاروں قبریں کھودیں سب کے چہرے قبلہ سے پھرے ہوئے تھے سوائے دو بزرگوں کے۔ حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ نے فرمایا: وہ مسکین جنہیں رزق نے تنگ کر رکھا ہوگا وہ رزق کے پیچھے پڑے رہے انہیں قبلہ سے منہ پھیرنا پڑا۔

سبق: عاقل وہ ہے جو اللہ تعالیٰ پر توکل اور اس کے وعدے پر بھروسہ کرتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو کافی ہے اور یہ کہ مجھے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے عنایت فرمائے گا جس کی مجھے دین و دنیا میں ضرورت ہوگی وہی پورا کرے گا۔ ہم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں نہ ہمیں دنیا کی رغبت ہے نہ عقبیٰ کی اور نہ ہی ان دونوں کی نعمتوں کی۔

حکایت حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک ایسی قوم سے گزرے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مصروف تھی۔ آپ نے اس قوم کے افراد سے پوچھا: تم کیوں ذکر میں مصروف ہو؟ انہوں نے کہا کہ ثواب کی خاطر۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: بہت خوب۔ پھر ایک اور قوم پر آپ کا گزر ہوا۔ تو آپ نے ان سے پوچھا کہ تم ذکر میں کیوں مصروف ہو؟ انہوں نے جواب دیا: عذاب الٰہی کے خوف سے۔ آپ نے فرمایا: خوب۔ ایک تیسری قوم سے گزرے تو ان سے ذکر کی وجہ دریافت کی۔ انہوں نے کہا: نہ ہمیں ثواب کی خواہش ہے نہ عذاب کا خوف بلکہ ہم ذکر سے اپنی عبودیت کی ذلت اور اپنے رب کی ربوبیت کی عزت کا اظہار کرتے ہیں اور ذکرِ الٰہی سے زبان کو اور معرفتِ الٰہی سے قلب کو شرف دے رہے ہیں یہی الفاظ جو ہماری زبان پر ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی صفات قدسیہ اور اس کی عزت پر دلالت کرتے ہیں اسی لئے ہم اس کا نام لیتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: حقیقی ذکر کرنے والے صرف تمہی ہو۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے اسی کی ترجمانی کی ہے:

پدرم روضہ جنت بدو گندم بفروخت
ناخلف باشم اگر من بجوے نفروشم

ترجمہ: میرے ابا آدم نے دو دانے گندم کے عوض بہشت بیچ ڈالی میں نااہل بیٹا ہوں گا اگر اسے ایک جو کے بدلے نہ بیچوں۔

إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا

زکوٰۃ تو انہیں لوگوں کے لیے ہے محتاج اور نرے نادار

وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ

اور جو اسے تحصیل کر کے لائیں اور جن کے دلوں کو اسلام سے الفت دی جائے اور گردنیں چھڑانے میں

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

اور قرضداروں کو اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کو یہ ٹھہرایا ہوا ہے اللہ کا اور اللہ علم و حکمت

حَكِيْمٌ ⦗٦٠⦘ وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ

والا ہے اور ان میں کوئی وہ ہیں کہ ان غیب کی خبریں دینے والے کو ستاتے ہیں اور کہتے ہیں وہ تو

اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ

کان ہیں تم فرماؤ تمہارے بھلے کے لیے کان ہیں اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور مسلمانوں کی بات پر یقین کرتے ہیں

وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ

اور جو تم میں مسلمان ہیں ان کے واسطے رحمت ہیں اور جو رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں ان کے لیے

اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ⦗٦١⦘ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ

دردناک عذاب ہے تمہارے سامنے اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ تمہیں راضی کر لیں

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ⦗٦٢⦘

اور اللہ و رسول کا حق زائد تھا کہ اسے راضی کرتے اگر ایمان رکھتے تھے

اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ

کیا انہیں خبر نہیں کہ جو خلاف کرے اللہ اور اس کے رسول کا تو اس کے لیے جہنم کی

جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ⦗٦٣⦘ يَحْذَرُ

آگ ہے کہ ہمیشہ اس میں رہے گا یہی بڑی رسوائی ہے منافق ڈرتے ہیں

الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ

کہ ان پر کوئی سورت ایسی اترے جو ان کے دلوں کی

قُلُوْبِهِمْ ۭ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾

ہیں، جتادے تم فرماؤ ہنسے جاؤ اللہ کو ضرور ظاہر کرنا ہے جس کا تمہیں ڈر ہے

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ۭ قُلْ اَبِا

اور اے محبوب! اگر تم ان سے پوچھو تو کہیں گے ہم تو یونہی ہنسی کھیل میں تھے تم فرماؤ

للّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا

کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنستے ہو بہانے نہ بناؤ

قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ۭ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَاۗىِٕفَةٍ مِّنْكُمْ

تم کافر ہو چکے مسلمان ہو کر اگر ہم تم میں سے کسی کو معاف کریں

نُعَذِّبْ طَاۗىِٕفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۶۶﴾ ع

تو اوروں کو عذاب دیں گے اس لیے کہ وہ مجرم تھے

تفسیر عالمانہ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ بیشک صدقات۔ اس سے زکوٰۃ کے جمیع انواع مختلفہ مراد ہیں، سونا چاندی ہو یا جانور وغیرہ۔ اور زکوٰۃ کو صدقہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ بندے کی صداقت فی العبودیۃ پر دلالت کرتی ہے۔ (کذا فی الکافی)

اور الازاہیر میں ہے کہ اس کی ترکیب قوۃ فی الشئی قولاً وفعلاً پر دال ہے اور اس کی قوت کی ایک دلیل یہ ہے کہ صدقہ سے بلائیں رد ہوتی ہیں۔ بعض لوگوں نے اس کی وجہ تسمیہ میں کہا ہے کہ ہر وہ پہلا عمل جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ جمع کرنے پر مقرر فرمایا وہ بنی صدق (بکسر الدال) کے قبیلہ سے تھا اور کندہ قوم کا ایک قبیلہ ہے اس قبیلہ کے منسوب کو صدقی (بالفتح) کہا جاتا ہے اسی قبیلہ کی مناسبت سے اسے صدقہ سے تعبیر کیا جانے لگا۔ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ مخصوص ہیں فقراء ومساکین اور ان کے بعد مذکور ہونے والے جملہ افراد کے لیے ان کے سوا باقی کسی منافق وغیرہ کو نہ دیے جائیں۔ "الفقیر" شریعت کی اصطلاح میں ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو نصاب سے کم مال کا مالک ہو۔ اور المسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ یہی قول حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ بعض نے ان کی مذکورہ بالا تعریف کے برعکس کہا ہے۔ اس کا فائدہ اس وقت ظاہر ہوگا جب کوئی مرتے وقت فقیر ومسکین کے لیے وصیت کرے (تفصیل کتب فقہ میں ہے)، وَالْعٰمِلِيْنَ

عَلَيۡهَا اور صدقہ (زکوٰۃ وغیرہ) جمع کرنے والوں کے لیے۔

مسئلہ: زکوٰۃ جمع کرنے والے کو اس کی کارروائی کے مطابق زکوٰۃ سے حصہ دیا جائے خواہ وہ بذاتِ خود غنی ہو یا فقیر یا ہاشمی۔

مسئلہ: اگر زکوٰۃ جمع کرنے والا زکوٰۃ کا جمع کردہ مال ضایع کر دے تو اسے کچھ نہ دیا جائے۔

مسئلہ: اگر زکوٰۃ دہندہ اپنی زکوٰۃ امام (خلیفہ شرعی) کے ہاں خود پہنچا دے تو اس سے عامل کو حصہ نہیں دیا جائے گا۔

مسئلہ: تبیین میں ہے کہ اگر عامل کی مزدوری سالم جمع کردہ زکوٰۃ کو پہنچتی ہے تو ایسی صورت میں عامل کو جمع کردہ زکوٰۃ سے آدھا حصہ دیا جائے اس موقعہ پر اس کے لیے انصاف کا یہی تقاضا ہے۔

وَالۡمُؤَلَّفَةِ قُلُوۡبُهُمۡ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو عرب میں بڑے جتھہ دار تھے ان کے بکثرت تبعین تھے، ان کے تبعین اہلِ اسلام اور کافر ہر دو طرح کے تھے لیکن چونکہ ان کی اسلام کے خلاف آواز دب چکی تھی اور اسلام کی شان و شوکت سے مرعوب ہو چکے تھے اس لیے اسلام قبول کر لیا لیکن نہ بطور منافقت بلکہ بطور صداقت مگر ان میں جاہلیت اور کفر کے اثرات باقی تھے جس کی وجہ سے وہ دنیا و دولت کی طرف جھکاؤ رکھتے تھے اس لیے ان کے اسلام کو مضبوط کرنے کے لیے مخصوص مدت تک انہیں زکوٰۃ وغیرہ دینے کا حکم تھا تاکہ انہیں اسلام سے مزید محبت و عقیدت ہو یا کسی غلطی سے کسی وقت اسلام کے خلاف آواز نہ اٹھا سکیں۔ وَفِي الرِّقَابِ اور گردنیں آزاد کرنے کے لیے۔ مثلاً غلام نے مکاتبت کے پیسے ادا کرنے ہیں تو اسے آزاد کرانے کے لیے زکوٰۃ کی رقم دی جائے اس سے یہ مال مکاتب کو بحیثیت غلام ہونے کے نہ دیا جائے اس لیے کہ خدانخواستہ اگر آزاد نہ ہو سکے تو یہ مال تو اس کے مولیٰ کا ہوگا اور مولیٰ زکوٰۃ کا مستحق نہیں۔ اسی طرح مدیون کے قرضہ کی ادائیگی کی حیثیت ہے کہ وہ بھی مال قرضدار کے ہاں چلا جائے گا اس لیے مدیون کی ذات کی حیثیت کو مدِنظر رکھ کر اسے زکوٰۃ نہ دی جائے بلکہ اس کے قرضہ کی ادائیگی کی حیثیت کو مدِنظر رکھا جائے اس لیے آیت میں للفقراء کے بعد ان چاروں اخیر والوں میں لام نہیں بلکہ فقط فی داخل کیا گیا ہے تاکہ اشارہ ہو کہ زکوٰۃ کا استحقاق ان چاروں کی ذوات کو نہیں بلکہ ان کی جہت استحقاق کو ہے، مثلاً غلام کو غلامی سے آزاد کرانا اور مدیون کو اُن کے قرضہ کی ذمہ داری سے چھڑانا۔ اسی طرح مجاہد کی جہاد کی غرض پوری کرنا اور مسافر کی قطع مسافت کی ضرورت پوری کرنا بخلاف پہلے چاروں کے کہ ان کی ذات کو ذاتی استحقاق حاصل ہے بہرحال دوسرے چاروں میں فی سببیہ ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے "عذب فلان فی سرقۃ لقمۃ" فلاں کو ایک لقمہ کی چوری سے سزا دی گئی یعنی فی سرقۃ لقمۃ یعنی بسبب سرقۃ لقمہ۔

مسئلہ: مکاتب سے بھی غیر کا مراد ہے اگرچہ وہ غنی ہو ایسے مکاتب کی مکاتبت میں زکوٰۃ کا مال دینا جائز ہے تاکہ وہ مکاتب اپنی جان رہا کرا سکے۔

ف: الرقاب الرقبۃ کی جمع ہے بمعنے گردن۔ عرف میں جملہ جسم۔ شرع میں مملوک (غلام یا لونڈی) کو کہا جاتا ہے۔

وَالۡغَارِمِيۡنَ اور قرضداروں کے لیے۔ اس سے وہ قرضدار مراد ہیں جو جائز ضروریات کے لیے قرضہ اٹھاتے ہیں۔

گناہوں کے ارتکاب کے قرضدار مراد نہیں ہیں اور وُہ بھی جن کے ہاں نصاب کامل کی مقدار مال نہ ہو۔

ف : الغارم و الغریم ایک ہیں یعنی ہر وہ شخص جس کا کسی پر قرضہ ہو لیکن آیت میں وہ شخص مراد ہے جس پر کسی کا قرضہ ہو۔

ف : مدیون دو قسم کے ہیں :

○ مباح امور کے لیے قرضہ اٹھانے والے کو ادائیگیِ قرض کے لیے زکوٰۃ دینا جائز ہے، لیکن نہ اتنا کہ اس کی ادائیگی قرض کے بعد اس کے پاس کچھ نقد بچ جائے۔

○ لوگوں کی اصلاح اور کارِ خیر میں خرچ کرتا ہو اسے زکوٰۃ دینا جائز ہے اگرچہ وہ شخص خود بھی مالدار ہو۔ یعنی ایسے شخص کی قرض کی ادائیگی جائز ہے۔

مسئلہ : جو معصیت اور غلط کاریوں کے لیے قرض اٹھا تا رہا ہے، تو ایسے شخص کی ادائیگیِ قرض میں زکوٰۃ دینا ناجائز ہے۔

ف : حضرت مجاہد نے فرمایا کہ غارم وہ ہے جس کا گھر آگ سے جل جائے یا سیلاب سے بہہ جائے یا عیال داری کی وجہ سے قرضہ اٹھائے۔

وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں۔ امام ابو یوسف کے نزدیک اس سے فقرا غازی مراد ہیں۔ یعنی وُہ لوگ جو جنگ پہ جانا تو چاہتے ہیں لیکن فقیری اور تنگ دستی کی وجہ سے لشکرِ اسلام کے ساتھ نہیں جا سکتے یا خرچ کی کمی سے یا سواری کے نہ ہونے سے یا کسی اور وجہ سے۔ ایسے غازیوں کو بھی زکوٰۃ وغیرہ دینا جائز ہے اگرچہ وہ کمائی کر سکتے ہیں اگر ہم انہیں زکوٰۃ کا مال نہ دیں گے اور وہ کمائی میں لگ جائیں تو جنگ میں شریک نہیں ہو سکیں گے۔

ف : لفظ سبیل اگرچہ عام ہے کہ ہر طاعت الٰہی کو سبیل کہا جا سکتا ہے۔ لیکن اب خاص اس عبادت کو کہا جائے گا جو جنگ سے متعلق ہے جب مطلقاً مستعمل ہو گا تو اس سے جنگ مراد ہو گی۔

ف : فی سبیل اللہ سے امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ حاجی مراد لیتے ہیں۔

وَابْنِ السَّبِیْلِ ط اور وہ مسافر جو اپنے علاقہ سے بہت بعید ہو اور اس کے پاس مال و دولت بھی نہ ہو اور اسے ابن السبیل اس کے سفر کے لزوم کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔

مسئلہ : جو شخص مباح سفر طے کرنا چاہتا ہے لیکن اس کے پاس اتنی رقم نہیں کہ وہ سفر طے کر کے منزلِ مقصود تک پہنچ سکے ایسے مسافر کو زکوٰۃ وغیرہ دینا جائز ہے۔ اس کے گھر یا جس شہر میں پہنچنا چاہتا ہے، مال ہو یا نہ ہو۔

مسئلہ : اسی طرح وہ شخص جس کا مال دوسرے علاقہ میں ہے اور خود گھر میں مقیم ہے اب وہاں تک پہنچنے یا دیگر ضروریات پیش ہوں تو ایسے شخص کو زکوٰۃ کا مال دینا جائز ہے۔

مسئلہ : کسی کا کسی دوسرے پر قرض ہے اور مقروض اس کا اقرار بھی کرتا ہے لیکن ادا نہیں کرتا اور اسے ضروریاتِ سفر درپیش ہوں تو اسے زکوٰۃ دینا جائز ہے بشرطیکہ اس کے پاس یا گھر پر اور کوئی مال نہ ہو۔ (کذا فی المحیط)

فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ یہ مصدر ہے جیسا کہ آیت کا ابتداء دلالت کرتا ہے اس لیے کہ "انما الصدقٰت للفقراء" بمنزلہ "فرض اللہ لھم الصدقٰت فریضۃً" کے ہے۔ کاشفی نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ ان تمام لوگوں کے لیے ہمارے اوپر اپنی طرف سے زکوٰۃ فرض فرماتا ہے۔ **وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ** اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے احوال اور ان کے استحقاق کے مراتب خوب جانتا ہے **حَكِيْمٌ**○ حکیم ہے اور جملہ نیک امور اپنی حکمت کے تقاضا پر سرانجام دیتا ہے منجملہ ان کے حقوق مذکورہ ان کے مستحقین کو دینا۔

سہ

حق تعالیٰ چوں در قسمت کشاد ہر کسے را ہر چہ می بائست داد
نیست واقع اندراں قسمت غلط بندہ را خواہی رضا خواہی سخط

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کی قسمت خود لکھی ہے اس کی تقسیم غلط نہیں، چاہے بندہ خوش ہو یا ناخوش۔

مسئلہ: مؤلفۃ قلوبھم کا حصۂ زکوٰۃ باجماعِ صحابہ ساقط ہے وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو شوکت و کثرت بخشی ہے اور اسلام کو عزت ملی اور کلمۂ الٰہی بلند ہوا تو اب کسی کو تالیفِ قلب کی ضرورت نہ رہی۔ چنانچہ حضرت عمر، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں فرمایا کہ اسلام کو ضرورت نہیں کہ رشوت دے کر اس کا کام چلایا جائے۔ اے مرتدو! رشوت کے بغیر اسلام پر ثابت قدم رہ سکتے ہو تو الحمد للہ، ورنہ ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار ہے۔ اس معنے پر زکوٰۃ کے مصارف باقی صرف سات ہیں۔

مسئلہ: زکوٰۃ دینے والا چاہے تمام اقسام کے افراد کو دے یا کسی ایک قسم کے متعدد افراد کو یا صرف ایک فرد کو دے دے جائز ہے۔ اس لیے کہ للفقراء کی لام مصارفِ زکوٰۃ کے بیان کے لیے ہے کہ زکوٰۃ ان مصارف کے سوا کسی اور جگہ پر نہ خرچ کی جائے۔ جیسے ہم کہتے ہیں خلافۃ بنی عباس یا میراث فلاں لقرابتہ۔ اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ خلافت بنو عباس سے خارج نہ ہوگی اور میراث فلاں کی قرابت سے ہے۔ جیسے یہاں عدم خروج مطلوب ہے ویسے وہاں۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ اس مصرف میں وہ سب برابر ہیں جیسے میراث و خلافت میں برابر نہیں ایسے ہی یہاں۔

ف: للفقراء کی لام تخصیص کی ہے تملیک کی نہیں اس لیے کہ تملیک المجہول شرعاً ناجائز ہے۔

مسئلہ: ہمارے مشایخ نے فرمایا کہ مثلاً کوئی ایک روپیہ زکوٰۃ دینا چاہتا ہے تو وہ کسی ایک مستحق فقیر کو دے دے، ایسا نہ کرے کہ اس روپے کے سو پیسے کر کے یک صد مساکین کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ (کذا فی المحیط)

مسئلہ: صدقۂ فطر میں بھی ایسا ہی کرے کہ اپنا اور اپنے اہل و عیال کا فطرانہ ایک ہی فقیر یا مسکین کو دے دے، جیسے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کیا۔ (کذا فی التمرتاشی)

مسئلہ: بمقدار نصاب ایک ہی فقیر غیر مدیون یا مسکین غیر مدیون کو دینا مکروہ ہے۔ ہاں اگر وہ فقیر یا مسکین قرضدار یا صاحبِ عیال ہے یا ان کو علیحدہ علیحدہ اتنا دے کہ وہ مال ملایا جائے تو نصاب کی مقدار ہو جانے (اگرچہ یہ مال ایک گھر بہ جائے) تو بھی جائز ہے۔ (کذا فی الاشباہ)

ف : مکروہ کا مطلب فقہ کی اصطلاح میں یہ ہوتا ہے کہ وہ فعل مع کراہت جائز ہے۔ مثلاً فقیر غیر مدیون کو زکوٰۃ بمقدار نصاب بیک وقت دینا جائز ہے اس لیے کہ وہ مالِ زکوٰۃ فقیر کو دیا گیا ہے اور زکوٰۃ کے لیے بھی یہی شرط تھی کہ وہ فقیر کو مالِ زکوٰۃ کا مالک بنا دیا جائے اور بوقتِ ادائیگیِ زکوٰۃ وہ شرط موجود ہے اس لیے کہ قبل از تملیکِ مال وہ شخص فقیر تھا اگرچہ تملیک کے بعد غنی ہو گیا ہے تو تملیک کے بعد کا غنی ہونا ہمارے لیے مضر نہیں۔ اور مکروہ اس لیے ہے کہ ایک فقیر کو بیک وقت دولت مند بنا دیا گیا، اس سے وہ اچھا تھا کہ کئی فقراء کی تنگدستی دور کی جاتی۔

مسئلہ : فقیر کو اتنا مالِ زکوٰۃ دینا مستحب ہے کہ اسی روز اپنی ضرورت کا سوال نہ کرتا پھرے۔

حدیث شریف : حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ فقراء کو سوال کی ذلت سے مستغنی کرو اس لیے کہ سوال ذلت ہے اور مسلمان کو ذلت کے وقوع سے بچانا ضروری ہے۔

مسئلہ : جس کے پاس ایک دن کی ضرورت کا اسباب موجود ہے اسے اس سے زاید کا سوال نہ کرنا چاہیے اس لیے کہ سوال ذلت ہے اور مسلمان کو چاہیے کہ اپنے آپ کو ذلت سے بچائے۔ علاوہ ازیں بلا ضرورت سوال کرنا حرج کشی ہے، اور اپنے آپ کو حرج میں ڈالنا حرام ہے۔

ف : اگرچہ اوصاف مذکورہ میں مسلم و کافر دونوں شامل ہیں لیکن زکوٰۃ صرف مسلمان کو دینا جائز اور کافر کو دینا ناجائز ہے بہ تخصیص احادیث سے ثابت ہے۔

مسئلہ : بے نمازی کو زکوٰۃ نہ دینا چاہیے، ہاں دینا جائز ہے لیکن گناہ گار ہے۔ (کذا قال ابو حفص)

مسئلہ : صدقہ وخیرات اور زکوٰۃ عالم فقیر محتاج کو دینا افضل ہے بہ نسبت فقیر جاہل کے۔

مسئلہ : نفلی صدقات مذکورہ اوصاف والوں کے مسلم اور ذمی کے علاوہ مساجد اور پلیں بنانا، میت کو کفنانا اور اس کا قرض وغیرہ ادا کرنا جائز ہے۔ اسی طرح دیگر مصارف، اس لیے کہ صدقات نافلہ میں تملیک شرط نہیں ہے۔

حیلہ شرعیہ : اگر ان پر زکوٰۃ کا مال خرچ کرنا چاہے تو زکوٰۃ کا مال کسی فقیر کی تملیک کر دے اور اسے کہے کہ اسے مسجد کی تعمیر وغیرہ پر خرچ کر دے، اس میں دونوں ثواب کے مستحق ہوں گے یعنی زکوٰۃ دہندہ اور فقیر۔

مسئلہ : اگر کسی زندہ فقیر کا قرضہ اپنی زکوٰۃ سے اتار دے تو اس کی دو صورتیں ہیں :

۱۔ فقیر مدیون نے حکم دیا ہے تو اس کے حکم سے قرضہ میں دی تو یہ جائز ہے اس لیے کہ فقیر کے حکم سے زکوٰۃ قرض لینے والا فقیر کا حکماً وکیل ہوگا اور وکیل کا قبضہ درحقیقت مؤکل کا قبضہ ہوتا ہے۔

۲۔ اگر فقیر کے حکم کے بغیر اس کے قرضہ میں زکوٰۃ دی تو یہ ادائیگی تبرعاً نوافل میں داخل ہوگی، زکوٰۃ کے لیے اور رقم فقیر کی تملیک کرے۔

مسئلہ : مجنون اور صبی غیر مراہق کو زکوٰۃ دینا ناجائز ہے۔ ہاں اگر ان کی طرف سے ان کا وہ متولی قبضہ کرے جو ان کے

مال قبضہ کرنے کا حق رکھتا ہے مثلاً باپ یا وصی وغیرہ وغیرہ۔

مسئلہ: مراہق عاقل (صبی) کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ (کذا فی المحیط)

ف: مجمع الفتاوٰی میں ہے کہ بیت المال میں چار طرح کا مال جمع ہوتا ہے:

١۔ زکوٰۃ اور اس کے متعلقات، ان کا مصرف وہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے انما الصدقات للفقراء (الآیہ) میں بیان فرمایا۔

٢۔ مالِ غنیمت، اس کا مصرف یتامٰی، مساکین اور ابن السبیل ہیں۔

٣۔ جزیہ وخراج، اس کا مصرف اہلِ اسلام اور دار الاسلام کی ضروریات، جیسے سرحدوں کی نگرانی اور جنگی ہتھیار و اسباب وغیرہ اور جنگیوں کے مصارف وغیرہ وغیرہ جزیہ وخراج کو امن طریق پلوں کی اصلاح اور ان کی تعمیرات اور نہروں کی کھدائی اور حکام و قضاۃ، ملازمین، ائمہ وخطباء، مؤذنین، محتسبین، مفتیوں اور معلموں کی تنخواہوں پر خرچ کیا جا سکتا ہے۔

٤۔ میت کا وہ ترکہ جس کا کوئی وارث نہ ہو، اسی طرح زوج زوجہ کا بقایا جبکہ ان کا سوائے ان کے اور کوئی وارث نہ ہو۔ اس کا مصرف مریضوں کی ضروریات اور ان کی ادویہ پر کرنا جبکہ وہ عاجز اور فقیر ہوں۔ اسی طرح ایسے غرباء و مساکین پر، جو کمائی نہ کر سکتے ہوں۔

تفسیر صوفیانہ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ الخ یعنی اللہ تعالیٰ کے صدقات۔ ان صدقات سے مراد وہ ہے جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دن اور رات کی ہر گھڑی میں اللہ تعالیٰ کا صدقہ مقرر ہے جو اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے خرچ کرتا ہے **الفقراء** سے صوفیاء کے نزدیک وہ حضرات مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات کی وجہ سے مستغنی اور فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی:

الفقراء الصبر ھم جلساء اللہ۔ فقراء صبر گزار ہی اللہ تعالیٰ کے جلیس (ہمنشیں) ہیں۔

کا بھی یہی مطلب اور مقصد ہے۔ حضرت الواسطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

الفقیر لا یحتاج الی اللہ۔ فقیر اللہ تعالیٰ کا محتاج نہیں۔

یعنی چونکہ وہ مستغنی باللہ ہے۔ اور جو جس کی وجہ سے غنی ہو وہ اس کا محتاج نہیں ہوتا جبکہ وہ خود اسے احتیاج تک نوبت پہنچنے نہیں دیتا۔ **المساکین** اس سے وہ حضرات مراد ہیں جنہیں اوصاف الوجود سے بقایا نصیب ہوا۔ ایسے حضرات کے لیے بحرِ طلب میں قلب کی کشتی ہے جسے محبت کے خضر نے توڑا، اس لیے کہ ان کے پیچھے ان کا وہ بادشاہ تھا جو ہر کشتی صحیح سالم کو چھین لیتا تھا۔ **العاملین** سے وہ حضرات مراد ہیں جو صاحب العمل ہیں، یعنی الفقراء والمساکین صاحب الاحوال تھے اور یہ صاحب العمل **المؤلفۃ قلوبھم** سے وہ جن کے دل اللہ تعالیٰ کی تلاش کے لیے چل نکلنے میں ذکرِ حق سے مانوس ہیں، اس لیے کہ یہی حضرات ماسوی اللہ سے بعید ہونے کی وجہ سے قرب الٰہی کے متلاشی رہتے ہیں **وفی الرقاب** یعنی وہ

مکاتب جن کے قلوب موجودات کی غلامی سے آزادی چاہتے ہیں تاکہ فارغ البال ہوکر پوری جدوجہد سے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہوں۔ شرعاً مکاتب وُہ ہے جسے آزاد ہونے پر کچھ رقم اپنے مالک کو دینی ہو **الغارمین** اس سے وُہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے مکونات کے مراتب سے اوصاف وطبائع قرض لیے ایسے لوگ وجود کے قیدخانہ میں اپنے قرضہ جات میں گرفتار رہتے ہیں۔ ایسے لوگ قرضوں کی ادائیگی میں جدوجہد کرتے ہیں ان کی جان رہائی انہی صدقات الٰہیہ مذکورہ سے ہوتی ہے **فی سبیل اللہ** وہ مجاہد مراد ہیں جو جہاد اکبر میں مشغول رہتے ہیں یعنی کفار نفوس و ہوٰی و شیطان اور دنیا سے جہاد کرنے والے **ابن السبیل** وُہ مسافر جو طبیعت و بشریت کے وطن سے دُور ہوکر شریعت وطریقت کے قدموں پر چلتے ہُوئے انبیاء و اولیاء علیہم السلام کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی طرف جانے والے ہیں **فریضۃ من اللہ** یعنی الیسی سیر اور جہاد اکبر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے اوپر فرض ہے اور قرض کی ادائیگی اور موجودات کی قید و بند سے آزاد ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنا اور اسے شریعت کے اعمال میں مشغول رکھنا اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا محتاج بنانا تاکہ اس سے استغناء نصیب ہو۔ یہ امور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر واجب فرمائے ہیں اور یہ صدقات مذکورہ عطایا ربانیہ اور الطاف الٰہیہ ہیں اللہ تعالیٰ نے صرف طالبانِ حق اور صادق القلوب حضرات کے لیے مخصوص فرمائے ہیں اور یہ ایسے صدقات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم پر واجب فرمائے ہیں۔ چنانچہ حدیث قدسی میں ہے کہ جو بندہ مجھے طلب کرتا ہے وہ مجھے ضرور پالیتا ہے **واللہ علیمٌ** اللہ تعالیٰ اپنے طلب گاروں کو جانتا ہے **حکیمٌ** اپنے طلب کے وجدان کی معاونت کی حکمت اسی کو معلوم ہے کہ کسے وجدان کی طلب میں معاونت کرنی ہے اور کسے نہیں۔ جیسے حدیث قدسی میں ہے کہ جو میرے ہاں ایک بالشت چل کر آتا ہے تو میں اس کے لیے ایک ہاتھ چل کر آتا ہوں۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

سبق: سالک پر لازم ہے کہ وہ اوصاف موجودات سے فناء اور کائنات کی قید و بند سے آزادی حاصل کرکے انہی صدقات ونفحات کی طلب کے لیے اپنے آپ کو محتاج بنا کر پیش کرے۔

تفسیر عالمانہ: **وَمِنْهُمُ** اور بعض منافقین وُہ ہیں جیسے جلاس بن سوید اور اس کے ساتھی **الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ** جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دیتے ہیں یعنی ایسی باتیں کرتے ہیں جن سے ایک انسان کو دُکھ پہنچے **وَيَقُوْلُوْنَ** اور کہتے ہیں اس کے جواب میں جو کسی نے کہا کہ ایسی باتیں مت کرو اس لیے کہ یہ باتیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوں گی اور وہ برسر مجلس بیان کریں گے تو تم شرمسار ہوگے تو منافقین اس کے جواب میں کہتے **هُوَ** وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم **اُذُنٌ** ط کان ہیں کہ وہ ہر قسم کی باتیں سُن لیتے ہیں اس لیے ہم جو چاہیں کہتے رہیں گے پھر ان کے ہاں حاضر ہوکر انکار کردیں گے بلکہ حلف اٹھا دیں گے اور وہ ہماری بات کی تصدیق کردیں گے اس لیے کہ محمد اذن سامعة، یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کان ہیں سُننے والے، حضور علیہ السلام کو منافقین نے کان مبالغہ کے طور پر کہا اس لیے کہ

جس طرح کان ہر طرح کی بات سُن لیتا ہے ایسے وہ اس سے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ آپ کو کسی معاملہ کی سمجھ بوجھ نہیں معاذاللہ بھولے بھالے ہیں جب انہیں کوئی ہمارے خلاف بات سنائے گا تو ناراض ہوجائیں گے لیکن جب ہم جاکر قسم کھائیں گے تو ہماری بات مان لیں گے یہ نہیں دیکھیں گے کہ ہم سچی قسمیں کھا رہے ہیں یا جھوٹی۔

ردوہابیہ دیوبندیہ اس سے کسی بیوقوف کا دماغ گواہی دے گا کہ آپ کو منافقین کی اس غلط روی کا علم نہیں تھا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کو ان کی ایسی شرارتوں کا علم تھا لیکن ظاہر نہ کرتے۔ اس کی چند وجوہ تھیں جو صاحبِ روح البیان نے بیان فرمائی ہیں کہ:

لانہ علیہ السلام کان لایواجہم بسوء ماصنعوا ویصفح عنہم حلما وکرما۔	حضور علیہ السلام منافقین کی برائی کا اظہار نہ فرماتے بلکہ ان کے سامنے حوصلہ اور کرم فرمائی سے پیش آتے۔

(روح البیان ص ۹۱۷، ج ۱ مطبوعہ قدیم تحت آیت ہذا)

البتہ آپ کی اس طرز سے لاعلمی کا قول منافقین نے کیا جیسے آج وہابی دیوبندی کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد صاحب روح البیان لکھتے ہیں کہ:

فظن اولئك انہ علیہ السلام انما یفعلہ لقلۃ فطنۃ وقصور شہامۃ۔	ان منافقین نے سمجھ رکھا تھا کہ ہمارے لیے چشم پوشی نہیں بلکہ سرے سے نبی علیہ السلام کو علم نہیں ہوتا۔ (معاذاللہ)

قُلْ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! فرمائیے۔ **اُذُنُ خَیْرٍ لَّکُمْ** وہ خیر کا کان تمہارے لیے ہے یہ اضافۃ الموصوف الی الصفۃ کے قبیل سے ہے جیسے رجل صدق میں اضافۃ الموصوف الی الصفۃ ہے۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ واقعی وہ کان تو ہیں لیکن ان کا ایسا ہونا نہایت ہی بہتر ہے اس لیے کہ جو کسی کا عذر سُن کر قبول نہ کرے۔ لیکن محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ ان کے کریم اور حسن خلق ہونے کی ترجمانی کرتی ہے۔

اہلسنت کا طریقہ آیت میں جس لفظ کو منافقین نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عیب بنا کر پیش کیا بعینہٖ اسی لفظ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت وستائش اور ان کا اعلیٰ وصف ظاہر کرنے کے لیے استعمال کیا[لہ]۔

یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ اذن خیر لکم کی تفسیر ہے، اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں۔ یعنی اپنے دلائل قویہ کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کی ذات کا اقرار کرتے ہیں۔ اسی لیے جو اللہ تعالیٰ کا ہر حکم سُن کر قبول کرتے ہیں اور وہ نہ صرف مخاطبین کے لیے بلکہ جملہ عالمین کیلئے

[لہ] الحمد للہ یہی طریقہ ہم اہلسنت نے اپنایا ہے کہ ہم اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا کو ادائے حق مانتے ہیں بخلاف دیوبندیوں وہابیوں کے کہ حضور علیہ السلام کی ہر اعلیٰ اور بہتر صفت کو گھٹیا طرز میں بیان کرتے ہیں؛ ؏

قسمت اپنی اپنی نصیب اپنا اپنا (اویسی غفرلہٗ)

خیر ہیں جیسا کہ آپ کا خیر ہونا کسی سے مخفی نہیں وَیُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ اور اہل ایمان کے اقوال کو مانتے اور ان کی تصدیق کرتے ہیں جبکہ انہیں یقین ہے کہ اہل ایمان کی ہر بات مبنی بر صدق اور پُر از اخلاص ہوتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ مومن مخلص جس بات کی خبر دے گا وہ حق اور سچ ہوگی جو اسے سن کر قبول کرے گا وہ اذن خیر ہوگا، لام زایدہ ہے تاکہ ایمان معروف (جو کہ دائمی جہنم میں داخل ہونے سے نجات والا اور کفر کا نقیض ہے) اور ایمان لغوی کے درمیان فرق ہو ایمان معروف باء سے متعدی ہوتا ہے۔ مثلاً اٰمن باللّٰہ اور یؤمنون بالغیب اور لغوی ایمان بمعنے تصدیق و تسلیم و قول یہ لام سے متعدی ہوتا ہے مثلاً وما انت بمؤمن لنا ای بمصدق وَرَحْمَةٌ اس کا عطف اذن خیر پر ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمت ہیں اور مصدر مبالغۃً لایا گیا ہے یعنی رحمۃ بمعنے رحیم۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمت ہیں لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ان لوگوں کے لیے جنہوں نے تمہارے میں سے ایمان ظاہر کیا۔ اس سے منافقین مراد ہیں یعنی چونکہ منافقین نے ایمان کا سہارا لیا اس لیے حضور علیہ السلام ان کی بات مان لیتے ہیں لیکن ان کی تصدیق کے طور پر نہیں بلکہ ان پر ایمان کی وجہ سے شفقت کے طور پر اور ان پر رحمت بن کر ان کی شرارتوں کو جاننے کے باوجود ان کے اندرونی امور ظاہر نہیں فرماتے اور نہ ہی ان کے پردے فاش کرتے ہیں۔

کاشفی نے لکھا کہ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم منافقین کے حالات سے بے خبر تھے اور انہیں ان کے سچ اور جھوٹ کا علم نہ تھا بلکہ انہیں منافقین کے تمام حالات معلوم تھے لیکن آپ ان کے ظاہری ایمان کی لاج رکھتے ہوئے ان کی پردہ دری بھی فرمانا نہیں چاہتے تھے بلکہ ان کے ساتھ ہر معاملہ میں نرمی فرماتے (اس سے وہابیوں دیوبندیوں کو سوچنا چاہیے کہ وہ کس دلیل سے باربار کہتے ہیں کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم لاعلمی سے منافقین سے نیک برتاؤ کرتے۔

سبق: ہر مومن پر لازم ہے کہ پردہ پوشی میں حضور نبی علیہ السلام کی سیرت اپنائے۔

وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ اور وہ لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قولاً و فعلاً ایذاء دیتے ہیں۔ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○ ان کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہوگا، بوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایذاء دینے کے۔

ف: اس لیے کہ حضور سرور عالم ان کے لیے رحمت و احسان فرماتے تھے اور وہ بدبخت منافق ان کے عوض انہیں ایذاء دیتے۔ اسی لیے خوانخواروں ظالموں کو دردناک عذاب کا ہونا لازمی امر ہے۔

تفسیر عالمانہ

شانِ نزول: یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ منافقین کی عادت تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل اسلام کی جی بھر بدگوئی کرتے پھر اہل ایمان کے ہاں قسمیں کھا کر معذرتیں کرتے اور انہیں ہر طرح راضی کرنے کی کوشش کرتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں کہ اے مسلمان بھائیو! ہم نے بالکل نہیں کہا جو کچھ تمہیں ہمارے متعلق کہا گیا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن و تشنیع کرتے ہیں سراسر غلط ہے۔ اس پر بڑی بڑی قسمیں کھا جاتے۔ لِیُرْضُوْكُمْ تاکہ وہ تمہیں اس پر راضی کریں وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول

صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ مستحق ہیں کہ انہیں راضی کریں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ منافقین اپنے کفر سے تائب ہوں اور طعن و تشنیع بالکل ترک کردیں اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور غائبانہ ان کے اجلال واکرام اور تعظیم وتکریم میں مبالغہ کریں[1]۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عذر قبول کرلینا یا ان کے عیوب پر پردہ ڈالنا ان کی رضا کی علامت نہیں ہے وہ تو ان کی شانِ رحیمی ہے، منافقین کو چاہیے کہ اگر واقعی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنا چاہتے ہیں تو وہی کریں جو ہم نے اوپر کہا ہے۔

سوال: یرضوہ کی ضمیر واحد کیوں؟

جواب: ۱۔ اس میں اشارہ ہے کہ رضائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی رضائے حق ہے، ان دونوں میں فرق کرنا کسی بد دماغ کا تصور ہوگا اس لیے کہ دونوں آپس میں لازم وملزوم ہیں لہٰذا ایک کے ذکر سے دوسرے کا ذکر لازمی ہوجاتا ہے کیونکہ ان کا آپس میں جدا ہونا ناممکن ہے۔

۲۔ یہ ضمیر صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے اس لیے کہ وہ منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچاتے تھے تو ان کا راضی کرنا بھی ضروری ہے اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی محض تبرکاً ہے۔

۳۔ یہ ضمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے تاکہ معلوم ہو کہ رضائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی رضائے حق ہے۔ اس لیے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے رضائے الٰہی خودبخود معلوم ہوجائے گی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا "واذا دعوا الی اللّٰہ ورسولہ لیحکم بینھم" اور جبکہ اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلائے جاتے ہیں تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مابین فیصلہ فرمائیں اس میں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کا ذکر ہے اس میں بھی یہی تنبیہ مطلوب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہی اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔

۴۔ یہ ضمیر تو دونوں کی طرف راجع ہے لیکن اسے ھذا کے معنی میں استعارہ کیا گیا ہے اور ھذا کا واحد اور متعدد کی طرف اشارہ جائز ہے لیکن اس مشارٌ الیہ کو مذکور کی تاویل میں واحد تصور کیا جاتا ہے جب مشار الیہ متعدد ہو۔

سوال: جب مشار الیہ کو مذکور کی تاویل میں لیا جاتا ہے پھر ضمیر کو ھذا کے معنیٰ میں استعارہ کا کیا معنیٰ؟

جواب: ضمائر کا قاعدہ ہے کہ وہ صرف ذات تک محدود رہتی ہیں انہیں مذکورہ اشیاء کے اوصاف سے کوئی تعلق نہیں ہوتا بخلاف اسم اشارہ کے کہ اس کا تعلق اشیاء مذکورہ کے اوصاف سے ہوتا ہے۔

ف: حدادی نے لکھا کہ اگرچہ نحوی قاعدہ کا تقاضا یہی تھا کہ یرضوہ، یرضوھما ہونا چاہیے لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایسا کنایہ لانا مکروہ ہے جو ایک ہی جنس کے دونوں کو اکٹھا کردے۔

حدیث وحکایت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطیب سے سُنا جس نے خطبہ میں پڑھا، "من یطع اللّٰہ ورسولہ فقد رشد ومن یعصھما فقد غوی۔"

---

[1] اس مبالغہ سے آج بھی وہابی دیوبندی گھبراتے ہیں بلکہ ہم اہلسنت کو نبی علیہ السلام کی جائز تعریف کرنے پر غالی ہونے کا طعنہ دیتے ہیں ۱۲-

حضور علیہ السلام نے فرمایا:

بئس الخطیب انت - تو برا خطیب ہے - تیرے لیے لازم تھا کہ تو کہتا: ومن یعص اللہ ورسولہ - (کذا فی ابکار الافکار)

ف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے اسمِ مبارک کے ساتھ دوسرے کے نام کو جمع کرنے سے کراہت ظاہر فرمائی کہ ایک قسم کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر کو ملایا جائے تاکہ کسی کو برابری کا وہم نہ ہو۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:

متکلم را تا کسے عیب نگیرد سخنش صلاح نپذیرد۔ ؎

مشو غرہ بہ حسن گفتار خویش
بتحسین ناداں و پندار خویش

ترجمہ: متکلم کو جب تک عیب کی نشاندہی نہ کی جائے وہ اصلاح پذیر نہیں ہوتا۔

اپنی اچھی گفتار پہ مغرور نہ ہو جب کہ بیوقوف تیری تعریف کریں یا تمہیں اپنی باتوں پر خوش فہمی ہو۔

حدیث شریف: یوں نہ کہو ماشاء اللہ وشاء فلان۔ اللہ تعالیٰ اور فلاں جو کچھ چاہے گا۔ بلکہ کہو ما شاء اللہ ثم شاء فلان۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ پھر فلاں چاہے گا۔

مسئلہ: خطابی نے فرمایا: اس میں ادب سکھایا گیا ہے اس لیے کہ واو تسویہ و تشریک کا فائدہ دیتی ہے اور ثم عطف مع ترتیب وتراخی کا فائدہ دیتا ہے اس لیے حضور علیہ السلام نے مشیت میں پہلے اللہ تعالیٰ اس کے بعد کسی دوسرے کا نام لینے کا ادب سکھایا ہے۔ اس معنی پر نخعی نے کہا: اعوذ باللہ وبك کہنا مکروہ ہے، ہاں اعوذ باللہ ثم بك بلا کراہت جائز ہے۔ اسی طرح لولا اللہ ثم فلان کہنا جائز ہے اور لولا اللہ وفلان کہنا ناجائز ہے۔

سوال: ومن یطع اللہ ورسولہٗ قرآنی نص یہ کیوں جائز ہے حالانکہ اس میں بھی مذکورہ بالا قاعدہ جاری ہوتا ہے۔

جواب: اللہ تعالیٰ کا ہر حکم بندوں کے لیے عبادت ہے اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم فرمایا ہے یہی وجہ ہے کہ اطاعت رسول بھی درحقیقت عبادت الٰہی ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی درحقیقت اطاعت الٰہی ہے۔

اِنْ کَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ اگر وہ سچے ہیں اظہارِ ایمان میں، تو ان پر فرض ہے کہ طاعتِ رسول بجالائیں اور ایمان میں اخلاص پیدا کریں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنا ضروری اور لازمی ہے۔ اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا کیا انہیں معلوم نہیں یعنی منافقین کو، یہ استفہام توبیخ کے لیے ہے انہیں نبوت کے متعلق عظمت گھٹانے پر جھڑکا گیا ہے باوجودیکہ انہیں اس کی بدانجامی معلوم تھی اَنَّہٗ بیشک شان یہ ہے کہ مَنْ یہ شرطیہ ہے یعنی ہر وہ شخص جو کہ یُّحَادِدِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کرتا ہے اور ان کے متعین کردہ حدود

سے تجاوز کرنا ہے المحادۃ کسی سے جنگ یا کسی کے حکم کے خلاف کرنا کذا فی تاج المصادر مفاعلہ اس کا مادہ الحد بمعنے الطرف والنہایۃ اور چونکہ ہر دو مخالف و معاند اپنے خصم کی حد و طرف کے غیر کی جانب ہوتا ہے۔ بنا بریں اسے "المحادۃ" سے تعبیر کرتے ہیں۔ فَاَنَّ لَهٗ ان کے ہمزہ کو مفتوح پڑھنا چاہیے اس لیے کہ مبتدا اور اس کی خبر محذوف ہے۔ یعنی پس ایسے نالائق کا حق یہ ہے کہ اس کے لیے نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا جہنم کی آگ ہے اور وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ○ وہی دائمی عذاب بہت بڑی ذلت و خواری ہے جس سے انہیں ہمیشہ رسوائی و ندامت نصیب ہوگی۔ یہ تمام خرابی انہیں منافقت کی وجہ سے حاصل ہوئی کہ کھلم کھلا ہر ایک کے سامنے ان کی رسوائی کا اظہار ہوا اور آخرت میں خصوصی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

ف: ہر نبی علیہ السلام اپنے زمانے کے کفار سے ایذاء دیے گئے۔ لیکن کفار نے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء علیہم السلام سے زیادہ ستایا۔ چنانچہ خود فرمایا:

"ما اوذی بعض مثل ما اوذیت۔" جتنی مجھے اذیت دی گئی اتنی اذیت کسی نبی علیہ السلام کو نہیں پہنچی ہوگی۔

نکتہ: چونکہ ایذاء سے تصفیۂ قلب ہوتا ہے اس لیے انبیاء علیہم السلام کو اذیتیں پہنچنا لازمی امر تھا۔ (اس سے وہابیوں دیوبندیوں کا اعتراض اٹھ گیا کہ انبیاء علیہم السلام کو کچھ اختیار ہوتا تو اپنے دشمنوں سے کیوں مار کھاتے) (معاذ اللہ)

سوال: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم طائف کے موقع پر مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے تو آپ پر ایک منافق نے بے انصافی کا الزام لگایا۔ آپ نے منافق سے اتنا فرمایا کہ "اللہ جل شانہٗ اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بڑھ کر کون انصاف کر سکتا ہے"۔ اس کے بعد فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ میرے بھائی موسیٰ علیہ السلام پر رحمتیں نازل فرمائے وہ میرے سے زیادہ ایذاء دیے گئے۔ لیکن انہوں نے صبر سے کام لیا۔" اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام سے ایسی ایذاؤں کے صبر میں موسیٰ علیہ السلام کو فوقیت حاصل تھی اور اوپر کی حدیث سے حضور علیہ السلام اپنی فوقیت کا اظہار فرما رہے ہیں۔

جواب: موسیٰ علیہ السلام کو ایک واقعہ کے بعد فوقیت کا اظہار فرمایا ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ ایک واقعہ کی فوقیت کلی فوقیت سے ترجیح نہیں پاتی۔ اور حدیث اول میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضور علیہ السلام پر کفار کی اذیتیں مجموعی طور پر تمام انبیاء علیہم السلام کی اذیتوں سے زاید تھیں[1]۔

ف: جب انبیاء علیہم السلام کی اذیتیں تصفیۂ قلوب کا سبب ہیں تو اولیائے کرام کے لیے بطریق اولیٰ تصفیۂ قلوب ہوں اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام کے قلوب انور، اطہر، اصفی ہوتے ہیں انہیں اتنی ضرورت نہیں ہوتی جس قدر حضرات اولیاء کرام کو تصفیہ کی حاجت ہوتی ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام پر تقدس اغلب اور ان کے بواطن و اسرار اصفیٰ ہوتے ہیں بخلاف اولیاء کرام

---

[1] یہی جواب دیوبندیوں وہابیوں کے ان اعتراضات پر صادق آتا ہے کہ وہ نبی علیہ السلام کے علمِ غیب اور نفی اختیار میں جزئیات و واقعات کا سہارا لیتے ہیں اور ہم بفضلہ تعالیٰ آیات و احادیث کلی طور پر پیش کرتے ہیں۔

کے کہ ان میں انبیاء علیہم السلام کے درجات کہاں۔ بنابریں انہیں کبھی کسی شہادت سے، کبھی شہر نکالی سے، کبھی کسی مصیبت سے تکلیف میں مبتلا کیا جاتا ہے۔

تکلیف میں مبتلا کیا جاتا ہے۔

مختار کل اور جواب وہابیت دیوبندیت

وہابی دیوبندی ہمیشہ کہا کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کو اگر اختیار رہتا تو اپنے نواسوں کو بچا لیتے۔ اس کے متعلق صاحبِ روح البیان پہلے جواب دے گئے ہیں؛

وانما کان الحسن مسموما والحسین مذبوحا رضی	حضرت حسن کی زہر خوری اور حضرت حسین کی شہادت میں کمال تھا
اللہ عنہما بسبب ان کمال تعینہما کان بالشہادۃ	اور حضور علیہ السلام ان کے معاملات کو جانتے اور قدرت
وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قادرا علی	رکھتے تھے کہ وہ ان کو اللہ تعالیٰ سے شفاعت کرکے بچا لیتے
تخلیصہما بالشفاعۃ من اللہ تعالیٰ ولکنہ رای	لیکن چونکہ ان کا کمال اسی میں تھا اس لیے آپ نے
کمالہما فی مرتبتہما راجحا علی الخلاص۔	شفاعت نہ کی۔

(روح البیان ج ۱ ص ۹۱۸ مطبوعہ مصر قدیم تحت آیت ہذا)

اور یہ بھی (وہابیہ دیوبندیہ) کہا کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو حسنین رضی اللہ عنہما کا علم بھی نہ تھا۔ اس کا جواب بھی صاحبِ روح البیان عنایت فرماتے ہیں کہ؛

حتی انہ علیہ السلام دفع قارورتین لواحدۃ	یہاں تک کہ آپ نے اپنی بعض ازواج مطہرات کو دو شیشیاں
من الازواج المطہرۃ وقال اذا اصفرما	عنایت فرمائیں اور فرمایا جب ان میں ایک زرد ہو جائے
فی احدہما یکون الحسن شہیدا بالسم	تو سمجھنا کہ حسن کو زہر دی گئی۔ اور جب دوسری سُرخ ہو جائے
واذا احمرما فی الاخری یکون الحسین شہیدا	تو یقین کرنا کہ حسین کی شہادت ہوگئی کہ ان کی گردن اتار
بالذبح فکان کذلک۔ (ایضاً ج ۱، ص ۹۱۸)	لی گئی۔

سبق؛ عاقل پر اطاعت و تسلیم لازمی ہے اور اس پر یہ بھی ضروری ہے کہ ہر کم بخت منافق کی باتوں سے حوصلہ کرے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت ہر متقی مومن کے ساتھ ہے وہ جہاں بھی ہو جب اللہ تعالیٰ ہر وقت اس کے ساتھ ہے اور اس کے ساتھ ہے اور اس کے ہر دُکھ اور درد کو کھولنے والا ہے تو پھر کیوں نہ عاشقِ صادق پر ہر مصیبت اور بلا آسان ہو بلکہ اس کے لیے وہ مصائب و مشکلات راحت و سرور اور کیف و مستی کا موجب بنیں گے۔ مثنوی شریف میں ہے؎

ہر کجا باشد شہ ما را بساط ہست صحرا گر بود سم الخیاط
ہر کجا کہ یوسفے باشد چو ماہ جنت است ار چہ باشد قعرِ چاہ

ترجمہ؛ جہاں بادشاہ کی اقامت گاہ ہو وہ خوش منظر میدان ہوگا اگرچہ بظاہر جنگل یا تنگ جگہ جہاں یوسف علیہ السلام تشریف رکھتے ہوں وہ جگہ بہشت ہوگی اگرچہ کنویں کا گڑھا ہو۔

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ منافقوں کو خطرہ ہے کہ اہلِ ایمان پر نازل ہو جائے **سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ**

ایسی سورۃ کہ انہیں باخبر کرے۔ بِمَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اس سے جو ان کے دلوں میں ہے یعنی منافقین کے دلوں میں جو شرک و نفاق ہے جس سے انہیں سخت شرمندگی اٹھانی پڑے اور ان کے پردے فاش ہو جائیں۔ اس جملہ میں پہلے ھُمْ ضمیر اہلِ اسلام کے لیے اور پچھلا منافقین کے لیے ہے۔

سوال: اس طرح سے انتشار الضمائر لازم آتا ہے اور نحویوں کے نزدیک مکروہ ہے۔

جواب: انتشار الضمائر اس وقت مکروہ ہے جب معاملہ مبہم ہو۔ اور جب معاملہ اظہر من الشمس ہو تو پھر کسی قسم کی کراہت نہیں۔

ف: بعض مفسرین نے تمام ضمائر منافقین کی طرف لوٹائے ہیں اب معنیٰ یہ ہوگا کہ منافقوں کو خطرہ رہتا ہے کہ ان کے متعلق کوئی ایسی سورۃ نہ نازل ہو جائے جو ان کے اندرونی حالات کو عوام کے سامنے کھول دے۔

سوال: سورۃ تنبئھم کی ضمیر اگر منافقین کی جانب لوٹائی جائے تو معنیٰ نہیں بنتا اس لیے کہ وہ سورۃ منافقین کو کیا خبر دے گی جبکہ وہ خود پہلے سے باخبر ہیں کیونکہ ان کا اپنا اندرونی معاملہ ان کو معلوم ہونا لازمی امر ہے۔ اس طرح سے یہ ضمیر خواہ مخواہ ہی اہلِ ایمان کی طرف راجع ہو تب معنیٰ صحیح ہوگا۔ پھر جب معنیٰ صحیح ہوگا تو وہی خرابی لازم آئے گی یعنی انتشار الضمائر۔

جواب: منافقین کو معلوم کرا دینے کا یہ معنیٰ نہیں کہ انہیں معلوم نہیں بلکہ معنیٰ یہ ہے کہ ان کے حالات آیت اور سورۃ کے بیان کرنے سے عوام میں پھیل جائیں گے۔ پھر وہ عوام سے اپنے حالات وغیرہ سنیں گے تو گویا وہ اپنے حالات ابھی سُن رہے ہیں ان کا اپنا علم سابق کالعدم قرار دیا گیا ہے۔

سوال: منافقین کو سورۃ کے نزول سے خطرہ کیوں جبکہ ان کا عقیدہ تھا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہی نہیں اور نہ ہی ان پر کوئی وحی نازل ہوتی ہے۔

جواب ۱: منافقین میں بعض افراد ایسے بھی تھے جنہیں نبی علیہ السلام کی نبوت کا یقین تھا لیکن عناداً یا کفار کی خوشامد کے طور پر آپ کی نبوت کا اقرار (تصدیق) نہیں کرتے تھے اور کفار کے سامنے تحقیقی طور پر کفر و شرک کا ارتکاب کرتے ان میں بعض ایسے بھی تھے جنہیں حضور علیہ السلام کی نبوت پر شک اور تردد تھا اور شک کرنے والا اور متردد کبھی ایسی باتوں سے گھبراتا ہے کہ ممکن ہے ان پر وحی کا نزول ہو جائے کہ جس سے ان کی منافقت کا پردہ چاک ہو اور وہ عوام کے سامنے شرمسار ہوں۔

جواب ۲: ابو مسلم نے فرمایا کہ وہ اس گھبراہٹ کا اظہار بطور استہزاء کرتے تھے اس لیے کہ جونہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسی بات سنتے جو آپ فرماتے کہ یہ حکم وحی الٰہی ہے تو وہ استہزاء یعنی ٹھٹھا مخول کے طور پر آپس میں کہتے کہ یارو! ڈرو شاید محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی ایسی وحی نازل ہو جائے جس سے ہمیں شرمساری اور رسوائی اٹھانی پڑے۔ اس لیے انہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلِ اسْتَهْزِءُوْا اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! انہیں فرمایئے کہ ٹھٹھا مخول کر لو۔ یہ امر تہدیدی ہے یعنی بیشک ٹھٹھا کرو، لیکن اس کی سزا کے لیے بھی تیار ہو جاؤ اور وہ سزا یہی ہے کہ تم عوام کے سامنے شرمسار اور رسوا ہو گے۔ اِنَّ اللّٰهَ

مُخْرِجٌ بےشک اللہ تعالیٰ نکالے گا یعنی قوۃ سے فعل کی طرف یا تم سے ظہور کی طرف مَّا تَحْذَرُوْنَ ○ جس سے تم ڈرتے ہو۔ مثلاً سورۃ کا انزال وغیرہ یا وہ تمہارے عیوب جن کا اظہار تم نہیں چاہتے جیسے تمہاری منافقت وغیرہ۔ اس بناء پر اس سورۃ کا نام "الفاضحہ" ہے اس لیے کہ اس کے مضامین سے منافقین کو سخت رُسوائی اور شرمساری ہوئی اور اس کا نام "الحافرہ" بھی ہے اس لیے کہ اس نے منافقین کے دلوں کے بھید کھود کر باہر پھینک مارے وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ اگر ان سے ان باتوں کے متعلق پوچھو جو بطور ٹھٹھا مخول کہا کرتے تھے لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ تو کہیں گے بیشک ہم دل لگی کرتے تھے۔ جیسے سوار راستہ طے کرنے کے لیے ایک دوسرے سے دل لگی کرتے ہیں وَنَلْعَبُ ط اور ہم ہنسی مذاق کرتے تھے جیسے بچے ایکدوسرے سے ہنسی مذاق کرتے ہیں۔

شانِ نزول

غزوۂ تبوک میں جاتے ہوئے منافقین کے تین نفروں میں سے دو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت تمسخراً کہتے تھے کہ ان کا خیال ہے کہ یہ روم پر غالب آجائیں گے اور ایک نفر بولتا تو نہ تھا مگر ان باتوں کو سُن کر ہنستا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو طلب فرما کر ارشاد فرمایا کہ تم ایسا ایسا کہہ رہے تھے انہوں نے کہا ہم راستہ کاٹنے کے لیے ہنسی کھیل کے طور پر دل لگی کی باتیں کر رہے تھے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور ان کا یہ عذر و حیلہ قبول نہ کیا گیا اور ان کے لیے یہ فرمایا گیا جو آگے ارشاد ہوتا ہے۔

ان باتوں سے نہ ہمیں آپ کی خفت مطلوب تھی اور نہ ہی آپ کے صحابہ کرام کی بدگوئی مقصود تھی جب انہوں نے سراسر ایسی باتوں کا انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ قُلْ فرمائیے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! انہیں جھڑک دے کر فرمائیے اب ان کے کسی عذر کو نہ مانیئے اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ○ اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ٹھٹھا مخول کرتے ہو۔ مستهزأ به کو صرف تقریر کے بعد لانے میں اشارہ ہے کہ ان سے لازماً استہزاء واقع ہوچکا اور تستهزئ بالله اور ابالله تستهزئ میں اس لیے فرق کیا گیا ہے کہ پہلے جملے میں استہزاء کے ملابست کا انکار ہے دُوسرے جملے میں استہزاء فی اللہ کے ایقاع کا انکار ہے لَا تَعْتَذِرُوْا اعتذار میں مشغول نہ ہو جاؤ اس لیے کہ تمہارا معاملہ معلوم الکذب اور بیّن البطلان ہے۔

حل لغات: الاعتذار بمعنے محو اثر الذنب یعنی گناہ کے اثر مٹانے کو اعتذار کہا جاتا ہے۔ تبیان میں ہے کہ الاعتذار دراصل القطع کو کہتے ہیں مثلاً کہا جاتا ہے اعتذرت الیہ قطعت ما فی قلبه من الموجدة یعنی اس کے دل پر جو میری وجہ سے اثر تھا اسے میں نے کاٹ ڈالا۔

قَدْ كَفَرْتُمْ بےشک تم کافر ہوگئے اس کفر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء اور ان پر طعن و تشنیع مراد ہے

• اس آیت سے ثابت ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کفر ہے جس طرح بھی ہو اس کا عذر قبول نہیں۔

بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ تمہارے ایمان لانے کے بعد یعنی ایمان ظاہر کرنے کے بعد۔

سوال: تم نے ایمان کی تاویل اظہارِ ایمان سے کیوں کیا؟

جواب: ظاہر ہے کہ منافقین کسی حد تک مومن نہیں تھے وہ صرف ایمان ظاہر کرتے تھے اب ان کے اظہارِ ایمان کا بھانڈا پھوٹا اسی لیے ہم نے اسے اظہارِ ایمان سے تعبیر کیا ہے۔

اِنْ نَّعْفُ اگر ہم معاف فرما دیں **عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ** تمہارے ایک گروہ کو ان کی توبہ و اخلاص یا اذیت استہزا سے بچنے کی وجہ سے **نُعَذِّبْ طَآئِفَةً بِاَنَّهُمْ** ہم دوسرے گروہ کو عذاب دیں اس سبب سے کہ بیشک وہ **كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ○** مجرم تھے یعنی اپنے جرم پر اصرار کرنے والے تھے اور توبہ کا نام تک نہ لیتے یا جرم کا ارتکاب کر کے جرائم و قصور سے بچنے کا نام تک نہ لیتے۔

فائدہ: جب منافقین کی منافقت کھل گئی تو لوگوں نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ انہیں قتل کرا دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ ان سے اللہ تعالیٰ خود بدلہ لے گا انہیں کچھ نہیں کہنا تاکہ اہلِ عرب (کفار و مشرکین وغیرہ) کو مشہور کرنے کا موقعہ نہ ملے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھنے والوں کو قتل کرا دیتے ہیں۔

مسائلِ نفیسہ

مسئلہ: منافقین نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ وحی اور آپ کی نبوت پر اعتقاد رکھنے کے باوجود انہیں ایمان نے فائدہ نہ دیا صرف اس لیے کہ ان کے قلوب نبی علیہ السلام کے اعزاز و اکرام سے یکسر خالی تھے۔

مسئلہ: خوف و خطر سے تقدیرِ ربانی نہیں ٹلتی جیسا کہ منافقین نے جونہی خوف کھایا کہ ان کے خلاف کوئی آیت نہ نازل ہو لیکن ان کی اندرونی خباثتوں سے نہ صرف ایک بلکہ متعدد آیات نازل ہوئیں۔

حدیث شریف: حضور علیہ السلام نے فرمایا: کسی کی کوشش کام نہیں آتی جب تقدیرِ ربانی کا نزول ہو جائے۔

مسئلہ: جو شخص اگرچہ عقیدہ رکھتا ہو کہ اس کا تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان ہے لیکن صرف اتنا کہہ دینے سے کافر ہو جاتا ہے کہ نہ معلوم آدم علیہ السلام نبی تھے یا نہ۔ (یعنی کسی بھی نبی علیہ السلام کی معمولی گستاخی اور بے ادبی [illegible]

قادیانی (احمدی) کافر ہیں جو شخص عقیدہ رکھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خاتم الرسل نہیں ہیں یعنی ان کی ختمِ نبوت کے متعلق تردد کرے اور شک کرے کہ ان کا دین قیامت تک تمام ادیان کا ناسخ ہے ایسا عقیدہ رکھنے والا کبھی مومن نہیں ہو سکتا۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم کسی سبب کا محتاج نہیں وہ بلا سبب بھی ہوتا ہے اور قہر و غضب نازل نہیں ہوتا جب تک کوئی سبب نہ ہو۔ کما قال بانهم كانوا مجرمين۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

چونکہ بد کردی بترس ایمن مباش زانکہ تخم است و برویاند خداش

چندگاہے او بپوشاند کہ تا　　آیدت زاں بد پشیمان و حیا
بار با پوشد پے اظہار فضل　　باز گیرد از پے اظہار عدل
تا کہ ایں ہر دو صفت ظاہر شود　　آں مبشر گردد ایں منذر شود

ترجمہ: تمہارے سے جب غلطی ہو تو خدا سے ڈرو اور بے غم نہ ہو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ وہی پیدا کرے گا جیسے [illegible] وہ تیرے گناہ اس لیے چھپاتا ہے کہ کہیں تم حیا کر کے تائب ہو جاؤ۔ جب تم ڈرو گے اور تائب ہو گئے تو تمہارے لیے فضل رب مبشر ہو گا اگر خوف نہ کرو گے تو عدل الٰہی تیرے لیے منذر ہو گا۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کی آیات سے ٹھٹھا مخول کرنا کفر ہے۔

ف: بطور حقارت کسی کے عیوب قولاً فعلاً بیان کرنے کو شرعاً و عرفاً استہزاء کہا جاتا ہے کبھی اشارہ و ایماءً بھی استہزاء ہوتا ہے اور کبھی اس کے کلام پر بھی استہزاء کیا جاتا ہے جب اس کے کلام میں خبط ہو یا کلام میں غلط بیانی کرے اور کبھی اس کی صنعت (کام وغیرہ) پر بھی استہزاء کیا جاتا ہے بہر حال اور بہر صورت استہزاء بالاجماع حرام ہے۔ بعض کے نزدیک یہ کبیرہ گناہ ہے جیسا کہ انہوں نے اپنی منظومہ میں لکھا کہ کبائر ستر ہیں منجملہ ان کے استہزاء بھی ہے کما قال: ؎

ویل لمن من الانام یسخر
مقامه یوم الجزاء سقر

ترجمہ: اسے بڑی خرابی ہے جو لوگوں پر ہنستا ہے اور قیامت میں اس کی جگہ جہنم ہے۔

ف: یہی عام استہزاء گناہ کبیرہ نبوت اور الوہیت و ولایت اور آیات قرآنیہ سے تو کفر ہے۔

حدیث شریف: استہزاء کرنے والوں کے لیے بہشت کا دروازہ کھول کر کہا جائے گا کہ آؤ اس میں داخل ہو جاؤ۔ جب وہ اس دروازے کے قریب آئیں گے تو دروازہ بند کر کے کہا جائے گا فلاں دوسرے دروازے سے جاؤ۔ وہاں بھی غم اور درد لیکر پہنچیں گے تو وہ دروازہ بھی بند کر دیا جائے گا۔ اسی طرح متعدد بار ہو گا جب وہ تنگ آ جائیں گے آخر میں بہشت کے کسی بھی دروازے سے بلایا جائے گا تو نا امیدی کی وجہ سے نہیں جائیں گے۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان تین بزرگوں سے ٹھٹھا مخول صرف منافق کرتا ہے۔
۱۔ سفید ریش　　۲۔ عالم دین　　۳۔ امام عادل ذیک الفر،
(کذا فی الترغیب والترہیب)

دورِ حاضرہ کے نامہذب مغربیت زدہ مسلمان

مسلمان جملہ صورتوں پر دیوبندی وہابی مودودی اپنی تحریروں پر غور کریں کیا انہوں نے اپنی تحریروں میں انبیاء و اولیاء بالخصوص حضور علیہ السلام پر تو استہزاء نہیں کیا۔

فائدہ: ان تینوں کی تخصیص اس لیے ہے کہ یہ اوصاف درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ہیں اگرچہ ایک انسان سے استہزاء کیا جا رہا ہے لیکن درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ سے ٹھٹھا مخول ہے سفید ریش سے اس لیے کہ بڑھاپے کو عربی میں کبر السن کہا جاتا ہے اور کبر کبریائی پر دلالت کرتا ہے اور کبریائی اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفت ہے۔ اور عالم دین علم سے موصوف ہے۔ اور امام عادل (نیک دل افسر) عدل سے موصوف ہے۔ اور یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی صفتیں ہیں اس سے نتیجہ نکلا جو شخص ان تینوں بزرگوں کی تعظیم و تکریم کرتا ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی بزرگی اور جلال کے سامنے سر جھکاتا ہے اور جو ان کی تحقیر کرتا ہے وہ دراصل اللہ تعالیٰ کی شان اقدس پر حملہ کرتا ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ذلیل قوم کے اندر عزت والے بزرگ پر اور مفلسوں میں بسر کرنے والے دولت مند پر اور جاہلوں میں عالم دین کے رہائش رکھنے پر رحم کرو اس لیے کہ ان حضرات کی یہ لوگ قدر نہیں جانتے۔ (جیسے آج کل ہو رہا ہے بالخصوص علمائے دین سے کہ انگریزی دان اور دنیادار طبقہ عموماً علماءِ کرام کو نہایت ہی ذلیل انسان سمجھتا ہے)

۵

گفت پیغمبر با ایں سہ گروہ — رحم آرید دستگیر ز کوہ
آنکہ او بعد از عزیزے خوار شد — واں توانگر ہم کہ بے دینار شد
وآں سوم از عالمے کاندر جہاں — مبتلا گردد میان ابلہاں
زانکہ از عزت بخواری آمدن — ہمچو قطع عضو باشد ز بدن

ترجمہ: حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تین شخصوں پر اللہ تعالیٰ کو رحم آتا ہے، ان کی مدد کرو اگرچہ وہ پہاڑوں میں ہوں:

○ بلند مرتبہ کے بعد ذلت و خواری کا شکار ہو جائے۔
○ وہ دولت مند جو گردشِ زمانہ سے تنگدست ہو جائے۔
○ وہ عالم دین جو نا اہل لوگوں میں رہتا ہو اس لیے کہ عزت کے بعد خواری میں ہونا ایسے ہے جیسے کسی زندہ انسان کے جسم سے گوشت کا ٹکڑا کاٹ لیا جائے۔

صحابہ کرام کا ایک دوسرے کا ادب حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سواری پر سوار تھے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریب ہو کر ان کے رکاب کو درست کرنے لگے تو انہوں نے فرمایا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے! ایسا مت کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: اے صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمیں ایسے حکم ہوا ہے کہ ہم بڑوں کا ادب کریں۔ اس کے بعد حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے عرض کی کہ اپنا ہاتھ مبارک دکھائیے۔ انہوں نے ہاتھ باہر کیا تو انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ہاتھ مبارک کو بوسہ دے دیا اور عرض کی کہ ہم بھی ایسے ہی مامور ہوئے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

(باقی صفحہ ۹۳۲

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ

منافق مرد اور منافق عورتیں ایک تھیلی کے چٹے بٹے ہیں برائی کا حکم

بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ

دیں اور بھلائی سے منع کریں اور اپنی مٹھی بند رکھیں

نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَ

وہ اللہ کو چھوڑ بیٹھے تو اللہ نے انہیں چھوڑ دیا بیشک منافق وہی پکے بے حکم ہیں اور

عَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ

اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں کو جہنم کی آگ کا وعدہ دیا ہے

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ

جس میں ہمیشہ رہیں گے وہ انہیں بس ہے اور اللہ کی ان پر لعنت ہے اور ان کے لیے قائم

مُّقِيْمٌ ﴿٦٨﴾ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ

رہنے والا عذاب ہے جیسے وہ جو تم سے پہلے تھے تم سے زور میں بڑھ کر تھے اور ان

اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَا

کے مال اور اولاد تم سے زیادہ تو وہ اپنا حصہ برت گئے تو تم نے اپنا حصہ برتا

قِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ

جیسے اگلے اپنا حصہ برت گئے اور تم بیہودگی

كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ

میں پڑے جیسے وہ پڑے تھے ان کے عمل اکارت گئے دنیا اور

الْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٦٩﴾ اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ

آخرت میں اور وہی لوگ گھاٹے میں ہیں کیا انہیں اپنے سے

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ۵ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ

اگلوں کی خبر نہ آئی نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور ابراہیم کی قوم

وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ط اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِا

اور مدین والے اور وہ بستیاں جو الٹ دی گئیں ان کے رسول روشن دلیلیں ان کے پاس

لْبَيِّنٰتِ ج فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

لائے تھے تو اللہ کی شان نہ تھی کہ ان پر ظلم کرتا بلکہ وہ خود ہی اپنی جانوں

يَظْلِمُوْنَ ﴿٧٠﴾ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ

پر ظلم کرتے تھے اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں

بَعْضٍ م يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ

بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں اور

يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَ

نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیں اور اللہ و رسول کا

رَسُوْلَهٗ ط اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ط اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٧١﴾

حکم مانیں یہ ہیں جن پر عنقریب اللہ رحم کرے گا بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

اللہ نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو باغوں کا وعدہ دیا ہے

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ

جن کے نیچے نہریں رواں ان میں ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ مکانوں کا بسنے کے

عَدْنٍ ط وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ط ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٧٢﴾ ع

باغوں میں اور اللہ کی رضا سب سے بڑی یہی ہے بڑی مراد پانی

٩ ع ٦ ١٥

تفسیر عالمانہ اَلْمُنٰفِقُوْنَ وہ منافق مرد جن کی تعداد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانۂ اقدس میں اس آیت کے نزول کے وقت تین سو تیرہ تھی وَالْمُنٰفِقٰتُ اور منافق عورتیں جن کی تعداد ستر تھی بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ نفاق اور اسلام سے دوری میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں جیسے ایک شخص کے جسم کے کئی اجزا ہوتے ہیں ایسے ہی یہ لوگ بظاہر کئی جسم اور درحقیقت

[illegible] ہیں یَأْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وہ برائی یعنی کفر و معاصی کا حکم دیتے ہیں وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ اور نیکی یعنی ایمان و طاعت سے روکتے ہیں۔ یہ جملہ مستانفہ ہے سابق مضمون کی تاکید کرکے اہل النفاق اور ایمان والوں کی مخالفت اور [illegible] کو واضح کرتا ہے۔ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ اور اپنے ہاتھوں کو اللہ تعالیٰ کے راستہ اور صدقہ اور ہر خیر میں خرچ کرنے سے اپنے ہاتھوں کو روکتے ہیں۔

سوال: قبض الید سے تم نے بخل مراد کیسے لے لیا؟

جواب: اس لیے کہ عموماً قبض الید سے بخل مراد لیا جاتا ہے یا قبض الید سے ہاتھوں کو دعا کے لیے اٹھانا اور مناجاۃ مراد ہے۔ (کذا فی الکاشفی)

نَسُوا اللّٰهَ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا یہاں تک کہ بالکل غافل ہو گئے ملزوم بول کر لازم مراد لیا گیا ہے یعنی نسیان بمعنٰی ترک۔

سوال: نسیان بمعنٰی ترک تم نے کہاں سے لے لیا؟

جواب: چونکہ نسیان افعال غیر اختیاریہ سے ہے [illegible] ان کا یہ فعل اختیاری تھا اس لیے مجازاً نسیان بمعنٰی ترک ہے۔ یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کو ایسے ترک کر دیا گویا وہ ان کے اذہان میں ہے ہی نہیں۔

فائدہ: اگر نسیان اپنے معنٰی میں ہوتا تو ان کی مذمت کیسی جبکہ کسی کی مذمت اس کے اختیاری فعل پر کی جاتی ہے۔

فَنَسِيَهُمْ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں بھلا دیا یعنی اپنے لطف و کرم اور فضل و احسان سے چھوڑ دیا یہاں پر نسیان بمعنٰی ترک قہر و تعذیب مراد نہیں۔

بقیہ صفحہ ٦٣١ سے آگے

اہل بیت سے ایسے ہی کریں۔

مسئلہ: اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم بھی درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے۔

مسئلہ: جس طرح حضور علیہ السلام کی جسمانی اولاد کی تعظیم ضروری اور لازمی ہے ایسے ہی آپ کی معنوی اولاد کی تعظیم بھی فرض ہے اور آپ کی معنوی اولاد وہ حضرات ہیں جنہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال و افعال کی اقتداء کی یعنی علماء باعمل اور مشائخ اہل سنت۔[2] ان کی تعظیم بھی درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے اور ان کی تحقیر و تضحیک دراصل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحقیر و تضحیک ہے۔

---

[1] اہل سنت اولیائے کرام بزرگان اور اہل بیت اطہار کو [illegible] کی محبت [illegible] شیعہ پارٹی نے غلط تاثر دے کر ان کا آپس میں بغض و عداوت ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی [illegible] سے وہابیوں دیوبندیوں [illegible] بزرگان دین کے ہاتھ پاؤں چومنا شرعاً جائز ہے۔

[2] موجودہ دور کے بعض نام و پیر جو شرع مطہرہ کے خلاف عمل کے باوجود ولایت کے مدعی بنتے ہیں۔ ۱۲

سوال: یہاں پر نسیان بمعنے ترک کیوں مراد لیا گیا ہے؟

جواب: چونکہ نسیان کا حقیقی معنی مراد لینا محال ہے اس لیے مجازاً بمعنے ترک استعمال کیا گیا ہے۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ بیشک منافق وہی فاسق یعنی وہ تمرد اور سرکشی میں کامل ہیں اور الفسق بمعنے الخروج عن المطاعۃ ہے یعنی کسی کی طاعت اور ہر خیر سے نکل جانا وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ اللہ تعالیٰ نے منافقین اور منافقات سے وعدہ فرمایا ہے۔

حلِ لغات: الوعد کا اطلاق امورِ خیر پر ہوتا ہے یعنی الاخبار بایصال المنفعۃ قبل وقوعہا۔ منفعت کے وقوع سے قبل اس کے ملنے کی خبر دینا اور اس کا استعمال شر کے لیے بھی ہوتا ہے بمعنے الاخبار بایصال المضرۃ قبل وقوعہا یعنی نقصان کے پہنچنے سے قبل اس کی خبر دینا۔ مثلاً کہا جاتا ہے: وعدتہ خیرا و وعدتہ شرا۔ جب خیر و شر کا اعتبار ساقط ہو جائے تو خیر میں الوعد اور شر میں الایعاد اور الوعید بولتے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے: قد اوعدہ و یوعدہ۔ یعنی اسے عذاب کا ڈرسناتا ہے۔

وَالْكُفَّارَ اور کافروں کو۔

سوال: منافقین بھی تو کافر ہوتے ہیں پھر "الکفار" کیوں مذکور ہوا؟

جواب: چونکہ وہ اپنے کفر کو چھپاتے ہیں اس لیے الکفار علیحدہ مذکور ہوا تاکہ کھلم کھلا کفر کرنے والے بھی اس میں داخل ہوں۔

نَارَ جَهَنَّمَ جہنم کی آگ۔ نار کے اسماء سے ایک جہنم ہے۔ گہرے گڑھے کو جہنم کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اہل زبان برس کنویں کو "بئر جہنام" کہتے ہیں جس کی گہرائی بہت دور تک ہو۔

حدیث شریف: مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سخت ڈراؤنی آواز سنی اتنے میں حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے آپ نے ان سے فرمایا، یہ کیسی آواز تھی؟ انہوں نے عرض کی: یہ اس پتھر کے گرنے کی آواز ہے جو جہنم کے کنارے سے گرا اور آخری سطح پر ستر سال کے بعد پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اس کی آواز آپ کو سنائے۔ یہ وہی آواز تھی۔ اس روز سے تا وصال آپ کبھی منہ بھر کر نہیں ہنسے۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وہ منافقین و کفار اس جہنم میں ہمیشہ رہیں گے یعنی ان کا جہنم میں ہمیشہ داخل رہنا مقدر ہو چکا ہے۔

هِيَ حَسْبُهُمْ یہ انہیں سزا اور عذاب کے لحاظ سے کافی ہے اس لیے کہ اس سے بڑی اور زیادہ اور کوئی سزا اور عذاب ہو سکتا ہے نہ ہو گا۔ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ج اور ان پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے۔ یعنی انہیں اپنی رحمت سے دور کرے اور انہیں ذلیل و خوار کرے۔ اس میں ان کے جہنم کے دائمی عذاب کے علاوہ دیگر ضمنی سزاؤں کا بیان ہے اگرچہ ان کے خلود نار کا عذاب بھی کافی ہے لیکن اس پر مزید عذاب میں مبتلا کیا گیا یعنی لعنت اور اہانت وغیرہ ہیں وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ○ اور ان کے لیے دائمی عذاب ہو گا یعنی ایسا عذاب کہ ان سے کبھی منقطع نہ ہو گا اس سے وہی عذاب مراد ہے جس کا انہیں اللہ تعالیٰ نے وعدہ دیا یعنی نارِ جہنم کا دائمی

عذاب۔ اور یہ اس کی تاکید محض کے لیے مذکور ہوا۔ اس لیے کہ خلود اور دوام کا ایک ہی معنیٰ ہے۔ كَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ ان لوگوں کی طرح جو تمہارے سے پہلے گزرے ہیں یعنی اے منافقو! تم ان لوگوں کی طرح جو امم سابقہ میں سے تمہارے سے پہلے گزرے ہیں كَانُوا أَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وہ جسمانیت اور طاقت وقوت کے لحاظ سے تمہارے سے سخت ترین تھے وَأَكْثَرَ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا ط فَاسْتَمْتَعُوا بِخَلَاقِهِمْ اور اموال واولاد میں تمہارے سے زائد تھے پس تم دنیا میں ان کے نصیب سے نفع اٹھاؤ۔

ف: نصیب کو خلاق سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ خلاق خلق سے مشتق ہے بمعنے التقدیر۔ اور ہر وہ خیر و بھلائی جو بندہ کے لیے مقدر ہوا سے نصیب کہا جاتا ہے۔

فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ کاف محلاً منصوب ہے اس لیے کہ مصدر محذوف کی صفت ہے دراصل استمتاعاً کاستمتاعھم یعنی تم نفع اٹھاؤ ان کے نفع اٹھانے کی طرح۔

سوال: آیت میں تکرار لازم آگیا اس لیے کہ پہلے جملے اور اس کا ایک مقصد ہے۔

جواب: اس میں تکرار نہیں اس لیے کہ فاستمتعوا بخلاقھم میں پہلے لوگوں کی مذمت کی گئی ہے بایں معنیٰ کہ وہ حظوظ فانیہ میں مشغول ہو گئے اور ان کی مذمت مخاطبین کی مذمت کی تمہید تھی اس لیے کہ یہ ان کے نقشِ قدم پر چل گئے اس طرح سے ان کے حال سے مخاطبین کے حال کی تشبیہ دی گئی ہے۔

وَخُضْتُمْ اور تم باطل میں داخل اور شروع ہوئے كَالَّذِي اس فوج کی طرح خَاضُوا جو باطل میں داخل ہوتے۔

یہ بھی جائز ہے کہ الذی دراصل الذین تھا۔ تخفیف کے طور پر نون محذوف ہے أُولَٰئِكَ وہی لوگ جن کے اوصاف مذمومہ اوپر مذکور ہوئے یعنی کفار مخاطبین جو کہ مشبہ اور سابقہ امم جو کہ مشبہ بہ کے صفات ذمیمہ پہلے بیان ہو چکے ہیں وہی۔ یہ خطاب حضور علیہ السلام کو ہے یا ہر اس مخاطب کو جو اس خطاب کے لائق ہے حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ جن کے اعمال گر گئے۔ یعنی وہ لوگ جو اعمال صالحہ کے اجر وثواب کے مستحق تھے اگر ایمان کے ساتھ انفاق فی وجوہ الخیر وصلۃ الرحم و دیگر امورِ خیر بجالاتے لیکن اب سب کے سب ضائع اور باطل ہو گئے۔ ان سے انہیں کسی قسم کا اجر وثواب نصیب نہ ہوگا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ دنیا و آخرت میں۔ آخرت میں انہیں اجر وثواب کا نہ ملنا تو ظاہر ہے اور دنیا میں بایں طور کہ ان کے اعمال کی صحت اور وسعت اور ان کے اجر وثواب کا ترتب جو دنیا میں ہونا تھا وہ ضائع ہو گیا۔ جیسا کہ فرمایا: من کان یرید الحیوۃ الدنیا وزینتھا نوف الیھم اعمالھم فیھا وھم فیھا لا یبخسون۔ اس آیت میں بھی دنیا میں ان کے اعمال کا انہیں اجر وثواب دینا بطور کرامت نہیں بلکہ استدراجاً ہے۔ وَأُولَٰئِكَ اور وہی لوگ جو دارین میں حبوط اعمال سے موصوف ہیں هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝ وہی خسارے والے ہیں یعنی دارین میں حبط اعمال کے لحاظ سے وہی کامل فی الخسران اور خسارے کے جملہ اسباب انہی میں پائے جاتے ہیں اس لیے کہ ان کے اگر صرف نفع ونقصان کے اسباب ضائع ہو جاتے تو بھی ان کے خسارے کے لیے کافی تھا

لیکن ان کے تو راس المال بھی ختم ہو گئے اس لیے انہیں کمال درجے کے خسارے ہی خسارے نصیب ہوں گے حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:

قیامت کہ بازار مینو نہند   منازل باعمال نیکو نہند
بضاعت بچنداں کہ آری بری   اگر مفلسی شرمساری بری
کہ بازار چنداں کہ آگندہ تر   تہی دست را دل پراگندہ تر

ترجمہ: قیامت میں جو بڑا بازار لگے گا وہاں کے مراتب اعمال کے مطابق ہوں گے جیسا سامان لانے گا ویسا ہی مرتبہ پائے گا اس وقت اگر اعمال نہیں تو سخت شرمسار ہوگے کہ وہ اس وقت بازار پر رونق ہو گی لیکن خالی ہاتھ سخت پریشان ہوگا۔

اَلَمْ یَاْتِہِمْ کیا ان کے ان منافقین کے ہاں نہیں آئی نَبَاُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِہِمْ ان لوگوں کی خبر جو ان سے پہلے گزرے ہیں یعنی انہیں معلوم ہے کہ سابقہ امتوں سے کیا گزری جب انہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کی تو انہیں سخت سے سخت عذاب میں مبتلا کیا گیا۔ یہ استفہام تقریر و تحذیر کے لیے ہے یعنی منافقین کو چاہیے کہ امم سابقہ کے حالات کو یاد کر کے خدا تعالیٰ سے ڈریں کہ کہیں انہیں ایسی غلطیوں کے ارتکاب پر امم سابقہ کی طرح سخت عذاب میں مبتلا نہ ہونا پڑے قَوْمِ نُوْحٍ نوح علیہ السلام کی قوم جو طوفان میں غرق ہوئی۔ یہ الذین سے بدل ہے وَعَادٍ اور عاد کی قوم جو سخت آندھی سے تباہ و برباد ہوئی وَثَمُوْدَ اور قوم ثمود جو کہ دھماکے اور زلزلے سے تباہ و برباد ہوئی وَقَوْمِ اِبْرٰہِیْمَ اور ابراہیم علیہ السلام کی قوم جس کا بڑا لیڈر نمرود ایک مچھر سے مارا گیا اور دوسرے سرکش دیوار کے گرنے سے تباہ ہوئے وَاَصْحٰبِ مَدْیَنَ اور مدین والے۔ اس سے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم مراد ہے جو بادلوں کے سائے میں آگ سے جلائے گئے اور مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے تھے یہ بستی انہی کی طرف منسوب ہے وَالْمُؤْتَفِکٰتِ ط اس کا عطف مدین پر ہے۔ اس سے لوط علیہ السلام کی الٹی ہوئی بستیاں مراد ہیں جیسا کہ بار بار گزرا ہے کہ ان کی بستیوں کو جبریل علیہ السلام نے ایسا الٹایا کہ اوپر کے حصے نیچے اور نیچے کے اوپر ہو گئے۔ پھر ان پر پتھر برسائے گئے اَتَتْہُمْ ان کے ہاں یعنی تمام تباہ شدہ قوموں کے ہاں لائے رُسُلُہُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ان کے رسل کرام علیہم السلام، بینات اس سے حجج و براہین مراد ہیں ان بدبختوں نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ و برباد کر دیا فَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیَظْلِمَہُمْ پس نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ کہ ان پر ظلم کرے جیسے عام لوگ ظلم کرتے ہیں یعنی جیسے لوگ دوسروں پر بلاجرم ظلم کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ایسے نہیں کرتا وَلٰکِنْ کَانُوْٓا اَنْفُسَہُمْ یَظْلِمُوْنَ ○ لیکن وہ خود بخود اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں یعنی کفر و معاصی کا ارتکاب کر کے اپنے نفسوں کو خود بخود عذاب کے پیش کر دیا۔

حضرت صائب رحمہ اللہ نے فرمایا:

چرا ز غیر شکایت کنم کہ ہمچو حباب
ہمیشہ خانہ خراب ہوائے خویشتم

ترجمہ: میں غیر سے کیوں شکایت کروں میں حباب کی طرح ہمیشہ خانہ خراب رہتا ہوں۔

سبق: دانا وہ ہے جو اپنی قوت اور کثرتِ اموال و اولاد و اسباب سے دھوکہ نہیں کھاتا اس لیے کہ یہ تمام فانی اور زوال پذیر ہیں۔

حضرت حافظ شیرازی نے فرمایا:

ببال و پر مرو از رہ کہ تیر پرتابی
ہرکرا گرفت زمانے و لے بخاک نشست

ترجمہ مع شرح: جو شخص اپنی قوتِ بدنیہ اور اسباب دنیویہ سے دھوکہ نہیں کھاتا وہ کبھی راہِ راست سے نہیں ہٹ سکتا۔ ہر بندے کی مثال تیر کی سی ہے کہ وہ کتنا ہی اُونچا کیوں نہ پرواز کر جائے لیکن بالآخر نیچے گرتا ہے اس لیے کہ ہر بلندی کو نیچا دیکھنا پڑتا ہے ہر قدرت کو عجز لاحق ہوتا ہے۔ اس لیے انسان پر لازم ہے کہ توبہ و استغفار سے اپنے معاملات کو درست کرے قبل اس کے کہ شرارتیوں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب ناراضگی کا نزول ہو۔

حکایت ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی لونڈی کو ایک جگہ بٹھا کر اسے حکم دیا کہ یہاں سے میرے آنے تک نہ اُٹھنا جب میں اپنے کاروبار سے فارغ ہو کر لوٹا تو لونڈی موجود نہ تھی میں اس کی تلاش میں نکلا، دیکھا تو ایک دوسری جگہ ایک کونے میں بیٹھی تھی، میں نے اسے جھڑک کر کہا کہ جب میں نے تجھے روکا تھا تو وہاں سے کیوں اٹھ کر چلی گئی۔ اس نے کہا، حضرت! ناراض نہ ہوں، آپ نے جہاں مجھے بٹھایا تھا وہ لوگ ذکرِ الٰہی سے محروم تھے مجھے خطرہ ہو گیا کہ یہ خسف کے عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں اور میں بھی ان کی نحوست سے ماری جاؤں، اس خطرہ سے مجھے وہاں سے اٹھنا پڑا۔ میں نے کہا، اُمتِ مصطفیٰ بطفیل حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم خسف (زمین میں دھنس جانے) کے عذاب سے محفوظ ہے تو کیسے ان کے لیے خسف کے عذاب سے ڈر گئی۔ اس نے جواب دیا، میرے آقا واقعی زمین میں دھنسنے سے محفوظ ہیں لیکن قلب کے خسف سے تو محفوظ نہیں۔ یعنی جو ذکرِ الٰہی سے محروم ہے اس کے دل پر سیاہی چڑھ جاتی ہے اس اعتبار سے گویا وہ دل دھنس گیا۔

سبق: سالک کو معلوم ہونا چاہیے کہ جو قلب ذکر و معرفتِ حق سے محروم ہے وہ خسف کے عذاب میں مبتلا ہے گویا وہ قلب مختلف عذاب اور کرب و بلاؤں میں گرفتار ہے۔ اس لیے ہر انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو ایسے عذاب سے بچائے اور موت سے پہلے اپنے مریض قلب کا علاج کرا لے۔

حدیث شریف: بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تقریر فرما رہے تھے

اور سامعین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی تقریر سننے میں محو تھے میں نے سُنا آپ فرما رہے تھے کہ اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے حیا کرو۔ سامعین میں سے ایک نے عرض کی: حضرت! ہم تو اللہ تعالیٰ سے بہت بڑا حیاء کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ بندہ ہر وقت اپنی موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھے اور اپنے پیٹ اور سر کی حفاظت کرے یعنی پیٹ میں حرام کا لقمہ نہ جانے دے اور دماغ میں غلط تصوّر کو جگہ نہ دے اور ہر وقت موت کا ذکر زبان پر ہو اور یقین کرے ایک دن یہی جسم مٹی میں ہوگا اور دنیا کی زیب و زینت کو ترک کر دے۔

وحی موسیٰ وہارون اللہ تعالیٰ نے موسیٰ وہارون علیہما السلام کو فرمایا کہ اگر میں چاہوں تو فرعون والی تمام طاقت تمہیں دے دُوں تو ایسا کر سکتا ہُوں لیکن میں نہ صرف تمہارے سے ایسی طاقت و قدرت دُور رکھتا ہوں بلکہ اپنے تمام اولیاء کو دنیاوی جاہ و حشم نہیں دیتا اور میرے لیے یہ کوئی مشکل بھی نہیں لیکن صرف اس لیے کہ اولیاءِ کرام کو فقر و فاقہ میں مبتلا کر کے اپنے ہاں ان کے درجات بلند کرتا ہُوں۔ ؎

نکو جا ہے از سلطنت بیش نیست
کہ ایمن ترا ز ملک درویش نیست

ترجمہ: نیک آدمی کی نیکی سلطنت سے بڑھ کر ہے اور فقیر اللہ والے کو بادشاہی سے زیادہ بے فکری ہے۔

سبق: دنیا و آخرت کے حالات ظاہر و باہر ہیں دانا وہ ہے جو عبرت حاصل کرتا ہے اور مرتے دم تک خدا تعالیٰ کی رضا کا طالب رہتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں یعنی ان کے بعض بعض کے دین حق پر ہیں یعنی وہ سب توحید میں متفق ہیں۔

ردِّ وہابیہ مذکورہ بالا معنے پر اکتفاء کرتے ہوئے وہابیہ دیوبندیہ دوسرے معنے کے معنے کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ صاحبِ روح البیان ان کا ردّ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

وبعضهم معين لبعض فى امر دينهم ودنياهم	بعض ان کے دوسروں کے امر دین و دنیا میں مددگار ہیں اور
وبعضهم موصل لبعض الى الدرجات	بعض ان کے دوسروں کو بلند مراتب تک پہنچاتے ہیں تربیۃ
العالية بسبب التربية والتزكية النفس وهم	و تزکیہ نفس کے ذریعے ان سے مرشدان کرام مراد ہیں۔
المرشدون فى طريق الله تعالىٰ۔	

(روح البیان مطبوعہ قدیمہ ص ۹۲ ج ا تحت آیت ہذا)

يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ معروف سے نیکی کی جنس مراد ہے یعنی ہر قسم کی بھلائی کا حکم دیتے ہیں۔ اس لیے اصطلاح شرع میں ایمان و طاعت کو بھی المعروف کہا جاتا ہے۔

صوفیہ کا معنیٰ صوفیہ کرام کہتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کو طلبِ حق میں ابھارتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے المعروف کا حقیقی معنی یہی ہے جیسا کہ حدیث قدسی "فاحببت ان اعرف" سے معلوم ہوتا ہے۔

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ المنکر سے ہر قسم کی برائی مراد ہے یعنی وہ ہر طرح کی بُرائی سے روکتے ہیں یہاں تک کہ کفر و معاصی کو بھی المنکر کہا جاتا ہے۔ اس لیے کہ یہی کفر و معاصی اپنے آقا سے بندے کو دُور رکھتے ہیں خواہ معاصی دنیا سے متعلق ہوں یا کسی امر سے۔ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ اور نماز قایم کرتے ہیں، اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں معروف رہتے اور قلب کی نگرانی پر مداومت کرتے ہیں بلکہ وُہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے حضور رہتے ہیں انہیں دنیوی مشاغل بھی حائل نہیں ہوتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لاتلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ۔ ایسے حضرات صاحبِ مکاشفہ کہلاتے ہیں اور انہیں اصطلاحِ صوفیاء میں اہلِ دل کہا جاتا ہے۔ کفار و منافقین کی "نسوا اللہ" سے مذمت اور اہل ایمان کی ویقیمون الصلوٰۃ سے مدح کی گئی ہے۔ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ یہ یقبضون ایدیھم کے مقابلہ میں لایا گیا ہے۔ صوفیاء کرام کے نزدیک اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ نہ صرف زکوٰۃ واجبہ ادا کرتے ہیں بلکہ ضروریات سے جو کچھ بچتا ہے باقی سب کچھ اللہ تعالیٰ کے راہ میں لٹاتے ہیں۔ اس طرح سے وُہ اپنے نفوس کا تصفیہ و تزکیہ کرتے ہیں یعنی دنیا کی محبت کے ترک سے تزکیہ نفوس ہوتا ہے۔ وَيُطِيعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور وُہ جمیع اوامر نواہی میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں جس طرح منافقین کی کمال درجہ کی مذمت کی ہے ایسے ہی اہل ایمان کی مدح بھی کمال درجہ سے کی ہے۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اہلِ ایمان تمام معاملات اخلاص سے کرتے ہیں اس لیے کہ منافقین اگرچہ بظاہر نماز و زکوٰۃ ادا کرتے ہیں لیکن وہ حقیقی طور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخلصانہ اطاعت نہیں کرتے بلکہ وہ درحقیقت اپنے نفس و ہوا کے مطیع ہیں اس لیے کہ انہیں ان امور میں دنیوی مقاصد و مصالح مدنظر ہوتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ وہی لوگ جو مذکورہ اوصاف کریمہ سے موصوف ہیں سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ط ان پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائیگا۔ یعنی ان پر اپنی رحمت کے آثار مثلاً تائید و نصرت سے بہرہ ور فرما کر عذاب دردناک سے نجات بخشے گا یا انہیں بُعد و فراق کے عذاب سے نجات دے کر بہشت اور وصال و قرب سے نوازے گا۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ جو لوگ مذکورہ اوصاف سے موصوف ہیں ان پہ پانچ مقامات پر لُطف و کرم فرمائے گا، وہ مقام یہ ہیں:

۱۔ سکرات الموت کے وقت انہیں آسانی نصیب ہوگی اور ایسے آڑے وقت میں اس کا ایمان محفوظ فرمائے گا۔

۲۔ عذاب قبر سے نجات بخشے گا۔

۳۔ عملنامہ کے پڑھنے کے وقت جبکہ دوسروں کو حسرتیں اور ندامتیں ہوں گی اور بائیں ہاتھ میں عمل نامے دیے جائیں گے۔ ایسے حضرات کو حسرتوں اور ندامتوں سے محفوظ کر لیا جائے گا اور ان کے دائیں ہاتھ میں عملنامہ عطا ہوگا بلکہ ان کے عملناموں سے گناہ مٹا دیے جائیں گے تاکہ وُہ اپنے گناہ دیکھ کر حسرت نہ کھائیں اور نادم نہ ہوں۔

۴۔ میزان کے وقت جبکہ دوسروں کو اعمال کی کمی سے حسرتیں ہوں گی ان کے اعمال بوجھل کر کے حسرتوں سے محفوظ کر لیا جائیگا

۵۔ اللہ تعالیٰ کی حاضری اور اس کے سوالات کے وقت جبکہ دوسروں کو تنگی لیکن ان کے لیے آسانی ہوگی اور نہ ہی ان کے عیوب کی وجہ سے ان کی گرفت ہوگی۔

پانچوں نمازیں پڑھنے والے کو مبارکباد

حدیث شریف میں ہے: جو صبح کی نماز پڑھتا ہے اس پر سکرات اور اس کے کڑوے گھونٹ آسان ہوں گے۔ جو ظہر کی نماز ادا کرتا ہے اس پر عذاب قبر اور اس کی تنگی نہیں ہوگی۔ اور جو عصر کی نماز پڑھتا ہے اس پر منکر نکیر کے سوالات کی تکلیف اور ان کے رعب کا کوئی خطرہ نہ ہوگا۔ اور جو مغرب کی نماز پڑھتا ہے اس پر عذاب میزان اور اعمال کی کمی کا ڈر نہ ہوگا۔ اور جو عشاء کی نماز پڑھتا ہے، اس پر پل سراط پر گزرنا آسان ہوگا۔

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ یہ وعدہ موعودہ کی علت ہے یعنی وہ اپنے اولیاء کے وعدہ کے ایفاء پر بہت بڑی قدرت رکھتا ہے اور اپنے اعداء پر قہر و غضب پر قادر ہے اور نعمتوں کا مالک ہے ان سے اپنے اولیاء کو بخشتا ہے۔ حَكِيْمٌ ○ حکمت والا ہے کہ اس نے اپنے جملہ احکام کی بنا، ہزاروں حکمتوں پر رکھی ہے۔ اس لیے جو نعمتوں کے مستحق ہوتے ہیں انہیں نعمتوں سے نوازتا ہے اور جو عذاب کے حق دار ہیں انہیں عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو اہل ایمان ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی انہیں بہشت کی خوشخبری سنائی اور اہلِ احسان کو وصال و قرب سے نوازا اس لیے کہ انہوں نے زندگی اس کی طلب میں گزاری بلکہ ماسوی اللہ کو بالکل چھوڑ دیا اور کافروں اور منافقوں کو جہنم میں دائمی داخل رہنے کی خبر دی اس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار اور ان کی تکذیب کی اور اصنام و اوثان کی پرستش کر کے شرک میں مبتلا ہوئے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ اللہ تعالیٰ نے مومن مرد عورتوں سے ہر ایک کو کامل وعدہ فرمایا کہ کیفاً وکماً اپنے فضل میں انہیں بہشت میں مختلف طبقات نصیب ہوں گے۔ الوعد نفع کے وقوع سے پہلے اس کے پہنچنے کی خبر دینا جَنّٰتٍ جنۃ کی جمع ہے۔ اس باغ کو کہا جاتا ہے جس میں درخت اور کھجوریں ہوں تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا ان کے نیچے جاری ہیں۔ الْاَنْهٰرُ پانی خمر اور دودھ کی نہریں خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ان کے لیے مقدر کر دیا گیا ہے کہ وہ اس میں دائمی طور ٹھہریں گے اور ہر مومن ان درجات سے فائز المرام ہوگا۔ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً اور ان میں سے بعض کاملین کو ایسی منازل نصیب ہوں گی کہ جنہیں دیکھ کر جی خوش ہوگا یا اس میں رہنے سے طبیعت خوش ہوگی۔

حدیث شریف: بہشت کے محلات لؤلؤ، زبرجد، یاقوت احمر سے ہیں فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ خالص باغات میں۔ یہ تمام بہشتوں سے زیادہ پُر رونق اور زیادہ عجیب و غریب مقام ہے۔

حدیث شریف: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: عدن اللہ تعالیٰ کی ایسی دار ہے جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی بشر کے دل میں اس کا تصور آ سکتا ہے اس میں صرف تین گروہ قیام فرمائیں گے:

۱۔ انبیاء علیہم السلام

۲۔ صدیقین

۳۔ شہداء اور مبارک ہو انہیں جو ایسی دار میں داخل ہوں گے۔

حدیث شریف: مروی ہے کہ جنۃ عدن کو اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ خود پیدا فرمایا اور اسے شاہی قلعہ کی طرح بنایا اس کے اندر چند خصوصی منزلیں ہیں ایک ٹیلہ نما منزل ایسی ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی ایک خاص تجلی نمودار ہوتی ہے اور ایک ایسی منزل ہے اسے مقام الوسیلہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیام گاہ ہے اسی جگہ پر اللہ تعالیٰ نے طوبیٰ کا درخت خود پیدا فرمایا جس میں کسی دوسری شے کو اس کی تخلیق میں واسطہ نہیں بنایا اور اس کی ٹہنیاں اتنی بلند ہیں کہ اس کی ہر ایک ٹہنی بہشت عدن کی ہر دیوار تک پہنچتی ہے اور وہ ٹہنیاں تمام بہشتیوں کو سایہ کرتی ہیں۔ اور طوبیٰ کے گوشوں میں جو ثمر ہوتا ہے اس سے بہشتیوں کے زیورات اور لباس تیار ہوتے ہیں جو بہشت کے باقی لباسوں سے زیادہ حسین اور زیب و زینت میں بڑھے ہوتے ہیں اور جنۃ عدن کو اسی لیے فضیلت دی گئی ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا ہے۔ یہ حقایق جنانیہ کی نعمتوں میں جامع تر اور برکات کے لحاظ سے مکمل ترین ہے۔ یہی بہشت کے جملہ اشجار کا اصل ہے جیسے آدم علیہ السلام سے تمام انسان ظاہر ہوئے۔ اس سے بہشت کے تمام اشجار ظاہر ہوئے ہیں اور بہشت کی ہر نہر اسی درخت سے نکلتی ہے۔ محمدیۃ المقام یہی ہے اور یہ دار المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حصہ ہے۔ کہا جاتا ہے عدن بالمکان۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی مقام میں مقیم ہو۔ المعدن بمعنے مستقر الجواہر یعنی جواہر کا خزانہ۔

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ۔ اور اللہ تعالیٰ کی تھوڑی سی رضامندی۔ اَکْبَرُ۔ بہشت سے بہت بڑی اور عظیم تر ہیں اور اس کی نعمتوں سے بھی۔ اس لیے کہ یہ جمیع السعادات کا مبداء اور تمام الکمالات کا منشا ہے۔

ف: عارفین محققین کاملین کا اصل مقصد صرف اور صرف رضائے الٰہی ہے اور بس۔ ؎

یکے می خواہد از تو جنت و حور
یکے خواہد کہ از دوزخ شود دور
ولیکن ما نخواہیم ان و آں جست
مراد ما ہمیں خوشنودیٔ تست
چو تو خوشنود گشتی در دو عالم
ہمیں مقصود بس و اللہ اعلم

ترجمہ: کوئی تیرے سے جنت و حور چاہتا ہے۔ کوئی دوزخ سے دوری۔ ہمیں نہ اس کی خواہش ہے نہ اس کی ہمیں تیری رضا مطلوب ہے اس لیے کہ جب تو راضی ہو گیا تو ہمیں مقصود مل گیا۔

حضرت حافظ نے فرمایا: ؎

صحبت حور نخواہم کہ بود عین قصور
با خیال تو اگر با دگرے پردازم

بقیہ ص ۶۲۵

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ

اے غیب کی خبریں دینے والے (نبی) جہاد فرماؤ کافروں اور منافقوں پر اور ان پر سختی کرو

وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۷۳ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا

اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور کیا ہی برا جگہ پلٹنے کی اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے

قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ

نہ کہا اور بیشک ضرور انہوں نے کفر کی بات کہی اور اسلام میں آکر کافر ہو گئے

وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَ

اور وہ چاہا تھا جو انہیں نہ ملا اور انہیں کیا برا لگا یہی نہ کہ اللہ و رسول نے انہیں غنی کر دیا

رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ

اپنے فضل سے تو اگر وہ توبہ کریں تو ان کا بھلا ہے اور اگر

يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ

منہ پھیریں تو اللہ انہیں سخت عذاب کرے گا دنیا اور آخرت میں

وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۷۴ وَمِنْهُمْ مَّنْ

اور زمین میں کوئی نہ ان کا حمایتی ہوگا نہ مددگار اور ان میں کوئی وہ ہیں

عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ

جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر ہمیں اپنے فضل سے دیگا تو ہم ضرور خیرات کریں گے اور ہم ضرور بھلے آدمی

مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۷۵ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا

ہو جائیں گے تو جب اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا اس میں بخل کرنے لگے اور

وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۷۶ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى

پھیر کر پلٹ گئے تو اس کے پیچھے اللہ نے ان کے دلوں میں نفاق رکھ دیا اس دن تک

يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَاۤ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا

کہ اس سے ملیں گے بدلہ اس کا کہ انہوں نے اللہ سے وعدہ جھوٹا کیا اور بدلہ

يَكۡذِبُوۡنَ ﴿۷۷﴾ اَلَمۡ يَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ سِرَّهُمۡ وَنَجۡوٰٮهُمۡ

بولتے تھے کیا انہیں خبر نہیں کہ اللہ ان کے دل کی چھپی اور ان کی سرگوشی کو جانتا ہے

وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الۡغُيُوۡبِ ﴿ۚ۷۸﴾ اَلَّذِيۡنَ يَلۡمِزُوۡنَ الۡمُطَّوِّعِيۡنَ

اور یہ کہ اللہ سب غیبوں کا بہت جاننے والا ہے وہ جو عیب لگاتے ہیں ان مسلمانوں کو

مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ فِى الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيۡنَ لَا يَجِدُوۡنَ اِلَّا

کہ دل سے خیرات کرتے ہیں اور ان کو جو نہیں پاتے مگر اپنی

جُهۡدَهُمۡ فَيَسۡخَرُوۡنَ مِنۡهُمۡ‌ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنۡهُمۡ وَلَهُمۡ

محنت سے تو ان سے ہنستے ہیں اللہ ان کی ہنسی کی سزا دے گا اور ان کیلئے

عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۷۹﴾ اِسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ اَوۡ لَا تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ‌ؕ اِنۡ

دردناک عذاب ہے تم ان کی معافی چاہو یا نہ چاہو

تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ سَبۡعِيۡنَ مَرَّةً فَلَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ‌ؕ ذٰلِكَ

اگر تم ستر بار ان کی معافی چاہو گے تو اللہ ہرگز انہیں نہیں بخشے گا

بِاَنَّهُمۡ كَفَرُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ‌ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ

یہ اس لئے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے منکر ہوئے اور اللہ فاسقوں کو

الۡفٰسِقِيۡنَ ﴿ع ۸۰﴾ ع ۸ ۱۴

راہ نہیں دیتا

تفسیر عالمانہ

نکتہ در شانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم: دورِ حاضر کے توحید پرستوں وہابیوں، دیوبندیوں، مودودیوں کو نبوت کی عزت و عظمت سمجھاتے ہیں کہ،

اعلم ان اللہ تعالیٰ خاطب الانبیاء علیہم السلام	اللہ تعالیٰ نے دوسرے انبیاء علیہم السلام کو نام لے کر پکارا
باسمائہم الشریفۃ مثل یا آدم و یا نوح و یا موسیٰ	مثلاً یا آدم، یا نوح، یا موسیٰ، یا عیسیٰ۔ اور ہمارے نبی
و یا عیسیٰ و خاطب نبینا صلی اللہ علیہ وسلم	علیہ السلام کو القاب جلیلہ سے پکارا، مثلاً یا ایہا النبی،
بالالقاب الشریفۃ مثل یا ایہا النبی یا ایہا الرسول	یا ایہا الرسول۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے نبی پاک

وذلك يدل على علو جنابه عليه السلام مع ان كثرة الالقاب والاسماء تدل على شرف المسمى۔ (روح البيان ج ا ص ۹۲۳ مطبوعہ قدیم تحت آیت ہذا)

صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بلند ہے علاوہ کثرت القاب وکثرت اسماء مسمی کی شرافت اور بزرگی پر دلالت کرتی ہے۔

ص ۶۴۲ سے آگے

ترجمہ: حور کی صحبت کی تمنا سراسر قصور ہے۔ سچ ہے تیرے خیال کے ساتھ دوسروں کا تصور گناہ ہے۔

حدیث قدسی شریف: مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل بہشت سے فرماتا ہے کہ کیا تم خوش ہو یا نہ؛ عرض کریں گے: اے اللہ کریم! اب بھی ہم راضی نہ ہوں گے کہ تو نے ہمیں ایسی نعمتوں سے نوازا کہ سوائے ہمارے اور کسی کو نصیب نہیں ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں تمہیں اس سے اور افضل نعمت سے نوازتا ہوں۔ عرض کریں گے وہ کون سی افضل نعمت ہے؛ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میں تمہارے اوپر اپنی رضامندی حلال کرتا ہوں اس کے بعد میں تمہارے اوپر ناراض نہ ہوں گا۔

ذٰلِكَ مذکورہ نعمتیں اور رضائے الٰہی **هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ** ○ وہی بہت بڑی کامیابی ہے اس سے یہ دنیوی کامیابی مراد نہیں جیسے حظوظ نفسانی کو بھی لوگ کامیابی سے تعبیر کرتے ہیں اس لیے کہ قطع نظر اس کے یہ دنیوی نعمتیں فانی اور تغیر پذیر اور خراب اور بیکار ہو جانے والی ہیں انہیں آخرت کی نعمتوں سے ذرہ برابر بھی نسبت نہیں ہے ہاں صرف اتنا کہ دنیا کی تمام نعمتیں مچھر کے ایک پر کے برابر ہیں۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی عزت مکھی کے پر کے برابر ہوتی تو کافر کو اس سے پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پینے دیتا۔

دنیا کمینی حضرت یحییٰ معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ دنیا خراب ہے لیکن خراب تر وہ شخص ہے جو اسے آباد کرتا ہے اور آخرت آباد ہے لیکن آباد تر وہ انسان ہے جو اس کی طلب میں زندگی بسر کرتا ہے۔

نکتہ: انہوں نے فرمایا کہ دنیا میں ایک ایسا باغ ہے جو اس میں داخل ہوتا ہے پھر اسے کبھی جنت الفردوس کی بھی خواہش نہیں رہتی۔ آپ سے پوچھا گیا: وہ کونسا باغ ہے؟ انہوں نے فرمایا: وہ ہے معرفت الٰہی۔ اور حقیقی جنت یہی ہے۔

ملفوظ بسطامی قدس سرہٗ حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ السامی نے فرمایا کہ معرفت الٰہیہ کی چاشنی جنت الفردوس اور اعلیٰ علیین کی چاشنی سے بہتر ہے بخدا اگر آٹھوں بہشت کے دروازے میرے لیے کھول دیئے جائیں پھر دنیا و آخرت کی تمام نعمتیں مجھے دے کر کہا جائے کہ وہ ذوق جو وقت سحر یادِ الٰہی میں نصیب ہوتا ہے اسے ترک کر کے بہشت کے آٹھوں دروازوں میں داخل ہو کر تمام نعمتیں لے لو تو میں گریہ سحر گاہی کو چھوڑ کر کسی طرف منہ نہ کروں گا۔

سبق: دانا وہ ہے جو حضرت الٰہی کی طرف متوجہ ہونے کے لیے جد وجہد اور دنیا سے اعراض اور مطلب اعلیٰ اور مقصد اعظم کے حصول کے لیے جد وجہد کرتا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے حرم وصال کے داخلے کا سوال کرتے ہیں۔

امام ابو اللیث کی وہابیوں دیوبندیوں کو نصیحت

ہمارے دور کے توحید کے ٹھیکیداروں کے لیے سابق دور کے ایک حنفی امام نے "سورۂ نور" کی آیت "لاتجعوا دعاء الرسول کدعاء بعضکم بعضا" کے تحت لکھا کہ:

لا تدعوا محمدًا صلی اللہ علیہ وسلم باسمه ولكن وقروه وعظموه و قولوا يا رسول الله و يا نبی الله و يا ابا القاسم ۔ (روح البیان ایضاً)	حضور علیہ السلام کا نام لے کر نہ پکارو بلکہ عزت و تعظیم و توقیر و تکریم سے پکارو۔ مثلاً کہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اس طرح پکارو یا نبی اللہ، یا ابا القاسم صلی اللہ علیہ وسلم۔

مسئلہ: آیت سے معلوم ہوا کہ جو بھی نیکی کی بات سمجھائے اس کی تعظیم و تکریم ضروری ہے یہی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اسی سے استاد کے حقوق کا پتہ چلتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے علم و فضل بخشا ہے ان کے بھی عوام پر حقوق ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ ان کے القاب عزت و عظمت کے ساتھ بیان کیے جائیں۔

صاحبِ روح البیان اور جدت پسند

صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہم اہلسنت پر لازمی ہے کہ ہم اپنے مشایخ اہلِ ارشاد کا ذکرِ خیر بہتر اور برتر القاب سے یاد کریں۔ ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اپنی لغت میں ان کے جائز القاب جس طرح چاہے بیان کرے اس لیے کہ جب ہمیں روکا ہے کہ ہم اپنے ماں و باپ کو خالی اسماء سے نہ پکاریں تو باطنی اور معنوی آباء یعنی مشایخِ طریقت کے لیے بطریقِ اولیٰ ضروری ہے کہ ان کے خالی اسماء بیان کریں بلکہ انہیں اعلیٰ و اکمل القاب سے یاد کریں (لیکن جدت پسند لمبے چوڑے القاب سے نہ صرف گھبراتا ہے بلکہ اس سے مذاق کرتا ہے)

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ بمعنی یا ایها المبلغ عن الله و یا ایها المخبر عن الله و یا صاحب علو المکانة والزلفی ہے اس لیے کہ لفظ انباء و ارتفاع کی خبر دیتا ہے۔ **وَجَاهِدِ الْكُفَّارَ** کفار سے جہاد کر یعنی کھلم کھلا ان کے ساتھ تلوار سے لڑو، الجہاد باطل لوگوں کو برائیوں سے روکنے اور انہیں حق پر لگانے کے لیے اپنی جدوجہد کرنا **وَالْمُنٰفِقِيْنَ** اور منافقین سے حجۃ اور دلائل اور ان پر حدود قایم کرنے سے جہاد کرو اس لیے کہ ان سے حدود کے اجراء کے اسباب بکثرت سرزد ہوتے ہیں اس لیے ان سے تلوار سے جہاد نہ کرو اور نہ ہی ہماری شریعت ان سے تلوار کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیتی ہے اس لیے کہ ہماری شریعت کے احکام ظاہر پر جاری ہوتے ہیں اور منافقین اسلام ظاہر کرتے ہیں اگرچہ کفر ان کے قلوب میں ہوتا ہے لیکن ہم ظاہر کے احکام کے پابند ہیں (یہی بات ہم دیوبندیوں وہابیوں سے کہتے ہیں کہ ان سے حضور علیہ السلام کا ہر معاملہ مبنی برلاعلمی و عدم اختیار نہیں تھا بلکہ اسی ظاہری شریعت کے حکم پر ہے) **وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ** ط اور ان پر سختی کیجئے، یعنی کافروں اور منافقوں دونوں گروہوں کی سخت گرفت کیجیے اور ان کے کسی معاملہ میں نرمی نہ کریں (جیسے ہم اہلسنت بدمذاہب کے

معاملہ میں کسی قسم کی نرمی کے قائل نہیں، (والحمد للہ علیٰ ذٰلک) یعنی بفضلہٖ تعالیٰ ہم صلح کلی نہیں ہیں اور نہ ہی زمانہ سازی جیسے مکرو فریب اور دوسرے لفظوں میں تقیہ کہا جاتا ہے) کیونکہ کسی شاعر نے فرمایا کہ: ؎

بست نرمی آفت جان سمور
وز درشتی می برد جان خار پشت

ترجمہ:

قاعدہ: یہ آیت ان تمام آیات واحادیث کی ناسخ ہے جس میں کفار ومنافقین اور دیگر بدمذاہب کے لیے نرمی اور درگزر اور معاف کرنے کا حکم ہے۔[1]

وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ط اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے۔

ربط: پہلی آیت میں عذاب بلاتاخیر کا ذکر تھا۔ اس جملہ میں آنے والے عذاب کی خبر دی گئی ہے۔

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ○ اور وہ جگہ بہت بری ہے جہاں یہ کفار ومنافقین مرنے کے بعد جا کر ٹھہریں گے۔

فائدہ: مرجع و مصیر میں فرق یہ ہے کہ مصیر میں ضروری ہے کہ حالۃ اولیٰ اپنے حال پہ نہ رہے بخلاف مصیر کہ اس میں حالت اولیٰ اپنے حال پہ رہتی ہے۔

حدیث شریف مع شرح: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

اوصیك بتقوی اللہ فانه راس امرك۔ میں تمہیں تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں اس لیے کہ وہ تمام امور کا سرتاج ہے۔

یعنی جملہ طاعت کی اصل تقویٰ ہے۔

ف: تقویٰ خوفِ الٰہی کا نام ہے اس لیے کہ بندہ کی ہر نیک عمل کی طرف رغبت اور برے فعل سے اجتناب، تو تقوے کی وجہ سے۔

قاعدہ: جب بندہ تقویٰ کا شجر قلب میں بو دیتا ہے تو اس کے تمام اعضاء نیکیوں کی طرف جھک جاتے اور برائیوں سے رک جاتے ہیں۔ اور فرمایا:

وعلیك بالجهاد فانه رهبانية اُمتی۔

اور جہاد کو لازم پکڑو، اس لیے کہ میری اُمت کی بہتر عبادت جہاد ہے۔

---

[1] عوام بلکہ بعض پڑھے لکھے صلح کلی قسم کے لوگ ہمیں طعنہ دیتے ہیں کہ تم بدمذاہب سے کیوں سختی کرتے ہو جبکہ حضور علیہ السلام دشمنوں کو چادر دیتے تھے انہیں یہ قاعدہ یاد رکھنا لازمی اور ضروری ہے۔ چادر بچھانا اور ان سے نرمی کرنا حق لیکن "واغلظ علیہم" بھی حق۔ ہم اہلسنت ناسخ آیت پر عمل کرتے ہیں اور منسوخ احکام پر عمل کرنا یا ان کی دعوت دینا جاہلوں اور لاعلموں کا کام ہے۔ (فافہم)

ف: رہبانیت ہر وہ اچھی عادات جو ان راہبوں کی طرف منسوب ہیں جو عبادت گاہوں میں بیٹھ کر عبادت کرتے تھے علاوہ ازیں وہ گوشت نہیں کھاتے اور اچھی اچھی چیزیں اور خوشبو وغیرہ استعمال نہیں کرتے اور موٹے کپڑے پہنتے۔

ف: رہبانیت سے تشبیہ اس معنیٰ میں ہے کہ امتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگوں میں خواہ مخواہ ایسے کپڑے پہننے پڑتے ہیں اگرچہ وہ رہبانیت کو نہ اپنائیں تب بھی انہیں ایسے موٹے کپڑے پہننے پڑتے۔

ف: بسا اوقات انسان ایسا طعام کھاتا ہے جو اس کا جی چاہتا ہے۔ لیکن ایسے روزہ دار سے افضل ہے جس کا روزہ حبِ دُنیا کا موجب بنے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا: ؎

خوانده کہ خیرے بر آید ز دست
بہ از صائم الدہر دنیا پرست

ترجمہ: اس روزہ دار صائم الدہر نفس پرست سے وہ روزہ نہ رکھنے والا بہتر ہے جو دوسروں کو خیرات دیتا ہے۔

پانچ امور پر التزام حضرت اوزاعی نے فرمایا کہ: صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پانچ باتوں پر مداومت رکھتے تھے:

- ○ نماز باجماعت ادا کرنا
- ○ اتباعِ سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
- ○ تعمیرِ مساجد
- ○ تلاوت القرآن
- ○ جہاد فی سبیل اللہ

عورتوں کا جہاد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اُمت کے مردوں سے افضل وُہ ہیں جو جہاد فی سبیل اللہ کرتے ہیں۔ اور عورتوں میں افضل وہ ہیں جو زندگی اپنے گھروں میں بسر کرتی ہیں۔ سوائے شدید ضرورت کے وہ اپنے گھروں سے باہر نہیں نکلتیں۔

مجاہد کا درجہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجاہدین کو رنج پہنچانے سے بچو، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ مجاہدین کی خاطر اسی طرح ناراض ہوتا ہے جیسے انبیاء علیہم السلام کے لیے۔ اور ان کی دعا اسی طرح مستجاب ہوتی ہے جیسے انبیاء علیہم السلام کی۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم اپنے جانوروں کی پرورش اور کھیتوں وغیرہ کے کام میں مصروف ہو کر جہاد ترک کر دو گے تو اس وقت تمہارے اُوپر ذلت وخواری مسلط کر دی جائے گی یہاں تک کہ تم اپنے کی طرف واپس

نہ آجاؤ۔

ف : اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ ترکِ جہاد اور اس سے روگردانی اور دنیا کے کاروبار میں سخت مشغول ہوجانا کافروں کا شعار اور دین سے خروج کا دوسرا نام ہے۔

سبق : انسان سوچے کہ اس کے لیے اس سے اور کون سا بڑا جرم اور گناہ ہوگا۔

مسئلہ: آیت میں اشارہ ہے کہ قلب وہ ہے کہ اس پر انبیاء علیہم السلام کی طرح منجانب اللہ واردات وارد ہوتے ہیں پھر وہ قلب انبیاء علیہم السلام کی طرح کافر نفس اور اس کی صفات سے جہاد کرتا ہے۔

ف : یہ مرتبہ دراصل مشایخِ طریقت کو نصیب ہوتا ہے کہ وہ اپنے نفوس اور اپنے مریدین کے نفوس کی اصلاح کرتے ہیں جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ۔ شیخ اپنی قوم میں ایسے ہوتا ہے جیسے نبی علیہ السلام اپنی امت میں۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

گفت پیغمبر کہ شیخ رفتہ پیش
چوں نبی باشد میان قوم خویش

ترجمہ: حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ شیخ کامل اپنی قوم میں ایسے ہے جیسے نبی علیہ السلام اپنی امت میں۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ نفس کافر اور اس کے صفات سے ساتھ صدق کی تلوار سے جہاد کرو۔ اور نفس سے جہاد یہ ہے کہ اسے شہوات سے دور رکھا جائے اور اسے اس کی اپنی طبیعت سے دور کر کے شرعی امور پہ لگایا جائے۔

تفسیر صوفیانہ بعض نفوس کفار صفت ہوتے ہیں وہ اسلام قبول نہیں کرتے یعنی مشایخ کی تربیت کو قبول نہیں کرتے اور ان کے ساتھ جہاد یوں ہو کہ انہیں حکمت عملی اور اچھے مواعظ سے دعوت فی سبیل اللہ دی جائے اور ان میں بعض منافق طبع ہوتے ہیں انکی علامت یہ ہے کہ بظاہر تو وہ مشایخِ طریقت کے سامنے ارادت اور تسلیم کا دم بھرتے ہیں لیکن اندرونی طور ان کے معاہدوں کے خلاف کرتے رہتے ہیں ان کا جہاد یوں ہو کہ انہیں تزکیہ کے طور ریاضاتِ شاقہ میں لگایا جائے اوامر الشیخ و نواہی کا انہیں بہت زیادہ فرمانبردار بنایا جائے ان سے انکار و امتناع محسوس ہو تو ان کو مشایخ کے ارشادات کا پابند کیا جائے۔ کما قال وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ سالک پر لازم ہے کہ نفس کی مخالفت اور اس کے مواخذہ میں احکام طریقت پر سختی کی جائے۔ اگر وہ طریقت کے احکام کو مان لے تو الحمد للہ، ورنہ اسے خبر دو کہ وہ اسی کا مستحق ہو گیا جس کے لیے وہ پیدا ہوا، یعنی جہنم اس کا ٹھکانا ہے۔ یعنی ان کا جہنم یہی ہے کہ وہ نار بُعد و فراق میں مبتلا ہوں گے۔ اور وہ بُرا ٹھکانا ہے۔

(کذا فی التاویلات النجمیہ)

سبق: سالک پر لازم ہے کہ سب سے پہلے نفس اور اس کی خواہش سے جہاد کرے اس لیے کہ بادشاہ پر لازم ہوتا ہے کہ وہ اپنے باغی اور سرکش رعایا سے جہاد کرے اس کے بعد نفس کے صفات سے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ہر طرح کے کافروں پر غلبہ بخشے۔ (آمین)

یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ انہوں نے نہیں کہا۔

شانِ نزول

مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک میں دو ماہ ٹھہرے۔ اسی اثناء میں قرآن پاک کا نزول بھی ہوتا رہا اور ان منافقین کی مذمت بھی نازل ہوتی رہی جو جنگ پر حاضر نہ ہوئے حضور علیہ السلام ان کی مذمت منافقین کے دوسرے ساتھیوں کو سناتے تھے جو جنگ میں آپ کے ساتھ تھے جلاس بن سوید نے کہا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پیچھے رہنے والے بھائیوں کے لیے جو کچھ فرماتے ہیں اگر حق ہے تو پھر ہم گدھوں سے بھی بدتر ہیں اس لیے کہ جنہیں ہم اپنے گھروں میں چھوڑ آئے ہیں وہ تو ہماری قوم کے برگزیدہ اور بہتر آدمی ہیں۔ حضرت عامر بن قیس انصاری نے جلاس سے فرمایا کہ واقعی تم گدھوں سے بدتر ہو اس لیے کہ حضور علیہ السلام جو کچھ فرماتے ہیں وہ حق اور سچ ہے جلاس کی گفتگو حضور علیہ السلام کی خدمت میں پہنچائی گئی۔ آپ نے جلاس کو بلایا تو اس نے قسم کھا کر کہا کہ میں نے کوئی بات نہیں کہی۔ اس پر حضرت عامر نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی اور کہا اے اللہ! اپنے عبد مقدس اور اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور جھوٹے کی تکذیب نازل فرما۔ حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام "آمین" کہتے تھے۔ ابھی وہ وہیں بیٹھے تھے کہ جبریل علیہ السلام یہی آیت لائے۔

سوال: قصہ کہ قول مذکور تو صرف جلاس نے کہا تھا لیکن صیغہ جمع (قالوا) کا لایا گیا ہے۔

جواب: اس طرف اشارہ ہے کہ اگرچہ قول مذکور کا قائل ایک تھا لیکن باقی منافقین اس کے اس قول پر راضی تھے اسی وجہ سے وہ بھی بمنزلہ قائلین ہوئے بنا بریں انہیں جلاس کے ساتھ شامل کر لیا گیا۔

وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ بے شک انہوں نے کلمہ کفر کہا اور اس کلمہ کفر کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ اور اسلام ظاہر کرنے کے بعد اب انہوں نے اپنے قلب کے اندر چھپے ہوئے کفر کو ظاہر کر دیا۔ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا الہم بالشیٔ بمعنے مقاربتہ دون الوقوع یعنی کسی شے پر وقوع کے بغیر اس سے ملنا یعنی منافقین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کی ناکام کوشش کی جس میں وہ کسی صورت میں کامیاب نہ ہو سکے۔

منافقین کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کا منصوبہ

پندرہ منافقین نے منصوبہ بنایا کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائیں تو انہیں عقبہ (جو کہ تبوک و مدینہ کے مابین واقع ہے) میں شہید کر دیا جائے۔ اور مشورہ کیا کہ جونہی آپ کی اونٹنی عقبہ سے گزرے تو اسے وادی کی طرف لے جایا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو

منافقین کے منصوبہ سے مطلع فرما دیا غزوۂ تبوک کی فراغت کے بعد جب لشکرِ اسلام عقبہ مذکورہ کے قریب پہنچا تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے اعلان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی عقبہ سے گزرے گی باقی تمام لشکر وادی سے گزرے اس لیے کہ ان کے لیے وہی راستہ آسان تر ہے۔ یہ فرما کر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری عقبہ کی جانب روانہ کر دی اور دوسرے تمام اہلِ اسلام وادی کی جانب سے روانہ ہوئے۔ جب منافقین نے یہ پروگرام سنا تو وہ عقبہ کو روانہ ہو پڑے تاکہ وہ اپنا منصوبہ مکمل کر سکیں۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ وہ اونٹنی کی مہار لے کر چلیں، اور حضرت حذیفہ بن الیمان سے فرمایا کہ وہ اونٹنی کے پیچھے ہو کر چلیں، عقبہ میں سے اونٹوں کے چلنے اور ہتھیاروں کی جھنکار سنائی دے رہی تھی۔ حضرت حذیفہ بن الیمان نے پیچھے ہٹ کر دیکھا کہ وہی منافقین آ رہے ہیں جنہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شہید کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ حضرت حذیفہ نے انہیں للکار کر فرمایا کہ اے اللہ کے دشمنو! ہٹ جاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہو جاؤ۔ جب منافقین نے دیکھا کہ ان کا پردہ فاش ہوتا ہے تو جلدی سے بھاگے اور لشکرِ اسلام سے جا ملے۔

ف: ایک روایت میں ہے کہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مطلع ہو گئے۔ اسی لیے وہ وہاں عقبہ سے بھاگ کر وادی میں لشکرِ اسلام سے جا ملے۔ جب منافقین بھاگ گئے تو حضرت حذیفہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آ ملے اور حضور علیہ السلام کو ماجرا سنایا۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے انہیں پہچانا بھی تھا، انہوں نے عرض کی کہ وہ منہ چھپائے ہوئے تھے اور رات اندھیری تھی اس لیے انہیں نہیں پہچان سکا۔

اسی صبح کو حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ بجائے وادی سے چلنے کے عقبہ سے کیوں تشریف لے گئے، حالانکہ وادی کا راستہ آسان تر تھا اور عقبہ کا راستہ پُرخطر۔ آپ نے فرمایا: تمہیں معلوم نہیں کہ منافقین نے میرے شہید کرنے کا پروگرام بنایا تھا اس لیے مجھے راستہ تبدیل کرنا پڑا۔ انہوں نے عرض کی: اب لشکرِ اسلام بسلامت اپنے مقام پر پہنچ گیا ہے اب آپ ان منافقین کے نام بتا دیجیے تاکہ ہم ان کو ایک ایک کر کے قتل کر ڈالیں۔ بخدا اگر آپ مجھے بھی ان سب کے نام بتا دیں تو میں اکیلا ہی ان سب کے سر اڑا کر آپ کے قدموں میں ڈال دوں گا اور اسی نشست میں ہی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: میں نہیں چاہتا کہ اسلام کی شکایت ہو جائے گی اور لوگ کہیں گے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کفار کو مسلمان کر کے جب ان پر غلبہ پاتے ہیں تو انہیں قتل کرا دیتے ہیں۔ انہوں نے عرض کی، یا رسول اللہ! وہ آپ کے صحابی تو نہیں بلکہ اندرونی طور پر کافر ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ظاہراً کلمۂ شہادت تو پڑھتے ہیں۔ آپ نے اس کے بعد منافقین کے لیے بددعا کی کہ اے اللہ! انہیں دبیلہ میں مبتلا فرما۔

ف: الدبیلہ وہ آگ کا شعلہ جو ان کے کاندھوں سے نکل کر ان کے سینے جلا دے۔ بعض کہتے ہیں وہ آگ کا شعلہ جو دل کو چیر کر تباہ و برباد کر دے۔

وَمَا نَقَمُوْٓا اور انہیں برا نہیں لگا۔

حلِ لغات: قاموس میں ہے کہ نقم الامر ای کرھہ یعنی انہوں نے شئی من الاشیاء سے کسی سے کراہت نہ کی اور اس پر

عیب لگایا۔

اِلَّآ اَنْ اَغْنٰھُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ مِنْ فَضْلِہٖ ج مگر یہ کہ انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فضل سے غنی کر دیا۔ اس کی تفصیل یُوں ہے کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو یہ لوگ تنگدست تھے۔ مالی حالات نہایت کمزور تھے یہاں تک کہ مالِ غنیمت کی کثرت سے ان کے حالات درست ہو گئے۔ ایک دفعہ جلاس کا غلام قتل کر دیا گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قاتل سے بارہ ہزار درہم دلوائے جس سے وہ غنی ہو گیا۔

ف : اس سے دیت کے زائد درہم مراد ہیں جو دیت کے علاوہ انسانی شرافت کے پیشِ نظر مقتول کے ورثاء کو دیے جاتے اسے وُہ اپنی اصطلاح میں شنق کو کہتے ہیں۔

ف : یہ کلام طنز کے طور پر بولا جاتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

مالی عندك ذنب الا احسانی۔

یعنی میرا گناہ اتنا ہے کہ میں نے تیرے اوپر احسانات کیے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ کلام منافقین سے تہکم اور توبیخ وزجر کے طور بیان فرمایا ہے۔

ف : بعض مفسرین نے کہا کہ اغنٰھم کی ضمیر مومنین کی طرف لوٹتی ہے۔ یعنی چونکہ اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ ایمان کو غنی بنایا تو منافقین غیظ وغضب سے جلنے لگے۔ کذا قال عبد السلام

فَاِنْ یَّتُوْبُوْا پس اگر وُہ اپنے کفر و نفاق سے تائب ہوں۔ یَكُ تو ان کی توبہ ہو گی خَیْرًا لَّھُمْ ج ان کے لیے دارین کی بہتری۔

ف : بعض روایات میں ہے کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی تو جلاس (سابق منافق) نے عرض کی : یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! اللہ تعالیٰ نے مجھے توبہ کی دعوت دی ہے فلہٰذا گواہ ہو جائیے کہ بخدا میں نے صدق دل سے توبہ کی۔ اس کی تصدیق عامر بن قیس نے بھی کی۔ اس طرح سے جلاس نے توبہ کی اور تادمِ زیست اپنی توبہ پہ قایم رہا۔

وَاِنْ یَّتَوَلَّوْا اور اگر وہ اعراض کریں یعنی اپنے کفر و نفاق پر بضد رہیں، یعنی دین سے روگردانی پر ڈٹے رہیں۔ یُعَذِّبْھُمُ اللّٰہُ عَذَابًا اَلِیْمًا فِی الدُّنْیَا تو انہیں اللہ تعالیٰ دنیا میں قتل و قید اور لوٹ مار اور دیگر سخت سزائیں دے کر دردناک عذابوں میں مبتلا فرمائے گا وَالْاٰخِرَۃِ ج اور آخرت میں جہنم کے سخت سے سخت عذاب میں مبتلا کرے گا وَمَا لَھُمْ فِی الْاَرْضِ اور زمین کی وسعت اور دور دور تک پھیلے ہونے اور اس میں بے شمار خلقِ خدا موجود ہونے کے باوجود ان کے لیے نہیں ہو گا۔ مِنْ وَّلِیٍّ کوئی دوست جو ان کی دستگیری کرے وَّلَا نَصِیْرٍ ○ اور نہ ہی کوئی مددگار جو انہیں عذابِ الٰہی سے بچائے شفاعت کر کے یا اپنے زورِ بازو سے۔

مسئلہ: آیت سے معلوم ہوا کہ گنہگار کی نجات استغفار اور توحید و توجہ الی علام الغیوب کے سوا ناممکن ہے اگرچہ عالم دنیا میں اسے بہت بڑی دنیوی، سیاسی اور فوجی طاقت حاصل ہو۔

حکایت حضرت محمد بن جعفر فرماتے ہیں کہ میں بادشاہِ وقت کے ساتھ کشتی میں سوار تھا۔ بادشاہ نے جاتے جاتے کہہ دیا کہ اللہ بھی واحد (لاشریک) ہے اور میں بھی۔ میں نے اسے منع کیا اور کہا کہ اگر دوبارہ ایسے کہو گے تو ہم سب دریا میں ڈوب کر مر جائیں گے۔ اس نے کہا، وہ کیسے؟ میں نے جواب دیا، تم ایک نہیں بلکہ دو ہو:

۱۔ رُوح   ۲۔ جسد

اور دو سے پیدا ہوئے ہو یعنی ماں باپ سے۔ اور دو میں رہتے ہو یعنی رات اور دن۔ اور دو کے ذریعے زندہ ہو یعنی خورد و نوش سے۔ اور دو چیزیں تمہارے اُوپر ہر وقت سوار ہیں: فقر، عجز۔ اور واحد صرف وہی اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا اور کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔

ف: کسی دانا نے فرمایا کہ بہشت کا داخلہ تین وجوہ سے ہوگا:

○ کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو ماننے سے۔
○ گناہوں سے استغفار کرنے سے۔
○ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی تمجید سے۔

ف: بہشت میں داخل ہوتے ہی اہل بہشت پڑھیں گے:

الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن۔

تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے ہمارے سے حزن دور فرمایا۔

ف: الحزن سے قبر، حساب و کتاب اور جہنم مراد ہے۔ "ان ربنا لغفور" بیشک ہمارا رب ہمارے چھوٹے بڑے گناہ بخشنے والا ہے "شکور" چھوٹی بڑی نیکی قبول کرنے والا ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے رب تعالیٰ کا حکم ہے کہ میں لوگوں سے جنگ و جدال کروں یہاں تک کہ وہ کہیں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا:

دلت آئینۂ خدا نما ست   روئے آئینۂ تو تیرہ چرا ست
صیقلے وار صیقلے میزن   باشد آئینہ ات شود روشن
صیقل آں اگر نہ آگاہ   نیست جز لا الٰہ الا اللہ

ترجمہ: تیرا دل آئینہ اور خدا نما ہے پھر تیرا دل سیاہ کیوں ہے دل کو صاف کر امید ہے تیرا یہ شیشہ منور

صاف ہو جائے گا۔ دل کے صاف کرنے کا صیقل سوائے لا الٰہ الا اللہ کے اور کوئی شے نہیں۔ یہ سبق یاد کر لے اگر تمہیں معلوم نہیں۔

تفسیر صوفیانہ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ میں اشارہ ہے کہ بعض مریدین خواہشات نفسانی اور نفوس امّارہ اور شیطان کی شرارت کے غلبہ سے اپنے مشایخ اور اولیاء پر اعتراض اور ان کی شان میں کفریہ کلمات بکتے ہیں[1] یعنی اولیاء کے کمالات و فضائل کا انکار اور ان پر اعتراضات کرنا منافقین (بدبختوں) کا کام ہے۔ ایسے لوگ اگرچہ بظاہر اور زبانی طور اسلام کا دم بھرتے اور اولیاء کرام کی کرامات و فضائل کا اقرار کرتے ہیں لیکن قلبی طور اور حقیقۃً اولیاءِ کرام کے منکر ہیں[2]۔ جب اولیاء کرام ایسے بدبختوں کی خبث باطنی کی خبر دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تم اندرونی طور اللہ والوں کے دشمن ہو تو وہ قسمیں[3] کھا کر کہتے ہیں کہ ہم اولیاءِ کرام کے منکر نہیں ہیں اور نہ ہی ہم ان کے گستاخ ہیں اور نہ ان کی شان میں کمی کرتے ہیں اور ان کا ارادہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اولیاءِ کرام کی پیروی کے بغیر یا وقت سے پہلے ہی مسندِ مشیخت پر بیٹھیں اور عوام پر اپنا سکہ بٹھائیں، ان کے لیے ایسا ہونا مشکل ہے۔ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ اور وہ مشایخ پر صرف اس حیثیت سے اعتراضات کرتے ہیں کہ مشایخ نے انہیں ولایت کے مراتب سے روشناس کرایا اور آثارِ رشد و ہدایت سے انہیں بہرہ ور فرمایا۔ لیکن چونکہ یہ ازلی بدبخت تھے اپنی پست ہمتی سے ولایت کے انوار و تجلیات نہ بچا سکے بلکہ شیطان نے انہیں اپنی اچھی کارگزاریوں پر ابھار کر دارین کی بہبودیوں سے محروم رکھا اس لیے وہ دارین میں اندھے، بہرے اور گونگے رہے۔ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا اگر وہ عجز و انکسار اور الحاح و زاری کر کے اپنے مشایخ (اولیاء) سے معافی لے کر ولایت کی راہوں پر واپس آئیں۔ يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ تو ان کے لیے بھلائی ہے کہ ولایت کی غیرت اور ارتداد کی سزا سے نجات پا لیں گے اس لیے کہ ولایت کی غیرت اور ولایت کے ارتداد کی سزا بہت سخت ہے اس سے بچنے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ کسی کامل کا دامن مضبوطی سے تھام لے اسی میں اس کی نجات ہے اور بس۔ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا اور اگر وہ اللہ والوں (مشایخ) کی ولایت کا انکار کریں اور انہیں نہ مانیں۔ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ دنیا و آخرت کی سزا ایسے بدبخت کو یوں نصیب ہوگی کہ اس سے ولایت کا جوہر چھین لیا جائے گا۔

مسئلہ: یاد رہے کہ شریعت کے مرتد سے طریقت کے مرتد کا گناہ بہت بڑا ہے اس لیے اس کی سزا بھی بہت بڑی سخت ہے۔

ملفوظِ جنید: سیدنا جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ صدیق کا مرتبہ پا کر اور کوئی ہزار سال اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے لیکن

---

[1] یہی کام آجکل دیوبندیوں وہابیوں نجدیوں مودودیوں نے سنبھال رکھا ہے۔ ۱۲

[2] آزما کر دیکھیے یہی شیوہ دیوبندیوں وہابیوں، تبلیغی جماعت اور مودودیوں (جماعت اسلامی) والوں کا ہے۔ ۱۲

[3] ایسے ہی مذکورہ بالا لوگوں کی عادت ہے کہ جھوٹ بول کر قرآن سر پر رکھ لیتے ہیں۔ ۱۲

بدقسمتی سے صرف ایک گھڑی روگردانی کرے تو تمام مراتب ضایع ہوکر سخت سزا کا مستحق ہوجائے گا یعنی ہزار سالہ عبادت و ریاضت ضایع ہوگئی اور سزا کا استحقاق مزید برآں۔

ف : طریقت کے مرتد کی دنیوی سزا یہ ہے کہ اس سے قلب کی صدق وصفائی چھین لی جائے گی اور اسے طلبِ حق کے دروازے سے ہٹا دیا جائے گا اور اس کے آگے ہزاروں پردے لٹکا دیے جائیں گے اور اسی معنوی ذلت وخواری میں مبتلا کیا جائے گا اور اس پر ہوا و ہوس کو مسلط کیا جائے گا اس کے اخلاص کو ریاء اور حرص علی الدنیا اور جاہ وجلال اور حشمت و وجاہت کی طلب میں تبدیل کیا جائے گا اور اس کی آخرت کی سزا یہ ہے کہ اس کے دل پر حسرت وندامت کو مسلط کرکے اسے دائمی جدائی و مفارقت کی آگ میں جلایا جائے گا یہ نارِ ہجرانِ الٰہی وہی ہے جو بدبختوں کے قلوب کو جھلس دے گی۔

وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ ۝ میں اشارہ ہے کہ جو شیخ کامل ولی اللہ کی ولایت کا مردود ہے اس کا دنیا میں کوئی حامی و مددگار نہیں اگرچہ عالمِ دنیا کے تمام مشایخ اولیاءِ کرام اس کے لیے سفارش کریں اور اپنے شیخ سے اگر مردود ہوچکا ہے تو وہ اگرچہ ہزاروں مشایخ کی ارادت کا دم بھرے یا بے شمار اولیاء کرام کی خدمت کرے تب بھی اپنی بدبختی سے نہیں نکل سکے گا اور نہ ہی اسے کوئی کامل اس بدبختی سے نکال سکے گا، ہاں اللہ تعالیٰ چاہے تو وہ مالک ومختار ہے۔

(کذا فی التاویلات النجمیہ)

ف : اسی لیے ہم اہلسنت (صوفیاءِ کرام) اپنے شیخ کی ارادت پر کسی ولی کامل کی ارادت وعقیدت کی ترجیح کے روادار نہیں۔ فافهم ولا تكن من الجاهلين والوهابيين۔

تفسیرِ عالمانہ وَمِنْهُمْ اور ان منافقین میں سے بعض ایسے ہیں مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے حلفیہ معاہدہ کیا لَئِنْ اٰتٰنَا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں دیا مِنْ فَضْلِهٖ اپنے فضل وکرم سے مال لَنَصَّدَّقَنَّ تو ہم زکوٰۃ کے علاوہ دیگر صدقات وخیرات دیں گے۔ یہ دراصل "لنتصدقن" تھا۔ تاء کو دال میں مدغم کیا گیا ہے۔ التصدق بمعنے صدقہ دینا۔ اور اسے صدقہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ بندے کے صدق فی العبودیۃ پر دلالت کرتا ہے۔ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ اور ہم ہر حال میں نیک لوگوں سے ہوں گے۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے ان کی مراد حج تھی۔

شانِ نزول یہ آیت ثعلبہ بن حاطب کے حق میں نازل ہوئی اور وہ ابتداءً مسجدِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عبادت میں بہت زیادہ مشغول رہتا۔ اسے "حمامۃ المسجد" "مسجد کی کبوتری" لقب دیا گیا۔ کثرتِ سجود سے اس کے ماتھے پر نہ صرف داغ پڑ گیا بلکہ ماتھا اونٹ کے گھٹنے کی طرح باہر کو نکل آیا۔ لیکن وہ مسجد سے بہت جلد نکل جاتا۔ ایک

---

[1] اب یہ کیفیت وہابیوں میں ہے۔ ۱۲

دن اس سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا وجہ ہے کہ تم نماز سے جلد چلے جاتے ہو۔ یہ تو منافقین کا کام ہے، کہ صبح کی نماز پڑھتے ہی بلا تاخیر گھر چلے جانا، حالانکہ نماز کے بعد کچھ دیر دُعا و استغفار کرنا چاہیے۔ اس نے عرض کی: میں نہایت ہی تنگدست ہوں یہاں تک کہ میرے ہاں صرف ایک کپڑا ہے جس سے نماز پڑھ کر پھر جلدی گھر چلا جاتا ہوں اس سے میری عورت نماز ادا کرتی ہے اور وہ گھر میں ننگی بیٹھی ہے جب تک میں نہیں جاتا وہ نماز نہیں پڑھ سکتی فلہٰذا اے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم! میرے لیے دُعا فرمائیے تاکہ میں مالدار ہو جاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: وَيْحَكَ يا ثعلبه "تمہیں خرابی ہو اے ثعلبہ۔

ف: ويحك۔ یہ کلمہ عذاب کا ہے۔ بعض کے نزدیک یہ شفقت کا کلمہ ہے۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اے ثعلبہ! تھوڑا مال جس کا تو شکر ادا کرے اُس بہت سے بہتر ہے جس کا شکر ادا نہ کر سکے۔ دوبارہ پھر ثعلبہ نے حاضر ہو کر یہی درخواست کی اور کہا اسی کی قسم میں نے آپ کو سچا نبی بنا کر بھیجا کہ اگر وہ مجھے مال دے گا تو میں ہر حق والے کا حق ادا کروں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی، اللہ تعالیٰ نے اس کی بکریوں میں برکت فرمائی اور اتنی بڑھیں کہ مدینہ میں ان کی گنجائش نہ رہی تو ثعلبہ ان کو لے کر جنگل میں چلا گیا اور جمعہ و جماعت کی حاضری سے بھی محروم ہو گیا حضور نے اس کا حال دریافت فرمایا تو صحابہ نے عرض کیا کہ اس کا مال بہت کثیر ہو گیا ہے۔ اور اب جنگل میں بھی اس کے مال کی گنجایش نہ رہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ثعلبہ پر افسوس۔ پھر جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کی تحصیل کرنے والے بھیجے لوگوں نے انہیں اپنے اپنے صدقات دیے جب ثعلبہ سے جا کر انہوں نے صدقہ مانگا۔ اس نے کہا کہ یہ تو ٹیکس ہو گیا جاؤ میں سوچ لوں۔ ثعلبہ کی مذکورہ بالا حالت پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا، فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ پس جب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں مال عطا فرمایا بَخِلُوْا بِهٖ تو انہوں نے اس کے ساتھ بخل کیا یعنی مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے روکا وَتَوَلَّوْا اور اللہ تعالیٰ کے معاہدہ اور اطاعت سے رُوگردانی کی وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○ [illegible] روگردانی کرنے والے ہیں یعنی انھیں روگردانی عارض ہوئی۔

ثعلبہ کا بقایا قصہ اور حضور علیہ السلام کا علم غیب

جب زکوٰۃ جمع کرنے والے واپس آئے تو قبل اس کے کہ وہ ثعلبہ کا حال سناتے، حضور علیہ السلام نے فرمایا: یا ویح ثعلبه۔ یہ کلمہ آپ نے دو بار فرمایا یعنی ثعلبہ پر افسوس۔ تو یہ آیت نازل ہوئی پھر ثعلبہ صدقہ لے کر حاضر ہوا تو سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے قبول فرمانے کی ممانعت فرما دی۔ وہ اپنے سر پر خاک ڈال کر واپس ہوا پھر اس صدقہ کو خلافتِ صدیقی میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لایا انھوں نے بھی اسے نہ فرمایا۔ پھر خلافتِ فاروقی میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لایا۔ انہوں نے بھی [illegible] اور خلافتِ عثمانی میں ہلاک ہو گیا۔[1]

---

[1] اس سے میرے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کا ثبوت ہے کہ آپ نے قبل از وقت ثعلبہ کو انجام بد کا اشارہ فرما دیا ہے، [illegible] معلوم ہوا کہ [illegible] باقی بجھو آئندہ

ف: ایک روایت میں ہے کہ اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اطلاع دی کہ اے بدبخت! تیرے حق میں آیت نازل ہوئی ہے۔ یہ سُن کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ تجھے سزا ہے تیرے اس قول کی جبکہ تُو نے کہا کہ یہ زکوٰۃ جِزیہ ہے۔ باقی مضمون پہلے کی طرح ہے

فَاَعْقَبَهُمْ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے فعل کے پیچھے ڈالا۔ یہاں گویا لفظ فعل مضاف محذوف ہے نِفَاقًا منافقت جو گھس چکی ہے فِیْ قُلُوْبِهِمْ ان کے دلوں میں یعنی ان کے اعتقاد بُرے ہو چکے ہیں۔ یہ اس محاورہ سے ہے، مثلاً کہا جاتا ہے "اعقبه الله خیرًا" یعنی اللہ تعالیٰ نے فلاں کا انجام کار خیر بنایا۔ یا کہا جاتا ہے "اکلت سمکًا فاعقبتنی سقمًا" یعنی میں نے مچھلی کھائی اس کا انجام بیماری بنی۔ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ اس دن تک کہ جسے وُہ پائیں گے یعنی ان کی موت تک انہیں منافقت نہیں چھوڑے گی۔ اس سے ثابت ہُوا کہ تادمِ زیست ان کو منافقت لازم ہو گئی تھی نیز معلوم ہوا کہ جو اللہ تعالیٰ کا حق ادا نہیں کرتا اور اس کے ہاں مال ہو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتا تو اس کا نتیجہ بُرا نکلے گا جیسے ابلیس کا انجام بربادی ہُوا یا ثعلبہ کا (نعوذ باللہ) ابلیس نے ایک حکم سے روگردانی کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے ملعون بنا کر ہمیشہ کے لیے اپنے دروازے سے ہٹا دیا۔ حالانکہ اس سے قبل وہ اسّی ہزار سال عبادت کرتا رہا لیکن اس کے باوجود اب وہ ہمیشہ کے لیے ملعون ٹھہرا اور نہایت سخت عذاب میں مبتلا ہو گا۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا: ؎

زاہد ایمن مشو از بازیٔ غیرت زنہار
کہ رہ از صومعہ تا دیر مغاں اینہمہ نیست

ترجمہ: اے زاہد! زمانہ کی غیرت سے بے غم نہ ہو ممکن ہے وہ غیور رب تجھے مسجد سے اٹھا کر بُت خانہ میں بھیج دے اور بُت پرست کو تیری جگہ مسجد میں۔

بِمَاۤ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ بسبب اس کے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے جو وعدہ کیا اس کے خلاف کیا یعنی وعدہ کیا تھا کہ وُہ صدقہ دیں گے اور نیک ہوں گے۔ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝ اور بوجہ ان کی تکذیب کے۔ یعنی انہوں نے عزم کر رکھا ہے کہ وہ ہر قول و فعل میں حضور علیہ السلام کے حکم کے خلاف کریں گے منجملہ ان کے یہ بھی ہے جو ثعلبہ کے واقعہ میں مذکور رہا۔ اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا کیا تمہیں معلوم نہیں یعنی جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے معاہدہ کیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مال کی کثرت اگرچہ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق خرچ نہ ہو سکے تو تباہی کا موجب ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ: ؎

محمد بخشد گنہگار حق را
ولے حق نہ بخشد خطائے محمد
(جامی رحمۃ اللہ علیہ)

خرچ کریں گے اور نیک ہوں گے۔ یہ استفہام تقریری ہے یعنی انہیں معلوم ہے۔ اَنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ سِرَّھُمۡ بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ وہ اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں۔ یعنی ان کے دلوں میں پختہ ارادہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کریں گے لیکن اسے بیان نہیں کرتے وَ نَجۡوٰىھُمۡ اور ان کی ان سرگوشیوں کو جانتے ہیں جو آپس میں ایک دوسرے سے مشورہ وغیرہ کرتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زکوٰۃ چٹی ہے۔ اور ایسی اور غلط باتیں جو اسلام کے سراسر خلاف ہیں۔

ف: التناجی بمعنے ایک دوسرے سے راز کی بات کرنا۔ مثلاً کہا جاتا ہے نجاہ نجوی و ناجاہ مناجات بمعنے سارہ۔ یعنی فلاں سے فلاں کی راز کی بات کی۔ اور النجوی بمعنے راز کی بات۔ اسی طرح النجی۔

وَاَنَّ اللّٰہَ عَلَّامُ الۡغُیُوۡبِ ۚ۝ اور بے شک اللہ تعالیٰ غیوب کو جانتا ہے یعنی اس سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ پھر منافقت کی باتوں کو دل میں رکھ کر کیسے سمجھتے ہیں کہ اس سے کسی کو خبر نہ ہوگی۔ ؎

مکن اندیشۂ عصیاں چو می دانی نہ می داند
مبینی در رُخ این و آں چو میدانی کہ می بیند

ترجمہ: جب تمہیں یقین ہے کہ وہ تیرے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے تو پھر گناہ نہ کر بلکہ اس سے تائب ہو جا۔

مسائل فقہیہ

مسئلہ: کسی نے صرف اللہ تعالیٰ کی قربت کی طلب میں منت مانی، مثلاً کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے ہزار درہم عنایت فرمایا تو میں پانچسو درہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کروں گا تو اس پر لازم ہے کہ وہ پانچسو روپیہ اللہ تعالیٰ کے لیے خرچ کرے۔

مسئلہ: کسی نے قربت کے لیے نہیں بلکہ ویسے ہی منت مانی۔ مثلاً کہا کہ میں فلاں دار میں ضرور داخل ہوں گا۔ یا کسی گناہ کی منت مانی۔ مثلاً کہا میں فلاں کو قتل کروں گا۔ اس پر لازم ہے کہ صورتِ اولیٰ میں حانث ہونے پر کفارہ ادا کرے، اور قتل کی صورت میں مثلاً اس پر لازم ہے کہ قتل نہ کرے بلکہ کفارہ ادا کرے۔

قسم کا کفارہ

قسم کا کفارہ یہ ہے کہ غلام آزاد کرے یا دس مسکینوں کو طعام کھلائے یا دس مسکینوں کو کپڑا دے، یعنی ان تینوں میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے۔ اگر ان تینوں مذکورہ بالا امور میں سے کسی کی طاقت نہیں تو تین دن مسلسل روزے رکھے۔

مسئلہ: اگر کسی شرط کے ساتھ مشروط منت مانی مثلاً کسی شے کے ہونے سے فعل کو مشروط کیا جیسے کہا کہ اگر فلاں سفر سے بخیریت واپس آیا یا میں سفر سے بخیریت واپس آیا یا اگر اللہ تعالیٰ نے میرے فلاں مریض کو شفا بخشی یا اللہ تعالیٰ نے میرا قرض اتار دیا تو میرے اوپر روزہ ہے یا صدقہ۔ یا مثلاً کہا اگر میں غلام کا مالک ہو گیا یا فلاں مخصوص غلام میرے قبضہ میں آگیا تو مجھ پر لازم ہے کہ میں اسے آزاد کر دوں۔ ان صورتوں میں اسے شرط کے پورے ہونے پر منت کا پورا کرنا لازم ہے، اس لیے کہ ایسے الفاظ میں نذر کے مسائل مرتب ہوتے ہیں اس لیے کہ ان الفاظ میں یمین کا معنیٰ نہیں ہے۔

مسئلہ: ایسی صورت میں کسی شے کا وجود مقصود نہیں یعنی منت کو مشروط بالشرط کرتا ہے لیکن اس میں کسی شے کا وجود مطلوب نہیں مثلاً اگر میں نے فلاں سے بات کی یا میں دار میں داخل ہوا تو مجھ پر ایک سال کا روزہ ہے ایسی صورت میں خلاف کرنے پر کفارۂ یمین کافی ہے۔

مسئلہ: ایسی شے کی منت ماننے جو اس کے فرائض میں شامل ہے۔ مثلاً روزہ، نماز، صدقہ، اعتکاف ایسی صورتوں میں اس پر ان کی ادائیگی منت ماننے والے پر لازم ہے۔

مسئلہ: اگر منت والے پر وہ امور فرائض سے نہیں مثلاً عیادت مریض یا جنازہ کی شمولیت و دخول مسجد، پُل کا بنانا، رباط تیار کرنا، سقایہ، قرأت قرآن وغیرہ وغیرہ۔ ایسی صورتوں میں اس پر کوئی شے لازم نہیں۔

قاعدہ: جو افعال اللہ تعالیٰ کی طرف سے واجب ہیں وہ افعال بندہ اپنے اوپر واجب کر سکتا ہے ورنہ نہ، تاکہ نذر سے معلق کرنے سے اس کی مصلحت اسے نصیب ہو۔

مسئلہ: نذر غیر معلق کسی زمان و مکان کی محتاج نہیں جب اور جہاں ادا کرے جائز ہے۔ اسی طرح دراہم و دنانیر اور جنس گندم وغیرہ بھی اس میں ضروری نہیں جو چاہے جیسے چاہے ادا کرے بخلاف معلق کے کہ اس میں شرائط ضروری ہیں۔ مثلاً کسی نے کہا کہ میں منت مانتا ہوں کہ یہ درہم آج کے دن اسی فلاں فقیر پر خرچ کروں گا اگر اس نے آج کے بجائے کل اور کسی غیر معین فقیر پر کوئی درہم خرچ کیا تو جائز ہے۔ یہ احناف کے جملہ ائمہ کے نزدیک ہے۔ خلافاً لزفر رحمہم اللہ تعالیٰ۔

فائدہ: حقیقی مساجد تین ہیں:

○ مسجد حرام

○ مسجد نبوی

○ مسجد اقصیٰ

اس لیے کہ یہ انبیاء علیہم السلام کی تیار کردہ ہیں انہیں انبیاء علیہم السلام کی وجہ سے فضیلت حاصل ہے اگر کسی نے منت مانی کہ میں ان میں کسی ایک مسجد میں نماز پڑھوں گا تو اس پر اسی معین مسجد میں نماز پڑھنا ضروری ہے بخلاف دوسری کسی مسجد کے کہ ان میں کسی خاص مسجد کی منت مانی تو اسے ضروری نہیں کہ وہ اسی مسجد میں جا کر نماز پڑھے بلکہ جس مسجد میں پڑھ لے اس کے لیے جائز ہے۔

مسئلہ: کذب، خلاف وعدہ اور امانت میں خیانت کا نام منافقت ہے۔

فائدہ: یہ اس کے لیے منافقت کی علامت ہیں جو ان امور کا عادی بن جائے۔

مسئلہ: صدق اور طاعت پر مداومت ایمان کی علامت ہے۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ نے صدق کو پیدا فرمایا تو اس کا ظل ایمان ہوا۔ اور کذب کو پیدا فرمایا تو اس سے کفر و منافقت کا ظل ظاہر ہوا۔

حدیث شریف: تین ایسی خصلتیں ہیں جس میں پائی جائیں وہ خالص منافق ہے:

○ کذب

○ وعدہ خلافی

○ امانت میں خیانت

اگرچہ وہ نماز پڑھے، روزہ رکھے اور اپنے آپ کو مسلم بتائے یعنی جو عمداً جھوٹ بولے اور خلاف کرنے کے لیے وعدہ کرے۔ اور امانت کا انتظار صرف خیانت کے لیے رکھے۔

مسئلہ: یہ ہر اس شخص کے لیے ہے جو ان امور کا عادی ہو ورنہ کبھی کبھار یا غفلت سے غلطی ہو جائے تو اگرچہ بہت بڑا گناہ کیا لیکن اس کا شمار منافقین میں سے نہ ہوگا۔ یہی بخاری اور بعض علماء کا مذہب ہے اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ یہی منافقین کی نشانیاں ہیں جس میں پائی گئیں اگرچہ وہ منافق نہ ہو تب بھی علامات تو اس میں ہیں اس لیے اسے شبیہ بالمنافق کہا جائے گا۔ بطور تغلیظ اسے منافق کہنا مجازاً ہوگا جیسے اللہ تعالیٰ نے بطور تغلیظ من لم یحج کے بجائے من یکفر فرمایا ہے۔

فائدہ: صاحبِ تحفہ نے لکھا کہ ضروری نہیں کہ منافقین کی صرف یہی تین علامتیں ہوں بلکہ جس کا ظاہر باطن کے خلاف ہو، وہ منافق ہے۔

فائدہ: منافق دو قسم ہیں:

١۔ ابتداءً اسلام کا اعلان کرتے لیکن دل سے متنفر تھے ایسے لوگوں پر منافقت کی صفات کا غلبہ اور ان کے نفوس میں منافقت جڑ پکڑ چکی تھی۔

٢۔ اسلام کا اعلان کرتے، دل سے اس سے متنفر تھے لیکن منافقت کی صفات کا ان پر غلبہ نہیں تھا بلکہ ایسی صفات انکے نفوس میں پوشیدہ تھیں کہ گاہ گاہ ظاہر ہو جاتیں اور ان میں یہ صفات ابتداءً کمزور تھیں پھر جوں جوں منافقت بڑھتی گئی ان کی وہ صفات قوت پکڑتی گئیں یہاں تک کہ اسلام کے متعلق ان کے قلوب میں شکوک مضبوط اور پختہ ہو گئے۔ ایسے لوگ اپنی منافقت سے غافل ہوتے ہیں اسی لیے وہ روزے بھی رکھتے اور نماز بھی پڑھتے ہیں اور وہ اپنے لیے مسلمان ہونے کے مدعی ہوتے ہیں۔

حجاج بن یوسف کی مذمت حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عالم دنیا یعنی تمام انبیاء علیہم السلام کی اُمتوں کی منافقتیں حجاج بن یوسف کے مقابلہ میں لائی جائیں تو ان سب پر حجاج کی منافقت بڑھ جائے گی۔

صاحبِ روح البیان کے دور کے وزراء اور مشیرانِ کار

صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز قدس سرہٗ نے اپنے زمانہ کے حجاج کو دیکھ کر فرمایا: اگر ہمارے دورِ عثمانیہ کے وزراء اور مشیرانِ کار کو دیکھ لیتے تو فرماتے کہ حجاج ان کے مقابلہ میں کچھ نہیں۔ فقیر اویسی غفرلہٗ اگر صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ ہمارے دور کے وزراء و مشیرانِ کار کو دیکھتے تو بے ساختہ کہہ اٹھتے کہ یہ صاحبان اپنی نظیر آپ ہیں اس لیے کہ وہ علت صاحبِ رُوح البیان نے بتائی۔ وہ ہمارے دور کے وزراء و مشیرانِ کار میں بدترین طریق سے پائی جاتی ہیں مثلاً صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا کہ ہمارے دور کے وزراء کفّار سے رشوت لیتے ہیں تاکہ ان سے جنگ و جدال میں چشم پوشی کریں، اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل و خوار کرے۔

ہمارے دور کے وزراء کا حال عوام سے مخفی نہیں کہ وہ اہلِ اسلام سے نہ صرف رشوت کھاتے ہیں بلکہ ان میں ایسی خرابیاں پائی جاتی ہیں جنہیں دیکھ کر اور سُن کر حیاء و شرم والے انسان کو ڈوب مرنے کو جی چاہتا ہے۔

مسئلہ: آیت میں بخل اور حرص علی الدنیا کی مذمت ہے۔

حدیث شریف: تین ایسے شخص ہیں جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند ہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ اور تمام لوگوں اور جمیع ملائکہ کی لعنت میں ہیں:

○ بخیل

○ متکبر

○ بسیار خور

حدیث شریف: خرابی بلکہ سخت پریشانی ہوگی قیامت میں اغنیاء کو غرباء فقراء سے جب فقراء اغنیاء کے خلاف اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کریں گے کہ یا اللہ! اغنیاء نے ہمیں اپنے اموال سے حقوق نہ دے کر ہمارے اوپر ظلم کیا حالانکہ ان پر ہماری خدمت فرض تھی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: مجھے اپنے جلال و عزت کی قسم میں اغنیاء کو اپنے سے دور کر کے تم فقراء کو اپنا قرب عطا کرتا ہوں۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

گنج قاروں کہ فرو میرود از قہر ہنوز
خواندہ باشی کہ ہم از غیرت درویشانست

ترجمہ: قارون کا خزانہ جو قہرِ الٰہی سے تاحال زمین میں دھنسا جا رہا ہے تم نے پڑھا ہے تو یاد رکھ وہ درویشوں کی غیرت کا نتیجہ ہے۔

حدیث شریف: ولی اللہ کی تخلیق ہی سخاوت پر ہوئی ہے یعنی ولی اللہ فطری طور پر سخی ہوتا ہے اور سب سے بڑا سخی اللہ تعالیٰ ہے

یعنی اس نے تمام کائنات کو خلعت وجود مفت عطا فرمائی پھر ان پر ظاہرہ باطنہ مختلف نعمتیں عطا فرمائیں اور انہیں مہلکات سے بچایا بالخصوص شہوات اور خاص طور پر بخل سے محفوظ کر کے لذات باقیہ کا شوق عنایت فرمایا۔

اَلَّذِيْنَ یہ مرفوع ہے اور منافقین کی مذمت کے لیے ہے یعنی منافقین وہ ہیں کہ يَلْمِزُوْنَ قاموس میں ہے کہ لمز بمعنے عیب اور کسی کے بے آنکھ سے اشارہ کرنا یعنے عیب لگاتے اور غیبت کرتے ہیں اَلْمُطَّوِّعِيْنَ دراصل المتطوعین تھا یعنی نفلی صدقہ دینے والوں پر۔ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ یہ المطوعین سے حال ہے یعنی درانحالیکہ جن پر منافقین عیب لگاتے ہیں وہ اہل ایمان ہیں فِي الصَّدَقٰتِ یہ یلمزون کے متعلق ہے یعنی وہ مومنین پر صدقات کے متعلق عیب لگاتے ہیں۔

شانِ نزول مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن لوگوں کو غزوہ تبوک میں اللہ تعالیٰ پر خرچ کرنے کی ترغیب دلائی تو سب سے پہلے سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے گھر کا سارا سامان لاکر بارگاہِ رسالت میں پیش کر دیا جس کی کل مالیت چار ہزار درہم تھی۔ انہیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

هل ابقيت لاهلك شيئاً کیا آپ نے اپنے بچوں کے لیے بھی کچھ چھوڑا ہے یا نہ۔

انہوں نے عرض کی:

ابقيت لهم الله ورسوله۔ میں ان کے لیے اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ آیا ہوں۔

ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا آدھا مال لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

بچوں کے لیے کیا چھوڑ آئے ہو؟

عرض کی کہ آدھا مال بچوں کے لیے چھوڑ آیا ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دونوں میں یہی فرق ہے جو تم نے خود بتایا۔

مسئلہ: اس روایت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت ثابت ہوئی۔

ان کے بعد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت سا مال لائے کہ اس سے قبل آپ نے کبھی اتنا خرچ نہیں کیا ہوگا۔ دس ہزار دینار جنگی ضروریات کے لیے، اور ایک ہزار حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نذرانہ، اور تین سو اونٹ جنگی سامان سمیت، اور پچاس گھوڑے پیش کیے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دعا دیتے ہوئے فرمایا:

اللهم ارض عن عثمان فانی عنه راض۔ اے اللہ! میں عثمان رضی اللہ عنہ سے راضی ہوا اور تو بھی اس سے راضی ہو جا۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ یا اللہ! جس گمراہ سے میں نے شادی کی اور جس کے ساتھ میں نے اپنی صاحبزادی کا نکاح کر دیا وہ دوزخ میں داخل نہ ہو۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو وہ خوش نصیب بزرگ ہیں جنہیں حضور علیہ السلام نے اپنی صاحبزادی رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے

نکاح سے نوازا، وہ فوت ہوئیں۔ ان کی فوتیدگی غزوۂ بدر کی روانگی کے وقت ہوئی، تو پھر جب حضور علیہ السلام غزوۂ بدر سے فراغت پاکر لوٹے تو حضرت عثمان کو اپنی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے نکاح سے نوازا۔ اس بناء پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا لقب ذوالنورین ہے۔ جب بی بی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لو کان عندی ثالثۃ لزوجتکہا۔ یعنی اے عثمان! اگر میری تیسری صاحبزادی ہوتی تو میں تیرا نکاح اس سے کر دیتا۔

ان کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف چار ہزار درہم لائے اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا کل مال آٹھ ہزار درہم تھا، چار ہزار تو یہ راہِ خدا میں حاضر ہے اور چار ہزار میں نے گھر والوں کے لیے روک لیے ہیں۔ حضور نبی کریم علیہ وسلم نے فرمایا: جو تم نے دیا اللہ اس میں بھی برکت فرمائے اور جو روک لیا اس میں بھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا یہ اثر ہوا کہ ان کا مال بہت بڑھا، یہاں تک کہ جب ان کی وفات ہوئی تو انہوں نے چار بیبیاں چھوڑیں، انہیں آٹھواں حصہ ملا جس کی مقدار ایک لاکھ ساٹھ ہزار درہم تھی۔ ایک روایت میں اسّی ہزار اور کئی درہم بھی وارد ہوا ہے۔ اور ان کا کل مال تین لاکھ بیس ہزار درہم تھا یعنی کل جائداد کا آٹھواں حصہ مذکورہ مال تھا۔ ایک روایت میں سونے کے چالیس اوقیے بھی وارد ہوا ہے۔ اس لیے روایات میں آتا ہے کہ حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو "اللہ تعالیٰ کے خزانے" کہا جاتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے لیکن مال میں الٹا برکت ہی برکت ہوتی۔

ان کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی بہت سا مال لائے۔

اسی طرح حضرت طلحہ نے بھی، اور حضرت عاصم بن عدی نے کھجوروں کا ایک وسق پیش کیا اور ایک وسق نبوی ساٹھ صاع کے برابر تھا اور نبوی صاع چار مد کا تھا۔ ایک مد امام ابویوسف و امام شافعی کے نزدیک بغدادی ایک رطل اور تہائی رطل کے مساوی تھا اور ایک رطل ایک سو تیس دراہم کا ہوتا ہے۔ اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک مد دو رطل کا ہوتا ہے۔

اسی طرح عورتوں نے حسبِ استعداد اپنے زیورات پیش کیے۔

ان کے بعد ابوعقیل انصاری حاضر ہوئے اور عرض کی: ایک سیر میری کھجوریں بھی قبول فرمائیے، اور یہ میری وہ مزدوری ہے کہ ساری رات کماتا رہا مجھے صرف دو صاع کھجوریں ملیں، ایک صاع میں نے بچوں کے لیے رکھ چھوڑی ہیں اور ایک صاع حاضر کر دی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے صدقہ کے ڈھیر میں ڈال دے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس قربانی کو منافقین نے ریاء وسمعۃ پر محمول کرتے ہوئے کہا کہ عبدالرحمٰن نے تو ریاء اور شہرت کے لیے مال خرچ کیا ہے، اور ابوعقیل بھی اسی لیے مال لایا ہے کہ اس کا بھی نام یاد کیا جا سکے اور جتنا لایا ہے اس سے زیادہ اسے ملے ورنہ اللہ تعالیٰ کو ایک صاع کھجوروں کی کیا ضرورت ہے۔ منافقین کی اس طعن و تشنیع پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ اور ان پر طعن کرتے ہیں جو نہیں پاتے مگر اپنی محنت سے۔ اس کا

عطف المطوعین پر ہے یعنی منافقین ان کے صدقہ دینے پر عیب لگاتے ہیں جو اپنی محنت سے صدقہ دیتے ہیں۔

ف : صاوی نے فرمایا کہ منافقین نے زیادہ خرچ کرنے والوں کو ریاء و سمعہ اور تھوڑا خرچ کرنے والوں کو تھوڑا خرچ کرنے کا طعنہ دیا۔

حلِ لغات : الجهد اگر بالفتح ہو تو بمعنے مشقت۔ اگر بالضم ہو تو بمعنے طاقت ہوگا۔ بعض کہتے ہیں پہلا بمعنے الجهد فی العمل اور دوسرا الجهد فی القوۃ میں مستعمل ہے۔

فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ پس وہ ان سے ہنستے ہیں۔ اس کا عطف یلمزون پر ہے یعنی منافقین اہلِ ایمان کے ساتھ ٹھٹھہ مخول کرتے ہیں۔ یہاں پر اہلِ ایمان سے دوسرا گروہ یعنی تھوڑا خرچ کرنے والے، جیسے حضرت ابو عقیل رضی اللہ عنہ وغیرہ مراد ہیں۔ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ اللہ تعالیٰ انہیں ان کی ہنسی کی سزا دے گا۔

ف : مسخری کا جواب لفظ مسخری سے صرف لفظی مشاکلت سے دیا گیا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر اس لفظ کا اطلاق ناجائز ہے اور اس سے مراد سزا ہے۔

وَلَهُمْ اور ان منافقین کے لیے ثابت ہے عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ دردناک عذاب یعنی ان کے کفر و نفاق کی وجہ سے۔

س

آنکہ دارد نفاق اندر دل　　خار بادش خلیدہ اندر حلق
ہر کہ سازد نفاق پیشۂ خویش　　خوار گردد بنزد خالق و خلق

ترجمہ : وہ جو دل میں منافقت رکھتا ہے خدا کرے اس کے حلق میں کانٹا چبھے جو منافقت کی عادت کرتا ہے وہ خالق و مخلوق ہر دونوں کے نزدیک خوار و ذلیل ہوتا ہے۔

ربط : صاوی نے فرمایا کہ جب یہ آیت اتری تو منافقین حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے لیے بخشش کی دعا مانگیے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عادت کریمہ تھی کہ آپ کلمہ گو لوگوں کے لیے بخشش کی دعا مانگتے تھے صرف ان کے ظاہری طور اسلام کی وجہ سے قطع نظر اس کے کہ وہ منافق ہے یا نہیں۔ اور آپ کو اس کے اندرونی معاملات کی طرف توجہ کی ضرورت ہی نہ تھی اور نہ اس طرف متوجہ ہوتے اس وجہ سے منافقوں کا جو شخص بھی فوت ہوتا تو اس کے ورثاء حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی مغفرت کی دعا کے لیے عرض کرتے تو آپ اس کے لیے دعا فرماتے صرف اس لحاظ سے کہ وہ کلمۂ اسلام پڑھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو توجہ دلائی کہ یہ لوگ منافق ہیں ان کے لیے استغفار کا کوئی فائدہ نہیں۔

کما قال اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ان کے لیے دعا مانگیں یا نہ مانگیں۔ صیغۂ امر بمعنی شرط کا معنی ہے یہ عبارت دراصل یوں تھی "ان شئت استغفر لهم و ان شئت لا تستغفر لهم" یعنی ان کے لیے بخشش مانگنا نہ مانگنا

برابر ہے اس لیے کہ انہیں دعائے مغفرت کوئی فائدہ نہ دے گی۔ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً اگر ان کے لیے ستر بار مغفرت کی دعا مانگو۔ مرة مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یہ دراصل سبعین استغفارۃ مرۃ تھا یا ظرف (مفعول فیہ) بمعنے وقت ہے یعنی سبعین وقتا۔ ستر سے پورا عدد مراد نہیں بلکہ اس سے نفی مغفرت کی تاکید مطلوب ہے اس لیے کہ اہل عرب کا قاعدہ ہے کہ جب انہیں کسی شئے کے وصف میں مبالغہ مطلوب ہوتا ہے تو اسے سبع (سات) یا سبعون (ستر) سے مؤکد کرتے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے۔ لو سألتنی حاجتك سبعين مرة لم اقضیها، تم اگر مجھ سے اپنی حاجت ستر بار مانگو تب بھی میں تیری حاجت پوری نہیں کروں گا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر سائل ستر سے زاید بار طلب کرے تو اس کی حاجت پوری کر دے گا بہرحال اس سے تحدید مطلوب نہیں بلکہ تکثیر مقصود ہے۔ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ط انہیں اللہ تعالیٰ ہرگز نہیں بخشے گا۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہیں۔

ردّ وہابیہ دیوبندیہ

اس آیت سے وہابیہ استدلال کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا قبول نہیں ہوتی اور نہ ہی آپ کو کسی قسم کا اختیار ہے اس کا مختصر رد صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ یوں فرما گئے کہ،

ای امتناع المغفرة لهم ولو بعد المبالغة في الاستغفار ليس لعدم الاعتداد باستغفارك بل بانهم بسبب انهم كفروا بالله و رسوله۔	یعنی ان کے لیے مغفرت کا امتناع اگرچہ ان کے لیے استغفار میں مبالغہ کیا جائے یہ اس لیے نہیں کہ آپ کی استغفار میں قبولیت نہیں بلکہ اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کے منکر ہیں۔

(ص ۹۲۰ ج ۳ تحت آیت ہذا مطبوعہ قدیم)

یعنی ان کے کفر کی وجہ سے، اس لیے کہ وہ کفر میں حد سے متجاوز ہو چکے ہیں تجاوز عن الحد کی تنبیہ ہم نے وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ○ سے بھی اس لیے کہ فسق ہر شئے میں تمرد اور تجاوز عن الحدود کو کہا جاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ فاسق قوم کو ہدایت نہیں کرتا کہ جس سے وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں اس لیے کہ ان کی ہدایت حکمتِ ایزدی کے تقاضوں کے خلاف ہے اور ظاہر ہے کہ احکام تشریع و تکوین حکمت کے تقاضوں پر دائر و سائر ہیں۔

ف : ہدایت بمعنے ایصال الی المطلوب ہے وہ اگرچہ ان کو نصیب ہو جاتی لیکن انہوں نے اپنے بُرے اختیار سے اسے قبول نہ کیا جس سے انہیں وہی نصیب ہوا جو ان کے مقدر میں تھا۔

کمیونسٹ کا ردّ اور وہابیہ دیوبندیہ کا دوبارہ ردّ

جس طرح آیت ہذا وہابیہ دیوبندیہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عدم اختیار کے لیے پیش کرتے ہیں۔ ایسے ہی اس سے کمیونسٹ

استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ (معاذ اللہ) بخیل ہے۔ ان دونوں پارٹیوں کے رد میں صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وفيه اشارة الى ان استغفار النبي عليه السلام لاحد من غير استغفاره لنفسه لا ينفعه فالياس من المغفرة وعدم قبول استغفاره ليس لبخل من الله ولا لقصور في النبي عليه السلام بل لعدم قابليتهم بسبب الكفر الصارف عنها۔	اس میں اشارہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی استغفار کسی کو نفع نہیں دیتی یہ اس لیے نہیں کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ بخیل ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی استغفار قبول نہیں ہوتی اور نہ ہی ان کے اختیار کی کوئی کمی ہے بلکہ اس لیے کہ منافقین سے اہلیت ختم ہے کہ جس سے انہیں بخشش حاصل ہو۔

(روح البیان ج ۱ ص ۹۲۰ طبع قدیم تحت آیت ہذا)

ردِ امکانِ کذب

وہابی دیوبندی کذب باری تعالیٰ کے صرف امکان کے قائل ہیں بلکہ وقوع کا قول بھی رشید احمد گنگوہی سے منقول ہے حالانکہ اسلاف صالحین متفق ہیں کہ کذب باری تعالیٰ محال ہے چنانچہ کمبوسٹوں کے مذکورہ بالا قول کا حوالہ دیتے ہوئے صاحب روح البیان قدس سرہ نے لکھا کہ:

كما قال المولى جلال الدين في شرح الهياكل المحال لا يدخل تحت قدرة قادر ولا يلزم من ذلك النقص في القادر بل النقص في المحال حيث لا يصلح لتعلق القدرة ۔	مولانا جلال الدین نے شرح الہیاکل میں لکھا کہ محال قادر کی قدرت کے تحت نہیں اور اس میں اس کی تنقیص بھی نہیں اس لیے کہ نقص فی المحال قدرت سے ہی تعلق نہیں رکھتا۔

(روح البیان ج ۱ ص ۵۲۰ تحت آیت ہذا)

یہی وجہ ہے کہ ایسے اقوال کے قائلین کو سابقہ دور میں بھی بُرا مانتے تھے چنانچہ عرفی شیرازی ذیل کے شعر پر تشنیع کی گئی ہے۔ چنانچہ صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا کہ:

ومنه يعرف معنى قول العرفي الشيرازي: ؎

ذاتِ تو قادرست بایجاد ہر محال
الا بآفریدن چون تو یگانہ

---

[1] اس سے دیوبندیوں وہابیوں کے اس خبط کا رد بھی ہوگیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے لیے امکان کذب نہ مانا جائے تو "علیٰ کل شیء قدیر" کے خلاف ہونا ہے اور یہ اس کے لیے نقص ہے اور اللہ تعالیٰ ہر نقص سے پاک ہے۔ اسکی مزید تحقیق فقیر کی تفسیر اویسی میں دیکھیے۔

ترجمہ: تیری ذات کو ہر محال کی تخلیق کی قدرت ہے لیکن تو اپنے جیسے کو نہیں پیدا کرتا اس لیے کہ تو بے مثل ہے۔

وفی عبارته سوء ادب کما لا یخفی۔	ایسی باتیں بے ادبی میں شامل ہیں انہیں بیان نہ کرنا لازم ہے۔
(روح البیان ج ا ص ۹۲۸)	

مسئلہ: صدقات پر طنز کی وجہ سے کافر و فاسق ہوئے ورنہ اگر انہیں ایمان یا صلاحیت ہوتی تو اہل ایمان مخلصین کی طرح خرچ کرنے میں جد وجہد کرتے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ انسان کا قلب ایمان سے منور اور اس کی روح حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہے حق تعالیٰ روح کی نظرِ عنایت اور توفیقِ عبودیت سے تائید کرتا ہے جس کی برکت سے روح نور روحانی بتائید نور ربانی چمک اٹھتا ہے اس سے وہ خواطر روحانیہ ابھرتے ہیں جو بندے کو اعمال موجبہ للقرب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے داعی بنتے ہیں اعمال موجبہ سے فرائض و نوافل مراد ہیں۔ یہ اعمال بدنیہ بھی ہیں جیسے روزہ۔ نماز اور مالیہ بھی جیسے زکوٰۃ۔ صدقات۔ صدقات زکوٰۃ کے علاوہ مراد ہے۔

حدیث شریف: نوافل بندہ کے وہ تحائف ہیں جو اپنے رب تعالیٰ کے حضور میں پیش کرتا ہے اس لیے بندے کو چاہیے کہ اپنے تحفہ و ہدیہ کو اچھا کر کے پیش کرے اور اس میں حتی الامکان خلوص کرے۔ منافق کا دل صفات نفس کی تاریکیوں سے تاریک ہوتا ہے اس لیے کہ وہ نور ایمان سے محروم ہے اور اس کا دنیا کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور وہ دنیا کے نقش و نگار میں مبتلا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نفس امارہ کی اتباع کی نحوست سے نہایت ذلت و خواری سے بارگاہِ حق سے مطرود و مطروح ہوتا ہے کیونکہ اس کا ساتھی شیطان ہے اسی ذلت و خواری اور شیطان کی دوستی کی وجہ سے نفس سے ظلمت نفسانیہ ابھرتی ہے جو اس کے قلب کو دعوتِ اسلام سے سرفراز نہیں ہونے دیتی۔ اس وجہ سے وہ اتباع رسل سے محروم رہتا ہے اور نہ ہی اوامر و نواہی کو صدق دل سے ادا کر سکتا ہے اور اس سے خواطر ظلمانیہ صادر ہوتے ہیں جن کی وجہ سے وہ ادائیگی فرائض و نوافل سے باز رہتا ہے بلکہ ان کے عاملین سے ٹھٹھہ مخول کرتا ہے (جیسے دورِ حاضرہ میں نئی روشنی کے ماڈرن مسلم اسلام پسند اور اسلامی شعار کے عاملین سے ٹھٹھہ مخول کرتے ہیں)

داؤد علیہ السلام کا قصہ مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی: یا الٰہ العالمین! مجھے میزان کا اصلی ڈھانچہ دکھائیے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں میزان کی اصلی صورت خواب میں دکھائی جس کی عظمت دیکھ کر داؤد علیہ السلام بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے اللہ تعالیٰ سے عرض کی: یا الٰہ العالمین! وہ کون خوش بخت انسان ہوگا جو اسے نیکیوں سے بھرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے داؤد علیہ السلام! جس بندے سے میں راضی ہوتا ہوں اس کے ایک کھجور کے دانہ صدقہ کرنے سے اس کا پلڑا بھر دیتا ہوں۔

(باقی برصفحہ ۹۷۰)

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا

پیچھے رہ جانیوالے اس پر خوش ہوئے کہ وہ رسول کے پیچھے بیٹھ رہے اور انہیں

اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ

گوارا نہ ہوا کہ اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں لڑیں اور

قَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ

بولے اس گرمی میں نہ نکلو تم فرماؤ جہنم کی آگ سب سے سخت گرم ہے کسی طرح

كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝٨١ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ

انہیں سمجھ ہوتی تو انہیں چاہیئے کہ تھوڑا ہنسیں اور بہت روئیں

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝٨٢ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ

بدلہ اسکا جو کماتے تھے پھر اے محبوب! اگر اللہ تمہیں ان میں سے کسی گروہ

مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ

کی طرف واپس لے جائے اور وہ تم سے جہاد کو نکلنے کی اجازت مانگے تو تم فرمانا کہ تم کبھی میرے ساتھ نہ چلو

اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ

اور ہرگز میرے ساتھ کسی دشمن سے نہ لڑو تم نے پہلی دفعہ بیٹھ رہنا پسند کیا

اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ۝٨٣ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى

تو بیٹھ رہو پیچھے رہ جانیوالوں کے ساتھ اور ان میں سے کسی کی میت پر

اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا

کبھی نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا بیشک اللہ و رسول

بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝٨٤ وَلَا تُعْجِبْكَ

سے منکر ہوئے اور فسق ہی میں مر گئے اور ان کے مال یا اولاد

اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ

پر تعجب نہ کرنا اللہ یہی چاہتا ہے کہ اسے دنیا میں ان پر

بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿٨٥﴾ وَإِذَآ

وبال کرے اور کفر ہی پر ان کا دم نکل جائے اور جب

أُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ أَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ

کوئی سورت اترے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ہمراہ جہاد کرو

اسْتَاْذَنَكَ أُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ

تو ان کے مقدور والے تم سے رخصت مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دیجئے کہ بیٹھ رہنے والوں

الْقٰعِدِيْنَ ﴿٨٦﴾ رَضُوْا بِأَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَ

کے ساتھ ہولیں انہیں پسند آیا کہ پیچھے رہنے والی عورتوں کے ساتھ ہولیں اور

طُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿٨٧﴾ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ

ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی تو وہ کچھ نہیں سمجھتے لیکن رسول اور جو

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ط

ان کے ساتھ ایمان لائے انہوں نے اپنے مالوں جانوں سے جہاد کیا

وَأُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ز وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٨٨﴾

اور انہیں کے لئے بھلائیاں ہیں اور یہی مراد کو پہنچے

أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

اللہ نے ان کے لئے تیار کر رکھی ہیں بہشتیں جن کے نیچے نہریں رواں ہیں ہمیشہ ان میں رہیں گے

فِيْهَا ط ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٨٩﴾ ع ۶۹۷

یہی بڑی مراد ملنی ہے

تفسیر عالمانہ فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ مخلف ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو اپنے پیچھے کچھ چھوڑ جائے اور متخلف وہ جو خود کسی کام سے رہ جائے اور مخلفون سے وہ منافق مراد ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیچھے چھوڑ گئے اور وہ حضور علیہ السلام کے ساتھ جنگ پہ نہ جاسکے انہوں نے حضور علیہ السلام سے غزوہ تبوک پہ نہ جانے کی رخصت طلب کی اور وہ

مدینہ طیبہ میں رہ گئے بِمَقْعَدِهِمْ مقعد مصدر میمی ہے بمعنے قعود یہ فرح کے متعلق ہے یعنی منافق جنگ پہ نہ جانے سے خوش ہوئے۔ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ یہ مصدر کا ظرف ہے بمعنے خلف یعنی حضور علیہ السلام جنگ پہ تشریف لے گئے اور وہ نہ جاسکے یہاں پر خلٰف بمعنے خلف ہے جیسے قول باری تعالیٰ "واذا لایلبثون خلافك الا قلیلا" میں خلٰف بمعنے خلف ہے۔ مثلاً اہلِ عرب کہتے ہیں "اقام زید خلاف القوم"۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب زید قوم کے چلے جانے کے بعد کہیں رہ جائے یا خلاف بمعنی مخالفت ہے۔ اس معنے پر اس کا منصوب ہونا فرح کی علت کی وجہ سے ہے یعنی خلاف. فرح کا مفعول لہ ہے۔ اب معنیٰ یوں ہوا کہ منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخالفت کرنے سے خوش ہوئے کہ آپ جنگ پہ تشریف لے گئے اور وہ گھر پر آرام سے رہ گئے وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اموال ونفوس کو جہاد میں خرچ کرنے سے کراہت کی۔ یعنی انہوں نے راحت وآرام کو طاعتِ الٰہی پر ترجیح دی حالانکہ ان کے دل میں کفر ومنافقت تھی۔

نکتہ: فرح کے بعد کراہت کا ذکر اس لیے ہے تاکہ دلالت ہو کہ اہلِ ایمان نے اموال ونفوس خرچ کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا کے طالب ہوئے۔ کرھوا کا فرح سے مقابلہ معنویہ ہے اس لیے کہ فرح قلب محبت کے ثمرات سے ہے۔

وَقَالُوْا اور آپس میں انہوں نے کہا تاکہ جنگ پہ نہ جانے سے تسلی ہو یا جنگ پہ نہ جانے اور شر وفساد پھیلانے کیلیے آپس میں ایک دوسرے کو وصیت کے طور پر کہا یا اہل ایمان کے دل کمزور کرنے کے لیے کہا تاکہ اہلِ ایمان جہاد سے محروم ہوں گویا اہلِ ایمان کو نیکی سے روکنے کے طور پر کہا۔

ف: منافقین کی تین عادتیں بیان کی گئی ہیں جو کہ ان کی یہی ان کے کفر وگمراہی کی علامات ہیں:

○ جنگ پہ نہ جانے کی فرحت

○ جہاد سے کراہت

○ دوسروں کو جہاد سے روکنا۔

حکایت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا ایک نخاس سے گزر ہوا اس کے ہاں ایک لونڈی نہایت حسین وجمیل تھی آپ نے اس سے فرمایا اسے ایک دو درہم کے بیچنے پر تُو رضامند ہو جائے گا۔ اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے زیادہ حسین وجمیل حوریں اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو پیسہ دو پیسے خرچ کرنے پر عطا فرمائے گا۔ حضرت شیخ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

بدنیا توانی کہ عقبیٰ خری
بخر جان من ورنہ حسرت خوری

ترجمہ: دنیا سے آخرت خریدی جاسکتی ہے۔ اے عزیز! ابھی خرید لو ورنہ حسرت کھاؤ گے۔

: فرائض کی ادائیگی کے بعد ہی نوافل بارگاہِ حق میں قبول ہوتے ہیں۔ اور یہی اہل ہدیٰ کی علامت ہے۔

لَا تَنْفِرُوْا نکلو **فِي الْحَرِّ** گرمی میں، اس لیے کہ گرمی کی شدت تم سے برداشت نہ ہوگی اور غزوۂ تبوک کا موقعہ سخت گرمیوں میں تھا اور کھجوریں خوب پک چکی تھیں۔ یہی سخت گرمی کا موسم ہوتا ہے۔

سوال: حضرت عروہ بن زبیر نے کہا کہ حضور علیہ السلام موسم خریف میں غزوۂ تبوک پر تشریف لے گئے۔ یہ قول آیت کے خلاف ہے۔

جواب: قول مذکور خلاف نہیں اس لیے کہ گرمی خریف کے اوائل سے شروع ہوتی ہے کیونکہ خریف کے اوائل میں سورج برج میزان میں ہوتا ہے اور یہ موسم گرما کے آغاز میں ہوتا ہے۔

ابوخیثمہ کا عجیب واقعہ

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوۂ تبوک کے لیے تشریف لے گئے تو ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ جنگ کے لیے ساتھ نہ جا سکے۔ انہی ایام میں ابوخیثمہ سخت گرمی میں اپنے گھر تشریف لائے تو ان کی دو عورتیں تھیں انہوں نے اپنے اپنے علیحدہ کھجور کے بہترین باغ سجا رکھے تھے اور ٹھنڈے پانی کی صراحی بھر لائیں اور بہترین مکلف طعام پکا کر ابوخیثمہ کو پیش کیا۔ جونہی حضرت ابوخیثمہ نے ٹھنڈی ہوا اور ٹھنڈا پانی اور بہتر طعام اور اپنی عورتوں کو دیکھا تو کہا کہ افسوس ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم گرمیوں میں تشریف فرما ہوں گے اور ابوخیثمہ ٹھنڈے پانی پیئے اور مکلف طعام کھائے اور درختوں کے سایہ میں اپنی عورتوں کے ساتھ بیٹھے، یہ اس کے لائق نہیں۔ یہ تمام اشیاء دیں دھری رہ گئیں ابوخیثمہ نے عورتوں سے فرمایا کہ بخدا کہ میں گھر میں داخل ہونا حرام سمجھتا ہوں یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نہ کر لوں۔ یہ کہہ کر اونٹنی تیار کی اور تلوار اور تیر اٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلے اور غزوۂ تبوک میں شامل ہو گئے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

ملول از ہمرہاں بودن طریق کاروانی نیست
بکش دشواریٔ منزل بیاد عہد آسانی

ترجمہ: اپنے ساتھیوں سے ناامیدی اچھی نہیں آسانی کی امید پر منزل کی سختی کو سر پر اٹھا لے۔

اور فرمایا: ؎

مقام عیش میسر نمیشود بے رنج
بلے بحکم بلا بستہ اند حکم الست

ترجمہ: مقام عیش آسانی سے حاصل نہیں ہو سکتا اس لیے کہ ہر شے الست والے کے حکم کی پابند ہے۔

پھر فرمایا: ؎

من از دیار حبیبم نہ از دیار غریب
مہیمنا بعزیزاں خود رساں باشم

ترجمہ: میں تو نہ حبیب کے دیار کا ہوں اور نہ غریب دیار ہوں۔ اے اللہ! مجھے اپنے یاروں کے ہاں پہنچا دے۔

قُلْ اے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم! انہیں ان کا رد کرتے ہوئے ان کی جہالت کے اظہار کے طور پر فرمائیے نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ط جہنم کی آگ کی گرمی زیادہ سخت ہے بہ نسبت اس دنیوی گرمی کے جسے تم پسند کر رہے ہو تمہیں تو اسی جہنم کی گرمی سے ڈرنا چاہیے لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ○ اگر وہ جانتے اور سمجھتے کہ واقعی جہنم کی گرمی سخت تر ہے تو وہ ہرگز مخالفت نہ کرتے۔

حدیث شریف: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیوی آگ جہنم کی آگ کا سترواں جز ہے۔

شرح الحدیث، اگر دنیا کی تمام لکڑیاں جلائی جائیں تو ان تمام لکڑیوں کی آگ ایک جز ہے، جہنم کی آگ کے ستر اجزاء ہوں گے۔

حدیث شریف: جب آدم علیہ السلام زمین پر تشریف لائے تو جبریل علیہ السلام مالک نار (فرشتۂ نار) کے ہاں تشریف لے گئے اور ان سے ایک چنگاری لی تاکہ اس سے آدم علیہ السلام کھانا پکائے۔ جب یہ چنگاری اٹھا کر آدم علیہ السلام کو دی گئی تو آدم علیہ السلام کے ہاتھ جلنے لگے۔ آپ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ جہنم کی ایک چنگاری ہے جسے میں نے ستر بار پانی سے دھویا ہے اس کے بعد آپ کے ہاں لایا ہوں اس پر لکڑیاں ڈال کر کھانا پکائیے اور کھانا کھائیے۔ آدم علیہ السلام آگ کی گرمی کو دیکھ کر روئے اور فرمایا کہ اس سے میری اولاد کیسے بچ سکے گی؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ کی نیک اولاد سے اس آگ کو کسی قسم کا تعلق نہیں۔ جیسا کہ وارد ہے کہ جہنم مومن سے کہے گی: جزیا مومن فقد اخطاء نورك لهبي۔ اے مومن! مجھ سے جلدی گزرو، اس لیے کہ تیرے نور نے میرے شعلوں کو بجھا دیا ہے۔

ف: جو اللہ تعالیٰ کی معیت میں ہو اس کو آگ نہیں جلائے گی جیسا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ المعراج کرۂ نار سے آسانی سے گزر گئے اس سے آپ کے بال کو بھی آگ نے مس نہ کیا اسی طرح ابراہیم علیہ السلام پر نار گلزار ہو گئی۔

فَلْيَضْحَكُوْا پس دنیا میں ہنسیں گے قَلِيْلًا بہت تھوڑا، اس سے زندگی بھر مراد ہے اس لیے کہ جب دنیا کی عمر بہت قلیل ہے پھر جو اس میں بسر کرتا ہے تو اس کے لیے تو بہت زیادہ قلیل ہے وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ج اور آخرت میں نار میں بہت روئیں گے۔ جَزَآءً ليبكوا کا مفعول لہ ہے یعنی ان کا جہنم کا رونا بسبب جزاء کے ہوگا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ ان مختلف گناہوں کے سبب سے۔

پہلی تقریر: یہ دونوں صیغے امر کے ہیں لیکن ان کا معنیٰ مضارع کا ہے یعنی تھوڑا ہنسیں گے لیکن ہمیشہ روئیں گے۔

نکتہ: مضارع کو امر کے صیغے لانے میں اشارہ ہے کہ مخبر بہ کا وقوع لازمی اور ضروری ہے اس لیے کہ آمر مطاع کی اطاعت کا مامور بہ خلاف ہرگز نہیں کرتا۔

حدیث شریف: منافق جہنم میں دنیا کی عمر کے برابر روتا رہے گا اس دوران نہ اس کے آنسو بند ہوں گے نہ انہیں نیند آئے گی۔

حدیث شریف: اللہ تعالیٰ جہنمیوں پر گریہ مسلط کریگا یہاں تک کہ ان کی آنکھوں سے آنسو ختم ہو جائیں گے پھر خون کے آنسو بہائیں گے یہاں تک کہ ان کے چہرے کھائی کی طرح ہو جائیں گے۔

دوسری تقریر: اس آیت کا دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ ضحک سے فرح اور بکاء سے غم، اور اس کی قلت سے عدم اور کثرت سے دوام مراد ہے۔ اب معنیٰ یُوں ہو گا کہ منافقین کو قیامت میں غم ہو گا فرح کے بغیر اور آہیں نکالیں گے جن میں سرور نہ ہو گا۔ اس تقریر میں ہنسنا اور رونا دونوں قیامت میں ہوں گے۔

تیسری تقریر: یہ بھی ممکن ہے کہ یہ دونوں دنیا میں ہوں یعنی منافقین جونہی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ترقی اور اپنا بُرا حال دیکھتے ہیں تو انھیں ہنسی بہت کم اور رونا بہت زیادہ آتا ہے جیسا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت سے فرمایا کہ جو کچھ میں جانتا ہُوں اگر تم جان لو تو بہت تھوڑا ہنسو اور بہت زیادہ رؤو۔

حدیث شریف: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے باہر تشریف لے گئے آپ کا ایک قوم پر گزر ہُوا جو باتوں باتوں میں ہنستی تھی آپ اس کے ہاں ٹھہر گئے اور السلام علیکم کے بعد فرمایا کہ عزیزو! لذات کے مٹانے والی کو بہت زیادہ یاد کیا کرو۔ انہوں نے عرض کیا: لذات کے مٹانے والی کیا شئے ہے؟ آپ نے فرمایا: وُہ موت ہے۔

حضرت صائب علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ؎

بر غفلت سیاہ دلاں خندہ میزند
غافل مشو ز خندۂ دنداں نما صبح

ترجمہ: سیاہ دلوں کی غفلت سے ہنسی آتی ہے

حکایت حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک نوجوان پر گزر ہُوا جو بہت ہنس رہا تھا آپ نے اس سے پوچھا کہ اے عزیز! تم پُل صراط سے گزر چکے ہو؟ اس نے کہا: نہیں۔ پھر پوچھا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم بہشت میں جاؤ گے یا دوزخ میں؟ اس نے کہا، نہیں۔ آپ نے فرمایا: پھر ہنسنا کیسا! جب حضرت حسن بصری سے اس نوجوان نے یہ نصیحت سُنی، تو اس کے بعد تادمِ زلیست کبھی نہ ہنسا۔

حکایت حضرت موسیٰ علیہ السلام جب خضر علیہ السلام سے جُدا ہونے لگے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ابن عمران! چاپلوسی اور خوشامد سے بچتے رہنا، بلاضرورت کہیں نہ جانا اور نہ ہی ہنسنا، بلکہ اپنی خطاؤں کو یاد کر کے بہت روتے رہنا۔

لطیفہ: حضرت محمد بن واسع رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب تم کسی کو بہشت میں روتے دیکھو تو تعجب کرو گے یا نہ؟ لوگوں نے کہا: ہاں ضرور تعجب ہو گا۔ آپ نے فرمایا: ایسے ہی جو دنیا میں رہ کر ہنستا ہے تو اس سے بھی تعجب لازمی امر ہے اس لیے کہ اسے ابھی معلوم نہیں کہ بہشت میں جانا ہے یا دوزخ میں۔

حکایت دُو بلیوں کی حضرت زکریا علیہ السلام کے صاحبزادے یحییٰ علیہ السلام گھر سے چلے گئے، تلاش بسیار کے بعد

ایک قبر پر روتے ہوئے پائے گئے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے انہیں فرمایا: بیٹے! کیوں روتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا، مجھے والدہ ماجدہ نے فرمایا ہے کہ آپ کے ہاں جبریل علیہ السلام خبر لائے ہیں کہ بہشت و دوزخ کے درمیان ایک ایسا آگ کا جنگل ہے وہ طے نہیں ہو سکے گا سوائے آنسو بہانے کے یہ سن کر زکریا علیہ السلام نے فرمایا، بیٹے! روتے رہو۔

نکتہ: حضرت کعب الاحبار سے مروی ہے کہ بندۂ خدا کو جب رونا نہیں آتا تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے جو اپنا پر بندے کے جگر پر لگاتا ہے اس کے بعد بندے کو رونا آجاتا ہے۔

تین آنکھیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تین آنکھیں ایسی ہیں جنہیں آگ مس نہیں کرے گی،

○ راہِ خدا میں خدا نکالی گئی
○ اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی نگرانی کے لیے شب بھر جاگنے والی
○ اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونے والی۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے نزدیک خدا تعالیٰ کے خوف سے آنسو بہانا ہزار دینار راہِ خدا میں لٹانے سے زیادہ مرغوب ہے۔

تورات کا مضمون تورات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے ابنِ آدم! رونے کے بعد اپنے آنسو آنکھ سے مت پونچھ اس لیے کہ یہ آنسو میری خاص رحمت ہے انہیں اپنے ہاتھ سے تیرے چہرے سے صاف کروں گا۔

گریہ کی اقسام علمائے کرام نے فرمایا کہ گریہ دس قسم کا ہے:

① فرح (خوشی)
② حزن
③ رحمت
④ خوف جو کسی کو پہنچ چکا
⑤ جھوٹا رونا جیسے بین کرنے والی عورت جو دوسرے کے غم سے جھوٹا رونا روتی ہے۔

بین کرنے والی عورت: مروی ہے کہ بین کرنے والی عورت جونہی قبر سے نکلے گی تو اجڑے ہوئے اور غبار آلود بالوں والی اور اس پر لعنت کی چادر لپیٹے اور خارشتی قمیص پہنے ہوئے سر پر ہاتھ رکھ کر کتے کی طرح بھونکتی ہوگی۔

⑥ موافقت میں رونا مثلاً ایک جماعت روتے ہوئے دیکھ کر وہ بھی رونا شروع ہو جائے حالانکہ اسے علم نہ ہو کہ وہ کیوں رو رہے ہیں۔
⑦ محبت اور شوق کا رونا۔
⑧ وہ درد جو اسے پہنچے اور اس کی برداشت نہ کرنے پر رونا۔
⑨ عجز و ضعف کا رونا۔
⑩ منافقت کا رونا، وہ یہ کہ آنکھیں تو آنسو بہائیں لیکن دل سخت ہو۔

ف: تباکی بمعنے بتکلف رونا، یہ دو قسم ہے:

① محمود

② مذموم

محمود وہ ہے جو رقت قلبی کے لیے بتکلف روئے۔

مذموم ریاء و سمعت کے طور رونا۔ (کذا فی انسان العیون)

سبق: طالبِ آخرت پر لازم ہے کہ وہ ہنسے کم اور روئے بہت زیادہ اور اسے چاہیے کہ وہ موت اور آخرت کے حساب و کتاب سے غفلت نہ کرے، اس لیے کہ بہت سے لوگ ہنس رہے ہوتے ہیں حالانکہ ان کا کفن تیار کیا جا رہا ہوتا ہے جس کا اسے علم نہیں ہوتا۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا:

دیہ آں قہقہہ کبک خراماں حافظ
کہ ز سر پنجہ شاہیں قضا غافل بود

ترجمہ: اس کبک رفتار انسان کے قہقہے پر تعجب ہے کہ وہ سرپنجۂ شاہین قضا سے غافل ہے۔

تفسیر عالمانہ **فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ** **حل لغات:** یہاں رجع متعدی مراد ہے نہ لازم اس لیے کہ رجع لازم ہو تو اس کا معنیٰ ہے انصرف اگر متعدی ہو تو بمعنے صرف ورد ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ پس اگر آپ کو اللہ تعالیٰ غزوۂ تبوک سے واپس لائے **اِلٰی طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ** ان کے ایک گروہ کی طرف۔

حلِ لغات: الطائفۃ من الشئی بمعنے شئے کا ایک ٹکڑا۔ اور منھم کی ضمیر منافقین کی طرف راجع ہے اس سے وہ منافقین مراد ہیں جو غزوۂ تبوک سے مدینہ طیبہ میں رہ گئے اس سے مطلق جنگ سے رہ جانے والے منافق غیر منافق مراد نہیں اس لیے کہ ان میں بعض اہلِ ایمان مخلصین بوجہ شرعی مجبوری غزوۂ تبوک پر حاضر نہ ہو سکے یا یہ ضمیر ان منافقین کی طرف راجع ہے جو غزوۂ تبوک کی فراغت کے بعد زندہ موجود تھے اس لیے کہ غزوۂ تبوک کی روانگی اور واپسی کے درمیانی عرصہ میں ان میں بعض فوت ہو چکے تھے اور بعض ان دنوں شہر سے غائب ہو چکے تھے اور بعض ان میں ایسے تھے جنہوں نے اپنا قائمقام بھیجا تھا اور بعض نے سرے سے اجازت بھی نہیں مانگی تھی۔

ف: حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ کل بارہ منافق تھے جنہوں نے اجازت چاہی تھی اس پر ان کی خوب مذمت ہوئی۔

فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ پس وہ آپ سے غزوۂ تبوک کے بعد کسی دوسری جنگ پہ نہ جانے کی بھی اجازت چاہیں **فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا** آپ انہیں فرمائیے کہ تم میرے ساتھ ہمیشہ کے لیے نہ نکلو یعنی آپ انہیں ہرگز اجازت نہ دیجیے یہ جملہ خبریہ بمعنے امر ہے مبالغہ کے طور پر ایسے ہوا ہے جیسے **وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا** ط یعنی

میرے ساتھ ہو کر کسی دشمن سے جنگ نہ کرو اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اس لیے کہ تم جنگ پہ نہ جانے سے راضی ہو بلکہ اس سے قبل بہت بڑے خوش ہوئے ہو۔ اَوَّلَ مَرَّةٍ پہلی بار اس سے غزوہ تبوک مراد ہے۔

سوال: مرۃ مونث اور اوّل افعل التفضیل مذکر خلاف قانون کیوں؟

جواب: افعل التفضیل کا خاصہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ مذکر ہو کر آتا ہے خواہ اس کا مضاف الیہ صیغہ مونث ہو، یہی عام اور کثیر الاستعمال ہے اس لیے کبرٰی امراۃ یا اولٰی مرۃ کبھی نہیں کہا جاتا۔

فَاقْعُدُوْا پس اس کے بعد بیٹھ جاؤ مَعَ الْخَالِفِيْنَ ○ پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ یعنی ان منافقین کے ساتھ رہ جاؤ جن کو جنگ پہ نہ جانے کی عادت پڑ گئی ہے۔ اس لیے کہ وہ عورتوں اور بچوں کی طرح جنگ پہ جانے کے لائق بھی نہیں۔

الخالفین میں تغلیب الذکور علی الاناث ہے ورنہ ان میں عورتیں بھی تھیں۔

سوال: منافقین کے اعمال مثلاً کلمہ شہادت۔ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ اور حج و زکوٰۃ وغیرہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاں مقبول، اگرچہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نامقبول تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ ہم ظاہر پر حکم فرماتے ہیں اور ان کے اندرونی معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں[1]۔ حدیث کے الفاظ یوں ہیں:

نحن نحکم بالظاھر واللہ یتولی السرائر۔ (روح البیان ج ۱ ص ۱۹۴ تحت آیت ہذا)

باوجود ایں ہمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں حکم فرمایا کہ جنگ پہ نہ جانے والے منافقین کے اعمال مت قبول فرمایئے۔ خلاصہ سوال یہ کہ منافقین کو اتنا عرصہ تک کیوں مہلت دی گئی۔

جواب: چونکہ منافقین بظاہر اسلام کا دم بھرتے اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ارشادِ گرامی پہ عمل کرتے اور دل میں کفر و منافقت کو پوشیدہ رکھتے اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی ظاہری باتوں کو مان کر ان کے معاملات اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد فرماتے اس ارادہ پر کہ شاید ان کی منافقت موافقت سے تبدیل ہو جاتے اور انہیں رجوع الی اللہ کی توفیق نصیب ہو۔ (اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں مہلت دے رکھی تھی) لیکن جب انہوں نے اپنے اندرونی غلط معاملات کو خود ظاہر کیا تو ان کے تمام اعمال مردود ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ایسے خبیثوں کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے دور رہنے کا حکم فرما دیا۔

ف: علماءِ کرام فرماتے ہیں کہ اس دن سے اللہ تعالیٰ نے ان کے نام مجاہدین کی فہرست سے کاٹ دیئے اور حکم فرما دیا کہ آج کے بعد میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے دور رہیں۔ یہ ان کی اس کیے کی سزا تھی جو انہوں نے حضور نبی کریم

---

[1] اس سے وہابیہ دیوبندیہ کے وہ تمام اعتراضات اُٹھ گئے جو آپ منافقین کے ظاہری احوال کے مطابق عمل فرماتے جنہیں وہابیہ [illegible] محمول کرتے ہیں۔ (اویسی غفرلہ)

صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ پہ جانے سے نہ صرف انکار کیا بلکہ آپ کی شان میں گستاخی کی۔ اس سے واضح ہوا کہ نبوت کی گستاخی سے نہ دین کو تقویت ملتی ہے نہ اسلام کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے بلکہ الٹا نقصان ہوتا ہے[1]۔ البتہ مخلص مومن کی کسی خدمت سے دین کو فائدہ پہنچتا ہے خواہ وہ تھوڑی ہو۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دین اور اہلِ دین کی صحبت کا سوال کرتے ہیں۔

زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مروی ہے کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو عکاظ کے بازار سے بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے خریدا گیا۔ بی بی صاحبہ نے ہبہ کے طور پر زید کو حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دیا اس کے بعد حضرت زید کا والد حاضر ہوا اور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے خریدنے کی استدعا کی۔ آپ نے فرمایا، اگر زید واپس جانے پر راضی ہو تو ہماری طرف سے اجازت ہے۔ حضرت زید سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں غلامی کے ساتھ رہنا مجھے والد کے ہاں آزادی سے زیادہ محبوب ہے اس لیے کہ مجھ سے آپ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی برداشت نہیں ہو سکتی۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب زید کو ہمارے ساتھ اتنی محبت و الفت ہے تو ہم بھی انہیں غلام رکھنا نہیں چاہتے۔ یہ فرما کر انہیں آزاد کر کے انکا نکاح پہلے بی بی ام ایمن سے کر دیا۔ پھر ان کا نکاح بی بی زینب رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

گدائے درِ جاناں بسلطنت مفروش
کسے ز سایہ ایں در بآفتاب رود

ترجمہ: محبوب کے در کی گدائی کو سلطنت لے کر نہ بیچ اسی دروازے سے ہی آفتاب کا گزر ہوگا۔

سبق: چونکہ منافقین میں حضور سرورِ عالم کی صحبتِ مقدسہ کی اہلیت و صلاحیت نہیں تھی اس لیے انہیں آپ سے جدائی و مفارقت کو بہتر سمجھا آپ کے ساتھ نہ وہ سفر پر جانا چاہتے اور نہ حضر میں آپ کے ساتھ رہنا پسند کرتے۔

قاعدہ: کند ہمجنس با ہمجنس پرواز۔

فائدہ: مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے جب صحابہ کرام مدینہ طیبہ تشریف لائے تو مدینہ والوں سے فرمایا: اے مدینہ والو! ہم نے آتے ہی تمہارے شریف اور رذیل لوگوں کو پہچان لیا۔ انہوں نے پوچھا: وہ کیسے؟ صحابہ نے جواب دیا کہ شریف لوگ شرفاء کے ساتھ نظر آتے ہیں اور رذیل رذیلوں کے ساتھ، اس لیے کہ طبع کی خواہش نے اپنی طبع کا ساتھی تلاش کیا۔ ؎

اذا الرجال توسلوا بوسیلۃ　　فوسیلتی حبی لآل محمد

---

[1] اہلِ اسلام غور فرمائیں کہ وہابی، دیوبندی، مودودی، تبلیغی اور دیگر گمراہ فرقے کتنا ہی دین کی خدمت کا دم بھریں تمام بے کار ہے جبکہ وہ شانِ رسالت کے گستاخ اور بے ادب ہیں۔ (اویسی غفرلہٗ)

ترجمہ: لوگ دنیا میں وسیلہ ڈھونڈتے ہیں میرا وسیلہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے اور بس۔

فائدہ: کاشفی نے لکھا کہ جنگ پہ جانا مردِ میدان کا کام ہے، اس لیے نالائق سے یہ کام سرانجام نہیں ہوتا اور نامرد تو ویسے بھی اس اہم کام کے لائق ہی نہیں۔

ے

یا برو ہمچوں زناں رنگے و بوئے پیش گیر
یا چو مرداں اندر آئے و گوئے در میدان فگن

ترجمہ: یا گھر بیٹھ کر عورتوں کی چوڑیاں پہن لے یا مردِ میدان ہو کر میدان میں آجا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ے

ندہد ہوشمند روشن رائے　　بفرومایہ کارہائے خطیر
بوریا باف اگرچہ بافندہ است　　بزندش بکارگاہ حریر

ترجمہ: سمجھدار نااہل کو بڑا کام سپرد نہیں کرتا۔ بوریا بنانے والے اگرچہ کتنا ہی کاریگر ہو مگر انہیں ریشم بنانے کا کام نہیں دیا جائے گا۔

زمخشری کے بلیغ اقوال

① لا تصلح الامور الا باولی الالباب۔ عقلمندوں سے ہی کام سرانجام ہوتے ہیں۔
② والارحاء لا تدور الا علی الاقطاب۔ چکی کیل کے گرد گھوم سکتی ہے۔

ف: الاقطاب قطب کی جمع ہے بمعنے وہ کیل جس پر چکی گھومتی ہے۔

وَلَا تُصَلِّ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! نماز مت پڑھیے عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ ان کے کسی ایک پر۔ منھم احد کی صفت ہے اور اس سے منافقین مراد ہیں۔ مَّاتَ یہ احد کی دوسری صفت ہے اور منھم مات کی ضمیر سے حال بھی واقع ہو سکتا ہے (کذا فی تفسیر ابی البقاء) یعنی وُہ جو مر گیا اَبَدًا ہمیشہ کے لیے۔ یہ نہی کا مفعول فیہ ہے یعنی لا تدع کا ظرف ہے یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! ان کے لیے ہمیشہ تک نہ دعا کیجئے نہ استغفار۔ یہی ترکیب اظہر ہے، بعض کے نزدیک ابدا مات کا مفعول فیہ ہے۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان کے کسی ایک کے لیے نماز نہ پڑھیے کیونکہ وہ ہمیشہ کے لیے مر گیا جبکہ اس کی موت کفر پہ واقع ہوئی، اس لیے کہ جو کافر ہو کر مرتا ہے وہ حقیقی مردہ ہے اگرچہ اسے قیامت میں زندہ کیا جائے گا تو عذاب دینے کے لیے، اور وہ اس کے لیے زندگی نہیں بلکہ موت سے بدتر۔ اس معنے پر گویا وہ زندہ ہوا ہی نہیں۔

صحابی رازدان

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا لقب "صاحبِ سِرِّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" تھا۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رازدان۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ میں تجھے ایک راز بتاتا ہوں، وہ کسی کو نہ بتانا[1]، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فلاں فلاں کی نماز جنازہ پڑھنے سے روکا ہے۔ آپ نے منافقین کی ایک بہت بڑی جماعت کے اسماء گنائے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دورِ خلافت میں جب کسی پر شک کرتے کہ وہ منافقین سے ہوگا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے جاتے اگر حضرت حذیفہ اس کی نماز کے لیے تیار ہو جاتے تو اس کی نمازِ جنازہ پڑھتے ورنہ صاف انکار کر دیتے[2]۔

وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ اور اس کی قبر پر دفن یا زیارت اور دعا کے لیے نہ ٹھہریے (اسی سے وہابیہ، دیوبندیہ کی قبروں کا اندازہ لگائیے کہ کس طرح تا قیامت ان پر فاتحہ درود پڑھنے والے نہیں ملتے بخلاف اللہ والوں کے مزارات کے کہ ان پر شب و روز خلقِ خدا کا ہجوم رہتا ہے)۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ میت کو دفنانے کے بعد اہلِ قبر کے لیے دعائے خیر فرماتے۔

اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ بیشک انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر کیا یہ ان کی قبروں پر نہ ٹھہرنے اور ان کے لیے استغفار نہ کرنے کی علت ہے وہ اس لیے کہ کسی کی قبر پہ ٹھہرنے کے لیے صاحبِ قبر کا صالح ہونا ضروری ہے اور منافقین میں صالحیت محال ہے اس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر کرنے پر زندگی بسر کی۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا: ؎

بآب زمزم و کوثر سفید نتواں کرد
گلیم بخت کسے را کہ بافتند سیاہ

ترجمہ: زمزم اور کوثر کے پانی سے اس گلیم کو سفید نہیں کیا جا سکتا جسے ابتداءً ہی سیاہ تاگوں سے تیار کیا گیا ہو۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا: ؎

تواں پاک کردن ز زنگ آئینہ
ولیکن نیاید ز سنگ آئینہ

---

[1] اس سے وہابیہ کا وہ اعتراض اٹھ گیا جو کہا کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے راز کا کوئی علم نہیں تھا بلکہ آپ کا وہی علم تھا جو شریعت نے ظاہر کیا۔

[2] اس سے شیعہ کا رد ہوا وہ یہ کہ کسی کی جزئی فضیلت سے کلی فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔ یہ رازدانی حضرت حذیفہ کی ایک فضیلت تھی جسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مانا اسی طرح بعض جزوی فضائل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہیں جن سے ان کی اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہم پر افضلیت ثابت نہیں ہوگی۔ وہابیہ کا رد بھی ہو گیا جبکہ حضرت عمر کا عقیدہ تھا کہ بعض باتیں راز کی ہیں جو رازدان جانتے ہیں۔ ۱۲

ترجمہ: شیشے سے تو زنگ اتارا جا سکتا ہے لیکن پتھر تو شیشہ نہیں ہو سکتا۔

وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ○ اور مر گئے درانحالیکہ وہ فاسق تھے یعنی کفر میں متمرد اور حدود حق سے خارج تھے۔

رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کا واقعہ اور تردید وہابیہ دیوبندیہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی ابن سلول نے اپنی مرض الموت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوا کر استغفار اور نماز جنازہ کی درخواست کی اور جب مر جائے تو اس کی قبر پر تشریف لائیں آپ کو پھر کہلوا بھیجا کہ اپنا قمیص مبارک عنایت فرمائیں تاکہ اسی قمیص میں اسے کفنایا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی آپ اس پلید کو اپنا پاک اور مبارک قمیص کیوں عنایت فرماتے ہیں۔ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

انا قمیصی لا یغنی عنہ من اللہ شیئا وا رجوا من اللہ تعالیٰ ان یدخل فیہ بہ الف فی الاسلام۔	میرا قمیص تو اسے عذابِ الٰہی سے نہیں بچائے گا۔ البتہ اس سے ہزاروں کو دولتِ اسلام نصیب ہو گی۔

(روح البیان ج ۱ ص ۹۳۲ مطبوعہ قدیم تحت آیت ہذا)

ف: اس سے وہابیہ کے دو اعتراض دفع ہو گئے۔ پہلا یہ کہ حضور علیہ السلام کو (معاذ اللہ) علم ہوتا کہ وہ بے ایمان ہے تو اسے قمیص کیوں دیتے۔ دوسرا یہ کہ حضور علیہ السلام کا قمیص متبرک تھا تو منافق کو کیوں فائدہ نہ دیا۔ حضور علیہ السلام نے دونوں کے جواب دے دیے۔ یہی نہیں بلکہ آنے والے حالات بتا دیے کہ قمیص دینا مبنی بر حکمت ہے۔ اوّل تو قمیص سے نفع کی قوت سلب کر لی گئی ہے، دوسرے اس سے ہزاروں بدقسمتوں کو دولتِ اسلام نصیب ہو گی۔

وہ منافقین جو ابی بن سلول کے ساتھ ہر وقت رہتے تھے اور اسے جانتے تھے کہ یہ نبی علیہ السلام کا اندرونی طور پر سخت دشمن ہے پھر بھی حضور علیہ السلام سے موت کے وقت تبرک کے طور پر قمیص اور دُعائے مغفرت کی درخواست کر رہا ہے اور امید رکھ رہا ہے کہ حضور علیہ السلام کی قمیص اور ان کی دعا عذابِ الٰہی سے بچا دیں گے اور رحمتِ الٰہی کا سبب بنیں گے اس لئے خزرج کے ہزاروں لوگ مسلمان ہو گئے۔

وہابیہ دیوبندیہ کے ایک سوال کا جواب

وہابی دیوبندی چیخ چیخ کر عوام کو کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے ملبوسات و متعلقات و متبرکات سے کوئی فائدہ ہوتا تو عبداللہ بن ابی کو حضور علیہ السلام کے قمیص نے کیوں فائدہ نہ بخشا۔ اس کا جواب سیکڑوں سال پہلے صاحبِ روح البیان نے لکھا:

وانما قال علیہ السلام ان قمیصی لا یغنی لعدم الاساس الذی ھو الایمان ومثلہ انما یؤثر عند صلاح المحل۔	آپ نے اپنے قمیص کا اسے فائدہ نہ دینے کا اس لیے فرمایا کہ اس کے اندر نجات کی اساس یعنی دولت ایمان ہی نہیں تھی اور ایسی بابرکت چیزوں کا اثر تو اس وقت ہوتا ہے جو محل بھی اثر پذیر ہو۔

(روح البیان ج ۱ ص ۹۳۲ تحت آیت ہذا)

یہی جواب اگرچہ حدیث شریف میں تھا لیکن صاحبِ روح البیان نے توضیحاً لکھا تاکہ دیوبندیوں وہابیوں کو حدیث شریف میں غلط تاویل کا موقعہ نہ ملے یہ ایسے ہے جیسے بارش میں تو منافع موجود ہیں لیکن آگے زمین ایسی ہو کہ جس میں اثر قبول کرنے کی صلاحیت نہیں اس سے یہ کوئی نہیں کہے گا کہ بارش میں منافع نہیں بلکہ یوں کہا جائے گا کہ زمین خراب ہے۔ ایسے وہابیہ دیوبندیہ کو سمجھانے کے لیے کہا جائے کہ قمیص مبارک کے منافع میں شک نہ کرو بلکہ یوں کہو کہ منافق میں ان منافع کی صلاحیت و اہلیت نہیں تھی۔

تبرکات کے فوائد کے دلائل

اگرچہ صاحبِ روح البیان کے دور میں وہابی دیوبندی مودودی قسم کے لوگ نہیں تھے لیکن ابنِ تیمیہ جو مذکورہ پارٹیوں کا گرو ہے اس کے تاثرات موجود تھے اس لیے صاحبِ روح البیان کو تبرکات کے فوائد پر چند دلائل دینے پڑے، چنانچہ فرمایا:

دلیل اول: ویدلّ علیہ قولہ علیہ السلام ادفنوا موتاکم وسط قوم صالحین فان المیت یتاذی بجار السوء کما یتاذی الحی بجار السوء۔

حضور علیہ السلام کا ارشادِ گرامی کہ صالحین کے درمیان مردگان کو دفن کرے اس لیے کہ میت بُرے ہمسایہ سے ایذا پاتا ہے جیسے زندہ انسان زندہ ہمسایہ سے۔

ف: اس حدیث شریف سے صاحبِ رُوح البیان کا مقصد یہ ہے کہ مردہ کتنا ہی بدکردار کیوں نہ ہو لیکن ان نیک بخت لوگوں کے قرب سے فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ ایسے ہی تبرکات کی برکات کا حال ہے۔

سوال از وہابیہ دیوبندیہ: یہاں ایک اعتراض پیدا کر کے صاحبِ رُوح البیان نے گویا وہابیہ کی طرف سے لکھا کہ: وہ جو مروی ہے کہ ارضِ مقدسہ کسی کو مقدس نہیں بنا دیتی بلکہ بندے کو اپنے اعمال مقدس بناتے ہیں۔

جواب: اس روایت میں اعمال صالحہ کی ترغیب مقصود ہے یا تبرکات کے فوائد و منافع اور ان کے برکات کے علم سے پہلے کی روایت ہے ورنہ روایات مندرجہ ذیل غلط ہوتی ہیں حالانکہ روایاتِ ذیل صحیح اور مستند ہیں۔

دلیل دوم اور حکایت مع روایت: مروی ہے کہ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے سفیان بن خالد الہذلی کو قتل کر کے حضور علیہ السلام کے سامنے ڈال دیا حضور علیہ السلام نے عبداللہ کو اپنا عصا مبارک عطا فرما کر فرمایا کہ اسی کے سہارے بہشت میں جانا جب حضرت کے وصال کا وقت قریب ہُوا تو انہوں نے وصیت فرمائی کہ وہی عصا مبارک ان کے کفن کے اندر جسم سے ملا کر تبرک کے طور پر رکھ دینا۔ چنانچہ ایسے ہی کیا گیا۔

ف: حضور علیہ السلام سے صحیح روایات سے ثابت ہے کہ جب آپ کے سر مبارک کے بال حضرت معمر بن عبداللہ حجام نے مونڈے تو آپ نے آدھے بال مبارک حضرت ابو طلحہ کو عنایت فرمائے اور آدھے باقی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ایک ایک دو دو عنایت فرمائے۔

ف: ان روایات سے ثابت ہوا کہ تبرکات کے فوائد و برکات کا عقیدہ رکھنا اور تبرکات تقسیم کرنا سنتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

صحابہ کرام کا عقیدہ اور تبرکات جونہی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بال مبارک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم فرمائے، صحابہ کرام کا قول تھا کہ:

فکانوا یتبرکون بہا وینصرون ما داموا حاملین لہا۔ (روح البیان ج ا ص ۹۲۲ تحت آیت ہذا)

حضور علیہ السلام کے بال مبارک سے برکات حاصل کرتے جب تک اپنے ساتھ رکھتے[1]

دلیل چہارم: اسرارِ محمدیہ کا حوالہ دیتے ہوئے صاحب روح البیان نے ہم اہلسنت کو مواد بہم پہنچایا۔ کما قال:

وہذا قال فی الاسرار المحمدیہ لو وضع شعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعصاہ او سوطہ علی قبر عاص لنجا ذلک العاص ببرکات تلک الذخیرۃ من العذاب۔ (ایضاً)

اسرار محمدیہ میں ہے کہ اگر حضور علیہ السلام کے بال مبارک یا عصا مبارک یا آپ کی چھڑی کسی مجرم کی قبر پر رکھی جائے تو وہ مجرم انہی مبارک اشیاء کی برکت سے نجات پا جائے گا۔

دلیل پنجم: اور فرمایا:

وان کان فی دار انسان او بلدۃ لا یصیب سکانہا بلاء ببرکتہ وان لم یشعروا بہ (ایضاً)

جس گھر یا شہر میں بال مبارک ہوں تو وہ گھر اور شہر بلا سے محفوظ رہیں گے اگرچہ انہیں اس کا علم بھی نہ ہو۔

دلیل ششم: ومن ہذا القبیل ماء زمزم والکفن المبلول بہ وبطانۃ استار الکعبۃ والتکفن بہا وکتابۃ القرآن علی القراطیس والوضع فی ایدی الموتی۔ (ایضاً)۔

اسی قبیل سے زمزم شریف کا پانی یا اس سے کفن تر کردہ اسی طرح کعبہ کا غلاف اور اس کا کفن بنایا یا قرآنی آیت لکھ کر مردے کے ہاتھ میں دینا۔

جیسے ہم اہلسنت کفنی لکھتے اور عہدنامہ وغیرہ میت کے ہاتھ میں دیتے اور قبر پر اذان دیتے اور قبر میں سورۃ ملک وغیرہ پڑھتے اور نزدیک تربت قرآن پڑھاتے ہیں۔

صاحبِ روح البیان کا اپنا مشاہدہ صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بادشاہوں کے خزانوں بالخصوص

---

[1] بحمدہ صحابہ کرام کا عقیدہ ہم اہلسنت کو نصیب ہوا کہ ہم انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کے تبرکات میں یہی تاثیر سمجھتے ہیں، جیسے صحابہ کرام ان بال مبارک سے زندگی بھر نہ صرف تبرک کے طور ساتھ رکھتے بلکہ ان کے وسیلہ جلیلہ سے مدد چاہتے جسے آج وہابیہ دیوبندیہ نے شرک و بدعت کی رٹ لگا رکھی ہے۔ ان روایات سے معلوم ہوا کہ بال مبارک کی زیارت صحیح ہے جیسے پاکستان میں روڑھی شریف، سکھر (سندھ)، اور کشمیر میں سرینگر وغیرہ وغیرہ۔ اویسی غفرلہ

آلِ عثمان کے خزانہ میں بعض ایسے تبرکات ہوتے ہیں جن کے فیوض و برکات سے بہت کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً آلِ عثمان کے خزانہ میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جبّہ مبارک اور دیگر بہت بڑے تبرکات ہیں اور ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا لیکن آلِ عثمان کو ان سے فیوض و برکات اور انہیں وسیلہ بنانے کی توفیق نصیب نہیں حالانکہ ان کے ہاں نبوی لواء مبارک بھی ہے لیکن ان کے ملک میں مصائب و آفات و بلیات کی بھرمار ہے۔ صاحبِ روح البیان فرماتے ہیں کہ انھیں اس کی سزا ملی ہے اس لیے کہ آلِ عثمان نے ان تبرکات کی عزت و احترام نہ کی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ کے متعلق صحیح روایات سے ثابت ہے کہ ان میں طاعون کا داخلہ بند ہے لیکن جب ان کے مکینوں نے غلط کاری اور جرائم و معاصی کا ارتکاب کیا تو سزا کے طور ان پر طاعون مسلط کر دیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض ارشاداتِ نبوی کے خلاف ہو جانا محض سزا یا تنبیہ کے طور ہوتا ہے ورنہ اسی طرح ہونا ضروری ہے جس طرح حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرما گئے۔

باقی قصہ ابن اُبی بن سلول

جب عبد اللہ بن ابی بن سلول فوت ہو گیا تو اس کا لڑکا حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ حضرت مخلص مومن اور صحابیِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور عرض کی کہ میرے والد کا جنازہ تیار ہے تشریف لے چلیں۔ آپ نے اس سے پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ عرض کی: الحباب بن عبد اللہ۔ آپ نے فرمایا: آج کے بعد تیرا نام عبد اللہ بن عبد اللہ ہے اس لیے کہ الحباب شیطان کا نام ہے۔ (کذا فی القاموس) اس لیے تمہارے لیے یہ نام ناموزوں ہے۔ آپ نے اسے فرمایا کہ اس پر تم خود نماز پڑھ کر دفن کر دو۔ اس نے عرض کی: اگر آپ نے میرے والد کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی تو کوئی بھی میرے والد کی نمازِ جنازہ نہ پڑھے گا اس طرح میری سخت ذلت ہوگی اور دشمن ہنسیں گے۔ آپ نے اسے تسلی دلائی اور اس کے والد کی نمازِ جنازہ کے لیے تیار ہو گئے۔ اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے آئے اور آپ کے آگے کھڑے ہو گئے تاکہ آپ منافق کی نمازِ جنازہ نہ پڑھا سکیں اور عرض کی: کیا آپ اللہ تعالیٰ کے دشمن کی نمازِ جنازہ پڑھتے ہیں۔ آپ کو یاد نہیں کہ فلاں فلاں موقعہ اس نے کیسے کردار ادا کیے اور اس کی تمام غلط کاریاں ایک ایک کر کے بتائیں۔ چنانچہ یہی آیت اتری اور جبریل علیہ السلام نے آپ کے قمیص مبارک کو پکڑ کر نماز پڑھانے سے روکا اور پڑھا "لَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا"۔ حضور علیہ السلام نے یہ آیت سن کر منافق کی نماز نہ پڑھائی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مناقب

اس سے واضح ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت بڑے مناقب کے حامل ہیں۔ ان کے منشاء مبارک کے مطابق نہ صرف یہی بلکہ متعدد آیات نازل ہوئیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دین میں بہت بڑی قدر و منزلت ہے اس لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میں نبی بن کر مبعوث نہ ہوتا تو اے عمر! تم نبی بن کر مبعوث ہوتے اور فرمایا: زمانہ سابقہ میں محدث (بالفتح و تشدید دال) ہوتے میری امت میں اگر کوئی محدث ہے تو وہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔

ف : المحدث بفتح الدال المشددہ، ہر وہ شخص جس کے دل میں خیر کی بات ڈالی جائے اور وہ اسی فراست سے صحیح اور حق بات کی قبل از وقت خبر دے۔ پھر جس طرح وہ خبر دے اسی طرح ہو جائے۔ گویا اس کے ساتھ ملاء الاعلیٰ والے گفتگو کرتے ہیں اہل ولایت کا یہی سب سے بڑا مرتبہ ہے۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس مضمون کو لفظ اِنْ شرطیہ (جو شک پر دلالت کرتا ہے) سے بطور تردد اور ازالۂ وہم شک کے بیان نہیں فرمایا بلکہ اس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت پر مزید تاکید فرمائی جیسے کہا جاتا ہے کہ اگر دنیا میں میرا کوئی سچا دوست ہے تو فلاں ہے۔ اس سے اس شخص کی صداقت کی تاکید مطلوب ہوتی ہے نہ یہ کہ اس شخص کا سرے سے کوئی دوست ہے بھی نہیں۔ علاوہ ازیں جب ایسے محدث دوسری اُمتوں میں پائے جاتے ہیں تو حضور علیہ السلام کا افضل الامم میں پایا جانا ضروری ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں کسی شاعر نے خوب فرمایا ؎

لہ فضائل لا تخفی علی احد
الا علی احد لا یعرف القمرا

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فضائل کسی پر مخفی نہیں ہاں اس سے مخفی نہیں جو قمر کو نہیں جانتا، یعنی جس طرح قمر (چاند) کو ہر کوئی جانتا ہے

ایسے ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل چاند کی طرح روشن ہیں ہاں چمگادڑ چاند کی چاندنی سے اندھا ہے اسی طرح شیعہ یا اعدائے اسلام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فضائل سے بے خبر ہیں۔ (کذا فی مشارق الانوار)

سوال از وہابیہ دیوبندیہ : اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم تھا کہ وہ کافر ہے اور کفر پر مرا ہے تو پھر آپ نے اس پر نمازِ جنازہ کیوں پڑھی اور نماز جنازہ میں دعائے مغفرت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو کفار کی دعائے مغفرت سے روکا تھا پھر آپ نے کافر کو قمیص کیوں پہنایا جو ایک بہت بڑا اعزاز ہے حالانکہ آپ کو حکم ہے کہ کفار کی اہانت کریں۔

جواب : جب اس خبیث منافق ابن ابی نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے قمیص طلب کی اور نماز پڑھانے کی بھی استدعا کی تو نبی علیہ السلام نے ان قرائن سے سمجھا کہ وہ موت سے پہلے توبہ کر چکا ہو جبکہ اس کی زندگی دشمنی میں گزری لیکن اب عین موت کے وقت محبت و خلوص دکھا رہا ہے اور حضور علیہ السلام خود فرماتے ہیں کہ ہم ظاہر پر عمل کرنے کے لیے مامور من اللہ ہیں۔ علاوہ ازیں اسلام کا اظہار بھی کرتا ہے اس لیے آپ اس کی نماز پڑھانے کے لیے تیار ہو گئے۔ پھر جب جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور اس کے متعلق خبر دی کہ اس کی موت یقیناً کفر پر ہوئی ہے اس پر آپ نے اس کی نماز نہ پڑھی۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ اس پر نماز پڑھا چکے تھے تو بعد کو آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ پھر بعد ازاں آپ نے زندگی بھر کسی منافق پر نماز نہ پڑھی اور نہ ہی کسی منافق کی قبر پر تشریف لے گئے۔

قمیص مبارک کے متعلق جوابات

جواب ۱ : جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں قیدی ہو کر حاضر ہوئے

تو اس کا قمیص نہیں تھا اور آپ طویل القامت تھے کسی کا قمیص آپ کے جسم پر پورا نہ آتا تھا۔ اس موقعہ پر اسی عبداللہ بن ابی بن سلول نے قمیص دیا اب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بطور بدلہ قمیص عنایت فرمایا اس سے اعزاز مطلوب نہ تھا اور نہ اس سے اعزاز کا تصور ہو سکتا ہے۔

جواب ۲: آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کی۔ چنانچہ آپ کو فرمایا: واما السائل فلا تنهر۔ اور پہلے ہم نے روایت نقل کی ہے کہ اس نے حضور علیہ السلام کی قمیص کے متعلق خصوصی درخواست کی تھی۔ اگر آپ اس کا سوال پورا نہ کرتے تو یہ آپ کی شانِ کریمی کے خلاف ہوتا۔ اس لیے قمیص دینا اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا۔ وہابیہ کو یہ اعتراض بجائے نبی علیہ السلام کے اللہ تعالیٰ پر کرنا چاہیے۔

جواب ۳: غالباً وحی کے ذریعے آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ آپ منافق کو قمیص عنایت فرما دیں اس طرح سے آپ کے خلقِ عظیم کا ظہور ہوگا اس کی برکت سے ہزاروں کو دولتِ اسلام نصیب ہوگی۔ اور یہ روایت ہم نے گزشتہ اوراق میں نقل کی ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

سبق: ہمارے اوپر لازم ہے کہ ہم نبوت کے ہر عمل کو حکمت پر محمول کریں جو بات سمجھ میں نہ آئے اس سے ہم خاموشی اختیار کریں وہی اللہ تعالیٰ طریق تحقیق کی ہدایت دینے والا ہے۔

وَلَا تُعْجِبْكَ (حلِ لغات) الاعجاب شگفتی نمودن یعنی تعجب کرنا۔ یہ خطاب حضور علیہ السلام کو، لیکن اس سے آپ کی امت مراد ہے یعنی تمہیں تعجب میں نہ ڈالے۔ **اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ** ط ان کے اموال و اولاد۔ یہ ضمیر منافقین کی طرف راجع ہے۔ کاشفی میں ہے کہ منافقین کے اموال اگرچہ بکثرت اور ان کی اولاد با اقتدار اور قوی ہے۔

نکتہ: ایسے مواقع پر اموال کی اولاد پر تقدیم بوجہ عموم یا بوجہ اس کی عام ضرورت ہے بحسب الذات وبحسب الافراد والاوقات اس لیے اموال کی ہر ایک کو ضرورت پڑتی ہے۔ اجداد و آباء و امہات و اولاد سب کو اور ہر وقت اگرچہ معزز ترین اولاد ہے لیکن جس کی اولاد اور دوسرا کنبہ بہت زیادہ ہو لیکن مال نہ ہو تو بہت تنگی اور تکلیف کا موجب ہوتے ہیں اور اولاد کی ضرورت بھی اس وقت محسوس ہوتی ہے جب ابوہ کے درجہ کو پہنچے یا اس لیے کہ اموال نفوس کی بقاء کا سبب ہیں اور اولاد صرف نوع کی بقاء کا سبب ہے یا اس لیے کہ اولاد کے وجود سے اموال کا وجود اقدم ہے اس لیے اجزاء منویہ اغذیہ سے حاصل ہوتے ہیں۔

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ انہیں اموال و اولاد سے نفع دے کر ان کے لیے ارادہ کرتا ہے۔ **اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا** بسبب مال جمع کرنے اور اس کی نگرانی میں دنیا میں انہیں عذاب میں مبتلا کرے یعنی وہ ہمیشہ دکھ اور رنج میں رہیں اور اپنی اولاد کے احوال کی رونق میں مست ہو کر ہمیشہ محنت و مشقت کھینچیں **وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ** الزہوق بمعنے روح کا نکلنا اور انکے روح نکلیں، یعنی مریں۔ **وَهُمْ كٰفِرُوْنَ** ۝ درانحالیکہ وہ کافر ہوں یعنی اموال و اولاد سے نفع اٹھانے اور ان میں مشغول ہونے اور عواقب پر تدبر اور غور کرنے سے غفلت کی وجہ سے۔

حکایت ایک فقیر کہہ رہا تھا کہ دولت مندوں سے بڑھ کر بدبخت اور کون ہوگا کہ مال و اسباب جمع کر کے کئی طرح کی

مشقتیں اور تکلیفیں اٹھاتے اور ہر وقت گوناگوں پریشانیوں میں مبتلا رہتے ہیں اور جب مرتے ہیں تو مال و اسباب چھوڑنے کی ہزار حسرتیں قبر میں لے جاتے ہیں۔

ؐ

در اول چو خواہی کنی جمع مال — بسے رنج بر خویش باید گماشت
پس از بہر آں تا بماند بجائے — شب و روز می بایدت پاس داشت
وزیں جملہ آں حال مشکل تر است — کہ آخر بحسرت بباید گزاشت

ترجمہ: تجھے مال جمع کرنے کا شوق ہے تو یاد رکھ کہ اس کا انجام پریشانی ہے جب تک وہ تیرے پاس ہوگا، تجھے اس کی حفاظت کی فکر رہے گی۔ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ جب وہ تیرے ہاتھ سے جائے گا تو بہت گھبراہٹ پائے گا۔

ف: اس مضمون کا تکرار محض اموال و اسباب سے نفرت دلانے کی تاکید کے لیے ہے تاکہ سامع کو اموال و اسباب کی خرابیوں سے توجہ ہٹ نہ جائے بلکہ ناصح پر لازم ہوتا ہے کہ ایسے امور کے لیے اپنے کلام کے اثناء میں اس کے متعلق یاد دہانی کرائے بالخصوص جب دو کلاموں کے درمیان کافی فاصلہ ہو اس لیے کہ انسان فطری طور پر اموال و اسباب کے وقت متوجہ رہتا ہے بلکہ وہ ان کے متعلق متمنی ہوتا ہے اور اس حرص میں رہتا ہے کہ خدا کرے کہ اموال و اسباب حاصل ہوں۔

تفسیر صوفیانہ اموال و اولاد اگرچہ مومن کے لیے نعمت ہیں لیکن منافقین کے لیے عذاب الٰہی ہیں اس لیے کہ منافقین کے قلوب اموال و اولاد میں مشغول ہو کر اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو جاتے ہیں اور نہ ہی اس کی طلب کا انہیں خیال رہتا ہے اور قلوب کے لیے بہت بڑا عذاب حجاب ہے اور جن قلوب کو حجاب میں رکھا جائے تو وہ ایمان سے محروم ہوتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ وَ تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ یعنی ایسے لوگوں کے قلوب حبِ اموال و اولاد کے حجابات سے محجوب ہوتے ہیں۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

حدیث شریف: دنیا شہوات و لذات سے پُر ہے۔ فلہذا اے خدا کے بندو! تمہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دنیا کی شہوات اور لذات غافل نہ بنا دیں اس لیے کہ جسے آخرت کا نیک انجام نصیب نہیں اسے دنیا کے منافع سے کوئی فائدہ نہیں اور آخرت سے وہ نفع نہ پا سکے گا جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طاعت نہیں کرتا یعنی مومن وہ ہے جو عبادات مالیہ سے آخرت کا سامان تیار کرتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اور جب قرآن کی کوئی سورۃ نازل کی جاتی ہے۔ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ یہ اَنْ مصدریہ ہے اس سے حرف جارہ محذوف کر دیا گیا ہے دراصل بان امنوا الخ یعنی بایں طور کہ ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ پر وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر اعزازِ دین اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے جہاد کرو اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ تو منافقین میں سے دنیادار آپ سے اجازت چاہتے ہیں یعنی باوجودیکہ انہیں اموال و اسباب کی وفرت و وسعت اور جہاد پر جانے کی بدنی مالی قدرت اور طاقت ہوتی ہے تب بھی جہاد پہ جا نہ سکنے کے لیے

معذرت کرتے ہیں۔

ف: حدادی نے لکھا کہ طول دراصل اسی طاقت وقدرت کو کہا جاتا ہے جس سے اعداء سے مقابلہ کیا جا سکے اور امام رازی نے سورۂ نساء میں لکھا کہ طول دراصل قصر کی نقیض ہے اس لیے کہ طول میں کمال وزیادہ ہوتی ہے ایسے ہی قصیر میں قصور ونقصان ہوتا ہے۔ اسی لیے غنی (دولت مند) کو طول سے تعبیر کیا جاتا ہے بخلاف فقیر کے کہ اسے اپنے مقاصد ومطالب کے حصول میں دشواریاں درپیش ہوتی ہیں اور ظاہر ہے کہ جتنی مطالب برآری دنیا و دولت سے ہو سکتی ہے وہ فقر وفاقہ میں کہاں۔

وَقَالُوْا ذَرْنَا اور کہتے ہیں ہمیں چھوڑ دیجئے نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ○ ہم ہو جائیں ان لوگوں کے ساتھ جو جنگ سے عذر کی وجہ سے نہیں جا سکتے رَضُوْا منافقین خوش ہیں بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ بایں طور کہ وہ ہوں ان عورتوں کے ساتھ جو جنگ پہ نہ جانے کی وجہ سے گھروں میں بیٹھی ہیں۔ "الخوالف" خالفۃ کی جمع ہے اور خالفہ کی تا تانیث کی ہے کبھی الخالفۃ ہر اس شے کو کہا جاتا ہے جس میں کسی قسم کی خیر اور بھلائی نہ ہو۔ اس معنے پر یہ تاء وصفیت سے اسمیۃ کی طرف منقول ہوگی تانیث کی نہیں ہوگی اور مردوں کو خالفہ سے اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ انہیں اہم امور کی طرف بلایا گیا تو وہ ان کے لیے تیار نہ ہوئے اس بناء پر گویا وہ ایسے ہیں کہ ان میں کسی قسم کی بھلائی نہیں وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اور ان کے دلوں پر مہر لگائی گئی۔

ف: حدادی نے فرمایا کہ "الطبع" لغۃ میں شے کو طابع کی طرح کرنا۔ مثلاً کہا جاتا ہے طبع الدینار والدراهم۔ تاج المصادر میں ہے کہ ان الفاظ کی ترکیب دلالت کرتی ہے کہ شے اپنی انتہاء کو پہنچ گئی، یہاں تک کہ اس شے کا آگے جانا ختم اسی پر انسان کی طبیعت کا قیاس کیجیے کہ اس کی طبیعت کے لیے طبع، طباع، طبیعۃ جیسے الفاظ مستعمل ہیں یعنی انسان کی اصلی فطرت کہ جس، پر اس کی تخلیق ہوئی اور دل پر مہر لگانے کی تخصیص اس لیے ہے کہ دل فہم وادراک کا محل اور مرکز ہے اس لیے فرمایا:

فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ○ اس لیے وہ کچھ نہیں سمجھتے کہ ایمان باللہ کیا ہے اور اس کے اوامر کی اطاعت اور نواہی سے بچنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت اور ان کے ساتھ جہاد پہ جانے کے منافع کیا ہیں۔ اور انہیں معلوم نہیں کہ امور مذکورہ بالا کے خلاف کرنے کا کتنا نقصان ہے لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ ایمان لانے والے اللہ تعالیٰ پر اور جو احکام آپ اللہ تعالیٰ کی طرف لائے یعنی آپ کے ساتھ ایمان لانے والے، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس سے اس اعتراض کا دفعیہ ہوگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں ان کا ایمان لانا کیسا جبکہ بہت بڑے عرصہ کے بعد صحابہ نے ایمان قبول کیا۔ اوپر مذکور ہوا کہ یہاں مقارنت زمانی مقصود نہیں بلکہ مقارنت بمعنے موافقت ہے جیسے قرآن مجید میں بلقیس کے متعلق ہے "واسلمت مع سلیمان"۔ یہاں بھی مقارنت زمانی نہیں بلکہ معیت بمعنے موافقت ہے یعنے اسلمت اسلام سلیمان، یعنے ویسے مسلمان ہوں جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام

مسلمان ہیں۔ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ط انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں اپنے اموال و نفوس کو قربان کر کے جہاد کیا۔ فلہٰذا ان منافقین کے خلاف کرنے سے دین کو کمی نہیں ہوئی اور نہ ہی جہاد کے امور میں نقص ہوا جبکہ ان سے افضل ترین بندے جہاد میں شریک ہوئے جو ان سے خلوص نیت میں بہتر اور اعتقادیات میں برتر ہیں وَ اُولٰٓئِكَ اور یہی لوگ ہیں لَهُمُ بوجہ اوصاف مذکورہ کے، ان کے لیے الْخَيْرٰتُ ز دارین کے منافع ہیں جیسے نصرت و غنیمت دنیا میں اور جنت و کرامت آخرت میں۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ خیرات سے آخرت یعنی بہشت کی حسین و جمیل عورتیں مراد ہوں جنہیں حور عین کہا جاتا ہے کما قال تعالیٰ "فیھن خیرات حسان"۔ اس معنے پر "الخیرات" خیرۃ بتخفیف اولیاء کی جمع اور خیرات العابدین سے عابدین کی وہ حسنات مراد ہیں جو ان کے اعمال سے متعلق ہیں اور خیرات العارفین سے مواہب الحق مراد ہیں اور یہ ان کے احوال سے متعلق ہیں وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ اور یہ وہی ہیں جو اپنے مقاصد و مطالب پر کامیاب ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ کامیاب نہیں جو فانی نعمتیں اور دنیوی اسباب جو حظوظِ نفسانیہ کا مجموعہ ہیں جمع کرلے اس لیے کہ وہ جلد تر فنا پانے والی ہیں۔ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آخرت میں تیار کر رکھی ہیں۔ جَنّٰتٍ یہ جنۃ کی جمع ہے بمعنے وہ باغ جس میں پھلدار درخت ہوں تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا ان کے نیچے جاری ہیں یعنی ان باغات کی زمینوں یا ان کے درختوں یا ان کے محلات یا بالاخانوں کے نیچے، اس سے مطلق زمین کا تحت مراد نہیں الْاَنْهٰرُ یہ نہر کی جمع ہے، پانی بہنے کی جگہ، اس کی وسعت اور چمک کی وجہ سے اسے نہر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حدیث شریف: بہشت میں ایک دریا دودھ کا، ایک پانی کا، ایک شہد کا اور ایک شراب کا ہے' ان سے باقی تمام نہریں نکلتی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہی ایک نہر ہے جس میں دودھ، شراب، پانی اور شہد ہیں اور باوجودیکہ ایک نہر میں سب ہیں لیکن ایک دوسرے سے ملتی نہیں ہیں بعض کے نزدیک وہ سب ایک ہیں صرف جس طرح کا ذائقہ انسان چاہے گا اسی طرح کی شکل و صورت اسی وقت پیدا ہو جائے گی۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے یعنی انہیں جنات مذکورہ میں ان کا ہمیشہ رہنا مقدر ہو چکا ہے۔ ذٰلِكَ یہ اشارہ اس کی طرف ہے جو اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ فلاں فلاں شئے نیک بندوں کے لیے تیار فرمائی ہے۔ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ ع بہت بڑی کامیابی ہے کہ اس کے بالمقابل اور کوئی کامیابی نہیں یعنی وہ لوگ بہشت اور اس کی نعمتوں سے نوازے جائیں گے اور جہنم اور اس کی آگ سے نجات پا جائیں گے۔

حدیث شریف: جو گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اس پر جہنم کی آتش حرام ہے۔

حدیث شریف: جو شخص کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) خلوصِ قلب سے پڑھتا ہے وہ بہشت میں داخل ہوگا۔

ف: خلوص کی شرط اس میں ضروری ہے اور جس میں خلوص ہوگا وہ گناہوں سے بچ جائے گا۔ اگر گناہوں سے نہیں بچتا تو وہ مخلص نہیں بلکہ خطرہ ہے کہ یہی کلمہ زبان سے پڑھتا ہے اس کا عارضی ہو جو گناہوں کی شامت اور نحوست سے اس سے چھین لیا جائے اخلاص قلب کے صفات سے ہے اور وہ اوصافِ حمیدہ سے رونق پاتا ہے لیکن اس وقت حاصل ہوتا ہے جب انسان اپنے سے رذائل دُور کرکے نفس کا تزکیہ نہ کرے۔

تفسیر صوفیانہ
"تاویلات نجمیہ میں ہے کہ نفس کے حجابات اور اس کے صفات سے چھٹکارا پانے کا نام الفوز العظیم (بڑی کامیابی) ہے اس لیے کہ کامیابی کی عظمت پروان کی عظمت کے مطابق ہے اور نفس کے حجابات سے بڑھ کر اور کوئی حجاب نہیں، اس لیے جو بھی ان حجابات سے چھٹکارا پاجاتا ہے وہی کامیاب ترین انسان سمجھا جاتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

جملہ قرآن شرح خبث نفسہاست　　بنگر اندر مصحف آں خبیث کجاست
ہین مرو اندر پے نفس چو زاغ　　کو بگورستان بردنے سوئے باغ
نفس اگرچہ زیرکست و خردہ دان　　قبلہ اش دنیاست اورا مردہ دان

ترجمہ: سارا قرآن نفس کی خباثت کا بیان ہے لیکن دیکھ کہ وُہ ہے کہاں، اس کمینے کوے کے پیچھے مت جا وہ تجھے گورستان لے جائے گا نہ کہ باغ میں۔ اگرچہ نفس کتنا دانا ہو لیکن اس کا قبلہ دنیا ہے اور دنیا مردہ ہے۔

حدیث شریف مع الشرح: "ان فی الجنۃ مائۃ درجۃ" بہشت میں ایک سو درجے ہیں۔ یہاں سو سے گنتی مراد نہیں بلکہ درجات کی کثرت مراد ہے اور درجہ سے مرقات یعنی سیڑھیوں کی مختلف منزلیں مراد ہیں۔ "اعد اللہ للمجاھدین فی سبیلہ" وہ اللہ تعالیٰ نے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لیے تیار فرمائے ہیں۔ مجاہدین فی سبیل اللہ غازی یا حجاج یا وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر نفس سے جہاد کرتے ہیں۔ "کل درجتین ما بینھما کما بین السماء و الارض" ان دونوں کے درمیان کا فاصلہ زمین و آسمان کے درمیانی فاصلہ کے برابر ہے۔ یہ فاصلہ ظاہری طور ہے یا معنوی طور۔ اگر معنوی طور ہو تو درجہ سے مرتبہ مراد ہوگا اللہ تعالیٰ کے قریب تر ہر وہ خوش قسمت ہوگا جس کے درجات سب سے بلند تر ہوں گے کہ اس کے بعد اور کسی کا درجہ نہ ہوگا "فان سألتموا اللہ" پس اگر تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو "فاسئلوہ الفردوس" تو اس سے جنت الفردوس مانگو۔ الفردوس بہشت کا ایک ایسا باغ ہے جس میں بہشت کے ہر قسم کے پھل وغیرہ پائے جاتے ہیں "فانہ اوسط الجنۃ" اس لیے کہ وہ تمام بہشتوں کی اوسط ہے یہاں اوسط بمعنے اشرف ہے "واعلی الجنۃ" اور تمام بہشتوں سے اعلیٰ ہے اس سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ آسمان گیند کی طرح ہے، اس لیے کہ اوسط اعلیٰ کبھی نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس شے کو گیند کی طرح تسلیم نہ کیا جائے، اور یہ بھی مسلّم ہے کہ بہشت ساتوں آسمانوں کے اُوپر اور عرش کے نیچے ہے۔

بقیہ صفحہ ۶۹۱ پر

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ

اور بہانے بنانے والے گنوار آئے کہ انہیں رخصت دی جائے اور بیٹھ رہے

الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

وہ جنہوں نے اللہ و رسول سے جھوٹ بولا تھا جلد ان میں کے کافروں کو دردناک

مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۰﴾ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى

عذاب پہنچے گا ضعیفوں پر کچھ حرج نہیں اور نہ بیماروں پر

الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ

اور نہ ان پر جنہیں خرچ کا مقدور نہ ہو

حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ

جب کہ اللہ و رسول کے خیرخواہ رہیں نیکی والوں پر کوئی راہ نہیں

سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۱﴾ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ

اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے نہ ان پر جو تمہارے حضور حاضر ہوں

اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۠ تَوَلَّوْا وَّ

کہ تم انہیں سواری عطا فرماؤ تم سے یہ جواب پائیں کہ میرے پاس کوئی چیز نہیں جس پر تمہیں سوار

اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾

کروں اس پر یوں واپس جائیں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو ابلتے ہوں اس غم سے کہ خرچ کا مقدور نہ پایا

اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ

مواخذہ تو ان سے ہے جو تم سے رخصت مانگتے ہیں اور وہ دولت مند ہیں

رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ

انہیں پسند آیا کہ عورتوں کے ساتھ پیچھے بیٹھ رہیں اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کردی

فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾

تو وہ کچھ نہیں جانتے

تفسیر عالمانہ

حل لغات: وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ۔ "المعذرون" عذر فی الامر سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی امر میں کوتاہی اور سستی کرے اور اس سے بظاہر معذرت کی حقیقت بھی معلوم نہ ہو سکے اور نہ ہی اس کا عذر معقول محسوس ہو۔ اس معنے پر المعذر بصیغہ اسم فاعل از باب تفعیل ہے یا یہ افتعال کا باب ہے دراصل المعتذرون تھا پھر تا کو ذال میں مدغم کیا گیا ہے اور تا کی حرکت ماقبل دی گئی ہے اس تقریر پر یہ صیغہ فاعل از باب افتعال ہے۔

ف: معذرت کبھی جھوٹی ہے اور کبھی سچی اس لیے کہ اعتذار یہ ہے کہ انسان اپنی معذوری کا اظہار کرے۔ وہ واقعی معذوری ہو یا نہ۔ "الاعراب" عرب کے بادیہ نشینوں کو کہا جاتا ہے اس کا کوئی واحد نہیں اور عرب عجم کی نقیض ہے۔ شہری زندگی بسر کرنیوالے کو عرب کہتے ہیں یا یہ لفظ عام ہے بادیہ نشین ہو یا شہری سب کو عرب کہیں گے البتہ اعراب خاص ہے یعنی صرف اس کے لیے مستعمل ہو گا جو بادیہ نشین ہو گا۔ "العربة" شہر کے قرب کی ایک جانب کو کہتے ہیں چونکہ قریش شہر کے ایک کونہ میں مقیم تھے اسی لیے اسی کی طرف منسوب ہوئے اور عرب کے گھر کے والان کو عربہ کہا جاتا ہے اسی نسبت سے ان کی اولاد عرب سے موسوم ہوئی۔ (کذا فی القاموس)

ف: یہ عذر کرنے والے اسد غطفان کے لوگ تھے جنہوں نے غزوۂ تبوک کی تیاری کے وقت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ پر نہ جانے کی اجازت چاہی اور عذر پیش کیا کہ ہمیں جنگ کرنے کی طاقت نہیں ہے اس لیے کہ ہم معاشی لحاظ سے تنگ ہیں اور عیالداری سوا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

یا معذرت کرنے والے عامر بن الطفیل کا ایک گروہ ہے جنہوں نے معذرت یوں کی کہ اگر ہم آپ کے ساتھ غزوۂ تبوک کے لیے چلیں تو ہمارے پیچھے ہمارے اہل وعیال اور گھروں پر ہمارے مخالفین یعنی طے کے اعرابی حملہ کر دیں گے وہ ہمارے جانور لے جائیں گے اور گھروں کو لوٹ لیں گے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں فرمایا: مجھے تمہاری ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ

باقی صـ ۶۸۹ سے آگے

نکتہ: امام طیبی نے فرمایا کہ اوسط و اعلیٰ کے درمیان تطابق یوں ہو سکتا ہے کہ ان میں ایک سے حسی دوسرے سے معنوی معنے مراد ہوں لیکن میرے نزدیک دونوں حسی مراد ہیں اس لیے کہ وہ ایسے حسین ترین ہیں کہ ان جیسا اور کوئی محسوس نہ ہو گا۔ "وفوقہ عرش الرحمٰن" اور اس کے اوپر عرشِ الٰہی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عرش الٰہی تمام بہشتوں کے اوپر ہے۔ "ومنہ تفجر" یہ دراصل تتفجر تھا ایک تا تخفیفاً گرا دی گئی ہے یعنی اسی سے جاری ہوتی ہیں انہار الجنۃ بہشت کی وہی چار نہریں جن کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے متعلق فرمایا: فیھا انھار من ماء غیر آسن وانھار من لبن لم یتغیر طعمہ وانھار من خمرۃ لذۃ للشاربین وانھار من عسل مصفی۔ اس سے بہشت کی نہروں کے اصول مراد ہیں۔ (کذا فی شرح المشارق لابن ملک)

ہم اللہ تعالیٰ سے رفیق اعلیٰ کا سوال کرتے ہیں اور اس کے وجہ الٰہی اور جمال اسنیٰ کی زیارت کی تمنا کرتے ہیں۔ بقیہ ختم۔

مجھے کافی ہے تم جاؤ گھروں میں آرام کرو۔

ف: ایسے لوگوں کی معذرت کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض کے ان کا عذر جھوٹا تھا، بعض کہتے ہیں کہ وہ واقعی معذور تھے جیسا کہ بتشدید الذال المکسورہ (المعذرون) کی قرأت سے معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ جو واقعی معذور ہو اسے معتذر کہتے ہیں۔ قاموس کی تحقیق یہی ہے اور کبھی ایسے بھی ہوتا ہے کہ ایسا عذر کرنے والا جھوٹا بھی ہوتا ہے۔ صاحب روح البیان نے فرمایا کہ اس سے ان کی منافقت کا ثبوت نہیں ملتا اس لیے کہ جو شخص سستی و کاہلی سے جنگ پہ نہ جا سکے اور صرف اسی وجہ سے معذرت کر دے تب بھی وہ کافر نہیں ہو سکتا البتہ اسے فاسق کہہ سکتے ہیں اور اس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔ یہاں پہ مفسرین کے اقوال کئی طرح کے ہیں ہمیں تو لفظوں کو چھوڑ کر معنے کو لینا چاہیے۔

لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلاتے تھے وہ جنگ سے بیٹھ گئے اس سے وہ بادیہ نشین منافقین مراد ہیں جنہوں نے جنگ کی حاضری کی ہامی بھری اور نہ ہی کوئی عذر کیا اور نہ ہی حضور علیہ السلام سے اجازت طلب کی۔ یعنی ڈھٹائی سے گھروں میں بیٹھے رہے اور جنگ پر نہ گئے۔ اس طرح سے واضح ہوا کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنے والے ہیں اگرچہ بظاہر ایمان و اسلام کے لمبے چوڑے دعوے کرتے ہیں۔ (کذا فی انسان العیون)

ف: معذرت کرنے والوں میں سے بعض بادیہ نشین ایسے بھی تھے جو واقعی کمزور تھے اور تھے بھی محدود۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ وہ کل بہتر افراد تھے۔ یہ لوگ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جنگ پہ نہ جانے کی اجازت چاہی آپ نے انہیں اجازت بخش دی اور وہ لوگ جو بلا عذر اور سبب کے اظہار کے بغیر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے جنگ پہ نہ گئے انہی کی طرف "وقعد الذین کذبوا اللہ ورسولہ" میں اشارہ فرمایا۔

سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عنقریب پہنچے گا ان پر جنہوں نے اعراب میں سے کفر کیا یا منہم کی ضمیر کا مرجع عذر کرنے والے ہیں بہر تقدیر من تبعیضیہ ہے بیانیہ نہیں اس لیے کہ معذرت کرنے والے یا جنگ پہ نہ جانے والے سب کے سب کافر نہیں تھے علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ ان میں بعض اعراب وہ ہیں جو چند دنوں کے بعد پکے اور سچے مسلمان ہو جائیں گے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ ان میں بعض صرف سستی اور کاہلی سے اجازت طلب کر رہے ہیں۔ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ دردناک عذاب دنیا میں قتل و قید سے اور آخرت میں جہنم کی آگ سے۔

ربط: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ خلق خدا تین قسم ہے:

۱۔ المعذرون یعنی وہ لوگ غلطی کا ارتکاب کر کے اپنی کوتاہی اور اپنے گناہوں کا اعتراف کر کے بالآخر سچے اور پکے تائب ہو کر اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کو حاصل کرنے کی جدوجہد کرتے ہیں۔

۲۔ القاعدون یعنی جھوٹے کذاب وہ منافق جو اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے یعنی

کھلم کھلا انکار کرنے والے کافر اور دل میں کفر چھپانے والے منافق ان کی رسوائی اور عذاب الٰہی کے لیے جدوجہد ہوتی ہے انہیں عذاب دردناک لازماً ہوگا۔ کما قال تعالیٰ "وقعد الذین" الآیۃ۔

۳۔ مومن مخلص سچے اور دین کے خیرخواہ ان میں سستی و کاہلی بھی نہیں لیکن واقعی و حقیقی معذور ہیں۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

لَیْسَ عَلَی الضُّعَفَآءِ کمزوروں پر نہیں مثلاً بڑھاپا ہے یا ہاتھ لنجے اور پاؤں لنگڑے ہیں۔

ف: الہرم بکسر الراء بمعنے کبیر السن یعنی بوڑھا "الزمنی" زمن کی جمع ہے بمعنے "المقعد" یعنی چلنے پھرنے سے معذور انسان۔

وَلَا عَلَی الْمَرْضٰی اور مریضوں پر بھی۔ "المرضٰی" المریض کی جمع ہے۔ وَلَا عَلَی الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ مَا یُنْفِقُوْنَ اور نہ ان لوگوں پر جو اپنے فقر و فاقہ کی وجہ سے مال و دولت نہیں رکھتے جسے خرچ کرسکیں جیسے مزینہ و جہینہ و بنی عذرہ کے لوگ حَرَجٌ کوئی حرج اگر وہ جنگ پر نہیں جاسکے لیکن ان کے لیے بھی ایک شرط ہے وہ جسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ جب وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خیرخواہی کریں۔ ابو البقاء نے فرمایا کہ اس کا عامل کلام کا معنی ہے یعنی [illegible] وہ جنگ پر نہیں جاسکے تو کہ اگر ان کے دل میں اسلام کی خیرخواہی ہو۔ النصح بمعنے کھوٹ سے عمل کو خالص رکھنا۔ مثلاً کہا جاتا ہے نصح الشئ بمعنے خلص اور کہتے ہیں ونصح لہ فی القول۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کے لیے بھلائی کی بات کرے اناصح بمعنے [illegible]۔

حدیث شریف: الدین النصیحۃ الدین النصیحۃ الدین النصیحۃ۔ یعنی دین خیرخواہی کا نام ہے تاکید کے طور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا۔ بعض کہتے ہیں اسی نصیحت پر اسلام کا دارومدار ہے اس لیے کہ نصیحت کا معنٰی ہے ارادۃ الخیر۔ اور اس پر اسلام کا دارومدار اس لیے ہے کہ خیرخواہی دین کا ایک (رکن) ستون ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ حج کا ستون عرفہ ہے تو گویا حج کا اسی پر دارومدار ہے کہ وہ نہ ہو تو حج کی فرضیت نہ جائے گی ایسے ہر عمل میں اسلام کی خیرخواہی مدنظر نہ ہو تو وہ عمل غیر قابل قبول ہے۔

ف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تاکید کے طور پر فرمایا کہ دین نصیحت کا نام ہے تو نصیحۃ بمعنے خیرخواہی ہے اس لیے صحابہ کرام کو پوچھنا پڑا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کس کے لیے خیرخواہی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: للّٰہ۔ اللہ تعالیٰ کے لیے۔ اب اس کا معنٰی یہ ہوا کہ دین میں اللہ تعالیٰ کے لیے خلوص اور اس پر سچے دل سے ایمان ہو اور وہ جن امور کے لیے حکم فرمائے ان پر تہ دل سے عمل کرے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام نے اپنا اسم گرامی بتایا کہ: "ولرسولہ"۔ اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو احکام اللہ تعالیٰ سے لائے ان کی تصدیق کرکے ان پر عمل کرنا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر طریقہ کو زندہ رکھنا یعنی ان کی پیروی ضروری سمجھنا۔ اور فرمایا: "ولکتابہ"

اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کی خیر خواہی کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کے متعلق اعتقاد رکھنا کہ وہ واقعی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس کے محکمات پر عمل کرنا اور اس کے متشابہات کو تسلیم کرنا ضروری اور لازمی ہے۔

ف : یہ نصائح دراصل بندے کی طرف راجع ہیں یعنی اسے ہر ایک مذکورہ بالا کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا ضروری ہے۔ ولائمۃ المسلمین۔ ائمہ مسلمین کی خیر خواہی کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کے جائز احکام کو ماننا اور ان کی غلطیوں پر انہیں متنبہ رکھنا۔ وعامتہم اور عوام اہلِ اسلام کی خیر خواہی کا معنیٰ یہ ہے کہ ان سے ضرر رساں امور کو حتی الامکان دور کرنا اور حتی الامکان ان کے لیے نفع بخش امور کے حصول کی جدوجہد کرنا (کذا فی شرح المشارق لابن الملک) اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ عذر کر کے جنگ پر نہ جانے والے مذکورہ بالا اعذار قابلِ قبول ہیں اور نہ ہی جنگ پر نہ جانے کا ان پر کوئی گناہ ہے بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر ان کے جملہ احکام کی فرمانبرداری کا عہد رکھیں ان کے لیے اس وقت سب سے بڑا ضروری کام یہ ہوگا کہ وہ غازیوں کے متعلق اگر کوئی کمزوری سنیں تو اسے لوگوں کے سامنے بیان نہ کریں اور نہ ہی فتنہ انگیزی کریں۔ ہو سکے تو جنگی مجاہدین کے لیے امدادی صورتیں پیدا کریں وہاں ان کی ضروریات کی اشیاء بھیجیں اور ان کے گھریلو امور کی خبر گیری کریں بلکہ ان کے گھریلو کام میں ہاتھ بٹائیں اور ان کے گھر والوں کو ان کی خیر کی خبریں سنائیں۔

مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ط یہ جملہ مستانفہ ہے سابق مضمون کی تاکید و تقریر کے لیے واقع ہے یعنی نہیں ہے نیکی کرنے والوں پر کوئی گناہ اور نہ ہی انہیں کسی قسم کی منجانب اللہ زجر و توبیخ ہوگی۔ یہ مِن زائدہ ہے صرف نفی عام کرنے کے لیے لایا گیا ہے اور ضمیر کے بجائے المحسنین کو ظاہر کر کے لایا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ لوگ دین کے خیر خواہ ہوتے ہیں۔

فائدہ : بعض بزرگوں نے اس سے قاعدہ بنایا ہے وہ یہ کہ حکم کو کسی وصف سے معلق کرنے میں اشارہ ہوتا ہے کہ وہ وصف اس حکم کے لیے بمنزلہ علت ہے۔

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اس سے اشارہ فرمایا کہ اگرچہ ایسے لوگ تحقیقی عذر سے جنگ پر نہیں جا سکے تب بھی انہیں اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی ضرورت لازمی امر ہے کہ اس کی مغفرت کے بغیر چارۂ کار نہیں اس لیے کہ انسان تقصیر و عجز کا مرکز ہے اسے سوائے عفو حق و مغفرت الٰہی کے سوا اور کوئی پناہ نہیں۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

شمس ہم معدہ زمیں را گرم بود　　تا زمیں باقی حدثہا را بخورد
جزو خاکی گشت و رست از وے نبات　　ھکذا یمحوا الالہ السیئات
اے کہ من زشتم خصالم جملہ زشت　　چوں شوم گل چوں مرا او خار کشت
نو بہار حسن گل دہ خار را　　زینت طاؤس دہ آں مار را

ترجمہ: سورج کا زمین پر لطفِ کرم ہے تاکہ زمین تمام نجاستوں کو کھا جائے۔ اس میں دانے ڈالو تو اس میں دانے ڈالو تو اس سے انگوری پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بندوں کے گناہ بخشتا ہے۔ میں کتنا غلط کار سہی لیکن اس سے امید ہے کہ وہ لطف فرمائے گا اس لیے کہ وہ کانٹوں کو بہار بناتا ہے اور بُروں کو اچھا۔

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ اس کا المحسنین پر عطف ہے یعنی نہ محسنین پر کوئی گناہ وغیرہ ثابت ہے اور نہ ہی ان لوگوں پر جو آپ کے ہاں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ سواری عنایت فرمائیں یا اپنے ساتھ لے جائیں اور رو کر یہی عرض گزار رہے تھے اور یہ انصار کے سات آدمی تھے:

① معقل بن یسار
② صخر بن الخنساء
③ عبد اللہ بن کعب
④ سالم بن عمیرہ
⑤ ثعلبہ بن غنمہ
⑥ عبد اللہ بن مغفل
⑦ علیہ بن زید

مروی ہے کہ یہی حضرات حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے منت مانی تھی کہ ہم آپ کے ساتھ غزوۂ تبوک پہ چلیں گے فلہذا آپ ہمیں شاندار کجاووں پر اور بہترین سواریوں پر بٹھائیے تاکہ ہم آپ کے ساتھ جنگ پہ چلیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے ہاں تمہاری مطلوبہ سواریاں نہیں ہیں۔ یہ سن کر وہ حضرات روتے ہوئے لوٹے۔

ف: بعض کہتے ہیں ان سے بنو مقرن بروزن محدث کے سات بھائی مراد ہیں اور وہ سب کے سب حضور علیہ السلام کے صحابی تھے ایسا شرف سوائے ان کے اور کسی کو نصیب نہ تھا کہ وہ سات بھائی بیک وقت صحابیِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ (کذا فی تفسیر القرطبی)

قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ یہ اتوک کی ضمیر کاف خطاب سے حال ہے یہاں قد محذوف ہے یعنی وہ لوگ جب آپ کے ہاں حاضر ہوتے تو آپ کا حال یہ ہے کہ آپ انہیں فرماتے ہیں لا اجد الخ۔ ما احملکم میں ما عام ہے جو ان کے سوال کردہ سواری کو بھی مشتمل ہے اور دیگر ان ضروریات کو بھی جو جنگ کے لیے نفقہ کے لیے ضروری ہوتی ہیں۔

نکتہ: لیس عندی کے بجائے لا اجد فرمانے میں لطافت ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایسے لطف بھرے کلام سے نوازا کہ جس سے ان کا دل ٹھنڈا ہو گیا۔ گویا حضور علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ تمہاری سوال کردہ شے

اب موجود نہیں لیکن جونہی موجود ہوئی اور تم نے سوال کیا تو فوراً دے دی جائے گی۔

تَوَلَّوْا یہ اذا کا جواب ہے یعنی آپ سے لوٹے۔ وَّاَعْیُنُهُمْ تَفِیْضُ اور ان کی آنکھیں بہاتی تھیں بہت زیادہ شدت کے ساتھ مِنَ الدَّمْعِ آنسو سے۔ یعنی ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے جب آپ سے مایوس ہو کر گھر کو لوٹے۔ عبارت کے بدل میں مبالغہ ہے کہ گویا ان کی آنکھیں تمام تر آنسو بن کر بہہ رہی تھیں۔ اس معنے پر آنسو بہنا کا اسناد اعین (آنکھوں کی طرف مجازی ہوگا جیسے کہا جاتا ہے سال المیزاب یعنی پرنالہ بہہ پڑا۔ یہ اس لیے مجاز ہے کہ پرنالہ تو نہیں بہتا بلکہ پانی بہتا ہے ایسے ہی آنسو بہہ رہے تھے نہ کہ آنکھیں۔ اصل عبارت یفیض الدمع من اعینهم مجازاً تفیض اعینهم کو پڑھا گیا ہے۔ حَزَنًا مفعول لہ اس کا عامل تفیض ہے۔

سوال: مفعول لہ کا قاعدہ ہے کہ مفعول لہ اور فعل مذکور کا فاعل ایک ہو یہاں یہ بات نہیں اس لیے کہ تفیض کا فاعل اعین ہے اور حزن آنکھوں کو نہیں ہوتا بلکہ قلب کو ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے حزناً کو مفعول لہ بنانا صحیح نہ ہوا۔

جواب: جیسے تفیض اعینهم میں اسناد مجازی ہے ایسے ہی حزناً کو اعین سے مجازاً موصوف کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے عین حزینة و عین مسرورة، آنکھ غمگین یا مسرور ہے۔

اَلَّا یَجِدُوْا یہ ان مصدریہ ہے اس سے پہلے لام مقدر ہے جو حزناً کے متعلق ہے۔ در اصل لئلا یجدوا ہے اس لیے کہ وہ نہیں پائیں گے مَا یُنْفِقُوْنَ ○ وہ جو خرچ کریں اس لیے کہ انہیں یقین ہے کہ جب ہمیں در رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ نہیں ملا تو پھر اور کہاں سے ملے گا۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ ان حضرات کو حضرت ابن عمر اور حضرت عباس رضی اللہ عنہم نے زادِ راہ اور جنگی سامان اور سواری وغیرہ دی۔ اس طرح سے وہ حضرات بھی جنگ میں شریک ہوئے۔

اِنَّمَا السَّبِیْلُ بیشک زجر و توبیخ کی راہ عَلَی الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَكَ ان لوگوں پر ہے جو آپ سے جنگ پہ نہ جانے کی اجازت مانگتے ہیں وَهُمْ اَغْنِیَآءُ ۚ حالانکہ وہ دولت مند ہیں اور ان کے ہاں جنگی سامان مکمل طور پر موجود ہیں اور وہ تندرست بھی ہیں۔ رَضُوْا یہ جملہ مستانفہ ہے سابقہ جملہ کی علت کے لیے ہے اور سوال مقدر کا جواب ہے گویا کسی نے پوچھا کہ جو دولت مند اور تندرست ہونے کے باوجود بھی جنگ پہ نہ جانے کی اجازت چاہتے تھے ان کا کیا حال تھا۔ تو اس کا جواب ملا کہ وہ خوش تھے۔ بِاَنْ یَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ بایں طور کہ وہ گھر میں بیٹھنے والی عورتوں کے ساتھ گھر میں بیٹھے رہیں۔ گویا وہ اپنی خفت اور ذلت پہ راضی ہیں اور وہ اسے خود پسند کر رہے ہیں۔ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پہ مہر لگائی ہے یعنی انہیں ذلیل و خوار بنایا یہاں تک کہ وہ اپنے انجام سے بالکل غافل ہوگئے۔ فَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ○ پس وہ ہمیشہ اپنے انجام سے بے خبر رہیں گے اس لیے کہ انہوں نے اپنی خساست طبع سے عجلت والے امر کو پسند کیا حالانکہ انہیں آخرت کے بہتر امر کو پسند کرتے اگرچہ اس کے لیے دیر کا معاملہ تھا۔

نکتہ: ارسطو نے لکھا کہ اعلیٰ منازل کی طرف ترقی کرنا مشکل اور بہت دیر سے بہرہ وری نصیب ہوتی ہے بخلاف خساست و رذالت کی طرف جھکنے کے کہ وہ آسان بھی اور جلد تر بھی ہے۔

حکایت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پُوچھا گیا کہ برگزیدہ انسان کون ہے؟ آپ نے مٹی کی دو مٹھیاں بھر لیں۔ پُوچھا: ان میں سے کون سی مٹی برگزیدہ ہے؟ اس کے بعد انہیں زمین پر پھینک دیا۔ فرمایا: تمام انسان مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں ان میں برگزیدگی کسی کو نہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی برگزیدہ ہے جو متقی اور پرہیزگار ہے۔

سبق: بلندی اور بزرگی تقویٰ و طہارت میں ہے ہمیں چاہیئے کہ ہم راحت کو مجاہدہ پر اور خوشی کو رونے پر اور سرور کو غم پر قربان کریں۔

حدیث شریف: قیامت میں اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب وہ انسان ہوگا جس نے دنیا میں حزن سے زندگی بسر کی اور بھوکا پیاسا رہا۔

فائدہ: کسی دانا نے کہا ہے: الدنیا سوق الآخرۃ دنیا آخرت کا بازار ہے۔ **والعقل قائد الخیر** عقل خیر و بھلائی کی قائد ہے۔ **والمال رداء التکبر** اور مال تکبر کی چادر ہے۔ **والہویٰ مرکب المعاصی** خواہشات نفسانی معاصی و جرائم کی سواری ہیں۔ **والحزن مقدمۃ السرور** اور حزن و ملال سرور کا مقدمہ اور تمہید ہے۔

حضرت صائب رحمہ اللہ نے فرمایا: ؎

ہر محنتی مقدمۂ راحتے بود
شد ہمزباں حق چو زباں کلیم سوخت

ترجمہ: ہر محنت راحت کا مقدمہ ہوتی ہے۔ جب کلیم کی زبان جل گئی تو اس کا ہم کلام خود اللہ تعالیٰ ہوا۔

ف: اللہ تعالیٰ نے منافقین کی مذمت فرح و استہزاء کی وجہ سے ہے اور اہلِ اخلاص کی مدح حزن و بکا سے فرمائی ہے۔ منافقوں کو ضحک نے بکاء کثیر کی طرف اور اہلِ اخلاص کو حزن و بکا ضحک وفیر کی طرف لے گئے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

تا نگرید ابر کے خندد چمن تا نگرید طفل کے جوشد لبن
ہر کجا آب رواں سبزہ بود ہر کجا اشک رواں رحمت بود
باش چوں دولاب نالاں چشم تر تا ز صحن جان بروید خضر

ترجمہ: جب تک بادل نہ روئے چمن نہیں کھلتا، جب تک بچہ نہ روئے ماں کے پستان دُودھ نہیں دیتے۔ جہاں پانی چلتا ہے وہاں سبزہ اُگتا ہے۔ جہاں آنسو بہتے ہیں وہاں رحمت برستی ہے۔ اس لیے تم بھی بہت گریہ کرو تاکہ رحمتِ الٰہی نصیب ہو۔

ف: انسان کو جس امر سے روکا جائے اس کی طرف اس کا شوق مزید بڑھتا ہے۔ مثلاً حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے

جب سائلوں سے کہا کہ میرے ہاں تمہارے لیے سواری نہیں تو وہ حضرات از راہِ شوق روئے اور خُوب روئے۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے دیدار سے روکا تو اس میں بھی یہی راز تھا کہ اس میں موسیٰ علیہ السلام کے شوقِ دیدار میں اضافہ ہو۔ پھر قانونِ قدرت ہے کہ شوق کے انجام پر مقصد و مطلب میں کامیابی بخشتا ہے جیسے سائلین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق ابھی گزرا کہ بالآخر غزوۂ تبوک پہ جانے کے لیے انہیں اسباب میسر ہوگئے۔

صوفیانہ تقریر جیسے عالم صورت کے کوائف آپ نے پڑھے ایسے ہی عالم معنیٰ کا معاملہ ہے۔ جیسے عالم صورت میں پرندہ نہیں اڑ سکتا جب تک کہ اس کے پر نہ ہوں حالانکہ اس کے پر چند بال ہیں ایسے ہی عاشقِ حق کا حال ہے کہ وُہ بھی عالم معنیٰ کی طرف نہیں اڑ سکتا جب تک اس کے پر نہ ہوں اور عاشقِ حق کے پر علم و عمل اور شوق الی المولیٰ اور توجہ الی الحضرت العلیا ہیں۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ بہشت میں دو پروں سے اڑ رہے ہیں جہاں چاہتے ہیں انہی پروں سے اڑ کر تشریف لے جاتے ہیں اور ان کے پاؤں کو پاؤں کو دیکھا جو خون سے رنگے ہوئے ہیں۔

ف: امام منذری نے لکھا چونکہ حضرت جعفر رضی اللہ کے دونوں ہاتھ راہِ حق میں کاٹے گئے تھے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے عوض دو پر عطا فرمائے۔ اسی لیے ان کا لقب "ذو الجناحین" ہے اور آپ کو جعفر طیار بھی اسی لیے کہا جاتا ہے۔

ازالۂ وہم حضرت سہیلی نے لکھا کہ اس سے یہ سمجھنا حماقت ہے کہ ان کے دو پر ہیں تو ان کی شکل و صورت بھی پرندوں کی طرح ہو گی اس لیے کہ انسانی شکل اشرف الاشکال ہے بلکہ یہی اکمل الصور ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے: "ان اللہ خلق آدم علی صورتہٖ" اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر بنایا۔ اس روایت سے آدمی کی صورت اور شکل کی بزرگی واضح ہے بلکہ اس کی شرافت کی عظمت سے کسی کو شک نہیں اسی لیے ماننا پڑے گا کہ حضرت جعفر کی صورت آدمیت تبدیل نہیں ہو گی صرف ہاتھوں کی طاقت کے اندر وہ قوت بھر دی گئی جو اڑنے والے ملائکہ کی ہوتی ہے۔

ازالۂ وہم اللہ تعالیٰ صورت سے پاک ہے تو پھر آدم کو اپنی صورت پر کیسے بنایا اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں ملکی صورت مراد ہے۔

دُوسری تقریر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں کو پروں سے تعبیر کیا گیا ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ واضمم یدك الی جناحك۔ اس آیت میں جناح سے بازو، مونڈھے مراد ہیں۔ اسی طرح حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے پروں سے ان کی قوت اور طاقت ملکی مراد ہے جسے توسعاً مجازاً جناحین سے تعبیر کیا گیا ہے۔

تیسری تقریر حضرت جعفر کے پروں سے پرندوں کے پروں پر قیاس کرنے میں غلطی ہُوئی ہے ورنہ ظاہر ہے کہ ملائکہ کے

---

[1] جاہل صوفیوں کا رد ہو گیا وُہ کہتے ہیں کہ طریقت میں نہ علم ضروری ہے نہ عمل۔ یہ ان کا ابلیسانہ خیال ہے۔ ۱۲ (اویسی غفرلہ)

پر ہیں لیکن اہلِ علم فرماتے ہیں کہ ان کے پر ان پرندوں جیسے پر نہیں بلکہ وُہ ایک قوت معنوی ہے وصفات ملکیہ ہے جسے ہم اس وقت سمجھ سکیں گے جب انہیں دیکھیں گے۔ ان حضرات نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے لیے فرمایا، اولی اجنحۃ مثنیٰ وثلٰث وربٰع۔ جب فرشتوں کے تین تین چار چار پر ہیں تو وہ کون سا پرندہ ہے جس کے تین یا چار پر ہوں پھر چھ سو پروں والوں کا کیا حال ہوگا جبکہ حدیث شریف میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کے چھ سو پر ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ ان پروں کی کیفیت غیر معلوم ہے۔ اور نہ ہی ان کے لیے کوئی خبروا ثبوتی ہے۔ ہمارے لیے واجب ہے کہ ہم ان پروں کے متعلق ایمان لائیں لیکن ان کے متعلق غور وفکر نہ کریں، ہاں موت کے اس کا مشاہدہ ہوگا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ موت کے وقت فرشتے اہلِ ایمان کے ہاں تشریف لا کر فرمائیں گے ان لا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون، خوف نہ کھاؤ اور نہ غم بلکہ تمہیں اس بہشت کی خوشخبری ہو جس کے لیے تمہیں وعدہ دیا گیا ہے۔ بعض کے سامنے اپنے پروں کو کھول کر انہیں کہیں گے آج اپنے رُوح نکالو آج کا دن وہی ہے جس میں تمہیں سخت عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ (کذا فی فتح القریب) واللہ یھدی کل مریب۔

دسویں پارہ کی تفسیر صاحبِ رُوح البیان نے ۲ ذوالحج ۱۱۰۱ھ کو اپنے دولت کدہ شہر بروسہ میں ختم کی اور فقیر اویسی غفرلہٗ نے اس کا ترجمہ ۵ رجب ۱۳۹۶ھ شب اتوار بعد نمازِ عشاء اپنی مسجد سیرانی بہاولپور میں ختم کیا۔ والحمد للہ علیٰ ذٰلک۔ فصلی اللہ علیٰ حبیبہ الکریم وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

پارہ نمبر ۱۱

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا

تم سے بہانے بنائیں گے جب تم ان کی طرف لوٹ کر جاؤ گے تم فرمانا بہانے نہ بناؤ

لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى

ہم ہرگز تمہارا یقین نہ کریں گے اللہ نے ہمیں تمہاری خبریں دیدی ہیں اور اب

اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ

اللہ ورسول تمہارے کام دیکھیں گے پھر اس کی طرف پلٹ کر جاؤ گے جو چھپے اور ظاہر سب کو

الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۴﴾ سَيَحْلِفُوْنَ

جانتا ہے وہ تمہیں جتادے گا جو کچھ تم کرتے تھے اب تمہارے آگے

بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِ

اللہ کی قسم کھائیں گے جب تم ان کی طرف پلٹ کر جاؤ گے اس لیے کہ تم ان کے خیال میں نہ پڑو تو ہاں

ضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۫ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا

تم ان کا خیال چھوڑ دو وہ تو نرے پلید ہیں اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے بدلہ اس کا جو

كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۵﴾ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ

کماتے تھے تمہارے آگے قسمیں کھاتے ہیں کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ تو اگر

تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۹۶﴾

تم ان سے راضی ہو جاؤ تو بے شک اللہ تو فاسق لوگوں سے راضی نہ ہوگا

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ

گنوار کفر اور نفاق میں زیادہ سخت ہیں اور اسی قابل ہیں کہ اللہ نے جو حکم

مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ ؕ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ﴿۹۷﴾ وَمِنَ

اپنے رسول پر اتارے اس سے جاہل رہیں اور اللہ علم و حکمت والا ہے اور کچھ

الْاَعْرَابِ مَنْ یَّتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّیَتَرَبَّصُ بِکُمُ

گنوار وہ ہیں کہ جو اللہ کی راہ میں خرچ کریں تو اسے تاوان سمجھیں اور تم پر گردشیں آنے

الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَیْھِمْ دَآئِرَۃُ السَّوْءِ ؕ وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۹۸﴾

کے انتظار میں رہیں انہیں پر ہے بری گردش اور اللہ سنتا جانتا ہے

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَیَتَّخِذُ

اور کچھ گاؤں والے ایسے ہیں کہ اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو

مَا یُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰہِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَآ اِنَّھَا

خرچ کریں اسے اللہ کی نزدیکیوں اور رسول سے دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھیں ہاں ہاں وہ

قُرْبَۃٌ لَّھُمْ ؕ سَیُدْخِلُھُمُ اللّٰہُ فِیْ رَحْمَتِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ

ان کیلئے باعث قرب ہے اللہ جلد انہیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا بے شک اللہ بخشنے والا

غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۹۹﴾ ع

مہربان ہے

تفسیر عالمانہ یَعْتَذِرُوْنَ منافقین معذرت کریں گے۔ اِلَیْکُمْ تمہارے پاس سفر ہو کر جنگ پر نہ پہنچنے کے متعلق اور وہ اس وقت انہی کے اوپر چند تھے۔ یہ خطاب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو ہے۔

شانِ نزول یہ آیت قبل از وقت نازل ہوئی۔ اسی لیے کاشفی نے اس کا ترجمہ یہی کیا ہے کہ اے پیارے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے منافقین معذرت کریں گے

اِذَا رَجَعْتُمْ جب تم غزوۂ تبوک سے واپس مدینہ پہنچو گے۔ اِلَیْھِمْ ان کے ہاں۔

سوال: واپس تو مدینہ طیبہ میں پہنچنا تھا۔ پھر اس کے بجائے اِلَیْھِمْ کیوں کہا گیا؟

جواب: معذرت کا تعلق منافقین سے تھا اس لیے ان کی تصریح کی گئی۔

جواب۲: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض منافقین معذرت پیش کرنے کے لیے حضور علیہ السلام کے ہاں مدینہ طیبہ پہنچنے سے پہلے

حاضر ہوئے ہوں۔ اس بنا پر اِلَیْھِمْ کہا گیا۔

قُلْ اے میرے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم انھیں فرمائیے۔

سوال: جب منافقین کی معذرت کا بیان تھا تو اس میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو شامل کیا گیا ہے اور جب منافقین کو جواب دینے کی باری آئی تو صرف حضور علیہ السلام کو کہا گیا، اس کی وجہ کیا ہے؟ جواب: وجہ ظاہر ہے۔

ف: لَا تَعْتَذِرُوْا اب عذر مت کرو، اس لیے کہ لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ ہمیں تمہاری معذرت پر کوئی اعتبار نہیں کیونکہ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْؕ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہارے حالات سے پہلے ہی بذریعہ وحی باخبر فرما دیا ہے کہ تم نے اپنے دلوں میں شر و فساد کے پروگرام بنا رکھے ہیں۔ مثنوی میں ہے: ؎

(۱) از منافق عذر در آمد خوب
زانکہ در لب بود آں نے در قلوب

(۲) کذب چوں خس باشد دل چوں دہاں

وَسَيَرَى اللّٰهُ اور عنقریب اللہ تعالیٰ دیکھے گا عَمَلَكُمْ تمہارے کام وَرَسُوْلُهٗ اور اس کے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی دیکھیں گے کہ تم کفر و نفاق سے توبہ کرتے ہو یا اس پر ڈٹے رہتے ہو۔

ف: اس میں کفر و نفاق کی توبہ کا مطالبہ کر کے انھیں چند روز مہلت دینے کا وعدہ ہے۔

ثُمَّ تُرَدُّوْنَ پھر تم قیامت کے میدان میں لوٹائے جاؤ گے اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ عالمِ غیب کی طرف۔

ف: اسے غیب اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ بندوں سے غائب ہے۔

وَالشَّهَادَةِ اور شہادت کے عالم کی طرف۔

ف: شہادت سے وہ باتیں مراد ہیں جو بندوں کو معلوم ہیں۔

فَيُنَبِّئُكُمْ پھر تم کو اللہ تعالیٰ بتائے گا جس وقت اُس کے ہاں قیامت میں حاضری دو گے اور اس کے سامنے کھڑے ہو کر زندگی کا حساب دو گے بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ اپنے ان بُرے کردار کا جو تم دنیا میں کرتے تھے۔

ف: خبر دینے سے یہاں جزا دینا مراد ہے۔

سوال: اس کے بجائے فَيُجْزِيْكُمْ کہہ دینا تھا خبر دینے کی تخصیص کیوں؟

جواب: یہ لوگ دنیا میں اعمال کی حقیقت سے بے خبر تھے اگرچہ اُن کے مرتکب ہوئے تھے لیکن اُن کی صورتیں ان سے اوجھل تھیں مگر قیامت میں اُن کی صورتیں اُن کے سامنے منکشف ہو جائیں گی۔ اس لیے انکو سزا دیتے ہوئے اُن کی صورتیں دکھا کر اُن کی گزشتہ خبروں سے انھیں باخبر کیا جائے گا۔

سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ ان کی معذرتوں کی تاکید کا اظہار ہے کہ وہ اپنی معذرتوں میں قسمیں کھا کر تمھیں کہیں گے کہ واللہ ہمیں جنگ کی حاضری کی طاقت نہیں تھی۔ بخدا اگر ہمیں طاقت میسر ہوتی تو ہم جنگ سے غیر حاضر نہ ہوتے

اِذَا انْقَلَبْتُمْ جب تم جنگ سے لَوٹو گے **اِلَیْھِمْ** اُن کے ہاں۔ اُن سے جد بن قیس اور معتب بن قشیر اور ان کے دوسرے ساتھی (منافقین) مراد ہیں۔ **لِتُعْرِضُوْا** تاکہ تم ان سے درگزر کرو۔ اعراض بمعنے صفح یعنی روگردانی کرنا مطلب یہ ہے کہ وہ عذر کرکے چاہتے ہیں کہ ان سے درگزر کرتے ہُوئے ان کو کسی قسم کی ملامت اور تحقیر نہ کرو۔ **فَاَعْرِضُوْا عَنْھُمْ** پس ان سے درگزر کرو۔ لیکن اظہارِ مسرّت کے طور نہیں بلکہ بطور اجتناب اور اظہارِ غصّہ و رنج کے۔ **اِنَّھُمْ رِجْسٌ** بیشک وُہ منافقین بدبودار شئے کی طرح ہیں پھر جس طرح بدبودار شئے سے اجتناب کیا جاتا ہے ان سے بھی ایسے ہی اس لیے کہ ان میں روحانی نجاست و غلاظت ہے۔

ف: بیان میں ہے کہ منافقین نجس ہیں۔ ان کے کردار ایسے گندے ہیں کہ وُہ اس ظاہری صفائی سے پاک اور صاف نہیں ہو سکتے۔

وَمَاْوٰھُمْ جَھَنَّمُ اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اس میں علت کا اتمام ہے یعنی اُن سے اجتناب کا اصلی مُوجب یہی ہے کہ وہ جہنمی ہیں۔ ایسے لوگوں کی اصلاح ملامت اور عتاب وغیرہ سے نہیں ہو سکتی۔ **جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ** ○ اُن کے بُرے اعمال کی جزا ہے جن کا وُہ دُنیا میں ارتکاب کرتے تھے۔ **یَحْلِفُوْنَ** اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھائیں گے **لَکُمْ** **لِتَرْضَوْا عَنْھُمْ** تاکہ تم ان کی جھُوٹی قسمیں سُن کر اُن سے خوش ہو جاؤ اور پہلے کی طرح اُن کے ساتھ رعایت و مروت کرو **فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْھُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ** ○ پس اگر تم ان سے راضی ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں سے راضی نہ ہوگا اس لیے کہ وُہ کفر میں بہت زیادہ منہمک ہیں فلہٰذا اُن کے ساتھ تمہاری رضامندی سے ضروری نہیں کہ اللہ تعالیٰ بھی ان سے راضی ہو اور صرف تمہاری رضا ان کے لیے مفید بھی نہیں۔ اس لیے کہ تمہاری رضا نہ اُنھیں اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچا سکتی ہے اور نہ ہی انھیں عذاب سے نجات دے سکتی ہے۔

خُلاصۃ التفسیر آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو روکا ہے کہ منافقین سے اظہارِ رضامندی نہ کرو اور نہ ہی ان کے جھُوٹے عذروں اور جھوٹی قسموں کا اعتبار کرو۔ اس میں بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے اور ساتھ یہ بھی بتایا ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں اس کے لیے مومن کو لائق نہیں کہ وہ اس سے راضی خوشی ہو کر گزارے۔ (کذا فی الارشاد)

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں غزوۂ تبوک کی واپسی پر اعلان فرمایا کہ خبردار! آج کے بعد منافقین کے ساتھ بیٹھنا اُٹھنا اور اُن سے کلام کرنا بند کردو

مسئلہ: اس سے ثابت ہُوا کہ منافقین اور کبیرہ گناہوں سے بیباک لوگوں سے میل جول نہیں ہونا چاہیے جب تک کہ وہ اپنی غلطیوں سے سچے دل سے توبہ نہ کریں۔

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی امام باقر رضی اللہ عنہ کو نصیحت سیّدنا امام زین العابدین نے اپنے صاحبزادہ حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ پانچ شخصوں کی صحبت سے بچنا، بلکہ جس راستے پر وہ گامزن ہیں وہ راستہ بھی چھوڑ دینا۔ اُن کے ساتھ کسی قسم کی یاری دوستی نہ رکھنا۔ وُہ

پانچ شخص یہ ہیں :

① فاسق کے ساتھ کسی وقت بھی صحبت و سنگت نہ کرنا اس لیے کہ وُہ اپنی عادت بد سے تمہیں ایک لقمہ پر بیچنے سے گریز نہیں کرے گا۔

حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ نے عرض کی : ابا جی! فاسق اتنا لالچی ہوتا ہے ؟

انہوں نے فرمایا : ایک لُقمہ کی قید بھی میں نے لگائی ہے وہ اس سے بھی کم خسیس ترین چیزوں پر للچا جاتا ہے اگرچہ وہ اسے حاصل بھی نہ کر سکے۔

② بخیل کو کبھی دوست نہ بنانا اس لیے کہ وہ تمہاری بہت سی ضروریات میں رُکاوٹ ڈالے گا۔

③ جھُوٹے کی دوستی بھی تمہارے لیے سخت مُضر ثابت ہوگی اس لیے کہ وُہ بمنزلہ سراب کے ہے۔ وہ تمہارے قریبی عزیزوں کو دُور کر دے گا اور دُور کے تعلق داروں کو تمہارے قریب تر کر دے گا۔

④ احمق سے بھی دُور رہنا اس لیے کہ اس کا تمہارے متعلق ارادہ تو نیک ہوگا اور کوشش کرے گا کہ وُہ تمہیں فائدہ پہنچائے لیکن وہ اتنا شدید ترین نقصان پہنچائے گا کہ جس کا مداوا ناممکن ہوگا۔

ایک عربی مقولہ مشہور ہے :

عَدُوٌّ عَاقِلٌ خَيْرٌ مِّنْ صدیق احمق.

جس کا مفہوم شیخ سعدی قدس سرہٗ نے یُوں ادا فرمایا : ؎

اگر خصمِ جاں تو عاقل بود
بہ از دوستدارے کہ جاہل بود

ف : جاہل سے یہاں احمق مراد ہے۔

⑤ قاطع رحم، یعنی قریبی رشتہ داروں سے بلا وجہ بگاڑنے والے سے بھی دوستی نہ کرنا اس لیے کہ میرے نزدیک وہ ملعون ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اسے تین مقامات پر لعنتی کہا ہے۔

مسئلہ : آیات سے ثابت ہُوا کہ غلط عذر اور جھوٹی معذرت غیر قابل قبول ہے۔ اگرچہ قبول کر لینا کریم النفسی میں داخل ہے۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

عذر احمق بدتر از جرمش بود
عذر ناداں زہر ہر دانش بود

مسئلہ : آیات سے یہ بھی ثابت ہُوا کہ اپنے عذر کو وزنی بنانے کے لیے جھُوٹی قسمیں کھانا نہایت مذموم اور سخت غلط اقدام ہے۔ بلکہ تقویٰ کا تقاضا تو یہ ہے کہ سچی قسم بھی نہ کھانی چاہیے بہرحال قسم کھانے سے اجتناب لازم ہے

تاکہ اللہ تعالیٰ کے اسمِ گرامی کی تعظیم و تکریم ہو۔

سبق : سالک پر لازم ہے کہ وہ ہر غلط قول سے اپنی زبان کی حفاظت کرے۔

رُوحانی نسخہ متقی وہ ہے جو مباح امور سے بچنے کی کوشش کرے اس خطرہ سے کہ شاید یہ غیر مباح ہوں۔

مسئلہ : آیات سے یہ بھی واضح ہُوا کہ منافقین نجس اور غلیظ ہیں۔ ان کا خمیر پلید اور غیر پاکیزہ مٹی سے ہوا۔ اس لئے اس مٹی کی تاثیر سے اعمالِ خبیثہ و اوصافِ ذمیمہ اُن سے سرزد ہوتے ہیں اسی وجہ سے انھیں ظاہری جہنّم یعنی دوزخ اور معنوی نار العشق اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان سے جُدا رہنا نصیب ہوا۔

حکایت شیخ شبلی حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک عورت کو دیکھا کہ وُہ اپنے گُم شدہ بچّے کی وجہ سے رو رہی ہے اور بار بار کہتی ہے ہائے میرا لختِ جگر۔ حضرت شیخ شبلی قدس سرّہٗ کے اُس رونے والی عورت کے ساتھ آنسو آ گئے اور وہ فرماتے تھے : ہائے مجھ سے جُدا ہونے والے یارو۔ اس عورت نے شیخ شبلی قدس سرّہٗ سے عرض کی کہ میں تو اپنے بچّے کو روتی ہُوں اور آپ کس لیے روتے ہیں؟ آپ نے فرمایا : تُو ایک فانی کی جُدائی پر روتی ہے جس نے آخر مرنا تھا اور میں اس ذات کی جُدائی پر روتا ہُوں جس کو دائمی بقا ہے۔

س

فرزند و یار چونکہ بمیرند عاقبت
اے دوست دل مبند بجز حیّ لایموت

سبق : عاشق مہجور پر لازم ہے کہ وہ فراق اور جدائی کے درد سے رونے بلکہ غم شوق اور دردِ اشتیاق کے اظہار میں بہت بڑی جدّوجہد کرے اور اُمید رکھے کہ کبھی اللہ تعالیٰ اس کے درد والم کو ختم کرکے اس کی آنکھیں ٹھنڈی کرے گا اور اس سے وہی نوازشات ہوں گی جو وُہ اپنے محبوبوں سے فرماتا ہے اور اس کی قسمت جاگ اُٹھے گی کہ جس سے وہ کریم تا ابدالآباد اس سے ناراضگی ختم کر دے گا۔ بقول شخصے : ع

کبھی تو میری کُھلے گی قسمت کبھی تو میرا اسلام ہوگا

اَلْاَعْرَابُ یہ اعرابی کی جمع ہے۔ جیسے عربی کی عرب اور مجوسی کی مجوس اور یہودی کی یہود۔

قاعدہ : جمع کے لیے نسبت کی "یا" حذف کی جاتی ہے۔

فائدہ : عرب اور اعراب میں فرق ہے اور عربی کئی قسم ہیں وہ حضرات جو شہروں اور دیہاتوں اور جنگلوں میں بسر کریں، وہ عرب کہلاتے ہیں۔ اور جو صرف جنگلوں میں ہی زندگی بسر کریں وہ اعراب کہلاتے ہیں اُن میں عموم و خصوص کی نسبت ہے کہ ہر عرب اعرابی ہے لیکن ہر اعرابی عرب نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ عرب وُہ ہیں جو آبادیوں میں رہتے ہیں اور اعراب وُہ جو جنگلوں ویرانوں میں گزاریں۔ اس طرح سے اُن میں تباین کی نسبت ہے۔ اس معنے پر الاعراب بمعنے دیہاتی ہے **اَشَدُّ کُفْرًا وَّنِفَاقًا** کفر و نفاق میں سخت ترین ہیں بہ نسبت آبادی والوں کے اس لیے کہ اعراب وحشیوں کی

طرح ہیں کہ جس طرح وحشی کسی کے تابع نہیں ہو سکتے ایسے ہی یہ لوگ کسی کے سامنے سر جھکانے کے لیے تیار نہیں ہوتے کیونکہ گرم اور خشک ہوا ان کے دلوں کو سخت بنا دیتی ہے اور ان پر قساوۃ قلبی غالب ہو جاتی ہے۔

ف : قساوۃ قلبی تکبر اور فرار حق سے بھاگنے کا دُوسرا نام ہے۔ قاعدہ ہے کہ جو کسی استاد سے کوئی سبق نہ سیکھے اور نہ ہی کتاب اللہ جل جلالہ سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مواعظ سُنے اور نہ ہی کسی نیک آدمی کی صحبت سے مستفیض ہو وہ اس جیسا کس طرح ہو سکتا ہے جو ہر وقت اہلِ علم کی صحبت سے بہرہ ور ہوتا رہتا ہے اور ہر وقت اس کے کانوں میں قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز گونجتی رہتی ہے۔

حدیث شریف اھل الکفور اھل قبور دیہاتی مُردہ ہیں۔

ف : کفور کفر کی جمع ہے۔ اس سے دیہات مراد ہیں اس لیے کہ دیہات لوگوں کو چھپائے رکھتے ہیں۔ اسی لیے دیہاتیوں کو حدیث شریف میں مُردگاں سے تشبیہ دی گئی ہے اس لیے کہ دیہاتی حضرات شہروں اور اجتماعات میں حاضری بہت کم دیتے ہیں۔

ف : الفردوس الاعلیٰ میں ہے کہ دیہات سے یہاں وہ بستیاں مراد ہیں جو اہلِ علم کے اجتماعات اور شہروں کی حاضری سے دُوری رکھتے ہوں اس لیے کہ ایسے لوگوں پر جہالت چھا جاتی ہے اور وہ بدعات سیئہ کا ارتکاب بہت زیادہ کرتے اور بدعات کو جلد تر قبول کر لیتے ہیں۔ حضرت مولانا روم رحمہ اللہ تعالیٰ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں : ؎

ده مرده مرد را احمق کند (۱)
عقل را بے نور و بے رونق کند
قول پیغمبر شنو اے مجتبیٰ (۲)
کورِ عقل آمد وطن در روستا

ف : اگر شہری دیہاتی ماحول کا فرق معلوم کرنا ہو تو پہاڑی اور باغ والے میوہ جات کو دیکھ لیجئے جیسے ان کے مزہ اور ذائقہ میں فرق ہے ایسے ہی ان کی تہذیب و تمدن میں ہے۔

ازالۂ توہم اس سے یہ نہ سمجھنا کہ ہر دیہاتی بیکار اور ہر شہری سمجھدار ہوتا ہے بلکہ یہاں جنسیت کے طور فرق بتایا گیا ہے ورنہ بہت سے دیہاتی ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی پرواز سے بہت سے شہری عاجز رہ جاتے ہیں۔ اور جنسیت کی حیثیت کو قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے۔ یعنی ہر دیہاتی کے لیے اشد کفراً و نفاقاً نہیں کہا گیا۔

ف : کاشفی فرماتے ہیں کہ آیت میں الاعراب سے بنو تمیم و بنو اسد اور غطفان کے علاوہ مدینہ طیبہ کے گرد و نواح کے بادیہ نشین مراد ہیں۔ اس سے تمام بادیہ نشین مراد نہیں گویا یہ جمع مخصوص عنہ البعض ہے۔

وَاَجْدَرُ اَلَّا یَعْلَمُوْا اور ان کے لیے زیادہ لائق بھی یہی ہے کہ وہ نہ جانیں۔ **حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ** عبادات و شرائع کے وہ حدود جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر

نازل فرماتے یعنی فرائض و سنن و دیگر احکام۔ یہ اس لیے کہ وہ لوگ قرآن و حدیث نہیں سنتے تھے۔

مسئلہ: بادیہ نشین جاہل کی امامت مکروہ ہے۔ (الحدادی)

مسئلہ: جو امام نماز میں مکروہات کا ارتکاب کرے اُس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ ایسے امام کو امامت سے علیحدہ کرنا ضروری ہے۔ (فتح القریب)

وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌ اور اللہ بادیہ نشین اور جبل نشین لوگوں کے حالات کو خوب جانتا ہے حَکِیۡمٌ ۝ بُرے کو برائی کی سزا اور نیک کو نیکی کی جزا دینے کی حکمتوں کا مالک ہے۔

تفسیر صوفیانہ "تاویلات نجمیہ میں ہے کہ دیہات سے عالم انسان کا نفس اور شہر سے اس کا قلب مراد ہے۔ جیسے عالمِ صورت میں بعض مقامات دیہاتی اور بعض شہری ہیں۔ ایسے ہی حضرت انسان میں ہیں۔ آیت میں الاعراب سے نفس اور اس کے خواہشات کی طرف اشارہ ہے۔ کفر و نفاق نفس کے ذاتی افعال ہیں۔ ایسے ہی ایمان قلب کا ذاتی فعل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک کو اس کی فطرت پر پیدا فرمایا ہے پھر انسان میں جب نفس کی صفت سرایت کر جاتی ہے تو اس سے کفر سرزد ہوتا ہے اور وہ نفس کے صفات سے موصوف ہو کر زندگی بسر کرتا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

اندک اندک آب را دزد د ہوا
وین چنیں دزد دہم احمق از شما
گر میت را و زد و سردی دہد
ہمچناں کو زیر خود سنگے نہد

کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ جب انسان پر قلب کے صفات کا غلبہ ہوتا ہے تو پھر اس سے قلب کے واردات نمودار ہوتے ہیں۔

؎

مگو زنہار اصل خود چو لیست
ببیں دود شش چہ مستثنیٰ و خو لیست

یعنی گلاب کی صحبت سے لکڑی کو خوشبو نصیب ہوئی حالانکہ وہ تو بیچاری لکڑی تھی اس میں خوشبو کا کیا معنیٰ۔ لیکن صحبت کی برکت سے لکڑی کو خوشبو نصیب ہوگئی۔ نفس قلب سے منافقت و کفر میں قلب سے زائد ہے۔ جب انسان کو دولتِ ایمان نصیب ہو اور اس کے صفات اس لائق ہیں کہ ارواح پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ واردات کو نہ جانیں۔

ف: رُوح جسم میں بمنزلہ رسُول کے ہوتا ہے کہ جس طرح عالم ظاہر میں رسول علیہ السلام کو واردات ربانیہ نصیب ہوتے ہیں۔ ایسے ہی رُوح اگر قابلِ واردات ہو تو اس پر بھی وارداتِ ربانیہ نازل ہوتے ہیں۔ وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ ۝ اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور اس کی حکمت پر مبنی ہے کہ کون سے کافر نفس کو مومن بناتا ہے اور کون سے مومن قلب کو کافر۔

تفسیر عالمانہ **وَمِنَ الْاَعْرَابِ** اور اعراب کی بعض جنہیں **مَنْ یَّتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ** ایسی ہیں یعنی ان کے بعض وُہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کو **مَغْرَمًا** تاوان سمجھتے ہیں۔

ف : مَغْرَمًا مصدر ہے بمعنے الغرامۃ الغرم یعنی تاوان ۔ ہر وہ مال جو انسان اپنے اس بچاؤ کے عوض پیش کرے جس کے متعلق سمجھتا ہے کہ یہ مال مجھ سے بلاقصور وصول کیا جا رہا ہے۔ اسے عربی میں مغرم ، غرامۃ اور غرم اور اُردو میں تاوان کہا جاتا ہے۔

ف : جس کو خدا تعالیٰ اور آخرت پر ایمان نہ ہو اور نہ ہی وہ ثواب کی خاطر مال خرچ کرتا ہے بلکہ کسی خوف سے یا ریاکاری کے طور پر خرچ کر کے اس کا نام تاوان رکھے ، وہ اس کی اپنی بدقسمتی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ نے تو ایسے خرچ کرنے پر بہت سے اجر و ثواب کا وعدہ کریمہ فرمایا ہے۔

وَیَتَرَبَّصُ انتظار کرتا **بِکُمُ الدَّوَآئِرَ** الدوائر دائرہ کی جمع ہے وہ آفات و بلیات اور آلام و مصائب جو انسان کو گھیر لیں۔ منافقین کی تمنا تھی کہ (معاذ اللہ) رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو جائیں اور مسلمانوں پر کفار کا غلبہ ہو جائے اس طرح ہم مال خرچ کرنے کے تاوان سے بچ جائیں گے۔

ف : صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس قسم کے لوگ آج بھی موجود ہیں جن کا خیال ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر کفار کا غلبہ ہو جائے پھر ہم دینی کاموں پر خرچ کرنے سے بچ جائیں گے ورنہ جب تک مسلمان زندہ ہے وہ اسلام کی ضروریات کے لیے کچھ خرچ کرتا ہی رہے گا۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ہمیں نفس و شیطان کے مکر و فریب سے بچا کر اپنے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی توفیق بخشے ، آمین ۔

عَلَیْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ان پر ہو بُری گردش ۔ یہ بددُعا جوابی کارروائی کے طور پر کی گئی ہے جیسا کہ وہ اہلِ اسلام کے لیے بُری گردشوں کے آرزومند ہیں تو اس کا جواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہی ہے کہ اے کافرو ! خدا کرے تم ہی بری گردشوں میں مبتلا رہو۔

ف : السّوء بالفتح سا کا مصدر ہے بمعنے خوشی **سُوۡءٌ** کی نقیض ہے۔ لیکن اہلِ عرب ہر شر اور ہر ضرر کو **سَوْءٌ** کہتے ہیں۔

ف : دائرہ کو السّوء کی طرف مضاف از رُوئے ذات کیا گیا۔ مثلاً کہا جاتا ہے رجل سوءٍ ، اس لیے کہ جس پر گردش کا نزول ہوتا ہے تو وہ اس کی مذمت کرتا ہے۔ یہ اضافۃ الموصوف الی الصفۃ کے قبیل سے ہے گویا پہلے اس دائرہ کو اس مصدر سے بطور مبالغہ موصوف پھر اسے اپنی صفت کی طرف مضاف کیا گیا[1]

وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ اللہ تعالیٰ ان کی باتوں کو جانتا ہے جو خرچ کرتے وقت کہتے ہیں **عَلِیْمٌ ۝** اُن کے اُن امورِ فاسدہ کو بھی جانتا ہے جو وہ اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں منجملہ اُن کے ایک یہ بھی کہ وہ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ اہلِ اسلام کو گردشِ زمانہ کب گھیرتی ہے **وَمِنَ الْاَعْرَابِ** اس سے ان دیہاتیوں کے مطلقاً بعض افراد مراد ہیں۔ (الارشاد)

---

[1] اس کی بحث شروح کافیہ بالخصوص فقیر کی شرح " نعم الحامی " میں دیکھئے ۱۲

تبیان میں ہے کہ اس سے قبیلہ اسد، جُہینہ، اسلم اور غفار کے لوگ مراد ہیں۔ **مَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ** وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔

اعجوبہ وحکایت منقول ہے کہ ایک دیہاتی نے پہلی آیت سُنی تو بہت مغموم ہُوا کہ ہائے افسوس ہم دیہاتی ایسے گندے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ مذمت کرتا ہے۔ اس کے بعد جب پھر یہی آیت سنی تو بہت خوش ہوا کہ الحمد للہ دیہاتی سب گندے نہیں بلکہ ان میں بعض وہ بھی ہیں جن کی اللہ تعالیٰ تعریف فرماتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ دونوں آیتیں سُن کر دیہاتی نے کہا۔ اللہ اکبر، **هجانا اللہ ثم مدحنا**، یعنی اللہ نے ہماری ہجو بھی کی اور مدح بھی۔

وَیَتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ قُرُبٰتٍ اور جتنا مال خرچ کرتے ہیں اسے اللہ تعالیٰ کی قربتوں اور نزدیکیوں کا مُوجب سمجھتے ہیں۔ قُرُبَات سے اللہ تعالیٰ کی نزدیکیوں کے اسباب اور ذرائع مراد ہیں۔ اور یہ یتخذ کا دُوسرا مفعول ہے۔ **عِنْدَ اللّٰہِ** یہ قُرُبٰت کی صفت ہے۔

ف : حدادی نے اس کا مطلب یُوں لکھا ہے کہ بعض دیہاتی ایسے نیک بخت ہیں جو جہاد میں اپنا مال دل کھول کر خرچ کرتے ہیں اس ارادہ پر کہ اس طرح سے اللہ تعالیٰ کا قُرب نصیب ہوگا اور وہ اس کے صلہ میں ہمیں بہت بڑے مراتب اور ثواب عنایت فرمائے گا۔

سوال : قُربِ الٰہی واحد ہے اسے قربٰت جمع کے صیغے سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے؟

جواب : قُرب کے اسباب اور ذرائع اور افراد مختلف ہیں۔ بناً بریں انھیں جمع کے صیغے سے بیان کیا گیا ہے۔

ف : لفظ قربٰت میں حدیث قدسی کی طرف اشارہ ہے **قال تعالیٰ من تقرب الی شبرا تقرب الیہ ذراعًا**۔ جو ایک بالشت بھر قریب ہوتا ہے مَیں ایک گز اس کے قریب ہوتا ہُوں۔

وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ اور وہ لوگ اپنا مال خرچ کرتے وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں لینے کو ذریعہ سمجھتے ہیں یعنی ان کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے دُعائیں فرمائیں گے جس سے ہماری نجات ہوگی۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ کریمہ تھی کہ صدقہ دینے والوں کے لیے خیر و برکت اور مغفرت کی دُعا فرماتے تھے۔

مسئلہ : صدقہ لینے والا صدقہ دینے والے کو صدقہ لیتے وقت دُعا کرے۔ یہ سنّت ہے۔

مسئلہ : لیکن کسی کے لیے لفظ صلوٰۃ کا اطلاق نہ کرے جیسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا طریقہ تھا کہ آپ صدقہ دینے والے کے لیے فرماتے **اللّٰھم صل علیٰ ابی اوفیٰ** کیونکہ یہ صرف آپ کا خاصہ تھا کہ آپ جسے جس طرح کی فضیلت بخشیں۔ دُوسرے کے لیے ایسے بڑے منصب سے یاد کرنا مناسب نہیں ہے۔

اَلَاۤ یہ تنبیہ کا کلمہ ہے خبردار **اِنَّھَا** بے شک وہ نفقہ (خرچ)۔

سوال : ضمیر کا مرجع تم نے نفقہ کہاں سے نکالا ؟

جواب : یُنفق مذکور سے۔

سوال : یُنفق سے مصدر مرجع نکالا گیا تو اس کی ضمیر مونث کی کیوں لائی گئی :

جواب : چونکہ اس کی خبر مونث ہے اس کی رعایت کرتے ہُوئے ضمیر مونث لائی گئی ہے۔

قُرُبَةٌ لَّهُمْ ؕ وُہ خرچ اُن کے لیے بہت بڑے فخر کا باعث ہے۔ یعنی جب وہ لوگ اپنا مال راہِ حق میں خرچ کریں گے تو اس کے باعث وُہ اللہ تعالیٰ کا قُرب حاصل کر لیں گے۔

ف : اس سے اللہ تعالیٰ نے اُن کے اعتقادِ صحیح کی شہادت دی ہے اور بتایا ہے کہ یہی خرچ اُن کے قُربِ الٰہی کے لیے بہترین ذریعہ ہے اور انھیں اس کے بعد رحمتِ الٰہی کی اُمید میں رہنا چاہیئے کہ **سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ** عنقریب اللہ تعالیٰ انھیں اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے اُن سے وعدہ کریمہ فرمایا کہ انھیں وُہ کریم اپنی آغوش رحمت میں لے گا۔ یہ جُملہ قُربت کی تفسیر ہے اور لفظ "سین" وعدے کی تحقیق کے لیے ہے اس لیے کہ جملہ مُثبت میں جب واقع ہوتا ہے تو تحقیق کا فائدہ دیتا ہے جیسے لفظ لَن جُملہ منفیہ پر داخل ہو کر تاکید نفی کا افادہ کرتا ہے۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ انھیں اپنی بہشت میں جگہ دے گا جو کہ وہی بہشت نزولِ رحمت کا مرکز ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ بے شک اللہ تعالیٰ صدقہ دینے والوں کے لیے غفور ہے **رَّحِيْمٌ ۝** اپنے مقربین کے لیے مہربان ہے۔

ف : صدقہ و انفاق فی سبیل اللہ بیشمار ہیں اور کسی پر مخفی نہیں۔

حکایت بنی اسرائیل میں ایک دفعہ قحط پڑا، اور ایک فقیر ان کے کسی شہر میں تشریف لایا۔ ایک دولت مند کے گھر کے قریب کھڑے ہو کر اس نے اعلان کیا " **تَصَدَّقُوْا** خدا کے لیے مجھے کچھ دو"۔ دولت مند کی لڑکی ایک گرم روٹی فقیر کو دینے کے لیے گھر سے باہر نکلی۔ راستہ میں وہی دولت مند ملا، پُوچھا : یہ روٹی کسے دیتی ہو ؟ اُس نے کہا : اس صدا لگانے والے فقیر کو دیتی ہُوں۔ دولتمند جوش میں آیا، اس لڑکی کو نہ صرف روٹی دینے سے روکدیا بلکہ اس کا دایاں ہاتھ کاٹ ڈالا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو یہ بات ناگوار گزری تو اس نے اس دولت مند کو اس قدر مفلس و قلاش بنا دیا کہ چند روز بعد مر گیا اور وہ فقیر جس نے روٹی مانگی تھی وہ دولت مند ہو گیا اور اس رئیس کی بیٹی سے نکاح کر لیا۔ وہ لڑکی مرقعِ حُسن و جمال تھی۔ جب لڑکی سے طعام منگوایا گیا تو اس نے بائیں ہاتھ سے پیش کیا۔ اس نے بگڑ کر کہا کہ دائیں ہاتھ سے دینا سُنّت ہے تو سُنّت کی تارک ہو رہی ہے لیکن پھر بھی اس نے بائیں ہاتھ سے ہی کھانا

---

[1] انہیں اسباب و ذرائع کو سلاسلِ طیبہ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سُہروردیہ، اویسیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے جسے وہابیہ شرک کہتے ہیں ۱۲

دینا چاہا۔ اسی طرح سہ بار کیا۔ ہاتفِ غیبی نے کہا: سیدھے ہاتھ سے دے دے تجھے اللہ تعالیٰ نے اس روٹی کے بدلے میں ہاتھ عنایت فرما دیا ہے۔ چنانچہ غیبی آواز پر دایاں ہاتھ دیکھا تو وہ صحیح سالم تھا اور اس سے اپنے شوہر کے ساتھ مل کر کھانا کھایا۔ (کذا فی روضۃ العلماء)

سبق: اس حکایت سے ثابت ہوا کہ جو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت کا شکر ادا نہیں کرتا تو سزا کے طور پر اس سے وہ نعمت چھن جاتی ہے۔ دیکھیے بلعم باعور اکیسا بلند مراتب تھا۔ لیکن جب اس نے دینِ حق کا شکریہ ادا نہ کیا تو اس کا خاتمہ خراب ہوا اور وہ کافر ہو کر مرا۔ (کذا فی منہاج العابدین)

اس حکایت سے دُوسرا فائدہ یہ حاصل ہُوا جو شخص ک [illegible] ام کرے یا کسی غلط کاری سے محض رضائے حق کی طلب میں باز آئے تو اللہ تعالیٰ اس کی جمیع مُرادیں پُوری فرماتا ہے۔

مسئلہ: بائیں ہاتھ سے طعام کھانا سوءِ ادب ہے اس لیے شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے۔ ہاں معذور کو اجازت ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

① گفت پیغمبر کہ دائم بہرِ پند
دو فرشتہ خوش منادی میکنند

(۲) کائے خدایا منفقاں را سیر دار
ہر درمشان را عوض دہ صد ہزار

(۳) اے خدایا ممسکاں را در جہاں
تو مدہ الّا زیاں اندر زیاں

(۴) آں درم دادن سخی را لایق است
جاں سپُردن خود سخائے عاشق است

(۵) ناں دہی از بہرِ حق نانت دہند
جاں دہی از بہرِ حق جانت دہند

(۶) ہر کہ کارد گردد انبارش تہی
لیکنش اندر مزرعہ باشد بہی

(۷) وانکہ در انبار ماند و صرفہ کرد
اسپش موش و حوادثہاش خورد

نکتہ: جو شخص راہِ حق میں خرچ کرنے سے مال روکتا ہے اس کا مال کسی طریق سے ضائع ہو جاتا ہے۔
(برصفحہ ۶۹۶)

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ

اور سب میں اگلے پہلے مہاجر اور انصار اور جو

اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَ

بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی اور

اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ

ان کے لیے تیار کر رکھے ہیں باغ جن کے نیچے نہریں بہیں ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں

اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ

یہی بڑی کامیابی ہے اور تمہارے آس پاس کے کچھ گنوار منافق ہیں

الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ؕۛ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛؔ مَرَدُوْا

اور کچھ مدینہ والے ان کی خو ہو گئی ہے

عَلَى النِّفَاقِ ۫ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ

نفاق تم انہیں نہیں جانتے ہم انہیں جانتے ہیں جلد ہم انہیں

مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ ۚ وَاٰخَرُوْنَ

دوبارہ عذاب کریں گے پھر بڑے عذاب کی طرف پھیرے جائیں گے اور کچھ اور ہیں

اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ

جو اپنے گناہوں کے مقر ہوئے اور ملایا ایک کام اچھا اور دوسرا برا

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾

قریب ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول کرے بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَ

اے محبوب ان کے مال میں سے زکوٰۃ تحصیل کرو جس سے تم انہیں ستھرا اور پاکیزہ کردو

صَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ

اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو بے شک تمہاری دعا ان کے دلوں کا چین ہے اور اللہ سنتا جانتا ہے

عَلِيْمٌ ﴿١٠٣﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ

کیا انہیں خبر نہیں کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا

وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿١٠٤﴾

اور صدقے خود اپنے دست قدرت میں لیتا ہے اور یہ کہ اللہ ہی توبہ قبول کرنیوالا مہربان ہے

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ

اور تم فرماؤ کام کرو اب تمہارے کام دیکھے گا اللہ اور اس کے رسول اور مسلمان

وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا

اور جلد اس کی طرف پلٹو گے جو چھپا اور کھلا سب جانتا ہے تو وہ تمہارے

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٠٥﴾ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا

کام تمہیں جتا دے گا اور کچھ موقوف رکھے گئے اللہ کے حکم پر یا ان پر

يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٠٦﴾

عذاب کرے یا ان کی توبہ قبول کرے اور اللہ علم و حکمت والا ہے

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا

اور وہ جنہوں نے مسجد بنائی نقصان پہنچانے کو اور کفر کے سبب اور مسلمانوں میں

بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

تفرقہ ڈالنے کو اور اس کے انتظار میں جو پہلے سے اللہ اور اس کے رسول کا

مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ

مخالف ہے اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے ہم نے تو بھلائی چاہی اور اللہ

يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿١٠٧﴾ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ

گواہ ہے کہ وہ بے شک جھوٹے ہیں اس مسجد میں تم کبھی کھڑے نہ ہونا بے شک

اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ

وہ مسجد کہ پہلے ہی دن سے جس کی بنیاد پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے وہ اس قابل ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو

فِيهِ ؕ فِيهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ

اس میں وہ لوگ ہیں کہ خوب ستھرا ہونا چاہتے ہیں اور ستھرے اللہ کو

الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ

پیارے ہیں تو کیا جس نے اپنی بنیاد رکھی اللہ سے ڈر

اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا

اور اس کی رضا پر وہ بھلا یا وہ جس نے اپنی نیو چنی ایک گراؤ گڑھے کے کنارے

جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي

تو وہ اسے لے کر جہنم کی آگ میں ڈھے پڑا اور اللہ ظالموں کو

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً

راہ نہیں دیتا وہ تعمیر جو چنی ہمیشہ ان کے دلوں میں کھٹکتی

فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ ع

رہے گی مگر یہ کہ ان کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور اللہ علم و حکمت والا ہے

تفسیر عالمانہ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ اور مہاجرین میں سے سب سے پہلے ایمان میں سبقت کرنے والے۔

ف: اس سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مراد ہیں۔ یعنی وہ حضرات جنہوں نے ایمان لانے میں سبقت کی اور ہر دونوں قبلوں، کعبۃ اللہ اور بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی اور غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔

ف: عورتوں میں سب سے پہلے بی بی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ایمان لائیں۔ جمہور کا یہی مذہب ہے۔

وَالْاَنْصَارِ اور انصار یعنی اہلِ بیعۃ عقبہ اُولیٰ وہ سات افراد تھے اور اہلِ بیعۃ عقبہ ثانیہ وہ ستر تھے اور وہ لوگ

بقیہ صـ ۶۹۲ سے آگے ہے۔ مسئلہ: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اغنیا کے مال پر غریبوں کے اخراجات فرض ہیں۔

مسئلہ: کوئی غریب فاقہ کشی میں مبتلا ہو اور دولت مند معلوم ہونے کے باوجود اس پر خرچ نہ کرے تو قیامت میں دولتمند سے بازپرس ہوگی۔

جن کے ہاں مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے جس کی تفصیل ہم آگے چل کر عرض کریں گے۔ اِن شاء اللہ

نکتہ: سبقت کرنے والوں کی اللہ تعالیٰ نے اس لیے تعریف فرمائی کہ بعد میں آنے والوں سے وہ پہلے اہلِ ایمان شمار ہوں گے اور قاعدہ ہے الفضلُ للمتقدمِ[1] فضیلت پہلے کو حاصل ہوتی ہے۔

وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ اور وہ لوگ جو اُن کے ساتھ نیکیوں میں ملتبس ہوئے۔

ف: احسان سے ہر نیک عادت مراد ہے۔ اور یہاں پر وہ لوگ مراد ہیں جو مذکورہ بالا دونوں فریقوں کے بعد مسلمان ہوئے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں اس سے تمام مہاجرین و انصار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مراد ہیں اس لیے کہ باقی مسلمانوں سے یہی حضرات اسلام قبول کرنے میں سبقت کرنے والے ہیں۔ اس معنے پر مِن بیانیہ ہے اور تابعین سے قیامت تک آنے والے تمام اہلِ اسلام مراد ہیں

رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اللہ تعالیٰ ان تمام مذکورہ بالا حضرات سے راضی ہے[2]۔ یہ مبتدا مذکور کی خبر ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان کی طاعات قبول کر کے اُن سے راضی ہے اور اُن کے جملہ اعمال اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول اور پسندیدہ ہیں۔ **وَرَضُوْا عَنْهُ** اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں سے خوش ہیں۔ یہاں دینی و دُنیوی ہر طرح کی نعمتیں مراد ہیں **وَاَعَدَّ لَهُمْ** اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تیار فرمائے **جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ** باغات جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ جمیع قراء یہاں پر مِن کے بغیر یعنی صرف **تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ** پڑھتے ہیں۔ لیکن ابن کثیر نے قرآن مجید کے دُوسرے مقامات کی طرح لفظ مِنْ کے ساتھ پڑھا ہے **خٰلِدِیْنَ فِیْهَا** اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یعنی اُن کا اِن باغات میں ہمیشہ رہنا مقدر ہو چکا ہے **اَبَدًا** ط ایسی ہمیشگی کہ جس کی کوئی انتہا نہ ہو اسے ابداً سے تعبیر کرتے ہیں گویا کہ زمانہ مستقبل کے جمیع ازمنہ کو حاوی ہوتا ہے جیسے لفظ ازل ماضی کے جمیع ازمنہ کو حاوی ہوتا ہے اور بطور مجاز ہر دونوں یعنی ابد و ازل بہت طویل زمانہ کے لیے بھی مستعمل ہوتے ہیں۔

ف: کبھی اپنی جمع کی طرف مضاف ہو کر بھی آتے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے ابد الاباد و ازل الازال لفظ سرمد ماضی و مستقبل ہر دو کے جملہ زمانوں کے لیے مستعمل ہے۔

---

[1] اس سے صحابہ ثلاثہ (حضرات ابوبکر، عمر، عثمان) اور اُن کے جملہ احباب کی فضیلت کا اندازہ کیجئے۔ لیکن افسوس کہ شیعہ ان حضرات کے ایمان پر شک کرتے ہیں مگر اہلِ فہم کو یقین ہے کہ جن کی خود اللہ تعالیٰ اپنے سچے کلام میں تعریف بیان فرمائے اُس کے بعد اگر کوئی نہیں مانتا تو وہ اپنی شومیٔ قسمت پر ماتم کرے۔

[2] اس سے شیعہ فرقہ کا رد ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے میں ان سب سے راضی ہوں۔ لیکن یہ لوگ صدیوں بعد اپنے غلط خیالات کی بنا پر اُن پر کیچڑ اُچھالتے ہیں۔ ۱۲

ذٰلِكَ بہ اشارہ اس طرف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مذکورہ بالا حضرات کے لیے جو کراماتِ عظیمہ تیار فرمائی ہیں الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ○ ایسی عظیم کامیابی کہ اس کے بعد کسی دیگر کامیابی کا تصور ناممکن ہے۔

آغازِ اسلام کی داستان

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی مبارک کے چالیسویں سال مکہ معظمہ میں اظہارِ نبوت فرمایا تو چند گنتی کے افراد نے اسلام قبول فرمایا۔ اُن پر کفّار نے ظلم وستم کے پہاڑ ڈھانے شروع کر دیے تاکہ مسلمان اسلام ترک کر کے کُفر کو لوٹ آئیں لیکن مسلمان اپنے عزم پر چٹان بن گئے۔ انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم حبشہ کی طرف ہجرت کر جاؤ وہاں کا بادشاہ نجاشی نیک طینت ہے۔ مسلمانوں نے حبشہ کو نبوت کے پانچویں سال ماہِ رجب میں ہجرت فرمائی۔ ہجرت کرنے والے اسّی افراد تھے۔ یہی اسلام کی پہلی ہجرت ہے۔ پھر عقبتین میں انصار کی ایک جماعت نے اسلام قبول کیا۔ عقبہ اُولیٰ کی بیعت نبوت کے گیارھویں سال اور عقبۂ ثانیہ کی بیعت بارھویں سال ہُوئی۔ جب عقبۂ ثانیہ میں بیعت کر کے انصار واپس مدینہ طیبہ آئے تو اُن کے ساتھ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو بھیجا تاکہ وُہ انہیں مدینہ طیبہ پہنچ کر مسائل شرعیہ سمجھاتے رہیں اور جتنا قرآن مجید نازل ہو چکا اُس کی تعلیم سے انہیں روشناس کراتے رہیں۔ اس اثناء میں انصار کی بہت بڑی جماعت نے اسلام قبول کیا۔

سوال: اہلِ مدینہ کو انصار سے کیوں تعبیر کیا جاتا ہے حالانکہ مہاجرین نے بھی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد میں کسی قسم کی کسر نہیں چھوڑی تھی؟

جواب: اس لیے کہ اہلِ مدینہ نے ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین کی بہت مدد فرمائی۔ اس خصوصیت سے یہ نام صرف اُن کے لیے مخصوص ہو گیا۔ اُس کے بعد نبوت کے چودھویں سال حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی اُسے ہجرتِ ثانیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ف: تحویل قبلہ یعنی بیت المقدس سے کعبۃ اللہ کو قبلہ بنانے کا حکم مدینہ طیبہ میں بروز منگل ماہ شعبان میں ہُوا جبکہ حضور علیہ السلام کو مدینہ طیبہ تشریف لائے ہُوئے اٹھارواں مہینہ تھا۔ اس سال غزوۂ بدر کبریٰ ۱۹ رمضان المبارک کو ہوا، اور غزوۂ حدیبیہ ۶ھ میں ہُوا۔ اس سال بیعتِ رضوان واقع ہُوئی۔

ترتیب عقیدہ دربارہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

اہلسنت کا اجماع ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے اوّل[1] و افضل صدیقِ اکبر، پھر فاروقِ اعظم، پھر عثمانِ غنی، پھر علی المرتضیٰ، پھر

---

[1] جاہل اہلسنت رافضی، شیعوں یا تفضیلیوں سے متاثر ہو کر کہتے ہیں: ؏

ہم مرتبہ ہیں یارانِ نبی کچھ فرق نہیں ان چاروں میں

یہ غلط ہے۔ صحیح وہی ہے جو مذکور ہوا۔

ہم کہتے ہیں: ؏

یہ بات محض ہے اندھوں کی کچھ سوجھ نہیں لاچاروں میں

جو شعور نہیں رکھتا وہ اندھوں سے بھی بدتر ہے۔

باقی عشرہ مبشرہ مع سابقین اولین، پھر اصحابِ بدر، پھر غزوۂ اُحد میں شریک ہونے والے، پھر غزوۂ حدیبیہ مع بیعت رضوان والے رضی اللہ عنہم اجمعین۔

تفسیر صُوفیانہ

۱۔ السابقون الاولون کے متعلق صوفیاءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان سے وہ حضرات مراد ہیں جن کو عنایت ازلیہ سب سے پہلے نصیب ہُوئی۔ کما قال تعالیٰ:

اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنٰی۔

یعنی یہ وہی لوگ ہیں جن کو ازل میں سب سے پہلے عنایتِ ربّانی نصیب ہُوئی۔

۲۔ السابقون سے وُہ لوگ مراد ہیں جو سب سے پہلے عدم سے وجود میں آئے۔ اوّلون وہ عدم وجود میں سب سے پہلے نکلے۔ یہ وہ حضرات ہیں جو عالمِ ارواح میں صفِ اوّل میں تھے جبکہ ازل میں ارواح صف بہ صف بہت بڑے لشکر کی طرح کھڑے تھے۔

۳۔ السابقون سے وہ لوگ مراد ہیں جنھوں نے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کی آواز سب سے پہلے سُنی۔

۴۔ السابقون الاوّلون سے وہ ذرّات مراد ہیں جنہیں اللہ کی قدرت کا ہاتھ سب سے پہلے نصیب ہُوا جبکہ آدم علیہ السلام کا خمیر چالیس روز میں گُوندھا گیا۔

۵۔ السابقون سے وُہ سالک مراد ہیں جو سلوک طے کرتے ہُوئے سب سے پہلے راجع الی اللہ ہوتے ہیں۔ الاوّلون وہ لوگ جو سلوک طے کرتے ہُوئے جلال کے پردوں تک سب سے پہلے پہنچتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اُمت کی فضیلت

ان تمام وجوہِ مذکورہ میں اسبقیت واوّلیت ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے اور اُمم میں آپ کی اُمّت کو۔ اس لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ ہم پچھلے بھی ہیں اور پہلے بھی۔ یعنی صورت کے خروج سے آخر اور معنٰی کے دخول میں سب سے اوّل۔

ف: فصل القریب میں ہے کہ زمانہ اور وجود اور کتاب دیے جانے کے لحاظ سے ہم آخر اور قیامت میں حصول فضل و دخول جنۃ و فیصلہ و حساب کے لحاظ سے اوّل۔ یہی وجہ ہے کہ تمام اُمتوں سے سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والی اُمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوگی۔

ف: اس سبقت سے کام پہلے کرنا مراد ہے یا کام کا ارادہ کرنا لیکن ترجیح دُوسرے قول کو ہے۔

حکایت

سیّدنا جنید بغدادی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مَیں جمعہ کے دن سب سے پہلے جامع مسجد میں حاضر ہوتا تھا۔ ایک دن حسبِ دستور جب حاضر ہوا تو مجھے آواز سُنائی دی کہ ایک بندہ تجھ سے پہلے سبقت کرچکا ہے۔ چنانچہ میں دوسرے جمعے میں اُس پہلے وقت سے بھی کچھ پیشتر حاضر ہُوا تو پھر وہی آواز میرے کانوں

میں پڑی کہ اے ابو القاسم! تجھ سے ایک اور بندہ سبقت کر گیا۔ میں ہر جمعہ میں سبقت کرنے کی کوشش میں رہا لیکن ہر بار وہی آواز سُنی۔ میں ورطۂ حیرت میں گُم ہو گیا اور بارگاہِ ایزدی میں ملتجی ہُوا: یا الٰہی! مجھے اس راز سے آشنا فرمائیے کہ وہ کون ساخوش بخت انسان ہے جو مجھ سے سبقت کر جاتا ہے۔ میری دعا قبول ہُوئی کہ مسجد کی محراب کے ایک کونے سے آواز آئی تجھ سے سبقت کرنے والا وہ ہے جو آج جامع مسجد سے سب سے آخر میں نکلے گا۔ میں جمعہ پڑھ کر جامع مسجد میں بیٹھ گیا یہاں تک کہ نمازِ عصر پڑھی گئی۔ بعدہٗ تمام لوگ جامع مسجد سے نکل گئے۔ سب سے آخر میں مسجد سے نکلنے والا ایک نحیف و ناتواں بُوڑھا تھا۔ میں نے اسے پکڑ لیا اور عرض کی: حضرت! آپ مسجد میں کس وقت تشریف لاتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ جمعہ کے دن زوال کے بعد۔ میں نے انھیں اپنی پوری داستان سُنائی اور عرض کی اب بتائیے آپ کس عمل کی وجہ سے مجھ سے سبقت کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: اے جنید! میں جب جمعہ پڑھ کر مسجد سے نکلتا ہُوں تو نیت کر لیتا ہوں کہ انشاءاللہ تعالیٰ اگر زندگی ہُوئی تو آئندہ جمعہ پھر حاضر ہوں گا۔

حضرت جنید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس سے مجھے سبق ملا کہ سبقت پہلے آنے سے نہیں بلکہ سبقت دل کے ارادے کا نام ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

① فکر اول ہرچہ آمد در عمل   خاصہ فکرے کو بود وصفِ ازل
② دل بکعبہ میرود در ہر زمان   جسم طبعی دل بگیرد ز امتنان
③ این دراز و کوتہی مر جسم راست   چہ دراز و کوتہ آنجا خدا ست
④ چوں خدا مر جسم را تبدیل کرد   رفتنش بے فرسخ و بے میل کرد

تفسیر عالمانہ (وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ) ممن حولکم خبر مقدم اور مُنٰفِقُوْنَ اس کا مُبتدا مُوخر ہے یعنی اور تمہارے مدینہ طیبہ کے گرد بعض مِّنَ الْاَعْرَابِ دیہاتیوں میں سے (اعراب اور عرب کا فرق ہم نے پہلے عرض کر دیا ہے) مُنٰفِقُوْنَ ؕ منافق ہیں۔ ان سے قبیلہ جُہینہ، مزینہ، اسلم، اشجع اور غفار مراد ہیں۔ یہی لوگ مدینہ طیبہ کے گرد بستے تھے۔ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ؔ ثث اور اہلِ مدینہ میں سے ایک قوم ہے مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ؔ قف جو منافقت کی خوگر ہے۔ وہ ہر وقت منافقت پہ کمربستہ رہتی ہے یا وہ منافقت میں مہارت تامہ رکھتی ہے۔ المَرد   علی الشیئ۔ بمعنے کسی فن کا کاریگر اور ماہر اور عادی ہونا۔

تحقیق لفظِ مدینہ لفظِ مدینہ جب مطلق ہو تو اس سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دار ہجرت مراد ہوگی یعنی وہ شہر جس کی طرف آپ ہجرت فرما گئے یا جس شہر میں آپ کا منبر اور قبرِ انور ہے۔ مَدَنَ بالمکان سے مشتق ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی وہاں اقامت پذیر ہو جائے۔ اس معنے پر مدینہ کا میم اصلی ہوگا۔ اس کی جمع المدن (بضم الدال وبجزمہا) آتی ہے اور مدائن بھی ہمزہ کے ساتھ یا دان سے مشتق ہے۔ یہ اس

وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کی اطاعت کرے۔ دین بمعنے طاعت مشہور ہے۔ اس معنے پر مدینہ کا میم زاید ہوگا۔ اس کی جمع مداین ہمزہ کے بغیر معایش (بالیاء) ہوگی۔

مدینہ طیبہ کے بعض اسماءِ گرامی مدینہ پاک کے اسماء گرامی بکثرت ہیں ان میں ایک طابہ وطیبہ (بفتح الطاء و سکون الیاء) بھی بمعنی پاکیزہ ہے۔ چونکہ یہ شہر مبارک شرک سے مبرا ہے یا اس شہر مبارک کے لوگ امن وسکون اور دعوتِ حق کی وجہ سے خوشی میں ہیں یا اپنے عیش عشرت کے لحاظ سے شاداں وفرحاں ہیں یا اس شہر اقدس کی خاک پاک ہے یا یہ شہر منافقت سے پاک ہوگیا۔ بنا بریں ان دو اسماء سے موسوم ہوا۔

حدیث شریف میں ہے ؛ مدینہ طیبہ شریر (منافق) لوگوں کو اپنے سے باہر پھینک دیتا ہے جیسے بھٹی لوہے سے زنگ نکال دیتی ہے

حدیث شریف میں ہے: ایمان مدینہ طیبہ کی طرف ایسے جاتا ہے جیسے سانپ اپنی بل میں یعنی جیسے سانپ اپنی بل میں جاتے ہوئے سیدھا چلا جاتا ہے اسی طرح ایمان مدینہ طیبہ کو۔

ف : مدینہ سے شام کا تمام حصہ مراد ہے۔ اس لحاظ سے مدینہ شام کا جُز ہوگا۔ صرف مدینہ کا نام لیا گیا۔ اُس کی شرافت اور بزرگی کی وجہ سے اس لحاظ سے مدینہ شام کی طرف منسوب ہوگا۔ ابنِ ملک کا یہی مذہب ہے۔

ف : امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، مدینہ طیبہ نہ شامیہ ہے نہ یمانیہ بلکہ حجاز میں شامل ہے۔

ف : امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ دونوں یمانیہ ہیں۔

لَا تَعْلَمُهُمْ[1] یہ مردوا علی النفاق کا بیان ہے یعنی وہ منافق اپنی منافقت میں ایسی مہارت رکھتے ہیں کہ تم پر ان کی منافقت کی چال واضح نہیں ہوتی باوجودیکہ تم کمال درجہ کی فطانت وفراست کے مالک ہو۔

خلاصہ یہ کہ آپ اُن کے احوال کل اور اُن کی منافقت کو (ذاتی علم سے) نہیں جانتے۔

نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ہم انہیں جانتے ہیں کہ یہ منافق ہیں ہمیں ان کے پوشیدہ اسرار کا علم ہے۔ اپنی منافقت سے آپ کے ساتھ ہیرا پھیری کر سکتے ہیں لیکن میرے ساتھ کچھ نہیں کر سکتے۔ **سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ** پر سین تاکید کا ہے ہم ان کو دوبارہ عذاب میں مبتلا کریں گے۔

---

[1] جمل علی الجلالین میں ہے کہ یہ آیت " ولتعرفنھم بسیماھم " الخ سورہ محمد کی آیت سے پہلے اُتری۔ اس تقریر پر حضور علیہ السلام کے علم مبارک کی نفی ثابت نہیں ہوتی اس دعوی پر جو اہلسنت حضور علیہ السلام کے وصالِ مبارک سے پہلے علم کلی کا عقیدہ رکھتے ہیں تفصیل تفسیر اویسی میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم مبارک منافقین کے بارہ میں

مروی ہے کہ ایک دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کا خطبہ دیتے ہوئے منافقین سے فرمایا:

"اے فلاں! میری مجلس سے اُٹھ کھڑا ہو، اس لیے کہ تُو منافق ہے"!

اس طریق سے آپ نے اپنی مجلس سے بہت سے منافقین کو نکال کر برسرِ مجلس اُنھیں رُسوا کیا۔ عذابِ اوّل تو یہی تھا۔ دُوسرا عذاب انھیں قبر میں نصیب ہوگا۔

ف: بعض روایات میں ہے کہ منافق سے قبر میں چالیس دن منکر نکیر سوال کرتے رہیں گے لیکن اُس سے کوئی جواب نہ بن سکے گا۔

ف: یہ بھی کہ یہاں مرّتین سے کثرت مراد ہے، دُو کی گنتی مقصود نہیں۔ جیسے آیت فارجع البصر کرّتین سے کثرت مراد ہے۔ یعنی آنکھ بار بار لوٹائیے۔

ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۝ پھر اُنھیں ایک بہت بڑے عذاب کی طرف لوٹایا جائے گا۔ اس سے جہنّم کا عذاب مراد ہے۔

تفسیر صُوفیانہ

عذابِ عظیم سے مراد یہ ہے کہ اُنھیں بارگاہِ حق سے دُور رکھا جائے گا۔ درحقیقت عذاب بھی ہے کہ بندے کو اپنے مولیٰ کی درگاہ سے دُوری اور مجوبیت ہو کہ اپنے آقا کے دیدار سے محروم ہو جائے اس عذاب سے بڑھ کر اور کون سا عذاب ہوگا۔ ؎

(۱) از فراق تلخ میگوئی سخن   ہرچہ خواہی کن ولیکن آں مکن
(۲) تلخ تر از زہر ہجراں ہیچ نیست   در فراقت غیر بیچارہ ہیچ نیست
(۳) صد ہزاراں مرگ تلخ از شوق تو   نیست مانندِ فراقِ رُوئے تو
(۴) جور دوراں وہجراں رنجی کہ ہست   سہلتر از بُعدِ حق وغفلتست
(۵) از فراق ایں حنا کہا شورہ شود   جملہ ذوق از فراق عورہ شود

تفسیر عالمانہ

وَاٰخَرُوْنَ اور اہل مدینہ سے دوسرے بعض وہ ہیں اعْتَرَفُوْا جنہوں نے اقرار کیا بِذُنُوْبِهِمْ اپنے گناہوں کا، جو جنگ سے باز رہنے کی وجہ سے ان سے سرزد ہوا اور ضروریات کو عزیز جان کر جنگ پہ نہ جا سکے اور منافقین کے ساتھ گھروں میں رہنے پر راضی رہے لیکن بعد کو نادم ہو کر معذرت کی لیکن جھُوٹ نہ بولا بلکہ سچ کہہ دیا۔ اس سے وہ حضرات مراد ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو سزا کے طور پر مسجدِ نبوی سے باندھ دیا۔ جب سُنا کہ غزوہ پہ نہ جانے والوں کے لیے عتاب کی آیات نازل ہوئی ہیں۔ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ سے فارغ ہو کر حسبِ دستور مسجدِ نبوی میں تشریف

لائے تو آپ نے اپنی عادتِ کریمہ کے مطابق مسجد شریف میں دوگانہ ادا فرمایا۔ ان لوگوں کو دیکھا کہ وہ مسجد کے ستونوں سے بندھے بیٹھے ہیں۔ آپ نے اُن کے متعلق پُوچھا تو جواب ملا کہ ان لوگوں نے اپنے آپ کو سزا کے طور پہ باندھا ہُوا ہے۔ اس جُرم کی وجہ سے کہ وہ جنگ کے لیے آپ کے ساتھ نہ جاسکے۔ انھوں نے معاہدہ کیا ہے اور قسمیں کھائی ہیں کہ جب تک انہیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دستِ مبارک سے نہ چھوڑیں گے یہ ایسے ہی بندھے رہیں گے۔ آپ نے بھی قسم کھائی کہ میں بھی انھیں نہیں چھوڑوں گا جب تک کہ مجھے حکمِ ربّانی نہ ہوگا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا، تب آپ نے انہیں چھوڑا اور اُن کا عذر قبول فرمایا۔ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا انھوں نے ملایا عمل صالح یعنی وہ اعمال صالحہ جو اس سے قبل انھوں نے کیے اور جنگوں پہ جاتے رہے اور اس جنگ پہ نہ جانے پر غلطی کا اعتراف کیا بلکہ اپنی مذمت کی اور ندامت کا اظہار کیا۔ وَّ اٰخَرَ سَیِّئًا ط اور دُوسرے وُہ ہیں جنھوں نے اپنے اعمال کو بُرائی سے ملایا یعنی اوّل و آخر میں ہر طرح بُرائیوں سے ملوّث ہُوئے منجملہ اُن کے غزوۂ تبوک کی غیر حاضری بھی ہے۔

نکتہ: یہاں پر باٰخر کی بجائے و اٰخر لانے میں اشارہ ہے کہ ہر دو مخلوط و مخلوط بہ ہے یہ "خلطت الماء باللبن" کے محاورہ سے ابلغ ہے۔ اس لیے کہ اس عبارت سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ پانی دُودھ پر ڈالا گیا لیکن اس سے "پانی پر دُودھ ڈالا گیا" کا معنیٰ نہیں نکل سکتا بخلاف اس کے کہا جائے "خلطت الماء واللبن" اس سے ہر دو کا ملنا ثابت ہوتا ہے۔ ہر دو مخلوط و مخلوط بہ سے موصوف ٹھہرتے ہیں۔

نکتہ: حدادی نے فرمایا کہ وُہ ایک دفعہ جنگ پہ حاضر ہُوئے، دُوسری دفعہ غیر حاضر ہوئے تو اُن کے دونوں کام آپس میں مل گئے، جیسے کہا جاتا ہے:

"خلط الدنانیر والدراھم" یعنی دنانیر و دراہم کو اُس نے ملا دیا۔

اور کہا جاتا ہے:

"خلط الماء واللبن" یعنی پانی اور دُودھ کو آپس میں ملایا

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ط عنقریب اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرے گا۔

سوال: تم نے توبہ کہاں سے نکال لی جبکہ اُنھوں نے توبہ کا اظہار نہ کیا۔

جواب: گناہوں کے اعتراف کا دُوسرا نام توبہ ہے اور اُن کے اعتراف کا بیان سابقًا گزرا۔ اس بنا پر ان کی توبہ قبول کرنے کا اظہار جُملہ ہذا میں ہُوا۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے کہ تائب کے گناہوں سے درگزر فرما کر اسے فضل و احسان سے نوازتا ہے۔ کلمۂ عسیٰ سے جو توبہ کی قبولیت کا وعدہ دیا گیا اس کی علت کا اظہار ہے کہ اعتراف کرنے والے کی توبہ لازمًا قبول ہوتی ہے۔ کریم کی عادت ہوتی ہے کہ وہ جس طرح و جس طور طریق سے چاہے گدا کو پُر اُمید کرے۔

نکتہ : حدادی نے فرمایا کہ لفظ علیٰ میں اشارہ ہے کہ بندے کو بین الخوف والرجاء میں ہونا ضروری ہے۔ نہ اتنا رحمت سے پُر اُمید ہو کہ خوفِ الٰہی بھی دل سے اُٹھ جائے اور نہ ہی اتنا پُر خطر رہے کہ رحمتِ کریم کا تصوّر اُٹھ جائے۔ ؎

چوں بدیٔ گناہ را دانی
گشت جانبِ پشیمانی
ور ندانی گناہ را کہ بد است
آں شقاوت ابد است

تفسیر صوفیانہ

نفوس تین قسم کے ہوتے ہیں:

① منافق
② کافر
③ مومن

۱ —— نفس منافق وہ ہے جس میں حیوانوں کی طرح خواہشات کا غلبہ ہو۔ یہ عادت تبدیل ہو سکتی ہے جبکہ قلب کو شریعت و طریقت کے تابع کر کے نفس کو قابو میں لیا جائے لیکن اس سے صرف قلب کا ظاہر صاف ہوگا۔ ابھی باطنی حالت کے لیے منافی باقی رہے گی۔ وہ اس وقت تک حقیقی طور صاف نہیں ہوگی جب تک اس سے شہواتِ نفسانیہ کو پورے طور نہ نکالا جائے بلکہ نفس کو یقینی طور مغلوب کر دیا جائے۔

۲ —— نفس کافر، ہے جسے کھانے پینے کی طلب کا غلبہ درندوں کی طرح ہو۔ یہ اس وقت پاک ہو سکتا ہے جب اس کی ضد اس پر غالب ہو۔ یعنی اُسے ایسے مغلوب کیا جائے کہ اُسے کھانے پینے کی طلب بالکل نہ رہے۔ اگر کھائے پیئے تو جسم کی خواہشات کے لیے نہیں بلکہ جسم کی بقاء کے لیے۔

۳ —— نفسِ مومن وہ ہے جس میں درندگی اور شیطنت کے اوصاف موجود ہوں۔ جیسے غصّہ "تکبّر، عداوت، خیانت وغیرہ۔ سالک یہ اوصاف ایسے مٹائے کہ اُسے غصّہ کے بجائے وصفِ تکبّر کے بجائے تواضع، عداوت کے بجائے محبت و اخوت اور خیانت سے امانت نصیب ہو جاتے۔ یہاں تک کہ نورِ ربانی سے اسے انشراحِ صدر نصیب ہو۔

ف : اگر کسی سے نفس کے اوصاف نہیں مٹ سکتے یا ان اوصاف سے مغلوب الحال ہے تو سمجھو کہ اس میں منافقت کا کچھ حصّہ باقی ہے اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جھُوٹ، خیانت، وعدہ خلافی، دھوکہ بازی کو منافقت سے تعبیر فرمایا۔ کما قال علیہ السلام:

اربع من کن فیہ فھو منافق وان صام وصلی وزعم انہ مسلم اذا حدّث کذب واذا ائتمن خان واذا وعد اخلف واذا عاھد غدر ومن کانت فیہ واحدۃ منھن کانت فیہ خصلۃ من النفاق

حتی یدعہا۔

چار ایسی خصلتیں جس میں وُہ پائی جائیں وہ منافق ہے خواہ روزے رکھتا ہو، نماز پڑھتا ہو اور اپنے خیال میں اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو۔ وہ چار خصلتیں یہ ہیں:

۱ ـــــ جب بولے جھُوٹ بکے۔

۲ ـــــ جب اُس کے پاس امانت رکھی جائے، خیانت کرے۔

۳ ـــــ جب کسی سے وعدہ کرے اس کے خلاف کرے۔

۴ ـــــ جب معاہدہ کرے تو پھر دھوکہ دے۔

مذکورہ بالا خصلتوں میں سے جس میں ایک بھی ہوگی اس میں منافقت ہوگی۔

سبق : عاقل وُہ ہے جو احکامِ شریعت و آدابِ طریقت کے لیے جدوجہد کرے یہاں تک کہ وہ منافقت سے چھٹکارا پا لے۔

ف : گناہوں کا اعتراف مومن کی میراث ہے جو اُسے آدم علیہ السلام سے نصیب ہُوئی۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اپنی لغزش پر دو سو سال روتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی توبہ قبول فرمائی اور آپ کی لغزش معاف ہوگئی۔

توبہ کی قبولیت کا نسخہ

جو چاہے کہ اس کی توبہ یقیناً قبول ہو تو وُہ بوقتِ توبہ بہت روئے اور گڑگڑائے اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے۔

شفیعِ ہر نبی و ولی

ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہر نبی علیہ السلام اور ہر ولی کے شفیع ہیں۔ اس لیے آدم علیہ السلام نے حضور علیہ السلام کا نام بطور وسیلہ پیش کیا۔ چنانچہ کہا:

"الٰہی بحق محمد ان تغفرلی" اے اللہ! حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل مجھے بخش دے۔

اور توبہ کے وقت جمیع مرد و زن کے لیے بخشش مانگی۔

ف : استغفار کا معنٰی یہ ہے کہ بندہ اپنے ربِ کریم سے اپنے گناہوں کی بخشش مانگے۔ اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت کا معنٰی یہ ہے کہ وُہ اپنے بندے کے گناہ اپنے فضل و کرم سے چھپا دے اور اس کی غلطیاں بندوں کے سامنے ظاہر نہ کرے اور نہ ہی بندے کا عیب کسی کے سامنے ظاہر ہونے دے۔ توبہ کی قبولیت کے لیے ایک شرط ضروری یہ ہے کہ پختہ عزم کرے کہ آیندہ یہ گناہ نہیں کرے گا۔

مسئلہ : خدانخواستہ اگر اس سے کبھی گناہ سہواً یا خطاءً ہو جائے تو معاف ہے۔

حضرت حافظ نے فرمایا: ؎

جائیکہ برق عصیاں بر آدم صفی زد
مارا چگونہ زیبد دعوئ بیگناہی

تفسیر عالمانہ

خُذْ اے پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! لے لیجئے مِنْ اَمْوَالِهِمْ ان لوگوں کے اموال جو جنگ پہ نہیں جا سکے۔ لیکن اب اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے پیش کرتے ہیں صَدَقَةً صدقہ۔ درانحالیکہ آپ تُطَهِّرُهُمْ ان کو پاک فرما دیں۔ ان کی وہ غل وغش جو ان سے جنگ کی غیر حاضری سے ہوئی۔ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا اور ان سے صدقات لے کر اُن کا تزکیہ فرمائیں۔ یعنی اُن کے اموال صدقہ کے طور لے کر اُن کی نیکیاں بڑھائیں اور انھیں مراتب مخلصین تک پہنچائیں۔

واقعہ ستُون والوں کا

مروی ہے کہ جب ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ستونوں سے چھوڑا تو وہ سیدھے اپنے گھروں کو چلے گئے اور اپنے تمام اموال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں لائے اور عرض کی: یہی مال تھے جنہوں نے ہمیں آپ کے ساتھ جنگ پہ جانے سے محروم رکھا، ہم آپ کی خدمتِ اقدس میں لائے ہیں آپ انھیں جس طرح چاہیں خرچ کریں۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں تمہارے ان اموال کو خرچ نہیں کرتا۔ تو یہی آیت نازل ہوئی۔ آپ نے ان کا تہائی مال خرچ کیا تاکہ ان کی توبہ کی تکمیل ہو کر اُن کی جنگ پہ نہ جانے کے گناہ کا کفارہ بن جاتے۔

ف: یہ صدقہ واجب نہیں تھا اس لیے کہ صدقہ واجبہ اس طرح نہیں لیا جاتا۔ جیسے حضور علیہ السلام نے اُن سے لیا۔

ف: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت کسی واقعہ پہ نہیں اُتری بلکہ یہ جملہ مستانفہ ہے اور زکوٰۃ کی فرضیت کے لیے نازل ہوئی کہ دولت مندوں سے مال لے کر غریبوں اور مسکینوں کو دیا جائے اگرچہ دولت مندوں کا ذکر پہلے نہیں ہوا۔ اس کی نظیر آیت "انا انزلناہ فی لیلۃ القدر" (الآیہ) ہے۔

سوال: کم از کم اس کے لیے کوئی قرینہ تو ہوتا ایسے ہی زکوٰۃ کی فرضیت کیسے ثابت ہوتی ہے؟

جواب: دلالت حال قرینہ ہے اور ایسے مقامات کے لیے اتنا ہی کافی ہوتا ہے۔ اب آیت کا معنٰی یہ ہوا کہ دولتمند مسلمانوں سے اموال کی زکوٰۃ لیجئے۔

نکتہ: زکوٰۃ کو اس لیے زکوٰۃ کہا جاتا ہے کہ اس سے بندے کی صداقت فی العبودیۃ کا پتہ چلتا ہے۔

مسئلہ: اکثر فقہاء کرام اس طرف گئے ہیں کہ اگر کوئی زکوٰۃ ادا نہ کرے تو اس سے حاکم وقت جبراً لے سکتا ہے اس کی دلیل اُنہوں نے یہی آیت "خذ من اموالھم" پیش کی ہے اور یہی مختار ہے۔

مسئلہ: اشباہ کتاب میں ہے کہ زکوٰۃ جبراً نہ لینی چاہیے۔

مسئلہ: محیط میں ہے کہ جو شخص زکوٰۃ ادا نہ کرے تو اس سے جبراً لینا جائز نہیں۔ اگر جبراً لے گا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی

اس لیے کہ زکوٰۃ دینے والے سے اختیاراً ادا نہیں ہوئی بلکہ جبراً وصول کی گئی ہے البتہ اسے قید کیا جا سکتا ہے تاکہ اس کے بعد وہ اپنے اختیار سے ادا کرے۔

مسئلہ: ہمارے دور میں جو حکام زکوٰۃ و عشر اور جزیہ اور خراج اور دیگر تاوان وغیرہ جبراً وصول کرتے ہیں صحیح تر یہ ہے کہ ان لوگوں سے زکوٰۃ وغیرہ کی فرضیت ساقط ہو جائے گی بشرطیکہ وہ زکوٰۃ وغیرہ دیتے وقت ادائیگی کی نیت کریں۔

مسئلہ: لیکن اس میں صحیح یہی ہے کہ ایسی ادائیگی کے بعد زکوٰۃ وغیرہ دوبارہ ادا کرنی چاہیے۔

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اور اس پر ان کے لیے خیر و برکت کی دعا و استغفار فرمایئے **اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ** اس لیے کہ آپ کی خیر و برکت کی دعا سے انہیں تسکینِ قلبی اور اطمینان نصیب ہو گا۔

ف: سکن مصدر بمعنے مفعول نقص بمعنے منقوص کی طرح ہے **وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ** اور اللہ تعالیٰ ان کا اعتراف سننے والا **عَلِيْمٌ ۝** اور ان کی ندامت کو جاننے والا ہے۔

مسئلہ: کافی (کتاب) میں ہے کہ میت کے لیے نمازِ جنازہ کا ثبوت اس آیت **وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ** اور حدیث شریف "صلوا علیٰ کل بر و فاجر" ہر نیک و بد پر نماز پڑھو" سے حاصل ہوا۔

سب سے پہلی نمازِ جنازہ

مروی ہے کہ جب آدم علیہ السلام کا وصال ہوا تو آپ کے لیے تجہیز و تکفین کے کپڑے اور خوشبو وغیرہ بہشت سے لائی گئی۔ آپ کی تجہیز و تکفین اور نماز وغیرہ کے لیے ملائکہ نازل ہوئے اور آپ کی تغسیل کے فرائض انجام دیے۔ اور تین کپڑوں میں کفنایا اور خوشبو لگائی۔ اور ایک فرشتے نے امام بن کر نماز پڑھائی اور دوسرے فرشتے مقتدی ہوئے۔

ایک روایت میں ہے کہ آدم علیہ السلام کی نمازِ جنازہ حضرت شیث علیہ السلام نے پڑھائی اور یہ حکم آپ کو جبریل علیہ السلام نے سنایا اور فرمایا کہ اپنے والد ماجد کی نمازِ جنازہ خود پڑھائیں اور نماز کی تیس تکبیریں کہی گئیں۔ اس کے بعد آدم علیہ السلام کو قبر میں دفنایا گیا اور آپ کی قبر میں لحد بنائی گئی تھی اور ان کی قبر پر نشان کے طور پر چند اینٹیں رکھی گئیں۔

ف: شیث علیہ السلام آدم علیہ السلام کے جانشین مقرر ہوئے۔ جب آدم علیہ السلام کی تجہیز و تکفین و تدفین سے ملائکہ کرام فارغ ہوئے تو شیث علیہ السلام سے فرمایا: اسی طرح اپنی اولاد اور بہن بھائیوں کی تجہیز و تکفین اور تدفین کرنا۔ یہی تمہارا یعنی آدم زادوں کا طریقہ ہے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ غسلِ میت اور تکفین اور نمازِ جنازہ اور تدفین و لحد تمام سابقہ شریعتوں کا طریقہ ہے۔

سوال: بعض روایات میں ہے کہ نمازِ جنازہ امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا خاصہ ہے۔

جواب: چونکہ نمازِ جنازہ شرائعِ سابقہ میں سے چلی آ رہی تھی لیکن قریش کو اس کا علم نہ تھا ورنہ وہ بھی اسی طریقہ سے نمازِ جنازہ پڑھتے۔ اس لیے انہوں نے جب حضور علیہ السلام سے یہ طریقہ دیکھا تو سمجھ رکھا کہ یہ طریقہ صرف اسی امت کا

ف : زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا طریقہ یوں تھا کہ میت کو نہلا دُھلا اور نئے کپڑے پہنا کر چارپائی پر لٹا دیتے۔ پھر میت کے متولی کو حکم ہوتا کہ وہ عام مجلس میں کھڑے ہو کر اس کے اوصاف و محاسن بیان کرے۔ پھر اتنا کہہ دے کہ علیك رحمة الله (تجھ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو)۔ بعدہٗ اسے دفن کر دیتے۔

حدیث شریف مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ میں ہجرت کر کے تشریف لائے تو آپ کی آمد سے پہلے براء بن معرور فوت ہو چکے تھے۔ آپ نے ان کی قبر پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مل کر نمازِ جنازہ پڑھائی اور اس میں چار تکبیریں کہیں۔

ف : اس سے ثابت ہوا کہ نمازِ جنازہ ہجرت کے پہلے سال فرض ہوئی۔ ایسے ہی علماءِ کرام سے منقول ہے۔

مسئلہ : نمازِ جنازہ کی فرضیت کا منکر کافر ہے۔ (کذا فی القنیہ)

مسائلِ فقہیہ

مسئلہ : غسلِ میت سابقہ شرائع کی طرح ہماری شریعت میں بھی فرض ہے۔

مسئلہ : غسلِ میت کی نیت اس لیے نہیں تاکہ میت پر نمازِ جنازہ جائز ہو سکے، بلکہ مکلفین سے فرضیت کے اسقاط کے لیے ہے کہ ان سے غسلِ میت کی فرضیت ساقط ہو جائے۔ اس لیے میت کو غسل دینا فرضِ کفایہ ہے اگر ان میں سے ایک بھی میت کو نہلائے گا تو سب سے فرضیت ساقط ہو جائے گی (اور ثواب صرف نہلانے والے کو ملے گا) اگر کسی نے بھی (میت کو) نہ نہلایا تو سب گنہگار ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ میت کے غسل کی نیت غسل دینے والے کے لیے ہے اور وہ نیت یہ ہے :

"نویت الغسل لله" (میں نے میت کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے غسل دینے کی نیت کی)

نکتہ : میت کو اس لیے نہلایا جاتا ہے کہ انسان موت کے وقت دوسرے دموی حیوانات کی طرح نجس ہو جاتا ہے دوسرے حیوانات تو مرنے کے بعد پاک نہیں ہوتے البتہ انسان نہلانے کے بعد پاک ہو جاتا ہے اور یہ صرف انسانی شرافت کی وجہ سے ہے۔

مسئلہ : کوئی انسان اگر پانی میں مر جائے یا مرنے کے بعد پانی میں پڑا ہوا ملے تو اُسے بھی نہلانا واجب ہے اس لیے کہ میت کے نہلانے کا حکم بنو آدم کو ہے اور وہ پانی میں پائے جانے سے پورا نہ ہوا۔

ف : بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جب میت پر نزعِ روح کی شدت ہوتی ہے تو اس سے اس کے ذکر سے منی خارج[1]

---

[1] شیعہ کی فقہ میں گندگی کا کیا کہنا۔ انہوں نے لکھ دیا کہ جسم کے کسی حصہ یا منہ سے منی نکلتی ہے۔ حالانکہ منہ کا لفظ لکھنا سخت قبیح ہے اس لیے کہ منہ سے کلمہ طیبہ پڑھا جانا ضروری ہے۔

(فافہم ۱۲)

ہوجاتی ہے۔ اس بنا پر اسے نہلانا ضروری ہے جیسے زندہ انسان کے ذکر سے جب منی نکلے تو اسے نہانا واجب ہے۔ (کذا فی اسئلہ الحکم)

صاحبِ روح البیان کی تحقیق

صاحبِ رُوح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ مذکورہ بالاحکم ہمارے نزدیک نہایت درجہ کا ضعیف اور ناقابلِ اعتبار ہے اس لیے کہ ذکر سے منی کے خروج کے لیے غسل کے وجوب کی شرط (عندالاحناف) اُس وقت ہے جبکہ شہوت سے ہو اور میت میں اُس وقت شہوت کہاں۔ البتہ یہ قول ضعیف ہونے کے باوجود امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ اُن کے نزدیک اس شخص پر غسل واجب ہے کہ جس نے سخت بوجھ اٹھایا ہو اور اس کے ذکر سے منی خارج ہُوئی۔

مسئلہ: میت کے غسل میں شرط یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو اور اس کا بدن سالم یا اکثر باقی ہو۔

مسئلہ: نصف بدن مع سر سالم بدن کے حکم میں ہے۔

مسئلہ: کافر میت کا غسل ضروری نہیں اور نہ ہی اس مسلمان کے لیے جس کا بدن سر کے بغیر ہو۔

مسئلہ: نہلانے والے کو مغسول میت کی ہر شے کو دیکھنا بوجہ ضرورت جائز ہے۔

مسئلہ: عورت سفر میں مرجائے اور نہلانے والی کوئی عورت میسر نہ ہو تو ذی محرم غسل کے بجائے تیمم کرائے۔

مسئلہ: اگر کسی عورت کے لیے نہ عورت میسر ہو اور نہ ذی محرم، تو اجنبی مرد ہاتھ پر کپڑا لپیٹ کر اسے تیمم کرائے۔ اسی طرح مرد سفر میں فوت ہو تو مرد نہلانے والا نہ ملے تو اسے ذی محرم عورت یا اس مرد کی اپنی لونڈی کپڑے کے بغیر تیمم کرا سکتی ہے۔

مسئلہ: اگر نابالغ لیکن مشتہی لڑکا یا لڑکی جن سے شہوت کا اندیشہ نہیں تو بوقتِ ضرورت اجنبی مرد یا عورت کو نہلا سکتے ہیں۔

مسئلہ: قاضی ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رضاعی رشتہ دار کو بھی ذی محرم نہلائے۔ لیکن دُوسرے ائمہ نے رضاعت کے ذی محرم کے غسل کو بھی مکروہ بتایا ہے۔

مسئلہ: زوج اپنی زوجہ کو نہیں نہلا سکتا البتہ زوجہ اپنے زوج کو بوقتِ ضرورت نہلا سکتی ہے۔ ہاں اگر موت سے پہلے زوجیت کا سلسلہ کسی وجہ سے منقطع ہوگیا، مثلاً طلاق واقع ہُوئی تو پھر یہ عورت بھی اسے نہیں نہلا سکتی۔

مسئلہ: میت کو وُہ نہلائے جو رشتہ میں اسے زیادہ قریب ہو۔ یہی مستحب ہے۔ مثلاً باپ بیٹے کو، بیٹا باپ کو وغیرہ وغیرہ[1] اگر قریبی رشتہ دار کو میت کے نہلانے کے مسائل نہیں آتے تو جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو

---

[1] لیکن افسوس کہ دورِ حاضرہ میں میت کا نہلانا ایک معیوب فعل شمار ہوتا ہے۔

وہی نہلائے۔

مسئلہ: میت کو ایسی جگہ نہلایا جائے جو باپردہ ہو، جہاں عام لوگوں کی اس پر نگاہ نہ پڑے اور غسل کے وقت غاسل (یعنی نہلانے والا) اور اس کے معاونین کے سوا اور کوئی نہ جائے۔ (کذا فی السیرۃ الحلبیہ)

مسئلہ: جہاں اہلِ اسلام اور کفار کی اموات مختلط ہو جائیں اور ان میں سے مسلمان اور کافر کی تمیز نہ ہو سکے تو اسلامی شعار کو دیکھ کر غسل دیا جائے اور نماز پڑھی جائے ورنہ غسل اور نماز کے بغیر گڑھوں میں پھینکا جائے[1]۔

مسئلہ: اگر کفار و مسلمین کی اموات میں اکثر مسلمان ہوں تو سب کو نہلایا، کفنایا جائے اور نماز پڑھ کر اسلامی حکم کے مطابق دفنایا جائے لیکن نماز جنازہ اور دعا میں صرف اہلِ اسلام کے لیے ارادہ ہو۔ یہ اس وقت ہے جب اسلام اور کفر کی علامات میں امتیاز نہ ہو سکتا ہو۔

مسئلہ: اگر کفار زیادہ ہوں اور اہلِ اسلام تھوڑے، اور شعارِ اسلام اور علاماتِ کفر کی تمیز بھی نہیں تو سب کو غسل دے کر اور کفن پہنا کر نماز پڑھے بغیر (مشرکین کے) کہ وہ گورستان میں گڑھے کھود کر دبا دیے جائیں۔

مسئلہ: جو بچہ پیدا ہوتے ہی آواز نکال کر مر گیا تو اُسے نہلا کر نام رکھ کر اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے۔

مسئلہ: اگر بچہ مردہ حالت میں پیدا ہوا تو مختار یہ ہے کہ اُسے ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفنایا جائے اس پر نماز نہ پڑھی جائے۔

مسئلہ: اگر کسی مسلمان کا قریبی رشتہ دار مر جائے تو اسے نجاست کی طرح دھو کر کپڑا لپیٹ کر گڑھے میں پھینک کر اُوپر مٹی ڈال دی جائے یا اس کے ہم مذہب کافر کے سپرد کر دیا جائے۔

مسئلہ: قہستانی میں لکھا ہے کہ کافر کو کسی طرح نہلانا جائز نہیں۔ ہاں غیر حربی کافر کا مسلمان رشتہ دار کو نہلانا مباح ہے۔ (کذا فی الجلالی)

مسئلہ: شہید شرعی کو نہ نہلایا جائے۔

مسئلہ: اگر شہید شرعی کے لیے جنبی ہونا معلوم ہو تو اسے نہلانا چاہیے۔ یہی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب ہے صاحبین رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کے خلاف ہیں۔

مسئلہ: عورت کا حیض و نفاس ختم ہوا ابھی اس نے غسل نہ کیا تھا کہ شہید ہوئی تو امام صاحب کے نزدیک نہلانا چاہیے اور صاحبین کے نزدیک نہیں۔ (اگر ابھی عورت حیض و نفاس کے ایام میں تھی تو شہید ہو گئی، تو صحیح تر یہ ہے کہ اُسے نہلانا چاہیے)

---

[1] اس لیے اسلامی شعار داڑھی رکھنا اور اسلامی لباس کے لیے اسلام نے تلقین کی ہے لیکن افسوس کہ آجکل اُن کا مذاق اڑاتے ہیں۔

مسئلہ: اگر معرکۂ جنگ میں قتل کے بغیر مر گیا تو اسے نہلانا چاہیے۔

مسئلہ: رجم یا قصاص یا تعزیر کی سزا سے مر گیا یا درندے کے حملے یا دیوار وغیرہ کے گرنے یا پانی میں ڈوب کر یا کسی دوسرے حادثے وغیرہ سے مرا تو بلا خلاف نہلانا چاہیے۔ یہ ایسے ہیں جیسے کوئی بغاوت کرتا ہوا یا ڈاکہ زنی کرتا ہوا مارا گیا۔ تو ایک روایت میں اسے نہلانا چاہیے۔ لیکن باغی اور ڈاکو کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے۔ یہی ظاہر الروایۃ میں ہے۔

مسئلہ: سُولی پر لٹکانے سے مر گیا، تو اس کے متعلق امام ابُوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی دو روایتیں ہیں:

—— جس نے اپنے آپ کو خطاءً قتل کر دیا تو بلا خلاف اس کی نمازِ جنازہ پڑھنی چاہیے۔ خطاءً قتل کرنے کا یہ مطلب ہے کہ اس نے کسی شئے کو مارنا چاہا تو بجائے اس شئے کے خود مارا گیا۔

—— اگر عمداً خودکشی کر لی تو زجراً صحیح تر یہ ہے کہ اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے۔ (اگر پڑھی جائے تو حرج بھی نہیں)، اس لیے کہ اُسے توبہ کا موقع نہ ملا تو پھر اس کے لیے شفاعت کیسی! نمازِ جنازہ بھی ایک شفاعت ہے۔

مسئلہ: میّت کی نمازِ جنازہ فرضِ کفایہ ہے (عند عامۃ الفقہاء) اس کا وقت وہی ہے کہ جب جنازہ تیار ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے مغرب کی نمازِ فرض کے بعد فوراً ادا کیا جائے۔ مغرب کی سُنتیں بھی بعد کو پڑھی جائیں۔ (کذا فی الخزانۃ)

حدیث شریف: نمازِ جنازہ پڑھنے میں عجلت کرو۔

تنبیہ: بعض لوگ نمازِ جنازہ میں اپنی مصلحات کی بناء پر بہت دیر کرتے ہیں۔ علماءِ کرام کے نزدیک یہ بہت قبیح امر ہے یہاں تک کہ اہلِ مکہ کی اس عادت کو علماءِ کرام نے غفلت سے تعبیر کیا، جبکہ ان کا طریقہ تھا کہ وہ اکثر نمازِ جنازہ ظہر کے وقت لاتے یا صبح کی نماز کے وقت۔ اس خیال پر کہ اس وقت نمازیوں کی کثرت ہوگی حالانکہ میت کو فوت ہوئے بہت وقت گزر جاتا۔ صرف انہی اوقات میں میّت کو لا کر باب الکعبہ کے سامنے رکھ دیتے۔ پھر نمازِ ظُہر یا صبح کے بعد نمازِ جنازہ پڑھتے (کذا فی المقاصد الحسنہ) صاحبِ رُوح البیان نے فرمایا: یہ غفلت عموماً اکثر لوگوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے۔ آج تو غفلت کچھ اور بڑھ گئی ہے۔

مسئلہ: شدید ضرورت ہو تو طلوعِ شمس اور دوپہر کے وقت اور بوقتِ غروب نمازِ جنازہ بلا کراہت پڑھی جا سکتی ہے۔

مسئلہ: اگر ان اوقات سے پہلے جنازہ لایا گیا تو اُن اوقات کے گزرنے کے بعد نماز پڑھنی چاہیے۔

مسئلہ: امام جنازہ کو میّت کے سینہ کے بالمقابل کھڑا ہونا چاہیے اس لیے کہ یہی سینہ علم اور نورِ ایمان کی جگہ ہے۔ پہلی تکبیر کہہ کر امام و مقتدی اور منفرد سب کے سب ثنا یعنی سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَجَلَّ ثَنَاءُكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ پڑھیں۔

ف: احادیثِ مشہورہ میں تَبَارَكَ اسْمُكَ وَجَلَّ ثَنَاءُكَ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فرض نمازوں میں وجلّ ثناؤك

نہیں پڑھا جاتا۔ ہاں نوافل میں اس کا اضافہ جائز ہے اس لیے کہ نوافل میں وسعت رکھی گئی ہے اور فرائض ایسے اضافات کے متحمل نہیں۔ حلبی نے فرمایا: نمازِ جنازہ میں اس کا اضافہ اولیٰ ہے۔

مسئلہ: جنازہ میں دوسری تکبیر کے بعد درود شریف پڑھے۔

ف: جلابی کتاب میں ہے کہ جنازہ میں ہر درود شریف پڑھنا جائز ہے یا وہ درود شریف پڑھے جو فرض نمازوں میں پڑھا جاتا ہے یعنی درود ابراہیمی مضمنی (کتاب) میں ہے کہ درود ابراہیمی شریف یہ ہے: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ، اللھم بارك علی محمد وعلیٰ آل محمد کما بارکت علیٰ ابراھیم وعلیٰ الِ ابراھیم انكَ حمیدٌ مجید۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یا اللہ! اپنے حبیبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر کامل صلوٰۃ بھیج جیسا کہ اس کے اطلاق سے معلوم ہوتا ہے۔ وعلیٰ ال محمد عطف الجملہ علی الجملہ کے قبیل سے ہے یعنی جس طرح آلِ ابراہیم پر درود ہے۔ ایسے ہی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر بھی درود ہو۔ اس تقریر سے وہ اشکال رفع ہوگیا جو عام مشہور ہے کہ درود ابراہیمی میں حضور علیہ السلام مشبہ اور ابراہیم علیہ السلام مشبہ بہ ہیں اور قاعدہ ہے کہ مشبہ بہ مشبہ سے اقوی اور افضل ہوتا ہے حالانکہ حضور علیہ السلام سے ابراہیم اقوی افضل نہیں ہمارے مذکورہ ترجمہ پر اشکال مذکور وارد نہیں ہوتا[1]۔ (کذا فی القہستانی)

مسئلہ: تیسری تکبیر کہہ کر میّت کے ساتھ تمام اہلِ اسلام واہلِ ایمان مُردہ اور زندہ کے لیے دُعا مانگے اور وہ دُعا مسنون یہ ہے: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَشَاھِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِیْرِنَا وَکَبِیْرِنَا وَذَکَرِنَا وَاُنْثَانَا اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَهٗ مِنَّا فَاَحْیِهٖ عَلَی الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّیْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَی الْاِیْمَانِ۔

مسئلہ: میّت کے لیے خصوصیت سے رحمت و غفران اور روضہ و رضوان کی دُعا مانگے اور یوں کہے[2]: اَللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ مُحْسِنًا فَزِدْ فِیْ اِحْسَانِهٖ وان کان مسیئًا فتجاوز عنه برحمتك یا ارحم الرّاحمین۔ (کذا فی عیون الحقائق)

مسئلہ: غیر بالغ لڑکے اور مجنون کے لیے استغفار نہیں کی جاتی اس لیے کہ وہ گناہوں سے مرفوع القلم ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کے لیے یہ دُعا پڑھی جاتی ہے: اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا وَّاجْعَلْهُ لَنَا اَجْرًا وَّذُخْرًا وَّاجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا وَّمُشَفَّعًا۔

---

[1] اس کے اور جوابات بھی ہیں جو ہم نے تفسیر اویسی میں لکھ دیے ہیں۔ ۱۲

[2] صاحبِ روح البیان نے یہ تصریح نہیں کی کہ یہ دُعا جنازہ سے فراغت کے بعد مانگے یا نماز کے اندر۔ اہلسنت کے نزدیک فراغت کے بعد صفیں توڑ کر دُعا مانگنا مستحب ہے۔ یہی دیوبندیوں کے مفتی کفایت اللہ دہلوی "دلیل الخیرات" کتاب میں لکھ گئے ہیں۔ لیکن جہاں دیوبندی اور غیر مقلدین اسے ناجائز اور حرام کہتے ہیں۔ اس کی تحقیق فقیر کے رسالہ "نماز جنازہ کے بعد دُعا کا ثبوت" پڑھیے۔ ۱۲ اویسی غفرلہ

ف : غیر بالغ لڑکی کے لیے مذکورہ بالا دُعا میں صرف ضمیر اور صیغہ کا فرق کرنا پڑے گا۔ مثلاً اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا لَنَا فَرَطًا وَّاجْعَلْھَا لَنَا اَجْرًا وَّ ذُخْرًا وَّاجْعَلْھَا لَنَا شَافِعَةً وَّمُشَفَّعَةً۔

ف : مُشَفَّعَة بمعنے مقبول الشفاعۃ۔

مسئلہ : جو بیچارہ مذکورہ دُعائیں نہیں یاد کرسکا تو وہ یہ دُعا پڑھے : اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ لِجَمِیْعِ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِرَحْمَتِكَ يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلّم کی نمازِ جنازہ اور صدیق اکبر و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

مروی ہے کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفن مبارک پہنا کر منگل کے دن قبرِ انور کے قریب لایا گیا تو صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مع چند صحابہ مہاجرین و انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ساتھ لے کر حجرۂ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں حاضر ہوئے۔ یعنی جب آپ کی بیعت پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اتفاق ہوگیا اور آپ کی خلافت سب نے تسلیم کرلی تو آپ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ کے لیے حاضری دی اور حسبِ حکم شرع نمازِ جنازہ کی چار تکبیریں کہیں اور آخری دُعا معروفہ کے بجائے یہ الفاظ پڑھے :

اللّٰھم انّا نشھد انہ صلی اللہ علیہ وسلم قد بلغ ما انزل اللہ علیہ ونصح لامتہ وجاھد فی سبیل اللہ حتی اعز اللہ دینہ وتمت کلمتہ فاجعل الٰھنا ممن تبع القول الذی انزل معہٗ و اجمع بیننا و بینہٗ حتی تعرفہ بنا و تعرفنا بہٖ فانہ کان بالمؤمنین رءُوف رحیم لا تبتغی بالایمان بہ بدلاً ولا نشتری بہ ثمنا ابداً[1]

ترجمہ : یا اللہ! ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہمارے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرے جُملہ احکام ہم تک پہنچائے اور اپنی اُمت کو ہر طرح کی بھلائی کی تلقین فرمائی اور جہاد فی سبیل اللہ کا حق ادا کیا یہاں تک کہ تُو نے اُن کے دین کو غلبہ دیا اور ان کے کلمہ اسلام کو مکمل فرمایا۔ اے اللہ تعالیٰ! ہمیں ان لوگوں سے بنا جو ان کے جملہ احکام کی تابعداری کرنے والے ہیں۔ اور ہمیں قیامت میں اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ملا کر انھیں ہمارے پہچاننے اور ہمیں ان کو پہچاننے کی توفیق بخش اس لیے کہ وہ اہلِ ایمان کے ساتھ بہت بڑے مہربان اور رحیم تھے۔ ہم ان پہ ایمان لانے کا

---

[1] شیعہ کہتے ہیں کہ خلیفۂ اوّل کی طرح دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور علیہ السلام کی نمازِ جنازہ میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ یہ ان کی بُہتان تراشی ہے ورنہ ہماری کتابوں کے علاوہ اُن کی مذہبی اور مشہور کتاب "اصولِ کافی" میں تصریح موجود ہے کہ جملہ صحابہ مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم نے حضور علیہ السلام کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ تفصیل فقیر کی کتاب "سداد الزندیق عن مطاعن الصدیق" میں ہے۔

نہ تجھ سے بدلہ لیتے ہیں اور نہ ہی اس سے کچھ دنیوی مفاد چاہتے ہیں۔

نکتہ : صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عام جنازہ کی دُعا چھوڑ کر دُعا مذکورہ کیوں پڑھی۔ اس میں وہی راز ہے جو اللہ تعالیٰ نے صرف اہلسنت کو نصیب فرمایا ہے کہ حضور علیہ السلام کا ہر معاملہ عند اللہ وعند العشاق جُداگانہ حیثیت رکھتا ہے۔ اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نمازِ جنازہ پڑھنے سے پہلے مشورہ کیا کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز میں کون سی دُعا پڑھی جائے۔ مشورہ کے بعد طے پایا کہ عام دُعا کے بجائے دعا مذکور پڑھی جائے[1]

مسئلہ : میت کی دُعاءِ جنازہ پڑھنے کے بعد چوتھی تکبیر کہہ کر سلام پھیر دیں اور سلام دونوں طرف پھیرنا چاہیے۔ لیکن میت کے سوا جملہ حاضر کے لیے (السلام علیکم میں) سلام کی نیت کریں۔

مسئلہ : ہر دُوسری تکبیر پہلی تکبیر کی بہ نسبت آہستہ آواز میں ہو یہی سنّت ہے۔

مسئلہ : چوتھی تکبیر کہہ کر ہاتھ چھوڑ دے۔ اس کے بعد اور کوئی ذکر نہیں۔

مسئلہ : نمازِ جنازہ کے ارکان صرف چار تکبیریں ہیں۔ ثناء، درود شریف اور دُعا (السلام علیکم کہنا) سنت ہیں۔ (کذا فی الجلابی)

مسئلہ : نمازِ جنازہ میں صرف پہلی تکبیر میں ہاتھ کانوں تک اُٹھائے۔ اس لیے کہ اس کے بعد کی تکبیروں میں ذکر مشروع موجود ہے۔ جب چوتھی تکبیر کہے گا اُسے معلوم ہوگا کہ اس کے بعد نماز ختم ہے۔

مسئلہ : الاشباہ میں ہے اگر نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ، ثناء و دُعا کی نیت سے پڑھے تو بلا کراہت جائز ہے اگر قرأت کی نیت سے پڑھے تو نماز مکروہ ہوگی۔

مسئلہ : کسی سے چند تکبیراتِ نمازِ جنازہ رہ گئی ہوں تو وہ امام صاحب کے سلام پھیرنے سے پہلے کہہ لے۔

مسئلہ : جو شخص چوتھی تکبیر کے بعد نمازِ جنازہ میں شریک ہُوا تو وہ تکبیریں نہ کہے اس لیے کہ اب اس سے نماز فوت ہو گئی۔ یہ امام اُبو حنیفہ و امام محمد رحمہما اللہ کا قول ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسے اس وقت ایک تکبیر کہہ لینی چاہیے۔ باقی تین تکبیریں امام کے سلام پھیرنے کے بعد کہے۔

مسئلہ : اگر ایک سے زائد جنائز ہوں تو سب پر ایک نمازِ جنازہ کافی ہے۔ (کذا فی المحیط)

مسئلہ : اگر بالغ و نابالغ جمع ہوں تو سب کے لیے ایک نمازِ جنازہ کافی ہے۔ لیکن دُعا بالغوں والی پڑھی جائے۔ (کذا فی المضمرات)

سوال : جنازہ میں رکوع و سجود کیوں جائز نہیں حالانکہ یہ بھی تو نماز ہے۔

---

[1] اس سے وہابیہ، دیوبندیہ، نجدیہ کے لیے عبرت کا موقعہ ہے، اگر نصیب ہو تو ورنہ۔۔۔۔

جوابِ۱: یہ لفظاً نماز ہے لیکن درحقیقت یہ دُعا و استغفار اور میت کے لیے سفارش کی صورت ہے اور رکوع و سجود تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اگرچہ سجدۂ تعظیمی سابقہ اُمم کے لیے جائز تھا لیکن ہمیں غیر اللہ سے ہر طرح کے رکوع و سجود سے روکا گیا ہے[1]

جوابِ۲: چونکہ میت نماز کے وقت نمازیوں کے سامنے ہوتی ہے اور وہ نمازیوں اور اللہ تعالیٰ (کی تجلیات) کے درمیان حائل ہے۔ اگر اس وقت رکوع و سجود کا حکم ہو تو جہال اور دیگر اعدائے اسلام سمجھیں گے کہ یہ غیر خدا کو سجدہ ہو رہا ہے جیسے شیطان کو دھوکہ لگا۔ جب ملائکہ نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا تو شیطان نے جہل و حسد سے سمجھا کہ شاید آدم علیہ السلام کو ہوگا اس لیے اس وقت وہ سجدے سے انکار کر گیا حالانکہ اس سے قبل وہ بہت بڑا ساجد و عابد تھا۔ اس طرح سے وہ حقیقی مسجود لہ سے محجوب و محروم ہوگیا حالانکہ ظاہر ہے کہ اس وقت بھی حقیقی مسجود اللہ تعالیٰ ہی تھا، اگرچہ بظاہر آدم علیہ السلام درمیان میں بمنزلہ محراب کے تھے۔ حضرت عارف جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

اے آنکہ بقبلۂ بتاں روست ترا
بر مغز چرا حجاب شد پوست ترا
دل در پئے ایں و آں نہ نیکوست ترا
یک دل داری بست یک دوست ترا

کسی دوسرے شاعر نے کہا: ؎

ازاں محراب ابرو رو مگرداں
اگر در مسجدے ور در خرابات

مسئلہ: نماز جنازہ میں تین صفیں مستحب ہیں۔

حدیث شریف جس مسلمان میت کے جنازہ پر تین صفیں نماز کے لیے ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے۔ طبرانی شریف میں چالیس سے سو عدد کا لفظ ہے۔ مسلم شریف میں بھی عدد کی تصریح موجود ہے۔ چنانچہ اس میں ہے کہ جس مسلمان میت پر چالیس بندگانِ خدا نماز پڑھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس میت کے حق میں اُن کی شفاعت قبول فرما لیتا ہے۔

نکتہ: تین صفوں کا راز یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں: یا اللہ! ہم تیرے حضور میں تین صفیں بنا کر

---

[1] وُہ جاہل ہیں جو سجدہ تعظیمی کے قائل ہیں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے "الزبدة الزكية في تحريم سجود التحية" ۱۲

تیرے اس بندے کی بخشش کا سوال کرنے آئے ہیں۔ ہمیں اپنے فضل و کرم سے خائب و خاسر نہ لوٹانا۔

نکتہ و مسئلہ مسجد کی طرف جاتے ہوئے چھوٹے چھوٹے قدم بڑھانے کی بھی یہی حکمت ہے کہ اس سے جتنے قدم بڑھیں گے ہر قدم پر نیکی ملے گی اور گناہ معاف اور درجات بلند ہوں گے اور یہ مستحب اور رحمتِ ربانی سے پُر امید ہونے کے باب سے ہے۔

مسئلہ: میّت کی نمازِ جنازہ کی تینوں صفوں کا ثواب برابر ہے۔ اس میں کسی صف کی ترجیح اور افضلیت کا مسئلہ نہیں اس لیے کہ بندوں کو میّت سے تھوڑا دُور ہٹ کے کھڑے ہونے کا حکم ہے اور وہ اس میں برابر ہیں۔ لیکن حلبی نے فرمایا نمازِ جنازہ کی پچھلی صف میں کھڑا ہونا افضل ہے بخلاف دوسری نمازوں کے کہ ان میں پہلی صف میں کھڑا ہونا فضیلت رکھتا ہے اس لیے کہ پہلی صف والے امام کے کوائف سے زیادہ علم رکھتے ہوئے جلد تر اتباع کریں گے بخلاف پچھلی صف والوں کے کہ ان میں پہلی صف والوں کے بعد معلوم ہوگا اور نماز میں متابعتِ امام ملحوظ ہوتی ہے اور جنازہ میں دُعا ہے اور وہ اس میں سب برابر ہیں۔

فائدہ اور حدیث شریف حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اوّل صف سے مراد وہ لوگ ہیں جو نماز کے لیے سب سے پہلے حاضر ہوئے خواہ بوقتِ ادائیگی مسجد کے کسی گوشہ میں اُنھیں جگہ ملے۔ (کذا فی خالصۃ الحقائق)

نکتہ در لفظِ چہلم حدیث شریف میں چالیس آدمیوں کی قید میں بھی یہی راز ہے کہ جہاں چالیس مسلمان ہوتے ہیں، اُن میں ایک ولی اللہ ضرور ہوتا ہے (کذا فی اسئلۃ الحکم)

خلاصہ یہ کہ میّت کو دُو امروں سے ہی شفاعت نصیب ہوتی ہے۔ اُس کی نمازِ جنازہ میں تین صفیں ہوں یا چالیس افراد۔ (کذا فی فتح القریب) مستحب نمازِ جنازہ میں یہی ہے کہ صفیں تین ہوں۔ افراد چالیس سے کم ہوں یا زائد۔

ردّ نجدیہ وہابیہ در مسائل شرعیہ اہلسنت کا مذہب ہے کہ میّت کو ہماری دُعا اور استغفار فائدہ بخشتی ہے اور ہم ان کی ارواح کو جتنا ثواب بخشتے ہیں انھیں پہنچتا ہے۔ بدنی عبادتوں کا ثواب ہو یا مالی کا، مثلاً ان کے لیے صدقہ دینا یا اُن کے لیے غلام آزاد کرنا یا نماز پڑھ کر یا روزہ رکھ کر یا حج کرکے یا قرآن پڑھ کر ان کو ثواب بخشا جائے تو مُردگاں کو پہنچتا ہے[1]

مسئلہ: اہلِ اسلام کا اتفاق ہے کہ میّت کا قرض ادا کر دیا جائے تو اس کے ذمّہ سے قرض اُتر جائے گا، بلکہ

---

[1] لفظاً نجدیہ وہابیہ مذکورہ بالا امور کے قائل ہیں لیکن، مگر، چونکہ، چنانچہ وغیرہ سے ایسے روڑے اٹکاتے ہیں جن سے نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ یہ وہابی نجدی وہی پرانے معتزلی خارجی ہیں۔

اس طرح سے اسے قبر میں فائدہ بھی ہوگا۔ خواہ غیر انسان اس کا قرض اتار دے یا اس کے ترکہ سے اتارا جائے۔

مسئلہ: اہلِ اسلام کا اتفاق ہے کہ اگر زندہ آدمی کے کسی مُردے پر حقوق ہوں اور وہ اُس کی موت کے بعد اسے معاف کردے تو مُردہ سے اُس زندہ کے حقوق ساقط ہوجائیں گے جیسے زندہ آدمی کو اس کی زندگی میں معاف کرنے سے معافی ہوجاتی ہے ایسے ہی مُردے کو بھی معافی ہوجاتی ہے۔

مسئلہ: ابن الملک نے فرمایا کہ اگر کوئی انسان اپنی نماز اور صدقہ کا ثواب کسی مُردے کو بخشے تو جائز ہے اور وہ ثواب اُس مُردے کو فائدہ پہنچائے گا۔ (خلافاللمعتزلہ) (صراحۃً وللوھابیۃ والنجدیہ والدیوبندیہ عملاً وکنایۃً) معتزلہ کہتے ہیں کہ ثواب سے مراد بہشت ہے اور وہ بندے کا کام نہیں کہ نماز روزے و دیگر عبادات صدقات کسی مُردے کو پہنچا کر اسے بہشت کا مالک بنادے اس لیے کہ اسے اس کی قدرت نہیں اس کی قدرت صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

اہلسنت کا استدلال

اہلسنت ایصالِ ثواب کا استدلال اس حدیث شریف سے کرتے ہیں کہ "حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے وقت دو مینڈھے چتکبرے ذبح کر کے فرمایا ایک میرے لیے، دُوسرا میری تمام اُمت کے مسلمانوں کے لیے۔ اگر شرعاً مُردہ کو کسی قسم کا فائدہ نہ پہنچتا تو حضور علیہ السلام اپنی تمام امت کا نہ فرماتے جس میں اہلِ اموات بھی شامل ہیں اور شارع علیہ السلام کے اجرائے شریعت پر کسی کو اعتراض کی گنجائش نہیں۔

ف: عبادت کئی قسم ہے:

۱۔ خالص بدنی، جیسے نماز۔ اس میں تو نیابت جائز نہیں یعنی ایسے ہو کہ اپنی فرضی نماز کے بجائے کسی دیگر کو اس کی ادائیگی کا حکم دے یا کوئی دُوسرا اس کی طرف سے پڑھ لے (البتہ نوافل کا ثواب ایک دوسرے کو دیا جاسکتا ہے) اس لیے کہ اس عبادت بدنی میں امارہ نفس کو تکلیف دینا مطلوب ہے اور وہ جب تک خود نہ پڑھے گا مقصد حاصل نہ ہوسکے گا۔

۲۔ عبادت خالص مالی، جیسے زکوٰۃ۔ اس میں نیابت جائز ہے۔ اس کی طرف سے اگر کوئی دُوسرا زکوٰۃ ادا کردے تو فرضیت ساقط ہوجائے گی۔ اس لیے کہ اس میں غرض ہے۔ غریب مسکین کو مالک بنانا اور وہ حاصل ہوگیا۔

مسئلہ: میت کی طرف سے زکوٰۃ ادا کرنی ہے تو اس نے مرتے وقت وصیت کی ہو تو اس کے ترکہ سے تہائی مال تک ادائیگی ضروری ہے۔ اگر وصیت نہ کی ہو تو وُرثا کو ادا کرنا مستحب ہے۔

۳۔ بدنی اور مالی سے مرکب، جیسے حج۔ یہ ایک اعتبار سے بدنی عبادت ہے، بنا بریں نیابت ناجائز ہے

لیکن دُوسرے اعتبار سے مالی عبادت ہے اس لیے نیابت جائز۔ لیکن جبکہ سخت مجبوری ہو کہ اس کی ادائیگی بوجہ بڑھاپا، شدید دائمی بیماری نہ ہوسکتی ہو تو اس کی طرف سے دُوسرا آدمی حج کرسکتا ہے۔ لیکن حج فرض کیلیے ہے اگر نفلی ہو تو مجبوری، نہ ہو تب بھی اُس کی طرف سے دُوسرا آدمی حج پڑھ سکتا ہے اس لیے کہ نوافل میں وسعت رکھی گئی ہے۔

مسئلہ: فوائد الفتاوٰی میں ہے کہ افضل یہ ہے کہ بعد بلوغ اپنی تمام عمر کی نمازوں کے لیے اسقاط کی وصیت کرے اگرچہ زندگی بھر نماز پڑھتا رہا ہو، کیونکہ اسے کیا خبر کہ اس نے صحیح طور پڑھی یا فاسد کرکے۔

مسئلہ: اگر کوئی اپنے کسی تعلق والے کو وصیت کرے کہ میرے مرنے کے بعد میری نمازوں کا کفارہ (اسقاط وغیرہ) کر دینا تو ایسی وصیت جائز ہے۔ اگر اس کے اپنے مال سے ادا کرنا مطلوب ہے تو تہائی مال تک اسقاط (کفارہ) ادا کرسکتے ہیں۔

مسائلِ اسقاط

مسئلہ: ہر فرض نماز کا فدیہ (اسقاط) گندم کا نصف صاع۔ اسی طرح نذر کے روزوں میں ایک روزہ پر نصف صاع گندم دینی ہوگی۔

مسئلہ: میت پر روزہ فرض تھا تو اس کے لیے اس کا متولی یا کوئی اور کفارہ کے لیے روزہ نہ رکھے اور نہ ہی اس کی طرف سے نماز پڑھے بلکہ اس کے لیے اسقاط (کفارہ، فدیہ مالی) دینا ہوگا۔

حدیث شریف: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میت کی طرف سے نہ روزہ رکھا جائے نہ نماز پڑھی جائے۔

مسئلہ: قہستانی نے کہا کہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ نماز کے لیے کوئی اسقاط (کفارہ، فدیہ) وغیرہ نہ ہو۔ یہی بلخی کا مذہب ہے (کذا فی قاضی خاں) لیکن استحسان کا تقاضا ہے کہ نماز کا بھی اسقاط (کفارہ، فدیہ) ہو۔

مسئلہ: روزے کی اسقاط کے لیے نص قرآنی موجود ہے (کما قال تعالیٰ وعلی الذین یطیقونہ الخ)

پھر چونکہ نماز روزے سے افضل ہے بنا بریں جب مفضول میں اسقاط جائز ہے تو افضل عبادت میں بطریق اولیٰ جائز ہوا اسی لیے امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: و یجزی بہما انشاء اللہ تعالیٰ۔

مسئلہ: اسقاط کا مال دفن سے پہلے ادا کرنا چاہیے۔ اگر دفن کے بعد ادا کیا جائے تب بھی جائز ہے۔

حیلۂ اسقاط اور ردّ وہابیہ و دیوبندیہ

اگر کوئی شخص اپنی طرف سے اپنے ماں باپ یا کسی عزیز کا اسقاط (کفارہ، فدیہ) ادا کرنا چاہتا ہے اور خود غریب اور مسکین ہے تو اس کے لیے جائز ہے کہ حسبِ استطاعت اپنی ملکیت سے کچھ گندم یا نقد وغیرہ لے کر کسی فقیر مسکین کو ہبہ کرے۔ وہ کسی اور کو وہ کسی دوسرے کو۔ اسی طرح دَور کے طور ایک دُوسرے کو مالک بناتے جائیں یہاں تک کہ روزے نماز کا (کفارہ، فدیہ) اسقاط ادا ہوجائے [1]

---

[1] (بر صفحہ آئندہ)

مسئلہ : ہر میت کا اسقاط دینے وقت اس کی زندگی کے مرد کے بارہ ۱۲ اور عورت کے نو ۹ سال کے حساب سے نفی کرلیے جائیں۔ اس لیے کہ ان کے بالغ ہونے کی ادنیٰ مدت وہی ہے جو اُوپر مذکور ہوئی۔ چنانچہ وقایہ (فقہ کی کتاب) میں مدت مذکورہ بالا تحریر فرمائی ہے۔

مسئلہ : نماز میں طعام کا اعتبار ہے۔ مساکین کی گنتی معتبر نہیں یہاں تک کہ اگر ایک مسکین کو ایک دن میں نصف صاع سے زاید گندم نماز کے کفارہ میں دے دے تو جائز ہے۔ روزے اور ظہار کے کفارہ میں اس طرح ناجائز ہے اس لیے کہ ان میں مسکینوں اور غریبوں کی گنتی معتبر ہے کہ انھیں گن کر کفارہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ (کذا فی شرح النقایہ)

مسئلہ : غیر مقروض فقیر کو بمقدار نصاب یا اس سے زائد مال دے دینا مکروہ ہے اس لیے کہ آتنا مال دولت دے دینے سے تو وُہ بھی غنی دولت مند بن گیا، وہ فقیر نہ رہا، حالانکہ یہ مال فقراء کا حق ہے۔ ہاں اگر وہ قرضدار یا صاحبِ عیال ہو تو اسے نصاب یا اس سے کچھ زاید مال دینا مکروہ نہیں اس لیے کہ بوجہ قرض و عیالداری اسے دولتمندی کی حیثیت حاصل نہیں ہوسکے گی۔

تفسیر عالمانہ اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا یہ استفہام تقریری ہے یعنی ان تائبین کو معلوم نہیں یعنی اُنھیں یقین ہے کہ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ بیشک اللہ تعالیٰ سچی اور خالص توبہ قبول کرلیتا ہے عَنْ عِبَادِهٖ اپنے مخلص بندوں کی، اور ان کے گناہوں سے درگزر فرماتا ہے۔

سوال : تم نے گناہوں سے درگزر کرنے کا معنٰی کہاں سے نکالا ہے؟

جواب : آیت میں لفظ عن سے معلوم ہُوا۔

ف : حدادی نے فرمایا کہ قبول توبہ کا معنٰی ہے کہ توبہ پر اپنے بندہ کو اپنے فضل و کرم سے لازماً ثواب عنایت فرماتا ہے۔

وَیَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ اور صدقات لیتا ہے خواہ توبہ کرنے والے کفارہ کے طور صدقہ دیں یا ان کے غیر ثواب کے لیے صدقہ کریں۔

ف : یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اپنا نام لے کر اپنے محبوب علیہ السلام یا آپ کے خلفاء مراد لیے ہیں، اس لیے کہ ان کا صدقات وصول کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا۔ اس معنے پر مجازاً صدقہ وصول کرنے والے وُہ ہوں گے اور حقیقی لینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) لہ دورِ حاضرہ کے معتزلہ یعنی دیوبندی وہابی اس حیلۂ اسقاط کے منکر ہیں ان کے لیے تفسیر ہذا کا حوالہ ہی کافی ہے مزید تحقیق فقیر کے رسالہ "الاقساط فی الاسقاط" میں دیکھئے۔

نوٹ : اہلسنت جُہلا بھی غلط حیلہ اسقاط کرتے ہیں جس پر ہمارے علماء اہلسنت بھی چشم پوشی کرتے ہیں، یہ ان کی غلطی ہے ۱۲۔ (اویسی)

ف : بیضاوی شریف میں ہے قبول سے مراد یہ ہے کہ جو کچھ اُن سے لیتا ہے اُن سے راضی ہو کر لیتا ہے۔ یہ استعارہ تبعیہ ہے اس لیے کہ حقیقی طور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم صدقات وصول کرنے والے تھے نہ کہ وہ جسے وصولی کے لیے بھیجا جاتا تھا۔

ف : صدقات صدقہ کی جمع ہے۔ اس کا اطلاق صدقہ واجبہ اور نافلہ دونوں پر ہوتا ہے لیکن عوام صرف جانوروں کو صدقاتِ واجبہ کہتے ہیں اور غلہ وغیرہ سے جو صدقہ دیا جائے اُسے عُشر سے تعبیر کرتے ہیں اور نقد صدقات واجبہ کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔ (کذا فی فتح القریب)

وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ اور بے شک اللہ تعالیٰ تائب سے تجاوز کرتا ہے یعنی توبہ کے بعد اُلٹا اُس مُجرِم کو انعامات سے نوازتا ہے بشرطیکہ بندہ بھی طاعات پر التزام کرے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے تواب بمعنے اپنے لطف و کرم سے توبہ کی توفیق بخشنے والا۔ اس لیے کہ اگر توفیق شاملِ حال نہ ہو تو کوئی مُجرم بھی توبہ نہ کر سکتا۔ جیسے ابلیس کو توبہ کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

جز عنایت کہ کشاید چشم را
جز محبت کہ نشاید خشم را
جہد بے توفیق خود کس را مباد
در جہان واللہ اعلم بالرشاد

الرَّحِيْمُ ○ جو بندہ توبہ کر کے مرے اس کے لیے مہربان ہے۔

ف : اللہ تعالےٰ کی رحمت کا معنےٰ یہ ہے کہ وُہ جس پر رحمت کرے اسے انعامات سے نوازتا اور ضرر سے بچاتا ہے۔

ف : یہ بھی جائز ہے کہ اَلَمْ يَعْلَمُوْا کی ضمیر غیر تائبین کی طرف لوٹائی جائے یعنی عام مومنین کے لیے تواب رحیم ہے۔

ف : آیت میں گنہگار مومنین کو توبہ اور صدقہ کی ترغیب دی گئی ہے۔

تفسیر عالمانہ وَقُلِ اور اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! انھیں فرمائیے جب ان کے توبہ کی یہ حالت ہے تو اعْمَلُوْا اب جس طرح چاہو عمل کرتے جاؤ۔

فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ پس اللہ اور اس کے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان بھی تمہارے اعمال کو دیکھیں گے۔

ف : بظاہر تو اس میں ہر طرح کے عمل کی رخصت اور اختیار دیا گیا ہے لیکن درحقیقت اس سے ترغیب و ترہیب کی تاکید اور سین تاکید یہ ہے۔

حدیث شریف اگر کوئی بندہ ایسے پہاڑ میں چھپ کر عمل کرے جس کا کوئی دروازہ نہ ہو اور نہ دریچہ، تو بھی اس کے اعمال لوگوں سے اوجھل نہیں رہتے، کسی نہ کسی طریق سے اُنھیں معلوم ہو ہی جاتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالٰی کے ہاں تمہارے اعمال پوشیدہ نہیں۔ وہ تمہارے اعمال کو ایسے دیکھتا ہے جیسے تم ایک دُوسرے کے اعمال دیکھتے اور جانتے ہو۔

ف: اس سے یا تو حقیقی رویت مراد ہے تو آیت کے معنٰی میں کسی قسم کا اشکال نہیں یا اس کا معنٰی مجازی ہے وہ یہ کہ اللہ تعالٰی تمھیں تمہارے اعمال کی جزا دے گا۔ اگر نیکی کرو گے تو نیک جزا ملے گی ورنہ سزا پاؤ گے۔ اس لحاظ سے مطلب یہ ہُوا کہ نیکی کرو گے تو اللہ جلّ جلالہٗ و رسُولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان تمہاری مدح و ثنا اور ذکرِ جمیل وغیرہ کریں گے اور اعزاز سے نوازیں گے۔ اگر بُرائی کرو گے تو مذمّت اور ذلت و پریشانی سے دوچار ہو گے۔

وَسَتُرَدُّوْنَ اور مرنے کے بعد لوٹائے جاؤ گے اِلٰی عَالِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ عالمِ غیب و شہادت کے حضور میں۔

نکتہ: غیب کو شہادت پر مقدم کرنے میں راز یہ ہے کہ عالمِ غیب بہ نسبت عالمِ شہادت کے وسیع تر ہے۔ نیز غیب بہ نسبت شہادت کے عظیم الشان ہے۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا کہ غیب سے وہ اعمال مراد ہیں جو چُھپکے اور شہادت سے وہ اعمال مراد ہیں جو کُھلم کُھلا کیے جائیں۔ چنانچہ دُوسرے مقام پر فرمایا: "یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ"۔

نکتہ: اس سے لفظ غیب کی تقدیم میں ایک نکتہ واضح ہُوا کہ اللہ تعالٰی کا علم ہر پوشیدہ اور کھلے امور پر محیط ہے اس کے لیے غیب و شہادت برابر ہے۔ اس میں تنبیہ ہے کہ جب اس سے مخفی امور پوشیدہ نہیں تو کھلے امُور اس سے کب مخفی رہ سکتے ہیں اسی لیے غیب کو مقدم کیا گیا تاکہ یقین ہو کہ وہ ہر شئے کو ہر حالت میں جانتا ہے کیونکہ اس کا علم حصولی نہیں بلکہ ہر شئے کا وجود و تحقق اس کے علم کی طرف منسوب ہے۔ نتیجہ نکلا کہ اس سے نہ امور ظاہرہ مخفی ہیں نہ باطنہ۔

دوسری تقریر وَسَتُرَدُّوْنَ الخ یعنی تم اس کی طرف لَوٹائے جاؤ گے۔ جس کے حضور میں تمہارے اعمال پیش ہوتے ہیں وہ تمہارے غیبی امور کو جانتا ہے بلکہ ان امور کو بھی جانتا ہے جن سے تم غائب ہو، یعنی جو شئے تم سے غائب ہے۔ وُہ تمہارے ہر نیک اور بُرے عمل کے نتائج سے واقف اور جزا و سزا کا مالک ہے۔ وہ بندوں سے پوشیدہ نہ ہوتے تو بندے نیکی ہی نیکی کرتے، برائیوں کے قریب بھی نہ بھٹکتے اور وہ امور جن سے ہم غائب ہیں وہ تقدیرِ ازلی اور حکمتِ ربّی ہے۔ یعنی جس طرح ازل میں خیر و شر کے لیے تقدیر کے قلم نے لکھا ہم اس سے غیب ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ملک و ملکوت میں جن عیون و قلوب کا تم مشاہدہ کرتے ہو اُن سب کو اللہ تعالٰی

جانتا ہے۔

فَيُنَبِّئُكُمْ جب تم مرنے کے بعد بارگاہِ حق میں حاضری دو گے تو وہ تمہیں خبر دے گا۔ اس سے قیامت تک کا وقت مراد ہے۔ **بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝** دُنیا میں جن اعمال کا تم ارتکاب کرتے تھے۔

ف : یُنَبِّئُکُمْ بمعنے اظہار ہے اس لیے کہ خبر دینے اور ظاہر کرنے کو آپس میں بایں معنیٰ ملابست ہے کہ یہ ہر دو علم کے مسبب ہیں۔ اس میں ان بندوں کو تنبیہہ ہے جو اپنے ارتکاب کردہ اعمال سے بے خبر اور اس کے انجامِ بد سے غافل ہیں اللہ تعالیٰ برسرِ میدانِ قیامت میں اُن کے اعمال ظاہر کر کے بتائے گا کہ تمہارے اعمال کتنے گندے ہیں جن کا تم دُنیا میں ارتکاب کرتے تھے اور شب و روز انہی کے ارتکاب کی دُھن میں تھے۔ اب تمہاری سزا انہی پر مرتب ہوگی۔

سبق : عاقل کے لیے ضروری ہے کہ وہ اعمال صالح کے لیے جدّ و جُہد کرے اور بُرے اعمال سے بہت دُور رہے تاکہ قیامت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان کے سامنے رُسوا نہ ہو۔

تفسیرِ صُوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ نیک عمل اور اس کا خلوص ایک نور ہے جو اپنے اخلاص و صدق کی قوت پر آسمانوں کی طرف جاتا ہے اُسے اللہ تعالےٰ اپنے نورِ اُلوہیت سے اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوحِ اقدس سے اپنے نورِ نبوت سے اور اہلِ ایمان کی ارواح اپنے نورِ ایمان سے ایسے ملاحظہ فرماتے ہیں ہر عمل صالح اس قدر آسمانوں پر پرواز کرتا ہے جس قدر عمل والے کے خلوص اور صدق کے نور کے اندر صفائی اور روشنی ہوتی ہے۔ اسی طرح ہر بُرا عمل آسمان پر چڑھتا ہے اس کے اندر ظلمات ہوتے ہیں۔ جس قدر بُرا ہوتا ہے اتنے ظلمات کثیر ہوتے ہیں اسے بھی اللہ تعالےٰ اور اس کے حبیبِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان دیکھتے ہیں[1]۔

حدیث شریف : بندے کو مرنے کے بعد نگران فرشتے اعمال صالح مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وعمرہ اور حسنِ خلق اور دیگر نیکیاں، یہاں تک کہ ہر ذکر و فکر لے کر اللہ تعالیٰ کی طرف لے جاتے ہیں یہاں تک کہ آسمانوں کو طے کرتے ہوئے جملہ حجابات سے آگے نکل کر جب بارگاہِ حق میں پہنچتے ہیں تو تمام ملائکہ اس بندے کی بہت تعریف کرتے ہیں اور اس کے اعمال صالح کو سراہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں فرماتا ہے: اے فرشتو! تم بندے کے اعمال کے نگران تھے۔ تم سچ کہتے ہو اس لیے کہ تمہاری اس کے ظاہر پر نظر تھی۔ لیکن مجھے تو اس کے باطن پر نگاہ ہے یہ اپنے ان جملہ امور میں میری رضا کا طالب نہیں تھا اس لیے میرے نزدیک اُس کے تمام اعمال ناقابلِ قبول ہیں۔ مجھے معلوم ہے یہ اپنے اعمال سے لوگوں کو دھوکہ میں ڈال سکتا ہے لیکن مجھ سے کہاں جا سکتا ہے اس لیے کہ میں عالمِ غیب اور اس کے تمام پوشیدہ امور پر مطلع ہوں، اس کے تمام امور مجھ سے مخفی نہیں اور نہ ہی کوئی شئے میرے علم سے باہر ہو سکتی ہے یہ نہ تھا تب بھی میں جانتا تھا اور جو کچھ کر چکا ہے اس کا بھی مجھے علم ہے اور جو کچھ چھوڑ آیا ہے میں اُسے بھی جانتا ہوں یہ مخلوق کو دھوکہ

---

[1] اسی بنا پر اہلِ سنت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیائے کرام کے لیے علم غیب کے معتقد ہیں اور حاضر و ناظر کی تقریر بھی اسی مطابق ہوتی ہے جسے وہابیہ شرک کہتے ہیں ۱۲۔ فافہم

دے سکتا ہے کہ انھیں اُس کی حقیقت معلوم نہیں لیکن مَیں تو سب کچھ جانتا ہُوں فلہٰذا اے فرشتو! سُن لو اس پر میری لعنت ہے اس کے ساتھ جانے والے ہزاروں فرشتے کہیں گے یا اللہ! جب تو اس کو لعنتی کہتا ہے تو ہم کہتے ہیں اس پر تیری اور ہم سب کی لعنت۔ یہ سُن کر آسمان کے تمام فرشتے کہتے ہیں، اس پر اللہ تعالےٰ کی لعنت۔ بلکہ تمام لعنت والوں کی لعنت۔ (معاذاللہ)

شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ؎

وگر سیم اندوه باشد نحاس
تواں خرج کردن بر ناشناس
منہ آب زر جان من بر پشیز
کہ صراف دانا نگیرد بچیز

ف: تقدیر ربانی کے قلم نے جُملہ عالم کے ظاہری باطنی احوال تختیوں پر لکھ کر وُہ تختیاں خزانچی فرشتوں کے سپرد کر دیں اس کے بعد بے شمار نگران فرشتے مقرر کیے گئے کما قال تعالےٰ: "وان من شئ الا عندنا خزائنہ" تقدیر لکھنے والے فرشتے ان خزانہ والوں اور نگران فرشتوں سے لکھتے ہیں۔ ہر شعبۂ اعمال کے علیحدہ علیحدہ خزانے ہیں جن میں ہمارے دُنیا کے جُملہ اعمال انہیں خزانوں میں جمع ہوتے ہیں۔ ان سب کا منتہیٰ "سدرۃ المنتہیٰ" ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نگران فرشتے ہمارے اعمال ظاہری و باطنی کو تو جانتے ہیں لیکن انھیں یہ معلوم نہیں کہ ان میں مقبول اعمال کون سے ہیں اور غیر مقبول کون سے۔ ہاں انھیں اس وقت معلوم ہوگا جب وہ بندے کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کریں گے جیسا کہ اُوپر معلوم ہُوا۔

سبق: بندے کا وہ عمل قبول ہوگا جس میں صدق اور خلوص ہو ورنہ وہ بندوں سے تو اپنی چالاکی سے اوجھل رہ سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے نگران فرشتوں سے نہیں چھپ سکتا۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

در بستہ ز روئے خود بمردم
تا عیب نگسترند ما را
در بستہ چہ سود عالم الغیب
دانائے نہاں و آشکارا

تفسیر عالمانہ وَ اٰخَرُوْنَ اس کا عطف پہلے اٰخرون پر ہے۔ یعنی جنگ پہ نہ جانے والوں میں سے دُوسرے اہل مدینہ اور اس کے گرد و نواح کے رہنے والے بعض دیہاتی ایسے ہیں جو مذکورہ

لوگوں کی طرح اپنی غلطیوں کا اعتراف نہیں کرتے مُرْجَوْنَ نافع وحمزہ وکسائی وحفص رحمہم اللہ تعالےٰ نے اسے واؤ کے ساتھ پڑھا ہے اس لیے کہ یہ دراصل مُرجیون تھا (بقاعدہ صرفی موجون ہُوا) باقی قرأ نے اسے مُرجاؤن ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ویسے یہ دونوں لغات سے مستعمل ہے مثلاً کہا جاتا ہے ارجیتہ (بالیاء) وارجأتہ (بالہمزہ) بمعنے اخرتہ یعنی میں نے اسے پیچھے ہٹایا۔ ہمزہ والے صیغہ کی طرف منسوب کرنا ہوگا تو مرجئی مرجعی کی طرح کہا جائے گا۔ مرجی یعنی جیم کے بعد یاء کو مشدد کر کے اور جماعت کے لیے کہیں گے " ھم المرجئۃ " بالہمزہ والمرجیۃ یعنی بتخفیف الیاء۔ (کذا فی القاموس)

ف : مرجئہ ایک گمراہ فرقہ کا نام ہے جو کبیرہ گناہ کے مرتکب کے لیے سزا و جزا کا کوئی حکم صادر نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں اس کا نتیجہ قیامت میں کھلے گا۔ انہیں اسی لیے مرجئہ کہتے ہیں کہ وہ مرتکب کبیرہ کے حکم کو قیامت تک موخر کرتے ہیں[1] (کذا فی المغرب)

یعنی دُوسرے وُہ ہیں جو جنگ سے پیچھے رہ گئے لِاَمْرِ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کے حکم میں ہے کہ اُن کے لیے جو چاہے جس طرح کا حکم نافذ فرمائے۔ اِمَّا یُعَذِّبُھُمْ یا انہیں عذاب میں مبتلا کرے کہ وُہ زندگی بھر اس حالت میں رہیں کہ نہ توبہ کریں نہ معذرت ظاہر کریں اور اُن کا یہ طریقہ منافقت سے بھی نہ ہو اس لیے کہ منافقین تو ہمیشہ غیر مخلص ہوتے ہیں۔ لیکن یہ دُوسرے تو غلطی کے مرتکب ہُوئے لیکن خلوص میں تو انہیں کسی قسم کی کمی نہیں تھی۔ وَاِمَّا یَتُوْبُ عَلَیْھِمْ یا اُن کی توبہ قبول فرمالے اگر خالص نیت سے توبہ کا اظہار کریں۔ یہ جملہ محلاً منصوب ہے اس لیے کہ ماقبل سے حال ہے یعنی ان میں بعض سزا یافتہ ہیں اور بعض کی توبہ قبول ہو جائے گی۔

سوال : لفظ اِمَّا شک کے لیے ہوتا ہے اور اللہ کو شک کیسا۔ وُہ تو منزہ و مقدس ذات ہے بلکہ وُہ تو ہر ایک حالاتِ ظاہرہ باطنہ کو جانتا ہے۔

جواب : یہ امّا تردیدیہ ہے اور یہ بندوں کے لیے ہے۔ آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اے مسلمانو! تم خوف و رجاء کے مابین رہو۔

فائدہ : امّا تردیدیہ - - - - - - - کا مدخول اسم ہو یا فعل ہر دو طرح جائز ہے۔ اگر امّا تخیریہ ہو تو اس کا مدخول لازماً فعل ہونا چاہیے۔ اس کی علامت یہ بھی ہے کہ اس کے ساتھ اَنْ مفتوحہ مخففہ ہوتا ہے۔ مثلاً وَاِمَّا

---

[1] غنیۃ الطالبین نامی کتاب منسوب بہ غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کا حوالہ دے کر غیر مقلدین بہکاتے ہیں کہ حضور غوثِ اعظم نے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اس گمراہ فرقے سے گنا ہے۔ یہ ان کا افترا ہے۔ تحقیق مطلوب ہو تو فقیر کے رسالہ " ہدیۃ السالکین فی غنیۃ الطالبین " کا مطالعہ کیجئے۔ ۱۲ (اویسی غفرلہٗ)

اَنْ تُلْفِیُ۔

وَ اللّٰہُ عَلِیْمٌ اور اللہ تعالیٰ اُن کے حالات جانتا ہے حَکِیْمٌ ○ اپنے جملہ امور میں ہزاروں حکمتیں رکھتا ہے۔ ایسے ہی جنگ پہ حاضر ہونے اور نہ ہونے والوں کے متعلق بھی اس کی بیشمار حکمتیں ہیں۔

شانِ نزول

یہ آیت ان تین صحابیوں کے بارے میں نازل ہوئی جو جنگ پہ نہ جاسکے۔ وہ تین حضرات یہ ہیں:

۱۔ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ

۲۔ مرارہ بن الربیع العمری رضی اللہ عنہ

۳۔ ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ

یہ حضرات غزوۂ بدر میں بھی شریک ہوئے تھے اور تھے مالدار۔ اس کے باوجود غزوۂ تبوک پہ حضور علیہ السلام کے ساتھ نہ جاسکے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، اس وقت میں اہلِ مدینہ سے مالی لحاظ سے خوشحال تھا۔ میرے پاس اُونٹ بھی بہت اچھے تھے۔ ہر روز ارادہ کرتا تھا کہ میرے پہنچنے میں کیا دیر لگے گی۔ جب لشکر روانہ ہوگا اسے راستہ میں پاؤں گا۔ لیکن اس کے باوجود کئی روز ایسے ہی گزر گئے اور میں جنگ پہ نہ جاسکا۔ اس پر مجھے اور میرے دُوسرے مذکورہ ساتھیوں کو سخت ندامت ہُوئی۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ سے فراغت کے بعد واپس تشریف لائے ان حضرات نے خود کو نہ تو حضرت ابُولبابہ اور دُوسرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرح ستونوں سے باندھا اور نہ ہی اتنا شدید اظہارِ غم اور جزع فزع کی۔ حضور علیہ السلام نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرما دیا کہ اُن کے ساتھ کوئی نہ بیٹھے اور نہ اُن کے ساتھ کوئی کھانا کھائے اور نہ ہی ان سے کسی قسم کا مشورہ کرے۔ یہاں تک کہ ان حضرات کی عورتوں کو فرمایا کہ وہ ان سے علیحدہ ہوکر اپنے میکے چلی جائیں۔ حضرت ہلال بن اُمیہ رضی اللہ عنہ نے اتنی اجازت لی کہ چونکہ وہ ضعیف العمر ہیں صرف انھیں کھانا پہنچانے کی اجازت ہو۔ حضور علیہ السلام نے صرف ان کے لیے اتنی اجازت بخشی۔ ادھر شام کے عیسائیوں کے بادشاہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ وہاں تمہاری ناقدری ہُوئی ہے تم ہمارے ہاں آجاؤ۔ حضرت کعب نے کہا، افسوس کہ ہم سے اتنا بھاری گناہ سرزد ہوا ہے کہ اب مشرکین ہمیں اپنے ساتھ ملانے کے لیے تیار ہوگئے ہیں۔ اس غم سے زمین میرے پاؤں سے نکل گئی۔ اسی طرح ہلال بن اُمیّہ بھی اس صدمہ سے زار و قطار روئے یہاں تک کہ ان کی آنکھیں ضایع ہوجانے کا اندیشہ پیدا ہوگیا۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہتے کہ اگر اُن کے متعلق معافی کا پیغام مِن جانب اللہ نازل نہیں ہوتا تو یہ مارے گئے۔ بعض فرماتے کہ اللہ کریم ہے انھیں ضرور بخش دے گا۔ اُن کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دو گروہ ہوگئے، کہتے: انھیں عذاب ملے گا یا معافی نصیب ہوگی۔ یہاں تک کہ پچاس دن گزرنے کے بعد اُن کی توبہ کی قبولیت کے لیے آیت نازل ہُوئی۔ (لقد تاب اللّٰہ علی النبی الی ان قال وعلی الثلٰثۃ الذین خلفوا الآیۃ) اُن کی معافی کو پچاس دن تک موخر کرکے ایسے احسن وجوہ سے ظاہر فرمایا

معافی نامہ میں حضور علیہ السلام اور مہاجرین و انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی ساتھ شامل فرمایا۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ اخلاص اور تفویض الامور الی اللہ نزول رحمتِ ربانی کا بہترین ذریعہ ہیں۔

مسئلہ : نیز اس سے یہ بھی واضح ہُوا کہ رونا، گڑگڑانا توبہ کی قبولیت کا نشان ہے۔ لیکن اس میں خلوص بھی ضروری ہے۔

سبق : بندے پر لازم ہے کہ وُہ اپنے گناہوں سے استغفار کرے اور اس غلطی پر خوب آنسو بہائے۔

حکایت حضرت فتح موصلی قدس سرہٗ کے ایک مرید کا بیان ہے کہ ایک دن میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انھیں دیکھا کہ وہ خون کے آنسو بہا رہے ہیں۔ میں نے انھیں قسم دے کر ماجرا پُوچھا، انہوں نے فرمایا کہ اگر تم قسم دے کر نہ پُوچھتے تو میں اس کا کبھی انکشاف نہ کرتا۔ فرمایا گریہ کیا اپنے مولیٰ سے خلاف عہدی پر، جو الست کے موقعہ پر عہد کر کے اس کے خلاف زندگی بسر کر رہا ہوں اور خون کے آنسو اس لیے بہائے کہ نامعلوم اس کریم نے میری توبہ قبول کی یا نہ۔ آپ کا وہی مرید فرماتا ہے کہ میں نے حضرت فتح موصلی قدس سرہٗ کو ان کے وصال کے بعد خواب میں دیکھا تو میں نے ان سے پُوچھا کہ آپ کے ساتھ آپ کے رب کریم نے کیا کیا۔ فرمایا کہ اس کریم نے مجھے نہ صرف بخش دیا بلکہ اپنے قربِ خاص سے نوازا، اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اے فتح موصلی! تم روئے کیوں؟ اور خون کے آنسو کیوں بہائے؟ میں نے عرض کی: یارب! میں تو اس لیے رویا تھا کہ مجھ سے تیرے حقوق کی ادائیگی نہ ہو سکی اور خون کے آنسو بہائے اس خطرہ سے کہ نامعلوم تُو نے میری توبہ قبول کی یا نہ۔ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے فرمایا: اے موصلی! تم کیا کہہ رہے ہو۔ میں نے تمہارے اعمال نامے کو چالیس سال تک نگران فرشتوں کے سامنے رکھا کہ کوئی غلطی ظاہر ہو۔ لیکن اعمال نامے میں ایک بھی گناہ نہ ملا۔

سبق : جب اکابر اولیاء کرام کا یہ حال ہے باوجودیکہ اُن سے گناہوں کا صدور بھی نہیں ہوتا لیکن خوفِ خدا سے خون کے آنسو بہاتے ہیں۔ افسوس کہ ہم سرتاپا گناہوں میں غرق ہیں لیکن کسی وقت بھی خوفِ خدا کا خیال تک نہیں آتا۔

حکایت حضرت فضیل رضی اللہ عنہ حج پہ گئے۔ ان کا یومِ حج سالم خاموشی میں گزرا۔ جب سُورج غروب ہوا تو دھاڑیں مار کر رونے لگے کہ ہائے گناہوں کا بوجھ ہلکا نہ ہو سکا۔ اے الٰہ العٰلمین! تیری رحمت کے سوا مجھے اور کوئی سہارا نہیں۔ اگرچہ تُو نے عفو و مغفرت کا پیغام بھی بھیجا ہے۔

نکتہ : صاحب رُوح البیان نے فرمایا کہ ان حضرات اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالےٰ کو عفو و مغفرت کے یقین کے باوجود رونا اس لیے آتا ہے کہ دنیوی گناہوں کے اثرات کا ازالہ بہت دیر سے ہوتا ہے۔ مثلاً جن جہنمیوں کو جہنم سے نکال کر بہشت میں لایا جائے گا وُہ بہشت میں پہنچ کر اس وقت تک جہنمی ہی کہے جائیں گے جب تک کہ ان کی پیشانیوں سے [illegible] گناہوں کے اثرات مٹائے نہیں جائیں گے۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا: ؎

ہرچند کہ ہجراں ثمر برآرد
دہقان ازل کاشکے ایں تخم نکشتی

شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا: ؎

بسا نام نیکوئے پنجاہ سال
کہ یک نام زشتش کند پائمال

تفسیر صُوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ حکمتِ الٰہیہ کا تقاضا ہُوا کہ بعض نفوس کو گناہوں میں مبتلا کر کے اُنہیں خوف و رجا کے درمیان متردد کرے یہاں تک کہ وہ مقامِ قبض و بسط میں پہنچ کر اُنس کے خیمہ تک جانے کے لائق بن جائیں اور اُنہیں مقامِ ہیبت نصیب ہو۔ اُن کی اِس خوف و رجا سے تربیت ہوتی ہے انہیں خوف و رجا کے دو دو پر نصیب ہوتے ہیں جس کی وجہ سے وُہ خیمہ اُنس تک پہنچتے ہیں۔ اُنس و ہیبت تک پہنچنے پر یہاں سے انہیں دُوسرے پر ملتے ہیں جس سے وہ سیر و تجلی کی قاب قوسین اور وحدت ادنیٰ سے شرف پاتے ہیں۔ "وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ" اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے کہ بندوں کی تربیت کس طرح ہوتی ہے "حَکِیْمٌ" وہی ان حکمتوں کا مالک ہے کہ قرب قبول کی صلاحیت کس میں ہے اور بُعد و رد کسے نصیب ہوتا ہے۔ (کذا فی التاویلات)

تفسیر عالمانہ

وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا اور جن لوگوں نے مسجد تیار کی۔ اس سے وہ منافق مراد ہیں جو غزوۂ تبوک سے غیر حاضر رہ کر مسجد قبا شریف کے مقابلہ میں ایک اور مسجد تیار کر لی۔ قبا بضم القاف مذکر و مونث دونوں طرح جائز ہے۔ یہ ایک گاؤں (کا نام) ہے جو مدینہ طیبہ سے ڈیڑھ میل دُور ہے۔ (کذا فی التبیان)

حضور علیہ السلام کی ہجرت اور مسجدِ قبا کا سنگِ بُنیاد

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں جانے سے پہلے بستی قبا میں تشریف لائے تو بنی عمرو بن عوف کے ہاں قیام پذیر ہُوئے۔ بنی عمرو بن عوف کے امیر کے متعلق اختلاف ہے کہ کیا وُہ حضور علیہ السلام کی اُس بستی میں تشریف لانے کے بعد مسلمان ہُوئے یا قبل ازیں مسلمان ہو چکے تھے، جو کچھ بھی ہو وہ بہرحال مسلمان تھے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲۔ ربیع الاوّل بروز پیر بستی قبا میں تشریف لائے۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کوئی مسجد تیار کی جائے، جہاں چاہیں نماز پڑھیں، اور اگر چاہیں تو آرام بھی فرمائیں۔ بایں ارادہ چند پتھر اُٹھا لائے اور مسجد تیار کر لی۔ اسلام میں یہ سب سے پہلی مسجد ہے جسے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے اہلِ اسلام کے لیے تیار فرمائی۔ یہی مسجد قبا شریف وہ پہلی مسجد ہے جس میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت اطمینان سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ

باجماعت نماز ادا فرمائی۔

مسجدِ قبا کی فضیلت

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن مدینہ طیبہ میں پہنچے۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ نے مسجد قبا میں صرف چار دن قیام فرمایا۔ یعنی پیر، منگل، بدھ اور جمعرات۔

بعض روایات میں ہے کہ آپ دس سے اوپر چند راتیں ٹھہرے۔ بخاری شریف میں یہی ثابت ہے اور مسلم شریف میں چودہ راتیں مروی ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ طیبہ سے مسجد قبا میں نماز پڑھنے کے لیے ہر ہفتہ کے دن تشریف لایا کرتے، کبھی پیدل کبھی سوار ہو کر۔ پھر نماز پڑھ کر مدینہ طیبہ لوٹتے۔

حدیث شریف: جو مکمل وضو کر کے مسجد قبا میں ایک دوگانہ پڑھے گا اسے حج و عمرہ کا ثواب نصیب ہوگا (کذا فی السیرۃ الحلبیہ)

مسجدِ قبا کا سنگِ بنیاد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا، جسے حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کی معاونت سے تیار کیا۔ یہی اکثر علماء و محدثین کا مذہب ہے۔

تعمیرِ مسجد کے فضائل

حدیث شریف میں ہے کہ جو مسجد تعمیر کرے لیکن اس میں نہ ریا کا دخل، نہ شہرت مقصود ہو تو اللہ تعالےٰ اس کے لیے بہشت میں محل تعمیر فرمائے گا۔

ف: امام قرطبی نے فرمایا کہ اس سے حدیث شریف کا مفہوم اپنے حقیقی معنیٰ پر نہیں بلکہ اس میں مجاز ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کو ثواب بخشے گا جس کی برکت سے اسے بہشت میں بہترین اور عظیم الشان اور ارفع و اعلےٰ مقامات نصیب ہوں گے۔ اس لیے کہ اعمال کا ثواب کئی گنا زاید نصیب ہوتا ہے کیونکہ ایک نیکی کا عوض دس کا وعدہ تو قرآن مجید میں ہے اور حدیث شریف میں بھی ہے کہ جو ایک کھجور راہِ حق میں کسی مسکین کو دیتا ہے تو قیامت میں اس کا ثواب اسے پہاڑ کے برابر ملے گا۔

مسئلہ: ثواب کا اضافہ اخلاص پر مبنی ہے اگر کسی کی نیکی اخلاص سے خالی ہو تو اسے خس برابر بھی ثواب نصیب نہیں ہوگا۔ اسی طرح نہ وہ مسجد کسی کام کی جس میں اپنی دنیوی غرض یا ریاکاری یا شہرت مطلوب ہو اگرچہ ہم اس پر ظاہری شرعی طور فتویٰ مسجدیت کا دیں گے اور اس کی تعظیم و تکریم اور عزت و احترام اور اس پر جملہ احکام مسجد کے جاری ہوں گے۔ اسی طرح رباط ہو یا سرائے، پل ہو یا سقایہ وغیرہ وغیرہ سب کے لیے قبولیتِ بارگاہِ حق کی یہی شرط ہے کہ صرف اللہ تعالےٰ کی رضا کی خاطر تیار کیے جائیں۔ (کذا قال فی شرح الامام)

مسئلہ: اس حکم میں وہ مسجد بھی شامل ہے جسے گرا کر از سرِ نو دوبارہ تیار کیا جائے۔ (کذا قال النوی)

مسئلہ: مسجد میں جتنے لوگ شریک ہو کر کام کریں گے سب کو مکمل مسجد بنانے کا ثواب ملے گا۔ جیسے ایک جماعت نے غلام خرید کر آزاد کیا تو ان سب کو جہنم سے آزادی یکساں طور نصیب ہوگی۔ ایسے نہیں کہ تھوڑا حصہ ملانے والے

تھوڑی اور زیادہ حصہ ملانے والے کو زیادہ آزادی حاصل ہو۔ کما قال تعالٰی "وما ادرٰك ما العقبۃ فك رقبۃ" فك رقبۃ کی تفسیر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام آزاد کرنے سے کی ہے۔

ف: مسجد کی بناء کو غلام آزاد کرنے پر اس لیے قیاس کیا گیا ہے کہ دونوں میں ترغیب دی گئی ہے۔

مسئلہ: کافر بھی مسجد میں حصہ لے سکتا ہے۔ بعض کہتے ہیں ان کا حصہ ملانے یا مستقل مسجد بنوانے میں کوئی حرج نہیں اس لیے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"ان اللہ یؤید دینہ بالرجل الفاجر"

بیشک اللہ تعالٰی اپنے دین کی مدد فاجر سے بھی کراتا ہے۔ (کذا فی البغوی)

مسئلہ: امام واحدی نے مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسَاجِدَ اللّٰهِ کی تفسیر میں لکھا کہ آیت ہذا سے ثابت ہوتا ہے کہ کافروں کو اہلِ اسلام کی مساجد کی تیاری یا حصہ ملانے سے روکا گیا ہے اگر کافر نے مرنے وقت وصیت کی ہو کہ اس کے مال سے مسجد کی تعمیر کی جائے تو اس کی وصیت کا اجراء نہیں ہوگا۔

مسئلہ: حضرت مفتی سعدی چلپی مرحوم نے فرمایا: احناف کا اجماع ہے کہ کافر کی ایسی وصیت ہرگز جاری نہیں ہوگی۔

مسئلہ: کافر مسجد بنانے سے مسلمان متصور نہیں ہوگا، اگرچہ کتنی ہی عظیم الشان مسجد بنائے جب تک کلمۂ شہادت کا اقرار و تصدیق نہ کرے۔

مسئلہ: اگر کوئی مسلمان گرجا اسی طرح بد مذاہب کفار کی عبادت گاہوں میں آمد و رفت رکھے اور ان کی تعظیم و تکریم کا عقیدہ رکھے تو وہ کافر ہے۔

نکتہ: کفر کے فتوٰی کا دار و مدار نیت پر اور اسلام کا انحصار اظہار کلمۂ شہادتین پر ہے۔ (کذا فی فتح القدیر)

ف: صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس سے ثابت ہوا کہ روم کے بعض مقامات کے باشی قبطی اگرچہ کلمۂ اسلام ظاہر کرتے ہیں بلکہ نماز اور روزہ کے بھی پابند ہیں اور نہایت خلوص سے عبادتِ الٰہی بجالاتے ہیں۔ انگریزوں نصرانیوں کے ساتھ ان کی عبادت گاہوں گرجوں میں بھی اُن کی عبادات کے لیے چلے جاتے ہیں۔ نصارٰی کی موافقت میں وُہ جملہ امور بجالاتے ہیں جو وہ کرتے ہیں وُہ مرتد ہیں وُہ مر جائیں تو اُن کے جنازوں کی نمازوں میں شریک نہ ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ وہ نصارٰی کی عبادات پر موافقت کر کے اُن کے گرجوں کی تعظیم کا عقیدہ رکھتے ہیں اس لیے ہم ان کے کفر و ارتداد میں کسی قسم کا شک نہیں رکھتے اور نہ ہی ان کے کلمۂ شہادتین کا اعتبار ہے اس لیے کہ وُہ تو عادت کے طور پڑھتے ہیں۔ یہ کلمہ اور دیگر اسلامی عبادات بجالانا اس کے کفر و ارتداد کو نہیں اُٹھاتا۔ ہمارے بعض معاصرین ان کے کفر میں توقف کرتے ہیں (العیاذ باللہ) یہ اُن کی جہالت کا ثبوت ہے[1]

---

[1] یہی تقریر یہ مرزائیوں، شیعوں، وہابیوں، دیوبندیوں، نیچریوں، پرویزیوں اور دیگر بد مذاہب منطبق کر کے ان جدید مجتہدوں اور صُلح کلیوں کا ماتم کیجئے جو اُن کے کفر و ارتداد میں توقف کرتے ہیں۔ تفصیل فقیر کے رسالہ "دیوبندی بریلوی اختلاف" میں دیکھئے ۱۲ (اویسی)

مسجد ضرار کی بنیاد کی اصلی وجہ

جب بنو عمرو بن عوف کی مسجد قبا شریف کی تعظیم و تکریم ہونے لگی تو ان کی دُوسری برادری بنو غنم بن عوف کو حسد پیدا ہُوا اور وہ اس کے عزت و احترام گھٹانے پر تُل گئی اور اس نے عوام میں پھیلا دیا کہ ہم عمرو کی عورت کے گدھا باندھنے کی جگہ پر نماز نہیں پڑھتے۔ اگرچہ ایک حد تک اُن کی بات سچی تھی کہ واقعی وہاں پر ایک گدھا باندھا جاتا تھا۔ بعض کہتے ہیں اس جگہ پر کلثوم ابن ادہم رضی اللہ عنہا کھجوریں خشک کرتے تھے۔ گویا وہ ایک عام جگہ تھی۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کسی جگہ کو عزت بخشتے تو کسی کے روکنے سے اُس کی شان میں کمی نہیں آتی۔

بنو غنم مذکورہ بالا عذر لنگ کر کے مسلمانوں میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے کی نیت سے اپنی ایک علیحدہ مسجد بنائی۔ اس کی امامت ابُو عامر راہب کے سپرد کر دی۔ جب وہ ملک شام سے مدینہ طیبہ آتا تو اس مسجد میں قیام کرتا اور امامت کے فرائض انجام دیتا۔

ازالۂ وہم

بعض[1] لوگوں کو غلط فہمی ہے کہ اس مسجد کی تیاری کی اجازت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بخشی۔ حدادی مرحوم نے فرمایا یہ خیال سراسر غلط اور مبنی بر جہالت ہے۔ اوّلاً اس لیے کہ مذکورہ بالا قصّہ اور واقعہ اس کے بالکل خلاف ہے، اس لیے کہ بنانے والے منافق تھے اور مسلمانوں کے حاسد۔

(ثانیاً)، اس لیے کہ منافقین کو حضور علیہ السلام کس طرح اجازت بخشتے جبکہ اللہ تعالیٰ سے اس کی اجازت بھی نہیں تھی۔ آپ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کیسے اجازت دے سکتے تھے۔

ابُو عامر راہب کا تعارف

ابو عامر خزرج قبیلہ کے اشراف لوگوں سے تھا۔ جاہلیت کے دَور میں اس نے نصرانیت اختیار کر کے ان کا راہب بن گیا۔ اور موٹے کپڑے پہن کر زاہدانہ زندگی بسر کرتا۔ تورات اور انجیل کا بہت بڑا ماہر تھا۔ کاشفی نے لکھا کہ اس کی عادت تھی کہ وُہ ہمیشہ اہلِ مدینہ کو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقبات و کمالات اور فضائل سناتا رہتا تھا۔ لیکن اس کی بدقسمتی کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اہلِ مدینہ آپ کے کمال کے شیفتہ اور عاشق ہو گئے۔ اس سے ابو عامر راہب کی مشیخی میں کمی واقع ہو گئی یہاں تک کہ اکثر لوگ حضور سرورِ دنیا و دین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے اور وُہ مکھیاں مارتا رہتا تھا۔ ؎

باوجود لب جاں بخش تو اے آبحیات
حیفم آید سخن از چشمۂ حیواں گفتن

اس طرح سے ابُو عامر راہب پر حسد کا حملہ ہُوا تو آقائے کونین ماوائے ثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں گھر گیا، اور کہتا تھا کہ میرا ساتھی کوئی نہیں ورنہ (معاذ اللہ) میں آپ کو مٹا کر چھوڑتا۔ اس کے بعد اس نے حضور علیہ السلام

---

[1] جیسے بعض جاہل واعظ دیوبندیوں وہابیوں کو۔ ۱۲ (اویسی غفرلہ)

کے خلاف محاذ آرائی رکھی یہاں تک کہ " ہوازن " کی جنگ میں حضور علیہ السلام سے شکست کھا کر ملکِ شام کو بھاگ گیا۔ کاشفی نے لکھا کہ ملک شام میں پہنچ کر اس نے ہرقلِ روم کے بادشاہ سے ساز بازکی اور اُسے اُبھارا کہ ایسا لشکر تیار کیا جائے جو مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دے۔ اِدھر قبأ کے منافقین مثلاً ثعلبہ بن حاطب کو خط لکھا کہ قبا میں پہلی مسجد کے مقابلہ میں ایک اور مسجد تیار کیجئے جس میں وہاں حاضر ہو کر عوام کو افاضہ و افادۂ علوم سے بہرہ ور کردں۔ اس کے لکھنے پر منافقین نے مسجد ضرار کی تیاری کی اور حضور علیہ السلام سے ازراہِ منافقت عرض کی کہ آپ ہماری مسجد میں قدم رنجہ فرمائیں۔ آپ چُونکہ اس وقت غزوۂ تبوک کی تیاری میں مصروف تھے۔ فرمایا اِن شاء اللہ تعالےٰ واپسی پر تمہاری مسجد میں آئیں گے۔ آپ سے مسجد کی تیاری کا عذر پیش کیا چُونکہ مسجد قبا ہم سے کچھ فاصلہ پر ہے اور ہمارے ضعیف اور کمزور نمازی وہاں نہیں پہنچ سکتے اس لیے بوجہ مجبوری ہم نے مسجد تیار کی ہے۔ حضور علیہ السلام نے غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد ان کی مسجد میں تشریف لیجانے کا وعدہ فرمایا۔ چنانچہ جب حضور علیہ السلام غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لاتے تو وہی پرانی عرضداشت پیش کی کہ حضور! آپ ہماری مسجد میں تشریف لے چلیں۔ اس سے ان کی غرض و غایت یہ تھی کہ آپ تشریف لائیں گے تو ہم اپنے منصوبے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ عوام ہمارے ساتھ ہوں گے انہیں بہکانے کا ہمیں موقع مل جائے گا۔ مثنوی شریف میں ہے؛ ؎

مسجد اصحاب مسجد را نواز   تامہی تا شب دمے با ما بساز
تا شود شب از جمالت ہمچو روز   ای جمالت آفتابِ جاں فروز
اے دریغا کاں سخن از دل بدے   تا مراد آں و تو حاصل شدے

منافقین کی علامت

مسجد ضرار میں ان کا کام یہ تھا کہ بروقت حضور علیہ السلام کی تنقیص اور عیب شماری میں گزارتے اور حضور علیہ السلام کی باتوں کو گِن گِن کر استہزاء کرتے تھے۔ آپ نے سفر کی واپسی کے بعد ان کے دوبارہ آنے نے کا ارادہ فرمایا یہاں تک کہ آپ نے اپنا قمیص مبارک منگوایا تاکہ مسجد ضرار میں تشریف لے چلیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا وَّضِرَارًا مفعول لہ ہے یعنی اہلِ ایمان کی ضرر رسانی اور اُن سے جنگ لڑنے کے لیے وَّكُفْرًا کفر کی تقویت کے لیے جسے انہوں نے دل میں چھپا رکھا تھا۔ وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اور اہلِ ایمان کے درمیان جھگڑا برپا کرنے کے لیے۔ اس سے اہلِ قبا کے مومن نمازی مراد ہیں۔ منافقین نے پروگرام بنایا کہ دُوسری مسجد تیار کرو لوگ مسجدِ قبا کو چھوڑ کر تمہارے ہاں آجائیں گے۔ اس طرح سے ان میں پھوٹ پڑ جائے گی وَاِرْصَادًا اور تیاری کے لیے اور اس کے انتظار میں لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ یہ مسجد جو تیار کی گئی کہ وہ آکر اس میں امامت سنبھالے گا، پھر رفتہ رفتہ جماعت تیار کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شکست دے گا، جیسا کہ وہ اس سے قبل جنگوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں

پیش پیش رہا مِنْ قَبْلُ ط حَارَبَ اللہ یا اتّخذوا سے متعلق ہے۔ یعنی یہ مسجد انہوں نے غزوۂ تبوک کی غیر حاضری سے اپنی منافقت کے اظہار سے پہلے تیار کر لی تھی وَ لَیَحْلِفُنَّ یہ قسم مقدر کا جواب ہے۔ چنانچہ کاشفی نے لکھا کہ جب ان سے کوئی پُوچھتا کہ یہ مسجد تم کیوں بنا رہے ہو تو قسمیں کھاتے ہوئے کہتے اِنْ اَرَدْنَآ یہ اِنْ نافیہ ہے۔ یعنی ہمارا اس مسجد کے بنانے کا ارادہ نہیں اِلَّا الْحُسْنٰی مگر نماز اور ذکرِ الٰہی اور نمازیوں کی سہولت وَاللّٰہُ یَشْھَدُ اِنَّھُمْ لَکٰذِبُوْنَ ○ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وُہ اپنی قسم کھانے میں جھُوٹے ہیں۔

مسجد ضرار کا انہدام

جب یہ آیت نازل ہُوئی تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت وحشی (قاتلِ حمزہ) رضی اللہ عنہ کو بُلا کر فرمایا کہ ایک جماعت لیجا کر اس مسجد کو گرا دو۔ چنانچہ حضرتِ وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک جماعت لے کر کھجوروں کی سوکھی چھڑیاں اٹھا کر بعد مغرب پہنچے اور جا کر مسجد ضرار کو آگ لگا دی۔ پھر دیواریں منہدم کر کے میدان بنا دیا۔ یہ مغرب وعشا کے درمیان کا واقعہ ہے۔ پھر دن کو آپ نے حکم جاری فرمایا کہ منافقین کی مسجد ضرار کی جگہ پہ گندگی وغلاظت اور مردار جانور وغیرہ ڈالا کریں۔ چند دنوں کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جگہ ثابت بن ارقم کو مکان بنانے کے لیے عنایت فرمائی۔ لیکن یہ ایسی منحوس ثابت ہوئی کہ جب تک وہ اس میں ٹھہرے رہے کوئی اولاد پیدا نہ ہُوئی۔ زید بن ارقم نے وہاں ایک گڑھا کھودا تو اُس سے آگ نکلی۔

ابُوعامر راہب کی موت

ابو عامر راہب شام میں مسافر اور تن تنہا مرا۔ مروی ہے کہ جب حضور علیہ السلام مدینہ طیبہ میں ہجرت کر کے تشریف لائے تو یہی ابُو عامر آپ کو ملنے آیا۔ آپ سے پُوچھا آپ کون سا دین لائے؟ آپ نے فرمایا: دینِ حنیف یعنی دینِ ابراہیم علیہ السلام لایا ہُوں۔ ابو عامر راہب نے کہا میں بھی اسی پر ہوں۔ آپ نے فرمایا: تُو دینِ حنیف پر نہیں۔ اُس نے کہا: میں تو یقیناً دینِ ابراہیم پر ہُوں۔ لیکن آپ نے اس میں اپنی طرف سے غلط باتیں داخل کر لی ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: میں نے تو اس میں کسی قسم کی غلط بات نہیں بڑھائی۔ بلکہ دینِ حق لایا ہوں۔ ابو عامر نے کہا: ہم میں جو جھُوٹا ہو وہ مسافرت اور تنہائی میں لاوارث ہو کر مرے۔ آپ نے فرمایا: آمین۔

بعدہٗ آپ نے اس کا نام ابو عامر فاسق رکھا۔ چنانچہ وہ قنسرین علاقہ شام میں کافر ہو کر مرا۔

ف: قنسرین بکسر القاف وتشدید النون المفتوحہ اوالمکسورہ ملک شام میں ایک شہر کا نام ہے۔

اعجوبہ: ابُو عامر کی اس بہت بڑی خباثت کے باوجود اس کا لڑکا حضرت ابُو حنظلہ صالح نیک بخت صحابی تھا جو غزوۂ اُحد میں شہید ہُوئے اور انہیں ملائکہ کرام نے غسل دیا۔ اسی لیے وہ لقب "غسیل الملائکہ" سے مشہور ہوئے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

ہنر بنمائی اگر داری نہ گوہر　　گل از خارست و ابراہیم ز آزر

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ خواہشات کے پجاریوں نے نفس کے اندر مسجد تیار کی تاکہ اہلِ حقیقت کو ضرر پہنچائیں اور اُن کے احوال کا انکار کرسکیں جیسا کہ ان اہلِ حقیقت نے قلب میں ایسی مسجد تیار کی جس میں وُہ ذکرِ الٰہی کا وِرد کرتے ہیں۔ یہی غلط پیروں[1] اور درویشوں کا طریقہ ہے کہ اپنے جھُوٹے دعووں سے اہلِ حقیقت کا طور طریقہ اختیار کرکے اُلٹا اہلِ حقیقت کا رد کریں اور اہلِ ایمان کے درمیان تفرقہ ڈالیں۔ یعنی اہلِ حقیقت سے بدظن کرتے ہیں۔ جیسا کہ اُن کا عام طریقہ ہے کہ پیروں فقیروں کا بھیس بدل کر اہلِ ایمان کو سمجھائیں کہ وہ اہلِ حقیقت اگر صحیح درویش اور اللہ والے ہوتے تو ان میں فلاں فلاں نقائص اور عیوب کیوں ہوتے۔ ایسے مدعی (جیسے دیوبندی پیر) اللہ والوں کے ایسے معاملات بتاتے ہیں جن پر بظاہر انگشت نمائی کا موقعہ ملتا ہے۔ اس سے ان کا مقصد صرف یہی ہوتا ہے کہ اربابِ حقیقت سے عوام بدظن ہوکر اُن سے دُور ہوجائیں اور ایسے لوگوں کے لیے عوام کو تیار کریں[2] جو بظاہر اچھے طور طریقے رکھتے ہیں اور درحقیقت وُہ صرف مدعی محض اور جھُوٹے مکار ہیں۔ اور وُہی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے لیے محاذ بنائے بیٹھے ہوتے ہیں۔ لوگوں کو سبز باغ دکھا کر دین اور شریعت کے دشمنوں کا معتقد بناتے ہیں اور اس بارہ میں لمبی چوڑی جھُوٹی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ اس سے ہمارا ارادہ محض نیکی ہے اور نیکی کی تمہیں تبلیغ اور دعوت دیتے ہیں۔ وَاللّٰہُ یَشۡہَدُ اِنَّہُمۡ لَکٰذِبُوۡنَ ○ اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ اپنے دعووں اور قسموں میں جھُوٹے ہیں۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ لَا تَقُمۡ اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے نہ کھڑے ہو فِیۡہِ منافقین کی مسجد میں اَبَدًا ہمیشہ کے لیے۔

ف: سعدی مفتی مرحوم نے فرمایا کہ لَا تَقُمۡ بمعنے لا تصل ہے۔ قیام سے صلوٰۃ مراد ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے:

"فلان یقوم اللیل"۔

یعنی فلاں رات کو نماز پڑھتا ہے۔

جیسے صحیح حدیث شریف میں ہے:

"من قام رمضان ایمانا واحتسابا غفر لہ ما تقدم من ذنبہ"۔

جو رمضان میں نماز (تراویح) پڑھتا ہے ایمان کی حالت میں، ثواب کی خاطر، تو اس کے گزشتہ گناہ بخش دیئے جائینگے۔

لَمَسۡجِدٌ البتہ مسجد قبا (اس میں لام ابتدائیہ ہے یا قسمیہ) اُسِّسَ کی بنیاد رکھی گئی۔ تاسیس سے مشتق ہے بمعنے احکام یعنی محکم کرنا۔ مثلاً کہا جاتا ہے: "اس البناء" یعنی اس کی مضبوط بنیاد رکھی۔ اسے اس معنے سے اس لیے

---

[1] جیسے دیوبندی وہابیوں نے کر رکھا ہے۔ [2] جیسے تبلیغی جماعت والوں کا طریقہ ہے کہ عوام کو سبز باغ دکھا کر حقیقی اللہ والوں سے بدظن کرکے اپنے بڑوں بڑوں کے پاس مراکز میں لے جاتے ہیں۔

تعبیر کیا گیا ہے کہ اس مسجد کی بنیاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی اور اس میں قیام کے دوران نمازیں پڑھیں۔ عَلَی التَّقْوٰی پرہیزگاری پر۔

ف : تبیان میں ہے تقوٰی پر بنیاد رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی حدود کی تعیین اور اس کی بنیاد کی تکمیل اللہ تعالےٰ کی اطاعت کے لیے ہوئی۔ حدادی نے فرمایا کہ تقوٰی پر بنیاد رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر تیار کیا گیا۔

ف : عَلٰی بمعنے مع ہے جیسے آیت واتی المال علیٰ حبہ میں عَلٰی بمعنے مع ہے۔ (کذا فی حواشی سعدی المفتی مرحوم)

مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اس کے ابتدائی تعمیر و تاسیس کے دن سے۔ اس کا تعلق اسّس سے ہے۔

قاعدہ : لفظ مِن کا قاعدہ ہے کہ جب ظروف کی ابتداء میں آئے تو اکثر ظروف مکان ہوتی ہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے: "جئت من البصرۃ" یہ بصریوں کا مذہب ہے، کوفیوں کے نزدیک وہ اکثر ظروفِ زمان ہوتے ہیں جیسے آیت ہذا میں ہے یہاں پر من بمعنے 'منذ' ہے۔ یعنی جب سے اس کی بنیاد رکھی گئی اس لیے کہ لفظ "منذ" ابتداء الغایہ فی الزمان کے لیے مستعمل ہے مثلاً کہا جاتا ہے: مارایتہ منذ شہر۔

رضی صاحب نے فرمایا: یہاں پر مِن بمعنے فی ہے اور ظروف میں اکثر واقع ہوتا ہے۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا: یہاں پر مسجد سے مسجد نبوی (جو مدینہ طیبہ میں واقع ہے) مراد ہے۔ لیکن پہلا معنیٰ مشہور اور قصہ کے موافق ہے، کیونکہ جس مقصد کا واقعہ یہاں ہُوا وہ بستی قبا میں تھی اور مسجد ضرار کا مقابلہ بھی اسی کے لیے موزونیت رکھتا ہے نہ کہ مسجد مدینہ سے۔

ف : حدادی نے فرمایا: مذکورہ بالا دونوں قولوں میں مطابقت یوں ہوسکتی ہے کہ آیت میں دونوں مسجدیں (مسجد قبا اور مسجد نبوی) مراد ہیں۔

اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْہِ زیادہ لائق ہے کہ آپ اس میں نماز پڑھیں۔

سوال : افعل التفضیل سے ثابت ہوتا ہے کہ مسجد قبا کے ساتھ اس دوسری مسجد میں بھی نماز پڑھنا جائز ہو باوجودیکہ اس میں چار خرابیاں بیان کی گئی ہیں۔ اُن کے وجود سے دُوسری مسجد میں نماز ہرگز ناجائز ہو۔

جواب : اگر مان لیا جائے کہ افعل کے صیغہ سے دُوسری مسجد کا جواز نکلتا ہے لیکن چونکہ مسجد قبا کے جملہ اوصاف احق کے ہوتے ہُوئے دوسری مسجد کے مفاسد مدِ نظر رکھنے پر جواز نماز خود بخود رفع ہو جاتا ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ یہاں احق اپنے افعل (اصل) معنے پر نہیں بلکہ یہاں پر احق بمعنے حقیق ہے۔ (کذا قال مولانا ابو السعود المفسر مرحوم) یعنی مسجد ضرار کسی طرح حق نہیں رکھتی کہ آپ اس میں نماز پڑھیں بلکہ صرف مسجد قبا اس لائق ہے کہ آپ اس میں نماز پڑھیں۔

سوال: اگر احق اپنے معنے پر نہیں تو اسے لانے کا کیا فائدہ؟

جواب ا: "تاکہ مسجد قبا کی فضیلت کی طرف اشارہ اور اس کے کمال پر دلالت ہو۔

جواب ۲: احق اپنے اصلی افعل معنٰی پر ہے۔ لیکن یہاں پر افضلیت سے وہ استحقاق مراد ہے جو بانیِ مسجد کی غرض و ارادہ پر دلالت کرے اور جس کے عقاید حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں صحیح ہوں۔ یہی تیسری توجیہ انسب ہے اس کی مزید تشریح آئے گی۔ (اِن شاء اللہ)

فِیْهِ وہ مسجد کہ جس کی بنیاد تقوٰی پر ہے رِجَالٌ بہت سے مرد یعنی انصار یہ جملہ مستانفہ ہے۔ اس میں نماز پڑھنے کی از روئے حال احقیت کی علت ہے جبکہ پہلے اس کی احقیت از روئے محل بیان کی گئی ہے۔ یُحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا اُنھیں محبت ہے کہ وہ ہر قسم کی نجاستوں اور غلاظتوں سے پاک رہیں۔ وہ نجاستیں بدنی ہوں یا عملی، یعنی وہ جس طرح بدنی نجاستوں سے پاک رہتے ہیں ایسے ہی عملی یعنی گناہوں اور گندی خصلتوں سے پاک رہنا چاہتے ہیں وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ ○ اور اللہ تعالٰی پاک رہنے والوں سے خوش ہوتا ہے اور انھیں اپنا قُرب عطا فرماتا ہے جیسے ایک محب اپنے حبیب کو قریب کرتا ہے۔

حدیث شریف اور فضیلتِ ساکنانِ قبا

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے نزول کے بعد مسجد قبا میں تشریف لے گئے اور آپ کے ساتھ چند صحابہ بھی تھے۔ جب آپ مسجد قبا کے دروازے پر پہنچے تو مسجد میں بیٹھنے والوں سے فرمایا: تم اہلِ ایمان ہو؟ وہ خاموش رہے۔ آپ نے یہی کلام دُہرایا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی: وہ یقیناً مومن ہیں اور میں بھی انھی سے ہوں۔ آپ چل کر مسجد کے اندر اُن کے ساتھ بیٹھ گئے اور فرمایا: کیا تم مصائب پر صبر کرتے رہتے ہو؟ عرض کی: ہاں۔ آپ نے فرمایا: کیا تم تقدیر پر راضی رہتے ہو؟ عرض کی: ہاں۔ آپ نے فرمایا: رب کعبہ کی قسم تم یقیناً مومن ہو۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: اے نصارٰی (قبا والے)! اللہ تعالٰی نے تمہاری تعریف فرمائی ہے۔ بتاؤ تم وضو اور قضاءِ حاجت کے وقت طہارت کیسے کرتے ہو؟ عرض کی: ہم قضاءِ حاجت کے بعد مٹی کے تین ڈھیلے استعمال کرتے ہیں۔ اس کے بعد ہم پانی سے استنجاء کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: بس اسی وجہ سے تمہاری تعریف نازل ہوئی ہے۔ اس کے بعد آپ نے پڑھا: فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا، الخ

سب سے پہلے استنجا کرنے والا

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے استنجاء حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شروع فرمایا۔

مسئلہ: استنجاء بمعنے پلیدی کے نکلنے کی جگہ کا پونچھنا، نجو سے ہے بمعنے وہ شے جو پیٹ سے نکلے۔ یہ عمومی معنٰی ہے اسے کسی کپڑے یا ڈھیلے سے صاف کیا جائے تو بھی استنجاء ہے اسے پانی سے دھویا جائے تب بھی۔ (کذا فی المغرب)

مسئلہ: پیٹ کی پلیدی کی نکلنے کی جگہ کو تین مٹی کے ڈھیلوں سے صاف کیا جائے۔ اگر ڈھیلے نہ ہوں تو پتھر سے۔ وہ نہ ہو تو ہاتھ کی ہتھیلی سے پانی بہا کر" ان تینوں کے سوا دوسری اور کسی شے سے استنجا نہ کیا جا سکے اس لیے کہ اس سے فقر و فاقہ اور تنگدستی پیدا ہوتی ہے۔

ف: دراصل اس سے مطلب صفائی ہے اس لیے مذکورہ تینوں صورتوں میں سے کسی ایک سے صفائی ہو جائے تو دوسری اشیاء کی ضرورت نہیں۔ اگر مذکورہ بالا تینوں کے بعد کسی اور شئے کے اضافے کی ضرورت محسوس ہو تو جائز ہے۔

بدعت کی مثال

نیند اور ریح خارج کرنے کے بعد استنجاء کرنا بدعت سیئہ ہے۔ ہاں پیشاب اور قضائے حاجت سے استنجا کرنا لازمی ہے۔ (کذا فی النوازل)

مسئلہ: استنجاء کے بعد کپڑے (تولیہ وغیرہ) سے استنجا کی جگہ کو پونچھنا مستحب ہے۔ لیکن یہ صفائی استنجاء کی جگہ سے اُٹھنے سے پہلے۔ اور پانی کے استعمال کے بعد ہو تاکہ استنجا کا پانی کپڑے (تولیہ وغیرہ) سے اچھی طرح صاف ہو جائے۔

ف: قبا کے انصار رضی اللہ عنہم پیشاب کے بعد بھی پانی سے استنجا کرتے تھے جبکہ وہ ڈھیلے سے پہلے پیشاب خشک کر لیتے تھے۔

ف: بعض مفسّرین فرماتے ہیں کہ اُن کی یہ تعریف اس لیے ہے کہ وہ جنابت کے بعد فوراً غسل کر لیتے۔

حدیث شریف مع شرح

ثلا ثۃ لا تقربھم الملا ئکۃ تین ایسے شخص ہیں جن کے قریب فرشتے نہیں رہ سکتے ان فرشتوں سے غیر حفظ مراد ہیں۔ یعنی وہ فرشتے جو رحمت و برکت لے کر اُترتے ہیں وہ تینوں کے قریب نہیں آتے۔ باقی رہے حفظ (نگران) فرشتے وہ تو ہر وقت ساتھ رہتے ہیں۔ کسی وقت بھی موت سے پہلے انسان سے جُدا نہیں ہوتے۔ اس لیے بعض علماء کرام نے فرمایا اس سے وہ فرشتے مراد ہیں جو نگران اور موت کے فرشتوں کے غیر ہیں۔ یعنی ایسے تین شخصوں کے ساتھ خیر و برکت لے کر حاضر نہیں ہوتے۔ پہلا "جیفۃ الکافر" کافر مُردہ۔ اس سے اُس کا جسم مراد ہے خواہ زندہ ہو یا مُردہ۔ اس لیے کہ وہ ہمیشہ کے لیے پلید اور رحمتِ خداوندی سے بعید تر ہے اس لیے اس کے لیے فرشتے خیر و برکت نہیں لاتے۔ والمتضمخ بالضاد والخاء المعجمتین۔ یعنی دُوسرا وہ جو رنگدار خوشبو اپنے جسم پر لگائے۔ الخلوق مفتح الخاء المعجمۃ، اس خوشبو کو کہا جاتا ہے جو زعفران وغیرہ سے مرکب کر کے بنائی جاتی ہے جس میں سُرخی اور زردی اور زردی زیادہ ہوتی ہے۔ ابو عبید نے فرمایا کہ عرب والے صرف زعفران کو کہتے ہیں اور خلوق یعنی رنگدار خوشبو سے اس لیے روکا گیا ہے کہ اس کے استعمال سے رعونت اور عورتوں سے مشابہت پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ رُکاوٹ بھی صرف مردوں کے لیے ہے ورنہ عورتوں کے لیے اس کا گھر میں استعمال جائز ہے اور اگر اس میں رنگ نہ ہو تو خوشبو مرد کو جائز ہے۔ عورتوں کو خوشبو لگا کر گھر سے باہر جانا

ناجائز ہے۔ (کذا فی المفاتیح) والجنب ان میں تیسرا جنب ہے۔ الجنابہ سے ہے بمعنے بُعد۔ اور جنبی مرد کو اس لیے جنب کہا جاتا ہے کہ وہ نماز وغیرہ سے دُور رہتا ہے جب تک اس سے پاکی نہ حاصل کرے یا اس لیے کہ ایسا شخص لوگوں کی محفل میں بیٹھنے کا نہیں رہتا جب تک کہ غسل نہ کرے۔ الا ان یتوضاء ہاں وضو کر لے تو پھر رحمت و برکت کے فرشتے اس کے لیے خیر و برکت لاتے ہیں۔ یہ اس شخص کے لیے ہے جو بلا عذر غسل کو موخر کرتا ہے یا عذر کی وجہ سے غسل نہیں کرتا۔ لیکن وضو کی قدرت کے باوجود وضو نہیں کرتا۔ تو ایسے شخص کی جنابت کے وقت خیر و برکت کے فرشتے نازل نہیں ہوتے۔ بعض حضرات نے اس جنب سے وہ شخص مراد لیا ہے جو سرے سے جنابت کے غسل کا منکر ہو اس لیے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی جنب کے بعد بلا وضو (امت کی سہولت کے لیے) سو جاتے اور کبھی ایک شب میں تمام ازواجِ مطہرات کے ہاں تشریف لے جاتے۔ درمیان میں وضو نہیں فرماتے آخر میں صرف ایک دفعہ غسل فرماتے صرف اُس لیے کہ اگر اُمت سے کسی وقت ایسا ہو جائے تو ان کے لیے گناہ نہ لکھے جائیں بوقتِ ضرورت غسل میں تاخیر کر سکتے ہیں۔ سُستی و کاہلی سے ایسا ہرگز نہ کرے۔

مسئلہ: شرعۃ (کتاب) میں ہے کہ جنب کے بعد تھوڑا سا سو جائے تاکہ جسم کو تھوڑی سی راحت کا موقعہ مل جائے۔

مسئلہ: جنب کے بعد وضو کر لینا سنت ہے۔ اس کے بعد اگر سو جائے تو جائز ہے۔ (کذا فی شرح ابن السید علی)

مسئلہ: فتح القریب میں ہے کہ وضو سے یہاں پر شرعی وضو مراد ہے اس میں کسی کا خلاف نہیں۔

حدیث شریف: حضرت شعبہ سے مروی ہے کہ جنب کے بعد ذکر کو دھو کر وضو کر کے پھر سو جانا جائز ہے۔

ف: یہی درست ہے کہ پہلے ذکر کو دھو لیا جائے تاکہ اس کی نجاست دُھل جائے پھر وضو کر کے چاہے سو جائے۔

مسئلہ: جو شخص جنب میں بلا وضو سو جائے اُسے اللہ تعالیٰ سے استغفار لازمی ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی جماع کے بعد نیند سے پہلے دوبارہ جماع کا ارادہ کرتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ ذکر اور دونوں ہاتھ دھو لے۔ یہاں پر اسے شرعی وضو ضروری نہیں۔

وظیفۂ خوشحالی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "طعام کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے سے تنگدستی دُور ہوتی ہے۔" اس روایت میں وضو سے شرعی وضو مراد ہے۔

مسئلہ: جنابت سے پہلے پُورا وضو کرنے میں نیت کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں حدثِ اصغر دُور کرے یا دوبارہ جماع کرنے کی وجہ سے سنّت پر عمل کرنے یا جنابت دُور کرنے کا ارادہ کرے یا یہ ارادہ ہو کہ اعضائے مغسولہ پر جو نجاست پڑی ہے وہ دُور کرنا ہو۔ ان سب صورتوں میں صحیح یہ ہے کہ یہ ارادہ ہو کہ حدث اصغر دُور ہو تاکہ اسے ایک مستقل عبادت نصیب ہو یا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ اس لیے کہ جنابت اور حدث اصغر اس کے سر پر ہیں۔ ان میں سے وضو کرنے سے حدثِ اصغر دفع ہو جائے گی۔ (کذا فی فتح القریب)

ف : وضو کی علت میں اختلاف ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ وضو اس لیے ہے کہ دو حدثوں میں سے ایک حدث ہٹ جانے سے اسے خفت حاصل ہوگی۔ بعض فرماتے ہیں کہ اسے وضو سے نیند کرنی چاہیے تاکہ خدانخواستہ اگر اسے اس وقت موت آجائے تو بے وضو ہو کر نہ مرے اور ان رحمت کے ملائکہ کے نزول سے محروم نہ ہو جائے جو جنب کے قریب نہیں جاتے۔ ہاں اگر وضو کر لے تو پھر وہ فرشتے اس کے ہاں تشریف لاتے ہیں۔

مسئلہ : امام شافعی و امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جنبی کو بعد جنابت سونے سے پہلے وضو کر لینا مستحب ہے۔ اس لیے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسا کیا کرتے تھے۔

مسئلہ : بعض مالکیہ سے ہے کہ اگر کوئی جنابت کے بعد وضو کر کے نہیں سوتا تو اس کے عادل ہونے میں فرق نہیں پڑتا، اس لیے کہ علماً کے نزدیک یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اس پر عمل در آمد ہو تو عامل کی عدالت پر حرف نہیں آئے گا۔

اعجوبہ : صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے چاہا کہ بخار میں مبتلا ہوں تاکہ گناہ جھڑ جائیں۔ چنانچہ سب کے سب بخار میں مبتلا ہوتے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بخار کی حاضری

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بخار نے اجازت چاہی۔ آپ نے فرمایا: یہ کون ہے؟

بخار نے عرض کی: میرا نام ام ملدم ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے فرمایا: اہل قبا کے ہاں چلی جا۔

وہاں پہنچی تو وہ سب بخار میں مبتلا ہو گئے اور بارگاہِ رسالت میں عرض گزاری۔ آپ نے فرمایا: چاہو تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگوں اور تمہارے سے بخار بھاگ جائے، چاہو تو تمہارے لیے یہ بخار گناہوں کا کفارہ ہو۔

انہوں نے عرض کی: کیا ایسے ہوگا؟

آپ نے فرمایا: ہاں۔

انہوں نے عرض کی: پھر بخار کو ہمارے ہاں رہنے دیجئے۔

بُخار کی فضیلت ایک شب کا بخار ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ اور ایک دن کا بخار جہنم کی آگ سے بیزاری کا سبب بنتا ہے اور بندہ گناہوں سے ایسے پاک و صاف ہو جاتا ہے جیسے اس کی ماں نے ابھی جنا ہو۔

حُکایت و روایت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مدینہ طیبہ میں بیمار ہو گئیں تو انہوں نے بخار کو گالیاں دیں۔ حضور اکرم نے فرمایا: بخار کو سبّ و شتم مت کرو، اس لیے کہ وُہ

مامور من اللہ ہے۔ ہاں اے عائشہ! اگر تم چاہو تو میں تمہیں چند ایسے کلمات سکھا دوں، جن کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بخار تمہارے سے ٹل جائے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی، ضرور بتایئے۔ آپ نے فرمایا: وہ کلمات یہ ہیں:

اللھم ارحم جلدی الرقیق وعظمی الدقیق من شدۃ الحریق یاام ملدم ان کنت اٰمنت باللہ العظیم فلا تصدعی الراس ولا تنتنی الفم ولا تاکلی اللحم ولا تشربی الدم و تحولی عنی الی من اتخذ مع اللہ۔ الخ

اے میرے اللہ! کمزور چمڑے اور نرم ہڈیوں کو سخت گرمی سے بچا۔ اے ام ملدم! اگر تجھے اللہ کریم پر ایمان ہے تو میرے سر کو دُکھ نہ دے اور نہ ہی منہ کو زخم کر اور نہ ہی گوشت کھا اور نہ خون پی۔ میرے سے ہٹ کر کسی ایسے کے پاس جا جو اللہ تعالےٰ کے سوا کسی دوسرے کو معبود بناتا ہے۔

بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب یہ کلمات پڑھے تو بخار ان سے ٹل گیا۔

وطن کی یاد

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو انھیں مدینہ طیبہ کی آب و ہوا چند روز کے لیے ناموافق ہوئی اُن میں اکثر حضرات بیمار پڑ گئے اور مکہ معظمہ کی یاد انہیں ستانے لگی۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن آسمان (جو کہ دعا کا قبلہ ہے) کو دیکھ کر یہ دُعا پڑھی،

اللھم حبب الینا المدینۃ کما حبب الینا مکۃ بارك لنا فی مدھا وصاعھا وصححھا لنا ثم انقل وباءھا الیٰ مھیعۃ۔

اے اللہ! ہمارے اندر مدینہ کی محبت ڈال دے جیسے ہمارے اندر مکہ کی محبت ڈال دی اور مدینہ کے مد اور صاع میں برکت دے اور اسے ہمارے لیے خوشگوار بنا دے اور اس کی وبا مھیعۃ کی طرف بھیج دے۔

ف: مہیعہ ایک گاؤں ہے جسے جحفہ کہا جاتا ہے۔ وہ رابغ کے قریب مصر سے آنے والوں کے لیے احرام کی جگہ ہے اس وقت وہاں کے باشی یہودی تھے۔

ف: آپ نے مدینہ کی محبت کی دُعا کی اس لیے عرض کی کہ انسان میں وطن کی محبت جان وجگر میں سمائی ہوتی ہے اور دل اس طرف مائل رہتا ہے۔

حدیث شریف: بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک شخص سے حضور علیہ السلام کے سامنے مکہ معظمہ کے حالات پوچھے جو کہ مکہ معظمہ سے تازہ طور مدینہ مکرمہ حاضر ہوا۔ جب وہ مکہ معظمہ کے حالات سنانے لگا تو حضور علیہ السلام کی چشمانِ مبارک آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں اور فرمایا کہ معظمہ کے شوق کی باتیں بند کر دے تو اچھا ہے۔ ہ

فتنہا در انجمن پیدا شود از سوزِ من
چو مرا در خاطر آید مسکن و ماوائے دوست

ختنہ کے مسائل ۱۔ اسئلۃ الحکم میں ہے کہ ختنہ صفائی سُتھرائی کے لیے کرایا جاتا ہے اس لیے کہ اس سے محبت الٰہی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالٰے نے فرمایا:

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ۔

یہی وجہ ہے کہ ختنہ کے بعد پیشاب کے قطرات اور اُس کی نجاست سے پُورے طور طہارت حاصل ہوتی ہے۔

۲۔ فقہاؑ فرماتے ہیں کہ غیر مختون (یعنی جس کا ختنہ نہ ہوا ہو) اسے جنابت والے کے غسل میں ختنہ والے چمڑے کے اندر پانی پہنچانا ضروری ہے، اس لیے کہ اُسے پانی پہنچانے میں تکلیف نہیں ہوتی۔

حدیث شریف: پیشاب سے بچو اس لیے کہ قبر کا عذاب عموماً پیشاب کے قطرات کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور بندے کا سب سے پہلا حساب قبر میں ہوتا ہے۔ (کذا فی الترغیب)

تفسیرِ صُوفیانہ منافقین کی مسجد سے نفس کی گندگیوں کا ڈھیر مراد ہے۔ اور المسجد اسس علی التقوٰی سے قلب کی مسجد مراد ہے۔ اس لیے کہ بروزِ میثاق بوقت اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ اور قَالُوْا بَلٰی کے جواب قلب کی بنیاد عبودیت و طاعت اور اقرار با وحدانیت پر رکھی گئی ہے اور اس مسجد کے باشی متطہر یعنے صفاتِ ذمیمہ و اخلاقِ لئیمہ بلکہ وجود کی گرد و غبار اور حدوث کی گندگیوں سے بالکل پاک اور منزّہ ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی ایسے لوگوں کو اُن کے وجودِ فانی سے انہیں وجودِ باقی کی نعمت سے نوازتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو اُن سے محبت نہ ہوتی تو وہ انھیں ایسی تطہیر کی توفیق نہ بخشتا۔ ان کا پاک ہونا ان میں اللہ تعالیٰ کے آثار میں سے ایک ہے۔ حضرت حافظؒ نے فرمایا؛ ؎

طہارت از نہ بخونِ جگر کند عاشق
بقول مفتی عشق اش درست نیست نماز

مثنوی شریف میں ہے؛ ؎

رُوئے ناشُستہ نہ بیند رُوئے حُور
لَا صلوٰۃ گفت اِلّا بالطّہور

ف: الطہور بالفتح مصدر بمعنے تطہیر ہے۔ اس معنے پر ہے مفتاح الصّلٰوۃ الطہور اور الطہور وضو کے پانی وغیرہ کو بھی کہا جاتا ہے۔ (کذا فی المغرب)

تفسیر عالمانہ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ یہ جملہ مستانفہ ہے۔ اس سے مسجد قبا کے مکینوں کی مسجد ضرار کے ساکنین کی افضلیت بیان کرنا مطلوب ہے۔ اس کا ہمزہ استفہام انکاری ہے اور فاء فعل مقدر پر عطف ہے۔ التاسیس بمعنے بنیاد کو

مضبوط کرنا اور البنیان غفران کی طرح مصدر ہے۔ بمعنے المفعول یعنی مبنیان بمعنے مبنی ہے۔ اب معنیٰ یوں ہُوا کہ کیا بعد معلوم کر لینے حالات ان لوگوں کے پس جس نے اپنی مسجد کی بنیاد مضبوط رکھی ہو۔ یہ ترجمہ اس لیے زیادہ موزوں ہے کہ کلام اس کے متعلق ہو رہا ہے۔ اسس علی التقویٰ کا جملہ بھی اس معنےٰ کا موید ہے۔ کاشفی نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ:

"آیا ہر کس کہ اساس افگند بنائے دینِ خود را"

یعنی کاشفی نے دین مراد لیا ہے۔

عَلٰی تَقْوٰی مِنَ اللّٰہِ تقویٰ سے یہاں پر تقویٰ کا درجہ ثانیہ مراد ہے یعنی ہر گناہ سے بچنا اور نیکی پر عمل کرنا۔ اس معنے پر تقویٰ حبلی کی طرح غیر منصرف ہوگا۔ اس بنا پر اسس پر تنوین نہیں لایا گیا۔ بعض مفسرین نے اسے تنوین کے ساتھ بھی پڑھا ہے اس کا آخری الف ارطی کے الف کی طرح الحاقی مانا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ڈر پر وَ رِضْوَانٍ اور طاعات میں مشغول ہو کر۔ اس کی رضامندی کی طلب میں خیر بہتر ہے۔ یہ خیریت بایں معنیٰ ہے کہ مسجد ضرار کے باشیوں کو اپنی مسجد کو بحیثیت مسجدیت کے مسجد قبا سے اشتراک کا خیال تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے خیال کے مطابق فرمایا: خیرہ امن اسس بنیانہ یا وہ کہ جس نے اپنی مسجد کی بنیاد رکھی ہے۔ یعنی ان دونوں میں سے افضل کون ہے اور ان میں سے کس کے ساتھ دینے میں فضیلت ہے اور کس مسجد میں نماز پڑھنا ثواب ہے۔ یعنی ان میں ایک وُہ ہے جو اپنی مسجد کے تیار کرتے وقت صرف اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کی رضا کا طالب ہے۔ اس سے اہلِ قبا مراد ہیں۔ دُوسرا وُہ ہے جو مسجد کی بنیاد کفر و نفاق اور مسلمانوں کے درمیان تفرقہ کے ارادے پر رکھتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ اس طرح اہلِ اسلام کو نقصان پہنچانا آسان ہوگا اور دینی امور میں پھوٹ ڈال کر اسے کمزور کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے ضمیر نہیں لائی گئی ہے ہر دو بنیادوں کو نہ صرف صفۃً و اضافۃً اختلاف ہے بلکہ وُہ ذاتی طور پر ایک دُوسری سے مختلف ہیں۔ عَلٰی شَفَا جُرُفٍ هَارٍ

حل لغات: شفاء الشئ بالکسر بمعنے شئے کا کنارہ۔ اس کا تثنیہ شفوان آئے گا الجرف بالضم والاسکان دونوں لغتیں ہیں وہ زمین جس کی بنیاد سیلاب کھود ڈالے۔ یعنی اس کی بنیاد کی مٹی سیلاب سے کہیں دُور چلی جائے الھاری بمعنے المتصدع یعنی گرنے کے قریب ہونے والا۔ مثلاً کہا جاتا ہے ھار الجرف، یھود بروزن یقول یا یھیر بروزن یبیع اس کا مضارع آتا ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شے پیچھے سے پھٹ جائے اور ھاری ھائرٌ کا مقلوب ہے لام کلمہ عین کلمہ کی جگہ پر رکھا گیا ہے جیسے شاك میں کیا گیا ہے کہ وُہ دراصل شائكٌ تھا۔ یعنی ھاری بروزن قاضی فاعل کی طرح ہوگیا۔ ابوالبقاءؒ نے فرمایا کہ ھَارٍ دراصل ھاوِدٌ یا ھایِرٌ تھا۔ پھر قلب مکانی سے ھاردٌ ہُوا اس کے بعد ماقبل کسرہ کی وجہ سے واؤ یاء سے تبدیل ہو کر التقائے ساکنین کی وجہ سے گر گئی۔ اس اعتبار پر قلب مکانی کے بعد اُس کا وزن فالع اور یاء کے گر جانے کے بعد اس کا قال ہوگا۔ عین کلمہ اس کا واؤ ہے یا یاء۔ مثلاً کہا جاتا ہے تھود البنا و تہیر۔

فَانْهَارَ بِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ ط پس وہ نارِ جہنم میں گرا۔

اہلِ لغت کہتے ہیں ھار البناء ھدمہ فانھار ۔ الانھیار سے مشتق ہے بمعنے بہیدہ شدن ۔ (کذا فی تاج المصادر، فانہار کا فاعل ضمیر ہے جو البنیان کی طرف لوٹتی ہے و بہٖ کی تفسیر موسس کی طرف ہے۔ یعنی جس نے مسجد کی بنیاد رکھی۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ وہ مسجد گری اور اپنے بنانے والے کو جہنم میں لے کر گری۔

ف : حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ مسجد ضرار کی جگہ کھودی گئی تو اس سے آگ کا ایک دُھواں نکلتا رہا۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مسجد ضرار کی جگہ کھودی گئی۔ اس سے جو دھواں نکلتا تھا اسے میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

ف : حدادی نے فرمایا کہ بنیاد جو پانی کے کنارے پر کھودی جائے تو اس کے گرنے میں کون سا شک ہے۔ اسی طرح جو مسجد منافقین نے اختلافات بڑھانے کی نیت پر بنائی تو اُسے بھی یقین سے سمجھو کہ وہ برلبِ جہنم ہے۔ اور گرنے پر سیدھی جہنم میں (مع اپنے تعمیر کنندگاں) جائے گی۔

وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ○ اور اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ یعنی وہ لوگ اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں یا ظٰلمین سے وُہ لوگ مراد ہیں جو اشیاء کو اپنے اصلی محل پر نہیں چھوڑتے۔ تو اللہ تعالےٰ ایسے لوگوں کو اُن امور کی طرف رہبری نہیں کرتا جو انہیں نجات کی راہ دکھائیں، یا اس کی اصلاح ہو سکے۔ ویسے تو رشد و ہدایت کی راہیں ہر وقت صاف صاف کھلی ہیں اور اگر وُہ چاہیں اور جب بھی چاہیں اُن پر چلیں لیکن ان کا ان سیدھی راہوں کی طرف رجوع ہی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ

حقیقی ظُلم تو یہ ہے کہ عبادت و محبت و طلبِ حق کے بجائے دُنیا کی عبادت محبت اور اس کی طلب میں زندگی بسر کی جاتے۔

تفسیر عالمانہ

لَا یَزَالُ بُنْیَانُهُمُ الَّذِیْ بَنَوْا بنیان مصدر بمفعول ہے اس لیے اسم بصلہ فعل مل کر اس کی صفت بنائی گئی ہے تاکہ معلوم ہو کہ ان کی مسجد کی بنیاد کی تعمیر نہایت کمزور اور بالکل ضعیف اور قطعاً ناکارہ ہے کہ چند روز کے بعد کھوکھلی ہو کر خود بخود منہدم ہو جائے گی۔ پھر اس میں حکم کی علت بھی بتائی گئی ہے۔ یعنی ان کی مسجد کی بنیاد ہمیشہ رہی رِیْبَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ ان کے دِلوں اور دین میں شک شبہ کا سبب گویا اُن کے دل اور دین عین شک بن گئے۔

ف : مسجد کی بناء کا حال بتا کر منافقین کے طور طریقوں کی طرف اشارہ کیا گیا کہ وہ مسلمانوں سے علیحدگی اختیار کرتے اس مسجد میں بیٹھ کر مسلمانوں کو کمزور کرنے کے لیے حیلے اور مکر و فریب اور دھوکے سازیاں سوچتے اور اپنے شرک و کفر کی باتیں کھل کر کرتے رہتے تھے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے آیندہ اپنا لائحہ عمل اسی مسجد میں تیار کرتے اور مجلس شوریٰ اسی مسجد میں منعقد کرتے اور مسلمانوں سے جتنے اسرار و رموز سُن کر آتے اس جگہ اس کے متعلق چہ میگوئیاں

کرتے۔ اس طرح سے انہیں دین اسلام کے متعلق شک وشُبہ کا اضافہ ہوتا۔ یا اس سے مسجد کی اپنی حالت کا بیان ہے کہ جب اُن کے دل میں شر وفساد راسخ ہوگیا تو مسجد ضرار کے آثار واحکام میں اضافہ ہُوا کہ بالآخر اس کے گرانے کا حکمِ ربّانی صادر ہُوا اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ از باب تفعل دراصل تتقطع (بالتائیں) تھا۔ ایک تا د گرا دی بمعنے اِلَّآ اَنْ تَتَقَطَّعَ مگر یہ کہ کٹ جائیں اُن کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہوکر ان کے اجزا ایسے بکھر گئے ہیں کہ اب ان میں شے کے ادراک اور ان میں اُس کے رہنے کی اہلیت وصلاحیت نہیں رہی۔ یہ اعم الاحوال یا اعم الاوقات سے استثنا ہے یا محلاً منصوب علی الظرفیہ ہے۔ دراصل عبارت یُوں تھی:

لا یزال بنیا نھم ریبة فی کل وقت من الاوقات اوفی کلِ حال من الاحوال الاوقت تقطع قلوبھم۔

یعنی بظاہر اگرچہ اُن کے دل صحیح سالم ہیں لیکن شک وشبہ سے لبریز ہیں۔

خلاصہ یہ کہ مرتے دم تک دینِ اسلام کے متعلق اُن کے دلوں سے شک وشبہ نہیں جائے گا۔

ف: یہاں پر حقیقی معنیٰ بھی مراد ہوسکتا ہے وہ یہ کہ اُن کے دل ظاہری طور پر جنگوں میں ٹکڑے ہُوئے یا مرنے کے بعد قبر میں اُن کے دل گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہوجائیں گے یا جب انہیں جہنم میں ڈالا جائے گا تو جہنم کی آگ سے ان کے دل پاش پاش ہوجائیں گے۔

وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ اور اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ منافقین نے مسجد کیوں بنائی اور کس غرض پر اس کی بنیاد کھڑی کی **حَکِیْمٌ ۝** اپنے ہر حکم اور ہر امر میں حکمت رکھتا ہے۔ مسجد ضرار کو گرا دینے اور ان کی منافقت کو ظاہر کر دینے میں حکمتیں تھیں جنھیں باری تعالیٰ خود ہی جانتا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ

مذکورہ بالا دونوں آیات میں چند ارشادات ہیں:

(۱) باب اعمال میں عقاید بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، جیسے دیوار بنیاد کے سوا محکم نہیں سمجھی جاتی ایسے ہی عقاید کے بغیر اعمال کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ اعتقاد کی صحت ہی اعمال صالح کا باعث ہے اس لیے کہ اعتقاد صحیح ہی تقربِ الٰہی کا مُوجب بنتا ہے اعتقاد سے ہی امرِ الٰہی کو معظم سمجھا جاسکتا ہے اس کی برکت سے ہی دُعا مستجاب ہوتی ہے۔ اس کی نقیض منافقت ہے۔ اس سے اللہ تعالےٰ کے قرب سے انسان محروم ہوکر مخلوق کی خوشنودی کے پیچھے لگ جاتا ہے۔ اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ بندہ ہر عمل خیر کو نفع آخرت کے ارادہ پر کرے۔ اس کی نقیض ریا ہے اور اس سے ہی بندہ حصولِ دُنیا کی غرض سے نیک عمل کرتا ہے خواہ وہ نیک عمل مخلوق سے متعلق ہو یا خالق سے۔ اس لیے کہ ریا، کا تعلق مراد سے ہوتا ہے نہ مراد منہ سے۔

سبق: عاقل وُہ ہے جو اپنے دین کی بنیاد اعتقاد صحیح اور اخلاص اور تقویٰ پر رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا

دین اس درخت کی مانند ہو جائے جس کی جڑ مضبوط اور شاخیں آسمان پر ہوں۔

(۲) منافقین نے ظاہری طور تو مسجد اس لیے بنائی کہ اس میں نماز پڑھی جائے لیکن درحقیقت انہوں نے اپنے اقوال کی گندگی اور غلاظت کا مرکز تیار کیا اس لیے وہ اس لائق تھی کہ اسے گرانے اور مٹانے کے بعد اس میں گندگی پھینکی جائے۔ چند روز تو منافقین نے اس مسجد سے فائدہ اٹھایا لیکن بعدازاں جہنم کے گڑھے میں ڈالے گئے۔ کما قال تعالیٰ "ان اللہ جامع المنافقین والکافرین فی جہنم" بے شک اللہ تعالےٰ منافقین اور کفار کو جہنم میں جمع کرے گا۔

رُوحانی نسخہ جیسے اُن کی گندگی اور غلاظت بھری مجلس میں بیٹھنے والے کا دل بدبختی سے لبریز ہو جاتا ہے ایسے ہی صدیقین اور عارفین کی مجلس میں بیٹھنے والے کا دل پاک صاف اور ستھرا ہو جاتا ہے بلکہ اسکی پاکیزہ مجلسوں کا خاصہ ہے کہ گندے دلوں کو پُر نور اور صاف وشفاف بنا دیں۔

حدیث شریف: سرورِ عالم نورِ مجسّم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انھم لقوم لایشقی جلیسھم۔ وہ حضرات ایسے ہیں جن کا صحبت یافتہ بدبخت نہیں ہو سکتا۔

ف: صحبت یافتہ سے مراد یہ ہے کہ اولیاء اللہ کے ملفوظات دِل سے سُنتا ہے یا محبت وعقیدت سے ان کے ساتھ نشست وبرخاست رکھتا ہے اس لیے کہ ملفوظات سُننا اور اُن سے عقیدت کی بنا پر نشست وبرخاست رکھنا ان سے محبت کی دلیل ہے۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

المرء مع من احب۔ قیامت میں ہر شخص اپنے محبوب کے ساتھ ہوگا۔

نکتہ: صوفیہء کرام فرماتے ہیں ارشادِ نبوی میں ایک نکتہ ہے وُہ یہ کہ بندہ دُنیا میں اپنے محبوب کی طاعت میں زندگی بسر کرتا ہے اور آخرت میں اپنے محبوب کے قرب اور اس کے مشاہدہ سے نوازا جائے گا۔

(۳) منافقین نے مسجد کی تیاری میں اندرونی طور فریب ومکر اور مسلمانوں سے نقصان دہی کا عزم کیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی گرفت کی پرّوا نہ کی۔ اس لیے جب انہوں نے مسجد ضرار بنائی تو اللہ تعالےٰ نے اپنے پیارے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ فرما دیا، جس سے منافقین کو سخت فضیحت اور ذلت وخواری حاصل ہُوئی۔ ؎

مکر حق سرچشمۂ ایں مکرہا ست
قلب بیں اصبعین کبریا ست
آنکہ سازد در دلت مکر و قیاس
آتشے داند زدن اندر پلاس

(۴) جس کی بدبختی ازلی اور اصلی ہو تو وہ اللہ تعالےٰ کی ہر آزمائش پر گمراہی پاتا ہے بلکہ اس کے ہر غیظ وغضب

نشانہ بنتا رہتا ہے اور اس سے ہر امرِ الٰہی پر انکار ہی انکار صادر ہوتا ہے۔

سبق: دانا وہ ہے جو دُنیا کی ذلت اور رسوائی تو سر پر اٹھا لیتا ہے لیکن آخرت کی سُرخروئی کے لیے جان کی بازی لگا دیتا ہے اس لیے کہ دنیا کی ذلت و خواری تو چند روزہ ہے جسے سر پر رکھ لینا کوئی بڑی بات نہیں بخلاف آخرت کی ذلت و خواری کے جسے سر پر رکھنا آسان نہیں ہے۔ ؎

ازیں ہلاک میندیش و باش مردانہ
کہ ایں ہلاک بود موجب خلاص و نجات

(۵) آیت سے ثابت ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیسے رحمۃ للعلمین ہیں کہ اُمت کو ہمیشہ جہنم کی آگ سے بچانے کی تدبیر میں لگے رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے مسجد ضرار کو منہدم کر کے نیست و نابود فرمایا۔ کیونکہ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس مسجد کو نہ گراتے اور اسے اسی حالت میں چھوڑ دیتے تو چند روز کے بعد اہلِ اسلام کے لیے وہی مسجد ایک آفتِ عظیم بن جاتی جو حقیقی طور ایک بہت بڑی آگ تھی۔ یعنی جہنم کے داخل ہونے کا موجب بنتی۔ بلکہ اس کے ذریعہ سے بیشمار بندگانِ خدا گمراہی میں مبتلا ہو جاتے اور دینی فتنہ کھڑا ہو جاتا جس کی لپیٹ میں اہلِ اسلام آجاتے اور اس کی وجہ سے جہنم کا ایندھن بنتے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہلِ شر و فساد کبھی نہیں مانتے کہ وہ شر اور فساد پھیلا رہے ہیں[1]۔ پھر جہاں تک ہو سکے ان کی زیادہ سے زیادہ تردید کی جائے اور ان کی عزت و عظمت کو عوام کے سامنے یکسر ختم کر دی جائے بلکہ جہاں تک ممکن ہو اُن کو اُن کے گھروں سے نکال کر کہیں دُور بھگا دیا جائے۔ اگر ضروری ہو تو ان کے گھروں اور آبادیوں کو مٹا دیا جائے کہ کوئی شخص مسلمانوں کے لیے مسافر خانہ تیار کر کے وقف کر دے اور اس میں شرط لگائے کہ زندگی بھر اس پر میرا قبضہ رہے گا تو اُس کی یہ شرط قابلِ قبول ہے اُس کی زندگی تک وہ مسافر خانہ وغیرہ اُس کے قبضہ میں رہے گا لیکن جب اس سے کوئی امر خلافِ شرع صادر ہو تو اسے اس مسافر خانہ سے نکالا جا سکتا ہے اور وہ مسافر خانہ اس کے قبضہ سے چھین لیا جائے مثلاً وہ اس جگہ شراب پینا شروع کر دے یا ایسا عمل کرے جس میں فسق و فجور ہو اور اس سے رضائے الٰہی میں کمی واقع ہوتی ہے اس لیے کہ وقف میں شروط قابلِ قبول ہوتی ہیں لیکن جب اس کے خلاف معاملات صادر ہونے لگیں تو ان شرائط کو ختم بھی کیا جا سکتا ہے۔

مسئلہ: نصاب الاحتساب میں ہے کہ خانقاہ اس کے بانی سے نہیں چھینی جا سکتی لیکن اس کے بانی سے فسق و فجور کا صدور ہو تو پھر وہ اس سے چھینی جا سکتی ہے۔

انتباہ: جب خانقاہ کے بانی کو اُس کے فسق کی وجہ سے خانقاہ سے علیحدہ کر کے اس سے خانقاہ

---

[1] جیسے مرزائی، وہابی، دیوبندی، تبلیغی، مودودی، پرویزی، شیعہ، نیچری وغیرہ۔

چھین لینا جائز ہے تو پھر خانقاہوں میں فاسق اور مبتدع (بدعتی) وغیرہ کیوں ٹھہرائے جاتے ہیں[1]، جیسے حدیدہ فرقہ یعنی وہ لوگ جو عموماً خانقاہوں پر درویش صفت لوہے کے زنجیر وغیرہ یا لوہے کی کڑیاں یا انگشتریاں یا لوہے کے کڑے ہاتھوں، پاؤں، کانوں، گردنوں یا ناک میں لوہے کی نتھلیاں پہن کر ملنگ بنے پھرتے ہیں اور اکثر داڑھیاں منڈاتے ہیں۔ ان لوگوں کو بھی آستانوں، مزارات اور خانقاہوں میں نہیں رہنے دینا چاہیے اس لیے کہ ان ہر دو کے تمام طریقے غلط اور شرعِ پاک کے بالکل خلاف ہیں کیونکہ پہلا گروہ یعنی لوہے وغیرہ پہننے والے۔ ان کا لباس شہرت کا لباس ہے اور شہرت کے لباس سے شرعِ پاک نے منع فرمایا ہے اور دُوسرا طبقہ وُہ بھی حرام کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اس لیے اُن کا عمل انگریزوں کی تقلید میں ہوتا ہے۔ یعنی داڑھی منڈانے اور مونچھیں بڑھانے اور سر کے بال فیشن دار رکھیں یعنی کوئی بڑے کوئی چھوٹے و دیگر اعمال اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں تغیر و تبدل پیدا کرنا۔ علاوہ ازیں داڑھی میں عورتوں سے تشبیہ ہوتی ہے فلہذا حرام ہے۔ اسی طرح قلندریہ بھی ایک گروہ ہے وہ عموماً آستانوں، مزارات اور خانقاہوں میں ہوتے ہیں۔ ان کا عمل بھی شریعت مطہرہ کے خلاف ہے اس لیے کہ وہ جسم کے تمام بال منڈاتے ہیں یہاں تک کہ داڑھی مُونچھوں کے ساتھ ابرُو وغیرہ بھی چٹ صاف کراتے ہیں۔ انہی کے بارے میں حضرت حافظ شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ؎

قلندری نہ بریشت وموی یا ابرُو
حساب راہ قلندر بدانکہ مو بموی ست
گزشتن از سر مو در قلندری سہلست
چو حافظ آنکہ ز سر بگزرد قلندر اوست

ف: یہی حکم تمام بدعت سیئہ کے ارتکاب کرنے والوں کا ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا ارادہ ہوتا ہے کہ کسی ایک کو حکم دُوں کہ وہ مسجد میں نماز پڑھائے اور مَیں خود لوگوں کے گھروں میں جا کر دیکھوں کہ ان میں نماز باجماعت کون نہیں پڑھتا، تو جماعت میں شامل نہ ہونے والوں کے گھروں کو آگ لگا دُوں۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہُوا کہ نماز کی جماعت میں عمداً نہ آنے والوں کے گھروں کو آگ لگانا جائز ہے اس لیے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا اور حضور ناجائز امر کے لیے ارادہ نہیں فرماتے کیونکہ بُرائی کا ارادہ بھی بُرا ہے۔

تنبیہہ: جب سنّتِ مؤکدہ کے تارک کے گھر کو جلانا جائز ہے تو پھر اس کا کیا حال ہوگا جو فرض و واجب کا تارک ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بُرے اقوال و افعال سے بچائے۔ (آمین)

---

[1] اسی طرح ہمارے زمانے میں جب دیوبندیوں وہابیوں کا فتویٰ ہے کہ اولیائے کرام کے آستانوں کی آمدنیاں اور اس کے اوقاف کی اشیاء حرام ہیں تو ہماری حکومت انہیں خانقاہوں کے خطباء و ائمہ بلکہ ڈسٹرکٹ خطیب بلکہ وزیرِ اوقاف تک کیوں بناتی ہے یا یہ لوگ اس میں گھسنے کی کوشش کیوں کرتے ہیں!

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ

بے شک اللہ نے مسلمانوں سے ان کے مال اور جان خرید لیے ہیں

بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ

اس بدلے پر کہ ان کے لیے جنت ہے اللہ کی راہ میں لڑیں تو ماریں

وَيُقْتَلُوْنَ قف وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ

اور مریں اس کے ذمہ کرم پر سچا وعدہ توریت اور انجیل

وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا

اور قرآن میں اور اللہ سے زیادہ قول کا پورا کون تو خوشیاں مناؤ اپنے سودے

بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١١١﴾

کی جو تم نے اس سے کیا ہے اور یہی بڑی کامیابی ہے

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ

توبہ والے عبادت والے سراہنے والے روزے والے

الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ

رکوع والے سجدہ والے بھلائی کے بتانے والے اور

النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَ

برائی سے روکنے والے اور اللہ کی حدیں نگاہ رکھنے والے اور

بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٢﴾ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ

خوشی سناؤ مسلمانوں کو نبی اور ایمان والوں کو لائق نہیں کہ مشرکوں

يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ

کی بخشش چاہیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہوں جب کہ

مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿١١٣﴾ وَمَا كَانَ

انہیں کھل چکا کہ وہ دوزخی ہیں اور ابراہیم

اِسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ

کا اپنے باپ کی بخشش چاہنا وہ تو نہ تھا مگر ایک وعدے کے سبب جو اس سے کر

اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ

چکا تھا پھر جب ابراہیمؑ کو کھل کہ وہ اللہ کا دشمن ہے اس سے تنکا توڑ دیا بے شک

اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ۝١١٤ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًاۢ بَعْدَ

ابراہیم ضرور بہت آہیں کرنیوالا متحمل ہے اور اللہ کی شان نہیں کہ کسی قوم کو ہدایت کر کے

اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ

گمراہ فرمائے جب تک انہیں صاف نہ بتا دے کہ کس چیز سے انہیں بچنا ہے بے شک اللہ

شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝١١٥ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

سب کچھ جانتا ہے بے شک اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی سلطنت

يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا

جلاتا ہے اور مارتا ہے اور اللہ کے سوا نہ تمہارا کوئی والی اور نہ

نَصِيْرٍ ۝١١٦ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ

مدد گار بے شک اللہ کی رحمتیں متوجہ ہوئیں ان غیب کی خبریں بتانے والے اور ان

الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا

مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے مشکل کی گھڑی میں ان کا ساتھ دیا بعد اس کے کہ

كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ

قریب تھا کہ ان میں کچھ لوگوں کے دل پھر جائیں پھر ان پر رحمت سے متوجہ ہوا بے شک

بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝١١٧ لا وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ

وہ ان پر نہایت مہربان رحم والا ہے اور ان تین پر جو موقوف رکھے گئے تھے

حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ

یہاں تک کہ جب زمین اتنی وسیع ہو کر ان پر تنگ ہو گئی اور وہ اپنی جان سے تنگ آئے

عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ؕ

اور انہیں یقین ہوا کہ اللہ سے پناہ نہیں مگر اسی کے پاس

ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾

پھر ان کی توبہ قبول کی کہ تائب رہیں بے شک اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے

۱۴ ع ۸ ۲

تفسیر عالمانہ

شانِ نزول : اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى الخ مروی ہے کہ جب انصار نے مکہ معظمہ میں لیلۂ عقبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی اس وقت وہ اہلِ مدینہ سے ستر یا چوہتر افراد تھے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ نے کہا کہ آپ اپنے رب کے لیے جو چاہیں ہم سے شرائط لگا لیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے رب تعالیٰ کے لیے شرط لگائی کہ تم اس کے ساتھ دوسرے کو شریک نہ ٹھہرانا اور صرف اسی کی عبادت کرنا۔ اور میں نے اپنے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ میری اس طرح حفاظت کرنا جیسے تم اپنے مال و جان کی حفاظت کرتے ہو۔ انصار نے عرض کی اگر آپ کے جملہ شرائط ہم پورے کریں تو ہمیں کیا عطا ہو گا۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں بہشت نصیب ہو گی۔ انصار نے کہا: ایسی بیع سے ہمیں بہت نفع ہے ہم اس طرح کی بیع کو نہ توڑیں گے اور نہ ہی اس بیع سے ہٹیں گے۔ ؎

آں بیع را کہ روز اوّل با تو کردہ ایم
اصلا دراں حدیث اقالہ نمی رود

انصار کے اس قول پر یہ آیت نازل ہوئی مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اہلِ ایمان میں سے۔ یعنی اللہ تعالیٰ خرید و فروخت منافقین و کفار کے ساتھ نہیں کرتا اس لیے کہ وہ ایسی بیع کے لیے مستعد نہیں بلکہ اہلِ ایمان کے ساتھ کرتا ہے۔

ف : حضرت حسن نے فرمایا: سن لو اللہ تعالیٰ نے سُودمند بیع کا اعلان کیا ہے اور وہ بھی ہر مومن سے۔ بخدا ہر مومن جو بھی اس دنیا میں ہے اس بیع کے اعلان میں شامل ہے۔

سوال : یہ تو معاہدہ ہے اسے بیع سے کیسے تعبیر کیا گیا ہے؟

جواب : بیع میں چونکہ جانبین سے معاوضہ دیا جاتا ہے اور اس معاہدہ میں بھی جانبین سے معاوضہ ہے اس مشابہت سے اس معاہدہ کو بیع سے تعبیر کیا گیا۔

ف : ابن الملک مشارق کی شرح میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے معاوضہ یہ ہے کہ آپ نے ثوابِ آخرت کا وعدہ فرمایا اور اہلِ ایمان کا معاوضہ یہ ہے کہ وہ طاعت پر مداومت کریں۔

اَنْفُسَهُمْ اپنے نفسوں کو جہاد کے لیے تیار رکھیں۔ یہاں پر نفس سے مراد یہی بدن جو مٹی کا ڈھانچہ اور روح مجرد انسانی کے کمالات حاصل کرنے کا آلہ ہے وَاَمْوَالَهُمْ اور اپنے مال راہِ حق میں لٹائیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مال اسی ڈھانچہ انسانی کی ضروریات کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ جان و مال دینے کا معاوضہ میں انہیں بہشت نصیب ہوگی۔ یعنی وہ مال و جان کے خرچ کرنے پر بہشت کے مستحق ہوں گے اور اس کا جار و مجرور مل کر اشتریٰ کے متعلق ہے۔

ف : یہ باء متروک پر داخل ہے جیسے باء عوض و مقابلہ کا قاعدہ ہے۔

سوال : بالجنۃ کیوں نہ کہا ؟

جواب : تاکہ اس قانون میں مبالغہ ہو کہ انہیں جو کچھ جان و مال کا معاوضہ مل رہا ہے وہ نقد اور صرف انہیں سے مخصوص ہے۔ گویا یوں کہا گیا کہ بہشت تمہارے لیے ثابت ہوگئی اور وہ صرف ہے بھی تمہارے لیے مخصوص۔

سوال : یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اپنی شَے سے بیع و شرا کی جائے یعنی جو شَے دی جائے وہ بھی اس کی ملکیت ہو اور جو لی جائے وہ بھی اسی کی۔ جب سب کو یقین ہے کہ ہم سب کی جانیں اور ہمارے اموال اسی کے اور بہشت بھی اسی کی۔ پھر اس میں خرید و فروخت کا کیا معنیٰ ؟

جواب : صرف جنگ کے بارے میں ترغیب و تحریص کے طور ایسے کہا گیا ہے کہ ؎

اے بندہ از تو بذل کردن نفس و مال
واز من عطا دادن بہشت بے زوال

ف : اس میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو طاعت بدنیہ و مالیہ کی دعوت میں لُطف و کرم فرمایا ہے اور اُن کے عطیہ جزا پر ترغیب و تحریص فرمائی۔ چنانچہ دُوسرے مقام پر فرمایا :

من ذا الذی یقرض اللہ قرضاً حسناً (کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دیگا)

یہاں پر صدقہ کے بجائے قرض کا لانا ترغیب و تحریص کے لیے ہے اس لیے کہ قرض کا مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ جس طرح کا مال یا نقد دراہم و دنانیر وغیرہ لیے جائیں اسی کے مثل واپس ادا کیے جائیں لیکن اللہ تعالےٰ سے اس جیسا واپس کرنا کیسا۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ نے یہاں پر اپنے بندوں سے مال و جان طلب فرما کر اُن پر غیر مالکانہ حیثیت سے معاملہ کیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہاں پر اشتریٰ فرما کر اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اہلِ ایمان کے مال و جان کو قبول فرمالیا ہے اور ان کے عوض میں انہیں بہشت عطا فرمائی ہے۔ آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے آپ کو مشتری اور اہل ایمان کو بائع اور ان کے مال و جان کو مبیع اور بہشت کو ثمن سے تعبیر فرمایا ہے۔ یاد رہے کہ عقد بیع میں عمدہ اور اصل مبیع ہوتی ہے اور ثمن وسیلہ اور ذریعہ۔

نکتہ: اس سے ثابت ہُوا کہ انسان کا جان و مال راہِ حق میں خرچ کرنا اصل ہے اور بہشت کا حصول صرف ذریعہ اور وسیلہ ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہوتا: انّ اللہ باع الجنۃ من المؤمنین بانفسہم و اموالہم۔

جواب: اس عبارت میں بہشت اصل اور مقصد حقیقی بن جاتی اور بذل مال وجان اس کا وسیلہ و ذریعہ، اور اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں اس لیے کہ اللہ تعالےٰ چاہتا ہے کہ انسان کی عزت افزائی ہو، اور وہ اس صورت میں ہے کہ انسان کا بذل مال وجان مقصد اصلی ہو اور حصولِ جنّت آلہ وسیلہ۔

نکتہ از حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اے ابنِ آدم! اپنے نفس کی قدر و منزلت کی قدر شناسی سے غافل نہ ہو۔ جبکہ اللہ تعالےٰ نے تیرے نفس کو وہ عزت بخشی کہ اس کا ثمن سوائے بہشت کے اور کسی شے کو نہ بنایا اور نہ ہی جنّت کے سوا کسی دوسری شے کو اس قابل بنایا کہ وہ ابنِ آدم کے نفس کا عوض بن سکے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

خویش را نشناخت مسکیں آدمی
از فزونی آمد و شد در کمی

اعجوبہ کاشفی نے کہا کہ نفس شرار و شور کا مجموعہ ہے اور مال سرکشی اور گمراہی کا سبب۔ ان دونوں گندگی والوں کو اپنے سے ہٹا کر بہشت حاصل کیجئے جو بہترین باغات و دیگر عیش و عشرت کا مجموعہ ہے۔ ؎

سنگ بیند از و گہر می ستاں
خاک و زمیں می دہ و زر می ستاں
در عوض فانی خوار و حقیر
نعمت پاکیزۂ باقی بگیر

حکایت تفسیر کبیر میں منقول ہے کہ قیامت میں شیطان یہی آیت سامنے رکھ کر اللہ تعالیٰ سے مخاصمت کرتا ہوا مسئلہ شرعیہ پیش کرے گا کہ بائع سے جب مشتری عیب دار مال خریدتا ہے تو عیب دار مال کو واپس کر دیتا ہے۔ اے الٰہ العٰلمین! تُو نے اپنے بندوں سے ان کے نفس اور مال خریدے ہیں اور وہ ہر طرح عیب دار اور تیری شان کے لائق نہیں اس لیے کہ میں بھی گندا اور وُہ بھی عیب والے۔ اللہ تعالےٰ شیطان کو فرمائے گا: اے بدبخت! تو شرعی مسئلہ سے بھی ناواقف ہے اور نہ ہی تو میرے فضل و عدل کو جانتا ہے۔ مسئلہ شرعی یہ ہے کہ جس پر تمام اہلِ مذاہب متفق ہیں کہ مشتری بائع سے عیب دار شے اپنی مہربانی سے لے تو کوئی حرج نہیں، وہ بیع ہو جاتی ہے۔ میرے بندوں کے نفس و مال اگرچہ گندے ہیں۔ لیکن چونکہ میں نے اپنے فضل و کرم سے خرید

لیے ہیں بنا بریں اب بیع توڑی بھی نہیں جاسکتی۔ اس سے شیطان شرمندہ ہوکر ذلیل وخوار ہوکر درگاہِ حق سے خارج ہوگا۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

کالۂ کہ ہیچ خلقش ننگرد
از خلاق آنکریم آنرا خرد
ہیچ قلب پیش حق مردود نیست
زانکہ قصدش از خریدن سود نیست

ف: اس سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خریدا ہے باوجود ہمارے بے شمار عیوب کے۔ لیکن اس نے اپنے کرم سے ہمیں قبول فرمالیا ہے۔ اب ہمیں اس کے فضل وکرم پر امید ہے کہ وہ ہمیں اپنی درگاہ سے ردّ نہیں کرے گا۔

نفحات الانس میں حضرت ابو ذر بو رجانی سے نقل کرکے لکھتے ہیں کہ: ؎

تو بعلم ازل مرا دیدی
دیدی آنکہ بعیب نخریدی
تو بعلم آں من بعیب ہماں
رد مکن آنچہ خود پسندیدی

یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یہ جملہ مستانفہ ہے اور مذکورہ بالا بیع وشراء کا بیان اور سوال مقدر کا جواب ہے سوال کی تقریر یہ ہے کہ وہ لوگ جنت کے بدلے کس طرح اپنے مال وجان کو خرچ کرتے اس کا جواب ملا کہ راہِ حق اور محض رضائے الٰہی پر جان ومال نثار کرتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا پر اپنی جان ومال لٹا دیتے ہیں۔

ف: حدادی نے فرمایا: اس میں ان کی خرید وفروخت کی غرض وغایت بتائی گئی ہے کہ وہ اگر دشمنانِ خدا سے لڑتے ہیں تو محض رضائے حق کے لیے اور بس۔

تحقیقِ صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ

صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کے افعال معلّل بالاغراض ہیں یا کیونکہ۔ اکثر اشاعرہ کا مذہب ہے کہ افعالِ الٰہی کسی غرض پر معلّل نہیں لیکن بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ افعال اللہ اغراض سے معلّل ہوتے ہیں۔ اُن کی دلیل یہ ہے کہ ہر وہ فعل جو غرض وغایت کے بغیر ہو وہ عبث کہلاتا ہے اور فعل عبث حکیم ازلی سے محال ہے۔ اس کی مزید تحقیق اور جانبین کے دلائل دیگر تفاسیر میں ہیں۔ (تفسیر اویسی میں فقیر نے بسط سے لکھا ہے)

ف : اگر اس مسئلہ کی بحث کسی ضخیم تفسیر میں دیکھنا مطلوب ہو تو آیت **وماخلقت الجن والانس الاّ لیعبدون** کے تحت دیکھیے۔

فَیَقۡتُلُوۡنَ پس گا ہے وہ لوگ دشمنانِ اسلام کو قتل کرتے ہیں تو وُہ غازی کہلاتے ہیں اُن کے لیے بھی جنّت ہے اگرچہ شہادت کے بغیر فوت ہوں۔ **وَیُقۡتَلُوۡنَ** اور گا ہے شہید کیے جاتے ہیں۔ یعنی کفّار انھیں مار ڈالتے ہیں تو وُہ شہداء کہلاتے ہیں ان کو بھی جنّت نصیب ہو گی۔

ف : اس میں جان کو راہِ حق پہ لٹانے کا بیان ہے کہ جو بندہ دشمنِ اسلام سے لڑ کر مرتا ہے تو وہ راہ حق میں اپنی جان خرچ کر دیتا ہے تب بھی غازی بن کر کفار کو مار کر جان بچا لیتا ہے اور اُلٹا اُن سے مال بھی لوٹتا ہے تب بھی راہِ حق میں جان خرچ کرنے والا سمجھا جائے گا اس لیے کہ اس نے وہ کر دکھائی جو کرنی لشکر کی ہے۔ لیکن قدرت نے جان بچا دی اور مالِ غنیمت بھی عطا فرمایا۔

سوال : شہید کا راہِ حق میں جان دے کر خرچ کرنے کا معنےٰ تو واضح ہے لیکن غازی کو بھی اس زُمرہ میں شامل کرنے کا مطلب واضح نہیں، اسے واضح کیجئے۔

جواب : دونوں فعلوں کا اسناد اس شرط پر نہیں کہ دونوں میں ایک صفت سے موصوف ہونا لازمی ہو یعنی خرید و فروختِ الٰہی کے مضمون میں نہ یہ شرط ہے کہ جان و مال ہر دو خرچ کیے جائیں اور نہ ہی ان میں سے ایک کا منا لازمی ، بلکہ اس میں تو یہ حکم ہے کہ بندہ ان دونوں کے کسی ایک حال سے موصوف ہو جائے۔ اس تقریر کے بعد اب واضح ہو گیا کہ بندہ جہاد میں شامل ہو گیا ہے۔ پھر وُہ اپنی جانی قربانی پیش کر چکا ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اس کی جان قدرتی طور پر بچ گئی ہے ورنہ وُہ تو راہِ خدا میں اپنی جان سپردِ خدا کر چکا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ کسی بندۂ خدا کو ہر دو افعال یعنی جان و مال راہِ حق میں لٹانے کا موقعہ نصیب ہے تو سبحان اللّٰہ اور اگر ان میں سے ایک پر عمل کیا تو بھی اسے اسی طرح ان دونوں کا کوئی حصہ نصیب ہو۔ تو بھی خرید و فروخت کا معاملہ اس کا مستحق سمجھا جائے گا۔ ان دونوں افعال کا بالکلیہ صدور ہو یا نہ۔ مثلاً ایک بندہ جنگ میں خُوب لڑا۔ کافروں کو مارا اور مار کھائی لیکن شہادت تک نوبت نہیں پہنچی اور نہ ہی کوئی کافر اس کے ہاتھوں مرا۔ اسی طرح ہر وہ بندۂ خدا جو جنگ میں شمولیت کے لیے عزم کر کے مجاہدین کے ساتھ جہاد کو روانہ ہُو کر میدان میں گیا۔ لیکن کسی کافر سے مرنے کا موقعہ میسر نہیں ہُوا تو بھی ہم اسے اس خرید و فروخت کرنے والوں کے زمرہ میں مانیں گے۔ اس لیے کہ اس کا قصد اور عزم بالجزم پھر مجاہدین کی جماعت کی شمولیت اُن کے ساتھ اجر و ثواب سے محرومی کا سبب نہیں بلکہ اسے اجر و ثواب ضرور نصیب ہو گا۔

مسئلہ : قاتل ہونے یا مقتول ہونے کی حالت کی تقدیم میں کسی قسم کا فرق نہیں پڑتا کہ کہا جائے کہ جو قاتل ہونے کی حیثیت میں اسبق ہو وُہ مقتول ہونے کی حیثیت سے افضل یا مفضول ہے اس کا کوئی فرق نہیں اس لیے جب نفس کو

راہِ حق میں لٹانے کے لیے حاضر ہو گیا ہے تو اب قاتلیت نصیب ہو یا مقتولیت اسے اس سے اب کوئی غرض نہیں۔

ف : بعض قرأۃ میں صیغہ مجہول پہلے ہے اور صیغہ معلوم بعد کو اس لیے کہ مومن کا مقصدِ اوّلیں شہادت ہے اور اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ مذکورہ بالا آیت میں صیغۂ مجہول کو مقدم رکھا جائے تاکہ دنیا کو معلوم ہو کر مومن موت کو کچھ نہیں سمجھتا بلکہ وہ اسی جدوجہد میں رہتا ہے کہ کسی طرح اسے فی سبیل اللہ والی موت نصیب ہو بلکہ یوں سمجھا جائے کہ موت ہی اس کا محبوب مشغلہ ہے اور حیات مستعار کا طالب نہیں بلکہ وہ مرنے کو ترجیح دیتا ہے جبکہ مبیع اپنے قبضہ میں لیتا ہے چونکہ بندہ اپنی جان دے کر اپنے مالکِ حقیقی سے بہشت حاصل کرے گا اس لیے اس وقت ہو سکتا ہے جب وُہ شہید ہو کر جان جانِ آفریں کے سپرد کرے۔ اصمعی نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے لکھا : ؎

اثا من بالنفس النفیسة رَبُّهَا   ولیس فی الخلق کلهو ثمن
بها تشتری الجنات ان انا یعها   بشئ سواها ان ذلکمو غبین
اذا ذهبت نفسی بشئ رصیعة   فقد ذهب الدنیا وقد ذهب الثمن

ترجمہ : کیا تم اپنے نفس نفیسہ اللہ تعالےٰ کے ہاں بیچتے ہو۔ یہ صحیح ہے کہ تمام مخلوق کے پاس اس کا ثمن نہیں، نفس دے کر اگر بہشت خریدی جاتی ہے تو میں اسے خریدتا ہوں۔ اگر نفس دینے سے بہشت مل جائے تو سستا سودا ہے۔ اگر میں نفس کو کسی دنیوی غرض پر خرچ کر دوں تو پھر سمجھوں گا میرے ہاتھ سے دُنیا بھی گئی اور ثمن بھی۔

ابو علی کُوفی نے بھی لکھا : ؎

من یشتری قبة فی عدن عالیة   فی ظل طوبیٰ رفیعات مبانیها
دلا لها المصطفیٰ واللّٰه بائعها   فمن اراد وجبریل منادیها

ترجمہ : جنۃ عدن کے بلند و بالا محلات کیلئے کون ہے جو اس کی عمارت خرید لے وُہ بنگلہ طوبیٰ کے سایہ تلے ہے اور اس کی بلندی اور موزونیت کا کیا کہنا۔ بہشت کے بنگلوں کا بیچنے والا اللہ کریم ہے۔ لیکن ملیں گے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں۔ اس لیے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہشت دینے کے مجاز ہیں اور اس کا اعلان حضرت جبریل علیہ السلام کے سپرد ہے۔

تفسیر صُوفیانہ

جو مال و جان جنت کی طلب میں خرچ کرتا ہے اسے بہشت ضرور نصیب ہو گی اور اس کے اس جہاد کا نام جہادِ اصغر ہے اور جو اپنی رُوح و قلب کو طلبِ حق میں صرف کرتا ہے تو اُسے رب کریم کا وصال نصیب ہو گا ایسے شخص کے جہاد کو جہادِ اکبر کہتے ہیں اس لیے کہ تصفیہ قلب اور بُرے اخلاق و عادات کو نیک خصال بنانا بہت زیادہ تکلیف دہ ہے بہ نسبت دشمنانِ خدا کے ساتھ ظاہری جنگ کرنے کے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قتل دو قسم ہے :

اعدائے اسلام کو قتل کرنا ——— اور یہ ظاہری دشمن ہے۔
باطنی دشمن کو مارنا ——— اور وہ نفس اور اس کی خواہشات ہیں۔

تفسیر عالمانہ

وَعْدًا یہ مصدر مؤکد ہے اس معنیٰ کا کہ جان و مال خرچ کرنے کے بعد ثمن نصیب ہوگا۔ اس لیے کہ ثمن بہشت ہے اور اس کا دنیا میں ہونا محال ہے۔ اس سے ثابت ہُوا کہ وَعْدًا سابق جملہ کے مضمون سے منصوب ہے۔

ف: سعدی مفتی چلپی مرحوم نے فرمایا کہ اس عبارت کا دراصل معنیٰ یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جہاد فی سبیل اللہ پر بہشت کا وعدہ بخشا ہے۔

عَلَیْہِ یہ حَقًّا سے حال ہے، اس لیے کہ اگر عَلَیْہِ کو حَقًّا کے بعد لایا جائے تو بقاعدہ نحو یہ حَقًّا موصوف اور عَلَیْہِ اُس کی صفت ہوگی۔ اور اسے صفت بنانا مطلوب نہیں بلکہ حال بنانا مقصود ہے۔ اس لیے کہ دراصل معنیٰ یوں ہے کہ وَعْدًا حَقًّا ای ثابتا مستقراً علیہ تعالیٰ۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ نے وعدہ دیا ہے وہ حق ہے اور اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم پر وہ وعدہ ثابت و مستقر ہے۔ کاشفی نے بھی یوں ہی ترجمہ کیا ہے کہ،

حقا ثابت و باقی کہ خلاف نیست دراں۔

یعنی وہ حق ثابت ہے اور باقی ہے اور اس کا خلاف نہیں ہوسکتا۔

فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ ط یہ فعل محذوف کے متعلق ہے جو کہ وعدًا کی صفت ہے یعنی وہ وعدہ مذکور اور مثبت ہے۔ تورات و انجیل میں جیسے قرآن میں مذکور اور مثبت ہے۔

خلاصہ یہ کہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لیے بہشت کا وعدہ، جیسے قرآن میں مذکور ہے ایسے ہی تورات و انجیل میں بھی مذکور اور مثبت ہے۔

ف: فی التوراۃ الخ کو اشتری سے متعلق کرنا بھی جائز ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ جیسے اُمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لیے بہشت کا وعدہ دیا گیا ہے۔ ایسے ہی تورات و انجیل والے بھی جہاد کے لیے مامور من اللہ تھے اور ان کے ساتھ بھی بہشت کا وعدہ تھا۔

وَمَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ مِنَ اللّٰہِ یہ استفہام انکاری اور اَوْفٰی صیغہ افعل التفضیل ہے اور مِنَ اللّٰہ اَوْفٰی کا صلہ ہے۔ یعنی اللہ تعالےٰ جیسا ایفائے عہد پر پُورا اترنے والا اور کون ہوسکتا ہے، اس لیے کہ اسے ایفائے عہد پر ہر طرح کی قدرت و طاقت ہے بخلاف مخلوق کے کہ وہ ایفائے عہد پر قدرت نہیں رکھتی اور عاجز محض ہے۔ جب تک کہ توفیقِ ایزدی نصیب نہ ہو۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

فَاسْتَبْشِرُوْا استبشار سے مشتق ہے بمعنے اظہار السرور۔ یہ سین استوقد کے سین کی طرح طلب کے لیے

نہیں محض تاکید کے لیے ہے یعنی جیسے استوقد بمعنی اوقد ہے۔ ایسے ہی استبشروا بمعنے البشروا ہے اور یہ فا ترتیب کے لیے ہے یعنی استبشار کا ترتب ما قبل پر ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ جب تمہیں اللہ تعالیٰ کے لیے عقیدہ ایفائے عہد کا یقین ہے تو تم زیادہ سے زیادہ خوشی مناؤ اور بہت بڑی خوشی کا اظہار کرو کہ تمہیں اللہ تعالےٰ بہشت سے ضرور نوازے گا۔ بِبَیْعِکُمُ اپنی خرید و فروخت سے۔

سوال: انہیں بہشت کے پہنچنے سے پہلے اظہارِ مسرت کیوں، بلکہ یہ تو اس وقت ہو سکتا ہے جب بہشت میں پہنچنا نصیب ہو۔

جواب: اس میں جہاد کی ترغیب مطلوب ہے جسے لفظ بیع سے تعبیر کیا گیا ہے۔

سوال: لفظ شراء کے بجائے لفظ عقد کیوں نہ کہا حالانکہ ایسے مواقع پر لفظ عقد زیادہ موزوں رہتا ہے۔

جواب: چونکہ اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے اور اس سے ترغیب جہاد مطلوب ہے اور وہ اس صورت میں ہو سکتا تھا جیسے ہوا۔ اگر بندوں کی طرف سے یہ صورت ہوتی تو پھر اس عقد سے تعبیر کرنا موزوں ہوتا۔

ف: حدادی نے فرمایا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اے بندگانِ خدا! تم اپنی بیع میں جتنا بھی خوشی کا اظہار کرو تھوڑا ہے اس لیے کہ تمہارے نفوس کا خریدار خود اللہ تعالےٰ ہے اور نفوس کے بدلے بھی بہشت عطا فرمائے گا۔ اس اعتبار سے تمہاری خوشی قابلِ رشک ہے کہ نہ ایسا خریدار کسی کو نصیب نہ ایسا ثمن بیش قیمت کسی کی قسمت میں لکھا ہے۔

اَلَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِہٖ جس سے تم نے بیع کی ہے۔ یہ بیع کی تقریر اور اس معنے کو واضح کرنے کے لیے لایا گیا ہے کہ یہ بیعت انوکھی ہے جس کے ساتھ کسی اور بیع کو مناسبت ہی نہیں اس لیے کہ اس میں فانی شے دے کر باقی کو حاصل کیا جا رہا ہے۔ علاوہ ازیں دونوں یعنی مبیع و ثمن اللہ تعالےٰ کی اپنی ملکیت کے باوجود اپنے فضل و کرم سے تمہیں اپنی بہشت کا مالک بنا رہا ہے۔

وَذٰلِكَ یہ اشارہ بہشت کی طرف ہے جو کہ جان و مال کا عوض یعنی ثمن بنے گی هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ○ وہ بہت بڑی کامیابی ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی بڑی کامیابی نہیں ہو سکتی۔

ف: حدادی نے فرمایا کہ اس سے نجات عظیم اور بہت بڑا اجر و ثواب مراد ہے اور اسے عظیم کامیابی اس لیے کہا گیا ہے کہ فانی کے بدلے باقی شے نصیب ہوئی ہے کیونکہ نفس و مال فانی اور بہشت باقی ہے۔

ف: تمام مخلوق اللہ تعالےٰ کی ملک اور اس کی عبادت گزار ہے وہ اپنی ملک اور اپنے بندوں میں جس طرح کا تصرف چاہے کرے۔ اس سے کسی کو سوال کرنے کی جرأت نہیں البتہ بندوں سے وہ باز پرس فرما سکتا ہے۔ اسے یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے اس فعل کا ارادہ کیوں کیا یا یہ کیوں فرماتا ہے کہ فلاں کام نہیں ہوگا باوجود اینہمہ اس نے اپنے بندوں سے بتایا کہ میں تم سے مال و جان خرید کر اس کے عوض میں بہشت عطا کرتا ہوں۔ یہ اس کی کرم نوازی اور لطف و عنایت ہے

اور بس۔

ف: ہر ایک کی زندگی کا وقت مقرر ہے اور ہر ایک کا رزق اس کی قسمت میں لکھا جا چکا ہے جسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے ایسے نہیں کہ جسے جو کچھ نہیں ملنا ہے تو وہ اسے ملے اور موت کا تیر ہر ایک کو لازماً پہنچے گا۔ اس لیے کہ ہر جی نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ جس کے لیے جو کچھ لکھا جا چکا ہے اُسے ضرور ملے گا۔ لیکن یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ تلوار کے سایہ تلے بہشت ہے پھر شراباً طہورا کے پیالے بھر بھر پلائے جائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی تقدیر میں لکھا ہے کہ جس مجاہد کے قدم جہاد کے گرد و غبار سے آلودہ ہوئے اس پر جہنم کی آتش حرام ہے۔ اور یہ بھی اس کا فرمان ہے کہ جو راہِ حق میں صرف ایک دینار خرچ کرتا ہے اسے سات سو دینار کا ثواب ملے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ اسے سو ہزار دینار کا ثواب عطا ہوگا۔

شہدا کے فضائل

۱۔ شہدا کے لیے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر واجب ہے کہ انھیں مرنے کے بعد زندہ فرمائے۔

۲۔ شہدا کی ارواح سبز رنگ کے پرندوں کے اندرونی حصہ میں رکھی جاتی ہیں۔ پھر وہ بہشت کے جس حصہ میں رہنا چاہیں انھیں عام اجازت ہوتی ہے۔

۳۔ شہید کے تمام صغیرہ و کبیرہ گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔

۴۔ وہ اپنے گھرانے کے ستر افراد کی شفاعت کرکے بلاحساب و کتاب انھیں بہشت میں لے جائے گا۔

۵۔ وہ قیامت میں ہر بڑی سے بڑی گھبراہٹ سے محفوظ ہوگا۔

۶۔ نہ اُسے موت کی تلخی سے تکلیف ہوگی نہ آخرت کے خطرات سے ڈر۔

۷۔ شہید ہوتے وقت اسے قتل ہونے کا خس برابر بھی درد کا احساس نہیں ہوگا۔

جہاد کے فضائل

۱۔ جہاد میں کھا پی کر نیند کے مزے اڑانے والا عام روزے دار اور شب بیدار سے افضل ہے۔

۲۔ جو راہِ حق میں جہاد کے متعلقات کی نگرانی کرتا ہے اس کی آنکھ جہنم کی آگ کو نہیں دیکھے گی۔

۳۔ جہاد کے لیے تیار رہنے والے کے اعمال تاقیامِ قیامت لکھے جائیں گے۔

۴۔ باقی ایام کی ہزار دنوں کی عبادت جہاد میں ایک دن گزارنے کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

۵۔ مجاہد کا رزق بھی شہید کی طرح غیر منقطع ہے۔

۶۔ جہاد میں صرف ایک دن کی رہائش کے لیے کچھ تیار کرنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

۷۔ مجاہد کو قبر کا عذاب اور اس کی ہولناک باتوں سے محفوظ رکھا جائے گا۔

۸۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مجاہد کی نہایت تعظیم و تکریم فرمائے گا۔ وغیرہ وغیرہ

سبق : جب جہاد و شہادت کے اتنے بڑے بڑے اور بہت ہی فضائل و مراتب ہیں تو سمجھدار اس بڑی نعمت و عظمت کو حاصل کیے بغیر نہیں رہ سکتا بلکہ وُہ اپنی زندگی اسی کے حصول میں بسر کرتا ہے اور ہر وقت جہاد کی تیاری میں لگا رہتا ہے۔ وہ اس تصور میں رہتا ہے کہ وہ کون سا وقت ہوگا کہ مَیں دشمن کا پیچھا کر رہا ہُوں گا۔ وہ رات دن لشکر جہاد میں شمولیت کے لیے چشم براہ رہتا ہے اور اپنی آمدنی کا وافر حصہ جہاد کے لیے محفوظ رکھ لیتا ہے بلکہ وُہ راہِ حق میں اپنے اموال لٹاتا رہتا ہے اور چاہتا ہے کہ اپنی جان و مال جان آفرین کو سپرد کروں اور وُہ گھڑی نصیب ہو کہ گاہے پاپیادہ لڑوں اور کبھی سوار ہوکر اور دشمنانِ اسلام پر جب مجاہدین ہلہ بولیں تو میں اُن کی صف میں شریکِ کار ہوں۔ یہاں تک کہ دنیا کے کونے کونے میں اسلام کا جھنڈا لہراتا نظر آئے یا یہ کہ اعدائے اسلام جزیہ دے کر اسلام کے تابع فرمان ہوکر زندگی گزاریں یا پھر ان کی گردنیں مار دی جائیں اور ان کی کھوپڑیاں پاؤں تلے روندی جائیں۔ قاعدہ ہے کہ دشمنوں کا لشکر کتنا ہی بڑا ہو وہ بالآخر شکست ہی کھاتا ہے اگرچہ لاتعداد اور اَن گنت ہی کیوں نہ ہو۔

ہم نے آنکھوں سے دیکھا کہ جب وُہ اہلِ اسلام کے مقابلہ میں آتے تو بالآخر پیٹھ دکھا کر بھاگتے۔ اپنے آپ کو چاہے وہ نہایت باشعور، ذہین و فہیم کہلاتے ہوں لیکن اہلِ اسلام کے مقابلے میں ان کی سب کی سب تدابیر اکارت اور وہ خود کمزور و لاچار ہوتے ہیں۔ وہ بیشک اپنے منہ میاں مٹھو بنتے پھریں مگر بوقتِ تقابل کوڑی کے برابر بھی نہیں نکلتے اور بحمدہٖ تعالےٰ اہلِ حق کے عزائم بڑے بلند ہوتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید شاہد ہے کہ ایک مسلمان دو کافروں کی جان ٹھکانے لگا سکتا ہے اس لیے میراث میں مرد کے دو حصے اور عورت کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ یعنی کافر بمنزلہ مونث کے اور مومن بمنزلہ مرد کے ہوتا ہے۔

سبق : ہمیں بھی چاہیے کہ ہم بھی ان کی صحبت بابرکت سے فیضیابی کی جدّ و جہد کریں۔ پیدل چلنا پڑے یا سوار ہوکر، ہمیں اپنے غمزدہ کو آلام و مصائب سے نجات دلانے کی سر توڑ کوشش کرنی چاہیے۔ اور ہمیں چاہیے کہ اپنی محبوب ترین چیز کو بھی ان پر نچھاور کر دیں اور دشمن کے معاونین کو تہس نہس کر دیں۔ دشمن کے نیزوں کا جواب نیزوں سے اور تلواروں کا جواب تلواروں سے دیں یہاں تک کہ ان کا نام و نشان تک مٹ جائے۔ یہی نہیں بلکہ کفر و شرک کے علاوہ ہر چھوٹی بڑی بُرائی کا خاتمہ کر دیں، بعدہٗ ہمارے لیے بہشت کے دروازے وا ہوں گے۔ بہشت کی ہر نعمت ہمارے لیے ارزاں ہوگی۔ اور شراباً طہوراً کے لبریز پیالے پئیں گے اور حُورِ عین جن کی تعریف قرآن مجید نے عرباً اتراباً سے کی ہے کے ساتھ ہماری شادیاں ہوں گی۔ یہ خوشخبریاں اور نعمتیں ان لوگوں کے لیے ہیں جنھوں نے دشمنانِ اسلام کی ہر قوت اور گھمنڈ کو توڑا اور اپنی تلواروں سے ان کی گردنیں اڑائیں اور اپنی حیاتِ مستعار کو لا شئے سمجھا اور سر کو ہتھیلی پر رکھ کر لڑے اس ارادہ پر کہ جب تک فانی زندگی ختم نہیں ہوگی دائمی عیش و عشرت اور بقا نصیب نہیں ہوگا۔ اسی جذبہ سے وہ شہادت کے گھاٹ اُترے اور موت کے بعد ایسے ٹھنڈے میٹھے پیالے نوش کیے کہ تا ابد ان کی پیاس بجھ گئی۔ ایسے لوگوں کے لیے کہا گیا ہے

کہ انھیں تجارت میں بے بہا منافع حاصل ہوئے، اس سبب سے بڑے سعادت مند کہلائے۔ انہی لوگوں کا معاملہ کامیابی کو پہنچا اور یہی حضرات اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں سے خوش ہیں۔ اے اللہ کریم! ہم تجھ سے عجز و نیاز کے ساتھ آرزو کرتے ہیں کہ ہمیں ان حضرات کے زمرہ سے بنا اور قیامت میں ہمیں ان سے دُور نہ رکھنا اور ہمیں بھی اس شہادتِ عظمیٰ سے نواز جس سے تو خوش ہو جائے اور ہمارے تمام گناہ بخش دے۔ ایسا نہ ہو کہ قیامت میں ہمیں گناہوں سے مصیبت کا سامنا کرنا پڑے۔ اے اللہ کریم! ہم اپنی جان و مال تیرے حضور میں پیش کرتے ہیں۔ اس حقیر نذرانے کو اپنے فضل و کرم اور رحمت سے قبول فرما اور ہمیں وہ وقت نصیب نہ ہو جس سے ہم تیرے فضل و کرم کے دروازے سے مایوس اور ناامید ہو جائیں، تو ارحم الراحمین ہے۔

حکایت ایک شہید کی

حضرت عبدالواحد بن زید قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ایک دفعہ ہم جنگ کی تیاری میں مصروف تھے۔ میں نے اپنے ایک ساتھی کو کہا کہ مجلس میں زور سے قرآنِ پاک کی یہی دو آیتیں اِن اللہ اشترٰی من المومنین الخ پڑھ دے تا کہ لوگوں کو جہاد کی ترغیب نصیب ہو۔ چنانچہ جب یہ دو آیات تلاوت کی گئیں تو ایک نوجوان جس کی عمر زیادہ سے زیادہ پندرہ برس کی ہوگی، ہمارے پاس آیا، اور وہ تھا بھی یتیم۔ یعنی انہی ایام میں اس کا باپ فوت ہوا تھا اور اسے وراثت میں بکثرت مال و دولت حاصل ہوئی تھی اس نے مجھے کہا: اے عبدالواحد بن زید! کیا یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے جان و مال لے کر بہشت عنایت فرماتا ہے؛ میں نے کہا، ہاں بالکل صحیح ہے۔ اُس نے کہا: تو پھر آپ گواہ ہو جائیے میں اپنا مال و جان اللہ تعالےٰ کے سپرد کر کے بہشت لینا چاہتا ہوں۔ میں نے اسے کہا: عزیزیہ! ذرا سوچ لیجئے تلوار کی سختی بہت تیز ہوتی ہے اور تُو ابھی بچہ ہے نہ معلوم تلوار کی سختی تم برداشت کر سکو یا نہ۔ اور پھر اس عزم سے باز رہو۔ اس نے کہا: اے عبدالواحد بن زید! یقین کیجئے میں نے اللہ تعالےٰ کو اپنی جان و مال بہشت کے عوض پیش کر دی۔ اب اس عزم سے ہٹنا کسی ناقص العقل کا کام ہوگا۔ آپ گواہ رہیں میں اپنے عزم پر ڈٹا ہُوا ہوں۔ حضرت عبدالواحد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: بچے کی ان باتوں سے ہم سب حیران و ششدر اور انگشت بدنداں تھے اور ہم سب اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے کہ ایک صغیر السّن بچہ اس قدر استقامت اور عزم صمیم رکھتا ہے اور ہم کمزوری کا ثبوت دے رہے ہیں وہ نوجوان مجھے مذکورہ بالا باتیں کہہ کر چلا گیا اور واپس آ کر گھر کا سارا سامان میرے سپرد کر دیا، صرف ایک گھوڑا، ایک تلوار اور جنگی ضروریات کے لیے تھوڑا سا مال اپنے پاس رکھا، جب روانگی کا وقت قریب ہُوا تو وہ سب سے پہلے لشکرگاہ میں حاضر ہو کر مجھے کہا: السلامُ علیکم میں نے اسے سلام کا جواب دے کر کہا: "تیری تجارت اِن شاء اللہ تعالیٰ رنگ لائے گی۔ اس کے بعد ہم سب چل پڑے اور وُہ نوجوان ہمارے ساتھ تھا اور اتنا شائق کہ دن کو روزے سے رہتا اور رات کو مصروفِ عبادت۔ بلکہ ہم سب کی اور ہماری سواریوں کی بڑے شوق سے خدمت کرتا ہوا چلتا رہا، اور جب ہم سو جاتے وہ ہم سب پر پہرہ دیتا، یہاں تک کہ ہم دارالروم (میدانِ جنگ) میں پہنچے تو وہ اچانک بڑے

زور سے کہتا تھا ہائے "العیناء المرضیہ"۔ میرے ساتھیوں نے کہا: افسوس نوجوان کو وسوسۂ شیطانی نے گھیر لیا اب اس کا دماغی توازن بھی صحیح نہیں رہا۔ مَیں نے اُسے بلا کر پوچھا: عزیز! "العیناء المرضیہ" کا مطلب کیا ہے اور تم اس کلمہ کو بار بار کیوں دہراتے ہو؟ اس نے کہا: حضرت! ماجرا یُوں ہے کہ میں ایک رات سو رہا تھا، مجھے اُونگھ سی آگئی۔ مَیں نے خواب میں دیکھا کہ میرے ہاں کوئی آنے والا آیا ہے اور کہا، چلو العینا المرضیہ کے پاس۔ یہ کہہ کر مجھے ایک باغ میں لایا گیا جس کے اندر ایک ٹھنڈے پانی کی نہر چل رہی تھی اور اس کے کنارے چند حسین لڑکیاں بیٹھی تھیں جن کے ملبوسات اور زیورات اتنے قیمتی اور بہترین تھے جو کبھی دیکھے نہ سُنے، اور نہ ہی میں اُن کے متعلق کچھ بتا سکتا ہُوں۔ جب انہوں نے مجھے دیکھا تو بڑے تپاک سے میرا استقبال کیا اور آپس میں کہنے لگیں:

العیناء المرضیہ کے شوہر گرامی یہی ہیں۔

میں نے انہیں السلام علیکم کہہ کر پُوچھا: العیناء المرضیہ تم میں کوئی ہے؟

انہوں نے کہا: نہیں جناب! وہ تو ہماری آقا اور ہم ان کی نوکرانیاں ہیں۔ ذرا آگے تشریف لے جائیے۔

میں آگے بڑھا تو مجھے ایک اور عظیم الشان بنگلہ نظر آیا جس کے اندر میٹھے دودھ کی نہر جاری تھی اور اس کے کنارے پہلے کی طرح چند حسین و جمیل نوخیز لڑکیاں بیٹھی تھیں جنھیں دیکھتے ہی ہر انسان اپنے قابو سے باہر ہو جائے۔ انہوں نے پہلی لڑکیوں کی طرح میرا پُرجوش استقبال کیا اور ان سے بھی وہی گفتگو ہُوئی۔ انہوں نے بھی وہی کہا کہ ہم اس کی خادمائیں ہیں۔ ذرا آگے بڑھیے۔ میں تھوڑا سا آگے بڑھا تو ایک اور عالیشان بنگلہ نظر آیا۔ اس کے اندر شراب طہور کی نہر چل رہی تھی۔ اس کے کنارے بھی حسبِ سابق چند لڑکیاں بیٹھی تھیں جن کے حسن و جمال کو دیکھ کر پچھلی تمام حسیناؤں کا حسن و جمال میرے ذہن سے محو ہو گیا۔ اُن سے بھی وہی گفتگو ہُوئی۔ اُنہوں نے بھی آگے چلنے کا کہا۔ میں کچھ آگے گیا تو دیکھا کہ ایک نہر شہد کی چل رہی ہے۔ اُس کے آگے موتیوں کا ایک بہترین بنگلہ ہے جس کے باہر حسینہ و جمیلہ لڑکی بیٹھی نظر آئی۔ وُہ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہُوئی اور باہر سے آواز دی:

اے العینا المرضیہ! تمہیں مبارک ہو۔ تمہارا شوہر آگیا ہے۔

میں جونہی خیمہ کے قریب گیا اور اندر جھانک کر دیکھا تو وہ العینا المرضیہ ایک سنہری پلنگ پر بیٹھی ہے جب میں نے اسے دیکھا تو میرے ہوش اُڑ گئے اور وہ مجھے کہنے لگی:

مرحبا یا ولی اللہ، تمہیں مژدہ باد۔ یہاں پر تمہارے تشریف لانے کا وقت قریب آگیا ہے۔

میں نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگانا چاہا تو اس نے کہا:

ٹھہریئے! ابھی تمہارا گلے لگانے کا وقت نہیں آیا اس لیے کہ تم عالمِ دنیا میں ہو۔ البتہ اب واپس چلے جاؤ۔ جنگ میں شرکت کرو۔ شام تک تمہارا رہنا سہنا عالمِ دنیا میں لکھا ہے۔ بعد ازاں تم ہمارے ہاں تشریف لا کر روزہ افطار کرو گے (ان شاء اللہ)۔

اے عبدالواحد بن زید! یہ ماجرا ہُوا۔ بعد ازاں مَیں جاگا تو اب مجھے قرار ہے نہ سکون۔ میں تو ایک لمحہ بھی اس دنیا میں نہیں رہنا چاہتا۔ مجھے العیناء المرضیہ کی یاد ستا رہی ہے۔ ہم ابھی باہم مصروفِ گفتگو تھے کہ دشمنانِ اسلام کی طرف سے جنگ کا اعلان ہو گیا۔ اس اثنا میں دشمنوں کا ابتدائی دستہ تلواریں چمکاتا ہُوا ہمارے مجاہدین کے مقابلہ کے لیے میدانِ جنگ میں آ دھمکا تو فوراً وہی نوجوان میدانِ جنگ میں کُود پڑا اور بڑے جذبہ کے ساتھ جوانمردی کے جوہر دکھلائے۔ دشمنوں کے نُو بہادروں کو جہنم رسید کیا۔ دسویں پر حملہ کیا تو دشمنوں کے تیروں اور تلواروں کے لاتعداد زخم کھا کر وہ نوجوان خون میں لت پت ہو گیا۔ میرے پہنچنے پر اس نے مسکراتے ہُوئے جان جانِ آفریں کے سپرد کی۔

کسی شاعر نے خوب فرمایا ؎

یا من یعانق دنیا لابقاء لہا   یمسی ویصبح مغرورًا وغرّارا
ھلا ترکت من الدنیا معانقۃ   حتّٰی تعانق فی الفردوس ابکارا
ان کنت تبغی جنان الخلا تسکنہا
فینبغی لک ان لا تامن النارا

ترجمہ: اے دنیا سے عشق بازی کرنے والے! تمہیں معلوم نہیں کہ دُنیا فانی ہے۔ پھر صبح و شام تم کیوں اس میں غرق ہو کر دھوکہ کھا رہے ہو۔ کیا تم سے ایسے نہیں ہو سکتا کہ تم دنیا کو سہ طلاق دے کر جنۃ الفردوس میں رہنے والی دوشیزاؤں سے جا ملو۔ اگر تم بہشت کے باغات میں اقامت کا ارادہ رکھتے ہو تو جہنم کی آگ سے ہر وقت ڈرتے رہو۔

تفسیرِ عالمانہ اَلتَّآئِبُوْنَ زجاج فرماتے ہیں کہ یہ مبتدا اور اس کی خبر محذوف ہے۔ اب معنٰی یہ ہُوا کہ توبہ کرنے والے اسی طرح باقی آنے والے حضرات سب کے سب ان مجاہدین کی طرح بہشتی ہیں جن کا ذکر گزشتہ آیات میں ہُوا۔ اس سے ثابت ہُوا کہ بہشت کے مستحق جس طرح مجاہدین فی سبیل اللہ ہیں ایسے ہی تمام اہلِ ایمان بھی بہشت کے حقدار ہیں اگرچہ انھیں جہاد کا موقعہ نصیب نہ ہوا ہو بشرطیکہ وہ جہاد کا جذبہ رکھتے اور جہاد کے عقیدہ کے قائل ہوں۔

ف: تائبین سے مراد وہ لوگ ہیں جو شرک و منافقت اور ہر صغیرہ و کبیرہ گناہ سے توبہ کرتے ہیں۔

تحقیقِ مسئلہ توبہ لغت میں توبہ بمعنے رجوع اور اصطلاحِ شریعت میں عقوبۃ سے رحمت و مغفرت کی طرف رجوع کرنا۔

مسئلہ: گناہ سے فوراً تائب ہونا واجب ہے۔

مسئلہ: توبہ سے پہلے اس گناہ کا (جس سے توبہ مطلوب ہے) خیال لانا ضروری ہے کہ واقعی یہ گناہ ہے، پھر

تہہِ دل سے کہے کہ مَیں اس سے توبہ کر رہا ہُوں۔

توبہ کی قبولیت کی علامات

توبہ کے قبول ہونے کی چار علامات ہیں:

۱۔ فاسقین سے کٹ کر صالحین کے ساتھ لگ جانا اور نیک مجلسوں میں دلچسپی سے شریک ہونا۔

۲۔ ہر نیک کام میں عملی طور پر شامل ہونا اور بصدقِ دل تمام طاعاتِ الٰہی میں لگ جانا جیسے درخت کی ٹہنیاں اس وقت سرسبز رہ سکتی اور پھل دیتی ہیں جبکہ جڑ صحیح و سالم ہو۔

۳۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے وہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی شئے سے خوش نہیں ہوتا۔ اس لیے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات مغموم و محزون اور متفکر نظر آتے تھے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے جن امور کو اپنے ذمۂ کرم پر واجب فرمایا ہے ان کی اسے ذرہ برابر بھی فکر نہ ہو۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہر ایک کا رزق میرے ذمّہ ہے تو پھر اس کے لیے فکر کیوں! اس لیے بندہ اس سے بے فکر ہو کر تشاغلِ باللہ رہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے: اے ابنِ آدم! مَیں نے تجھے مٹّی پھر نطفے سے بنایا۔ مجھے تیرے عدم سے وجود میں لانے سے تکلیف نہیں ہُوئی تو تیرے ہونے کے بعد مجھے تیری طرف ایک روٹی بھیجنے سے بھی کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔

ف: جب توبہ کرنے والے کے اندر توبہ کے بعد مذکورہ بالا چاروں علامات پائی جائیں تو پھر عوام الناس پر لازم ہے کہ اس پر بدگمانی کے بجائے اس کے ساتھ محبت کریں، اس لیے کہ اللہ تعالےٰ ایسے بندے سے محبت کرتا ہے، بلکہ اُس کی ثابت قدمی کے لیے دُعا کریں اُسے سابقہ گناہ یاد دلا کر شرمندہ نہ کریں۔ جب بھی وُہ اُن کی مجلس میں آئے تو اُس کی تعظیم و توقیر کریں۔

سبق: تائب پر لازم ہے کہ توبہ کر کے اللہ تعالیٰ سے کیا ہُوا عہد نہ توڑے اور نہ ہی کسی گناہ کی طرف راجع ہو۔

نکتہ: توبہ کے بعد صرف ایک گناہ قبل توبہ کے ستر گناہوں سے قبیح تر ہے۔ (کذا قال یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ تعالیٰ)

تفسیرِ صُوفیانہ

حضرت امام قشیری قدس سرہٗ نے فرمایا: تائب کئی قسم کے ہیں:

بعض وُہ ہوتے ہیں جو غلط کاریوں سے توبہ کر کے نیکیوں میں لگ جاتے ہیں۔

بعض وُہ ہوتے ہیں جو اپنے نفس کے تصوّر کو فنا کر کے لُطفِ الٰہی کے تصوّر میں محو ہوتے ہیں۔

بعض وُہ ہوتے ہیں جو اپنے نیک معاملات میں نفس کے تصوّرات مٹا کر حقائقِ ربانی میں مستغرق رہتے ہیں۔

تفسیرِ عالمانہ

اَلْعٰبِدُوْنَ ان سے وہ عبادت گزار بندے مراد ہیں جو نہایت خلوص سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ ؎

عبادت باخلاص نیت نکوست
وگرنہ چہ آید زبے مغز پوست

ف : عبادہ بمعنے ایسا فعل کرنا جو اللہ تعالےٰ کی تعظیم پر دلالت کرے۔

حکایت امام اعظم اور ان کا تقویٰ منقول ہے کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ بیس سال تک عشاء کی نماز سے صبح کی نماز ادا کرتے یعنی بیس سال آپ نے نیند نہ کی بلکہ نیند کے لیے بستر وغیرہ بیچ ڈالے تاکہ نفس نیند پر مجبور نہ کر سکے اور عجز و انکسار کا یہ عالم کہ سر سے کپڑا اتار ڈالا اور درگاہِ حق کا ادب اتنا کہ کبھی پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے۔

انتباہ : وہ اللہ تعالےٰ کا مبغوض ترین بندہ ہے جو تندرست اور فارغ البال ہو کر عبادتِ الٰہی سے کترائے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت امام قشیری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ عابد وہ لوگ ہیں جو ہر وقت خوف الٰہی سے خوفزدہ رہتے ہیں اور انہیں دنیا کی اعلیٰ سے اعلیٰ شئے کے ساتھ معمولی طور بھی انس نہیں ہوتا اور نہ ہی آخرت کی اچھی چیزوں سے ان کا دل لگتا ہے۔ بلکہ صوفیاءِ کرام کے نزدیک حقیقی بندہ وہ ہے جو جمیع حوادث سے مجرد ہو۔

تفسیر عالمانہ اَلْحٰمِدُوْنَ اللہ تعالےٰ کی تمام نعمتوں کی تعریف کرنے اور اس کے جملہ عطیات پر شکر کرنے اور اس کی صفات و اسماء کی مدح و ثنا کرنے والے۔ بعض مفسرین نے فرمایا حمد عام ہے یعنی دنیوی و اُخروی ہر دو نعمتوں کی تعریف کو حمد کہا جاتا ہے۔ اسی طرح دُنیا کی ہر مصیبت مالی جانی ہو یا اہل و عیال کی مصیبت پر صبر کرنے کو حمد کہتے ہیں اس لیے کہ اگر غور سے دیکھا جائے تو حقیقی نعمتیں یہی ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مصائب کے صبر سے لاتعد ولاتحصی اجر و ثواب نصیب ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر کسی کا چھوٹا بچہ مرتے وقت سخت تکلیف میں مبتلا ہو اور اُس کے والدین اور دیگر خویش و اقارب اس کی تکلیف کو دیکھ کر صبر کریں تو صبر کے علاوہ اس بچے کی تکلیف کا ثواب بھی اُنھیں ملے گا۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے : الحمد للہ علی ما ساء و سرّ۔ ہر رنج و راحت پر اللہ تعالےٰ کا شکر ہے۔

ازالۂ وہم بعض لوگوں کا خیال ہے کہ دین اسلام کوئی نعمت نہیں کہ اس کے لیے بھی حمد و شکر کیا جائے۔ یہ اُن کی غلطی ہے ورنہ توفیق توحید اللہ تعالےٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اس نعمت کے لیے تو مومن کو ہر وقت لازم ہے کہ کہتا رہے کہ یا اللہ! تیرا بڑا احسان ہے کہ تُو نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں دولتِ اسلام اور توفیقِ ایمان سے نوازا۔ حضرت امام مجاہد (مفسر) نے " الیس اللہ باعلم بالشاکرین " کی تفسیر میں لکھا " ای الشاکرین علی التوحید " یعنی اللہ تعالےٰ کا شکر کرنے والے ہیں۔ توحید کی توفیق پر ان دلائل سے معلوم ہوا کہ دین و اسلام بھی نعمتِ عظمیٰ ہیں۔ ان کے لیے جتنا شکر کیا جائے تھوڑا ہے۔

تفسیر صوفیانہ امام قشیری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حٰمِدُوْنَ وہ حضرات ہیں جنھیں قدرتِ الٰہی سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے اس پر وہ کبھی اعتراض نہیں کرتے اور جوان پر عبادتِ الٰہی بجا لانے کا حکم ہے اس کی ادائیگی سے کبھی تنگ دل نہیں ہونا چاہیے۔

تفسیر عالمانہ اَلسَّآئِحُوْنَ قاعدہ : حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

کل ما ذکر فی القراٰن من السّیاحۃ فھو الصّیام۔

قرآن مجید میں ہر جگہ سیاحۃ بمعنے صوم ہے۔

حدیث شریف : سیاحۃ امتی الصّوم۔ میری اُمت کی سیاحت روزہ ہے۔

شاعر لکھتا ہے : ؎

تراہ یصلی لیلۃ ونھارہ
یظل کثیر الذکر للہ سائحا

اس شعر میں سائحا بمعنے صائما ہے یعنی تم اسے دیکھو گے تو وہ شب و روز نماز میں لگا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی بکثرت کرتا ہے درانحالیکہ وہ روزے دار ہوتا ہے۔

روزے کو سیاحت سے تشبیہ کے وجوہ ۱۔ روزے کو سیاحۃ دبیر کرنے سے تشبیہ اس لیے دی گئی کہ جس طرح سیاح صرف اپنی منزل کو مدِ نظر رکھتا ہے اپنی منزل کے سوا کسی دُوسرے کام کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح روزے دار بھی شہوات سے رُک جاتا ہے اور صرف ذاتِ حق کو اپنا مطمحِ نظر سمجھتا ہے۔

۲۔ روزہ نفس کی ریاضت کا نام ہے جس کے ذریعے انسان غلط کاریوں سے محفوظ ہو کر ملک و ملکوت کے غیبی اسرار کا محرم راز بن جاتا ہے جیسے سیاح ایسے مقامات پر پہنچتا ہے جنھیں اُس نے نہ پہلے دیکھا اور نہ ہی وہ اُنھیں جانتا تھا جیسے سیاح مختلف ممالک کی سیاحت پر جس علاقہ کو اپنے لیے خوشگوار دیکھتا ہے اسی جگہ پر اقامت پذیر ہو جاتا ہے اور جس علاقہ میں اُس کا جی نہیں لگتا وہاں سے نکل کھڑا ہوتا ہے۔ اسی طرح روزے دار کا حال ہے کہ جب وہ بہشت میں داخل ہونا چاہے گا تو اُسے حکم ہوگا کہ بہشت کے جس دروازے سے چاہو داخل ہو اور جس بالاخانے یا بنگلے میں ٹھہرنا چاہے تو اس کو اپنے لیے منتخب فرمالے تو روزے دار بہشت کے تمام بنگلہ جات کو دیکھنے کے لیے چل نکلے گا جیسے سیاح تمام رُوئے زمین کا چکر لگاتا پھرتا ہے وُہ بھی تمام بہشت کے چپہ چپہ پر جائے گا۔

تفسیر صوفیانہ حضرت حسن رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سَآئِحُوْن سے وہ حضرات مراد ہیں جو حلال طعام سے روزہ رکھتے ہیں اور حرام مال کے قریب نہیں بھٹکتے۔ لیکن افسوس کہ ہمارے دور میں ایسے لوگ بکثرت ہیں جو رزقِ حلال حاصل ہونے کے باوجود اس کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ لیکن حرام کھانے میں شاغل ہیں۔ ایسے

لوگوں پر اللہ تعالیٰ سخت ناراض ہوتا ہے۔

۲۔ حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ السَّآئِحُوْنَ سے وہ حضرات مراد ہیں جو غیر اللہ کے شہود سے روزہ رکھتے ہیں۔ انہیں صرف ذاتِ حق سے واسطہ ہے اور بس۔

۳۔ تاویلات نجمیہ میں ہے السَّآئِحُوْنَ یعنی وُہ لوگ جو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سیر کرنے والے اور ما سوی اللہ کے تمام اشغال ختم کرنے والے ہیں۔

۴۔ حضرت عطاؒ نے فرمایا: اس سے مراد غازی فی سبیل اللہ ہیں جو اپنے ملک اور علاقہ کو چھوڑ کر کفار کے علاقہ جات میں پہنچ کر اُن سے جہاد کرتے ہیں۔

۵۔ حضرت عکرمہ نے فرمایا: اس سے وہ طالبانِ علوم مراد ہیں جو اپنا گھر بار چھوڑ کر غریب الدیار ہو کر علم حاصل کرتے ہیں۔

حکایت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ صرف ایک حدیث شریف سُننے کی خاطر مدینہ طیبہ سے مصر تشریف لے گئے اس لئے کہ کوئی شخص کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ باہر نکل کر کچھ حاصل نہ کرے اور جب تک ہجرت نہ کرے اپنے مقصد کو نہیں پا سکتا۔

نکتہ: جس کا کوئی استاذ نہ ہو وہ ہمیشہ دُوسروں کا دست نگر رہتا ہے اور دوسروں کی مدد سے اس کے دل کے پردے اُٹھتے رہیں گے۔ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کا کوئی باپ نہ ہو یا وُہ انسان جس کا کوئی حسب نسب نہ ہو۔

تفسیر عالمانہ

الرّٰکِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ وہ لوگ جو نماز میں رکوع و سجود کرنے والے ہیں۔

سوال: نماز کے دو ارکان کے ذکر کا کیا فائدہ حالانکہ نماز کے اور ارکان بھی ہیں۔

جواب: چونکہ نماز کی ہیئت کا اظہار انہی دو ارکان سے واضح تر ہوتا ہے بہ نسبت باقی ارکان کے، اس لیے کہ قیام و قعود کبھی انسان طبعی طور پر بھی کرتا ہے بخلاف رکوع و سجود کے کہ یہ صرف نماز کی ہیئت پر دلالت کرتے ہیں انسانی طبع پر اُن کی دلالت ہوتی ہی نہیں فلہٰذا ان کا ہونا عبادت کی حیثیت سے ہوگا بنا بریں انہیں نماز کی خصوصیات سے سمجھا جاتا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ

امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اس سے وُہ حضرات مراد ہیں جو سلطان التجلی کے سامنے مٹ کر نہایت درجہ کی عاجزی کرنے والے ہیں۔

حدیث شریف: "اِنَّ اللہ اذا تجلی لشیء خضع لہ"۔ اللہ تعالیٰ جب کسی شے کو اپنی جلوہ گاہ بناتا ہے تو وُہ شے اس کے لیے خضوع کرتی ہے۔

السّٰجِدُوْنَ یعنی وُہ لوگ ظاہر سے بساط عبودیت اپنے نفوس کو باطن میں شہودِ ربوبیت کے سامنے اپنے

قلوب کو جھکاتے ہیں۔

۲۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ الرَّاکِعُوْن سے وہ حضرات مراد ہیں جو مقام قیام سے اپنے وجود کو موجود کے سامنے لاتے ہیں اور السّٰجِدُوْن سے وہ حضرات مراد ہیں جو بلا ارادہ عتبہ وحدۃ پر اپنے عزائم سے فارغ ہوجاتے ہیں۔ ؎

چوں تجلی کرد اوصاف قدیم
پس بسوزد وصف حادث را کلیم

تفسیر عالمانہ

الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ایمان و طاعت کا حکم دینے والے ہیں۔ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ اور شرک اور معاصی سے روکنے والے ہیں۔

ف: حدادی نے فرمایا:

المعروف سے یہاں پر سنّت اور المنکر سے بدعت (سیئہ) مراد ہے۔

بدعت کی تعریف اور ردّ وہابیہ اور دیوبندیہ

ابن الملک نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی "کل بدعة ضلالة" کے تحت لکھا ہے کہ بدعت سیئہ ہر اس فعل کو کہتے ہیں جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا ہو۔ اس لیے کہ "ضلالة" طریقہ مستقیمہ کے ترک اور غلط راہ پر چلنے کا نام اور طریقہ مستقیمہ سے شریعت مراد ہے اس سے بدعت حسنہ مستثنیٰ ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بیس تراویح کے اجرأ کے بعد فرمایا:

"نعمت البدعة هذه"۔ یہ کیسی اچھی بدعت ہے۔

بدعت کی تقسیم اور ردّ وہابیہ دیوبندیہ

علماء کرام فرماتے ہیں کہ بدعت کی پانچ اقسام ہیں:

۱۔ بدعت واجبہ —— جیسے ملحدین اور دوسرے بے دینوں کے شبہات کے ردّ میں دلائل قایم کرنا۔

۲۔ بدعت مندوبہ —— جیسے دینی کتب تصنیف کرنا اور مدارس عربیہ اسلامیہ قائم کرنا اور ان کی تعمیر وغیرہ۔

۳۔ بدعت مباحہ —— جیسے اطعمہ وغیرہ کی مختلف اقسام۔

۴۔ مکروہہ

۵۔ حرام —— ان کی مثالوں کی ضرورت نہیں اس لیے کہ یہ مشہور ہیں۔

صاحبِ روح البیان کی تحقیق دربارہ مسائل صوفیائے کرام

صاحب روح البیان قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ جب ظاہری علوم کی تعلیم کے لیے بناء مدارس بدعت حسنہ ہے تو صوفیاء کرام کی خانقاہوں کا اس حکم میں ہونا ضروری ہے بلکہ مدارس کی بنأ سے خانقاہوں کی بناء افضل و اعلیٰ عمل ہے اس لیے کہ مدارس کو ظاہری علوم سے تعلق ہے اور خانقاہوں کو باطنی علوم سے اور باطنی

علوم ظاہری علوم سے افضل و اعلیٰ ہیں۔

سوال وہابیہ دیوبندیہ : مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ دین و اسلام کے مرکز ہیں ان میں تو خانقاہیں نہیں۔ پھر بلادِ رومیہ پھر دیگر اسلامی ممالک میں صوفیاء کرام کی خانقاہیں کیوں۔

ج از صاحبِ رُوح البیان : خانقاہوں میں ذکر و فکر کی محفلیں ہوتی ہیں اور اُن کی خلوتوں سے باطنی احوال کی اصلاح ہوتی ہے اور نفسِ امارہ کے ساتھ جہاد کرنے کی ریاضت کی تربیت دی جاتی ہے بناء بریں جو خانقاہوں کی بناء پر اعتراض کرتا ہے وہ جاہل اور احمق ہے اور اس کا روکنا اس کی ازلی بدبختی کی دلیل ہے۔ اسے امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں شامل کرنا اسلام دشمنی کا ثبوت دینا ہے اہلِ فہم پر یہ تقریر واضح و ظاہر ہے۔

وہابیت و دیوبندیت جیسے منکرین پہلے بھی تھے

اولیاء کرام کے اس طریقے پر اعتراض کرنے والوں کی اکثریت ہے لیکن وہ لوگ صرف زبانی جمع خرچ پر ہیں اُن کے ہاں نہ تو کوئی دلیل ہے نہ کوئی معقول ثبوت۔ اُن سے اللہ تعالیٰ بچائے۔ (آمین)

تفسیر صُوفیانہ امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلْاٰمِرُوْنَ وَالنَّاھُوْنَ سے وُہ لوگ مراد ہیں جو داعی الی اللہ ہیں اور غیر اللہ کے تعلق سے روکتے ہیں بلکہ وہ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ بندگانِ خدا کو وصالِ حق نصیب ہو اور غیر اللہ کے تعلقات سے بالکل فارغ ہو جائیں۔

نکتہ : الاٰمرون اور النّاھون کے درمیان واؤ جمع کی اس لیے لائی گئی ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر درحقیقت ایک عمل ہے اس لیے کہ وہ ایک دُوسرے کے بغیر نہیں ہوتے، گویا آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ اس گروہ پر آٹھواں گروہ یعنی الحٰفِظُوْن کی آٹھویں صفت ہوگی۔ بعض کے نزدیک الناھون عن المنکر آٹھویں صفت ہے۔ اس پر عطف واؤ بھی آٹھویں ہوگی۔

قاعدہ : نسفی کی تفسیر مسمّٰی بہ تیسیر میں ہے کہ محققین کے نزدیک اس کے متعلق کوئی اصل نہیں اور نہ ہی اس عدد کی اسی طرح کی تقریر سے بہشت کے آٹھوں دروازوں کا ثبوت ملتا ہے۔ علاوہ ازیں واؤ کے بغیر بھی قرآن مجید میں اس طرح کی عبارات بکثرت ہیں۔ مثلاً:

الملک القدوس السلام المؤمن المھیمن العزیز الجبار المتکبر۔

اور فرمایا:

ولا تطع کل حلاف ھماز الاٰیۃ وغیرہ۔

آٹھویں گروہ کے لیے فرمایا:

تفسیر عالمانہ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ اور اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان جو حقائق و شرائع و احکام معاہدہ

ہوا ہے اس کی حفاظت کرتے ہیں اور دُوسروں کو بھی اس کے متعلق وصیت و نصیحت کرتے ہیں۔

تفسیرِ صُوفیانہ

امام قشیری رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

اس سے وہ حضرات مراد ہیں جو وہاں پر ٹھہرتے ہیں جہاں انہیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے، وہ احکامِ الٰہی سے سرِمُو انحراف نہیں کرتے۔ جب حکم ہوتا ہے تو پھر ہلنے کا نام نہیں لیتے اور اپنے سانس کو اللہ تعالےٰ کے نام سے محفوظ رکھتے ہیں یعنی پاسِ انفاس کے عامل ہوتے ہیں۔

ایک عجیب تقریر

احکامِ شرعیہ تکلیفیہ لاتعد و لاتحصیٰ ہیں۔ آیت مذکورہ میں ان سب کے اصناف و اقسام کا ذکر نہیں بلکہ یہ ان میں سے بعض کا بیان ہُوا ہے۔ اس کی تفصیل کے لیے بہت بڑے ضخیم مجلدات درکار ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں اجمالی طور احکام تکلیفیہ کو وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ ؕ میں بیان فرمایا ہے۔

فقہاءِ کرام کا یہ خیال بھی درست نہیں کہ جو کچھ انہوں نے اپنی تصانیف میں بیان کیا ہے احکامِ تکلیفیہ شرعیہ صرف یہی ہیں اس لیے کہ مکلفین کے افعال دُو قسم کے ہیں:

۱۔ متعلقات بالجوارح

۲۔ متعلقات بہ قلوب

اور کتبِ فقہ نے تو صرف ان اقسام کو بیان کیا ہے جو افعال جوارح سے متعلق ہیں اور وہ افعال جو قلوب سے متعلق ہیں وہ اوّلاً تو اُن کی کتبِ فقہ میں نہیں اور اگر ہیں تو بہت تھوڑے۔ ہاں افعالِ قلوب کو بعض کتب کلامیہ میں بیان کیا گیا ہے اور بعض کو امام غزالی اور ان جیسے اور بزرگوں نے کُتبِ تصوّف و اخلاق میں بیان فرمایا ہے اور وُہ بھی سب کے سب والحٰفظون لحدود اللہ میں اجمالی طور بیان فرمائے ہیں۔

حکایت

امام احمد غزالی نے اپنے برادر محمد غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ سے فرمایا کہ میں تیری تمام تصانیفِ تصوّف و اخلاق بس صرف دُو لفظوں میں بیان کرتا ہُوں:

۱۔ التعظیم لامر اللہ

۲۔ الشفقۃ علیٰ خلق اللہ۔

یعنی امرِ الٰہی کی تعظیم اور خلقِ خدا پر شفقت کرنا۔

ف: حدادی نے فرمایا:

یہ اللہ تعالےٰ کے بندوں کی طاعت اور اُن کا اوامر و نواہی کے لیے مُستعد ہونے اور اس کے نواہی سے باز رکھنے کے اجمال کا بہتر کلمہ ہے اس لیے کہ اللہ تعالےٰ اپنے حدود کو اوامر و نواہی و مندوبات میں بیان فرمایا ہے اور وہ اس کلمہ میں موجود ہیں۔ مثلاً بعض وُہ امور ہیں جن پر عمل کرنے کی ترغیب ہے دُوسرے وہ ہیں جن پر عمل

کرنے اور نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ تیسرے وہ ہیں جن سے اللہ تعالےٰ کے ارشاد سے رُکنا پڑتا ہے اور ان سب کو اس کلمہ نے بیان فرما دیا ہے۔

ف : جب بندہ مذکورہ بالا امور کو بجا لاتا ہے تو سمجھا گیا کہ وہ "الحٰفظون لحدود اللہ" میں شامل ہو گیا۔

حکایت حضرت خلف بن ایوب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک رات اپنی عورت سے فرمایا کہ اب تیرے بچے کا دُودھ چھڑانے کا وقت پُورا ہو گیا۔ فلہٰذا اس کو دُودھ نہ پلائیں۔ اور یہ آپ نے اسے رات کے کسی وقت میں حکم فرمایا۔ کسی نے کہا: اب تو رات ہے، اجازت ہو تو صبح کو یہ سلسلہ شروع ہو۔ آپ نے فرمایا: قرآن پاک میں دو سال متعین کیے گئے ہیں اور وُہ ابھی پُورا ہو گیا ہے۔ اس پر وقت بڑھانا قرآن پاک کے حکم کے خلاف ہو گا۔

اسی طرح سے "والحٰفظون لحدود اللہ" کے ارشادِ گرامی کی خلاف ورزی ہو گی۔

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ اور اہلِ ایمان کو خوشخبری دیجئے۔ اس سے وہی حضرات مراد ہیں جو مذکورہ بالا اوصاف سے موصوف ہیں۔

سوال : یہاں بَشِّرْهُمْ کہنا تھا۔

جواب : اسم ظاہر لانے سے تنبیہ ہو گئی کہ ان اوصاف سے انہیں ایمان نے موصوف کیا ہے اور مومن کامل ہوتا بھی وہی ہے جو اوصافِ مذکورہ سے موصوف ہو۔

سوال : جس بات کی خوشخبری دی گئی ہے اس کا ذکر کیوں نہ ہُوا۔

جواب : تاکہ معلوم ہو کہ وہ بہت باعظمت ہے اور اتنا کہ انسانی عقل وفہم کے حیطۂ امکان سے باہر ہے اور نہ ہی اسے کسی عبارت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اور ان بشارتوں میں سے اعلیٰ مرتبہ کی بشارت دارالسلام میں رؤیتِ باری تعالیٰ ہے۔

ف : دارالسلام میں ہر عمل صالح کے مطابق جزا نصیب ہو گی۔ مثلاً روزے دار سے کہا جائے گا كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بما اسلفتم فی الایام الخالیہ۔ اسی طرح باقی اعمال کو سمجھیے۔

سبق : مومن کو ہر عمل صالح کے لیے جدوجہد ضروری ہے تاکہ دارالسلام میں ہر طرح کی نعمتوں سے نوازا جائے اللہ تعالےٰ ہم سب کو ان اسباب کی توفیق بخشے جن پر عمل کر کے ہم اسے راضی کر سکیں۔

تفسیر عالمانہ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان کے لیے لائق نہیں۔ یعنی جو لوگ اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان رکھتے ہیں اُن کے لیے نامناسب ہے کہ وہ حکم اور حکمتِ الٰہی کی خلاف ورزی کریں اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا یہ کہ بخشش کا مطالبہ کریں لِلْمُشْرِكِيْنَ مشرکین کے لیے

یعنی ان لوگوں کے لیے جو اللہ کے ساتھ دُوسروں کو شریک کرتے ہیں۔ وَلَوْ كَانُوْٓا اگرچہ ہوں وُہ مشرکین اُولِيْ قُرْبٰى اہلِ ایمان کے قریبی رشتہ دار۔ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اس کے بعد جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان پر واضح ہوچکا کہ اَنَّهُمْ بے شک وہ مشرکین اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ○ اہلِ جحیم یعنی جہنمی ہیں جبکہ ان کا خاتمہ کفر پہ ہوا۔ یا جن کے بارے میں اُن کی زندگی میں بذریعہ وحی معلوم ہُوا کہ وہ کافر ہو کر مریں گے۔

ابُوطالب کی موت کُفر پر

مروی ہے کہ جب ابُوطالب بیمار ہُوا۔ یہ ہجرت سے تین اور بعثت سے دس سال بعد کا واقعہ ہے۔ ابُوطالب کی مرض الموت کی خبر قریشیوں کو پہنچی تو بعض نے کہا کہ حضرت حمزہ و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مسلمان ہو کر ہم سے گئے اور اُن کے اسلام لانے پر حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم تمام قبائل قریش میں خوب مشہور ہُوئے۔ سب نے کہا ابُوطالب کے پاس چل کر اس سے معاہدہ لکھوائیں کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے سب کچھ چھین لیں گے۔

ایک روایت میں ہے کہ ہم چل کر اسے کہیں کہ اپنے بھتیجے حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ لکھوا دیں ورنہ اس کی موت کے بعد لامحالہ ہم نے محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنا ہے۔ پھر اہل عرب ہمیں طعنہ دیں گے کہ ابُوطالب سے خطرہ ٹلا تو محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا۔

یہ طے کر کے قریش کے بڑے بڑے لیڈر عتبہ، شیبہ یعنی ربیعہ کے بیٹے، ابُوجہل، اُمیہ بن خلف اور حضرت ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) یہ حضرت فتح مکہ کی شب کو مسلمان ہو گئے تھے۔ ابُوطالب کے ہاں پہنچے اور کہلا بھیجا کہ ہم آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ ابُوطالب نے انہیں ملنے کی اجازت دے دی۔ انہوں نے آ کر کہا کہ آپ ہماری برادری قریش کے سردار ہیں۔ اب آپ کی موت قریب ہو گئی ہے اور خدشہ ہے کہ اب چند لمحات کے بعد آپ ہم سے جُدا ہو جائیں فلہذا ہماری گزارش ہے کہ آپ اپنے بھتیجے حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کو بُلا کر ہمارے ساتھ معاہدہ لکھا دیں کہ نہ ہم اسے چھیڑیں گے اور نہ وہ ہمیں چھیڑے۔ ابُوطالب نے حضور علیہ السلام کو بلایا۔ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ابُوجہل نے دیکھا کہ ابُوطالب کے قریب ایک جگہ خالی ہے اسے خطرہ لاحق ہُوا کہ اگر حضور علیہ السلام ابُوطالب کے قریب پہنچے تو اُسے جھاڑ پھُونک کر اپنا بنا لیں گے۔ فلہذا وہ خود کود کر ابُوطالب کے قریب بیٹھ گیا۔ حضور علیہ السلام جگہ نہ پا کر دروازے کے قریب بیٹھ گئے۔ ابُوطالب نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: بیٹا! تیری قوم کے یہ سردار میرے ہاں تشریف لائے ہیں۔ آپ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں آپ ان کو تسلی بخش جواب دیجئے اور ان کا اصل مقصد تو یہی ہے کہ آپ ان کے معبودوں کو گالی مت دیا کریں۔ یہ تمہیں اور تیرے معبود کو کچھ نہیں کہیں گے۔ حضور علیہ السلام نے کفار کے لیڈروں سے فرمایا کہ مجھ سے تم جو چاہو سو لے لو لیکن مجھے صرف اتنا مطلوب ہے کہ تم کلمۂ اسلام کو تہِ دل سے قبول کرو۔ پھر اس کی برکت دیکھو کر تم تمام عرب کے

بادشاہ بن جاؤ گے بلکہ سارے عجمی تمہارے زیرِ فرمان ہو جائیں گے۔ ابُوجہل نے کہا کہ ہم تمہیں بہت کچھ دے سکتے ہیں بلکہ بیرنِ عطا سے ہم دس گنا زاید تجھے دے سکتے ہیں لیکن بتایئے تو سہی وہ کلمۂ اسلام کیا شے ہے ؟

آپ نے فرمایا :

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کا اقرار کر کے اپنی گردنوں سے معبودانِ باطل کی پرستش کا طوق اتار دو۔

اس پر تمام کفار تضحیک کرتے ہُوئے تالیاں بجانے لگے۔ پھر انہوں نے کہا :

تم ہم سے جس طرح کا مطالبہ کرو ہم ادا کرنے کے لیے تیار ہیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اگر سُورج بھی اٹھا کر میرے ہاتھ میں دے دو تب بھی مجھے منظور نہیں ، جب تک کہ کلمۂ اسلام قبول نہ کرو۔

یہ سُن کر سب کے سب کہنے لگے : یہ غریب تمہیں کیا دے سکتا ہے۔ اُٹھو اور اپنے دین کی بات کرو اور اسی پر ڈٹ جاؤ یہاں تک کہ اس کا اور ہمارا فیصلہ خود اللہ تعالےٰ فرمائے گا۔

یہ کہہ کر تمام قریش اُٹھ گئے اور اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب سے فرمایا : چچا جی ! آپ کلمۂ شہادت قبول فرمالیں میں بارگاہِ رب العزت میں آپ کے ایمان کی گواہی دوں گا۔

ابوطالب نے جواب دیا : اگر مجھے ننگ و عار کا خیال نہ ہوتا تو کلمہ ضرور پڑھ لیتا۔ لیکن مجھے اپنی برادری سے ڈر لگتا ہے کہ وہ میرے بعد کہتے پھریں گے کہ ابُوطالب نے موت کے خطرہ سے کلمہ پڑھ لیا۔

جب ابوطالب نے کلمۂ اسلام سے مُنہ موڑا تو اسی حالت میں مر گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : میں اپنے چچا ابُوطالب کے لیے دُعائے مغفرت کرتا رہوں گا یہاں تک کہ میرا اللہ کریم مجھے اس سے منع فرمائے۔

ازالۂ وہم اور ردِّ وہابیہ و دیوبندیہ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے دُعائے مغفرت کا اہتمام فرمایا کہ ابُوطالب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتا بلکہ ہر ممکن مالی و جانی مدد کرتا[1]۔ چنانچہ اس کی موت کے بعد قریش نے مکہ معظمہ میں حضور علیہ السلام کو بہت ستایا اور اس قدر سخت اذیتیں دیں کہ ابُوطالب کی زندگی میں اُن کا تصور تک نہ تھا

چنانچہ مروی ہے کہ بعض شرارتیوں نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر مٹی کا ٹوکرا پھینکا جسے آپ جھاڑتے ہُوئے اپنے دولت کدہ میں تشریف لائے۔ آپ کی بعض صاحبزادیوں نے یہ حال دیکھا تو رونے لگیں۔

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کا ابُوطالب کے لیے دعائے مغفرت کرنا صلہ کے طور پر تھی اس سے اختیار و عدمِ اختیار کو کسی قسم کا تعلق نہیں۔ وہابیہ دیوبندیہ خواہ مخواہ شور مچاتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو اختیار ہوتا تو ابُوطالب کو کلمہ کیوں نہ پڑھا دیتے۔ تفصیل فقیر کی تفسیر اویسی میں ہے۔ ۱۲

اور آپ سے مٹی جھاڑی اور خوب گریہ کیا۔ آپ نے فرمایا: میری پیاری بیٹیو! مت رو ئیے۔ اللہ تعالیٰ میرا مہربان ہے اس کا کوئی بہتر انتظام فرمائے گا

بہرحال حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ابوطالب کے لیے دعائے مغفرت فرماتے رہے یہاں تک کہ یہی آیت نازل ہوئی۔ اس کے بعد آپ نے نہ اس کے لیے اور نہ دوسرے کفار و مشرکین کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔

شانِ نزول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ میرے باپ کے بعد کون فوت ہوا؟ عرض کی گئی آپ کی والدہ ماجدہ بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا۔ آپ نے فرمایا: تم میں سے کون ان کی قبر کو جانتا ہے تاکہ میں جاکر اُن کی قبر پر اُن کے لیے استغفار کروں اس لیے کہ ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنے ماں باپ کے لیے دعائے مغفرت فرمائی تھی۔ مسلمانوں نے کہا: تو ہم بھی اپنے ماں باپ کے لیے استغفار کرنے کے لیے آپ کے ساتھ چلتے ہیں۔ چنانچہ آپ گورستان کی طرف چلے۔ یہ فتح مکہ کے سال کی بات ہے۔ جب آپ مقامِ ابوا پر اپنی والدہ ماجدہ کی قبر مبارک پر پہنچے۔ (یہ ابواء مکہ و مدینہ کے درمیان واقع ہے) بی بی صاحبہ کی قبر یہاں اس لیے تھی کہ آپ کی پیدائش مبارک سے پیشتر ہی آپ کے والد ماجد فوت ہو چکے تھے اور انھیں مدینہ طیبہ میں دفن کیا گیا۔ سبب یہ ہوا کہ وہ کسی کام کے لیے مکہ سے باہر گئے۔ مدینہ میں موت آگئی۔ آپ اپنی امی جان بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے۔ آپ جب چھ سال کے ہوئے تو آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو لے کر ننھیال پہنچیں جو مدینہ میں تھے۔ اور بی بی صاحبہ اُن کے ہاں تشریف لیجایا کرتی تھیں۔ ان سے مل کر بی بی صاحبہ واپس مکہ معظمہ کو روانہ ہوئیں تو مقامِ ابواء پر اُن کا وصال ہو گیا تو وہیں مدفون ہوئیں۔ بعض کہتے ہیں وہ حجون میں مدفون ہوئیں۔ ان دونوں روایات میں یوں تطبیق ہو سکتی ہے کہ پہلے بی بی صاحبہ کو ابواء میں دفن کیا گیا پھر انہیں وہاں سے اٹھا کر حجون میں دفن کیا گیا۔ (کذا فی السیرۃ الحلبیہ)

حضور علیہ السلام نے اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کے قریب بیٹھ کر طویل دعا مانگی اور بہت گریہ کیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ ہم بھی رو پڑے۔ فراغت کے بعد ہم نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اس قدر کیوں روئے؟ تو آپ نے فرمایا: میں نے اپنے رب کریم سے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت چاہی تو زیارت کی اجازت مل گئی۔ پھر میں نے ان کے لیے استغفار کی درخواست کی تو اس کا اذن نہیں ملا[1]۔ اس پر

---

[1] اس سے وہابیہ دیوبندیہ گستاخانِ نبوت استدلال کرتے ہیں کہ آپ کے والدین کافر جہنمی ہیں (معاذ اللہ) حالانکہ اذن کا نہ ملنا اس کی دلیل نہیں اس لیے کہ اس وقت اذن نہ ملا۔ بعد کو آپ کو اس کا نہ صرف اذن ملا بلکہ آپ نے ان دونوں کو زندہ کر کے اسلام کی تلقین کی اور وہ مسلمان ہوئے۔ چنانچہ امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تصریح کی ہے۔ اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے اس موضوع پر ایک کتاب مسمی بہ "شمول الاسلام لاباء الاکرام" لکھی ہے۔ فقیر اویسی غفرلہٗ نے ان دونوں ائمہ کے فیض سے ضخیم کتاب "ابوین مصطفےٰ" لکھی ہے۔ ۱۲

یہ دونوں آیتیں مَاکَانَ لِلنَّبِیِّ وَمَاکَانَ استغفار ابراھیم الخ نازل ہوئیں۔

ازالۂ وہم

آیت کے دو اور اس سے زاید شانِ نزول ہوتے ہیں۔ اس طرح سے ممکن ہے کہ جب آپ نے اپنی والدہ کے لیے دُعا مانگی ہو تو یہ آیت نازل ہُوئی۔ پھر جب چچا کے لیے دُعا مانگی تو بھی یہی آیت نازل ہُوئی۔

ف: لیکن صاحبِ رُوح البیان فرماتے ہیں کہ یہ تقریر ناموزوں ہے اس لیے کہ جب پہلے اللہ تعالےٰ نے آپ کو اپنی والدہ کے استغفار سے روک دیا تو پھر کیسے ممکن ہے کہ آپ نے اپنے چچا کے لیے دُعا مانگی ہو حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ یہ سورۃ قرآن پاک کی تمام سورتوں سے بعد کو نازل ہوئی ہے۔ اسی طرح دُوسرے طور بھی کہہ سکتے ہیں کہ آپ نے چچا کے لیے دعائے مغفرت کی تو ممانعت کر دی گئی پھر آپ اپنی والدہ کے لیے کیسے دُعا مانگ سکتے تھے۔ جیسے اس کا فرق معلوم ہے واضح کرے[1]

وَمَاکَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰھِیْمَ لِاَبِیْہِ جبکہ اللہ تعالےٰ سے یُوں دُعا مانگی واغفر لابی کہ اے اللہ تعالےٰ! اسے ایمان کی توفیق اور اس طرف رہبری فرما۔

سوال: تم نے رہبری اور توفیقِ ایمان کہاں سے نکال لیا؟

جواب: ابراہیم علیہ السلام نے دُعا بھی اور اس کی علت بھی خود واضح فرمائی انہ کان من الضالین اس لیے کہ وُہ گمراہوں سے ہے۔

اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَۃٍ یہ اعم العلل سے استثنا مفرغ ہے۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے اب یعنی چچا آزر کے لیے دعائے مغفرت کا وعدہ فرمایا تھا **وَّعَدَھَآ اِیَّاہُ** جو اپنے اب[2] یعنی چچا آزر سے مغفرت کا وعدہ فرمایا تھا۔ چنانچہ اسے فرمایا تھا **لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَکَ** میں تیرے لیے مغفرت کی دُعا مانگوں گا۔

سوال: ابراہیم علیہ السلام نے کافر سے مغفرت کا وعدہ کیوں فرمایا؟

جواب: اُس کے لیے ایمان کی اُمید کی بنا پر آپ نے دُعائے مغفرت کا وعدہ فرمایا کیونکہ اس وقت اس کی حقیقت امر واضح نہیں تھی۔

فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَہٗٓ پھر ابراہیم کو وحیِ الٰہی سے اس کی حقیقت واضح ہُوئی کہ وُہ کفر پر ڈٹا ہوا ہے اور اس سے ایمان کی اُمید منقطع ہُوئی یا اللہ تعالےٰ سے وحی ہُوئی کہ وُہ کفر پر مرے گا۔ لیکن پہلا معنےٰ زیادہ مناسب ہے۔

اَنَّہٗ عَدُوٌّ لِّلّٰہِ بے شک وُہ اللہ تعالےٰ کا دشمن ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کو اس کی عداوت اللہ کی بات موت کے وقت معلوم

---

[1] فقیر نے اس بحث کو تفسیر اویسی میں مفصل طور پر لکھ دیا ہے۔

[2] آزر ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا جس کی تشریح ہم نے تفسیر اویسی میں کی ہے۔

نہیں ہوئی بلکہ اس سے قبل اس کی عداوۃ للہ واضح ہو چکی تھی۔ تَبَرَّاَ مِنۡهُ ط تو اس سے ابراہیم علیہ السلام نے بیزاری کا اظہار فرمایا یعنی واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ اب میں آزر کے لیے دعا نہیں مانگوں گا۔ اِنَّ اِبۡرٰهِیۡمَ لَاَوَّاهٌ **حل لغات:** اَوَّاهٌ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو سخت دکھ اور درد پہنچے۔ مثلاً کہتا ہے اوّاہ من کذا۔ یا کہتا ہے اوّہ بالمد و التشدید و فتح الواو سکون الہاء یعنی شکایت کے وقت طویل آواز کھینچنا اواہ بمعنے الخاشع المتضرع۔ جب اواہ بالکسر اور اس کے بعد آخرت کے شدائد مذکور ہوں تو اس وقت یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ آخرت کے امور کی عظمت سے گھبرا کر اواہ کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت کعب نے فرمایا:

الاواہ ھو الذی اذا ذکرت عندہ النار قال آہ۔

"اواہ وہ ہے کہ جس کے سامنے جہنم کا ذکر ہو تو کہے آہ"۔

بعض نے کہا الاواہ بمعنے الموقن۔ یہ لغت حبشہ میں ہے لیکن یہ ان کے مذہب کے مطابق نہیں جنہوں نے کہا کہ قرآن مجید میں غیر عربی الفاظ نہیں ہیں حالانکہ یہ لفظ حبشہ میں بولتے ہیں تو اس کا یہ جواب دیا کہ ایک لفظ دو لغات میں مستعمل ہے۔ اس لیے ممکن ہے کہ یہ لفظ عربی ہے لیکن حبشی بھی عربوں کے مطابق اپنی لغت میں استعمال کیا کرتے ہوں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام اپنے اب یعنی چچا آزر کے حال پر رحم فرماتے ہوئے بکثرت آہیں بھرتے۔ یہ ان کے کمال رافت و رحمت کی دلیل ہے باوجودیکہ باپ کافر تھا لیکن اس کے حال سے آپ کو سخت دکھ اور درد تھا اس لیے آہیں بھرتے۔

حَلِیۡمٌ ○ تکلیفوں اور اذیتوں پر بہت صبر کرنے والے تھے۔ اس لیے وہ اپنے اب یعنی چچا کی اذیتوں اور تکلیفوں پر صبر اور حوصلہ فرماتے باوجودیکہ آپ کا چچا تند خو سنگدل تھا اور بدخلق بھی۔ لیکن پھر بھی اس کے لیے دعائے مغفرت فرماتے تھے اس کی تند خوئی اور بدخلقی کی دلیل قرآن مجید میں بیان فرمائی گئی کہ وہ ابراہیم علیہ السلام سے کہتا تھا لَاَرۡجُمَنَّكَ میں تمہیں سخت ماروں گا۔

ردِّ وہابیہ دیوبندیہ جیسے ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مشرک اب یعنی چچا کے لیے دعا مانگا کرتے ایسے ہی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اسلاف مشرکین کے لیے استغفار کرتے[1] پھر جب کافروں کی استغفار سے روکا گیا تو آپ رک گئے۔

ف: آیت میں اپنے حبیب علیہ السلام کو تسلی دی گئی ہے کہ ممانعت سے پہلے جن مشرکین کے لیے آپ نے

---

[1] اس سے ثابت ہوا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی استغفار حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اقتدا میں تھا، جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کہ: "واتبع ملۃ ابراہیم حنیفا" لیکن وہابیوں دیوبندیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بے پر کی اڑائی۔ تفصیل تفسیر اویسی میں ہے۔

نے دُعائیں مانگی ہیں ان کا کوئی حرج نہیں۔ اس کی مزید وضاحت یُوں فرمائی:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا اور اللہ تعالیٰ کی عادتِ کریمہ نہیں کہ کسی پر گمراہی کے احکام جاری کرے بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ اس کے بعد جب کہ اُنھیں اسلام کی ہدایت دی ہے حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ یہاں تک کہ اُنھیں صریح وحی یا دلالت سے واضح ہو جائے مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ وہ جو محظورات و ممنوعاتِ دین سے بچنے کی جدوجہد میں رہتے ہیں اور ممنوعاتِ الٰہی سے رُک جاتے ہیں۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہُوا کہ عاقل ان امور کا مکلّف نہیں، جن پر عقل کی رسائی نہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ○ بے شک اللہ تعالیٰ جمیع اشیاء کو جانتا ہے منجملہ اُن بندوں کے وہ امُور بھی ہیں جنھیں وہ عقل سے نہیں پہچان سکتے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان کے لیے واضح فرماتا ہے۔ جیسا کہ یہاں ہوا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ بے شک اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں آسمانوں اور زمینوں کے ملک۔ ان میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ ؎

واحد اندر ملک او را یار نے
بندگانش را جز او سالار نے
نیست خلقش را دگر کس مالکے
شرکتش دعوے نہ کند جز ہالکے

يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور زندوں کو مارتا ہے یعنی زمین اور اجسام اور قلوبِ اُمم میں حیات و ممات پیدا کرتا ہے وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ . . . . یہ حال ہے یعنی درانحالیکہ تم اللہ تعالیٰ کی ولایت و نصرت سے تجاوز کرنے والے ہو مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ○ نہیں کوئی حمایتی اور نہ ہی کوئی مددگار۔

ربط: جب اللہ تعالیٰ نے اہلِ اسلام کو روکا کہ اپنے قریبی رشتہ دار مشرکین کے لیے استغفار نہ کریں بلکہ اُن سے پُورے طور بیزار ہو جائیں، تو وہم پیدا ہوتا تھا کہ کہیں رشتہ دار مشرکین ہماری بیزاری پر ہمیں تکالیف پہنچائیں اور ہم تنہا رہ جائیں گے تو کاروبار کیسے چلیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اُنھیں تسلّی دلائی کہ اے مسلمانو! تمھیں یقین ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ جملہ موجُودات کا مالک ہے اور تمام امور کا متولّی اور تمام کائنات پر غالب ہے۔ جسے بھی کوئی فتح و نصرت نصیب ہوتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ بندگان یکسوئی سے پُورے طور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں اور ماسوی اللہ سے یک لخت بیزار ہو جائیں یہاں تک کہ ہر معاملہ میں اُن کا مقصود صرف ذاتِ حق ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کو زندہ کرکے ایمان سے نوازا

علماء کرام کی ایک بہت بڑی جماعت نے تصریح کی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ

حجۃ الوداع کے موقعہ پر حجون سے گزرے تو رب العزت سے دُعا کی کہ آپ کی والدہ ماجدہ کو زندہ کر دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دُعا کو قبولیت بخشی اور آپ کی والدہ ماجدہ کو زندہ فرما دیا۔ اس وقت آپ کی والدہ ماجدہ آپ کا کلمہ پڑھ کر مُسلمان ہو گئیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اُن کی رُوح واپس لی اور وہ پھر سے قبر میں لوٹ گئیں۔

سوال از وہابیہ : اس حدیث شریف کا ثبوت ہی نہیں اور نہ ہی اس کی صحت کا کوئی پتہ ہے اگرچہ بے شمار حفاظ الحدیث نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور جن لوگوں نے اس حدیث پر جرح وطعن کیا اسے درخورِ اعتناء نہیں کیا لیکن مشکل یہ ہے کہ موت کے بعد ایمان غیر نافع ہے جیسا کہ شرع کا قانون اور قرآن مجید میں مصرح ہے۔

جواب ۱ : یہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے۔ جب یہ حضور علیہ السلام کی خصوصیت ہے تو پھر اعتراض کیسا۔ (کذا فی انسان العیون)

جواب ۲ : قرطبی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بے شمار بندگانِ خدا کے ذریعے مُردے زندہ فرمائے تو پھر اس میں کون سا اشکال ہے کہ اپنے حبیبِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شرافت اور بزرگی کے تحت آپ کے والدین کریمین کو آپ کے ذریعہ سے زندہ فرما کر اُنھیں دولتِ ایمان سے نوازے، بلکہ آپ کی جملہ مخلوق سے افضلیت کی بنا پر آپ کے لیے بطریقِ اولیٰ ہونا چاہیے۔ باقی رہا یہ سوال کہ ایمان موت کے بعد فائدہ نہیں دیتا۔ یہ بھی شانِ نبوت سے بےخبری کا نتیجہ ہے۔ اس لیے کہ زندہ کر کے پھر ایمان سے نوازنا اگر غیر نافع ہے تو پھر رد الشمس کا بھی انکار کیا جائے جبکہ اس کا وقت ختم ہو چکا تھا اسے لوٹا کر وقت بحال فرمایا وہ بھی آخر ملنی بر فائدہ تھا تو یہاں بھی وہی معاملہ ہے۔

ف : صاحبِ رُوح البیان فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے والدین کریمین اور ابو طالب کے ایمان کی بحث سورۂ بقرہ پارہ اوّل لا تسئل عن اصحاب الجحیم کے تحت مفصّل طور لکھی ہے وہاں دیکھ لیں۔

ایمانِ عبدالمطلب کے دلائل

۱۔ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ آپ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں بُتوں کی پرستش ترک کر دی تھی اور توحیدِ الٰہی کے قائل ہو گئے تھے۔ قرآن مجید کے نزول سے پہلے بہت سے طریقے مروج تھے جنھیں اسلام نے ابتدائی دَور میں جائز رکھ کر بعد کو ناجائز کیا جو قرآن مجید کی آیات کے علاوہ احادیث نبویہ میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔ مثلاً :

○ نذر کا ایفاء۔
○ محارم کے نکاح کی ممانعت
○ چور کا ہاتھ کاٹنا
○ زندہ درگور کے قتل کی نہی
○ شراب و زنا کی حرمت

○ بیت اللہ شریف کا ننگے ہو کر طواف کرنا

(کذا فی سبط ابن الجوزی)

ان میں بعض وہ وجوہ ہیں جو ابتداءً حرام تھے اور کچھ بعد کو حرام ہوئے۔

۲۔ ابکار الافکار فی مشکل الاخبار میں ہے کہ حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ اکثر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت پر عمل کرتے اور انہی کے احکام پر عباداتِ الٰہی بجالاتے۔ بعض مسائل میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے پیروکار تھے۔

ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بھی منکر نہیں تھے۔ علاوہ ازیں اس وقت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ نبوت بھی نہیں فرمایا تھا۔

۳۔ قاعدہ شرعیہ ہے کہ زمانۂ فترت میں جو لوگ فوت ہوئے اُنھیں کافر نہیں کہا جا سکتا۔ اور نہ ہی ان پر کفار و مشرکین کا فتویٰ دیا جا سکتا ہے۔

سیرۃ حلبیہ میں ایک دلیل لکھی کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے آپ کی والدہ ماجدہ کے **ازالہ وہم** استغفار سے اس لیے روکا کہ جو آپ کے یا کسی اور نبی علیہ السلام کے دین کا انکار کرے گا یا اس میں تغیر و تبدل پیدا کرے گا تو اسے لازماً عذاب ہوگا۔ یہ دلیل بالکل ضعیف ہے اس لیے کہ یہ قول اس قاعدہ پر مبنی ہے کہ ایمان و توحید کا وجوب عقل سے ہو حالانکہ اہلسنّت وجماعت کے جمہور علماء کرام کا مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نہیں کرتا جب تک کہ ان میں رسلِ کرام علیہم السلام نہ بھیجے اور یہ اپنے مقام پر ثابت ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بعد عرب میں کوئی نبی نہیں آیا۔ اور یہ بھی مسلّم ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام و دیگر انبیاء علیہم السلام کی نبوت کا اجراء اُن کے وصال سے ختم ہو گیا یہ صرف ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے کہ بعد وصال بھی تاقیامت آپ کی نبوت جاری و ساری رہے گی[1] اور اہلِ عرب جو زمانۂ فترت میں فوت ہوئے اُن پر کسی قسم کا عذاب نہیں ہوگا اگرچہ وہ دین میں تغیر و تبدل پیدا کرتے یا اصنامِ باطلہ کی پرستش میں مبتلا رہے۔

سوال: بہت سے فترت کے دور کے گمراہوں اور بُت پرستوں کے لیے احادیث میں ان کے عذاب کا بیان وارد ہوا ہے اور تم کہتے ہو انھیں عذاب نہیں ہوتا۔

جواب ۱: انہیں عذاب دینا اور پھر حضور علیہ السلام کا خبر دینا۔ تمام روایات مؤول ہیں۔

جواب ۲: ترغیب اسلام کی وجہ سے ہوتا تاکہ یہ لوگ اُن کے عذاب کا حال سُن کر کفر و شرک سے بچ جائیں اور وہ

---

[1] اگرچہ قادیانی جیسے بدمزاج کئی نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں وہ اپنی سزا پائیں گے ورنہ نبوتِ حضور علیہ السلام موجود ہے اور آپ زندہ ہیں۔

بھی بعض کے متعلق وارد ہے سب کے لیے، ورنہ احادیث میں کلّی طور پر فرمایا جاتا کہ اہلِ فترت سب کے سب جہنّم کے عذاب میں مُبتلا ہیں۔

جواب ۳: صاحبِ رُوح البیان فرماتے ہیں کہ مَیں نے بعض علماءِ کرام کی عبارات سے اندازہ کیا کہ وہ اس کی تقریر یُوں کرتے بلکہ اس کو مرجح فرماتے ہیں کہ وجوبِ ایمان و توحید یعنی بُت پرستی سے باز رہنے پر کسی کو مکلف بنانے کے لیے اتنا کافی ہے کہ کوئی رسول علیہ السلام دعوتِ حق پیش کرے اور بُت پرستی کی مذمت فرمائے اگرچہ وہ اس وقت مُرسل من اللہ نہ بھی ہو تب بھی جسے ایسے رسول کی دعوت و تبلیغ پہنچی ہے اُس پر ایمان و توحید کا قبول کرنا اور بُت پرستی سے بچنا واجب ہے کیونکہ نبوّت کا زمانہ پا لینا ضروری نہیں بلکہ دعوت و تبلیغ کا ہونا ضروری ہے وہ دعوت و تبلیغ اُس نے براہِ راست سُنی ہے یا اُسے دعوت و تبلیغ سُننے کا امکان ہو۔ اگر ایسی صُورت اُسے نصیب نہیں تو پھر وہ معذور ہے۔ ایسے کے لیے ضروری ہے کہ اسے کسی رسُول علیہ السلام کا زمانہ نصیب ہو اور وُہ اسے دعوت و تبلیغ دین یا اسے ان کی دعوت و تبلیغ کسی ذریعہ سے پہنچے اس جواب پر لازم آتا ہے کہ جس نے ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلّم یا کسی دُوسرے پیغمبر علیہ السّلام کا زمانہ نہیں پایا، لیکن اسے دعوت و تبلیغ پہنچی ہے تب بھی شرک میں مُبتلا رہا تو ایسا شخص جہنم کے عذاب میں مبتلا ہو گا۔ اس لیے کہ ہم نے شرط لگائی ہے کہ ہر اُس بندے کو عذاب نہ پہنچے گا جسے دعوت و تبلیغ بھی نہ پہنچے اور اسے تو دعوت و تبلیغ پہنچی ہے اور اسے قدرت حاصل ہے کہ وُہ دعوت و تبلیغ پر شرک کو ترک کر کے ایمان و توحید قبول کرے۔

تقریرِ مذکور کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی نبی کی بعثت سے پہلے کسی کو عذاب نہیں دیا جاتا بلکہ اُسے عذاب ہوتا ہے جو بعثت کے بعد شرک اور بُت پرستی نہیں چھوڑتا اور نہ ہی توحید و ایمان قبول کرتا ہے۔

سوال: تمہارے جوابات صحیح حدیث شریف کے خلاف ہیں جنہیں طبرانی نے "اوسط" میں سندِ صحیح سے روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہر نبی علیہ السّلام کے وصال کے بعد جو زمانہ فترت ہوا اس میں جتنے لوگ فوت ہوں گے سب جہنّم میں جائیں گے۔ اس سے معلوم ہُوا کہ فترت کے زمانہ کے لوگ جہنمی ہیں۔

جواب: اس تمام سے مراد کثرت ہے۔ یعنی ان میں کثیر لوگ جہنّم میں ہوں گے۔ چنانچہ صحیح بخاری و صحیح مسلم کی روایاتِ ذیل سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جہنّم میں دوزخیوں کو داخل کیا جائے گا، وہ کہتی رہے گی "ھل من مزید" یعنی "کچھ اور چاہیے"۔ یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ اس میں اپنا قدم مبارک (یعنی قدرت کا دھڑکا) رکھے گا تو جہنّم کے طبقات ہل جائیں گے۔ عرض کرے گی: "قط قط" یعنی اللہ تعالیٰ! مجھے تیری عزّت اور تیرے کرم کی قسم مجھے اب ضرورت نہیں۔

مسئلہ: ایمان و توحید کے علاوہ فروعی مسائل میں اہلِ فترت پر عذاب نہ ہوگا اس لیے کہ انہیں حضور علیہ الصّلوٰۃ

والسلام کی بعثت مبارکہ نصیب نہیں ہوتی۔ وہ صاحبان اگرچہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے اقراری تھے لیکن بت پرستی میں مبتلا ضرور تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى۔

ف: توحید و ایمان میں فرق یہی ہے کہ توحید میں تمام سالفہ متفق ہیں۔ صرف مسائل میں ایک دوسرے سے مختلف تھے اور یہ کوئی اختلاف نہیں۔

مسئلہ: اہلِ فترت سے قیامت میں حساب اور امتحان ہوگا۔

اہلِ فترت کے امتحان کی داستان

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ثوبان روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

جب قیامت قائم ہوگی تو اہلِ جاہلیت کو لایا جائے گا اور وہ اپنے بتوں کو پیٹھ پر اٹھائے ہوں گے۔ آتے ہی اللہ تعالیٰ سے سوال کریں گے: اے الٰہ العٰلمین! تُو نے ہمارے ہاں نہ کوئی رسول بھیجا اور نہ ہی تیرا کوئی حکم پہنچا کہ جس سے ہم تیری فرماں برداری کرتے۔ اگر تیری طرف سے رسول تشریف لاتے تو ہم سب سے زیادہ تیرے فرمانبردار ہوتے۔ اللہ جل جلالہٗ انھیں فرمائے گا: اگر میں تمہیں کوئی حکم دُوں تو مانو گے۔ عرض کریں گے: ضرور مانیں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اُن سے وعدے لے کر اُنھیں فرمائے گا: جاؤ جہنم میں۔ وہ جہنم کی طرف چل پڑیں گے۔ جب جہنم کے قریب جائیں گے تو متفرق ہو کر جہنم سے بھاگ کر اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہو جائیں گے اور عرض کریں گے: یا اللہ! اس میں تو ہمارا داخل ہونا مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں فرمائے گا: اب تمہیں داخل ہونا ہی پڑے گا۔ چنانچہ انھیں جبراً دھکیل کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اگر وہ پہلی بار جہنم میں چلے جاتے تو ان کے لیے جہنم ٹھنڈی اور سلامتی کا گھر بن جاتی۔

فائدہ در شانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اور اُن کی عزت و احترام کے تحت قبل بعثت کے لوگ امتحان میں کامیاب ہو کر بہشت میں داخل ہوں گے تاکہ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشی حاصل ہو۔

مسئلہ: ہم اُمید رکھتے ہیں کہ حضرت عبدالمطلب بھی انہی لوگوں میں سے ہوں گے جنہیں امتحان میں کامیابی ہوگی۔

مسئلہ: ابو طالب کو اس زمرہ میں داخل نہیں کیا جا سکتا اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ بعثتِ مبارکہ پایا لیکن ایمان سے محروم رہا باوجودیکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دعوتِ اسلام پیش فرمائی۔

ف: مسئلہ احیاء کو اُنھوں نے نہیں بیان فرمایا صرف ابو طالب کے ذکر پر اکتفا فرمایا۔

نا اُمیدم مکن از سابقۂ لطف ازل
تُو چہ دانی کہ پسِ پردہ کہ خوب است کہ زشت

تفسیر عالمانہ لَقَدْ تَّابَ اللّٰہُ عَلَى النَّبِيِّ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے آپ کا وُہ اِذن مراد ہے جو آپ نے جنگ پہ جانے والے منافقین کو معاف فرما دیا تھا۔

سوال: اجازت تو حضور علیہ السلام نے دی لیکن صحابہ کرام کو ساتھ ملا دیا، یہ کیوں؟

جواب: قاعدہ ہے کہ بعض کا فعل کل کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ مثلاً اہلِ عرب کہتے ہیں: "بنو فلان قتلوا زیداً"۔ فلاں قبیلہ کے لوگوں نے زید کو قتل کیا (حالانکہ قتل صرف ایک نے کیا ہوتا ہے لیکن قتل کی نسبت کُل کی طرف ہوئی ہے۔

ازالہ توہم وہابیہ دیوبندیہ آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام سے کوئی گناہ سرزد ہوا ہے (معاذاللہ) تب ہی تو اللہ تعالٰے نے توبہ کی قبولیت کی خبر دی ہے۔

جواب: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا منافقین کا اذن از قبیل اجتہاد تھا اور اسے گناہ سے تعبیر کرنا جہالت و حماقت ہے اس لیے کہ اہلسنت کا مسلّمہ عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام صغائر و کبائر سے معصوم ہوتے ہیں اور قاعدہ ہے کہ عام انسان بھی اگر گناہ کا ارتکاب کرے تو عوام کے دلوں سے اُس کی عزت و عظمت اُٹھ جاتی ہے اور عوام کی نظروں سے گر جاتا ہے۔ اگر انبیاء علیہم السلام سے بھی گناہوں کا صدور ہو تو اُن کی عزت و عظمت عوام کے دلوں سے اُٹھ جائے گی حالانکہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا باہیبت ہونا لازمی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ان تمام امراض سے محفوظ ہوتے ہیں جو عوام کے لیے نفرت کا سبب بنیں۔ مثلاً جذام وغیرہ۔

سوال: اسے "زلۃ" سے اہلسنت نے تعبیر کیا ہے اور "زلۃ" بھی خطا کو کہا جاتا ہے۔ اگر حضور علیہ السلام پر گناہ کا اطلاق ناجائز ہے تو پھر یوں کہا جائے کہ آپ سے خطا ہوئی (معاذاللہ)

جواب: زلہ بمعنے خطا لینا بھی نبوت دشمنی کا ثبوت دینا ہے اس لیے کہ اگرچہ لغتہً زلۃ بمعنے خطاء اور حق سے باطل کی طرف جُھکنا ہے۔ اگر یہی معنیٰ لیا جائے تو پھر انبیاء علیہم السلام کی نبوت کی عزت و عظمت پر دھبہ آتا ہے، بلکہ زلۃ اصطلاح شریعت میں انبیاء علیہم السلام کے لیے بمعنے افضل سے فاضل کی طرف میل کرنا۔ اگرچہ افضل کو چھوڑ کر فاضل کو لینا عوام کے لیے موجبِ ملامت نہیں بنتا۔ لیکن حضرات انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے مخصوص اور مقربین ہوتے ہیں۔ اسی لیے اُن کے لیے یہ فعل موجبِ عتاب بنتا ہے یہ بھی ان کی قدر و منزلت کی عظمت کی دلیل ہے چنانچہ حضرت ابُو سعید خراز قدس سرّہٗ نے فرمایا: حسنات الابرار سیئات المقربین۔ ابرار کی حسنات مقربین کے سیئات ہوتی ہیں۔

جواب: نبی علیہ السلام کے لیے توبہ کا ذکر اُمت کی توبہ کا مقدمہ اور اصل ہے اور تابع کی توبہ کا دارومدار اصل وتبوعہ

کی تصحیح پر ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ توبہ نعمت بلکہ ایک مخصوص رحمت ہے تاکہ پہلے آپ پر پھر آپ کے صدقے اپنے بندوں کو اس نعمت سے نوازے۔ اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت جسے بھی نصیب ہو تو وہ صدقہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ اس معنیٰ پر یہ نعمت نبوت سے سب سے پہلے مہاجرین وانصار کو نصیب ہوئی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لقد تاب اللہ علی النبی الخ

وَالْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ ہماری مذکورہ بالا تقریر کی تائید حدیثِ نبوی سے ہوتی ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو کچھ اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل وکرم سے میرے سینے میں ڈال دیا۔

حل لغات: الانصار نصیر کی جمع ہے جیسے اشراف شریف کی جمع یا ناصر کی جمع انصار ہے اور جیسے صاحب کی اصحاب جمع آتی ہے۔ اس سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ صحابہ کرام مراد ہیں جنہوں نے مدینہ سے ہجرت کر کے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر اصحاب مہاجرین کی مدد کی اور انہیں اپنے گھروں میں ٹھہرایا۔

ف: انصار ان کا اسلامی نام ہے اوس وخزرج کے مُسلمانوں کا نام اللہ تعالےٰ نے انصار رکھا ورنہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نُصرت سے قبل اور نزولِ قرآن سے پہلے اس نام سے موسوم نہ تھے۔

مسئلہ: انصار کی محبت وعقیدت واجب ہے بلکہ اُن کی محبت وعقیدت ایمان کی علامت ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

آیۃ المومن حب الانصار وحب الانصار آیۃ الایمان وآیۃ النفاق بغض الانصار۔ (کذا فی فتح القر

یعنی مومن کی علامت انصار کی محبت ہے اور انصار کی محبت ایمان کی علامت ہے اور منافقت کی علامت انصار سے بغض رکھنا ہے۔

مسئلہ: مہاجرین انصار سے افضل ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

لولا الهجرة لكنت امرأً من الانصار۔

اگر ہجرت کا حکم نہ ہوتا تو میں بھی منجملہ انصار کے ہوتا۔

ف: ابن الملک نے فرمایا، اس حدیث سے انصار کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ کرم میں ہجرت کے سب سے بڑا مرتبہ انصار کا ہے۔

ف: اس مسئلہ کے باقی ابحاث ہم نے والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار کے تحت بیان کر دیے

تفصیل مطلوب ہو تو وہاں دیکھیے۔

اَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْہُ اس سے وہ حضرات مراد ہیں جنہوں نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی۔ کسی معاملہ میں بھی انہوں نے آپ کے حکم کی خلاف ورزی نہ کی اور نہ ہی آپ کے کسی ارشادِ گرامی میں کوتاہی کی **فِیْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ** دکھ کی گھڑیوں میں۔ اس سے وہ گھڑی مراد ہے جس میں غزوۂ تبوک واقع ہوا۔ اس لیے کہ اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بہت سخت مشقت برداشت کرنی پڑی، اس لیے کہ غزوۂ تبوک سخت گرم موسم میں لڑا گیا اور پھر صحابہ کرام کے پاس اس وقت سواریوں کی کمی تھی یہاں تک کہ دس آدمیوں کے لیے سواری کا صرف ایک اونٹ تھا، جس پر وہ باری باری سوار ہوتے تھے اور خرچ خوراک کی تو بالکل ہی کمی تھی یہاں تک کہ صرف ایک کھجور ایک بڑی جماعت پر تقسیم کی جاتی اور وہ بھی پانی میں بھگو کر گزارہ کرتے اور پانی کی قلت کی یہ کیفیت تھی کہ جانوروں کا گوبر نچوڑ کر گزارہ کرتے۔

حکایت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم غزوۂ تبوک کے لیے ایسے موسم میں روانہ ہوئے کہ گرمی سے کلیجے باہر آتے تھے، یہاں تک کہ ہمارے بعض دوستوں نے اونٹ ذبح کر کے اس کا گوبر وغیرہ جمع کر کے نچوڑ کر گزارہ کیا۔

ف: کاشفی نے فرمایا کہ "برطوبات اجراف و امعاء آں دھن ترساختند" یعنی آنتوں اور معدوں کی رطوبات کا تیل تیار کر کے (تاکہ جواز کی صورت نکل آئے) استعمال کیا۔ اس لیے غزوۂ تبوک کا دوسرا نام "غزوۃ العسرۃ" ہے۔

ف: اس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی مدح ہے کہ انہوں نے جان ہتھیلی پر رکھ کر اس جنگ میں حصہ لیا بلکہ ہر آڑے وقت سینہ سپر ہوئے۔

سبق: انسان کو غور کرنا چاہیے کہ ان حضرات کی اتنی بڑی مشقت کو سر پہ رکھنے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں معمولی کمی پر توبہ کا حکم فرمایا ہے پھر ہم کس باغ کی مولی کہ اتنے بڑے جرائم کے باوجود ٹس سے مس نہیں ہوتے۔

مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ اس کے بعد کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل ٹیڑھے ہو چلے تھے یزیغ بمعنے یمیل ہے یعنی جنگ کے شدائد و تکالیف کی شدت سے بعض لوگوں کو عین جنگ کے وقت خیال گزرتا تھا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر واپس مدینہ طیبہ چلے جائیں۔ لیکن صبر کیا اور سمجھا کہ اجر و ثواب سے ہم محروم ہو جائیں گے۔ بلکہ جو کچھ دل میں غلط خیال گزرا اس پر اظہار ندامت کیا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی توبہ قبول فرمالی۔

ف: کاد میں ضمیر شان کی ہے اور جملہ یزیغ محلاً منصوب ہے اس لیے کہ وہ کاد کی خبر ہے اور قاعدہ ہے کہ جب کاد کی خبر جملہ ہو تو ضروری ہوتا ہے کہ اس میں ضمیر ہو جو اس کے اسم کی طرف لوٹے۔ ہاں جب اس میں ضمیر شان کی ہو تو پھر جملہ خبریہ میں ضمیر کا ہونا ضروری نہیں ہوتا۔

ثُمَّ تَابَ عَلَیۡهِمۡ پھر اللہ تعالےٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ یعنی ان سے جو غلطی ہوگئی اسے معاف فرما دیا۔

سوال: توبہ کا ذکر پہلے ہو چکا، پھر دوبارہ اس کا ذکر کیوں؟

جواب: یہ تکرار تاکید کے لیے ہے اور تنبیہ ہے کہ ان کی توبہ کی قبولیت صرف اس لیے ہوئی کہ اُنھوں نے جنگ کے شدائد کو جوانمردی سے سر پر اُٹھا لیا۔

حضرت حافظ نے فرمایا: ؎

مکن ز غصۂ شکایت کہ در طریق طلب
براحتی نرسید آنکہ زحمتے نکشید

اِنَّهٗ بے شک وُہ اللہ تعالےٰ **بِهِمۡ** ان کے ساتھ **رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ** رؤف و رحیم ہے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے اور بمنزلہ علت کے ہے۔ اس لیے کہ رافت و رحمت توبہ کے موجبات سے ہے اور یہ بھی ہے کہ رافت ازالہ ضرر اور رحمت ایصال منفعت کے لیے ہے اور یہ بھی ہے کہ رافت سابق غلطیوں کی معافی کے لیے اور رحمت آنے والی کوتاہیوں کی بخشش کے لیے۔ اور یہ بھی ہے کہ اس کی مہربانی میں شمار ہے کہ اس نے اپنے محبوب کریم رؤف رحیم کو ہمارے ہاں رسول بنا کر بھیجا اور انھیں بہت بڑے معجزات سے نوازا۔

اختیارِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مروی ہے کہ غزوۂ تبوک میں لشکرِ اسلام پیاس سے سخت پریشان تھا۔ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ آپ سے اللہ تعالےٰ نے قبولیتِ دُعا کا وعدہ فرمایا ہے آپ دُعا فرمائیے تاکہ بارش ہو۔ آپ نے صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کیا تم بھی چاہتے ہو؟ اُنھوں نے عرض کی: ضرور چاہتا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے دُعا مانگی، یہاں تک کہ بارش ہوگئی۔ لشکرِ اسلام نے سیر ہو کر پانی پیا اور اپنی ضروریات کا پانی محفوظ کر لیا اور اپنے جانوروں کو پانی پلایا۔ اور طرفہ یہ کہ پانی صرف لشکرِ اسلام کی رہایش گاہ سے متجاوز نہ ہوا۔

دیگر: مروی ہے کہ غزوۂ تبوک میں لشکرِ اسلام ایک جنگل میں پہنچا وہاں اُن کا پانی ختم ہو چکا تھا اور جانور پیاس کے مارے مرے جا رہے تھے اور چلنے سے بالکل عاجز آ گئے۔ اُن کی یہ حالت دیکھ کر آپ نے بارش کی دُعا مانگی، اور اپنے لوٹے بردار خادم کو بلایا اور فرمایا کہ لوٹے میں پانی ہے؟ عرض کی: تھوڑا سا ہے۔ آپ نے اسے پیالہ میں ڈال کر اپنا پنجہ مبارک اس میں رکھا تو پانی کے چشمے اُبلنے لگے۔ صحابہ کرام نے سیر ہو کر پانی پیا اور سواریوں کو پانی پلایا اور اپنے پانی کے تمام برتن اور مشکیزے بھر لیے۔ اس وقت بارہ ہزار گھوڑے، پندرہ ہزار اُونٹ اور تیس ہزار جنگی بہادر۔ ایک روایت میں ستر ہزار

سلطان سلیم اوّل خاقان عثمانیہ نے کہا: ؎

کوثر نمی ز چشمۂ احسان رحمتش
آب حیات قطرہ از جامِ مُصطفےٰ است

معجزہ و اختیارِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مروی ہے کہ جب غزوۂ تبوک کے مجاہدوں کو بھوک نے ستایا [illegible] اپنی سواریوں کو ذبح کرنے کی اجازت چاہی تاکہ اُن کے گوشت سے بھوک اور اُن کی چربیوں وغیرہ کا تیل نکال کر پانی بنا کر پیاس بجھائیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر سواریاں ذبح کر دی گئیں تو پھر لشکرِ اسلام جنگ کیسے لڑ سکے گا۔ آپ دُعا فرمایئے تاکہ یہ مشکل حل ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کہ لشکرِ اسلام میں اعلان کر دو کہ جو کچھ کسی کے پاس ہے وُہ لے آئے۔ اور ایک دسترخوان بچھا دیا اور فرمایا: جو کچھ لاؤ اس پر ڈالتے جاؤ۔ چنانچہ کوئی جوار کوئی باجرا، کوئی کھجور، کوئی گندم مٹھی بھر بھر کر اس دسترخوان پر ڈالتا گیا۔ جب معمولی سا اناج جمع ہو گیا تو آپ نے اس کے لیے برکت کی دُعا فرمائی اور حکم فرمایا اس میں سے جتنا چاہو لے جاؤ۔ تمام لشکر نے جی بھر کر وہاں سے اُٹھا لیا تمام لشکر نے اپنی ضرورت کے برتن پُر کر لیے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ طعام جُوں کا تُوں تھا۔ آپ نے فرمایا:

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔

پھر فرمایا:

جو اس کلمہ پر یقین رکھتا ہے اور اسے یقین سے پڑھتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ جہنم کی آتش حرام فرمائے گا۔

حضرت شیخ مغربی قدس سرہٗ نے فرمایا:

گلِ توحید نروید ز زمینے کہ درو
خارِ شرک و حسد و کبر و ریا و کین است

تفسیرِ صُوفیانہ

لقد تاب اللہ علی النبی الخ یہاں پر نبی سے الروح النبی مراد ہے۔ اس لیے اُنہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حقائقِ دین کا الہام ہوتا ہے۔ پھر وُہ اپنی اُمت یعنی قلب، نفس، جوارح، اعضاء کو پیغاماتِ حق پہنچاتے ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ نبی الروح اور ان کے صفات کے مہاجرین (جنہوں نے نبی الروح کے ساتھ مکۃ الروحانیہ سے مدینۃ الجسدانیہ کی طرف ہجرت کی) پر فیضان فرماتا ہے اور ان کے انصار یعنی قلب و نفس اور اُس کی صفات پر بھی انصار سے مدینہ جسدانیہ کے باسی مراد ہیں جنہیں فیوضاتِ رحمت سے نوازا گیا۔ الذین اتبعوہ سے مراد وہ ہیں جنہوں نے رُوح کی اتباع کی جبکہ روح نے عالمِ علو کی طرف دکھ اُٹھا کر رجوع فرمایا۔ وُہ چونکہ عالمِ سفل کے باسی ہیں انہیں عالمِ علو کی سیر میں بہت مشقت ہُوئی۔ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ یہاں فریق سے مراد نفس اور اس کی صفات اور خواہشات مراد ہیں اس لیے کہ ان کا میلانِ طبعی

عالم سفل کی طرف ہے۔ اس لیے وہ عالم علو کی سیر سے جھجکنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی اس کوتاہی کو معاف کر کے فیض ربانی سے مستفیض فرما کر انھیں طبعی میلان سے نکالا۔ پھر انہیں عالم علو کی سیر سے نوازا۔ اِنَّهٗ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ اس لیے کہ وہ اُن کے لیے رؤف و رحیم ہے اسی لیے انہیں اس پر شریعت سے اس لائق بنایا کہ عالم حقیقہ کی طرف رجوع کرنے کے اہل ہو گئے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا اور اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کی توبہ قبول فرما لی جو غزوۂ تبوک میں غیر حاضر ہوئے اُن کے لیے قطعی فیصلہ نہ ہوا کہ اُن کے لیے کیا کیا جائے یہاں تک کہ ان کے لیے نزول وحی ہوا اور اُنھیں توبہ کا مژدہ سُنایا گیا۔ یہ تین حضرات" کعب بن مالک شاعر، مرارۃ بن الربیع العنبری اور ہلال بن اُمیہ انصاری رضی اللہ عنہم تھے۔ ان تینوں کا خلاصہ لفظ "مکہ" ہے اور اُن کے اباء کے آخری لفظ کا خلاصہ "عکہ" ہے حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ یہاں تک کہ جب ان پر زمین تنگ ہو گئی۔ یہ غایت ہے یعنی ان کا انجام بکار یہ ہوا کہ ان پر زمین تنگ ہوئی بِمَا رَحُبَتْ باوجودیکہ وہ ان پر فراخ اور کشادہ تھی اس لیے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بحکم نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ بائیکاٹ کر رہا تھا نہ ان سے بولتے نہ انہیں سلام کہتے نہ اُن کے سلام کا جواب دیتے یہاں تک کہ انھیں خطرہ لاحق ہو گیا کہ اگر وہ اسی حالت میں مر گئے تو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کی نمازِ جنازہ بھی نہ پڑھائیں گے

ف : ضاقت علیھم الارض شدت حیرت کے وقت بولا جاتا ہے، جب کسی کا آرام و قرار چھن جائے اور وہ ہر طرح کا اطمینان کھو بیٹھے۔

وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ فرطِ غم اور سختِ وحشت سے وہ اپنی جانوں سے بھی تنگ تھے اس لیے کہ انہیں نہ کوئی خوشی راس آئی اور نہ ہی اُن کا کوئی مونس رہا اور تمام سرور و کیف ان سے مٹ چکا تھا۔ اسی بنا پر گویا اُن کی ذات ختم ہو چکی وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ پس انہیں یقین ہو گیا کہ اب اللہ تعالےٰ کی ناراضگی سے ان کا ملجا و ماویٰ اور نجات کا موجب سوائے اللہ کے استغفار کے لائق کوئی نہیں۔ یہاں پر ظَنُّوْا بمعنے علموا اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے ان کی مدحت و ستائش کے مقام پر بیان فرمایا ہے اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جبکہ وہ اپنے علم اور یقین سے ایسا کلام کریں۔

ف : ان مخففہ من المثقلہ ہے اس کا اسم شان ضمیر مقدر ہے اور لا اپنے متعلقات سے مل کر اُن کی خبر ہے اور من اللہ لا کی خبر ہے اور ان اپنے تمام متعلقات سے مل کر ظنوا کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے اور الا کا مستثنیٰ منہ عام اور محذوف ہے۔ دراصل عبارت علموا ان الشان لا النجاء من سخطه الی احد الا الیه تھی۔

ف : بعض متقدمین نے فرمایا: جب کسی کو اللہ تعالیٰ نعمتوں سے مالا مال فرمائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ کثرت سے حمد و ثنا کرے۔

نسخۂ روحانی برائے ازالۂ غم جسے غم و الم گھیریں اسے استغفار بکثرت پڑھنی چاہیے۔

تفسیر صُوفیانہ جو بحرِ توحید میں مستغرق ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اس کا سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی ملجا و ماوی نہیں ہوتا اور اسے سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کہیں ٹھکانا نہیں ملتا۔ ہاں یہ مظاہر صرف اسباب ہیں اور بس۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

گرچہ سایۂ عکس شخص است اے پسر
ہیچ از سایہ تنانی خورد بـــر
ہیں ز سایہ شخص را می کن طلب
در مسبب رد گزر کن از سبب

ثُمَّ تَابَ عَلَیْهِمْ یعنی انہیں اللہ تعالےٰ نے توبہ کی توفیق بخشی لِیَتُوْبُوْا تاکہ توبہ کریں، یعنی گناہوں سے رُوگردانی کرلیں۔

ف: یہاں پر تین امور لازم آئے:

۱۔ توفیقِ توبہ ــــ یہ "تاب" سے ثابت ہُوئی۔
۲۔ توبہ کا ہونا ــــ یہ لیتوبوا سے حاصل ہُوئی۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کا اُن کی توبہ قبول کرنا ــــ یہ علی الثلٰثۃ الخ سے ثابت ہُوا۔

نکتہ: تیسرے امر کو امرِ اوّل پر ثمّ سے عطف ڈالنے میں یہ راز ہے کہ معلوم ہُوا کہ ان تمام امور کا اصل امرِ ثالث ہے معناً دونوں مراتب پر مقدم ہے اس تقریر پر لفظ ثمّ میں رتبی تراخی ہوگی۔ اور یُوں بھی معنیٰ کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے توبہ کی قبولیت نازل فرمائی جس پر وُہ تائبین کے گروہ میں شامل ہُوئے اور انھیں تائبین کے زمرہ میں شمار کیا گیا۔ اس معنے پر ثمّ اپنے حقیقی معنے پر ہوگا۔ اس لیے انزال قبول التوبہ نفس قبول ہے جو کہ وعلی الثلٰثۃ میں مذکور متفرع ہے۔ ان اللہ

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ○ بیشک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والوں کی توبہ بہت جلد قبول کر لیتا ہے اگرچہ وُہ دن میں سَو بار بھی غلطی کا ارتکاب کر کے توبہ کریں۔ پھر وُہ اگرچہ گناہوں کے مرتکب ہو کر اپنے گناہوں کی وجہ سے مختلف اور سخت قسموں کے عذاب کے مستحق ہوں۔ لیکن اس کے بعد بھی ان پر گوناگون الطاف ہوتے ہیں۔ ؎

گر لطف تو یاری نماید ز نخست
ہم توبہ شکستہ است وہم پیمان ست
چوں توبہ بامید پذیرفتن تست
تا تو نپذیری نبود توبہ درست

ف: مروی ہے کہ بہت سے صحابہ کرام غزوۂ تبوک میں پہلے دنوں میں جانے سے رہ گئے۔

حکایت ۱ حضرت حسن سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:
مجھے ایک صحابی کا قول پہنچا ہے کہ اُن کا باغ تھا جس کی قیمت لاکھ درہم تھی۔ انہوں نے اپنے باغ کو کہا کہ تُو نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانے سے روکا۔ نہ تیرے ثمرات ہوتے نہ میں انتظار میں رہتا فلہذا اب میں تجھے اللہ تعالیٰ کی راہ میں چھوڑتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں غزوۂ تبوک کے لیے چل پڑے۔

حکایت ۲ ایک صحابی کا واقعہ ہے کہ وُہ بھی غزوۂ تبوک سے پہلے دنوں حاضری نہ دے سکے۔ ان کی صرف ایک اہلیہ تھیں، انہوں نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ مجھے تیری وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے سے رکاوٹ ہُوئی اور میں غیر حاضر رہا۔ اب میں تجھے اللہ تعالیٰ کے حوالے کر کے جاتا ہُوں۔ راستے میں خواہ کتنی ہی سختیاں درپیش ہوں، میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں ضرور حاضری دُوں گا۔ چنانچہ یہ کہہ کر سوار ہو کر حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

حکایت ۳ ایک صحابی کا واقعہ ہے کہ اس کا گھر میں کچھ نہیں سوائے اپنی ذات کے۔ لیکن اس کے باوجود وہ جنگ میں پہلے دنوں حاضری نہ دے سکے۔ وُہ اپنے نفس سے مخاطب ہُوئے کہ اے نفس! تیری بدبختی نے مجھے جنگ پہ جانے سے روک دیا۔ تُو نے مجھے اس خیال میں پھنسا دیا کہ غزوۂ تبوک کا معاملہ سنگین ہے وغیرہ وغیرہ۔ وہ اپنے نفس کو کوستے ہُوئے تیاری میں لگ گئے۔ جس قدر زادِ راہ کی ضرورت تھی گھر سے اٹھا کر چل پڑے۔ چنانچہ وُہ بھی چند دنوں کے بعد آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں غزوۂ تبوک میں شامل ہو گئے۔

حکایت ۴ حضرت ابُوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ تعالیٰ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ وُہ بھی پہلے دنوں غزوۂ تبوک میں حاضر نہ ہو سکے۔ بعد کو زادِ راہ سر پر اٹھائے پیدل چل پڑے اور چند روز کے بعد وُہ بھی حضور نبی کریم علیہ التحیۃ و التسلیم کی خدمتِ اقدس میں غزوۂ تبوک کے لیے حاضر ہو گئے۔ ؎

راہ نزدیک و بماندم سخت دیر
سیر گشتم زین سواری سیر سیر

معجزہ اور اختیارِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

انہی حضرت ابُوذر رضی اللہ عنہ کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُور سے دیکھ کر فرمایا:

"کُن اباذر" ہو جا ابُوذر۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ ہم نے دیکھا تو وہ واقعی ابُوذر تھے۔

حضور علیہ السّلام کا علم ما فی الغد

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
ابُوذر اکیلے چل کر غزوۂ تبوک کے لیے حاضر ہوئے ہیں تو یہ مریں گے بھی اکیلے اور قیامت میں اُٹھیں گے بھی اکیلے۔

ف : صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں صرف یہی تینوں وُہ تھے جو مدینہ طیبہ میں بلا عذر رہ گئے اور غزوۂ تبوک کے لیے حاضر نہ ہو سکے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ وُہ ہیں جو بیعتِ عقبہ کے موقعہ پہ حاضر تھے اور حضرت ہلال و حضرت مرارہ رضی اللہ عنہما دونوں غزوۂ بدر میں حاضر تھے۔

حضرت کعب کی کہانی اُن کی اپنی زبانی

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس مدینہ تشریف لائے تو میں نے جا کر سلام عرض کیا۔ آپ نے رنجش بھرے الفاظ سے جواب دیا اور میرا نام لے کر فرمایا:

کاش! کعب غزوۂ تبوک سے غیر حاضر نہ ہوتا۔

پھر فرمایا: میں اس کے فضل و اسلام کو جانتا ہوں۔

پھر مجھ سے پُوچھا کہ تم جنگ سے کیوں غیر حاضر ہوئے؟ کیا تم نے جنگ کے لیے سواری نہیں خریدی تھی اس کے باوجود بھی جنگ پہ نہیں آئے۔

میں نے عرض کی: سوائے سُستی و کاہلی اور غفلت کے میرا اور کوئی عذر نہیں۔

اس پہ مجھے فرمایا: اُٹھ جا میری مجلس سے، تیرا فیصلہ اللہ تعالیٰ خود فرمائے گا۔

یہی میرے ساتھیوں کا حال ہے۔ پھر ہم تینوں کے لیے تمام صحابہ کرام سے سلام و کلام کرنے سے روک دیا۔ اس کے بعد ہماری یہ کیفیت ہو گئی کہ ہمارے ساتھ نہ اپنا کوئی سلام و کلام کرتا نہ بیگانہ۔ حضرت ہلال و مرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما تو غم کے مارے گھر میں بیٹھ گئے۔

لیکن حضرت کعب رضی اللہ عنہ مسلمانوں میں گھُل مل کر رہتے۔ وُہ نماز بھی اُن کے ساتھ اور بازار میں بھی ان کے ساتھ ہوتے لیکن کوئی بھی ان سے بولتا نہیں تھا۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کوئی تاجر مدینہ طیبہ آیا اور میرے متعلق لوگوں سے پُوچھتا تھا۔ لوگ میرا نام لیے بغیر میری طرف اشارہ کر دیتے تھے یہاں تک کہ وہ تاجر مجھے ملا اور مجھے ملکِ غسان کا خط دیا۔ بادشاہ کا نام ابوالحارث ابن ابی شمر تھا۔ وہ خط ریشم کے ایک ٹکڑے میں لپیٹا ہوا تھا۔ اس میں لکھا تھا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تم پر تمہارے ساتھی (نبی علیہ السلام) نے بہت بڑا ظلم کیا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ ذلت و خواری سے نہیں رکھے گا۔ یعنی تم کچھ معمولی شخصیت کے مالک نہیں ہو تم ہمارے ہاں آ جاؤ ہم تمہیں بہت بڑے اعزاز و اکرام سے نوازیں گے۔

حضرت کعب فرماتے ہیں کہ جب میں نے اس کا وُہ خط پڑھا تو میں نے سمجھا کہ یہ ہمارے لیے ایک اور مصیبت (امتحان) ہے۔ میں نے وُہ پڑھتے ہی فوراً گرم تنور میں ڈال دیا۔

ف : انباط نامی ایک قوم عراقین کے درمیان پہاڑیوں میں آباد ہے وہاں زندگی بسر کرتے ہم پر کامل چالیس دن گزر گئے۔ چالیسویں دن میرے ہاں حضور پرنور شفیعِ یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد تشریف لایا اور فرمایا کہ تمہیں رسولِ اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آج کے بعد اپنی عورت سے علیحدہ ہو جا۔

میں نے اُن سے پُوچھا کہ اسے طلاق دے دُوں؟ یا صرف علیحدگی اختیار کروں اور اس سے جماع نہ کروں؟ یہی حکم میرے ساتھیوں یعنی ہلال اور مرارہ رضی اللہ عنہما کو ہُوا۔ قاصد نے کہا، بالکل علیحدہ ہو جاؤ۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اس کے بعد میں نے اپنی زوجہ سے کہا: تم اپنے میکے چلی جاؤ، جب تک اللہ تعالیٰ کوئی نیک فیصلہ نہ فرما دے۔ تم میرے ہاں نہ آنا۔

حضرت ہلال رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوئی اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم! ہلال نہایت ہی بُوڑھا اور ضعیف انسان ہے۔ اس کا نہ کوئی خادم ہے نہ لونڈی۔ اگر میں اس کی خدمت کے لیے اس کے گھر رہ جاؤں تو کیا آپ ناراض تو نہیں ہوں گے؟

آپ نے فرمایا: لیکن جماع سے پرہیز کرنا۔

اُس نے کہا، حضرت! وہ تو اب جماع کے قابل ہی نہیں رہا۔ اور پھر جب سے آپ نے اس سے منہ موڑا ہے رات دن گریہ وزاری میں گزار دیتا ہے۔

حضرت کعب نے فرمایا: اس حکم کے بعد بھی ہم پر دس دن گزر گئے یہاں تک کہ (سابق گنتی کو ملا کر ان دنوں کے ساتھ) پچاس دن پُورے ہُوئے۔ گویا پچاس دن ہمارے ساتھ بائیکاٹ جاری رہا۔ اس پچاسویں روز کی صبح کو میں نے پہاڑ کی چوٹی سے سُنا کوئی کہنے والا زور سے پکار رہا ہے:

"ابشر یا کعب بن مالک"

اے کعب بن مالک! مبارک باد ہو۔ ؎

ابشروا یا قوم اذ جاء الفرح
افرحوا یا قوم قد زال الحرج

ترجمہ: اے لوگو! تمہیں مبارک ہو تمہارے ہاں خوشی و فرحت آگئی اور مبارک ہو تمہیں کہ تمہارے سے دُکھ درد کے دن چلے گئے۔

می دمد در گوش ہر غمگین بشیر
خیز اے مدبر راہ اقبال گیر
اے دریں حبس و دریں کند و شپش
ہین کہ تا کس نشنود رستی خمش
چوں کنی خاموش کنوں اے یار من
کزیں ہر مُو بر آید طبل زن

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں وہ مژدۂ بہار سُن کر سجدہ میں گر گیا اور سمجھا کہ ہماری توبہ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی ہوگی یہاں تک کہ وُہ شخص جو مجھے دُور سے مبارکباد کہہ رہا تھا، وُہ شخص حضرت حمزہ بن عمرو الاوسی تھا۔ میں نے خوشی سے اپنا کپڑا اتارا اور اس (حمزہ) کو پہنا دیا۔ اس مژدہ بہار سنانے کے صلے میں اور میں نے اس سے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ بخدا میرے پاس ان دُو کپڑوں کے سوا اگر اور کچھ ہوتا تو میں تیرے حوالے کر دیتا۔ اب انہی دُو کپڑوں کو قبول فرمائیے۔ ؎

بعید نیست کہ صد جان بمژدۂ بستاند
بریں بشارتِ دولت کہ عنقریب آمد

اس کے بعد میں نے اپنے چچازاد ابی قتادہ سے دو کپڑے عاریۃً لے کر پہنے۔

ف: ہلال بن اُمیہ کو اسعد بن سعد نے اور مرارہ بن ربیع کو سلطان بن سلامہ نے توبہ کی قبولیت کی خوشخبری سُنائی۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری توبہ کی قبولیت کی خوشخبری رات کے آخری حصہ میں سُنائی، جبکہ رات کا صرف ایک حصہ باقی تھا اور آپ اُمّ المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر قیام فرما تھے اور بی بی صاحبہ میری بہت بڑی مہربان تھیں۔ آپ نے اسے فرمایا کہ اے اُمِّ سلمہ! کعب وغیرہ کی توبہ کی قبولیت کا پیغام ابھی ابھی منجانب اللہ پہنچا ہے۔ انہوں نے عرض کی: اگر حکم ہو تو کعب وغیرہ کو ابھی سے خوشخبری پہنچا دُوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، لوگ ابھی سے پھر مبارکباد دینے کے لیے حاضر ہونے لگ جائیں گے۔ اس سے تمہارے آرام و سکون میں خلل پڑ جائے گا۔

جونہی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز کے لیے تشریف لائے اور ہماری توبہ کی قبولیت کا اعلان کیا تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں شکریہ کے لیے چل پڑا۔ لیکن راستہ میں لوگوں نے مجھے گھیر لیا اور مبارکباد کے لیے ایک جمِ غفیر جوق در جوق میرے ہاں حاضر ہونے لگا اور سب یہی کہتے تھے کہ اے کعب! تمہیں توبہ کی قبولیت کی مبارک ہو اسی حالت میں میں مسجدِ نبوی میں حاضر ہُوا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے اور لوگ آپ کے گرد بیٹھے تھے۔ جونہی طلحہ بن عبداللہ نے مجھے دیکھا تو پاؤں (پنجوں) کے بل چلتے ہُوئے جلدی سے میرا مصافحہ کیا اور مبارکباد دی اور مہاجرین میں سے سوائے اُس کے اور کوئی شخص میرے لیے نہ اُٹھا۔ یہ بھی انس سے ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقتِ ہجرت اُن کا میرے ساتھ بھائی چارہ مقرر فرمایا تھا۔ میں نے جب مسجد کے اندر داخل ہو کر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سلام عرض کیا تو آپ کا چہرۂ مبارک خوشی سے تمتماتا ہوا نظر آیا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ کریمہ تھی کہ آپ جب کسی بات سے خوش ہوتے تو آپ کے رُخِ انور سے نُور جھڑتا نظر آتا۔ گویا آپ کا چہرۂ اقدس چاند سے زیادہ نور افشاں ہے۔

سلطان سلیم اوّل جو سلاطین عثمانیہ سے ہیں نے فرمایا: ؎

گر آگہی ز معنئ والشمس والضحیٰ
تعریف ماہ روئے دلا رائے مصطفیٰ است
بنگر بچرخ و کوکبۂ لشکر نجوم
کانہا فروغ گوہر ولائے مصطفیٰ است

اس کے بعد حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھ گیا تو مجھے فرمایا:

تمہیں مبارک ہو اے کعب! تیرے دن خیر سے گزر گئے۔ جب سے تجھے تیری امّی نے جنا ہے اُس وقت سے آج تک تیرا معاملہ دگرگوں تھا لیکن آج سے خیر ہی خیر ہو گئی۔

اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی:

لقد تاب اللّٰہ علی النبی الیٰ قولہ ـــــ وکونوا مع الصادقین۔

اس کے بعد میں نے عرض کی:

یا رسول اللّٰہ ان من توبتی ان انخلع من مالی صدقۃً الی اللّٰہ والیٰ رسولہٖ۔

یا رسول اللہ! میری توبہ کی قبولیت میں یہ بھی شامل ہو جائے کہ اپنا تمام مال اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نذر کر دوں۔

آپ نے فرمایا:

امسک علیک بعض مالک فھو خیر لک۔ کچھ مال اپنے لیے باقی رکھو اس میں تمہاری بھلائی ہے۔

ف: حضرت ابوبکر وراق رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ توبہ کی قبولیت کی علامت کیا ہے؟

آپ نے فرمایا:

توبہ کرنے والے پر زمین تنگ ہو۔

یعنی اس کا حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں کا سا حال ہو جائے۔

؎

توبہ کردم حقیقت با خدا
نشکنم تا جان شدی از تن جدا

تفسیر صوفیانہ ان تینوں حضرات کے قصہ میں اشارہ ہے کہ جہاں اصلاح دینی مطلوب ہو وہاں بائیکاٹ جائز ہے اور اس وقت تک بائیکاٹ جاری رکھا جائے جب تک اس کی اصلاح ہو جائے اور جب وہ اس سے صدقِ دل سے تائب ہو جائے تو پھر اس سے بائیکاٹ ختم کر دیا جائے۔ اسی طرح اگر کوئی کسی بدعتِ سیئہ

بقیہ بر صفحہ ۸۱۱

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (١١٩)

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ

مدینہ والوں اور ان کے گرد دیہات والوں کو لائق نہ تھا کہ رسول اللہ

اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ

کے پیچھے بیٹھ رہیں اور نہ یہ کہ ان کی جان سے اپنی جان

عَنْ نَّفْسِهٖ ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ

پیاری سمجھیں یہ اس لیے کہ انہیں جو پیاس یا تکلیف یا بھوک

وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ

اللہ کی راہ میں پہنچتی ہے اور جہاں ایسی جگہ قدم رکھتے ہیں

الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ

جس سے کافروں کو غیظ آئے اور جو کچھ کسی دشمن کا بگاڑتے ہیں اس سب کے بدلے

بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ (١٢٠)

ان کے لیے نیک عمل لکھا جاتا ہے بے شک اللہ نیکوں کا نیگ ضائع نہیں کرتا

وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ

اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں چھوٹا یا بڑا اور جو نالہ طے کرتے ہیں

وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا

سب ان کے لیے لکھا جاتا ہے تاکہ اللہ ان کے سب سے بہتر کاموں کا انہیں

يَعْمَلُوْنَ (١٢١) وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ط فَلَوْلَا نَفَرَ

صلہ دے اور مسلمانوں سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب نکلیں تو کیوں نہ ہو

مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا

کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آکر

قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ (١٢٢) ع

اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس امید پر کہ وہ بچیں

تفسیر عالمانہ یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ اے سچے دل سے اور مخلصانہ طور پر ایمان لانے والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو جن امور سے وہ راضی ہوتا ہے ان پر عمل کرو وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۝ اور ہر معاملہ میں سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ یعنی حق کے قائل و عامل ہو جاؤ۔

ف: یہاں پر مع الصّٰدقین بمعنے من الصّٰدقین ہے یا فی الصّٰدقین۔ اس لیے کہ مع مصاحبت کے لیے ہے اور فی بمنزلہ برتن کے اور من تبعیض کے لیے مستعمل ہے۔ پس جب کوئی صادقین کی جہت میں ہونا چاہتا ہے تو اُس کے لیے یہ تینوں مذکورہ بالا معانی صادق ہو سکتے ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ تم صادقین میں یا اُن کے مصاحب یا منجملہ ان میں سے ہو جاؤ۔

مسئلہ: آیت میں صدق کی فضیلت اور اس کے علو مرتبہ ہونے کی دلیل بلکہ اس پر ترغیب دی گئی ہے۔

مسئلہ صوفیانہ: بعض اہلِ معرفت فرماتے ہیں کہ جو دائمی فرض ادا نہیں کرتا اس کا وقتی فرض بھی قبول نہیں ہوتا۔ ان سے عرض

بقیہ صـ ٨٠٩ سے آگے

یا فسق میں مُبتلا ہو تو اس سے تین روز سے زاید تک بائیکاٹ رکھنا جائز ہے۔

مسئلہ: دُنیوی امور میں تین دنوں سے زاید بائیکاٹ رکھنا ناجائز ہے۔ اسی طرح جس بائیکاٹ میں نفس کے معاملہ کو دخل ہو تو وہاں بھی تین دنوں سے زیادہ بائیکاٹ رکھنا ناجائز ہے۔

سوال: اسے تین دنوں سے مقید کرنا کیوں، جبکہ بائیکاٹ دنیوی امور اور حظوظِ نفسانی پر مبنی ہو تو وہ ہر حال میں ناجائز ہو۔

جواب: چونکہ انسان فطرتی طور پر بدخلقی اور غیظ و غضب وغیرہ پر پیدا کیا گیا ہے۔ انہی عوارض کو دفع کرنے کے لیے اسے تین دن کی مُہلت دی گئی ہے۔ یہ بھی اللہ کریم کا کرم ہے ورنہ عقل کے تقاضے پر اتنی مُہلت بھی ناجائز ہے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ اخوتِ اسلامی میں کوتاہی نہ کرے۔ اپنے اسلامی بھائیوں کے ساتھ بغض اور حسد سے بچے۔ ؎

ہیچ رحمے نہ برادر ببرادر آرد　　ہیچ شوقے نہ پدر را بہ پسر می بینم
دختران را ہمہ جنگست و جدل با مادر　　پسران را ہمہ بدخواہ پدری می بینم

دلائلِ نعت خوانی جونہی حضرت کعب نے قبول توبہ کا مژدۂ بہار سُنا تو فرطِ مسرت میں خوشخبری سنانے والے کو جوڑا کپڑوں کا اتار کر دے دیا۔ خوشخبری سنانیوالے کا نام حمزہ بن عمرو الاوسی تھا اور اسے فرمایا: بخدا میرے پاس ان دو کپڑوں کے سوا کچھ اور ہوتا تو میں تیرے حوالے کر دیتا۔ (روح البیان پارہ ہذا تحت آیت وعلی الثلٰثۃ الذین الخ)

بعید نیست کہ صد جان بمژدہ بستانند　　بریں بشارت دولت کہ عنقریب آمد

ف: یہی ہمارے ہاں ہوتا ہے کہ نعت خوان سے جونہی حسین کوئی شعر سُنا جاتا ہے تو حسبِ استطاعت ہم اسکی خدمت کرتے ہیں۔

کیا گیا کہ دائمی فرض کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: صدق۔ ؎

از کجا افتی بکجم و کاستی
از ہمہ غم براستی گر راستی
راستی خویش نہاں کس نکرد
بر سخن راست زبان کس کس نکرد

حدیث شریف: قیامت میں تمام تجارت پیشہ لوگ فاجروں میں اٹھیں گے مگر وہ جس نے پرہیزگاری اور صداقت سے کام لیا۔

ف: الفجّار، فاجر کی جمع ہے۔ فاجر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو سرود گانے اور دیگر محارم میں انہماک رکھتا ہو اور تاجر کو فاجر اس لیے کہا گیا کہ وہ تاجر اکثر بیع و شراء میں جھوٹی قسمیں کھاتے اور غبن فاحش کا ارتکاب کرتے ہیں اور مال میں ملاوٹ سے کام لیتے اور سودی کاروبار میں بہت زیادہ حصہ لیتے ہیں۔ اس لیے حدیث شریف میں "الا من اتقی" فرمایا۔ یعنی وہ تاجر فاجر نہیں جو مذکورہ بالا اقسام بالخصوص جھوٹ سے بچتا ہو اسے برّ یعنی نیک تاجر سے موسوم فرمایا اور وہ تاجر بھی فاجر ہیں جو جھوٹی قسموں کو شعار نہیں بناتے اور نہ ہی اپنے معاملات میں جھوٹ بولتے ہیں۔ بعض محدثین نے یہاں پر من اتقیٰ کا وہی عمومی معنیٰ لیا ہے یعنی وہ تاجر جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہے فاجر نہیں کیوں کہ وہ اوامر الٰہی کی پابندی کرتا ہے اور نواہی سے بچتا ہے اور برّ بمعنے ہر ایک سے احسان کرتا، اور کسی کو دکھ اور تکلیف نہیں پہنچاتا اور اپنے سامان کے ثمن میں سچائی سے کام لیتا ہے۔ نہ ہی وہ اپنے سامان کے رواج دینے میں جھوٹی قسمیں کھاتا ہے مثلاً خریداروں سے کہے بخدا میں نے یہ سامان سو روپے میں خریدا ہے۔ یاد رہے کہ ہر وہ سامان جو جھوٹی قسم سے بیچا جائے اس سے برکت اٹھ جاتی ہے۔

حدیث شریف: بہترین کاروبار تجارت ہے بشرطیکہ تاجر جھوٹ نہ بولیں اور امانت میں خیانت نہ کریں اور وعدہ خلافی نہ کریں اور کوئی خریدے تو مشتری کی مذمت نہ کریں اور اپنی شئے کو بیچتے وقت اس کی تعریف نہ کریں کسی کو کچھ قرض دینا ہے تو اسے تنگ نہ کریں اور لینا ہے تو بھی مقروض کو پریشان نہ کریں۔

ف: سچائی ہر حال میں بہتر عمل ہے اور شرع نے اس کی مدح فرمائی ہے اور اس کے عامل کے لیے دنیا و آخرت میں تعریف ہوتی ہے۔ ؎

دانی زچہ روسرو رواں سر سبز است
پیوستہ چرا بوستاں سر سبز است
چوں مذہب اوست راستی در ہمہ وقت
بر طرف چمن ہمیشہ زاں سر سبز است

صوفیہ کے نزدیک صدق کا معنےٰ

عارفین کے نزدیک صدق کا معنےٰ عبودیت میں سچائی کا ضروری اور حقوقِ ربوبیت کی ادائیگی میں جدّ وجہد لازمی ہے۔

حکایت

حضرت احمد بن الحواری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

میں نے حضرت ابُوسلیمان دارانی قدس سرّہٗ سے عرض کی کہ مجھے بنی اسرائیل پر رشک آتا ہے۔

انہوں نے فرمایا: کس وجہ سے؟

میں نے کہا کہ اُن کی عُمریں آٹھ سو سال تک ہوتی تھیں۔

آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے آسانی بنائی ہے اگرچہ اُن کی عمریں بڑی ہوتی تھیں لیکن اگر ہم صدق دلی اور سچی نیت سے اس کی عبادت کریں تو ہمیں بنی اسرائیل کے برابر ثواب ملتا ہے اس لیے کہ بہت سی بڑی عمر والے وہ مراتب نہیں پا سکتے جو چھوٹی عمر والے کو نصیب ہوتے ہیں۔ جیسا کہ بنی اسرائیل اگرچہ طویل العمر ہُوئے لیکن انھیں وُہ مراتب وکمالات نصیب نہ ہُوئے جو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو نصیب ہُوئے۔

چنانچہ حضرت امام غزالی قدس سرہٗ نے منہاج العابدین سے فرمایا کہ بعض حضرات یہ منازل ستر سال میں طے کرتے ہیں۔ بعض انہی منازل کو بیس سال میں طے کر لیتے ہیں اور بعض دس سال میں اور بعض ان میں ایسے ہوتے ہیں جو ایک سال میں حاصل کرتے ہیں۔ بعض کو وہی مراتب صرف ایک ہفتہ میں حاصل ہو جاتے ہیں اور بعض کو صرف ایک لمحہ میں نصیب ہو جاتے ہیں جیسے حضرت موسیٰ کا مقابلہ کرتے ہُوئے جادوگروں کو صرف ایک لحہ میں بہت بڑا مرتبہ حاصل ہُوا، جب انہوں نے حضرت مُوسیٰ علیہ السلام کی غلامی اختیار کر لی۔

حکایتِ رابعہ بصریہ

بی بی رابعہ بصریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بُوڑھی ہوگئیں تو آپ کا مالک آپ کو بیچنے کے لیے بازار لے گیا، سارے بازار کا چکر لگایا تو کوئی ایک خریدار بھی نہ ہُوا۔ لیکن ایک تاجر نے صرف ایک سو روپے میں آپ کو خرید کر کے فوراً آزاد کر دیا۔ بی بی صاحبہ آزاد ہوتے ہی عبادتِ الٰہی میں مشغول ہوگئیں۔ صرف ایک سال میں ہی اتنا بڑا کمال حاصل کر لیا کہ آپ کے کمالات کے پیشِ نظر بصرہ کے قُراء علماء آپ کی زیارت کو حاضر ہونے لگے۔

تفسیرِ صُوفیانہ

"تاویلات نجمیہ میں ہے کہ صادقین سے مراد وُہ لوگ ہیں جنہوں نے یومِ میثاق "الستُ بربکم" کا خطاب سُن کر اپنے عہد کو سچ کر دکھایا کہ وہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کی عبادت نہیں کرتے اور نہ ہی اس کے ساتھ کسی کو شریک بناتے ہیں بلکہ دُنیا و آخرت کے مقاصد کو یکسر ختم کر کے اپنا مطمحِ نظر صرف ذاتِ حق کو سمجھتے ہیں۔ بلکہ یُوں کہو کہ ہر حادث یہاں تک کہ اپنے جسم سے بھی علیحدگی اختیار کر کے فانی فی اللہ باقی باللہ ہیں۔ ایسے حضرات کے ساتھ رہنے کا حکم فرمایا کہ:

كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

چوں صدقت خفی شد در دروغ
ہمچوں طعم روغن اندر طعم دوغ
آں دروغت را ایں تن فانی بود
راستنت آں جاں ربانی بود

صاحبِ رُوح البیان کے پیرومرشد کا مکتوبِ گرامی

صاحبِ رُوح البیان فرماتے ہیں کہ مجھے میرے شیخ قدس سرہٗ نے ایک مکتوبِ گرامی لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ :

سچائی کو ہر وقت اپنا معمول بناؤ اس لیے کہ سچائی اخلاص پیدا کرتی ہے یہاں تک کہ اس کے عامل کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے کہ اس کے تمام حرکات وسکنات صرف اللہ تعالےٰ کے لیے ہوتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ صدق میں بال برابر بھی حظِ نفسانی کو دخل دیا گیا تو تمام صدق وخلوص ضائع ہو جاتا ہے بلکہ جائز ہے کہ ایسے شخص کو جھوٹا کہا جائے۔ لیکن یاد رکھیے کہ صدق واخلاص کے مراتب لاتعد ولاتحصی ہیں۔ کبھی یُوں بھی ہوتا ہے کہ انسان بعض امُور میں صدق وخلوص کرتا ہے اور بعض امور میں اسے بہت کمی ہوتی ہے اور اگر خوش قسمت صدق کے جمیع مراتب کا جامع ہو تو اسے صوفیہ کی اصطلاح میں صدیق کہتے ہیں اور صادق ومخلص (بالکسر) بھی حظوظ نفس کی تمام ملاوٹوں سے مطلقاً پاک ہونے والے اور صدیق ومخلص (بالفتح) ہر اُس نیک بخت کو کہتے ہیں جو غیریت کی ملاوٹوں سے پاک ہو۔ دوسرا معنیٰ اوسع اور کثیر الاستعمال اور سب پر حاوی ہے اس لیے کہ ہر صدیق ومخلص (بالفتح) صادق ومخلص (بالکسر) ہے لیکن ہر صادق ومخلص (بالکسر) صدیق ومخلص (بالفتح) نہیں۔ اس کے بعد میرے شیخ نے اپنے مکتوب میں اسرار ورموز لکھے جو سُورہ الم نشرح کی تفسیر سے متعلق ہیں۔ میں انہیں طوالت کی وجہ سے یہاں نہیں لکھتا۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو اولیآ اللہ کے مَوَدّت اور ان کے مراتب سے نوازے۔

صادقین سے مرشدین کرام مراد ہیں جو مریدین کو واصل باللہ بناتے ہیں۔ اگر کوئی سالک ان سے عقیدت و محبت رکھتا ہے اور ان کی نیازمندی اور ان کی خدمت کے لیے گامزن ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی عقیدت ومحبت و تربیت کی برکت سے اسے بھی سیر الی اللہ کے مراتب سے بہرہ ور فرماتا ہے بلکہ اسے وہ مرتبہ عطا فرماتا ہے جس سے وہ ماسوی اللہ کو ترک کر دیتا ہے۔

تقریر دلپذیر حضرت شیخ الاکبر قدس سرہٗ الاطہر

حضرت شیخ الاکبر قدس سرہٗ الاطہر نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنے مرشد کامل کی رہبری پر عمل نہیں کرتا اگرچہ معمولی طور بھی ان کے کسی امر کی خلاف ورزی کرتا ہے تو سمجھو ابھی وہ اپنے نفس کی خواہشات میں گرفتار ہے اگرچہ وہ اس طرح زندگی بھر مجاہدات اور ریاضات میں لگا رہے بلکہ سالک کے لیے ضروری ہے کہ جس کے ہاتھ پر بیعت ہو گیا ہے اس کے آگے کالمیت (مُردہ ہو کر) زندگی بسر کرے اور حتی الامکان اپنے مرشد کی خدمت

اور عزت وعظمت میں کمی نہ کرے اور خود کو اُن کے ہاتھ گیند کی طرح سمجھے کہ وہ جس طرح چاہیں مرید میں تصرف کریں۔ اس میں کسی قسم کی دخل اندازی نہ کرے جسے یہ طریق کار نصیب ہو وہ یقین کرے کہ زندگی سعادت سے بسر ہوگی۔ مرید پر لازم ہے کہ وہ اپنے مرشد کے ہر امر کے سامنے سر تسلیم خم کرے جس کا وہ حکم دیں اسے بجالائے جس سے روکیں اس سے رُک جائے (یہاں تک کہ اگر کسی وقت خدانخواستہ آگ میں چھلانگ لگانے کا بھی حکم دے دیں تو ذرہ بھر گریز نہ کرے۔ اگر وہ کسی ہنر کے سیکھنے کا امر فرمائیں تو اُس ہنر کو اس ارادہ پر سیکھے کہ مرشد کا حکم ہے اس میں اپنے ارادہ کو دخیل نہ بنائے اگر وہ فرمائیں کہ کسی کام کو ہاتھ نہ لگاؤ آرام سے گھر بیٹھ جاؤ تو وہی حکم بجالائے لیکن یہ سمجھ کر کہ مرشد کا حکم ہے اس میں بھی نفس کی خواہش کو درمیان میں نہ لائے اس لیے کہ مرشد اپنے مرید کی مصلحتوں کا بہت زیادہ واقف ہے۔

سبق: لازم ہے کہ مرشد ایسا تلاش کیا جائے جو کامل و اکمل ہو اور رہبری کرنا جانتا ہو نہ آنکہ خود گم است کرا رہبری کند۔ اور اسے نفس کی تمام شرارتوں اور ان کی اصلاح کا تجربہ حاصل ہو یہاں تک کہ وہ مرید کو ذاتِ حق تک پہنچا سکے۔ ایسے مرشد کامل سے مرید کو کمالات نصیب ہوتے ہیں۔ (کذا فی مواقع النجوم)

مثنوی شریف میں ہے: ؎

چوں گزیدی پیر نازک دل مباش
سست در زیدہ چوں آبِ گل مباش
چوں گرفتی پیر ہن تسلیم شو
ہمچو مُوسٰے زیر حکم خضر رو
شیخ را کہ پیشوا و رہبر است
گر مریدی امتحاں کر دار خرست

اللہ تعالٰے ہم سب کو کاملین سے سوءظنی اور بداعتقادی کے امراض سے محفوظ فرمائے اور اہل ارشاد کے طریقے پر چلنے اور اس پر ثابت قدم رہنے کی توفیق بخشے۔ آمین

تفسیر عالمانہ

مَاكَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ اہلِ مدینہ کے لیے نہایت ناموزوں ہے۔

ف: المدینہ دار ہجرت یعنی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر مبارک کے لیے الثریا والنجم کی طرح کالعلم (علم کی طرح) ہے جب یہ لفظ مطلق ہوگا مثلاً کہا جائے گا مدینہ قاہرہ وغیرہ۔

قاعدہ: اس کی طرف نسبت کرنا مطلوب ہو تو "مدنی" اور دوسرے شہروں کی نسبت کے لیے "مدینی" کہا جائے گا تاکہ مدینۃ الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان فرق ہو۔ (کذا فی انسان العیون)

ف: کوئی شہر ایسا نہیں جس کے اسماء مدینہ طیبہ یا مکہ معظمہ کے برابر ہوں۔ یعنی ان دونوں شہروں کے اسماء کثیر التعداد ہیں۔ (کذا قال الامام النووی)

بعض علماء کرام کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ طیبہ کے ایک سو نام ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

۱۔ دارالاخیار
۲۔ دارالابرار
۳۔ دارالسنۃ
۴۔ دارالسلامۃ
۵۔ دارالفتح
۶۔ البارہ
۷۔ طابہ
۸۔ طیبہ

آخر الذکر دو ناموں سے اس لیے موسوم ہوا کہ یہاں زندگی خوشگوار بسر ہوتی ہے یا اس لیے کہ اس شہر اقدس میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے عطر مہکتی ہے جبکہ دوسرے شہروں کو یہ شرف نصیب نہیں۔ اس شہر مبارک کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس پاک شہر کی مٹی مبارک کوڑھ اور برص بلکہ ہر بیماری اور اس کی عجوہ کھجور زہر کے لیے شفا ہے۔ دوسری خصوصیت اس شہر مبارک اور مکہ معظمہ کی یہ بھی ہے کہ ہر دور میں اہل علم وفضل ان میں ساکن رہے اور رہیں گے یہاں تک کہ قیامت قائم ہو۔

ف: مدینہ طیبہ قیامِ قیامت سے چالیس سال پہلے ویران ہوگا اور اس کے باشی بھوک (فاقہ) سے مریں گے۔

وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اور نہ ہی ان بادیہ نشینوں کے لیے لائق ہے جو مدینہ طیبہ کے گرد رہتے ہیں اس سے مُزینہ وجُہینہ واشجع وغفار وغیرہ قبائل مراد ہیں۔

سوال: ان لوگوں کی تخصیص کیوں؟

جواب: چونکہ یہ لوگ مدینہ کے نواح میں رہ کر نبوت کے قریب ہوتے اور غزوۂ تبوک کے لیے ان کی روانگی کو جاننے کے باوجود جنگ پہ نہ جا سکے اس لیے ان کی تخصیص کی گئی۔

اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ جائیں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ پر تشریف لے گئے بلکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جنگ پہ جانے کی اطلاع دی اور انہیں ترغیب دی لیکن اس کے باوجود آپ کی رفاقت سے یہ لوگ محروم رہے۔

ف: یہ نفی بمعنے نہی محض تاکید کی بنا پر ہے۔

وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ط یہ باء تعدیہ کی ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

رغبت عنه اعرضت عنه۔

یعنی میں نے اس سے روگردانی کی۔

اسے باء سے متعدی کر کے گویا اس محاورہ سے لیا گیا جبکہ کہا جاتا ہے:

رغبت بنفسی عنه۔

اس سے متکلم کا مقصود یہ ہے کہ میں نے اپنے آپ کو روگردان بنایا۔ آیت کا لغوی معنی یوں ہوا کہ اپنے آپ کو حضور

علیہ السلام سے رُوگردان بنایا۔ آیت کا معنیٰ یُوں ہُوا کہ اپنے آپ کو حضور علیہ السلام سے رُوگردان نہ بناؤ۔ یعنی جنگ کی جن تکالیف و شدائد کو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے منتخب فرمایا تم ان سے اپنے آپ کو نہ بچاؤ۔ جب وہ تکالیف و شدائد سے اجتناب نہیں کرتے تم کیوں بچنے کی سعی کرتے ہو بلکہ تمہارے لیے لازم ہے کہ تم اُن کے ساتھ ہو کر کفار کے مقابلہ کیلئے سینہ سپر ہو جاؤ۔ مناسب بھی یہی ہے کہ جب رسولِ خدا محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کی سختی و گرمی سے نہیں گھبرائے تو اُمت کیوں گھبراتی ہے۔

ف : حدادی نے فرمایا کہ اُمت کو چاہیے کہ اپنے نفوس کو نفسِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کر دیں۔ ہر ممکن حد تک اپنے نفوس ان کے بچاؤ کے لیے ڈھال بنائیں اس لیے کہ نبی علیہ السلام کے حقوق واجبہ سے ہے کہ اُمت اُن پر اپنی جانیں قربان کرے کیونکہ نبی علیہ السلام نے اُن پر لطف و کرم فرمایا کہ اُنھیں دعوتِ حق دے کر دولتِ ایمان سے نوازا ہے اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقے انھیں راہِ حق نصیب ہُوا کہ جس سے وہ آتش سے بچ گئے۔

ذٰلِکَ یہ اشارہ نبی علیہ السلام کی متابعت کے وجوب کی طرف ہے۔

سوال : وجُوبِ متابعت کا معنےٰ تم نے کہاں سے لیا جبکہ اُس کا پہلے ذکر ہوا ہی نہیں۔

جواب : ہم نے پہلے عرض کیا ہے ولا یتخلفوا و لا یرغبوا نفی بمعنے نہی ہیں اور تخلف و اعراض کی ضد متابعت و مشایعت ہے اور ظاہر ہے کہ ان کی ضد وجوب متابعت و مشایعت ثابت ہُوئی۔ (وھو المراد والمطلوب)

بِاَنَّھُمْ بسبب اس کے کہ جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کا انھیں شرف نصیب ہوا لَا یُصِیْبُھُمْ ظَمَاٌ انہیں معمولی پیاس بھی نہیں پہنچے گی وَلَا نَصَبٌ اور نہ ہی انہیں معمولی طور پر جسمانی تھکان محسوس ہوتی، وَلَا مَخْمَصَۃٌ اور نہ ہی وہ بھوک میں مبتلا ہوئے فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ راہِ حق اور اعلائے کلمۃ اللہ میں وَلَا یَطَئُوْنَ اور جس راہ پر نہ چلتے یا اُن کے گھوڑے دوڑتے اور نہ اُن کے اُونٹ راہ طے کرتے مَوْطِئًا وطئًا کا مصدر ہے جیسے موعد، وعد کا مصدر ہے یا اسم مکان بمعنے مفعول ہے یَّغِیْظُ الْکُفَّارَ کفار کو غصہ میں لاتا ہے یعنی جہاں سے بھی اہلِ اسلام گزرتے ہیں کفار غم و غصہ سے پیچ و تاب کھاتے ہیں اس لیے کہ یہ فطرتی امر ہے کہ دشمنوں کے گھر دل سے گزر ہو تو وہ لامحالہ رنج مناتا اور غصہ کھاتا ہے۔ الغیظ بمعنے انقباض الطبع برؤیۃ ما یسوہ یعنی رنج و غصہ پہنچانے سے شے کو دیکھ کر طبیعت کا منقبض ہونا۔ الغضب ، قوۃ طلب الانتقام انتقام طلب کرنے کی قوت کو غضب کہا جاتا ہے وَلَا یَنَالُوْنَ یہ نیل سے مشتق ہے بمعنے پانا یعنی اور نہیں پاتے مِنْ عَدُوٍّ دشمن کی جانب سے۔ نیلاً بمعنے میل ہے اگر اسے مفعول بہ بنایا جائے اس سے آفت و محنت جیسے قتل و قید اور ہزیمت و خوف مراد ہے اِلَّا کُتِبَ لَھُمْ بِہٖ یہ محلاً منصوب ہے ظماء سے اور اس کے جمیع معطوفات سے حال ہے یعنی جملہ امور مذکورہ میں سے انھیں کسی حال میں نہیں پہنچا مگر ان کا یہ حال ہوتا ہے کہ ان کے لیے لکھا جاتا ہے عَمَلٌ صَالِحٌ ط ایسا نیک مقبول عمل جو ان کے لیے اجرِ عظیم کا موجب بنے۔

ف : کاشفی نے اس کا معنیٰ لکھا کہ ان حضرات کو ان مذکورہ بالا امور سے جو کچھ پہنچے گا تو وہ ثواب کے مستحق ہوں گے۔

مسئلہ : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جنگ میں مذکورہ بالا تکالیف میں سے کوئی ایک تکلیف پہنچنے پہ ستّر کا ثواب ملے گا۔

ف : مذکورہ ہر دو تراجم عام تفاسیر میں ہیں۔ ابن الشیخ نے اپنے حواشی میں لکھا کہ نَیل بمعنے دشمن سے کسی دُکھ اور تکلیف کا پہنچنا، وہ جسمانی ہو یا روحانی وغیرہ۔ یہ معنٰے ہر دو مذکورہ معانی سے مختلف ہے۔ (کما لایخفی)

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ۙ بے شک اللہ تعالیٰ محسنین کے اجر ضائع نہیں کرتا۔ یعنی انہیں احسانِ عظیم سے نوازتا ہے۔ یہ کُتِبَ کی تعلیل اور اشارہ ہے کہ جہاد بھی احسان ربانی ہے۔

سوال : اہلِ ایمان کے لیے جہاد کو احسان کہنا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن یہ کفار کے لیے احسان کیسا؟

جواب : کفار کے ساتھ جہاد کا مقصد یہی ہے کہ انھیں راہِ راست نصیب ہو۔ اُن سے کُفر کی گندگیاں دُور ہوں وغیرہ وغیرہ۔ جیسے مجنون و پاگل کی پٹائی اس لیے کی جاتی ہے کہ اُسے صحت و عافیت نصیب ہو۔ ؎

سفیہاں را بود تادیب نافع
جنوں را چوبست دافع

اور اہلِ ایمان کے لیے جہاد احسانِ عظیم ہے کہ جہاد سے اہلِ ایمان کو کفار سے حفاظت اور اُن پر غلبہ نصیب ہوتا ہے۔ **وَلَا یُنۡفِقُوۡنَ** اور جہاد میں خرچ نہیں کرتے **نَفَقَۃً صَغِیۡرَۃً** تھوڑا سا خرچ جیسے کھجور کا صرف ایک دانہ۔ اسی طرح صرف ایک ڈنڈا یا جنگی گھوڑے کی نعلبندی وغیرہ وغیرہ **وَّلَا کَبِیۡرَۃً** اور نہ ہی بڑا خرچ۔ جیسے حضرت عثمان و عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما نے جیش العسرہ میں خرچ کیا۔ اس کی تفصیل والذین یلمزون المطوعین الآیہ میں ہم نے عرض کر دی ہے **وَلَا یَقۡطَعُوۡنَ** اور کفار کی کسی زمین کو طے نہیں کرتے جنگ پہ جاتے ہوئے یا واپسی پر **وَادِیًا** دراصل پہاڑوں اور ریت کے ٹیلوں کے اُن رستوں کو کہا جاتا ہے جہاں سے سیلاب کا گزر ہو۔ ودی یدی کا فاعل ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب پانی بہہ نکلے لیکن اب اس کا استعمال مطلق زمین کے لیے ہوتا ہے۔ **اِلَّا کُتِبَ لَہُمۡ** مگر ان کے صحیفوں اور عمل ناموں میں اُن کے اعمال لکھے جاتے ہیں۔ یعنی اُن کے وہی اعمال مثلاً جنگ کے لیے ان کا تھوڑا بہت خرچ کرنا یا جنگ کے لیے آنا جانا وغیرہ **لِیَجۡزِیَہُمُ اللّٰہُ** یہ کُتب کے متعلق ہے یعنی تاکہ اللہ تعالیٰ اُن کے اعمال کی بہتر جزا عنایت فرمائے۔ یہاں مضاف الیہ محذوف ہے اس لیے کہ نفسِ عمل تو جزا نہیں بنتے بلکہ اُن کے اعمال جزا کا موجب اور سبب ہیں۔

ف : ینابیع میں لکھا ہے کہ غازی کے اعمال میں سے اگر ایک ہزار عمل ہو اور ان میں صرف ایک احسن ہو تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کی باقی نوسو ننانوے نیکیوں کو ایک احسن کے مرتبہ میں بنا دے گا تاکہ عوام میں مجاہدین

اور غازیوں کے مراتب واضح ہوں۔

جہاد کے فضائل جہاد کے ایسے فضائل ہیں جو دُوسری عبادات میں نہیں پائے جاتے ۔ ویسے جہاد ایک حرفت ہے جو نبی علیہ السلام کا خصوصی مشغلہ ہے۔

حضرت ابُوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی عُیَینہ کسی ایسے مقام سے گزرے جہاں کا پانی بہت ٹھنڈا اور میٹھا تھا انہیں وہاں کی فضا پسند آگئی انہوں نے چاہا کہ لوگوں سے علیحدگی اختیار کر کے وہاں قیام پذیر ہو جائیں لیکن خیال کیا کہ اس کے لیے اپنے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اجازت حاصل کر لوں ۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ارادہ ظاہر کیا اور فرمایا تمہارا جہاد میں صرف ایک گھڑی بھر ٹھہرنا اس مقام پر ستر سال کی نماز نوافل وغیرہ سے افضل ہے۔ کیا تمہیں پسند نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ بخش کر تمہیں بہشت میں داخل کرے۔ فلہذا تم فی سبیل اللہ جہاد کرو۔ جو شخص اُونٹنی دوہنے کی مقدار بھی جہاد کے لیے حاضری دیتا ہے اس کے لیے بہشت واجب ہوجاتی ہے۔

ف : فواق الناقۃ اونٹنی دوہتے وقت پستان پر صرف ہاتھ رکھ کر اٹھانے کی دیر کو کہا جاتا ہے۔

مسئلہ : حدیث شریف سے ثابت ہُوا کہ علیحدگی اختیار کر کے عبادت کے لیے بیٹھنے سے جہاد پر حاضر ہونا افضل ہے۔

سبق : صحابی کے درجہ کو نگاہ میں رکھ کر سوچئے کہ اس نے عبادت کے لیے تنہائی کی اجازت چاہی تو نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے اجازت نہ بخشی۔ تو پھر اس بندے کا کیا حال ہے جو فراغت کے باوجود زندگی گناہوں میں گزارتے ہوئے جہاد سے گریز کرتا ہے۔ ؎

کارے کنیم ورنہ خجالت برآورد
رُوزیکہ رخت جاں بجہانِ دِگر کشیم

مسئلہ : اگر کوئی مجاہد عذر سے جنگ پہ حاضر نہ ہو سکے لیکن اس کی نیت نیک اور عزم پختہ ہو کہ جنگ پہ ضرور حاضر ہوگا۔ مگر عذر معقول مانع ہو تو اُسے بھی جنگ کی حاضری کا ثواب ملے گا۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو فرمایا: ہمارے مجاہد ایسے بھی تھے جنہیں ہم نے مدینہ طیبہ میں چھوڑا ۔ لیکن ہم جب وادی اور گھاٹی سے گزرتے تو وہ ہمارے ساتھ موجود تھے۔ اگرچہ انہیں عذر معقول سے جنگ میں حاضر نہ ہونے دیا۔ یعنی وہ ثواب کے استحقاق میں ہمارے ساتھ برابر کے شریک تھے اس لیے کہ اُن کی نیت اور ارادہ حاضری کا تھا۔ لیکن عذر کی وجہ سے جنگ پہ حاضر نہ ہو سکے۔ نیت کے لحاظ سے وُہ ہمارے ساتھ رہے اگرچہ جسمانیت کے لحاظ سے غیر حاضر تھے اگر انہیں عذر مانع نہ ہوتا تو وہ جسمانیت کے لحاظ سے بھی ہمارے ساتھ ہوتے۔

ازالۂ توہم ابن الملک نے فرمایا: اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ غیر حاضر مجاہدین کو جنگ پہ حاضر ہونے والوں کے برابر ثواب ملے گا

بلکہ مطلب یہ ہے کہ غیر حاضرین کو ثواب ملے گا لیکن اجرِ عظیم اور مرتبہ بلند صرف انھیں نصیب ہوگا جو جنگ پہ حاضر تھے۔ کما قال تعالیٰ:

فضل اللہ المجاھدین علی القاعدین اجراً عظیما۔

صاحبِ روح البیان کی تحقیق

صاحبِ روح البیان قدس سرہ فرماتے ہیں کہ آیت میں تو مطلقاً حاضرین کو غیر حاضرین پر فضیلت کا بیان ہے لیکن حدیث شریف میں غیر حاضرین کے لیے عذرِ معقول کی قید لگا کر ان کی نیت اور عزم کا اظہار فرما کر اُن کے ثواب کی فضیلت بلکہ برابر کے ثواب کا ذکر فرمایا۔ اس سے ضح ہوتا ہے کہ اس نیت و ارادہ کی برکت سے وہ بھی حاضرینِ جہاد کے برابر ثواب پائیں۔ بلکہ بسا اوقات نیت و ارادہ کو ایسا خلوص نصیب ہوتا ہے جس کی تاثیر سے وہ اس فعل کے عامل سے فوقیت حاصل کر لیتا ہے اور قاعدہ شرعیہ بھی ہے کہ بہت سے اعمال نیک نیتی سے عمل کرنے سے فضیلت میں بڑھ جاتے ہیں اس کے علاوہ دیگر شواہد بھی ہیں جو اہلِ علم سے مخفی نہیں۔

تفسیرِ صوفیانہ

آیت ماکان لاھل المدینۃ میں مدینہ سے قلب اور اہل سے نفس و ہوا، اور مَن حولھم من الاعراب سے صفاتِ نفسانیہ کے اعراب مراد ہیں اور ان یتخلفوا عن رسول اللہ میں رسول اللہ سے رسول الروح مراد ہے۔ اس لیے کہ وہی راجع الی اللہ اور اس کی طرف وہی سیر کرتا ہے ولا یرغبوا بانفسھم عن نفسہٖ یعنی وہ قلب و نفس اور اُن کے صفات اپنے وجود کو رسول الروح، اپنے آپ کو فنا فی اللہ بناتا ہے لا یصیبھم ظمأٌ یعنی وہ اپنے وجود کو فنا کرنے سے نہ گھبرائیں اس لیے کہ فنا کے بعد نہ انھیں شہوات کی پیاس ستائے گی ولا نصبٌ اور نہ ہی انھیں راہِ حق اور طلبِ ذات میں لذات کی تکالیف اور دنیوی حرص و ہوا سے پریشانی کی بھوک پہنچے گی ولا یطئون موطئًا اور فنا کے جن مقامات کو عبور کرتے ہیں یغیظ الکفّار جو نفس و ہوا کے کفّار کو غیظ و غضب میں ڈالتے ہیں ولا ینالون من عدوٍّ اور جو کچھ پہنچتے ہیں دشمن شیطان و دنیا و نفس سے نیلًا اس سے بلا و محنت و فقر و فاقہ وجد و جہد اور ہم و حزن اسی طرح جملہ فنا کے اسباب مراد ہیں اِلّا کتب لھم فنا فی اللہ کی تکالیف و مصائب کے برابر اُن کے لیے بقا باللہ کے مراتب و کمالات لکھے جاتے ہیں۔ انّ اللہ لا یضیع اجر المحسنین ۝ یہاں پر محسنین سے وہ حضرات مراد ہیں جو فنا کے بعد بقا باللہ کا مقام حاصل کرتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ ان حضرات کو باقی باللہ بنا دیتا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت کریں جس سے انھیں مشاہدہ نصیب ہو۔ اس لیے کہ اصطلاحِ تصوف میں احسان کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت کرے کہ گویا وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر عبادت کر رہا ہے ولا ینفقون نفقۃً یعنی وہ وجود کو جس قدر فنا کرتے ہیں صغیرۃ ولا کبیرۃ۔ صغیرۃ سے وجود الصفات اور کبیرۃ سے وجود الذات کی فنا مراد ہے کہ اپنی صفات و ذات کو حق کے صفات و ذات میں فنا کر دے۔ ولا یقطعون وادیًا یہاں پر وادی سے دنیا و آخرت اور نفس و ہویٰ اور قلب و روح مراد ہیں۔ الّا کتب لھم یعنی ان حضرات کے لیے مذکورہ بالا امور

فارغ البال ہونے پر قُربِ الٰہی اور اعلیٰ مراتب اور بلند درجات لکھے جاتے ہیں۔ چنانچہ حدیث قدسی میں ہے کہ:

من تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعا۔

یعنی اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ جو ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے میں اسے ایک گز اپنے قریب کر دیتا ہُوں۔

لیجزیھم اللہ۔ تاکہ انہیں اللہ تعالےٰ بقا و فنا کے مراتب سے نوازے احسن ما کانوا یعملون ٥ یعنی وہ اللہ تعالےٰ کی طلب میں جس قدر عبودیت میں جدوجہد کرتے ہیں ہم انہیں اس کی بہتر جزا عنایت فرمائیں گے۔ یعنی اتنے بڑے مراتب و کمالات عطا فرمائیں گے کہ وہاں نہ اُن کی عقل پہنچ سکے نہ ادراک کی رسائی ہو اور نہ اُن کے وہم و گمان میں ہو۔ چنانچہ حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اعددت لعبادی الصالحین۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ یہ لام نفی کی تاکید کے لیے ہے اور اہلِ ایمان کے لیے نہایت نامناسب ہے کہ جنگ یا طلب علم کے لیے سب کے سب چل پڑیں جیسا کہ اُن کے لیے ناموزوں ہے کہ سب کے سب جنگ یا طلبِ علم سے محروم رہیں۔

مسئلہ: اس سے ضمناً طلب معاش کا امر ہو رہا ہے۔

فَلَوْلَا نَفَرَ پس کیوں نہیں جاتے۔ یہ لولا، ھلّا کی طرح تحضیض کا حرف ہے۔

قاعدہ: حرف تحضیض جب فعل ماضی پر داخل ہو تو وہ ترک فعل کی توبیخ کا فائدہ دیتا ہے۔

قاعدہ: ترک فعل پر توبیخ سے فعل کا وجوب ثابت ہوتا ہے اس سے ثابت ہُوا کہ طلبِ علم کے لیے جانے کا یہ حکم وجوب کا متقضی ہے۔ یعنی طالب علم کے لیے جانا واجب ہے۔

مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ ہر بہت بڑی جماعت سے ایک گروہ یعنی قبیلہ و برادری سے یا بہت بڑے شہر سے چند افراد۔

ف: آیت کریمہ سے فرقہ و طائفہ کا فرق بتایا گیا ہے کہ فرقہ بہت زیادہ اور طائفہ چند افراد پر مشتمل ہوتا ہے اِس لئے کہ قلت کو کثرت سے خارج کیا جا سکتا ہے اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جبکہ فرقہ اکثر اور طائفہ قلیل افراد کو کہا جائے بلکہ اہلِ لغت کہتے ہیں کہ طائفہ کا ایک سے اُوپر افراد پہ اطلاق ہوتا ہے۔

لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ تاکہ دین کی فقاہت (سمجھ) حاصل کریں بلکہ اس کے حصول میں ایڑی چوٹی کا زور لگائیں اور اس پر جتنی مصیبتیں اور مشقتیں درپیش ہوں انھیں سر پہ رکھنے کو سعادت اور فخر سمجھیں۔

ف: احکامِ دین کی معرفت کو فقہ کہا جاتا ہے۔

---

[1] اس آیت سے تقلید شخصی کا وجوب ثابت کیا جاتا ہے۔ تفصیل فقیر کی کتاب تقلید میں دیکھیے۔ اویسی غفرلہٗ

وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ تاکہ جب واپس آئیں تو اپنی تمام برادری کو احکام الٰہی بتائیں اور اللہ تعالٰے کے احکام پر عمل کرنے پر انعامات کی خوشخبری سنائیں اور اُن سے رُوگردانی پر عذابِ الٰہی سے ڈرائیں۔ یعنی اُن کے حصولِ علم کی اصلی غرض وغایت صرف یہی ہو کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کو دینِ اسلام کی رہبری کریں۔

سوال: آیت میں صرف انذار کا ذکر ہے حالانکہ اس میں تبشیر بھی ضروری ہے۔

جواب: بشارۃ سے انذار اہمیت رکھتا ہے اس لیے کہ پہلے شے کو صاف ستھرا کیا جاتا ہے۔ پھر اسے زیور اور نیا لباس پہنایا جاتا ہے۔ انذار نفس کے لیے بمنزلہ صفائی کے ہے اور ابشار بمنزلہ زیورات اور اچھے لباس کے ہے اور پھر اہم کی تصریح سے غیر اہم ضمناً خود مذکور ہو جاتا ہے۔

لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ○ تاکہ وہ اللہ تعالٰی سے ڈریں۔ یعنی اُن کا ارادہ یہ ہو کہ تعلیم وتعلم کے بعد اپنی برادری کو راہِ حق بتائیں گے وغیرہ وغیرہ۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہُوا کہ دینی علوم کا حصول اور مسلمانوں کو وعظ ونصیحت کرنا فرض کفایہ ہے۔

تنبیہ الطلبہ

اس میں طلبائے اسلام کو تنبیہ ہے کہ وہ حصولِ علم میں نیت اور اپنی غرض وغایت کی اصلاح کریں۔ یعنی علم پڑھنے سے ان کا مقصد یہ ہو کہ وہ اپنی اصلاح کریں گے پھر بحکمِ خدا اہلِ اسلام کو احکامِ الٰہی کی تبلیغ کریں گے۔ تحصیلِ علم کا یہ مقصد نہیں ہونا چاہیے کہ عوام سے بلندقدر ہو جائیں گے اور علماء بن کر زندگی کے عیش لُوٹیں گے[1] اور بہترین لباس وخوراک ہوگا اور عوام ہمارے غلام بن کر رہیں گے وغیرہ۔

اسباق برائے طلبائے اسلام

سبق نمبر ۱: طالبِ علمِ دین کے لیے ضروری ہے کہ وہ تحصیلِ علم میں صرف رضائے الٰہی اور خدمتِ اسلام اور اپنے سے ازالۂ جہل اور دوسرے اہلِ اسلام سے ازالۂ جہل واحیاء وبقاءِ اسلام مطلوب رکھے اس لیے کہ اسلام کی احیاء وبقاء علم سے ہے اور زہد وتقوٰی کے لیے بھی علم ضروری ہے ورنہ جہل سے زہد وتقوٰے وعبادت وغیرہ وبالِ جان بن جاتی ہے۔

علم آمد دلیل آگاہی
جہل برہان نقص وگمراہی
پیشِ اربابِ دانش وعرفاں
کے بود ایں تمام و آں نقصاں

سبق نمبر ۲: طالب علم کو ضروری ہے کہ وہ اثنائے تعلیم نیت کرے کہ حصولِ علم میں اللہ تعالٰے کا شکر ادا کر رہا ہوں

---

[1] ہمارے دَور کے وہ علماء توجہ فرمائیں جو ڈگریوں کے چکر میں پڑ کر پھر ملازمتِ گورنمنٹ کے لیے مارے مارے پھرتے ہیں بالآخر (اکثر کا) نتیجہ یہ ہوتا ہے:

؎ ایسے ہُوئے مہذب کبھی رب کا گھر نہ دیکھا
کٹی عمر ہوٹلوں میں مرے ہسپتال جاکر

کہ اس نے عقل و فہم سے نوازا اور صحت بدن اور سلامتی حواس بخشی تاکہ آیت:

"وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

اللہ تعالیٰ نے تمہیں ماؤں کے شکموں سے نکالا تم ایسی حالت میں تھے کہ تم کسی شے کو بھی نہ جانتے تھے۔ اور تمہارے لیے سمع و بصر اور دل بنایا تاکہ تم شکر کرو۔" پر عمل ہو جائے۔

سبق نمبر ۲: طالب علم کو چاہیے کہ ایسے استاد کی شاگردی اپنائے جو عالم و متقی و پرہیزگار اور سن رسیدہ (اور سُنّی العقیدہ) ہو۔ اگرچہ ایسے اوصاف والے استاد کی تلاش میں کچھ دیر بھی لگ جائے تو کوئی حرج نہیں۔

حکایت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ

حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ استادِ بزرگ کی تلاش کے لیے اپنا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں:

میں ایک دن بصرہ گیا اور مجھے اپنے علم پر کامل اعتماد تھا کہ مجھ پر جس طرح کا بھی سوال ہو گا میں بفضلہ تعالیٰ سب کا تسلی بخش جواب دوں گا۔ چنانچہ جب شہر میں داخل ہوا تو مجھ سے چند سوالات کیے گئے جن کا مجھ سے کوئی جواب نہ بن سکا۔ اس پر میں نے قسم کھائی کہ میں حضرت حماد (استاذ امام اعظم رضی اللہ عنہما) کی صحبت اختیار کروں۔ چنانچہ میں نے بیس سال ان کی خدمتِ اقدس میں گزارے اور ان کی پاکدامنی سے میں بہت متاثر ہوا۔ اب ہر نماز میں اپنے استاد اور والد گرامی کے لیے دعا مانگتا ہوں۔

نکتہ: اساتذہ کی صحبت اور ان کی دعاؤں میں بہت بڑی عجیب و غریب تاثیرات ہوتی ہیں۔

حکایت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ثابت یعنی حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہما کے والد گرامی نے حلوہ تیار کر کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت اقدس میں پیش کیا وہ دن نیروز مہرجان یعنی گویا عید کے دن عیدی پیش کی تو سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت ثابت اور ان کی اولاد کے لیے برکت کی دعا مانگی۔ حضرت ثابت فرماتے ہیں کہ یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی دعا کی برکت کا ثمرہ ہے کہ میرے صاحبزادے ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی علماء و فقہاء بلکہ ائمہ مجتہدین مدح و ثنا کرتے ہیں۔

سبق: جب طالب علم کو استاد کامل عالم باعمل میسر آجائے تو اس سے وہ علم حاصل کرے جو آخرت کے لیے احسن اور نافع تر ہو۔ سب سے پہلے علم پڑھے جو فرض عین ہے یعنی ان اعتقادات میں سے جن کا جاننا فرض ہے اور وہ ظاہری و باطنی مسائل جن کا سیکھنا ضروری اور لازمی ہے اسے علم الحال سے بھی تعبیر کرتے ہیں یعنی وہ علم جس کا بہت جلد سیکھنا فرض ہے۔

ف: حضرت عز بن عبد السلام رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

جس علم کو سیکھنا فرض ہے اس کی تین اقسام ہیں:

۱۔ علم التوحید

۲۔ علم اللہ

۳ - علم الشریعت

۱ - علم التوحید : وُہ علم جو بندے کو سنِ شعور کے بعد اصولِ دین سے یاد کرنا ضروری ہے علم التوحید کہلاتا ہے۔ اس لیے بندے پر واجب ہے کہ پہلے یہ جانے کہ اس کا معبود ایک ہے۔ جب اسے یہ یقین نہیں کہ اس کا کوئی معبود بھی ہے تو پھر وہ عبادت کس کی کریگا۔ بناء بریں پہلے باری تعالیٰ کی ذات و صفات اور اسما کو جانے۔ پھر وہ معلومات حاصل کرے کہ کون سی باتیں اس کی شان کے لائق ہیں اور کون سی باتیں اس کے لائق نہیں۔ اگر یہ نہ جانے گا تو بہت سی صفات اللہ تعالیٰ کے لیے بیان کی جاتی ہیں جو اس کی شان کے شایاں نہیں، اس لیے اسے بجائے ثواب کے عذاب نصیب ہوگا۔

۲ - علم اللہ : یہ وہ علم ہے کہ جو دل اور اس کے متعلقات سے متعلق ہے۔ یہ علم بھی سیکھنا فرض ہے اس سے توکل و انابت اور خشیتِ ایزدی مراد ہے اس لیے کہ ان سے اکثر اوقات انسان کو ضرورت پڑتی ہے۔ اور بعض امُور وُہ ہیں جن سے اجتناب لازمی ہے جیسے حرص، غضب، کبر، حسد، عُجب، ریاء وغیرہ۔ انہی امور کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

طلب العلم فریضةٌ علیٰ کلّ مُسلمٍ و مُسلمة ۔

ہر مسلمان مرد و زن پر علم حاصل کرنا فرض ہے۔

سوال: تم نے صرف اس قسم کو حدیث مذکور میں کیوں شامل کیا حالانکہ حدیث شریف میں العلم مطلق ہے جو علم التوحید کو بھی شامل ہے۔

جواب: چونکہ علم التوحید لفظ مُسلم و مُسلمة میں ضمناً مذکور ہو چکا ہے اس لیے ہم نے اسے شامل نہیں کیا۔ اگر شامل کیا جائے تو تحصیل الحاصل لازم آئے گا۔

سوال: نماز کے مسائل بھی یاد کرنے فرض ہیں تم نے اُنھیں بھی شامل نہیں کیا۔

جواب: ہمارے عموم میں وہ بھی شامل نہیں ہو سکتے اس لیے کہ اُن کی ادائیگی کا موقعہ ملتا ہی نہیں۔ مثلاً ایک شخص بوقتِ چاشت بالغ ہو کر ظہر سے پہلے فوت ہو جائے تو ایسے شخص پر اگرچہ نماز فرض ہوئی لیکن وُہ اسے ادا نہ کر سکا۔ اس لیے اس پر مسائل کے سیکھنے کی فرضیت کیسی۔ بناء بریں ثابت ہوا کہ حدیث شریف میں صرف مسائل متعلق بہ قلب مراد ہیں اس لیے کہ اس کے مسائل ہر وقت اور ہر شخص پر لازم ہیں۔ اسی لیے اُن کا یاد کرنا بھی اولین فرائض میں سے ہے۔

۳ - علم الشریعت : وہ واجباتِ شرعیہ جو ہر انسانِ مکلف پر واجب ہیں اُن کا علم حاصل کرنا بھی فرض ہے تاکہ بندہ احکامِ شرعیہ کو حکمِ شرع کے مطابق ادا کر سکے۔ اسی طرح ان مناہی کا علم سیکھنا بھی فرض ہے جن سے شرع پاک نے نہ کرنے کا حکم فرمایا ہے تاکہ معلوم کر کے انہیں ترک کر سکے۔

ف: یہ تمام عبادات و معاملات کو شامل ہے۔ مثلاً کوئی بیع و شراء تجارت کا کوئی پیشہ اختیار کرتا ہے۔ یا کوئی کسی

قسم کی صنعت سیکھتا ہے تو اسے اس کے متعلق مسائل سیکھنا فرض ہے تاکہ شرع کے مطابق معاملات طے کر سکے۔

مسئلہ : بعض وہ امور ہیں جن سے انسان کو گاہے گاہے واسطہ پڑتا ہے تو اُن کے مسائل سیکھنا فرض کفایہ ہے۔

ف : علوم شرعیہ پانچ ہیں :

○ علم کلام
○ حدیث شریف
○ اصولِ فقہ
○ تفسیر
○ فقہ

ف : عین المعانی میں لکھا ہے کہ :

لیتفقھوا الخ میں صرف آخرت مراد ہے اس لیے کہ انذار (ڈرانا) صرف اسی سے تعلق رکھتا ہے۔ پھر اس میں علم المعاملہ والمکاشفہ شامل کیا جائے گا۔

تنبیہ علم المعاملہ دونوں جہتیں رکھتا ہے اگر اسے صحیح طور پہ استعمال کیا جائے تو اللہ جل جلالہٗ سے ملانے والا ہے ورنہ اس سے دُور کرنے والا۔

ف : علم اعمال الجوارح و اعمال القلوب اسی علم المعاملہ میں شامل ہیں۔

ف : حدیث شریف میں علم کی فضیلت وارد ہوئی ہے کہ :

فضل العالم علی العابد کفضلی علیٰ اُمتی۔

عالم کی عابد پہ فضیلت ویسی ہے جیسی میری فضیلت ادنیٰ اُمتی پر، یہ فضیلت اُس علم کے لیے ہے جو علم مکاشفہ سے بہرہ ور ہو۔ اس لیے کہ علم مکاشفہ اصل ہے باقی علوم اس کی فروع ہیں اور ظاہر ہے کہ اصل کا عالم فروع کے عالم سے افضل ہوتا ہے۔

مسئلہ : فرض اصلی کے علم کے حصول کے بعد علم فروض کفایہ حاصل کیا جائے۔ مثلاً تفسیر، تاریخ، فتاویٰ یہ سب فروض کفایہ ہیں۔ ان کا حصول فرض اصلی کے بعد ہونا چاہیے۔

تنبیہ : وہ علوم جو متعلق بہ فرض کفایہ ہیں اُن کے مسائل بھی اسی قدر حاصل کیے جائیں جن کی ضرورت ہے اُن کے نوادر کی تحقیقات میں تضیع اوقات نہ کی جائے۔ جتنا پڑھتا جائے اس پر عمل کرنے کی جد و جہد کی جائے[1]

مسئلہ : قبلہ کی جہت اور اوقات الصلوٰۃ کے لیے بقدر ضرورت علم النجوم سیکھنا جائز ہے۔

مسئلہ : علمِ طب میں اس قدر سیکھ لینا چاہیے کہ جس سے اپنی اور اپنے اہل و عیال وغیرہ کا علاج معالجہ کیا جا سکے۔

ف : الاشباہ والنظائر میں ہے :

تحصیل علم کی کئی اقسام ہیں :

---

[1] اس میں ہمارے طلبہ غور فرمائیں جو عمل صالح کا نام تک نہیں لیتے لیکن ہوتے ہیں علامہ۔ اللہ تعالیٰ سمجھ دے۔

۱۔ دین کی ضروری باتوں کے مسائل سیکھنا فرض عین ہے۔

۲۔ دین کے ضروری امُور سے زاید ایسے مسائل سیکھنا جن سے دینی فائدہ ہو یہ فرض کفایہ ہے۔

۳۔ مندوب یہ ہے کہ علم فقہ و تصوّف میں بہت بڑا ادراک حاصل ہو۔

۴۔ حرام جیسے علم الفلسفہ والشعبدہ۔ التنجیم یعنی نجومی بننا۔ رمل، علوم الطبائعیین ایسے علوم فنون حاصل کرنا حرام ہیں۔ ایسے ہی وہ منطق جس میں فلسفہ کا دخل ہو (نہ ہماری مروج منطق) اسی طرح علم الحروف والموسیقی سرود گانے وغیرہ سیکھنا حرام ہے۔

۵۔ مکروہ فحش گانے کی غزلیات واشعار وغیرہ کے طور طریقے سیکھنا۔

۶۔ مباح وُہ اشعار و غزلیات جو مبنی بر فحش وغیرہ نہیں۔ بلکہ اس میں عوامی حیثیت ہوتی ہے پھر انہیں ہر ایک اپنی نیت جدھر لے جائے۔

منطق کی تعلیم کی تحقیق حضرت خادی نے فرمایا کہ میں نے کسی کتاب میں منطق کی تعلیم کی حُرمت کی تصریح نہیں دیکھی۔ اگر کسی نے لکھ دیا کہ (یجوز الاستنجاء باوراق المنطق) تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ خواہ مخواہ منطقی ابحاث میں تضییع اوقات نہ کرے بلکہ مابہ الضرورۃ پڑھ کر دُوسرے فنون کے حصول میں لگ جائے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ منطق کے وُہ ابحاث پڑھے جائیں جن میں فلسفہ کے فن کا ایک ذریعہ اور آلہ ہے اس لیے بعض فقہاء و محدثین نے اس کے پڑھنے پڑھانے سے ممانعت فرمائی ورنہ مروّجہ منطق میں کوئی ایسی قباحت نہیں جو شرع پاک کے منافی ہو۔ (ہمارے مدارس عربیہ میں منطق کا جو نصاب داخل ہے وہ بھی اسی قبیل سے ہے)

مسئلہ: قہستانی نے فرمایا کہ اطہمات للاسنوی میں مرقوم ہے کہ اس ورق سے استنجاء مکروہ ہے، جس پر کسی علم محترم کے الفاظ مسطور ہوں۔ مثلاً اس پر نحو وغیرہ کے حروف مرقوم ہوں۔ ہم نے علم محترم کی قید اس لیے لگائی ہے کہ غیر محترم علم جیسے حکمیات سے منطق وغیرہ کے اوراق سے استنجاء جائز ہے۔ لیکن یہ قول بھی قابل قبول نہیں ہے کہ ہمارے فقہاءِ احناف ردّی کاغذ سے استنجاء تو بجائے خود اس کی بے ادبی بھی گوارہ نہیں کرتے۔ مزید تحقیق فتاوٰی رضویہ مصنفہ سیّدی شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ میں دیکھیے۔

تنبیہ از شیخ الاکبر قدس سرہٗ حضرت شیخ اکبر قدس سرہ اکبر الاطہر نے مواقع النجوم میں لکھا ہے کہ منطق میں غیر ضروری ابحاث سے بچنا چاہیے۔ اس لیے کہ غیر ضروری ابحاث میں پڑنا تضیع اوقات ہے اور تضییع اوقات بھی ایک جُرم ہے۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ بقدر ضرورت علم حاصل کر کے نیک عمل میں جد و جہد کرے۔

طلباءِ اسلام کے فضائل حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جسے خواہش ہو کہ وُہ جہنم سے آزاد شدہ لوگوں کو دنیا میں دیکھے تو اُسے چاہیے کہ

وہ طلباءِ اسلام کی زیارت کرے۔ بخدا ہر وہ طالب علم جو اپنے استادِ گرامی کے ہاں درس گاہ یا اُن کے گھر کی حاضری دیتا ہے تو اُسے ایک سال کی عبادت کا ثواب نصیب ہوتا ہے اور اس کے ایک قدم پر بہشت میں اس کے لیے ایک شہر تیار ہوگا اور وہ زمین پر چلتا ہے تو زمین اسے دُعائیں دیتی ہے اور ہر شام و سحر اس کی مغفرت کا اعلان ہوتا ہے اور فرشتے گواہی دیتے ہیں کہ یہ طلباءِ اسلام دوزخ سے آزاد ہیں۔

اساتذہ کے فضائل

علم کی نشر و اشاعت اور اس کی رہبری یعنی تعلیم و تدریس اور تبلیغ کے بھی بہت فضائل وارد ہیں۔

مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو انہیں فرمایا کہ اگر صرف ایک آدمی تیرے سبب سے ہدایت پا جائے تو تیرے لیے سارے سال کی عبادت سے افضل ہے اور علماء انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں اس لیے کہ جیسے وہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام خلقِ خدا کی رہبری میں مشغول رہے ان کے ورثا بھی ایسے ہی زندگی بسر کرتے ہیں۔

تنبیہ

ہر مبلغ یعنی عالمِ دین کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی دینی خدمات میں یہ نیت کرے کہ میری خدمتِ اسلامی سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و جاہ اور کمال و مرتبہ میں اضافہ ہو کہ جس قدر کثیر التعداد افراد ان کے فرماں بردار ہوں گے اسی قدر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت میں راحت اور خوشی ہوگی۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"انّی مکاثر بکم الامم"

بیشک میں قیامت میں کثیر فرماں برداروں کی وجہ سے دُوسری اُمم پر فخر کروں گا۔

نکتہ صوفیانہ

عوارف المعارف میں ہے عارفین نے علمِ وراثت سے وافر حصہ لیا۔ علم وراثت یہ ہے کہ علم کے مطابق عمل صالح کی جدّ و جہد کی جائے۔ اس کی برکت سے علمِ وراثت نصیب ہوتا ہے ایسے لوگ علماءِ ظاہر کے علم میں برابر ہوتے ہیں لیکن علوم وراثت کی وجہ سے اُن سے ممتاز ہوتے ہیں۔ علم وراثت فقہ فی الدین کا دُوسرا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فلولا نفر الآیۃ۔

اس سے معلوم ہوا کہ انذار کا وہی حق ادا کر سکتا ہے جسے علمِ فقہ سے وافر حصہ نصیب ہو اور انذار کی برکت سے منذر کو علم کے پانی سے احیاء نصیب ہوتا ہے اور احیاء صرف فقیہ فی الدین کا مرتبہ ہے اور یہی تمام مراتب سے بلند و بالا اور مکمل ترین مرتبہ ہے اور یہ علم فقہ صرف اس عالم کو حاصل ہوتا ہے جو تارک الدنیا اور متقی ہو، اور یہ مرتبہ اسے انذار سے حاصل ہوا جو اس نے اپنے علم سے خلقِ خدا کو عنایت فرمایا۔

شانِ رسالت کا بیان

تمام مراتب کا سرچشمہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے کہ سب سے پہلے آپ نے ہی انذار سے خلقِ خدا کو مستفیض فرمایا۔ آپ پر خداوندِ قدوس سے علمِ ہُدیٰ کی بارش ہُوئی پھر آپ سے تمام قلوب ونفوس کو فیض نصیب ہُوا ظاہراً بھی اور باطناً بھی۔

تنبیہ : یاد رہے کہ یہ علم صرف دُعا اور آرزو سے نصیب نہیں ہوتا بلکہ اس کے حصول کے لیے سعی وکاوش کرنی پڑتی ہے۔

حکایت

سیّدنا جنید بغدادی قدس سرّہٗ سے عرض کی گئی کہ آپ کو یہ بہت بڑا مرتبہ کہاں سے نصیب ہوا؛ آپ نے فرمایا کہ اس سامنے والے گھر میں تیس سال کی محنتِ شاقہ سے۔ ؎

ہر گنج سعادت کہ خدا داد بحافظ
از یمن دُعا شب و ورد سحرے بود

سبق : آیت میں ترغیب دی گئی ہے کہ نافع علم حاصل کرنے کے لیے ترکِ وطن کریں۔

حکایت

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف ایک حدیث شریف کے لیے مدینہ طیبہ سے مصر تشریف لے گئے اور کسی کو کمال ملا تو صرف قلبِ مکانی اور وطن سے ہجرت کرکے۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا : ؎

سافر تجد عوضا عمن تفارقہ
وانصب فان اکتساب المجد فی النصب
فالاسد لولا فراق الجنس ما فرست
والسہم لولا فراق القوس لم یصب

ترجمہ : سفر کر اس لیے کہ جسے تُو چھوڑ جائے گا اس کا تجھے بدلہ ملے گا۔ اور محنت کر اس لیے کہ محنت میں بزرگی نصیب ہوتی ہے۔ شیر بھی اپنے مقام کو چھوڑتا ہے تو حملہ کرتا ہے۔ اسی طرح تیر کمان کو چھوڑتا ہے تو شکار کرسکتا ہے۔

شیخ سعدی قدس سرّہٗ نے فرمایا : ؎

جفا بزدہ چہ دانی تو قدر یار
تحصیل کام دل بتگاپوئی خوشتر است

تفسیر صُوفیانہ

تاویلاتِ نجمیہ میں فرماتے ہیں، آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں پر لازم ہے کہ وہ صورت ومعنیٰ کی طرف ہجرت کریں۔ صورت کی طرف ہجرت کا مطلب یہ ہے کہ وہ کاملین ومکملین اور واصلین وموصلین کی تلاش میں نکلتے ہیں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام کی تلاش میں نکلے تھے۔ اور معنے کی طرف ہجرت کا مطلب وہی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی برادری سے فرمایا :

(بقیہ برصفحہ ۸۲۹)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ

اے ایمان والو جہاد کرو ان کافروں سے جو تمہارے قریب ہیں اور چاہیئے کہ وہ تم میں

وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ؕ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ (١٢٣)

سختی پائیں اور جان رکھو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے

وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ

اور جب کوئی سورۃ اترتی ہے تو ان میں سے کوئی کہنے لگتا ہے کہ اس نے تم میں کس

هٰذِهٖۤ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ

کے ایمان کو ترقی دی تو وہ جو ایمان والے ہیں ان کے ایمان کو اس نے ترقی دی اور وہ

يَسْتَبْشِرُوْنَ (١٢٤) وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ

خوشیاں منا رہے ہیں اور جن کے دلوں میں آزار ہے انہیں اور پلیدی پر پلیدی

رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ (١٢٥) اَوَلَا يَرَوْنَ

بڑھائی اور وہ کفر ہی پر مر گئے کیا انہیں نہیں

اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا

سوجھتا کہ ہر سال ایک یا دو بار آزمائے جاتے ہیں پھر نہ تو

يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ (١٢٦) وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ

توبہ کرتے ہیں نہ نصیحت مانتے ہیں اور جب کوئی سورت اترتی ہے تو

نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ؕ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ

ان میں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگتا ہے کہ کوئی تمہیں دیکھتا تو نہیں پھر

انْصَرَفُوْا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ (١٢٧)

پلٹ جاتے ہیں اللہ نے ان کے دل پلٹ دیئے کہ وہ ناسمجھ لوگ ہیں

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ

بے شک تمہارے پاس تشریف لائے وہ رسول تم میں سے جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا

حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٢٨﴾ فَاِنْ

گراں ہے تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان پھر اگر

تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ

وہ منہ پھیریں تو تم فرما دو کہ مجھے اللہ کافی ہے اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں میں نے اسی پر بھروسہ

وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿١٢٩﴾ ع

کیا اور وہ بڑے عرش کا مالک ہے

تفسیر عالمانہ

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اے ایمان والو۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت اور اُن کی حقانیت کا اقرار کیا۔ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ جنگ کرو ان لوگوں سے يَلُوْنَكُمْ جو تمہارے قریب کے رشتہ دار ہیں یلونکم، الولی سے ہے، بمعنے الدنو یعنی نزدیک ہونا مِنَ الْكُفَّارِ کافروں میں سے۔ یعنی جنگ کرو ایسے دشمنوں سے جو تمہارے ساتھ قرب اور رشتہ داری رکھتے ہیں، اور ان سے جہاد کرو جو نسبی لحاظ سے قرب رکھتے ہیں۔ پھر اسی طرح اور رشتہ داروں سے۔ ایسا نہ ہو کہ قریبی رشتہ دار کو چھوڑ کر دُوسروں سے لڑو۔

مسئلہ: یہ قرب عام ہے رشتہ داری ہو یا شہریت کے اعتبار سے ہو یا اہل وعیال کے لحاظ سے۔

مسئلہ: اس سے یہ بھی ثابت ہُوا کہ جو کافر رشتہ دار کو امان دے تو سمجھو کہ وہ اپنے غیروں سے لڑائی رکھتا ہے۔

مسئلہ: کفار سے جنگ وجہاد واجب ہے بالخصوص جو رشتہ میں زیادہ قریب ہوں۔ اسی طرح اقرب فالاقرب۔ یہی وجہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اپنے رشتہ داروں سے جنگ کی، پھر دُوسرے عربوں سے، پھر شام والوں سے۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ رہا کہ جب شام کی فتوحات سے فارغ ہُوئے تو پھر عراق پر چڑھائی کی۔ اسی طرح ہر علاقہ اور ہر زمانہ کے اہلِ اسلام پر فرض ہے کہ پہلے اقرب کو دعوت دیں پھر دوسروں کے ساتھ لڑیں بشرطیکہ اقرب سے جنگ کرنے پر اس علاقہ کے اہلِ اسلام کو ضرر نہ پہنچے۔

مسئلہ: تبلیغ و دعوت اسلام کی بھی یہی ترتیب ہے[1]۔ یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام کو تبلیغ کے لیے اللہ تعالیٰ نے

---

[1] اس سے تبلیغی جماعت کے پھندے میں پھنسنے والے سوچیں کہ اُن کے جانسے ہیں آگر کبھی چین کا دورہ کرتے ہیں کبھی لندن کا۔ لیکن خود اپنی حالت یہ ہے کہ میاں تبلیغی دورے پر تو بیوی سینما میں۔

سب سے پہلے قریبی رشتہ داروں کے لیے حکم فرمایا کما قال تعالیٰ :

واندذر عشیرتك الاقربین۔

اس لیے کہ تبلیغ ایک شفقت ہے اور شفقت کے سبب سے زیادہ حقدار قریبی رشتہ دار ہوتے ہیں۔ اسی طرح اصلاح بھی سب سے پہلے اُن ہی کی ضروری ہے، اس لیے کہ اُن کے حقوق کی پاسداری کی زیادہ تاکید ہے۔

ف : فرائض کے بعد وہ دُوسرے نفلی عبادات افضل ہیں جو جسم سے متعلق ہیں اور امام احمد رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا :

"مجھے تو فرائض کے بعد جہاد سے زیادہ افضل کوئی عمل معلوم نہیں ہوتا اس لیے کہ جہاد حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب مشغلہ تھا۔"

امام ابوحنیفہ و امام مالک رحمہا اللہ تعالےٰ نے فرمایا :

"فرائض کے بعد دُوسروں پر علم سے اور کوئی عمل افضل نہیں۔ اس لیے کہ تمام اعمال کا دار و مدار علم پر ہے، اس کے بعد جہاد۔"

حکایت عجیبہ در فضیلت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی کہ آپ کو قیامت میں کہاں ملیں ؛

آپ نے فرمایا : امام اعظم ابُوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے جھنڈے کے قریب۔

حدیث شریف نبوت کے قریب تر اہلِ علم ہیں اُن کے بعد اہلِ جہاد اہلِ علم اس لیے کہ وُہ لوگوں انبیاء علیہم السلام کے لائے ہُوئے احکام کی رہبری کرتے ہیں اور اہلِ جہاد تلوار سے احکامِ الٰہی اور عالمین احکامِ الٰہی کی حفاظت کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ جہاد نوع انسانی کے بقاء کا سبب ہے۔ اگر جہاد متروک ہو جائے تو دشمن غالب ہو کر نوعِ انسانی کو ختم کر دیں گے اور یہ آخرت میں دائمی حیات کا سبب ہے اس لیے کہ جہاد شہادت کا موجب ہے اور شہادت ہی حیاتِ دائمی بخشتی ہے اور شہداء مُردہ نہیں بلکہ زندہ ہیں۔

وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ط اور چاہیے کہ وُہ پائیں تم میں سختی۔

ف : غلظة بمعنے شدت وصبر علی القتال۔ قاموس میں ہے کہ الغلظة، مثلثة دقة کی ضد کو کہتے ہیں۔ یہ کلام

بقیہ ص ۸۲۸ سے آگے

انی ذاھب الی ربی سیھدین ۔ بیشک اپنے رب کی طرف جاتا ہوں ۔

اس میں قالب اور اس کی صفات سے نکل کر قلب اور اس کی صفات کی طرف پھر قلب سے رُوح اور اس کی صفات کی طرف پھر رُوح سے رُوح کو فناء کر کے تخلق باخلاق اللہ کی سیر کرنا۔ اسی کو سیر الی اللہ کہتے ہیں اور اخلاق اللہ سے اپنی ذات کو صفات اللہ کی تجلی میں فناء کر کے ذات اللہ کی طرف سیر کرنا۔ اسے سیر باللہ کہتے ہیں اور انانیت سے ہویت کی طرف پھر ہویت سے الوہیت کی طرف ابدالآباد سیر کرنا۔ اسے سیر باللہ من اللہ الی اللہ کہا جاتا ہے۔ (مختصراً)

"لَا اَرِینَكَ هٰهُنَا" (میں تجھے پھر یہاں نہیں دیکھوں گا)، اگرچہ بظاہر یہ اپنے آپ کو مخاطب کے نہ دیکھنے کی بات کر رہا ہے لیکن درحقیقت وُہ مخاطب کو روک رہا ہے کہ وُہ یہاں پر نہ آئے۔ اس آیت میں بھی اگرچہ بظاہر کفار کے لیے حکم ہے کہ وہ تمہارے متعلق سختی کریں لیکن درحقیقت اہلِ ایمان کو حکم ہے کہ وہ کفار پر سختی اور شدت کریں۔ کلام میں صراحۃ کی بجائے کنایہ سے کام لیا گیا ہے یعنی لازم بول کر ملزوم مراد لیا گیا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

ہر پیغمبر سخت رو بد در جہاں
یکسو راہ گفت بر جیش شہاں
رو نگردانید از ترس و غمی
یک تنہ تنہا بزد بر عالمے
گو سفنداں گر برونست از حساب
اینہاں کے برسد اں قصاب

حکایتِ سکندر

سکندر سے کہا گیا کہ دارا کے کروڑوں جنگی سپاہی ہیں۔ سکندر نے کہا: کیا ہوا، قصاب بکریوں کی کثرت سے نہیں گھبراتا۔

حکمت

اہلِ عرب فرماتے ہیں کہ شجاعت انسان کی ڈھال ہے اور بزدلی انسان کی قاتل ہے۔ بہادروں کی تعداد تھوڑی ہوتی ہے۔ دشمن کو پیچھے سے مارنے والے بہت ہوتے ہیں لیکن بالمقابل لڑکر قتل کرنے والے بہت تھوڑے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

آنکہ جنگ آرد بخون خویش بازی کند
روز میداں وانکہ بگریزد بخون لشکری

کسی نے کیا خوب فرمایا: ؎

زہرۂ مرداں نداری چوں زناں در خانہ باش
ور بمیداں میروی از تیر باراں بسر مگرد

حکمت

بادشاہ، وزراء اور دیگر اراکینِ دولت لشکر میں بمنزلہ دل کے ہوتے ہیں اور لشکر بمنزلہ دیگر اعضاءُ کے۔ پھر جیسے دل کی کیفیت ہے کہ وہ درست تو سارا جسم درست۔ اسی طرح امیرِ لشکر اگر ثابت قدم رہے اور دلیری و شجاعت دکھائے تو سارا لشکر دلیر ہوگا۔

نکتہ: بہرام نے کہا:

جو سر پہ تاج رکھنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ اپنا دل ہتھیلی پہ رکھے اور جو بادشاہ اپنا قدم گھر سے باہر نہیں رکھنا چاہتا تو سمجھے کہ چند روز کے بعد نہ شاہی رہے گی نہ مال و دولت بلکہ سر بھی نہیں رہے گا۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ○ اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے۔ یعنی متقی کی نگرانی و اعانت فرماتا ہے۔

ف : معیتِ الٰہی سے ولایت دائمہ مراد ہے۔

سوال : اللہ تعالےٰ تو ہر ایک کے ساتھ ہے پھر متقین کی تخصیص کیوں ؟

جواب : چونکہ جنگ میں وہ جان ہتھیلی پہ رکھتے ہیں اسی لیے انھیں خصوصی معیت کی خوشخبری سُنائی گئی۔

سوال : قاعدہ نحویہ کے مطابق یہاں ضمیر **ھم** لانا مناسب تھا یعنی کہا جاتا "انّ اللّٰہ معھم" اسم ظاہر یعنی "**مع المتقین**" کیوں کہا گیا ؟

جواب : اسم ظاہر یعنی متقین لانے میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کی معیت کی علت تقویٰ ہے۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ اللہ تعالےٰ نے متقیوں کو اپنی معیت سے اُن کے تقویٰ و توحید و ایمان و اسلام و طاعت کی وجہ سے اور ان کے شرک کفر و نفاق و عصیان بمطابق حکم شرع بچنے سے نوازا یا یُوں کہو کہ اللہ تعالےٰ میں محویت پا کر ماسوی اللہ سے بحکم حقیقت فارغ ہو جاتے ہیں۔ یہ معیت نہ کفار کو نصیب ہُوئی نہ منافقین کو اور گنہگاروں کو بھی، کبھی غلبہ حاصل ہوتا ہے تو بطور استدراج کے، اور اللہ تعالیٰ کی مدد اس لیے نصیب ہوتی ہے "تاکہ معلوم ہو کہ جس قدر کفار پر غلبہ پاتے ہو اسی قدر تمہاری رُوحانیت میں رونق اور جلاء ہوتی ہے۔ اس بناء پر اہلِ ایمان تمہارے قدموں میں گرتے ہیں۔

حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہٗ الاطہر اپنی کتاب مواقع النجوم میں لکھتے ہیں کہ :

اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے کہ کسی بندے کو مقامات بلند پہ فائز المرام فرمائے تو اس کے مقابلے کے لیے ان دشمنوں کو کھڑا کر دیتا ہے جو بندے کو رشتہ میں قریب تر ہوتے ہیں تاکہ اس مقرب بندے کو جہاد کے فضائل مدِ نظر رہیں اور وہ اللہ تعالےٰ کے دشمنوں سے جنگ کرے لیکن پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں سے، پھر غیروں سے، کما قال :

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ الخ

صوفی صافی اور اسی طرح ہر بلند قدر انسان کو اس آیت سے حظِ وافر نصیب ہوتا ہے کہ وہ اس آیت سے نفسِ امارہ کی جنگ کا سبق سیکھتے ہیں جبکہ انھیں نفسِ اَمّارہ طرح طرح کے مکر و فریب میں مبتلا کرنا چاہتا ہے بلکہ اسے ہر واجب و مندوب سے ادائیگی سے باز رکھنے کی جدّ و جُہد کرتا ہے اس لیے کہ اسے پیدا ہی اسی لیے کیا گیا ہے اور ہے بھی تمام اعداء و کفار سے انسان کو قریب تر۔ جب کوئی بندۂ خدا اس کے ساتھ جہاد کر کے اسے قتل کر دیتا ہے یا کم از کم اسے قید کر لیتا ہے تو پھر اس کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ غیروں کی طرف توجہ دے لیکن اس قدر جتنا اُس کا مقام و مرتبہ ہوتا ہے۔

یاد رہے کہ نفس تمام دشمنوں سے بدترین اور سخت ترین دشمن ہے۔ اسی لیے اس کے ساتھ جہاد کا نام جہادِ اکبر ہے

اور نفس سے جہاد کا معنیٰ یہی ہے کہ اس کی خواہشات کی مخالفت کی جائے اور اس کی گندی عادات کو مٹا کر اسے طاعتِ الٰہی کا خوگر بنایا جائے۔ ؎

اے شہاں گشتیم ما خصم بروں
ماند ازو خصم بتردد اندروں
قد رجعنا من الجہاد الاصغریم
ایں زماں اندر جہاد اکبریم
سہل شیر آں درکہ صفہا بشکند
شیر آنرا دانکہ خود را بشکند

قاعدہ صوفیانہ

نفسِ امّارہ کے پاس دو ہتھیار بہت زبردست ہیں:

۱۔ شہوتِ فرج
۲۔ شہوتِ شکم

یہ ایسی دو تلواریں ہیں کہ بڑے بڑے مضبوط لوگوں کی گردنیں کاٹ کر رکھ دیتی ہیں۔ یاد رہے کہ شہوتِ شکم شہوتِ فرج سے زیادہ قوی اور سخت ہے اس لیے کہ فرج کی شہوت شکم کی شہوت سے پرورش پاتی ہے۔

؎

زاں نداری میوۃ مانند بید
کآب روبروی پے نان سپید

نکتہ: پیٹ کو اگرچہ حلال لقموں سے بھرا جائے تب بھی شرارت سے باز نہیں رہتا۔ پھر اس بدبخت کی کیا حالت ہو گی جو حرام کے لقموں سے شکم پروری کرتا ہے؟

نسخہ رُوحانی: جو پیٹ بھر کر طعام کھاتا ہے وہ راہِ حق اور طریقت سے بھٹک جاتا ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام کی تقریر

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے خدّام سے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ اے میرے ماننے والو! اپنے پیٹوں کو طعام سے خالی اور اپنے جگروں کو پانی سے پیاسا رکھو۔ پھر تمہارے دل اللہ تعالےٰ کے دیدار کے قابل ہوں گے اور اس کے انوار و تجلیات سے نوازے جاؤ گے۔

ف: یہی خرابیاں زیادہ بولنے سے بھی پیدا ہوتی ہیں۔ اسی طرح لوگوں کو ایذاء پہنچانے پر بھی رُوحانی نقصانات ہوتے ہیں۔

سبق: سالک کے لیے ضروری ہے کہ لوگوں کے ستانے پر عمل نہ کرے بلکہ دنیا میں کسی کے ایذاء دینے کا تصوّر

بھی ذہن سے اتار دے اس لیے کہ سالک کے لیے دُکھ دینے والا اور احسان کرنے والا برابر ہوتے ہیں بلکہ اتنا ہوجائے کہ وہ بُرائی دینے والے کو بھی محسن سمجھے۔

ف : نیند زیادہ کرنے سے بھی وہی رُوحانی نقصانات ہوتے ہیں جو مذکور ہوئے۔

مخفی بھید اہلِ حقیقت فرماتے ہیں کہ جو چالیس راتیں خالص رضائے الٰہی کے لیے آنکھوں میں کاٹ دے یعنی نیند نہ کرے تو اُس کے لیے ملکوت سماوات کے پردے ہٹا دیے جاتے ہیں تو وہ ہر وقت ملکوت سماوات کا معاینہ کرتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب سے غفلت کے پردے ہٹا دے اور وہی سب کی دُعا قبول کرنے والا ہے۔

تفسیر عالمانہ **وَاِذَا مَآ** یہ **ما** موصولہ جزا و شرط کو موکد کرنے کے لیے لایا گیا ہے **اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ** جب قرآن مجید کی کوئی سُورت اتاری جاتی ہے۔

ف : قرآن پاک کی ایک سو چودہ سُورتیں ہیں اس پر تمام اُمت کا اجماع ہے۔

ف ؛ سُورۃ کلامِ الٰہی کے ایک حصّہ کو کہتے ہیں۔

فَمِنْهُمْ پس بعض اُن منافقین سے وہ ہیں **مَنْ يَّقُوْلُ** جو اپنے ایماندار بھائیوں سے بطور انکار و استہزاء کہتے ہیں **اَيُّكُمْ** یہ مُبتدا ہے اس کا مابعد اس کی خبر ہے **زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ** اِس سُورت میں کون سی سورت تمہارا ایمان بڑھاتی ہے۔ **اِيْمَانًا** ج یہ زادتہ کا مفعول بہ ہے۔

سوال ؛ جب منافقین کے عقیدہ پر اہلِ ایمان میں ایمان ہی نہیں تھا تو پھر ایمان بڑھانے کا کیا معنٰی!۔

جواب ؛ منافقین نے اہلِ ایمان کے عقیدہ کو سامنے رکھ کر ایسے کہا۔

مسئلہ : آیت سے ثابت ہُوا کہ استہزاء و انکار منافقت کی علامت ہے۔

ف ؛ منافقین کے سوال کا جواب اور ان کے استہزاء و انکار کا جواب آنے والی آیات سے دیا کہ جو سمجھتا ہے کہ اس کا ایمان وحی کے ذریعے اور اس پر عمل کرنے سے بڑھتا ہے تو وہ پکّا مومن ہے کما قال :

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بہرحال وہ لوگ جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے آئے ہُوئے جملہ احکام پر ایمان لاتے ہیں **فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا** تو آیاتِ قرآنیہ اور سورہ فرقانیہ اس کے ایمان میں اضافہ کرتی ہیں۔ یعنی متعلق کی بناء پر، لیکن ایمان کا متعلق سے اضافہ پذیر ہونا زمانۂ نبوی سے مخصوص ہے۔ حضور تاجدارِ رسل صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ایمان نہ بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے ہاں اس کے درجات مختلف ہیں ان میں کمی بیشی ہُوا کرتی ہے جیسے ایک شخص ایمان کی تفصیل سے واقف ہے دوسرا صرف اجمال کو جانتا ہے تو تفصیل والے کے درجات اجمال والے سے بہت بلند ہیں۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ ایک شخص شئے کو دُور سے دیکھتا ہے دُوسرا اس شئے کو قریب ہو کر، تو جو قریب سے دیکھے گا وہ بہ نسبت دُور سے دیکھنے والے کے اس شئے سے زیادہ واقفیت رکھنے والا سمجھا جائے گا۔

مسئلہ : ایمان تصدیق قلبی کو کہا جاتا ہے اور احسان (تصوّف) کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالےٰ کی عبادت کرتے

وقت یُوں سمجھے گویا وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے اگر اتنی رسائی نہ ہو تو کم از کم یُوں تصور رکھے کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔

یاد رہے کہ حقیقتِ احسان وُہ مرتبہ ہے جسے "کُنْتُ سَمْعِہٖ وبصرہ الذی" یعنی قرب نوافل کے باب میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سے اُونچا مرتبہ فرائض کے قُرب کا ہے جسے "سمع اللّٰہ لمن حمدہ" میں بیان کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر ایک شخص کعبہ معظمہ کو دُور سے دیکھتا ہے تو اس کو کعبہ معظمہ کے وجود کا یقین ہو جاتا ہے لیکن جونہی قریب ہو کر دیکھتا ہے تو اس کا یقین اور بڑھ جاتا ہے۔ پھر جب اُس کے اندر داخل ہوتا ہے تو یقین میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے لیکن اصل اعتقاد میں نہ کمی ہُوئی نہ بیشی، البتہ اعتقاد کے درجات میں اضافہ و کمی ضرور ہے۔

وَهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ○ اور وہ قرآنی سورتوں کے نزول اور ان کے احکام اور ان کے دینی و دنیوی منافع سُن کر خوش ہوتے ہیں۔ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ بہرحال جن لوگوں کے دل میں کفر اور بُرے عقائد کا مرض ہے۔

نکتہ: حدادی نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے منافقت کو دل کا مرض اس لیے بتایا کہ منافقت ایک حیرت کا نام ہے اور وُہ قلب کو لاحق ہوتی ہے جیسے بدن کے درد کو بدن کی بیماری کہا جاتا ہے۔ صاحبِ رُوح البیان فرماتے ہیں کہ دل کی بیماری ہو یا جسم کی، دونوں ہلاکت و تباہی کا موجب بنتی ہیں۔ ظاہری بیماری اس لیے کہ اس کا انجام موت ہے اور باطنی مرض کا انجام رُوح کی ہلاکت کا دُوسرا نام ہے۔ ہر دو بیماریوں کا علاج ان کی مناسبت پر کیا جائے۔

فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ پس وُہ سُورتیں پلیدی کو ان کی پلیدی میں ملاتی ہیں۔ یعنی اُن کے کفر میں اضافہ ہوتا ہے اور اُن کے عقاید باطلہ اور اخلاقِ مذمومہ زیادہ خراب ہوتے ہیں۔

فرق ما بین نجس و رجس نجس و رجس میں فرق یہ ہے کہ رجس اکثر عقلی غلاظتوں کے لیے مستعمل ہے اور نجس طبعی غلاظتوں کے لیے۔ یعنی جس غلاظت سے عقل کو نفرت ہو وُہ رجس ہے اور جس سے طبع کو نفرت ہو وہ نجس ہے۔

وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ○ اور وُہ کافر ہو کر مرتے ہیں یعنی کفر ان میں ایسا مستحکم ہو جاتا ہے کہ پھر اسی پر اُن کی موت وارد ہوتی ہے۔

ف: اللہ تعالےٰ نے ان آیات میں بتایا ہے کہ آسمان سے سورتوں کے نزول سے اہلِ ایمان کو دو فائدے ہوتے ہیں اور اہلِ کفر کو دو نقصان۔

اہلِ ایمان کے دو فائدے یہ ہیں:

۱۔ اضافۂ ایمان

۲۔ استبشار

اور اہلِ کفر و نفاق کے دو نقصان یہ ہیں:

۱۔ رجس

۲۔ موت علی الکفر

حدیث شریف اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی برکت سے قیامت میں ایک گروہ کی عزت افزائی اور اُن کے درجات بہت بلند فرمائے گا۔ یعنی جو لوگ اس پر ایمان لاتے اور اس پر عمل کرتے ہیں تو قیامت میں اُن کی شان دیدنی اور قابلِ رشک ہوگی۔ اور دُوسرے گروہ کی قرآن مجید کے انکار کی وجہ سے ذلت اور رسوائی ہوگی یہ وہ لوگ ہیں جو اس پر ایمان نہ لائے ہوں گے اور نہ ہی اس کی عظمت کا اقرار کیا ہوگا۔ ایسے لوگوں کو دنیا و آخرت[1] میں ذلیل وخوار رکھا جائے گا۔

اَوَ لَا یَرَوْنَ یہ ہمزہ انکار و توبیخ کا ہے اور واؤ عاطفہ ہے۔ اس کا معطوف علیہ محذوف و مقدر ہے۔ دراصل عبارت یُوں ہے:

الا ینظر المنٰفقون ولا یرون۔

یعنی کیا منافقین دیکھتے نہیں۔

اَنَّھُمْ یُفْتَنُوْنَ فِیْ کُلِّ عَامٍ بے شک وہ ہر سال آزمائے جاتے ہیں مَّرَّۃً اَوْ مَرَّتَیْنِ ایک یا دو بار۔

ف: یہاں پر گنتی مراد نہیں بلکہ کثرت مطلوب ہے کہ سال بھر میں مختلف بلیات و امراض اور شدائد میں مبتلا رہتے ہیں۔ ان صعوبتوں سے یہ مطلوب ہے کہ وہ گناہوں سے باز آجائیں اور منافقت ترک کر کے پکے سچے مسلمان ہوجائیں۔

ثُمَّ لَا یَتُوْبُوْنَ اس کا عطف لَا یَرَوْنَ پر ہے اور یہ بھی انکار و توبیخ کے حکم میں داخل ہے یعنی کیا پھر وہ توبہ نہیں کرتے وَلَا ھُمْ یَذَّکَّرُوْنَ ○ اور نہ ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

خلاصہ: یہ کہ انھیں اپنا آزمائش میں پڑنا نظر نہیں آتا (جو وہ بھی منجملہ اُن کی رہبری کا ایک سبب تھا) پھر وہ اپنی منافقت اور کفر اور جن غلط کاریوں میں مبتلا ہیں ان سے تائب ہوجائیں اور ان آزمائشوں کو دیکھ کر نصیحت حاصل کریں جو اُن کے تائب ہونے کا بہتر ذریعہ ہے لیکن قسمت نے یاوری نہ کی۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ایسی آزمائش زندہ دلی کا انتباہ تو بن سکتی ہے لیکن جس کا دل مُردہ ہو اُسے یہ آزمائش کیا نصیحت دے گی۔ کفار کے دل چونکہ مُردہ تھے اسی لیے وہ محروم رہے اور جس کا دل مُردہ ہو وہ کبھی واصل باللہ نہیں ہوسکتا اور نہ ہی اس پر کسی ناصح کی نصیحت اثر انداز ہوسکتی ہے۔

چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی۔

---

[1] دنیا میں ایمان سے محروم رکھ کر اور آخرت میں سخت عذاب ۔۱۲

اور فرمایا: لِیُنْذِرَ مَنْ کَانَ حَیًّا۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

ور نگوئی عیب خود باری خمش
از نمایش از دغل خود را مکش
گر تو نقدے یافتی مکشا دہاں
ہست در رہ سنگہاے امتحاں
گفت یزداں از ولادت تا بحین
یفتنون کل عام مرتین
امتحاں بر امتحانست اے پدر
ہیں بکمتر امتحاں خود را مخر
ماہیاں را بحر نگذارد بروں
خاکیاں را بحر نگذارد دروں

تفسیر عالمانہ

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَۃٌ اور جب کوئی سورتِ قرآنی آسمان سے نازل کی جاتی ہے۔

رابطہ: اب اُن کا وہ حال بیان کیا گیا ہے جو محفلِ تبلیغ میں ہوتا ہے جیسے پہلی آیات میں ان کا مقولہ بیان کیا گیا جو محفل سے غائبانہ ہوتا تھا۔

نَظَرَ بَعْضُھُمْ اِلٰی بَعْضٍ ط تو وہ ایک دُوسرے کو دیکھنے لگ جاتے ہیں۔

ف: یہاں پر نظر سے نظرِ مخصوص مراد ہے۔ یعنی نزولِ سورۃ کے وقت انکار و استہزاء کا دیکھنا اور اس پر طعن و تشنیع کی سی صورت بنا کر ایک دُوسرے پر نظر ڈالنا۔ یعنی ایک دُوسرے کی طرف دیکھ کر انکار و استہزاء کے طور غمزے و اشارے کرتے ہیں۔

هَلْ یَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ کیا تمہیں کوئی دیکھ تو نہیں رہا۔ یعنی منافقین استہزاء و انکار کرتے ہوئے آپس میں ایک دوسرے سے پُوچھتے کہ کیا مسلمانوں میں سے کوئی ہمیں دیکھ تو نہیں رہا تاکہ اُن کے دیکھنے سے پہلے ہی ہم مسجد و محفل سے باہر نکل جائیں اور انہیں کہہ سکیں کہ ہم سُورۃ کے نزول سے نہیں ہنستے اور نہ ہی ان کی تضحیک (ٹھٹھہ مخول) کرتے ہیں۔ اس کیفیت سے اُن پر ہنسی مذاق کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ ثُمَّ انْصَرَفُوْا پھر لوٹ جاتے ہیں۔ اس کا عطف نظر بعضھم الخ پر ہے۔

سوال: یہاں وجدان الفرصۃ اور وقوف عدم رویت احد من المسلمین کو تراخی کے قائم مقام تصور کر کے ثم لایا گیا ہے۔ یعنی سب کے سب وحی سے پلٹ جاتے ہیں تاکہ اُن کی ہنسی و مذاق سے رُسوائی نہ ہو۔

جواب: آیت کا معنٰے یہ ہے کہ ایک دُوسرے سے کہتے ہیں کہ تمہیں کوئی مسلمان دیکھ لیتا ہے جب تم مجلس سے اُٹھتے ہو۔ اُن کی عادت تھی کہ اگر کوئی مسلمان مجلس سے اُن کے اُٹھنے کو دیکھتا تو وہ مسجد سے اُٹھ جاتے اگر انھیں معلوم ہوتا کہ اُن کے اُٹھنے کا

مسلمانوں کو علم ہو جاتا ہے تو حضور علیہ السلام کی فراغت از خطبہ تک بیٹھے رہتے۔ فراغت کے بعد اُٹھ کر چلے جاتے۔ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل پلٹ دیئے یعنی ان کا مجلس سے نکلنا ان پر نحوست کا موجب بنا کہ اللہ تعالےٰ نے ان کے دلوں کو ایمان سے ہٹا دیا۔

ف: یہ جملہ دعائیہ ہے۔

بِاَنَّهُمْ یہ باء سببیہ ہے یعنی بہ سبب اس کے کہ بے شک وہ منافق قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ○ ایسے لوگ ہیں کہ انھیں کوئی سمجھ نہیں یعنی نہ انھیں کوئی فہم ہے نہ تدبر۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ انھیں قلب کی فقاہت نصیب نہیں۔ جیسے جہل ایک اندھیرا ہے جو مُردہ قلب پر چھا جاتا ہے اُن منافقین کی بھی یہی کیفیت ہے کہ اُن کے قلوب پر ظلمت چھائی ہوئی ہے۔ اے اللہ! ہمیں تدبر کرنے والوں، نصیحت کرنے والوں، نصیحت حاصل کرنے والوں اور عبرت پکڑنے والوں سے بنا۔ اصحاب القلوب یعنی اولیاء اللہ فرماتے ہیں کہ انسان تین قسم کے ہوتے ہیں:

—— ایک قسم یہ ہے کہ وہ جانوروں کی طرح ہوتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: لهم قلوب لا يفقهون بها۔

—— دُوسری قسم وُہ ہے جن کے جسم تو انسانی ہوتے ہیں لیکن اُن کے ارواح شیطانی۔

—— تیسری قسم وُہ ہے جو اللہ تعالےٰ کے سایہ میں ہوں گے۔ اُس دن سوائے اللہ تعالےٰ کی رحمت کے سایہ کے اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔

ف: حضرت ابوبکر وراق رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: قلب کو چھ چیزیں لاحق ہوتی ہیں:

① حیات ④ بیماری
② موت ⑤ بیداری
③ تندرستی ⑥ خواب

۱- اس کی حیات کا نام ہدیٰ ہے۔ ۴- اس کی بیماری دُنیوی تعلقات سے اُٹھتی ہے۔
۲- اس کی موت گمراہی ہے۔ ۵- اس کی بیداری ذکرِ الٰہی سے ہوتی ہے۔
۳- اس کی تندرستی صفائی سے ہوتی ہے۔ ۶- اس کی نیند غفلت ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎ ہر صباحے چوں سلیمان آمدے
خاضع اندر مسجدِ اقصٰے شدے
نو گیا ہے رستہ دیدے اندرو
پس بگفتے نام و نفع خود بگو

تو چہ داروئے و چہ نامت چیست
تو زیاں کہ و نفعت بر کیست
پس بگفتے ہر گیاہے فعل و نام
کہ من آنرا جانم و ایں را حمام
پس سلیماں داند اندر گوشہ
نو گیاہے رستہ ہمچوں خوشہ
گفت نامت چیست بر گوئے دہاں
نامِ من خرّوب اے شاہِ جہاں
گفت فعلت چیست و از تو چہ رَوَد
گفت من رستم مکان ویراں شود
من کہ خرّوبم خراب منزلم
من خرابی مسجد آب و گِلم
پس سلیماں آں زماں دانست زود
کہ اجل آمد سفر خواہد نمود
گفت تا من ہستم ایں مسجد یقین
در خلل ناید ز آفات زمین
پس خرابی مسجد ما بیگماں
نبود الا بعد مرگ ما بداں
مسجد است آں دل کہ جسمش ساجد است
یار بہ ہر جا مسجد است
یار بد چوں است در تو مہر او
ہیں ازو بگریز و کم کن گفتگو
بر کن از بیخش کہ گر سر بر زند
مر ترا و مسجدت را بر کند

خلاصۂ ترجمہ: حضرت سلیمان روزانہ نماز ادا کرنے کے لیے مسجد میں تشریف لے جاتے تو نیا گھاس اُگا ہُوا دیکھتے تو اُس سے اس کا نام اور اس کے نفع و نقصان کی کیفیت پُوچھتے تو وہ بھی زبانِ حال سے

سب کچھ بتا دیتا۔ چنانچہ ایک دن ایک نیا گھاس دیکھ کر اس سے حسبِ دستور وہی سوال کیا، تو اُس نے کہا میرا نام خرّوب ہے میں جہاں اُگتا ہوں اس جگہ کو ویران کر کے چھوڑتا ہوں۔ اس سے آپ سمجھ گئے کہ میری موت کا وقت آ گیا ہے۔ آپ نے فرمایا مسجد کی آبادی ہمارے دم قدم سے ہے ہم چلے گئے تو مسجد ویران ہو جائے گی۔ بس یہی قرینہ ہمارے سفرِ آخرت کا ہے۔ اس کے بعد مولانا رُوم قدس سرہٗ نے نصیحت فرمائی ہے کہ یارِ بد سے انسان کو دُور رہنا لازم ہے وغیرہ وغیرہ

لَقَدۡ جَآءَكُمۡ بے شک یہ خطاب جمیع عرب و عجم کو ہے۔ اب معنٰی یہ ہوگا اے تمام لوگو! تمہارے ہاں تشریف لائے **رَسُولٌ** ایسے رسول (علیہ السلام) جو بڑی شان والے ہیں۔ رسول شریعت میں ہر اس انسان کو کہا جاتا ہے جسے تبلیغِ احکام کے لیے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی طرف بھیجے **مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ** تمہارے نفسوں سے۔ یعنی وہ تمہاری جنس سے ہیں (یعنی بظاہر) تمہاری طرح آدمی ہیں یعنی نہ وہ ملائکہ سے ہیں اور نہ کسی اور جنس سے۔ یہ اس لیے کہ اگر وہ تمہاری غیر جنس سے ہوتے تو تم ان سے نفرت کر کے اُن کی اتباع سے محروم ہو جاتے اور کہتے کہ ہم اُن کی متابعت کیسے کریں جبکہ وہ ہماری جنس سے نہیں۔ اس تقریر کی تائید قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ سے بھی ہوتی ہے اور دُوسرے مقام پر اسی طرح فرمایا کہ:

لقد من اللّٰہ علی المومنین اذا بعث فیھم رسولا من انفسھم۔

لفظ مومن عام ہے گویا ہر اہلِ ایمان کو مژدہ سُنایا گیا کہ اے مومنو! تمہارے نبی علیہ السلام بظاہر تمہاری جنس سے ہیں اس لیے کہ اگر وہ فرشتوں یا جنّات سے ہوتے تو بوجہ عدم مجانست یا بوجہ غیر مدرک ہونے کے تم ان سے استفادہ نہ کر سکتے۔ اس لیے ہم نے ایسی ذات تمہارے لیے رسول بنا کر بھیجی جس میں دو جہتیں ہیں:

۱۔ جہت تجرد رکھتے ہیں کہ جانب قدس سے استفاضہ کریں۔

۲۔ جہت تعلق رکھتے ہیں تاکہ خلقِ خدا کو فیض پہنچائیں۔

نکتہ: اس جہت لطافت کی وجہ سے جنات بھی رسول علیہ السلام سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں انسانوں کی طرح دعوت حق پیش کی۔ اگرچہ ان کے اجسام لطیفہ ہیں لیکن رسول علیہ السلام اُن سے بھی لطیف تر تھے۔ ~

مشعلہ افروز شب خاکیاں
شمع سراپردہ افلاکیاں

ف: ممکن ہے کہ یہ خطاب صرف اہلِ عرب کو ہو۔ اب ترجمہ یوں ہُوا کہ اے عرب والو! بخدا ہم نے تمہارے ہاں تمہاری ہی زبان والا رسولِ عربی بھیجا (علیہ السلام)۔ جو تمہاری بولی بولتا ہے۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ ہم زبان سے انس ہوتا ہے اور اس سے نفرت نہیں ہوتی۔ اس کی دلیل دل پہ گہرا اثر چھوڑتی ہے اور زبان فہمی سے رہبری زُود تر نصیب ہوتی ہے۔

حکایت منقول ہے کہ چار ہمسفر عجمی، عربی، ترکی، رومی کہیں جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک درہم ملا۔ اس میں چاروں مختلف ہوگئے۔ جو کچھ بولتے کسی کو بھی آپس کی مراد سمجھ نہ آتی۔ انہیں ایک دُوسرا ایسا آدمی ملا جو ہر چہار لغات سے واقف تھا۔ ان کا جھگڑا سُن کر عربی سے پوچھا:

ایش تزید۔

پھر عجمی سے سوالاً کہا:

چہ میخواہی؟

اسی طرح ترکی و رُومی سے بھی پُوچھا:

تم کیا چاہتے ہو؟

سب کا مطلب یہ تھا کہ اس درہم سے انگور خریدنا چاہیے۔ لیکن چُونکہ ایک دُوسرے کی زبان سے ناواقف تھے اس لیے جھگڑا برپا کر دیا۔ اس اجنبی نے ان سے درہم لے کر انگور خریدا اور سب میں تقسیم کر دیا جس سے تمام خوش ہوگئے۔ اور آپس میں راضی خوشی ہوگئے۔

مِنْ اَنْفُسِکُمْ کو ایک قرأۃ میں بفتح فاء بھی پڑھا گیا ہے یعنی تمہارے ہاں نہایت برگزیدہ اور افضل ترین رسول (علیہ السلام) تشریف لائے ہیں۔ یہ نفاست سے مشتق ہے بمعنے عزیز شدن۔ اور کہا جاتا ہے شَیْءٌ نفیسٌ یعنی عظیم الشان چیز۔

حضور اکرم سرورِ دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ سیّدنا و سیدالانبیاء حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قُصَی بن کلاب۔

ف: کلاب میں آپ کی والدہ ماجدہ کا نسب نامہ ایک ہوجاتا ہے۔ مثلاً:

آمنہ بنت وہب بن زہرہ بن کلاب۔

ف: خصائل حمیدہ کی وجہ سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تک بنو ہاشم افضل القبائل مانا گیا ہے۔

ف: کلاب کے آگے نسب یُوں ہے:

کلاب بن مُرہ بن کعب بن لوئی بن غالب۔

قومِ قریش کی تحقیق تمام نسب دانوں کا اتفاق ہے کہ قومِ قریش فہر سے چلی اور قومِ قریش کے مورثِ اعلیٰ یہی حضرت فہر ہیں۔

ف: فہر کو قریش اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ محتاجوں، غریبوں اور مسکینوں کی دستگیری فرماتے اس لیے کہ قرش بمعنی تفتیش احوال الغرباء والمساکین ہے۔ پھر آپ کی اولاد کی عادت بن گئی کہ موسمِ حج میں حُجاج کی امداد و اعانت فرماتے اور

انھیں طعام کھلاتے۔ اُن کی ہر طرح کی خدمت کو اپنے لیے سعادت اور فخر سمجھتے۔ بناً بریں حضرت فہر کی تمام اولاد کا قریش لقب پڑ گیا۔

ف: لفظ الرفادہ قریش کی صفت میں واقع ہوا ہے بمعنے اطعام الحجاج ایام الموسم حتّٰی یتفرقوا۔ اس لئے کہ قریش قوم کی عادت بن گئی کہ حجاج کا سال بھر تک انتظار کرتے اور اُن کی اپنی کمائی سے کچھ مال علیحدہ رکھتے تھے۔ جتنا جمع ہوتا حضرت قُصَیؓ کے سپرد کر دیتے۔ وہ اس سے دیگیں پکا کر حج کے موقع پر حاجیوں میں لنگر عام کھلاتے۔ لیکن ان لوگوں کے لیے جن کے پاس موسمِ حج میں زادِ راہ کی کمی ہوتی۔ ان کے بعد اس لنگر کا متولی ان کا صاحبزادہ حضرت عبد مناف اُن کے بعد حضرت ہاشم، اُن کے بعد حضرت عبد المطلب، اُن کے بعد اُبو طالب اس کے منتظم مقرر ہُوئے۔ بعض نے کہا کہ یہ کام ابو طالب کے بجائے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سپرد تھا۔ یہ کام حضور علیہ السلام کے زمانۂ اقدس میں آپ کے ذمہ کرم تھا۔ پھر آپ کے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے سنبھالا یہاں تک کہ خلافت کے امور بغداد کو منتقل ہو گئے۔ پھر مصر کی طرف۔

قومِ قریش کے فضائل

حدیث شریف ۱: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

حب قریش ایمان و بغضھم کفر۔

قریش کی محبت ایمان اور ان کا بغض کفر ہے۔

حدیث شریف ۲: قریش میں ایک عالمِ دین پیدا ہو گا جو روئے زمین کو اپنے علم سے بھر دے گا۔

ف: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس سے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالےٰ مراد ہیں۔ اس لیے کہ قریشی علماء سے صرف یہی ایک شخصیت ہے جس نے رُوئے زمین کو اپنے علم سے بہرہ ور فرمایا۔ اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالےٰ کا نسب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب کے ساتھ حضرت عبد مناف میں جا کر ملتا ہے۔ حضرت عبد مناف حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالےٰ کے نویں جد امجد ہیں۔

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل ومناقب

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تم میں نسب وحسب اور سسرالی رشتہ داری کے لحاظ سے نفیس ترین ہُوں۔ آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے اَبِ مکرم تک کوئی بھی زنا کار نہیں۔ سب کا سلسلۂ ازدواج شرعی نکاح سے ہوتا رہا۔

نکتہ: کوئی ولی بھی ولد الحرام والزنا نہیں اور نبی علیہ السلام کی شان تو بہت بلند ہوتی ہے۔ پھر نبی الانبیاءؑ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کیا کہنا۔

مسئلہ: آیت میں اشارہ ہے کہ اصل تخلیق میں آپ کا جوہر اطہر نفیس ترین ہے اس لیے کہ آپ وُہ جوہر ہیں جسے اللہ تعالےٰ نے تمام مخلوق سے پہلے پیدا فرمایا۔ (حاشیہ ۱ اگلے صفحہ پر)

حضرت جبریل علیہ السلام کی عمر

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا:

یاجبریل! کم عمرك من السنین؟

اے جبریل (علیہ السلام)! تمہاری عمر کتنی ہے؟

عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے کوئی علم نہیں صرف اتنا جانتا ہوں کہ چوتھے حجاب میں ایک ستارہ ستر ہزار برس میں صرف ایک بار طلوع ہوتا اور اسے میں نے بہتر ہزار مرتبہ دیکھا۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا:

یاجبریل وعزۃ ربی انا ذلك الکوکب۔

اے جبریل علیہ السلام! مجھے رب العزت کی قسم وہ ستارہ میں ہی تھا۔ (صلی اللہ علیہ و الہ واصحابہ وسلم)

نورِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیر کا بیان

جب اللہ تعالےٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ مبارک کو اُن کی پشت مبارک میں ودیعت رکھا۔ آپ کا نور اقدس چمکتا تھا۔ پھر ان سے اُن کے صاحبزادے حضرت شیث علیہ السلام کی طرف منتقل ہوا۔ حضرت شیث علیہ السلام آدم علیہ السلام کے وصی اور تیسرے صاحبزادے تھے۔ بی بی حوا علیٰ نبینا و علیہما السلام بیک وقت ایک لڑکا اور ایک لڑکی جنتی تھیں صرف شیث علیہ السلام اکیلے پیدا ہوئے صرف اسی نور مبارک کے اعزاز و تکریم کی وجہ سے۔ پھر اسی طرح شیث علیہ السلام سے عبد المطلب تک منتقل ہوتے ہوتے پہنچا۔ اُن کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت عبد اللہ کی پشت میں تشریف لایا اور ان سے بی بی آمنہ کے شکم مقدس میں منتقل ہوا۔

حضور علیہ السلام کل کائنات کے لیے علتِ غایہ ہیں

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کل کائنات کے لیے علت غایہ ہیں۔ یعنی آپ اصل ہیں باقی جملہ مخلوق آپ کے طفیل۔ اسی بنا پر آپ کا وجود مسعود اور عنصر مبارک تمام موجوداتِ کونیہ سے افضل و

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ و حاشیہ صفحہ ہذا)

لہ ولہ حضرت مولانا عالم پور کوٹلوی رحمہ اللہ تعالےٰ نے اسی طرف اشارہ فرماتے ہوئے لکھا: ؎

جوہر ارض وجود خلائق اصل اصول کمالی
امت خیر امم را والی نام محمد عالی

اعلیٰ ہے اور آپ کی رُوحِ مقدسہ تمام ارواح سے اکمل و اشمل ہے۔ اسی بنا پر آپ کا قبیلہ شریف دیگر جملہ قبائل سے افضل اور آپ کی بولی مبارک تمام لغات کی سرتاج اور آپ کی کتاب تمام کتب الٰہیہ سے برگزیدہ، آپ کی آل و اصحاب تمام انبیاء و اولیاء کی اولاد و اصحاب سے افضل و اشرف۔ آپ کی ولادت پاک کا زمانہ عالمِ دنیا کے تمام ازمنہ سے بہتر و برتر اور آپ کا روضہ مقدسہ تمام مقامات و مکانات سے بلند و بالا قدر۔ آپ کا وُہ پانی جو آپ کی انگلیوں سے نکلا تمام پانیوں سے علی الاطلاق افضل۔ اس کے بعد آبِ زمزم، اس لیے کہ شبِ معراج اس سے حضور علیہ السّلام کا سینہ مبارک دھویا گیا۔ اگر اور کوئی پانی افضل ہوتا تو وہی لایا جاتا۔

ف: آیت لقد جاءکم رسولٌ الخ اللہ تعالیٰ کا ایک بہترین ہدیہ و تحفہ ہے جو اُس نے اپنے بندوں کو عنایت فرمایا، لیکن اس سے صرف کفار و منافقین نے انکار کیا۔

حضرت شیخ عطار قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎ خورشن و خواجہ عرصات گفت
انما انا رحمة مھداة گفت

عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ آپ پر سخت گراں ہوتا ہے تمہارا مشقت میں پڑنا۔ العزیز بمعنے الغالب الشدید، اور ما مصدریہ ہے۔ العنت بمعنے ناگوار امر میں پڑنا۔ اور ظاہر ہے کہ امورِ میں گراں تر جہنم میں داخل ہونا ہے اور اس جملہ میں خبر مقدم اور مبتدا مؤخر ہے اور سالم جُملہ رسول کی صفت ہے۔ اب آیت کا معنیٰ یُوں ہُوا کہ تمہارا ترکِ ایمان سے مشقت میں پڑنا حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سخت گراں ہوتا ہے اس لیے کہ وہ تمہارے بُرے انجام سے ہر وقت خائف رہتے ہیں اور تم پر عذاب کے وقوع سے گھبراہٹ میں رہتے ہیں۔ رسول علیہ السلام کے ہم جنس ہونے کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ انھیں اپنے ہمجنسوں کی خیر خواہی مطلوب ہے۔

ف: بعض قرّاء لفظ عزیز پر وقف کرتے ہیں۔ اسے بھی رسول کی صفت مانتے ہیں۔ ان کے ہاں علیہ ما عنتّم کا معنےٰ یُوں ہے کہ جو کچھ تم سنگین کام کرتے ہو وہ اس رسول علیہ السلام کے ذمۂ کرم پر ہے کہ وہی قیامت میں تمہاری طرف سے معذرت کریں گے اور تمہارے لیے شفاعت پر کمربستہ ہوں گے۔ اسی معنے پر شیخ سعدی قدس سرہٗ کے اشعارِ ذیل کو محمول کیا ہے۔ ؎ نماند بعصیاں کسے در گرد
کہ دارد چنیں سیدے پیشرو
اگر دفترت از گنہ پاک نیست
چو او عذر خواہت بود باک نیست

حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ تمہارے ایمان اور تمہاری اصلاح احوال کے لیے حریص ہیں۔ یہ معنےٰ ہم نے اس لیے کیا ہے کہ حضور علیہ السّلام کو اپنی اُمت کی ذوات کی ضرورت نہیں بلکہ اُن کے ایمان اور اُن کی اصلاح کی خواہش ہے الحرص بمعنے شدۃ طلب الشئ مع اجتھاد فیہ۔ کسی شَے کی شدت طلب کے ساتھ ساتھ اس کے حصول کے لیے زیادہ

جدوجہد کرنا۔ (کذا فی تفسیر الحدادی)

بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝ بالمؤمنین یہ رءوف کے متعلق ہے۔ یعنی اہلِ ایمان کے لیے بہت زیادہ شفیق و رحیم ہیں۔ رءوف، رحیم سے زیادہ بلیغ ہے اسی لیے اسے مقدم کیا گیا۔ رءوف، رافۃ سے مشتق ہے بمعنے شدۃ الرحمۃ۔

سوال: یہ مقام مدح ہے اور مدح کے مقام کا تقاضا یہ ہے کہ بلیغ کے بعد ابلغ ہو۔ یہاں ابلغ یعنی رءوف پہلے اور بلیغ یعنی رحیم بعد کو۔ یہ کیوں؟

جواب: تاکہ آیت کے فواصل میں فرق نہ آئے۔

سوال: بالمؤمنین اپنے متعلق رءوف سے مقدم کیوں کیا گیا؟

جواب: قاعدہ ہے کہ معمول کی تقدیم سے تخصیص پیدا ہو جاتی ہے یہاں چونکہ تخصیص مطلوب ہے اس لیے بالمؤمنین کو رءوف پر مقدم کیا گیا۔ یعنی ان کی رافت و رحمت صرف اہلِ ایمان سے مخصوص ہے آپ کفار کے لیے نہ رافت ہیں نہ رحمت (یہ خصوصی رحمت سے متعلق ہے)

تفسیرِ صوفیانہ

تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ بالمؤمنین رءوف رحیم، یعنی مومنین کے لیے۔ اس معنے پر رءوف رحیم ہیں کہ نہایت درجہ کی شفقت و رحمت کر کے ان کی دینی تربیت فرماتے ہیں۔

چنانچہ خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"دین متین ہے اسے نرمی اور رحمت کے ساتھ دوسروں تک پہنچاؤ۔"

اور آپ کی عادتِ کریمہ تھی کہ اہلِ ایمان کی غلطیاں معاف فرما دیتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم فرمایا:

فاعف عنہم واصفح۔

ف: وبالمؤمنین رءوف رحیم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اوصاف بتائے جو اس کے اپنے ہیں[1]۔ چنانچہ اپنے لیے فرمایا:

اللہ بالناس لرءوف رحیم۔

اس میں ایک لطیف اشارہ ہے کہ حضور نبی علیہ السلام مخلوق ہیں اور ان کی رحمت بھی مخلوق، اس لیے وہ ایک مخصوص گروہ کے لیے رحمت ہوئے۔ اور اللہ تعالےٰ خالق اور اس کی رحمت بھی قدیم۔ اسی لیے وہ عام ہر ایک کے لیے ہے کہ قوۃ خالقیت کا یہی تقاضا ہے۔ چنانچہ خود باری تعالیٰ نے فرمایا: انّ رحمتی وسعت کل شیٔ۔

---

[1] اس میں وہابیوں دیوبندیوں کا رد بھی ہے کہ وہ جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کسی نبی یا ولی کے لیے بیان کی جائیں تو شرک لازم آتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتی ہیں اور انبیاء و اولیاء کے عطائی پھر شرک کیسا۔

یہی وجہ ہے کہ جسے خالقِ کائنات کی رحمت و رافت نصیب ہوتی ہے وہی اُس کے محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت و رافت کے لائق بنتا ہے ورنہ اسے محرومی ہی محرومی، اس لیے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت و رافت خالقِ کائنات کی رحمت و رافت کا عکس اور نتیجہ ہے۔ چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا:

فبما رحمة من الله لنت لهم۔

عجائبات در آغاز تخلیق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

بعض حکماء کا بیان ہے کہ جب اللہ تعالےٰ نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح پیدا فرمائی تو اُن کی رُوحانی صورت بعینہٖ اسی دنیوی صورت کے مطابق تھی، جن کا سر مبارک برکت سے اور دونوں چشمان شریف حیاء سے اور دونوں کان مبارک عبرت سے اور زبان مبارک ذکر سے اور دونوں لب ہائے اطہر تسبیح سے اور چہرۂ اقدس رضاء سے اور سینہ مبارک اخلاص سے اور قلب پاک رحمت سے اور فواد شریف رافت سے اور ہتھیلیاں پاک سخاوت سے اور بال اطہر بہشت کی انگوری سے اور لعابِ دہن شریف بہشت کی شہد سے[1]۔ یہی وجہ تھی کہ آپ مدینہ منورہ کے کڑوے کنوئیں بئر رومہ میں لعابِ دہن میں ڈالتے تو وہ میٹھا ہو جاتا۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو انہی اکمل ترین صفات کے ساتھ اس اُمت کی طرف مبعوث فرمایا۔

ابُوطالب کی موت کے بعد حضور علیہ السلام کے ساتھ کفار کی ایذاؤں کا بیان

مروی ہے کہ ابُوطالب کی موت کے بعد ہمارے نبی پاک شہِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کو قریشِ مکہ نے سخت سے سخت تکالیف پہنچائیں اسی لیے آپ محزون و مغموم ہو کر طائف میں تشریف لے گئے۔ آپ کو علاوہ دُوسرے لوگوں کے آپ کے قریبی رشتہ داروں بالخصوص ابُولہب آپ کے چچا اور اُس کی زوجہ اُم جمیل جس کا حمالۃ الحطب لقب ہے نے سخت ایذائیں دیں۔ کبھی گالی دیتے۔ طرح طرح کی ہجو بکتے۔ آپ کے ہر قول کی تکذیب کرتے اور کہتے تمہی ہو کہ ہمارے معبودوں سے رُخ موڑ کر ایک خدا کی پرستش کرنے کی دعوت دیتے ہو۔

سب سے پہلا عاشقِ نبی علیہ السلام

اُس وقت آپ کا صرف ایک حامی کار اور جانی غمگسار تھا، جن کا نام نامی اسمِ گرامی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہے جو تمام کفار و مشرکین کو

---

[1] اس سے وہابیوں دیوبندیوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے کہ وُہ اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو نفسِ بشریت میں اپنے جیسا سمجھتے ہیں حالانکہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ نبی علیہ السلام بشر ہیں لیکن: ؎ حقیقت محمد دی پا کوئی نہیں سکدا
اِتھاں چُپ دی اے الا کوئی نہیں سکدا

[2] خلیفۂ بلافصل کے یہی اوصاف نمایاں ہیں کہ اپنے محبوب علیہ السلام پر ایسے آڑے وقت کام آئے اگرچہ اس وقت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی تھے لیکن بوجہ بچپن یا ویسے ہی خاموش تھے۔

سمجھاتے کہ تم ایسی شخصیت سے لڑائی پہ تُلے ہُوئے ہو جو کہتی ہے:

ربی اللہ ۔ میرا رب تعالیٰ اللہ کریم ہے۔

چنانچہ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے حسبِ توفیق مدافعت کی ہر ممکن کوشش کی۔

طائف کی طرف تشریف لے جانا

نبوت کے اظہار کے بعد دسویں سال شوال میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے طائف کو تشریف لے گئے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ کے ساتھ آپ کا غلام حضرت زید بن حارثہ (رضی اللہ عنہ) بھی تھا۔ آپ ثقیف کے لوگوں کو دعوتِ اسلام دینے گئے اور آپ کو اُمید تھی کہ وُہ لوگ آپ کی دعوت جلد تر قبول کر کے آپ کی بھرپُور امداد کریں گے۔ اس لیے اس قبیلہ میں آپ کے ننھیالی رشتہ دار رہتے تھے۔ جب آپ طائف میں تشریف لے گئے تو آپ نے اس کے سرداروں سے ملنا چاہا۔ طائف میں تین بھائی تمام قوم کے سردار تھے۔ آپ نے اُن سے گفتگو فرمائی۔ مگر انہوں نے بجائے قبول کرنے کے (ایک نے) کہا تم وُہی ہو جو کعبہ معظمہ کے غلاف چرا کر اپنی ضروریاتِ زندگی پُوری کرتے ہو دُوسرے نے کہا: خدا تعالےٰ کو تمہارے سوا اور کوئی نہیں ملا تھا جو اُسے اپنا رسول بنا کر بھیجتا۔ تیسرے نے کہا کہ میں تمہارے ساتھ نہیں بولوں گا، اس لیے کہ اگر واقعی تم اللہ تعالےٰ کے رسول ہو تو بھی تمہارا مرتبہ بہت بلند ہے اور میرے ہاں وُہ الفاظ کہاں کہ آپ کے ساتھ کلام کر سکوں۔ اور اگر آپ خدا تعالےٰ پر افتراء کرتے ہیں تو بھی آپ سے گفتگو کرنا نہایت ناموزوں ہے۔ (معاذاللہ معاذاللہ از ہر سہ اقوال الکفار)

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے مایوس ہو کر اُٹھ کھڑے ہُوئے لیکن انھیں کہا: بھائی میری یہ بات کسی کو نہ بتانا۔ آپ نے اس خیال سے یہ فرمایا کہ کہیں یہ میری مایُوسی عام پھیلی تو پھر کوئی بھی میری بات نہیں مانے گا۔ لیکن انہوں نے بجائے نرمی برتنے کے آپ سے کہا کہ آپ ہمارے شہر سے ابھی ابھی نکل جائیں۔ آپ کو یہ کہہ کر بدمعاشوں سے کہا کہ اس جانے والے کو خوب گالیاں دو اور چیخو چلاؤ۔ چنانچہ اس واقعہ سے آپ کے گرد بہت سے لوگ جمع ہو گئے اور راستہ روک کر دو صفیں مقرر کر دیں۔ جونہی حضور علیہ السلام وہاں سے گزرے تو ان بدمعاشوں نے پتھر برسانے شروع کر دیے یہاں تک کہ حضور علیہ السلام کو ایسا زخمی کیا کہ آپ کے پاؤں مبارک سے خُون بہہ نکلا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر مبارک کو زخمی کر دیا۔ آپ ان ظالموں سے بڑی تکلیف سے جان چھڑا کر چلے۔ آپ کے پاؤں مبارک سے خُون بہہ رہا تھا۔ آپ ایک باغ میں تشریف لے گئے اور ایک انگور کے درخت کے نیچے بیٹھ کر دُعا مانگی: اے اللہ! تیرے سامنے اپنی ضُعفِ قوت اور قلتِ اسباب اور لوگوں کی نظروں میں اپنی کمزوری ظاہر کرتا ہُوں تُو ارحم الراحمین ہے اور کمزوروں کا رب تو ہے اور میرا بھی رب تو ہے مجھے جس کی طرف سپرد کرے میں راضی ہُوں اگر تو راضی ہے اس کے بعد حضور علیہ السلام چل پڑے آپ مغموم و مہموم تھے۔ قرن الثالث یعنی اہلِ نجد یا اہلِ یمن کے میقات میں پہنچے جو مکہ معظمہ سے ایک دِن رات کی راہ کے فاصلے پر تھا۔

آپ کی طرف اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو بھیجا۔ اُن کے ساتھ پہاڑوں کا فرشتہ بھی تھا اور عرض کی اگر آپ چاہیں تو بنی ثقیف کے لوگوں پر یہ پہاڑ گرا دُوں۔

حضور علیہ السلام نے جواباً فرمایا: میں اللہ تعالےٰ سے اُمید رکھتا ہُوں کہ ان لوگوں سے کلمہ گو عبادت گزار لوگ پیدا فرمائے اور وُہ توحید کو ماننے اور شرک سے بچنے والے ہوں۔ اس وقت پہاڑوں کے فرشتے نے اعتراف کیا کہ آپ کا نام اللہ تعالےٰ نے رؤف رحیم رکھا ہے واقعی آپ اسم بامسمّٰی ہے۔

مثنوی شریف میں ہے:؎

بندگانِ حق رحیم و بُردبار
خُوئے حق دارند در اصلاح کار
مہربان بے رشوتاں یاری گراں
در مقام سخت و در روز گراں!
اے سلیماں درمیان زاغ و باز
علم حق شو با ہمہ مرغاں بساز
اے دو صد بلقیس حکمت را زبُوں
کہ اِھْدِ قومی انھم لا یعلمون
صد ہزاراں کیمیا حق آفرید
کیمیائے ہمچو صبر آدم ندید

ہم اللہ تعالےٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ ہمیں اہلِ علم وحلم کی رفاقت نصیب فرمائے اور ہمیں بُرے اخلاق اور گندی عادات سے بچائے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ

فَاِنْ تَوَلَّوْا اس میں حضور علیہ السلام کو تسلّی دی جا رہی ہے کہ اگر وہ آپ پر ایمان لانے سے گریز کرتے اور آپ کی نصیحت قبول نہیں کرتے اور نہ ہی آپ کی کوئی بات مانتے ہیں فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰہُ تو آپ فرمائیے مجھے میرا اللہ کریم کافی ہے۔ مجھے تمہاری تمام تکالیف سے وہی بچائے گا اور میری صرف وہی مدد کریگا۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغِ رسالت سے قُربِ الٰہی نصیب ہوتا تھا۔ اس سے آپ کی عنداللہ مقبولیت میں اضافہ ہوتا تھا۔ جونہی اللہ تعالیٰ کے پیغام پہنچائے اس سے آپ کے قُربِ الٰہی اور مقبولیت میں اضافے ہُوئے۔ تبلیغ سے کفّار استفادہ کریں یا نہ کریں۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ یہ جملہ مضمون سابق کے لیے بمنزلہ دلیل کے ہے۔

ف ؛ صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؛ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ، لا الٰہ الاّ اللہ کے حکم میں ہے۔ اس لیے کہ یہ ضمیر لفظ اللہ مذکور کی طرف راجع ہے۔

سوال ؛ ھو ضمیرِ عام ہے وُہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں شمار نہیں اور نہ شمار ہو سکتی ہے۔

جواب ؛ ضمائر اسماء ہیں اور ھو ضمیر اللہ تعالیٰ کے اسماءُ سے ہے۔ چنانچہ صوفیا کرام رحمہ اللہ تعالیٰ **ھو** کا ذکر کرتے ہیں اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ منجلہ اسمائے الٰہیہ سے ہے۔

نکتہ ؛ چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات محقق اور مخلوق کا وجود موہوم ہے۔ بنا بریں اس موہوم ضمیر سے موہوم والے محقق الوجود ذات کے لیے اشارہ کر سکتے ہیں علاوہ ازیں اس محقق الوجود ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کا کوئی مزاحم نہیں۔ بنا بریں اس ضمیر کا اشارہ اس کی طرف جائز ہے۔ نیز مبتدی صوفی اس ضمیر سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو اس کے لیے موزوں بھی ہے کہ وہ ابھی ابتدائے سلوک کی وجہ سے غیوبت کی حالت میں ہے پھر جونہی ترقی کرتا ہے تو ضمیر سے اللہ تعالیٰ کو نہ اسے اشارہ جائز ہوتا ہے نہ ذکر۔ ہاں ہویت مطلقہ کی طرف منتہی بھی **ھو** ضمیر سے اشارہ کر سکتا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے مراتبِ تحقیق کی طرف پہنچنے کی دُعا کرتے ہیں۔

عَلَیۡہِ تَوَکَّلۡتُ اسی پر میں نے بھروسہ کیا کہ اس کے سوا نہ مجھے کسی سے امید ہے اور نہ ہی مجھے اس کے سوا کسی سے ڈر ہے اور توکل بمعنے اعتماد القلب علی اللہ الخ اللہ تعالیٰ پر دل کے اعتماد اور سکون کا نام توکل ہے ایسا اعتماد کہ اس سے تعلق کی وجہ سے ذرہ برابر بھی دل کو اضطراب نہ ہو۔ **وَھُوَ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِیۡمِ ۝** اور وہی بڑے عرش کا رب ہے عرش سے بہت بڑا ملک مراد ہے۔ یا وہی عرش مراد ہے جو دُعاؤں کا قبلہ اور فرشتوں کا مرکز ہے جس کے ہزارہا ستون ہیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ کا اظہار فرمایا کہ وہ بہت بڑے عرش کا مالک و محافظ ہے۔

عرش کی عظمت

مروی ہے کہ عرش معلّٰی کے ایک ہزار ستون ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کے تین ہزار پائے ہیں۔ ایک پایہ سے دُوسرے پائے تک تین ہزار سال کی مسافت ہے۔ ہر ایک پایہ پر بے شمار صف بستہ اور گھیرا ڈالے ہوئے ملائکہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اُن کی حفاظت فرماتا ہے۔ اس سے حضور علیہ السلام نے گویا فرمایا کہ میرا رب اتنی بڑی قدرت کا مالک ہے اگر چاہے تو میرے دشمنوں سے مجھے پناہ دے اس لیے کہ اپنے بندوں کا وہی حامی و ناصر اور وہی سب کو پناہ دینے والا ہے۔ سہ

از و خواہ یاری کہ یاری دہ اوست
بدو التجا کن کہ اینہا ازوست
کسے را کہ او آرد در پناہ
چہ غم دارد از فتنہ کینہ خواہ

ف : حدادی صاحب نے فرمایا کہ رب العرش العظیم کا معنٰی ہے کہ وہ اس بہت بڑے عرش کا خالق ہے جو تمام آسمانوں اور زمینوں سے بڑا ہے۔

سوال : صرف عرش کی کیا تخصیص ہے وُہ تو ہر شئے کا خالق اور رب ہے۔

جواب ۱ : جب کسی کو یہ یقین ہو جائے کہ وُہ اتنے بڑے عرش کا خالق اور رب ہے تو اسے دُوسری اشیاء کے ماننے کے لیے تامل نہ ہوگا اسی لیے اس کی تخصیص کی گئی۔

جواب ۲ : اس سے عرشِ معلّٰی کی تعظیم و تکریم کا اظہار مطلوب ہے۔

ف : عناصر و افلاک کی ترتیب یُوں ہے : زمین اس کے اُوپر پانی پھر ہوا پھر آگ اس کے بعد فلک القمر پھر فلک عطارد پھر فلک زہرہ پھر فلک شمس پھر فلک مشتری پھر فلک زحل پھر فلک ثوابت پھر فلک الافلاک ہے جسے فلکِ اعظم کہتے ہیں۔ وہی فلکیات و عناصر کو محیط ہے اس کے بعد خلا و ملا کے سوا اور کچھ نہیں۔

ف : ہر محیط اپنے محاط کو مس کرتا ہے یعنی جو محاط جس محیط کو قریب ہوگا[1] وہ اسے مس کرے گا۔ جس طرح ترتیب مذکور ہُوئی اسی طرح ان کے مس کرنے کی ترتیب ہے اس لیے اُن کے مابین خلاؔ کا ہونا محال ہے[2]۔

ف : ان اجرام عناصر و فلکیات کے مجموعے کا نام عالم ہے۔

عرش است کمیں پایۂ ز ایوانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

بعض محققین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے عرشِ معلّٰی کو صرف اپنے محبوب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و شرافت کے اظہار کے لیے پیدا فرمایا اس لیے کہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرمایا :

عسٰی ان یبعثك ربك مقامًا محمودًا۔

اور مقام محمود عرشِ معلّٰی کے نیچے ایک اعلیٰ مقام کا نام ہے۔ دُوسرا یہ کہ عرش کتاب الابرار کا معدن و مخزن ہے کما قال :

ان کتاب الابرار لفی علیین۔

علاوہ ازیں عرش معلےٰ فرشتوں کا آئینہ ہے کہ اس سے وہ تمام انسانوں کو دیکھ رہے ہیں تاکہ وہ قیامت میں اُن کے متعلق گواہی دے سکیں۔

ف : عالم مثال و تمثال عرش میں ہے جیسے عالم اطلس کرسی میں ہے۔

---

[1] ملحقًا یا متوازًا بذریعہ کشش وغیرہ۔

[2] لیکن آج کل کے سر پھرے سرے سے آسمانوں کے وجود کے قائل نہیں اس لیے وہ اوپر کو چھلانگیں لگا رہے ہیں لیکن افسوس ان علماؒ پر ہے جو ان کی تصدیق پر زمین و آسمان کے قلابے ملا رہے ہیں۔ بعض بدبخت تو ان کے چاند پر پہنچنے کے لیے نصوصِ قرآنی پیش کر رہے ہیں۔ دیہ محض تحریلاً و تحریفاً قرآن پاک سے کھیل رہے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

عرشِ اعظم حضرت انسان ہے

میرے شیخ قدس سرہٗ نے اپنے رسالہ "عرفانیہ" میں لکھا ہے جسے آپ نے ۱۰۸۲ھ میں تحریر فرمایا کہ عرشِ عظیم انسان کبیر اور عرش کریم انسان صغیر ہے عرشِ عظیم اور انسانِ کبیر کا ظاہر متبدل و متغیر ہوتا رہتا ہے لیکن اس کا باطن دائماً ایک حالت پہ ہوتا ہے۔ عرشِ کریم اور انسانِ صغیر کا باطن متغیر و متبدل ہوتا ہے لیکن اس کا ظاہر ایک حال پہ رہتا ہے۔

صاحبِ روح البیان کی تحقیق

صاحبِ رُوح البیان اپنے شیخ قدس سرہٗ کے مذکورہ بالا بیان کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ میرے شیخ رضی اللہ تعالیٰ کے کلام مذکور کا مطلب یہ ہے کہ عرشِ عظیم سے مراد وہی عرش محیط ہے جسے ملکوت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کے ظاہر سے اس کے ماتحت باقی تمام اجرام و فلکیات مراد ہیں جسے عالم کون و فساد کہا جاتا ہے۔ چونکہ یہی اشیاء عرش کے نیچے ظاہر ہیں اس لیے انہیں تغیر و تبدل بھی ہے اور کون و فساد کو بھی قبول کرتی ہیں بخلاف عرش کے باطن کے کہ وہ اس کی اپنی ذات ہے اس کا ایک حالت پہ رہنا ضروری ہے اور عرشِ کریم جسے انسانِ کبیر سے تعبیر کیا گیا ہے اُس کا ظاہر اُس کی عمر اور زندگی مراد ہے وہ ایک ہی حالت پہ رہتی ہے بخلاف اس کے باطن کے کہ اس سے اس کا قلب مراد ہے اور وہ متبدل متغیر ہوتی رہتی ہے اسی لیے اسے افکار و تعلیات گھیرے رہتے ہیں اس لیے کہ وہ متبدل بھی ہے اور متغیر بھی۔ اور اللہ تعالےٰ ہر عرش ظاہری و باطنی اور ہر اوّل و آخر کا رب اور خالق ہے۔

فضائل آیت لَقَدْ جَآءَکُمْ الخ

ان دو آیات مذکورہ، جو اس سورۃ توبہ کی آخری دو آیتیں ہیں، جن کا آغاز لقد جاء کم اور اختتام رب العرش العظیم پر ہوتا ہے، کے بہت فضائل ہیں منجملہ اُن کے مندرجہ ذیل حکایات ہیں،

شیخ شبلی کی برکت اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابوبکر ابن مجاہد مقری رضی اللہ عنہ کے ہاں اُن کی مسجد میں حضرت شیخ شبلی قدس سرہٗ تشریف لائے تو حضرت ابنِ مجاہد رحمہ اللہ تعالےٰ تعظیماً شیخ شبلی قدس سرہٗ کے لیے کھڑے ہو گئے۔ شاگردوں نے عرض کی کہ آپ کا استغناء مشہور ہے کہ علیسی وزیر بھی آئے تو آپ کھڑے نہیں ہوتے۔ لیکن ایک فقیر (شیخ شبلی رحمہ اللہ تعالیٰ) کے لیے آپ نے قیام فرمایا۔ حضرت ابن مجاہد نے فرمایا:

کیا میں ایسے بزرگ کی تعظیم سے محروم رہتا جس کی خود آقائے نامدار تعظیم کریں۔ اس لیے کہ میں نے خواب میں حضور تاجدار رسل صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا تو مجھے فرمایا:

اے ابوبکر! کل تیرے ہاں ایک بندۂ خدا تشریف لائے گا وہ اہلِ بہشت سے ہے آپ اُن کی تعظیم بجالانا۔

(حاشیہ ۲ اگلے صفحہ پر)

اس لیے میں نے اُن کی تعظیم کی ہے۔

حضرت ابنِ مجاہد رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا، دو راتوں کے بعد پھر مجھے سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارت سے مشرف فرمایا اور ارشاد فرمایا:

اے ابو بکر! اللہ تعالےٰ تجھے ہمیشہ خوش و خرم اور باعزّت رکھے کیونکہ تم نے ایک اہل بہشت بزرگ کی عزّت و تکریم کی۔

میں نے عرض کی: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت شبلی قدس سرہ العزیز کو یہ شرف کیسے نصیب ہوا؟

حضور علیہ السلام نے فرمایا:

وہ وہی مردِ خدا ہے جس نے اسی سال سے پانچوں نمازوں کے بعد میرا ذکر کر کے یہی آیت لقد جاءکم رسولٌ من انفسھم الخ پڑھا ہے فلہذا میں اس بندے کی کیوں نہ عزّت افزائی کروں۔

(کذا فی عقد الدرر واللآلی)

حکایت وزیر اور زیارت نبی بشیر و نذیر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

ایک نیک آدمی کو تنگدستی نے ستایا تو اسے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا:

"اے فلاں! غم نہ کھا، صبح کو علی بن عیسیٰ کے ہاں چلے جانا اور اسے میرا سلام پہنچا کر کہنا کہ تُو نے میرے روضۂ پاک پر جا کر ہزار مرتبہ درود شریف پڑھا تھا۔ یہی نشانی ہے اس کی برکت سے ایک ہزار دینار مجھے عنایت کر دے۔"

صبح کو وہ نیک مرد وزیر مذکور کے ہاں حاضر ہوا اور تمام واقعہ سنایا تو وزیر مذکور سُن کر مسرور ہوا اور اس کی آنکھوں میں خوشی سے آنسو آ گئے اور کہا:

صدق اللہ ورسولہٗ۔ (جل جلالہٗ وصلی اللہ علیہ وسلم)

نیک مرد نے کہا: آپ سچ فرماتے ہیں۔ یہ وہ راز ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

---

[1] وہ ذکر یہ ہے: "الصلوٰۃ والسلامُ علیک یا رسول اللہ"۔ جلاء الافہام لابن القیم میں ہے کہ تین بار یہ درود پڑھ کر پھر آیت پڑھتے تھے۔ اویسی غفرلہٗ

[2] جلاء الافہام میں شبلی کو ماتھے پر بوسہ دینے کا بھی ذکر ہے بفضلہٖ تعالےٰ ہمارے اہلسنت ہر نماز کے بعد درود شریف کا ورد کرتے ہیں لیکن بدقسمت وہابیہ روکتے ہیں اور شرک و بدعت کا فتویٰ دیتے ہیں۔ ابوبکر سے ابن مجاہد مذکور مراد ہیں۔

پھر اپنے نوکر سے فرمایا: میری دولت کی تھیلی لائیے۔ جب تھیلی لائی گئی تو تین ہزار دینار پیش کر کے عرض کی کہ ایک ہزار کا تو حکم ہُوا، دُوسرا ہزار آپ کی بشارت کے صدقے اور تیسرا ہزار آپ کی نذر ہے۔

وہ نیک مرد تین ہزار دینار لے کر وزیر مذکور کو دُعائیں دیتا ہوا واپس ہُوا۔ لیکن وزیر کی قسمت جاگ پڑی۔ اس نے وزارت کا قلمدان بادشاہ کے سپرد کر کے دنیا کو ترک کیا اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے مکہ معظمہ کا مجاور بن بیٹھا۔

سبق: سب کا انجام اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے جسے چاہے اور جس طرح چاہے کرتا ہے کسی کا انجام بد اور کسی کا نیک انجام۔ ؎

خدایا بحق بنی فاطمہ
کہ بر قولِ ایماں کنی خاتمہ

احادیثِ مبارکہ

۱۔ حضرت ابُوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قرآن مجید کی سب سے آخر میں نازل ہونے والی یہی دو آیتیں ہیں۔ تمام سورتوں کا ایک ایک رکوع یا ایک ایک آیت اُتری۔ لیکن دُو سورتیں ایسی ہیں جو بیک وقت نازل ہُوتیں:

۱۔ سورۃ براۃ

۲۔ سورۂ اخلاص یعنی قل ھو اللہ احد

ان کے نزول کے وقت ستر ستر ہزار ملائکہ صف بستہ کھڑے تھے۔

فائدہ تفسیریہ

سُورتوں کے آخر میں صاحبِ کشاف نے ہر سُورۃ کے فضائل کی احادیث نقل فرمائی ہیں۔ یہ تمام مفسرین جلیل القدر علماء ہیں سے ہیں ان کی تفاسیر بھی جلالۃ شان میں مشہور ہیں لیکن بہت سے محدثین انھیں صحیح بتاتے ہیں ان میں بہت سے انھیں غلط اور موضوع ہونے کا الزام لگاتے ہیں جیسے امام صنعانی وغیرہ محدثین نے ان احادیث کو موضوع قرار دیا ہے۔

صاحبِ رُوح البیان کا نکتہ در بارہ احادیثِ موضوعہ

صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس فقیر کو ان احادیثِ مبارکہ کے متعلق تقریرِ ذیل الہام سا ہُوا کہ احادیثِ مذکورہ عند اللہ یا تو صحیح ہیں یا ضعیف یا جُھوٹی اور وضعی (موضوع) اگر عند اللہ وہ صحیح ہوں تو پھر ان پر عمل کرنے میں ثواب ہی ثواب۔ اگر ضعیف ہوں تب بھی ان پر عمل کرنے میں حرج نہیں اس لیے کہ تمام محدثین کا اتفاق ہے[1] کہ "اِن الحدیث الضعیف یجوز العمل به فی الترغیب والترهیب فقط" کما فی الاذکار للنووی

---

[1] لیکن دیو بندیوں نے قسم کھا رکھی ہے کہ جن روایات کو نبوت سے تعلق ہے انہیں خواہ مخواہ ضعیف قرار دے کر عمل نہیں کرنا بلکہ اوروں کو بھی روکنا۔ اسی طرح اُن کے بڑے بھائی غیر مقلدین نے بھی مطلقاً حدیث ضعیف پر عمل کرنا بلکہ گناہ سمجھ رکھا ہے اور ان دونوں کی اس گندی عادت کو دیکھ کر دیگر فرقے منکرینِ حدیث (چکڑالوی پرویزی اور نیچری) پیدا ہُوئے۔

وانسان العیون لعلی بن برھان الدین الحلبی والاسرار المحمدیہ لابن فخر الدین الرومی وغیرھا[لہ]۔ اگر وہ موضوع ہیں تو اُس کے متعلق ایک حکایت سے اندازہ کیجئے کہ اس پر عمل کر لیا جائے تو نیت نیک ہو تو ثواب کی اُمید کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ امام حاکم وغیرہ لکھتے ہیں کہ ایک مرد زاہد عابد تھا لیکن احادیث موضوعہ دربارہ فضائل قرآن وفضائل سور القرآن کے وضع کرنے کا بھی استاد تھا۔ کسی نے اسے کہا کہ تم کیوں احادیث وضع کرتے ہو۔ یہ تو گناہ ہے۔ اس نے جواب دیا چونکہ لوگ قرآن مجید کی تعلیم اور اس کی تلاوت سے دُور ہوتے جا رہے ہیں اس لیے میرا ارادہ ہُوا کہ اُن کے متعلق انہیں احادیث پڑھ کر قرآن مجید پڑھنے کی ترغیب وترہیب دوں اگرچہ وضعی سہی۔ اسے کہا گیا یہ تو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کے سراسر خلاف ہے۔ کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من کذب علیّ متعمداً فلتبوء مقعدہ من النار۔ جس نے مجھ پر بہتان تراشا اسے چاہیے وہ اپنا گھر جہنم میں بنائے۔

ف: تبوء بمعنے اتخاذ المسکن والمنزل یعنی تبوء بمعنے کسی جگہ اپنا مسکن ومنزل بنانا۔

ف: اگرچہ یہ جملہ خبریہ ہے لیکن درحقیقت اس میں نہی شدید اور سخت وعید ہے یعنی جو شخص بھی حضور علیہ السلام کی طرف جھوٹی حدیث کی نسبت کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس شخص کا گھر جہنم میں بنائے گا۔

اس زاہد عابد نے اس حدیث شریف کا جواب دیا کہ میں حضور علیہ السلام پر جھوٹ اور بہتان تھوڑا تراشتا ہوں میں تو ان کے دین کا فائدہ کرتا ہُوں۔ من کذب علیہ پر وعید شدید ہے۔ میں تو کذب لہٗ کا مصداق ہوں۔ گویا اس زاہد عابد نے حدیث مذکور کی تاویل کرتے ہُوئے کہ آپ کی وہ وضعی حدیثیں بیان کرنا حرام ہیں جو اسلام کے قواعد اور شریعت واحکام کے افساد کا موجب ہوں اور میرا عمل الٹا دین اور شریعت کے احکام کے فائدہ کے لیے ہے بلکہ انکی شریعت کی اتباع کی ترغیب ہے اور انہی کے طریقہ پر چلنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

جائز جھوٹ بولنے کا قاعدہ

حضرت شیخ عزّ الدین بن عبد السلام قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ گفتگو مقاصد کے حصول کا وسیلہ ہے لیکن ہر اچھے مقصود کو سچ اور جھوٹ سے حاصل کیا جا سکتا ہے مگر اس کے حصول میں جھوٹ بولنا حرام اور اشد حرام ہے ہاں اگر سوائے جھوٹ بولنے کے اس کا حصول ناممکن ہو تو ایسے مقام پر جھوٹ بولنا مباح ہے۔

مسئلہ: اگر وہ مقصد مباح ہو تو اس کے لیے جھوٹ بولنا مباح اگر واجب ہے تو واجب۔ یہ وہی قاعدہ کلیہ ہے جسے شیخ سعدی قدس سرہٗ نے یُوں ادا فرمایا:

”خردمنداں گفتہ اند دروغ مصلحت آمیز بہ از راست فتنہ انگیز۔“

اور حضرت لطیفی نے فرمایا: ؎

[لہ] ان کے علاوہ بے شمار کتب احادیث واصول حدیث میں حوالہ وقاعدہ موجود ہے۔

دروغیکہ جان و دولت خوش کند
بہ از راستی کان مشوش کند

انتباہ احادیث موضوعہ میں انسان کے لیے ضروری نہیں کہ ان پر خواہ مخواہ عمل کرے۔ اگر اسے ناقلین روایت (جو بہت بڑے اکابر محدثین سے ہوتے ہیں بالخصوص جلیل القدر تفاسیر میں مندرج ہوتی ہیں) پر حسنِ ظن ہو کہ یہ حضرات جب اپنی تصانیف میں عام کلمہ بڑی سوچ بچار سے تحریر فرماتے ہیں تو روایتِ حدیث میں کس طرح تساہل کرتے۔ اس اعتبار سے ایسی احادیث موضوعہ پر عمل کرلے تو کوئی حرج نہیں۔ اگر صرف بعض محدثین کے کہنے پر کہ یہ احادیث موضوعہ ہیں اگر عمل نہ کرے اور اُن احادیث کے بتائے ہُوئے بہت بڑے فوائد ومنافع سے محروم ہوجائے تو اس کی انہ [illegible] ری۔ صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالےٰ کے اشارات وکنایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان احادیث پر عمل کرلینا چاہیے۔

قاعدہ حدیثیہ بہت سی روایات پر عام محدثین کا اتفاق ہوجاتا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے حالانکہ درحقیقت وہ حدیث صحیح نہیں ہوتی۔ اُن کا کسی روایت کی صحت پر اتفاق کرلینے سے وہ حدیث صحیح نہیں بن جاتی اس لیے کہ انسان خطاء ونسیان سے مرکب ہے۔ اس روایت ودیگر جمیع احوال کا صحیح علم اللہ جل جلالہٗ کو ہوتا ہے۔

شیخ اکبر قدس سرہٗ کی تقریر حضرت شیخ اکبر قدس سرہ الاکبر نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کے بہت سے بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جو براہِ راست اللہ تعالےٰ سے کلام سُنتے ہیں جو حدیث شریف کے حکم کے صریح خلاف ہوتا ہے جسے عوام سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالےٰ کے بندے کا اجتہاد ہے اور اس کا اجتہاد مبنی بر خطا ہے۔ لیکن اس بندۂ خدا کو وُہ حدیث شریف بذریعہ کشف حضور علیہ السلام سے حاصل نہیں ہوئی۔ اگرچہ اس کا حکم انھیں معلوم تھا لیکن وُہ بندۂ خدا بہت بڑے مرتبہ کا مالک ہے اس لیے وُہ راویانِ حدیث پر اعتبار نہیں کرتا اس معنے پر کہ وُہ راوی اگرچہ بہت بڑے عادل اور ثقہ سہی لیکن سہو ونسیان سے بری نہیں ہوتے اور نہ ہی وہ مبداء تاویلات وتحریفات سے معصوم مانے جاتے ہیں۔ لیکن وُہ بندۂ خدا مشاہدہ سے اپنی بات پر محکم ومضبوط ہوتا ہے فلہٰذا اس کی بات اس کے نزدیک وزنی ہوتی ہے۔ اسی طرح اس کے ماننے والوں اور اس کی روایت پر عمل کرنے والوں کو ملامت نہیں کی جاسکتی اگرچہ وہ محدثین کے نزدیک حدیث موضوع قرار پائے گی اور شرعی احکام کا ترتب بھی انہی پر ہوگا۔ ان کشفی احادیث پر مسائل واحکام کا ترتب نہیں ہوسکے گا۔ لیکن ان پر اعتراض کرنا بھی بیجا ہے[1] شیخ اکبر قدس سرہٗ کا کلام حق ہے۔ اس میں کسی قسم کا شک نہیں۔ آپ کے کلام کی

---

[1] لیکن ایسے بندگانِ خدا عالمِ دنیا میں کالعنقاء ہیں البتہ مکروفریب کے جال پھیلانے والے لاتعداد ولاتحصٰی ہیں۔ جیسے قادیانی نے کیا اور اس کے چیلے چانٹوں نے۔ ۱۲

حقیقت پر کسی کو شک ہو سکتا ہی نہیں۔

قاعدہ قرآنیہ بعض متقدمین نے قرآن مجید کو تین حصوں میں منقسم کیا:

۱۔ سورۃ توبہ کی آیت وقعد الذین کذبوا اللہ ورسولہٗ پر۔

۲۔ سورۂ عنکبوت کی آیت الا بالتی ھی احسن پر۔

۳۔ الی آخر القرآن۔

عوام کے نزدیک "وطبع اللہ علی قلوبھم فھم لا یعلمون" پر۔ یعنی دسویں پارے پر قرآن مجید کی تہائی ختم ہوئی۔ دوسری تہائی بیسویں پارے پر۔ اور تیسری تہائی الی آخر القرآن۔

ف: پہلا قول تحقیقی اور دوسرا تقریبی ہے۔ (واللہ اعلم بالصّواب)

خاتمة التفسیر للثلث الاوّل من القران المجید

صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ اس سورہ توبہ کی تفسیر کے خاتمہ میں لکھتے ہیں کہ:

یقول الفقیر سمی الذبیح اسماعیل حقی الخ

یعنی فقیر اسماعیل حقی (قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ:

مجھے اس تفسیر کے آغاز میں ارادہ تھا کہ اس کی صرف ایک یا دو جلدیں لکھوں گا۔ اگر زندگی نے وفا کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا ایسا فضل و کرم ہوا کہ اس کی صرف ایک جلد اوّل سورۃ توبہ کے اختتام پر ختم ہوئی اب دوسری جلد کا آغاز کروں گا اور اس جلد اوّل کا اختتام شہر بروسہ حضرت سید محمد سبزی قدس سرہٗ کے دولت کدہ میں ہوا۔ بروز اتوار ماہ شوال کی بالکل آخری تاریخ سنہ ۱۱۱۱ھ میں تفسیر ختم ہوئی۔

حُسنِ اتفاق سے فقیر نے بھی آج بروز جمعرات یکم ذوالقعدہ ۱۳۹۱ھ دارالتصنیف دارالعلوم جامعہ اویسیہ رضویہ بہاولپور میں اس مقام ترجمہ الموسوم بہ "فیوض الرحمٰن" ختم کیا۔

فللہ الحمد والمنة والثناء والتحیة لکاشف الغم وشافع الامة وعلیٰ آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین۔

انا الفقیر القادری ابو الصالح محمد فیض احمد
اویسی رضوی
غفرلہٗ

دیباچہ

(از مصنف روح البیان)

روح البیان کے جزِ دوم کا دیباچہ جسے صاحبِ رُوح البیان نے خود لکھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی انزل القرآن موعظۃ وشفاء لما فی الصدور وجعلہ منہا عذابا للورود والصدور واظہرہ من مقام الجمع والتنزیہ والنون فالزمہ حجۃ لاہل الظواہر والبطون جمع فیہ علوم الاوّلین والاٰخرین فلا رطب ولا یابس الاّ فی کتاب مبین والصلوٰۃ والسلام علی من اوحی الیہ ذٰلک القرآن من لوح الوجوب والامر والشان سیّدنا محمدؐ اجری من مسجلہ ما یحاکی السلسبیل والرحیق وافجم بلاغتہ کل متکلم منطیق وفسر الاٰیات فی الانفس والاٰفاق علیٰ مراد الیہ الملک الخلّاق وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہ المقتبسین من مشکاۃ انوارہ المغترفین من بحار اسرارہ المتفردین فی ریاض البیان بالخطب العرفانیۃ المترنمین فی مروج العیان بالکلمات الحقانیۃ ومن تبعہم ممن تخلق بالقرآن فی کل زمان ما طلع المرزبان۔

اما بعد

بندہ اپنے گناہ وخطاء کا اعتراف کرتا ہُوا اپنے ربِ کریم سے عفو وعطا کی التجاء کر کے اپنے اُوپر بیکراں لُطف کرم کے انعام کی بارش کی اُمید رکھے اس کے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے بندوں کی طرف بھیجنے کی کریمی کا صدقہ دینے والا (اپنے شیخ) حضرت اسماعیل ذبیح علیہ السّلام کا ہمنام المعروف "حقی جلوتی (بالجیم)" اللہ تعالےٰ اسے اور اس کے جملہ دوستوں کو شیطان رجیم سے محفوظ رکھے اور اس کا آج کا دن کل گزشتہ روز سے بہتر بنائے یہاں تک کہ موت آجائے بلکہ اس کی گردن میں روحانی ترقی کا طوق ڈالے اور اسے حقانی مقامات کی سعادت عطا فرمائے عرض کرتا ہے کہ:

علم تفسیر ایک ایسا فن ہے کہ اس میدان میں ہر جوان کا کام نہیں اگرچہ وُہ بہت بڑی طاقت رکھنے والا شیر بہادر کیوں نہ ہو۔ اور نہ ہی اس کا جھنڈا ہر امیر اٹھا سکتا ہے اگرچہ اس کی زندگی اسی کے رشک میں بسر ہو۔ اور یہ ایسا واضح اور روشن بیان ہے جس کے لیے کسی دلیل کی ضرورت ہی نہیں۔ ادھر اس کی بہت بڑی عظمت ادھر ہمارے ہاں اتنی فرصت کی کمی کے علاوہ کوتاہیوں کی بھرمار ہم نے بہت سے بڑے بڑے فضلاء وعلماء جن کی تحریر اور تقریر کی دھاک عالمِ دُنیا میں بیٹھی ہوُئی ہے کو دیکھا کہ وہ اس میدان میں بڑی تیزی سے دوڑ رہے تھے کہ منزلِ مقصود پر پہنچنے سے پہلے قضاً وقدر کے تیر نے ایسی ضرب کاری لگائی کہ وُہ راستے میں ہی دم توڑ گئے۔ اور اجل مقرر گھڑیوں سے آگے جانے دیتی ہی نہیں اور نہ ہی دورِ زمانہ اپنی دستبرد سے کسی کو معاف کرتا ہے۔ ویسے دنیا کا عیش کسی کو راس نہیں آیا اور نہ ہی اس نے کسی کو صاف پانی پینے دیا ہے اگرچہ وہ آبِ حیات کا ساقی بھی بن بیٹھے۔

بتائیے از آدم تا ایں دم کون سا خوش بخت ہے جسے موت نے اپنے شکنجے میں نہ جکڑا ہو۔ اور وُہ کون سی نعمت ہے جسے زمانے نے اہل نعمت کے لیے منغص نہ کیا ہو۔

جب میں نے اسی مجموعہ تفسیر مسمی بہ رُوح البیان کے دفتر اوّل کو مکمل کر چکا تو میرے دل میں روح قدس سے خیال گزرا بلکہ عالمِ ملکوت اور حضرت اُنس سے الہام ہُوا تھا اس سے قبل میں نے اپنے قلم کو اس ارادہ پر روک لیا کہ میرے سے افضل و اعلیٰ حضرات تفسیر کو مکمل نہ کر سکے تو میں کون لگتا ہُوں اسے پُورا کرنے والا۔ تو اسی اثنا میں میں نے ایک خواب دیکھا جس سے مجھے شدید خوف محسوس ہُوا اور بہت بڑی گھبراہٹ نے مجھے گھیر لیا لیکن جُونہی میں نے اس کی تعبیر میں توجہ دی تو نتیجہ نکلا کہ مجھے اپنی زندگی میں بہت بڑی مُہلت دی گئی ہے یہاں تک کہ میں اس تفسیر کو مکمل کر لوں گا۔ لیکن اس کی بھی تعیین نہیں تھی بس مبہم طور پر معلوم ہُوا کہ زندگی کے چند لمحات باقی ہیں۔

ادھر میری عمر چالیس برس سے متجاوز ہو رہی تھی اور یہ سب کو معلوم ہے کہ انسان جب چالیس سے تجاوز کرتا ہے تو اس پر بڑھاپا سایہ فگن ہونے لگتا ہے اور اعضا کی قوت میں ضعف آنے لگتا ہے۔ میری حالت بھی کچھ ایسے ہی تھی میں نے اپنی قوت و طاقت میں ضعف اور کمزوری کے آثار دیکھے تو اپنی ہمت کو تھکا ہارا پایا لیکن مسبب الاسباب کی رحمت سے نا اُمیدی نہیں تھی اسی لیے اس کی درگاہ میں سربسجود ہو کر دو آنسو بہائے اور ان کو اپنا بہتر وسیلہ سمجھا کہ وُہ کریم میری اس عاجزی کو قبول فرما کر مجھے اس تفسیر کے بقایا دفتر دوم و سوم یعنے تا آخر لکھنے کی توفیق بخشے گا اور اس کے لکھنے کے دوران جملہ علائق و عوائق دُور فرمائے گا۔ اگرچہ یہ کام بہت بڑا ہے لیکن اس کی رحمت اور لطف و کرم سے کیا شے بڑی ہو سکتی ہے۔

خصُوصیاتِ تفسیر ہذا

از

مصنّف رحمہ اللہ تعالیٰ

١۔ اس تفسیر میں بکثرت وجوہ تفسیر بیان کرنے کے بجائے اختصار کو ملحوظ رکھ کر آیات کے اصل منشا کو واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ البتہ متقدمین کی معتبر و مستند تفاسیر کا خلاصہ ضرور بیان کیا جائے گا اس سے میری تفسیر کو مقبولیت حاصل ہوگی۔

٢۔ ہر آیت کے تحت مناسب لیکن دلپسند پند و نصائح ضرور بیان کروں گا تاکہ ان سے قلوب کو جلاء اور ارواح کو سرور حاصل ہو۔

٣۔ موقعہ کے مطابق فارسی اشعار بھی لکھوں گا تاکہ اہلِ دل ان اشعار سے رُوحانی ذوق پائیں۔

٤۔ حتی الامکان جن تفاسیر معتبرہ اور کتبِ فقہ و احادیث مبارکہ کا حوالہ دُوں گا ان کی اصل عبارت لکھنے کی کوشش کروں گا البتہ کہیں بوقتِ ضرورت صرف عبارات میں ترمیم و اضافہ کروں گا لیکن مطالب و مقاصد میں ذرہ برابر فرق

نہیں آنے دُوں گا۔

۵۔ بہت تھوڑے ایسے مواقع آئیں گے جہاں میں اپنا نظریہ (یقول الفقیر سے) پیش کروں گا لیکن وہ بھی بحمدہ تعالےٰ کسی شیخ کامل اور معتبر ولی اللہ کی تقریر کا خلاصہ ہوگا۔

آغاز تصنیف دفتر ہذا

اس دفتر کا آغاز ۲۲ شعبان ۱۱۰۲ھ میں ہُوا۔ پہلے دفتر کی طرح اس کا آغاز شہر بروسہ میں ہوا جبکہ میں اسی شہر کی طرف ہجرت کر کے مقیم ہوگیا تھا۔ خدا کرے یہ شہر ارواحِ قدسیہ والے حضرات کا مرکز بنا رہے۔

اے اللہ العالمین! جس طرح تُو نے مجھے اس کے دفتر کے اتمام کی توفیق بخشی ہے اپنے فضل وکرم سے اس کے بقایا حصص کی تکمیل کی بھی توفیق عطا فرما اور میری اس تحریر کو قیامت کے دن میرے چہرے کی سفیدی کا سبب بنا جیسے تیرے اولیاء کرام کے چہرے نورانی ہوں میرا بھی چہرہ نورانی ہو اور اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میرے گناہوں کے سیاہ دفتروں کو دھو ڈال۔ اور میں بھی صبح وشام تا دمِ زیست تیرے سے دُعائیں مانگتا رہوں گا اور اس میں مجھے نااُمیدی بھی نہیں۔

فلك الحمد فی الاولیٰ والاخری علیٰ عنایتك الکبری واٰخر دعواھم ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔

دیباچہ

از مترجم

ناکارہ وآوارہ الفقیر القادری ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ عرض پرداز ہے کہ فقیر نے زمانہ طالب علمی میں اپنے اکابر اہلسنت سے تفسیر رُوح البیان کا غلغلہ سُنا۔ مخالفین اہلسنت نے اسے ضعیف اور غیر معتبر تفسیر گردانا۔ تحصیل علوم وتکمیلِ فنون کے بعد ۱۳۷۱ھ/ ۱۹۵۱ء میں اپنے گاؤں حامد آباد ضلع رحیم یار خاں میں تعلیم وتدریس میں مشغول ہوگیا۔ اسی اثناء میں تفسیر ابن کثیر کا اُردو ترجمہ شائع ہُوا۔ عوام میں تاثر پیدا کر دیا گیا کہ یہ زمانۂ قدیم کی معتبر تفسیر ہے حالانکہ ابن کثیر ابن تیمیہ کا شاگرد اور اس کے مذہب ومسلک کے لیے سر کی بازی لگانے والا ہے۔ اس لئے تفسیر ابن کثیر میں اہلسنت کے خلاف بہت کچھ لکھا۔ یہ تفسیر اہلسنت کے عقاید کے بھی خلاف ہے اور مسلک حنفیت کے بھی۔ فقیر قلیل البضاعۃ وعدیم الفرصت کو اتنی جرأت کہاں کہ تفسیر جیسے اہم ومشکل ترین فن میں قدم رکھے۔ لیکن فضل ایزدی

پر اُمید رکھ کر رُوح البیان کے ترجمہ کا آغاز کیا۔ یہ تفسیر بحمدہٖ تعالٰے اصول وضوابط اور قوانین[1] اصول کے عین مطابق ہیں اور مخالفین اہلسنّت اسے صرف اسی لیے غیر معتبر وضعیف گردانتے ہیں کہ صاحبِ رُوح البیان نے امام ابُوحنیفہ کا مذہب اور صوفیاءِ کرام میں سے سیّدنا ابن العربی اور حضرت مولانا روم قدس سرہما کا مسلک پیش کیا ہے اور یہی ہمارا عین مدعا ہے اور مخالفین کے لیے موت اور زہرِ قاتل۔

اب عوام اس فرق کے بعد تفسیر ابن کثیر کا مطالعہ کریں تو وہ نہ صرف غیر مفید بلکہ ان کے عقاید اور مسائل احناف کے لیے سخت مضر۔ اور رُوح البیان کا مطالعہ نہ صرف ان کے عقاید اہلسنت ومسائلِ احناف کو اُجاگر کرے گا بلکہ حضرت مولانا روم اور عارف باللہ سیّدنا ابن العربی قدس سرہما کے عارفانہ کلام سے رُوحانیت کو بھی تازگی بخشے گا۔

تفسیر رُوح البیان معتبر تفسیر ہے

کسی کو زبان سے غیر معتبر اور ضعیف کہہ دینا صرف مخالفین کی اپنی بڑ ہے ورنہ مطالعہ کے بعد قاری خود محسوس فرمائے گا کہ عالمِ اسلام کی جملہ تفاسیر سے بوجہ اصول وقواعد وضوابطِ فنِ تفسیر کے تفسیر ہذا کتنا بلند مرتبہ رکھتی ہے۔ طرفہ یہ کہ صاحبِ رُوح البیان نے ہر ایک مضمون کو مشہور ومعروف اور نہایت معتبر اور مستند تفاسیر وکتب احادیث وفقہ حنفی کے حوالہ جات سے مزیّن فرمایا ہے اور صوفیانہ تفسیر کو اصول تفسیر میں حق مانا گیا ہے جس کا مخالفین کے اکابر نے اعتراف کیا ہے۔ اسی لیے تعصّب سے بالا ہو کر اس تفسیر کا مطالعہ کیا جائے تو حق واضح اور روشن ہوگا۔

خصُوصیاتِ ترجمہ

۱۔ فقیر نے ترجمہ میں کسی قسم کی ترمیم واضافہ نہیں کیا صرف اس ارادہ پر کہ عوام اس تفسیر کے مطالعہ کے بعد خود اس نتیجہ پر پہنچیں اور سمجھیں کہ گیارھویں صدی میں عقائد ومسائل یہی تھے جن کی امام اہلسنت مجدّدِ دین وملت شیخ الاسلام والمسلمین سیّدنا شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرّہٗ نے چودھویں صدی میں ترجمانی فرمائی ہے ان کے دلائل ومسائل کو بدعت کہنا ایسے ہے جیسے امام الانبیاء حبیبِ کبریا شافعِ روزِ جزا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکینِ عرب نے بدعتی گردانا اور منافقین نے مشرک کہا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ اور حضرت علی المرتضٰے کرم اللہ وجہہٗ کو خارجیوں نے مشرک وبدعتی کہا۔ اسی طرح امام اعظم اور حسن بصری اور ان کے متبعین ومعتقدین کو معتزلہ نے مشرک وبدعتی ہونے کا فتوی جڑا۔ اسی طرح ابن تیمیہ کی پارٹی۔ اور عبد الوہاب نجدی نے تو تمام اہلِ حق کو مشرک وبدعتی گردانا۔ اب اگر اعلیٰ حضرت بریلوی اور ان کے تلامذہ اور معتقدین ومتعلقین کو وہابی، دیوبندی، مودودی، تبلیغی، احراری وغیرہم بدعتی اور مشرک کہیں تو وہ مجبور ہیں۔

"تاریخ گواہ ہے کہ سوائے مشرکین عرب ومنافقین کے باقی ہر دور میں ہمارے اکابر واسلاف صالحین کو بدعتی اور مشرک گرداننے والے اپنے آپ کو موحّد (اہلِ توحید) کہلاتے ہیں۔ تفصیل فقیر کی تصنیف "ابلیس تا دیوبند" کا مطالعہ کیجئے۔

---

[1] دیکھئے فقیر کی تصنیف "الفیضان علی روح البیان"۔

۲ ۔ چونکہ تفسیر ہذا عربی میں اور دورِ قدیم کی طرز پر لکھی گئی اس لیے فقیر نے دورِ حاضرہ کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی جگہ جگہ عنوانات قایم کیے۔ کہیں ضرورت محسوس ہوئی تو بریکٹ میں کچھ لکھ دیا یا حواشی پر مختصراً لکھا۔

۳ ۔ ادیبانہ طرز پر نہیں اپنے جیسے عوام کی خاطر سادہ اور بہت سادہ اردو لکھا ہے اور چونکہ فقیر نے صرف پانچ جماعت مکمل اُردو پڑھا پھر حفظِ قرآن اور عربی علوم وفنون کی تحصیل کی۔ پھر ان کی تدریس و تعلیم میں مصروف ہو گیا۔ اسی لیے ممکن ہے اردو قواعد میں غلطی بھی کی ہو۔ لیکن بحمدہٖ تعالےٰ تفسیر کا اصل منشا ادا کیا ہے اس سے صرف عوام تک پہنچانا مطلوب ہے۔ ادبأ و علمأ سے داد لینا مقصود نہیں بلکہ ان سے نہایت عاجزی سے ملتجی ہوں کہ آپ حضرات اپنے علوم کے صدقے فقیر کے ٹیڑھے میڑھے ترجمے سے کیڑے نکالنے کے بجائے اصلاح فرما کر فقیر کو براہِ راست مطلع فرمائیں۔ فقیر اور عوام الناس کے درمیان روڑے نہ اٹکائیں۔ ممکن ہے مناع للخیر کی وعید آپ پر صادق آجائے۔

فقیر نے تفسیر رُوح البیان کے سمجھنے اور اسے معتبر و مستند تفسیرِ احناف ثابت کرنے کے لیے کتاب "الفیضان علیٰ رُوح البیان" لکھی ہے۔ تفسیر کی تکمیل کے بعد اسے علیحدہ شایع کیا جائے گا (ان شاء اللہ تعالےٰ)

آخر میں باری تعالیٰ سے دُعا ہے کہ بطفیل حبیبِ کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم فقیر کو اس کے ترجمے کی تکمیل کی توفیق بخشے اور آخرت میں میرے اور میرے اساتذۂ کرام اور والدین ماجدین کے لیے بہترین توشہ بنائے۔ (آمین)

◆

تصنیف گھر، بہاولپور

۲۰ شوال ۱۳۹۶ھ شبِ جمعۃ المبارک تقریباً ۱۱ بجے

فقیر قادری ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ

سُوْرَةُ يُوْنُسَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ وَّتِسْعُ اٰيَاتٍ وَّاَحَدَ عَشَرَ رُكُوْعًا

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ① اَكَانَ لِلنَّاسِ

یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں کیا لوگوں کو اس کا اچنبا

عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَ

ہوا کہ ہم نے ان میں سے ایک مرد کو وحی بھیجی کہ لوگوں کو ڈر سناؤ

بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؔ

اور ایمان والوں کو خوشخبری دو کہ ان کے لیئے ان کے رب کے پاس سچ کا مقام ہے

قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ② اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ

کافر بولے بیشک یہ تو کھلا جادوگر ہے بے شک تمہارا رب

الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ

اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے پھر

اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا

عرش پر استواء فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے کام کی تدبیر فرماتا ہے کوئی سفارشی نہیں

مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا

مگر اس کی اجازت کے بعد یہ ہے اللہ تمہارا رب تو اس کی بندگی کرو تو کیا تم

تَذَكَّرُوْنَ ③ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ

دھیان نہیں کرتے اسی کی طرف تم سب کو پھرنا ہے اللہ کا سچا وعدہ بے شک

يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

وہ پہلی بار بناتا ہے پھر فنا کے بعد دوبارہ بنائے گا کہ ان کو جو ایمان لائے اور

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ

اچھے کام کیئے انصاف کا صلہ دے اور کافروں کے لیئے پینے کو کھولتا پانی اور

مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ④ هُوَ
دردناک عذاب بدلہ ان کے کفر کا وہی ہے
الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ
جس نے سورج کو جگمگاتا بنایا اور چاند چمکتا اور اس کے لیے منزلیں
لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ
ٹھہرائیں کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب جانو اللہ نے اسے نہ بنایا
اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ⑤ اِنَّ فِيْ
مگر حق نشانیاں مفصل بیان فرماتا ہے علم والوں کے لیے بے شک رات اور
اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ
دن کا بدلتا آنا اور جو کچھ اللہ نے آسمانوں اور زمین
وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ⑥ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا
میں پیدا کیا ان میں نشانیاں ہیں ڈر والوں کے لیے بے شک وہ جو ہمارے ملنے کی
يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا
امید نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی پسند کر بیٹھے اور اس پر مطمئن
بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ⑦ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰ
ہو گئے اور وہ جو ہماری آیتوں سے غفلت کرتے ہیں ان لوگوں کا ٹھکانہ
هُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ⑧ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ
دوزخ ہے بدلہ ان کی کمائی کا بے شک جو ایمان لائے اور اچھے
عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِيْ
کام کیے ان کا رب ان کے ایمان کے سبب انہیں راہ دے گا ان کے نیچے
مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ⑨ دَعْوٰىهُمْ
نہریں بہتی ہوں گی نعمت کے باغوں میں ان کی دعا اس میں یہ ہوگی

فِیۡهَا سُبۡحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِیَّتُهُمۡ فِیۡهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ

کہ الله تجھے پاک ہے اور ان کے ملتے وقت خوشی کا پہلا بول سلام ہے اور ان کی

دَعۡوٰىهُمۡ اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ع ⑩

دعا کا خاتمہ یہ ہے کہ سب خوبیوں سراہا اللہ جو رب ہے سارے جہان کا

۱ ع ۱۰ ۲

سورۃ یونس مکیہ ہے اور اس کی ایک سو نو آیات ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر عالمانہ **الٓرا** یہ سورۃ کا نام ہے اور محلاً مرفوع مُبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے یا خبر ہے تو اس کا مبتداء محذوف ہے یعنی دراصل الٓرا ھذہٖ السورۃ یا ھذہ السورۃ الٓرا تھا اور یہی اس کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ جس طرح چاہے سُورتوں کو موسوم فرمائے۔

ف : حضرت ابوالسعود رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو راجح بتایا ہے اور فرمایا کہ اسے مرفوع تو پڑھنا ہے اور بڑی تحقیق و تنقیح کے باوجود معلوم نہیں ہوسکا کہ اس سُورۃ کا فلاں نام ہے اور اسے موضوع کا عنوان بھی نہیں بنایا جا سکتا' کیونکہ وُہ بھی مخاطب کے علم پر موقوف ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ مخاطبین کو نزولِ سُورہ سے پہلے کوئی علم نہیں کہ اس سورۃ کا موضوع کیا ہے کیونکہ وہ مخاطبین کو اس کے موضوع کا علم تو اس وقت ہوگا جب یہ سورہ مکمل طور پہ نازل ہو جائے اور وہ اسے اپنے سامنے رکھ کر اس کا موضوع متعین کرے گا جیسے شَے سامنے موجود ہوتی ہے تو کہا جا سکتا ہے : ھذا من اشتری فلاں۔

صاحب رُوح البیان کی تحقیق یہ سب کو معلوم ہے کہ حروف کلمات کے اور کلمات جملوں اور جملے آیات اور آیات سورتوں کی اور سورتیں قرآن کے اجزاء ہوتے ہیں۔ قرآن پاک کو پہلے سُورتوں کی طرف پھر آیات کی طرف، آیات جُملوں کی طرف اور جُملے کلمات کی طرف اور کلمات حروف کی طرف اور حروف نقطوں کی طرف منقسم ہوتے ہیں جیسے دریا سے بڑی نہریں، بڑی نہروں سے چھوٹے نالے اور نالیاں اور نالیوں سے قطرات نکلتے ہیں۔ اگرچہ قطرہ یا نقطہ ان ہر دو مثالوں میں ایک معمولی شَے ہے لیکن درحقیقت ان کی اصل اور جڑ یہی ہیں اس لیے کہ ان دونوں کو یہ وُسعت وکثرت نقطہ و قطرہ کی وجہ سے نصیب ہُوئی ہے۔

ازالہ توہم یہ جو اہل ظواہر (عام علماء) کہتے ہیں کہ الٓرا جیسے دُوسرے حروف مقطعات صرف تحدی (یعنی مخالفین اسلام کو لاجواب کرنے کی خاطر) کے لیے لائے گئے۔ یہ ان کا وہم اور سراسر غلط بیانی ہے اس لیے کہ :

هى الحروف المقطعة لها مدلولات صحيحة وهى زبدة علوم الصوفية المحققين رحمهم الله تعالى[1]

حروف مقطعات معانی واسرار ورموز پر مشتمل ہیں صوفیۂ محققین رحمہم اللہ تعالٰے کے اسرار ورموز الٰہی میں مضمر اور پوشیدہ ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلی علم غیب

صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالٰی نے اوّلین وآخرین کے علوم سے نوازا ہے اور ظاہر ہے کہ آدم وادریس علیہما السلام کے علوم انہی حروف پر مشتمل تھے۔ اور پہلے مانا جا چکا ہے کہ حضور علیہ السلام کو سابقہ انبیاء علیہم السلام کے جملہ علوم عنایت ہوئے منطقی نتیجہ نکلا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو علوم کلی عطا ہوئے منجملہ ان کے حروف مقطعات کا علم بھی ہے جو آپ کو اللہ تعالٰے کی طرف سے عطا ہوا اس سے ان بدبختوں کا رد ہو گیا جو کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو حروف مقطعات کا کوئی علم نہ تھا۔ (معاذ اللہ) مزید تحقیق کے لیے فقیر کی تفسیر اویسی کا مطالعہ کیجئے۔

سوال: علماء محققین نے ان لوگوں کی سخت مذمت فرمائی ہے جنہوں نے حروفِ مقطعات کے معانی ومطالب بیان کیے ہیں اور تم کہتے ہو کہ یہ صوفیۂ محققین کے اسرار ورموز ہیں کیا علماء وصوفیۂ آپس میں ایک دوسرے کے مخالف ہیں

جواب: جن علماء کرام نے مذمت فرمائی ہے انہوں نے صوفیۂ کرام رحمہم اللہ تعالٰی کی مذمت نہیں بلکہ ان جہال کی مذمت فرمائی ہے جنہوں نے ان حروف سے اپنے مقاصد ومطالب پر ان حروف سے اشارات ثابت کیے، اور ان کی حقیقی عبارات کے مفاہیم ومضامین بدل کر شریعتِ مطہرہ کے متعلق توہین آمیز کلمات استعمال کیے۔ ایسے لوگ قابلِ مذمت ہیں۔ ہم بھی اُن کی مذمت اور سخت مذمت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان حروف سے اپنے مطالب بیان کرنا اور حقیقی مقاصد سے انحراف اور شریعت مطہرہ کی توہین کرنے والا شیطان ہے رجیم ہے۔ اس لیے کہ ہم شریعتِ مطہرہ کو حقیقت کا لباس مانتے ہیں جیسے الفاظ معانی کا۔ اسی طرح اشارات صوفیۂ کے انہی حروف میں رموز ہوتے ہیں جیسے وجود شہود کا آئینہ متصور ہوتا ہے اور وہ ایک دوسرے کو لازم وملزوم ہوا کرتے ہیں۔ اُن کے کسی ایک راز سے انکار معرفت الٰہیہ سے محرومی کی علامت ہے۔

---

[1] رُوح البیان ج ۴ ص ۴

[2] صاحب رُوح البیان رحمہ اللہ تعالٰی کی ایسی تحقیقات کی وجہ سے دیوبندی وہابی فرقہ ان سے ناراض ہے اسی لیے بے دھڑک کہہ دیتے ہیں کہ یہ تفسیر غیر مستند ہے حالانکہ تفسیری حیثیت سے اس تفسیر کی نظیر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ (دیکھیے فقیر کی کتاب "الفیضان علی روح البیان") اصل میں ان بیچاروں کی مثال اس حبشی کی ہے جس نے آئینے میں اپنی شکل دیکھ کر آئینے کو زمین پر دے مارا تھا۔ اپنی صورت کو نہ سمجھا اور قصوروار آئینے کو ٹھہرایا۔ (اویسی غفرلہٗ)

خلاصہ یہ کہ معترض نے غلط کار جہال کے خیالات کو سامنے رکھ کر صوفیہ کرام پر اعتراض جڑ دیا۔ آجکل یہی طریقہ دیو بندی، وہابی، نجدی، مودودی گروہ نے اختیار کر رکھا ہے کہ عوام کو صُوفیہ کرام سے بدظن کرنے کے لیے مذکورہ بالا تقریر صوفیہ کرام پر چسپاں کرتے ہیں۔

صاحبِ روح البیان کا عقیدہ

صاحبِ رُوح البیان رحمۃ اللہ علیہ حروفِ مقطعات کے متعلق محاکمہ کر کے آخر میں اپنا عقیدہ لکھتے ہیں کہ:

"فعلم هٰذه الحروف بلوازمها وحقائقها مفوض فی الحقیقة الی الله ورسوله وکمل الورثة منهم۔

حروف مقطعات کا علم مع لوازم وحقائق اللہ ورسول (جل جلالہٗ وصلی اللہ علیہ وسلم) یا پھر اولیاء کاملین جانتے ہیں۔

ف: بعض مفسرین ان حروف کی تاویل کرتے ہوئے فرماتے ہیں حروف مقطعات کا ایک ایک حرف اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے کسی ایک اسم کے مجموعہ میں سے ایک حرف پر اکتفا کیا گیا ہے جیسے اہلِ عرب کی عادت ہے کہ مجموعہ کلام میں سے ایک حرف پر اکتفا کرتے ہیں۔ مثلاً شاعر نے کہا: ؏

قلت لها قفی فقالت ق

میں نے اسے کہا کہ ٹھہر جا اس نے کہا: ق۔ یعنی وقفت۔ یعنی میں ٹھہر گئی۔

اس بناء پر حضرت عبداللہ بن عباس سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا:

الٓرا بمعنے انا الله اریٰ۔ یعنی میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں۔

اور یہ بھی انہی سے منقول ہے کہ:

یہ الرحمٰن کے حروف میں سے ہے اس لیے کہ جب الٓرا اور حٰمٓ اور ن کو جمع کیا جائے تو "الرّحمٰن" بنتا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ان حروف میں دو اشارے ہیں:

۱۔ اشارة من الحق للحق الی عبده المصطفٰی صلی الله علیه وسلم۔

یعنی حق سے حق کے محبوب بندے پیارے مُصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ۔

۲۔ الاشارة من الحق لنبیته والیه علیه السلام۔

یعنی حق کا اشارہ اپنے نبی اور ذاتِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف۔

پہلے اشارے میں اللہ تعالیٰ نے حلفاً فرمایا کہ:

بآلائی علیك فی الازل وانت فی العدم و	مجھے اپنی ان نعمتوں کی قسم جو ازل سے آپ پر ہیں باوجودیکہ
بلطفی منك فی الوجود ورحمتی ورافتی	آپ عدم میں تھے اور مجھے اپنے اس لطف کی قسم جو

لك من الازل الى الابد[1]

عالمِ وجود میں آپ کے ساتھ ہے۔ اس معنے پر میری رحمت و شفقت ازل سے ابد تک آپ کے ساتھ ہے۔

دوسرے اشارے میں بھی حلفاً فرمایا کہ:

بانسك معى حين خلقت روحك اول شيئ
خلقته فلم يكن معنا ثالث و بلبيك الذى
اجبتنى به فى العدم حين دعوتك
للخروج منه فخاطبتك وقلت ياسين
اى سيّد قلت لبيك و سعديك والخير
كله بيديك و برجوعك منك الى حين
قلت لنفسك ارجعى الى ربّك۔[2]

مجھے تیرے اُس اُنس کی قسم جو آپ کو میرے ساتھ ہے اُس وقت سے جبکہ سب سے پہلے میں نے آپ کی رُوح کو پیدا فرمایا اس وقت صرف مَیں تھا یا آپ، اس وقت تیسرا اور کوئی نہیں تھا اور مجھے آپ کے اس لبیک کی قسم جو آپ نے میرے بلاوے پر کہا جبکہ آپ عالمِ عدم سے عالمِ وجود میں تشریف لائے اس پر میں نے آپ سے خطاب فرمایا کہ یٰسٓ یعنی اے شاہ جی آپ نے اس کے جواب میں کہا لبّیك و سعديك میں حاضر ہوں اور کل بھلائی تیرے قبضہ میں ہے اور مجھے تیرے اس رجوع کی قسم جو آپ اپنے سے میری طرف ایسے متوجہ ہُوئے کہ اپنے آپ کو فرما رہے تھے ارجعی الی ربّك۔

تفسیر عالمانہ تِلْكَ یہ محلاً مرفوع اور مبتدا ہے۔ اس کا مابعد اس کی خبر ہے۔

ف: اس تقدیر پر کہ الٓرا مبتدا بنایا گیا تو یہ دُوسرا مبتدا ہوگا اور یہ سُورۃ کے مجموعہ مضمون کی طرف اشارہ ہے۔

اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ○ یہ کتاب حکیم کی آیات ہیں یعنی قرآن مجید کی وُہ آیات ہیں جو ہزاروں حکمتوں پر مشتمل ہیں۔ یہ اس وقت ہے جبکہ حکیم کے لفظ میں نسبتی معنیٰ مانا جائے یعنی الحكيم بمعنے ذى الحكم۔ یہ اس لیے کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن پاک کی ہر آیت میں ہزاروں حکمتیں امانت رکھی ہیں کما قال فی مقام آخر ولا رطب ولا يابس الا فى كتٰب مبين۔[3] یعنی ہر خشک و تر کا بیان قرآن مجید میں ہے۔

حکایت حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ ایک دفعہ فقر و فاقہ میں مبتلا ہو گئے ایک شربت بیچنے والے کے ہاں تشریف لائے اور ایک گھونٹ شربت کا مانگا اور فرمایا کہ اس کے عوض میں تمہیں دو مسئلے بتاؤں گا۔ دکاندار نے کہا: مجھے کسی مسئلہ کی ضرورت نہیں۔

---

[1] رُوح البیان ص ۴ ج ۴ [2] ایضاً [3] سورہ انعام

قیمت در گرانمایہ چہ دانند عوام
حافظا گوہر یکدانہ مدہ جز بخواص

اتفاقاً اس نے قسم کھائی کہ اگر میں نے اپنی بچی کو جہیز میں عالمِ دُنیا کی ہر شَے نہ دی تو اُس کی عورت کو تین طلاق۔ یہ کہہ کر بعد میں پچھتایا۔ علماءِ کرام سے فتوٰی پُوچھا تو سب نے فتوٰی دیا کہ تیری عورت کو تین طلاقیں واقع ہوگئیں۔ اب حلالہ کے بغیر تیرے لیے جائز نہیں اس لیے کہ عالمِ دُنیا کی تمام اشیاء تیرے بس میں نہیں۔ مایوس ہو کر حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ امام صاحب نے فرمایا کہ میں نے تجھ سے ایک گھونٹ شربت مانگا تھا۔ اس وقت میرا ارادہ تھا کہ میں تمہیں دُو مسئلے بتاؤں۔ ان میں سے ایک یہی تھا۔ لیکن تُو نے اس کی قدر نہ کی۔ اب صرف اس مسئلہ پہ ایک ہزار دینار ادا کرنا پڑے گا تاکہ تمہیں مسئلہ شرعیہ کی قدر معلوم ہو۔ اُس نے بلا تاخیر ایک ہزار دینار پیش کیا تو امام صاحب نے فرمایا اپنی لڑکی کے جہیز میں قرآن مجید دے دے تو تیری عورت کو کسی قسم کی طلاق واقع نہ ہوگی۔ علماءِ کرام نے حضرت امام صاحب سے وجہ پُوچھی تو آپ نے فرمایا کہ قرآن عزیز خود فرماتا ہے:

ولا رطب ولا یابس الا فی کتٰب مبین[1]

علماءؒ نے امام صاحب کا جواب سُن کر اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ ؎

علم دُریست نیک با قیمت
جہل دردیست سخت بے درماں

تفسیرِ صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ: تلک بمعنے ھٰذہ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ سے نازل شدہ آیات الکتاب الحکیم یعنی اس کتاب حکیم کی آیات ہیں جو آپ اور آپ کی اُمت کے لیے وراثت کے طور پر ہم نے ازل سے لکھ رکھی ہے کما قال: ثمّ اورثنا الکتٰب الذین اصطفینا من عبادنا۔

نکتہ: اس کتاب کو حکیم کہنے میں ایک لطیف اشارہ ہے کہ یہ کتاب تمام کتب کی حاکم ہے بایں معنیٰ کہ اِن کے جملہ احکام و شرائع کو منسوخ کرتی ہے اور یہ ایسی کتاب ہے کہ اسے کوئی کتاب ناسخ نہیں ہوسکتی اور اللہ تعالیٰ نے امت مصطفویہ کو تمام اُمتوں سے برگزیدہ بنایا اور صرف اسے اپنی کتاب کا وارث بنایا۔ اور وراثت کا معنیٰ یہ ہے کہ یہ اُمت قیامت تک باقی رہے گی اور یہ آپس میں ایک دُوسرے کے وارث بنتے رہیں گے۔

تفسیرِ عالمانہ اَکَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا کیا لوگوں کو تعجب ہے۔ یہ ہمزہ انکاری کفار کے تعجب سے انکار مطلوب ہے بلکہ سامعین کو ان پر تعجب دلانا مقصود ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے تعجب کو غیر محل میں استعمال کیا۔

ف: الناس سے کفارِ مکہ مراد ہیں۔

---

[1] اس سے معلوم ہُوا کہ اسقاط میں قرآن مجید بطور حیلہ دینا جائز ہے جیسا عوام اہلسنت میں رواج ہے۔

ف : ابوالبقاؒ نے فرمایا کہ :

للنّاس، عجبًا سے حال ہے اس لیے کہ یہ دراصل اَکَانَ عَجَبًا لِلنَّاس تھا اور عَجَبًا، کَانَ کی خبر ہے اور کَانَ کا اسم اَنْ اَوْحَیْنَا اِلٰی رَجُلٍ مِّنْھُمْ ہے یہ کہ ہم نے وحی بھیجی ایک ایسے مرد کی طرف جو ان میں سے ہے یعنی ان کی جنس کا ایک بشر ہے[1]

وہ اس سے متعجب ہوتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان جیسا بشر نبی بنا کر بھیجا لیکن وہ اس سے مشوش نہ ہوتے کہ انہوں نے پتھروں، لکڑیوں، پیتل اور دیگر ایسی اشیاء کو معبود بنا رکھا تھا کہ جنہیں نہ کوئی مرتبہ یا مال یا حکومت حاصل تھی یا انہیں ایسے اسباب میسر تھے کہ جن سے انہیں ذی عزت و عظمت سمجھا جاتا ہو۔ مکہ کے بیوقوف کافر کہا کرتے کہ اللہ تعالےٰ کو رسول بنانے کے لیے ابوطالب کا پروردہ یتیم ملا۔ اس کی خدائی ہیں اور کوئی ذی عزت و شان انسان نہیں تھا۔ (معاذاللہ)

وُہ اپنی کمال حماقت اور انتہائی سفاہت سے بکتے تھے۔ اُن کی نظر مادیات پر تھی اور ظاہری ٹھاٹھ پہ نظر رکھتے تھے۔ انھیں وحی و نبوت کی حقیقت سے ذرہ بھر خبر نہیں ورنہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم عزت و عظمت، حسب و نسب اور دیگر کمالات سے ان سے کچھ کم نہیں تھے بلکہ انھیں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائلِ حمیدہ اور عاداتِ کریمہ کا اعتراف تھا صرف (ظاہری طور پر) آپ کے ہاں مال نہیں تھا اور مال کی کمی انسان کی شریف النفسی اور جوہر ذاتی کے لیے دخیل نہیں بنتی لیکن چونکہ وہ دولت و دُنیا کے بھوکے تھے اس لیے وُہ آپ کی اس کمی کو دیکھ کر آپ کو رسالت سے شرفیاب پا کر انکار کر بیٹھے اور کہا :

لولا اُنزل ھٰذا القراٰن علیٰ رجل من القریتین عظیم ○[2]

کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن ان دو شہروں کے کسی بڑے آدمی پر۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

تاج شاہی طلبی گوھر ذاتی بنما
ور خود از گوھر جمشید فریدوں باشی

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

ھنر باید و فضل و دیں
کہ گاہ آید و گہ رود جاہ و مال

تفسیر صُوفیانہ "تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ تعجب کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی سے کیوں نوازا۔ وہ اس لیے کہ انھوں نے اب دیکھا کہ وہ بھی ایک مرد ہیں انہی میں سے۔ لیکن

---

[1] جیسے اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ نبی علیہ السلام بشر کی جنس سے تو ہیں لیکن حقیقت اُن کی نور ہے۔ جنسیت سے اُن کی حقیقتِ نورانیت میں فرق نہیں پڑتا۔ [2] سور۔ زخرف رکوع ۳

ہم نے اُن کی رجولیت قبل وحی اور قبل از رسالت ملاحظہ فرمائی جو دُوسروں کو وُہ رجولیت نصیب نہ تھی۔

ف: رجولیت سے صدق اللسان و دفع الاذی عن الجیران والمواسات مع الاخوان (سچی زبان والے اور ہمسائیگاں سے ایذاء ہٹانے والے اور عوام کو ہر طرح کی آسانی دینے والے) مراد ہے۔ یہ ان کے ظاہر کی حقیقت ہے اور ان کی باطنی رجولیت کا یہ حال تھا کہ انھیں ماسوی اللہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اسی راز کے تحت عورت کو نہ نوازا گیا کہ اس کی فطرت میں ایسی رجولیت نہیں رکھی گئی۔

حدیثِ معراج میں ہے:

ان اللہ تعالٰی نظر الٰی قلوب الخلق فلم یجد	اللہ تعالٰی نے اپنی مخلوق کے قلوب پر نظر فرمائی
اعشق من قلب محمد علیہ السلام فلذا	تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسا عاشق باللہ کسی کو نہ پایا۔
اکرمہ بالرؤیۃ [1]	اسی عشق کی وجہ سے صرف انہیں دیدارِ ذات سے نوازا۔

شانِ ولایت

یاد رہے کہ ولایت نبوت سے شان رکھتی ہے۔ ہر زمانہ میں اہل اللہ کی یہی شان رہی ہے کہ وہ ظاہری طور پر کسی قسم کے ٹھاٹ باٹ نہیں رکھتے جو انہیں دیکھ کر ان کی ولایت پہ انکار کرتا ہے تو اُسے کسی بھی اللہ والے کی صحبت و معیت نصیب نہیں ہوتی اور وہ ہمیشہ محروم رہتا ہے۔

اَنْ یہ مفسرہ اور فعلِ مقدر کا مفعول ہے دراصل اَوحینا الیہ شیئًا ھو یعنی ہم نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ **اَنْذِرِ النَّاسَ** کہ عالمِ دنیا کے تمام لوگوں کو ڈراؤ، صرف اہلِ مکہ مراد نہیں۔ جیسے پہلے الناس میں صرف اہل مکّہ مراد تھے اس لیے کہ فعل انذار عام ہے جو تمام لوگوں کے لیے نفع بخش ہے۔ اہلِ مکّہ کفّار ہوں یا دیگر عوام و خواص اہلِ ایمان۔

اِنذار کا معنٰی

نارِ جہنم سے جیسے کفار کو دارِ نعیم کی کمی سے ڈرانا۔ جیسے فساق اہلِ ایمان کو تبشیر سے مقدم کرنے میں یہ حکمت ہے کہ امور مالاینبغی کا ازالہ افعال ماینبغی پر عمل سے پہلے ضروری ہے اس لیے کہ نفس کا حسن نہیں نکھرتا جب تک اس کو کفر و معاصی کی تلویث سے پاک صاف نہ کیا جائے۔

قاعدہ ہے کہ گھر کو گندگیوں اور غلاظتوں سے پہلے صاف ستھرا کیا جاتا ہے پھر اس میں عطریات و خوشبوئیں چھڑکائی جاتی ہیں۔ دیکھیے طبیب بیمار کے بدن کا پہلے تنقیہ کرتا ہے پھر مواد ردیّہ نکالتا ہے، بعدہٗ مقویات استعمال کراتا ہے ایسے ہی طبیبِ روحانی امراضِ قلب کا علاج فرماتے ہیں کہ غلط عقاید اور اخلاق ردیّہ اور امراض قبیحہ کی خرابیوں کو قلب سے ہٹاتا ہے اور وہ انذار سے ہوتا ہے تاکہ اُن بُرے انجام سے ڈر کر قلب کی صفائی ہو جائے۔ پھر اسے طاعات و عبادات کی جزا بنا کر تبشیر کے میٹھے گھونٹ پلاتا ہے تاکہ اُسے خوشی ہو کہ ان طاعات و عبادات کی جزا سے اس کا جی مسرور و مفروح ہو۔ اس لیے اللہ تعالٰے نے نبوت کے ابتدائی دور میں اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

یٰۤاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ [2] — اے بالاپوش اوڑھنے والے! کھڑے ہو جاؤ۔ پھر ڈر سناؤ

---

[1] روح البیان ج ۴ ص ۵

[2] سورۂ مدثر آیت ۱، ۲

تفسیر عالمانہ

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اور ایمان والوں کو خوشخبری سناؤ نہ اہلِ کفر کو اس لیے کہ کافر جب تک کفر میں ہیں اُن کے ہاں ایسا کوئی امر نہیں جنہیں بہشت اور رحمت کی خوشخبری سُنائی جائے۔ اَنَّ لَهُمْ بایں طور کہ ان کے لیے قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ط ان کے رب کے ہاں سچ کا مقام ہے یعنی ان کے پاس اعمال صالحہ کی پُونجی ہے جس کی وجہ سے وُہ آخرت کے بلند درجات کے مستحق ہُوئے۔

قاعدہ ۱ : قدم صدق سے تعبیر کرنے میں تسمیۃ الشئ بآلۃ کا قاعدہ جاری ہے اس لیے کہ سبق و قدوم، قدم سے ہی ہوتے ہیں جیسے نعمت کو یَد سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ بھی اس لیے کہ نعمت عموماً ہاتھ سے عطا کی جاتی ہے۔

قاعدہ ۲ : قدم کی صدق کی طرف اضافت میں" اضافۃ الموصوف الی الصفۃ" کا قاعدہ ہے تاکہ اُس کے صدق و تحقق میں مبالغہ ہو گو واضح کیا گیا ہے کہ اس کا صدق و تحقق جبلی ہے اور قاعدہ ہے کہ جب کسی کو واضح تر بیان کرنا مطلوب ہوتا ہے تو اُسے اس طریق " اضافۃ الموصوف الی الصفۃ "سے لایا جاتا ہے۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا :
"قدم صدق" حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم آگے آگے اور ہم گنہگار ان کے پیچھے پیچھے بہشت میں داخل ہوں گے۔

گفتی کنم شفاعت عاصی[1] عذر خواہ
دل بر امید آں کرم افتاد در گناہ

ترجمہ : اے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ! آپ نے خود فرمایا کہ میں عذر خواہ گنہگار کی شفاعت کروں گا۔ اسی امید پر گناہ پر دل نے غلطی کر لی۔

قَالَ الْكٰفِرُوْنَ کافروں نے کہا اس سے مراد وہ کفار ہیں جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر تعجب کر کے کہا کرتے اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ○ بیشک یہ تو کھلا جادوگر ہے۔

ف : یہاں سے معلوم ہُوا کہ کفار نے نبی علیہ السلام سے چند امور بطور معجزہ دیکھے جن کے مقابلہ سے اپنے عجز کا اعتراف کیا۔

تفسیر صُوفیانہ

کافروں پر نفس فرعون کے جادوگروں کی صفات نے جادو کیا اس لیے وُہ حق کے سُننے، بولنے، دیکھنے سے بہرے گونگے اندھے ہیں اسی لیے نہ حق کو سمجھتے اور نہ داعیِ حق کی فرمانبرداری کرتے اس لیے نفس حب ریاست اور طلبِ تقدم کے لیے مارا مارا پھرتا ہے وُہ کسی کے تابع رہنے پر راضی نہیں اس کی اصلاح عبودیت یعنی ریاست کی ضد میں اُسے ذلیل کرنا لازمی ہے بلکہ کسی مرشد کی غلامی میں لگا دینا چاہیے۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

---

[1] شفاعتی لاہل الکبائر ۱۲

ہمچو استورے کہ بگریزد ز بار
او سرِ خود گیرد اندر کوہسار
صاحبش از پے دواں کاے خیرہ سر
ہر طرف گرگیست اندر قصد خر
استخوانت را نجاید چوں شکر
کہ نہ بینی زندگانی را دگر
ہین بگریز از تصرف کردنم
وز گرانی بار چوں جانت منم
تو ستوری ہم کہ نفست غالبست
حکم غالب را بود اے خود پرست
مبر آخر بود حق را مصطفیٰ
بہر استوراں نفس بر جفا
لاجرم اغلب بلا بر انبیاست
کہ ریاضت دادن خاماں بلاست

خلاصہ: وہ جانور جو بوجھ کے خطرہ سے پہاڑوں کی طرف بھاگے اس کا مالک اس کے پیچھے چل کر اسے سمجھائے کہ تُو ایسے علاقہ میں آگیا ہے جہاں تیرے خون کے پیاسے ہیں تیری بوٹی بوٹی کریں گے اس لیے مجھ سے مت بھاگ اور نہ ہی میرے بوجھ سے خوف کیجئے اس طرح تم بھی ایک جانور کی مانند ہو اس لیے کہ تمہارے اُوپر نفس غالب ہے اور ظاہر ہے کہ حکم غالب کا ہوتا ہے حضور نبی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم قبول کیجئے اور نفس جانور پر خوب بوجھ لادو۔ دیکھئے انبیاء علیہم السلام معصوم ہونے کے باوجود کتنی حرج کشی فرماتے تھے۔

نکتہ: حضرت عیسٰی علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے پُوچھا کہ انگوری کہاں سے اُگتی ہے؟

سب نے عرض کی: زمین سے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا: قلب سے حکمت بھی ایسے ہی پیدا ہوتی ہے جیسے زمین سے انگوری اُگتی ہے۔
آپ کا اشارہ اس طرف تھا کہ جیسے زمین نے تواضع کی تو ایسی انگوری اُگی، ایسے ہی جو دل انکسار و تواضع کرتا ہے اس سے حکمت نمودار ہوتی ہے۔

حدیث شریف: قولِ مذکور کی تائید حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یُوں فرمائی:

من اخلص للہ اربعین صباحًا ظھرت	جو اللہ تعالیٰ کے لیے چالیس روز خلوص کرتا ہے اس کے
ینابیع الحکمة من قلبه علیٰ لسانه۔	دل سے زبان پر حکمت کے چشمے اُبلتے ہیں۔

ف : الینابیع (چشمے) زمین سے اُبلتے ہیں اسی لیے کہ پانی کا مرکز زمین ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ چونکہ کفار نے اپنے نفوس کو تواضع و انکسار کے مرتبہ تک نہ پہنچایا۔ بنابریں حُسنِ نیت سے انذار کو قبول نہ کر سکے اس لیے میٹھے چشمے یعنی قرآن کے فیوض و برکات سے محروم رہے اور دیدارِ الٰہی کے ہجر اور جُدائی میں پیاسے رہے۔ اسی طرح جو لوگ تکبر کر کے خواہشاتِ نفسانی میں منہمک ہیں اُنھیں اپنے حبیبِ کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکمت کے چشموں سے محرومی نصیب ہوتی ہے۔ کافر کفرِ جلی کی وجہ سے قرآن کو جادو کہہ کر محروم ہوئے تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا انکار ایسے ہی مشرکین کفرِ خفی کی وجہ سے کرامات کا انکار کیا۔

منکرینِ ولایت کی علامت

حضرت امام یافعی رحمہ اللہ نے فرمایا :

ثم ان کثیرا من المنکرین یقولون للاولیأ	بہت سے اولیاء کرام پر انکار کرنے والے اُن کے
والصالحین یطیرون فی الھواء لقالوا	کرامات دیکھ کر کہتے ہیں کہ جادو اور کرامات دکھانیوالے
ھذا سحر وھؤلاء شیاطین۔	شیاطین ہیں۔ (معاذ اللہ)

انتباہ جو ازلی محروم اور حق کا منکر ہوتا ہے تو اسے غیبی امور پر ایمان نہیں ہوتا وہ ایسے امورِ عالمِ شہود میں دیکھ کر انکار کر دیتا ہے جیسے بدبختوں نے انبیاء عظام کے معجزات اور اولیاء کرام کے کرامات دیکھ کر جادو سے تعبیر کیا اور ان حضرات کو شیاطین کہا۔ (معاذ اللہ)

نسأل اللہ العفو والعافیة سرًّا وجھارًا	ہم اللہ تعالیٰ سے عفو و عافیت چاہتے ہیں اور سوال کرتے ہیں
وان یحفظنا من العقائد الزائغة والاعمال	کہ ہمیں ان عقاید و اعمال سے بچائے جو جہنم کے ایندھن
الموجبة بوارا۔	کا سبب بنتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ یہ خطاب کفارِ مکہ کو ہے بے شک تمہارا رب یعنی تمہارا مربی اور تمہارے جملہ امور کا مدبّر وہ ہے خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ جس نے تمام آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا جو کہ یہی جملہ ممکنات اور تمام اجسام کے اصول ہیں۔

سوال : اسمائے موصولہ اس لیے وضع کیے گئے ہیں کہ اِن سے ان اشیاء کی طرف اشارہ کیا جائے کہ جب وہ صلہ کے مضمون سے موصوف ہوں تو اسے مخاطب جانتا ہو۔ عرب تو نہیں جانتے کہ واقعی اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا خالق ہے۔

جواب : چونکہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا معاملہ سب کو معلوم ہے اور اہلِ عرب کی اُن کے ساتھ بہت زیادہ نشست و برخاست

تھی اور ان سے ہر وقت سُنا کرتے اس معنے پر یہ عبارت صحیح ہُوئی۔

ف : ربیع الابرار میں ہے کہ اللہ تعالےٰ نے سات آسمان اور سات زمینیں پیدا فرمائیں اور زمین کی موٹائی پانچسو سال کی، اسی طرح ہر آسمان کی موٹائی پانچسو سال کی مسافت ہے اور ہر زمین و آسمان کی درمیانی مسافت بھی پانچسو سال کی ہے ساتویں آسمان پر ایک دریا ہے جس کا عمق ان چودہ طبقات کے برابر ہے اس میں ایک فرشتہ ہے جسے وہ پانی صرف گٹنوں تک آتا ہے۔

فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ چھ دنوں میں یعنی چھ اوقات میں۔ یہاں یوم سے ایسا یوم مراد لیا گیا ہے جیسے **کُلَّ یوم هو فی شان**۔ یعنی وہ منفرد گھڑی جو قابلِ انقسام نہیں اور یوم کی شان سے اس لیے موسوم کرتے ہیں کہ شان اس میں پیدا ہوتا ہے۔ آن سے دقیقے، دقیقوں سے دُرج، درج سے ساعات اور ساعات سے یوم مقدر ہوتے ہیں۔ جب آن پھیلتی ہے تو یوم بنتا ہے اور یوم سے ہفتے اور ہفتوں سے مہینے اور مہینوں سے سال اور سالوں سے دور بنتے ہیں۔ اس سے ثابت ہُوا کہ یوم سے مطلق وہ وقت مراد ہے کہ جس پر لفظ زمان کا اطلاق ہوسکتا ہے کہ جس سے مذکورہ بالا زمانے بنتے ہیں اور آخرت کا ایک ہزار سال ہوگا اور قیامت کا ایک دن پچاس ہزار سال کا۔ اور ستۃ ایام سے ادنیٰ مقدار مراد ہے اس لیے کہ یوم کا مبدا طلوعِ شمس اور اس کا منتہیٰ غروب شمس ہے اور اس وقت نہ شمس تھا اور نہ نہار کا تصور پھر اس سے معین یعنی مقداری یوم کیسے مراد ہوسکتا ہے بلکہ اس سے مطلق اور ادنیٰ مقدار مراد ہے۔ اگر وہ ان چودہ طبقوں کو ایک لحظہ میں پیدا کرنا چاہتا تو کر لیتا۔ لیکن انسان کو سبق دیا گیا کہ دیر میں خیر ہوتی ہے۔

عجلت کار شیطان بود

ہاں توبہ میں عجلت ضروری ہے۔ اسی طرح قرض کی ادائیگی میں بھی جلدی کرنی چاہیئے مہمان کی مہمانی اور لڑکی بالغہ کا نکاح اور دفنِ میّت اور غسلِ جنابت میں بھی عجلت ضروری ہے۔

مثنوی شریف میں ہے:

مکر شیطانست تعجیل و شتاب
خوئے رحمانست صبر و احتساب
با تانی گشت موجود از خدا
تا بشش روز ایں زمین و چرخہا
ورنہ قادر بود کز کن فیکون
صد زمین و چرخ آوردی بروں
ایں تانی از پے تعلیم تست
طلب کہ آہستہ باید بے شکست

خلاصہ : عجلت اور جلد بازی شیطان کا مکر ہے اور رحمان کی صفت ہے۔ نہایت دیر سے اللہ تعالیٰ نے موجودات پیدا فرمائے۔ زمین و آسمان کی تخلیق پر چھ روز لگائے گئے ورنہ وہ قادر ہے کہ صرف کُن سے کائنات بناتا بلکہ سیکڑوں زمینیں اور آسمان کُن سے پیدا کر دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس دیر میں ہمیں سبق دیا کہ صبر میں تمہاری کامیابی ہے۔

حدیث شریف :

ان اللہ خلق التربۃ یوم السبت وخلق فیہا الجبال یوم الاحد وخلق الشجر یوم الاثنین وخلق المکروہ یوم الثلاثا وخلق النور یوم الاربعاء وبث فیہا الدواب یوم الخمیس وخلق اٰدم بعد العصر یوم الجمعہ اٰخر الخلق فی اٰخر ساعۃ من ساعات الجمعہ فیما بین العصر الی اللیل۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے خاک یعنی زمین کو ہفتہ کے دن اور اس زمین میں پہاڑوں کو اتوار کے دن اور درختوں کو پیر کے دن اور مکروہ اشیاء کو منگل کے دن اور نور کو بُدھ کے دن اور جانوروں کو خمیس کے دن اور آدم علیہ السلام کو جمعہ کی عصر اور مغرب کے درمیان پیدا فرمایا۔

سوال : قرآن پاک کی آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام اشیاء کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا اور حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں سات دنوں میں بنایا۔

جواب : آسمان و زمین اور اُن کے مابین کی اشیاء کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا اور آدم علیہ السلام چونکہ زمین سے پیدا ہوئے اس لیے انہیں اس کی فرع کی حیثیت ہے اُن کی علیحدہ تخلیق کا ذکر اُن کی عظمت شان کی وجہ سے ہے۔ (کذا فتح القریب)

نکتہ : تخلیق آدم میں تاخیر کی حکمت یہی ہے کہ انہیں چونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین کا خلیفہ اور اپنا نائب بنانا تھا، اس لیے پہلے اُن کی رعیت کی تخلیق کی گئی تاکہ اُن کی آمد سے پہلے اُن کی شان و شوکت کا اظہار ہو اور رعیت کے بغیر بادشاہ کا وجود بے نشان سا ہوتا ہے بنا بریں رعیت کی تخلیق پہلے ہوئی تاکہ خلافت اور خلیفہ کی تشریف و تکریم ہو۔

ف : میزان میں پہلے فلک نے اپنی گھڑیوں سمیت پہلا دورہ کیا اس سے ایّام کا حدوث ہوا۔ اُس وقت نہ دن تھا نہ رات اس لیے کہ دن اور رات کا حدوث تو سُورج کی وجہ سے ہُوا۔ اور وہ چوتھے آسمان پر بعد کو پیدا ہُوا اور اس کا مشرق سے مغرب تک ایک طرح کا چکر ہوتا ہے۔ (کذا فی عقلۃ المتوفز)

ف : دنوں میں سب سے پہلے اتوار کو پیدا کیا گیا اس لیے اس میں اولیت کا معنےٰ ہے اس کے دوسرے مرتبہ پر پیروار (سوموار) پیدا ہوا۔ اسے یوم الاثنین کہا جاتا ہے کیونکہ وہ یوم الاحد (اتوار) کا دُوسرا ہے۔

ف : مخلوقات کی تخلیق کے آغاز کے لحاظ سے چھٹا دن خمیس کا دن ہے۔ اس کے بعد جمعہ میں حضرت آدم کی تخلیق ہُوئی

اور اسے مستقل نہیں کہا جاتا۔

ف: سبت بمعنے راحت ہے۔ چونکہ یہودیوں نے سمجھا کہ اللہ تعالےٰ نے آسمان و زمین وغیرہا کی تخلیق سے اس دن آرام فرمایا بنا بریں یہ یوم سبت (راحت) ہے اگرچہ اُن کا یہ قول غلط ہے اس لیے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

> **وما مسّنا من لغوب۔**

لغوب بمعنے اعیاء (تھکان) یا انہوں نے عمدًا اس ارشاد کی تکذیب کی۔ اس سے ثابت ہُوا کہ یہود کے نزدیک ہفتہ کا آغاز اتوار سے ہوتا ہے۔ یہی نصاریٰ کہتے ہیں اور ان کے نزدیک یہی افضل الایّام ہے۔

اعجوبہ اور حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنیچر کے متعلق پُوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> **یوم مکر وخدیعۃ۔**
>
> وہ مکرو فریب اور دھوکہ کا دن ہے۔

ف: وُہ اس لیے کہ قریشِ مکہ (کفّار) نے دار الندوہ میں آپ سے دھوکہ و فریب دہی کے لیے اُس دن مشورہ کیا تھا۔

مسئلہ: ہفتہ، اتوار، منگل کے دنوں میں نیا کپڑا نہ خریدا جاتے۔ حضرت شیخ صدر الدین قونوی قدس سرّہٗ نے فرمایا:

> جب نیا کپڑا منحوس وقت میں خریدا جاتے یا سلایا جائے تو اس میں نحوست گھس جاتی ہے۔ اس کے تاثرات گاہے گاہے نمودار ہوتے رہتے ہیں۔

مسئلہ: اسی طرح کھانے پینے کی چیزوں کا بھی یہی حال ہے کہ اُن میں اوقات کی نحوست کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے حدیث شریف میں تنبیہہ کی گئی ہے کہ عورت اور گھوڑے اور دار میں نحوست ہوتی ہے اس سے تجربہ کار لوگوں کے بار بار تجربے شاہد ہیں ان مذکورہ بالا اشیاء کی نحوستوں کا اثر ان لوگوں کے باطنی احوال بلکہ اُن کے ظواہر سے بھی ایسے اثرات ظاہر ہوتے ہیں کہ کبھی ایسی غذا یا لباس یا اُن کے اجسام کے نقصانات متعدی ہو کر اس صاحبِ غذا و لباس و جسم و رُوح و قلب کو ملوّث کرتے ہیں۔ ایسے امور قلب و رُوح کے لیے نجاست بنتی ہے، جیسے ظاہری طور پر کپڑے گندگیوں سے آلُودہ ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی قلب و رُوح بھی گندگیوں سے ملوث ہو جاتے ہیں اور رُوح و قلب کی گندگیاں یہی ہیں جو افعال و امُور شرعًا مکروہ ہیں اور مکروہات امور و افعال محرمہ سے درجہ میں ہوتے ہیں۔

سوال: حضرت الشیخ صدر الدین قونوی قدس سرّہٗ سے سوال ہُوا کہ آپ نے تو ہفتہ کے دن کی مذمت کی ہے حالانکہ روایت میں آیا ہے: "بارك الله فی السّبت والخمیس" اللہ تعالیٰ سنیچر اور خمیس کو برکت دے۔

جواب : آپ نے تو فرمایا : ان دونوں کی یہ برکت جمعہ کی ہمسائیگی کی وجہ سے ہے۔

ف : حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پُوچھا گیا :

اتوار کے متعلق کچھ فرمایئے۔

تو آپ نے فرمایا :

اتوار باغ بُوٹی اور مکانات کی تعمیر کا دن ہے۔ وُہ اس لیے کہ اتوار کے دن میں اللہ تعالےٰ نے دُنیا اور دُنیا کے متعلقات کو پیدا فرمایا۔

ایک اور روایت میں ہے :

بنیت الجنۃ فیہ وغرست۔ اتوار کے دن بہشت تیار ہُوئی اور اسی دن بہشت کے باغات لگائے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوموار کے متعلق پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا :

یوم سفر و تجارۃ۔

یعنی وہ سفر و تجارت کا دن ہے۔

اس لیے کہ اُس دن جس نے تجارت کی تو نفع پائیگا۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے منگل کے دن کے متعلق پُوچھا گیا تو آپ نے فرمایا :

یوم دم - یعنی یہ خون کا دن ہے۔

اس لیے کہ اس دن بی بی حوا کو حیض کا آغاز ہُوا، اور اسی دن آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں میں سے ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا اور اسی دن حضرت جرجیس اور زکریا و یحییٰ علیہم السلام اور فرعون کے زمانہ کے جادوگر (جو بعد کو مُوسٰے علیہ السلام پر ایمان لا کر مومن ہو گئے) اور آسیہ بنت مزاحم یعنی فرعون کی اہلیہ اور بنی اسرائیل کی گائے اور دیگر اکابرین اسی دن شہید ہُوئے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے منگل کے دن خون نکلوانے سے سخت ممانعت فرمائی ہے اور فرمایا :

فیہ ساعۃ لا یرقاء فیھا الدم۔

اس میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ اگر خون بہہ نکلا تو اس کا بند ہونا ناممکن ہوگا۔

یعنی اگر کوئی پچھنے لگائے گا یا خون نکلوائے گا تو خُون بند نہیں ہوگا جب تک کہ وُہ انسان مر نہ جائے۔

وفیہ نزل ابلیس الی الارض وفیہ خلقت جہنم وفیہ سلط اللہ ملک الموت علی ارواح بنی آدم وفیہ ابتلی ایوب۔

اور یہ وہ دن (منگل) ہے جس میں ابلیس زمین پر اُترا اور اسی میں جہنم پیدا ہُوئی اور اس میں اللہ تعالیٰ نے

ملک الموت کو بنی آدم کے ارواح قبضہ میں دے دیئے اور اسی دن ایوب علیہ السلام بیماری میں مبتلا ہوئے۔

ف : حضرت امام ابُو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مدارس اور تعلیم کے لیے ہفتہ کے دن چھٹی ہوتی تھی۔ پھر خصاف کے زمانہ میں کبھی سوموار اور کبھی منگل کے دن چھٹی ہوتی تھی۔

ف : حضرت خصاف ۲۶۱ھ میں فوت ہُوئے۔ صاحبِ رُوح البیان کے زمانہ میں منگل اور جمعہ کے دن چھٹی ہوتی تھی۔

ف : حضرت صاحب رُوح البیان کے شیخ اور پیر و مرشد فرمایا کرتے تھے کہ چھٹی کے ایام میں سبق پڑھنا حد سے متجاوز ہونا ہے۔ اس لیے ضروری ہوتا ہے کہ ہفتہ میں ایک دن چُھٹی ہونی چاہیے تاکہ طالبِ علم کو مطلوب علم کے حصول میں فتور اور نقص پیدا نہ ہو۔

مسئلہ : اس سے ثابت ہوا کہ کبھی کبھی انسان کو آرام ضروری ہے۔ اگر سالک سلوک کی منزلیں طے کر رہا ہو تو اس کے لیے لازم ہے کہ وُہ بھی اپنے نفس کو کچھ آرام دے ورنہ مقصد فوت ہو جائے گا۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بُدھ کے متعلق پُوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

"یوم نحس" یعنی منحوس دن ہے۔

اس لیے کہ اس دن اللہ تعالٰے نے فرعون اور اُس کی قوم کو غرق کیا۔ اسی دن عاد و ثمود اور صالح علیہ السلام کی قوم کو اللہ تعالٰے نے تباہ و برباد کیا۔

مسئلہ : بُدھ کے دن ناخن کٹوانا منع ہے اس لیے کہ وُہ برص پیدا کرتا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ بدھ کے دن طبع پُرسی مکروہ ہے۔

مسئلہ : منہاج الحلیمی میں ہے کہ بُدھ کے دن زوال سے لے کر تا قبل عصر دُعا مستجاب ہوتی ہے اس لیے کہ غزوۂ احزاب میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن اسی وقت دُعا فرمائی تو آپ کی دُعا مستجاب ہُوئی

مسئلہ : بعض کے نزدیک اس دن استحمام مستحب ہے۔

ف : جو کام بُدھ کے دن شروع کیا جاتے وہ ضرور مکمل ہوگا۔ مثلاً اس دن تدریس کا آغاز ہونا چاہیے۔ صاحبِ ہدایہ کا طریقہ تھا کہ وہ اپنے ہر طالب علم کا سبق بُدھ کے دن شروع کراتے تھے اور دلیل میں یہی حدیث پیش فرماتے اور کہتے کہ میرے والدگرامی بھی اسی طرح کرتے تھے۔ اور یہی روایت اپنے شیخ احمد بن عبد الرشید سے بیان کرتے تھے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے خمیس کے دن کے متعلق پُوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

یوم قضاء الحوائج والدخول علی السلطان۔

یہ ضروریات و حوائج پُورا کرنے اور بادشاہوں (حاکموں) کے پاس جانے کا دن ہے۔

اس لیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مصر کے بادشاہ کے ہاں اُس دن تشریف لے گئے اور اُس نے آپ کا مقصد

پُورا کر دیا بلکہ بی بی ہاجرہ بھی ہدیۃً پیش کی۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جمعہ کے دن کے متعلق پُوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

یومِ نکاح - یہ نکاح کا دن ہے۔

اس دن حضرت حوا کا حضرت آدم سے اور بی بی زلیخا کا یوسف علیہ السلام سے اور بنتِ شعیب کا حضرت موسٰی علیہ السلام سے اور بلقیس کا سلیمان علیہ السلام سے اور بی بی خدیجہ اور بی بی عائشہ رضی اللہ عنہما کا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہُوا۔

مسئلہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو جمعہ کے دن ناخن کٹوائے گا اللہ تعالیٰ اس کے جسم سے بیماری دُور فرمائے گا اور اس کے جسم میں شفاء داخل فرمائے گا۔

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ تبیان میں ہے کہ قرآن مجید میں لفظ ثُمَّ پانچ طرح مستعمل ہے:

۱۔ عاطفہ جیسے ان الذین امنوا ثم کفروا ثم امنوا ثم کفروا۔

۲۔ بمعنے قبل جیسے ثم استوٰی علی العرش یہاں پر ثمّ بمعنے قبل استوی علی عرش۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ چودہ طبق کی تخلیق سے عرشِ معلّٰی پہلے تھا کما قال تعالیٰ وکان عرشہٗ علی الماء۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ آسمان اور زمین کے طبقات کی تخلیق سے عرش پہلے تھا۔ یہی آیت ثم ان مرجعھم لا الی الجحیم میں بھی ثم بمعنے قبل ہے یعنی قبل ذلک مرجعھم۔

شاعر کے شعر ذیل میں ثمّ بمعنے قبل ہے۔ ؎

قل لمن ساد ثم ساد ابوہ
ثم قد ساد قبل ذلک جدہ

ترجمہ: اسے کہہ دو جو قوم کا سردار بنا ہے اس سے قبل اس کا باپ اور اس سے پہلے اس کا دادا سردار تھے۔

اس شعر میں ثمّ بمعنے قبل ہے۔

۳۔ ثمّ بمعنے واؤ ہے جیسے ثم کان من الذین امنوا میں ثم بمعنے واؤ ہے

۴۔ ثمّ بمعنے الابتداء جیسے الم نھلک الاوّلین ثم نتبعھم الاٰخرین۔ یہاں پر نحن نتبعھم الاٰخرین میں ثم بمعنے ابتدأ ہے۔

۵۔ ثم بمعنے تعجب، کما قال تعالیٰ الحمد للہ الذی خلق السمٰوٰت والارض وجعل الظلمات ثم الذین کفروا بربھم یعدلون۔ یعنی تعجب کرو کہ دیکھو وہ کیسے اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ شرک کر رہے ہیں۔

صاحبِ رُوح البیان کی تحقیق

صاحبِ رُوح البیان نے فرمایا:

یہاں پر عرش کی عظمت اور اُس کی آسمانوں اور زمینوں پر فضیلت بیان کرنے کے لیے ہے نہ تراخی فی الوقت کے لیے۔ ثم استوٰی الی السّماء جو سورۂ بقر میں ہے تراخی فی الوقت کے لیے ہے جیسا کہ مفسرین نے فرمایا: اس معنے پر تاویل کی ضرورت نہیں۔

افلاک کی تحقیق

افلاک کے نو طبقات ایک دُوسرے پر ہیں اور فلک محیط یہی عرش معظم ہے جو تمام افلاک کو محیط ہے اسی طرح انسان کا جسم بھی نُو جواہر سے پیدا کیا گیا ہے اور وہ جواہر بھی ایک دُوسرے پر ہیں تاکہ انسان کی کمیت و کیفیت میں افلاک سے مشاکلت ہو اور وُہ نو جواہر یہ ہیں:

۱۔ چربی
۲۔ ہڈی
۳۔ جوڑ
۴۔ رگیں
۵۔ خُون
۶۔ گوشت
۷۔ چمڑہ
۸۔ بال
۹۔ ناخن

اوّل المخلوق کون

اجسام میں سے اول المخلوق عرشِ اعظم ہے اور ارواح میں ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوحِ اقدس ہے۔ اور عرشِ معلّٰی سُرخ یاقوت کا ہے، اس کے ایک ہزار پائے ہیں اور ہر پایہ میں دُنیا کے برابر جہان ہے۔

ف: حضرت ابن الشیخ نے فرمایا کہ: استواء بمعنے استیلاء۔ یعنی اپنی قدرت و غلبہ اور تصرف میں اللہ تعالیٰ اس پر غالب ہے۔

نکتہ: عرش کی تخصیص اس لیے کی گئی کہ وہ اعظم المخلوقات ہے تاکہ تنبیہ ہو کہ جب وُہ بہت بڑی مخلوق پہ غلبہ رکھتا ہے تو جو اس سے درجہ میں کم ہیں تو بطریق اولٰی ان پر بھی غلبہ رکھتا ہے۔

ربط: مدادی نے فرمایا کہ جیسے ثمّ استوی علی العرش پر داخل ہے ایسے ہی آنے والے جملے میں بھی داخل ہے گویا فرمایا کہ ثمّ "یُدَبِّرُ الْاَمْرَ" کام کی تدبیر کرتا ہے حالانکہ وہ مستوی علی العرش ہے اور جملہ امور عرش کے نیچے سے نازل ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دُعا کے وقت عرش کی طرف ہاتھ اُٹھائے جاتے ہیں۔

ف: قاضی بیضاوی نے فرمایا:

یدبر الامر بمعنے یقدر امر الکائنات الخ یعنی اللہ تعالےٰ اپنی کائنات کے جملہ اُمُور کی تدبیر کرتا ہے جیسے اس کی حکمت کا تقاضا ہوتا اور اس کی تقدیر چاہتی ہے پھر اس کے مطابق اسباب بناتا اور انہی

اسباب کو اپنی طرف سے نازل کرتا ہے۔ التدبیر بمعنے النظر فی ادبار الامور لتجی محمودة العاقبة۔ تدبیر امور کے انجام پر غور کرنا تاکہ بہتر انجام نصیب ہو۔

خدائی بندوں کے ہاتھ میں

عمرو بن مُرہ فرماتے ہیں: باذنِ الٰہی چار فرشتے امرِ دُنیا کی تدبیر بناتے ہیں:

۱۔ جبرائیل علیہ السلام ۲۔ میکائیل علیہ السلام ۳۔ ملک الموت علیہ السلام ۴۔ اسرافیل علیہ السلام

○ جبرائیل علیہ السلام ہواؤں اور جنودِ ربانی پر،

○ میکائیل علیہ السلام بارش کے قطروں اور انگوریوں پر،

○ ملک الموت نفوس پر،

○ اور ملائکہ مذکور جن امور پہ مامُور من اللہ ہوتے ہیں وہ امر من اللہ اسرافیل علیہ السلام لاتے ہیں۔

تفسیر صُوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے: خلق السمٰوٰت والارض اللہ تعالےٰ نے عالم صورة وعالم اکبر میں ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں پیدا فرمائیں فی ستةِ ایام۔ چھ دنوں میں۔ یعنی چھ انواع سے، اور وہ یہ ہیں:

۱۔ افلاک ۲۔ کواکب ۳۔ عناصر ۴۔ حیوان ۵۔ نبات ۶۔ جماد

ثم استوی علی العرش عرش جسمانی بھی روحانی بھی۔ یعنی عرش میں دونوں جہتیں ہیں۔ جہت روحانی سے روحانیوں سے اور جہت جسمانی سے جسمانیوں سے متعلق ہیں یدبّر الامر عرش پر فیض رحمانیہ کے لیے فیضان کے لیے امور کی تدبیر کرتا ہے اس لیے کہ عرش نے ہی سب سے پہلے فیض رحمانی کو قبول کیا الرحمٰن علی العرش استوٰی کی ایک تفسیر یہی ہے پھر عرش سے ہی مستحقین کا فیض تقسیم ہوتا ہے گویا رحمانی فیض کی تقسیم گاہ عرشِ الٰہی ہے۔ اسی عرش سے تمام مخلوقات کو فیض پہنچتا ہے یہاں تک کہ افلاک کو تاثیر یہاں سے حاصل ہوتی ہے اور کواکب اسی سے تاثیر پاتے ہیں عناصر کے توالد کا اثر پاتا ہے اس سے ہی نباتات حرکت پاتی ہے اس سے معاون کو اثرات نصیب ہوتے ہیں۔

دیگر تفسیر صُوفیانہ

انّ ربکم اللہ الذی تمہارا وہ معبود جو تمہاری تربیت کرتا ہے۔ خلق السمٰوٰت جس نے ارواح کے آسمان والارض اور تمہارا عالمِ معنیٰ، یعنی عالمِ اصغر میں تمہارے نفوس کی زمین کو پیدا فرمایا فی ستةِ ایام چھ انواع میں۔ وہ چھ انواع یہ ہیں:

○ رُوح ○ قلب ○ عقل ○ نفس یعنی رُوحِ حیوانی ○ نفس نباتیہ یعنی نیامیہ ○ خواص المعادن

یہ ایک قوت ہے جو انسان میں ہوتی ہے جس سے وہ احوال واوصاف اور ان کے تغیّر کو قبول کرتا ہے۔

ثم استوٰی علی العرش یہاں پر عرش سے قلبِ انسانی مراد ہے۔ یدبّر الامر یعنی امر سعادت وشقاوت کی تدبیر بناتا اور اخلاق واحوال واعمال وافعال وحرکات وسکنات کے اسباب تیار فرماتا ہے۔

حدیث شریف قلوب العباد بیدی اللہ یقلبھا کیف یشاء کا اسی طرف اشارہ ہے۔ یعنی بندوں کے قلوب اللہ تعالےٰ کے دونوں ہاتھوں میں ہیں وُہ انھیں بدلتا ہے جس طرح چاہتا ہے۔

مَامِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ مگر اس کے اذن کے بعد یعنی جس کے لیے اس کی حکمت کا تقاضا ہوگا وہی شفاعت کرے گا۔

ف: اس میں بُت پرستوں کے اس قول کا ردّ ہے کہ بُت ان کی شفاعت کریں گے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ ملک مقرب اور نبی مرسل کسی کی شفاعت نہیں کریں گے سوائے اس کے جس کی اللہ تعالیٰ اجازت دے گا اور جس سے صرف وہی راضی ہوگا۔

ف: آیت سے ثابت ہُوا کہ آیت میں شفاعت کی نفی بتوں کے لیے ہے اس لیے کہ انہیں عقل ہے نہ شعور۔

عقیدہ: آیت سے واضح ہُوا کہ ماذون لہٗ انبیاء و اولیاء قیامت میں گنہگار بندوں کی شفاعت کریں گے۔

ذٰلِكُمُ وُہ عظیم الشان رب تعالےٰ جس کی صفات و کمالات اوپر مذکور ہُوئے۔

سوال: یہ اشارہ محسوس مشاہد کے لیے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات نہ محسوس ہے نہ مشاہد۔

جواب: مجازاً اُس کی طرف ایسا اشارہ جائز ہے جبکہ اُس کے کمالات و صفات اس کی ذات پر دلالت کرتے ہیں۔

سوال: بہشت محسوس مشاہد نہیں لیکن اس کی طرف تلك الجنۃ کہہ کر اشارہ کیوں جاتا ہے۔

جواب: اُس کے اوصاف بیان کر کے بندوں کے ذہنوں میں ایسا واضح کیا گیا ہے کہ گویا وہ محسوس و مشاہد ہے۔

اللہُ یہ ذٰلِکُمْ کی خبر ہے کہ یہ صفت اور مابعد اُس کی خبر ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ صفت اور مابعد اس کی خبر ہو۔ چنانچہ کاشفی نے ترجمہ کیا کہ:

● آن خداوندیکہ موصوف است بصفات خلق و تدبیر و استیلاء

وُہ اللہ جو صفاتِ خلق و تدبیر و استیلاء سے موصوف ہے رَبُّكُمْ وہی تمہارا رب ہے نہ کوئی اور، اس لیے کہ ان صفات میں اس کا اور کوئی شریک نہیں۔

ف: حضرت ابوالسعود رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ ربکم یا اللہ کا عطف بیان یا بدل۔ یا اسم اشارہ کی دُوسری خبر ہے۔

فَاعْبُدُوْهُ ؕ پس اُسی کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی دُوسرے مَلک یا انسان کو شریک نہ کرو چہ جائیکہ پتھروں کو جو نہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ○ کیا تم دھیان نہیں کرتے یعنی سوچتے نہیں ہو کہ معمولی سے نظر و فکر سے تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ عبادت و ربُوبیت کا مستحق صرف وہی ہے نہ یہ تمہارے بُت کہ جن کی تم پرستش کرتے ہو اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ؕ تم سب کو اُسی کی طرف پھرنا ہے۔ مَوت اور بعثت و نشر سے نہ کسی دُوسرے کی طرف ہی اُسی کی حاضری کے لیے تیاری کرو۔

ف: جمیعاً ضمیر مجرور سے حال ہے اس لیے کہ وہ معنےً فاعل ہے۔ دراصل عبارت یوں ہوگی: اِلَيْهِ رُجُوْعُكُمْ مُجْتَمِعِيْنَ۔

تفسیر صُوفیانہ

اِلَیۡہِ مَرۡجِعُکُمۡ جَمِیۡعًا یعنی اللہ تعالٰے کے حضور میں ہر مقبول و مردُود نے حاضر ہونا ہے۔ مقبول کی حاضری جذبات عنایت سے جیسے ارجعی الی ربك کے خطاب سے نوازا گیا در حقیقت یہ جذبات وُہ ہیں کہ جن سے قلب ذاتِ حق کی طرف منجذب ہو جاتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ نفس دنیا اور اس کے تمام متعلقات سے مستغنی ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اس کے نزدیک سونا اور مٹی کا ڈھیلا برابر ہوتا ہے۔ اور دل ماسوی اللہ سے بالکل فارغ ہو جاتا ہے۔ رُوح بحرِ شوق و محبت میں ڈوب جاتی ہے اور ماسوی اللہ اس کی پروا نہیں ہوتی۔ انسانی سرّ (راز) شہودِ حق میں مصروف ہو کر خلق سے رُوگردانی کرلیتی ہے اور مردُود اللہ تعالٰے کے ہاں لوہے کی بیڑیوں اور زنجیروں میں بے اختیاری سے گرفتار ہو کر حاضری دیتا ہے۔ حکم ہوتا ہے کہ اُسے منہ کے بل گھسیٹ کر جہنّم میں لیجایا جاتے۔ اُس وقت اُس پر قہرِ حق کی صفت ظاہر ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وُہ دُنیا اور اُس کے متعلقات میں پھنس جاتا ہے اور اس پر نفس کے صفات جیسے حرص و بخل، غلط آرزو، کبر و غضب، شہوت و حسد، کینہ و عداوت اور لالچ سوار ہو جاتے ہیں۔ یہی ہر ایک کے لیے بیڑیاں اور لوہے کی زنجیریں ہیں جن سے انھیں نارِ جہنم میں ڈالا جاتا ہے۔ وَعۡدَ اللّٰہِ حَقًّا ؕ اللہ تعالٰے کا وعدہ جو اس سے فرمایا کہ تم نے قیامت میں مرنے کے بعد اٹھنا ہے حَقًّا سچ ہے۔ اس میں کسی قسم کا شک نہیں۔ وَعۡدَ اللّٰہِ مصدر (مفعول مطلق) موکد لنفسہ ہے اس لیے کہ اِلَیۡہِ مَرۡجِعُکُمۡ بھی مرنے کے بعد اُٹھنے کا وعدہ ہے پھر اسے وعد اللہ حقًّا کہنے سے اس کا اعادہ ہو گیا۔ اس بنا پر اسے مؤکد لنفسہ کہا گیا۔ حقًّا مصدر (مفعول مطلق) موکد لغیرہ ہے اس لیے کہ یہ وعد اللہ کے مدلول کی تاکید کے لیے ہے اس لیے کہ مدلول علیہ میں غیر کا احتمال ہے۔ اس احتمال کو دُور کرنے کے لیے حقًّا لایا گیا ہے ای حق ذٰلك حقًّا۔ اِنَّہٗ بے شک اللہ تعالٰے یَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ پہلی بار بناتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے بَدَأَ اللّٰہُ الۡخَلۡقَ ای خلقھم (کذا فی القاموس) یعنی انھیں اللہ تعالٰے نے فرمایا ثُمَّ یُعِیۡدُہٗ پھر انھیں دُنیا میں پیدا کیا تاکہ مکلف بنا کر عبادت پر مامور فرمائے ثمّ انھیں ان کے آجال کے اختتام پر انھیں فوت کرے گا۔ موت کے بعد پھر انھیں اٹھائے گا۔ یہ جملہ مستانفہ بمعنے تعلیل کے ہے اس لئے کہ اس کی طرف سب کو ضروری لوٹنا ہے لِیَجۡزِیَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یہ یُعِیۡدُہٗ کے متعلق ہے تاکہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے انھیں اپنے فضل اور لطف و کرم کے لائق ایسا صلہ عنایت فرمائے کہ جسے کسی نے نہ دیکھا اور نہ سُنا اور کسی کے تصور میں آسکے بِالۡقِسۡطِ ؕ یجزی کے متعلق ہے بمعنے بالعدل یعنی نیک کو ثواب عنایت فرمائے گا تو مکمل کہ اس میں کسی قسم کی کمی نہیں ہو گی اور بُرے کو بھی سزا دے گا تو پُوری پُوری کہ اس سے ذرہ برابر بھی زیادتی نہیں ہو گی بلکہ ہر ایک کو اپنے عمل کے مطابق جزا و سزا ملے گی کما قال تعالٰی جزاو فاقًا۔ وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَہُمۡ شَرَابٌ مِّنۡ حَمِیۡمٍ اور کافروں کے لیے پینے کا گرم پانی کہ جب وُہ اسے پئیں گے تو اُن کی آنتیں اور دل و جگر پاش پاش ہو جائیں گے وَّعَذَابٌ اَلِیۡمٌ ○ اور دردناک عذاب کہ جس کے درد کا اثر دل پر پڑے گا بِمَا کَانُوۡا یَکۡفُرُوۡنَ یہ مرفوع ہے اس لیے کہ عذاب کی دُوسری صفت ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسے مبتدا محذوف کی خبر بنایا جائے۔ اس وقت عبارت

یُوں ہوگی ذلك المذكور من الشراب والعذاب حاصل لهم بسبب كفرهم بالله ورسوله یعنی شراب و عذاب مذکور جو انھیں حاصل ہوگا وہ اُن کے اللہ جل جلالہٗ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر کی وجہ سے ہے۔

سوال: ولیجزی الخ کے بجائے بشراب الخ کیوں نہ فرمایا اس قدر طویل عبارت کیوں۔

جواب: تاکہ تنبیہ ہو کہ مقصود بالذات ثواب و عتاب ہیں جو ابداد و اعادہ کی وجہ سے واقع ہوئے۔

ف: دُنیا آخرت کی کھیتی ہے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے تمام مخلوق کو موت کے بعد لوٹائے گا تاکہ ہر شخص اپنی کھیتی کاٹ سکے۔

سبق: جو دُنیا میں نیکی کرتا ہے اُسے آخرت میں اچھا پھل ملے گا اور جو بُرائی کرتا ہے وُہ ندامت اور خجالت پائے گا۔ ؎

جملہ دانند ایں اگر تو نکردی
ہر چہ کاریش روزے بدردی

ترجمہ: سب کو معلوم ہے جو کچھ بوؤ گے وُہی اٹھاؤ گے۔

نکتہ: قادر کو اپنی قدرت سے اس دنیا میں ہر نیک اور بد کو اچھی اور بُری جزا دے سکتا تھا لیکن بجائے دُنیا کے آخرت میں جزاء و سزا کو موخر فرمایا کہ عالمِ دُنیا کو وہ طاقت و قوت نہیں کہ جزا و سزا کو برداشت کر سکے اور اللہ تعالیٰ کے ہر فعل میں حکمت ہوتی ہے۔

سبق: جب یہ کیفیت ہے تو بندے کو اللہ تعالےٰ سے ہر وقت ڈرنا چاہیے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ بڑا غیور ہے وُہ نہیں چاہتا کہ اس کا بندہ اس کے احکامات کی مخالفت کر کے اس کی طاعات کے دائرہ سے نکل کر باہر جائے۔

بجلی کا کرنٹ اور شبر و شبیر کی کہانی

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ دَورِ سابق میں بیت المقدس پر ہر رات ایک ہزار ٹیوبوں (TUBES) (گیس لالٹین) سے چراغاں ہوتا۔ ان کے لیے تیل طورِ سینا سے لایا جاتا جو قدرتی طور پر اونٹ کی گردن کے مشابہ کوئی چیز ظاہر ہوتی اس میں تیل کا مشکیزہ ہوتا اس تیل سے یہی ایک ہزار ٹیوبیں (گیس لالٹین) روشن ہو جاتیں۔ تیل ڈالنے میں اور آگ جلانے میں کسی انسان کو دخل نہ تھا۔

حضرت ہارون علیہ السلام کے دوُ صاحبزادوں شبر و شبیر کو صرف اتنا حکم تھا کہ وہ وقت مقررہ پر ٹیوبوں (گیس وغیرہ) کی دیکھ بھال کریں لیکن انھیں ہاتھ مت لگائیں اور نہ ہی انہیں دُنیوی آگ سے روشن کریں۔ ایک دن اُن سے غلطی ہُوئی کہ دُنیوی آگ سے اُنھیں جلا دیا تو ان ٹیوبوں (گیس وغیرہ) سے ایک آگ نکلی جو شبر و شبیر کو لپٹی اور انہیں آنکھ جھپکنے سے پہلے ہی فنا کر گئی۔ اس کیفیت سے شور برپا ہُوا۔ حضرت مُوسیٰ علیہ السلام کو جب یہ واقعہ سنایا گیا تو حضرت مُوسےٰ علیہ السلام نے بارگاہِ ایزدی میں عرض کی کہ اے الہ العٰلمین! یہ میرے بھتیجے ہیں اور تیرے گھر کے خدام۔ ان کی معمولی سی غلطی سے اتنی ناراضگی۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: یہی تو وجہ ہے کہ میرے محبوب اور پیارے ہو کر انہوں نے غلطی

کیوں کہ میرے محبوبوں اور دوستوں سے جب غلطی سرزد ہو جائے تو ان کے ساتھ میں ایسے کر لیتا ہوں تاکہ میرے دشمنوں اور نافرمانوں کو عبرت حاصل ہو۔

اعجوبہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جہنم کے تھوہر کا ایک قطرہ اگر زمین پر گرے تو روئے زمین کی تمام انگوریوں کا ذائقہ بگڑ جائے گا۔

سبق: غور کیجئے جب اس کے ایک قطرے کا یہ حال ہے تو اس بدبخت کا کیا حال ہوگا جسے جہنم میں غذا کے طور کھانا پڑے گا اور پینے کے لیے گرم پانی ملے گا۔ (نعوذ باللہ منہا)

نسخۂ رُوحانی

جو شخص مبداء و معاد کو یاد کر کے غور و فکر میں ڈوب جاتا ہے کہ آخر فنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا ہے تو ایسے شخص کو غلطیوں اور گناہوں سے توبہ کرنے کا موقعہ نصیب ہوتا ہے اور وہ الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت کے زمرہ میں شریک ہو جاتا ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا بلغ العبد اربعین سنةً ولم یغلب
خیرہ شرہ قبل الشیطان بین عینیہ
وقال فدیت وجہا لا یفلح ابدا۔

جو چالیس سال کی زندگی ختم کرلے لیکن اس کی برائیوں پر اس کی نیکیوں کا غلبہ نہ ہو تو شیطان اس کا منہ چومتا ہے اور کہتا ہے قربان جاؤں یہ وہ چہرہ ہے جو دائمی طور فلاح سے محروم رہا۔

شیطان کا واویلا

اگر کسی بندے پر اللہ تعالےٰ کا فضل و کرم ہوا اور اس کو گناہوں سے توبہ کرنے کی توفیق بخش کر اسے جہالت کے گڑھے سے نکالتا اور گمراہی کی خرابیوں سے بچاتا ہے تو شیطان کہتا ہے: ہائے افسوس! اس کی زندگی گناہوں میں بسر ہوئی جس کے گناہوں سے میری آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچتی تھی لیکن شومیِ قسمت سے اللہ تعالےٰ نے اسے توبہ کی توفیق بخشی جس سے اس کے تمام گناہ بخش دیے گئے اور وہ نورِ طاعت سے سرفراز ہوا۔

مثنوی شریف میں ہے: مرد اول بستہ خواب و خورست
آخر الامر از ملائک برتر است
در پناہ پنبہ و کبریتہا
شعلۂ نورش بر آید بر تہا

خلاصہ: انسان پہلے تو خواب و خور کا پابند ہوتا ہے لیکن جب ترقی کرتا ہے تو ملائکہ سے بھی افضل ہو جاتا ہے جیسے پہلے آگ کا انگارہ معمولی سا ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ جب رُوئی اور کپڑا ملتے ہیں تو بہت بڑی آگ بن جاتی ہے۔ ایسے ہی انسان پہلے تو گندے پانی اور بے قدر مٹی سے مرکب ہو کر ظاہر ہوتا ہے پھر اسے کسی کامل کی تربیت یا بلاواسطہ فیض ربانی نصیب ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسا برگزیدہ ہو جاتا ہے کہ اس کی پرواز سے ملائکہ عاجز ہوتے ہیں اور عام انسانوں میں رہ کر اُونچی شان کا مالک ہوتا ہے۔ (نسأل اللہ العنایة والتوفیق)

تفسیر عالمانہ

هُوَ الَّذِیْ اللہ تعالیٰ وُہ ہے جس نے اپنی قدرت سے **جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً** سُورج کو روشنی والا بنایا تاکہ تمام کائنات اس سے مستنیر ہو۔ سُورج کے عین سے استفادہ نہیں کیا جاتا بلکہ اس کی روشنی سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے یا معنیٰ یہ ہے کہ سُورج کو پیدا فرمایا درانحالیکہ وہ صاحب ضیا۔

ف : ضیاء دراصل ضواء تھا۔ واؤ کو یا سے تبدیل کیا گیا۔ اس کے ماقبل کی کسرہ کی وجہ سے واؤ یا سے بدل گئی۔ اور الشمس، شمسة القلادة سے ماخوذ ہے اور شمسة سب سے اچھے موتی کو کہتے ہیں جو سب سے بڑا اور نفیس ترین اور زیادہ قیمتی ہوتا ہے (اسے فارسی میں میانگین کہا جاتا ہے)

سُورج بھی ایک ستارہ ہے لیکن چونکہ ستاروں میں اُس کی موتی کی حیثیت ہے اس لیے اسے اس نام سے موسوم کرتے ہیں۔ (کذا فی شرح التقویم)

وَّالْقَمَرَ یعنے چاند۔ قمر بمعنے سفیدی وزردی کی ملاوٹ۔ جس گدھے کا رنگ سفید اور زرد ہو، اسے ابیض فی صفوۃ کہا جاتا ہے۔ چونکہ چاند کا رنگ سپیدی وزردی ملا ہوتا ہے اس لیے اسے قمر سے موسوم کرتے ہیں۔

نُوْرًا چاند کو نورانی بنایا، اس لیے کہ وُہ رات کو چمکتا ہے۔

ف : ضیاء، نور سے وضع واستعمال کے لحاظ سے قوی تر ہوتا ہے اسی لیے ضیاء سُورج کی طرف اور نور چاند کی طرف منسوب ہوتا ہے۔

ف : حکماٗ فرماتے ہیں کہ ضیاء ذاتی نور کو کہا جاتا ہے جیسے سُورج کا نور ذاتی ہے اور جس کا نُور بالعرض ہو اس پر نور مستعمل ہے جیسے زمین پر چمکنے والی روشنی۔ اس سے ثابت ہُوا کہ نور القمر مستفاد من الشمس یعنی چاند کا نُور سُورج سے حاصل ہوتا ہے۔ اس سے واضح ہُوا کہ چاند ایک صیقل شدہ ظلمانی اور روشنی قبول کرنے والا ایک جسم ہے جب وہ سُورج کے بالمقابل ہوتا ہے تو سورج کے عکس سے نور سے بھر جاتا ہے اس وجہ سے زمین پر اس کی روشنی پڑتی ہے۔ ؎

نورِ ہستی جملۂ ذرّات عالم تا ابد
میکنند از مغربے چوں ماہ از مہر اقتباس

ترجمہ : تمام عالم اللہ تعالٰے سے تاباں ہے جیسے چاند سُورج سے نُور حاصل کر رہا ہے۔

سُورج اور چاند کی شرعی تحقیق

مذکورہ بالا حکماء کی تحقیق شرعی تحقیق کے خلاف ہے اس لیے کہ اسلة الحکم ہیں ہے کہ

حدیث شریف ۱ میں ہے :

ان الله خلق شمسين نيّرين قبل خلق الا فلاك ۔

اللہ تعالٰے نے دو نورانی سورج اور چاند افلاک کی تخلیق سے پہلے پیدا فرمائے۔

حدیث شریف ۲ : ایک اور روایت میں ہے کہ ؛

ان الله خلق نور القمر سبعين جزء وكذا بے شک اللہ تعالٰے نے چاند کا نور سُورج کی طرح

نور الشمس ثم امر جبریل فمسحہ بجناحیہ فمحا من القمر تسعۃ وستین جزء فحولہا الی الشمس فاذہب عنہ الضوء وابقی فیہ النور والشمس مثل الارض مائۃ وستا وستین مرۃ وربعا ثم جرم الارض والقمر جزء من تسعۃ وثلاثین وربع ما فی الواقع۔

ستر جز بنائے اس کے بعد جبریل کو حکم فرمایا کہ وہ اپنے پروں سے چاند کے انہتر اجزا نکال کر سورج پہ ڈال دے اس کے بعد چاند میں صرف ایک حصہ نور کا رہا اور سورج کا طول وعرض زمین کے طول وعرض سے ۱۶۶ بار زاید ہے اس معنے پر زمین اور چاند کا طول وعرض سورج کے بالمقابل صرف سوا انتیس حصص پر مشتمل ہے۔

حدیث شریف ۳: مروی ہے کہ:

ان وجوھہما الی العرش وظہورھما الی الارض تضئ وجوھہما لاھل السمٰوٰت السبع وظہورھما لاھل الارض السبع۔

چاند اور سورج کے چہرے عرش کی جانب اور انکی پیٹھ زمین کی طرف ہے۔ ان کے چہرے ساتوں آسمان والوں کو نور دے رہے ہیں اور ان کی پیٹھ ساتوں زمین والوں کو۔

ف: مشہور ہے کہ جب زمین والوں کا دن ہوتا ہے اس وقت زمین کے نیچے والوں کے لیے رات ہوتی ہے۔ اس کے برعکس یعنی جب زمین کے نیچے والوں کا دن ہوتا ہے تو زمین کے اُوپر رہنے والوں کے لیے رات ہوتی ہے۔

حدیث شریف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

ان فی الارض الثانیۃ خلقا وجوھہم وابدانہم وایدیہم کوجوہ بنی آدم وابدانہم وایدیہم وافواھہم کافواہ الکلاب وارجلہم واذانہم کارجل البقر واذانہا وشعورھم کصوف الضان لا یعصون اللہ طرفۃ عین لیلنا نہارھم ونہارنا لیلہم۔

(کذا فی ربیع الابرار)

دُوسری زمین میں ایسی مخلوق ہے جن کے چہرے اور بدن اور ہاتھ آدمیوں کی طرح ہیں بعضوں کے منہ، ابدان اور ہاتھ کتوں کی طرح اور ان کے پاؤں اور کان گائے کی طرح اور ان کے بال بھیڑ کی طرح۔ لیکن آنکھ جھپکنے کے برابر بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے جب ہماری رات ہوتی ہے ان کا دن ہوتا ہے اور جب ہمارا دن ہوتا ہے تو اُن کی رات۔

سُورج افضل ہے یا چاند

بعض کے نزدیک چاند سورج سے افضل ہے اس لیے کہ چاند مذکر ہے اور سُورج مؤنث۔ اور قاعدہ ہے کہ مونث مذکر کی فرع ہے اور اصل فرع سے افضل ہوتا ہے۔ یہی اصح واشہر ہے۔

سوال: آیات قرآنیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سورج افضل ہے کیونکہ ہر جگہ سورج کا ذکر پہلے آیا ہے۔

جواب: کسی کا پہلے مذکور ہونا افضلیت کی دلیل نہیں کیونکہ قرآن مجید میں بہت سی بزرگ ترین اشیاد مؤخرا لذکر ہیں۔ کما قال،

فَمِنْکُمْ کافر و منکم مومن۔ تم میں بعض کافر ہیں اور بعض مومن۔

اور فرمایا:

وجعل الظلمات والنور۔ اور اللہ تعالےٰ نے ظلمات اور نور پیدا فرمایا۔

دکذا فی اسئلۃ الحکم)

فیصلہ از صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: صرف تذکیر و تانیث سے افضلیت ثابت کرنے سے افضلیت ثابت نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں جس تذکیر و تانیث سے افضلیت ثابت ہوتی ہے وہ تانیث حقیقی ہے۔ تانیث لفظی کسی نے ثابت نہیں کی اور نہ ہی اس سے افضلیت ثابت ہو سکتی ہے کیونکہ بہت سے مردوں کے نام تانیث لفظی سے عرب میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً طلحۃ، اس میں تانیث لفظی ہے لیکن نام مذکر کا ہے۔ اس بنا پر چاند کی تذکیر سے سورج کی تانیث پر افضلیت ثابت نہ ہوئی۔ کسی شاعر نے کیا خوب فرمایا ہے: ؎

ولا التانیث عار لاسم شمس
ولا التذکیر فخر للھلال

ترجمہ: نہ تانیث سورج کے لیے عار کا موجب ہے اور نہ ہی تذکیر چاند کے لیے فخر کا باعث ہے۔

نیز سورج کی تمام طبائع نباتیہ و معدنیہ وحیوانیہ پر سلطنت ہے اس لیے کہ کوئی کھیتی اُگتی ہے یا کوئی میوہ یا کسی شے میں لذت اور چاشنی پیدا ہوتی ہے تو باذن اللہ تعالےٰ تمام سورج کا فیض ہے۔

ف: کھیتیاں سورج سے پکتی ہیں ان پہ رنگ چاند سے چڑھتا ہے ان میں ذائقہ ستاروں سے آتا ہے۔

لطیفہ: اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ:

حوصلہ میں زمین کی طرح، سخاوت میں جاری پانی کی طرح، رحمت میں سورج اور چاند کی طرح ہونا، کیونکہ یہ دونوں ہر ایک کو روشنی پہنچاتے ہیں، نیک اور بد کو نہیں دیکھتے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

نظر کردن بدرویشاں منافی بزرگی نیست
سلیمان با چناں حشمت نظرہا بود با مورش

سلیمان علیہ السلام اتنی بڑی شان و شوکت کے باوجود ہر چھوٹے بڑے پر نگاہ رکھتے تھے یہاں تک کہ چیونٹی پر بھی۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رُوح کو نورانی بنایا۔ اُس کے اندر سُورج کی طرح ضیاء (روشنی) ہے۔ اور قلب کو چاند کی طرح صاف و شفاف بنایا جو نور و ظلمت کو قبول کرتا ہے اور نفس کو زمین کی طرح ظلمانی بنایا۔ جب قلب چاند اور رُوح سورج کے بالمقابل ہوتی ہے تو قلب اس سے منور اور روشن ہوجاتا ہے۔ اور جب نفس زمین کے بالمقابل ہوتا ہے تو اس کے ظلمات کا اس پر عکس پڑتا ہے۔

ف: قلب کو دُو وجوہ سے قلب کہا جاتا ہے:

۱۔ جسم کے درمیان ہونا۔ چُونکہ یہ رُوح و نفس کے درمیان واقع ہے، بنا بریں قلب کے نام سے موسوم ہُوا۔

۲۔ قلب بمعنے بدلنا۔ چونکہ اس کے احوال متبدل ہوتے رہتے ہیں کہ رُوح کا فیض قبول کرتا ہے تو نورانی ہوجاتا ہے اگر نفس کی صفات قبول کرتا ہے تو ظلمانی ہوجاتا ہے۔

لطیفہ: صاحبِ رُوح البیان فرماتے ہیں کہ میرے شیخ قدس سرہٗ نے فرمایا: ہم دُو نوروں کے درمیان ہیں:

○ شمس حقیقۃ کا نور ○ قمر شریعت کا نور

جب حقیقت کا دن ہوتا ہے تو ہم حقیقت کے نُور سے روشنی پاتے ہیں۔ جب شریعت کی رات آتی ہے تو ہم شریعت کے چاند کے نُور سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔ اس معنے پر ہم نورانی لوگ ہیں کہ شریعت کے نور سے حقیقت کے نور کی طرف پرواز کرتے ہیں۔ اس لیے ہم کبھی روشنی میں ہوتے کبھی اندھیرے میں یعنی کبھی تجلیات سے متجلی ہوتے اور کبھی ان تجلیات سے محجوب۔ نورِ الٰہی کا نور جب ہمارے قلوب، ارواح اور اسرار پر متجلی ہوتا ہے تو ہمیں صرف وہی کافی ہے۔ اس کے بعد ہمیں اور کسی شے کی ضرورت نہیں۔ اور جب ہمارے آگے حجابات حائل کردیے جائیں تو بھی ہمیں ملول نہیں ہونا چاہیے کہ ہمارے پاس اس وقت شریعت کے چاند کا نُور موجود ہوتا ہے پھر ہمیں کسی کی محتاجی کیوں۔

وَقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ اور ان دونوں (سورج اور چاند) میں سے ہر ایک کی منزلیں مقدر فرمائی ہیں کہ وہ نہ تو ان منزلوں سے تجاوز کرسکتے ہیں نہ کوتاہی۔ یہاں حرفِ جر محذوف ہے۔

بروجِ شمس کی تفصیل

شمس کی منازل سے اس کے بروج مراد ہیں اور سُورج کے بارہ بروج ہیں۔ ان میں تین بروج ربیع ہیں: ۱۔ حمل ۲۔ ثور ۳۔ جوزا

یہ تینوں ربیعہ شمالیہ ہیں اور شمال قبلہ کی بائیں جانب کو کہتے ہیں۔ (بروج کو ان اسمأ سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کواکب جو فلک میں مرکوز ہیں ان کا نام ان کے ہمشکل کے اسماء پر رکھے گئے۔ مثلاً جو شیر کی شکل میں ہے اس کا نام اسد ہے۔ جو بیل کی شکل میں ہے اس کا نام ثور وغیرہ وغیرہ۔

تین بروج صیف ہیں: ۱۔ سرطان ۲۔ اسد ۳۔ سنبلہ

ف: سرطان کی ابتداء انقلاب صیفی سے ہوتی ہے۔ یہ تینوں صیفی شمالی ہیں۔ تینوں بروج خریف ہیں:

۱۔ میزان ۲۔ عقرب ۳۔ قوس

ف: میزان کی ابتدا نقطۂ اعتدال سے ہوتا ہے اور یہ تینوں خریفی جنوبی ہیں۔ تین بروج شتائی ہیں؛

۱۔ جدی ۲۔ دلو ۳۔ حوت

جدی کی ابتدا انقلاب شتوی سے ہوتا ہے اور یہ شتوی جنوبی ہیں اور جنوب قبلہ کی دائیں جانب کا نام ہے۔

ف: ان بارہ برجوں کو نصاب الصبیان میں ان دو بیتوں میں بیان کیا گیا ہے: ؎

برجہا دائم کہ از مشرق بر آوردند سر
جملہ در تسبیح و در تہلیل حی لا یموت
چوں حمل چوں ثور چوں جوزا و سرطان و اسد
سنبلہ میزان و عقرب قوس و جدی و دلو حوت

ترجمہ: تمام برج مشرق میں ہیں اور وہ ہمیشہ حی لا یموت کی تسبیح پڑھتے ہیں اور وہ بارہ برج یہ ہیں؛

۱۔ حمل ۲۔ ثور ۳۔ جوزا ۴۔ سرطان ۵۔ اسد ۶۔ سنبلہ ۷۔ میزان
۸۔ عقرب ۹۔ قوس ۱۰۔ جدی ۱۱۔ دلو ۱۲۔ حوت

قاعدہ: سورج مذکورہ بالا بروج میں سے ہر ایک برج میں ایک ماہ میں لازمی طور پر دورہ کرتا ہے۔ چنانچہ نصاب الصبیان میں ہے: ؎

خور بجوزا است سی و دو و یکست
حمل و ثور و شیر با پس و پیش
دلو و میزان و حوت و عقرب سی
بیست و نہ قوس و جدی بے کم و بیش

ترجمہ: سورج جوزا میں تیس دن ٹھہرتا ہے۔ اسی طرح حمل و ثور اسد میں دلو اور میزان اور حوت اور عقرب میں بھی تیس روز اور قوس و جدی میں انتیس دن۔

چاند کی منزلیں

چاند کی کل اٹھائیس منزلیں جو مذکورہ بالا بروج پر منقسم ہیں۔ ہر برج میں اس کی سوا دو منزلیں اور ہیں۔ ہر رات اپنی معین منزل میں نازل ہوتا ہے۔ جب آخر منزل کو پہنچتا ہے تو باریک ہو کر کمان کی طرح ہو جاتا ہے۔ پھر اگر مہینہ تیس کا ہو تو دو راتیں اور اگر انتیس کا ہو تو ایک رات چھپ جاتا ہے اور سورج اپنی ہر منزل کو تیرہ دنوں میں طے کرتا ہے یہ منزلیں ستاروں کے مواقع ہیں جنہیں اہل عرب ستاروں کی تاثیر سے تعبیر کرتے ہیں اس کی تفصیل و اذا اذقنا الناس (الآیہ) میں عرض کی جائے گی۔ (انشاء اللہ)

چاند کی منازل کے اسماء اور تفصیل

۱۔ چاند کی منزل اوّل سرطان ہے۔

۲۔ بطین بروزن زبیر۔ یہ تین چھوٹے ستارے ہیں۔ چولھے کے تین پایہ کی طرح معلوم ہوتے ہیں اور برج حمل کا بطن یہی ہیں۔

۳۔ الثریا بالضم وفتح الرا والیاء المشددۃ کہکشاں۔ یہ چھ ستارے ہیں جو دُو دُو ایک دُوسرے کے بالمقابل نظر آتے ہیں۔

۴۔ الدبران (محرکۃ)

۵۔ الھقعہ۔ یہ تین ستارے ہیں جو جوزا کے دونوں کاندھوں کے درمیان چُولھے کے تین پایہ کی طرح نظر آتے ہیں ان کی علامت یہ ہے کہ جب فجر کے وقت طلوع کرتے ہیں تو سورج میں سخت گرمی ہوتی ہے۔

۶۔ الھنعۃ۔ یعنی جوزا بُرج کے بائیں کاندھا۔ یہ دراصل پانچ ستارے ہیں صف بستہ۔ یہی چاند کی منزلیں ہیں۔

۷۔ الذراع۔ یعنی بُرج اسد کا پھیلا ہوا ہاتھ۔ اس لیے کہ بُرج اَسد کے دو ہاتھ ہیں: ایک مبسوط یعنی دراز ہے دُوسرا مقبوضہ یعنی مٹھی کی طرح بند شدہ۔ یہی شام کے علاقہ کے قریب ہے اور مبسوطہ یمن کے قریب واقع ہے سماک سے ارفع اور اپنے دُوسرے سے دراز تر ہوتا ہے اس بُرج میں چاند برابر ہوجاتا ہے اور تموز یعنی ساون کے مہینے کی چار تاریخ کو چاند اس بُرج سے طلوع کرتا ہے اور اس سے نکلتا ہے تو کانون اول کی چوتھی تاریخ ہے۔

۸۔ نثرہ۔ وُہ دو ستارے ہیں اُن کے درمیان کا فاصلہ دو بالشت کی مقدار ہے اور اُن کے اُوپر ایک سفید سے بادل کے ٹکڑے کی طرح نظر آتی ہے اور انھیں اہلِ نجوم انف الاسد بھی کہتے ہیں۔

۹۔ قوس کا کنارہ، جو "السیہ اور الانہران" کے درمیان واقع ہے۔ الانہران سے العواء اور السماک مراد ہیں۔ انھیں اس لیے الانہران کہتے ہیں کہ ان میں پانی کی کثرت ہے۔

۱۰۔ الجبہ۔ یہ چار ستارے ہیں، تین چُولھے کے تین پایوں کی طرح ہیں اور ایک ان سے علیحدہ۔

۱۱۔ الزبرہ (بالضم) وہ دو چمکدار ستارے جو بُرج اور اسد کے کاندھے پر واقع ہیں۔ یہاں پر بھی چاند نازل ہوتا ہے۔

۱۲۔ الصرفہ (بالفتح فاء)۔ ایک روشن ستارہ ہے جو زبرہ کے پیچھے آتا ہے اور اسے صرفہ اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ اس ستارے کے طلوع سے سردی پھر جاتی ہے۔

۱۳۔ العواء۔ یہ دراصل چار یا پانچ ستارے ہیں۔ دُور سے الف کی شکل میں نظر آتے ہیں۔

۱۴۔ السماک بروزن کتاب۔ یہ دو چمکدار ستارے ہیں۔

۱۵۔ الغفر (بالفتح) (میزان میں) چھوٹے تین ستارے ہیں۔

۱۶۔ الزبانی (بالضم)۔ دو چمکدار ستارے جو عقرب کے دو قرنوں میں واقع ہیں۔

---

[1] اور وُہ بُرج اسد کی پیشانی پر واقع ہیں ۱۲ غیاث [2] بالفتح و تشدید، [3] سنبلہ کے سینہ پر ہے نیز اشکال شمالی سے پانچویں شکل کا نام اور وُہ مرد کی صورت ہے۔ سیدھے ہاتھ میں عصا پکڑے ہوئے کھڑا ہے اور اس کے کل بائیس ستارے ہیں ۱۲ غیاث۔

[4] غیاث اللغات میں ہے کہ وہ تین ستارے مثلث تاج کی صورت میں عقرب کی پیشانی میں ہیں۔ [5] غیاث اللغات میں ہے کہ وہ تین ستارے ہیں ان کا درمیانی ستارہ سرخ اور بڑا کہ بجائے قلب عقرب کے واقع ہے۔ ۱۲

۱۷۔ الاکلیل (بالکسر)۔ چار ستارے صف بستہ۔

۱۸۔ القلب۔ منازل قمر کا ایک ستارہ۔

۱۹۔ الشولہ۔ دو چمکدار ستارے ہیں جن میں چاند نازل ہوتا ہے اسے ذنب العقرب (عقرب کی دُم) کہا جاتا ہے۔

۲۰۔ النعائم[1] (بالفتح)۔ چار ستارے۔

۲۱۔ البلدہ (بالضم)۔ چھ چھوٹے ستارے بُرج قوس میں ہیں۔ سال کے تمام چھوٹے دنوں میں سُورج اس منزل میں ہوتا ہے۔

ف: قاموس میں لکھتے ہیں کہ البلدہ آسمان کے ایک حصّے کا نام ہے جہاں ستارے نہیں اور یہ البلدہ النعام اور سعد الذابح کے درمیان واقع ہے۔ اس مقام پہ بھی چاند نازل ہوتا ہے اور کبھی اس سے ہٹ کر القلادہ میں واقع ہوتا ہے اور وُہ گول دائرہ یعنی کمان کی طرح چھ ستارے ہیں۔

۲۲۔ سعد الذابح[2] دو چمکدار ستارے ہیں جن کے آپس میں درمیان کا فاصلہ ایک گز ہے اور ان دونوں میں ایک کے سینے پر ایک چھوٹا ستارہ دُور سے ایسے نظر آتا ہے کہ گویا اسے ذبح کر رہا ہے۔

۲۳۔ سعد بلع بروزن زفر (معرفہ)۔ جب اللہ تعالٰے نے نوح علیہ السلام کے طوفان کے موقعہ پر فرمایا:

یا ارض ابلعی مائِك۔

اس وقت یہ ستارہ چمکا تھا۔ دراصل یہ دو ستارے رفتار میں برابر ہیں، ایک پوشیدہ ہے' دوسرا چمکیلا اور روشن ہے۔ اسے بلع بھی اسی لیے کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک نے دوسرے کو نگل لیا ہے اور آب[3] (بھادوں) کی ایک رات گزر جانے پر طلوع کرتا ہے۔

۲۴۔ سعد السعود[4]

۲۵۔ سعد الاخبیہ۔ یہ گول ستارے ہیں۔

---

[1] وہ بشکل مربع یعنی چار گوشہ ہیں۔ بُرج قوس میں کہ زحل سے نسبت رکھتے ہیں۔ ۱۲ غیاث

[2] یہ دو ستارے جدی کے سینگوں پر ہیں اور ان کے درمیان ایک ستارہ ہے اسے شاۃ سعد کہتے ہیں اور دُور سے ایسے نظر آتا ہے کہ گویا یہ سعد اسی بکری کو ذبح کرتا ہے اس لیے اسے سعد ذابح کہتے ہیں۔

[3] آب رومی مہینوں میں ایک مہینے کا نام ہے۔ معمولی تفاوت سے بھادوں کے مطابق ہے۔ ۱۲ غیاث

[4] غیاث اللغات میں لکھا ہے کہ ستارہ مشتری کو سعد السعود کہا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ لکھا کہ سعود بضمتین نیک ستارے جیسے زہرہ، مشتری اور قمر بفتح اول وضم ثانی وُہ چھوٹے تین ستارے جدی کی دم اور دلو کے شانے پر ہیں۔ ۱۲ غیاث

ف : قاموس میں ہے کہ نیک ستارے دس ہیں :

○ سعد بلع
○ سعد الاخبیہ
○ سعد الذابح
○ سعد السعود یہی چاروں چاند کی منازل میں شامل ہیں۔
○ سعد ناشرہ
○ سعد الملک
○ سعد البہائم
○ سعد الہمام
○ سعد البارع۔
○ سعد المطر یہ چھ مؤخر الذکر چاند کی منازل میں شامل نہیں ہیں اور یہ ہر ایک دو دو ستارے ہیں ان دونوں کے درمیان کا منظر صرف ایک گز ہے۔

۲۶۔ فرغ الدلو المقدم
۲۷۔ فرغ الدلو المؤخر

ف : قاموس میں ہے، فرغ (بالغین المعجمۃ) الدلو المقدم والمؤخر۔ یہ دونوں چاند کی منزلیں ہیں۔ ہر ایک میں دو دو ستارے ہیں جو ایک نیزہ کے برابر فاصلہ پر نظر آتے ہیں۔

۲۸۔ الرشا[۱]۔ اسے بطن الحوت بھی کہتے ہیں۔ مچھلی کی صورت میں چند چھوٹے ستارے ایک جگہ جمع ہیں جس کے ناف والے مقام پر ایک چمکدار ستارہ نظر آتا ہے۔

چاند کے قواعد

سنِ قمری سے مراد یہی ہے کہ چاند اور سورج سال میں بارہ ۱۲ مرتبہ آپس میں مجتمع ہوتے ہیں۔

۲۔ سنِ قمری کے کل تین سو چوّن (۳۵۴) دن اور آٹھ ساعات اور اڑتالیس دقیقے ہوتے ہیں۔

۳۔ فنِ میقات کے ماہرین بتاتے ہیں کہ کوئی چاند انتیس دنوں سے کم اور تیس سے زاید نہیں ہوتا۔

۴۔ سنِ قمری کا کوئی سال تین سو چوّن (۳۵۴) دنوں سے کم اور تین سو پچپن (۳۵۵) دنوں سے زاید نہیں ہوگا۔

مسئلہ : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں اللہ تعالےٰ نے سن قمری کی ترویج کو ترجیح دی ہے[۲]۔ کما قال تعالیٰ : ان عدۃ الشھور عند اللہ اثنا عشر شھراً۔ بے شک اللہ تعالےٰ کے ہاں مہینوں کی تعداد بارہ ۱۲ ہے۔

---

[۱] بالکسر، وہ چند ستارے چھوٹے مل ہوئی رسّی کی مانند۔ ۱۲ غ

[۲] لیکن افسوس امتِ محمدیہ کہ انہوں نے اپنے نبی علیہ السلام کا سنِ ہجری ترک کر کے انگریز بے ایمانوں کے سنِ عیسوی کو اپنا لیا ہے!! (اویسی غفرلہٗ)

تفسیر صوفیانہ

اس میں تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہماری عبادات کی ضرورت نہیں ہے اور پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس میں سے اشارہ فرمایا کہ چاند ایک دن مٹنے والا ہے اور اسی عالم ظاہر سے اس کا وجود ہو جائے گا لیکن یہ وُہ سمجھ سکتا ہے جسے عبرت اور تدبّر و تفکر کا طریقہ و سلیقہ نصیب ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسی تدبّر کی دعوت "لا الشمس ینبغی لہا ان تدرك القمر" دی ہے اور بتایا ہے کہ قمر یعنی عارف کو جو مراتب و بزرگی نصیب ہے انہیں سورج یعنی غیر عارف نہیں پا سکتا۔ اس سے ثابت ہُوا کہ جو آیات اور علوم و عرفان اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبوں (محدثین عربیین) کو عطا فرمائے ہیں اگر وہ کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں تو اُن کے لیے جائز ہے۔ (کذا فی عقلة المستوفز لحضرت الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر)

صاحب رُوح البیان رحمہ اللہ کے پیر و مرشد کی صُوفیانہ تقریر

صاحبِ رُوح البیان قدس سرّہٗ نے فرمایا کہ ہمارے شیخ قدس سرّہٗ اپنی کتاب "اللائحات الباقیات" میں لکھتے ہیں کہ چاند کے مراتب میں اشارہ ہے کہ مراتبِ الٰہیہ میں عارف کا ایک مرتبہ ہے جسے مرتبہ رُبوبیت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور مرتبۂ شمس میں بھی اس کے ایک مرتبہ کی طرف اشارہ ہے جسے مرتبۂ الوہیت کہتے ہیں۔ اور مراتب کونیہ آفاقیہ میں عارف کے مرتبہ قمر کا اشارہ مرتبۂ کرسی اور لوح اور اس کے مرتبۂ شمس کا اشارہ مرتبۂ عرش اور قلم کی طرف ہوتا ہے اور مراتب کونیہ النفسیہ میں اس کے مرتبہ قمر کا اشارہ مرتبہ رُوح اور مرتبۂ شمس کا اشارہ مرتبۂ سر کی طرف ہوتا ہے۔ (فقط)

عجائباتِ صُوفیانہ

ظاہر نفس اجمالی کے حروف کی منزلیں منازلِ قمر کی گنتی پر ہیں۔ انہیں تعینات سے تعبیر کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہیں:

۱۔ العقل الاول
۲۔ نفس کلیہ
۳۔ طبیعہ کلیہ
۴۔ الہباء
۵۔ الشکل الکلی
۶۔ الجسم الکلی
۷۔ عرش
۸۔ کُرسی
۹۔ الفلك الاطلس
۱۰۔ المنازل
۱۱۔ سماء کیوان
۱۲۔ سماء المشتری
۱۳۔ سماء المریخ
۱۴۔ سماء الشمس
۱۵۔ سماء الزھرہ
۱۶۔ سماء عطارد
۱۷۔ سماء القمر
۱۸۔ عنصر النار
۱۹۔ عنصر الھواء
۲۰۔ عنصر الماء
۲۱۔ عنصر التراب
۲۲۔ المعدن
۲۳۔ النبات
۲۴۔ الحیوان
۲۵۔ الملك
۲۶۔ الجن
۲۷۔ الانسان
۲۸۔ المرتبہ

اسی طرح نفس کے باطنی حروف بھی بمقابل ظاہری کے اٹھائیس منزلیں ہیں:

۱۔ البدیع
۲۔ الباعث
۳۔ الباطن
۴۔ الآخر

۵۔ الظاھر ۶۔ الحکیم ۷۔ المحیط ۸۔ الشکور
۹۔ الغنی ۱۰۔ المقتدر ۱۱۔ الرب ۱۲۔ العلیم
۱۳۔ القاھر ۱۴۔ النور ۱۵۔ المصوّر ۱۶۔ المحصی
۱۷۔ المبین ۱۸۔ القابض ۱۹۔ المحی ۲۰۔ الممیث
۲۱۔ العزیز ۲۲۔ الرزاق ۲۳۔ المذل ۲۴۔ القوی
۲۵۔ اللطیف ۲۶۔ الجامع ۲۷۔ الرفیع[1]

ف: حروفِ تہجی پر غور کیا جائے تو اُن کی بھی یہی ترتیب اور منزلیں حاصل ہوتی ہیں۔ مثلاً:

۱۔ ھمزہ ۲۔ الہاء ۳۔ العین ۴۔ الحاء المہملۃ
۵۔ الغین المعجمۃ ۶۔ القاف ۷۔ الکاف ۸۔ الجیم
۹۔ الشین المنقوطہ ۱۰۔ الیاء المثناۃ ۱۱۔ الضاد المعجمۃ ۱۲۔ اللام
۱۳۔ النون ۱۴۔ الراء المفضلۃ ۱۵۔ الطاء المہملۃ ۱۹۔ الدال المہملۃ
۱۷۔ الطاء المثناۃ من فوق ۱۸۔ الزاء ۱۹۔ السین المہملۃ ۲۰۔ الصاد المہملۃ
۲۱۔ الظاء المعجمۃ ۲۲۔ الثاء المثلثۃ ۲۳۔ الذال المنقوطہ ۲۴۔ الفاء
۲۵۔ الباء الموحدۃ ۲۶۔ المیم ۲۷۔ الواؤ[2]

فسبحان من اظھر الخ پاک ہے وُہ ذات جس نے آفاق و انفس میں نفسِ رحمانی سے اپنے کمال ارادہ کے مطابق ظہور فرمایا۔

تفسیر عالمانہ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ ط تاکہ وُہ سالوں کی گنتی اور حساب معلوم کریں۔ یعنی مہینوں، رات دنوں اور گھڑیوں کے حساب معلوم کر کے اپنی معاش اور اپنے دین کے فرائض مثلاً حج، روزہ، فطر (روزہ نہ رکھنے کے ایام) اور نماز کے علاوہ دیگر فرائض ادا کر سکیں۔ مَا خَلَقَ اللّٰہُ ذٰلِکَ ان مذکورہ یعنی سُورج، چاند وغیرہ کو نہیں پیدا کیا گیا اِلَّا بِالْحَقِّ مگر حق کے ساتھ کہ ان میں جس طرح حکمتِ بالغہ کے تقاضے تھے سب پُورے کیے گئے ہیں۔ مثلاً پہلے اجمالی طور اشارہ کیا گیا ہے کہ ان سے سنین اور اوقات معلوم ہوتے ہیں اور انہی سے ہمارے دینی و دنیوی معاملات و عبادات متعلق ہیں۔ نتیجۃً ان مذکورہ بالا اشیاء کی تخلیق عبث اور بیکار نہیں۔

---

[1] مصنف کی گنتی اتنی ہی ہے ایک نام رہ گیا ہے۔ واللّٰہ اعلم [2] ایضاً

حکایت ایک شخص نے خنفساء (کیڑا) کو دیکھ کر کہا کہ اس کی پیدائش سے کیا فائدہ؟ نہ اس کی شکل اچھی نہ اس میں خوشبو ہے۔ چند روز کے بعد کسی زخم میں مبتلا ہو گیا یہاں تک کہ اطباء و ڈاکٹر اس کے معالجہ سے تنگ آ گئے۔ ایک دن گلی میں کسی عام حکیم کا اعلان سنا۔ اس مریض نے کہا اسے لاؤ تاکہ میرا علاج کرے۔ اسے کہا گیا کہ بہت بڑے بڑے حکماء تیرے علاج سے عاجز آ گئے یہ بیچارہ تیرا کیا علاج کرے گا۔ اس نے کہا اسے لاؤ ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مجھے صحت عطا فرما دے۔ چنانچہ اس حکیم کو بلایا گیا، اس نے زخم کو دیکھ کر کہا کہ خنفسا لاؤ۔ لوگ ہنس پڑے لیکن اسے وہی بات یاد آ گئی کہ اس نے اس پر مذاق اڑایا تھا۔ اسی لیے کہا کہ جیسے وہ فرماتا ہے اس پر عمل کرو یہ حکیم سمجھدار معلوم ہوتا ہے چنانچہ خنفساء لایا گیا تو حکیم نے اسے جلا کر اس کی راکھ اس کے زخم پر لگانے کا حکم دیا۔ چنانچہ چند دنوں کے بعد وہ شفایاب ہو گیا۔ اس نے اپنے احباب سے کہا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک راز سے آگاہ کیا کہ جسے تم رزیل ترین شے سمجھتے ہو وہ تمہارے لیے نہایت قیمتی جوہر ہے۔ جس بیماری کے علاج سے بڑے بڑے اطباء و ڈاکٹر عاجز آ گئے وہ اللہ تعالیٰ کی خسیس ترین مخلوق میں پایا گیا۔ اس سے وہ شخص سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق میں حکمتِ بلیغ ہے۔

یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ اللہ تعالیٰ آیاتِ تکوینیہ کی تفصیل بتاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی قدرت پر دلالت کرتی ہیں۔ بعض کو بعض کے بعد بیان کرتا ہے جو بعد والی پہلی آیات کی وضاحت اور شرح بن کر آتی ہیں۔ **لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝** ان لوگوں کے لیے جو علم والے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں ہزار حکمتیں ہوتی ہیں اور اس کی پیدا کردہ تمام اشیاء دلالت کرتی ہیں کہ ان کا پیدا کرنے والا کوئی ہے۔

نکتہ: اس میں علماء کی کیا تخصیص ہے حالانکہ یہ تو ہر ایک جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں ہزاروں حکمتیں ہیں وہ صرف اسی لیے کہ ان میں تامل کر کے صرف یہی حضرات نفع پاتے ہیں **اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ** بے شک رات اور دن بدلنے میں یعنی ان کا نور و ظلمات کے رنگ بدلنے میں یا ان کے اختلاف سے دن کا آنا اور رات کا جانا، اسی طرح بالعکس مراد ہے۔

دن افضل ہے یا رات رات اور دن کی افضلیت میں اختلاف ہے۔ حضرت امام نیشاپوری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ رات افضل ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ رات میں عموماً راحت و سرور حاصل ہوتا ہے اور یہ دونوں بہشت سے ہیں۔

دن میں کاروبار کی وجہ سے تھکان وغیرہ ہوتی ہے اور یہ دوزخ سے ہے۔

علاوہ ازیں رات میں سوتا اور وصال نصیب ہوتا ہے اور دن میں کاروبار کی وجہ سے باہر آنا جانا اور عموماً دوستوں سے فراق اور جدائی حاصل ہوتی ہے بناء بریں رات دن سے افضل ہے۔

قولِ دیگر: بعض فرماتے ہیں کہ دن افضل ہے کیونکہ دن نور کا مرکز ہے اور رات ظلمات اور تاریکیوں کا۔ بناء بریں دن

افضل ہُوا۔

صاحبِ رُوح البیان کا صُوفیانہ فیصلہ

رات سے عالمِ ذات کی طرف اشارہ ہے اور عالمِ ذات کو ہر اعتبار سے مراتبِ عُلیا حاصل ہیں اور دن سے عالمِ صفات کی طرف اشارہ ہے اور عالمِ صفات کو بھی فضائلِ عظمیٰ نصیب ہیں۔ لیکن ایک دُوسری وجہ سے رات اور دن آپس میں مختلف ہیں وُہ یہ کہ جو رات کو پیدا ہو وہ فنا فی اللہ والوں سے شمار ہوتا ہے اور جو دن کو پیدا ہو وہ بقا باللہ کے مرتبہ والوں سے گنا جاتا ہے۔ رات دن اور ان کے اہل میں دارِ جلال وجمال کے اسرار و رموز پوشیدہ ہیں۔

وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ اور وُہ جو کچھ آسمانوں میں کئی انواع (مثلاً سورج، چاند، ستارے، بادل، ہوائیں) پیدا فرمائیں۔ وَالْاَرْضِ اسی طرح زمین کی انواع بھی (مثلاً پہاڑ، دریا، اشجار، انہار، جانور، انگور، پانی وغیرہ)۔ لَاٰیٰتٍ البتہ ان میں بہت بڑی اور بہت زیادہ نشانیاں ہیں جو صانع کے وجود اور اس کے کمال علم وقدرت پر دلالت کرتی ہیں لِقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ ○ پرہیزگار لوگوں کے لیے۔

ف : متقین کی خصوصیت اس لیے ہے کہ وہی اپنے انجام کے لیے خوفزدہ و ہراساں رہتے ہیں اور صرف وہی تدبر و تفکر فی الآیات پر عمل کرتے ہیں۔

توافق مابین قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم وحضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا:

من اقتبس علما من النجوم من حملة القرآن ازداد به ایمانا و یقینا۔

جو نجوم کا علم قرآن کے عارفین سے حاصل کرتا ہے تو اس کے ایمان اور یقین میں برکت ہوتی ہے۔

اس کے بعد آپ نے یہی آیت پڑھی اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ (الآیہ)

صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے ثابت ہُوا کہ نجوم کا فن سیکھنا اس شرط پر جائز ہے کہ اس سے ثابت ہُوا کہ نجوم کا فن سیکھنا اس شرط پر جائز ہے کہ اس سے آیاتِ سماویہ کی معرفت حاصل کر کے اس سے مسائل شرعیہ کی توثیق و تائید کی جائے اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

من اقتبس علما من النجوم اقتبس شعبة من السحر۔

یعنی جو فنِ نجوم سیکھتا ہے تو سمجھو کہ وہ جادُو کا ایک شعبہ یعنے اس کا ایک حصّہ حاصل کرتا ہے۔

ف : حضرت حافظ نے فرمایا کہ فنِ نجوم اس شخص کے لیے حرام ہے جو صرف اس غرض سے سیکھتا ہے کہ وُہ آنے والے حالات بتائے گا مثلاً بارش کب ہو گی اور سردی کب واقع ہو گی اور ہوا (آندھی) کب آئے گی۔ تجارتی امور میں نرخ کم وبیش کس طرح ہوں گے وغیرہ وغیرہ ایسے لوگوں کا دعویٰ ہوتا ہے کہ امور مذکورہ بالا ستاروں کے چلنے اور ان کے

اقتران وافتراق کی وجہ سے ہوگا اور یہ ستارے کبھی ظاہر ہوتے ہیں اور کبھی چھپ جاتے ہیں۔ تو ان میں یہ تاثیریں پیدا ہوتی ہیں۔

مسئلہ: علمِ نجوم اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ علمِ مشاہدہ کے ذریعہ سے زوالِ شمس اور جہتِ قبلہ معلوم کرنا یا اس سے ادراک ہو کہ کتنا وقت گزرا ہے یا کتنا رہ گیا ہے تو جائز ہے یہ شرعاً منہی عنہ نہیں۔

حکایت حضرت ذوالنون مصری قدس سرہٗ نے ایک شخص سے سنا کہ وہ دریا کے وسط میں پہاڑ کی چوٹی پر کہہ رہا تھا: سیدی سیدی! میں تیرے جزائر دریا میں رہائش پذیر ہوں اور تو وحدہٗ لاشریک بادشاہ ہے اور تیرا دربان بھی کوئی نہیں اور نہ ہی تیرا کوئی ملاقاتی ہے اور وہ کون ہے جو تجھ سے انس پائے تو پھر اسے وحشت ہو اور جسے تیری قدرت کی آیات دیکھنے کا موقعہ ملتا ہے تو وہ کب کسی سے خوفزدہ ہو سکتا ہے تو نے ہی آسمانوں میں عجیب و غریب راستے بنائے اور تو نے ہی افلاک کھڑے کیے ہیں اور انہی کے زیر سایہ تیری مخلوق رہتی ہے اور تو نے ہی عرش محیط کو ایسا کھڑا کیا ہے کہ وہ کسی سہارے کے بغیر قائم ہے اور تو نے ہی ہواؤں کو بھیجا ہے انہیں تیرے سوا اور کوئی روکنے والا نہیں۔ یہ تمام تیری فردانیت پہ دلالت کرتے ہیں۔ آسمان بتاتے ہیں کہ انہیں صرف تو ہی روکنے والا ہے۔ اور افلاک بتاتے ہیں کہ تیری صفت عجیب ہے اور ہوائیں بتاتی ہیں کہ یہ ساری برکتیں تیری ہیں اور بادل بتاتے ہیں کہ تیری آیات عظیم الشان ہیں اور زمین بتاتی ہے کہ تیری حکمتیں بے پایاں ہیں اور نہریں بتاتی ہیں کہ ان کے اندر تو نے میٹھے بول رکھے ہیں اور درخت تیری صفت کے عجائبات ظاہر کرتے ہیں اور سورج تیری کاریگری کا پتہ دیتا ہے۔

حضرت شیخ مغربی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

جملہ نقش تعینات ویند
ہرچہ ہستند در زمین و سما

ترجمہ: یہ تمام نقوش اسی کے تعینات کردہ ہیں جو کچھ زمین و آسمان میں ہے یہ بھی اسی کا تعینات کردہ ہے

اور فرمایا: ؎

مغربی زاں میکند میلے بگلشن کاندرو
ہرچہ را رنگے و بوئے ہست رنگ و بوئے اوست

ترجمہ مغربی باغ سے اس لیے انس رکھتا ہے کہ ہر ایک رنگ اور بو میں اسی کا رنگ و بو نظر آتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا بے شک وہ لوگ جو اللہ تعالے کی حاضری کی امید نہیں رکھتے۔ لِقَآءَنَا سے اللہ تعالیٰ کی طرف قیامت میں لوٹنا یا حساب کی حاضری مراد ہے۔ چنانچہ فرمایا:

انی ظننت انی ملاق حسابیہ۔

بے شک مجھے یقین ہے کہ میں حساب کے لیے حاضر ہونے والا ہوں۔

اور عدم رجاء سے ان کا عدمِ اعتقاد مراد ہے جیسا کہ وہ سمجھتے تھے کہ مرنے کے بعد اٹھنا نہیں جب وہ نہ اس کا خوف رکھتے تھے اور نہ ان کی اُمید تھی تو گویا انھیں حساب دینے کا خیال نہیں اسی لیے نہ انھیں ثواب کی اُمید اور نہ حساب کا خوف ہے جب انہیں ثواب کی اُمید نہیں وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا تو وہ حیاتِ دُنیا پر خوش ہیں۔ یعنی وہ اعلیٰ کی اُمید ختم کر کے خسیس پر راضی ہیں اور چونکہ انھیں حساب کی حاضری کا تصور نہیں۔ الارشاد میں بھی اسی طرح بیان فرمایا کہ وَرَضُوْا بِالحیٰوة الدنیا یعنی وہ آخرت کا تصور چھوڑ کر حیاتِ دُنیا پر خوش ہیں گویا اُنھوں نے قلیل فانی کو پسند کر کے کثیر باقی کو ترک کر دیا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا اور وُہ اسی پر مطمئن ہیں یعنی اپنے قصورِ ہمت کی وجہ سے اس دنیا فانی کی لذتوں اور اس کے نقش و نگار پر مطمئن ہیں یا دُنیا میں اس شخص کی طرح ہیں جو سمجھتا ہے کہ مجھے یہاں ہمیشہ رہنا ہے اسی لیے لمبے لمبے ارادے اور طویل آرزوئیں مدِنظر رکھتے ہیں۔ یعنی سمجھتے ہیں کہ ہم نے یہاں سے کُوچ نہیں کرنا حالانکہ آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ کُوچ کا نقارہ ہر وقت بج رہا ہے۔ ؎

آں کیست کہ دل نہاد و فارغ بنشست
پنداشت کہ مہلتے و تاخیرے ہست
گو خیمہ مزن کہ میخ می باید کند
گو رخت منہ کہ باد می باید بست

ترجمہ: وہ کون سا بیوقوف ہے کہ دل دنیا میں بے غم بیٹھا ہے اور اسے گمان ہے کہ کچھ مہلت ملے گی اور میرے جانے میں دیر ہے اسے کہو اے بندے! یہاں خیمہ لگانے کی جگہ نہیں اپنے خیمے کی میخ اکھیڑ لے اور سامان بنا بنا کے نہ رکھ اس لیے کہ روانگی کا وقت بہت قریب ہے۔

تین آدمیوں پر تعجب

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ تین آدمیوں پر تعجب کرنا چاہیے:

١۔ جسے یقین ہے کہ جہنم کی آگ سامنے ہے لیکن پھر بھی ہنسی مذاق میں لگا رہتا ہے۔

٢۔ دُنیا سے دل لگانے والا حالانکہ اسے یقین ہے کہ یہاں سے جلد کُوچ کرنا ہے۔

٣۔ غفلت کی زندگی بسر کرنے والا حالانکہ اسے معلوم ہے کہ میری غفلت مجھے نقصان دے گی۔

حکایت

نعمان بن منذر نے ایک درخت کے نیچے کھیل جانے کا پروگرام بنایا تو اسے عدی نے فرمایا: اے نعمان! جانتے ہو یہ درخت تجھے کیا کہہ رہا ہے؟ نعمان نے پُوچھا: کیا کہتا ہے؟

عدی نے یہ شعر پڑھے: ؎

ورب رکب قد اناخوا حولنا
یمزجون الخمر بالماء الزلال
ثم اضحوا عفت الدھر بھم
وکذالک الدھر حالا بعد حال

ترجمہ: اے رب کریم! بہت سے لوگ ہمارے ہاں آئے اور شراب پانی میں ملا کر پیتے رہے۔ پھر انھیں زمانے نے مٹا دیا اس کے بعد اور آتے اور اسی طرح ان کے ساتھ زمانہ کرتا رہے گا یعنی کئی فنا ہوئے اور کئی فنا ہوں گے۔

یہ سن کر نعمان سارا دن پریشان رہا۔ (کذا فی ربیع الابرار)

وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا اور وہ لوگ جو ہماری آیات قرآنیہ یعنی آیات تشریعیہ سے یا اس سے صفت باری تعالیٰ کے دلائل مراد ہیں اس معنے پہ آیات سے آیاتِ تکوینیہ مراد ہیں غٰفِلُوْنَ ۝ غافل ہیں یعنی چونکہ آیات کے متضاد امور میں منہمک ہیں اسی لیے ان آیات میں تفکّر و تدبّر نہیں کرتے۔

سوال: وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا کا عطف ماقبل پر ہے اور ان کا مطلب بھی یہی ہے جو ان آیات کا ہے۔ پھر عطف کا کیا فائدہ۔

جواب ۱: چونکہ یہ دونوں متغایر فی الوصف ہیں۔ پہلے مضمون کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ دُنیا کی لذات اور اس کے نقش و نگار میں منہمک ہیں اور یہاں ان آیات سے مراد یہ ہے کہ وہ آیاتِ الٰہیہ اور دلائلِ معرفہ سے غافل ہیں اور وہ ان دونوں کے جامع ہیں بنا بریں اس کا واوٗ جمع کے ساتھ عطف جائز ہُوا۔

تفسیر صُوفیانہ

جواب ۲: ان میں تغایر ذاتی ہے وہ یہ کہ لوگ ہماری طرف سیر کا اعتقاد نہیں رکھتے اور نہ ہی ان کا ہمارے ہاں پہنچنے کا کوئی پروگرام ہے کیونکہ ان کی ہمتیں پست ہیں اور وہ تمتعات دنیویہ میں خوش ہیں اور دنیوی اموال اور جاہ و مرتبہ اور شہوات نفسانیہ میں غرق ہیں۔ والذین هم عن اٰیٰتنا غٰفلون اور وہ لوگ ہماری آیات سے غافل ہیں اگرچہ انھیں دُنیا کی طرف کسی قسم کا خیال نہیں اور نہ ہی دُنیا کے تمتعات کو جانتے ہیں اس لیے کہ وہ اصحابِ ریاضات و مجاہدات ہیں ان سے ملل باطلہ کے مجاہدین مراد ہیں یعنی برہمن اور فلاسفہ و اباحیہ (جاہل صُوفی) وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری سے محروم ہیں یا ان سے اہلِ اہواء اور مبتدعین مراد ہیں کہ اگرچہ وہ عبادات و ریاضات میں کامل ہیں لیکن دین میں رخنہ اندازی کی وجہ سے دینِ حق سے دُور ہیں۔

اُولٰٓئِكَ یہ اشارہ ان بُرے اوصاف والوں کی طرف ہے جو اُوپر مذکور ہوئے۔ مَاْوٰىهُمُ ان کا ٹھکانا اور مسکن کہ جہاں سے انھیں چھٹکارا نصیب نہ ہوگا النَّارُ جہنم کی آگ، اور صوفیاءِ کرام کے نزدیک اس سے دُوری اور

درگاہ حق سے محرومی اور حسرت کی آگ مراد ہے۔ ان کو دنیا کی نعمتیں اور جن باتوں پر وُہ خوش تھے نصیب نہیں ہوں گی۔ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ بوجہ اس کے کہ جن برائیوں پر مواظبت کرتے رہے اور ان اعمال قلبیہ کی وجہ سے کہ جن پر منہمک رہے اور انھیں معاصی اور سیئات کی عادت پڑ گئی تھی۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بیشک وُہ لوگ جو ایمان لائے یا وُہ لوگ جنھوں نے غافلین کے برعکس آیات کا مشاہدہ کیا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور وُہ نیک عمل کیے جو ایمان کے لائق تھے یعنی صرف رضائے الٰہی کی طلب میں نیک عمل کیے۔

ف : موصوف کو ذکر نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اوصاف بمنزلہ موصوف ہوتے ہیں۔

يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ اللہ تعالٰے انھیں آخرت میں رہبری فرمائے گا بِاِيْمَانِهِمْ اُن کے ایمان اور نور کی وجہ سے ان کے ماوٰی اور مقصود کی طرف۔ اس سے بہشت مراد ہے۔

حدیث شریف : جب مومن قبر سے نکلے گا تو اس کے نیک اعمال بہتر صورت میں متشکل ہو کر اس کے سامنے آئیں گے اور فرمائیں گے ہم تیرے نیک اعمال ہیں پھر وہی اعمال نور اور قائد بن کر اسے بہشت میں لیجائیں گے۔ اور جب کافر اپنی قبر سے نکلے گا تو اس کے بُرے عمل بُری شکل میں اُس کے سامنے آکر کہیں گے ہم تیرے عمل ہیں۔ وُہ اسے کھینچ کر جہنم میں لے جائیں گے۔

تفسیر صوفیانہ

یہ معنٰے بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے وُہ ہدایت مراد ہے جو سالک کو ایک ایسے راستے کی طرف رہنمائی کرتی ہے جس سے اسے حقائق کونیہ و الٰہیہ کے ادراک کا راہ حاصل ہوتا ہے۔ یہ ہدایت خاص ہے جو صرف خواص کو نصیب ہوتی ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ:

من عمل بما علم ورثه الله علم ما لم يعلم۔

جو اپنے پڑھے پر عمل کرتا ہے اسے وہ راہ نصیب ہوتا ہے جس کا اسے پہلے علم نہیں تھا۔

ف : اس روایت میں پہلے علم سے ظاہری علم مراد ہے جو پڑھنے پڑھانے سے تعلق رکھتا ہے اور دُوسرے علم سے علم مکاشفہ مراد ہے جو بطور وراثت نصیب ہوتا ہے۔ یہ پہلے علم سے اعلیٰ اور بزرگ تر ہے اس لیے کہ پہلا علم بمنزلہ چھلکے کے ہے اور دُوسرا بمنزلہ مغز کے۔ ہم اللہ تعالٰے سے وُہ فیض خاص چاہتے ہیں جو صرف خواص کو نصیب ہوتا ہے۔ (آمین)

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ جاری ہوتی ہیں ان کے نیچے سے یعنی ان کے ان تختوں کے نیچے جو انہیں بہشت کے باغات کے اندر بچھا دیے جائیں گے اور وُہ بہت بلند ہوں گے کہ جن کے نیچے جاری ہوں گی الْاَنْهٰرُ نہریں چار (دُودھ، شہد، ٹھنڈا پانی، شراب طہور) فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ یہ تجری کے متعلق ہے

یعنی وہ باغات کہ جن سے وہ لطف اور چین پائیں گے

ف : کاشفی میں ہے کہ وہ باغات جو تنعم سے پُر ہیں۔ النعیم بمعنے وہ نعمت جو نہایت مخفی اور پوشیدہ ہو۔ (کذا فی القاموس)

ف : الجنۃ بمعنے پوشیدہ، چونکہ اس کی زمین اس کے درختوں سے پوشیدہ ہوگی اس لیے اس نام سے موسوم ہے اسی لیے جنّات کو اس نام سے موسوم کیا گیا ہے کہ وہ لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل ہیں۔ اور المجن یعنی خود (لوہے کا کلاہ) بھی اسی لیے اس نام سے موسوم ہے کہ اس سے سر کو ڈھانپا جاتا ہے۔

دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا ان کی دُعا بہشت میں یہ ہوگی **سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ** اے اللہ تعالیٰ ہم تیری تسبیح پڑھتے ہیں اور خلف وعد اور کذب سے تمہیں منزہ سمجھتے ہیں کہ تُو جیسے فرماتا ہے اس کے خلاف کبھی نہیں کرتا ہم نے یہاں پر ان نعمتوں کو پا لیا ہے جن کا تُو نے ہمارے ساتھ وعدہ فرمایا تھا **وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا** بہشت میں ان کا تحیہ ہوگا۔ **التحیۃ** کسی کی ملاقات کے وقت اعزاز و اکرام کے سامنے پیش آنا۔ یہ دراصل احیاك اللہ حیاۃ طیبۃ یعنی تجھے اللہ تعالیٰ پاکیزہ زندگی بخشے یہاں پر مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے یعنی بہشت میں ایک دُوسرے کو اعزاز و اکرام کے طور کہیں گے **سَلٰمٌ** تجھے ہر دُکھ اور پریشانی سے سلامتی ہو یا وُہ مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے یعنی فرشتے انہیں بہشت میں اعزازاً و اکراماً کہیں گے۔ چنانچہ دُوسرے مقام پر فرمایا :

والملٰئکۃ یدخلون علیھم من کل باب سلام علیکم۔

یعنی فرشتے ان کے ہاں ہر دروازے سے حاضر ہو کر کہیں گے اَلسَّلامُ علیکم۔

یا یہ معنٰے ہے کہ انہیں اللہ تعالےٰ اعزازاً و اکراماً فرمائے گا۔

چنانچہ فرمایا :

سلام قولاً من رب رحیم۔

رب رحیم سے انہیں فرمائے گا السلام علیکم۔

س

سلام دوست شنیدن سعادتست وسلامت
بوصل یار رسیدن فضیلتست و کرامت

ترجمہ : دوست کا سلام سننا سعادت وسلامتی ہے۔ دوست کے وصال سے فضیلت و کرامت نصیب ہوتی ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اور ان کی دُعا کا اختتام ان کلمات پر ہوگا : **اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ** ○ یہ تمام تعریفیں

اللہ تعالیٰ رب العالمین کے لیے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی تعریف پہلے صفات جلال سے پھر صفات اکرام سے کریں گے۔ یعنی اُن کی دُعا آخرت میں مذکورہ بالا کلمات پر منحصر ہو گی اس لیے کہ اس وقت انہیں کسی اور امر کا انتظار تو نہ ہو گا کہ جسے اپنی دُعا میں شامل کریں۔

ف : یہ ان مخففہ من الثقلہ ہے۔ اس کا اسم ضمیر شان کی ہے جو محذوف ہے اور اس کے بعد کا جملہ محلاً مرفوع ہے اس لیے کہ وہ ان کی خبر ہے اور ان اپنے اسم و خبر سے مل کر محلاً مرفوع مبتدا اول کی خبر ہے۔

حدیث شریف مروی ہے کہ بہشتی جب بہشت کی کسی چیز کی خواہش کریں گے تو کہیں گے:
سُبحانک اللھُمّ۔

تو ان کی خواہش کے مطابق ان کے ہاں بہشت کے خدام ان کا مطلوبہ شراب و طعام پیش کریں گے۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہوں گے تو کہیں گے:

الحمدُ للہِ رب العٰلمین۔

نکتہ: بہشت میں نہ عبادت ہے نہ تکلف، وہاں صرف اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل ہو گی اور وُہ بھی بطور عبادت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ بطور الہام ان کے دل پر وارد کریگا جسے وہ کہہ کر لذت محسوس کریں گے۔ اس لیے کہ بہشت میں انہیں تسبیح و تہلیل بہشت کی تمام نعمتوں سے لذیذ تر محسوس ہو گی۔ ؎

ذوق نامش عاشق مشتاق را
از بہشت جاودانی خوشتر است
گرچہ در فردوس نعمت ہا بسے است
وصل او از ہرچہ دانی خوشتر است

ترجمہ: محبوب کے نام کا ذوق صرف عاشق زار جانتا ہے کہ اسے بہشت کی تمام نعمتوں سے خوشتر ہے اگرچہ جنت فردوس میں بہت بڑی نعمتیں ہوں گی لیکن عاشق کو وصل وصال سے خوشتر اور کوئی نعمت محسوس نہ ہو گی۔

تفسیر صُوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ زبان کو صرف ذکرِ الٰہی کے لیے پیدا کیا گیا ہے نہ کہ دنیا کی فضول باتوں اور غیبت وبہتان کے لیے۔ ؎

زبان آمد از بہر شکر و سپاس
بغیبت نگرد اندش حق شناس

ترجمہ: زبان صرف شکر و سپاس کے لیے بنائی گئی ہے حق شناس انسان اسے غیبت میں ملوث

نہیں کرتا۔

ف: سب سے پہلا کلمہ جو ہمارے دادا آدم علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی چھینک مار کر کہا: الحمد للہ۔ اور دعا کا آخری کلمہ بھی الحمد للہ تھا۔

نیز اس میں اشارہ ہے کہ بندہ از سرتا پا اللہ تعالےٰ کی نعمتوں میں ہے اسے چاہیے کہ وہ اپنے جمیع اوقات اللہ تعالیٰ کی حمد میں صرف کرے۔

یاد رہے کہ دنیا کی نعمتیں متناہی اور آخرت کی نعمتیں غیر متناہی ہیں اسی لیے اس کی حمد کی نہ ابتداء ہے نہ انتہا۔ اور سالکین کا انتہائی مقصد بھی یہی ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

(۱) حمد شان چو حمد گلشن از بہار
صد نشانی دارد و صد گیر و دار

(۲) سر بہارش چشمہ و نخل و گیاہ
وان گلستان و نگارستان گواہ

(۳) تو ملاف از مشک کان بوئے پیاز
از دم تو میکند مکشوف راز

(۴) گلشکر خوردم ہمی گوئے و بوئے
می زند از سیر کہ یاوہ مگوئے

یعنی عارف کی حمد کی علامت یہ ہے کہ اس کا ہر عضو اللہ تعالےٰ کی حمد کرتا ہے بخلاف غیر عارف کے کیونکہ اسے یہ مقام نصیب نہیں اس لیے کہ دعوے کے لیے دلیل اور برہان ضروری ہے کیونکہ دعوٰی بلا دلیل بے کار ہوتا ہے (کما لا یخفی علی اہل الایقان)

ہم اللہ تعالےٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ
ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو رنج و
راحت میں ظاہرا و باطنا
اس کی حمد
کرتے ہیں۔

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ

ایسی جلد بھیجتا جیسی وہ بھلائی کی جلدی کرتے ہیں تو ان کا وعدہ پورا

اَجَلُهُمْ ؕ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ

ہوچکا ہوتا تو ہم چھوڑتے انہیں جو ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے کہ اپنی سرکشی میں

يَعْمَهُوْنَ ﴿١١﴾ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ

بھٹکا کریں اور جب آدمی کو تکلیف پہنچتی ہے ہمیں پکارتا ہے لیٹے

اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ

بیٹھے اور کھڑے پھر جب ہم اس کی تکلیف دور کردیتے ہیں چل دیتا ہے

يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا

گویا کبھی کسی تکلیف کے پہنچنے پر ہمیں پکارا ہی نہ تھا یونہی بھلے کر دکھائے ہیں حد سے بڑھنے والوں کو

يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا

ان کے کام اور بے شک ہم نے تم سے پہلی سنگتیں ہلاک فرمادیں جب وہ حد

ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا

سے بڑھے اور ان کے رسول ان کے پاس روشن دلیلیں لے کر آئے اور وہ ایسے تھے ہی

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿١٣﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ

نہیں کہ ایمان لاتے۔ ہم یونہی بدلہ دیتے ہیں مجرموں کو پھر ہم نے ان کے بعد تمہیں

خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٤﴾

زمین میں جانشین کیا کہ دیکھیں تم کیسے کام کرتے ہو

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ

اور جب ان پر ہماری روشن آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہنے لگتے ہیں جنہیں ہم سے

لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ

ملنے کی امید نہیں کہ اس کے سوا اور قرآن لے آیئے یا اسی کو بدل دیجئے تم فرماؤ مجھے نہیں پہنچتا

لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى

کہ میں اسے اپنی طرف سے بدل دوں میں تو اسی کا تابع ہوں جو میری

اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ⑮

طرف وحی ہوتی ہے میں اگر اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ

تم فرماؤ اگر اللہ چاہتا تو میں اسے تم پر نہ پڑھتا نہ وہ تم کو اس سے خبردار کرتا

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ⑯

تو میں اس سے پہلے تم میں اپنی ایک عمر گزار چکا ہوں تو کیا تمہیں عقل نہیں

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ

تو اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیتیں جھٹلائے

اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ⑰ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا

بے شک مجرموں کا بھلا نہ ہوگا اور اللہ کے سوا ایسی چیز کو پوجتے ہیں جو

لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا

ان کا کچھ بھلا نہ کرے اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے یہاں ہمارے سفارشی

عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ

ہیں تم فرماؤ کیا اللہ کو وہ بات بتاتے ہو جو اس کے علم میں نہ آسمانوں میں ہے

وَلَا فِي الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ⑱ وَمَا كَانَ

اور نہ زمین میں اسے پاکی اور برتری ہے اس کے شرک سے اور لوگ

النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ

ایک ہی امت تھے پھر مختلف ہوئے اور اگر تیرے رب کی طرف سے

مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ⑲ وَيَقُوْلُوْنَ

ایک بات پہلے نہ ہو چکی ہوتی تو یہیں ان کے اختلافوں کا ان پر فیصلہ ہو گیا ہوتا اور کہتے

لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَا
ہیں اس پر ان کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتری تم فرماؤ غیب تو اللہ کے لیے ہے
نْتَظِرُوْا ۚ اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝٢٠ ع
اب راستہ دیکھو میں بھی تمہارے ساتھ راہ دیکھ رہا ہوں

تفسیر عالمانہ

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ اور اگر اللہ تعالیٰ جیسا لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لوگوں پر برائی جلدی جیسی وُہ بھلائی کی جلدی کرتے ہیں۔

حلِ لغات: التعجیل بمعنے شے کو وقت سے پہلے لانا اور استعجال بمعنے طلب العجلۃ اور الشر سے عذاب مراد ہے اس لیے کہ سزا یافتہ کے لیے عذاب شر کی طرح مکروہ اور ایذا دینے والا ہے۔

شانِ نزول

مروی ہے کہ نضر بن الحارث، جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا منکر تھا، نے کہا تھا، اے اللہ! اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی نبوت کے دعویٰ میں حق پر ہیں تو ہمارے اوپر آسمان سے پتھر برسا، یا ہمارے ہاں دردناک عذاب لا۔

اس کے رد میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کافروں کے لیے عذاب میں جلدی فرماتا جیسے ان کے لیے بھلائی اور رحمت و عافیت دینے میں جلدی کرتا ہے لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ تو ان کے اجل پورے ہو جائیں جو وہی ان کے عذاب کا موجب ہیں یعنی ہم انھیں تباہ و برباد کردیں کہ ایک لمحہ کی بھی انھیں فرصت نہ ملے اگرچہ ان کی ہیئت ترکیبیہ کے لیے ہمیں دیر نہیں کہ انھیں تباہ و برباد کر کے عذاب میں مبتلا کردیں لیکن ہم عجلت نہیں کرتے اور نہ ان کے لیے ابھی عذاب بھیجتے ہیں فَنَذَرُ الَّذِيْنَ اس کا عطف یعجل پر نہیں بلکہ فعل مقدر پر ہے اسی لیے کہ اگر اس کا عطف یعجل پر ہو تو یہ بھی امتناعی حکم میں داخل ہوگا جیسا کہ لفظ لَوْ کا تقاضا ہے اور یہ حکم امتناعی ہیں نہیں اس لیے کہ تعجیل تو ابھی واقع نہیں ہوئی اور ترک طغیان واقع ہوا۔ (کذا فی تفسیر ابی البقاء) یعنی ہم ان لوگوں کو چھوڑ دیتے ہیں جو لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ہمارے ہاں حاضر ہونے کی اُمید نہیں رکھتے یعنی ہماری آخرت کی جزا و سزا کی انھیں امید نہیں ہے جبکہ یہی آخرت ہماری حاضری کا مقام ہے اور اُمید کیا ہو جبکہ وُہ سرے سے آخرت میں اُٹھنے کے منکر تھے فِيْ طُغْيَانِهِمْ طغیانی سے آخرت میں حاضری کا عدم تصور اور مر اُٹھنے اور جزا و سزا کا انکار مراد ہے اور یہ فنذر کے متعلق ہے یا يَعْمَهُوْنَ ۝ کے۔ یعنی ہم انہیں ان کی طغیانی میں چھوڑ دیتے ہیں درانحالیکہ وہ متحیر و متردد رہیں گے۔

نکتہ: ان کے عذاب یا ان کی موت اور تباہ و بربادی میں عجلت نہ کرنے میں حکمت اور راز یہ ہے کہ انھیں موقعہ دیا جائے

ممکن ہے کہ وہ ایمان لائیں چنانچہ بہت سے خوش بختوں کو اس مہلت سے دولتِ ایمان نصیب ہوئی یا ان کی پشتوں میں کوئی ایسے خوش نصیب ہوں جو ایمان لائیں۔

چنانچہ صحابہ کرام اور تابعین وغیرہم میں بہت سے ایسے خوش بخت تھے جن کے آباؤ اجداد تو کفر میں مرے لیکن انھیں دولتِ ایمان سے نوازا گیا۔ بنا بریں انھیں مہلت ملی اور عذاب وغیرہ میں مبتلا نہ ہوئے۔

مسئلہ: حدادی نے فرمایا کہ یہ آیت عام ہے کہ مجرم اور گنہگار کو جلدی سزا دینے یا عذاب میں مبتلا نہیں کیا جاتا تاکہ اسے اپنے کیے سے توبہ کرنے کا موقعہ مل جائے۔

مسئلہ: اسی طرح جو بندہ اپنے اور اپنے بچوں اور عزیزوں کے لیے بددعا کرتا ہے تو اس کی بددعا مستجاب نہیں ہوتی۔ مثلاً جب لڑکے یا کسی عزیز کے لیے ناراضگی میں کہے:

اللھم لا تبارك فيه والعنه۔

اے اللہ! اسے برکت نہ دے اور اس پر لعنت بھیج۔

یا مثلاً اپنے لیے کہے:

رفعني الله من بينكم۔

مجھے اللہ تعالیٰ تمہارے سے اٹھا لے یعنی موت دے دے۔

ایسی دعائیں بھی اسی آیت کے حکم سے مستجاب نہیں ہوتیں۔

حدیث شریف ۱

دعاء المرء علی محبوبه غیر مقبول۔

بندے کی دعا اپنے عزیز کے لیے مقبول نہیں ہوتی۔

حدیث شریف ۲

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انی سئلت الله لا یقبل دعا حبیب علی حبیبه۔

میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا ہے کہ اپنے پیارے محبوب عزیز کے لیے دعا قبول نہ فرمائیے۔

سوال: ایک اور حدیث مضمونِ بالا کے خلاف ہے وہ صحیح حدیث یہ ہے:

ان دعاء الوالد علی والده لا یرد۔ (کذا فی المقاصد الحسنه)

باپ کی بددعا اولاد کے لیے رد نہیں ہوتی۔

جواب: یہ والد کے لیے خصوصیت رکھی گئی ہے۔ فلہٰذا وہ اس حکم مذکور سے مستثنیٰ ہے۔

حدیث شریف

شہر بن حوشب فرماتے ہیں کہ:

میں نے بعض کتب میں پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ موکل فرشتوں سے فرماتا ہے کہ میرے بندے

کے وہ کلمات نہ نکھا کرو جو وہ بوقتِ غصہ بولتا ہے ۔

ربط : یہ کفار عذاب میں عجلت کی طلب میں جھوٹے ہیں اس لیے کہ اگر ان پر عذاب کے بجائے تھوڑی سی تکلیف پہنچتی ہے تو صبر نہیں کرتے بلکہ اس کے ازالہ کے لیے نہایت عجز و انکساری سے دعائیں مانگتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا :

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ اور جب انسان کو پہنچتا ہے الضُّرُّ یعنی کسی قسم کا دُکھ جیسے مرض اور فقر و فاقہ وغیرہ اسی طرح کی اور تکالیف معمولی سہی دَعَانَا تو اس کے ازالہ کے لیے ہمارے سے خلوص کے ساتھ دُعا مانگتا ہے لِجَنْۢبِهٖٓ اپنی کروٹ پر ۔ لام بمعنے علی ہے ۔ چنانچہ دُوسرے مقام پر ہے :

یخرون للاذقان ۔

یعنی وہ ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہیں ۔

یعنی وُہ زمین پر بوجہ مرض کے لیٹ کر تکلیف کے ازالہ کے لیے نہایت عاجزی سے ہمارے سے دعا مانگتے ہیں۔

اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ج درانحالیکہ وُہ بیٹھے اور کھڑے ہوتے ہیں ۔

سوال : بندے کی دُعا کی حالت کو ان تینوں (جنب ، قعود ، قیام) سے مقید کرنے کا کیا فائدہ ؟

جواب : عموماً انسان کی حالت اضطرار ان تینوں حالتوں پر ہوتی ہے کیونکہ انسان جب بیماری اور تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے تو لیٹ جاتا ہے اگر کچھ تخفیف پاتا ہے تو اُٹھ بیٹھتا ہے ، مزید افاقہ پاتا ہے تو کھڑا ہو جاتا ہے اور اپنے دُکھ اور تکلیف کے ازالہ کے لیے دُعائیں مانگتا ہے ۔

ف : حرفِ اَوْ تردید کے طور پر اس لیے لایا گیا ہے تاکہ اصنافِ ضرر میں تعمیم کا اظہار ہو یا حرفِ تردید اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ بندہ اپنی تکلیف کے ازالہ کے لیے ہر سہ حالتوں میں دُعا کرتا ہے اور وہ ان تین حالتوں سے خالی نہیں ہوتا ۔

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ پس جب ہم اس سے دفع کرتے ہیں ضُرَّهٗ اس کا ضرر، اس کی مخلصانہ اور عاجزانہ دُعا کی وجہ سے مَرَّ تو چل پڑتا ہے اسی طریقہ پر جو دُکھ اور تکلیف سے پہلے تھا یعنی جہد و بلاء کو بھلا دیتا ہے اور بطریقِ سابق کفر و معاصی میں مبتلا ہو جاتا ہے كَاَنْ گویا لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ط کسی تکلیف کے پہنچنے پر اس نے ہمیں پکارا نہیں تھا اسے اس انسان سے تشبیہ دی گئی ہے جو اپنے دُکھ اور درد کے ازالہ کے لیے دُعا نہ مانگے اور وہ مر کے فاعل سے حال ہے اور بعض افراد ان اوصاف سے موصوف تھے بنا بریں اسے جنس پر محمول کیا جائے گا۔ كَذٰلِكَ یہ اشارہ اس تزیین کی طرف ہے جو زین میں ہے اور کاف محلاً منصوب ہے اس لیے کہ مصدر محذوف کی صفت ہے اور مصدر زین میں محذوف ہے زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ حد سے بڑھنے والوں کے اعمال بھلے کر کے دکھائے جاتے ہیں۔ یعنی ان کے وُہ اعمال جو مذکور ہوئے مثلاً تضرع سے اعراض اور دُکھ اور درد دور ہونے کے بعد شہوات میں منہمک ہو جانا ۔

سوال: کافر کو مسرف کیوں کہا گیا جبکہ مسرف وُہ ہوتا ہے جو مال وغیرہ میں اسراف کرے۔

جواب: جیسے مال میں اسراف ہوتا ہے ایسے ہی دینی امور میں غفلت کرنے کو اسراف سے تعبیر کیا جاتا ہے اور واقعی جس طرح اسراف فی الاموال ہوتا ہے ایسے ہی بندہ اتباعِ شہوات و تضییع عمر میں بھی تجاوز عن الحد کا ارتکاب کرتا ہے جس سے اسے سنگین نقصانات اُٹھانے پڑتے ہیں۔

صائب نے کہا: ؎
ازیں چہ سُود کہ در گلستاں وطن دارم
عمر چو نرگس بخواب مے گزرد

ترجمہ: اس سے مجھے کیا فائدہ اگرچہ میں باغ میں مقیم ہوں جبکہ میری عمر نرگس کی طرح نیند کرتے گزرتی ہے۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ اور بے شک ہلاک اور برباد کیں سنگتیں یعنی اُمم ماضیہ سے جیسے نوح علیہ السلام اور عاد کی قومیں۔ مِنْ قَبْلِكُمْ یہ اَهلکنا کے متعلق ہے القرون سے حال نہیں اس لیے کہ قرون اسم زمان ہے اور اس سے حال نہیں بن سکتا یعنی اے مکہ والو! تمہارے زمانے سے پہلے والے لوگوں کو ہم نے تباہ و برباد کیا لَمَّا ظَلَمُوْا جبکہ انھوں نے ظلم کیا یعنی تکذیب اور قویٰ و اعضاء کو غلط امور میں استعمال کر کے حد سے متجاوز ہوئے۔ وَجَآءَتْهُمْ حالانکہ ان کے ہاں تشریف لائے رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ان کے رسول روشن دلیلیں لے کر جو اُن کی صداقت پر دلالت کرتی تھیں وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ط اور وُہ ایسے نہیں تھے جو ایمان لاتے کیونکہ ان کی استعداد ختم ہو چکی تھی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے کردار سے انھیں اپنی درگاہ سے دُور کر دیا تھا اور اسے علم تھا کہ ان کی موت کفر پر واقع ہو گی اس کا عطف ظَلَمُوْا پر ہے گویا ان کے حق میں کہا گیا ہے کہ وُہ ایسے تھے جب انہوں نے حد سے تجاوز کیا اور کفر پر ڈٹ گئے تو اب مزید انہیں مہلت دینے سے کوئی فائدہ نہیں تھا اسی لیے انھیں تباہ و برباد کر ڈالا۔

كَذٰلِكَ اسی طرح کی جزا کے یعنی رسل کرام علیہم السلام کی تکذیب اور کفر پر اصرار کی وجہ سے اب وہ اس لائق ہو گئے ہیں کہ انہیں مہلت دی جائے بلکہ انھیں تباہ و برباد کیا جائے یہ ان کی جزا ہے اور ہم اسی طرح نَجْزِی الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ○ بدلہ دیتے ہیں مجرم قوموں کو۔ ہر مجرم کو اس کے جرم کی سزا یونہی ملتی ہے ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ پھر ہم نے تمہیں ان کے بعد ان کا جانشین بنایا یعنی ان گزشتہ امتوں کے فنا و برباد ہونے کے بعد تمہیں ان کا ایسا جانشین بنایا کہ تمہارا امتحان لیا جا سکے۔

سوال: ممتحن امتحان اس لیے لیتا ہے کہ اسے امتحان لیے بغیر اس [illegible] کے حالات کا صحیح علم نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ کو ہر ایک کا علم ہے۔

جواب: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ممتحن جیسا معاملہ فرماتا ہے تاکہ ان کے اعمال کے مطابق انہیں جزا و سزا دے۔

لِنَنْظُرَ تاکہ ہم دیکھیں۔ النظر بمعنے آنکھوں کو دیکھی ہوئی شے کو دیکھنے کے لیے پھیرنا۔ لیکن یہ معنیٰ اللہ تعالےٰ کے لیے محال ہے اسی لیے مجازاً یہاں پر بمعنے وہ علم جو محقق ہو کہ جس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ ہو۔ اس دیکھنے والے سے تشبیہہ دی گئی ہے جو اپنی آنکھوں سے شے کے عین کو معاینہ و مشاہدہ کے طور پر دیکھتا ہے ایسے علم پر نظر و رؤیت کا

اطلاق استعارہ تصریحیہ کے طور پر ہوتا ہے پھر اس کے فعل پر ایسا استعارہ تبعًا مستعمل ہے۔

ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ :

"تا بہ بینم در صورت شہادت بعد از انکہ دانستیم در غیب شما کہ **کَیۡفَ تَعۡمَلُوۡنَ** چہ گونہ عمل خواہید کرد از خیر و شر تا شما بمقتضائے اعمال شما معاملہ کنیم ان **خیرا فخیرا** و ان **شرا فشر**۔ یعنی تاکہ میں تمہیں عالمِ شہادت میں جانوں بعد ازاں کہ میں نے تمہیں عالمِ غیب میں جان لیا تھا کہ تم کیسے عمل کرو گے۔ یاد رکھو کہ میں تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق جزا و سزا دُوں گا اگر نیکی کرو گے تو نیک جزا پاؤ گے اگر بُرائی کرو گے تو سزا پاؤ گے۔

چرا آئینہ فعلست گوئی

کہ در وے ہر چہ کردی مینماید

اگر کردی نکوئی نیک بینی

وگر بد کردہٗ بد پیشت آید

ترجمہ : شیشہ تیرا اپنا عمل ہے جو کچھ کرے گا وہی تجھے نظر آئے گا اگر نیکی کرے گا تو تجھے نیکی نظر آئے گی اگر بُرائی کرے گا تو تجھے بُرائی پیش آئے گی۔

ف : کیف تعملون کا معمول ہے اور ماقبل استفہام کے معنے پر عمل نہیں کر سکتا اور اس سے فائدہ یہ ہے کہ استفہام بتاتا ہے کہ جزا میں افعال کے جہات و کیفیات مطلوب ہیں وہ ذاتی حیثیت سے کچھ نہیں اسی لیے اس کے بعد کبھی فعل کا ہونا مستحسن ہوتا ہے اور کبھی قبیح۔

حدیث شریف میں ہے :

ان الدنیا **حلوۃ خضرۃ تعجب الناظر**۔ بے شک دُنیا میٹھی اور خوش منظر والی ہے۔ دیکھنے والے کو اچھی لگتی ہے۔

شرح الحدیث دُنیا سے اس کی صورت اُور اس کا ساز و سامان مراد ہے اور اسے **خضرۃ** سے اسی لیے کہا گیا ہے کہ اہلِ عرب بہترین اور اچھی شے کو خضراء کہتے ہیں اور اسے سبزیوں سے مشابہت ہے کہ جس طرح سبزیاں سریع الزوال ہیں۔ ایسے ہی دنیا جلد فنا ہونے والی ہے اس میں اشارہ ہے کہ دُنیا ایسی فریب کار ہے کہ اس سے انسان دھوکہ کھا جاتا ہے۔

حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا : ؎

خوش عروسیت جہان از رہ صورت لیکن

ہر کہ پیوست بدو عمر خودش کابین داد

ترجمہ دنیا دُلہن کی طرح بہتر منظر والی ہے جو اس سے تعلق جوڑتا ہے اسے اپنی زندگی حق مہر میں دینی

پڑتی ہے۔

ف: فتح القریب میں ہے کہ دنیا کا حسن اور اس کی رونق اور لذت طبائع کو میٹھے اور تازہ میووں کی طرح محسوس ہوتی ہے اسی لیے نفس اسے حریصانہ طور پر حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اگرچہ ظاہری طور تو خوش منظر اور خوش ذائقہ اور اعلیٰ ترین محسوس ہوتی ہے لیکن اس کا نتیجہ نہایت گندا اور برا بلکہ کڑوا ہے یوں سمجھو کہ ابتداءً شیرِ مادر کی طرح ہے لیکن انجام بکار ایسا ہوتا ہے جیسے ماں دودھ چھڑانے پر بچے کو دکھ اور تکلیف محسوس ہوتی ہے۔

بقایا الحدیث

وان اللہ مستخلفکم فیھا اور تمہیں اللہ تعالےٰ نے دنیا میں ان کا خلیفہ بنایا ہے ، یہ اموال درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ہیں اس نے تصرف کرنے کے لیے تمہیں اپنا وکیل فرمایا ہے **فناظر کیف تعملون۔** پس تمہیں دیکھتا ہے کہ تم کس طرح عمل کرتے ہو۔

یعنی دیکھتا ہے کہ تم اس میں جائز تصرف کرتے ہو یا ناجائز۔ یا یہ معنےٰ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے پہلے لوگوں کے اموال کا نائب بنایا ہے کہ جو کچھ ان کے ہاں تھا وہ سب تمہیں دے دیا۔ پھر دیکھتا ہے کہ تم ان کے احوال سے تدبر و تفکر کرکے عبرت کرتے ہو یا نہ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وعظ و نصیحت

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کا حکم مبنی برحقیقت ہے کہ اس نے اس دنیا کا ہمیں خلیفہ بنا کر ہمارا امتحان لینا چاہا ہے کہ کیسے عمل کرتے ہیں۔ ہم سب کو چاہیے کہ شب و روز اور ظاہراً و باطناً ایسے عمل کریں جن سے وہ خوش ہو۔

مسئلہ: آیت میں اہلِ مکہ کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب پر وعید سنائی گئی تاکہ وہ انکار نبوت اور عذاب کی طلب کی عجلت سے باز آجائیں اس خطرہ سے کہ ان پر ایسا عذاب نازل ہو کر ان کی جڑ کٹ جائے جیسے پہلے مکذبین برباد اور تباہ ہوئے۔

مسئلہ: یہ صرف اہلِ مکہ کے لیے وعید و تہدید نہیں بلکہ قیامت آنے والے سب لوگوں کو ہے کہ ہر آنے والا جانے والے کا جانشین ہوتا ہے۔

سبق: ہر سمجھدار پر لازم ہے کہ وہ گزشتہ لوگوں کے حالات سے عبرت پکڑے اور نزولِ قضا سے پہلے ہی اپنے احوال کو سنوار لے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت اس خلافت حقیقیہ کی حقدار ہے جو اللہ تعالےٰ نے آدم علیہ السلام کے لیے انی جاعلٌ فی الارض خلیفۃ کے ارشاد کے مطابق مختص فرمائی، یہی راز ہے کہ گزشتہ اُمتوں میں جتنا اللہ تعالےٰ کے نائبین گزرے ہیں ان کی ظاہری باطنی خلافت حضور علیہ السلام کی امت کے سپرد فرمائی ہے۔

ف : خلافتِ الٰہیہ کی ایک ظاہری صورت ہے اور ایک باطنی۔

اس کی ظاہری صورت تو یہی ہے کہ قانونِ شرع کے مطابق رعیت ظاہری پر عدل و انصاف کا اجراء کیا جائے اور طبع نفسانی اور امر شہوانی سے اجتناب کیا جائے۔

اسی طرح خلافتِ باطنی کا بھی یہی مطلب ہے کہ رعیت باطنی پر قانونِ معنوی کا اجراء ہو اور رعیت باطنی سے جوارح، اعضا، قلب، رُوح، سر، نفس اور اس کے صفات و اخلاق اور حواسِ خمسہ اور قوائے نفسانیہ مراد ہیں یہ طریقہ انبیاؑ اور خواص اولیاء کو نصیب ہوتا ہے کہ وہ طلبِ حق اور باطل سے اجتناب اور ترکِ ماسوی اللہ و وصول الی اللہ میں زندگی بسر کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اور جب مشرکینِ مکہ پر پڑھی جاتی ہیں اٰيَاتُنَا ہمارے قرآن پاک کی آیتیں جو توحید کی حقیقت اور کفر و شرک کے بطلان پر دلالت کرتی ہیں بَيِّنٰتٍ درانحالیکہ توحید کی حقیقت اور شرک کے ابطال پر واضح طور دلالت کرتی ہیں۔ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا تو کہتے ہیں وہ لوگ جو ہمارے ملنے کی اُمید نہیں رکھتے یعنی انھیں ہمارے دیدار اور ہمارے ہاں حاضر ہونے کی اُمید نہیں اس سے وُہ لوگ مراد ہیں جو حشر و نشر کے قائل نہیں۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے وصال کا شوق نہیں۔ اس لیے کہ وصالِ الٰہی کا شوق زندہ دل کو ہوتا ہے اور ان کے قلوب تو مُردہ ہو چکے ہیں اگرچہ ظاہری طور وُہ زندہ ہیں اور قرآن کی باتیں زندہ دل کو محبوب اور مُردہ دل کو کڑوی لگتی ہیں اس لیے یہ لوگ قرآن پاک کی آیات کی تکذیب کرتے ہیں۔ ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ جو قرآن پاک آپ پر اُترا ہے اس کے سوا کوئی اور قرآن لاؤ جس کی ترتیب اور الفاظ اس سے جُدا ہوں[1]۔ اور کہتے ہیں کہ وُہ نیا قرآن وہ ہو جس میں بعث و نشر اور جزاء و سزا کا ذکر نہ ہو اور نہ ہی اس میں ہمارے خداؤں کی تحقیر اور تردید ہو۔ اَوْ بَدِّلْهُ یا اسے تبدیل کر دیجئے یعنی اگرچہ اس کی ترتیب اور الفاظ یہی ہوں لیکن وُہ آیات نکال دیجئے جو ہمارے طریقے کے خلاف ہیں اور وہ آیات داخل کر لیجئے جو ہمارے موافق ہوں اسی طرح وُہ آیات بھی نہ ہوں جن میں ہمارے معبودوں کی مذمت ہے جیسے یہودیوں اور نصرانیوں کے علماء نے کیا کہ توراۃ و انجیل کو بدل ڈالا اور اس کی وُہ باتیں از خود بنا ڈالیں جو ان کی خواہشات کے موافق ہیں۔

ف : انہوں نے یہ اس ارادہ پر کہا کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی مراد پُوری فرمائیں گے تو ہم کہیں گے:

اے نبی علیہ السلام! تم اپنے دعوٰی میں جھُوٹے ہو جبکہ تم کہتے ہو کہ یہ کلام اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہے۔ اور وہ ایک فرشتہ لاتا ہے اس لیے کہ اگر تمہاری بات سچی ہوتی تو اب تم نے اپنی طرف سے ہمارے کہنے پر کیوں عمل کیا[2]۔ یہ تم

---

[1] شیعہ کی بات مشرکینِ مکہ سے ملتی ہے کہ جیسے وہ اس کا انکار کرتے یہ بھی اس قرآن کا انکار کر کے منتظر امام کے قرآن کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

[2] یہی بات ہم وہابیہ کو کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام سے جب کسی فعل کی نفی ہوتی یا علم کے منافی کوئی بات ہوتی تو اس سے عدم اختیار یا علم نہ ہونے کا ثبوت نہیں ملتا بلکہ اس میں حکمت ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ پر افترا کرتے ہو۔ اسی لیے فرمایا:

قُلْ مَا یَكُوْنُ لِیْٓ فرمائیے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! میرے لیے جائز نہیں اور نہ ہی مجھے کوئی قدرت ہے اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ کہ میں اسے اپنی طرف سے تبدیل کروں[1]

مسئلہ: اس میں اشارہ ہے کہ حضور علیہ السلام سے دوسرا قرآن لانا ممتنع ہے (کذا فی البیضاوی) کشاف کے مضمون سے قاضی بیضاوی کا مضمون بہتر ہے۔

نکتہ: قرآن کو تبدیل کرنا تو انسان کے امکان میں ہے لیکن اس جیسا دوسرا قرآن لانا اس کی قدرت میں نہیں، اس لیے اس تبدیل کا مطلب یہ ہے کہ قرآن جیسی سورۃ بنالی جائے یا اس قدر بعینہٖ قرآن جیسا مضمون لایا جائے۔ یہ قرآن کے اعجاز کے خلاف ہے فلہٰذا اس کی نظیر ناممکن بلکہ ممتنع ہے۔ کما لایخفٰی علی العاقل یعنی یہ بیّن اور واضح ہے۔ ہر سمجھدار کو اس کا اقرار ہے (سوائے شیعہ شنیعہ اور منکرین اسلام کے)۔

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓى اِلَیَّ میں نہیں تابعداری کرتا مگر اس وحی کی جو میری طرف آتی ہے یہ ماقبل کی علت ہے یعنی جو کسی دوسرے حکم کا متبع ہے وہ اس کی اجازت کے بغیر اپنی طرف سے کسی قسم کا تصرف نہیں کرتا یعنی میں صرف وہی کرتا ہوں جو میری طرف اللہ تعالیٰ سے آتا ہے اس میں تغیر و تبدل کا سوال کیسا۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حال وحی پر مبنی تھا۔ اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ وحی آپ کے حال پر مبنی تھی جیسا کہ ظاہر کلام سے واضح ہے۔

خلاصہ یہ کہ میں وہی کرتا ہوں جو میرے رب کریم کا حکم ہوتا ہے۔ اس آیت کی تحقیق سورۂ انعام میں بیان ہو چکی ہے اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ اگر قرآن کو تبدیل کر کے اپنے رب کی نافرمانی کروں تو ڈرتا ہوں عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ۝ بڑے دن یعنی قیامت کے عذاب سے۔

مسئلہ: آیت سے معلوم ہوا کہ جس طرح آیات قرآنیہ کی تبدیلی حرام ہے اسی طرح اس کی تبدیلی کی طلب بھی حرام ہے اس لیے کہ منطقی قاعدہ ہے کہ نتیجہ کا مدار مقدمہ پر ہوتا ہے جس امر کا مقدمہ حرام ہے اس کا نتیجہ بھی لازمًا حرام ہوگا۔

قاعدہ: جو چیز حرام یا مکروہ کا سبب ہو وہ شے بھی حرام اور مکروہ ہوتی ہے۔

مسئلہ: ہمارے دور میں بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ روزہ رکھنا کتنا سخت کام ہے یا اسی طرح دوسرے امور شرعی شاقہ کے لیے کہہ دیتے ہیں کہ وہ بہت سخت ہیں تو وہ بھی حرام کے مرتکب ہوتے ہیں اور ایمان دار کو لائق نہیں کہ وہ ایسی باتیں کہے ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں اپنی مہربانی سے ایسے امور میں واقع ہونے سے بچائے جو ہلاکت کا موجب بنتے ہیں

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ فرمائیے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! اگر اللہ تعالیٰ چاہے کہ میں تم پر آیاتِ قرآنی نہ پڑھوں تو مَا تَلَوْتُهٗ عَلَیْكُمْ میں تمہارے لیے ہرگز نہ پڑھتا اس لیے کہ میں اُمّی ہوں اور اُمّی کے لائق نہیں کہ وہ ایسی مشکل

---

[1] اسی وجہ سے ہم حضور علیہ السلام کو معصوم اور مختار کل مانتے ہیں۔

عبارات پڑھ سکے جیسا میرا ابتدائی معاملہ تم دیکھ چکے اور وہ بھی سُن چکے کہ جبریل علیہ السلام میں ابتداءً آکر مجھے کہتا: پڑھو۔ تو میں کہتا کہ میں پڑھنا نہیں جانتا[1]۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا۔ اس کے بعد کہا:

اقراء باسم ربك الذی خلق۔ پڑھیے اپنے رب تعالیٰ کے نام سے جس نے تمہیں پیدا کیا۔

اس کے بعد میں نے اس وقت پڑھا جب مجھے میرے رب تعالیٰ نے پڑھنے والا بنایا اگر وہ مجھے پڑھنے کی قدرت نہ دیتا تو میں تمہارے ہاں کچھ بھی نہ پڑھ سکتا۔

حکایت ایک اُمی ولی اللہ کو آپ کے ایک مخالف نے کہا کہ حضرت وعظ سنائیے، اسے معلوم تھا کہ وہ ان پڑھ اور عجمی آدمی ہیں عربی نہیں جانتے اور نہ ہی آپ کو بولنا آتا ہے اگر انکار کریں گے تو بھی رُسوا ہوں گے اگر وعظ کریں گے تو بھی عوام میں اپنی کمزوری پر شرمسار ہوں گے۔ اس ولی اللہ کو منکر کے اس طعن سے سخت پریشانی ہوئی تو رات کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں زیارت کرائی اور فرمایا:

وعظ کرو، میری طرف سے اجازت ہے۔

چنانچہ صبح کو مجلسِ وعظ منعقد ہوئی آپ منبر پر تشریف لائے اور ایسا بہترین وعظ و تقریر فرمائی کہ تمام لوگ عش عش کر اٹھے آپ نے فرمایا:

واقعی میں ایک عجمی انسان ہوں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے عربی زبان پر قدرت بخشی اور وعظ و تقریر کا ملکہ عطا فرمایا اور وہ بہت بڑا قادر ہے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

فیضِ روح القدس ار باز مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا میکرد

ترجمہ: رُوح القدس کا فیض اگر کسی کی مدد فرمائے تو وہ وہی کر سکتا ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کیا کرتے تھے۔

وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ اور نہ میں تمہیں اس کی خبر دیتا ادریٰ دریت الشئی و دریت بہ کی ماضی ہے بمعنے علمتہٗ۔ و ادرانیہ غیری یعنی مجھے فلاں نے بتایا۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اگر اللہ تعالےٰ تمہیں میری زبان اقدس سے نہ جتلاتا اور نہ ہی اس کی تمہیں کچھ سمجھ دیتا فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ پس میں تم میں گزار چکا ہُوں اور تمہارے ہاں ٹھہرا ہُوں عُمُرًا عرصہ دراز تک۔ عمر بضمتین بمعنے زندگی۔ اس کی جمع اعمار آتی ہے۔ (کذا فی القاموس)

ف: ابوالبقاءُ نے فرمایا کہ اس کا منصوب ہونا علی الظرفیہ ہے یعنی زندگی کی ایک مدت۔

ف: ابن الشیخ نے فرمایا:

---

[1] اس کی تفصیل ہم نے "تفسیر اویسی" میں درج کی ہے۔

عمر بمعنے لمبی عمر۔ اور اس سے وہی چالیس سال مراد ہیں جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل اظہارِ نبوت بسر فرمائے۔

مِنْ قَبْلِهٖ قرآن کے نزول سے پہلے میں تمہارے سامنے نہ کچھ پڑھتا تھا اور نہ کچھ اور اس قسم کی باتیں بتاتا۔

نبی علیہ السلام کی مختصر سوانح عمری

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اظہارِ نبوت سے پہلے مکہ میں قیام پذیر رہے۔ اس کے بعد آپ پر وحی کا نزول ہوا۔ نزولِ وحی کے بعد آپ مکہ معظمہ میں تیرہ سال رہے۔ اس کے بعد آپ مدینہ طیبہ ہجرت فرما گئے۔ مدینہ طیبہ میں آپ نے دس سال گزارے۔ آپ کی کل عمر مبارک تریسٹھ سال تھی۔ ظاہر ہے کہ آپ نے مکہ والوں کے ہاں چالیس سال بسر فرمائے۔ اس اثنا میں نہ آپ نے کسی سے کچھ سیکھا اور نہ ہی کسی عالم کی صحبت میں بیٹھے نہ ہی آپ نے کوئی تقریر سیکھی۔ پھر انھیں ایک فصیح و بلیغ کتاب پڑھ کر سنائی کہ جس کے سامنے ہر فصیح و بلیغ سر جھکانے پر مجبور ہو گیا۔ نہ ہی کوئی نثر مقابلہ کر سکی نہ نظم۔ طرفہ یہ کہ وہ جمیع اصول و فروع کے قواعد کو حاوی تھے اوّلین کے جمیع حالات اور آنے والے تمام بیانات واضح طور پر بیان فرمائے تو مجبورًا ماننا پڑا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے پڑھایا سکھایا ہے اور جو کچھ آپ پڑھتے ہیں وہ خارق للعادہ کے لحاظ سے معجزہ ہے۔

امی دانا کہ بعلم فزون
راند رقم بر ورق کاف و نون
بے خط و قرطاس ز علم ازل
مشکل لوح و قلمش گشت حل

ترجمہ: وہ اُمّی عالم کہ جس کے علم کا کنارہ کہاں، کُن کے ورق سے جس نے اپنے علمی جوہر بکھیرے نہ اسے کاغذ کی ضرورت نہ خط کی وہ تو علمِ ازل کے حافظ ہیں لوح و قلم کے علوم انہی سے حل ہوتے ہیں۔

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ کیا پس تم سمجھتے نہیں۔ یعنی تم اپنے تدبر و تفکر کو عمل میں لاؤ تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ یہ کلام میرا نہیں بلکہ میرے رب تعالیٰ کا ہے فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا پس کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتا ہے۔

اس آیت میں احتراز ہے ان کے اس قول سے جو انہوں نے حضور علیہ السلام کی طرف منسوب کیا وہ یہ کہ کفار کہا کرتے کہ یہ قرآن نبی علیہ السلام نے خود بنایا ہے اور اسے اللہ تعالےٰ کا کلام کہہ کر اللہ تعالیٰ پر افترا کرتے ہیں چنانچہ ائت بقراٰن غیر ھٰذا او بدلہ اسی طرف اشارہ کرتا ہے جب فمن اظلم ممن افترٰی علی اللہ کذبا کہہ کر حضور علیہ السلام نے کفار کو سمجھایا کہ میں قرآن مجید خود بنا کر اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کرتا۔ اگر مجھ سے بفرضِ محال یہ بات ثابت ہو جائے تو مجھ جیسا ظالم اور کون ہوگا۔ یہ کام مجھ سے ہرگز نہیں ہوا بلکہ یہ یقینًا کلامِ ربانی اور وحیِ الٰہی ہے فلہذا تم مجھے نبی برحق مانو اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ یا وہ اللہ تعالیٰ کے آیات کی تکذیب کرکے

کفر کرتا ہے۔ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ بیشک مجرم عذابِ الٰہی سے نہیں بچ سکیں گے اور نہ ہی کسی مقصد کو حاصل کر سکیں گے۔

تفسیر صوفیانہ انهٗ لا یفلح المجرمون کا مطلب یہ ہے کہ کاذب و مکذب لوگ قید کفر اور خواہشات کے حجابات اور دُوری و بُعد کے عذاب اور نفس کی آگ سے چھٹکارا نہیں پا سکیں گے اس لیے کہ طریقت صدق و اخلاص سے نصیب ہوتی ہے کذب و ریا سے طریقت کو کسی قسم کا تعلق اور واسطہ نہیں جس نے سچائی اختیار کی وہ کامیاب ہوگا یعنی وصالِ حق سے بہرہ ور ہوگا اور جو جھوٹ بولتا ہے وُہ نقصان پائے گا بلکہ تباہ و برباد ہوگا۔

نجات کا نسخہ روحانی تمام علماء کا اتفاق ہے کہ تین ایسی خصلتیں ہیں کہ اگر وُہ صحیح ہوں تو نجات یقیناً نصیب ہوگی اور وہ تینوں ایک دُوسری کے بغیر پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتیں:

۱۔ اسلام جس میں ظلم کی ملاوٹ نہ ہو۔

۲۔ طیب اور حلال غذا۔

۳۔ اعمال میں صدق و اخلاص۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین اعمال چوٹی کے افتراء سمجھے جاتے ہیں:

۱۔ اپنی آنکھوں پر افتراء ——— وہ یہ کہ کسی شے کو دیکھا نہ ہو لیکن کہے کہ میں نے اسے دیکھا یعنی جھوٹا خواب بیان کرنا۔

۲۔ اپنے والدین پر افتراء ——— یعنی اپنے آپ کو کسی دوسرے کی اولاد بتائے۔

۳۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی حدیث منسوب کرے۔ مثلاً کہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے حالاں کہ وہ حدیث آپ سے نہیں سُنی۔ (کذا قال ابو القاسم الفقیہہ رحمہ اللہ تعالیٰ)

تنبیہ از صاحب روح البیان حضرت اسماعیل حقی قدس سرّہٗ نے فرمایا کہ جب ایک عام آدمی پر بہتان تراشی گناہِ کبیرہ ہے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام پر افتراء کا کیا حال ہوگا اس لیے کہ وُہ اللہ تعالیٰ کے امین ہوتے ہیں ان کی طرف اللہ تعالےٰ کے پیغامات پہنچتے ہیں جس نے کسی نبی علیہ السلام کی طرف نسبت کی تو گویا اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا اور اس کی سزا قرآن میں سخت تر بتائی گئی ہے۔

ف: ایسے ہی اللہ تعالےٰ کے کسی ولی کی طرف کسی بات کا منسوب کرنا بھی گناہِ کبیرہ ہے اس لیے کہ انھیں منجانب اللہ بذریعہ الہام انکشافات ہوتے ہیں ان کی طرف کسی شے کی نسبت گویا اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا ہے۔

وہابیہ کے ایک وہم کا ازالہ بعض لوگ دھوکہ دیتے ہیں کہ ان پڑھ ولی اللہ نہیں ہو سکتا یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ یہ دراصل شانِ ولایت کے بجائے شانِ نبوت پر حملہ ہے اس لیے کہ

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب امام الانبیاء ہو کر نبی اُمّی ہو سکتے ہیں تو ان کا اُمتی اُمّی (ان پڑھ) بھی ولی ہو سکتا ہے۔

سوال از وہابی: امام سخاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ایک حدیث نقل کی ہے وُہ یہ ہے:

ما اتخذ اللہ من ولی جاھل ولو اتخذہ لعلمہ۔	اللہ تعالیٰ کسی جاہل کو اپنا ولی نہیں بناتا اگر اللہ تعالیٰ کا اسے ولی بنانا ہوتا تو اسے عالم بناتا۔

جوابِ۱ از سُنّی: صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالےٰ نے یہی حدیث نقل کر کے انہی امام سخاوی رحمہ اللہ تعالےٰ کا قول نقل کرتے ہیں کہ:

لیس بثابت [1]	یہ حدیث صحیح نہیں اور نہ ہی اس کا کہیں ثبوت ملتا ہے۔

جوابِ۲: وہابی نے اس کا معنےٰ غلط کیا ہے اگرچہ یہ حدیث صحیح نہیں لیکن اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی ان پڑھ بندے کو اپنا ولی بنانا چاہتا ہے تو اسے پہلے علم ظاہری عطا فرماتا ہے پھر اسے ولی بنا لیتا ہے۔ چنانچہ صاحبِ روح البیان کی عبارت یہ ہے کہ:

لو اراد اتخاذہ ولیا یعلمہ ثم اتخذہ ولیا۔

جوابِ۳: وہابی کے سوال کا جواب امام غزالی قدس سرہٗ کی مندرجہ ذیل عبارت سے بھی ہوتا ہے جو انھوں نے اسماءِ الٰہی کی شرح کرتے ہُوئے لفظ حکیم پر لکھا ہے کہ:

من عرف اللہ فھو حکیم وان کان ضعیف المنۃ فی سائر العلوم الرسمیۃ کلیل اللسان قاصر البیان فیھا۔ [2]	جسے ذاتِ حق کا عرفان نصیب ہو وہ حکیم ہے اگرچہ اسے علوم وفنون مروّجہ بظاہر حاصل نہ ہوں بلکہ ان کے بیان میں اسے کمی اور سخت کمی بلکہ برعکس باتیں کرتا ہو۔

ف: اس سے ثابت ہوا کہ ان پڑھ بھی ولی اللہ ہو سکتا ہے [3]

جوابِ۴: (از صاحبِ روح البیان) حضرت اسماعیل حقی رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

واضح ہو کہ علم الحال یعنی علوم رسمیہ کا ہونا ولی اللہ کی ولایت کے لیے شرط نہیں ہے اس لیے کہ جب اللہ تعالےٰ کسی بندے کے لیے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے دین کی سمجھ بخشتا اور اسے اپنی طرف سے علمِ یقین سے نوازتا ہے۔

---

[1] روح البیان ج ۴ ص ۲۵

[2] ۔ ج ۴ ص ۲۵ ترجمہ ہم نے اوپر لکھ دیا ہے۔ [3] ایضاً

فصاحتِ مصطفیٰ کا ایک نکتہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا وجہ ہے کہ آپ ہم سب سے زیادہ فصیح اور بلیغ تر ہیں؟

آپ نے فرمایا کہ میرے ہاں حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور اسماعیل علیہ السلام کی لغت مجھے بتا گئے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے میری بہترین تربیت فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ میں آپ کے اخلاق بلند کردں کما قال:

خذ العفو وامر بالمعروف (الآیہ)

آپ معافی کو اپنا طریقۂ کار بنائیے اور نیکی کا حکم دیجئے۔

اللہ تعالیٰ رسالت کے جوہر خوب جانتا ہے جسے چاہتا ہے اپنی خصوصی نوازشوں سے نوازتا ہے۔

تنبیہ وہابی کو

حضرت یونس جیسے دُوسرے اور ان پڑھ ولیوں کی ولایت کا انکار کرنا گمراہی ہے[1] اس لیے کہ ان کے اندر بہت سے امور ہوتے ہیں جو ان کی ولایت کے شاہد عادل ہوتے ہیں۔ ان کی کسی ظاہری خطا پر طعن و تشنیع کرنا گناہِ عظیم ہے۔ جیسے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا سین دُوسروں کے شین سے محبوب ترین تھا۔ چنانچہ مثنوی مولانا روم قدس سرہٗ میں ہے: ؎

گر حدیثت کژ بود معنیت راست
آں کژی لفظ مقبول خدا ست

ترجمہ: اگر لفظوں کی غلطی ہے تو کیا حرج ہے جب اس کا معنیٰ صحیح ہے۔ خلوص ہو تو وہی ظاہری غلطی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول و محبوب ہے۔

ایک مشہور عربی مقولہ ہے:

خطاء الاخیار اولیٰ من صواب الاغیار۔

دوستوں کی غلطی غیروں کی اچھائی سے بہتر ہے۔

حدیثِ ابدال: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ان للہ عباد ایقال لھم الابدال لم یبلغوا ما بلغوا بکثرۃ الصوم والصلوٰۃ و	اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ہوتے ہیں جنھیں ابدال کہا جاتا ہے وہ اس مرتبہ پر کثرتِ صوم و صلوٰۃ یا دینداری

---

[1] اگر واقعی وہ ولی اللہ ہو جیسا کہ صاحبِ روح البیان نے فرمایا ہے ورنہ ہمارے دور کے مدعیانِ ولایت کا کیا کہنا کہ جہالت کے استاذ ہو کر احکامِ الٰہیہ سے کوسوں دُور رہتے ہیں بلکہ اُلٹا احکامِ الٰہی اور علوم نبوی کی تضحیک کرتے ہیں۔

التمتع وحسن الحلية وانما بلغوا بصدق الورع وحسن النية وسلامة الصدور والرحمة لجميع المسلمين اصطفاهم الله بعلمه واستخلصهم لنفسه وهم اربعون رجلا على مثل قلب ابراهيم عليه السلام لا يموت الرجل منهم حتى يكون الله قد انشاء من يخلفه ۔

اور بہترین پوشاک وغیرہ کی وجہ سے نہیں پہنچے بلکہ انہوں نے اس بلند مرتبہ کو پرہیزگاری، نیک نیتی، سینہ کی صفائی اور مسلمانوں پر رحم دلی کی وجہ سے پایا۔ انھیں اللہ تعالیٰ نے خود چُنا ہے اور صرف اپنے لیے۔ وہ چالیس مرد ہوتے ہیں جن کا قلب ابراہیم علیہ السلام کے مطابق ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس کے بدلہ میں اور مقرر فرما دیتا ہے۔

علامتِ ابدال

وہ بزرگ نہ کسی کو گالی دیتے ہیں اور نہ ہی کسی پر لعنت کرتے ہیں اور نہ اپنے سے کمزوروں کو ایذا دیتے ہیں اور نہ ہی انھیں حقیر سمجھتے ہیں۔ اور اپنے سے اُونچے مرتبہ والوں پر حسد نہیں کرتے باتوں میں شیریں، طبیعت کے نہایت نرم اور دل کے سخی ہوتے ہیں۔ نہ ہی ان پر متکبرین کی فرعونیت چل سکتی ہے اور نہ ہی تند و تیز ہوائیں انھیں مٹا سکتی ہیں۔ وہ بلا واسطہ اللہ تعالیٰ سے متعلق ہوتے ہیں ان کے دل آخرت کی طرف لگے ہوتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ہر نیکی میں سبقت کرتے ہیں۔ یہی اللہ تعالیٰ کا گروہ ہے اور یہی لوگ کامیاب ہیں (کذا فی روض الریاحین)

اولیاء کرام کی تعریف میں مثنوی شریف میں فرمایا: ؎

مردہ است از خود شدہ زندہ برب
زاں بود اسرارِ حقش در دو لب

تفسیر عالمانہ

وَيَعْبُدُوْنَ اور کافر عبادت کرتے ہیں مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ یہ یعبدون کے فاعل سے حال ہے بمعنے متجاوزین اللہ یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت بالکل ترک نہیں کر دی تھی بلکہ انہوں نے اللہ تعالےٰ کی عبادت پر اکتفا نہ کرتے ہوئے غیروں کی پرستش کر دی اور بُتوں کی عبادت کو اللہ تعالےٰ کی عبادت کے برابر سمجھا مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ یعنی کفار ان کی عبادت کرتے ہیں جو نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان۔ اس سے ان کے بُت مراد ہیں کہ انھیں کسی قسم کی قدرت نہیں کہ اگر کوئی ان کی پرستش چھوڑ دے تو وہ انھیں نقصان پہنچا دیں یا اُن کی کوئی عبادت کرے تو وہ انھیں کوئی فائدہ دیں کیونکہ وہ محض چند پتھروں کے ڈھیلے ہیں ان کو کسی نفع و نقصان دینے کا کیا کام حالانکہ معبود تو ایسا ہو کہ وہ نیکی پر اجر و ثواب سے نوازے اور برائی پر سزا دے تاکہ اس کی عبادت میں حصولِ نفع و دفعِ ضرر کی امید ہو وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارے بُت شُفَعَآؤُنَا

عِنْدَ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ ہماری تمام دنیوی مشکلات اللہ سے سفارش کر کے حل کرا دینگے۔

سوال: تم نے صرف دنیوی مشکلات پر انحصار کیوں کیا حالانکہ وہ بُتوں کے لیے اُخروی سفارش کے قائل بھی تو تھے۔

جواب: انھیں آخرت پر ایمان کب تھا ہاں اس میں آخرت کا مفہوم فرض کر سکتے ہیں بایں معنیٰ کہ وُہ یوں کہتے ہوں اگر بفرضِ محال مرنے کے بعد اُٹھنا ہُوا تو قیامت میں ہمارے یہ بُت ہمیں عذابِ الٰہی سے بچالیں گے۔ چنانچہ کاشفی نے لکھا کہ کافر کہتے تھے کہ اگر قیامت ہُوئی جیسا کہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے تو ہمارے یہ بُت اللہ تعالیٰ سے درخواست کر کے ہمیں عذاب سے چھڑالیں گے۔[1]

بُت پرستی کی ابتداء

بُت پرستی کی ابتداء حضرت نوح علیہ السلام کی قوم سے شروع ہُوئی۔ واقعہ یوُں ہے کہ آدم علیہ السلام کے پانچ صاحبزادے بڑے نیک بخت تھے جن کے اسماء یہ ہیں:

۱۔ وُدّ

۲۔ سواع

۳۔ یغوث

۴۔ یعوق

۵۔ نسر

جب ان میں وُدّ فوت ہُوا تو لوگ بہت مغموم ہُوئے اور اس کی قبر پر بیٹھ گئے اُٹھنے کا نام تک نہ لیتے تھے۔ وُدّ کی قبر "بابل" کے علاقہ میں ہے۔ جب ابلیس ملعون نے ان کی یہ عقیدت مندی دیکھی تو انسانی بھیس بدل کر ان کے ہاں حاضر ہوا اور کہا کہ میں تمہیں ایک فوٹو تیار کر دیتا ہوں جس سے وُدّ کی شکل و صورت کی یاد تازہ ہوگی۔ اس پر وہ بہت خوش ہُوئے چنانچہ شیطان نے انھیں وُدّ کی تصویر بنا دی۔ اسی طرح جو بھی ان میں فوت ہو جاتا اس کی تصویر اتار لی جاتی اور انہی[2] بزرگوں کے نام پر ان تصاویر کے نام رکھے جاتے۔ کئی پشتوں تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ لیکن جونہی عرصہ دراز

---

[1] یہی آیت ہم دیوبندی ٹولہ کو ان کی الزام تراشی کے جواب میں پیش کرتے ہیں۔ ان کی الزام تراشی یہ ہے کہ مشرکینِ عرب بھی بتوں کو سفارشی مان کر مشکل کشا مانتے تھے اسی طرح تم اہلسنت بھی۔ ہم کہتے ہیں کہ وہ بُتوں کی عبادت کر کے اللہ تعالیٰ کا شریک سمجھ کر بحیثیت شریک ہونے سفارشی مانتے اور ہم اولیاء اللہ کی عبادت نہیں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی تعظیم سے معظم سمجھ کر بحیثیت اللہ تعالیٰ کے محبوب ہونے کے بحکمِ الٰہی سفارش مانتے ہیں۔ اتنا بڑا فرق ہونے کے باوجود بھی وہابی ٹولہ نہیں سمجھتا تو پھر ان سے خدا سمجھے۔ اویسی غفرلہ

[2] دیوبندی اس واقعہ سے بھی عوام کو دھوکہ دیتے ہیں کہ بزرگوں کی عقیدت مندی حرام ہے حالانکہ (باقی بر صفحہ ۲۳۰)

گزرا۔ آنے والی نسلوں سے شیطان نے کہا کہ تمہارے اسلاف انہی تصویروں کی پرستش کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ان تصاویر کی پرستش شروع کر دی۔ اس گمراہ قوم کی ہدایت کے لیے نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بنا کر بھیجا۔ آپ نے انہیں بُت پرستی سے روکا لیکن وہ نہ مانے۔

ف: حضرت آدم و نوح علیہ السلام کے درمیان دس قرن گزرے وہ تمام لوگ دینِ حق پر تھے۔ طوفان کے دوران ان تصویروں کو نوح علیہ السلام نے جدہ کے ساحل پر دفن کرا دیا لیکن شیطان نے وُہ تصاویر عرب والوں کے لیے نکال لیں۔

عرب میں پہلا بُت کا پجاری

عرب میں پہلا بُت کا پجاری عمرو بن لحی ہے جو خزاعہ قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ واقعہ یُوں ہُوا کہ وہ اپنے مختلف کاروبار کے لیے عرب سے شام کو جاتا تھا، بلقاء کے علاقہ میں عمالقہ کو بُت پرستی کرتے دیکھا۔

ف: عمالقہ عملاق بن لاود بن سام ابن نوح علیہ السلام کی اولاد تھی۔

عمرو بن لحی نے ان سے پُوچھا: یہ کیا کرتے ہو؟

انہوں نے جواب دیا: یہ ہمارے معبود ہیں، ہم ان کی پرستش کرتے ہیں۔ انہی کے وسیلہ سے ہم بارش طلب کرتے ہیں تو بارش ہو جاتی ہے اور انہی کو اپنے امور میں اپنا حامی مانتے ہیں اور یہ ہماری اعانت بھی فرماتے ہیں۔

عمرو نے کہا: اگر ایسا معاملہ ہے تو ایک بُت مجھے بھی دے دو، جسے میں عرب لیجاؤں۔

چنانچہ انہوں نے ایک بُت اُسے دے دیا جس کا نام ہُبل تھا اور وہ عقیق کا بنا ہوا بشکل انسانی تھا۔ جب وہ اسے مکہ لایا تو کعبہ معظمہ کے درمیانی حصہ میں رکھ دیا اور لوگوں سے اس کی پرستش اور تعظیم و تکریم کے لیے کہا۔ اہلِ عرب کی عادت بن گئی تھی کہ سفر سے واپسی پہ گھر جانے سے پیشتر کعبہ شریف کا طواف کر کے اسی بُت کی پرستش کرتے اور یہیں پہ سر منڈاتے۔ (کذا فی انسان العیون)

ف: اہلِ طائف لات کی اور اہلِ مکہ عُزّٰی، منات، ہُبل و اساف کی عبادت کرتے تھے۔

قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ فرمائیے کیا تم اللہ تعالیٰ کو خبر دیتے ہو بِمَا لَا يَعْلَمُ ایسی بات کی جسے وہ نہیں جانتا جو کچھ بھی ہے فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ آسمانوں میں اور نہیں جانتا جو کچھ زمینوں میں ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) واقعہ کی تفصیل سے ظاہر ہے کہ بتوں کے نام سے ایک خارجی غلطی میں قوم گمراہ ہوئی۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خارجی غلطی سے بزرگوں کی عقیدت بھی حرام ہے اور اس غلطی سے بزرگوں کی مذمت یا ان سے علیحدگی اختیار کی جائے۔ اگر کوئی شخص (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کا مجسمہ یا جعلی تصویر بنا کر اس کی پُوجا شروع کر دے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کا نام لینا بھی چھوڑ دیا جائے۔ فافهم ولا تكن من الوهابيين۔ (اویسی غفرلہ)

بِمَا میں ما سے اللہ تعالیٰ کا شریک مراد ہے اور ظرف ضمیر محذوف سے حال ہے اور استفہام انکاری ہے اس سے کفار و مشرکین کو متنبہ کرنا مطلوب ہے اور ان سے تہکم کیا گیا ہے اور انہیں بمنزلہ اس انسان کے بنایا گیا ہے جو علام الغیب کو خبر دے کیونکہ انہوں نے ایک محال امر کا دعویٰ کر رکھا تھا وہ یہ کہ یہی بُت اللہ تعالےٰ کے شریک اور اس کے حضور میں ان کے سفارشی ہیں۔

ف: اسم ظرف سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے معبود سماوی تھے جیسے ملائکہ و نجوم (ستارے) یا ارضی جیسے ان کے وُہ بُت جو انہوں نے درختوں اور پتھروں کے بنا رکھے تھے۔

ف: ظاہر ہے کہ موجودات کی ہر شئے معدوم و لاشئے ہے اور اسی کی پیدا کردہ اور حادث اور اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے اور جس کی یہ شان ہو وہ عبادت کے لائق نہیں۔ اور نہ ہی اسے اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کا شریک بنایا جائے۔

ف: کاشفی نے کہا کہ یہاں پر علم[1] کی نفی سے معلوم کی نفی مراد ہے یعنی اے کافرو! تم کہتے ہو اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک ہے اسی معبود باطل کی شفاعت ثابت کرتے ہو اور تمہیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ جمیع موجودات کو جانتا ہے اور اس کے علم میں نہیں کہ اس کا کوئی شریک ہے یعنی اس کا کوئی شریک موجودات میں ہے اور نہ ہی وہ اسے جانتا ہے جب اس کا کوئی شریک نہیں ہے تو پھر جو تم اس کے لیے سفارشی ہونے کا عقیدہ رکھتے ہو وُہ یقیناً باطل ہو گیا۔

ف: ابن الشیخ نے بھی یہی فرمایا موجودات میں جو کچھ ہے اسے شئے کہا جائے گا اور ہر شئے سے اللہ تعالےٰ کے علم کا تعلق ہے اور معبودانِ باطلہ ہیں ہی نہیں اسی لیے ان سے اللہ تعالیٰ کے علم کا تعلق نہیں۔

عقیدہ: جو شے اللہ تعالیٰ کے علم میں نہیں اس کا وجود محال یعنی ممتنع ہے۔

سُبْحٰنَهٗ وہ اللہ تعالیٰ پاک ہے وَتَعَالٰی اور بلند تر ہے عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ۝ اس سے جو اس کا شریک ٹھہراتے ہیں اس لیے کہ ایسی ذات جلی کی تنزیہ ضروری ہے یعنی وُہ ذات شرک کی نجاستوں سے منزہ ہے فلہذا اس کا کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ ؎

واحد اندر ملک او را یار نے
بندگانش را جز او سالار نے

وَمَا کَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً اور نہیں تھے لوگ مگر ایک اُمت یعنی آدم علیہ السلام سے قابیل و

---

[1] ایسے ہی نوح علیہ السلام کے واقعہ میں "فلا تسئلن ما لیس لك به علم" میں بھی علم کی نہیں معلوم کی نفی ہے اور معلوم کی نفی سے علم کی نفی نہیں ہو سکتی جیسے آیت ہذا میں ہے۔ تفصیل نوح علیہ السلام کے واقعہ میں آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ

اویسی غفرلہٗ

بابل کے واقعہ تک یا نوح علیہ السلام کے زمانۂ طوفان کے بعد ایک ملت پر تھے اسی لیے کہ طوفان میں تمام اہل کفر مٹے تو اس کے بعد تمام لوگ دینِ حق پر متفق رہے فَاخْتَلَفُوْا ط پھر مختلف ہو کر کوئی کافر ہوئے، کچھ حسبِ دستور مسلمان رہے وَلَوْ كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اور اگر تیرے رب تعالیٰ کا کلمہ سبقت نہ کر جاتا۔ اس سے اللہ تعالیٰ کا وہ حکم ازلی مراد ہے کہ جس میں لکھا گیا تھا کہ انہیں قیامت تک عذاب نہیں ہوگا پھر جب قیامت قایم ہوگی اس وقت ان پر عذاب ہوگا اس لیے کہ وہی سزا و جزا اور فیصلے کا دن ہے لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ تو جلد تر ان کے مابین فیصلہ ہو جاتا فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ○ جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں یعنی حکمِ الٰہی نہ ہوتا تو اہلِ باطل کو مٹا دیا جاتا اور اہلِ حق کو باقی رکھا جاتا۔

ف: کاشفی نے اس کا مطلب لکھا ہے کہ اگر حکم ازلی نہ ہوتا تو ان کے اختلاف کا یوں فیصلہ ہو جاتا کہ عذاب کے گھیرے میں اہلِ باطل مٹ جاتے اور اہلِ حق باقی رہتے۔

تفسیر صوفیانہ اس آیت کا یہ معنیٰ بھی ہو سکتا ہے کہ ابتدائے آفرینش میں انسان فطرتی طور پر ایک تھے پھر والدین کی تربیت سے مختلف ہوئے۔

چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

كل مولود يولد على الفطرة فابواه يهودانه وينصرانه ويمجسانه۔	ہر بچہ ایک فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر ماں باپ اسے یہودی بنائیں یا نصرانی یا مجوسی۔

یعنی بعد بلوغ بوجہ معاملات طبعیہ و شرعیہ لوگ مختلف ہو جاتے ہیں۔

ف: یاد رہے کہ سابقہ اُمتوں کی طرح اُمتِ محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لوگ بھی مختلف ہیں کہ بعض مومن ہیں اور بعض کافر اور بعض بدعتی۔

نکتہ صوفیانہ لوگوں کے مختلف ہونے میں بہت بڑے فائدے اور لاتعداد عظیم حکمتیں ہیں۔ ان میں ایک یہ ہے کہ کمالِ الٰہی مظاہرِ جمال و جلال میں یونہی ظاہر ہوتا ہے لیکن لوگوں پر لازم ہے کہ وہ آپس میں محبت پیدا کریں اور توافق و تطابق سے زندگی بسر کریں۔ آپس میں تباغض و تنافر پیدا نہ ہونے دیں اس لیے کہ قدرتِ حق کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے۔ بھیڑیا اس بکری کو اچک کے لیجاتا ہے جو ریوڑ سے علیحدہ ہو۔

حکایت ایک دانا شخص کثیر الاولاد تھا اس نے بوقتِ نزع سب کو بلایا اور فرمایا کہ میرا ڈنڈا لاؤ۔ اس نے اسے اکٹھا کر کے سب کو فرمایا کہ اسے توڑ ڈالو۔ بہت زور لگانے کے باوجود وہ اسے توڑ نہ سکے۔ پھر اس نے اسے علیحدہ کر دیا اور فرمایا اب توڑو۔ چنانچہ الگ الگ ٹکڑے لے کر سب نے اسے ریزہ ریزہ کر دیا۔

اس کے بعد سب سے فرمایا کہ یہی تمہاری کیفیت ہے کہ اگر تم آپس میں متفق رہے تو تمہارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکے گا ورنہ پھر تمہارا یہی حال ہوگا کہ ہر طرف سے دشمن کے گھیرے میں آ جاؤ گے اور بے اتفاقی سے مار کھاؤ گے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
میں تمہیں تقوے اور سمع و طاعت کی وصیت فرماتا ہوں اگر تمہارا امیر کسی غلام کو بنایا جائے تو بھی تم اس کے سامنے سر جھکاؤ۔ میرے وصال کے بعد جو زندہ رہے گا وُہ بہت بڑے اختلاف دیکھے گا۔ اے میرے اُمتیو! میری سنّت کو لازم پکڑو اور میرے خلفائے راشدین کے طریقے کو ھرگز نہ چھوڑنا۔

ف: الراشدون' راشد کی جمع ہے بصیغہ اسم فاعل ہر وُہ شخص جو ہدایت لائے اور ہدایت کے جملہ اوصاف کا حامل ہو غی اسی کی ضد ہے اس سے ثابت ہُوا کہ راشد' غادی کا نقیض ہے اور غادی ہر وُہ جو عمداً حق کے خلاف عمل کرے۔

ف: حدیث مذکور میں النواجذ کا لفظ واقع ہُوا ہے۔ نواجذ آخری دانتوں کو کہتے ہیں اس سے حضور علیہ السلام کی مراد یہی ہے کہ آپ کی اور آپ کے خلفائے راشدین کی سنّت پر مواظبت کی جائے اور اسے ایسا مضبوط پکڑا جائے جیسے آخری دانتوں یعنی ڈاڑھ سے شئے کو ایسا مضبوط کرتا ہے کہ اسے کہیں جانے نہیں دیتا اور اس حرص میں ہوتا ہے کہ اگر معمولی سی غفلت ہُوئی تو شے مُنہ سے نکل جائے گی۔

علمِ غیب نبوی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسے فرمایا ویسے ہی ہُوا کہ آپ کے وصال کے بعد بہت بڑے اختلافات اور فتنے برپا ہُوئے۔ اور حضرت امام مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی تشریف آوری تک جاری رہیں گے۔

حضرت حافظ شیرازی رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

تو عمر خواہ و صبوری کہ چرخ شعبدہ باز
ہزار بازی ازیں طرفہ تر برانگیزد

اور فرمایا:

روزے اگر غمی رسدت تنگ دل مباش
رو شکر کن مباد کہ بد بتر شود

علمائے اسلام کو مبارکباد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے علماء کرام کا خاصہ ہے کہ ان کے ساتھ دین سے بے بہرہ اور مختلف گروہ بغض و عداوت رکھتے ہیں ورنہ سابقہ اُمم کے لوگ اپنے علمائے سے بہت بڑی محبت کرتے اور کبھی اس محبت میں غلو بھی کر جاتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا:

اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دُون اللہ۔	انہوں نے اپنے پادریوں اور عالموں کو اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا رب بنالیا۔

نجدیہ، وہابیہ، دیوبندیہ اور دشمنانِ اولیاءِ کرام جب عام فقہاء و علماءٔ کے لیے عوام کا دشمن ہونا لازمی امر ہے تو پھر اولیاء کرام کا دشمن ہونا تو نہایتؐ ضروری ہے۔

دشمنانِ علماء و اولیاء کی علامات اور نشانیاں جب یہ لوگ کسی بندۂ خدا کو علوم ظاہرہ و باطنہ اور اپنی خداداد قابلیت میں اسے ممتاز اور اسے دوسروں سے کامیاب دیکھتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ وہ زندیق ہے بعض کہتے ہیں وہ بدعتی ہے بہت تھوڑے ہوتے ہیں جو اس کے متعلق کہتے ہوں گے کہ وہ صدیق (ولی کامل) ہے۔

تنبیہ غور کیجئے اللہ تعالےٰ نے اپنی غیرت سے اپنے پیارے کو غیروں میں کیسے مخفی رکھا ہے اور اس کے بھید و اسرار بدبختوں کے درمیان میں کسی حکمت سے چھپائے۔

حضرت حافظ نے فرمایا: ؎

معشوق عیان میگزرد بر تو ولیکن
اغیار ہمی بیند ازاں بستہ نقابست

نکتہ صوفیانہ حضرت رویم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ صوفیاء اس وقت تک بھلائی میں رہیں گے جب تک کہ وہ ایک دوسرے سے بُعد رکھیں گے جب جمعیت قائم کریں گے تو سمجھو ان کے لیے ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ ایک دوسرے سے محبت کرکے ایک دوسرے کی جانب راجح ہوں گے تو اس لحاظ سے وہ غیر اللہ کی طرف رجوع کرنے والے متصوّر ہوں گے۔ اور صوفیاء کرام کے نزدیک یہ بھی ایک قسم کی بُت پرستی ہے یعنی جسے عوام بُت پرستی سے تعبیر کرتے ہیں وہ صوفیاءٔ کے نزدیک یہی ہے کہ وہ غیر اللہ سے تعلق استوار کریں اور ان کے نزدیک شرک کا یہی معنےٰ ہے کہ وہ غیر اللہ سے قطعی طور پر تعلق منقطع کریں اور ان کی یہ بیزاری یہود و نصاریٰ کی طرح نہیں کیونکہ ان کی آپس کی بیزاری باطل کے لیے تھی اور حضرات صوفیاءِ کرام کی ایک دوسرے سے بیزاری حق کی خاطر ہے۔

مسئلہ: اختلاف دو قسم کا ہے:

۱۔ مذموم

۲۔ محمود

—— عقاید و اصول دین میں اختلاف مذموم ہے۔

—— اور اعمال و فروع دین کا اختلاف محمود ہے۔

چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

اختلاف الامت رحمة۔ اُمت کا اختلاف رحمت ہے۔

حکایت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ اور یہودی

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک یہودی نے کہا کہ اسے مسلمانو: تم نے اپنے نبی علیہ السلام کو دفن سے پہلے اختلاف شروع کر دیا۔ آپ نے یہودی کو جواب دیا کہ ہم نے اپنے نبی علیہ السلام کے لیے اختلاف کیا نہ کہ اُن کی ذات میں۔ لیکن اسے یہودیو! تم نے تو اپنے نبی علیہ السلام کی ذات اقدس سے اختلاف کیا کہ ابھی دریا کے پانی سے تمہارے پاؤں خشک بھی نہ ہوئے تھے کہ اپنے نبی علیہ السلام سے کہنے لگ گئے تھے:

اجعل لنا الٰہا کما لھم الٰھۃ۔ ہمارے لیے بھی ایک ایسا خدا بنائیے۔

اسے کہتے ہیں دنداں شکن جواب۔ لیکن،

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

وَيَقُوْلُوْنَ اور کفار مکہ کہتے ہیں لَوْلَآ یہ ھلّا کی طرح حرف تخصیص ہے یعنی کیوں نہیں اُنْزِلَ عَلَيْهِ اس پر یعنی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی جاتی اٰيَةٌ آیت یعنی معجزہ مِّنْ رَّبِّهٖ اس کے رب تعالیٰ کی طرف سے چونکہ کفار کا عقیدہ تھا کہ قرآن کا عارضہ ممکن ہے یعنی اس جیسا قرآن اور تیار کر لینا آسان ہے۔ چنانچہ لونشاء لقلنا مثل ھذا اگر ہم چاہیں تو اس جیسا قرآن کہہ سکتے ہیں، دلالت کرتا ہے اسی لیے وُہ اس کے برعکس قرآن کے ماسوا اور معجزات جیسے ہاتھوں کا نورانی ہونا اور عصاء کا سانپ بن جانا اور نہروں کا جاری ہونا وغیرہ وغیرہ کا مطالبہ کرتے۔

گفت اگر آسان نماید ایں بتو
ایں چنیں یک سواہ گواے سخت رو

فَقُلْ تو آپ انھیں فرمائیے اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ بے شک غیب اللہ تعالیٰ کے لیے ہے یہ لام اختصاص تکوینی نہیں بلکہ علمی ہے اس لیے کہ غیب وشہادت اس اختصاص میں اللہ تعالےٰ کے ہاں برابر ہیں۔ اب آیت کا معنیٰ یُوں ہوا کہ اے کافرو! جو تمہارا مطالبہ ہے اور تمہارا گمان ہے وہی مطالبہ نبوت کے لوازم سے ہے اسی لیے تم اپنے ایمان کو غیب سے متعلق کرتے تھا لانکہ تمہیں معلوم ہے کہ غیب خاصۂ خدا ہے اور اللہ تعالےٰ کے خصوصیات سے مجھے کوئی تعلق نہیں (جب تک وہ اپنے فضل وکرم سے مجھے عنایت نہ فرمائے اگر وُہ چاہے تو ان آیات سے زاید نازل فرمائے۔

تفسیر صُوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ غیب سے عالم ملکوت مراد ہے کہ جس سے آیات کا نزول اور معجزات کا ظہور ہوتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے نازل وظاہر فرماتا ہے اسی لیے کہ انزال آیات واظہار معجزات اللہ تعالیٰ سے خاص اور اسی کے حکم کے ماتحت ہے وُہ اپنی آیات جتنا اور جن پر چاہے

نازل فرمائے فَانْتَظِرُوْا پس تم اپنے مطالبات کے نزول کا انتظار کرو اِنِّیْ مَعَکُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ○ بیشک میں تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں سے ہوں تاکہ ظاہر ہو کہ اللہ تعالےٰ تمہارے آیات سے انکار اور ناجائز مطالبات پر تمہارے ساتھ کیا کرتا ہے اب مہلت اس لیے دے رکھی ہے کہ تمہارے میں سے ظالم کی مکمل طور گرفت فرماتے۔ اگر چاہے تو کسی ظالم کو فوراً ابھی پکڑ سکتا ہے۔

حکایت ایک سپہ سالار بہت ظالم تھا اپنے لشکر سمیت ایک بزرگ کامل کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بزرگ نے فرمایا کہ میرا ابھی ایک منشور ہے میں تجھے اپنے گھر میں حاضری کی اجازت نہیں دیتا۔ اس ظالم سپہ سالار نے کہا: مجھے اپنا منشور دکھائیے. بزرگ نے گھر سے قرآن مجید اٹھایا اور یہ آیت پڑھ کر سنائی؛

یٰآیہا الذین لا تدخلوا بیوتاً غیر بیوتکم حتی	اے ایمان والو اجازت کے بغیر کسی کے گھر میں نہ
تستانسوا وتسلموا علیٰ اھلہا۔	جاؤ

اس ظالم سپہ سالار نے کہا: میں نے سمجھا کہ تیرے پاس بادشاہ کا کوئی حکمنامہ (منشور) ہے اور قرآنی حکم کو اس نے کچھ نہ سمجھا اور جبراً اس بزرگ کے گھر میں داخل ہوگیا۔ اس کی نحوست پڑی کہ اسی شب قولنج کی بیماری میں مرگیا۔

سبق؛ اس سے واضح ہوا کہ قرآن پاک بلند مقام کا مالک ہے دُوسری کتابوں کی طرح اسے نہ سمجھنا چاہیے جو اسے حقیر سمجھ کر رد کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس کی سخت گرفت کرتا ہے جیسے جو کوئی اس کی بدل وجان عزت واحترام کرتا ہے تو منجانب اللہ بہت بڑا اجر وثواب پاتا ہے۔

ف: قرآن پاک کی ظاہری عزت واحترام یہ ہے کہ اُسے اُٹھائے تو ادب کے ساتھ اور باوضو ہو کر ہاتھ لگائے اور معنوی عزت واحترام یہ ہے کہ اس کے احکام کی پابندی کرے اور اسی کے ارشادات پر زندگی بسر کرے پھر اللہ تعالیٰ سے جو مرتبہ چاہے پالے۔

حکایت سلاطین عثمانیہ کا جدِ اعلیٰ اور مورثِ اوّل نے مرتبہ بلند پایا تو اسی قرآن مجید کی عزت وتکریم سے۔ چنانچہ واقعاتِ محمودیہ میں ہے کہ سلطان معظم حضرت عثمان رحمہ اللہ تعالیٰ ابتداءً بہت سخی تھا اور اس کا لنگر ہر آنے والے مسافر کے لیے ہمہ وقت جاری تھا دُور دُور تک اُس کی سخاوت کا شُہرہ تھا بہت بڑی مخلوق اُس کے لنگرخانہ میں ہر وقت موجود رہتی تھی. اس سے اس کے ہمسائیگان تنگ ہوئے جس کی وجہ سے اسے بہت ستاتے اس کی شکایت الحاج بکتاش یا کسی اور حاکمِ وقت کو سنانے کے لیے گھر سے روانہ ہوئے۔ ایک اجنبی کے گھر شب باش ہوئے۔ اس کے گھر میں قرآن مجید لٹکا ہوا دیکھ کر صاحب خانہ سے فرمایا کہ قرآن مجید کے آداب کے خلاف ہے اس کے۔ لیے ضروری ہے اسے نہایت ادب کے ساتھ اٹھایا جائے۔ چنانچہ وہ خود اُٹھ کر قرآن مجید کو سر پر اُٹھالیا اور صبح تک نہایت ادب سے اٹھائے رکھا۔ جب صبح ہوئی تو وہ اپنے مقصد کے لیے روانہ ہوئے تو راستہ میں انھیں ایک حسین وجمیل انسان ملا اور فرمایا کہ میں تیرا مطلب ہوں

اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں اور تمہاری اولاد کو بہت بڑا اعزاز سلطنت کا بخشا، وہ صرف اسی لیے کہ تُو نے قرآن مجید کی تعظیم و تکریم کی ہے۔ پھر اسی مطلب نے فرمایا کہ ایک بڑی لکڑی پر جھنڈا بنا لیں اور اسے کھڑا کر دیں اور یہی تمہارا شاہی جھنڈا ہے۔ اس کے بعد بہت سے لوگ جمع ہو گئے اور پہلی جنگ لاجک میں ہُوئی۔ اسے اللہ تعالیٰ نے فتح و نصرت سے نوازا۔ اس پر سلطان علاءُ الدین نے بھی اپنی ایک سلطنت (ریاست) قایم کرنے کی اجازت دے دی۔ سلطان علاءُ الدین کے فوت ہونے پر مستقل طور پر بادشاہ ہُوا، پھر اورخان اس کا جانشین ہو کر اس نے بروسہ محروسہ کو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے فتح کیا اور اسی وقت سے تاحال سلطنتِ عثمانیہ کامیابی پر ہے۔ وُہ صرف اسی لیے کہ آلِ عثمان کے جدِ اعلیٰ نے قرآن مجید کی عزت تکریم کی۔

سبق: دانا کے لیے لازم ہے کہ قرآن مجید کی زیادہ سے زیادہ تعظیم و تکریم کرے تاکہ اسی کی برکت سے اعزاز و اکرام نصیب ہو اور اس کی بے حُرمتی اور بے ادبی سے بچے تاکہ اس کی نحوست سے مارا نہ جائے جیسے سلطنت عثمانیہ کا سلطان محمد رابع کا حشر ہُوا کہ اس نے جب سے قرآن مجید کے احکام کی خلاف ورزی کی اور ظلم و ستم کو اپنا طریقۂ کار بنایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی نحوست سے ان پر اور دیگر لوگوں پر قحط مسلط فرمایا اور ان پر خوف و ہراس پھیل گیا اور اس بدقسمتی سے اس سے روم کے علاقوں کے کئی قلعے اس کے قبضے سے نکل گئے اور کفار کا اس پر غلبہ ہو گیا یہاں تک کہ کفار قسطنطنیہ (جو ان کا دار الخلافہ ہے) چھیننے پر آمادہ ہیں اور اس کی تمام سلطنت میں اتنی بے قراری چھا گئی ہے کہ لوگ کہتے ہیں، "أین المفر" بھاگ کر کہاں جائیں۔ یاد رہے کہ بادشاہ کے ساتھ یہ جو کچھ ہو رہا ہے بُرے مشیروں کی وجہ سے ہو رہا ہے کیونکہ یہی نالائق اسے ظلم و ستم پر اُکساتے اور مشورہ دیتے ہیں؛ ؎

اے فغاں زیار ناجنس اے فغان
ہمنشین نیک جوئید اے مہمان
اے بسا مہتر بچہ ز شور و شر
شد ز فعل زشت خود ننگِ پدر

ترجمہ: ناجنس سے ہماری پناہ اے دوستو نیک ساتھی تلاش کرو۔ بہت سے بڑوں کی اولاد برائی کی وجہ سے بڑوں کے ننگ اور عار کا سبب ہوتی ہے۔

وَإِذَآ أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ إِذَا

اور جبکہ ہم آدمیوں کو رحمت کا مزہ دیتے ہیں کسی تکلیف کے بعد جو انہیں پہنچی تھی جبھی وہ

لَهُم مَّكْرٌ فِىٓ ءَايَاتِنَا ۚ قُلِ اللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا ۚ إِنَّ رُسُلَنَا

ہماری آیتوں کے ساتھ داؤں چلتے ہیں تم فرمادو اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے جلد ہو جاتی ہے بےشک ہمارے فرشتے

يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ ﴿٢١﴾ هُوَ الَّذِى يُسَيِّرُكُمْ فِى الْبَرِّ وَ

تمہارے مکر لکھ رہے ہیں وہی ہے کہ تمہیں خشکی اور تری میں چلاتا ہے

الْبَحْرِ ۖ حَتَّىٰٓ إِذَا كُنتُمْ فِى الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِم بِرِيحٍ

یہاں تک کہ جب تم کشتی میں ہو اور وہ اچھی ہوا سے انہیں

طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا۟ بِهَا جَآءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَآءَهُمُ

لے کر چلیں اور اس پر خوش ہوئے ان پر آندھی کا جھونکا آیا اور ہر طرف لہروں

الْمَوْجُ مِن كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوٓا۟ أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا۟ اللَّهَ

نے انہیں آلیا اور سمجھ لیے کہ ہم گھر گئے اسوقت اللہ کو پکارتے

مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ لَئِنْ أَنجَيْتَنَا مِنْ هَٰذِهِۦ لَنَكُونَنَّ

ہیں نرے اس کے بندے ہو کر کہ اگر تو اس سے ہمیں بچالے گا تو ہم ضرور

مِنَ الشَّٰكِرِينَ ﴿٢٢﴾ فَلَمَّآ أَنجَىٰهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ فِى

شکر گزار ہوں گے پھر اللہ جب انہیں بچا لیتا ہے جبھی وہ زمین میں

الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ يَٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلَىٰٓ

ناحق زیادتی کرنے لگتے ہیں اے لوگو تمہاری زیادتی تمہارے ہی جانوں کا

أَنفُسِكُم ۖ مَّتَٰعَ الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا ۖ ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ

وبال ہے دنیا کے جیتے جی برت لو پھر تمہیں ہماری طرف پھرنا ہے

فَنُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢٣﴾ إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا

اسوقت ہم تمہیں بتادیں گے جو تمہارے کوتک تھے دنیا کی زندگی کی کہاوت تو ایسی ہی ہے

كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ

جیسے وہ پانی کہ ہم نے آسمان سے اتارا تو اس کے سبب زمین سے اُگنے والی چیزیں

مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ

سب گھنی ہو کر نکلیں جو کچھ آدمی اور چوپائے کھاتے ہیں یہاں تک کہ جب زمین نے اپنا سنگار لے لیا

زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَاۤ

اور خوب آراستہ ہوگئی اور اس کے مالک سمجھے کہ یہ ہمارے بس میں آگئی

اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ

ہمارا حکم اس پر آیا رات میں یا دن میں تو ہم نے اسے کر دیا کاٹی ہوئی گویا

تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾

کل تھی ہی نہیں ہم یونہی آیتیں مفصل بیان کرتے ہیں غور کرنیوالوں کے لیئے

وَاللّٰهُ يَدْعُوْۤا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى

اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف پکارتا ہے اور جسے چاہے سیدھی راہ

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا

چلاتا ہے بھلائی والوں کے لیئے بھلائی ہے اور اس سے بھی زائد اور ان

يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ

کے منہ پر نہ چڑھے گی سیاہی اور نہ خواری وہی جنت والے ہیں وہ اس میں

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ

ہمیشہ رہیں گے اور جنہوں نے برائیاں کمائیں تو برائی کا بدلہ

سَيِّئَةٍۢ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ

اسی جیسا اور ان پر ذلت چڑھے گی انہیں اللہ سے بچانے والا کوئی

عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَاۤ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ

[illegible] ان کے چہروں پر اندھیری رات کے ٹکڑے چڑھا دیئے ہیں

مُظْلِمًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٧﴾

وہی دوزخ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا

اور جس دن ہم ان سب کو اٹھائیں گے پھر مشرکوں سے فرمائیں گے اپنی جگہ رہو تم اور

مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَاۗؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ

اور تمہارے شریک تو ہم انہیں مسلمانوں سے جدا کر دیں گے اور

شُرَكَاۗؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٢٨﴾ فَكَفٰى بِاللّٰهِ

ان کے شریک ان سے کہیں گے تم ہمیں کب پوجتے تھے تو اللہ گواہ کافی ہے

شَهِيْدًۢا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ

ہم میں اور تم میں کہ ہمیں تمہارے پوجنے کی خبر بھی نہ تھی

لَغٰفِلِيْنَ ﴿٢٩﴾ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَ

یہاں ہر جان جانچ لے گی جو آگے بھیجا اور

رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا

اللہ کی طرف پھیرے جائیں گے جو ان کا سچا مولیٰ ہے اور ان کی [illegible]

يَفْتَرُوْنَ ﴿٣٠﴾

بناوٹیں ان سے گم ہو جائیں گی

تفسیر عالمانہ

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ اور یاد کرو جب ہم نے لوگوں یعنی اہل مکہ کو چکھایا رَحْمَةً رحمۃ یعنی صحت و وسعت مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّاۗءَ ضرر یعنی قحط و مرض کے بعد مَسَّتْهُمْ جو انہیں پہنچا جسے انہوں نے اپنے اندر محسوس کیا۔

سوال: رحمت کو ضمیر متکلم یعنی ذات حق کی طرف منسوب کرنے اور دکھ درد وغیرہ پہنچنے کو [illegible] کی طرف منسوب کرنے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: یہ قرآن کے اسلوب میں عام ہے اور اسے اہل فن "التفات" سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ فصاحت و بلاغت کا

بہترین طریقہ ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر فرمایا:

واذا مرضت فهو يشفين الخ

اسی طرح متعدد آیاتِ قرآن پاک میں ہے۔ واذا شرطیہ ہے اس کا جواب اِذَا لَهُمْ مَكْرٌ فِىٓ اٰيَاتِنَا ہے اذا مفاجاتیہ ہے یعنی انہوں نے اچانک ہماری آیات میں بوقت اذاقۂ رحمت اچانک مکر و فریب شروع کر دیا مثلاً آیات پر طعن و تشنیع اور ان کے دفعیہ میں حیلہ سازی وغیرہ اور اس میں اتنی جلدی کی کہ ابھی ضراء کی غبار ان کے سروں میں موجود تھی۔

ف: مروی ہے کہ اہلِ مکہ مسلسل سات سال قحط میں مبتلا رہے یہاں تک کہ تباہ و برباد ہونے والے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان پر رحم فرما کر بارش فرمائی جس سے ان کی آبادیاں شاداب ہوئیں اس سے ان میں سرکشی پیدا ہوئی تو اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرنے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں طرح طرح کے حیلے اور مکر و فریب کیے۔

ف: جب بارش ہوتی اور اُن کی کھیتیاں سرسبز ہوتیں تو بجائے اس کے کہ وہ کہیں یہ اللہ تعالیٰ کا رزق ہے، کہتے کہ یہ فلاں ستارے کی تاثیر سے ہُوا ہے۔ اور اہلِ عرب کا عام شیوہ تھا کہ بارش، ہوا، گرمی، سردی وغیرہ کی نسبت ستاروں کی طرف کرتے یعنی ان کا عقیدہ تھا کہ انہی ستاروں کی تاثیر سے سب کچھ ہُوا ہے۔

ف: الانواء نوء کی جمع ہے۔ یہ کل اٹھائیس منازل ہیں جنہیں چاند ہر رات طے کرتا ہے۔ تیرہ راتوں کی آخری رات میں طلوعِ صبح کے وقت ان میں سے ایک ستارہ مغرب کی طرف سے ختم ہو کر دُوسرا اسی طلوعِ فجر کے بعد فوراً اسی ختم شدہ ستارہ کے مقابلے میں مشرق سے طلوع ہوتا ہے لیکن اس پہلے ستارے کی جہت سے اس کی جہت غیر ہوتی ہے۔ اس بنا پر اس ستارے کی چودہ جہتیں ہوتی ہیں اسی طرح سال کے تین سو پینسٹھ دن انہی ستاروں کے مطابق ختم ہوتے ہیں اس لیے کہ تیرہ کو اٹھائیس سے ضرب دینے سے مذکورہ گنتی[1] حاصل ہوتی ہے۔

ف: ستارے کو نوء سے اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ جب ایک ستارہ مغرب کی طرف سے ختم ہوتا ہے تو اس کے بالمقابل مشرق سے دُوسرا ستارہ طلوع ہوتا ہے جسے بوقتِ تعبیر کہا جائے گا: الطالع بالمشرق ينوء اى يذهب ويطلع۔ یعنی نوء بمعنے جانا یا طلوع کرنا وغیرہ۔

فائدہ تفسیریہ جب کافروں نے بارش سے کھیتیاں سرسبز دیکھیں تو انہوں نے اسے ستارے کی طرف منسوب کر دیا حالانکہ انہیں ایسی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنی تھی۔ ان کے اس طریقہ سے ان کی ناشکری اور بے ایمانی و کافری ظاہر ہوئی اور یہی ان کے فرمانبرداروں کے لیے موجب اقتباس بنا جسے قرآن نے مکر

---

[1] یعنی تین سو چونسٹھ اوپر کے ساعات یا ایک دن کسرات کی وجہ سے شمار ہوا۔

سے تعبیر فرمایا۔

عقیدہ: جو شخص بارش وغیرہ کی تاثیر صرف اور صرف ستاروں سے مانتا ہے تو وہ کافر (و مشرک) ہے۔

عقیدہ: اگر اس کا یہ عقیدہ ہو کہ چونکہ یہ تاثیر اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے اور یہ ستارے صرف وسائط اور اسباب ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی بنایا ہے۔ چنانچہ 'الروضہ' میں ہے کہ:

المؤثر هو الله والكواكب اسباب عادية[1] مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہے یہ ستارے محض عادی اسباب ہیں۔

حضرت حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ؎

گر رنج پیشت آید و گر راحت اے حکیم
نسبت مکن بغیر کہ اینہا خدا کند

ترجمہ: اگر رنج پہنچے یا راحت اس کی نسبت غیر کی طرف نہ کرنا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سمجھنا اس لیے کہ جملہ امور وہی کرتا ہے۔

قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا فرمائیے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ تمہارے عذاب کی جلد تر خفیہ تدبیر کرنے والا ہے یعنے تمہیں اس کا عذاب جلد تر پہنچے گا بوجہ اس کے کہ تم حق کو اپنے سے ہٹا رہے ہو۔

سوال: یہاں پہ عذاب کو مکر سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے؟

جواب ۱: چونکہ اُنھوں نے مکر و حیلے سے کام لیا ان کے اسی مکر کے جواب کی مناسبت سے لفظ مکر لایا گیا۔ یہ تسمیۃ الشئ باسم سببہ (یعنی شئے کے سبب والا نام رکھنا) کے قبیل سے ہے۔

جواب ۲: چونکہ کفار کے معاملہ میں لفظ مکر واقع ہُوا ہے اسی مناسبت سے یہاں بھی لفظ مکر لایا گیا ہے۔ اس معنے پر باب المشاکلۃ سے ہوگا۔

فائدہ تفسیریہ حضرت مقاتل سے مروی ہے کہ کفار کو اللہ تعالیٰ نے بدر میں تباہ و برباد کیا۔ یہ انہیں آیات سے انکار کی سزا تھی۔ اس کے بعد جب بھی انہیں کہیں سزا ملی تو گویا ان کے اسی مکر یعنی انکار آیات کی وجہ سے ہے اسی معنے پر اللہ تعالیٰ ان کے مکر کی سزا دینے میں عجلت کرنے والا ہو۔

ف: ان کا مکر یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیارے نبی علیہ السلام کو تباہ و ہلاک کریں اللہ تعالیٰ کے مکر کا معنیٰ یہ ہے کہ کفار کو مذکورہ بالا طریقوں سے تباہ و برباد کر دیتا چونکہ کفار تو حضور علیہ السلام کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں

---

[1] روح البیان ج ۴ ص ۲۹ - یہی ہم اہلسنت عقیدہ رکھتے ہیں انبیاء عظام و اولیاء کرام اللہ تعالیٰ کی درگاہ کے وسائل و اسباب ہیں ہمارے امور اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ہوتے ہیں ان حضرات کی دعاؤں، زبانوں و دیگر برکات کی وجہ سے سببی طور سطے ہوتے ہیں۔

بدر کے علاوہ متعدد غزوات میں شکستیں دیں اس معنے پر اسرع مکراً کا مفہوم صحیح ہوا۔

ف: مکر الٰہی بمعنے خفیہ تدبیر یعنی اللہ تعالٰے نے اپنا ارادہ ان سے مخفی رکھ کر انھیں تباہ و برباد کیا لیکن کفار نے اپنے ارادے عام کر رکھے تھے۔ شعر

توکل علی الرحمٰن واحتمل الردی
ولا تخش مما قد یکید بك العدی

ترجمہ: اللہ تعالٰی پر بھروسہ کرکے تکالیف برداشت کرنا چاہئیں۔ اس کے بعد دشمن کتنا ہی دکھ درد پہنچانیکی تدابیر بناتے رہیں تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

اِنَّ رُسُلَنَا بے شک ہمارے رسل، اس سے محافظ فرشتے یعنی کراماً کاتبین مراد ہیں۔

ف: اس میں غیب سے تکلم کی طرف التفات ہے کہ پہلے فرمایا قل اللہ۔ اب اسی کے مطابق ان رسلہ کہنا چاہئے لیکن فصاحت و بلاغت کے ان رسلنا کہا گیا ہے۔

یَکْتُبُوْنَ مَا تَمْکُرُوْنَ ○ تمہارے مکر کو لکھ لیتے ہیں اس میں انہیں انتقامی کارروائی کی تحقیق سے خبردار کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ تم جتنی ہی پوشیدہ تدبیریں بناؤ ان سب کو محافظ فرشتے یعنی کراماً کاتبین جانتے ہیں جب تمہاری تدبیریں فرشتوں سے چھپ نہیں سکتیں پھر اللہ تعالٰی سے کب پوشیدہ رہ سکتی ہیں۔

مسئلہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کے لیے بھی کراماً کاتبین ہوتے ہیں۔

سوال: کفار کی دائیں جانب کا فرشتہ کیا لکھتا ہوگا ان کے لیے تو نیکیاں ہوتی ہی نہیں۔

جواب: بائیں جانب کا فرشتہ دائیں جانب کے فرشتے کی اجازت سے لکھتا ہے کفار کی برائیاں لکھنے والا فرشتہ دائیں جانب والے فرشتے کی اجازت سے لکھے گا تو وہ فرشتہ بمنزلہ شاہد ہوگا اور اس کا شہادت کے لیے ہونا ہی کافی ہے۔ (کذا فی البستان)

ف: کراماً کاتبین کی تعداد میں اختلاف ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: وہ پانچ ہیں۔ دو صبح دو شام کو اور ایک ہر وقت ساتھ رہتا ہے کسی وقت بھی انسان سے جدا نہیں ہوتا۔

مسئلہ: مومن ہوں یا کافر ہر ایک کے اعمال لکھے جاتے ہیں اور انھیں محفوظ رکھ لیا جاتا ہے تاکہ قیامت کے دن صاحب عمل کو بطور حجت دکھائے جا سکیں۔

ف: تقدیر نے رنج و اذیت جانب لکھی تو انسان اس سے تدبیر اور مختلف حیلوں سے نہیں بچ سکتا بلکہ بزرگوں نے فرمایا کہ جب انسان پر تقدیر کا ورود ہوتا ہے تو خود اس کی اپنی تدبیر اس کے لیے ہلاکت کا سبب بن جاتی ہے۔

ف: جو شخص گمان کرتا ہو کہ تقدیر سے تدبیر بچا لیتی ہے تو اس کی مثال لومڑی کی ہے کہ جب اس پر حملہ ہوتا ہے تو دم ہلانے کو اپنی نجات کا ایک سبب سمجھتی ہے

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

تقدیر مومن کامل کے اعمال صالح کی برکت سے ٹل جاتی ہے جبکہ ان اعمال صالح کا وقوع تقدیر کے ورود سے پہلے ہو۔ اس لیے کہ: ع

علاج واقعہ پیش از وقوع باید کرد

واقعہ کا علاج اس کے وقوع سے پہلے کرنا چاہیے۔

ف: زیاد نے کہا کہ مرد عاقل وہ ہے جو مصیبت میں پھنسنے سے پہلے بچنے کی تدبیر کرے ورنہ اس سے بڑا بیوقوف اور کون ہوگا جو وقوع مصیبت کے بعد چارہ جوئی کرے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا: ؎

تو پیش از عقوبت در عفو کوب
سودے ندارد فغاں زیر چوب
کنوں کرد باید عمل را حساب
نہ روزے کہ منشور گردد کتاب

تفسیر صوفیانہ

واذا اذقنا الناس الخ میں رحمت سے ذوق توبہ یا انابہ یا صدق طلب یا بعض مقامات کی طرف پہنچنا یا ذوق کشف و شہود مراد ہے۔ من بعد ضراء مستھم میں ضراء سے فسق و فجور اور اخلاقِ ذمیمہ اور اوصافِ بشریہ وصفات کے حجابات مراد ہیں اذا لھم مکر فی ایاتنا، مکر فی الآیات سے بعض سالکین کے اسرار و رموز کسی نااہل کو بتا دینا مراد ہے وہ بھی اس غرض پر کہ اس طرح ان کو لوگوں کے ہاں شرف ملے گا اور سمجھتے ہیں کہ ایسا کرنے سے عوام انھیں مقبولانِ خدا سمجھیں گے اور بہت جاہ و جلال والے مانے جائیں گے اور لوگ ان کے ہاتھ پاؤں چومیں گے اور لوگ نوکروں کی طرح ان کے تابع فرمان ہو جائیں گے۔ علاوہ ازیں دیگر بہت بڑے منافع ان کے زیرِ غور ہوتے ہیں قل اللہ اسرع مکرا فرمائیے اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ان کی غلط روی پر انھیں بھی جلد تر سزا دیتا ہے کہ ان سے انہی مقامات کے مطابق ان سے بطور استدراج کرامات کا ظہور ہوتا ہے لیکن انھیں اس سے حد درجے کی دوری اور بُعد اور مشاہداتِ حق سے حجابات نصیب ہوتے ہیں جس کا انھیں علم نہیں ہوتا ان رسلنا یکتبون ما تمکرون یعنی ان کی یہ بے راہ رویاں مخفی نہیں اس لیے ان کی غلطیوں پر ہم انھیں سزا دیتے ہیں۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

غلط کار سالکین

بہت سے سالکین کے لیے کبھی یوں ہوتا ہے کہ وہ پانی پر چلتے اور ہوا میں اڑتے نظر آتے ہیں۔ اور ان کی زمین کی مسافتیں لپیٹ لی جاتی ہیں کہ وہ تھوڑے سے عرصہ

میں دور دراز سفر کر لیتے ہیں لیکن ان کی حالت ایک مجرم گنہگار سے کم نہیں ہوتی اس لیے کہ بطور استدراج اس طرح سے پانی پر چلنا اور ہوا میں اڑنا ہوتا ہے لیکن اللہ تعالےٰ کے ہاں اس کی مکھی کے پر کے برابر بھی وقعت نہیں ہوتی اور نہ ہی ان کے لیے یہ مقامات و مراتب محمود ہوتے ہیں بلکہ شومیِ قسمت سے یہ مراتب ان کے لیے نہایت مذموم ہوتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے سزا کے طور پر ان کے لیے ظاہر فرمائے ہیں جو ان سے بطور خرقِ عادت ظاہر ہو کر الٹا ان کے لیے وبالِ جان بنتے ہیں جنہیں وہ اپنے لیے بلندیٔ مراتب سمجھتے ہیں حالانکہ وہی امور ان کے لیے شرعاً معصیت لکھی جا رہی ہوتی ہے اگر انہیں یہ حجاب مانع نہ ہوتا تو وہ بالضرور حقیقت کے سمجھنے کی کوشش کرتے لیکن وہ بیچارے اس حقیقت سے بے خبر ہو کر اپنے آپ کو شریعت مطہرہ کے راہ پہ گامزن نہ کر سکے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگتے ہیں کہ ہمیں ان لوگوں سے نہ بنائے جو اپنے بُرے اعمال کو اچھا سمجھتے رہتے ہیں جن سے وہ آخرت میں ذلت و خواری کا نشانہ بنیں گے۔ (کذا فی مواقع النجوم)

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

زاہدا ایمن مشو از بازیِ غیرت زنہار
کہ از صومعہ تا دیرِ مغاں این ہمہ نیست

سبق: مذکورہ بالا غلطیوں سے بہت تھوڑے سالک بچ سکتے ہیں۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ واصل باللہ بہت کم ہوتے ہیں، اور اللہ تعالےٰ سے دُور رہنے والے سالک بہت زیادہ۔ اسی لیے سلوک میں اس مرحلہ کو طے کرنے کے لیے مرشدِ کامل کی ضرورت پڑتی ہے بلکہ امر ضروری۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

در پناہ شیر کم ناید کباب
روبہا تو سوئے جیفہ کم شتاب
چوں گرفتی پیر ہن تسلیم شو
ہمچو موسےٰ زیر حکم خضر شو

تفسیر عالمانہ ھُوَ اللہ تعالیٰ وُہ ہے اَلَّذِیْ یُسَیِّرُکُمْ تسییر سے مشتق ہے۔ باب تفعیل تعدیہ کے لیے ہے مثلاً کہتے ہیں:

سار الرجل۔ مرد چلا۔

وسیرتہ انا۔ اور میں نے اسے چلایا۔

ب آیت کے جملے کا معنیٰ یُوں ہوا کہ اللہ تعالیٰ وُہ ہے جو تمہیں چلاتا ہے یعنی مسافت طے کرنے کی تمہیں قدرت دیتا ہے

فِی الْبَرِّ جنگلوں کی مسافت طے کرنے کے لیے قدم یا سواریوں (گھوڑے، خچر، گدھے اور اونٹ وغیرہ) وَالْبَحْرِ اور دریاؤں کو عبور کرنے کے لیے چھوٹی بڑی کشتیوں کے ذریعے تمہارا سفر طے کراتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ درحقیقت ہر شے کو چلانے والا اللہ تعالیٰ ہے نہ کہ ہوائیں، اس لیے کہ ہوائیں خود بخود نہیں چلتیں بلکہ انھیں کوئی چلانے والا چلاتا ہے پھر اس کا بھی کوئی چلانے والا ہے یہاں تک کہ یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ تک پہنچے گا کہ وہی سب کا محرک ہے اور وہ بھی انہی حرکات معروفہ سے منزہ ہے بلکہ ایسی تشبیہات سے پاک و مطہر اور ارفع و اعلیٰ ہے۔ جو صوفی یہی عقیدہ رکھ کر ہواؤں پر نہیں بلکہ صرف خدائے بزرگ و برتر پر بھروسہ کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ یہ کشتیاں ہواؤں سے نہیں بلکہ اللہ جل وعلا کے کرم سے چلتی ہیں اس عقیدہ سے اسے توحید افعال کے حقائق نصیب ہوں گے ورنہ شرکِ خفی میں مبتلا رہے گا

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا: ؎

قضا کشتی آنجا کہ خواہد برد
وگر ناخدا جامہ بر تن درد

ترجمہ: تقدیر ربانی جہاں چاہتی ہے کشتی کو لے جاتی ہے اگرچہ ملاح آہ و فغاں کر کے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا: ؎

من از بیگانگاں دیگر ننالم
کہ با من ہرچہ کرد آں آشنا کرد

ترجمہ: مجھے غیروں سے کوئی شکایت نہیں، میرے ساتھ جو کچھ کیا ہے میرے یار نے کیا ہے۔

تفسیر عالمانہ

حَتّٰۤی اِذَا کُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ یہاں تک کہ تم کشتیوں میں ہوتے ہو۔

ف: یہ حتی یسیرکم فی البحر کی غایت کے لیے ہے۔

سوال: شے کی غایت شے کے بعد ہوتی ہے اور یہاں پہلے کیوں؟ اس لیے کہ سیر کشتی میں سوار ہونے کے بعد ہوتی ہے؟

جواب: غایت صرف کشتی میں ہونا نہیں بلکہ اس کا معطوف بھی اسی غایت میں شامل ہے اور یہ معطوف سیر کے بعد ہے اور کنتم فی الفلك کا معطوف وَجَرَیْنَ بِهِمْ الخ ہے اور وہ کشتیاں ان لوگوں کو لیجاتی ہیں۔

سوال: جرین جمع مونث کا صیغہ کیوں؟

جواب: الفلك جمع مکسر ہے بمعنے السفن (یعنی سفینہ بمعنے کشتی کی جمع) ہے

سوال: فلک کیسی جمع ہے جبکہ اس کا واحد بھی تو الفلک ہے حالانکہ جمع کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ اس کا واحد کا صیغہ اپنی پہلی حالت پہ نہ رہے۔

جواب: الفلک اگرچہ لفظاً مکسر نہیں لیکن تقدیراً ضرور ہے اسی لیے کہ جمع کا ضمہ اُسُدٌ (جو کہ اَسَدٌ بمعنے شیر کی جمع ہے) جیسا ہے اور اس کے مفرد کا ضمہ قُفل بمعنی "تالا کے ضمہ جیسا ہے۔

ف: جرین بھم میں التفات مبالغہ کے طور ہے تاکہ ان کی قباحت کا پورے طور اظہار ہو اور ان سے اتنی بے التفاتی ہے کہ گویا ان سے بات کرنا بھی منظور نہیں اور یوں سمجھا جا رہا ہے کہ گویا ان کا حال دوسروں کو سنا کر انہیں تعجب میں ڈالنا مطلوب ہے کہ اے کافرو! تم اتنے ذیل و خوار انسان ہو کہ اب تم اس لائق نہیں کہ تمہارا ذکر کیا جائے۔

بِرِیۡحٍ طَیِّبَۃٍ پاکیزہ ہواؤں کے ذریعے کہ نرم نرم اور ان کے مقاصد کے مطابق چلتی ہیں وَّفَرِحُوۡا بِہَا اور ان سے خوش ہوتے ہیں کہ کیسی پاکیزہ ہوائیں ہیں اور کیسے ہی ہمارے حال اور مقصد کے مطابق چل رہی ہیں جَآءَتۡہَا آتی ہیں ان کے ہاں یعنی جب جانب مخالف سے پاکیزہ ہوائیں پہنچتی اور ان پر غلبہ پاتی ہیں۔

سوال: جاءتہا کی بجائے ھبتہا کیوں نہ کہا گیا اس لیے ہوا کے لیے ھبوب کا استعمال ہوتا ہے۔

جواب: جب ہوا موافق چل رہی ہو تو اس وقت ھبوب استعمال ہوتا ہے لیکن جب اس کے مخالف ہوا چلے تو اس وقت مجیٔ (آنا) استعمال ہوتا ہے بلکہ اس کا استعمال اس ہوا کے لیے ہوتا ہے جو اپنی مخالف ہوا پر استبداد رکھتی ہو۔

رِیۡحٌ عَاصِفٌ سخت آندھی۔ اہل عرب کہتے ہیں عصفت الریح یہ اس وقت بولتے ہیں جب سخت آندھی چلے یعنی وہ ہوا جو بہت بڑی سختی سے چلے۔

سوال: ریح مونث ہے اس کے لیے عاصف کے بجائے عاصفۃ ہونا چاہیے۔

جواب: جب کوئی فعل کسی شے کے ساتھ مخصوص ہو کہ سوائے اس کے کسی دوسری شے کے لیے نہ آسکے تو اس پر صیغے مذکر مستعمل ہیں چونکہ یہ صفت ہوا سے مخصوص ہے اسی لیے عاصف لایا گیا ہے۔

وَّجَآءَہُمُ الۡمَوۡجُ اور ان کے دریا کی موج آئے۔ موج ہر اس پانی کو کہتے ہیں جو اپنی سطح سے اوپر کو بلند ہو مِنۡ کُلِّ مَکَانٍ ہر جگہ سے یعنی ہر وہ جگہ جہاں سے پانی کی موج کا تسور ہو سکتا ہے اور کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ پانی میں جب طغیانی ہوتی ہے تو ہر طرف سے پانی کی موج واقع ہوتی ہے یہ ضروری نہیں کہ جہاں سے ہوا مخالف ہو اسی طرف سے موج ہو اور دوسری طرف سے نہ ہو بلکہ موج کو جہاں سے موقعہ ملتا ہے وہیں سے ظاہر ہوتی ہے۔ کاشفی نے بھی یہی معنیٰ لیا ہے کما قال:

از چپ و راست و پیش و پس۔

یعنی دائیں بائیں آگے پیچھے ہر طرف سے موج آتی ہے۔

وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ اور انہیں گمان ہوتا ہے کہ وہ گھیرے میں آ گئے یعنی ہلاک ہونے والے ہیں۔ احیط بہم ہلاکت کے لیے مستعمل ہے دراصل یہ دشمن کی تباہ و بربادی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ **دَعَوُا اللّٰهَ** یہ ظنوا سے بدل الاشتمال ہے اس لیے کہ ان کا پکارنا ان کے گمان کے ساتھ ملابس تھا یعنی انھیں گمان ہُوا کہ اب ہلاکت و تباہی ان کے لیے لازم ہو گئی تو اللہ تعالیٰ کو پکارنے لگے **مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ** درانحالیکہ اللہ تعالےٰ کے لیے دین خالص کا اظہار کر رہے تھے اس وقت اللہ تعالےٰ کے ساتھ اپنے بتوں میں سے کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے تھے۔

سوال : آیت میں بُتوں کا نام نہیں تھا تم نے یہ معنیٰ کہاں سے لیا ؛

جواب : اخلاص للدین کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ کسی دُوسرے کو شریک نہ کیا جائے۔

مسئلہ : ان کا یہ ایمان اضطراری تھا اسی لیے اسے حقیقی ایمان نہ کہا جائے گا۔

ف : اس دُعا سے اھیا شراھیا کے الفاظ مراد ہیں بمعنے یاحیّ یا قیوم۔ اور یہ دونوں اسماء بحری اسفار کے لیے پڑھے جاتے ہیں جیسا کہ آیت الکرسی کی تفسیر میں گزرا ہے۔

لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا یہ لام توطیۃ للقسم ہے بارادۂ قول دراصل عبارت یُوں تھی :

دعوا حال کونہم قائلین واللہ لئن انجیتنا۔

انہوں نے اللہ تعالیٰ کو پکارا درانحالیکہ وہ قسم کھا کر کہتے تھے : اے اللہ تعالےٰ! اگر تُو نے ہمیں نجات بخشی۔ **مِنْ هٰذِهٖ** اسی طغیانی سے **لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝** شکر گزاروں سے یعنی ہمیشہ تیری نعمتوں کا شکر کرتے رہیں گے منجملہ ان نعمتوں کے ایک یہی ہے جسے اب ہم طلب کر رہے ہیں یعنی نجات اور شکر گزاری کا معنیٰ یہی ہے کہ ہم تیرے اوامر کی اتباع اور نواہی سے اجتناب کریں گے۔ اور ناشکری کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم تیرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ **فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ** پس جب انھیں اللہ تعالےٰ نے نجات بخشی کہ ان کی دعا کے مطابق انہیں دریا کی طغیانی سے بچایا۔

ف : فاء دلالت کرتی ہے کہ ان کی دُعا فوراً قبول ہو گئی۔

اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ اس وقت وہ زمین میں فساد ڈالتے تھے یعنی زمین پہ فساد ڈالنے لگے اور جلدی سے پہلی حالت تکذیب و شرک اور جرأت علی اللہ کرنے لگے۔ زمین پر بغاوت سے واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے دُور دُور تک فساد پھیلایا **بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ** وہ درانحالیکہ وہ غیر الحق کے ساتھ ملتبس تھے۔ چنانچہ کاشفی نے لکھا کہ ان کے غلط عقیدہ کی تاکید کے لیے بغیر الحق کہا گیا ہے تاکہ واضح ہو کہ وہ اپنے گندے عقیدے سے باخبر ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ جو عمل کر رہے ہیں وہ مبطل ہے۔ یہ یقتلون النبیین بغیر الحق کی طرح ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گزرا ہے **يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ** اے باغی لوگو! **اِنَّمَا بَغْيُكُمْ** بیشک تمہاری بغاوت جس کا تم ارتکاب کر رہے ہو۔ یہ مبتدا ہے

اور اس کی خبر عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ تمہارے نفسوں پر ہے یعنی تمہاری بغاوت کا وبال تمہاری طرف لوٹے گا اور اس کی سزا صرف تمہیں ملے گی نہ انھیں جن پر تم بغاوت پھیلا رہے ہو اگرچہ تم یہی سمجھتے ہو کہ تمہاری اس بغاوت سے انھیں نقصان ہے اور تمہیں فائدہ اور تمہارا یہ گمان سراسر غلط ہے مَتَاعَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا اس کا منصوب ہونا بوجہ مفعول مطلق ہونے کے ہے اور فعل مقدر کی تاکید کرتا ہے اور وہ جملہ مستانفہ ہے دراصل عبارت یوں ہے:

تتمتعون متاع الحیٰوۃ الدنیا۔

اور حیاۃ دنیا کے مال و متاع سے چند روز نفع اٹھاؤ گے اور تمہیں معلوم ہے کہ دُنیا اور اس کی تمام لذات فانی اور چندروزہ ہیں اور اس کی سزائیں مجرموں کے لیے دائمی اور باقی ہیں۔ ؏

ہر کہ او بد می کند بے شبہ با خود می کند

جو کوئی بُرائی کرتا ہے وہ یقیناً اپنے ساتھ کرتا ہے۔

ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُکُمْ پھر تمہارا ہماری طرف لوٹنا ہے یعنی قیامت میں تم ہمارے ہاں حاضر ہو گے نہ کسی دُوسرے کی طرف فَنُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ پس ہم تمہیں تمہارے اعمال کی خبر دیں گے یعنی دنیا میں تم جن اعمال کا ارتکاب کرتے تھے ان کی تمہیں سزا دیں گے یہ اس محاورہ سے ہے جو اہلِ عرب اپنے مخالف کو ڈراتے ہوئے کہتے ہیں:

ساخبرك بما فعلت۔

یعنی میں تمہیں تمہارے کیے کی خبر دوں گا یعنی سخت سزا دوں گا۔

اور سزا کو اظہار کے بجائے تنبئۃ سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ ہر دو علم کا سبب ہیں۔

مسائلِ فقہیہ مسئلہ: کشتی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے اس لیے کہ دریا کو عبور کرنے کے لیے اس کی عام ضرورت ہوتی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ھو الذی یسیرکم الخ فرما کر اپنے بندوں کو احسان جتلایا ہے۔

مسئلہ: مشارق الانوار میں ہے کہ دریا کا عبور بذریعہ کشتی وغیرہ ہر مرد و عورت کے لیے جائز ہے۔ یہی جمہور کا مذہب ہے لیکن عورتوں کو مکروہ ہے اس لیے کہ غالباً ایسے سفر میں عورتوں سے پردہ کی احتیاط نہیں ہو سکتی اور کشتی بان عموماً عورتوں کو دیکھنے سے نہیں بچ سکیں گے۔ بالخصوص چھوٹی کشتیوں میں عورتوں سے پردہ نہیں ہو سکتا عموماً ان کے جسم کھُل جاتے ہیں اور وہ قضائے حاجات مردوں کے سامنے نہیں کر سکتیں حالاں کہ وہ ضروری امور ہیں۔

حدیث شریف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دریائی سفر صرف حج یا عمرہ کرنے والا یا جنگ پہ جانے والا کرے اس لیے کہ دریا کے نیچے آگ ہے اور آگ کے نیچے اور دریا ہے۔

شرح الحدیث دریا کے نیچے حقیقی طور پر آگ نہیں بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ جیسے آگ میں پڑ کر انسان کو ہلاکت و تباہی کا سامنا کرنا پڑتا ہے ایسے ہی دریا کو عبور کرنے والے کو سامنا کرنا پڑے گا۔ اور حدیث شریف کا یہ فرمان کہ آگ کے نیچے دریا ہے، اس میں دریا کے سفر کی ہولناکیوں کا اظہار ہے اور اسی طرح ڈرایا گیا ہے جیسے آگ سے انسان کو خطرات محسوس ہوتے ہیں ایسے ہی دریائی سفر سے خطرات کا اندیشہ ہے اس لیے دریا کا سفر دنیا کی معمولی منفعت اور تھوڑے سے فائدہ کے لیے ہلاکت و تباہی میں پڑنا سفاہت و حماقت ہے اس لیے کہ عمداً نفس کو ہلاکت کے گڑھے میں ڈالنا بیوقوفی اور جہالت و حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ نتیجہ نکلا کہ دریائی سفر صرف اسی لیے کیا جائے جو طاعتِ الٰہی کا موجب ہو۔

مسئلہ: حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ اگر حج وعمرہ اور جہاد وغیرہ دریا کے سفر کے بغیر ادا نہیں ہو سکتے تو دریا کا سفر واجب ہے۔

مسئلہ: جیسے حج وعمرہ وجہاد وغیرہ کی ادائیگی کے لیے دریا کے سفر میں مشقت و تکلیف مثلاً سر چکرانا اور متلی کا ہونا ہو تو اسے شہید کا ثواب نصیب ہوگا۔

مسئلہ: اسی طرح دوسرے ایسے امور جن میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت مطلوب ہو مثلاً جہاد و حج اور طلبِ علم اور قریبی رشتہ داروں کی ملاقات کے لیے دریائی سفر کر کے جانے میں مشقت اور تکلیف کا وہی اجر و ثواب ہے بشرطیکہ وہ سفر دریا کو عبور کیے بغیر نہ ہو سکتا ہو۔

مسئلہ: تجارت کے لیے بھی دریا عبور کر کے سفر کرنا جائز ہے اور وہی ثواب ہے جو مذکور ہوا لیکن وہ بھی اسی طرح کہ وہ اس کے بغیر عبور نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس سے وہ تجارت مراد ہے جو حصولِ رزق کے لیے ہو اگر ذخیرہ اندوزی کی تجارت ہو تو اسے ثواب مذکور نہیں ملے گا۔

مسئلہ: دریا میں ڈوب کر مرنے والے کو دو شہیدوں کا ثواب نصیب ہوگا:

۱۔ اسی اطاعت کا جس کے لیے دریا عبور کر رہا تھا۔

۲۔ دریا میں ڈوب کر مرنے کا۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس پر حج فرض ہو وہ اسے ادا کرے تو اسے دس غزوات سے بھی زیادہ ثواب ملے گا اور جس نے حج فرض کر لیا ہے لیکن اب نفلی حج پڑھتا ہے تو اس کے ایسے دس حجوں سے ایک دفعہ جنگ کی حاضری سے زیادہ ثواب نصیب ہوگا اور عام دس جنگوں سے دریائی سفر کی ایک جنگ افضل ہے جس سے میرے ساتھ ایک دفعہ جنگ نہ ہو سکی تو اسے دریائی سفر کی جنگ کرنی لازم ہے۔

مسئلہ : صاحبِ رُوح البیان فرماتے ہیں : روزے کا مسئلہ اس کے برعکس ہے اس کی حقیقت تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے لیکن بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ دریائی سفر میں روزہ رکھنا آسان ہے ۔ عموماً کشتی وغیرہ میں سر چکرانے اور متلی وغیرہ کی وجہ سے طعام وغیرہ کی خواہش بہت کم ہوتی ہے اور دُوسرے سفروں میں بھوک و پیاس بہت ستاتی ہے اور شرعی قاعدہ ہے کہ اجر بقدرِ دُکھ اور تکلیف کے نصیب ہوتا ہے ۔ یہی کیفیت جنگی معاملات کی ہے کہ غیر دریائی سفر جنگوں میں عموماً آسان ہوتے ہیں اس لیے کہ یہ سفر آزادی سے ہوتا ہے اور دشمن سے تحفظ کے اسباب مہیا ہو سکتے ہیں اور قوتِ مزاج بھی اپنے قابُو میں ہوتی ہے جبکہ دریائی سفر میں یہ باتیں نہیں ہوتیں ۔

لطیفہ : کسی سے پُوچھا گیا کہ دریائی سفر میں تم نے کون سا عجیب تر امر دیکھا ؟

اس نے جواب دیا ، سلامتی منہ

یعنی میرا دریا سے صحیح سالم زندہ بچ کر نکلنے سے عجیب تر اور کوئی امر نہیں ۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

بدریا در منافع بیشمارست
اگر خواہی سلامت در کنار است

یعنی دریا میں منافع بہت زیادہ ہے لیکن سلامتی اس کے کنارے میں ہے ۔

نیز فرمایا : ؎

سود دریا نیک بودے گر نبودے بیم موج
صحبت گل خوش بدے گر نیستی تشویش خار

ترجمہ : دریا کے منافع خوب ہیں اگر طغیانی کا خوف نہ ہوتا گل کی صحبت بھی اچھی اگر کانٹے کا خطرہ نہ ہوتا ۔

حکایتِ مثنوی اور لطیفہ نحوی[1] عالم کشتی پر سوار ہُوا تو کشتی بان سے پُوچھا : بھائی ! تجھے کچھ نحو کے قواعد بھی معلوم ہیں ؟

کشتی بان نے کہا : نہیں ۔

نحوی نے کہا : تو پھر آدھی زندگی ضایع گئی ۔

جب کشتی دریا کی موجوں کے گرداب میں آئی اور ہوا بھی مخالف سمت چل پڑی تو کشتی بان نے نحوی سے

---

[1] علم نحو کا جاننے والا ۔

پوچھا: آپ تیرنا جانتے ہیں؟

نحوی نے کہا: نہیں۔

کشتی بان نے کہا: اب تمہاری ساری زندگی برباد جاتی ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

محوے باید نہ نحو اینجا بداں
گر تو محوی بے خطر در آب ران
آب دریا مردہ را بر سر نہد
ور بود زندہ ز دریا کے رہد
چوں بمردی تو ز اوصاف بشر
بحرِ اسرارت نہد بر فرق سر
اے کہ خلقان را تو خر می خواندۂ
ایں چوں خر بریں یخ ماندہ

ترجمہ: انسان کو محویت سیکھنی چاہیے نہ کہ نحو۔ اس لیے محویت نصیب ہو تو دریا کی طغیانی اور اس کی موجیں کچھ نہیں کرسکتیں۔ دریا کا پانی مُردے کو اٹھا کر لے جاتا ہے اس لیے کہ اگر یہ انسان زندہ ہوتا تو دریا سے کس طرح بچ کر نکلتا۔ اسی طرح سالک کی حالت ہے کہ جب وہ اوصافِ بشریہ سے پاک ہو جاتا ہے تو اسے بحرِ اسرار سر پہ اٹھا لیتے ہیں جب تم ہر ایک کو گدھا کا خطاب دیتے ہو تو پھر حالت بھی یہی ہے کہ یخ بستہ میں بندھے پڑے رہو۔

نسخۂ روحانی بغاوت: فساد، تعصب، عناد اللہ تعالٰی کی نعمت کی ناشکری رب تعالٰی کے ساتھ الست کے وعدہ کے نسیان کی وجہ سے ہیں اور ایسا نسیان گناہوں کی طرف لے جاتا ہے جس سے قیامت میں انتقامی طور پر سخت مواخذہ ہوگا۔

حدیث شریف: دو شخصوں کو اللہ تعالٰی دنیا میں بہت جلد سزا دیتا ہے؛

۱۔ ماں باپ کے نافرمان کو

۲۔ زمین پر بغاوت پھیلانے والے کو

حدیث شریف: مکر و فریب نہ کرو اور نہ ہی مکار کو ڈھارس دو۔ بغاوت نہ کرو اور نہ ہی باغی کی مدد کرو۔ عہد شکنی نہ کرو اور نہ ہی عہد شکن کی معاونت کرو۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا حاکمِ وقت باغی وظالم ہو تو دنیوی سیاسی امور میں اس کی اعانت حرام ہے[1] ہاں شرعی امور میں ان کی امداد ضروری اور لازمی ہے۔

حدیث شریف : جو ظالم کی مدد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسی ظالم کو مدد کرنے والے پر مسلط کر دیتا ہے۔

حدیث شریف : جسے اللہ تعالیٰ کسی علاقہ کی حکومت وسلطنت بخشتا ہے اگر وہ اپنی رعیت کے درپے آزار ہوتا ہے اور ان کے امور میں کوتاہی کر کے ان کے ساتھ عدل وانصاف نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ اس پر بہشت حرام فرما دیتا ہے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

رعیت چو بیخند سلطان درخت
درخت اے پسر باشد از بیخ سخت
مکن تا توانی دل خلق ریش
وگر میکنی میکنی بیخ خویش
گر انصاف پرسی بد اختر کسست
کہ در راحتش رنج دیگر است
نماند ستمگار بد روزگار
بماند برو لعنت پائدار

ترجمہ : رعیت جڑیں اور بادشاہ درخت ہے اور کوئی درخت جڑوں کے بغیر مضبوط نہیں ہوتا جہاں تک تم سے ہوسکتا ہے خلقِ خدا کو دکھ اور رنج نہ پہنچاؤ ورنہ یقین کیجئے کہ تم اپنی جڑ اپنے ہاتھ سے خود اکھاڑ رہے ہو۔ انصاف یہ ہے کہ وہ بہت کمینہ ورذیل انسان ہے جو اپنی راحت کی خاطر دوسروں کو پہنچاتا ہے اور یہ بھی ہے کہ ظالم کا ظلم ہمیشہ نہیں رہتا بلکہ اس پر ہمیشہ کے لیے لعنت برستی ہے۔

ف : ہر عمل کی ایک شکل وصورت ہے اگر نیک عمل ہے تو قیامت میں اس کے لیے نیک صورت ظاہر ہے اگر برا عمل ہے تو بری صورت پیش ہوگی لیکن دنیا میں اس کا معاملہ برعکس ہے کہ اچھے عمل برے لگتے ہیں اور برے اچھے۔ یہی وجہ ہے کہ گناہ کرنے والوں کو گناہ بھلے محسوس ہوتے ہیں اس لیے ان کے ارتکاب میں انھیں لذت محسوس ہوتی ہے اگرچہ درحقیقت وہ زہرِ قاتل سے بھی زیادہ ضرررساں ہیں اور نیکیاں انھیں اچھی نہیں لگتیں بلکہ نیکیاں انھیں کڑوے

---

[1] یہی نقطۂ نگاہ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا تھا کہ آپ ظالم خونخوار یزید کے ساتھ برسرِپیکار ہوئے لیکن بعض بدبخت حضرت امام حسین علیہ السلام کی اس کارروائی کو بغاوت سے تعبیر کرتے ہیں۔ ۱۲

گھونٹ محسوس ہوتے ہیں اگرچہ درحقیقت وہ شہد سے بھی زیادہ میٹھی اور لذیذ ہیں اسی وجہ سے باغیوں کا دنیا میں بغاوت محبوب مشغلہ ہے اس لیے کہ انھیں لُوٹ مار کا مال و اسباب میسر آتا ہے دشمنوں پر حملہ کر کے دل کو ٹھنڈا کرتے ہیں وغیرہ۔ وسینبئھم اللہ باعمالھم اللہ تعالےٰ انھیں قیامت میں ان کے اعمال کی بُری صورتیں دکھائے گا۔ ان صورتوں کو دیکھ کر افسوس کرتے ہُوئے کہیں گے : ع

غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

یعنی ہم نے سمجھا کچھ تھا اور ہُوا کچھ۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا بیشک حیات دنیا کی مثال یعنی دنیا کا حال عجیب سا ہے۔ دنیا اس کہاوت کے مشابہ ہے جو عجیب و غریب ہونے کی وجہ سے بطور مثال بر محل بیان کی جائے۔ کَمَآءٍ اَنْزَلْنٰہُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِہٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ اس پانی کی طرح جسے ہم نے آسمانوں سے اتارا تو وہ زمین کی انگوریوں سے مل جائے یعنی اس پانی کی وجہ سے انگوریاں ایک دُوسری سے ایسے مل جائیں گویا وہ آپس میں پنجہ ملائے ہُوئے کھُل کر زمین سے باہر آجائیں مِمَّا یَاْکُلُ النَّاسُ یہ نبات سے حال ہے یعنی ان انگوریوں کا یہ حال ہے کہ انھیں لوگ کھاتے ہیں جیسے اناج اور سبزیاں وَالْاَنْعَامُ ط اور جانور گھاس چرتے ہیں حَتّٰیٓ یہ اختلاط کی غایت ہے باعتبار جزا کے کہ جب امرِ الٰہی ہوتا ہے اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَھَا جب زمین اپنی زیب و زینت اور نقش و نگار لیتی ہے وَازَّیَّنَتْ اور دُلہن کی طرح کھیتوں کی مختلف شکلوں اور پھلوں سے آراستہ و پیراستہ ہو جاتی ہے یعنی جیسے دُلہن رنگا رنگ لباس سے ملبوس اور مختلف النوع زینتوں سے سنگاری جاتی ہے ایسے ہی زمین کھیتوں اور پھلوں سے مزین ہو جاتی ہے۔ یہ استعارہ بالکنایہ ہے اس لیے اسے دُلہن سے تشبیہ دے کر اس کے لیے دُلہن کے مناسب اشیأ ثابت کی گئی ہیں یعنی سنگار کی اشیاء۔ یہی استعارہ بالکنایہ کا قرینہ ہے اور ازّیّنت ترشیح ہے یہ در اصل تزینت تھا، "تاء" کا زاء میں ادغام کیا گیا ہے پھر ابتداء بالسکون محال ہونے کی وجہ سے ہمزہ وصلی لایا گیا ہے۔ وَظَنَّ اَھْلُھَآ اور اس زمین میں کے گمان کرتے ہیں اَنَّھُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَیْھَآ بیشک وہ اس پر قدرت رکھتے ہیں یعنی ان کا خیال ہے کہ جو کچھ انہوں نے بویا یا جو کھیتی پک گئی اسے اٹھانے پر اپنے قابُو میں رکھنے والے ہیں اَتٰھَآ اَمْرُنَا یہ اِذَا کا جواب ہے کاشفی نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ اچانک اسی زمین پر ہمارا عذاب یعنی ہمارا فرمان آتا ہے کہ اس زمین میں خرابی پہنچتی ہے لَیْلًا اَوْ نَھَارًا فَجَعَلْنٰھَا رات کو یا دن کو تو ہم اس زمین کی کھیتیوں کو (اسی طرح جو کچھ ان میں ہوتا ہے) کر دیتے ہیں یہاں مضاف محذوف ہے اسے مبالغہ کے طور حذف کر دیا گیا ہے حَصِیْدًا کٹی ہوئی اس شے سے اسے تشبیہ دی گئی ہے جسے جڑ سے اکھاڑا جائے کَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ط گویا وہ کھیتی پیدا ابھی نہ ہوئی تھی بالامس اسی وقت، یہ زمانۂ قریب کے لیے کہاوت کے

طور استعمال کیا جاتا ہے یہاں پر امس سے معروف معنے مراد نہیں بلکہ حاضر وقت مراد ہے اب معنیٰ یوں ہوا کہ گویا وہ کھیتی اس وقت تھی ہی نہیں۔ جب کوئی شے فنا ہو جائے تو اہلِ عرب کہتے ہیں؛

لو یغن بالامس۔

یعنی وہ شے تھی ہی نہیں۔

غنی از بابِ علم مثلاً کہا جاتا ہے:

غنی بالمکان۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اس میں ٹھہرے۔ اور یہ جملہ جعلنٰھا کے مفعول سے حال ہے کَذٰلِکَ یہ کاف صفت کے لیے اور اس کا موصوف مصدر محذوف ہے دراصل عبارت مثل ذٰلک التفصیل البدیع تھی یعنی اس عجیب وغریب کی تفصیل کی طرح نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ ہم آیاتِ قرآنیہ وضاحت سے بیان کرتے ہیں منجملہ یہی آیات ہیں جو حیاتِ دنیا کے احوال پر تنبیہ کرتی ہیں نفصّل بمعنے توضح و نبین ہے لِقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ○ تفکر و تدبر کرنے والوں کے لیے یعنی وہ لوگ جو ان آیات کی تفصیل اور ان کے معانی سے واقفیت رکھتے ہیں تفصیل آیات اگرچہ ہر ایک کے لیے ہے لیکن چونکہ یہی لوگ ان سے منتفع ہوتے ہیں اسی لیے انہی کی تخصیص کی گئی ہے۔

ف: آیت میں جو تشبیہ واقع ہوئی یہ تشبیہ مرکب ہے اگرچہ کاف تشبیہ لفظ الماء مفرد پر داخل ہے اس لیے کہ اجتماع حیوٰۃ اور اس کی رونق پھر لوگوں کے دل لبھا کر جلد تر اس کے ختم ہونے ہیئتِ اجتماعیہ کو زمین کی سبزی کے اجتماع اور اس کی رونق پھر آفتِ سماویہ و مشیتِ ایزدی سے اس کے مٹ جانے کی ہیئت منتزعہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ؎

بنگر بآنکہ روئے زمین فصلِ نوبہار
مانند نقش خامۂ مانے مزینست
وقت خزاں برگ ریاحین چوں بنگری
منصف شوی کہ لائق برباد دادنست

ترجمہ: زمین کو دیکھئے کہ موسم بہار میں ہمارے قلم کے سنے کی طرح منقش اور رنگین نظر آتی ہے لیکن موسمِ سرما سرما میں پھل پھول دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ یہ اشیاء بھی برباد ہونے کے لائق تھیں۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا:

حیوٰۃ دنیا کو پانی سے اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح پانی کافی دیر ایک جگہ پر ٹھہرنے سے بدبودار ہو جاتا ہے ایسے ہی مال کو جب خرچ نہ کیا بلکہ وہ مال مذموم ہوتا ہے اور روکنے سے بندہ بخل کی لعنت کا مستحق ہوتا ہے۔

۵

مال چوں آبست تا باشد رواں
فیضہا یابند ازد اہل جہاں
چند روزے چوں کند یکجا درنگ
گندہ و بیجا علست و تیرہ رنگ

ترجمہ: مال پانی کی طرح ہے لیکن جب وہ پانی چلتا رہتا ہے تو اس سے سارا جہان فیضیاب ہوتا اگر اسے چند روز کہیں ٹھہرایا جائے تو وہ پانی بدبودار اور بے کار اور رنگ بدل لیتا ہے ایسے ہی مال کی کیفیت ہے۔

مسئلہ: صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ بھی بخل میں شامل ہے کہ کسی کو[1] دینی کتاب مطالعہ کے لیے نہ دی جائے بالخصوص وہ کتاب جس کے گنتی کے چند نسخے ہوں جس کے پڑھنے کے لیے لوگوں کو سخت ضرورت ہو، ایسا شخص اس وعید میں داخل ہے جس کے لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے علم کو چھپایا باوجودیکہ اسے خوب جانتا اور دوسروں کو بتانے کی قدرت رکھتا ہے لیکن بتاتا نہیں، تو قیامت میں اس کے منہ میں جہنم کی لگام چڑھائے گی۔

کتابوں کے بخلاء

بہت سے بڑے بدبختوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ خود تو جاہل ہیں اور ان کی اولاد بھی لاشعوری اور ان کے ہاں آباؤ اجداداً دینی کتب کا بہترین ذخیرہ یا معمولی چند کتب موجود ہوتی ہیں تو پڑھنے والوں کو بڑی ضرورت کے باوجود دیکھنے نہیں دیتے پھر وہ چند روز کے بعد خراب ہو جاتی ہیں یا دیمک کا شکار ہوجاتی ہیں[1] ان بیوقوفوں کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کپڑا خرید کے صندوق میں بند کر کے رکھ دیتا ہے نہ اسے بیچتا ہے نہ خود پہنتا ہے نہ کسی کو ہبہ کرتا ہے بالآخر وہ پھٹ کر ضائع ہو جاتا ہے۔ اگر ان احمقوں کو کہا جائے کہ علمی ذخیرہ ضائع ہوجائے گا کسی کو پڑھنے کے لیے دے دیں خواہ قیمتاً۔ تو جواب دیتے ہیں کہ یہ تو ہمارے بزرگوں کا ورثہ ہے ہم تو اسے تبرک کے طور گھر سے باہر نہیں نکالیں گے۔ اس کی حماقت کا کیا علاج، کہ بالآخر وہ علمی خزینہ ضائع ہوجاتا ہے[2]

---

[1] یہ وعید ہمارے ان جاہلوں کے لیے فِٹ آتی ہے جن کے باپ داد علمائے دین تھے اور انھوں نے کتابیں گھر میں چھپا رکھی ہیں صرف اس غلط نظریہ پر کہ یہ ہمارے اسلاف کی یادگار ہیں۔ ان بندگانِ خدا کو کون سمجھائے کہ اسلاف کی ارواح تمہیں بددعا دیں گی کیونکہ ان کے ذخیرۂ علمی کو تم نے گھر میں رکھ کر ضایع کر دیا۔

[2] ہم نے آنکھوں سے کئی ایسے خزینے برباد ہوتے دیکھے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

ف: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ حیوٰۃ دنیا کو بارش سے تشبیہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ اگر بارش بقدر ضرورت ہو تو نفع بخش، اور اگر حدِ اعتدال سے متجاوز ہو تو نقصان دہ ہوتی ہے ایسے ہی دنیوی مال و اسباب اگر ضرورت پورا کرنے تک محدود ہو تو مفید ہوتا ہے، اس سے دینی و دُنیوی منافع مطلوب ہو تو وہ مال نافع ہے اگر زاید از ضرورت ہو تو وہ گناہوں کے ارتکاب کا مُوجب بنتا ہے بلکہ جب کمینہ آدمی دنیادار ہو تو اپنے سے نچلے طبقے کو حقارت سے دیکھتاہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ان الانسان لیطغیٰ ان راٰہ استغنیٰ۔

بیشک انسان سرکشی کرتا ہے اس پر کہ اسے اللہ نے غنی کر دیا۔

؎

توانگری کشدت سوئے عجب و نخوت و ناز
خوشست فقر کہ دارد ہزار سوز و نیاز

ترجمہ: دولت مندی عجب و نخوت اور تکبّر کی طرف لے جاتی ہے۔ فقر و تنگ دستی بہت اچھا ہے کہ اس میں ہزاروں سوز و نیاز ہیں۔

لطیفہ: بارش باغ کی لطافت و طراوت بڑھاتی ہے لیکن وہی بارش کانٹے کی تیزی و سختی میں اضافہ کا موجب بنتی ہے ایسے ہی اگر مال نیک بخت کے ہاں ہو تو اس کی نیک بختی میں اضافہ ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

نعم المال الصالح للرجل الصالح۔

نیک بخت کو مال صالح اچھا ہے۔

اگر بدبخت کو مال حاصل ہو تو اس کی بدبختی بڑھتی ہے اس کی سرکشی اور عناد میں اضافہ ہوتا ہے۔

ف: علمِ نافع انسان سے خواہشِ نفسانی مٹاتا ہے اور علمِ غیر نافع انسان کو راہِ حق سے ہٹاتا ہے۔ علمِ نافع اعلیٰ دولت اور علمِ غیر نافع انسان کے لیے وبال ہے۔

ف: بعض بزرگ فرماتے ہیں جیسے بارش کا پانی ایک جگہ قرار نہیں پکڑتا ایسے ہی مال بھی ایک جگہ نہیں ٹھہرتا بلکہ ہر نئے مالک کے پاس پہنچتا ہے وہ کسی سے وفا نہیں کرتا اور نہ ہی اس کی وفا کو بقا ہے۔

؎

گنج امان نیست دریں خاک داں
مغز وفا نیست دریں استخواں

کہنہ سرائیست بصد جا گرو
کہنہ و اندر گرو نو بنو

ترجمہ: اس عالمِ ناکداں میں کہیں عافیت نہیں اس ہڈی میں مغز کی اُمید نہیں رکھنی چاہیے یہ پرانی سرائے ہے اس کے باوجود سینکڑوں جگہ پر رہن ہے پھر کہنہ سرائے سے دل لگانا کیسا جبکہ وہ ہر لحظہ نئی جگہ رہن کے طور رکھی ہو۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دُنیا کی حقیقت کا سوال ہُوا تو آپ نے فرمایا: دنیا اس شَے کو کہتے ہیں جو اللہ تعالےٰ کی مشغولیت سے باز رکھے۔

صاحبِ رُوح البیان کا نکتہ صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دُنیا ماں کی طرح پرورش کرتی ہے۔ جو بچہ ماں کی پرورش پہ خوش رہ کر کسی استاذ سے تعلیم نہ پائے وُہ جاہل رہتا ہے۔ ایسے ہی طالبِ دُنیا جو صرف اسی کی محبت میں گرفتار رہ کر کسی مرشد کا دامن نہ پکڑے تو وہ اس دنیا کی محبت میں نہ صرف گرفتار ہو گا بلکہ اسے اپنا معبود بنالے گا اور ہمیشہ کے لیے اس کی پرستش میں لگا رہے گا اگر وہ دُنیا کی محبت کے بجائے کسی مرشد کامل کا دامن پکڑ لے تو عارف باللہ ہو کر دنیا کی تمام علائق سے محفوظ بھی ہوگا اور وصول الی اللہ کا مرتبہ بھی اسے نصیب ہوگا۔

سبق: دنیا فی نفسہٖ اچھی ہے صرف مذموم اس لیے ہے کہ اس سے بندہ کو شغلِ باللہ سے محرومی ہوتی ہے۔

عالمِ دنیا کا حدودِ اربعہ بعض کا خیال ہے کہ کوہ قاف سے کوہ قاف تک کا نام دُنیا ہے لیکن محققین فرماتے ہیں کہ کُرسی سے تحت الثریٰ تک دُنیا ہے اسی سے کون وفساد کو تعلق ہے اسی معنے پر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں اور مافیہا دنیا میں داخل ہیں اس لیے کہ یہ کون وفساد کے عالم سے ہیں۔

عالمِ آخرت کا حدودِ اربعہ عرش وکرسی اور اعمال صالح اور ارواحِ طیبّہ اور جنت و مافیہا عالمِ آخرت سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو تعلق بالغیر سے بچا کر تجردِ تام عن عالم الامکان نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

وَاللّٰہُ لفظ اللہ ذاتِ حق کا نام ہے اور یہی لفظ جامع جمیع الاسماء والصفات ہے اسی لیے بعض صوفیاء کرام اسی اسم کو عالمِ حقیقت کے داخلے کے لیے وسیلہ سمجھتے ہیں۔

حکایت حضرت شبلی قدس سرہٗ سے کسی نے پُوچھا: آپ اسم اللہ کا عام ورد رکھتے ہیں لا الٰہَ الاّ اللہ کا ورد کیوں نہیں فرماتے؟ فرمایا کہ لا الٰہ الاّ اللہ میں نفی ہے مجھے اس نفی سے وحشت آتی ہے۔ یعنی اسم اللہ ہی دخولِ حقیقت کے لیے

کافی ہے۔

یَدْعُوْا اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے وارثین اولیائے کاملین جو ان کے قول و فعل اور حال میں مکمل طور پر متبع ہیں، کے ذریعے سے دعوت دیتا ہے اِلیٰ دَارِ السَّلٰمِ اس دار کی طرف جو ہر مکروہ و آفت سے سلامتی والی ہے یعنی بہشت کہ جس کا اوّل عطا، اوسط رضا اور اس کا آخر (انجام) لقاء (دیدار الٰہی) ہے۔

حکایت ایک بادشاہ نے نہایت عالی شان محل تعمیر کرایا اور اس پر زر کثیر خرچ کیا، سجاوٹ میں کسی قسم کی کسر نہ چھوڑی۔ اپنی رعایا کو محل دکھانے کے لیے دعوت دی۔ جب ایک گروہ کھانے سے فارغ ہو کر لوٹتا تو ان سے پُوچھا جاتا کہ تم نے اس محل میں کوئی عیب پایا ہو تو بتاؤ۔ سب اس محل کی تعریف کرتے۔ آخر میں ایک گروہ تشریف لایا، جن کے کپڑے پھٹے پُرانے تھے۔ فراغت کے بعد ان سے بھی محل کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: محل میں دو عیب ہیں۔

انہیں روک لیا گیا اور بادشاہ کو اطلاع ہُوئی بادشاہ نے حکم دیا کہ انہیں میرے ہاں لاؤ۔ جب وہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، بادشاہ نے پُوچھا: اب بتائیے محل میں وُہ دو عیب کون سے ہیں؟

انہوں نے فرمایا:

ایک یہ کہ ایک دن اس محل کو فنا ہے۔

دوسرا یہ کہ اس کے مالک کو موت آئے گی اور وُہ اسے چھوڑ کر چلا جائے گا۔

بادشاہ نے ان سے سوال کیا:

کوئی ایسا محل ہے جسے فنا نہ ہو اور کوئی ایسا طریقہ ہے کہ اس کے مالک پر موت بھی نہ آئے؟

انہوں نے کہا: ہاں وہ بہشت ہے جسے فنا نہیں۔

انہوں نے بادشاہ کو بہشت کی نعمتوں کی تفصیل بتائی اور اس کے لیے بڑا شوق دلایا۔ پھر دوزخ کے متعلق اسے سمجھایا اور اس کے عذاب سے بھی آگاہ کیا اور اسے اس سے بہت ہراساں کیا اور اللہ تعالےٰ کی دعوت دی۔ ان کی باتوں سے بادشاہ بہت متاثر ہوا۔ اُسی وقت تائب ہُوا اور سلطنت کو ترک کر کے فقیرانہ و درویشانہ زندگی بسر کرنے پر راضی ہوا اور تلاشِ حق میں نکل پڑا۔ ؎

واللہ یدعوا آمدہ آزادی زندانیاں
زندانیاں غمگین شدہ کوئی بزندان یکشی
شاہاں سیفہا زا ہمہ در بند زندان میکشند
تو از چہ از زندان شاں سوے گلستان میکشند

ترجمہ : واللہ یدعوا قیدیوں کی رہائی کے لیے وارد ہوا ہے لیکن قیدی غمگین ہو کر اُلٹا قیدخانہ کی طرف بھاگتے ہیں بیوقوفوں کے سردار تمام قیدخانہ کے شوق میں رہتے ہیں پھر تم اے نصیحت کرنے والو ! ایسے بدبختوں کو کس طرح قیدخانہ سے باغ کی طرف کھینچ کر لا سکتے ہو۔

حدیث شریف : ہر روز طلوعِ شمس کے ساتھ دو فرشتے منادی کرتے ہیں جسے انس و جن کے سوا ہر شئے سنتی ہے کہ اے لوگو ! اپنے رب تعالیٰ کی طرف آؤ، وہی تمہیں دار السلام کی دعوت دیتا ہے

سبق : عمل صالح سے مقصود بہشت کا داخلہ ہے اور بس۔ اسی لیے بعض مشایخ نے فرمایا کہ : ہمارے اوپر اللہ تعالیٰ نے ظاہری طور اطاعت واجب فرمائی ہے اور وہ صرف اس لیے کہ اس کے بندے بہشت میں داخل ہوں اس لیے کہ طاعات کا انجام بخیر بہشت سے ہوتا ہے اگرچہ اسباب عدمی شے ہیں اور اصلی مقصود بہشت ہے اور یہ بھی عوام کیلئے ہے کہ انہیں دعوت و اجابت کی ضرورت ہے کہ وہ اسباب عادیہ کے عادی ہیں بخلاف اہلِ حق کے کہ وُہ اپنی محبت و وفا کے تحت اسبابِ عادیہ کے محتاج نہیں انہیں دعوت و اجابت نہ بھی ہوتی تب بھی حق عبودیت کی ادائیگی میں جدوجہد کرتے اور وُہ اپنے معبود کے مشاہدہ کے لیے حقوق کی پابندی کرتے ہیں۔

ف : بعض مفسرین نے دار السّلام کا معنیٰ دار اللہ کیا ہے اس لیے کہ السلام اللہ تعالےٰ کا نام ہے۔ اس معنے پر اس میں بیت اللہ کی طرح اضافت تشریفی ہے اور وہ سلام اس معنےٰ پر ہے کہ اس کی ذات صفات تمام عیوب و نقائص سے منزّہ ہے اور بندے کو بھی سلام کہا جاتا ہے وُہ اس معنے پر کہ اس کا دل حسد، کینہ، ہر غل و غش اور ارادۂ شر سے، اور اس کے اعضاء جرائم و معاصی سے پاک ہوتے ہیں لیکن یاد رہے کہ لفظ سلام اور اسلام ہر اس انسان کے لیے موزوں ہیں جس کی زبان اور ہاتھ سے ہر مسلمان محفوظ ہو۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ دار السّلام سے وہ دار مراد ہے جہاں بندگان خدا مقیم ہوں گے تو ان پر اللہ تعالےٰ اور ملائکہ کرام السلام علیکم کہیں گے یا اس لیے کہ وہاں اہلِ بہشت ایک دوسرے کو اسلام علیکم کہیں گے۔

فائدہ صُوفیانہ صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دار السلام سے دار القلب السلیم کی طرف اشارہ ہے کہ وہ دل ماسوی اللہ کے تعلق سے بالکل پاک ہوتی ہے پھر جسے ایسا دل نصیب ہوتا ہے وہ تمام ظاہری مکروہات کے ہر نکدر (خرابی) سے محفوظ ہو جاتا ہے بلکہ اس پر نار بھی نور ہوتی ہے۔ (ایضاً)

بعض مشایخ نے فرمایا کہ دار السّلام سے جنت معجلہ اور جنت مؤجلہ مراد ہے۔ جنۃ معجّلہ سے معارف و علوم اور جنۃ مؤجّلہ سے دار قرار (میں جتنا انوار و تجلیات نصیب ہوں گے) مراد ہے یاد رہے کہ مطلقاً جنت سے دار السلامۃ مراد ہے جو صرف اولیاء اللہ کو نصیب ہو گی۔

وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اور جس کے لیے چاہتا ہے رہبری فرماتا ہے اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ اس سیدھے راستہ کی طرف، جو اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والا ہے اس سے اسلام اور تقوٰی کی پُونجی مراد ہے۔

سوال: دعوت عام اور ہدایت خاص لوگوں کو کیوں؟

جواب ا: تاکہ معلوم ہو کہ وہ مستغنی بالذات ہے اسے مخلوق میں کسی کی حاجت نہیں۔

جواب ۲: چونکہ بندے طبائع کے لحاظ سے مختلف ہیں، ایک وُہ ہیں جو سُنتے ہیں لیکن قبول نہیں کرتے۔ دُوسرے وُہ ہیں جو سُن کر سرِ تسلیم خم کرتے ہیں اسی لیے دعوت تو سب کو عمومی طور ہُوئی لیکن سرِ تسلیم خم کرنا خواص کو نصیب ہُوا۔ دعوت کی مثال ایک خوشبُو کی سی ہے کہ وُہ اپنی مہک سب پر یکساں پھیلاتی ہے لیکن جس کی ناک زکام سے بند ہو۔ خوشبو کی لذت سے محروم ہے اگرچہ خوشبو کی ظاہری صورت کو وہ دیکھ رہا ہے لیکن اس کے استفادہ سے محروم۔ اسی طرح بہت سے بہت سے بندگانِ خدا کلامِ الٰہی سُنتے ہیں لیکن اسے قبول نہیں کرتا۔

ف: اللہ تعالیٰ جس بندے کے لیے ہدایت کا ارادہ فرماتا ہے اس کے لیے ہدایت کے قبول کرنے کے اسباب آسان اور راہِ حق کا دانستہ کھل کر سامنے آجاتا ہے بلکہ ایسے بندے کو جادۂ حق پر چلنے سے ہی قرار نصیب ہوتا ہے۔

ف: داعی حقیقی تو اللہ تعالیٰ خود ہے اس کی نیابت میں انبیاء علیہم السلام اور اولیاءِ کرام و علماء عظام داعی مجازی ہیں اور مدعو تمام انسان اور مدعو لہ بہشت ہے۔ اسی طرح ہادی حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اور مہدی بالہدایۃ خاصہ خواص لوگ اور مہدی الیہ صراطِ مستقیم ہے۔

عقیدہ: مشیئت و ارادۂ الٰہی علم و قدرت وغیرہ کی طرح اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفات اور قدیم بالذات ہیں۔ مشیّت و ارادہ کا متعلق مراد ہے جسے عنایت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ف: جو اپنی استعداد سے مظہرِ جلال کا مصداق ہے تو وہ دعوتِ حق کی قبولیت سے محروم رہتا ہے اور جو مظہرِ جمال کا مصداق ہے وہ دعوت کو فوراً قبول کر لیتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ کی مشیّت بھی اسی استعداد کے مطابق متعلق ہوتی ہے۔ لیکن استعداد کے سوال و اجابت کا مطابق ہونا ضروری ہے۔

حضرت حافظ شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ؎

دریں چمن نکنم سرزنش بخود روے
چنانکہ پرورشم می دہند مے رویم

ترجمہ: میں چمن کو کوئی ملامت نہیں کرتا اس لیے جتنی اس کی پرورش ہوتی ہے اتنا ہی بڑھتا، پھولتا پھلتا ہے۔

دعوتِ الٰہی قبول کرنے کی علامت دعوتِ الٰہی کی قبولیت کی علامت یہ ہے کہ بندہ دُنیا اور اس کے جمیع تعلقات سے فارغ ہو کر جنت الفردوس کی راہ پر گامزن ہو اور از ہمہ سُو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ تعالیٰ ایک دفعہ شکار کو نکلے تو آپ کے سامنے لومڑی یا ہرنی آئی آپ نے اسے شکار کرنے کے لیے اس کے پیچھے گھوڑا دوڑایا تو ہاتف نے آواز دی:

الهٰذا خلقت۔

کیا تم اسی لیے پیدا ہوئے تھے۔

ام بھٰذا اُمرت۔

کیا تمہیں شکار کے لیے مامور فرمایا گیا۔

آپ نے اس طرف توجہ نہ دی پھر وہی آواز دوبارہ سُنی تو گھوڑے سے اُتر پڑے ایک چرواہے سے اُون کا لباس لے کر پہن لیا اور شاہی گھوڑا و دیگر سامان اسی چرواہے کے سپرد کر کے جنگل کی راہ لی پھر وُہ مرتبہ پایا جس پر اولیاءِ کرام رشک کرتے ہیں۔ ؎

در راہ عشق وسوسۂ اہرمن بسیست
ہش دار و گوشِ دل بہ پیام سروش کن

ترجمہ: عشق کے راہ میں شیطانی وسوسے بہت ہوتے ہیں ہوش کر کے دل کے کان فرشتۂ غیبی کی طرف متوجہ کرے۔

ف: نیند کی غفلت سے جاگ اُٹھنا قلبی غفلت کی علامت ہے جیسے انسان نیند سے بیدار ہو کر غفلت دُور کرتا ہے ایسے جب قلب سے غفلت دُور ہوتی ہے تو عالمِ مشاہدات کا مشاہدہ ہوتا ہے جو لوگ اپنی طبائع کے شکنجوں میں بند ہیں وُہ اسی نیند کرنے والے کی طرح ہے کہ جیسے اسے نیند میں عالمِ دنیا سے بے خبری ہے ایسے ہی اسی پابند نفسانیت کو عالمِ مشاہدات سے اسی طرف اشارہ ہے۔

فیمسک التی قضٰی علیھا الموت۔ پس اس کی رُوح روک لی جاتی ہے جس پر موت واقع ہوتی ہے۔

اور سالکان راہِ حق کی غفلت کی نیند سے ہمیشہ بیدار رہتے ہیں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

ویرسل الاخریٰ الیٰ اجل مسمّی۔ دُوسری ارواح وُہ ہیں جنہیں اللہ تعالےٰ چھوڑ دیتا ہے۔

اہل حق کے سامنے یہ بات واضح ولائح ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال

تفسیر صوفیانہ

واللہ یدعوا الی دار السلٰم ۔ دار السلٰم سے عدم صورت ظاہراً اور علم الٰہی اور اس کی صفت حقیقۃ و معنیً مراد ہے ۔ عدم اور علم کو دار السلٰم سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ عدم میں معدوم دوئی اور شرکت مع اللہ فی الوجود کی آفت سے سلامتی میں تھا در اصل عدم دار وحدانیت کا دُوسرا نام ہے دُوسری وجہ یہ ہے کہ سلام اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور علم اس کی صفت ہے جو اس کی ذات سے قایم ہے ۔ اب معنی یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ازلاً اپنے بندوں کو عدم سے وجود اور علم یعنی صفت سے فعل یعنے خلق کی طرف ابداً وجود سے عدم اور فعل سے علم کی طرف اور علم سے وجود کی طرف نفخہ کے واسطہ سے دعوت دیتا ہے کما قال:

ونفخت فیہ من روحی ۔

اور میں نے اپنی رُوح اس میں پھُونکی ۔

اور وجود سے عدم و علم کی طرف جذبہ کے ذریعہ دعوت دیتا ہے کما قال تعالیٰ :

ارجعی الیٰ ربّک ۔ اپنے رب تعالیٰ کی طرف لوٹ ۔

علم غیب کلی اور ردّ وہابیہ دیوبندیہ

جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم علم ازلی ابدی کی طرف جذبۂ الٰہی سے دعوت دی گئی تو آپ نے دعویٰ فرمایا:

قد علمت ما کان و ما یکون ۔ میں نے جو کچھ ہوا اور ہوگا تمام کو جان لیا۔

اس میں نکتہ یہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم باللہ (عطائی) تھا نہ ذاتی[1] اسی وجہ سے آپ کو علم کلی کا ہونا ایک حقیقت ثابتہ ہُوئی ۔

وعلّمك ما لم تكن تعلم ۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے وہ علوم عنایت فرمائے جو آپ نہ جانتے تھے ۔

بس یہی راز مضمر ہے (جس راز سے تا حال وہابی دیوبندی بے خبر ہیں)

اور یہ علم کلی بھی آپ کو اس وقت نصیب ہُوا جب آپ نے کہا، لاَ الٰہ الاّ اللہ ۔ یعنی جب اللہ تعالےٰ نے آپ کو فرمایا ؛ فاعلم انہ لا الٰہ الا اللہ ۔

تو اس وقت سے آپ کو علم کلی حاصل ہو گیا ۔ (اجمالاً تفصیلاً بعد کو ہوتا رہا)[2]

---

[1] لیکن افسوس کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وہابی، دیوبندی علم عطائی کا انکار کرتے ہیں اور علم غیب کلی ماننے کو شرک وکفر سے تعبیر کرتے ہیں ۔

[2] علم کلی اجمال وتفصیل کی بحث فقیر کی تفسیر اویسی میں دیکھئے۔

فاعلم اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ! آپ علمِ الٰہی کے واسطہ سے معلوم کیجئے یعنی وہ علمِ الٰہی جس کی آپ کو جذبۂ حق کے ساتھ دعوت دی گئی ہے ان لا الٰہ کہ عالمِ وجود میں کوئی موجود نہیں الا اللہ سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ اللہ تعالیٰ کا علم عالمِ وجود کے ذرہ ذرہ کو محیط ہے۔ کما قال :

قد احاط بکل شیٔ علما۔ علم سے اللہ تعالیٰ ہر شے کو محیط ہے۔

اور :

فانت بعلمہ محیط بالوجود کلہ۔ تم بھی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے دیے ہوئے علم سے عالمِ وجود کی ہر شے کو محیط ہو۔

فلہذا حقیقۃً صرف آپ کو معلوم ہے کہ عالمِ وجود میں کوئی نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے۔

صوفی کی صوفیانہ نماز اور وضو

ف : صاحبِ رُوح البیان فرماتے ہیں کہ مَیں نے اپنے شیخ قدس سرّہٗ سے سُنا کہ انتباہ صوری سے قلبی بیداری مراد ہے وضو میں توبہ و رجوع الی اللہ کی طرف اشارہ ہے۔ تکبیر اُولیٰ (تحریمہ) میں توجہ الٰہی کی طرف اشارہ ہے۔ اس کیفیت سے متنبہ ہونے میں عالمِ ملکوت کو عبور کرنے کی طرف اشارہ ہے اور عالمِ ملک کا دُوسرا نام عالمِ ناسُوت ہے یہاں سے عارف کو عالمِ ملکوت میں داخل ہونا نصیب ہوتا ہے۔ قیام کے بعد رکوع میں جانے سے اشارہ ہے کہ عارف عالمِ ملکوت کو طے کر کے عالمِ جبروت میں پہنچ گیا ہے پھر سجدہ میں جانے سے اشارہ ہے کہ اب عارف عالمِ جبروت و وصول کو عبور کر کے عالمِ لاہوت میں پہنچ چکا ہے۔ فنا کلی کا یہی مقام ہے یہاں سے انسان کامل کو اپنے وطن اصلی علوی کی طرف جانا ہوتا ہے۔ نماز میں بظاہر انسان ہر رکن کی ادائیگی میں تنزّل کی طرف رجوع کرتا ہے لیکن درحقیقت اسی تنزل میں اسے عالم علویات کی طرف عروج نصیب ہو رہا ہوتا ہے۔ ان مقامات کو طے کر کے رکعتِ ثانیہ کے قیام کی طرف جانے میں فنا سے بقا کی طرف رجوع ہُوا۔ یہ رجعتِ قہقری ہے کہ بظاہر تو نمازی قیام کر کے بلند ہو رہا ہے لیکن درحقیقت وہ تنزل کی طرف جا رہا ہے۔ رکعت ثانیہ کے رکوع میں نمازی کو قاب قوسین کا مقام حاصل ہوتا ہے اسے مقامِ صفات کہتے ہیں جس کا دُوسرا نام ذاتِ واحدیہ ہے اب کی بار سجدے سے مقامِ اَو ادنیٰ تک پہنچنا نصیب ہوتا ہے یہی مقام ذاتِ احدیہ کہلاتا ہے۔ یہی تفصیل تاویلات نجمیہ کے حوالے سے ہم نے ابھی اجمالی طور بیان کی ہے وہ یہ کہ کبھی بندے کو علم سے وجود کی اور کبھی وجود سے علم کی دعوت دی جاتی ہے۔

سبق : جو سالک یہی عقبات عروج و نزول طے نہیں کر سکا وہ ابھی ناقص ہے اور وہ سالک مقامِ برزخ میں ہے جو بعض طے کر چکا ہے اور ابھی کچھ اس نے طے کرنے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ اجسام و ارواح اور علم و عین کے تعینات ہیں جیسا کہ ہم نے مراتب بیان کیے ہیں۔

نکتہ : اللہ تعالٰے نے فرمایا :

لا یمسہ الا المطھرون ۔

اس آیت میں ذاتِ ہویت کی طرف اشارہ ہے کہ اسے وہ حاصل کر سکتا ہے جو ہر تعین روحانی ہو یا جسمانی کے تعلقات کی گرد و غبار پاک ہے ۔ (و اللہ معین)

تاویلات نجمیہ میں ہے :

ویھدی من یشاء الی صراط مستقیم ۔

جب اللہ تعالیٰ نے علم سے فعل کی اور وجود سے علم کی اپنی مخلوق کو عام دعوت دی تو مشیت سے اپنے خواص کو علم یعنی صراطِ مستقیم کی رہبری فرماتا ہے یعنی انھیں جذبۂ کاملہ سے اپنی خصوصی مشیتِ ازلی سے علم قدیم کی ہدایت فرماتا ہے حضرات صوفیاً کے نزدیک اس مقام کا نام سیر فی اللہ باللہ ہے ۔

تفسیر عالمانہ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا ان لوگوں کے لیے جنہوں نے نیک عمل کیے یعنی اعمال صالح اسی طرح بجالائے جیسے ان کے لائق تھا اعمال کے حسن وصفی حسن ذاتی کو مستلزم ہے ایسے اعمال کی تفسیر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمائی :

ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک ۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی یوں عبادت کرو کہ گویا اسے تم دیکھ رہے ہو اگر ایسا نہیں ہو سکتا تو کم از کم اتنا تصور ہو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے ۔

فائدہ صوفیانہ صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسی عبادت کہ جس میں شہود و حضور قلبی نصیب ہو اس وقت تک نصیب نہیں ہو سکتی جب تک بندہ قلب کو غیر اللہ کے تصور سے فارغ نہ کرے بلکہ غیریت کا دھیان دل سے بالکل مٹا دے ۔ اب للذین احسنوا کا معنی یوں ہوا کہ ان لوگوں کے لیے جنہوں نے اپنے اعمال ریا سے اور دل کو غیر اللہ کے تصور سے پاک کیا ۔

اَلْحُسْنٰی احسن کی تانیث ہے اہلِ عرب خصلتِ مرغوبہ کو الحسنیٰ کہتے ہیں وَزِیَادَۃٌ ط اور مزید بر آں یعنی اعمال صالح کا بدلہ ثواب بھی ملے گا اور اپنے فضل و کرم سے مزید بر آں اور بھی بہت کچھ عنایت فرمائے گا ۔ چنانچہ دوسرے مقام پہ فرمایا :

ویزیدھم من فضلہ ۔ اور انھیں اپنے فضل و کرم سے بڑھاتا ہے ۔

یعنی المثوبہ وہ اجر و ثواب جو اعمال صالح کے عوض ملے اور زیادۃ وہ لطف و کرم جو اعمال کے بغیر عنایت ہو ۔ لیکن ہم اہلسنت کہتے ہیں کہ دونوں اس کے لطف و کرم ہیں اعمال صالح کا ثواب و اجر اسباب محض ہیں ۔ بعض حضرات

فرماتے ہیں کہ الحسنیٰ عام نیکی جو انسان کو عمل پر نصیب ہوتی ہے اور زیادۃ وہ نیکیاں جو دس سے سات سو گنا زاید عنایات ہوتی ہیں۔ اکثر جمہور محققین فرماتے ہیں کہ الحسنیٰ سے بہشت اور زیادۃ سے دیدار اور نظر الی وجہ اللہ مراد ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جب بہشتی بہشت میں داخل ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا: اور کیا چاہتے ہو، عرض کریں گے اے ربِ کریم! تیرا بڑا فضل و کرم ہے کہ تُو نے ہمارے چہرے نورانی سفید بنائے اور ہمیں اپنی بہشت عطا فرمائی اور دوزخ سے نجات بخشی۔ اس سے مزید ہمیں اور کیا چاہیے۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے حجابات اٹھا دے گا بہشت کی نعمتوں میں دیدارِ الٰہی کے سوا اور کوئی نعمت محبوب ترین نہیں ہوگی۔ (رواہ مسلم والترمذی والنسائی)

سوال: اللہ تعالیٰ نے بہشت کو الحسنیٰ اور اپنے دیدار کو زیادۃ سے کیوں تعبیر فرمایا ہے حالانکہ دیدارِ الٰہی کہاں اور بہشت کہاں۔ علاوہ ازیں دنیا کا قانون ہے کہ بیع میں منافع راس المال سے ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس قانون کے مطابق بہشت کو راس المال اور دیدارِ الٰہی کو ثانوی حیثیت دینا نہایت نامناسب ہے۔

جواب: زیادۃ سے مراد وہ شے ہے جس کا بندوں کو وعدہ دیا گیا ہے بہشت اور اس کے درجات اور نعمتیں اس معنے پر مزید مزید علیہ کی جنس سے نہ ہوگا یعنی بہشت اور بہشت کے درجات اور نعمتیں بہشت کی جنس سے نہیں۔ اس معنے پر راس المال وغیرہ کا قاعدہ جاری نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی ہر عطا زاید از حد و عد ہے کیونکہ ہر شے اعظم و اکبر ہے چنانچہ خود فرمایا کہ:

رضوان من اللہ اکبر۔

یعنی اس کی تھوڑی سی رضامندی بھی اکبر و اعظم ہے۔

حدیث شریف میں ہے بہشتی جب اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوں گے تو بہشت کی تمام نعمتوں کو بھول جائیں گے۔

مسئلہ: آخرت میں دیدارِ الٰہی سر کی آنکھوں سے ہوگا اور دُنیا میں دل کی آنکھوں سے، اس لیے کہ دنیا میں سر کی آنکھوں سے دیدارِ الٰہی صرف ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ہُوا، اور یہ انہی کا خاصہ ہے آپ کے سوا اور کسی کو نہ ہُوا ہوگا۔ اسکی مزید تحقیق ہم نے لا تدرکہ الابصار (الآیہ) میں بیان کی ہے۔

ف: دُنیا میں دیدارِ الٰہی بھی اسے نصیب ہوتا ہے جو تعینات جسمانیہ و روحانیہ کو درمیان سے ہٹا دیتا ہے۔

حضرت حافظ رحمہ اللہ نے فرمایا: ؎

جمالِ یار ندارد نقاب و پردہ ولے
غبارِ رہ بنشاں تا نظر توانی کرد

ترجمہ: جمالِ یار کے آگے کوئی پردہ نہیں۔ غبارِ راہ کو دُور کرو پھر دیدار کے مزے لُوٹو۔

شرح بیت مذکور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ محجوب نہیں اگر اسے محجوب مانا جائے تو پہلے اس کے لیے جہت و مکان متعین کیے جائیں کیونکہ پردہ و حجاب کے لیے جہت و مکان لازم ہیں پھر اگر اللہ تعالیٰ اس دنیا میں اس حجاب کو دُور فرما دے تو ہم کون کے وہم اور اس کے جمیع متعلقات کو بھلا بیٹھیں گے جیسے اہل جنت کے لیے جب حجاب اُٹھے گا تو وہ تجلی حق کی وجہ سے بہشت کی تمام نعمتیں بھُول جائیں گے۔ اور اس دنیا میں حجابات کا اُٹھنا اس لیے محال ہے کہ تعبد شرعی کا مقصد فوت ہو جائے گا اس لیے دنیا میں مشاہدۂ حق سر کی آنکھوں سے نہیں ہو سکتا کہ یہ دنیا مقامِ تکلیف ہے۔

وَلَا يَرْهَقُ وُجُوهَهُمْ اور ان بہشتیوں کے چہروں کو نہیں چھپاتے گی **قَتَرٌ** غبار۔ قتر ہر اُس غبار کو کہتے ہیں جس میں سخت سیاہی ہو یہ غبار سے بہت زیادہ تاریکی رکھتی ہے **وَّلَا ذِلَّةٌ** اور نہ ہی ذلت و خواری۔ ان دونوں کی نفی سے خوف و ہراس کے اسباب کی نفی مطلوب ہے یعنی قیامت میں وہ ہر خوف و خطر سے محفوظ ہوں گے تاکہ معلوم ہو کہ بہشتیوں کو جتنی نعمتیں بہشت میں عطا ہوں گی ان میں کسی قسم کی پریشانی اور تکلیف نہ ہو گی اور جب سے انہیں بہشت کی نعمتوں سے نوازا جائے گا کبھی بھی ان کے چہروں سے غم اور حُزن کے آثار محسوس نہیں ہوں گے بلکہ اُن کے چہرے ہمیشہ راحت اور سرور سے چمکتے دمکتے نظر آئیں گے۔

ف: یہ جملہ مستانفہ ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ وُہ مطالب و مقاصد سے کامیاب ہونے کے بعد ہر پریشانی اور تکلیف سے محفوظ ہو جائیں گے۔

سوال: مطالب و مقاصد میں کامیاب ہونے والے کو پریشانی اور تکلیف سے محفوظ ہو جانا مستلزم ہے پھر اسے علیحدہ کرنے کی کیا ضرورت۔

جواب: تاکہ بندوں کو تنبیہ ہو کہ جتنی نعمتیں تمہیں نصیب ہُوئی ہیں یہ محض اس کا فضل و کرم ہے۔

سوال: جملہ میں مفعول کی تقدیم کیوں۔

جواب: اس کے مہتم بالشان ہونے کی وجہ سے، تاکہ معلوم ہو کہ چہرہ تمام اعضا سے اشرف و اعلیٰ ہے کہ جب اسے ہر ذلت و خواری سے حفاظت ہوئی تو گویا تمام اعضا محفوظ و مامون ہُوئے۔

أُولَٰئِكَ وہی لوگ جو مذکور ہُوئے **أَصْحَابُ الْجَنَّةِ** بہشتی ہیں **هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝** وُہ اس میں ہمیشہ رہیں گے کہ ان کو بہشت سے نہ نکالا جائے گا اور نہ ہی ان سے دی ہُوئی نعمتیں چھینی جائیں گی اور نہ ہی انہیں کسی دُوسری جگہ منتقل کیا جائے گا ہمیشہ بہشت میں نعمتوں سے سرشار رہیں گے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے للذین احسنوا الحسنٰی وزیادۃ یعنی جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ پر اس کے ساتھ معاملہ کیا اس لیے کہ احسان یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ایسے کی جائے گویا اسے دیکھا جا رہا ہے الحسنٰی سے مشاہدۂ حق اور النظر الیہ مراد ہے۔ زیادۃ سے وُہ زاید انعام مراد ہے جو نظر الی اللہ کے علاوہ عارف کو ناسوتیہ سے فنا کر کے لاہوتیت میں داخل کرنے کے ذریعے انانیت سے نکال کر ہویت میں علم ازلی کا واصل بنایا جاتا ہے وَ لا یرھق وجوھھم قتر۔ اور انہیں حجاب کی غبار نہیں پہنچتی ولا ذلۃ اور نہ وجود کی ذلت، اس لیے کہ وجود دُوئی کو چاہتا ہے اور ایسے حضرات دُوئی (غیریت) سے پاک ہوتے ہیں اولٰٓئِک اصحٰب الجنۃ یہی حضرات سیر فی اللہ کی جنت والے ہیں ھم فیھا خٰلدون۔ اور وہ جذبات عنایت الٰہی کی وجہ سے اس جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر عالمانہ وَالَّذِیْنَ کَسَبُوا السَّیِّئَاتِ اور وہ لوگ سیئات یعنی شرک و معاصی کے مرتکب ہُوئے۔ یہ مبتداء ہے اس سے قبل اس کا مضاف محذوف ہے اور اس کی خبر جَزَآءُ سَیِّئَۃٍۭ بِمِثْلِھَا ہے۔ الجزآءُ مصدر مبنی للمفعول یعنی مصدر مجہول ہے اور بمثلھا کی باء اسی جزاء کے متعلق ہے۔ دراصل عبارت یُوں تھی:

وجزاء الذین کسبوا السیئات الخ یعنی جن لوگوں نے سیئات کا ارتکاب کیا ان کی سزا یہ ہے کہ ایک بُرائی کے بدلے اسی کی طرح ان کو بُرائی نصیب ہوگی اس پر کسی قسم کا اضافہ نہ ہوگا جیسے نیکیوں میں دس سے سات سو گُنا اضافہ ہوتا تھا۔

مسئلہ: کشاف میں ہے کہ اس سے ثابت ہُوا کہ نیکیوں میں جو زاید ثواب نصیب ہوتا ہے وہ اللہ تعالےٰ کا فضل محض ہے اس لیے کہ اس آیت میں لفظ زیادۃ نہ لانا اسی دعوٰی کی دلیل ہے اور سابق آیت میں زیادۃ بتاتا ہے کہ ثواب پر زاید انعامات اس کے فضل و کرم پر مبنی ہیں۔

صاحبِ روح البیان کا فیصلہ صاحبِ رُوح البیان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کشاف کے اس قول کی جمہور مفسرین نے تائید کی ہے اور آیت کی تفسیر میں کشاف کا اتباع کیا ہے لیکن آیت کی بہتر تفسیر وہی ہے جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی جسے ہم نے پہلے عرض کیا اور تمام تفسیروں سے احق بلکہ اکمل و افضل ہے۔

یعنی زیادۃ سے زاید ثواب مراد بھی ہے اور آخرت میں اللہ تعالےٰ کا دیدار بھی۔ اس لیے کہ آخرت میں دیدار الٰہی افضل الکرامات والانعامات کا ہے جسے یہ نصیب ہوگا تو اسے اس سے کم درجہ کی کرامات لازم ہیں۔ اس سے صاحبِ رُوح البیان کشاف کا گویا رد کرنا چاہتے ہیں اس لیے کہ اس نے زیادۃ کو صرف بہشت کے انعامات تک منحصر کر دیا اور دیدارِ الٰہی کا ذکر نہ کرنا اس کے مذہب اعتزال کا کنایۃً اثبات ہونا تھا اسی لیے صاحبِ روح البیان نے

تصریح فرمائی تاکہ اہلسنت کا مذہب ثابت ہو اور معتزلہ کا رد۔

مسئلہ: معتزلہ اور شیعہ آخرت میں دیدارِ الٰہی کے منکر ہیں۔

وَتَرْهَقُهُمْ جب جہنم کا معاینہ کریں گے تو انھیں ڈھانپ لے گی ذِلَّةٌ ذلت وخواری۔ اس وقت ذلت و خواری کے آثار ان پر نمایاں ہوں گے جنہیں ہر شخص ملاحظہ کرے گا۔

سوال: اہلِ بہشت کی طرح یہاں وجوھھم کیوں نہیں فرمایا۔

جواب: تاکہ معلوم ہو کہ ذلت وخواری ان کے اجسام کے تمام حصص کو گھیر لے گی۔

مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ اللہ تعالےٰ کے غضب اور عذاب سے اس وقت انھیں کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ گویا ڈھانپے گئے ہیں وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ ان کے چہرے رات کے ایک حصے سے یعنی اندھیری رات کی طرح ان کے چہرے کالے سیاہ ہو جائیں گے مُظْلِمًا ط یہ اللیل سے حال ہے اور اس کا عامل فعل کا معنیٰ ہے۔ اصل عبارت یوں ہوگی:

قطعا کائنۃ من الّیل فی حال کونہ مظلما۔

یعنی غم واندوہ سے ان کے چہرے کالی رات کی طرح سیاہ ہوں گے۔

ف: قطعا بفتح الطاء قطعۃ کی جمع اور اُغشیت کا مفعول ثانی ہے۔ بعض قرّاء نے اسے بسکون الطاء پڑھا ہے۔ اس وقت مفرد ہے۔ مقطوع شے کو کہتے ہیں اس معنے پر مظلما کو قطعا کی صفت بنایا جا سکتا ہے اس لیے کہ یہ دونوں مفرد بھی ہیں اور مذکر بھی۔

اُولٰٓئِكَ وہی لوگ جنہوں نے سیئات کا ارتکاب کیا یعنی مشرکین اور منافقین اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ○ دوزخ والے؛ اور وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔

کمیونسٹ (دہریہ) کے وہم کا ازالہ

بہشت کا داخلہ محض فضل ربانی سے ہے اس کے درجات اعمال کے مطابق نصیب ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہنا نیت کی وجہ سے ہے یہ تین مقام ہوئے۔ اسی طرح دوزخیوں کا دوزخ میں جانا اللہ تعالیٰ کا عدل ہے اور عذاب کے طبقات اعمال کے مطابق ہوں گے اور اس میں کافر کا ہمیشہ رہنا اس کی نیت کی وجہ سے ہے لیکن چونکہ مومن کی نیت دنیا میں یہی تھی کہ زندگی عبادتِ الٰہی میں بسر کروں گا۔ اسی طرح کافر کی نیت تھی کہ زندگی بھر غیر اللہ کی پرستش کرے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہر ایک کو اپنی نیت[1] کا صلہ ملے گا۔

---

[1] اس سے کمیونسٹ ماڈرن دماغ انسان کا رد ہو گیا۔ وہ کہتے ہیں کہ کافر کو (زندگی کے چند لمحات کی) ہمیشہ دوزخ میں رہنے کی سزا کیوں۔

نکتہ: کافر کو دراصل سزا اس لیے ہے کہ وہ اپنے مالک کے حکم کی مخالفت پر ڈٹ گیا جیسے مومن کو نیک جزا اسی لیے ہے کہ وہ اپنے آقا کے سامنے سرِ تسلیم خم کر گیا۔ یہی نکتہ ہے مومن مجرم کو دوزخ کی سزا دینے میں کہ نہ وہ حکمِ الٰہی کے خلاف کرتا نہ اسے جہنم میں جانا پڑتا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اعمالِ صالح کی توفیق چاہتے ہیں۔ اور دعا کرتے ہیں کہ وہ کریم ہمیں اپنی ذات سے حیا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ف: حضرت ابو العباس اقلیشی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجھے کوئی صحیح روایت نہیں ملی جس میں تصریح ہو کہ مومن گنہگار کو کتنی مدت تک جہنم میں رکھا جائے گا۔ ہاں امام غزالی قدس سرہٗ نے احیاء العلوم شریف میں لکھا ہے کہ گنہگار مومن کی جہنم کی ادنیٰ سزا ایک لمحہ ہے اور زیادہ سے زیادہ سات ہزار سال۔ آخر میں فرمایا:

لما ورد بہ الاخبار۔ یعنی اسی طرح احادیث میں وارد ہے۔ واللہ اعلم

نکتہ: آخری حدِ سزا کے لیے سات ہزار سال اس لیے ہے کہ نوعِ انسانی کی کل عمر سات ہزار سال ہے اسی لیے اس کی سزا بوجہ ترتیب سات ہزار سال رکھی گئی۔

ف: لیکن یہ سال عالمِ دنیا کے نہیں بلکہ آخرت کے سال مراد ہیں وہاں آخرت میں کفار کے لیے ایک دن ہزار سال کا ہوگا لیکن اہلِ ایمان پر خصوصی فضل ہوگا کہ ان کے لیے تخفیف ہوگی۔ واللہ اعلم

تفسیر صوفیانہ

ہر مجرم کی سزا کی کمیت و کیفیت گناہوں کے حجابات کی کمیت و کیفیت کے مطابق ہوگی۔ چنانچہ كانما اغشيت وجوههم قطعا من الليل مظلما سے معلوم ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں حجاب والوں کی توجہات سفلیات کی طرف۔ جیسے سفلیات سے حیوانیہ سبعیہ اور شیطانیہ صفات مراد ہیں۔ جس قدر ان طبائع میں کمی بیشی ہوگی اسی قدر بندے کو حجاب از دیدارِ حق رہے گا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں اپنے فضل و کرم سے ان لوگوں سے بنائے جو مذکورہ بالا خسیس طبائع و رعونتِ بشریت سے نکل کر عالمِ اعلیٰ و بالا سے جا ملتے ہیں۔ یاد رکھیے کہ جن لوگوں کے جواہر صاف و شفاف اور باطن پاک صاف ہوتے ہیں انہیں ہی عالمِ بالا تک پہنچنا نصیب ہوتا ہے لیکن جن بدبختوں کے جواہر ردی اور باطن خراب ہو گئے وہ اس مرتبہ کو نہیں پا سکتے۔

عالمِ بالا تک پہنچنے کا صوفیانہ علاج

نفس کو مجاہدہ کی آگ میں ڈال کر اس سے خوب ریاضت کرائی جائے اس لیے کہ اولیاء کاملین و عارفین نے اس جلیل القدر مرتبے کو نفس پروری اور جسم کی آراستگی سے نہیں حاصل کیا بلکہ انہیں یہ مرتبہ تب نصیب ہوا جب انہوں نے نفس کی خواہشات کو مار مٹایا۔

خلاصہ یہ کہ نفس کی تمام رعونت اور سرکشی دب جاتی ہے تب عالمِ بالا تک پہنچنا نصیب ہوتا ہے۔

حکایت حضرت سہیل تستری قدس سرہٗ سے پُوچھا گیا: آپ کی غذا کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: حی وقیوم الذی لا یموت کا ذکر۔

سائل نے عرض کیا: یہ تو روحانی غذا ہے، میں نے جسمانی غذا کا سوال کیا ہے۔

آپ نے فرمایا: دع الدار الی بانیہا گھر جانے بنانے والا جانے ہمیں اس کی فکر کا ہے کی۔ ان شاء عمرھا وان شاء خربہا۔ چاہے اسے آباد کرے چاہے اسے ویران کرے ہمیں اس سے کیا غرض۔ یعنی ہم تو ذکر وفکر میں لگے رہتے ہیں جسمانیت کا باقی رکھنا نہ رکھنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

سبق: بہت بڑا بدبخت ہے وُہ انسان جو اپنے جوہر کو صاف وشفاف نہیں رکھتا بلکہ گناہوں کی میل کچیل سے اسے خراب کر دیتا ہے۔ ہم اللہ تعالےٰ سے ایسی محرومی سے پناہ مانگتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

این ریاضتہائے درویشاں چراست
کان بلا برتن بقائے جانہاست
مردن تن در ریاضت زندگیست
رنج این تن روح را پایندگی است
پس ریاضت را بجان شو مشتری
چون سپردی تن بخدمت جان بری

ترجمہ: بزرگوں کی یہ ریاضتیں اورنفس پر مصائب ڈھانا صرف رُوح کی بقاؑ کے لیے ہے ریاضت سے جسم کا نڈھال ہوجانا زندگی ہے اس لیے کہ اس جسم کے دُکھ اور رنج سے روح کو پائیداری نصیب ہوتی ہے اسی لیے اسے سالک! تجھے بھی ریاضت کا خریدار بننا چاہیے یہ اس وقت ہوسکتا ہے جب تم اپنے جسم کو جان آفرین کے سپرد کردو۔

تفسیر عالمانہ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ اور ہم اُنھیں اُٹھائیں گے یوم مفعولیت کی وجہ سے منصوب ہے اور اس کا ناصب فعل محذوف ہے در اصل انذرھم یا ذکرھم تھا اور نحشرھم کی ھم ضمیر ہر دو گروہ یعنی الذین عملوا الصالحات والذین کسبوا السیئات کی طرف راجع ہے جیسا کہ "جمیعاً" سے معلوم ہوتا ہے اور جمیعا اسی ضمیر ھُم سے حال ہے یعنی یاد کیجئے اسے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! قیامت کے دن کو کہ ہم ان ہر دو گروہوں یعنی کفار اور اہلِ اسلام تمام کو جمع کریں گے کہ کوئی ایک بھی وہاں کی حاضری سے نہیں بچ سکے گا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا پھر ہم مشرکوں سے کہیں گے یعنی اس بہت بڑے اجتماع میں ہم صرف مشرکین سے

کہیں گے **مَكَانَكُمْ** یہ مفعول فیہ ہے اس فعل کا جس کا یہی ظرف نائب ہے اور اسم فعل نہیں جیسا کہ بعض کا خیال ہے اور اس کی حرکت یعنی فتحہ بنائی یعنی بوجہ مبنی ہونے کے ہے، یہی امام فارسی نحوی کی رائے ہے دراصل الزموا مکانکم تھا یعنی اے مشرکو! یہیں ٹھہرے رہو پھر دیکھو تمہارے ساتھ کیا ہوتا ہے۔ **اَنْتُمْ** یہ اس ضمیر کی تاکید ہے جو مکانکم کو الزموا کی نیابت میں ملی ہے **وَشُرَكَآؤُكُمْ** اور تمہارے اپنے طور بنائے ہوئے خدا تعالیٰ کے شریک۔ اس کا انتم پر عطف ہے **فَزَيَّلْنَا** ہم نے جدائی ڈال دی، یہ زلت الشئ عن مکانہ وازیلہ ای ازلتہ یعنی میں نے اسے اپنی جگہ سے ہٹایا اور کیا اس کا تفعیل یہ ہوا محض تکثیر اور مبالغہ کے لیے ہے تعدیہ کے لیے نہیں اس لیے کہ اس باب کا ثلاثی مجرد خود متعدی ہے۔

سوال: بتوں اور ان کے پجاریوں کو تو قیامت میں ایک دوسرے سے جدا کیا جائے گا لیکن اسے ماضی سے تعبیر کیا گیا یہ کیوں؟

جواب: علم معانی کا قاعدہ ہے کہ جس فعل کے وقوع کا تحقق یقینی ہو اسے فعل مضارع کے بجائے ماضی سے تعبیر کیا جاتا ہے یہاں بھی وہی قاعدہ جاری کیا گیا ہے۔ چونکہ حکم باری تعالیٰ یقیناً ہوگا بنابریں اسے فعل ماضی سے تعبیر کیا گیا ہے نیز نحشر و نقول سابقاً مضارع کے صیغے اسی قاعدہ کا قرینہ موجود ہے اور زیلنا بمعنے فرقنا ہے۔

بَيْنَهُمْ ان مشرکوں اور ان کے ان معبودان باطلہ کے درمیان کہ جن کی دنیا میں پرستش کرتے تھے یعنی ہم ان کے اور ان کے معبودانِ باطلہ کے وہ تعلقات و پیار مٹا دیں گے جو دنیا میں ان کے مابین قائم تھا اس سے ان کے دنیا میں کیے ہوئے تمام اعمال اکارت جائیں گے اور ان کی جملہ تمنائیں خاک میں مل جائیں گی اور اب کلی طور مایوس و ناامید ہو جائیں گے۔ بتوں سے دنیا میں جتنی امیدیں وابستہ رکھتے تھے وہ یکسر منقطع ہو جائیں گی۔

سوال: یہی ناامیدی وغیرہ تو انہیں موت کے وقت معلوم ہو چکی تھی لیکن یاس وغیرہ کا بیان اب قیامت میں بعید از مناسبت ہے۔

جواب: چونکہ اب مشاہدہ و معائنہ کر کے درجۂ یقین کو پہنچ چکے ہوں گے موت کے وقت انہیں معاینہ و مشاہدہ نہیں ہوا تھا صرف قرائن و شواہد سے محسوس کرتے رہے بنا بریں اسے یہاں بیان کیا گیا۔

وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ اور ان کے خودساختہ خدا کے شریک کہیں گے۔ ان سے حضرت عیسیٰ و حضرت عزیر اور ملائکہ کرام علیٰ نبینا و علیہم السلام مراد ہیں۔ اس لیے کہ مقولہ ذوالعقول سے سرزد ہو سکتا ہے یا ان سے ان کے معبودانِ باطلہ مراد ہیں کہ اس وقت اللہ تعالیٰ انہیں بولنے کی قدرت عطا فرمائے گا جب وہ ہر شے میں بولنے کی قدرت رکھتا ہے تو یہ بھی اسی کی قدرت ہے کہ قیامت میں بت بول اٹھیں گے **مَا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ**[1] تم ہماری

---

[1] بڑا غرق ہو تعصب کا کہ وہابی، دیوبندی، مودودی، نجدی بالخصوص غلام خانی اور نیچری فرقے ان آیات کو انبیاء بالخصوص اولیاء کرام پر چسپاں کرتے ہیں۔

پرستش نہیں کرتے تھے۔ بُتوں کی برأت کا اظہار ہے کہ قیامت میں وہ اپنے پجاریوں سے کہیں گے کہ ہم نے تمہیں عبادت کا نہیں کہا تھا تم نے اپنی خواہشات کے حکم اور شیطان کے بہکانے سے ہماری پرستش کی تھی۔

ف : ماکنتم ایانا تعبدون اظہار برأت سے مجاز ہے یعنی جملہ مذکورہ اپنے اصلی معنے پر نہیں بلکہ مجازی معنے میں ہے یعنی اظہارِ برأت کے لیے۔

ف : کفار و مشرکین نے درحقیقت اپنی خواہشات کی پرستش کی جبکہ خواہش نفسانی نے انہیں بتوں کی عبادت پر اُبھارا اور شیطان کو بھی بہکانے کا موقعہ مل گیا۔ اس معنے پر بتوں کا جواب اپنے حقیقی معنے پر ہوا اس لیے کہ مشرکین نے اگرچہ بظاہر بتوں کی لیکن درحقیقت وہ اپنی خواہشات فاسدہ کے پجاری تھے **فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ** پس ہمارے اور تمہارے مابین اللہ شاہد کافی ہے اس لیے کہ حقیقتِ حال کُنہ کو وہی جانتا ہے ان مخففہ من المثقلہ ہے اور لغافلین کی لام فرق بتانے کے لیے ہے کہ یہ اِن مخففہ ہے کہ شرطیہ **كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ** تمہاری پرستش سے **لَغٰفِلِيْنَ**۝ البتہ غافل تھے یعنی ہم تمہاری پرستش سے راضی نہیں تھے۔

سوال : تم نے غفلت کا معنیٰ عدم رضا کہاں سے نکالا؟

جواب : چونکہ مشرکین ملائکہ کی پرستش بھی کرتے تھے اور فرشتوں کو اُن کی عبادت کا علم تو تھا لیکن ان کی اس عبادت سے راضی نہیں تھے اسی لیے مجازاً غفلت بمعنے عدم رضا کیا گیا ہے۔

ازالۂ توہم بعض لوگوں نے یہاں پر شرکاء سے شیاطین مراد لیے ہیں ان کی یہ مراد یقیناً غلط اور سراسر غلط ہے اس لیے کہ شیاطین بُت کے پجاریوں کی اس پرستش پر تو بہت خوش تھے بلکہ اس پر اُبھارنے والے وہی شیاطین تھے اگرچہ انہیں اس پر مجبور نہیں کرتے تھے۔ (کذا فی الارشاد)

ف : مذکورہ بالا مجازی معنےٰ اس وقت ہوگا جب شرکاء سے ملائکہ وغیرہ مراد ہوں اس لیے کہ وہ ذوی العقول ہیں اور ذوالعقول سے لاشعوری کیسی۔ ہاں اگر شرکاء سے ان کے پتھروں وغیرہ کے بُت مراد ہوں تو غفلت اپنے معنے پر درست ہوگا اس لیے کہ وہ جماد محض تھے اور انہیں لاشعوری لازم۔

هُنَالِكَ یہ ظرف مکان ہے یعنی اس مدہوش کن مقام پر یا ظرف زمان ہے یعنی اس گھبراہٹ کے وقت۔

سوال : لغت میں ھنالک کا لفظ ظرف مکان کے لیے ہے تم نے ظرف زمان کا احتمال کس قاعدے سے بیان کیا۔

جواب : بطور استعارہ ظرف مکان کو ظرف زمان میں استعمال کیا جاتا ہے۔

تَبْلُوْا بلوی و اختبار بمعنے آزمائش سے مشتق ہے یعنی اس وقت آزمائش میں ہوگا اور مزہ چکھے گا **كُلُّ نَفْسٍ** ہر نفس مومن ہو یا کافر سعید ہو یا شقی **مَّآ اَسْلَفَتْ** ان اعمال کا جن کا دنیا میں اُنہوں نے ارتکاب کیا اس وقت اپنے

اعمال کے نفع و نقصان کا معاینہ کریں گے۔

سوال: ہر عمل کی سزا و جزا کا نتیجہ موت اور برزخ (قبر) میں معلوم ہو جاتا ہے چنانچہ اہلسنّت کا مذہب ہے کہ قبر میں عذاب و ثواب ملتا ہے۔

جواب: موت اور قبر میں جزا و سزا اجمالی طور پر ہوں گے ان کی تفصیل قیامت میں در پیش ہو گی اسی لیے یہاں تفصیلی حالات کو پیش نظر فرمایا گیا ہے **وَرُدُّوْٓا** اس کی ضمیر ھم للذین اشرکوا کی طرف راجع ہے اس کا عطف پر تبلوا اور اس کے معطوف پر ہے۔

ھنالك تبلوا الخ جملہ معترضہ ہے جو اپنے مضمون کے درمیان واقع ہوا ہے۔

اِلَى اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی طرف یعنی جزا و سزا کے لیے لوٹائے جائیں گے۔ ہم نے جزا و سزا کا معنیٰ اس لیے کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے کا معنیٰ ناممکن ہے اس لیے کہ لوٹنے کے لیے مکان و جہت ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ جہت و مکان سے پاک اور منزہ ہے **مَوْلٰىهُمُ** ان کا مولیٰ یعنی رب تعالیٰ **الْحَقِّ** حق ہے یعنی اس کی ربوبیت متحقق صادق ہے نہ اُن کے معبودانِ باطلہ جنہیں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں بنا رکھا ہے۔

سوال: اس آیت میں کفار کے لیے مولیٰ کا اثبات ہے حالانکہ دوسرے مقام پہ فرمایا:

ان الکافرین لا مولیٰ لھم۔

بیشک کافروں کا کوئی مولیٰ نہیں۔

جواب[1]: شیخ نے فرمایا کہ اول آیت میں مولیٰ بمعنے مالک ہے یعنی وہ ذات جو ان کے جملہ امور کا مالک حقیقی اور ان کی تمام مشکلات کا وہی مشکلکشا ہے اگرچہ وہ اقرار نہیں کرتے تو اُن کی اپنی بدقسمتی ہے اور دوسری آیت میں مولیٰ بمعنے ناصر و حامی اور مددگار ہے **وَضَلَّ عَنْهُمْ** اور ان سے ضائع ہو جائے گا یعنی ان کا ضائع ہونا ظاہر ہو جائے گا اور ان کی گمراہی واضح اور کھل کر سامنے آجائیگی اس سے معلوم ہوا کہ یہاں وہ معنیٰ نہیں جو ظاہر آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس سے پہلے گمراہ نہیں تھے اب گمراہ ہوتے یا ضل عنھم کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کے پختہ عقیدہ میں مل گیا **مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ○** وہ جو اپنی طرف سے من گھڑت عقیدے ظاہر کرتے تھے کہ ان کے معبودانِ باطلہ قیامت میں ان کی سفارش کریں گے یا جن کی پرستش کرتے ہیں وہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں۔

---

[1] اس سے شیعہ کے اس سوال کا جواب بھی دیا جا سکتا ہے من کنت مولاہ فعلی مولاہ جیسے ان دو آیتوں میں مولیٰ مختلف معنوں میں آیا ہے حدیث مذکور میں مولیٰ بمعنے صرف آقا نہیں بلکہ اس کے اور معانی بھی ہیں یہاں بمعنے محبوب ہے تفصیل فقیر کی کتاب "آئینہ شیعہ مذہب" میں دیکھئے۔

سبق : قیامت میں جب ہر شئے کی حقیقت کھلے گی تو اہلِ ایمان کے اکثر اعمال بیکار اور قابلِ قبول نہ ہونے کی وجہ سے لاشئ ہوں گے۔ جب اہلِ ایمان کا یہ حال ہے تو پھر مشرکین اور گنہگاروں کے کردار کا کیا حال ہوگا۔

حکایت حضرت جنید قدس سرہٗ کو کسی نے بعد از وصال خواب میں دیکھ کر عرض کی کہ آپ سے کیا معاملہ ہوا؟ آپ نے جواب دیا: ہمارے تمام کردار کافور اور تمام اذکار بیکار، تمام عبادات رائیگاں اور تمام علوم و فنون غیر معتمد بنائے گئے۔ صرف وہ چند رکعتیں کام آئیں جو بوقتِ سحر اُٹھ کر پڑھی گئیں۔ ؎

ہر گنج سعادت کہ خدا داد حافظ

از یمن دعائے شب و ورد سحری بود

مسئلہ صوفیانہ : نفس صرف خواہش کا پُجاری ہے اور اس کی توجہ کا کعبہ قبلہ ماسوی اللہ ہے۔

لطیفہ : بعض بزرگوں کا فرمان ہے کہ پہاڑ کا ناخن سے کریدنا آسان ہے لیکن خواہشِ نفسانی کو تابع کرنا سخت تر ہے جبکہ وہ غلبہ پا جاتے اور کسی شیخ کامل کی صحبت اور نگاہِ کرم نہ ہو۔

لطیفہ : جیسے اللہ تعالیٰ عمل کی شرکت غیرے نفس ہو یا کوئی اور، پسند نہیں کرتا تو قلب کی محبت میں شرکتِ غیرے کو کیسے گوارا فرما سکتا ہے خواہ وہ محبت شہوت سے متعلق ہو یا کسی اور شئے سے۔

حکایت حضرت محمد بن حسان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں جبل لبنان پر جا رہا تھا کہ اچانک میری نگاہ ایسے نوجوان پر پڑی جس کے جسم کو گرم ہوائیں اور دُھوپ کی گرمی جلا چکی تھی اس نے مجھے دیکھ کر رُوپوش ہونے کی کوشش کی میں نے اس سے کہا مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔ اس نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا، وہ بہت بڑا غیور ہے اپنے بندے کے دل میں اپنی محبت کے ساتھ کسی دُوسری شئے کی محبت کو گوارا نہیں کرتا۔

سبق : اللہ تعالےٰ کے ہاں بہت تھوڑے بندے پذیرائی پا سکتے ہیں اس لیے کہ اکثر عمل ریاء کی وجہ سے بیکار جاتے ہیں اور احوال ہیں صرف کھوکھلے دعوے ہوتے ہیں اور بس۔ پھر جب ریاء کے اعمال اور احوال کا ازالہ ہوتا ہے تو ایسے لوگ سخت شرمسار ہوتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

چوں بباطن بنگری دعویٰ کجا است

او و دعویٰ پیش آں سلطان فنا ست

ترجمہ : اندر جھانک کے دیکھ یہ دعوے کیسے۔ عاشق اور اس کا دعویٰ بادشہ حقیقی کے سامنے فانی ہیں۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

حدیث مدعیان وخیال ہمکاراں
ہماں حکایت زردوز وبوریا بافست

سبق : سالک پر لازم ہے کہ اپنے جمیع اوصاف سے پاک صاف ہو اور اپنے سے تمام میل کچیل دھو ڈالے بلکہ ہر چھوٹی بڑی شَے کے تعلقات منقطع کردے اس لیے کہ ہر مدد اللہ تعالیٰ قادر قوی جل جلالہٗ سے پہنچتی ہے۔ کسی نے خوب فرمایا ہے کہ :

استعانۃ المخلوق بالمخلوق کاستغاثۃ المسجون بالمسجون۔

مخلوق کا مخلوق سے مدد مانگنا ایسے ہے جیسے ایک قیدی دُوسرے قیدی کو اپنی جان رہائی کے لیے استغاثہ کرے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے :

ویوم نحشرھم جمیعا۔

یعنی ارواحِ انسانی اور جن اشیاء کی پرستش ہوتی ہے یعنی دُنیا و خواہش نفسانی ان سب کے حقائق کو ہم جمع کرکے ثم نقول للذین اشرکوا مکانکم صرف اہلِ شرک کو کہتے ہیں کہ اے مشرکو! ٹھہرے رہو اسی جگہ پر جسے تم نے اپنے جہل سے اختیار کیا ہے باوجودیکہ قبل ازیں تم بلند و بالا مکان کے مکین تھے انتم وشرکاؤکم تم اور تمہارے شرکاء اسی مکان میں ٹھہرے رہو جو تمہارے شرکاءُ کے لائق ہے اور وہ مکان نہایت نچلے درجے پر ہے اور تمہیں اسی میں ٹھہرنا پڑے گا اس لیے کہ یہی تمہارے شرکاء کا مکان ہے اور تم ان سے وابستہ ہو فلہذا تمہاری وابستگی پر تمہیں بھی اسی نچلی درجہ کے مکان میں اپنے شرکاءُ کے ساتھ ٹھہرنا لازمی امر ہے فزیلنا بینھم یعنی ہم مشرکین اور ان کے شرکاء کو مختلف عذاب میں مبتلا کریں گے۔ مشرکین کو عذاب اور درگاہِ حق سے دھتکار اور مفارقت اور جُدائی کے درد اور وصل و وصال کی استعداد کے ابطال وغیرہ میں مبتلا کریں گے اور ان کے شرکاء چونکہ کمال قرب کی قبولیت کی سرے سے استعداد ہی نہیں رکھتے۔ انھیں مذکورہ بالا عذاب اور سزا کا تصور بھی نہیں ہوسکتا فلہذا ان کی سزا یہی ہے کہ انھیں کسی قطار میں بھی نہیں شمار کیا گیا۔ وقال شرکائھم ماکنتم ایانا تعبدون اور ان کے شرکاء کہیں گے کہ تم نے ہماری عبادت کی ہی نہیں بلکہ تم تو صرف اپنی خواہش نفسانی کے پجاری ہو اور حقیقت یہ ہے کہ عالمِ دُنیا کے تمام معبودان باطلہ میں سے اللہ تعالےٰ کے نزدیک مبغوض ترین یہی خواہش نفسانی ہے۔ اسی لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

ماعبد فی الارض الٰہ ابغض علی اللہ من الھوٰی۔	اللہ تعالیٰ کے نزدیک عالم دنیا کے معبودان باطلہ میں سے مبغوض ترین خواہش نفسانی ہے۔

بقیہ بر ص ۹۵۴

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ

تم فرماؤ تمہیں کون روزی دیتا ہے آسمان اور زمین سے یا کون مالک ہے

السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ

کان اور آنکھوں کا اور کون نکالتا ہے زندہ کو مردے سے اور نکالتا ہے

الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ

مردہ کو زندہ سے اور کون تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے تو آپ کہیں گے کہ اللہ

فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا

تو تم فرماؤ تو کیوں نہیں ڈرتے تو یہ اللہ ہے تمہارا سچا رب پھر حق کے

بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ حَقَّتْ

بعد کیا ہے مگر گمراہی پھر کہاں پھرے جاتے ہو یوں ہی ثابت ہو چکی ہے

كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْۤا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾

تیرے رب کی بات فاسقوں پر تو وہ ایمان نہیں لائیں گے

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ

تم فرماؤ تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے کہ اول بنائے پھر فنا کے بعد دوبارہ

قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾

بنائے۔ تم فرماؤ اللہ اول بناتا ہے پھر فنا کے بعد دوبارہ بنائے گا تو کہاں اوندھے جاتے ہو

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ

تم فرماؤ تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے کہ حق کی راہ دکھائے تم فرماؤ کہ

يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ

اللہ حق کی راہ دکھاتا ہے تو کیا جو حق کی راہ دکھائے اس کے حکم پر چلنا چاہیے

اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾

یا اس کے جو خود ہی راہ نہ پائے جب تک راہ نہ دکھایا جائے تو تمہیں کیا ہوا کیسا حکم لگاتے ہو

وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ

اور ان میں اکثر تو نہیں چلتے مگر گمان پر بے شک گمان حق کا کچھ کام نہیں دیتا

شَيْئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَمَا كَانَ هٰذَا

بے شک اللہ ان کے کاموں کو جانتا ہے اور اس قرآن کی یہ شان نہیں کہ

الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ

کوئی اپنی طرف سے بنالے بے اللہ کے اتارے ہاں وہ اگلی کتابوں کی تصدیق ہے

الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ

اور لوح میں جو کچھ لکھا ہے سب کی تفصیل ہے اس میں کچھ شک نہیں ہے

مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا

پروردگار عالم کی طرف سے ہے کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے اسے بنا لیا ہے تم فرماؤ تو اس جیسی

بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ

کوئی ایک سورت لے آؤ اور اللہ کو چھوڑ کر جو مل سکیں سب کو بلا لاؤ اگر تم

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا

سچے ہو بلکہ اسے جھٹلایا جس کے علم پر قابو نہ پایا اور ابھی

يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ

انہوں نے اس کا انجام نہیں دیکھا ایسے ہی ان سے اگلوں نے جھٹلایا تھا تو دیکھو

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَ

ظالموں کا کیسا انجام ہوا اور ان میں کوئی اس پر ایمان لاتا ہے

مِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴۰﴾

اور ان میں کوئی اس پر ایمان نہیں لاتا ہے اور تمہارا رب مفسدوں کو خوب جانتا ہے

ع ۶

تفسیر عالمانہ قُلْ اے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم! مشرکین کو حقیقتِ توحید و بطلانِ شرک پر حجت قائم کرکے فرمائیے کہ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ تمہیں رزق کون دیتا ہے مِّنَ السَّمَآءِ آسمان سے

بقیہ ص۹۵۱ سے آگے

اللہ تعالیٰ نے اس کی یوں مذمت فرمائی ہے:

افرأیت من اتخذ الٰھہ ھواہ۔	کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جس نے اپنی نفسانی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔

فکفیٰ باللہ شھیداً بیننا و بینکم تمہارے اور ہمارے مابین صرف اللہ گواہ ہے ان کنا عن عبادتکم لغٰفلین۔ بیشک ہم تمہارے ذوقِ عبادت سے بےخبر تھے اس لیے کہ ایسے حظ اور ذوق صرف خواہش نفسانی سے متعلق ہیں اور لذات وشہوات وتمتعات دنیوی واخروی ہماری عبادت میں پورے کرنے پر ہمیں لاشعوری ہے ہاں عبادتِ الٰہی تمہارے لیے مفید ہو سکتی ہے جبکہ اس میں تم اسے نیک نیتی سے صرف رضائے الٰہی کے تحت کرو تاکہ اس سے مددِ توفیق اور اجروثواب نصیب ہو۔ ھنالک تبلوا کل نفس ما اسلفت اسی حال میں ہر نفس کی ان تعلقات سے آزمائش ہو گی جن سے وہ وابستہ ہو چکا وردوا الی اللہ حکم اور قرب وبُعد اور لذت والم سب اللہ تعالیٰ کے ہیں مولٰھم الحق، ان امور میں ان کا مولیٰ اور متولی وہی ہے کہ کسی کو ذوق لذت سے نوازے اور کسی کو بعد و فراق کے درد میں رکھے صرف وہی مالک ہے شرکاء کو ان امور سے کسی قسم کا تعلق نہیں وضل عنھم ما کانوا یفترون تم جس خیال میں تھے کہ تمہارے معبودان باطلہ تمہاری سفارش کریں گے اس وقت یہ تمام خیالات کافور ہو جائیں گے۔ حاشیہ ختم

بارش نازل کر کے وَالْاَرْضِ اور زمین سے کھیتیاں اُگا کر۔ اَمْ منقطعہ ہے اس لیے کہ اس سے قبل نہ تو ہمزہ استفہام واقع ہوا ہے نہ ہی ہمزہ تسویہ کا، اور یہاں پر صرف لفظ بَلْ محذوف ہوگا نہ ہمزہ اسی طرح آنے والے دوسرے مقام پر بھی ہمزہ محذوف نہیں ہوگا بلکہ بَلْ محذوف ہوگا اس لیے کہ مَنْ استفہامیہ صراحۃً واقع ہوا ہے اسی لیے اب ہمزہ استفہامیہ کو مقدر ماننے کی ضرورت نہیں اور بل اضرابیہ ہے یعنی ایک استفہام سے دوسرے استفہام کی طرف منتقل ہونے کے لیے ہے یہ اضراب ابطالیہ نہیں اس لیے کہ قرآن مجید میں بل ابطالیہ کہیں نہیں ہے کیا ہے کوئی۔ یَمْلِکُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ جو کانوں اور آنکھوں کی ملکیت رکھتا ہو یعنی کسی کو ان کی تخلیق اور انہیں فطرۃ عجیبہ کے مطابق جوڑنے کی طاقت نہیں یا یہ معنٰے ہے کہ ان کی آفات سے کوئی حفاظت کر سکتا ہے باوجود آفات کثیر الوقوع ہیں اور ان میں معمولی سی تکلیف پہنچے تو فوراً خراب ہو جاتی ہیں لیکن بایں ہمہ ہر آفت وبلا سے محفوظ ومامون ہیں۔

ف: سیدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ بکثرت فرمایا کرتے:

سبحان من ابصر بشحم و اسمع بعظم و انطق بلحم۔

پاک ہے وہ ذات جس نے چربی میں دیکھنے کی اور ہڈیوں میں سننے کی اور گوشت میں بولنے کی طاقت پیدا فرمائی۔

نکتہ: چونکہ انسان کو دیکھنے اور سننے کی زیادہ اور بولنے کی کم ضرورت پڑتی ہے اس لیے کان اور آنکھ دو دو اور زبان ایک پیدا فرمائی۔

وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ اور کون ہے جو زندے کو مُردے سے اور مُردے کو زندے سے پیدا فرماتا ہے یعنی حیوان کو نطفے سے اور نطفے کو حیوان سے، اسی طرح پرندے کو انڈے سے اور انڈے کو پرندے سے پیدا فرماتا ہے۔ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ اور تمہارے جملہ امور عالمِ علوی ہوں یا سفلی روحانی ہوں یا جسمانی کی کون تدبیر بناتا ہے فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ تو بلا تاخیر کہیں گے جملہ امور مذکورہ بالا کا خالق و فاعل صرف اللہ تعالےٰ ہے اور کوئی نہیں جبکہ نہایت واضح امر ہے کہ ہر شے کا خالق و صانع اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور نہ ہے نہ ہو سکتا ہے فَقُلْ پس اب انھیں واضح طور پر فرمایئے اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کیوں نہیں ڈرتے کہ اس کے ساتھ بُتوں کو شریک بنا رہے ہو فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ پس یہی اللہ تعالیٰ ہے کہ جس کی ربوبیت ثابت ہے نہ کہ تمہارے معبودوں کی۔

ترکیب: ذٰلکم مبتداء اور لفظ اللّٰہ اس کی صفت اور رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ اس کی خبر ہے یہ بھی جائز ہے کہ ذٰلکم مبتدا اور لفظ اللّٰہ اس کی خبر اور ربکم الحق لفظ اللّٰہ سے بدل ہے۔

سوال: ذٰلکم کا اشارہ محسوس و مشاہد کے لیے ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالےٰ کے لیے محال ہے تو پھر اسمِ اشارہ کیوں؟

جواب: مجازاً معہود فی الذہن کو محسوس مشاہد قرار دے کر اشارہ کیا گیا ہے۔

فَمَاذَا ممکن ہے کہ یہ دونوں ایک اسم ہوں اسم اشارہ پر استفہام کا معنےٰ غلبہ پا یا گیا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ذا اسم موصول بمعنی الذی ہو، یعنی کیا ہے بَعْدَ الْحَقِّ حق کے سوا، استعارۃً بعد بمعنے غیر ہے یعنی توحید و عبادتِ الٰہی کے سوا اور کوئی شے حق نہیں اِلَّا الضَّلٰلُ گمراہی کے سوا اور اسے کوئی بھی نہیں چاہتا اور وہ بتوں کی پرستش ہے۔

سوال: بُت پرستی کو ضلال سے کیوں تعبیر کیا گیا جبکہ بت پرستی اعمال جوارح سے ہے اور ضلال کو اعمالِ جوارح سے کیا تعلق؟

جواب: بُت پرستی اعمال جوارح سے ہے لیکن ان کا اصل منشا گندہ عقیدہ ہے اسی اصل منشاء کی وجہ سے بُت پرستی کو ضلال سے تعبیر کیا گیا ہے۔

فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝ یہ استفہام انکاری ہے اور اس سے وقوع کا انکار و استبعاد اور تعجب مطلوب ہے یعنی اسے کافرو! تم توحید اور عبادتِ حق کو چھوڑ کر شرک اور عبادت اصنام میں مبتلا کیوں ہوتے ہو حالانکہ سب کو معلوم ہے

کہ شرک اور عبادت اصنام سراسر گمراہی اور جادۂ حق سے کوسوں دُور ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی
لیکن رہ تو میروی بترکستان است

ترجمہ: اے اعرابی مجھے خطرہ ہے کہ تم کعبہ معظمہ تک نہیں پہنچ سکو گے اس لیے کہ جس راہ پر تم چل رہے ہو یہ بجائے کعبہ معظمہ کے ترکستان کو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کی گمراہی کا اظہار اپنے محبوب نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس سے فرمایا ہے:

حقیقی حق و صواب دکھانے والا اور اہلِ تصدیق اور شک والوں کا فرق بتانے والا وہی ہے۔

حضرت صائب نے فرمایا: ؎

واقف نمی شوند کہ گم کردہ اندر راہ را
تا رہروان برہنمائی نمی رسند

ترجمہ: جو لوگ گم کردہ راہ ہیں وہ کبھی رہروانِ حقیقت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔

كَذٰلِكَ کاف محلاً منصوب ہے ربکم الحق کے حق مصدر محذوف کی صفت ہے۔ دراصل عبارت یوں ہے:

کما حقت الربوبیۃ للہ تعالیٰ۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت متحقق ہے۔

اسی طرح حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ تمہارے رب تعالیٰ کا کلمہ یعنی حکم اور قضا حق ہے۔ عذابِ الٰہی ثابت اور متحقق ہو چکا ہے عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا ان لوگوں پر جو فاسق ہیں یعنی جو کفر پر ڈٹے ہوئے ہیں کہ اب ان کی اصلاح ناممکن ہو گئی ہے۔ اَنَّهُمْ دراصل لانهم تھا اس لیے کہ یہاں کلمہ کی حقیقت بیان کرنا مطلوب ہے یعنی ان کے لیے عذابِ الٰہی اس لیے متحقق ہو گیا کہ وہ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ ایمان لانے والے نہیں۔ نتیجہ نکلا کہ انہیں عذابِ الٰہی کی طرف کھینچ کے لے جانے والا ان کا اپنا کفر ہے اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ نتیجے کا دارومدار مقدمات اور اسباب پر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو سے، گندم اور کیکر سے میوہ نہیں اُگتا۔ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ۔ البداء بمعنی ابتداء کرنا یعنی اللہ تعالیٰ مخلوق کی ابتداءً تخلیق کرتا ہے پھر مرنے کے بعد انہیں اٹھائے گا کفار چونکہ تخلیق کے تو قائل تھے لیکن موت کے بعد اُٹھنے کے قائل نہیں تھے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ کفار سے فرمائیے تمہارے معبودوں میں کوئی ہے جو مخلوق کی ابتدائی تخلیق کر کے پھر انہیں مرنے کے بعد اٹھائے، پھر فرمایا کہ انہیں کھلے الفاظ میں فرما دیں کہ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ اللہ تعالیٰ مخلوق کی ابتداءً تخلیق کرتا ہے پھر وہی انہیں مرنے کے بعد اٹھائے گا۔ خلاصہ یہ کہ یہ دونوں کام سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں کر سکتا فَاَنّٰى

تُؤْفَكُوْنَ ○ یہ استفہام انکاری ہے یعنی یہ بات واضح اور متحقق ہے کہ مذکورہ بالا دونوں کام صرف اللہ تعالیٰ کر سکتا ہے تو پھر بتاؤ اے کافرو! تم کس راہ پہ چل رہے ہو کہ سیدھے راستہ کو چھوڑ کر گمراہی پہ گامزن ہو رہے ہو قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ط اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! کافروں سے فرمائیے کہ تمہارے معبودوں میں کوئی ہے جو غیر کو حق کی رہبری کرے۔ اگرچہ معمولی سی رہبری سہی اس لیے کہ عبودیت کے مراتب میں ادنیٰ مرتبہ یہی ہے کہ معبود اپنے بندوں کو ایسے امر کی رہبری فرمائے جس سے ان کی عاقبت سنور جائے۔

قواعد لفظ ھُدیٰ

ھدی جب لفظ الیٰ سے مستعمل ہو تو اس وقت معنیٰ یہ ہوتا ہے کہ الیٰ کا ماقبل اس کے مابعد تک ختم ہوگیا اگر لام تعلیلیہ سے مستعمل ہو تو معنیٰ یہ ہوتا ہے کہ ہدایت لام کے مدخول پر اس لیے متوجہ ہوئی ہے کہ ہدایت اس کے مدخول کو پہنچے اور مدخول کا ہدایت پر ترتب ہو جیسے علت و معلول کی شان ہے۔

ف: اس آیت میں ہدایت کے تعدی کے دونوں الفاظ یعنی الیٰ اور لام کو استعمال کیا گیا ہے۔

قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ط فرمائیے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے راہِ حق دکھاتا ہے اس کے غیر میں اس کا کوئی اختیار نہیں (ہاں انبیاء علیہم السلام اور اولیاءِ کرام اور قرآن وغیرہم اسباب و وسائل ہیں وہ بھی اسی کے اختیار میں ہیں۔)

اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے اسباب

۱۔ دلائل واضح کھڑے کرنا۔
۲۔ رسل کرام کو بھیجنا۔
۳۔ کتب نازل فرمانا۔
۴۔ نظر صحیح کی توفیق بخشنا۔
۵۔ مدبر صاحب عطا فرمانا

لیکن چونکہ عقول مضطرب اور افکار مختلفہ ہوتے ہیں اسی لیے حق کی تعیین ہر ایک کا کام نہیں یہ بہت مشکل امر ہے اس سے بہت سے لوگ غلطی کا شکار ہو جاتے ہیں[1] معدودے چند ایسے ہوتے ہیں جنہیں راہِ حق نصیب ہو اور وہ بھی صرف وہی جن کی عنایتِ الٰہی اور ارادۂ ایزدی دستگیری فرمائے۔

اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ بتاؤ اے کافرو! کیا وہ جو حق کی راہ دکھائے اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اللہ تعالیٰ زیادہ مستحق ہے کہ اس کی فرماں برداری کی جائے یہاں پر مفضل علیہ یعنی جس پر فضیلت دینا مطلوب ہے محذوف ہے اور من لا یہدی ہے اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ یا وہ جو ہدایت نہیں دیتا لا یہدی بکسر الہاء و تشدید الدال[2] در اصل لا یہتدی تھا تاء کو دال

---

[1] اسی لیے ہم اہلسنت مسائل شرعیہ میں ائمہ کی تقلید اور راہِ سلوک کے لیے سلاسل اربعہ کے مشایخ کا دامن پکڑتے ہیں تاکہ جیسا

یار ہو سد

دریں ورطہ کشتی فرو شد ہزار
کہ پیدا نشد تختہ بر کنار

[2] عام قرأتوں میں تشدید الدال نہیں۔

میں مدغم کر کے ہا کو التقائے ساکنین کی وجہ سے مکسور پڑھا گیا ہے یعنی وہ کسی حال میں بھی کسی کو ہدایت نہیں کر سکتا اِلَّآ اَنْ یُّھْدٰیؕ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں ہدایت نصیب ہو تو پھر وہ اس لائق ہو سکتے ہیں کہ ان کے لیے کہا جا سکتا ہے کہ وہ ہدایت والے ہیں۔

سوال: کفار کے بُت تو جماد محض تھے ان سے قبولیت ہدایت کا کیا معنیٰ۔ علاوہ ازیں مَن ذو العقول کے لیے ہوتا ہے اور بت غیر ذوی العقول ہیں پھر ان پر لفظ مَن کیوں؟

جواب: یہ کفار کے ان معبودوں کے لیے ہے جنہیں بزعم خویش معبود بنا رکھا تھا جیسے حضرت عیسٰے و عزیر اور ملائکہ کرام علیہم السلام، وہ اس لیے کہ پہلے بُت کے پجاریوں کی تردید فرمائی۔ کما قال:

امن یبدؤا الخلق الخ

اس کے بعد اب ان کا رد فرمایا جو مذکورہ بالا حضرات کو معبود سمجھتے تھے۔ علاوہ ازیں اشراف کی تردید میں رذیل ضمناً مذکور ہو جاتے ہیں۔

ف: تبیان میں ہے کہ بُت نہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان بلکہ ہر قسم کی قدرت نہیں رکھتے الا ان یھدی کا معنیٰ تبیان میں بیان کیا مگر یہ کہ ان میں دخول و خروج اور نقلِ مکانی اور ان پر تصرف وغیرہ مثلاً توڑنا جوڑنا وغیرہ ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ معبود برحق کے لیے مذکورہ امور ممتنع ہیں فلہٰذا ثابت ہوا کہ تمہارے معبود پرستش کے لائق نہیں اگر عبادت کا مستحق ہے تو صرف وہی مطلق برحق۔

سوال: تمہاری مذکورہ بالا تقریر سے ہماری تشفی نہیں ہوئی اس لیے آیت میں مطلق ہے کہ ان معبودوں کو ہدایت دی جائے تو وہ ہدایت کے قابل ہیں اور یہ مشاہدہ کے خلاف ہے۔

جواب: چونکہ کفار اپنے معبودوں کے لیے عقل و فہم سمع و بصر و دیگر ان کے جملہ امور ذوی العقول کی طرح مانتے تھے۔ بناء بریں اللہ تعالیٰ نے ان کے عقیدہ کے مطابق ان کا رد فرمایا جیسا کہ علم مناظرہ کا قاعدہ ہے کہ خصم کو اس کے مسلمات سے منوایا جائے۔

فَمَا لَکُمْ پس تمہیں اے کافرو! کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالےٰ کے مقابلہ میں جعلی معبود تیار کر کے ان کی پرستش کرتے ہو کَیْفَ تَحْکُمُوْنَ ○ کیسے عجیب و غریب فیصلے کرتے ہو کہ جس کے بطلان پر عقل کو سوچنے کی ضرورت ہی نہیں اس سے انکے باطل اور غلط فیصلے کرتے ہو کہ جس کے بطلان پر عقل کو سوچنے کی ضرورت ہی نہیں اس سے ان کے باطل اور غلط فیصلے کا انکار کیا گیا ہے کہ انہوں نے محتاج یعنی معبودان باطلہ اور محتاج الیہ یعنی ذاتِ حق کو ایک جیسا سمجھ رکھا تھا ورنہ کہاں قادر اور کہاں عاجز۔ ؎

عجز و قدرت کہ ھر دو ضد انند
عقل گویدت کہ یکجا نند
عجز بر خلق مے در اند پوست
قادرے بر کمال حضرت اوست

ترجمہ : عجز وقدرت ہر دو ایک دوسرے کی ضد ہیں اگرچہ کسی دیوانے کی عقل فتوٰی دے کہ وہ برابر ہیں۔ مخلوق اپنی عاجزی سے کبھی چھڑا اتروالیتی ہے اور اللہ تعالیٰ وہ قادر ہے کہ ہر کمال اسی پر ختم ہے۔

وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اور جس عقیدے پر وہ ہیں یعنے ان کا عقیدہ رکھنا کہ بت معبود ہیں اس میں ان کی اکثر فرمانبرداری نہیں کرتے اِلَّا ظَنًّا ط مگر گمان کی یعنے انہیں کسی قسم کی تحقیق نہیں صرف آباؤ اجداد کی تقلید سے شرک میں مبتلا ہیں اس سے معلوم ہوا کہ ان کے بعض کو علم تھا کہ واقعی بت پرستی بری ہے لیکن صرف ضد اور ہٹ دھرمی سے توحید و رسالت کا اقرار نہیں کرتے تھے اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِىْ بیشک گمان کسی کو بے نیاز نہیں کرتا مِنَ الْحَقِّ حق یعنی علم و اعتقاد صحیح سے یعنی گمان و تخمین حق اور اعتقاد و یقین کا بالمقابل نہیں ہو سکتا شَيْئًا ط یہ مفعول مطلق یا مفعول بہ یا من الحق شیئا سے حال ہے یہاں پر لا یغنی بمعنے لا یتوب ہے۔

ف : بعض نے کہا کہ ان کا یہ خیال کرنا کہ یہ بت ان کے سفارشی ہیں، عذابِ الٰہی سے نہیں بچا سکتے۔ نتیجہ نکلا کہ معبودان باطلہ کو بارگاہِ حق کا سفارشی ماننا باطل محض مبنی بر خیال فاسد اور ان کا یہ گمان غلط اور سراسر غلط ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ○ جو کچھ وہ کرتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ جانتا ہے ان کے اتباع ظن اور برہان سے اعراض پر انہیں فرمایا گیا ہے۔

مسئلہ : آیت سے ثابت ہوا کہ عقاید و اصول کا جاننا واجب ہے۔ عقاید میں کسی دوسرے کی تقلید پر اکتفا نہ کیا جائے۔

مثنوی شریف میں ہے :-

وہم افتد در خطاء و در غلط
عقل باشد در اصابتہا فقط
کشتی بے لنگر آمد مرد شر
کہ ز باد کژ نیابد او حذر
لنگر عقلست عاقل را امان
لنگرے دریوزہ کن از عاقلاں

ترجمہ : وہم خطاء و غلطی میں پڑ جاتا ہے لیکن عقل ہمیشہ صوابدید سے کام کرتا ہے لنگر کے بغیر کشتی شریر لوگ چلاتے ہیں انہیں مخالف ہوا کا خیال تک نہیں ہوتا عقل کا لنگر عاقل کے لیے امان ہے عقلمندوں سے عقل کا سوال ضروری ہے۔

ف : فما لکم کیف تحکمون میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ کفار حد درجہ کے محروم القسمۃ ہیں اس لیے کہ جسے عقل کامل حاصل ہے وہ باطل وجہل کی ہرگز اتباع نہیں کرتا بلکہ اسے حق وعلم کی اتباع سے چین آتا ہے ان کا آباد کی تقلید میں شرک کا مرتکب ہونا بھی کوئی حجت اور قوی دلیل نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو عقل اس لیے بخشی ہے کہ رہِ حق و باطل کا امتیاز کریں اسی لیے لازم ہے کہ اتباع صرف ہدایت حق کی ہو اور بس۔ مشرکین اسی لیے جادۂ حق اور

طریقہ شریعت سے بھٹک کر وہ آباد کی تقلید میں پھنس گئے عقل سلیم سے کام نہ لیا اسی طرح سالکان خام کار بھی جب غفلت میں گرفتار ہوں تو راہِ حقیقت سے بھٹک جاتے ہیں۔

ناصح کی نصیحت بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنے کسی عزیز سے فرمایا کہ میں ایک نصیحت کرتا ہوں اسے وہ عمل میں لائے گا جسے دولتِ عقل نصیب ہوگی ہاں غافل اور محروم القسمۃ اس پر عمل نہ کر سکے گا وہ یہ کہ علم دینی نہ متکبر سے پڑھو اور نہ بدعتی سے اور نہ ہی (عقاید میں دوسرے کے) مقلد سے، اس لیے کہ تکبر متکبر کو آیات وغیرہ سمجھنے سے روکتا ہے اور بدعتی کو بدعتِ سیئہ بہت بڑی روحانی بلاؤں میں پھنساتی ہے اور تقلید بھی بہت بڑے مقاصد سے مانع ہوتی ہے۔ علم کو نورِ عقل و برہان سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

ف: یاد رہے کہ علم کسب بالعقل بمنزلۂ ظن و تخمین کے ہے اور حق و یقین کی کوئی حد اور انتہا نہیں۔ یہ اربابِ حقیقت کا مذہب ہے۔

ف: جو شے عقل اور قلب کے ظاہر سے حاصل کی جائے اس کا نام ایمان ہے اور جو قلب کے باطن سے حاصل ہو اسے ایقان کہتے ہیں۔

ف: بعض مشایخ فرماتے ہیں:

جب ایمان کو ظاہر قلب تک تعلق ہو وہ بندہ دنیا اور آخرت دونوں سے محبت کرتا ہے ایسا انسان کبھی اللہ سے واصل کبھی اپنے میں شاغل ہوتا ہے اور جب ایمان قلب کی اندرونی منزل میں جاگزین ہو تو وہ دنیا سے بغض کرتا ہے اور خواہشات نفسانی کو یک لخت چھوڑ دیتا ہے لیکن یہ مرتبہ صرف جذبۂ الٰہی اور مرشد کامل کی صحبت سے نصیب ہوتا ہے۔

منزل بسر منزل عنقا نہ بخود بردم راہ
قطع ایں مرحلہ با مرغِ سلیمان کردم

ترجمہ: میں عنقا کے گھر خود بخود نہیں پہنچا بلکہ مرغِ سلیمان کی صحبت اختیار کی تو مجھے وہاں کی رسائی نصیب ہوئی۔

صحبت طالح ترا طالح کند اس منزل کو عبور کرتے وقت ناجنس کی صحبت سے کنارہ کشی لازم ہے اس لیے کہ بہت سے سالکین راہ نے بری صحبتوں کی نحوست سے اپنا راہ گم کیا، اسی طرح خواہشاتِ نفسانی کو بھی ترک کرنا ضروری ہے ورنہ ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ ہماری تقریر مذکور سے حق اور حقیقتِ حال واضح ہوگئی اس کے بعد کوئی نہیں سمجھتا تو اسے گمراہی و ضلالت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں تا دمِ واپسیں اس راہ کی جدوجہد کی توفیق بخشے۔

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اور نہیں یہ قرآن جو دلائل اعجاز سے بھرپور اور حسن نظم میں بے نظیر معانی دقیقہ و حقائق جامعہ رکھتا ہے۔ اَنْ يُّفْتَرٰى محلاً منصوب کان کی خبر ہے بمعنے افتراءً یعنی یہ قرآن وہ کلام نہیں کہ اپنی طرف سے بنا کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے یعنی افترا۔ مصدر بمعنے مفعول ہے۔ مبالغہ کے طور مصدر لایا گیا ہے۔

حل لغات: افترا افتعال فریت رد بسر سے لیا گیا ہے لیکن اس کا عام استعمال کذب کے لیے ہے۔

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ یہ کان کی دُوسری خبر ہے اور صادر ا" کے متعلق ہے یعنی یہ وُہ کلام ہے کہ اسے اللہ تعالےٰ کے سوا اور کوئی بنا سکتا ہی نہیں **وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ** لیکن یہ تصدیق ہے اس کی جو اس سے پہلے گزرا ہے یعنی یہ کتب الٰہیہ متقدمہ کی تصدیق کرتا ہے بایں معنی کہ اس کے مضامین کتب الٰہیہ سابقہ کے مطابق ہیں کہ ان کے اصول دین اور قصص اوّلین صحیح اور سچ ہیں اور پھر ایسی شخصیت کے ذریعے بھیجا گیا ہے جنہوں نے ظاہری علوم میں سے ایک نقطہ بھی کسی سے نہ پڑھا اور نہ کتب الٰہیہ سابقہ کے علماء کی صحبت میں کبھی نشست و برخاست کی۔ جب یہ صورت ہے کہ کلام بھی معجز نظام ہے اور لانے والے بھی اُمّی ہیں تو پھر افترا کیسا، بلکہ اہلِ فہم کو یقین ہونا چاہیے کہ یہ کلام منجانب اللہ نازل ہوا ہے **وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ** کتب بمعنے فرض و قدر و حکم سے ماخوذ ہے یعنی کتب الٰہیہ سابقہ کے حقائق و شرائع قرآن مجید تفصیل سے بیان کرتا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ

"تاویلات نجمیہ میں ہے کہ:

تفصل الکتٰب یعنی قرآن مجید اس جملہ کی تشریح ہے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کا ایک حصہ ہے اور وُہ ایسی کتاب ہے کہ جس میں محو و اثبات نہیں ہوسکتا اس لیے کہ وہ ازلی ابدی کتاب ہے کما قال:

یمحوا اللہ ما یشاء و یثبت۔

یعنی لوحِ محفوظ محو و اثبات کے متعلق جیسے چاہتا ہے کرتا ہے۔

اس لیے کہ لوحِ محفوظ مخلوق اور قابل تغیّر و تبدّل ہے۔ وعندہٗ ام الکتاب اور اللہ تعالےٰ کے ہاں وُہ کتاب کہ تغیّر و تبدّل کے قابل نہیں کیونکہ وہ علمِ الٰہی ہے اور علم قایم بذاتہٖ اور قدیم ہونے کی وجہ سے قابل تغیر و تبدل نہیں۔

لَا رَيْبَ فِيْهِ یہ کان کی تیسری خبر ہے اور استدراک کے حکم میں یہ بھی داخل ہے یعنی یہ وُہ کتاب ہے کہ اس میں شک و شبہ ہو سکتا ہی نہیں اس لیے کہ اس کے اندر ایسے واضح اور کھلے دلائل ہیں کہ معمولی سا غور و فکر کرنے سے یقین ہو جاتا ہے کہ یہ انسان کے حیطہ امکان سے باہر ہے فلہٰذا اس میں شک اور شُبہ نہیں **مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○** یہ کان کی آخری خبر ہے اور ربنا کے متعلق ہے یعنی یہ کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے **اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ** "ام منقطعہ ہے اس میں بل اور ہمزہ مقدر ہے یعنی بلکہ یُوں کہو کہ کیا کفارِ مکہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن خود تیار کر کے اللہ تعالیٰ پر افترا کیا ہے۔ ہمزہ واقعہ کے انکار و استبعاد کے لیے ہے۔ زمخشری نے کہا ممکن ہے کہ کفار پر الزام حجت کے طور ہمزہ تقریر کے لیے ہو **قُلْ** اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! کفارِ مکہ سے فرمائیے اگر واقعی اسی طرح ہے جیسے تم کہتے ہو **فَاْتُوْا** تو تم بھی ایسا قرآن بنا کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے لاؤ۔ یہ امر تعجیزی ہے **بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ** ایک ایسی سورۃ جو فصاحت و بلاغت اور حسن نظم و قوت المعنی میں قرآن کی کسی سورت جیسی ہو اس لیے کہ تم بھی عربیت و فصاحت میں کچھ کم نہیں ہو **وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ** جتنی تم طاقت رکھتے ہو انہیں بلاؤ تاکہ وہ تمہاری معاونت کرتے ہوئے قرآن جیسی سورۃ بنالیں اس لیے کہ بسا اوقات کوئی کام اکیلے سے نہیں

ہوسکتا تو دوسروں کو شامل کرنے سے کام بن جاتا ہے، فلہٰذا تم بھی اس کام کو سرکرنے کے لیے بلاؤ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ تعالےٰ کے ماسوا کو۔ یہ ادعوا کے متعلق ہے اور لفظ دُون حرف استثنا کے قائم مقام ہے یعنی اے کافرو! اللہ تعالیٰ کے سوا باقی تمام مخلوق میں سے جنھیں چاہو اپنے ساتھ ملا کر قرآن کی کسی سورۃ کے مثل کوئی سورت بناؤ۔ لیکن اس میدان میں آنے میں کسی کو طاقت کہاں اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ اگر تم سچے ہو اس دعویٰ میں کہ (معاذ اللہ) میں نے اس قرآن کو خود تیار کر کے اللہ تعالیٰ پر افترا کیا ہے تو وہ کام تم کر کے دکھاؤ اس لیے کہ جو کام کوئی بندہ کر لیتا ہے تو دوسرے بندے اس سے کئی گنا بہتر کر لیتے ہیں اس لیے کہ فوق کل ذی علم علیم ہر ذی علم پر صاحب علم فوقیت رکھتا ہے پس اے کافرو! اب تمہیں اپنے عجز کا اعتراف ہے کہ نہ ایسا قرآن فرداً فرداً تیار کر سکتے ہو نہ مجتمعاً، تو ثابت ہوا کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے۔

ف: قرآن پاک کے معجز ہونے کا یہ معنےٰ ہے کہ یہ فصاحت و بلاغت کے انتہائی منازل کو پہنچ چکا ہے کہ اب اس کے معارضہ پرسی کو ہمت نہیں ہوسکتی اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس جیسا قرآن بنانا تو ممکن ہے لیکن اس جیسا کلام بنانے پر بندوں کی قدرت سلب کر لی گئی ہے اگر ان کی قوت مسلوب نہ ہوتی تو ضرور اس جیسا کلام بنا لیتے۔ یہ مطلب غلط اور سراسر غلط ہے۔ یہ کسی کج فہم کا خیال ہوگا۔ (کذا فی تفسیر الفاتحہ للمولی الفناوی)

بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ بلکہ اُنھوں نے جھٹلایا ایسے امر کو جس پر وہ احاطہ نہ کر سکے یعنے سمجھنے سے پہلے قرآن مجید کی تکذیب میں عجلت کی۔ یہ قاعدہ عام ہے کہ جو کسی شے کو پورے طور نہیں سمجھ سکتا تو بجائے اس کے کہ وہ اپنی کم فہمی کا اعتراف کرے بلکہ الٹا اس کی تکذیب میں جلد بازی کرتا ہے۔

ف: یہاں پر لفظ بل سے ان کی غلط کاری (کفر میں آباؤ اجداد کی تقلید اور قرآن پاک میں تدبر و فکر نہ کرنے کی) مذمت کی گئی ہے گویا یوں کہا گیا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان کے ساتھ تحدی و الزام حجت یعنی مناظرہ بازی وغیرہ کو چھوڑ دیجیے اس لیے کہ وہ دائرۂ اہلیت و صلاحیت سے کوسوں دور ہیں اپنے آباؤ و اجداد کے اندھے مقلد ہیں اور ان کی رسوم کے سختی سے پابند ہیں۔ عقل و دانش کی باتوں کو عمل میں لانے تک گوارا نہیں کرتے ورنہ اگر انھیں کچھ عقل و فہم ہوتا اور معمولی طور غور و فکر سے کام لیتے اور قرآن مجید کے شواہد اعجاز پر منصفانہ طور غور کرتے تو انھیں یقین ہو جاتا کہ واقعی یہ قرآن معجز نما کلام ہے اور اس کی نظیر صرف ناممکن ہی نہیں بلکہ ممتنع ہے اور مخلوق میں سے کسی کی طاقت ہی نہیں کہ اس جیسی کوئی ایک سورۃ بنا سکے۔

وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ، اس کا عطف صلہ پر ہے یا موصول سے حال ہے یعنی ان کے ہاں اس امر کا انجام ابھی نہیں آیا۔

خلاصۂ تفسیر قرآن پاک معجزہ ہے کہ اس جیسی عبارت کوئی بنا سکتا ہے نہ اس کے معانی جیسے کوئی معنےٰ لا سکتا ہے۔ اخبار بالغیب میں بھی اپنی نظیر آپ ہے لیکن کفار مکہ

سنے سوچا نہ سمجھا اور قرآن کے دعویٰ کے مطابق آنے والے امور کا انتظار کرتے جن میں بعض کا وقوع دنیا میں اور بعض کا آخرت میں ہوگا۔ قرآن کے دعویٰ کے مطابق جو امور وقوع پذیر ہونے کی نبوت کی صداقت پر یقین کرتے لیکن بدقسمت تھے کہ جلد بازی سے منکر ہوئے۔

ف : سوال : جب ان کے علم کے احاطہ کی نفی لم یحیطوا الخ سے ہو چکی پھر لما کو لانے کی ضرورت کیسی جبکہ لفظ لما توقع پر دلالت کرتا ہے۔

جواب : ان کی مذمت و شناعت میں تاکید شدید مطلوب ہے اس لیے کہ تکذیب الشئ قبل علم المتوقع ایتانہ، تکذیب الشئ قبل علمہ مطلقاً سے افحش ہے۔

خلاصہ المرام اینکہ ان پر لازم تھا کہ وقوع المتوقع تک توقف کرتے لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا۔

كَذٰلِكَ کفارِ مکہ کی تکذیب کی طرح، اسی طرح **كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ** تکذیب کی انبیاء علیہم السلام کی ان کافروں نے جو ان سے پہلے تھے **فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ** ○ دیکھو ظالموں کا انجام کار کیا ہوا۔ اس میں کفارِ مکہ کو وعید ہے کہ جس طرح تم کر رہے ہو ایسے ہی پہلے لوگوں نے کیا، تو جس طرح انھیں سزا ملی تو تمہیں بھی ویسے ہی سزا ملے گی۔

سوال : کافروں کو ظالمین سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے؟

جواب : ظلم بمعنے وضع الشئ علی غیر محلہ ہے۔ چونکہ انہوں نے تصدیق کی بجائے تکذیب کا ارتکاب کیا اسی لیے ظالم ٹھہرے پھر وہ معتوب ہوئے اور تباہ و برباد ہوئے۔ کتب سماویہ میں ان کے حالات تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔

وَمِنْهُمْ اور مکذبین میں بعض وہ ہیں **مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ** جو قرآن پر ایمان لاتے ہیں لیکن عمداً عناد اور سرکشی کرتے ہیں۔ **وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ؕ** اور ان میں بعض وہ ہیں جو ایمان نہیں لاتے یعنی عباوت اور قلتِ تدبر کی وجہ سے سرے سے قرآن مجید کی صداقت و حقانیت کو مانتے ہی نہیں۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں بعض وہ ہیں کہ وہ عنقریب ایمان لائیں گے اور کفر سے توبہ کریں گے اس لیے کہ ان میں ایمان قبول کرنے کی استعداد موجود ہے اور بعض وہ ہیں جن کی موت کفر پر آئے گی یعنی مرتے دم تک قرآن مجید کو نہیں مانیں گے اس لیے کہ ان میں ایمان قبول کرنے کی استعداد نہیں **وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ** ○ اور تمہارا رب مفسدوں کو خوب جانتا ہے اور اسے معلوم ہے کہ ان میں سرکش اور کفر پہ ڈٹ جانے والے کون ہیں۔ انہیں مفسدین سے اس لیے موصوف فرمایا کہ انہوں نے اپنی فطرت سلیمہ کی استعداد کو اعمال فاسدہ سے ضایع کر دیا۔

وَاِنۡ كَذَّبُوۡكَ فَقُلۡ لِّىۡ عَمَلِىۡ وَلَـكُمۡ عَمَلُكُمۡ‌ۚ اَنۡتُمۡ

اور اگر وہ تمہیں جھٹلائیں تو فرما دو کہ میرے لیے میری کرنی اور تمہارے لیے تمہاری کرنی تمہیں میرے

بَرِيۡٓـئُوۡنَ مِمَّاۤ اَعۡمَلُ وَاَنَا بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۴۱﴾ وَ

کام سے علاقہ نہیں اور مجھے تمہارے کام سے تعلق نہیں اور

مِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّسۡتَمِعُوۡنَ اِلَيۡكَ‌ ؕ اَفَاَنۡتَ تُسۡمِعُ الصُّمَّ

ان میں کوئی وہ ہیں کہ تمہاری طرف کان لگاتے ہیں تو کیا تم بہروں کو سنا دو گے

وَلَوۡ كَانُوۡا لَا يَعۡقِلُوۡنَ ﴿۴۲﴾ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّـنۡظُرُ اِلَيۡكَ‌ ؕ

اگرچہ انہیں عقل نہ ہو اور ان میں کوئی تمہاری طرف تکتا ہے

اَفَاَنۡتَ تَهۡدِى الۡعُمۡىَ وَلَوۡ كَانُوۡا لَا يُبۡصِرُوۡنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّ

کیا تم اندھوں کو راہ دکھا دو گے اگرچہ وہ نہ سوجھیں بیشک

اللّٰهَ لَا يَظۡلِمُ النَّاسَ شَيۡـئًا وَّلٰـكِنَّ النَّاسَ اَنۡفُسَهُمۡ

اللہ لوگوں پر کچھ ظلم نہیں کرتا ہاں لوگ ہی اپنی جانوں پر

يَظۡلِمُوۡنَ ﴿۴۴﴾ وَيَوۡمَ يَحۡشُرُهُمۡ كَاَنۡ لَّمۡ يَلۡبَثُوۡۤا اِلَّا سَاعَةً

ظلم کرتے ہیں اور جس دن انہیں اٹھائے گا گویا دنیا میں نہ رہے تھے مگر اس دن کی

مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوۡنَ بَيۡنَهُمۡ‌ ؕ قَدۡ خَسِرَ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا

ایک گھڑی آپس میں پہچان کریں گے کہ پورے گھاٹے میں رہے وہ جنہوں

بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوۡا مُهۡتَدِيۡنَ ﴿۴۵﴾ وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعۡضَ

نے اللہ سے ملنے کو جھٹلایا اور ہدایت پر نہ تھے اور اگر ہم تمہیں دکھا دیں کچھ

الَّذِىۡ نَعِدُهُمۡ اَوۡ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيۡنَا مَرۡجِعُهُمۡ ثُمَّ اللّٰهُ

اس میں سے جو انہیں وعدہ دے رہے ہیں یا تمہیں پہلے ہی اپنے پاس بلا لیں بہرحال انہیں

شَهِيۡدٌ عَلٰى مَا يَفۡعَلُوۡنَ ﴿۴۶﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوۡلٌ‌ ۚ فَاِذَا جَآءَ

ہماری طرف پلٹ کر آنا ہے پھر اللہ گواہ ہے ان کے کاموں پر اور ہر امت میں ایک رسول ہوا جب ان کا

رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۴۷﴾

رسول ان کے پاس آتا ان پر انصاف کا فیصلہ کر دیا جاتا اور ان پر ظلم نہیں ہوتا

وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ﴿۴۸﴾

اور کہتے ہیں یہ وعدہ کب آئے گا اگر تم سچے ہو

قُلْ لَّآ أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ط

تم فرماؤ میں اپنی جان کے برے بھلے کا (ذاتی) اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے

لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ط إِذَا جَآءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ

ہر گروہ کا ایک وعدہ ہے جب ان کا وعدہ آئے گا تو ایک گھڑی نہ پیچھے ہٹیں

سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿۴۹﴾ قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ أَتٰىكُمْ

نہ آگے بڑھیں تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو اگر اسکا عذاب

عَذَابُهُ بَيَاتًا أَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُونَ ﴿۵۰﴾

تم پر رات کو آئے یا دن کو تو اس میں وہ کونسی چیز ہے کہ مجرموں کو جس کی جلدی ہے

أَثُمَّ إِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ط اٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ

تو کیا جب ہو پڑے گا اس وقت اسکا یقین کرو گے کیا اب مانتے ہو پہلے تو اس کی جلدی

تَسْتَعْجِلُونَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ

مچا رہے تھے پھر ظالموں سے کہا جائے گا ہمیشہ کا عذاب چکھو

الْخُلْدِ ج هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿۵۲﴾ وَ

تمہیں کچھ اور بدلہ نہ ملے گا مگر وہی جو کماتے تھے اور

يَسْتَنْۢبِئُونَكَ أَحَقٌّ هُوَ ط قُلْ إِي وَرَبِّي إِنَّهٗ لَحَقٌّ ج وَمَا

تم سے پوچھتے ہیں کیا وہ حق ہے تم فرماؤ ہاں میرے رب کی قسم بے شک وہ ضرور

أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿۵۳﴾ ع

حق ہے اور تم کچھ تھکا نہ سکو گے

ع ۵
۱۲
۱۰

تفسیر عالمانہ وَاِنْ کَذَّبُوْکَ باوجود دلائل وبراہین قایم کرنے کے پھر بھی اگر وُہ آپ کی تکذیب کرتے اور کفر پر مُصر ہیں فَقُلْ لِّیْ عَمَلِیْ وَلَکُمْ عَمَلُکُمْ تو فرمائیے میرے لیے میرے عمل اور تمہارے لیے تمہارے عمل، یعنی آپ ان سے اظہار برأت فرمائیے اس لیے کہ آپ نے ان کو بہت کچھ سمجھایا ہے لیکن وُہ نہیں مانتے تو انہیں ان کی قسمت پہ چھوڑ دیجیے جیسے دُوسرے مقام پہ فرمایا کہ:

فان عصوك فقل انی بریٔ۔

پس اگر وہ نافرمانی کرتے ہیں تو فرمائیے میرے اعمال کی جزا میرے لیے ہے اور تمہارے اعمال کی جزا و سزا تمہیں ملے گی۔

سوال: عملکم کے بجائے اعمالکم ہونا چاہیے تھا اس لیے کہ جمع کا لفظ جمع کی طرف مضاف ہوتا ہے۔

جواب: یہ باعتبار اتحاد نوعی کے ہے یا اس لیے کہ ان کے بالمقابل عملی واحد کا صیغہ مستعمل ہُوا اس میں بھی واحد کا صیغہ لایا گیا تاکہ مناسبت قایم رہے۔

اَنْتُمْ بَرِیْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ تم اُس سے بیزار ہو جو میں عمل کرتا ہُوں اور میں اُن سے جن کا تم ارتکاب کرتے ہو۔

لی عملی ولکم عملکم یہ جملہ لام اختصاص کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ ہر عامل کے عمل کی سزا و جزا اسی تک محدود رہے گی اس کی وجہ سے دوسرے کو سزا نہیں ملے گی یعنی میرے عمل کی وجہ سے تمہارا مواخذہ نہیں ہوگا اور نہ ہی تمہارے اعمال سے میرا مواخذہ ہوگا۔

تفسیر صُوفیانہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے آپ کا استعداد فطری کو فیضِ رُبوبیت کے قبول کرنے کے لیے استعمال عبودیت میں صرف کرنا مراد ہے اور اس کی جزا جنت اور وصالِ الٰہی ہے اور ان کے اعمال سے لذات وشہواتِ نفسانیہ کو پُورا کرنے کے لیے استعداد فطری کو پُورا کرنا اور فیض الٰہی کے قبول کرنے سے قلب کو ضائع اور برباد کرنا مراد ہے اور اس کی سزا نارِ جہنم اور ذاتِ حق سے ہجر و فراق ہے نیز حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے تصدیق و اقرار اور کفار کے عمل سے تکذیب و کفر مراد ہے اور دُنیا میں ہر ایک دُوسرے کے عمل سے ایسے بیزار ہے کہ ان کا اجتماع محال ہے جیسے گوہ اور مچھلی آپس میں اکٹھے رہ کر گزارہ نہیں کر سکتیں اس لیے کہ گوہ کی غذا ہوا اور مچھلی کی غذا پانی ہے نیز گوہ میں قبض و یبوست ہے کیونکہ وہ جنگلی جانور ہے نیز مٹی میں بھی یبوست ہے اور گوہ مٹی کی پیداوار ہے اور مچھلی میں بسط و رطوبت ہے اس لیے کہ وہ بحری جانور ہے اور پانی میں رطوبت ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

طوطیاں خاص را قندلیست ژرف
طوطیاں عام ازیں خود بستہ طرف

کے چند درویش صورت زاں نکات
معنے است آں نے فعولن فاعلات
از خرِ عیسےٰ دریغش نیست قند
لیک خر آمد بخلقت کے پسند
بال بازاں را سوئے سلطان برد
بال زاغاں را بگورستاں برد

ترجمہ: خاص طوطیوں کو کھانڈ خالص نصیب ہوتی ہے لیکن عام طوطیوں کے وہاں نہیں جانے دیا جاتا۔ ظاہری صورت رکھنے والے درویش ایسے نکتے کب کہہ سکتے ہیں اس لیے کہ وہ نکتے تو معانی ہیں نہ کہ صرف لفظی گردان (فعولن فعولات) وغیرہ۔ عیسیٰ کے خر سے تو قند روکی نہیں جائے گی لیکن لفظ خر مخلوق کو ناپسند ہے، بازوں کے بال سلطان کی طرف لے جائیں گے لیکن کوّوں کے بال گورستان میں لے جاتے ہیں۔

وَمِنْهُمْ اور ان مکذبین میں بعض مَّنْ وہ لوگ ہیں يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ؕ جب آپ قرآن پاک کی تلاوت کرتے یا اس کے احکام کی تعلیم دیتے ہیں تو وہ لوگ صرف ظاہری طور آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور ان کے دل کے کان دُنیا کی محبت اور نفسانی خواہش سے معمور ہیں اور زیادہ تر ادھر مشغول ہیں اس لیے جسے جس کی محبت ہوتی ہے وہ دُوسرے امور کے دیکھنے سے اندھے اور ان کے سننے سے ان کے کان بہرے ہوتے ہیں اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ ہمزہ استفہام انکاری اور فاد کا فعل مقدر پر عطف ہے دراصل ایستمعون الیک فانت تسمعھم تھا، کیا وہ آپ سے سُنتے ہیں تو آپ انھیں سناتے ہیں یعنی کیا انھیں سنانے کی قدرت رکھتے ہیں حالانکہ اللہ تعالےٰ نے ان کے بُرے اعمال کی وجہ سے ان کے دل اندھے کر دیے ہیں۔

والمنکرھو وقوع الاسماع لا الاستماع
فانہ امر محقق [1]

آیت میں اسماع کی نفی ہے نہ استماع یعنی نہ سننے کی اس لیے کہ وہ تو امر محقق ہے۔

وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ○ اگرچہ وُہ کچھ نہیں سمجھتے یعنی ان میں بہرہ پن پہلے سے ہے پھر عدم تعقل بھی ساتھ شامل کر لیا جائے تو کسی کام کے نہیں رہیں گے اس لیے صرف بہرہ پن ہو تو بات سمجھنے کی صلاحیت مفقود نہیں ہوجاتی بلکہ بسا اوقات کان میں کچھ معمولی سی آواز پہنچ جائے تو بہرہ بات کو سمجھ جاتا ہے لیکن جب سمع و تعقل دونوں مفقود ہوں تو بندہ ہر لحاظ سے بیکار سمجھا جاتا ہے وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ؕ اور ان میں سے بعض اس ظاہری آنکھ سے آپ کو دیکھتے ہیں اور آپ کی نبوت کے واضح دلائل کا معائنہ بھی کرتے رہتے ہیں لیکن چونکہ وُہ بصیرت کے اندھے ہیں اسی لیے گویا وہ کچھ دیکھتے

---

[1] روح البیان ج ۴ ص ۴۸ اس سے وہابی دیوبندی مودودی غلام خانی غیر مقلدین اور نیچری نجدی ٹولہ کا رد ہے کہ وہ سماع موتیٰ کے منکر ہیں۔

ہی نہیں اَفَاَنْتَ تَہْدِی الْعُمْیَ، العمی اعمٰی کی جمع ہے یعنی کیا آپ اندھوں کی رہبری کر سکتے ہیں یعنی باوجودیکہ آپ راہِ حق کی باتیں انھیں بتاتے ہیں وَلَوْ کَانُوْا لَا یُبْصِرُوْنَ○ لیکن وُہ کچھ نہیں دیکھ سکتے یعنی وُہ نہ صرف بصارت کے اندھے ہیں بلکہ بصیرت سے بھی محروم ہیں۔

سوال: بصیرت کے اندھے تو تھے ہی، لیکن تم نے انہیں بصارت کے اندھے بھی کہہ دیا اور یہ واقعہ اور حقیقت کے بھی خلاف ہے۔

جواب: اس لیے کہ شئے کو دیکھنے سے عبرت کا حصول مقصود ہوتا ہے اور وُہ بصیرت سے ہوتا ہے۔ جب وہ بصیرت کھو بیٹھے تو گویا ان سے بصارت ضائع ہوگئی۔ یہی وجہ ہے بصیرت رکھنے والا نابینا بہت سے امور سے واقف ہوتا ہے بخلاف بصیرت کے اندھے کے وہ مقصودِ اعظم سے محروم رہتا ہے۔ کفار میں چونکہ بصیرت نہیں تھی اسی کے ساتھ حق باتوں کے نہ دیکھنے سے اندھے رہ کر ہدایت کی راہ سے محروم ہوگئے۔

ف: اللہ تعالےٰ نے کفارِ مکہ کو کاذب، اندھے اور بہرے سے اس لیے تشبیہ دی ہے کہ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بُغض و عداوت سے نہ آپ کے کلام کے محاسن کو سُن سکے اور نہ آپ کی نبوت کے دلائل دیکھ سکے جیسے اندھا اور بہرہ کسی کے کلام کے محاسن سُن سکتا ہے نہ کسی کی اچھی صورت کے خدوخال اور اس کے حسن و جمال کو دیکھ سکتا ہے کفار کا یہی حال تھا۔

نکتہ: سمع کی نفی میں عدمِ تعقل اور بصر کی نفی میں عدمِ ادراک لانے میں اشارہ ہے کہ باطنی امور کو ظاہری امور پہ فضیلت ہے۔

ازالہ وہم چونکہ کفار اپنے کرتوتوں سے عقلی کمزوریوں کے انتہا کو پہنچ کر فلاح و نجات کے قابل بھی نہ رہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان سے ہدایت قبول کرنے کا مادہ ہی ختم کر دیا جیسے طبیب کسی بیمار کو لاعلاج پاتا ہے تو اس کے علاج کی تمام کارروائیاں ختم کر دیتا ہے ایسے ہی کافروں کا حال ہے۔

(اس سے کمیونسٹ اور مغربیت زدہ لوگوں کا رد ہو گیا جبکہ کہتے ہیں کہ کفار سے ہدایت کی ناامیدی کیوں جب کہ اللہ تعالےٰ قادر ہے تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ یہ دنیا عالمِ اسباب ہے اس میں جس طرح کا سبب ہوگا ویسے ہی حکم) اضافہ اویسی غفرلہ

ف: جب وُہ ہدایت کے قابل نہیں تو ان سے وحشت ضروری ہے اور ہر متوحش سے دُوری و بیزاری لازمی اسی لیے کہ کفار اپنے کفر پر اصرار و تکذیب پہ ٹوٹ پڑنے سے اس قابل نہیں کہ ان سے انس یا دوستی کا دم بھرا جائے۔ لہ

لہ یہی بات ہم بدمذہبوں کے متعلق کہتے ہیں کہ ان میں بدمذہبی راسخ ہو چکی اسی لیے ان سے بیزاری ضروری۔ فافہم لاتکن من الجاہلین۔

لطیفہ کسریٰ کے وزیر جناب یونان نے کہا:
پانچ چیزیں ضائع ہو جاتی ہیں:

- ○ بارش شور والی زمین پر
- ○ سورج کی روشنی میں دیا جلانا
- ○ نابینا کی حسین و جمیل عورت
- ○ لذیذ طعام بیمار کے لیے
- ○ مرد عاقل ناقدر شناس لوگوں میں

تفسیر عالمانہ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ النَّاسَ شَیْئًا بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا یعنی ان کے حواس و عقول نہیں چھینتا وَلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ○ لیکن وہ اپنی جانوں پر خود ظلم کرتے ہیں یعنی وہ اپنے حواس و عقول کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مناظر پر استعمال نہیں کرتے اسی وجہ سے وہ ان کے منافع و فوائد سے محروم ہیں۔ ؎

چشم از برائے دیدن آیات قدرت است
گوشے از پے شنیدن اخبار حضرت است
ہر گز کہ حق نہ بیند و حق نشنود کسے
کور و کر است بلکہ ازاں ہم بتر بسے

ترجمہ: آنکھ آیات قدرت کے دیکھنے کے لیے عنایت ہوئی اور کان حضرت کے اخبار سننے کے لیے دیے گئے جو حق کو نہ دیکھتا اور نہ سنتا ہے وہ اندھا اور بہرا بلکہ ان سے بھی بدتر ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے:
ان اللہ لا یظلم الناس یعنی اللہ تعالیٰ ہدایت اور فیض ایمان کے قبول کرنے کی استعداد نہ دے کر ظلم نہیں کرتا نہ خود ہی ان سے استعداد چھین لے اور پھر فرمائے کہ فیض ایمان اور ہدایت قبول کرو بلکہ انھیں فطرت الٰہی سے ہدایت اور فیض ایمان قبول کرنے کی استعداد عطا فرمائی ولکن الناس انفسہم یظلمون لیکن وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں کہ اوامر و نواہی شرعیہ کی مخالفت کر کے اپنی استعداد خود بخود ضائع کر دی ہے۔

مسئلہ: اس آیت سے ثابت ہوا کہ بندے کو اپنے کردار کے کسب کا اختیار ہوتا ہے وہ بالکل مسلوب الاختیار نہیں جیسا کہ جبریہ کا مذہب ہے پھر جو کسی شے میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کے مطابق عمل کرتا ہے۔

حکایت مثنوی شریف

۵

عاشق بودہ است در ایام پیش
پاسبان عہد اندر عہد خویش
سالہا در بندہ وصل ماہ خود
شاہ مات و مات شہنشاہ خود
عاقبت جویندہ یابندہ بود
کہ فرج از صبر زایندہ بود
گفت روزے یار او کامشب بیا
کہ بپختم از پے تو لوبیا
در فلان حجرہ نشیں تا نیم شب
یا بیایم نیمشب من بے طلب
مرد قربان کرد و نانہا بخش کرد
چون پدید آمد مہش زیر گرد
شب دران حجرہ نشست آن کرم دار
بر امید وعدہ آن یار غار
بعد نصف اللیل آمد یار او
صادق الوعدانہ آن دلدار او
عاشق خود را فتادہ خفتہ دید
اندکے از آستین او درید
گردگانی چندش اندر جیب کرد
کہ تو طفلی گیر این می باز نرد
چون سحر از خواب عاشق جہید
آستیں و گردگانہا را بدید
گفت شاہ ما ہمہ صدق و وفاست
آنچہ بر ما می رسد آن ہم زماست

گفت شاہ ما ہمہ صدق و وفا ست
آنچہ بر ما می رسد آں ہم ز ماست
خواب را بگذار امشب اے پسر
یک شبے بر کوئے بے خواباں گزر
بنگر ایں ہا را کہ مجنوں گشتہ اند
ہمچو پروانہ بوصلت کشتہ اند

خلاصہ حکایت مذکورہ

ایک شخص ماہ رو پر عاشق ہوگیا تو معشوق کے وصال کی خاطر کئی سالوں تک شدائد و مصائب برداشت کیے بالآخر قسمت جاگ اُٹھی۔ ایک دفعہ محبوب سے ملاقات ہوگئی۔ محبوب نے فرمایا: فلاں مقام پر میرا انتظار کرنا میں تمہیں آدھی رات کے بعد ملوں گا۔ وہ انتظار میں بیٹھے بیٹھے سو گیا۔ معشوق اپنے وعدہ کے مطابق تشریف لایا لیکن عاشق سو چکا تھا۔ معشوق نے نشانی کے طور پر چند کوڑیاں اس کی جیب میں ڈالیں اور یہ کہہ کر چلا گیا کہ تم اس راہ میں ابھی بچے ہو اور بچوں کے کھیلنے کی ایسی چیزیں ہوتی ہیں جو میں تمہیں دے کر واپس جا رہا ہوں۔ صبح کو عاشق جب بیدار ہُوا اور جیب میں وہ کوڑیاں دیکھیں اور محبوب کا خط بھی پڑھا اور کفِ افسوس ملتا ہُوا کہنے لگا کہ میرا دوست تو وعدے کا سچا تھا لیکن میری بدقسمتی کہ میں اپنی غفلت کی وجہ سے زیارتِ محبوب سے محروم رہا۔

آخر میں مولانا علیہ الرحمۃ نے نصیحت کرتے ہُوئے فرمایا کہ "نیند کو چھوڑ کر کبھی بے خواب لوگوں کے ہاں بھی چل کر دیکھو کہ وہ مجنوں بنے بیٹھے ہیں بلکہ پروانوں کی طرح جلے بھنے پڑے ہیں"۔ ایقظنا اللہ و ایاکم و نور محیانا و محیاکم ولا یجعلنا من الغافلین الضالین الظالمین۔ (آمین ثم آمین)

تفسیر عالمانہ

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ يَوْمَ منصوب بفعل مقدر ہے هُمْ کی ضمیر کفارِ مکہ کے لیے ہے، یعنی اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! کفارِ مکہ کو یاد دلا کر ڈراؤ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اٹھا کر ایک میدان میں جمع کرے گا كَاَنْ مخففہ ہے اس کا اسم محذوف ہے دراصل کانّہم تھا گویا وہ لَمْ يَلْبَثُوْا وہ دُنیا یا قبور میں نہیں ٹھہرے اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ مگر دن کی ایک گھڑی۔

ف: یہ جملہ اوقات میں سے تھوڑے وقت کے لیے بطور کہاوت بولا جاتا ہے۔

سوال: نہار کی تخصیص کیوں؟

جواب: بہ نسبت رات کی گھڑیوں کے دن کی گھڑیاں اعرف ہیں بنا دریں نہار کی تخصیص کی گئی۔ کان لم یلبثوا یحشرھم کی ضمیر مفعول سے حال ہے اب عبارت یُوں ہوں گی: یوم یحشرھم مشبھین بمن لم یلبث الخ۔

سوال: اتنی طویل مدت کو وہ قلیل کیسے سمجھیں گے؟

جواب: انسان کو جب دُکھ درد پہنچتا ہے تو گزشتہ اوقات چاہے کتنے طویل اور آرام سے کیوں نہ گزارے ہوں لیکن دُکھ درد کے وقت سب بھول جاتے ہیں اور وُہ ایسے محسوس کرتا ہے گویا اس کے لیے ایامِ گزشتہ تھے ہی نہیں یا تھے تو چند گھڑیاں۔

استدلال اہلِ اعتزال تفسیر زاہدی میں ہے کہ معتزلہ اپنے دعوے کی دلیل اسی آیت کو بناتے ہیں. چونکہ وُہ عذاب و ثواب قبر کے منکر ہیں اسی لیے آیت ہذا سے استدلال کرتے ہُوئے کہتے ہیں کہ کفار کو اگر قبر کا عذاب ہوتا تو ان پر الا ساعۃ من النھار کیسے صادق آتا ہے اس لیے کہ لیل و نہار عالمِ دُنیا سے متعلق ہیں قبر میں لیل و نہار کیسے؟

جوابِ۱ از اہلسنّت: پہلے عرض کیا گیا ہے کہ یہاں پر یہ جملہ اپنے حقیقی معنے پر نہیں بلکہ کہاوت کے طور معمولی گھڑی پر استعمال ہوا ہے یہاں پر لیل و نہار سے اسے کوئی تعلق نہیں دنیا و برزخ دونوں کو ملا کر معمولی گھڑی سے تعبیر کیا گیا ہے وہ اس لیے کہ عذاب شدید کے سامنے خفیف تر نسیاً منسیا بلکہ بسا اوقات کالعدم ہوتا ہے پہلے تو یاد نہیں رہتا اگر کچھ یاد ہوتا ہے تو معمولی۔ چونکہ آخرت کا اتنا سخت عذاب ہوگا تو اس کے مقابلے میں دنیا اور برزخ کا عذاب انہیں اتنا ہی یاد ہوگا جتنا قرآن مجید نے بیان فرمایا ہے

جوابِ۲ از صاحب رُوح البیان: چونکہ کفار دنیا میں اکثر ناز و نعمت سے گزارتے رہے ویسے بھی عالمِ دنیا کی زندگی ہوا کی طرح گزرتی چلی گئی۔ پھر برزخ میں کسی کافر کو عذاب ہُوا یا نعمت نصیب ہُوئی وہ معمولی محسوس ہوگی بہ نسبت آخرت کے عذاب و نعمت کے کہ عذاب ہوگا تو سخت سے سخت تر اور نعمتیں ہوں گی تو اعلیٰ سے اعلیٰ تر، پھر ظاہر ہے کہ ادنیٰ کب یاد رہتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ سالک پر لازم ہے کہ وہ اس عالمِ دنیا کے تنگ و تاریک ماحول کو چھوڑ کر عالمِ آخرت کی طرف رجوع کرے اس لیے کہ عالمِ دنیا کون و فساد اور فنا کو چاہتا اور تناہی ہے اور عالمِ آخرت وسیع ترین اور باقی اور لامتناہی ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ عالمِ دنیا بہ نسبت عالمِ آخرت کے لاشئے اور نہایت اقل قلیل ہے۔

ف: حشر کی دو اقسام ہیں:

○ عام
○ خاص

عام یومِ نشور میں اجسام کا قبور سے نکل کر قیامت کے میدان میں حاضر ہونا،

خاص، ارواحِ اُخرویہ کا قبورِ اجسامِ دنیوی سے نکل کر سیر و سیاحت کے لیے عالمِ روحانیت کی طرف جانا۔ اس لیے کہ یہ لوگ صفاتِ نفسانیہ کو مٹا کر دنیوی موت سے پہلے ہی مر چکے ہوتے ہیں اسی لیے ان کے حشر کا معنیٰ وہی موزوں ہے جو مذکور ہوا۔

ف : حشرِ اخص قبورِ انانیت روحانیہ سے نکل کر ہویت ربانیہ میں داخل ہونا۔ کما قال :

یوم نحشر المتقین الی الرحمٰن وفدا۔

یعنی اس دن ہم ان کو رحمٰن کی طرف وفد بنا کر اُٹھائیں گے۔

تفسیر عالمانہ

یَتَعَارَفُوْنَ بَیْنَهُمْ ط جیسے وہ دُنیا میں ایک دُوسرے کو پہچانتے تھے ایسے ہی قبروں سے اٹھ کر ایک دوسرے کو پہچانیں گے گویا وہ موت کی وجہ سے ایک دوسرے سے غیر متعارف نہیں ہوئے۔ موت کے بعد کی درمیانی جُدائی ان کے تعارف سے حائل نہیں ہوگی۔

ف : یہ قبور سے اُٹھنے کے بعد کی بات ہے ورنہ جب میدانِ محشر میں جمع ہوں گے اور عذاب کی ہولناکیوں کو دیکھیں گے تو پھر ایک دُوسرے کو پہچان نہیں سکیں گے بلکہ اکثر ایک دُوسرے سے بیزاری کا اظہار کریں گے (انبیاء و اولیاء اس کلیہ سے مستثنیٰ ہیں)

ف : گویا یہ علیحدہ علیحدہ صُورتیں ہیں قبور سے اُٹھنے کی حالت علیحدہ ہے اس میں ایک دوسرے کا تعارف ہوگا پھر محشر میں تعارف منقطع ہو جائے گا۔ حساب و کتاب کے بعد دوزخی بہشتی اپنی منازل میں چلے جائیں گے تو اس کے بعد بدستور سابق ایک دُوسرے کو پہچانیں گے۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے ان کے گھاٹے کے سودے کو ظاہر فرمایا ہے کہ جو لوگ قیامت میں اللہ تعالےٰ کے ہاں حاضر ہونے کے منکر ہیں وہ سخت گھاٹے میں ہیں اس لیے کہ قیامت کے حساب و کتاب اور سزا و جزا کا انکار کر کے جہنم کے مستحق ہوئے وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِیْنَ ۝ اپنی تجارت میں صحیح راہ نہ پا سکے اس لیے کہ ایمان بیچ کر کفر اور تصدیق کے بدلے تکذیب کے خریدار بنے اس سودے سے انھیں نفع کے بجائے گھاٹا نصیب ہُوا۔ وقت بھی نکل گیا کہ پھر اب انھیں نفع کمانے کا موقعہ بھی نہیں ملے گا۔ ؎

چہ خوش گفت با کودک آموزگار
کہ کارے نکردیم و شد روزگار

ترجمہ : استاد نے شاگرد سے درست فرمایا کہ بیٹا ! ہم کوئی کام نہ کر سکے اور وقت بھی گزر گیا۔

وَ اِمَّا نُرِیَنَّكَ دراصل ان نرك تھا ما زاید شرط کے معنی کی تاکید کے لیے واقع ہُوا ہے یعنی اگر ہم آپ کو دکھائیں یا ظاہر کر دیں بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ عذاب کا کچھ حصہ جس سے ہم انہیں ڈراتے ہیں یعنی جیسے بدر میں ہم نے

کر دکھلایا اسی طرح اگر آپ کی زندگی میں ان پر عذاب کا کچھ حصّہ نازل کر دیں تو ہم قادر ہیں اور وہ عذاب معجل آ سکتا ہے

ف : شرط کی جزا یہاں پر محذوف ہے۔ ای فذاك هو المامول و انا الیهم مقتدرون۔

سوال ؛ جزا محذوف کیوں ہے ؟

جواب : چونکہ وہ اتنا واضح المعنی ہے کہ اسے ظاہر کر کے لانے کی ضرورت ہی نہیں۔

اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ یا ان پر عذاب دکھلانے سے پہلے آپ کو ہم دُنیا سے اٹھا لیں فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ تو ان کا ہماری طرف لوٹنا ہے لیکن مجبور محض ہو کر آئیں گے پھر ہم آپ کو ان کا عذاب میں مبتلا ہونا دکھلائیں گے اس لیے کہ ہم ان سے کفر کا بدلہ ضرور لیں گے اور اس کی صورت یہی ہے کہ وہ عذاب میں مبتلا ہوں دنیا میں یا آخرت میں۔ فالینا مرجعهم ، نتوفینك کا جواب ہے اس لیے کہ ان کا اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا موت کے بعد ہوگا اس لیے فالینا مرجعهم شرط کا جواب نہیں بلکہ نتوفینك کا جواب ہے ہماری اس تقریر کی تائید آیت فاما تذهبن بك فانا منهم منتقمون او نرینك الذی وعدناهم فانا علیهم مقتدرون سے ہوتی ہے یہ آیت سورہ زخرف میں ہے یعنی اگر ہم آپ کو دنیا سے اٹھا لیں تو بھی ہم ان سے بدلہ لیں گے یا آپ کو آپ کی دنیوی زندگی میں ان پر عذاب نازل ہونا دکھائیں تو بھی ہم قادر ہیں۔ اصول تفسیر کا قاعدہ ہے کہ قرآن کی آیات ایک دُوسری کی تفسیر ہوا کرتی ہیں۔

صاحبِ رُوح البیان فرماتے ہیں کہ میری رائے یہی ہے اور یہی مؤید و مؤکد ہے ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ○ پھر اللہ گواہی دے گا ان کے ان اعمال کی جن کا ارتکاب دُنیا میں کرتے تھے۔

ف : یہاں شہادت سے اس کا نتیجہ اور مقتضیٰ مراد ہے یعنی جزا و سزا، جیسا کہ اسے ثم الینا مرجعهم کے بعد لفظ ثم کے ساتھ لانے سے اسی معنے کی تائید ہوتی ہے اگر شہادت کو اپنے حقیقی معنے میں لیا جائے تو ترتیب مذکور غیر مناسب ہے کیونکہ ان کی تکذیب اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنا اور ان کے دیگر جملہ قبائح کو اللہ تعالیٰ جیسے رجوع کے وقت جانتا ہے انھیں پہلے بھی جانتا تھا پھر الینا مرجعهم لانے کا کیا فائدہ۔ وہ اس وقت مفید ہوتا ہے جبکہ شہادت سے مجازاً بمعنے جزا و سزا وغیرہ مراد لی جائے۔

ف : کواشی میں ہے ثم بمعنے واؤ یا ترتیب اخبار کے لیے آتا ہے جیسے زید قائم ثم هو کریم۔

ف : ان سے عذاب کو مؤخر کرنا عجز کی دلیل نہیں بلکہ مبنی بر حکمت ہے ورنہ وہ تو عذاب بھیجنے پر ہر وقت بہت بڑی قدرت رکھتا ہے۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ گزشتہ اُمتوں میں ہر ایک اُمت کا رسول مبعوث ہوا جس نے انہیں شریعت کے وہی احکام بتائے جو ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے نازل ہوئے تاکہ احکام کے ذریعے انھیں وصالِ حق کی دعوت دی جا سکے فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ پس جب ان کے ہاں رسول علیہ السلام معجزات۔ لے کر تشریف لاتے تو دو لوگ اپنے

رسول علیہ السّلام کی تکذیب کرتے قُضِیَ بَیْنَھُمْ تو ان کے مابین یعنی رسول علیہ السلام اور اُن کی اُمت کے مابین فیصلہ ہوجاتا بِالْقِسْطِ انصاف کے ساتھ یعنی رسول علیہ السّلام اور ان پر ایمان لانے والوں کے لیے نجات اور تکذیب کرنے والوں کے لیے عذاب یعنی تباہی بربادی وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ○ اور ان پر اس فیصلے سے ظلم نہ تھا بلکہ عین عدل تھا اس لیے کہ اپنے بُرے اعمال کی وجہ سے وہ اسی عذاب کے مستحق تھے ۔

سوال : آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانہ میں ہر اُمت کے لیے رسول بھیجے گئے حالانکہ زمانۂ فترت میں نہ ان کے ہاں رسول آیا نہ وہ برباد ہوئے ۔ حالانکہ غلط کاریوں میں وُہ بھی سابقہ اُمتوں سے پیچھے نہیں تھے ۔ قرآن پاک کی آیت لتنذر قوما ما انذر آباءھم میں بھی اسی طرف اشارہ ملتا ہے ۔

جواب : آیت کا معنےٰ یہ ہے کہ ہر امت کے لیے ہلاکت اور تباہی مقدر کی گئی ہے خواہ انھیں کسی رسول علیہ السلام کے ذریعے سے عذابِ خداوندی سے ڈرایا جائے یا نہ اہلِ فترت کو عذاب میں اس لیے مبتلا نہ کیا گیا کہ عرب میں اسمٰعیل علیہ السلام کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی رسول مبعوث نہیں ہوا جب ہمارے نبی پاک شہِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم عرب میں مبعوث ہُوئے تو کفّار نے آپ کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے انھیں بدر میں عذاب میں مبتلا کیا ، چنانچہ وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی رسالت کے احکام کا اجرأ تو دوسرے انبیاء علیہم السلام کی نبوّت کی طرح اُن کے وصال کے بعد منقطع ہوگئے یہ صرف ہمارے نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا خاصہ ہے کہ آپ کی نبوت غیر منقطع ہے ۔ (کذا فی انسان العیون)

ف : اس تقریر سے ابن الشیخ کے خیال کا رد ہوگیا وُہ کہتے ہیں کہ ضروری نہیں کہ ہر اُمت میں رسول موجود ہو اس لیے کہ پہلے رسول کے احکام دوسرے رسول کی تشریف آوری تک جاری رہتے ہیں جیسے ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں مبعوث ہُوئے ان کا وصال ہوگیا لیکن ان کے احکام تاابد جاری رہیں گے ۔ اس قول کا رد اُوپر ہم نے بیان کر دیا کہ دُوسرے رُسل کرام علیہم السلام کے احکامات ان کی زندگی کے بعد ختم ہوجاتے ہیں ۔ یہ ہمارے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے کہ ان کے احکامات تاابد جاری رہیں گے ۔

ف : اہلِ فترت کو عذاب ہوگا یا نہیں ۔ اس کی تفصیل ہم نے سورۂ توبہ کے آخر میں عرض کر دی ہے ۔

فائدہ صوفیانہ ہر رسول کی ایک وحی ظاہری ہوتی ہے ، ایک باطنی ، جسے الہام الٰہی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور قاعدہ ہے کہ جو کچھ انبیاء علیہم السلام کے لیے معجزہ واقع ہوسکتا ہے وہی اولیاء کرام علیہ الرحمۃ والغفران کے لیے بطور کرامات کے واقع ہوتا ہے ہر رسول علیہ السلام کی تشریف آوری ظاہری باطنی وحی سے ہوتی ہے ۔ جو ان کی تصدیق کرتا ہے اسے تصدیق کے مطابق سعادت نصیب ہوتی ہے ، جو ان کی تکذیب کرتا ہے اسے اس کے کذب کے مطابق شقاوت حاصل ہوتی ہے ۔

؎

ہر کسے از ہمت والائے خویش
سود دارد و خور کالائے خویش

ترجمہ: ہر شخص کو اپنی ہمت کے مطابق نفع نصیب ہوتا ہے۔

نصیحت از صاحبِ روح البیان اور ردّ وہابیہ و دیوبندیہ انبیاء و اولیاء علیٰ نبیّنا علیہم السلام کو تہہِ دل سے ماننا اور ان کے ہر ارشاد کی تصدیق اور اتباع کرنے سے انسان کو ہر طرح کی سعادت و کامرانی و کامیابی نصیب ہوتی ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ قیامِ قیامت کو ناممکن سمجھ کر یا استہزاء کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

شانِ نزول مروی ہے کہ جب آیت وَ اِمَّا نُرِيَنَّكَ (الآیہ) نازل ہوئی تو کفارِ مکہ نے کہا: اے نبی علیہ السلام (صلی اللہ علیہ وسلم)! جس عذاب سے تم ہمیں ڈراتے ہو وہ لا کر دکھاؤ۔

ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ وہ وعدہ کب پورا ہوگا یعنی جس عذاب کے متعلق کہتے ہو وہ جلد تر آئے گا ہمیں اس سے کسی قسم کا خطرہ نہیں اِنْ كُنْتُمْ اے نبی علیہ السلام اگر تم اور تمہارے متبعین صٰدِقِيْنَ ○ اس وعدے میں سچے ہو تو اپنے رب سے کہو کہ وہ لائے وہ عذاب قُلْ لَّآ اَمْلِكُ فرمائیے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! میں ذاتی طور مالک نہیں یعنی میں ذاتی طور اس کی قدرت نہیں رکھتا۔

سوال: تم نے ملک کا معنیٰ قدرت کیوں بتایا؟

جواب: قدرت ملک کو لازم ہے اسی لزوم پر ہم نے ملک کا معنیٰ قدرت کیا ہے۔

لِنَفْسِيْ ضَرًّا اپنے نفس کے لیے نقصان کہ میں ذاتی طور اسے دفع کر سکوں وَّلَا نَفْعًا اور نہ ہی ذاتی قدرت رکھتا ہوں کہ میں کچھ اپنے لیے نفع حاصل کر سکوں۔ جب میں خود اپنے لیے ذاتی طور نفع و نقصان کی قدرت نہیں رکھتا تو پھر تمہارے لیے عذاب کیسے لا سکتا ہوں اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ (یہ استثناء منقطع ہے یعنی تمہارے اوپر عذاب اس وقت آئے گا جب اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ چونکہ اس نے تمہارے لیے عذاب کی کوئی تاریخ معین نہیں کی اسی لیے اگر ابھی تمہیں عذاب نہ ہو تو اس کا معنیٰ یہ نہیں کہ اس نے وعدہ کا خلاف کیا۔ ہاں جب وہ چاہے گا تو تم پر عذاب واقع کرے گا تو پھر اسے کوئی نہیں روک سکے گا کما قال لِكُلِّ اُمَّةٍ ہر اس امت کے لیے کہ جس کے اور نبی علیہ السلام کے درمیان فیصلہ ہو چکا اَجَلٌ (میعاد مقرر ہے کہ جس امت کا عذاب جس طرح متعین ہوا اسی کو پہنچے گا ان سے متجاوز ہو کر دوسری امت کو نہیں پہنچے گا۔

اور جس طرح کا عذاب مقرر ہوا ویسے ہی ملے گا بوجہ اپنے رسول علیہ السلام کی تکذیب کے اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ جب ان کا خاص معین عذاب کا وقت آتا ہے فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً تو وہ اپنے مقررہ وقت سے پیچھے نہیں ہوں گے۔

ف: صیغہ استقبال میں اشارہ ہے کہ باوجودیکہ عذاب کا مطالبہ خود کریں گے لیکن نزول عذاب کے وقت انہیں طاقت نہیں ہو گی کہ اسے وقت مقرر سے مؤخر کر سکیں۔

وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ○ اور نہ وہ آگے ہو سکیں گے اسی لیے عذاب کی عجلت نہ کریں کیونکہ جب اس کا وقت آئیگا اور ہم اپنے وعدہ کے مطابق عذاب بھیجیں گے تو انھیں کسی قسم کی مہلت نہیں ملے گی۔ اس کا عطف ولا یستاخرون پر ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں تاخر کی طرح نفی نہیں کہ وہ فی نفسہ مقدم و موخر نہ ہو سکتے ہوں بلکہ اس میں مبالغہ مطلوب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ عذاب مقدر کرے گا تو اس کا عدم وقوع عقلاً محال ہے۔ قُلْ اَرَءَيْتُمْ فرمایئے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے خبر دو۔

سوال: ارءیتم کا تم نے اخبرونی معنے کیوں کیا؟

جواب: رؤیت اخبار کا سبب ہے اسی لیے ہم نے سبب کو لے کر اخبرونی سے معنیٰ کیا ہے۔

اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ اگر تمہارے اُوپر وہی عذاب آئے جسے تم جلد مانگتے ہو بَيَاتًا رات کو اور نیند کے غلبہ کے وقت اَوْ نَهَارًا یا دن کو جب کہ تم اپنی معاش کے حصول میں منہمک ہو مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ○ شرط کا جواب ہے اور جواب کی فا محذوف ہے اس لیے کہ نحوی قاعدہ مشہور ہے کہ جب شرط کا جواب استفہام واقع ہو تو جواب پر فاء کا ہونا واجب ہوتا ہے ہاں بوقتِ ضرورت اسے حذف کرنا جائز ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے کافرو! کون سے عذاب کی تم عجلت کرتے ہو۔ عذاب تو مانگنے کی شے نہیں اس کی سختی اور کڑواہٹ کو سُن کر طبائع گھبراہٹ محسوس کرتی ہیں اور عذاب کا نام سُن کر دل بیقرار ہو جاتے ہیں یا یہ معنے ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تم کس چیز کی عجلت کرتے ہو۔ جب شے آتی ہے تو اس کی عجلت کا سوال بے سُود ہو جاتا ہے۔ اس میں مبالغہ ہے بایں معنیٰ کفار کا عجلت کرنا کسی قطار میں نہیں جب عذاب کا نزول ہو گا تو ان کو عجلت کا تصور تک بھی نہ رہے گا اور عذاب اگرچہ ابھی نازل نہیں ہوا لیکن مبالغہ سے ظاہر کیا گیا ہے کہ گویا ان پر نازل ہو ہی گیا۔ المجرمون ضمیر کی بجائے ظاہر کر کے لایا گیا ہے انکار کے بیان کرنے سے ہے تاکہ ان کے حال کا تضاد واضح ہو کہ جونہی عذاب نازل ہوتا ہے مجرم کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ گھبراہٹ سے اپنے نا بستہ تصورات بھول کر جزع فزع میں مشغول ہو جاتا ہے اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ حرف استفہام کو حرف ثم پر داخل کرنے میں اشارہ ہے کہ ان کے عذاب کو تاخیر نہیں یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! فرمایئے کہ جب تمہارے اوپر عذاب واقع ہوا تو کیا تم اُسی وقت ایمان لاؤ گے لیکن یاد رکھو اس وقت تمہارا ایمان لانا تمہیں کام نہیں آئے گا۔ نسخہ: ہمزہ ثانیہ کو الف سے تبدیل کر کے مد لائی گئی جس کا ایسے مقام پر آنا ضروری ہے

دراصل أَ آلْاٰنَ تھا اس لیے کہ پہلا ہمزہ استفہامیہ ہے اور یہ امنتم مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔ مذکورہ امنتم سے اُسے کوئی تعلق نہیں اس لیے کہ نہ استفہام کا ماقبل مابعد پر عمل کر سکتا ہے نہ مابعد ماقبل پر۔ یہ جملہ مستانفہ ہے لسے قبل مذکور سے کوئی تعلق نہیں گویا کفار نزولِ عذاب کے وقت ایمان لائیں گے تو انھیں کہا جائے گا آلْـٰٔنَ الخ یعنی اب عذاب کے معائنہ پر ایمان قبول کر رہے ہو ایسا ایمان بارگاہِ حق میں قابلِ قبول نہیں وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ۝ حالانکہ اس سے قبل تم تکذیب و استہزاء کرتے ہوئے اسی عذاب کی عجلت کا مطالبہ کرتے تھے ثُمَّ قِيْلَ اس کا عطف آلْـٰٔنَ سے پہلے کے فعل مقدر پر ہے لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا پھر اُنھیں کہا جائے گا جنھوں نے ظلم کیا یعنی تصدیق کے بجائے تکذیب کی اور ایمان کے بجائے کفر کیا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ دائمی عذاب کا مزہ چکھو یعنی ایسا عذاب کہ اس میں تمہیں ہمیشہ مُبتلا رکھا جائے گا اس لیے کہ وُہ پہلے عذابِ قبر میں مبتلا رہیں گے پھر اُنھیں آخرت کے عذاب کی طرف لایا جائے گا اور یہ عذاب ان سے منقطع نہیں ہوگا۔ ؎

تہ پنداری کہ بدگو رفت و جان برد
حسابش کرام، کاتبین است

ترجمہ: خیال مت کرو کہ بدبخت مر کر جان چھڑا گیا بلکہ کرامٌ کاتبین کا حساب اس کے ساتھ اب شروع ہوگا۔

هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ۝ آج کے دن نہیں جزا دیے جاؤ گے مگر بسبب اس کفر و معاصی کے جن کا تم دنیا میں ارتکاب کرتے تھے۔ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے ابتداءً عذاب کو پیدا نہیں فرمایا اس لیے کہ بندوں کی تخلیق اس لیے تا کہ ان پر رحم فرمائے بلکہ عذاب ان کے اعمال کا نتیجہ ہے اس لیے ثابت ہوا کہ اعمال باطلہ ہلاکت کا موجب ہیں اور یہ ایسے ہے جیسے کوئی زہر کھا لے۔ ؎

چو از غیر شکایت کنم کہ ہمچو حباب
ہمیشہ خانہ خراب ہوائے خویشتنم

وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اور آپ سے کفار انکار و استہزاء کے طور سوال کرتے ہوئے کہتے ہیں اَحَقٌّ هُوَ ط کیا وُہ حق ہے، ہمزہ استفہامیہ ہے حق خبر مقدم اور ھو مبتداء مؤخر ہے جملہ بن کر یستنبئونک کا محلاً منصوب مفعول ہے اس لیے کہ انباء بمعنے اخبار متعدی بدو مفعول ہے یاد رکھو کہ نحویوں میں مشہور ترین یہ ہے کہ استنباء کے مفعول ثانی پر لفظ عن ہوتا ہے مثلاً: استنبئت زیدا عن عمرو۔
یعنی میں نے زید سے عمرو کے متعلق خبر طلب کی۔

قُلْ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! کفار سے فرمایئے آپ ان کے استہزاء و انکار کو نظر انداز کیجیے اس لیے کہ اس میں بہت بڑی حکمت ہے اِیْ وَرَبِّیْٓ ای بکسر الہمزہ و سکون الیاء نعم کی طرح حرفِ ایجاب ہے لیکن یہ صرف جملہ قسمیہ میں آتا ہے جیسے لفظ ھل صرف استفہام بمعنے قد واقع ہوتا ہے اس معنے پر یہ واؤ قسمیہ ہے اب معنے یہ ہُوا کہ ہاں ایسے ہی ہوگا مجھے اپنے رب تعالٰی کی قسم اِنَّهٗ بے شک وُہ عذاب موعود لَحَقٌّ ج البتہ حق اور ثابت ہے وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ۝ اور تم اپنے رب تعالٰی کو عاجز نہیں کر سکتے جب وہ تمہارے عذاب دینے کا ارادہ فرمائے گا تو تم نہ اسے روک سکو گے نہ اس سے بھاگ سکو گے لامحالہ تمہارے اُوپر عذاب واقع ہوگا۔

وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِی الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ

اور اگر ہر ظالم جان زمین میں جو کچھ ہے سب کی مالک ہوتی ضرور اپنی جان

وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ

چھڑانے میں دیتی اور دل میں چپکے چپکے پشیمان ہوئے جب عذاب دیکھا اور ان میں انصاف سے فیصلہ

بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ (۵۴) اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی

کر دیا گیا اور ان پر ظلم نہ ہوگا سن لو بے شک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ

میں اور زمین میں سن لو بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے مگر ان میں اکثر

هُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ (۵۵) هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ (۵۶)

کو خبر نہیں وہ جلاتا اور مارتا ہے اور اسی کی طرف پھرو گے

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآ

اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آئی اور

ءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًی وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ (۵۷) قُلْ

دلوں کی صحت اور ہدایت اور رحمت ایمان والوں کے لیے تم فرماؤ

بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْیَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَیْرٌ

بھلا سلا بتاؤ تو فضل اللہ اسی کی رحمت اور اسی پر چاہیے کہ خوشی کریں وہ ان کے سب

مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ (۵۸) قُلْ اَرَءَیْتُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ

دھن دولت سے بہتر ہے تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو جو اللہ نے تمہارے لیے رزق اتارا اس میں

رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ

تم نے اپنی طرف سے حرام و حلال ٹھہرا لیا تم فرماؤ کیا اللہ نے اس کی تمہیں

اَمْ عَلَی اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ (۵۹) وَمَا ظَنُّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی

اجازت دی یا اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو اور کیا گمان ہے ان کا جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں

اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى

کہ قیامت میں ان کا کیا حال ہوگا بے شک اللہ لوگوں پر فضل کرتا ہے مگر اکثر لوگ

النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ⑩ ؏

شکر نہیں کرتے

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اہلِ غفلت پر چونکہ تعلقات کونیہ کی وجہ سے غفلت کے پردے لٹک ہوئے ہیں اسی لیے امورِ اُخرویہ انہیں محسوس نہیں ہوتے اور اہلِ حقیقت یعنی عارفین کے قلب چونکہ بیدار اور اللہ تعالیٰ کے نور سے منور ہوتے ہیں اسی لیے بصیرت کی آنکھ سے امورِ آخرت کا مشاہدہ کرتے ہیں اور آخرت کی ہولناکیوں اور اس کے حالات کو ایسے دیکھتے ہیں جیسے دنیوی امور کا ظاہری آنکھ سے معاینہ کیا جاتا ہے ان کا چشمِ بصیرت کا مشاہدہ بھی محسوس کے طور ہوتا ہے چونکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم شبِ معراج جنۃ ونار سے گزرے اور انہیں اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرمایا اور آپ پر تمام اشیا کی حقیقتیں منکشف ہو گئیں۔ بناء بریں آپ نے کفار کے موعودہ امور کے لیے قسم کھا کر فرمایا انہ لحق بے شک وہ حق اور ثابت ہے وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ بیشک ہر وہ نفس جس نے ظلم یعنی کفر کیا اگر مَا فِي الْاَرْضِ وہ جو زمین سے ہے یعنی دنیا اور اس کے تمام خزانے اور مال اس کی ملک کر دیے جائیں —— لَافْتَدَتْ بِهٖ ط وہ انہیں فدیہ کے طور دے کر عذابِ الٰہی سے نجات پانے کی جدوجہد کرے یہ افتداء بمعنے فداء سے وَاَسَرُّوا اس کا فاعل هم ضمیر راجع سوئے نفس ہے۔

سوال: نفوس پہلے مذکور نہیں تو ضمیر کیسے راجع ہوگی۔

جواب: کل نفس پہلے مذکور ہوا ہے اس کا معنے نفوس ہے۔

سوال: نفس مؤنث ہے اور ضمیر هم جمع مذکر کی۔ یہ کیسے ؟

جواب: نفس مجازاً بمعنے شخص ہے۔

سوال: اس سے تو صرف کفار مردوں کے لیے حکم ثابت ہوگا حالانکہ کفر میں مرد و زن سب برابر ہیں۔

جواب: تغلیباً مردوں میں عورتیں بھی احکام میں شامل ہوتی ہیں۔

النَّدَامَةَ یعنی کفار اپنی غلطیوں یعنی کفر و شرک کی ندامت کو چھپائیں گے لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ج جب عذاب کو دیکھیں گے۔ یعنی عذاب کو دیکھ کر اپنے کفر و شرک کو ظاہر نہیں کریں گے اس لیے کہ کمال حیرت سے بول ہی نہیں سکیں گے جیسے کسی کو سولی پہ چڑھانے کے لیے لایا جانے تو حیرت سے مبہوت ہو کر بول نہیں سکتا ایسے ہی کافروں کی حالت ہوگی

ف: الحواشی میں ہے کہ اس دن اپنی ندامت ظاہر کریں گے یعنی دھاڑیں مار کر روئیں گے اس لیے کہ وہ دن ایسا ہے

کہ دُکھ اور درد سے صبر کرنا ناممکن ہو جائے گا اور اسرار بمعنے اظہار ہے۔ چنانچہ "تبیان" میں ہے کہ اسرار لغات اضداد سے ہے (یعنی جس لفظ میں ہر دو ضد پائی جائیں اسے اضداد سے تعبیر کرتے ہیں جیسے بیع بمعنے خرید اور بیچنا وغیرہ وغیرہ)

وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ اور ان کے مابین فیصلہ کیا جائے گا۔ یعنی اللہ تعالےٰ ظالمین مشرکین وغیرہ اہلِ ظلم کا فیصلہ فرمائے گا، بایں طور کہ ان سے ان حقوق کا مطالبہ ہوگا جو انہوں نے دنیا میں حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کی حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد ہر ایک ظالم سے اس کے لائق حساب ہوگا اور اس سے حقوق کی ادائیگی کرائی جائے گی بِالْقِسْطِ انصاف کے طور وَهُمْ اور ان ظالمین پر لَا يُظْلَمُونَ ○ ظلم نہیں ہوگا جتنی غلط کاریاں اُن سے دُنیا میں سرزد ہوئی ہوں گی اسی قدر انہیں سزا ملے گی اور یہ عذاب ان کے کیے پر انہیں لازمی طور پر ہو کر رہے گا اور ان کے ظلم کا تقاضا یہی ہے۔ (کذا فی الارشاد)

سوال: قضی بینھم ایک بار پہلے مذکور ہُوا۔ اب دوبارہ کیوں لایا گیا ہے اس طرح سے تکرار لازم آگیا۔

جواب: پہلے قضی بینھم سے انبیاء علیہم السلام اور ان کے مکذبین کے مابین اور دُوسرے سے مشرکین کو شرک کی سزا کا فیصلہ مراد ہے۔

اَلَآ امام صاحب نے فرمایا کہ یہ لفظ غافلین کو متنبہ کرنے کے لیے آتا ہے وہ اس لیے کہ اس عالم دنیا کے لوگ اسباب ظاہرہ میں مشغول ہیں اور اس کی ہر شے کو کسی کی طرف مجازی ملکیت منسوب کرتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں:

الدار لزید۔ زید کی حویلی

الغلام لعمرو۔ عمرو کا غلام

السلطنة للخليفة۔ خلیفہ کی بادشاہی

التصرف للوزیر۔ وزیر کا تصرف۔ وغیرہ وغیرہ

اور وہ اس مجاز کی غفلت وجہالت سے اتنا غرق ہیں کہ ان اضافات ومنسوبات کو گویا مجاز کے بجائے حقیقت سمجھتے ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ایسے غافلین کو لفظ اَلَآ سے متنبہ فرمایا کہ خبردار اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ بیشک جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے وہ اللہ تعالےٰ کا ہے اس لیے کہ یہ مسئلہ محقق ہے کہ اللہ تعالے کے ماسوا تمام ممکن بذاتہ ہیں اور ہر ممکن لذاتہ واجب لذاتیہ کی طرف مستند ہے ابتداءً یا بالواسطہ نتیجہ نکلا کہ جمیع ماسوی اللہ تعالےٰ کی ملکیت ہیں ان میں (ایجاداً و اعداماً اثابةً واعقاباً) وہ جس طرح چاہے تصرف کرے۔

سوال: ما غیر ذوالعقول کے لیے آتا ہے آیت سے معلوم ہُوا کہ اس کی ملکیت میں صرف غیر ذوالعقول ہیں

جواب: تغلیباً ذوالعقول بھی شامل ہیں جیسا کہ تغلب کا قاعدہ ہے۔

اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ جو کچھ اللہ تعالےٰ نے ثواب وعتاب کا بندوں سے وعدہ کیا ہے وہ ثابت ہے۔ وعد بمعنے موعود اور حق بمعنے ثابت واقع ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وعد اپنے مصدری معنے میں ہے اور حق بمعنے مطابق للواقع ہے

یعنی اللہ تعالیٰ کا وعدہ مذکورہ واقع کے مطابق ہے وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لیکن وہ اپنی عقل کے قصور اور غلبۂ غفلت اور صرف محسوس معتاد کو سمجھنے کی وجہ سے ان کے اکثر لَا يَعْلَمُوْنَ۝ اس حقیقت سے بے خبر ہیں اس لیے کہ وہ صرف دنیا کے ظاہری حالات کو جانتے ہیں اس لیے وہی کہتے اور کرتے ہیں جو سب کو معلوم ہے۔ ؎

مانده در تنگنائے ایں مجلس
غیب و نیا ندیده دیدۂ حس
چشمِ دل گو کہ پردہا بدرد
جانب ملک آخرت نگرد
مرغ او در قفس زبوں باشد
چہ شناسد کہ باغ چوں باشد

ترجمہ: اس دنیا تنگ گلی کو دیکھنے کا عادی جو صرف ظاہری اور محسوس اشیاء کو دیکھتا ہے اسے کہو کہ وہ دل کی آنکھ کے پردے چاک کر کے آخرت کے ملک کو دیکھے ورنہ اس کا مرغِ دل بیکار پنجرے میں پھنسا رہے گا اسے کیا معلوم ہوگا کہ باغ کیا ہے۔

تفسیر عالمانہ هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وہی دنیا میں مارتا جلاتا ہے اس کے اس فعل میں کسی کو دخل نہیں وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۝ اور تم آخرت میں اسی کی طرف اٹھائے جاؤ گے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے: ھو یحی عدم سے ایجاد وہی بخشتا ہے ویمیت وجود سے عدم میں وہی لاتا ہے والیہ ترجعون عدم و وجود کے لحاظ سے تمہارا اسی کی طرف رجوع ہے۔

مسئلہ: انسان کو بالآخر موت آئے گی جب اس کا وقت آتا ہے تو کسی کو کوئی علم اور ہنر کام نہیں دیتا چنانچہ جب موت آئی تو آدم علیہ السلام کو علم اور ابراہیم علیہ السلام کو خُلّت اور موسیٰ علیہ السلام کو قربت اور داؤد علیہ السلام، سلیمان علیہ السلام اور ذوالقرنین کو ملک اور حضور امام الانبیاء شہِ ہر دو سرا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبت اور قارون کو مال اور نمرود کو لشکر اور یوسف علیہ السلام کو جمال کام نہ دے سکا۔

موت کی ہولناک داستان منقول ہے کہ بوقتِ موت ایک لاکھ چوبیس ہزار غم لاحق ہوتے ہیں اور اس قدر سخت کہ اگر ان میں سے صرف ایک غم اہلِ دنیا کو دے دیا جائے تو تمام اہلِ دنیا مٹ کر فنا ہو جائیں پھر مرنے کے بعد بندے کو ترلیسٹھ ہولناک امور گھیر لیتے ہیں اس کا ہر ہَول دنیا کے مذکورہ غموں کے برابر ہوتا ہے جسے ان ہولناکیوں پر یقین ہے اور اتنا مجاہدہ کرتا ہے کہ اس کے جہاد کا ہر الم موت کے تمام غموں کا بدلہ بن جاتا ہے پھر جب اسے موت آتی ہے تو اسے مذکورہ بالا غم و الم نہیں پہنچتے اس لیے کہ وہ اضطراری موت سے پہلے

اختیاری موت سے مر چکا ہوتا ہے بلکہ وہ مذکورہ مجاہدات سے اپنے مولیٰ سے واصل ہو جاتا ہے اسی لیے تمام قیود و اضافات سے فارغ ہو کر باقی باللہ کا مقام حاصل کر لیتا ہے۔ اسی لیے اہلِ تصوف فرماتے ہیں کہ نفس کی موت میں قلب کی زندگی ہے اللہ تعالےٰ ہم سب کو حیاتِ قلبی نصیب فرماتے۔

ف: اختیاری موت اولیاء اخیار رحمہم اللہ تعالیٰ کو نصیب ہوتی ہے اور اضطراری موت کمینے اور اغیار لوگوں کو ملتی ہے یُوں کہو کہ ولی اللہ کی موت وصالِ الٰہی کا دُوسرا نام ہے اور رذیل اور اغیار کی موت کو جُدائی اور ہجراں سے تعبیر کرتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

اے برادر صبر کن بر درد نیش
تا رہی از نیش نفس گبر خویش
ہر کہ مرد اندر تن او نفس گبر
مر ورا فرمان برد خورشید و ابر
نے بگفتست آں سراج امتان
ایں جہان و آں جہان چوں ضرتان
پس وصال ایں فراق آں بود
صحت ایں تن سقام جاں بود
سخت مے آید فراق ایں مقر
پس فراق آں مقرداں سخت تر
چوں فراق آں نقش سخت آید ترا
نار سخت آید ز نقاشش جدا

ترجمہ: اے برادر! درد و نیش پر صبر کر تاکہ تجھے نفس کافر کے درد و نیش سے رہائی نصیب ہو۔ جس کے جسم میں نفس کافر مر جاتا ہے تو یقین کرو کہ سورج اور بادل اس کے اشاروں پر چلیں گے تمہیں معلوم نہیں امتوں کے سراج نے فرمایا ہے کہ دُنیا و آخرت آپس میں دو سوکنیں ہیں ایک کے وصال سے دُوسری کو طلاق لازمی ہے لیکن یاد رکھو کہ آخرت کو طلاق دو گے تو سخت تکلیف اٹھاؤ گے اگر تجھے دُنیا کے طلاق دینے میں تکلیف محسوس ہوتی ہے تو پھر سمجھ لیجئے کہ آخرت کی نار کی سختی سے دوچار ہونا پڑے گا اور وہ نہایت سخت ہے۔

تفسیر عالمانہ

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اے لوگو! ۔ یہ خطاب کاشفی کے نزدیک عام ہے اور ارشاد میں خاص کفار مکہ کے لیے لکھا ہے قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ "بے شک تمہارے ہاں نصیحت آچکی ہے یعنی تمہیں تمہاری عاقبت کی نصیحتیں سنائی گئی ہیں زجر و ترہیب سے بھی اور نرمی اور ترغیب کے طور بھی یعنی کتاب مبین

ہیں تمہارے منافع و نقصانات کے امور واضح طور بتائے گئے ہیں اور سمجھایا گیا ہے کہ نیک اعمال سے تمہاری زندگی سنور جائے گی برے اعمال سے تمہاری عاقبت خراب ہو گی۔

ف : موعظۃ سے قرآن مجید مراد ہے۔

مِّنْ رَّبِّكُمْ یہ جاءتکم کے متعلق ہے یعنی وہ نصیحت تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے ہے وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ اور وہ تمہارے صدور کی شفاء اور تمہارے قلوب کی دوا ہے کہ قلب کے جملہ امراض جیسے جہل و شک اور شرک و نفاق و دیگر جمیع عقاید فاسدہ کو اس سے شفا نصیب ہو گی وَهُدًى اور وہ طریق حق و یقین کی رہبری کرے گی اور آفاق و انفس کے دلائل اسی سے معلوم ہوں گے وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ○ اور وہ اہل ایمان کے لیے رحمت ہے اس لیے کہ وہی کفر و ضلال کی ظلمات سے قرآن مجید کی برکت سے نجات پا سکے۔

ف : موعظۃ سے لے کر رحمۃ تک تمام مصادر ہیں ان سے قرآن مجید کو موصوف کرنے میں مبالغہ کیا گیا کہ گویا قرآن مجید امور مذکورہ کا عین ہے۔ ؎

زہے کلام تو محض ہدایت و حکمت
زہے پیام تو عین عنایت و رحمت
کشد کمند کلام تو اہل عرفاں را
ز شورہ زار خساست بگلشن ہمت

ترجمہ : تیرا کلام ہدایت و حکمت اور تیرا پیام عین عنایت و رحمت ہے تیری بات عارفین کو کمند بن کر کھینچ لیتی ہے وہ خساست کے شورہ ویران سے نکل کر گلشن میں پہنچتے ہیں۔

ف : قرآن مجید نفوس کے لیے موعظۃ قلوب کے لیے شفا اور ارواح کے لیے ہدیٰ ہے۔

ف : قرآن مجید عوام کے لیے موعظت، خواص کے لیے شفا، اخص کے لیے ہدیٰ اور تمام عوام و خواص و اخص کے لیے رحمت ہے اس لیے کہ اسی کی بدولت ہر ایک اپنے اپنے مراتب و مقامات پر پہنچا ہے۔

تفسیر عالمانہ

قُلْ اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ! لوگوں سے فرمائیے بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فضل و رحمت ہر دو سے انزال قرآن مجید مراد ہے ان کی باء کا متعلق محذوف ہے۔ اصل عبارت یوں تھی ، لیفرحوا بفضل اللہ و برحمتہ ۔ باء کو دوبارہ لانے میں اشارہ ہے کہ قرآن مجید میں ہر دو صفات مستقل حیثیت رکھتی ہیں۔ جار مجرور کو فعل پر مقدم کرنے سے قصر مطلوب ہے اس پر فاء سببیہ ہے اب معنے یہ ہوا کہ اہل اسلام اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت یعنی قرآن کی وجہ سے خوشیاں منائیں اس کے بعد فرمایا فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا یہ جملہ مبالغہ کی تقریر و تاکید کے لیے ہے پہلے فعل کو اسی مذکور فعل کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے فبذلك کی فاء جزائیہ

اور فلیفرحوا کی فا سببیہ ہے اب مطلب یہ ہُوا کہ اگر کوئی خوشی منانا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ صرف فضل و رحمت الٰہی سے خوشی منائے فا سببیہ لاکر شرط کو حذف کیا گیا۔

سوال : بذٰلک میں اشارہ دو فعلوں کی طرف کیسے۔ اس لیے کہ یہ واحد کے لیے آتا ہے۔

جواب۱ : وہ دونوں فعل متحد بالذات ہیں اگرچہ لفظاً دو علیحدہ علیحدہ ہیں ذٰلک کا اشارہ اسی اتحاد ذاتی کی وجہ سے ہے۔

جواب۲ : کل واحد منہما سے تاویل کر کے واحد کا اشارہ کیا گیا اور یہ قاعدہ نحویہ عام ہے کہ دو یا اس سے زائد کے لیے کل واحد کی تاویل کر کے واحد سے اشارہ وغیرہ کیا جاتا ہے۔

هُوَ یعنی وہی فضل و رحمت الٰہی جو ابھی مذکور ہُوئے۔ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝ اس سے بہتر ہے جو وہ اموال فانیہ سے جمع کرتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

بعض مشایخ فرماتے ہیں کہ فضل اللہ سے اس کا احسان مراد ہے جو اُس نے بندوں کو عنایت فرمایا اور ورحمۃ سے اس کی وُہ ہدایت مراد ہے کہ بندہ نابُود تھا پھر اسے ہستی بخشی گویا اللہ تعالےٰ اپنے بندوں سے فرماتا ہے کہ اے میرے بندو! اپنی طاعت وخدمت پر بھروسہ مت کرو بلکہ تمہارا سہارا صرف میرا فضل و رحمت ہے اس لیے کہ تیری زندگی کا راس المال یہی ہے اس لیے کہ دوسروں کا سرمایہ دنیا و دولت ، لیکن مومن کا سرمایہ فضل الٰہی ہے اور دُوسروں کا خزانہ مال و اسباب ہیں لیکن مومن کا خزانہ رحمت ایزدی ہے۔

ﮯ

گر شاہ را خزانہ نہادن بوجہ ہوس
درویش را خزانہ ہمیں لطف دوست بس

ترجمہ : اگر بادشاہ کو دنیا و دولت جمع کرنے کی ہوس ہو تو اسے بتا دو کہ درویش کا خزانہ دوست کا لطف و کرم ہے۔

نکتہ : اگر دُنیا و دولت جمع کرنے میں کچھ نفع ہوتا تو قارون کو بہت بڑے منافع جات نصیب ہوتے۔

حکایت حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں : میں ایک جماعت کے ساتھ کشتی میں بیٹھا ہُوا تھا کشتی کے مالک نے کہا : تم میں سے ایک کشتی سے اُٹھ جائے۔ مَیں اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اس نے پوچھا : آپ کیوں اُٹھے ؟ مَیں نے کہا : میرے ہاں سامان وغیرہ کچھ بھی نہیں اس لیے میں اکیلا نکل جاؤں گا اور دوسروں کے پاس سامان ہے وہ سامان اٹھانے میں دیر کریں گے اور انھیں تکلیف بھی ہوگی۔ اس نے کہا : جائیے۔ میں کشتی سے نکلتے وقت دل میں کہتا جا رہا تھا کہ یہی معاملہ آخرت کا ہے کہ جس کے پاس سامان ہوگا وہ پریشان ہوگا۔

اسی لیے صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تعلقات دنیا قید ، اور تجرد حضور قلبی اور راحت ہے۔

حضرت حافظ رحمہ اللہ نے فرمایا : ؎

غلام ہمت آنم کہ زیر چرخ کبود
ہر چہ رنگ تعلق پذیر و آزاد ست

ترجمہ : آسمان کے نیچے جو بھی ہے وہ کسی تعلق سے ضرور گرفتار ہے لیکن صاحب ہمت اس سے آزاد ہے اسی لیے میں اس کا غلام ہوں۔

شرح بیت مذکور اس شعر میں ماسوی اللہ سے آزادی کی طرف اشارہ فرمایا ہے اس لیے کہ عالم جسمانی ہو یا روحانی، عینی ہو یا علمی، تعلق کو چاہتا ہے۔ لیکن حضرت حافظ رحمہ اللہ تعالےٰ نے عالم کے بجائے صرف آسمان کبود کا نام صرف اس لیے لیا کہ انسان صرف محسوس چیزوں سے مانوس ہوتا ہے۔

ف : قرآن مجید سے نصیحت حاصل کرنا انسان کو حظوظِ نفسانیہ سے نجات دلا کر سعادت باقیہ بخشتا ہے۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ تعالیٰ ایک دن اپنے شاہی انتظامات کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اسی شب کو نیند میں دیکھا کہ آپ کو کسی نے ایک مکتوب دیا جس میں لکھا تھا : دار فانی کو عالم باقی پر ترجیح نہ دیجئے اور نہ ہی اپنے ملک سے دھوکہ کھائیے جن نعمتوں میں آپ ہیں عظیم الشان ہیں اگر فنا نہ ہوتیں فلہذا اب تمہارے اوپر لازم ہے کہ تم اللہ تعالےٰ کی طرف جانے میں عجلت کرو۔ سارعوا الی مغفرۃ من ربکم وجنۃ اپنے رب تعالیٰ کی مغفرت اور جنت کی طرف جلدی کرو۔ حضرت موصوف یہ پڑھ کر گھبرا اُٹھے اور سمجھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیحت نصیب ہوئی ہے اس لیے شاہی چھوڑ دی خالص توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو گئے۔

نکتہ : جاءتکم موعظۃ میں اشارہ ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالےٰ کا عظیم الشان تحفہ ہے جو اس کریم نے اپنے بندوں کو عطا فرمایا ہے اسے قبول کرنا ہمارا فرض ہے اور اس کے قبول کرنے کا یہ معنیٰ ہے کہ ہم اس کے اوامر و نواہی کی پابندی کریں۔

حکایت ایک قاری صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ اپنے شیخ کو قرآن پاک کی چند آیات سنائیں۔ چند دنوں کے بعد ارادہ ہوا کہ شیخ مذکور کو اور آیات سناؤں۔ انہوں نے فرمایا : بیٹے! پہلی آیات جو تم نے سنائیں میرے لیے وہی کافی ہیں ان پر عمل کر کے جب پورا اُتروں گا پھر اور آیات سنوں گا کسی اور کو جا کر سناؤ اس لیے کہ قرآن مجید کی ہر آیت امر و نہی اور افہام و تفہیم اپنے قاری و سامع کو اپنا پروگرام بتاتی ہے۔ (کذا فی الاحیاء)

کسی نے کیا خوب فرمایا : ؎

نقد عمرش ز نکہت معوج
خرج شد در رعایت مخرج

صرف کردش ہمہ حیات سرہ
در قرآت سبع و عشرہ

ترجمہ: قاری نے اپنی عمر کے گراں مایہ لمحات رعایت مخارج میں گنوا دیے اور قیمتی گھڑیاں سبع اور عشرہ میں ضایع کر دیں۔

شرح شعر مذکور شعر کا مقصد یہ نہیں کہ قاری تصحیح و تجوید کو حاصل نہ کرے بلکہ تنبیہ فرمائی ہے کہ بقدر ضرورت قرآن پاک کے الفاظ کی تصحیح و تجوید پڑھ کر قرآن پاک کے اوامر و نواہی اور اس کے جملہ احکام کی پابندی کرے تاکہ اسے معرفتِ الٰہی نصیب ہو اور معرفت الٰہی قلب کی صفائی سے نصیب ہوتی ہے اور تجوید کی مشق میں لگا رہنا اور تصفیۂ قلب کی طرف متوجہ نہ ہونا عمر ضائع کرنا ہے کیونکہ تجوید سے صرف زبان کی صفائی نصیب ہو گی اور ظاہر ہے کہ قلب کی صفائی زبان کی مشق سے افضل و اعلیٰ ہے۔

قیمتی رُوحانی نسخہ اللہ تعالےٰ کے ذکر سے پھر فکر سے حقائق الاشیاء والقرآن منکشف ہوتے ہیں جیسے اللہ تعالےٰ نے اپنے محبوب علیہ السلام کو جبریل علیہ السلام کے ذریعے حقائق سے آگاہی بخشی ایسے ہی اپنے اولیاء کو قرآن کے ذریعے سے آگاہی بخشتا ہے۔

ف: علم شریعت فانی ہے البتہ اس کا ثواب باقی ہے جو آخرت کے دن کے لیے جمع ہو رہا ہے بشرطیکہ اس میں خلوص ہو اور علم حقیقت کا عین آخرت میں پہنچایا جائے گا اس لیے کہ علم حقیقت کو فنا نہیں بلکہ وُہ باقی رہے گا کیونکہ وہ ازلی ابدی ہے اسے کسی مقام اور مرتبہ پہ فنا نہیں۔ صاحبِ روح البیان نے فرمایا کہ یہ فائدہ میرے شیخ و مرشد قدس سرہٗ نے بیان فرمایا۔

تفسیر عالمانہ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! فرمائیے اے مشرکو خبر دو مَّآ اَنْزَلَ اللّٰہُ لَکُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وہ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے رزق نازل فرمایا ہے ما استفہامیہ منصوب المحل اپنے صلہ انزل اللہ الخ سے مل کر ارءیتم کے دو مفعولوں کا قائم مقام ہے۔

سوال: رزق منزل من السماء کیوں؟ حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ رزق زمین سے ملتا ہے۔

جواب: ہر ایک کا رزق آسمان پر مقدر کیا گیا ہے کما قال تعالےٰ،

وفی السماء رزقکم۔

آسمانوں میں تمہارا رزق ہے۔

پھر زمین سے اسی قدر حاصل ہوتا ہے جس قدر آسمان پر مقدر ہوتا ہے۔ اسی معنے پہ فرمایا کہ تمہارے رزق آسمان میں ہیں۔

جواب ۲ : ہمارے رزق اگرچہ زمین سے حاصل ہوتے ہیں لیکن ان کے اسباب آسمان سے متعلق ہیں۔ مثلاً بارش ہوتی ہے تو کھیتی اُگتی ہے، سُورج کی روشنی سے پھل، اناج وغیرہ پکتے ہیں، چاند کی چاندنی سے اناج اور پھل رنگ برنگ ہوتے ہیں۔

ف : لکم کی لام منفعت کے لیے ہے اس میں اشارہ ہے کہ رزق سے حلال رزق مراد ہے۔

فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ پس کر دیا تم نے اس کے بعض کو **حَرَامًا** حرام یعنی تم نے اس کے حرام ہونے کا حکم لگایا **وَّحَلٰلًا** ط اور ان میں سے بعض کو حلال کہا حالانکہ ہم نے تمام رزق کو حلال پیدا فرمایا۔

خلاصۃ التفسیر آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم نے تو تمام رزق حلال نازل فرمایا لیکن تم نے اپنے طور اس کی تقسیم شروع کر دی۔ مثلاً :

هٰذه انعام و حرث حجر۔

اور کہا :

ما فی بطون هٰذه الانعام خالصة لذکورنا و محرم علیٰ ازواجنا۔

ان جانوروں سے بحیرہ سائبہ، وصیلہ، حام مراد ہیں۔ ان کی تقسیم اور جانوروں کے متعلق تفصیل آٹھویں پارہ تفسیر ہذا میں دیکھیے۔

ف : اس سے اللہ تعالےٰ نے ان کی تقسیم کو غلط قرار دے کر اس کا انکار فرمایا ہے۔

قُلْ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کافروں سے فرمائیے **آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ** کیا اس تقسیم کی تمہیں اللہ تعالےٰ نے اجازت بخشی ہے کہ اسی فرمان پر عمل کرتے ہوئے کہتے ہو کہ یہ حلال ہے اور وہ حرام **اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ**○ یا اللہ تعالیٰ کی طرف اسے منسوب کر کے اس پر افتراء کرتے ہو۔

مسئلہ : یہ آیت زواجر میں سخت تر ہے ان مسائل میں کہ اللہ تعالےٰ کے احکام میں مصلحتوں کا سوال کرنا چاہیے اس میں ہم سب کو احتیاط ضروری ہے اگر کوئی احتیاط نہیں کرتا تو وہ بھی مفتریوں میں داخل ہے۔ (کذا فی الکواشی)

مسئلہ : حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا : جس نے علم کے بغیر فتویٰ دیا اس پر آسمان و زمین والوں کی لعنت۔

حکایت حضرت علی بلخی رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی نے اپنے باپ سے پُوچھا : کیا معمولی قے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟ انہوں نے فرمایا : ہاں۔ اسی شب کو انھیں حضور آقائے نامدار سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہُوئی تو آپ نے فرمایا : اے علی (رحمہ اللہ)! معمولی قے سے وضو نہیں ٹُوٹتا جب تک منہ بھر کر نہ نکلے۔ حضرت علی (رحمہ اللہ) فرماتے ہیں، اس سے مجھے یقین ہُوا کہ ہر فتویٰ حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش ہوتا ہے۔ اس روز سے میں نے قسم کھالی کہ آیندہ کوئی فتویٰ نہیں دُوں گا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ سالکین پر لازم ہے کہ خواہ مخواہ کہتے پھریں کہ رزق معنوی یعنی واردات الٰہیہ اور شواہد ربانیہ نفس پرستوں پر حرام اور اہلِ دل پر حلال ہیں اس لیے کہ ایسی سعادات اور بلند کرامات کا حصول ہمارے بس سے باہر ہے بلکہ یہ دولت صرف انبیاء عظام علیہم السلام اور اکابر اولیاء کرام علیہم الرحمۃ والغفران کو نصیب ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے انعامات کو مخصوص قوم کے لیے ماننا اور دُوسروں کو ان سے محروم سمجھتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتا ہے اس لیے خداوند تعالیٰ نے یہ مقامات اور منازل کسی خاص قوم کے لیے نہیں بلکہ ہر خاص و عام کے لیے عام بنائے۔

کما قال:

یدعوا الیٰ دار السلام۔

اور فرمایا:

یدعوکم لیغفر لکم۔

نیز اپنے آپ کو پست ہمت تصور کر کے ان انعامات و کرامات کے لائق نہ سمجھنا بھی خساست و رذالت بلکہ بیوقوفی اور حماقت ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کا دروازہ ہر کے لیے وا کیا ہوا ہے کسی کے لیے کسی وقت بند نہیں ہوتا، اس کی شان ہے کہ فیض اور انعام ہر خاص و عام کو مرحمت فرمائے۔

حضرت حافظ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ؎

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نکرد
اے خواجہ درد نیست ورنہ طبیب ہست

ترجمہ: وہ کون سا عاشق ہے کہ اپنے محبوب کی بارگاہ میں حاضر ہو اور وہ اس پر نگاہِ کرم نہ فرمائے سب کو کہہ دو کہ تجھے درد نہیں ورنہ ہر درد کا وہ طبیب ہے۔

اور فرمایا: ؎

طالب لعل و گہر نیست وگرنہ خورشید
ہمچناں در عمل معدن و کانست کہ بود

ترجمہ: لعل و گوہر کے طالب نہیں ملتے ورنہ سورج تو پہلے کی طرح معدن اور کان بنانے میں مصروف ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

گر گراں و گر شتابندہ بود
عاقبت جویندہ یابندہ بود

ترجمہ: کوئی آہستہ چلے یا دوڑے لامحالہ جو کسی شے کو تلاش کرتا ہے اسے ضرور پاتا ہے۔

فائدہ صوفیانہ حکم عطائیہ اور اس کی شرح میں ہے کہ جو سمجھتا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ شہوات سے کیسے بچائے گا جبکہ وہ یقین رکھتا ہے کہ وہ شہوات کے سخت گھیرے میں ہے کہ کسی طریق سے بچنا ممکن نہیں تو ایسا شخص اللہ تعالیٰ کو عاجز قرار دیتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کو عاجز سمجھتا ہے وہ کافر ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے، کما قال:

وکان اللہ علیٰ کل شیءٍ مقتدرا۔

اس سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پہ قدرت رکھتا ہے بلکہ انسان کو چاہیے کہ ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگے اور صرف اسی سے اپنے جملہ امور کی تکمیل کی امید رکھے اگرچہ کتنا ہی نفسانی و شہوانی امور میں گرفتار ہو تب بھی جب اس کا فضل و کرم شامل حال ہوگا تو بیڑا پار ہو جائے گا جیسا کہ ابراہیم بن ادہم، فضیل بن عیاض، عبداللہ بن مبارک، ذوالنون مصری، مالک بن دینار اور دیگر وہ اکابر اولیاء جن کی ابتدائی کیفیت ناگفتہ بہ تھی اس کے بعد اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کا فضل و کرم ہوا تو بہت بڑے ولی کامل ہو گئے۔

تفسیر عالمانہ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ۔ ما استفہامیہ محلاً مرفوع مبتداء ہے اور ظن الذین الخ اس کی خبر ہے اور ظن کے دونوں مفعول محذوف ہیں۔

سوال: افتراء میں جب کذب کا معنٰی موجود ہے تو پھر افتراء کے بعد الکذب کہنے کی کیا ضرورت ہے؟

جواب۱: تاکہ ان کے افتراء کے کمال قبح کا اظہار ہو۔

جواب۲: جیسے اقوال میں جھوٹے تھے ایسے ہی عقائد میں بھی۔

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط یہ لفظ ظن کا مفعول فیہ ہے یعنی قیامت میں ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جب اللہ تعالیٰ کے حضور میں تمام افعال و اقوال پیش ہوں گے اور ان کے ذرہ ذرہ کا حساب لے کر جزا و سزا کا حکم صادر فرمائے گا اس میں قیامت اور اس کے متعلقات کی ہولناکیوں سے ڈرایا گیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے عَلَى النَّاسِ تمام لوگوں پر کہ انھیں عقل جیسی نعمت عطا فرمائی ہے جس سے وہ حق و باطل اور حسن و قبح کی تمیز کر سکتے ہیں اور ان پر لطف و کرم فرمایا کہ انھیں کتابوں سے نوازا اور اپنے رسل کرام بھیجے وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝ لیکن اکثر ان کے ناشکرے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر نہیں کرتے اور نہ ہی اپنے قویٰ و مشاعر کو ان امور میں لگاتے ہیں جن کے لیے وہ پیدا کیے گئے ہیں اور جو ضروری امور ہیں ان کے سمجھنے کے لیے نہ عقل سے کام لیتے ہیں اور نہ ہی شرعی احکام پر گامزن ہوتے ہیں حالانکہ ان دونوں کے بغیر انسانیت پروان نہیں چڑھ سکتی۔

وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ

اور تم کسی کام میں ہو اور اس کی طرف سے کچھ قرآن پڑھو اور تم لوگ کوئی کام

مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا

کرو ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں جب تم اس کو شروع کرتے ہو اور تمہارے

يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي

رب سے ذرہ بھر کوئی چیز غائب نہیں زمین میں نہ آسمان میں

السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٦١﴾

اور نہ اس سے چھوٹی اور نہ اس سے بڑی کوئی چیز نہیں جو ایک روشن کتاب میں

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾

نہ ہو۔ سن لو بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿٦٣﴾ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي

وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے ہیں انہیں خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ

اور آخرت میں اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتی

ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٤﴾ وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ

یہی بڑی کامیابی ہے اور تم ان کی باتوں کا غم نہ کرو بے شک

الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦٥﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ

عزت ساری اللہ کے لیے ہے وہی سنتا جانتا ہے سن لو بے شک اللہ ہی

مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ

کے ملک ہیں جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمینوں میں ہیں اور کاہے کے پیچھے جا رہے ہیں

يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا

وہ جو اللہ کے سوا شریک پکار رہے ہیں وہ تو پیچھے نہیں جاتے مگر

الظَّنَّ وَاِنۡ هُمۡ اِلَّا يَخۡرُصُوۡنَ ﴿٦٦﴾ هُوَ الَّذِىۡ جَعَلَ لَكُمُ

گمان کے اور وہ تو نہیں مگر اٹکلیں دوڑاتے وہی ہے جس نے تمہارے لیے

الَّيۡلَ لِتَسۡكُنُوۡا فِيۡهِ وَالنَّهَارَ مُبۡصِرًا ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

رات بنائی کہ اس میں چین پاؤ اور دن بنایا تمہاری آنکھیں کھولتا بے شک اس میں نشانیاں ہیں

لِّقَوۡمٍ يَّسۡمَعُوۡنَ ﴿٦٧﴾ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبۡحٰنَهٗ ؕ هُوَ

سننے والوں کے لیے بولے اللہ نے اپنے لیے اولاد بنائی پاکی اس کو وہی

الۡغَنِىُّ ؕ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ اِنۡ عِنۡدَكُمۡ

بے نیاز ہے اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تمہارے پاس اس کی کوئی

مِّنۡ سُلۡطٰنٍ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿٦٨﴾

بھی سند نہیں کیا اللہ پر وہ بات بتاتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں

قُلۡ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ لَا

تم فرماؤ وہ جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا

يُفۡلِحُوۡنَ ﴿٦٩﴾ مَتَاعٌ فِى الدُّنۡيَا ثُمَّ اِلَيۡنَا مَرۡجِعُهُمۡ ثُمَّ

بھلا نہ ہوگا دنیا میں کچھ برت لینا ہے پھر انہیں ہماری طرف واپس آنا پھر ہم انہیں

نُذِيۡقُهُمُ الۡعَذَابَ الشَّدِيۡدَ بِمَا كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ ﴿٧٠﴾

سخت عذاب چکھائیں گے بدلہ ان کے کفر کا

تفسیر عالمانہ

وَمَا تَكُوۡنُ یہ ما نافیہ ہے اور خطاب حضور علیہ السلام کو ہے فِىۡ شَاۡنٍ بمعنے امر، اس کی جمع شئون آتی ہے شان کا اصل معنیٰ قصد ہے مثلاً اہل عرب کہتے ہیں:

شأنت شانہ ۔ ای قصدت قصدہ مصدر بمعنے اسم مفعول ہے۔ اور کبھی شان بمعنے حال آتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے: ماشانہ ای ما حالہ۔

وَمَا تَتۡلُوۡا مِنۡهُ یہ ضمیر شان کی طرف راجع ہے اور ظرف مصدر محذوف کی صفت ہے اب عبارت یوں ہوگی:

ای تلاوۃ کائنۃ من الشان۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ تلاوت قرآن مجید حضور علیہ السلام کی عظمت شان پر دلالت کرتی ہے۔

مِنْ قُرْاٰنٍ من زایدہ لا تتلوا کی نفی کی تاکید کے لیے ہے اور من قراٰن، ماتتلوا کا مفعول بہ ہے **وَّلَا تَعْمَلُوْنَ** یہ خطاب تمام آدمیوں کو ہے **مِنْ عَمَلٍ** ہر طرح کے اعمال مراد ہیں پہلے صرف حضور علیہ السلام کو خطاب کیا گیا اس لیے کہ آپ ساری اُمت کے سربراہ ہیں لبعد کو آپ کی اُمت کو خطاب کیا گیا جتنے اہم امُور تھے ان میں خطاب صرف حضور علیہ السلام کو ہُوا، پھر اُمت کو خطاب کرکے ہر چھوٹے بڑے حقیر جلیل امور شامل کر دیے گئے۔

ف : ابن الشیخ نے فرمایا کہ پہلے خطابات میں اگرچہ بظاہر صرف حضور علیہ السلام مخاطب تھے لیکن جمیع اُمت اُن میں شامل تھی اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ جب قوم کے سربراہ کو خطاب ہو تو قوم خودبخود اس میں شامل ہوتی ہے کما قال تعالیٰ:

یٰایّھا النبی اذا طلقتم النساء۔

اس خطاب میں حضور علیہ السلام کے ساتھ جمیع اُمت بھی شامل ہے۔

اِلَّا کُنَّا عَلَیْکُمْ شُھُوْدًا یہ استثنا مفرغ ہے مستثنیٰ منہ اعم احوال المخاطبین بالافعال الثلاثہ ہے یعنی تم جس حال میں اور جس وقت قرآن پاک کی تلاوت کرتے اور جس عمل کا ارتکاب کرتے ہو ہم ہر حال میں تمہارے نگران اور تمہارے ہر عمل پر مطلع اور تمہاری حفاظت کرنے والے ہیں **اِذْ تُفِیْضُوْنَ فِیْہِ ط** اِذ، شھودا کا ظرف ہے اور لفظ اذ مضارع کو ماضی کے معنے میں لاتا ہے اور الافاضۃ بمعنے الدخول فی العمل۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

افاض القوم فی العمل۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کام میں لگ جائیں یعنی تمہارے ہر عمل پر ہم مطلع ہیں۔

وَمَا یَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ اور تیرے رب تعالیٰ کے علم سے غائب اور دُور نہیں بلکہ اس کا علم ہر شے کو شامل اور محیط ہے **مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّۃٍ** من زاید نفی کی تاکید کے لیے ہے یعنی اگرچہ ذرہ برابر کیوں نہ ہو یہاں تک کہ چیونٹی اور گرد وغبار بھی اللہ تعالیٰ کے علم کے احاطہ میں ہے **فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ** نہ زمین میں ہیں نہ آسمان میں یعنے دائرۂ وجود و امکان میں کہیں ہو سب کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے **وَلَآ** یہ لا نفی جنس کا ہے **اَصْغَرَ** یہ لا کا اسم ہے **مِنْ ذٰلِكَ** اسی ذرہ سے **وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ○** یہ لا کی خبر ہے اور کتٰب مبین سے لوحِ محفوظ مراد ہے یعنی ہر چھوٹی بڑی شئے لوحِ محفوظ میں مندرج ہے تو پھر اللہ تعالیٰ سے کیسے مخفی ہو سکتی ہے۔ اس میں تنبیہ ہے کہ کوئی یہ گمان نہ کرے کہ اس کے افعال و اقوال کی اسے جزا و سزا نہیں ملے گی بلکہ ذرہ ذرہ کا حساب ہوگا اور اللہ تعالیٰ سے کسی کا کوئی قول و فعل پوشیدہ نہیں۔

تفسیر صُوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ انسان مراقبہ کو نہ چھوڑے اور تنبیہ کی گئی ہے کہ بندہ اپنے ہر عمل پر کڑی نگرانی رکھے اس لیے کہ جب سالک کو یقین ہوگا کہ میرے عمل کو اللہ تعالےٰ ہر وقت جانتا ہے اور اسی تصوّر کو مضبوط کرے تو گناہوں سے بچ جائے گا اور کبھی اپنے مالک کی نافرمانی نہیں کرے گا۔

حکایت حضرت عمر بنانی رحمہ اللہ تعالےٰ سے منقول ہے کہ میرا اعب پر گزر ہُوا وہ گورستان میں بیٹھا تھا اس کے دائیں ہاتھ میں سفید اور بائیں میں سیاہ کنکریاں تھیں۔ میں نے اس سے پُوچھا: آپ گورستان میں کیوں

مقیم ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ جب میرے دل پر غفلت چھا جاتی ہے تو میں گورستان آجاتا ہوں اور نفس کو سمجھاتا ہوں کہ ایک دن تیرا یہی حال ہوگا۔ میں نے پوچھا، تو یہ کنکریاں کس لیے؟ جواب دیا کہ جب میں نیکی کرتا ہوں تو سیاہ کنکری سفید کنکریوں میں ڈال دیتا ہوں، جب گناہ کرتا ہوں تو سفید کنکری سیاہ کنکریوں میں۔ اگر سفید کنکریاں بڑھ جاتی ہیں تو اطمینان سے روزہ افطار کر کے اوراد و وظائف پڑھتا ہوں۔ اگر سیاہ کنکریاں زیادہ ہوتی ہیں تو اسی رات نفس پر سزا کے طور کچھ کھاتا پیتا نہیں ہوں بلکہ استغفار اور توبہ میں رات بسر کرتا ہوں۔ یہی میرا معمول ہے۔

نسخہ روحانی مُردہ قلب کی علامت یہ ہے کہ احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی یا ان سے غفلت کرنے پر کسی قسم کا اسے احساس نہ ہو اور نہ ہی اپنی غلط کاریوں سے اسے کبھی ندامت اور شرمساری ہو اس لیے کہ یہ قلب اگر زندہ ہوتا تو اسے ضرور احساس ہوتا۔ احساس نہ ہونا دل کی مُردگی کی علامت ہے۔ ہر گناہ غفلت اور نسیان سے سرزد ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ کو یاد رکھتا ہے تو دنیا و آخرت میں بامراد رہتا ہے۔

حکایت ایک ولی اللہ کو کسی حبیب اللہ کی زیارت کا شوق پیدا ہوا۔ اسے غائبانہ جواب ملا کہ فلاں قصبہ میں اللہ تعالیٰ کا ایک محبوب رہتا ہے۔ وہ ولی اللہ وہاں تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ وہ محبوب اللہ ذکرِ الٰہی میں مشغول ہیں اور ان کے ساتھ ایک شیر کھڑا ہے جب لمحہ بھر ذکر سے غفلت کرتے ہیں تو شیر انھیں دبوچ لیتا ہے، یہاں تک کہ ان کے جسم سے کئی مقامات سے گوشت نوچ چکا تھا۔ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کے قریب ہو کر [illegible] پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے ذکرِ الٰہی میں غفلت ہوتی ہے تو اسی طرح یہ شیر مجھ پر مسلط کر دیا جاتا ہے اور میں اس سے خوش ہوں کہ دُنیا کی سزا میرے لیے آسان ہے تاکہ آخرت کی سخت سزا سے بچ جاؤں۔

سبق: صاحبِ رُوح البیان نے فرمایا اس حکایت سے کئی فواید حاصل ہوئے:

(۱) آخرت کی رُسوائی سے دُنیا کی رُسوائی آسان ہے۔

(۲) طریقِ حق کے لیے دُنیا میں دُکھ درد سر پر رکھ لینے سے آخرت کی سخت گیری سے نجات ملے گی۔

(۳) مردِ عاقل وُہ ہے جو طاعت و عبادت میں ہر وقت مشغول رہتا ہے اگرچہ اس میں سخت تکالیف و مصائب کا سامنا کرنا پڑے۔

مثنوی شریف میں ہے:؎

اندریں رہ می تراش و می خراش
تادم آخر دمی فارغ مباش

ترجمہ: اس راہ میں دُکھ درد سر پر رکھ لو۔ مرتے دم تک فراغت کا نام نہ لو۔

(۴) نفس پر کڑی نگرانی لازم ہے اگر اس پر قابُو نہ پایا جا سکے تو خارجی اسباب سے مدد لے سکتا ہے اس لیے کہ نیند کرنے والے کو کروٹ بدلنے اور حرکت دینے کے لیے خارجی مدد دی جاتی ہے اس لیے کہ یہ نیند طویل اور نفس بڑا سُست ہے۔ اسی لیے صوفیاءِ کرام رحمہم اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ:

کسی مرشد کامل کی صحبت ضروری ہے کہ مشائخ نفس کی خباثتوں کو خُوب جانتے ہیں اور اس کے علاج کے بھی ماہر ہوتے ہیں۔

بوستانِ سعدی قدس سرہٗ میں ہے: ؎ ز خود بہترے جوئے و فرصت شمار
کہ با چوں خودی گم کنی روزگار

ترجمہ: اپنے سے بہتر و برتر کی صحبت اختیار کر کہ نفس کی شرارت کو مٹانے کے لیے فرصت کو غنیمت سمجھ ورنہ اپنے جیسے کے ساتھ رہنے یا اپنے طور نفس کے علاج سے سخت نقصان اُٹھائے گا۔

(۵) اللہ تعالےٰ نے محبوب مذکور پر جو اسدِ غیبی مقرر فرمایا وہ در اصل اس کے نفس کی اصلاح کے لیے تھا تاکہ اس کے نفس کو دبوچ کر اس کی ہستی مٹا دے اس لیے کہ جس کا نفس اس دُنیا میں نہیں مٹتا تو قیامت میں اللہ تعالےٰ کے ہاں سخت سزا میں مبتلا ہوگا۔

تفسیر عالمانہ

اَلَآ خبردار اِنَّ اَوۡلِیَآءَ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور نفس کمینے کے دشمن حضرات۔

سوال: تم نے اولیاء کا معنیٰ اللہ کے محبوب اور دشمن کہاں سے لیا؟

جواب: اولیاء، ولایۃ سے مشتق ہے بمعنے معرفۃ اللہ ومعرفۃ النفوس یعنی اللہ تعالیٰ کی معرفت اور نفس خبیث کی شرارتوں سے واقفیت رکھنا، اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اس وقت نصیب ہو سکتی ہے جو اس سے محبت اور نفس کی شرارت اس وقت معلوم ہو سکتی ہے جب نفس سے مکمل طور دشمنی ہو یاد رہے کہ نفس کی دشمنی اس کے احوال و صفات معلوم کرنے سے ہو سکتی ہے جب اس کی صفات اور احوال معلوم ہو جائیں اور اس کی معاندت اور دشمنی میں جان کی بازی لگائی جاتے اس لیے کہ جتنی نفس کی سرکشی مٹے گی اتنی ہی امن و سلامتی اور اطمینان وسکون نصیب ہوگا اور جس نے نفس پر رحمت و شفقت کر کے اسے پالا اور اُس کی ہر آرزو پُوری کی تو سمجھو وہ مارا گیا۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

ف: مولانا ابو السعود رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اولیاء، ولی کی جمع ہے بمعنے قریب۔ اس سے وہ حضرات مراد ہیں جو ایمان و اسلام میں خالص و مخلص ہیں اور قرب سے قرب روحانی مراد ہے اور وُہ اللہ تعالیٰ کو قریب اس معنے پہ ہوتے ہیں کہ وہ ہر وقت اُسی کی طاعت و معرفت میں مستغرق رہتے ہیں ان کی ہر نگاہ قدرت کے مناظر کو دیکھتی ہے اور ان کے کانوں میں آیاتِ الٰہی کے سوا اور کوئی آواز نہیں پڑتی اور ان کی زبان پہ ذکرِ الٰہی کے سوا اور کسی شے کا گزر نہیں ہوتا گویا ان کی ہر حرکت رضائے حق کے لیے ہوتی ہے ان کی ہر جدّ و جہد طاعت و عبادتِ خداوندی پر صرف ہوتی ہے۔

لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ دونوں جہانوں میں انھیں کسی قسم کا گزند نہیں پہنچے گا۔

ف: خوف اس خطرہ کو کہتے ہیں جو مستقبل میں درپیش ہو۔

وَلَا ھُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ۝ اور نہ وہ اپنے مقصد کی گمشدگی سے غمگین ہوں گے۔ الحزن زمانۂ ماضی میں انسان کو ہر اُس خطرہ کا لاحق ہو جانا جسے یہ نہیں چاہتا تھا یا جس کے حصول کا طالب تھا وہ اسے نصیب نہ ہوا۔

ف : آیت کا مطلب یہ ہے کہ خوف وحُزن ان محبوبانِ خدا کو لاحق بھی نہیں ہوں گے اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ انہیں خوف وحُـزن لاحق تو ہوں گے لیکن ان سے خوف زدہ نہیں ہوں گے بلکہ یُوں ہوگا کہ سرے سے خوف وحزن ان کو ہوگا ہی نہیں اور وہ دائمی طور پر عیش وعشرت اور سرور وفرحت میں ہوں گے ورنہ اللہ تعالیٰ کے جلال اور اس کی ہیبت سے ہر وقت خوفزدہ ہونا اور اقامۂ حقوق عبودیت میں بہت زیادہ جدوجہد کے باوجود اپنے آپ کو قصوروار تصوّر کرنا اللہ تعالےٰ کے مخصوص اور مقرب بندوں کا خاصہ ہے۔ اسی لیے کواشی میں لکھا کہ :

لاخوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون۔

اولیاء اللہ کو آخرت میں کوئی حُزن اور خوف نہ ہوگا ورنہ دنیا میں وُہ اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ خائف اور غمگین رہتے ہیں۔

نکتہ عالمانہ دنیا میں ان کے خوف وحُزن کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہر وقت طاعتِ الٰہی اور رضائے حق میں زندگی بسر کرتے ہیں یہ ان کی کرامت اور قُربِ خداوندی کی علامت ہے اور وُہ ان کو بموجب وعدۂ ربانی حاصل ہوگا دُنیوی اُمور ان کے مقصد میں داخل نہیں اسی لیے حاصل ہوں تو پروا نہیں، حاصل نہ ہوں تب بھی انہیں کوئی فکر نہیں ہوتا اسی لیے نہ وُہ دنیوی ضرر سے ڈرتے ہیں اور نہ ہی اس کے منافع سے خوش ہوتے ہیں۔ (کذا فی الارشاد)

نکتہ صُوفیانہ صُوفیاکرام فرماتے ہیں کہ چونکہ اولیاء اللہ عین الھویۃ میں فانی ہوجاتے ہیں ان میں انانیت بالکل مفقود ہوجاتی ہے اسی لیے وہ اپنے مقامِ اعلیٰ میں مشغول رہ کر سُود وزیان کے تصورات سے پاک اور منزہ ہوتے ہیں پھر ایسے حضرات کو کسی قسم کا خوف وخطر کیسا۔ (کذا فی نفائس المجالس لحضرت الهدائی قدس سرّہٗ)

تفسیر عالمانہ اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ کَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ ۝ مبنی بر سوال یہ جملہ مستانفہ ہے اور الذین مرفوع اور خبر ہے، اس کا مبتدا محذوف ہے۔ گویا سوال پیدا ہُوا کہ اولیاء اللہ کون حضرات ہیں اور انہوں نے اتنا بڑا مقام کیسے پایا؟ جواب ملا: الذین الخ یعنی اولیاء اللہ وہ حضرات ہیں جو ایماندار اور پرہیزگار ہیں یعنی انہیں اتنا بڑا مقام ایمان وتقویٰ سے نصیب ہُوا، یعنی اللہ تعالےٰ کے جمیع احکام کو تہِ دل سے قبول کرکے ان پر عمل کرتے ہیں اور اس کی ہر بتائی ہُوئی بھلائی کو حاصل کرتے اور ہر بُرائی سے بچتے ہیں۔

تفسیر صُوفیانہ صاحبِ رُوح البیان قدس سرّہٗ نے فرمایا کہ میرے پیرومرشد حضرت الشیخ قدس سرّہٗ نے فرمایا کہ اولیاء اللہ وہ حضرات ہیں کہ مرتبہ شریعت وطریقت میں برائے اعمال واخلاق صدور سے اور مرتبۂ حقیقت ومعرفت میں غفلات وتلوینات سے بچتے ہیں اس لیے کہ وُہ اپنی طبائع کی شریعت سے اور نفوس کی طریقت سے اور قلوب کی معرفت سے اور ارواح واسرار کی معرفت سے اصلاح کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ وُہ ماسوی اللہ سے فارغ ہوتے ہیں۔

شرح بیان شیخ از صاحبِ رُوح البیان صاحبِ رُوح البیان قدس سرّہٗ نے فرمایا کہ شیخ رضی اللہ عنہ کا کلام اشارہ کرتا ہے کہ تقوےٰ تمام

مقام ثالث کا دُوسرا نام ہے۔ مقامِ ثالث یہ ہے کہ انسان ہر اُس شئے سے بچے جو اسے سرِ حق سے غافل کر دے اور وُہ دُنیا سے اتنا فارغ ہو کہ سوائے ذات حق کے اس کے تصور و خیال میں کچھ نہ ہو۔ یہ تقویٰ کے جمیع مراتب کا جامع ہے۔ تقویٰ کے مراتب یہ ہیں:

○ شرک سے بچنا اُس تقویٰ کا نام ایمان ہے۔

○ ہر گناہ صغیرہ و کبیرہ سے بچنا اور نیک عمل کو بجالانا۔

(ان دونوں کا جامع مقام ثالث وُہی ہے جو مذکور ہُوا)

شانِ رسالت

انہی درجاتِ مذکورہ کی وجہ سے اولیاءِ کرام کے مراتب و مقامات مختلف ہوتے ہیں۔ ان کے تمام مراتب و مقامات کے منتہی ولی کامل ہمارے نبی شہِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ان کے بعد دیگر انبیاء علیہم السلام کہ یہ حضرات نبوت و ولایت کے جامع ہوتے ہیں ان حضرات کو عالمِ ارواح کی طرف عروج میں عالمِ اشباح کا کوئی تعلق مانع نہیں ہو سکتا اور نہ ہی مخلوق کے مصالح و ضروریات کے تعلقات انھیں شئون حق کے استغراق سے روک سکتے ہیں اس لیے کہ ان کے نفوس زکیہ قوت قدسیہ سے مؤید ہوتے ہیں بنا بریں ان کی استعداد کامل و مکمل ہوتی ہے جسے کوئی شے نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

موازنہ شان محمدی بہ شانِ عیسوی اور ردِّ عیسائیت

تقریر مذکور سے واضح ہو گیا کہ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں اس لیے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو چوتھے فلک تک رسائی ہُوئی اور ہمارے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عرش بلکہ عرش سے ماوریٰ تشریف لے گئے باوجودیکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس دُنیا سے صرف ماں کی وجہ سے تعلق تھا اور ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ماں اور باپ ہر دو کی وجہ سے، لیکن اس کے باوجود ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عروج کے لیے کوئی شے مانع نہ ہوئی اور آپ عنصریات و طبعیات کے عوالم کو عبور کرتے ہُوئے ممکن و غیر ممکن کی جہات کو پیچھے چھوڑ کر دائمی طور انوار عالیہ سے جا ملے۔

ردِّ وہابیہ دیوبندیہ

اور آپ کی یہ حالت دائمی اور اختیاری تھی[1]۔ چنانچہ فرمایا:

فیجعل ھذہ الحالۃ ملکۃ لہ فیصیر	آپ کی یہ نورانی کیفیت بمنزلہ ملکہ کے ہوگئی اور بدن بمنزلہ
بدنہ کقمیص یلبسہ تارۃ ویجعلہ	قمیص کے کہ چاہیں تو اتار لیں چاہیں پہن لیں۔ کیا تمہیں
اخری الا تری ان من قدر علی	اس انسان کو نہیں دیکھا جو کھانے پہ قادر ہے تو وہ
النفقہ فھو متی جاع فبیدہ۔	جب چاہے کھائے جب چاہے ہاتھ اٹھا لے ایسے

---

[1] نہ عارضی اور غیر اختیاری جیسا کہ وہابیہ کا خیال ہے کہ وہ ہر کمال مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عارضی اور غیر اختیاری مانتے ہیں۔

الشبع یاکل ماشاء فقس علیہ الرزق المعنوی والعروج الی مبداہ بل ھو اولی من ذالك لانہ مستغن آلۃ وسبب ولیس بین الطالب والمطلوب مسافۃ۔

ہی جسے رزق معنوی سے وافر حصہ نہیں ہوا ہے اور اسے اپنے مبدا کی طرف عروج کا موقع ملا ہے بلکہ وہ ظاہری رزق والے سے افضل و اولیٰ ہے اس لئے کہ معنوی رزق والا کسی آلہ اور سبب کا محتاج نہیں ہوتا اور نہ ہی طالب و مطلوب کے درمیان کوئی مسافت ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎ ایں دراز و کوتہی مرجسم راست
چہ دراز و کوتہ آنجا کہ خدا است
چوں خدا مرجسم را تبدیل کرد
رفتنش بے فرسخ و بے میل کرد

ترجمہ: یہ کمی بیشی جسم کو ہے جہاں اللہ تعالیٰ ہے وہاں کمی بیشی کیسی۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے جسم کو رُوح سے تبدیل کر دیا ہے تو ایسے اولیاء کو سیر کرنے میں نہ فرسخ ہوتے ہیں نہ میل۔

خلاصہ یہ کہ اولیاء اللہ وہ ہیں جنہیں حقیقی تقویٰ نصیب ہے ان کی چند علامات ہیں

اولیاءِ کرام کی علامات اور نشانیاں اگرچہ وہ علیحدہ علیحدہ شمار نہیں ہوتیں صرف اولیاء کرام کے فرق مراتب کی وجہ سے بعض تمام اوصاف کے حامل ہوتے ہیں بعض میں چند ایک ہوتی ہیں بعض صرف ایک نشانی رکھتے ہیں یعنی بعض مبتدی ہوتے ہیں بعض منتہی بعض متوسط۔ اب حقیقی اولیاء کرام کی علامات سُنیئے:

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا:

۱۔ اولیاءِ کرام کے چہرے بوجہ شب بیداری زرد
۲۔ گریہ وزاری سے آنکھیں سُرخ
۳۔ بھُوک سے پیٹ ڈھیلے
۴۔ سجدوں سے پیشانیاں خشک
۵۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اولیاء اللہ کی نشانی پُوچھی گئی تو آپ نے فرمایا کہ:

ان کے دیکھنے سے خدا تعالےٰ یاد آجائے۔

لہ اس سے جہاں نبی علیہ السلام کے لیے اختیار دائمی ثابت ہوا وہاں یہ بات بھی اظہر من الشمس ہو گئی کہ آپ کی حقیقت نور ہے بشریت آپ کے لیے بمنزلہ لباس ہے۔

یعنی ان کے چہرے سے اُن کی روحانیت اور طرزِ زندگی اور نشست و برخاست بتائے کہ یہ اللہ والے ہیں۔ قرآن مجید میں سیماھم فی وجوھھم اسی طرف اشارہ ہے۔

۶۔ بعض مشایخ فرماتے ہیں: ان کا ہر ارادہ اور کام اللہ تعالیٰ کی رضا پر اور ان کا ہر شغل اسی سے اور ان کا ہر معاملہ اسی کی طرف راجع ہو۔

خلاصہ یہ کہ وہ فنا فی اللہ اور باقی باللہ ہوتے ہیں اسی لیے ہر وقت ان پر انوارِ ولایت کی بارش ہوتی رہتی ہے یہی وجہ ہے کہ وُہ خود اپنی ذات سے بے خبر ہوتے ہیں انھیں غیر اللہ سے کسی قسم کا واسطہ نہیں ہوتا اگر کسی سے محبت کرتے ہیں تو اللہ تعالےٰ کے لیے، اگر کسی سے عداوت رکھتے ہیں تو بھی اللہ تعالےٰ کے لیے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کے بعض بندے ایسے ہیں وہ نہ نبی ہیں اور نہ شہید، لیکن ان کے مراتب پر قیامت میں (علیٰ سبیل الشفقۃ) انبیاء و شہداء رشک کریں گے۔ آپ سے عرض کیا گیا: وُہ کون لوگ ہیں اور وہ کس عمل سے اس بلند مرتبہ کو پہنچے ہیں ہمیں وُہ حضرات محبوب لگ رہے ہیں آپ نے فرمایا: وہ حضرات ایک دوسرے سے صرف اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرتے ہیں۔ نہ ان کی آپس میں رشتہ داریاں ہیں نہ انھیں ایک دُوسرے سے مال و دولت کا واسطہ ہے بخدا ان کے چہرے نورانی ہوں گے اور نور کے منبروں پر رونق افروز ہوں گے وہی ہیں کہ جب لوگوں کو غم و حزن ہو گا اُنھیں غم ہو گا نہ حزن و ملال۔

ازالۂ وہم کی تقاریر ۱ــــ انبیاء و شہداء کا رشک یہی عرفی نہیں ہو گا بلکہ ان کے حالات کو دیکھ کر خوشی کا اظہار کریں گے جیسے ایک عام آدمی اعلیٰ کے مراتب سے پہلے خوش ہوتا ہے پھر ان مراتب کی تمنا کرتا ہے ان حضرات کے رشک کی تمثیل و تشبیہ صرف مسرت میں ہے اور بس۔ اس سے عوام کا وہ وہم دفع ہو گیا جو اس حدیث کو سُن کر کتے ہیں کہ انبیاء و شُہداء بہت بڑے عہدوں پر فائز المرام ہونے کے باوجود عام ولی اللہ پر رشک کیوں؟

۲ــــ کواشی میں لکھا ہے کہ یہ مبالغہ کے طور کہا گیا یعنی بفرضِ محال اگر ایسی قوم ہو بھی تو ان پر انبیاء علیہم السلام بھی رشک کرتے۔ یعنی نہ ایسے لوگ ہوں گے اور نہ انبیاء علیہم السلام ان پر رشک کریں گے اگر یہ معنےٰ نہ کیا جائے تو غیر انبیا کی انبیاء پر فضیلت لازم آتی ہے[1]۔ اور نہ ہی غیر نبی کسی نبی کے مرتبہ کو پہنچ سکتا ہے۔

۳ــــ تفسیر الفاتحہ للفناری میں ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اُمتوں کی غلطیوں پر ان پر شفقت کرتے ہوئے اُمت کی وجہ سے گھبراہٹ میں ہوں گے اور ہر اُمت اپنی خطاؤں پر خوفزدہ ہو گی انبیاء علیہم السلام اُمت کی حالت زار پر پڑھتے ہوں گے: سلّم وسلّم۔ اُمت کی وجہ سے اُنھیں سخت خوف ہو گا لیکن اللہ والے مطمئن اور ہر خوف و حُزن

---

[1] خلافاً للشیعۃ الشنیعۃ وھم یفضلون ائمتھم علی الانبیاء والتفصیل فی کتابی آئینۂ شیعہ مذھب وشرح آئینہ شیعہ نما۔ اولیسی غفرلہ

سے باامن وسلامت ہوں گے کہ نہ انھیں اپنا خطرہ ہوگا اور نہ دُوسروں کا خوف۔ انبیاء علیہم السلام ان اولیاء کرام کی اس فارغ البالی اور سکونِ خاطر کو دیکھ کر رشک کریں گے کہ یہ حضرات کتنے خوش نصیب ہیں کہ انھیں کسی کی پروا نہیں اور ہم اُمتوں کی غلطیوں پر کتنی تکلیف میں ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کو رشک اسی وجہ سے ہوگا اور ان کا خوف وحزن بھی اُمتوں کے لیے ہوگا ورنہ ان سے امن وسلامتی میں بڑھ کر اور کون ہو سکتا ہے۔

۴ ــــــ صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اس تحریر سے فارغ ہوا تھا کہ میرے دل میں ایک معنیٰ وارد ہُوا جو حدیث مذکور کا بہترین جواب بن سکتا ہے وُہ یہ ہے کہ مقامِ محبت ایک مخصوص مقام ہے جو اللہ تعالیٰ نے صرف ہمارے نبی علیہ السلام کو عنایت فرمایا ہے اس مقام کو وراثت میں آپ کے وارثین اولیاء کرام کو عنایت فرمایا ہے اگر اس مقام کو دیکھ کر انبیاء علیہم السلام رشک کریں تو بجا ہے۔ دراصل یہ مقام و مرتبہ تابع کا نہیں بلکہ متبوع کا ہے اور انبیاء علیہم السلام ہمارے نبی علیہ السلام کے مراتب ومقامات کو دیکھ کر جتنا رشک کریں بجا ہے۔ اسی بناء پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔

میری اُمت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام کی طرح ہیں۔

اس سے نہ تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ غیر انبیاء انبیاء علیہم السلام کے ہم مرتبہ ہو گئے اور نہ ہی مطلقاً امت مصطفوی کے بعض افراد مراتب ومقامات میں انبیاء علیہم السلام سے (معاذ اللہ) بڑھ گئے ہیں۔

۵ ــــــ کبھی ادنیٰ اعلیٰ پر کسی خاص وجہ سے فضیلت پا جاتا ہے اور یہ قاعدہ اپنے مقام پر مسلّم ہے۔ حضور علیہ السلام نے اسی لیے فرمایا:

انتم اعلم باموردنیاکم[1]

لیکن معرفت کے مقامات غیر منتہی ہیں اللہ تعالیٰ جانے یا اس کے بندے۔

نکتہ: حضرت ابویزید قدس سرہٗ نے فرمایا:

اولیاء اللہ بمنزلہ دُلہن ہیں اور دُلہن کو وہی دیکھ سکتا ہے جو اس کا محرم ہوتا ہے لیکن غیروں سے محجوب ہوتی ہے اسی طرح اولیاءِ کرام حجاب انس میں محجوب ہیں انھیں نہ دنیا میں دیکھا جا سکتا ہے اور نہ ہی آخرت میں۔

ف: حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان کی ظاہری شکل کو ہر کس دیکھتا ہے لیکن ان کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں ہوتی کسی خوش بخت کو ان کی حقیقت معلوم ہوتی ہے ورنہ عوام کو ان کی حقیقت سے محروم رکھا جاتا ہے۔ اگر کسی قوم کو ان کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے تو وہ ان لوگوں کے لیے بمنزلہ حجت ہو جاتے ہیں کہ اگر انھوں نے ان کی قدر ومنزلت کے مطابق تعظیم و

---

[1] لیکن صحیح مفہوم وُہ ہے جسے محدثین نے بیان فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے انھیں توکل سکھانے کے لیے فرمایا۔ اس کی تفصیل فقیر کی تفسیر اویسی میں دیکھئے۔

تکریم کی تو کامیاب و کامران رہیں گے اگر ان سے۔ ان کی مخالفت سرزد ہوئی یا معمولی گستاخی و بے ادبی ہوئی تو مارے جائیں گے اور خاتمہ خراب ہوگا۔

ف: شیخ ابو العباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

معرفة الولی اصعب من معرفة اللہ فان اللہ معروف بکمالہ وجمالہ و متی یعرف مخلوق مخلوقا مثلہ یاکل کما یاکل و یشرب کما یشرب وھم ظاھرھم مزین احکام الشرع و باطنھم مشتغل بانوار الفقر[1]

اللہ تعالیٰ کی معرفت آسان ہے لیکن ولی اللہ کی حقیقت کی معرفت مشکل ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کمال و جمال کی وجہ سے معروف ہے لیکن ولی اللہ ایک مخلوق ہے اس لیے مخلوق کو مخلوق کی معرفت مشکل ہے اس لیے وہ انہی کی طرح احکامِ شرع کی پابندی کرتا ہے لیکن اس کا باطن انوارِ فقر میں مشغول ہے اسی لیے اس کی معرفت مشکل ہو جاتی ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

راہرو راہ طریقت ایں بود
کاو باحکام شریعت میرود

ترجمہ: سالک طریقت کے راہ پر چل رہا ہے لیکن احکامِ شریعت کو اپنا رہبر بنا کر۔

ف: کاشفی اولیاء اللہ کی تعریف میں لکھتے ہیں: ؎

رخش ز میدان ازل تاختہ
گوی بچوگان ابد باختہ
معتکفان حرم کبریا
شستہ دل از صورت کبر و ریا
راہ نورداں شکستہ قدم
راز کشایان فروبستہ دم

ترجمہ: اس کا چہرہ میدان ازل سے چمکیلا ہوتا ہے جیسے گیند ڈنڈے کے ماتحت گھومتی ہے وہ بھی ہر وقت حرم کبریا میں بیٹھے ہوئے ان کا دل کبر و ریا سے صاف ہو جاتا ہے بظاہر ان کے قدم شکستہ، لیکن حقیقت میں راہِ سلوک میں تیزی سے دوڑ رہے ہوتے ہیں بظاہر انھیں خاموش پاؤ گے اور سلوک میں فاتح اسرارِ الٰہی ہوتے ہیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

---

[1] روح البیان ج ۳ ص ۶۰

اسیرش نخواہد رہائی ز بند
شکارش نجوید خلاص از کمند
دلارام در بر دلارا ستے جوے
لب از تشنگی خشک بر طرف جوے

ترجمہ : ان کا قیدی قید سے نجات پاتا ہے، ان کا شکار کمند سے نکلنا نہیں چاہتا باوجودیکہ محبوب ان کی بغل میں ہوتا ہے لیکن محبوب کی تلاش میں ہوتے ہیں دریا کے کنارے پر ہونے کے باوجود لب پیاس سے خشک۔

تفسیر عالمانہ

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ ان کے لیے خوشخبری ہے دُنیا و آخرت میں۔

ربط : اولیاء کرام کو دُنیا و آخرت کے شرور اور ان کے مصائب اور مشکلات سے نجات دلانے کے بعد اب بتایا جا رہا ہے کہ انھیں دارین میں کن انعامات و کرامات سے نوازا جائے گا۔

ف : یہ جملہ مستانفہ اور سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ ان اولیاء کرام کو خوف و حزن نہ ہونے کے علاوہ اور بھی کچھ انعام و اکرام نصیب ہوگا یا نہ جواب ملا لھم البشرٰی الخ۔

نکتہ : دُنیا کو آخرت سے پہلے ذکر کرنے میں اسی طرف اشارہ ہے کہ پہلے تصفیہ (صفائی) ضروری ہے بعد کو تحلیہ یعنی پہلے شے کو صاف ستھرا کیا جاتا ہے اس کے بعد اسے سنگارا جاتا ہے انسان کو دُنیا میں ہر غل و غش سے پاک اور صاف ہو کر جانا ہوگا پھر آخرت کے انعام و اکرام کے زیور نصیب ہوں گے۔

حلِ لغات : البشرٰی مصدر ہے اس سے وہ بھلائیاں مراد ہیں جو انسان کو بعجلت جیسے نصر، فتح، غنیمت وغیرہ یا دیر سے نوازا جاتا ہے۔

ترکیب : فی الحیٰوۃ الدّنیا و فی الاٰخرۃ دونوں ظرفیں البشرٰی سے حال ہیں اور اس کا عامل مستقر محذوف ہے اور یہی خبر کا بھی عامل ہے در اصل عبارت یوں تھی:

لھم البشرٰی حال کونھا فی الحیٰوۃ الدنیا و حال کونھا فی الاٰخرۃ ای عاجلۃ و آجلۃ۔

یا یہ دونوں ھُم ضمیر سے حال ہیں ای حال کونھم فی الحیٰوۃ الخ

تفسیر البُشْرٰی

البشرٰی کے متعلق مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ مولانا ابو السعود رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: چونکہ یہ بشارۃ مقصود بالذات اور دنیا میں لازماً عطا ہوگی۔ فلہذا اس سے مندرجہ ذیل امور مراد ہیں:

۱۔ ثناءِ حسن

۲۔ ذکرِ جمیل

۳۔ محبۃ الناس

بعض مفسرین نے فرمایا کہ :

۴۔ البشرٰی مصدر ہے اور دونوں ظرف اسی کے متعلق ہیں۔ دنیا کی خوشخبریاں وہی ہیں جو اہلِ ایمان متقین کے لیے قرآن مجید میں متعدد مقامات پہ مذکور ہوئی ہیں۔

۵۔ **حدیث شریف** : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

بشرٰی سے نیک خواب مراد ہے جسے مومن نیند میں دیکھتا ہے یا اسے دکھایا جاتا ہے۔

ف : دکھائے جانے کا مطلب یہ ہے کہ کسی دُوسرے کے متعلق کوئی نیک بات خواب میں دیکھتا ہے۔

نکتہ : خواب میں جو کچھ دیکھے گا وہ منجانب اللہ ہوگا لیکن چونکہ نبوت کا سلسلہ تو ختم ہے اس لیے اب جو کچھ دیکھے گا وہ اس کے لیے بھلائی ہوگی یا اسے کسی معاملہ پر متنبہ کیا جائے گا یا آیندہ کسی معاملہ کی اسے خوشخبری دی جائے گی۔ (کذا فی مشارق الانوار لابن الملک)

ف : ظاہر ہے کہ ایسی بشارت صرف اولیاءُ اللہ کو نصیب ہوگی اس لیے کہ ان کے ارواح وقلوب ذِکرِ الٰہی اور معرفتِ حق میں ہمہ وقت مشغول رہتے ہیں۔ بنا بریں ان کا خواب میں دیکھنا بیداری میں دیکھنے کی طرح ہے اس لیے وہ جو کچھ خواب میں دیکھیں گے وہ مبنی برحق ویقین ہوگا۔

ف : جو اس عالمِ دنیا میں گناہوں کی وجہ سے پراگندہ حال ہے گناہوں کی وجہ سے اس کے دل اور رُوح پر ظلمات کا ہجوم ہو تو اس کے خواب کا کیا اعتبار۔

ف : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ البشرٰی وہ مبشرات مراد ہیں جو بذریعہ نبوت یا الہام وکشف ذریعہ بین المنام والیقظہ (یعنی وُہ حالت جو نیند اور بیداری کے درمیان ہوتی ہے) دیکھے جاتے ہیں۔ اس حالت میں انبیاء واولیاء پر منجانب اللہ مشاہدات وکمالات وارد ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لم یبق من النبوۃ الا المبشرات۔

مبشرات نبوت کا بقایا ہیں۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے :

الرؤیا الصالحۃ من الرجل الصالح جزء من ستۃ واربعین جزءً من النبوۃ۔	نیک آدمی کا نیک خواب نبوت کے چھیالیسویں حصے میں سے ایک حصہ ہے۔

شرحِ الحدیث مذکورہ اس حدیث شریف کا مقصد یہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اعلانِ نبوت کے بعد مکہ معظمہ میں تیرہ سال اور مدینہ طیبہ میں دس سال مقیم رہے یہ کل تیئیس (۲۳) سال ہوئے آپ پر بیداری میں ۲۳ سال اور خواب میں انہی تیئیس سالوں میں چھ ماہ وحی کا نزول ہوا۔ اس معنے پر خواب کو نبوت کا چھیالیسواں ۴۶ حصہ کہا گیا ہے[1]

نکتہ : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدائی وحی خواب میں اس لیے شروع کی گئی تاکہ بیداری میں وحی اور حامل وحی کے انوار کی برداشت سے بشریت کو مانوس کیا جا سکے اس لیے کہ بیداری میں اگر اچانک وحی آتی تو ممکن ہے بشریت تاب نہ لا سکتی اسی لیے آپ کی بشریت کو مانوس کرنے کی خاطر خواب میں اس کا آغاز کیا گیا تاکہ آیندہ بشریت کو وحی اور حامل وحی سے گھبراہٹ نہ ہو[2]

۵۔ بعض صوفیا نے کہا کہ آیت میں بشریٰ سے اس رحمت کی خوشخبری مراد ہے جو انسان کو موت کے وقت ملائکہ کرام سناتے ہیں اور آخرت میں اولیا، کو بشریٰ کے بھی چند وجوہ ہیں۔

آخرت میں اولیا، کرام کے ہاں ملائکہ حاضر ہو کر ہدیۂ سلام پیش کر کے جو کرامات و انعامات انھیں نصیب ہونگے ان کی کامیابی و کامرانی پر مبارکباد پیش کریں گے۔ آخرت کے انعامات و کرامات چند ایک یہ ہیں :

۱ــــــ ان کے چہرے روشن و تاباں ہوں گے۔

۲ــــــ انھیں اعمال نامے دائیں ہاتھ میں عنایت ہوں گے۔

۳ــــــ اور ان اعمال ناموں کو پڑھتے ہوئے مسرور ہوں گے۔

۴ــــــ آخرت میں تا دخولِ جنت کئی مراحل و منازل طے کرنے پڑیں گے۔ ہر مرحلہ اور منزل پر ملائکہ کرام اولیاءِ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کو مبارکباد پیش کرتے جائیں گے یہی خوشخبریاں بھی ان کے لیے بشریٰ عاجلہ میں داخل ہوں گی، اگرچہ آخرت میں سہی لیکن چونکہ منزلِ مقصود پر پہنچنے سے پہلے دی جائیں گی اسی لیے انھیں بُشریٰ عاجلہ سے تعبیر کیا جائے' ہاں دوسرے معنے پر انھیں آجلہ (یعنی ایک مدت کے بعد) بھی کہا جا سکتا ہے اس لیے کہ آخرت میں دی جائیں گی لیکن چونکہ مقصود بالذات نہیں البتہ انھیں مقصود بالذات کے اسباب سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

ف : جناب سلمی صاحب فرماتے ہیں کہ دُنیا میں اولیاء اللہ کو بُشریٰ کا معنے یہ ہے کہ انھیں دیدارِ الٰہی کا مژدہ سُنایا گیا،

---

[1] اس کا وہ معنی نہیں جو مرزائی کہتے ہیں کہ غلام احمد کو چونکہ نیک خواب (الہام) وغیرہ آتے ہیں فلہذا وہ نبی ہے۔ (معاذ اللہ)

[2] یہ توجیہ بھی مناسب ہے لیکن انسب وہ ہے جو فقیر نے تفسیر اویسی میں عرض کیا ہے۔

آخرت میں بُشریٰ کا معنٰی یہی ہے کہ انھیں دیدارِ الٰہی کا خصوصی شرف نصیب ہوگا۔

ف : شیخ الاسلام نے فرمایا، اولیاءِ کرام کو دو بشارتیں نصیب ہوتی ہیں،

۱ــــــ دنیا میں معرفۃ حق

۲ــــــ آخرت میں عجیب و غریب نوازشات

منجملہ ان کے دیدارِ حق سے نوازا جائے گا نیز اس دُنیا میں وہ مجاہدات کے سرور اور آخرت میں نورِ مشاہدہ سے منوّر ہوں گے نیز یہ بھی ہے کہ دُنیا میں صفا و وفا سے آخرت میں رضا و لقاء سے نوازے جائیں گے۔

تفسیرِ صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آخرت میں اولیاء کرام سے حجابات ہٹا دیے جائیں گے جس سے انھیں نورِ قدیم کے جلوے نصیب ہوں گے اور ان سے حدوث کی ظلمات مٹ جائیں گی اور دیدارِ حق اللہ تعالےٰ کی ایک خاص نعمت ہے جو صرف اولیاءِ کرام کو نصیب ہو گی۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

یبشرھم ربھم برحمۃ منہ۔

اللہ تعالیٰ انھیں خصوصی رحمت سے نوازے گا۔

اور حدیث شریف میں ہے کہ:

آخرت میں ایک اعلیٰ مقام پر اولیاء کرام کو بٹھا کر خصوصی تجلّی سے نوازتے ہوئے فرمائے گا: اے میرے محبوبو! اور کچھ چاہتے ہو؟

عرض کریں گے: اے اللہ العٰلمین! تیری بڑی کرم نوازی ہے کہ تُو نے ہمیں نارِ جہنم سے بچا کر اپنی خاص دارِ جنۃ میں جگہ دی اور اپنے قُرب سے نوازا، بہترین خلعتیں بخشیں، اپنا دیدار کرایا اس سے زیادہ ہمیں اور کیا چاہیے۔

لیکن پھر بھی اللہ تعالےٰ فرمائے گا: اے میرے محبوبو! تمہارے لیے ایک اور انعام باقی ہے۔

عرض کریں گے: وُہ کیا ہے؟

اللہ تعالےٰ فرمائے گا: اب کے بعد میں تم پر راضی ہُوں تا ابد تم پر ناراض نہیں ہُوں گا۔

اس کلمہ کو سُن کر بہت مسرور ہوں گے۔ انھیں اس ارشاد سے اور کوئی بڑی نعمت محسوس نہیں ہو گی۔

ف : یہی وہ کلمہ ہے جو ہماری تخلیق کے آغاز میں فرمایا "کُن"۔ ہم سب نے اس پاک کلمہ کو سُنا۔ لیکن اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے اپنے کلام پر مُہر لگا دی اس کی لذّت اہل اللہ تا قیامت نہیں بُھولتے۔ پھر جب انھیں خصوصی تجلیات سے نوازا جائے گا تو آخر میں پھر وہی لذیذ ترین کلام انھیں سُنائے گا جس سے انھیں سب سے بڑی نعمت یاد آئے گی آیت میں البشریٰ سے یہی لذیذ ترین کلام مراد ہے۔

تفسیر عالمانہ لَا تَبۡدِیۡلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ؕ اللہ تعالٰے کے کلمات کو تبدّل و تغیّر نہیں۔ یعنی جتنے وعدے اللہ تعالٰے نے اپنے بندوں سے کیے ہیں ان کا ہرگز خلاف نہیں ہوگا۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ازل میں جو احکام مرتب ہُوئے ان میں کسی قسم کا تغیّر و تبدّل نہیں۔ مثلاً کسی بندے سے کہا:

کُن ولیا۔ ولی ہوجا۔

کسی کو کہا: کُن عدوا۔ دشمن ہوجا۔

اس میں اب تغیّر و تبدّل نہیں ہوسکتا۔ اس کی حکمت بالغہ کے تحت جسے ولی کہا وہ ولی رہے گا اور جسے دشمن کہا وہ دشمن رہے گا۔ نہ کلمۂ ولی میں تغیر ہوسکتا ہے اور نہ کلمۂ دشمن میں۔

تفسیر عالمانہ ذٰلِکَ وہ خوشخبری هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ○ بہت بڑی کامیابی ہے یہ ایسی کامیابی ہے کہ جس کی کُنہ تک عقول وافہام نہیں پہنچ سکتے کیوں نہ ہو جبکہ یہی کامیابی سعادت دارین ہی ہے۔

ولایت کی اقسام ولایت کی دو اقسام ہیں:

ا ـــــ ولایتِ عامہ ـــــ یہ بحمدہٖ تعالٰے ہر مسلم کلمہ گو کو نصیب ہے۔ کما قال تعالٰے:

اللہ ولی الذین اٰمنوا یخرجھم من الظلمٰت الی النور۔

اللہ تعالٰی اہلِ ایمان کا ولی ہے کہ انھیں ظلمات سے نکال کر نُور کی طرف لے جاتا ہے۔

۲ ـــــ ولایت خاصہ ـــــ یہ اہلِ سلوک میں سے واصلین باللہ کو نصیب ہوتی ہے۔

ولایت کا معنیٰ ولایت بمعنے بندے کا فناء فی اللہ و بقاء باللہ ہونا۔

اجمالی ازالۂ وہم ولایت میں کرامات کونیہ کا صدور ضروری نہیں اس لیے کہ ایسی کرامات تو ملتِ اسلامیہ کے مخالفین میں بھی پائی جاتی ہیں البتہ کرامات قلبیہ کا ہونا ولایت میں شرط ہے۔ کرامات قلبیہ علوم الٰہیہ و معارفِ ربانیہ کو کہا جاتا ہے۔ کبھی یہ دونوں ایک انسان میں مجتمع ہوسکتی ہیں جیسے محبوبِ سُبحانی قطبِ ربانی شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰے عنہ ان ہر دو قسم کے کرامات کے جامع تھے۔ اسی طرح شیخ ابُو مدین مغربی قدس سرّہٗ بھی جامع الکرامات الکونیہ والقلبیہ تھے۔ جیسے مشرق میں شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہر قسم کے کرامات میں لاثانی تھے، اسی طرح مغرب میں شیخ ابو مدین مغربی قدس سرّہٗ کرامات میں بے نظیر تھے۔

ف: کبھی ان دونوں کرامات میں سے صرف ایک قسم کے ولی ہوتے ہیں۔ بعض میں صرف کرامات قلبیہ ہوتی ہیں اکثر کاملین اہلِ فناء رحمہم اللہ تعالٰے اپنی کراماتِ قلبیہ کے حامل ہوتے ہیں۔

تفصیلی ازالہ وہم کراماتِ کونیہ[1] جیسے پانی پر چلنا ، ہوا میں اڑنا ، لمبی مسافتیں تھوڑے سے عرصہ میں طے کر لینا ، کا صدور، جیسے اہلِ اسلام سے صادر ہوتی ہیں ایسے ہی یہودیوں، نصرانیوں کے راہبوں اور فلسفیوں سے بھی ظاہر ہوتی ہیں ۔ بے دینوں سے ایسی کرامات کا صدور بطور استدراج ہوتا ہے ۔ سورۂ بقر کی آیت "ثم قست قلوبکم من بعد ذٰلک فھی کالحجارۃ او اشد قسوۃ" میں ہم نے اس مسئلہ کو تفصیل سے عرض کر دیا ہے ۔

حقیقی بادشاہی نبوت و رسالت دراصل ایک باطنی بادشاہی ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے جسے بخشتا ہے اسی سے مخصوص ہوتی ہے اس میں بندے کے کسب کو کسی قسم کا دخل[2] نہیں ۔

وزارت ولایت بمنزلہ وزارت ہے اسے کسب سے حاصل کیا جا سکتا ہے اس کے حصول میں بندے کو دخل ہے جیسے وزارت کو بندہ اپنی حسنِ کارکردگی سے حاصل کر سکتا ہے ایسے ہی ولایت کو بھی اعمال حسنہ سے حاصل کیا جا سکتا ہے ۔

ازالہ وہم درحقیقت یہ بھی نبوت کی طرح عطائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیض و فضل سے نصیب ہوتی ہے لیکن چونکہ اس میں چند شرائط و اسباب ہوتے ہیں ان کے استعمال سے درمیانی حجابات اُٹھ جاتے ہیں ۔ چونکہ وہ حجابات تدریجاً ہٹتے ہیں اس سے وہم ہوتا ہے کہ شاید ولایت بھی کسبی ہے ۔

ولایت کی منزلیں ولایت کی منزل اوّل یہ ہے کہ مظاہر کے عشق اور اغیار کی محبت کو دُور کرنے اور قیود و استتار سے چھٹکارا پانے کے بعد سالک کا سفر خلق سے شروع ہو کر حق کی طرف ختم ہو اس طرح کی منازل و مقامات طے کرتا ہُوا بہت بڑے مراتب و درجات کو پہنچے صرف علم یقینی کے حصول سے سالک اہلِ حق کے مقام کو نہیں پا لیتا جب تک کہ راہ و رسم اور اپنی نام و نمود کو مٹا نہ ڈالے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات اس خوش بخت کو نصیب ہوتے ہیں جس نے ہستیٔ موہوم کو فنا کر دیا ہو ۔

ف : چونکہ مراتب ولایت مختلف ہیں اسی لیے طریقت والوں کو تین اقسام پر منقسم کیا گیا ہے ۔ یعنی ان میں بعض علم الیقین ، بعض عین الیقین اور بعض حق الیقین کے حامل ہوتے ہیں ۔

---

[1] عوام اہلسنت نے انہی کرامات پر ولایت کو منحصر کر لیا ہے ان کے اذہان میں یہ تصور ایسا راسخ ہوا ہے کہ جس سے کرامت کا صدور نہ ہو تو وُہ اسے ولی سمجھتے ہی نہیں درحقیقت یہ ان کی غلطی نہیں بلکہ علماء اہلسنت اور مشایخ سلسلہ کی چشم پوشی ہے ۔ اس دور میں اس مسئلہ کی وضاحت ضروری ہے ۔

[2] مرزائیوں کی فریب کاری ہے کہ وہ نبوت بھی کسبی سمجھتے ہیں ۔

ف : امرِ الٰہی جیسا کہ ہے اس کے تصور کو علم الیقین ، اس کے مشاہدہ کو عین الیقین اور ہر حیثیت سے فنا فی الحق و بقا بالحق ہونے کو حق الیقین کہتے ہیں یعنی شہوداً و علماً وحالاً ہر لحاظ سے فانی ہونے پر یہ مرتبہ نصیب ہوتا ہے۔ بعض لوگ صرف علماً فانی ہونے کے بعد اس مرتبہ کے حصول کے قائل ہیں ان کا یہ خیال غلط ہے۔

مسئلہ : چونکہ ولایت کے مراتب غیر منتہٰی ہیں اسی لیے مراتب اولیاء بھی غیر منتہٰی ہوتے ہیں۔

ولایت کے حصول کا طریقہ توحید پر ثابت قدم ہونا نفس کو اخلاق ذمیمہ سے پاک کرنا اور اسے اغراض دنیویہ و دینیہ سے صاف رکھنا جو طریقۂ حق میں جدّ وجہد کرتا ہے وہ درحقیقت اپنے آپ کو زمرۂ اولیاء میں داخل کر رہا ہے اور جو خواہش نفسانی کی اتباع میں لگا رہتا ہے وہ سمجھے کہ وہ اپنے آپ کو دشمنانِ خدا میں شامل کر رہا ہے۔

سلوک کسے کہتے ہیں اصطلاحِ تصوف میں سلوک فنا فی اللہ کے راہ پر چلنے کا نام ہے وہ اس لیے کہ مرید اپنے ارادوں کو اپنے پیر و مرشد کے ارادوں میں فنا کر دیتا ہے۔

مُرید نہیں مَرید ہے جو مُرید اپنے شیخ پیر و مرشد کے رائے کے خلاف کرتا ہے وہ مُرید نہیں مَرید[1] (سرکش) ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

گسل از پیغمبر ایام خویش
تکیہ کم کن بر فن و بر کام خویش
گرچہ شیری چوں روی راہ بے دلیل
ہمچوں روبہ در ضلالی و ذلیل
ہیں مپر الا کہ با پر ہائے شیخ
تا نہ بینی عون و لشکر ہائے شیخ

سبق : مومن پر لازم ہے کہ اولیاء کی سیرتوں کو اپنائے ورنہ کم از کم ان سے عقیدت ومحبت پر التزام کرے[2]۔ اس لیے کہ ہر مرد قیامت میں اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اسے محبت وعقیدت ہوگی اس لیے اگرچہ ایک جانب بھی اسے تو جامع طریق سے حاصل کرے۔

---

[1] جیسے دیوبندیوں کے اکابرین گنگوہی ، نانوتوی ، تھانوی وغیرہم نے اپنے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ کے خلاف کیا۔ تفصیل کے لیے فقیر کی کتاب " دیوبندی نامہ " دیکھیے۔

[2] بحمدہٖ تعالٰی یہ طریقہ ہم اہلسنت کو نصیب ہے دوسرے تمام بد مذاہب اس طریقۂ انیقہ سے محروم ہیں۔

تفسیر عالمانہ

وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ آپ کو ان کی باتیں غم میں نہ ڈالیں۔ اس سے حضور علیہ السلام کو کفار کی باتوں سے غمگین ہونے سے روکا گیا ہے۔ یہ جملہ دراصل انشائیہ ہے اصل عبارت یوں تھی:

لا تحزن بقولھم ولا تبال بتکذیبھم الخ

اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان کی باتوں سے غم نہ کیجئے اور نہ ہی ان کی تکذیب کی پروا کیجئے۔

اور وہ جو آپ کے شہید کرنے اور آپ کے اسلام کے خلاف کارروائیاں کر رہے ہیں اور آپ کے حق میں طرح طرح کے بکواسات کرتے ہیں آپ فکر نہ کیجئے اس لیے کہ ان کی تمام کارگزاریوں میں ذرہ بھر بھی بھلائی نہیں۔

نکتہ: ان کی باتوں سے حزن کی نہی میں مبالغہ مقصود ہے اس لیے کہ تاثیر کی نہی سے دراصل تاثیر کی نہی مطلوب ہوتی ہے۔

ف: کواشی میں ہے: قولھم پر وقف کرنا چاہیے۔ آگے ان العزۃ الخ سے جملہ مستانفہ ہے۔ یہی مختار مذہب ہے یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ گویا حضور علیہ السلام نے عرض کی: اے الہ العالمین! میں ان کی باتوں سے کیوں نہ غم کھاؤں؟ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے جواب دیا کہ:

اِنَّ الْعِزَّةَ بے شک عزت وقہر لِلّٰهِ جَمِيْعًا تمام اللہ تعالےٰ کے لیے ہے یعنی تمام امور اللہ تعالےٰ کی ملکیت اور اسی کی سلطنت میں ہیں اس کے سوا ان کا اور کوئی مالک نہیں۔ نہ کفار نہ کوئی اور ہے جو آپ کی معاونت کر سکے یا آپ کو مصائب و آلام سے بچائے هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ وہی سمیع وعلیم ہے یعنی جو کچھ باتیں بنا رہے ہیں انہیں وہی سنتا ہے اور جو کچھ آپ کے بارے میں وہ عزائم رکھتے ہیں انھیں وہی جانتا ہے انھیں ان کی کارروائیوں پر سرزنش کرے گا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے: ان العزۃ للہ جمیعًا یعنی دنیا و آخرت کی عزت اللہ تعالےٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے کسی کو صرف دنیا میں عزت بخشتا ہے کسی کو صرف آخرت میں عزت سے نوازتا ہے کسی کو دنیا و آخرت دونوں میں معزز فرماتا ہے اسے نفس کی شرارتوں اور شیاطین کے وساوس اور نعمتوں سے محظوظ ہونا نہیں روکتا یعنی چاہے تو مجرم کو معزز بنا دے خواہ وہ دُنیوی نعمتوں سے معزز ہو کر کتنے ہی گھناؤنے جرائم کا ارتکاب کرے۔

اسی طرح کسی کو دنیوی نعمتوں سے نواز کر اسے آخرت کی نعمتوں سے بھی محروم نہیں کرتا۔ کما قال تعالےٰ:

قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق۔

فرمائیے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی زینت کو حرام کر دے جو اس نے اپنے بندوں کے لیے بنائی ہے اسی طرح اس پاکیزہ رزق کو کون حرام کر سکتا ہے۔

اس سے ثابت ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندے وہ ہیں جنہیں دنیا میں بھی بھلائی سے نوازا گیا اور آخرت میں بھی بلکہ بہت سے بڑے خوش نصیب ایسے ہوتے ہیں جن کی دُنیوی نعمتیں آخرت کے امور کی معاون ثابت ہوتی ہیں۔

حدیث قدسی شریف میں ہے کہ :

میرے بعض سے بندے ہیں جن کے لیے دولت مندی ضروری ہے اگر انہیں تونگری نہ ہو تو ان کا دین ضایع ہو جاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ خبردار بیشک تمام آسمان اور زمین والے اللہ تعالےٰ کی ملک میں ہیں یعنی فرشتگان اور انس وجن چونکہ یہی اشرف المخلوقات ہیں اسی لیے ان کے نام لینے کے بعد دُوسروں کو ضمناً بیان کیا گیا ہے یعنی جب یہ اشرف المخلوقات اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں تو اُن کے ماسوا باقی بطریق اولیٰ قبضۂ قدرت میں ہوں بنا بریں اسے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو کفار پر اللہ تعالیٰ نصرت وفتح یابی سے ہمکنار کرے گا بلکہ ان کے اموال واملاک آپ کے قبضہ میں دے گا وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ط مَا نافیہ ہے شرکاء یتبع کا مفعول ہے اور یدعون کا مفعول محذوف عبارت یُوں ہوگی :

وما یتبعون الذین یدعون الہۃ من دون الخ

یعنی جو ماسوی اللہ کی پرستش کرتے ہیں وُہ درحقیقت اپنے شرکاء کی تابعداری نہیں کرتے اگرچہ وُہ اپنے خیال سے انہیں اپنا معبود سمجھتے ہیں لیکن درحقیقت شریک ہیں اس لیے کہ اللہ تعالےٰ کا شریک محال ہے۔

اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وُہ صرف اپنے گمان کی اتباع کرتے ہیں اور ان کا گمان یہی ہے کہ بت (معاذ اللہ) اللہ تعالےٰ کے شریک ہیں حالانکہ یہ غلط اور سراسر غلط ہے اور یہ صرف ان کا اپنا خیال ہے وَاِنْ هُمْ اور وُہ نہیں ہیں اِلَّا يَخْرُصُوْنَ○ مگر اٹکل پچو بناتے ہیں یعنی اللہ تعالےٰ کی طرف غلط اور جھوٹی نسبت کرتے ہیں۔

حل لغات : خرص یخرص خرصاً بمعنے کذب از باب نصر اور الخراص بمعنے الکذاب۔

ربط : آنے والی آیات میں اپنی قدرت کاملہ اور نعمت عامہ کا بیان فرمایا تاکہ بندوں کو معلوم ہو کہ جو ذات ایسی شان کی مالک ہے تو عبادت کی بھی وہی مستحق ہے۔ کما قال :

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ اللہ وُہ ہے جس نے رات کو تاریک بنایا لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ تاکہ تم اس میں سکون پاؤ معاش کی طلب میں دن کی تھکان رات کے آرام سے دُور کرو وَالنَّهَارَ اور دن کو راہ دکھانے والا بنایا تاکہ معاش کی طلب میں دن کو چل پھر سکو۔

سوال : الّیل میں مظلماً کو کیوں محذوف کیا گیا؟

جواب : مبصرا اس کے حذف کا قرینہ موجود تھا جیسے لتسکنوا کی وجہ سے لتتحرکوا کو مبصرا کے بعد حذف کیا گیا ہے۔

سوال : دن دکھانے والا تو اللہ ہے ابصار کو مبصرا کیوں کہا گیا؟

جواب : ابصار کا اسناد النہار کی طرف مجازی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ دن وُہ ہے کہ اس میں اشیاء کو دیکھا جاتا ہے عرب کی مشہور مثال ؛

نہارہ صائم ولیلہ قائم کا یہی معنے ہے کہ :

صام فی النہار وقام فی اللیل ۔

ف : اس سے ثابت ہوا کہ مجاہدات کی تھکان اور طاعات کی گھبراہٹ اتارنے کے لیے بعض اوقات آرام کے لیے بھی اوقات مقرر کرنے چاہئیں تاکہ نفوس کو ملال اور قلوب کو گھبراہٹ نہ ہو بلکہ کچھ آرام کرنے کے بعد مطلوب کی جانب شوق میں اضافہ ہو اسی لیے تدریس کرنے والے ہفتہ میں ایک دن چھٹی کرتے ہیں تاکہ پڑھنے پڑھانے کے لیے دُوسرے ہفتے میں سہولت ہو ، جیسا کہ ابن خیام نے کہا : ؎

زمانے بحث و درس و قیل و قالے
کہ انسانرا بود کسب کمالے
زمانے شعر و شطرنج و حکایات
کہ خاطر را شود دفع ملالے

ترجمہ : کوئی وقت بحثِ درس و تدریس میں ، کوئی وقت قیل و قال میں گزارنا چاہیے تاکہ انسان کو کسبِ کمال میں آسانی ہو کوئی وقت شعر و شاعری میں کوئی وقت شطرنج کھیلنے اور حکایات سننے سنانے میں بسر کرنا چاہیے تاکہ دل کو رنج اور ملال نہ ہو۔

ف : شطرنج وغیرہ محض مثال کے طور درمیان میں لایا گیا ہے ۔

ف : ایک طریق سے دوسرا طریقہ اختیار کرنا قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے جیسے اصحاب کہف کے ساتھ ہوا کہ انہیں طویل مدت کے آرام میں ایک کروٹ سے دُوسری کروٹ پہ بدلا گیا۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا : ؎

از قال و قیل مدرسہ حالی دلم گرفت
یک چند نیز خدمت معشوق و مے کنم

ترجمہ : مدرسہ کی قیل و قال سے میرا جی بھر گیا تو تھوڑی سی دیر میں نے معشوق اور شراب سے دل بہلایا۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ بے شک ان تمام رات اور دن کے جملہ امور میں **لَاٰیٰتٍ** البتہ بکثرت آیات عجیبہ ہیں **لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ**○ ان لوگوں کے لیے جو تدبر سے سُنتے ہیں اور مواعظ قرآن سے عبرت حاصل کرتے ہیں چونکہ صرف یہی حضرات آیات سے

نفع پاتے ہیں اسی لیے ان کا نام لیا گیا ہے ورنہ آیات ہر ایک کے لیے عبرت ہیں۔ قَالُوا بنو مدلج نے کہا (کذا قال الکاشفی) اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا اللہ تعالیٰ نے بیٹا بنایا۔

تبیان میں ہے کہ یہود نے عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہا۔ اور قریش نے کہا کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔

سُبْحٰنَهٗ ط اللہ تعالیٰ پاک اور مقدس ہے اس سے کہ اس کی طرف اولاد کی نسبت کی جائے ان کی حماقت پر تعجب کا کلمہ لایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پاک اور مقدس ذات پر ایسی تہمت لگائی گئی جسے معمولی عقل والا بھی قبول نہیں کرتا۔

ف : سبحانہ دراصل اسبحہ تسبیحا تھا بمعنے انزھہ تنزیھا اسے مقام تعجب پہ بھی استعمال کیا جاتا ہے، پہلا معنیٰ حقیقی، دوسرا مجازی ہے، یہاں پر دونوں معنے مراد ہیں۔

سوال : حقیقی اور مجازی معنے بیک وقت جمع نہیں ہو سکتے، یہاں کیسے جمع ہو گئے۔

جواب : اس میں تعجب کا معنےٰ اصلی نہیں بلکہ ثانوی حیثیت سے استعمال ہوا ہے اس طرح سے حقیقت ومجاز کا اجتماع نہ ہوا۔ (کذا فی حواشی سعدی چلپی)

ف : ہر اعجوبہ امر پہ سبحان اللہ کا لفظ انسان کے منہ سے نکل جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان جب کسی ایسے عجیب امر کو دیکھتا ہے جو بظاہر خارج از امکان ہوتا ہے لیکن اس غیر ممکن امر کو نہ صرف ممکن بلکہ واقعۃً آنکھوں سے ملاحظہ کر رہا ہوتا ہے اس سے عقل کی کوتاہی نے گویا کہا کہ یہ تو بعید از قدرت تھا لیکن واقع ہو گیا لیکن معاً اپنی غلطی کا احساس کرتے ہوئے فوراً کہتا ہے سبحان اللہ یعنی وہ مقدس ذات بہت بڑی قدرت والی ہے اس کی قدرت سے یہ کام بعید کہاں، بلکہ اس لفظ سے اپنی خطاء کو ظاہر کر کے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا برملا اظہار کرتا ہے (کذا فی حواشی ابن الشیخ فی سورۃ النصر)

هُوَ الْغَنِيُّ ط وہ اللہ تعالیٰ ہر شئے سے مستغنی ہے اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کی تنزیہہ کی علت بتائی گئی ہے وہ اس طرح کہ اولاد ضروریات پوری کرنے کا ایک ذریعہ ہے اور اس ذریعے کی اسے ضرورت ہوتی ہے جو عاجز وضعیف ہوتا ہے تاکہ اولاد کے ذریعے کاروبار میں اسے تقویت پہنچے اور اللہ تعالیٰ کو عجز وضعف کیسا، وہ تو قادر قدیر ہے اسی لیے وہ ہر شے سے مستغنی ہے لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط آسمان وزمین والے سب اسی کے ہیں وہ عقلاً یعنی انس وجن اور ملائکہ وغیرہ ہوں یا غیر عقلاً حیوانات وغیرہ سب اسی کی ملک ہیں اس سے اللہ تعالیٰ کے غناء کا تحقق مطلوب ہے اور واضح کرنا ہے کہ کل کائنات اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بِهٰذَا ط ان نافیہ اور مِن زائدہ ہے نفی کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے سلطان مبتداء اور ظرف خبر مقدم ہے بھٰذا، سلطان کے متعلق ہے یعنی اس گمان فاسد (جو کہ تم نے ظاہر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے) کے متعلق تمہارے ہاں کوئی حجت

اور دلیل نہیں ہے اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ کیا تم اللہ تعالےٰ پر وہ باتیں بناتے ہو جن کا تمہیں علم بھی نہیں اس میں انھیں زجر و توبیخ کی گئی ہے اور ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ خود اپنے غلط عقاید میں آپس میں مختلف ہیں اور انھیں اپنے عقاید کے متعلق صحیح معلومات بھی نہیں[۱]

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ جس مسئلہ پر کوئی دلیل نہ ہو وہ جہالت کا پلندہ ہے۔

مسئلہ: عقاید پر دلائل قطعیہ ضروری ہیں، ظنیات[۲] اور اٹکل پچو بے کار۔

مسئلہ: عقاید میں تقلید نہیں مسائل میں تقلید ہوتی ہے (جیسے ہم اہلسنت حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی عقائد میں متفق ہیں مسائل میں ائمہ کے مقلد ہیں)

قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ فرمائیے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! بے شک جو لوگ اللہ کے لیے اولاد اور اس کے ساتھ شریک بنا کر اس پر افتراء کرتے ہیں۔

لَا يُفْلِحُوْنَ ○ کامیاب نہیں ہوں گے کسی بھی عذاب سے نہیں بچ سکیں گے اور نہ ہی مقصد پر کامیابی حاصل کر سکیں گے مَتَاعٌ فِى الدُّنْيَا یہ سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ گویا کسی نے عرض کیا کہ انھیں کیسے لَا یفلحون کہا گیا حالانکہ دنیا میں وہ قسم قسم کی لذیذ اور عجیب و غریب نعمتوں سے مالا مال ہیں تو اس کے جواب میں فرمایا کہ یہ دنیا کا مال و متاع چند روزہ ہے جو تھوڑے عرصہ کے بعد ان سے چھن جائے گا اور وہ خود بھی خاک ہو کر خاک میں مل جائیں گے۔ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ پھر موت کے بعد ان کا ہمارے ہاں رجوع ہو گا ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ○ پھر ان کے کفر کی وجہ سے ہم انھیں سخت عذاب چکھائیں گے یعنی اپنے کفر کی وجہ سے دائمی بدبختی اور شقاوت میں رہیں گے پھر ان بدبختوں کو فلاح و نجات کہاں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ دنیا میں انھیں عذاب کا درد محسوس نہ ہوا اس لیے کہ دنیا میں نیند میں تھے اور نیند والا زخموں کے دردوں کو محسوس نہیں کرتا۔ پھر جب مرتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے۔ ؎

مردمان غافلند از عقبی
ہمہ گوئی بخفتگاں مانند

---

[۱] یہی آجکل کے بد مذاہب کا طریقہ ہے کہ انھیں اپنے عقاید کے متعلق مکمل تحقیق نہیں ہوتی۔

[۲] بد مذاہب بالخصوص شیعہ، مرزائی، وہابی عقاید والے اپنے عقاید پر کوئی قطعی دلیل نہیں لا سکتے۔

ضرر غفلتی کہ مے ورزند
چوں بمیرند آنگھے دانند

ترجمہ: لوگ آخرت سے غفلت میں ہیں سب کی مثال نیند والوں کی ہے آج جتنی غفلت کر رہے ہیں مرنے کے بعد اس کا ضرر معلوم کریں گے۔

مسئلہ: آیات میں شرک و معصیت سے نہی کی گئی ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میں تمہیں وہ نصیحت سناؤں جو حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے کو فرمائی، نوح علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا: بیٹا! میں تجھے دو کاموں کا حکم فرماتا ہوں اور دو کاموں سے روکتا ہوں۔ پہلا حکم تو یہ ہے کہ اقرار کرو لا الٰہ الا اللہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اس کا کوئی شریک نہیں وہ واحد ہے۔ یہ کلمہ وہ ہے کہ اگر آسمان و زمین کے تمام طبقات ایک پلڑے میں اور لا الٰہ الا اللہ کو دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو لا الٰہ الا اللہ کا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔

دوسرا حکم یہ ہے کہ کہو سبحان اللہ و بحمدہٖ۔ یہ کلمہ ملائکہ کی نماز اور جملہ مخلوق کی دعا اور اسی کی برکت سے تمام مخلوق کو رزق نصیب ہوتا ہے۔

اور وہ امر کہ جن سے میں تمہیں روکتا ہوں ان میں سے پہلا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا۔ اس لئے کہ جو بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے اس پر بہشت حرام ہے۔

دوسرا یہ کہ تم تکبر نہ کرنا اس لیے کہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا اسے بہشت میں ہرگز داخل نہیں ہونے دیا جائے گا اگر ایسے شخص کو کسی اور عمل سے بہشت میں داخلہ نصیب ہوگا تو اس کے دل سے پہلے تکبر کو نکالا جائے گا پھر بہشت نصیب ہوگی یا یہ کہ اسے بہشت میں داخل نہیں ہونے دیں گے اگرچہ وہ متقی بھی ہو۔ گویا تکبر کی سزا ضرور پائے گا خواہ کسی طریقہ سہی۔

ازالہ وہم صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تکبر پر سخت زجر و توبیخ فرمائی گئی ہے اور کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ اس تکبر سے کفر مراد ہوگا یہ وہم غلط ہے اس لیے کہ تکبر سے مراد کفر ہوتا تو اس کے بالمقابل کفر کا ذکر نہ ہوتا یعنی چونکہ کفر کا ذکر ہو چکا ہے فلہذا اس سے یہی تکبر مراد ہے جو گناہ کبیرہ میں شامل ہے۔

تکبر کسے کہتے ہیں اپنے آپ کو اونچا اور دوسروں کو کچھ نہ سمجھنا۔ ایسا تکبر درجۂ کفر پر پہنچتا ہے یعنی اس کی سزا کفر سے قریب تر ہے جیسے نماز کے تارک کی سزا کفر کے قریب ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

من ترك الصلوٰة متعمداً فقد كفر - جو عمداً نماز کا تارک ہے وہ کافر ہے۔

دوسری حدیث شریف میں ہے:

برالوالدين يزيد فى العمر والكذب ينقص الرزق والدعاء يرد القضاء - (رواه الاصبهانى)

ماں باپ کی فرمانبرداری سے عمر بڑھتی ہے، جھوٹ سے رزق گھٹتا ہے اور دُعا تقدیر بدل دیتی ہے۔

بدل جاتی ہیں تقدیریں تقدیر کی تبدیلی کے متعلق ایک تقریر یہ ہے کہ یہ بفرضِ محال قبیل سے ہے یعنی اگر بفرضِ محال کسی کی عمر بڑھ جاتی ہے تو ماں باپ کے فرماں بردار کی عمر بڑھ جاتی ہے اس میں مبالغہ مطلوب ہے اور ترغیب دی جا رہی ہے کہ ماں باپ کی خدمت کرنے پر اللہ تعالےٰ کے بہت بڑے انعامات نصیب ہوتے ہیں۔

ف: فرضِ محال کا استعمال قرآن مجید میں بھی ہے کما قال: ان كان للرحمٰن ولداً فانا اول العابدين۔ یعنی بفرضِ محال اگر اللہ تعالیٰ کی اولاد ہوتی تو سب سے پہلے میں اسی کی عبادت کرتا۔ یعنی نہ ہے اور نہ میں اسکی عبادت کرتا ہوں۔

اور جھوٹ سے رزق میں بے برکتی ہوتی ہے اور جس رزق میں برکت نہ ہو وہ بھی ناقص ہے۔ اسی طرح پہلی تقریر اس میں بھی جاری کریں کہ اگر بفرضِ محال رزق میں کمی ہوتی تو جھوٹ سے کمی ہوتی۔

دوسری تقریر دُعا سے وہ تقدیر بدل جاتی ہے جو معلق ہوتی ہے کہ جس کے متعلق لکھ دیا جاتا ہے کہ اگر فلاں اسباب و شرائط پائے گئے تو فلاں تقدیر بدل دی جائے گی۔ اس سے تقدیر مبرم کی تبدیلی مراد نہیں اس لیے کہ وہ کسی وقت بھی نہیں ٹل سکتی۔

سبق: وانا وہ ہے جو توحید حقانی کے حصول میں جدّ و جہد کرتا ہے یعنی اوامر شرعیہ پر عمل کرتا ہے اور نواہی سے رُکتا ہے یعنی تمام محرمات قولیہ و فعلیہ سے بچتا ہے اور مشاغل قلبیہ سے احتراز کرتا ہے بلکہ وُہ ماسوی اللہ کی طرف ذرہ برابر بھی میلان نہیں رکھتا اس لیے کہ سالک کا رجوع صرف اسی درگاہ کی طرف ہے یاد رہے کہ توحید بہترین اور مقبول تحفہ ہے اللہ اس تحفہ کو مذکورہ بالا شرائط سے قبول کرتا ہے ورنہ وُہ توحید جو شرائط سے خالی ہو وہ اللہ تعالےٰ کی جناب میں تحفہ مقبول نہیں ہو سکتی۔ اور شرک عذاب الٰہی کا سبب ہے کما قال:

ثم نذيقهم العذاب الشديد - پھر ہم انھیں سخت عذاب چکھائیں گے۔

اس میں اشارہ ہے کہ دنیا کا عذاب عذابِ آخرت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں اس لیے کہ انسان کی فطرت ہے کہ اسے ایک طریق سے دوسرے طور تبدیل کیا جائے تو اسے پہلا طور طریق بھول جاتا ہے بالخصوص جب اسے عذاب خفیف سے عذاب شدید میں مبتلا کیا جاسکتا ہاں جسے اللہ تعالےٰ اپنی رحمت سے نواز کر کوئی خصوصیت عطا فرمائے تو وہ اس کی خوش بختی ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ

اور انہیں نوح کی خبر پڑھ کر سناؤ جب اس نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم اگر تم پر شاق

كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ

گزرا ہے میرا کھڑا ہونا اور اللہ کی نشانیاں یاد دلانا تو میں نے اللہ ہی پر

تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ

بھروسہ تو مل کر کام کرو اور اپنے جھوٹے معبودوں سمیت اپنا کام پکا کرلو تمہارے

اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ (۷۱)

کام میں تم پر کچھ گنجلک نہ رہے پھر جو ہو سکے میرا کرلو اور مجھے مہلت نہ دو

فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا

پھر اگر تم منہ پھیرو تو میں تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا میرا اجر تو نہیں مگر اللہ پر

عَلَى اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (۷۲) فَكَذَّبُوْهُ

اور مجھے حکم ہے کہ میں مسلمانوں سے ہوں تو انہوں نے

فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَ

اسے جھٹلایا تو ہم نے اسے اور جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے ان کو نجات دی اور انہیں ہم نے

اَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ

نائب کیا اور جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں ان کو ہم نے ڈبو دیا تو دیکھو ڈرائے ہوؤں کا

عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ (۷۳) ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى

انجام کیسا ہوا پھر اس کے بعد اور رسول ہم نے ان کی قوموں کی طرف

قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا

بھیجے تو وہ ان کے پاس روشن دلیلیں لائے تو وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لاتے اس پر

بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ

جسے پہلے جھٹلا چکے تھے ہم یوں ہی مہر لگا دیتے ہیں سرکشوں کے

الْمُعْتَدِيْنَ ﴿٧٤﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ

دلوں پر پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فرعون اور اس کے

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿٧٥﴾

درباریوں کی طرف اپنی نشانیاں دے کر بھیجا تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم لوگ تھے

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ

تو جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آیا بولے یہ تو ضرور کھلا جادو

مُّبِيْنٌ ﴿٧٦﴾ قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ اَسِحْرٌ

ہے موسیٰ نے کہا کیا حق کی نسبت ایسا کہتے ہو جب وہ تمہارے پاس آیا کیا یہ جادو

هٰذَا ۭ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿٧٧﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا

ہے اور جادوگر مراد کو نہیں پہنچتے۔ بولے کیا تم ہمارے پاس آئے ہو کہ ہمیں

عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي

اس سے پھیر دو جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا اور زمین میں تم دونوں کی

الْاَرْضِ ۭ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٨﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ

بڑائی رہے اور ہم تم پر ایمان لانے کے نہیں اور فرعون بولا ہر جادوگر

ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿٧٩﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ

علم والے کو میرے پاس لے آؤ اور پھر جب جادوگر آئے ان سے موسیٰ نے

مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿٨٠﴾ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا

کہا ڈالو جو تمہیں ڈالنا ہے پھر جب انہوں نے ڈالا موسیٰ نے کہا یہ جو تم

جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا

لائے یہ جادو ہے اب اللہ اسے باطل کر دے گا اللہ مفسدوں کا

يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٨١﴾ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ

کام نہیں بناتا اور اللہ اپنی باتوں سے حق کو حق کر

ع ۸ ۱۲ ۱۳

وَلَوْكَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۸۲ ع

دکھاتا ہے۔ پڑے برا مانیں مجرم

تفسیر عالمانہ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ اے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم! اہل مکہ کے مشرکین کو خبر دیجئے نَبَاَ نُوْحٍ نوح علیہ السلام کی خبر کہ ان کے ساتھ ان کی قوم نے کیا کیا جبکہ نوح علیہ السلام نے انھیں کفر و معاصی سے روکا۔

ف : البستان میں ہے کہ نوح علیہ السلام کا اسم گرامی شاکر تھا اور خوفِ الٰہی سے بکثرت گریہ و بکا کی وجہ سے آپ کو نوح سے موسوم کیا گیا۔

ف : احکام کے نسخ اور شرائع کا امر سب سے پہلے آپ سے جاری ہوا۔ آپ سے پہلے سگی بہن کے ساتھ نکاح جائز تھا آپ کے زمانۂ اقدس میں یہ حکم منسوخ ہوا۔

ف : آپ کو جس وقت نبوت ملی آپ اس وقت چار سو اسی سال کے تھے۔

اِذْ قَالَ یہ اُتْلُ کا معمول نہیں بلکہ نَبَاَ کا ہے اس لیے کہ اُتْلُ میں مستقبل کا معنےٰ ہے اور اذ ماضی پر داخل ہوتا ہے اور نوح علیہ السلام کی تمام خبریں نہیں بلکہ بعض مراد ہیں اس لیے کہ نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے تمام واقعات نہ قرآن مجید میں درج ہیں اور نہ ہی حضور علیہ السلام نے تمام واقعات بیان فرمائے لِقَوْمِهٖ یہ لام تبلیغ کے متعلق ہے يٰقَوْمِ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری برادری اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِیْ اگر میرا وجود تمہیں شاق اور سخت ہے، مقامی بمعنےٰ نفسی ہے جیسے کہا جاتا ہے :

فعلته بمقام فلان۔

یعنی میں نے فلاں کے ساتھ ایسا کیا۔

اسی محاورہ سے ہے :

ولمن خاف مقام ربه جنتان۔ یعنی جو اپنے رب سے ڈرتا ہے اس کے لیے جنتان ہیں۔

یا نوح علیہ السلام کا اس سے مطلب یہ ہے کہ میرا تمہارے ہاں عرصہ دراز (پچاس کم ایک ہزار سال) کا ٹھہرنا سخت ہے یا مقامی سے مطلق قیام مراد ہے وَتَذْكِيْرِیْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اور میرا وعظ کرنا اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل روشن سے۔

ف : حضرات انبیاء علیہم السلام کی عاداتِ کریمہ تھیں کہ وہ کھڑے ہو کر وعظ کرتے تھے اس لیے کہ کھڑے ہو کر وعظ کرنے سے سامعین پر زیادہ اثر ہوتا ہے۔

منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کھڑے ہو کر وعظ فرماتے تھے اور حواریین آپ کا وعظ بیٹھ کر سنتے تھے (ہمارے

بعض واعظین اسی پر عمل کرتے ہیں ، سحبان بن وائل جو ایک بہت بڑا فصیح و بلیغ ہو گزرا ہے ، اس کے متعلق بھی مشہور ہے کہ وہ عصا کا سہارا لے کر گفتگو کرتا تھا ۔

منبر کا پروگرام کرسیوں اور منبروں پر وعظ کرنا کھڑے ہو کر وعظ کرنے کے قائم مقام ہے ۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مٹی کے بنائے ہوئے منبر پر خطبہ دیتے تھے ۔ اس کے بعد لکڑی کا منبر تیار ہوا تو پھر آپ اسی پر بیٹھ کر خطبہ دیتے تھے[1]

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر مبارک کے تین پائے تھے یہاں تک کہ مروان نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں اس کے نیچے کی طرف چھ پائے مزید بڑھائے ۔

فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ یہ شرط کا جواب ہے یعنی میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہوں اور اپنے جملہ امور اسی کی طرف سپرد کرتا ہوں اس لیے کہ تم میرے قتل کرنے اور ایذا دینے کے منصوبے بنا رہے ہو تو مجھے اس کی کوئی پروا نہیں کیونکہ میرا معین و مددگار رہبر اللہ کافی ہے ۔ ہم نے توکل علی الدوام کی قید اس لیے لگائی ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ صرف اسی وقت کرتے تھے جب کفار آپ کے درپے آزار ہوتے یہ ان کی شان کے خلاف ہے اس لیے کہ عام سالک ہر وقت اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے وہ تو برگزیدہ پیغمبر تھے وہ کیوں نہ ہر وقت متوکل علی اللہ ہوں ۔

ف : ابن الشیخ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس کا جواب محذوف ہے (وہ فافعلوا ماشئتم ہے) یعنی اے کافرو ! تم جو چاہو میرے ساتھ کر لو ۔ مجھے کسی قسم کی تشویش نہیں ، اس لیے کہ میں اپنے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھتا ہوں محذوف اس لیے کیا گیا ہے کہ مذکور محذوف کی ضرورت سے بے نیاز کرتا ہے فَاَجْمِعُوْۤا اَمْرَكُمْ یہ ہمزہ قطعی از اجماع بمعنے الجزم ہے ۔ کہا جاتا ہے : اجمعت علی الامر ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کام کو کرنے کا پختہ ارادہ کر لے ۔ یہ لفظ علیٰ کے ساتھ متعدی ہوتا ہے لیکن یہاں پر لفظ علیٰ حذف کر کے فعل کو بلا واسطہ اس کے مجرور کی طرف پہنچایا گیا ہے ۔

ف : ابوالہیثم نے فرمایا ہے اس کا استعمال اس وقت ہوتا ہے جب کوئی اپنے کسی متفرق امر کو جمع کر لے ، تو کہتا ہے : اجمعت امری ۔ اور اس کے تفرق کی صورت یہ ہے کہ کہے : مرۃ افعل کذا و اخری کذا ۔ پھر جب ایک امر پر پختہ ارادہ کر لے تو کہے اجمعتہ ای جعلتہ جمیعا ۔ اب معنے یہ ہوا کہ نوح علیہ السلام نے کفار سے فرمایا کہ تم میرے ساتھ جو کچھ کرنا چاہتے ہو کر لو ۔ یعنی میرے قتل و اہلاک کے لیے اپنی تمام طاقتیں صرف کرو ۔

وَشُرَكَآءَكُمْ یہ منصوب ہے اس لیے کہ واؤ بمعنے مع ہے یعنی اپنی کارروائی میں اپنے معبودوں کو بھی ساتھ ملا لو جبکہ تمہارا عقیدہ ہے کہ تمہاری عبادت پر وہ تمہیں طاقت و قدرت بخشتے ہیں بہرحال تم سے جس طرح بن پڑتا ہے میرے قتل کرنے اور مارنے میں کوئی کسر نہ چھوڑو ۔

---

[1] ہمارے جیسے اور ہمارے بعض بزرگان دین بیٹھ کر وعظ کرتے ہیں تو انہیں اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنا نصیب ہے ۔

کاشفی نے لکھا کہ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے چیلنج کے طور پر فرمایا کہ تم میرے قتل کرنے اور مارنے پر سارے کے سارے متحد ہو جاؤ۔

ثُمَّ یہ تراخی فی الرتبہ کے لیے ہے لَا یَکُنْ اَمْرُکُمْ عَلَیْکُمْ غُمَّةً پھر نہ ہو تمہارا یہ معاملہ تمہارے اُوپر پوشیدہ۔ غمّۃً بمعنے مستوراً ہے۔ یہ غمہ سے ہے بمعنے سترہ۔ یعنی اسے فلاں نے چھپایا یعنی تم میرے ساتھ کھلم کھلا مقابلہ کرو، اس لیے کہ چھپے چھپائے کارروائی کرو گے تو اس سے پھر تم کہو گے کہ میں نے بھاگ جانے یا تمہارے حملوں سے بچنے کا کوئی تدارک کیا ہے، لہٰذا تم کر لو جو چاہو ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَیَّ پھر میرے ساتھ اپنا کام کر لو اور میری ہلاکت میں جس طرح کے ارادے رکھتے ہو اسی طرح کرو جیسے ایک مخالف سے کیا جاتا ہے وَلَا تُنْظِرُوْنِ ○ اور مجھے مہلت بھی نہ دو بلکہ بلا انتظار میرے ساتھ اپنے مقدور مطابق کرو۔

ف: انھیں مخاطب کر کے اسی لیے بلایا تاکہ انھیں معلوم ہو کہ وُہ انھیں کسی کھاتے میں نہیں لکھتے انھیں اپنے رب تعالیٰ پر پُورا بھروسہ ہے وُہ اپنی حفاظت و عصمت سے انھیں محفوظ رکھے گا۔

فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ پس اگر تم میری نصیحت سے رُوگردانی کرو اور اپنی ضد پر اڑے ہُوئے ہو۔ اس شرط کا جواب فلا باعث لکم علی التولی ولا موجب محذوف ہے یعنی فَمَا سَاَلْتُکُمْ پس میں نے اپنے وعظ و تذکیر سے تم سے سوال نہیں کیا مِّنْ اَجْرٍ مزدوری یعنی دُنیا کا کوئی اجر جسے تم میری نصیحت کے عوض ادا کرو جس کی وجہ سے تم میرے وعظ سے روگردانی کرو یعنی میری نصیحت سے رُوگردانی کا سبب تمہاری مزدُوری بنے اس معنے پر کہ تم مجھے الزام لگاؤ کہ وہ اس لیے نصیحت کرتے ہیں کہ ہم انھیں دنیا کے منافع پہنچاتے ہیں اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ نصیحت کی مزدوری یعنی اجر و ثواب میرے اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے مجھے میری نصیحت کا وُہی ثواب بخشے گا تم ایمان قبول کرو یا رُوگردانی کرو وَ اُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ○ اور مجھے حکم ہے کہ میں ان لوگوں سے ہوں جو اپنی گردن اللہ تعالیٰ کے احکام کے سامنے جھکاتے ہیں۔ ایسے لوگ دین کی تبلیغ میں کسی سے کوئی شے نہیں لیتے۔

مسئلہ: دینی خدمات پر اجر و مزدوری نہیں لینی چاہیے حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام خدمت ارشاد پر متعین تھے اسی لیے علم پڑھانے پر اُجرت نہ لینا انبیاء علیہم السلام کی سنّت ہے۔

مسئلہ: دورِ حاضرہ میں متاخرین نے تعلیم و اذان، امامت و خطابت و دیگر امورِ دینی میں اُجرت لینے کو جائز رکھا ہے لیکن اُجرت لینے والے کو نیت خالص رکھنا ضروری ہے ورنہ اس پر سخت وعید وارد ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

زباں می کند مرد تفسیر دان
کہ علم و ادب میفروشد بنان

بدیں اے فرومایہ دینی مخر
چو خر بہ انجیل عیسیٰ مخر

ترجمہ: تفسیر دان مرد اپنا نقصان کر رہا ہے جو کہ روٹی کے بدلے علم و ادب بیچتا ہے اے بیوقوف! دین دے کر دُنیا نہ خرید، جیسے کوئی کمینہ گدھے کے عوض انجیل کا خریدار ہو۔

شانِ رسالت

کوئی اس نیت پر کسی کی اصلاح کرے کہ اس کی اصلاح سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تبعین کی کثرت ہو جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہاری کثرت سے دُوسری اُمتوں پر فخر کروں گا۔ ایسے شخص کا بہت بلند مقام ہے اس لیے کہ وُہ اپنے دینی معاملہ میں اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم اور عزّ و جاہ کی رفعت کا خواہشمند ہے۔

حکایت رابعہ بصریہ

بی بی رابعہ بصریہ رضی اللہ عنہا کے متعلق منقول ہے کہ وُہ دن اور رات میں ایک ہزار رکعت پڑھا کرتی تھیں ان سے پُوچھا گیا کہ آپ اتنے نوافل کیوں پڑھتی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ اس سے میرا ثواب کا ارادہ نہیں بلکہ تمنّا یہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوں اور قیامت میں انبیاء علیہم السلام سے فرمائیں گے دیکھو میری اُمت کی ایک عورت یہ ہے جو دن اور رات میں ہزار رکعت پڑھتی تھی[1]

مسئلہ: معلّم و متعلّم دونوں کا یہی ارادہ ہو جو مذکور ہوا تو انہیں اللہ تعالےٰ بہت بڑے اجر و ثواب سے نوازے گا بلکہ بہت بلند مقام پر فائز فرمائے گا۔

فَكَذَّبُوْهُ اس کا قال لقومہ پر عطف ہے یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی قوم کو نوح علیہ السلام کا قصہ سُنائیے اور ان کی فلاں فلاں بات، یہاں تک کہ جب انہوں نے نوح علیہ السلام کی تکذیب پر اصرار کیا تو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا **فَنَجَّيْنٰهُ** ہم نے نوح علیہ السلام کو غرق ہونے سے نجات دی یہ فاء فصیحہ ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہاں کلام محذوف ہے۔ یعنی ہم نے نُوح علیہ السلام کے لیے نجات مقدر فرمائی **وَمَنْ مَّعَهٗ فِی الْفُلْكِ** اور ان کے لیے بھی جو ان کے ساتھ کشتی میں سوار ہُوئے وہ اسّی افراد تھے چالیس مرد اور چالیس عورتیں۔ (کذا فی البستان)، یا معنےٰ یہ ہے کہ ہم نے نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو یہاں پر نجات دی اس معنیٰ پر فی الفلک، نجینٰہ سے متعلق ہے اور پہلے معنے پر استقر کے **وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ** اور ہم نے انہیں زمین کا جانشین یعنی جو طوفان میں غرق ہو کر تباہ و برباد ہوئے ان کا انہیں جانشین بنایا۔

ف: بستان میں ہے کہ جب طوفان کے بعد وہی اسّی افراد کشتی سے باہر آئے تو سوائے نُوح علیہ السّلام اور آپ کے تین

---

[1] یہ تھے ہمارے اکابر، لیکن آج کے موحدین کہتے ہیں کہ جو نبی علیہ السلام کے خوش کرنے کے لیے عمل کیا جائے وہ شرک و کفر ہے۔ معاذاللہ

صاجزادوں ، سام ، حام ، یافث اور ان کی بیویوں کے ، باقی سب مر گئے۔ کما قال تعالٰی ؛
وجعلنا ذریتہ ھم الباقین ۔ ان تین حضرات کی اولاد بڑھی ۔

ف : عرب وعجم ، فارس و روم سام کی اور حبش ، سندھ اور ہند حام کی اور یاجوج ، ماجوج ، مقلاب ، ترک یافث کی اولاد ہے ۔

وَاَغْرَقْنَا الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ج اور ہم نے طوفان میں آیات کی تکذیب کرنے والوں کو غرق کر دیا۔

اعجوبہ حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ آفندی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ طوفانِ نوح کی تاثیر ہر تیس سال کے بعد ظاہر ہوتی ہے لیکن لیکن اتنی سخت نہیں بلکہ ہلکی سی جھلک ہوتی ہے جس سے سیلاب اور بارش کی کثرت سے گاؤں کے گاؤں بہہ جاتے ہیں ۔

فَانْظُرْ کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الْمُنْذَرِیْنَ ○ پس منذرین (ڈرائے ہوئے لوگ) کی عاقبت دیکھیے ۔ اس سے نوح علیہ السلام کی قوم مراد ہے ۔

ف : اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور آپ کی تکذیب کرنے والوں کو ڈرانا مقصود ہے ۔ ؎

محالست چوں دوست دارد ترا
کہ در دست دشمن گزارد ترا

ترجمہ : جب تمہیں وہ دوست رکھتا ہے تو پھر محال ہے کہ وہ تجھے تیرے دشمن کے ہاتھ میں دے ۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا پھر ہم نے نوح علیہ السلام کے بعد بہت سے رسول بھیجے رُسُلًا کی تنوین ذاتاً و وصفاً تکثیر کی ہے یعنی وہ حضرات بے شمار اور ذی عزت واحترام تھے اِلٰی قَوْمِهِمْ ہر پیغمبر اپنی قوم کے ہاں تشریف لائے تاکہ وہ ان حضرات سے استفادہ کریں ان سے قوم ہود و عاد وصالح وثمود اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کی قوم یعنی بابل اور قوم شعیب یعنی قوم ایکہ اور اہل مدین وغیر مراد ہیں ان کے بعض کے قصے قرآن مجید میں ہیں اور بعض کے احادیث وتواریخ میں ہیں فَجَآءُوْهُمْ پس وہ تشریف لائے اپنی مخصوص قوم کے ہاں بِالْبَیِّنٰتِ معجزات واضحہ لے کر جو ان کے دعوٰی کو ثابت کرنے والے تھے بالبینٰت کی باء یا فعل مذکور کے متعلق ہے ۔ اس معنے پر یہ باء تعدیہ کی ہے یا بالبینٰت ، جاؤا کی ضمیر سے حال ہے اور وہ متلبسین کے متعلق ہے مراد یہ ہے کہ ہر رسول معجزاتِ کثیرہ کے ساتھ تشریف لائے یہ انقسام الاحاد الی الاحاد کے قبیل سے ہے جیسا کہ جاء وھم کے دونوں ضمیروں سے معلوم ہوتا ہے فَمَا کَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا پس نہیں تھے ایمان لاتے یعنی ان کی طبیعت میں کفر گھس چکا تھا اسی لیے ان کا ایمان قبول کرنا ممتنع ہو گیا بِمَا کَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ، ما موصولہ ہے اس سے وہ تمام شرائع مراد ہیں یعنی ہر ایک نبی علیہ السلام کے لائے ہوئے اصول وفروع ، اس سے ان کی استمراری تکذیب مراد ہے یعنی وہ رسل کرام علیہم السلام کی تشریف آوری سے لے کر ان کی ہٹ دھرمی اور عناد تک تکذیب کرتے رہے یہ ان تمام کے آخری حال تک کا بیان ہے یا اس سے ہر رسول

علیہ السلام کے اصول مراد ہیں اب معنیٰ یہ ہوگا کہ رُسل کرام کے تشریف لانے سے پیشتر ہی زمانۂ جاہلیت سے تکذیب کے درپے تھے اس لیے کہ وہ اپنے سے پہلے لوگوں سے سُنتے آئے تھے مثلاً انہوں نے قومِ عاد سے سنا اور قومِ عاد نے قومِ نوح سے ۔ وغیرہ وغیرہ ۔ اس لحاظ سے ان کی حالت یعنی جہالت کے دَور والی حالت انبیاء علیہم السلام کے تشریف لانے پر اسی طرح رہی گویا رسول علیہ السلام ان کے ہاں تشریف لاتے ہی نہیں ۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہُوا کہ اہلِ فترت سے قیامت میں اصول شرائع کے انکار پر مواخذہ ہوگا ۔

كَذٰلِكَ کاف مصدر محذوف کی صفت ہے یعنی مثل ذٰلك الطبع والختم والممتنع زواله یعنی اس ختم و طبع کہ جس کا زوال ممتنع ہے ، کی طرح ، **نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ○** مہر ماریں گے حد سے تجاوز کرنے والے کے دلوں پر یعنی کفر پر اصرار کرنے پر تجاوز کرنے والوں کے دلوں پر ۔

ف : اللہ تعالےٰ نے ہر ایک کو میثاق میں توحید کی دعوت دی پھر جب رُوح نے جسم کی طرف تنزل کیا تو روحِ انسانی ہمیشہ دعوتِ الٰہیہ کی طرف داعی رہی اور اسی کے تقاضا کے مطابق عمل کرتی رہی ۔ لیکن جو ازلی بدبخت اور اصلی شقی تھا اس نے ازل سے ہی ایمان سے انکار کر دیا اسی لیے عالمِ دنیا میں آ کر اس نے انبیاء علیہم السلام کی نہ دعوت قبول کی نہ ان کے معجزات کو مانا در اصل دنیا میں ایمان کا انکار اسی ازلی انکار کا نتیجہ ہے اگرچہ اس وقت بھی کفار نے بلیٰ کہا تھا لیکن تھا دُور پردے سے ۔ یعنی الستُ بربکم کی آواز سُنی تو تھی لیکن الست کہنے والے کو دیکھ نہ سکے اسی لیے الست بربکم کی حقیقت کو سمجھے بغیر دُوسروں کے کہنے پر بلیٰ کہہ دیا اسی معنے پر ان کا ایمان تحقیقی نہیں بلکہ تقلیدی ہوا ۔

منکرینِ اولیاء جیسے اللہ تعالیٰ نے رُسل علیہم السلام کی تکذیب کرنے والوں کے دلوں پر مہر ماری ایسے ہی منکرینِ اولیاء ، گستاخوں اور بے ادبوں کے دلوں پر بھی مُہر ماردی جیسے منکرینِ رسل کے دلوں پر ایمان کی باتیں اثر انداز نہیں ہو سکتیں جس کی وجہ سے وہ زبان سے بھی ایمان قبول نہیں کرتے ایسے ہی اولیاء کا حال ہے کہ گستاخی و بے ادبی کی وجہ سے اولیاءِ کرام کی ولایت کا اعتقاد ان کے دلوں میں کبھی جاگزیں نہیں ہو سکتا اسی لیے وہ ان کی بزرگی و ولایت کا زبان سے اقرار نہیں کرتے ۔

انجام بکار بالآخر یہ انجام ہُوا کہ منکرینِ انبیاء و گستاخانِ اولیاء کی کثرت کے باوجود آج ان کا نام و نشان تک مِٹ گیا اسی طرح موجودہ اور آنے والے منکرین کا حال ہے ۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

منبرے کو کہ بر آنجا مخبری
یا آرد روزگار منکرے
سکۂ شاہاں ہمی گردد دگر
سکۂ احمد ببیں تا مستقر

بر رُخ نقرہ و یاری زری
و انما بر سکۂ نام منکرے

ترجمہ: کسی مقام پر بھی منکر کا نام ونشان نہیں سُنا جاتا تمام بادشاہوں کے شاہی سکے مٹ گئے لیکن حضرت احمدِ مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا شاہی سکہ تا قیامت جاری رہے گا اب سونے اور چاندی کی مہریں خالی ہوگئیں جبکہ منکر ہی دنیا میں نہ رہے۔

ہم اللہ تعالےٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اہلِ توحید سے بنائے اور تقلید[2] کے چکر سے محفوظ فرمائے۔ آمین

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ ان رسل کرام علیہم السلام کے بعد ہم نے بھیجا **مُوْسٰی** بن عمران علیہ السلام **وَهٰرُوْنَ** اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو۔ یہ حضرت موسٰی علیہ السلام سے تین سال عمر میں بڑے تھے **اِلٰى فِرْعَوْنَ** فرعون یعنی ولید بن مصعب یا قابوس جو اس زمانے کا فرعون تھا کی طرف **وَمَلَا۟ئِهٖ** اور اس کے برگزیدہ لوگوں کی طرف۔

سوال: حضرت موسٰے علیہ السلام سب کے لیے نبی بن کر تشریف لائے تم نے برگزیدہ لوگوں کی تخصیص کیوں کی؟

جواب: اعلیٰ کے ذکر میں ادنیٰ خود بخود داخل ہوتے ہیں۔

بِاٰيٰتِنَا ہماری بڑی آیات سے کر۔ ان سے وہ نو (۹) معجزات مراد ہیں جو موسٰی علیہ السلام نے فرعون والوں پر ظاہر فرماتے جو مندرجہ ذیل ہیں:

○ عصا
○ طوفان
○ جوئیں
○ خون
○ خلق البحر
○ ید بیضا
○ ٹڈی
○ مینڈک
○ طمس

ان آیات کو اللہ تعالےٰ نے اپنی طرف اس لیے منسوب فرمایا کہ یہ امور انسانی طاقت سے باہر ہیں۔

فَاسْتَكْبَرُوْا ، الاستکبار بمعنے بلا استحقاق کبر کا دعوٰی کرنا اس کی فا فصیحہ ہے یعنی موسٰی و ہارون علیہما السلام دونوں فرعون اور اس کی قوم کے ہاں تشریف لائے اور انہیں پیغامِ الٰہی سُنایا لیکن وہ اکڑ گئے اور ان کی فرمانبرداری سے انکار کردیا چنانچہ اس لعین کا قول سورۂ شعرا میں ہے کہ:

---

[1] انہی کے ہم زماں مراد ہیں۔ آج کی اکثریت ان کے منافی نہیں۔ ۱۲

[2] تقلید سے وہی تقلید مراد ہے جو ازل میں ایمان تقلیدی کافروں کو نصیب ہوا، ورنہ صاحبِ رُوح البیان خود مقلد حنفی ہیں، تفصیل فقیر کی کتاب "التقلید" میں دیکھیے۔ ۱۲

الم نربك فينا وليدا ولبثت فينا من عمرك سينين ۔

وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ○ اور تھی وہ مجرم قوم یعنی بہت بڑے بڑے جرائم کا ارتکاب کر کے حد سے گزرنیوالوں سے ہو گئے اس لیے کہ لفظ اجرام ان کے بڑے جرائم کی طرف اشارہ کرتا ہے اسی سے الجرم بمعنے جثہ ہے اسی وجہ سے رسالت کی تنقیص و توہین کی۔ کما قال:

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا جب ان کے ہاں ہماری طرف سے حق آیا یہاں پر حق سے وُہ نو معجزات مراد ہیں جو موسیٰ علیہ السلام نے ظاہر فرمائے اور انھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اسی لیے منسوب فرمایا ہے کہ وہ اس کی تخلیق و صفت سے ظاہر ہوئے ان میں ان کے بناوٹی جادوؤں کی طرح جعل سازی نہیں تھی اور نہ ہی خیالی امور **قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ** ○ فرعونیوں نے کہا کہ یہ جو کچھ لا کر اس کا نام معجزہ رکھ رہے ہیں یہ سب کھلا جادو ہے **قَالَ مُوْسٰى** حضرت موسیٰ علیہ السلام نے استفہام انکاری توبیخی کے طور فرمایا۔ یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے **اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ** کیا تم اس کے لیے جادو کہتے ہو جو جادو سے کوسوں دُور ہے اور جادو تو باطل محض ہے اور یہ معجزات سراسر حق ہیں **لَمَّا جَآءَكُمْ** ط جب تمہارے ہاں آیا یعنی حق کی تشریف آوری کے وقت یا جب تم نے اس سے واقفیت حاصل کی یا حق کا نام سُنتے ہی بلا تامل اور بلا تاخیر تم نے انکار کر کے اسے جادو کہہ دیا بہر حال جیسے بھی ہو تمہارا حق کو جادو کہنا حقیقت کے سراسر خلاف ہے۔ یہاں پر اتقولون کا مقولہ محذوف ہے در اصل عبارت یُوں تھی:

اتقولون له انه سحر ۔ یعنی حق کو کوئی بھی جادو نہیں کہتا۔

اور نہ ہی یہ دائرۂ امکان میں ہے کہ کوئی ایسا کہے، اور مقولے کو حذف کرنے کی وجہ ظاہر ہے کہ اس سے پہلے اس کا ذکر ہو چکا ہے اور قاعدہ ہے کہ جو شے پہلے مذکور ہو چکی ہو اس کا سہارا لے کر ایسے مقامات پہ مقولہ جات کو حذف کر دیتے ہیں۔

ف: یہ بھی ہے کہ قول یہاں پر بمعنے عیب و طعن ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

فلان يخاف القالة ۔ اسے العيب والطعن یعنی فلاں عیب و طعن سے ڈرتا ہے۔ اور کہتے ہیں:

وبين الناس تقاول ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب آپس میں ایک دُوسرے کے متعلق بُری باتیں کریں جیسے لفظ ذکر عیب و طعن کے لیے مستعمل ہے۔ کفار نے کہا:

سمعنا فتى يذكرهم ۔

ہم نے سنا ہے کہ وہ نوجوان ہمارے بتوں کی مذمت کرتا ہے یعنی ان کے عیوب بیان کرتا ہے۔ اس معنے پر اب قول کو مفعول کی ضرورت نہیں اتقولون بمعنے اتعیبونه وتطعنونه ہے اور اس کا مفعول لهٗ ضمیر محذوف ہے۔

اَسِحْرٌ هٰذَا وہ امر جو بالکل واضح اور ایسا ظاہر ہے جس کا ہر ایک کو مشاہدہ ہے اور اس کے حق میں کسی کو شک کی گنجائش ہی نہیں جسے دیکھنے والی آنکھ نصیب ہے کیا وُہ اسے جادو کہہ سکتا ہے یہ انکار موسیٰ علیہ السلام سے ہے اور واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ذی شعور اسے جادو نہیں کہہ سکتے اور بیوقوفوں کی بات کا کوئی اعتبار نہیں اسی لیے خبر کو مبتدا پر مقدم کیا تاکہ

یقین ہو کہ ان کے لائے ہوئے معجزات کا انکار ممکن ہے وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ○ یہ مخاطبین سے حال ہے یعنی کیا تم حق کو جادو کہتے ہو حالانکہ جادو کے مرتکب کو کامیابی اور مقاصد کا حصول نہیں ہوتا بلکہ وہ مصائب و مشکلات میں گھر جاتا ہے اور پھر میرے جیسے سے جادو کا صدور کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ مجھے اللہ تعالٰے سے تائید حاصل ہے اور میرے جیسے ہر مقصد پہ کامیاب اور ہر دُکھ اور تکلیف سے نجات پانے والے ہیں قَالُوْٓا یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے اور سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ جب موسٰے علیہ السلام نے انہیں اپنے دلائل دیئے تو فرعون اور اس کی جماعت نے انہیں کیا جواب دیا ؟ اس کے جواب میں فرمایا کہ انہوں نے موسٰی علیہ السلام کے دلائل واضحہ سُن کر عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے کہا اَجِئْتَنَا یہ خطاب موسٰی علیہ السلام کو ہے اس لیے کہ معجزۂ ید بیضا و معجزہ عصا انہی سے ظاہر ہوا لِتَلْفِتَنَا یہ لام اجئتنا کے متعلق ہے یعنی کیا تم صرف اسی لیے آئے ہو کہ تم ہمیں پھیر دو عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اس سے کہ جس پر ہم نے اپنے آبا و اجداد کو پایا یعنی کیا تم ہمیں بُت پرستی سے روکنے آئے۔

ف : سعدی مفتی مرحوم نے فرمایا کہ ظاہر یہ ہے کہ یہاں غیر اللہ کی پرستش سے فرعون کی عبادت مراد ہے اس لیے کہ اس کی قوم اسی کی پرستش کرتی تھی

وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ اور ہو تمہارے لیے زمین کی شاہی۔

سوال : تم نے الکبریاء کا شاہی کا معنیٰ کیوں کیا ؟

جواب : اس لیے کہ شاہوں کو ہی کبریائی اور عظمت مخصوص ہے اور ان کا مقصد بھی یہی تھا۔

فِي الْاَرْضِ مصر کی زمین یعنی انہوں نے کہا کہ اے موسٰے و ہارون علیہما السلام ! سُن لو کہ ہم اپنے اُوپر تمہاری شاہی ہرگز قبول نہیں کریں گے۔

ربط : پہلے ایمان سے اعراض کرنے کے دو سبب بتائے اب ان کے متفرع علیہ حکم کی تصریح کرتے ہیں کہ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ○ اور ہم تمہارے لائے ہوئے احکام کی تصدیق نہیں کرتے وَقَالَ فِرْعَوْنُ فرعون نے جب دیکھا کہ اب اس کے پاس موسٰی علیہ السلام کے دلائل کا کوئی جواب نہیں تو اب اپنی جماعت کے سرداروں سے مشورہ کیا کہ کوئی ایسی تدبیر سوچنی چاہیئے کہ جس سے موسٰی علیہ السلام ہم سے صاحب نہ آ جائیں، سب کا اتفاق ہوا کہ جادوگروں کو بلایا جائے۔ چنانچہ یہ طے پایا کما قال ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ○ لاؤ میرے پاس ایسے جادوگر جو اپنے فن میں یکتا ہوں، جن کا عالم دنیا میں کوئی مدِمقابل نہ ہو۔ وہ آ کر موسٰے علیہ السلام کو لاجواب کر سکیں۔ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ فاء فصیحہ ہے یعنی جب وہ جادوگر فرعون کے ہاں موسٰی علیہ السلام کے مقابلہ کے لیے آئے تو قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ○ انھیں موسٰے علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہیں جتنی طاقت ہے پُوری صرف کر لو۔

ف : ما انتم میں ابہام کر کے موسٰی علیہ السلام نے اُن کے جادو کی حقارت کا اظہار کیا اور واضح فرمایا کہ تمہاری اس جادو کی قوت کچھ نہیں اور نہ ہی میں اسے کسی خیال میں لاتا ہوں لیکن تم اپنی قوت آزمائی کر لو۔

سوال : موسیٰ علیہ السلام نے انھیں جادو کا حکم کیوں فرمایا اس لیے کہ جادو کا عمل کفر ہے اور کفر کا حکم دینا بھی کفر۔

جواب : موسیٰ علیہ السلام نے انہیں رسیوں اور لاٹھیوں کے ڈالنے کا حکم فرمایا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ یہ جو کچھ کر رہے ہیں بیکار عمل اور سعی باطل ہے اس سے کب ثابت ہوا کہ آپ نے انھیں جادو کے عمل کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

فَلَمَّآ اَلۡقَوۡا جب انہوں نے رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں اور لوگوں کو ڈرایا اور اپنے خیال میں بہت بڑا جادو چلایا قَالَ مُوۡسٰی موسےٰ علیہم السلام نے انھیں بلاتاخیر فرمایا کہ مَاجِئۡتُمۡ بِہِ ۙ السِّحۡرُ ؕ جو کچھ تم لائے ہو یہ تو کھلا جادو ہے اور جسے فرعون اور اس کی قوم جادو کہہ رہی ہے وہ کس طرح جادو ہو سکتا ہے جبکہ وہ اللہ تعالےٰ سے ہے ما موصولہ مبتدأ اور السحر اس کی خبر ہے خبر پر الف ولام حصر کا فائدہ دے رہا ہے اِنَّ اللّٰہَ سَیُبۡطِلُہٗ ؕ بیشک اللہ تعالےٰ میرے ہاتھ پر ظاہر کردہ معجزے سے تمہارے جادو کو بالکل مٹا دے گا یہاں تک کہ تمہارے جادو کا نام ونشان نہ رہے گا یا اس کا معنےٰ یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے اس کا بطلان ظاہر ہو جائے گا۔ اس معنے پر یہ سین تاکید کا ہوگا۔ ؎

اذا جاء موسےٰ والقی العصا

فقد بطل السحر والساحر

ترجمہ : جب موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے اور عصا ڈالا تو جادو اور جادوگر سب فنا ہو گئے۔

اور : ع سحر با معجزہ پہلو نزند ایمن باش

ترجمہ : جادو معجزہ کا مقابلہ نہیں کرتا فلہذا کوئی غم نہ کرو۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُصۡلِحُ عَمَلَ الۡمُفۡسِدِیۡنَ ۝ بے شک اللہ تعالیٰ مفسدین کے عمل کو ثابت نہیں رکھتا بلکہ اسے بہت جلد مٹا دیتا ہے یہاں تک کہ اس کا نام ونشان بھی مٹ جاتا ہے۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ جادو کی کوئی حقیقت نہیں یہ صرف خیالی امر ہوتا ہے جو چند لمحات کے بعد مٹ جاتا ہے لیکن اہلِ حقیقت فرماتے ہیں کہ اس کی حقیقت ثابت ہے یہ کوئی بناوٹی ومصنوعی معاملہ نہیں، ہاں اس کا اثر خیالی ہے تو اس کی حقیقت ثابتہ پر اثر انداز نہیں۔

وَیُحِقُّ اللّٰہُ الۡحَقَّ اور جو کچھ حق میں لایا اسے اللہ تعالےٰ ثابت کریگا اور قوت بخشے گا بِکَلِمٰتِہٖ اپنے اوامر وقضایا سے وَلَوۡ کَرِہَ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ۝ اگرچہ وہ مجرمین کو ناپسند ہو۔ مجرمین سے وہ لوگ مراد ہیں جو جرائم سے متصف ہوں، جادوگر ہوں یا کوئی اور۔

ف : کاشفی نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ سے جو وعدۂ نصرت ہو وہ اسے پورا کرتا ہے اسے دشمنوں کی کراہت سے کوئی ڈر نہیں۔ مثنوی معنوی میں اسی معنے کی طرف اشارہ ہے : ؎

حق تعالیٰ از غم و خشم خصام
کے گزارد اولیاء را در عوام

مہ فشاند نور و سگ وع وع کند
سگ ز نور ماہ کے مرتع کند
خس خسانہ می رود بر روئے آب
آب صافی میرود بے اضطراب
مصطفیٰ مہ مے شگافد نیم شب
ژاژ می خاید ز کینہ بو لہب
آں مسیحا مُردہ زندہ میکند
و آں جہود از خشم سبلت میکند

ترجمہ: اللہ تعالیٰ دشمنوں کے خطرہ سے اپنے محبوب اولیاء کو ان کے پنجہ میں کیسے دیتا ہے چاند کی کرن سے کتا بھونکتا ہے کتا چاند کے نور سے کس طرح نفع پا سکتا ہے خس و خاشاک دریا کے اوپر کمزوری سے تیرتے چلے جاتے ہیں لیکن صاف پانی بلا اضطراب چلتا ہے حضور علیہ السلام نے چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے لیکن ابولہب کینہ سے انگشت بدنداں رہ گیا، وہ عیسیٰ علیہ السلام مُردے زندہ کرتے تھے لیکن یہودی تا حال ان کی مخالفت میں سرگرداں ہیں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں مُوسیٰ سے قلب اور ہارون سے سِر اور فرعون سے نفس اور اس کی صفات مراد ہیں اور مُوسیٰ کی دعوت سے نفس کا انکار اسے قبول نہ کرنا مراد ہے اس لیے کہ قلب و سِر نفس کو کلمۂ توحید اور عبادتِ الٰہی کی طرف بلاتے ہیں لیکن نفس خود ربوبیت کا مدعی ہے اور اپنی خواہشات کے علاوہ اور کسی کی الوہیت کے قائل نہیں بلکہ وہ انکاری ہے کہ اس کی سلطنت و حکومت میں کوئی اور تصرف کرے لیکن اللہ تعالےٰ کلمہ لا الٰہ الا اللہ کو قوت بخشتا ہے گو یہ الٰہی جوابی بخشش نفس متمردہ و امارہ کو ناپسند ہو

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ہے:

اسم اعظم بکند کار خود اے دل خوش باش
کہ بتلبیس و حیل دیو سلیماں نشود

ترجمہ: اسم اعظم اپنا کام کرتا ہے فلہذا دل مطمئن رکھ، مکر و فریب سے دیو سلیمان نہیں ہو سکتا۔

حکایت حضرت شیخ جنید بغدادی عجمی چالیس سال تک سلطنت کے حصول کے لیے کوشاں رہے لیکن انہیں شاہی حاصل نہ ہو سکی پھر اس کی اولاد سے روافض بادشہ پیدا ہوئے جیسے شاہ اسماعیل و شاہ عباس و شاہ طہماسپ پھر انہیں ملوک عثمانیہ سے شکست ہوئی شاہان عثمانیہ کی وجہ سے ان روافض بادشاہوں کا شروع ہوا اور زمین فساد سے پاک ہوئی۔

سبق : اس سے معلوم ہوا کہ حق اہلِ حق کے ساتھ ہوتا ہے جیسے موسیٰ و ہارون علیہما السلام اہلِ حق تھے اسی لیے حق اُن کے ساتھ تھا اور اہلِ باطل کے ساتھ باطل ہوتا ہے جیسے فرعون ۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر زمانہ میں فرعون ہونے ہیں تو ان کے مٹانے کے لیے موسیٰ بھی پیدا ہوتے ہیں اور یہ سلسلہ دجّال تک چلا جائے گا یہاں تک کہ اسکی سرکوبی کے لیے عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے ۔

سوال : اس کی کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالےٰ ظالموں کو اہلِ ارض پر مسلّط کرتا ہے جیسے فرعون نے عرصۂ دراز تک ذلیل وخوار کیے رکھا ۔

جواب : اگر وہ نیک اور صالح ہوتے ہیں تو یہ ذلّت وخواری ان کے گناہوں کو مٹانے اور ان کے جواہر کے اظہار سے ہوتا ہے ورنہ ان کے لیے دُنیا کا عذاب ۔

حکایت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم ہُوا کہ اہل عراق نے ان کے گورنر کو پتھر مارے ہیں اس سے آپ سخت ناراض ہُوئے اور نماز پڑھنے لگے تو نماز میں آپ کو سہو ہُوا ۔ سلام پھیرتے ہُوئے عراقیوں پر بددُعا کی کہ یا اللہ ! یہ لوگ میری نماز میں سہو کا سبب بنے ہیں تُو بھی انھیں تکلیف میں مُبتلا فرما اور ان پر ایسا نوجوان ثقفی مسلّط فرما جو ان پر جاہلیت کے امور جاری کرے ان کے نیکوں کی کوئی بات نہ مانے اور اُن کے بُروں کی بُرائیوں سے تجاوز کرے ۔

ف : حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ دُعا حجاج کی پیدائش سے پہلے کی ہے چنانچہ عراق پر حجاج مسلّط ہُوا تو اس کے کارنامے سب کو معلوم ہیں ۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
مکّہ معظمہ میں ایک قریشی نوجوان الحاد پھیلائے گا اس کا نام "عبداللہ" ہوگا ، تمام لوگوں کے گناہ اس پر ہوں گے ۔

حدیث شریف میں اسے تیسٌ کہا گیا اور تیسٌ کی تشریح آتی ہے ۔

ف : انسان العیون میں ہے کہ حجّاج بن یوسف ظالم کا قریش سے ہونا ہمارے مدّعا کے خلاف نہیں اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جو دُعا مانگی تھی وہ پُوری ہوگئی ۔

ف : حیٰوۃ الحیوان میں ہے کہ اہلِ عرب جب کسی کی مدح کرتے ہیں تو اسے کبش سے تعبیر کرتے ہیں ۔ اگر کسی کی مذمت کرتے ہیں تو اسے تیسٌ سے موسوم کرتے ہیں اسی لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے والے کو تیسٌ مستعارٌ سے تعبیر فرمایا ہے ۔

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰۤى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ

تو موسیٰ پر ایمان نہ لائے مگر اس کی قوم کی اولاد سے کچھ لوگ فرعون اور اس کی درباریوں

فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ

سے ڈرتے ہوئے کہ کہیں انہیں ہٹنے پر مجبور نہ کر دیں اور بے شک فرعون زمین پر سر

فِى الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰى

اٹھانے والا تھا اور بیشک وہ حد سے گزر گیا اور موسیٰ نے کہا اے

يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ

میری قوم اگر تم اللہ پر ایمان لائے تو اسی پر بھروسہ کرو اگر تم

مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا

اسلام رکھتے ہو بولے ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا الٰہی ہم کو ظالم لوگوں

فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ

کے لیے آزمائش نہ بنا اور اپنی رحمت فرما کر ہمیں کافروں سے

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ

نجات دے اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کو وحی بھیجی

لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا

کہ مصر میں اپنی قوم کے لیے مکانات بناؤ اور اپنے گھروں کو نماز کی جگہ کرو اور نماز قائم رکھو

الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَاۤ اِنَّكَ

اور مسلمانوں کو خوشخبری سناؤ اور موسیٰ نے عرض کی اے رب ہمارے تو نے

اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

فرعون اور اس کے سرداروں کو آرائش اور مال دنیا کی زندگی میں دیے

رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰۤى اَمْوَالِهِمْ

اے رب ہمارے اس لیے کہ تیری راہ سے بہکا دیں اے رب ہمارے ان کے مال برباد کر دے

وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ

اور ان کے دل سخت کردے کہ ایمان نہ لاویں جب تک دردناک عذاب

الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَ

نہ دیکھ لیں فرمایا تم دونوں کی دعا قبول ہوئی تو ثابت قدم رہو اور

لَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَجٰوَزْنَا

ناوانوں کی راہ نہ چلو اور ہم بنی اسرائیل کو

بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَ

دریا پار لے گئے تو فرعون اور اس کے لشکروں نے ان کا پیچھا کیا

جُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ

سرکشی اور ظلم سے یہاں تک کہ جب اسے ڈوبنے نے آلیا بولا

اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ

میں ایمان لایا کہ کوئی سچا معبود نہیں سوا اس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے

وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۰﴾ آٰلْــٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَ

اور میں مسلمان ہوں کیا اب اور پہلے سے نافرمان رہا اور تو

كُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَ

فسادی تھا آج ہم تیری لاش کو اترا دیں گے

نِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ

کہ تو اپنے پچھلوں کے لیے نشانی ہو اور بے شک اکثر

النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾ ع

ہماری آیتوں سے غافل ہیں

۹/۶/۴

تفسیر عالمانہ فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ پس موسیٰ علیہ السلام پر صرف اس کے اپنے لوگ ایمان لائے موسیٰ علیہ السلام کی ابتداء دعوت میں یعنے عصا کے معجزہ سے ظاہر کرنے سے پہلے سوائے

ان کی اپنی برادری کے نوجوانوں کے باقی کسی نے بھی ایمان قبول نہ کیا، جادوگروں نے معجزۂ عصا کے بعد ایمان قبول کیا اسی لیے یہ حصر ہمارے مقصد کے منافی نہیں۔

ف : مُوسٰی علیہ السلام کی برادری کے نوجوان تو مان گئے لیکن بڑے بڑے فرعون کے خوف سے ڈر کر ایمان سے انکار کر بیٹھے۔

سوال : تم نے کہاں سے سمجھا کہ صرف نوجوانوں نے مانا تھا اور بڑوں نے انکار کر دیا۔

جواب : لفظ ذریۃ سے صاف ظاہر ہے کہ صرف نوجوان ایمان سے نوازے گئے۔

سوال : ممکن ہے کہ ذریۃً تصغیر بمعنے تحقیر کے لیے ہو۔ تحقیر بھی اسی طرف اشارہ کرتی ہے کہ ان میں چند ایک مومن ہوئے اور ذریۃ کا اصلی معنے تو بگاڑا بھی نہیں جا سکتا جس سے واضح ہوتا ہے کہ چند ایک مومن ہوئے اور وُہ بھی نوجوان، چنانچہ آنے والا مضمون بھی اسی کی تائید کرتا ہے کما قال :

عَلٰی خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ بہت بڑے خوف کے فرعون اور ان کی جماعت کے خوف سے هُمْ کا مرجع ذریۃ ہے یعنی بنی اسرائیل کی ذرّیت کے بڑے۔

سوال : ذریۃ مونث ہے پھر هُم ضمیر جمع مذکر۔ اس ضمیر کو اس کی طرف کیسے لوٹایا گیا۔

جواب : ذریۃ بمعنے قوم ہے اور قوم معناً جمع ہے۔ اب آیت کا معنٰی یہ ہُوا کہ بنی اسرائیل کے نوجوان ایمان لائے لیکن وہ فرعون اور اپنے بڑوں سے خوف زدہ تھے اور بڑے اپنے نوجوانوں کو روکتے تھے کہ کہیں انھیں فرعون ظلم وستم کا نشانہ نہ بنا دے' یہ بھی ہے کہ هُم کا مرجع فرعون ہو اور اس سے ساری قوم مراد ہو جیسے ثمود بول کر اس سے تمام قوم مراد لی جاتی ہے۔

اَنْ يَّفْتِنَهُمْ یہ کہ فرعون انھیں عذاب پہنچائے یا ان کے والدین کو مجبور کرے کہ وہ اپنے نوجوانوں کو موسٰے علیہ السلام کے ساتھ کفر کرنے پر مجبور کریں۔ اس معنے پہ یہ بدل الاشتمال ہے اصل عبارت یُوں ہے :

علٰی خوف من فرعون فتنۃ۔

جیسے اعجبنی زید علمہٗ میں علمہٗ زید سے بدل الاشتمال ہے ایسے ہی فتنۃ فرعون سے بدل الاشتمال ہے فتنہ کا اسناد فرعون کی طرف اس لیے ہے کہ عذاب کا آمر وہی ہے۔

تفسیر صُوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں موسٰی سے قلب اور ذریۃ قومہٖ سے اس کی صفات مراد ہیں یعنی قلب کو صرف اس کی صفات نے مانا' یا یوں کہو کہ قومہٖ کی ضمیر فرعون نفس کی طرف راجع ہے اب معنٰے یہ ہوا کہ قلب کو نفس کی بعض صفات نے مانا وہ اس لیے کہ نفس کی بعض صفات کو بدلنا ممکن ہے وہ اس طرح کہ اس کی صفات ذمیمہ کو اخلاق حمیدہ سے بدلا جائے علٰی خوف من فرعون وملائہم اس سے نفس و ہوا ، دنیا اور اس کی شہوات مراد ہیں یعنی امور مذکورہ ایسے ہیں کہ نفس کو اپنی جبلی عادات پہ رہنے پر مجبور کرتے ہیں اس سے معلوم ہُوا کہ اگرچہ

نفس کو امارۃ سے مطمئنۃ کی طرف تبدیل کر لیا جائے تب بھی اس کے مکر و فریب سے خوف رکھنا چاہیے کہ وہ مطمئنۃ سے امارۃ کی طرف لوٹنے میں دیر نہیں کرتا جیسے بلعام و برصیصیا اگرچہ مطمئنۃ میں اپنے نفوس کو داخل کر چکے تھے لیکن دُنیا اور اُس کی شہوات میں مبتلا ہو کر ان کے نفوس مطمئنہ اماریت کی طرف لوٹ گئے۔ معلوم ہُوا کہ نفس مطمئنیت سے اماریت کی طرف رجعت قہقری کا نہ صرف خوگر ہے بلکہ اسی کے لیے ہر وقت جد و جہد کرتا ہے۔

ف ؛ حضرت شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر نے مواقع النجوم میں فرمایا؛

> صوفی خام خیال اور صوفیت کا دعوٰی رکھنے والے کی علامت یہ ہے کہ وہ رعونت نفس اور اس کے اعراض کی طرف بہت تیز دوڑتا ہے۔

حضرت شیخ ابو سلیمان دارانی جو بہت بڑے مشایخ سے تھے فرماتے ہیں کہ وہ اگر واصل باللہ ہوتے تو کبھی نفس کی رعونت کی طرف راجع نہ ہوتے اور جو لوگ محروم ہو جاتے ہیں اس کی اصل وجہ یہی ہوتی ہے کہ وہ اصول سلوک کو ضایع کر دیتے ہیں جو اپنے آپ کو شرعی امور کا پابند نہیں بناتا وہ کبھی محقق (ولی اللہ) نہیں ہو سکتا۔ ولی کامل کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کی طبعی عادت سے بالکل فارغ اور شریعت کے آداب کا عامل ہو بلکہ اس کا ہر قدم شریعت پر اُٹھے۔

تفسیر عالمانہ

وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِی الْاَرْضِ ۚ اور بے شک فرعون ارضِ مصر پر غالب تھا اور بہت بڑا سرکش اور طاغی تھے وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِیْنَ ○ اور بے شک وہ ظلم و فساد بالقتل اور خون کے بہانے یا کبر اور سرکشی میں حد سے تجاوز کرنے والا انتہا یہاں تک کہ ربوبیت کا دعوٰی کیا اور انبیاء کی اولاد یعنی بنی اسرائیل کو غلام بنایا اور بنو اسرائیل کو ہم نے انبیاء علیہم السلام کی اولاد اس لیے کہا کہ ان کا نسب یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام سے ملتا تھا وَقَالَ مُوْسٰی اور جب موسٰی علیہ السلام نے اہلِ ایمان کو فرعون سے خوفزدہ ہوتے دیکھا تو فرمایا: یٰقَوْمِ اے میری قوم اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ اگر تم ایمان لاؤ اور اس کی آیات کی تصدیق کی اور یقین کرو کہ کسی کو منافع پہنچانا اور کسی کا ضرر دُور کرنا اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے فَعَلَیْهِ تَوَكَّلُوْٓا صرف اسی پر بھروسہ کرو اس کے سوا اور کسی سے نہ ڈرو۔

ف : نُوح علیہ السلام نے توکل کو صرف اپنے لیے محصور فرمایا کما قال :

> فعلی اللہ توکلت ۔ اور موسٰی علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مُوسٰی علیہ السلام کا مرتبہ نُوح علیہ السلام سے بلند ہے۔

صاحب رُوح البیان نے فرمایا کہ اس سے فضیلت اور مرتبہ کی فوقیت کا ثبوت نہیں ہو سکتا اس لیے کہ وہاں نوح علیہ السلام کا قصہ تھا اسی لیے وہاں اُن کی تخصیص کی گئی اور یہاں مُوسٰی علیہ السلام کی قوم کا بیان ہے اسی لیے یہاں اُن کا نام لیا گیا۔ چونکہ قصوں کی جہتیں دو ہیں اسی لیے ان دو جہتوں سے توکل کی تخصیص ہُوئی اس سے مُوسٰی علیہ السلام اور نُوح

لہ افسوس کہ ہمارے دور کے بعض جاہل پیروں نے جاہل مریدوں کے ذہن میں ڈال دیا ہے کہ شریعت اور ہے اور طریقت اور، حالانکہ تمام مشایخ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ شریعت اور طریقت ایک حقیقت کے دو نام ہیں والتفصیل فی المطولات۔

علیہ السلام کی فضیلت کی ترجیح کا کیا معنٰے۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ۝ اگر تم قضا و قدر کے سامنے سر جھکانے والے اور اس کے ساتھ مخلص ہو۔ یہ تعلیق الحکم کے قبیل سے ہے یعنے توکل دُو مختلف شرطوں سے مشروط ہے:

۱۔ ایمان باللہ

۲۔ اسلام

ورنہ لازم آئے گا کہ توکل صرف ایمان باللہ سے واجب نہیں بلکہ دو علیحدہ حکم ہیں جو دو مختلف شرطوں سے مشروط ہیں مثلاً توکل علی اللہ کو ایمان باللہ سے مشروط فرمایا اس لیے کہ توکل کا تقاضا بھی ہے کہ پہلے ایمان ہو ورنہ توکل قابلِ قبول نہیں اور حصولِ توکل کو اسلام سے مشروط فرمایا اس لیے اس کی مثال ان احسن الیك فاحسن الیہ ان قدرت ہے یعنی اگر تم پر زید احسان کرے تو تم اگر قدرت رکھتے ہو تو تم بھی اس پر احسان کرو فَقَالُوْا تو بلا تامّل بنی اسرائیل نے موسٰی علیہ السلام کو جواب دیا؛ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ج ہم نے اللہ تعالیٰ پر توکل کیا یہ اس لیے کہ وُہ مومن مخلص تھے اسی لیے ان کی دُعا مستجاب ہُوئی جبکہ انہوں نے دُعا مانگی:

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اے ہمارے رب! ہمیں قوم ظالمین کے لیے فتنہ و آزمائش نہ بنا، یعنی ہمیں ان کے عذاب کا نشانہ نہ بنا بایں طور کہ تُو ان کو ہمارے اُوپر مسلط کر دے تاکہ وُہ ہمیں عذاب کا نشانہ بنائیں اور ہمیں دینِ حق سے ہٹالیں وَ نَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ اور ہمیں کافروں کے مکروفریب اور ان کے دیکھنے اور ان کی ہمسائگی کی نحوست سے نجات دے۔

متنبی نے کہا؛ ؎

ومن نکد الدنیا علی الحران یری
عدوا لہ من صداقتہ بد

ترجمہ؛ اور جسے دُنیا کی خرابیاں معلوم ہیں وہ اس لائق ہے کہ دشمن کی صداقت کا کوئی اعتبار نہیں۔

نکتہ؛ توکل کو دُعا سے مقدم کرنے میں اشارہ ہے کہ انسان پر لازم ہے کہ اپنے مالک و مولا پر بھروسہ کرے تاکہ اس کی ہر دعا مستجاب ہو۔

توکّل کا صُوفیانہ معنٰے صُوفیاءِ کرام کہتے ہیں کہ حقیقی توکل یہ ہے کہ ماسوی اللہ کا خوف اور اُمید دل سے اُٹھ جائے اور صرف مسبّب الاسباب کے مشاہدہ میں استغراق اور ملاحظۂ اسباب سے کلی طور پر انقطاع ہو۔ ؎

ہر کہ در بحر توکّل غرق گشت
ہمتش از ماسوی اللہ در گزشت

ایں توکل گرچہ دارد رنجہا
فھوحسبہ بخشد از وے گنجہا

ترجمہ: جو بحرِ توکل میں مستغرق ہے اس کے خیالات ماسوی اللہ سے ہٹ جاتے ہیں اگرچہ توکّل میں بہت سی تکالیف ہیں لیکن اسے منجانب اللہ بہت بڑے خزانے نصیب ہوتے ہیں۔

ربط: جب ان نوجوانوں نے مُوسٰی علیہ السلام کی اتباع قبول کی تو ان پر لازم ہُوا کہ اپنی عبادت گاہیں تیار کریں تاکہ وہاں جمع ہوکر سکون سے عبادتِ الٰہی بجالائیں کیونکہ فرعون ان پر غالب تھا اس نے ان کی تمام عبادت گاہیں منہدم کردیں اور پھر نئی عبادت گاہیں بھی فرعون کے خطرے سے نہیں بنا سکتے تھے اسی لیے انہیں حکم ہُوا کہ وُہ اپنے گھروں میں عبادت خانے بنائیں جیسے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی دور میں مسلمانوں کو مکّہ میں دارِ ارقم میں عبادت کرنے کا حکم ہُوا تھا اسی طرح بنی اسرائیل کو حکم ہُوا تھا کما قال **وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ** اور ہم نے مُوسٰی اور اُن کے بھائی ہارون علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی **اَنْ** یہ ان منعول مقدر کے لیے مفسر ہے ہم نے ان کے لیے ایک وحی بھیجی وُہ یہ کہ **تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا** یہ تبوّا المکان سے ہے بمعنے اتخذہ مباءۃ و منزلا۔ یعنی فلاں مکان کو منزل اور رجوع کرنے کی جگہ بنایا۔ اب معنی یہ ہُوا کہ اے مُوسٰی وہارون علیہما السلام! مصر میں گھروں کو رہنے کی جگہ بناؤ۔ کواشی میں ہے کہ مصر سے شہر مصر یا اسکندریہ مراد ہے یعنی ان کے لیے گھروں کو تیار کرو تاکہ وُہ سکونت پذیر ہوں اور وہاں عبادت بھی کریں **وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً** اور تم دونوں حضرات اور تمہارے ماننے والے نوجوان اپنے گھروں کو عبادت خانے بنا کر قبلہ کی طرف متوجہ ہوں یہاں پر قبلہ سے مراد کعبہ ہے اس لیے کہ مُوسٰی علیہ السّلام اسی کی طرف متوجہ ہوکر نماز پڑھتے تھے **وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ** ط اور انہی گھروں میں نماز قایم کرو۔

نکتہ: ان لوگوں پر صرف نماز فرض تھی اور زکوٰۃ اس لیے فرض نہیں تھی کہ وہ فقیر اور تنگ دست تھے۔

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اور اہلِ ایمان کو دُنیا میں مستجاب ہونے کی اور عقبٰی میں بہشت کی خوشخبری سنائیے، اس لیے کہ صاحب الشریعت کا کام ہے کہ وُہ اپنی اُمت کو خوشخبری سُنائے۔

تفسیر صُوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اہلِ سلوک پر لازم ہے کہ عالم نفس سفلیہ میں عبادت گاہیں نہ بنائیں بلکہ عالم روحانیہ کے مصر میں اقامت گاہیں تیار فرمائیں و یقیموا الصّلٰوۃ سے مراد یہ ہے کہ مقامات روحانیہ سے قربات ومواصلات ربانیہ کی طرف عروج کرنے پر مداومت رکھیں اس لیے کہ ممکنات کی سیر تنا ہی اور اس کا ذوق ملنے والا ہے لیکن واجب کی طرف سیر غیر تنا ہی اور اس کا ذوق دنیا و آخرت میں دائمی ہے اور اس کی سیر کے ذوق کا آٹھوں بہشتوں کی لذّت مقابلہ نہیں کرسکتی۔

ف: جمیع اولیاء اللہ کے کمالات وکرامات اہلِ فنا کے کمالات کے برابر نہیں ہوسکتے یہاں ان کو جتنا درد و مصائب پہنچے

اگرچہ درحقیقت ان کے لیے وہ درد و مصائب نہیں تھے لیکن جب قیامت میں اللہ تعالیٰ انہیں اپنے دیدار سے نوازے گا تو دُنیا کے تمام اولیاء ان کے مراتب و کمالات پر رشک کریں گے اور ان کے ادنیٰ رشک کا پہلا نمونہ یہی ہے کہ یہ اہلِ فنا دوسرے جملہ اولیاء سے آگے آگے ہوں گے۔

ف: لیلۃ المعراج میں حضرت مُوسیٰ علیہ السلام کا رشک بھی اسی قبیل سے تھا لیکن قیامت میں ایک دُوسرے پر رشک اس کو ہوگا جو مقام تنزل وارشاد میں ہوگا ورنہ اہلِ وصال جنہیں دائمی طور پر شغل نصیب تھا ان کو نہ رشک ہوگا اور نہ اور تصور بلکہ وُہ اپنے لیے یہی فخر سمجھیں گے کہ انھیں اہلِ فنا میں جگہ مل گئی۔ (کذا فی الواقعات المحمودیہ)

ف: عُشاق کی آزمائش کا سلسلہ تا قیامت جاری ہے۔

نکتہ: حضرت الشیخ الاکبر نے فرمایا: جمیع بنی آدم کو آزمائش اور ابتلاء ضروری ہے اور نہ صرف لمحہ دو لمحے بلکہ تا قیامت بلکہ دخولِ جنت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ چنانچہ مرنے کے بعد سب سے پہلے منکر نکیر کا سوال پھر قیامت میں اُٹھنے کے بعد سب سے زیادہ خوفِ الٰہی ہوگا خواہ اپنے لیے یا اُمت یا مریدین و معتقدین و متعلقین کے لیے۔ اور دنیا میں سب سے پہلا درد پیدائش کے وقت کا ہے جبکہ ہم سب سُنتے ہیں کہ بچہ پیدا ہوتے ہی چیختا ہے وُہ دراصل رحم سے مفارقت اور اس سے تنگی سے نکلنے کی وجہ سے۔ پھر نکلتے ہی اسے دُنیا کی ہوا کے جھٹکے ستاتے ہیں اسی لیے وُہ درد کو محسوس کر کے روتا ہے اگر وُہ اس حالت میں مر بھی جاتے تب بھی اُس نے دنیا کے درد و آلام سے حصّہ لیا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی دردبھری کہانی

حضرت بلال رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہُوئے تو انھیں اُمیہ بن خلف سخت سے سخت تر اذیتیں پہنچاتا تھا، یہاں تک کہ آپ کو گرم ریت پر اُلٹا لٹا کر پُشت پر چابک مرواتا تھا اور ریت اس قدر گرم ہوتی تھی کہ اگر اس پر کچے گوشت کا ٹکڑا رکھ دیا جاتا تو وہ پک جاتا۔ جب مارنے سے تھکتے تو آپ کے سینہ پر بہت بڑے پتھر رکھ دیتے۔ لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایسی تکالیف کو خیال میں نہ لاتے بلکہ زور سے پکارتے،

احد احد۔ یعنی اللہ احد۔

یعنی حضرت بلال رضی اللہ عنہ عذاب کے کڑوے پن میں لذتِ ایمان کی حلاوت ملاتے تھے۔

عاشقِ رسول بلال رضی اللہ عنہ کے وصال کی گھڑی

مروی ہے کہ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر نزع طاری ہُوئی تو آپ کی زوجہ کہتی تھیں:

واحزناہ۔ ہائے افسوس۔

آپ اس کے جواب میں فرماتے:

واطرباہ۔ راحت ہی راحت۔

اس لیے کہ: ؎

نلقی غداً الاحبہ
محمداً و حزبہ

ہم اپنے محبوب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ملیں گے۔

اس واقعہ کو حضرت مولانا روم قدس سرہٗ نے یوں بیان فرمایا: ؎

گفت جنت امشب غریبے میروی
از تبارے خویش غائب میشوی
گفت نے نے بلکہ امشب جانِ من
میرسد خود از غریبی در وطن
گفت رویت را کجا بینیم ما
گفت اندر حلقۂ خاص خدا
گفت ویراں گشت ایں خانہ دریغ
گفت اندر مہ نگر منگر بمیغ
گرد ویراں تا کند معمور تر
قومم انبہ بود و خانہ مختصر
می گدا بودم دریں خانہ چو ماہ
شاہ گشتم قصر باید بہر شاہ
انبیاء را تنگ آمد ایں جہاں
چوں شہاں رفتند اندر لامکاں
مردگاں را ایں جہاں بنمود فر
ظاہرش رفت بمعنے تنگ تر
گر نبودے تنگ ایں افغان ز چیست
چوں دوتا شد ہرکہ در وے بیش زیست
در زماں خواب چوں آزاد شد
زاں زمکان بنگر کہ جاں چوں شاد شد

خلاصہ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ جہان مختلف ہیں بعض وسیع بعض اس سے وسیع بعض اس سے بھی وسیع تر،

ان سب سے تنگ تر عالمِ دنیا ہے اور ان سب سے وسیع تر عالم امر اور عالم شان ہے۔

انبیاء و اولیاء حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کاملین بھی سالکانِ راہِ خدا ہیں اور یہ بھی اس راہ پہ لحظہ بہ لحظہ ترقی کرتے رہتے ہیں اسی لیے اگرچہ ان کے اجساد ظاہرہ دُنیا میں ہوتے ہیں لیکن ان کے ارواح ہر وقت حضرۃ عُلیا میں حاضر رہتے ہیں بنا بریں ان کے لیے ہر عالم مساوی حیثیت رکھتا ہے اسی لیے کہ وہ کسی شئے سے ایذا نہیں پاتے اور نہ ہی ما سوی اللہ سے ڈرتے ہیں اور چونکہ ان کے ماسوا (ہمارے جیسے عوام) انکے مراتب کو نہیں پہنچ سکتے اسی لیے ان کے احوال ظاہراً و باطناً مختلف رہتے ہیں اور نہ ہی انھیں توجہ الی اللہ نصیب ہوتی ہے اور نہ ہی حسنِ نیت کا درجہ پا سکتے ہیں۔ (و من اللہ العصمۃ و التوفیق)

وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّ اَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ

اور مُوسیٰ علیہ السلام نے عرض کی، اے ہمارے رب کریم! تُو نے فرعون اور اُس کی جماعت کو ایسی زینت بخشی کہ جس سے لوگ زیب و زینت کرتے ہیں اور سواریاں وغیرہ اور بہت سے مختلف النوع مال مثلاً نقد، متاع و اسباب عطا فرمائے۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مصر کے علاقے اور حبشہ تک کے پہاڑوں کے جملہ سونا اور چاندی اور زبرجد وغیرہ کے خزینے و دفینے سب کے سب پر فرعون قابض تھا اور اس کی شاہی کا حدود اربعہ بھی ان علاقوں تک پھیلا ہُوا تھا اسی وجہ سے اس کی قوم قبطی بھی بہت بڑی دنیا و دولت کی مالک تھی اور افرادِ قوم بڑے ٹھاٹھ باٹھ سے زندگی بسر کر رہے تھے اسی دُنیا و دولت کے نشے میں گمراہ اور گمراہ کنندہ تھے

کما قال رَبَّنَا تکرار تبرک کے طور ہے یعنی مُوسیٰ علیہ السلام نے عرض کی لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ج تو انہیں دنیا و دولت سے اسی لیے مزین کیا تاکہ انجام بکار یہ ہو کہ وُہ تیرے بندوں کو ایمان سے ہٹا کر گمراہی کے گڑھے میں ڈالیں یہ لام عاقبت کی ہے جیسے شعرِ ذیل میں ہے۔ ؎

امو النا لذوی المیراث نجمعھا
و دار نا الخراب دھو نبینھا

ترجمہ: مال و اسباب ہم اپنے وارثوں کے لیے جمع کر رہے ہیں ہمارے گھروں کو تا زیست بربادی رہے گی جنھیں ہم بنا رہے ہیں۔

یا لام سببیہ ہے یعنی انھیں دولت سے اس لیے مزین کیا ہے تاکہ اہلِ ایمان کو سیدھے راستہ سے پھیر لیں اس معنے پر لام تعلیلیہ ہو گی اور یہ اس کا حقیقی نہیں بلکہ مجازی معنٰے ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں مال و دولت اس لیے دی تھی تاکہ وُہ ایمان لائیں اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کریں لیکن اس کے بجائے انہوں نے دنیا و دولت کو مزید بغاوت اور کفر کا سبب بنایا ان کی یہ حالت اس کے مشابہ ہو گئی کہ جسے دولت اس لیے دی جائے تاکہ وُہ دُوسروں کو گمراہ کرے، اسی

مشابہت کی بنا پر کلام لام تعلیل کے ساتھ مستعمل ہوئی۔

مسئلہ: آیت سے واضح ہوا کہ دُنیا و دولت گمراہی اور دُوسروں کو گمراہ کرنے کا سبب بنتی ہے اس لیے کہ انسان کی فطرت ہے کہ وُہ سرکشی کرے جب اُسے دُنیا و دولت حاصل ہو اور یہ بھی اس کی عادت ہے کہ جب کسی دُوسرے کو خوشحالی اور دُنیا و دولت کے زیب و زینت سے مزین دیکھتا ہے تو آرزو کرتا ہے کہ اسے بھی وہی دنیا و دولت اور زیب و زینت حاصل ہو جیسے قارون کو لوگوں نے دیکھا کہ وہ دنیا و دولت سے نوازا گیا تو کہا:

یالیتنا لنا مثل ما اوتی قارون۔

کاش ہمیں وہی نصیب ہوتا جو قارون کو حاصل ہوا ہے۔

اسی لیے اولیاء کرام نے اغنیاء اور بادشاہوں اور دولت مندوں کی صحبت و رفاقت سے روکا ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تجالسوا الموتی۔

مردگان کے ساتھ مت بیٹھو۔

ف: حدیث شریف میں "الموتی" سے دولت مند مراد ہیں۔

ملفوظ صحابی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں بہت اُونچی عمارت سے گِر کر چھ ٹکڑے ہو جاؤں میرے لیے یہی محبوب تر ہے دولت مندوں کی صحبت و رفاقت سے۔

ف: صحبت و رفاقت کا بہت بڑا گہرا اثر ہوتا ہے: ؎

باد چوں بر فضائے بد گزرد

بُوئے بد گیرد از ہوائے خبیث

ترجمہ: ہوا جب گندی فضا سے گزرتی ہے اسی فضا خبیث سے بدبُو لے کر چلتی ہے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ایک دعا حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے دُعا مانگی کہ اے اللہ! مجھے دنیا و دولت کی وفرت دے لیکن ساتھ مجھے اس سے بے پرواہ رکھ نہ وُہ مجھ سے بالکل ختم ہو اور نہ وُہ مجھے اس کی قلبی رغبت ہو۔

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓی اَمْوَالِهِمْ حضرت مُوسٰی علیہ السّلام نے پہلے فرعون اور اس کے ماننے والوں کو عذابِ الٰہی سے ڈرایا، پھر ان پر بددُعا فرمائی تاکہ انھیں معلوم ہو کہ وُہ ہرگز ایمان نہ لائیں گے اور ان کے اضلال کی صفت کو دعا سے پہلے ظاہر فرما دیا تاکہ انھیں معلوم ہو کہ وہ بددُعا کے مستحق اسی اضلال کی وجہ سے ہُوئے ہیں۔

حلِ لغات: طمس بمعنے محو اور نام و نشان مٹا دینا۔ اب آیت کا معنٰی یہ ہُوا کہ اے اللہ! ان کے مال و اسباب کو

ایسا مٹا دے کہ ان کا نام ونشان تک باقی نہ رہے تاکہ ان سے نفع نہ پا سکیں اور ان کی ہیئت ایسی بدل دے کہ جس سے وہ کوئی فائدہ نہ اٹھائیں اس لیے کہ وُہ اپنے اسباب واموال کے ذریعے تیری عبادت واطاعت میں ترقی کریں لیکن انہوں نے انھیں تیری نافرمانی اور بغاوت وکفر پر صرف کیا۔

مُوسیٰ علیہ السلام کا معجزہ

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی بددعاء کا نتیجہ یہ ہُوا کہ ان کے دراہم ودنانیر اور ان کے طعام ومیوہ جات مثلاً بادام، اخروٹ۔ اسی طرح اناج مثلاً گندم، دال مسور وغیرہ سب کے سب پتھر بن گئے اور ان کی ہیئت کذائیہ بھی تبدیل نہ ہُوئی یعنے وُہ دراہم تھے اور انھیں اٹھایا جاتا تو وہ پتھر ہوتے اسی طرح ان کے اناج اور سبزیوں کا حال تھا ایسے ہی ان کے انڈے، مرغیاں، جانور ودیگر اسباب کا حال تھا۔ (مُوسےٰ علیہ السلام کے نو معجزات مشہورہ سے یہ ایک تھا)

وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ الشد بمعنے الایثاق یعنی ان کے دلوں کو سخت کر اور ان پر مُہر لگا دے تاکہ اُن کے اندر ایمان داخل نہ ہو سکے فَلَا یُؤْمِنُوْا یہ دُعا کا جواب ہے پس وہ ایمان نہ لائیں حَتّٰى یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ○ یہاں تک کہ وہ دیکھیں دردناک عذاب کو یعنے دردناک عذاب کو دیکھ کر یقین کریں کہ اب ایمان لانا کام نہ دے گا۔ چنانچہ ایسے ہی ہُوا کہ انہوں نے دریا میں غرق ہونے تک ایمان کو قبول نہ کیا غرق ہونے کے وقت ایمان لائے لیکن اس وقت کا ایمان غیر قابل قبول ہے اس لیے کہ ان کا ایمان لانا قبول نہ ہُوا قَالَ اللہ تعالےٰ نے فرمایا قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا اے مُوسٰی وہارون علیہما السلام! میں نے تم دونوں کی دُعا قبول کر لی ہے۔

سوال: مُوسٰی علیہ السلام نے تو دُعا مانگی لیکن اب ہارون علیہ السلام کی دُعا کا ذکر کیوں!

جواب: مُوسٰی علیہ السلام دُعا مانگ رہے تھے تو ہارون علیہ السلام آمین فرماتے رہے۔ اور آمین بھی دُعا ہے اس لیے کہ اس کا معنٰے ہے استجب ہے بمعنے قبول فرما۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں پر ان کو بھی شامل فرمایا۔

فَاسْتَقِیْمَا تم دونوں اپنے موقف کو نہ چھوڑو ان کو دعوت توحید اور الزام حجت کرتے رہو اپنے مطالبہ میں جلدی نہ کرو اور اپنے وقت پر تمہارا مدعا ضرور پُورا ہو گا۔

ف: کواشی میں ہے کہ استقامت فی الدعا یہ ہے کہ اجابت دُعا پر مغرور نہ ہو اور نہ ہی دیر سمجھے کہ مقصد پُورا نہ ہُوا ممکن ہے میں مطرود اور ٹھکرایا ہوا ہُوں۔

وَلَا تَتَّبِعٰنِّ سَبِیْلَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ○ اور میرے ساتھ لاعلموں اور جاہلوں کا طریقہ اختیار نہ کرو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ ہے کہ وُہ اپنے امور کو حکمتوں اور مصلحتوں سے معلق کرتا ہے یا یہ معنٰے ہے کہ عجلت بازی میں جاہلوں کا طریقہ اختیار نہ کرو۔

کار ہا موقوف وقت آید نگہدار ید وقت

اللہ تعالیٰ کے بعض امور وقت پر موقوف ہوتے ہیں فلہذا وقت کا انتظار کرو۔

ف: حواشی سعدی المفتی میں ہے کہ مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام یا فرعون۔ اولیٰ یہی قول ہے کہ اس دعا کے بعد چالیس سال اپنی قوم میں رہے۔

اللہ تعالیٰ کا خزانہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خزانے کی کنجیاں تمہارے ہاتھ میں رکھی ہیں وہ یہ ہے کہ تمہیں سوال کرنے کی اجازت بخشی ہے اب تم جس طرح چاہو اس کے خزانوں کے دروازے کھولو۔ یعنی جب دعا مانگو گے تو تمہارے اوپر اس کی نعمت کے دروازے کھل جائیں گے بلکہ اس کی رحمت کی بارش موسلا دھار برسے گی اگر کسی وقت دعا کی قبولیت میں دیر ہو تو تمہیں ناامید نہیں ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ اس کی رحمت کے خزانے نیت کے مطابق کھلتے ہیں کبھی دعا میں تاخیر ہوتی ہے تو اس میں سائل کے اجر کو بڑھانا مقصود ہوتا ہے بلکہ اسے بڑی نعمتوں سے نوازنا مطلوب ہوتا ہے۔

حدیث شریف ہر داعی کی دعا ضرور مستجاب ہوتی ہے یا دعا کے مطابق اس سے برائی دور ہوتی ہے یا دعا کے بدلے اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں بشرطیکہ گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ مانگے۔ یعنی گناہ اور قطع رحمی کے وقت دعا نہ مانگے۔ (کذا فی شرح العقاید لرمضان)

مثنوی شریف میں ہے:

چہ تو پیش کہ برآرد بندہ دست
ہم دعا و ہم اجابت از تو است
ہم ز اول تو دہی میل دعا
تو دہی آخر دعاہا را جزا

نیز فرمایا: ؎

داد مر فرعون را صد ملک و مال
تا بگرداد دعوئ عزّ و جلال

در ہمہ عمرش ندید او درد سر
تا ننالد سوئے حق آں بدگہر

درد آمد بہتر از ملک جہان
تا بخوانی مر خدا را در نہان

ترجمہ: فرعون کو اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا ملک و مال اور ہر طرح کی عزّ و جاہ بخشی۔ تمام زندگی انہیں درد سر نہ ہوا تاکہ اسے اللہ تعالیٰ کے حضور میں رونے کا وقت بھی نصیب نہ ہو، اسی لیے درد تمام ملک اور جہان سے بہتر ہے تاکہ بندہ اپنے کریم کے سامنے عجز و نیاز کرے۔

ف: اظہار ذلت و خواری دعا کے شرائط میں سے اس لیے کہ دعا کی قبولیت کا ترتّب عجز و نیاز پہ ہے۔ ایسے ہی فتح د

نصرت۔ کما قال تعالےٰ : لقد نصرکم اللہ ببدر و انتم اذلّۃ۔

حکایت حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں تیس سال تک عبادت الٰہی میں بہت جد و جہد کرتا رہا، ایک دن میں نے خواب دیکھا، کسی نے فرمایا: اے بایزید! عبادت سے اللہ تعالیٰ کے خزائن پُر ہیں اگر اللہ تعالےٰ کا وصال چاہتے ہو تو عجز و نیاز کرو۔

حضرت حافظ نے فرمایا: ؎ فقیر و خستہ بدرگاہت آمدم رحمے
کہ جز دعائے توام نیست ہیچ دست آویز

مسئلہ: آیت میں اشارہ ہے کہ جب کسی سے سخت تکلیف لاحق ہو تو مُوذی پر بد دُعا مانگنا جائز ہے، جیسے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے قبیلۂ مضر کے لیے دُعا مانگی۔ جب انہوں نے آپ کو سخت اذیتیں پہنچائیں آپ نے دُعا میں فرمایا:

اُے اللہ! مضر کو سخت مصائب میں مبتلا فرما۔ اور ان کے اوپر وہی قحط سالی نازل فرما جیسے یوسف علیہ السلام کے زمانے میں قحط سالی واقع ہوئی یعنی ان کی گرفت فرما اور انہیں قحط سالی میں مبتلا فرما۔

آپ کی دُعا مستجاب ہُوئی۔ مضر کے لوگ قحط میں مبتلا ہُوئے اور کئی سال اس ابتلا میں رہے یہاں تک کہ مردار اور چمڑے اور ہڈیاں اور گوبر اور خون ملا کر کھایا یعنے گوبر اور خون کو ملا کر آگ سے پکا پکا کر کھاتے اور ان کے دھوئیں بوجہ بھوک آسمان تک نظر آتے۔

تفسیر صُوفیانہ نفس کے لیئے عذابِ الیم یہ ہے کہ اسے شہوات سے روکا جائے اور وُہ جو چاہے اس سے اسے محروم رکھا جائے اس لیے کہ اسے بھی آخرت پر ایمان نہیں اور سالک پر لازم ہے کہ وہ اس کے مطالبہ کی راہ نہ چلے بلکہ جہاں تک ہو سکے اسے دردناک عذاب میں مبتلا رکھے اس لیے کہ نفس کی موت یہی ہے کہ اس کی خواہشات پُوری نہ کی جائیں۔ اور قاعدہ ہے کہ حقیقی بیداری موت کے بعد نصیب ہوتی ہے اسی لیے نفس کو جب تک ایسی موت کا مزہ نہ چکھایا جائے گا حقیقی بیداری نصیب نہ ہوگی۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو غفلت کی نیند سے بیدار فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

تفسیر عالمانہ وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا عبور کرا دیا۔

حلِ لغات: یہ جوز، المکان سے ہے بمعنے تخطاہ و خلفہ یعنی ایک جگہ کو طے کر کے اسے اپنے پیچھے چھوڑا، یہ باء تعدیہ کی ہے یعنی ہم نے بنی اسرائیل کے لیے دریا کو خشک کر دیا یہاں تک کہ وہ بحفاظت اس کے دُوسرے [illegible] گئے

ف: کاشفی نے لکھا ہے جب فرعون اور اس کی قوم پر عذاب کا وقت قریب آیا تو اللہ تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ہاں وحی بھیجی کہ آپ اپنی قوم لے کر مصر سے نکل جائیے اس لیے کہ قبطیوں پر عذاب کا وقت قریب آگیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام اپنی

قوم بنی اسرائیل کو لے کر شام کی طرف متوجہ ہوئے جب دریائے قلزم کے کنارے پہنچے تو دریا خشک ہو گیا اور بنی اسرائیل سلامتی سے دریا کے پار ہوئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وجاوزنا ببنی اسرائیل البحر۔

یعنی ہم نے یعقوب علیہ السلام کی اولاد کو دریائے قلزم سے بسلامت پار پہنچا دیا۔

فَاَتْبَعَهُمْ تو فرعون اور اس کے لشکر نے ان کا پیچھا کیا۔

حلِ لغات: اہلِ عرب کہتے ہیں:

تبعتہ حتّٰی اتبعتہ۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی سے جانے میں سبقت کر جائے تو وہ اس کا پیچھا کر کے اسے پہنچ جائے یعنی بنی اسرائیل کا پیچھا کر کے انہیں پہنچ گیا۔

فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ فرعون اور اس کا لشکر یہاں تک ہر دو لشکر ہر ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے بلکہ قریب تھا کہ ان دونوں کا یکجا اجتماع ہو جاتا **بَغْیًا وَّعَدْوًا** ط یعنی درانحالیکہ فرعون اور اس کا لشکر گفتگو میں بغاوت کرنے والا اور فعل میں تجاوز کرنے والا تھا۔ یا یہ دونوں مفعول لہ ہیں جیسا کہ کاشفی نے لکھا کہ بغیًا یعنی بنی اسرائیل پر ظلم کرنے کے لیے، وعدوا اور انہیں ظلم و ستم کا نشانہ بنانے کے لیے۔

ف: وجہ یہ ہوئی کہ فرعون اور اس کے لشکر کی لاعلمی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو رات کے وقت لے چلے جب فرعون ان کے جانے کا علم ہوا تو ان کا پیچھا کیا یہاں تک کہ دریا کے کنارے پہنچا اور بنی اسرائیل دریا کو عبور کر کے دوسرے کنارے تک پہنچ چکے تھے اور دریا ویسے ہی خشک پڑا تھا اسی لیے وہ اور اس کا لشکر دریا میں کود پڑے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ فرعون اور اس کا لشکر جب دریا پر پہنچے تو دریا کا پانی زوروں پر تھا لیکن فرعون کے گھوڑے کے سامنے جبریل علیہ السلام گھوڑی پر سوار ہو کر دریا میں چلے تو فرعون کا گھوڑا سرکش تھا وہ گھوڑی کو دیکھ کر دریا میں کود پڑا لشکر نے فرعون کو دریا میں جاتے ہوئے دیکھا تو وہ بھی دریا میں اتر گیا۔ اگرچہ فرعون دریا کو عبور کرنا نہیں چاہتا تھا لیکن گھوڑے کی سرکشی نے مجبور کر دیا۔ جب فرعون اور اس کا لشکر دریا میں چلا گیا تو دریا کی خونخوار موجوں نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا اور وہ سب کے سب غرق ہو گئے۔

حَتّٰٓی اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ لا یہاں تک کہ فرعون کو جب غرق نے گھیرا **قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ** تو فرعون نے کہا کہ میں ایمان لایا ہوں یعنی میں اس معبود کو مان گیا جس پر بنی اسرائیل کا ایمان ہے۔

نکتہ: بنی اسرائیل کی طرح ایمان کا اظہار کیا حالانکہ اسے اپنے جادوگروں کی طرح کہنا چاہیے تھا جیسے انہوں نے کہا کہ: اٰمنا برب العالمین رب موسٰی وھارون۔

اس میں اشارہ ہے کہ اب میں اپنی غلطیوں سے مکمل طور تائب ہوں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جنہیں میں اپنا نوکر اور غلام بنا کر رکھتا تھا اب میں اُن کی اتباع کا دم بھرتا ہوں، اس نالائق نے یہ محض اس لیے کہا کہ ایسے عجز و نیاز سے اس کا ایمان قبول ہو اور وہ بنی اسرائیل کے زمرہ میں نجات پائے۔ (کذا فی الارشاد)

لطیفہ: صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا: چاہیے تھا کہ اس کا یہ ایمان قبول ہو جاتا لیکن چونکہ اس کے ایمان سے تقلید کی بُو آتی تھی اس لیے وہ قبولیت حاصل نہ کر سکا۔ اگر اس کا ایمان تحقیقی ہوتا تو کہتا:

امنت باللہ الذی لا الٰہ الا ھو۔

اسی لیے اس کا ایمان قبول نہ ہوا۔

وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ○ اور اب میں ان لوگوں سے ہوں جو اپنے سر اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکاتے اور خالص مخلص ہو کر اسے مانتے ہیں۔ آٰلْـٰٔنَ یہ قول مقدر کے متعلق ہے یعنی اس وقت اسے کہا گیا کہ اب ایمان لاتا ہے جبکہ زندگی کی اُمیدیں منقطع ہو گئیں اور موت کا نقارہ سر پر بج رہا ہے وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ یہ فعل مقدر کے فاعل سے حال ہے یعنی حالانکہ اس سے پیشتر تو زندگی بھر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا رہا وَکُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ○ اور گمراہی اور دُوسروں کو گمراہ کرنے میں غلو کرتا رہا۔ عصیت اس کے اس گناہ کی طرف اشارہ ہے جس میں وہ خود مبتلا تھا اور کنت میں اس گناہ کی طرف اشارہ ہے جس میں وہ خود مبتلا ہو کر دُوسروں کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بناتا اور بنی اسرائیل کو ایمان سے روکتا تھا۔

فرعون کی ایک کہانی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فرعون کے زمانہ میں دریائے خشک ہو گیا اس کی رعایا نے استدعا کی کہ آپ ہمارے خدا ہیں فلہٰذا دریائے نیل کو جاری کیجئے۔ اس نے کہا میں تم سے راضی نہیں ہوں گا جب تک مجھ سے تین دفعہ التجا نہ کرو۔ چنانچہ وہ لوگ مایوس ہو کر چلے گئے۔ چندروز کے بعد پھر آئے اور عرض کی: بادشہ سلامت! پیاس سے ہمارے جانور اور چھوٹے بچے اور ہماری عورتیں مر رہی ہیں، دریا کو جاری کیجئے ورنہ تیرے سوا کسی اور کو معبود بنالیں گے۔ فرعون نے حکم دیا کہ تم سب ایک میدان میں جمع ہو جاؤ۔ چنانچہ جب سب لوگ ایک میدان میں جمع ہو گئے تو اس نے علیحدگی میں جہاں اس کے سوا اور کوئی نہ تھا اور نہ ہی اس کی کوئی بات سُنتا تھا سر بسجود ہو کر ماتھا رگڑتا جاتا اور کہتا جاتا تھا: "اے اللہ کریم! میں تیرے ہاں ایسے حاضر ہوا ہوں جیسے ایک عاجز غلام اپنے آقا کے ہاں حاضر ہوتا ہے مجھے یقین ہے کہ دریا کا جاری کرنا صرف تیرے اختیار میں ہے اسی لیے میری عرض ہے کہ دریا کو جاری فرما۔" جب سجدے سے سر اُٹھایا تو دریا جاری ہو چکا تھا جب رعایا کے پاس آیا تو کہا میں نے دریائے نیل جاری کر دیا ہے فلہٰذا مجھے سجدہ کرو۔

فرعون کے مومن ہونے کے قائلین اور ان کی دلیل

بعض لوگ فرعون کے مومن ہونے کی دلیل میں یہی آیت پیش کرتے ہیں۔

جواب: صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس سے فرعون کا مومن ہونا ثابت نہیں ہوتا اس لیے کہ ایمان اگرچہ تصدیق و اقرار کا نام ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ اس سے افعال و الفاظ کفریہ بھی صادر نہ ہوں ایسے شخص سے تکذیب و انکار جب تک متحقق نہ ہو اسے ہم مومن کہیں گے

لیکن شارع نے بعض معاصی کو کفر کی علامات بتائی ہیں اور وُہ علامات فرعون سے واضح طور صادر ہوئیں۔ مثلاً:

١۔ اپنی عبادت کی دعوت دینا

٢۔ اپنی قوم کا اپنے لیے سجدے کرانا وغیرہ

ان دلائل سے معلوم ہُوا کہ وہ کافر ہو کر مرا۔

جبریل علیہ السلام اور فرعون کی ایک تحریر

مروی ہے کہ جبریل علیہ السلام ایک دن فرعون کے ہاں تشریف لائے اور کہا کہ اے بادشاہ! اگر میں اپنے کسی عبد کو بادشہ بناؤں اور اسے اپنے خزانوں کی چابیاں بخشوں لیکن وُہ میرا دشمن ہو جائے اور میرے دشمنوں سے دوستی کرے اور میرے دوستوں سے دشمنی۔ بتائیے میں ایسے بندے سے کیا کروں؟ فرعون نے کہا کہ اگر ایسا میرا بندہ ہو تو میں اسے بحرِ قلزم میں غرق کر دُوں۔ جبریل علیہ السلام نے فرمایا: یہی لکھ دیجئے۔ فرعون نے دوات، قلم اور کاغذ منگوا کر لکھا کہ ابو العباس الولید بن مصعب (فرعون کا نام ہے) لکھ دیتا ہے کہ "وُہ عبد جو اپنے سردار کی نعمتوں کی ناشکری کرے وہ بحرِ قلزم میں غرق ہونے کے لائق ہے۔"

جب فرعون دریائے میں غرق ہونے لگا تو جبریل علیہ السلام اس کے سامنے وہی تحریر لائے جسے فرعون نے دیکھ کر پہچان لیا۔ جبریل علیہ السلام نے فرمایا:

"یہ تیری تحریر ہے اسی کے مطابق تجھے سزا مل گئی"۔

جواب٢: فرعون کا ایمان اس لیے ناقابلِ قبول ہے کہ وُہ اختیار و مکلّف ہونے کے وقت تک ایمان سے انکاری رہا۔ لیکن جب وقت گزر گیا تو پھر نہ صرف ایک بار بلکہ ٣ بار ایمان کا اقرار کیا۔ مثلاً پہلے کہا: اٰمنت۔ پھر کہا: لا الٰہ الا الذی اٰمنت بہ بنوا اسرائیل۔ پھر کہا: وانا من المسلمین۔ اگر اس کے ایمان کا وقت قابلِ قبول ہوتا تو صرف ایک بار کہنا کافی تھا۔ ایمان الیأس ردّ اور قبول کے درمیان ہوتا ہے لیکن جب سکرات طاری ہو جائے تو اس کے بعد کسی اعتبار سے ایمان قابلِ قبول نہیں۔ اور یہ وقت وُہ ہے کہ سانس اُوپر نیچے کو آ جا رہی ہو۔ (کذا فی اسئلۃ الحکم)

ف: امام مالک رحمہ اللہ تعالٰے کے نزدیک اس وقت تک کا ایمان قبول ہے جیسے کسی پر تلوار سر قلم کرنے کے لیے کھڑی کی جائے تو کلمۂ توحید پڑھے ہم (مالکی) اس کے ظاہر پر ایمان کا فتوی دیں گے۔ ایسے ہی جس مومن پر حد جاری کی جائے اس کے ایمان کی بھی قبولیت کا حکم ہے۔

اسی قول پر حضرت ابن العربی الشیخ الاکبر مالکی قدس سرّہٗ نے فرعون کے مومن ہونے کا حکم صادر فرمایا ہے جیسا کہ آپ کی فصوص الحکم میں ہے لیکن حتمی فیصلہ نہیں فرمایا۔ بلکہ آخر میں اس کے ایمان کو اللہ تعالیٰ کی طرف تفویض فرمایا [1]

---

[1] حضرت شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرّہٗ کی اصل عبارت مع ترجمہ پھر اس کی شرح اور سوال و جواب "شرح فصوص الحکم" میں فقیر اویسی نے عرض کر دیے ہیں۔ یہاں خلاصۂ جواب عرض کر دینا مناسب سمجھتا ہے تاکہ غلط فہمی دُور ہو۔ بقیہ حاشیہ آگے

فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ آج ہم تمہارے بدن کو نجات دیں گے دریا کی گہرائی سے تیری قوم ڈوب کر ان کے ابدان دریا کی تہہ میں چلے جائیں۔ لیکن اے فرعون! تیرے جسم کو دریا کی سطح پر لایا جائے گا کسی اُونچی جگہ تیری لاشں پھینک دیں گے تاکہ بنی اسرائیل تجھے دیکھ کر یقین کریں کہ واقعی فرعون تباہ و برباد ہوگیا۔

ف : النجوۃ ایسی اُونچی جگہ جہاں گمان ہو کہ وہاں سیلاب کا پانی نہیں پہنچے گا۔ "خرج زید بعشیرتہ" (یعنی زید اپنے قبیلہ کے ساتھ نکلا) کی طرح ببدنك میں باء مصاحبت کی ہے اور باء مصاحبت کی وہ ہے جہاں اس کے بجائے لفظ مع استعمال ہو سکے۔ ببدنك اپنے مدخول کے ساتھ ننجیك کے کاف خطاب سے حال ہے یہ دراصل ملابسًا ببدنك تھا یعنی صرف تیری لاشں محفوظ رہے گی اس کے اندر رُوح نہیں ہوگی۔ اس سے فرعون کے طمع اور اُمید کو ختم کرنا مطلوب ہے جبکہ وُہ چاہتا تھا کہ اسے بنی اسرائیل کی طرح نجات نصیب ہو۔ یا اس کا معنےٰ یہ ہے کہ تیرے جسم کو صحیح سالم رکھا جائے گا جس میں جبہ بھر بھی کمی نہیں آئے گی[1]

۱۔ حضرت امام شعرانی قدس سرہٗ نے "الیواقیت والجواہر" میں فرمایا کہ یہ قول حضرت ابن العربی رضی اللہ عنہ کا الحاقی ہے۔

۲۔ ابتداء میں حضرت ابن العربی اسی قول کے قائل تھے جیسے اور ائمہ بھی اس کے قائل ہیں پھر دلائل کی روشنی میں اس سے رجوع فرمایا چنانچہ ان دونوں جوابوں کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن العربی نے فتوحات میں بار بار فرعون کو کافر جہنمی فرمایا ہے اور "فتوحات شریف" آپ کی آخری تصنیف ہے۔ وصال سے پہلے تین سال اس کی تصنیف سے فراغت پائی اور فصوص الحکم وصال سے کئی سال پہلے لکھی تھی۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ شیخ کی وفات ۶۳۶ھ میں ہوئی اور فصوص ۶۲۷ھ میں لکھی تھی چنانچہ اس کتاب کے خطبہ میں شیخ ابن العربی نے خود لکھا۔ گویا نو دس سال وفات سے پہلے لکھی اور ظاہر ہے کہ ہر مصنف کی آخری تصنیف پر اعتماد ہوتا ہے۔

ثابت ہُوا کہ فصوص الحکم یا دُوسری کسی اور تصنیف میں شیخ کی طرف ایمان فرعون کا قول الحاقی (مدسوس) ہے یا مرجوع عنہ

اویسی غفرلہٗ

حاشیہ گذشتہ ختم

[1] چنانچہ آج بھی اس کی لاش محفوظ ہے۔ روزنامہ "نوائے وقت" لاہور میں لکھا ہے:

"ایک اخباری اطلاع کے مطابق فرعونِ مصر رعمیس کی لاشں کو قاہرہ کے عجائب گھر سے نکال کر بذریعہ سمندری جہاز پیرس بھیجا جا رہا ہے تاکہ اس کو از سرِ نو حنوط کیا جا سکے۔ یہ لاشں ۳۸۰۰ سال پرانی ہے اور یقین کیا جاتا ہے کہ یہ اسی فرعون کی لاش ہے جس نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔ اور پھر حضرت موسےٰ علیہ السلام سے مقابلہ کیا تھا۔ اس کا زمانہ ۱۳۰۴ قبل مسیح سے ۱۲۳۷ قبل مسیح تک کا ہے۔

یہ لاشں ۱۹۰۲ء میں سر گرافٹن سمتھ نے دریافت کی تھی اس کی ممی بالکل محفوظ تھی۔ سمتھ نے جب فرعون کی ممی سے پٹیاں کھولیں تو لاشں پر نمک کی ایک تہہ جمی ہُوئی تھی جو کھاری پانی میں اس کی غرقابی کی ایک کھلی علامت تھی۔ سر گرافٹن سمتھ اس لاش کو مصر کے عجائب گھر واقعہ قاھرہ لے آئے تھے جہاں یہ لاشں آج بھی شیشہ میں محفوظ ہے یہ مقام جہاں سے فرعون کی لاش دستیاب ہُوئی تھی جزیرہ نمائے سینا کے مغربی ساحل پر موجود ہے۔ اس کو آجکل جبلِ فرعون" کہتے ہیں۔ اس کے قریب ایک گرم چشمہ بھی ہے جس کو مقامی آبادی نے "حمامِ فرعون" کا نام دے رکھا ہے۔

(باقی بر صفحہ آیندہ)

تاکہ کسی کو شک و شبہ نہ رہے کہ یہ فرعون کی لاش نہیں۔ یا اس کا معنے یہ ہے کہ دریا میں ڈوبنے کے بعد تجھے ننگا کر دیا جائے گا۔ یا تیرے جسم سے تیرا شاہانہ لباس اتار لیا جائے گا۔ فرعون کی عادت تھی کہ وہ اپنے لباس کے اوپر ایک سنہری جبہ پہنتا تھا۔ وہی جبہ اس کی پہچان تھی اور اہل عرب درع کو بھی بدن کہتے ہیں۔ چنانچہ لیث نے فرمایا: البدن المدرع

(تفسیر [illegible])

۶۲۲ء میں فرعون کو غرقاب ہوئے ۱۸۰۰ سال گزر چکے تھے۔ ۶۲۲ء میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ قرآنی آیت نازل ہوئی کہ:

"اے فرعون! ہم تیری لاش کو محفوظ رکھے ہوئے ہیں اور آخری زمانہ میں تیری لاش کو ظاہر کر دیں گے تاکہ تو آئندہ نسلوں کے لیے نشانِ عبرت بنے۔"

۱۹۰۲ء میں دغرقابی کے پورے ۳۱۳۹ سال بعد اور سورہ یونس کے نزول کے ۱۲۸۰ سال بعد فرعون کی محفوظ لاش دستیاب ہو گئی۔ اب ہر شخص خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو قاہرہ کے عجائب گھر میں پہنچ کر دیکھ سکتا ہے۔

۱۹۰۲ء میں چند عیسائی مشنریوں اور پادریوں نے ایک وفد کی صورت میں سر گرافٹن سمتھ سے ملاقات کی اور کہا:

"آپ کے اس بیان نے (کہ یہ لاش فرعونِ موسیٰ کی ہے) مسلمانوں کی الہامی کتاب قرآن کو سچا ثابت کر دیا ہے جس میں لکھا ہے کہ فرعون کی لاش کہیں محفوظ پڑی ہے اور آخری زمانے میں ظاہر ہو جائے گی تاکہ آخری زمانہ کی آخری نسل اس سے عبرت حاصل کرے۔ آپ کے اس بیان نے نہ صرف قرآن کو سچا ثابت کر دیا ہے بلکہ افریقہ، برازیل اور مصر وغیرہ میں ہماری تبلیغی مشکلات میں اضافہ کر دیا ہے۔ آپ اس بیان کو بدل ڈالیں اور کہہ دیں کہ یہ فرعونِ موسیٰ کی ممی نہیں کسی اور شخص کی ہے ورنہ اسلام کے مقابلے میں ہمارے دلائل بودے ثابت ہوں گے۔"

سر گرافٹن سمتھ نے جواب دیا:

"میں ایم۔ اے (ہسٹری) ہوں اور تاریخ سے واقف ہوں۔ میں ایک حق بات کو کس طرح غلط کہہ دوں آپ اپنا کام جاری رکھیں مگر میں ایک حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتا جسے آثار و حقائق صحیح بتلاتے ہیں۔ میں جو پہلے بیان دے چکا ہوں اس کے تاریخی ثبوت بھی واضح کر چکا ہوں۔ میں نے کئی ممی (لاشیں) دریافت کی ہیں مگر یہ لاش جو غرق شدہ انسان کی ہے گیارہ وجوہات کی بنا پر فرعون رعمیس کی ہی لاش ہے۔ مسلمانوں کی کتاب میں اگر اس لاش کے ظاہر ہونے کی پیشگوئی درج ہے تو وہ صحیح پیشگوئی ہے۔ میں متعصب عیسائی نہیں ہوں اور اس معاملہ میں میں چرچ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ میرا موقف بالکل واضح ہے۔"

سر گرافٹن سمتھ کے اس جواب پر عیسائی مشنری بڑے سیخ پا ہوئے تھے۔"

ہمارے اس دور میں جبکہ لاش ظاہر کی گئی ہے اور لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور عوام نے اخبارات میں پڑھا دیکھا، لیکن افسوس ہے کہ ہمارے مسلمانوں میں بہت تھوڑے ہیں جنھوں نے عبرت حاصل کی ہو گی۔

اویسی غفرلہ

اور جُبّہ ایک خصوصی ساخت کا کپڑا جو قمیص کے مشابہ ہوتا ہے جس کی آستین بہ نسبت قمیص کے چھوٹی ہوتی ہے۔

لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ تاکہ تیرے پیچھے آنے والوں کے لیے علامت ہو۔ ان سے بنو اسرائیل مراد ہیں، اس لیے کہ ان کے ذہن میں یہ بات گھر کر چکی تھی کہ فرعون مرے گا ہی نہیں۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے اس کی موت کی خبر دی تو اکثر لوگوں نے مانا یہاں تک کہ خود آکر دیکھا کہ اس کی لاش سُرخ رنگ کے چھوٹے بیل کی طرح دریا کے باہر پڑی ہے۔

ف: مروی ہے کہ فرعون کا قد سات بالشت اور داڑھی آٹھ انگل تھی۔ عبرت ہو ان لوگوں کو جو قیامت تک آنے والی اُمتیں ہیں جب سُنیں گے کہ فرعون کا انجام برباد ہُوا۔ پھر اس کی لاش کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں گے کہ سرکش انسان کو کتنے ہی ارفع درجات و مراتب نصیب ہوں اس کا انجام بُرا ہے اس لیے کہ اللہ واحد قہار بڑی سلطنت والے کے سامنے کسی کو دم مارنے کی طاقت نہیں، سب اسی کے بندے مملوک ہیں کوئی بھی ربوبیت کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

ف: فرعون جب اپنے آپ کو فنا کے گرداب کے غرقابے سے نہیں بچا تو 'انا ربکم الاعلیٰ' کی صدا اپنے کانوں میں کیسے پہنچاتا تھا۔ ؎

عاجزا ے کو اسیر خواب و خور ست
لاف قدرت زند چہ بے خبر است
آنکہ در نفس خود زبوں باشد
صاحبِ اقتدار چوں باشد

ترجمہ: اے عاجز! تو خواب و خور میں مست ہو کر بہت بڑی قدرت کی لاف و گزاف مارتا ہے وُہ جو کہ اپنے نفس کی قید میں مقید ہے وہ صاحبِ اقتدار کس طرح ہو سکتا ہے۔

ف: آلْـٰٔنَ الخ جبریل علیہ السلام کا قول ہے جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے آپ نے فرعون کو کہا۔ چنانچہ کاشفی میں ہے کہ جب فرعون نے ایمان کا کلمہ کہا تو اُس کے جواب میں یہی قول جبریل علیہ السلام نے فرمایا۔

ف: کواشی میں ہے کہ جبریل علیہ السلام نے فرعون کو یہی قول بطور رجعت فرمایا جیسے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر میں اہلِ قلیب (کافروں) کو فرمایا۔

اہلِ قلیب کی کہانی

واقعہ یُوں ہُوا کہ جب اہلِ کفار و مشرکین کو شکست ہُوئی تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مشرکین و مقتولین کو ایک قلیب (گڑھے) میں پھینک دو۔ آپ اس گڑھے پر تین روز کے بعد تشریف لائے اور گڑھے کے کنارے کھڑے ہو کر ہر کافر و مشرک کا نام لے کر پکارتے جاتے اور فرماتے اے فلاں بن فلاں، اے فلاں بن فلاں! کیا تم نے حق پایا ہے یا نہیں، وہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وعدہ کیا تھا الحمدللہ ہم نے تو اسے حق پایا ہے تم میرا بہت بُرا کنبہ ہو تم نے میری تکذیب کی اور دُوسروں نے میری تصدیق کی، تم نے مجھے اپنے گھر سے نکالا لیکن دُوسروں نے مجھے جگہ دی اور تم نے میرے ساتھ جنگیں کیں دُوسروں نے میری مدد کی۔

سماع موتیٰ کا ثبوت

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تمام گفتگو سُن کر عرض کی:

یارسول اللہ کیف تکلم اجساداً لا ارواح فیہا۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان مٹی کے ڈھیروں سے بول رہے ہیں جن کے اندر ارواح نہیں[1]

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما انتم باسمع لما اقول منہم۔

جو میں کہہ رہا ہوں وہ تم سے بہت زیادہ توجہ سے سن رہے ہیں۔

یہی ہم اہلسنت کا عقیدہ ہے لیکن افسوس کہ اسلام کے بڑے ٹھیکیدار وہابی، نجدی، دیوبندی، مودودی سماعِ موتیٰ کے منکر ہیں۔

ایک روایت میں ہے:

لقد سمعوا ما قلت غیر انہم لا یستطیعون ان یردوا شیئاً۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انہوں نے سُن لیا ہے لیکن انھیں میرے سوال کا جواب دینے کی قدرت نہیں۔

اعجوبہ حضرت قتادہ نے فرمایا کہ انھیں اللہ تعالےٰ نے زندہ فرمایا تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سنیں۔ یہ ان کے ساتھ توبیخ کے طور ہُوا تاکہ وہ حضور علیہ السلام کی طعن وتشنیع سُن کر ذلیل وخوار ہُوں اور ان کی حسرت و ذلت میں اضافہ ہو۔

ف: حضرت قتادہ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اجسام کے ساتھ ارواح کا خصوصی تعلق پیدا کر دیا گیا گویا وہ زندہ ہو گئے ورنہ حقیقۃً وہ زندہ نہیں ہوئے تھے (اگرچہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد معجزات اور اولیاءِ کرام کی بے شمار کرامات احیاء الموتیٰ میں ظاہر ہُوئیں) اور زندہ کی مانند اسی لیے ہُوئے تاکہ ان کی حسرت وغیرہ میں اضافہ ہو جیسا کہ ہم نے اُوپر عرض کیا ہے۔

مسئلہ: مرنے کے بعد رُوح کو جسم کے ساتھ (اگرچہ گل سڑ کر کچھ حصّہ یہاں تک کہ ریڑھ کی ہڈی تو ضرور بچ جاتی ہے) تعلق ہوتا ہے (یہی اہلسنت کا عقیدہ ہے)۔

مسئلہ: رُوح کو فنا نہیں[2] وہ ہمیشہ باقی رہے گا اگرچہ جسم مٹی ہو جائے یا اسے درندے کھا جائیں یا پرندے ہضم کر جائیں

---

[1] یہ عقیدہ کفار ومشرکین کا تھا جسے آج وہابیوں نجدیوں نے اپنا لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے استفساراً فرمایا یہ ان کا عقیدہ نہیں تھا۔

[2] رُوح کی موت صرف اتنی ہے کہ وہ جسم سے خارج ہو گئی۔ (کتاب الروح لابن القیم) اویسی غفرلہٗ

یا آگ جلا کر راکھ بنا دے۔

مسئلہ وہابی تُحش قبر میں رُوح کو جسم سے تعلق ہوتا ہے اسی لیے اہلِ قبر قبر پہ جانے والے کو پہچانتا ہے بلکہ اس سے مانوس ہوتا ہے، اس کے سلام کا جواب دیتا ہے جبکہ جانے والا اہلِ قبر کو کہے السلام علیکم الخ۔ (اسی طرح متعدد احادیث سے ثابت ہے۔ دلائل کے لیے دیکھیے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی کتاب "حیات الموات")

ازالۂ وہم اس سے یہ نہ سمجھنا کہ رُوح جسم سے متعلق ہوتا ہے تو وہ مُردہ دنیوی زندگی کی طرح زندہ ہو جاتا ہے بلکہ اسکی ایک ایسی کیفیت ہوتی ہے کہ وہ حی و میت کے درمیانی حالت میں ہوتا ہے اور کبھی یہ تعلق اتنا قوی ہوتا ہے کہ گویا وہ مُردہ زندہ ہو جاتا ہے۔

مسئلہ: باوجود اینہمہ جسم سے رُوح خارج ہونے کے بعد میت سے افعالِ اختیاریہ سلب کر لیے جاتے ہیں (الا الانبیاء والشہداء والاولیاء) ہماری اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ جن بزرگوں سے مثلاً حضرت سعد سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ تمام اہلسنت کا اتفاق ہے کہ میت میں اللہ تعالےٰ نے افعال اختیاریہ کی قدرت ودیعت نہیں فرمائی۔ (یعنی نئی قدرت رُوح کے جسم کے ساتھ تعلق کا کیا معنےٰ)

ازالۂ اوہام وہابیہ لیکن یہ جملہ بحث عام انسان کے لیے ہے ورنہ انبیاء و شہداء اس سے مستثنیٰ ہیں اس لیے کہ:

تعلق ارواحہم باجسامہم تصیر باجسادہم حیۃ کحیاتہا فی الدنیا وتقصیرہم القدرۃ والافعال الاختیاریۃ۔ (کذا فی انسان العیون) روح البیان ج ۴ ص ۸۷۔

یعنی انبیاء و اولیاء کی ارواح اجسام سے متعلق ہوتے ہی انھیں قدرت و افعال اختیاریہ سے بھی نوازا جاتا ہے اور وہ ایسے زندہ ہو جاتے ہیں جیسے دنیا میں زندہ تھے[1]

وَاِنَّ کَثِیۡرًا مِّنَ النَّاسِ عَنۡ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوۡنَ ○ اور بہت سے لوگ ہماری آیات سے غافل ہیں کہ وہ ان میں نہ تفکر کرتے ہیں نہ عبرت حاصل کرتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے:

---

[1] یہ تھا اسلاف صالحین کا عقیدہ، اور بحمدہ تعالیٰ یہی ہم اہلسنت کہتے ہیں لیکن افسوس کہ اسلاف صالحین کے عقاید و مسائل پر چلنے والوں کو بدعتی کہا جا رہا ہے حالانکہ انہوں نے ہی اسلاف صالحین کے عقاید کے خلاف نئے عقیدے اور مسائل گھڑے تو وہ مُوحد۔ یہ کیوں؟ صرف اس لیے کہ اسلاف صالحین کی کتابوں کا مطالعہ نہیں۔

اویسی غفرلہٗ

ـه

نے ترا از وے ظاہر طاعتی
نے ترا در سر و باطنی نیتی
نے ترا شبہا مناجات و قیام
نے ترا روزان پرہیز و صیام
نے ترا حفظ زبان ز آزار کس
نے نظر کردن بعبرت پیش و پس
پیش چہ بود یاد مرگ و نزع خویش
پس چہ باشد مُردن یارانِ پیش

ترجمہ: نہ تجھے ظاہری طاعت نصیب ہوئی نہ تجھے باطنی طور باطنی عبادات حاصل نہ تجھے رات کے وقت مناجات وقیام نصیب نہ تجھے دن میں پرہیز اور روزہ نہ تجھے زبان کی حفاظت اور نہ لوگوں کو ستانے سے بچاؤ، اور نہ تجھے آگے پیچھے سے عبرت حاصل، خالی موت اور سکرات یاد کرنے کا کیا فائدہ اس طرح سے یار کے سامنے مرنے کا موقعہ نصیب نہ ہوگا۔

اعجوبہ علماء کرام فرماتے ہیں کہ فرعون اگرچہ بہت بڑا متکبر اور سرکش اور عناد سے معمور تھا لیکن پھر بھی مرتے وقت ایمان کا اظہار کر گیا (اگرچہ شرعاً اس کا ایمان ناقابلِ قبول ہُوا) لیکن اس امت کا فرعون ابُوجہل باوجودیکہ وہ بدر میں بُری طرح مارا گیا مگر اس سے ایمان کا اظہار تو کیا اُلٹا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان کے حق میں اس کے غیظ وغضب میں اضافہ ہوگیا اور اسی حالت میں اسکی رُوح جسم سے نکلی (لعنۃ اللہ علیہ)۔ یہ ابوجہل ملعون فرعون موسٰی سے سخت تر ثابت ہُوا۔

سبق: عاقل وُہ ہے جو اس واقعہ سے عبرت حاصل کرے اور سمجھے کہ ہر سرکش کافر کا انجام ایسے ہی ہوگا اور ہر ظالم فسادی کو اسی طرح سزا ملے گی۔ (نعوذ باللہ من کل شر وفساد)

ف: اللہ تعالٰی نے دشمن یعنی فرعون کو تباہ وبرباد کیا اور بنی اسرائیل کو نجات بخشی تاکہ واضح ہو کہ جس کا ایمان مضبوط اور یقین محکم ہوتا ہے اسے ایسے ہی انعامات سے نوازا جاتا ہے۔

حکایت ایک شخص حضرت شبلی قدس سرہٗ کی مجلس میں بیٹھا تھا تو ذوق ووجد سے چیخا آپ نے اٹھوا کر دریائے دجلہ میں ڈال دیا اور فرمایا کہ اگر اس کی چیخ وپکار صدق دل سے ہو تو موسٰی علیہ السلام کی طرح نجات پا جائے گا اگر ریا کے طور پر چیخا ہے تو فرعون کی طرح غرق ہو جائے گا۔ (کذا فی ربیع الابرار)

(باقی برصفحہ ۱۰۷۲)

وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِیٓ إِسْرَآءِیلَ مُبَوَّأَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُم

اور بیشک ہم نے بنی اسرائیل کو عزت کی جگہ دی اور انہیں ستھری

مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ج فَمَا اخْتَلَفُوا حَتّٰی جَآءَهُمُ الْعِلْمُ

روزی عطا کی تو اختلاف میں نہ پڑے مگر علم آنے کے بعد

إِنَّ رَبَّكَ یَقْضِی بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیمَا كَانُوا

بے شک تمہارا رب قیامت کے دن ان میں فیصلہ کردے گا جس بات میں

فِیهِ یَخْتَلِفُونَ ﴿٩٣﴾ فَإِنْ كُنْتَ فِی شَكٍّ مِّمَّآ أَنْزَلْنَآ

جھگڑتے تھے اور اے سننے والے اگر تجھے کچھ شبہ ہو اس میں جو ہم نے

إِلَیْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِینَ یَقْرَءُونَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ج

تیری طرف اتارا تو ان سے پوچھ دیکھ جو تجھ سے پہلے کتاب پڑھنے والے ہیں

لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ

بے شک تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے حق آیا تو تو ہرگز شک والوں میں

الْمُمْتَرِینَ ﴿٩٤﴾ لا وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِینَ كَذَّبُوا بِاٰیٰتِ

نہ ہو اور ہرگز ان میں نہ ہونا جنہوں نے اللہ کی آیتیں جھٹلائیں

اللّٰهِ فَتَكُونَ مِنَ الْخٰسِرِینَ ﴿٩٥﴾ إِنَّ الَّذِینَ حَقَّتْ

کہ تو خسارے والوں میں ہوجائے گا بے شک وہ جن پر تیرے رب کی

عَلَیْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا یُؤْمِنُونَ ﴿٩٦﴾ لا وَلَوْ جَآءَتْهُمْ

بات ٹھیک پڑچکی ہے ایمان نہ لائیں گے اگرچہ سب نشانیاں ان

كُلُّ اٰیَةٍ حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِیمَ ﴿٩٧﴾ فَلَوْلَا كَانَتْ

کے پاس آئیں جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں تو ہوئی ہوتی نہ کوئی

قَرْیَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ إِیمَانُهَآ إِلَّا قَوْمَ یُونُسَ ج لَمَّآ

بستی کہ ایمان لاتی تو اس کا ایمان کام آتا ہاں یونس کی قوم جب

اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْیِ فِی الْحَیٰوةِ

ایمان لائے ہم نے ان سے رسوائی کا عذاب دنیا کی زندگی میں

الدُّنْیَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰی حِیْنٍ ﴿۹۸﴾ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ

ہٹا دیا اور ایک وقت تک انہیں برتنے دیا اور اگر تمہارا رب چاہتا زمین میں جتنے

مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِیْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ

ہیں سب کے سب ایمان لے آتے تو کیا تم لوگوں کو زبردستی کرو گے

حَتّٰی یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۹۹﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ

یہاں تک کہ مسلمان ہو جائیں اور کسی جان کی قدرت نہیں کہ ایمان لے آئے

اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَیَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَی الَّذِیْنَ لَا

مگر اللہ کے حکم سے اور عذاب ان پر ڈالتا ہے جنہیں

یَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

عقل نہیں تم فرماؤ دیکھو آسمانوں اور زمین میں کیا ہے

وَمَا تُغْنِی الْاٰیٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

اور آیتیں اور رسول انہیں کچھ نہیں دیتے جن کے نصیب میں ایمان نہیں

فَهَلْ یَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَیَّامِ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ

تو انہیں کاہے کا انتظار ہے مگر انہیں لوگوں کے سے دنوں کا جو ان سے پہلے

قَبْلِهِمْ ؕ قُلْ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ ﴿۱۰۲﴾

ہو گزرے تم فرماؤ تو انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار میں ہوں

ثُمَّ نُنَجِّیْ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَیْنَا

پھر ہم اپنے رسولوں اور ایمان والوں کو نجات دیں گے بات یہی ہے ہمارے

نُنْجِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۰۳﴾ ع

ذمہ کرم پر حق ہے مسلمانوں کو نجات دینا

۱۰ ع ۱۱ ۱۵

تفسیر عالمانہ

وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ ہم نے بنی اسرائیل کو نجات دینے کے بعد اچھے اور پسندیدہ مقام پہ ٹھہرایا اور ان کے دشمن فرعون کو دریا میں غرق کر کے تباہ و برباد کر دیا۔ مبوا صدق سے بہتر اور خوشگوار علاقہ یعنے مصر و شام مراد ہے۔ چنانچہ فراعنہ و عمالقہ کی تباہی و بربادی کے بعد ان علاقوں کی شاہی بنی اسرائیل کو نصیب ہوئی اور انہوں نے شام و مصر اور اس کے گرد و نواح کے علاقوں پر عرصہ تک شاہی کی۔

ف : مبوّا اسم مکان ہے اسے صدق کی طرف مضاف کرنے میں اس کی مدح مطلوب ہے۔ اہلِ عرب کی عادت ہے کہ جب کسی شے کی مدح کرتے ہیں تو اسے صدق کی طرف مضاف کر دیتے ہیں۔ مثلاً:

رَجُلُ صِدْقٍ۔

اور قرآن مجید میں ہے:

رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ۔

وَرَزَقْنٰھُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ اور ہم نے انہیں طیبات یعنی لذیذ ثمرات وغیرہ جیسے من و سلوٰی عطا فرمائے۔ (کذا فی التبیان)

بقیہ صفحہ ۱۰۶۹ سے آگے

ف : اس سے معلوم ہوا کہ نجات ایمان اور صدق و عدل میں ہے اور ہلاکت و تباہی کفر و ظلم اور کذب میں ہے۔

ف : جب فرعون نے اپنے دعوائے ربوبیت میں کذب بیانی کی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے لیے بددعا فرمائی تو آپ کی دعا مستجاب ہوئی اور قاعدہ ہے کہ ہر نبی علیہ السلام کی ہر دعا مطلقاً مستجاب ہوتی ہے[1]۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید پلید

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یزید کے کرتوتوں کی بدشہرت ہوئی تو آپ نے خطبہ کے اثنا میں دعا مانگی کہ یا اللہ! میں یزید کو اپنا جانشین بناؤں اگر وہ اس لائق ہے تو تو اسے اپنے مقاصد میں کامیاب فرما۔ اگر میں شفقت پدری سے اسے اپنا خلیفہ مقرر کر رہا ہوں تو اسے خلافت کے امور سنبھالنے سے پہلے ہی دنیا سے اٹھا لے۔

چنانچہ آپ کی یزید کے حق میں یہ دعا مستجاب ہوئی اس لیے کہ یزید خلافت کے امور مکمل طور پہ نہ سنبھال سکا اس لیے کہ ۶۰ ہجری میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا جانشین ہوا۔ چند سال کے اندر یعنی ۶۴ ہجری میں فوت ہوا۔ (کذا فی الصواعق لابن حجر)

ف : عالم دنیا میں اللہ تعالےٰ کی بے شمار آیات ہیں جسے اللہ تعالےٰ نے دیکھنے والی اور کان سننے والے بخشے ہیں تو وہ آثار ربانیہ کو عبرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اخبار متواترہ کو قبولیت کے کانوں سے سنتا ہے یہاں تک کہ اسے یقین نصیب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ دانا ایسا عمل نہیں کرتا جس سے دوسرے عبرت حاصل کریں۔

---

[1] افسوس کہ دیوبندی وہابی مودودی وغیرہ اس قاعدہ کے منکر ہیں بلکہ اس قاعدہ کو غلط ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔
اویسی غفرلہٗ

فَمَا اخۡتَلَفُوۡا پس انہوں نے امورِ دین میں اختلاف کیا حَتّٰى جَآءَهُمُ الۡعِلۡمُ یہاں تک کہ ان کے ہاں علم آیا یعنی تورات کو پڑھنے کے باوجود دینی امور میں مختلف ہو گئے حالانکہ اُنھیں یقین تھا کہ تورات کے جملہ احکام حق ہیں اور ان پر ثابت قدم رہنا ان کا ملی فریضہ تھا لیکن تاویل کا دروازہ کھول کر بہت سے مسائل کو اپنی مرضی کے مطابق کر لیا صرف اپنی انا برقرار رکھنے اور عوام سے جو وظائف کھاتے تھے ان کے ختم ہو جانے کے خطرہ کی بنا پر۔ اسی وجہ سے ایک دوسرے پر ایسی بغاوت پھیلائی کہ کُشت و خُون تک نوبت پہنچی۔ افسوس کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں بعض نام نہاد علماٗ اور مولوی نما لیڈروں میں وہی کیفیت ہو گئی ہے جو بنی اسرائیل کے علماٗ میں تھی انہوں نے پھر اپنی مرضی پر قرآن مجید کے تراجم و تفاسیر لکھ کر اُمتِ مصطفویہ کا شیرازہ بکھیر دیا جیسے معتزلہ اور دیگر اہل ہوا غلط عقاید کے لوگ[1]

مثنوی شریف میں ہے: ؎

کردہٗ تاویل حرفِ بکر را
خویش را تاویل کن نے ذکر را
بر ہوا تاویل قرآن می کنی
پست و کژ شد از تو معنیٔ سنی

ترجمہ: اے لفظ بکر کی تاویل کرنے والے! تم اپنی بھی تاویل کرو لفظ ذکر کی تاویل کیسی۔ اپنی خواہش کے

[illegible]

ف: اس بنی اسرائیل سے وہ اہلِ کتاب مراد ہیں جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے جیسے قریظہ، نضیر اور قینقاع۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں مدینہ طیبہ اور شام کے درمیان ٹھہرایا اور انھیں کھجور و انگور و دیگر ایسے عجیب قسم کے باغات سے مالا مال فرمایا کہ جن کی نظیر عالم دنیا میں ملنی مشکل تھی لیکن انہوں نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اختلاف کیا حالانکہ آپ کے معجزات آنکھوں سے دیکھے اور آپ کی نبوت و رسالت کے مشاہدات کا یقین کیا اور ان کے سنجیدہ لوگ جیسے عبد اللہ بن سلام اور اس کے ساتھی مسلمان بھی ہو گئے لیکن دوسرے بدقسمت محروم رہے۔

ف: حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

علم سے قرآن مراد ہے۔

اس لیے کہ قرآن علم کا سبب ہے اور مسبب بول کر مجازاً سبب مراد لینا عام مشہور قاعدہ ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ يَقۡضِىۡ بَيۡنَهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ فِيۡمَا كَانُوۡا فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ ۝

---

[1] اور ہمارے دور میں نیچری، پرویزی، مودودی، مرزائی، وہابی، دیوبندی وغیرہ وغیرہ۔ تفصیل کے لیے دیکھیے فقیر کی کتاب احسن البیان حصہ اوّل۔ اویسی غفرلہٗ

بیشک تمہارا رب تعالےٰ قیامت میں ان کے مابین سے اختلاف کا فیصلہ فرما کر حق اور باطل والوں کے درمیان فرق فرمائے گا۔ مثلاً حق والوں کو ثواب اور باطل والوں کو دنیا کے عذاب میں مبتلا فرمائے گا۔ دنیا میں انھیں چند روز مہلت دینا اور ان کے عیوب پر پردہ ڈالنے اعمال کی جزا نہیں اگرچہ یہ بھی انھیں ایک قسم کا عذاب ہے اس لیے کہ دنیا دار الجزا نہیں۔ اسی لیے دنیا میں ان کے اختلاف کی سزا نہیں ملے گی بلکہ آخرت میں، کیونکہ وہی سزا و جزا کا دن ہے۔ ؎

چوں محک دیدی سیہ گشتی چوں محک
نقش شیری رفت و پیدا گشت کلب

ترجمہ: جب تم نے کسوٹی دیکھی تو کسوٹی کی طرح سیاہ ہو گئے شیر کی صورت مٹی تو کتے کی صورت ظاہر ہو گئی۔

فَاِنۡ كُنۡتَ فِیۡ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡكَ پس اگر آپ شک میں ہیں اس سے جو ہم نے آپ کے ہاں اُمم سابقہ کے قصے نازل فرمائے منجملہ ان کے فرعون کا قصہ ہے اور اس کی قوم اور بنی اسرائیل کا۔

سوال: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو شک کیسا، اور آیت ہذا میں شک کی نسبت آپ کی طرف کیوں؟

جواب: یہاں علی الفرض والتقدیر مقدر ہوگا اس لیے کہ ایک شے دُوسری شے سے معلّق کرنے میں ضروری نہیں کہ وُہ فعل ممکن بھی ہو، بلکہ ممتنعات کے ساتھ بھی فعل کو معلّق کیا جاتا ہے جیسے:

قل ان کان للرحمٰن ولداً فانا اول العابدین۔

فرمائیے اگر خدا تعالیٰ کی اولاد ہو تو میں اس کا سب سے پہلا عبادت کرنے والا ہُوں گا۔

جیسے یہاں فعل ممتنع سے شرط کو معلق کیا گیا ہے ایسے ہی آیت ہذا میں[1]

فَسۡـَٔلِ الَّذِیۡنَ یَقۡرَءُوۡنَ الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِكَ ۚ تو آپ سے پہلے والے پڑھے لکھے لوگوں سے سوال کیجیے اس لیے کہ ان کی کتب میں محقق اور ثابت ہے کہ آپ کی نبوت و رسالت حق ہے ان کے علماء و احبار اپنی کتب میں پڑھ کر آپ کی نبوت و رسالت کا یقین رکھتے ہیں اگرچہ آپ کو ان سے سوال کی ضرورت نہیں۔ اس میں دراصل اہل کتاب کے علماء کے علم کی مدح فرما کر اُن سے اپنے محبوب علیہ السلام کی نبوت و رسالت کی صداقت کا اظہار فرمایا ہے (اس لیے کہ الفضل ما شهدت به الاعداء، بزرگی وُہ جس کی دشمن گواہی دیں) یا اس سے اپنے محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلّی و تسکین مطلوب ہے ورنہ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو شک کیسا جبکہ وہ خود اپنے متعلق فرماتے ہیں:

لا اشك و لا اسئل۔ نہ مجھے شک ہے نہ میں سوال کرتا ہوں۔

جواب۲: زاد المسیر میں ہے کہ یہ اِنْ نافیہ ہے یعنی آپ کو شک تو نہیں لیکن مزید تسلّی کے لیے اہلِ کتاب سے پُوچھ لیجیے۔

---

[1] اس آیت کو لے کر بعض گستاخ بہت خوش ہوتے ہیں کہ (معاذ اللہ) حضور علیہ السلام بھی شک میں مبتلا ہو جاتے تھے۔ تفصیل مزید تفسیر اویسی میں دیکھیے۔

جواب۳ : یہ خطاب اگرچہ حضور علیہ السلام کو ہے لیکن مراد آپ کی اُمت ہے اس لیے کہ ما انزل الیہ میں آپ تمام شکوک و شبہات سے معصوم ہیں.

نکتہ : شاہان زمان کا قاعدہ ہے کہ وُہ اپنے ماتحت حاکم کو کسی علاقہ کا امیر بنا کر اس کے ماتحت بہت بڑی رعیت کا اختیار سپرد کرتے ہیں تو جب رعیت کو کوئی اہم معاملہ سمجھانا ہوتا ہے تو وہ بادشہ رعیت کے بجائے اپنے ماتحت امیر کو خطاب کر کے امور سمجھاتا ہے اس طرح سے رعیت کے دل سمجھتے۔

جواب۴ : یہ خطاب عام ہے ہر اسں انسان کو جو اس آیت کو پڑھے سُنے گا۔

جواب۵ : شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ مدارج النبوۃ میں آیت ہذا اور اسی طرح دیگر متعدد آیات کو متشابہات میں شمار فرمایا ہے. تفصیل فقیر کی تفسیر اویسی میں دیکھئے۔

مسئلہ : آیت سے ثابت ہُوا کہ اگر کسی کو کوئی دینی مسئلہ سمجھ نہ آئے تو اسے اپنے سے زیادہ علم والے سے پُوچھنا چاہیے۔

چوں چنیں وسواس دیدی زود زود
با خدا گرد و درا اندر سجود
سجدہ گہ تر کن از اشک رواں
کائے خدا یا وارہاں زین گماں
کو ندانستی مراد حق ازیں
فاسئل العلم حتے تطمئن

خلاصہ : جب تمہیں کسی دینی مسئلہ میں وسوسہ ہو تو سربسجود ہو کر بارگاہِ حق میں گڑگڑائیے اور آنسو بہا کر عرض کریں کہ یا اللہ مجھے اس مصیبت سے بچائیے، اسں لیے کہ حق کی مراد تم کیا جانو اس لیے اہلِ علم سے پُوچھ لیا کرو تاکہ تمہیں اطمینانِ قلب نصیب ہو۔

لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ○ بیشک آپ کے ہاں وُہ حق آیا ہے کہ اس میں شک کی گنجائش ہی نہیں اس لیے کہ وہ آپ کے رب تعالیٰ سے آیا ہے اسی لیے آپ شک کرنے والوں سے نہ ہو جائیے کہ جھوٹے لوگوں کی باتیں سُن کر دل متذبذب ہو جائیں حالانکہ آپ کو تو جزم و یقین ہے۔ آپ اسی پر مداومت فرمائیے۔

ف : الامتراء بمعنے کسی شئے میں توقف اور شک کرتے۔

ربط : انسان کا کسی معاملہ میں متذبذب ہو جانا معمولی بات ہے اسی لیے پہلے اسی تذبذب سے روکا گیا ہے اسس کے بعد مکذبین کی اتباع سے منع فرمایا ہے۔ کما قال :

وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اور نہ ہو جاؤ ان لوگوں سے جو اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرتے ہیں

ف : اس سے فعل پر برانگیختہ کرنا اور اسں میں پُر جوش رہنے کی طرف اشارہ ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ تکذیب بہت بُرا فعل ہے

اور اس کی خرابی اس نہج کو پہنچ چکی ہے کہ جس ذات سے اس کا وقوع ممتنع ہے لیکن پھر بھی انہیں روکا جا رہا ہے پھر اس کو اس سے کیوں نہ رکاوٹ ہو جس کے لیے اس میں مبتلا ہونے کا نہ صرف امکان ایک حقیقت واقعہ ہے۔

ف: اس سے کافروں کے طمع کو ختم کرنا مطلوب ہے کہ وہ مسلمانوں سے اپنی اتباع کی اُمید بھی نہ رکھیں۔

فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ پس ذاتاً و اعمالاً خسارہ والوں سے ہو جاؤ گے۔

خشک زاہدوں کو تنبیہ

یاد رہے کہ آیات کی تصدیق لازمی اور ضروری ہے وہ آیات قرآنی ہوں جو وحی الٰہی سے نبی علیہ السلام پر نازل ہوئیں، یا آیات الہامی ہوں جیسے معارف الٰہیہ جو اولیاء کرام پر وارد ہوتے ہیں ان کی تصدیق دینی فوائد و منافع کے اعلیٰ درجات سے ہیں اور ان کی تکذیب سے خسارہ و نقصان کی کوئی حد نہیں۔ اسی لئے عارفین نے فرمایا کہ:

من لم یکن له نصیب من هذا العلم (اے الوهبی کشفی) اخاف الیه سوء الخاتمه وادنی النصیب منه التصدیق به وتسلیمه لاهله واقل عقوبة من ینکره ان لا یرزق منه شیئا وهو علم الصدیقین والمقربین[1] (کذا فی احیاء العلوم[2])

جسے اس علم یعنی عطائی کشفی علم کا کوئی حصہ حاصل نہ ہو تو میں اس پر سوءِ خاتمہ کا خوف کرتا ہوں اور اس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس کی تصدیق کرے اور اس کے علم والوں کے لیے تسلیم کرے اور اس کی ادنیٰ سزا یہ ہے کہ اسے اس علم سے ذرہ بھر بھی نصیب نہ ہوگا حالانکہ یہ تو صدیقین و مقربین کا علم ہے۔

(روح البیان ج ۴ ص ۸۰ مطبوعہ قدیم)

اللہ والوں کے لیے ایک تلقین

حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا کہ نبوت و ولایت کے علوم میں عقل کو دخیل بنانا اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کے مترادف ہے۔ ہاں جنہیں اللہ تعالیٰ نے عقل سلیم سے نوازا ہے وُہ اگرچہ ان کے علوم سمجھ نہیں سکتے تو انکار نہیں کرتے بلکہ بلا حیل و حجت تصدیق کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر خیالات اور شکوک و شبہات بھی غلبہ نہیں پا سکتے اگرچہ ہم ان امور کے مکلف ہیں جن پر شرع مطہر نے نص فرمائی ہے باقی رہے مختلف مذاہب کے دلائل و مسائل ہم ان کے مکلف نہیں جیسے امام اشعری کے دلائل پر معتزلہ کو شکوک و شبہات ہیں ایسے ہی معتزلہ کے دلائل پر اشعری کو۔ اسی لیے بدمذہب کی کتب کا مطالعہ عوام کو ضرر رساں ہے اس لئے اسے کسی وقت ایسی بات بھی دل پر اثر انداز ہو گی کہ جس کا مٹانا مشکل ہو جائے گا۔

مثنوی شریف میں ہے، ؎ تنگ تر آمد خیالات از عدم
زاں سبب باشد خیال اسباب غم

---

[1] ناظرین سوچیں کہ اولیاء، مقربین کے الہامات کے تصدیق کنندہ کون ہیں اور ان کے منکر کون۔ بحمدہٖ تعالیٰ ہم اہلسنت نہ صرف تصدیق کرتے ہیں بلکہ اس کے منکر کو وہابی، نجدی، دیوبندی کہتے ہیں۔

[2] کتاب العلم، جلد اول

ترجمہ: عدم کے سارے خیالات تنگ تر ہیں اس لیے دنیوی خیالات غم کا موجب نہیں۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ وہ اہل اللہ کے الہامات کی تصدیق کرے اور طریق توحید میں سر کی بازی لگائے تاکہ شکوک و شبہات اور اندھی تقلید سے نجات پاکر وہ درجات و کمالات حاصل کرے جو منکر عنیہ کو نصیب نہ ہوئے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ بیشک وہ لوگ جن پر تیرے رب تعالیٰ کا کلمہ ثابت و واجب ہو گیا، اس کلمہ سے ھٰؤلاء فی النار ولا ابالی یعنی جو لوگ ازل سے جہنمی ہیں وہ ضرور جہنم میں جائیں گے اس لیے کہ ان کے لیے ازل میں کلمہ مذکورہ سبقت کر چکا۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ) (یہ تقدیر کا مسئلہ ہے تشریح تفسیر اویسی میں دیکھیے) یا کلمہ سے قضاء و قدر اور حکمِ الٰہی مراد ہے کہ اللہ تعالٰے نے جن کے متعلق فرمایا کہ وہ جہنم میں جائیں گے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ چنانچہ دوسرے مقام پہ فرمایا:

ولکن حق القول منی لاملئن جہنم الخ

یعنی میری طرف سے ان پر کلمۂ حق ثابت ہو گیا اسی لیے میں ان کو جہنم میں بھروں گا۔ (کذا فی الارشاد)

اور کاشفی میں ہے کہ وہ تحریر جو اللہ تعالٰے نے لوحِ محفوظ پر لکھی کہ فلاں کا کفر پر خاتمہ ہو گا، اس کی خبر ملائکہ کو دے دی۔ کلمت ربک سے یہی مراد ہے۔ یہی تین اقوال مفسرین سے منقول ہیں۔ **لَا يُؤْمِنُوْنَ ○** وہ ایمان نہیں لائیں گے اس لیے اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے خلاف ہرگز نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس کا کلام جھوٹا ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس کی قضاء و قدر ٹوٹ سکتی ہے۔

ف: یعنی وہ لوگ جو ایمان قبول نہیں کرتے جو انھیں فائدہ دے اور اپنے وقت مقرر پر ہو اس شرط سے فرعون کا ایمان قابل قبول اسی لیے نہیں کہ اس نے وقت مقررہ کے بعد ایمان قبول کیا لیکن موت سے پہلے انکار کر دیا۔

وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ اگر ان کے ہاں وہ تمام آیات آئیں جن کا انھوں نے مطالبہ کیا۔

سوال: جاءت فعل مونث اور کل فاعل مذکر، ایسا کیوں؟

جواب: کل کا مضاف الیہ مونث ہے اسی کے لحاظ سے فعل مونث لایا گیا ہے۔

ف: وہ اس لیے ایمان نہ لائے کہ ان کے ایمان کا سبب مفقود تھا یعنی ان کے متعلق ارادۂ الٰہی نہ تھا اور ارادۂ الٰہی بندوں کے اختیار و عدم سے متعلق ہوتا ہے اور ان کا اختیار اس طرف اس لیے نہ ہوا کہ انھوں نے اختیار و قبولِ ایمان کی استعداد ہی ختم کر ڈالی۔

حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ○ یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب کو دیکھتے ہیں اور عذاب کی رؤیت کے بعد ایمان لانا نفع نہیں دیتا، جیسے فرعون کو معائنہ عذاب کے وقت ایمان نے نفع نہ دیا۔ **فَلَوْلَا** یہ حرف تحضیض بمعنے ھلّا ہے۔

قاعدہ: جب حرف تحضیض ماضی پر داخل ہو تو اس میں ترک فعل پر توبیخ مطلوب ہوتی ہے۔

---

[۵۳] اسی لیے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے تمام اہلسنت کے لیے احسانِ عظیم فرمایا کہ حق مذہب کو دلائل سے واضح فرما کر ہمیں مطالعہ کیلئے کافی مواد بہم پہنچایا اور لکھ دیا کہ اہلسنت کے علاوہ دیگر مذاہب کی کتابوں کو پڑھنا اپنے ہاتھوں زہر پینا ہے لیکن افسوس کہ اہلسنت کو احساس زیاں جاتا رہا۔

كَانَتْ تامہ ہے قَرْيَةٌ کوئی بستی تباہ شدہ اٰمَنَتْ یہ قریۃ کی صفت ہے یعنی کیوں ایمان نہ لائے معائنہ عذاب کے بعد تباہ بستی والے۔ جیسے فرعون اور اس کی قوم نے معائنہ عذاب کے وقت ایمان قبول کیا فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ تو انہیں ان کا ایمان لانا نفع دیتا اور اللہ تعالیٰ ان کا ایمان قبول کرکے انھیں عذاب سے نجات بخشتا، اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ سوائے یونس علیہ السلام کی قوم کے۔ یُونس غیر منصرف ہے بوجہ عجمی اور معرفہ ہونے کے یہ بھی ہے کہ یُونس اسم مشتق ہے۔ اسی وجہ سے غیر منصرف ہے بوجہ معرفہ اور وزن فعل کے۔

ف: یُونس علیہ السلام کے والد کا نام متّٰی ہے۔ بعض نے کہا متّٰی ان کی والدہ کا نام ہے اسی لیے اہلِ علم نے کہا کہ اپنی والدہ سے صرف یہی دو پیغمبر عیسیٰ و یونس علیہما السلام مشہور ہیں لَمَّآ اٰمَنُوْا قوم یونس نے جب ایمان قبول کیا باوجودیکہ عذاب کا معائنہ کیا اور ایمان لائے تو ان کا ایمان قبول ہو گیا لیکن ان پر عذاب نازل نہ ہوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ ہم نے ان سے ذلت وخواری کا عذاب ہٹا دیا۔ عذاب الخزی ہر اس عذاب کو کہا جاتا ہے جس سے صاحبِ عذاب کو سخت قسم کی ذلت وخواری ہو، اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ ان پر واقعی عذاب نازل ہو چکا تھا بلکہ یُوں ہُوا کہ وہ عذاب میں مبتلا ہونے والے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ان سے عذاب کو روک لیا۔ اس کی مثال قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے صحابہ کو بیان فرمائی: کنتم علیٰ شفا حفرۃ من النار فانقذکم منہا تم عذاب جہنم کے کنارے تک پہنچے تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سے بچا لیا، لفظ انقاذ سے ثابت ہُوا کہ وہ عذاب میں مبتلا نہیں ہوئے تھے بلکہ عذاب کے کنارے تک پہنچے تھے (کذا فی التیسیر) ایسے ہی یہاں فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا حیاتِ دنیا میں، یعنے انھیں ایمان سے اس لیے نفع ہوا کہ وُہ ابھی وقت یاس کو نہیں پہنچے تھے بلکہ ان کی حالت اختیار باقی تھی۔ اختیار کی حالت میں ایمان لائے تبھی ان کا ایمان قبول ہُوا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ۝ اور انھیں ہم نے وقت مقدر فی علم اللہ تک کشفِ عذاب کے بعد نفع دیا۔ خلاصہ یہ کہ اہلِ قری کو کیا ہُوا کہ وہ معائنہ عذاب سے پہلے جلدی سے ایمان قبول کر لیتے تاکہ انھیں اس ایمان سے نفع ہوتا لیکن قوم یونس اس کلیہ سے مستثنیٰ ہے کہ انہوں نے جب عذاب کے نشانات دیکھے تو بلا تاخیر ایمان لائے اگرچہ ان پر نزولِ عذاب کا وقت قریب ہو گیا تھا۔ اس معنے پر یہ استثنا منقطع ہوگا اور اسے مستثنیٰ متصل بھی بنایا جا سکتا ہے۔

ف: یہ جملہ نفی کے معنے میں ہے اس لیے کہ حرفِ تحضیض نفی کے معنے کو بھی متضمن ہے یعنی حرف لولا در اصل ہے تو تحضیض کے لیے۔ لیکن یہاں نفی کا معنیٰ دے رہا ہے اس لیے کہ استفہام میں بھی ایک قسم کا انکار ہوتا ہے اب معنے یہ ہوا کہ کیا ہلاکت وتباہی کے منہ میں آنے والے لوگ ایمان لائے تھے جو انہیں ان کا ایمان نفع دیتا مگر قوم یُونس کہ وہ اس سے مستثنیٰ ہے (اس معنے پر یہ مستثنیٰ متصل ہے) اس تقریر پر ما اٰمنوا نفع ایمان قوم یُونس کا بیان ہے اور جملہ مستانفہ ہے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہُوا کہ ایمان وہی مقبول ہے جو دل سے ہو۔

مثنوی شریف میں ہے: ~~ست~~

بندگی در غیب آمد خوب دلکش
حفظِ غیب آید در استعباد خوش
طاعت و ایمان کنوں محمود شد
بعد مرگ اندر عیاں مردود شد

ترجمہ: غائبانہ عبادت بہت عجیب ہے اس سے انسان کا بُعد دُور ہوتا ہے اور ایسا ہی ایمان اور طاعت محمود ہے اور مرنے اور عذاب کے معاینہ کے وقت کا ایمان مردود ہے۔

قصہ یونس علیہ السلام

حضرت یونس علیہ السلام کو ارضِ موصل کے علاقہ نینوی کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا

ف: نینوی بکسر النون اولاولی وفتح الثانیہ، بعض کے نزدیک بفتحہا ارضِ موصل میں دجلہ کے کنارے پر ایک گاؤں کا نام ہے۔

ف: موصل بفتح المیم وکسر الصاد المہملہ ایک شہر کا نام ہے۔

حضرت یُونس علیہ السلام اپنی قوم کو ایک مدت تک دعوتِ حق دیتے رہے لیکن قوم نے قبول نہ کیا۔ اس سے دل برداشتہ ہو گئے اور آپ طبعی طور پر ایسی باتوں سے بہت جلد غمزدہ ہو جاتے تھے۔ ایک دن قوم سے سخت بدُل ہُوئے تو دُعا مانگی، اے اللہ! میری قوم میری بات نہیں مانتی فلہذا اسے عذاب میں مبتلا فرما۔

ف: یونس علیہ السلام پر جب نبوت کا بوجھ پڑتا تو غم زدہ ہو جاتے اور سوائے اولوالعزم پیغمبروں کے نبوت کے بوجھ کو کوئی متحمل نہ ہو سکتا تھا۔ اولوالعزم پیغمبر یہ ہیں:

- ○ حضرت نوح علیہ السلام
- ○ حضرت ہُود علیہ السلام
- ○ حضرت ابراہیم علیہ السلام
- ○ حضرت سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

نوح علیہ السلام کے متعلق دلیل یہ ہے:

یا قوم ان کان کبر علیکم مقامی و تذکیری بآیٰت اللہ ۔ (الآیہ۔

اور ہُود علیہ السلام کے لیے:

انی اشہد اللہ واشہدوا انی بریٔ مما تشرکون من دونہ۔

اور ابراہیم علیہ السلام کے لیے:

ہو والذین اٰمنوا معہ انا براؤ منکم ومما تعبدون من دون اللہ۔

اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے:

فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صبر فرمایا۔

حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اگر تم میرا کہنا نہیں مانتے تو تیس یا چالیس روز کے اندر تم پر عذاب نازل ہوگا۔ کاشفی نے لکھا کہ یونس علیہ السلام اپنی قوم کو یہ خبر دے کر بستی سے چلے گئے اور پہاڑ کی غار میں چھُپ بیٹھے۔ جب عذاب کا وقت قریب آیا تو اللہ تعالیٰ نے مالک یعنی دوزخ کے فرشتے سے فرمایا کہ سموم دوزخ سے ایک جَو کی مقدار اُٹھا کر قومِ یونس پر ڈال دے۔ فرشتہ بحکمِ الٰہی دوزخ کا انگارہ سیاہ بادل اور سخت گاڑھے دُھوئیں کی شکل میں نینوی بستی کے قریب لایا۔ جب قومِ یُونس نے دیکھا کہ وُہ عذاب واقعی آرہا ہے جس کی خبر یونس علیہ السلام نے دی تھی۔ تو ساری قوم اس بستی کے سردار کے پاس آئی اور صورتِ حال سے آگاہ کیا چونکہ وہ سمجھدار انسان تھا اس لیے حکم فرمایا کہ یُونس علیہ السلام کو تلاش کرو۔ تلاشِ بسیار کے یونس علیہ السلام نہ مل سکے۔ سردار نے کہا یُونس علیہ السلام نہیں ہیں تو ہمارا خدا تو باقی ہے وُہ ہمیں جانتا اور ہماری فریاد کو سنتا ہے سارے مل کر اس کی بارگاہ میں الحاح وزاری کریں۔ سردار ننگے سر اور ننگے پاؤں اور موٹے کپڑے ملبوس کر کے لوگوں سے کہنے لگا: تم بھی ایسے ہی عاجزی اختیار کرو۔ اسی طریق سے تمام قوم جنگل میں آگئی۔ مرد، عورتیں، صغار و کبار آہ و فغاں کرتے ہُوئے دھاڑیں مارنے لگے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ بچّوں کو ان کی ماؤں سے علیحدہ کردو۔

تفسیر کواشی میں ہے کہ ایک دُوسرے کے گلے لگ کر روتے تھے اسی طرح سے آوازیں ملا کر روتے تاکہ دل پر اثر اور دُعا میں خلوص پیدا ہو اور دُعا مستجاب ہو۔

سردار نے یہ حکم بھی دیا کہ جتنے ایک دُوسرے پر حقوق العباد ہیں سب ادا کرو۔ چنانچہ تمام نے ایک دُوسرے کے حقوق ادا کیے یہاں تک کہ اگر کسی نے کسی کا پتھر یا روڑا اٹھا کر اگر اپنی دیوار میں لگایا تھا تو وُہ بھی واپس کر دیا۔

یومِ یُونس کی نجات کا موجب

اسی طرح سب کے سب خلوصِ نیت سے کہنے لگے:

یا اللہ! ہم یُونس علیہ السلام کے لائے ہُوئے احکام پر ایمان لاتے ہیں۔

یا یہ کہا کہ:

یاحی حین لاحی الخ یا حی ایسا کہ اس کے سوا اور کوئی زندہ نہیں اور اس وقت بھی زندہ رہے گا جب کوئی اس دنیا میں نہ ہوگا۔ تُو ہی تمام مُردوں کو زندہ کرنے والا ہے اسے حیّ و قیوم رب اللہ کے سوا اور کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔

یا یُوں کہا:

اے اللہ ہمارے گناہوں کا پلہ بھاری سہی لیکن تیرے سے اور کون اعظم واجل ہو سکتا ہے

؎

من اُمید دارم ز لطفِ کریم
کہ خوانم گنہ پیش عفو عظیم

ترجمہ: میں لطفِ کریم سے اُمیدوار ہُوں اس لیے کہ میں بہت بڑے معاف والے کے سامنے اپنے گناہوں کا اظہار کرتا ہُوں۔

اے ہمارے رب! ہمارے ساتھ وُہی کر جس کے تُو لائق ہے ہمارے ساتھ وہ نہ کیجئے جس کے ہم لائق ہیں۔

اُن کی یہ فریاد اوّل ذوالحجہ سے دسویں محرم تک جاری رہی، اسی طرح گریہ بھی کرتے اور دُعائیں بھی۔ چالیس روز تک۔ انھوں نے آرام وقرار اپنے اوپر حرام کر دیا۔ گریہ وزاری کے سوا کوئی اور کام نہ کیا۔

؎

چارۂ ما ساز کہ بے یاوریم
گر تو برانی بکہ رو آریم
بے کسیم از ہمہ سازندہ
جز تو نداریم نوازندہ
پیش تو گر بے سر و پا آمدیم
ہمہ بامید تو خدا آمدیم

ترجمہ: ہماری چارہ سازی کیجئے اس لیے کہ ہم بے یار و مددگار ہیں اگر تُو ہمیں ہٹا دے تو پھر کس کے در پہ جائیں ہم ہر ایک کارساز سے ناخوش ہیں اے نوازش کنندہ! تیرے سوا ہمارا کون ہے اسی لیے بے سر و پا تیرے حضور میں حاضر ہیں ہمیں تیرے اُوپر اُمید ہے۔

یونس علیہ السلام کی ہدایات کے صدقے

ان میں بعض تو یوں عرض کرتے کہ یونس علیہ السلام ہمیں فرمایا کرتے تھے کہ غلام آزاد کرو۔ یا اللہ! ہم تیرے بندے ہیں ہمیں اپنے فضل و کرم سے عذاب سے آزاد فرما۔

ان میں بعض روتے ہُوئے کہتے: یا اللہ! ہمیں یُونس علیہ السلام فرمایا کرتے کہ بیچاروں اور عاجزوں کی دستگیری کرو۔ یا اللہ! ہم عاجز و بیچارے تیری درگاہ میں حاضر ہیں، ہماری دستگیری فرما۔

یا اللہ! ہمیں یونس علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ تم پر اگر کوئی ظلم و ستم کرے تو تم اسے معاف کر دینا۔ یا اللہ! ہم نے اپنے اوپر ظلم و ستم کیا تُو ہمیں اپنے فضل و کرم سے معاف فرما دے۔

اور بعض لوگ کہتے: یا اللہ! ہمیں یونس علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ سائلوں اور محتاجوں کو ناامید نہ کیا کرو۔ یا اللہ! ہم تیرے سوالی فقیر و عاجز حاضر ہیں ہمیں اپنی درگاہ سے ناامید نہ فرما۔ ؎

ماتہی دستان برآوردیم دستے در دُعا
نقد فیضے نہ بریں دست گنہگاران ہمہ

قاضی حاجات درویشاں و محتاجاں توئی
پس روا کن از کرم حاجات بسیار ہمہ

ترجمہ: ہم تیرے ہاں خالی ہاتھ حاضر ہیں اپنے فضل و کرم کا نقد ہمارے خالی ہاتھ پر رکھ دے درویشوں اور محتاجوں کا تو ہی قاضی حاجات ہے اس لیے ہماری تمام حاجات پوری فرما۔

چلہ اور جمعہ مبارک بالآخر چالیس روز کے بعد بروز جمعہ ان کی آہ و زاری رنگ لائی۔ بارگاہِ حق سے ان کے سوز و گداز کی قبولیت کا پیغام پہنچا۔ اُن کے سروں پر منڈلانے والے عذاب کے بادل چھٹے اور رحمت کی گھٹا چھائی۔ رحمتِ باری نے اُنھیں اپنی آغوش میں لے لیا۔

یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں چالیس روز کے بعد یونس علیہ السلام واپس مڑے تو دیکھا کہ بستی پہلے سے زیادہ سرسبز و شاداب ہے حالانکہ آپ کے خیال میں تھا کہ اب وہ عذاب الٰہی سے پس گئے لیکن حالت اس کے برعکس تھی دل میں سوچا کہ قوم کے پاس جاؤں تو وہ پہلے سے زیادہ جھٹلائیگی کیونکہ میں نے تو کہا تھا کہ چالیس روز کے اندر عذاب آئے گا۔ اب ان پر عذاب نہیں آیا تو مجھے سخت ایذا دیں گے۔ طبعی غفلت سے غضبناک ہو کر لوٹے تو ایک کشتی میں سوار ہونے کا اتفاق ہوا لیکن کشتی دریا میں چل نہ سکی۔ آپ نے فرمایا کہ اس کشتی میں اپنے مالک کا بھاگا ہوا ایک آدمی بیٹھا ہے۔ اور اپنی طرف اشارہ فرمایا۔ پھر فرمایا جب تک اس مفرور شخص کو دریا میں نہ ڈالو گے کشتی نہیں چلے گی۔ کشتی سواروں نے کہا کہ آپ تو اللہ کے نبی ہیں ہم آپ کو کیسے مجرم قرار دیکر دریا میں ڈالیں۔ آپ نے فرمایا: قرعہ اندازی کرو، جس کے نام قرعہ نکلے اسے دریا میں پھینک دیا جائے۔ چنانچہ تین بار قرعہ اندازی سے آپ ہی کا نام نکلا۔ اس سے آپ نے خود دریا میں چھلانگ لگا دی تو مچھلی نے آپ کو لقمہ بنا لیا۔

ف: شعبی نے فرمایا کہ چاشت کے وقت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں تشریف لے گئے تو اُسی شام کو مچھلی نے آپ کو دریا کے کنارے باہر نکالا۔ یعنی عصر کے بعد جبکہ سورج قریب غروب کے تھا تو آپ مچھلی کے پیٹ سے باہر تشریف لائے اس روز محرم الحرام کی دسویں تاریخ تھی۔

یوم عاشورا کے فضائل اسی وجہ سے یوم عاشورا کو فضیلت حاصل ہے کہ اسی دن قوم یونس سے عذاب دور ہوا، اسی دن حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ سے باہر تشریف لائے۔ یہ ان کی سب سے بڑی آزمائش تھی جس میں آپ پورے اُترے۔

حکایت کافروں کا قیدی اسی عاشورہ کے دن قید سے بھاگا تو اس کی طلب میں پہرہ داروں نے اس کا پیچھا کیا۔ جب اس نے دیکھا کہ پیچھے گھوڑ سوار اس کو گرفتار کرنے کے لیے اس کے قریب پہنچ چکے ہیں اور یقین کیا کہ اب دوبارہ گرفتار ہو رہا ہے اور کوئی چارہ کار نہیں اسی وقت سر آسمان کی طرف اٹھا کر کہا:

اللّٰهم بحق هذا اليوم المبارك اسأل
اے اللہ! اسی مبارک دن کے صدقے مجھے ان ظالموں سے

مبارک اشخاص و مبارک امکنہ و مبارک ازمنہ کے طفیل دعا مانگنا اہلسنت کے نزدیک جائز ہے لیکن وہابی اسے شرک کہتے ہیں۔ ۱۲

ان تنجینی منہم ۔ نجات دے ۔

اس کی دُعا مستجاب ہُوئی تو اللہ تعالیٰ نے ان گھوڑ سواروں کو اندھا کر دیا۔ اس طریق سے وہ قبدی بچ گیا۔ اس نے شکرانہ کے طور اسی دن روزہ رکھا۔ شام کے وقت اس کے پاس کوئی ایسی چیز نہ تھی جس سے وہ روزہ افطار کر سکتا۔ ایسے بھوکا پیاسا ہی سو گیا تو نیند میں اسے کھلایا پلایا گیا۔ اس کی یہ برکت ہُوئی کہ وہ بیس سال تک زندہ رہا اسے کھانے پینے کی طلب نہ ہُوئی۔ (کذا فی روضۃ العلماء)

عاشورا کے روزے کا ثواب جو شخص عاشورا کے دن روزہ رکھے اسے اللہ تعالےٰ دس ہزار فرشتوں کی نیکی کا اور دس ہزار حاجیوں کے حجوں کا اور دس ہزار شہیدوں کا ثواب بخشتا ہے۔ (کذا فی تنبیہ الغافلین)

عاشورا کا غسل مروی ہے کہ اسی عاشورا کے دن اللہ تعالیٰ زمزم کا پانی دُنیا کے تمام پانیوں میں پہنچاتا ہے۔ فلہذا جو شخص اس دن غسل کرے گا کسی بیماری میں مبتلا نہ ہوگا۔ (کذا فی روضۃ الفائق)

رافضیوں شیعوں کا رد عاشورا کے دن خیر خیرات اور روزے اور ذکر و فکر میں مشغول رہنا مستحب ہے لیکن رافضیوں شیعوں، ناصبیوں یعنی خارجیوں کی طرح اسے عید کا دن نہ بنایا جائے۔ (کذا فی عقد الدرر)

عاشورا کے دن سُرمہ عاشورا کے دن سُرمہ اور دُوسری زیب و زینت اگرچہ شرعاً جائز ہے اور اس کی دلیل بھی ہے لیکن خارجی لوگوں نے اسی دن میں زیب و زینت اور سُرمہ وغیرہ کو اپنا شعار بنا رکھا ہے تو اس کا ترک سنّت ہے جیسے انگشتری (چاندی کی) دائیں ہاتھ میں پہننا سنّت ہے لیکن چُونکہ یہ اہلِ بدعت کا شعار ہے اس لئے بجائے دائیں ہاتھ کے بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں پہننا سنّت ہے یہی ہمارے زمانے کا حکم ہے[1]۔ (کذا فی شرح القہستانی)

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِیْعًا ط اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو زمین والے سب کے سب مومن ہو جائیں یعنی مومن ہونے پر سارے مجتمع ہوں کوئی بھی انمیں مختلف نہ ہو لیکن اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا اس لیے کہ یہ اسکی حکمت کے خلاف ہے کیونکہ تکوین و تشریع کی اصل غرض یہی تھی کہ ہر ایک اپنے اختیار و ارادہ سے ایمان و کفر کرے ایسا نہیں ہوگا کہ بندہ تو کفر کو چاہے لیکن اللہ تعالیٰ اسے مومن بنائے اور وہ ایمان چاہے تو اللہ تعالیٰ اسے کافر بنائے اس اختیار و ارادہ سے ازلی مٹھی بھرنے کی تکمیل مطلوب ہے اس لیے ہر ایک کے اندر کفر و ایمان کی استعداد پیدا فرمائی تاکہ تکلیف

---

[1] اگرچہ سنّت ہے لیکن متقیوں نے ترک کو افضل بتایا ہے بالخصوص ہمارے دَور میں عوام چھلے، انگشتری عام پہننے لگ گئے ہیں اسی لیے علماء کرام کو نہ پہننا چاہیے اس لیے کہ عوام کو کیا خبر کہ کتنا اور کونسی انگشتری سنّت ہے۔ وُہ تو سمجھتے ہیں کہ جب علماء پہنتے ہیں تو ہم کیوں نہ پہنیں۔ پھر وہ سونا، چاندی، لوہا ہر قسم کے چھلے انگشتری وغیرہ کا عام استعمال کرتے ہیں۔

(ایمان وکفر) صحیح ہو۔

ف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت حرص تھی کہ تمام لوگ مومن ہو جائیں اور آپ کی رحمت کا تقاضا بھی یونہی تھا کیونکہ آپ کی رحمت یہی چاہتی ہے کہ تمام ایمان سے نوازے جائیں تاکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی مغفرت نصیب ہو۔

ایک ولی اللہ کی نازبلبی اور اللہ تعالیٰ کی نازبرداری

حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور کو جا رہے تھے کہ راستے میں ایک ولی کامل سے گزر ہوا انہیں کہا السلام علیکم۔ ولی اللہ نے سلام کا جواب نہ دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور پر اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوئے تو عرض کی: یا اللہ! میں نے راستہ میں تیرے بندے کو السلام علیکم کہا تو اس نے جواب نہیں دیا، اس کی کیا وجہ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ میرے ساتھ چھ دن سے روٹھا ہوا ہے وہ مجھ سے نہیں بولتا۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی وہ کیوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ کہتا ہے کہ عالم دنیا کے تمام گنہگاروں کو بخش دے اور جتنے جہنم میں ہیں ان کو بھی جہنم سے نکال کر بہشت میں داخل کر دے۔ میں نے اپنی حکمت کے تقاضا پر اس کی بات نہیں مانی تو اس نے میرے ساتھ بولنا چھوڑ دیا۔ (کذا فی الواقعات المحمودیہ)

شانِ نزول

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ وہ چاہتے ہیں کہ تمام لوگ مومن ہو جائیں تو آیت ذیل نازل فرمائی کہ اے محبوب علیہ السلام! آپ کی امت کا ایمان قبول کرنا میری مشیت پر موقوف ہے۔

اَفَاَنْتَ آپ کا رب چاہے نہ چاہے کیا آپ تُكْرِهُ النَّاسَ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے خلاف مجبور کریں گے حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ○ یہاں تک کہ وہ سب کے سب مومن ہو جائیں۔ یہ آپ کے اختیار میں نہیں۔ (کذا فی الکواشی) یہ انکار (عدم اختیار) اس طرف متوجہ ہے کہ لوگوں کو ایمان پر مشیتِ ایزدی کے خلاف مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ (کذا فی الارشاد)

وہابیت و دیوبندیت کا رد

اکراہ پر حرفِ استفہام کے دخول سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس اکراہ امر ممکن ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بندہ اللہ تعالیٰ کو کسی امر پر مجبور کر سکتا ہے وہ بندہ کتنا ہی بلند قدر اور امر کتنا ہی سہل ہو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں کسی کو شریک نہیں کیا جا سکتا وہ ہر طرح سے اپنی قدرت کا آپ مالک ہے وہ اپنے بندوں کے قلوب جس طرف چاہے موڑ سکتا ہے، مختار ہے کسی بشر کو اختیار نہیں کہ اس کی مشیت کے خلاف کرے۔

سید شریف کے قول سے وہابیہ دیوبندیہ کا رد

حضرت سید شریف شرح المفتاح میں لکھتے ہیں کہ افانت تکرہ الناس الخ سے مخاطب سے فعل کے صدور کا انکار ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ اصل فعل کے تقرر کے باوجود فاعل سے فعل کے صدور کا انکار ہے (بہرحال بات وہی ہے جو ہم نے اوپر لکھی ہے کہ اختیار صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ انبیاء و اولیاء اللہ تعالیٰ کی مشیت و رضا کے خلاف نہیں کرتے اور وہ جو کچھ کرتے ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا اختیار ہوتا ہے۔)

ف : انت کی تقدیم حکم انکار کی تقویت کے لیے ہے۔ (کذا فی حواشی المفتی سعدی)

ف : یہ آیت آیتِ قتال سے منسوخ ہے (کذا قال الکاشفی) لیکن تبیان میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں۔ اس لیے کہ لا اکراہ علی الایمان (ایمان کے لیے کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا) کیونکہ وہ قلب کا فعل ہے اور وہ کسی کے مجبور کرنے پر مجبور نہیں ہوتا۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ جس نفس کے لیے جسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ ایمان لائے گا تو وہ ایمان نہیں لاتا **اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ** اللہ تعالیٰ کے اذن سے یعنی ایمان لانا اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کی تسہیل و توفیق سے ہوتا ہے۔ اسی لیے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کسی کے ایمان لانے کے لیے جدوجہد نہ فرمائیے صرف آپ کو ہدایت کی راہ دکھانے اور بتانے کے لیے بھیجا گیا ہے وہ آپ کریں۔ باقی کسی کو ایمان سے نوازنا نہ نوازنا میرا اپنا کام ہے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

رضا بدادہ بدہ وز جبیں گرہ بکشا
کہ بر من و تو در اختیار نکشادہ است

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی رضا کے سامنے سر جھکاؤ اس سے چیں بہ جبیں نہ ہو۔ اس لیے کہ اس میں تمہارا اور ہمارا کوئی اختیار نہیں۔

وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ اور کفر کی نجاست ان کے نصیب ہے جو بے عقل ہیں۔

سوال : تم نے رجس کے ساتھ کفر کی قید کیوں لگائی۔

جواب۱ : پہلے کفر کا ذکر ہو رہا تھا اسی لیے ہم نے اس قرینہ پر کفر کو ساتھ ملایا۔

جواب۲ : الرجس ہر وہ شے جس سے طبیعت کو نفرت اور کراہت ہو۔ اسی طرح ہر قبیح کو رجس کہا جاتا ہے اور کفر سے طبع سلیم کو کراہت و نفرت ہوتی ہے نیز علمی اعتبار سے کفر سے قبیح تر اور کیا شے ہو سکتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ بے عقلوں پر باقی رکھتا ہے اور کافروں کو بے عقلوں سے اس لیے تعبیر فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دلائل و آیات کو دیکھنے سننے کے باوجود ان کے عقول ایسے اندھے ہیں کہ وہ ہدایت نہیں حاصل کر سکتے اسی لیے ایمان کو اذن سے متعلق فرما کر آخر میں فرمایا کہ ایسے لوگ قبائح کفر و ضلال میں ہمیشہ ڈوبے رہیں گے۔

تفسیر صوفیانہ

و یجعل الرجس اللہ تعالیٰ حجاب کا عذاب مسلط فرماتا ہے علی الذین لا یعقلون ان لوگوں پر جو اللہ تعالیٰ کے طریقۂ ہدایت و خذلان کو نہیں جانتے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ وہ ان عقول کو توحید و معرفت کی ہدایت سے نوازتا ہے جنہیں نورِ ایمان سے تائید نصیب ہوئی اور وہ عقول جو نورِ ایمان سے محروم ہیں انہیں یہ دولت حاصل نہیں ہوتی۔

ف : اس سے فلاسفہ کا رد ہوا وہ کہتے ہیں کہ نورِ ایمان کے بغیر بھی توحید و معرفت حاصل ہو سکتی ہے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

اے کہ از دفترِ عقل آیتِ عشق آموزی
ترسم ایں نکتہ بتحقیق ندانی دانست

ترجمہ : عقل کی دفتر سے عشق کا سبق سیکھنے والو ! مجھے خطرہ ہے کہ تم اس سے کچھ نہیں سمجھ سکو گے۔

تفسیر عالمانہ

قُلِ انْظُرُوْا اے اہلِ مکہ ! تفکر کرو مَاذَا محلاً مرفوع مبتدا ہے فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مبتدا کی خبر ہے یعنی آسمانوں اور زمینوں کے عجائبات کیسے عجیب و غریب ہیں جنہیں اللہ تعالےٰ نے اپنی صفت سے بنایا یہ سب اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی کمال قدرت پر دلالت کرتے ہیں۔

تحقیق مَاذَا

یہ دو اسموں کو ایک کیا گیا ہے اشارہ کے ساتھ اکثر استفہام کے لیے استعمال ہوتا ہے اور یہ بھی ہے کہ یہ دو اسم ہوں بمعنے ما الذی۔ ما محلاً مرفوع مبتدا ہے اور فِی السَّمٰوٰتِ ظرف الذی کا صلہ ہے موصول اپنے صلہ سے مل کر مبتدا کی خبر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر محلاً مجرور ہے اس کا حرف جر محذوف ہے اس معنے پر استفہام کا تعلق انظروا سے ہوگا۔

وَمَا نافیہ ہے تُغْنِی الْاٰیٰتُ وَالنُّذُرُ یہ نذیر کی جمع ہے فعیل بمعنے مفعل یعنے منذر ہے یا نذیر مصدر ہے یعنی نفع نہیں دیتے آیات انفسیہ و آفاقیہ جو اللہ تعالےٰ کی وحدانیت پر دلالت کرتے ہیں اور نہ ہی ڈرانے والے رُسل یا ڈرانے والے امور عَنْ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ○ ان لوگوں کو جو اللہ تعالےٰ کے علم و حکم کے تحت ایمان لانے والے نہیں - فَهَلْ یَنْتَظِرُوْنَ پس کفارِ مکہ اور ان جیسے اور کفار انتظار نہیں کرتے اِلَّا مِثْلَ اَیَّامِ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ مگر اس دن کی جیسے گزشتہ لوگوں کے ایام تھے۔ یعنی ان سے پہلے مشرکین جیسے قوم نوح و عاد و ثمود و اصحاب الایکہ و اہل المؤتفکہ تھے یعنی جیسے ان پر واقعات گزرے اور ان پر عذابِ الٰہی کا نزول ہوا اور وہ اس کے مستحق بھی تھے اور یہ بھی اسی عذاب کا انتظار کر رہے ہیں۔

سوال : کفارِ مکہ تو سرے سے عذاب کے منکر تھے پھر انہیں منتظر کہنا کیسا ؟

جواب : ان کا طرز طریق منتظر جیسا تھا اسی مشابہت سے انہیں منتظر کہا گیا۔

ف : اہل عرب کا قاعدہ ہے کہ وہ نعمتوں اور عذاب کو ایام سے تعبیر کرتے ہیں اسی طرح گزشتہ خیر و شر گئے امور کو بھی ایام کہا جاتا ہے۔

قُلْ آپ ان سے تہدیداً فرمایئے فَانْتَظِرُوْا آپنے مقرر کردہ انجام کے عذاب کا انتظار کرو اِنِّیْ مَعَكُمْ

مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝ میں تمہارے ساتھ اسی عذاب کا انتظار کرتا ہوں۔ یا معنٰے یہ ہے کہ تم میری ہلاکت کا انتظار کرو اور میں تمہاری ہلاکت و تباہی کا انتظار کرتا ہوں اس لیے کہ متقین کا انجام بھلائی ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے۔ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اس کا فعل محذوف پر عطف ہے جس پر مثل ایام الذین خلوا الخ دلالت کرتا ہے در اصل عبارت یوں تھی :

نھلك ثم ننجی الخ یعنی ہم نے کفار و مشرکین کو تباہ و برباد کر کے رُسل کرام علیہم السّلام اور ان پر ایمان والوں کو نزولِ عذاب سے نجات دی مضارع بمعنے ماضی ہے یعنی نھلك و ننجی بمعنے اھلكنا و انجينا ہے۔

كَذٰلِكَ ۚ ایسی نجات بخشنا حَقًّا عَلَيْنَا یہ فعل اور اس کے معمول کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور حقاً فعل مقدر سے منسوب ہے در اصل حق حقاً ہے۔ نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ یعنی ہمارے ذمہ کرم واجب ہے کہ ہم اہلِ ایمان کو ہر شدت اور عذاب سے نجات بخشیں۔

سوال : یہاں پر صرف اہلِ ایمان کا ذکر کیوں ؟ حالانکہ ان سے پہلے رسل کرام علیہم السلام کا ذکر ضروری تھا۔

جواب : اہلِ ایمان کی نجات کا دار و مدار رسل کرام کی نجات پر ہے اسی لیے جب طفیلیوں کا ذکر ہوا تو ان کے ذکر کی حاجت نہ رہی۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ نجات ایمان پر موقوف ہے اللہ تعالےٰ کا یہ طریقہ تمام اُمتوں کے لیے جاری ہے جیسے رسل کرام علیہم السلام اور ان کے ماننے والوں سے نجات کا وعدہ فرما کر ان کے ساتھ ایفائے عہد فرمایا، ایسے ہی ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جس طرح وعدہ فرمایا اسے ثابت کر دکھلایا۔

اہلِ اسلام کو مژدہ بہار اسی طرح قیامت تک اہلِ اسلام کو کفار کے پنجۂ ظلم اور ان کے شر ور فتنوں سے محفوظ رکھا جائے گا لیکن شرط یہ ہے کہ وہ شرعی نظام کے خود بھی پابند ہوں اور دوسروں کو بھی سختی سے پابند رکھیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

محالست چوں دوست دارد ترا
در دست دشمن گزارد ترا

ترجمہ : محال ہے کہ جب تجھے دوست رکھتا ہے تو دشمن کے پنجہ میں نہیں دے گا۔

موت کے فضائل مومن کی ادنیٰ نجات موت ہے اس لیے کہ موت مومن کا تحفہ ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ سے گزرے تو فرمایا : مستریح۔ راحت پا گیا اور مستراح یا اس سے لوگوں نے نجات پائی۔ مستریح نیک لوگوں کے لیے کہ وہ دُنیا کے گورکھ دھندوں سے اور ان کی تکالیف سے جان

چھڑا کر برزخ میں روحانی ثواب سے مالا مال ہوں گے اور روحانی ثواب حقیقی نعمتوں کا نصف ہے اور دُوسرا لفظ فاسق و فاجر اور ظالم کے لیے ہے اس لیے کہ اس کے مرنے سے خلقِ خدا آرام کا سانس لے گی اور اس کے ظلم وستم سے نجات پائے گی اور وُہ خود برزخ کے روحانی عذاب میں مبتلا ہوگا اور یہ جہنّم کا نصف عذاب ہے۔ (نعوذ باللہ)

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف کشادگی کا انتظار افضل عبادت ہے۔

ف: یہ حدیث شریف آیت انتظار و انجاد کے مطابق ہے اس لیے کہ اس میں انسان کے قلب کو استراحت اور صبر کا ثواب نصیب ہوگا کیونکہ مومن کا اعتقاد ہے کہ ہر دُکھ اور تکلیف منجانب اللہ ہے اور اسے دُور کرنے والا بھی صرف وہی ہے وہی رب تعالیٰ بندے سے بلاء دفع فرماتا اور صبر کی توفیق بخشتا ہے اور وہی ہماری گھبراہٹ قلبی دُور فرمائے گا۔ اس عقیدہ کی برکت سے کتنا بڑا دُکھ و درد کیوں نہ ہو، مومن چین و آرام میں ہوتا ہے بخلاف جاہل کے کہ وُہ ایسے پاک اعتقاد سے محروم یا بے خبر اور غافل ہے ایسے تصورات اس کے دل پر گزرتے ہی نہیں اور نہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ تو تقدیر ربانی ہے اس میں لاکھوں حکمتیں مضمر ہیں اور پھر وُہ اپنے بندوں پر لطف و کرم فرماتا ہے تو پھر مجھے گھبراہٹ کیسی۔ جب اسے یہ اعتقادات نصیب نہیں تو بسا اوقات سمجھتا ہے کہ اس بلائے عظیم سے اسے نجات ہی نہیں ملے گی اس اعتبار سے ضمناً وہ اللہ تعالیٰ کی طرف عجز کا انتساب کر رہا ہے اگرچہ غیر شعوری لحاظ سے۔ لیکن نسبت ضرور کرتا ہے اسی وجہ سے وُہ صبح و مساء دوہری تکلیف میں مبتلا رہتا ہے۔ (نعوذ باللہ)

حضرت حافظ قدس سرّہٗ نے فرمایا: ؎

اے دل صبور باش مخور غم کہ عاقبت
ایں شام صبح گردد و ایں شب سحر شود

ترجمہ: اے دل صبر کر غم نہ کھا اس لیے کہ بالآخر ہر شام کو صبح ہوگی ہر شب کی سحر ہوگی۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف اشتدی ازمۃ منفرجی۔

اے قحط! تُو اپنا زور لگالے، بالآخر تُو ختم ہوگا۔

ف: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قحط سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تُو مشقت و شدت میں اپنا زور لگالے اس لیے کہ بالآخر تجھے ہٹنا ہے۔

اس میں تنبیہ ہے کہ دارِ دنیا میں نہ دُکھ کو بقا ہے نہ سُکھ کو۔

حلِ لغات: ازمۃ قحط اور تنگی کو کہا جاتا ہے۔ بعض نے کہا ازمۃ ایک عورت ہے جو کسی مصیبت میں مبتلا ہوئی

(باقی برصفحہ ۱۰۹۰)

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَاۤ اَعْبُدُ

تم فرماؤ اے لوگو اگر تم میرے دین کی طرف سے کسی شبہ میں ہو تو میں تو اسے نہ پوجوں گا

الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ

جسے تم اللہ کے سوا پوجتے ہو ہاں اس اللہ کو پوجتا ہوں جو

الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۖۚ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٤﴾ وَ

تمہاری جان نکالے گا اور مجھے حکم ہے کہ ایمان والوں میں ہوں اور

اَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٠٥﴾

یہ کہ اپنا منہ دین کے لیے سیدھا رکھ سب سے الگ ہوکر اور ہرگز شرک والوں میں نہ ہونا

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ

اور اللہ کے سوا اس کی بندگی نہ کر جو نہ تیرا بھلا کرسکے اور نہ برا پھر اگر

فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠٦﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ

ایسا کرے تو اس وقت تو ظالموں سے ہوگا اور اگر تجھے اللہ کوئی تکلیف پہنچائے

فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ

تو اس کا کوئی ٹالنے والا نہیں اس کے سوا اور اگر تیرا بھلا چاہے تو اس کے فضل کا رد کرنیوالا کوئی نہیں

يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿١٠٧﴾

اسے پہنچاتا ہے اپنے بندوں میں جسے چاہے اور وہی بخشنے والا مہربان ہے

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى

تم فرماؤ اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آیا تو جو راہ پر آیا وہ اپنے بھلے

فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ؕ وَمَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ

کو راہ پر آیا اور جو بہکا وہ اپنے برے کو بہکا اور کچھ میں کروڑا

بِوَكِيْلٍ ؕ ﴿١٠٨﴾ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚۖ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿١٠٩﴾ ع ١١ ٦ ١٦

اور اس پر چلو جو تم پر وحی ہوتی ہے اور صبر کرو یہاں تک کہ اللہ حکم فرمائے اور وہ سب سے بہتر حکم فرمانیوالا ہے

تفسیر عالمانہ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اہلِ مکہ کو خطاب ہے اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ اے اہل مکہ! اگر تم میرے لائے ہوئے دین (جس کے احکام کے مطابق میں اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کرتا ہوں) میں شک کرتے ہو کہ اس کی حقیقت اور اس کے اوصاف کیا ہیں فَلَآ اَعْبُدُ نہ میں عبادت کرتا ہوں اور نہ مجھے کوئی تعلق ہے الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ج لیکن میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہوں جو بواسطہ ملائکہ تمہاری ارواح قبض کرے گا پھر تمہیں مختلف عذاب میں مبتلا کرے گا۔

یعنی اے مکہ والو! یقین کر لو کہ عبادت اللہ تعالیٰ سے خاص ہے اور تم جہالت سے جن کی پرستش کرتے ہو اسے چھوڑنا ضروری اور لازمی ہے وہ اس لیے کہ ان کا شک عبادۃ الاوثان اور عبادت الٰہی کا سبب نہیں تھا بلکہ ان کے شک کا سبب دین کے اعلام واخبار پر تھا۔ تمہارا دین جس طرح کی باتیں بتاتا ہے اس کی مثال وما بکم من نعمة فمن اللہ ہے۔ اس آیت میں استقرار النعمة مخاطبین نعمت کے حصول من اللہ کا سبب نہیں بلکہ معاملہ برعکس ہے، وہ اخبار بحصول النعمة من اللہ کا سبب ہے وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۝ اور میں مامور من اللہ ہوں کہ میں اہلِ ایمان سے ہوں۔

نکتہ : اعمال جوارح کے بعد ایمان و معرفت کی طرف مضمون کو منتقل کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ جب تک انسان کا ظاہر اعمال صالحہ سے مزین نہ ہو دل میں نورِ ایمان و معرفت جاگزیں نہیں ہو سکتا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے احکامِ شرعیہ کو معرفت کی بنیاد بنایا ہے[1]

اس سے واضح ہوا کہ جس کے ہاتھ میں شریعت کا دامن نہیں معرفت کا دعویٰ محض لاف وگزاف ہے اس لیے کہ شریعت کی بنیاد پر معرفت کو استحکام نصیب ہے جب بنیاد ہی گر جائے تو پھر مکان کس طرح قایم رہ سکتا ہے۔ یا یوں سمجھو کہ معرفت پر شریعت لباس کی مانند ہے جب اس سے لباس اتار لیا جائے تو وہ معرفت کا وجود ہی ختم ہو جائے گا، جیسے لالٹین کا منہ کھول کر ہوا کے تیز جھونکوں کے سامنے رکھ دیا جائے۔

---

[1] لیکن بعض جاہل پیر کہتے ہیں کہ احکام شریعت اور ہیں اور معرفت و حقیقت کے اور۔ یہ ان کی محض جہالت ہی نہیں بلکہ حماقت بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ جاہل پیروں اور جاہل مریدوں کو سمجھ عطا فرمائے (آمین) ان جاہلوں نے ہمارے مسلک اہل سنت کو بدنام کر دیا ہے۔ ۱۲

بقیہ صفحہ ۱۰۸۸ سے آگے

تو آپ نے اسے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ مصیبت سے مت گھبرا تو اس لیے کہ کبھی تیرے دکھ، سکھ سے بدل جائیں گے۔ تنفرجی، انفراج سے ہے اس کا اطلاق دکھ ٹل جانے کے بعد نعمتوں کے حصول پر ہوتا ہے۔ مثلاً اہل عرب کہتے ہیں: تناھت الشدت انفرجت۔ دکھ اپنی انتہا کو پہنچ میں تو مٹ کریں گے۔ اس کے بعد سکھ اور آرام ہوگا۔ جیسے ہم کہتے ہیں: روزے رکھے ہیں تو عید بھی کرو گے۔

ف : حضرت ابو الفضل یوسف بن محمد الانصاری المعروف با بن النحوی نے اپنے قصیدے کا مطلع حدیث الفرج پر لکھا ہے حق یہ ہے کہ خوب لکھا ہے۔ (کذا فی المقاصد الحسنہ لخاتمۃ المحدثین والحفاظ الامام السخاوی قدس سرہٗ)

علم آبست و عمل شد چوں سبو
چو سبو بشکست ریزد آب ازو

ترجمہ: علم معرفت پانی ہے اور اس پر عمل کرنا بمنزلہ گھڑے کے ہے جب گھڑا ٹوٹ جائے تو پانی ختم ہو جائے گا۔

وَ اَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ اس کا عطف اَنْ اَكُوْنَ پر ہے اور یہ اَن مصدریہ اور موصول حرفی ہے اور ضروری نہیں کہ اس کا صلہ جملہ خبریہ ہو بخلاف موصول اسمی کے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ میں مامور من اللہ ہوں کہ دین پر استقامت رکھوں اور ادائیگی فرائض اور برائیوں سے بچنے پر سختی سے پابندی کروں۔ (کذا فی تفسیر القاضی)

تفسیر صوفیانہ ابن الشیخ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اقامۃ الوجہ للدین میں اشارہ ہے کہ نفس کو کلی طور پر عبادتِ الٰہی اور اعراض عن ما سوی اللہ میں لگا دے۔ اور قاعدہ ہے کہ جو شخص کسی کو غور و خوض سے دیکھتا ہے تو دائیں بائیں جانب بلکہ ہر طرف سے نگاہ روک کر دیکھتا ہے اگر دائیں بائیں یا کسی اور طرف دیکھے گا تو اسے غور و خوض کا دیکھنا نہ کہا جائے گا اور رویت کا اصلی مقصد پورا نہ ہوگا اسی لیے آیت میں اشارہ کیا گیا ہے کہ اپنی تمام قوتیں دینِ حق پر صرف کر دی جائیں۔

ف: تفسیر الکواشی میں ہے: آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ کامل مومن ہو کر عمل صالح صرف اللہ تعالیٰ کی رضا پر بجا لاؤ اور بس۔

ے

عبادت باخلاص نیت نکوست
وگرنہ چہ آید ز بے مغز پوست

ترجمہ: خالص نیت سے عبادت ضروری ہے ورنہ صرف پوست سے کیا حاصل ہو گا۔

تفسیر عالمانہ حَنِيْفًا یہ دین سے حال ہے یعنی ادیان باطلہ سے منہ موڑ کر دینِ حق کی طرف ایسی توجہ کیجئے کہ اس میں ہر طرح سے کسی کجی کا شائبہ تک نہ ہو وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ اور اعتقاداً و عملاً مشرکین سے نہ ہو جائیے۔ اس کا اَقِمْ پر عطف ہے اور اسکے حکم میں داخل ہے۔

حضرت الامام نے فرمایا:

صوفیانہ مطلب جو اپنے مالک کی معرفت سے بہرہ ور ہو کر غیر اللہ کی طرف متوجہ ہو تو صوفیاء کرام کے نزدیک یہ بھی شرک ہے اور اسے اہلِ دل شرکِ خفی سے تعبیر کرتے ہیں۔

اگر بغیر تو کردم نگاہ در ہمہ عمر
بیاد جرم غرامت ز دیدہ ام بستاں

ترجمہ: اگر تیرے بغیر عمر میں ایک دفعہ کسی کو دیکھوں تو اس کی سزا یہ ہے کہ میری ہی آنکھیں لے لیں۔

وَلَا تَدْعُ اس کا قل یا ایہا الناس پر عطف ہے لیکن امر کے حکم میں داخل نہیں مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اللہ تعالےٰ کے ماسوا کی استقلالاً و اشتراکاً عبادت نہ کیجئے مَا لَا یَنْفَعُكَ اس ماسوا کو جب دُکھ ٹالنے یا بھلائی کے حصول کے لیے پکارا جائے تو وہ تمہیں کسی قسم کا نفع نہیں دے سکتے وَلَا یَضُرُّكَ ج اور ان کی عبادت ترک کی جائے تو وہ تمہارے سے بھلائی روکنے کا نقصان نہیں پہنچا سکتے اور نہ ہی وُہ تمہیں کسی قسم کی تکلیف میں مبتلا کر سکتے ہیں فَاِنْ فَعَلْتَ جن امور سے تمہیں روکا گیا، یعنی غیر اللہ کی پرستش سے روکنے کے باوجود اگر تم اس کا ارتکاب کرو گے فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ ○ تو تم ظالمین سے ہو جاؤ گے یعنی اپنے آپ کو نقصان میں ڈالو گے اس لیے کہ غیر اللہ ہر طرح کے تصرف سے خالی ہے تو تم نے اس کی طرف تصرف کی اضافت کی اسی بنا پر ایک فعل کو غیر محل میں رکھا۔ اس معنے پر ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ نے ظالم فرمایا۔ اس لیے کہ حقیقی نافع وضار صرف اللہ تعالیٰ ہے اس کے سوا باقی ہر شئے کو فنا ہے۔

خیال جملہ جہاں را بنور چشم یقیں
بجنب بحر حقیقت سراب مے بینم

ترجمہ: چشم یقین کے نور سے میں تمام جہان کو بحرِ حقیقت کے سامنے سراب دیکھتا ہوں۔

وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰہُ بِضُرٍّ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کسی مرض یا فقر و فاقہ میں مبتلا کرے فَلَا كَاشِفَ لَہٗٓ تو اسے تجھ سے کوئی ہٹانے والا نہیں اِلَّا ھُوَ ج سوائے اسی واحد لا شریک لہ کے وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ اور اگر وُہ تمہیں خیر و عافیت اور تونگری و راحت سے نوازے فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِہٖ ط تو اس کے فضل و کرم کو کوئی رد کرنے والا نہیں منجملہ اس کے یہ بھی ہے کہ آپ کو ہر طرح کی خیر سے نوازا ہے تو اب کون ہے جو آپ سے یہ خیر و برکت روک سکے اس تمام تقدیر میں نفع و نقصان اور خیر و شر کی نفی سے بُت مراد ہیں لہ

مسئلہ: اس سے معلوم ہُوا کہ کسی کو خیر و برکت نصیب ہوتی ہے تو وُہ اللہ تعالےٰ کا اپنا فضل و کرم ہوتا ہے اس پر کسی کا حق نہیں کہ وہ اسی کے استحقاق کے پیشِ نظر کچھ بخشے۔

سوال: خیر میں ارادہ اور شر میں لفظ مَس، اس کی کیا وجہ ہے؟ حالانکہ خیر و شر لازم و ملزوم ہیں اسی لیے ان کے لیے ایک جیسا فعل لانا ضروری تھا۔

جواب: اس میں اشارہ ہے کہ خیر رسانی اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے اور وُہ بلا سبب صادر ہوتی ہے بخلاف ضرر کے کہ وہ اس وقت پہنچتا ہے جب اس کے اسباب خارجیہ ہوں قصداً اور ارادۃً اللہ تعالیٰ کسی کو ضرر نہیں پہنچاتا اسی لیے خیر میں استثناء نہیں اور ضرر میں استثناء ہے اسی طرف اشارہ ہے کہ خیر کا تعلق اللہ تعالےٰ کے ارادے سے ہے اگر یہاں بھی

لہ لیکن اباحث دیوبندیت کا یہ تیر سیدھا نبوت و ولایت پر برستا ہے۔ (نعوذ باللہ من الوہابیۃ وسائر المذاہب الباطلۃ) ۱۲

استثنا ہوتا تو معنیٰ یہ ہوتا کہ اس کا ارادہ ضرر کے ساتھ بھی ہے اور خیر کے ساتھ بھی اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے اس لئے کہ بیک وقت دو نقیضوں کے لیے دو ارادے نہیں ہوتے بخلاف ضرر کے کہ کشف نہ کسی محال کو مستلزم نہیں۔

یُصِیْبُ بِهٖ اپنے فضل وکرم سے بھلائی پہنچاتا ہے محبوب مُصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں یا کوئی اور سب کو اللہ تعالیٰ کا فضل شامل ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اور وہ غفور رحیم ہے اس لیے بوجہ گناہ اس کی مغفرت سے ناامید نہ ہو جاؤ بلکہ اس کی طاعت سے اس کی رحمت کو حاصل کرو۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ وھو الغفور یعنے اپنے ذاتی نُور سے وجود صدیقین کی ظلمت کو چھپاتا ہے الرحیم طالبین صادقین کو اپنی رحمت کے قریب فرماتا ہے۔ اور طالبین صادقین سے وُہ لوگ مراد ہیں جن کا دین عبادتِ الٰہی اور اس کی طاعت ومحبت وطلب ہے وہ خواہشِ نفسانی اور دُنیا کی عبادت اور ان کی طاعت ومحبت سے کوسوں دُور ہیں۔

ف: مفاتیح میں ہے کہ غفور کا معنیٰ یہ ہے کہ دُنیا میں قبائح و ذنوب کو ڈھانپے اور آخرت میں عتاب ومواخذہ نہ فرمائے اور عارفین اس اسم سے متعلق یُوں ہوں کہ وُہ اپنے بھائیوں کے عیوب و نقائص کو جہاں تک ہو سکے چھپائیں۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص اپنے بھائی مومن کو ڈھانپتا ہے تو قیامت میں اللہ تعالےٰ اسے ڈھانپے گا۔

مسئلہ: گلہ گو، لوگوں کے عیوب کی تلاش کرنے والا اور بُرائی کا بُرائی سے بدلہ دینے والا ان مراعات کے لائق نہیں، اسی لیے اسم غفور سے وہ متصف ہے جو دُوسروں کی نیکیوں کا افشا کرتا اور اُن کی بُرائیوں کو چھپاتا ہے۔

حکایت حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریین کے ساتھ ایک مردار کُتے سے گُزرے جس کی بدبُو سے دماغ کھولنے لگ جاتا آپ کے حواریین نے کہا کہ کتنا بدبُودار ہے، آپ نے فرمایا کہ اس کے دانت کیسے صاف سُتھرے اور سفید ہیں۔ آپ کے حواریین کُتے کے عیوب اور آپ اس کی اچھائی بیان فرماتے تاکہ تنبیہ ہو کہ کوئی کتنا ہی بُرا کیوں نہ ہو تم عیوب کے بجائے اس کے محاسن بیان کرو۔ (کذا فی شرح الاسماء الحسنیٰ للامام غزالی قدس سرہٗ)

حضرت مولانا روم قدس سرہٗ مثنوی شریف میں لفظِ رحیم کے متعلق فرماتے ہیں:

بندگانِ حق رحیم و بُردبار
خُوئے حق دارند در اصلاح کار
مہرباں بے رشوتاں یاری گراں
در مقام سخت و در روزگراں

ترجمہ: اللہ کے بندے رحیم و بُردبار ہوتے ہیں وہ اصلاح کار اللہ تعالیٰ کے طریقہ پر عمل کرتے ہیں وہ بغیر کسی لالچ کے مدد کرتے ہیں جب کسی کو کوئی دکھ درد

پہنچے تو۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہم پر رحمت کا مینہ برسائے اور ہمیں اپنے فضل و مغفرت کے کاسوں سے لبریز فرمائے۔

تفسیر عالمانہ

قُلْ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کفارِ مکہ سے فرمائیے یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ اے لوگو! تمہارے ہاں تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے حق آیا، یہاں پر حق سے قرآنِ عظیم مراد ہے تمہارے ہاں قرآن مجید نازل ہوا تم نے اسے سُنا اور اس کے دلائل واضح اور ہدایت کی باتیں ایسی روشن ہیں کہ اب تمہیں عذر کی گنجائش نہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی حجت بازی کر سکتے ہو فَمَنِ اهْتَدٰى پس وہ جو اس پر ایمان لاکر اس کے ز مودات پر عمل کرتا ہے فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ ۚ تو وہ اپنے لیے ہدایت پاتا ہے یعنی اس کی اہتداء کا نفع اسی کی اپنی ذات کو پہنچے گا وَمَنْ ضَلَّ اور وہ قرآن مجید سے اعراض اور کفر کر کے گمراہ ہو گیا فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا ۚ تو اس کی گمراہی کا وبال بھی خصوصیت سے صرف اسی کے سر پر ہوگا۔

شانِ رسالت کی دلیل

اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک دامنی کا اظہار مطلوب ہے کہ آپ تمہیں تبلیغ فرماتے ہیں تو اس میں آپ کا اپنا ذاتی نفع نہیں اور نہ ہی اس سے انہیں کوئی ضرر کا خطرہ ہے۔ آپ جو کچھ تمہیں نصیحت فرما رہے ہیں اس کا نفع و نقصان تمہارا اپنا ہے مان جاؤ گے تو فائدہ پاؤ گے نہیں مانو گے تو نقصان اُٹھاؤ گے۔ اسی لیے فعل (جاء) کا اسناد حق کی طرف ہے تاکہ کوئی شانِ رسالت پر بدگمانی جیسی لعنت میں مبتلا نہ ہو[1]

وَمَاۤ اَنَا عَلَیْكُمْ بِوَكِیْلٍ ○ اور میں تمہارا نگران نہیں ہوں کہ تمہارا ہر معاملہ میری طرف سپرد ہو میں تو منجانب اللہ مبشر و نذیر ہوں۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے قد جاءکم الحق من ربکم میں حق سے قرآن مجید مراد ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے فمن اھتدیٰ جو بھی اس مضبوط رسی کو مضبوطی سے پکڑتا ہے، فانما یھتدی لنفسہ تو اللہ تعالیٰ اسے اسفل سافلین سے نجات دے کر اعلیٰ علیین کی طرف لوٹاتا ہے ومن ضل اور جو اس رسی کو مضبوطی سے نہیں پکڑتا فانما یضل علیھا تو اس گمراہی کا نقصان اسی کو ہوگا اس لیے کہ وہ دُنیا کے گڑھے یعنی اسفل السافلین میں رہ کر اللہ تعالیٰ سے دُور رہے گا بلکہ اسے بُعد و فراق کی آگ کے دردناک عذاب میں مبتلا کیا جائے گا وما انا علیکم بوکیل میں تمہارا وکیل نہیں کہ لازماً تمہیں ان اعلیٰ مقامات اور بلند درجات پر پہنچاؤں اور اللہ تعالیٰ کے اختیار کے بغیر سفلیات و درکات میں پھینکوں بلکہ میں وحی و رسالت اور تذکیر و موعظت کی تبلیغ پر مامور ہوں۔

---

[1] یہ ہے قانونِ حق اور وہ ہے عادت وہابیہ کی اپنے نبی علیہ السلام کے ہر معاملہ میں بدگمانی۔ ۱۲

تفسیر عالمانہ وَاتَّبِعْ اعتقاداً وعملاً وتبلیغاً آپ تابعداری کیجئے مَا یُوْحٰٓی اِلَیْكَ اس کی جو آپ کی طرف وحی بھیجی جاتی ہے یعنی جیسے اس میں حق کے بتائے ہوئے طریقے موکد طور واضح ہوئے آپ انہی پر ہر آن اور دائماً عمل فرمایئے وَاصْبِرْ آپ جب انھیں دعوتِ اسلام دیتے ہیں اور وہ آپ کو اذیت پہنچاتے ہیں تو آپ صبر فرمایئے حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ج یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے یعنی آپ کو فتح ونصرت بخشے اور آپ کے دین کو تمام ادیان پر غلبہ عطا فرمائے وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ○ وہی تمام فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے اس لیے کہ اس کے فیصلے میں کسی قسم کی خطاء کا وہم وگمان نہیں ہے اس لیے کہ اس کے علم کے آگے ظواہر و بواطن کی ہر شئے برابر ہے۔

ہر سپیدی تا سیاہی گیر دتا لوح و قلم
یک رقم از خط حکمش وھو خیر الحاکمین

ترجمہ: ہر سپیدی سے تا سیاہی پھر لوح و قلم تک اسی کا حکم نافذ ہے وہی خیر الحاکمین ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ان لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ خیر الحاکمین ہے جو دعوتِ الٰہی کو قبول کرتا اور قرآن اور اس کے احکام پر بدل وجان عمل کرتا ہے یہ اسے ہے جسے ازل سے عنایت ازلیہ نصیب ہوتی ہے اور جو دعوتِ الٰہی کو ٹھکراتا اور قرآن اور اس کے احکام پر عمل نہیں کرتے وہی ازلی بدبخت ہیں۔

ف: اسم الحاکم کا مرجع قول فیصل بین الحق والباطل کی طرف ہے اسی طرح نیک اور بُرے کے درمیان یہی اسم فرق کرتا ہے اور ہر نفس کی جزائے خیر وشر کو بیان کرتا ہے یا اس کا مرجع تمیز ما بین السعید والشقی کی طرف ہے کہ سعید کو ثواب اور شقی کو سزا نصیب ہوگی۔

ف: اس سے بندے کو فائدہ یہ ہے کہ وہ اس کے احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کرکے ان پر دل وجان سے عمل کرے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر کو دل سے نہیں مانتا تو اس پر تقدیر بالاجبار والاکراہ جاری ہوگی چاہے یا نہ چاہے اگر دل سے مانے تو زندگی خیر سے بسر ہوگی اور موت کے بعد بھی عیش وعشرت نصیب ہوگی اس کی دلیل اور رہنمی تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ ہمارے لیے کافی ہے۔ چنانچہ آپ اللہ تعالیٰ کی ہر تقدیر کے سامنے سر جھکاتے اور ہر بلاؤ مصیبت کے وقت صبر فرماتے۔ اسی لیے زندگی مبارک گزری تو آرام سے، اور آپ کی خواہش کے مطابق آپ کے دین کو وہ فتح ونصرت حاصل ہوئی کہ آپ کے وصال کے بعد بھی دین زندہ ہے بلکہ قیامت سے پہلے چپہ چپہ پر اسی کا غلبہ ہوگا۔ پھر آپ کے وصال کے مراتب کا کیا کہنا۔

مثنوی شریف میں ہے:

صد ہزاران کیمیا حق آفرید
کیمیائے ہمچوں صبر آدم ندید
چونکہ قبض آمد تو در وے بسط بین
تازہ باش و چین میفکن بر جبین

چشم کو دل ہمچو خر در آخرست
چشم عاقل در حساب آخرست
او در آخر چرب می بیند علف
وین ز قصاب آخرش بیند تلف
آں علف تلخست کیں قصاب داد
بہر لحم ما ترازوی نہاد
صبر می بیند ز پردہ اجتہاد
رُوئے چوں گلنار و زلفیں مراد

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ہزاروں کیمیا پیدا فرمائے آدمی کے صبر جیسا اور کوئی کیمیا نہیں جب تم پر قبض کا ورود ہو تو اس میں بسط سمجھو تازہ ہو اور ایسے ہی چین بجبین نہ ہو۔ بیوقوف کے خیالات معاملات دنیویہ میں ہیں اور عقلمند کے تصورات آخرت کے حساب میں ہیں وُہ گدھے کی طرح گھاس کا خواہشمند ہے اور وہ بالآخر قصاب کا منہ دیکھتا ہے وہ گھاس اسے نقصان دہ ثابت ہُوا صبر بالآخر فائدہ دیتا ہے وہ گلنار اور مقصد کو پہنچتا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کفار کی اذیتوں کی داستان

ان میں ایک یہ ہے کہ جسے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہم مسجد میں تھے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ معظمہ کے قریب نماز پڑھ رہے تھے اور قریش ایک جگہ بیٹھے ہُوئے تھے ان میں سے اُبوجہل نے کہا تم اس شخص کو دیکھ رہے ہو۔ پھر اوروں نے کہا تم میں کوئی ایسا ہے جو فلاں قبیلہ سے ذبح کردہ اونٹ کی اوجھ اٹھا لائے۔ ایک روایت میں مشیمہ آنول آیا ہے جو بچہ پیدا ہونے کے بعد غلاظت نکلتی ہے۔ پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں جائیں تو وُہ ان کے کندھوں پر رکھ دے۔ اس پر بدبخت عقبہ بن ابی معیط اُٹھ کھڑا ہُوا اُس نے اُونٹ کی اوجھ لاکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں رہے اور سر مبارک سجدے سے نہ اُٹھایا اور وہ سب کھڑے ہنستے رہے اور قہقہے لگا لگا کر لوٹ پوٹ ہوتے رہے۔ ہمیں بھی یہ خطرہ لاحق ہوا کہ وُہ ہم پر بھی ایسی ہی اوجھ لاکر ڈالیں گے یہاں تک کہ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا تشریف لائیں اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ مبارک سے اس اوجھ کو اٹھا پھینکا اور ان بدبختوں کو بُرا بھلا کہتی رہیں۔ علاوہ ازیں ہمسایہ ہونے کی حیثیت سے چند اور بدبخت ابُولہب، الحکم بن العاص بن امیۃ و عقبہ بن ابی معیط بھی حضور علیہ السلام پر ۴ غلاظت ڈالتے تھے۔ آپ نے دروازے پر کھڑے ہو کر فرمایا: اے ابن عبد مناف! یہی ہمسایگی کا حق ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں نے آپ کے راستہ میں گندگیاں ڈالنی شروع کیں۔ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں

کو بشارت دی کہ تمھیں مبارک ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو غالب فرمائے گا اور اپنا کلمۂ اسلام مکمل فرمائے گا اور اپنے نبی کو مدد دے گا۔ اور یہی دشمن جنہیں تم دیکھ رہے ہو عنقریب تمہارے ہاتھوں ذبح ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا کہ وہ صحابہ کرام کے ہاتھوں غزوۂ بدر میں بُری طرح مارے گئے۔

ازالۂ وہم حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی اذیت سے یہ نہ سمجھنا کہ اس سے آپ کی تنقیص ہوئی بلکہ اس سے آپ کے علوِ شان و رفعتِ مراتب کا پتہ چلتا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت مرتبہ رکھتے ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہُوئی مصیبتوں سے کثیر الصبر اور علم و حوصلہ کے کوہِ استقامت ہیں ورنہ آپ کو یقین تھا کہ آپ کی ہر دُعا مستجاب ہوتی ہے[1] اور آپ کو علم تھا کہ آپ جو کچھ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی قدر و قیمت ہوتی ہے لیکن ساتھ ہی فرمادیا کہ سخت ترین مصائب انبیاء علیہم السلام پر آتے ہیں اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کی مثال سونے کی ہے کہ جیسے سونے کو آگ سے بہتر سے بہتر بنایا جاتا ہے ایسے ہی انبیاء علیہم پر مصائب نازل کر کے ان کے مراتب و کمالات میں اضافہ کیا جاتا ہے جیسے آگ سونے کے حُسن میں اضافہ کرتی ہے ایسے ہی انبیاء علیہم السلام پر نزولِ مصائب سے رفعتِ درجات ہوتی ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

طبع را کشتند در حمل بدی
تا حمولی گر بود ہست ایزدی
اے سلیمان درمیان زاغ و باز
حلم حق شو با ہمہ مرغان بساز
اے دو صد بلقیس حکمت را زبون
کہ اہد قومی انہم لا یعلمون

ترجمہ: تکالیف پر صبر کر کے طبع کو ذبح کیا صبر کے مراتب بلند ہیں اے سلیمان! زاغ و باز کے درمیان رہ کر حوصلہ کر کے پرندوں سے موافقت کیجئے دو صد بلقیس تیرے حکم کے آگے سرنگوں ہیں اس لیے کہ آپ نے قوم کو بد دُعا کے بجائے دُعا دی تھی۔

ہم اللہ تعالےٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ وُہ ہمیں حق مبین پر ثابت قدم رکھے اور ہمیں اپنے نفوس امارہ پر غلبہ عطا فرمائے وہ خیر الحاکمین ہے۔

حضرت علامہ اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ بامداد ربانی و تائید امالی سورۂ یُونس کی تفسیر ۱۱ ذیقعدہ ۱۱۰۲ھ بروز اتوار ختم ہُوئی۔

فقیر اویسی رضوی غفرلہ ربہٗ اس کے ترجمہ سے شب ہفتہ بعد از نماز عشاء ۴ محرم الحرام شریف ۱۳۹۷ھ کو فارغ ہُوا بفضلہ و کرمہ فصلی اللہ تعالےٰ علیٰ افضل الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ واولیاء ملتہ وعلماء امتہ اجمعین۔

---

[1] اس سے وُہ لوگ کچھ سمجھیں جو کہتے ہیں نبی علیہ السلام مجبورِ محض تھے آپ کی کوئی دُعا قبول نہ ہوتی سوائے چند ایک دعاؤں کے ۱۲۔

سُوْرَۃُ ہُوْدٍ مَكِّيَّۃٌ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اٰیَاتُهَا ۱۲۳ رُکُوْعَاتُهَا

سورہ ہود مکی ہے اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا اسمیں ایک سو تیئس آیتیں اور دس رکوع ہیں

الٓرٰ قف کِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰیٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِیْمٍ

یہ ایک کتاب ہے جس کی آیتیں حکمت بھری ہیں پھر تفصیل کی گئیں حکمت والے خبردار کی طرف سے

خَبِیْرٍ ① اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ ② وَّ

کہ بندگی نہ کرو مگر اللہ کی بے شک میں اس کی طرف سے تمہارے لئے ڈر اور خوشی سنانے والا

اَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَیْهِ یُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا

ہوں اور یہ کہ اپنے رب سے معافی مانگو پھر اس کی طرف توبہ کرو تمہیں بہت اچھا برتنا دے گا

اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّ یُؤْتِ كُلَّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَ اِنْ تَوَلَّوْا

ایک ٹھہرائے وعدہ تک اور ہر فضیلت والے کو اسکا فضل پہنچائے گا اور اگر

فَاِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ كَبِیْرٍ ③ اِلَى اللّٰهِ مَرْ

منہ پھیرو تو میں تم پر بڑے دن کے عذاب کا خوف کرتا ہوں تمہیں اللہ ہی کی طرف

جِعُكُمْ ۚ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ④ اَلَاۤ اِنَّهُمْ یَثْنُوْنَ

پھرنا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے سنو وہ اپنے سینے دوہرے

صُدُوْرَهُمْ لِیَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ اَلَا حِیْنَ یَسْتَغْشُوْنَ

کرتے ہیں کہ اللہ سے پردہ کریں سنو جس وقت وہ اپنے کپڑوں سے سارا

ثِیَابَهُمْ ۙ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَ مَا یُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ

بدن ڈھانپ لیتے ہیں اس وقت بھی اللہ ان کا چھپا اور ظاہر سب کچھ جانتا ہے بیشک

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑤

وہ دلوں کی بات جاننے والا ہے

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ بسم اللہ ذات اور الرحمٰن صفت جلال اور الرحیم صفت جمال کی طرف اشارہ ہے اب معنی یہ ہوا کہ یہ دونوں صفتیں ذات کے ساتھ قائم ہیں باقی صفات انہی دو صفتوں پر مشتمل ہیں۔ یہ دونوں صفتیں

صفات قہر و لطف سے ہیں۔ الٓرٰ یہ سورۃ الٓرٰ ہے۔ یعنی یہ سُورۃ اسی نام سے موسوم ہے۔ اس معنے پر الٓرٰ خبر ہو گی اس کا مبتدا، محذوف ہوگا یا ترکیب میں اس کا کوئی محل نہیں۔ یعنی اس کا کوئی اعراب نہیں۔ یہ دوسرے حروفِ تہجیہ کی طرح ہے، اسے تحدی کے لیے لایا گیا ہے یہاں پر یہی مفہوم صحیح ہے اس لیے کہ پہلے معنی پر آنے والی عبارت میں لفظ کتاب مبتدا کی دُوسری خبر ہو گی۔ اب مطلب یہ ہوگا کہ یہ سُورۃ کتاب ہے حالانکہ یہ معنٰی صحیح نہیں اس لیے کہ یہ سورۃ کتاب حکیم کی چند آیات ہیں جیسے سُورۃ یونس میں ہے۔ کتاب کو بمعنے مکتوب یا بعض کا نام لے کر کل مراد لینا بھی تکلف ہے اور تکلفات میں پڑنا بھی نامناسب ہے جب بلا تکلف معنٰی صحیح ہو سکتا ہے تو پھر بلا وجہ تکلف کیوں اور بلا تکلف معنے کا بیان ہم نے پہلے عرض کر دیا ہے۔ (یہی فقیر کے خیال میں آیا ہے جو یقیناً درست ہوگا)

ف : حروف مقطعات کا حقیقی علم اللہ تعالیٰ کو ہے اس لیے کہ یہ اسرار مکتومہ سے ہیں۔ شعبی سے جب ان کی وضاحت طلب کی گئی تو آپ نے فرمایا :

یہ اللہ تعالیٰ کا راز ہے اس کی طلب نہ کرو۔

حروفِ مقطعات اور اولیاءِ کرام

اولیاءِ کرام کو ان کے علوم حاصل ہیں۔ چند دلائل مندرجہ ذیل ہیں :

۱۔ صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ :

واللہ تعالیٰ لا یظہر علیٰ غیبہ احداً
الا من ارتضٰی من رسول او وارث
رسول۔

(روح البیان ج ۴ ص ۰ ۹ تحت آیت ہذا مطبوعہ قدیم)

۲۔ حدیث شریف میں ہے :

ان من العلم کھیئۃ المکنون لا یعلمہ
الا العلماء باللہ فاذا نطقوا بہ لا ینکرہ
الا اھل الغرۃ باللہ[1]

اللہ تعالےٰ کے بعض علوم پوشیدہ موتی جیسے ہیں انھیں صرف عارف باللہ جانتے ہیں اس کا انکار کرنیوالے دھوکہ خوردہ ہیں۔

(رواہ ابومنصور الدیلمی وابوعبدالرحمٰن السلمی کذا فی الترغیب)

---

[1] جیسے وہابیہ دیوبندیہ وغیرہما۔

[2] یہی ہم اہلسنت کا مذہب ہے الحمدُللہ ہم اسلاف صالحین کے طریقہ پر ہیں آج حق و باطل کی پہچان مشکل ہو گئی ہے لیکن یہ تو سب کو معلوم ہے کہ اسلاف صالحین حق پر تھے آج جو لوگ ان کے طریقہ پر ہوں انھیں حق سمجھنے اور جو ان کے طریقے کو گمراہی اور کفر و شرک سے تعبیر کرے اس سے کوسوں دُور بھاگئے۔ وما علینا الا البلٰغ۔

٣۔ رقاشی نے فرمایا:

ھی اسرار اللہ یبدیھا الیٰ امناء اولیاء وسادات النبلا من غیر سماع ولا دراسته وھی من الاسرار التی لم یطلع علیھا الا الخواص۔ (کذا فی فتح القریب)

حروف مقطعہ اسرارِ الٰہی ہیں جو اللہ تعالےٰ نے اپنے مخصوص بندوں کو بخشے یہ کسی سے پڑھے جاتے ہیں نہ سُنے جاتے ہیں یہ ایسے اسرار ہیں جنہیں صرف خواص ہی جانتے ہیں۔

٤۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال حفظت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعائین فاما احدھما فبثثتہٗ فیکم واما الاٰخر فلو بثثتہٗ قطع ھذا البلعوم۔ (رواہ البخاری وفی المشکوٰۃ فی باب العلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو برتن یاد کیے ایک میں نے تم پر واضح کیا دوسرے کو اگر ظاہر کروں تو میرا حلقوم کاٹا جائے۔

ف : امام بخاری نے فرمایا: البلعوم بمعنے مجری الطعام یعنے حلقوم ہے (کذا فی شرح الکردی علی الطریقۃ المحمدیۃ)

تفسیر عالمانہ

ف : سلطان المفسرین والموحدین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ الٓرٰ بمعنے انا اللہ اریٰ یعنی میں اللہ دیکھتا ہوں۔ یعنی میں وہ خدا ہوں جو مطیعین کی اطاعت اور عاصیوں کی معصیت کو دیکھتا ہوں اور قیامت میں ہر ایک کو اعمال کے مطابق جزا و سزا دوں گا۔ اس معنے پر کلمہ الٓرٰ وعدہ وعید پر مشتمل ہے۔ (کذا فی تفسیر الکاشفی)

ف : بعض نے فرمایا کہ الف سے آلاؤہٗ (اس کی نعمتیں) اور لام سے لطفہ اور راء سے ربوبیۃ مراد ہے۔ (کذا فی تفسیر ابی اللیث)

ان کے علاوہ اور تاویلیں ہم آگے چل کر بیان کریں گے اِن شاء اللہ۔

کِتٰبٌ یہ قرآن کتاب ہے۔ یہی بہت سے مفسرین نے فرمایا ہے اُحْکِمَتْ اٰیٰتُہٗ اس کی آیات کو اتنا مضبوط و مستحکم کیا گیا ہے کہ ان میں لفظاً یا معناً کسی طرح بھی نقص و خلل نہیں پڑ سکتا۔ اس کو یُوں سمجھیے کہ جیسے ایک پختہ مضبوط مکان تیار کیا جائے جسے پتھر، سیمنٹ، لوہا، بجری وغیرہ سے سخت سے سخت طریقوں سے مستحکم بنایا جائے یا اس کا معنے یہ ہے کہ اس کی آیات نسخ بمعنے تغیر سے محفوظ ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

مصطفٰے را وعدہ کرد الطاف حق
گر بمیری تو نمیرد ایں سبق

کس نتاند بیش و کم کردن درو
تو بہ از من حافظے دیگر مجو
تو اگر در زیر خاکے خفتۂ
چوں عصایش دان تو انچہ گفتۂ
ہست قرآن مر ترا ہمچوں عصا
کفر ہا را در کشد ہمچو اژدہا
قاصدانرا بر عصایت دست نی
تو بخیب اے شہ مبارک خفتنی

ترجمہ: الطافِ حق کے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدے ہیں تم اگر دنیا سے رُخصت ہو جاؤ گے تب بھی وعدے ضرور پُورے ہوں گے ان وعدوں میں کمی بیشی نہ ہو گی مجھ سے بہتر آپ کا نگران اور کوئی نہ ہو گا۔ اگرچہ آپ دنیا میں زیرِ زمین مدفون ہوں گے لیکن آپ کے دین کی نگرانی مضبوط طریقے سے ہو گی، تیرا قرآن معجزانہ طور پر قیامت تک تیرے دین کو زندہ رکھے گا اور کفر کو اژدہا بن کر مٹائے گا۔ آپ آرام سے سوتے رہیں آپ کے دشمن کبھی غلبہ نہیں پا سکیں گے۔

ثُمَّ فُصِّلَتْ پھر تفصیل وار بیان کیے گئے اسی لیے ہر اس ہار کو عقد مفصل کہا جاتا ہے جس کے دو موتیوں کے درمیان خرز ڈالا جائے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اس کی آیات فوائد سے ایسے مرصّع ہیں جیسے ہار موتیوں سے مزیّن ہوتے ہیں۔ یعنے اس کے مقاصد مختلفہ اور معانی عجیبہ جیسے عقاید و احکام و مواعظ و امثال وغیرہ واضح طور بیان کیے گئے ہیں۔

ف: ثمّ تراخی فی الوجود والوقوع فی الزمان کے لیے نہیں بلکہ تفاوت فی الحکم ای الرتبہ کے لیے ہے یا اس کی تراخی فی الوقت نہیں بلکہ تراخی فی الاخبار مراد ہے اگرچہ جملوں میں عام معنیٰ یہ ہے کہ ان کے نفس مفہوم مراد ہوں کبھی ان سے الاخبار بالمفہوم بھی مراد ہوتا ہے۔ مثلاً ہم کہتے ہیں:

فلان کریم الاصل ثم کریم الفعل۔

اور تراخی سے مجازاً ترتیب مقصود ہے ظاہر ہے کہ ان دونوں خبروں میں حقیقی تراخی منتفی ہے اس لیے کہ احکام کی خبر کے بعد فوراً تفصیل کی خبر دی گئی ہے یا اس کی تقریر یوں ہے کہ یہ تراخی باعتبار خبر اوّل و انتہاءِ خبر ثانی کے ہے اور یہ دونوں فعل یعنی اُحْكِمَتْ و فُصِّلَتْ ـــــ سبحان من صغّر البعوض وکبّر الفیل کے قبیل سے ہے۔ یعنی اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ مچھر پہلے بڑا تھا تو پھر اللہ تعالیٰ نے اسے صغیر کیا، بلکہ اسے ابتداءً ہی صغیر بنایا گیا ہے۔ اسی طرح فیل (ہاتھی) کے لیے کہا جائے گا۔ بلکہ یہی ماننا پڑے گا کہ اس کے امکان کو بمنزلہ وجود لایا گیا ہے۔ (کذا فی شرح الہندی علی الکافیہ)

مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۙ یہ کتاب کی دُوسری صفت ہے۔ کتاب کی پہلی صفت اس کی جلالت شان بالذات کی وجہ سے، دُوسری صفت من حیث الاضافہ لائی گئی ہے اور لدن بمعنے عند ہے۔ فرق یہ ہے لدن قریبِ مکان کے لیے استعمال ہوتا ہے اور عند میں قرب و بُعد کی کوئی قید نہیں جیسے ہم کہیں عندی مال مال حاضر ہو یا غائب لیکن لدی ولدن اس وقت بولا جائے گا جب مال موجود ہو۔ اگر غائب ہو تو لدی ولدن استعمال نہیں ہوتا۔ حکیم و خبیر یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں یعنی حکیم اس لیے کہ اس نے اپنی حکمت کے مطابق قرآن مجید نازل فرمایا ہے اور خبیر اس لیے کہ وُہ ہر ایک کو جانتا ہے کہ کون اس کے ارشاد کو بسر و چشم مانتا ہے اور کون رُوگردانی کرتا ہے۔ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ یہ مفعول لہ ہے باوجودیکہ شرط موجود ہے لیکن تب بھی اس کے حرف لام کو حذف کر دیا گیا ہے شرط سے مراد یہ ہے کہ مفعول لہ اور معلل بہ فعل کا فاعل ایک ہے اور لام کا حذف کرنا بھی قیاساً ہے وہ یہ کہ اَن مصدریہ سے حرف جر محذوف کرنا جائز ہے۔ یہ عبارت دراصل یُوں تھی؛

كتٰب احكمت اٰيٰته ثم فصلت لاجل ان لا تعبدوا الا اللّٰه۔

یعنی اب تم غیر اللہ کی عبادت کو ترک کر کے صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت میں جد و جہد کرو۔ اس سے معلوم ہُوا کہ کتاب اللہ کے نزول کا مقصد صرف یہی ہے کہ عبادت الٰہی بجا لائی جائے باقی امور میں زندگی بسر کرنا گھاٹے اور خسارے کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۙ بیشک میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لیے نذیر و بشیر ہُوں۔ یہ کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی فرمایا گیا ہے۔ منہ نذیر و بشیر سے حال ہے۔ دراصل عبارت یُوں تھی؛

كائنا من جهة اللّٰه۔

یا نذیر و بشیر کے متعلق ہے یعنی میں تمہیں اللہ تعالےٰ کے عذاب سے ڈراتا ہُوں اگر تم نے کُفر کیا یعنی اگر تم کفر اور غیر اللہ کی پرستش پہ باقی رہے اور اگر تم ایمان لائے تو میں تمہیں ثواب کی خوشخبری سُناتا ہُوں۔

نکتہ ؛ نذیر کو بشیر سے مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ تخویف (ڈرانا) تبشیر (خوشخبری) سے مقدم ہوا کرتی ہے کیونکہ اوّل تخلیہ پھر تحلیہ۔

وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اور اپنے رب تعالیٰ سے استغفار کرو۔ اس کا عطف ان لا تعبدوا پر ہے اس میں نہی و نفی کا عطف برابر ہے اور یہ اِن مصدریہ ہے اور سیبویہ نے ان کا امر و نہی پر داخل ہونا جائز رکھا ہے اس لیے کہ امر و نہی مصدر پر بھی دلالت کرتے ہیں اور اپنے امر و نہی پہ بھی قائم رہتے ہیں الاستغفار بمعنے طلب المغفرۃ ہے اور مغفرۃ یعنی اللہ تعالیٰ کا دنیا میں اپنے بندوں کے گناہ چھپانا اور آخرت میں ان کی سزا سے درگزر فرمانا۔ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ پھر اس کی طرف توبہ کرو یعنی اس کے حضور میں خلوص قلبی سے توبہ کرو اور پھر اس پر استقامت رکھو۔ (کذا فی بحر العلوم للسمرقندی)

ف ؛ الارشاد میں ہے یعنی اللہ تعالےٰ نے احکام و تفصیل تمہارے لیے اس لیے فرمائی تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی خالص طور عبادت کرو اور تم سے جتنا شرک اور دیگر گناہ صادر ہُوئے ان کے لیے مغفرت کی دُعا کرو پھر اس کی طاعت و عبادت میں لگ جاؤ اس

معنے پر لفظ ثم اپنے حقیقی معنے تراخی زمانی پر ہوگا یا ان دونوں امور کے مختلف ہونے اور ان کے مابین بعد المنزلۃ کی وجہ سے ثم لایا گیا ہے۔ اس میں تعقیب و تراخی کا اعتبار نہیں کیا گیا اس لیے کہ توبہ اور کلی طور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے اور طلب و مغفرت میں بہت بڑا فرق ہے۔ (کذا ذکرہ الرضی)

ف : فراؔ نے فرمایا کہ یہاں پر ثمّ بمعنے واؤ ہے اس لیے کہ استغفار توبہ کا دُوسرا نام ہے اس لحاظ سے یہ عطف تفسیری ہوگا۔

ف : صاحبِ رُوح البیان نے فرمایا کہ استغفار و توبہ کے درمیان فرق ہے۔ چنانچہ حدادی نے "ومن یعمل سُوءً او یظلم نفسہ ثم یستغفر اللّٰہ" کے تحت لکھا ہے کہ یہاں پر استغفار سے توبہ صادقہ مراد ہے اس لیے کہ توبہ میں صدق ضروری ہے اور الاستغفار بالاجماع توبہ نہیں اس لیے شرعی توبہ میں ضروری ہے کہ لفظ "تبت و اسات ولا اعود الیہ ابدا فاغفرلی یارب" کہنا ضروری ہے۔

یُمَتِّعُکُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا یہاں پر متاعًا مفعول مطلق بمعنے تمتیعًا ہے۔ اس سے زاید حذف کر کے متاعًا پڑھا گیا ہے اور تمتیع بمعنے کسی شے کو کسی شے سے متمتع و منتفع بنانا۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ہم تمہیں بہت خوشگوار زندگی بخشیں گے تمہاری خواہش کے مطابق تم سے کوئی شے ختم نہ ہوگی اور نہ ہی تمہارے عیش کو کوئی شے مکدر و منغص کرے گی۔ **اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی** میعاد مقرر تک یعنی زندگی کے جتنے اوقات تمہارے لیے مقدر ہوئے ہیں اور جب تک تمہیں موت واقع نہ ہوگی تم ان اسباب سے فائدہ اُٹھاتے رہو گے۔

سیاہ خضاب فرعون کا طریقہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ نے وحی بھیجی کہ آپ فرعون کو فرمائیے کہ اگر تم اللہ تعالےٰ پر ایمان لاؤ تو زندگی بھر تمہیں بادشاہی سے نہیں ہٹایا جائیگا۔ اور تمہیں ازسرِ نوجوانی بخشی جائے گی۔ لیکن ہامان نے اسے روکا اور کہا کہ میں تجھے نوجوان بنا دیتا ہُوں۔ چنانچہ یہ کہہ کر سیاہ خضاب تیار کر کے فرعون کی داڑھی پر لگا کر اسے سیاہ بنا دیا۔ سیاہ خضاب سب سے پہلے فرعون نے استعمال کیا۔

مسئلہ : اسی وجہ سے ہمارے نزدیک سیاہ خضاب استعمال کرنا حرام[1] ہے۔

حلِ لغات : الامتاع بمعنے الاطالۃ۔ مثلاً کہا جاتا ہے :

جبل ماتع۔ بمعنے اونچا پہاڑ۔

اور کہتے ہیں :

قد متع النھار۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب دن لمبا ہو جائے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ رہتی دُنیا تک تمہیں جڑکٹ عذاب میں مبتلا نہیں کرے گا۔ (کذا قال العتبی)

ف : یہاں پر دُو سوال ہیں :

---

[1] اعلیحضرت قدس سرہٗ کا رسالہ "حک العیب عن تسوید الشیب" کا مطالعہ کیجئے۔ ۱۲

(۱) حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الدنیا سجن المومن وجنۃ الکافر۔

دنیا مومن کی جیل اور کافر کی بہشت ہے۔

(۲) اور فرمایا:

خص البلاء بالانبیاء ثم الاولیاء ثم الامثل فالامثل۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی بلاؤں کے نزول کے لیے انبیاء علیہم السلام اور اولیاءِ کرام پھر ان کے درجہ والوں کو مخصوص فرمایا ہے۔

سوال: اسی طرح کی اور احادیث ہیں۔ ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ مطیع کو دُنیا میں کسی قسم کی راحت نصیب نہ ہوگی پھر آیت ہذا میں انھیں زندگی بھر امن و سکون کی وسعت کے وعدے کا کیا معنےٰ؟

جواب۱: جس کا دل اللہ تعالےٰ پر فدا ہو جائے وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر پر راضی رہتا ہے اسی لیے اس کی زندگی خوشگوار گزرے گی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کے قول متاعاً حسنا کا معنیٰ یہ کیا گیا ہے کہ وُہ لوگ اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت پر اور اللہ تعالیٰ کی دی ہُوئی ہر تکلیف پر راضی رہتے ہیں اور جو شخص اپنے دل کو اسباب میں لگا دیتا ہے وُہ اپنی محبوب اشیاء کے ضایع ہونے پر سخت پریشان ہو جاتا ہے اسی لیے اس کی زندگی بے چینی سے گزرتی ہے۔

جواب۲: دنیا کو بہ نسبت آخرت کے جیل کہا گیا ہے اس لیے کہ آخرت میں اہلِ ایمان کو جو نعمتیں نصیب ہوں گی دُنیا کی نعمتیں ان کے مقابلے میں کالعدم ہیں۔ اسی لیے آیت میں دُنیا کی راحت کا ذکر احادیث کے خلاف ہے۔

حکایت ایک قاضی صاحب بڑے ٹھاٹھ سے اپنے نوکروں اور غلاموں سے کلخان کے بازار سے گزرے۔ دیکھنے والوں کو محسوس ہوتا تھا کہ یہ کوئی وزیر جا رہا ہے راستہ میں قاضی صاحب کو ایک کلخانی یہودی کافر ملا، جس کی شکل نہایت کمزور اور پھٹے پُرانے کپڑے اور گندگی کا پسینہ جسم سے بہہ رہا تھا۔ یہودی نے قاضی صاحب کے گھوڑے کی لگام تھام لی اور کہا کہ قاضی صاحب! تمہارے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہے:

الدنیا سجن المومن وجنۃ الکافر۔

اب حال اس کے برعکس ہے کہ آپ جس حالت میں ہیں بہشت سے کم نہیں، حالانکہ آپ مومن محمدی ہیں۔ اور مجھے آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ دنیا میرے لیے قیدخانہ نہیں تو اور کیا ہے حالانکہ میں آپ کے مذہب میں کافر یہودی ہُوں۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مومن کو آخرت میں بہت بڑی نعمتوں اور حُور و غلمان سے نوازے گا اس کی بہ نسبت یہ دُنیا مومن کے لیے قیدخانہ ہے اور کافر کو جو عذاب آخرت میں ملے گا بہ نسبت اس عذاب کے یہ دنیا کافر کے لیے بہشت ہے۔

یہ جواب سُن کر یہودی سمجھ گیا اور فوراً کلمۂ اسلام پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

سوال: الیٰ اجل مسمی سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے دو اجل ہیں۔ چنانچہ کعبی نے لکھا کہ مقتول کے دو اجل ہیں،

۱۔ اجل القتل ۲۔ اجل الموت

اگر مقتول کو قاتل قتل نہ کرتا تو وہ اپنی اجل الموت تک زندہ رہتا۔

اور فلاسفہ نے کہا کہ حیوان کا ایک اجل طبعی ہوتا ہے وہ یہ کہ جب اس کی رطوبت غریزیہ متحلل اور حرارت غریزیہ منطفی ہو، دُوسرا اجل اختزامی، وہ بوجہ آفات و امراض کے آتا ہے۔

جواب : ہم اہلسنت کے نزدیک اجل صرف ایک ہوتا ہے لیکن بعض دفعہ وہ کسی سبب سے متعلق ہوتا ہے جیسے ارزاق وغیرہ کو، بعض اوقات اعمال سے متعلق ہوتے ہیں جیسے آیت ہذا میں دنیوی منفعتوں کو استغفار و توبہ سے متعلق کیا گیا ہے اور جیسے حدیث شریف میں ہے کہ صلہ رحمی سے انسان کی زندگی بڑھتی ہے لیکن وُہ معلق ہونا اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے بعض مواقع پر اسباب سے اس کا ظہور ہو جاتا ہے جسے فلاسفہ وغیرہ نے دو اجل سمجھ لیا، حالانکہ درحقیقت وہ ایک اجل ہے۔

وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ اعمال و اخلاق و کمالات کے صاحب فضل کو عطا فرماتا ہے **فَضْلَهٗ** ط اپنا فضلِ خاص۔ یہ ضمیر ہر قسم کی جزا کی طرف راجع ہے اور فضل سے ثواب اور درجاتِ عالیہ مراد ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کسی کے نیک اعمال کی جزا میں کسی قسم کی کمی نہیں کرتا۔

ف : حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو ایک نیکی کرتا ہے اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور جو ایک برائی کرتا ہے اگر وہ دُنیا میں اسی بُرائی کی وجہ سے کسی تکلیف اور درد میں مبتلا نہ ہوا تو قیامت میں اس کی نیکیوں سے ایک نیکی کو اس کی بُرائی کا بدلہ بنایا جائے گا، اور نو نیکیاں اسے واپس کر دی جائیں گی۔

ف : جورجانی نے فرمایا کہ ذوفضل وہ خوش قسمت انسان ہے جسے ازل سے صاحبِ فضل لکھا گیا ہے اسی لیے عالمِ دُنیا میں آنے کے بعد ذوفضل بنایا جاتا ہے۔ اور جسے یہ فضل نصیب ہوگا اس سے چھینا نہیں جائے گا۔

وَاِنْ تَوَلَّوْا اگر تم توبہ و استغفار سے رُوگردانی کر کے اس پر ڈٹے رہے۔

نکتہ : اسے بشارت کے بعد ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ رحمت کو غضب پر سبقت ہے۔

فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ تو شفقت و رحمت کی وجہ سے تمہارے لیے خوف زدہ ہوں یا امید رکھتا ہوں **عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ○** بہت بڑی مشقت بھرے دن کے عذاب سے، اس سے قیامت کا دن مراد ہے۔ تبیان میں لکھا ہے کہ قیامت کو یومِ کبیر اس لیے کہا گیا ہے کہ اس میں بہت ہولناک امور ہیں۔ **اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ** ج اللہ تعالیٰ کی طرف تمہارا لوٹنا ہوگا۔ یعنی مرنے کے بعد پھر سزا و جزا کے لیے اُٹھنے کے بعد تمہارا اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہے۔

سوال : مرجع بکسر الجیم از باب ضرب یضرب، قاعدہ ہے کہ جو باب ضرب کا مصدر میمی ہو اسے بفتح العین پڑھا جاتا ہے لیکن یہاں بکسر العین کیوں ؟

جواب : یہ شاذ ہے۔

سوال : اللہ تعالیٰ کے کلام میں شاذ کیوں، یہ تو فصاحت کے خلاف ہے۔

جواب: قرآن مجید عرب کی زبان کے مطابق نازل ہُوا ہے اور اہلِ عرب کے نزدیک شاذ فصاحت کے خلاف نہیں اور قرآن مجید میں دُوسرے الفاظ شاذ بھی استعمال ہوئے ہیں۔ چنانچہ یابی اللہ فعل مضارع شاذ ہے اس لیے کہ یہ منع یمنع کے باب پر ہے حالانکہ اس کا قاعدہ ہے کہ عین و لام کے مقابلہ میں حرف حلق کا ہونا ضروری ہے[1]۔

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ اور وہ ہر شَے پہ قادر ہے اسی لیے اسے کافرو! وہ اللہ تعالیٰ تمہارے عذاب پہنچانے پر بھی قدرت رکھتا ہے کیونکہ عذاب و ثواب اس کے مقدورات میں ہیں۔

مسئلہ: آیت سے توحید و استغفار کی فضیلت ثابت ہُوئی یہی وجہ مومن مستغفر کو دنیا کے عیش و عشرت سے نوازتی ہے واضح ہو کہ توبہ و استغفار سعادتِ دارین کی کُنجی ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ بہشت کا ثمن ہے۔

حدیث شریف آدم علیہ السلام نے عرض کی: یا اللہ! تُو نے مجھ پر شیطان کو مسلط کیا اور تیری امداد کے بغیر میں اسے بھگا نہیں سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اسے آپ کی تمام اولاد پر مسلط کیا ہے لیکن ان کے لیے محافظین بھی مقرر کیے ہیں جو شیطان کے مکروفریب اور بُرے ساتھیوں سے بچائیں گے۔

آدم علیہ السلام نے عرض کی: کچھ اور عنایت فرمائیے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ایک نیکی کے بجائے دس نیکیاں۔

پھر عرض کی: اس سے کچھ اور عنایت ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کی اولاد کے لیے مَیں اس وقت تک توبہ قبول کروں گا جب تک ان کے جسم میں جان ہو گی۔

عرض کی: کچھ اور۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قل یعبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسہم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا انہ ھو الغفور الرحیم۔

مسئلہ: یہ ضروری نہیں کہ استغفار گناہوں سے ہو بلکہ استغفار عبادت کے لیے بھی ہوتی ہے بلکہ بہترین عبادت ہے۔ چنانچہ مروی ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر عبادت کے ساتھ استغفار بھی کرتے تھے۔

عرفی نے فرمایا: ؎

مالب آلودہ بہر توبہ بکشائیم لب
بانگِ عصیاں می زند ناقوس استغفارِ ما

---

[1] تفصیل کے لیے فقیر کی شرح "ابواب الصرف" دیکھئے۔

ترجمہ: ہم گنہ گاروں نے توبہ کے لیے لب کھولے ہمارے گناہ استغفار کا ناقوس بجاتے ہیں۔

فوائدِ جلیلہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ الٓر میں الف اللہ تعالیٰ اور لام جبریل علیہ السلام اور راء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرتی ہے کتٰبٌ اُحکمت اٰیٰتہ یہ قرآن ایسی کتاب ہے جس کی آیات حکمتوں سے محکم ہیں۔ کما قال تعالیٰ:

ویعلمکم الکتٰب والحکمۃ۔

اس آیت میں کتاب۔ قرآن اور الحکمۃ سے وہ حقائق ومعانی و اسرار مراد ہیں جو قرآن کی آیات میں مندرج ہیں۔ ثم فصلت قرآن کے حقائق اور حکمتیں قلوبِ عارفین کے لیے تفصیل کی گئیں۔ من لدن حکیم یعنی اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں وہ حکمتیں امانت رکھی ہیں جنہیں اس کے سوا اور کوئی ان میں کوئی امانت نہیں رکھ سکتا ـــــ اعجاز القرآن کے اسرار سے ایک راز یہ بھی ہے بھید اس کی تعلیم اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں دے سکتا اور نہ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے خبر دے۔ کما قال تعالیٰ:

فوجدا عبدا من عبادنا اٰتینٰہ رحمۃ من عندنا وعلمنٰہ من لدن علما۔

اس میں اشارہ ہے کہ قرآن کے ظاہر معانی ہیں جنہیں اہلِ لغت جانتے ہیں اور باطنی معانی ہیں ان پر صرف اہلِ قلوب (اولیاء کرام) کو اطلاع بخشی گئی ہے۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے علم لدنی سے نوازا۔ اور رأس الحکمۃ اور اس کے اسرار یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا: اے محبوب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی امت سے فرمائیے کہ تم مامور من اللہ ہو کہ لا تعبدوا الا اللہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، نہ شیطان کی نہ دنیا، نہ خواہشات نفسانی کی، نہ ما سوی اللہ کی۔ انّنی لکم منہ نذیر میں تمہیں ہجر و فراق سے ڈراتا ہوں اگر تم غیر اللہ کی عبادت یا اس سے محبت یا اس کی اطاعت کرو گے۔ اسی طرح دوزخ میں بعد کے عذاب سے ڈراتا ہوں وبشیر اور تمہیں بشارت سناتا ہوں جب تم اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت اور اس سے محبت کرو تو تمہیں وصال نصیب ہوگا اور وصال بھی دار الجلال میں۔

ف: اس دعوت کے لیے بجائے دوسرے انبیاء علیہم السلام کے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخصوص کیا گیا ہے۔ کما قال تعالیٰ:

یٰایھا النبی انا ارسلنٰک شاھدا ومبشرا ونذیرا وداعیا الی اللہ باذنہ۔

وان استغفروا ربکم اور اپنے رب تعالیٰ سے بخشش مانگو ان کوتاہیوں کی جو تم سے زندگی میں ہوئیں جبکہ تم نے غیر اللہ کی طلب میں وقت ضائع کیا اور اللہ تعالیٰ کی طلب کو ترک کیا اس سے تمہیں حجابات نصیب ہوئے اور تم سے استعداد فطری ضائع ہوئی۔ استغفار سے تمہارے نفوس کو تزکیہ اور تمہارے قلوب کو تصفیہ نصیب ہوگا[1] ثم توبوا الیہ بقدم سلوک سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو تاکہ استغفار کے تزکیہ کے بعد توبہ سے تمہیں تحلیہ نصیب ہو۔ کما قال یمتعکم

---

[1] یہ خطابات عوام کو ہیں۔ ۱۲

متاعاً حسناً اس سے سفلیات سے علویات کے بلند مقامات پھر وہاں سے حضرت العلی الکبیر کی طرف ترقی مراد ہے۔ الیٰ اجلٍ مسمّیً اس سے مقامات سلوک کا انقضاء اور درجات الوصول کی ابتداء مراد ہے ویؤت کل ذی فضل ذی فضل سے ذی صدق و ذی اجتہاد فی الطلب مراد ہے اور فضلہ سے درجات الوصول مراد ہیں اس لیے کہ مجاہدات کے مطابق مشاہدات نصیب ہوتے ہیں وان تولوا اور اگر تم طلب اور سیر الی اللہ سے روگردانی کرو گے تو محبوب صلی اللہ علیہ وسلم انھیں فرمایئے فانی اخاف علیکم عذاب یوم کبیر کہ میں تمہیں اللہ الکبیر سے منقطع ہوجانے کے بڑے دن سے ڈراتا ہوں، صوفیاء کے نزدیک سب سے بڑا گناہ یہی ہے اور انسان کے لیے سب سے بڑا عذاب بھی یہی ہے الی اللہ مرجعکم اللہ تعالیٰ کی طرف سب کو لوٹنا ہے طوعاً یا کرہاً۔ اگر طوعاً لوٹو گے تو تمہیں جذبات عنایات کے ساتھ اپنے قریب فرمائے گا کما قال: جو شخص ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہوجاتا ہوں۔ اگر بالاجبار لوٹو گے تو پھر منہ کے بل گھسیٹ کر تمہیں جہنم میں لیجایا جائے گا وھو علیٰ کل شیءٍ قدیر وہ ہر شے پر لطف سے بھی اور قہر سے بھی قدرت رکھتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

الا خبردار رہو اے مومنو اِنَّھُمْ بیشک وہ مشرکین مکہ یَثْنُوْنَ صُدُوْرَھُمْ ثنی، یثنی سے ہے بمعنے عطف و حرف یعنی لپیٹتے ہیں اپنے سینے ہیں کفر و اعراض عن الحق اور عداوت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یعنے جیسے کپڑے کو لپیٹ کر اس کے اندر کوئی شے چھپائی جاتی ہے یہ بھی اپنے سینے سے لپیٹ کر اس کے اندر مذکورہ بالا امور چھپائے ہوئے ہیں۔ لِیَسْتَخْفُوْا مِنْہُ یہ استخفاء سے ہے بمعنے استتار تاکہ اللہ تعالیٰ سے چھپ جائیں۔ یہ ان کی جہالت ہے ورنہ اللہ تعالیٰ سے کون چھپ سکتا ہے۔

شانِ نزول

حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ یہ آیت اخنس بن شریق زہری کے حق میں نازل ہوئی وہ بہت بڑا باتونی اور چرب زبان تھا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا اظہار کرتا تھا حالانکہ دل میں بغض و عداوت کو ڈھکے ہوئے تھا۔

شانِ نزول کی دوسری روایت

یہ آیت ان منافقین کے حق میں نازل ہوئی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے گزرتے تو اپنی پیٹھ اور سینہ چھپا کر اور سر نیچا کرکے اور چہرہ چھپا کر حضور علیہ السلام سے آنکھ چرا کر نکل جاتے اس ارادہ سے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیکھ نہ پائیں تاکہ جو جی چاہے کریں، اور ساتھ ہی یہ خیال کرتے تھے کہ اگر انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لیا تو پھر ان کے ساتھ بیٹھنا پڑے گا اور ان کا ساتھ دینا پڑے گا، بسا اوقات ان کی ایسی کارگزاری سے ان کا کفر و نفاق ظاہر ہوجاتا۔ وکذا قال ابن شداد۔

سوال: یہ آیت مکیہ ہے اور منافقین مدینہ طیبہ میں ہوئے۔

جواب ۱: منافقین کی منافقت تو پہلے سے تھی صرف اس کا ظہور مدینہ میں ہوا۔

جواب ۲: یہ آیت ان آیات میں سے ہے جن میں غیبی خبریں دی گئی ہیں اور یہ بھی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے

معجزات سے ایک ہے[1]

اَلَا حِیْنَ یَسْتَغْشُوْنَ ثِیَابَھُمْ ان سے خبردار ہو اے مسلمانو! جبکہ وہ مشرکین اپنے آپ کو ڈھانپتے ہیں۔ چنانچہ ابن شداد سے ایسے ہی منقول ہے۔

کافروں کی ایک بیوقوفی مروی ہے کہ بعض کافروں کا طریقہ تھا کہ اپنے گھر میں داخل ہو کر دروازے پر پردہ لٹکا دیتے اور پیٹھ نیچے کر کے کپڑے سے چھپ کر کہتے، کیا اب بھی اللہ تعالیٰ میرے دل کی باتوں کو جانتا ہوگا۔ اس سے ثابت ہوا کہ آیت کے اس جملے کا معنیٰ ہوا کہ جب وہ اپنے بستروں میں آتے ہیں تو اپنے کپڑوں میں چھپ جاتے ہیں۔

ف: کواشی نے لکھا کہ لفظ حین توقیت علم کے لیے نہیں بلکہ تغطی کی توقیت کے لیے ہے۔

سوال: تم نے حین کی توقیت سے علم کی نفی کیوں کی؟

جواب: تاکہ اللہ تعالیٰ کا علم مقید نہ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر و باطن کو صرف انہی اوقات میں جانتا ہے حالانکہ یہ ہمارے عقیدے کے خلاف ہے ہم سب کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت ہر آن ہر شئے کو جانتا ہے۔

ف: اس سے اللہ تعالیٰ کے علم مبارک کی وسعت کا بیان ہے کہ وہ کریم جب کفار کو ایسے مخفی اور پوشیدہ حال میں جانتا ہے، تو اس کے لائق ہے کہ وہ اس حالت کے علاوہ اور حالتوں میں بھی ہر ایک کو جانے۔

ف: یہ بھی ہم نے عوام کو سمجھانے کے لیے کہا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کا علم تفاوتِ احوالِ خلق سے متفاوت نہیں ہوتا۔

یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو وہ اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں **وَمَا یُعْلِنُوْنَ** ج اور وہ جو ظاہر کرتے ہیں۔ یہ ما مصدریہ اس معنے پر یسرون و یعلنون بمعنے اسرارھم و اعلانھم کے ہے یا ما بمعنے الذی کے ہے اس کا عاید محذوف ہے۔

نکتہ: سر کو علانیۃ سے اس لیے مقدم کیا گیا ہے کہ مرتبۂ ستر مرتبۂ بطن سے مقدم ہوتا ہے کیونکہ ہر وہ شے جسے ظاہر کیا جائے وہ خود یا اس کے اسباب پہلے ہی دل میں پوشیدہ ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ پہلے اسی پوشیدہ امر سے متعلق ہوتا ہے پھر علانیہ سے۔

اِنَّہٗ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ○ وہ سینہ والوں کو جانتا ہے یعنی تمام انسانوں کے دلوں میں کتنی ہی باتیں پوشیدہ ہوں اللہ تعالیٰ سے حبہ بھر بھی پوشیدہ نہیں اس لیے کہ اس کے علم کے آگے پوشیدہ اور علانیہ امور برابر ہیں۔ ؎

اے کہ در دل نہاں کنی سرّ
آنکہ دل آفرید میداند

ترجمہ: دل میں کتنا راز چھپاؤ پیدا کرنے والا اسے جانتا ہے۔

---

[1] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی غیبی خبر کو اسلاف صالحین معجزہ سے تعبیر کرتے۔ چنانچہ صاحبِ روح البیان قدس سرہ نے فرمایا: ھذا من باب الاخبار وھو من جملۃ المعجزات۔ لیکن وہابی دیوبندی اس عقیدہ کو کفر و شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔ ۱۲

اس آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ وہ لوگ جو کفر و عداوت کو چھپاتے ہیں وہ ہمارے سے مخفی نہیں ہم انھیں قیامت میں ان کے بُرے اعمال کی مکمل طور سزا دیں گے۔ اسی لیے بندوں کو چاہیے کہ اب بھی وقت ہے کہ خدا تعالےٰ سے ڈریں اور وُہ امور جو ہماری رضا کے خلاف ہیں انہیں یک لخت چھوڑ دیں۔ ؎

صورت ظاہر ندارد اعتبار
باطنی باید مبرا از غبار

ترجمہ: ظاہری صورت کا کوئی اعتبار نہیں باطن کو غبار سے مبرا رکھنا ضروری ہے۔

تفسیر صوفیانہ

دل کی اصلاح جملہ امور سے اہم ہے اس لیے کہ قلب اقلیم بدن میں بمنزلہ بادشاہ ہے کہ تمام اعضا پر اسی کا حکم نافذ ہوتا ہے تمام اعضا اسی کے خدام و رعایا ہیں اور منافقت دل کی تمام مذموم صفات سے مذموم تر ہے اور منافقت کا معنیٰ یہ ہے کہ ظاہر و باطن اور قول و فعل کے منافی ہو۔

منافقت کی نشانی

لوگوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے عرض کی کہ ہم اپنے بادشاہوں اور حاکموں کے ہاں حاضر ہوتے تو دل میں کچھ اور زبان پر کچھ اور ہوتا یعنی دل کی باتوں کے خلاف ان کے ساتھ باتیں کرتے اور جب ان سے فارغ ہو کر جاتے تو ہمارا معاملہ برعکس ہوتا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں اسے منافقت سے تعبیر کرتے۔ یعنی آپ کے زمانہ اقدس جو بھی اس طریقہ سے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتا تو ہم اسے منافق کہتے۔

ف: حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہمارے زمانہ کے منافقین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کے منافقین سے بدتر ہیں اس لیے کہ حضور علیہ السلام کے منافقین پوشیدہ باتیں کرتے تھے لیکن ہمارے زمانہ کے منافقین کھلم کھلا بکواس کرتے ہیں۔ ؎

ہر کہ سازد نفاق پیشہ خویش
خوار گردد بنزد خالق و خلق

ترجمہ: جو منافقت کی عادت رکھتا ہے وہ خالق و مخلوق کے نزدیک ذلیل ہے۔

نسخہ روحانی

عداوت قلب کے آفات سے ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ دل کے غیر اللہ میں مشغول ہونے کی ایک بیماری عداوت بھی ہے۔ ؎

ہر کہ پیشہ کند عداوت خلق
از ہمہ خیرہا جدا گردد
کہ دلش خستہ عنا باشد
کہ تنش بستہ بلا گردد

لبقیہ ـــــــ ۱۱۱۳

فہرست مضامین روح البیان پارہ نمبر ۹، ۱۰، ۱۱

عنوان صفحہ
آغاز پارہ نمبر ۹ ۳ تا
قَالَ الْمَلَأُ ۴
رکوع (عربی معہ ترجمہ) ۱۲
نتیجہ فراوانی رزق ۱۴
رکوع اَوَلَمْ یَهْدِ لِلَّذِیْنَ ۱۶ تا
عربی معہ ترجمہ ۱۹
حکایت موسیٰ علیہ السلام ۲۱
نبوت موسیٰ علیہ السلام کا آغاز ۲۴
بنی اسرائیل مصر کیسے پہنچے ۲۶
رکوع قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِہٖ ۲۸ تا
عربی مع ترجمہ ۲۹
باادب بانصیب ۳۲
رکوع وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ ۳۷
عربی مع ترجمہ
رکوع وَلَقَدْ اَخَذْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ ۴۱ تا
عربی معہ ترجمہ ۴۳
نبوت کی انوکھی شان ۴۵
ٹڈی کے متعلق تحقیق ۵۱
فرعون کی حالت زار ۵۸
فرعون کے غرق ہونے کا بیان ۶۰
رکوع وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ۶۹ تا
عربی معہ ترجمہ ۷۰

عنوان صفحہ
اَشْهُرُ الْحَرَامِ کے فضائل ۷۵
اعدائے محمدی و اعدائے موسوی کا موازنہ ۷۹
رؤیا و نظر میں فرق ۸۲
موسیٰ علیہ السلام کی تمنا کہ وہ امت محمدی میں ۱۰۰
رکوع وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰی ۱۰۸
عربی معہ ترجمہ
بچھڑا پرستی کی وجہ ۱۱۰
سچے صوفیوں کی [illegible] ۱۱۴
موسیٰ علیہ السلام کا غیب جاننا ۱۱۷
حکایت ماں کی نافرمانی کی ۱۲۰
رکوع اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا ۱۲۲ تا
عربی معہ ترجمہ ۱۲۳
فوائد و مسائل شرعیہ
صوفیانہ چٹکلے ۱۲۶
صعقہ موسیٰ و صعقہ قوم کا فرق ۱۴۰
رکوع قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ ۱۴۴ تا
عربی معہ ترجمہ ۱۴۵
امام احمد بن حنبل کو امامت کیسے ملی ۱۴۶
حجر اسود اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ۱۴۹

عنوان صفحہ
حضور علیہ السلام کے تبرکات بھی دافع البلاء ۱۵۰
رکوع وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْیَةِ ۱۶۱ تا
عربی معہ ترجمہ ۱۶۲
مسخ ہونے والوں کا واقعہ ۱۶۷
پہاڑ کے گرنے کا واقعہ ۱۸۰
نماز کے بعد ذکر بالجہر کا ثبوت ۱۸۳
ذکر بالجہر کے فوائد 〃
رکوع وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ ۱۸۴ تا
عربی معہ ترجمہ ۱۸۵
عالم میثاق میں ارواح کی تقسیم ۱۹۱
ولی اللہ اور عرش معلی ۱۹۵
جن کیسی مخلوق ہے؟ ۲۰۱
ننانوے اسمائے الٰہیہ اور ان کے فوائد ۲۰۵
اولیاء اللہ کے وجود سے دنیا قائم ہے ۲۱۳
ابدال کے متعلق حدیث 〃
رکوع وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ۲۱۶ تا
عربی معہ ترجمہ ۲۱۷
حکایت امام اعظم قدس سرہٗ اور دہریوں کا مسلمان ہونا ۲۲۴
حضور علیہ السلام کو قیام قیامت کی تعیین معلوم تھی ۲۲۹

رکوع هُوَ الَّذِیْ اٰتَاکُمْ مِّنْ	۲۳۱ تا
عربی معہ ترجمہ	۲۳۳
حضور علیہ السلام ابوالارواح ہیں	؍
انگشتری سلیمان علیہ السلام اور حضور	
نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی	۲۴۰
شیطان اولیائے کرام کی صورت میں	
نہیں آسکتا	۲۴۲
حضور علیہ السلام اور ابلیس کے مقابلے	۲۴۴
کی داستان	
مسائل فقیہہ	۲۵۵
ذکر جلی افضل یا خفی	۲۶۱
آغاز سورۃ انفال	۲۷۰ تا
عربی معہ ترجمہ	۲۷۱
عالم باعمل کی فضیلت	۲۸۰
غزوہ بدر کیوں پیش آیا	۲۸۲
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ناز کی	۲۸۸
ایک جھلک	
رکوع وَاِذْ یُغَشِّیْکُمُ النُّعَاسَ	۲۹۲ تا
عربی معہ ترجمہ	۲۹۳
نسخہ دافع احتلام اور فضیلت	
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۲۹۶
رکوع یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	۳۱۵ تا
عربی معہ ترجمہ	۳۱۶
شان رسالت	۳۲۴
رکوع یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	۳۴۲ تا
عربی معہ ترجمہ	۳۴۳

موسیٰ علیہ السلام کی وحی کا نمونہ	۳۴۷
حکایت شبلی رحمۃ اللہ علیہ	۳۶۱
رکوع قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا	۳۶۳
عربی معہ ترجمہ	
جہاد کے فضائل	۳۶۵

آغاز پارہ نمبر ۱۰

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ	۳۶۷ تا
عربی معہ ترجمہ	۳۶۸
حضور علیہ السلام کے نسب نامہ کا	۳۶۹
مختصر تعارف	
رکوع یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	۳۷۶
عربی معہ ترجمہ	
فضائل فاروق اعظم رضی اللہ عنہ	۳۸۶
رکوع اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ	۳۸۹ تا
عربی معہ ترجمہ	۳۹۰
پند امام غزالی قدس سرہ	۳۹۶
عالم بے عمل	؍
رکوع وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا	۴۰۰
عربی معہ ترجمہ	
ان کے بغض و کینہ کی ادنیٰ مثال	۴۱۱
قرآنی کیمیا	۴۱۴
رکوع یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ	۴۱۹
رکوع یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّمَنْ (عربی معہ ترجمہ)	۴۲۰
ہجرت نبوی کا سبب	۴۳۸
اولیاء اللہ حقیقی کعبہ ہیں	۴۴۳

اختتام سورۃ انفال	۴۴۳
آغاز سورۃ التوبہ (عربی معہ ترجمہ)	۴۴۴
ابدال بننے کا نسخہ	۴۵۱
باوفا محمد صلی اللہ علیہ وسلم	۴۵۵
متقی کی نشانیاں	؍
رکوع کَیْفَ یَکُوْنُ لِلْمُشْرِکِیْنَ	۴۶۳ تا
عربی معہ ترجمہ	۴۶۴
دشمن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر	
امام مالکؒ کا فتویٰ	۴۷۳
رکوع مَا کَانَ لِلْمُشْرِکِیْنَ	۴۷۹ تا
عربی معہ ترجمہ	۴۸۰
حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے	
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دعا دی	۴۸۹
بدعت حسنہ اور اولیائے کرام کے	
قبہ جات وغیرہ کا ثبوت	۴۹۰
زہد کیا ہے	۴۹۵
رکوع لَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰهُ	۵۰۰ تا
عربی معہ ترجمہ	۵۰۱
غزوہ حنین کا تفصیلی واقعہ	۵۰۲
نبوت کا گستاخ واجب القتل ہے	۵۱۰
رکوع وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ	۵۱۸ تا
عربی معہ ترجمہ	۵۲۰
تعارف امام مہدی	۵۲۷
تارک زکوٰۃ کی سزا	۵۳۲
بارہ مہینوں کی وجہ تسمیہ	۵۳۵
تقویٰ کے درجات	۵۴۳

بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ۵۵۲
اور بیاہ شوال میں
رکوع یٰاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَا لَکُمۡ ۵۵۴ تا
عربی معہ ترجمہ ۵۵۵
دو عاشقوں کا مقابلہ ۵۶۴
کبوتروں کے انڈے ۵۶۷
مکہ معظمہ حضور علیہ السلام کی جدائی سے ۵۷۴
رو پڑا
سراقہ کو زمین نے نگل لیا ″
رکوع عَفَا اللّٰہُ عَنۡکَ ۵۸۳ تا
عربی معہ ترجمہ ۵۸۵
چغلخور کی مذمت ۵۹۴
وَلَدُ الزِّنَا کی علامت ″
حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما ۶۰۶
جادو آسیب اثر نہ کرے گا
رکوع اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ ۶۱۳ تا
عربی معہ ترجمہ ۶۱۴
مختار کل اور جواب وہابیت دیوبندیت ۶۲۹
رکوع اَلۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتُ بَعۡضُھُمۡ ۶۳۲ تا
عربی معہ ترجمہ ۶۳۳
وحی موسیٰ و ہارون ۶۳۹
رکوع یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الۡکُفَّارَ ۶۴۳ تا
عربی معہ ترجمہ ۶۴۴
ثعلبہ کا بقایا قصہ اور حضور علیہ السلام کا
علم غیب ۶۵۲
رکوع فَرِحَ الۡمُخَلَّفُوۡنَ ۶۶۸

رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کا
واقعہ اور تردید وہابیہ و دیوبندیہ ۶۸۰
رکوع وَجَآءَ الۡمُعَذِّرُوۡنَ ۶۹۰
عربی معہ ترجمہ
اختتام پارہ نمبر ۱۰ ۶۹۹

آغاز پارہ نمبر ۱۱

یَعۡتَذِرُوۡنَ اِلَیۡکُمۡ ۷۰۰ تا
عربی معہ ترجمہ ۷۰۱
امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی
امام باقر رضی اللہ عنہ کو نصیحت ۷۰۳
رکوع وَالسّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ ۷۱۲ تا
عربی معہ ترجمہ ۷۱۴
آغاز اسلام کی داستان ۷۱۶
ترتیب عقیدہ درباره صحابہ کرام
رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ″
حضور علیہ السلام کا علم مبارک
منافقین کے بارے میں ۷۲۰
توبہ کی قبولیت کا نسخہ ۷۲۳
سب سے پہلی نماز جنازہ ۷۲۵
نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ
اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ۷۳۱
حضور علیہ السلام کی ہجرت اور
مسجد قباء کا سنگ بنیاد ۷۴۵
ختنہ کے مسائل ۷۵۸
رکوع اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی ۷۶۵

شہید کے فضائل ۷۷۵
توبہ کی قبولیت کی علامت ۷۸۰
ابو طالب کی موت کفر پر ۷۸۸
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی
والدہ کو زندہ کر کے ایمان سے نوازا ۷۹۳
رکوع یٰاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ۸۱۰
منطق کی تعلیم کی تحقیق ۸۲۶
عربی معہ ترجمہ ۸۲۹
حضرت جبریل علیہ السلام کی عمر ۸۴۴
عرش اعظم حضرت انسان ہے ۸۵۲
دیباچہ از مصنف روح البیان ۸۵۸
آغاز سورۃ یونس ۸۶۳ تا
عربی معہ ترجمہ ۸۶۵
صاحب روح البیان کا عقیدہ ۸۶۷
بجلی کا کرنٹ اور شبر و شبیر کی کہانی ۸۸۵
تین آدمیوں پر تعجب ۹۰۰
رکوع وَلَوۡ یُعَجِّلُ اللّٰہُ لِلنَّاسِ ۹۰۶ تا
عربی معہ ترجمہ ۹۰۸
نبی علیہ السلام کی مختصر سوانح عمری ۹۱۷
رکوع وَاِذَآ اَذَقۡنَا النَّاسَ ۹۳۱ تا
عربی معہ ترجمہ ۹۳۳
رکوع قُلۡ مَنۡ یَّرۡزُقُکُمۡ ۹۷۰ تا
عربی معہ ترجمہ ۹۷۱
رکوع وَاِنۡ کَذَّبُوۡكَ فَقُلۡ لِّیۡ ۹۸۲
عربی معہ ترجمہ
رکوع وَلَوۡ اَنَّ لِکُلِّ نَفۡسٍ ۹۹۰
عربی معہ ترجمہ
رکوع وَمَا تَکُوۡنُ فِیۡ شَاۡنٍ ۱۰۰۰

اولیائے کرام کی علامات اور نشانِ ایثار ۱۰۱۶
رکوع وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوحٍ ۱۰۳۴ تا
عربی معہ ترجمہ ۱۰۳۶
رکوع فَمَا اٰمَنَ لِمُوسٰى ۱۰۴۸ تا
عربی معہ ترجمہ ۱۰۴۹
حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی درد بھری کہانی ۱۰۵۴
سماع موتیٰ کا ثبوت ۱۰۶۷
رکوع وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۱۰۷۰ تا
عربی معہ ترجمہ ۱۰۷۱
خشک زاہدوں کو تنبیہ ۱۰۷۶
قصہ یونس علیہ السلام ۱۰۷۹
رکوع قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ۱۰۸۹ تا
عربی معہ ترجمہ
آغاز سورۃ ہود (عربی معہ ترجمہ) ۱۰۹۸
کافروں کی ایک بیوقوفی ۱۱۰۶

(بقیہ صفحہ ۱۱۱۰ سے آگے)

- ترجمہ: جو خلقِ خدا کے ساتھ عداوت کا طریقہ رکھتا ہے وہ تمام بھلائیوں سے دُور ہو جائے گا اسی لیے اس کا دل ہروقت دُکھ میں رہے گا اس کا جسم بھی بلاؤں میں مبتلا رہے گا۔

اسی معنے پر شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ؎

دلم خانۂ مہر یار ست و بس
ازاں جا نگنجد درو کین کس

آیت میں شریعت کے منکرین کا ذکر ہے اس لیے کہ منکرینِ شریعت بھی اپنے آپ کو کپڑوں میں ڈھانپتے ہیں تاکہ قرآن و حدیث نہ سُن سکیں اسی طرح حقیقۃ کے منکرین (وہابیہ، دیوبندیہ، مودُودیہ فرقے) کی عادت ہے کہ وُہ صوفیاءِ کرام کے ذکر کو سُننا گوارا ہی نہیں کرتے اور نہ ہی مشایخ کے اسرار و رموز اور قرآن کے حقایق سُننا چاہتے ہیں بلکہ ایسی باتوں سے تنگ ظرفی کا ثبوت دیتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر و باطن کو نہیں جانتا اور نہ ہی انھیں اعراض عن الحق اور اولیاء کی عداوت پر کسی قسم کی سزا دے گا۔

صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ پارہ نمبر ۱۱ ۱۸۔ ذیقعد ۱۱۰۲ھ کو ختم ہُوا، گویا آپ کو سورۂ یونس سے پارہ کے اختتام تک ایک ہفتہ لگا۔

صاحبِ رُوح البیان قدس سرہ العزیز کو غالباً ہجومِ مصروفیت تھا، فقیر علاقہ لودھراں ضلع ملتان کے ایک گاؤں میں وعظ و تبلیغ کے لیے بھی حاضری دے آیا اور پھر تھکانِ سفر کے باوجود اسے ایک دن میں ختم کر ڈالا یعنی ۴ محرم الحرام ۱۳۹۷ھ بروز اتوار بوقت تقریباً ۹ بجے صُبح ترجمہ ختم ہوا۔

انا الفقیر القادری ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی غفرلہٗ، بہاولپور

فیوض الرحمن

اردو ترجمہ

تفسیر روح البیان

شیخ القرآن والحدیث فیض ملت حضرت علامہ مفتی

محمد فیض احمد اویسی رضوی مدظلہ

مکتبہ اویسیہ رضویہ
سیرانی روڈ بہاول پور

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

فیوض الرحمٰن

اردو ترجمہ

تفسیر روح البیان

پارہ نمبر ۱۵۔۱۶۔۱۷

مصنف

سراج العلماء زبدۃ الفضلاء حضرت مولانا شیخ

اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ

مترجم

شیخ التفسیر والحدیث حضرت علامہ

محمد فیض احمد اویسی رضوی مدظلہٗ

سن طباعت

جولائی 1993ء

باہتمام

صاحبزادہ عطاء الرسول اویسی

ناشر
مکتبہ اویسیہ رضویہ سیرانی روڈ بہاولپور۔ پاکستان

فہرست مضامین پارہ نمبر15

آغاز پارہ نمبر15 3-4
سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہ 3-4
معراج کی تفسیر باب 7
مزارات کی زیارت 26
مرنے کے بعد آنکھ کیوں کھلی رہتی ہے 33
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حکمتیں 50
حضور علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کو سر کی 57
آنکھوں مبارک سے دیکھا
سب سے پہلے معراج کا انکار ابوجہل کی 66
پارٹی نے کیا
رکوع عربی متن ترجمہ اردو 85
یدع الانسان بالشر 96
آغاز رکوع عربی متن ترجمہ اردو 118
وقضی ربک الا تعبدوا الا
آغاز رکوع عربی متن ترجمہ اردو 136
ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ
خیالات کے پانچ مراتب ہیں 146
رکوع عربی متن ترجمہ اردو 153
ولقد صرفنا فی ھذا القرآن 154
حیرت ہے کہ مصطفیٰ ﷺ کا نام ہے 166
رکوع عربی متن ترجمہ اردو 179
وقل لعبادی یقولوا التی
چار یا نقص ہیں 185
قیامت دو ہی گھڑی میں 187
رکوع عربی متن ترجمہ اردو 198
واذ قلنا للملائکۃ اسجدوا 199
زیارت مصطفیٰ ﷺ 210
رکوع عربی متن ترجمہ اردو 217
مودود مدعو کی اساسی

تحریف قرآن کی تعلیم 221
رکوع عربی متن ترجمہ اردو 226
سنۃ من قد ارسلنا
رکعات تہجد 233
تعویذات کا ثبوت 238
رکوع عربی متن ترجمہ اردو 242
ویسئلونک عن الروح
روح کی تعریف 261
رکوع عربی متن ترجمہ اردو 265
وما منع الناس ان یؤمنوا
رکوع عربی متن ترجمہ اردو 273
ولقد اتینا موسیٰ تسع ایٰت
اللہ کے بندوں کی قسمیں 280
آغاز سورۃ کہف عربی متن اردو ترجمہ 281
عربی متن ترجمہ اردو ماکثین فیہ ابداً 284
عربی سے ترجمہ اردو 286
فلعلک باخع نفسک
[illegible] 297
واقعہ اصحاب کہف 303
عربی متن ترجمہ اردو [illegible] 304
عربی متن ترجمہ اردو نحن نقص علیک 313
عربی متن ترجمہ اردو ھؤلاء قومنا 317
حرمت مرشد 320
عربی متن ترجمہ اردو 321
وتری الشمس اذا طلعت
وتحسبھم ایقاظاً 324
کتے کی بھی عظمتیں 326
عربی متن ترجمہ اردو وکذالک بعثنٰھم 330

عربی متن ترجمہ اردو 338
وکذالک اعثرنا علیھم
عربی متن ترجمہ اردو سیقولون ثلثۃ رابعھم 341
اصحاب کہف کے نام اور ان کے کتے کا نام 342
عربی متن ترجمہ اردو ولا تقولن لشایء 344
عربی متن ترجمہ اردو ولبثوا فی کہفھم ثلث 348
عربی متن ترجمہ اردو 351
واتل ما اوحی الیک من
عربی متن ترجمہ اردو 354
واصبر نفسک مع الذین
عربی متن ترجمہ اردو وقل الحق من ربکم 360
عربی متن ترجمہ اردو ان الذین امنوا 364
جنت کے کنگنوں کی شرح 366
عربی متن ترجمہ اردو واضرب لہم 369
عربی متن ترجمہ اردو قال لہ صاحبہ وھو 374
تکبر سے بچنے کا علاج 378
عربی متن ترجمہ اردو واضرب لہم مثل الحیوۃ 380
عربی متن ترجمہ اردو ویوم نسیر الجبال 386
عربی متن ترجمہ اردو 393
واذ قلنا للملائکۃ اسجدوا
عربی متن ترجمہ اردو 402
ولقد صرفنا فی ھذا القرآن
عربی متن ترجمہ اردو واذ قال موسیٰ لفتٰہ 416
عربی متن ترجمہ اردو قال ذالک ما کنا نبغ 421
خضر علیہ السلام و موسیٰ علیہ السلام کے مرتبے میں 423
عربی متن ترجمہ اردو 439
قال انک لن تستطیع معی
اختتام پارہ نمبر15 441

سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ

سُوْرَةُ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ مَكِّیَّةٌ ۵۰ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اٰیَاتُهَا ۱۱۱ رُكُوْعَاتُهَا ۱۲
سورت بنی اسرائیل مکی ہے اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ایک سو گیارہ آیات اور بارہ رکوع ہیں

سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ
پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے مسجد اقصا تک
الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ①
جس کے گرداگرد ہم نے برکت رکھی کہ ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں بے شک وہ سنتا دیکھتا ہے
وَ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ جَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ
اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی اور اسے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت کیا کہ میرے سوا کسی کو کارساز
دُوْنِیْ وَكِیْلًا ② ذُرِّیَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ③
نہ ٹھہراؤ اے ان کی اولاد جن کو ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا بیشک وہ بڑا شکر گزار بندہ تھا
وَ قَضَیْنَاۤ اِلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ فِی الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِی الْاَرْضِ مَرَّتَیْنِ
اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں وحی بھیجی کہ ضرور تم زمین میں دو بار فساد مچاؤ گے
وَ لَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِیْرًا ④ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَیْكُمْ عِبَادًا لَّنَاۤ اُولِیْ
اور ضرور بڑا غرور کرو گے پھر جب ان میں پہلی بار کا وعدہ آیا ہم نے تم پر اپنے بندے بھیجے سخت
بَاْسٍ شَدِیْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّیَارِ ؕ وَ كَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ⑤ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ
لڑائی والے تو ■ وہ شہروں کے اندر تمہاری تلاش کو گھسے اور یہ ایک وعدہ تھا جسے پورا ہونا تھا پھر ہم نے ان پر
الْكَرَّةَ عَلَیْهِمْ وَ اَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِیْنَ وَ جَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِیْرًا ⑥ اِنْ
الٹ کر تمہارا حملہ کر دیا اور تم کو مالوں اور بیٹوں سے مدد دی اور تمہارا جتھا بڑھا دیا اگر

اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ

تم بھلائی کرو گے اپنا بھلا کرو گے اور اگر برا کرو گے تو اپنا پھر جب دوسری بار کا وعدہ آیا

لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا

کہ دشمن تمہارا منہ بگاڑ دیں اور مسجد میں داخل ہوں جیسے پہلی بار داخل ہوئے تھے اور جس چیز پر قابو پائیں

مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ۝ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا وَجَعَلْنَا

تباہ کر کے برباد کر دیں قریب ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم کرے اور اگر تم پھر شرارت کرو تو ہم پھر عذاب کریں گے

جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ

اور ہم نے جہنم کو کافروں کا قید خانہ بنایا ہے بیشک یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے

وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۝ وَّاَنَّ

اور خوشی سناتا ہے ایمان والوں کو جو اچھے کام کریں کہ ان کے لیے بڑا ثواب ہے اور یہ کہ جو

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝

آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے ان کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے

سورۃ الاسراء کی ایک سو گیارہ آیات ہیں اور یہ سورۃ مکیہ ہے اور اس کی شان یہ ہے کہ وان کادوا لیستفزونک ۳ نصیرا آٹھ آیات مدنیہ ہیں یا قل رب ادخلنی مدخل صدق و ان الذین اوتوا العلم من قبلہ و ان ربک احاط بالناس و ان کادوا لیفتنونک و لولا ان ثبتناک اور اس کے قریب والی آیت مدنیہ ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفسیر عالمانہ

سُبْحٰنَ یہ تسبیح کا اسم ہے بمعنی التنزیہ اور تعجب کے معنی میں بھی اور اس کا منصوب ہونا فعل مضمر سے ہے اور وہ فعل ظاہر نہیں ہوتا اور وہ فعل اسبح اللہ عن صفات المخلوقین سبحانا یعنی تسبیحا یعنی اللہ تعالیٰ کو مخلوق کی صفات سے بالکل منزہ و پاک جانتا ہوں پھر یہ اسم گویا فعل کا قائم مقام ہے جیسے معاذ اللہ میں مصدر کو فعل کا قائم مقام کیا جاتا ہے اسی طرح غفرانک وغیرہ۔

[illegible]

ف: بعض نے کہا سبحان، غفران کی طرح مصدر ہے بمعنے التعجب ۔

نکتہ: کلام کا آغاز اس کلمہ سے اس لئے کیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ اس کے مابعد کے مضمون سے اللہ تعالیٰ کو عجز سے منزہ سمجھنا لازمی اور ضروری ہے نیز تنزیہ تعجب کے منافی نہیں ۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ کلام کو تعجب سے شروع کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس کے اور محبوب علیہ السلام کے مابین جو واقعہ ہوا نہایت ہی تعجب خیز اور حیرت انگیز ہے ۔

نکتہ ۲: امام فخر الدین رازی کہ اللہ تعالیٰ نے اسراء کے بیان میں لفظ تنزیہ (سبحان) لا کر جیسے عقل والوں کو تنبیہ ہے ۔ (اسی طرح وہ بھی معراج کو بھی کہ شب معراج کے واقعات اگرچہ تمہارے عقول وافہام کی دسترس میں نہیں آتے لیکن تم بھی اس حق کو چھپانا اس لئے کہ بظاہر جو ان واقعات کو تمہارے امتحان کے لئے بیان کیا ہے تاکہ تم کو جہاں عقل وفہم جکڑ دیں تو فوراً کہہ دیا کرو سبحان اللہ ۔ اس سے خیال کے پجاریوں اور اہل تشبیہ وتجسیم کا رد ہو گیا یعنی ان مذاہب کا جو اللہ تعالیٰ کے لئے جہت وحد ومکان ثابت کرتے ہیں ۔

(اسی طرح نیچریوں، چکڑالویوں، مرزائیوں و دیگر مذاہب کی بھی تردید ہوئی جو عقل کے پجاری ہو کر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج جسمانی کے منکر ہیں ۔

سوال: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عروج سے تعجب ہوا لیکن نزول سے نہیں حالانکہ دونوں معاملے تعجب خیز اور حیرت انگیز ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: چونکہ عروج میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد ہی الی اللہ تھا اور نزول مخلوق خدا کے لئے تھا اور عروج کے مقصد میں اللہ تعالیٰ کے لئے تشبیہ وتجسیم ومکانیت کا وہم پیدا ہو سکتا تھا اور نزول میں کسی قسم کا خطرہ پیدا نہیں ہو سکتا تھا اسی لئے عروج میں لفظ تنزیہ لایا گیا ہے ۔

نکتہ ۳: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم عالم کثیف میں رونق افروز تھے ۔ عالم کثیف کا عالم بالا کی طرف جانا ہی تعجب کی بات ہے یعنی خلاف طبع ہے یعنی خرق عادت ہونے کے اسی لئے تعجب کر کے سبحان لایا گیا ۔

اَلَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ یعنی معنیٰ میں ہے کہ پاکی اور بے عیبی ہے اس ذات کے لئے جو از راہ کرامت اپنے محبوب بندے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے گیا ۔

حل لغات: السریٰ یعنے رات کو چلنا یہیں اسریٰ کا معنے ہے مثلاً کہا جاتا ہے: اسری وسری ای سار لیلاً یعنے وہ رات کو گیا اسی سے السریۃ السرایا کا واحد ہے اس لئے کہ وہ لشکر دشمن پر حملہ کرنے کے لئے

لے: تفسیر کبیر

ختم ہوتا ہے اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کے وقت سیر کرائی۔

ازالۂ توہمات

تعریف فرمایا کہ اسریٰ کہنے سے وہابیوں کے تمام توہمات کا ازالہ ہوگیا اس لئے کہ اگر سار کہا جاتا تو شک ہوتا کہ نبی علیہ السلام بشر ہو کر اوپر کیسے گئے اور پھر آن کی آن میں کیسے واپس آگئے اور کیا بات ہے وغیرہ وغیرہ سے کیسے گزرے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف منسوب فرمایا کہ جب اس کی قدرت بے پایاں ہے تو وہ کسی کے اعلام بالطبع میں نہیں آئے گا۔ اس کی مثال یہ حدیث ہے۔

حبب الی من دنیاکم ثلاث

اس میں اگر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم احببت فرماتے تو بعض گندے عقیدوں میں وہم پیدا ہوتا کہ حضور نبی کریم علیہ السلام بھی دنیوی امور کی محبت میں گرفتار ہیں (معاذ اللہ) لیکن حضور علیہ السلام نے اس وہم کو دفع فرمایا کہ مجھے دنیوی امور سے اگر کوئی تعلق ہے تو وہ نفسانیت سے نہیں بلکہ امر الٰہی سے ہے۔

نکتہ

بعبدہ میں ایک نکتہ یہ ہے کہ عبدیت کہا جائے۔ وہ یہ کہ امت کے بعض پاگل دماغوں میں آرہا تھا کہ معاذ اللہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم خدا یا خدا کا بیٹا ہو جیسے نصرانیوں نے اپنے نبی علیہ السلام کے لئے کہا۔ جب بعبدہ لایا گیا تو تصریح ہوگئی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نبی اور عبد ہیں خدا یا خدا تعالیٰ کے بیٹے نہیں۔

عیسائیوں کے عقیدہ کی تفصیل

عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنے جسم سمیت عالم ارواح سے نکل کر عالم بالا کی طرف تشریف لے گئے اور یہ بشریت کی عادات و اطوار کے منافی ہے اس لئے معاذ اللہ وہ عبدیت میں نہ رہے بلکہ معاذ اللہ خدا یا خدا کے بیٹے۔

نکتہ

بعبدہ میں باء اس لئے داخل کیا گیا ہے کہ باء کو عبدیت سے مناسبت ہے کہ جیسے عبدیت میں انکسار ہے ایسے ہی باء میں کہ حروف کے نیچے رہنا اس کا کام ہے اس سے معلوم ہوا کہ عبدیت کو اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا مقام حاصل ہے۔ اسی لئے امام صاحب نے اپنی تفسیر میں لکھا۔

العبدیۃ افضل من الرسالۃ

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبودیت ان کی رسالت سے افضل ہے اس کی دلیل یوں بیان فرمائی کہ عبدیت میں رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) خلق سے حق کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور یہ مرتبہ مقام الجمع ہے اور رسالت میں حق سے خلق کی طرف توجہ کرنی پڑتی ہے اور یہ مرتبہ مقام الفرق ہے لامحالہ یہ ہے کہ مقام الجمع مقام الفرق سے افضل ہوتا ہے دوسرا یہ ہے کہ عبودیت میں رسول علیہ السلام اپنے تمام امور کا کفیل اللہ تعالیٰ کو بناتا ہے اور رسالت میں رسول علیہ السلام اپنی امت کے تمام امور کا کفیل

؎ [illegible] (اویسی)

ہو کر اللہ تعالیٰ سے ملانے کی اُمت میں ہوا ہے ظاہر ہے کہ ان دونوں میں امر اول بہتر ہے۔

معراج چونتیس بار حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج چونتیس بار ہوئی صرف ایک بار جسمانیت سے باقی روحانیت سے اور یہ بھی قبل نبوت اور اس کے بعد تا وصال مکمل ہوئی۔

ف: وحی کے نزول سے پہلے آپ کو معراج (روحانی وغیرہ) کا سلسلہ شروع ہوا تاکہ آپ پر وحی کے امور آسانی ہوں جیسے روایت میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو آغازِ نبوت سے قبل رویاء صادقہ (سچے خواب) آتے تھے۔

معراج جسمانی کی عقلی دلیل جسمانی معراج کی دلیل لفظ عَبْدِہٖ سے واضح ہے اس لئے کہ عبد روح مع جسد کو کہا جاتا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے براق لایا گیا اور براق جسم ثقیل کے اٹھانے کے لئے ہو سکتا ہے ورنہ روح کے لئے براق کس لئے؟ تیسری دلیل یہ ہے کہ اگر روح سے معراج ہوتی تو پھر معراج کے منکرین کو انکار کیوں؟ اس لئے کہ روح سے معراج یا واقعات کو منکرین بھی محال نہیں سمجھتے انہیں انکار تھا تو جسمانیت سے (وہو المقصود)

بدبختی کی علامت کاش کوئی سمجھے کہ وہ بدبخت گروہ ہے جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کو ثقیل سمجھ کر جسمانی معراج کا انکار کرتا ہے۔ اس لئے کہ وہ نہ صرف شانِ نبوت کا منکر ہے بلکہ قدرتِ حق کا بھی انکاری ہے

؎

آنکہ سرشتہ تنش از جان بود
سیر و عروجش بجز آسان بود

[ترجمہ: جس کی تخلیق ہی روحانی ہو اس کے لئے جسم کے ساتھ معراج کر جانا کیا مشکل ہے؟]

نبی علیہ السلام کی بشریت بھی نوری تھی

[صاحب روح البیان صفحہ ۱۰۴ جلد ۵ آیت ہذا کے تحت لکھتے ہیں کہ]

وقد ذكروا ان جبريل عليه السلام اخذ	اہل علم نے لکھا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے حضور علیہ السلام
طينة النبي صلى الله عليه وسلم فعجنها	کے جسم مبارک کا خمیر لیا اور اسے بہشت کے پانیوں سے دھویا
بمياه الجنة وغسلها من كل كثافة	یہاں تک کہ اس سے ہر کثافت اور کدورت ختم ہو گئی
كدورة فكان جسده الطاهر من العالم	اس سبب سے آپ کا جسم بھی آپ کی روح پاک کی طرح نوری ہو گیا۔

ف: وہی تو ہم حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کہتے ہیں کہ آپ نور ہیں اور آپ کی بشریت بھی نوری ہے۔ فافہم ولا تکن من الوهابيين الجاهلين ۔ (اویسی غفرلہ)

العلوی۔ (کذا فی روضۃ الشریف)

سوال: کس حصے میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی؟

جواب: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا:

اسری بی فی قفص من لؤلؤ فراشہ من ذہب — مجھے موتیوں سے بنے ہوئے پنجرے میں سیر کرائی گئی جس کا بستر سونے کا تھا۔ (کذا فی بحر العلوم، روح البیان ص ۔ ج ۵)

لَیْلًا رات کے وقت اس کا منصوب ہونا علی الظرفیت ہے اسے تاکید کے لئے لایا گیا ہے اس لئے کہ اسریٰ رات کو ہوتا ہے بس میں یہ بیان ہے کہ یہ شک نہیں کہ دن کو ہوا ہوگا اور اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ معراج خواب میں ہونے کا وہم بھی غلط ہے۔ (کذا فی لسان العرب)

ف: اس میں اشارہ ہے کہ اسرا رات کے تھوڑے سے وقت میں ہوا اس لئے کہ لیلاً کی تنکیر بعضیت پر دلالت کرتی ہے۔ لہٰذا لیلاً کے منکر ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کے تھوڑے سے حصے میں معراج ہوئی اسی طرح وہ رات کے ایک ہی جزو میں ہوا بخلاف اس کے کہ کہا جاتا ہے، سرت اللیل یعنی لیل کو معرف باللام لایا جاتا تو اس میں مذکورہ بالا نکتہ صحیح نہ ہوتا بلکہ اس سے ثابت ہوتا کہ معراج ساری رات ہوئی۔ اس معنی پر لیلاً اسراء کے لئے معیار ہوگی نہ ظرف۔ حالانکہ مقصود یہ ہے کہ لیلاً اسراء کے لئے ظرف ہو۔

ف: معراج شریف جب سوموار کی شب کو ہوئی۔ اسی پر اکثر امت کا اتفاق ہے۔

عجوبہ: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیر کی رات معراج ہوئی اور پیر کے دن مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے روانہ ہوئے تو پیر کے دن مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے اور پیر کے دن ہی آپ کی وفات (وصال) ہوئی۔

نکتہ صوفیانہ: اس میں حضور علیہ السلام کے لئے اشارہ ہے کہ آپ کا تعین ثانی ہے جب کہ سوموار کو یوم الاثنین کہا جاتا ہے، الف اور یوم الاحد میں جزو تعین بالذات کے لحاظ سے لگتے ہیں اور یوم الاثنین جزو تعین الصفات کے (کذا فی روح البیان)

شب معراج کی تعریف میں حضرت جامی قدس سرہ نے لکھا:

① ز قدرش لاف زدے لیلۃ القدر
ز نور او برائے لیلۃ البدر

② سواد طرہ اش ظلمت دہ کور
بیاض غرہ اش نور سحر نور

(۳) نسیمش بہر سنبل شانہ کردہ
ہوایش اشک شبنم دانہ کردہ

(۴) بماہ قرابت چرخ سیار
ببستہ در جہان درہائے ادبار

(۵) طرب را چوں سحر خنداں از لب
گریزاں روز محنت زو شبا شب

(۱) اس کی قسمت وعزت یہ ہے کہ اپنا حلقہ اس کی ایک مثال اور اپنا عہد کا اس کے نور سے تھوڑا سا حصہ ملا۔

(۲) اس کی سیاہی اور کا عرش نہ دن کی ہے اس کی سفیدی علی نور ہے۔

(۳) نسیم نے سنبل زلفوں کو کنگھا کیا اس کی ہوا نے شبنم کے دانے بنائے۔

(۴) آسمان کے قرابت کی چیزوں سے بدبختی کے دروازے جہاں سے بند کر دیئے۔

(۵) خوشی کے اس سے لب خنداں ہیں۔ اس سے رات و رات محنت کے دن بھاگ گئے۔

سوال: معراج دن کے بجائے رات کو کیوں ہوئی بہتر تھا کہ دن کو ہوتی تاکہ کسی کو طعن و تشنیع کا موقع نہ ملتا؟

جواب: (۱) رات محبوبوں کے ساتھ مل بیٹھنے کے لئے بنائی گئی ہے۔ گویا رات محل الانس والوصال اور دن محل اللباس والفراق ہے یا یوں کہو رات مظہر البطون اور دن مظہر الظہور ہے۔

(۲) رات راحت کا موجب ہے اور رات بہشت کا نمونہ ہے اور دن کاروبار و دیگر ضروریات کے لئے تھکاوٹ کا موجب ہے۔ اور تھکاوٹ والی شے محبوبی شان کے خلاف تھی اسی لئے بجائے دن کے رات کو معراج ہوئی۔

ف: ایک روایت میں ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو ہجرت سے ایک سال پہلے معراج ہوئی یعنی بعثت مبارکہ کے بارہویں سال معراج کو تشریف لے گئے۔

مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اور بعض روایات سے یونہی معلوم ہوتا ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو ام ہانی بنت ابی طالب کے گھر سے معراج ہوئی اور بی بی کا گھر حرم شریف میں ہے اور ظاہر ہے کہ حرم شریف سارے کا سارا مسجد شریف ہے۔

مسئلہ: فقہاء فرماتے ہیں حرم شریف کا احاطہ مدینہ طیبہ کی طرف سے تین میل اور عراق سے سات میل اور جعرانہ سے نو میل اور طائف سے سات میل اور جدہ سے دس میل ہے۔

مسئلہ: میقات کے موقیت خود حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائے کہ ان پانچوں مقامات سے

حرم شریف کے لئے احرام باندھا جاتا ہے اور وہ مقامات حرم میں یا حرم شریف مسجد حرام میں ہوتا ہے ۔

نکتہ صوفیانہ بیت ذات کی طرف اور مسجد حرام صفات کی طرف اور حرم افعال کی طرف اور میقات کا ماسوا اللہ کی طرف اشارہ ہے یعنی جو کوئی حق کا ارادہ کرتا ہے زیارت کے لئے یا دید کے لئے تو اسے چاہیے کہ اول ان مقامات سے احرام باندھے بغیر تجاوز نہ کرے اس طرح سے ان مقامات کی تعظیم مطلوب ہے ۔

مسئلہ : جیسے ان مقامات کی تعظیم ضروری ہے ایسے ہی مساجد کی تعظیم بھی لازمی اور ضروری ہے اسی طرح مشائخ کے حضور کی حاضری میں یہاں کی مجالس کے آداب ظاہراً و باطناً ضروری ہیں ۔

عجوبہ : مروی ہے کہ حجر اسود کو جب بہشت سے نکال کر حرم شریف میں لایا گیا تو اس کے اندر نور تھا اس کے نور کی روشنی جہاں تک پہنچی وہیں حرم کا احاطہ مقرر ہو گیا ۔

ف : مروی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام بہشت سے زمین کی طرف تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ سے امید قبولیت توبہ چالیس سال رہی روتے رہے چالیس سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو آدم علیہ السلام کے ہاں بھیجا کہ آپ کی توبہ قبول ہو گئی ہے اس پر آدم علیہ السلام نے عرض کی کہ اے الٰہ العالمین! اور عرش عظیم کے گرد میرے چالیس سال کے طواف فوت ہو گئے ۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی درخواست پر بیت المعمور کو زمین پر اتارا تاکہ آدم علیہ السلام اس کا طواف کر کے اپنی قضا ادا کریں وہ بیت المعمور سرخ یاقوت کا تھا اس کی روشنی سے مشرق و مغرب چمک اٹھے اس کے نور سے جن و شیاطین بھاگے اور گھبرا کر جانب آسمان پر چل پڑے جب دیکھا کہ اس نور کا کوئی شعلہ ہے آگے بھی اٹھنے لگا تو شیاطین کی اطلاع نے کو مسلط پر ملائکہ کرام کو پہرہ لگا دیا ملائکہ کرام کو مسلط کے گرد پہرہ کے لئے کھڑے ہو گئے اس وقت جہاں تک ملائکہ کرام نے کھڑے ہو کر پہرہ دیا اسی جگہ تک حرم مقرر ہوا چونکہ ملائکہ کرام نے اس جگہ تک شیاطین و جن کو روکے رکھا اسی وجہ سے اس کا نام حرم شریف ہو گیا ۔

اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا مسجد اقصیٰ سے بیت المقدس مراد ہے اور اسے اقصیٰ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اقصیٰ بمعنی ابعد اور چونکہ مسجد حرام سے یہاں تک سوائے اس مسجد اقصیٰ کے اور کوئی مسجد نہیں تھی اسی لئے اسے اقصیٰ یعنی بعید کے نام سے موسوم کیا گیا یعنی اقصیٰ بمعنے ابعد المساجد ہی تھی ۔

مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کی درمیانی مسافت ایک مہینے کی راہ تھی ۔

صوفیانہ تحقیق بعض عارفین کا ارشاد گرامی ہے کہ مسجد حرام سے مقام قلب مراد ہے اس لئے کہ یہاں تو اسے بذریعہ حواس خمسہ کے مشرکین پر طواف کرنا حرام کر دیا گیا ہے اور انہیں روکا گیا کہ قلب کے حرم میں ان کا دخل نہ ہو اور شہوات کا ارتکاب نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ قلب کے حرم میں قوت حیوانیہ جیسے صفات ذمیمہ جیسے درندگی وغیرہ داخل نہ ہو پائیں اور مسجد اقصیٰ سے مقام روح کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ شہود تجلیات اللاہیت کی وجہ سے عالم جسمانی سے بہت بعید ہے ۔

مسئلہ ہدیۃ المہدیین میں لکھا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک بیداری میں تشریف لے جانا نص قطعی سے ثابت ہے اور اس پر امت کا اجماع ہے۔ اس کے بعد آسمانوں تک آپ کا تشریف لے جانا اخبار مشہورہ سے ثابت ہے اس کے بعد جنت یا عرش یا تمام عالم کی سیر (معراج) اخبار احاد سے ثابت ہے ۔

مسئلہ کاشفی نے لکھا ہے کہ چونکہ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک تشریف لے جانا نص قطعی سے ثابت ہے اس لئے اس کا منکر کافر اور آسمانوں تک اس کے بعد ترتیب وقت تک پہنچنا اخبار مشہورہ سے ثابت بلکہ روایات حد تواتر کے قریب پہنچی ہیں اس لئے اس کا منکر گمراہ اور بدعتی ہے۔

شعر

① شاہد معراج نبی ظاہر است
وآنکہ منکر نیست بدین کافر است

② دستگہ سلطنت این وصال
نیست بہ پرواز خیال

③ عقل چہ داند چہ مقامست این
عشق شناسد کہ چہ دامست این

① نبی علیہ السلام کے معراج کے شاہد بہت ہیں جو اس کا اقرار نہیں وہ اس وجہ سے کافر ہے۔
② اس وصال کی سلطنت پر کسی کا قابو نہیں پایا گیا ۔
③ عقل بیچارہ کیا جانے کہ یہ کیا مقام ہے عشق کو معلوم ہے کہ یہ کیا دام ہے ۔

الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ وہ مسجد کہ جس کے گرد ہم نے برکات نازل فرمائی ہیں یعنی اس مسجد کا ماحول دینی و دنیوی برکات سے مالا مال ہے اس لئے کہ یہاں وحی اور ملائکہ کا نزول ہوتا رہا اور موسیٰ علیہ السلام کے وقت سے تا خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء علیہم السلام کی عبادت گاہ رہی اور ہر طرف سے انہار اور بہت اشجار ہیں مثلاً دمشق اور اردن اور فلسطین جیسے آباد اور مشہور بلاد اس کے قریب ہیں واقع ہیں۔ **لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا** تاکہ ہم انہیں اپنی آیات دکھائیں۔ یہ اسراء کی غایت ہے اس میں اشارہ ہے کہ اسراء کی ایک حکمت یہ بھی تھی کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص اور مخصوص آیات دکھائی جائیں اور یہ وہ طرف ہے کہ سوائے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے کسی کو نصیب ہوا اور نہ بعد میں کسی کو

ف۔ غیر مقلد اہل حدیث آسمانوں کے معراج کے قائل ہیں قرآن کے منکر ہیں۔ مرزائی چکڑالوی نیچری وغیرہ سب کے سب معراج جسمانی کے منکر ہیں اس منحوس ٹولی کا کیا لقب ہے۔ (اویسی)

نصیب ہو سکتا ہے اگرچہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام بھی معزز نبی تھے لیکن انھیں ملکوت السموات والارض تک محدود دکھایا۔ کما قال :

وکذلک نری ابراھیم ملکوت السموات

والارض

اور حبیب کریم رؤف رحیم صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے رب کی بڑی بڑی آیات دکھائیں۔

کما قال :

لقد رای من آیات ربہ الکبریٰ

وہ اس لئے تاکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر دو اعلیٰ مراتب یعنی مرتبہ خلیلیت اور مرتبہ محبوبیت حاصل ہو جائیں۔

ف : آیت میں من تبعیضیہ ہے یہی وجہ ہے کہ شب معراج حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی آیات عظیمہ میں سے بعض آیات دکھائی گئیں۔

نکتہ : آیات کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اس لئے مضاف فرمایا ہے تاکہ بندوں کو معلوم ہو کہ وہ آیات بہت عظیم الشان تھیں کیونکہ قاعدہ ہے کہ :

المضاف الی العظیم عظیم

یعنی مضاف الی العظیم الشان ہو تو مضاف بھی عظیم الشان ہوگا۔

سوال : ملکوت السموات والارض میں ابراہیم علیہ السلام کی معراج کا ذکر ہے اور اس میں علی الاطلاق ملکوت السموات والارض دکھلانے کا ذکر ہے اور حضور نبی کریم علیہ السلام کے معراج میں من آیات ربہ فرما کر بعض آیات دکھلانے کا بیان ہے اس عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا معراج حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے معراج سے افضل و اعلیٰ ہے۔

جواب : ہم نے پہلے یہی عرض کیا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھائی ہوئی آیات کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف مضاف فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ آیات باعظمت ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف ہیں اگرچہ بعض ہوں لیکن مطلق ملکوت السموات والارض سے افضل اور اشرف و اعلیٰ ہوں گی کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کو دکھائی ہوئی آیات الکبریٰ کی نسبت نہ تھی اور اللہ تعالیٰ کی مخصوص آیات نہیں اس لئے حضور علیہ السلام کی آیات کو اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی شان والی ہو کر بیان فرمایا :

کما قال :

لقد رای من آیات ربہ الکبریٰ

آیات کبریٰ کی تفصیل

بعض تفاسیر میں ہے کہ آیات کبریٰ یہ ہیں :

① بیت اللہ شریف سے بیت المقدس کی ایک ماہ کی مسافت کو تھوڑے سے لمحے کے لئے کہ

② بیت المقدس کا مشاہدہ۔

③ انبیاء علیہم السلام کا متشکل ہو کر حاضر ہونا۔

④ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا ان کے چند مقامات سے واقفیت حاصل کرنا۔ اسی لئے اکثر میں جو کہ آیات کبریٰ سے مراد لیتا ہے جو حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے خود بیان فرمایا اور

⑤ ستاروں کا دیکھنا۔

⑥ آسمانوں کی سیر۔

⑦ معارج کا لایا جانا۔

⑧ رفرف آنے۔

⑨ اقلام قضا و قدر کی آواز سننا۔

⑩ الواح کا مشاہدہ۔

⑪ ان انوار کو جو سدرۃ المنتہیٰ کو ڈھانپے ہوئے ہیں، دیکھنا۔

⑫ ارواح۔

⑬ علیین۔

⑭ املاک کے آسمانی مقام کا معائنہ۔

⑮ قاب قوسین کے مقام پر فائز ہونا وغیرہ۔

⑯ آیات الانفس کا مشاہدہ:

کما قال تعالٰے:

سنریہم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسہم

یاد رہے کہ قاب قوسین کا مقام آیات آفاق میں داخل ہے۔

⑰ دنا فتدلیٰ کا مقام طے کرنا۔ یہ مقام آیات الانفس میں شامل ہے۔ یہ مقام الحیرۃ اور تحقق باللہ ہے۔

⑱ مقام فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ کا مشاہدہ اور اسے مقام صحو و محو المحو یا غیب الغیب کہتے ہیں۔ چنانچہ خود خداوند قدوس نے فرمایا:

ما کذب الفؤاد ما رایٰ

دراصل فواد قلب کے قلب کو کہا جاتا ہے اور قلب کو بھی رویت حاصل ہے اور الفواد کو بھی۔ رویت قلب وہ ہے جس کا اخفا بھی ادراک کرتا ہے۔

کما قال تعالیٰ :

ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور

لیکن وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں اور آنکھ نابینا نہیں ہو سکتے اس لئے کہ ان کو مخلوق سے کسی قسم کا تعلق ہی نہیں ہے صرف اپنے آقا و مولا سے تعلق رکھتا ہے ۔

فادنیٰ الیٰ عبدہٖ سے مطلق عبد مراد ہے اور وہ ہے جو ہر طرح سے عبد ہو جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی الوہیت میں مطلق ہے منزہ ہے اسی طرح حبیب الٰہی عبودیت میں کامل الوجہ منزہ ہے اسے کہیں ایک مکان سے دوسرے مکان کی جانب لایا گیا تاکہ انہیں ان آیات کا مشاہدہ کرائیں جو ان سے غائب تھیں گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے اپنے عبد محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لئے سیر کرائی تاکہ آپ میری خاص آیات دیکھیں یہ نہ سمجھئے کہ نہیں بلایا اس لئے کہ میں تو زمان و مکانات سے پاک و منزہ ہوں بلکہ اس کے لئے زمان و مکان کی نسبت ایک حیثیت رکھتا ہو ۔

حدیث قدسی ہے :

انا الذی وسعنی قلب عبدی کیف اسری بہ الی

یعنی بندے کے قلب میں ہوں جب میں اس کے قلب میں ہوں تو پھر اسے معراج کے لئے اپنی جانب کیا لانا ہے؟ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو جو چاہا اس کا اظہار مقصود تھا ۔

اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ بے شک وہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال سنتا ہے لیکن کان کے بغیر جیسا بولتا ہے لیکن کلام کے بغیر جیسے اللہ تعالیٰ نے کرنے بات کی مانتی ہے ولا اس کی اس طرح ہے کہ جاتا ہے یعنی کلام کے بغیر بھی اسے قلب کی بھی ضرورت نہیں جیسے انسان کسی شے کو جانتا ہے یہ قلب کا محتاج ہے ۔ البَصِیْرُ ۞ اور وہ بغیر بصر ہر شے کو دیکھتا ہے یعنی اپنے محبوب علیہ السلام کو جس طرح چاہتا ہے تعظیم و تکریم کرتا ہے اور اسے اپنا مقرب بناتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ معراج صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم کے اظہار کے لئے تھی ورنہ اللہ تعالیٰ تو اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کو ہر وقت سنتا دیکھتا ہے اسے ان امور میں معراج کے سبب کی ضرورت نہیں ہے ۔

کما ورد عنہ علیہ السلام ہے :

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی سمیع و بصیر

الظاہرۃ لی امی النبی صلی اللہ علیہ وسلم — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے ۔

ھو السمیع ؎

؎ : روح البیان جلد ۵ صفحہ ۴۲

اس کے متعلق ایک حدیث بیان فرمایا :

حدیث قدسی میں ہے :

کنت له سمعا فبی یسمع وبی یبصر	میں اس کی سمع ہوں مجھ سے سنتا اور مجھ سے دیکھتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ

فحقیقة لنریه من آیاتنا الکبریٰ بجمالنا وجلالنا انه هو السمیع بسمعنا البصیر ببصرنا فانه لا یسمع کلامنا الا بسمعنا ولا یبصر جمالنا الا ببصرنا۔ ؎	اس کی تحقیق یہ ہے کہ ہم انہیں اپنے جمال و جلال سے اپنے آیات مخصوص دکھائیں کیونکہ وہ ہماری سمع سے سمیع اور ہماری بصر سے بصیر ہیں وہ ہمارا کلام ہماری سمع سے سنتے اور ہمارا جمال ہماری بصر سے دیکھتے ہیں۔

؎

چوں در مکتب بے نشانے رسید
نگویم کہ آنجا چہ دید و شنید
ورق در نوشتند و گم شد سبق
شنیدن بحق بود و دیدن بحق !

ترجمہ : جب وہ بے نشان مکتب میں پہنچے آپ سے کیا کہوں کہ وہاں کیا دیکھا اور کیا سنا وہاں اوراق لپیٹ لئے گئے اور سبق ہی گم تھا حق سے سنتا اور حق سے دیکھا جاتا رہا۔

واقعہ معراج : ۲۷ رجب شب پیر کو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم بی بی ام ہانی بنت ابی طالب کے گھر آرام فرما تھے مشہور قول یہ ہے کہ بی بی مذکورہ کا نام فاختہ تھا۔ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئیں۔ آپ کا شوہر ہبیرہ فتح مکہ کے دن بھاگ کر نجران کی طرف چلا گیا اور وہیں پر کفر پر مر گیا۔ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم عشاء کی دو رکعتیں وسنتیں اور بعد فرض و نفل پڑھ کر وہیں پر سو گئے۔ بی بی ام ہانی کے گھر کی چھت چیر کر گھر کے اندر جبرئیل و میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام داخل ہوئے اور ہر ایک کے ساتھ علیحدہ علیحدہ ستر ستر ہزار فرشتہ تھا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے پروں سے جگایا۔

حضرت عارف جامی قدس سرہ نے فرمایا :

؎

؎ ۔ روح البیان جلد ۵ صفحہ ۱۰۲

① درآں شب آں چراغ چشم بینش
منزہ آسمان از آفرینش

② چناں حالت سلطانہ ز مہ خوباں زمانہ
سوئے دولت سرائے ام ہانی

③ بہ پائے تکیہ بر بوسہ زمیں کرد
زمیں را بوسہ جان نازنیں کرد

④ دل بیدار چشمش در شکر خواب
نہ دیدہ چشم بخت ایں خواب در خواب

⑤ درآمد ناگہاں ناموس اکبر !
سبک رو تر ازیں طاؤس اخضر

⑥ بمالیدہ پاکش خواب برخیز
کہ امشب خواب آمد دولت انگیز

⑦ بحال بر یک تناں ایں خوابگہ رخت
کہ بخت عالمے بے خواب بر تخت

[ترجمہ : ① اس رات وہ دانائی کے چشم و چراغ جو آفرینش دائرے سے [illegible] جیسے کہ ہو سکتے ہیں :
② جب یہ دولت [illegible] ام ہانی کے گھر کی طرف روانہ ہوئے ۔
③ پائے مبارک زمین پر رکھا زمین کو آپ کے پائے مبارک سے زینت نصیب ہوئی ۔
④ آپ کا دل بیدار اور آنکھ خواب میں تھی نہیں دیکھی بخت [illegible] ایسا خواب ۔
⑤ اچانک جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے جو اس آسمان سبز رنگ سے زیادہ تیز رفتار ہیں ۔
⑥ آپ کے قدموں پر [illegible] کہ [illegible] آج رات آپ کے لئے [illegible] ہے ۔
⑦ [illegible] اپنے خوابگاہ سے [illegible] آپ [illegible] عالم کے بخت ہیں ۔]

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ۔ میں بیدار ہوا دیکھا کہ میرے پاس جبریل علیہ السلام حاضر ہیں جن [illegible] کہ وہ سے جبریل علیہ السلام [illegible] کے [illegible] :

یا محمد ان ربک [illegible] یشتاق الیک [illegible] — اے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ [illegible]
اللہ [illegible] فی ہذہ اللیلۃ بکرامۃ لم [illegible] — چاہتا ہے آپ کو اس شب تعظیم و تکریم سے [illegible] آپ

بها احد قبلك ولا يكرم بها احد بعدك
ذلك لتستعد ان تتكلم مع ربك وتنظر اليه و
ترى في هذه الليلة من عجائب ربك و
عظمته وقدرته لہ

سے جو کسی کی تکریم نہ ہوئی اور نہ آپ کے بعد ہوگی آپ چاہیں
آج کی رات اپنے رب سے کلام کریں اس کے عجائبات
دیکھیں اور اس کی قدرت و عظمت کا معائنہ و مشاہدہ فرمائیں

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام کے اس بیان کے بعد میں نے اللہ کا شکر کر کے دوگانہ پڑھا اس کے بعد جبریل علیہ السلام نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک چاک کیا یعنی حلقوم کے نیچے سے لے کر پیٹ مبارک تک چاک کیا بلکہ جبریل علیہ السلام نے ایسے ہی انگلی سے اشارہ کیا تو مقام مذکورہ چر گیا آپ کے سینہ مبارک سے خون بھی جاری نہ ہوا اور نہ ہی آپ کو اس سے درد محسوس ہوا اس لئے کہ یہ بطور خرق عادت کے تھا جیسے معجزات کے آپ کا یہ بھی معجزہ تھا اس کے بعد جبریل علیہ السلام ایک تھال زمزم شریف کے پانی کا لائے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب اطہر نکال کر اسے تین بار دھویا اس کے اندر جو شے نبوت کی شان کے لائق نہیں تھی اسے باہر نکال کر پھینکا۔

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ زمزم کا پانی تمام پانیوں سے افضل ہے خواہ وہ بہشت کا پانی ہی کیوں نہ ہو اور اس کے بعد جبریل علیہ السلام ایک اور تھال سونے کا لائے جو ایمان و حکمت سے پُر تھا اسے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر ڈال دیا۔

ف: ہمارے نزدیک معانی کو اجسام میں متشکل کر کے دکھایا جاتا ہے جیسے علم کو دودھ کی شکل میں دکھایا پھر اس کے اندر سکینہ ڈال دی گئی اس کے بعد آپ کے قلب اطہر کو اس کے اصلی مقام پر رکھا گیا اسی وجہ سے آپ کے سینۂ مبارک پر دھاگے کے برابر نشان نظر آتا تھا یہ حضرت جبریل علیہ السلام کے ہاتھ مبارک کا ٹانکا تھا۔

ف: حضور علیہ السلام کا سینہ مبارک تین بار شق ہوا۔

① آپ جب بنی سعد کے ہاں تھے اس وقت آپ کی عمر پانچ سال تھی۔ کما قال ابن عباس رضی اللہ عنہما اس بار آپ کے دل سے وہ سیاہ ٹکڑا نکالا گیا جہاں شیطان انسان کے دل پر بیٹھ کر وسوسے ڈالتا ہے اسے حظ الشیطان سے تعبیر کیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر میں شیطان کا کچھ حصہ نہ تھا جیسے عام انسانوں میں ہوتا ہے اور نہ ہی آپ کو کھیل کود کی طرف رغبت تھی وغیرہ وغیرہ اور یہ صرف حضور علیہ السلام کے لئے ہوا اس سے پہلے دوسرے پیغمبرانِ عظام علیہم السلام کو یہ مرتبہ حاصل نہیں تھا اس لئے کہ ان کا اس طریقہ سے سینہ چاک نہیں ہوا تھا۔

شانِ ولایت: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مداحین اولیائے کاملین کو بھی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل یہی مرتبہ

لہ روح البیان جلد ۵ صفحہ ۱۰۰

نصیب ہو کر ان کے قلب میں بھی شیطان کا کوئی حصہ نہیں تھا اور ان کے قلب سے شیطان کا حصہ نکالا گیا جو ایک جمی ہوئی سیاہ تھی۔ ہوتی ہے جو بعض کو بیداری کی حالت میں ہوتی ہے اور بعض کو حالت خواب میں اور بعض کو کسی دوسرے طریقے سے لیکن ان میں سے پہلا طریقہ زیادہ بہتر ہے اس لئے کہ اس سے قلب بہتر طریقے سے صاف ہو کر اس سے عبادات عادات کی طرح ادا ہوتے ہیں۔

ف: اس موقع پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نور کی مہر لائے کہ جسے دیکھ کر دیکھنے والے حیران ہو جاتے اس سے حضور علیہ السلام کے قلب پر مہر لگائی اس کی وجہ سے آپ کا قلب محفوظ ہو گیا اس کے بعد آپ کے دونوں کاندھوں کے درمیان مہر نبوت لگائی گئی یہی جانا جاتا تھا کہ یہ نبوت کی علامت ہے اسی مہر کے گرد سیاہ تل جس میں چند سیاہ بال تھے جن کا میلان بارگاہ حق کی طرف مائل ہوتا تھا اور وہ مہر نبوت جیسے کبوتر کے انڈے کی طرح معلوم ہوتی تھی۔

ف: الحجلہ ایک پرندہ ہے بمقدار چڑیا کی طرح کبوتر سے چھوٹا جس کے پاؤں اور چونچ سرخ ہوتی ہے۔ اسے جنگلی مرغی بھی کہا جاتا ہے اور زر بمعنی اس پرندے کا انڈہ۔

ف: ترمذی نے فرمایا کہ اس سے مراد مسہری کی گھنڈی ہے اور بعض علماء کا قول ہے جو بعض راوی کا مہر کا ت، دیکھنا تا ہو تو لیلان

ف: مہر نبوت پر لکھا تھا: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ یا لکھا تھا محمد نبی امین وغیرہ وغیرہ۔

ف: روایات کے اختلاف کی وجہ یہ نہیں کہ واقعی مہر نبوت میں اختلاف تھا بلکہ دیکھنے والوں کے مختلف حالات تھے وہ اس لئے کہ ان دنوں کے حالات مختلف ہوتے اور احوال بدلتا ہے۔ مختلف نظر آتے تھے کیونکہ ان تجلیات کے کوائف میں بدلتے رہتے تھے

شان ولایت اور شیطان کی حکایت

حضرت امام دمیری قدس سرہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے کسی ولی نے سوال کیا کہ اسے وہ کیفیت دکھائی جائے جس سے انہیں معلوم ہو کہ وہ شیطان بھی کس طرح وسوسہ ڈالتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اس کی صورت دکھائی جس کے دونوں کاندھوں کے درمیان سیاہ تل پرندہ کے گھونسلے کی طرح نظر آتا تھا اسی پر شیطان اگر پچھلے پہر وقت سے جھانکتا ہے پھر دل کی جانب اپنی سونڈ داخل کر کے وسوسہ ڈالتا ہے جب انسان اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان اپنی سونڈ کھینچ لیتا ہے اسی لئے اس کا نام خناس یعنی چھپ جانے والا ہے۔ اسے جب دل میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کی شعاعیں نظر آتی ہیں تو پیچھے بھاگ جاتا ہے اسی وجہ سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کاندھوں کے درمیان پچھنے لگواتے تھے بلکہ امت کے لئے بھی حکم فرماتے اور فرمایا کہ اسی طرح مجھے جبرائیل علیہ السلام نے نصیحت فرمائی تاکہ شیطان کا راستہ بند ہو اور وہ دل میں وسوسہ داخل نہ کر سکے اس لئے کہ وہ انسان میں وسوسہ ڈالنے کے واسطے جسم میں ایسے گھومتا ہے جیسے انسان میں رگ رگ خون کا دورہ ہوتا ہے۔ مہر نبوت کا دونوں کاندھوں کے درمیان میں ہونے میں یہی راز تھا تاکہ امت کو معلوم ہو کہ اگرچہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں کے گناہوں سے معصوم تھے اور خود حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا شیطان مسلمان ہو گیا ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی ہے۔ یعنی مہر نبوت سے آپ کی عصمت کی تائید ہوئی اور اسی سے آپ اللہ تعالیٰ کے لطف سے محفوظ اور مکرم ہوئے اور شیطان کے وسوسے سے بچ گئے

بالکل محفوظ تھے اس لئے کہ آپ کے ساتھ رہنے والا شیطان مسلمان ہو گیا اگرچہ آدم علیہ السلام کا شیطان بھی مسلمان ہو گیا لیکن اس نے ان پر وسوسہ کر کے غلط کر لیا۔

② دوبارہ شق صدر اس وقت ہوا جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال کے ہو گئے اس وقت آپ کا سینہ مبارک چاک کیا گیا تاکہ آپ نبوت کا بوجھ آسانی سے اٹھا سکیں۔

③ تیسری بار آپ کا شق صدر ہوا جب آپ کو معراج ہوئی اس وقت آپ کی عمر پچاس سال تھی، اس سے آپ کے قلب میں توسیع کی گئی تاکہ آپ اسرار الٰہی و کمالات ربانیہ کو بہتر طور پر مشاہدہ کر سکیں۔

شب معراج جبرائیل علیہ السلام اپنے ساتھ ایک سفید رنگ کی سواری لائے جسے براق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ البراق بضم الموحدہ اور اسے براق اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ سخت چمکدار تھا یا بہت جلد باز تھا جیسے بجلی بادل میں چمکتی ہے اور بہت بڑی جلد باز ہوتی ہے یہ براق بھی اسی طرح تیز رفتار تھا۔

حضرت جامی قدس سرہ نے فرمایا: ؎

① بسیچ راہ عرشت کردم اینک
براق برق سیر آوردم اینک

② جہندہ بر زمیں خوش بادپائے
پرندہ در ہوا فرخ ہمائے

③ چو عقل کل سوئے افلاک گردے
چو فکر ہندسہ گیتی نوردے

④ نہ دست کس عنان او بسودہ
نہ تر پائے رکابش گشتہ سودہ

ترجمہ: ① میں آپ کو آسمان کی طرف لے جانے کی نیت سے حاضر ہوا ہوں دیکھئے یہ براق برق رفتار حاضر ہے

② زمین پر خوب دوڑتا ہے اور آسمان پر بھی بہت اڑتا ہے

③ عقل کی طرح آسمان پر جاتا ہے جذبہ کی طرح زمانہ کو لپیٹتا ہے۔

④ کسی ہاتھ نے اس کی باگ کو نہیں پکڑا اور نہ ہی اس کے رکاب میں کسی کے پاؤں لگے۔

شب معراج جب براق پر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے وہ گھوڑے سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا۔

نکتہ: صاحب الملتقی نے لکھا ہے کہ اسے خچر کی شکل میں لانے میں حکمت ہے ورنہ اسے گھوڑے کی شکل میں لایا جاتا یا ایک تو اس لئے کہ آپ کو اس پر سوار ہونے میں آسانی ہو اور اس سے آپ کو ملال بھی نہ ہو کہ اونچی سواری سے خوف و وحشت

ہوتی ہے دوسرے اس لئے کہ اظہار معجزہ ہو کہ جانور کی یہ سواری اتنا تیز رفتار بھی نہیں لیکن اللہ تعالے نے اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اسے ایسا تیز رفتار بنایا کہ عقل والے دنگ اور حیران رہ گئے۔ اور براق کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ تا حد نگاہ براق کے قدم پہنچتے تھے زمین سے آسمان تک اس کا ایک قدم ہوا اس لئے کہ ہم جب نگاہ اٹھاتے ہیں تو ہماری نگاہ آسمان پر پڑتی ہے تو اس حساب سے اس کا ایک قدم زمین پر تھا تو آنکھ جھپکتے ہی اس کا دوسرا قدم آسمان پر پہنچ گیا گویا اس نے ساتوں آسمانوں کو ساتوں قدموں سے طے کر لیا۔

رد وہابیہ جو لوگ اولیاء کرام کے طے الارض (طے المسافت) کی کرامات کے منکر ہوتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے پیشرو (معتزلہ) نے آصف برخیا کی کرامت کا انکار کر دیا اور دلیل یہ بنائی کہ آنکھ جھپکنے سے پہلے بلقیس کا تخت کس طرح لایا جانا محال ہے۔

[صاحب روح البیان ان کے رد میں لکھتے ہیں کہ]

وبهذا يرد على من استبعد من المتكلمين احضار عرش بلقيس في لحظة واحدة[1]	اس سے ان کا رد ہوا جو بعض متکلمین کہتے ہیں کہ بلقیس کا تخت ایک لحظہ میں لایا جانا محال ہے۔

ف: ربیع الابرار میں ہے کہ براق کا چہرہ انسان کے چہرے کی طرح تھا اور اس کے پاؤں اونٹ کے پاؤں کی طرح اور بال گھوڑے کی طرح اور اس کی زین سفید موتیوں کی اور دونوں رکاب سبز زبرجد اور لگام سرخ یاقوت کی اور اس سے نور ٹپکتا تھا۔

ف: انسان العیون میں ہے کہ وہ نہ نر تھا نہ مادہ بلکہ ایسی جنس سے تھا جسے نر و مادہ سے موصوف کیا جا سکتا ہے وقت سے ومن کل شئی خلقنا زوجین کے قاعدے سے ملائکہ کرام کی طرح خارج تھا اس لئے کہ وہ بھی نہ نر ہیں نہ مادہ

حدیث شریف حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اس جیسا جانور میں نے پہلے دیکھا نہ بعد میں اور میں اس کے دیدار کا اشتیاق رکھتا ہوں اور میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کیسا جانور ہے۔ جبریل علیہ السلام نے فرمایا یہ براق ہے آپ اس پر سوار ہوں کہ اللہ تعالے کے ہاں تشریف لے چلئے اس لئے کہ اللہ تعالے نے آپ کو دعوت دی ہے۔ جبریل علیہ السلام نے لگام سے پکڑا میکائیل علیہ السلام نے اس کے رکاب اور اسرافیل اس کے پیچھے۔ میں نے جب اس پر سوار ہونے کا ارادہ کیا تو براق بدکنے لگا۔ جبریل علیہ السلام نے اس کی گردن پر ہاتھ رکھا اور اسے فرمایا یہ کیا؟ اللہ تعالے کی قسم اس جیسا تیرے اوپر پہلے کوئی سوار ہوا نہ بعد میں ہاں ایسا ہو سکتا ہے یہ ہیں حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم یہ سن کر براق جبریل علیہ السلام کی بات سن کر پسینہ پسینہ

---

[1] روح البیان جلد ۵ صفحہ ۱۰۹

ہوگیا۔

ف: ابن دحیہ نے فرمایا کہ اس براق پر حضور علیہ السلام سے پہلے کوئی بھی سوار نہ ہوا تھا۔ امام نووی اس کے موافق فرماتے ہیں۔

ازالۂ وہم: جبریل علیہ السلام کا فرمانا کہ اے براق! ان سے پہلے تیرے اوپر سوار نہ ہوگا اس سے یہی مراد ہے کہ براق پر کوئی سوار نہیں ہوا اس کا یہ مطلب نہیں کہ اور سوار ہوتے تھے لیکن ان جیسے نہیں تھے وغیرہ وغیرہ۔

براق کی دانشمندی براق کو جب جبریل علیہ السلام نے جھڑکا تو براق نے کہا، اے جبریل علیہ السلام میں اس لئے نہیں جھکا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ اٹھاؤں بلکہ اس لئے رکا ہوں کہ آپ سے ضمانت لوں تاکہ آپ قیامت میں میری شفاعت کی ذمہ داری لیں اور ابھی سے میرے ساتھ وعدہ فرمائیں اس لئے کہ مجھے معلوم ہے حضور علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین بندے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے براق سے شفاعت کا وعدہ فرمالیا۔

انکشاف: منقول ہے کہ سفید گلاب جبریل علیہ السلام کے پسینے سے اور زرد گلاب براق کے پسینے سے پیدا کیا گیا ہے۔

حدیث شریف حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے آسمانی معراج کے لئے بلایا گیا تو زمین رونے لگی اس کے رونے سے اس کی انگوری زرد ہوگئی جب میں معراج سے زمین پر واپس ہوا تو میرے پسینے کے قطرات زمین پر پڑے تو اس سے گلاب کا پھول پیدا ہوا۔ اب جو شخص میری خوشبو سونگھنا چاہتا ہے تو اسے چاہیئے کہ سرخ گلاب سونگھے۔

ف: ابوالفرج نہروانی نے فرمایا کہ اس حدیث شریف سے یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے جتنا اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کرم بتایا ہے وہ اس حدیث کے مطابق ابتدائی حکم ہے بلکہ آپ کے فضائل و کمالات کا یہ ادنیٰ کمال ہے ورنہ اللہ تعالیٰ نے اس سے کہیں زیادہ درجات اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا ہے۔ کذا فی الخصائص الکبریٰ۔

ف: فقیر اویسی غفرلہ کہتا ہے کہ اس حدیث سے یہ سمجھا کہ ان واقعات سے پہلے گلاب سفید، زرد اور سرخ کے پھول نہیں تھے مگر ان حضرات کے اعزاز میں اس رنگ کے پھول ان کے پسینوں سے پیدا ہوگئے۔ اس کی مثال بی بی حوا کا واقعہ ہے کہ جب وہ زمین پر اتریں تو گریہ زاری فرمائی ان کے چشم آنسو ٹپکے ان سے دریا کے موتی پیدا ہوگئے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بی بی سے پہلے دریا کے موتی نہ تھے بلکہ بی بی حوا سے پہلے بھی موتی تھے۔ ایسے ہی مذکورہ رنگ جیسے پھول پہلے بھی تھے۔

ف: نمک کے متعلق مشہور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہشت کا کافور ایک مٹھی بھر دیا گیا تو انہوں نے زمین پر پھینکا جہاں جہاں اس کافور کے ذرات پڑے وہیں پر نمک کی کانیں بن گئیں لیکن اس سے قبل بھی نمک موجود تھا ان واقعات کا مقصد یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کے اعزاز میں بہت بڑی بڑی چیزیں اشیاء پیدا فرمائیں۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اسی براق پر سوار ہوگیا۔

ازاں دولت سرا چوں شد حبیب دیں
فراواں شد بجسم خانۂ دیں
شد از سبوحیاں گردوں منادی
کہ سبحان الذی اسری بعبدہٖ

ترجمہ: اس دولت سے وہ دین کے سردار زینت والے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ آسمانی فرشتے آسمان سے آواز دینے لگے وسبحٰن الذی اسریٰ بعبدہٖ۔

ف: اختلاف ہے کہ کیا جبریل علیہ السلام حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سوار ہوئے یا نہ۔

صاحب المنتقیٰ نے فرمایا کہ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ جبریل علیہ السلام حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سوار نہیں ہوئے تھے اس لئے کہ وہ براق صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور صرف معراج کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔

شب معراج میں زمین کے مختلف مقامات کی سیر

جب حضور علیہ السلام براق پر سوار ہوئے تو وہ (براق) ہوا چلا جہاں نگاہ پڑتی وہاں اس کا قدم پہنچتا آپ کا ایک زمین پر سے گزر ہوا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ آپ براق سے اتر کر یہاں ایک دوگانہ پڑھ لیجئے۔ جب آپ نے دوگانہ پڑھ لیا تو پھر براق پر سوار ہوئے۔ تو پھر جبریل علیہ السلام نے پوچھا کہ یہ کون سا مقام تھا آپ نے فرمایا میں نہیں جانتا۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ یہ مقام مدین تھا شجرۂ موسیٰ علیہ السلام کے قریب اور اس کے بالمقابل ایک جگہ کا نام ہے یہ مدین بن ابراہیم کی وجہ سے اس نام سے موسوم ہوا جیسے کہ وہ یہیں اس مقام پر مقیم ہوئے۔

اس کے بعد براق چل پڑا تھوڑی ہی مسافت طے ہوئی تو پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ یہاں اتر کر دوگانہ پڑھئے آپ نے دوگانہ پڑھا۔ جبریل نے عرض کی کہ یہ کون سا مقام ہے؟ آپ نے فرمایا میں نہیں جانتا۔ جبریل علیہ السلام نے فرمایا یہ بیت لحم ہے یہ ایک بستی ہے جو بیت المقدس کے بالمقابل ہے یہیں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ اس کے بعد آپ براق پر سوار ہوئے براق کے پیچھے سے ایک بہت بڑا قوی ہیکل جن نظر آیا جس کے ہاتھ میں آگ کی چنگاری تھی۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ میں آپ کو چند کلمات عرض کروں جب آپ انہیں پڑھیں گے تو اس جن کی آگ بجھ جائے گی بلکہ خود بھی منہ کے بل گر جائے گا۔ آپ نے فرمایا وہ کلمات کیا ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے عرض کی وہ کلمات یہ ہیں۔

اعوذ بوجه الله الكريم وبكلمات الله	میں اللہ کریم کی ذات اور اس کے ان کلمات کی برکت سے
التامات التي لا يجاوزهن بر ولا فاجر من	جن سے کوئی نیک اور بد تجاوز نہیں کر سکتا ہے اس شر سے پناہ
شر ما ينزل من السماء ومن شر ما يعرج	مانگتا ہوں جو آسمان سے اترتا ہے اور اس شر سے جو

فیها ومن شر ما ذرأ فی الارض ومن شر ما
یخرج منها ومن فتن اللیل والنهار الا طارقا
یطرق بخیر یا رحمٰن .

آسمان پر چڑھتے ہیں اور اس مخلوق سے جو زمین سے نکلتے اور
اس زمین میں پھیلتے ہیں اور رات دن کے فتنوں اور شب
کو آنے والوں سے ۔ اے اللہ ہمیں خیر عطا ہو ۔

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے   کلمات پڑھے آتشیں شیطان جیسے ہی دیکھ کر ملعون جنگل میں منہ کے بل گر پڑا اور اس کی آگ کے شعلے بھی بجھ گئے ۔

اس کے بعد حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے انسانوں کے حالات منکشف ہو گئے ۔ آپ نے جنت کے اندر انھیں جو جزا نصیب تھی اپنی آنکھوں مبارک سے معائنہ فرمایا اور انھیں ایک مثال کے طور پر بیان کیا گیا کہ وہ ایک قسم کی طرح ہیں جو اس وقت کھیتی باڑی کرتی ہے پھر اس وقت مکمل ہو جاتی ہے وہ اسے کاٹ لیتے ہیں پھر وہ پہلے کی طرح ہو جاتی ہے ۔ آپ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں عرض کی یہ مجاہد فی سبیل اللہ ہیں کہ جنھیں نیکی سات سو گنا زیادہ نصیب ہوتی ہے جو کچھ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ پر خرچ کیا اس کا انھیں عوض ملے گا اس سے مراد یہ ہے کہ انھیں بے حساب ثواب نصیب ہوگا اس کے بعد دائیں طرف سے ایک ندا آئی : یا محمد انظرنی اسألک ۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف دیکھئے میں آپ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں ۔ آپ نے اسے جواب نہ دیا ۔ آپ نے فرمایا جبریل علیہ السلام یہ کیا ہے ؟ عرض کی یہ یہودیت کا داعی تھا اگر آپ اسے جواب دیتے تو آپ کی امت یہودیت سے مانوس ہو جاتی یعنی انھیں آیات پر عمل کرنے کا شوق ہوتا اس سے آپ کی اکثر امت مراد ہے اس کے بعد آپ کو بائیں طرف سے ندا آئی آپ نے اسے بھی جواب نہ دیا ۔ آپ نے فرمایا جبریل علیہ السلام یہ کیا ہے ؟ عرض کی یہ نصرانیت کا داعی تھا اگر آپ اسے جواب دیتے تو آپ کی اکثر امت کو انجیل پر عمل کا شوق ہوتا ۔ اس کے بعد آپ پر دنیا کا حال منکشف ہوا اسے ایک بڑھیا عورت کی صورت میں دکھایا گیا کہ جس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور دونوں کلائیوں سے کپڑا اترا ہوا تھا اس لئے کہ جو کسی دوسرے کو اپنی طرف کھینچتا ہے اس کی یہی حالت ہوتی ہے اور اس پر ہر قسم کا آراستگی تھا اور ظاہر ہے کہ زینت کا صرف ایک سبب ہی اپنی طرف کھینچ لیتا ہے پھر اس کا کیا حال ہوگا جس میں زینت کے تمام اسباب موجود ہوں ۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؛ ؎

خوش عروسیست جہان از رہ صورت لیکن
ہر کہ پیوست بدو عمر خودش کابین داد

ترجمہ : یہ دنیا عجیب دلہن ہے کہ جو اس سے ملا اس نے اپنی زندگی مہر میں دے دی ۔]

؎

از رہ مرو بعشوۂ دنیا کہ این عجوز
مکارہ می نشیند و محتالہ می رود

ترجمہ: سیدھی راہ چھوڑ کر بائیں دائیں کے اشاروں پر نہ چل یہ دھوکہ باز تجھے فریب دے کر تباہی کی طرف لے جائے گا

دنیا کا حال دنیا نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ میرا آپ سے ایک سوال ہے لیکن آپ نے اس کی طرف توجہ نہ دی آپ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون ہے؟ عرض کی یہ دنیا تھی اگر آپ اسے جواب دیتے تو آپ کی امت دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتی۔

بوڑھی دنیا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک راستے میں بڑھیا کو دیکھا وہ آپ کو پکار رہی تھی آپ نے اس کی طرف بھی توجہ نہ دی آپ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ عرض کیا کہ یہ دنیا ہے اس کی مثال بڑھیا کی ہے کہ جس طرح بڑھیا اپنی زندگی کی آخری منزل طے کر رہی ہے ایسے ہی دنیا اب ختم ہونے والی ہے اس کی عمر اتنی رہ گئی ہے جتنی اس بڑھیا کی۔

ف: دنیا کو کہیں نوجوان اور کہیں بوڑھی عورت سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ ذاتی طور پر نہ جوان ہے نہ بوڑھی اس کی یہ تعبیریں باعتبار تعلقات کے ہیں مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ تک اسے شباب (نوجوان) کہا جاتا۔ اس کے بعد حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ تک اسے کہل (ادھیڑ عمر کی عورت) کہا جاتا اور اس کے بعد تا قیامت اسے عجوز (بڑھیا) کہا جائے گا۔ اور یہ بھی صرف انسانی نشو و نما اور اس کے مختلف ادوار کی وجہ سے ہے ورنہ یہ آدم علیہ السلام کے زمانے سے ہی عجوزہ (بڑھیا) تھی اس کا شباب اور تر و تازگی آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت سے ختم ہو گئی (کذا فی بعض الاخبار)

سوال: شباب یا بڑھاپا تو حیوانات میں ہوتا ہے دنیا کے لئے کون سا شباب اور کونسا بڑھاپا ہے؟

جواب: پہلے بھی عرض کیا گیا ہے کہ یہ صرف مثالی طور پر کہا گیا ہے۔

خیانتی کا برا حال حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خیانتی انسان کی مثال دکھائی گئی کہ ایک مرد لکڑیوں کا گٹھڑ اٹھاتا ہے لیکن اٹھا نہیں سکتا پھر بھی اس گٹھڑے میں اور لکڑیاں ڈالتا جاتا ہے یہ اس خیانتی کی مثال ہے جو لوگوں کی امانتوں کی حفاظت نہیں کر سکتا لیکن مزید امانتیں اپنے پاس رکھنے کی جدوجہد کرتا ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون ہے؟ عرض کی کہ یہ آپ کا وہ امتی ہے جس کے پاس امانتیں رکھی جاتی ہیں اور وہ انہیں ادا نہیں کرتا اور مزید امانت کے درپے رہتا ہے۔

اعجوبہ: بزرگان دین فرماتے ہیں:

اتقوا الواوات

یعنی ان امور سے ڈرو جن کے اول لفظ واو آتا ہے جیسے وزارت، وکالت، ولایت، وصایت (کسی کی وصیت کا بوجھ اٹھانا)، وکالت، ودیعت جیسے امانت رکھنا۔

بے نماز کا برا حال: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بے نماز کی کیفیت دکھائی گئی کہ ایک قوم کے سر پتھروں سے

چھوڑا جاتا ہے جب تک ان کے سر ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں تو پہلے کی طرح صحیح و سالم ہو جاتے ہیں۔ آپ نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ عرض کی کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے سر فرض نمازوں کے وقت بوجھل ہو جاتے تھے۔

تارک زکوٰۃ

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تارک زکوٰۃ کا حال دکھایا گیا جن کے آگے پیچھے بہت بڑے زخم ہیں وہ اونٹ بکریوں کی طرح چرتے ہیں اور انہیں تھوہر کا درخت کھلوایا جاتا ہے۔ الضریع ایک خشک درخت کو کہا جاتا ہے جو کانٹے دار ہوتا ہے۔ الزقوم اس کے ثمر کو کہا جاتا ہے جو کانٹوں کے ساتھ سخت کڑوا بھی ہے بعض کے نزدیک ایسا درخت دنیا میں نہیں بلکہ یہ صرف جہنم میں ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یوں بیان فرمایا:

انها شجرة تخرج فی اصل الجحیم ۔ وہ ایسا درخت ہے جو دوزخ کے اندر پیدا ہوتا ہے۔

جن لوگوں کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ اور بکریوں کی طرح روتا ہوا دیکھا انہیں جہنم کے انگارے کھلائے جا رہے ہیں۔ آپ نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ عرض کی کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے اموال سے زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تھے۔

زانیوں کا برا حال

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زانی دکھائے گئے جن کے سامنے پکا ہوا بہترین گوشت ہانڈیوں کے اندر رکھا ہے اور دوسری طرف کچا اور بدبودار گوشت پڑا ہے وہ لوگ پکے ہوئے اور بہترین گوشت کو چھوڑ کر کچا اور بدبودار گوشت کھا رہے ہیں۔ آپ نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ عرض کی کہ آپ کے وہ امتی ہیں جو شادی شدہ ہو کر غیر عورتوں کے پاس شب باشی کرتے اور اپنی عورتوں کے پاس نہیں جاتے اور ان کے ساتھ وہ عورتیں ہیں جو اپنے شوہروں کے بجائے غیر مردوں کے پاس رات گزارتی تھیں یعنی زناکار مرد اور زانی عورتیں۔

ڈاکوؤں کا حشر

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈاکوؤں کا حال دکھایا گیا کہ ایک لکڑی ایسی ہے کہ وہ جس کپڑے یا کسی شے سے گزرتی ہے تو اسے چیر پھاڑ دیتی ہے آپ نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ عرض کی کہ یہ آپ کے اس امتی کی مثال ہے جو لوگوں کے راستے پر چھپ بیٹھتے تھے جو بھی لوگ وہاں سے گزرتے تو وہ ان سے مال چھین لیتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس برے فعل سے روکا تھا:

ولا تقعدوا بکل صراط توعدون ۔ ایسے راستوں پر مت بیٹھو کہ تم لوگوں کو ڈراتے رہو۔

بدعمل علماء اور پیر

فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ مذکورہ بالا حالات ظاہری زانی اور ڈاکوؤں کے تھے لیکن یہی حال معنوی زانی اور باطنی ڈاکوؤں کا ہے وہ علماء اور پیر ہیں جو اندرونی طور پر قوم کو تباہ و برباد کرتے ہیں اور ظاہری شکل علماء و مشائخ کی دکھاتے ہیں ایسے لوگ دجال و کذاب ہیں ایسے لوگ اپنی ظاہری صورتیں نیک اور بہتر رکھتے ہیں حالانکہ ان کی طبیعت کی استعداد خراب ہوتی ہے جس سے خود بھی گمراہ ہو جاتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں ایسے مکار پیر اور شیاد و بدعمل علماء کو ایسے زانیوں اور ڈاکوؤں کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

سود خوار

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سود خوار کی حالت اس شخص کی سی دکھائی گئی جو خون کی نہر میں تیرتا جا رہا تھا اور اس کے منہ میں جو پتھر ڈالے جا رہے ہیں۔ آپ نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی یہ آپ کا سود خوار امتی ہے۔

بے عمل واعظ و مبلغ اور مقرر

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان بے عمل لوگوں کی کیفیت دکھائی گئی کہ ایک قوم کی زبانیں اور ہونٹ جن کے قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں، ایک دفعہ کاٹے جاتے ہیں تو دوبارہ پہلے کی طرح صحیح و سالم ہو جاتے ہیں۔ آپ نے پوچھا یہ کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ یہ آپ کی امت کے وہ خطباء، مقررین، مبلغین اور واعظین ہیں جن کی تقریر سے فتنے اٹھ کھڑے ہوتے اور وہ خود بے عمل ہوتے اور دوسروں کو اعمال صالحہ کی تلقین کرتے تھے۔

از من بگوئے عالم تفسیر گوی را
گر در عمل نکوشی تو نادان مفسری
بار درخت علم ندانم بجز عمل
با علم اگر عمل نکنی شاخ بے بری

ترجمہ: تفسیر دان عالم کو میری طرف سے کہہ دو اگر تم عمل میں کوشش نہ کرو گے تو تم بے وقوف مفسر ہو۔ علم بے عمل اس درخت کی طرح ہے جس پر پھل نہ ہو۔

غیبت کرنے والے

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو غیبت کرنے والوں کی صورت دکھائی گئی کہ وہ اپنے چہرے اور سینے تانبے کے ناخنوں سے نوچ رہے ہیں۔ آپ نے پوچھا یہ کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ یہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں جو غیبت کرنے اور لوگوں کی عزت گھٹانے کے درپے رہتے تھے۔

فحش بکنے والے

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو فحش بکنے والے دکھائے گئے کہ ایک پتھر سے ایک چھوٹا سا بیل نکلتا ہے پھر دوبارہ داخل ہونا چاہتا ہے کہ جہاں سے نکلا ہے وہاں واپس لوٹ جائے لیکن کوشش کے باوجود نہیں جا سکتا۔ آپ نے پوچھا یہ کون ہے؟ جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ یہ آپ کا وہ امتی ہے جو منہ سے بڑی بات کو معمولی سمجھتے ہوئے ایسی بات کرتا جو اس کے لائق نہیں ہوتی تھی پھر اس پر پچھتا کر اسے واپس لینا چاہتا لیکن اب اسے لوٹا نہیں پاتا ہے لیکن بات نکلی ہوئی کیسے واپس ہو۔

بہشت

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت کے کنارے پر لایا گیا آپ ایک وادی پر تشریف لائے اس کی ٹھنڈی ہوا اور بہترین خوشبو سے بیل بوٹے تر و تازہ ہو رہے ہیں اور اس سے خوش کن آواز سنائی دی تو آپ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ یہ بہشت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میرے ساتھ جنت کا وعدہ پورا کیجئے

مجھے چل کر میں لے دکھاؤں۔

جہنم حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جہنم کی کیفیت دکھائی گئی آپ کو ایک وادی پر لایا گیا اس سے بہت ٹھنڈی مکروہ آواز سنائی دی اور اس سے بہت بڑی گندی بو آئی۔ آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی کہ یہ جہنم کی آواز ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

ذرہ ذرہ کاندریں ارض و سما ست
جنس خود را ہر یکی چون کہرباست
معدہ نان را می کشد تا مستقر
می کشد مر آب را تفِ جگر
چشم جذاب بتان زیں کوہ ہاست
مغز جویاں از گلستاں بوہاست

ترجمہ: (۱) زمین و آسمان کا ہر ذرہ ہر ایک اپنی جنس کے لئے کہربا کی طرح ہے۔

(۲) معدہ طعام کو اپنے مستقر تک کھینچتا ہے ایسے ہی جگر کی گرمی پانی کو۔

(۳) آنکھ کی کشش اسی قبیل سے ہے۔ مغز باغ کی خوشبو اس سے کھینچتا ہے۔

ابلیس حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس سے گزرے جو راستے سے ہٹ کر علیحدہ کھڑا تھا اور پکارتا ہے یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی چلئے اس کی طرف توجہ نہ دیجئے۔ آپ نے پوچھا یہ کون ہے؟ عرض کی کہ یہ خبیث ابلیس آپ کا دشمن ہے چاہتا ہے کہ آپ کو اپنی طرف جھکا دے۔

؎

آدمی را دشمن پنہاں بسیست
آدمی با حذر عاقل کسیست

ترجمہ: آدمی کے پوشیدہ دشمن بہت ہیں پر خوف انسان دانا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گزر ہوا وہ سرخ ٹیلے کے نزدیک اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے جونہی حضور علیہ السلام کو وہاں سے گزرتا دیکھا تو بلند آواز سے کہا

اکرمتہ و فضلتہ یعنی کہ انہیں افضل و اکرم بنایا ہے۔

آپ نے فرمایا یہ کون ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی کہ یہ موسیٰ بن عمران علیہ السلام ہیں۔ آپ نے پوچھا: اسے کس چیز کی

رہا تھا عرض کی کہ آپ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں جھڑکی دیا تھا۔

ف: یہاں عتاب اور جھڑک محبت اور پیار کی تھی۔

مزارات کی زیارت اور مزارات کے نزدیک نوافل وہابی دیوبندی مزارات اولیاء سے نہ صرف روکتے بلکہ اسے شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔ صاحب روح البیان کے مندرجہ ذیل قول سے ان کی تردید ہوتی ہے۔ انہوں نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہا:

و الظاهر انه عليه السلام نزل عند قبره فصلى ركعتين[2]

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر مبارک کے قریب اترے اور دوگانہ پڑھا۔

ابراہیم علیہ السلام ایک درخت کے نیچے ایک شخص جلوہ گر ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا جن کے گرداگرد بیٹھے ہیں کنبہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ یہ آپ کے دادا جان حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ آپ نے ان کے قریب جا کر انہیں سلام کیا ابراہیم علیہ السلام نے سلام کا جواب دے کر جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انہوں نے عرض کی کہ یہ آپ کے صاحبزادے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا:

مرحبا بالنبی الامی العربی

یہ کہہ کر حضور علیہ السلام کے لئے خیر و برکت کی دعا فرمائی۔

انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں جس درخت سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا وہیں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مزار مبارک تھا حضور علیہ السلام اسی درخت کے نزدیک اترے اور وہیں دوگانہ ادا فرمایا۔ معلوم ہوا کہ اللہ والوں کی مزارات کی زیارت سنت ہے اور پھر نفل دوگانہ پڑھنا سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔[3]

بیت المقدس میں تشریف آوری اور ملائکہ کرام کا استقبال! حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ابراہیم علیہ السلام کی مزار کی زیارت سے فراغت پا کر براق پر سوار ہوئے اور بیت المقدس کے قریب ایک وادی پہنچے جہاں آپ کو جہنم کی صورت و مانند انگیٹھیوں کی طرح دکھائی گئی جبریل علیہ السلام نے پوچھا یا حضرت آپ کو جہنم کی کیفیت کیسی محسوس ہوئی؟ آپ نے فرمایا اسے ایک کی طرح نظر آئی تھی یہاں سے حضور علیہ السلام آگے بڑھے اور ایلیاء یعنی بیت المقدس میں داخل ہو گئے یعنی بیت المقدس جو بلاد شام میں واقع ہے یہاں پر آپ کے استقبال کے لئے ملائکہ کی ایک بہت بڑی جماعت موجود تھی۔

---

[1] اضافہ از فقیر اویسی۔

[2] روح البیان جلد ۵ صفحہ ۱۰۱۔

[3] از فقیر اویسی

اور فرشتے گنتی اور شمار سے باہر تھے آپ ایلیا کے باب یمانی سے داخل ہوئے اور مسجد اقصیٰ میں پہنچے یہاں دروازے کے آگے ایک پتھر پڑا تھا جسے جبریل علیہ السلام نے چھید کر براق کو باندھا۔

حضرت سفیان رضی اللہ عنہ کا قبل اسلام ایک عجیب واقعہ ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں قیصر (بادشاہ) کے ہاں چند باتیں ایسی سوچ کر گیا تھا کہ ان کی بنیاد پر اس سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت میں کمی آسکے گی یعنی ان کی ایسی باتیں بتاؤں کہ جن سے ان کا جھوٹ ثابت ہو اور قیصر (بادشاہ) ان کے جھوٹ کی وجہ سے ان سے نفرت کرنے لگے۔ چنانچہ میں نے قیصر (بادشاہ) سے کہا کہ میں تمہیں اس نبی کی ایک ایسی بات بتاؤں جس سے تمہیں یقین ہو جائے گا کہ واقعی وہ جھوٹا ہے۔ قیصر نے کہا وہ کیا؟ ابوسفیان نے کہا کہ وہ کہتا ہے کہ وہ ایک ہی رات میں بیت اللہ (مکہ) سے بیت المقدس پہنچ کر واپس لوٹ آیا ہوں۔ کیا عقل باور کرتی ہے کہ انسان اتنا لمبا سفر ایک رات میں طے کرے؟ ابوسفیان یہ ماجرا بیان کر کے خاموش ہوا تو بیت المقدس کا خاص پادری بول پڑا اور قیصر (بادشاہ) سے کہا کہ اس رات کی کہانی مجھے معلوم ہے۔ ہوا یوں کہ میری عادت تھی کہ بیت المقدس (مسجد) کے تمام دروازے بند کر کے سوتا تھا اس رات بھی میں نے تمام دروازے بند کئے لیکن ایک دروازہ بند نہ ہو سکا بہت زور جدوجہد کے باوجود کھلا رہا۔ اور وہ فلاں دروازہ جو اب بھی ہے اس کے بعد میں نے ہمسائیگان کی مدد چاہی اور اسے ہر چند بند کرنے کی کوشش کی گئی مگر بند نہ ہو سکا بالآخر ہم نے اسے ایسے ہی چھوڑ دیا اور سمجھا کہ اسے کچھ خرابی ہے تو کل ٹھیک کرا لیں گے۔ چنانچہ میں اس دروازے کو کھلا چھوڑ کر چلا گیا جب صبح حاضر ہوا تو دیکھا کہ وہ پتھر جو دروازے کے آگے پڑا تھا جس میں سوراخ نہیں تھا اب اس میں سوراخ پایا گیا اور ایسے محسوس ہوتا تھا کہ اس کے ساتھ کسی سواری کو باندھا گیا۔ اور مذکورہ دروازے کے بند نہ ہونے کا بظاہر کوئی سبب نہ تھا سوائے اس کے کہ میں نے کتب سماویہ میں پڑھا تھا کہ جب نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان کی سیر کرائی جائے گی تو وہ بیت المقدس سے آسمانوں پر تشریف لے جائیں گے۔ چنانچہ میں نے یہ کیفیت دیکھ کر اپنے ساتھیوں کو اسی وقت کہہ دیا تھا کہ آج شب نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی ہے اور دروازے کے بند نہ ہونے کا سبب بھی یہی تھا۔

ف: دروازے کا بند نہ ہونا بھی حضور علیہ السلام کے معراج کی تصدیق کے لئے تھا ورنہ جبریل علیہ السلام کے آگے ایسے دروازے حائل نہیں ہو سکتے تھے اسی طرح ان کا پتھر کو چھیدنا اور براق کا باندھنا بھی حضور علیہ السلام کی صداقت پر دلالت کے لئے تھا ورنہ براق کو باندھنے کی کیا ضرورت تھی۔ اولاً تو وہ براق جیسے دنیوی جانوروں کی طرح نہیں۔ ثانیاً وہ براق حضور علیہ السلام پر جان فدا تھا وہ حضور علیہ السلام کے بغیر کہاں جا سکتا تھا۔ ثالثاً خود اللہ تعالیٰ نے اس براق کو صرف اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھیجا تھا اور صرف انہی کے لئے مسخر کر دیا گیا۔ ان وجوہ کی بنا پر اس کے باندھنے کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی سوائے اس کے کہ وہ بھی حضور علیہ السلام کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے۔

حوران بہشت کی حاضری

جب حضور عالم صلی اللہ علیہ وسلم عرش معظم پر تشریف لائے تو جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ آپ اپنے رب تعالیٰ سے درخواست کیجئے تاکہ آپ کو حوران بہشت دکھائے۔ آپ نے سوال کی

تو آپ کے اور حورانِ بہشت کے درمیان سے پردے ہٹا دیئے گئے۔ آپ نے انہیں السلام علیکم کہا انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام کا جواب دیا آپ نے ان سے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے عرض کی کہ ہم ان نیک لوگوں کی عورتیں ہیں جو دنیا میں نیکوکار رہے گناہوں کی میل کچیل ان کے قریب نہ پھٹکی اور وہ بہشت میں ہمارے پاس مقیم ہوں گے یہاں سے کوچ نہیں کریں گے اور ہمیشہ زندہ رہیں گے ان پر موت نہیں آئے گی۔

انبیاء علیہم السلام حضور علیہ السلام کی خدمت میں

ان کے بعد حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم بیت المقدس تشریف لے گئے۔ آپ کی تشریف آوری کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو زندہ کر کے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا یا یہ کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو عالمِ برزخ سے عالمِ دنیا میں صورتِ مثال کے ساتھ لایا گیا سوائے حضرات عیسیٰ و ادریس و خضر و الیاس علیہم السلام کے وہ تو ابھی زندہ ہیں اس لئے وہ دنیوی اجسام کے ساتھ حاضر ہوئے اور تحقیق یہی ہے کہ [illegible] حضرات کا مال زندہ ہیں۔ ان تمام حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو سلام عرض کیا آپ کی بعثت پر مسرت سے [illegible] مبارکباد پیش کی اور کہا

الحمد لله الذى جعلك خاتم الانبياء — حمد ہے اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے آپ کو خاتم الانبیاء
فنعم النبى انت و نعم الاخ انت و — بنایا آپ بہتر پیغمبر اور اچھے ساتھی اور آپ کی امت خیر الامم
امتك خير الامم — ہے۔

اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی کہ آپ آگے بڑھ کر ان سب حضرات انبیاء علیہم السلام کو دوگانہ پڑھائیے آپ نے جب انہیں دوگانہ پڑھایا آپ کے پیچھے بالکل قریب حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے ان کی دائیں جانب حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کے بائیں جانب حضرت اسحاق علیہ السلام کھڑے تھے۔ حضور علیہ السلام کے پیچھے انبیاء و رسل علیہم السلام نے سات صفیں بنائیں پہلی تین صفیں رسل و انبیاء علیہم السلام اور باقی انبیاء علیہم السلام کی صفیں تھیں۔

مسئلہ: انسان العیون میں ہے کہ یہ مطلق نفل تھی۔ [illegible]

فقہائے کرام کا یہی قول زیادہ قوی ہے۔

سوال: نوافل میں جماعت مکروہ ہے اور یہ دوگانہ نفل تھا تو جماعت کیسی؟

جواب: انبیاء علیہم السلام کے لئے کراہت کا خیال بھی مکروہ ہے۔ علاوہ ازیں آپ کے لئے تو ان کا ہر فعل محبوب ہوتا ہے اور یہ ان کا خاصہ ہے گو عوام کے لئے نوافل کی جماعت مکروہ ہے۔

مسئلہ: مدارج النبوۃ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے انبیاء علیہم السلام کی امامت کی اور دوگانہ پڑھایا نفل عبادت تھی۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے بیت المقدس میں پہنچ کر دو رکعت نماز پڑھی پہلے انبیاء علیہم السلام کا اور ملائکہ کرام کا امام بن کر اس کے بعد مجھے سخت پیاس لگی تو میرے سامنے دو پیالے لائے گئے

گئے ایک دودھ کا دوسرا شراب طہور کا تھا میں نے دودھ والا پیالہ لیا جس میں دودھ تھا اور یہی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے تھا۔ دودھ سے تھوڑا سا پیا لیکن شراب والے پیالے کو ہاتھ تک نہ لگایا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی:

اصبت الفطرۃ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۔ اے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ فطرت کو پہنچے۔

اس لئے کہ فطرت کے لئے علم و حلم و حکمت لازمی ہے۔

اگر آپ شراب کے پیالے سے کچھ نوش فرماتے تو آپ کی امت بالکل گمراہ ہو جاتی اور اگر دودھ کا سارا پیالہ پی لیتے تو آپ کے وصال کے بعد آپ کی امت کا کوئی فرد بھی گمراہ نہ ہوتا۔ میں نے کہا لائیے جبرئیل علیہ السلام دودھ کا وہی پیالہ کہ میں اسے پی لوں تاکہ میری امت گمراہ نہ ہو۔ کہا کہ جو کچھ ہونا تھا ہو گیا اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں ایسے ہی لکھا تھا اس کے خلاف ہونا مشکل ہے اس لئے اب رہنے دیجئے جس نے ہلاک ہونا ہے وہ ضرور ہلاک ہو گا اور جس نے نجات پانی ہے وہ بچ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ سمیع و علیم ہے۔

ف: اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ آپ بیت المقدس سے قبۃ الصخرۃ سے روانہ ہوئے۔ اسی لئے حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ صخرہ بیت المقدس جنت کے پتھروں سے ہے۔

ف: اسی پتھر پر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کا نشان موجود ہے۔

اعجوبہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ دنیا کے عالم کا کوئی میٹھا پانی نہیں جس کا اس صخرہ بیت المقدس سے تعلق نہ ہو جیسے تمام روئے زمین کے چشموں کا پانی اسی صخرہ سے جاتا ہے یہ صخرہ (پتھر) اللہ تعالیٰ کے عجائبات قدرت کا ایک اعجوبہ ہے۔

ف: یہ بیت المقدس کے درمیان میں ایک لٹکا ہوا پتھر ہے۔ اسے صخرہ بیت المقدس سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ بیت المقدس کی چھت سے متصل ہے اسے انہی چیزوں سے ملا جا سکتا ہے جن سے پانی کو روکا جاتا ہے اس لئے کہ اس کی ہیئت و کیفیت پانی کی سی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت سے سہارا کے بغیر ویسے ہی کھڑا ہے۔

ف: اس پتھر کے نیچے ایک غار ہے جہاں وہ لٹکی ہوئی ہے اور وہ پتھر اس کے اوپر زمین و آسمان کے درمیان لٹکا ہوا ہے۔

ف: حضرت امام ابوبکر ابن العربی نے شرح موطا میں لکھا ہے کہ مجھے خیال ہوا کہ میں اسی پتھر مبارک کے نیچے سے گزروں لیکن اس کی ہیبت سے اس کے نیچے سے نہ گزر سکا اس خطرہ سے کہ شاید وہ میرے گناہوں کی نحوست سے میرے اوپر گر جائے پھر ایک مدت کے بعد جرأت کر کے اس کے نیچے سے گزرا تو عجیب عجائبات نظر آئے منجملہ ان کے ایک یہ تھا کہ سب طرف سے چلا جاتا نظر آیا اور یہ اس لئے کہ اس کا کوئی حصہ زمین سے متصل نہ تھا بلکہ اس کے بعض حصے اس سے بہت جدا نظر آئے۔

ف : بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ بیت المقدس آسمان کے بالکل قریب ہے۔ بعض نے صرف اٹھارہ میل کی مسافت فرمائی ہے۔ اگر یہ وہ دروازہ جس سے فرشتے زمین سے آسمان پر جاتے ہیں وہ بیت المقدس کے بالمقابل ہے۔

نکتہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان پر لے جانے کا یہ کام بھی بیت المقدس سے اس وجہ سے بنایا گیا کہ یہی جگہ آسمان کے نزدیک تر ہے اور اس مسافت کے لئے جو آسمانوں پر جانے کے لئے کھلا ہوا ہے اس کے مقابل کا یہی سیدھا موڑ کے ذرا نیچے ہے۔

شانِ رسالت نیز واضح ہوتا ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت المقدس کے راستے سے لے جانے کا مقصد یہ تھا کہ آپ کے قدوم میمنت لزوم سے بیت المقدس کو بھی برکت نصیب ہو اس لئے کہ یہی مدینۃ القدس اور جنت ماویٰ انبیاء علیہم السلام کی عبادت گاہ ہے جہاں حضور علیہ السلام کی برکات سے اس کو بھی متبرک کیا گیا۔ اس سے یہ ضروری نہیں کہ آپ کو بیت المقدس سے سفر کی سہولت مطلوب تھی جیسا کہ قیاس اصحاب کے خطا ہونے کی دلیل ہے۔ سفر کی سہولت اجسامِ ثقیلہ کو ضرورت ہوتی ہے اجسامِ لطیفہ کو سہولت کا کیا مطلب۔ بالخصوص ملکوتی حضرات اور ارواحِ طیبہ تو اس قسم کی تکالیف سے منزہ اور پاک ہیں اس لئے کہ لطیف اشیاء ایسی ضرورتوں کی محتاج نہیں ہوتیں اور عاشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا عقیدہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تمام کائنات یہاں تک کہ ملکوت و لاہوت اور قدسی اور ملاء اعلیٰ و دیگر تمام مقربین ملائکہ سے لطیف تر ہیں یہاں جسم شریف بھی روح مقدس کی طرح لطیف ہے۔

(دیوبندی وہابیت بیچاری کا رونا ہے کہ وہ آپ کی بشریت کو کثیف سمجھتے ہیں)[1]

اور قاعدہ ہے کہ اجسامِ لطیفہ کے لئے کوئی شے حائل نہیں ہوتی اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے گزرگاہ بیت المقدس کا سیدھا راستہ تھا اور نیز سیدھا راستہ اختیار کرنا وغیرہ وغیرہ تکلفات رنگینی اور معراج کے مناسب حال کے خلاف ہے۔

نزولِ عیسیٰ علیہ السلام یہ مسئلہ بھی اپنے مقام پر مسلّم ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قربِ قیامت میں جامع مسجد دمشق میں نزولِ اجلال فرمائیں گے اگر آسمان کے راستے وہاں بات ہوتی تو وہ بیت المقدس میں اترتے حالانکہ دمشق اور شام کے درمیان کافی فاصلہ ہے اس سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام کو بیت المقدس پر تشریف لے جانا راستے کی وجہ سے نہ تھا جسے عقل بھی تسلیم نہیں کرتی۔

آسمان پر روانگی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب میں انبیاء علیہم السلام کو امامت سے فارغ ہوا تو جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آسمانوں پر تشریف لے جانے کے لئے تیاری کیجئے میں تیار ہو گیا سامنے دیکھا کہ ایک سیڑھی آسمان کی طرف بچھائی گئی ہے وہ سیڑھی سونے کی تھی اس کے پائے

---

[1] لہ - از فقیر اویسی

چاندی کے تھے اس میں دو طرف یاقوت کا جڑاؤ تھا وہ موتی نور کی طرح چمکتے تھے اس کا پہلا پایہ صخرہ بیت المقدس کے اوپر تھا اور اس کا آخری پایہ آسمان سے ملا ہوا تھا۔ مجھے جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس سیڑھی کے ذریعے آسمان پر تشریف لے چلئے۔ (کذا فی ربیع الابرار)

ف: نشان الیہ ہو یہی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمان کی سیر اسی سیڑھی کے ذریعہ ہوئی اس وقت آپ کا براق نہیں   لے گیا تھا۔

ف: المعراج بکسر المیم و بفتحہا ہر دو صحیح ہیں جو اسم ہے معراج آسمانوں پر جانے کے دراصل وہ وسیلہ کی ایک سیڑھی ہے جس کے ذریعے سے آسمانوں پر جاتے ہیں یہ وہ سیڑھی ہے جس سے حسین ترین اور کوئی سیڑھی نہیں۔

مرنے کے بعد آنکھ کیوں کھلی رہتی ہے

میت کے جسم سے جب روح خارج ہو کر آسمانوں پر جاتی ہے تو اس وقت میت کی آنکھ کھلی رہتی ہے اس وقت میت کو وہی سیڑھی نظر آتی ہے جس سیڑھی کے ذریعے اس کی روح کو آسمان پر لے جاتے ہیں یہ سلسلہ مومن و کافر ہر دونوں کے لئے ہوتا ہے صرف فرق اتنا ہے کہ مومن کی روح آسمان کے اوپر لے جاتے ہیں یعنی علیین میں چلی جاتی ہے اور کافر کی روح کو دھکیل کر زمین کے اندر سجین میں پھینکا جاتا ہے اس لئے کافر کی آنکھ حسرت اور حزن کے مارے کھلی رہتی ہے اور اپنی دھکیلی ہوئی روح سے بھی گیا اسے مردار کیا جا رہا ہے۔

ف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ جنت الفردوس سے لائی گئی اور اسے بہترین موتیوں کا جڑاؤ تھا اس کے دائیں طرف بہت فرشتے اور بائیں طرف بھی فرشتے تھے اس شان و شوکت سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم آسمانوں پر تشریف لے گئے جبرائیل علیہ السلام متعدد گروہ کے تھے ہر وقت آپ کے ساتھ رہے۔

صوفی کے نزدیک معراج کا مفہوم

بعض مشائخ کرام کا فرمان ہے کہ معراج بمعنے صورۃ الجذب والانجذاب وتمثیل المقصود ورنہ یہاں ظاہری سیڑھی کا کیا معنے وہ ملکوتی سیر تھی اور ملکوتی سیر کو سیڑھی کی کیا ضرورت یہاں عالم ملک کو سیڑھی کی ضرورت ہوتی ہے عالم ملکوت کو عالم ملک پر قیاس کرنا چاہئے۔ اگر غور کیا جائے تو یقین ہو جائے گا کہ عالم ملکوت عالم ملک پر بھی مشتمل ہوتا ہے صورۃ بھی معنی بھی اور تھا وہ یہ ہے کہ صورت معنے کے تابع ہوتی ہے جیسے سیر و الاسرا کا حال تھا کہ ان کی ظاہری صورت معنوی صورت کے تابع تھی اسی لئے کہ اگر آپ کا جسم روح کے تابع نہ ہوتا تو آسمانوں کا عروج مشکل ہوتا جیسے آپ کی صورت مبارکہ کی صورت ایک تھی اسی طرح آپ کی حقیقت کی بھی ایک حقیقت ہے ہر شے کا اپنی حقیقت پر ہونا ضروری ہے لیکن حضور علیہ السلام کی ظاہری صورت اور حقیقت کا تصور کسی کے وہم و گمان میں نہیں آ سکتا اسی طرح آپ کے متعلقات بھی اوہام و خیالات سے وراء ہیں۔

ف: معدن، نباتات، حیوان مرکبات ہیں انہیں موالید ثلاثہ سے تعبیر کیا جاتا ہے ان کے آباء اثیریات ہیں یعنی اجرام اثیرہ جسم فلکی سے تعبیر کیا جاتا ہے ان میں اجرام عنصریہ ان کی تاثیر سے ان موالید ثلاثہ کو بعض نصیب ہوتا ہے اور ان کے امہات

عنصریات یعنی عناصر چار ہیں :

① زمین
② ماء (پانی)
③ ہوا
④ نار (آگ)

زمین علی الاطلاق ثقیل ہے اور پانی بہ نسبت ہوا اور نار کے ثقیل ہے اور پانی اگر زمین کو دیکھا جائے اور ہوا پانی اور نار کے لحاظ سے خفیف ہے اور پانی اور آگ علی الاطلاق خفیف ہے اور نار ہوا کے کرہ کے اوپر ہے اور حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے شب معراج ان تمام عناصر کو طے کر کے قمر پر سے گزر فرمایا اور کرۂ قمر پر کوئی اعتراض نہیں ۔

ازالۂ اوہام ① اسراء کے جسمانی کے منکر یہ کہتے ہیں کہ پتھر کو اوپر پھینکا جائے تو وہ نیچے گرتا ہے اور ہوا کے اوپر جانا پتھر کی طبع کے خلاف ہے۔ ہم انہیں کہیں گے کہ پتھر کی طبع کا تقاضا اگرچہ نیچے جانا ہے لیکن اس کو اس کی طبع کا تقاضا نہیں کہ وہ حرکت کا اختیار کرے اسی وجہ سے وہ اگرچہ اوپر نہیں جا سکتا لیکن اگر اسے اوپر لے جایا جائے تو وہ جا سکتا ہے ۔ ثانیاً حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو پتھر پر قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ آپ کا جسم اطہر کثیف نہیں بلکہ صرف لطیف بلکہ لطیف ترین تھا۔

② الافلاک الاثیری یہ کہتے کہ نار سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزرنا بھی محال نظر آتا ہے اس لئے کہ نار کا کام جلانا ہے اور انسانی جسم آگ میں جلنے کا ادھ سکتا ہے پھر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا اس کرہ سے بچ کر جانا عقل نہیں مانتی ۔

جواب (۱) ضروری نہیں کہ آگ ہر ایک شے کو جلا دے مثلاً سمندر کی اسی سیپی کا جسم جس پر فولادی پل بنایا جائے تو آگ جسم پر اثر انداز نہیں ہو سکتی اور اسے فلاسفہ بھی مانتے ہیں اسی طرح اگر جسم انسانی اس طرح کا آگ میں جلایا جائے تو آگ اثر نہ کرے تو پھر نبوت کے مالک اور جلوے والے خود خالق کائنات پر شعلے گل نہیں ۔

جواب (۲) آگ ایسے جسم پر اثر انداز ہوتی ہے جو کثیف ہو اور لطیف جسم کو آگ نہیں جلا سکتی بلکہ جسم انسانی کے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے نہ صرف آگ کے اثرات مٹ جاتے ہیں بلکہ اس کے اندر اس کی منشا بھی ناکارہ ہو جاتی ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نار نہ صرف گلزار ہو گئی بلکہ اسے بردًا و سلامًا سے بدل دیا گیا ۔

سبز رنگ کا دریا حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایک سبز رنگ کے دریا پر پہنچا جو جیسے بیابان سے بھی عظیم تر تھا میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا یہ کیا دریا ہے تو انہوں نے فرمایا اے حبیب اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یہ وہ دریا ہے [illegible] یہ ہی چلتا ہے ۔ اس کی

حکمت اور گہرائی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اگرچہ یہ دنیا والوں کو مائل بہ جنت اور آسمانی کی ترقی دنیا والوں کو جگا کر رکھ رہا ہے۔

آسمانِ دنیا یعنی پہلا آسمان

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں آسمان دنیا پر پہنچا حضرت جبریل علیہ السلام نے میرے دونوں بازو پکڑ کر اپنے انگوٹھے سے آسمان کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

آپ کے بازوئے مبارک کے ذریعہ اس لئے دروازہ کھٹکھٹایا تاکہ آسمان والوں کو معلوم ہو کہ ان کے ساتھ کوئی انسان یعنی نبی آخر الزمان صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں اگر وہ اکیلے ہوتے تو دروازہ کھٹکھٹانے کی ضرورت ہی نہیں تھی دوسرا اس لئے کہ وہ ایسے وقت دروازہ کھلوانے کے عادی نہ رہے تھے جو ان کے خلاف معمول تھا انہیں یاد دلانا مطلوب تھا کہ واقعی حضور تاجدار رسول صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں اس سے واضح ہوتا ہے کہ ملائکہ کرام کو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی آمد کا انتظار تھا بلکہ انہیں آپ کی تشریف آوری تک کے لئے پہرہ داری کے لئے مامور کیا گیا تھا چنانچہ مندرجہ ذیل روایات سے معلوم ہوتا ہے۔

ملائکہ کی استقبالیہ کمیٹی اور جبریل علیہ السلام

جونہی حضرت جبریل علیہ السلام نے آسمان کا دروازہ کھٹکھٹایا تو دنیا کے نگران فرشتے نے پوچھا کون؟ جبریل علیہ السلام نے اپنا تعارف کرایا تو اس نے پوچھا:

وَمَنْ مَّعَكَ　　　آپ کے ساتھ کون ہیں؟

وہ اس لئے کہ وہ فرشتہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو نہیں پہچانتا تھا جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے ساتھ حضور آقائے نامدار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس نے کہا:

اَوَ قَدْ بُعِثَ مُحَمَّدٌ　　　کیا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو چکے ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فرشتہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کا علم رکھتا تھا لیکن اسے آپ کی بعثت کی خبر نہیں تھی چنانچہ وہ فرشتہ جبریل علیہ السلام سے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مژدہ بشارت سن کر کہنے لگا الحمد للہ اس کے بعد دروازہ کھول دیا۔

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ہم پہلے آسمان کے اندر داخل ہوئے تو استقبالیہ کمیٹی کے صدر فرشتہ نے عرض کی:

مرحبا بك يا محمد ولنعم المجيء مجيئك　　　مرحبا اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم آپ کا تشریف لانا مبارک۔

حضرت جبریل علیہ السلام سے میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ کہا ان کا نام اسماعیل ہے اور آسمان دنیا کے خازن (مہتمم) ہیں یہ آپ کی تشریف آوری کے منتظر ہیں یہ ملائکہ آگے چلتے اور آپ پر السلام علیکم سے ملاقات کرتے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ میں نے اس کے قریب جا کر السلام علیکم کہا انہوں نے سلام کا جواب دے کر خوش آمدید کہا جب میں اس سے چلنے لگا تو اس نے کہا

ابشر یا محمد فان الخیر کلہ فیک و فی امتک فحمدت اللہ علی ذلک

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو مبارک ہو کہ بھلائی آپ کے لئے اور آپ کی امت کے لئے ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا حمد و شکر ہے۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال دوسرے رنگ میں

یہ اسماعیل فرشتہ زمین پر کبھی نہیں آیا صرف حضرت ملک الموت علیہ السلام کے ساتھ اس وقت زمین پر آیا جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال شریف ہوا۔

استقبالیہ کمیٹی کے افراد اسماعیل فرشتہ کے ماتحت ستر ہزار فرشتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ علیحدہ علیحدہ ستر ہزار فرشتے ہیں۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ پہلے آسمان پر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس فرشتہ اسماعیل کے گرد اگرد ملائکہ کا بہت بڑا لشکر جمع ہوا تھا اور بلند آواز سے پڑھ رہے تھے[1]

سبوح سبوح لرب الملائکۃ والروح قدوس قدوس لرب الارباب سبحان العظیم الاعظم

تمام تسبیحیں رب الملائکہ والروح کے لئے اور تمام تقدیسیں رب الارباب عظیم اعظم کے لئے۔

یہ ملائکہ سورۃ ملک پڑھا کرتے تھے اور اب یہی ہیں یہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی صورت و شکل ہو گئی ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ مقام پایا ہے یہاں پہنچے تو انہوں نے عرض کی کہ تہجد کی نماز کی برکت سے ہے۔

ہر گنج سعادت کہ خدا داد بحافظ
از یمن دعائے شب و ورد سحری بود

ترجمہ: جو خزانۂ سعادت حافظ کو نصیب ہوا وہ دعائے شب اور سحر کے ورد کی برکت سے ہے۔

---

[1] حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا سب سے پہلے آسمان پر تشریف لے جانا اس حیثیت سے ہے جیسے حضرت بلال رضی اللہ عنہ جنت میں تشریف لے گئے تھے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر استقبال کے طور پر پہلے آنا ہے ۔ ۱۲ (اویسی)

حضرت آدم علیہ السلام کی ملاقات

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر میں حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پہنچا تو وہ ویسے ہی تر و تازہ اور جوان معلوم ہوتے تھے گویا اللہ تعالیٰ نے انہیں ابھی پیدا فرمایا ہے۔ پہلے نہایت ہی حسین و جمیل نظر آتے ان کی تسبیح یہ تھی۔

سبحان الجلیل الاجل سبحان الواسع الغنی — جلیل و اجل کی پاکی واسع غنی کی پاکی اللہ عظیم کی حمد کے ساتھ

سبحان اللہ العظیم وبحمدہ — پاکی ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے جب کفار کی ارواح پیش کی جاتی ہیں تو فرماتے ہیں کہ یہ ارواح خبیثہ اجسام خبیثہ میں رہی ہیں انہیں سجین میں دھکیل دو۔

سوال: کفار کی ارواح کے لئے تو آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے تو پھر وہ آدم علیہ السلام کے ہاں کیسے پیش ہوتی ہیں؟

جواب: چونکہ آسمان شیشے کی طرح صاف و شفاف ہے اس لئے حضرت آدم علیہ السلام اپنی مسند سے ہی انہیں آسمان کے اندر سے دیکھ لیتے ہیں۔

سوال: ایک روایت میں ہے کہ مومنین کی ارواح علیین میں ہوتی ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ بعض گنہگاروں کی ارواح آسمان وزمین کے درمیان لٹکی ہوتی ہیں ان دونوں روایتوں میں تطبیق کیسی؟

جواب: صالح مومنوں کی ارواح کا مبدأ آسمان دنیا ہے پھر اعلیٰ علیین تک مختلف درجات و مراتب ہوتے چلے جاتے ہیں اور اشقیاء کے مراتب آسمان دنیا کے اندر سے شروع ہو کر سجین تک پہنچتا ہے اس کے درمیانی درجات و مراتب مختلف ہوتے ہیں یہاں سے کہ سجین جہنم کے طبقات کے نیچے ہے وہیں انہیں عذاب اور اذیت کا مسکن ہے کافروں کی ارواح گنہگاروں کی ارواح سے نیچے ہیں اس لحاظ سے بعض گنہگاروں کی روحیں فی الحال آسمان و زمین کے درمیان لٹکی ہوئی ہیں انہیں سزا کے بعد صاف ستھرا کر کے دوسری ارواح کے ساتھ علیین پہنچائی جائیں گی۔

آدم علیہ السلام نے خوش آمدید کہا

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے آگے بڑھ کر آدم علیہ السلام کو السلام علیکم کہا۔ انہوں نے سلام کے جواب میں کہا:

مرحبا بالابن الصالح والنبی الصالح — خوش آمدید میرے صاحبزادے اور نبی نیک بخت۔

ف: مرحبا مصدر ہے اس کا فاعل محذوف ہے در اصل عبارت رحبا واسعا ہے۔ مطلب یہ کہ آپ نے بہت بڑی فراخی اور وسعت کو پایا۔

نکتہ: حضرت آدم علیہ السلام کی مسند فلک قمر پر ہے۔

ف: حضرت آدم علیہ السلام کو چاند سے سرعت کی وجہ سے مناسبت ہے اسی لئے آپ کی مسند وہاں مقرر ہوئی اس لئے کہ چاند ایک مہینے میں وہ تمام بروج طے کر لیتا ہے جو سورج ایک سال کے بعد طے کرتا ہے اور آدم علیہ السلام کی حرکات و [illegible]

باقی میں مستعد رہنے کی قوتیں رکھتے ہیں۔

نکتہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو صرف آدم علیہ السلام سے پہلے آسمان کی ملاقات کی ایک وجہ یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو حضور علیہ السلام سے مناسبت یا فضیلت والی مناسبت ہے اگرچہ بعض دوسرے انبیاء علیہم السلام سے بھی ملاقات پہلی ہوگی تو وہ اس طرح کی خصوصی ملاقات نہیں ہوگی اور نہ انہیں اس طرح کی مناسبت ہے اسی طرح آگے والے مقامات پر مخصوص انبیاء علیہم السلام کی ملاقات کا حال ہے۔

نکتہ تفسیر المناسبات فی سورۃ نجم میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے حضور علیہ السلام کو آدم علیہ السلام کی ملاقات پہلی اس لئے کہ وہ اس دنیا دار الفنا میں یہیں پہنچ کر انہیں ان کے دشمن ابلیس نے جنت سے نکالا تھا اس لئے انہیں اخراج نے اپنے اصل وطن میں لے لیا اسی طرح حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو اہل مکہ نے ہجرت پر مجبور کر دیا تو آپ کو اللہ تعالیٰ نے اسی وطن میں بحالی بخشی ان دونوں قصوں کو آپس میں مشابہت کی وجہ سے آدم علیہ السلام کا سب سے پہلے ملاقات کا موقع بنایا گیا۔

نکتہ چونکہ آدم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے ہر نیک اور بد کی روح کو دیکھنا تھا اور ان کے نیک چہرے وہاں خوش تھا اس لئے گناہ گار کی روح کو آسمان کے اوپر جانے کی اجازت نہیں اسی لئے وہ پہلے آسمان میں رہنے کو پسند ہے تاکہ نیکوں کی روحوں کے ساتھ گناہ گار کی روحوں کو آسمان کے اندر دیکھ سکیں اس کی تشریح گذشتہ اوراق میں ہم نے بیان کی ہے۔

یتامیٰ کے اموال کھانے والے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے ایک قوم کو دیکھا جن کے ہونٹ اونٹوں کے ہونٹوں کی طرح ہیں ہر ایک کے دونوں ہاتھ میں آگ کے انگارے ہیں جو وہ اپنے منہ میں ڈالتے ہیں تو وہی انگارے ان کی دبروں سے نکل آتے ہیں میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں انہوں نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو ظلم سے اموال یتامیٰ کا مال کھاتے تھے۔

ف: ایسے مختلف عذاب میں مبتلا ہونے والے مثالی طور پر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو دکھائے گئے اسی لیے یہ لوگ انہیں شکلوں میں تھے جیسا حدیث شریف میں آیا ہے۔ اس قسم کی روایات اور اس سے بعض قیمتوں کے متعلق روایتیں یتیم کے اموال کے متعلق ہو کر بطور ظہور ان پر انطباق کرتے ہیں۔

سود خوار حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے بعض ایسے لوگوں کو دیکھا کہ ان کے پیٹ بہت موٹے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا پیٹ بہت بڑا کمرہ جیسا معلوم ہوتا ہے اور ان کے اندر سانپ نظر آتے ہیں وہ فرعون والوں کے راستے پر پڑے اونٹ کی طرح پڑے ہیں انہیں جب آگ کے شعلے لگتے جاتے ہیں تو اس جگہ سے ہٹنے کی بہت کوشش کرتے ہیں لیکن وہ وہاں سے ہٹ نہیں سکتے۔

ف ۔ یہاں پر اس قسم کی مثالی تعبیر اور یتیم مال کی شکلیں دیکھی ہیں کہ یتامیٰ کے مال پر چند سے ہی آگ کے شعلے ہو کر بکھر جاتے ہیں ۔

ف: انھیں فرعون والوں کے راستوں پر اس لئے ڈالا جاتا ہے تاکہ ان پر آمد و رفت کی کثرت ہے سود خوار اس کثرت وقت سے پیسے جاتے ہیں جس سے انھیں سخت عذاب ہوتا ہے۔

حل لغات: حدیث شریف میں الابل المنہومۃ واقع ہوا ہے یعنی وہ اونٹ جنھیں الہیام کی بیماری ہو اور اسے ہیام کی بیماری گھیر لیتی ہے یا الہیوم یعنی پیاسا اونٹ۔

ایک روایت میں ہے کہ مذکورہ بالا لوگ جو نہ اٹھنے کی جرأت کرتے ہیں اور گر جاتے ہیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا: یہ کون ہیں؟ انھوں نے کہا کہ یہ سود خوار ہیں۔

ف: سود خواروں کو پیٹ جیسے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر شب معراج دیکھا تھا لیکن اس میں یہ تھا کہ ان میں سے ایک دریا میں تیر رہا تھا اور اس پر پتھر پڑتے تھے ان میں مطابقت یہ ہے کہ زمین میں انھیں ایسے ہی دریا میں ڈال کر دوسری طرف نکال لیا جاتا ہو اور ان کی یہی کیفیت ہو جو مذکور ہوئی اور اسی طرح انھیں دائمی عذاب میں مبتلا کیا جا رہا ہے۔

حرام خور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایک ایسی قوم پر گزرا جن کے لئے بہترین اور لذیذ گوشت کے دسترخوان پڑے ہیں اور وہ بدبودار گندے گوشت کے خوانچوں سے گوشت کھا رہے ہیں میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ کہا یہ وہ لوگ ہیں جو حلال چھوڑ کر حرام کھاتے تھے یہ اس امت کا عمل ہے یا کسی اور کا اور ان کا ذکر پہلے نہیں ہوا۔

زانی عورتیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سی عورتیں پستانوں سے بندھی ہوئی لٹکی ہوئی دیکھیں پوچھا کہ یہ کون عورتیں ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے عرض کی یہ وہ عورتیں ہیں جو ایسے مردوں کے پاس جاتی تھیں جو ان کا لا سے نہیں تھے یعنی زنا کی مرتکب ہوئی تھیں۔

دریائے نیل و فرات حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چھٹے آسمان پر میں نے نیل و فرات کو دیکھا وہ اس لئے کہ ان دونوں کا مرجع سدرۃ المنتہیٰ کے نیچے سے ہے اور وہ دونوں تمام چشموں سے گزر کے چھٹے آسمان تک پہنچتے ہیں وہاں سے زمین پر ان کا پانی گرتا ہے تو یہ دونوں نہریں جاری ہوئی ہیں۔

ف: الجامع الصغیر کے نوادر میں ہے کہ دریائے نیل جنت سے نکلتا ہے اگر اس میں تیر کر بہشت کے پتوں سے کچھ تلاش کرو تو اس میں سے بہشت کا کوئی ایک پتہ پاؤ گے۔

دوسرے آسمان کی سیر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں دوسرے آسمان پر لے جایا گیا حضرت جبریل علیہ السلام نے دوسرے آسمان کا دروازہ کھٹکھٹایا آسمان کے نگران فرشتے نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے فرمایا میرے ساتھ حضور محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ نگران فرشتے نے کہا، کیا حضور علیہ السلام مبعوث ہو چکے ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے فرمایا ہاں۔ یہ سن کر آسمان کے نگران فرشتے نے دروازہ کھول دیا

اور جب اندر چلے گئے دیکھا کہ وہاں دونوں خالہ زاد بھائی یعنی حضرت عیسیٰ بن مریم اور حضرت یحییٰ بن زکریا علیہم السلام تشریف فرما ہیں اور یہ دونوں آپس میں ہم شکل ہیں اور لباس کے علاوہ دونوں بال بھی ایک جیسے ہیں اور ان کے ساتھ ان کی امت کے افراد بھی تھے انہوں نے مجھے خوش آمدید کہہ کر دعائے خیر فرمائی ۔

ف : عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام دونوں خالہ زاد بھائی ہیں خصوصیت کو ایک ایک آپس میں بعض تمہیں باتیں ہیں ان کی تفصیل ہم نے سورہ آل عمران کی تفسیر میں عرض کر دی ہے

ف : تفسیر الحسنات میں ہے کہ حضرت عیسیٰ و یحییٰ یہودیوں کی وجہ سے آزمائش میں ڈالے گئے یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کر کے انہیں ایذا دی اور انہیں قتل کرنے کی سازشیں کیں لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمان پر اٹھا لیا اور یحییٰ علیہ السلام کو یہودیوں نے شہید کر ڈالا ۔

مثنوی شریف : ؎

چوں سفیہا نراست این کار و کیا
لازم آمد یقتلون الانبیا

ترجمہ : ان پاگلوں کے دل میں یہ بات گھر کر گئی کہ انبیاء کا قتل کرنا لازم ہے ۔

نکتہ یہودیوں نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دی جب کہ مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ ہجرت کر کے تشریف لے گئے اسی لئے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے آسمان سے گزرنا پڑا اس لحاظ سے آپ سے عیسیٰ علیہ السلام کو مناسبت ہوئی اس مناسبت سے ان کی آپ کے ساتھ دوسرے آسمان پر ملاقات ہوئی ۔

یہودیوں کی ایذا کی تفصیل حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہودیوں نے سخت ترین مظالم کئے ۔ ایک دفعہ تو یہاں تک پتھر اٹھا کر آپ کو قتل کرنے کا پروگرام بنایا لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ فرمایا جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نجات بخش کر انہیں آسمان پر اٹھا لیا ایسے یہاں انہوں نے مکر کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بکری کے گوشت میں زہر دیا اس زہر کا اثر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر زندگی بھر رہا یہاں تک کہ وصال شریف کا ایک سبب یہی زہر کا اثر بھی تھا جیسا کہ آپ نے بوقت وصال فرمایا کہ یہودیوں نے جیسے عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام سے کیا میرے ساتھ بھی وہی کیا ۔

حل لغات : حدیث شریف میں لفظ تعاوره وارد ہوا ہے یہ عبارت الفسحة ہے اس وقت بولا جاتا ہے جب دو شخص ایک وقت میں پڑھا کریں ۔

حدیث شریف

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

معاملات انگشت خیبر تعلق فہد و ادراک   خیبر کا قلعہ میرے سامنے ہو گیا جب وقت آگیا ہے کہ

ظلمت ابھری   اب سفید ہو کر آ ڈالا ہے۔

ف : ابہر وہ رگ ہے جو قلب سے متصل انسان کی پیٹھ میں واقع ہے اس کے متعلق قانون قدرت ہے کہ جب وہ کٹ جائے تو انسان مر جاتا ہے۔

یہودیہ کا زہر کھلانا اور حضور علیہ السلام کا علم غیب

مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہودی عورت بکری کے گوشت میں زہر ملا کر طعام لے آئی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے کچھ کھایا ہی تھا کہ آپ نے تمام صحابہ کرام سے فرمایا:

ارفعوا ایدیکم فانہا اخبرتنی انہا مسمومۃ   کھانے سے ہاتھ اٹھا لو اس لئے کہ بکری نے مجھے عرض کیا ہے کہ مجھ میں زہر ملایا گیا ہے۔

اس زہریلے طعام سے بشر بن البراء شہید ہوئے۔ اس یہودیہ عورت کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا آپ نے اس سے طعام میں زہر ملانے کا سبب پوچھا اس نے عرض کی کہ میرا ارادہ تھا کہ میں آپ کو قتل کر دوں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے قتل کرنے پر تجھ کو مسلط نہیں کیا۔

نکتہ صوفیانہ

وصال کے وقت تک زہر کا اثر ظاہر نہ ہونے کا سبب یہ ہوا کہ آپ اگرچہ ارشاد و تبلیغ کے لئے عالم سفلی میں تشریف رکھتے تھے لیکن آپ کی روح کا تعلق بدستور عالم بالا میں رہا اور اسی اعلیٰ مراتب میں زہر کا اثر کیسا پھر موت کا وقت قریب ہوا تو آپ نے ادنیٰ مراتب کی طرف رجوع فرمایا اس لئے کہ موت نے صرف بشریت پر اثر ڈالنا تھا آپ جب عالم سفلی کی طرف نکلے تو زہر نے اثر ڈال دیا۔

تیسرے آسمان کی سیر

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ہم تیسرے آسمان پر پہنچے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھلوایا تو اندر سے آواز آئی کہ آپ کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے اپنا تعارف کرایا۔ آواز آئی آپ کے ساتھ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پوچھا گیا کہ کیا آپ مبعوث ہو چکے ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے کہا ہاں۔ دروازہ کھولا گیا تو حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور ان کے ساتھ ان کے امتی تھے۔ یوسف علیہ السلام کو آدھا حسن دیا گیا یعنی دنیا کے عالم کا آدھا حسن یوسف علیہ السلام کو اور باقی آدھا حسن تمام لوگوں پر تقسیم ہوا۔

ف : اس سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مستثنیٰ ہیں اس لئے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر فضل و کمال میں علی الاطلاق تمام کائنات سے افضل ہیں۔

ف : بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یوسف علیہ السلام کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن سے آدھا حسن دیا گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ملیح تر رہے اور یوسف علیہ السلام ابیض سفید رنگ والے تھے۔

حضرت جامی قدس سرہ نے فرمایا ؎

دبیر صنع انشا کرد عارض تو
بخط ناب کہ الحسن والملاحۃ لک

ترجمہ: دبیر حقیقی کی قدرت نے تیرے چہرہ انور پر خط خاص سے لکھا کہ حسن آپ کے لئے اور ملاحت یوسف علیہ السلام کے لئے ہے۔

حکمت حسن وہ جامع جمال صفات ہے اور یہ کمال صرف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوا اسی لئے تو آپ جمیع الصفات علی الکمال جامع ہیں حسن و ملاحت بھی اسی لئے کہ آپ افضل من الکل ہیں اس لئے کہ آپ کی ہر تجلی اکمل تھی اور اس میں کسی کو شک و شبہ نہیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے مجھے بھی خوش آمدید کہہ کر دعائے خیر فرمائی۔

فائدہ تفسیر لطائف بات میں ہے کہ حضور علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کی ملاقات میں مناسبت یہ تھی کہ جس طرح یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے گھر سے نکالا لیکن یوسف علیہ السلام نے برسر اقتدار آ کر انہیں فرمایا

لا تثریب علیکم الیوم — اے بھائیو! تم سے اور کوئی ملامت نہیں۔

اسی طرح حضور علیہ السلام کے ساتھ آپ کے رشتہ داروں نے مکہ معظمہ سے ہجرت کرائی پھر جب وہ بدر میں قیدی ہو کر آئے تو ان میں آپ کے رشتہ دار بھی تھے مثلاً حضرت عباس اور ان کے علاوہ دوسرے عقیل وغیرہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں معاف فرمایا ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا لیکن یوم فتح (فتح مکہ کے دن) آپ نے سب کو آزاد کر کے فرمایا

لا تثریب علیکم الیوم

یعنی اے میرے رشتہ دارو! آج میں وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے فرمایا تھا۔

چوتھا آسمان حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: پھر ہم چوتھے آسمان پر پہنچے اس کے متعلق بھی وہی سوال و جواب ہوئے جیسے پہلے آسمانوں پر ہوئے تھے۔ اس آسمان میں مجھے حضرت ادریس علیہ السلام ملے۔ انہوں نے مجھے دیکھ کر مرحبا کہا اور دعائے خیر فرمائی انہیں کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا

ورفعناہ مکانا علیا — اور ہم نے ادریس علیہ السلام کو بلند مکان پر اٹھایا

یعنی چوتھے آسمان پر زندہ اٹھایا گیا اس طرح کی ایک روایت ہے اور بعض روایات میں ہے کہ وہ اس وقت بہشت میں ہیں اس روایت کے مطابق آپ کو چوتھے آسمان پر پہنچ جانا بھی ان کے بہشت میں ہونے کے منافی نہیں۔

حضرت ادریس علیہ السلام حضرت ادریس علیہ السلام کے متعلق مروی ہے کہ آپ جب مسجد سے باہر تشریف لے گئے تو آپ کو

۔ جو اپنے جایا گیا اس کے بعد آپ نے دوسرے زمین کی سیر کی اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو دعوت دی آپ بہتّر لغات جانتے تھے اور مختلف اقوام کو مختلف لغات میں وعظ و تبلیغ فرمائی اور انھیں بہت زیادہ علوم سکھائے۔

علم نجوم سب سے پہلے عالم دنیا میں علم نجوم حضرت ادریس علیہ السلام نے ظاہر فرمایا ہے وہ علم جو آئندہ ہونے والے واقعات سے تعلق رکھتا ہے اور انہیں ستاروں کے حساب سے معلوم کیا جاتا ہے۔

مسئلہ: علم نجوم حق ہے بشرطیکہ اس کے حساب میں غلطی اور خطا واقع نہ ہو ورنہ بہت سے لوگ اس میں بہت بڑی غلطیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔

سب سے پہلا قلم سے لکھنے والا تفسیر القاسمیات میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت ادریس علیہ السلام سے چوتھے آسمان پر ملاقات کی وجہ یہ ہے کہ ادریس علیہ السلام نے ہی سب سے پہلے قلم سے لکھا اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ اسلام کے لئے قلم سے کام لیا اور یہ آپ کے لئے بہت مناسب ہے۔ چنانچہ آپ نے بادشاہوں کو خطوط و مراسلات سے خوف خدا دلایا اور اسی ذریعہ سے انہیں دعوت اسلام پہنچائی یہاں تک کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جب والا نامہ ابو سفیان کے سامنے ہرقل کے ہاں پہنچا تو ابو سفیان نے کہا مجھے اس خط سے ہرقل کا خوف ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کا خوف کھا کر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول نہ کرے اور ابو سفیان کہتے ہیں کہ میں اس وقت حیران ہو گیا کہ ابن ابی کبشہ (یعنی حضور علیہ السلام) کا اتنا بڑا اثر کہ ابن ابی الاصفر (ہرقل) بھی ان کا نام سن کر گھبرا گیا ہے۔ بہرحال آپ نے دعوت اسلام قلم کے ذریعے بھی فرمائی ہے جو اس وقت کے مشاہیر بادشاہوں کو خطوط لکھے۔

اس وقت کے جن بادشاہوں نے آپ کی اتباع قبول فرمائی وہ یہ ہیں:

① نجاشی

② عمان کا بادشاہ

بعض وہ بھی تھے جنہوں نے آپ سے نیازمندی و عقیدت مندی کا ثبوت دیا اور آپ کے ہاں ہدایا و تحائف بھیجے جیسے المقوقس بعض وہ بھی تھے جنہوں نے آپ کی نافرمانی کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی فتح و نصرت دی اسی کو مقام علی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور چاہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ادریس علیہ السلام کی طرح قلم سے لکھ لیتے تھے۔

پانچواں آسمان حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پانچویں آسمان پر پہنچے تو وہاں بھی وہی گفتگو ہوئی جو گذشتہ آسمانوں میں ہو چکی ہیں پر آپ کو ہارون علیہ السلام ملے جنہوں نے آپ کو خوش آمدید کہہ کر دعا کی یہ کہ ہارون علیہ السلام سے ان کی قوم محبت کرتی تھی اس لئے کہ آپ ان سے نرمی کرتے تھے بخلاف موسیٰ علیہ السلام کے کہ وہ ان سے سختی کرتے تھے اسی لئے قوم نے آپ کو حضرت (ایذا) میں بہت پایا ہیں۔ ہارون علیہ السلام کی نرمی کی وجہ سے آسمان پر ان کی قوم ان کے ساتھ تھی اور آپ انہیں قصے سنا رہے تھے اور ہارون علیہ السلام جب آسمان پر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تو ان کی آدھی ریش مبارک سفید

اور آپ بھی بیمار تھیں اور لمبی اتنی تھیں کہ چھت تک پہنچتی تھیں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ملاقات کی مناسبت یوں ہے کہ جیسے ہارون علیہ السلام اپنی قوم کو محبوب تھے حضور علیہ السلام بھی اپنی قوم قریش کے محبوب تھے یعنی اسلام کے غلبہ کے بعد ورنہ اس سے قبل تو آپ سے سخت بغض و عداوت رکھتے تھے۔ (کذا فی مناسبات التفسیر)

عقلِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعت کا بیان

حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ میں نے اکہتر کتابوں میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ابتدائے دنیا سے تا انتہائے دنیا جتنا عقل لوگوں کو عطا فرمایا ہے وہ حضور علیہ السلام کے مقابلہ میں وہی نسبت رکھتے ہیں جو ریت کے ایک ذرہ کو دنیا کے عالم کے تمام ریت کے مقابل ہے۔

دیوبندیوں اور مودودیوں و دیگر مذاہب کے اوہام کا ازالہ !

ظاہر ہے کہ انسان عقل کے ذریعے ہی فضائل حاصل اور رذائل سے اجتناب کرتا ہے اور اصابتِ الرائی اور جودت فطنت و حسن سیاست اور بہتر تدبیر عقل سے ہوتی ہے اور ان امور میں جتنا کمال حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا دوسروں کو اس کا عشرِ عشیر بھی نصیب نہ ہوا عرب کے وحشی وحشت میں ضرب المثل تھے لیکن سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی حسنِ تدبیر سے وہ ایسے بڑے کمالات پر پہنچ کر جنہیں بہت بڑے فلاسفر اور مفسر بڑے بادشاہ دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ اگرچہ ابتداء میں انہوں نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ کو سخت اذیتیں دیں لیکن آپ نے ان کی تکالیف پر صبر فرمایا اور ان کو ایسی حکمت عملی سے اپنا گرویدہ بنایا کہ بعد میں آپ پر سے جان قربان تھے بلکہ صرف آپ کی خاطر اپنے اہل و عیال بلکہ ماں باپ اور آل اولاد کی گردنیں اڑانے کو اپنی سعادت سمجھتے جب دیکھتے کہ وہ حضور علیہ السلام کی مخالفت کرنے میں اور تمام دنیا نے دیکھ لیا کہ عرب کے ان وحشیوں نے اپنا تن من دھن سب کچھ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم پر قربان کر دیا بلکہ آپ کی خاطر پیارے وطن (مکہ معظمہ) کو خیر باد کہہ کر مدینہ طیبہ کو ہجرت کر گئے وغیرہ وغیرہ۔

چھٹا آسمان

حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم چھٹے آسمان پر پہنچے حسبِ دستور سابق جبرئیل علیہ السلام نے آسمان کے نگران فرشتے سے گفتگو کر کے دروازہ کھلوایا تو میری ملاقات حضرت موسٰے علیہ السلام سے ہوئی۔ انہوں نے مجھے خوش آمدید کہہ کر دعائے خیر فرمائی۔

حضرت موسٰے علیہ السلام کا تعارف

موسٰے علیہ السلام گندمی رنگ کے تھے اور بہت لمبے بالوں والے تھے اور آپ کے بال تھے ہی بہت گھنے یہاں تک کہ دو قمیص پہننے کے باوجود ان کے بال

ف۔ اس سے دیوبندیوں و دیگر مذاہب کی غلط فہمی کا ازالہ ہو گیا کہ وہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام سے دنیاوی امور اور سیاسی معاملات میں علم میں بعض لوگ زائد ہو سکتے ہیں جیسے تجربہ زراعت اور تجارت وغیرہ۔

کپڑوں سے باہر نکل آتے۔ آپ کا جب سخت غصہ ہوتا تو آپ کے سر کے بال آپ کی ٹوپی سے باہر نکل آتے بلکہ شدت غضب سے ٹوپی اوپر کو اٹھ جاتی۔ ایک دفعہ آپ کے کپڑے پتھر اٹھا کر بھاگا تو آپ اس کے پیچھے دوڑے اور اسے جا کر چھ یا سات ضربیں لگائیں یہاں کے شدت غضب کی دلیل ہے کہ باوجودیکہ پتھر ایک جماد ہے لیکن آپ کا غصہ اس سے بھی نہ رک سکا۔

لطیفہ: جب پتھر موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے اٹھا کر بھاگا تو وہ ایک سواری کے مشابہ ہو گیا! اور قاعدہ ہے کہ سواری اگر بے قابو ہو جائے تو اسے مار ڈنڈے سے سیدھا کیا جاتا ہے۔

جمادات میں بھی ایک روح ہے

فقیر اسماعیل حقی کہتا ہے کہ پتھر اس لئے کپڑے اٹھا کر بھاگا تھا کہ وہ حقیقی جاندار تھا یعنی اس میں حقیقی روح ہے جو کہ اہل اللہ (اولیاء اللہ) کا مذہب ہے اور بسا اوقات ان کے حقیقی روح کی علامات مشاہدہ میں آجاتی ہیں۔ چنانچہ مثنوی شریف میں ہے:

؎

باد را بے چشم اگر بینش نداد
فرق چوں می کرد اندر قوم عاد
گر نبودے نیل را آں نور و دید
از چہ قبطی را ز سبطی می گزید
گر نہ کوہ و سنگ با دیدار شد
پس چرا داؤد را او یار شد!
ایں زمیں را گر نبودے چشم و جان
از چہ قاروں را فرو خورد آنچناں

ترجمہ: ۱۔ ہوا کو اگر عقل نہ ہوتی تو وہ عاد کی قوم میں کیسے فرق کرتی۔

۲۔ اگر دریائے نیل کو آنکھ نصیب نہ ہوتی تو وہ قبطی و سبطی کے درمیان کیسے امتیاز کرتا۔

۳۔ اگر پہاڑ و پتھر میں عقل نہ ہوتی تو وہ داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح و تہلیل میں کیسے شریک ہوتے۔

۴۔ زمین کو چشم و جان نہ ہوتی تو قارون کو کیسے نگل جاتی۔

موسیٰ علیہ السلام کا گریہ اور اس کا موجب

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مجھے آسمان کو معراج کے لئے اوپر لے جایا گیا تو موسیٰ علیہ السلام رو پڑے اور کہا کہ یہ نوجوان میرے بعد تشریف لایا لیکن میری امت سے اس کی امت بہت زیادہ جنت میں جائے گی۔ نہ صرف میری امت سے بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کی امتوں سے ان کی امت کثیر ہے۔ یعنی اہل بہشت کی کل ایک سو بیس صفیں ہوں گی ان میں حضور سرور عالم

صلی اللہ علیہ وسلم کی امتی اور باقی تمام انبیاء علیہم السلام کی صرف چالیس صفیں ہوں گی۔

ازالۂ وہم: بعض لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس رونے کو موسیٰ علیہ السلام پر بدگمانی کرتے ہوئے ایک غلط تصور پر محمول کرتے ہیں۔ ان کے رد میں فقیر (حقی) لکھتا ہے کہ:

قال ابن الملك انما بكى موسى اشفاقا على امته حيث قصر عددها عن عدد امة محمد صلى الله عليه وسلم لا حسدا عليه فانه لا يليق به[1]

ابن الملک نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی امت پر شفقت کرتے ہوئے روئے تھے جب کہ ان کی امت کی تعداد امت محمدیہ کی تعداد سے بہت کم دکھائی دی یہ حسد نہ تھا حسد آپ کی شان کے لائق ہے۔

سوال: اگر معاذ اللہ موسیٰ علیہ السلام کو حسد یا حسرت نہیں تھا تو ان غلاما بعث بعدی جیسے حقیر الفاظ استعمال کرنے کا سبب؟

جواب[1]: فقیر (صاحب روح البیان اسماعیل حقی رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ یہ کلمہ تحقیر نہیں تھا بلکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کا اظہار تھا کہ دیکھو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم چھوٹی عمر کے ہیں لیکن بڑے بڑے انبیاء علیہم السلام سے برگزیدہ اور افضل ہیں اور بہت تھوڑے عرصہ میں آنحضرت نے فضائل و کمالات حاصل کر لئے۔

جواب[2]: فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ کلام مناسب مقام کے مطابق تھا اور وہ تحقیر کے لئے نہیں بلکہ بطریق غبطہ تھا جو بوجہ غیرت ایسا کلمہ منہ سے نکلا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بطریق عتاب فرمایا جب خضر علیہ السلام کامل کے مزار سے گزرا تو زور زور سے پکارنے لگے: ذاک عبد فضلته "میں نے انہیں کرم و فضل بخشا" ہے جیسا کہ ابتداء میں ہم نے بیان کیا ہے اور اس کا مناسب جواب یہی ہوگا کہ یہاں اس سے یہی ہو کہ موسیٰ علیہ السلام کا حسد ثابت نہیں ہوتا اور نہ ہی تحقیر پر محمول کیا جا سکتا ہے اس لئے کہ یہ تو آنحضرت نے جلیل القدر اولوالعزم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ان سے درجات و فضائل میں کم ثانیہ المعاجزات اولیاء کرام سے بھی حسد اور بغض کی حقارت سے دیکھنے کا ادعا ہم کر رہا ہے۔ پھر انبیاء علیہم السلام کے حق میں کیسے گمان ہو گیا۔

جواب[3]: چونکہ ہم نے تفصیل سے کہا ہے کہ اہل جنت کو ایک دوسرے کے درجات پر حسد اور حقارت کا احساس نہیں ہوگا۔ اور نچلے درجے والے یہ نہ کہیں گے کہ ہم اپنے سے بلند درجات نصیب ہوں بلکہ وہ اپنے مرتبے پر ہوتے ہوئے وہی کمال پا رہے ہوں گے اسی طرح انبیاء علیہم السلام کو کیسے ان بلند درجات کی خواہش ہو سکتی ہے اور نہ ہی دوسرے کے بلند درجات کا احساس کر سکتے ہیں یہی حال اولیاء کرام کا حال ہے۔ اگر یہی بات ہے تو پھر انہیں الحیاۃ الدنیا میں تفصیل کیا ملا کہ وہ الحیاۃ الدنیا ہی کے اندر اپنے مراتب کے مالک ہوتے ہیں۔ اگر شاعت کے قول کا ان دنیا سے تو پھر ان کے لئے الحیاۃ الدنیا کی بجائے دنیا میں ایسی چیزیں ثابت کی جائیں اور یہی کا ثبوت کسی بھی دین کے اصل سے نہ ملے گا۔ اور قرآن مجید کے نصوص اس کے خلاف ہیں ارشاد ہے الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس مقام

---

[1] روح البیان جلد ۵ صفحہ ۵۔

یہ ملاقات کی مناسبت یوں ہے کہ جیسے موسیٰ علیہ السلام کو غزوۂ شام کا حکم ہوا اور آپ ان جباروں پر غالب ہوئے جو اس شہر سے نکالے گئے تھے اس سفر میں انہیں حکم ہوا کہ اپنی قوم کو لے جائیں کہ آپ کے دشمن تباہ و برباد ہو گئے ایسے ہی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو علاقۂ شام کے لئے غزوۂ تبوک کا حکم ہوا تاکہ آپ دومۃ الجندل سے جنگ کریں چنانچہ آپ اس پر غالب آئے اور اسے قید کر کے لایا گیا تو اسے جزیہ پر صلح کر لی پس اسی طرح فتح مکہ کے موقعہ پر آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جہاں سے نکالے گئے آپ انہیں لے گئے۔

ساتواں آسمان

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم ساتویں آسمان پر پہنچے وہاں پر جبرئیل علیہ السلام سے وہی گفتگو ہوئی جو پہلے آسمانوں پر ہوئی دروازہ کھلا تو وہاں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہ آپ کے جد امجد ہیں آپ انہیں السلام علیکم کہئے۔ میں نے انہیں السلام علیکم کہا تو انہوں نے میرے سلام کا جواب دے کر فرمایا آئیے میرے صاحبزادے اور نبی صالح۔

نکتہ

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو انبیاء علیہم السلام پر السلام علیکم کی ابتدا کا حکم اس لئے ہوا کہ آپ ان سے گزر کرنے والے تھے اور قاعدہ شرعیہ ہے کہ قائم قاعد پر السلام علیکم کہے۔

قاعدہ: حضرات انبیاء علیہم السلام کی ارواح متشکل ہو کر تشریف لائے سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ وہ اپنی اصلی جسمانی شکل میں ملے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعارف

حضرت ابراہیم علیہ السلام گھنگریالے بالوں والے تھے اور بہشت کے دروازے پر بیٹھے تھے یہ جنت کی چھت ہے اس لئے کہ بہشت تو ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کرسی نشین تھے اور بیت المعمور سے سہارا لگائے بیٹھے تھے بیت المعمور حقیقی کعبہ ہے اور یہیں کعبہ معظمہ کے عین اوپر ہے کہ اگر وہ گرے تو سیدھا کعبہ معظمہ کے اوپر گرے گا ہر روز ستر ہزار فرشتے اس کے اندر ایک دروازے سے داخل ہو کر دوسرے دروازے سے خارج ہوتے ہیں جو ایک بار داخل ہوتے ہیں انہیں قیامت تک دوبارہ باری نہیں ملے گی جیسے انسان کی سانس ایک بار نکل جائے تو دوبارہ اس کے اندر داخل نہیں ہوتی ملائکہ کرام کا بیت المعمور ستاروں کے مطالع سے داخل ہو کر پھر ان کے غروب ہونے کے مقام سے نکلتے ہیں۔

امت مصطفویہ علیٰ صاحبہا التحیہ

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کی ملاقات کے بعد مجھے میری امت دو گروہوں میں ملی ایک گروہ پر سفید کاغذ کی طرح بہترین سفید پوشاک تھی اور دوسرے گروہ کے کپڑے میلے کچیلے تھے جب میں بیت المعمور میں داخل ہوا تو سفید کپڑوں والے میرے ساتھ چلے اور میلے کچیلے لباس والوں کو بیت المعمور کے داخلے سے روک دیا گیا میں نے بیت المعمور میں دو رکعت پڑھا میرے ساتھ سفید کپڑے والوں نے بھی دو رکعت پڑھا۔

ف: حدیث شریف مذکورہ میں دو گروہوں کے لئے لفظ شطرین کا گیا ہے اس سے نصف بنصف مراد نہیں جیسا کہ سمجھا جاتا ہے کہ جاہلوں اور نیک برابر تھے بلکہ فقیر (مصنف) کے نزدیک شطرین سے دو گروہ مراد ہیں جیسے الفاظ اولی نے اس سے ترجمہ کیا ہے۔ یعنی کہ سفید کپڑوں والے ایک گروہ علیحدہ تھا اور میلے کپڑوں والے ایک اور علیحدہ گروہ تھا۔

نکتہ حکمت الٰہیہ کا تقاضا ہے کہ اہل عصیان نیکوں سے زائد ہوں اس لئے کہ مقصود تھا انسان کامل کا ظہور وہ تو ہو چکا یعنی حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور اگرچہ نیک بھی لیکن سواد اعظم ہی اس سے یہ اہل علم اگرچہ تھے سو لیکن اہل عصیان کے مقابلہ کا ایک گروہ تھا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بیت القلب کے داخل ہونے والوں سے بنائے اور اپنے محبوب نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہمارے باطن سے میل کچیل دور فرمائے۔ (آمین)

ف: بعض نے فرمایا کہ اہل ایمان اور کفار کے بچے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کفالت میں ہیں۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان غیر بالغ لوگوں کو ابراہیم علیہ السلام کے ہاں دیکھ کر جبریل علیہ السلام سے پوچھا کون ہیں؟ عرض کی کہ یہ اہل ایمان کی اولاد ہے جو صغر سنی میں فوت ہوئی۔ حضور علیہ السلام نے پھر پوچھا کفار کی اولاد؟ جبریل علیہ السلام نے جواب دیا کفار کی اولاد بھی انہی میں ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ کفار کی اولاد بہشت میں اہل جنت کے خادم ہوں گے۔

ابراہیم علیہ السلام کا امت نبوی کو سلام مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ آپ اپنی امت کو میرا سلام کہہ دینا اور انہیں بتانا کہ بہشت کی مٹی اور پانی بہترین ہے اور اس کے باغات سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ہیں۔ حضرت عارف جامی نے کہا ہے:

یاد کن آنکہ در شب اسرا
با حبیب خدا خلیل خدا
گفت گو اے از من بہ رسل کرام
امت خویش را ز بعد سلام
کہ بود پاک و خوش زمین بہشت
لیک آنجا کسے درخت نکشت
خاک او پاک و طیب افتادہ
لیک جست از درخت ہا سادہ

فرس اقبال ان بہی جمیل!
بعد محمد است پس تجلیل
ہست تکبیر نیز ازاں اخبار
نوش کے گشتی جزیں نیاید کار
باغ جنات تحتہا الانہار!
سبز و خرم شود ازاں اشجار

ترجمہ: اے حبیب میری امت سے کہہ دیجیے کہ شب اسرا میرے اور آپ کے درمیان گفتگو ہوئی اور جنت کی زمین خوش اور پاک ہے لیکن اس میں درخت نہیں ہیں اس کے درخت یہی کلمات ہیں یعنی تسبیح و تحمید و تہلیل ہے

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی نامزد حور

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہشت میں ایک نوجوان عورت ملی جو ہونٹوں پر سرخی لگائے ہوئے تھی وہ مجھے بہت خوش لگ رہی تھی میں نے اس سے پوچھا تو کس کے لئے ہے بولی کہ حضرت زید بن حارثہ کے لئے۔

ف: حدیث شریف میں جاریۃ لمیاء وارد ہوا ہے جو لمی سے مشتق ہے یعنی ہونٹوں کی سرخی جس میں تھوڑی سی سیاہی کی ملاوٹ ہو یہ ہونٹوں کی ملاحت پر دلالت کرتی ہے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کا تعارف

یہ وہی حضرت زید رضی اللہ عنہ ہیں جنہیں حضور علیہ السلام نے متبنّٰی (یعنی لے پالک) بنایا ہوا تھا حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا پہلا ان سے نکاح ہوا تھا انہوں نے طلاق دی تو ان کو حضور علیہ السلام نے نکاح کا شرف بخشا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے بدلے میں جنت میں جمیلہ اور ملیح حور ان کو عطا فرمائی۔ اس سے کہنا یہ ہے کہ جو چیز فنا اور ترک ہو صرف اللہ کی رضا کے لئے اس کا ثمرہ مرتب ہوتا ہے جتنا ظاہر میں کمی ہوتا ہے اتنا اس کا حصہ باطن میں منتقل ہو جاتا ہے اور آخرت بہ نسبت دنیا کے باطن ہے جو شخص دنیا میں مرغوبات کے حظوظ کا ترک کرتا ہے اسے اتنا کچھ بہت زیادہ آخرت میں بہتر حصہ نصیب ہوتا ہے۔

عجیب و غریب فرشتے

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے ساتویں آسمان میں فرشتوں کی ایک بہت بڑی جماعت کو دیکھا کہ جن کا آدھا حصہ جسم کا آگ کا ہے اور آدھا برف کا نہ برف آگ پر اثر انداز ہوتی ہے اور نہ آگ برف پر اور وہ مندرجہ ذیل دعا پڑھ رہے تھے۔

اللّٰھم کما الفت بین الثلج والنار فالف	اے اللہ! جیسے آگ و برف کو آپس میں الفت بخشا ایسے ہی
بین قلوب عبادک المؤمنین	اہل ایمان کو آپس میں اتفاق عطا فرما۔

ف : بعض بزرگوں نے فرمایا کہ ان ملائکہ کا نصف نار اور نصف برف کا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جب ان کو ایک جسم میں رکھا تو یہ ظاہر دو اضداد ہیں لیکن اس نے اپنی قدرت کاملہ سے انہیں ایک مزاج بنا دیا۔ لیکن پہلی تعبیر زیادہ موزوں ہے اس لئے کہ قدرت کاملہ پر یہی تعبیر زیادہ دلالت کرتی ہے کہ دو اضداد اپنی تاثیر کے ساتھ جمع ہوں یہی قدرت الٰہی کا کمال ہے ورنہ جو بعض بزرگوں نے تعبیر فرمائی ہے وہ تو اکثر مرکبات میں موجود ہے جیسے ہم میں اربع عناصر موجود ہیں لیکن ان کا مزاج ایک بنا دیا گیا ہے۔ یہ کیا عادۃً جائز ہو کر عالم بالا میں ملائکہ کو مقصود یہ ہے کہ ایسی صورت پیدا کی جا سکے جو یہاں ناممکن ہو۔

ابراہیم علیہ السلام کی ملاقات کی حکمتیں

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ساتویں آسمان پر ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کی دو حکمتیں ہیں:

① حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراہیم علیہ السلام کو بیت المعمور سے سہارا لگائے ہوئے بیٹھا دیکھا اور بیت المعمور کعبہ معظمہ کے عین بالمقابل ہے اور ملائکہ کرام یہیں پر طواف کرتے ہیں اور ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی بنیاد ڈالی اور اس کے حج کی لوگوں کو دعوت دی تو ان دو کعبوں کی مناسبت پر اسی مقام پر ملاقات مقدر ہوئی تھی۔

② حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا آخری سال بیت اللہ کا حج تھا اور حجۃ الوداع کے موقع پر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابی تھے اس ملاقات سے وہی راز مضمر تھا کہ جس دعوت کا اعلان حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سینکڑوں سال قبل فرمایا تھا اسے آج حضور نبی علیہ السلام نے پورا کر دکھایا اسی طرح معراج کی شب ملاقات کی مناسبت یہی ہوئی کہ حضور علیہ السلام اور ان کی وہاں کعبہ معظمہ کی ملاقات ہو گئی۔

سدرۃ المنتہیٰ

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے جبریل علیہ السلام سدرۃ المنتہیٰ پر لے گئے سدرۃ المنتہیٰ ایک درخت ہے جو ساتوں آسمانوں کے اوپر جنت کے انتہائی مقام پر واقع ہے یہاں پر ملائکہ کرام سے متعلقہ تمام کے اعمال پہنچتے ہیں اور عرش والوں سے یہیں پر احکام نازل ہوتے ہیں اور انوار و تجلیات کا مقام یہی ہے اور سدرۃ المنتہیٰ کے اوراق ہاتھی کے کانوں کے برابر ہیں: النبق = بیری کا درخت ہے یعنی ہاتھی کے کان کی مثل ہیں یعنی ان کا پھیلاؤ ہاتھی کے کانوں جیسا تھا۔ اس سے کانوں کی وسعت مراد نہیں ورنہ سدرۃ المنتہیٰ کا صرف ایک پتہ تمام مخلوق کو محیط ہو سکتا ہے۔ کذا فی بعض الروایات اور سدرۃ المنتہیٰ کے ثمرات مٹکوں کی طرح ہیں۔

ف : المقول المقدس کی نہج پہنچا ہوا کہ سدرۃ المنتہیٰ یعنی حد دنیا اور حد آخرت ہے کے لئے برزخ ہے اس کی انتہا اہل جنت کی ابتدا ہے اس کی جڑیں اہل دنیا کی نظر میں ہیں اور اس سے تسبیحات و تحمیدات و ترجیعات ، اور انا الطیب ما بعدہ کتنا ادنیٰ ایک عجیب خوش الحان رستائی دیتی ہے کہ جسے سن کر روح میں ایک عجیب وغریب سرور و کیفیت پیدا ہوتا ہے اور اس سے بہتر احوال ظاہر ہوتے ہیں۔

سدرۃ المنتہیٰ پر ملائکہ کی امامت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سدرۃ المنتہیٰ پر جن کے ملائکہ کو ایک رکعت نماز

پڑھائی بیت المقدس میں امام الانبیاء اور سدرۃ المنتہیٰ پر امام الملائکہ ہو گئے۔

عقیدہ: اس سے واضح ہو گیا کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام اہل السماء والارض سے افضل ہیں۔

چار نہریں: سدرۃ المنتہیٰ سے چار نہریں جاری ہوتی ہیں دو باطنی اور دو ظاہری۔ دو باطنی جو مخفی ہیں جو سدرۃ المنتہیٰ سے نکل کر جنت میں چلی جاتی ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) نہر کوثر

(۲) نہر رحمت

اور دو ظاہری نہریں جو سدرۃ المنتہیٰ سے نکل کر جنت سے بہتی ہوئی زمین پر آتی ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) نہر مصر یعنی دریائے نیل

(۲) نہر کوفہ یعنی دریائے فرات

تجربہ: بعض بزرگوں کا فرمان ہے کہ اگر دریائے نیل دریائے شور جسے بحر اخضر کہا جاتا ہے، میں داخل نہ ہوتا یعنی بحیرۂ الملح سے پہنچنے سے پہلے اگر بحر اخضر سے نہ گزرتا تو اسے کوئی نہ پی سکتا اس لئے کہ وہ بہت ہی زیادہ میٹھا ہے اس کی مٹھاس میں بحر اخضر کی نمکینی مل کر پینے کے لائق بنا۔

تجربہ: دریائے فرات میں ایک مرتبہ انار اونٹ کے برابر پائے گئے بعض بزرگوں کا فرمان ہے کہ وہ انار جنت کے تھے۔

ف: فقیر اسماعیل حقی کہتا ہے کہ وہ انار ان باغات کے تھے جو زمین کی جنت ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ انار فاسد ہو جاتے تھے اور جنت کے ثمرات میں فساد ناممکن ہے۔

ف: فقیر (حقی) کہتا ہے کہ فرات میں جنت کے اناروں کا ہونا بعید از قیاس نہیں بلکہ یہ حقیقت ہے کہ وہ واقعی انار بہشت تھے اس لئے کہ عقل والوں کو عبرت کے طور پر انار بہائے گئے تاکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر زیادہ سے زیادہ یقین ہو۔

بہشت میں تشریف لے جانا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بہشت میں گیا تو وہاں موتیوں کے قبے نظر آئے ان کی مٹی مشک خالص ہے اور اس کے انار بالٹی کی شکل میں محسوس ہوتے تھے اور اس کے پرندے عربی اونٹوں کے برابر تھے۔ ہم جنت کی سیر کرتے کرتے حوض کوثر پر پہنچے اس کے برتن سونے چاندی کے تھے اس سے میں نے تھوڑا سا پانی پیا وہ شہد سے زیادہ میٹھا اور مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔

حدیث شریف دنیا میں جو میوے کاٹے گئے وہ بہشت میں ویسے ہو جائیں گے یہاں تک منقول ہے ایک قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے جنتی کوئی میوہ توڑے گا تو وہ ٹوٹتے ہی فوراً توڑنے والے کے منہ میں آ جائے گا یہاں تک کہ اسے اس جیسا اور کوئی پھل میٹھا محسوس نہ ہو گا۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ جنت کا میوہ میٹھا ہوگا اور جنتی کو میوہ کھانے کے قابل ہوگا اور ان کی ظاہری شکل اس دنیوی ثمرات و میوہ جات کے مشابہ ہوگی سدرۃ المنتہیٰ کو نور الٰہی نے گھیرا ہوا ہے اس نور الٰہی کی چمک سے سدرۃ المنتہیٰ کے حسن و جمال میں اضافہ ہوگا یہاں تک کہ وہ اپنی نظیر آپ ہوگا۔ علاوہ ازیں اس کے عجائب و غرائب ایسے بے مثال ہیں جن کی نظیر پیش نہیں کی جا سکتی اس لئے اسے دیکھنے کے بعد اس کی دہشت چھا جاتی ہے جسے کوئی بیان نہیں کر سکتا۔

جبریل علیہ السلام کی اصلی صورت سدرۃ المنتہیٰ پر حضور سرور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام کو اصلی صورت میں دیکھا جن کے چھ سو پر ہیں ان کا ایک پر مشرق و مغرب میں ڈھانپ لیتا ہے جن کے ہر ایک پر میں موتی اور یاقوت جڑے ہیں۔

جبریل علیہ السلام ازو بازماند حضرت جبریل علیہ السلام سدرۃ المنتہیٰ پر ٹھہر گئے اور عرض کی اس سے آگے میں نہیں چل سکتا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

افی هذا المقام یترك الخلیل خلیله کیا ایسے مقام پر دوست دوست کو چھوڑ سکتا ہے۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی:

لو تجاوزت لاحترقت بالنور اگر میں اس سے آگے بڑھوں تو انوار الٰہی کے تجلی سے جل جاؤں گا

ایک اور روایت میں ہے:

لو دنوت انملة لاحترقت اگر میں انگلی کے برابر بھی بڑھوں تو جل جاؤں۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ؎

چناں گرم در تیہ قربت براند
کہ در سدرہ جبریل ازو بازماند
بدو گفت سالار بیت الحرام
کہ اے حامل وحی برتر خرام
چو در دوستی مخلصم یافتی
عنانم ز صحبت چرا تافتی
بگفتا فراتر مجالم نماند
بماندم کہ نیروی بالم نماند
اگر یک سر موئے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

ترجمہ: قربت کے جلال میں ایسے پُر تو تجلی سے لگے کہ جبریل علیہ السلام عاجز ہو کر رہ گئے۔ انہیں حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے دوستی کا دعویٰ کرنے والے! اے جبریل کیوں کر دوستی میں مجھے آپ نے تنہا چھوڑا ہے تو میری رفاقت سے کیوں گریز کر رہا ہے۔ عرض کی کہ اگر ایک بال کے برابر بھی اوپر اڑوں تو تجلی مجھے جلا کر راکھ بنا دے۔

جبریل علیہ السلام کے حاجت روا

نبی مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچ کر فرمایا:

یا جبریل هل لك حاجة الی ربك	اے جبریل علیہ السلام کوئی ضرورت ہو تو بتائیے۔

جبریل علیہ السلام نے عرض کی:

یا محمد سل الله لی ان ابسط جناحی علی الصراط لامتك حتی یجوزوا علیه	اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم! اللہ سے میرے لئے سوال کیجئے کہ قیامت میں مجھے اپنے پر بچھانے دے جس پر آپ کی امت گذر جائے۔

نورانی حجابات حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے بعد مجھے نور میں غوطہ دیا گیا جس کے ستر ہزار حجابات تھے ہر ایک حجاب کی موٹائی پانچ سو سال کی مسافت تھی۔ اس کے بعد مجھے ملائکہ کے نام و نشانات بھی نظر نہیں آتے تھے اس پر مجھے وحشت ہوئی۔

ابو بکر کی آواز ان حجابات سے مجھے ابو بکر صدیق کی آواز سنائی دیتی تھی کہ

قف یا محمد فان ربك یصلی	اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہریئے تمہارا رب صلوٰۃ پڑھ رہا ہے۔

یعنی سبحانی سبحانی فرما رہا ہے اور آواز آئی تھی:

سبقت رحمتی علی غضبی	میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔

ادن منی کی آواز: اسی دوران سے میں نے سنا کہ مجھے کہا جا رہا تھا:

ادن منی یا خیر البریة ادن یا احمد	اے خیر البریہ! اے احمد! صلی اللہ علیہ وسلم
ادن یا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم)	قریب آ جاؤ۔

قاب قوسین اس کے بعد مجھے میرے رب کعبہ نے اپنے قریب تر کر دیا جیسا کہ فرمایا:

ثم دنی فتدلی فكان قاب قوسین او ادنی	پھر وہ قریب ہوئے ایسے جیسے قاب قوسین ہے۔

الجواب: مروی ہے کہ ساتویں آسمان سے سدرۃ المنتہیٰ تک حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جبریل علیہ السلام کے پروں پر سوار ہو کر تشریف لے گئے اس کے بعد رفرف کے ذریعے تشریف لے گئے۔

ف: رفرف ایک بستر بڑا بچھونا ہے حضرت شیخ عبدالوہاب امام شعرانی قدس سرہ نے فرمایا کہ وہ ایک گاؤ تکیے کی مثل ہے۔

ثنائے حق بر نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم

مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ آپ کی مدح و ثنا اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے اب آپ حمد اور اس کی اطاعت کیجئے اور اس کے کلام غیبی تجلی سے گھبرائیں نہیں۔

تشہد: اس کے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا:

التحیات للہ والصلوات والطیبات — عبادات قولیہ، بدنیہ اور مالیہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ — اے نبی علیہ السلام آپ پر اللہ تعالیٰ کے سلام اور رحمت و برکات ہوں۔

حضور علیہ السلام نے اپنی تمام امت کو اپنے ساتھ ملایا:

السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین — ہم پر اور اللہ تعالیٰ کے تمام نیک بندوں پر سلام ہو۔

جبریل علیہ السلام نے کہا:

اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدا عبدہ ورسولہ۔ — میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پیارے بندے اور محبوب رسول ہیں۔

جبریل علیہ السلام کی متابعت میں تمام ملائکہ نے بھی یہی ورد کیا۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رفرف کو لے گئے تو آپ اس بستر پر تشریف فرما ہوئے اور اس سے تعبیر فرمایا جیسے ہمارا بچھونا ہے تو وہ ستر ہزار مخمل کا ہے اسی طریق سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ کر رفرف پر بیٹھے اور اس کے ذریعے تمام عالم الانوار کو طے فرمایا یہاں تک کہ آپ عرش عظیم پر پہنچے یعنی اس مقام پر جو الرحمن علی العرش استوی سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ تمام سفر جسم مبارک سے طے فرمایا۔

ف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب عالم خلق اور عالم امر سے گزرے تو آپ کا کوئی ساتھی نہ تھا اس لئے آپ کو وحشت ہوئی تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آواز میں آپ کو ندا دی گئی۔

قف یا محمد ان ربک یصلی ٹھہریئے آپ کا رب صلوٰۃ پڑھ رہا ہے۔

یہاں پر آپ ٹھہرے پھر پکار پڑھا ۔

هو الذی یصلی علیکم وملٰئکته لیخرجکم ۔ وہ اللہ اور اس کے فرشتے تم پر رحمت بھیجتے ہیں تاکہ تمہیں ظلمات سے نکال کر نور کی طرف لے جائیں۔

ف : اسی طرح اجسام و مستقر الٰہیہ میں گفتگو کرتے ہیں حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم عالم ظاہر سے نکل کر عالم معنوی میں پہنچے قدم رکھ سکے تھے یعنی اس مقام سے پر الاشارات والمعانی میں جو طرف زمان ہو کے اس سے اسرار سے بسیط کا آغاز ہوا ۔ یہاں سے مشاہدات مشاہدہ کا آغاز ہوا جسے بصر جسمانی سے نہیں بلکہ وہ عالی بصیرت سے دیکھا جاتا

رفرف کا مقام مستقیم

ہے اس لئے رفرف کی ضرورت نہ تھی اس لئے رفرف کو چھوڑ دیا اور جسمانی طریق پر شاہد ترک کر دیا اسی طرح کیف ذا این و آں نہ زمان و مکان نہ دایاں نہ بایاں حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں حجاب عزت کے ما وراء پہنچا وہ ایک پردہ سے تھے کہ جس انتہا پا سکتا تھا جس ترکیب کو فرش الٰہی پر چھوڑا اور وہاں سے واپس ہوا چنانچہ مذکورہ بالا کو جب قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا ہے ۔

ف : یہ عروج و وصول کی طرف منتہا ہے یہ نزول و رجوع کی طرف اشارہ ہے۔ فکان قاب قوسین یہ مرتبہ تجلی کے ہے اور مرتبہ ذات واحدیہ یعنی عالم صفات میں کا اشارہ اللہ الصمد میں ہے کہ وصول کی طرف او ادنٰی مرتبہ ذات احدیہ یعنی عالم ذات میں کا اشارہ اللہ احد میں ہے کی طرح اشارہ ہے اس سے ثابت ہوا کہ معراج صعودی بھی تھا و نزولی بھی طور پر دونوں الروح مع الجسد ہوا اور عالم ملک و ملکوت ہر دونوں وجود انسانی میں موجود ہیں اور حضرت انسان کو جو تجلی نصیب ہوتی ہے وہ داخل سے حاصل ہوتی ہے نہ کہ خارج سے۔

علم غیب کلی کا ثبوت از حدیث شریف مع شرح الحدیث

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔

سألنی ربی فلم استطع ان اجیبه فوضع یده بین کتفی بلا تکییف ولا تحدید

میرے رب نے مجھ سے پوچھا میں جواب نہ دے سکا پھر اس نے اپنا مبارک ہاتھ رکھا میرے دونوں کاندھوں کے درمیان جسے کیفیت سے تعبیر کر سکتے ہیں نہ حد سے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے میرے دونوں کاندھوں کے درمیان ہاتھ رکھا اس سے ہاتھ مراد نہیں بلکہ اس کی قدرت کا اظہار ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہاتھوں سے پاک اور منزہ ہے ۔

فوجدت بردها فاورثنی علم الاولین والآخرین وعلمنی علوما شتی فعلم اخذ

میں نے اس کی ٹھنڈک محسوس کی اس کی برکت سے مجھے اولین و آخرین کے علوم کا وارث بنایا اور مختلف علوم سکھائے

على كتمانه اذ علم انه لا يقدر على حمله غيري وعلم خيرني فيه وعلم امرني بتبليغه الى العام والخاص من امتي[۱]

(۱) وہ علم جس کے پوشیدہ رکھنے کا عہد لیا جب کہ اسے علم ہے کہ میرے سوا کوئی اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

(۲) وہ علم کہ مجھے اختیار عطا کر دیا چاہوں تو بتاؤں یا نہ بتاؤں۔

(۳) امت کے ہر عام و خاص تک پہنچانے کا امر فرمایا۔

حدیث مذکورہ میں عام و خاص جو دو لفظ مذکور ہیں اس حدیث مبارک سے ثابت ہوا کہ علوم شرعی سے ہی تینوں علوم مراد ہیں جیسا کہ ظاہر سے بھی واضح ہوتا ہے۔

(رد وہابیہ و دیوبندیہ) اولاً دیوبندی وہابی اس تقسیم علم کے قائل نہیں اگرچہ یہ روایت متعدد محدثین و مفسرین نے سند کے ساتھ بیان کی ہے اور اصول حدیث کے مطابق یہ روایت صحیح ہے۔ ثانیاً دیوبندی فرقہ کو قائل ہوتے ہیں تو صرف اتنا کہ اس سے صرف علوم شرعیہ مراد ہیں اور ان کے نزدیک اولین و آخرین سے یہی علوم شرعیہ مراد ہیں۔ صاحب روح البیان اسی مردود فرقہ کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وهي ما اشتمل عليه علوم الاولين والآخرين[۲]

یہ علوم اولین و آخرین کے علاوہ دیگر کئی علوم ہیں۔

[یعنی علوم اولین و آخرین اور ہیں اور حدیث شریف میں جو تین علوم مذکور ہیں ان سے کوئی دیگر علوم مراد ہیں۔ چنانچہ اس کی تفصیل تو صاحب روح البیان نے بیان فرمائی کہ]

فالعلم الاول من باب الحقيقة المعرفة و الثاني من باب المعرفة والثالث من باب الشريعة[۳]

پہلا علم باب حقیقت کا ہے دوسرا معرفت تیسرا شریعت۔

شب معراج بعض قرآنی آیات کا نزول

اس مقام دنیٰ فتدلیٰ پر قرآنی آیات و سورتیں بھی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئیں وہ آیات و سورتیں یہ ہیں:

① خواتیم سورۃ البقرۃ
② سورہ والضحیٰ کے بعض آیات

---

[۱] روح البیان جلد ۵ صفحہ ۱۲۳۔

[۲] تفصیل فقیر کی تفسیر اویسی میں دیکھئے ۱۲۔

[۳] روح البیان جلد ۵ صفحہ ۱۲۳۔

③ سورۃ الم نشرح کے بعض آیات

④ آیت: وھو الذی یصلی علیکم وملائکتہ لیخرجکم من الظلمات الی النور۔

کلام واسطہ کے بغیر یہ وحی بلا واسطہ ملائکہ تھی اور بلا واسطہ کلام و خطاب کا تعلق ہے اس سے پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بلا واسطہ کلام فرمایا جیسے موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر بلا کیف اور از پردہ کلام سنی ایسے ہی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا کیف اور از ہر جانب کلام سنا۔

؎

کلام سرمدی بے نقل بشنید
حق تعالیٰ جہاں را بے جہت دید
بدید آنجا نہ حد و دیدن بیاں بود
مپرس اما ز کیفیت کہ چوں بود

ترجمہ: سرمدی کلام کو بلا نقل سنا۔ اللہ تعالیٰ کو جہت کے بغیر دیکھا۔ اسے دیکھا جو دیکھنے کی حد سے باہر ہے لیکن وہ کیفیت مت پوچھو کہ وہ کیسی تھی۔

حضور علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کو سر کی آنکھوں مبارک سے دیکھا

امام نووی نے لکھا کہ

الراجح عند اکثر العلماء انہ رأی ربہ بعین راسہ [1]	اکثر علماء کے نزدیک راجح یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ کو چشم سر کی آنکھوں سے دیکھا۔

(صاحب روح البیان اپنی تحقیق لکھتے ہیں کہ)

یقول الفقیر یعنی بصرہ و رؤیتہ فی رؤیتہ البصریات کل من رؤیتہ سمعا و اتحد البصر والبصیرۃ فلی رؤیتہ بہما معا من غیر تکییف فافہم فانہ جلیۃ ما یفصل	فقیر اسماعیل حقی کے نزدیک اس سر والی رؤیت سے دیکھنا حضور علیہ السلام کے کمالات میں سے ہے اس لئے کہ آپ کے کلام کا ہر جزو سمع تھا آپ کی بصر و بصیرت ایک تھی اس لئے بلا کیفیت آپ نے ہر دو (بصر و بصیرت) سے دیکھا۔

سوال: باب الرؤیۃ یعنی دیدار الٰہی کے متعلق حضور علیہ السلام اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کے مابین کیا فرق ہے جواب کہ

---

[1] روح البیان جلد ۵ صفحہ ۱۲۲

[2] روح البیان جلد ۵ صفحہ ۱۲۳

تم نے پہلے لکھا ہے کہ حضور علیہ السلام اپنے سر انور کی آنکھ سے ذات حق تعالیٰ کا مشاہدہ فرمایا اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام بھی سر کی آنکھ سے مشاہدہ کرتے ہیں پھر فرق کیا رہا حالانکہ حضور سید الانبیاء علیہم السلام کی شان بلند و بالا ہونا لازمی ہے بالخصوص شب معراج کے بارے میں۔

جواب: والسلام! جو قائل ہیں دیدار صرف بصیرت سے ہوتا ہے اور ہمارے حضور علیہ السلام کے لئے سر کی آنکھ سے ہے کہ آپ نے دیدار صرف بصیرت سے نہیں بلکہ سر کی آنکھ سے جس طرح بصیرت سے دیکھا ایسے ہی سر مبارک کی آنکھوں سے بھی اور یہی امتیاز ہے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے مابین۔

مسئلہ جنت میں دیدار الٰہی ملائکہ کو ہوگا یا نہ؟ بعض علماء ملائکہ کے لئے دیدار الٰہی کے قائل ہیں اور بعض منکر ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ صرف جبریل علیہ السلام کو نصیب ہوگا وہ بھی صرف ایک بار۔

ف: جن لوگوں نے ملائکہ کے دیدار الٰہی کا انکار کیا ہے انہوں نے ملائکہ کو جنات پر قیاس کیا ہے اس لئے کہ جنات کے لئے دیدار الٰہی کی نفی میں حدیث وارد ہوئی ہے۔

ف: فقیر اسماعیل حقی کہتا ہے کہ اختلاف مذکور کی وجہ یہ ہے کہ ملائکہ اور جنات کو صرف ایک جلوہ نصیب ہوگا یعنی جمال کا جلوہ اور انسان دونوں تجلیوں یعنی جلال و جمال کا جامع ہے اسی جامعیت کو کمال سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ ملائکہ و جنات انسان کے مرتبہ کمال کو نہ پہنچنے کی وجہ سے بہشت میں اس مرتبہ کی حیثیت سے دیدار الٰہی سے محروم رہیں گے وہ انہیں اپنے مرتبہ کے مطابق مشاہدہ حق ضرور نصیب ہوگا۔ (اسے اچھی طرح سمجھو)۔

ف: جو لوگ ملائکہ و جنات کے لئے بالکلیہ مشاہدہ حق کے منکر ہیں وہ غلطی پر ہیں اہل حق سے کسی نے ان کے اس قول کا اعتبار نہیں کیا۔

مسئلہ: تمام علماء کرام متفق ہیں کہ خواب میں دیدار الٰہی نہ صرف جائز بلکہ واقع ہوگا اور بہت سے خوش نصیبوں کو خواب میں دیدار الٰہی نصیب ہوا اس لئے کہ خواب میں ذات نہیں دیکھی جاتی بلکہ وہ صفت متمثلہ متعلقہ ہوتی ہے۔

حکایت: حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھ کر عرض کی کہ اے اللہ تعالیٰ تجھ تک پہنچنے کا کونسا راستہ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نفس کو گم کرکے میرے ہاں آ جاتے یعنی فنا کے بعد بقا حاصل ہوتی ہے۔

حکایت: حضرت حمزہ قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے خواب میں اللہ تعالیٰ کو تمام قرآن مجید خواب میں سنایا جب آیت وھو القاھر فوق عبادہ پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے حمزہ اب یوں کہو تم مجھے دیکھ کر پڑھ رہے ہو اس لئے وھو القاھر کے بجائے انت القاھر کہو۔

حکایت: فقیر حقی کہتا ہے کہ میں نے اپنے شیخ و مرشد قدس سرہ سے فرماتے سنا کہ میرے شیخ (جن کا اسم گرامی

ذاکر تارو قدس سرہ ہے، سے چاہا کہ مجھے اپنا خلیفہ بنائیں لیکن میں نے از راہ ادب انکار کر دیا۔ اسی رات اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوئی حق تعالیٰ نے قرآن مجید دے کر فرمایا کہ یہ قرآن مجید لے کر میرے بندوں کو دعوت حق دو۔

ف: یہ اسی خواب کی صداقت کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بواسطہ پیر و مرشد کو احیاء علوم کی توفیق بخشی اور ہر چہار سلاسل میں آپ کو اجازت حاصل تھی یہی وجہ ہے کہ عالم اسلام میں ان کے اپنے دور میں ایک سو پچاس خلفاء تھے اور بعض تو ایسے تمام صاحبان تفسیر قرآن تھے اور یہ حق تعالیٰ یہ مرتبہ صرف بواسطہ شیخ کامل کو نصیب ہوا ان کے ہمعصر مشائخ اس مرتبہ کو نہ پہنچ سکے۔

پچاس نمازیں

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اللہ تعالیٰ نے دن رات کی پچاس نماز فرض فرمائیں بعض کا قول ہے کہ ہر نماز کا ایک ایک دوگانہ فرض تھا ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص منت مانے کہ للہ علی صلوٰۃ یعنی میں منت مانتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے نماز پڑھوں گا تو اس پر دوگانہ پڑھنا ضروری ہے لیکن یہ اس قول کے خلاف ہے منقول ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم شب و روز پچاس رکعت پڑھتے تھے۔ آپ کی یہی نماز معراج کی پچاس نمازوں کے حکم کے مطابق ہے اس سے معلوم ہوا کہ شب معراج پچاس رکعات کا حکم ہوا تھا جس کی ایک رکعت کو مستقل نماز سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہی قول زیادہ معتبر معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم شب و روز فرائض و نوافل نمازیں پچاس رکعتوں پر مشتمل تھیں۔

ف: بعض لوگوں نے ان اوقات کی بھی تصریح کی ہے اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر نماز دوگانہ ہو اس لئے ایک وقت میں صرف ایک رکعت تو نہیں پڑھی جاتی بلکہ دوگانہ پڑھا جاتا ہے اس کی تائید اس قاعدہ سے بھی ہوتی ہے کہ ابتدائے اسلام میں صرف "دو" دو رکعت فرض تھی بعد میں حکم ہوا کہ حضر میں چار رکعتیں پڑھی جائیں اور سفر میں دو۔

پچاسں نمازوں سے پانچ رہ گئیں

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنے رب تعالیٰ سے پچاس نمازوں کا تحفہ لے کر واپس لوٹا تو ساتویں آسمان پر ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی انہوں نے کچھ نہ فرمایا لیکن جونہی چھٹے آسمان پر موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کی امت پر کتنی نمازیں فرض ہوئی ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ پچاس۔ موسیٰ علیہ السلام نے مجھ سے کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے تخفیف کا سوال کیجئے اس لئے کہ آپ کی امت اتنی نمازیں برداشت نہیں کر سکے گی۔ بخدا میں اپنی امت کو آزما چکا ہوں اور مجھے بنی اسرائیل سے بہت تجربہ حاصل ہوا ہے یعنی میں نے ان سے بہت زیادہ تکلیفیں دیکھی ہیں یہ لوگ طاعت الٰہی کے بارے میں بہت زیادہ غفلت کرتے تھے۔

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ سے اپنے رب تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوا یعنی اسی مقام پر پہنچا جہاں اللہ تعالیٰ کے ساتھ گفتگو کی یعنی سدرۃ المنتہیٰ کے اوپر پہنچ کر میں نے بارگاہ حق میں سجدہ کیا اور عرض کی

www.marfat.com

سے کہا الٰہ العالمین میری امت کی نمازوں میں تخفیف فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں معاف فرما دیں۔ واپسی پر موسیٰ علیہ السلام سے پھر ملاقات ہوئی انہیں پانچ نمازوں کی تخفیف کی خبر دی تو انہوں نے فرمایا کہ آپ کی امت ان کی بھی حامل نہیں پھر آپ واپس گئے اسی طرح پانچ پانچ نمازیں معاف ہوتی رہیں اور موسیٰ علیہ السلام وہی مشورہ دیتے رہے یہاں تک کہ باقی پانچ رہ گئیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا پھر جایئے اور اللہ تعالیٰ سے تخفیف کا سوال کیجئے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اب مجھے اللہ تعالیٰ کے ہاں جانے سے حیا آتی ہے اب جو کچھ عطا ہوا ہے اسی پر میں راضی ہوں اور اسی پر میرا سر تسلیم خم ہے۔

پانچ نمازوں پر پچاس کا ثواب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں موسیٰ علیہ السلام سے الوداع ہو کر پیچھے والے آسمانوں کی طرف روانہ ہوا تو ندا آئی کہ امضیت فریضتی یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا آئی کہ اے میرے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی امت پانچ نمازیں پڑھے گی لیکن انہیں پچاس نمازوں کا ثواب عطا فرماؤں گا۔

کما قال:

من جاء بالحسنة فله عشر امثالها — جو ایک نیکی کرے گا اسے ایک کے بدلے میں دس نیکیاں عطا ہوں گی۔

نکتہ: ان پانچ نمازوں پر ثواب پچاس کا ملے گا بشرطیکہ حضور قلب سے ادا کی جائیں۔

مسئلہ: جو شخص نیکی کا صرف ارادہ کرے تو اس کے اعمال نامے میں ایک ثواب لکھا جاتا ہے پھر جب اسے عمل میں لاتا ہے تو اسے ایک کی بجائے دس کا ثواب عطا ہوتا ہے اگر برائی کا ارادہ کرے تو کچھ نہیں لکھا جاتا ہاں جب اس پر عمل کرتا ہے تو اس کے اعمال نامے میں ایک برائی لکھی جاتی ہے۔

لطیفہ: جیسے پہلے پچاس نمازیں فرض ہوئیں ایسے ہی جنابت کا غسل سات بار اور کپڑے کو پیشاب کی نجاست سے پاک کرنا سات بار دھونا۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب تعالیٰ سے تخفیف کا سوال کرتے کرتے پچاس نمازوں سے پانچ نمازیں اور سات بار کے غسل سے ایک بار اور سات بار نجاست کو دھونا ایک بار کی اجازت منظور کرائی۔ یہ روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کا احسان

حدیث شریف (۱): حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

موسیٰ علیہ السلام کو بہت دعائیں دو کہ انبیاء علیہم السلام میں سے انہوں کو میں نے اپنی امت کے لئے مخلص پایا۔

حدیث شریف (۲): حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

شب معراج موسیٰ علیہ السلام سے جب میں گذرا تو یہ ہے کہ سب انبیاء علیہم السلام سے نرمی سے پیش آئے لیکن جب واپس لوٹا تو سب سے بہت زیادہ خیر خواہ تھے۔ اے میرے امتیو! موسیٰ علیہ السلام تمہارے لئے بہترین سفارشی ہیں۔

ف: موسیٰ علیہ السلام کی خیر خواہی کا واقعہ مشہور ہے کہ جب حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم شب معراج موسیٰ علیہ السلام سے گذرے تو وہ رو پڑے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام کیوں روتے ہو؟ عرض کی:

رب هذا غلام بعثته بعدي يدخل الجنة	یہ نوجوان میرے بعد تشریف لائے لیکن ان کی امت بہ نسبت
من امته اكثر ممن يدخل من امتي	میری امت کے بہشت میں بہت زیادہ داخل ہوگی۔

ف: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو غلام (نوجوان) کے لفظ سے اس لئے کہا کہ اس وقت حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نوجوان تھے۔ اس کے متعلق سوال و جواب ہم نے گذشتہ اوراق میں تفصیل سے لکھے ہیں۔

سوال: پچاس سے پانچ نمازوں کا نسخ قبل از بلاغ واقع ہوا ہے اور قاعدہ ہے کہ حکم قبل از بلاغ منسوخ نہیں ہو سکتا اس قاعدہ پر معتزلہ کے ساتھ اہل سنت کا بھی اتفاق ہے۔

جواب: اس کا حکم حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو ہوا تھا اور بلاغ کے لئے آپ کا قول ہے اگرچہ امت تک بلاغ نہیں ہوا لیکن امت کے سرور تک پہنچا ہے اور بلاغ کے لئے اتنا کافی ہے اس لئے کہ اگرچہ آپ حقیقتاً کسی فعل کے مکلف نہیں لیکن متعدد احکام آپ کے لئے صادر ہوتے تھے اسی لئے آپ کے لئے احکام کی خصوصیت گویا تمام امت کے لئے ہے۔ اسی طرح ہر نبی علیہ السلام کی امت کے لئے یہی قانون قدیم ہاں مگر خصوصیت کی تصریح ہو تو وہ حکم مستثنیٰ ہوگا۔

جمعہ کی فضیلت کی بہترین حدیث

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے شب معراج عرش کے نیچے ستر شہر دیکھے ہر شہر تمہاری تمام دنیا سے ستر گنا بڑا تھا اور وہ تمام ملائکہ کرام سے پُر تھے جو ہر ایک تسبیح و تقدیس میں ہے اور اپنی تسبیح میں یوں عرض کرتے ہیں:

اللهم اغفر لمن شهد الجمعة	اے اللہ تعالیٰ! اس شخص کو بخش دے جو جمعہ پر حاضر ہوتے ہیں۔
اللهم اغفر لمن اغتسل يوم الجمعة	اے اللہ! اسے بخش دے جو نماز جمعہ کا غسل کرتے ہیں۔

کسی کو قرض دینے کی فضیلت

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے شب معراج جنت کے دروازہ پر لکھا دیکھا کہ صدقہ پر دس گنا اور قرض پر اٹھارہ گنا زیادہ ثواب ہے میں نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ قرض کا صدقے سے زیادہ ثواب ہے انہوں نے فرمایا کہ سائل سوال کرتا ہے تو اس کے پاس کچھ نہ کچھ مال ہوتا ہے اور قرض لینے والا تو واقعی محتاج ہو کر اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے قرض اٹھاتا ہے اسی لئے اس کا صدقہ سے ثواب زیادہ ہے۔

نکتہ: اس کی ایک وجہ اور بھی ہے وہ یہ کہ قرض کے طور پر ایک درہم دینا صدقہ کے دو درہم کے برابر ہوگا اور ایک درہم کا

ثواب دس گنا اس عمل پر قرض دینے کا ثواب بیس گنا ہو گیا اور قرض دینے والے کو دو حصوں کا ثواب اصل اعتبار سے اٹھارہ نیکیاں باقی رہ گئیں۔

رضوانِ جنت

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جنت کے دربان کو دیکھا کہ وہ مجھے دیکھ کر بہت مسرور ہوا بلکہ مرحبا کہہ کر میرے سامنے آیا اور مجھے بہشت میں لے گیا اور جنت کے وہ باغات دکھائے جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کے لئے وعدہ فرمایا ہے وہ ایسی نعمتیں تھیں کہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا۔ اس میں میں نے اپنے ساتھیوں کے درجات بھی دیکھے اور اس کی نہریں اور چشمے بھی بہشت سے مجھے ایک خوش آواز سنائی دی جو کہ لبیک کہہ رہا تھا: آمنا برب العالمین میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ فرعون کے جادوگر ہیں جو بعد میں موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور ساتھ ہی ان کی ازواج ہیں۔ اس کے بعد مجھے ایک اور آواز سنائی دی جو کہ لبیک کہہ رہا ہے: لبیک اللھم۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ حج پڑھنے والوں کی آواز ہے۔ پھر میں نے تکبیر کی آواز سنی میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ غازی ہیں۔ پھر میں نے تسبیح کی آواز سنی پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ حضرات انبیاء علیہم السلام ہیں۔ اس کے بعد میں نے نیک لوگوں کے محلات کا مشاہدہ کیا۔

دوزخ کا داروغہ

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم میرے سامنے پیش کی گئی اگرچہ وہ اس وقت ساتوں زمینوں کے نیچے ہے لیکن صورت مثالی میں میرے سامنے پیش ہوئی میں نے اس کے داروغہ کو دیکھا کہ:

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ — کافروں کی قیام گاہ جہنم ہے۔

میں نے دوزخ میں ایسا فرشتہ دیکھا کہ مجھے دیکھ کر نہ ہنسا میں نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون ہے؟ کہا کہ دوزخ کا داروغہ ہے اسے جب سے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے کبھی نہیں ہنسا اگر ہنستا تو آپ کو دیکھ کر ہنستا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اسے فرمایا کہ اے خازن النار! یہ ہیں محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم انہیں سلام عرض کیجئے۔ اس نے مجھے السلام علیکم کہا اور مبارکباد پیش کی کہ آپ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑے بزرگ اور معزز ترین رسول ہیں۔

نکتہ: خازن نار سے اسلام علیکم اس لئے کہلوایا گیا تاکہ آپ سے دوزخ کے وحشت ناک منظر دور ہوں نیز اس طرف اشارہ تھا کہ آپ پر ایمان لانے والے نیک بخت لوگ دوزخ سے نجات پائیں گے۔

دوزخ کا منظر

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے دوزخ کے مالک سے کہا کہ دوزخ کا منظر دکھائیے چنانچہ میرے لئے دوزخ کے اندر کی کھڑکی کو کھول دیا گیا تو اس سے اللہ تعالیٰ کے غضب [illegible] پہاڑ [illegible] ڈالے جائیں تو وہ ایک سیکنڈ میں ان سب کو راکھ بنا

غیبت کرنے والے

حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے دوزخ میں ایک قوم کو دیکھا جو بدبودار مردار کھا رہی ہے۔ میرے پوچھنے پر جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ یہ غیبت کرنے والے لوگ ہیں جو لوگوں کی عزت و آبرو پر حملہ کرتے تھے۔

جھوٹی قسمیں کھانے والے

حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جہنم میں ایک ایسی قوم کو دیکھا جن کی زبانیں گدی سے نکالی جا رہی ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ جواب ملا یہ وہ لوگ ہیں جو جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں۔

پردہ نہ کرنے والی عورتیں

حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے دوزخ میں ایسی عورتوں کو دیکھا کہ وہ اپنے بالوں سے جہنم میں لٹکائی گئی ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ جواب ملا کہ یہ وہ عورتیں ہیں جو غیر محرم سے پردہ نہیں کرتی تھیں۔

بین کرنے والی عورتیں

حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے دوزخ میں ایسی عورتیں دیکھیں جنہیں سیاہ اور گرم تیل کا لباس پہنایا جا رہا تھا۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ جواب ملا کہ یہ وہ عورتیں ہیں جو میت پر میت کے مبالغے کے طور پر اس کے مناقب بیان کر کے بین کرتی ہیں۔

مسئلہ حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ دوزخ اور جنت اب بھی موجود ہیں اور عقل کے بھی عین مطابق ہے کہ انسان جب یہ جانے گا کہ نیکی پر ثواب اور برائی پر سزا ملے گی تو نیک اعمال کے لئے جد و جہد اور برائی سے اجتناب کرے گا۔

اگرچہ یہ منقول ہے کہ جنت ایک صاف میدان ہے اس کے محلات بندوں کے اعمال سے تیار ہوتے ہیں جیسا کہ اس پر حدیث معراج دلالت کرتی ہے یعنی اعمال سے باغات تیار ہوتے ہیں وہ حدیث ہم نے مختصراً پہلے لکھ دی ہے۔

فائدہ جانا اور آنا بابت معراج

حضور نبی کریم رؤف رحیم صلے اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے بیت المقدس تک براق پر تشریف لے گئے اور بیت المقدس سے آسمان دنیا تک سیڑھی پر، آسمان دنیا سے ساتویں آسمان تک ملائکہ کرام کے پروں پر، ساتویں آسمان سے سدرۃ المنتہےٰ تک جبریل علیہ السلام کے پروں پر، سدرۃ المنتہیٰ سے عرش معلیٰ تک رفرف پر اور ظاہری روایات کے مطابق نزول و واپسی بھی اسی ترتیب سے ہوئی۔

ف: بعض اکابر مشائخ فرماتے ہیں کہ سدرۃ المنتہےٰ تک براق پر تشریف لے گئے۔

شیطانوں کی انسان دشمنی

حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم جونہی واپس تشریف لائے تو آسمان دنیا سے نیچے دیکھا تو شور و غل دھواں اور سخت شور کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ آپ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی کہ یہ شیاطین کی شرارت ہے صرف اس غرض پر کہ انسان (آپ کی امت) ملکوت السموات کو نہ دیکھ سکیں ورنہ وہ دنیا ہی میں دیکھ کر عبرت حاصل کریں اگر ان کی شرارت نہ ہوتی تو انسان آسمانوں کے عجائبات دیکھ لیتے۔

آنکھ جھپکنے سے پہلے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مکہ یا مکہ معظمہ سے [illegible] ایک لمحہ میں سفر فرمایا چنانچہ آنکھ جھپکنے سے پہلے آپ بیت المقدس میں تشریف لاتے وہاں سے پھر آسمانوں کی سیر کر کے واپس ہوئے یہاں تک کہ آپ اپنے دولت کدہ پر تشریف لائے جو کہ وہ بھی حرم شریف کے اندر کعبہ معظمہ کے حجر اسود کے قریب تھا یعنی ام ہانی کے گھر بستر ابھی گرم تھا۔ قصہ کی تفصیل میں عرض کی اور دروازے کی زنجیر ہل رہی تھی۔

[illegible] حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا اتنا طویل سفر طے کر کے جلد تشریف لانا ممکن ہے یا یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید نہیں وہ قادر کریم اپنے محبوب حضرت کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو اس سے کم لمحہ میں لے جا کر واپس پہنچائے تو ممکن ہے۔

حکایت: حضرت ابو مدین قدس سرہ کے خلفاء میں سے ایک بزرگ شیخ موسیٰ سدرانی قدس سرہ کا واقعہ مشہور ہے کہ وہ ایک دن اور رات میں ستر ہزار قرآن مجید ختم کرتے تھے۔

صاحب روح البیان کی دلیل بقول شیخ خویش فقیر اسماعیل حقی کہتا ہے کہ میرے شیخ کامل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ رات اور دن کے کل چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں ہر گھنٹے میں بتیس پارہ قرآن مجید ختم ہو سکتے ہیں وہ اس طرح کہ ہر پارہ گھنٹے کا چالیس سال [illegible] اس سے بھی زیادہ وقتی کمال پر دن اور رات سات سو ستاسی سال ہوئے اس تقریر پر مذکورہ وجہ ہے بھولی کہ آپ کا دن اور رات میں ایک ایک قرآن مجید ختم ہوا۔ نیز اس سے کم مدت کی بات ہو تو یہی روا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی قدرت بخشی کہ صرف ایک آن میں ستر قرآن مجید ختم کرے اس تقریر پر شیخ مذکور کا قول مبنی برحق ہے جو بطریق کشف سے معلوم ہوا تو میں نے شیخ مذکور کی تصدیق فرمائی اور یہ ایک راز ہے جسے صرف ارباب حقائق ہی قبول کریں گے عوام نہیں مانیں گے (بلکہ میں کہتا ہوں وہابی دیوبندی غیر مقلد [illegible] اور نیچری وغیرہ تو مذاق اڑائیں گے۔ ہاں بریلوی فرقہ [illegible] ہے کہ مانے گا)

ف

[illegible] ۱

معراج جسمانی اور ایک لمحہ کے متعلق عقلی دلیل آج دنیا کا مسلم قاعدہ ہے کہ سورج کے قرص کی دونوں طرفوں کے درمیان کا فاصلہ زمین کے کرہ سے ایک سو ساٹھ گنا زیادہ ہے سورج کی ایک طرف سے دوسری طرف تک دو ثانیہ سے کم وقت میں پہنچ جاتی ہے۔ ثانیہ دقیقہ کے ساٹھویں اجزاء کو کہتے ہیں اور دقیقہ گھنٹہ کے ساٹھویں اجزاء کے ایک جزء کا نام ہے اور [illegible] اجزاء سے ایک جزء کا ہوتا

---

۱ [illegible]

جب یہ حرکت ایک بار ہو سکتی ہے تو افضل الکائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے کیا اشکال ہو سکتی ہے وہ جو ہمارا سب کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالے جو کمالات پر قدرت رکھتا ہے اس معجزہ اللہ تعالے نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو اس سواری میں جو آپ کو عرش تک لے گئی قدرت پیدا فرما دی۔

پانی جاری تھا حضرت شیخ الشیوخ شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے فرمایا کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم جب معراج پر تشریف لے گئے تو واپسی پر آپ کے وضو سے پانی ویسے ہی بہہ رہا تھا جیسے آپ اسے چھوڑ گئے تھے۔ معراج کے اس واقعہ کا انکار وہی تو نہیں کر سکتا البتہ جو عقل کی قید میں گرفتار ہے اس کو مشکل نظر آئے گا لیکن محققین کے نزدیک کوئی مشکل نہیں اور نہ ہی انہوں نے انکار کیا اس لئے کہ شے لطیف آن واحد میں جمیع عوالم میں سیر کر لیتی ہے مثلاً انسان میں قلب لطیفہ ہے وہ آن واحد میں مشرق و مغرب بلکہ جمیع عوالم میں دورہ کر آتا ہے اور یہ بدیہی امر ہے اور نے نیز سمجھنے والا بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا بلکہ بے عقل اور بچے تک بھی اس کا اقرار رکھتے ہیں اور حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم تو لطیف ترین ہیں ان کے لئے انکار کیوں؟ ؎

رہ ز اندازہ بیرون رفتہ
پے نتواں برد کہ چون رفتہ
عقل دریں واقعہ حاشا کند
عقل نہ حاشا کہ تماشا کند

ترجمہ: آپ اندازے سے باہر نکل گئے ہم اس کے درپے نہیں کہ آپ کیسے تشریف لے گئے۔ اس واقعہ میں عقل کیا بیان کر سکتی ہے عقل کو کیا مجال کہ اس قسم کی آرزو کرے۔

سب سے پہلے معراج کا انکار ابوجہل کی پارٹی نے کیا

مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب معراج سے واپس لوٹے تو ام ہانی سے واقعہ بیان کیا اور ساتھ ہی فرمایا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں اپنا واقعہ معراج اہل مکہ کفار کو سنا دوں۔ بی بی صاحبہ نے عرض کی کہ میں آپ کو اپنے خدا کی قسم دیتی ہوں یہ واقعہ کفار کو نہ سنائیے اس لئے کہ وہ آپ کی بات کو نہیں مانیں گے بلکہ الٹا مذاق کریں گے اور صرف یہی نہیں بلکہ آپ کی نبوت کے مصدقین بھی بگڑ جائیں گے۔ جب صبح ہوئی تو بی بی صاحبہ آپ کی چادر مضبوطی سے پکڑ کر بیٹھ گئیں اور عرض کی کہ میں آپ کو باہر نہیں جانے دیتی لیکن آپ چادر کو جھٹکا دے کر بی بی صاحبہ سے چادر کا حصہ چھڑا کر وہاں پہنچ گئے جہاں کفار کا مجمع تھا۔ ان میں مطعم بن عدی، ابوجہل بن ہشام اور ولید بن مغیرہ تھا۔ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے عشاء کی نماز یہاں مسجد حرام میں ادا کی اور مسجد اقصیٰ و دیگر مقامات کی سیر کر کے پھر صبح کی نماز یہاں مسجد حرام میں پڑھی یعنی عشاء کے وقت یہاں تھا پھر درمیانی حصہ میں سیر کر کے پھر صبح کو یہیں پہنچ گیا۔ تو جب ہم نے اس مسئلہ کی ہے کہ اس وقت عشاء کی نماز

فرض ہوئی تھی اور دیں کی۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تمام واقعات و عجائبات کا ذکر کیا جو آپ نے شب معراج مشاہدہ فرمائے مثلاً انبیاء علیہم السلام کی ملاقات اور بیت المعمور اور سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچنا وغیرہ وغیرہ۔

عاشقان مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کا واقعہ سنتے ہی بلا تردد مان لیا

مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں شب معراج کی واپس تشریف لائے تو دل میں محسوس فرمایا کہ اگر میں یہ واقعہ لوگوں کو سناؤں گا تو لوگ انکار کریں گے لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار بھی ضروری تھا اور یہ بھی ظاہر کرنا لازمی تھا کہ میں نے حق تعالیٰ کی آیات کی سیر کی ہے تو کتنا بلند مرتبہ نصیب ہوا۔ اس وجہ سے آپ غمگین بیٹھے تھے کہ وہاں سے اللہ کے دشمن ابوجہل کا گذر ہوا وہ حضور علیہ السلام کو غمگین دیکھ کر آپ کے قریب بیٹھ گیا اور از راہ مزاح آپ سے پوچھا کیا کسی چیز کی اطلاع ہے؟ آپ نے فرمایا آج رات مجھے معراج کرایا گیا۔ ابوجہل نے پوچھا کہاں تک؟ آپ نے فرمایا کہ بیت المقدس تک۔ ابوجہل نے کہا کیا رات کو جا کر پھر صبح کو واپس بھی آگئے؟ آپ نے فرمایا ہاں ایسے ہی ہے۔ ابوجہل نے کہا کیا میں تیری قوم کے لوگوں کو یہی بات بتاؤں؟ آپ نے فرمایا ہاں ضرور بتائیے۔ ابوجہل نے بآواز بلند پکارا اے کعب بن لوی کی اولاد! ابوجہل کی آواز سن کر بہت بڑا مجمع جمع ہوگیا ابوجہل نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ آپ انہیں وہی سنائیے جو مجھے آپ نے سنایا ہے۔ آپ نے فرمایا آج رات مجھے معراج ہوئی۔ لوگوں نے پوچھا کہاں تک؟ آپ نے فرمایا کہ بیت المقدس تک اور وہاں پر میرے ہاں انبیاء علیہم السلام حاضر ہوئے اور میں نے انہیں دوگانہ پڑھایا اور ان سے گفتگو بھی ہوئی۔ ابوجہل نے بطور مذاق کہا کہ ان حضرات کی صفات بتا دیجئے آپ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میانہ قد سے لمبے اور چوڑے سینے والے اور گھنگھرالے بالوں والے تھے آپ کے بال اور چہرہ سرخی مائل تھے گویا ابھی غسل خانے سے نکلے ہیں۔

ف: دیماس یعنی حمام یونانی اصل ایسے ہی شیشہ تعمیر کرتے ہیں جہاں سے انسان نہا کر نکلے اور اس کا حقیقی معنی یہ ہے لفظ کا ماخذ ہے دیماس دَامِسٌ سے ہے یعنی اندھیری رات۔ اور حمام عربی لفظ ہے۔ منقول ہے کہ سب سے پہلے حمام کی بنیاد جنات نے رکھی تاکہ سلیمان علیہ السلام اس میں بیٹھ کر غسل فرمائیں۔ بعض کہتے ہیں کہ حمام کا موجد و مخترع بقراط حکیم ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ سب سے پہلا واضع حمام کا وہ شخص ہے جس نے کسی وجہ سے اس کا استفادہ کیا اس کی صورت یوں ہوئی کہ اسے ایک بیماری تھی وہ گرم پانی کے ٹب میں نہایا تو اسے شفا نصیب ہوئی اس سے بار بار نہانے سے اسے سکون ملا۔ اسی طرح سے حمام کی عادت لگی جسے عوام نے استعمال کیا۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اس گھر سے بچو جسے حمام سے تعبیر کرتے ہیں اگر کوئی اس میں داخل ہو تو اسے چاہئے کہ کپڑا باندھ لے۔

یاد رہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم خود کبھی حمام میں داخل نہیں ہوئے اس لئے کہ ارض حجاز میں حمام کا دور نہیں تھا مگر

پیٹ اور شکم ہی ہوتا ہے ۔

حضرت موسے علیہ السلام

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے کفار سے فرمایا کہ میں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ گندمی رنگ والے تھے گندمی رنگ کے خلاف رنگ نہیں یہ جیسا کہ طور پر اس سے ذرا کم پھرا سے اور اہل حق کے سے بھی جوان کیا وہ لمبے قد کے تھے گویا وہ شنوءۃ قبیلہ کے لوگوں سے ہیں ۔

شنوءۃ ایک قبیلہ کا نام ہے جو یمن میں ہے وہ قبیلہ شنوءۃ کی طرف منسوب ہیں جس کا جد مطلب بن کعب نام تھا یہ ازد کی اولاد سے تھے اور اس قبیلہ کے لوگ طویل القامت تھے ۔ حضرت موسے علیہ السلام گھنگریالے بالوں والے اور نیلی آنکھوں والے اور سطح چہرے والے اور کھڑے ہوتے ہونٹوں والے تھے جیسے کہ سوڈانیوں کے اور ان کا گوشت بھرا ہوا کمل تھا ۔

کافروں کو معراج سے تعجب اور انکار کے عقلی دلائل

جب حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے کفار کو شب معراج کے واقعات سنائے تو وہ شور مچانے لگے اور سب سے مشکل ترین بات سمجھنے لگے ایک دوسرے کو تالیاں بجا کر ہنسی کرنے لگے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف تعجب کی نگاہ سے دیکھتے تھے اس تعجب میں اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو گھور گھور کر دیکھ کر کہتے کہ ہم اپنے اونٹوں کو دوڑا ہنکا کر بڑی مشکل سے ایک مہینے میں بیت المقدس تک پہنچتے ہیں اسی طرح پھر واپسی کا حال ہے لیکن تعجب ہے کہ تم ایک رات میں ہو گئے اور پھر آ گئے ۔ ہم آپ کی اس کہانی کو ایک افسانہ سمجھتے ہیں (معاذ اللہ) اور ہم کبھی ایسی بات ماننے کو تیار نہیں ۔ نہ صرف کفار نے تکذیب کی بلکہ بہت سے بدبخت اسلام کا دم بھرنے والے مرتد ہو گئے ۔

عاشق صادق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ

کفار مکہ نے جب دیکھا کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسی بات کہہ ڈالی ہے جو بالکل بعید از قیاس ہے جسے عقل اور سمجھ ماننے کے لئے تیار نہیں تو سمجھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ کہانی سنائی جائے اس لئے کہ وہ حضور علیہ السلام کی ہر بات کی تصدیق کر کے دوسروں کو دلائل سے منانے پر مجبور کر دیتے اس لئے کفار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس بھاگے اور معراج کا واقعہ بطور تعجب سنایا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ۔

ان کان قد قال ذالک فقد صدق ۔ اگر حضور علیہ السلام نے ایسے فرمایا ہے تو سچ فرمایا ہے ۔

کافروں نے کہا ۔

اتصدقہ علیٰ ذالک ۔ کیا آپ ان کی اس بات کی تصدیق کرتے ہیں ۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ۔

انی اصدقہ علیٰ ابعد من ذالک ۔ میں تو ان کی اس سے بھی بعید کی تصدیق کرتا ہوں ۔

کہ اگر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بیت المقدس تک آج رات میں جا کر واپس آیا ہوں تو یہ کوئی بعید بات نہیں

میں تو اس سے دور کی باتوں کی تصدیق کر چکا ہوں جو وہ بیان کرتے ہیں کہ میرے پاس آسمان کی خبریں صبح اور شام کو پہنچتی ہیں۔
ف: بالغدوۃ یعنی صبح اور طلوع شمس کا درمیانی وقت۔ الروحۃ ھی اسم للوقت من الزوال الی اللیل
یعنی روحۃ زوال سے رات تک کے اوقات کا نام ہے۔

اس سے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مطلب یہ تھا کہ بیت المقدس تک ایک رات میں جا کر آنا کوئی بڑی بات نہیں ہے بڑی بات یہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک لمحہ میں آسمان سے زمین پر خبر پہنچتی ہے۔ اگرچہ ان کی یہ باتیں بعید از قیاس ہیں لیکن ہم ان کی ان باتوں پر ہر وقت تصدیق کرتے ہیں اور یہی ہمارا ایمان ہے پھر تم اسے کافرو! معمولی سی بات پر کیوں تعجب کرتے ہو تمہیں یقین کرنا چاہیے کہ ہم ان کی تصدیق میں ہر ایک بات کو ماننے کو تیار ہیں جب وہ فرماتے ہیں کہ میرے پاس فرشتہ ایک لمحہ میں آسمان سے زمین پر خبر لایا ہے۔

حضرت ابوبکر کا نام صدیق اللہ تعالیٰ نے رکھا

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کفار مکہ کو دندان شکن جواب دیئے جس سے وہ لاجواب ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کا نام صدیق رکھا یعنی کثیر الصدق یہ مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صدیق اس لئے نام رکھا کہ انہوں نے ایک آنکھ کے عجیب واقعہ کو ایک ایسے لمحہ میں بیان فرمایا کہ جس سے کفار مکہ لاجواب ہو گئے اور وہ اصل صدق کامل وہی ہے کہ جس کی اکثر لوگ تکذیب کریں تو تصدیق سچا وہی ہے جو حق واضح کرنے کے لئے مخالف کو منہ توڑ جواب دے۔ اور یہ شان صرف ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نصیب ہوئی۔

شیعوں کا منہ کالا

حضرت علی المرتضیٰ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صفت شان کو یوں کہ قسم کھاتے تو اپنی قسم میں اکثر یہ الفاظ کہتے:

باللہ ان اللہ انزل اسم ابی بکر من السماء الصدیق ۱؎ مجھے اس خدا کی قسم ہے جس نے ابوبکر کا نام صدیق آسمان سے اتارا۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر کا نام گرامی صدیق اللہ تعالیٰ کا منتخب کردہ ہے نہ مخلوق کا۔ اور یہی شیعوں کے منہ پر ان کی شومئی قسمت کا موجب بنا۔

بیت المقدس کو اٹھا کے سامنے لایا گیا

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کفار مکہ کو معراج شریف کے حالات سنائے تو ان میں سے بعض نے بیت المقدس کو دیکھا ہوا تھا آزمانے کو

۱؎ مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۱۰۱

يا محمد صف لنا بيت المقدس كم له باب

[1] کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں بتائیے کہ بیت المقدس کے کتنے دروازے ہیں۔

اس سے انہوں نے سمجھا کہ آپ بتا نہیں سکیں گے اس سے ان کی فتح ہوگی اور انہیں یقین تھا کہ حضور علیہ السلام نے زندگی بھر بیت المقدس کو دیکھا اور نہ ہی کسی سے اس کے تفصیلی حالات سنے ہیں۔ اس سلسلے سوال کے جواب میں یوں ہوا کہ

فكربت كربا شديدا لم اكرب مثله قط
وانهم سألوني عن اشياء لم اثبتها وكنت
دخلته ليلا وخرجت منه ليلا فنعت في
المسجد فجلى الله لي بيت المقدس

اس سے میں ایسا غمگین ہوا کہ زندگی بھر ایسا غم نہ دیکھا کیونکہ مجھ سے انہوں نے ایسا سوال کیا جو مجھے اس وقت خیال میں نہ تھا اور بیت المقدس میں رات کو داخل کیا اور رات کو آیا جب حجر اسود کے قریب کھڑا تو بیت المقدس کا نقشہ میرے سامنے کر دیا گیا۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو اصل یا مثالی صورت میں میرے سامنے منکشف فرما دیا جبکہ جبریل علیہ السلام بیت المقدس کو اپنے پر اٹھا کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں لے آئے یا اللہ تعالیٰ نے آپ سے بیت المقدس تک حجابات اٹھا دیئے جسے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو بیت المقدس اپنے مقام پر موجود تھا اس کا نقشہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر منتقل فرما دیا یا ایک آن کے لئے اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو اپنے اصل مقام سے مثلاً کعبہ بیت اللہ میں ظاہر فرما دیا پھر حضور علیہ السلام کے مشاہدہ کے بعد فوراً اسی مقام پر پہنچا دیا جیسے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا تقاضا ہے کہ وہ شے کو جیسے تخلیق میں دیر نہیں کرتا ایسے ہی یہاں ہو۔

مسئلہ: اس حدیث سے ہم اہل سنت کہتے ہیں کہ کعبہ اللہ تعالیٰ اولیاء اللہ کی زیارت کے لئے اپنے اصل مقام سے چلا جاتا ہے[2] مثنوی شریف میں ہے:

ہر نفس نو می شود دنیا و ما
بے خبر از نو شدن اندر بقا
عمر ہمچوں جوئے نو نو می رسد
مستمری می نماید در جسد

---

[1] اس حدیث کو سے کہ دیوبندی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب پر حملہ کرتے ہیں۔ (اویسی)

[2] اس مسئلہ پر فقیر کی تحریر المقال الجلی فی ان الکعبۃ تذہب الی زیارۃ الاولیاء کا مطالعہ کیجئے (اویسی غفرلہ)

آں ز تیزی مستمر شکل آمد است
چوں شرر کش تیز جنبانی بدست

ایں درازی مدت از تیزی صنع
می نماید سرعت انگیزی صنع

ترجمہ: خیالات ہماری عمر کی نہر سے مسلسل پیدا ہوتے رہتے ہیں لیکن ان کی بقا کی وجہ سے ان کے جیسے ہونے کا علم نہیں ہوتا ہماری زندگی ایسی ہے جیسے نہر کا پانی جو ہر وقت چل رہا ہے لیکن برابر نیا ہے وہ چنگل تیزی کی وجہ سے جیسے ہاتھ کی جنبش سے پتہ نہیں چلتا۔ اور وہ کاریگر کی کاریگری ہے جس کاریگر نے اسے ایسا تیز چلایا ہے جس کا ہمیں علم نہیں ہوتا۔

بیت المقدس کا مشاہدہ

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کفار کے سوال پر میں بیت المقدس کو دیکھ کر جوابات دیتا رہا۔

سوال: صاحب تفسیر خزینت میں ہے کہ اگر کوئی سوال کرے کہ کفار مکہ نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے آسمانوں کے متعلق سوالات کیوں نہ کئے صرف بیت المقدس پر کیوں اکتفا کیا؟

جواب: چونکہ انہوں نے آسمانوں کو نہیں دیکھا تھا اس سے ان سے کیا سوالات کرتے اور بیت المقدس چونکہ انہوں نے بارہا دیکھا تھا اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی انہیں یقین تھا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) بیت المقدس کبھی نہیں گئے اس لئے اسی کے متعلق سوالات کئے۔

حضور علیہ السلام نے قافلوں کے حالات بھی بتا دیئے

چونکہ منکرین کی کوشش ہوتی ہے کہ اپنے خصم کو نیچا دکھائے اسی لئے اگر ایک بات کا جواب ہو جاتا ہے تو دوسرا اعتراض کھڑا کر دیتا ہے اسی طرح کفار مکہ نے جب دیکھا کہ آپ نے بیت المقدس کے پورے پورے حالات بتا دیئے اگرچہ آپ نے بیت المقدس کے حالات کسی سے سن کر یاد کر کے ہمیں بتا دیئے ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ آپ وہاں گئے نہیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے وہاں جانے کی ایک واضح دلیل یہ ہے:

انی مررت بعیر بنی فلاں بوادی کذا   میں فلاں وادی پر فلاں قبیلہ سے گزرا۔

یعنی پڑھا گیا کہ جہاں وادی مدینہ طیبہ کے قریب ہے جس کے سفر کئے مدینہ طیبہ سے ہو کر مروت ہوتی ہیں۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قافلہ کی نشانی بیان کرتے اضل ناقۃ لھم یعنی میں بیت المقدس کی طرف جا رہا تھا تو قافلہ والوں کو دیکھا کہ وہ اپنی ایک اونٹنی کو گم کئے ہوئے تھے۔ اور انتھیت الی رحالھم واذا قدح ماء مشروب منہ

میں ان کے سامان کے قریب گیا اور وہاں پانی کا پیالہ بھرا ہوا رکھا تھا اسے میں نے پی لیا۔

اے کافرو! اگر میری بات پر اعتماد نہیں آتا تو قافلے والوں سے پیالے کے بارے میں پوچھ لینا۔

سوال: پانی کا پیالہ غیر کا تھا اور غیر کا حق کسی عام آدمی کے لئے ناجائز ہے چہ جائیکہ نبی علیہ السلام کے لئے ایسی حرکت (معاذ اللہ)

جواب: مسائل شرعیہ کا دارومدار عرف پر ہوتا ہے اور اہل عرب کا دستور تھا کہ وہ دودھ کا پیالہ ہو تو بھی ہر ایک کو پینا مباح تھا بالخصوص مسافروں کے لئے اور جب دودھ جیسی چیز ان کے ہاں مباح تھی تو پانی بطریق اولیٰ جائز تھا اور جو مباح فعل ہر عام آدمی کے لئے جائز ہے تو نبی علیہ السلام کے لئے تو بطریق اولیٰ جائز ہے۔

ف: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمداً پیالہ پیا تاکہ منکرین کو نشانی دے سکیں۔

کفار کے قافلے کی آمد کی غیبی خبر

جب کفار کو یقین ہوگیا کہ نبی علیہ السلام نے بیت المقدس کو دیکھا۔ لیکن فساد بت پرستی کا کیا علاج۔ دوسرے کو تکنے کا بہانہ بنا کر ایک اور اعتراض بل گیا کہ اے نبی علیہ السلام اگر آپ واقعی بیت المقدس کو دیکھ کر چلے ہیں تو فاخبرنا عن عیرنا ہمارے قافلے کی خبر دیجئے کہ وہ کہاں ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

مررت بها بالتنعيم — میں ان کو تنعیم پر چھوڑ آیا ہوں۔

تنعیم ایک مقام ہے جو مکہ کے قریب ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بیت المقدس سے واپس آ رہا تھا تو میں نے تمہارے قافلے کو تنعیم کے مقام پر دیکھا اور آپ نے انہیں قافلے کے اونٹوں کی گنتی اور ان کی چند علامات بھی بتائیں اور یہ بھی فرمایا:

انها تقدم مع طلوع الشمس يتقدمها جمل اورق[1] — وہ طلوع شمس کے وقت آ جائے گا ان کے آگے خاکستری رنگ کا اونٹ ہے۔

ف: اورق وہ اونٹ جس کے بعض سفید اور بعض سیاہ بال ہوں۔

اور:

عليه غرارتان احدهما سوداء والاخرى برقاء — اس پر دو بوریاں ہیں ایک سیاہ ہے اور دوسری دھاری دار یعنی اس کے بعض دھاگے سفید اور بعض سیاہ ہیں۔

---

[1] یہ دیوبندی وہابی حضور علیہ السلام کے نقص کے پہلو کو تو خوش ہو کر لیتے ہیں تو وہ صفت شان کے پہلو کو بھی دیکھ لیا کریں اس روایت میں واضح ہے کہ حضور علیہ السلام نے قبل از وقت قافلے کی آمد کی خبر دے دی۔

دشمن عیب کا متلاشی یہی کفار کو پہاڑوں پر چڑھ گئے کہ کہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کہاں تک سچ ہے چنانچہ جونہی سورج نکلا ایک کافر نے کہا :

ھذہ واللہ الشمس قد اشرقت — بخدا یہ دیکھو سورج نکل آیا ہے ۔

دوسرا کافر بے ساختہ ہو کر بولا :

ھذہ واللہ العیر قد اقبلت یقدمھا جمل — بخدا یہ قافلہ بھی آ گیا جس کے آگے خاکستری رنگ کا اونٹ آ رہا ہے

اورق کما قال محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ۔ — اور اس پر وہ بوریاں بھی ہیں ۔

یہ سب دیکھ کر جو لوگ معراج کا انکار کر رہے تھے وہ شرمسار ہو کر مسلمان ہونے لگے اور مشرکین نے کہا کہ یہ جادوگر ہے ۔

(معارج النبوۃ) ۔

معجزہ ردّ الشمس بعض روایات میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورج کو روک دیا تھا جب تک کہ قافلہ وہاں تک نہ پہنچا جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا یعنی سورج کو حرکت کرنے سے بالکل روک دیا گیا یا اس کی رفتار کم کر دی گئی یا اسے وہاں سے دوسرے مقام میں پھیر دیا گیا ۔

سوال : سورج کو روک دینا یا کسی اور جگہ پر منتقل کرنا ناممکن ہے اس لئے کہ علم فلکیات کا قاعدہ ہے کہ سورج کو کسی مقام سے ہٹا دیا جائے یا اسے روک دیا جائے تو افلاک میں بد نظمی پیدا ہو گی اور ان میں اگر ذرہ برابر بھی خلل ہو تو نظام کائنات درہم برہم ہو جائے گا ۔

جواب : ہم عقیدہ رکھتے ہیں کہ ردّ شمس یا حبس شمس حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا اور وہ امر بطور خرق عادت کے ظہور پذیر ہوا اس میں قیاس آرائی گمراہی ہے ۔

ردّ الشمس کے دلائل ① حضرت یوشع بن نون علیہم السلام جیسے انبیاء کے لئے سورج روک دیا گیا ان کے واقعات تفاسیر میں موجود ہیں ۔

② سورج ڈوب کر پھر نکل آیا ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جبکہ خیبر کے موقعہ پر جیسا کہ حدیث اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول ہو رہا تھا اور آپ کا سر مبارک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی گود میں تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیدار کرنا پسند نہ کیا جب حضور علیہ السلام بیدار ہوئے تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا آپ نے نماز پڑھی ہے انہوں نے عرض کی نہیں ۔ حضور علیہ السلام نے دعا مانگی کہ

اللّٰھم انہ کان فی طاعتک وطاعۃ رسولک — اے اللہ علی تیری اطاعت اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھا لہٰذا

فاردد علیہ الشمس — سورج کو واپس لوٹا دے ۔

بی بی اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں :

فرأیتها طلعت بعد ما غربت   میں نے سورج کو ڈوبنے کے بعد طلوع ہوتا دیکھا ۔

سبق : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت بڑے معجزات میں سے ایک معجزہ یہ بھی ہے اسے خوب یاد رکھنا چاہیئے ۔

مروی ہے کہ بغداد میں ایک واعظ تقریر کر رہا تھا اور عصر کے بعد اہل بیت کے فضائل و مناقب بیان

حکایت فضائل اہل بیت کرنے شروع کر دیئے اچانک ایک ایسا بادل اٹھا جس نے سورج کو گھیر لیا لوگوں نے سمجھا کہ سورج ڈوب گیا اس لئے واعظ کی تقریر سے اٹھنے لگے اس سے واعظ کا دل بھی کچھ ٹوٹنے لگا اس نے چاہا کہ یہ جانے والے واپس آئیں اور مغرب سے پہلے ختم ہو جائیں چنانچہ اسی وقت وہ سورج سے مخاطب ہوا ۔

ع

لا تغربی یا شمس حتی ینتہی
مدحی لآل المصطفیٰ ولنجلہ
ان کان للمولیٰ وقوفک فلیکن
ہذا الوقوف لولدہ ولنسلہ

ترجمہ: اے سورج! ابھی نہ ڈوب جب تک کہ میں اہل بیت کی تعریف پوری نہ کر لوں اگر تیرا ٹھہرنا حضور کے حکم سے ہے تو ٹھہر جا ۔
کیونکہ رسول اللہ کی آل کی مدح سرائی ہے ۔

واعظ نے اشعار ختم کئے تو سورج بادل سے باہر نکل آیا پھر تو واعظ کی پانچوں انگلیاں گھی میں والا معاملہ تھا کہ اسی وقت سامعین نے اس پر اپنے کپڑے اور نقدیں کے زیورات نچھاور کئے ۔

[صاحب روح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا]

وھو من الاتفاقات الغریبۃ   یعنی اتفاق سے ایسی باتیں ہو جایا کرتی ہیں ۔

حکایت ایک نوجوان بدرالدین نامی پر کوئی شخص عاشق تھا ۔ حسن اتفاق سے وہی نوجوان چودھویں شب کو فوت ہوا چونکہ اس کے عاشق نے چودھویں شب کے چاند کو کمال دیکھا اور وہ اس کے محبوب کے نام سے مشابہ تھا اس لئے محبت و عشق میں نہایت غمگین و حزیں ہو کر چودھویں شب کے چاند سے مخاطب ہو کر یہ اشعار پڑھے ۔ ع

شقیقک غیب فی لحدہ
و تطلع یا بدر من بعدہ

ف : اس سے معلوم ہوا [illegible] سورج [illegible] اہل بیت کے فضائل میں واعظ کا [illegible] کہ بادل کے ہٹنے سے طلوع [illegible] [illegible] یہی ایک کمال ہے [illegible] وعظ کے [illegible] کرامت کافی ہے ۔ ۱۲

فهلا نسخت وكان الفتون
لباس الحداد سطا فقتده

ترجمہ: تیری شکل تو تیری ... چھپا چاہیے اے چودھویں کے چاند تو کس طرح ظاہر ہو رہا ہے کیا تو اپنا منہ چھپا نہیں لیا اس لئے کہ کالا لباس سوگواروں کا ہوتا ہے۔

اسی کے ان اشعار پڑھنے پر چاند فوراً بے نور ہو گیا۔

[صاحب روح البیان نے فرمایا]

یہاں کی یہ محبت کی دلیل ہے کہ اس کے ہاں نشیں محبت نے چاند پر اثر ڈالا اسی لئے بعض بزرگوں نے فرمایا

ان المحبة مغناطيس القلوب محبت قلوب کے لئے مقناطیس ہے۔

حضرت کمال خجندی نے فرمایا: ؎

بچشم اہل نظر کم بود ز پروانہ
دلے کہ سوختۂ آتش محبت نیست

ترجمہ: اہل نظر کی آنکھ میں وہ شخص محبت میں پروانے سے کم ہے جس کا دل عشق سے سوختہ نہ ہو۔

اے اللہ ہمیں اہل محبت و عشق سے بنا دے (آمین)

نمازوں کے اوقات

شب معراج کی صبح والے دن جب سورج کا زوال ہوا تو جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو نماز کی امامت سکھائی تاکہ آپ کو نماز کے اوقات معلوم ہوں اور ظاہر ہو کہ نماز کی حیثیت ایمان کی تصدیق ہے۔ اس پر آپ نے صحابہ کرام کو آواز بلند کیا: الصلوٰة جامعة۔ اس لئے کہ ابھی تک اذان و اقامت مروج و مشروع نہیں ہوئی تھی کیونکہ اس کی مشروعیت مدینہ طیبہ میں ہوئی۔ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے اعلان پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمع ہو گئے۔ آپ نے صحابہ کرام کو نماز پڑھائی اسی کا نام نماز ظہر ہو گیا۔ اس لئے کہ وہ قیام الظہیرة یعنی ٹھیک دوپہر میں ادا کی گئی یا اس لئے کہ اس وقت زوال کے بعد سورج بہت اونچا تھا۔ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو جبریل علیہ السلام کے نماز پڑھانے کے بعد نماز پڑھائی اور جبریل علیہ السلام حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاں دو دن حاضر ہوتے رہے ایک دن اول وقت میں نماز پڑھائی اور دوسرے دن آخر وقت میں۔ جبریل علیہ السلام نے آپ کو حجرۃ اللہ کے نزدیک قبلہ کی جانب نماز پڑھائی تھی اور آخر میں عرض کی:

يا محمد هذا وقتك ووقت الانبياء من قبلك والوقت ما بين هذين الوقتين	اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم یہ آپ کا اور آپ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کا وقت ہے اور ان دونوں وقتوں کے درمیان نماز کے اوقات ہیں۔

سوال : نماز صبح سے اس کا آغاز کیوں نہ کیا گیا حالانکہ معراج کے بعد پہلے صبح کی نماز تھی؟

جواب : جب تک نماز کی کیفیت معلوم نہ ہو اس کی ادائیگی نہیں ہوسکتی، کیفیت پر ہی وجوب معلق ہوتا ہے اور کیفیت کا بیان ظہر کی نماز میں مکمل تھا اس کے بعد ظہر کا وقت آتا ہے اسی لئے نماز ظہر سے اس کا آغاز ہوا گویا جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی :

او جبت حیث ما تبین کیفیتہ فی وقتہ کیفیت کے معلوم ہونے کے بعد آپ پر نماز واجب ہوئی۔

سوال : جبرئیل علیہ السلام کا عرض کرنا کہ ھذا وقتک و وقت الانبیاء من قبلک سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کی نمازیں بھی اسی طرح تھیں حالانکہ یہ واقعہ کے خلاف ہے اس لئے کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کی نمازیں اس طرح نہ تھیں بلکہ نمازیں صرف حضور علیہ السلام کی امت کا خاصہ ہے۔

جواب ① عبارت مذکورہ کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی نمازیں ان دونوں اوقات کے درمیان ہیں جیسے دوسرے انبیاء علیہم السلام کے اوقات انہی دونوں طرفوں کے درمیان تھے۔

جواب ② دوسرے انبیاء علیہم السلام سے مجموعی طور پر مراد نہیں بلکہ بعض حضرات کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ فجر کی نماز بعض حضرات کی طرف منسوب ہے تو اس کے بعد والی نمازیں دوسرے بعض حضرات کی طرف اس معنی پر کلی طور پر خصوصیت اس امت کے لئے ثابت نہ ہوئی بلکہ بعض حیثیت سے۔

پانچ نمازیں اولوالعزم انبیاء علیہم السلام کی یادگار ہیں

مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جب بہشت سے زمین پر تشریف لائے تو زمین پر اندھیرا چھا گیا اور رات کی تاریکی کے سوا کچھ نہ تھا اس لئے حضرت آدم علیہ السلام گھبرائے کہ ایسی شدت کی تاریکی آپ نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی جب صبح کی روشنی پھیلی تو آپ نے شکرانہ کے طور پر دوگانہ پڑھا یا ظلمت لیل سے نجات پانے پر یا دن کی روشنی کے اٹھنے پر یا دوگانہ توبہ کی قبولیت پر پڑھا جبکہ ان کی توبہ صبح کے وقت قبول ہوئی اسی اعتبار سے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہوگیا اور مخالفت کی ظلمت دور ہوئی اور توفیق کا نور روشن ہوا وغیرہ وغیرہ۔

ظہر کی نماز حضرت ابراہیم علیہ السلام نے زوال شمس کے بعد چار رکعت پڑھیں یا اس خوشی میں ان کے صاحبزادے کا فدیہ قبول ہوا اور صاحبزادے کی جان بچ گئی اور اللہ تعالیٰ بھی راضی ہوگیا جب کہ آواز دی : قد صدقت الرؤیہ اور اس خوشی میں کہ صاحبزادہ اگرچہ صغیر سن ہے لیکن قربانی ہونے کے لئے تیار ہوگیا اور ذبح کی تکلیف سے نہ گھبرایا۔

عصر کی نماز سب سے پہلے عصر کی نماز حضرت یونس علیہ السلام نے پڑھی جب انہیں ظلمات سے نجات ملی اور یہی وقت تھا کیونکہ وہ ظلمات چار تھیں :

① ظلمۃ الزلۃ
② ظلمۃ اللیل
③ ظلمۃ الماء
④ ظلمۃ بطن الحوت

اسی مناسبت سے آپ نے بھی شکرانہ کی چار رکعت ادا کیں ۔

مغرب کی نماز سب سے پہلے مغرب کی نماز عیسیٰ علیہ السلام نے پڑھی پہلی رکعت اپنے سے نفی الوہیت کے شکر میں دوسری رکعت والدہ سے نفی الوہیت کے سلسلے تیسری رکعت اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے اثبات کے لئے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو مغفرت کا پیغام مغرب کے وقت ملا تو انھوں نے شکرانہ کے لئے چار رکعت کی نیت باندھی جب تیسری رکعت پر پہنچے تو تھک گئے اسی پر سلام پھیر دیا اسی لئے جب سے تین رکعتیں مشروع ہیں ۔

عشاء کی نماز سب سے پہلے عشاء کی نماز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پڑھی جب وہ مدین سے چلے تھے تو راستہ بھول گئے آپ کو اپنی زوجہ اور بھائی ہارون علیہ السلام کی جدائی فرعون کی دشمنی اور اولاد کی جدائی کا غم لاحق ہوا جب اللہ تعالیٰ نے انھیں ان چاروں غموں سے نجات بخشی یعنی راستہ مل گیا زوجہ، بھائی اور اولاد کی ملاقات ہو گئی اور دشمن پر فتح پائی تو چار رکعت شکرانے کی پڑھیں ۔

وتر کی نماز سب سے پہلے وتر کی نماز ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی چنانچہ تفسیر حقی میں ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سدرۃ المنتہیٰ پر ملائکہ کو نماز پڑھائی اس سے پہلے آپ مقتدی تھے یہ امام الملائکہ اور بیت المقدس میں امام الانبیاء تھے اسی بنا پر حضور کو افضل الخلائق مانتے ہیں ۔

انتباہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی تیسری رکعت پڑھ رہے تھے کہ آپ کی نگاہ اپنے والدین پر پڑی کہ وہ جہنم میں ہیں (نعوذ باللہ) اس گھبراہٹ سے آپ کے دونوں ہاتھ اٹھ گئے اس پر آپ نے اللہ اکبر کہہ کر دعائے قنوت پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے ان دونوں کے لئے پناہ چاہی اس کے بعد باقی رکعت مکمل کی اسی بنا پر تین رکعت مقرر ہو گئے ۔ (کذا فی المقدمہ شرح المقدمہ) ۔

(یہ قول ضعیف ہے اس لئے کہ کتاب مذکورہ میں قیل سے روایت کیا گیا ہے اور اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ جو روایت لفظ قیل سے مروی ہو وہ ناقابل قبول ہوتی ہے ۔)

ف: شب معراج پانچ نمازیں دو دو رکعتیں فرض ہوئی تھیں یہاں تک کہ مغرب کی نماز بھی پھر حضر میں دو سے چار کر دی گئیں جن میں چار رکعت سوائے مغرب کے کہ اس میں دو دو رکعتیں فرض ہیں عصر کی چار رکعتیں اور مغرب کی تین رکعتیں اور عشاء کی چار رکعتیں اور فجر کی دو رکعتیں اصل پر برقرار رکھی گئیں ۔

حدیث شریف بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ابتداً سفر و حضر میں دو دو رکعت فرض تھیں پھر ہجرت کے ایک ماہ بعد یا ایک ماہ دس دنوں کے بعد دو دو رکعت کا اضافہ ہوا اور مغرب میں صرف ایک رکعت کا اور فجر کی نماز اصل حالت پر رکھی گئی اس لئے کہ اس میں قرأت طویل پڑھنے کا حکم ہے۔

ف: بعض روایات میں ہے کہ ابتداً ہی ہر نماز چار چار رکعت فرض ہوئی سوائے صبح اور جمعہ کی نماز کے کہ وہ دو دو رکعتیں ہیں اسی طرح مغرب کی نماز کہ وہ تین رکعات فرض ہوئیں پھر سفر کے لئے قصر کا حکم ہوا کہ چار رکعت والی نمازوں کو دو دو رکعت پڑھا جائے اور شروع میں قصر نماز کا حکم ہجرت کے چوتھے سال نازل ہوا یہی حکم آیت

فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوۃ

یعنی تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم نماز میں قصر کرو۔ سے ثابت ہوئی ہے۔

لطیفہ: بعض بزرگوں کا فرمان ہے کہ دن اور رات میں پانچ نمازوں کا حکم اس لئے ہوا کہ انسان کے گناہوں میں مبتلا ہونے والے پانچ اعضا ہیں انسان اگر ان کی وجہ سے گناہوں کا ارتکاب کرے تو پانچ نمازوں کے پڑھنے سے وہ گناہ دھل جائیں۔

حدیث شریف اس لطیفہ کی تائید حدیث شریف سے ہوتی ہے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے پوچھا کہ بتاؤ کسی ایک کے گھر کے سامنے نہر جاری ہو اور وہ اس میں دن اور رات میں پانچ بار نہائے تو بتائیے کہ کیا اس کے جسم پر میل کچیل رہ سکتی ہے؟ سب صحابہ کرام نے عرض کی کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا یہی حالت پانچوں وقت نماز ادا کرنے والے کی ہے کہ جب وہ پانچ نمازیں (پابندی اور تعدیل ارکان اور صحیح طریق سے) پڑھتا ہے تو اللہ تعالے اس کے تمام گناہ مٹا دیتا ہے۔

نکتہ: بعض حضرات نے فرمایا کہ پانچ نمازیں دس گنا نیکیوں کے ملنے کے اظہار کے لئے ہیں اسی لئے اللہ تعالے نے فرمایا:

من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا — جو کوئی ایک نیکی کرتا ہے تو اسے دس کا ثواب نصیب ہوتا ہے

اسی لئے جو پانچ نمازیں پڑھے گا تو وہ پچاس نمازوں کا ثواب پائے گا یہی پچاس نمازیں شب معراج فرض ہوئی تھیں پھر تخفیف کرکے پانچ پر اکتفا کیا گیا۔

حکمت: بعض مفسرین نے فرمایا کہ چونکہ کعبہ کی پانچ پہاڑوں سے بنیاد رکھی گئی ہے وہ پانچ پہاڑ یہ ہیں:

① طور سینا
② طور زیتا
③ الجودی
④ حراء
⑤ ابوقبیس

کعبہ کے گرد طواف کرنے کا ثواب حاصل ہو جانا اسی نماز کی وجہ سے ہے۔

حکمت: نماز طواف سے افضل ہے صرف حج کرنے والے کے لئے نماز نفل سے طواف افضل ہے اور یہ خصوصی شرف صرف محل و مقام کی شرافت کی وجہ سے ہے ورنہ علی الاطلاق نماز طواف سے افضل ہے۔

حکمت: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ پانچ نمازیں انسان کے اربعہ عناصر اور مجموعہ کے حلیے کے شکرانہ پر واجب ہوئی ہیں اس لئے نماز کے چار ارکان مقرر کئے گئے:

① قیام
② رکوع
③ سجدہ
④ قعود یعنی قعدہ

حکمت: بعض مشائخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق چار قسم کی ہے:

① قائم جیسے اشجار
② راکع جیسے جانور
③ قاعد (بیٹھنے والے) جیسے پہاڑ پتھر وغیرہ
④ ساجد جیسے حشرات کیڑے مکوڑے وغیرہ

اللہ تعالیٰ نے امت مصطفیٰ کو ان تمام کی عبادت کا ایک وقت میں اجر نصیب ہو انہیں نماز کی ہیئت کذائیہ کا حکم فرمایا اس طرح گویا نمازی کو جمیع عالم کی عبادت کا مجموعہ نصیب ہوا۔

حکمت: نماز کی مختلف رکعات میں یہی راز ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض فرشتے چار پروں والے ہیں بعض تین اور بعض دو والے جب بندہ نماز ادا کرتا ہے تو اسے گویا کہا جاتا ہے کہ یہ رکعات تیرے لئے پر ہیں ان سے تو اللہ تعالیٰ سے واصل ہو جائے گا۔

حکمت صوفیانہ: حضرت شیخ اکبر رضی اللہ عنہ قدس سرہ نے فرمایا کہ صبح کی دو رکعتیں جسم و روح کے مقابلہ میں اور چار رکعت والی نمازیں مراتب اربعہ کے

① طبیعت ② نفس
③ قلب ④ روح

کے مقابلہ میں اور مغرب کی تین رکعتیں جیسے علیہ السلام کے لئے تین [illegible] کہ وہ [illegible] اس لئے ان کے باقی مراتب کے مقابلہ میں تین رکعتیں مقرر ہوئیں۔

صاحب روح البیان کے پیر و مرشد قدس سرہٗ فقیر (اسماعیل حقی) لکھتا ہے کہ میرے شیخ اور پیر و مرشد نے کتاب "اللاقحات الالہامیات" میں فرمایا کہ اللیل لاتعین کی طرف اشارہ ہے اور جلال اطلاقی ذاتی حقیقی وجودی بباعث کمال اطلاقی ذاتی حقیقی وجودی کا مرتبہ ہے اور النہار مرتبہ تعین کی طرف اشارہ ہے اور یہی جمال اطلاقی ذاتی حقیقی وجودی بباعث کمال مذکورہ بالا کا مرتبہ ہے چونکہ فجر کی نماز اللیل و النہار پر مشتمل ہے اسی لیے اس کی دو رکعتوں میں دونوں اعتبار یعنی المرتبتین المذکورتین کی طرف اشارہ ہے۔ اس کی رکعت اولیٰ مرتبہ جلال اور دوسری رکعت مرتبہ جمال کی طرف اشارہ کرتی ہے ان دونوں کو ملا کر پڑھنے میں کمال اور اجتماع جلال و جمال کی طرف اشارہ ہے کہ وہ پیر دونوں مراتب بیک وقت اسی مذکورہ بالا کمال میں جمع ہو گئے ہیں۔

صلوٰۃ المغرب کا صوفیانہ نکتہ صلوٰۃ المغرب صلوٰۃ الفجر کے برعکس ہے تاکہ جو کچھ مرتبہ الاحدیۃ الجامعۃ میں پوشیدہ ہے وہ ظاہر ہو۔ اس کی رکعت اولیٰ میں جلال اور رکعت ثانیہ میں جمال اور رکعت ثالثہ میں کمال جو جامع الجلال والجمال ہے، کی طرف اشارہ ہے۔

ف مرتبہ لاتعین ازل کا مرتبہ ہے اور مرتبہ تعین فعل کا مرتبہ ہے اگر مرتبہ قوت نہ ہوتا تو مرتبہ فعل کا ظہور ناممکن تھا۔ یاد رہے کہ مرتبہ ذات اجمال ہے اس کی تفصیل مرتبہ فعل ہے اور واضح رہے کہ اگر مرتبہ قوت کا خزانہ نہ ہوتا تو فعل کا کرم و فضل کے وجود کو ظاہر بھی نہ ہونے دیتا۔

صلوٰۃ العشاء کا صوفیانہ نکتہ عشاء کی نماز کی چاروں رکعتیں چاروں تعینات اربعہ کی طرف اشارہ کرتی ہیں وہ تعینات اربعہ یہ ہیں:

① ذاتیہ
② اسمائیہ
③ صفاتیہ
④ افعالیہ

یہ چاروں مراتب مرتبہ لاتعین اور جلال بالقوہ میں سے ہے۔

صلوٰۃ الظہر کا صوفیانہ نکتہ نماز ظہر کی چاروں رکعتیں بھی انہی چاروں مراتب کی طرف اشارہ کرتی ہیں لیکن یہ مرتبہ جمال کی بالفعل ہیں سے منسوب ہیں۔

دیگر عجیب نکتے فرائض وجود حقانی الٰہی (جو اکوان پر مطلقاً پھیلا ہوا ہے) کی طرف واجبات وجودات خلقیہ کونیہ اختیاریہ کی طرف اور سنن وجودات خلقیہ کونیہ ناسوتیہ کی طرف اور مستحبات وجودات خلقیہ ملکیہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

شدہ ذکر کرتے ہیں

[صاحب روح البیان کے شیخ اور پیر و مرشد کی کتاب اللائحات البرقیات میں اس قسم کے لطیفے اور نکتے تفصیل کے ساتھ درج ہیں]

پنج روزی اور پنجگانہ ف حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ کیا قرآن مجید میں پانچوں نمازوں کا ذکر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ آیت فسبحان اللہ حین تمسون وحین تصبحون ولہ الحمد فی السموات والارض وعشیا وحین تظہرون میں پانچوں نمازوں کا صاف اور واضح بیان موجود ہے۔ اس لئے کہ تمسون سے مغرب و عشاء کی نمازیں اور حین تصبحون سے فجر اور عشیا سے عصر اور حین تظہرون سے ظہر کی نماز اور تسبیح سے صلوۃ مراد ہے اس لئے کہ قرآن مجید میں تسبیح بمعنی صلوۃ وارد ہوا۔

کما قال:

فلولا انہ کان من المسبحین

قرطبی نے المسبحین بمعنی من المصلین لکھا ہے۔

قاعدہ کشاف میں لکھا ہے کہ قرآن مجید میں ہر جگہ تسبیح بمعنی صلوۃ ہے۔

فائدہ صوفیاء: اصل نماز طہارت باطنیہ اور حضور قلب ہے۔

مثنوی شریف میں ہے:

روئے ناشستہ نہ بیند روئے حور
لا صلوٰۃ گفت الا بالطہور

حل لغات: طہور بالفتح مصدر بمعنی التطہیر حدیث شریف میں ہے۔ مفتاح الصلوۃ الطہور۔ اور طہور وہ ہے کہ جس سے طہارت حاصل ہو۔ (کذا فی المغرب)

ترجمہ: بے منہ دھوئے حور کا منہ نہیں دیکھ سکتا اس لئے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طہارت کے بغیر نماز جائز نہیں۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا:

طہارت ار نہ بخون جگر کند عاشق
بقول مفتی عشقش درست نیست نماز

ف: پنجوقتہ نماز قرآن مجید و سنت و حدیث کا حکم ہے اسی لئے جو منکر پنجگانہ نماز کا قائل ہے۔

ترجمہ: و اگر واقعی خواب سے جاگے تو وضو کرے اور شیخ کے خرچ کا انتقام ہے کہ اس کی نماز مشغولی یاد نہیں۔

تفسیر عالمانہ

وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ اور ہم نے موسٰے علیہ السلام کو کتاب دی اس سے توراۃ مراد ہے۔

موسٰے علیہ السلام کو توراۃ کوہ طور کی واپسی کے بعد ملی۔

وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ بنی اسرائیل کے لئے ہدایت تھی یعنی یعقوب علیہ السلام کی اولاد کو حق و صواب کی ہدایت دینے والی تھی یعنی اس کے اندر جو احکام و تعلیمات تھے ان کے ذریعے سے بنی اسرائیل کو ہدایت نصیب ہوتی تھی۔ اَلَّا تَتَّخِذُوْا یہ اَن مفسرہ ہے جو ان امر و نواہی کی تفسیر کے لئے واقع ہوا جنہیں کتاب متضمن ہے گویا یہ اَن بمعنی اَی تفسیریہ ہے جیسے كتبت اليه ان افعل كذا میں اَن تفسیریہ بمعنی اَی تفسیریہ ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ نہ بناؤ

مِنْ دُوْنِيْ میرے سوا وَكِيْلًا ایسے پروردگار جو تمہاری مشکلات حل کریں اور تم اپنی مشکلات ان کو سپرد کرو۔ یہاں پر یہ معنی بھی ہے لا تتخذوا کا مفعول اول ہے اس میں ما نافیہ ہے ذُرِّيَّةَ یہ دراصل یا ذریۃ تھا۔ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ یعنی وہ اولاد آدم جنہیں ہم نے نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار کیا یا ذریۃ اختصاص یعنی مفعول کی وجہ سے منصوب ہے ذریۃ کا مادہ ذرأ ہے یعنی خلق اس کا اطلاق شے کی کثرت پر ہوتا ہے اسی وجہ سے ذریۃ الثقلین ہے یعنی نسل الثقلین و یقع على الواحد والجمع وكذا في القاموس۔

اس میں ہے چونکہ بنی اسرائیل کو توحید کے قبول پر ابھارنا تھا اس کی تاکید کی مطلوب ہے گویا اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا کہ ہم نے تمہارے آباء و اجداد کو طوفان کے غرق ہونے سے بچا کر حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں بٹھایا اور یہ ان کے لئے اتنا بڑا انعام تھا کہ ان کی نسلوں کو نصیب ہوا لیکن اب یہ صاحب ایمان کی اولاد میں تھا لہٰذا انہیں چاہیئے کہ تم اپنے آباء و اجداد کی اس نعمت کو یاد کرکے توحید کو قبول کرو اور اسی پر مضبوط ہو جاؤ۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ اس سے صرف بنی اسرائیل پر منت نہیں جتائی گئی بلکہ ہر آدمی پر اس لئے کہ جو لوگ نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں بیٹھے تھے وہ ہم سب کے آباء و اجداد تھے۔ آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے لوگو اپنے آباء و اجداد کے طریقہ پر چلو جیسے وہ ایمان میں کامل و مکمل تھے تم ان کی پیروی کرکے ہو سکتے ہو اور سچے مومن ہو جاؤ۔

عقلی نے لکھا ہے کہ اس سے تمام بنی نوح علیہ السلام مراد ہیں اس لئے کہ ابراہیم علیہ السلام کے جد امجد نوح ہیں اور ابراہیم علیہ السلام بنی اسرائیل کے جد امجد ہیں گویا اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ ہم نے تمہارے جد امجد کو طوفان سے نجات دی یہ بہت بڑی نعمت تھی لہٰذا تم اسے یاد کرکے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

اِنَّهٗ بے شک نوح علیہ السلام كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا وہ تھے بندے بہت بڑے شکر گزار یعنی اپنے تمام حالات

میں اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے تھے مثلاً جب طعام تناول فرماتے تو کہتے:

الحمد للہ الذی اطعمنی ولو شاء اجاعنی۔	سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے طعام کھلایا اور وہ چاہتا تو مجھے بھوکا رکھتا۔

جب پانی پیتے تو کہتے:

الحمد للہ الذی سقانی ولو شاء اظمأنی۔	سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے پانی پلایا اگر وہ چاہتا تو مجھے پیاسا رکھتا۔

جب کپڑے پہنتے تو کہتے:

الحمد للہ الذی کسانی ولو شاء اعرانی۔	سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے لباس سے نوازا اگر وہ چاہتا تو مجھے ننگا رکھتا۔

جب قضائے حاجت کے لئے جاتے تو پڑھتے:

الحمد للہ الذی اخرج عنی اذاہ فی عافیۃ ولو شاء حبسہ	سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھ سے پاخانہ کی ایذا کو دور کیا اور تندرستی بخشی اگر چاہتا تو اسے پیٹ کے اندر حبس رکھتا۔

سیرت نوح علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کی عادت مبارکہ تھی کہ شام کو روزے کے افطار کے وقت جب آپ کی خدمت میں طعام پیش کیا جاتا تو آپ دیکھتے کہ آپ کے ساتھی اہل ایمان کو ان سے زیادہ طعام کی حاجت ہے تو آپ اپنا طعام اسے دے دیتے اور خود بھوکے رہ کر بھی شکر خداوندی بجا لاتے۔

سبق: اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اہل ایمان کو ان کی پیروی کرنی چاہیے اس لئے کہ طوفان سے نجات انہی کے شکر کی برکت سے نصیب ہوئی اور آپ کی اولاد کو باقی رکھا گیا ہے کہ اپنے جد امجد کی اقتداء کرکے شکر کرے یہی اس عالم میں سب سے بڑا اجر و قرب ہے۔

تفسیر صوفیانہ کا یہ جملہ تعبیر ہے کہ انہ کان عبدا شکورا حضرت نوح علیہ السلام کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ تکالیف اور پریشانیوں کو بھی قبول الٰہی کر کے شکر بجا لاتے جیسے انھیں نعمت نصیب ہو گویا وہ ہر دو نوں حالتوں میں یکساں اور برابر طور پر شکر گزار رہتے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کا نام شکور رکھا پھر جیسے وہ شکر خداوندی میں بے نظیر ثابت ہوئے اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی نعمتوں سے انہیں مالا مال فرمایا کہ ان کے شکر کا انہیں بدلہ دیا بلکہ ان کے صدقے ان کی اولاد کو بھی نعمتوں سے نوازا مثلاً انہیں طوفان سے نجات دے کر کشتی نوح میں جگہ دی اور ان کی اولاد بنی اسرائیل کو بھی ان کے طفیل فضیلت بخشیں مثلاً انھیں تورات جیسی معتبر کتاب عنایت فرمائی کہ جس سے وہ ہدایت بھی پا کر

توحید سے بہرہ ور ہو گئے جس کی برکت سے شرک سے نجات پا کر بہشت کے مستحق ٹھہرے۔

وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ اور ہم نے بنی اسرائیل کے لئے فیصلہ فرمایا۔ یہ قضا الشیء سے ہے یعنی اتمامہ واحکامہ یعنی ہم نے انہیں وحی کے ذریعہ جتلایا اور واضح کیا۔ فِي الْكِتَابِ کتاب تورات میں۔

سوال: وحی موسیٰ علیہ السلام کی طرف آئی نہ کہ بنی اسرائیل کی طرف۔ اور تم یہاں پر بنی اسرائیل کے لئے کہہ رہے ہو۔

جواب: نبی علیہ السلام کی طرف وحی گویا امت کی طرف ہوتی ہے اسی لئے ہم نے بنی اسرائیل کا نام لیا ہے۔ تحقیق مراد تورات علیہ السلام میں لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ یہاں قسم محذوف ہے یعنی واللہ تم ملک شام اور بیت المقدس میں فساد پھیلاؤ گے۔

مَرَّتَيْنِ یہ مفعول مطلق ہے لیکن اس کا عامل اپنے لفظ (فعل) نہیں گویا اس کا معنی ہے: افسادًا بعد افساد فساد میں ان کا پہلا فساد وہی ہے جب انہوں نے تورات کی مخالفت کی اور شعیا علیہ السلام کو شہید کر ڈالا اور ارمیا علیہ السلام کو قید کیا جب انہوں نے بنی اسرائیل کو تبلیغ اور وعظ و نصیحت کر کے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا۔

ف: ارمیا بکسر الہمزہ علی روایۃ الزمخشری وبضم الہمزۃ وکسرہا مخففاً علی روایۃ غیرہ اور قاموس میں ہے کہ ارمیا بالکسر ایک نبی علیہ السلام کا اسم گرامی ہے۔ اور ان کا دوسرا فساد پھیلانا وہی تھا جب کہ زکریا و یحییٰ علیہما السلام کو شہید کر ڈالا اور عیسیٰ علیہ السلام کو شہید کرنے کے لئے بھی منصوبے بنائے لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔

وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا اور تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے تکبر کرو گے یعنی تم ضرور اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے سرکشی کرو گے۔

ف: العلو یعنی العتو علی اللہ الجرأۃ علیہ یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے سرکشی اور جرأت کرنا۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ اس قصہ میں بہت بڑا اختلاف ہے ہر مفسر کو جس طرح کی روایت پہنچی اسی طرح انہوں نے بیان فرمائی۔ ذیل میں جو مشہور ترین روایت ہے جیسے زبدۃ القصص و دیگر سیر کی کتب میں انبیاء علیہم السلام کے متعلق لکھا ہے کہ جب ولایت شام میں بنی اسرائیل کی سلطنت صدیقا از اولاد سلیمان کو سپرد ہوئی جو کہ ضعیف تھا اور اس کی اسی لئے اطراف کے بادشاہوں کو اس کی سلطنت کا طمع دامنگیر ہوا جنہوں نے سب سے پہلے سنجاریب موصل کے علاقہ پر قبضہ جمایا اس کے بعد ایک بادشاہ نے آذربیجان پر قبضہ پایا ان یہودیوں کو اپنا پرستش کا بھوت سوار ہوا یہودی آپس میں بر سر پیکار ہو گئے اور بہت خون ریزی ہوئی۔

؎

سپہداران سپہ درہم شکستند
صلائے جنگ در عالم شکستند
زپیکاں عالمے را زار بگرفت
ز خون روئے زمیں را لالہ گرفت

ترجمہ: دشمنوں کی سپاہ دشمن کی موت کی سیاہی میں جمیل جنگیوں کی جگہ سے سینوں میں چاند ابر آلود ہو کر پردہ سے چھپ گیا۔

ان دونوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں کو شکست ہوئی اور تمام حکومت بنی اسرائیل کو نصیب ہوئی اس کے بعد پھر بادشاہ [illegible] اور سلطان ابلی بہت بڑا لشکر لے کر بیت المقدس پر چڑھ دوڑا لیکن فریقوں کو اپنا اپنا [illegible] سے بجائے بیت المقدس کو فتح کرنے کے آپس میں جنگ شروع کر دی۔

ز الفت از دم جوان شمشیر قزان
بگذرد نیزہ شمشیر بران

ترجمہ: شیر مست کی طرح آپس میں لڑتے گرز، نیزوں اور تلواروں سے۔

بنی اسرائیل ان کی آپس کی لڑائی کے وقت یہ دعا مانگتے تھے۔

اللھم اشغل الظالمین بالظالمین واخرجنا — اے اللہ ظالموں کو ظالموں سے مشغول کر اور ہمیں ان کے درمیان
من بینھم سالمین غانمین — سے محفوظ و صحیح نکال۔

ان تینوں بادشاہوں کی لڑائی دس سے تیرہ دن تک رہی، ان فریقوں کو شکست ہوئی اور شکست کھا کر اپنے اپنے ملکوں کو واپس چلے گئے۔

نہ جائے قرار و نہ جائے ستیز
تباہ ناکام گردید و گریز

ترجمہ: نہ ٹھہرنے کی جگہ اور نہ جنگ کی، ناکام بھاگ کر پریشان ہو گئے۔

ان مرتبوں کے اسباب حکومت پھر بنی اسرائیل کو حاصل ہو گئے۔

بنی اسرائیل کی سرکشی کا آغاز

جب بنی اسرائیل کو ان پانچوں بادشاہوں کی جنگ سے سلامتی حاصل ہوئی تو انھوں نے [illegible] میں سرکشی اور بغاوت شروع کر دی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے [illegible] نے فرمایا:

ان الانسان لیطغی ان راہ استغنی — بے شک انسان سرکشی کرتا ہے جب اپنے آپ کو غنی دیکھتا ہے۔

اسی طرح یہ بنی اسرائیل پھر سرکشی و بغاوت کا جھنڈا بلند ہوا انھوں نے توراۃ کے احکام کو پس پشت ڈال دیا حضرت شعیا علیہ السلام نے انھیں ہر چند سمجھایا اور خوف الٰہی یاد دلایا اور عذاب سے ڈرایا لیکن انھوں نے ایک نہ مانی۔ پھر انھوں نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ تم نے توراۃ میں پڑھا ہے کہ تم لوگ دو بار فساد ڈالو گے ان دونوں فسادوں کا آغاز تم کر چکے ہو اگر تم اس سے باز نہ آئے تو عذاب الٰہی تمہاری بیخ کنی فرمائے گا لیکن چونکہ ان پر دولت کا بھوت سوار تھا اس لیے نہ مانے۔

بخت نصر سنجاریب کا کاتب تھا جب کہ سنجاریب فوت ہوا تو اسے وصیت کی کہ جہاں تک ہو سکے بیت المقدس پر حملہ کر کے اور اسے اپنے قبضہ میں لینا۔ سنجاریب کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے بخت نصر نے بیت المقدس پر حملہ کر دیا۔ بالآخر غالب ہوا۔ اس نے بیت المقدس کو خراب کر دیا اور تورات کو آگ میں جلا دیا اور بنی اسرائیل کے ستر ہزار آدمیوں کو قید کر لیا۔ یہ بنی اسرائیل کی بربادی و تباہی کا پہلا واقعہ ہے۔

بیت المقدس دوبارہ آباد ہوا

کورش ہمدانی نے بنی اسرائیل کی ایک عورت سے شادی کی ہوئی تھی اسے اچانک بیت المقدس کی آبادی کا خیال ہوا تو اس نے اپنی ذاتی جاگیر سے اسے دوبارہ آباد کیا۔ یہاں تیس ہزار مکان بنوائے تیس سال تک اس کی تعمیر میں مشغول رہا یہاں تک کہ پہلے کی طرح بیت المقدس آباد ہوا اسی طرح بنی اسرائیل کو دوبارہ خوشحالی کا موقع ملا۔ اور پہلے کی طرح ٹھاٹھ باٹھ سے زندگی بسر کرنے لگے لیکن انسان کو جب دولت ملتی ہے تو اپنی پچھلی حالت کو بھول جاتا ہے، بنا بریں انہیں پھر سرکشی اور بغاوت کا بھوت سوار ہوا تو زکریا و یحییٰ علیہما السلام کو شہید کر ڈالا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کو بھی شہید کرنے کا منصوبہ بنایا لیکن ناکام رہے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی ادا ناگوار ہوئی تو ان پر دوبارہ طیطوس رومی کو مسلط کر دیا اس نے دوبارہ بیت المقدس کو ویران کر دیا اور بنی اسرائیل کے تمام اموال و اسباب چھین لئے۔

کما قال تعالیٰ:

فَاِذَا جَآءَ پس جب آیا **وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا** ان دو کا پہلا وعدہ یعنی جب ان کے دو عذاب کا وقت پہنچا **بَعَثْنَا عَلَیْكُمْ** تو بھیجے ان کی غلطیوں کے مواخذہ کے لئے کھڑا کیا، **عِبَادًا لَّنَآ** اپنے بندوں کو۔

ف: اکثر عبادی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف اور عبید کی مخلوق کی طرف آتی ہے۔

سوال: جنہوں نے بنی اسرائیل کو تباہ و برباد کیا وہ تو اللہ تعالیٰ کے باغی اور کافر و ظالم تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں بندے کیوں کہا؟

جواب: امام قشیری نے لکھا ہے کہ یہ اضافت تعظیم و تکریم کے لئے نہیں بلکہ یہ اضافت محض تخلیق کی وجہ سے ہے یعنی ہم نے اپنے وہ بندے ان پر مسلط کئے جنہیں ہم نے پیدا فرمایا۔ زمخشری فرماتے ہیں اس سے بخت نصر مراد ہے یہی قول صحیح تر ہے۔

کاشفی قدس سرہ نے لکھا ہے کہ یہ اضافت اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بتایا کہ ہم نے بنی اسرائیل کا مواخذہ صفت قہاری سے کیا اور اس کا مظہر انہیں بنایا جو قہر و غضب کے مصداق ہیں اس لحاظ سے یہ اضافت صحیح ہوئی ورنہ کفار کے لئے تعظیم و تکریم کا کیا معنی وہ تو تعظیم و تکریم کے اہل کہاں۔

اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ سخت گرفت والے تھے یعنی قتل و قتال کی طرح موصوف صفت ہیں اور بہادر ہیں یعنی شدت میں آئے ہوئے وہ بخت نصر وغیرہ جنگ وغیرہ میں سخت گرفت کرتے تھے۔

ف: دیلمی نے لکھا کہ ان کی اولاد بعد کی طرح گرتی ہوئی اور یاد رہے کہ بخت نصر بابل کے مجوسیوں میں سے تھا۔ بخت بالضم

میں اصل بوخت تھا بمعنے ابن اور نصر بفتح النون و تشدید الصاد والراء المہملہ بت کا نام ہے۔ چونکہ بخت نصر اسی بت کے قریب پڑا ملا اس لئے اسے اسی نام سے موسوم کیا گیا اور اس کے متعلق کسی کو علم تک نہ ہو سکا کہ اس کا باپ کون ہے کہ جس کی طرف اسے منسوب کیا جاسکے (گویا وہ لاوارث تھا)۔

بخت نصر اس وقت بہراسپ بن کے اجداد کی طرف سے عراق کا گورنر تھا چونکہ بہراسپ بن کے اجداد ترک کی جنگ میں مصروف تھا اس لئے اپنے اسی گورنر بخت نصر کو بنی اسرائیل کی سرکوبی کے لئے بیت المقدس کی طرف بھیجا اور بنی اسرائیل کی تباہی کا یہی پہلا واقعہ ہے۔

فَجَاسُوْا الجوس سے ہے بمعنے التردد خلال الدور والبیوت فی الغارۃ یعنے وہ تمہارے برباد و تباہ کرنے کے لئے بار بار تمہارے ہاں آئے۔ **خِلٰلَ الدِّيَارِ** اس میں ہے کہ الخلال منفرج ما بین الشیئین دو چیزوں کے درمیانی سوراخ کو خلال کہا جاتا ہے اور بادل پر مستعمل ہو تو بمعنے مخارج الماء اور خلال الدار سے ان کے گھروں اور مکانات کے بیچ مراد ہیں۔ لغت میں یہ بھی ہے کہ یہ مفرد ہو بمعنے الوسط اور اسے خلل کی جمع بھی کہا جاتا ہے بمعنے الفساد جیسے جبل اور جبال بمعنی خلل و خلال اور الدیار، الدار کی جمع ہے وہ جگہ جو مختلف عمارتوں کی جامع ہو اسی طرح خالی میدان کو بھی دیار کہا جاتا ہے۔ اب آیت کا معنے یہ ہوا کہ وہ تمہارے گھروں میں گھسے اور تمہارے بعض کو قتل اور بعض کو قیدی بنایا اور تمہارے اموال و اسباب لوٹے اور تمہارے علماء اور تمہارے لیڈروں کو مٹایا اور تورات کو جلایا اور بیت المقدس کو خراب کیا اور تمہارے ستر ہزار آدمیوں کو قید کیا یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ تم لوگوں نے ایک دوسرے کے گلے نہیں کاٹے تھے اور یہی اخر زمانے کا طریقہ ہوتا ہے کہ جس نے رعایا کو آرام پہنچایا اس کی سلطنت کو برقرار رکھا اور جس نے رعایا پر ظلم و ستم ڈھایا تو اس سے سلطنت چھین کر دوسرے کو دے دی۔ **وَكَانَ** اور ان کے عذاب کا تھا **وَعْدًا مَّفْعُوْلًا** ○ ایسا ضروری وعدہ کہ جس نے پورا ہو کر رہنا تھا۔ **ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ** پھر ہم نے تمہاری باری کو لوٹایا پھر ہم نے دولت و سلطنت عطا کی جنہوں نے تمہارے اوپر قبضہ پایا تھا تم نے ان پر غلبہ پایا جیسے انہوں نے تمہارے ساتھ سلوک کیا تم نے ان کے ساتھ وہی سلوک کیا یعنے جب تم نے گناہوں سے توبہ کی اور غلطیوں سے بالکل آزاد ہو گئے تو ہم نے تمہیں پہلے کی طرح خوشحال فرمایا۔ خلاصہ یہ کہ ان کے غلبہ پا جانے کے بعد تمہیں غلبہ نصیب ہوا۔

ف: والکرۃ کا اصل معنے الدولۃ ہے اور تفسیر اس کے متعلق ہے شئ کا بار بار ہے کسی حیثیت ای عطف۔

حکایت کاشش بہمانی نے ایک بنی اسرائیل عورت سے نکاح کیا ہوا تھا اس نے بابل والوں سے جنگ کی اور فتح پائی تو اسی کی عورت نے کہا کہ بنی اسرائیل کو بیت المقدس میں لوٹا دیجئے۔ چنانچہ اپنی عورت کے کہنے پر کاشش بہمانی نے بنی اسرائیل کو بیت المقدس واپس دے دیا اور اس میں پھر دوسری بار یہ لوگ رہنے لگے۔

الکرۃ سے مراد یہ ہے کہ بخت نصر نے قتل و غارت کی اور بنی اسرائیل کے لوگوں کو قید کیا۔ کاشش بہمانی نے قید سے چھڑا

کر انھیں بیت المقدس واپس دے دیا اور بنی اسرائیل پہلے کی طرح اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے لگے ۔

وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ اور ہم نے تمھاری مدد مال سے کی یہ امد الجیش سے مشتق ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب لشکر قوت اور کثرت پا جائے یعنی باوجودیکہ تمھارے مال و اسباب تم سے چھینے گئے لیکن ہم نے تمہیں بہت زیادہ مال عطا فرمایا۔ وَبَنِيْنَ اور بہت سے لڑکے باوجودیکہ اس سے قبل وہ قید ہو چکے تھے۔ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝ اور ہم نے تمھاری گنتی کو بڑھا دیا یعنی پھر تم پہلے سے زیادہ ہو گئے یا یہ معنی ہے کہ تم اپنے دشمن کے لشکر سے بڑھ گئے۔ نفیرا ینفر الرجل مع قومہ سے ہے یعنی فلاں اپنی قوم کے ساتھ جاتا ہے۔ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ اگر تم نیکی کرو تو تمھارے فائدہ کے لئے اور اگر تم برائی کرو تو تمھارا نقصان ہے یعنی اعمال کا اچھا یا برا ہونا تمھارے ساتھ مخصوص ہے یعنی اس کا نفع یا نقصان صرف تمہیں ہوگا تمھارے سے متجاوز ہو کر دوسرے کو نہیں پہنچے گا۔ اعمال کا ثواب اور برائی کا وبال نیکی یا برائی کرنے والا تو پائے گا دوسرا اس کے ساتھ شریک نہ ہوگا یہ لام اپنے اصل پر ہے یعنی بمعنی اختصاص ہے ۔

ف ۔ تفسیر مظہری میں ہے کہ اہل تصوف فرماتے ہیں کہ احسنتم کا تکرار اور اساتم کا ایک بار لانے میں اشارہ ہے کہ اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے لیکن بہتر ہے کہ احسنتم کا تکرار رہے۔

فَاِذَا جَاۗءَ پس جب کہ آئے گا وَعْدُ الْاٰخِرَةِ آخری وعدہ یعنی بنی اسرائیل کو قبل ازیں فرمایا گیا کہ تم دو فساد پھیلاؤ گے تو انھیں دو بار تباہ و برباد کیا جائے گا جب ان کے آخری فساد کا وقت آگیا تو ہماری طرف سے مقرر کردہ سزا کا وقت بھی آ گیا۔ لِيَسُوْۗءٗا وُجُوْهَكُمْ تاکہ برائیاں پہنچائیں تمھارے چہروں پر یہ ساءہ مساءۃ سے ہے فعل بہ ما یکرہ کسی سے وہ کام کرنا جس سے کسی کو پریشانی ہو اور لیسوءا فعل محذوف سے متعلق ہے جیسا کہ سابق مضمون اس پر دلالت کرتا ہے یعنی جب اے اسرائیلیو! تم نے فساد پھیلانے کی مکرر دی تو ہم نے بھی تمھارے لئے مخالفت کھڑے کر دیئے تاکہ تمھارے چہروں میں حزن و ملال اور پریشانی ظاہر کر دکھائیں یہاں پر وجوہ سے حقیقتاً چہرے مراد ہیں وہ اس لئے کہ جب کسی کو غم و الم گھیرتے ہیں تو ان کے علامات چہرہ پر نمایاں ہوتے ہیں ۔

ف ۔ کاشفی میں ہے کہ چہروں کا نام لے کر ان کے اہل مراد لئے ہیں چونکہ حزن و ملال کا اظہار سب سے پہلے چہرے سے ظاہر ہوتا ہے اس لئے وجوہ (چہرے) کا نام لیا گیا ہے ۔

وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ اور تاکہ مسجد یعنی بیت المقدس میں داخل ہو کر اسے خراب کریں۔ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ جیسے پہلی بار مسجد اقصیٰ میں داخل ہو کر اسے خراب اور ویران کر دیا۔ وَّلِيُتَبِّرُوْا اور تاکہ ہلاکت اور تباہی کر ڈالیں۔ مَا عَلَوْا ہر اس شے پر کہ وہ غلبہ پاکر انھیں اپنے قابو میں لے لیں یا جب تک وہ برسر اقتدار رہیں۔ تَتْبِيْرًا ایسی ہلاکت تباہی و بربادی جسے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اسس سے مراد اسس رومی اور اس کا لشکر وغیرہ مراد ہے جیسے تفصیل پہلے گزر گئی

واقعہ تباہی بنی اسرائیل

مروی ہے کہ جب بنی اسرائیل پھر گناہوں میں لگے تو [illegible] ملک العراق میں ایک بادشاہ کہ جس کا نام ہردوس تھا [illegible] اور اپنے جرنیل لشکر سے کہا کہ میں نے قسم کھائی تھی کہ جب بنی اسرائیل پر ظفر پاؤں گا تو انہیں قتل کروں گا یہاں تک کہ ان کا خون میرے لشکر کے سپاہیوں [illegible] بہتا ہوا دیکھوں گا لہٰذا انہیں پکڑ کر خوب قتل کرو یہاں تک کہ لشکر میں خون کی ندیاں بہتی ہوئی نظر آئیں [illegible] قسم کھائی ہے چنانچہ بیت المقدس میں داخل ہو کر اس جگہ کے قریب کھڑا ہوا جہاں بنی اسرائیل اپنی قربانیاں ذبح کرتے تھے وہاں دیکھا کہ خون جوش مار رہا ہے۔ پوچھا کیا ہے؟ بنی اسرائیل نے جواب دیا کہ ہم نے اپنی قربانیاں بارگاہ حق میں پیش کی تھیں لیکن قبول نہیں ہوئیں حالانکہ وہ ان کا صحیح طریقہ تھا۔ بادشاہ نے کہا کہ تم نے سچی بات نہیں کہی اس لئے میں تمہارے بیٹوں عورتوں اور لڑکوں کو یہیں قتل کرتا ہوں چنانچہ ستر ہزار افراد کو یہیں قتل کرا دیا پھر ان سے کہا کہ اگر تم سچ نہیں کہو گے تو میں تمہارا ایک بچہ بھی نہیں چھوڑوں گا۔ سو صاف بتاؤ کہ یہ خون کیسا ہے؟ بعض نے کہا کہ یہ ہمارے نبی علیہ السلام کا خون ہے۔ ہم نے انہیں [illegible] قتل کیا [illegible] ہمیں برائیوں سے روکتا تھا اور کہا کرتا اگر باز نہ آؤ گے تو [illegible] کا بادشاہ مسلط ہو جائے گا لیکن ہم نے ان کی بات سے [illegible] ان کی تصدیق نہ کر کے ہم نے انہیں قتل کر ڈالا یہ خون انہی کا ہے یہ پیغمبر حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام تھے۔ بادشاہ نے کہا اب تم نے سچ کہا ہے [illegible] کہا جاتا ہے کہ [illegible] ستر ہزار افراد تھے۔

ف: جس بادشاہ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کیا [illegible] ایک [illegible] عورت [illegible] جس کا نام اربیل تھا اور اسی بدبخت عورت نے [illegible] یحییٰ علیہ السلام کو شہید کرایا تھا۔ [illegible] یحییٰ علیہ السلام کا قتل [illegible] کے آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد واقع ہوا۔

بادشاہ ہردوس نے جب دیکھا کہ اب بھی خون نہیں رکا [illegible] کہنے لگا کہ اے یحییٰ علیہ السلام آپ جانتے ہیں کہ [illegible] آپ کا بدلہ لے لیا ہے [illegible] حکم سے رک جائیے [illegible] بنی اسرائیل کا ایک [illegible] بھی باقی نہیں چھوڑوں گا [illegible] ٹھہر ہی گیا۔

اس کے بعد جرنیل لشکر نے بنی اسرائیل کو کہا کہ بادشاہ کا حکم [illegible] سے کہا کہ ہم [illegible] لیکن جرنیل لشکر رحم دل تھا اس لئے [illegible] جانوروں کو ذبح کر دیا [illegible] بادشاہ کی قسم پوری ہو گئی [illegible] بنی اسرائیل [illegible] جرنیل لشکر سے کہا کہ [illegible] بنی اسرائیل [illegible] ذلت و مسکنت مسلط کر دی گئی [illegible] حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیت المقدس [illegible] مسلمانوں نے بیت المقدس کو آزاد کیا۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ تورات میں لکھا ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے لکھا تھا کہ بنی اسرائیل ان دونوں بلاؤں کے بعد وعدہ فرمایا ۔

عَسٰی رَبُّکُمْ اے بنی اسرائیل خوش ہو تمہارا رب تعالیٰ اَنْ یَّرْحَمَکُمْ کہ تم سے اور رحمت فرمائے یعنی اگر تم توبہ کرو اور گناہوں کو چھوڑ دو تو دوبارہ اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول کر کے تم سے حالیہ رحم فرمائے گا وَاِنْ عُدْتُّمْ اگر بار ثالث گناہوں کی طرف رجوع کرو ۔

ف: و سعدی المفتی نے فرمایا کہ اولیٰ یہ ہے کہ یہاں عود سے مراد ہے اس سے کہ عود حال کی حالت میں لانے کو کہا جاتا ہے اور الاوّل ۔ یعنی ابتداء امر کو اسی کہا جاتا ہے جہاں اوّل ہو اور اگلے قبیلوں کے قبضے میں ایک وقت گذرا ہے ۔

عُدْنَا ہم بھی لوٹیں گے تمہاری سزا کی طرف یعنی انہوں نے جتنی دفعہ معاصی کا ارتکاب کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں عذاب اور سزا سے کا شکار اور ان پر ظالم لوگوں کو مسلط فرمائے گا پھر وہ ان کے ساتھ وہی کریں گے جو پہلوں پر ظلم کرتے تھے یا اس سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکذبین کی طرف اشارہ ہے گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم پھر سے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب اور ان کے شہید کرنے وغیرہ کا قصد کرو گے تو ہم تم سے اور دوسروں کو مسلط کر دیں گے چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ جب یہود نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی اور آپ کو شہید کرنے کے منصوبے بنائے تو اللہ تعالیٰ نے قریظہ کو قتل اور بنی نضیر کو شہر بدر کرایا اور ان کے باقیوں پر جزیہ قائم کر دیا وہ نہایت ذلیل ہو کر جزیہ ادا کرتے اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک اہل ایمان سے مار کھاتے رہیں گے ۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے وان عدتم عدنا یعنی اے سالک اگر تم جہل کی طرف لوٹو گے عدنا تو ہم دوبارہ تمہیں عقل کی طرف لائیں گے ۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

(۱) چونکہ بد کردی بترس ایمن مباش
زانکہ تخم است و برویاند خداش

(۲) چند گاہے او بپوشاند کہ تا
آیدت زاں بد پشیمان و حیا

(۳) بارہا پوشد پے اظہار فضل
باز گیرد از پے اظہار عدل

(۴) تاکہ ایں ہر دو صفت ظاہر شود
آں مبشر گردد ایں منذر شود

ترجمہ (۱) جب برائی کی تو بے خوف نہ ہو اس سے کہ جو تخم بو گے وہی پیدا ہوگا ۔

(۲) کتنا گناہ کرو تب بھی پردہ پوشی کرتا ہے تاکہ تمہیں پشیمانی ہو ۔

(۱) گناہ چھپانا اس کا فضل ہے لیکن گناہ پر پکڑنا تو وہ اس کا عدل ہے۔

(۲) تاکہ اس کی دونوں صفتوں کا ظہور ہو اس سے اس کی صفت جبر بھی ہے وہ منتقم ہے۔

وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ○ اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لئے قید خانہ بنایا ہے جس میں وہ ہمیشہ تک بند رہیں گے اس سے کبھی انہیں باہر نہیں نکالا جائے گا۔ حصیرا بروزن فعیل بمعنی فاعل حاصر یعنی جہنم کافروں کو بند رکھنے والی ہے اور انہیں ہر طرف سے گھیرے گی۔

سوال: جہنم مؤنث سماعی ہے اس کے لئے حصیرۃ ہونا چاہیئے تھا حصیرا کیوں کہا گیا ہے۔

جواب ①: یہ وزن نسبتی ہے جیسے لابن یعنی اور تامر یعنی اسی طرح یہاں فاعل نسبتی ہے۔

جواب ②: فعیل بمعنی مفعول ہے۔

جواب ③: لفظ جہنم کی لفظی مناسبت سے مذکر کا صیغہ لایا گیا ہے یعنی اگرچہ مؤنث سماعی ہے لیکن اس کا تو بظاہر اس میں علامت تانیث نہیں اس لئے اس کے لفظ کو مذکر قرار دے کر اس کے لئے صیغہ حصیر بمعنی بساط یعنی بچھونا یعنی جہنم بچھونے کی طرح یا چٹائی کی طرح ہے کہ جیسے چٹائی کے اجزاء ایک دوسرے سے مل کر مضبوط ہوتے ہیں جہنم کے دیگر وغیرہ بھی ایک دوسرے سے ایسے ہی مل کر مضبوط ہیں۔

ف: اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمام اہل ایمان کو جہنم سے محفوظ فرمائے یہ اللہ تعالیٰ کا قید خانہ ہے اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے باغیوں گستاخوں اور اس کی نبوت کے منکروں اور کافروں اور مشرکوں اور منافقین اور اہل کبائر مومنین کے لئے بنایا ہے۔

مسئلہ: اہل کبائر مومنین کو جہنم سے انبیاء اولیاء اور صلحاء کی شفاعت سے نکالا جائے گا اور بعض کو محض اپنے فضل و کرم سے۔

ف: دوزخ کو جو نکالا عالم نور سے پیدا فرمایا ہے اس لئے یہ تجلیس کی شکل میں ہے اور اس کے اندر جتنا اللہ تعالیٰ نے درد و الم پیدا فرمایا ہے وہ تمام اس کی صفت غضب کے ظہور پر مبنی ہوگا۔ اور یہ اس وقت پیدا نہیں ہوگا جب تک وہ لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے بلکہ یہ صفت غضب قدیم ہے البتہ اس کا ظہور اس کے بعد اہل کی تخلیق سے ہوگا۔

ف: جنہیں دوزخ میں کسی دوسری وجہ سے رکھا جائے گا یعنی سزا کے طور پر نہیں بلکہ وہ ویسے ہی تو انہیں جہنم کے عذاب کا درد و الم نہیں ہوگا مثلاً دوزخ کے نگران فرشتے وغیرہ وغیرہ وہ ایسے ہی جہنم میں اللہ تعالیٰ کی رحمت میں رہیں گے اور جنت میں جو وہاں ہو کر اس سے لطف پاتے ہیں اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مصروف ہیں۔

سبق: سمجھدار انسان وہ ہے جو دوزخ کے ان اسباب سے بچے جو سبب ہیں اسے جہنم کی طرف لے جانے والے ہیں بلکہ اسے چاہیئے کہ وہ ہر صبح و شام دوزخ کی گرمی اور گرمی سے پناہ مانگتا رہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے پر امید رہے۔ ایسے ہی ایسے سبق سے فائدہ دے گا جسے تسلیم و رضا اور محبت سے گہری وابستگی ہے اور کتاب و سنت کا عمدہ اصلاح یا کم از کم ان کے ارشادات کو اپنے لئے مشعل راہ بنا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو مخالفت اور معاصی وغیرہ سے بچا کر ہر وقت اور ہر گھڑی خیریت کی

موافقت اور ایمان اور اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے وافر حصہ نصیب فرما سکے اور اپنی طرف متوجہ ہونے والوں میں اور اپنے عذاب سے بچنے والوں سے بنا سکے۔ آمین

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ بے شک یہی قرآن جو اے پیارے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو عطا فرمایا ہے۔ یَهْدِیْ یہ تمام انسانوں کو ہدایت بخشتا ہے کسی مخصوص گروہ کی ہدایت کے لئے نازل نہیں ہوا۔ ان پہلی کتابوں کے مثل جو ہدایت تھا کہ وہ مخصوص گروہ کے لئے نازل ہوئی تھیں مثلاً تورات صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کے لئے اور انجیل صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت کے لئے۔ لِلَّتِیْ ایسے طریقے کے لئے هِیَ اَقْوَمُ جو تمام راستوں سے اقوم یعنی زیادہ مضبوط اور صحیح ترین ہے اس سے ملت اسلام اور توحید مراد ہے اور اس کے اعلیٰ ہونے سے مراد یہ ہے کہ جو بھی اس کا دامن تھام لیتا ہے تو اسے وہ ہدایت پا جاتا ہے اور یہ صرف اہل ایمان کا خاصہ ہے۔ وَیُبَشِّرُ اور خوشخبری سناتا ہے۔ الْمُؤْمِنِیْنَ اہل ایمان کو کہ اے سورۃ یا تم نے قرآن مجید کے جو احکام اور شرائع پر عمل کیا ان کی جزا کی تعیین کرتی ہو۔ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ یعنی وہ جو نیکیوں پر عمل کرتے ہیں اور نیکیوں کی تفصیل خود قرآن پاک بتلاتا ہے۔ اَنَّ لَهُمْ یہی ہو کہ انہیں ان کے اعمال کے بدلے میں اَجْرًا كَبِيْرًا ۝ بہت بڑا اجر نصیب ہوگا یعنی اصل میں وہ اور دس گنا بھی یا اس سے بھی زیادہ۔

کاشفی نے کہا ہے کہ بہت بڑی مزدوری سے بہشت مراد ہے۔

نکتہ: بہشت کو بہت اجر سے اس لئے تعبیر کیا ہے کہ بہشت میں دنیا و مافیہا کی تمام نعمتوں کو حقیر سمجھا جائے گا۔

وَّاَنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اور بے شک وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ ہی اس کے احکام بعث و نشر و حساب و کتاب کو مانتے ہیں حالانکہ انہیں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اَعْتَدْنَا لَهُمْ ان کے کفر اور آخرت کو جھٹلانے کی وجہ سے ہم نے ان کے لئے تیار کیا ہے۔ عَذَابًا اَلِیْمًا ۝ دردناک عذاب۔ اس سے جہنم کا عذاب مراد ہے۔ اس جملہ کا عطف یبشر پر ہے۔ اس سے قبل یخبر فعل محذوف ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کا عطف ان لهم اجرا کبیرا پر ہو۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو دو بشارتیں دیتا ہے:

① ان کو ثواب
② ان کے دشمنوں کو عذاب

اس لئے کہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ اپنے دشمن کی ذلت وخواری سے خوش ہوتا ہے۔

ـــــ

یا وصال یار یا مرگ عدو
بازئ چرخ ازیں دو یک کارے کند

ترجمہ: یا وصال یار یا دشمن کی موت، آسمان کا کھیل ان دونوں سے خالی نہیں۔

ف: قرآن مجید اسم باذات کا مظہر ہے قرآن مجید صامت یعنی خاموش کتاب اور حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ناطق یعنی بولنے والی کتاب ہیں۔ اسی طرح آپ کے بعد حقیقی خلیفہ اولیاء کرام بھی ناطق کتاب ہیں۔

ف: قرآن مجید ہر اس خوش بخت کے لئے کافی ہے جو اس کی پیروی و ارشاد کے مطابق عمل کرتا ہے اس لئے کہ قرآن مجید نے جملہ امور دین و دنیا کو بیان فرمایا ہے کہیں ان کا بیان تفصیل سے آیا ہے اور کہیں اجمال کے ساتھ۔

جمیع العلوم فی القرآن حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالے عنہ نے فرمایا: اگر تم دین و دنیا کی معلومات حاصل کرنا چاہتے ہو تو قرآن مجید کا گہری نظر سے مطالعہ کرو کیونکہ وہ اولین و آخرین علوم کا مجموعہ ہے۔

حکایت: کسی بزرگ کو خیال گزرا کہ قرآن مجید میں سے کوئی ایسی آیت مل جائے جس میں حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کی صراحتاً یا اشارۃً رہنمائی ہو۔

یعنی سورۂ یوسف [illegible] مجھے اسلام کی حالت میں موت دے اور مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل فرما من الصالحین

چنانچہ اسی ارادہ پر قرآن مجید کو نہایت غور و فکر اور گہری نظر سے اول تا آخر پڑھا لیکن اسے اس قسم کی کوئی آیت نہ ملی۔ رات کو خواب میں حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ آپ کی خدمت میں اپنا مقصد پیش کیا اور عرض کی کہ قرآن مجید کا دعوٰی ہے۔

ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین ہر خشک و تر قرآن مجید میں ہے

لیکن مجھے یہ مقصد حاصل نہیں ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ تیرے مسئلہ کا حل سورۂ یوسف میں ہے جب بیدار ہوا تو [illegible] سورۂ یوسف پڑھی تو اس میں یہ آیت ملی

فلما رأینه اکبرنه وقطعن ایدیهن جب انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو ان کی بڑائی بولنے لگیں اور اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور انہیں احساس تک نہ ہوا۔

اسی طرح جب نزع روح کے وقت ملک الموت حسن محمدی کا نظارہ اور جنت کے تمثالات سے [illegible] تو اسے نزع روح کی تکلیف محسوس نہیں ہو سکتی۔

سبق: اس حکایت سے ہر وہ شخص عبرت حاصل کرے جو [illegible] تلاوت قرآن مجید کی برکات سے بہرہ ور نہ ہو۔

مسئلہ: حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے تین دن سے پہلے قرآن مجید کا ختم کرنے سے منع فرمایا ہے بلکہ فرمایا:

لم یفقہ :

یعنی جس نے تین دن سے پہلے قرآن مجید ختم کیا تو اس نے کچھ بھی نہیں سمجھا یعنی جلدی کی وجہ سے اسے تدبر و تفکر کا موقع نصیب نہ ہوا۔

مسئلہ : حدیث شریف مذکورہ کے حکم کے مطابق قرآن مجید تین یا تین سے زائد دنوں میں ختم کرنا چاہیئے تاکہ تلاوت قرآن مجید سے پورا حظ حاصل ہو اور اس کے اندر تدبر و تفکر کا موقع نصیب ہو۔ اسی وجہ سے بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ وہ ہر جمعہ کو قرآن مجید ختم کرتے تھے یعنی ہفتہ میں ایک ختم پڑھا کرتے تھے۔ بعض بزرگ ایک مہینہ میں ایک ختم کرتے بعض سے یہ بھی منقول ہے کہ وہ سال میں صرف ایک ختم کرتے تھے۔ یہ صرف تدبر و تفکر کی وجہ سے بعض زیادہ تدبر و فکر میں لگے رہتے تو سالہا سال گزر جاتا بعض اس پر ایک ماہ وقت خرچ کرتے۔

مسئلہ : ختم قرآن مجید کے بعد دعا مانگنے کو غنیمت سمجھے اور نہایت خلوص اور حضور قلب سے دعا مانگے اس وقت کی دعا مستجاب ہوتی ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جو شخص ختم قرآن مجید کے وقت موجود ہوتا ہے گویا وہ مال غنیمت کی تقسیم کے وقت حاضر ہوا اور جو قرآن مجید کے افتتاح میں حاضر ہوا گویا وہ جنگ کی فتح و نصرت کے وقت حاضر رہا۔

ف : افتتاح و اختتام کی حاضری سے دونوں سعادتیں نصیب ہوتی ہیں۔ [illegible] دولت و جائداد [illegible] کا موقع ملتا ہے۔

مسئلہ : بعض بزرگوں نے فرمایا کہ دعا میں نہایت عجز و انکساری کرنی چاہیئے اور دعا کے وقت اہم مقاصد کے لئے حاجات طلب کرنی چاہئیں۔ دنیوی مقاصد ہوں تو ان کی کوئی حرج نہیں بہتر یہ ہے کہ آخرت و اہل اسلام کی خیرخواہی اور بادشاہان اور حکام اسلام کی اصلاح اور ان کے لئے طاعت و عبادت کی توفیق اور ان کی مخالفت سے بچنے بلکہ ان کے تعاون سے [illegible] اور اہل اسلام [illegible] فتح و نصرت کی دعا مانگے۔

ختم قرآن کی دعا : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول شدہ ادعیہ میں سے ایک دعا یہ ہے :

اللّٰهم ارحمنی بالقرآن العظیم واجعله لی	اے اللہ قرآن مجید کے طفیل مجھ پر رحم فرما اور اسے میرا
اماما ونورا وهدی ورحمة اللّٰهم ذکرنی	امام اور نور و ہدایت و رحمت بنا مجھے وہ یاد دلا جو میں اس
منه ما نسیت وعلمنی منه ما جهلت وارزقنی	سے بھول گیا ہوں مجھے سکھا جو بے خبر ہوں اور مجھے اس کی تلاوت
تلاوته آناء اللیل واطراف النهار واجعله	رات کی گھڑیوں میں اور دن کے اطراف میں تلاوت کی توفیق بخش۔ اے رب العالمین !
حجة لی یا رب العالمین	اسے میرے لئے حجت بنا۔

ف : حضرت ابوالقاسم رحمہ اللہ ختم قرآن مجید کے بعد مندرجہ ذیل دعا مانگتے۔

اللھم انا عبیدک وابناء عبیدک و
ابناء امائک ماض فینا حکمک عدل فینا
قضاؤک نسألک اللھم بکل اسم ھو
لک سمیت بہ نفسک او علمتہ احدا
من خلقک او انزلتہ فی شیء من کتبک
او استأثرت بہ فی علم الغیب عندک
ان تجعل القرآن ربیع قلوبنا وشفاء
صدورنا وجلاء احزاننا وھمومنا و
سائقنا وقائدنا الیک والی جناتک جنات
النعیم ودارک دار السلام مع الذین
انعمت علیھم من النبیین والصدیقین
والصالحین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

اے اللہ! ہم سب تیرے بندے اور تیرے بندوں اور تیری کنیزوں کی اولاد ہیں ہمارے اوپر تیرا فیصلہ نافذ اور تیرا ہر فیصلہ ہمارے لئے عدل و انصاف پر مبنی ہے ہم تجھ سے تیرے ان اسماء کی برکت سے سوال کرتے ہیں کہ جنہیں تو نے اپنے لئے مقرر فرمایا یا کسی کو اس کا علم دیا یا کسی کتاب میں انہیں نازل فرمایا یا انہیں اپنے خاص علم غیب میں پوشیدہ رکھا یہ کہ تو قرآن کو ہمارے دلوں کی بہار ہمارے سینوں کی شفا اور ہمارے رنجوں کی جلا اور ہمارے غموں کا مداوا بنا اور اس کی برکت سے ہمیں بہشت اور جنات النعیم کا راستہ دکھا جو تیرا گھر ہے جو دارالسلام ہے ان حضرات کے ساتھ جن کا ذکر ہو چکا انبیاء صدیقین و شہداء و صالحین ہیں۔ اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے۔

مسئلہ: قنیہ میں ہے کہ ختم قرآن کے وقت سورۃ اخلاص کا بار بار جمع ہو کر پڑھنا جائز ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ان میں سے ایک پڑھے اور باقی خاموش رہیں۔ (یہ قول صحیح تر ہے)۔

تنبیہ: اس صورت میں اولویت کی وجہ یہ ہے کہ قرآن سے اہم غرض یہ ہے کہ حروف کی تصحیح ضرور ہو تاکہ ان کے معانی کا فہم ہو پھر سمجھ کر ان پر عمل ضروری ہے۔ علاوہ ازیں سب کی آوازیں مل جائیں تو خواہ مخواہ تشویش ہوگی۔ مثلاً جو خواں پڑھتے وقت کوئی کوئی حرف چھوڑے گا اور کوئی کوئی تغییر کرے گا یا یہ ہوگا کہ پڑھنے والے حضرات میں کوئی جلدی ہوگا پھر کوئی بعض حروف کو ساکن پڑھے گا تو دوسرا حرکت کو نہ پہنچے گا تو کوئی اس کے برعکس۔ صرف اس لئے کہ وہ کوشش کریں گے کہ ختم جلد سے جلد ختم ہو۔ اس طرح کی غلطی کرنے والے گنہگار ہوں گے۔ ؎

عشقت رسد بفریاد گر خود بسان حافظ
قرآن ز بر بخوانی در چاردہ روایت

ترجمہ: حافظ قرآن کے بہت درجات ہیں اگر تجھے عشق ہے تو تمہیں معلوم ہو جائے گا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں کہ وہ ہمیں قرآن کے حقائق و اسرار سے مطلع فرمائے اور ہمیں اس کی ان معطر انوار سے نوازے جو اس میں مخصوص و انوار واقع ہوتے ہیں اہل تحقیق حضرات نے اس لئے کہ وہی توفیق کا مالک ہے۔

وَيَدْعُ الْإِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ

اور آدمی برائی کی دعا کرتا ہے جیسے بھلائی مانگتا ہے اور

وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا ۝ وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ

آدمی بڑا جلد باز ہے اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں

آيَتَيْنِ فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِتَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ

بنایا تو رات کی نشانی مٹی ہوئی رکھی اور دن کی نشانیاں دکھانے والی کہ اپنے رب کا فضل تلاش

رَبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنَاهُ تَفْصِيلًا ۝

کرو اور برسوں کی گنتی اور حساب جانو اور ہم نے ہر چیز خوب جدا جدا ظاہر فرمادی

وَكُلَّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ

اور ہر انسان کی قسمت ہم نے اس کے گلے سے لگا دی اور اس کے لیے قیامت کے دن ایک نوشتہ نکالیں گے جسے

مَنْشُورًا ۝ اقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا ۝ مَنِ اهْتَدَىٰ

کھلا ہوا پائے گا فرمایا جائے گا کہ اپنا نامہ پڑھ آج تو خود ہی اپنا حساب کرنے کو بہت ہے جو راہ پر آیا وہ اپنے

فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ

ہی بھلے کو راہ پر آیا اور جو بہکا تو اپنے ہی برے کو بہکا اور کوئی بوجھ اٹھانے

وِزْرَ أُخْرَىٰ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ۝ وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ

والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی اور ہم عذاب کرنے والے نہیں جب تک رسول نہ بھیج لیں اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا

نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا

چاہتے ہیں اس کے خوشحالوں پر احکام بھیجتے ہیں پھر وہ اس میں بے حکمی کرتے ہیں تو اس پر بات پوری ہو جاتی ہے تو ہم اسے

تَدْمِيرًا ۝ وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُونِ مِنْ بَعْدِ نُوحٍ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ بِذُنُوبِ

تباہ کر کے برباد کر دیتے ہیں اور ہم نے کتنی ہی سنگتیں نوح کے بعد ہلاک کر دیں اور تمہارا رب کافی ہے اپنے بندوں

عِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ۝ مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ

کے گناہوں سے خبردار دیکھنے والا جو یہ جلدی والی چاہے ہم اسے اس میں جلد دے دیں جو چاہیں

لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَدْحُورًا ۝ وَمَنْ أَرَادَ

جسے چاہیں پھر اس کے لیے جہنم کر دیں کہ اس میں جائے مذمت کیا ہوا دھکے کھاتا اور جو آخرت چاہے

الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا ۝

اور اس کی سی کوشش کرے اور ہو ایمان والا تو انہیں کی کوشش ٹھکانے لگی

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝

ہم سب کو مدد دیتے ہیں ان کو بھی اور ان کو بھی تمہارے رب کی عطا سے اور تمہارے رب کی عطا پر روک نہیں

اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ

دیکھو ہم نے ان میں ایک کو ایک پر کیسی بڑائی دی اور بیشک آخرت درجوں میں سب سے بڑی اور فضل

تَفْضِيْلًا ۝ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ۝

میں سب سے بڑھ کر اے سننے والے اللہ کے ساتھ دوسرا خدا نہ ٹھہرا کہ تو بیٹھ رہے گا مذمت کیا جاتا بے کس

تفسیر عالمانہ

وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ اور انسان شر کی دعا مانگتا ہے یعنی جب اسے غصہ آتا ہے تو شر کی دعا مانگتا ہے اور لعنت کرتا ہے اور خالق کی تباہی و بربادی کے [illegible] تعالیٰ سے سوال کرتا ہے بجائے اس کے [illegible] کہ [illegible] کی ساتھ ان کے اہل و عیال اور مال و اسباب برباد ہو جائیں۔

ف: یہاں الانسان سے جنس انسان مراد ہے اور وہ بعض افراد اور بعض اس کے احوال سے ایک حال کا ذکر ہے یعنی جنس انسانی مراد ہو سکتے ہیں اور یہ بھی انسان کے بعض احوال مراد ہیں۔

ف: [illegible] مسئلہ [illegible] ہے ایک حکم [illegible] اللہ [illegible] کی یا [illegible] ہے [illegible] یا [illegible] ہے [illegible] سے [illegible] آتا ہے [illegible] کی یا [illegible] ہے [illegible] مطلب [illegible]

[illegible]

سوال: ان آیات میں [illegible]

جواب: [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا [illegible]

[illegible]

وہ پشیمان ہوتے ہیں کہ جلد بازی کا نتیجہ دوسرے سے مختلف ہونے پر بلا کے کرتوتوں میں مبتلا ہو گئے۔

ف: یہ معلوم ہوا کہ انسان اپنے ایک حال سے دوسرے حال کی طرف عجلت یا جلدی میں جو شوق اور تکالیف سے اور [illegible] کرنے پر صبر کرنا ہے دوسری ہے۔

ف: معلوم ہوا کہ جلد بازی ایسا عمل کرے جو شر کا موجب ہو اس لئے کہ انسان عجلت یا جلد بازی [illegible] نقصان اٹھاتا ہے اور [illegible] کرنا [illegible] میں بخل اور عذاب کے نزول کا سبب ہوتے ہیں۔

حدیث شریف: حدیث شریف میں ہے کہ مومن وقت لیتا ہے سوچ سمجھ سے کام لیتا ہے اور منافق وہ ہے جو جلد بازی سے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی وصیت

سیدنا آدم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو وصیت فرمائی کہ ہر کام کرنے سے پہلے سوچ لیا کرو پھر کرو۔ اس لئے کہ اگر میں سوچ سے کام لیتا تو مجھ سے خطا خلاف اولیٰ سرزد نہ ہوتی۔

ایک اعرابی کا مقولہ مشہور ہے:

ایاکم والعجلۃ — عجلت سے بچو۔

اسی لئے عرب والے اسے ام الندامات سے تعبیر کرتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے:

پیش سگ چوں لقمہ نان افگنی
بو کند آنگہ خورد اے معتنی
او ببینی بو کند ما با خرد
ہم ببوئیمش بعقل منتقد

ترجمہ: کتے کے آگے نان ڈالو تو وہ پہلے اسے سونگھتا ہے پھر کھاتا ہے۔ وہ ناک سے بو سونگھتا ہے ہم عقل سے سوچتے ہیں آپ ہر چیز میں غور کیجئے۔

پانچ امور میں عجلت ضروری ہے

بزرگان اسلام کا فرمان ہے کہ اگرچہ عجلت شیطانی عمل ہے لیکن پانچ امور میں عجلت ضروری ہے:

① نماز کی ادائیگی میں جب اس کا وقت ہو جائے۔
② جب لڑکی بالغ ہو جائے تو اس کے بیاہ میں جلدی کی جائے۔
③ قرض کو بھی جلد ادا کیا جائے جب ادائیگی کی طاقت حاصل ہو۔
④ جب مہمان تشریف لائے آئے تو کھانا جلد کھلایا جائے۔

(۵) جب گناہ صغیرہ یا کبیرہ کا ارتکاب ہو جائے تو توبہ میں عجلت کی جائے۔

(۶) جب فوت ہو جائے تو دفن میں جلدی کی جائے۔

ربط: اب ان آیات کریمہ کا بیان کیا جاتا ہے جن سے بندے کو اللہ کا شکر کرنے پر راہ ہدایت نصیب ہوتی ہے، کما قال تعالیٰ:

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اور ہم نے رات اور دن کو بنایا۔

حکمت: رات کو دن کی تقدیم میں کا راز یہ ہے کہ چاند کی پہلی تاریخ رات سے معلوم ہوتی ہے اور اہل عرب دن کا آغاز بھی رات سے شروع کرتے ہیں یعنی رات اور دن کا ایک دوسرے کے آگے پیچھے آنا اور طول و قصر میں مختلف ہونا۔

اٰيَتَيْنِ دونوں آیتیں یعنی صانع قدیر ہونے اور اس کی وحدت کی دلیل ہیں اس لئے کہ ان کا تغیر و تبدل بتاتا ہے کہ ان میں تغیر و تبدل پیدا کرنے والا کوئی ہے۔

یہاں رات و دن کو اپنی وحدت اور اپنے صانع و قدیر ہونے کی دلیل بنایا اور دوسرے مقام پر فرمایا:

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهٗ اٰيَةً (پ ۱۸) اور ہم نے ابن مریم اور اس کی ماں کو دلیل بنایا۔

سوال: پہلی آیت میں تثنیہ اور اس آیت میں آیت کو واحد لایا گیا ہے حالانکہ دونوں علیحدہ علیحدہ آیتیں ہیں یعنی دو علیحدہ علیحدہ آیات ہیں اس کی وجہ کیا ہے؟

جواب (۱) یہ کہ رات اور دن آپس میں دو متضاد ہیں اس لئے ان کے لئے تثنیہ کا صیغہ ضروری تھا اور ابن مریم و امہ آپس میں متضاد نہیں اسی لئے ان کے لئے واحد کا صیغہ لایا گیا۔

جواب (۲) عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ کو بیک وقت دیکھا جا سکتا تھا اسی لئے آیت واحد کہا گیا اور سورج و چاند یعنی دن اور رات اگرچہ یوم واحد کا مجموعہ ہیں لیکن انہیں بیک وقت نہیں دیکھا جا سکتا اسی لئے انہیں علیحدہ علیحدہ قرار دے کر تثنیہ کا صیغہ دیا گیا۔

فَمَحَوْنَا اٰيَةَ الَّيْلِ۔ علماء تفسیر نے اضافت بیانیہ ہے جیسے عدد کی عدد کی طرف اضافت بیانیہ ہو (یعنی) یہاں بھی سبب منسوب ہو کر ہم نے آیت کو مٹایا اور وہ آیت ہی رات تھی۔

ف: المحو یعنی ازالۃ الشیء الثابت یعنی کسی ثابت اور قائم شے کو مٹانا اور یہاں مراد یہ ہے کہ اللیل میں اس کو مٹایا کہ اس کے نشانات ختم کر دیئے گئے جیسے عرف عام کی شاعری میں کہا جاتا ہے۔

محا البحور وكثير القبيل   ترجمہ: وہ ہے کہ جس نے بڑا صغیر اور ادنیٰ کو بھی مٹایا۔

یعنی ابتداء ان کی تخلیق ایسے ہی ہوئی ایسے رات کی کوئی نشانی تھا اسی طرح ہوئی جیسا کہ محو اللیل کے مقابلہ میں جعل النہار کو مبصرا فرمایا۔

وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ اور ہم نے بنایا آیت کو جو کہ وہ نہار ہے، مُبْصِرَةً روشن کہ جس میں اشیاء دیکھی جاتی ہیں۔

ف: نہار کے ابصار کی صفت سے نہار کو موصوف فرمانے میں مجاز ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ آیۃ اللیل و آیۃ النہار میں بیانی اضافت مراد ہے اور لیل سے چاند اور نہار سے سورج مراد ہے۔

چاند میں سیاہی کا نشان کیوں؟

مروی ہے کہ ابتداءً سورج اور چاند کو ایک جیسا بنایا گیا یعنی ہر ایک کا نور شرشر ابھرتا تھا پھر جبریل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ جا کر چاند پر یکبار اپنا پر مار کر چاند کے نور کے منتشر اور منتقل کر کے سورج میں ڈالیں تاکہ رات اور دن کے درمیان امتیاز ہو ورنہ ابتداءً رات اور دن میں کسی قسم کا امتیاز نہیں تھا رات چاند کی روشنی سے تاباں اور دن سورج کی روشنی سے۔ جب سے چاند کی روشنی سورج کو دی گئی اسی وقت سے رات میں تاریکی اور دن میں روشنی کا امتیاز ہوا اور یہ چاند کے منہ میں جو سیاہی نظر آتی ہے یہ جبریل علیہ السلام کے پروں کے مارنے کے نشانات ہیں۔

سیاہ رنگ کی خوبی

چونکہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی ظاہری سلطنت کے انوار کا تعلق قمری سیاہی سے ہے اس لئے چاند کے اندر سیاہی کے باوجود اسے تمام ستاروں کا سردار اور سیاہ رنگ تمام رنگوں کا سردار بنایا گیا اسی لئے عرب اسے سید الالوان سے تعبیر کرتے ہیں اور حجر اسود کا سیاہ ہونے کا ایک راز یہی ہے کہ اگرچہ جنت سے دنیا میں لاتے وقت اس کا سفید رنگ تھا لیکن جونہی اسے انبیاء و اولیاء کرام علی نبینا و علیہم السلام نے ہاتھ مبارک لگا کر مشرف فرمایا تو اسے عالم دنیا کے تمام پتھروں کی سیادت نصیب ہوئی اسی سیادت کے اظہار کے لئے اسے سیاہ رنگ بخشا گیا وہ اسی بنا پر کہ سیاہ رنگ سید الالوان ہے تو جس پتھر کو یہ رنگ ملا ہے اس کے لئے دلالت کر رہا ہے کہ سید الاحجار ہے۔

نکتہ صوفیانہ

غیروں کو سنین کی گنتی میں شمس اور ہم اہل اسلام کو سن قمری بخشا اس میں بھی یہی راز ہے جسے صوفیاء عارفین جانتے ہیں اور یہ کہ عارفین کو تنبیہ کی گئی ہے کہ جس طرح رات کی تاریکی تمام روشنیاں مٹا دیتی ہے ایسے ہی عارفین پر لازم ہے کہ وہ اپنے ظاہر کو گھٹا کر باطن میں گم کر دیں۔ اہل اسلام کی اسی خصوصیت کی وجہ سے صرف انہیں تجلیات خاصہ سے نوازا گیا ہے ورنہ اس سے قبل تمام امتیں ان تجلیات خاصہ سے بے خبر رہیں۔

ایک اور نکتہ

پہلی امتوں کے لئے قالب مسخ کا حکم ہے یعنی ان سے ایمان چھین لیا اور صرف شکل بگڑوا دی اور ایک حقیقت تھی چنانچہ جسم کا بگاڑ وغیرہ کے لئے ہوا اور حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی امت کے لئے فرمایا:

كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ ان لوگوں کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے ایمان لکھ دیا۔

پھر جسے اللہ تعالیٰ لکھے اسے کون مٹا سکتا ہے۔

دشمنوں کو غلط فہمی ہوئی ہے کہ انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ صحابہ کرام باستثناء (ہٹ) افراد معاذ اللہ مرتد ہوگئے (نقل کفر)
کافی و ترجمہ مقبول دہلوی وغیرہ ۱؎

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

والشمس ینبغی لہا ان تدرک القمر   سورج کو لائق نہیں کہ وہ چاند کو پکڑے۔

اس سے صوفیائے کرام نے الشمس سے اسم جلالہ اور القمر سے امت مصطفیٰ مراد لی ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ اسم جلالہ کو لائق نہیں ہے کہ وہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی مخالفت کر پائیں۔

ف: میرے حضرت شیخ و مرشد قدس سرہ نے کتاب البرکات میں بہت بڑی بحث میں عجیب و غریب تفصیل بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

آیۃ اللیل فرعیۃ و تبعیۃ کا اور آیۃ النہار اصلیۃ و استقلالیۃ کا مرتبہ ہے اسی لئے کہ چاند سورج سے نور حاصل کرتا ہے اس کے باوجود آیۃ اللیل کو محو اور آیۃ النہار کو مبصرۃ سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ ان دونوں یعنی آیۃ اللیل اور آیۃ النہار میں مستقل ایسے بھی ہے کہ اپنی جگہ دونوں ایک دوسرے سے امتیاز رکھتی ہیں اور ساتھ ہی یہ بتایا گیا کہ آیۃ اللیل کو آیۃ النہار سے استفادہ کی مقدار کیا ہے وہ اسی طرح کہ بسبب ضعف و نقصان آیۃ اللیل آیۃ النہار سے کم درجہ ہے اور آیۃ النہار بسبب قوت و کمال آیۃ اللیل سے ارفع و اعلیٰ ہے اور یہ دونوں آپس میں ایسے مرتبط ہیں کہ اپنی حد طور سے متجاوز نہیں ہوتے مگر ہر ایک کا ان میں مقام و حد معروف ہے اسی وجہ سے نظام کائنات قائم ہے اور ہمیشہ ایسے ہی رہے گا کسی قسم کا خلل یا نقصان نہیں ہوتا اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مظاہر جلال کا مرتبہ فرعیہ و تبعیہ ہے اور مظاہر جمال کا مرتبہ استقلالیہ و اصلیہ ہے اسی لئے کہ وہ امداد جو مظاہر جلال کو نصیب ہوتا ہے وہ مظاہر جمال کے قیام پر مبنی ہے اور ان کا قیام و بقا مظاہر جمال سے مستفاد ہے اسی لئے صوفیائے کا مقولہ مشہور ہے کہ:

لو لا المصطفی لہلکت العصاۃ   اگر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو نافرمان تباہ و برباد ہو جاتے

نیز مظاہر جلال کے افکار صواب سے ہٹ کر خطا کی طرف چلے جاتے ہیں لیکن مظاہر جمال کے افکار ہمیشہ بہ سراد صواب ہوتے ہیں اس سے یہی ہی کے باوجود اصلی مطلب ہے کہ مظاہر جلال و جمال میں مساوات نہ ہو اور واضح ہو جائے کہ اصل کو قوت و غلبہ و عزت حاصل ہے اور فرعیہ کا مرتبہ ہمیشہ عجز و ضعف اور ذلت میں رہتا ہے اور اسی لحاظ سے بھی وہ آپس میں ایک دوسرے کی حد سے تجاوز نہیں ہو سکتے یعنی مظاہر جلال ہمیشہ مغلوبیت میں رہتے ہیں اور مظاہر جلال میں خلل ہوگیا ہے مرتبہ فرعیہ و تبعیہ مرتبہ اصلیہ اور استقلالیہ میں آکے گم ہو اور مرتبہ استقلالیہ و اصلیہ مرتبہ تبعیہ و فرعیہ میں آ کے کم ہو جائے اسی

۱؎ اضافہ از فقیر اویسی۔

جاری و ساری رہے گا جہاں تک اللہ تعالیٰ نے چاہا ہو گا۔

ف: مرتبہ قمر میں مراتب الٰہیہ سے مرتبہ ربوبیت کی طرف اور مرتبہ شمس میں مرتبہ مراتب الٰہیہ سے مرتبہ الوہیت کی طرف اشارہ ہے نیز مرتبہ قمر کا مرتبہ کرسی اور لوح کی طرف اور مرتبہ شمس کا مرتبہ عرش و قلم کی طرف اشارہ ہے نیز مراتب کونیہ انفسیہ میں مرتبہ قمر مرتبہ روح کی طرف اور مرتبہ شمس مرتبہ سر کی طرف اشارہ کرتا ہے اسی طرح اور اشارات قرآنیہ کا قیاس کیا جائے، یہ اصطلاحات صوفیا کی ہیں ان کی مزید تشریح کتب تصوف میں مذکور ہے۔

لِتَبْتَغُوْا یہ جعلنا آیۃ النہار سے متعلق ہے یعنے تاکہ تم دن کی روشنی میں اپنے لئے طلب کرو۔ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ اپنے رب کا فضل یعنے رزق۔

سوال: رزق کو فضل سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے؟

جواب: تاکہ معلوم ہو کہ رزق دینا اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں بلکہ بمقتضائے ربوبیت اپنے فضل و کرم سے ہر ایک کو رزق عطا کرتا ہے اور ابتغاء میں اشارہ ہے کہ اسے حاصل کرنے کے لئے سبب کسب ضروری ہے کہ سوائے سبب کے اس کا حصول ممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

وَلِتَعْلَمُوْا یہ دونوں فعلوں کے متعلق ہے یعنے لیل و نہار کے اختلاف جدید یا ان کے ذاتی اقتضاء کہ ایک میں تاریکی دوسرے میں روشنی اور ان دونوں کا ایک دوسرے کے آگے پیچھے آنا معلوم کرو۔ عَدَدَ السِّنِیْنَ سالوں کی گنتی کہ جس سے تمہاری اغراض متعلق ہیں کہ جس سے اپنی دینی و دنیاوی مصلحتیں معلوم کر سکتے ہو۔ وَالْحِسَابَ اور حساب یعنے تمہاری مصلحتیں جو اوقات سے متعلق ہیں مثلاً بعض امور سالوں سے اور بعض امور مہینوں سے اور بعض دنوں سے اور بعض راتوں سے تعلق رکھتے ہیں کہ اگر لیل و نہار کا یہ حساب نہ ہوتا تو تمام نظم دین و دنیا معطل رہتا۔

ف: حساب ہر اس گنتی کو کہا جاتا ہے جو کیت منفصلہ رکھتی ہو جو اپنے ہر مثل سے کم ہوتی رہتی ہے کہ ان کے ایک میں سے حاصل ہوا ہو یعنی کہ کوئی خاص نام مقرر ہوتا ہے اور وہ کوئی خاص رکھتا ہے اور گنتی ہر وہ شے جو اپنے ہر مثل سے مکرر ہو لیکن اس سے خاص مسمیٰ کا حکم حاصل نہ ہو۔ السنۃ سال مہینوں کی گنتی سے اور الشہر (ماہ) دنوں کی گنتی سے اور الیوم (شب و روز) گھنٹوں کی گنتی سے مکمل ہوتا ہے۔ السنین، سنۃ کی جمع ہے یہ دو قسم کا ہے:

① شمسی
② قمری

شمسی جس برج کے نقطے سے سفر شروع کیا تھا جب وہاں پہنچے گا تو شمسی سال مکمل ہو گا کہ سورج اس سفر کو تین سو پینسٹھ اور دن کے چوتھائی حصے میں طے کرتا ہے (۴/۱ ۳۶۵) اور قمری سال بارہ چاندوں کے مکمل ہونے پر پورا ہوتا ہے اس کے تین سو چوّن اور دن کی تہائی ایام ہوتے ہیں۔

مسئلہ: عنین (نامرد) کو حاکم نے ایک سال تک علاج کرانے کی مہلت دی تو یہ مدت بارہ ماہ قمری کے اعتبار سے ہوگی اگرچہ عنین کہے کہ ابھی سال نامکمل ہے تو بھی اس کی بات نہیں مانی جائے گی۔

مسئلہ: نماز کے فدیہ کا حساب شمسی سال کے مطابق ہوگا ہاں چہارم حصہ کہ اس میں نہیں دیا جائے گا اس لئے کہ نماز کے فدیہ میں احتیاط ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ سال کی نمازوں کا فدیہ پانچ سو بیس درہم ایک فرض نماز کے لئے دینا لازمی ہوں گے ایک وتر کے پانچ سو درہم علاوہ ازیں تقریباً شمسی سال کی کل نمازوں کا فدیہ فقہ حنفیہ کے قول کے مطابق ایک سو بیالیس کیل اور سات لوتیے دینے ہوں گے اگر کوئی گندم کی بجائے نقدی دے تو موجودہ نرخ کے مطابق گندم کی قیمت ادا کرنا بھی جائز ہے[1]۔

وَكُلَّ شَيْءٍ: اور ان باتوں میں جیسے معاشی امور اور معاد کے متعلق تم محتاج ہو یہ فعل محذوف سے منصوب ہے جس کی تفسیر **فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا** ۝ ہے۔ یعنی ہم نے اسے مفصل طور پر بیان کیا ہے یعنی ہم نے تفصیل سے جملہ امور ضروریہ قرآن مجید میں ایسے عجیب طریقے سے بیان کیا ہے کہ جس میں کسی قسم کا شک و شبہ اور التباس نہیں ہے اس میں ہم نے تفصیل سے جملہ اختلافات کو دور کیا ہے اور ایسے واضح طور پر بیان فرمایا کہ تفصیل سے کسی قسم کی کوئی بات باقی کلام طلب نہیں۔

سبق: عاقل وہ ہے جو قرآن کی اتباع کرتا ہے اس کی سمجھ میں کوئی شے آئے یا نہیں آئے تاہم بلکہ ہر بات اس کا علم خدا کے سپرد کرے۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ عالم دین اگر قرآن مجید کو غور و فکر سے بغور مطالعہ کرے تو اسے تمام لاینحل مسائل کا جواب قرآن مجید سے حاصل ہوگا۔

ف: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کوئی ایسا دن خالی نہ جاتا جس میں وہ قرآن مجید کی زیارت (تلاوت) نہ کرتے ہوں اس لئے کہ صرف قرآن مجید کی زیارت بھی عبادت ہے۔

ف: قرآن مجید کی زیارت و تلاوت سے لاینحل مسائل کا حل ہوتا ہے بشرطیکہ غور و فکر و تدبر و تفکر سے اس کی تلاوت کی جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ اس کی زیارت سے کئی مخفی اور پوشیدہ اسرار کھلتے ہیں۔

حفظ القرآن کا واقعہ: حضرت محمد بن الحسن نے سیدنا امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے استاذ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں فقہ پڑھنے کے لئے حاضر ہوئے آپ نے ان سے فرمایا کہ بیٹے تم نے قرآن مجید پڑھا ہے؟ انہوں نے جواب نفی میں دیا۔ آپ نے فرمایا: پہلے قرآن مجید حفظ کر آؤ پھر میرے ہاں حاضر ہونا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے سات دن گزار کر پھر امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے ان سے فرمایا کہ جب تک قرآن مجید حفظ نہ

---

[1] اس مسئلہ کی توضیح و تشریح فقیر کے رسالہ اوقات الیوم والصلاۃ میں دیکھئے۔ اویسی غفرلہ

زائد حدیث سے یہاں حافظوں کا نام ورد زبان امام محمد نے عرض کی میں نے قرآن مجید حفظ کر لیا ہے۔

حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ

حکایت امام محمدؒ

ایک رات میں امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں قیام پذیر ہوا میں نے انہیں دیکھا کہ ساری رات پہلو بدل کر سوتے رہے مجھے یہ بات سخت ناگوار گزری کہ اتنا بڑا امام ساری رات غفلت کی نیند سوتا رہا لیکن جونہی صبح کی نماز کے لئے جماعت کھڑی ہوئی تو آپ وضو کئے بغیر جماعت میں شامل ہو گئے میں نے انہیں عرض کی کہ آپ نے یہ کیا کیا؟ آپ نے فرمایا کہ تمہارا گمان ہے کہ میں نیند میں تھا مجھے نیند نہیں تھی بلکہ اس رات میں نے قرآن مجید سے فقہ کے ایک ہزار سے زائد مسائل استخراج کئے ہیں اگرچہ آپ نوافل میں مشغول رہے لیکن وہ آپ نے نفس کے لئے اعمال کئے لیکن میں نے ساری رات امت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی شرعی مسائل کے حصول میں گزار دی اور میں لیٹا اس لئے رہا کہ مجھے واردات اسی طور پر نصیب ہوتے ہیں۔

ف: حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو وحی کے وقت لیٹ جانے میں یہی راز تھا کہ جب ان پر وحی یعنی واردات الٰہیہ کا ورود ہوتا تو چونکہ صفت قیومیہ ہے اس سے جب روح اس کے حصول میں مشغول ہوتی تو جسم کی طاقت قیام و قعود کمزور پڑ جاتی ہے اسی لئے وہ اپنی اصل حالت زمین پر لیٹنے کی طرف لوٹ جاتی ہے۔

ف: قرآن مجید میں ہر گروہ کی تفصیل موجود ہے اہل عبارت یعنی ظاہرین مفسرین اپنے طور پر اور اہل اشارہ یعنی صوفیائے کرام اپنے طور پر تفسیرات کا اخذ کرتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

تو ز قرآن اے پسر ظاہر مبیں
دیو آدم را نہ بیند غیر طین
ظاہر قرآن چو شخص آدمی ست
کہ نقوشش ظاہر و جانش خفی ست

ترجمہ: اے بیٹا تو قرآن کے ظاہر کو دیکھ شیطان آدم کی صرف مٹی کو دیکھتا ہے قرآن کا ظاہر صرف آدمی کے ظاہر کی طرح ہے کہ اس کے نقوش ظاہر ہیں اور اس کی جان پوشیدہ ہے۔

وَمَنْ يَّشَآءُ اور ہر انسان مکلف کو کافر یا مومن نیک یا بد یا عالم یا جاہل بادشاہ یا گدا آزاد یا غلام۔ اَلرَّحْمَةُ الالام یعنی انعام کرنا جیسے جو اسے لائق کیا۔ حِكْمَتُهٗ اس کا وہ عمل جو اس سے اس کے اپنے اختیار سے صادر ہوا وہی اس کی تقدیر میں پہلے مقدر ہو چکا۔

ف: اسے طائر یعنی پرندہ سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ جیسے پرندہ تقدیر کے گھونسلے سے اڑ کر اس کے پاس آیا ہے۔

فِيْ عُنُقِهٖ اس کی گردن میں۔

ف: اسے گردن میں چپکنے سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ جب کوئی شے کسی کو ضروری طور پر لازم ہوتا ہے تو اس کی گردن میں ڈالا جاتا ہے اس تقدیر پر اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم ان کے اعمال نامہ ان کے لئے لازم کر دیں گے کہ وہ کسی وقت بھی ان سے جدا نہیں ہوں گے اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جیسے گلے کا ہار کہ جس طرح گلے میں ڈالا ہوا کوئی زنجیر یا ہار انسان کو چمٹ کر رہ جاتا ہے ایسے ہی اعمال نامہ کو کسی وقت بھی اس سے جدا نہ ہوگا۔

کہ ہر نیک و بدی کاں از من آید
مرا تا حشر غل در گردن آید

ترجمہ: ہر برا یا نیک کام مجھ سے صادر ہوگا وہ لا محالہ میرے گلے میں چپکا یا جائے گا۔

سوال: الاسئلة المقحمة میں ہے کہ اس اعمال نامہ کے بندے کے گلے میں ڈالنے کی تخصیص کیوں؟

جواب: گلا انسان کے لئے ایک ایسی جگہ ہے جہاں انسان کی زینت یا اس کی مذمت کے لئے کوئی شے ڈالی جاتی ہے اسی بنا پر بعض ضروری اشیاء کو گلے کی طرف منسوب کیا جاتا ہے مثلاً اہل عرب کہتے ہیں:

"فی عنقی وفی عنقک"

فلاں امر میرے گلے پڑ گیا یا تمہارے گلے پڑ گیا۔

ف: حیوۃ الحیوان میں ہے کہ اہل عرب کہتے ہیں کہ:

"تقلدھا طوق الحمامة"

اس کا معنیٰ ہے الخصلة القبيحة ہے یعنی فلاں نے فلاں گندی عادت اپنے گلے کا ہار بنا لیا ہے یعنی اس نے اس پر التزام کر رکھا ہے اور وہ عادت اس سے کبھی نہیں جائے گی جیسے کبوتری کا طوق کبوتری کو مرتے دم رہے گا۔ ایسے ہی گندی عادت اس کو مرتے دم تک نہ چھوڑے گی۔ صاحب حیوۃ الحیوان نے اس کی مثال اس آیت ان الزمناه طائره فی عنقه سے یعنی اس کا عمل اس کے گلے کا ہار ہوگا اسے کسی وقت بھی نہیں چھوڑے گا اسے دی ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ازل میں جب علم حکمت ازلیہ کا تقاضا ہوا اسی طرح ہر ایک کی سعادت و شقاوت اور احکام مقدرہ اور احوال مقدرہ مقدر ہوئے یعنی جس طرح قلم قدرت سے مخلوق کا قلم جاری ہوا ایسے ہی انسان کی صورت و سیرت اور رزق و اجل اور مصائب مقدر کیا گیا تو اس سے معلوم ہوا کہ پہلے ہی ہو گیا اور عالم عدم کا معاملہ ہے یعنی جب کہ اس کے وجود کا پرندہ مخفی تھا کہ عالم عدم سے وجود کی طرف منتقل ہوا تو اس کے وجود کا پرندہ اس کے گلے میں ڈال دیا گیا اس کے گلے کا ہار بنا کر نہ صرف تا حیات بلکہ موت کے بعد بھی اس کے گلے کا ہار بنا رہے گا یہاں تک کہ جب وہ اپنی قبر سے حساب کے لئے نکلے گا تو بھی وہ ساتھ چپکا ہوا ہوگا۔ اسی لئے فرمایا کہ

وَنُخْرِجُ لَهٗ اور ہم نکالیں گے اس کے لئے يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قیامت کے دن اس کے اعمال نامہ کو كِتٰبًا

ایسی کتاب کہ جس میں ہر چھوٹا بڑا عمل لکھا ہوا ہوگا اور یہ نخرج کا مفعول بہ ہے۔ یَلْقٰهُ اسے انسان پائے گا اور دیکھے گا۔ مَنْشُوْرًا ۝ کھولا ہوا جب کہ وہ اس سے قبل لپٹا ہوا بند تھا۔ یعنی کتابا کی صفت میں یلقٰہ صفت ہے اور منشورا حال ہے۔

ف: حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہر انسان کے لئے ایک صحیفہ دائیں بائیں دو فرشتے مقرر ہیں جو فرشتہ دائیں جانب ہے وہ نیکیاں اور جو بائیں جانب ہے وہ برائیاں لکھتا ہے جب انسان مرتا ہے تو صحیفہ قبر میں اسے ساتھ دیا جاتا ہے اور قیامت تک اس کے ساتھ رہے گا۔ یعنی انسان کی موت کے وقت اس کا اعمال نامہ لپیٹ لیا جاتا ہے جب وہ قیامت میں حساب کے لئے اٹھے گا تو وہ اعمال نامہ کھول کر اس کے ہاتھ میں پکڑا دیا جائے گا۔

اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۚ اور کہا جائے گا کہ اسے پڑھ یہ تیرا اعمال نامہ ہے۔

عجیبہ: قیامت میں دنیا میں ان پڑھ انسان بھی اس وقت پڑھا ہوا ہوگا یہاں تک کہ اس وقت ہر بندہ اپنا اعمال نامہ خود پڑھے گا۔

كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝ تجھے تیرا نفس آج کے دن خود حساب دان کافی ہے اس میں الباء کافی ہے اور الیوم کفٰی کا مفعول فیہ (ظرف) ہے اور حسیبا تمیز ہے اور علی حسیبا کا صلہ ہے الحسیب بمعنی المحاسب۔

سوال: حسیب کے بجائے حسیبۃ لانا چاہئے اس لئے کہ نفس سے تمیز ہے اور نفس مؤنث ہے؟

جواب: نفس بمعنی شخص ہے اور شخص مذکر ہے حسیبا کو مذکر لایا گیا ہے یعنی اسے اعمال نامہ دکھا کر پوچھا کیا جائے گا کہ اب تم خود ہی اس کا جواب دے کہ تو کس سزا کا مستحق ہے۔

ف: اللہ تعالیٰ نے بندے کا حساب اس لئے سپرد کر دے گا تاکہ اس کی طرف ظلم کی نسبت نہ ہو اور پھر بندہ جب خود اپنی غلطیوں کا اعتراف کرے گا تو اس پر خود بخود حجت قائم ہو جائے گی۔

ف: اس میں اہل تصوف کو فکر کرنا چاہیئے کہ اس کریم نے اپنے بندے کو جرائم و قصور کا محاسب اسے خود بنایا ہے۔

ملفوظ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مرنے سے پہلے اپنا حساب بنالو اس لئے کہ آج تمہارے اعمال کا وزن ہو رہا ہے اسی لئے آج اپنی نیکی اور برائی کو پیش نظر رکھ کر زیست کو غنیمت سمجھتے ہوئے برائیوں سے توبہ اور نیکیوں کی توفیق پر خوشی کر لی جائے۔

حکایت کسی نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ دن کو جتنی باتیں کسی سے سنو یا کوئی بات دیکھو تو اس کی رپورٹ مجھ تک پہنچاؤ اور اپنے تمام اعمال کی ڈائری بھی مجھے سناؤ۔ ایک دن کی تو تمام ڈائری سنائی لیکن دوسرے دن والد سے معذرت کی اور عرض کی کہ ابا جی! ہاں تو سر جھکا سکتا ہوں لیکن اعمال کی ڈائری سنانے کی مجھے طاقت نہیں اور نہ ہی ایسی ڈائری بیان کر سکتا ہوں۔ اس کے والد صاحب نے فرمایا میں بھی تجھے مجبور نہیں کرتا لیکن میری نصیحت یاد رکھنا کہ کل دم زیست پوشیدہ

سے کام لیا اور حساب وکتاب کی حاضری ہر وقت یاد رکھا اور میرا اس ذاتی تجربہ پیش کرنے کا مقصد یہ تھا کہ جب تم اپنے سامنے ایک دن کے حساب وکتاب کی طاقت نہیں رکھتے تو پھر ساری زندگی کا حساب وکتاب اللہ تعالیٰ کے ہاں کس طرح دے سکو گے۔

تو نئی واقف حساب روز و شام
پس حساب عمر چوں گوئی تمام
زیں عمل ہائے نہ بر نہج صواب
نیست جز شرمندگی وقت حساب

ترجمہ: تم دن اور رات کا حساب نہیں جانتے پھر تمام عمر کا حساب کس طرح ادا کرو گے۔ اس وجہ سے اچھے اعمال کی بنیاد رکھو ورنہ قیامت میں حساب کے وقت سوائے شرمندگی کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔

مَنِ اهْتَدٰى یعنی ہر وہ شخص سیدھے راستے پر چلے یعنی قرآن مجید کی ہدایت کے مطابق چلے جیسے احکام شریعت کے امور پر عمل کرنا ہو اور جن باتوں سے قرآن مجید نے روکا ہے ان سے رک جائے۔ فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ تو بے شک وہ اپنے نفس کے لئے ہدایت پاتا ہے اس لئے کہ اس کی ہدایت کا نفع اسی کی طرف لوٹے گا اور وہ نفع کسی دوسرے کو نہ ملے گا۔ وَمَنْ ضَلَّ اور جو اس راہ سے بھٹک گیا جو اسے حق تعالیٰ تک پہنچاتی ہے۔ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا تو بے شک گمراہی کا وبال اسی پر آئے گا اور وہ اس سے تجاوز ہو کر کسی دوسرے تک نہیں پہنچے گا کیونکہ گمراہی کا عمل اسی نے کیا ہے تو سزا بھی بھگتے گا اس کے بدلے میں کوئی اور دوسرا سزا نہ پائے گا۔

ف: کاشفی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ یہ حکم آخرت کا ہے کہ ہدایت پانے کی جزا کا نفع صرف اسی ہدایت پانے والے کو نصیب ہوگا اور گمراہی کا نقصان یا وبال اسی کو ہوگا جس نے گمراہی کا عمل کیا ہے ورنہ دنیا میں ہدایت کے فوائد صرف ہدایت یافتہ کو ہی نہیں بلکہ بے شمار خلق خدا اس کی ہدایت سے بہرہ ور ہوتے ہیں اسی طرح گمراہی کا نقصان بھی نہ صرف اسی ضال تک محدود ہے بلکہ جو بھی اس کی گمراہی کی تابعداری کرتا ہے سو وہ نقصان اٹھاتا ہے۔ (کذا فی [illegible])

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔ قاموس میں ہے کہ

الوزر بالکسر الاثم والثقل والحمل الثقیل۔

یعنی الوزر کو واؤ کے کسرہ سے پڑھا جاتا ہے یعنی گناہ اور بوجھ اور بوجھل یعنی قیامت میں کوئی بوجھ اٹھانے والا نفس کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا یہاں تک کہ ایک کے بوجھ اٹھانے سے دوسرے کی نجات ہو جائے بلکہ ہر کسی کا بوجھ اپنے حال کے سر پر رکھا جائے گا اور اسے اپنے لازم کر دیا جائے گا کہ سوا اس کے اسی گناہ کی وجہ سے اور کسی کا مواخذہ نہ ہوگا۔

سوال: آیت پڑھنے سے ثابت ہوا کہ کوئی کسی دوسرے کے کام نہ آئے گا اور کیسے شفاعت۔

کما قال تعالیٰ:

من یشفع شفاعۃ حسنۃ یکن لہ نصیب منھا و	جو کسی کی نیکی کی شفاعت کرے گا تو اس کا اسے حصہ نصیب ہو
من یشفع شفاعۃ سیئۃ یکن لہ کفل منھا ۔	گا اور جو کسی کی برائی کی سفارش کرے گا تو اس کا اسے حصہ حاصل ہوگا ۔

اور فرمایا:

لیحملوا اوزارھم کاملۃ یوم القیمۃ ومن اوزار	تاکہ اٹھائیں اپنا بوجھ کامل قیامت میں اور ان لوگوں کا بھی
الذین یضلونھم بغیر علم ۔	بغیر علم کے انہیں گمراہ کرتے تھے ۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت میں غیر کا بوجھ اٹھایا جائے گا اور غیر کی نیکی کا نفع اور غیر کی برائی کا ضرر دوسرے کو پہنچے گا؟

جواب: قانون اور ضابطہ تو یہ ہے کہ حقیقتاً ہر نیکی کا صلہ اور ہر برائی کی جزا و سزا ان کے عامل کے لئے اور یہ لازمی امر ہے۔ باقی جو شفاعت کا معاملہ تو وہ اصل نیکی کی جزا نہیں بلکہ وہ ایک علیحدہ امر ہے جسے اصل نیکی سے کوئی تعلق نہیں اسی طرح گمراہی کی سزا بھی گمراہ ہونے پر منحصر ہے۔ اگر کسی کو گمراہ کرنے کے سبب سے سزا ملے گی تو وہ اضلال (گمراہ کرنے) کی سزا ہے نہ کہ گمراہی کی۔ ضلال و اضلال میں فرق ظاہر ہے۔

ف: ولا تزر وازرۃ اخری کی تاکید ہے تاکہ کفار کو ہر طرح کا طمع ختم ہو کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اگرچہ ہم خطاکار ہیں لیکن ہم اسلاف کی وجہ سے نجات پا جائیں گے اس لئے کہ ہم ان کے تابعدار ہیں اور جو کچھ نفع و نقصان اصل کو پہنچتا ہے وہی اس کے تابع کو۔

شانِ نزول کاشفی نے لکھا ہے کہ ولید بن مغیرہ کافروں سے کہا کرتا تھا کہ تم میری اتباع کرو قیامت میں تمہارے تمام گناہ میں اپنے سر پر لے لوں گا حق تعالیٰ نے اس کے رد میں فرمایا کہ ہر ایک اپنے ضرر میں غرق ہوگا کوئی کسی کا گناہ نہیں اٹھائے گا۔

ف: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ آیت میں کتاب سے بندے کا اپنا نفس مراد ہے اس لئے کہ ہر عمل ارتکاب کے بعد مرتکب کے اپنے نفس میں منقوش ہو جاتا ہے۔ اس کی تشریح یوں ہے کہ جب انسان سے کوئی عمل خیر یا شر صادر ہوتا ہے تو جوہر روح میں ایک اثر خصوصی پیدا ہو جاتا ہے لیکن جب تک روح جسم میں ہے اس وقت تک وہ اثر مخفی رہتا ہے اس لئے کہ اس وقت وہ حواس و قوائے انسانی میں مشغول رہتا ہے جب روح بدن سے جدا ہو جاتی ہے تو اس وقت اس کے لئے قیامت قائم ہو جاتی ہے کیونکہ روح بدن سے خارج ہوتے ہی عالم علوی کی طرف متوجہ ہوتی ہے پھر یونہی اس نے عالم علوی کی طرف آنکھ کی تو جسم سے پردے اٹھتے گئے اور احوال کھلتے گئے اس کے جو زندگی بھر کے اعمال کے نقوش نفس پر ظاہر ہو جاتے ہیں یہ تقریر عقل کے مطابق ہے بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو نقل بھی اس کی تائید کرتی ہے جیسا کہ حضرت قتادہ نے فرمایا:

یقرأ ذلک الکتاب الیوم من لم یکن فی الدنیا قارئا۔ یعنی دنیا میں اگرچہ ان پڑھ تھا لیکن اس روز وہ پڑھا ہوا ہوگا۔

نکتہ: یلقاہ کے مطابق القیامۃ سے مراد قیامت صغریٰ (موت) ہے لیکن اس قراءت کو قواعد کے لحاظ سے ضعیف و شاذ کہا ہے۔ کذا فی حاشیہ سعدی المفتی۔

صاحب روح البیان کی عجیب و غریب تقریر

(صاحب روح البیان فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ یوم آخرت سے منشورا ہر دو کا جامع ہے اس سے ہر انسان کے صحیفے ہمیشہ دو ہیں۔

۱۔ اعمال نامہ جسے کراماً کاتبین لکھتے ہیں۔

۲۔ وہ نقوش جو اس کے نفس پر منقوش ہوتے رہتے ہیں بروز قیامت ہر کسی کے یہ ہر دو صحیفے گواہی دیں گے۔ کذا فی التاویلات النجمیہ

ف: آیت میں کتاب سے وہ صحیفہ مراد ہے جس کو کراماً کاتبین ہمیشہ لکھ رہے ہیں اور بعض کہتے ہیں اس کا وہی اعمال نامہ اس کے گلے میں ڈال دیتے ہیں۔ اس کتاب کے متعلق انسان کو حکم ہوگا اقرأ کتابک۔ اے انسان وہ کتاب پڑھ جو تیرے گلے لگی ہوئی اور وہ تیرے گلے میں ڈال گئی ہے۔ کفی بنفسک الیوم علیک حسیبا۔ آج تیرا نفس تیرا حساب کافی ہے اس لئے کہ تیرا نفس تیرے اعمال کے قلم سے مرقوم ہے سعادت ہے آج بھی شقاوت ہے آج بھی۔ جو اعمال صالحہ کی ہدایت پاتا ہے تو وہ اس کا اپنا فائدہ ہے اور وہ سعادت کے نقوش کو پاتا ہے اور اگر اعمال فاسدہ کا ارتکاب کرتا ہے تو گمراہی حاصل کرتا ہے اور گمراہی اسے نقصان پہنچائے گی اس لئے کہ وہ شقاوت کے نقوش کو حاصل کرتا ہے۔ ولا تزر وازرۃ وزر اخری اور کوئی بھی دوسرے کے گناہوں کے بوجھ کو اٹھا نہیں سکتا ہر ایک اپنے ہی کئے کا ذمہ دار ہے۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِیْنَ ہم عذاب دینے والے نہیں اور ہماری سنت مناسب نہیں بلکہ ہماری عادت سے محال ہے اس لئے کہ ہمارا ہر حکم حکمتوں پر مشتمل ہوتا ہے اس لئے ہم اہل ضلال اعمال اور کفار سے قبل عذاب نہیں دیتے حَتّٰی نَبْعَثَ یہاں تک کہ ہم ان کے ہاں بھیجیں رَسُوْلًا رسول علیہ السلام جو انہیں حق کی ہدایت دے اور گمراہی سے روکے اور دلائل قاطعہ سے سمجھائے اور شرعی مسائل سے آگاہ فرمائے تاکہ پھر وہ معذرت اور حجت بازی نہ کریں۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ حضرت انبیاء علیہم السلام تشریف لانا واجب ہے لیکن نہ بایں معنی کہ اللہ تعالیٰ پر واجب ہے بلکہ یوں کہا جائے کہ حکمتوں اور مصلحتوں کا تقاضا یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام تشریف لا کر بندوں کو راہ حق دکھائیں۔

ف: یہاں پر عذاب سے دنیوی عذاب مراد ہے اس لئے کہ یہی عذاب آخروی عذاب کے مقدمات سے ہے۔ بعض بدبختوں کو ہر دو طرف دنیا و آخرت بلکہ عذاب ہر دو میں مبتلا کیا

، بعث وقت مقتضیٰ ہی ہے عدم صحت وقوع کی غایت ہے نہ عدم وقوع مطلق کی اس لئے کہ اخروی عذاب کا وقوع بعثت کے بالکل ہے اور دنیوی عذاب بھی فسق و فجور کے بعد واقع ہوتا ہے۔

وَإِذَآ أَرَدْنَآ أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً اور جب ہم کسی بستی کے ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں یعنی جب ہمارے ارادے کا تعلق کسی بستی کے برباد کرنے کا ہوتا ہے۔ أَمَرْنَا تو ہم اس بستی کی طرف بھیجے ہوئے رسول علیہ السلام کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں۔ مُتْرَفِيهَا اس بستی کے دولت مندوں اور لیڈروں اور بادشاہوں کو۔

ف: المترف بمعنی المتنعم اترفته النعمة وسعة العيش سے ہے یعنی فلاں کو نعمت اور وسعت عیش نے متکبر بنا ڈالا ہے۔ المترفة بالفتح بمعنی النعمة والطعام الطيب۔

سوال: آیت میں صرف دولت مندوں وغیرہ کی تخصیص کیوں کی حالانکہ یہ سب کو شامل تھا۔

ج: چونکہ عوام سرداروں کے تابع ہوتے ہیں سردار بمنزلہ اصل اور عوام بمنزلہ فرع کے ہوتے ہیں اس لئے اصل کے ذکر کے بعد فرع کی ضرورت نہیں رہی۔

فَفَسَقُوا فِيهَا پس وہ سردار لوگ انبیاء علیہم السلام کی طاعت سے خارج ہوئے اور ان بستیوں میں سرکشی کی۔ فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ پس ان پر قول ثابت ہو گیا یعنی جب ان سے طغیان و عصیان صادر ہوا تو پھر نزول عذاب کا موجب اور سبب ظاہر و ثابت ہو گیا۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ ان بستی والوں پر وہ کلام عذاب ہو گیا جو ازل میں ان کے لئے لکھا جا چکا تھا اسی بنا پر وہ عذاب کے مستحق ہو گئے۔

فَدَمَّرْنَاهَا پس ہم نے ان بستی والوں کی تباہی کے ساتھ اس بستی کو بھی تباہ و برباد کر دیا۔ تَدْمِيرًا یعنی الاهلاك مع طمس الاثر وهدم البناء یعنی کسی مکان کی بنا کو گرا کے اس کے نشانات مٹا کر اسے تباہ و برباد کرنا۔

ف: اس عبارت میں مجاز ہے اور اصل یوں ہے کہ ان کے فسق و فجور کا سبب صرف ان کی دنیا و دولت بنی جس کی وجہ سے فسق و فجور کے مرتکب ہوئے تو اس کے بعد ان پر تباہی و بربادی ڈالی گئی۔

وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُونِ۔ کم اهلكنا کا مفعول ومن القرون کم کے ابہام کو بیان کرتا ہے جیسے اسماء عدد کو تمیز کی ضرورت ہوتی ہے ایسے ہی لفظ کم کو بھی اور من القرون لفظ کم کی تمیز ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے بہت سے زمانے کے لوگوں کو تباہ و برباد کیا۔

ف: القرن انسان کی زندگی کا وہ زمانہ جس میں وہ اپنی زندگی بسر کر کے فوت ہو۔ لیکن صحیح ترین قول یہ ہے کہ ایک سو سال کی مدت کو قرن کہا جاتا ہے۔

کتنی کی زبان نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بچے کو دعا دیتے ہوئے فرمایا

یعنی قُرُونًا ایک قرن کو سمجھتے ہیں۔ چنانچہ وہ ایک سو سال تک زندہ رہا نیز قرن ہر اس دور کے لوگوں کو کہا جاتا ہے جن کے دور زندگی کا کوئی فرد بھی باقی نہ رہے ویسے ہر زمانے والے لوگوں کے لئے پہلے لوگ قرن ہیں اس لئے کہ وہ ان سے پہلے گذر چکے ہیں۔

مِنْ بَعْدِ نُوْحٍ نوح علیہ السلام کے زمانہ کے بعد جیسے عاد و ثمود اور ان کے بعد والے۔

سوال: عقل کا تقاضا ہے کہ من بعد آدم کہا جاتا۔

جواب: اس لئے کہ نوح علیہ السلام وہ پہلے نبی ہیں جنہوں نے امت کی تبلیغ میں بہت بڑی جدوجہد فرمائی اور قوم نے بھی آپ کی تکذیب میں سرتوڑ کوشش کی یہی وہ پہلی قوم ہے جس پر سب سے پہلے عذاب الٰہی کا نزول ہوا اور یہی قوم آیت ہذا کی صحیح مصداق ہے اس لئے کہ طوفان نے ان کا ایسا بیڑا غرق کیا کہ جب سے تو صرف ان کا نام ونشان مٹ گیا بلکہ ان کے مکانات اور بستیوں کے نشانات بھی نیست ونابود ہو گئے۔

وَكَفٰى بِرَبِّكَ اور تیرا رب تعالیٰ کافی ہے بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا اور وہ اپنے بندوں کے ظاہری وباطنی گناہوں سے باخبر اور دیکھنے والا ہے ان کے تمام گناہوں کی انہیں سزا دے گا۔

سوال: اسم خبیر کو بصیر پر تقدیم کیوں حالانکہ عقل کا تقاضا ہے کہ اسم بصیر پہلے ہو اس لئے کہ بصیر کا اسم شریف کا تعلق امور ظاہرہ سے ہے اور اسم خبیر کا امور خفیہ اور اعمال باطنہ سے تعلق ہے اور ظاہر کو باطن پر تقدیم ضروری ہے۔

جواب: چونکہ امور خفیہ اور اعمال باطنیہ کا اعتقادیات ونیات سے تعلق ہے اور اعتقادیات ونیات اعمال ظاہرہ کے مبادی ہیں۔ اسی لئے ان اعتقادات ونیات کے متعلق کو مقدم کرنا ضروری ہوا۔

تفسیر صوفیانہ

اس آیت سے معلوم ہوا کہ بعثت اور امر انسان کے تمام متعلقات کفار کے فسق وفجور سے ہوتے ہیں نہ اس وجہ سے کہ جیسے ان کے گناہوں کے صدور کا علم ہوا تو پھر یہ امور واقع ہوتے اس لئے کہ گناہوں کا صدور بعد کو ہوا اور بعثت وامر وغیرہ اس سے پہلے موجود ہو چکے تھے۔ اس آیت سے یہی کفار کو ہر طرح کے علم ولے سے خارج کیا گیا ہے یعنی انہیں یقین دلایا گیا ہے کہ انہیں کسی طریق سے بخشش نصیب نہیں ہوگی۔

مسئلہ:

آیت میں اس امت کے گنہگاروں اور بالخصوص کفار کے کافروں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں یا ان کی ہر طرح کی نافرمانی سے بچیں ورنہ جیسے سابقہ امتوں پر عذاب نازل ہوئے اگر انہوں نے نافرمانی کی تو یہی ان کی طرح عذاب کے مستحق ہیں مگر اللہ تعالیٰ انہیں مبتلا نہ کریں تو وہ اس کا کرم ہے۔

لومڑی کی چالاکی

شعبی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ شیر بھیڑیا اور لومڑی شکار کے لئے نکلے چنانچہ انہیں تین شکار دستیاب ہوئے

① حمار وحشی

② ہرن۔

حکایت ③

شیر نے بھیڑیئے سے کہا کہ ان کی تقسیم کیجئے۔ بھیڑیئے نے کہا کہ حمار وحشی آپ کے لئے اور ہرن میرے لئے اور خرگوش لومڑی کے لئے۔ شیر نے بھیڑیئے کو تھپڑ رسید کیا جس سے بھیڑیا کانوں سے تنگ ہو گیا اس کے بعد شیر نے لومڑی سے تقسیم کا کہا لومڑی نے کہا حمار وحشی آپ کے صبح کی خوراک ہو جائے اور ہرن شام کی اور خرگوش ان دونوں کے مابین کسی وقت تناول فرمائیں شیر نے ہنس کر فرمایا تجھے کس نے سکھایا کہ اس طرح کی تقسیم مناسب ہے لومڑی نے جواب دیا بھیڑیئے پر جناب کے تھپڑ نے سبق دیا ہے۔ اسی لئے بزرگوں نے فرمایا ہے:

السعید من وعظ بغیرہ

سعادت یہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے۔ ؎

مرد دانا کارہا چو کرد نظر
بہرۂ اعتبار ازاں بر داشت
ہر چہ آں سود مند بود گرفت
ہر چہ نا سود مند بود گذاشت

ترجمہ: مرد دانا جب دیکھتا ہے تو اس سے عبرت حاصل کرتا ہے جو امر اس کے لئے مفید ہوتا ہے اسے لے لیتا ہے جو بیکار ہوتا ہے اسے چھوڑ دیتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے:

وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا اس میں اشارہ ہے کہ اعمال صالحہ میں بیج [illegible] سعادت و شقاوت سے منقوش ہوتے ہیں اور ان کے اثرات انبیاء علیہم السلام کی دعوت کی بنا پر باقی رہتے ہیں جو ان کی دعوت قبول کرتا ہے تو اس کے لئے نیک اثرات اگر وہ ان کی دعوت رد کرتا ہے تو اس کے لئے برے اثرات منقوش ہوتے ہیں اس لئے کہ سعادت و شقاوت اوامر و نواہی کے اندر بطور امانت رکھے گئے ہیں۔

واذا اردنا ان نہلک قریۃ اور جب ہم قوموں کی بستی کو تباہ و برباد کرتے ہیں امرنا مترفیھا تو ہم اس بستی کے نفوس کو بالسوء کا حکم دیتے ہیں۔ ففسقوا فیھا پس وہ شہوات کی اتباع اور خواہشات نفسانیہ کو پورا کرتے ہوئے قید شریعت اور اتباع انبیاء علیہم السلام سے نکل جاتے ہیں۔ فحق علیھا القول تو ان پر شریعت کی مخالفت کی نحوست سے ان پر بدبختی کا قول واجب ہو جاتا ہے۔ فدمرناھا تدمیرا جب ان کے نفوس رقم شقاوت ابدیہ سے مرقوم ہو جاتے ہیں تو ہم ان کی قبول سعادت کی استعداد ضائع کر دیتے ہیں۔

وکم اھلکنا من القرون من بعد نوح اور ہم نے نوح علیہ السلام کے بعد بہت سے قرون تباہ و برباد کئے یعنی جب نفوس

نے انبیاء علیہم السلام کا انکار کر دیا اور ہم نے قبول سعادت کی استعداد کو ضائع کر لیا۔ وکفیٰ بربک بذنوب عبادہ جب انھوں نے انبیاء علیہم السلام کی دعوت قبول نہ کی اسی بنا پر تیرے رب تعالیٰ نے اپنے بندوں کے گناہوں کی کفالت کی۔ خبیرا بصیرا چونکہ ازل میں ہر شے کو دیکھا اور اپنے بندوں کی سعادت و شقاوت کے اسباب اسی نے مقرر کئے ہیں اسی لئے خبیر و بصیر ہے۔

تفسیر عالمانہ

مَنْ کَانَ ہر وہ شخص جو اپنی خواہش رکھتا ہے۔ یُرِیْدُ اپنے اعمال سے ارادہ کرتا ہے۔ الْعَاجِلَۃَ جلدی ملنے والی یعنی صرف دار دنیا کا یعنی دنیا کے فوری مطالب کو چاہتا ہے اس سے خالق اکبر اور اہل ایمان سے تعلق اور دنیا کی خاطر ہجرت کرنے والا اور وہ مجاہد جو صرف مال غنیمت و شہرت کے لئے جہاد کرتا ہے، مراد ہے۔ عَجَّلْنَا لَہٗ فِیْہَا ہم جلدی اس کے لئے اسی دنیا میں عجلت کریں گے۔ مَا نَشَآءُ جس کے لئے ہم جلدی چاہتے ہیں کہ اسے دنیا و دولت سے مالا مال کر دیا جائے ہر وہ جو ارادہ کرتا ہے اس لئے کہ حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر چاہنے والے کو اس کے ارادہ میں مالا مال نہیں کیا جاتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بعض بندوں کو طلب کے بغیر مطالب عنایت فرما کر اور بعض کو طلب کرنے کے باوجود مطالب سے محروم کر کے آزمایا ہے اور بعض کے لئے مقدر فرمایا ہے کہ اگر اس نے فلاں مطلب کی طلب کی تو اسے مطلب میں کامیاب کر دیا جائے گا اور بعض کے لئے یوں ہوتا ہے کہ بعض مطالب تاقول مدت کامران و کامیاب فرمایا جاتا ہے۔ تمام آزمائش کے طریقے یوں ہیں کہ کبھی یوں ہوتا ہے کہ بندہ اپنا مطلب چاہتا ہے تو ایک موسم کے بعد اس کا مطلب پورا کیا جاتا ہے یعنی طلب کے وقت اور مطلب کے حصول کے وقت میں وقفہ ہوتا ہے اور بعض ایسے خوش نصیب ہوتے ہیں کہ انہیں طلب کے بغیر ہر مقصد میں کامیاب فرمایا جاتا ہے مذکورہ بالا تمام قیدوں کا خلاصہ یہ ہے کہ طالبوں سے مالا مال ہونے یا محروم ہونے والے تین قسم کے ہیں۔

① طلب کے باوجود محروم
② طلب پر مقصد میں کامیاب
③ طلب میں کامیاب اور جو اس سے طلب کا مقصد ہی نہ ہو۔

لِمَنْ نُّرِیْدُ صرف جس کا ارادہ کریں کہ تغیر لانے سے بدل البعض ہے اس سے امر و صل ہو جس کا قصد کرتے ہیں۔ ثُمَّ جَعَلْنَا لَہٗ پھر ہم اس کے لئے بنائیں اس کے لائق جو اس کے لئے جو ہم نے دنیا میں جلدی دی ہے وہ آخرت [illegible] جَہَنَّمَ جہنم اور اس کے انتہائی قسم کے عذاب۔ یَصْلٰہَا یہ ضمیر سے حال ہے یعنی اس میں داخل ہوگا۔ مَذْمُوْمًا ملامت کیا ہوا ہے۔ یہاں مذمت بمعنی ملامت ہے۔ ذمت و ملامت یعنی خلاف الذی ہو اور [illegible] کیا جاتا ہے۔ ذممتہ و ذممتہ [illegible] مَدْحُوْرًا یعنی دھتکارا اور لاعنہ کیا ہوا۔ (کذا فی المعالم)

وَمَنْ اَرَادَ اور جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے [illegible] الْاٰخِرَۃَ [illegible] کوشش کرے۔ وَسَعٰی اور ہر وہ جو اس کے لائق کوشش کرے۔ اَرَادَ اعمال سے ارادہ کرتا ہے۔ الْاٰخِرَۃَ آخرت اور اس کے

اندر کی بانی نفس کو۔ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا اور پوری کوشش کرتا ہے جیسا کہ اس کے لائق ہے یعنی اوامر الٰہی بجا لاتا اور نواہی سے بچتا ہے اس طریق سے جیسا کہ اہل جاہلیت قرب الٰہی کے لئے عمل کرتے اور وہ ان کے اپنے من گھڑت تھے۔ لہا کی لام نیت و اخلاص کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اس لئے کہ لام اختصاص کے لئے مستعمل ہوتی ہے۔ وَهُوَ مُؤْمِنٌ درآنحالیکہ وہ مومن ہو یعنی اس کا ایمان صحیح ہو کیونکہ اس میں شرک اور تکذیب کا شائبہ تک نہ ہو اس لئے کہ جنت کے داخلہ کے لئے ایمان ضروری ہے۔ فَاُولٰٓئِكَ مذکورہ بالا سہ شرائط یعنی آخرت کا ارادہ رکھنے والے اور اس کے لئے عمل کرنے والے اور ایمان والے کے جامع ہیں پس وہی لوگ ہیں۔ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۝ جن کی سعی حسن قبول سے اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہے اس پر انہیں ثواب نصیب ہوگا اس لئے کہ جب شکر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے تو اس کا اجر و ثواب دینا مراد ہوتا ہے۔ اگرچہ اس پر کوئی قرینہ نہ ہو کیونکہ شکر کا لفظ مجاز ہے۔

لطیفہ عجیبہ انسان دنیا و آخرت سے مرکب ہے یہ دونوں دنیا و آخرت کے ہر جز کا محل و ارادہ ہے تاکہ ان ہر دونوں سے تقاضا پا کر قوت حاصل کرکے تکمیل پذیر ہو۔ انسان کا دنیوی جز نفس ہے اور اس کا راستہ جہنم کے درکات ہیں اور اس کا دوسرا جز اخروی روح ہے اور اس کا راستہ جنت کے درجات ہیں اور قلب ان ہر دونوں اجزاء سے پیدا کیا گیا ہے اور اس کا راستہ رحمٰن کی دونوں انگلیوں کے درمیان ہے۔ رحمٰن کی ایک انگلی کا نام لطف اور دوسری کا نام قہر ہے۔ جس کے لئے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ قہر کا مظہر ہو تو اس کا دل اور چہرہ دنیا کی طرف متوجہ ہوتا ہے اسی لئے ظلمت کی چیزیں چاہتا ہے اور انہی ظلمات کی چیزوں سے نفس کی تربیت کرتے ہوئے بعد و فراق کے درکات تک پہنچ کر اسی بعد و فراق کی نار میں داخل ہوتا ہے اور جس کے لئے ارادہ کرتا ہے کہ اسے اپنے لطف و کرم کا مظہر بنائے تو اس کے قلب اور چہرہ کو عالم روح کی طرف متوجہ کرتا ہے پھر وہ آخرت کے امور میں بڑھتا رہا طلب حق میں بہت زیادہ جدوجہد کرتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ مومن ہو یعنی جو بھی حق کی طلب کرتا ہے تو اسے وہ نشانہ پالیتا ہے۔ لیکن یہی وہ لوگ ہیں جن کی کوشش مشکور ہیں جیسا کہ ان کا ازل سے مقدر ہے۔

كُلًّا یہ نُمِدُّ کا منصوب ہے یعنی ہر ایک دنیا و آخرت کے طالب کو۔ نمد ہم بار بار دیتے ہیں کہ ہر آنے والے کے لئے پہلے کی مدد ثابت رہتی ان کے درمیان میں اختلاف نہ ہو ان میں سے ایک کو دنیا کی نعمتیں دوسرے کو آخرت کی نعمتیں هٰٓؤُلَآءِ کا بدل ہے وَهٰٓؤُلَآءِ پہلے هٰٓؤُلَآءِ پر عطف ہے یا وہ پہلے دنیوی نعمتوں والے ہوں یا اخروی نعمتوں والے۔ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ تیرے رب تعالیٰ کی طرف سے عطا ہے یعنی اس کی دی ہوئی وسیع نعمتوں کا کوئی مستحق نہیں۔ عطاء یعنی معطی یعنی وہ شے جو عطا کی جائے یہ نمد کے متعلق ہے۔ عطاء الامداد ہے یعنی امداد کی مقدار امداد کی جانب کا ذکر نہیں کیا گیا اس لئے کہ یہ امداد نہ سعی پر موقوف ہے اور نہ عمل کی وجہ سے بلکہ یہ اس کا فضل محض ہے۔ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ اور تیرے رب تعالیٰ کی عطا دنیوی و اخروی مَحْظُوْرًا رکی ہوئی اس سے کسی کا وہ ارادہ کرے وہ نیک ہو یا بد مگر وہ اپنے ارادہ کے سبب دنیا و آخرت میں نیک کی عطا سے فائدہ اٹھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ مومن و کافر کو دنیوی نعمتیں عنایت فرماتا ہے۔ اگرچہ

ان سے ایسی غلطیاں سرزد ہوتی ہیں کہ جن کی وجہ سے عنایات کی رکاوٹ ہو جاتی ہے۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

ادیم زمین سفرہ عام اوست
برین خوان یغما چہ دشمن چہ دوست

بپس پردہ بیند عمل ہائے بد
ہم او پردہ پوشد بالائے خود

وگر بر جفا پیشہ بشتافتے
کہ از دست قہرش اماں یافتے

ترجمہ: (۱) زمین کا دسترخوان شرق تا غرب کھچا ہوا ہے جو دشمن اور دوست کے لئے عام ہے۔

(۲) برے اعمال دیکھ کر بھی پردہ ڈالتا ہے۔

(۳) اگر ظلم کا فوراً تنبیہ کرتا تو اس کے قہر سے کوئی بھی نہ بچتا۔

اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ دیکھو ہم نے کیسے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے۔ کیف فضلنا منصوب علی الحالیۃ ہے نہ انظر سے اس لئے کہ استفہام پر اس کا عامل مقدم نہیں ہو سکتا اس لئے کہ استفہام کا کلام کا ابتدا ضروری ہے یعنی جب ہم نے ... دیکھئے کہ ہم بعض انسانوں کو بعض پر فضیلت بخشی ہے جیسے بعض کو ذہنی طور سے مالا مال کیا ہے اور بعض ان میں مالی لحاظ سے تنگدست ہیں بعض ان میں شریف اور بعض ان میں رذیل کمینے ہیں بعض ان میں بادشاہ ہیں اور بعض مملوک اور بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے کہ بعض کے درجات و مراتب دوسروں سے افضل ہوں گے۔ ان کے حالات غور کرنے کا نتیجہ فضیلت کے مشاہدہ ہوں گے چنانچہ فرمایا وَلَلْاٰخِرَةُ اور آخرت البتہ وہ جو اس کے بعد ہے۔ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ بہت بڑی ہے درجات کے لحاظ سے اس کا منصوب ہونا علی التمیز ہے۔ درجہ کی جمع جو بعض پر رتبہ ہے۔ وَاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا اور تفضیل کے لحاظ سے بہت بڑا ہے وہ اس لئے کہ آخرت کا یہ تفاوت بہشت اور اس کے درجات کی وجہ سے ہے اس کے ہر درجہ کا فاصلہ آسمان اور زمین کے درمیان فاصلہ کے برابر ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے:

انظر کیف فضلنا بعضہم علی بعض یعنی دنیوی ساز و سامان اور ان کے حصول مراتب کے لحاظ سے جیسے اہل دنیا کو بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے تاکہ ثابت ہو کہ ہماری مہربانی سے ان کے مراتب و درجات کا فرق ہے۔ وللاخرۃ یعنی اہل آخرت اکبر درجات واکبر تفضیلا اہل دنیا سے درجات اور تفضیل کے لحاظ سے بہت بڑے ہیں اس لئے کہ درجات آخرویہ کے مراتب اور آخرت والوں کے فضائل باقی اور غیر فنا ہیں اور دنیا کی نعمتیں زائل و دنیا کے فضائل فانی ہیں

صفائی میں حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا :

شعر

فی الجملہ اعتماد مکن بر ثبات دہر
کیں کارخانہ ایست کہ تغییر می کنند

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ اخروی باقیہ کے درجات کو حاصل کرے۔

حدیث شریف (۱): اہل دنیا کی نظروں میں بہشتی لوگ مجنوں محسوس ہوتے ہیں حالانکہ وہ اہل علم کے نزدیک بہت بڑے عقلمند ہیں۔

ف : اولو الالباب سے مراد علماء کرام ہیں۔ اولوا الالباب حدیث شریف میں واقع ہوا ہے۔

حدیث شریف (۲): عالم دین کی عابد پر ایسی فضیلت ہے جیسے میری فضیلت تمہارے ادنیٰ درجہ والے پر۔

حدیث شریف (۳): ایک روایت میں ہے جیسے چاند کی تمام ستاروں پر فضیلت ہے۔

حدیث شریف (۴): حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیت "والذین اوتوا العلم درجات" کی تفسیر میں کہا ہے کہ عام مومن پر عالم دین کے سات سو درجات بلند ہوں گے ان ہر ایک کے درجہ کی مسافت ایسے ہے جیسے آسمان و زمین کی درمیانی مسافت۔

ف : اس سے معلوم ہوا کہ بہشت کے درجات کا تفاوت حسب معارف حقیقیہ علوم الٰہیہ کے مطابق ہوگا۔

حدیث شریف (۵): بہشت میں ایک نورانی شہر ہے اس کے اندر کے محلات اور دیکھنے کی چیزیں ایسی ہیں جنہیں نہ کبھی کسی ملک مقرب نے دیکھا ہے اور نہ کسی نبی مرسل نے اور اس کے اندر رہنے والے خدام و ازواج نورانی ہیں یہ تمام اللہ تعالیٰ نے عاقل لوگوں کے لئے تیار فرمائے ہیں جب اللہ تعالیٰ اہل جنت کو اپنا دیدار عطا فرمائے گا ایسے ہی اہل عقل کو غیر عقل والوں سے ممتاز فرمائے گا۔ پھر ہر ایک کو عقل کے مطابق ان شہروں میں بسایا جائے گا۔ ان میں سے ہر ایک کے درجہ کا فرق مشرق و مغرب کی درمیانی مسافت حسب مرتبہ کے مطابق ہوگا۔

ف : عقل سے علم و معرفت الٰہی مراد ہے۔

حدیث شریف (۶): بہشت کے بعض مخصوص درجات ہیں جو صرف اہل ہمم کو نصیب ہوں گے۔

ف : صاحب ہمم سے وہ لوگ مراد ہیں جو طالب خیر اور حلال رزق کے متلاشی رہتے ہیں۔

حدیث شریف (۷): بہشت میں بعض مخصوص درجات ہیں جو صرف ان تین قسموں کے لوگوں کو نصیب ہوں گے :

① عادل

③ علم کی اور علم والوں کے ساتھ کچھ محبت رکھنے والا ۔

④ صاحب عیال صبر کرنے والا ۔

ف : حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا گیا کہ صاحب عیال صبر کرنے والا کون ہے؟ فرمایا : جو اپنے عیال پر خرچ کرکے ان پر احسان نہ جتلائے ۔

حکایت مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دروازے پر چند لوگ جمع ہوگئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت بلال اور حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بلا لیا یہ بات حضرت ابو سفیان کو ناگوار گذری تو فرمایا کہ ہمیں اجازت نہیں ملی اور انہیں اجازت مل گئی اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم سب کو دعوت اسلام دی گئی لیکن انہوں نے جلد دعوت اسلام قبول فرمائی اور ہم نے دیر سے یہی کیفیت آخرت میں ہوگی پھر رونے لگ گیا ۔

ف : بعض روایت میں [illegible] پوچھا گیا ہے ۔

ف : بعض مشائخ نے فرمایا کہ عالم دنیا میں فقر و عبادات پر ناز کرنے والا نہیں چاہیئے کہ آخرت کی منازل و مراتب کے حصول کی جو وجہ ہے وہ اصل فقر و عبادات کا وہی امر ضروری ہے اس لیے کہ فضیلت کے لحاظ سے آخرت کے درجات و مراتب اکثر و کثیر ہیں ۔

حدیث شریف : جہاد کے تارک اور جہاد پر جانے والے کے درمیان سو درجے کا فرق ہوگا ہر درجے کے درمیان ستر سال تیز رفتار گھوڑے کے دوڑنے کا فاصلہ ہوگا ۔

حدیث شریف علم حاصل کرو اس لئے کہ قیامت میں سب سے پہلے انبیاء علیہم السلام شفاعت کریں گے پھر علماء پھر شہداء اس کے بعد تمام مخلوق ہر ایک کو اپنے درجات و مراتب و منزلت نصیب ہوں گے ۔ (کذا فی احیاء العلوم)

مثنوی شریف میں ہے : ؎

علم را دو پر گمان را یک پر است
ناقص آمد ظن بہ پرواز ابتر است
مرغ یک پر زود افتد سرنگون
باز بر پرد دو گامے یا فزون
افت و خیزان میرود مرغ گمان
با یکے پر بر امید آشیان
چون ز ظن وارست علمش رو نمود
شد دو پر آن مرغ یک پر پر کشود

ہے اثر الیٰ : عشق سودا مستقیم
نے علی وجہ کسب او سقیم

ترجمہ: ① علم کے دو پر گمان کا ایک پر ہے ناقص ملن کی وجہ سے ابتر ہے ۔

② ایک پر والا پرندہ جلدی نیچے گرے گا اور پھر دوسرا پر بھی بیکار ہو جائے گا۔

③ مرغ گمان اڑتا ہے زور دو گام چل جائے گا اسی پر سے اپنے آشیاں کو تلاش کرے گا

④ انسان کی مثال اسی پرندے کی ہے کہ یقین کا پر دوسرے گمان پر ہیں گے ۔

⑤ علم ہدایت سیدھا راستہ ہے گمان والا ٹیڑھا راستہ بیابانوں کی طرح۔

اے اللہ ہمیں اہل یقین وتمکین سے بنا۔ (آمین)

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود نہ بنا۔ اگرچہ یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر اس سے آپ کی امت مراد ہے۔

فائدہ کبیرہ امام مرشد اصل نبی علیہ السلام ہیں قرآن میں بہت اسی قاعدے پر بعض جگہ خطاب ہے کہ یہاں پر یہ خطاب امت کو ہے۔

فَتَقْعُدَ نہی کے جواب کی وجہ سے منصوب ہے یہاں پر قعود بمعنی صیرورۃ ہے یعنی تم ہو جاؤ گے یا بمعنی المکث ہے معنی یہ ہوگا کہ تم مشہور ہو گے لوگوں میں یا یہ اس قاعدہ سے ہے کہ جب ہر انسان سے متعلق حالات پوچھے جاتے ہیں کہ حالات کیسے ہیں تو اس کے جواب میں کہا جائے گا وہ فلاں بیٹھ کر بہت بڑی ذلت کی زندگی بسر کر رہا ہے اس کے بیٹھنے یا کھڑے ہونے سے غرض نہیں ہوتی بلکہ اس سے اس کے حالات کا اظہار مطلوب ہوتا ہے کبھی ایسے قعود سے ان کا عجز مقصود ہوتا ہے اس لیے کہ جن کے حالات دگرگوں ہو جاتے ہیں تو اس کی اکثر حالت فکر و تحیر میں بیٹھے گذرتی ہے اگرچہ وہ ہر وقت بیٹھا نہیں رہتا لیکن اس کی اکثری حالت کے پیش نظر اسے قعود سے تعبیر کرتے ہیں۔ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ○ یہ دونوں خبر ہیں یا حال ہیں یعنی تم مذمت وخذلان کے جامع ہو جاؤ گے کہ عند اللہ وعند الناس تمہاری بہت بڑی مذمت اور رسوائی ہوگی پھر اللہ تعالیٰ کے ہاں ذلت ہو اس لیے کہ انہوں نے غیروں کو اس کا شریک ٹھہرایا اور ان دیوتاؤں کے شریک بھی انہیں کام نہیں دیں گے اس بنا پر وہ دھکے کھائیں گے اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی بخشش کے دروازے بند کر دیے ہوں گے۔

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ مشرک جامع بین المذمۃ والخذلان ہے اور موحد کو جامع المدح والنصرۃ ہونا بطریق اولیٰ ہوا نیز اس سے واضح ہوا کہ طالب حق اپنی طلب میں کسی دوسرے کو شریک نہیں ٹھہراتا اسے مدد ملتی ہے اور اس کی نعمتیں کامیاب ہوتی ہیں، اور وہ صرف حق کو چاہتا ہے اور بس۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۗ اِمَّا يَبْلُغَنَّ
اور تمہارے رب نے حکم فرمایا کہ اس کے سوا کسی کو نہ پوجو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اگر تیرے

عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ
سامنے ان میں ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے ہوں نہ کہنا اور انہیں نہ جھڑکنا اور ان

لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ
سے تعظیم کی بات کہنا اور ان کے لیے عاجزی کا بازو بچھا نرم دلی سے اور عرض کر کہ اے میرے رب تو ان

رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ
دونوں پر رحم کر جیسا کہ ان دونوں نے مجھے چھٹپن میں پالا تمہارا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے اگر

اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى
تم لائق ہوئے تو بے شک وہ توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے اور رشتہ داروں کو ان کا

حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْۤا
حق دے اور مسکین اور مسافر کو اور فضول نہ اڑا بے شک اڑانے والے شیطانوں

اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۝ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ
کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے اور اگر تو ان سے منہ پھیرے اپنے

ابْتِغَاۗءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ۝ وَلَا تَجْعَلْ
رب کی رحمت کے انتظار میں جس کی تجھے امید ہے تو ان سے آسان بات کہہ اور اپنا ہاتھ اپنی گردن

يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا
سے بندھا ہوا نہ رکھ اور نہ پورا کھول دے کہ تو بیٹھ رہے ملامت کیا ہوا

مَّحْسُوْرًا ۝ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ
تھکا ہوا بے شک تمہارا رب جسے چاہے رزق کشادہ دیتا ہے اور کستا ہے بے شک وہ اپنے بندوں کو

خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ۝
خوب جانتا دیکھتا ہے

تفسیر عالمانہ وَقَضٰی رَبُّکَ اور تمہارے رب تعالیٰ نے ہر مکلف کے لئے قطعی فیصلہ فرمایا جو اس سے معلوم ہوا کہ قضٰی امر کے معنٰی کو متضمن ہے اس کے بعد معنی کو اصل اور معنی فیہ کو اس کے تحت بنایا گیا ہے۔ یہ کمال ہے اس مسئلہ کی ہے کہ جن کا فیصلہ جناب اللہ ہو اس کا وقوع واجب ہوتا ہے لیکن یہاں

کا ظہور چونکہ مذکورہ کا وقوع نہیں ہوا اس لئے کہ بعض غالیوں میں سے ایسے تھے جنہوں نے آپ سے صریح طور پر انکار کردیا۔

تفسیر صوفیانہ یہاں پر رب کی اضافت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس لئے کی گئی ہے تاکہ معلوم ہو کہ توحید میں اصل حضور علیہ السلام ہیں باقی امت فرع۔

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا یہ کہ اللہ تعالٰی نے ازل سے فیصلہ فرمایا ہے یہ عبارت دراصل بان لا تعبدوا تھی اس معنے پر اَنْ مصدریہ لا نافیہ ہوگی۔ اِلَّآ اِیَّاہُ صرف اسی کی عبادت کرو۔ اس لئے کہ عبادۃ غایت تعظیم کو کہتے ہیں اور غایت تعظیم صرف اسی کے لئے لائق ہے جو عظمت و انعام کا انتہا و غایت اسی پر ختم ہو۔ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا اور والدین کے ساتھ احسان کرو یعنے ان کی ہر طرح کی خدمتگاری کرو اس لئے کہ وہ تمہارے ظاہری وجود اور ظاہری تربیت کے سبب ہیں اگرچہ اس کا سبب حقیقی صرف اللہ تعالٰی ہے۔

آیت میں اشارہ ہے کہ سبب حقیقی اللہ تعالٰی ہے وہ تعظیم حقیقی کے لائق بھی صرف وہی ہے اور ربوبیہ وابستہ ہے والدین چونکہ سبب ظاہری ہیں اسی لئے تعظیم ظاہری کے وہی مستحق ہیں یہی اللہ تعالٰی نے اپنی توحید کے ساتھ احسان بالوالدین کا ذکر اسی لئے فرمایا ہے کہ انسان کے حقیقی وجود کا سبب اللہ تعالٰی ہے لیکن انسانی تربیت والدین کے ذمہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی صغر سنی اور ضعف کے وقت اللہ تعالٰی کی حقیقی تربیت کے مظہر والدین ہیں کہ ان میں ایجاد و ربوبیت و رحمت و رافت کے آثار و صفات پائے جاتے ہیں اللہ تعالٰی کسی کی خدمت کا محتاج نہیں اور انسان اپنی ضعف و کمزوری کی وجہ سے خدمت کا محتاج ہے اسی لئے اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ والدین کو ان کی خدمت کا صلہ دو یعنی ان کی نعمت گزاری کا حق ادا کرو اسی سے معلوم ہوا کہ توحید کے بعد اہم الواجبات والدین کے ساتھ احسان کرنا ہے۔

حدیث شریف والدین کی خدمت نفلاً روزہ و نماز و حج و عمرہ و جہاد فی سبیل اللہ سے افضل ہے۔

اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا اگر تمہارے ہاں ان کا ایک بڑھاپے کو پہنچے یا دونوں اور وہ تمہاری خدمت کے محتاج ہوں کیونکہ تمہارے اوپر لازم ہے کہ ان کی خدمت کرو۔

ترکیب و منہ اِمَّا اِن شرطیہ و ما زائدہ سے مرکب ہے اور لفظ ما لفظ ان شرطیہ کی تاکید کے لئے ہے۔ اسی لئے فعل مضارع پر نون ثقیلہ کا لانا جائز ہوا اور عندك بمعنی کنفك و کفالتك ہے یعنی تمہاری نگرانی اور کفالت میں ہوں اور احدهما یبلغن کا فاعل ہے اگرچہ ماقبل مضمون کے تقاضے پر ضمیر خطاب جمع کا ہونا مناسب تھا لیکن چونکہ جمع کی ضمیر سے معنی اور مقصود میں خلل پیدا ہوتا ہے بنا بریں واحد کی ضمیر خطاب لائی گئی ہے اس لئے کہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ والدین جو بوڑھاپا یا ان میں سے کسی کو بڑھاپا آ جائے اور کسی رافت کا پایا جائے مگر جمع کے صیغے کے مقابلہ میں ضمیر جمع یا تثنیہ کے مقابلہ میں ضمیر تثنیہ کی لائی جاتی تو وہ مقصد حاصل نہ ہوتا جو مذکور ہوا ہے۔

سوال: والدین کی خدمت گزاری اور ان کی عزت و احترام کو بڑھاپے کے ساتھ کیوں مقید کیا گیا ہے حالانکہ ان کی خدمت گزاری ہر عمر میں فرض ہے خواہ جوان ہوں یا بڈھے؟

جواب: جب انہیں خدمت گزاری کی سخت ضرورت ہو تو ان کی خدمت بجا لانا فرض ہے اور چونکہ بڑھاپے میں ہی خدمت کی شدید ضرورت لاحق ہوتی ہے اسی لیے اسے بڑھاپے سے مقید کیا گیا ہے اگر انہیں خدمت گزاری کی شدید ضرورت نہ ہو تو پھر ان کی خدمت بجا لانا مستحب ہے۔ (کذا فی الاکسیر للطوفی)

فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ پس انہیں ذرہ بھی ہوں نہ کہو یا الفاظ دیگر ہوگی یعنی بے ہودہ الفاظ ہوں یا عادات ہیں سے کوئی ایک۔ کسی کو کہو۔ اُفٍّ یہ اسم آواز کا نام ہے جو تنگی پر دلالت ہے۔ اور اس کے فعل یعنی اتضجر کا اسم ہے اور فا کو ہر تینوں حرکات سے پڑھنا جائز ہے اور اس پر صہ و مہ و ویہ دقاقی کی طرح تنوین ہو تو اس سے اس کی تنکیر مراد ہوگی اگر نہ ہو تو اس کی تعریف کا ارادہ ہوگا اور فاء کا کسور ہونا اصل بنا کی وجہ سے ہے مگر اسے جس پر کسرہ پڑھا جائے تو اس کا منصوب ہونا تخفیف ہے اور اس کا مضموم ہونا مُنذ کی ذال مضموم کی طرح اتباعاً ہوگا لیکن یہ شاذ ہے اب معنی یہ ہوگا کہ تمہیں وہ باتیں جو تمہیں ناگوار ہوں ان سے ملول نہ کیجئے اور نہ ہی ان کی ضروریات کی ادائیگی سے بے دل ہوں۔

فائدہ: آیت میں والدین کی ہر طرح کی ایذا سے روکا گیا ہے۔

ربط: اگرچہ اس میں ہر طرح کی ایذا ممنوع ہو گئی ہے لیکن بعض مخصوص ایذاؤں کا ذکر کیا ہے صرف ان کے حق بالخصوص توجہ کے لیے ہے۔

وَلَا تَنْهَرْهُمَا اور انہیں دھتکاریئے یعنی ان سے سخت کلامی اور ترش روئی نہ کیجئے جب ان سے ناحق باتیں ہو گی گذریں۔ وَقُلْ لَّهُمَا اور انہیں حق کے بجائے کہئے قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ کریمانہ یعنی اکرام یعنی قول جمیل جس میں آداب کا تحقق اور مروت و احسان کا والی ہو مثلاً کہے یا ابتاہ یا امّاہ جیسے ابراہیم علیہ السلام نے کہا یا ابت حالانکہ وہ کافر تھا اس کے باوجود بھی ابراہیم علیہ السلام نے ادب سے گفتگو کی۔

مسئلہ: والدین کا نام لے کر نہ بلائے اس لئے کہ یہ مروت کے خلاف اور گستاخی ہے ہاں اگر عام گفتگو میں ان کے نام کی ضرورت پڑے تو نام لیا جا سکتا ہے۔

مسئلہ: ان کی آواز پر اپنی آواز کو اونچا نہ کرے نہ ہی ان کے سامنے قہقہہ لگائے بلکہ تواضع نرمی اور انکسار سے ہم کلام ہو ہاں اگر وہ بہرے ہوں یا افہام و تفہیم میں اونچی آواز کی ضرورت ہو تو بقدر ضرورت جائز ہے۔

مسئلہ: کسی کے ماں باپ کو گالی نہ دے کیونکہ وہ بھی جواب میں اس کے ماں باپ کو گالی دے گا۔

مسئلہ: ماں باپ کو نیک لقب سے یاد کیجئے۔

جناح الذل ای استعارہ بالکنایہ ہے عجز و نیاز کو بمنزلہ پرندے کے قرار دے کر پھر اس کے لئے خیالی پر ثابت کئے اس سے مقصود یہ ہے کہ ماں باپ کے سامنے عجز و نیاز کرو اس لئے کہ جب پرندہ اڑا ہوا نیچے اترنے کا ارادہ کرتا ہے تو اپنے پروں کو ڈھیلا کر دیتا ہے بچھا دیتا ہے اور جب اوپر کو اڑتا ہے تو پروں کو نرم کرتا ہے اسے عجز و نیاز اور تواضع کے لئے مثال کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔

ف: قاضی بیضاوی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ماں باپ کے ساتھ عجز و نیاز کا حکم فرمایا ہے: استعارہ و تشبیہ ہے۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ والدین کے ساتھ ایسے زندگی بسر کرے جیسے ایک ذلیل خطا کار غلام اپنے تند خو اور سخت گیر آقا کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے یعنے جیسے غلام مذکور اپنے آقا مذکور کے سامنے چاپلوسی اور خوشامد کر کے وقت بسر کرتا ہے ایسے ہی اولاد کو ماں باپ کے سامنے زندگی بسر کرنی چاہئے۔

مِنَ الرَّحْمَةِ یعنی اشفاق یا تعلیل ہے یعنے بہت بڑی رحمت سے اس لئے کہ آج وہ تیرے محتاج ہیں جیسے کبھی تو بچپن میں ان کا محتاج تھا۔

مسئلہ: ماں باپ کی طرف محبت و شفقت اور نہایت ہی مہربانی سے دیکھے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص (مرد یا عورت) اپنی ماں یا باپ کو نظر شفقت سے صرف ایک بار دیکھے تو اسے حج و عمرہ کا ثواب نصیب ہوگا صحابہ کرام نے عرض کی کہ اگر دن میں ہزار بار دیکھے تو تب بھی حج و عمرہ کا ثواب نصیب ہوگا۔ آپ نے فرمایا اگرچہ دن میں لاکھ بار بھی دیکھے تب بھی اسے ایک نگاہ کے بدلے حج و عمرہ کا ثواب نصیب ہوگا۔ (کذا فی خالصۃ الحقائق)

مسئلہ: بطور تواضع اپنی ماں کے قدم چومنا جائز ہے۔

حکایت: حضرت الاستاذ ابو اسحاق رحمۃ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں نے رات کو خواب میں دیکھا ہے کہ آپ کی ڈاڑھی مبارک میں جواہر و یاقوت ہیں۔ آپ نے فرمایا تیرا خواب سچا ہے اس لئے کہ میں نے کل اپنی ڈاڑھی والدہ ماجدہ کے قدموں کے تلووں کو لگائی تھی۔

مسئلہ: اپنے ماں باپ کی خدمت کو کسی دوسرے کے سپرد نہ کرے۔

مسئلہ: انسان کو اپنے ماں باپ اور استاد (اور پیر و مرشد) کی خدمت سے عار نہیں کرنی چاہئے اسی طرح بادشاہ (حاکم وقت) اور علماء کا حکم ہے۔

مسئلہ: باپ کے لئے نماز کا لوٹا بھی دینا اگرچہ اس سے وہ حقیر ہے (اگر وہ مکروہ دینی یا ان کو مسائل سے چنداں واقفیت نہیں تو جائز ہے

مسئلہ: ماں باپ سے آگے بھی نہ چلے ہاں اگر راستہ صاف کرنے کی ضرورت پیش ہو تو جا سکتا ہے۔

مسئلہ: کسی ایسی جگہ پر نہ بیٹھے جہاں اس کے ماں باپ بیٹھے ہوں جب کہ اس سے ماں باپ کی اہانت ہوتی ہو۔

مسئلہ: کسی معاملہ میں ماں باپ سے سبقت نہ کرے مثلاً کھانے پینے اور بیٹھنے اور گفتگو میں وغیرہ وغیرہ۔

مسئلہ: اگر باپ بدمذہب ہے وہ اسے اپنی عبادت گاہ میں لے جانا چاہتا ہے تو نہ جائے۔ ہاں اگر باپ اسے کسی مذہبی چیز کو اپنے ہاں اٹھا لانے کا حکم دے تو اسے بجا لائے۔

مسئلہ: باپ شراب لانے کا حکم دے تو نہ لائے مگر شراب پی کر برتن (گلاس، پیالی وغیرہ) اٹھانے کا حکم دے تو یہ حکم ماننا جائز ہے۔

مسئلہ: امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر اسے ماں باپ حکم فرمائیں کہ ہانڈی کے نیچے آگ جلائے حالانکہ اس ہانڈی میں خنزیر کا گوشت پکایا جا رہا ہے تو آگ جلانے میں حرج نہیں۔ (کذا فی بحر العلوم)

مسئلہ: ماں باپ سے ناطہ کاٹ کے اپنے آپ کو کسی دوسرے مشہور معروف شخصیت کی طرف منسوب نہ کرے اس لئے کہ لعنت کا موجب ہے۔

حدیث شریف: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اپنے آپ کو دوسری ذات میں منسوب کرنے والے پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو اس کی نہ کوئی عبادت قبول ہوگی نہ نیکی۔ عبادت سے مراد فرائض اور نیکی سے مراد نوافل ہیں۔ (کذا فی الاسرار المحمدیہ)

فائدہ: احادیث کی کتابوں میں جہاں صرف و عدل آتا ہے اس سے توبہ اور جہاں عدل واقع ہو اس سے فدیہ یا صرف سے نوافل اور عدل سے فرائض یا عدل سے نوافل اور صرف سے فرائض مراد ہیں یا صرف سے وزن اور عدل سے کیل یا اس کی ہر عبادت یا صرف سے پرہیزگاری اور عدل سے خیر مراد ہے۔

وقل رب ارحمھما اور دعا کیجئے کہ رب تعالیٰ ہم سب کو عزیز رکھے اور آپ سے خوش ہو ماں باپ کی اطاعت پر اکتفا کیجئے۔

مسئلہ: اگر ماں باپ ہر دو نوں یا ان میں سے ایک کافر ہو تو ان کے لئے اسلام قبول کرنے کی دعا کیجئے۔

ف: بعض علماء نے لکھا ہے کہ اولاد کو اپنے ماں باپ کے لئے دعا مانگنے کے مختلف طریقے ہیں اگر وہ مسلمان ہیں تو ان کے لئے رحمت کی اور کافر ہیں تو ان کے لئے ایمان و اسلام کی دعا مانگے۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ (چچا) آزر کے لئے دعا مانگتے رہے یہاں تک کہ وہ مر گیا اس کی نافرمانی کے بعد کہا یا اللہ میں اس سے بیزار ہوں اس لئے کہ وہ تیرا دشمن ہے۔ اس کے بعد آپ نے اس کے لئے دعا و استغفار ترک کر دی۔ (کذا فی تفسیر ابی اللیث)

حدیث شریف: حدیث شریف میں ہے جب کوئی شخص اپنے ماں باپ کیلئے دعا استغفار ترک کر دیتا ہے تو دنیا میں اس کے رزق میں اللہ تعالیٰ تنگی پیدا فرماتا ہے۔

مسئلہ: حضرت ابن عیینہ سے سوال ہوا کہ مرنے کے بعد میت کو صدقہ پہنچتا ہے یا نہ۔ انھوں نے فرمایا کہ ہر صدقہ پہنچتا ہے لیکن اس کے لئے بہترین صدقہ استغفار ہے اگر اس سے کوئی اور شے نافع ترین ہوتی تو نبی ماں باپ کے لئے اس کا حکم فرماتا۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جنت میں انسان کے درجات بلند کئے جاتے ہیں تو بندہ پوچھتا ہے یا اللہ! یہ درجات کس وجہ سے بلند ہوئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تیرے لئے فلاں شخص نے استغفار کی ہے اس وجہ سے تیرے یہ درجات بلند ہوئے۔

حدیث شریف: جو شخص ہر جمعہ اپنے ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک کی قبر کی زیارت کرتا ہے تو اسے ماں باپ سے احسان کرنے والا لکھا جائے گا۔

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ؎

سالہا بر تو بگذرد کہ گذر
نکنی سوئے تربت پدرت
تو بجائے پدر چہ کردی خیر
تا ہماں چشم داری از پسرت

ترجمہ: بہت برس گذر گئے تم کبھی اپنے ماں باپ کی قبر پر فاتحہ خوانی کے لئے نہیں گیا۔ بیٹے جب تو نے اپنے باپ سے بھلائی نہیں کی تو پھر اپنی اولاد سے کس طرح بھلائی کی امید رکھتا ہے۔

کَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا یہاں کاف علت موجب ہے اس لئے کہ یہ موصوف محذوف کی صفت ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی رحمۃً مثل رحمتہما علیّ وتربیتہما وارشادہما فی حال صغری وفاءً بوعدک للراحمین یعنی جیسے انہوں نے میرے ساتھ رحم و کرم کرکے میرے بچپن میں میری تربیت اور بہتر پرورش فرمائی تو اے میرے رب! اب تو اپنے وعدے کو پورا فرما جیسے وعدہ کیا ہے کہ میں رحم کرنے والوں کو بخش دوں گا۔

حکایت و روایت: ایک شخص حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کی کہ میرے ماں باپ بوڑھے ہوگئے ہیں میرے لئے ان کی ادائیگی حقوق کا کوئی طریقہ ہے تاکہ میں ان کی بچپن کی تربیت کا حق ادا کرسکوں۔ آپ نے فرمایا تم ان کا کوئی حق نہیں ادا کرسکتے اس لئے کہ انہوں نے تربیت تیری زندگی کی بقا کی خاطر کی تھی اور تو ان کی خدمت ان کی موت کی خوشی میں کرے گا۔

رَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِیْ نُفُوْسِکُمْ تمہارا رب تعالیٰ تمہارے دلوں کے ارادے خوب جانتا ہے یعنی وہ

تمہارے حقوق اور والدین کے ساتھ مروت و احسان کو بھی جانتا ہے مگر اس میں اس انسان کو تنبیہ ہے جو والدین کی زندگی سے کراہت اور ان کی خدمت کو بوجھ سمجھتا ہے۔ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ اگر تم نیک بخت ہو یعنی والدین کے لئے خدمت و مروت کا ارادہ رکھتے ہو۔ ان کی نافرمانی اسی کی ناراضگی سے نہ ہو۔ فَاِنَّهٗ تو بے شک اللہ تعالیٰ۔ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ اس کی طرف رجوع کرنے والوں کے لئے یعنی جب ان سے کوتاہی ہو جاتی ہے جب کہ انسان فطرتاً قصور وار ہے تو وہ اپنے قصور سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ غَفُوْرًا ○ وہ کریم بخشنے کے لائق غلطی از تیسیر بتفسیر گناہ کو بخش دیتا ہے۔

مسئلہ ۔ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اکثر علماء کے ساتھ ہیں کہ شبہات میں بھی اطاعت والدین واجب ہے لیکن خالص حرام امر کی اطاعت ضروری نہیں اس لئے کہ ترک شبہات الحق ہے اور والدین کو راضی کرنا واجب ہے۔

مسئلہ اگر والدین میں سے ایک دوسرے کی فرمانبرداری سے راضی نہیں تو والد کی رضا کو ترجیح دے لیکن ان امور جو تعظیم و احترام سے متعلق ہیں اس لئے کہ نسب کا انتساب والد سے ہے اور اگر ان امور کو خدمت و احترام کے لئے پہلے والد کو استقبال کرے۔ اگر کوئی شے خدمت اور تعظیم کے طور پر پیش کرنی ہو تو پہلے والدہ کو پیش کرے۔ (کذا فی جمع الادب)

مسئلہ فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ خدمت میں والدہ کو ترجیح دے جب والد کے پاس اس باب الگ یہ سبب ہوا اس لئے کہ بچپن پرورش کے لئے والدہ نے بہت زیادہ دکھ اٹھایا اور بہ نسبت والد کے والدہ کو اولاد سے زیادہ شفقت ہوتی ہے اور وہ تخمینہ دکھ درد اٹھانے میں بہ نسبت والد کے والدہ بہت زیادہ رکھتی ہے۔ علاوہ ازیں پیٹ میں بوجھ اٹھایا پھر اسے جنا پھر جب تک بچہ دو ڈھائی برس کا رہا اس کی تربیت و خدمت اور علاج و معالجہ اور اسے نہلانا دھلانا صاف ستھرا رکھنا اور اس کے کپڑے وغیرہ دھونا حفاظت کرنا وغیرہ۔ (کذا فی شرح الترغیب)

بہشت۔ سرائے مادر آمدست
زیر قدمہائے مادر آمدست
روزے بکن اے خدا یا را
چیزے کہ رضائے مادر آمدست

ترجمہ: یعنی بہشت کی سرائیں یعنی جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ خدایا ہمیں وہ چیز عطا فرما جس سے ہم والدہ کو راضی کر سکیں۔

باپ کل جائیداد کا مالک ہے

مروی ہے کہ ایک شخص نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اس کے اس کا باپ اس کا مال اسباب چھین لیتا ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے باپ کو بلایا تو وہ بوڑھا لکڑی کے سہارے چلتا ہوا بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس سے

باپ کا پیچھا تو اس نے عرض کی کہ جب وہ کمزور اور میں قوی تھا اور میں دولت مند اور یہ فقیر تھا تو میں اپنے مال و اسباب سے نہیں روکتا تھا اب میں ضعیف اور یہ قوی اور یہ دولت مند اور میں فقیر ہوں لیکن مجھ سے اپنے مال کے متعلق بخیلی کرتا ہے۔ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم بوڑھے کی بات سن کر رو پڑے اور فرمایا کہ ایسی بات جس پتھر اور ڈھیلے نے سنی سب رو دیے۔ اس کے بعد اس شکایت کرنے والے لڑکے کو فرمایا۔

انت ومالك لابيك۔ تو اور تیرا تمام مال تیرے باپ کا ہے۔

حدیث شریف حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ذلیل و خوار ہو، صحابہ کرام نے عرض کی۔ آپ کس کے متعلق فرما رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا، ہر اس شخص کے جس نے اپنے ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک کو بڑھاپا پایا مگر وہ ان کی خدمت کر کے اپنے آپ کو بہشت میں داخل نہ کر سکا۔

حدیث شریف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے سنا ہے کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں اپنے بعد اپنی امت کے حالات کے تغیر کا خوف نہ کرتا تو میں تمہیں حکم فرماتا کہ چار شخصوں کے لئے گواہی دو کہ وہ جنتی ہیں:

۱۔ وہ عورت جس نے اپنے شوہر کو محض اللہ تعالےٰ کی رضا کی خاطر مہر بخش دیا اور اس کا شوہر بھی اس پر راضی ہوا۔
۲۔ کثیر العیال جو حلال کمائی سے اپنے کنبے کا پیٹ پالتا ہے۔
۳۔ وہ تائب جو اپنے گناہوں کی طرف ایسے نہیں لوٹتا جیسے دودھ پستان سے واپس نہیں لوٹ سکتا۔
۴۔ والدین کے ساتھ احسان و مروت سے پیش آنے والا۔

والدین کو نصیحت ماں باپ پر لازم ہے کہ اپنی اولاد کے ساتھ ایسا سلوک برتاؤ نہ کریں جس سے اولاد نافرمانی پر مجبور ہو جائے بلکہ ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کریں جو فرمانبرداری میں مدد دے سکیں۔

حکایت: ایک بزرگ عارف کامل نے فرمایا کہ میں نے اپنے بیٹے کو تیس سال سے کوئی کام نہیں کہا اس خوف سے کہ شاید وہ میری نافرمانی کرے اور اس نحوست سے اس پر عذاب الٰہی نازل ہو جائے۔

افسوس صد افسوس فقیر اسماعیل حقی کہتا ہے کہ زمانہ نے پلٹا کھایا اور انسانوں کے حالات میں تغیر آگیا اور بعض اپنی بری عادات پسند کیا جاتے اس لئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نفس کی بری عادات کو بلکہ کرتوں کے آگے بہا لے گئے اور ایک ہم ہیں کہ خطاؤں اور گناہوں میں غرق ہیں لیکن پھر بھی اپنے نفوس کی ایسی شرارتوں کا خیال تک نہیں کرتے بلکہ نفس امارہ کی ایسی شرارت کے متعلق حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا۔

ہیچ رحمے نہ برادر بہ برادر دارد
ہیچ شوقے نہ پدر را بہ پسر می بینم
دختراں را ہمہ جنگ است و جدل با مادر
پسراں را ہمہ بدخواہ پدر می بینم
جاہلاں را ہمہ شربت ز گلاب است و عسل
قوت دانا ہمہ از خون جگر می بینم
اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالان
طوق زرین ہمہ در گردن خر می بینم

ترجمہ: ۱۔ نہ بھائی کو بھائی پر رحم نہ بیٹے کو باپ سے انس ہے۔
۲۔ لڑکیوں کو ماؤں سے جھگڑا اور لڑکوں کو باپوں سے جنگ۔
۳۔ جاہل تو گلاب کا شربت اور شہد کے مزے اڑائیں اور دانا خون جگر پیتے۔
۴۔ عربی گھوڑے زخم خوردہ بوجھ کے نیچے ہیں اور طوق گدھوں کے گلے میں پہنے ہیں۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ اور دے قرابت والے کو اس کا حق۔ یہ خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور بذریعہ خطاب آپ کی تمام امت کو ہے۔ ذَا الْقُرْبٰی یعنی رشتہ داروں کو عطا فرمایئے۔ اس سے ذوی رحم محرم مراد ہیں یہی امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے وہ رشتہ دار ولادت سے متعلق ہو جیسے والدین یا نہ ہو جیسے بھائی بہن۔ حَقَّہٗ اس کا حق اس سے نفقہ خرچ مراد ہے یہ اس وقت ہے جب وہ رشتہ دار فقیر اور تنگدست ہوں۔

مسئلہ: انسان پر اپنی چھوٹی اولاد بشرطیکہ وہ تنگدست ہوں اور اگر وہ دولت مند ہو یا تنگدست معذور ہو یا لڑکا ہو کا خرچ واجب ہے۔

مسئلہ: غنی سے وہ شخص مراد ہے جس کے پاس حوائج اصلیہ سے زائد مال بقدر نصاب کے مالک ہو خواہ مرد ہو یا عورت ایسے غنی پر ماں باپ کا نفقہ واجب ہے۔ اسی طرح اس پر ان لوگوں کا بھی نفقہ واجب ہے جو ماں باپ کے حکم میں ہیں جیسے دادا دادی نانا نانی بشرطیکہ وہ فقیر و تنگدست ہوں خواہ مسلمان ہوں یا کافر بشرطیکہ ذمی ہوں اگر حربی ہوں تو اولاد کو ان کا خرچ دینا واجب نہیں اگرچہ امان لے کر ہمارے پاس ہوں۔

مسئلہ: ماں باپ کے سوا باقی ان رشتہ داروں کا خرچ دینا واجب ہے جو ذوی الارحام محرم ہوں بشرطیکہ وہ فقیر و تنگدست، صغیر یا مؤنث یا لنگڑا لولا اندھا ہوں اور اپنی ضروریات سے کمائی نہ کر سکتے ہوں۔ اگر وہ محنت مزدوری کر کے کمانے کے قابل ہوں تو پھر ان کا خرچ دینا بالاتفاق واجب نہیں۔

مسئلہ: اگر معذوری کے باوجود وہ ذی عزت وشرافت مثلاً عالم دین حافظ قرآن وغیرہ ہوں تو پھر انھیں خرچ دینا چاہیئے۔

مسئلہ: ماں باپ اگرچہ روزی کمانے کے قابل ہیں لیکن تنگدست ہیں تو بھی خرچ دینا واجب ہے بلکہ باقی تمام رشتہ داروں پر ان کو فضیلت ہوگی۔

مسئلہ: اسلامی تعلیم کے طالب کا خرچ والد پر واجب ہے بشرطیکہ طالب علم روزی کمانے سے معذور ہو جیسے لنگڑا لولا اندھا وغیرہ ورنہ بہر طرح وہ اپنی روزی خود کما کر کھائے اور تعلیم بھی جاری رکھے۔ (آج کل کے طلباء اسلام اس مسئلہ پر عمل کرنے کا نام نہیں لیتے پھر یا تعلیم چھوڑ بیٹھتے ہیں یا والدین پر بوجھ بنتے ہیں)

مسئلہ: لنگڑے بیٹے کا خرچ والد پر فرض ہے بشرطیکہ وہ لڑکا تنگدست ہو۔

مسئلہ: لڑکی اگرچہ بالغ ہو جب تک کسی کے نکاح میں نہ دی جائے اس کا خرچ والد پر واجب ہے بشرطیکہ لڑکی تنگدست ہو۔

مسئلہ: کسی ایک تنگدست کا باپ اور بیٹا دولتمند ہوں تو اس تنگدست کا خرچ اس کے والدین پر واجب ہے۔

مسئلہ: اختلاف دین کی وجہ سے کسی رشتہ دار کا خرچ دینا واجب نہیں سوائے ولادت اور زوجیت کے رشتہ کے۔

قاعدہ: اصول (باپ۔ جد وجد الجد) کا نفقہ اس کے فروع (ابنا ، بنات وابنا الابنا الخ) پر واجب ہے بشرطیکہ وہ اصول مسلمان اور تنگدست ہوں اسی طرح برعکس یعنے فروع (ابناء و بنات وابناء الابناء) تنگدست مسلمانوں کا خرچ اصول (یعنے اباء ۔ اجداد) پر ہے۔

مسئلہ: قاعدہ مذکورہ سے ثابت ہوا کہ نصرانی کا خرچ مسلمان بھائی پر واجب ہے اور نہ ہی نصرانی پر اپنے مسلمان بھائی پر خرچ واجب اس لئے کہ ان میں ولادت کا رشتہ نہیں بلکہ اخوت کا رشتہ ہے۔

مسئلہ: ولادت کے رشتہ میں اصول و فروع کو دیکھا جاتا ہے اگر وہ نہ ہو تو پھر اقرب فالاقرب پر عمل کیا جائے۔

مسئلہ: ذوالارحام میں بھی اسی رشتہ کا نفقہ واجب ہے جو وراثت لینے کا مستحق ہے اگرچہ بالفعل اسے وراثت نہ بھی ملتی ہو۔

مسئلہ: وہ رشتہ دار جو ذی رحم محرم نہ ہوں اس کا خرچ دینا واجب نہیں جیسے ابناء العم (چچا کی اولاد) ہاں اگر تنگدست ہوں تو انھیں مروت کے طور پر ان کی مدد کرنی چاہیئے اسی طرح ان کے ساتھ دوسرے طور پر صلہ رحمی اور ان کی ملاقات لیئے ان کے ہاں کئے جائے اور جس معاملہ میں ان کے ساتھ حتی الامکان کوتاہی نہ کرے۔ (نفقہ کے مسائل کی تفصیل کتب فقہ میں ہے۔

حدیث شریف: صلہ رحمی سے عمر و مال و اسباب میں برکت ہوتی ہے اور گھر آباد رہتے ہیں۔ یہی حال والدین کی خدمت

لہ۔ حسنہ الفقیر اویسی غفرلہ

کہ۔ ہم تنگدستی کی قید اس لئے لگاتے ہیں کہ بااوقات وہ صاحب دولت یا کسی دوسری وجہ سے دولت مند ہوتے ہیں۔ اویسی غفرلہ

کا ہے۔

مسئلہ: اگر کسی قوم کی حالت کمزور ہو لیکن جو والی اور منتظم ہوں کے ساتھ احسان و مروت کرتے ہیں تو قیامت کے دن ان کے حساب میں تخفیف ہوگی۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں ذوالقربیٰ میں نفس کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ نفس کا یہ قریب تر ہے اور انسان پر نفس کا حق بھی ہے۔ چنانچہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: ان لنفسک علیک حقا یعنی تجھ پر تیرے نفس کا بھی حق ہے۔ اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ ریاضت کشی اور مجاہدہ میں نفس پر اتنی سختی نہ کرو کہ وہ عبادات سے ملال کرے اور احیائے شریعت کے اشغال سے تنگی محسوس کرے اور اس کے حقوق میں سے ہے کہ اسے ماکول و مشروب اور نکاح اور مسکن میں فضول خرچی نہ کرنے دی جائے اور اس کی حفاظت کا یہ معنی ہے کہ اسے لاابالی و آوارگی سے بچایا جائے۔

کذا فی التاویلات النجمیہ۔

تفسیر عالمانہ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ اور مسکین اور مسافر کا بھی حق ادا کرو۔ اور مکہ مکرمہ میں ان کے حقوق کی ادائیگی بھی ضروری کرو کہ فرض تھی پھر اس کی فرضیت منسوخ ہوگئی۔ مسکین جس کی کوئی ملکیت نہ ہو اور فقیر وہ ہے جس کی مالیت نصاب سے کم ہو بعض نے اس کے برعکس کہا ہے۔ وابن السبیل یعنی جو راستے کرنے والا اگرچہ اس کا گھر میں کتنا ہی مال ہو لیکن سفر میں خالی ہاتھ ہو تو اسے بھی بقدر ضرورت خرچ دینا ضروری ہے اسے ابن السبیل بھی وہ سفر میں اپنے مال سے دور ہے اس لئے وہ تمہاری خدمت کا مستحق ہے۔ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝ اور غیر مستحقین پر مال خرچ نہ کرو اس لئے کہ مال کو بے جا خرچ کرنے کا نام تبذیر ہے [illegible] اسراف یعنی مال خرچ کرنے میں حد سے تجاوز کرنا اور یہی ظلم فاحش ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ولا تبسطها [illegible] البسط۔

شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

نہ ہر کس سزاوار باشد بمال
یکے مال خواہد یکے گوشمال

ترجمہ: ہر شخص مال کا مستحق نہیں اس لئے کہ بعض کو مال لائق ہے اور بعض کو سزا۔

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ بے شک فضول خرچ لوگ شیطانوں کے بھائی ہیں یعنی ان کے نفوس کو تباہ کرنے میں شیاطین ان کے مددگار ہیں بلکہ کفران نعمت و جرم و خطا کے ارتکاب میں شیاطین ان کے بہترین ساتھی ہیں۔ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۝ اور شیطان اپنے رب تعالیٰ کا بہت ہی ناشکرا ہے کیونکہ وہ اس کے امر کو ٹھکراتا ہے اور نافرمانی کرتا ہے۔

شان نزول: قریش کے بعض شہرت اور ناموری کی غرض سے بہت سا مال خرچ کرتے اور بیجا اور فضول خرچی کرتے

انھیں ذبح کر کے لوگوں کو کھلا دیتے اسی طرح باجوں اور کھیل تماشہ پر پانی کی طرح پیسہ بہاتے ۔

ف ؛ حضرت مجاہد نے فرمایا کہ اگر سونے کا پہاڑ بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا جائے تو وہ فضول خرچی نہیں ہاں ! ایک مد بھی بے جا اور برائی پر خرچ کرنے کو اسراف کہا جائے گا ۔

لطیفہ ؛ کسی نے راہ حق میں کچھ خرچ کیا پھر دوبارہ خرچ کیا تو اس کے دوست نے کہا کہ اسراف مت کر ۔ اس نے جواب دیا کہ لاسرف فی الخیر ۔ نیکی میں اسراف نہیں ہوتا ۔

شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ۔ ؎

کنوں بر کف دست نہ ہر چہ ہست
کہ فردا بدنداں گزی پشت دست

ترجمہ ؛ اب جو اپنے ہاتھ سے راہ حق میں خرچ کرلو ورنہ مرنے کے بعد افسوس سے ہاتھ کاٹو گے ۔

وَإِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ اور اگر تم ان سے اعراض کرو جب کوئی ایسا عارض ہو جو رشتہ داروں مستحقین سے اعراض پر مجبور کرتا ہے ۔ **ابْتِغَاءَ رَحْمَةٍ مِّن رَّبِّكَ** یعنی رب تعالیٰ کی رحمت کی طلب کی وجہ سے یعنی رزق کی کمی ہو جائے ۔

سوال ؛ تم نے ابتغاء رحمة من ربك کا معنی رزق کی کمی کہاں سے نکالا ؟

جواب ؛ ہم نے یہاں اقامۃ السبب مقام المسبب کے قانون سے معنی سمجھا اس لئے کہ رزق کی کمی ہی ابتغاء رحمة من ربک کا سبب ہے ۔

تَرْجُوهَا جس کی تم امید رکھتے ہو یہ جملہ رحمة من ربک کی صفت ہے ۔

شان نزول ؛ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ آپ سے سائل سوال کرتا اور وہ شے آپ کے ہاں نہ ہوتی تو آپ حیا سے سر مبارک جھکا دیتے تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ خاموشی کی بجائے سائل کو کوئی ایسی بات سنا دیں تاکہ سائل آپ کی خاموشی کو دیکھ کر مشوش نہ ہو چنانچہ فرمایا ؛

فَقُل لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُورًا ۝ آپ ان سے نرم لہجہ سے بات کیجئے یعنی سائلین سے کوئی ایسا وعدہ کیجئے جس میں آسانی اعادہ سے راحت و سرور حاصل ہو ۔ بعض نے کہا کہ قول میسورا سے سائل کے لئے آسانی کی دعا مراد ہے اس معنی پر قول میسورا یعنی صاحب یسر ہے مثلاً سائل کو کہے ۔ اغناکم اللہ من فضلہ رزقنا اللہ و ایاکم ۔ یعنی تجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے غنی کرے اور ہمیں اور تمہیں رزق سے نوازے ۔

سبق ؛ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا جو کسی سائل کا سوال (بلا وجہ) رد کرتا ہے سات دن تک اس کے گھر رحمت کے فرشتے نہیں گزرتے

فقیر و تنگدست کی فضیلت بعض فقیری و تنگدستی میں قوت ہے اور وہ اپنی اس تنگدستی پر راضی تھا آخرت میں اس سے بڑھ کر کوئی اس حالت سے مستفید ہوگا۔ (کذا فی المقاصد)

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلٰى عُنُقِكَ اور اپنے ہاتھ کو باندھ کر گردن کا نہ بنا بیٹھ اس سے بخل و امساک مراد ہے۔ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ اور نہ ہی اسے پورے طور پر کھول دیجئے اس سے اسراف مراد ہے۔

ف: اہل تفاسیر نے فرمایا کہ اس میں بخل کے بخل اور فضول خرچی کے اسراف پر زجر و توبیخ کی گئی ہے اور تعلیم کی گئی ہے کہ ہر معاملہ میں میانہ روی ضروری ہے اور امساک و اسراف میں میانہ روی سے کرم و جود مراد ہے۔ اب آیت کا معنی یہ ہوگا ماتحت میں اپنا ہاتھ اتنا روک کر نہ رکھ کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کو ایسے لگے گویا وہ ہاتھ گردن کے ساتھ باندھ دیا گیا ہے کہ پھر وہ کوئی شے کسی کو دینے پر قادر نہیں ہے اور نہ ہی ایسا ہونا چاہیے کہ گھر کا تمام اثاثہ راہ حق میں لٹا دیجئے کہ گھر میں خود اپنے لیے بھی باقی نہ رہے جیسے گویا ہاتھوں کو کھولنے سے تمام مال و متاع ہاتھ سے نکل جائے پھر تو وہ بھی ہاتھ میں نہ ہو۔

فَتَقْعُدَ پھر اول احتمال کی مذکورہ کا جواب ہے یعنی جب پہلے سے ملو گے یا خرچ کرنے کے بعد خالی ہاتھ ہو کر بیٹھ جاؤ گے۔ مَلُوْمًا ملامت زدہ اور لوگوں کے ہاں ملامت کیے ہوئے شدہ اس کا اشارہ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ الخ کی طرف ہے مَّحْسُوْرًا ○ اور وہ اس لئے کہ جب ہاتھ خالی ہو جائے گا تو پھر سوائے ندامت اور حسرت کے اور کیا حاصل ہوگا اس کلام وَلَا تَبْسُطْهَا الخ کی طرف اشارہ ہے۔

؎

مبند از سر امساک دست در گردن
کہ خلعتیست کہ پوشیدہ پیش اہل بہا
مکن بجانب اسراف نیز چشمان میل
کہ ہر چہ ہست بیک دم کنی ز دست رہا
چو وسیلۂ این ہر دو راہ بپسندانی
تفاوتیست کہ از آفتاب تا بسہا
پس اختیار وسط راست در جمیع امور
بدان دلیل کہ خیر الامور اوسطہا

ترجمہ: ۱- امساک کرکے ہاتھ کو گردن سے مت باندھو اہل حق کے ہاں یہ عادت بہت بری ہے۔
۲- اسی طرح اسراف کی جانب بھی نہ جھکو کیونکہ جو کچھ بھی تمہارے ہاتھ میں ہوگا وہ سب چلا جائے گا۔
۳- جب ان کی میانہ روی چاہو گے تو تیری یہ روش سورج کی روشنی سے زیادہ تابناک ہوگی۔

یہ اس سے ثابت ہے کہ ہر امر میں میانہ روی بہتر ہے چنانچہ مشہور ہے کہ خیر الامور اوسطہا یعنی درمیانہ جو امور بہتر ہوتے ہیں۔

ف: روح البیان میں ہے کہ تسبیح ہے کہ یہ خطاب حضور علیہ السلام کو ہے لیکن اس سے آپ کی امت مراد ہے کیونکہ آپ جیسا فراخ دل کوئی پیدا نہیں ہوا اور نہ ہی آپ کل کے لئے کوئی شے ذخیرہ کے طور پر چھوڑتے تھے۔ اس کی مزید تحقیق آگے آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

شان نزول کاشفی نے لکھا ہے کہ اسباب نزول یہ ہے کہ مسلمان بیبیاں یہود کی عورتوں سے بحث کرتی تھیں یہود کی عورتیں کہتی تھیں ہمارے نبی موسیٰ علیہ السلام بہت بڑے سخی تھے ان کی عادت تھی کہ وہ جو کچھ ہاتھ میں ہوتا فقیر کو دے ڈالتے ان کی باتوں کے جواب میں سے جو خوش کر دیتے مسلمان عورتیں کہتی تھیں ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سخی تر ہیں۔ آزمائش کے طور پر ایک عورت نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی لڑکی کو بھیج کر عرض کی کہ آپ اپنا پیراہن عنایت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کچھ دیر کر کے واپس آنا۔ لڑکی دوبارہ حاضر ہوئی اور عرض کی کہ میری ماں اسی پیراہن مبارک کا سوال کرتی ہے جو آپ نے خود زیب تن فرمایا ہوا ہے۔ آپ حجرہ مقدس میں تشریف لے گئے اور پیراہن اتار کر لڑکی کو عنایت فرمایا پھر بوجہ حیا و شرم حجرہ مقدسہ سے باہر تشریف نہ لاسکے کہ ننگے جسم کیسے باہر جائیں۔ نماز کا وقت ہوگیا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کے بعد جماعت کے لئے اقامت پڑھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم منتظر تھے کہ آپ تشریف لائیں لیکن آپ تشریف نہ لائے اسی کیفیت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پریشانی ہوئی تو حجرہ مقدسہ میں حاضر ہوئے۔ آپ کو ننگے جسم دیکھا کر کیفیت معلوم کی بعض نے عرض کی کہ سرکار اتنی سخاوت بھی اچھی نہیں کہ پیراہن بھی گھر میں بیٹھ جائیں اور ہم لوگ دیدار کے لئے ترستے رہیں۔ یہ انداز بیان قرآن کا ہے۔ اس واقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ف: اس تقریر پر محسوراً بمعنے مکشوفاً ہوگا حقیقت تفسیر بکریہ میں مذکور نہایت معقول ہے۔ فقیر اسماعیل حقی کہتا ہے کہ وہ اس لئے کہ آپ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ملاقات نہیں کرسکتے تھے آپ کو ملامت کی گئی اور آپ نے پیراہن عنایت فرمایا تو محسوراً بمعنے مکشوف ہوگا اس تقریر پر مقصد اپنے حقیقی معنے از قسم ہیں ہوگا۔

ف: الاسئلہ میں اس آیت کے شان نزول کا انکار کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ مدینہ طیبہ میں پیش آیا۔ اور یہ سورۃ مکیہ ہے واللہ اعلم۔

اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ بے شک تیرا رب تعالیٰ جس کے لئے چاہتا ہے رزق فراخ کرتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تو اس کی روزی تنگ کرتا ہے اور اس کی حقیقت حکمت پر مبنی ہوتی ہے کسی کو اس پر اعتراض کی مجال

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اولاد بشریہ و طبیعہ انسانیہ سے بخل کی صورت کی منشاء کی طرف آنحل کی استمداد

جملہ امور اسی کی طرف سپرد کرنے سے ہے کیونکہ اگر بعض اوقات کسی کے لئے بسط الشیء ہوتا ہے کہ وہ اپنی بعض مراد کو حاصل کرے تو وہ صرف اس لئے ہوتا ہے کہ وہ بسط کے فراق کا ذائقہ چکھے اور بعض اوقات اس کے مقصد پورے نہیں فرماتا تاکہ وہ عالم قبض کے ساتھ تو نفس اپنے نفس کے احوال ضبط کرنے کے خلاصہ یہ کہ جملہ امور اس کی حکمت بالغہ اور الحکم الٰہیہ کے سپرد ہیں۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا ۢ بَصِيْرًا بے شک وہ اپنے بندوں سے خبیر و بصیر ہے یعنی ان کے ظاہریہ اور خفیہ امور کو جانتا ہے اور جو اسرار ان پر مخفی ہیں ان سے ان کی تمام مصلحتیں معلوم ہیں۔

قدسی حدیث شریف اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندوں کو اپنے ایمان کی اصلاح کا طریقہ نہیں آتا اس لئے وہ تونگری کے متلاشی ہیں اسے تنگدست بنا دوں تو وہ اپنے ایمان کو خراب کر لے گا ایسے ہی بعض بندے اپنی ایمانی اصلاح کو صرف تنگدستی سے وابستہ ہیں اگر میں انہیں دولت مند بنا دوں تو وہ اسے خراب کر دے گا ایسے ہی بعض بندے ہیں کہ وہ اپنی ایمانی اصلاح تندرستی سے وابستہ ہیں اگر میں انہیں بیماری میں مبتلا کروں تو وہ اپنی ایمانی اصلاح کو خراب کر دے گا ایسے ہی بعض بندے بیماری کو اصلاح ایمانی سمجھتے ہیں اگر میں انہیں تندرست کروں تو وہ اپنے ایمان کو خراب کر لے گا میں چونکہ اپنے بندوں کے امور کو جانتا ہوں جیسے کہ ان کے قلوب کا علم ہے میں ہی علیم و خبیر ہوں۔ (رواہ انس رضی اللہ عنہ۔ کذا فی بحر العلوم)

اس لئے اللہ تعالیٰ نے بعض بندوں کو غنی اور بعض کو فقر سے رکھا ہے اگر سب کے سب غنی ہوں تو وہ سرکش ہو جائیں گے اور اگر وہ سب کے سب تنگدست ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر تباہ و برباد ہو جائیں۔

حدیث شریف پانچ باتوں سے پہلے اعمال میں جلدی کرو۔

① غنا گمراہ کرنے والے سے۔
② فقر بھلانے والے سے۔
③ بڑھاپہ ذلیل کرنے والے سے
④ مرض مفسد سے
⑤ موت تیار کرنے والی سے۔

شرح الحدیث جب کسی بندے کے لئے دولت مندی گمراہی کا سبب بنتی ہو تو اللہ تعالیٰ اسے گمراہی سے بچانے کے لئے تنگدستی میں مبتلا فرما دیتا ہے اس لئے کہ اسے معلوم ہے کہ وہ تنگدستی میں [illegible] جیسے جانے کا نہیں بلکہ زبان کو ذکر و حمد میں اور قلب کو قبول اور رضا میں مشغول رکھے گا اسی طرح بعض بندوں کے متعلق جانتا ہے کہ اسے تنگدستی سے دور رکھنے کا تو اس [illegible]

کے لئے اس سے فخر کرنا کہا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے : ـــ

فقر ازیں رو فخر آمد جاوداں
کہ بتقوی ماند دست نارساں
زاں غنا و زاں غنی مردود شد
کہ ز قدرت صبرہا بدرود شد
آدمی را عجز و فقر آمد اماں
از بلائے نفس پر حرص و غماں

ترجمہ: ① اسی لئے فقر ہمیشہ فخر کا موجب ہے کہ ارباب کمالات تقویٰ سے وہ مراتب نصیب نہیں ہوتے جو فقیر کو حاصل ہوتے ہیں۔

② دولت مندی اور دولت مند اسی لئے اللہ تعالیٰ کے مردود ہیں کہ وہ قدرت حق پر صبر کرتے ہیں۔

③ آدمی کی اماں عجز و فقر ہی کی ہے کہ انسان کو ہر وقت نفس حرص و غم میں مبتلا رکھتا ہے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ امر الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم رکھے اور اس کی قضاء و قدر پر راضی رہے اور بسط و قبض پر صبر کرے اور اپنے عجز و انکساری پر فخر کرے۔

ملفوظ سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ سید التابعین و سلطان الاولیاء، عاشق رسول مقبول سیدنا حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ جب وسعت و ضرورت سے خارج طعام اور کپڑا ہوتا فقیروں میں تقسیم کر کے کہتے کہ اے اللہ تعالیٰ جو شخص بھوک یا کپڑوں کی کمی سے مر جائے تو مجھ سے مواخذہ نہ فرمانا۔

ملفوظ حضرت حلاج رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت حسین حلاج رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص چالیس دن تک بھوکا بیٹھا رہے جس دن اسے علم حاصل ہو گیا اسے معلوم ہو جائے کہ جو شے زیادہ محبوب ہو وہی بہتر ہے اگر اس نے اپنے آپ کو اس حاجت مند پر ترجیح دی تو وہ مرتبہ ولایت سے گر جائے گا۔

کسی نے کہا کہ اس سے واضح معلوم ہوا کہ حضرت حلاج کا مرتبہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بظاہر زیادہ ہے لیکن یہ غلط ہے کیونکہ حضرت اویس قرنی خیر التابعین ہیں اور حضرت حلاج صرف ولی اللہ ہیں وہ تابع مرید تھے۔

موازنہ حلاج و اویس رضی اللہ عنہما حضرت الشیخ الکامل محمد بن علی العربی قدس سرہ نے فرمایا کہ سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ کا قول ان کے مرتبہ علیا اور قطبیت کبریٰ کی خبر دیتا ہے اس لئے کہ ایسا قول ولایت کے امام وقت سے صادر ہو سکتا ہے کیونکہ وہ امام فی الولایت ہوتا ہے جو اپنی تمام مملوکہ اشیاء راہ حق میں لٹا کر

پھر بڑا اللہ کا انعام کہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق ہو جو اس کا خلیفہ خاص ہے، پھر وہ اس کی نیابت میں اس کے بندوں پر رحم و کرم اور شفقت فرمائے چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے اکمل خلیفہ اور سید الاقطاب صلی اللہ علیہ وسلم کے شان میں فرمایا کہ وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول بھی اوپر والی روایت کے بعد بڑے بلند مرتبہ کی خبر دیتا ہے کیونکہ وہ عادت بہت بڑا بلند مرتبہ کا ایک حصہ ہے کہ اپنے نفس پر دوسروں کو ترجیح دے بجائے اپنے نفس پر تنقید اور غیظ و غضب کرے اور دوسروں پر رحم و کرم اور شفقت کرے ایسا وہ شخص صاحب حال ہوگا جو اور اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی صاحب حال تھے لیکن سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ صاحب مقام و تمکین ہو گئے تھے اور صاحب مقام کا درجہ صاحب حال سے بہت بلند ہے اس لئے صاحب مقام اپنے نفس کو بھی اپنا اجنبی سمجھتا ہے جس طرح وہ دوسروں کے لحاظ سے غیر ہوتا ہے اور اپنے نفس کو دوسروں سے مثل سمجھتا ہے اس لئے وہ اپنے نفس پر بھی رحم و کرم اور شفقت کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص صدقہ کرنا چاہے تو اسے چاہئے کہ سب سے پہلے اپنی مسکین جان پر صدقہ کرے اس کی بجائے دوسرے مسکین کی تلاش میں نکلتا ہے آہ!! جہاں نفس کا بندہ ہونے کا دعویٰ ہے اسے چاہئے تھا کہ اسے جو بھی ملا اسے وہیں صرف کیا کہ ولایت خاص رسالت کی مظہر ہے اور رسالت کا طریقہ یہی ہے کہ جو بھی دے اقرباء سے ہی اقرباء کو لا الہ الا اللہ اعطی دیکھا کہ ہمارا جو پایا۔ اور ولی اور ولایت کا منصب اور خلیفہ ہوتا ہے پھر جب اللہ تعالیٰ اس ولی کو ولایت بخشتا ہے جس کے متعلق اسے معلوم ہے کہ وہ اس کے بندوں کا تزکیہ نفس فرمائے گا ایسے شخص کو سب سے پہلے اپنا نفس ملا ہے تو وہ شخص کسی دوسرے کے تزکیہ کا انتظار نہیں کرتا بلکہ وہ فوراً اپنے نفس کی اصلاح میں لگ جاتا ہے کیونکہ پہلے اسے اپنی اصلاح ضروری ہے تاکہ دوسرے اس سے اصلاح پذیر ہوں، جب دوسرے اس کے سب سے مستحق ہیں تو اسے پہلے اپنی اصلاح کرنی چاہئے کیونکہ اس کا نفس کسی سے حق نہیں بلکہ وہ اس سے حق ادا کرنے کا بھی زیادہ موجب ہے کیونکہ آخرت میں اس کا معاملہ سخت ہوگا بلکہ اس سے اپنی امانت چاہے گا اسی لئے اس پہلا لازم ہے کہ وہ پہلے اپنے نفس کو درست کرے کیونکہ اس کا سب سے پہلا سوال اسی کا اپنا نفس ہے۔

حدیث شریف کا صوفیانہ معنے ابدأ بنفسک ثم بمن تعول پہلے اپنے نفس کی اصلاح کرو پھر ان کی جو تمہارے عیال میں ہیں۔ اس میں بھی ملکہ باطنی کی طرف اشارہ ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ قریبی رشتہ دار بہ نسبت دوسروں کی اصلاح کے زیادہ مستحق ہیں۔ خلاصہ یہ کہ انسان سب سے پہلے اپنی پھر اپنے قریبی رشتہ داروں کی اصلاح کرے اگر اس کے متعلقین اصلاح پذیر نہیں ہوتے تو پھر وہ بھی اصلاح کا طالب ہو اور ان کی اصلاح کرے۔ پھر یہ بھی دیکھئے کہ کون ہے اور کیا ہے اس کی مثال یہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کسی ولی کو حق تعالیٰ نے عالم دنیا کی طرف تنزل فرماتے ہیں تو وہ عقل کے مطابق سے ہی سوال کیا ہمیں جو چیز دی ہے اسے وہ قرآن کریم اور یہی دیکھتے ہیں کہ اسی طرح وضع ہو اپنے زمانے میں تھا وہ اس کا اہل

ف: صوفیاء کے نزدیک منازل تزکیہ میں [illegible] ولایت کا [illegible]

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ
اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو مفلسی کے ڈر سے ہم انہیں بھی روزی دیں گے اور تمہیں
اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ
بھی بے شک ان کا قتل بڑی خطا ہے اور بدکاری کے پاس نہ جاؤ بیشک وہ بے حیائی ہے اور بہت
سَبِيْلًا ۝ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَمَنْ قُتِلَ
ہی بری راہ اور کوئی جان جس کی حرمت اللہ نے رکھی ہے ناحق نہ مارو اور جو ناحق مارا جائے تو
مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّى الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝
بے شک ہم نے اس کے وارث کو قابو دیا ہے تو وہ قتل میں حد سے نہ بڑھے ضرور اس کی مدد ہونی ہے
وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۪ وَاَوْفُوْا
اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر اس راہ سے جو سب سے بھلی ہے یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچے اور عہد
بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ۝ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ
پورا کرو بے شک عہد سے سوال ہونا ہے اور ماپو تو پورا ماپو اور برابر ترازو سے تولو
الْمُسْتَقِيْمِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ
یہ بہتر ہے اور اس کا انجام اچھا اور اس بات کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہیں
اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ۝ وَلَا تَمْشِ
بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب سے سوال ہونا ہے اور زمین میں
فِى الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۝
اتراتا نہ چل بے شک ہرگز زمین نہ چیر ڈالے گا اور ہرگز بلندی میں پہاڑوں کو نہ پہنچے
كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ۝ ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ
گا یہ جو کچھ گزرا ان میں کی بری بات تیرے رب کو ناپسند ہے یہ ان وحیوں میں سے ہے جو تمہارے رب نے
مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِىْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا
تمہاری طرف بھیجی حکمت کی باتیں اور اے سننے والے اللہ کے ساتھ دوسرا خدا نہ ٹھہرا کہ تو جہنم میں پھینکا جائے گا طعنہ
مَّدْحُوْرًا ۝ اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ
پاتا دھکے کھاتا کیا تمہارے رب نے تم کو بیٹے چن دیئے اور اپنے لیے فرشتوں سے بیٹیاں بنائیں
اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ۝
بے شک تم بڑا بول بولتے ہو

چاہتا ہے بخلاف اس اولیاء کے جو اسی مقام کی خصوصیت وطلب سے اللہ علیہ وسلم نے ترغیب دلائی کہ اللہ تعالیٰ خصوصی اسرار کے حصول کے درپے رہو۔ اس سے جو جتنا محروم رہا اور جو اس مقام کو حاصل کیا وہ بیشتر بہرہ لیا۔

خلاصۃ المرام بحالی اس تقریر سے اندازہ لگائیے کہ صاحب حال وصاحب مقام کے درمیان کتنا بہت بڑا فرق ہے اگرچہ بظاہر دونوں ایک ہیں لیکن گہرائی سے دیکھنے سے فرق واضح ہوتا ہے وہ یہ کہ عوام کی نظروں میں حضرت حلاج کا مرتبہ بہت بڑا معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ انہوں نے بظاہر ایک مشقت بھری کیفیت کو اپنایا لیکن حضرت اویس رضی اللہ عنہ کی دقیق نظر اس طرف سے جاتی ہے کہ حق کی پاسداری بھی ضروری ہے اسی لئے کاملین وعارفین پہلے اپنی حالت پر نظر دیتے ہیں پھر دوسروں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں لیکن عوام یہ چاہتے ہیں کہ ان کے احوال حقیقیہ کا کیا پتہ وہ تو اپنی جہالت و حماقت سے اسرار الٰہی کو نہیں جانتے اسی لئے ان اولیاء کاملین پر طعن وتشنیع کرکے جاہلوں کے زمرہ میں شامل ہو جاتے ہیں یا پھر ایک کامل کو ایک اکمل پر ترجیح دیتے ہیں وہ ان کی کم عقلی کی دلیل ہے یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے مراتب ومقامات کو نہ پہچانا وہ اپنی خفت عقلی سے حلاج رحمہ اللہ تعالیٰ کو ترجیح دے بیٹھے اگرچہ ہم اس کے منکر نہیں کہ حضرت حلاج رحمہ اللہ تعالیٰ کا مرتبہ کچھ کم ہے (معاذ اللہ) وہ بھی بہت اونچے مرتبہ کے ولی تھے لیکن حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے درجہ سے کوسوں دور۔

نکتہ: اسی طرح بعض بے وقوف حضرت شیخ اکبر ابن العربی قدس سرہ کے اسرار وکمالات اور ان کے کلام کی حکمت اور ان کی تحریر کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔

تفسیر عالمانہ

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ مفلسی

الاملاق کی مصدر ہے خوف سے ہو املاق بمعنی افتقار ہے اس سے ان کے قتل کو زندہ درگور کرنے سے ان کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ لڑکیوں کے اخراجات سے ڈرتے تھے اللہ تعالیٰ ان کے اس خطرہ کو یوں ٹالا نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ہم ہی انہیں اور تمہیں رزق دیں گے بتایا ہیں ان کی روزی سے مت ڈرو اس لئے کہ جو ذات جان دیتی ہے وہ رزق بھی عطا فرماتی ہے۔

شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

خداوندگاری کہ عبدے خرید
بدارد فکیف آنکہ عبد آفرید
ترا نیست این تکیہ بر کردگار
کہ مملوک را بر خداوندگار !

ترجمہ : وہ آگاہی سے علم غیب اور اس کی برہان کی سنبھال کرتا ہے وہ آپ پر وہ کھول اپنے حیدہ کا سنبھالا کرے گا جس نے اسے پیدا فرمایا۔

(۱) اے انسان تجھے اپنے خالق پر اتنا بھی بھروسہ نہیں جتنا ایک غلام ملازم کو اپنے آقا پر ہوتا ہے۔

حکایت سیدنا اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت ہرم بن حیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے عرض کی کہ میں کہاں زندگی بسر کروں۔ آپ نے شام کے علاقہ کی طرف اشارہ فرمایا انھوں نے عرض کی کہ وہاں معاش کا کیا ہوگا۔ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا افسوس کہ اس بات کا ہے کہ اب لوگوں کے قلوب پر نصیحت کیسے اثر کرے جب ان کے قلوب میں شکوک و شبہات گھس گئے ہیں۔

اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا اس لئے کہ ان کے قتل میں بہت بڑا گناہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی بنیاد کا انکار اور نسل انسانی کو ختم کرنا ہے اور یہ ہر دونوں بہت بڑے گناہ ہیں۔ الخطا بوزن وبمعنے الاثم کے جو خطی سے ہے اور خطا بالفتح بالقصر والمد ہر دونوں پڑھا جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس آیت کے ساتھ پچھلی دو آیات میں دو مذموم عادتوں کو دو محمود عادتوں سے تبدیل کرنے کی طرف اشارہ ہے

۱۔ بخل

۲۔ دنیوی مشاغل کی طویل امیدیں

ولا تقتلوا اولادکم الخ میں ان دونوں مذموم عادتوں کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ بخل اور دنیا کی طویل امید نے انہیں اولاد کو قتل کرنے پر آمادہ کیا۔ ان ہر دونوں کو :

۱۔ سخاوت

۲۔ توکل (علی اللہ) عادتوں سے تبدیل کرنے کا امر۔

نحن نرزقهم وایاکم میں اشارہ ہے۔

حکایت حضرت یحییٰ علیہ السلام کو ابلیس اپنی اصلی صورت میں ملا تو آپ نے اسے فرمایا کہ اے ابلیس! مجھے اس شخص کی نشاندہی کر جو تیرا تمام لوگوں سے محبوب ترین اور مبغوض ترین ہو۔ ابلیس نے کہا مجھے تمام لوگوں میں سے وہ مؤمن محبوب ترین ہے جو بخیل ترین ہو اور مبغوض ترین وہ ہے جو اگرچہ فاسق ہو لیکن سخی ہو اس لئے کہ مجھے خطرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی سخاوت کو دیکھ کر اس کے فسق سے درگذر فرما کر اسے بخش دے۔ یہ کہہ کر ابلیس چل پڑا اور عرض کی کہ اگر آپ یحییٰ پیغمبر علیہ السلام نہ ہوتے تو میں آپ کو کبھی اپنے اس راز سے آشنا نہ کرتا

مسئلہ : اپنے گھر والوں کو زہد پر مجبور نہ کرے بلکہ چاہئے انہیں اس کی دعوت دے اگر وہ قبول کریں تو بہتر ہے ورنہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دے اور خود زہد و تقویٰ میں جد وجہد کرے۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓی اس کے مقدمات مثلاً بوسہ یا جسم مساس کرنے اور کسی کو شہوت سے دیکھنے سے بھی قریب مت جاؤ چہ جائیکہ زنا کرو۔ الزنا بالمد و بالقصر دونوں طرح پڑھنا جائز ہے یا یہ زانی کا مصدر ہے جیسے قتال، قاتل کا مصدر ہے۔ (کذا فی الکواشی)

اِنَّهٗ بے شک وہ زنا كَانَ فَاحِشَةً وہ ایسا فعل ہے کہ جس کا قبح ظاہر ہے اور حد سے زیادہ قبیح ہے اور یہ بھی قتل کی طرح ہے اس لئے کہ اس میں انساب کو ضائع کرنا ہے اور جس کی نسب ثابت نہ ہو وہ بھی مردہ ہے۔ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝ اور برا راستہ ہے اس لئے کہ زنا انسان کو جہنم کی طرف کھینچتا اور نسل کو منقطع کرتا اور فتنوں کو ابھارتا ہے۔

حدیث شریف: جب زانی زنا کرتا ہے تو اس سے ایمان نکل کر سر پر چھتری کی طرح کھڑا ہو جاتا ہے جب زنا سے فارغ ہو جاتا ہے تو پھر ایمان واپس لوٹتا ہے۔

ف: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ زنا سے بچو اس لئے کہ زنا سے چھ نقصان ہوتے ہیں تین دنیا میں اور تین آخرت میں۔ وہ تین جو دنیا میں ہوتے ہیں وہ یہ ہیں:

① رزق میں کمی واقع ہو جاتی ہے یعنی اس کی روزی سے برکت اٹھالی جاتی ہے اور وہ شخص پریشان معلوم ہوتا ہے۔

② عمر میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔

③ لوگوں کے دلوں میں اس کا بغض بھر جاتا ہے۔ اس لئے کہ زنا انسان کی عزت کو چھین لیتا ہے۔

اور وہ تین نقصان جو آخرت میں ہوتے ہیں وہ یہ ہیں:

① غضب رب۔

② شدت عذاب۔

③ جہنم میں داخل ہونا۔

حدیث شریف: حدیث شریف میں ہے کہ دو آنکھیں اور دو ہاتھ زنا کرتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

مرغ بالا دانہ نظرے خوش می کند
دانہ ہم از دور راہش می زند
این نظر از دور چوں تیر است و سم
عشقت افزوں می شود صبر تو کم

ترجمہ: ① پرندہ دانے کو دور سے دیکھتا ہے تو دانہ بھی دور سے پرندے کی راہ مارتا ہے۔

۲ یہ نظر سے تیرہ و تاریکی کا کام کر جاتی ہے بد نظری سے عشق لگتا ہے جو صبر کرم ہوتا ہے۔

ف وغیرہ شہوت زنا اور جب حق ہے ہر زمانہ میں شہوت ان دسوں مذموم عادتوں میں سے قبیح عادت ہے اسے اللہ تعالیٰ سخت ناپاک و اصلی اسے تبدیل کرتا ہے اس لئے اپنے بندوں کو زنا و شہوت سے روکتا ہے۔

حکایت بصرہ میں ایک نوجوان رہتا تھا اسے مسکی کہا جاتا۔ اس لئے کہ اس سے ہر وقت خوشبو مہکتی تھی اس سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے کہا کہ میں بہت زیادہ حسین و جمیل تھا لیکن حیا و شرم میں عجیب تھا مجھے والد گرامی نے فرمایا کہ بازار میں بیٹھو اس سے تمہاری حالت کی رفتار معلوم اور تجربہ کاری حاصل ہوگی چنانچہ ایک بزاز کی دوکان پر مقرر کر دیا۔ ایک دن بزاز کی دوکان پر ایک بڑھیا آئی اور سامان خریدنا چاہا میں نے اسے اس کی مرضی کے کپڑے دکھائے۔ اس نے کہا کہ اس کی قیمت میری مالکہ ادا کرے گی تم میرے ساتھ چلو۔ میری مالکہ اپنے پسند کے کپڑے خرید لے گی اور آپ کو رقم نقد ادا کرے گی میں اس بڑھیا کے ساتھ چلا گیا وہ مجھے ایک بہت بڑے مکان میں لے گئی اس مکان کے اندر ایک عظیم الشان قبہ تھا جس میں بہترین پلنگ بچھا ہوا تھا جس پر سنہری بستر بچھے ہوئے تھے اور اس پر ایک نوجوان لڑکی نہایت حسین و جمیل بیٹھی ہوئی تھی اس نے مجھے دیکھتے ہی اپنے سینے سے لگا لیا اور بڑھیا وہاں سے فرار ہو گئی میں نے اللہ تعالیٰ کو پکارا۔ اس نے کہا کسی سے محبت داری میں نے کہا مجھے اس وقت قضائے حاجت کی ضرورت ہے میں بیت الخلاء میں جانا چاہتا ہوں۔ اس نے بیت الخلاء کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے بیت الخلاء میں جا کر تمام گندگی اپنے چہرے اور جسم پر مل دی۔ جب اس نوجوان لڑکی نے میری حالت کو دیکھا تو کہا کہ یہ پاگل ہے اسے باہر نکالو میں اس حیلہ بہانہ سے اس گھر سے باہر نکلا۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ مجھے کوئی بزرگ فرما رہے ہیں کہ تم یوسف علیہ السلام سے کم نہیں ہو میں نے کہا کہ آپ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ میں جبریل (علیہ السلام) ہوں۔ اس کے بعد انہوں نے میرے چہرے اور جسم پر ہاتھ پھیرا اس وقت سے میرے جسم سے خوشبو مہکتی ہے یہ وہ اصل جبریل علیہ السلام کے ہاتھ مبارک کی خوشبو ہے جو اس بندۂ خدا کو عفت و پاکدامنی کے سبب نصیب ہوئی۔

حکایت موسیٰ علیہ السلام کو ابلیس ملا اور عرض کی کہ جب آپ کو غصہ آئے تو مجھے یاد کیا کرو اس لئے کہ میں غضب کے وقت غضب والے کے قلب پر اپنا چہرہ اور اس کی آنکھ پر اپنی آنکھ رکھ دیتا ہوں اور پھر تمام جسم کے خون میں بہہ نکلتا ہوں تاکہ غصہ اور تیز ہو جائے اور جنگ سے بھاگنے کے وقت بھی مجھے یاد کیا کرو اس لئے کہ میں اس وقت بھاگنے والے کو اولاد بیوی بچوں اور مال کے خیالات دل میں ڈالتا ہوں یہاں تک کہ وہ جنگ سے پیٹھ دے کر بھاگ جاتا ہے اور غیر محرم عورت کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنے سے بچو اس لئے کہ تنہائی میں غیر محرم عورت کے ساتھ بیٹھتے وقت مرد و عورت دونوں کے دل کا میں قاصد بن جاتا ہوں تاکہ زنا کرنے میں ان کی شہوت میں مدد کروں۔ (کذا فی روح البیان)

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اور اس انسان کو قتل مت کرو جس کا قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے کیونکہ اس نے اسلام قبول کیا یا اس کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ ہے۔ اس میں ذمی اور معاہد شامل ہیں۔ اِلَّا بِالْحَقِّ

یہ استثنا حضور ﷺ کی حدیث کے سبب سے ہے جس میں قتل ناحق کے سبب سے شرعی قتل کو واجب کرنے کے تین اسباب ہیں۔

① اسلام کے بعد کافر ہونا۔
② شادی شدہ ہو کر زنا کرنا۔
③ عمداً نفس معصوم کو قتل کرنا۔

وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا اور جو ظلم سے قتل کیا جائے یعنی قتل بلاوجہ [illegible] کے ارتکاب کے بغیر **فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ** تو ہم نے بنایا اس کے ولی کے لئے اس کے وارثوں میں سے کسی ایک کو اگر وارث نہ ہو تو حکومت کی طرف سے کہ مقتول کے مرنے کے بعد مقتول کے جملہ معاملات کا متولی ہو اور حکومت کو ہم نے اس لئے متولی بنایا کہ جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کی ولایت حکومت کے سپرد ہوتی ہے۔ **سُلْطٰنًا** یعنی تسلط و استیلا یعنی مقتول کے وارث کو قاتل پر مسلط کرنا اور غلبہ دینا تاکہ وہ اسے مقتول کے بدلے میں چاہے تو قتل کرے چاہے اس سے فدیہ لے۔ **فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ** پس مقتول کا متولی قتل کے بارے میں حد سے نہ بڑھے یعنی اس کے لئے شریعت مطہرہ نے جو حد مقرر کی ہے اس سے تجاوز نہ کرے مثلاً اس کی ناک وغیرہ کاٹے یا قاتل کی بجائے قاتل کے کسی عزیز رشتہ دار کو قتل نہ کرے۔ اہل جاہلیت کی عادت تھی کہ وہ کبھی قاتل کے بجائے دوسرے کو قتل کرتے تھے جب دیکھتے کہ قاتل مقتول کا ہمسر نہیں۔

جیسا کہ بعض سردار قتل کیا جاتا فلاں بن فلاں [illegible] بعض سوا۔

کاشفی نے لکھا ہے کہ جاہلیت کی رسم تھی کہ مقتول کا وارث قاتل کے بجائے برادری کے سردار کو قتل کرتا تھا اور قتل میں تجاوز کرنے کا ایک معنی یہ ہے کہ ایک کے بجائے دو کو قتل نہ کرے جیسا کہ جاہلیت والوں کی عادت تھی کہ اگر ان کا کوئی برگزیدہ اور معزز شخص قتل کیا جاتا تو اس کے عوض میں قاتل کے ساتھ اس کے رشتہ داروں کی ایک بڑی جماعت کو قتل کیا جاتا اور تجاوز کا ایک معنی یہ ہے کہ مثلہ کرے پھر قاتل کو قتل کیا جائے۔

اِنَّهٗ بے شک مقتول کا متولی **كَانَ مَنْصُوْرًا ۝** ہے مدد کیا ہوا اس کی شریعت مدد کرتی ہے یا اس کی حق تعالیٰ مدد فرماتا ہے کہ حق تعالیٰ نے مقتول کی یوں مدد فرمائی ہے کہ ولی کو مقتول کی دیت یا قصاص دلایا ہے یا حکام وقت کو حکم فرمایا ہے کہ حقوق کی ادائیگی میں قاتل سے مقتول کے متولی کو حق دلائیں۔

نیز یہ بھی جائز ہے کہ اس کا مرجع قاتل ہو یعنی معنی یہ ہوگا کہ قاتل کو اس کے بدلے قتل کیا جائے گا وہ مقتول کو قیامت میں اجر حق جناب اللہ نصیب ہوگا۔

قاتل کی توبہ اگر کوئی پوچھے کہ عمداً قتل کرنے والے کی توبہ کا کیا طریقہ ہے؟ اس کا جواب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں دیا کہ قاتل کو مقتول کے بدلے قتل کیا جائے یا اس کے وارث مقتول کو معاف کر دیں یا مقتول کے قاتل دیت ادا کرے۔ (رواہ [illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ چہ جائیکہ ذاتی ضروریات میں اسے خرچ کرو۔ اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ مگر ایسی خصلت اور ایسے طریقے سے جو تمام خصلتوں اور طریقوں سے احسن ہو جیسے اس کی حفاظت اور تجارتی کام میں لگا کر اس کا اصل مال بھی بچ جائے اور منافع بھی حاصل ہو۔ حَتّٰی یہ حسن الطریق پر تصرف کرنے کے جواز کی غایت ہے جیسا کہ کلام کے مدلول سے ظاہر ہوتا ہے۔ یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ یہاں تک کہ وہ اپنی پوری قوت و طاقت کو پہنچ جائے۔ اشد، وہ تیس سال کی درمیانی عمر کو اشد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

یہ لغت کی رو سے واحد کا صیغہ جمع کے وزن پر آیا ہے اور کلام عرب میں ان دو لفظوں کے سوا اور کوئی ایسا لفظ نہیں جو واحد ہو کر جمع کے وزن پر آتا ہے۔ (کذا فی القاموس)

اور بحر العلوم میں ہے کہ بلوغ الاشد ادراک سے معلوم ہوگا بعض کہتے ہیں کہ اس کی بلوغت کے بعد رشد (عقلمندی) کے آثار پائے جائیں اس کی آخری عمر تیس سال ہے۔

وَاَوْفُوْا بِالْعَھْدِ وعدہ کا ایفا کرو اس سے اللہ تعالیٰ اور بندوں کے ہر دونوں کے وعدے مراد ہیں۔ ایفاء العہد کا مطلب یہ ہے کہ اس کے مقتضیٰ کے مطابق اس کی محافظت کرنا اور اس ایفا کا صلہ با لو آتا ہے تاکہ حتی ایفا یعنی ایفاء الکیل والوزن اور ایفاء بالعہد کے درمیان فرق ہو۔ اِنَّ الْعَھْدَ کَانَ مَسْئُوْلًا ○ بے شک وعدہ کے متعلق قیامت میں سوال ہوگا یعنی وعدہ کرنے والے سے عدم ایفا پر باز پرس ہوگی کہ اس نے وعدہ کے خلاف کیوں کیا یہ سألت الشیٔ یا سألت عن الشیٔ سے ہے یہ باب الحذف والایصال سے ہے کیونکہ کا عہد جو کہ لیے متعلقات مفعول کی ضمیر کو مرفوع بنا کر اسے صیغہ مفعول میں مضمر کیا جاتا ہے اس کی مثال وذالک یوم مشہود ہے کیا اصل مشہود فیہ تھا اور کواشی نے اسی معنے کو ترجیح دی ہے کہ قیامت میں اس وعدے کو زجر و توبیخ کہا جائے گا کہ تو نے ایفائے عہد کیوں نہ کیا یہاں زندہ درگور کرنے والے کے سوال کی طرح ہے کہ زندہ درگور کردہ سے سوال کر کے زندہ درگور کرنے والے کو زجر و توبیخ کی جائے گی۔ خلاصہ یہ کہ عہد اگرچہ قابلِ سوال نہیں لیکن اس سے سوال کر کے وعدہ خلاف کو زجر و توبیخ کرنا ہوگا یا یہ اگرچہ ذی شعور نہیں اور نہ ہی ذی جسد ہے لیکن قیامت میں اسے مثالی وجود دے کر اس سے سوال ہوگا جیسے قیامت میں اعمال کو متشکل کر کے ترازو میں سامنے لایا جائے گا چنانچہ روایات میں ہے کہ اعمال صالحہ کی نورانی اور اعمال سیئہ کی ظلمانی صورتیں ہوں گی اور پھر انہی صورتوں کا وزن ہوگا۔ (کذا فی حواشی سعدی الفتی مرحوم)

وَاَوْفُوا الْکَیْلَ اور پیمانے کو مکمل کرو اور اس میں کمی بیشی نہ کرو۔ اِذَا کِلْتُمْ جب تم خریدار کو ماپ کر دو۔ اس کی قید اس لیے ہے کہ کمی بیشی کا وقت یہی ہے ورنہ لیتے وقت تو کسی قسم کی کمی کا سوال ہی نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَاِذَا اکْتَالُوْا عَلَی النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ

وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ القسطاس بمعنے القرسطون جسے القبان کہتے ہیں یعنی کانٹا۔ اسے عرب بمعنے بڑا ترازو یا وہ ترازو جس سے کسی شے کو تولا جاتا ہے وہ لیا جو بڑا ہو۔ بعض نے کہا کہ یہ رومی لفظ ہے اسے عربی میں استعمال کیا جاتا ہے اور قرآن مجید میں غیر عربی الفاظ کا ہونا فصاحت کے منافی نہیں جب کہ یہ الفاظ عربی میں مل کر مستعمل ہو چکے ہیں۔

ف : بحر العلوم میں لکھا ہے کہ یہ عربی لفظ ہے اور القسط سے مشتق ہے بمعنے عدل، اور یہی صحیح تر اور جمہور کا مذہب ہے لیکن قسط سے مشتق مانا جائے تو اس کو مکرر ماننا پڑے گا بروزن فعلال اور یہ رباعی ہے بروزن فعلول۔ المستقیم اور ترازو برابر والی سے ترازو اور یہاں اوفوا کو نہیں دہرایا گیا مستقیم کے کہنے کے بعد جو ب کا وہم دکانوں میں ختم ہو گیا۔ بخلاف کیل کے کہ وہاں اس کی استقامت کا اعتبار نہیں اس لئے وہاں کمی بیشی کا خطرہ تھا اسی لئے وہاں اوفوا فرمایا۔

ذٰلِكَ یعنی ایفاء کیل اور وزن برابر۔ خَیْرٌ تمہارے لئے دنیا میں بہتر ہے کیونکہ یہ ایک ایسی امانت ہے کہ معاملات میں رغبت اور ذکر جمیل کا سبب بنتی ہے۔ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ○ اور انجام کے لحاظ سے اچھی ہے تاویل بمعنے عاقبت ہے یہ تفعیل آل سے مشتق ہے بمعنے رجع اور اس سے مآل اور الیہ مراد ہے۔

ف : یہ بھی مذموم صفات سے ایک صفت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق میں بیان فرمایا ہے اس لئے غضب کا نتیجہ ناحق قتل کرنے پر مجبور کرتا ہے اسے اللہ تعالیٰ نے حکم ومن قتل مظلوما الآیۃ سے تبدیل فرمایا۔

حدیث شریف

قیامت کے دن تمام مخلوق سے عرش الٰہی کے قریب تر وہ مقام ہوگا جو مظلوم ہو کر قتل کیا گیا ہوگا اس کا سر عرش الٰہی کی دائیں طرف اور اس کا قاتل بائیں طرف ہوگا اور مقتول کی رگوں کا خون بہہ رہا ہوگا اور مقتول عرض کرے گا کہ یا اللہ! میرے قاتل کو پوچھ کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا؟ اسے میری نماز کا خیال تک نہ آیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا قاتل ذلیل ہے۔ اس کے بعد قاتل کے لئے حکم ہوگا کہ اسے جہنم میں لے جائیں۔

نوشیرواں کی حکمت

نوشیرواں نے کہا کہ چار خصلتیں بہت قبیح ہیں لیکن چار شخصوں کو زیادہ قبیح ہیں:

۱ - بخل بادشاہوں میں
۲ - کذب قاضیوں یا حاکموں میں
۳ - تیزی و شدت غضب علماء میں
۴ - وقاحت یعنی کم حیائی عورتوں میں

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اعتدال و احسان کے لئے تیار رہے۔ ان دس قبیح خصلتوں میں پانچویں خصلت اسراف ہے۔ اس لئے کہ ہر شے کا ضرورت سے زائد خرچ کرنا اسراف کا سبب بنتی ہے اسے قوام یعنی میانہ روی سے موسوم کرنے کا حکم فرمایا۔

کما قال تعالیٰ :

تو بیرت الفعل اسناد مجازا منصوبا ۔

حدیث شریف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد کے قریب سے گذرے اور وہ وضو فرما رہے تھے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے سعد! یہ کیا اسراف ہے۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا وضو میں بھی اسراف ہے آپ نے فرمایا: ہاں وضو میں پانی زائد از ضرورت خرچ کرنا بھی اسراف ہے اگرچہ نہر کے کنارے پر ہی ہو۔

ان دس مذموم خصلتوں میں سے چھٹی خصلت ذمیمہ حرص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ولا تقربوا مال الیتیم الایۃ میں بیان فرمایا۔ وہ اس لئے کہ یتیم کے مال میں تصرف بھی حرص کی وجہ سے ہوتا ہے اسے قناعت سے تبدیل کیا جا سکتا ہے چنانچہ الا بالتی ھی احسن میں اسی طرف اشارہ فرمایا۔

ف: کسی دانا سے پوچھا گیا کہ دنیا کی لذتوں میں بڈھے کو بہ نسبت نوجوان کے زیادہ حرص کیوں ہوتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ بڈھے نے دنیا کی لذتوں کو بہ نسبت نوجوان کے بہت زیادہ چکھا ہوتا ہے اسی لئے اسے لذتوں کا زیادہ حرص ہوتا ہے حضرت صاحب نے فرمایا ؎

ریشہ نخل کہن سال از جوان افزون تر است
بیشتر دلبستگی باشد بدنیا پیر را

ترجمہ: پرانی کھجور کو بہ نسبت نئی کے ریشہ بہت زیادہ ہوتا ہے جیسے بڈھے کو دنیا سے زیادہ دلبستگی ہوتی ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو شخص حرص بیچ کر قناعت خریدتا ہے وہ غنا کو بہت جلد حاصل کرے گا۔

ان دس مذموم خصلتوں میں سے ساتویں خصلت مذمومہ عہد شکنی ہے اس کا بدل وفا ہے۔ کما قال:

واوفوا بالعھد ان العھد کان مسؤلا۔

ف: حضرت علی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اعضائے انسانی سے عہد لیا کہ وہ آداب الٰہی پر مداومت کریں مثلاً نفس کو حکم ہوا کہ وہ ادائیگی فرائض میں کمی نہ کرے اور دل کو حکم ہوا کہ وہ خوف و خشیت سے رہے اور روح کو حکم ہوا کہ وہ مقام قرب سے دور نہ ہو اور سر کو حکم ہوا کہ وہ مشاہدہ سے باہر نہ نکلے۔ ان ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ سوال ہوگا۔

بیت: تا کہ از عہدہ آں عہد چوں آید بروں

ترجمہ: کون ہے جو اس کے عہد سے عہدہ برآ ہو۔

ف: یہ تو ظاہر ہے کہ اکثر دوستوں میں ایفائے عہد نہیں وہ حقوق اللہ کے پابند نہیں نہ حقوق العباد کے۔ الا ماشاءاللہ

حضرت حافظ نے فرمایا ؎

وفا مجوی ز کس ور سخن نمی شنوی
بہرزہ طالب سیمرغ و کیمیا می باش

ترجمہ: کسی سے وفا کی امید مت رکھو اگر ہماری بات نہیں سنتے ہو تو سیمرغ و کیمیا کے طالب بنے رہو۔

ان دس مذموم خصلتوں میں سے آخری مذموم خصلت خیانت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے واوفوا الکیل اذا کلتم میں بیان فرمایا۔

حکایت: ایک شخص پر نزع طاری تھی اور وہ کہتا تھا کہ جہنم کے دو پہاڑ ہیں اس کے اہل و عیال سے اس کے عمل کے متعلق پوچھا گیا تو جواب ملا کہ پیمانے کے لئے اس کے دو برتن تھے لینے کا اور تھا دینے کا اور۔

حدیث شریف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تاجروں کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا اے تاجرو! قیامت میں تمہیں اللہ تعالیٰ فاجر بنا کر اٹھائے گا سوائے ان کے جو سچا ہو اور سچ بولے اور امانت کو ادا کرے۔

ف: زواہر الکلم میں ہے کہ امین ناجی ہے اور خائن ہالک ہے۔ ہالک از ہلک یعنے ہلاکت و تباہی۔

کسی نے کیا خوب فرمایا ؎

امین جو وگر باشد امانت عشق
دریں زمانہ مگر جبرائیل امین باشد

ترجمہ: کسی امین کو ڈھونڈو امین کی تلاش کرو اور یہ امانت کسی کا عشق ہے ہاں اس زمانہ میں اگر کوئی امین ہو گا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں۔

وَلَا تَقْفُ یعنی ولا تتبع بہ قفا الی یقفو سے ہے بمعنی تبعہ اسی سے القافیہ کا لفظ لیا گیا ہے مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ یعنی جس قول و فعل کا تمہیں علم نہیں اس کی تابعداری مت کیجئے۔ ایسے جیسے کہ سنا ہو پڑھے جس کے متعلق یقین نہ ہو کہ وہ مقصد تک پہنچا سکے گا یا نہیں۔

ف: اجتہاد کے منکرین نے اس سے استدلال کیا ہے لیکن ان کا یہ استدلال غلط ہے اس لئے کہ شریعت مطہرہ نے گمان کو بھی علم کے تمام مقام پر رکھا ہے اور اجتہاد میں ظن غالب ہوتا ہے۔ کذا قال الآلوسی

اس کی توضیح یہ ہے کہ اعتقاد راجح اعتقاد جازم کے حکم میں ہے اس لئے کہ اجماع امت ہے کہ اگر قبلہ کے متعلق پتہ چلے تو شہادت اور اجتہاد پر عمل کیا جا سکے۔ اسی طرح اور بہت مسائل ہیں اس سے نتیجہ نکلا کہ آیت سے ثابت نہیں ہوتا کہ عمل بالقیاس بالکل جائز ہی نہیں جیسا کہ ظاہریہ فرقہ کا مذہب ہے۔

إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ بے شک کان اور آنکھ اور دل كُلُّ أُولٰئِكَ ان ہر ایک عضو سے۔ انھیں ذوی العقول قرار دے کر انسان کے اعمال کا سوال ہوگا اور یہ اعضاء انسان پر گواہی دیں گے۔ كَانَ عَنْهُ یعنی ضمیر ان اعضاء میں سے ہر ایک علیحدہ علیحدہ کی طرف راجع ہے یا اس کی طرف جو ان اعضاء والے سے عمل سرزد ہوا۔ مَسْئُولًا ۝ سوال کیا جاوے یعنی ان میں سے ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ سوال ہوگا کہ جس انسان کے ساتھ تم تھے اس نے تمہارے سامنے کیا معاملہ کیا مثلاً کان سے سوال ہوگا کہ تو نے کیا سنا اور آنکھ سے سوال ہوگا کہ تو نے کیا دیکھا اور دل سے سوال ہوگا کہ تو نے کیا جانا وغیرہ وغیرہ۔

ف: بحر العلوم میں لکھا ہے کہ آیت میں اعضاء سے متعلق ہر اس عمل کی اتباع کی نفی ہے جو ان اعضاء کے متعلقات سے مجہول ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے انسان تو وہ باتیں نہ سن جو تمہارے لئے سننا ناجائز ہے اور وہ نہ دیکھو جو تمہارے لئے دیکھنا ناجائز ہیں اور اس کا ارادہ نہ کیجئے جس کے متعلق تمہیں ارادہ کرنا ناجائز ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ان ہر ایک سے علیحدہ سوال کر کے ان کو ان کے اعمال کے مطابق سزا و جزا دے گا۔

سوال: آیت ہذا میں زبان کا ذکر نہیں حالانکہ یہ تمام اعضاء کا سردار عضو ہے؟

جواب: کیونکہ زبان کا معاملہ سمع پر موقوف ہے اس لئے کہ جب تک کان میں بات نہ جائے زبان اسے معلوم کر کے نہیں بول سکتی تو قیامت میں بھی زبان کے جتنے اعمال ہوں گے ان کے اسباب کان سے ہی ہوں گے۔

ازالہ وہم: آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے قلبی ارادوں پر بھی گرفت ہوگی۔ اس کی تائید دوسری آیت: وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ سے بھی ہوتی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ انسان کے ان قلبی ارادوں پر گرفت ہوگی جو اس کے اپنے اختیار سے ہوں مثلاً قلب کا عمل جیسے حب دنیا اور ریا و عجب و حسد و کبر و نفاق وغیرہ انسان کے اپنے اختیار سے ہوتے ہیں اسی لئے ان پر گرفت ہوگی بخلاف ان ارادوں کے جو اس کے اختیار میں نہیں ان پر کوئی گرفت نہ ہوگی۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری امت سے وہ خطائیں معاف فرمائی ہیں جو ان کے دلوں میں بطور وسوسہ وغیرہ واقع ہوتی ہیں۔

مسئلہ: الاشباہ والنظائر میں ہے کہ جو خیالات دل سے گزرتے ہیں ان پر کوئی مؤاخذہ نہیں جب تک ان کو زبان پر نہ لایا جائے یا ان پر عمل نہ کیا جائے۔

خیالات کے پانچ مراتب ہیں وہ خیالات جو انسان کے دل پر گزرتے ہیں کل پانچ ہیں:

۱ - ہاجس: وہ جو صرف دل پر واقع ہوں۔

۲ - خاطر: ان خیالات کو کہا جاتا ہے جو وقوع کے بعد جاری ہوں۔

۳ - حدیث النفس: وہ خیالات جن پر عمل کرنے میں تردد ہو کہ ان پر عمل کیا جائے یا نہ۔

۴ - ہَمّ: وہ خیالات کہ جن پر عمل کرنے پر ترجیح کا قصد ہو جائے۔

۵ - عزم: اس قصد راجح کا مضبوط کیا جائے۔

مسائل فقہیہ

مسئلہ: ہاجس پر بالاجماع مواخذہ نہ ہوگا۔ اس لئے کہ یہ بندے کے اختیار سے نہیں ہوتے اس لئے کہ وہ ایسی شے ہے کہ جس کے دل پر وارد ہو اسے دفع کرنے کی اسے قدرت حاصل نہیں اور نہ اس کا اس نے ارتکاب کیا ہے۔

مسئلہ: خواطر کو دفع کر سکتا ہے جب کہ ہاجس کا ورود ہو تو اگر وہ اسے دور کرنے کی کوشش کرے تو دور ہو سکتے یہی مرفوع ہیں حدیث شریف میں ہے کہ حدیث النفس انسان کو معاف ہے جب حدیث النفس معاف ہے تو اس سے پہلے والے ہواجس و خواطر بھی معاف ہیں۔

تنبیہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ یہ خواطر انسان سے معاف ہیں لیکن مگر دل میں اس طرح کے خیالات دل میں آئیں گے تو متصف نہ ہوں گے۔ اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو مکہ کی بجائے طائف میں سکونت پسند رہی یہ اسی لئے تھا کہ نفس پر بھروسہ نہیں کہ وہ اس طرح کے خیالات کا مرتکب ہوگا۔

مسئلہ: اسی قسم کے نیک ارادوں کا ثواب نہیں لکھا جاتا۔

مسئلہ: ہم یعنی جس ارادے میں عمل کرنے کی ترجیح ہو وہ اگر نیکی سے ہو تو اس کا ثواب لکھا جاتا ہے چنانچہ صحیح حدیث شریف میں ہے کہ بے شک نیکی کے ارادہ پر ثواب لکھا جاتا ہے اور برائی نہیں لکھی جاتی لیکن فرشتہ منتظر رہتا ہے کہ اگر وہ برے ارادہ کو ترک کرتا ہے تو ترک ارادہ کی بھی نیکی لکھی جاتی ہے اگر اس ارادہ کے مطابق عمل کرتا ہے تو اس کے اعمال نامہ میں ایک برائی لکھی جاتی ہے۔

ف: یہ ایک برائی بھی اس کے ارادہ کے مطابق ارتکاب کی وجہ سے لکھی گئی۔ صرف ہم تو امت مصطفیٰ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو معاف فرمائے گئے ہیں۔

مسئلہ: عزم یعنی فعل کے ارتکاب کا پختہ ارادہ کر لینے پر مواخذہ ہوگا۔ بعض نے فرمایا ہے کہ اس پر مواخذہ نہیں اس لئے کہ یہ بھی منجملہ ان ارادوں سے ہے جو امت مصطفیٰ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو معاف ہیں۔ پہلا مذہب محققین کا ہے۔

مسئلہ: الزواجر کتاب الکبائر میں ہے کہ برائی کے عزم پر گناہ نہیں جز لیکن اس پر پختہ ارادہ کرے اور پختہ ارادہ کرے گا تو اس عزم کا گناہ ہوگا جو اس طرح کے ارتکاب جیسا گناہ نہ ہوگا کیونکہ یہ عمل جوارح کا نہیں بلکہ قلب کا ہے۔

مسئلہ: بعض ایسے عزائم ہیں کہ محض پختہ ارادے سے لکھے جاتے ہیں جیسے کفر کا عزم بالجزم۔ والعیاذ باللہ

ان دس مذموم خصلتوں میں سے نویں مذموم خصلت کا اسی آیت ان السمع والبصر الخ میں بیان کیا گیا ہے

اور اس سے ظلم مراد ہے اس لئے کہ ظلم کا معنی اس پر صادق آتا ہے کہ بندے نے اپنے اعضاء و جوارح کو غیر موضع میں استعمال کیا ہے اس کا بدل عدل ہے کما قال :

ان السمع و البصر و الفؤاد کل اولئک کان عنہ مسئولا

مثلاً سمع کا ظلم یہ ہے کہ کان کو غیبت و لغو و آفت و بہتان و عقائد باطلہ و فواحش کے استماع میں استعمال کیا جائے اس کا عدل یہ ہے کہ اسے استماع قرآن و احادیث و علوم اور حکمتوں اور مواعظ و نصیحت اور نیکی اور قول حق میں استعمال کیا جائے ۔

؎

گذرگاہ قرآن و پند است گوش
بہ بہتان و باطل شنیدن مکوش

ترجمہ : کان قرآن و پند و نصیحت کی گذرگاہ ہے اسے بہتان و باطل کے سننے میں مت لگائیے ۔

اور آنکھ کا ظلم یہ ہے کہ اسے محرمات و شہوات اور اپنے سے اوپر والے مراتب کے دنیوی جاہ و حشم کے لوگوں اور اسباب دنیا اور اس کی زیب و زینت اور نقش و نگار کے دیکھنے میں لگایا جائے اور اس کا عدل یہ ہے کہ اسے قرآن و علوم اور اہل اللہ (اہلسنت، اور صلحاء و اولیاء کے چہروں اور آثار رحمت الٰہی کے دیکھنے میں صرف کیا جائے آثار رحمت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو ویران کے بعد کیسے آباد فرمایا ۔ اور ہر ایک شے کو دیکھے تو عبرت کی نگاہ سے دیکھے اسی طرح دینی مرتبے کے لحاظ سے اپنے سے نیچے کے مرتبہ والے کو اور دین میں اپنے سے اوپر والے کو دیکھے ؎

دو چشم از پئے صنع باری نکوست
نہ عیب برادر فرو گیر و دوست

ترجمہ : دو آنکھیں اللہ تعالیٰ کی نیک صنعت کو دیکھنے کے لئے ہیں دوست اور بھائی کے عیب دیکھنے کے لئے نہیں ہیں ۔

عشق علی بہ حضرت نبی صلے اللہ علیہ وسلم احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب سے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی اس کے بعد اپنی شرمگاہ کو دیکھنا چھوڑ دیا اس لئے جو آنکھ سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھے پھر وہ بری جگہ کے دیکھنے کے لائق نہیں ۔

سبق : بے ادب گستاخ نجدیت قسم کے لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ادب کو دیکھیں اور عبرت حاصل کریں ۔

عثمان غنی کا عشق بہ حضرت نبی صلے اللہ علیہ وسلم سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے جھوٹ بولنا چھوڑ دیا ہے اور جب سے اپنا ہاتھ بیعت کے لئے سرور کائنات فخر موجودات صلے اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھ پر رکھا اس وقت سے پھر اپنا ہاتھ اپنی

زنگ دل کو نہیں لگتا اور جب سے قرآن مجید کی تلاوت نصیب ہوئی مجھ پر زنگ وغیرہ نہیں لگتا۔

دل کا ظلم یہ ہے کہ وہ کینہ، حسد، عداوت، حب دنیا اور تعلق ماسوی اللہ کو قبول کرے اور اس کا عدل یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو ان اوصاف ذمیمہ سے پاک وصاف رکھے اور اوصاف حمیدہ اور تخلق باخلاق اللہ سے مزین ہو ؎

چہ باید نقش از آئینہ گر
کہ صیقل نگیرد چو زنگار خورد

ترجمہ: آئینہ دل کو بار بار زنگ سے پاک وصاف کرو جب اس پر زنگ و غبار چڑھ جائے گا پھر اسے صاف کرنا مشکل ہو جائے گا۔

وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ

سوال: مشی میں ہی زمین پر چلنے کا نام ہے پھر اسے فی الارض سے مقید کرنے کا فائدہ؟

جواب: محض تاکید و تقریر مطلوب ہے۔

مَرَحًا بمعنے ذا مرح اس لئے کہ مرحا مصدر ہو احوال کے قائم مقام واقع ہوا ہے بمعنے متکبر و تکبر۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ مرحا بمعنے متکبرانہ چلنا۔

اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ اے انسان زمین پر تکبر کی طرح مت چل۔

مسئلہ: آیت میں تکبر اور اپنے آپ کو بہت بڑا اونچا ہو کے چلنے سے روکا گیا ہے۔

اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ بے شک تو زمین کو اپنے چلنے سے ٹکڑے ٹکڑے نہیں کر سکتا۔ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ۝ اور نہ ہی اپنی طاقت اور بلندی مرتبہ وغیرہ سے طول پہاڑوں تک پہنچ سکتا ہے۔ اس سے مطلق مقصد مراد ہے جو متکبر اپنے خیال سے اس مرتبہ پر پہنچنے کا پروگرام بناتے ہیں ان میں متکبر کا تکبر اور فخر کی حقیقت بتائی گئی ہے اور سمجھایا گیا ہے کہ تکبر حماقت ہے اس لئے کہ انسان محض اپنی طاقت اور ہوشیاری کے بل بوتے پر کسی مقصد کو حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ فضل الٰہی شامل حال نہ ہو۔ یہ تکبر ایسی مذموم خصلت ہی ہے اور یہی خصلت ہے اس لئے کہ اگر کوئی بات میں تکبر ہو تو سمجھو اس کا بدلہ آ رہا ہے جیسے اشرف نے لکھ انک لن تخرق الجبال طولا میں بیان فرمایا ہے۔ ؎

ز خاک آفریدت خداوند پاک
پس اے بندہ افتادگی کن چو خاک

ترجمہ: اے بندہ! تجھے اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا لہٰذا تجھے بھی مٹی کی طرح انکساری کرنا چاہیے۔

حدیث شریف: جو شخص اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھ کر اکڑ کر چلتا ہے تو وہ قیامت میں اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا

کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوگا ۔

وجود آں شہریست پر نیک و بد
تو سلطان و دستور دانا خرد
ہمانا کہ دونان گردن فراز
دریں شہر کبر است و سودا و آز
چو سلطان عنایت کند با بدان
کجا ماند آسائش بخردان

ترجمہ : ۱ - تیرا وجود نیک اور بد کا ایک مستقل شہر ہے تو اس کا بادشاہ اور مشیر عقل تیرا وزیر ہے ۔
۲ - تیرے شہر میں گردن بلند کرنے والے اور اکڑ کے چلنے والے تیرا تکبر اور غلط خیال اور حرص ہیں ۔
۳ - جب بادشاہ برُوں سے احسان و مروت کرے تو عقلا آرام و آسائش سے زندگی نہیں بسر کر سکتی ۔

مُحَمَّدٌ نور صلے اللہ علیہ وسلم سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے حسین تر کسی کو نہیں دیکھا ۔ آپ کے دیدار پر انوار کے وقت ہم چہرہ اقدس کو دیکھتے تو ایسے معلوم ہوتا کہ گویا آپ کے چہرہ اقدس میں سورج چل رہا ہے اور میں نے آپ سے زیادہ تیز رفتار کسی کو نہیں دیکھا جب آپ چلتے تو ایسے معلوم ہوتا کہ زمین آپ کے قدموں میں لپٹی جا رہی ہے اور ہم دوڑ کر آپ کے ساتھ چلتے لیکن آپ آرام سے چلتے تھے ۔

كُلُّ ذٰلِكَ یہ اشارہ ما سبق کی صفات مذکورہ کی طرف ہے جو کہ لا تجعل مع اللہ الٰہا اٰخر سے شروع ہوئیں ۔ اس پہلی آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کا اعتقاد مت رکھو اس کے بعد دوسری تیسری صفت وقضٰی ربک الا تعبدوا الا ایاہ میں بیان کیا گیا اور اس میں حکم فرمایا کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے سوا کی عبادت سے نہی فرمائی اسی طرح باقی آیات کو سمجھئے کہ کسی میں امر ہے کسی میں نہی ہے وغیرہ وغیرہ ۔

كَانَ سَيِّئُهٗ اس سے اعمال شنیعہ مراد ہیں اور وہ چودہ خصلتیں مذکور ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جس امر کا حکم فرمایا ہے وہ حسن ہوتا ہے مذکورہ بالا آیات میں کل گیارہ ہیں ان میں تین پوشیدہ ہیں یعنی اشارہ سے بیان کی گئی ہیں اور باقی کو ظاہر کر کے بتایا گیا ہے ۔ (کذا فی بحر العلوم)

عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ○ تیرے رب تعالیٰ کے ہاں مکروہ ہیں یہاں پر مکروہ بمعنیٰ مبغوض ہے جو کہ پسندیدہ ہونے کے بالمقابل ہے ۔

ف : یہ مکروہ مراد ہونے کے مقابل نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ جمیع حوادث کو شامل ہے ۔

رد معتزلہ: ہماری تقریر بالا سے معتزلہ کا رد ہو گیا وہ کہتے ہیں کہ جو برائی اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے متعلق نہیں ورنہ اجتماع النقیضین لازم آئے گا کیونکہ ارادہ و کراہت۔

خلاصہ یہ کہ وہ کہتے ہیں کہ کسی فعل کا اگر اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا ہے تو وہ فعل اچھا ہے تو وہ اس کی شان کے لائق ہے اگر معاذ اللہ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی شان پر حرف آتا ہے پھر ظاہر ہے کہ وہ برائی کا ارادہ ہی نہیں کرتا اگر کسی برائی کا ارادہ نہیں کرتا تو اس کی پوری تفصیل علم الکلام میں ہے ہم اہلسنت تعلق ارادہ کے قائل ہیں اور شے کا تعلق بالارادہ قبیح نہیں ہاں بندے کو اللہ تعالیٰ کی ناپسند کی ہوئی شے کا ارتکاب کبھی نہیں چاہئے یہی وجہ ہے کہ اولیاء اللہ کراہت کو بھی حرام کا درجہ دے کر کراہت کا ارتکاب نہیں کرتے لیکن افسوس ہے جاہل صوفیوں کا کہ وہ کراہت کے ساتھ ساتھ حرام کے ارتکاب کو بھی جائز سمجھتے ہیں۔

سبق اولیاء اللہ اور جاہل صوفیوں کے درمیان فرق معلوم کر کے جاہل صوفیوں سے بچنا لازم ہے اس میں عوام اولیاء اللہ کے متعلق کو غلط فہمی دور کرنا لازمی ہے اور اللہ تعالیٰ کے حقوق کی پابندی ضروری ہے اور علمائے حق اور اولیاء کرام کی اقتداء کا ادب ملحوظ رکھنا چاہئے۔

ذٰلِكَ یہ اشارہ مذکورہ بالا احکام پر ہے جو صفات مذمومہ و محمودہ کی طرف اشارہ ہے۔ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ ان امور سے ہیں جو رب تعالیٰ نے آپ کی طرف بذریعہ وحی بھیجے ہیں یہ حرف بیانیہ ہے یا تبعیضیہ ہے اور مِنَ الْحِكْمَةِ حال ہے وہ حکمت ہے جسے علم شرائع اور معرفت حق لذاتہ کہا جاتا ہے یہی حکمت لوگوں کا مقصود اعظم اور مقاصد کا صلہ اور اس پر عمل کرنا فلاح دینی و دنیوی ہے اور یہی حکمت عملیہ ہے یا یہ ان احکام کا وصف ہے کہ اس کے بعد اس کا بدلنا اور منسوخ ہونا ناممکن ہے وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ یہ خطاب رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن مراد آپ کی امت کے وہ افراد ہیں جن سے شرک کے خلاف کا صدور ممکن ہے اس کا تکرار محض تاکید کے لئے ہے اس لئے کہ توحید انسان کے جملہ امور کا مبدا و منتہیٰ ہے اس لئے کہ جو توحید سے محروم ہے اس کے جملہ اعمال بے کار اور اس کی تمام مساعی ضائع ہیں اس لئے کہ توحید ہی جملہ اعمال کی سرکوب ہے جو توحید کا قائل نہیں اسے علوم نفع دیں گے نہ حکمت یہی وجہ ہے کہ جب یونان کے حکماء نے علوم و حکمت میں بہت کی اور اپنے فنون کے کمال ہوتے پر ناز پہنچائیں تو ان کی عقلیں بے سود جب کہ ان کے ہاں توحید کی دولت نہیں تھی تو انہیں عقلوں اور فلسفوں کی کتابیں کام نہ دے سکیں اور وہ دین حق سے بھٹک اور گمراہ ہو کر ان کی قسمت سے بہت سے محروم رہے

ربط: شرک کی مذمت کے بعد اب اس کا نتیجہ بتایا کہ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا پس اے مخاطب! شرک کر کے تم مذموم و مخذول ٹھہرو گے۔

اور یہاں پر اس دنیوی انجام کا نتیجہ اخروی یوں واضح فرمایا کہ فَتُلْقٰى فِىْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا پس اے مخاطب! تم قیامت میں جہنم میں اس سے جاؤ گے تو تم اپنے نفس پر ملامت اور اس کی مذمت کرتے ہو گے اور تمام لوگ اور فرشتے بھی

نہیں عبادت کریں گے ۔ مَّدْحُوْرًا مطرود و مردود یعنی رحمت الٰہی سے دور پھینکے جاؤ گے بلکہ تمہیں ہر خیر و برکت سے محروم کیا جائے گا ۔

ف : اللہ تعالیٰ نے مشرک کو اس لکڑی سے مثال دی ہے جسے انسان اٹھا کر تنور میں پھینک دیتا ہے ۔

ف : توحید جملہ حسنات کی جڑ اور شرک جملہ سیئات کا اصل ہے ۔

تفسیر صوفیانہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ جب کافر کہتا ہے تو اس کے دل سے کفر کی تاریکیاں دور ہو کر نورِ توحید آ جاتا ہے اور جب مومن کہتا ہے تو اس کے دل سے نفس کی ظلمات دور ہو کر نورِ واحدیت ثابت ہو جاتا ہے جو اس کلمہ کو دن میں ہر بار پڑھتا ہے اس کے دل سے پردے اٹھتے چلے جاتے ہیں، یہاں تک کہ محسوس کرتا ہے جو پردے ہزاروں و شمار کرنے سے اٹھے وہ بھی دور کرنے سے نہیں اٹھے تھے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کا مقام بہت بلند اور غیر متناہی ہے ۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا

یہ تحقیق انبیاء کرام کا فرمودہ ہے جسے ہم نے اوپر نقل کیا ؎

اے برادر بے نہایت درگہیست
ہر کجا کہ مے رسی باللہ مایست

ترجمہ : اے بھائی وہ درگاہ بے نہایت ہے جہاں جاؤ گے اسی کی ذات ہی کی طرف آگے بڑھتے چلو ٹھہرو مت ۔

ملفوظ ولی اللہ : حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ اے اللہ الٰہی تیرے ذکر سے دنیا سلامت اور تیری عفو سے آخرت بھلی اور تیرے دیدار سے ہی بہشت عمدہ کر ۔

حدیث شریف : دنیا و مافیہا ملعون ہے سوائے ذکر الٰہی اور وہ عمل جو اس کے موافق ہے یا عالم دین اور طالب علم اسلامی ۔

تفسیر صوفیانہ : توحید یعنی اثبات الوحدت اور وحدہ صاحب کمال ہوتا ہے جو کثرت سے نکل کر دائرہ وحدت میں پہنچ جاتا ہے ۔

ولی اللہ کی آرزو حضرت شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا کہ ایک بندۂ خدا فلاں پہاڑ کی غار میں برسوں عبادت الٰہی میں مشغول ہے تو میں اس کی زیارت کے لئے وہاں چلا گیا جونہی اس کے دروازے کے قریب پہنچا تو میں نے سنا کہ [illegible] دعا کر رہا تھا کہ اے اللہ ! تیرے بعض بندوں نے تجھ سے تسخیر خلق مانگی تو نے انہیں اپنے فضل و کرم سے ان کی مراد پوری فرمائی اور میں تجھ سے مانگتا ہوں کہ اپنی مخلوق کو میرے متعلقات سے دور فرما دے تاکہ میں

فراغت سے تیری بارگاہ میں اختیار کروں۔

ہم سب کو اللہ تعالیٰ نے اس مقام کے حقائق عطا فرمائے اور ہر لمحہ اپنے حضور میں حاضری کی توفیق بخشے۔ (آمین)

حکایت ایک بادشاہ اپنے وزراء میں سے ایک وزیر کے ساتھ بہت زیادہ محبت کرتا تھا دوسرے وزراء اس سے حسد کرتے اور طرح طرح کے الزام لگا کر اسے بادشاہ کی نظروں سے گرانے کی کوشش کرتے۔ ایک دن بادشاہ کو خیال ہوا کہ وزراء کو اپنے مخصوص وزیر کی محبت و عشق کا ثبوت پیش کرے چنانچہ حکم فرمایا کہ محل شاہی خوب سجا کر اس کے اندر خزانہ کا دروازہ کھول دیا جائے۔ بادشاہ نے شاہی محل میں تمام وزراء کو بلا کر فرمایا کہ خزانہ شاہی سے جس کا جو جی چاہے لے جائے۔ اس سے کسی نے جواہر اٹھائے کسی نے موتی کسی نے کچھ کسی نے کچھ، وہ وزیر جو چپ چاپ موجود تھا جس سے وزراء حسد کرتے تھے اس نے اٹھ کر بادشاہ کے ہاتھ تھام لئے اور عرض کی کہ مجھے تو نہ دولت جواہر موتی کی ضرورت نہیں مجھے تو صرف آپ کی ذات چاہئے

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

گدائے کوئے تو از ہشت خلد مستغنی است
اسیر عشق تو از ہر دو کون آزاد است

ترجمہ: تیرے در کا گدا بہشت سے مالا مال ہے تیرے عشق کا اسیر دونوں جہانوں سے آزاد ہے۔

یعنی عاشق صادق صرف محبوب کو چاہتا ہے اسی لئے وہ ہر حالت میں محبوب کے سوا ہر شے سے فارغ ہوتا ہے۔ اسی لئے ہمارے دور کے ایک شاعر نے کہا ؎

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس[۱]

اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا یہ ان قائلین کو خطاب ہے جو کہتے تھے کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں ہیں اور خود لڑکیوں سے نفرت اور لڑکوں کو پسند کرتے تھے باوجود اس کے لڑکیوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں فرمایا۔ الاصفاء بالشئ یعنی کسی شے کو خاص اپنے لئے منتخب کرنا۔ یہ ہمزہ انکار کا اور فاء عاطفہ ہے اس کا معطوف علیہ محذوف ہے جس کی تقدیر اس کلام کا ما بعد کرتا ہے اصفاء کو اتخاذ سے تعبیر کرنے میں ان کی خساست کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ اناث حیوان کی خسیس ترین جنس ہے۔ اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ اے کافرو! کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے اوپر فضیلت دی ہے کہ تمہیں افضل الاولاد سے نوازا ہے اور انہیں خاص تمہارے لئے مقرر فرمایا ہے اور اپنے لئے خسیس اور ادنیٰ اولاد کو اختیار فرمایا۔ اسی طرح کا مضمون الکم الذکر وله الانثیٰ میں ہے۔

---

[۱] اضافہ از فقیر اویسی غفرلہ۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا
اور بیشک ہم نے اس قرآن میں طرح طرح سے سمجھایا کہ وہ
وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ۝ قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا
سمجھیں اور اس سے انہیں نہیں بڑھتی مگر نفرت تم فرماؤ اگر اس کے ساتھ اور خدا ہوتے جیسا یہ بکتے ہیں جب تو وہ عرش
اِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا ۝ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝
کے مالک کی طرف کوئی راہ ڈھونڈ نکالتے اسے پاکی اور برتری ان کی باتوں سے بڑی برتری
تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۚ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ
اس کی پاکی بولتے ہیں ساتوں آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہیں اور کوئی چیز نہیں جو اسے سراہتی ہوئی
بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۗ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝ وَاِذَا
اس کی پاکی نہ بولے ہاں تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے بیشک وہ حلم والا بخشنے والا ہے اور اے
قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا
محبوب تم نے قرآن پڑھا ہم نے تم پر اور ان میں کہ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ایک چھپا ہوا پردہ کر
مَّسْتُوْرًا ۝ وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ
دیا اور ہم نے ان کے دلوں پر غلاف ڈال دیے ہیں کہ اسے نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں ٹینٹ
وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ۝ نَحْنُ
اور جب تم قرآن میں اپنے اکیلے رب کی یاد کرتے ہو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگتے ہیں نفرت کرتے ہم خوب
اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ
جانتے ہیں جس لیے وہ سنتے ہیں جب تمہاری طرف کان لگاتے ہیں اور جب آپس میں مشورہ کرتے ہیں جب کہ ظالم کہتے ہیں
اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا
تم پیچھے نہیں چلے مگر ایک ایسے مرد کے جس پر جادو ہوا دیکھو انہوں نے تمہیں کیسی تشبیہیں دیں تو گمراہ
فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ
ہوئے کہ راہ نہیں پا سکتے اور بولے کیا جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے کیا سچ مچ نئے بن
خَلْقًا جَدِيْدًا ۝ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ۝ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ
کر اٹھیں گے تم فرماؤ کہ پتھر یا لوہا ہو جاؤ یا اور کوئی مخلوق جو تمہارے خیال
صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۖ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ
میں بڑی ہو تو اب کہیں گے ہمیں کون پھر بنائے گا تم فرماؤ وہی جس نے تمہیں پہلی بار بنایا

فَسَيُنْغِضُونَ إِلَيْكَ رُءُوسَهُمْ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هُوَ قُلْ عَسَىٰ أَنْ يَكُونَ
تمہاری طرف مسخرگی سے سر ہلا کر کہیں گے یہ کب ہے تم فرماؤ شاید نزدیک ہی ہو
قَرِيبًا ﴿٥١﴾ يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ وَتَظُنُّونَ إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٥٢﴾
جس دن وہ تمہیں بلائے گا تو تم اس کی حمد کرتے چلے آؤ گے اور سمجھو گے کہ نہ رہے تھے مگر تھوڑا

(بقیہ صفحہ ۱۴۵)

اس طرح کا ہونا حکمت کے بھی خلاف ہے اور یہی اس کے متعلق تمہارے خیال کی گواہی دیتے ہیں اور یہی ان کی عادت ہے کہ آقا کے لئے ردی قسم کی چیزیں اور غلاموں کے لئے اعلیٰ اور بہتر اور برتر چیزیں ہوں۔

ف: کاشفی نے اس کا ترجمہ لکھا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لڑکے منتخب فرمائے اور اپنے لئے فرشتوں کو لڑکیاں تجویز فرمائیں اور یہ عادت کے خلاف ہے کہ جب لڑکیوں سے ننگ ہو اور لڑکوں پر نازاں ہو پھر ننگ والی چیزیں اللہ تعالیٰ کے لئے اور فخر و ناز والی چیزیں تمہارے لئے۔

إِنَّكُمْ لَتَقُولُونَ بے شک اولاد کی نسبت کا تمہارا قول۔ قَوْلًا عَظِيمًا بہت بڑا بھاری قول ہے۔ ایسے قول کی کوئی بھی جرات نہیں کر سکتا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو اجسام متجانسہ اور سریع الزوال اشیاء کے قبیل سے ملاتے ہو پھر اولاد میں سے خسیس ترین کو اللہ تعالیٰ کی اور اعلیٰ قسم کی اولاد یعنی لڑکوں کو اپنے لئے خاص کرتے ہو اور پھر وہ جو اشرف الخلق ملائکہ ہیں انہیں انوثت سے موصوف ہو حالانکہ انوثت بھی ان کے اوصاف سے نہیں یعنی وصف ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں انسان کی خباثت و جہالت کے کمال کی طرف اشارہ ہے اس کا کمال جہالت تو یہ ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو جنس حیوانات سے سمجھا اور حیوانات کا خاصہ توالد و تناسل ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے اوصاف سے منزہ اور پاک ہے اور اس کا کمال خباثت یہ ہے کہ اسے معلوم نہیں کہ توالد و تناسل کی ضرورت بقائے نسل کے لئے ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو تو بالذات بقا اور وہ ابدی سرمدی ہے اسے بقائے جنس کے لئے توالد و تناسل کی کیا ضرورت ہے اور اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ جنس سے پاک اور منزہ ہے اور ملائکہ اس کی جنس نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ازلی و ابدی تعالیٰ ہے اور فرشتے مخلوق اور اسی کی پیدا کردہ ہیں اور اس کے کمال خباثت و جہالت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس نے گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں لڑکے بخشے اور خود اپنے لئے لڑکیاں منتخب فرمائیں یہ قول بعینہٖ اللہ تعالیٰ کی جہالت کی طرف نسبت کرنے کے مترادف ہے کیونکہ اس سے واضح ہوتا ہے کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کو لڑکوں کی لڑکیوں پر فضیلت کا علم نہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا یعنی تمہارا یہ قول کمال خباثت و جہالت پر دلالت کرتا ہے۔

۱۵۳
(بقیہ صفحہ گذشتہ)

تفسیر عالمانہ: وَلَقَدْ صَرَّفْنَا اور بیشک ہم نے یہ مضمون بیان کیا اور بار بار بتایا۔

کوشش نے اس کا ترجمہ کیا کہ ہم نے بار بار دلائل دے کر سمجھایا ہے کہ میں اولاد سے منزہ اور پاک ہوں۔ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ اس قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اس قسم کے دلائل بیان کئے گئے ہیں۔ لِیَذَّکَّرُوْا تاکہ قرآن مجید کے دلائل پڑھ کر نصیحت حاصل کریں اور اپنے غلط اقوال اور گندے عقائد سے باز آجائیں۔ وَمَا یَزِیْدُهُمْ حالانکہ انہیں ہمارے دلائل وغیرہ نے بڑھایا۔ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿﴾ مگر نفرت کو یعنی وہ دلائل سن کر بجائے حق کی طرف رجوع کرنے کے الٹا حق سے دور ہو گئے۔ قُلْ اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم انہیں حق کے اظہار اور باطل کے ابطال کے لئے دوسرے طریقے سے فرمائیے۔ لَوْ کَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور معبود ہوتے۔ کَمَا یَقُوْلُوْنَ جیسے تم کہتے ہو اے کافرو! تمہارا یہ کہنا محض جھوٹ ہے اور یہ کاف محل نصب میں ہے اس لئے کہ یہ مصدر محذوف کی صفت ہے ماحصل عبارت یوں تھی کونا مشابہا لما یقولون۔ یہاں پر مشابہت یعنی موافقت و مطابقت ہے۔ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰی ذِی الْعَرْشِ اس وقت وہ معبودان باطل طلب کرتے صاحب عرش یعنی وہ جو علی الاطلاق اس کا مالک اور ربوبیت کی طرف سَبِیْلًا ﴿﴾ راستہ غلبہ پانے اور اسے دور کرنے کے لئے یعنی تاکہ وہ رب حقیقی پر غلبہ پائیں اور اس پر قبضہ کرکے اپنے سے عیب دور کریں جیسا کہ بادشاہوں کا طریقہ ہے کہ وہ ایک دوسرے پر برتری کے طور پر غلبہ اور حملہ کیا کرتے ہیں اس دلیل سے کافروں کا منہ بند کیا ہے وہ اس طرح کہ ان کے معبودان باطلہ یا معبود حق سے بڑے ہیں یا اس کے برابر یا اس سے درجے میں کم ہیں۔ اگر معبود حقیقی سے بڑے ہیں تو انہیں چاہئے کہ وہ اس کا مقابلہ کرکے اس پر غلبہ پائیں اور ربوبیت اور عرش کی شاہی اس سے چھین لیں جیسا کہ بادشاہوں کی عادت ہے کہ وہ اپنے سے کمزوروں پر غلبہ پا کر ان سے شاہی چھین لیتے ہیں۔ آیت میں برہان تمانع کی طرف اشارہ ہے یعنی اس آیت کو قیاس استثنائی بنا کر پھر اس سے نقیض تالی کا استثنا کیا گیا۔ اور اگر وہ معبودان باطلہ کے برابر ہیں تو بھی نہیں چاہیں گے کہ ان کے برابر کا ایک کیسے حکومت و سلطنت کر رہا ہے جب کہ وہ اس کی طرح ہیں پھر تو ان کی عادت یہی ہے اسی لئے وہ اس سے جھگڑیں اور اس سے شاہی و سلطنت چھین لیں اگر وہ اس سے درجے میں کم ہیں تو پھر ربوبیت کے قابل نہیں۔ لہٰذا لابتغوا الی ذی العرش سبیلا اس وقت طلب کریں عرش کامل کے مالک کی طرف کوئی راستہ خدمت و عبودیت و قربت کے لئے۔ آیت میں اس قول کی طرف اشارہ ہے اس کی صورت یوں ہوگی۔ لو فرض معہ اٰلهة لتقربوا الیہ بالطاعة وکل من تقرب الیہ بہا لا یکونون اٰلهة فما فرض اٰلهة لا یکونوا اٰلهة۔

یہاں پر لو امتناعیہ نہیں بلکہ شرطیہ ہے۔

ف: یہاں پر معبود سے ان کے وہ معبودی المتقول معبود مراد ہیں جنہیں انہوں نے اپنے زعم فاسد سے معبود مقرر کر رکھے تھے۔ جیسے حضرت عزیر و مسیح علیہم السلام۔ وکذا فی التاویلات النجمیہ [illegible]

سُبْحٰنَهٗ اس کی ذات کے لئے وہ تنزیہ ہے جو اس کی شان کے لائق ہے۔ وَتَعٰلٰی اور بلند ہے وہ۔ عَمَّا یَقُوْلُوْنَ اس سے جو وہ کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ اور معبود ہیں اور اس کی لڑکیاں ہیں۔

بحر العلوم میں ہے کہ اس میں تنزیہ اور تعجب ہے۔ ان کے اقوال سے دراصل عبارت یوں ہوگی، ما ابعد من له السلطنة الاعظم ملک اور ربوبیت والے کی شان سے بعید ہے اور اس کی شان بہت بلند ہے اس سے جو وہ کہتے ہیں۔

عُلُوًّا یہ مصدر بمعنی تعالیا کے قائم مقام ہے جیسے واللہ انبتکم من الارض نباتا میں مصدر بمعنی انباتا مصدر کے قائم مقام ہے۔

كَبِيْرًا ○ بہت بڑا ہے کہ اس کے سوا اور کوئی بڑا نہیں کیوں؟ اس لئے کہ وہ وجود کے غایت کے انتہائی درجہ پر یعنی وجوب ذاتی پر ہے کہ جس کے بعد اور کوئی مرتبہ نہیں اور وہ جو کہتے ہیں کہ اس کے لئے شریک اور اس کی اولاد ہے یہ عدم کے انتہائی یعنی درجہ امتناع میں ہے۔

جیسے مشرکین کے دنیوی معبود ہیں ایسے ہی کئی گروہ اہل ایمان کا حال ہے کہ وہ اپنی جہالت وغفلت سے نفس کی خواہشات کو معبود بنایا ہے کما قال :

ارایت من اتخذ الٰهه هواه

اسی طرح بعض بدبخت وہ ہوتے ہیں جنہوں نے اپنی زوجہ کو اپنا معبود بنایا ہوا ہے جیسے عورتوں کی اطاعت میں ایسے سرمست ہوتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جاتی ہے اور بعض ایسے بدقسمت ہیں جو اپنی تجارت کو اپنا معبود سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طاعت ترک کرکے رات دن اس کے شغل میں مصروف رہتے ہیں۔

حکایت حضرت مالک بن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طریقہ تھا کہ نماز پڑھتے وقت جب ایاک نعبد وایاک نستعین پڑھتے تو فوراً بے ہوش ہو جاتے۔ آپ سے وجہ دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا وہ اس لئے کہ ادھر تو میں اقرار سے ایاک نعبد عرض کرتا ہوں ادھر نفس کی اطاعت و فرمانبرداری کرتا ہوں اور ادھر ایاک نستعین کہتا ہوں اور پھر غیروں کے دروازے کھٹکھٹاتا ہوں ؎

اے کہ بندہ ایں جہاں بچوں جہاں
چند گوئی خویش را خواجہ جہان
خدمت دیگر کنی ہر صبح و شام
مانگوئی گرتی کس حق و السلام
بندۂ حق شو دیکش باشد مستقیم
با خلوص و اعتقاد مستقیم

ترجمہ ① اے طالب تو اس جہان کی چیزوں کی محبت میں جتنا چاہے رہے اللہ والے کا کہنا ہے کہ میں اس جہان میں سردار ہوں۔

② دنیا میں قسمت آزمیوں کی کثرت ہے اور وہ بیدار ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔

③ حق تعالیٰ کا بندہ وہی ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے دروازہ پر اخلاص اور اعتقادِ مستقیم کے ساتھ پڑا رہتا ہے۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ ہر وقت ذکر توحید میں مصروف رہے اور ہر وقت اس عہد کی تجدید کرے جو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان میں روزِ ازل ہوا تھا اس لئے کہ مغفرت اور ابرار و متقین کے درجات کی طرف ترقی کا سبب یہی عمل ہے جیسا کہ یقین والوں پر مخفی نہیں۔

ابرار کا وظیفہ مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے عرش کو پیدا فرمایا تو وہ چونکہ اس کی تمام مخلوقات سے بڑا ہے اسی لئے پیدا ہوتے ہی ہلنے لگا اور چوبیس ہزار سال تک ہلتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے حرکت سے باز رکھنے کے لئے چوبیس حروف یعنی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، عرش کے سامنے ظاہر فرمائے تو عرش ہلنے سے رک گیا اور چوبیس ہزار سال تک رکا رہا۔ چوبیس ہزار سال گزرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے جسے سب سے پہلے پیدا فرمایا تو اسے اس کلمہ کے پڑھنے کا حکم فرمایا تو جونہی اس نے یہ کلمہ پڑھا تو عرش ہلنے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا ٹھہر جا اس نے عرض کی یا اللہ تعالیٰ! میں کیسے ٹھہر جاؤں جب تک تو اس کلمہ کے پڑھنے والے کو نہیں بخشے گا میں ہلتا رہوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ٹھہر جا میں نے تیری پیدائش سے ہزار سال پہلے قسم کھائی تھی کہ کلمہ توحید پڑھنے والے کو ضرور بخشوں گا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے عفو و مغفرت کا سوال کرتے ہیں۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ط آسمان اور زمین اور ان کے اندر رہنے والے سب کے سب اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتے ہیں۔

ف یہاں تسبیح یعنی نقائص امکان و حدوث سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ اور تمام نقائص امکان و حدوث سے اس کی تبعید اور آسمانوں اور زمینوں کی تسبیح سے حالی مراد ہے گویا یہ زبانِ حال سے کہہ رہے ہیں کہ صانع و خالق کا وجود اور وہ بہت بڑی قدرت اور حکمت والا ہے اور من فیہن سے ملائکہ اور جن اور انسان مراد ہیں اور ان کی تسبیح سے مقالی تسبیح مراد ہے جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ ان میں سے کوئی تسبیح کرنے والا تسبیح کہتا ہے تو سننے والا اسے سن لیتا ہے یا بطریق عموم المجاز مطلق تسبیح مراد ہے جو زبانِ حال و زبانِ مقال ہر دونوں کو شامل ہے جیسے ایسے قول و فعل کا صدور جو ذاتِ حق کی تنزیہ پر دلالت کرے اس تقدیر پر لفظ تسبیح مشترک لفظ ہے کہ ہر وہ شے جو اللہ تعالیٰ سے نقائص حدوث و امکان کا دفعیہ کرے اسے تسبیح کہا جائے گا خواہ وہ مقال سے متعلق ہو یا حال سے۔

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اس سے تمام اشیاء (حیوانات ہوں یا نباتات) مراد ہیں یعنی تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کی صنعت وقدرت وحکمت پر دلالت کرتی ہے۔

ف: بعض نے کہا کہ یہ اشیاء اللہ تعالیٰ سے نقصان وعیب کی تنزیہ اور اس کے صفات کمال کا اظہار کرتی ہیں۔

ف: یہ اِنْ نافیہ ہے۔

اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ۔ الفقہ بمعنے سمجھ کی غرض اس کے بولنے سے سمجھنا اب معنے یہ ہوگا کہ ہر شے اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے لیکن اے مشرکو! تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ اس لئے کہ وہ لفظ تسبیح کہ جس سے یہی تسبیحات کہی جاتی ہے تمہارے ہاں وہ لفظ نہیں۔ یہ ہم نے اس لئے کہا کہ اگر ان سے پوچھا جاتا کہ آسمانوں اور زمینوں کا خالق کون ہے؟ تو وہ کہتے ہیں کہ ان سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے لیکن اس کے باوجود کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور اس کی اتنی بہت بڑی قدرت کے قائل ہیں پھر بھی اس ذات کے ساتھ اوروں کو شریک ٹھہراتے ہیں اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ گویا وہ صنعت باری تعالیٰ اور قدرت حق تعالیٰ کو دیکھتے ہی نہیں اسی لئے اس کی توحید کا اقرار نہیں کرسکے وہ جس کی تعریف ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کرنا ہے اور یہ دونوں باتیں کے خلاف ہیں تو صاف ظاہر ہے کہ وہ تسبیح اشیاء نہیں سنتے۔ اسی لئے انہیں ذات حق تعالیٰ کی صنعت اور اس کی قدرت کے دلائل محسوس نہیں ہوتے۔ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا بے شک وہ اللہ تعالیٰ حلیم ہے یہی وجہ ہے کہ تم باوجودیکہ توحید کے دلائل سے اعراض اور شرک کرنے میں منہمک ہو لیکن پھر بھی تم پر عذاب نازل کرنے کی عجلت نہیں فرماتا اور حلیم اگر اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر ہو تو اس کا معنے ہوگا کہ ظالم سے ظلم کے بدلے لینے میں تاخیر کرنا اور اگر اس کا اطلاق مخلوق پر ہو تو اس کا معنے ہوگا غضب کے وقت جوش میں غضب کا ظاہر نہ کرنا۔ غَفُوْرًا ۝ جو تم میں سے توبہ کرے اور توحید کی طرف رجوع کرے اس کے لئے غفور ہے۔ یہ تقریر بطور تسبیح اشیاء زمخشری اور بیضاوی و ابوالسعود وغیرہ ان کے اہل ظاہر پر علما کا مذہب ہے۔

تسبیح اشیاء کی تحقیق

حضرت الشیخ علی سمرقندی قدس سرہ نے بحر العلوم میں لکھا ہے کہ سلف صالحین کا مذہب ہے کہ آیت میں ہر دونوں جگہ تسبیح حقیقی مراد ہے اور یہی تو ہے وہ اس لئے کہ جب ہم مانتے ہیں کہ جمادات بھی گفتگو کرتے ہیں تو ان کی تسبیح بھی حقانی ماننی چاہئے۔ اس کے دلائل شمار ہیں۔

حجر اسود کی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام ہے

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں مکہ کے اس پتھر (حجر اسود) کو جانتا ہوں جو میری بعثت سے پہلے مجھ پر صلوٰۃ وسلام پڑھتا تھا اسے اب بھی میں جانتا ہوں۔

تسبیح الطعام: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم جب طعام کھا رہے تھے تو ہم اس کی تسبیح اپنے کانوں

سے سنتے تھے ۔

دلیل ③ قرآن مجید کے صریح نصوص موجود ہیں کہ قیامت میں انسان پر اس کے اعضاء اور اس کا چمڑا اس کے اعمال کی گواہی دیں گے ۔ (اس سے جمادات کی حقیقی گفتگو کا ثبوت ملتا ہے)

④ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انا سخرنا الجبال معه یسبحن بالعشی والاشراق کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام جب تسبیح پڑھتے تو ان کے جواب میں پہاڑ بھی تسبیح پڑھتے تھے ۔

⑤ حضرت مجاہد نے فرمایا کہ ہر شے خواہ وہ ذی حیات ہو یا جماد وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتی ہے اور ان کی تسبیح یہ ہے سبحان اللہ وبحمدہ ۔

⑥ حضرت مقداد ابن معدیکرب نے فرمایا کہ خشک مٹی جب تک تر ہو وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتی ہے اسی طرح خربوزہ کبھی جب تک اپنی جگہ سے آزاد جائے وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتا ہے اسی طرح پتے جب تک درخت سے نہیں ٹوٹ جاتے اور پانی جب تک جاری رہتا ہے اور کپڑا جب تک جدید رہتا ہے جب وہ میلا ہو جاتا ہے تو تسبیح ترک کر دیتا ہے اسی طرح وحشی اور پرندے جب بولتے ہیں تو تسبیح پڑھتے ہیں جب خاموش ہوتے ہیں تو تسبیح ترک کر دیتے ہیں ۔

⑦ حدیث شریف میں ہے کہ مچھلی دریا سے اس وقت پکڑی جا سکتی ہے اور پرندہ بھی اس وقت گرفتار کیا جا سکتا ہے جب وہ تسبیح الٰہی سے غافل ہوتے ہیں ۔ (کذا فی المدارک)

⑧ امام نخعی نے فرمایا کہ ہر شے ذی حیات ہو یا جماد اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتی ہے یہاں تک کہ جب دروازہ بند یا کھولا جاتا ہے اور اس سے جو آواز نکلتی ہے وہ اس کی تسبیح کی آواز ہوتی ہے اسی طرح چھت کے ٹوٹتے وقت جو آواز نکلتی ہے وہ بھی اس کی تسبیح کی آواز ہوتی ہے ۔

⑨ حضرت عکرمہ نے فرمایا کہ درخت اور ستون تسبیح پڑھتے اور درخت اور لکڑی تسبیح پڑھتی ہے جب تک اسے کاٹا نہ جائے یا وہ خشک نہ ہو ۔

⑩ الکرمانی میں ہے کہ ان کا ذکر و تسبیح کرنا حقیقۃً نطقاً ممکن ہے ۔

⑪ مختار النوازل میں ہے کہ قبرستان کے درختوں اور اس کی گھاس کو بلا ضرورت کاٹنا مکروہ ہے اس لئے کہ وہ ذکر الٰہی اور تسبیح حق میں مشغول ہوتے ہیں ۔

⑫ المعتقد میں ہے کہ پرانے گورستان کہ جس کے نشانات مٹ گئے ہوں لوگوں کو اسے اپنے کام میں نہ لانا چاہئے یعنی نہ وہ اس میں مکانات تعمیر کریں نہ اس میں جانوروں کو باندھیں اور نہ اس کی گھاس اور نہ درخت وغیرہ کاٹیں ۔

⑬ بزدویہ و روایت سے فتح القریب میں ہے کہ جب جمادات کی تسبیح سے برکات حاصل ہوتے ہیں تو
قرآن مجید سے حصول برکات تو بطریق اولیٰ ہے اس لئے کہ یہ اشرف الاذکار اور اتمام

ذکروں سے برگزیدہ ذکر) ہے بالخصوص مردہ صالح سے قرآن مجید سننے سے مردہ فیض و برکات نصیب ہوتے ہیں اسی لئے علماء کرام و فقہائے عظام نے فرمایا:

استحب العلماء قراءة القرآن عند القبر[1] قبر کے نزدیک قرآن مجید پڑھنا مستحب ہے۔

(اویسی غفرلہ) اہل اسلام کو غور کرنا چاہیے کہ جماعت دیوبند کے علماء قبر کے نزدیک قرآن مجید پڑھنے کو بدعت کہتے ہیں اور طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالتے ہیں مگر ان کو پیچھے سے کہ جہاں قبروں پر قرآن پڑھنا تو اہلسنت بن جاتے ہیں اور پیچھے کی وجہ سے بدعت بھول جاتے ہیں بلکہ اپنی خباثت طبعی پر آجائیں تو ہندو لیڈروں کی تصویر کے سامنے بھی قرآن مجید پڑھنے سے نہیں رکتے[2]

(ماہنامہ بیت اللہ دیوبندی ادارہ کی جمعیۃ العلماء کے جنازہ حضرت بابا خضر محمد دیوبندی اسلامی سرپرست جمعیۃ العلماء کے ہندو کانگریسی نے جاتا گاندھی (پنڈت) کی روح کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے قرآن کریم کی آیتیں اس (گاندھی جی) کی تصویر کے سامنے بیٹھ کر پڑھیں اور ان کی روح کو بخش دیں[3]

اہل اسلام بھائیو! اللہ کے واسطے پھر ان لوگوں کی چالوں سے بچنے کی کوشش کیجئے۔

وما علینا الا البلاغ ۔

کیا قبر کے سامنے یا اولاد کے کہنے پر پردہ یا اسی طرح کا کوئی اور شیڈ وہ پردہ لگانا جائز ہے یا نہیں!

حدیث شریف کے مطابق ترچھی کو قبر پر رکھنے کا مطلقاً جواز ہے تو پھر قبر کے بین مقام پر پردہ لگایا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

(۱۴) استن حنانہ کا واقعہ مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک خشک ستون سے ٹیک لگا کر جمعہ کا خطبہ دیتے تھے۔ ایک کاریگر نے تین سیڑھیوں والا منبر تیار کیا اور بارگاہ نبوت میں پیش کیا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ اس جدید منبر پر رونق افروز ہو کر خطبہ دیں جونہی آپ نے جدید منبر پر قدم رکھا تو خشک ستون زور زور سے رو پڑا۔ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم جدید منبر چھوڑ کر خشک ستون پر تسلی کا ہاتھ رکھ کر فرمایا اگر تم چاہو تو میں تمہیں اس جگہ پر دوبارہ لگا دوں جہاں تو پہلے تھا اور پھر پہلے کی طرح سرسبز ہو جائے گا اور چاہو تو میں تمہیں بہشت میں لگا دوں تاکہ تو بہشت کے چشموں اور نہروں سے سیراب ہو کر پھل پھول سے اور تیرے پھل اولیاء کھائیں اس ستون نے بہشت اور دار دنیا کے بجائے آخرت کو پسند فرمایا۔ جونہی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو اسے

---

[1] روح البیان جلد ۲ صفحہ ۱۱۲ مطبوعہ ترکیہ

[2] اضافہ از اویسی غفرلہ۔

[3] الجمعیۃ سہ روزہ کا جدید شمارہ یکم فروری ۱۹۴۸ء دہلی

ایک جگہ پر رکھا گیا جسے دیمک کھا گئی اور وہ مٹی ہو گیا لیکن بعض روایت میں ہے کہ اسے منبر نبوی کے نیچے دفن کیا گیا۔[۱]
مثنوی شریف میں ہے ؎

استن حنانہ از ہجر رسول
نالہ می زد ہمچو ارباب عقول
گفت پیغمبر چہ خواہی اے ستون
گفت جانم از فراقت گشت خون
مسندت من بودم از من تاختی
بر سر منبر تو مسند ساختی
گفت خواہی کہ ترا نخلے کنند
شرقی و غربی از تو میوہ چنند
یا در آن عالم ترا سروے کنند
تا تر و تازہ بمانی بے گزند
گفت آن خواہم کہ دائم شد بقاش
بشنو اے غافل کم از چوبے مباش
آن ستون را دفن کرد اندر زمین
تا چو مردم حشر گردد یوم دین
آنکہ او را نبود از اسرار داد
کے کند تصدیق او نالہ جماد[۲]

(۴۲) حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایک جگہ پر رونق افروز تھے آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی تھے آپ نے سات کنکریاں اٹھا کر اپنی ہتھیلی پر رکھیں تو ان سے تسبیح کی آواز شہد کی مکھی کی آواز جیسی سنی گئی پھر آپ نے انہیں نیچے رکھا تو وہ خاموش ہو گئیں اس کے بعد آپ نے پھر اٹھائیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں رکھ دیں تو ان سے بھی اسی طرح شہد کی مکھی

---

[۱] مزید تفصیل فقیر کی کتاب ستون حنانہ اور شرح مثنوی معنوی یا تشنید الاذہان بشیة میں دیکھئے۔ (اویسی)

[۲] ترجمہ و تشریح کے لئے فقیر اویسی کی کتاب شرح مثنوی پڑھئے۔

جیسی تسبیح کی آواز سنی گئی اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں بھی اسی طرح ہوا پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں اسی طرح شہد کی مکھی کی آواز کی طرح ان سے تسبیح کی آواز میں نے سنی۔

(۱۳) حضرت عبداللہ القرطبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذکر کیا ہے کہ داؤد علیہ السلام نے ایک رات کہا کہ میں آج رات ایسی تسبیح پڑھوں گا کہ میرے سوا اللہ کی کسی نے نہ پڑھی ہوگی جیسے ان کے محل پر ایک مینڈک دیکھ کر ان کے گھر کے ایک کونے میں تھا اس نے پکار کر کہا کہ اے داؤد علیہ السلام! آپ اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھنے پر صرف آج رات فخر کر رہے ہیں حالانکہ میں چالیس سال سے مسلسل اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہا ہوں یہاں تک کہ اس ذکر سے میں نے ایک لمحہ بھی زبان کو نہیں روکا اور دس رات دن سے مجھے کھانا پینا نصیب نہیں اور ان دو کلموں کی لذت سے مجھے کھانے پینے کا خیال تک نہیں۔ داؤد علیہ السلام نے مینڈک سے پوچھا: وہ دو کلمات کون سے ہیں؟ اس نے عرض کی وہ کلمات یہ ہیں:

یا مسبحا بکل لسان ویا مذکورا بکل مکان	اے وہ ذات جس کی تسبیح ہر زبان پر ہو رہی ہے اور جس کا ذکر ہر مکان میں ہے۔

داؤد علیہ السلام نے اپنے دل میں خیال کیا کہ اس کی تسبیح مجھ سے زیادہ بلیغ تر ہو گئی۔

(۱۴) الشیخ الاکبر نے اپنی توبہ کا سبب بتایا کہ ایک رات میں پیٹھ کے بل سویا تھا اور میرا چہرہ آسمان کی طرف تھا میں نے آسمان پر پانچ کبوتروں کو اڑتا ہوا دیکھا ان میں سے ایک کہہ رہا تھا:

سبحان من عنده خزائن کل شیء وما ینزله الا بقدر معلوم	پاک ہے وہ ذات جس کے پاس ہر شے کے خزانے ہیں اور وہ ہمیشہ اندازہ کے مطابق ہی نازل فرماتا ہے۔

دوسرا کہہ رہا تھا:

سبحان من اعطی کل شیء خلقه ثم هدی	پاک ہے وہ ذات جس نے ہر شے کو پیدا فرمایا اسے اس کی شان کے لائق ہدایت بخشی۔

تیسرا کہہ رہا تھا:

سبحان من بعث الانبیاء حجة علی خلقه و فضل علیهم محمد صلی الله علیه وسلم	پاک ہے وہ ذات جس نے انبیاء علیہم السلام کو اپنی مخلوق کے پاس حجت کے طور پر مبعوث فرمایا اور ان سب پر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو فضیلت بخشی۔

چوتھا کہہ رہا تھا:

کل فی الدنیا باطل الا ما کان لله و لرسوله.	دنیا کی ہر شے باطل ہے سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ کے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے۔

اور یہ یوں کہہ رہا تھا :

یا اھل الغفلۃ قوموا الیٰ رب کریم یعطی الجزیل ویغفر الذنب العظیم ۔
اے غفلت والو! اٹھو اپنے رب کریم کی طرف وہ تمہیں بہت کچھ عطا فرمائے گا اور تمہارے بہت بڑے گناہ بخشے گا ۔

شیخ فرماتے ہیں جب میں نے ان کبوتروں کی تسبیح سنی تو میرے دل پر گہرا اثر ہوا یہاں تک کہ میرے اوپر بیہوشی طاری ہوگئی جب ہوش میں آیا تو میں نے دنیا کے خیالات کو دل سے محو پایا اور پختہ ارادہ کیا کہ میں کسی شیخ کامل کی خدمت میں جاکر اپنے آپ کو ان کے سپرد کردوں گا۔ چنانچہ صبح میں ایک ایسے بزرگ کے ہاں حاضر ہوا جو نہایت وقار اور ہیبت والے تھے میں نے دل میں خیال کیا کہ کاش کوئی مجھے اس بزرگ سے متعارف کراتا، میرے خیال کو وہ بھانپ گئے اور خود ہی فرمایا کہ میں خضر علیہ السلام ہوں۔ اور فرمایا کہ اس وقت میں حضور محبوب سبحانی قطب ربانی شیخ عبدالقادر جیلانی (قدس سرہٗ) کے ہاں بغداد میں بیٹھا تھا اور مجھے معلوم ہے کہ محبوب سبحانی قدس سرہٗ تمام عارفین کے امام ہیں انہوں نے مجھے فرمایا، اے ابوالعباس! اے حضرت خضر علیہ السلام کی کیفیت ہے، ایک بندۂ خدا کو ایسا جذبہ الٰہیہ نصیب ہوا ہے اسے آسمان سے جواب ملا ہے :

مرحبا بک عبدی
مرحبا اے میرا بندہ ۔

اور اس بندۂ خدا نے تہیہ کیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو کسی شیخ کامل کے سپرد کردے آپ تشریف لے جاکر اسے میرے ہاں لے آئیے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے یہ واقعہ بتاکر مجھے فرمایا کہ بغداد شریف چل کر محبوب سبحانی قدس سرہٗ کی بیعت ہوجائیے اور ان سے فیوض و برکات حاصل کیجئے۔ یہ کہہ کر غائب ہوگئے، میں نے اپنے آپ کو بغداد میں پایا اور حضرت خضر علیہ السلام کے حکم سے میں سیدنا غوث اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حضور میں چلا گیا آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا :

مرحبا بمن جذبہ مولاہ بالسنۃ الطیر وجمع لہ کثیرا من الخیر
مرحبا اس بندۂ خدا کو جسے اپنے رب تعالیٰ نے پرندوں کے ذریعے اپنا قرب اور اسے خیر کثیر سے نوازا ۔

ف : خلاصہ یہ کہ اس قسم کے بے شمار دلائل موجود ہیں کہ جمادات کی تسبیح حقیقی ہے بلکہ کائنات میں کئی ایسے واقعات ہو گذرے ہیں اس کا انکار وہی کرسکتا ہے جو کرامات اور خرق عادات کا منکر ہے ۔

(۱۸) فتوحات مکیہ شریف میں مذکور ہے کہ اگر بقول منکر جمادات کی تسبیح حالی مراد ہوتی تو پھر ولکن لا تفقھون تسبیحھم کا استدراک کیوں؟ اللہ تعالیٰ کے کلام کے ہر جملہ میں ہزاروں حکمتیں ہوتی ہیں ۔

ف : ان جملہ دلائل سے ثابت ہوا کہ جمادات وغیرہ کی تسبیح سے تسبیح حقیقی مراد ہے اس کا مطلب یہ لینا غلط ہے کہ ان چیزوں کا حال اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کرتا ہے ۔

ف : ولا تفقھون تسبیحھم کا خطاب عام ہے اس میں مشرکین اور اہل اسلام ہر دونوں شامل ہیں، اب معنی یہ ہوا کہ نہ تم ان کی تسبیح سن سکتے ہو اور نہ ہی تم ان کی تسبیح کو پڑھتے ہو اس لئے کہ اس سے صرف ان کے الفاظ سمجھنا مطلوب نہیں

بلکہ اس سے مراد تسبیح ہے جو کہ بولنے والے کے کلام کا ادراک کر کے اس کی طرح تسبیح کرے ۔

ف : الکواشی میں لکھا ہے کہ ولکن لا تفقہون الخ کا مخاطب ہے کہ تم اس لئے نہیں سمجھتے کہ وہ تمہاری بولی نہیں بولتے ہاں اللہ تعالیٰ جسے چاہے وہ ان کی بولی سمجھا دے جیسے داؤد اور سلیمان علیہما السلام بعض جمادات و حیوانات کی بولیاں سمجھتے تھے

صاحب روح البیان کا تبصرہ

فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ تقریر مذکور ولا تفقہون الخ کی تاویل مذکورہ و تعمیم ہذا کے لحاظ سے غیر مناسب ہے اس لئے کہ آیت میں عموم ہے اور ضروری نہیں کہ جو ہم نہ سمجھیں تو اسے سمجھ سکیں اس لئے کہ بہت سے لغات کو ہم سمجھتے ہیں لیکن جو انہیں ہم نہیں سمجھتے اس لئے کہ ہر لغت کے الفاظ مختلف ہوتے ہیں علاوہ ازیں بہت سی ایسی اشیاء ہیں جن کی کوئی آواز مسموع نہیں لیکن ان کی تسبیح سنی گئی۔ اس تقریر کو غور کر کے سمجھنے کی کوشش کیجئے ۔

(۱۹) حضرت امام حقی حضرت ابو الشان مغربی قدس سرہ سے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ تمام کائنات با ختلاف لغات تسبیح کرتی ہے لیکن صرف وہ عالم ربانی ہی سن سکتا ہے اور سمجھ سکتا ہے جس کے دل کے کان کھلے ہوں۔ کسی نے کیا خوب فرمایا

؎

بذکرش ہر چہ بینی در خروش است
دلے داند دریں معنی کہ گوش است
نہ بلبل بر گلش تسبیح خوانیست
کہ ہر خارے بہ تسبیحش زبانیست

ترجمہ : جس شے کو دیکھو تسبیح حق میں ہے یہ اس دل کو معلوم ہوگا جس کے کان اس معنی کے لئے کھلے ہیں۔ نہ صرف بلبل پھول پر تسبیح پڑھ رہا ہے بلکہ پھول کا ہر کانٹا تسبیح میں شامل ہے ۔

(۲۰) خصائص صغریٰ میں ہے کہ یہ صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خاصہ ہے کہ آپ کو حجر و شجر سلام عرض کرتے اور آپ کی نبوت کی گواہی دیتے بلکہ آپ کی دعوت کو بھی قبول کرتے تھے ۔

احجار و اشجار کی حیات کی تحقیق

امام سہیلی نے فرمایا کہ معلوم ہوا کہ اشجار و احجار کا بولنا حیات و علم سے تھا یا ویسے خالی آمد تھی یہ حیات کا مستلزم ہے۔ حضرت شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا کہ اکثر اہل عقل کا خیال ہے کہ جمادات لا یعقل ہیں لیکن جب ہمارے مذکورہ بالا دلائل دیکھتے ہیں تو توقف کر سکتے ہیں حالانکہ تحقیق یہ ہے جب واضح ثبوت موجود ہے کہ انبیاء و اولیاء علی نبینا وعلیہم السلام کے ساتھ احجار و اشجار ہمکلام ہوئے تو پھر ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں حیات و علم پیدا فرمایا ہے۔ اسی لئے ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ عالم کے ذرہ ذرہ میں اس کی شان کے لائق حیات ہے جیسا کہ حدیث اذان سے واضح ہوتا ہے کہ جب مؤذن اذان پڑھتا ہے تو مؤذن کی آواز کا جہاں

ہر شخص دور سنتا ہے اور قیامت میں مؤذن کے لئے گواہی دے گا۔ اور ظاہر ہے کہ گواہی کے لائق وہ شے ہو سکتی ہے جس کے اندر علم وحیات ہو یہ علیحدہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اکثر انس وجن کی نظروں سے ان کا علم وحیات اوجھل رکھا ہے ہاں لیکن ان حضرات کے جن پر اس کا فضل وکرم ہے جیسے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام ایسے حضرات کو دلیل سے سمجھانے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ انہیں جمادات وغیرہ کے علم وحیات کا مشاہدہ ہوتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے جمادات وغیرہ کی حیات و علم کو اوجھل رکھا ہی نہیں وہ ان اشیاء کے علم وحیات کو بالکل آنکھوں سے دیکھتے اور ان کا کلام کانوں سے سنتے ہیں۔

حیات جماد کی ایک قرآنی دلیل جب موسیٰ علیہ السلام نے رب ارنی کہا تو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی تجلی پہاڑ پر پڑی تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا یہ بھی حضرت ابن العربی قدس سرہ کے نزدیک پہاڑ کی حیات کی دلیل ہے کہ اگر اسے معرفت الٰہی حاصل نہ ہوتی تو ریزہ ریزہ نہ ہوتا۔

سبق حضرت ابن العربی قدس سرہ نے فرمایا کہ جب ثابت ہو گیا کہ عالم کائنات کا ذرہ ذرہ ذکر الٰہی میں مشغول ہے جو جمادات کے ذکر سے صرف خیالی طور پر سبق حاصل کرتا ہے تو وہ ابھی سلوک میں ادھورا ہے اسے اس وقت کامل و مکمل سمجھا جائے گا جس وقت وہ جمادات کے ذکر کو اپنے کانوں سے سنے اور سر کی آنکھوں سے دیکھے۔

نکتہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ حقیقی زندہ وہ ہے جسے ہر جماد دیکھ کر زندہ ہو جائے اس کی مثال سورج کی ہے کہ سورج کو دیکھتے ہی ہر ایک روشنی پاتا ہے اسی طرح حقیقی زندہ (ولی اللہ) کے دیکھنے سے ہی مردہ دلوں کو روحانی زندگی نصیب ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جمادات، نباتات (اشجار، احجار) کے ذرہ ذرہ میں ان کی شان کے لائق علم وحیات ہے اور وہ تسبیح بھی پڑھتے ہیں جنہیں وہ صرف سنتا اور دیکھتا ہے جسے کشف حقیقی اور قلب سلیم حاصل ہے۔

ف: حضرت الشیخ افتادہ قدس سرہ نے فرمایا کہ حقیقی سالک اپنے ابتدائے سلوک آسمان کی حرکات کو سنتا ہے وہ اس لئے کہ اس کی ریاضت میں ایک قسم کا جذب ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ اتنی دور کی حرکات کو سن سکتا ہے اور ان کے خلیفہ مجاز حضرت الہدائی قدس سرہ نے فرمایا کہ میں ایک رات تہجد کے وضو کے لئے گھر سے باہر نکلا تو میں نے جاری پانی کے قطرات سے سنا کہ وہ پڑھ رہے تھے:

یا اللہ، یا اللہ، یا اللہ، یا دائم اے چشمہ ہستی والے چشمہ چشمہ والے . . .

اس قسم کے نظائر و امثال ان گنت ہیں۔

صاحب روح البیان کے پیر و مرشد کا قصہ فقیر (حقی) کہتا ہے کہ میرے پیر و مرشد رحمہ اللہ نے کسی صوفی بزرگ کو اپنے پاس روزہ کے افطار کے لئے بلایا اس وقت میرے شیخ قدس سرہ پانی اور روٹی کے سوکھے ٹکڑوں سے روزہ افطار فرمایا کرتے تھے۔ اس کے بعد تو آپ نے انگلیاں پھیر کر کھانے پر اکتفا فرمایا۔

جب بندہ کے انتقال کا وقت ہوا تو میرے شیخ قدس سرہ نے اس صوفی بزرگ سے فرمایا کہ اس صوفی کے بدن میں حقانی روح ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے ظاہری اجزاء جسم کو اور اس کے روحانی اجزاء روح کو تقویت بخشتے ہیں اس معنے پر روحانی سے جس طرح جسم کو تقویت ہوتی ہے ایسے ہی روح کو بھی اور یاد رکھئے کہ ہر موجود ذی روح کو کسی کو روح حیوانی نصیب ہوتا ہے کسی کو روح حقانی میسر ہے کہ جسم کو روح حقانی عطا ہوتا ہے اس لئے کہ مرنے کے بعد تو اسے روح حیوانی چھوڑ گیا ہے۔ اب وہ مردہ روح حقانی سے زندہ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ مردہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بولتا ہے اس کا اس وقت بولنا روح حقانی کی وجہ سے ہے۔

خلاصہ یہ کہ ہر شے اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتی ہے اور ظاہر ہے کہ تسبیح وہ پڑھتا ہے جس کی روح ہو اور روح کے بغیر تسبیح وغیرہ پڑھنا محال ہے نتیجہ نکلا کہ ہر شے ذی روح ہے وہ حیوان ہو یا شجر۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

چون شما سوئے جمادے مے روید
محرم جان جمادان چون شوید
از جمادے عالم جانہا روید
غلغل اجزائے عالم بشنوید
فاش تسبیح جمادات آیدت
وسوسہ تاویلہا نربایدت
چون ندارد جان تو قندیلہا
بہر بینش کردہ تاویلہا
کہ غرض تاویل ظاہر کے بود
دعوئے دیدن خیال غی بود
بلکہ ہر بینندہ را دیدار آن !
وقت عبرت مے کند تسبیح خوان
پس چو از تسبیح یادت مے دہد
آن دلالت ہمچو گفتن مے بود
این بود تاویل اہل اعتزال
وائے آنکس کو ندارد نور حال

چوں ز حس بیروں نیامد آدمی
باشد از تصویر غیبی اعجمی

ترجمہ: ۱۔ جب تم جمادات کی طرف جاتے ہو جمادوں کے ساتھ تم محرم راز کیسے ہو سکتے ہو۔

۲۔ عالم جماد سے عالم ارواح کی طرف جاؤ اجزائے عالم سے تسبیح کا غلغلہ سنو۔

۳۔ جمادات کی تسبیح صاف صاف سنائی دے گی، تاویلات کے وسوسے تمہیں نہ اچکیں گے۔

۴۔ چونکہ تیری جان میں روشنی نہیں اس لئے تم ایسی تاویلات کے گرفتہ ہو۔

۵۔ غرضیکہ اس کی تاویل کیسے ظاہر ہوتی ہے اس کے دیکھنے کا دعوے کرنا محض خیالی اور گمراہی ہے۔

۶۔ بلکہ ہر دیکھنے والے کو اس کے دیکھنے سے عبرت حاصل ہوتی ہے اور پھر وہ تسبیح کرنے لگتا ہے۔

۷۔ اس کی تسبیح کا مجاز یعنی تسبیح یاد دلانے کی اس کی یہ دلالت کہنے کی طرح ہے۔

۸۔ معتزلہ کی تاویل یہی ہے اس شخص پر افسوس ہے جو حال کا نور نہیں رکھتا۔

۹۔ جب آدمی حس سے باہر نہ آئے وہ اشیائے غیبی احکام سے اعجمی ہے۔

خلاصہ یہ کہ جسے عالم بالا سے تعلق نہیں وہ کیا جانے کہ اس عالم میں کیا ہو رہا ہے۔

تفسیر صوفیانہ یسبح لہ السموات السبع والارض ومن فیھن یعنی کائنات کا ذرہ ذرہ اور مخلوقات کا ہر جزء اللہ تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس کرتا ہے جسے وجود حاصل ہے وہ زبان اور اپنی بولی میں جسے حقا سمجھتے ہیں اور جمادات زبان ملکوتی سے تقدیس کرتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا: وان من شیء الا یسبح بحمدہ یعنی ہر شے اللہ تعالیٰ کی حمد کرتی ہے کہ اسے عدم سے وجود بخشا اور تربیت سے نوازا۔ ولکن لا تفقھون تسبیحھم اور ان کی تسبیح کو اس لئے نہیں سمجھتے کہ تمہاری تسبیح ان کی تسبیح کی جنس سے نہیں۔ یاد رہے کہ عالم کائنات کے ذرہ ذرہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے علیحدہ علیحدہ ملکوت پیدا فرمایا، کما قال:

فسبحان الذی بیدہ ملکوت کل شیء
پاک ہے وہ ذات کہ جس کے قبضہ قدرت میں ہر شے کی ملکوت ہے۔

الملکوت ہر شے کے باطن کا نام ہے اور وہ آخرت ہے اور آخرت جماد نہیں بلکہ وہ صاحب حیات ہے کما قال:

وان الدار الاخرۃ لھی الحیوان

اس سے معلوم ہوا کہ کائنات کے ہر ذرہ کی ملکوتی لسان ہے جو اسی سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تنزیہ بیان کرتی ہے اور اپنی بولی میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں پر حمد و ثنا کرتی ہے۔ ان کنکریوں کو یہی زبان حاصل تھی جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتی تھیں اسی ملکوتی لسان سے قیامت میں زمین بولے گی کما قال:

پر مبنی تسبیحہم اعتبار ہے۔

اس طرح زبان سے قیامت کے دن انسان کے اعضاء و اجزاء اس کے اعمال کی گواہی دیں گے اور کہیں گے۔

انطقنا اللہ الذی انطق کل شیء۔

اسی زبان حال سے زمین و آسمان نے کہا :

اتینا طائعین۔

ہم نے اس تقریر کی تحقیق مکمل کر لی ہے۔

تفسیر عالمانہ إِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا - ازل سے ہی وہ حلیم ہے اسی لئے تو بیباک ہونے کے باوجود اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتا ہے۔ غَفُوْرًا ان کے لئے غفور ہے جو ایمان لائیں اور گناہ سے منکرات سے تائب ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ قاشانی نے لکھا ہے کہ ہر شے کی اپنی خصوصیت ہے جو اس کی خصوصیت میں کوئی اور اس کا شریک نہیں ہو سکتا جیسے وہ کسی اور کی خصوصیت میں داخل نہیں ہو سکتا پھر وہ اپنی خصوصیت سے اپنے کمال کی محبت اور اس کی طلب کا مشتاق ہوتی ہے جب تک وہ مرتبہ اسے حاصل نہ ہو تو اس وقت تک وہ اس کی حفاظت اور اس سے محبت کرتی ہے جب اسے وہ مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے تو پھر وہ اپنی خصوصیت اور اس میں اپنے مقصود کے اظہار کے لئے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ بیان کرتی ہے گویا وہ زبان حال سے کہتی ہے اے وہ ذات جو اپنی ذات میں واحد یکتا ہے کہ تو نے مجھے اپنی خصوصیت میں واحد بنایا۔ اگر وہ اپنی خصوصیت میں متفرد نہیں تو پھر وہ شے اپنے کمال کے حصول میں اللہ تعالیٰ کی صفات نقص سے تنزیہ کرتے ہوئے گویا یوں کہتی ہے۔ یا معطی کل شیء کمالہ اے کامل ذات جس نے مجھے کامل بنایا ہے۔ اور پھر وہ اپنے کمال کے اظہار میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہوئے یوں کہتی ہے کہ میں اس کی حمد کرتی ہوں جس نے مجھے کمال بخشا یہاں تک کہ ہر حیوان طلب رزق میں کہتا ہے۔

یا رزاق ارزقنی — اے رزاق مجھے رزق عطا فرما۔

پھر رزق کے حصول کے بعد کہتا ہے تو میں اس کی حمد کرتا ہوں کہ اس نے مجھے رزق سے نوازا۔ اور وہ اپنی اولاد پر شفقت کرتے ہوئے کہتا ہے۔

اے لطیف الرؤوف و اے عطوف الرحیم — مجھ پر لطف فرما اور مجھ پر رحمت کر۔

اس طرح ساری مخلوقات اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں اور اس کی تنزیہ بیان کرتے ہیں اور اس کے دوام و بقا و الوہیت و قدرت اور ملک و ربوبیت پر حمد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر آن تیری نئی شان ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کے دوام و ثبات اور حقیقی و دائمی وجود پر دلالت کرتی ہے اور اس کی حیات و علم و قدرت پر اور بعد ازاں اس کے تعلق بالذوات سے

اس کی تنزیہ اور اس کے وجوب پر دلالت کرتے ہیں اور سب کے سب تسبیح کے ساتھ اس کی تعالیٰ کی وصف کرتے ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ جو اس کی صفت کمالیہ کی حمد کرتا ہے تو اس کی تعالیٰ کی تسبیح بھی کرتا ہے اور جو اس کی نقص و عیب سے تعالیٰ کرتا ہے تو وہ اس کی حمد بھی کرتا ہے یہاں یعنی کہ تسبیح میں بحمدہ ہے اور حمد میں تسبیح ۔ ولکن لا تفقھون اور نہ سمجھنے کی وجہ حکمت الاشیاء میں قلت نظر اور غفلت کی وجہ سے ہے وہ جس کا قلب نور توحید سے منور ہے اسے ان کی تسبیح معلوم ہو جاتی ہے اس لئے کہ قلب عالم ملکوت سے ہے اور جب وہ نور توحید سے منور ہو جاتی ہے تو اسے اشیاء کی تسبیح سمجھ میں آجاتی ہے اس لئے کہ وہ اس کے اپنے ملک کی شے ہے ۔

انہ کان حلیما وہ حلیم ہے ۔ تمہارے کمالات کی طلب میں تسبیح کا ترک کرنا اور فہم تسبیح کے خواص کے عدم اظہار پر مواخذہ نہیں کرتا ہے اسی طرح ان کی طرح توحید بیان کے ترک پر تم پر حلیم ہے ۔ غفورا تمہاری غفلت اور سستی سے درگذر فرماتا ہے اور ہر سالک اور اہل اللہ کو کل اشیاء کی تسبیح پر ہدایت دینے والا ہے ۔

تفسیر عالمانہ

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں ۔ جَعَلْنَا بَیْنَكَ تو ہم کر دیتے ہیں آپ کے ۔ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اور ان کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں یعنی کافر جو قیامت میں اٹھنے کے منکر تھے حِجَابًا ایسی آڑ جو انہیں آپ کی نبوت اور آپ کی قدر و منزلت کی معرفت تک پہنچنے نہیں دے گی اسی وجہ سے وہ جہالت کرکے کفر کرتے ہیں ۔

ان تتبعون الا رجلا مسحورا تم تو ایک جادو کئے ہوئے آدمی کی اتباع کر رہے ہو ۔

مَّسْتُوْرًا ۝ ان کی حس سے پوشیدہ ہے ۔ یعنی تم ان کو نہیں دیکھ سکتے ۔ الاستار اس معنی پر اپنے حسی معنی پر مشتمل ہو گا یہاں یہ صیغہ مفعول سبیل مقصد کے قبیل سے ہے جیسے منعم یعنی نعمت دار ۔ مصنت الاذن سے ہے یعنی ملاتسة ۔ یا یہ نسبی کی تقریر ہے ۔

شان نزول

الکواشی میں ہے کہ مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دیتے تھے یہاں تک کہ ام ابی لہب اپنے ہاتھ میں ایک پتھر لائی مگر اللہ نے آپ کا سر مبارک چھپا دیا تو یہ آیت نازل ہوئی ۔

اس تقریر پر اسعتہ یہ ہوگا کہ جب آپ نماز پڑھنے کا ارادہ فرمائیں اس معنی پر اذا قرات القرآن ای یعنی اذا صلیت ہو گا اور اسے قرات القرآن سے اس لئے تعبیر کیا کہ نماز میں قرآن مجید پڑھا جاتا ہے ۔ اسی مناسبت سے کہا گیا واذا قرات القرآن فی الصلوٰۃ یعنی ہے ۔ واذا قری القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا الآیہ میں جب کہ وہاں پر بھی خطبہ مراد ہے لیکن چونکہ خطبہ میں بعض آیات پڑھی جاتی ہیں اس لئے خطبہ کو قرآن سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ اس تقریر پر آیت کو خصوصی مادہ پر محمول کیا گیا ہے کہ جب وہ جب کو نہیں دیکھتے تھے تو آپ کو کیسے دیکھ سکتے ۔ اس لئے آپ ان کے ایذا سے محفوظ رہتے ہیں لیکن یہ معاملہ دائمی نہیں تھا جیسا کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے ۔

دوسرا شانِ نزول سعدی المفتی نے فرمایا کہ بہتر ہو کہ اسے اس روایت پر محمول کیا جائے کہ ابوسفیان و نضیر و ابوجہل یعنے ابو لہب کی زوجہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچاتے تھے جب آپ قرآن مجید پڑھتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید پڑھنے کے وقت آنکھوں سے غائب فرمایا جس کی وجہ سے آپ کو وہ لوگ نہیں دیکھ سکتے تھے اگرچہ آپ کے قریب ہو کر گزرتے تھے کیونکہ ان کی نگاہوں سے آپ محجوب ہو جاتے تھے۔

تردید فقیر اسماعیل حقی کہتا ہے کہ سعدی مفتی کو وہم ہوا ہے انہوں نے آنے والے جملہ اذ یستمعون پر غور نہیں فرمایا۔ اس کی مزید تحقیق ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ اور دل بھی تسلیم کرتا ہے اور سعدی مفتی کے قول سے تسلی نہیں ہوتی۔

مسئلہ جس نے قرآن مجید کی تلاوت کا حق ادا کیا یعنے اسے پورے خشوع و خضوع سے پڑھا اور اس پر عمل کیا تو اسے قربِ الٰہی کے اعلیٰ مراتب سے نوازا جائے گا۔

حدیث شریف : قرآن مجید کی آیات[1] کی گنتی کے مطابق بہشت کے درجے ہیں جس نے قرآن مجید کی جملہ آیات کی تلاوت کا حق ادا کیا تو وہ تمام درجات کے اوپر والے درجہ پر فائز ہوگا۔

ف : قرآن مجید کی جملہ آیات کا حق ادا کرنا درحقیقت قرآن مجید کے اخلاق سے متخلق ہونا ہے اور قرآن اچھے اخلاق و نیک صفات کا نام ہے اور قرآنی اخلاق سے متخلق ہونا گویا اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متخلق ہونا ہے۔

نکتہ صوفیانہ صوفیہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ مرتبہ اس توحید کی حقیقت کو نصیب ہوتا ہے جو جب تجلیات و تعینات کو عبور کر کے مقعد صدق عند ملیک مقتدر کی منزل پر پہنچ جائے پھر یہی اس مرتبہ میں ہوگا کہ اس کے اور کافروں کے درمیان آڑ بنائی جائے گی۔

ف : مستوراً کی بجائے ساتراً اس لئے نہیں فرمایا کہ حجاب واصل کو منقطع سے چھپاتا ہے نہ بالعکس یعنے حجاب منقطع کو واصل سے نہیں چھپاتا اس معنے پر حجاب واصل کو منقطع سے پوشیدہ رکھتا ہے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

فائدہ صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ جو بھی کتاب اللہ سے پناہ لیتا ہے جیسے پناہ میں آتا ہے وہ ایک مضبوط اور محفوظ قلعہ میں محفوظ ہو جاتا ہے اور جو شخص اس سے محروم ہے یعنے قرآن کے ذریعہ سے پناہ لیا ہے تو وہ اس کے باوجود تباہ و برباد ہوگا۔

---

[1] قرآن مجید کی ۶۶۶۶ آیات ہیں۔

ہر کہ او بیروں شد از حصنِ خدا
جانِ او آخر شد از جسمش جدا
مردِ حق بیں کے کند تکیہ بغیر
ہست قضا چوں از خدا آید بسیرا

ترجمہ: (۱) جو اللہ تعالیٰ کے مضبوط قلعہ سے باہر نکل گیا یوں سمجھو کہ اس کی جان جسم سے جدا ہو گئی۔

(۲) مردِ حق بین غیر پر تکیہ نہیں کرتا۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر کو حق مانتا ہے۔ تو پھر غیر کا تکیہ کیا۔

وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً یہ کنان کی جمع ہے، بمعنی الغطاء یعنی پردہ۔ اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے۔ اَنْ یَّفْقَهُوْهُ یہ وجعلنا کا مفعول لہ ہے یعنی اس کراہت سے کہ کہیں قرآن کی کنہ کو سمجھیں اور انہیں یقین ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سے آیا ہے یہ کوفیوں کا مذہب ہے اور بصری کثیر الحذف کے قائل ہیں۔

ف: اس میں ان کے قلوب کا حق سے اور اسے قبول کرنے سے اور اس کے ساتھ اعتقاد رکھنے سے دوری کی علامت ہے گویا ان کے قلوب پر ایسے پردے لٹکا دیئے گئے ہیں جو کہ قرآن اور ان کے قلوب کے درمیان حائل ہیں جن کی وجہ سے قرآن کا ان کے دلوں پر اثر نہیں پڑتا۔ (کذا فی بحر العلوم)

ف: فقیر (حقی) کہتا ہے کہ ان کے قلوب کی تنگی اور حق سے دوری ان حجب معنویہ کی وجہ سے ہے جو قلب اور فطرت اصلیہ پر ہو گئے ہوئے ہیں اگرچہ ان کے ظاہر کا تقاضا یہی ہے کہ وہ قرآن کو سمجھیں اور اس کا ادراک کر کے نورِ علم تک پہنچیں لیکن جب مذکورہ انہیں ایسے تقاضا کو پورا کرنے سے روکتے ہیں اگرچہ اسے بطور تمثیل بیان کیا گیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کا اصلی حال اسی طرح ہے جیسے مذکور ہوا۔

وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِى الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ اور جب آپ قرآن میں اپنے صرف ایک رب کو یاد فرماتے ہیں اور اس کے ساتھ کافروں کے معبودوں کا ذکر نہیں ہوتا مثلاً آپ کہتے ہیں: لا الٰہ الا اللہ۔

ف: وحدہ مصدر حال کے قائم مقام واقع ہے اور اصل تحدہ وحدہ تھا یعنی واحدا وحدہ، یعنی وہ ذات متفرد ہے وہ فعل جو حال واقع ہو رہا تھا اسے حذف کر کے مصدر کو اس کے قائم مقام ٹھہرایا گیا ہے۔

وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ تو وہ الٹے پاؤں اٹھتے یعنی بھاگتے اور نفرت کرتے ہیں۔ نُفُوْرًا ○ یہ قعود کی طرح مصدر ہے یا نافر کی جمع ہے یعنی وہ روگردانی کرتے ہیں اور لوٹتے ہیں در آں حالیکہ وہ نفرت کرنے والے ہیں النفور بمعنی بھاگنا۔ (کذا فی التہذیب)۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ ہم خوب جانتے ہیں انہیں جو وہ کان لگا کر سنتے ہیں مثلاً لغویات بکنے اور

آپ کی تحقیر اور آپ سے اور قرآن کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں اس معنی پر لفظ بہ موضع حال ہے اور ملامت کی ہو اور باء سببیہ بھی ہو سکتی ہے یعنی بسبب ہولاء ۔

حدیث شریف میں مروی ہے کہ جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت کرتے تھے تو آپ کے دائیں بائیں عبدالدار کے دو دو مرد کھڑے ہو کر تالیاں اور سیٹیاں بجاتے اور آپ کو بھلانے کے لئے بلند زور سے اشعار پڑھتے تھے ۔

اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ یہ اعلم کا ظرف ہے اور اس سے وعید کی تاکید مطلب ہے یعنی جیسے اللہ تعالیٰ ان کی دیگر حرکتوں کو جانتا ہے ایسے ہی ان کی اس حرکت شنیعہ کا بھی اسے علم ہے اسی طرح وَاِذْ هُمْ نَجْوٰۤى بھی ظرف ہے لیکن اس حیثیت سے نہیں کہ اس کا تعلق استماع سے ہے بلکہ اس حیثیت سے کہ وہ باہم مناجات کرتے ہیں اور نجویٰ مرفوع علی الخبر ہے اس کا مضاف محذوف ہے یہ اصل ذو نجویٰ تھا ۔ اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ یہ اذ ھم سے بدل ہے اور عبارت کا تقاضا تھا کہ یہاں اسم ظاہر الظالمون کے بجائے ضمیر ہونی چاہیے لیکن اسم ظاہر لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان کا اس طرح کہنا ظلم اور تجاوز عن الحد ہے ۔

ف ۔ اس میں اشارہ ہے کہ ایک وہ ہیں جو سرگوشی والے تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرآن مجید سن کر شور مچانے والے اور تھے ۔

اِنْ تَتَّبِعُوْنَ بمعنی ما ہے اگر تم سے اتباع صادر ہو تو تم اتباع نہیں کرتے ۔ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ مگر مرد جادو کئے ہوئے یعنی وہ مرد جس پر جادو ہو اور وہ مجنون ہو گیا ہو من قائلوں کا ایک قول یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سحر سے موصوف ماننے کے بجائے صرف مسحور کہا ۔

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ انہیں دیکھئے کہ آپ کی کیسی مثالیں دی ہیں کبھی شاعر کہا اور کبھی ساحر اور کبھی مجنون

ف ۔ کاشفی نے لکھا ہے کہ انہوں نے آپ کے متعلق عجیب مثالیں دیں کہ کبھی آپ کو کاہن سے موصوف کیا اور کبھی ساحر سے اور کبھی کاہن سے اور کبھی شاعر سے ۔

فَضَلُّوْا اور جو سیدھا طریقہ حق ہے اس سے اپنی مثالیں بیان کرنے کی وجہ سے گمراہ ہو گئے ۔ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا پس وہ کوئی راہ نہیں پا سکتے کہ جس سے وہ آپ پر طعن و تشنیع کر سکیں کہ جس کو لوگ بھی ان کی باتوں کو ماننے کے لئے تیار نہیں اس لئے وہ حیران و سرگرداں رہتے ہیں بلکہ جب چلتے ہیں تو ایسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے معاملات میں سخت پریشان ہیں اور ان کی پریشانی کا یہ عالم ہے کہ اب انہیں اپنے مقصد کو سر کرنے کا کوئی چارہ نظر نہیں آتا بلکہ ان سے ایسا ایسا سرزد ہو جاتا ہے کہ جن کے بطلان میں کسی کو شک اور وہم و گمان نہیں ۔

ف ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ حق و ارشاد سے ایسے بھٹک گئے ہیں کہ اب انہیں حق کی طرف لوٹنے کی راہ نہیں ملتی کیونکہ وہ انکار و گمراہی کی حد کو پہنچ چکے ہیں اس کی وہ اصل وجہ یہ تھی کہ وہ خواہشات نفسانی میں سخت گھرے ہوئے تھے اس لئے

وہ بیہودہ قصوں کے سننے کے شوقین تھے بلکہ ان کو سوائے سرود و شعر کے سننے کے اور کوئی کلام اچھا نہ لگتا۔ اگر وہ خواہشات نفسانی سے ہٹ کر اللہ تعالیٰ کی توفیق کے مطابق سنتے تو اللہ انہیں کلام الٰہی سنا دیتا اور صفات حق کو بحسن ذوق سنتے۔ اس کی دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ ان کے فطری مزاج بگڑ چکے تھے اور ان کے دلوں میں برائی کا مرض گھر کر چکا تھا اسی لئے وہ ذکر واحد احد کی وحدانیت و وحدت کے ساتھ سننے سے متنفر تھے اور وہ توحید کی حلاوت پا ہی نہیں سکتے تھے بلکہ وہ کلام الٰہی سننے میں اپنی بدمزاجی کی وجہ سے کراہت پاتے تھے۔

عوام زمانہ کا حال

ایسے ہی ہر زمانہ کے اہل ہوا کا حال ہے کہ وہ قصے کہانیاں سننے کے گرویدہ ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ مالک الملک کے کلام سے روگردانی کرتے ہیں بلکہ ان سے اکثر کی عادت ہوتی ہے کہ وہ سوائے دنیوی باتوں اور اپنے معاملات کے اور کچھ سننا گوارا ہی نہیں کرتے اور ان کا کام یہی ہے کہ وہ لوگوں کی عزتوں پر حملہ کریں اور وہ باتیں کریں جو شیطانی ہوں اور اہل حق پر انہیں طعن و تشنیع کرنا آتا ہے ایسے وہ حضرات جو انہیں نیکی بتاتے ہیں اور برائی سے روکیں ان کے جانی دشمن ہوتے ہیں۔

تورات کا مضمون

اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے مخاطب ہو کر فرمایا ہے کہ تو راستہ پر چل رہا ہوتا ہے تو تجھے کسی دوست کا خط ملتا ہے تو تو راستہ چھوڑ کر دوست کے خط کو حرف بحرف اور بڑے غور سے پڑھتا ہے لیکن افسوس! کہ میری نازل کردہ کتاب حکمت کی پرواہ نہیں کرتا حالانکہ اس میں میری طرف سے ہر حکم تفصیل کے ساتھ درج ہے اور صرف تمہارے سمجھانے کے لئے اسے بار بار دہرایا گیا ہے۔ اے میرے بندے! تیرے دل میں میری قدر و منزلت اپنے دوست سے بھی کم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد دوسری تنبیہ فرمائی ہے:

دوسری تنبیہ

اے میرے بندو! جب تو اپنے کسی دوست سے ہم کلام ہوتا ہے تو اس کی طرف پورے طور پر متوجہ ہوتا ہے نہ صرف جسمانی طور پر اس کی طرف تیری توجہ ہوتی ہے بلکہ تیرا دل بھی اسی طرف متوجہ ہوتا ہے اگر اس وقت تجھے کوئی راہ چلتے یا تیرے سے کوئی سوال کرے تو تو سب سے منہ پھیر کر اپنے دوست کے ساتھ گفتگو ہوتا ہے لیکن افسوس! کہ میں تیری طرف متوجہ ہوں اور تیرے ساتھ ہم کلام ہوں تو تیرا قلب معمولی طور پر بھی میری طرف متوجہ نہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ میری قدر و منزلت تیرے ہاں ایک دوست جیسی بھی نہیں۔ (کتاب الاحیاء)

سہ

ہر کہ تعظیم حق کند دائم
شود از دل بامر او قائم

ترجمہ: جو بھی ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرتا ہے تو وہ دل و جان اس کے امر کا پابند ہو جاتا ہے۔

وَقَالُوْٓا اور کہا ان کافروں نے کہا جو قیامت میں اٹھنے کے منکر تھے۔ وہ یہی بات بلا تحقیق کر رہے ہوں گے اور انہیں یاد نہ رہا کہ اولاً حق سے پیدا کئے گئے ہیں بلکہ عدم سے وجود میں لائے گئے ہیں۔ اس سے غور کیا وہ لاشے سے پیدا ہوئے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْـًٔا میں نے تجھے پیدا کیا اور تو کچھ نہ تھا۔

اور ان کا یہ کہنا بطریق انکار اور بعید از قیاس کے طور پر تھا۔ ءَاِذَا كُنَّا کیا جب ہم بعد مرگ گل سڑ جانے کے باوجود کیسے موت کے بعد ہم ہوں گے۔ عِظَامًا ہڈیاں: وَّرُفَاتًا بورہ شے جسے خوب کوٹ کر ریزہ ریزہ کیا جائے۔ ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ کیا ہم اٹھائے جائیں گے؟ خَلْقًا جَدِيْدًا ۝ نئی مخلوق بنا کر۔ اس کا منصوب ہونا یا تو المصدریۃ یعنی بوجہ مفعول مطلق ہونے کے ہے اور اس کا فعل عامل اس کے لفظوں میں سے نہیں یا حال ہے اور خلق بمعنے مخلوق ہے اور اذا خاص ظرف ہے یہی زیادہ قوی ہے اور اس کا عامل مبعوثون کا مدلول ہے اور خود عامل نہیں اس لئے کہ اسم مفعول سے پہلے ہمزہ اور ان اور "لام" داخل ہیں اور ان کے ہوتے اسم مفعول عمل کے قابل نہیں رہتا اور مبعوثون کا مدلول نبعث اور نبعث ہے۔ اس سے کفار کا مقصود مرنے کے بعد اٹھنے کا انکار کرنا ہے۔ اب معنے یہ ہوگا کہ کافر کہتے ہیں کہ جدا مرنے کے بعد زندہ ہونا محال ہے اور اسے عقل بھی نہیں مانتی اس لئے کہ مرنے کے بعد انسانی ڈھانچہ بیکار اور اس کی ہڈیاں چورہ چورہ ہو جاتی ہیں اور یہ دونوں چیزیں حیات کے منافی ہیں اور اسے قیامت میں حیات کا صرف نبی علیہ السلام کے کہنے سے نہ ماننے کی وجہ سے تھا اور وہ مطلقاً مرنے کے بعد زندہ ہونے کے منکر تھے اور کہتے تھے کہ مرنے کے بعد اگرچہ ہڈیاں وسالم ہوں تب بھی تو وہ زندہ نہیں ہوں گے کہ اسی سے افسوس سے قیامت میں اٹھنے کے لئے وہ امور بیان کئے جو زندگی کے سراسر منافی ہیں۔

قُلْ پیارے حبیب اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ان کے جواب میں فرمائیے۔ كُوْنُوْا حِجَارَةً پتھر ہو جاؤ۔ اَوْ حَدِيْدًا ۝ یا لوہا۔

اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ یا ایسی مخلوق جو تمہارے دل میں بہت بڑی معلوم ہوتی ہو یعنی تم اس مخلوق کے لئے زندگی بہت محال سمجھتے ہو تب بھی تم قیامت میں ضرور اٹھائے جاؤ گے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے زندہ کرنے پر بہت بڑی قدرت ہے اور اس کے سامنے تمام اجسام برابر ہیں وہ جس میں چاہے حیات پیدا فرما دے اور ہڈیاں اور ان کا چورہ چورہ ہونا تو معمولی بات ہے اس نے تو ہم سب کو اس وقت زندگی بخشی جب بالکل معدوم اور محض لاشے تھے اور شک وہ شے زیادہ آسان ہوتی ہے جس کا کچھ وجود ہو اور اس شے کا موجود کرنا زیادہ مشکل ہوتا ہے جس کا کوئی وجود ہی نہ ہو لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے ہر دو کو حیات بخشنا برابر ہے۔

ف: یہ امر بطریق تمثیل کے ہے اب مطلب یہ ہوا کہ اگر تم اپنے جسم کو پتھر اور لوہے کی جنس میں بدل دو تب بھی اللہ تعالیٰ

تمہیں قیامت میں ضرور زندہ کرے گا۔ وکذا فی تفسیر الکاشفی ۔

اور الکاشفی میں ہے کہ یہ امر تعجیز و توبیخ کا ہے اس لئے کہ یہ الزام کا امر نہیں بن سکتا۔ اور بحر العلوم میں ہے لکھا ہے کہ یہ امر حقیقی نہیں بلکہ مجازی ہے اور اس سے ان کی اہانت اور ان کے حال کی بیکاری کا اظہار مطلوب ہے ان سے پتھر یا لوہا بننے کی طلب نہیں کیونکہ انہیں اس کی کوئی قدرت حاصل نہیں اور ان کے دلوں میں سب سے بڑی شے آسمان اور زمین ہے لیکن وہ بھی قیامت کے دن حاضر کئے جائیں گے اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے موت مراد ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اگر تم بعینہٖ موت ہو جاؤ تب بھی تمہیں اللہ تعالٰے مارنے کے بعد پھر زندہ فرمائے گا۔

فَسَيَقُولُونَ پس عنقریب کہیں گے۔ **مَنْ يُعِيدُنَا ؕ** ہمیں مرنے کے بعد کون زندہ کرے گا۔ **قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ** فرمائیے وہی ذات قادر مطلق جس نے تمہیں پیدا فرمایا۔ **اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ** پہلی بار کہ پہلے اس کی مثال بھی نہ تھی تم محض خاک تھے تم سے حیات کی بو بھی نہیں آتی تھی۔ خلاصہ یہ کہ وہی سب کو پیدا کرنے والا اور قیامت میں وہی سب کو اٹھانے والا ہے یعنے وہ ذات جو ابتداءً مشت خاک کو جان بخشنے والی ہے وہی سب کو قیامت میں مٹی سے زندہ کرنے والی ہے۔ **فَسَيُنْغِضُونَ اِلَيْكَ رُءُوسَهُمْ** ۔ الانغاض بمعنے حرکت یعنے تعجب و انکار کے طور پر تمہاری طرف سر ہلائیں گے۔ **وَيَقُولُونَ** اور استہزاء کرتے ہوئے کہیں گے۔ **مَتٰى هُوَ ؕ** وہ جو آپ قیامت میں واپس اٹھنے کی بات کرتے ہیں کب ہوگا اس میں اٹھانے والے کی تعیین کے جواب ان کا قیامت کے قائم ہونے کے وقت کی تعیین کا سوال ہے۔

قُلْ انہیں فرمائیے۔ **عَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ** وہ واقع ہونے والا **قَرِيْبًا ○** قریب ہے۔

ف دراصل لفظ عسٰی طمع کے لئے مستعمل ہوتا ہے لیکن اللہ تعالٰے کے لئے یقین کا معنے دیتا ہے یعنے قیامت کا وقت قریب ہے اسی لئے اس کا حساب اور سزا بھی قریب ہے۔

يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ اس دن کو قبروں سے تمہیں بلائے گا جیسے اس نے تمہیں عدم سے وجود کی طرف بلایا۔ **فَتَسْتَجِيْبُوْنَ** تو تم اسے زندوں کی طرح جواب دو گے یعنے یاد کرو اس وقت کو جب کہ تمہیں اللہ تعالٰے قبروں سے اٹھائے گا تو تم اٹھ کھڑے ہو گے۔ اس بعث کے لئے دعا و استجابت کو اس لئے استعارہ کیا گیا ہے تاکہ بندوں کو معلوم ہو کہ قیامت میں ان کا زندہ کرنا اللہ تعالٰے کے لئے اتنا آسان ہے جو تمہارے زندہ کرنے میں تو معمولی وقت لگے گا۔

ف ابو حیان نے فرمایا کہ یہاں پر دعا اپنے حقیقی معنے میں ہے یعنے حضرت حق کی طرف سے ندا کرنے والا بلائے گا اور تم سب اپنے کانوں سے سنیں گے۔ اس سے نفخۂ ثانیہ مراد ہے جیسا کہ فرمایا

يوم ينادى المناد من مكان قريب   اس وقت قریبی جگہ سے منادی پکارے گا۔

اب فتستجيبون کا معنے ہوگا کہ تم بلانے والے کے بلاوے کی موافقت کرو گے۔ چنانچہ کاشفی نے لکھا کہ قیامت میں اسرافیل علیہ السلام بلائیں گے تو تم قبروں سے اٹھ کر ان کے بلانے کی طرف چلو گے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے حساب و کتاب اور جزاء و سزا کی حاضری مراد ہے۔

ف: فقیر اویسی کہتا ہے کہ قیامت میں متعدد بار بلاوا ہو گا مثلاً بعث و نشر کا بلاوا اور حشر کا بلاوا چنانچہ فرمایا:

مُهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ — داعی کی طرف دوڑتے ہوئے اور حساب و کتاب کا بلاوا۔

چنانچہ فرمایا:

وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰى اِلٰى كِتَابِهَا الْيَوْمَ — گھٹنے کے بل گرنے والی جماعت کو دیکھو گے اور اس دن جماعت اپنے حساب و کتاب کی طرف بلائی جائے گی۔

یہاں پر دوسرا بلاوا مراد ہے کیونکہ آیت میں بعث و نشر کی گفتگو چل رہی ہے۔

فتستجیبون بحمدہ: یہ تستجیبون سے حال ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو جواب دو گے در آں حالیکہ تم اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے والے ہو گے اور قیامت میں اللہ تعالیٰ پر اس کی قدرت کا اعتراف کرتے ہو گے۔ چنانچہ حضرت سعید ابن جبیر نے فرمایا کہ قیامت میں کفار قبروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے کہیں گے:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ — اے اللہ تعالیٰ تو پاک ہے اور ہم تیری حمد کرتے ہیں۔

اگرچہ وہ اس کی تعریف و تحمید بیان کریں گے لیکن اس وقت انہیں تعریف و تحمید کوئی فائدہ نہ دے گی۔

ف: کواشی میں ہے بحمدہ بمعنی بامرہ واقع ہے۔

ف: کواشی نے فرمایا جیسا کہ بصائر میں لکھا ہے کہ حمد بمعنی امر ہے چنانچہ آیت فسبح بحمد ربک میں بھی حمد بمعنی امر ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے امر پر نماز پڑھئے۔ اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے حکم سے بلائے گا اور تم اس کے امر کا جواب دو گے۔

وَتَظُنُّوْنَ جب تم قبروں سے باہر نکل کر دیکھو گے تو تم گمان کرو گے کہ اِنْ لَّبِثْتُمْ تم نہیں ٹھہرے دنیا یا قبر میں۔ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ مگر تھوڑی مدت بہ نسبت اس کے جو تم زندہ ہونے کے بعد دائمی طور پر ٹھہرو گے۔

سوال: دنیا میں انسان کو خواہ کتنی ہی طویل عمر نصیب ہو تب بھی وہ اپنے آپ کو تھوڑی عمر گزارنے کا تصور کرتا ہے پھر یہاں کیوں؟

جواب: دنیا میں مختلف آفتوں سے طویل وقت قلیل محسوس ہو گا لیکن وہاں قیامت میں ہولناک امور کی وجہ سے دنیوی زندگی کے اوقات ذہن سے اتر جائیں گے۔

بعض کاشفی نے لکھا ہے کہ دنیا کی زندگی کو معمولی سمجھو کیونکہ آخرت کی زندگی کے مقابلہ میں دنیوی زندگی کو کوئی نسبت نہیں۔ عاقل وہی ہے جو فانی اور قلیل زندگی کو باقی اور دائمی زندگی میں صرف کرے تاکہ آخرت میں حسرت اور ندامت نہ ہو۔

ف: شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا:

عقبی توانی کزینجا خری
بخر جان من ورنہ حسرت خوری
کسی گوی دولت ز دنیا برد
کہ با خود نصیبی بعقبی برد

ترجمہ: دنیا سے کوچ سے قبل تم آخرت خرید سکتے ہو تو اسے میری جان خرید لو ورنہ حسرت کھاؤ گے۔ وہ شخص دولت کی گیند دنیا سے لے جائے گا جو اپنے ساتھ آخرت کا سامان لے گیا۔

سبق: لازم ہے کہ اعمال صالح کا ارتکاب اور برائیوں سے اجتناب کر کے قیامت کے دن کی تیاری کی جائے کیونکہ عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جس کا مزہ عین الیقین میں مل جائے گا۔

ف: انسان جب مرتا ہے تو اس کے لئے قیامت ہو جاتی ہے کیونکہ انسان مرتے وقت قیامت اور فرشتوں کو آنکھوں سے دیکھتا ہے اور بہشت اور دوزخ اس کے سامنے ہوتی ہیں لیکن اسے اس وقت کسی نیک عمل کرنے کی اجازت نہیں ہوتی اس لئے وہ گویا قیامت میں حاضر ہی ہو گیا۔ اور قاعدہ ہے کہ جس عمل پر کسی کی موت واقع ہوتی ہے وہ اسی عمل پر قیامت میں اٹھے گا اسی لئے اہل اللہ کہتے ہیں کہ بڑا خوش بخت ہے وہ انسان جس کا خاتمہ ایمان پر ہوا۔

؎

خدایا بحق بنی فاطمہ
کہ بر قول ایمان کنی خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی ور قبول
من و دست و دامان آل رسول

ف: حضرت ابوبکر واسطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان کو تین چیزیں نصیب ہوں تو وہ بہت خوش قسمت ہے:

① زندگی طاعت الٰہی میں بسر ہو۔
② موت کلمۂ شہادت پر ہو۔
③ آخرت میں قبر سے اٹھتے ہی اسے جنت کی خوشخبری سنائی جائے۔

اور ظاہر ہے کہ عاصی اور منکر کو قیامت میں اٹھتے ہی دوزخ کی خبر سنائی جائے گی۔

سبق: انسان پر طاعت الٰہی اور اقرار قیامت لازم ہے کیونکہ جب وہ دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ویران زمین کو آباد کیا

؎ اللہ تعالیٰ فقیر اویسی کو مع جملہ خویش و اقارب و تمام اہل اسلام ۔۔

جو ذات قدرت ہے کہ وہ قیامت میں تمام کو زندہ کرے۔

مثنوی شریف میں ہے:

خاک را و نطفہ را و مضغہ را
پیش چشم ما ہمی دارد خدا
کز کجا آوردمت ای بدنیت
کہ از آن آید ہمی خفریقیت
تو بدان عاشق بدی در دور آن
منکر این فضل بودی آن زمان
این کرم چون دفع آن انکار تست
کہ میان خاک می کردی نخست
حجت انکار شد انشار تو
از دوا بدتر شد این بیمار تو
خاک را تصویر این کار از کجا
نطفہ را خصمی و انکار از کجا
چون دران دم بیدل و بیسر بدی
فکرت و انکار را منکر بدی
از جمادی چونکہ انکارت برست
ہم ازین انکار حشرت شد درست
پس مثال تو چو آن حلقہ زنیست
کز درونش خواجہ گوید خواجہ نیست
حلقہ زن زین نیست دریابد کہ ہست
پس ز حلقہ بر ندارد ہیچ دست
پس ہم انکارت مبین می کند
کز جماد او حشر صد فن می کند

ترجمہ: خاک و نطفہ و مضغہ کو اللہ تعالیٰ نگاہ میں رکھتا ہے۔

(بقیہ صفحہ ۱۵۱

وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ
اور میرے بندوں سے فرماؤ وہ بات کہیں جو سب سے اچھی ہو بیشک شیطان ان کے آپس میں فساد ڈال دیتا ہے
الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۝ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ۭ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ
بیشک شیطان آدمی کا کھلا دشمن ہے تمہارا رب تمہیں خوب جانتا ہے وہ چاہے تو تم پر رحم کرے
اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ۭ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۝ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ
یا چاہے تو تمہیں عذاب کرے اور ہم نے تم کو ان پر کڑوڑا بنا کر نہ بھیجا اور تمہارا رب خوب جانتا ہے جو کوئی آسمانوں
وَالْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰي بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝
اور زمین میں ہیں اور بیشک ہم نے نبیوں میں ایک کو ایک پر بڑائی دی اور داؤد کو زبور عطا فرمائی
قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا
تم فرماؤ پکارو انہیں جن کو اللہ کے سوا گمان کرتے ہو تو وہ اختیار نہیں رکھتے تم سے تکلیف دور کرنے اور
تَحْوِيْلًا ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ
نہ پھیر دینے کا وہ مقبول بندے جنہیں یہ کافر پوجتے ہیں وہ آپ ہی اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ ان میں کون
وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ۭ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۝
زیادہ مقرب ہے اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں بیشک تمہارے رب کا عذاب ڈر کی چیز ہے
وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا
اور کوئی بستی نہیں مگر یہ کہ ہم اسے روز قیامت سے پہلے نیست کردیں گے یا اسے سخت عذاب دیں گے
شَدِيْدًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ
یہ کتاب میں لکھا ہے اور ہم ایسی نشانیاں بھیجنے سے یوں ہی باز رہے
اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۭ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ۭ وَمَا
کہ انہیں اگلوں نے جھٹلایا اور ہم نے ثمود کو ناقہ دیا آنکھیں کھولنے کو تو انہوں نے اس پر ظلم کیا
نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ۝ وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ۭ وَمَا
اور ہم ایسی نشانیاں نہیں بھیجتے مگر ڈرانے کو اور جب ہم نے تم سے فرمایا کہ سب لوگ تمہارے رب کے قابو میں ہیں اور ہم نے
جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ۭ
نہ کیا وہ دکھاوا جو تمہیں دکھایا تھا مگر لوگوں کی آزمائش کو اور وہ پیڑ جس پر قرآن میں لعنت ہے
وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ۝
اور ہم انہیں ڈراتے ہیں تو انہیں نہیں بڑھتی مگر بڑی سرکشی

وجہ نظم گزشتہ

۲۔ اے بے وقعت انسان ذرا سوچ تجھے کہاں سے پیدا کیا جو تجھے اس سے فخر و ناز ہے۔
۳۔ اس وقت تو اس کا ماننا تو درکنار آج اللہ تعالیٰ کے فضل کا منکر ہے۔
۴۔ اس کرم کا سبب تجھے انکار ہے وہی جو تیرے شک کے درمیان اٹکا ہوا تھا۔
۵۔ تیرے اعمال سے دنیا میں تو کیا ہوا اس سے [illegible] ہو گیا۔
۶۔ حضرت ابلیس نے کلمہ [illegible] اور انکار کیا۔
۷۔ اس وقت جب کہ تیرا سر تیرا دل تجھے انکار کی خبر دے گا۔
۸۔ اچھے سے تیرا وجود ہوا اس سے تجھے انکار نہیں ایسے ہی مرنے کے بعد اٹھنے کا بھی انکار نہ ہو۔
۹۔ تیری مثال اس حقیر لوہے کی سی ہے جس کے اندر سے [illegible] نہیں۔
۱۰۔ حقیر مٹی نے اس نسبت سے جو تیری پاکی کا منکر ہے تو اسے حقیقت کا کوئی فائدہ نہیں۔
۱۱۔ ایسے ہی تیرا انکار ظاہر ہوگا جیسے پتھر اور لوہے سے وجود ظاہر ہوا۔ قیامت میں اس کی خوب وضاحت ہوگی۔

(تفسیرات گزشتہ)

تفسیر عالمانہ

وَقُلْ اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیجئے لِّعِبَادِیْ میرے ایمان والے بندوں کو یَقُوْلُوا مشرکین کے ساتھ گفتگو کرتے وقت کہیں یہ مجزوم ہے اور اس کے لام کو حذف کیا جیسے امر کی وجہ سے جزم ایسے ہے جیسے [illegible] جزم ہوتا ہے جیسے [illegible] قبل اور [illegible] کی وجہ سے جزم کیا گیا اور [illegible] امر کی وجہ سے جزم پڑھا گیا ہے۔

الَّتِیْ وہ کلمہ کہیں جو هِیَ اَحْسَنُ وہ بہت ہی اچھا ہے اس سے [illegible] جھگڑا کرو اور یہ ولا تجادلوا اھل الکتاب الا بالتی ھی احسن کی طرح ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے جن کو اپنی [illegible] نسبت ہوتا ہے اس سے [illegible] ہوتا ہے اس وجہ سے [illegible] قول و فعل اور خلق احسن سے احسن ہوتا ہے۔

ان کے قول احسن سے مراد لا الہ الا اللہ کی دعوت [illegible] اور ان کے فعل احسن سے مراد یہ ہے کہ وہ قانون شریعت و آداب طریقت پر چلے اور عالم حقیقت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور ان کا خلق احسن یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہوتی ہے جیسے وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہے اور اسے ہر وقت طلب الٰہی کا شغل ہوتا ہے اور [illegible] تھا

سے احسان کرتا ہے تو اس میں سے کسی قسم کا طمع اور اپنی غرض نہیں ہوتی اور نہ ہی ان سے شکریہ کا طلب گار ہوتا ہے بلکہ ان کی برائیوں سے درگزر کرتا ہے اور ہر وقت ان کی خیرخواہی کے تصور میں رہتا ہے اور ان کو بلا تکلف امر بالمعروف کرتا ہے اور رسوا کئے بغیر ان کو برائیوں سے روکتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

إِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ

حل لغات: ینزغ بینھم یعنی افسد و اغری و وسوس یعنی شیطان ان کے مابین فساد ڈالتا اور شر کو ابھارتا اور ان کو آپس میں جھگڑا برپا کرتا ہے اسی وجہ سے ان کی ایک دوسرے سے ناراضگی وعداوت زیادہ فساد کا موجب بن جاتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ شیطان ان کے مابین اس وقت فساد برپا کرتا ہے جب وہ ایک دوسرے کی خیرخواہی ترک کر دیں۔ اس لئے عاقل وہ ہے جو صحابہ کرام کی طرح وہ اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ ہر وقت خیرخواہی سے پیش آتا ہے وہ زمانے کے فرق کا قائل نہیں وہ ہر زمانہ کو وہی زمانہ سمجھتا ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تھا

تفسیر عالمانہ

إِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ بے شک شیطان قدیم سے ہے۔ لِلْإِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِينًا ۝ انسان کے لئے کھلا دشمن ہے اس کی دشمنی ظاہر ہے اور وہ انسان کی صلاح کے بجائے تباہی و بربادی چاہتا ہے اور اس کی دشمنی تو اس وقت سے کھل کر سامنے آگئی ہے جب کہ آدم علیہ السلام کو بہشت سے نکلوایا اور ان سے نورانی اور بہشتی پوشاک اتروائی۔

رَبُّكُمْ اے مشرکو! تمہارا رب تعالیٰ، أَعْلَمُ بِكُمْ تمہیں بہ نسبت تمہارے خوب جانتا ہے۔ إِنْ يَشَأْ يَرْحَمْكُمْ اگر وہ چاہے تو تمہارے حال پر رحم فرما کر تمہیں ایمان کی توفیق بخشے۔ أَوْ إِنْ يَشَأْ يُعَذِّبْكُمْ یا چاہے تو تمہیں عذاب دے یعنی تمہیں کفر پر موت دے۔ یہ التی ھی احسن کی تفسیر اور اس کے مابین کا جملہ معترضہ ہے۔ اب مقصود یہ ہوا کہ انہیں یہ اور ان جیسے اور کلمات کہو اور صاف صاف ذکر کرو وہ اہل نار ہیں۔ اس لئے کہ ایسے کلمات شر و فساد کو ابھارتے ہیں۔ وہ ازلی کسی کے انجام کا کیا پتہ۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ موت سے پہلے دولت ایمان سے نوازے یہی صاحب کشاف کا مذہب ہے اور اسی کو قاضی بیضاوی اور ابوالسعود رحمہ اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔

ف: بعض نے فرمایا ہے التی ھی احسن سے یہ سب لطف گفتگو اور رحمت ساتھ کفار اور ان کی ایذا سے نجات دلانا اور تعریب سے اہل اسلام کو کفار پر سبقت کرنا مراد ہے اس معنی پر ربکم کا خطاب اہل اسلام کو ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ھو اعلم یعنی اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے جسے وہ اپنے لطف اور رحمت کی صفت کا مظہر بناتا ہے۔ اسی وجہ سے اس پر رحم فرما کر اسے شیطان کے اضلال و اغواء سے بچاتا ہے اور اسے بھی خوب جانتا ہے جسے وہ اپنے قہر اور عذاب کی صفت کا مظہر بناتا ہے۔ اسی وجہ سے اسے اضلال و اغوا

کے عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ○ اور ہم نے آپ کو ان کا وکیل نہیں بنایا یعنی اے محبوب نبی صلے اللہ علیہ وسلم! آپ ان کے وکیل نہیں کہ جن کے ہاں ان کے تمام امور سپرد کئے گئے ہوں تاکہ ان کو ایمان کے لئے مجبور کریں۔ کما قال:

لیس لک من الامر شیء.

بلکہ ہم نے تو آپ کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ بنا بریں آپ بھی کافروں سے نرمی سے پیش آئیں اور اپنے صحابہ کرام کو بھی فرمایئے کہ وہ نرمی سے کام لیں اور ان کی اذیتیں اور تکالیف برداشت کریں اور ان سے خصومت اور جھگڑے بند رکھیں۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے لوگوں سے نرمی کے ساتھ پیش آنے کا ویسے ہی حکم فرمایا ہے جیسے فرائض کی پابندی کا۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا: ؎

آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است
با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

ترجمہ: دونوں جہانوں کی آسائش کی تفسیر دو لفظوں میں ہے کہ دوستوں سے لطف و کرم اور دشمنوں سے نرمی۔

ف: بعض بزرگوں نے مدارات کی تفسیر کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے صدق اور مخلوق خدا کے ساتھ رفق اور نفس پر قہر اور غرباء و مساکین سے شفقت اور بزرگوں کی عزت و احترام اور دوستوں کی خیر خواہی اور دشمنوں کے ساتھ نرمی اور بچوں کے ساتھ تواضع اور درویشوں کے ساتھ خدمت اور جاہلوں کے ساتھ خاموشی چاہیے۔

وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط اور تمہارا رب تعالیٰ خوب جانتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے یعنی ان کے ظاہری و باطنی تفصیلی احوال کو جانتا ہے کہ کون اصطفاء و اجتباء کا اہل ہے اور کون نہیں۔ انہیں مختلف نبوت و ولایت کے لئے اختیار فرماتا ہے وہ واقعی اس کے مستحق ہوتے ہیں۔ اس میں کفار کا رد ہے وہ کہتے تھے کہ یتیم ابی طالب نبوت کا کس طرح مستحق ہو سکتا ہے جس کے ساتھی نہایت کنگال اور بھوکے لوگ ہیں جیسے حضرت صہیب و بلال و خباب وغیرہم رضی اللہ عنہم۔ ان کا خیال تھا کہ نبوت کفار مکہ کے کسی بڑے سرمایہ دار کو دی جاتی۔

ف: من فی السموات فرمایا کہ کفار مکہ کے قول لولا انزل علینا الملائکۃ کا رد فرمایا اور من فی الارض فرما کر لو لا نزل هذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم کا رد فرمایا۔ القریتین سے مکہ و طائف کی دو بستیاں اور رجل عظیم سے ولید بن مغیرہ مخزومی اور عروہ بن مسعود ثقفی جیسے سرمایہ دار مراد ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات میں ہے کہ رب تعالیٰ کا رب العالم ہے اس کا تقاضا تھا کہ اس نے اپنے لطف و کرم کا مظہر بنایا جیسے آسمان میں ملائکہ اور زمین پر مومنین اور اسے اس کا بھی علم ہے جیسے اس نے اپنے قہر کا مظہر بنایا جیسے آسمان پر ابلیس اور زمین پر کافر۔

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَىٰ بَعْضٍ بیضاوی اور اس کی اتباع میں ابو السعود نے فرمایا کہ ہم نے بعض انبیاء کو بعض پر فضائل نفسانیہ اور تبری از علائق جسمانیہ کے لحاظ سے ایک دوسرے پر فضیلت بخشی ہے ان کی فضیلت کثرت اموال و اولاد وغیرہ سے نہیں یہی وجہ ہے کہ داؤد علیہ السلام کو اگر کوئی فضیلت حاصل تھی تو وہ کتاب زبور کے سبب نہ کہ ملک اور بادشاہی کی وجہ سے۔

تردید از صاحب روح البیان فقیر (حقی) کہتا ہے کہ مذکورہ بالا بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ صرف ایک دوسرے پر افضل ہیں تو صرف اسی وجہ سے کہ وہ علائق جسمانیہ کے لحاظ سے پاک ہیں حالانکہ فضیلت کی صرف یہی وجہ بتانا سراسر غلط ہے اس لئے کہ یہ تو انہیں امت سے افضل ہونے کی وجہ سے ہے نہ کہ بحیثیت نبوت ایک دوسرے سے افضل ہونے کی وجہ ہے۔

تحقیق قول اس مسئلہ کی تحقیق یوں ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام ہی علائق جسمانیہ سے پاک ہوتے ہیں کیونکہ جن میں روحانی اخلاق بھی اس حد تک پہنچا کمال ہوتا ہے وہ عالم قدس سے فیض یاب ہو سکتا ہے۔ اسی لئے اہل حق نے فرمایا کہ معرفت الٰہی کا دروازہ اس پر نہیں کھلتا جس کے دل میں ادنیٰ سا تعلق ملک و ملکوت سے ہو اور علائق جسمانیہ ملائکہ کی طرح ضرر رساں نہیں اعمال کی کثرت اور ازدواجی رشتے کے تعلقات اور آل و اولاد کی ضروریات ہوں یا نہ ہوں انہیں کسی قسم کا ضرر نہیں سکتے حائل نہیں ہو سکتے مثلاً یحییٰ و عیسیٰ علیہ السلام ہر دو تجرد اور زاہد تھے اور حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کثیر الاموال والاولاد تھے ان ہر چاروں کے مراتب میں بحیثیت نبوت کے کسی قسم کا فرق نہ تھا باوجودیکہ وہ تجرد و زاہد اور یہ مالدار اور سرمایہ دار تھے اور انہیں دنیوی امور نے سخت گھیر رکھا تھا لیکن یہ صرف ظاہری طور پر تھا ورنہ عرفان حق میں ہر دو یکساں تھے ہاں انہیں ایک دوسرے پر فضیلت نزول کتاب آسمانی اور رسالت و خلت اور کلام و معراج رؤیت و شفاعت وغیرہ وغیرہ کی وجہ سے تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ

كَلَّمَ اللّٰهُ ۔ (بقرہ)

اور قاعدہ ہے کہ قرآنی آیات ایک دوسری کی تفسیر کرتی ہیں۔

افضلیت انبیاء کی تفصیل سیدنا شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا کہ سلیمان علیہ السلام کو فضیلت بوجہ عمومی اور ملک کے بادشاہ ہونے کی وجہ سے اور عیسیٰ علیہ السلام کو گہوارہ میں کلام کرنے اور

روح القدس سے مؤید ہونے اور احیاء الموتیٰ اور کلمہ سے باذن الٰہی پیدا ہونے کی وجہ سے اور موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہونے اور ۹ قسم کے نشانات اور لاٹھی کے سانپ ہونے اور دریا کے خشک ہونے اور پتھروں سے پانی نکلنے کی وجہ سے اور صالح علیہ السلام کی فضیلت ناقہ کے پتھر سے نکلنے کی وجہ سے اور ہود علیہ السلام کی فضیلت ریح عقیم اور ابراہیم علیہ السلام آگ سے نجات پانے اور یوسف علیہ السلام جمال اور تاویل رویا سے فضیلت پا گئے ۔

خلاصہ یہ کہ انہیں تجلیات حق سے حیثیت نبوت وافر نصیب حاصل ہوا اس لئے دوسروں سے افضل ٹھہرے ۔ عالم میں ہر ایک کو اللہ تعالیٰ نے حصہ نصیب جو رزق ہے اور رزق میں بندوں کو ایک دوسرے سے افضل بنایا ہے ۔ رزق دو قسم کا ہے :

① حسی : یہ اجسام کے لئے ہوتا ہے ۔
② معنوی : یہ ارواح کو حاصل ہوتا ہے ۔ ارواح کا رزق علوم ہیں ۔

ان باتوں سے کہ انہیں اللہ تعالیٰ سے نسبت ہے اور اس کی ولایت سے مخصوص کئے گئے ہیں تو یہ دو بمنزلہ ایک شخص کے ہیں اس لئے ان میں فرق و امتیاز روا نہ رکھا جائے گا اور اسی حیثیت کو مد نظر رکھ کر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : مجھے انبیاء علیہم السلام پر افضل نہ کہو ۔

وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝ اور ہم نے داؤد علیہ السلام کو فضیلت بخشی ہے کہ زبور دی اور اس کی ڈیڑھ سو سورتیں تھیں ان میں حرام و حلال کے مسائل اور فرائض و حدود کا بیان نہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی تمجید و تحمید اور دعا پر مشتمل تھی جو یہاں پر نکرہ اور سورۃ انبیاء میں اسے معرفہ ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر الآیۃ ۔ الف لام کا اس میں فرق نہیں یہ ایسے ہے جیسے کہیں عباس اور کہیں العباس کہا جاتا ہے ۔

تفسیر صوفیانہ

آیات مذکورہ میں ہے کہ ولقد فضلنا ۔ الخ میں اشارہ ہے کہ حکمت الٰہیہ کا تقاضا یہی تھا کہ عقول انسانی کے ایک دوسرے پر درجات بلند ہوں اور مردوں کے مرتبے کم اس لئے کہ یہ مردان اللہ تعالیٰ کی صفات لطف و قہر کے مظاہر ہیں اور ان پر دونوں کا لطف و قہر ہے جیسے جتنا نصیب ہوا اسی قدر اپنے مرتبہ میں ظاہر ہوا اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا ایسے کمال کا اظہار ہو ۔ انبیاء علیہم السلام کا ایک دوسرے پر فضیلت دینے کا مطلب یہ ہے کہ جسے قرب الٰہی اور ذات کو سمجھنے میں جتنا کمال حاصل ہوگا اسی قدر دوسروں سے افضل ہوگا اسی وجہ سے ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں اور آپ کی امت جملہ امم سے افضل اور آپ کی کتاب یعنی قرآن مجید تمام کتابوں سے افضل ہے اور واتینا داود زبورا میں اشارہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت داؤد علیہ السلام سے افضل ہیں کہ ان کی ایک وجہ یہ ہے کہ آپ کی کتاب یعنی قرآن مجید زبور سے افضل ہے ۔ یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی کتاب کے مناقب و کمالات گزشتہ تمام آسمانی کتب میں بیان فرمائے ۔

اے وصف تو در کتاب موسیٰ
وے نعت تو در زبور داؤد
مقصود توئی ز آفرینش
باقی بطفیل تست موجود

ترجمہ: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے اوصاف موسیٰ علیہ السلام کی کتاب میں اور آپ کی نعت پاک داؤد علیہ السلام کی زبور میں مذکور ہے۔ تحقیق میں اصل آپ ہیں باقی جملہ عالم آپ کے طفیل پیدا ہوا۔

ف: حضور علیہ السلام کے افضل ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آپ کے متبعین کثرت میں ہیں چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ بہشت میں اہل بہشت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی ان میں سے اسی صفیں میری امت کی ہوں گی۔

انا حبیب اللہ

جامع الاصول میں بروایت ترمذی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ اقدس کے باہر حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی تشریف کے منتظر بیٹھے تھے اور آپس میں گفتگو فرما رہے تھے، اور حضور علیہ السلام حجرۂ اقدس میں ان کی تمام باتیں سنتے رہے۔ ان میں سے کوئی تعجب کے طور پر کہہ رہا تھا کہ سبحان اللہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا۔ دوسرے نے کہا واہ واہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کلیم بنایا۔ تیسرے نے کہا عیسیٰ علیہ السلام کا کیا کہنا کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے روح اللہ و کلمۃ اللہ بنایا۔ چوتھے نے کہا حضرت آدم علیہ السلام کی عجیب شان تھی کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی خلافت کے لئے منتخب فرمایا۔ بات یہاں تک پہنچی تو حضور علیہ السلام حجرۂ اقدس سے باہر تشریف لائے اور انہیں السلام علیکم کہنے کے بعد فرمایا میں نے تمہارا کلام سنا تم نے کہا کہ ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں واقعی وہ اسی طرح تھے۔ اور تم نے کہا، عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ تھے ہاں وہ واقعی ایسے تھے۔ اور تم نے کہا آدم علیہ السلام صفی اللہ تھے ہاں وہ واقعی ایسے ہی تھے۔ لیکن یاد رکھو کہ میں حبیب اللہ ہوں اور میں یہ فخر کے طور پر نہیں کہہ رہا اور یاد رکھو قیامت میں لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں یہ فخریہ نہیں کہہ رہا اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں میں اولین و آخرین سے مکرم تر ہوں اور میں یہ فخر کے طور پر نہیں کہہ رہا اور جنت کا دروازہ سب سے پہلے میں ہی کھٹکھٹاؤں گا میرے دروازہ کھٹکھٹانے پر ہی اللہ تعالیٰ جنت کا دروازہ کھولا جائے گا تو میں سب سے پہلے بہشت میں داخل ہوں گا اور میرے ساتھ مہاجرین کے فقراء صحابی (رضی اللہ عنہم) ہوں گے اور میں یہ فخریہ نہیں کہہ رہا۔

چار یار افضل ہیں

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام پر افضل بنایا اور میرے یاروں کو تمام عالمین پر سوائے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے فضیلت بخشی اور میرے تمام یاروں سے میرے چار یار ① ابوبکر ② عمر ③ عثمان ④ علی (رضی اللہ عنہم) افضل ہیں۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہ نے فرمایا ؎

خدا بہ سروری سرداریش داد
ز خیل انبیا سالاریش داد
پئے دیوار ایمان بود کارش
شدہ او را چار رکن از چار یارش

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام کائنات کا سردار بنایا اور تمام انبیاء علیہم السلام پر بھی آپ کو سرداری بخشی۔ آپ کا کام ایمان کی چاردیواری کو مضبوط کرنا تھا۔ اس ایمان کی چاردیواری کے رکن آپ کے چار یار ہیں رضی اللہ عنہم۔

ف: جیسے گھر چاردیواری کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا ایسے ہی دین اسلام چار یاروں کی محبت و عقیدت کے بغیر نامکمل ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میرے بعد میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ خلفاء راشدین بہ نسبت باقی جملہ اہل اسلام کے افضل ترین ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَقُلِ ادْعُوا اے محبوب مدنی صلے اللہ علیہ وسلم فرمائیے کہ اے مشرکین تم بلاؤ۔ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ انہیں جن کو تم معبود سمجھتے ہو۔ مِّنْ دُوْنِهٖ اللہ تعالیٰ کے سوا یعنی اللہ تعالیٰ سے تجاوز کر کے دوسروں کو معبود بناتے ہو مثلاً ملائکہ علیہم السلام اور عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ بی بی مریم اور عزیر علیہما السلام کو معبود مانا۔ فَلَا يَمْلِكُوْنَ پس وہ طاقت نہیں رکھتے۔ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ تم سے ضرر دور کرنے کی مثلاً مرض اور فقر و فاقہ وغیرہ وَلَا تَحْوِيْلًا۞ اور نہ یہ ان چیزوں کو تم سے منتقل کر کے دوسروں کو پہنچا سکتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ اولئک مبتدا اور الذین اس کی صفت ہے۔ يَبْتَغُوْنَ اس کی خبر ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ وہ معبودان باطلہ جنہیں مشرکین پوجتے ہیں انہیں اپنے لئے طلب کرتے ہیں۔ اِلٰى رَبِّهِمُ اپنے رب تعالیٰ یعنی اپنے جملہ امور کے مالک کی طرف۔ الْوَسِيْلَةَ یعنے قربت بالطاعۃ والعبادۃ۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ ملائکہ کرام اپنے قرب کو وسیلہ اور دستاویز اپنی طاعت و عبادت کو سمجھتے بارگاہ حق میں جن کو قربت کا سبب سمجھتے۔

اَيُّهُمْ اَقْرَبُ یہ یبتغون سے بدل ہے اور اس کا موصول ہے یعنے جو اللہ تعالیٰ کے قریب ترین ہیں وہ بھی اسی کی بارگاہ میں وسیلہ طلب کرتے ہیں اور جو غیر اقرب ہیں وہ کیوں نہ وسیلہ طلب کریں اور مقرب بارگاہ سے ملائکہ کرام و دیگر معبودین مراد ہیں یعنے جب مقرب لوگ بارگاہ حق میں وسیلہ لاتے ہیں پھر غیر مقرب کے لئے تو بطریق اولیٰ وسیلہ ضروری ہے۔

ف: الکواشی میں ہے: ایہم استفہام جملہ ہے اس کی خبر اقرب ہے اور اس کا محل نصب ہے یدعون کی وجہ سے

ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف قرب ڈھونڈتے ہیں تاکہ دیکھیں کہ ان کے معبودوں میں سے کون زیادہ اللہ تعالیٰ کے قریب تر ہے تو اس ہی کو پانے کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور میں اسے وسیلہ بنائیں نیز اللہ تعالیٰ کے ہاں قرب کے لئے وسیلہ بناتے ہیں۔

وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ اور امید رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں۔ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ یہاں سے کہ اگر وہ اپنے معبودوں کو خداوند تعالیٰ کا وسیلہ بنائیں گے تو عذاب الٰہی سے نہیں بچ سکیں گے اس معنی پر یہ مقبول دوسرے بندوں میں شامل ہوں گے اگرچہ بارگاہ حق میں وسیلہ بننے کے لائق نہیں۔ جب ان کا یہ حال ہے تو پھر وہ معبود کس طرح ہو سکتے ہیں اور پھر ان سے مدد، دعا طلب کی امید رکھنا پرلے درجہ کی حماقت ہے۔ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۝ بے شک تیرے رب کا عذاب اس لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور تمام مخلوق اس سے ڈرتی ہے یہاں تک کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ کرام بھی اس سے خوفزدہ ہیں مگر یہ مجرم خطاکار لوگ اپنی کمال غفلت سے نہیں ڈرتے بلکہ الٹا اس سے اگر غافل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ڈر کو عذاب سے تعبیر کرنا صرف اسی لئے ہے کہ تنزیہی اللہ کا معبود ہی ہے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کی بجائے اس کے قہر و عذاب سے ڈرے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور خوف خداوندی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس وقت کہا جب کہ انہیں شہادت کے وقت خنجر مارا گیا کہ اے عمر امیر المومنین رضی اللہ عنہ آپ نے اس وقت اسلام پھیلایا جبکہ دوسرے بہت سے لوگ کفر میں گرفتار تھے اور آپ نے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی اس وقت مدد کی جب دوسرے لوگوں نے آپ کو سخت اذیتیں پہنچائیں اور وصال کے وقت حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم آپ سے راضی تھے اور آپ نے اپنی حکومت میں سب کا صحیح فیصلہ فرمایا کوئی بھی آپ کے فیصلے سے ناخوش نہیں تھا اور پھر آپ کو شہادت کی موت نصیب ہوتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مغرور وہ ہے جسے تم اپنے خیال سے اس کا دل بہلاؤ، میں کہتا ہوں کہ قیامت کے ہولناک امور کے عوض میں اگر میں ساری دنیا کی اشیاء فدیہ کے طور پر دے دوں تب بھی نجات ناممکن معلوم ہوتی ہے۔

ف: بالمطلع سے قیامت مراد ہے یعنی موت کے بعد کے اوقات۔ اور اسے مطلع سے اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ اس وقت انسان اعمال کو جھانک کر دیکھتا ہے اور اسے اس وقت بہت بڑے ہولناک امور پیش ہوتے ہیں۔

ف: بعض علماء نے فرمایا ہے کہ حزن طعام نہیں کھانے دیتا اور خوف گناہ نہیں کرنے دیتا اور امید بر رحمت حق طاعات کے لئے قوت بخشتی ہے اور موت کا ذکر فضول باتوں سے بچاتا ہے اور خوف و رجا جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو نصیب ہوتا ہے اس لئے کہ وہی شفیق الزہد والجد ہے۔

رد وہابیہ و دیوبندیہ: وہابیہ دیوبندیہ کے منکر انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا و علیہم السلام کے وسیلہ بارگاہ حق کو شرک کہتے اور

ہو انھیں یوں ہی تقلید دے کر عوام کو دھوکہ دیتے ہیں۔ وہ اس آیت کو استدلال کے طور پر پیش کرتے ہیں حالانکہ صاف ظاہر ہے کہ آیت میں کافروں کے بتوں کو وسیلہ بنانے کی مذمت ہے نہ انبیاء و اولیاء کو وسیلہ بنانے سے روکا گیا ہے۔ لیکن تعصب کا برا غضب ہو کہ اس نے وہابیوں، تیمیوں، دیوبندیوں اور مودودیوں وغیرہم کو ایسی پٹی پڑھائی کہ آیت کو خواہ مخواہ انبیاء و اولیاء پر چسپاں کر دیا حالانکہ جمہور اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ انبیاء و اولیاء کرام کو بارگاہ حق میں وسیلہ بنانا جائز ہے اور اس آیت کو بتوں پر محمول کرتے ہیں۔

چنانچہ اس کی مزید تشریح فقیر[1] نے اپنی کتاب میں لکھی ہے۔ حضرت صاحب روح البیان کا حوالہ جو دیوبندی بریلوی اختلاف سے سو صدی پہلے کی لکھی ہوئی ہے وہ حوالہ یہ ہے۔[2]

وانما الانبياء وورثتهم الكاملون وسائط بينه	بہر حال انبیاء اور ان کے وارثین کاملین اللہ تعالیٰ اور اس کی
تعالیٰ وبين الخلق ولابد من طاعتهم ومحبتهم	مخلوق کے درمیان وسیلے ہیں اسی لئے ان کی اطاعت و محبت
حيث توقيرهم ومن اشتهم ومن التقرب	عزت و طاعت ضروری ہے اور ان کا قرب قرب الٰہی کا
اليهم لتحصيل الزلفى۔	ذریعہ وسیلہ ہے۔

از انس فرزند مالک آمدہ است
کہ بمہمانی او شخصی شدہ است
او حکایت کرد کز بعد طعام
دید انس دستار خوان را زرد فام
چرکن و آلودہ گفت اے خادمہ
اندر افگن در تنورش یک دمہ
در تنور پر ز آتش در فگند
آن زمان دستار خوان را ہوشمند
جملہ مہمانان دران حیران شدند
انتظار دود کندوری بدند

---

[1] اویسی غفرلہ کی تفسیر ہے۔

[2] روح البیان جلد ۲ صفحہ ۵۰۰۔

بعد یک ساعت برآورد از تنور
پاک و اسپید و ازاں اوساخ دور
قوم گفتند اے صحابی عزیز
چوں نسوزید و منقی گشت نیز
گفت زانکہ مصطفیٰ دست و دہاں
بس بمالید اندریں دستار خواں
اے دل ترسندہ از نار و عذاب
با چناں دست و لبے کن اقتراب
چوں جمادی را چنیں تشریف داد
جان عاشق را چہا خواہد گشاد
مر کلوخ کعبہ را چوں قبلہ کرد
خاک مرداں باش اے جان در نبرد

ترجمہ: ۱۔ حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ آپ کے ہاں ایک مہمان آیا۔

۲۔ اس مہمان نے بیان کیا کہ حضرت انس نے کھانا کھانے کے لیے دسترخوان طلب فرمایا تو وہ دسترخوان میلا تھا۔

۳۔ حضرت انس نے دسترخوان کو میلا دیکھا تو خادمہ سے فرمایا کہ اس دسترخوان کو ایک ساعت کے لیے تنور میں ڈال دے۔

۴۔ عقلمند خادمہ نے آگ سے جلتے ہوئے تنور میں دسترخوان کو ڈال دیا۔

۵۔ خادمہ نے جب اسے تنور میں ڈالا تو تمام مہمان حیران رہ گئے، دسترخوان جلنے اور تنور سے دھواں اٹھنے کا انتظار کرنے لگے۔

۶۔ خادمہ نے تھوڑی دیر بعد اسے تنور سے نکالا تو وہ دسترخوان نہایت صاف و شفاف تھا۔

۷۔ لوگوں نے پوچھا اے صحابی! بتائیے کہ یہ دسترخوان جلنے کے بجائے صاف ستھرا ہو گیا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

۸۔ فرمایا کہ اس دسترخوان سے حضور علیہ السلام نے ہاتھ مبارک اور چہرہ پاک کو لگایا تھا۔

۹۔ اے جہنم کی آگ اور عذاب سے ڈرنے والے دل! ایسے مقدس ہاتھ اور مبارک ہونٹ والے سے تعلق پیدا کر

۱۰۔ کیونکہ جب اس نے ایسی بے جان کو شرف بخشا تو اپنے عاشق پر کیوں نہ لطف و کرم فرمائے گا۔

۱۱۔ جب مٹی میں کعبہ کو قبلہ بنا دیا ہے تو تم بھی اللہ والوں کی خاک پا ہو جاؤ مرتبہ پاؤ گے۔

وَإِنْ میں اِنْ نافیہ ہے مِنْ استغراقیہ ہے۔ قَرْيَةٍ سے بستی یا شہر مراد ہے۔ حضرت ابو السعود رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے وہ بستی مراد ہے جہاں کفار رہتے ہوں یعنی کافروں کی کوئی ایسی بستی نہیں۔ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوهَا مگر ہم اسے ضرور تباہ و برباد کرنے والے ہیں خسف سے۔ یا اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے مکینوں کو تباہ و برباد کریں گے جب وہاں بڑے بڑے جرائم و معاصی کا ارتکاب کریں گے جو ان کی تباہی و بربادی کا موجب ہوں گے۔ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ قیامت کے دن سے پہلے۔ اور قبل قیامت کی تخصیص اس لئے ہے کہ قیامت کے وقت تو ہر بستی اور ہر شہر تباہ و برباد ہو گا وہاں کے مکین کافر ہوں گے یا نہ اور نیز یا انہیں اس وقت سزا و عذاب کے طور پر تباہ کیا جائے گا بلکہ دنیا کی عمر ختم ہو جانے کی وجہ سے۔ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا یا اس بستی کے مکینوں کو عذاب دیا جائے گا اور عذاب و ہلاکت کا اسناد بستی کی طرف مجازاً ہے۔ عَذَابًا شَدِيْدًا سخت عذاب یا تو انہیں قتل کیا جائے یا انہیں قحط اور زلزلوں میں مبتلا کیا جائے گا یا دوسری بلائیں یا اخروی عذاب کا ابتلا مراد ہے۔ اس لئے یہاں پر عذاب کو قبلیت یوم القیامۃ سے مقید نہیں کیا گیا اور یہی ہے کہ بہت سے نافرمان لوگوں کی بستیوں کو قیامت تک تباہی و بربادی سے محفوظ رکھا جائے گا یہی ابو السعود المفسر رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے۔

صاحب روح البیان کی تردید

فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ اس کو عام اور شق اول کو خاص کرنا آیت کے سیاق کے خلاف ہے کیونکہ قبلیت یوم القیامۃ جیسے شق اول میں مراد ہے ایسے ہی شق ثانی میں اور یوم القیامۃ کے بعد کے عذاب شدید کے یہ منافی نہیں جیسا کہ نصوص کے معانی سے ظاہر ہے نیز یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ قبل یوم القیامۃ کے عذاب شدید سے کفار کی جڑ اکھیڑنا اور بعد یوم عقبیٰ اس کے عذاب شدید سے انہیں مختلف عذاب میں مبتلا کرنا مراد ہے جیسا کہ ظاہر ہے کہ مرنے کے بعد کفار کو مختلف عذابوں میں مبتلا کیا جائے گا۔

ف: بحر العلوم میں القریۃ کو عام بتایا ہے۔ انہوں نے حدیث شریف ذیل سے استدلال فرمایا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت پر اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ رحم و کرم ہے۔ اسے اگر عذاب میں مبتلا فرمائے گا تو اس کا عذاب قتل و زلازل میں ہے۔

نیز فرمایا کہ میری امت کی جہنم کی سزا یہ ہے کہ اسے مٹی کے نیچے دبا کر مٹایا جائے گا۔

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ ہلاکت نیک اور عذاب بدکار بستیوں کی طرف اشارہ ہے۔

ممالک دنیا کی تباہی کی علامات

مفسرین نے فرمایا ہے کہ مکہ معظمہ کو حبشی اور مدینہ طیبہ کو بھوک اور بصرہ کو غرقاب اور ایلہ کو عراق اور جزیرہ کو جبل اور شام کو روم اور فارس کو زلزلے اور صقالبہ کو جبل اور خاوند کو پیلے اور مصر کو دریائے نیل کا انقطاع اور اسکندریہ کو بربر اور اندلس کو روم اور خراسان کو گھوڑوں کے کھر اور رے کو دیلم اور دیلم کو ارمن اور آرمینیہ کو خزر اور خزر کو ترک اور ترک کو صواعق اور سندھ کو ہند اور ہند کو سندھ اور سکندری کے بعد کی اور انہیں یاجوج ماجوج تباہ و برباد کریں گے۔

حضرت وہب ابن منبہ سے مروی ہے کہ جزیرہ تباہی سے امن میں رہے گا یہاں تک کہ ارمینیہ تباہ ہوگا اور ارمینیہ امن میں رہے گا یہاں تک کہ مصر تباہ ہوگا اور مصر امن میں رہے گا یہاں تک کہ کوفہ تباہ ہو جائے گا اور کوفہ ایک بہت بڑی خونریز جنگ سے تباہ ہوگا اور جب خونریز جنگ ہوگی تو قسطنطنیہ بنی ہاشم کے ایک فرد کے ہاتھوں تباہ ہوگا ۔

كَانَ ذٰلِكَ (وہ ہر ہلاک و تعذیب مذکور ہوا ہے) **فِي الْكِتٰبِ** (لوح محفوظ میں ہے) **مَسْطُوْرًا ۝** لکھا ہوا کہ اس سے بال برابر کمی بیشی نہ ہوگی اس لئے کہ ان تمام باتوں کا ذکر اور ان کے کوائف و حالات اور ان کے اسباب موجبہ اور وقت مقررہ تفصیل کے ساتھ لوح محفوظ میں مذکور و مسطور ہے ۔

قضا وقدر در لوح محفوظ میں مروی ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو نور سے پیدا فرمایا تو اسے اپنے داہنے ہاتھ میں لیا اور اس کے دونوں ہاتھ سیدھے ہیں اور قلم کی لمبائی پانچ سو سال کے برابر ہے اسی طرح لوح محفوظ کی مسافت ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے قلم کو فرمایا کہ چل وہ چلی تو لوح محفوظ پر آنے والے تمام واقعات کو لکھا نیکوں اور بدوں کو اور ہر رطب و یابس کے ذرہ ذرہ کو لکھا اب اللہ تعالیٰ سے جو حکم یا خبر پہنچے تو تم اس کی تصدیق کیا کرو اور اس کی بہت بڑی قدرت کا اعتراف کرو ۔

حدیث شریف حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو اپنے ہاتھ سے پھر نون یعنی دوات کو پیدا فرما کر اسے فرمایا کہ لکھ اس نے عرض کی یا اللہ! کیا لکھوں ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو کچھ ہوا اور جو قیامت تک ہوگا سب کچھ لکھ دے اس کے بعد قلم کے منہ پر مہر لگا دی اب سے قیامت تک قلم نہیں بولے گی یعنی کچھ نہیں لکھے گی ۔ (رواہ ابن عباس رضی اللہ عنہما)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قریۃ سے انسانی ڈھانچہ اور اس کی ہلاکت سے قلب و روح کی موت مراد ہے یعنی ہم ہر انسانی ڈھانچہ کو روح و قلب کی موت کے ساتھ ماریں گے ۔ قبل یوم القیامۃ ڈھانچہ کی موت سے پہلے اس لئے کہ جو بھی مرتا ہے اس کے لئے قیامت قائم ہو جاتی ہے ۔ او معذبوھا یا اسے بلاؤں اور امراض و علل و مصائب اور شرک فی الاعمال والنفس اور دوسرے عیب و غریب ریاضات و مجاہدات (اختیاراً یا اضطراراً) مخالفات ہوٰی میں مبتلا کریں گے ۔ عذابا شدیدا (اور عذاب شدید اس معنے پر ہیں کہ مخالفات کا ترک نفس کے لئے عذاب شدید ہے ۔ کان ذلک فی الکتاب مسطورا یہ ازل سے اللہ تعالیٰ کی موت و حکمت اور اس کی کبریائی جبروتی حقیقت کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ کوئی عاشق صادق بھی اس کے جمال کے شوق میں اس کے جلال کے ٹیلوں تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ اس کے عقبہ کو عبور نہ کرے ۔ کما قال تعالیٰ ،

فلا اقتحم العقبۃ العقبۃ وما ادراک ما العقبۃ

جب اس کے گھر تک پہنچنے والوں کا یہ حال ہے ۔

لَمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ۔ تم اس تک ان پر نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ اپنے نفوس کو کھو نہ دیدو ۔

تو پھر واصلین باللہ کی کیا کیفیت ہوگی اسی لئے حضور کیا ما اوذیت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری طرح کسی نبی کو ایذا نہیں دیا گیا یعنی جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام کو کوئی نہیں پہنچا تو اس سے میرا ایذا شدہ اور میری فنا خود اور میرا بشر میں ان کی طرح کسی کو اذیتیں اور مشقتیں نہیں جیسی ان کے کہ میرے جسم کو گھلانا ضروری ہے کیونکہ میرا ایذا بشر میں افعال کچھ جاتے ہیں اور میری فنا بشر میں صفات اور میرا بشر میں ذات سامنے آجاتی ہے ۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

رنجے نبردہ چہ دانی تو قدر یار
تحصیل کام دل بتکاپوی خوشتر است

ترجمہ: اے دکھ نہ دیکھنے والے تمہیں دوست کی قدر و قیمت کا کیا پتہ دل مراد حاصل کرنے کے لئے محنت و مشقت ضروری اور اس میں مزہ بھی ہے ۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

مکن ز غصہ شکایت کہ در طریق طلب
براحتے نرسید آنکہ زحمتے نکشید

ترجمہ: غم محبوب سے شکایت مت کر اس لئے کہ راہ طریقت میں راحت نصیب نہیں ہوتی جب تک کہ اس میں تکلیف نہ ہو ۔

نیز فرمایا ؎

خام را طاقت پروانۂ پر سوختہ نیست
نازکاں را نرسد شیوۂ جاں افشانی

ترجمہ: کچے عاشق کو پروانہ پر سوختہ والی طاقت کہاں نازک دل لوگوں کو جان قربان کرنے کا طریقہ نہیں آتا ۔

اے اللہ! ایسی بلاؤں پر صبر کی توفیق بخش اپنے اولیاء کرام کی مشقتوں سے کچھ حصہ ہمیں بھی عطا فرما ۔

تفسیر عالمانہ

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ ۔ یہاں مراد وہ آیات ہیں جو کفار مکہ نے طلب کی تھیں جیسا احیاء الموتیٰ اور صفا پہاڑی کو سونا بنا دینا اور مکہ کے پہاڑوں کو کہیں دور ہٹا دینا کہ مکہ کی زمین صاف ستھری ہو کر کھیتی کے قابل ہو جائے اور اس پر نہروں کا اجراء ہو اور وہاں باغات ہو سکیں ۔ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ یہ عام الاشیاء سے استثناء مفرغ ہے ۔ یعنی ان آیات مذکورہ کے بھیجنے پر کسی شئے نے نہیں روکا مگر ان کے پہلے لوگوں کی تکذیب

سے اور لوگ بھی ان کی مانند ہی ہیں اسی لئے ان کے کہنے پر ہم نے آیات نازل نہیں کیں اور الاولون سے مراد ثمود جیسے کفار مراد ہیں وہ اس لئے کہ اگر آیات مطلوبہ بھیجی بھی جاتیں تو ان کا قوموں کی طرح یہ بھی تکذیب کرتے اور پھر جیسے ان کے انکار پر ان کو جڑ سے اکھیڑ دیا گیا اور تباہ و برباد ہو گئے یہ بھی ان کی طرح تباہ و برباد ہو جاتے کیونکہ تکذیب پر ہم کافروں کو نہیں چھوڑتے بلکہ انھیں فوراً تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور ان کی تباہی و بربادی موقوف کر دی گئی ہے اور ہمیں ان کو تباہ و برباد کرنے کا ارادہ نہیں ہے کیونکہ ان میں بہت سے اہل ایمان موجود ہیں اور آئندہ بھی اہل ایمان پیدا ہوں گے ۔

ربط : اجمالی ذکر کے بعد اب گذشتہ میں سے بعض گروہ کی تکذیب کی تفصیل بتاتے ہیں کہ ۔

وَاٰتَیْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَۃَ اس کا عطف ماقبل کے مضمون پر ہے جو لفظ کلام سے ثابت ہو رہا ہے گویا عبارت یوں تھی

وما منعنا ان نرسل بالآیات الا ان کذب بہا الاولون حیث آتیناھم ما اقترحوا من الآیات الباھرۃ فکذبوھا وآتینا ثمود الناقۃ

اور ہمیں کوئی رکاوٹ نہیں کہ ہم آیات بھیجیں مگر ان کے اولین کی تکذیب نے ہمیں روکا کہ انھوں نے ہم سے بھی آیات طلب کئے اور ہم نے ان کے مطالبہ پر آیات باہرہ بھیجے تو انھوں نے ان کی تکذیب کی اور ہم نے ثمود کو ناقہ دی یہی اس کا مطلب ہے ۔

مُبْصِرَۃً معنی مبصرہ واضح بیان اور روشن اسناد بصارت ہی اس معنی پر یہ باب نسبت سے ہوگا اور تاء مبالغہ کی ہے یا فعل کا اسناد ناقہ کی طرف مجاز ہے حال مشبہ کی جہت سے ہوگا یہ معنے مجازی ہوگا ۔ فَظَلَمُوْا بِہَا ان لوگوں نے ناقہ پر ظلم کیا یعنے انھوں نے ناقہ کے معجزہ ہونے کا انکار کیا درآں حالیکہ وہ ظالم تھے یعنے انھوں نے صرف کفر ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ کفر کے ساتھ انھوں نے ناقہ کے ساتھ ظلم کیا جو کہ ان کا ثمود اس کی کونچیں کاٹیں اور اپنے اوپر ظلم کیا اور اپنے آپ کو ہلاکت و تباہی میں ڈالا بسبب ناقہ کی کونچیں کاٹنے کے ۔

ف : یہاں پر خاص ثمود کی تخصیص اس لئے ہے کہ وہ بھی ان کی طرح عربی تھے اور اہل عرب کو ثمود کے حالات بہت زیادہ معلوم تھے اور ان کے ہلاک ہونے کو انھوں نے آنکھوں سے مشاہدہ کیا اور اب بھی ان کے سامنے آثار ظاہرہ واضح تھے ۔

وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰیٰتِ اور ہم ان کے مطالبہ کے مطابق آیات کو نہیں بھیجتے ۔ اِلَّا تَخْوِیْفًا ۝ مگر ڈرانے کے لئے یعنے ہم ان کو جب یہ آیات نازل کرتے ہیں پھر جب وہ تکذیب کر دیتے ہیں تو پھر ہم ان کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں یا بعض آیات ان کی طلب کے بغیر آتے جیسے معجزات امام الانبیاء علیہ وعلیہم السلام اور نزول قرآن۔ ان کے انکار پر اہل مکہ کو عذاب آخرت میں مبتلا کیا جائے گا کیونکہ سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ کا سلسلہ قیامت کے دن میں مؤخر کیا گیا ہے صرف آپ کی تکریم و تعظیم کے پیش نظر کیا گیا ۔

امانت رحمت دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک آپ کی امت کے لئے بہت بڑی امان تھی آپ کے وصال کے بعد آپ کی سنت مبارکہ امت

کے لئے اعمال ہوں۔ اگر سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مٹائے گی تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو تباہ و برباد کر دے گا اس لئے کہ اس امت کو بھی اعمال تخریبی کی سزا دنیا میں بھی ملتی ہے لیکن یہ قریب قیامت میں ہوگا جیسے ہم نے ابھی چند سطر پہلے اس کو لکھا ہے مثلاً ان پر زلزلے آئیں گے اور انہیں مختلف جرموں میں مبتلا کیا جائے گا اور ان پر طاعون آئے گا یہ صرف اہل حق کو بچانے کے لئے ہوگا اسی طرح ان پر ظالم لوگوں کو مسلط کیا جائے گا جس سے ایک اور عذاب کیا ہوگا کہ ظالم لوگوں کا تسلط ہو۔

سبق: اہل ایمان پر لازم ہے کہ وہ طریقہ آنحضرت و احیاء سنت خیر الوریٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں جد و جہد کریں۔

حدیث شریف: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو بھی میری سنت کو زندہ کرتا ہے گویا اس نے مجھے زندہ کیا اور جس نے مجھے زندہ کیا اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی تو وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو بھی سنت کی حفاظت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے چار خصلتوں سے نوازتا ہے:

① اولیاء اللہ کے دل میں اس کی محبت ہوگی۔

② فاسقوں فاجروں کے دلوں پر اس کی ہیبت ہوگی۔

③ رزق میں وسعت ہوگی۔

④ دین میں مضبوطی نصیب ہوگی۔

اولیاء اللہ کی شان: جیسے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی امت کے لئے بہت بڑی امان ہے ایسے اولیاء کرام جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث کامل ہیں ان کی حیات بھی امت کے لئے امان ہے اس لئے کہ وہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر چلنے والے ہیں اور ان کا اعتقاد حضور علیہ السلام کے اعتقاد پر ہے مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے قائل ہیں اور آپ کے طریق کی اتباع کرتے ہیں اور آپ کی شریعت کو زندہ رکھتے ہیں اسی معنی پر اولیاء اللہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء اور نائب ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اولیاء اللہ کی محبت سے عذاب الٰہی سے بچاؤ نصیب ہوتا ہے۔

استمداد از اولیاء:

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(۱) تحیرتم فی الامور فاستعینوا باھل القبور۱؎ جب تم امور میں متحیر ہو تو اہل قبور سے مدد مانگو۔

۱؎ روح البیان جلد ۵ صفحہ ۲۹۸

اور کاشفی نے رسالہ العلیہ اور ابن کمال نے اربعین میں بھی ایسا ہی لکھا ہے ۔

شرح الحدیث

اہل قبور سے مراد وہ اولیاء کرام ہیں جو اضطراری موت سے پہلے موت اختیاری سے فوت ہو گئے یعنی موتوا قبل ان تموتوا پر عمل کرنے والے اولیاء کرام سے مدد مانگنا حدیث نبوی سے ثابت ہے ۔

دیکھیں یہی احادیث کمزور معاصر کے منکرین نہیں مانتے یہ ان کی شامت ہے کیونکہ ایسی احادیث ان کے مذہب کے خلاف ہیں اور ان کا قاعدہ ہے کہ جو احادیث ان کے مذہب کے خلاف ہوں تو وہ ان کا انکار کر دیتے ہیں ۔ ان کے نہ ماننے سے حدیث شریف کی رفعت شان میں کمی نہیں آتی بلکہ ان کا اپنا نقصان ہے ۔ مگر ہم بحمد اللہ تعالیٰ احادیث مبارکہ کو سر آنکھوں پر رکھتے ہیں اور یہ ہماری خوش بختی ہے کہ ان احادیث مبارکہ کے مصداق اولیاء کرام ہیں اس حدیث پاک کے مطابق ہیں ۔[1]

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

مدد از خاطر رنداں طلب اے دل ورنہ
کار صعب است مبادا کہ خطائے بکنیم

ترجمہ : اہل اللہ سے مدد طلب کرو ورنہ کام مشکل ہو جائے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان سے مدد نہ لینے میں ہم خطا میں مبتلا ہو جائیں ۔

شان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عجیب نکتہ

وہ مومن جو ایمان میں صادق و خالص و مخلص ہے اسے قیامت میں اللہ تعالیٰ نے عذاب میں مبتلا نہیں کرے گا اس لئے کہ وہاں ہم سب کے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ جہاں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف موجود ہوں وہاں اللہ تعالیٰ عذاب نہیں بھیجتا یہی وجہ ہے کہ کل قیامت میں دوزخ ایسے مومن سے کہے گی ۔

جُزْ یا مومن فان نورك اطفاء لہبی ۔ اے مومن جلدی سے گزر جا اس لئے کہ تیرے نور نے میری آگ کو بجھا دیا ہے ۔

باقی رہے فاسق و فاجر انہیں بھی جہنم میں ڈالا جائے گا تو بھی اسے خالص و مخلص بنانے کے لئے نہیں بھیجا جائے گا ۔

وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یاد کیجئے جبکہ ہم نے آپ کو کہا یعنی جب ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ بے شک آپ کا رب علم و قدرت کے لحاظ سے لوگوں پر محیط ہے اس لئے کہ وہ سب اس کے قبضہ قدرت میں ہیں اسی بنا پر آپ میرے احکام ان پر جاری فرمائیے اور آپ کسی سے خوف نہ کیجئے ۔

صوفیانہ معنے : بعض صوفیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا لوگوں پر محیط ہونے کا معنے یہ ہے کہ وہ موجودات میں تجلی فرماتا ہے اس

---

[1] استفادہ از [illegible] ۔

مختصر یہ کہ ذات اپنے جمیع احاطہ کی اصلیت کی بنا پر موجودات کے ذرہ ذرہ میں ذاتاً وحیاۃً وعلماً وقدرۃً ودیگر صفات کے ساتھ ساری ہے اور اسی احاطہ السرایۃ کی بنا پر زمین وآسمان کا ذرہ ذرہ اس سے پوشیدہ نہیں اور جو شے اس سے پوشیدہ ہو وہ معدوم ہے وہ موجود نہ ہوگی۔ یاد رہے کہ یہ احاطہ ظرف بالمظروف اور احاطہ الکل بالاجزاء اور احاطہ الکلی بالجزئیات کے قبیل سے نہیں بلکہ تمام تعینات واحد لذاتہ المطلق کا لازم ہیں۔ بالواسطہ یا بلا واسطہ بالشرط یا بلا شرط امر یہ ہے کہ کثرۃ الاسماء والصفات وحدت ذات کو نہ مانع ہیں اور نہ منافی۔

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي۔ رؤیا سے یہاں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے وہ مشاہدات مراد ہیں جو آپ نے شب معراج زمین وآسمان کے عجائبات مشاہدہ فرمائے اور اسے رؤیا سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ رؤیا اور رؤیت ایک شے ہے۔ (کذا فی الکواشی)

مجذوب کبھی خواب میں ہوتا ہے اور کبھی جاگتے ہیں یا اس معنے پر کہ آپ نے یہ واقعات رات کو دیکھے تھے اور ایسے جلدی جیسے خواب میں دیکھے جاتے ہیں۔ بعض مفسرین نے اس کا جواب یہ دیا کہ ان عجائبات کو "رؤیا" سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ وہ لوگ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے معراج کو منامی (خواب) سے تعبیر کرتے تھے جسمانی طور پر ماننے کے لئے وہ ہرگز تیار نہیں تھے اور المواہب الصمدیہ میں لکھا ہے کہ معائنہ جسمانی کو تشبیہ واستعارہ کے طور پر رؤیا کہا جاتا تھا اس لئے کہ وہ عجائبات جو بطور خرق عادت ظہور میں آئے وہ ایسے تھے جیسے انسان عادتاً خواب میں دیکھتا ہے۔

اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ ہم نے وہ عجائبات جو آپ کو شب معراج مشاہدہ کرائے۔ وہ باوجودیکہ ایک بہت بڑا اعزاز تھے کہ جسے ماننے کے لئے ادنیٰ درجہ کا آدمی تیار نہیں ہوتا۔ وہ صرف لوگوں کی آزمائش کے لئے تھا کہ ان میں کون آپ کی تصدیق کرتا ہے اور کون انکار۔ چنانچہ واقعہ معراج کے بعد بہت سے لوگ مرتد ہو گئے۔

وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ فِي الْقُرْآنِ اس کا عطف الرؤیا پر ہے اور منصوب پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے کھانے والے ملعون ہیں۔ یہ مجازی ہے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ درخت رحمت باری سے دور ہے اور اس سے زقوم کا درخت مراد ہے اور جہنم کی جڑ سے پیدا ہوا اور ایسی جگہ پر ہوتا ہے جو رحمت حق سے بہت دور ہوتی ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ وہ درخت جیسے ملعون کہا گیا ہے وہ بھی لوگوں کے لئے آزمائش ہے یہاں تک کہ کفار کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جہنم میں آگ ہے اور وہ جلا کر راکھ بنا دیتی ہے اور پھر فرماتے ہیں کہ زقوم کا درخت جہنم کی جڑ سے پیدا ہوتا ہے۔ تو یہ عقل سے محال ہے۔ چنانچہ اسی بات کو سن کر کفار گمراہی کے گڑھے میں گر گئے اور عقل کو اپنا پیشوا بنایا اور دھوکے میں آ گئے۔ حالانکہ وہ خود دیکھتے تھے کہ شتر مرغ آگ کے انگاروں کو نگل جاتا ہے اور آگ سے گرم شدہ لوہے کو کاٹ دیتا ہے لیکن تو بھی اسے نقصان نہیں ہوتا اسی طرح گرم لوہے کو بھی کاٹ لیتا ہے اور یہ بھی انہیں معلوم ہے کہ سمندل کے بالوں سے تیار کردہ رومال کو آگ نہیں جلاتی بلکہ اس پر معمولی خراش بھی نہیں ہوتی۔

ف: ولاشک نے کہا ہے کہ اس سے عجیب تر یہ معاملہ ہے کہ ان لوگوں سبز درخت سے آگ حاصل کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ

نے فرمایا :

جعل لکم من الشجر الاخضر نارا   واللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے سبز درخت سے آگ بنائی۔

اس سے ان نا اہلوں کو سمجھانا تھا کہ وہ ذات جو درخت کے اندر آگ امانت رکھ سکتی ہے وہ درخت کو آگ میں سے نکال سکتی ہے۔

ف : المرخ اور العفار دو درخت ہیں جو عرب کی وادیوں میں پیدا ہوتے ہیں جس سے لوگ مسواک تیار کرتے ہیں اور وہ سبز رنگ کے دو درخت ہیں جن سے پانی گرتا رہتا ہے۔ المرخ جس کا اس پر ڈالا جاتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے آگ پیدا ہوتی ہے۔

وَنُخَوِّفُهُمْ اور ہم انہیں ان سے امان جیسی اور آیات سے ڈراتے ہیں اس لئے کہ یہ تمام آیات ڈرانے کے لئے ہیں۔ فَمَا يَزِيدُهُمْ پس انہیں ڈرانا نہیں بڑھاتا۔ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيرًا ۝ بہت بڑی سرکشی کو ایسی سرکشی جو حد سے بڑھی ہو اگر ہم ان کے مطالبہ پر وہ آیات جو طلب کرتے ہیں بھیجیں تو ان کے ساتھ وہی کریں گے جو انہوں نے پہلی آیات سے کیا اور جیسے ہم ان کی جزا و سزا میں وہی کریں گے جو ہم نے ان جیسوں سے کیا حالانکہ ہم نے ان کے عذاب کی تاخیر قیامت تک مؤخر کر دی ہے۔

ف : اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ بہت سے حسین چہرے اور فصیح زبان اور تندرست بدن والے جہنم کی آگ میں جھونک دیئے جاتے ہیں۔ اسی لئے ہر انسان پر خوف الٰہی لازم ہے یہاں تک کہ خواص ہر وقت خوف خدا سے مرتعش رہتے ہیں تو پھر عوام کا کیا کہنا۔ انہیں ہر وقت خوف خدا سے سرشار ہونا لازمی اور ضروری ہے۔

حکایت حضرت مزنی نے فرمایا کہ میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی مرض الموت کے وقت حاضر ہوا ان سے عرض کی کہ حضرت استاذ مکرم کیا حال ہے؟ آپ نے فرمایا : میں دنیا سے کوچ اور دوستوں سے جدا اور اعمال سے ملاقات اور موت کا گھونٹ پی کر بارگاہ حق میں پیش ہونے والا ہوں پھر نامعلوم میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ واللہ میری روح بہشت کو جاتی ہے یا دوزخ میں۔ اور میں کہہ رہا ہوں : ؎

و لم ادر الی الصانعتین تنوبنی

و انک لا تدری متی انت میت

ترجمہ : مجھے معلوم نہیں کہ ان دو جگہوں سے کونسی جگہ نصیب ہوتی ہے اور تجھے کیا معلوم کہ تم کہاں اور کب مرو گے۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

لا تخافوا ہست نزل خائفان

ہست در خور از برائے خائفان

ہر کہ ترسد مر ورا ایمن کنند

مر دل ترسندہ را ساکن کنند

دقائق صفحہ ۱۹۹

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا لِاٰدَمَ

اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا

فَسَجَدُوٓا إِلَّآ إِبْلِيسَ قَالَ ءَأَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِينًا ﴿٦١﴾ قَالَ أَرَءَيْتَكَ

کہ آدم کو سجدہ کرو تو ان سب نے سجدہ کیا سوا ابلیس کے بولا کیا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے بنایا بولا دیکھ تو

هٰذَا الَّذِى كَرَّمْتَ عَلَىَّ لَئِنْ أَخَّرْتَنِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَأَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهُۥٓ

[illegible]

إِلَّا قَلِيلًا ﴿٦٢﴾ قَالَ اذْهَبْ فَمَن تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَإِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُورًا ﴿٦٣﴾

[illegible]

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُم بِصَوْتِكَ وَأَجْلِبْ عَلَيْهِم بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ

[illegible]

وَشَارِكْهُمْ فِى الْأَمْوٰلِ وَالْأَوْلٰدِ وَعِدْهُمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ إِلَّا غُرُورًا ﴿٦٤﴾

[illegible]

إِنَّ عِبَادِى لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيلًا ﴿٦٥﴾ رَّبُّكُمُ الَّذِى

[illegible]

يُزْجِى لَكُمُ الْفُلْكَ فِى الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِۦٓ إِنَّهُۥ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿٦٦﴾ وَإِذَا

[illegible]

مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِى الْبَحْرِ ضَلَّ مَن تَدْعُونَ إِلَّآ إِيَّاهُ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ إِلَى الْبَرِّ

[illegible]

أَعْرَضْتُمْ وَكَانَ الْإِنسٰنُ كَفُورًا ﴿٦٧﴾ أَفَأَمِنتُمْ أَن يَخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ

[illegible]

أَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ وَكِيلًا ﴿٦٨﴾ أَمْ أَمِنتُمْ أَن يُعِيدَكُمْ

[illegible]

فِيهِ تَارَةً أُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيحِ فَيُغْرِقَكُم بِمَا كَفَرْتُمْ

[illegible]

ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهِۦ تَبِيعًا ﴿٦٩﴾ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِىٓ ءَادَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِى

[illegible]

الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا (۷۰)

اور تری و خشکی میں سوار کیا انسان کو ستھری چیزوں کی روزی دی اور انسان کو اپنی بہت مخلوق سے افضل کیا

(بیت مثنوی شریف) آنکہ خورشیدش نیست چون گرمی حرص

واسں چہ داں نیست او محتاج درس

ترجمہ: جسے علم خدا نہیں اسے کوئی بھی نہیں بتا سکتا، ایسے کسی کو جو رہتے ہوئے درس کی ضرورت نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی آیات دیکھنے سننے سے ایمان کی رونق بڑھتی ہے اور باطنی یقین میں اضافہ ہوتا ہے اس لئے کہ اچھی مٹی سے صاف خراب نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ اسے اپنی اصل طبع سے نکالتی ہے اور خراب مٹی سے کچھ پیدا نہیں ہوتا اس لئے کہ خبیث میں استعداد ہے ہی نہیں بلکہ بانجھ عورت کی طرح اس میں سے انگوری کی پیدائش ناممکن ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں علوم و فہوم سے نوازے۔

۱۶۸

(تفسیرات جو گزشتہ)

تفسیر عالمانہ

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ ۔ یاد کیجئے جب کہ ہم نے تمام ملائکہ سے فرمایا۔

ف: اس سے وہ ملائکہ کرام مستثنیٰ ہیں جنہیں حق تعالیٰ کے مشاہدہ میں اتنا استغراق ہے کہ انہیں تخلیق آدم علیہ السلام بلکہ جملہ عالم کی کسی امر کا بھی شعور نہیں۔

اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ آدم علیہ السلام تحیۃ و اکرام کے طور پر سجدہ کرو اس لئے کہ ان میں ایسے فضائل و کمالات پائے جاتے ہیں جن کی وجہ سے وہ سجدہ کے مستحق تھے۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے انہیں اپنی خصوصی تجلی سے نوازا اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ حقیقۃً یہ سجدہ اللہ تعالیٰ کو تھا۔ آدم علیہ السلام درمیان میں ایسے تھے جیسے جماعت کو سترہ ہوتا ہے جیسے پہلی کا ذکر گزرا ہے۔

فَسَجَدُوْا تمام ملائکہ کرام نے آدم علیہ السلام کی تعظیم و تکریم کا اعتراف کرتے ہوئے بلا انکار سجدہ کیا۔ ایک طرف اللہ تعالیٰ کے ایک نبی کے حق کی ادائیگی ہوئی، دوسری طرف حق تعالیٰ کے امر کی فرمانبرداری۔ اس سے معلوم ہوا کہ ملائکہ کرام کو اوامر پر عمل کرنے اور نواہی سے بچنے سے سعادت ابدی نصیب ہوتی ہے۔ اِلَّآ اِبْلِيْسَ مگر ابلیس نے سجدہ نہ کیا اس لئے کہ تکبر کر کے سجدہ کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس کا یہ انکار اور استکبار اس کی شقاوت ازلی پر دلالت کرتا ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ ابد ازل کا نتیجہ ہے اس میں ہی سعادت و شقاوت کی صورتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

بحر العلوم میں لکھا ہے کہ ابلیس کو ملائکہ سے استثنا فرمانا از قبیل تغلیب ہے کہ جیسے مردوں میں عورت کا شمول ظاہر نہیں مثلاً کہا جاتا ہے " خرجوا الا فلانۃ " لیکن استثنا کیا گیا ہے اور یہ استثنا متصل ہے۔

قَالَ ابلیس نے ازراہ تعجب اور تکبر و انکار کے طور پر کہا جب کہ اسے اللہ تعالیٰ نے توبیخاً فرمایا۔ یا ابلیس مالک ان لا تکون مع الساجدین۔ تو اس نے جواباً ءَاَسْجُدُ کیا میں سجدہ کروں جب کہ میں اعلیٰ ہوں یعنی نار سے پیدا ہوا ہوں یہ استفہام انکاری ہے۔

کاشفی نے لکھا ہے کہ ابلیس نے کہا کہ میں سجدہ نہیں کروں گا اور یہ کیسے ممکن ہے جبکہ میرا حال یہ ہے کہ میں اعلیٰ ہو کر سجدہ کروں۔

خلاصہ یہ کہ اس استفہام سے انکار مراد ہے جس سے نفی کا بیان مطلوب ہے۔

لِمَنْ خَلَقْتَ اس کا منصوب ہونا از قبیل نزع الخافض ہے۔ یہ دراصل من طین تھا۔ یہ نزع الخافض وصف موصوف قومہ کے طریق پر ہے۔ یہ دراصل من قومہ تھا یعنی شیطان نے آدم علیہ السلام کی تحقیر کرتے ہوئے کہا کہ میں اسے سجدہ نہیں کروں گا جسے تو نے مٹی سے پیدا فرمایا ہے۔ اسی وجہ سے ابلیس کو لعین اور درگاہ حق سے راندہ اور بعید کیا گیا۔ قَالَ ملعون اور درگاہ حق سے راندگی اور بعیدگی کے بعد آدم علیہ السلام سے عداوت ظاہر کی اور حسد پر اقدام کرتے ہوئے کہا۔ (کما قال فی الارشاد)۔

اور یہ بھی اسی میں ہے کہ ابلیس نے یہ اس وقت کہا جب اسے اللہ تعالیٰ سے قیامت تک زندہ رہنے کی مہلت مل گئی اور اسے ملائکہ کی جماعت سے طوق لعنت پہنا کر اور راندۂ درگاہ بنا کر نکالا گیا اور اس کی تصریح یہاں اس لئے نہیں کی گئی کہ اس کا ذکر دوسرے مقام پر آگیا ہے اسی لئے اس کے دو کلاموں میں شیطان کے قَالَ کو درمیان میں لایا گیا ہے تاکہ ظاہر ہو کہ کلام ثانی کلام اول سے متصل نہیں اور اس کلام کا دارومدار پہلے کلام پر نہیں بلکہ کسی اور کلام پر ہے۔ اَرَءَیۡتَکَ هٰذَا الَّذِیۡ کَرَّمۡتَ عَلَیَّ کاف ضمیر خطاب کا ہے اور اسے اسی رأیت فاعل کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے اسے مستقل اسم نہیں قرار دیا جا سکتا کیونکہ ایسے کو محلاً منصوب ارأیت کا مفعول ہونا ہے حالانکہ اسے ارأیت کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے تاکہ "استفادہ" کیفیۃ سے زیادہ ہو کہ جو اس معنیٰ پر کاف کا بیان ہو یہ تاکید ادا نہیں۔ ھذا مفعول اول اور اسم موصول اس کی صفت اور ارأیت کا مفعول ثانی محذوف ہے جیسا کہ صفت اس کے محذوف ہونے پر دلالت کرتی ہے اور ارأیت یہاں پر بمعنی اخبرنی ہے اس لئے کہ رؤیت یعنی علم اخبار کا سبب ہے اسی اعتبار سے مسبب کا سبب پر اطلاق کر کے اخبار مراد لیا گیا ہے اور استفہام امر سے مجاز ہے اس اعتبار سے استفہام بول کر امر مراد لیا گیا ہے کیونکہ استفہام جامع الطلب ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے اللہ! مجھے اس شخص کی خبر دیجئے جسے تو نے مجھ پر مکرم بنایا اور مجھے اس کے لئے سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ اسے تو نے کرم و عزت اور خلافت و سجدہ کا اہل کیوں بنایا؟ حالانکہ میں تو اس سے بہتر ہوں اس لئے کہ اسے مٹی سے پیدا کیا ہے اور مجھے آگ سے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

① آنکہ آدم را بدن دید او رمید
وآنکہ نور مؤتمن دید او خمید

---

② تو ز قرآں اے پسر ظاہر مبیں
دیو را نہ بیند جز کہ طین

ترجمہ: ① جس نے آدم علیہ السلام کے صرف بشری صورت کو دیکھا وہ مردود و ملعون ہوا اور جس نے نور محمدی امانت رکھے ہوئے دیکھا وہ ساجد ہوا۔

② اے بیٹا! تو بھی قرآن کے ظاہر کو نہ دیکھ اس لئے کہ صرف ظاہر سے مٹی نظر آتی ہے۔ الحقیقت اندر پوشیدہ ہے لَئِنْ اَخَّرْتَنِ البتہ اگر تو مجھے زندگی سے کچھ مہلت دے دے جیسے دوسروں کو ان کی موت کے بعد موت دی جاتی ہے میرے لئے کچھ وقت مؤخر کیا جائے۔ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ قیامت تک۔ اور مجھ میں اغواء و اضلال کی صفت بھی بحال ہے اور یہ جملہ قسمیہ ہے اور لام قسم پر دلالت کرتی ہے اس کا جواب ہے۔ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّیَّتَهٗۤ البتہ میں آدم علیہ السلام کی اولاد پر غلبہ پا جاؤں گا۔ چنانچہ دوسرے مقام پر کہا

فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ مجھے تیری عزت کی قسم میں ان سب کو گمراہ کروں گا۔

حل لغات: احتنکہ بمعنے استولی علیہ (کذا فی القاموس)

اور اشتقاق میں ہے کہ احتنک الدابۃ و احتنکھا یہ اس وقت بولتے ہیں جب سواری کو رسی سے مضبوط باندھ کر کہیں لے جایا جائے۔ یا اس کا معنے ہے کہ میں انھیں گمراہ کر کے ان کی جڑ کاٹ دوں گا۔ اب معنے یہ ہوگا کہ اولاد آدم کو ایسا گمراہ کروں گا کہ وہ تیرے عذاب کا نشانہ ہو کر جڑ سے کٹ جائیں گے۔ یہ احتنک الجراد الارض اس وقت بولتے ہیں جب ٹڈی زمین پر کر کے کھیتوں کو ایسا کھا جائے کہ اس کا نام و نشان بھی نظر نہ آئے صرف خالی زمین باقی رہ جائے۔

نکتہ: یہ جرأت شیطان کو اس لئے ہوئی کہ اس نے دیکھا کہ آدم علیہ السلام کو میں نے معمولی بہکانے سے جنت سے نکلوایا تو ان کی اولاد تو پہلے ہی شہوات سے پُر ہے اس لئے انھیں حق سے دور کر کے باطل کی طرف لے جانے میں کیا دیر لگے گی۔ اس لئے ایسے [illegible] وغیرہ وغیرہ۔

اِلَّا قَلِیْلًا ○ مگر ان میں سے بہت تھوڑے اور وہ اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے معصوم بنایا یعنی انبیاء علیہم السلام۔

قَالَ اذْهَبْ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے شیطان! جا اپنے برے طریقے پر چل اور انھیں جیسے چاہے گمراہ کرے۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ یہ ذہاب حسی کی تعیین نہیں بلکہ اس کا معنے یہ ہے کہ اے ابلیس! جس کا تجھے ارادہ ہے تو بے شک

پیدا کرے اور جس طرح تجھ سے ہو سکتا ہے تو اسے بہ سبب وسوسے کے اور اسے نفس کی جملہ خواہشات کے بلاوے سے اپنی طرف مائل کرے
یا یہ امر تہدیداً اور اہانۃً ہے جیسے کوئی کسی کو کہتا ہے نہیں مانتا تو اسے کہتے جاؤ اور جو تیرا جی چاہے کرے۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ امر اہانت و ابعاد کا ہے یعنی شیطان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی درگاہ کے قرب سے دور کر کے فرمایا، جا اپنے شر کے لیے جتنا جی چاہے زور لگالے۔

فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ پس ان میں سے جو تیری تابعداری کرے گا۔

فَإِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ تو بیشک تمہاری جزا جہنم ہے یہاں خطاب کا صیغہ لایا گیا ہے اور غیبت کے صیغہ کی رعایت کی گئی ہے۔ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ۝ یہ وفر الشیء سے ہے یعنی مکمل یعنی تم کو کامل جزا دیئے جاؤ گے۔ اس کا منصوب ہونا فعل مضمر کی وجہ سے ہے۔

ف: کاشفی نے اس کا معنی لکھا ہے کہ موفورا یعنی جزاء تمام یعنی عذاب پر دوام۔

وَاسْتَفْزِزْ اور جلدی کر اور ہلکا کر ان میں سے۔ استفزہ الغضب یعنی استخفہ اور الاستفزاز یعنی سبک کردن یعنی جلدی کرنا۔

ف: بحر العلوم میں لکھا ہے کہ استفز یعنی استزل وخدعہ یعنی یہاں سے پھسلا کر اپنی راہ دکھا کر۔

مَنِ اسْتَطَعْتَ اولاد آدم میں سے جسے گمراہ کرنا چاہتا ہے گمراہ کرلے۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ اولاد آدم میں سے جسے تو گمراہ کر سکتا ہے کرلے۔

بِصَوْتِكَ اپنی آواز یعنی وسوسہ کے شر اور گناہ کی طرف دعوت دینے سے۔

ف: ہر وہ جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دے وہ ابلیس کے گروہ اور اس کے لشکر میں داخل ہے۔

مسئلہ: امام زاہدی نے لکھا ہے کہ وہ آواز جو انسان کے منہ سے خدا تعالیٰ کے حق کے خلاف نکلے وہی ابلیس کی آواز ہے۔

مسئلہ: حضرت مجاہد نے فرمایا کہ راگ و مزامیر ہی شیطان کی آواز ہیں اس معنی پر مطلق گانے بجانے والے ابلیس کا لشکر ہوں گے۔

حدیث شریف میں گانے بجانے والوں کے لئے سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، حدیث شریف میں ہے کہ میں مزامیر کے توڑنے اور خنزیر کو قتل کرنے کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔

ف: المزامیر مزمار کی جمع ہے۔ وہ ایک آلہ ہے جسے گانا گانے کے وقت بجایا جاتا ہے۔

مسئلہ: اس سے گانے بجانے کے تمام آلات مراد ہیں اور کسی ایک مخصوص شے مراد نہیں بلکہ اس سے مبالغہ مطلوب ہے۔

سوال: حدیث شریف میں مزامیر کی مذمت ہے حالانکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اشعری کی تلاوت قرآن مجید

کی آواز سن کر فرمایا کہ انہیں داؤد علیہ السلام کے مزامیر سے کچھ حصہ عطا ہوا ہے۔ اس سے مزامیر کا جواز ثابت ہوتا ہے؟

جواب: مزامیر داؤد علیہ السلام سے حقیقی مزامیر مراد نہیں بلکہ ان کی آواز کو مزامیر سے صرف تشبیہ دی گئی ہے اور وہ بھی اسی معنی کہ داؤد علیہ السلام کے حلق میں گویا مزامیر تھے۔

ف: حدیث شریف میں لفظ آل داؤد واقع ہوا ہے اس میں لفظ آل زائد ہے۔ اس سے صرف داؤد علیہ السلام کی ذات مراد ہے۔ (کذا فی شرح الاربعین لابن کمال)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اے ابلیس! اولاد آدم علیہ السلام کو فلاسفہ کی تمویہات اور تشبیہات اہل الہوا و البدع اور خرافات دہریہ و طامات اباحیہ سے جتنا تیرا جی چاہے گمراہ کرلے اسی طرح ان کے اور مناسب امور جو خلاف شریعت ہیں انہیں مبتلا کرلے۔

تفسیر عالمانہ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ اور سواروں اور پیدلوں کو اپنی طرف کھینچ کے یعنی انہیں اپنے لشکروں میں ڈال جو تیرے معاون و مددگار ہیں اور تو ان پر وسوسہ وغیرہ ڈال کر اپنا تسلط جما لے۔

ف: القاموس میں ہے کہ جلب اور اجلب ایک ہے یعنی الحث والصیاح یعنی اے ابلیس اپنے اعوان و انصار کو جو ان میں سوار اور پیدل ہیں سب کو آواز دے کر اپنے پاس بلا تاکہ فتنہ و فساد میں وہ تیرا ساتھ دیں۔

ف: الخیل الخیالۃ بتشدید الیاء یعنی گھوڑ سوار اسی سے ہے۔

حدیث شریف:

یا خیل اللہ ارکبی ۔ اے اللہ تعالیٰ کے گھوڑ سوارو! میری مدد کو پہنچو۔

اور الرجل بالسکون یعنی الراجل یعنی وہ شخص جس کی کوئی سواری نہ ہو کہ جس پر وہ سوار ہو سکے ہم پیدل کہتے ہیں۔

ف: حضرت ابن عباس و قتادہ و مجاہد رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ خیل و رجل انس و جن سے ہوتے ہیں اسی معنے پر ہر وہ جو معصیت حق میں سوار ہو کر جنگ میں شامل ہو وہ شیطان کا سوار ہے اور وہ جو معصیت حق میں پیدل ہو کر جنگ میں شمولیت کرے وہ شیطان کا پیدل مددگار ہے نیز اس کا یہ معنے بھی ہے کہ استفززہ بخیلک ورجلک کہ شیطان گمراہ کرنے پر مسلط ہونے سے تشبیہ دی گئی ہے گویا شیطان نے ایسے لوگوں کو اپنے پاس بلا کر گمراہ کرنے پر تسلط رکھتا ہے پھر وہ اپنے مراکز کو چھوڑ کر شیطان کے کام میں ہو جاتے ہیں پھر جیسے ہی شیطان چاہتا ہے انہیں اپنے کام میں لگا سکتا ہے یہاں تک کہ وہ ان جاہلوں کی جڑیں کاٹ ڈالتا ہے۔

وَشَارِكْهُمْ اور انہیں شرکت دے فِی الْاَمْوَالِ ان کے اموال میں یعنی اموال کے حاصل اور جمع کرنے میں یا جمع کرنے میں کہ وہ حرام ذریعوں سے مال جمع کریں اور پھر غیر مشروع میں انہیں خرچ کریں مثلاً ربا کے طور پر اور فضول خرچی سے اور

زکوٰۃ کو روک کر وغیرہ وغیرہ ۔ وَالْاَوْلَادِ اور اولاد کو حرام طریق سے حاصل کرنے میں یا ایسے ہی انہیں زندہ درگور کرنا یا ان کے متعلق شرک کا ارتکاب کرنا مثلاً ان کے عبد العزیٰ و عبد الحارث و عبد الشمس و عبد اللات وغیرہ نام رکھنا ۔ اسی طرح انہیں باطل ادیان میں داخل ہونے پر انگیخت کر کے گمراہ کرنا اور ان سے غلط اور غیر مشروع صنعتوں میں لگا دینا اور ان سے برے اعمال کرانا وغیرہ وغیرہ ۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ شیطان کو عام اجازت دی گئی چونکہ اولادِ آدم کو طلب دنیا اور اس کی حکمت کے حصول میں ان کی استعداد اور ان کے اوقات ضائع کرائے اور انہیں نفوس کی تہذیب و تزکیہ اور ان کی تادیب سے غافل کر دے اور نہ ہی انہیں صفاتِ مذمومہ سے بچنے کا موقعہ دے اور نہ ہی صفاتِ محمودہ سے موصوف ہونے دے اور نہ ہی فرائض و سنن اور علومِ دینیہ حاصل کرنے دے اور نہ ہی انہیں طلبِ آخرت اور درجاتِ علیا اور نجاتِ تامہ اور درکاتِ سفلی کا شوق پیدا کرنے دے ۔

جماع میں شرکت

حضرت امام جعفر بن محمد رضی اللہ عنہما سے مروی ہے :

جماع کے وقت شیطان مرد کے ذکر پر بیٹھتا ہے جب مرد اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتا تو جو مرد جماع کرتا ہے تو شیطان بھی اس کا شریک رہتا ہے یہاں تک کہ جب مرد کو انزال ہوتا ہے تو شیطان بھی اپنی منی عورت کی فرج میں گرا دیتا ہے اسی طرح شیطان انسان کے اکثر امور میں شرکت کرتا ہے۔ف

حدیث شریف

حدیث شریف میں ہے کہ جب ابلیس زمین پر اترا تو اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ یا اللہ! مجھے زمین پر بھیج کر آباد کیا لیکن کوئی میرا گھر ہو تاکہ میں اس میں بسر اوقات کروں ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حمام تیرا گھر ہے ۔ پھر عرض کی کہ میرے لئے مجلس بھی مقرر فرما دیجئے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بازار اور راستوں کے چوک تیری مجلسیں ہیں ۔ پھر عرض کی کہ میرا طعام کیا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب انسان طعام کھائے اور کھانے میں بسم اللہ یا اللہ تعالیٰ کا نام نہ لے تو اس میں شریک ہو جایا کر وہی تیرا کھانا ہے ۔ پھر عرض کی کہ میرے پینے کی کیا شے ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر نشہ والی اشیاء تیرے پینے کی چیزیں ہیں ۔ عرض کی کہ میرا مؤذن کون ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تمام مزامیر تیرے مؤذن ہیں ۔ عرض کی کہ میرے لئے قرآن بھی ہو جسے میں پڑھتا رہوں ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اشعار تیرا قرآن ہیں ۔ عرض کی کہ میرے مطالعہ کی کوئی کتاب بھی ہو ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ داغ لگانا تیری کتاب ہے ۔ عرض کی کہ

ف ۔ اسی لئے حکم ہے کہ جماع کے وقت زن و شوہر یہ دعا پڑھتے ہیں ۔

"جنبنا الشیطان وجنب الشیطان ما رزقتنا"

ورنہ اولاد پر شیطان کا اثر ضرور ہوتا ہے ۔ مرگی اور ام الصبیان وغیرہ اسی وجہ سے ہوتے ہیں ۔ (اویسی)

میری باتیں کیا ہیں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ جھوٹی باتیں تیری ہی باتیں ہیں۔ عرض کی میرے قاصد کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ نجومی کاہن اور جادوگر وغیرہ تیرے قاصد ہیں۔ عرض کی میری شکارگاہیں کیا ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ عورتیں تیری شکارگاہیں ہیں۔ (کذا فی بحر العلوم السمرقندی)

وَعِدْهُمْ اور انہیں مواعید باطلہ کا وعدہ دے مثلاً یہ بتا دے کہ معبودان باطلہ تمہیں شفاعت کریں گے اور انہیں غلط فہمی میں مبتلا کر دے کہ ان کے آباؤ اجداد بہت بڑی بزرگی کے مالک تھے اور انہیں توبہ سے ہٹا دے اور بتا دے کہ ابھی بہت وقت ہے اور دنیا میں کمائی کر لے اور مزے اڑا لے پھر کسی وقت توبہ کر لینا اور انہیں غلط خیالی میں ڈال دے کہ بہشت ہے نہ دوزخ وغیرہ وغیرہ۔ **وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ** اور نہیں وعدہ کی ہے یا خبر کی۔ اور انہیں شیطان وعدہ نہیں دیتا۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ہر ایک کے ساتھ ایک شیطان ضرور ہوتا ہے۔

اِلَّا غُرُوْرًا ○ مگر دھوکہ کا یعنی اسے ثواب دکھا کر گناہ میں مبتلا کر دیتا ہے۔ غرور یعنی خطا کو ایسے رنگ میں دکھا کر جس سے ثواب محسوس ہو۔

ف: بحر العلوم میں لکھا ہے کہ یہ امر بطریق تہدید وارد ہیں جیسے اپنے نافرمان غلاموں کو کہیں کہ جو چاہو کرتے رہو۔ بعض نے کہا کہ یہ امر اطلاق اور تخلیہ کے ہیں۔

اِنَّ عِبَادِیْ یہ اضافت تشریفی ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے مراد ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ غیر مخلصین ان میں شامل نہیں۔

ف: حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بندہ مخلص وہ ہے جو غیر کی قیود و بند سے آزاد ہو۔

شیخ عطار رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

چوں تو در بند ہر چیزی خدا بندہ چوں باشی
گر تو در بند ہر چیزی کہ باشی بندہ آنی

ترجمہ: جب تو سینکڑوں چیزوں کی قید و بند میں ہے پھر تو اللہ تعالیٰ کا بندہ کیسے ہو سکتا ہے اس لئے کہ تو ہر شے کی قید و بند میں ہو گیا ہے پھر اس کی بندگی سے تجھے کیا غرض ہو۔

لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ تیرا ان پر کوئی تسلط نہیں اسی لئے تو انہیں گمراہ نہیں کر سکتا ہے۔ چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا

انه لیس له سلطان علی الذین آمنوا وعلی ربهم یتوکلون۔	بے شک شیطان کا اہل ایمان اور اہل تقویٰ اور اپنے رب تعالیٰ پر توکل کرنے والوں پر کوئی تسلط نہیں۔

وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ○ اور تیرا رب تعالیٰ نگہبانی کو کافی ہے ان لوگوں کے لئے جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہیں

اور اللہ تعالیٰ سے استعانت کرتے ہیں ان سے اسے ابلیس انہیں گمراہ نہیں کر سکے گا۔

فائدہ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندے کونین کی غلامی سے ہیں اور وہی انہیں کونین کے تعلقات یا حق سے پھیر سکتے ہیں اور نہ ہی وہ کسی معاملہ میں شیطان کی اتباع کر سکتے ہیں اور نہ ہی شیطان انہیں اپنے دام میں لا سکتا ہے نہ ہی شیطان انہیں گمراہ کر کے ماسوی اللہ کے اشتغال میں مشغول کر سکتا ہے۔ وکفیٰ بربک وکیلا میں اللہ تعالیٰ ان کا کارساز کافی ہے کیونکہ وہی سعادت کے اسباب ان کے لئے مرتب کرتا اور ان سے شقاوت کے اسباب دور فرماتا اور شیطان سے وہی ان کی حفاظت فرماتا ہے اور وہی انہیں اپنی طرف راہ دیتا ہے۔

ازالہ وہم فقیر (حقی) کہتا ہے کہ ان پر شیطان کے عدم تسلط سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ انہیں اپنی غلطیوں کا شکار بھی نہیں بناتا بلکہ وہ اپنی حرارت کے تقاضوں کی حد بعد تک کرتا ہے ان کا کام۔

ان الذین اتقوا اذا مسھم طائف من الشیطان تذکروا فاذا ھم مبصرون

آیت میں لفظ اذا تحقیق وقوع کے لئے آتا ہے یعنی وہ حضرات شیطان کی غلطیوں سے محفوظ ہو سکتے ہیں کیونکہ انہیں تائید ایزدی حاصل ہوتی ہے۔

یہودی کا سوال اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا جواب مروی ہے کہ ایک یہودی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت حضور قلب سے کرتے ہیں لیکن ہمیں کبھی شیطان کے وسوسوں کا خطرہ نہیں ہوتا اور ہم نے سنا ہے کہ آپ کے صحابہ میں ہزاروں وسوسوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ یہودی کے سوال کا جواب دیجئے۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اے یہودی! تمہیں معلوم ہے کہ کسی جگہ دو گھر ہوں ایک سونا چاندی، جواہرات، موتی اور یاقوت وغیرہ سے پر ہو اور اس میں قیمتی سامان موجود ہو اور دوسرا بالکل خالی ہو جس میں ایسی اشیاء کا نام و نشان تک نہ ہو۔ اب بتائیے چور کس گھر میں آئے گا اس قیمتی اشیاء سے پر شدہ میں یا خالی میں؟ یہودی نے کہا کہ چوری ان قیمتی اشیاء کی ہو گی اور وہ وہاں سے گھر میں جائے گا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہمارے قلب چونکہ توحید و معرفت، ایمان، یقین اور توکل، اخلاص وغیرہ سے پر ہیں اور تمہارے دل ان فضائل و کمالات سے خالی ہیں اس لئے ابلیس خالی قلوب میں جا کر کیا کرے گا۔ یہودی نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقریر سن کر اسلام قبول کر لیا۔

سبق اس سے یہ ثابت ہوا کہ شیطان مردود تو اولیاء اللہ پر حملے کی کوشش کرتا ہے لیکن کامیاب نہیں ہوتا کیونکہ ان کا محافظ و نگہبان خود اللہ تعالیٰ ہے۔

ربکم تمہارا پروردگار، یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر الذی ہے۔ یعنی وہ اللہ کریم جو کہ یزجی لکم سے ہے بمعنی چلانا اشتقاق کہا جاتا ہے زجیتہ و ازجیتہ [illegible] چلایا۔ ویسوق بمعنی [illegible]

اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے چلاتا ہے۔

لَكُمُ تمہارے منافع کے لئے الْفُلْكَ کشتیوں کو فِي الْبَحْرِ دریا میں۔

ف: قاموس میں ہے کہ البحر ہر وہ دریا جس کا پانی بہت ہو۔

لِتَبْتَغُوا تاکہ تم طلب کرو۔ مِنْ فَضْلِهِ اس کے فضل و کرم سے رزق کو۔ إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ بے شک وہ ازلاً ابداً تمہارے لئے رَحِيمًا ○ رحیم ہے۔ اسی لئے کہ اس نے تمہارے لئے وہ اشیاء تیار فرمائی ہیں کہ تم محتاج ہو اور پھر ان کے حصول کے اسباب تمہارے لئے آسان فرمائے علاوہ ازیں اگر آسان نہ فرماتا تو ان کا حصول تمہارے لئے دشوار ہوتا اور الرحمۃ سے یہاں پر دنیوی اور جلد حاصل ہونے والی پہنچائی گئی نعمت مراد ہے۔

وَإِذَا مَسَّكُمُ اور جب تمہیں پہنچتی ہے۔ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ دریا میں کوئی تکلیف مثلاً غرق ہو جانے کا خطرہ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ جنہیں تم پکارتے ہو سب وہ تم سے دور ہو گئے یعنی تمہارے دلوں سے ان کا خیال تصور ہی ختم ہو گیا۔ إِلَّا إِيَّاهُ بجز سبحانہ اللہ تعالیٰ کے تم اور کسی کو نہیں پکارتے یعنی اس وقت صرف تمہیں اللہ تعالیٰ کو۔ ربی وحدہ لاشریک جانتے ہو اور یقین رکھتے ہو کہ اس وقت سوائے اس کے اور کوئی مشکل حل نہیں فرمائے گا۔ اسی میں ہے کہ یہ استثناء منقطع ہو۔ اب معنی یہ ہوگا کہ جن کو یہ سمجھتے تھے کہ وہ تمہاری مدد کو پہنچیں گے اور تمہاری فریاد رسی کریں گے جیسے عیسیٰ بن مریم اور ملائکہ کرام علیہم السلام وہ سب تم سے دور ہو گئے اب تمہاری مشکل کشائی کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کے متعلق تم بالآخر مانتے ہو یعنی یہ بھی مشکلات کے وقت کام آتا ہے۔ فَلَمَّا نَجَّاكُمْ پس جب کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے غرق ہونے سے بچا کر إِلَى الْبَرِّ جنگلوں میں پہنچایا ہے أَعْرَضْتُمْ تو تم توحید سے روگردانی کرتے اور بت پرستی میں لگ جاتے ہو پھر تمہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بھول جاتی ہیں اور تم کفران نعمت کرتے ہو۔ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُورًا ○ اور انسان بہت بڑا ناشکرا ہے۔

نکتہ: وکنتم کفورا کے بجائے وکان الانسان کفورا کہنے میں اشارہ ہے کہ انسان میں بعض الانسان کفران نعمت کرتا ہے۔

أَفَأَمِنْتُمْ ہمزہ انکار کا اور فاء عاطفہ ہے اس کا عطف فعل محذوف پر ہے۔ اصل عبارت یوں تھی انجوتم فامنتم کیا نجات پانے کے سبب سے تم نڈر ہو گئے ہو؟ اس سے کہ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اللہ تعالیٰ تم کو جنگلوں کے کناروں میں دھنسا دے اگرچہ تم جنگلوں کو اپنی امن کی جگہ سمجھتے ہو لیکن اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ تمہیں یہاں بھی عذاب میں مبتلا کر دے جیسے قارون کو جیتے جی زمین میں دھنسا دیا۔

ف: بکم جار مجرور منصوب حال ہے اور جانب البر مفعول بہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جنگل کی طرف کا اشارہ سے بدل دیا کہ تم اس پر ہو اور یہی سمجھ کر! جیسے جو اب معنی یہ ہو گا کہ جنگل کے کنارے کو تمہارے سبب سے بدل دے کہ تم اسی میں ہو سدی محشی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جنگل کی اس طرف کو الٹ دے جس پر تم ہو تاکہ اس کے دھنس جانے سے تم تباہ ہو جاؤ

جو بارشیں ایسی ہے کہ ان کی وجہ سے جنگل کے کنارے کے لئے ضروری نہیں کہ وہ تباہ و برباد ہو جائیں۔

کاشفی نے اس کا معنیٰ یوں کیا ہے کہ اے کافرو! کیا تم دریا سے نکل کر زمین پر پہنچنے سے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف و نڈر ہو گئے ہو کیا تمہیں معلوم نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ تمہیں جنگل کی زمین میں دھنسا دے اور تم تباہ و برباد ہو جاؤ۔

قاموس میں ہے کہ خسف المکان یخسف خسوفا یعنی فلاں زمین میں دھنس گیا۔

اور کہا جاتا ہے ،

خسف اللہ بفلان الارض یعنی فلاں کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں دھنسا دیا۔ یہ فعل لازم و متعدی ہر دونوں طرح مستعمل ہوتا ہے۔

اور التہذیب میں ہے کہ الخسف یعنی کسی چیز کو زمین میں دھنسا دینا اسی سے ہے فخسفنا به وبداره الارض۔

اَوْ یُرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا یا بھیج دے تمہارے اوپر حاصباً پتھراؤ یعنی ایسی ہوا چلائے جو تم پر کنکریاں برسائے۔ جو تمہیں سنگسار کر کے تباہ و برباد کر دے اور یہ مطلب دریا میں غرق ہونے سے سخت تر ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر پتھر برسائے جیسے قوم لوط اور اصحاب فیل پر برسائے گئے۔ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا پھر تم نہ پاؤ اپنے لئے کوئی کارساز جو عذاب الٰہی سے تمہاری حفاظت فرمائے یا تم سے یہ عذاب دور فرمائے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا امر غالب ہے اور اسے کوئی روکنے والا نہیں۔

اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ یُّعِیْدَكُمْ یا تم بے خوف ہو گئے ہو کہ تمہیں اللہ تعالیٰ دریا میں دوبارہ لوٹائے اگرچہ تم سمجھتے ہو کہ اب تم دریا سے نکل کر جنگلوں میں صحیح و سالم پہنچ گئے ہو۔ تَارَةً باری۔ اُخْرٰی دوسری۔ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے ایسے اسباب پیدا کر دے کہ جن سے تم دوبارہ کشتیوں پر سوار ہو کر دریائی سفر کے لئے مجبور ہو جاؤ۔ اس طرح جب تم کشتیوں پر سوار ہو گے تو وہ تمہیں دریا میں ڈبا دے۔

سوال ، لوٹانے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے حالانکہ ان کا لوٹنا اپنے اختیار سے ہوگا اس لحاظ سے اس کا اسناد بندوں کی طرف ہونا زیادہ موزوں تھا!

جواب ، چونکہ لوٹنے کے اسباب کی تخلیق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اسی مناسبت سے اس کا اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف کیا گیا ہے۔

ف ، اس میں اشارہ ہے کہ انہیں دریائی سفر سے بہت سخت تکلیفیں پہنچیں اسی لئے اسے ارادہ سے تعبیر کیا گیا کہ اگر قدرتی طور پر انکے نہ جائیں تو وہ از خود دریائی سفر کے نام لینے تک کے بھی روادار نہیں۔

سوال ، یہاں پر لفظ فی کو کیوں اختیار کیا گیا ہے حالانکہ عبارت کا تقاضا تھا کہ یہاں پر لفظ الی ہو؟

جواب ، تاکہ اشارہ ہو کہ ان کا استقرار انہی جگہوں میں ہے جو ظرفیت سے ظاہر ہے۔

فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ تمہارے اوپر بھیجے جبکہ تم دریا میں ہو۔ **قَاصِفًا مِّنَ الرِّيحِ** ہوا کی آندھی یعنی ایسی آندھی کہ جہاں سے گذرے وہاں کی ہر شے کو نہ صرف جڑ سے کاٹ دے بلکہ اسے تہس نہس کر دے۔

سوال: یہاں پر قاصفۃ کہنا چاہیئے تھا اس لئے کہ ریح مؤنث ہے۔

جواب: چونکہ اس کا بالمقابل مذکر نہیں اور قاعدہ ہے کہ جس صفت کا بالمقابل مذکر نہ ہو اسے مؤنث کے بجائے مذکر کے صیغہ میں لایا جاتا ہے جیسے حائضۃ کے بجائے حائض عام مستعمل ہے۔ (کذا فی الکواشی)

فَيُغْرِقَكُمْ پھر تمہیں غرق کر دے یعنی ایسی آندھی کہ جب تم پر آئے اور تمہیں بچاؤ کا کوئی راستہ نہ ملے [illegible] کا تقاضا ہو۔ **بِمَا كَفَرْتُمْ** بوجہ تمہارے کفر کے یعنی تمہارے شرک کرنے اور نجات پانے کی نعمت کے کفران کی وجہ سے۔ **ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهِ** پھر تم نہ پاؤ اپنے لئے ہمارے اوپر اس غرق کرنے پر۔ **تَبِيعًا** کوئی پیچھا کرنے والا کہ تمہارے لئے ہم سے بدلہ لے یا تمہارے متعلق ہم سے جواب طلب کرے۔

ف القاموس میں ہے کہ التبیع بروزن الامیر بمعنی التابع اسی سے ہے۔ ثم لا تجدوا لکم علینا به تبیعا ثائرا او طالبا۔ بدلہ طلب کرنے والا۔

تفسیر صوفیانہ

آیات میں حسب ذیل اشارات ہیں:

① شریعت بحر حقیقت میں کشتی کی طرح ہے اس لئے کہ جس کے پاس شریعت کی کشتی نہ ہوگی وہ بحر حقیقت کو عبور نہیں کر سکتا۔ (یعنی ہمارے دور میں جو لوگ حقیقت و معرفت کے مدعی ہیں وہ الٹا شریعت کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے۔) صوفیائے کرام کا مقصود اعظم جذبہ عنایت الٰہی ہے اور یہ انسان کے بس سے باہر ہے اور نہ ہی اس کے اپنے اختیار میں ہے کہ وہ جذبہ عنایت الٰہی کو حاصل کرے بلکہ یہ فضل الٰہی سے ہے جس پر چاہے عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ جسے اس جذبہ عنایت سے نوازتا ہے اسے علم و عمل کا خصوصی حصہ ہوتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

رہرو راہ طریقت ایں بود
کو باحکام شریعت می رود

ترجمہ: سالک راہ طریقت کا یہی صاف راستہ ہے جو احکام شریعت کے مطابق راستہ طے کرتا ہے۔

② کفرانِ نعمت کرنے کے حق سے اعراض کرنے کا [illegible] ہے۔ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

[illegible]

جو شخص پیر و مرید میں محبوب الٰہی اختیار کرے مگر ایک لغزش حق سے روگردانی کرے تو اس کی پیروی میں کی حاصل کی نعمت ضائع ہو جاتی ہے بلکہ نقصان و خسران مزید ہیں ۔

زیارت مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم وقت کے شیخ کامل حضرت ابو عبد اللہ شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی اور انھوں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ معلوم کرکے چل پڑا پھر پیچھے واپس ہوا تو اللہ تعالیٰ ایسے عذاب میں مبتلا کرے گا کہ عالم دنیا میں اور کسی کو عذاب نہ ہوا ہوگا ۔

ے

درین راہ دائما ثابت قدم باش
بہ دور از حیرت غم بے الم باش
ز ازار تو حب رو نگردان
ہمہ صورت کہ خواہی اندرین دان

ترجمہ : اس راہ پر دائمی طور پر ثابت قدم رہ اور حیرت و غم سے بے خوف ہو جا لیکن تو کو یہاں سے جیسا اس کا علم ہے تمام مقامات اسی میں ہے ۔

④ یہ جان کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و قہر و سلطنت کے سامنے برابر ہیں اور اس کے سوا کہیں پناہ نہیں اور نہ اس کے سوا اور کوئی کسی کو بچا سکتا ہے یہی نے سالک پر لازم ہے کہ وہ ہر آن اور ہر لحظہ ہر جانب سے خوف الٰہی کو دل پر مسلط رکھے کیونکہ ہر آن ہر لحظہ جمال و جلال الٰہی کے جلوے ظاہر ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ حضرات اولیاء شاہد و حضوری دل میں ہوتے اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے بیچ خوف کے تصور میں رہتے ہیں اور انھیں یقین ہے کہ وہ مستغنی ذات ہے وہ جب چاہے آنکھ جھپکتے ہی تباہ و برباد کر دے مثلاً نمرود کو ایک مچھر نے پھر سے تباہ و برباد کر دیا اور اس کی قدرت نے مچھر سے شیر کو کھا لیا اور یہ تو عام مشاہدہ ہے کہ بہت سے انسانوں کا لقمہ ان کے منہ میں ہوتا ہے کہ اسے نگلنے نہیں پاتے اور موت کا شکار ہو جاتے ہیں حالانکہ وہ لقمہ جو انسانی زندگی کے زندہ رکھنے کا ایک سبب تھا لیکن وہ موت کا سبب بن گیا اور اس کی قدرت سے عجیب نہیں کہ وہ حیات کے اسباب کو موت کے اسباب بنا دے اور غور سے دیکھو تو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی شانیں مختلف طریق سے ظاہر ہوتی رہتی ہیں ے

ہر کہ خواہد حسن ما آرد بچنگ
نیست کس را قوت پائے درنگ

ترجمہ : جسے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت میں لاتا ہے پھر کس کو طاقت ہے کہ وہ جنگ کے لیے دست دراز کرے ۔

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ اکرام و الاکرام کا ایک معنی ہے حسن سے اکرام ہے جواب معنی یہ ہوگا کہ ہم نے آدم علیہ السلام کی اولاد کو برگزیدہ بنایا۔

مولانا السید حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تکریم اولاد آدم علیہ السلام کے ہر فرد کو شامل ہے وہ نیک ہو یا بد مومن ہو یا کافر وغیرہ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس کا معنی ہے کہ ہم نے استعداد کی اکملیت کی کرامت سے بنی آدم کو مخصوص فرمایا اور یہ کرامت دو قسم کی ہے:

① جسمانیہ

② روحانیہ

جسمانیہ کرامت عام ہے جو ہر مومن و کافر کو شامل ہے مثلاً انسانی شکل کا اپنے دست قدرت سے چالیس روز گارا گوندھا اور چالیس سال سکھایا پھر اس کا نقشۂ انسانی تیار فرمایا وہ اس لئے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے صورت بخشی اور احسن ترین شکل بخشی اور اسے جسم و سالم اور مکمل و کامل تیار فرمایا کہ چلے تو سیدھا ہو کر اور کسی شے کو پکڑے تو دونوں ہاتھوں سے اور کھائے تو انگلیوں کی طاقت کو استعمال کر کے اور چہرے کو داڑھی سے مزین فرمایا اور اس کے سر کی زلفیں تیار فرمائیں بہترین اسلوب کے ساتھ۔ اور کرامت روحانیہ بھی دو قسم کی ہے:

① خاصہ

② عامہ

اس عامہ کرامت میں مومن و کافر برابر ہیں وہ اس لئے کہ ان ہر ایک میں مخصوص روح پھونکی اور اسے کل اسماء سکھائے اور تخلیق سے پہلے میثاق میں الست بربکم کہہ کر ہم کلامی کا شرف بخشا اور اسے اپنے خطاب سے نوازا اور اسے اس وقت جواب دینے کی طاقت عطا فرمائی۔ چنانچہ میثاق میں انسان نے کہا تھا: بلیٰ۔ اس وقت انسان نے عبودیت کا معاہدہ کیا پھر اسے فطرت حقانی پر پیدا فرمایا اور اس کے لئے رسل کرام بھیجے اور اپنی کتب اس کے لئے نازل فرمائیں اور اسے حضرت الٰہیہ کی دعوت دی اور اس کے ساتھ بہشت کا وعدہ فرمایا اور اسے جہنم سے ڈرایا اس کے لئے اپنی آیات و دلالت معجزات ظاہر فرمائے۔

کرامت روحانیہ خاصہ صرف انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اور مخصوص بندوں کو بخشی مثلاً انبیاء و رسل عظام علیہم السلام کو نبوت و رسالت سے اور اولیاء کرام کو ولایت سے اور ایمان و اسلام سے اہل ایمان کو نوازا اور پھر ان جملہ حضرات کو اعلیٰ مقام پر پہنچا کر آیتیں بخشیں اور صراط مستقیم سے صراط اللہ و سیر الی اللہ و فی اللہ و باللہ مراد ہے کہ ان حضرات نے مقامات حقیقت کو طے فرمایا اور جذبات لاہوتیہ اور تخلق باخلاق الٰہیہ کی برکت سے ناسوتیہ سے آزاد ہو کے اور انانیت کو مٹا کر بقا ہویت میں پہنچے۔

ف ، حضرت امام قشیری قدس سرہ نے فرمایا کہ آیت الٰہی میں حق اور حصہ صرف اہل ایمان مراد ہیں کافر اس میں شامل نہیں، اس لئے کافر اس صریح میں ذلیل و خوار کیا گیا۔ کما قال ،

ومن یہن اللہ فمالہ من مکرم

اس مقدمہ پر کافر کا تکریم کا کوئی حصہ یا نصیب نہیں ہے، اور اہل ایمان کی تکریم کا منظر یہ ہے کہ ان کے ظاہر کو اللہ تعالیٰ نے توفیق و عبادات سے آراستہ اور ان کے باطن کو تحقیق و مشاہدات سے منور فرمایا ہے۔

ولی اللہ کی شان آسمانوں میں

بحر العلوم میں ہے کہ ہمارے نزدیک بنا بر آیت کا مقصد یہ ہے کہ اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ نے ایمان اور عمل صالح سے برگزیدہ فرمایا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے ،

ان المومن یعرف فی السماء کما یعرف الرجل اهله وولده وانه اکرم علی اللہ من ملک مقرب [1]	مومن آسمانوں میں ایسے مشہور ہے جیسے انسان اپنے گھر میں، گھر والوں میں معروف ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ملک مقرب سے بھی زیادہ برگزیدہ ہے۔

ساری کائنات حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا طفیل ہے

حضرت عمر بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بنو آدم کو صرف اسی لئے معزز و مکرم بنایا کہ ان میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا ہے

① اے مشرف ولدہ آدم بتو
روشنی دیدہ عالم بتو
② کیست دریں خانہ کہ خیل تو نیست
کیست دریں خوان کہ طفیل تو نیست
③ از تو صلائے کرمت آمدہ
نیست بجائی جست آمدہ

ترجمہ ، ① آدم علیہ السلام کے خاندان کا شرف آپ سے ہے عالم کائنات کی روشنی آپ سے ہے
② وہ کون ہے جو اس دنیا میں آپ کا طفیلی خوشہ چیں نہ ہو ۔
③ آپ ہی سے آسمان کی آواز آئی جس میں جو نصیب ہوا اسے آپ کی معافی سے حصہ لینا ضروری ہوا ۔

---

[1] روح البیان جلد ۵ صفحہ ۱۸۵ جدید

وَحَمَلْنٰهُمْ اور ہم نے انہیں سوار کیا۔ فِی الْبَرِّ جنگلوں میں یعنی جانوروں کی سواریوں سے وَالْبَحْرِ اور دریاؤں میں کشتیوں کے ذریعے۔ یہ حقیقت سے ہے جیسے اس وقت بولتے ہیں جب کہ کوئی کسی کے لئے سواری کا انتظام کرے اور مخلوق میں کوئی ایسا نہیں جو ہر ایک پر ایسا احسان فرمائے۔

فائدہ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اپنے بندوں کو بشریت کے جنگلوں اور روحانیت کے دریاؤں سے عبور کرکے انہیں ساحل ربانیہ تک پہنچایا۔

ف: حقائق سلمی میں ہے کہ ہم نے بنی آدم کو معرفت و توحید سے برگزیدہ بنایا اور انہیں نفس کے جنگل اور قلب کے دریا کی طغیانیاں دیں۔

بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ بر سے صفات ظاہرہ اور بحر سے ذات کے پوشیدہ حقائق مراد ہیں۔

وَرَزَقْنٰهُمْ اور ہم نے انہیں رزق بخشا۔ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ پاکیزہ چیزوں سے یعنی مختلف اور لذیذ نعمتوں سے جو تمہاری صنعت سے حاصل ہوتی ہیں اور بعض ایسی نعمتیں ہیں جن میں تمہاری صنعت کا کوئی دخل نہیں ہے جیسے گھی، مکھن اور کھجور، شہد، ایسے ہی ان کی طرح دیگر مثلی چیزیں۔

فائدہ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے وہ علوم مراد ہیں جو سوء کی آلائش سے پاک ہیں انہیں وہ کھلا دیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں گزرا ہے یعنی مشاہدات کے طعام اور مکاشفات کی پینے کی چیزیں جن سے ملائکہ مقربین کو ایک قطرہ بھی نصیب نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حسین ترین بندوں کو معرفت کے برتنوں میں مشاہدات کے طعام کھلائے اور محبت کے پیالوں میں مکاشفات کی شربت پلائی اور یہ مشاہدات و مکاشفات صرف اپنے انہی بندوں سے مخصوص فرمائے اسی وجہ سے ملائکہ مقربین کو ان کے سجدے کا حکم فرمایا۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہ نے فرمایا ؎

ملائک را چہ سود از حسن طاعت
چو فیض عشق بر آدم فرو ریخت

ترجمہ: حسن طاعت سے ملائکہ کو کیا فائدہ جب کہ اللہ تعالیٰ نے عشق کا فیض آدم کو عطا فرمایا۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

فرشتہ عشق نداند کہ چیست قصہ مخوان
بخواہ جام و گلابے بخاک آدم ریز

ترجمہ: فرشتے کو عشق کا کیا پتہ اور اس کے سامنے عشق کا قصہ مت چھیڑ، عشق کے پیالے میں گلاب کا پانی لا کر مٹی پر گرا دے یعنی آدم علیہ السلام کو عشق کی دولت سے نوازا گیا اور ملائکہ اس دولت سے ناآشنا رہے۔

وَفَضَّلْنٰهُمْ اور ہم نے انہیں علوم و ادراکات میں فضیلت بخشی مثلاً انہیں قوت مدرکہ سے مرکب کیا جن کی وجہ سے وہ حق و باطل اور حسن و قبح کے درمیان تمیز کر سکتا ہے۔ **عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا** بہت سی مخلوقات پر سوائے ملائکہ علیہم السلام کے بنو آدم و بنو آدم کو فضیلت بخشی ہے۔ **تَفْضِيْلًا** بہت بڑی فضیلت۔ اس معنے پر بنو آدم پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کریں اور کفرانِ نعمت سے دور رہیں اور اپنے قوت مدرکہ کو عقائد حقہ میں مستعمل کریں اور باطل عقائد جیسے کفر و شرک وغیرہ کو اپنے سے دور کریں اور ایسے گندے عقائد کو ان کی عقل کو تمیز حاصل ہوتی ہے۔

مسئلہ بنو آدم کی فضیلت ماسوی ملائکہ الا ملائکہ کے لئے ہے اس لئے کہ وہ عقول عشرہ ہیں اور انہیں جنس ملائکہ سے اس لئے مستثنیٰ کیا گیا ہے کہ ان کے علوم دائمی ہیں اور وہ خطا و خلل سے خالی ہیں۔

مسئلہ اس سے وہ فضیلت مراد نہیں ہوتی جو قابل نزاع فیہ ہے اس لئے کہ یہاں مطلقاً وہ فضیلت مراد ہے جو جمیع افراد بشر میں مشترک ہے جس میں نیک اور برے شامل ہیں۔ اور یہی فضیلت علم و دیگر زیادہ قربت عند اللہ کا موجب نہیں ہوتی۔ (کذا فی الروح مشکوٰۃ)

مسئلہ یہ معلوم رہے کہ جبکہ آیت سے معلوم ہوا کہ بنو آدم کو بہت سی مخلوق پر افضل بنایا گیا لیکن بہت تھوڑے ہیں کہ جن سے افضل بنایا گیا ہو ان میں ان کے ماں باپ یعنی آدم و حوا علی نبینا علیہما السلام اس لئے کہ انہیں بحیثیت اصالت کے تمام تر فضیلت ہے۔

تردید معتزلہ معتزلہ کا خیال ہے نیز اسی طرح کلبی اور ابو بکر باقلانی کا گمان ہے کہ علی الاطلاق ملائکہ، آدم اور بنو آدم سے افضل ہیں۔ ملائکہ ان کا یہ خیال غلط ہے اس لئے کہ یہ عقیدہ جمہور علماء کے منافی ہے کیونکہ جب آدم علیہ السلام کو ملائکہ نے سجدہ کیا تو ثابت ہوا کہ آدم علیہ السلام ملائکہ سے افضل ٹھہرے ہیں کیونکہ ادنیٰ اعلیٰ کو سجدہ کرتا ہے نہ کہ اعلیٰ ادنیٰ کو۔ نیز اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے لئے فرمایا ہے:

وعلّم آدم الاسماء کلها

ان دونوں دلیلوں سے ثابت ہوا کہ آدم علیہ السلام ملائکہ سے افضل ہیں کیونکہ ملائکہ کو سجدہ کا حکم ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ سجدہ کرانا ان سے یہ ہو مقصد ہے وہ یہ کہ آدم علیہ السلام کا علمی حیثیت سے ان کے مسجود ہونے کا استحقاق ظاہر ہو۔ اس مدعا کی تیسری دلیل یہ آیت ہے:

ان اللہ اصطفیٰ آدم و نوحا و آل ابراہیم و آل
عمران علی العالمین۔

العالمین میں ملائکہ بھی شامل ہیں۔ اس سے ان کے غلط عقیدہ کی واضح تردید ہے جب کہ انہوں نے کہا کہ ملائکہ علی الاطلاق بشر سے افضل ہیں۔ یہ تمہی دلیل بھی ہمارے دعویٰ کو ثابت کرتی ہے وہ یہ کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مرسلین کو ملائکہ مقربین پر فضیلت بخشی ہے۔

سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی پر فرشتے کو سزا

حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میں شب معراج ساتویں آسمان پر پہنچا تو مجھے ایک نوری فرشتہ ملا جو نور کے تخت پر رونق افروز تھا میں نے اسے السلام علیکم کہا تو اس نے مجھے سلام کا جواب دیا لیکن تعظیم و تکریم کے لئے نہ اٹھا۔ اللہ تعالے نے اس کی طرف پیغام بھیجا کہ میرے محبوب نبی اور پیارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے تجھ کو السلام علیکم کہا اور تو نے ان کی تعظیم و تکریم نہیں کی اور نہ ہی تو نے ان کا استقبال کیا۔ اس لئے تجھے سزا دی جاتی ہے کہ قیامت تک کھڑا رہ اور تجھے تا قیامت بیٹھنے کی اجازت نہیں۔

(اس سے وہابیہ دیابنہ نجدیہ اپنے نظریہ پر نظر ثانی کریں جب کہ وہ بزرگان دین کے لئے اٹھنے کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہاں تو قیام تعظیمی کے ترک پر نوری فرشتے کو سخت سزا میں مبتلا کیا گیا ہے۔)

مسئلہ :- الاستاذ الکبیر میں ہے کہ اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام ملائکہ سے افضل ہیں۔

مسئلہ کاشفی نے کہا ہے کہ اس فضیلت کے متعلق علماء کرام کا بہت زیادہ اختلاف ہے جمہور اہل سنت کا مذہب ہے کہ رسل بشر رسل ملائکہ سے افضل ہیں اور رسل ملائکہ اولیاء بنی آدم سے افضل ہیں[1]

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وفضلناهم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا۔ میں ممن خلق سے ملائکہ کرام مراد ہیں اس لئے کہ وہ اللہ تعالے کی دوسری مخلوق سے زیادہ ہیں اور انسان کامل ملائکہ سے افضل ہے اس لئے کہ وہ احسن تقویم کا مالک ہے اور احسن تقویم سے بلا واسطہ نور الٰہی کے فیض کو قبول کرنے کی حسیاً استعداد ہے اور یہ دولت صرف اور صرف انسان کو نصیب ہوئی ہے۔ کما قال تعالے :-

انا عرضنا الامانة ـــ الی قوله :-

وحملها الانسان اور امانة سے نور الٰہی مراد ہے۔ کما صرح تعالے :-

الله نور السموات والارض ۔

الیٰ ان قال :

نور علیٰ نور یهدی الله لنوره من یشاء ۔

نوٹ: اضافہ از فقیر اویسی غفرلہ

[1] مسئلہ :- چاسہ دور ... میں ایک اور اختلاف رہا ہے وہ یہ کہ رسل ملائکہ اولیاء بنی آدم مثلاً صدیق اکبر و عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ سے افضل ہیں یہ عقیدہ والا کافر ہے یا نہیں؟ جمہور اہلسنت نے کہا کہ اس عقیدہ والا کافر ہے اور بعض بزرگوں نے لکھا کہ ایسا عقیدہ والا کافر نہیں۔ اس موضوع پر فقیر نے مستقل رسائل لکھے گئے لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ (اویسی)

مصابیح جلد ۲ پر حضرت مولوی قدس سرہ الکریم کے ارشاد سے ہی ترجمہ لکھا ہے جو کتاب میں بھی نایاب ہے ۔
فصوص کا شرح لکھا ہے کہ یہ آیت انسان کی فضیلت اور اس کی جامعیت پر دلالت کرتی ہے اور واضح کرتی ہے کہ بلحاظ صورتِ خلق کے انسان کا آئینہ ازبا سے الٰہی اور صفاتِ الٰہی جو اس میں منعکس ہیں ۔ چنانچہ حضرت مولانا قدس سرہ اس حقیقت کو کہتے ہیں ۔

ہست آئینہ جسم کون ولی
تا بہ آئینہ کردہ تجلی
بہ نمود بوجہ کمال
صورت ذو الجلال والافضال
زانکہ بود این تکسری ودے
فارغ از سر جامع واحدی
گشتہ آدم جلائے این مرآت
شد عیان ذات او بجملہ صفات
مظہرے گشت کلی و جامع
سر ذات از صفات او لامع
شد تفاصیل کون را مجمل
بہ مثال تعین اوّل
بوے این دائرہ کلی شد
آخر این نقطہ عین اول شد

ترجمہ: تمام کائنات کا آئینہ دل انسان ہے اور اس جیسا آئینہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہی نہیں ۔ اسی آئینہ کو کمال پر پہنچا کر ظاہر فرمایا بلکہ ذو الجلال والافضال کی صورت بھی اس سے نظر آتی ہے صرف بات اتنی ہے کہ آدمی عدم سے جامع واحدی کا حصہ جامع ہے آدم ہی اس کا جلا اور روشنی بنا ہے کہ اسی سے ہی ذات مع صفات ظاہر ہوئی ۔ آدم کلی طور پر اور جامع طریقے سے مظہر بنا ہے ۔ اسی سے تو ذات و صفات کے اسرار چمکے ہیں یعنی کھلے کہ یہی تفاصیل کل کا اجمال ہے اور تعین اول یہی ہے اسی سے ہی دائرہ ذات و صفات مکمل ہوا ہے یعنی اول و آخر کا نقطہ یہی ہے ۔

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَأُولَٰئِكَ
جس دن ہم ہر جماعت کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے تو جو اپنا نامہ داہنے ہاتھ میں دیا گیا یہ لوگ اپنا نامہ
يَقْرَءُونَ كِتَابَهُمْ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿٧١﴾ وَمَنْ كَانَ فِي هَٰذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ
پڑھیں گے اور تاگے بھر ان کا حق نہ دبایا جائے گا اور جو اس زندگی میں اندھا ہو وہ
فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ وَأَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٧٢﴾ وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي
آخرت میں اندھا ہے اور اور بھی زیادہ گمراہ اور وہ تو قریب تھا کہ تمہیں کچھ لغزش دیتے ہماری وحی سے جو
أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهُ ۖ وَإِذًا لَاتَّخَذُوكَ خَلِيلًا ﴿٧٣﴾ وَلَوْلَا أَنْ
ہم نے تم کو بھیجی کہ تم ہماری طرف کچھ اور نسبت کردو اور ایسا ہوتا تو وہ تم کو اپنا گہرا دوست بنالیتے اور اگر ہم تمہیں
ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدْتَ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا ﴿٧٤﴾ إِذًا لَأَذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَ
ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ تم ان کی طرف کچھ تھوڑا سا جھکتے اور ایسا ہوتا تو ہم تم کو دونی عمر اور دو چند موت کا
ضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا ﴿٧٥﴾ وَإِنْ كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ
مزہ دیتے پھر تم ہمارے مقابل اپنا کوئی مددگار نہ پاتے اور بے شک قریب تھا کہ وہ تمہیں اس
مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا ۖ وَإِذًا لَا يَلْبَثُونَ خِلَافَكَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٧٦﴾
زمین سے ڈگا دیں کہ تمہیں اس سے باہر کردیں اور ایسا ہوتا تو وہ تمہارے پیچھے نہ ٹھہرتے مگر تھوڑا

تفسیر عالمانہ **يَوْمَ نَدْعُوا** اذکر محذوف کی وجہ سے منصوب اور مفعول بہ ہے۔ **كُلَّ أُنَاسٍ** اس دن کو یاد کرو کہ تمام گروہ از بنی آدم۔ اناس۔ الناس کی جمع ہے۔ وکذا فی القاموس۔

بِإِمَامِهِمْ اپنے اس مقتدا کے ساتھ ہوگا جس کی اس نے اقتدا کی ہوگی۔ یہاں پر امام سے مراد امت کا نبی ہے مثلاً کہا جائے گا یا امت موسیٰ و یا امت عیسیٰ وغیرہ یا مقتدا دینی مراد ہے مثلاً کہا جائے گا یا حنفی یا شافعی وغیرہ یا اس سے کتاب آسمانی مراد ہے مثلاً کہا جائے گا، یا اھل القرآن، یا اھل الانجیل یا اس سے دین مراد ہے مثلاً کہا جائیگا یا مسلم یا یہودی یا نصرانی یا مجوسی وغیرہ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ قیامت میں ہر شخص اس گروہ سے اٹھایا جائے گا جس کی اس نے اتباع کی ہوگی مثلاً دنیا میں جو لوگ دنیا اور اس کے شہوات اور اس کی زینت میں مشغول رہیں گے انہیں کہا جائے گا، یا اھل الدنیا۔ اور جو لوگ آخرت اور اس کی نعمتوں اور اس کے درجات کے لئے

کو شامل رہی ہوگی انھیں پکارا جائے گا، یا اہل الاٰخرۃ۔ اور جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور قرب کے متلاشی ہوں گے تو انھیں پکارا جائے گا، یا اہل اللہ۔

ف: بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں پر اِمام، اُم کی جمع ہے جیسے خف کی جمع خفاف۔ بہرحال فال آپ بروز قیامت میں ماں سے منسوب ہو کر پکارے جائیں گے اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کا اجلال و اکرام مطلوب ہے کیونکہ ان کی نسبت ماں کی طرف ہوتی ہے اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو ماں کی طرف منسوب کرنے میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کا اجلال و اکرام مقصود ہے کیونکہ ان کے ماسوا باقی تمام لوگوں کو آباء کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ دوسری حکمت یہ بھی ہے کہ قیامت میں اولاد الزنیٰ کی پردہ پوشی ہو۔ اس کی تائید حدیث شریف سے ہوتی ہے بیہقی میں ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ یدعوا الناس یوم القیامۃ باسمائھم سترا منہ علی عبادہٖ۔ — بے شک اللہ تعالیٰ نے قیامت میں لوگوں کو ماں سے منسوب کر کے بلائے گا تاکہ اپنے بندوں کے عیوب کی ستاری ہو۔

(کذا فی بحر العلوم)

دوسری حدیث شریف جو تلقین کے متعلق وارد ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمہارا کوئی مسلم بھائی فوت ہو تو اس پر مٹی ڈالنے کے بعد یعنی قبر کو مکمل کرنے کے بعد اس کی قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر کہے

یا فلان بن فلانۃ۔

قبر میں میت اس کی آواز کو سنتی ہے لیکن اسے جواب نہیں دیتی۔

اس کے بعد کہے:

یا فلان بن فلانۃ۔

وہ شخص یہ آواز سن کر اٹھ بیٹھتا ہے۔ اس کے بعد تیسری بار کہے،

یا فلان بن فلانۃ۔

پس میت کہتی ہے کہ اے بھائی! اللہ تعالیٰ تمھیں راہ ہدایت بخشے اور تم پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ میت کے اس جواب کو تم نہیں سمجھتے اس کے بعد کہے، اے قبر والے بھائی! تم کہو، اشہد ان لا الٰہ الا اللہ و اشہد ان محمدا عبدہ و رسولہ۔ یاد کرو جب تم دنیا میں پڑھا کرتے تھے اور یاد کرو تم اللہ تعالیٰ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے، قرآن کے کتاب ہونے اور کعبہ کے قبلہ ہونے پر راضی تھے۔ اب تمھارے پاس منکر نکیر

لہ۔ اس حدیث میں ان لوگوں کا رد ہے جو سماع موتیٰ کے منکر ہیں۔ (اویسی)

اٹھیں گے وہ ایک دوسرے کو کہتے ہیں اٹھو چلو اب یہاں ایک شخص ہے جب کہ اسے باہر سے چار سوال کے جواب سکھائے جاتے ہیں یعنی تلقین منکر نکیر کے سوالات سے غافل ہو جاتی ہے تو ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس میت کی ماں کا نام معلوم نہ ہو تو کیا کیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ ماں کے نام پر اماں حوا کا نام لینا چاہیے۔ وکذا فی المقاصد الحسنۃ للسخاوی نے ذکر فرمایا ہے اور اس حدیث کو اچھی سند کے ساتھ صحیح کہا ہے وہ کذا فی التذکرہ للامام القرطبی

مسئلہ: اس حدیث شریف سے دو مسئلے ثابت ہوئے:

(۱) تلقین کھڑے ہو کر کرنا مستحب ہے۔

(۲) انسان کو مرنے کے بعد باپ کی بجائے ماں سے منسوب کر کے پکارا جاتا ہے۔

سوال: حدیث شریف میں ہے کہ اپنے نام اچھے رکھا کرو اس لئے کہ قیامت میں تمہارے اور تمہارے آباء کے اسماء سے تمہیں پکارا جائے گا یہ حدیث تمہارے مذکورہ بالا بیان کے خلاف ہے؟

جواب: دراصل اس حدیث شریف میں صرف اچھے نام رکھنے کی ترغیب ہے اور ترغیبات میں ایسے بیانات واقع ہوتے ہیں اس لئے اسے بیان سابق کے منافی نہیں کہا جا سکتا۔ اور زمانہ جاہلیت میں بہت برے گندے اور قبیح نام رکھے جاتے تھے کسی کا نام المضطجع اور کسی کا نام اصرم اور کسی کا نام عاصیہ ہوتا وغیرہ۔ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے اسماء قبیحہ کو اچھے نام سے تبدیل فرما دیتے تھے مثلاً اصرم جو کہ صرم سے مشتق ہے یعنی القطع کو زرعہ سے تبدیل کیا اور زرعہ بالضم والسکون کھیتی کے ایک حصہ کو کہا جاتا ہے گویا اصرم کو سمجھا کہ قطع نہیں بلکہ نبت اور منقل بلا اصل ہے۔ اور المضطجع کو المنبعث سے اور عاصیہ کو جمیلہ سے تبدیل فرمایا۔

فَمَنْ اُوْتِیَ ان پکارے ہوئے لوگوں میں سے جسے دیا جائے كِتَابَهٗ اس کا اعمال نامہ بِیَمِیْنِهٖ دائیں ہاتھ میں پس سعادت مند لوگ گروہ ہیں اور دائیں ہاتھ سے اس کی جانب مراد ہے کہ اس طرح اس کی شرافت اور اسے بشارت دینا مطلوب ہے۔ فَاُولٰٓئِكَ یہ جمع لفظ من کی وجہ سے ہے وہ معنی جمع ہے۔ یَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وہ لوگ اعمال نامے پڑھیں گے۔ اس سے ان کی قرأۃ ظاہرہ مراد ہے اس لئے کہ وہ اپنے اعمال نامے پڑھ کر خوش ہوں گے اور اپنی نیکیوں سے منافع حاصل کریں گے۔

سوال: اشقیاء کا ذکر نہیں کیا گیا حالانکہ وہ بھی اپنے اعمال نامے پڑھیں گے

جواب: وہ پڑھ کر بھی ایسے نہیں یا بوجہ خوف وحیاء اور ان کے لئے نیکیاں بھی نہیں ہوں گی جس سے وہ منافع حاصل کریں اسی لئے ان کا ذکر نہیں کیا گیا۔

لے جس بات سے اس تلقین کا متحمل ہو قبر سے معلوم کر سکتے ہیں ۱۲ (اویسی)

وَلَا يُظْلَمُونَ اور ان کے اعمال اسے پڑھتے ہوئے اعمال صالحہ کی جزا گھٹائی نہیں جائے گی بلکہ ان میں اضافہ کیا جائے گا۔ فَتِيلًا ۝ فتیل کی مقدار میں۔ الفتیل جو دو جڑی انگلیوں کے درمیان میل کچیل جیسی شے مراد ہے اور وہ چھلکا مراد ہے جو کھجور کی گٹھلی کے درمیان واقع ہوتا ہے یا اس سے مطلق معمولی شے مراد ہے۔ کیونکہ اہل عرب تحقیر و حقارت کے وقت مثلاً فتیل بولتے ہیں۔

وَمَن كَانَ اور ان پڑھنے والے لوگوں میں سے جو ہوگا۔ فِي هَٰذِهِ اس دنیا میں أَعْمَىٰ اس سے قلب کا اندھا مراد ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اس کا دل راہ صواب نہیں دیکھتا تھا۔ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ پس وہ آخرت میں اندھا ہوگا یعنی اسے راہ نجات نصیب نہ ہوگا اور یہ ظاہر ہے کہ جسے راہ ہدایت نصیب نہ ہوگی اسے نجات کب نصیب ہوسکتی ہے یہی وجہ ہے کہ کافر کو قیامت میں بہشت کا راستہ نہ ملے گا اور نہ ہی ناجی کو پہنچنے کا مرتبہ ملے گا بلکہ وہ ایسے مقامات پر پہنچنے سے قاصر ہے۔ وَأَضَلُّ سَبِيلًا ۝ اور وہ دنیوی نابینا کی بنسبت راہ نہ پانے سے بھی زیادہ گمراہ ہوگا اس لئے کہ اس کی استعداد زائل ہو جائے گی اور اسباب و آلات بھی مفقود ہو جائیں گے اور نہ ہی اس کو ان کے حصول کی مہلت نصیب ہوگی۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ حضرت حق کا یہ ... سے اہل سعادت مراد ہیں جنہیں قرآن مجید نے اصحاب الیمین سے موسوم کیا ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ اصحاب الیمین یعنی اہل اللہ کو کتاب عمل ... کا خوف نہ ہوگی اور نہ ہی ان سے حساب لیا جائے گا۔ فَأُولَٰئِكَ يَقْرَءُونَ كِتَابَهُمْ پس وہ لوگ اپنی کتاب پڑھیں گے اس لئے کہ یہی اصحاب بصیرت و ارباب قرآت و درایت ہیں۔ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا اور ان لوگوں پر اعمال صالحہ کی جزا دینے پر بال برابر بھی ظلم نہ ہوگا۔ اس میں اشارہ ہے کہ اصحاب الشمال جو شقاوت والے ہیں وہ اپنا اعمال نامہ کی کتاب نہیں پڑھیں گے کیونکہ یہی اصحاب العمی والجہالۃ ہیں۔

ومن کان فی هذه اعمی اور جو شخص دنیا میں اس قرآت و درایت یا بصیرت سے اندھا ہوا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

فانها لا تعمی الابصار۔

فهو فی الاخرة اعمی تو وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا اس لئے کہ اس دن راز کھل جائے گا اور اس وقت تمام پوشیدہ باتیں سامنے آجائیں گی۔ آج دنیا میں جس کا دل اللہ تعالیٰ کی معرفت سے اندھا ہوگا وہ قیامت میں بھی رویت حق سے محروم رہے گا اور اس دنیا میں ظاہری آنکھیں ختم ہو جائیں تو ان کی صحت و درستگی ممکن ہے لیکن قیامت میں پہنچنے کے بعد ایسے نادر کا تدارک ... نکل جائیں گے اس لئے جو یہاں باطنی آنکھوں سے اندھا ہوا تو مرنے کے بعد بھی محروم رہے گا۔

واضل سبیلا - اور بہت زیادہ گمراہ ہے یعنی وہ واصل باللہ نہیں ہوسکتا اس لئے کہ اس کی استعداد ختم ہو چکی ہوگی اسی لئے اس کی استعداد کے فساد کا تدارک نہیں ہوسکے گا۔

صاحب روح البیان کی تحقیق نیز اسماعیل حقی لکھتا ہے کہ اگر کوئی سوال کرے کہ کیا ظاہری موت کے بعد کسی کو ترقی فی المعرفۃ اور سلوک کی تیاری نصیب ہوسکتی ہے۔

سالک صادق فی طلب جب اپنے مقام طبیعت اور نفس سے سفر کرتا ہوا موت کا شکار ہوا یعنی اختیاری موت کے مرتبہ تک پہنچنے سے پہلے ہی موت اضطراری مرا تو اسے واصلین میں شامل کرلیا جائے گا چنانچہ آیت ذیل میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

ومن یخرج من بیتہ مہاجرا الی اللہ ورسولہ ثم یدرکہ الموت فقد وقع اجرہ علی اللہ۔

ف: اسی لئے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جو سالک تکمیل سے پہلے مرگیا تو اسے موت کے بعد بھی منزل مقصود تک پہنچایا جاتا ہے چنانچہ فقہ کا مسئلہ ہے کہ جو شخص حج بہ حج کو جاتے ہوئے مرجائے تو اس کے لئے حجوں کا ثواب ملتا ہے۔ اس مسئلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے کہ وہ جو چاہے کرے اسی طرح اگر وہ چاہے کہ تو عالم برزخ میں بھی کسی غیر مکمل سالک کو کسی کامل کی روح سے تکمیل کرادے یا بلاواسطہ اس کی تکمیل فرمائے تاکہ اس کا نقصان موہوم کمال معلوم سے بدل جائے۔

قبر میں قرآن کی تعلیم خبر میں ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کی ادھوری تعلیم قرآن کی تکمیل کے لئے اس کی قبر میں ایک فرشتہ بھیجتا ہے تاکہ وہ اسے قرآن مجید پڑھا کر اس کی تعلیم کی تکمیل فرمائے۔ یہ بعض ان بندوں کے متعلق ہے جو تحصیل علوم دینیہ کے دوران فوت ہو جائیں۔ اس سے بھی ہمارے مسئلہ مذکورہ کی تائید ہوتی ہے۔

ف: مرنے کے بعد غیر سالک کو کسی قسم کی ترقی الی المعرفۃ الحق نصیب نہیں ہوتی اس لئے کہ قاعدہ شریعت میں مسلم ہے اور اس کی حقانیت کشفاً بھی تائید ہوتی ہے کہ جسے اس عالم دنیا میں کسی قسم کا کمال نہیں ملا اور نہ ہی وہ اس کے حصول کے درپے تھا تو اسے مرنے کے بعد کسی قسم کی ترقی نصیب نہیں ہوتی۔ (کذا فی الفکوک)

نیز اسی میں ہے کہ اس کی واضح دلیل یہ آیت ہے:

ومن کان فی ھذہ اعمی فھو فی الاخرۃ اعمی

یاد رہے کہ اس کا حکم عام نہیں بلکہ صرف اس بدبخت کے لئے ہے جس نے دنیا میں معرفت الٰہی سے منہ موڑا۔ ورنہ قیامت میں عوام سے حجابات دور کئے جائیں گے۔ جن کی وجہ سے وہ دار آخرت میں سب کچھ دیکھے گا یہاں تک کہ دار آخرت کی نعمتیں اور جہنم کا عذاب اور ان کے دیگر حالات آنکھوں سے مشاہدہ کرے گا اگرچہ دنیا میں عوام کو یہ امور حاصل نہیں تھے لیکن آخرت میں

سکیں گی۔

① حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری آنکھیں سوتی اور دل بیدار ہوتا ہے۔

② تیرا دل بیدار ہے تو اے عیاں بجھے گر شہنشاہ جاگ رہا ہے لیکن پورے طور نیند میں ہے اے میری جان
ان لوگوں پر قربان جن کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن ان کے دل بیدار ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ:

شانِ نزول: اس آیت کے شانِ نزول میں اختلاف ہے۔ صحیح ترین وہ ہے جو تفسیر کواشی میں ہے وہ یہ کہ مشرکین نے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ آپ انہیں آیتِ رحمت کی بجائے آیتِ عذاب اور آیتِ عذاب کے بجائے آیتِ رحمت دیں اور حجرِ اسود کو بوسہ دیتے وقت ان کے بتوں کو بھی (تقبیلاً) ہاتھ لگا دیا کریں اور اپنے سے ضعفاء و مساکین (فقراء) کو ہٹا دیں وغیرہ وغیرہ۔ اس سے آپ کو انہوں نے اپنے مسلمان ہونے پر امید دلائی۔ آپ کے متعلق بعض کا گمان ہوا کہ آپ ان کی اس غرض لحاظ سے کچھ مائل ہیں کہ ان کے مطالبہ کو پورا کرنا چاہیئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ترکیب: یہ اِنْ مخففہ من الثقیلہ ہے اور ضمیر شان محذوف ہے اور یہی ضمیر اسی اِنْ کا اسم ہے اور لام تاکید کی وجہ اس فرق کے لئے لائی گئی ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ اِنْ نافیہ نہیں بلکہ تاکیدیہ ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ شان یہ ہے کہ قریب تھا کہ وہ لوگ آپ کو تمہیں فتنہ میں ڈالنا چاہتے اور قصد سے ساتھ دھوکا کرنا چاہتے ہیں۔

کاشفی نے لکھا ہے کہ وہ تمہیں پھیرنا چاہتے تھے۔

عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اس سے جو ہم نے تمہاری طرف وحی کی یعنی امر و نہی اور وعدہ و وعید سے۔ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ تاکہ تم ہمارے اوپر بہتان تراشی کرو وغیرہ۔ غَيْرَهٗ اس کے غیر سے کہ جو ہم نے تم پر اتارا یعنی امر وحی وغیرہ سے۔ وَاِذًا اور اگر تم ان کی اتباع کر دو ان کے مطالبہ کو مان لو تو اس وقت لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا تو تمہیں دوست بنا لیں گے یعنی وہ تمہارے دوست بن جائیں گے اور تم ان کے لیکن تم میری دوستی سے دور ہو جاؤ گے۔

وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ اور اگر ہم تمہارے دل کو ثابت قدم نہ رکھتے۔ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا الرکون یعنی معمولی طور پر کسی طرف جھکنا اور قلیلاً کا منصوب ہونا علی المصدریۃ ہے یعنی قریب تھا کہ آپ ان کی مراد کے مطابق تھوڑا سا جھک جاتے کیونکہ ان کا دھوکا بہت زیادہ مضبوط اور ان کا حیلہ و مکر اور فریب بہت زیادہ تیز تھا۔ لیکن چونکہ ہماری عصمت نے آپ کی مدد فرمائی اسی نے آپ کو ان کے مطالبہ کی طرف جھکنا تو درکنار آپ کو اس کے قریب بھی پھٹکنے نہ دیا۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے مطالبہ کو پورا کرنے کا ارادہ بھی نہ فرمایا بلکہ قرب تک نہ

اس پر بہت ہی ناز و نگیا اور یہ آپ کی طرف بلانے کا سخت ترین حملہ تھا۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ عصمت توفیقِ الٰہی اور حمایتِ حق پر موقوف ہے۔

نکتہ: بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ ... قلیل سے اس لئے تعبیر فرمایا ہے کہ اصل خلقت کے لحاظ سے آپ کی روحانیت آپ کی بشریت پر غالب تھی اس لئے کہ آپ کی روحانیت کے آگے کوئی ایسی شے نہیں ہوتی جو آپ کو ذاتِ حق کے مشاہدے سے حاجب ہو۔ اب معنی یہ ہوا کہ اگر مقتضائے بشریت اور قوتِ بہیمیت اور نورِ ہدایت اور نصرتِ حمایتِ حق کا اثر نہ ہوتا تو آپ اہلِ ہوس کی خواہش کے مطابق اپنی انسانیت کے منافع حاصل کرنے کے لئے تھوڑے سے جھک جاتے لیکن آپ بچ گئے اس لئے کہ آپ کی روحانیت کا نور آپ کی بشریت کے نور پر غالب ہے۔

إِذًا اگر آپ تھوڑے سے بھی ان کے مطالبہ کی طرف جھکتے تو لَّأَذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ہم آپ کو ضعفِ حیات و ضعفِ ممات یعنی دنیا و آخرت کا عذاب چکھاتے۔ ضعف کا یہ معنی بھی ہے کہ دارین میں ایسے عذاب میں مبتلا کیا جاتا کہ اس جیسا عذاب اور کسی کو نہ ہو۔ اس سے یہ قاعدہ ہے کہ بڑوں کی خطا بہت زیادہ خطرناک ہوتی ہے اور یہ عبارت دراصل یوں تھی۔

"عذابا ضعفا فی الحیوۃ و عذابا ضعفا فی الممات" یعنی ضعفا تھا اس کے بعد موصوف کو حذف کرکے صفت کو اس کے قائم مقام ٹھہرایا گیا ہے۔ اس کے بعد صفت کو اپنے موصوف کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اگر آپ ان کی طرف جھک جاتے تو دنیا اور آخرت کے دگنے عذاب میں ہم آپ کو مبتلا کریں گے۔

ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا ۝ پھر اپنے لئے کوئی حامی و مددگار نہیں پاؤ گے جو تمہیں ہمارے عذاب سے بچا سکے۔

ف: امام قشیری نے فرمایا کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضور علیہ السلام نے یہ دعا مانگی۔

اللّٰھم لا تکلنی الی نفسی طرفۃ عین۔ اے اللہ مجھے ایک لمحہ بھی نفس کے سپرد نہ کر۔

الٰہی بندہ خود [illegible] وا [illegible] را
ز دست نفس [illegible] ما نگہدار [illegible] ما را

ترجمہ: اے اللہ اپنے بندے کو اپنے راستہ پر ثابت قدم رکھ اور ہمیں نفس کے سپرد نہ فرما۔

وَاِنْ كَادُوْا اہلِ مکہ کی شان یہ ہے کہ قریب تھا کہ وہ آپ کو لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ یہ استفزاز بمعنی ازعاج سے ہے یعنی وہ [illegible] کہ قریب تھا آپ کو بہت جلد نکال دیتے بعض نے اس کا ترجمہ قتل کیا ہے یعنی آپ کو وہ قتل کر دیتے مِنَ الْاَرْضِ یعنی اس زمین سے جس میں آپ سکونت پذیر ہیں یعنی مکہ مکرمہ سے۔ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

سُنَّةَ مَنْ قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا ۝
دستور ان کا جو ہم نے تم سے پہلے رسول بھیجے اور تم ہمارا قانون بدلتا نہ پاؤ گے

أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ إِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ
نماز قائم رکھو سورج ڈھلنے سے رات کی اندھیری تک اور صبح کا قرآن بے شک صبح کے قرآن میں فرشتے حاضر ہوتے

كَانَ مَشْهُوْدًا ۝ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰى أَنْ يَّبْعَثَكَ
ہیں اور رات کے کچھ حصہ میں تہجد کرو یہ خاص تمہارے لیے زیادہ ہے قریب ہے کہ تمہیں تمہارا

رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ وَقُلْ رَّبِّ أَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّأَخْرِجْنِيْ
رب ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمہاری حمد کریں اور یوں عرض کرو کہ اے میرے رب مجھے سچی طرح داخل کر اور

مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ۝ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ
سچی طرح باہر لے جا اور مجھے اپنی طرف سے مددگار غلبہ دے اور فرماؤ کہ حق آیا

وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ
اور باطل مٹ گیا بے شک باطل کو مٹنا ہی تھا اور ہم قرآن میں اتارتے ہیں وہ چیز جو ایمان والوں

شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ إِلَّا خَسَارًا ۝ وَإِذَآ أَنْعَمْنَا عَلَى
کے لیے شفا اور رحمت ہے اور اس سے ظالموں کو نقصان ہی بڑھتا ہے اور جب ہم آدمی پر احسان

الْإِنْسَانِ أَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَئُوْسًا ۝ قُلْ كُلٌّ
کرتے ہیں منہ پھیر لیتا ہے اور اپنی طرف دور ہٹ جاتا ہے اور جب اسے برائی پہنچے تو ناامید ہو جاتا ہے تم فرماؤ

يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ فَرَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ أَهْدٰى سَبِيْلًا ۝
سب اپنے کینڈے پر کام کرتے ہیں تو تمہارا رب خوب جانتا ہے کون زیادہ راہ پر ہے

۲۲۵
(بقیہ صفحہ گزشتہ)

تاکہ وہ تمہیں نکال دیں۔

سوال ۱: بعض روایتوں میں ہے کہ بخلاف جیسا کہ سب کا یقین ہے کہ حضور علیہ السلام مکہ معظمہ سے ہجرت کر گئے تھے اس کا سبب کفار کا اخراج تھا چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔

وَكَأَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْ أَخْرَجَتْكَ۔

اور بہت سے علاقے زیادہ قوت والے ہیں آپ کی بستی سے اس علاقہ کے کہ جس سے آپ کو نکالا ان بستی والوں نے

اور حدیث شریف میں ہے کہ جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے ہجرت کے لئے نکلے تو فرمایا کہ اے مکہ [illegible] میں تجھے چھوڑ کر جا رہا ہوں اور مجھے معلوم ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب ترین شہر ہے لیکن میں کیا کروں کہ اگر مجھے تیری

قوم مجھے مجبور نہ کرتی تو میں تجھے چھوڑ کر ہرگز ہرگز باہر نہ جاتا۔

جواب اس آیت کے نزول کے بعد فوراً حضور علیہ السلام نے ہجرت نہیں کی اور نہ ہی کوئی آپ کا نزول آیت کے فوراً بعد ہجرت کا قائل ہے بلکہ سب کو معلوم ہے کہ نزول آیت ہذا کے عرصہ بعد آپ نے ہجرت فرمائی جب کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا اور وہ بھی اس وقت جب کہ کفار مکہ نے آپ کا گھر چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔

چنانچہ کوشش یہ کی کہ اہل مکہ نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ معظمہ سے نکالنے کے لئے باہم مشورہ کیا کہ کس طرح انہیں مکہ معظمہ چھوڑنے پر مجبور کیا جائے۔ چنانچہ ہجرت سے قبل کفار مکہ نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ پر ظلم و ستم کی حد کر دی اسی لئے آپ ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے تو یہی آیت اتری تو لَا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ وہ بھی آپ کے بعد نہیں ٹھہریں گے یعنی آپ کو نکالنے کے بعد وہ بھی ہمیشہ مکہ معظمہ میں نہیں رہیں گے۔ اِلَّا قَلِيْلًا ○ مگر تھوڑی مدت۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ تھوڑے عرصے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد غزوۂ بدر میں یہ لوگ تباہ و برباد ہوئے۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

تفسیر عالمانہ

سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا۔ السنۃ بمعنی العادۃ اور اس کا منصوب ہونا علی المصدریۃ ہے دراصل عبارت یوں تھی سن اللہ سنۃ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ یونہی رہی ہے کہ جس امت کے ہاں رسول بھیجا اور اس امت نے نافرمانی کی تو اسے تباہ و برباد کر دیا۔

سوال: تم نے اللہ تعالیٰ کی عادت کہا اور آیت میں سنۃ کی اضافت رسل کرام علیہم السلام کی طرف ہے!

جواب: یہ اضافت مجازی ہے وہ اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام کی خاطر ہی اللہ تعالیٰ نے وہی عادت کریمہ اختیار کر رکھی تھی چنانچہ ہمارے ترجمہ کا قرینہ الکلام عنہ ہے کہ:

وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا اور نہیں پاؤ گے ہمارے اس طریقہ میں کہ جو امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتی ہے ہم اسے تباہ و برباد کرتے ہیں۔ تَحْوِيْلًا ○ کوئی تبدیل و تغیر۔

آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ اسی میں ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کو دشمنوں کی تکالیف و مشقات میں مبتلا کرکے آزمائے تاکہ اس طرح سے ان کی تعلیم و تربیت میں اضافہ ہو اسی طرح سے ان کے جواہر روحانیہ ربانیہ کا اوصاف نفسانیہ کا تصفیہ و تزکیہ ہوتا ہے اور یہ طریقہ کا سلسلہ انبیاء علیہم السلام پر ہرگز تبدیل نہ ہوا اس لئے کہ یہ طریقہ کار حق پر حکمت و مصلحت و ارادہ و تقدیر ہے اور جس طریقہ کار میں حکمت و مصلحت و ارادہ و تقدیر ہو اس میں تبدیل و تغیر ناممکن ہے۔

نسخہ روحانی

بزرگان دین نے فرمایا کہ لوگوں کی بھلائی سے دور بھاگنے میں خیر و برکت ہے اور اسی میں انسان کو جدوجہد کرنی چاہئے بجائے اس کے کہ وہ لوگوں کے شر سے بھاگے اس لئے کہ لوگوں کی بھلائی قلب اور روح کو

نقصان پہنچاتی ہے اور اس کا شر دل کو تنگ کر دیتا ہے اور انسان کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ بدن کا دکھ درد سر پر لے لیکن قلب و روح تک تکلیف اور برائی نہ پہنچنے دے۔

وہ دشمن جو تجھے اپنے مولیٰ سے ملا دے اس دوست سے بہتر ہے جو تجھے مولیٰ سے دور کر دے۔

ہر آزمائش اللہ تعالیٰ کا چابک ہے جس سے بندے کو حقیقتِ توحید کی طرف لے جاتا اور اسباب و علائق سے دل ہی سے منقطع کرتا ہے بظاہر گو درد ہے لیکن درحقیقت یہ بہت بڑی اور عجیب و غریب اور لذیذ نعمت ہے۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

بدرد و صاف ترا حکم نیست دم در کش
کہ ہر چہ ساقیِ ما کرد عین الطاف است

ترجمہ — اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سامنے تجھے انکار کی تاب نہیں بلکہ یوں سمجھ کہ مالک جو کرتا ہے عین لطف و کرم ہے۔

ازالۂ وہم اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عتاب کیا اس سے لازم نہیں آتا کہ معاذ اللہ آپ میں کوئی خامی ہو گی کیونکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا لازمی ہے کہ آپ سے نہ کبھی ظاہراً کوئی خامی ہوئی اور نہ باطناً بلکہ آپ کا ہر قول و فعل اللہ تعالیٰ کی نگرانی سے ہوتا تھا۔ اسی لئے آپ پر اگرچہ مخالفین کے کئی طرح کے حربے ہوتے لیکن آپ سے معمولی طور پر بھی لغزش نہ ہوئی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے عتابات میں کئی حکمتیں ہوتی ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ آپ کو ظاہری تحفظ اور عبدیت میں احتیاط کے طور سے امت کو تنبیہ ہو گی کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے امور کے متعلق تحفظ کا حکم فرماتا ہے تو پھر ہم کون ہیں ان میں کوتاہی کرنے والے۔

سبق اس سے انسان کو سبق دیا گیا ہے کہ ہر وقت ظاہری و باطنی بہت بڑے دشمن ہیں اس لئے ہمیں ہر وقت چوکس رہنا چاہئے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صبر بڑی خیر و برکت ہے ان میں ایک یہ ہے کہ انسان کے صبر سے اُن کا حق ادا کیا جاتا ہے اور وہ مردود دشمن تباہ و برباد ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ۔

وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ۔

قدسی حدیث شریف اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو کوئی میرے کسی ولی کی اہانت کرتا ہے وہ میرے مقابلہ کے لئے میدان کارزار میں اترتا ہے یعنی جو ولی اللہ کو ناراض کرتا ہے اور اسے اذیت و تکلیف پہنچاتا ہے اور ولی اللہ سے دل آزاری کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جنگ کا مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ولی کی مدد فرماتا ہے اور جس کی مدد اللہ تعالیٰ فرمائے اس کا مقابلہ کون کر سکتا ہے۔ اگر کرے گا بھی تو تباہ و برباد ہو گا۔

اَکْسِیْرُ الصَّلٰوۃِ نماز پڑھا کیجئے۔ [illegible] سورج کے زوال یا غروب کے وقت۔

حل لغات: دلوک کا مادہ ہے۔ دلکت الشمس و دلوکھا یعنی غربت یا یعنی اصفرت یا یعنی زالت عن کبد السماء۔
(کذا فی القاموس)

اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ رات کی تاریکی تک غسق یعنی رات کی تاریکی اس سے دوسری شفق کی نماز کا وقت مراد ہے اور الغاسق اللیل اس وقت بولتے ہیں جب شفق غائب ہو جائے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جب کسی نماز کا وقت ہو جائے تو اسے اس کے معین وقت میں ادا کیا جائے اس سے دو وقتوں کے درمیان علی الدوام قائم کرنا مراد نہیں۔ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ اور فجر کی نماز کے وقت اس کا منصوب ہونا اقم کے مفعول پر معطوف ہونے کی وجہ سے ہے یا اغراء منصوب ہے اور اس کا عامل (الزم) محذوف ہے اور یہاں قرآن سے نماز مراد ہے اس لئے کہ قرآن یعنی قرات نماز کا ایک رکن ہے اور جز بول کر کل مراد لینا یہی عام قاعدہ ہے اور نماز کے ارکان میں سے کسی ایک رکن کو بول کر نماز مراد لینا بھی عام ہے مثلاً تسبیح رکوع یا سجدہ بول کر نماز مراد لی جاتی ہے۔

پھر دلوک کو زوال کے وقت سے زوال مراد ہو تو آیت سے پانچ نمازوں کا ثبوت ملا۔[1]

اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا بے شک فجر کی نماز مشہود ہے یعنی یہ وہ وقت ہے جس میں رات اور دن والے فرشتے حاضر و موجود ہوتے ہیں یعنی دن والے آ جاتے ہیں اور رات والے آسمان پر چڑھتے ہیں خلاصہ یہ کہ یہ وہ وقت ہے کہ اس میں رات کے ڈیوٹی والے فرشتوں کی آخری اور دن والوں کی آمد کی گھڑی ہے۔[2]

ف: فجر کی نماز کے وقت رات والے صبح کی نماز کا مشاہدہ کر کے اسے رات کے اعمال میں لکھتے ہیں اور دن والے فرشتے اسے دیکھ کر دن کی ڈیوٹی کی ابتداء میں درج کرتے ہیں۔

نکتہ: یہ وقت قدرت الٰہی کے شواہد سے ہے بایں معنی کہ اس وقت رات کی تاریکی جاتی ہے اور دن کی روشنی پھیلتی ہے اور نیند سے فراغت ہوتی ہے گویا کہ وہ موت کی مانند ہے۔

وَمِنَ الَّیْلِ اور اس کا منصوب ہونا فعل مقدر سے ہے اب معنی یہ ہوگا کہ آپ رات کے بعض حصے میں اٹھئے۔ فَتَهَجَّدْ بِهٖ اور تہجد کی نماز پڑھئے۔ تہجد۔ ھجود سے مشتق ہے یعنی النوم یعنی نیند اور صیغہ تفعل کبھی ازالہ کے لئے بھی آتا ہے جیسے تأثم یعنی جانب الاثم و ازالہ یعنی اس نے گناہ سے کنارہ کیا اور گناہ کو زائل کیا اور التہجد یعنی ترک النوم للصلوٰۃ ہے اور بہ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے اور یہاں مطلق قرآن مراد ہے نہ وہ جس کا ابھی ذکر ہوا یعنی صبح کے وقت کا قرآن پڑھنا یا یہ ضمیر بعض کی طرف لوٹتی ہے۔

سوال: بعض کا لفظ عبارت قرآن میں موجود نہیں ہے پھر لفظ بعض کی طرف ضمیر کا لوٹنا کیسا؟

---

[1] [illegible] کے [illegible] اور [illegible] سے منزہ ہوتے ہیں۔
[2] [illegible] خزائن۔

جواب ومن اللیل سے متعلق بعض حصہ کیا گیا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ آپ رات کے بعض حصہ میں تہجد کے لئے اٹھئے۔ اس تقریر پر بہ بمعنی فی ہے۔

نَافِلَةً لَّكَ۔ نفل بمعنی الزیادۃ یعنی یہ تہجد فرض نماز سے ایک زائد عبادت ہے اور یہ صفت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے اور آپ کے کسی امتی پر تہجد فرض نہیں۔ چنانچہ بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین امور مجھ پر فرض ہیں اور تمہارے لئے سنت ہیں۔

① وتر

② مسواک

③ قیام اللیل (تہجد)

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی یہ تہجد نفل ہے لیکن چونکہ آپ کے درجات کے کمال کو کوئی نہیں پہنچ سکتا اس لئے امت کے لئے تہجد نفل ہے لیکن امت کے نفل تہجد ان کے گناہوں کا کفارہ اور وہ نفل جو ان کے فرائض میں واقع ہوا ان کے تدارک کے لئے ہے۔

مسئلہ: حضرت قتادہ اور حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے تہجد کا حکم بطور خصوصیت ہے یعنی یہ آپ کی امت کے لئے۔

اس طرح یہ تہجد سب کے لئے مستحب ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے نافلۃ لک فرمایا۔ اگر تہجد واجب ہوتی تو لک کی جگہ علیک فرمایا جاتا اور نافلۃ کا مفہوم یہی ہے کہ خصوصیت ہے اور اس کا حاصل تفضل ہے۔

عسٰی لغت میں امید کے استعمال کے لئے آتا ہے اور قاعدہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے علی وثوق واجب کی مانند ہوتا ہے۔

ف: واحدی نے کہا کہ اس کا معنی ہے شاید اور البتہ ایسے ہی ہوگا۔

اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ آپ کو آپ کا رب تعالیٰ روز قیامت اٹھائے گا۔ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ ایسا مقام جو آپ کے ہاں اور تمام لوگوں کے نزدیک محمود ہوگا۔ اس سے اہل محشر کے لئے وہ مقام شفاعت عامہ مراد ہے جسے دیکھ کر جملہ اولین و آخرین رشک کریں گے۔ اس لئے کہ جملہ انبیاء علیہم السلام کے ہاں تمام مخلوق حاضری دے گی اور ہر ایک شفاعت سے انکار فرما دیں گے بلکہ ہر ایک اپنے بجائے دوسرے نبی علیہ السلام کے حوالے کر دیں گے یہاں تک کہ تمام لوگ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاں حاضر ہوں گے تو آپ فرمائیں گے کہ میں تمہاری شفاعت کے لئے پہلے سے منتظر تھا اور میں ہی اس کا مستحق ہوں۔ اس کے بعد آپ شفاعت فرمائیں گے جو اس کا اہل ہوگا۔

ف: صاحب فتوحات مکیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مقام محمود ایک ایسا مقام ہے جو تمام مقامات کا مرکز ہے بلکہ تمام

اسمائے قہر کا مظاہرہ ہو گا ہے اور وہ صرف حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے مخصوص ہے اور باب شفاعت اسی جگہ سے کھلے گا۔ ؎

اے ذاتِ تو در دو کون مقصود وجود
نام تو محمد و مقامات محمود

ترجمہ: اے محبوب مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم دونوں جہانوں اور جملہ وجود کا مقصود ہے آپ کا نام نامی اسم گرامی محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کا مقام محمود ہے۔

معتزلہ اور وہابیہ نجدیہ وغیرہا کا رد

آیت میں منکرین شفاعت معتزلہ اور وہابیہ نجدیہ اور فرقہ نیچری وغیرہا کا رد ہے جب کہ وہ کہتے ہیں کہ شفاعت کے عقیدہ سے نا اہل کو ثواب کا مستحق بنانا لازم آتا ہے اور یہ ظلم ہے۔ ان کا یہ خیال غلط ہے اس لئے کہ یہی اعتراض تو اللہ تعالیٰ پر بھی وارد ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور لطف و کرم سے جسے چاہے بخش دے اور اپنے عدل و الطاف سے عذاب کے مستحق کو عذاب میں مبتلا کرے اور یہ بھی عقیدہ اپنے مقام پر حق ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی شے واجب نہیں بلکہ وہ مالک و مختار ہے اپنے بندوں میں جس طرح چاہے تصرف کرے۔

سوال: اگر معتزلہ سے سوال وارد ہو کہ تمہاری کتب روایات میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

شفاعتی لاھل الکبائر من امتی — میری امت کے اہل کبائر کے لئے میری شفاعت حق ہے۔

اس حدیث شریف سے لازم آتا ہے کہ بندے کو برائی کے ارتکاب کی کھلی چھٹی ہے وہ جس طرح چاہے کرتا رہے جب کہ اس کے دل میں عقیدہ راسخ ہوگا کہ مجھے حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم چھڑا لیں گے۔ اس سے اتنا بڑے سے بڑے گناہ مثلاً زنا، قتل وغیرہ کی اشاعت ہوگی اور یہ بات روحِ اسلام کے خلاف ہے اور بعثت انبیاء علیہم السلام کے بھی منافی ہے۔[1]

جواب: اس سے برائی کی اجازت و اشاعت لازم نہیں آتی بلکہ اظہار شانِ رسالت و کمالِ نبوت مقصود ہے کہ بارگاہِ حق میں نبی کی اتنی رسائی ہے کہ باوجودیکہ اللہ تعالیٰ کا مجرم جو کہ مستحق ہے اور عذاب اس کے لئے لازم ہو چکا ہے لیکن محبوب خدا صلے اللہ علیہ وسلم ایسے بندے کی نجات کے لئے عرض کرتے ہیں تو اللہ ذوالجلال والاکرام اپنے مجرم بندے کو بخش دیتا ہے اور احکم الحاکمین خود اس شان کو ظاہر فرماتا ہے کہ میرے ہاں اس شفیع المذنبین کا وہ مرتبہ ہے کہ میں اپنے قانون عدل و انصاف کو توڑ سکتا ہوں لیکن اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کی دل شکنی نہیں کرتا۔

---

[1] یہ تقریر ہمارے دور کے معتزلہ یعنی وہابی، دیوبندی، نجدی، اہل تبلیغ وغیرہ عوام میں بیان کرتے ہیں جیسا کہ ہم اہل سنت آقائے کونین صلے اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات بیان کرتے ہیں ۱۲۔ (اویسی)

تازیانۂ عبرت (صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے قولہٖ کے دوسرے مکمل جواب لکھ کر آخر میں لکھتے ہیں)

فثبت صدق الرسول صلی اللہ علیہ وسلم قصد بسؤاله عند اللہ تعالیٰ من اللہ الدرجة الرفیعة والوسیلة ۔ ۱ھ

اس میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مرتبہ اور بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا بہت بڑا مرتبہ ہے اور آپ ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں سب کے وسیلہ ہیں۔

مسئلہ: جب ثابت ہوا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گناہگاروں کی شفاعت فرمانا حق ہے تو صلحاء کی شفاعت بطریق اولیٰ ثابت ہوئی۔

ازالۂ وہم: سوال کا یہ کہنا کہ شفاعت کا ماننا ظلم ہے یہ ان کا وہم اور گمان ہے ورنہ ان کا اللہ تعالیٰ کے متعلق کیا خیال ہے اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اور اس کو گناہ کے ارتکاب کی قدرت اور طاقت پیدا فرمائی اللہ تعالیٰ کے اس فعل کو کوئی برائی کی اشاعت و اجازت سے تعبیر کرے گا یا اسے کوئی ظلم سے موسوم کر سکتا ہے جب ذات حق پر اس قسم کا اعتراض نہیں ہو سکتا تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کیوں؟ یہ اعتراض وہابیت کے تخیلات کا نتیجہ ہے ان کا جواب وہابیہ دیوبندیہ کے جملہ اعتراضات کا دفعیہ بن سکتا ہے جب کہ وہ ہر بات سے متعلقہ مسائل میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی نشانہ بناتے ہیں۔ (کما فی الاستدلالات)

مثنوی شریف میں ہے ؎

گفت پیغمبر کہ روز رستخیز
کے گذارم مجرمان را اشک ریز
من شفیع عاصیان باشم بجان
تا رہانم شان ز اشکنجہ گران
عاصیان و اہل کبائر را بجہد
وا رہانم از عتاب نقض عہد
صالحان امتم خود فارغ اند
از شفاعتہائے من روز گزند
بلکہ ایشان را شفاعتہا بود
گفتشان چون حکم نافذ می رود

ترجمہ: ① حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت کے دن میں مجرموں کو آنسو بہاتے ہوئے کیسے چھوڑوں گا۔

② بلکہ جان سے میں ان مجرموں کا شفیع ہوں گا تاکہ میں انہیں شکنجۂ گراں سے نجات دلاؤں۔

۳ عاصیوں اور اہل کبائر کو کوشش کر کے عذاب اور عتاب سے بچاؤں گا۔

۴ میری امت کے نیک بخت فارغ ہوں گے انہیں قیامت میں میری شفاعت کی بلا عذر کوئی تعلق نہیں ہوگا۔

۵ بلکہ انہیں بھی میری خاص شفاعت نصیب ہوگی۔ اور ان پر بھی حکم الٰہی نافذ ہوگا کہ میری شفاعت سے ضرور بہرہ ور ہوں گے۔

رکعات تہجد آیت میں تہجد کی ترغیب ہے اور اس کی آٹھ رکعتیں ہیں۔ بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم زندگی بھر رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات پڑھتے رہے۔ چار رکعت پڑھتے ان کے حسن و طول کا کیا پوچھنا۔ اسی طرح چار رکعت دیگر پڑھتے تھے ان کا حسن و طول بھی پہلی چار رکعت کی طرح ہوتا تھا۔ اس کے بعد تین رکعت (وتر) پڑھتے تھے۔

وقتِ تہجد حضرت شیخ عبدالرحمٰن بسطامی رحمہ اللہ تعالیٰ "ترویح القلوب" میں لکھتے ہیں کہ جب رات کی آخری تہائی باقی رہ جائے تو نیند سے اٹھ کھڑا ہونا چاہئے اور وضو کر کے تہجد کی بارہ رکعت پڑھنی چاہئیں ان میں فاتحہ کے بعد جتنا چاہے قرآن مجید پڑھے اور فراغت کے بعد اوراد و وظائف پڑھے اور حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم تیرہ رکعت پڑھا کرتے ان میں آٹھ تہجد اور تین رکعت وتر اور دو رکعت نفل دیگر لیکن ان کے درمیان سلام نہیں پھیرتے تھے۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے برگزیدہ حفاظ القرآن اور رات کو تہجد پڑھنے والے ہیں۔

؎

دلا برخیز و طاعت کن کہ طاعت بہتر از کار است
سعادت آں کسے دارد کہ وقتِ صبح بیدار است
خروساں در سحر گویند قم یا ایہا الغافل
تو از مستی نمی دانی کہ دلدار بیدار است

ترجمہ : اے دل اٹھ اور عبادت کر اس لئے کہ طاعت ہر کام سے بہتر ہے سعادت اس شخص کی ہے جو صبح کے وقت بیدار ہو کر عبادت کرتا ہے۔ مرغ صبح کو اٹھ کر اعلان کرتے ہیں کہ اے غافل! اٹھ کر غفلت کی مستی ہے کہ تو اسے نہیں پہچان سکتا اس کا علم اسے ہے جو ہوشیار ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ؎

؎

اذا کثر الطعام فحذرونی
فان القلب یفسدہ الطعام
اذا کثر المنام فنبھونی
فان العمر ینقصه المنام
اذا کثر الکلام فسکتونی
فان الدین یھدمه الکلام
اذا کثر المشیب فحرکونی
فان الشیب یتبعه الحمام

ترجمہ ① جب طعام زیادہ ہو تو مجھے ہٹا دو اس لئے کہ قلب طعام سے خراب ہوتا ہے۔
② جب نیند زیادہ ہو تو مجھے بیدار کرو اس لئے کہ نیند عمر کو گھٹاتی ہے۔
③ جب میں زیادہ بولوں تو مجھے خاموش کراؤ اس لئے کہ کثرت کلام دین کو مسمار کرتا ہے۔
④ جب بڑھاپا چھا جائے تو مجھے حرکت دو اس لئے کہ بڑھاپا کے پیچھے موت چلی آ رہی ہے۔

شیطان کی شرارت

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب انسان سوتا ہے تو شیطان اس کے سر پر تین گرہیں لگا دیتا ہے تو جب وہ نیند سے اٹھ کر ذکر الٰہی کرتا ہے تو ان میں سے ایک گرہ کھل جاتی ہے اس کے بعد جب بندہ وضو کرتا ہے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے اس کے بعد اگر دو رکعت نماز پڑھ لیتا ہے تو اس کے بعد تمام گرہیں کھل جاتی ہیں اس سے بندہ صبح کو ہشاش بشاش اور خوش خوش اٹھتا ہے ورنہ وہ سست اور خبیث النفس ہو کر اٹھتا ہے۔

ف: شب بیداروں کی رات کو عبادت کی وجہ سے ان کے چہرے کی طرح نورانی ہوتی ہے۔

حکایت

ایک نوجوان عابد فرماتے ہیں کہ میں ایک رات اپنے ورد و وظیفہ سے تھک کر سو گیا خواب میں دیکھا کہ میری عبادت گاہ کا دروازہ پھٹ گیا اس سے چند حسین و جمیل لڑکیاں نکلیں کہ ان کے حسن و جمال کے سامنے سورج بھی شرمندہ ہو جائے ان میں ایک نہایت قبیح تھی کہ دنیا میں اس جیسی گویا کوئی قبیح نہ ہوگی میں نے ان سے پوچھا کہ تم کن لوگوں کے لئے ہو اور یہ قبیح لڑکی کس کے لئے ہے انہوں نے کہا ہم سب تیری وہ راتیں ہیں جن میں تو عبادت کے لئے بیدار رہا یہ قبیحہ تیری وہ رات ہے جس میں تو غفلت کر کے سو گیا۔ اگر تو اسی رات مر جاتا تو تجھے یہی نصیب ہوتا مجھ سے ایک چیخ نکلی میں جاگ اٹھا۔

ف: بعض بزرگوں کی عادت تھی کہ وہ عشاء کی نماز سے صبح کی نماز تک بیدار رہتے جیسے امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی طرح اور اکابر اولیاء علیہم رحمۃ اللہ تعالیٰ۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ جب شیطان گھر میں لوٹ آتا ہے تو پھر آدمی کو فرصت نہیں ہوتی جتنی کہ وقت بھی گھر میں سر مارے بیٹھے

سے ہوتی ہے اس لئے کہ رات نیند کی دعوت دیتا ہے۔

ف: بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ سحر کے وقت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے قلوب کو دیکھتا ہے ان میں جو بیدار ہوتا ہے تو اس کے دل کو انوار سے بھرپور فرما دیتا ہے جس سے سعادتی وانشراح سے دل نورانی ہو جاتا ہے پھر ان کے قلوب کے انوار کی غافل دلوں کو منور فرماتے ہیں۔

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ اور فرمائیے کہ اے میرے رب تعالیٰ! مجھے قبر میں داخل فرما۔ مُدْخَلَ صِدْقٍ صدق کا داخلہ یعنی طہارت اور گناہوں سے پاک صاف کر کے۔ وَاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ قیامت میں مجھے قبر سے نکالئے پسندیدہ طریقہ سے مجھے قبر سے اٹھائیے تو باکرامت اور مجھے ملائیں تو امن وسلامتی کے ساتھ۔

سوال: تم نے قبر میں یہ قیدیں کہاں سے نکالی ہیں؟

جواب: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض علماء کرام کے ذکر کے بعد سے یہی معنی ثابت ہوتا ہے۔

ف: مُدْخَلَ و مُخْرَجَ یعنی ادخال و اخراج ہے اور انہیں صدق کی طرف مضاف بنانے میں مبالغہ مطلوب ہے جیسے حاتم الجود میں مبالغہ ہے یعنی ایسا ادخال ہے جو ادخال کا حق ہے اور ایسا ادخال کریں جس میں کسی قسم کی کراہت نہ ہو اس لئے کہ یہ مدخل ومخرج سیاق کے مقابلہ میں مستقل ہے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں ادخال مدینہ طیبہ میں داخل کرنا اور اخراج مکہ معظمہ سے نکالنا مراد ہے۔ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ یہ آیت ہجرت کے حکم کے وقت نازل ہوئی چنانچہ اس آیت پر آیت وان کادوا لیستفزونک الخ دلالت کرتی ہے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ عام ہے جس مکان میں داخل ہو یا جس کام کو شروع کرے اسی طرح مکان سے نکلنے اور کام کو ختم کرنے کے بعد بھی یہ عام ہے۔ اکثر مفسرین نے اس قول کو ترجیح دی ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اے اللہ تعالیٰ جس کام میں مجھے داخل یا خارج کرے تو مجھ سے صداقت کا ظہور ہو اور مجھے ذوالوجہین نہ بنانا اس لئے کہ ذوالوجہین اچھا نہیں ہوتا۔

وَاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ اور اپنی نصرت و رحمت کے خزانوں سے میرے لئے کرنا۔ سُلْطٰنًا برہان و غلبہ نصیرا کہ مددگار ہو اور ایسے دین پر میری مدد کرے یا اس سے کوئی بادشاہ مراد ہے یا آفت مطلق مراد ہے یعنی طاقت عطا فرما جو اسلام کی مدد کرے اور اسے کفر پر غالب فرمائے۔ آپ کی یہ دعا واللہ یعصمک من الناس اور فان حزب اللہ ہم الغالبون سے مستجاب ہوئی اور آپ نے یہ دعا اس لئے مانگی تاکہ آپ کا دین تمام ادیان پر غالب ہو کر آپ کے ماتحت تمام ادیان کو شاہی کریں اور اللہ تعالیٰ نے جو دیا تھا آپ سے وعدہ فرمایا کہ فارس و روم کے دینوں سے چھین کر آپ کے قبضہ میں دے گا۔

عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کے فضائل

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ کا حاکم بنا کر فرمایا جیسے اللہ تعالیٰ نے آپ کو حاکم بنایا ہے اور حضرت

اسید رضی اللہ عنہ منافقین کے لئے سخت اور مؤمنوں کے لئے نہایت نرم تھے آپ نے مکہ معظمہ میں جاتے ہی اعلان کر دیا کہ اگر کوئی نماز باجماعت سے رہ گیا تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا کیونکہ یہ بھی ہے کہ نماز باجماعت کا تارک منافق ہوتا ہے۔ پھر لوگوں نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ آپ نے اہل شہر پر ایک سخت مزاج امیر کو مسلط فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ گویا عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ جنت کے دروازے پر حاضر ہو کر اسے کھٹکھٹایا جنت کا دروازہ کھل گیا تو اس میں حضرت عتاب بن اسید ہو گئے۔

اس سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو اہل اسلام کے ذریعے سے مدد فرمائی اور جو بھی اہل اسلام پر ظلم کرے اس پر جو بھی ان کی مدد کرے وہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک سلطان نصیر ہے۔

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ اور فرمایئے کہ حق یعنی اسلام و قرآن آیا۔ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ یہ زھق سے ہے بمعنی مضمحل و ذهب و هلك الشرك والشيطان یعنی شرک و شیطان ہلاک ہو گیا۔

شعر

دیو بگریزد ازاں قوم کہ قرآں خوانند

ترجمہ: شیطان ان لوگوں سے بھاگتا ہے جو قرآن مجید پڑھتے ہیں۔

فائدہ صوفیانہ: امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حق سے مراد وہ شے ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے ہو اور اس کا زوال نہ ہو اور باطل وہ ہے جو غیر کے لئے ہو۔ بعض صاحبِ کشف نے فرمایا کہ حق سے مراد ذات حق تعالیٰ اور باطل سے وجود مجازی مخلوق مراد ہے کہ یہ قابل زوال ہوتا ہے اور مقصد یہ ہے کہ جب صفات وجود حقانی کی شعاعیں ظاہر ہوتی ہیں تو وجود موہوم مخلوق اس کے بالمقابل مضمحل ہو جاتا ہے۔

همه هرچه هستند ازاں کمتر اند
کہ با هستیش نام هستی برند
چو سلطان عزت علم بر کشد
جہاں سر بجیب عدم در کشد

ترجمہ: تمام موجودات اس کے مقابل کمتر ہیں انہیں حقیقی نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے مقابلے ہستی کا نام لیں۔

لے دیوبندیوں وہابیوں کا صاحب روح البیان پر یہ غلط اعتراض ہے اس کا جواب فقیر کی کتاب التحقیق الکامل فی اعجاز الحق والباطل میں ہے دیوبندی و بریلوی کا فرق ملاحظہ کیجئے۔ جب کوئی سنی کسی مذہب والے دیوبندی وہابی کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا تو اسے تارک جماعت کا فتویٰ دیا جاتا ہے حالانکہ انہیں معلوم نہیں کہ جب ہم ان کی نماز ہی نہیں سمجھتے تو ترک کیا ہوا۔ اویسی غفرلہ

جب سلطان وقت جلوہ آرا ہوتا ہے تو تمام باطل حیلے سرنگوں ہو جاتے ہیں۔

اِنَّ الْبَاطِلَ بے شک باطل کیا ہی کیوں نہ ہو۔ كَانَ زَهُوْقًا ۝ اس کی شان ہی یہ ہے کہ وہ مٹنے والا اور غیر ثابت ہے۔

حدیث شریف: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن مکہ معظمہ میں داخل ہوکر دیکھا کہ بیت اللہ کے ارد گرد تین سو ساٹھ بت تھے آپ اپنے چھڑی کو لگاتے ایک بت کی آنکھ میں اور فرماتے تھے جاء الحق وزھق الباطل۔

اس [illegible] ایک بت [illegible] کی [illegible] کا [illegible] نے حضرت علی رضی اللہ عنہ [illegible] اپنے مبارک [illegible] حضرت علی [illegible] بت [illegible] گرا دیا۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ اور ہم قرآن مجید میں سے وہ آیات نازل کرتے ہیں جو باطنیہ یعنی شکوک وشبہات اور اوہام کی بیماریوں کو شفا بخشتے۔ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ اور اہل ایمان کے لئے رحمت ہے۔

ف: اہل ایمان کا نام اس لئے لیا ہے کہ صرف وہی اس سے نفع پاتے ہیں اور یہی بتانا ہے ان کے عظیم الشان ہونے کی وجہ سے انہیں پہلے لایا گیا ہے اس لئے کہ قرآن مجید کا ہر حرف اہل ایمان کے دینی امراض کی اصلاح نفوس میں بہترین دوا شافی ہے۔

وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝ اور قرآن ظالموں کو نہیں بڑھاتا مگر ہلاکت وتباہی میں۔ کافروں کو ظالمین سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ کافروں نے قرآن مجید جیسی شفا کو اپنے لئے ضرر اور نقصان کا موجب سمجھا اسی لئے وہ کفر وتکذیب میں مبتلا ہوکر تباہ وبرباد ہوگئے۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ اہل ایمان کو اعتقاد وارشاد کے درمیان جو شکوک وشبہات طاری ہوتے ہیں اور ان کے لئے تنزل امراض وسقام کے ہیں اور کافروں کو جو جہل وعناد نصیب ہوا ہے وہ ان کے لئے موت وتباہی وبربادی ہے۔

ف: اس سے قرآن مجید کی عظیم الشان ثابت کرنا مطلوب ہے کہ جیسے بعض بارشیں تیر ورحمت ہوں تو آگے زمین میں استعداد قبولیت نہ ہو تو وہی بارش تباہی وبربادی کا موجب بن جاتی ہے۔ ایسے ہی قرآن مجید کی رحمت وشفا ہونے میں تو شک وشبہ نہیں لیکن قرآن مجید ان کے لئے تباہی وبربادی کا موجب بن جاتا ہے۔

حافظ قدس سرہ نے فرمایا:

گوہر پاک بباید کہ شود قابل فیض
ورنہ ہر سنگ وگلے لؤلؤ ومرجان نشود

ترجمہ: جوہر پاک چاہئے اس سے جو وہ فیض کو قبول کرتا ہے ورنہ ہر پتھر اور گارا لؤلؤ اور مرجان نہیں ہوتے۔

تعویذات کا ثبوت قرآن مجید جیسے امراض روحانی کے لئے شفا ہے ایسے ہی امراض جسمانی کو بھی شفا بخشتا ہے چنانچہ منقول ہے کہ حضرت الاستاذ ابو القاسم قشیری قدس سرہ کا صاحبزادہ سخت علیل ہو گیا کہ اس کی زندگی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے اس سے استاذ موصوف کو سخت پریشانی تھی اسی اثنا میں خواب میں انہیں اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوئی اور شکایت عرض کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آیات شفا جمع کر کے مریض پر پڑھئے اور اسے لکھ کر پانی میں دھو کر پلا دیجئے۔ چنانچہ ایسے کیا تو ان کا صاحبزادہ شفایاب ہو گیا۔

آیات شفاء آیات شفا چھ ہیں جو حسب ذیل ہیں:۔

① ویشف صدور قوم مؤمنین

② شفاء لما فی الصدور

③ فیه شفاء للناس

④ وننزل من القرآن ما هو شفاء ورحمة للمؤمنین

⑤ واذا مرضت فهو یشفین

⑥ قل هو للذین آمنوا هدی وشفاء

حضرت تاج الدین سبکی قدس سرہ نے فرمایا کہ میں نے بہت سے بزرگوں کا آیات شفا کا عامل دیکھا۔ چنانچہ جلد ان کو شفا نصیب ہوئی۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ آیات شفا برتن پر یا کاغذ پر لکھ کر دھو کر پلایا جائے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

من لم یستشف بالقرآن فلا شفاه الله[1] جو قرآن مجید سے شفا حاصل نہیں کرتا اللہ اسے شفا نصیب نہ کرے۔

ف: اس حدیث شریف سے وہابی نجدی پر حجت قائم ہوئی جو تعویذات لکھنے اور دم جھاڑ پھونک کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔[2]

ف: یاد رہے کہ آیت و حدیث سے ثابت ہو گیا ہے کہ قرآن مجید کی شفا مطلق جسمانی و روحانی ہر قسم کی بیماری کے لئے ہے۔ اس سے وہابیہ نجدیہ کا وہم دور ہوا کہ وہ قرآن مجید کو صرف امراض روحانی میں منحصر کرتے ہیں۔

نسخہ [illegible] حضرت شیخ تمیمی قدس سرہ خواص القرآن میں لکھتے ہیں سورۃ فاتحہ کو ایک برتن پر لکھ کر پاک پانی سے دھویا جائے پھر اس پانی سے مریض اپنا منہ دھوئے تو شفا پا

---

[1] روح البیان جلد ۵ صفحہ ۱۹۹۔

[2] اضافہ از فقیر اویسی۔

ہوگا۔ (انشاء اللہ)

دیگر: وہ شخص کہ جس کے دل میں بے چینی گھبراہٹ اور خفقان یا کسی قسم کا قلق و شبہ ہو تو سورۃ فاتحہ لکھ کر دھو کر پیئے شفا ہوگی۔ (انشاء اللہ)

قوت حافظہ: سورۃ فاتحہ کو مشک سے شیشہ کے برتن پر لکھ کر اسے گلاب کے پانی سے دھو کر کند ذہن کو سات دن مسلسل پلایا جائے تو اس کا حافظہ تیز ہوگا اور جو کچھ سنے گا وہ کبھی نہ بھولے گا۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ قرآن مجید کا متن ضبط کرے اور اسی سے ہی اپنے دکھوں اور بیماریوں کا علاج کرے۔

حدیث شریف: حدیث شریف میں ہے کہ قرآن مجید تمہاری بیماری اور اس کا علاج بھی بتاتا ہے۔ تمہاری بیماری تمہارے گناہ اور علاج استغفار ہے۔

ف: سب سے پہلے بیماری کو پہچاننا لازمی ہے اس لئے کہ جب تک بیماری کی تشخیص نہ ہوگی اس کا علاج کیا؟ اور قرآن مجید کو سمجھنے والے اور اس کے عارفین ایسی باتوں کو خوب جانتے ہیں اور اسی کو وسیلہ بنا کر اپنے حصول مطالب میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا اور جب ہم انعام کرتے ہیں۔ **عَلَى الْاِنْسَانِ** انسان پہ جیسا اسے صحت بدنی اور وسعت مالی عطا کرتے ہیں۔ **اَعْرَضَ** تو ہماری شکر گزاری سے روگردانی کرتا ہے۔ **وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ** اور پہلو تہی کرتا ہے اور کنارہ کشی کرتا ہے یعنی تکبر و غرور کرتا اور طریق حق سے دور بھاگتا ہے۔ اس سے اس کا تکبر و غرور مراد ہے کیونکہ حق خدا سے دوری اور روگردانی متکبرین کی عادات میں شامل ہے۔

حل لغات: ونأى به وعنه یعنی بعد اسی طرح ناء وعنه یعنی بعد۔

وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ اور جب اسے فقر یا مرض یا حادثۂ آسمانی پہنچتا ہے۔

نکتہ: انعام کا اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف اور مس کا شر کی طرف اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مقتضا بندوں پر انعام و اکرام ذاتی ہے اور اسے دکھ اور درد میں مبتلا کرنا عارضی ہے یعنی ان کے کردار کی سزا کی وجہ سے۔

كَانَ يَئُوْسًا ۝ تو بہت ناامید ہو جاتا ہے اور مضطرب ہی اسے اللہ تعالیٰ کی اور پھر اس کے فضل و کرم کا یقین آتا ہے اور یہ وصف انسانی من حیث الانسان ہے کہ ان کے اکثر کا یہی حال ہوتا ہے۔ اس معنے پر آیت فاذا مسه الشر فذو دعاء عریض سے بھی پر اعتراض نہیں ہے کہ پہلے اکثر کو ناامیدی سے متصف کیا ہے اور اس کے بعض افراد ایسے ہیں کہ ان کا اس دوسری آیت میں بتایا گیا ہے کہ وہ دکھ اور درد کے وقت اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعائیں مانگتے اور گڑگڑاتے ہیں۔

قُلْ كُلٌّ فرمایئے کہ ہر ایک مومن و کافر **يَّعْمَلُ** عمل کرتا ہے۔ **عَلٰى شَاكِلَتِهٖ** اپنے اس طریقہ پر جو اسے لائق ہے یعنی ہدایت یا گمراہی پر۔

ط ہر کہ آں کشتہ کہ از او سرزد

ترجمہ: ہر شخص وہی کرتا ہے جو اس کے لائق ہے۔

حل لغات: شاکلتہ ، شاکلہ کے معنے ہیں طریقہ، مذہب، راستہ جس پہ چلنے والے چلتے ہیں۔

القاموس میں ہے کہ الشاکلۃ بمعنے الشکل والناحیۃ والنیۃ والطریقۃ والمذہب ہے۔

فَرَبُّكُمْ یعنی تمہارا رب جس نے تمہیں طبائع مختلف میں پیدا کیا۔ أَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ أَهْدَىٰ سَبِيلًا وہ سیدھی راہ والے کو خوب جانتا ہے وہ فریق حق کے لحاظ سے زیادہ ظاہر راہ ہیں جو ہے یعنی وہ ہدایت یافتہ اور گمراہ کو جانتا ہے اور ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا و سزا دے گا۔

آیت میں اشارہ ہے کہ احوال اعمال کی نشانیاں ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے :

در زمین گر نیشکر ور خود نیست
ترجمان ہر زمین نبت ویست

ترجمہ: زمین میں گنا ہے یا نہیں ہر زمین کا ترجمان اس کی انگوری ہے۔

سبق: ہر شخص اپنے اندر خیر و بھلائی اور علامات و شکر پائے تو وہ اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر کرے کہ اس نے اس کی توفیق بخشی ہے اگر اپنے اندر فسق و شر اکثر اور علامات بد پائے تو اس سے بچے اور اپنے آپ کو سنبھالے کہ معاملہ اس کے ہاتھ سے نکل جائے۔

حکایت ایک بادشاہ جو بہت بڑی زیب و زینت اور بہت بڑی بادشاہی و خزانوں کا مالک تھا اس نے اپنے ملک کے امراء کو دعوت دی اور اس میں قسم قسم کے بہترین کھانے پینے کی چیزیں مہمانوں کے لئے تیار کیں جب کھانا شروع کیا تو کسی نے باہر سے بہت زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ لوگوں نے کہا: اے فقیر! کیا کام اور کس حاجت سے آیا ہے آؤ ہمارے ساتھ کھانا کھاؤ پھر آپ جو بھی کہنا ہو کہنا۔ اس نے کہا کہ مجھے کھانے پینے کی ضرورت نہیں مجھے صرف بادشاہ سے ملاقات کرنی ہے۔ لوگوں نے کہا کہ تیرا بادشاہ سے کیا کام؟ جب اس نے دروازہ نہ کھولا تو پھر ایسے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا کہ محل ہل گیا بادشاہ کے خدام نے ہتھیار سنبھالے اور ارادہ کیا کہ فقیر سے مقابلہ کیا جائے تو فقیر نے ان سے زور سے چیخ ماری اور کہا کہ خیال کرو کہ مقابلہ کس سے ہے میں ملک الموت ہوں میں تمہارے بادشاہ کی روح قبض کرنے اور اسے اس کی بادشاہی سے معزول کرنے کے لئے آیا ہوں۔ یہ سن کر تمام لوگوں کے ہوش اڑ گئے اور ایسے دم بخود ہو گئے گویا ان کے جسم میں جان ہی نہیں بادشاہ نے ملک الموت سے تھوڑی سی مہلت مانگی لیکن موت سے مہلت کہاں بادشاہ کو حسرت ہوئی جو اس نے مال و دولت کی خدمت کرتے ہوئے کہنے لگا کہ مجھے اس نے دھوکہ میں رکھا ہائے افسوس کہ آج میں خالی ہاتھ جا رہا ہوں اور جو کچھ کمایا تھا وہ دشمنوں کے ہاتھ سے جا رہا ہے

لیکن مجھے اس سے سوائے حساب دینے اور عذاب الٰہی کے کیا ہاتھ آیا۔ اللہ تعالیٰ نے ولی کو بولنے کی طاقت دی اور کہا کہ اے بادشاہ مجھ پر لعنت کیوں کرتا ہے بلکہ تجھے اپنے اوپر لعنت کرنی چاہیئے اس لئے کہ میں تو تیرے تابع تھا اور تو اپنے طور پر مالک و مختار تھا، دیکھ اب قہر رہا ہے تب بھی ظلم سے باز نہیں آرہا کہ مجھ بے گناہ کو گالی دے رہا ہے حالانکہ اس میں گناہ تیرا ہے۔

ف: اس حکایت سے چند امور ثابت ہوئے۔

① بادشاہ کو اللہ تعالیٰ نے ملک و ملک اور مال و جاہ و جلال سے نوازا لیکن بادشاہ نے اس کے شکر سے روگردانی کی اور اسے اس سے کسی قسم کا فائدہ نہ ہوا۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

خردمند طبعان منت شناس
بدوزند نعمت بمیخ سپاس

ترجمہ: عقلمند، احسان شناس ہوتے ہیں اس لئے وہ نعمتوں کو شکر کی میخ سے مضبوط کرتے ہیں۔

② بادشاہ کو موت نے گھیرا تب بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور احسان سے ناامید تھا جبھی تو وہ لعن اور گالی میں مشغول تھا۔ حالانکہ اس پر لازم تھا کہ وہ اس وقت توبہ اور رجوع الی اللہ کرتا اور اللہ تعالیٰ ہر بندے کی توبہ قبول کرتا ہے جب اس کا دم حلقوم تک پہنچے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا

؎

طریقے بدست آر و صلحے بجوی
شفیعی برانگیز و عذرے بگوی
کہ یک لحظہ بستند احسان
چو پیمانہ پر شد بدور زمان

کوئی اچھا طریقہ اختیار کرکے صلح کرلے اور کسی سفارشی کو لا کر کے عذر پیش کردے وہاں امان کی کوئی صورت نہیں جب دور زمان سے پیمانہ لبریز ہو جائے۔

③ بادشاہ نے اپنی عادت کے مطابق عمل کیا تو اسے شر کی جزا مل گئی۔ در اصل اس میں خیر و بھلائی کی استعداد ہی تھی نہیں۔

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ۖ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَآ أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ۝ وَلَئِن
اور تم سے روح کو پوچھتے ہیں تم فرماؤ روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے اور تمہیں علم نہ ملا مگر تھوڑا اور اگر ہم
شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيٓ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهِۦ عَلَيْنَا وَكِيلًا ۝ إِلَّا
چاہتے تو یہ وحی جو ہم نے تمہاری طرف کی اسے لے جاتے پھر تم کوئی نہ پاتے کہ تمہارے لیے ہمارے حضور اس پر وکالت
رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۚ إِنَّ فَضْلَهُۥ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيرًا ۝ قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ
کرتا مگر تمہارے رب کی رحمت بیشک تم پر اس کا بڑا فضل ہے تم فرماؤ اگر آدمی اور جن
وَالْجِنُّ عَلَىٰٓ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْءَانِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِۦ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ
سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کی مانند لے آئیں تو اس کا مثل نہ لا سکیں گے اگرچہ ان میں ایک
لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ۝ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْءَانِ مِن كُلِّ مَثَلٍ فَأَبَىٰٓ
دوسرے کا مددگار ہو اور بیشک ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر قسم کی مثل طرح طرح بیان فرمائی تو
أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا ۝ وَقَالُوا لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ
اکثر آدمیوں نے نہ مانا مگر ناشکری کرنا اور بولے کہ ہم تم پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ تم ہمارے لیے زمین
يَنۢبُوعًا ۝ أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَٰرَ خِلَٰلَهَا تَفْجِيرًا
سے کوئی چشمہ بہا دو یا تمہارے لیے کھجوروں اور انگور کا کوئی باغ ہو پھر تم اس کے اندر بہتی نہریں رواں کرو
أَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَٰٓئِكَةِ قَبِيلًا ۝ أَوْ
یا تم ہم پر آسمان گرا دو جیسا تم نے کہا ہے ٹکڑے ٹکڑے یا اللہ اور فرشتوں کو ضامن لے آؤ یا
يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِّن زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقَىٰ فِي السَّمَآءِ وَلَن نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّىٰ
تمہارے لیے طلائی گھر ہو یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ اور ہم تمہارے چڑھ جانے پر بھی ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب
تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَٰبًا نَّقْرَؤُهُۥ ۗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا ۝
تک ہم پر ایک کتاب نہ اتارو جو ہم پڑھیں تم فرماؤ پاکی ہے میرے رب کو میں کون ہوں مگر آدمی اللہ کا بھیجا ہوا

تفسیر عالمانہ

وَيَسْـَٔلُونَكَ

شانِ نزول، منقول ہے کہ کفارِ عرب نے نضر بن حارث و عقبہ بن ابی معیط کو علمائے یہود مدینہ کے پاس بھیجا تاکہ یہ لوگ مدینہ طیبہ کے یہود سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق معلوم کریں جب یہ لوگ یہودیوں کے پاس گئے اور حالات

سنے سے یہودی متعجب ہوئے اور کہا کہ ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ پیغمبر آخر الزماں صلے اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا وقت قریب ہے اور جس شخص کی تم باتیں سناتے ہو ہمیں اس کے حالات سے نبوت کی خوشبو آتی ہے لیکن تم واپس جاؤ اور اس شخص سے چند سوالات دریافت کرو :

① مشرق و مغرب کے کونوں کی سیر کس نے کی ؟
② وہ نوجوان کون ہیں جو چند سال پہلے زمین میں گم ہو گئے ہیں ؟
③ روح کیا ہے ؟

اگر وہ پہلے دو سوالوں کا جواب دیں اور تیسرے کے متعلق فرمائیں کہ مجھے اس کا علم نہیں تو یقین کر لینا کہ وہی آخر الزماں نبی صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ قریش حارث وغیرہ واپس مکہ معظمہ پہنچے اور ایک بہت بڑے جلسے میں حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ تینوں سوال کئے۔ آپ نے دو سوالوں کے جواب دیئے اور تیسرے کے بارے میں آیت ہذا نازل ہوئی ویسئلونک اور آپ سے یہود سوال کرتے ہیں ۔

عَنِ الرُّوْحِ ط اس روح کے بارے میں جو بدن انسانی میں ہے اور اسی پر انسانی زندگی کا دارومدار ہے اور یہودیوں نے آپ سے روح کی حقیقت کا سوال کیا انھیں جواب میں کہا گیا کہ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ ۔ محبوب صلے اللہ علیہ وسلم فرمایئے کہ روح کی حقیقت کا علم ان علوم سے ہے جنھیں اللہ تعالٰے نے اپنی ذات کے لئے مخصوص فرمایا ہے اور وہ ان اسرار خفیہ اور رموز پوشیدہ سے ہے جن کی کنہ کو عقول بشر نہیں پہنچ سکتیں۔ امر کی جمع امور ہے بعض مثال اور ارشاد اختصاص میں کہ یہ سب چیزیں امر تخلیق سے کوئی تعلق نہیں اس لئے کہ امر کو ان ہر دونوں سے تعلق ہے۔

فائدہ بغدادی نے کہا کہ اللہ تعالٰے کے کن سے جو موجودات پیدا ہوئیں ان کا پہلے کسی قسم کا مادہ نہ تھا اور نہ ہی انھیں کسی اصل سے پیدا کیا گیا جیسے اجساد میں اعضاء کو پیدا کیا گیا ہے۔

فائدہ جملہ موجودات کئی قسم کی ہیں :

① بعض وہ جو کسی مادہ سے تعلق رکھتی ہیں اور نہ ہی ان کی کوئی مدت معین ہے انھیں مبدعات سے تعبیر کرتے ہیں جیسے مجردات یہ چونکہ بالفعل موجود ہیں ان کی حالت کسی وجہ کی منتظر نہیں اور یہ ان اسماء کے مظاہر ہیں جن کی بعض حرکت سے زمان مقدر ہوتا ہے۔

② بعض وہ جو کسی مادہ اور معین مدت سے متعلق ہیں انھیں حادثات سے موسوم کیا جاتا جیسے عناصر اور وہ مخلوق جو ان سے مرکب ہوئیں۔

③ بعض وہ ہیں جن کا کسی مادہ سے کوئی تعلق نہیں لیکن معین مدت میں پیدا ہوتی ہیں اس قسم کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس قسم کی مخلوق کا کوئی وجود نہیں اس لئے کہ ہر وہ شے جو کسی مدت میں موجود ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی مادہ میں

ظاہر یہ ہے اس کا مذہب ہے جو قائل ہے کہ نفس ناطقہ بدن کے حدوث کے وقت حادث ہوا ہے۔ یہ اقسام باقی احادیث کے عالم کے ظاہر میں یہ وہ تحقیق ہے جس پر عارف اہل اللہ مطلع ہوئے ہیں۔ (کذا والد فقیر قدس سرہ)

ف: میرے شیخ و پیر و مرشد روح اللہ روحہ نے اپنے خط سے فقیر کو تحریر فرمایا کہ شیخ مصلح الدین مثنوی قدس سرہ کی شرح میں لکھا کہ خلق یعنی عالم میں دو امر ہیں وہ حدوث روح اور جسم سے مرکب ہے اور عالم امر اصل اور اس کا مبدأ قبل الحدوث من امور ربی ہے۔ اس پر مزید تبصرہ اور تحقیق ہم آگے چل کر بیان کریں گے

وَمَا أُوتِيتُم اور اے روحو! اور کافرو! تم نہیں دیئے گئے۔ (کذا فی تفسیر الکاشفی)

مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا علم سے مگر تھوڑا یعنی اس لیے علم کا تعلق کچھ تھوڑا کہیں سے ہے تو روح اس سے مستغنی ہو گی اس لئے کہ علم کا اکتساب حاسات ظاہرہ کا اس وقت ہو سکتا ہے جب احساس جزئیات سے ضروری بات کا استفادہ ہو۔ اسی لئے کہا گیا ہے جس کی حس مفقود ہو وہ علم سے بے بہرہ ہوتا ہے اور بہت سی ایسی اشیاء بھی ہیں جن کا حس کو ادراک نہیں ہوتا اور نہ ہی ذات احوال کی معرفت حاصل ہو سکتی ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ روح کی ذات معرفہ حاصل نہیں ہو سکتی ہاں عوارض سے اس کا امتیاز اور عوارض صفات اقتباس سے ہو سکتا ہے۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ وَمَا أُوتِيتُم الخ میں خطاب عام ہے اس کی تائید مسند امام احمد شریف سے ہوتی ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہودیوں نے سوال کیا کہ کیا روح کے متعلق قلت علم سے صرف ہم مراد ہیں یا آپ لوگ اس میں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہم لوگ بھی اس میں شامل ہیں۔ یہودیوں نے کہا کیا حال ہے عجیب ہے کہ کبھی تو آپ یوں کہتے ہیں:

وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

اور کبھی فرماتے ہیں:

قلت علم عبارت ہے ہم سے تو پھر یہ آیت کیسے نازل ہوئی:

وَلَوْ أَنَّمَا فِي الْأَرْضِ مِن شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِن بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ

الآیہ

پہلا قول مرجوح ہے اس لئے کہ قلت علم کے اشتراک سے

ازالہ وہم یہود اور دفع تخطئة الیہود وارد ہے کب ثابت ہو جاتا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم مبارک بہت قلیل ہے حالانکہ آپ کی ذات گرامی علم لدنی کی تکمیل ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام مخلوق ہیں اور مخلوق کا علم حادث ہے اور خالق کا علم قدیم اور مخلوق کا علم متناہی ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم غیر متناہی اور متناہی کو غیر متناہی سے

وہی نسبت ہے جو قطرہ کو سمندر سے ہے

علمِ غیب مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم
تردید وہابیہ[1] اور دیوبندیہ

یہی ہمارے مشائخ کبار رحمہم اللہ تعالیٰ کا عقیدہ یہی ہے جو صاحب روح البیان دو صدیاں پہلے لکھ گئے ہیں۔ لکھتے ہیں۔۔

قال بعض الکبار علم الاولیاء من علم الانبیاء	بعض بزرگوں نے فرمایا اولیاء کا علم انبیاء کے علوم کے سامنے
بمنزلة قطرة من سبعة ابحر وعلم الانبیاء	ایسا ہے جیسے قطرہ کو دریا سے نسبت اور دیگر انبیاء علیہم السلام
من علم نبینا صلی اللہ علیہ وسلم بھذہ	کے علوم حضور علیہ السلام کے علم مبارک کے سامنے ایسے ہی
المثابة وعلم نبینا من علم الحق بھذہ	ہے اور ایسے ہی حضور علیہ السلام کے علم اللہ کے علوم کے
المنزلة فالعلم الذی اوتیه العبد وان کان	سامنے مگر چونکہ بندوں کے علوم کتنے ہی کثیر ہوں لیکن علم
کثیرا فی نفسه ولکنه قلیل بالنسبة الی	حق تعالیٰ کے سامنے قلیل ہیں۔
علم الحق[2]	

[ف: اسے ہم کہتے ہیں علمِ کلی اور وہ بھی ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے اور وہ بھی باری تعالیٰ کی مخلوق اور کل کائنات کے علوم کے اعتبار سے ورنہ اللہ تعالیٰ کے علوم سے علمِ نبوی کو کیا نسبت۔ اور وہابیوں دیوبندیوں کو نامعلوم کس نے غلط ہے کہ وہ علمِ کلی اللہ تعالیٰ کی صفت بتاتے ہیں حالانکہ علمِ کلی سے عالم کائنات کے ابتداء و انتہا مراد ہے اور یہ علم حادث اور مخلوق ہے حق تعالیٰ کا علم غیر مخلوق اور قدیم ہے۔ اس سے اہل علم سوچیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کی آڑ میں ذاتِ باری تعالیٰ کی توہین کر رہے ہیں[3]]

ف: حضرت شیخ الاسلام [illegible] قدس سرہ نے فرمایا کہ یہ علم جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں بخشا ہے یہ ہمارا اتفاق نہیں بلکہ یہ عنایت کے طور پر ملا ہے اور وہ بھی حصولی طور پر اور وہ بھی [illegible] ہے ورنہ ہم اپنے آقا کے سامنے جاہل ہیں اور جاہل کو علم و دانش کا دعوے کیسا۔

حضرت جامی قدس سرہ نے فرمایا ؎

---

[1] یہی ہمارا عقیدہ ہے جسے ہم بار بار اپنی کتابوں میں تحریر اور تقریروں میں دہراتے ہیں لیکن پھر بھی وہابی دیوبندی ہمیں مشرک کہتے نہیں تھکتے۔ ہم اس کے جواب میں صرف اتنا کہیں گے ۔۔ انما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون۔

[2] روح البیان جلد ۵ صفحہ ۱۹۰۔

[3] اضافہ از فقیر اویسی۔

سبحانک لا علم لنا الا ما

علمت و الهمت لنا الهاما

ترجمہ : تو پاک ذات ہے ہمیں کوئی علم نہیں سوائے اس کے کہ تو نے ہمیں سکھایا اور ہمارے دل پر القا فرمایا۔

روح کی حقیقت

کشاف میں لکھا ہے کہ روح اور اس کی ماہیت میں علماء کا اختلاف ہے کسی نے بھی اپنے دعویٰ پر دلائل پیش نہیں کیں صرف اس قدر ثابت ہو سکا ہے کہ روح ایک ایسی چیز ہے جس کے جسم سے جدا ہونے سے موت واقع ہو جاتی ہے مگر روح جسم میں رہے تو بقا رہتی ہے۔

روح دو قسم کی ہے

فقیر (راقم) عرض کرتا ہے کہ روح دو قسم کی ہیں :-

① سلطانی

② حیوانی

پہلی قسم عالم امر سے ہے اسے منادی بھی کہتے ہیں اس لئے کہ یہ روح تن سے جدا ہو جاتی ہے اور اسے کبریٰ و ملکیہ قدسی ہے اور یہ بدن کے خراب ہو جانے سے فنا پذیر نہیں ہوتی البتہ اس میں تصرف نہیں کرتی اس کا محل تعین قلب صنوبری ہے اور قلب عالم ملکوت سے ہے اور دوسرا عالم خلق سے ہے اسے قلب و عقل و نفس بھی کہتے ہیں اور یہ تمام اعضاء میں سرایت کی ہے لیکن اس کا زیادہ تعلق دل میں ہوتا ہے اور یہی اس کا سب سے زیادہ قوی مظہر اور اس کے تعین کا محل دماغ ہے یہ روح اس وقت پیدا ہوتا ہے جب روح سلطانی اس انسانی ڈھانچے سے متعلق ہوتا ہے اور روح حیوانی درحقیقت روح سلطانی کے انوار کا ایک عکس ہے اور یہی تمام افعال و حرکات کا مبدا ہے اور حیات ایک غیبی اور پوشیدہ امر ہے جو زندہ شے کے آثار سے پتہ چلتا ہے کہ واقعی اس میں حیات ہے مثلاً زندہ کی حس و حرکت اور علم و ارادہ وغیرہ سے معلوم ہوگا کہ اس میں حیات ہے اور ظاہر ہے کہ انسان وغیرہ میں اگر روح نہ ہوتی تو اس سے آثار مختلفہ صادر نہ ہوتے۔ اس لئے کہ یہ امر ایسا ہی ہے ذات حق کے لئے صفات ہیں۔ جیسے افعال الٰہیہ کے صدور کا دار و مدار صفت کے ساتھ ذات کے اجتماع پر ہے ایسے ہی افعال انسانیہ روح سلطانی کے روح حیوانی کے ساتھ اجتماع سے صادر ہوتے ہیں جیسے ان افعال و آثار کے وجود سے پہلے صفات الٰہیہ کما ینبغی بالکل غیب ذات اور ہی پوشیدہ تھے ایسے ہی روح حیوانی اس بدن کے ساتھ متعلق ہونے سے پہلے روح سلطانی میں بالقوت موجود تھی۔

روح البیان ، جلد ۱ اس مختصر سی تقریر سے ثابت ہوا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اولیاء اللہ لا یموتون بل ینتقلون من دار الی دار ۔ اللہ کے ولی مرتے نہیں بلکہ وہ ایک دار سے دوسرے دار میں منتقل ہو جاتے ہیں۔

کہاں لکھا ہے کہ وہ مر گئے بلکہ وہ قید سے چھوٹے اور اپنے گھر گئے ۔ (وہابی)

ف: وہ اس لئے کہ انتقال فنا کے عالم کے وقت انسان کی طرح ہے۔

روح کے احوال: روح پانچ احوال پر مشتمل ہے۔

① حالۃ العدم - کما قال:

هل اتی علی الانسان حین من الدهر - آیۃ

حالۃ الوجود فی عالم الارواح - کما قال تعالیٰ:

② خلقت الارواح قبل الاجساد بالفی سنۃ

ترجمہ: میں نے ارواح کو دو ہزار سال پہلے پیدا فرمایا۔

③ حالۃ التعلق - قال تعالیٰ:

ونفخت فیہ من روحی۔

④ حالۃ المفارقۃ - قال تعالیٰ:

کل نفس ذائقۃ الموت۔

⑤ حالۃ الاعادۃ - قال تعالیٰ:

سنعیدها سیرتها الاولیٰ

ف: ① حالۃ العدم کی معرفت سے یہ فائدہ ہوگا کہ انسان اپنے آپ کو حادث اور ذات حق کو قدیم ماننے کے عقیدہ پر راسخ ہو جائے گا۔

② حالۃ الوجود فی عالم الارواح کی معرفت سے ہمیں یہ فائدہ ہوگا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے صفات ذاتیہ کے قائل ہو جائیں گے کہ وہ واقعی قدرت، حیات، علم، وجود، سمع، بصر، کلام، ارادہ اس کی ذاتی صفات ہیں۔

لے وہابی حضرات صحابہ کرام کو اس مرتبہ سے پہچانتے نہیں مانتے۔ (وہابی)

(بقیہ حاشیہ گزشتہ)

ت: اس حدیث شریف کو وہابی دیوبندی نہیں مانتے تو یہ ان کی بدقسمتی ہے اور منکرین حدیث اور ان میں تھوڑا سا فرق ہے وہ یہ کہ منکرین حدیث چند روایات کو نہیں مانتے اور یہ تمام رسالت و ولایت کی روایات کو نہیں مانتے ۱۲ - (وہابی)

③ تعلق الروح بالجسد کی معرفت سے ہمیں یہ فائدہ ہوگا کہ ہم یقین کریں گے کہ ہمارا رب تعالیٰ عالم غیب و شہادۃ کی کلیات و جزئیات کے ذرہ ذرہ کو جانتا ہے۔

④ نفخ الروح فی البدن کی معرفت سے ہمیں یہ ہوگا کہ ہم اپنے عقیدہ میں پختہ ہو جائیں گے کہ حقیقی ہمارا رب تعالیٰ خالق، رزاق، تواب، غفار، رحمٰن، رحیم، منعم، محسن اور وہاب ہے۔

⑤ حالات معاد کی معرفت سے ہمیں یہ فائدہ حاصل ہوگا کہ جب روح کو جسم کے ساتھ محبت ہے جتنا خاطر خواہ تعلق پیوست کی تھیں وہ اس حالت میں مدد ہوں گی اور مقام عبدیت کے تعلق سے ہم بہرہ مند ہوں گے۔

⑥ اعادۂ روح سے یہ فائدہ ہوگا کہ ہم تبعات اخروی سے نجات پا جائیں گے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ ہزار عالم پیدا فرمائے بعض روایات میں تین سو ساٹھ ہزار عالم مذکور ہیں لیکن یہ تمام صرف دو عالموں میں منحصر ہیں۔

① عالم خلق

② عالم امر

چنانچہ فرمایا الا لہ الخلق والامر۔ عالم دنیا اور وہ اشیاء کہ جن کا ادراک حواس خمسہ جیسے سمع بصر شم ذوق لمس سے ہو سکتا ہے انہیں عالم خلق اور عالم آخرت اور وہ امور جن کا حواس باطنہ جیسے عقل و قلب و سر و روح و خفی سے ادراک کیا جاتا ہے انہیں عالم امر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ عالم امر اولیات مخلوقات میں یعنی وہ اشیاء جنہیں بلا سبب عالم کے پیدا فرمایا جیسے روح، عقل، قلم، لوح، عرش، کرسی، جنت اور نار۔

ف: عالم امر کو امر سے اس لئے تعبیر کیا جاتا ہے کہ اسے بلاواسطہ لفظ کن سے پیدا فرمایا کما قال تعالیٰ:

خلقتک من قبل ولم تک شیئا

اور چونکہ اس کا امر قدیم ہے اور وہ شے جو اس امر سے پیدا ہوگی اسے ہمیشہ دوام کی بقا ہوگی اگرچہ ہم اس کے متعلق سرمدی کا عقیدہ رکھیں گے اور عالم خلق کو اس لئے اس نام سے تعبیر کرتے ہیں کہ اسے اللہ تعالیٰ نے شے کے وسائط سے پیدا فرمایا کما قال:

وما خلق اللہ من شیء

یعنی جو وہ ایک مخلوق شے کے وسیلے سے پیدا کی گئی ہے اسی لئے اسے خلق سے تعبیر فرمایا اور اسے جلد تر فنا کے لئے پیدا فرمایا۔

روح کی حقیقت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھی اور آپ [illegible] من امر ربی - [illegible] کی

اس سے ثابت ہوا کہ [illegible]

گریہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ روح عالم امر اور عالم ارواح سے ہے جو اس عالم خلق و عالم ناسوت کی کوئی تعلق نہیں اور دوسرا اس کی حقیقت کا علم ایسے علوم سے ہے کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے صرف اپنی ذات کے ساتھ مخصوص رکھا اور کسی کو اس کا علم نہ دیا یہ جاہلوں کا خیال ہے کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کو نہیں دیا (معاذ اللہ) حالانکہ وہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم جو خدا کی ذات کو خوب جانتے ہیں پھر باقی اشیاء کے نہ جاننے کا کیا معنے حالانکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے فرمایا

وعلمك ما لم تكن تعلم وكان فضل الله عليك عظيما

یقیناً علم روح جیسا کوئی علم نہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام کو نہ دیا ہو۔

ازالہ وہم وہابی آپ کے علم روح کی خبر نہ دینا اس کے لئے وحی کا انتظار کیا جب آپ سے یہودیوں نے سوال کیا سو وہی رازداری کا ایک طریقہ تھا جسے یہودیوں نے نہ سمجھا کہ وہ کم عقل تھے پھر وہ قلبی طور پر ٹیڑھے بھی تھے اور ان کے عقائد بھی خراب تھے اور راز و رموز کو وہی جانتے ہیں جو محرم راز ہیں اور محرم راز وہی ارباب سلوک اور اصحاب سیر الی اللہ ہیں کیونکہ جب وہ نفس اور نفسانیت سے گذر کر واصل الی عالم الارواح ہوتے تو نور روح سے سر کو جانا اور عالم روح سے گذر تو شواہد حق سے روح کو معلوم کیا اور منزل حق کو عبور کیا تو انوار صفات سے مشاہدات تجلی حق کو پہچانا اور جب انانیت وجود سے تجلی صفات جلال کے سطوات کے ذریعہ فانی ہوتے اور بحر حقیقت کی گہرائی میں پہنچے تو ان پر ہویت حق منکشف ہوئی اور جب بحر ہویت میں غرق ہوئے اور بقاء الوہیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو اللہ کی ذات سے پہچانتے ہیں۔

سبق: جب یہ ایک ولی اللہ کا حال ہے تو پھر اس ذات کا کیا کہنا جو عالم ما کان و ما یکون ہیں صلے اللہ علیہ وسلم

۔ جو کچھ صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا ہے وہی حق ہے اور یہی جمہور اہلسنت کا مذہب ہے لیکن بدقسمتی سے ہمارے دور میں ایک گروہ پیدا ہوا ہے جو قائل ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو روح کی حقیقت کا علم نہ تھا یہ ان کا کہنا جہل پر مبنی ہے ورنہ صاحب روح البیان کے علاوہ دوسرے اہل تحقیق بھی تصریح فرما چکے ہیں کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو روح کی حقیقت معلوم تھی چنانچہ چند تصریحات ملاحظہ ہوں۔

① علامہ علاؤ الدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفسیر خازن میں اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں:۔

ان النبي صلى الله عليه وسلم علم معنى الروح ولكن لم يخبر به لان ترك الاخبار به كان علما لنبوته۔

یعنے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حقیقت روح معلوم تھی لیکن آپ نے اس کی خبر نہ دی کیونکہ اس کی خبر نہ دینا ہی آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔

اس سے آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

وما اوتيتم من العلم الا قليلا هو خطاب لليهود۔

یعنے اور نہ دیا گیا تمہیں مگر تھوڑا علم یہ خطاب یہود کو ہے۔

ف: اس آیت کی تفسیر سے صاف واضح ہو گیا کہ روح کی حقیقت حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے علم مبارک میں تھی۔ لیکن اس کا اظہار نہیں فرمایا۔

(۲) شیخ محقق علامہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ مدارج النبوت میں علم روح کے متعلق فرماتے ہیں:-

چہ گونہ جرأت کند مومن عارف کہ نفی علم بحقیقت روح از سید المرسلین و امام العارفین صلے اللہ علیہ وسلم کند و داده است او را حق سبحانہ تعالے علم ذات و صفات خود و فتح کرده بروے فتح مبین از علوم اولین و آخرین روح انسانی چہ باشد کہ در جنب جامعیت وے قطره ایست از دریا و ذره ایست از بیضا۔

(مدارج النبوت جز ثانی ص۴۰)

یعنے مومن عارف یہ جرأت کس طرح کر سکتا ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم سید المرسلین و امام العارفین سے حقیقت روح کے علم کی نفی کرے۔ حالانکہ حق سبحانہ تعالے نے ان کو اپنی ذات و صفات کا علم دیا ہے اور ان کے لئے علوم اولین و آخرین کھول دیئے ہیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے علم کے مقابل روح انسانی کی کیا حقیقت ہے۔ وہ تو اس دریا کا ایک قطرہ ہے اور اس جنگل کا ذرہ ہے۔

ف: خلاصہ یہ کہ شیخ محقق علیہ الرحمہ کے کلام سے واضح ہو گیا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے علم کے آگے روح کی کیا حقیقت ہے اس لئے کہ آپ کو اللہ تعالے نے اپنی ذات و صفات اولین و آخرین کے علوم عطا فرما دیئے ہیں۔ روح تو آپ کے دریا کا ایک قطرہ اور جنگل کا ایک ذرہ ہے۔

(۳) حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم میں علم روح کے متعلق فرماتے ہیں:-

ولا تظن ان ذلك لم يكن مكشوفا لرسول الله صلى الله عليه وسلم فان من لم يعرف الروح فكانه لم يعرف نفسه ومن لم يعرف نفسه فكيف يعرف الله سبحانه ولا يبعد ان يكون ذلك مكشوفا لبعض الاولياء و العلماء۔

(احیاء العلوم غزالی)

یعنے گمان نہ کر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روح کا علم ظاہر نہ تھا۔ اس لئے کہ جو شخص روح کو نہیں جانتا وہ اپنے نفس کو نہیں پہچانتا وہ اللہ سبحانہ کو کیونکر پہچان سکتا ہے اور بعید نہیں ہے کہ بعض اولیاء اور علماء کو بھی اس کا علم ہو۔

مندرجہ بالا عبارات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو روح کا علم ہے نیز قرآن مجید کی کسی آیت میں علم روح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمانے کی نفی تو ہے ہی نہیں۔ یہ محض قیاس باطل ہے آیت روح کو عدم علم نبی کے لئے سند بنانا اول درجہ کی سفاہت ہے[1]

مزید تشریح کے لئے فقیر کی کتاب "الفتوح فی حقیقۃ الروح" پڑھئے۔]

روح نور ہے

روح انسانی وہی تجلی ہے جس سے قدرت کا تعلق ہوتا ہے۔

جوهرة نورانية ولطيفة ربانية من عالم الامر هو الملكوت الذى خلق من لا شيء[2]	روح ایک نورانیہ جوہر اور ربانی لطیفہ ہے عالم امر سے متعلق ہے اور عالم امر ملکوت سے اور ملکوت وہ ہے جو کسی شے کے واسطہ سے پیدا نہیں کیا گیا ہے۔

اور عالم خلق وہ ملک ہے جو کسی شے کے واسطہ سے پیدا کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

اولم ینظروا فی ملکوت السموات والارض

اس سے ثابت ہوا کہ عالم دو ہیں جنہیں دنیا و آخرت اور ملک و ملکوت اور غیب و شہادۃ اور صورت و معنی اور خلق و امر اور ظاہر و باطن اور اجساد و ارواح سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جب اس قسم کے الفاظ استعمال کئے جائیں تو عالم کا ظاہر و باطن مراد ہوتا ہے۔ اور آیت سے یہی ثابت ہوا کہ ملکوت سے عالم کا باطن کہ جو کسی واسطہ کے بغیر پیدا کیا گیا اور اس کے ماسوا کا نام ملک ہے یعنی وہ جو کسی شے کے واسطہ سے پیدا کیا گیا۔

اوّل کائنات

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اول ما خلق اللہ جوھری۔

اور فرمایا:-

اول ما خلق اللہ روحی۔

اور فرمایا:-

اول ما خلق اللہ العقل۔

---

[1] [......] اضافہ از فقیر اویسی۔

[2] روح البیان جلد ۵ صفحہ ۱۹۹۔

اور فرمایا :

اول ما خلق اللہ القلم

ان چاروں سے ایک ہی شے مراد ہے صرف اس کے مختلف اوصاف کی وجہ سے مختلف اسماء سے تعبیر کیا گیا ہے[لہ] چنانچہ مشائخ کبار نے فرمایا کہ اول المخلوقات سے اطلاق ملک کیا ہے جسے عقل کہا جاتا ہے اور وہی صاحب القلم ہے اوصاف قلم کو قلم سے تعبیر کیا گیا جیسے صاحب سیف کو سیف سے تعبیر کیا جاتا ہے مثلاً حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سیف اللہ کہا جاتا اور یہی پہلا اسلامی لقب ہے جو حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوا۔ اور قرآن مجید میں ہے :

یوم یقوم الروح و الملائکۃ صفا

اس آیت کی تفسیر میں حدیث شریف میں وارد ہوا کہ روح سے فرشتہ مراد ہے جو صف باندھ کر بارگاہ حق میں کھڑا ہوتا ہے۔

شان رسالت

لیکن چونکہ اس ملک سے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی روح اقدس مراد ہے۔ اس لئے مختلف وجوہ و مختلف صفات سے جس مخلوق اول کو موصوف کیا ہے وہ ایک ذات ہے اس میں مختلف صفات موجود ہیں انہی مختلف صفات کی وجہ سے اسے مختلف اسماء سے موسوم کیا گیا ہے اور سب کا مفہوم ہے اصل کائنات حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے :

لولاک لما خلقت الکونین[ملہ] آپ نہ ہوتے تو کائنات کو پیدا نہ کرتا۔

ف : اس سے واضح ہوا کہ اصل کائنات ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اور باقی کل کائنات آپ کی فرع۔ اس لئے کہ روح کے اندر کل کائنات کا بیج موجود تھا جب وہ اپنی قوت کو پہنچا اور اسے چالیس سال گذر گئے تو جسم و روح سے امور ذات کے تجربے سے فارغ ہوا جیسے سدرۃ المنتہیٰ سے تعبیر کرتے ہیں اور قاعدہ ہے کہ ثمرہ درخت کی ٹہنیوں سے نکلتا ہے اس لئے آپ قاب قوسین او ادنیٰ کے مقام پر تشریف لے گئے اسی لئے آپ نے فرمایا۔

نحن الآخرون السابقون یعنی ثمرہ کی طرح سب کے بعد آئے اور تخلیق میں بیج کی طرح سب سے پہلے ہیں

خلاصہ کلام

اس تقریر سے ثابت ہوا کہ سب سے پہلی مخلوق حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی روح اقدس ہے جس کے صدقے سب سے پہلے قدرت حق کا ظہور ہوا۔ آپ کے مختلف صفات کی وجہ سے آپ کے مختلف اسمائے مشہور ہیں کیونکہ آپ جملہ کائنات کے جوہر ہیں اسی لئے آپ کو مختلف وجوہ سے تعبیر کیا گیا چنانچہ فرمایا :

لہ۔ [illegible]

ملہ۔ روح البیان ص ۵ جلد ۱۹

اول ما خلق اللہ جوھرۃ

اور دوسری روایت میں ہے کہ :

درۃ فنظر الیھا فذابت فخلق منھا کذا و کذا

اور ہوا آپ کی نورانیت کے آپ کو نور کہا گیا اور آپ کے عقل کی وفرت سے آپ کو عقل سے موسوم کیا گیا اور آپ میں ملکیت کا غلبہ تھا اس لئے آپ کا ملک (فرشتہ) سے تعبیر کیا گیا اور آپ چونکہ صاحب قلم تھے اسی لئے آپ کو قلم کہا گیا ۔

[صاحب روح البیان مذکورہ بالا دلائل لکھ کر آخر میں ان لوگوں کا رد لکھتے ہیں جو قائل تھے

رد وہابیہ دیوبندیہ کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو روح کی حقیقت معلوم نہیں اور یہی عقیدہ ہمارے دور میں مودودی اور پرویزی جیسے فرقوں کے علاوہ دیوبندیوں اور وہابیوں کا ہے][1]

فقیر (اسماعیل حقی) کی عبارت ملاحظہ ہو فرمایا :

وکیف یظن به علیه السلام انه لم یکن عارفا بالروح والروح هو نفسه و قد قال من عرف نفسه فقد عرف ربه[2]	اور حضور علیہ السلام پر کیسے بدگمانی ہو سکتی ہے کہ کہا جائے کہ آپ کو روح کا علم نہ تھا حالانکہ وہ خود روح تھے اور آپ کا ارشاد ہے جو اپنے آپ کو جانتا ہے وہ اللہ کو جانتا ہے ۔

تو اصل وجود آمدی از نخست

تمام ارواح حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے روح پاک سے پیدا کئے گئے ہیں اسی معنے پر آپ اصل الارواح ہیں ۔ اسی معنے پر آپ کا اسم گرامی اُمّی ہے جیسے ام الارواح یعنی ارواح کا اصل ۔ اسی لئے آپ ابو الارواح ہیں اور آدم علیہ السلام ابو البشر اور حوا ام البشر اسی سے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس کو سمجھ لیجئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی روح اقدس کو پیدا فرمایا تو اس کے بمعرفت اللہ تعالیٰ تھا یا رسول اللہ اور کوئی شے نہ تھی جب اور کوئی شے نہ تھی تو حضور علیہ السلام کو کس طرف منسوب کیا جاتا سوائے ذات حق کے اسی معنے پر آپ کو نور اللہ وغیرہ کہا جاتا ہے اور چونکہ آپ سب سے پہلے ہیں اسی لئے شجرۃ الوجود سے آپ کو ثمر دار بنایا اور آپ وہی مقدس ذات ہیں جس سے سب سے پہلے قدرت حق کا تعلق ہوا اور سب سے پہلے آپ ہی کی روح تھی جسے اللہ تعالیٰ نے ونفخت فیه من روحی کہہ کر آپ کو اپنی طرف منسوب فرمایا اس تقریر پر اضافت تشریفی ہے جیسے بیت اللہ میں اضافت تشریفی ہے اور اسے ہی اللہ تعالیٰ نے بیتی فرما کر اپنی

---

[1] افادات فقیر اویسی

[2] روح البیان جلد ۵ صفحہ ۱۹۹

طرف منسوب فرمایا اور آیت میں روح سے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں یعنی جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی تخلیق فرما کر ان کے اندر روح پھونکا اور اس روح کو اپنی طرف منسوب فرمایا تو گویا۔

ونفخت فیہ من روحی

اس آیت میں روح سے حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ آدم علیہ السلام کی روح حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی روح کا جزو ہے اس کی دلیل ہماری مذکورہ بالا تقریر ہے۔ اسی طرح آپ کی اولاد کی ارواح بھی حضور علیہ السلام کی روح کی ایک جھلک ہے چنانچہ آیت ثم جعل نسلہ من سللۃ من ماء مھین ثم سواہ ونفخ فیہ من روحہ سے یہی معلوم ہوتا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا۔

ونفخنا فیہ من روحنا

اس سے یہی کہا جائے گا کہ چونکہ آپ جبریل علیہ السلام کی پھونکی گئی روح سے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم مراد ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف مضاف فرمایا۔ حدیث شریف آدم ومن دونہ تحت لوائی یوم القیامۃ میں ایک نکتہ یہی ہے کہ آپ تمام کائنات کے باپ ہیں اسی لئے آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد آپ کی پناہ میں ہوں گے۔

وما اوتیتم من العلم الا قلیلا سے وہم ہوتا ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی روح کا علم معلوم نہیں

ازالۂ وہم اس کے ازالہ میں صاحب روح البیان نے فرمایا کہ یہ خطاب ان یہود کی طرف راجع ہے جنہوں نے حضور علیہ السلام سے روح کے متعلق سوال کیا تھا اب معنی یہ ہوا کہ تم نے اے یہودیو! مجھ سے روح کے متعلق سوال کیا اور اس سے قبل جواب دیا کہ وہ من امر ربی سے متعلق ہے اور تم میرے کلام کو نہیں سمجھ سکتے اس لئے کہ میں عالم ارواح کی خبر دے رہا ہوں اور میرا کلام عالم غیب سے متعلق ہے اور تم عالم دنیا کے لوگ ہو اور تم صرف عالم محسوس کی باتیں سمجھ سکتے ہو اور تمہیں آخرت سے تھوڑا علم نہیں دیا گیا کیونکہ تم عالم آخرت سے غافل ہو۔

کما قال تعالیٰ۔

یعلمون ظاھرا من الحیوۃ الدنیا وھم عن الاخرۃ ھم غافلون۔

تفسیر عالمانہ ولئن شئنا لنذھبن بالذی اوحینا الیک اور البتہ اگر ہم چاہیں تو وہ جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی۔ پہلی لام توطئہ کی ہے اس قسم کے لئے جو محذوف ہے اور دوسری لام جواب کے لئے اور یہی جواب قسم اور شرط کے جواب کے قائم مقام ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ بخدا اگر ہم قرآن کو مٹانا چاہیں اور صدور و مصاحف سے مٹانا چاہیں تو ہم اس کا کوئی نشان بھی باقی نہ رکھیں اور اگر باقی ہو تو آپ اسے نہ جانیں جیسے پہلے آپ کو ذاتی طور پر علم نہیں تھا کہ کتاب وغیرہ کیا ہے۔

ازالۂ وہم یہ جملہ بالفرض والتقدیر کے قبیل سے ہے اور بالفرض والتقدیر کا ایسا محالات میں بھی ہوتا ہے اور یہ تو محال

بھی نہیں لیکن پھر بھی ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ادب سے بعض فقرات معاملات میں داخل کرتے ہیں۔ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ قرآن مجید کے چھن جانے کے بعد پھر تم نہیں پاؤ گے کسی محض کا شفی نے لکھا ہے۔ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ○ حمایتی وکیل جو ہمیں مجبور کرکے قرآن مجید واپس لوٹائے اور علینا وکیلا کے متعلق ہے۔

اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ہاں اگر تمہارے اوپر تمہارا رب تعالیٰ رحم فرما کر قرآن مجید واپس لوٹا دے وہ ایک علیحدہ بات ہے گویا رحمت الٰہی سے ہی قرآن آپ کے سپرد کیا جا سکتا ہے اس معنی پر استثناء متصل ہے۔ اور کاشفی نے لکھا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ لیکن یہ رب تعالیٰ کی رحمت ہے کہ یہ قرآن مجید تمہارے ہاں باقی ہے اور وہ محو نہیں ہوا اس معنی پر استثناء منقطع ہے۔

ف والکواشی میں ہے کہ الا رحمۃ من ربک مفعول لہ ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے اسے محفوظ فرمایا رحمت کی وجہ سے۔

قاعدہ: یہ خطاب حضور علیہ السلام کو ہے لیکن اس سے مراد آپ کے غیر ہیں۔ یہ قاعدہ تمام مفسرین کو مسلم ہے۔

لیکن افسوس کہ دور حاضر کے بے ادب اور گستاخ نبوت اس قاعدہ کے خلاف اس قسم کی آیات کو ظاہر پر محمول کرکے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی بہت بڑی گستاخی اور بے ادبی کرتے ہیں۔[لہ]

اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ○ بے شک آپ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے کہ آپ کو رسول بنا کر بھیجا اور آپ کے ہاں کتاب بھیجی اور اسے آپ کی خاطر محفوظ رکھا۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ آپ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے کہ آپ کو تمام اولاد آدم کا سردار اور خاتم پیغمبراں بنایا اور لواء الحمد اور مقام محمود عطا فرمایا اور قرآن مجید جیسی بلند مرتبہ کتاب بخشی اور پھر اسے آپ کی امت میں باقی رکھنے کا تحفظ فرمایا۔

قُلْ اے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم فرمائیے ان لوگوں سے جو قرآن کی بندگی سے بے خبر ہو کر کہتے ہیں کہ یہ کلام الٰہی نہیں بلکہ انسان کا کلام ہے۔ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ اور تمام انس و جن متفق ہوں۔ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ اپنی بلاغت، کمال معنے، حسن نظم، اخبار بالغیب، عربی خالص، ارباب بیان اور اہل تحقیق کی فہم کے مطابق اس جیسا قرآن لاویں۔

ازالہ وہم آیت میں صرف جن و انس کی قید اس لئے ہے کہ مقابلہ انہی سے تھا۔ ملائکہ کے ساتھ یہ معاملہ نہیں تھا اور اس کی وجہ کہ قرآن کا انکار انس و جن سے صادر ہوا۔ اور فرشتوں کو اس کا انکار تھا ہی نہیں۔ اسی لئے انس و جن کی تخصیص کی گئی۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ انس و جن آیات قرآن نہیں لا سکتے۔ باقی مخلوق لا سکتی ہے۔ بلکہ یہ عقیدہ مسلم ہے کہ قرآن مجید جیسا

[لہ] اضافہ از فقیر اویسی

کلام سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں لا سکتا۔

ف : روح البیان میں ہے کہ یہاں جن میں ملائکہ بھی شامل ہیں۔ اس لئے کہ لفظ جن ہر اس شے کو کہا جاتا ہے جس کو نگاہ دیکھنے سے قاصر ہو جاتی ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو اس شخص کے مقابل وہ ہیں جو اپنی شان کے ساتھ چھپ جاتے۔ اس لفظ شامل کو جن میں بھی کہا جاتا ہے اس معنے پر ملائکہ بھی جن ہیں۔ اس لئے انہیں جن کہا جاتا ہے کہ وہ نظر نہیں آتے۔

نکتہ : بحر العلوم میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ انس و جن صرف مثال پر قادر ہو سکتے ہیں اور یہ صرف انہی کا خاصہ ہے۔ ملائکہ کی یہ شان نہیں کہ وہ مثال پر قادر ہوں۔

لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ اس جیسا قرآن نہیں لائیں گے جو صفات مذکورہ میں اس کا مماثل ہو۔ یہ قسم محذوف کا جواب ہے جیسا کہ اس پر لام توطئہ کی دلالت کرتی ہے اور یہ شرط کی جزا کے بھی قائم مقام ہے اگر وہ ہوتا تو اس کا جواب جزم کے بغیر ہوتا اس لئے کہ شرط فعل ماضی ہے۔

تفسیر صوفیانہ کاشفات وغیرہ میں ہے کہ وہ اس جیسا اس لئے نہیں لا سکتے کہ وہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جو قدیمہ ہے کہ جیسے اس کی ذات کی کوئی مثل نہیں ہو سکتی کہ اس کی صفات قدیم ہیں اور اس کی ذات پاک کے ساتھ قائم ہیں اور مخلوق کی صفات حقیر و فنا پذیر ہیں اور وہ یہاں مراد نہیں۔

تفسیر عالمانہ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ۝ اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں یعنی اس جیسے کلام کے لانے کے لئے ایک دوسرے کے معاون اور مددگار بھی بنیں تب بھی اس جیسا کلام نہیں لا سکیں گے

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا اور بے شک ہم نے ایسے مختلف وجوہ سے بار بار اور بکرار بیان کیا ہے جو مزید تقریر و بیان اور حسن و البیان کا موجب ہے۔ لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ ان لوگوں کے لئے اس قرآن میں جو کہ عقل اور بہترین اوصاف سے موصوف ہے۔ مِن كُلِّ مَثَلٍ ہر طرح کے عجیب و غریب معنے۔ مثلاً اس کلام کے لئے جو عجیب و غریب اور بے مثل حسین ترین ہو۔ قرآن کو اس طریقہ سے اس لئے بیان کیا گیا ہے تاکہ سننے والے اسے قبول کریں۔ فَأَبَىٰ أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا پس لوگوں نے انکار کیا سوائے ناشکری اور سوائے حق کے انکار کے۔

سوال : کلام موجب سے استثناء جائز ہے مثلاً ضربت الا زیدا کہنا جائز نہیں؟

جواب : یہ کلام متاول ہے یعنی فابیٰ بمعنی نفی کا معنی ہے اس لئے استثناء جائز ہے یعنی ابیٰ بمعنے ما ... و ما قبل و ما اعتقاد کا ہے۔

آیت سے چند فوائد حاصل ہوئے :

① قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی اور عظیم ترین نعمتوں سے ہے اسی لئے ہر عالم دین اور حافظ قرآن پر لازم ہے کہ وہ اس کا شکر ادا کریں اور اس کے حقوق اس سے قبل پورے کریں جب کہ امر اللہ سے نکل جائے یعنی موت سے پہلے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دینی امور میں سب سے پہلے عالم دنیا سے اٹھ جائیں گے
حدیث شریف ۲۰۱ اور سب سے آخر میں نماز اٹھ جائے گی بہت سے لوگ نمازی تو ہوں گے لیکن دیندار نہیں ہوں گے اور ایسا زمانہ آئے گا کہ دنیا میں قرآن تو ہوگا لیکن اس کے احکام میں سے کسی ایک پر بھی پابندی کرنے والا نہ ہوگا۔ ایک شخص نے عرض کی کہ حضرت یہ کیسے ہوگا جب کہ ہم نے اسے اپنے قلوب میں خوب محفوظ کر لیا ہے اور ہم اسے اپنے مصاحف میں لکھ کر تعلیم کا ایسا اہتمام کیا ہے پھر ہم نے اپنی اولاد کو بھی حافظ بنایا اور انہیں وصیت کی ہے کہ وہ اپنی اولاد کو قرآن مجید یاد کرائیں اسی طرح یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہیگا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ لوگ قرآن سے منہ موڑیں گے تو ان سے قرآن مجید اٹھا لیا جائے گا تو وہ ہماری اصطلاح میں ان جیسا فقیر و تنگدست کوئی نہ ہوگا اس لئے کہ اس وقت قرآن مجید نہ ان کے دلوں میں محفوظ ہوگا نہ ان کے صحیفوں میں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ قرآن
حدیث شریف ۲۰۲ کو آسمان کی طرف اٹھا" اور اسے وہاں رکھا نہ جائے گا جہاں سے اتارا گیا اور اس کی عرش کے گرد شہد کی مکھیوں کی سی آواز ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اسے قرآن مجید کیا کہتے ہو؟ قرآن مجید فرمائے گا یا اللہ! لوگ مجھے پڑھتے تھے لیکن مجھ پر عمل نہیں کرتے تھے۔

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
حدیث شریف ۲۰۳ تین اشخاص دنیا میں غریب ہوں گے:۔

① قرآن مجید ظالم کے دل میں۔
② نیک مرد بدعمل قوم میں۔
③ قرآن مجید ایسے گھر میں جہاں اس کی تلاوت نہ کی جائے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

علم چندانکہ بیشتر خوانی
چون عمل نیست نادانی
نہ محقق بود نہ دانشمند
چار پائے برو کتابے چند
آن تہی مغز را چہ علم و خبر
کہ برو ہیزم است یا دفتر

ترجمہ: ۔ علم جتنا پڑھو لیکن اس پر عمل نہ کرو تو تم نادان ہو۔

۲۔ وہ نہ محقق ہے نہ دانشمند بلکہ وہ ایک جانور ہے جس پر چند کتابیں لادی ہوئی ہیں۔

۳۔ اس خالی دماغ کو کیا پتہ کہ اس پر لکڑیاں ہیں یا کتابیں۔

اور فرمایا: ۔

عـــالم اندر میان جـــاہل را
مثلے گفتہ اند صـــدیقان
شاہدے درمیـــان کوران است
مصحفے درمیـــان زندیقان

ترجمہ: عالم دین جاہلوں میں ہو تو اس کی مثال بزرگوں نے دی ہے کہ محبوب حسین و جمیل اندھوں میں ہے یا قرآن مجید بے دینوں میں۔

② نہ انسان میں استعداد ہے نہ کسی دوسری مخلوق میں کہ قرآن مجید جیسا کلام تیار کر سکے کہ جس میں قرآن مجید کی طرح لطافت وجد کا اختصار و فصاحت اور رقت و صداقت اور لطافت نہایت لطف و نظافت اور حقائق نہایت حقیقت و راستی ہو۔

ف: جعفر بن محمد صادق رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی عبارت عوام کے لئے اور اشارہ خواص کے لئے اور لطائف اولیاء کے لئے اور حقائق انبیاء علیہم السلام کے لئے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے: ۔

خوش بیان کرد آن حکیم غزنوی
بہر محجوبان مثال معنوی
کہ ز قرآن گر نہ بیند غیر قال
این عجب نبود ز اصحاب ضلال۔

کز شعاع آفتاب پر ز نور
غیر گرمی می نیابد چشم کور
تو ز قرآن اے پسر ظاہر مبین
دیو آدم را نہ بیند جز کہ طین
ظاہر قرآن چو شخص آدمیست
کہ نقوشش ظاہر و جانش خفیست

[ترجمہ اور شرح فقیر کی کتاب "مسائلِ مثنوی" میں ہے]عہ

مسئلہ: قرآن مجید غیر مخلوق ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ کی جملہ صفات غیر مخلوق اور ازلی ہیں۔

مسئلہ: حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کو مخلوق کہے یا ان کے قدیم ہونے میں توقف کرے یا شک کرے تو وہ کافر باللہ ہے اور وہ وجوہ جو حدوث لفظ پر دلالت کرتے ہیں الٰہی اشعریہ اور حنفیہ مختلف فیہ نہیں ہیں مثلاً کوئی شخص کہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام حرف اور صوت ہے اور وہ ہر دونوں اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہیں اور وہ باوجود اس کے قدیم ہیں اور اس سے عجیب تر ان کا یہ قول ہے جو کہتے ہیں کہ قرآن مجید کی جلد اور اس کے گتے اور لفافے وغیرہ بھی قدیم ہیں (یہ ان کی جہالت ہے)۔

ف: حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ان کا کہنا کہ قرآن مجید کے حروف ہیں اس کے دو معنے ہیں۔ ایک معنے یہ کہ وہ جیسے قرآن مجید مرکب اور کلام ملفوظ ہے اور دوسرا معنے یہ کہ وہ لکھا ہوا اور مرقوم و محفوظ ہے اور اسے لکھا جاتا ہے اور اس کے لکھنے میں حروف ہیں اور ان کے ساتھ گفتگو بھی کی جاتی ہے اسی معنے پر اس کے الفاظ کے حروف ہیں۔ ان دونوں معنوں پر کہا جائے گا کہ یہی حروف کہ جس سے کلام ہو رہا ہے وہی اللہ تعالیٰ کے کلام کی صفت ہے یا ترجمہ معنیٰ کی۔

ف: حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ مختلف صورتوں کے ساتھ جلوہ گر ہوگا جسے حقیقت نصیب ہوگی تو وہ جلووں کو قبول کرے گا اسی معنے پر وہ کلام جس کو ہم بولتے ہیں وہ کلام الٰہی ہیں ان بعض حروف میں مختلف کی صورتوں میں ہو تو کیا حرج ہے جیسے وہ بے صورت قیامت میں کسی صورت میں جلوہ گر ہوگا ایسے ہی اس کے کلام کو سمجھئے حضرت شیخ اکبر نے یہاں پر طویل گفتگو کے بعد لکھا ہے کہ جب ہماری تقریر سے ثابت ہوگیا کہ بے صورت صورت میں جلوہ گر ہوگا تو اسی طرح کہا جائے کہ یہی کلام الٰہی ہے جسے ہم تلاوت کرتے اور اسے سنتے اور بولتے ہیں جسے ہم قرآن تورات اور انجیل سے تعبیر کرتے ہیں۔

ف: بعض نے کہا کہ کلام رتبہ میں متکلم کا عین ہوتا ہے اور اس کا معنے اس کے ساتھ ہر مرتبہ میں قائم ہوتا ہے جیسے کلام نفسی بسیط ہے کہ وہ صوت سے مرکب ہے اور ایسے ہی حروف سے عالم مثال و حس میں متعین ہوا جیسے تعین کے بعد محسوس کیا گیا۔

③ تیسرا فائدہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نعمتوں کو اکثر لوگ نہیں جانتے اور نہ ہی وہ تجلیاتِ ربانیہ سے متمتع ہوتے ہیں اسی لئے ہزاروں میں ایک ہوتا ہے جسے بہشت نصیب ہوتی ہے ورنہ ان کے اکثر دوزخ میں جاتے ہیں۔ ان سے وہ جاہل مراد ہیں جو حق تعالیٰ سے اعراض کرتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے: ـــ

عہ: فقیر اویسی غفرلہ

پند گفتن با جہول خوابناک
تخم افگندن بود در شورہ خاک
چاک حمق و جہل نپذیرد رفو
تخم حکمت کم دہش اے پند گو

ترجمہ: جاہل غافل کو نصیحت ایسے ہے جیسے شورہ زمین میں بیج ڈالا جائے۔ اور حماقت و جہالت کا چاک سلائی قبول نہیں کرتا اسی لئے اسے حکمت کا بیج مت دے اور نہ ہی اسے نصیحت کر۔

تفسیر عالمانہ

وَقَالُوْا

شانِ نزول: امام واحدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسباب نزول میں لکھا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ عتبہ، شیبہ، ابوسفیان، نضر بن حارث، ابا البختری، اسود بن مطلب، ولید بن مغیرہ، ابوجہل، عبد اللہ بن ابی امیہ، امیہ بن خلف اور دیگر قریش کے بڑے بڑے لیڈر کعبہ معظمہ میں جمع ہوئے اور طے کیا کہ حضرت مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مذہبی گفتگو کر کے ان سے آج کوئی فیصلہ کی بات کی جائے تاکہ روز روز کی خلفشار سے بچا جائے چنانچہ انھوں نے اپنا ایلچی نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاں بھیجا اور کہلا بھیجا کہ آج کعبہ معظمہ میں آپ کی قوم کے بڑے سردار جمع ہیں اور آپ سے کوئی بات کرنا چاہتے ہیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سنتے ہی تشریف لائے کیونکہ آپ کو ہر وقت ان کے اسلام قبول کرنے کی خواہش رہتی تھی اور خیال فرمایا کہ شاید انھوں نے میری تبلیغ کو مان لیا ہے۔ جب آقائے نامدار محمد صلے اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لا کر بیٹھ گئے تو

کافروں کا مکالمہ کافروں نے کہا کہ اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ہم اپنی برادری (عرب) میں آپ جیسے کسی کے متعلق یاد نہیں رکھتے جس طرح آپ نے اپنی قوم میں پھوٹ ڈالی ہے کہ آپ نے اپنے باپ دادا کو گالیاں دیں اور دین کو عیب لگایا اور عقلمندوں کو بیوقوف کہا اور ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہا اور ہماری برادری میں پھوٹ ڈالی غرضیکہ کوئی برا کام نہیں جو آپ نے نہ کیا ہو۔ اب ہم آپ سے عرض کرتے ہیں کہ یہ کام آپ نے اگر حصول مال کے لئے کیا ہے تو ہم آپ کو ایسا مالا مال کر دیں گے کہ آپ جیسا مالدار اور کوئی نہ ہوگا۔ اگر آپ لیڈری چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنی تمام برادری (عرب) کا لیڈر منتخب کر لیتے ہیں۔ اگر آپ ہمارے اوپر شاہی کی چاہت رکھتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں۔ اگر آپ پر جنون کا اثر ہے تو ہم آپ کا علاج کرائیں گے اگرچہ اس علاج پر ہماری جائداد کام آ جائے تب بھی ہم ایسا کرنے کو تیار ہیں۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا جواب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: مجھے تمہاری بیان کردہ تمام باتوں سے اتفاق نہیں۔ میں نے تمہیں تبلیغ اسلام نہ تو حصول مال کے لئے کی ہے نہ ہی لیڈری کے لئے اور نہ ہی بادشاہ بننے کے لئے بلکہ مجھے میرے اللہ تعالیٰ نے

تمہارے پاس رسول بنا کر بھیجا اور مجھے تمہاری تبلیغ کے لئے کتاب دی ہے اور مجھے حکم فرمایا کہ میں اہل ایمان کو بہشت کی خوشخبری دوں اور کافروں کو دوزخ کا ڈر سناؤں اور الحمدللہ میں نے تبلیغ کا حق ادا کیا اور جتنا مجھ سے ہو سکا میں نے تمہیں نصیحت کی ہے اگر تم میرے مدعا کو مانو تو دنیا و آخرت میں عیش و آرام میں رہو گے اگر نہیں مانتے تو میں اس وقت تک صبر کروں گا جب تک میرا رب تعالیٰ تمہارے متعلق مجھے کوئی نیا فیصلہ کن حکم نہیں سناتا۔

کافروں کی تقریر کافروں نے کہا کہ اگر آپ ہماری باتوں سے اتفاق نہیں کرتے تو ایک کام اور کیجئے وہ یہ کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہم پسماندہ لوگ ہیں اور علاقہ بھی پسماندہ ہے نہ یہاں مال کی فراوانی ہے اور عیش و عشرت بھی میسر نہیں کیونکہ ہمارے پاس اسباب نہیں۔ اگر آپ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں تو اپنے رب تعالیٰ سے سوال کیجئے تاکہ وہ ہمارے ان پہاڑوں کو دور کیجئے جنہوں نے ہماری حیثیت کو تنگ کیا ہوا ہے پھر ہمیں مالی وسعت عطا فرمائے اور ہمارے علاقوں میں نہریں جاری فرمائے جیسے شام و عراق میں نہروں کا جال پھیلا ہے اور ہمارے اسلاف کو زندہ کرے ان میں قصی بن کلاب کا ہونا ضروری ہے اس لئے کہ وہ ہمارے مشائخ سے تھے اور بہت بڑے صدیق تھے ہم ان سے آپ کے بارے میں پوچھیں گے کہ کیا آپ سچ فرماتے ہیں یا جھوٹ (معاذاللہ) اگر آپ ہمارے سوالات کا حل فرما دیں تو ہم آپ کے دین کی تصدیق کریں گے ورنہ ہم معذور ہیں۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تقریر دلپذیر حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ان امور کے لئے مامور ہو کر مبعوث نہیں ہوا۔ میں جن احکام کے لئے بھیجا گیا ہوں وہ میں نے تمہیں پہنچا دیئے ہیں اب تم مانو تو تمہارے لئے دارین کی بھلائی ہے ورنہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا منتظر ہوں۔

کفار کے دیگر سوالات کافروں نے کہا کہ اگر آپ وہ نہیں کر سکتے تو یوں کیجئے کہ اپنے رب تعالیٰ سے سوال کیجئے کہ وہ آپ کے ساتھ ایک فرشتے کو بھیج دے جو آپ کی نبوت کی تصدیق کرے اور دعا کیجئے کہ آپ کا رب آپ کو باغات اور خزانے اور سونے اور چاندی کے محلات دے تاکہ آپ اپنے کاروبار میں کسی کے محتاج نہ ہوں کیونکہ آپ معاش کے حصول کے لئے بازاروں کا چکر لگاتے رہتے ہیں۔ اس سے آپ کو آرام مل جائے گا۔

حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا جواب باصواب حضور اکرم صلے اللہ نے فرمایا کہ میں اس طرح کے سوالات اللہ تعالیٰ سے نہیں کرتا اور نہ ہی اس نے مجھے ایسے سوالات کے لئے بھیجا ہے بلکہ مجھے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا اور جس کام کے لئے مجھے بھیجا ہے میں بفضلہ تعالیٰ اسے بخوبی سرانجام دے چکا ہوں۔

کفار کا دیگر سوال کافروں نے کہا کہ پھر تو اپنے رب تعالیٰ سے سوال کیجئے کہ وہ ہماری ہٹ دھرمی پر ہمارے اوپر آسمان کا کچھ حصہ گرا دے جیسے تم کہتے بھی رہتے ہو کہ میرا رب تعالیٰ چاہے تو وہ ایسا کر سکتا ہے۔

نبی علیہ السلام کا جواب حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ میرے رب تعالیٰ کی مرضی ہے کہ وہ چاہے تو

ایسا کرے اگر نہ چاہے تو اسے کوئی مجبور نہیں کر سکتا ۔

ایک اور کافر کا سوال

ایک اور کافر نے کہا اور اس کی تائید میں عبداللہ بن امیہ بن المغیرۃ المخزومی اٹھ کھڑے ہوئے جو اس وقت کافر تھے یہ حضرت عبداللہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی پھوپی عاتکہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے ہیں، یہ بعد میں مسلمان ہو گئے اور اسلام کے بہت بڑے شیدائی تھے ۔ انھوں نے کہا کہ میں آپ کی تصدیق نہیں کرتا یہاں تک کہ آپ آسمان کی طرف سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ جائیں اور میں آپ کو دیکھتا رہوں اور یقین کر لوں کہ واقعی آپ آسمان پر چڑھ گئے ہیں اور پھر اسی طرح آپ نیچے اتر آئیں اور وہاں سے آپ ایک ایسا نوشتہ لائیں جو صفحے سے پھیلا ہوا اور وہ کھلا ہوا ہو جسے ہم پڑھ سکیں اور آپ کی واپسی پر آپ کے ساتھ فرشتے ہوں اور وہ گواہی دیں۔

حضور علیہ السلام کی آخری کاروائی

حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم ان سے مایوس اور نہایت غمزدہ ہو کر واپس تشریف لے آئے اور کفار کی تابعداری سے ناامید ہی دیکھی اور سمجھا کہ یہ لوگ بہت ہٹ دھرم ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہی آیت اتاری کہ وَقَالُوْا اور مشرکین مکہ اور ان کے سرداروں نے کہا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم آپ کی نبوت و رسالت کا ہرگز اعتراف نہیں کریں گے حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا یہاں تک کہ آپ ہمارے لئے بہا دیں مِنَ الْاَرْضِ مکہ کی زمین سے یَنْۢبُوْعًا ۝ پانی کا ایسا چشمہ کہ وہ کبھی کم نہ ہو۔ ینبوع پر اس کثیر الماء چشمہ کو کہتے ہیں جس سے جوش سے پانی نکلتا ہو اس کا پانی نہ رکتا ہو اور نہ کم ہوتا ہو۔

اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ یا ہو تمہارے لئے باغ جس کے درخت اپنے پتے والی شاخوں سے زمین کو چھپا لیں۔ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ کھجوروں اور انگوروں کے درختوں سے نخیل۔ نخلۃ کی اور عنب عنبۃ کی جمع ہے۔ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ پھر تم ندی اور نہریں جاری کرو۔ خِلٰلَهَا ان باغات کے درمیان ۔

ف: القاموس میں ہے خلال الدار یعنی جو دیواروں کے اردگرد اور گھروں کے مابین واقع ہو اور خلال السحاب یعنی مخارج الماء۔

تَفْجِيْرًا ۝ کثرت کے ساتھ یعنی پیدا کرنے کے لئے لایا گیا ہے اس سے باغات کے درمیان والی نہروں کے نشانات کا اجرا مراد ہے یا ان کا دائمی اجرا مطلوب ہے جیسا کہ لفظ ف، سے مفہوم ہوتا ہے اس سے یکبارگی اجرا مراد نہیں ۔

اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا یہ کسفۃ کی جمع ہے جیسے قطعۃ کی قطع جمع آتی ہے اس کے معنی ٹکڑے کے ہیں اور یہ السماء سے حال ہے کسفا کا کاف مفتوح ہے اس لئے کہ وہ مصدر محذوف کی صفت ہے اب عبارت یوں بنے گی کہ

اسقاطا مماثلا لما زعمت ۔ اس سے ان کی مراد آسمانی چادروں کے ٹکڑے گرانا ہے ۔

أَوْ تَأْتِيَ یا آپ لائیں بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ○ قبیل بمعنے مقابل جیسے عشیر بمعنے معاشر آتا ہے اب معنے یہ ہوا کہ آپ اللہ تعالیٰ اور ملائکہ کو سامنے لا دیجئے یا قبیل بمعنے کفیل ہے یعنے ایسا ضامن لا دیجئے جو آپ کے دعویٰ کی گواہی دے اور یہ لفظ " اللہ " سے حال ہے اور " الملائکۃ " کا حال محذوف ہے اور اس کا قرینہ یہی لفظ قبیلاً ہے اور وہ محذوف بھی قبیلاً ہے۔

أَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ یا ہو تمہارا گھر سونے کا۔ اس سے ان کی مراد زیب و زینت ہے۔ ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ آپ اپنا سونے کا گھر بنائیے جس میں اپنی زندگی گزاریں اور اس فقر و تنگدستی سے نجات پائیں۔

أَوْ تَرْقٰى یا تم چڑھ جاؤ۔ فِي السَّمَآءِ تو آسمان میں یعنے اس کے معارج میں۔ یہاں مضاف محذوف ہے۔ رقی فی السلم و فی الدرجۃ از باب علم رضی کی طرح ہے بمعنے صعد اور کہا جاتا ہے۔ صعد صعوداً و صلوا

وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ اور ہم تیرے چڑھنے کی وجہ سے ہم اعتراف نہیں کریں گے۔ لام تعلیل کی ہے مگر لن نؤمن بمعنے لن نصدق کریں تو لام صلہ کی ہے۔ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا یہاں تک کہ آپ ہمارے آسمان سے ایسی کتاب اتاریں جس میں تمہاری تصدیق ہو نَّقْرَؤُهٗ تاکہ جسے ہم خود پڑھیں اور تم سے سمجھنے کی ضرورت نہ ہو۔

ف: ایسے مطالبات سے ان کا مقصد صرف عناد تھا اور بس۔ اگر وہ اس سے رہبری چاہتے تو انہیں معجزات نبوی کے دیکھنے سے ہدایت نصیب ہو جاتی۔ قُلْ تعجب کے طور پر انہیں فرمائیے جبکہ وہ سختی سے مطالبہ اور بار بار وہی سوال کر رہے ہیں اس سے مشرکین مقصود ہے۔ سُبْحَانَ رَبِّيْ میرا رب پاک ہے اس سے کہ اس پر کوئی حکم کرے یا اس کی قدرت میں اس کا کوئی شریک ہو۔ هَلْ كُنْتُ میں نہیں ہوں۔ إِلَّا بَشَرًا مگر بشر ہوں اور میں فرشتہ بھی نہیں ہوں کہ آسمان پر چڑھ جاؤں اسی طرح دوسرے مطالبات کو پورا کردوں۔ رَّسُوْلًا ○ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوں کہ اس کے پیغامات تم تک پہنچاؤں، مجھ میں دوسرے رسولوں کی طرح ذاتی طور پر ایسے اختیار نہیں جو میں تمہیں تمہارے مطالبات پورا کر دوں ہاں یہ ہے کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام بھی اپنی امتوں کے سامنے وہی ظاہر فرماتے جو ان کے حالات کے مناسب ہوتا اور نہ انہیں اور مجھے طاقت ہے کہ ہم بغیر اللہ تعالیٰ سے اجازت اور حکم دیں۔

ترکیب: بشراً۔ کنت کی خبر اور رسولاً بشراً کی صفت ہے۔

ف ۔ یہ معجزہ شق القمر کی طرح دوسری ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اور منکرین نہ مانے اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا معجزات کے ظاہر فرمائے بلکہ ان سے بھی مزید ہاں۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ جن پر باطنی ظاہری محسوسات سے معجزات کا مطالبہ کرتے ہیں ان کے ہاں ایسی بصیرت نہیں ہوتی جس سے وہ شواہد حق اور دلائل نبوت کو دیکھ سکیں اور ابواب عالم معانی کا انفتاح ولایت روحانیہ اور قوت ربانیہ سے نصیب ہوتا ہے اسی سے تزکیہ نفوس و تصفیہ قلوب و تجلیۃ الارواح حاصل ہوتا ہے اور حکمت کے چشمے ارض قلب سے بہ نکلتے ہیں تاکہ اس سے مواصلات کے باغات میں مشاہدات کی کھجوریں اور مکاشفات کے انگور پیدا ہوں۔

سبق صادق سالک پر لازم ہے کہ وہ عالم غیب تک پہنچنے کی طلب رکھے۔ اس لئے انسان کا حقیقی مطلب وہی ہے اور وہاں عروج قلب اور تواضع سے حالت تراب کی طرف رجوع کے بغیر پہنچنا ناممکن ہے۔

حکایت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے پوچھا کہ دانہ کہاں اگتا ہے۔ سب نے عرض کی زمین سے آپ نے فرمایا کہ ایسے ہی حکمت قلب سے پیدا ہوتی ہے جیسے دانہ زمین سے۔ اس میں عیسیٰ علیہ السلام نے اشارہ فرمایا کہ حکمت تواضع اور رفع تکبر سے نصیب ہوتی ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ کا ارشاد عالی ہے کہ

"بندے کے قلب کی حکمت کے چشمے زبان سے ظاہر ہوتے ہیں۔"

اور چشمے زمین سے ہی بہتے ہیں کیونکہ پانی کے چشموں کے ابلنے کی جگہ زمین ہی ہے لیکن یہ مقام ترک جاہ و جلال سے نصیب ہوتا ہے اور معرفت نفس اور اس کی عبودیت یعنی اس کا عبد ہونا اس کا دوسرا نام ہے اور قاعدہ ہے عبودیت اور ریاست یعنی جاہ و جلال ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے کیونکہ ایک ہی بندہ بادشاہ بھی ہو اور وہی رعایا بھی ہو یہ نہیں ہو سکتا اسی طرح عارف جامی قدس سرہ نے اشارہ فرمایا: ؎

با لباس فقر باید خلعت شاہی درست
زشت باشد جامہ اطلس و بخیہ پلاس

ترجمہ: فقیر کے لباس سے ہی شاہی خلعت درست ہے ورنہ وہ لباس خراب لگتا ہے جس میں اوپر اطلس ہو اور نیچے ٹاٹ ہو۔

ف: آیت میں کافروں کے مطالبات سے ان کی گستاخی اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال ادب اور تنازل فی اللہ ہونا اور ترک اعتراض قابل غور ہے۔

حکایت: جب لیلیٰ نے مجنوں کا پیالہ توڑا تھا تو مجنوں بھی دو ہی خوشی سے رقص کرتا رہا۔ لوگوں نے کہا کہ اے مجنوں! تو کس

(بقیہ صفحہ نمبر ۲۶۵)

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا ۝
اور کس بات نے لوگوں کو ایمان لانے سے روکا جب ان کے پاس ہدایت آئی مگر اسی نے کہ بولے کیا اللہ نے آدمی کو رسول بنا کر بھیجا

قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ
تم فرماؤ اگر زمین میں فرشتے ہوتے چین سے چلتے تو ان پر ہم رسول بھی فرشتہ

مَلَكًا رَسُولًا ۝ قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا
اتارتے تم فرماؤ اللہ بس ہے گواہ میرے تمہارے درمیان بیشک وہ اپنے بندوں کو جانتا دیکھتا

بَصِيرًا ۝ وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ أَوْلِيَاءَ
ہے اور جسے اللہ راہ دے وہی راہ پر ہے اور جسے گمراہ کرے تو ان کے لیے اس کے سوا کوئی

مِنْ دُونِهِ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ عُمْيًا وَبُكْمًا وَصُمًّا مَأْوَاهُمْ
حمایتی نہ پاؤ گے اور ہم انہیں قیامت کے دن ان کے منہ کے بل اٹھائیں گے اندھے اور گونگے اور بہرے

جَهَنَّمُ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنَاهُمْ سَعِيرًا ۝ ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا وَقَالُوا
ان کا ٹھکانا جہنم ہے جب کبھی بجھنے پر آئے ہم اسے اور بھڑکا دیں گے یہ ان کی سزا ہے اس پر کہ انہوں نے ہماری

أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا ۝ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ
آیتوں سے انکار کیا اور بولے کیا جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا سچ مچ نئے بن کر اٹھیں گے اور کیا وہ نہیں دیکھتے کہ

الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ
وہ اللہ جس نے آسمان اور زمین بنائے ان لوگوں کی مثل بنا سکتا ہے اور اس نے ان کے لیے

أَجَلًا لَا رَيْبَ فِيهِ فَأَبَى الظَّالِمُونَ إِلَّا كُفُورًا ۝ قُلْ لَوْ أَنْتُمْ تَمْلِكُونَ خَزَائِنَ
ایک میعاد ٹھہرا رکھی ہے جس میں کچھ شبہ نہیں تو ظالم نہیں مانتے بے ناشکری کیے تم فرماؤ اگر تم لوگ میرے رب کی رحمت

رَحْمَةِ رَبِّي إِذًا لَأَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْإِنْفَاقِ وَكَانَ الْإِنْسَانُ قَتُورًا ۝
کے خزانوں کے مالک ہوتے تو انہیں بھی روک رکھتے اس ڈر سے کہ خرچ نہ ہو جائیں اور آدمی بڑا کنجوس ہے

۲۱۲
(بقیہ گذشتہ)

سے نقصان ہے کیا تو نے اس سے یہی سمجھا ہے کہ لیلیٰ تجھ سے محبت کرتی ہے۔ مجنوں نے کہا کہ تم نے اس راز کو نہیں سمجھا [illegible] لیلیٰ نے پیالہ توڑ کر بتایا ہے کہ جب تک فنا کامل نہ ہوگی مقصد کو نہیں پاؤ گے۔ مجنوں کی یہ گفتگو قابل دید ہے کہ صوفیائے کرام نے فرمایا کہ عاشق سالک صادق اپنے مقصد کو نہیں پا سکتا جب تک کہ اسے فنا کامل نصیب نہ ہو۔

غیر او ہر نیک و بد نفی حباب ای
خلاص از ہمہ ہی باید شد زخود مجرد

ترجمہ: ہر نیک و بد کو غیر اسے جانو، تو سے تمام امور سے نفی ہونا چاہیئے ہو بلکہ خودی سے فارغ ہو جا۔

سبق: عاقل وہ ہے جو وجود کو فانی اور شعور کو حاصل لو قلب کو ما سوی اللہ کی گرد و غبار سے پاک کرتا ہے بلکہ اسے رب تعالیٰ کے ذکر کے سوا اور کسی شے سے انس ہوتا ہی نہیں۔

ف: حضرت امام غزالی قدس سرہ نے فرمایا کہ موت کے وقت انسان کے ساتھ تین صفات باقی رہتی ہیں:

① صفاء القلب یعنی قلب کا دنیا کی ہر شے سے پاک ہونا۔

② ذکر الٰہی سے انس۔

③ اللہ تعالیٰ کی محبت۔

اور قلب کی طہارت اور صفائی معرفت سے اور معرفت دائمی ذکر و فکر اور یہی تینوں صفات ہی منجیات یعنی نجات دہندگان ہیں۔

۲۶۵
(تفسیر اویسیہ ملخصاً)

تفسیر عالمانہ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اور قریش مکہ یعنی کفار کو کسی چیز نے روکا ہے۔ اَنْ یُّؤْمِنُوْٓا اس سے کہ ایمان لائیں قرآن و نبوت پر۔ اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى جب کہ ان کے پاس آ گئی ہے ہدایت یعنی نبی کے ذریعے بوقت۔ منع یا ان یومنوا کا ظرف زمانی ہے۔ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا مگر ان کا کہنا۔ اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا سے حال ہے یعنی وہ انکار کرتے ہوئے کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا رسول جنس بشر سے نہیں ہوتا۔

(یہی ہم اہلسنت بریلوی کہتے ہیں۔ مخالفین ہمارے صد بار کی تکذیب ہیں کہ اہلسنت بریلوی انبیاء علیہم السلام کی بشریت کے منکر ہیں۔ تشریح آیت قل انما انا بشر مثلکم میں آئے گی۔ ان شاء اللہ)

ف: ان کا ایمان کی دولت سے یہی مانع و حائل تھا جیسا کہ آیت میں ان کے قول سے ثابت ہوتا ہے۔

قُلْ آپ ان کے شبہ کے جواب میں فرمائیے لَّوْ كَانَ اگر پایا جاتا اور ثابت ہو جاتے فِی الْاَرْضِ زمین میں بشر کی بجائے مَلٰٓئِكَةٌ یَّمْشُوْنَ فرشتے لوگوں کی طرح وہ قدموں پر چلتے ہوئے نظر آتے وہ آسمان پر ہوتی کی

سلمہ، از اویسی غفرلہ۔

طرف نہیں اتریں گے کہ آسمان والوں سے کچھ کہہ کر اہل زمین کو پیغام الٰہی بتائیں۔ مُطْمَئِنِّيْنَ زمین کے ساکن اور اسی میں قرار پانے والے۔ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ○ سے حال ہے یعنی ہم ان پر آسمان سے فرشتہ نازل کرتے۔ رَّسُوْلًا ○ کہ انہیں دنیا و دین کے وہ ضروری امور جن کے وہ محتاج ہیں کے احکام بتائیں اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ جنس جنس کی طرف میلان رکھتی ہے اور چونکہ زمین کے مکین بشر ہیں اسی لئے لازم ہے کہ ان کے ہاں جو بھی رسول بن کر تشریف لائے وہ بشر ہو تاکہ افادہ و استفادہ ممکن ہو اور کفار اس راز سے بے خبر تھے کہ جنسیت الفت پیدا کرتی ہے اور غیر جنسیت سے نفرت۔

او بشر فرمودہ و خود را مثلکم
تا بجنس آیند و کم گردند گم
زانکہ جنسیت عجائب جاذبیست
جاذبش جنس است ہر جا طالبیست

ترجمہ: حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو بشر اور مثلکم فرمایا تاکہ جنس ہو کر لوگ آپ کے ہاں حاضر ہوں اور قربت حاصل کریں اس لئے کہ جنسیت عجیب جاذب شئے ہے اور جہاں طلب ہو تو جنس جنس کی جانب بھاگتی ہے۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ فرمائیے اللہ تعالیٰ خود [illegible] کافی ہے۔ شَهِيْدًا گواہ اس بات پر کہ میں نے تمہارے ہاں اس کے احکامات پہنچائے اور تم نے تکذیب کی اور ضد سے مخالفت کی۔ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ میرے اور تمہارے درمیان بینا نہیں فرمایا تاکہ فرق معلوم ہو اسی طرح [illegible] فرمایا تاکہ عوام اور نبی علیہ السلام کی صفت میں فرق ہو۔ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ بے شک وہ اپنے بندوں رسول اور امتی۔ خَبِيْرًا بَصِيْرًا باخبر ان کے ظاہری اور باطنی احوال کو دیکھنے والا ہے۔ تو انہیں ان کے اعمال کی جزا و سزا دے گا۔ اس میں حضور علیہ السلام کو تسلی اور کفار کو تہدید ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جاہلوں کو اسی سے انکار ہے کہ وہ انسان کامل کو ان کے ہم جنسوں کی طرف راز و نیاز سکھانے کے لئے بھیجے اور ان کا خیال ہے کہ ملائکہ بشر سے افضل ہیں حالانکہ ملائکہ ساجد

لہ یہاں بشریت محمدیہ البشر کی فضیلت کا بیان ہے ورنہ کفار کی بشریت ملائکہ سے افضل نہیں ایسے ہی حضور علیہ السلام کی بشریت کائنات سے افضل ہے۔ یہ ہے نسبت کی شان۔

اور بشر بھی تھا علاوہ ازیں بشریت ہی امورِ خلافت کی رگ ہے اگر ان امور کے اہل ملائکہ کرام ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کو بھی انسانوں کی وجہ سے ساتھ زمین پر رسول بنا کر نہیں بھیجا اس سے ثابت ہوا کہ رسالت و خلافت اور ملکیت کا اہل صرف حضرت انسان ہی۔

تفسیر عالمانہ

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ یہ جملہ کلام ہے اسے امر میں داخل نہیں کیا جائے گا اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جس کے لئے ہدایت پیدا کرے۔

ف: کاشفی نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اور جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا راہ دکھائے یعنی اس کے لئے ہدایت اور توفیق کا حکم کرے۔

فَهُوَ الْمُهْتَدِ یعنی وہی ہے ہدایت یافتہ۔ وَمَنْ يُّضْلِلْ اور جس میں اللہ تعالیٰ ہدایت پیدا کرے کیونکہ تخلیق اس کے برے اختیار کے بعد ہوتی ہے۔

ف: کاشفی نے اس کا ترجمہ لکھا کہ اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہی کا حکم فرمائے اور اسے مراتب علیا سے گرائے۔

فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ تو تم ان کے لئے ہرگز نہیں پاؤ گے۔

نکتہ: ہدایت میں صیغہ واحد اور ضلال میں صیغہ جمع میں اشارہ ہے کہ طریق حق واحد ہے اور اس پر چلنے والے بہت تھوڑے ہیں اور گمراہی میں جمع کے صیغے میں اشارہ ہے کہ گمراہی کے راستے بے شمار اور اس پر چلنے والے بھی بہت ہیں۔

اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ حمایتی و مددگار اللہ تعالیٰ کے سوا۔

ف: من دونہ منصوب بر صفت ہے اور حال ہے۔ (کذا فی بحر العلوم)

اور اولیاء جمع بضمہ ہے یعنی ایسے مددگار جو انہیں حق کا راستہ دکھائیں اور ان سے گمراہی دور کریں۔

حدیث شریف

میں صرف رسول ہوں اور ہدایت (تخلیق) میرے ہاتھ میں نہیں اگر میرے ہاتھ میں ہدایت تخلیق ہوتی تو تمام روئے زمین پر کوئی بھی گمراہ نہ ہوتا سب کے سب میرے اوپر ایمان لاتے۔

ابلیس بھی صرف گمراہی کو اچھا کر کے دکھاتا۔ اگر اس کے ہاتھ میں کچھ ہوتا تو روئے زمین پر سب کو گمراہ کر دیتا لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے ہدایت دینا چاہتا ہے تو اسے ہدایت بخشتا ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا:

مکن بچشم حقارت نگاہ بر من مست
کہ نیست معصیت و زہد بے مشیت او

ترجمہ: بچشم حقارت سے مجھ مست کو مت دیکھو اس لئے کہ معصیت و زہد اس کی مشیت کے بغیر نہیں۔

وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اور ہم انہیں اٹھائیں قیامت کے دن۔ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ان کے چہروں پر یعنی انہیں قیامت میں گھسیٹ کر پیدل لے جائیں گے اور اسے قدرت ہے کہ وہ مجرموں کو چہرے کے بل چلائے کیونکہ جب

اسی نے قدموں سے چلنے کی طاقت بخشی ہے وہ سر کے بل چلنے کی بھی قدرت بخش سکتا ہے۔ عُمْيًا یہ وجوھھم کی ضمیر یعنی نائب سے حال ہے اور عمی۔ اعمی کی جمع ہے۔ وَّبُكْمًا یہ ابکم کی جمع یعنی اخرس یعنی گونگا۔ وَّصُمًّا اصم کی جمع اور صمم (الحرکۃ) سے ہے یعنی کان کی قوت سماعت کی آفت ہو جانا یا قوت سامع کا باطل ہو جانا کہ جس سے اونچا سنا جا سکے۔

سوال: یہ آیت مندرجہ آیات کے خلاف ہے:

① سمعوا لها تغيظا وزفيرا

② ورای المجرمون النار

③ دعوا هنالك ثبورا

جواب: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ قیامت میں ایسا امر نہیں دیکھیں گے جو انہیں مسرور کرے اور ایسا کلام نہیں بولیں گے جو بارگاہ حق میں مقبول ہو اور نہ ہی ایسی کوئی بات سنیں گے جس سے وہ محظوظ ہوں اور اس سے لذت پا سکیں یہ اس کا بدلہ ہے کہ دنیا میں آیات وعبرتوں سے عبرت نہیں پکڑتے تھے اور نہ ہی حق بولتے اور نہ ہی حق کو سنتے تھے۔

ف: مقاتل نے فرمایا کہ یہ اس وقت کہا جائے گا جب انہیں حکم ہوگا: اخسئوا فيها ولا تكلمون۔ اس کے بعد تمام کفار بہرے گونگے اندھے ہو جائیں گے۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ونحشرھم الخ یعنی انہیں اندھا گونگا اس لئے اٹھایا جائے گا کہ وہ دنیا کی عیش وعشرت میں زندگی بسر کرتے رہے۔ علیٰ وجوھھم یعنی دنیا کی طرف جھکا رہا اور اس کی شہوت اور شہوات کی چیزوں پر لوٹ پوٹ رہتے تھے۔ عمیا یعنی حق سے اندھے وبکما قول حق سے گونگے۔ وصما استماع حق سے بہرے ہوں گے وہ اس لئے کہ وہ ازلی نور کے چھینٹوں سے محروم رہے تھے۔ اسی لئے فرمایا:

ومن كان في هذه اعمى الخ

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان جس حالت میں زندگی بسر کر رہا ہوتا ہے اسی حالت پر موت آئے گی اور وہ اسی حالت پر قیامت میں اٹھے گا۔

تفسیر عالمانہ مَأْوٰىهُمْ ان کا مسکن اور منزل۔ المأوی ہر وہ جگہ جہاں کوئی شے رات بسر کرنے کے لئے یا دن کو رہنے کے لئے تیار کرے۔ جَهَنَّمُ دوزخ جو مبتدا ماواھم کی خبر ہے اور جملہ كُلَّمَا خَبَتْ مستانفہ ہے۔

حل لغات: خبت النار۔ الحرب والحدۃ تخبو خبوا سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب آگ اور جنگ

www.marfat.com

وغیرہ بجھ جائے اور ان کا جوش ختم ہو جائے۔ (کذا فی المدارک)

زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا○ اور ہم ان کے لئے جلانے والی آگ بڑھا دیں گے یا اس کا معنی یہ ہے کہ جہنم کے فرشتے آگ روشن کریں گے یعنی جب آگ ان کے چمڑے اور گوشت کو کھا جائے گی تو پھر ہم ان کے چمڑے اور گوشت پیدا کریں گے تو آگ کا جوش اس سے اور بڑھ جائے گا۔

سوال: آیت كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے چمڑے صرف پک جائیں گے اور تم کہتے ہو کہ آگ ان کے چمڑوں اور گوشت کو کھا جائے گی اور وہ جل کر راکھ ہو کر ختم ہو جائیں گے؟

جواب: آیت مذکورہ میں نضجت سے مجازی معنی مراد ہے وہ یہ کہ ان کے چمڑوں اور گوشت میں آگ اثر کر جائے گی اس کے بعد چمڑے پکے رہیں یا جل کر راکھ ہو جائیں۔

ف: اس کے بعد اللہ تعالیٰ انہیں نئے سرے سے پیدا کرے گا تاکہ وہ اپنی سزا کو دیکھیں اور انہیں معلوم ہو کہ ان کا مرنے کے بعد کا انکار غلط تھا۔ اسی لئے انہیں بار بار مارنا اور اٹھانا آخرت کے ساتھ ساتھ عبرت دلانا مقصود تھا۔

چنانچہ فرمایا: ذٰلِكَ یہ جلانا اور اس کی خبر جَزَآؤُهُمْ ہے یعنی ان کی سزا بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا اس سبب سے ہے کہ انہوں نے ہماری ان آیات عقلیہ و نقلیہ سے انکار کیا جو ان کے مرنے کے بعد اٹھنے پر واضح طور پر دلالت کرتی تھیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ لوگ حرص و شہوت کی آگ میں رہیں پھر ان کے مقصد پورے ہونے پر جب شہوت و حرص کی آگ بجھ جاتی ہے تو پھر دوسرے مطالب کے حصول کے لئے ان کی خواہش اور حرص کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اگر یہ ایمان دار ہوتے تو دنیا کی حرص اور اس کے شہوات پر ٹوٹ نہ پڑتے اور نہ ہی ان آیات بینات کا انکار کرتے جن کی طرف انبیاء علیہم السلام نے ہدایت بخشی۔

مثنوی شریف میں ہے:

کوزۂ چشم حریصاں پر نشد
تا صدف قانع نشد پر در نشد

ترجمہ: حریصوں کی آنکھ کا کوزہ کبھی پر نہ ہوا۔ صدف ہی جب تک قانع نہ ہوئی اس وقت تک پر نہ ہوئی۔

تفسیر عالمانہ وَقَالُوْٓا اور جب منکرین نے بعث حشر کا انکار کرتے ہوئے کہا کہ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا کیا جب کہ ہم ہو جائیں ہڈیاں وَّرُفَاتًا اور رفات یعنی الکلام یعنی چورا چورا اور مجاہد نے فرمایا رفات یعنی مٹی۔ ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا○ یہ ہمزہ سے یعنی اپنے غیر فعل سے متعلق ہے دراصل نبعث ہے یعنی نبعث جدید اور خلقا یا حال ہے یعنی مخلوقین مستانفین۔ اس آیت کی تفسیر اسی سورۃ

میں پہلے بیان ہو چکی ہے۔

اَوَلَمْ یَرَوْا ! یا انھوں نے فکر نہیں کیا یا انھوں نے نہیں جانا کہ اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بے شک اللہ تعالٰے وہ ہے جس نے آسمان اور زمین کو مادہ کے بغیر بنایا باوجودیکہ یہ دونوں خلق اللہ تعالٰے کی سب سے بڑی مخلوق ہے۔ قَادِرٌ عَلٰٓی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ قادر ہے اوپر اس کے کہ وہ ان جیسے اور بنائے یعنی منکرین ان کے مثل ہوں یا یہ کہا جائے کہ لفظ مثل زائد ہے اور بِخَلْق سے اعادہ مراد ہے۔ اسی لئے کاشفی نے لکھا کہ لفظ مثل سے شے کی ذات مراد ہوتی ہے مثلاً کہا جاتا ہے:

مثلك لا يفعل كذا ! (تیرے جیسے ایسے نہیں کرتے یعنی تم ایسا نہیں کرتے)

وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَیْبَ فِیْهِ ط اور ان کے لئے ایک وقت مقرر فرمایا جس میں کوئی شک نہیں۔ اس کا عطف معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ یہ قَدَرُوْا کے معنے میں ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ انھیں معلوم ہے کہ وہ ذات جو آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق پر قادر ہے اور اسے یہی قدرت ہے کہ قیامت میں انھیں اٹھائے۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالٰے نے ان کے فنا کرنے کا ایک دن مقرر کیا ہے اور اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے اس وقت سے ان کی موت یا ان کے قیامت کے دن اٹھنے کا دن مراد ہے۔

فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ پس ظالموں نے انکار کیا کہ حق کے سامنے سر جھکانے سے رک گئے اور سر تسلیم خم کرنے سے وہ راضی تھے اِلَّا كُفُوْرًا ۝ سوائے اس سے انکار کرنے کے۔

قُلْ اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کافروں سے فرمائیے۔ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّیْٓ اگر تم میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے یعنی اس کے رزق کے وہ تمام خزانے جو تمام مخلوق کے لئے ہر وقت کھلے ہیں اور اَنْتُمْ مرفوع ہے بوجہ فعل کے جس کی فعل مذکور تفسیر کرتا ہے اور یہ مبتدا نہیں اس لئے کہ اَنْتُمْ ہمیشہ فعل پر داخل ہوتا ہے۔ ما حاصل عبارت یوں تھی:

و تملكون انتم تملكون۔

اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ اس وقت تم بخل کرتے یعنی اَمْسَكْتُمْ بمعنے بَخِلْتُمْ ہے اس لئے کہ بخیل کو ممسک کہا جاتا ہے اسی لئے اس کے لئے مفعول منصوب نہیں لایا گیا۔ خَشْیَةَ الْاِنْفَاقِ ط اس کے ختم ہونے کے خوف سے۔ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ۝ اور انسان فطرتاً بخیل ہے۔ قتورا۔ قتر بمعنے ضیق سے ہے یعنی انسان فطری طور پر تنگی سے بمعنی بخیل مراد ہے اس لئے کہ انسان ہر وقت ضروریات میں گھرا رہتا ہے اور اسے اپنی ضروریات پورا کرنے کا ہر وقت خیال رہتا ہے اور جو کچھ پاس ہوتا ہے اس کے عوض لپیٹے دبائے رہتا ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے بنی سلمہ قبیلے سے پوچھا کہ تمہارا سردار کون ہے؟ انھوں نے

عرض کی کہ جد بن قیس، اور ساتھ ہی شکایت کی کہ وہ بخیل ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بخل سے بڑھ کر اور کون سی بیماری ہو سکتی ہے آج کے بعد تمہارا سردار عمرو بن الجموح ہے۔

تفسیر صوفیانہ بخل اور حرص انسان کی صفات مذمومہ ہیں۔ انسان پر لازم ہے کہ اپنے آپ کو ان دونوں صفات سے پاک اور منزہ رکھے بلکہ اپنے آپ کو سخاوت اور قناعت سے آراستہ و پیراستہ کرے بلکہ اپنے طول امل (اپنے دل کی تمنائیں) دور رکھے اس لئے کہ شیطان بخیل کے ساتھ رہتا ہے اگرچہ وہ عبادت گزار ہو اور سخی سے بھاگتا ہے اگرچہ وہ فاسق ہو۔

ازالۂ وہم بعض لوگ ہر بات میں انبیاء و اولیاء کو اپنے جیسا سمجھ کر کلی حکم میں ان حضرات پر عام حکم لگا سکتے ہیں حالانکہ یہی عقل انھیں گستاخی اور بے ادبی کی طرف لے جاتی ہے۔ وہابی، دیوبندی اور ان کے ہم نوا اسی قاعدہ اور ضابطہ میں مبتلا ہیں مثلاً یہی بخل اگرچہ انسانی فطرت میں داخل ہے اس لئے کہ ہر انسان مٹی سے پیدا ہونے کی وجہ سے قبض و یبوست (بخل وغیرہ) میں مبتلا ہو لیکن اللہ والے (انبیاء و اولیاء) اس سے مستثنیٰ ہیں اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے بنے اور اس کی صفات سے متخلق اور اس کی ذات کے اسرار کے متحقق ہوتے ہیں۔

چنانچہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں کہا۔

شعر

له راحة لو ان معشار جودها

على البر كان البر اندى من البحر

ترجمہ: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی ایسی ہے کہ اگر اس کی سخاوت کا دسواں حصہ جنگل کو نصیب ہو جائے تو وہ دریا سے بھی زیادہ سخی ہے۔

ف: اس پر مزید تحقیق لینی ہو تو فقیر کی تحقیق "الشفار بجود الحبیب" کا مطالعہ کرو۔

حکایت سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی ایک شخص سے ملاقات ہوئی تو اس نے آپ کو گالی دینا شروع کر دیں۔ مصاحبوں نے سختی کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ اسے مت مارو بلکہ میرے پاس لاؤ۔ جب حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ بھائی! تم نے میری مذمت کی اس سے مجھے ناراضگی نہیں اس لئے کہ جتنا تم نے میرے عیوب گنائے ہیں اس سے کئی گنا زیادہ میرے عیوب پوشیدہ ہیں ایسا انکساری سے فرمایا، بتائیے تمہیں کیا شے چاہیے تاکہ تیری خدمت کروں۔ حضرت کی ان کریمانہ باتوں سے اس شخص کا شرمساری سے سر جھک گیا۔ آپ نے اپنا قیمتی کمبل اسے عنایت فرمایا اور فرمایا کہ اس شخص کو ہزار درہم دے دیا جائے۔ وہ شخص یہ انعام لے کر کہنے لگا کہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ اولاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

۱ـ [illegible]

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ

اور بیشک ہم نے موسیٰ کو نو روشن نشانیاں دیں تو بنی اسرائیل سے پوچھو جب وہ ان کے پاس آیا تو اس سے فرعون نے

فِرْعَوْنُ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ۝ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَاۤ اَنْزَلَ هٰۤؤُلَآءِ

کہا اے موسیٰ میرے خیال میں تو تم پر جادو ہوا کہا یقیناً تو خوب جانتا ہے کہ انہیں نہ اتارا مگر

اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ۝ فَاَرَادَ

آسمانوں اور زمین کے مالک نے دل کی آنکھیں کھولنے والیاں اور میرے گمان میں تو اے فرعون تو ضرور ہلاک

اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِیْعًا ۝ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ

ہونے والا ہے تو اس نے چاہا کہ ان کو زمین سے نکال دے تو ہم نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو سب کو ڈبو دیا اور اس کے بعد

لِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِیْفًا ۝ وَ

ہم نے بنی اسرائیل سے فرمایا اس زمین میں بسو پھر جب آخرت کا وعدہ آئے گا ہم تم سب کو گھال میل لے آئیں گے اور

بِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ۝ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ

ہم نے قرآن کو حق ہی کے ساتھ اتارا اور حق ہی کے ساتھ اترا اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر خوشی اور ڈر سناتا اور قرآن ہم نے جدا جدا کرکے اتارا کہ تم اسے

عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِیْلًا ۝ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ

لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھو اور ہم نے اسے بتدریج رہ رہ کر اتارا تم فرماؤ کہ تم لوگ اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ بیشک

الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا یُتْلٰى عَلَیْهِمْ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۝

وہ جنہیں اس کے اترنے سے پہلے علم ملا جب ان پر پڑھا جاتا ہے ٹھوڑی کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں

وَّیَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝ وَیَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ

اور کہتے ہیں پاکی ہے ہمارے رب کو بیشک ہمارے رب کا وعدہ پورا ہونا تھا اور ٹھوڑی کے بل گرتے ہیں

یَبْكُوْنَ وَیَزِیْدُهُمْ خُشُوْعًا ۝ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا

روتے ہوئے اور یہ قرآن ان کے دل کا جھکنا بڑھاتا ہے تم فرماؤ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمان کہہ کر جو کہہ کر پکارو سب اسی

فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَیْنَ ذٰلِكَ

کے اچھے نام ہیں اور اپنی نماز نہ بہت آواز سے پڑھو نہ بالکل آہستہ اور ان دونوں کے بیچ میں

سَبِیْلًا ۝ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ

راستہ چاہو اور یوں کہو سب خوبیاں اللہ کو جس نے اپنے لئے بچہ اختیار نہ فرمایا اور بادشاہی میں کوئی اس کا

فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا ۝

شریک نہیں اور کمزوری سے کوئی اس کا حمایتی نہیں اور اس کی بڑائی بولنے کو تکبیر کہہ کر

بقیہ صفحہ نمبر ۲۶۲

ف: اس سے یہ وہم نہ ہو کہ اہل بیت نبوی دنیا دار تھے بلکہ وہ فطرۃً سخی تھے۔
کسی نے کیا خوب کہا: ؎

وهم ينفقون المال في اول الغنى
ويستأنفون الصبر في آخر الفقر
اذا نزل الحي الغريب تقارعوا
عليه فلم يدر المقل من المثري

ترجمہ: وہ حضرات بہت زیادہ مال خرچ کرتے ہیں اور صبر کو ترجیح دیتے ہیں جب کسی قبیلہ میں کوئی مسافر آتا ہے تو یہی حضرات ان کی خبرگیری کرتے ہیں۔
شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

اگر گنج قارون بچنگ آوری
نماند مگر آنکہ بخشی بری
بخیل توانگر بدینار و سیم
طلسمت بالائے گنجی مقیم

ترجمہ: اگر قارون کا خزانہ تمہارے ہاتھ لگ جائے تیرے ہاں وہی رہے گا جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں لٹا دیا۔ اور بخیل کو دینار و زر کا طلسم سمجھیے جو اس پر پہرہ دے رہا ہے وہ تو سانپ کی مانند ایسے ہی ہوتی ہے کہ گویا طلسم ان کے سر پر لہرا رہا ہے جب اچانک اس کے سر کو اجل کے پتھر سے پھوڑیں گے تو اس کے خزانہ کو آرام سے لوگ باہم تقسیم کریں گے۔

۲۶۳
(تفسیر آیات صفحہ گزشتہ)

تفسیر عالمانہ

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍ اور بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو عنایت فرمائے نو معجزات۔ بَیِّنٰتٍ جو ان کی نبوت پر واضح طور پر دلالت کرتے تھے اور وہ احکام جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ان کے لئے منکشف و کامل تھے اور وہ نو معجزات یہ ہیں۔

① عصا
② ید بیضاء
③ ٹڈی
④ جوئیں
⑤ مینڈک
⑥ خون
⑦ طوفان
⑧ قحط کے سال
⑨ نقص ثمرات

فَسْـَٔلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ تو بنی اسرائیل سے سوال کیجیے یعنے ہم نے انھیں کہا کہ **اِذْ جَآءَهُمْ** جب ان کے ہاں تشریف لائیں تو اسے موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے بارے میں فرعون کو کہنا کہ وہ بنی اسرائیل کو آپ کے ساتھ جانے کی اجازت دے۔ یہاں بنی اسرائیل سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد مراد ہے۔

ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ اسے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم بنی اسرائیل یعنے ان کے علماء سے پوچھیے کہ یہ معجزات موسے علیہ السلام کے تھے یا نہیں تاکہ مشرکین کو آپ کی نبوت کی تصدیق ہو تاکہ ان کے ہاں آپ کی صداقت ظاہر ہو۔ جب کہ انھوں نے آپ سے ان معجزات کے متعلق امتحان لینا چاہا اور ان کے سوالات پر آپ نے جوابات دیے جو سوفیصد صحیح تھے۔

اور دوسرا معنے یہ ہے کہ جب موسے علیہ السلام بنی اسرائیل کے ہاں آئے تو آپ بنی اسرائیل سے سوال کیجیے کہ وہ بتائیں کہ موسے علیہ السلام اور فرعون کے مابین کیا گفتگو ہوئی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام ان کے ہاں یہ معجزات لے کر آئے۔ بنی اسرائیل سے پوچھیے کہ کیا موسیٰ علیہ السلام کی برادری نے دیکھ کر ان سے استدلال کیا یا نہ۔ اور وہ بھی اہل حق کی طرح ان پر ایمان لائے یا نہ اور اہل حق سے وہ حضرات مراد ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے امام بنائے اور وہ انھیں راہ ہدایت بتاتے اور اللہ تعالیٰ کی آیات پر یقین رکھتے۔

تفسیر عالمانہ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ

ف : الارشاد میں ہے کہ فا فصیحہ ہے یعنے موسے علیہ السلام نے ارشاد ربانی کے مطابق فرعون کے ہاں آیات بینات

ظاہر فرمائے اور پیغام الٰہی پہنچایا تو فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا۔ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰمُوْسٰی مَسْحُوْرًا ۝ بے شک میں نے تمہیں اے موسیٰ علیہ السلام جادو سے متاثر خیال کیا ہے یعنی تم پر کسی نے جادو کیا ہے اسی وجہ سے تیری عقل میں خبط ہے کیونکہ تم ایسی غیر معقول باتیں کرتے ہو جن سے واضح ہوتا ہے کہ تم پر کسی نے جادو کیا ہے۔ اسی طرح کا طعنہ کفار مکہ نے بھی حضور علیہ السلام پر مارا چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔

ان رسولکم الذی ارسل الیکم لمجنون۔

ف: ممکن ہے یہ صیغہ نسبت ہو یعنی مسحور یعنی ذی سحر۔ چنانچہ تاویلات نجمیہ میں لکھا ہے کہ فرعون اہل یقین سے تو تھا نہیں بلکہ وہ اہل گمان سے تھا۔ اسی لئے موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر اور آپ کے معجزات کو جادو تصور کیا۔

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے فرعون بے شک تو نے معلوم کیا یعنی تو نے دل سے مان لیا مگر تو زبان سے اقرار نہیں کرتا۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے فرعون! تو نے انہیں اگر عقل سے سمجھا ہوتا تو ضرور انہیں مان جاتا۔

مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ ان معجزات کو نہیں نازل کیا۔ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مگر آسمانوں اور زمینوں کا رب یعنی خالق و مربی نے۔ بَصَآئِرَ یہ الآیات سے حال ہے یعنی معجزات بالکل روشن اور واضح ہیں جو میری نبوت کی صداقت پر راہ دکھاتی ہیں لیکن تو ان کے مقابلہ میں عناد کا مظاہرہ کرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ان معجزات میں ہر معجزہ فرداً فرداً میری نبوت و رسالت پر دلالت کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو نور بصیرت و عقل سے دیکھنے کی دعوت دی اور شیخ اکبر قدس سرہ نے فرمایا کہ علم سعادت کو کھینچ کے نہیں لاتا۔ اس کا کام صرف اتنا ہے کہ جہالت کو اپنے صاحب سے دور بھگا دے پھر صاحب علم کی قسمت کہ وہ سعادت حاصل کرے کہ اس کے لئے آسانی ہے اگر سستی کرے تو نقصان ہے۔ اسی لئے مشائخ کرام نے فرمایا کہ اہل علم کو چاہئے کہ وہ اپنے علم کو اپنے لئے حجاب نہ بنائے یہی وجہ ہے کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو، ابلیس نے آدم علیہ السلام کے حال کو اور یہود نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا علم تھا لیکن بے چارے توفیق ایمان سے محروم رہے۔ اسی لئے بدبختوں کے سردار شمار ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا:

وجحدوا بها واستيقنتها انفسهم ظلما وعلوا

حضرت کمال خجندی نے فرمایا:

در علم محققان جدل نیست
از علم مراد جز عمل نیست

ترجمہ: محققین کے نزدیک علم میں جدل نہیں اور علم سے بھی عمل مراد ہے۔

اور حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا: ؎

دمی ز بے عمل در جہان علوم و بس
ولست علماہم ز علم بے عمل ست

ترجمہ: دین بے عمل سے حاصل نہیں ملال ان سے ہے جو علم کے ہوتے بے عمل ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّکَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ۝ مثبور بمعنی ہر خیر سے دور اور ہر برائی کا خوگر مثلاً کہا جاتا ہے، ما ثبرک عن ھذا یعنی تجھے اس سے کس چیز نے باز رکھا۔ یا مثبور بمعنی ہالک ہے از ثبور بمعنی ہلاک۔ اب معنے یہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے فرعون مجھے یقین ہے کہ تو ہلاک ہونے والا ہے۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے فرمایا کہ تو عقل و بصیرت کے بغیر تباہ و برباد ہونے والا ہے۔

ف: ظن دو قسم کا ہے۔

① جھوٹا
② سچا

فرعون کا گمان جھوٹا اور موسیٰ علیہ السلام کا گمان سچا تھا۔

فَاَرَادَ فرعون نے اپنے جھوٹے گمان کے نتیجہ سے ارادہ کیا کہ اَنْ یَّسْتَفِزَّھُمْ۔ الاستفزاز بمعنی الازعاج فرعون موسیٰ علیہ السلام اور اس کی قوم کو دور ہٹائے۔ مِّنَ الْاَرْضِ زمین مصر سے یا تمام روئے زمین سے قتل کر کے یا جڑ سے کاٹ کر۔ فَاَغْرَقْنٰہُ تو ہم نے فرعون کو غرق کر دیا۔ وَمَنْ مَّعَہٗ اور وہ لوگوں کو جو فرعون کے ساتھ تھے یعنی قبطیوں کو۔ جَمِیْعًا ۝ سب کو۔ اور موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کو آپ کے سچے گمان کی وجہ سے ہم نے نجات بخشی۔

ف: اس ارشاد میں ہے کہ ہم نے فرعون کی تدبیر کو الٹ دیا اور اس کی قوم کو غرق کر کے سب کی جڑ کاٹ دی۔

وَقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِہٖ اور فرعون اور اس کی قوم کو غرق کرنے کے بعد ہم نے کہا لِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ یعقوب علیہ السلام کی اولاد کو۔ اسْکُنُوا الْاَرْضَ ٹھہرو اس زمین میں جس سے تمہارے نکالنے کا فرعون نے منصوبہ بنایا تھا یعنی مصر کے علاقہ میں۔ اطلاق کرنی اور زمین مصر کی زمین اس وقت مراد ہو سکتی ہے جب ثابت ہو جائے کہ بنی اسرائیل دوبارہ مصر میں واپس لوٹ آئے تھے۔ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَۃِ آخرت کے وعدہ کا وقت آئے گا یعنی قیامت

قائم ہوگی یَوْمَئِذٍ بکھر کر تم تقسیم اور منتشر حشر گاہ میں لائے جاؤ گے۔ یَّصَّدَّعُوْنَ ○ جماعت علیحدہ علیحدہ ہو کر تم تقسیم گروہوں میں بٹے ہوئے ہوں گے پھر ہم حکم کریں گے کہ نیک بخت علیحدہ ہو جائیں اور بدبخت علیحدہ۔

ف: متفرق یعنی، مختلف قبیلے اور مختلف جماعتیں ہو کر بعض سے بعض کو الگ ہونا ہے۔

القاموس میں ہے کہ صدعا بمعنی متفرقا یعنی دائیں بائیں تمہیں جیسے کہ مختلف قبیلوں میں علیحدہ ہم تمہیں لائیں گے۔

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ کفار مومنین کو چھٹ جائیں گے تاکہ ان کی بھی نجات ہو سکے۔ وامتازوا الیوم ایھا المجرمون کے خطاب کی وجہ سے ان کا چھانٹا جانا ثابت ہوگا بلکہ حکم ہوگا۔

فریق فی الجنۃ وفریق فی السعیر۔

صاحب روح البیان کا بیان

فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ کفار کا اہل ایمان کو ظاہری طور پر چھٹنا اور صورتوں کے ساتھ ملنا قائم کرنا اس لئے مفید نہ ہوگا کہ ان کے آپس کے اعتقادات اور اعمال صالحہ میں بہت بڑا فرق ہوگا ان کی مثال اس کشتی کی سی ہے جو دریا کی موج کے درمیان دریا میں ٹوٹ جائے آخر تیراک تیراکی کا سہارا لے لیکن وہ بد اخیر تیراک کو اس سے فائدہ نہ دے گا کہ جب دریا کی طغیانی سے تیراک کو خطرہ ہے تو پھر یہ تیراک کیسے پار لگ سکے گا۔

شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا: ؎

در آبے کہ پیدا نشد کنار
غرور شناور نیاید بکار

ترجمہ: جس دریا کے پانی کا کنارہ ہی نہ ہو اس سے تیراک کو عبور کرنے کا کیا فائدہ۔

حدیث شریف

جس کے اعمال صالحہ نہ ہوں اسے نسب نہ دے گا یعنی جس کے برے اعمال بہت زیادہ ہوں تو اسے دنیا کے شریف خاندان میں پیدا ہونا کوئی فائدہ نہ دے گا۔ اس کی مثال یوں ہے کہ شاخ کی ٹہنی جب سوکھ جاتی ہے تو اسے درخت سے کاٹ دیتا ہے اگرچہ وہ ٹہنی اسی درخت کی ہے لیکن چونکہ خشک ہو گئی ہے اس لئے اسے درخت سے جدا کر دیا۔ ایسے ہی شریف خاندان سے تعلق رکھنے والا بندہ اعمال صالحہ نہ ہونے کی وجہ سے خاندان سے کٹ جاتا ہے۔

[اس سے ہمارے دور کے بے عمل گدی نشین یا پیرزادے اور مولوی زادے سوچیں کہ کیا وہ اپنی بدعملی سے سوکھی ٹہنی کی طرح تو نہیں۔ اگر ہیں تو پھر کیوں موت سے پہلے اپنے متعلق سوچتے نہیں۔ اور ہمارے عوام اپنے عقائد میں غلطی پر ہیں کہ بے عمل پیرزادہ جات جب سوکھی ٹہنی کی طرح اپنے مشائخ کے خاندان سے کٹ کر جہنم کا ایندھن بنیں گے تو پھر تمہارا کیا حشر ہوگا جب کہ تم ان کے دامن میں لپٹ کر انہیں اپنا رہبر اور مرشد مانا ہوا ہے۔

شیخ سعدی قدس سرہ نے یہ فرمایا: ؎

آں خود گم است کرا رہبری کند [لہ]

سبق : اس ثابت ہوا کہ نسب کی بجائے نسبت تقویٰ فائدہ دے گی۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"ہر پرہیزگار اور پاک عمل والا میری آل ہے۔"

فائدہ : جس کے اعمال اور عقائد صحیح نہ ہوں وہ حضور علیہ السلام سے کوئی تعلق نہیں رکھتا اگرچہ آپ کے خاندان کا ہو جیسے ابولہب وغیرہ باوجودیکہ وہ حضور علیہ السلام کا چچا تھا لیکن جہنم میں گیا اس سے ہمارے عوام کو جواب مل گیا کہ حضور علیہ السلام کے خاندان کے لوگ شیعہ، وہابی ہوتے ہیں تو ان کا کیا بنے گا۔ اس کا جواب اوپر گذرا۔ اور فقیر اویسی غفرلہٗ کہتا ہے کہ ایسے لوگ واقعی صحیح النسب نہیں ہوتے، بوجہ دراز گذر جانے پر عوام میں وہ خاندان نبوت میں مشہور ہوتے ہیں۔ اگر کسی کا واقعی خاندان نبوت سے تعلق ہے تو پھر اس کے ابتدائی زمانہ سے بد مذہبی یعنی نطفہ میں خلل ہوتی یعنی والد گرامی نے جماع بے جا کیا جس کا وہ خود خلل اس کے نتیجہ ہوگا اور وہ نطفہ پلید ٹھہرا تو بد مذہب اولاد پیدا ہوتی یا اس کے بدمذہب ہونے کا سبب اس کی گستاخی نبوت ہوگی یا کسی ولی اللہ کی بے ادبی [ٹہ]۔

اس قسم کے خاندانی بے عمل پیر فقیر اور بدمذہب لوگ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم اور دوسرے بزرگانِ دین سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھتے۔ اگرچہ وہ دن میں کروڑوں بار اپنے دعوے پر کروڑوں دلائل پیش کریں اور اپنے خاندان کے فخر کی تسبیح پڑھتے رہیں۔

سبق : افسوس کہ اس طرح کے غلط اصول کے باوجود پھر بھی عوام ایسے بے عمل پیروں کو خدا رسیدہ مانتے ہیں بلکہ جلسہ و شادی میں ان میں شامل ہو کر اپنا اور عوام کا بیڑہ غرق کرتے ہیں۔

وہابی بے وسیلہ کا رد

وہابی ہمیشہ وسیلہ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو کچھ نہیں سمجھتے۔ فقیر اسماعیل حقی لکھتا ہے کہ چند بعض بزرگوں کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ کے بغیر کچھ دینا چاہا تو انہوں نے اس عطیہ سے انکار کر دیا کہ یہ عطیہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ کے بغیر ہے۔

سبق : اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت بغیر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ کے بغیر مانگنی بے ادبی ہے اور معلوم ہوا کہ آپ کی شریعت محک (کسوٹی) ہے جیسے اس سے عطیات الٰہی کو پرکھی جاتی ہے۔ اگر شریعت کے موافق ہو تو سمجھا جائے کہ وہ واقعی منجانب اللہ ہیں ورنہ وہ منجانب شیطان و نفس ہے جو لباس حق میں ملبوس ہو کر سامنے حاصل ہوا ہے۔

[لہ] : اضافہ از فقیر اویسی غفرلہٗ۔

[ٹہ] : ایضاً

اسی لئے حق و باطل کی تمیز ضروری ہے اور یہ مطالبہ بہت زیادہ سخت ہے۔ اسی مقام سے عیب دوست ثابت قدمی وقار شرعی پر التزام کرنا چاہئے کہیں تمہیں دشمن دھوکا نہ دے تاکہ تباہی و بربادی نہ ہو۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

در راہِ عشق وسوسہ اہرمن بسیست
ہش دار و گوش دل بپیام سروش کن

ترجمہ عشق کے راستہ میں شیطان کا وسوسہ نقصان نہیں دیتا ہوش کر کے دل کے کان غیبی فرشتہ کی طرف متوجہ کر دے وہی نجات دہندہ اور توفیق بخشنے والا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ اور ہم نے قرآن مجید کو نازل کیا اور اتارا کیا وہ حق کے ساتھ متلبس ہے اور وہ جو حق اس کے انزال کا مقتضی ہے اور وہ بھی حق سے متلبس ہو کر نازل ہوا ہے اور اس سے حق مقصود ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ حق دو جگہ واقع ہوا ہے اور وہ ایک دوسرے کے مغایر ہے۔ اس سے وہ سوال اٹھ گیا کہ یہاں پر دوسرا پہلے کی کس طرح تاکید کر سکتا ہے۔

شانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کاشفی نے کہا ہے کہ تبیان میں وارد ہے کہ آیت میں با بمعنی علیٰ اور حق سے محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ اب عبارت یوں ہوگی وبالحق انزلناہ وعلےٰ محمد نزل۔

حکایت باغیرت ولی اور سر درد کا وظیفہ مدارک میں ہے کہ احمد بن ابی الحواری نے فرمایا کہ محمد بن سماک بیمار ہوئے تو ان کا قارورہ ایک ہندو طبیب کے ہاں لے گئے تاکہ قارورہ دیکھ کر اس کا علاج کر سکے۔

احمد بن ابی الحواری فرماتے ہیں کہ ہمیں ایک نیک انسان ملا جس سے بو خوشبو مہکتی تھی اور بہترین پوشاک پہنے ہوئے تھا اس نے فرمایا کہ کہاں جا رہے ہو؟ ہم نے صورت حال بتائی تو انہوں نے فرمایا کہ سبحان اللہ! تم عجیب لوگ ہو کہ ولی اللہ کا علاج اللہ کے دشمن سے کراتے ہو۔ واپس جاؤ اور ابن سماک کو کہو کہ اپنا ہاتھ درد کی جگہ پر رکھ کر پڑھو۔

وبالحق انزلناہ وبالحق نزل۔

وہ بزرگ فرما کر چلے گئے اور آنکھوں سے غائب ہو گئے۔ ہم نے واپس پہنچ کر شیخ محمد بن سماک کو عرض کر دیا تو شیخ نے اپنا ہاتھ درد کی جگہ پر رکھ کر مذکورہ بالا کلمات پڑھے اور انہیں فوراً آرام ہو گیا۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ یہ وظیفہ بتانے والے حضرت خضر علیہ السلام تھے اور طبیب ابن اثال کی کارروائیاں باطل تھیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قرآن مجید کا نازل ہونا باطل سے نہیں بلکہ حق کے ساتھ تعلق ہے وہ اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ارواح مقدسہ کو احسن تقویم میں پیدا فرمایا پھر اسے لفظ کن سے نوازا تو اسے اسفل سافلین کی طرف بھیجا یعنی اسے انسانی ڈھانچہ میں بند کر دیا اس کے بعد روح اعلیٰ علیین کی طرف جانے کا محتاج ہوا یعنی اسے وصال حق کی طلب ہوئی تو اسے ایک رسی عطا ہوئی جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچ جائے۔ اور وہ رسی قرآن مجید ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

واعتصموا بحبل الله جميعا۔

وبالحق نزل اور حق کے ساتھ نازل کیا تاکہ اہل شقاوت کو اسی قرآن مجید کے ذریعے گمراہ کرے اور انکار وجحود واشقا ہے سے انہیں اعتصام حق سے محروم رکھے اور اسے اسفل یعنی قالب جسم میں باقی رکھے یہی اس کی حکمت ہے اور اس قرآن سے اہل سعادت کو قرآن مجید کے احکام قبول کرنے اور اس پر ایمان لانے اور اس کے ساتھ مستقیم ہونے کی ہدایت بخشے اور اسے اپنے اخلاق سے متخلق کر کے اپنی طرف پہنچنے اور کمال قرب کی توفیق بخشے۔ چنانچہ فرمایا: واعتصموا بالله هو مولكم۔

تفسیر عالمانہ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر خوشخبری دینے والا اور اہل الطاعت کو ڈرانے والا عذاب سے اہل عصیان کو آپ کا کام صرف بشارت و انذارت ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ مبشراً اہل سعادت وصول سعادت کو خوشخبری دینے والے ہیں کہ اگر وہ قرآن سے تمسک پکڑیں تو واصل باللہ اور عارف باللہ ہو سکتے ہیں۔ ونذیراً اور اہل شقاوت کو بعد و ہجران اور جہنم کے سے ڈرانے والے ہیں اور انہیں بتائیں گے کہ اگر قرآن مجید سے تمسک نہیں پکڑو گے اور اس کی رسی سے دور ہو گے تو تمہارا حشر برباد ہو گا۔

ف: واسطی قدس سرہ نے فرمایا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسے مژدہ بہار سناتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے روگردانی کرے اور اسے حق سے ڈراتے ہیں تو توجہ الی اللہ ہوتا ہے اور روگردانی کرنے والے کو خوشخبری اس لئے سناتے ہیں تاکہ اسے اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت کا علم ہو گا تو پھر رحمت حق سے امید رکھ کے اس کی طرف توجہ کرے گا۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا: ؎

حافظا رحمت او بہر گنہگاران ست
ناامیدی مکن اے دوست اگر عاشق باشی

ترجمہ: اے حافظ! رحمت حق گنہگاروں کے لئے ہے اور اے دوست! اس کی رحمت سے ناامید نہ ہو کہ عاشق ہو گا

اور نیکیوں کو اڑاتے اس لئے ہیں تاکہ حضرت حق سبحانہ کے جلال کی ہیبت سے اپنے اعمال پر اعتماد نہ کریں۔

ـــ

زاہد غرور داشت سلامت نبرد راہ
رند از رہ نیاز بدار السلام رفت

ترجمہ: زاہد غرور میں رہا اس لئے سلامتی سے راہ طے نہ کر سکا رند نیاز کر کے بہشت میں چلا گیا۔

تفسیر عالمانہ وَقُرْاٰنًا فعل مقدر سے منصوب ہے جس کی تفسیر فَرَقْنٰهُ کرتا ہے یعنی اور ہم نے قرآن مجید کو متفرق یعنی آیت آیت اور سورت سورت کر کے اتارا ہے۔ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ تاکہ لوگوں کے سامنے آپ وقفوں کے ساتھ پڑھیں اس لئے کہ اس طرح سے قرآن مجید کو یاد کرنا آسان ہوتا ہے اور سمجھنے میں بھی سہولت ہوتی ہے۔ وَنَزَّلْنٰهُ اور اسے تئیس سال کی مدت میں نازل کیا۔ تَنْزِيْلًا ۝ جیسا کہ حکمت کا تقاضا تھا یعنی اسے حوادث کے مطابق اور سائلین کے جواب کے موافق اتارا گیا۔

قُلْ اے محبوب یعنی صلی اللہ علیہ وسلم کافروں کو فرمائیے کہ اٰمِنُوْا بِهٖٓ قرآن مجید پر ایمان لاؤ۔ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا یا ایمان نہ لاؤ، قرآن مجید کی شان و عظمت میں کسی قسم کا فرق نہیں پڑتا۔ اس لئے کہ نہ تمہارا ایمان لانا قرآن مجید کے کمال میں اضافہ کرے گا اور نہ ہی تمہارا انکار کرنا اسے نقصان پہنچا سکتا ہے۔

ـــ

حاجت مشاطہ نیست روئے دلآرام را

یہ امر تہدیدی ہے (کذا فی تفسیر الکاشفی)

اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ بے شک وہ لوگ جو آپ سے پہلے اہل علم تھے یعنی وہ علماء اہل کتاب جو آپ کی تشریف آوری سے پہلے آسمانی کتابیں پڑھتے اور حقیقت وحی کے معارف اور نبوت کی علامات سے واقف تھے اور انہیں حق و باطل میں امتیاز کرنے پر قدرت حاصل تھی اور یہ سمجھتے تھے کہ ان میں اہل حق کون تھے اور اہل باطل کون جیسے یہود میں حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے تابعین، نصاریٰ میں نجاشی اور ان کے ساتھی۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ جب ان کے سامنے قرآن مجید پڑھا جاتا ہے۔ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ ٹھوڑی کے بل گرتے ہیں یعنی چہروں پر گر پڑتے ہیں۔ اس تقدیر پر لام بمعنی علی اور الاذقان بمعنی وجوہ یعنی چہرے ہے جیسا کہ علم معانی کا قاعدہ ہے کہ جز بول کر کل مراد لیا جاتا ہے۔ سُجَّدًا ۝ درانحالیکہ وہ امر الٰہی کی تعظیم کی خاطر سجدہ کرنے والے ہوتے ہیں۔ المعنی یہ اولاً تو متواضع تعظیم کا معنی نکلتا ہے یا اس کی تعلیل ہے یعنی اس قرآن کو تمہارے ایمان لانے یا نہ لانے کی اس لئے پرواہ نہیں کہ اس کو تو ہستی بلکہ کل کائنات سے بہتر اور افضل شخصیت حضرت

ومصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم یہاں پہنچ چکے ہیں ۔

ف : قاضی بیضاوی نے لکھا ہے کہ ذقن کی خصوصیت سے اس لئے ذکر فرمایا کہ سجدہ کرتے وقت زمین کو قریب تر یہی ہوتی ہے لام خرور کے معنے میں اختصاص پیدا کرنے کے لئے واقع ہوتی ہے ۔

قاضی بیضاوی کے قول پر اعتراض اور اس کے جوابات

سعدی المفتی نے اپنے حاشیہ میں لکھا ہے کہ قاضی بیضاوی کا یہ کہنا کہ سجدہ کرنے کے وقت ٹھوڑی زمین کے قریب تر ہوتی ہے یہ حقیقت کے خلاف ہے اس لئے کہ سجدہ کے وقت زمین کو ناک اور پیشانی قریب تر ہوتے ہیں۔ ہاں اگر اس کی توجیہہ یوں کی جائے کہ ان کے سجدے ہمارے سجدوں کے برعکس ہوتے ہیں تو قاضی بیضاوی کا قول صحیح تھا ۔

فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ قاضی بیضاوی نے جو کچھ فرمایا ہے وہ حق ہے۔ اس کا معنی ہے کہ سجدہ کرنے کے لئے جھکتے وقت واقعی ٹھوڑی زمین کو قریب تر ہوتی ہے مثلاً سجدہ کو جاتے ہوئے پہلے گھٹنوں کو پھر دونوں ہاتھوں کو اور پھر سر کو جھکایا جاتا ہے اور سر کو جھکاتے وقت زمین کو قریب تر ٹھوڑی اور اس کے قریب تر سر ہوتا ہے ۔

[صاحب روح البیان قدس سرہ نے یہ تقریر اس کے سمجھنے کے متعلق لفظ فہم سے تعبیر فرمائی ہے]

وَيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اور وہ لوگ اپنے سجدے میں کہتے ہیں کہ ہمارا رب تعالیٰ پاک ہے ان افعال سے جن کا کفار ارتکاب اور تکذیب کرتے ہیں یا پاک ہے اس سے کہ جو اس نے وعدہ کیا اس کے خلاف کرے مثلاً کتب سابقہ میں لکھا تھا کہ حضرت محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے اور آپ پر قرآن نازل ہوگا ۔ اِنْ كَانَ وَعْدُ لَمَفْعُوْلًا ○ بے شک شان یہ ہے کہ ہمارے رب تعالیٰ کا وعدہ ضرور واقع ہوگا کیونکہ وعدہ خلافی نقص ہے اور اللہ تعالیٰ ہر نقص وعیب سے پاک و منزہ ہے اور وہ اس پر محال ہی ہے ۔

ف : فقیر (حقی) کہتا ہے کہ اس سے آخرت کا وعدہ مراد ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے قصہ سے معلوم ہوتا ہے اور اس سے قبل قریش کے انکار بعث ونشر سے بھی واضح ہوتا ہے ۔ (واللہ اعلم)

وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ اور وہ ٹھوڑیوں کے بل گر کر خوف الٰہی سے روتے ہیں۔

سوال : یخرون کا تکرار کیوں ؟

جواب : دونوں کے اسباب مختلف ہیں مثلاً خرور تعظیم امر الٰہی کی وجہ سے ہے اور دوسرا قرآن مجید کے مواعظ کا قلب پر اثر کی وجہ سے اور قاعدہ ہے کہ سبب مختلف ہو تو تکرار الفاظ موجب کراہت نہیں رہتا ۔

حدیث شریف : حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گریہ کرو اور گڑگڑاؤ اس لئے کہ آسمان اور زمین اور سورج اور چاند اور ستارے خوف الٰہی سے روتے اور گڑگڑاتے ہیں۔

وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ○ اور قرآن ان کے خشوع کو بڑھاتا ہے جیسے جیسے وہ سننے کے بعد ان کے علم اور

یقین یا شدید میں اضافہ ہوتا ہے ایسے ہی ان کے خشوع میں بھی اور خشوع بمعنی عاجزی و تضرع ۔

تواضع و سجود دراصل ارواح کی شان ہے اور بکاء و خشوع اجساد کا کام ہے اور ارواح کو اجساد میں اسی لئے پیدا کیا گیا تاکہ ارواح اجساد کو ایسے منافع فی الصورۃ حاصل ہوں ۔

سجدہ علماء اور اس کا نکتہ صوفیانہ کاشفی نے کہا ہے کہ قرآنی سجدات میں سے یہ چوتھا سجدہ ہے اور حضرت شیخ قدس سرہ نے اسے سجود علماء کے نام سے موسوم فرمایا ہے اور کہا ہے کہ سجدہ جلوہ گاہ حق ہے اسی لئے کہ خشوع تجلی سے پیدا ہوتا ہے اور وہ تجلی صرف ظاہر پر ہوتی ہے یا ظاہر پر بھی اور باطن پر بھی پھر اس میں خیر و بی ہے اسی سے ان کے خشوع میں اضافہ ہوتا ہے اور خشوع تجلی الٰہی کے بغیر نہیں ہوتا تو پھر خشوع کا اضافہ تجلی حق کی زیادتی کی وجہ سے ہے ۔ اس تحقیق پر یہ سجدہ تجلی حق کا ثابت ہوا اسی لئے لازم ہے کہ سجدہ کرتے وقت اس سجدہ کے برکات سے تجلی کے فیض سے بہرہ ور ہو اور اس کے خشوع میں اضافہ ہو اسی لئے کہ قاعدہ ہے جس کو تجلی حق زیادتی ہوتی ہے اسے خشوع نصیب ہوتا ہے ۔ ؎

لمعہ از تجلی از قدم
بر حدوث افتد فرو بندیم
پس خشوع ایں جا نشان ہستی است
وز بلندی موجب ایں پستی است

ترجمہ: قدم کے انوار کی تجلی کا ایک حصہ حدوث پر پڑتی ہے تو حدوث کو عاجزی نصیب ہوتی ہے اور یہاں پستی سے خاکساری مراد ہے اس لئے کہ جو بھی بلندی کا خواہاں ہوتا ہے اسے پستی نصیب ہوتی ہے ۔

سبق انسان پر لازم ہے کہ اپنے وجود کو ذات حق کے راہ میں قربان کر کے اسے فانی فی اللہ بنا دے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے تجلیات صرف اہل فنا کو نصیب ہوتے ہیں اور یہ فنا ہی تجلی حق ہے جیسا کہ خود معلوم ہوتا ہے ۔

مثنوی شریف میں ہے ۔ ؎

چوں تجلی کرد اوصاف قدیم
پس بسوزد وصف حادث را گلیم

ترجمہ: اوصاف قدیم کے تجلیات پڑتے ہیں تو حدوث اپنے اوصاف کو جلا کر راکھ بنا دیتی ہے ۔

تفسیر عالمانہ

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ

شانِ نزول : یہودیوں نے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ بار بار رحمٰن کا ذکر فرماتے ہیں حالانکہ توراۃ میں لفظ "اللہ" کا ذکر بکثرت ہے ان کے سوال پر یہی آیت نازل ہوئی ۔

ف : یہاں پر دعا سے نام لینا مراد ہے ۔ دعا کے معنے میں لیں اور اللہ اور رحمٰن سے بھی اسماء مراد ہیں مسمّی مراد نہیں او تخییر کے لئے ہے مقصد یہ کہ حسن اطلاق اور تعظیم کے لحاظ سے یہ دونوں برابر ہیں مطلب یہ ہے کہ اس نام سے اللہ تعالیٰ کو موسوم کرو یا اس نام سے اسے اللہ کا نام لے کر پکارو یا رحمٰن کا نام لے کر ۔

اَیًّا مَّا تَدْعُوْا جس نام سے بھی اسے پکارو اسی سے یہی حق کا پکارنا ثابت ہوگا ۔ لفظ ما ای کے ابہام کے معنے کی تاکید کے لئے ہے یعنے اے لوگو ! ان دونوں اسموں سے جس اسم مبارک سے اللہ تعالیٰ کو موسوم یا یاد کرو ۔ **فَلَهُ** تو حق کے لئے ہے کیونکہ وہ ذات ان دونوں اسماء سے موصوف ہے اسے کسی ایک اسم سے موسوم نہیں کیا جاتا ۔ **الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى** اسماء اچھے ہیں یعنے اس کے جمیع اسماء حسن ہیں ۔ اس سے ثابت ہوا کہ اسے ان دونوں اسماء سے موسوم کرنا بھی حسن ہے اور الحسنیٰ احسن کی تانیث ہے اس لئے کہ اسماء مؤنث کے حکم میں ہے مثلاً کہا جاتا ہے ۔ الجماعۃ الحسنیٰ اور اس کے جمیع اسماء حسن اس لئے ہیں کہ اس کے جملہ اسماء جلال و جمال پر دلالت ہیں ۔

ف : بحر العلوم میں کہا ہے کہ اس کے اسماء حسنیٰ اس معنے پر ہیں کہ ہر ایک میں تقدیس و تمجید و تعظیم و ربوبیت کے معانی مستقل ہیں اور اس کے افعال بھی حسن میں یکتا ہیں ۔

دوسرا شانِ نزول بعض نے فرمایا کہ جب مشرکین نے سنا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کسی وقت یا اللہ کہتے ہیں کسی وقت یا رحمٰن پکارتے ہیں تو کہا کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ دو معبودوں کی پرستش نہ کرو اور خود دو معبودوں کو پکارتے ہیں اس پر یہی آیت نازل ہوئی ۔

ف : ان اسماء کے نعوت الاحدۃ کا معنے یہ ہے کہ ان دونوں کو ایک ہی طرح علی طریق السویہ اطلاق کیا جاسکتا ہے ورنہ معنے کے لحاظ سے تو ہر دونوں ایک دوسرے سے مختلف ہیں یعنے اطلاق و توحید کے اعتبار سے وہی ایک ذات ہے کہ جس کی پرستش اور عبادت کی جاتی ہے او لفظ او اباحت کے لئے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان ہر دونوں لفظوں کا ایک جا جمع کرنا جائز ہے اس لئے یہاں او تخییر نہ ہوگا ۔ (واللہ اعلم)

ف : مولانا قاری محمد اشرف البازی نے فرمایا کہ اسم اللہ میں اختصاص وضعی و استعمالی ہے اور اسم الرحمٰن میں اختصاص استعمالی ہے

سوال : اختصاص استعمالی تو پھر اہل یمامہ مسیلمۃ الکذاب کو رحمٰن الیمامہ نہ کہتے ۔

جواب : یہ ان کے تعنت و سرکشی بہت تھا وہ اگر اسے اللہ سے موسوم کرتے تو انہیں پوچھا ۔

ف : امام سہیلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مسیلمہ بہت پرانا آدمی تھا اور قدیم الایام سے ہی دین حق کا مخالف تھا اسی مخالفت کی وجہ سے اپنے آپ کو رحمٰن کہلاتا اور بعض نے کہا ہے کہ حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی حضرت عبداللہ

رضی اللہ عنہ کی وفات سے پہلے دشمن کے نام سے اسی مسیلمۃ الکذاب کو پکارا جاتا تھا۔ اس نے طویل عمر پائی یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حضرت وحشی نے اسے مار ڈالا۔

گستاخیٔ الٰہی کی سزا ایک سرکش بادشاہ نے اپنا نام اللہ رکھا تو فوراً اس کی دبر کی طرف سے پیٹ کا اندر کا تمام حصہ باہر آ گیا اسی وجہ سے وہ اسی وقت مر گیا۔ اس سے نتیجہ نکلا کہ ذات حق کا ذاتی نام جو اللہ ہے اس کے اور کسی کے لائق نہیں اور نہ ہی اس کے نام کا کوئی شریک ہو سکتا ہے جیسا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا هل تعلم له سميا۔ سمی بمعنے مشارک فی اسمہ کیا اس کا ہم نام شریک کوئی تمہیں معلوم ہے۔

نکتہ: یہی وجہ ہے کہ فرعون مصر قبطیوں کو "انا ربکم الاعلیٰ" کہتا رہا لیکن اسے انا اللہ کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔

صوفیانہ نکتہ: اللہ تعالیٰ کے جمیع اسماء اسم رحمٰن سے استمداد کرتے ہیں اور یہ اسم خاتم النبوت اور شفاعت عامہ کا مظہر ہے بلکہ اسماء کی اس پر انتہا ہوتی ہے۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ بعض اسماء کے مراتب میں عبادت کی کمی نہ کرے تاکہ اسے حق تک پہنچنے کا شرف نصیب ہو اور وہ جمیع اسماء کو جمع کرکے تمام لوگوں سے اعلیٰ و بالا ہو۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

دست بر بالائے دست ایں تا کجا
تا بیزداں کہ الیہ المنتہیٰ
کاں یکے دریاست بے غور و کراں
جملہ دریاہا چو سیلے پیش آں

ترجمہ: ہاتھ پر ہاتھ ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچا پھر وہ بے کنار دریا ہے اور تمام دریا اس کے سامنے ایک قطرہ سے بھی کم ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ آپ علیہ السلام اپنی نماز کی قراءت اتنا جہر سے نہ کیجئے کہ مشرکین آپ کی آواز سن پائیں اس لئے کہ جب وہ آپ کی تلاوت قرآن سنتے ہیں تو وہ قرآن اور اس کے نازل کرنے والے اور لانے والے کو گالی بکتے ہیں اور قرآن پاک کے متعلق خرافات بکتے ہیں۔

ف: یہاں مضاف محذوف ہے اس لئے کہ جہر اور مخافت قول نہیں صفتیں ہیں جو آواز کے ساتھ ہی مستعمل ہوتے ہیں اور نماز افعال و اذکار کا نام ہے یا کل بول کر جزو مراد لیا گیا ہے۔

وَلَا تُخَافِتْ بِهَا اور نماز کی قراءت کو اتنا بھی آہستہ نہ پڑھئے کہ آپ کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کو بھی سنائی ہی نہ دے یعنی قراءت نماز کو آہستہ آواز میں پڑھئے۔ وَابْتَغِ طلب کیجئے۔ بَيْنَ ذَٰلِكَ جہر و مخافت کے

درمیان میں جیسا کہ اوپر بیان کیا۔ سَبِیْلًا ۝ درمیانہ راستہ اس لئے کہ امور میں سے بہتر متوسط امر ہے۔ اور اسے سبیل سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ توجہ کرنے والے اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اقتدا کرنے والے اس کی طرف قصد کرتے ہیں تو اپنے مقصود و مطلوب کو پالیتے ہیں

حدیث شریف مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے نماز میں آہستہ قرات پڑھی۔ آپ سے وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ میں رب تعالٰی کی مناجات کرتا ہوں اور وہ میری ضرورت کو جانتا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ آپ سے وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ شیطان کو بھگاتا ہوں اور غافلوں کو جگاتا ہوں۔ جب یہی آیت نازل ہوئی تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھوڑا سا اونچا پڑھا کرو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تھوڑا سا آہستہ پڑھا کرو۔

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا اور فرمائیے کہ ہر تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے اپنے لئے اولاد نہیں بنائی اس لئے کہ اولاد کی ضرورت اسے ہوتی ہے جو حاجت مند ہوتا ہے اور اللہ تعالٰی حاجت سے پاک اور منزہ ہے اس میں یہود و نصاریٰ اور قبیلہ بنی ملیح کا رد ہے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ عزیر علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالٰی کے بیٹے اور ملائکہ اللہ تعالٰی کی لڑکیاں ہیں (معاذ اللہ)۔

وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ اور ملک میں اس کا کوئی شریک نہیں یعنی الوہیت میں وہ واحد لا شریک ہے اس لئے کہ تمام عالم اس کے بندے ہیں اور غلام اپنے آقا کا کسی معاملہ میں شریک نہیں ہو سکتا۔ اس میں ثنویہ کا رد ہے جو دو معبودوں کے قائل ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے :-

واحد اندر ملک او را یار نے
بندگانش را جز او سالار نے
نیست خلقش را دگر کس مالکے
شرکتش دعویٰ کند جز ہالکے

ترجمہ : وہ اپنے ملک میں واحد ہے اس کا کوئی مددگار نہیں اس کے بندوں کا آقا بھی سوائے اس کے اور کوئی نہیں۔ اس کی مخلوق کا کوئی اور مالک نہیں جو اس کے ساتھ شریک ہونے کا دعویٰ کرے اسے سوائے ہلاکت کے کچھ نصیب نہ ہوگا۔

وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ اور ذلت کی وجہ سے اس کا کوئی مددگار نہیں یعنی نہ اسے کوئی ذلت و کمزوری ہے اور نہ ہی اس کی اس ذلت کے دفع کرنے کا کوئی مددگار ہے یعنی نہ اسے کمزوری لاحق ہوتی ہے نہ اسے

کسی مددگار کی ضرورت پڑتی ہے اس میں یہود اور نصاریٰ کا رد ہے وہ کہتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور حامی نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ کو ذلت کا سامنا کرنا پڑے۔

سوال: نفی اولاد کو وجوب حمد کی علت کیوں بتایا گیا؟

جواب: اس میں اولاد نہ ہونے کو علت نہیں بنایا گیا بلکہ بتایا گیا ہے کہ وہی حمد کا مستحق ہے کہ جو اولاد والا نہیں ہے جیسے اس کی صفات ہیں کہ اس کی حمد کرتے ہیں مثلاً کہتے ہیں: الحمد للہ الاول والاٰخر اور الحمد للہ رب العالمین وغیرہ وغیرہ۔ (کذا فی اسئلۃ الحقی)

ف: کشاف میں سوال لکھا ہے کہ حمد کو لم یتخذ ولدا والشریک والذل پر کیوں مرتب کیا گیا ہے حالانکہ حمد کے لئے ان کی نفی ضروری نہیں اس لئے کہ حمد اس کی صفت اختیاری ہے۔

جواب: اس میں اشارہ مطلوب ہے کہ وہ ذات کہ جس کی یہی شان ہے وہ جو نعمت کے عطا کرنے پر قادر ہے اور وہ اسی سے پر حمد کا مستحق بھی ہے۔

وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا ۝ اور اس کی عظمت بیان کرو بیان کرو یعنی اس کی اولاد یا شریک یا مددگار کی بات کرے تو تم انتہا کی حد تک اس کی تنزیہ و تقدیس بیان کرو۔

عارفانہ ترجمہ: کاشفی نے لکھا ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو وصف واصفان اور معرفت عارفان سے بڑا جانیئے: ؎

کبریا ما جز است از وصف خوش
عقلہا بر نہ بیند فرش
عقل حکمت جان جاں ست او
آں کہ برتر ست گفت او

ترجمہ: کبریا اس کے اوصاف سے عاجز ہے عقل میں اس کی استطاعت عجز کا اظہار کرتی ہے۔ عقل بے شک عقل ہے لیکن وہی جان جاں ہے جسے برتر سمجھا جاتا ہے وہ اس سے بھی برتر ہے۔

ف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ جو عبدالمطلب کا کوئی بچہ جب بولنے لگتا تو آپ سب سے پہلے اسے یہی آیت سکھاتے اور فرماتے کہ آیۃ العزۃ یہی ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قل ادعوا اللہ الخ میں اشارہ ہے کہ اللہ اسم ذات اور رحمٰن اسم صفت ہے۔ ایاما تدعوا۔ اسے اسم ذات سے یاد کرو یا اسم صفت سے۔ فلہ الاسماء الحسنیٰ اس کا ہر اسم حسن ہے اس لئے اسے حسن نیت اخلاص کے ساتھ یاد کرو۔ ولا تخافت بہا اور اسے بالکل بھول نہ جاؤ وابتغ بین ذالک سبیلا

محروم ہو جاؤ گے۔ وابتغ بین ذالک سبیلا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ فرائض کو ظاہر کر کے مسجدوں میں ادا کرو اور نوافل کو چھپا کر گھروں میں پڑھو۔

وقل الحمد للہ الذی لم یتخذ ولدا یعنی اس کی اولاد نہیں تاکہ وہ اپنی تمام مہربانیاں اسی پر کرے اور بندوں کی طرف ذرہ بھر بھی توجہ نہ دے۔ ولم یکن لہ شریک فی الملک اور ملک میں اس کا شریک بھی نہیں کیونکہ جب وہ خود اپنی طاقت کا مالک ہے پھر اسے کیا ضرورت ہے کہ اپنے ساتھ شریک کرے تاکہ وہ اس کی بھلائیاں اس کے بندوں اور ولیوں تک نہ پہنچنے دے۔ ولم یکن لہ ولی من الذل۔ اور اسے مددگار کی ضرورت ہی کیا ہے کہ جس کی طرف محتاج ہو کر صرف اسی کو انعام و اکرام سے نوازے اور باقیوں کو محروم رکھے۔ ہاں اس کے ایمان والے اور با وفا جمیل اشیاء اور اس کی کبریائی بیان کرنے والے اور اس کی محبت و طلب صادق اور محبوبیت سے مخصوص ہونے والے اس کے دوست ہیں۔ اسی لئے فرمایا: وکبرہ تکبیرا۔

ف: حضرت علم الہدیٰ نے فرمایا کہ حق سبحانہ و تعالیٰ کسی کو اس معنی پر دوست نہیں بناتا کہ وہ کریم ذات سے عزت حاصل کرے بلکہ وہ کسی سے دوستی اس معنی پر کرتا ہے کہ اپنے لطف و کرم سے اس بندے کو ذلت سے نکال کر اوج عزت پر ترقی بخشتا ہے۔ چنانچہ فرمایا: اللہ ولی الذین آمنوا یخرجہم من الظلمات الی النور۔ اور یہ ولایت عامہ ہے کہ جملہ اہل ایمان کو نصیب ہوتی ہے اور انہیں جہل سے علم کی طرف ترقی نصیب ہوتی ہے۔ اور فرمایا: الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون۔ یہ ولایت خاصہ ہے جو صرف اہل سلوک کے ان حضرات کو نصیب ہوتی ہے جو واصل باللہ ہوتے ہیں اور ان کے علم سے عین کی طرف اور عین سے حق تعالیٰ کی طرف ترقی ہوتی ہے۔

اللہ کے بندوں کی دو قسمیں الحکم العطائیہ کی شرح میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے دو قسم کے ہیں۔ ① بعض کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خدمت کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ وہ عباد، زہاد اور اہل اعمال و اوراد ہیں۔

② وہ جنہیں صرف اپنی محبت کے لئے مخصوص فرمایا ہے وہ اہل محبت و وداد اور اہل صفا و اتباع المراد ہیں یاد رہے کہ اس کے ہر دو اول قسم کے بندے اس کی خدمت اور اس کے تحت طاعت و عبودیت میں ہیں کیونکہ تمام کا مقصود اور توجہ کا مرکز وہی ذات ہے۔ چنانچہ فرمایا: کلا نمد ہؤلاء و ہؤلاء من عطاء ربک۔ اور یہ آیت عام ہے جو ہر فریق کو شامل ہے اور ہر فریق اس میں داخل ہے۔ وما کان عطاء ربک محظورا۔ اور اس کی عطا روکی ہوئی نہیں اور نہ ہی وہ صرف ایک نوع میں اسی یا کسی صفت خاص ہی میں محدود ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ دنیا میں حق کا شکار ہو اور بہشت کا عارف۔ اور حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قلوب کو دیکھا تو بعض ایسے تھے جو معرفت کے حامل نہیں تھے

تو انہیں حجامت میں لگا دیا۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

درین چمن نکنم سرزنش بخود روئی
چنانکہ پرورشم میدہند می رویم

ترجمہ : میں خودرو کو ملامت نہیں کرتا۔ اسی لئے کہ ہماری جس طرح پرورش ہوتی ہے ہم اسی طرح چلتے ہیں پھر ملامت کیوں ؟ ۔

[صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے] اس سورۃ اسراء کی تفسیر سے ۱۵ جمادی الاولیٰ [illegible]ھ میں فراغت پائی الفقیر اویسی غفرلہ ۱۰ رمضان المبارک [illegible]ھ مطابق [illegible] اگست [illegible]ء بروز جمعہ تقریباً دس بجے صبح اس سورۃ کی تفسیر کے ترجمہ سے فارغ ہوا

وللہ الحمد والمنۃ وصلی اللہ علی حبیبہ الاکرم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

ھذا ما رقمہ قلم الفقیر القادری ابی الصالح محمد فیض احمد الاویسی الرضوی غفرلہ ولوالدیہ القوی۔ فی [illegible] بہاولپور، پاکستان،

[illegible] مطابق [illegible]

سورۂ کہف

سُوْرَةُ الْكَهْفِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اٰيَاتُهَا ۱۱۰ رُكُوْعَاتُهَا ۱۲
سورت کہف مکی ہے اس میں ایک سو اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا دس آیات اور بارہ رکوع ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۟ؕ قَیِّمًا
سب خوبیاں اللہ کو جس نے اپنے بندے پر کتاب اتاری اور اس میں اصلاً کجی نہ رکھی عدل والی

لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ
کہ اللہ کے سخت عذاب سے ڈرائے اور ایمان والوں کو جو نیک کام کریں بشارت دے کہ ان کے
اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۟ۙ
لیے اچھا ثواب ہے۔

تفسیر عالمانہ

(ف) سورۃ الکہف مکیہ ہے اس کی ایک سو گیارہ آیات ہیں بعض مفسرین نے فرمایا واصبر نفسک (الایۃ) مدنیہ ہے

الحمد لله کی لام استغراق کی ہے یعنی ہر مدح وثنا اور شکر کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے اس لیے کہ ہر شے کا وجود ایک نعمت ہے تمام نعمتوں کا مالک صرف وہی ہے اور وہی اس کے سوا کوئی اور منعم نہیں ہے۔

ف قیصری نے فرمایا کہ الحمد کی تین اقسام ہیں ۱۔ قولی ۲۔ فعلی ۳۔ حالی، قولیہ یعنی حمد قولی ہے یعنی اس کی تعریف اسی

طرح حیوان بن جانا جیسے حضرات انبیاء علیہم السلام سے منقول ہے پس عجیب ہے کہ عارف جس کی حالت کمال کی ترقی ہے بدن کے ساتھ عبادت بجا لانا اور اس سے مقصود صرف یہی ہو کہ عبادت کرنے سے اس کی ترقی ہو۔ تعجب ہے اس پر کہ جس طرح حق تعالیٰ کی تعریف میں سے ہر گز بے پرواہ نہ ہو سکے ہر حضرت کے مقابلہ میں شکر الٰہی بجا لانا ضروری ہے بلکہ اس طرح چند وہ اپنے آقا وولی کی ہر نعمت کے شکر کی ادائیگی کرتا ہے اسی طرح بندے پر لازم ہے کہ وہ ہر وقت اپنے آقا ومولیٰ کی نعمت کا شکریہ ادا کرے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ فرمایا کرتے۔ الحمد للہ علیٰ کل حال ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور شکر کرنا چاہیے۔

ف ظاہر ہے کہ بدنی حمد اس طرح سے ادا ہو سکتی ہے کہ ہر عضو کو اس کے مناسب عبادت الٰہیہ میں مصروف رکھا جائے تاکہ شکر حق کے ساتھ شوق سے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سر تسلیم خم ہونے کا ثبوت ہو۔

سبق حمد وشکر کی ادائیگی میں خود تعظیم نفسانیہ کو دخل نہ ہونے دو نہ ہی نفس کی آرائش کرنے کے در پے ہو حتی الامکان بلکہ تہذیب قلب کے تقاضیات اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی جائے اس کا طریقہ یہ ہے کہ دل وقلب کو کمالات علمیہ الٰہیہ سے آراستہ کیا جائے بلکہ انہیں اخلاق الٰہیہ سے ملایا جائے اسی لئے کہ تمام خلق کی ہدایت الٰہی ہے کہ ہر ایک تخلقوا باخلاق اللہ پر چلتا چلا ہو انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمانے کی اصلی غرض یہی ہے کہ آدم زادوں کے نفوس کے عادات کمالات تک پہنچیں۔

ف تو ہے کہ حقیقی حمد یہی ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے لیے مقام تفصیل میں اسی طرح اپنی حمد فرمائی ہے جس سے مقام تفصیل اس کی نعمت کے مظاہر نہیں اور مقام تفصیل سے مظاہر حق مراد ہیں۔

ف وہ حمد جو اللہ تعالیٰ کے مقام جمع یعنی مرتبہ الٰہی کے لئے یعنی قولی حمد فرمائی ہے وہ اس کی تعریف کرنا ہے آسمانی کتابوں اور صحیفوں میں ہے جیسے اس نے اپنی صفات کمالیہ ظاہر فرما کر اپنی ذاتی تعریف کی ہے اس کی حمد عملی یہ ہے کہ [illegible] کمالات ہیں جنہیں اس نے عالم غیب سے عالم شہادت یا عالم بطون سے عالم ظہور میں یا علم سے عین میں منتقل فرما کر [illegible] کے رنگ میں ظاہر فرمائے ہیں اور اس کی حمد حالی اس کے وہ تجلیات ہیں جو فیض اقدس ازلی و قدس ازلی کے ساتھ اس کی ذات میں [illegible] ہیں حضرت جامی قدس سرہ نے فرمایا ہے

آنجا کہ کمال کبریائی تو بود
عالم نمے از بحر عطائے تو بود
ما را چہ حد حمد وثنائے تو بود
ہم حمد وثنائے تو سزائے تو بود

روح قرآن مجید کے مطلوبی الفاظ میں [illegible] عرض کر دی ہے۔

ترجمہ تیری کبریائی کے کمال کے سامنے حیران کیا ہے تیری عطا کے مقابلے شکر گزار کی صرف ایک بندگی ہے جو تیری حمد وثنا کی حد کیا جانیں تو خود ہی اپنی حمد وثنا کرتا ہے

یعنی امام الانبیاء حضرت محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم اس لیے کہ عبد مطلق اور عبد کامل درحقیقت صرف آپ ہی ہیں آپ کے سوا باقی تمام مخلوق کسی نہ کسی صورت میں متعلق ہے یہی وجہ ہے کہ قیامت میں صرف آپ ہی "اُمتی اُمتی" پکاریں گے بخلاف دوسرے انبیاء علیہم السلام کے کہ وہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح نفسی نفسی کہیں گے۔

ردِّ نصاریٰ اس سے معلوم ہوا کہ ہر رسول اپنے مرسل یعنی اللہ تعالیٰ کا عبد وبندہ ہوتا ہے اس سے نصاریٰ کی تردید ہو گئی جب کہ ان کا عقیدہ ہے عیسیٰ پیغمبر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے (معاذ اللہ) "الکتاب" اس سے قرآن مجید مراد ہے درحقیقت کتاب کا اسم صرف قرآن ہی پر آتا ہے اس لیے کہ صرف یہی اس کا مستحق ہے لغت میں الکتاب بمعنی جمع یعنی حروف کا مجموعہ

سوال اللہ تعالیٰ نے اپنے حمد کے مستحق ہونے کے لیے نزول الکتاب کو کیوں علت بنایا ہے۔

جواب تاکہ بندوں کو تنبیہ ہو کہ نزول کتاب ان کی بڑی نعمت ہے کیونکہ قرآن مجید میں دارین کی سعادت ہے۔

وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ میں لہٗ کی ضمیر مجرور قرآن پاک کی طرف راجع ہے **عِوَجًا** یعنی کجی یعنی نہ اس کی نظم ترتیب میں کسی قسم کا خلل ہے اور نہ ہی اس کے معانی میں منافات ہے اور نہ ہی اسے حق سے عدول اور باطل کی جانب میلان کا کوئی شائبہ ہے

قاعدہ تجوید حضرت امام حفص نے فرمایا کہ حضرت عاصم کا مختار مذہب یہ ہے کہ عوجا پر سکتہ کیا جائے اور علماء تجوید سکتہ کہتے ہیں دم توڑے بغیر صوتی وقفہ کرنا تاکہ کسی کو وہم نہ ہو کہ قیما عوجا کی صفت ہے اسی طرح سورۂ یٰسین کے لفظ من مرقدنا میں حضرت عاصم سکتہ کر کے پڑھتے ہیں اس لیے کہ وہاں اہل ایمان کے مقولے سے هذا کو من مرقدنا کا پورے طور متعلق کرنا مطلوب ہے اور نہ ہی اسے لفظ هذا اور اس کے بعد واقع ہے سے ملانا مقصود ہے تاکہ وہاں بھی کسی کو وہم نہ ہو کہ هذا کا اشارہ مرقدنا ہے قیماً کا منصوب ہونا فعل مضمر کی وجہ سے ہے اور اصل عبارت یوں تھی وجعلہ قیما اور قیما بمعنی مستقیم ہے مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید میں نہ افراط وزیادتی ہے نہ تفریط (کمی) اور قیما کا دوسرا معنی بھی ممکن ہے وہ یہ کہ قرآن مجید دینی اور دنیوی مصلحتوں کی صحیح رہبری کرتا ہے اس کا دوسرا معنی لائق تر ہے اس لیے کہ اس میں فائدہ ہو جائے گا کہ پہلی صفت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کا کمال ذکر کیا اور دوسری صفت میں بتایا کہ یہ مکمل ترین کتاب ہے اس میں بندوں کا تمام ہدایات کامل طور بیان کیا گیا ہے جو دنیوی اور دینی رہبری چاہیں تو بھی اس سے حاصل کر سکتے ہیں اور آخروی سعادت کی ہدایت بھی انہیں صرف اسی سے نصیب ہوگی۔

ف جو بحث ہے وہ اس مکمل ترین کتاب کا ذکر سورۂ انعام کا مجموعہ کہتے ہیں

مَّاكِثِينَ فِيهِ أَبَدًا ﴿٣﴾ وَيُنذِرَ الَّذِينَ قَالُوا اتَّخَذَ

جس میں ہمیشہ رہیں گے اور ان کو ڈرائے جو کہتے ہیں کہ اللہ نے اپنا کوئی بچہ

اللَّهُ وَلَدًا ﴿٤﴾ مَّا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ وَلَا لِآبَائِهِمْ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ

بنایا اس بارے میں وہ کچھ علم نہیں رکھتے نہ ان کے باپ دادا کتنا بڑا بول ہے کہ ان کے منہ سے

أَفْوَاهِهِمْ إِن يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا ﴿٥﴾

نکلتا ہے نرا جھوٹ کہہ رہے ہیں

تفسیر آیات صفحہ گزشتہ

ف قیم، قیوم، قیام، قائم کے مبالغے کے صیغے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ • تاویلات نجمیہ میں لکھا ہے کہ ولم یجعل لہ کی ضمیر عبدہ کی طرف راجع ہے جب معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے عبد مقدس حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذات کے سوا کسی دوسری شئے کی طرف مائل نہیں فرمایا اور انہیں اس کے اپنے جیسا احوال میں مستقیم راہ راست پر رکھا ہے۔

یعنی عذاب شدیدا ایسا سخت جو صادر ہوگا من لدنہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس [illegible] نازل فرمائے گا ان کے کفر اور تکذیب کی وجہ سے۔

ف اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں ان پر ایسا عذاب نازل فرمائے گا ان کا نام و نشان مٹا کر رکھ دے گا یا اس سے آخرت کا عذاب مراد ہے یا دنیا و آخرت ہر دو عذاب مراد ہیں۔

سوال اللہ تعالیٰ نے اس عذاب کو اپنی طرف کیوں منسوب فرمایا ہے

جواب اس لیے کہ عذاب نازل کرنے کا تصرف وہی ہے

و یبشر اور خوشخبری دے المؤمنین ان لوگوں کو جو دل و جان سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے احکام کو مانتے ہیں الذین یعملون الصلحت وہ جو شریعت میں اعمال صالحہ ادا کرتے ہیں [illegible] ان لھم یہاں با حرف جارہ محذوف ہے دراصل بان لھم تھا یعنی اہل ایمان کو تصدیق اور اعمال صالحہ کی وجہ سے نصیب ہوگا اجرا حسنا اچھا اجر۔ اس سے بہشت اور اس کی انعام و تنعیم مراد ہیں

تفسیر عالمانہ ماکثین ان لھم کی ضمیر سے حال ہے فیہ ابدا میں فیہ کی ضمیر اجرا حسنا کی طرف راجع ہے آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے اور وہ کسی حال میں تغییر پذیر نہ ہوگا آیت ۱۰ [illegible]

سوال آیت انذار کی تقدیم اور تبشیر کی تاخیر کیوں

جواب انذار اکثر کے قبول کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے اور تبشیر سے اسے جلا نصیب ہوتا ہے اسی بنا پر انذار کی تقدیم ضروری ہوئی۔

وَيُنْذِرَ اور خصوصیت سے ڈرائے **الَّذِينَ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا** ان یہود و نصاریٰ و مشرکین جن میں سے کہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر بہتان تراشا کہ اس کی بھی اولاد ہے **مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ** نہیں اس کا علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ اولاد سے منزہ ہے **وَلَا لِآبَائِهِمْ** ان سے پہلے کے صرف آباؤ اجداد مراد نہیں بلکہ ان کے وہ پیشوا مراد ہیں جن کی تقلید میں انہوں نے اللہ تعالیٰ پر بہتان تراشا یعنی علم کا اقتضاء ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اولاد سے منزہ مانا جائے کیونکہ جب کہ اس کے لیے اولاد کا ہونا ممتنع الذات ہے اور وہ ان سے عقل اپنی جہالت وحماقت سے سمجھے بیٹھے نیز اللہ تعالیٰ کے لیے یہ قول جائز سمجھا جو اس کے لیے بالکل ممتنع ہے۔

ترکیب میں **مِنْ عِلْمٍ** مرفوع علی الابتداء ہے اس کا مِنْ نفی کی تاکید کی وجہ سے زائد ہے **كَبُرَتْ** بمعنی عظمت **كَلِمَةً** یہ رجلًا کی طرح کبرت کی ضمیر مبہم کی تمیز ہے اور اس کی تفسیر ہے **تَخْرُجُ** کلمۃ کی صفت ہے اس لیے واضح کرتا ہے کہ کافروں نے اللہ تعالیٰ پر اولاد کا بہتان تراشنے کے معاملہ میں بہت بڑی جرات کی ہے

ف ان کے منہ سے کلمہ نکلنے کا معنے یہ ہے کہ ان کے منہ سے ایک ہولناک لفظ نکلا جو ان کی فکر کی حالت تھی چونکہ اس کا اظہار حروف سے وابستہ ہوتی اسی مناسبت سے بجائے اس نکلنے والی بات کو کلمے سے تعبیر کیا گیا ہے

سوال قاضی بیضاوی نے فرمایا کہ جب یہ کفر کا کلمہ عظیم تر ہوتا ہے تو پھر اس کفر کی عظمت کی تخصیص کیوں۔

جواب چونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا افتراء میں متعدد قباحتیں (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیروں کی تشبیہ اور غیروں کو اس کی ذات میں شریک ٹھہرانا ہے کہ اس نے اولاد بنایا ان کی محتاجی کا ایہام پھر اولاد کا باپ کی جانشینی کا لازم وغیرہ لازم آتی ہیں جو بندوں کے غضب کے بڑے پن کا موجب بن سکتی ہیں

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ کلمۃ سے کفر و کذاب مراد ہے جیسے جہت اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں اس سے بڑھ کر اور کیا گناہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف غلط نسبت کی جائے اور اس پر جو بہتان تراشا جائے اور اس کے احکام کی تکذیب کی جائے۔ **اِنْ يَقُولُونَ** اس معاملہ میں نہیں کہتے **اِلَّا كَذِبًا** مگر جھوٹ یعنی اللہ تعالیٰ کے حق میں کفار جو کہتے ہیں یہ ایک ایسا قول ہے جس کا خارج میں صدق کا احتمال ممکن ہی نہیں۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ
تو کہیں تم اپنی جان پر کھیل جاؤ گے ان کے پیچھے اگر وہ اس
لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ
بات پر ایمان نہ لائیں غم سے بے شک ہم نے زمین کا سنگار کیا جو کچھ اس پر ہے کہ
اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ۝ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ
انہیں آزمائیں ان میں کس کے کام بہتر ہیں اور بیشک جو کچھ اس پر ہے ایک دن ہم اسے پٹپر میدان کر چھوڑیں گے
اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝
کیا تمہیں معلوم ہوا کہ پہاڑ کی کھوہ اور جنگل کے کنارے والے ہماری ایک عجیب نشانی تھے

تفسیر عالمانہ

حل لغات **فَلَعَلَّكَ** میں شاید ترجی یا چاہیے بمعنی مطلب یعنی ہلاک کر دو گے **نَفْسَكَ** اپنی جان کو تفسیر کبیر میں ہے کہ اس جملے سے کیا مراد ہے لعلک باخع نفسک بمعنی تبخع نفسک اپنی جان ہلاک کرو جیسے اہل عرب کا قول مشہور ہے لعلک تریہ ان تقتل کذا ای تفعل کذا یعنی وتتخذون مصانع لعلکم تخلدون کے محاورے سے ہے یہ اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کے لیے فرمایا یعنی اے قوم عاد تم مضبوط محل بناتے ہو اس امید پر کہ تم ہمیشہ رہو گے یعنی اسی محاورہ میں لعل ترجی کا معنی دیتا ہے۔ قاموس میں ہے بخع نفسہ بخعا و بخوعا قتلھا غما یعنی اسے غم سے قتل کر ڈالا اور کہا جاتا ہے بخع بالشاۃ یعنی ذبح کرتے وقت جب بکری کو ذبح کرنے میں انتہا کی کہ اس کی نخاع تک چھری پہنچا دی یہی اس کا حقیقی معنی ہے پھر غم یا اور کسی صورت میں مستعمل ہوتا ہے اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ اے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کفار کے ایمان لانے کے شوق میں اپنی جان کی بازی لگا رہے ہیں۔

ف البخاع بروزن کتاب جسم کی ایک رگ کا نام ہے جو گردن کے مہروں میں جاری ہوتی ہے یہ نخاع اور رگ کا نام ہے کہ غیر ہے یہ زمخشری کا خیال ہے۔

اٰثَارِهِمْ ان کی جدائی و غم و حزن کی وجہ سے ان کے پیچھے۔

ف کاشفی نے اس کا مطلب یہ بیان کیا کہ آپ سے ان کے برگشتہ ہونے یا آپ کے اسلام سے انکار کے بعد آپ اپنے آپ پر شفقت کیجیے اور اپنے قلب اطہر کو غم میں مت ڈالیے ان لم یؤمنوا بھذا الحدیث میں الحدیث سے قرآن مجید مراد ہے۔

سوال قرآن مجید کو حدیث شریف سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ قرآن مجید حادث ہے یہ معتزلہ کا مذہب ہے۔

جواب قرآن مجید کو حدیث سے اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ اس کے معنے ہیں اس کا حادث ہونا ہے کیونکہ یہ ان حروف کی طرف عائد ہے جیسے ہم قرآن مجید سے تعبیر کرتے ہیں

ف صحاح لغت کی کتاب کا مصنف کہتا ہے کہ الحدیث ضد القدیم کی نقیض حدیث آتی ہے

کلام کریں حدیث کہا جاتا ہے وہ کلام قلیل ہو یا کثیر ۔

اسفاً باخع کا مفعول لہ ہے الاسف ہے سخت ترین حزن (کذا فی القاموس) اسی حزن و غضب و حسرت کی شدت کہ کفار نے جب ایمان یا قرآن سے اعراض کیا تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حال ہو اس شخص جیسا ہو گیا جیسے ایک دوست کی جدائی سے دوسرے دوست کا حال ہوتا ہے جس کی دوست کی جدائی سے اس کی جان لبوں پر آ جاتی ہے ۔

شفیق نبی صلے اللہ علیہ وسلم

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت سے بہت بڑا پیار تھا اور مروت و شفقت کرنے میں آپ کی مثال نہیں ملتی اور اللہ تعالےٰ کے احکام کی تبلیغ اور توحید کی ادائیگی میں مافوق الامکان حضور سرور عالم دیتے تھے یہاں تک کہ خود اللہ تعالےٰ کو روکنا پڑتا چنانچہ ایک بار ایسا اتفاق ہوا حتیٰ کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے مال خیر پر خرچ کرنے کا حکم فرمایا تو آپ نے گھر کا تمام اثاثہ راہ خدا میں لٹا دیا یہاں تک کہ جسم اطہر سے قمیص اتار کر کسی مسکین کو عنایت فرما دیا اور خود ننگے جسم یعنی قمیص سے ننگے ہو کر گھر میں بیٹھ گئے اللہ تعالےٰ نے آپ کو آئندہ ایسا کرنے سے روکا ۔ کما قال تعالیٰ " ولا تبسطها کل البسط فتقعد ملوما محسورا " ۔ اور نہ پورا کھول دو کہ تم بیٹھ رہو ملامت کیے ہوئے اور تنگ ہوئے ۔

حزن و ملال کے فضائل

بعض مشائخ طریقت نے حزن کے فضائل میں فرمایا کہ حزن اجر کا ذریعہ ہے بڑا خوش قسمت وہ انسان ہے کہ جس کا دل ہمیشہ پُر حزن ہو بلکہ حزن و ملال اس کے اندر گھر کر چکا ہو یہاں تک کہ اس کا کھانا پینا بھی حزن ہو اسی سے چوٹی کے کاملین اور انبیاء و مرسلین لذت پاتے ہیں بلکہ جب اللہ تعالےٰ کسی بندے سے پیار کرتا ہے تو اس کے دل کو حزن و ملال بنا دیتا ہے خلاصہ یہ کہ جسے حزن و ملال نصیب نہیں وہ عبادت کے ہر ذوق سے محروم ہے ۔

سوال بعض بزرگوں سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ حزن گھٹیا درجے کے سالک کو نصیب ہوتا ہے ۔

جواب ان کا ارشاد حق ہے لیکن ان سے مراد یہ ہے کہ حزن مراد کے تابع ہوتا ہے جیسے کسی کا علم اس کے معلوم تک خلاصہ یہ ہے کہ حقیقت نفس کے لیے حزن و ملال ترقی درجات کا سبب بنتا ہے اور بہت جلد سالک کو جلا دیتا ہے ۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں ایک ایسے بزرگ رحمۃ اللہ تعالےٰ نے عرصہ دراز بسر فرمایا ہے کہ میں نے ان کو طویل عرصہ پیاسا اور ہمیشہ متفکر رہتے اور ہر وقت جب آپ کو دیکھا تو یوں معلوم ہوتا کہ آپ پر ہر وقت حزن و ملال وارد ہو رہے ہیں

حکایت حضرت سفیان رضی اللہ عنہ رابعہ بصریہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے پاس بیٹھے تھے ان کے منہ سے نکل گیا " واحزناہ " ہائے غم بی بی نے فرمایا " والیاہ کہو بلکہ کہو واقلۃ حزناہ " ہائے ہمارا غم قلیل ہوا اس لیے کہ غم و حزن کی کثرت سے انسان کی زندگی دو بھر ہو جاتی ہے ۔

[illegible] کمال کا کمال حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ دل [illegible] کمال [illegible] تعالیٰ نے فرمایا غم اور حزن کی کثرت سے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے

دردے ز دوست رسد و کہ درد آورد

عاشق ترا دوائے [illegible]

ترجمہ عشاق کی بیماری کا علاج آہ و درد گریہ و زاری [illegible] ہے۔

اے اللہ ہمیں اپنے درد و الم سے ہمارے قلوب کو مشرف و مزین فرما۔

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ ہم نے زمین کی جو اشیاء نباتات اور معدنیات سے زِیْنَةً لَّهَا زمین کا لباس اس کے گلشن بنا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہم نے دنیا اور اس کی آرائش [illegible] کے لیے بنایا [illegible] طبائع کے موافق مزین لگیں [illegible] لِنَبْلُوَهُمْ یعنی ہم بندوں کے ساتھ ایسا معاملہ کرتے ہیں تاکہ ظاہر ہو اَیُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا کون [illegible] وہ جو طلب الٰہی میں دنیا اور اس کی زینت ترک کرتا ہے اور [illegible] اللہ تعالیٰ اور آیات صالحات سے روگردانی کر کے دنیا اور اس کی شہوات پر [illegible] دنیا میں منہمک ہوتا ہے۔

ترکیب الارشاد میں لکھا ہے کہ ای استفہامیہ مرفوع بالابتداء ہے اور احسن اس کی خبر ہے اور عملاً اس کی تمیز ہے اور مبتدا و خبر اپنے متعلقات سے مل کر جملہ [illegible] کا مفعول ہے [illegible] علم کے معنی کو متضمن ہے۔

اولیاء اللہ کی شان بعض نے کہا کہ ما علی الارض سے [illegible] انبیاء علیہم السلام و اولیاء [illegible] حقا [illegible] یہ حضرات زمین کے سنگار ہیں۔

ف بعض بزرگوں نے فرمایا کہ زمین کی زینت اولیاء کرام ہیں اس لیے کہ عالم دنیا کا قیام [illegible] کے وجود [illegible]

[illegible] بطلعت [illegible] منور است

چوں آسمان بزہرہ و خورشید و مشتری

ترجمہ زمین اولیاء کرام کی شکل [illegible] نورانیت سے منور ہے جیسے آسمان زہرہ خورشید اور مشتری سے [illegible] ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ یعنی دنیا کے فنا ہو جانے کے بعد مَا عَلَیْهَا صَعِیْدًا جو کچھ اس پر ہے جُرُزًا چٹیل میدان جس پر [illegible] بارش [illegible] سے تعبیر کیا گیا ہے۔

پند کاشی سفید پیالہ کہ حسینہ مجنوں نے بیتے مثل اور وہ زمین جو بے آب ہو گیا۔ پس اس میں اشارہ ہے کہ تمہاری تمام عادتیں تباہ و برباد کر دیں گے پھر اے بندگان خدا دنیا میں دل لگانا کیسا اور اس کی زیب و زینت پر فریفتہ ہونا۔

جہاں از رنگ و بو سازد اسیرت
ولے نزدیک ارباب بصیرت
نہ رنگ دلکشش را اعتباریست
نہ بوئے دلفریبش را مداریست

ترجمہ: اے ہمدم جہاں تجھے اپنے رنگ و بو سے اپنا قیدی بنا لیتا ہے اس کے متعلق اہل بصیرت کا قول تو یہ ہے کہ نہ اس کے دل کش رنگ کا اعتبار ہے اور نہ ہی اس کی دلفریب خوشبو کا۔

تفسیر صوفیانہ صوفیائے کرام کے نزدیک حسینہ اور مجنوں کا یعنی یہ کہ دنیا کے طالب کو جو لذت اور نفسانی خواہش کے اندر کو لپیٹ تو ہو گا اسی لیے سالک طالب حق عبادت گزار عاشق باللہ پر لازم ہے کہ وہ دنیا اور اس کی زیب و زینت اور جملہ شہوات حرام و حلال کو طلاق دے دے اور دنیا کی زیب و زینت کا نقشہ قرآن مجید نے متعین کر دیا ہے کہ قال تعالیٰ۔

زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ الی قولہ تعالیٰ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا[1]

نکتہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے ساتھ دنیا اور اس کی زیب و زینت کی محبت بلکہ آخرت اور اس کے درجات کی محبت بھی جمع نہیں ہو سکتی۔

حکایت ہارون الرشید کا ایک صاحبزادہ تھا جس نے شاہی چھوڑ کر زہد و عبادت اختیار کیا شاہانہ لباس اتار کر اون کی بجائے پھٹے پرانے کپڑے اور گدڑی پہنی ایک دن اپنے والد ہارون الرشید کے ہاں گزرا۔ تمام وزراء اور جملہ ارکان دولت اس کے پاس بیٹھے تھے بادشاہ سے سب نے کہا کہ آپ کے اس لڑکے نے آپ کو بادشاہوں کے سامنے ذلیل کیا کہ امیری چھوڑ کر فقیری مفلسی تنگدستی اختیار کی ہے۔ ہارون الرشید نے اسی بیٹے کو اپنے پاس بلایا اور کہا بیٹا تم نے مجھے عالم دنیا میں رسوا کیا کہ شہزادہ ہو کر درویشوں کے کپڑے پہنے شہزادے نے منہ کر کے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک پرندہ درخت پر بیٹھا تھا۔ اس پرندے سے فرمایا کہ تجھے پیدا کرنے والے کی قسم اپنی جگہ چھوڑ کر میرے ہاتھ پر آ بیٹھ چنانچہ پرندے نے اس کی بات مان کر فوراً اپنی جگہ چھوڑ دی اور شہزادے کے ہاتھ پر بیٹھ گیا پھر شہزادے نے اسے فرمایا کہ جہاں سے آئے

---

[1] پارہ ۳ سورۃ آل عمران رکوع ۲ اس کا ترجمہ ہے لوگوں کے لیے آراستہ کی گئی ان خواہشوں کی محبت عورتیں اور بیٹے اور تلے اوپر سونے چاندی کے ڈھیر اور نشان کیے ہوئے گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی یہ جیتی دنیا کی پونجی ہے۔ (کنز الایمان)

ہو داں پہنچا جنازہ پڑھا پھر رونے فرمایا جب ذکر وصیت پہنچا تو شہزادہ نے سلام کیا کہ فرمایا کہ اے بادشاہ ہارون الرشید
کے پاس آکر بیٹھ گئے لیکن پڑھ جاد شاہ کے پاس تو کوئی قابل ذکر بات نہ ہوئی جب شہزادے سے بیٹے باپ ہارون الرشید سے فرمایا
کہ آپ کے لیے اولیاء کرام کے سلسلہ میں بات باپ پر حضور دیکھیں کہ ہمارا دنیا کا عاشق ہے یہ کہہ کر وہ
فرمایا کہ آج کے بعد آپ سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو گیا اس کے بعد اپنے شہر سے نکل گیا صرف ایک انگشتری اور قرآن مجید
ساتھ لے گیا اور شہر بصرہ میں اقامت پذیر ہو گیا ۔

شہزادہ مزدوروں کی صف میں

اپنی زندگی کو برقرار رکھنے کے لیے صرف ہفتہ کے دن مزدوری کرتا تھا سوا درہم سے کھانا اور دوا اٹھاتا تھا اسی کو ہفتہ بھر کھاتا اور عبادت کرتا

ایک دن انہیں مزدوری کے لیے لے گئے دیکھا کہ اس ایک مزدور کا کام دس مزدوروں کے برابر ہے یہ دیکھ کر لوگ تعجب کیا
کہ وہ دن بھر جو مزدوروں کے ساتھ ہیں ہے اس لیے کہ اتنا زیادہ کام اولیاء ہی سے ہو سکتا ہے ایک دن پھر مزدور
کی ضرورت ہوئی تو ہم اسی درویش کی تلاش میں نکلا معلوم ہوا کہ وہ درویش بیمار ہے میں اس کے پاس گیا تو دیکھا وہ زمین پر
پڑا ہے اور مندرجہ ذیل اشعار پڑھ رہا ہے ؎

یا صاحبی لا تغترر بتنعم
فالعمر ینفد والنعیم یزول
واذا حملت الی القبور جنازۃ
فاعلم بانک بعدھا محمول

ترجمہ اے دوست دنیا کی نعمتوں سے دھوکہ نہ کھا اس لیے کہ زندگی ختم ہو گی اور تیری نعمتیں ختم ہو جائیں گی جب تم
کسی کا جنازہ اٹھا کر چلتے ہو تو اس سے عبرت پکڑو کہ ایک دن تمہارا جنازہ بھی اسی طرح اٹھایا جائے گا ۔

شہزادے کی آخری وصیت

شہزادے نے ابو عامر بصری سے فرمایا کہ اب میری زندگی کے لمحات ختم ہو رہے ہیں لہٰذا اے ابو عامر آپ میرے غسل و کفن کا انتظام کرنا ابو عامر
نے کہا اگر اجازت ہو تو میں اپنی طرف سے آپ کو نئے کپڑوں میں کفناؤں شہزادے نے فرمایا۔ اے ابو عامر نئے کپڑے تو زندوں
کو چاہئیں اس لیے کہ قبر میں جانے کے بعد مردے کے کپڑے گل سڑ جائیں گے البتہ نیک اعمال باقی رہیں گے اس کے بعد
شہزادے نے ابو عامر کو قرآن مجید اور انگشتری سپرد کر کے کہا یہ دونوں چیزیں ہارون الرشید بادشاہ کو دے کر کہہ دینا کہ
تیرا امانت لوٹا دیا گیا خبردار غفلت میں نہ رہنا ۔

ابو عامر ہارون کی خدمت میں ۔ شہزادے کو دفنا کر ابو عامر بغداد ہارون الرشید کے پاس پہنچا شہزادے کی وصیت کے
مطابق قرآن مجید اور انگشتری ہارون الرشید بادشاہ کو پیش کی اور شہزادے کا نام بتایا اور اس کی نصیحت بھی سنائی

شہزادے کا حال سن کر پہلے تو خوب روئے پھر ابو عامر سے پوچھا کہ اسے کہاں دفنایا ہے ابو عامر نے کہا عام قبرستان میں۔ ہارون الرشید نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ داری کا خیال بھی نہ آیا اسے کسی معزز مقبرہ میں دفنانا تھا۔ ابو عامر نے کہا کہ میں ان کی اس قرابت سے بے خبر تھا ورنہ ضرور انہیں کسی معزز مقبرہ میں دفن کرتا اس کے بعد ہارون الرشید نے مجھ سے پوچھا کہ میرے لخت جگر نور چشم کی آنکھوں کی ٹھنڈک کو کس نے نہلایا ابو عامر نے کہا میں نے خود اسے نہلایا تھا یہ سن کر ہارون الرشید نے ابو عامر کے دونوں ہاتھ چوم لیے اور اسے گلے سے لگایا اور ابو عامر کے ساتھ چل کر بیٹے کے مزار کی زیارت کی۔

ابو عامر کو خواب میں شہزادہ کی زیارت

ابو عامر فرماتے ہیں کہ میں نے شہزادے کی موت کے بعد انہیں خواب میں دیکھا کہ وہ ایک بہترین محل میں ایک عالی تخت پر تشریف فرما ہیں میں نے ان سے حال پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوا تو اسے اپنے اوپر بہت راضی پایا اور مجھے وہ انعام و اکرام عطا فرمائے جو کبھی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی کے دل میں اس جیسی نعمتوں کا تصور آسکتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم سے قسم کھائی ہے کہ جو کوئی میری طرح دنیا میں زندگی بسر کرکے قبر میں داخل ہوتا ہے اسے ایسے ہی انعام و اکرام سے نوازا جاتا ہے جیسے مجھے نوازا گیا ہے۔ سہ

غنیمت دار فرصت کہ عالم دمیست
دمے پیش دانا بہ از عالمیست
برفتند و ہر کس درود آنچہ کشت
نماند بجز نام نیکو و زشت
دل اندر دلارام دنیا مبند
کہ ننشست با کس کہ دل برنکند

ترجمہ: فرصت کو غنیمت جانو اس لیے کہ عالم دنیا آنکھ جھپکتے ہی ختم ہو جائے گی اور دانا آدمی کا پل بھر کا تمام عالم سے بہتر ہوتا ہے اس محبوب دنیا سے دل نہ لگاؤ اس لیے کہ دنیا بے وفا ہے جو جس کے پاس باقی ہے اسے بہت جلد چھوڑ کر چلی جاتی ہے

اے عشق یہی لوگ ہیں جو صرف تیرے ہیں

اُمّتیّت: یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن اس سے مراد آپ کی اُمّت ہے اس لیے کہ ایسے خطابات حضور علیہ السلام کے لائق نہیں بلکہ اُمّت کے لائق ہیں

یہ ایک مکمل بحث قرآن پاک کے متعدد مقامات پر کلام ہے اس کی تفصیل فقیر کی تصنیف "احسن البیان جلد دوم" میں ہے۔

ترکیب ام منقطعہ ہے اور اس جملہ میں انتقال مقصود ہے یعنی یہاں انتقال من الحدیث الی الحدیث آخر مقصد ہے یعنی ابطال مقصود نہیں یعنی ایک گفتگو سے دوسری کی ابطال مقصود نہیں بلکہ ایک گفتگو سے دوسری کی طرف منتقل ہونا مطلوب ہے اور یہاں پر ہمزہ استفہام انکاری مقدر ہے یہی اکثر کا مذہب ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں پر حرف بل مقدر ہے جواب حق یہ ہوا کہ اے مخاطب تو نے سمجھا اور گمان کیا ہے اصحاب الکہف کے متعلق کہیں گمان کر رہا ہے کہ ہماری نشانیوں عجائبات سے سوال پیدا کرتا ہے کیوں گمان کیا۔

شان نزول کفار مکہ نے مدینہ کے یہودیوں سے قریش کو چند سوالات سکھا کر حضور سرور عالم شفیع معظم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا کہ آپ سے سوال کریں اس کے بعد وہ گفتگو میں مشغول ہو گئے اور کہتے تھے کہ اصحاب کہف کا قصہ عجیب تھا ان کے لیکن وہ نشانیاں عجیب ہیں جن کے حالات سے واقفیت ہے اس پر یہ آیت اتری (آن) اصحاب الکہف پہاڑ کے اندر غار والوں کو اور جو بڑی گھاٹی ہوتی ہے کہف کہتے ہیں کہ وسعت میں غار سے زیادہ تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس سے ان کا انکار ہوا ہے جو لوگ الرقیم سے گھر کرتے ہیں۔

حکایت صاحب ابن عباد فرماتے ہیں کہ الرقیم اور عتاب وغیرہ المتاع کے معنی میں مجھے ہمیشہ شبہ رہا اور میں نے عرب کے تمام قبائل چھان ڈالے کسی سے تسلی بخش جواب نہ ملا ایک دن میں نے کسی جگہ سنا کہ اس نے اپنے چھوٹے بچے سے پوچھا کہ میں المتاع اس کے چھوٹے بچے نے جواب دیا جاء الرقیم و لغط المتاع و شبابت الجبل میں نے اس جملہ کے متعلق سوال کیا کہ صاحب جاذ کر الرقیم سے کیا مراد ہے اور المتاع سے کیا اور شبابت کس کے کہتے ہیں اس نے جواب دیا کہ الرقیم یعنی کتا المتاع جو وہ نے چھپا لی ہے اور شبابت یعنی بیل اوپر چڑھا۔

الرقیم کے معنی قاموس میں ہے کہ الرقیم بروزن امیر مندرجہ ذیل معانی میں مستعمل ہوتا ہے۔

۱ اصحاب کہف کی بستی کا نام
۲ ان کے پہاڑ کا نام
۳ ان کے کتے کا نام
۴ ایک وادی
۵ صحرا (جنگل)
۶ سے یا پتھر کا ایک تختہ جس پر اصحاب کہف کے اسماء ان کے نسبات ان کے دین کا نام لکھا ہے جس کے ڈر سے وہ حضرات بھاگ نکلے تھے اس تختہ کو غار کے دروازہ پر لگا گیا ہے اس لئے اسے الرقیم فعیل بمعنے مفعول ہے۔

ف جبری یا میں جہاں کہ بادشاہ کے گھر میں دو مومن مرد رہتے تھے ایک کا نام بیدروس اور دوسرے کا روناس کہا جاتا ہے انہوں نے ہی دو تختی کی تختیوں پر اصحاب کہف کے اسماء اور ان کا قصہ اور نسب نامہ لکھ کر انہیں پیتل کے صندوق میں رکھ دیا اور اسے غار کے سامنے ایک عمارت میں رکھ دیا اس نیت پر کہ قرب قیامت سے پہلے اسلام کا غلبہ ہوگا اور جب وہ اس مقام پر تشریف لائیں تو انہیں اصحاب کہف کے حالات معلوم ہوں گے۔

كَانُوْا اصحاب کہف عالم دنیا میں عرصہ دراز تک زندہ رہے یعنی تین سو نو سال خواب میں آرام فرما رہے۔

مِنْ اٰيٰتِنَا یعنی اصحاب کہف اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل سے ایک دلیل اور اس کی آیات میں سے ایک آیت تھے

عَجَبًا یہ دراصل خود عجب تھا یعنی اصحاب کہف قدرت کی ایک عجیب ترین دلیل تھے۔

قاعدہ مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ اس کے قائم مقام کر دیا گیا ہے یا مصدر بطور مبالغہ کے مستعمل ہوا اور عجیب ہر اس شے کو کہا جاتا ہے جو اپنی قدیم شکل یا اپنے نظائر سے خالی ہو اور معجب کا اونا کی تعبیر ہے خلاصہ یہ کہ اصحاب کہف کا قصہ اگرچہ خرق عادت کے طور عجیب ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی آیات کے بالمقابل اتنا عجیب نہیں ہے اس لئے کہ اس کے بہت عجیب آیات کے مقابلے یہ کچھ بھی نہیں۔

ف کاشفی نے لکھا کہ اصحاب کہف کا قصہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق آسمان و زمین کے مقابلے میں چنداں عجیب و غریب نہیں۔

ف کہف سے مراد وہ غار جسے جیرم کہا جاتا ہے وہ شہر کے قریب ہے جو ایک پہاڑ تھا افسوس میں واقع ہے اور اسی شہر میں دقیانوس بادشاہ کا دار الخلافہ تھا۔

واقعہ اصحاب کہف

مروی ہے کہ دقیانوس نے جب روم کے ملک پر قبضہ کیا تو اس نے وہاں پر اپنے معبودوں کی عبادت کے لیے ایک مذبح تیار کیا اور شہر والوں کو حکم فرمایا کہ اس کے معبودوں کی پرستش کریں جو شخص اس کے حکم پر بتوں کی پرستش کرتا نجات پا جاتا اور جو انکار کرتا اسے قتل کرا دیتا اسی شہر کے چند بزرگ زادے نوجوان گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر خدا تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہوگئے اور ہر وقت بارگاہ حق میں اس ظالم بادشاہ کی شرارت سے پناہ مانگتے تھے جب ان کا معاملہ بادشاہ تک پہنچا تو اس نے انہیں گرفتار کر لیا اور سختی سے غیر اللہ کی پرستش پر مجبور کیا لیکن یہ حضرات توحید حق پر ڈٹ گئے بادشاہ کے غلط حکم کی ذرا برابر پرواہ نہ کی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ ان کا تمام مال و متاع چھین لیا جائے اور انہیں کہا کہ تم نوجوان ہو ابھی تم دنیا سے تیغ اللذت نہیں ہوئے تھے مجھے تمہاری حالت پر رحم آتا ہے میں تمہیں تین دن مہلت دیتا ہوں تم اپنے متعلق سوچ لو اگر میرا حکم مان لو گے تو زندگی آرام سے بسر ہوگی ورنہ نقصان اٹھاؤ گے انہوں نے ان تین دنوں کو غنیمت سمجھا بادشاہ سے مہلت پاکر وہاں سے بھاگ نکلے اور قدرے ضروری زاد راہ اپنے گھروں سے اٹھا کر رخت سفر باندھ کر شہر کے کسی نزدیکی غار میں چھپ گئے۔

سگ اصحاب کہف مروی ہے کہ جب رخت سفر باندھ کر روانہ ہوئے تو راستے میں چرواہا ملا اس نے بھی ان

اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا

جب ان جوانوں نے غار میں پناہ لی

رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ⑩ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ

پھر بولے اے ہمارے رب ہمیں اپنے پاس سے رحمت دے اور ہمارے کام میں ہمارے لیے راہ یابی کے سامان کر تو ہم نے اس غار

فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ⑪ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا

میں ان کے کانوں پر گنتی کے کئی برس تھپکا پھر ہم نے انہیں جگایا کہ دیکھیں دو گروہوں میں کون ان کے ٹھہرنے کی مدت

اَمَدًا ⑫

زیادہ ٹھیک بتاتا ہے

کی رفاقت اختیار کی چرواہے کا ایک کتا تھا وہ بھی ان کے پیچھے ہو لیا چرواہے نے بھگایا اس کتے نے ان کا ساتھ نہ چھوڑا اللہ تعالیٰ نے اسے بولنے کی طاقت بخشی اور وہ بولا کہ مجھے اللہ والوں سے پیار اور محبت ہے لہٰذا مجھے بھی ساتھ لے چلو جہاں تم آرام فرماؤ گے میں تمہاری نگرانی کرتا رہوں گا چرواہے نے کہا اس پہاڑ میں ایک غار ہے جو ہمارے مقصد کے لیے مفید ہے چنانچہ چرواہے کے مشورے پر اسی غار میں پہنچے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا

تفسیر عالمانہ اذ یہاں پہ ظرف ہے اذکر محذوف کا مفعول یعنی اے حبیب کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم یاد کیجیے جب کہ اٰوی یہ ضرب سے ماضی ہے یا بنے اوی آنے یا اپنے آپ کو سپرد کرنے کے معنی اختیار یعنی پناہ لی۔ اَلْفِتْيَةُ روم کے بزرگ زادے جن کا ذکر ہو چکا وہ شرک کے خوف سے شرک سے انکار کے گھروں سے بھاگ نکلے تھے۔ اِلَى الْكَهْفِ اس سے پہاڑ رقیم کا غار مراد ہے جو ان کے پہلو میں غاروں میں واقع تھا۔ ان حضرات نے اسی غار کو اپنے رہنے سہنے کا مرکز مقرر کیا۔

ف۔ الفتیۃ فتی کی جمع ہے بمعنی جوانی والے قوی جوان، کہ عربی میں فتی کہا جاتا ہے کبھی مستعمل کے طور پر غلام کے لیے بھی مستعمل ہوتا ہے اگرچہ سن کے لحاظ سے بوڑھا ہو جیسے کہ غلام مملوک کو کہتے ہیں بوڑھا ہو یا جوان۔

حدیث شریف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی مرد کو میرا عبد اور کسی عورت کو میری امۃ نہ کہے بلکہ مرد کو میرا فتی (غلام) اور عورت کو میری فتاۃ (لونڈی) کہے۔

مسئلہ قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگر کوئی شخص کسی کے لیے کہے انا فتی فلان میں فلاں شخص کا فتی (غلام) ہوں اس سے ثابت ہوگا کہ وہ اس شخص کے لیے اپنے غلام ہونے کا اقرار کر رہا ہے

فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ غار میں داخل ہونے کے بعد انہوں نے دعا کی اے ہمارے رب ہمیں اپنے ان پوشیدہ خزانوں سے حصہ عطا فرما جو تیرے فضل و کرم سے اس غار میں ہمیں ملے

میں کامیابی بتایا ہے ۔ رَشَدًا تنوین تعظیم کی ہے راحت و عزت اور رزق اور دشمن سے سلامتی جن کا موجب ہو وَّهَيِّئْ لَنَا یعنی آمادہ کر ۔ یہ دونوں حروف جار ہیئ کے متعلق ہیں چونکہ ہر دونوں کے معنی مختلف ہیں اسی لیے اس فعل کے متعلق ہونا جائز ہے ۔

حل لغات تہیئۃ یعنی اظہار ہیئۃ الشیء یعنی شے کی اصل ہیئت کا اظہار اور صحاح (لغت کی کتاب کا نام ہے) میں ہے تہیئات الشیء ہیئت میں نے اس کی اصلاح کی اور صلاح فساد کی نقیض ہے ۔ والاصلاح یعنی شے کو مستقیم کی حالت پر لے جانا اور فساد شے کو حد اعتدال سے خارج کرنا اب تہیئۃ لنا کا معنی ہوا ۔ اصلح و رتب و اتمم رشدا یعنی اصلاح فرما اور مرتب فرما اور ہمارے لیے مکمل فرما اور امر سے مراد کافروں سے علیحدہ رہنا اور طاعت الٰہی پر ثابت رہنا مراد ہے ۔ رَشَدًا یعنی طریق الی المطلوب پر عین مطابق ہونا اور مطلوب مقصد کی جانب ہدایت پانا ۔

فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ یعنی ہم نے ان کے کانوں پر ایسا حجاب ڈال دیا جو ان کے کانوں کے اندر ہر قسم کی آواز کو روکتا تھا ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ہم نے انہیں سلا دیا ان کی حالت نیند میں ہو جانے کو حجاب سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جیسے حجاب باہر کی اشیاء کا دیکھنا ہے سے روکتا ہے ایسے ہی ان کی نیند کانوں پر حجاب کی مانند تھی کہ باہر کی آوازیں اندر جانے سے روکتی تھی

سوال یہاں پر صرف کانوں کی کیا تخصیص ہے جبکہ نیند میں تمام حواس کے لیے حاجب واقع ہوتی ہے ؟

جواب اس لیے کہ عادۃً کانوں کو ہی حجاب کی ضرورت ہوتی ہے اور بیدار کرنے کے لیے عموماً کانوں تک آواز پہنچائی جاتی ہے بالخصوص جو شخص لوگوں سے علیحدگی اختیار کر کے تنہائی میں نیند کرے ۔

ف فَضَرَبْنَا کی فاء ایسے ہے جیسے اذ نادیٰ کے بعد فاء تعجب لگ گئی ہے اس لیے کہ ان پر نیند کا غلبہ اور ان کے حالات جیسے ان کی نیند میں دائیں بائیں کروٹیں بدلنا وغیرہ اسی اللہ تعالیٰ کی ایسی نشانیوں پر خصوصیت سے انہیں ظاہر ہیں جو دیکھنے والوں سے ادراک کی گئیں اور خرق عادت کے طور پر جیسے اسباب عادیہ کے تحت نہیں تھیں تاکہ ظاہر ہو کہ ان کی نشانیوں کی دعا مستجاب ہوئی ۔

فِي الْكَهْفِ یہ ظرف مکان ضربنا کے متعلق ہے سِنِيْنَ یہ ظرف زمان اسی ضربنا کے متعلق ہے عَدَدًا یعنی گنتی والے یعنی کئی سو سال اس کی تفصیل آئندہ اوراق میں آرہی ہے

سوال سنین تو خود معدود ہے پھر عددا کو اس کی صفت بنا کر کیوں لایا گیا

جواب کثرت کے اظہار کے لیے ہے اور یہی زیادہ موزوں ہے اس لیے کہ اس کی قدرت کا کمال اسی سے واضح تر ظاہر ہوتا ہے قلت کے لیے بھی ہو سکتا ہے یہاں معنی یہ ہے کہ یہ زیادہ مدت جب اصحاب کہف اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے دو شخصوں کے بالمقابل اصحاب کہف کا عرصہ دراز تک سوتے رہنا عجیب ہونے کے باوجود کچھ بھی نہیں ان کا عرصہ دراز تک سونا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک یوم کی مقدار کے برابر ہے ۔

ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ پھر ہم نے انھیں جگایا ان کی بیداری اور حشر حیات کو موت سے تشبیہ دی گئی ہے اس میں دلیل ہے کہ نیند موت کی ہم جنس ہے آپس کے لوازمات کی وجہ سے ہے کہ ہر دونوں کا اثر ہے حیات کا معطل ہو جانا اور ہر دونوں کی علامات جیسی حالت کا ہو جانا لِنَعْلَمَ ہمارا علم مجازاً جیسے امتحاناً آزمائش ہے سبب بولکر مسبب مراد لیا گیا ہے۔

سوال امتحان میں بھی علم سے فعل کا صدور ضروری ہے

جواب علم سے فعل کا صدور ضروری نہیں بلکہ بسا اوقات علم کا صرف اظہار مطلوب ہوتا ہے جیسے افعال تعجب میں ہوتا ہے چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کو فرمایا کہ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ اس میں بھی نمرود سے صرف اظہار مطلوب ہے اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ ہم نے اصحاب کہف کو ایک عرصے کے بعد جگایا کہ ہم ان لوگوں سے وہی معاملہ کریں جو عام طور آزمائش لیتے ہوئے لوگوں سے کیا جاتا ہے۔

اَیُّ الْحِزْبَیْنِ اس سے وہ دو گروہ مراد ہیں جنہوں نے اصحاب کہف کے غار میں ٹھہرنے کی مدت میں اختلاف کیا تھا ف حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ان دو فریقوں یعنی نوجوانوں اور بادشاہوں سے صرف بادشاہ مراد ہیں جو اس مدت میں ایک دوسرے کے جانشین ہوئے وہ اس لیے کہ نوجوانوں میں علم عدد کی حفاظت سوائے ان بادشاہوں کے اور کوئی نہیں ہو سکتا

ترکیب ای مبتدا اور احصی اس کی خبر احصی صیغہ فعل ماضی ہے بمعنی ضبط۔

لِمَا لَبِثُوْٓا ما مصدریہ ہے یعنی لبثہم اَمَدًا اور حل لغات اہل عرب کہتے ہیں تمام مفسرین کی تحقیق یہی ہے یعنی ان کی ظاہری انتہا و قیامت کیا ہے یہ آزمائش اس لیے ہوئی کہ جب وہ ان کی بعثت مدت کی صحیح گنتی سے عاجز ہوں گے تو اقرار کرنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ ان کے متعلق صحیح علم صرف اللہ تعالیٰ علیم خبیر کو ہے اور یقین کریں گے کہ وہی ان کے حالات کو بہتر جانتا ہے اور اسی کو علم ہے کہ اس نے ان کے ساتھ کیا کیا اور ان کے ایمان کو کس طرح محفوظ رکھا اور ان کا دین کیا تھا جب اس طرح کا اعتراف کریں گے تو انہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور اس کی وسعت علمی کا یقین ہو جائے گا اور وہ مرنے کے بعد اٹھنے کے عقیدے کو مان لیں گے اس سے دوسرا مقصد یہ بھی ہے کہ اصحاب کہف کے واقعہ سے اہل ایمان کو معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ ایمان داروں سے لطف و کرم فرماتا ہے اس سے کفار منکرین بعث و نشر پر حجت قائم ہو گی۔

حل لغات امدا سے مراد الغایۃ یعنی مدت جیسے بقیہ الفاظ ہیں غایۃ سے مجازاً غایۃ الشئی منتہاہ ہے جیسے غایت جیسے مسافت مجازاً مستعمل ہوئی ہے ایسے ہی لفظ امد بمعنی مدت مجازاً مستعمل ہوا۔

ف احصی یہاں پر فعل ماضی ہے نہ کہ افعل التفضیل اس لیے کہ یہاں پر تمام لوگوں کی آزمائش مقصود ہے نہ کہ ان میں سے کسی ایک کی فضیلت اور اس دوسرے کا ادنیٰ ہونا ظاہر کرنا ہے

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ام حسبت کے خطاب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یعنی اے محبوب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ کا خیال ہے کہ آپ اصحاب الکہف والرقیم کانوا من آیاتنا اصحاب کہف اور رقیم ہماری عجیب آیات سے ہیں نہیں اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی امت کے بعض افراد باعتبار احوال باطنیہ کے لحاظ ان سے عجیب تر ہیں آپ کی امت کے بعض افراد وہ اصحاب خلوات ہیں کہ کہف ان کا خلوت خانہ ہے ۔ جس میں وہ مقیم ہو کر یاد الٰہی میں زندگی بسر کرتے ہیں اور رقیم ان کے وہ قلوب ہیں جن پر حب الٰہی مرقوم ہے یہی صاحبان جیسے محب بھی ہیں اور محبوب بھی اور ان کے قلوب کی تختیوں پر علوم لدنیہ منقوش ہیں ۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

خاطرت کے رقم فیض پذیرد ہیہات
مگر از نقش پراگندہ ورق سادہ کنی

ترجمہ تمہارا دل فیض کے رقم کو کب قبول کر سکتا ہے اور یہ ناممکن ہے البتہ پراگندہ نقوش سے صاف و سادہ کرنا تمہارا کام ہے ۔

اصحاب کہف دقیانوس کے خوف سے بھاگ کر غار میں چھپے تھے اور اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی امت کے اولیاء کرام نفس خود نگر حضوری کے شوق میں جنگل کو جاتے ہیں حضرت حافظ نے فرمایا ؎

شکر کمال حلاوت پس از ریاضت یافت
نخست در شکن تنگ از آن مکان گیرد

ترجمہ کمال میں حلاوت ریاضت کے بعد حاصل ہوتی ہے

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اصحاب کہف کی مراد یہی تھی کہ انہیں دقیانوس کے شر سے نجات اور غار سے سلامت باہر جانا نصیب ہو لیکن آپ کے اولیاء کی مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ نفوس کے شر ورے سے محفوظ ہو جائیں اور غار وجود کی تاریکیوں سے نکل کر نور جمال ذوالجلال کی طرف پہنچ جائیں ۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

مدد گر چراغی نکند آتش طور
چارۂ تیرہ شب وادی ایمن چہ کنم

ترجمہ چراغ کی آتش کی اگر طور مدد نہ کرے تو وادی ایمن کی تاریک شب کیا کر سکتی ہے ۔

فضربنا الخ سے مراد یہ ہے کہ اصحاب خلوات یعنی اولیاء امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری اور باطنی کان مخلوق سے بند کر دیے گئے تاکہ ان کے مسامع کلام مخلوق نہ سن سکیں تاکہ اس کلام کے نقوش ان کے قلوب پر منقش نہ ہو جائیں اسی طرح ان کے جمیع حواس کو ان کے قلوب سے روکا جاتا ہے تاکہ ان کے قلوب پر غلط نقوش منقوش ہوتے ہیں وہ سب کے سب

کو منطقی یعنی عقلی اور ایمانی دلائل سکھا دیے جاتے ہیں یہاں تک کہ لا الہ الا اللہ کے ورد سے ان کے قلوب ما سوی اللہ کی نفی اور وحدت کے اثبات سے نورانی ہو جاتے ہیں پھر علوم لدنیہ کے انوار ان کے قلوب پر منقش ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں فنا فی اللہ ہو کر انہیں بقا باللہ کا مرتبہ نصیب ہوا اسی لیے فرمایا : ثم بعثنٰھم یعنی انہیں ہم نے اپنی بقا کی زندگی بخشی لنعلم ای الحزبین تاکہ واضح ہو کہ ان دو گروہوں یعنی اصحاب کہف اور اصحاب خلوات میں سے احصٰی خطا پر کون ہے اور صواب پر کون ۔ لما لبثوا امدا گرچہ ان میں بعض صرف غاروں میں عرصہ دراز تک مقیم رہے اور بعض خلوات کے گوشوں میں ۔

قصۂ اصحاب کہف

ایک شہر کا بادشاہ تھا ظالم جو اس کے بتوں کو نہ پوجتا اس کو عذاب سے ڈراتا یا بت پجواتا اصحاب کہف کے متعلق کسی نے اس سے چغلی کی اس نے ان کو بلوا کر پوچھا اس وقت حق تعالیٰ نے ان کے دل پر گرہ کر دی یعنی ثابت کیا اور بت پرستی سے انکار کر دیا اور اپنی بات صاف کہہ دی اس وقت بادشاہ نے تو توقف کیا اور شہر پھر کر آؤں تو ان سے بت پوجنا قبول کراؤں یا عذاب کروں وہ گیا اور یہ چپکے نکل گئے شہر سے نکل کر پاس ایک پہاڑ میں کھوہ تھی آپس میں مشورہ کر کے وہاں جا بیٹھے نیند غالب کی سو گئے کسی کو معلوم نہ ہوا تب سے اب تک سوتے ہیں بیچ میں ایک بار اللہ تعالیٰ نے جگا دیا تھا اس سے لوگوں پر خبر کھل گئی پھر سو گئے

افسس کی بت پرستی

افسس ایک مشہور شہر کا نام ہے جو موجودہ ترکیا میں واقع ہے آج کل وہاں سوائے کھنڈرات کے اور کچھ نہیں یہ لوگ اپنی عید کے دن نکلے تو اپنی مورتیوں اور بتوں کو آراستہ کریں اور ان پر بھینٹ چڑھائیں لیکن ان کے شہر ہی میں ایک شخص جو شب و روز غور و فکر کرنے کا عادی تھا وہ ان کی یہ حرکتیں دیکھ کر سوچتا کہ اس کی عقل ان پتھر کے معبودوں کو دیکھ کر بھی نہ مانی وہ ان کی طرف سے بے شک و شبہ میں مصروف رہتا اور پریشان و فکرمند رہا کرتا پھر وہاں کے درمیان سے چپکے سے کھسک کر نکل جاتا اور چھپتا ہوا ایک درخت کے نیچے حیران و پریشان بیٹھا رہتا ۔

اس کے بعد ایک اور شخص اسی حیرت اور پریشانی میں مبتلا تھا اس کے پاس آ بیٹھا یہ بھی شرافت اور حسب و نسب میں پہلے کے مشابہ تھا اور بت پرستی سے بیزار اور ویسا ہی فکرمند تھا اسی طرح اس خیال کے لوگوں کی تعداد سات تک پہنچ گئی بہت جلد ان لوگوں کے دل آپس میں مل گئے اور یہ باہم ہم شکل ہم خیال اور متحد ہو گئے اگرچہ ان کے درمیان کوئی نسبی رشتہ تعلق نہ تھا ۔

ان لوگوں نے اپنی قوم کی مشرکانہ رسوم و عبادت سے انکار کا اعلان برملا کر دیا پھر انہوں نے کائنات کی وسعتوں میں قدم بڑھایا اور اپنی فطرت سلیمہ اور دور رس نگاہوں کی بدولت اشیائے موجودات پر غور و فکر کرنا شروع کر دیا یہاں تک کہ ان کے دل توحید کے نور سے روشن ہو گئے انہیں خالق کائنات کی راہ مل گئی اور وحدانیت و حق پرستی کا بھید معلوم ہو گیا وہ اس دین سے خوش اور مطمئن ہو گئے ۔

لے حفظ الرحمٰن سیوہاروی

انھوں نے اس پر اتفاق کر لیا کہ اس دین کو اپنے دلوں کی گہرائی میں چھپائے رکھیں گے کیونکہ اس زمانہ کا بادشاہ بت پرست اور مشرک تھا اور مشرکوں کا حامی و مددگار تھا ۔

اصحاب کہف کا اجتماع

اب ان میں سے ہر ایک دن کو سوچتا تھا جو ان کے ہاں رفیق مصیبت تھے اور انھیں کی طرح بے قرار رہتا تھا جب ان میں سے کوئی تنہا ہوتا اور دل کو یکسو پاتا تو اللہ کی طرف متوجہ ہو کر عبادت اور نماز میں مشغول ہو جاتا اور اس کی پاکیزگی اور تقدس کا اقرار کرتا اسی حالت میں یہ لوگ ایک رات کو جمع ہوئے اور اس اجتماع میں ان میں سے ایک نے پست آواز میں ڈرتے ڈرتے کہا ۔

دوستو! کل میں نے ایک خبر سنی اگر اس کا راوی سچا ہے اور میں اسے سچا ہی سمجھتا ہوں تو اس خبر میں ہمارے دین کی تباہی اور ہمارے وجود کی بربادی کا خطرہ ہے میں نے سنا کہ بادشاہ کو ہمارا حال معلوم ہو گیا ہے اس پر ہمارے دین اور عقیدے کا بھید کھل چکا ہے اس کی اطلاع پا کر اس کا غضب بھڑک اٹھا ہے اور اس نے برہم ہو کر دھمکی دی ہے کہ اگر ہم لوگ اس دین سے جو ہمارے دلوں میں خوب رچ گیا ہے باز نہ آئے تو ہمیں نقصان پہنچے گا اندیشہ ہے کہ کل ہی ہم اس کے حضور میں پیش کئے جائیں اور اس کے وعدہ اور وعید کی درمیانی حالت سے دوچار ہوں یعنی ہمیں اس کی تلوار اور جلاد جیسی قوت کا سامنا کرنا پڑے ۔ اس لیے اس بات پر غور کر لو اور سوچ سمجھ کر رائے قائم کرو ۔

دوسرے ساتھی کی اولوالعزمی

دوسرے نے کہا میں یہ خبر پہلے ہی سن چکا ہوں میں نے اسے افواہ پھیلانے والوں کی دہشت انگیز خبر اور بے جا طوفان کی کاوش خیال کیا تھا لیکن معلوم ہوتا ہے اب یہ خبر پھیل گئی ہے یہاں تک کہ اب اس کے سچ ہونے اور واقع ہونے کا احتمال ہے مگر ہماری رائے تو اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اپنے دین پر ثابت قدم رہیں گے اور ہمیں لوگ جس طرح بھی دبانا چاہیں برداشت کریں گے مگر یہ محال ہے کہ ہم ان بتوں کی طرف پھر لوٹیں جن کی یہ لوگ عبادت کرتے ہیں اور جن کے فاسد و باطل ہونے کا علم ہمیں ہو چکا ہے ہم تو اللہ کی عبادت سے چمٹیں گے آفتاب جو ہر روز طلوع ہوتا ہے اپنے طلوع کے ساتھ خدا کے وجود کی دلیل رکھتا ہے اور فکر و خیال کی ہر تسبیح اس کی عظمت کی شہادت دیتی ہے !

آخر جو خبریں پھیل رہی تھیں صحیح ثابت ہوئیں ان بزرگوں کو ان کے گھروں سے باہر نکالا گیا اور بادشاہ وقت کے سامنے پیش کیا گیا ۔

بادشاہ کا خطاب

بادشاہ نے ان سے کہا ـــــــ تم نے اس بات کو چھپانے کا ارادہ کیا، اپنے دین کو مخفی رکھنے کی کوشش کی مگر تم اس میں کامیاب نہیں ہوئے تم نے جو کچھ چھپایا ظاہر ہو گیا اور تم جو کچھ علم و اعتقاد رکھتے ہو اس کی اطلاع مجھے پہلے ہی ہو چکی ہے مجھے معلوم ہوا کہ تم بادشاہ اور رعیت کے دین سے پھر چکے ہو اور تم نے ایسا دین اختیار کیا ہے جو میں نہیں جانتا تم پر کہاں سے اتر پڑا تمھیں اس کا علم کیسے ہوا ؟

میرے لیے یہ بات تو آسان تھی کہ میں تمہیں اپنے دین میں مرنے کے لیے چھوڑ دوں اور آزاد رہنے دوں لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم لوگ اپنی قوم کے شرارت اور فتنوں کے مرکز میں سے ہو اور اگر عوام کو تمہاری باتوں کا علم ہوا تو تمہاری شریعت اور دین کے اندر داخل ہو جائیں گے اور تمہارے طریقے پر چلنے لگیں گے اور اس صورت میں ملک کی تباہی اور امن و امان کی خرابی ہے۔

میں تمہیں سزا و تعزیر دینے میں جلدی نہ کروں گا اور اس کا موقع دوں گا جو کچھ تم کرنا چاہتے ہو اس پر غور کر لو اور سوچ لو کہ اب دو ہی راستے تمہارے سامنے ہیں یا تو تمہیں پھر ہماری ملت کی طرف لوٹ آنا اور لوگوں کے مذہب کی اطاعت کرنا ہے یا پھر یہ دیکھ لو اور منظر دیکھ لو کہ اس کے سامنے چند سر اور اعضا رکھے ہوئے ڈھیر ہیں ان کا حال تمہارا انجام ہے تو سوچ لو؟

اصحاب کہف کی قوت ایمانی

مگر اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کے دل مضبوط کر دیے تھے اور ان کے ایمان کو قوت عطا کی تھی اس لیے وہ بادشاہ کی دھمکیوں میں نہ آئے انہوں نے جواب دیا اے بادشاہ! ہم اس دین میں دوسروں کی تقلید کے قائل نہیں ہوئے ہیں نہ ہم نے اسے کسی کی زبردستی سے قبول کیا ہے ہم اس پر جاہلوں یا اندھوں کی طرح عمل نہیں کر رہے ہیں بلکہ ہمیں ہماری فطرت نے اس طرف بلایا اور ہم نے اسے اپنی عقل و فہم کی روشنی میں درست پا کر اختیار کیا ہے بیشک وہ اللہ ایک ہے ہم اسے چھوڑ کر کسی اور معبود کو نہ پکاریں گے رہی ہماری قوم تو اس کا حال یہ ہے کہ اس نے بے جانے بوجھے اندھوں کی پیروی کر کے ان بتوں کو پوجنا شروع کر دیا وہ نہ تو اس کے درست ہونے کی دلیل رکھتے ہیں نہ ان کے پاس کوئی حجت اور ثبوت ہے ہماری معلومات اور ذاتی اسی حد تک ہیں اور ہم اس پر قائم ہیں اس لیے اب آپ کو جو حکم دینا ہو دیجیے ہم جو کرنا چاہیں کریں۔

بادشاہ نے کہا: اچھا تم لوگ جاؤ! کل میرے حضور میں آنا پھر میں تمہارے معاملہ پر غور کروں گا اور تمہارا فیصلہ کروں گا۔

ہجرت کا فیصلہ

اس کے بعد یہ لوگ تنہائی میں جمع ہو کر مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کریں ان میں سے ایک نے کہا بادشاہ ہمارے عقیدہ اور مذہب سے پوری طرح واقف ہو چکا ہے اس لیے اب اس کے وعدے اور وعید کے درمیان تھوڑا سا وقفہ ہے اس کی امید یا دھمکیوں میں آنے کا کوئی موقع نہیں مناسب ہو گا کہ ہم اپنے دین کی سلامتی کے لیے پہاڑ کی اس کھوہ میں جا چھپیں یہ مقام اپنی تاریکی اور تنگی کے باوجود اس جیسی سرزمین میں ہمارے لیے سب سے زیادہ کشادہ اور فراخ ہو گا کیونکہ ہم اس زمین میں اپنی خواہش کے مطابق مذہبی زندگی بسر نہیں کر سکتے اور اپنے عقیدہ کے مطابق اپنے دین کا اعلان نہیں کر سکتے لیکن اس کھوہ یا غار کی یہ صورت ہو سکتی ہے جس میں ہم سے ایسا دین منوایا جاتا ہے جس سے ہم متفق نہیں ہیں اور اس وطن میں کیا عزت ہو سکتی ہے جس میں ہمارے عقیدے کے برخلاف زبردستی رائے منوائی جاتی ہے۔

کتے کی رفاقت

اس کے بعد ان سب لوگوں نے وطن چھوڑنے کا فیصلہ کیا چنانچہ وہ اللہ کی رضا کو دنیا پر ترجیح دے کر وہاں سے چل دیے اس موقع پر ایک کتے نے انہیں دیکھا تو وہ بھی ان کے پیچھے ہو لیا انہوں نے بھی اسے ساتھ رہنے دیا اس کی پاسبانی کرنے میں کوئی حرج نہ تھا ۔

غار کے اندر

یہ لوگ بڑھتے رہے یہاں تک کہ ایک غار میں پہنچے جہاں انہوں نے پھل پائے اور پانی بھی کھایا پیا اور لیٹ گئے تاکہ تھوڑی دیر تک ماندگی دور ہو جائے کیونکہ وہ پیدل آئے تھے اور اتنی مسافت طے کرنے کے بعد تھکن بھی ہوئی تھی ابھی چند ہی لمحات گزرے تھے کہ غنودگی سے ان کی آنکھیں بند ہونے لگیں اور سب کے سر زمین پر ڈھلک گئے اور ان پر گہری نیند طاری ہو گئی۔

برسوں کی گہری نیند

رات کے بعد دن اور برسوں کے برس گزرتے رہے اور یہ لوگ سوتے رہے یہ بڑی گہری نیند سوتے رہے تھے نہ جانے کب تک ان کی نیند میں خلل نہ آئے نہ کسی آدمی کے تھپیڑے انہیں بیدار کر سکتے تھے سورج طلوع ہوتا تو دائیں طرف سے گزر کر اس کی شعاعیں غار میں پہنچتیں اس طرح آفتاب کی روشنی اور حرارت تو ان میں باقی رہتی مگر اس کی شعاعیں براہ راست ان تک نہ پہنچتیں اس کے بعد آفتاب غروب ہونے کے وقت ہٹ جاتا اور ان سے دور ہی دور رہتا یہ سب کچھ اس لیے ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اجسام کو محفوظ رکھنے کا ارادہ فرمایا ہوا تھا۔ اگر کوئی دیکھنے والا انہیں دیکھتا تو اسی حال میں دیکھتا کہ کبھی وہ دائیں جانب کروٹ بدلتے ہیں اور کبھی بائیں طرف ان کی حالت اتنی خوفناک ہو گئی تھی کہ جو دیکھتا اس پر رعب طاری ہو جاتا اور خوف زدہ ہو جاتا انہیں اس طویل نیند سوتے بھی سو نواں سال شروع ہو گیا یعنی سوا تین سو برس سوتے گزر گئے اس کے بعد جب یہ بیدار ہوئے تو بھوک کی شدت سے بے چین ہو رہے تھے جان کو سنبھالنا اور تھکے ہوئے اعضا پر قابو پانا مشکل ہو گیا یہ حضرات اپنے دل میں یہی سمجھے کہ انہیں اس حال میں کچھ زیادہ زمانہ نہیں گزرا اور گویا تاریخ کا پہیہ ان کی غار کے قریب آ کر ٹھہر گیا ہے ۔

آپس میں اظہار خیال

ان میں سے ایک نے ان سے پوچھا مجھے ایسا خیال ہوتا ہے کہ ہم بہت دیر سوتے رہے ہیں دوستو تمہارا کیا خیال ہے ۔ دوسرا بولا شاید ہم دن بھر سوتے رہے ہیں کیونکہ ہمیں نیند اور تھکن محسوس ہو رہی ہے اس سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے تیسرے نے کہا ہم آج صبح ہی کو سوئے تھے اور ابھی سورج غروب بھی نہیں ہوا اس لیے میرا خیال تو یہی ہے کہ ہم دن کے کچھ حصے میں سوتے رہے ہیں چوتھا بولا اپنے اس سوال کا جواب رہنے ہی دو یہ اللہ ہی کو معلوم ہے کہ تم کتنی دیر سوتے رہے ہو لیکن اب تو سخت بھوک لگی ہوئی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہم نے کئی دنوں سے کچھ نہیں کھایا اب چاہیے کہ تم میں سے کوئی شہر کو جائے اور جا کر کھانا تلاش کر کے لائے مگر یہ شخص ہوشیار اور سمجھدار ہو اس بات کا خیال رکھے کہ ہمیں کوئی پہچانے اور نہ کوئی انسان اس کا پیچھا کرے اگر یہ لوگ ہم پر چڑھ دوڑے اور انہوں نے ہمارا ٹھکانا جان لیا تو وہ ہمیں قتل کر ڈالیں گے یا ہمارے دین کے معاملہ میں ہمیں فتنہ میں ڈال دیں گے اب ان میں سے ایک شخص شہر کی طرف چلا اور بہت احتیاط اور خوف کے ساتھ قدم بڑھاتا ہوا شہر افسس میں داخل ہوا مگر یہاں پہنچ کر اسے کسی چیز سے خوف محسوس نہ ہوا البتہ

دیکھا کہ اسے عجیب منظر دکھائی دیا کہ آثار اور عمارات میں تغیرات پیدا ہو چکے ہیں کھنڈر محل بن گئے ہیں اور جو محل تھے وہ کھنڈرات اور ٹیلوں کی صورت میں تبدیل ہو چکے ہیں چہرے اور صورتیں انجانی اور غیر مانوس معلوم ہوتی ہیں

لوگوں کی پوچھ گچھ

اس شخص کی نظریں حیران تھیں چال سے گھبراہٹ اور بے چینی تھی ہر چیز کو بڑی حیرت سے نظر پر نظر حرکت سے اس کی پریشانی بڑھتی جاتی تھی۔ یہ دیکھ کر لوگ اس کے پاس جمع ہو گئے۔

ان میں سے ایک نے اس سے پوچھا کیا تم اس شہر میں پردیسی ہو؟ کیا سوچ رہے ہو کسے ڈھونڈتے ہو؟ اس نے جواب دیا میں پردیسی تو نہیں ہوں کھانا خریدنا چاہتا ہوں اس کی تلاش ہے۔ لیکن وہ مکان نظر نہیں آتا جہاں کھانا فروخت ہوتا ہے وہ اس آدمی کا ہاتھ پکڑ کر کھانا فروخت کرنے والے کی دکان پر لے گیا اب اس غار والے نے اپنے درہم نکال کر دیے وہ یہ دیکھ کر بہت حیران ہوا کہ یہ سکے تین سو برس سے زیادہ مدت کے ڈھلے ہوئے ہیں اس نے سوچا معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کو کسی خزانے کا سراغ لگا اس کے پاس ان درہموں کے علاوہ اور بھی بہت سے درہم ہوں گے لیکن یہ خبر اڑ گئی اب اس کے پاس بہت سے لوگ جمع ہو گئے اور آہستہ آہستہ بھیڑ زیادہ ہونے لگی۔

غار والے شخص کا بیان

غار والے نے کہا —— لوگو! تم جیسا خیال کر رہے ہو ویسا نہیں ہے یہ تو میری اسی شہر کی ہے جس قسم کی تم کہو یہ درہم کل ہی یہاں کے ایک محلے میں لوگوں سے میرے پاس آئے آج میں یہاں سے کھانا خریدنے آیا ہوں اس میں تمہاری حیرانی کی کیا بات ہے؟ تم جو کہتے ہو الزام لگاتے ہیں تلاش ہے ہو پھر اس شخص نے اس بات پر کہ بستی کا حال جانے اور اس کی حقیقت معلوم ہو پہلے تو لوگوں کو ... لیکن اب وہی لوگ اس کے ساتھ نرمی سے پیش آنے لگے اور تعجب سے گفتگو کرنے لگے جب انہیں معلوم ہوا کہ یہ شخص ان شریف بزرگوں میں سے ہے جو تین سو برس پہلے ان کے ظالم و کافر بادشاہ کے ظلم سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے اور پھر بادشاہ انہیں طلب کرنے کے باوجود نہ پا سکا اور تلاش کرنے پر بھی انہیں پکڑنے سے قاصر رہا تو ان لوگوں کو نہایت حیرت ہوئی اور جس کو جو کچھ یاد تھا بیان کیا کہ یہ لوگ اس قصے سے واقف ہو گئے ہیں تو وہ بہت ڈرا اور اسے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جان خطرے میں نظر آنے لگی اس نے بھاگ جانے کا ارادہ کیا یہ دیکھ کر ان لوگوں میں سے ایک نے کہا۔

ارے میاں خوف نہ کرو ہمیں یہ بات ڈرنے کی نہیں ہے جو وہ کوئی تین سو برس پہلے مر چکا ہے اب یہ بادشاہ تخت نشین ہے وہ خود بھی اسی طرح ایمان رکھتا ہے جس طرح تم رکھتے ہو کہو بتاؤ تمہارے ساتھی کون ہیں اور باقی ساتھی کہاں ہیں؟ اب اس غار والے شخص کو اپنی یہ حالت معلوم ہوئی اور تاریخ کے دریچے اب کا پتا چلا جو اس دنیا میں گزر چکا تھا اور جس کی بدولت اس کے اور ان لوگوں کے درمیان اتنا فاصلہ واقع ہو گیا تھا اب اس کی حالت چلتے پھرتے بے جان جسم اور خوف سے کانپنے کی سی تھی وہ حیران کھڑا تھا پھر اس نے بات کرنے والے سے کہا اچھا مجھے جانے دو تاکہ میں غار میں اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچوں اور ان سے یہ سب کچھ بیان کر دوں غالباً ان کا انتظار بہت بڑھ گیا ہوگا اور وہ سخت بے چین ہوں گے۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُمْ بِالْحَقِّ ۚ إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى ⑬

ہم ان کا ٹھیک ٹھیک حال آپ سے بیان کرتے ہیں وہ چند جوان تھے کہ اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان

وَرَبَطْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ إِذْ قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَنْ نَدْعُوَ

کو ہدایت میں اور ترقی دی اور ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیئے جب کہ وہ کھڑے ہو کر کہنے لگے ہمارا رب تو وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے ہم

مِنْ دُونِهِ إِلَٰهًا ۖ لَقَدْ قُلْنَا إِذًا شَطَطًا ⑭

اس کے سوا کسی معبود کو نہ پکاریں گے ایسا ہو تو ہم نے ضرور حد سے گزری ہوئی بات کہی

بقیہ صفحہ ۳۴۲

بادشاہ کی غار نشینوں سے ملاقات

بادشاہ نے ان کا حال سنا تو وہ جماعت کے ساتھ ان سے ملنے کے لیے ان کے غار کی طرف چلا وہاں ایسے لوگوں کو دیکھا جن کے چہرے زندگی سے چمک رہے تھے اور خون ان کی رگوں میں دوڑ رہا تھا اس نے ان سے معانقہ کیا اور انہیں اپنے قصر میں آ کر رہنے اور اپنے پاس ٹھہرنے کی دعوت دی اس کے جواب میں ان لوگوں نے کہا :

"اب ہم زندگی نہیں چاہتے ہمارے بیٹے پوتے مر چکے اور وہ مکان مٹ گئے ہمارے اور زندگی کے درمیان جو علاقے تھے منقطع ہو گئے ۔"

اللہ سے ملنے کی دعا اور خاتمہ

اس کے بعد ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور ان پر رحمت نازل فرمائے پلک جھپکنے کی دیر بھی نہ ہوئی کہ یہ لوگ جسم بے جان ہو کر رہ گئے جن میں زندگی کا نام تک نہ رہا ۔ تب قوم نے ان لوگوں کو دیکھ کر کہا :

• شاید اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کے حال سے اس لیے مطلع فرمایا کہ ہم یہ بات جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے موت کے بعد حشر میں دوبارہ زندگی برحق ہے اور بے شبہ قیامت آنے والی ہے پھر ان کے اس معاملہ پر آپس میں نزاع ہونے لگا ۔

فَقَالُوا ابْنُوا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۖ رَبُّهُمْ أَعْلَمُ بِهِمْ ۚ	انہوں نے کہا ان پر ایک عمارت بنا دو ان کا رب
قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ	ہی انہیں زیادہ بہتر جانتا ہے جو لوگ غالب تھے
لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَسْجِدًا ۔	انہوں نے کہا ہم ان کے پاس ایک عبادت خانہ بنا دیں گے ۔

تفسیر عالمانہ

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ [illegible] یعنی ہم آپ کو خبر دیتے ہیں اور ان کا حال بیان کرتے ہیں ۔ قصص کے اشتقاق کی بحث سورۂ یوسف میں ہم نے بیان کر دی ہے

نَبَاَھُمۡ یعنی اصحاب کہف و رقیم کا واقعہ بِالۡحَقِّ یہ مصدر محذوف کی صفت ہے دراصل عبارت یوں تھی۔ "قصصًا متلبسًا بالحق" یعنی وہ قصہ جو سراسر حق مبنی بر صدق ہے۔

ف اس میں اشارہ ہے کہ بہت سے قصہ خواں غلط اور جھوٹے قصے سناتے ہیں یا اپنی مرضی سے اس میں گھٹاتے بڑھاتے ہیں بلکہ اپنی رائے پر تغیر و تبدل کرتے ہیں جس میں ان کی اپنی خواہش نفسانی کو بہت بڑا دخل ہوتا ہے اور سچا اور حق قصہ صرف اللہ بیان فرماتا ہے۔

اِنَّھُمۡ فِتۡیَۃٌ بے شک وہ چند نوجوان تھے اٰمَنُوۡا بِرَبِّھِمۡ جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے

اصحاب کہف کے ایمان کا سبب

تکملہ میں لکھا ہے کہ ان کے ایمان لانے کا سبب یوں ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کسی ایک حواری نے ان کے شہر میں داخل ہونے کا ارادہ کیا تو انہیں کسی نے کہا کہ اس شہر کے دروازے پر ایک بت رکھا ہے جو بھی اس شہر میں داخل ہوتا ہے اس پر ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اس بت کو سجدہ کرے ورنہ شہر میں داخل نہیں ہونے دیتے اس بندہ خدا نے صرف غیر اللہ کی پرستش کی وجہ سے شہر میں جانے سے انکار کر دیا شہر کے باہر ایک حمام کرایہ پر لے کر اپنا کاروبار شروع کر دیا کسی وجہ سے ان نوجوانوں کا اس کے ہاں آنا جانا ہوا تو وہ بزرگ انہیں اللہ تعالیٰ اور آخرت کے متعلق واقعات سناتا رہا اس کی باتوں سے متاثر ہو کر نوجوان اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے اور حواری کی تمام سچی باتوں کی تصدیق کی۔

حواری بھاگ گیا

ایک دن حواری کے حمام میں وقت کے بادشاہ کے بیٹے نے ایک عورت سے زنا کرنے کی اجازت چاہی اس حواری نے سختی سے منع کیا لیکن وہ چونکہ بادشاہ کا بیٹا تھا اس لیے زبردستی اس عورت کو لے کر اس کے حمام میں داخل ہوا شومئ قسمت بادشاہ کا بیٹا اور وہ عورت ہر دو اسی کے حمام میں مر گئے بادشاہ کو معلوم ہوا کہ حمام میں اس کے بیٹے کو حواری نے قتل کر دیا ہے بادشاہ نے حواری کی گرفتاری کا حکم کیا تو حواری بھاگ گیا جب وہ نہ ملا تو بادشاہ نے کہا اس کے مصاحبین کو پکڑو اس کے مصاحبین وہی نوجوان تھے جب ان نوجوانوں نے اپنی گرفتاری کا سنا تو وہ بھی بھاگ کر غار میں چھپ گئے۔

صاحب روح البیان کا بہترین فیصلہ

صاحب روح البیان یہاں پر لکھتے ہیں کہ میری رائے یہ ہے کہ اصحاب کہف کا ایمان کسی تلقین الہام کشفی اور انجذاب ربانی سے نصیب ہوا نہیں کسی کی رہبری کی حاجت نہیں تھی اس تقریر کی تائید "وربطنا علی قلوبھم" سے بھی ہوتی ہے چنانچہ اس کی مزید تفصیل آگے آتی ہے۔

اصحاب کہف کس زمانہ میں تھے؟

اس میں علماء کرام کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کی بشارت دیتے تھے

حالت بتائے یعنی ان کا خواب سے بیدار ہونا عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کے بعد زمانہ فترہ[1] میں ہوا اور دوسری جماعت کا کہنا ہے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کے دعویٰ نبوت کے بعد ہوئے تھے اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر تھے ۔

ف طبری نے کہا کہ یہی اکثر علماء کرام کا مذہب ہے ۔

وَّ زِدْنٰهُمْ هُدًى ۝ یعنی ہم نے انہیں دین حق پر ثابت قدم رکھا اور ان پر اپنے محاسن ظاہر کیے ۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ سے انہیں اس لیے یاد فرمایا ہے تاکہ معلوم ہو کہ انہیں تقلیدی ایمان کی بجائے تحقیقی ایمان نصیب ہوا اور انہوں نے بلا واسطہ غیر اللہ ہدایت حاصل کی۔ یا اس لیے کہ انہوں نے اپنے ابتدائی دور میں بقدر ہمت ہدایت طلب کی تو پھر اللہ تعالیٰ نے بموجب من تقرب الی شبرا تقربت الیه ذراعا ۔ جو ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے میں ایک ہاتھ کے برابر قریب ہو جاتا ہوں انہیں ہدایت میں بڑھا دیا یہ اس کی نظر عنایت اور لطف و کرم ہے چنانچہ خود فرمایا وَ زِدْنٰهُمْ هُدًى ۔ یعنی ہم نے ان کی آرزو کے مطابق ان کی ہدایت میں اضافہ کیا اس لیے کہ ان کی تمنا تھی کہ انہیں اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور ان انعامات کی ہدایت عطا فرمائے جو انبیاء علیہم السلام پر آئے اور انہیں بعث و نشر کا راستہ بھی نصیب ہو۔ ان کی یہ تمنا ایمان بالغیب کے قبیل سے تھی اللہ تعالیٰ نے ان پر لطف و کرم فرمایا کہ ان کی ہدایت کی تمنا میں یوں اضافہ فرمایا کہ انہیں تین سو سال کی طویل نیند سے بیدار فرمایا اور اتنا طویل عرصہ ان پر گزرا لیکن نہ ان کے اجسام متغیر ہوئے اور نہ ہی ان کے کپڑے بوسیدہ ہوئے اسی کیفیت سے ان کے ایمان یقینی سے اور یقین عیان سے بدل گئے ۔ ؎

میوہ باشد آخر از بار تو
کعبہ باشد آخر اسفار تو

ترجمہ : میوہ بعد میں نصیب ہوتا ہے جبکہ پہلے صرف درخت ہی بار پر تھے ایسے ہی کعبہ کی زیارت طویل سفر طے کرنے کے بعد ہوتی ہے ۔

تفسیر عالمانہ

وَّ رَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ یعنی ہم نے انہیں قوی بنایا یہاں تک کہ وہ اپنے اہل و عیال اور وطن اور نعمتوں اور بھائیوں کے ہجر کی تکلیفوں کو برداشت کرنے کے قابل ہو گئے اور بلا خوف و خطر حق کے اظہار پر جرات مند ہوئے اور دقیانوس جیسے ظالم و جابر بادشاہ کے سامنے حق گوئی پر بے باک ہو گئے ۔

حدیث شریف میں ہے کہ ظالم و جابر بادشاہ کے سامنے حق گوئی بہت بڑا اور افضل جہاد ہے

---

[1] جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اٹھائے گئے تو درمیان میں ایک عرصہ گزرا اس کے بعد حضور علیہ السلام کی نبوت کا دور شروع ہوا اس درمیانی دور کو فترہ سے تعبیر کرتے ہیں ۔

شکست یا ہار، عزت و وقار کے درمیان ہوتا ہے جب بادشاہ ایسے شخص کو تباہ و برباد کرنا چاہتا ہے کہ ایسے وقت میں حق گوئی میں خوف کا غلبہ ہوتا ہے بنا بریں اس کی حق گوئی سے اسے افضل جہاد کا مرتبہ نصیب ہوا۔

حل لغات اساس ولغت کی کتاب کا نام ہے اس میں ہے کہ ربطت الدابۃ ای ربطتہا بحبل اسی لیے المربط گھوڑے کو بھی کہا جاتا ہے اور ربط اللہ علی قلبہ یعنی صبر دینی اللہ تعالیٰ نے صبر کی توفیق بخشی چونکہ خوف اور قلق سے قلب کو سکون نہیں رہتا۔ کما قال تعالیٰ:

بلغت القلوب الحناجر پہنچ گئے قلوب حنجروں تک، بنا بریں اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب کو تقویت بخشی جانوروں کو سخت باندھنے کے ساتھ قلوب کی تثبیت کو تشبیہ دی گئی ہے

اِذْ قَامُوْا - ربطنا کی وجہ سے منصوب ہے اور قیام سے ان کا شعار دین کو قائم رکھنا مراد ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ ان کا یہاں وہ قیام مراد ہے جب کہ دقیانوس جیسے ظالم و جابر حکمران کے سامنے گرفتار ہو کر لائے تو اس نے انہیں بت پرستی پر مجبور کیا اور اس پر دھمکیاں بھی دیں لیکن انہوں نے اس کی ان دھمکیوں کی کوئی پرواہ نہ کی اس تقریر پر قاموا کو باقیوں کی عبارت سے کسی قسم کا تعلق نہ ہوگا بلکہ یہ انہوں نے از خود کہا جب کہ وہ اپنی قوم سے نکل کر غار کی طرف جانے لگے تھے

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وربطنا علی قلوبہم اذ قاموا یعنی ہم نے ان کے دل مضبوط کیے تاکہ وہ دنیا اور اس کے تعلقات کی طرف ملتفت نہ ہوں بلکہ پورے طور ما سوی اللہ سے منقطع ہو کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے یہی وجہ ہے کہ جب وہ بیدار ہوئے تو پھر انہیں دوبارہ دنیا سے عدم رغبتی کا اظہار کرتے ہوئے جوار الٰہی میں زندگی بسر کرنے کی آرزو دل میں چھپائے ہوئے تھی۔ فقالوا ربنا رب السموات والارض یعنی انہوں نے کہا کہ ہمارا رب جمیع عالم ارواح و اجسام کا مالک آسمانوں کا خالق ہے اور بت بھی عالم کا ایک جزو ہیں بنا بریں وہ بھی ایک مخلوق ٹھہرے پھر مخلوق کی پرستش کیسی وہ تو اسی لیے ہی وہی پرستش کے لائق ہے۔

لن ندعوا ہم ہرگز کسی کی پرستش نہیں کریں گے من دونہ الٰہا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے معبود کی نہ مستقل طور اور نہ ہی اسے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرا کر۔

سوال جب پہلے لفظ اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کا ذکر ہو چکا تھا تو اب بھی الٰہا کے بجائے ربّا ہونا چاہیے تھا۔

جواب چونکہ کفار اپنے معبودوں کو الٰہ سے تعبیر کرتے تھے اسی لیے انہوں نے اسی لفظ کی تصریح کی تاکہ ان کا پورے طور رد ہو جائے۔

لقد قلنا یعنی بفرض محال اگر ہم غیر اللہ کی پرستش کریں تو پھر ہم نے کہا ایسا قول اذا شططا جس میں حد سے تجاوز شطط سے پہلے لفظ قولا محذوف ہے۔ تجاوز عن الحد یہ صفت ہے مصدر محذوف

هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً

یہ ہماری قوم ہے جس نے اس کے سوا خدا بنا رکھے ہیں

لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍ بَيِّنٍ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۝

کیوں نہیں لاتے ان پر کوئی روشن سند تو اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر جھوٹ باندھے

وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ

اور جب تم ان سے اور جو کچھ وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں سب سے الگ ہو جاؤ تو غار میں پناہ لو تمہارا رب تمہارے لیے

رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ۝

اپنی رحمت پھیلا دے گا اور تمہارے کام میں آسانی کے سامان بنا دے گا

[illegible]

اِذًا شَطَطًا سے پہلے مضاف محذوف ہے یا یہ مصدر ہے بطور مبالغہ کے قولاً کی صفت ہے

حل لغات قاموس میں ہے کہ شطط فی سلعتہ شططًا و ہرکثہ بہت سا یعنی جاوز القدر والحد و تباعد عن الحق یعنی قدر اور حد سے تجاوز کیا اور حق سے دور ہوا۔

سوال غیر اللہ کی پرستش کے بعد دعا کا کیا مناسبت ہے

جواب عبادت قول کو بھی مستلزم ہے کہ جس کی پرستش کرے گا اس کے معبود ہونے کا اعتراف لازماً کرے گا اور اس کی طرف عبادت میں تضرع بھی اور یہ ہر دو قول کو مستلزم ہیں۔

ف بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ جزاء و جواب ہے شرط محذوف کی در اصل عبارت یوں تھی "لو دعونا من دونه الٰهًا لقد قلنا قولا الخ" اسی کو ہم نے ترجمہ میں اختیار کیا۔

تفسیر عالمانہ هٰٓؤُلَآءِ یہ مبتدا ہے اسم اشارہ کی تحقیر سے اس کی تحقیر مطلوب ہے قَوْمُنَا هٰؤلاء کا عطف بیان ہے معنی یہ ہیں کہ وہ جو ہماری نسبت سے لوگ ہیں یعنی اہل افسوس شہر کے لوگ۔

نکتہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اصحاب کہف کے قومنا کہنے میں ایک لطیف نکتہ ہے وہ یہ کہ اس میں وہ اپنی سابق غفلت کا اعتراف کر رہے ہیں کہ یہی قوم جس میں ہم پہلے انہی کی طرح تھے جیسے یہ گمراہی کے گڑھے میں پھنسے ہوئے ہیں ہم بھی ایسے ہی تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت و معرفت سے نوازا اور اپنی خاص رحمت و عنایت سے ہمیں ان سے نکالا اور خواہشات اور دنیا و اہل اس کے شہوات سے ہمیں بچایا۔

اِتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً یہ هٰؤلاء کی خبر ہے یہ جملہ خبریہ انکار کا معنی دیتا ہے یعنی ہماری بیوقوف قوم ہی ہے

جنھوں نے جہالت و حماقت سے پتھروں کو اپنا الٰہ یعنی معبود بنا رکھا ہے۔

ف یہ بیان ہے نظر یا کر اتخذوا یا عملوا کے معنی میں ہے اس لیے کہ انھوں نے اپنے معبود پتھروں سے بنا لیے تھے یا اتخذوا بمعنے صیّروا ہے

مثنوی شریف میں ہے ۱

پیش چوب و پیش سنگے سجدہ کنند
اے بسا کوران کہ سر را می نہند
دیو الحاح غوایت می کنند
شیخ الحاح ہدایت می کند

ترجمہ شیطان گمراہی کی التجا کرتے ہیں اور شیخ ہدایت کے لیے مگر شیخ الحاح پر لطف کرتے ہیں

لَوْلَا یَاْتُوْنَ کیوں نہیں لاتے وہ عَلَیْھِمْ اپنے معبودوں کی الوہیت پر بِسُلْطٰنٍ بَیِّنٍ کوئی ایسی واضح دلیل جو ان کے مدعا پر دلالت کرے یعنی وہ ان معبودان باطلہ کی پرستش تو کرتے ہیں لیکن ان کے پاس اس پر کوئی روشن دلیل نہیں نہ آسمانی کتب پر مبنی کہ نہیں معلوم ہوا اور نہ ہی کوئی اور عقلی دلیل بلکہ یہ بیانات سے ایسی کوئی علم جاہلوں کے پاس عقل و نقل ہیں۔

ف اس سے معلوم ہوا کہ جس مسئلہ پر کوئی دلیل نہ ہو وہ قابل قبول نہیں۔

ف آیت میں کفار کو بتوں کی پرستش کے فعل سے تشبیہ دی گئی اور اس پر دلیل پیش کرنے پر ان کے اظہار عجز اور چیلنج کے باوجود ان کی خاموشی کو واضح کیا گیا ہے اس لیے کہ بت پرستی پر کوئی واضح دلیل نہ صرف غیر موجود بلکہ محال بھی ہے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ پس کون ظالم تر اور بڑا ہے مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اس سے جس نے اللہ کی طرف شرک کی نسبت منسوب کرکے اس پر بہتان تراشا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات شرک کی نسبت سے منزہ اور پاک ہے اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ ایسا شخص ظالم ترین ہے اسی لیے سخت ترین عذاب میں مبتلا کیا جائے گا کیونکہ ظلم عذاب کا موجب ہے تو بنا بریں اعظم ظلم سخت تر عذاب کا مستحق ہے

وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْھُمْ یہ آخری بیت میں جملہ یعنی جب تم ان سے اعتقاداً علیحدہ ہو چکے ہو اور دل سے الگ رکھتے ہو تو اب جسمانی لحاظ سے بھی علیحدگی اختیار کرو یہ خطاب اصحاب کہف کو ہی ہے اس وقت ایک دوسرے سے کر رہے تھے جب اپنے شہر سے بھاگ نکلنے کا عزم بالجزم کر چکے تھے۔

ف کاشفی نے لکھا کہ پہلے ہم کو آگے کہہ دیا تو ان حضرات کو حضور سے پہلی صفت دی گئی اس صفت کو فنت جو کہ اپنے شہر سے نکلے تو راستہ میں انہیں ان سب کے سردار یملیخا نے فرمایا وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْھُمْ اور جب تم نکل

شرک سے علیحدہ ہونے اور گھر بار چھوڑنا ۔

وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ اس کا عطف ہم ضمیر منصوب پر عطف ہے جیسا مصدریہ ۔ یا موصولہ ہے یعنی تم مشرکین اور اللہ تعالیٰ کے سوا تمام معبودان باطلہ کی پرستش سے علیحدگی اختیار کر چکے ہو ۔

ف ما مصدریہ ہو یا موصول ہر دو کی اعتبار سے استثناء متصل ہو تو معلوم ہوگا کہ یہ حضرات اہل مکہ کی طرح پہلے مشرک تھے پھر دولت ایمان سے نوازے گئے مگر استثناء منقطع ہو تو مطلب ہوگا کہ تم صرف بتوں کی پرستش سے علیحدگی اختیار کر چکے ہو معبود برحق اور معبود مطلق کی عبادت سے ۔

فَاْوٗۤا پس پناہ لو اِلَى الْكَهْفِ غار میں ۔

ف فراء نحوی نے فرمایا کہ یہ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ کا فَاْوٗۤا کا جواب ہے جیسے نحوی نے فرمایا اِذْ فَعَلْتَ فَافْعَلْ كَذَا جب تم کوئی کام کرو تو ایسے یوں کرنا ۔ بعض نحویوں نے کہا کہ یہ جو تو اِذْ کا جواب نہیں البتہ یہ اس کے جواب پر دلالت فرماتا ہے جواب معنی یوں ہوگا کہ اے اصحاب کہف جب تم ان سے اعتقاداً علیحدہ ہو چکے ہو تو پھر ان سے جسمانی جدائی بھی اختیار کرو پھر اگر جسمانی مفارقت چاہتے ہو تو چلو غار کو جائے پناہ بناؤ

فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ اعتقادی اختلاف جسمانی مفارقت پر مجبور کر دیتا ہے[1]

مسئلہ مجمع الفتاویٰ میں ہے کہ امام نسفی سے پوچھا گیا کہ سنی اور معتزلہ[2] آپس میں بیاہ اور نکاح کر سکتے ہیں یا نہ انہوں نے فرمایا ان کا بیاہ و نکاح ناجائز ہے

يَنْشُرْ لَكُمْ پھیلائے گا اور فراخ فرمائے گا رَبُّكُمْ یعنی وہ تمہارے جملہ امور کا مالک ہے مِّنْ رَّحْمَتِهٖ اپنی رحمت اور اس فضل و کرم سے جو دارین میں اپنے بندوں پر انعام فرماتا ہے وَيُهَيِّئْ لَكُمْ اور تیار فرمائے گا ۔

مِّنْ اَمْرِكُمْ تمہارے اس امر میں جس کے لیے تم جا رہے ہو یعنی دین کی خاطر گھر بار چھوڑ کر بھاگے جا رہے ہو

مِّرْفَقًا آسانی یعنی وہ اسباب جن سے آسانی پاؤ اور نفع یاب ہو گے ۔

ف یقیناً انہیں اس لیے بتایا کہ ان کے یقین میں خلوص تھا اور شک و شبہ سے بالکل فارغ ہو چکے تھے اور اپنی قوت ایمانی پر پورا بھروسہ رکھتے تھے ۔

---

[1] الحمد للہ اس سے ہمارا طریقہ کار قرآن مجید کے مطابق ہے کہ ہم مرزائی ، شیعہ ، وہابی ، دیوبندی سے ہم اعتقادی اختلاف سے جسمانی طور بھی دور رہتے ہیں اس سے صلح کل قسم کے لوگ بگڑ تو رہے ہیں کہ وہ ہمارے اس طریق کار کو سوچنے کی بجائے کوستے ہیں ۔ ۱۲

[2] وہابیہ کا اصلی فرقہ ہے اب نام بدلا ہے ۱۲

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے وقت پورا ذوق ہو کہ وہ ضرور تمہاری دعا قبول فرمائے گا۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ بندہ قرب کے طالب صادق کو سلوک کا خاصا یہ ہے کہ اپنی قوم سے علیحدگی اختیار کرے اور بری صحبت سے ہر طرح کی کنارہ کشی کرے اور پختہ اعتقاد پیدا کرے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی معبود نہیں اور ماسوی اللہ سے بالکل فارغ ہو جائے صرف اللہ تعالیٰ کو اپنا معین و مددگار سمجھے اسی پر ہی اس کا توکل ہو اور غیر اللہ سے بھاگ کر صرف اللہ تعالیٰ کو اپنی جائے پناہ بنائے۔

حضرت خجندی نے فرمایا ؎

وصل میسر نشود جز بقطع
قطع تعلقات از ہمہ چیزہاست

ترجمہ وصال الٰہی انقطاع عن ماسوی اللہ کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا اور انقطاع کا معنی یہی ہے کہ ماسوا اللہ کا تصور ہی دل سے ہٹا دے۔

اس کے بعد سالک پر لازم ہے کہ وہ خلوت کی غار میں پناہ لے حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

از اجانب در ہر وقت گنج خلوتی شو
خوش وقت آنکہ معتکف کنج عزلت است

ترجمہ زمانہ کے تمام لوگوں سے کوئی بھی خوش نہیں ہو سکتا بہت خوش قسمت ہے وہ جو تنہائی کے گوشہ میں بیٹھا ہے۔

ضرورت مرشد

لیکن سالک کے لیے ضروری ہے کہ کسی شیخ کامل اکمل کا دامن تھامے لیکن وہ بھی ایسا کہ جو خود بھی واصل ہو اور دوسروں کو ذات حق تک پہنچانے والا ہو تاکہ ایسے شیخ کامل کی تربیت سے کامیابی سے نوازا جائے اور اس کی ولایت کے نور سے اس کا دل تقویت حاصل کرے اور اسی کی نگرانی سے منزل مقصود پر پہنچے جیسے اصحاب کہف کو منزل مقصود نصیب ہوئی مثنوی شریف میں ہے ؎

گرچہ شیری چوں روی راہ بے دلیل
خویش بیں و در ضلالی و ذلیل
ہیں مپر الا کہ باپر ہائے شیخ
تا ببینی عون لشکر ہائے شیخ

ترجمہ اگرچہ تم راہ سلوک میں جانے کے شیر ہو لیکن رہبر کے بغیر چلو گے تو تم خود بیں اور ذلیل ہو کر ذلت و خواری سے بہ ضلالت میں گرو گے شیخ کامل کی وساطت کے بغیر مقصد تک نہیں پہنچ سکو گے تمہارے شیخ کے لشکر سے ہی تمہارا کام بنے گا۔

وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَت تَّزَاوَرُ عَن

اے محبوب تم سورج کو دیکھو گے کہ جب نکلتا ہے

كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَت تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِّنْهُ

تو ان کے غار سے داہنی طرف بچ جاتا ہے اور جب ڈوبتا ہے تو ان سے بائیں طرف کترا جاتا ہے حالانکہ وہ اس غار کے

ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ مَن يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَن يُضْلِلْ فَلَن تَجِدَ

کھلے میدان میں ہیں یہ اللہ کی نشانیوں سے ہے جسے اللہ راہ دے تو وہی راہ پر ہے اور جسے گمراہ کرے تو ہرگز اس کا کوئی

لَهُ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ۝

حمایتی راہ دکھانے والا نہ پاؤ گے

بقیہ صفحہ ۳۲

سوال: اصحاب کہف نے کون سے پیر و مرشد پکڑے تھے جب وہ بغیر مرشد کے منزل مقصود پر پہنچ سکتے ہیں تو دوسروں کے لیے کیا مشکل ہے

جواب: وہ حضرات مستثنیٰ ہیں اس لیے کہ وہ براہ راست تربیت یزدی سے نوازے گئے تھے صوفیہ کرام نے نوادر سے حکم لگتا ہے اور اس کی نادر پر دوسروں کا قیاس نہیں کیا جا سکتا ارشاد نبوی ہے :

"ان اللہ ادبنی فاحسن تادیبی" بیشک مجھے اللہ تعالیٰ نے آداب سکھلائے اور بہترین آداب سے نوازا سے تائید ہوتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ وہ جسے چاہے رسول و نبی کے واسطہ کے بغیر ایمان سے نوازے اور جسے چاہے اپنی عنایت سے مقامات قرب عطا فرمائے اسی وجہ سے بہت سے اولیاء کرام مرشد کے بغیر ہی منزل مقصود پر پہنچے ورنہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ عام بندوں کو رسل کرام و انبیاء علیہم السلام کے واسطے سے ہدایت دیتا ہے پھر ان کی نیابت و خلافت میں اولیاء کاملین و علماء راسخین واسطۂ ہدایت الٰہی ہوتے ہیں۔

فأووا الی الکہف میں اشارہ ہے کہ سالک کے لیے لازم ہے کہ وہ خلوت اختیار کرے اور کسی شیخ کامل مرشد ہادی کا دامن پکڑے اسی طریقہ والوں کے لیے وعدہ ایزدی ہے کہ ینشر لکم ربکم من رحمتہ تمہیں اس رحمت خاص سے نوازے گا جسے اس نے اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا ہے اور رحمت خاصہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو جذبات حیات سے نواز کر انہیں عالم صفات میں داخل فرمائے تاکہ وہ اخلاق الٰہی سے متخلق ہو اور اس کے صفات سے موصوف ہونا نصیب ہو کما قال: یختص من یشاء من رحمتہ اپنی رحمت خاصہ میں جسے چاہتا ہے داخل فرماتا ہے

فائدہ اللہ تعالیٰ کی رحمت عامہ وہ ہے جو مومن و کافر کے مابین مشترک ہے جیسے ہر ذی روح انس اور غیر حیوانات کو نصیب ہوتی ہے۔

و یعنی [illegible] یعنی قدرت سے یہ وصول [illegible] کے [illegible] سے [illegible] آیات [illegible])

تفسیر عالمانہ

یہ خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہو اور ہر بندے کو جو اس خطاب کا اہل ہے اصحاب ایسی رویت حاصل ہی ہو جاتی ہیں مذکور ہے وقوع رویت تحقیقاً کی خبر دینا مراد نہیں بلکہ یہ خبر دینا مطلوب ہے کہ غار ایسے محل وقوع پر ہے کہ اگر دیکھنے کا موقعہ آئے تو دیکھو گے سورج کو طلوع کرتے وقت۔ الخ

غار میں پہنچنے کے بعد

کاشفی نے لکھا مروی ہے کہ ان نوجوانوں کو جب ایام شتی چھوڑ کر پہاڑ کے قریب پہنچے تو وہاں جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے انہیں اسی غار میں لے آیا اسی غار میں قرار پکڑا تو ان پر اللہ تعالیٰ نے نیند طاری فرما دی اور وہیں پر حق سلوک ہو گئے دقیانوس چند روز کے بعد واپس شہر افسس میں آیا تو نوجوانوں کا حال پوچھا تو کہا گیا کہ وہ تو شہر چھوڑ کر کہیں بھاگ گئے ہیں اس نے ان کے آباء کو گرفتار کر لیا انہوں نے کہا کہ وہ تو ہمارے مال و اسباب بھی لے گئے اور معلوم ہوا ہے کہ وہ اسی سامنے والے پہاڑ میں چھپے ہوئے ہیں دقیانوس نے چند آدمیوں کو ان کی تلاش میں بھیجا وہ جب ان کی آرام گاہ میں پہنچے تو انہیں دیکھا کہ وہ نہایت اطمینان سے آرام کر رہے ہیں لیکن معلوم ہوتا تھا کہ وہ دیکھا جا رہا ہے یہی بادشاہ نے حکم دیا کہ غار کے دروازوں کو پتھروں سے چن دیا جائے تاکہ یہ لوگ بھوکے پیاسے غار میں مر جائیں چنانچہ بادشاہ کے حکم سے غار کے دروازوں کو پتھروں سے بند کر دیا گیا بادشاہ کے مقربین میں دو نیک مومن تھے انہوں نے غار کے دروازے پر تختیاں لکھ کر لٹکا دیں جن میں اصحاب کہف کے نام اور نسب اور مذہب اور مختصر سا تعارف لکھ دیا گیا تاکہ آنے والی نسلیں ان سے متعارف ہو سکیں۔

ف صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا آیت میں جو سورج کے طلوع و غروب کی کیفیت بیان کی گئی ہے جناب یہ بادشاہ کے غار کو پتھروں سے بند کرانے سے پہلے کی ہے اس لیے کہ سوراخ کی بندش کے بعد سورج کی شعاعوں کا داخلہ ممکن نہیں إِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ یہ در اصل تتزاور تھا جیسے تمیل یعنی ہٹ جاتا ایک تا حذف کر دی گئی ہے اس کا مادہ زور بمعنی المیل اور [illegible] ہے وَهُمْ فِیْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ یعنی اسی غار کے [illegible] میں وہ [illegible] ہو گئے۔

ف حصول کی مناسبت کی وجہ سے کہف کو اصحاب کہف کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔

ذَاتَ الْیَمِیْنِ یعنی کہ اس کے اندر داخل ہونے والے کی توجہ کے وقت دہنی جانب یعنی جانب جنوب مغرب کے متصل بحالیکہ جس پہاڑ پر سورج کی شعاعیں نہیں پڑتی تھیں کہ جن سے ان کے آرام میں خلل واقع ہو اس لیے کہ اس غار کا منہ جنوبی جانب تھا یعنی غار کا منہ جنوبی جانب میں واقع تھا اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خرق عادت کے طور سورج کو وہاں سے ہٹا دیتا تھا کہ اصحاب کہف (اولیاء) کی کرامت ظاہر ہو۔

ف ذات الیمین کا معنی ہے وہ جہت جس پر یمین کا اطلاق ہو سکے یعنی وہ جہت جو یمین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

گزشتہ

وَاِذَا غَرَبَتْ یعنی سورج کا غروب کے وقت دیکھو گے تَقْرِضُهُمْ القرض سے ہے بمعنے القطع یعنی کاٹنا اس
سے اعراض بمعنے تجاوز مشتق ہے اب معنی یہ ہوں گے کہ کترا کر ان کے قریب نہیں جاتا تھا ذَاتَ الشِّمَالِ یعنی کہف
کی بائیں جانب یعنی وہ طرف جو مشرق کے قریب ہے

ف قاموس میں ہے کہ تقرضہم ذات الشمال ای تتخلفہم شمالاً یعنی انہیں غار کی شمال کی جانب چھوڑ جاتا یعنی ان
سے تجاوز کر کے وقت غار کی شمال کی جانب سے کترا کر راستے سے گزر جاتا وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ الفجوۃ بمعنے
الفرجۃ یعنی سوراخ اور زمین کے وسیع میدان یا گھر کے صحن کو بھی فجوۃ کہا جاتا ہے۔

ف یہ جملہ حالیہ ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا معاملہ عجیب سا تھا یعنی باوجودیکہ وہ ایک کھلے اور وسیع میدان
پر آرام فرما تھے لیکن طلوع و غروب کے وقت سورج کی معمولی سی کرن بھی ان پر نہ پڑتی تھی ورنہ ایسے میدان میں سونے
والوں پر سورج کی کرن کا پہنچنا لازمی امر تھا اس سے واضح طور ثابت ہوتا ہے کہ تقدیر الٰہی سے ان پر سورج کی کرن نہ پڑتی
تھی اسے ہم اہل اسلام کرامات اولیاء سے تعبیر کرتے ہیں۔

ذٰلِكَ یہ اشارہ گزشتہ مضمون کی طرف ہے یعنی طلوع و غروب کے وقت ان پر سورج کی کرن کا پڑنا باوجودیکہ ان
پر سورج کی شعاعوں کا پڑنا لازمی امر تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ان سے سورج کو دائیں بائیں جانب پھیلا
یہ واقعہ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے انوکھے عجیب و غریب آیات سے ہے جو اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت اور اس کے علم تام
اور حقیقی توحید پر دلالت کرتی اور واضح کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اولیائے کرام کی عزت و وقار بہت بلند ہے۔

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ جسے اللہ تعالیٰ حق کی طرف ہدایت دینے کی توفیق بخشتا ہے فَهُوَ الْمُهْتَدِ وہی ہدایت یافتہ ہو کر
فلاح و کامیابی حاصل کرتا ہے بلکہ جملہ سعادات کی اسے راہ نصیب ہوتی ہے ایسے بندے کو پھر کوئی گمراہ کر سکتا ہی نہیں

فائدہ آیت میں تو اصحاب کہف و اولیاء کرام کی مدح و ثنا مطلوب ہے یہ بتانا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قسم کے
آیات بے شمار ہیں لیکن ان سے فیض وہی حاصل کر سکتا ہے جسے توفیق ایزدی نصیب ہے۔

وَمَنْ يُّضْلِلْ اور جس کو گمراہ اللہ تعالیٰ گمراہی میں مبتلا کرتا ہے جیسے اس کے اختیار کا میلان اس گمراہی کی طرف ہوتا ہے
فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ تو اس کے لیے اے محبوب تم نہ پاؤ گے ہرگز نہ پاؤ گے وَلِيًّا مددگار مُّرْشِدًا جو اسے
فلاح و کامیابی کی ہدایت دے بلکہ یہ تو کسی مرتبے سے ایسے بدبختوں کے لیے رہبری پیدا ہی نہیں کی گئی اس کا مطلب یہ نہیں کہ
نیک بختوں کے لیے رہبر پیدا کیا گیا ہے لیکن وہ اسے نصیب نہ ہوگا۔

وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ
اور تم انہیں جاگتا سمجھو اور وہ سوتے ہیں اور ہم ان کی داہنی بائیں کروٹیں بدلتے
الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ۚ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ
ہیں اور ان کا کتا اپنی کلائیاں پھیلائے ہوئے ہے غار کی چوکھٹ پر اے سننے والے اگر تو انہیں جھانک کر دیکھے تو ان
فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ۝
سے پیٹھ پھیر کر بھاگے اور ان سے ہیبت میں بھر جائے

تفسیر عالمانہ وَتَحْسَبُهُمْ یہ خطاب عام ہر دیکھنے والے کو ہے یعنی اے مخاطب تم انہیں دیکھو تو گمان کرو گے۔ اَيْقَاظًا جاگتا۔ یہ لفظ جمع ہے یقظ کی یعنی جاگنے والا۔ ان کے متعلق یہ گمان اس لیے پڑتا ہے کہ وہ جاگنے والوں کی طرح آنکھیں کھولے ہوئے ہیں۔

وَهُمْ رُقُوْدٌ نیند کرنے والے

حل لغات رقود بمعنے نیام، راقد کی جمع ہے جیسے سورۂ مریم میں [illegible] باب [illegible] کی جمع ہے دراصل [illegible] تھے بمعنی رقود

تفسیر صوفیانہ کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ یہی حال درحقیقت طریقت والوں کا ہے یعنی اولیائے کرام کے ظاہر حال کو دیکھو گے تو کاروبار دنیوی میں مشغول نظر آئیں گے لیکن ان کے باطن پر نگاہ ڈالو تو ان سے فارغ ہوں گے یعنی لطف و جلال کے باغ میں [illegible] ہوشیار [illegible] حقیقت میں ماسوی اللہ سے بے خبر [illegible] لوگوں کی نگاہوں میں [illegible] بقول سعدی

ظاہرے با اہل و آں در ساختہ
باطنے از جملہ ہم پرداختہ

ترجمہ ظاہری طور اور [illegible] مشغول اور باطن میں [illegible] فارغ۔

تفسیر عالمانہ وَنُقَلِّبُهُمْ یعنی ان کی نیند میں فرشتوں کے ذریعے کروٹیں تبدیل کرتے ہیں ذَاتَ الْيَمِيْنِ اس کا نصب بوجہ ظرفیت یعنی مفعول فیہ ہونے کے ہے یعنی ان کی داہنی طرف ان کی کروٹ تبدیل کی جاتی ہے جو ان کی داہنی جانب کے قریب ہے وَذَاتَ الشِّمَالِ یعنی اس جانب کی طرف جو ان کی بائیں طرف کے قریب ہے [illegible] کروٹ بدلنے میں حکمت یہی ہے کہ ان کے اجسام [illegible] مٹی اپنی پیٹ میں نہ لے جب تک [illegible] پڑے رہیں گے۔

حدیث شریف نمبر - حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا سال میں ان کی دو کروٹیں بدلی جاتی ہیں
حدیث شریف نمبر - ابن عباس [illegible] کی ایک کروٹ بدلی جاتی ہے

تلاوت میں کہا اجسام طاہرہ کو زمین نہ کھا جائے تو وصول کے عشرہ کے دن جتا ہے

سوال امام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ وہ انہیں کروٹ بدلے بغیر بھی محفوظ فرما سکتا ہے پھر کروٹ بدلنے کا کیا معنی۔

جواب سعدی المفتی نے فرمایا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ایمان رکھتے ہیں لیکن اس نے ہر کام سبب سے متعلق فرمایا ہے اور اکثر امور اسباب کے تحت صادر فرماتا ہے۔ یہی ہم اہلسنت کا مذہب ہے کہ انبیاء و اولیاء بھی امور الٰہی کے اسباب میں سے ہیں جو حیلہ یا شفاعت یا اذن الٰہی سے تعبیر کر سکتے ہیں اس کے عوض پر شرک کا فتویٰ کریں۔

قاعدہ تصوف بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ ہم نے لا الٰہ کی ضرب بجانب یمین اور الا اللہ کی ضرب بجانب یسار کا قاعدہ اسی آیت سے لیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جو ولی اللہ جس کی اللہ تعالیٰ بلا واسطہ مشائخ تربیت و اصلاح فرماتا ہے تو وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ایسے سپرد کرے جیسے میت غسال کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور اسے ایسی اصلاح کے لیے تین سو سال غیر ہوتے ہیں پھر وہ اولیاء کاملین کی صف میں شامل ہو جاتا ہے اور جو مرید مشائخ کے واسطہ سے تربیت و اصلاح پاتا ہے تو اولیاء کاملین کے مراتب کو کبھی ایک چلہ میں پہنچتا ہے کبھی صرف دو دو ہفتوں میں کبھی اس سے زائد عرصہ کی ضرورت پڑتی ہے

نکتہ جیسے اللہ تعالیٰ بلا واسطہ اصلاح فرماتا ہے اس میں بڑی مدت درکار ہے اور جو مشائخ کے وسیلہ سے اصلاح پاتے ہیں ان کے بہت جلد کامیابی کا راز یہ ہے کہ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے ہر کام کے لیے اسباب بنائے ہیں اور انہی اسباب کے ذریعہ سے جو کام ہو گا وہ اللہ تعالیٰ کا ہو گا یہ مشائخ چونکہ اللہ تعالیٰ کے خلفاء و نائبین بلکہ یوں کہو کہ اس کے اسرار و رموز کے مظہر ہیں اسی لیے ان کے واسطہ سے تربیت و اصلاح کا کام جلد تر ترقی پاتا ہے اس کی مثال یوں سمجھئے کہ پہاڑوں پر جو درخت پیدا ہوتے ہیں ان کے پھل بہت کم اور دیر سے ہونے کے برابر لیکن وہی درخت جو باغات میں ہوتے ہیں ان کے پھل بہت زیادہ و معروف اسی لیے کہ باغات کے درختوں کی اصلاح باغبان سے ہوتی ہے اسی لیے ان کے پھل زیادہ ہوتے اور پہاڑوں کے درخت اگرچہ اسی خالق کائنات کے پیدا کردہ تھے لیکن ان کا مصلح کوئی نہیں تھا اسی لیے ان کے پھل پہلے تو ہوتے نہیں اگر ہوتے ہیں تو دیر ہونے کے برابر ہے ؎

زہی اے دوست ایں یک پند بپذیر
بہ چنگ آر دامن صاحب دلے گیر
کہ قطرہ تا صدف را در نہ شد
نگردد گوہر روشن ستارہ

ترجمہ اے دوست میری یہ ایک نصیحت قبول کر لے وہ یہ کہ بزرگوں کے دامن کو مضبوطی سے تھام لے اس لیے کہ پانی کا قطرہ جب تک صدف کے اندر جا کر کچھ عرصہ نہیں گزارتا وہ موتی بن کر چمکیلا موتی نہیں بن سکتا۔

وَكَلْبُهُم اور وہ کتا جو چرواہے کے ساتھ آیا اس کا نام قطمیر تھا باسط ذراعیہ اپنی کلائیاں پھیلائے ہوئے تھا حال ماضی کی حکایت ہے اسی وجہ سے اسم فاعل کو ذراعیہ کا عامل مانا گیا ہے کسائی اور ہشام اور ابو جعفر بصریوں سے ایک اسم فاعل بلا شرط عمل کرتا ہے کہنی سے درمیانی انگلی کے سرے تک کو عربی میں ذراع کہا جاتا ہے جسے ہماری عرف میں ہاتھ کہتے ہیں بالوصید ۔ چوکھٹ پر یعنی غار کی اس جگہ پر جہاں دروازہ ہوتا ہے قاموس میں لکھا ہے الوصید بمعنی الفناء یعنی صحن یا العتبہ بمعنی چوکھٹ ۔

ف سعدی نے فرمایا کہ اصحاب کہف کا ذکر فی نفسہ ہوتا ہے تو چوکھٹ لیکن یہاں پر وہی جگہ مراد لی گئی ہے جہاں [illegible]

بہشتی جانور مقاتل نے فرمایا کہ اہل ایمان کی طرح دس جانور بہشت میں داخل ہوں گے وہ دس جانور یہ ہیں ۔

۱۔ ناقہ صالح علیہ السلام
۲۔ ابراہیم علیہ السلام کا بچھڑا جسے مہمانوں کے لیے ذبح فرمایا ۔
۳۔ اسماعیل علیہ السلام کا دنبہ
۴۔ موسیٰ علیہ السلام کی گائے
۵۔ یونس علیہ السلام کی مچھلی
۶۔ عزیر علیہ السلام کا گدھا
۷۔ سلیمان علیہ السلام کی چیونٹی
۸۔ بلقیس کا ہدہد
۹۔ اصحاب کہف کا کتا
۱۰۔ حضور سرور عالم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقہ مبارکہ

ف یہ سب دنبہ کی شکل میں ہو کر بہشت میں داخل ہوں گے ۔ (ذکرہ فی مشکوٰۃ الانوار)

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ۔ ؎

سگ اصحاب کہف روزے چند
پئے نیکاں گرفت و مردم شد

ف یعنی نیکوں کے ساتھ دنبہ کی شکل میں داخل بہشت ہوگا ۔

بچھو سے حفاظت امام ثعلبی کی تفسیر میں مذکور ہے کہ جو شخص ہر روز حضرت نوح علیہ السلام پر درود و سلام عرض کرتا ہے تو بچھو کے ضرر سے بچ جائے گا ۔

کتے کی شرارت سے حفاظت جو شخص وکلبہم باسط ذراعیہ لکھ کر اپنے پاس رکھے گا تو کتے کی شرارت سے محفوظ رہے گا ۔

ف حیوۃ الحیوان دمیری میں لکھا ہے کہ اکثر مفسرین کی رائے یہی ہے کہ اصحاب کہف کا کتا انہی کتوں کی جنس سے تھا لیکن ابن جریج سے مروی ہے کہ وہ شیر تھا اس لیے کہ عرب والے شیر کو بھی کلب کہتے ہیں چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبہ بن ابی لہب کے حق میں بددعا میں فرمایا اللہ تعالیٰ اس پر اپنے کتوں میں سے ایک کتا مسلط فرما آپ کی دعا مستجاب ہوئی تو عتبہ کو شیر نے کھا لیا

ف کتے کی دو اقسام ہیں (۱) اہلی (۲) سلوقی۔ یہ سلوق کی طرف منسوب ہوتا ہے سلوق یمن کا ایک شہر ہے سلوقی کتے بہت شکاری ہوتے ہیں ان کی طبع میں شرارت بھرپور ہوتی ہے اور عادات میں بہت گندے ہوتے ہیں اس شہر کے کتے بہت قد والے ہوتے ہیں ان کے ذریعے لوگ شکار کھیلتے ہیں خلاصہ یہ کہ کتا اہلی ہو یا سلوقی ہر دو اقسام کی طبع میں شرارت کا مادہ ہوتا ہے کسی میں زیادہ کسی میں کم۔

انگریز کتے کا اختلاط ہوتا ہے اور ان کی اولادیں کو حیض آتا ہے۔

حکمت حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کتا امین خیانتی دوست سے بہتر ہے

حکایت حارث بن صعصعہ کے چند دوست تھے وہ ان سے کبھی جدائی گوارا نہیں کرتا تھا ان کی محبت میں جان دینے کو تیار ہو جاتا تھا ایک مرتبہ انہیں کہیں سیر و تفریح کے لیے لے گیا اس کا ایک دوست رات کو چوری چھپے اس کے گھر پہنچ کر اس کی عورت کے پاس پہنچ گیا اس کی عورت نے اسے کھلایا پلایا پھر دونوں ایک بستر پر لیٹ گئے حارث کے گھر ایک کتا تھا اس نے غیرت سے دونوں پر حملہ کر کے دونوں کو مار ڈالا جب حارث گھر لوٹا تو دونوں کو مرا ہوا دیکھا کہ یہ شعر پڑھا ت

وما زال يرعى ذمتي ويحوطني
ويحفظ عرسي والخليل يخون
فيا عجبا للخليل يهتك حرمتي
ويا عجبا للكلب كيف يصون

ترجمہ میرا کتا میری نگرانی کرتا ہے اور ہر وقت نگہبان رہتا اور میری زوجہ کی بھی حفاظت کرتا لیکن افسوس کہ میرا دوست میری خیانت کرتا رہا ہے صد حیف دوست کا افسوس کہ جس نے میری عزت پر حملہ کیا اور کتے کو شاباش کہ وہ میری عزت کا محافظ ہوا۔

حکایت عجیبہ جانب الملفوظات میں ہے کہ اصفہان میں کسی نے کسی کو قتل کر کے کنویں میں ڈال کر اسے مٹی سے پر کر دیا مقتول کا ایک کتا تھا وہ اس کیفیت کو دیکھتا رہا پھر روزانہ اسی کنویں پر آ کر مٹی کو ہٹاتا اور لوگوں کو اندر والے کی طرف اشارہ کرتا اور جونہی قاتل کو دیکھتا تو اس پر حملہ آور ہو جاتا لوگوں نے جب اس کی بار بار یہی حرکت دیکھی تو لوگوں نے کنویں کو کھودا اس سے مقتول لاش نکلی کتے کے اشارہ پر اسی قاتل کو گرفتار کیا گیا اس سے پوچھا گیا تو اس نے قتل کا

اعتراف کیا سب اس کے حق میں قتل کیا گیا۔ ایسے ہی بد بختوں کے بارے میں مولانا قدس سرہ نے فرمایا ہے

در لباس دوستی سازند کار دشمنی
حسب الامکان بایست کز ایشاں جستن
شکل ایشاں شکل انساں فعل ایشاں فعل سباع
ہم ذئاب فی ثیاب او ثیاب فی الذئاب

ترجمہ: دوستی کے لباس میں دشمنی کرتے ہیں حتی الامکان ایسے لوگوں سے دور رہنا ضروری ہے ان کی ظاہری شکل تو انسان کی ہوتی ہے لیکن وہ درحقیقت بھیڑیے ہوتے ہیں۔ سچ ہے کہ ایسے لوگ بھیڑیے ہی ہیں کپڑوں میں چھپے ہوئے یا کپڑے ہیں بھیڑیوں پر۔

کتے کی دس خصلتیں

حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ کتے میں دس نیک عادات ہوتی ہیں اہل ایمان پر واجب ہے کہ وہ بھی ان عادات کو اپنائیں۔

۱۔ بھوکا رہتا ہے یہ نیک بختوں کی عادت ہے
۲۔ اس کا کوئی خاص ٹھکانہ نہیں ہوتا یہی متوکلین کا طریقہ ہے۔
۳۔ رات کو بہت تھوڑا سوتا ہے یہی مشتاق کی خصلت ہے
۴۔ جب مرتا ہے تو اس کی کوئی میراث نہیں ہوتی یہی زاہدین کا طریقہ ہے
۵۔ اپنے مالک کا وفادار رہتا ہے چاہے وہ اس پر ظلم کرے تب بھی اس کا حق نہیں توڑتا یہی مریدین کا طریقہ ہے
۶۔ جہاں جگہ مل جائے گزارہ کر لیتا ہے یہی تواضع گزینوں کی عادت ہے
۷۔ اگر کسی جگہ پر قبضہ کر سکتا ہے تب بھی اسے چھوڑ کر دوسری جگہ قبول کر لیتا ہے یہی راضی برضا لوگوں کا کام ہے۔
۸۔ اسے مار بھگاؤ پھر سوکھی روٹی کا ٹکڑا دکھاؤ واپس آ جاتا ہے اور مار کا کینہ اور بغض نہیں رکھتا یہی خاشعین کا طریقہ ہے
۹۔ جب کھانا لایا جاتا ہے تو آرام سے بیٹھا دور سے دیکھتا رہتا ہے پیچھے کی جانب بیٹھا کرتا ہے یہی مسکین کا کام ہے
۱۰۔ جب جگہ چھوڑ کر چلا جاتا ہے اس جگہ کے لیے واپس لوٹنے کا نام نہیں لیتا یہی غمزدہ لوگوں کا طریقہ ہے۔ کتاب روض الریاحین امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ۔

لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ اگر تم ان کو آنکھوں سے مشاہدہ کرو اطلاع جیسے الفاظ میں مخاطب بالمعاینہ و بالمشاہدہ مطلع و مشاہدہ ہے کسی سے جیسا کہ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ تم ان سے بھاگو گے فِرَارًا اس کا منصوب ہونا اس لیے ہے کہ مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے ہے اس کا عامل ولیت ہے اس لیے کہ اس میں بھی فرار کا معنی پایا جاتا ہے اسی لیے اہل عرب نے کہا ولیت ترجمۃ اور فررت فرارا کا ایک معنی ہے وَلَمُلِئْتَ اور تم بھر جاؤ گے مِنْهُمْ رُعْبًا ان سے ایسا خوف جو سینہ کو بھر دے رعبا تمیز ہے وہ اس لیے کہ اللہ تعالی نے انہیں ایسے طریقے سے سلایا

تھا کہ ان کی آنکھیں بیدار آدمی کی طرح کھلی ہوئی تھیں اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی سے بات کرنے کے لیے تیار ہیں ۔

ف: کاشفی نے لکھا مطلب یہ ہے کہ کسی کو ان حضرات کے دیکھنے کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی اس لیے کہ وہ سوتے تھے لیکن آنکھیں کھلی ہوئی اور بال اور ناخن بہت زیادہ بڑھ چکے تھے اور جہاں آرام فرما ہیں وہ مقام نہایت تاریک اور وحشت ناک ہے ۔

حضرت معاویہ کی فوج کے چند افراد اصحاب کہف کی زیارت کو گئے مروی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ روم کی جنگ کے لیے تشریف لے گئے آپ کا اس کہف سے گزر ہوا تو کہا کاش ہم پر ان حضرات سے حجاب اٹھ جاتا تو ہم ان کی زیارت کر لیتے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم نہیں کر سکتے ان کو دیکھنے والے تمہارے سے افضل و اعلیٰ ذات یعنی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کے دیکھنے سے روکا گیا تھا کہ لو اطلعت علیہم لولیت منہم فرارا ۔ حضرت امیر معاویہ ان کے روکنے سے نہ رکے اور کہا کہ میں ان کے حالات سے آگاہ ہونا چاہتا ہوں چنانچہ چند آدمی اس غار میں داخل کیے گئے اور انھیں حکم دیا کہ ان کی کیفیت دیکھ کر ہمیں بتلاؤ جب وہ اس غار میں داخل ہوئے تو ایسی تند و تیز ہوا چلی جس سے تمام داخل ہونے والے سب کے سب جل کر راکھ ہو گئے بعض نے کہا ہوا نے انھیں جلانے کی بجائے غار سے باہر پھینک مارا ۔

سوال حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غار میں داخل ہونے کی ممانعت کا حکم کہاں سے لیا حالانکہ صریح ممانعت تو آیت میں نہیں ہے ۔

جواب آیت سے یہ معنی بدلالۃ ثابت ہے وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ایسی ہیبت ڈال دی ہے کہ دیکھنے والا بے خوف ہو کر نہیں دیکھ سکتا یہی وجہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے روکنے پر نہ رکے کیونکہ صریح ممانعت تو تھی نہیں اور وہ توجیہ ثابت ہوا ہے اس سے معلوم ہوا کہ ان پر اطلاع کی ممانعت صرف ان کے اس دور تک تھی جب وہ نیند میں سوئے ہوئے تھے اور لوگ ان کے حالات سے آگاہ ہو گئے اور پھر ان کے دوبارہ آرام فرمانے پر ان کے اوپر مسجد بنائی لیکن سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے احتیاط پر عمل فرمایا اور یہی قول مبنی بر صواب اور حق ہے کذا فی حواشی سعدی المفتی ۔

صاحب روح البیان کی تحقیق صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لو اطلعت کا خطاب حضور سرور عالم کو بھی تھا آپ کی تمام امت کو یہ خطاب شامل ہے اس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی داخل ہیں اسی لیے ان کے متعلق تفتیش و تحقیق بے سود ہے

عقلی دلیل جو شے خرق عادت کے طور پر عجیب و غریب ہو وہاں ہر ایک کی عقل اور ہر شخص کی حس سے باہر ہو جاتی ہے اسی لیے اس کے متعلق معلومات حاصل کرنا اور اس میں غور و خوض کرنا بے عقلی اور اپنی حماقت کا ثبوت دینا ہے مثلاً حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم باوجودیکہ آپ پر بے مثل صورت کا غلبہ بھی تھا لیکن جب جبریل علیہ السلام کی اصلی شکل دیکھی کہ انھوں نے مشرق و مغرب کو اپنے گھیرے میں لیا ہے تو آپ پر غشی طاری ہو گئی ۔

وَكَذَٰلِكَ بَعَثْنَاهُمْ لِيَتَسَاءَلُوا بَيْنَهُمْ ۚ قَالَ قَائِلٌ
اور ایسا ہی ہم نے ان کو جگایا کہ آپس میں ایک دوسرے سے احوال پوچھیں
مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۖ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۚ قَالُوا رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ
ان میں ایک کہنے والا بولا تم یہاں کتنی دیر رہے بعض بولے کہ ایک دن رہے یا دن سے کم دوسرے بولے تمہارا رب خوب جانتا ہے جتنا
فَابْعَثُوا أَحَدَكُم بِوَرِقِكُمْ هَٰذِهِ إِلَى الْمَدِينَةِ فَلْيَنظُرْ أَيُّهَا أَزْكَىٰ طَعَامًا
تم ٹھہرے تو اپنے میں ایک کو یہ چاندی لے کر شہر میں بھیجو پھر وہ غور کرے کہ وہاں کون سا کھانا زیادہ ستھرا ہے کہ تمہارے
فَلْيَأْتِكُم بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ أَحَدًا ﴿١٩﴾ إِنَّهُمْ إِن يَظْهَرُوا
لئے اس میں سے کھانے کو لائے اور چاہیے کہ نرمی کرے اور ہرگز کسی کو تمہاری اطلاع نہ دے بیشک اگر وہ تمہیں جان
عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوكُمْ أَوْ يُعِيدُوكُمْ فِي مِلَّتِهِمْ وَلَن تُفْلِحُوا إِذًا أَبَدًا ﴿٢٠﴾
لیں گے تو تمہیں پتھراؤ کریں گے یا اپنے دین میں پھیر لیں گے اور ایسا ہوا تو تمہارا کبھی بھلا نہ ہوگا

بقیہ تفسیر گزشتہ

دوسری عقلی دلیل علاوہ ازیں اصحاب کہف کو دنیا میں ایسے شخص کا دکھایا جانا جو ان کے دیکھنے کے قابل نہیں ایک شے کو غیر محل میں استعمال کرنے کے مترادف ہے

قاعدہ اہل تصوف نے عالم دنیا کو عالم حسی سے اور [illegible] کو عالم برزخ سے تشبیہ دی ہے خلاصہ [illegible] عالم برزخ [illegible]

چونکہ عالم برزخ آخرت کے لیے بمنزلہ مقدمہ کے ہے اس لیے اس کا مشاہدہ نہیں ہو سکتا صرف اس لیے کہ دیکھنے والا دنیا میں ہے اور دنیا کی ہر شے کو عالم برزخ و عالم آخرت سے اوجھل رکھا گیا ہے

ولی کامل کے اجساد طاہرہ کے لیے چونکہ اولیائے کرام کے اجسام ظاہرہ و باطنہ [illegible] روح کے مرتبے پر پہنچے ہوئے ہوتے ہیں اس لیے انہیں عالم برزخ میں مٹی نہیں کھا سکتی

حکایت کسی صوفی نے ایک ولی کامل کو دیکھا کہ وہ شیر پر سوار [illegible] جب صوفی نے [illegible] کی یہ حالت دیکھی تو دہشت کے مارے مر گیا

تمام ناطاقت [illegible] 3 پر [illegible] نیست

ترجمہ ہر ایک [illegible] کو یہ حال و طاقت نصیب نہیں

تفسیر عالمانہ کاشفی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ جب دقیانوس اصحاب کہف کی طلب [illegible] شہروں سے [illegible] اپنے شہر کے دارالسلطنت [illegible] ایسا ہی [illegible]

نشان تک ختم ہو گیا ۔ ؎

دمی چند بشمرد و ناچیز شد
زمانہ بگردید و کو تیز شد

ترجمہ: چند دن گن کر فنا ہو گیا اس پر دور زمانہ چلتا گیا جب اس کا معاملہ دگرگوں ہوا ۔

دقیانوس کے مرنے کے بعد چند بادشاہوں نے اس ملک کی شاہی چلائی یہاں تک کہ ایک نیک بخت بادشاہ تندروس نامی کی باری آئی منقول ہے کہ تندروس نہایت نیک بخت اور مومن بادشاہ تھا خدا ترسی اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اس کے زمانہ میں اختلاف پیدا ہوا کہ مرنے کے بعد اٹھنے کا عقیدہ غلط ہے بادشاہ نے بحیثیت مومن ہونے کے منکرین کو بہت سمجھایا اور اپنے طور عقلی نقلی دلائل بھی سنائے لیکن وہ ہمارے دور کے ہٹ دھرموں اور ضدیوں کی طرح نہ مانے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اہل ایمان کو مشاہدہ کرایا جائے کہ مرنے کے بعد اٹھنا حق ہے چنانچہ بطور کرامت اصحاب کہف عرصہ دراز مرجانے کے باوجود زندہ ہو گئے چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وَكَذٰلِكَ یعنی جیسے ہم نے اتنا عرصہ دراز تک اصحاب کہف کو سلا دیا اور اتنا عرصہ تک ان کے اجسام مبارکہ کو گلنے سڑنے اور مٹی میں مٹی ہو جانے سے محفوظ رکھا یہاں تک ان کے کپڑے تک نہ گلے سڑے اور نہ پھٹے بلکہ ان کے اجسام مبارکہ ویسے ہی تر و تازہ رہے جیسے پہلے تھے یہ ہماری قدرت کی بہت بڑی دلیل ہے کہ وَبَعَثْنٰهُمْ ہم نے انہیں نیند سے جگایا لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ تاکہ وہ ایک دوسرے سے پوچھیں تاکہ ہماری قدرت کی کامل حکمتوں کی تفصیل کھل کر سامنے آجائے قَالَ یہ جملہ مستانفہ ہے اور لیتسآءلوا کے بیان کے لیے ہے قَآئِلٌ مِّنْهُمْ ان کے سردار یعنی مکسلمینا نے فرمایا بحر العلوم میں ہے کہ اس کا نام مکسلمینا تھا كَمْ لَبِثْتُمْ کتنا مدت نیند میں رہے ہو اس لیے کہ انہوں نے ان سے یہ پوچھا کہ ان کی صورتیں اور شکلیں پہلی ہیئت سے متغیر تھیں مثلاً بال اور ناخن بڑھے ہوئے تھے وغیرہ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ اس سے ان کے بعض مراد ہیں یعنی جب مکسلمینا نے ان سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم پہلے پہر ایک دن سوئے ہیں یا اس سے بھی کم انہوں نے یہ جواب اس اعتبار پر دیا کہ جب وہ سوئے تھے تو صبح کا وقت تھا جب جاگے تو شام کا وقت تھا اسی لیے کہہ دیا کہ ہم ایک دن سوئے ہیں لیکن جونہی سورج کو دیکھا کہ ابھی تمام وقت رہتا ہے تو پھر کہا کہ ایک دن سے بھی کم ۔

سوال: وہ اولیاء اللہ تھے انہوں نے جھوٹ کیوں کہا کہ پہلے ایک دن کہا پھر اس سے کم

جواب: چونکہ پہلے انہوں نے صرف ایک دن اپنے گمان سے کہہ دیا پھر جب سورج کو آنکھوں سے دیکھا تو دن سے کم وقت کا یقین ہو گیا اسے نہ شرعاً جھوٹ کہا جا سکتا ہے نہ عرفاً لہذا اعتراض ختم ہوا

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ اصحاب کہف نیند سے چاشت کے وقت جاگے تو کہا کہ اگر ہم کل صبح سے سوئے اور ابھی دوپہر ڈھلنا رہ گئی ہیں تو کامل دن نہیں سوئے گزرا ہوگا اور اگر آج ہی سوئے اور آج ہی چاشت کے وقت جاگ ہوئی ہے تو ابھی دن کا بعض

حضرت شیخ ابن کمال صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پہلا قول سے ثانی کا قول زیادہ صحیح ہے اس لیے فابعثوا احدکم بورقکم سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا جاگنا چاشت کے وقت ہوگا کہ شہر تک جا کر سودے وغیرہ لے کر پھر واپس لوٹنا خاصہ وقت چاہتا ہے علاوہ اگر قبل غروب کا مانا جائے تو سودے لینے والی آیت کے ساتھ مطابقت نہیں ہو سکتی اس لیے کہ غار شہر سے خاصی دور تھی۔ قالوا ان میں بعض حضرات وہ تھے جنہیں حقیقت حال بذریعہ الہام یا کسی اور دلائل سے معلوم ہو گیا تھا انہوں نے کہا لیکن ثانی نے کہا کہ انہوں نے اپنے بال اور ناخن بڑھے دیکھے تو کہا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ یعنی اے ساتھیو ہماری یہ کیفیت بتاتی ہے کہ ہمارا معاملہ کچھ عجیب سا ہے جس کی مدت کا تعین ہمارے حسابات سے متعلق نہیں یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ ہی ہمارے تجارب شعور سے خوب جانتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ مدت کے تعین کے بارے میں اصحاب کہف کے دو گروہ ہو گئے جس کی تفصیل اوپر واضح ہے۔ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بھیجو یعنی ایک کو تمام تفاسیر میں لکھا ہے کہ جسے بھیجا گیا تھا اس کا نام یملیخا تھا۔ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ یعنی اپنا یہ چاندی کا سکہ لے کر شہر میں جائے۔

ف یملیخا کے انتخاب کی وجہ یہ ہوئی کہ اس نے سابقہ گفتگو میں حصہ نہیں لیا تھا اور ان کی بحث و تمحیص کے وقت علیحدہ خاموش سب کی باتیں سنتا رہا اور انہیں چونکہ بتایا گیا کہ تحقیق حساب سے بھی اس کو نہیں اور یہی پہلے گزر چکا ہے یہ نکتہ یہی تقریر اشارہ سے بھی ملتی ہے۔

ف الورق چاندی کو کہتے ہیں جس پر سرکاری مہر ثبت ہو یعنی کسی مستقل قوم کے لیے سرکاری طور پر مہر لگی ہو جیسے دراہم وغیرہ و سابق دور یا بعض ممالک میں روپیہ اٹھنی چونی کا رواج بہت تھوڑا۔

ف هذه کے اشارہ قریبہ سے معلوم ہوا کہ وہ چاندی گھر سے چلتے وقت زاد راہ کے طور پر ساتھ لائے تھے۔

سوال وہ اولیاء اللہ تھے انہیں تو توکل علی اللہ چاہیے تھا پھر گھر سے زاد راہ اٹھا کر چلنے کا کیا معنی

جواب زاد راہ ساتھ اٹھا کر سفر کرنا توکل کے خلاف نہیں بلکہ یہی کامل مسلمان اولیاء کے طریقے کے عین مطابق ہے بلکہ اہل خدا کا کام بھی یہی ہے کہ وہ زندگی کے اسباب ضروریہ کے متعلق زندگی گزاریں یہ توکل نہیں کہ اسباب کو ضروریات زندگی سے خارج سمجھا جائے اور صوفیائے کرام کے نزدیک اسباب کے استعمال کا نام ہی توکل ہے مثنوی شریف میں ہے ؎

گر توکل میکنی در کار کن
کسب کن پس تکیہ بر جبار کن
رمز الکاسب حبیب اللہ شنو
از توکل در سبب کاہل مشو

ترجمہ اگر تمہیں توکل سیکھنا ہے تو عمل کا معیار ہی توکل یوں ہے کہ کسب کرو اس کے بعد اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو الکاسب حبیب اللہ کی رمز جانو سبب کو توکل سمجھ کر اس میں سستی مت کرو ورنہ ایسا متوکل ہوگا۔

یَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِنْ أَمْرِكُمْ مِرْفَقًا تمھارا رب تمھارے لیے اپنی رحمت پھیلائے گا اور تمھارے معاملات میں آسانی تیار کرے گا۔

ف اس شہر سے طرسوس کا مراد ہے جاہلیت میں اس کا نام افسوس تھا

ف قاموس میں ہے کہ طرسوس بروزن حلزون روم کا ایک زرخیز شہر تھا تمھارے دور میں اسلام کے قبضہ میں آیا تو اس کا نام افسوس پڑ گیا

فَلْيَنْظُرْ أَيُّهَا یہاں لفظ اہل مضاف محذوف ہے جیسے واسئل القریۃ میں اہل محذوف ہے کہ وہ بھی دراصل واسئل اہل القریۃ تھا۔ ایسے فلینظر ای اھل المدینۃ پھر شہر والوں میں کون ہے أَزْكَىٰ طَعَامًا احل واطیب واکثر وارخص نرخ کی کے معانی میں یعنی زیادہ پاکیزہ طعام والا فَلْيَأْتِكُمْ پس چاہیے لائے تمھارے پاس بِرِزْقٍ قوت یعنی ہر وہ شے جس پر انسان کے بدن کا قوام ہے مِّنْهُ اس کی ضمیر ازکی طعاما کی طرف راجع ہے

ف کاشفی نے لکھا ازکی طعاما میں اشارہ ہے کہ ان کے زمانہ میں شہر میں ایسے لوگ بستے تھے جو باطن مومن تھے۔ لیکن دقیانوس کے خوف سے ایمان ظاہر کرنے سے ڈرتے تھے اسی لیے اصحاب کہف نے اپنے ساتھی سے فرمایا کہ ان لوگوں کو تلاش کر کے ان سے کھانے کی چیزیں خریدنا کیونکہ انھوں نے گوشت وغیرہ دین حق کے مطابق حاصل کر کے پکایا ہو گا۔

وَلْيَتَلَطَّفْ چاہیے وہ تکلف یا تلطف فی المعاملۃ سے یعنی سوچ سمجھ کر سودا خریدے تاکہ ہمیں دین میں کسی کا نقصان نہ ہو یا ایسی حرکت نہ کر بیٹھے کہ ہمیں ستم گرفتار ہو جائیں

ف قرآن مجید کے کل حروف کا نصف اسی سورت کہف کے حرف وَلْيَتَلَطَّفْ کی لام اول پر پڑتا ہے اور طاء اور فا نصف ثانی میں۔ کذا فی البستان

وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ أَحَدًا ۝ اور تمھارے بارے میں کسی کو باخبر نہ کرے یعنی شہر والوں کو تمھارے متعلق کوئی بات نہ بتائے اس لیے کہ اس سے آگے ہماری خبر پھیل جائے گی جس سے ہم گرفتار ہو جائیں گے یعنی بلا قصد بھی کوئی ایسی بات نہ کرے جس سے شہر والوں کو ہمارے متعلق شک و شبہ پڑ جائے اور اشعار کی نسبت اپنے تابع کی طرف اس لیے کی ہے کہ وہی ان کی خبر پھیلنے کا سبب بنے گا پہلے معنی پر نہی اسی کے لیے ہے اور دوسرے معنے پر ولیتلطف کے مرجع تاکید کے لیے ہے إِنَّهُمْ تعلیل عدم اشعار کی علت اس لیے کی جا رہی ہے کہ بلکہ بادشاہ اور اس کے ساتھیوں سے إِن يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ اگر تمھارے متعلق آگاہ ہو گئے اور تمھیں گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئے يَرْجُمُوكُمْ تو تمھیں پتھراؤ کریں گے الرجم بمعنی القتل بالحجارۃ یعنی پتھراؤ کو عربی میں رجم کہتے ہیں اور یہ کسی کو قتل کرنے کا سب سے خبیث ترین طریقہ ہے یعنی اگر تم نے دین حق پر ڈٹے رہے تو شہر والے اپنی خبیث ترین عادت کے مطابق تمھیں پتھروں سے ماریں گے۔ أَوْ يُعِيدُوكُمْ فِي مِلَّتِهِمْ یا تم پر قت کفر کو لوٹا لے گے یا وہ تمھیں مجبور کر کے کفر پر لوٹا دیں گے یہ العود سے ہے بمعنی الصیرورۃ

جیسے اولتعودن فی ملتنا پڑھ تم اگر ہو تو اول میں عود بمعنی صیرورت ہے یا عود اپنے حقیقی معنی پر ہے اس لیے کہ اصحاب کہف انہی کے دین و کفر پر تھے پھر دین حق کے پابند ہو گئے

ف صاحب روح البیان نے فرمایا یہی دوسرا حقیقی معنی یہاں بعض پر صواب ہے جیسا کہ آمنوا بعد سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے مؤمن نہیں تھے بلکہ بعض ہی دولت ایمان سے نوازے گئے وہ اس لیے کہ اگر ان کا ایمان حادث کی بجائے قدیم ہو تو آمنوا بربھم کے بجائے اور صدر فتیۃ مؤمنون بربھم ہوتا۔

سوال قاعدہ کا تقاضا ہے کہ یہاں فی ملتھم کے بجائے الی ملتھم ہوتا یعنی یہاں فی کے بجائے الیٰ ہوتا۔

جواب تاکہ معلوم ہو کہ وہ ان کے دین کی طرف لوٹنے سے کراہت کرتے تھے

وَلَن تُفْلِحُوا إِذًا أَبَدًا اور اگر تم ان کے دین کفر میں واپس لوٹ جاؤ گے تو عمر بھر ابدالآباد تک فلاح سے ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں اس لیے کہ تم ابدالآباد اس وقت صرف زبان سے کفر کرو گے لیکن تم جانتے ہو کہ شیطان ہمارا سخت اور یقینی دشمن ہے جو مخلوق سے اس ظاہری کفر سے فائدہ اٹھائے گا انہیں بہکائے وسوسے ڈال کر تمہارے دلوں میں حقیقی کفر رائج کر دے اور پھر تم اسی پر ہمیشہ رہو حتی کہ اسی حالت میں مر جاؤ اس اعتبار تم دونوں جہانوں میں خسارے میں رہو گے اسی لیے اپنے شہر جانے کی سبیل کر کہ تم کوئی بات نہ کرو جس سے کوئی بات کھل جائے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب وہ حضرات یعنی اصحاب کہف نیند سے بیدار ہوئے تو عالم حقیقت میں تھے اور حضرت سے واصل ہو چکے تھے اسی لیے انہیں تناول و کھانے کی ضرورت نہ پڑی اس لیے کہ جسمانی غذا کی بجائے انہیں روحانی غیبی غذا ملتی تھی جیسے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت تھی کہ آپ کئی کئی دن تک کھانے پینے سے بے نیاز رہتے اور فرماتے

میں اپنے رب تعالیٰ کے ہاں کھاتا اور پیتا ہوں پھر جب حضرات اپنے حال کی طرف متوجہ ہوئے تو انہیں جسمانی غذا کی خواہش پیدا ہوئی اسی لیے کہا فابعثوا الخ

نکتہ لطیف اور پاکیزہ غذا کی طلب میں ایک راز ہے وہ یہ کہ وصل وصال والے اولیاء جب محبوب حقیقی کے جمال باکمال کا مشاہدہ کرتے ہیں تو انہیں اسی وصال سے محبوب کا ذوق نصیب ہوتا ہے جب وصال سے فراغت پاتے ہیں تو ان کے روح و قلب روحانی غذا کا مطالبہ کرتے ہیں اسی لیے قلوب کو محبوب کے وصال سے بہتر غذا پیش کرتے ہیں اس لیے کہ جمال اللہ تعالیٰ کے جمال باکمال کا جلوہ ہے اسی وجہ سے انہیں محبوب حقیقی کی ملاقات کی وجہ سے لطیف غذا میں استعمال کرنی پڑتی ہے اسی لیے کہا فلیأتکم برزق منہ ولیتلطف ولا یشعرن بکم احدا میں اشارہ ہے کہ کامل عاشق کو چاہیے کہ عشق کے حالات سے باخبر رہے تاکہ اس کے اسرار کسی پر ظاہر نہ ہوں۔

کو مستور ہوتے ہیں چنانچہ ابو عثمان مغربی قدس سرہ نے فرمایا کہ اہل یقین کو ترقی بناوٹ کی سے اور مریدین کو پختہ قریب ورز تو شخی سے انہم ان یظہروا علیکم یعنی اگر اہل غفلت تمہارے احوال سے مطلع ہو گئے تو سمجھو کہ تمہارے ساتھ اہل معرفت پر تو تمہیں اہل غفلت ملامت کریں گے جب کہ تمہارے سے ایسے امور مشاہدہ کریں گے جو ان کی استعداد کے غیر موافق ہوں گے۔

اس لیے کہ اہل معرفت میں ولایت کی وسعت اور قوت معرفت بھرپور ہوتی ہے اور انہیں ہر دو امور کے تصرف کا حق حاصل ہوتا ہے اور اہل غفلت نہ تصرف کر سکتے ہیں اور نہ ہی انہیں عالم باطن کی بصیرت حاصل ہوتی ہے اسی لیے جو کچھ بھی اہل معرفت سے دیکھتے ہیں اس کا انکار کر دیتے ہیں بلکہ اپنی کوتاہ نظری کی وجہ سے اہل معرفت پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ ع

عشق در ہر دل کہ سازد بہر دوست خانہ
اول از سنگ ملامت افگند بنیاد

ترجمہ جس دل میں عشق اپنا گھر بناتا ہے تو دوست دوست کے لیے بناتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کی ابتدائی بنیاد کے وقت اس پر ملامت کا پتھراؤ ہوتا ہے۔

او یعیدوکم فی ملتہم یعنی ان کا ارادہ ہوتا ہے کہ وہ تمہیں اپنی ملت یعنی خواہشات نفسانی کے جنون اور شہوات دنیا اور اس کی زینت کے طاغوتوں کی پرستش میں مبتلا کریں اے عارف! اگر تم ان کی موافقت کرو گے تو ہمیشہ کے لیے ناکام رہو گے۔

صاحب روح البیان کی روحانی تقریر

صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ ہر زمانے میں صورۃً و معنیً دقیانوس جیسے سرکش بادشاہ ہوتے ہیں جو شخص چاہتا ہے کہ اسے ظاہری باطنی جسمانی اور روحانی دینی اور اعتقادی سلامتی نصیب ہو تو وہ تنہائی اور گوشہ نشینی اختیار کرے اور ایسا گھر بنائے یا ایسے مقام کو عبادت کے لیے پسند کرے کہ جہاں اس کے سوا کوئی آنے جانے نہ پائے اور عالم دنیا کی مجلسوں کے تصورات دل سے ہٹا دے تو کسی شے سے دوستی نہ رکھے ہر چھوٹے سے بڑی تک چھوٹے وطن سے دوسرے وطن چلے جائے جیسے کہ ان لوگوں سے تعلق اپنے آپ کو نیند والے کی طرح بنا لے جیسے چند روز سونے والے کہ جو اس عالم دنیا سے کسی دوسرے عالم کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ایسے ہی اس کی حالت ہو گی۔ سے یہ معلوم ہو کہ دنیا کیا ہے دنیا والے کون ہیں اس لیے کہ جب سونے والا آنکھ بند کرتا ہے تو اس کی آنکھوں کی سفیدی اور سیاہی کا امتیاز اٹھ جاتا ہے۔

ازالہ وہم

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ بعض مشائخ کو بعد شیخ ملی تو ہر ایک کا سر اصحاب کہف کا سا قریب ہے اسی لیے کہ تنہا سالک گوشہ ایسا مرتبہ نصیب ہوتا ہے لیکن ہر ایک کو یہ مرتبہ نصیب نہیں ہوتا قاعدہ ہے کہ جو کوئی دنیا میں قدم رکھتا ہے تو دنیا کے شر اور نقصان سے نہیں بچ سکتا جیسے وہ دودھ پیتے والا بچہ جس کے پستان کو منہ میں ڈالے اور پھر بھی کہ وہ دودھ نہیں پیتے کا بجز خیال کے ہم ان کو پی لیں تب بھی اسے اتنا نقصان تو سلوک کے لیے ماننا پڑے گا کہ لوگوں کے میل جول سے خواہ مخواہ ان کی چند باتوں کی موافقت کرنی پڑے گی۔

وَكَذٰلِكَ
اور اسی طرح ہم نے ان کی
أَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوا أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَأَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيهَا إِذْ
کی اطلاع کر دی لوگوں کو تاکہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت میں کچھ شبہ نہیں جب
يَتَنَازَعُونَ بَيْنَهُمْ أَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا رَبُّهُمْ أَعْلَمُ بِهِمْ
وہ لوگ ان کے معاملے میں باہم جھگڑنے لگے کہ ان کے غار پر کوئی عمارت بنا دو۔ ان کا رب انہیں خوب
قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَسْجِدًا ﴿٢١﴾
جانتا ہے جو لوگ اس کام میں غالب رہے تھے کہنے لگے کہ ہم ان کے غار پر مسجد بنائیں گے

تفسیر عالمانہ

جب کہ یملیخا جو ان کا آدمی تھا اس نے اپنی حقیقت کو ظاہر کیا اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یہ ظہور کرنے کی کوشش کرنے لگا اسے یہ کہا گیا کہ وہ کچھ کھانا لے آئے تو وہ شہر میں آیا تو دیکھا کہ شہر کا نقشہ ہی بدلا ہوا ہے اور شہر کے اندر داخل ہوا تو وہ مکان اور شہر کے پہلے کے بازار مکانات کے طور طریقے سب تبدیل تھے حیران تھا کہ کیا یہ کیا معاملہ ہے بالآخر ایک نانبائی کی دکان پر گیا اس کو پیسے دیے کہ مجھے روٹی دے دو اس نانبائی نے پیسے دیکھ کر کہا کہ اس شخص کو کہیں سے کوئی خزانہ ملا ہے اس لیے کہ اس کے پیسے پر دقیانوس کی تصویر تھی اس کے روپیہ پیسے پرانے سکے کے تھے جس کو دیکھ کر حیران ہو جاتا ہے یہ خبر جلدی ہی پھیل گئی یہاں تک کہ شہر کے کوتوال تک خبر پہنچی اس نے یملیخا کو گرفتار کر لیا اور سختی سے استفسار کیا اور کہا کہ خزانہ بتا دے ورنہ تمہیں سخت سزا دی جائے گی یملیخا نے کہا کہ میرے پاس خزانہ نہیں ہے اور یہ میرے ہی پیسے ہیں کل ہی تو میں اپنے والد کے گھر سے کل نکلا ہوں اور آج تمہارے پاس آیا ہوں اس شخص نے پوچھا تیرے باپ کا نام کیا ہے اس نے بتایا تو لوگوں نے کہا ہم اسے نہیں جانتے اور نہ ہی اس نام کا کوئی شخص اس شہر میں ہے لوگوں نے اسے جھوٹا سمجھنا شروع کر دیا یملیخا نے تنگ آ کر کہا اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھے دقیانوس بادشاہ کے پاس لے جاؤ یا جو وہ ہمارے حال اور معاملہ کو جانتا ہے لوگ ہنس پڑے اور کہا کہ دقیانوس کو مرے ہوئے تو تین سو سال گزر گئے ہیں تم کیسے اس کا نام لے رہے ہو یہ تو بالکل محال ہے ہم نہیں چھوڑیں گے جب تک خزانہ نہ بتا دے گا اس نے کہا کہ اے بندو! میرے ساتھی بھی ہمارے ساتھ غار میں ہیں ہم چند نوجوان اسی شہر سے بھاگ کر پہاڑ کی غار میں جا چھپے کل تمہارے ہاں کھانا لینے آیا ہوں اگر یقین نہ ہو تو چلو یہی حقیقت اور سچی بات ہے جو میں نے تمہیں عرض کر دی ہے لوگوں نے سمجھا کہ یہ شخص پاگل معلوم ہوتا ہے یہ جھوٹ نہیں بولتا اس کے معاملہ میں کچھ بھید ضرور ہے وقت کے بادشاہ کے پاس لے جانا چاہیے جو نیک بادشاہ تھا یملیخا کی گفتگو سن کر بادشاہ اپنے وزراء اور ارکان دولت کو لے کر غار میں جہاں یملیخا نے پہلے جا کر اصحاب کہف کو صورت حال سے آگاہ کیا اور پھر بادشاہ کی فکر سے کر پہنچ گیا غار کے دروازہ پر ایک تختی لگی ہوئی دیکھی اس پر ان حضرات یعنی اصحاب کہف کا پورا حال لکھا ہوا تھا ان کے

اسماء انساب وغیرہ تفصیل سے حالات درج تھے بادشاہ نے آتے ہی ان کو سلام عرض کیا اور ان کے حالات بتائے کہ انہیں یہاں عرصہ دراز گزرا ہے اور ان کے چہرے کی تروتازگی اور کپڑوں کی چمک دمک کو دیکھ کر حیران ہوا اور انہیں سلام عرض کیا تو انہوں نے اس کے سلام کا جواب بھی دیا اللہ تعالیٰ نے ان کی خبر دیتے ہوئے فرمایا وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا ۔

حل لغات اعثرنا یعنی اطلعنا اور علیہم کی ضمیر اصحاب کہف کی طرف لوٹتی ہے در اصل جب کوئی غافل یعنی شئی کو ٹھوکر لگا کر اسے معلوم کرے تو اس کے لیے اہل عرب کہتے ہیں عثر بہ چونکہ عثار یعنی اطلاع چونکہ علم کا سبب ہے اس لیے مسبب پر سبب کا اطلاق ہوا ہے اور تاج المصادر میں ہے الاعثار کسی کو کسی شے پر پہنچانا اس نے تفسیر میں یہی آیت لکھی کہ وکذلک اعثرنا اور اطلاع سے یعنی کسی کو پوشیدہ امر پر پہنچانا اہل عرب کہتے ہیں اطلع فلان علی القوم فلاں نے فلاں قوم کو پوشیدہ معاملہ پر پہنچایا یہاں تک کہ وہ ان کے سامنے ایسے ظاہر ہوا کہ انہوں نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور جب کہتے ہیں اطلع منہم تو اس کا معنی ہو گا فلاں ان لوگوں سے ایسا غائب ہو گیا یہاں تک کہ وہ ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا کہ وہ اسے دیکھ نہیں سکتے تھے اب مطلب یہ ہوا کہ ہم نے انہیں عرصہ دراز کے بعد اصحاب کہف کو بیدار کر کے انہیں ان کے حالات سے مطلع کر کے اپنی قدرت کاملہ کا اظہار فرمایا ہے تاکہ تمہاری بصیرت اور یقین میں اضافہ ہو۔ کما قال ۔ لِيَعْلَمُوْٓا اس سے شہر والوں کی قوم مراد ہے جس نے بعث و نشر یعنی مرنے کے بعد اٹھنے کا انکار کیا تھا اللہ تعالیٰ نے انہی کے متعلق فرمایا کہ ہم نے اصحاب کہف کے حالات سے انہیں مطلع فرمایا تاکہ وہ جان لیں اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ یعنی اس نے جو وعدہ فرمایا ہے کہ مرنے کے بعد روح کو جسم میں لوٹا کر اٹھایا جائے گا وہ وعدہ حق ہے حق بمعنے صدق ہے یعنی اس کے وعدہ میں سچائی ہی سچائی ہے جیسا کہ اصحاب کہف کا نیند کے سبب گویا مردے کے حکم کی طرح ہے کیونکہ نوم اور موت دونوں ہم جنس ہیں ۔ وَاَنَّ السَّاعَةَ یعنی قیامت اس سے وہ گھڑی مراد ہے جب لوگ حساب و کتاب کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوں گے۔ لَا رَيْبَ فِيْهَا یعنی قیامت کے وقوع اور اس کے لئے سب کی حاضری کے متعلق کسی قسم کا شک و شبہ نہیں اس لیے کہ جب انہوں نے آنکھوں سے دیکھا کہ جس خالق کائنات نے اصحاب کہف کی ارواح کو تین سو نو سال تک مردہ کی طرح رکھا اور ان کے ابدان و اجسام کو گلنے سڑنے اور ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے محفوظ رکھا تو اسے یقین ہو جائے گا کہ وہی خالق کائنات تمام مخلوق کو موت دینے کے بعد ان کی ارواح کو میدان حشر کے لئے محفوظ رکھ سکتا ہے اور اسے قدرت ہے کہ انہیں اتنا عرصہ دراز تک محفوظ رکھ کر پھر ان کے ابدان و اجسام میں حساب و کتاب کے لیے واپس لوٹائے ۔

پیش قدرت کارہا دشوار نیست
عجز را با قوت حق کار نیست

ترجمہ : اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آگے کوئی کام مشکل نہیں ہے عاجزی کو قوت اللہ تعالیٰ کے کاموں میں دخل ہی نہیں ہے

نکتہ: صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی تعلیم ہے یعنی اور الطاف کی بات ہے ایک کرم اور مہربانی ہے کہ ان میں رسول اور نبی علیہ السلام کے بھیجے بغیر اصحاب کہف کی چند اہم چیزوں کے بتا گئے کہ ان کی ہدایت کا سبب بنا دیا

تفسیر صوفیانہ

وکذلک اعثرنا علیہم یعنی ایسے ہم نے بعض منکرین قیامت کو اصحاب کہف کے حالات کا مشاہدہ کرایا تاکہ ان پر واضح ہو اور انہیں یقین ہو جائے کہ لوٹنا اور مردوں کا زندہ ہونے کا وعدہ الٰہی حق اور ثابت ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شک و شبہ نہیں ایسے ہی انہیں معلوم ہو کہ مردوں کے زندہ ہونے کا جو پیغام ہے اس کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ کہ قال تعالیٰ۔

فلنحیینہ حیاۃ طیبۃ ہم اسے حیات طیبہ سے نوازتے ہیں (او مزید) او من کان میتا فاحییناہ پس جو مردہ تھا پھر ہم نے انہیں زندہ کیا اور انہیں اصحاب و یقین کی معرفت کے قرب کا قیام ہوا مری حق ہے اور اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے

اصحاب کہف مصطفیٰ کریم ﷺ کی غلامی میں

دو مشہور تفسیروں میں مرقوم ہے کہ اصحاب کہف کی ملاقات کا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال ہوا آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا انہوں نے عرض کی کہ آپ انہیں اس عالم دنیا میں نہیں دیکھیں گے البتہ آپ اپنے چند معتمد اصحاب کو بھیج کر اپنی دعوت اسلام سے انہیں نواز سکتے ہیں آپ نے فرمایا میں اپنے اصحاب کو ان کے پاس کس طرح بھیجوں حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ اپنی چادر مبارک بچھائیے اور صدیق و فاروق اور علی المرتضیٰ اور ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو فرمائیے کہ وہ ہر ایک اس کے ایک کونے پر بیٹھ جائیں اور ہوا کو حکم فرمائیں کہ وہ انہیں اڑا کر غار کہف پہنچا دے اور ہوا آپ کی فرمانبردار ہے جیسے تخت سلیمانی کو ہوا اڑا کر چلتی تھی آپ کے قدموں کو بھی لے جائے گی حضور علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی چنانچہ ہوا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اڑا کر غار تک لے گئی انہوں نے غار سے ایک پتھر ہٹایا تو اس سے ایسی روشنی دیکھی اول تو ڈر گئے پھر آگے بڑھنے کی کوشش کی اس کے بعد جب صحابہ کرام کی شخصیت پر نگاہ ڈالی تو معلوم ہوا کہ اصحاب کہف کے ان کا جانا منظور ہے کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اصحاب کہف کے قریب ہوئے اور کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اللہ تعالیٰ نے انہی حضرات کی ارواح کو ان کے اجسام میں واپس لوٹایا انہوں نے ان کے سلام کا جواب دیا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے حبیب نبی حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ حضرات کو سلام بھیجا ہے اور اسلام کی دعوت بھی۔ ان حضرات نے دعوت اسلام قبول کی اور عرض کی کہ ہماری طرف سے رسالت میں سلام عرض کر دینا یہ کہہ کر پھر وہ اپنی جگہ لیٹ گئے حضرت امام مہدی جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے ہوں گے کے ظہور کے وقت زندہ ہوں گے اور امام مہدی انہیں سلام کہیں گے وہ ان کو سلام کا جواب دیں گے اس کے بعد پھر اپنی جگہ میں آرام فرمائیں گے تا قیامت ویسے ہی لیٹے رہیں گے۔

إِذْ يَتَنَازَعُونَ بعض مفسرین کے نزدیک یہ اذکر محذوف کے متعلق ہے صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہی قول انسب اور موزوں تر ہے اسی لیے کہ اس کے بعد والی آیۃ کی ترتیب کا تقاضا یہی ہے اس معنی پر یہ سابق کلام سے علیحدہ مستقل ہوگا یعنی یاد کیجیے اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم جب جھگڑنے والوں نے جھگڑا کیا ان سے تندوسس کی قوم مراد ہے بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ اصحاب کہف جب دوبارہ فوت ہوئے تو تندوسس کی قوم میں اختلاف ہوا کہ اب ان حضرات کو کس طرح قوم کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھا جائے تاکہ آنے والی نسلیں ان کے حالات سے آگاہ رہ سکیں فَقَالُوا اس شہر کے بعض لوگوں نے کہا کہ ابْنُوا عَلَيْهِمْ ان کی غار کے دروازے پر عمارت کھڑی کر دی جائے بُنْيَانًا یعنی ان کے اردگرد ایک ایسی دیوار کھینچ دی جائے کہ لوگ وہاں تک نہ پہنچ سکیں جیسے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار اقدس کے اردگرد دیوار کھینچ کر اسے محفوظ کر لیا گیا ہے ایسے ہی ان لوگوں نے اصحاب کہف کے اردگرد دیوار کھینچ کر لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل کر دیا تھا رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ان کا رب ہی ان کی آرام گاہ کو خوب جانتا ہے ہمارا مقصد یہ ہے کہ ان کے حالات معلوم ہوں دوسرے اگر نہ جانیں تو کیا حرج ہے قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ اَمْرِهِمْ وہ جو ان کے معاملے میں غالب ہوئے اس سے اس زمانہ کے مسلمان بادشاہ اور امراء ہیں لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ہم ان کے غار کے دروازے پر مسجد بنائیں گے جس میں نمازی نماز پڑھیں گے اور اس جگہ کو متبرک جان کر تبرک حاصل کریں گے[1]

تندوسس کی چالاکی

مروی ہے کہ تندوسس کے دور میں جب لوگوں نے بعث و نشر کے متعلق اختلاف کیا اور کسی طرح بھی یہ مسئلہ حل نہ ہوا تو بادشاہ اپنے گھر کے اندر ایک حجرہ میں آ کر عبادت میں مصروف ہو گیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ جھگڑا ختم ہو شاہی لباس کے بجائے ٹاٹ پہن لیے اور پلنگ اور قالین پر بیٹھنے کے بجائے راکھ پر بیٹھ گیا اور گڑگڑا کر دعائیں مانگیں کہ حق و باطل ظاہر ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسی شہر کے ایک چرواہے کے دل میں یہ خیال ڈالا کہ وہ غار جسے دقیانوس نے پتھروں سے بند کر دیا تھا اس کے پتھروں کو ہٹا دے اس نے اس کے دروازہ کو توڑ کر غار کے اندر بکریوں کو ٹھہرانا چاہا جونہی چرواہے نے غار کھولا تو اندر سے اصحاب کہف اٹھ کر بیٹھ گئے اور یہ خبر سارے شہر میں پھیل گئی بادشاہ کو اطلاع دی گئی شہر والے تمام مومن کافر اس نظارہ کو دیکھنے آئے اور بادشاہ اپنے ارکان حکومت کا لشکر لے کر پہنچا تو اصحاب غار سے ہم کلام ہوئے تو اصحاب کہف نے ان کے سوالات کے جوابات دیے اور بتایا ہمارا تفصیلی حال یہ تھا اس بیان سے لوگوں نے یقین کیا کہ مرنے کے بعد اٹھنا حق ہے اصحاب کہف نے بادشاہ کو دعا دی کہ ہم تمہیں اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ تمہیں جن و انس کے شروں سے محفوظ فرمائے یہ کہہ کر وہ دوبارہ ہمیشہ کی نیند میں چلے گئے بادشاہ نے ان پر کپڑا ڈالا اور ہر ایک کے لیے سونے کا صندوق تیار کروائے خواب

---

[1] معلوم ہوا کہ مقدس لوگوں کے مقامات کو متبرک سمجھنا اور وہاں سے تبرک حاصل کرنا اہل اسلام کا قدیمی شیوہ ہے ولکن الوہابیۃ قوم لا یعقلون ۱۲

میں ان حضرات نے بادشاہ کو فرمایا کہ سونے کے صندوق ہمارے لائق نہیں اس کے بعد بادشاہ نے لکڑی کی کڑی کے صندوق تیار فرمائے اور مزار کے دروازہ پر جھونپڑی بنوا دی ۔

حضرت مولانا روم اور حضرت شیخ صدرالدین قدس سرہما کے حال کا موازنہ صاحب روح البیان قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اولیاء کاملین کا طریقہ ہے کہ وہ سادگی کو پسند کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ حضرت شیخ صدرالدین قونوی قدس سرہ نے اپنے مزار شریف پر عمارت کو قبول نہیں فرمایا یہاں تک کہ ایک دفعہ آپ کے مزار شریف پر لکڑی کے تختے ڈالے گئے تو آسمان سے بجلی گری جس سے وہ تختے جل گئے اس سے یہی سمجھا گیا کہ حضرت قونوی قدس سرہ نے اپنے مزار اقدس پر عمارت کو قبول نہ فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے شیخ اور پیر و مرشد قدس سرہ سے غنی کہ حضرت شیخ صدرالدین قدس سرہ بادشاہ کی اولاد سے ہیں ایسے ہی حضرت مولانا روم صاحب مثنوی بھی بادشاہوں کی اولاد سے ہیں حضرت مولانا روم قدس سرہ تارک الدنیا تھے اور حضرت شیخ صدرالدین قونوی رحمۃ اللہ تعالیٰ بادشاہوں جیسے ٹھاٹھ باٹھ سے رہتے تھے یہاں تک کہ آپ کے نوکر بھی امیرانہ زندگی بسر کرتے تھے آپ کا ٹھاٹھ شاہانہ اور تجمل ہوتا تھا کسی نے آپ کے متعلق تصور کیا کہ فقیر کو سونے سے کیا غرض حضرت شیخ کو اس کا خیال کشف سے معلوم ہوا تو آپ نے اسے کہا کہ اچھا ان ہاتھیوں کی حاضری کا اشارہ کیا تو وہ خود بخود حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہو گئیں اس پر تمام لوگ حیران ہوئے لیکن وہ اعتراض کرنے والا شخص فوراً تائب ہو گیا ۔

مکالمہ مولانا روم و شیخ صدرالدین قدس سرہما ایک دفعہ حضرت شیخ صدرالدین قونوی نے مولانا روم قدس سرہ سے فرمایا کہ ہم بظاہر شاہانہ ٹھاٹھ سے زندگی بسر کرتے ہیں لیکن ہم فقیر اور درویش ہو کر رہتے ہیں اس کے جواب میں حضرت مولانا روم قدس سرہ نے فرمایا کہ ہم بظاہر درویشانہ اور فقیرانہ زندگی گزارتے ہیں لیکن بادشاہوں سے بھی بڑھ کر آرام سے رہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا روم قدس سرہ کا مزار شریف نہایت شان و شوکت سے سجایا ہوا ہے بخلاف حضرت مولانا صدرالدین قدس سرہ کا مزار نہایت ہی سادہ ہے ۔*

اللہ تعالیٰ ہمیں ان دونوں بزرگوں کی شفاعت نصیب کرے ۔

حضرت مولانا قدس سرہ نے فرمایا ؎

وصلش مجو از اطلس شاہی کہ دوخت عشق
ایں جامہ بر تنے کہ نہاں زیر ژندہ بود

ترجمہ اس کا وصال اطلس شاہی کے لباس میں نہ ڈھونڈ اس لیے کہ یہ لباس عشق نے اسی شخص کے لیے سیا جو گدڑی پوش ہو ۔

---

* ان بزرگوں کی شفاعت کی امید رکھنا بھی معصوم کا طریقہ ہے جیسا کہ صاحب روح البیان رحمۃ اللہ نے تفسیر میں تحریر کر کے بیان کیا ۔ رزقنا اللہ شفاعتہم ۔ روح البیان صفحہ ۳۲۳ ج ۴

سَيَقُولُونَ
اب کہیں گے کہ وہ تین

ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُولُونَ
ہیں چوتھا ان کا کتا اور کچھ کہیں گے پانچ ہیں چھٹا ان کا کتا بے دیکھے الاؤ تکا بات اور کچھ کہیں گے

سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ قُلْ رَّبِّيْ أَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيْلٌ ۗ فَلَا
سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا تم فرماؤ میرا رب ان کی گنتی خوب جانتا ہے انہیں نہیں جانتے مگر تھوڑے

تُمَارِ فِيْهِمْ إِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۖ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ أَحَدًا ﴿٢٢﴾
تو ان کے بارے میں بحث نہ کرو مگر اتنی ہی بحث جو ظاہر ہو چکی اور ان کے بارے میں کسی کتابی سے کچھ نہ پوچھو

تفسیر عالمانہ

سَيَقُولُونَ ان تمام افعال کی ضمیریں ان لوگوں کی طرف راجع ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد اقدس میں اصحاب کہف کے حالات میں غور و خوض کرنے والے لوگ موجود تھے ان میں بعض اہل اسلام تھے اور بعض اہل کتاب۔ لیکن اسناد فعل میں تصریح نہیں کی گئی

شان نزول ان لوگوں نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اصحاب کہف کے متعلق سوال کیا تو آپ نے وحی کے نزول پر اس کے جواب کو موخر فرمایا یہی آیات نازل ہوئیں جن میں ان لوگوں کے اختلاف کو بھی بتایا گیا جو انہوں نے اصحاب کہف کی گنتی کے متعلق کیا یا آئندہ ہونے والا تھا

ف ان میں سچا اور حق ان کے قول میں ہے جنہوں نے کہا کہ اصحاب کہف کل سات افراد تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔

سَيَقُولُونَ : بعض نصاریٰ یا یہودی کہیں گے کہ اصحاب کہف ثَلٰثَةٌ تین افراد تھے رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ چوتھا ان کا کتا تھا یعنی ان کے ساتھ کتا ملا کر وہ کل چار ہو گئے وَيَقُولُونَ اور نصاریٰ کہیں گے۔

سوال اس کے قائلین بھی تو زمانہ مستقبل میں کہنے والے تھے ان کے صیغہ میں سین استقبالیہ کیوں نہیں لایا گیا؟

جواب اس کا عطف پہلے سَيَقُولُونَ پر ہے اس کے سہارے اور سین لانے کی ضرورت نہیں۔

خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ وہ پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا یہ لوگ ایسی بات کہہ رہے تھے جو ان سے مخفی تھی رجما بالغیب ویقذفون بالغیب کی طرح ہے یعنی غیبی باتیں اپنی طرف سے گھڑتے تھے یعنی رجما بالغیب بمعنی ظنا بالغیب ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی بے گمان سے بات کہہ دے۔

ترکیب رجما بالغیب حال ہے پہلے تمام افعال سے یعنی ان کا حال یہ تھا کہ وہ غیبی باتیں اپنی طرف سے گھڑتے تھے یا ان افعال سے مفعول مطلق ہے اس لیے کہ رجم اور قول ہم معنی ہیں یہ دراصل یرجمون رجما بالغیب تھا۔

وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ اور اہل اسلام کہیں گے وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا اہل اسلام

سے تعیین کر کے اس لیے کہا کہ انہیں وحی نبوی پر اعتماد اور یقین تھا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کو رجماً بالغیب کے زمرہ میں شامل نہیں فرمایا اور یہود و نصاریٰ کے قول سے علیحدہ بیان فرمایا جیسا کہ لفظ واو سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل اسلام کے قول کو اہل کتاب کے اقوال سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ ان کے قول کا اعتماد وحی پر تھا اور وہی باقی اہل کتاب کی من گھڑت باتوں سے بہر طور پر مقدم ہے قُلْ حق بات بتا دیجئے اور اہل کتاب کی تردید کیجیے کہ رَبِّیْٓ اَعْلَمُ میرا رب تعالیٰ زیادہ بہتر جانتا ہے ۔

ف: سعدی المفتی نے فرمایا کہ متکلم اقوی علماً وازید کیفیۃ یعنی میرا رب تعالیٰ علم میں قوی تر اور کیفیت میں زیادہ تر ہے یہ اس لیے کہ یقین کے مراتب کے متفاوت ہیں یاد رہے کہ یہ تفضیل ان اہل کتاب کی وجہ سے نہیں اس لیے کہ انہیں ہرگز اللہ تعالیٰ کے علم میں شرکت کہاں بلکہ اس سے نفس حقیقت مقصود ہے بِعِدَّتِهِمْ ان کی تعداد کو مَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ نہیں بہت تھوڑے لوگ جانتے ہیں وہ یہی جنہیں اللہ تعالیٰ کی توفیق نصیب ہو جیسا کہ شاہد بتا گئے ہیں۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آخری قول میں واو واقع ہوئی اور اس کے بعد گنتی کرنے والوں کا ذکر نہیں اس سے واضح ہوا کہ ان کی تعداد یہی صحیح ہے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا اسی پر جزم اور یقین ہے اور فرمایا کہ بفضلہ تعالیٰ میں بھی انہیں قلیل سے ہوں جنہیں مَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ میں بیان فرمایا

ف: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان سات حضرات کے اسماء گرامی یہ ہیں:

۱ یملیخا

۲ مکشلینیا

۳ مشلینیا یہ تینوں حضرات بادشاہ کے دائیں جانب بیٹھتے تھے اور اس کی بائیں جانب یہ حضرات ہوتے تھے۔

۴ مرنوش

۵ دبرنوش

۶ شاذنوش بادشاہ مذکورہ حضرات سے اپنے خصوصی مشورے لیتا تھا ساتواں وہ چرواہا تھا جو غار میں ان کے ساتھ ہو گیا تھا اس کا نام کشفیطیونس تھا کاملی نے لکھا کہ اس کا صحیح نام مرطونس تھا۔

اصحاب کہف کے اسماء گرامی نیشاپوری حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ اصحاب کہف کے اسماء گرامی سے طلب و ہرب کے فوائد حاصل کیے جاتے ہیں۔

کے برکات و خواص

۱ ان کے اسماء گرامی کو ایک کپڑے پر لکھ کر آگ میں ڈالا جائے تو آگ بجھ جاتی ہے

۲ یہ اسماء لکھ کر بچے کے سرہانے رکھے جائیں تو بچہ نہیں روئے گا

۳ ان اسماء کو لکھ کر ایک لکڑی پر لگا دیا جائے اور کھیتی کے درمیان میں گاڑ دیا جائے تو کھیتی نقصان سے محفوظ رہے گی۔

۴ زخموں

۵ تیسرے دن کے بخار

۶ درد سر

۷ دولتمندی

۸ جاہ و مرتبہ

۹ بادشاہوں اور حکمرانوں کے پاس جانے کے لیے سیدھی ران پر باندھا جائے

۱۰ ولادت کی آسانی کے لیے حاملہ کو لکھ کر بائیں ران پر باندھا جائے

۱۱ مال کی حفاظت

۱۲ دریائی سفر

۱۳ قتل کی نجات کے لیے لکھ کر اپنے پاس رکھا جائے

فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ اِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا سے یہ مقصد ہے کہ جھگڑا کرنا باطل کے ساتھ سختی کی تعریف کے لیے نازل ہوئی ہے یعنی جب تمہیں یہود و نصاریٰ کا جہل معلوم ہو تو جھگڑا نہ کیجیے فِيهِمْ اصحاب کہف کے متعلق اِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا ظاہری طور پر جھگڑا جائز ہے جس میں غور و فکر کی اجازت نہیں یعنی انہیں صرف اتنا بیان کیجیے جتنا قرآن مجید میں ہے اس سے بڑھ کر بلا تصریح اپنی طرف سے کوئی بات نہ ہو نیز اس لیے کہ کثرت باتیں بنانا مکارم اخلاق کے منافی ہیں وَلَا تَسْتَفْتِ اور فتوی مت پوچھیے یعنی سوال نہ کیجیے فِيهِمْ ان کے بارے میں مِنْهُمْ ان سے یعنی غور و فکر کرنے والوں سے اَحَدًا کسی ایک سے کیونکہ اس بارہ میں ان کے متعلق کوئی علامت بتائے گا اور وہ جانتا نہ ہوگا کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

ابدال کا آغاز کاشفی نے لکھا کہ اصحاب کہف کے بارے میں بہت بڑا اختلاف ہے بعض بزرگوں نے فرمایا کہ ابدال کے وجود کا آغاز انہی حضرات سے ہوا ابدال سات ہوتے ہیں جو ہفت اقلیم زمین کے قدم بقدم سے قائم ہیں اور اصحاب کہف اولیاء کے خلوت گزیدہ گروہ کو کہا جاتا ہے اور کلب سے ان کا نفس حیوانیہ مراد ہے

اولیاء کے اقسام خضر علیہ السلام سے مروی ہے کہ عالم دنیا میں ہر زمانہ میں سات سو اولیاء کا نام جو کہ ... اور چالیس اوتاد اور ... ہوتے ہیں اور دس نقباء اور سات ابدال اور تین قطب اور ایک غوث ہوتا ہے وہ ان مراتب کو کثرت صوم و صلوٰۃ اور خشوع و خضوع اور اچھے لباس سے نہیں پاتے انہیں یہ مراتب اخلاق حسنہ اور سینہ کی صفائی اور جمیع اہل اسلام کے ساتھ شفقت و رحمت کی وجہ سے حاصل ہوئے انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے ساتھ برگزیدہ بنایا اور اپنی ذات کے لیے مخصوص فرمایا ہے وہ کسی کو گالی دیتے ہیں اور نہ کسی کو لعنتی کہتے ہیں اور نہ ہی اپنے ماتحت کو ایذا دیتے ہیں اور نہ کسی کو حقارت سے دیکھتے ہیں اور نہ ہی وہ اپنے سے بڑے مرتبے والے سے حسد کرتے ہیں لوگوں کو بھی

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ
اور ہرگز کسی بات کو نہ کہنا کہ میں کل
ذٰلِکَ غَدًا ۝ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ ۡ وَاذْکُرْ رَّبَّکَ اِذَا نَسِیْتَ وَقُلْ عَسٰٓی
یہ کر دوں گا مگر یہ کہ اللہ چاہے اور اپنے رب کی یاد کر جب تو بھول جائے اور یوں کہہ کہ قریب
اَنْ یَّھْدِیَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ مِنْ ھٰذَا رَشَدًا ۝
ہے میرا رب مجھے اس سے نزدیک تر راستی کی راہ دکھائے

بقیہ صفحہ گزشتہ

نو معجزات سنانے اور دوست کے لحاظ سے اہم تر ہوتے اور بہت زیادہ وقت لیتے ہیں۔ کیونکہ ان روشن براہین سے ہم عیسیٰ علیہ السلام کی طرح اللہ علیہ

تفسیر صوفیانہ بعض بزرگوں نے اس قصے میں روح قلب اور عقل نظری کو بہشت روحانی اور قوت قدسی اور سر و خفی مراد لیے ہیں اور کہف سے بدن اور دقیانوس سے نفس امارہ

کشندہ مرد را نفس اژدہا
اگر ہوشمندی عزیزش مدار
مبر طاعت نفس شہوت پرست
کہ ہر ساعتش قبلۂ دیگر است

ترجمہ نفس اژدہا انسان کو مار ڈالتا ہے اگر تو عقلمند ہے تو اس سے پیار نہ کر نفس شہوت پرست کی اطاعت نہ کر اس لیے کہ ہر گھڑی اس کا نیا قبلہ ہوتا ہے

تفسیر عالمانہ وَلَا تَقُولَنَّ یعنی ہرگز نہ کہو لِشَایْءٍ اور کسی بھی شے کے متعلق جو تم ارادہ کرو۔ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِکَ بے شک میں یہ شے کرنے والا ہوں غَدًا کل یعنی آئندہ۔ اضمار اس گھڑی کو کہا جاتا ہے جو آنے والی ہو اسی طرح کل آنے والا دن ہوتا ہے اس لیے دونوں اس میں داخل ہیں

شان نزول یہودیوں نے قریشیوں کو کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روح ذوالقرنین اور اصحاب کہف کے متعلق سوال کرو چنانچہ قریش نے سوال کیا تو آپ نے فرمایا کل آ کر جواب دوں گا آپ نے اس وقت انشاء اللہ نہ کہا

سوال شرع میں ان شاء اللہ کو استثناء سے کیوں تعبیر کرتے ہیں؟

جواب اسے استثناء سے مشابہت ہے کہ جس طرح استثناء سے کسی چیز کی تخصیص کی جاتی ہے اسی طرح ان شاء اللہ سے تخصیص کی جاتی ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان شاء اللہ نہ کہنے سے چند روز وحی کا نزول نہ ہوا آپ پر یہ عرصہ نہایت شاق گزرا یہاں تک کہ آپ کا قلب اطہر [illegible] قریش نے آپ کی تکذیب

گیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ اس کا رب چھوڑ گیا اور اس سے اس کا خدا ناراض ہو گیا۔

اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے یہ لا تقولن کی نہی سے استثناء مفرغ ہے یعنی کوئی شے کسی حال میں نہ کہو مگر اس حال میں جو اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ملابس ہو مثلاً کہا جائے ان شاء اللہ تعالیٰ ۔

مسئلہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اختیار اور مشیت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے بندوں کے تمام افعال اللہ تعالیٰ کی مشیت پر مبنی ہیں کما قال تعالیٰ

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ اور تمہاری کوئی مشیت نہیں مگر وہ جو اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اور اپنے رب تعالیٰ کو یاد کرو یعنی ان شاء اللہ کہا کرو اِذَا نَسِيْتَ جب تم بھول جاؤ پھر بھولی ہوئی بات یاد آ جائے گی

حدیث شریف مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ان شاء اللہ

وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا اور فرمایئے قریب ہے میرا رب مجھے بہ توفیق بخشے ایسی چیز کے لیے جو اس اصحاب کہف کی خبر سے ہدایت کے لحاظ سے زیادہ قریب ہو یعنی ایسے دلائل اور آیات مجھے نصیب ہوں جو میری نبوت پر دلالت کریں رَشَدًا یعنی ایسے لوگوں کی ہدایت کے لیے اور ایسی رہبری جو انہیں راہ راست عطا فرمائے

ف اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اصحاب کہف سے افضل و اعلیٰ حضرات انبیاء علیہم السلام کے واقعات بھی بتائے وہ انبیاء علیہم السلام اصحاب کہف سے پہلے گزرے ان کے ساتھ قیامت تک آنے والے واقعات کا بھی اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم عطا فرمایا۔

ف سعدی مفتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہود نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت پر اصحاب کہف کے واقعہ کو دلیل بنایا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اصحاب کہف کا واقعہ آسان فرمایا ۔ کما قال

قل عسٰی الآیۃ یعنی آپ پر ہدایت کردہ بیان بھی آسان فرمایا چنانچہ سورۃ کے آغاز میں فرمایا ام حسبت ان اصحاب الکہف والرقیم

ف سمرقندی نے بحر العلوم میں فرمایا اس کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ جب تم کوئی شے بھول جاؤ تو تم اپنے رب تعالیٰ کو یاد کرو اور اپنے رب تعالیٰ کے یاد کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بولتے وقت کہے عسٰی ان یہدین ربی یعنی میرا رب تعالیٰ مجھے ایسی شے کی ہدایت بخشے جو اس بھولی ہوئی شے سے بہتر اور ہدایت کے لحاظ سے قریب تر اور منفعت و خیر کے اعتبار سے بہتر ہو۔

حکمت ہر کام سے پہلے ان شاء اللہ وغیرہ ضرور کہے اس لیے کہ بسا اوقات انسان کہتا ہے کہ میں کل فلاں کام کروں گا ممکن ہے کہ وہ اس وقت سے پہلے فوت ہو جائے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ زندہ بچ جائے لیکن کوئی ایسا امر مانع ہو جائے جس سے وہ عمل نہ کر سکے اگر ان شاء اللہ کہا ہو گا تو اس امر کو کرنے سے جھوٹا ثابت ہو گا اور جھوٹ نفرت کا سبب ہے اور حضرات انبیاء علیہم السلام کو کذب جیسی قباحت لائق نہیں اسی لیے قول سے پہلے ان شاء اللہ کہنا چاہیے تاکہ وہ عمل اس سے فرعی ہو سکے۔

تو وہ اپنے کیے ہوئے قول سے جھوٹا ثابت نہ ہوا اور یہی وہ غیرت کا موجب ہے گا ۔

واقعہ سلیمان علیہ السلام ۔ بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سلیمان علیہ السلام نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ میں آج رات ایک سو ازواج سے ولی کروں گا اور ان میں ہر ایک سے ایک ایک لڑکا پیدا ہوگا اور ان کا ہر لڑکا جہاد فی سبیل اللہ کرے گا اس حضرت سلیمان علیہ السلام کی کسی عورت کو کوئی بچہ پیدا نہ ہوا سوائے ایک بچے کے اور وہ بھی ایسا کہ جس کا ایک حصہ کٹا ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر سلیمان علیہ السلام ان شاء اللہ فرماتے تو ان کی کلام اور قول سے بچے پیدا ہوتے ۔

ف جو شخص اپنا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کی مشیت سے متعلق نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ پھر وہ عمل اس کی مشیت سے متعلق نہ ہو تو وہ عمل لا محالہ خلاف کرتا ہے تاکہ بندوں کو یقین ہو کہ کوئی عمل بھی مشیت الٰہی کے بغیر نہیں ہوتا

حدیث شریف مومن کے کامل ایمان کی علامت ہے کہ جب وہ اپنے ہر عمل سے پہلے ان شاء اللہ کہے ۔

مسئلہ ہر عمل کو کسی وقت زبان سے متعلق ہو یا قلب سے یا صرف قلب ہی سے اس سے پہلے کہ زبان سے ان شاء اللہ کہنا مفید مثنوی شریف میں ہے ۔

ترک استثنا مرادم قسوتیست
نے ہمیں گفتن کہ عارض حالتیست
اے بسا ناوردہ استثنا بگفت
جان او با جان استثناست جفت

روض الخطیب کے لطائف میں ایک لطیفہ مذکور ہے کہ ایک شخص گدھا خریدنے جا رہا تھا اس سے کسی نے پوچھا حضور کہاں کا ارادہ ہے اس نے جواب دیا منڈی سے ایک گدھا خریدنے جا رہا ہوں اسے کسی نیک مرد نے کہا کہ ان شاء اللہ کہو برکت ہوگی اس نے کہا ان شاء اللہ کہنے کی کیا ضرورت ہے نقد رقم میرے پاس ہے اور گدھا منڈی میں موجود ہے جاتے ہی خرید لاؤں گا کہہ کر چلا ابھی منڈی میں پہنچا نہیں کہ جیب تراش نے اس کے پیسے اڑا لیے۔ واپس ہو کر واپس آ رہا تھا تو وہی لوگ ملے پوچھا جناب کہاں تشریف لے گئے تھے کہ واپس لوٹ رہے ہو اس نے کہا گدھا منڈی میں پہنچا ان شاء اللہ تو میرے پیسے چھینے گئے ان شاء اللہ ۔

مسئلہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے یہ سمجھتے ہیں کہ ان شاء اللہ کہنے پر بعد کا حکم دیتے ہیں بخلاف دوسرے فقہاء کے وہ متصلاً کہنے کے قائل ہیں وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کا رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول تسلیم کیا جائے تو کوئی شخص بھی کسی کے لیے اقرار کرنے کے بعد استثنا کہے اسی طرح طلاق دینے کے بعد ہو سکتا ہے کہ طلاق دینے والا کئی برسوں بعد کہے کہ ان شاء اللہ اس طرح تو

کا صدق معلوم ہو سکے گا کذب اور امور مستقبلہ میں کوئی سا امر بھی صحیح ظہور نہ ہوگا۔

سوال آیت قرآنی سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے تنبیہ برتی ہے :

جواب امام قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا ہے کہ گناہ سے قسموں اور باتوں کے تدارک میں تو استثناء منفصل جائز ہے لیکن وہ احکام جو استثناء سے متغیر ہوتے ہیں تو اس وقت استثناء (انشاء اللہ کہنا) کا متصل ضروری ہے

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں ہے کہ محمد بن اسحاق صاحب

حکایت امام اعظم کے ایک حاسد کی

مغازی حضرت امام اعظم سیدنا ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حسد رکھتا تھا ایک دفعہ اس نے ابو جعفر المنصور خلیفہ وقت کے سامنے حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو قسم کھا کر خاموش ہو جائے پھر چند لمحات کے بعد کہے ان شاء اللہ کیا ایسا شخص اپنی قسم سے بری سمجھا جائے گا آپ نے فرمایا نہیں اس لیے کہ اس نے لفظ ان شاء اللہ دیر سے کہا ہے مگر متصلاً کہتا تو اپنی قسم سے بری الذمہ ہوتا۔ محمد بن اسحاق نے کہا آپ امیر المومنین (خلیفہ وقت یعنی منصور بادشاہ عباسی) کے دادا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب کی مخالفت فرما رہے ہیں کیونکہ ان کا فرمان ہے کہ اگرچہ ایک سال کے بعد بھی ان شاء اللہ کہے تب بھی قسم سے بری الذمہ متصور ہوگا اور ان کی دلیل قرآن مجید میں ہے واذکر ربک اذا نسیت ۔ اس سے محمد بن اسحاق کا مقصد خلیفہ کو امام اعظم رضی اللہ عنہ پر ناراض کرنا مقصود تھا چنانچہ منصور خلیفہ عباسی نے محمد بن اسحاق کی بات سن کر کہا محمد بن اسحاق میرے دادا کا یہی مذہب ہے جو تم نے بیان کیا اس نے کہا جی ہاں ان کا مذہب ہے جو میں نے بیان کیا اس پر خلیفہ منصور بادشاہ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے غضبناک ہو کر سوال کیا کہ آپ میرے دادا کے مذہب کے خلاف کیوں فرماتے ہیں حالانکہ ان کے مذہب کا استدلال قرآنی آیت سے ہے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آیت قرآنی کا مفہوم تو اپنی جگہ پر صحیح ہے اور آپ کے دادا کا مذہب اور تیرا اپنا مذہب بھی صحیح ہے لیکن بے افسوس کہ یہی محمد بن اسحاق اور اس کے اور ساتھی آپ کی خلافت کا اہل ہی نہیں سمجھتے اس لیے کہ آپ کی بیعت کر کے جب باہر جاتے ہیں تو یہی کہتے ہیں کہ ان شاء اللہ اس طرح سے وہ تیری بیعت سے آزاد ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک آپ کی بیعت کا حق باقی نہیں جب انھوں نے ان شاء اللہ کہہ دیا خلیفہ منصور نے اپنے غلام کو فرمایا کہ اس محمد بن اسحاق کو پکڑو چنانچہ محمد بن اسحاق کی گردن میں چادر ڈال کر گرفتار کر لیا گیا بادشاہ فرمایا کہ اسے جیل میں ڈال دو چنانچہ وہ عرصہ دراز تک جیل میں رہا ہے

متزعم آمد محمد اسحاق
مبتلا شد بحبس الحق

ترجمہ محمد بن اسحاق متزعم ہوا اور بحبس الحق یعنی قید میں مبتلا کیا گیا

ف اس واقعہ سے امام اعظم امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی عظمت واضح ہوئی کہ آپ نے وقت کے مطابق حق بات کہی۔

وَلَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ

اور وہ اپنے غار میں تین سو برس ٹھہرے

سِنِیْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ۝ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

اوپر نو ۲۵ تم فرماؤ اللہ خوب جانتا ہے وہ جتنا ٹھہرے اسی کے لیے ہیں آسمانوں

اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ ۫ وَّلَا یُشْرِكُ فِیْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا ۝

اور زمینوں کے سب غیب وہ کیا ہی دیکھتا اور کیا ہی سنتا ہے اس کے سوا ان کا کوئی والی نہیں اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا

تفسیر عالمانہ

وَلَبِثُوْا یہ مضمون ما قبل اذا انھم فی الکہف سنین عددا کے اجمال کی تفصیل ہے۔

فِیْ كَهْفِهِمْ اور وہ اصحاب کہف: اپنی غار میں زندہ اور خواب میں ٹھہرے رہے ہیں۔

ترکیب: ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ سنین ثلث مائۃ کا عطف بیان ہے یہاں کی تمیز نہیں ورنہ کم از کم ان کے ٹھہرنے کی مدت نو سو سال ہونی لازمی ہے کیونکہ ان کے نزدیک جمع میں کم از کم دو کا ہونا ضروری ہے یہ خلیل کا مذہب ہے اور ان کے نزدیک کم از کم جمع میں تین کا ہونا چاہیے اس حساب سے اصحاب کہف کا غار میں کم از کم نو سو سال ٹھہرنا لازم ہے یہی وجہ ہے کہ جمہور نے سنین کو عطف بیان مانا ہے لیکن ان کے نزدیک ثلاث کو تنوین پڑھنا واجب کہا ہے اور بعض قراءت میں مائۃ کو مضاف اور سنین کو مضاف الیہ پڑھا گیا ہے۔

سوال: مائۃ کا مضاف الیہ جمع اسی کی تمیز ہوتا ہے حالانکہ مائۃ کی تمیز مفرد آتی ہے تو جمع؟

جواب: ہم مانتے ہیں کہ مائۃ کی تمیز مفرد آتی ہے لیکن کبھی مفرد جمع کے قائم مقام واقع ہوتی ہے جس طرح کہ مائۃ کی تمیز جو لفظاً مفرد ہوتی ہے لیکن معنی وہ جمع ہوتی ہے مثلاً ثَلٰثُ مِائَةِ درہم میں اگرچہ درہم لفظاً مفرد ہے لیکن معنی جمع ہے یہی وجہ ہے الاخسرین اعمالا کی تمیز جمع قرآن مجید میں واقع ہے اور قرآن پاک سے بڑھ کر فصیح کلام کون سا کلام ہو سکتا ہے حالانکہ تمیز کو مفرد ہونا چاہیے تھا اور یہ جواز صرف اسی لیے ہے کہ اس کے معنی کی رعایت کی گئی ہے کہ وہ معنی جمع ہے الاخسرین ہے تو اس کی تمیز بھی جمع اعمالا ہونا چاہیے

وَازْدَادُوْا تِسْعًا سے یہاں نو سال مراد ہیں اس میں یہ اشارہ ہے کہ پہلا اہل کتاب کے اعتقاد کے مطابق ہے اس لیے کہ وہ دینی کتب شمسی سال کے مطابق رکھتے ہیں اور چونکہ اہل عرب کا حساب قمری سال پر چلتا ہے اور قمری سال کے حساب سے نو سال کا اضافہ ضروری تھا اسی لیے ثلاث کا مقصد فرمایا اور قمری سال میں اضافہ ضروری ہے اسی لیے کہ ہر شمسی صدی پر ایک صدی کے بعد تین سال قمری زائد ہو جاتے ہیں اسی معنے پر نظر کرتے ہوئے ازدادوا تسعا میں تسعا ازدادوا کا مفعول بہ ہے

ف: سال شمسی سو سے کم ہو تو اس کی بڑھوتری بھی ہو جاتی ہے وہ تین سو شمسی دن کا ہوتا ہے اور سال

قمری بارہ ماہ کر گنتے ہیں پس اس کے تین سو نو بنیں اسے شاق [illegible] ہو سکتے ہیں

ف کاشفی نے لکھا کہ شمسی کے حساب سے تین سو اور قمری کے تین سو دو ماہ اور اٹھیں دن بنتے ہیں

قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا بغوی نے فرمایا کہ اصحاب کہف کا غار میں ٹھہرنا آیت تک تمام ہی کا ذکر اوپر ہو چکا ہے لیکن اس کے باوجود بھی اگر کوئی ان کے متعلق جھگڑا کرے تو اسے کہو اللہ ہی جانتا ہے اس مدت کو جتنا عرصہ وہ حضرات غار میں ٹھہرے اس لیے کہ علم حق امور کا جاننا اللہ تعالیٰ سے خاص ہے اسی لیے فرمایا لَهٗ اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وہ غیب جو اہل ارض سے غائب ہیں آسمانوں میں پوشیدہ ہے اَبْصِرْ بِهٖ کیا ہی جاننے والا ہے ہر موجود کو وَاَسْمِعْ اور ہر مسموع کو کیا ہی سننے والا ہے۔

ترکیب شیخ نے تفسیر میں لکھا کہ بہ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور وہ محلاً مرفوع اور وہ فعل تعجب کا فاعل ہے اس کی باء زائدہ ہے اور دونوں فعلوں کا صیغہ امر کا ہے ورنہ اصل عبارت یوں ہے ابصر اللہ واسمع یعنی پھر انہیں صیغہ امر کی طرف لایا گیا اور یہ امر کا صیغہ نہیں اس لیے کہ یہاں امر کا معنی ہو بھی نہیں سکتا اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ اللہ کیا ہی ہر موجود کو دیکھتا اور کیا ہی ہر مسموع کو سنتا ہے

مسئلہ یہاں تعجب کا معنی ہی نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر تعجب محال ہے بلکہ اس میں بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم بالمبصرات والمسموعات مدرکین کے ادراک سے باہر ہے اس کے آگے کوئی شے پوشیدہ نہیں اور نہ ہی اسے کوئی شے حائل ہو سکتی ہے اس کے آگے لطیف و کثیف اور صغیر و کبیر اور خفی و جلی برابر ہیں۔

ف ابصار کی تقدیم صرف اس لیے کہ انسان مرئی امور کو مسموعی امور کی بہ نسبت آسانی سے سمجھتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ ہر موجود کے ساتھ بصیر اور ہر مسموع کے ساتھ سمیع ہے وہی ہر موجود میں بصیر اور ہر شے کا سمیع ہے شیخ قیصری رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی سمع سے مراد اس کی وہ تجلی ہے جو علم سے متعلق ہو کر مقام جمع الجمع سے کلام ذاتی کی حقیقت سے اور مقام الجمع اور تفصیل میں ظاہر ہوا یعنی کلام ربانی کی حقیقت سے بطریق شہود متعلق ہوتی ہے اور بصر سے اس کی تجلی ہے اس کے علاوہ وہ تعلق مراد ہے جو علمی طریق شہود سے متعلق ہو اور کلام سے وہ تجلی مراد ہے جو ایجاد و اعدام کی منشا ہے اور وہ قدرت کے تعلق سے حاصل ہوتی ہے جیسے فرمایا

وانما امرہ اذا اراد شیئا الآیۃ۔

تفسیر عالمانہ مَا لَهُمْ یعنی اہل سموات والارض کے لیے نہیں مِّنْ دُوْنِهٖ اللہ کے سوا مِنْ وَّلِیٍّ کوئی والی کہ جو ان کے امور کا متولی ہو اور مستقل بالذات ان کی مدد کرے۔

ترکیب اس آیت کا پہلا لفظ من ولی کے متعلق ہے اور دوسرا استغراق کے لیے اب معنی یہ ہوا کہ ان کا کوئی بھی کسی طرح کا

ف اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام علوم غیبیہ کے بعد [illegible] کو [illegible] نبی کریم علیہ السلام [illegible] کی تعلیم [illegible] اویسی غفرلہ

مددگار نہیں۔

وَلَا یُشْرِکُ فِیْ حُکْمِہٖٓ اَحَدًا ؎ اور اللہ تعالیٰ موجودات علویہ و سفلیہ میں کسی ایک کو بھی اپنے حکم یعنی قضائے ازلی میں جو کہ اپنی ذات عالی کا شریک نہیں کرتا اس لئے کہ اس کو حاجت کسی کی مدد کی نہیں اور حقیقت وہ اپنے حکم ازلی میں کسی کا محتاج نہیں ہے۔

ف امام نے فرمایا کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اصحاب کہف کے غار میں ٹھہرنے کی مدت بتائی ہے اب کسی کے لائق نہیں کہ اس کے بعد کچھ کلام کرے

تفسیر صوفیانہ

بعض بزرگوں کا فرمان ہے کہ یہ اسمعہ وغیرہ جو آسمانوں و زمین کے درمیان نازل ہو کر ذات احدیت میں ازلاً تمام حوادث جاری اور مظاہر کے باطن ظاہر ہو گئے ہیں ان کے اسباب خارج میں پائے گئے تمام مخفی اور مضبوط ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا انہیں کوئی تبدیل کر سکتا ہے اور نہ تغیر پذیر ہیں اس لئے کہ یہ وہ مظاہر ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مقدر و مقرر فرما کر ایسا مضبوط بنا دیا کہ کسی کو طاقت نہیں کہ ان کے ثبت شدہ کو محو اور اس کے محو شدہ کو ثبت کر سکے کہ اللہ تعالیٰ یمحو اللہ ما یشاء و یثبت اس کے اسرار کو سوائے رضا و تسلیم کے کوئی چارہ کار نہیں کیونکہ اس کی قضا و قدر میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں۔

حدیث قدسی میں نے جملہ مقادیر کو مقدر اور قلمبند کو مقرر فرمایا اور میں نے اپنی جملہ مصنوعات کو محکم اور مضبوط فرمایا جو اس سے راضی ہے تو اسے میری رضا نصیب ہو گی یہاں تک کہ اسے میرا دیدار نصیب ہو گا اور جو اس سے ناراض ہو گا اسے میرا غضب نصیب ہو یہاں تک کہ قیامت میں مجھ سے ناراض حاضر ہو

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

رضا بداده بده وز جبین گره بگشای
که بر من و تو در اختیار نگشاده است

ترجمہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے پر راضی ہو اس سے جبین پر شکن نہ ہو کہ اس نے ہم پر اختیار کا دروازہ نہیں کھولا۔

نیز فرمایا ؎

در دائرهٔ قسمت ما نقطهٔ تسلیم
لطف آنچه تو اندیشی حکم آنچه تو فرمائی

ترجمہ تیری تقسیم ازل سے ہم تسلیم خم کرتے ہیں جو کچھ تو نے کیا وہ ہمارے لئے لطف ہے کہ تیرا حکم جو ہمارے لئے مستحق جنت ہے لازم ہے کہ وہ اپنے مولیٰ کے حکم و قضا پر اعتراض نہ کرے بلکہ اس کے ہر حکم پر راضی برضا ہو کر صبر

وَاتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ
اور پڑھا کیجئے جو وحی کی گئی ہے آپ کی طرف آپ کے رب کی کتاب سے کوئی بدلنے والا نہیں اس کی باتوں کو اور ہرگز نہ پاؤ گے اس کے
دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾
سوا اپنا ٹھکانہ نہ پاؤ گے

بقیہ صفحہ ۳۵۰

تسلیم خم کرے اسی کی تقدیر کے سامنے تدبیر کیسی

الہامی کلام کسی بزرگ نے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے کہ اے اپنے نفس کے غم میں مبتلا ہونے والا تو کون لگتا ہے ایسے فکر کرنے والا تجھے چاہیے کہ تو اپنے معاملہ میری طرف سپرد کر دے اور اپنی تمام تدبیریں خاک میں ملا دے بلکہ ہماری ہر تدبیر کے سامنے سر جھکا دے اس میں کسی قسم کا معارضہ نہ کرے تو ہر طرح سے راحت و فرحت پائے گا

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل و کرم سے اس طرح بنا دے آمین۔

ف یہ مرتبہ نہایت بلند قدر ہے اسے صرف افراد اولیاء حاصل کرتے ہیں جو اپنے نفس کے جھگڑے ختم کر ڈالتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کے سامنے ہر حالت میں تسلیم و رضا کی عادت بنا لیتے ہیں۔

سبق ایسے لوگ اگرچہ نایاب ہو گئے ہیں لیکن ہمیں ایسے مراتب حاصل کرنے کی جدوجہد کرنی چاہیے ممکن ہے ہمیں بھی ایسے مراتب نصیب ہوں یا ایسے کاملین کا دامن نصیب ہو جائے جن کی برکت سے ہمیں بھی رضائے الٰہی سے حظ نصیب ہو جائے

تفسیر عالمانہ

وَاتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ کتاب سے قرآن مجید مراد ہے قرآن مجید کی تلاوت سے تقرب الٰہی اور اس کے مطابق عمل کرنا اور اس کے اسرار سے مطلع ہونا مطلوب ہے یعنی آپ اسی کتاب الٰہی کی تلاوت کیجیے جو آپ کی وحی کے ذریعے ہی کفار کے اس قول کو دھیان میں نہ لائیے جو کہتے ہیں ائت بقرآن غیر ھذا او بدلہ یعنی اس کتاب کے علاوہ کوئی غیر قرآن لائیے یا اسے تبدیل کیجیے

فرق مابین التلاوۃ والقراءۃ قرآن مجید کو ورد بنا کر اور اس کے مطابق پڑھنے کو تلاوت اور قراءت عام ہے اس لئے کہ قراءت جمع الحروف باللفظ کو کہا جاتا ہے اس میں اتباع ضروری نہیں۔

لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ اس کو تبدیل اور تغیر کرنے پر کسی کو قدرت نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر فرمایا واذا بدلنا آیۃ مکان آیۃ اور جب ہم ایک آیت کو دوسری آیت کی جگہ بدلتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ آیت لا مبدل لکلماتہ عام مخصوص منہ البعض ہے وَلَنْ تَجِدَ اور تم ہرگز نہیں پاؤ گے اگرچہ

ترجمہ جب وعدہ کرو یعنی [illegible] اللہ تعالیٰ کے سوا [illegible] پناہ [illegible] عذاب [illegible]
کے نزول کے وقت پناہ مل جائے

ف شیخ نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ اگر بفرض محال تم قرآن کی تبدیل و تغییر کا ارادہ کرو تو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات پا کر کہیں جانے پناہ نہیں پاؤ گے جہاں پہنچ کر عذاب الٰہی سے بچ سکو

مسئلہ جیسے قرآن مجید کے الفاظ ہمیشہ ہمیشہ تک تغیر پذیر نہیں ایسے ہی اس کے احکام تبدیل نہیں ہوں گے لیکن نئی جدید روشنی زدہ دور حاضرہ کے مادی مسلمان جو یورپ سے انگریزوں کی تقلید میں کہا کہ قرآن اور اس کا علم اور اس کا پیش کردہ نظام فرسودہ ہے حالانکہ قرآن کا اعلان ہے کہ اس کے احکام دائمی اور ہر زمانہ کے عین مطابق ہیں اس میں کسی دور میں تبدیلی ہو سکتی ہے نہ زیادتی اس لیے کہ قرآن مجید [illegible] اللہ تعالیٰ کے بندوں میں ظاہر ہے نہ اس کے الفاظ میں تبدیلی آئی اور نہ آ سکتی ہے اسی طرح معانی اور احکام کو بھی لیکن اس کے باوجود بعض مسلمان [illegible] میں ضرور تبدیلی ہوئی ہے وہ یہ ہے ہمارے دور میں بہت سے بدقسمت اس کو فرسودہ نظام اور پرانی کتاب کہہ کر بعض [illegible] اور بعض جگہ ایسی چیزوں کے نظام و ترتیب دے کر اس کے قواعد و ضوابط اور احکام سے منہ موڑ کر [illegible] قدرت نے قانون بنایا ہے کہ جب قرآن کے احکام اور اس کی تلاوت و قرأت وغیرہ سے جب دوری پیدا ہو جائے گی تو اسلام کے دعویٰ کے باوجود ان پر جہالت چھا جائے گی جیسے آج ہمارے دور کے مہذب مسلمانوں کا حال ہے کہ جو تعلیم کی [illegible] میں پڑھا لکھا لیکن قرآن کی تعلیم سے دور محض جاہل۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

حکایت حضرت ابراہیم ادہم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ایک پتھر سے گزرا جس پر لکھا تھا کہ الٹ دے اس میں پڑھا جب میں نے اسے الٹا تو اس پر لکھا تھا تم اپنے پڑھے ہوئے پر عمل نہیں کرتے تو زیادہ کا کیوں طلب کرتے ہو

[illegible] گر ہمہ علم عالمت باشد
بے عمل مدعی و کذابی

ترجمہ اگرچہ تمام علوم کے عالم ہو جاؤ جب تک عامل نہ ہو تو صرف علم کے مدعی کذاب ہو۔

جاہل صوفیوں کا رد: بعض جاہل صوفیوں کا ایک گروہ جو کہ اپنے آپ کو اہل اللہ سمجھتے ہیں علم و عمل اور درس و تدریس علوم کو کچھ نہیں سمجھتے اور علوم قرآن کو حجاب اکبر کہتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ بزرگوں کے اشعار ہی قرآن ہیں اسی لیے قرآنی تعلیم کو چھوڑ کر اشعار پڑھنے پڑھانے میں مصروف رہتے ہیں وہ خود بھی برباد ہوئے اور اپنے معتقدین کو بھی تباہ و برباد کرتے ہیں حضرت کمال خجندی نے فرمایا ہے

دل از شنیدن قرآن بگیردت ہمہ وقت
چو باطلاں ز کلام حقت ملولی چیست

ترجمہ افسوس ہے کہ قرآن سننے سے تیری گھبراہٹ ہے باطل راگوں میں تو ساری رات گزار دیتا ہے گویا اس لیے کہ تجھے
حق کے کلام سے ملال آتا ہے

یہی حال ہمارے دور کے تصوف کے بعض مدعیوں اور جاہل پیری مریدی کا دھندا کرنے والوں کا ہے کہ وہ علوم دینیہ اور قرآنی تعلیم سے خود بھی جاہل ہیں اور اپنے متعلقین اور مریدوں کو اسلام سے منحرف کرتے کراتے بلکہ انہیں حقارت کی نگاہ سے دیکھتے اور شریعت اور مولویت سے تعبیر کرتے ہیں (اویسی غفرلہ)

روحانی نسخے بیمار قلب کا زنگ اتارنے اور اسے تندرستی بخشنے والے پانچ نسخے ہیں

۱ تدبر کے ساتھ قرآن کی قرأت

۲ باطن (پیٹ) کو خالی رکھنا

۳ قیام اللیل

۴ بوقت سحر تضرع الی اللہ

۵ نیک لوگوں کی صحبت جس سے نفسانی امور سے شہوت نفسانی اور خواہش نفسی کے تحت دل و دماغ کی ترو مرض روحانی میں مبتلا رہنے کا بلکہ ہلاکت و تباہی سے بچنے کے لیے اس کی کوئی جائے پناہ نہیں۔

سبق اے خدا تعالیٰ کے احکام کی توہین کرنے والو! ذرا سوچو اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی بھی تمہارا حامی نہیں جب یہ کیفیت ہے تو پھر قرآنی تعلیم سے منہ موڑ کر باطل اشعار میں کیوں مشغول ہو رہے ہو بالخصوص ایسے اشعار جو شہوانی باتوں کو بھڑکانے والے ہوں معلوم ہو کہ تیری روحانیت کی غذا قرآن مجید ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تیرے ہاں بھیجا اور فرمایا کہ اس پر عمل کرو اس دن تیرا کیا حال ہوگا جب مقربین بھی خوف الٰہی سے سر جھکائے ہوئے گھٹنوں کے بل بیٹھیں گے شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا

دراں روز کز فعل پرسند و قول
اولوالعزم را تن بلرزد ز ہول
بجائے کہ دہشت خورند انبیاء
تو عذر گنہ را چہ داری بیا

ترجمہ اس دن کہ فعل و قول کا سوال ہوگا اس وقت اولوالعزم پیغمبروں کو لرزہ ہوگا اس وقت انبیاء علیہم السلام بھی دہشت زدہ ہوں گے گناہوں کے لیے کوئی عذر لا

سبق لازم ہے کہ اس عالم دنیا میں کسی عالم دین سے قرآن مجید اور اس پر عمل کرنے کی کیفیت اور حقائق تک پہنچنے کے راستے سیکھ لیں اس لیے کہ قرآن مجید لسان الغیب ہے اور یہ علوم اولیاء و انبیاء کا جامع ہے جو بھی کسی گھر میں داخل ہونا چاہتا ہے تو پہلے دروازہ ڈھونڈتا ہے گھر کے دروازے سے داخل ہونا ضروری سمجھو کہ معرفت الٰہی کا

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ
اور اپنی جان ان سے مانوس رکھو جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اس کی
وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
رضا چاہتے اور تمہاری آنکھیں انہیں چھوڑ کر اور پر نہ پڑیں کیا تم دنیا کی زندگانی کا سنگار چاہو گے
وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ۝
اور اس کا کہا نہ مانو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کردیا اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا اور اس کا کام

بقیہ صفحہ

قرآن مجید دروازہ ہے اسی لیے پیر رضا ان کو کھلنا ضروری ہے

مسئلہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص قرآن مجید کو نماز میں کھڑے ہو کر پڑھتا ہے تو اسے ایک حرف کے عوض سو نیکی اور اگر نماز میں بیٹھ کر پڑھتا ہے تو اسے پچاس نیکی اور اگر نماز سے باہر باوضو ہو کر پڑھتا ہے تو اسے پچیس نیکیوں اور جو بے وضو ہو کر پڑھتا ہے تو اسے دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے

تلاوت قرآن مجید کا طریقہ افضل یہ ہے کہ قرآن مجید کو باوضو اور قبلہ رو ہو کر پڑھے اور پالتی مار کر اور سہارا لگا کر یا متکبرین کی طرح بیٹھ کر نہ پڑھے بلکہ ایسے بیٹھے جیسے کسی معزز و محترم شخصیت کے سامنے بیٹھا جاتا ہے۔

مسئلہ الاشباہ میں ہے کہ قرآن مجید کو پڑھنے کی بجائے سننے میں زیادہ ثواب ہے

مسئلہ عجیبہ بعض لوگوں کی عجیب عادت ہے کہ بعض مساجد و جامع میں نماز پنجگانہ کے بعد آیۃ الکرسی آہستہ آہستہ پڑھنے کو اچھا نہیں کرتے اس لیے کہ ان میں بعض ان پڑھ ہوتے ہیں انہیں آیۃ الکرسی پڑھنے کے بجائے سننے کا ثواب مل جاتا ہے اگر کوئی ان میں سے جہر سے پڑھتا ہو تو مؤذنین پر لازم ہے کہ وہ نماز باجماعت کے بعد آیۃ الکرسی جہر سے پڑھیں کہ سننے والے زیادہ ثواب سے بہرہ ور ہوں تعجب! انصاف پسند میری اس تجویز سے متفق ہوگا بلکہ ممکن ہے کوئی شخص ہماری اس تجویز سے اتفاق کے مذاق اڑائے گا

اویسی غفرلہٗ صاحب روح البیان کی تجویز تو صرف مضمون لکھا ہی ہے کہ اس طرح تمام نمازی بہت بڑے ثواب سے بہرہ ور ہوں گے لیکن منکرین یا غیر مقلدین سے ایسا نہیں ہونے دیں گے بلکہ سب عادت عوام کو زندہ دھکا کر بدعت کے فتویٰ سے نوازیں گے۔ یہ خیال ہمارا ہے صاحب روح البیان کا قول نہیں۔

تفسیر عالمانہ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ اور اپنے آپ کو مضبوط رکھیے اور دوستی پر ثابت رہیے مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ ان لوگوں کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب تعالیٰ کو صبح اور شام الغداۃ دن کے پہلے حصہ کو اور العشی دن کے آخری حصہ کو کہا جاتا ہے لیکن یہاں ہر دو وقتوں سے دوام مراد ہے یعنی وہ لوگ ہر وقت اپنے رب سے دعا میں مصروف رہتے ہیں یا الغداۃ سے توفیق و تیسیر اور العشی سے عفو تقصیر کی طلب مراد ہے

شان نزول کفار کے لیڈروں نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم آپ کے ہاں اس وقت تک حاضر نہیں ہوں گے جب تک آپ حبیب اللہ خباب رضی اللہ عنہ جیسوں کو اپنے سے ہٹائیں اس لیے کہ ہمیں ان کے کپڑوں سے بھیڑوں کی سی بدبو آتی ہے اور ہم ان سے ایذا پاتے ہیں اگر ہم مسلمان ہو گئے تو بہت سے لوگ مسلمان ہو جائیں گے ہمیں آپ کے اسلام سے یہی لوگ رکاوٹ کا سبب ہیں اس لیے کہ یہ لوگ رذیل ترین ہیں اور ہم رذیلوں کے ساتھ نہیں گزارہ کر سکتے ہیں یاد رہے کہ ایسے ہی حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ کے کافروں نے کہا کما قال تعالیٰ۔ اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ کیا ہم ایمان لائیں حالانکہ آپ کے تابعدار ذلیل ترین لوگ ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت فرمائی کہ فقراء آپ سے دور نہ ہوں اگرچہ سارے کفار مسلمان ہونے کے لیے تیار ہوں

سوال اہم کو چھوڑ کر ایک معمولی امر کو کیوں ترجیح دی گئی اس لیے کہ فقراء کو ہٹا دینے سے زیادہ سے زیادہ وہ قلیل ہو جاتے تو کیا ہوا اس سے بہت بڑے کفار مسلمان ہو جاتے اور ان کا مسلمان نہ ہونا اسلام کا ایک عظیم نقصان ہے۔

جواب غریب مسلمانوں کو ہٹا کر کافروں کو مجلس نبوی میں بٹھانا کوئی فائدہ نہیں تھا اس لیے کہ ان کا ایمان خالص نہیں تھا بلکہ وہ منافقت سے داخل اسلام ہوتا اور منافقت کی قباحت اسلام کے لیے ضرر عظیم تھا اسی لیے ان کے اسلام کو وقعت نہیں دی گئی (کذا فی تفسیر الامام)

حکمت صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فقراء مسلمانوں کا ایمان تحقیقی اور کفار کا ایمان موہومی تھا ایک تحقیقی امر کو وہمی معاملہ پر ترجیح دینا شان نبوت کے خلاف تھا اس لیے کہ اس میں گناہ کا بھی شائبہ تھا اور نبوت ایسے شائبوں سے بھی منزہ اور پاک ہے علاوہ ازیں فقراء کو ہٹا کر امیروں کو ترجیح دینا یا دنیاداروں کا شیوہ ہے اور یہ تو ہوشیار قسم کے لوگوں کا کام ہے اہل بزرگوں کا یہ شیوہ نہیں بلکہ وہ ایسے طریقوں سے پناہ مانگتے ہیں اس لیے کہ ان کی نگاہ ہر باطن و اسرار قلبی پر ہوتی ہے

يُرِيْدُوْنَ وہ فقراء اپنی دعا کا ارادہ رکھتے ہیں وَجْهَهٗ اللہ تعالیٰ کی ذات کا یہ یدعون کی ضمیر سے حال ہے یعنی ان کا حال یہ ہے کہ وہ اپنی دعا سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے طالب ہیں ان کا اس کے سوا اور کوئی ارادہ نہیں دنیا کے اغراض کی انہیں پرواہ نہیں۔

ف اس سے پہ یریدون وجہہ بمعنی رضائے الٰہی ہے اس کی مناسبت یہی ہے کہ رضا و خوشنودی چہرے سے ظاہر ہوتی ہے اسی طرح ناراضگی بھی ۔ کذا فی الحواشی الحلبیہ علی الشرح ۔

وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ اور اس سے اپنی نظر عنایت ہٹا کر دوسروں کی طرف متوجہ نہ ہو ۔ عدا الامر وعنہ بمعنی جاوز سے مشتق ہے وکذا فی القاموس یعنی عدا کا فعل عن کے بغیر اور عن کے ساتھ مستعمل ہو تو بمعنی جاوز کے ہوتا ہے اسی معنی پر عیناک۔ لا تعد کا فاعل ہے اس سے آنکھوں والا مراد ہے ۔

اس میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو امراء کے ٹھاٹھ باٹھ دیکھ کر فقراء کے پھٹے پرانے لباس کی وجہ سے مستکبر تحقیر سے روکا گیا ہے

ف حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا ہے کہ آپ ان فقراء کے ساتھ گذاریں کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر تکالیف برداشت کیں اور صبر با قناعت سے زہد فرمائی تاکہ مرید متنبہ ہو کہ وہ حضرات خصوصی مقام کے حامل ہیں کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے حضور میں زندگی بسر کرتے ہیں لحظہ ان کی دوستی سے جدا نہیں ہونا چاہئے ۔ اس لیے ان کے لیے واجب ہے کہ ان سے لو برابر بھی روگردانی نہ کی جائے ان حضرات کی فقر و فاقہ میں گزارنے کی وجہ ہی بجا ہے ۔

تُرِيدُ اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کیا ارادہ فرماتے ہیں زِينَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا حیوۃ دنیا کی زینت کا آپ کیا چاہتے ہیں کہ آپ کو دولت مندوں کی صحبت اور دوستی میسر ہو اور فقراء کی مجلس سے دوری اور یہ عیناک کے کاف سے حال ہے یہ زینت کو حیوۃ الدنیا کی طرف مضاف کرنے میں اس کی تحقیر اور اس سے تنفیر مطلوب ہے

ف کاشفی نے لکھا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حیوۃ دنیا کی زینت سے کوئی نسبت نہیں معاذ اللہ کہ آپ کو اس طرف توجہ ہو اب مطلب یہ ہوا کہ آپ ایسے عمل نہ کیجیے جو مائل بہ زینت دنیا ہوں اور ایسے عمل نہ کیجیے جو فقراء سے روگردانی کرنے والے اور اغنیاء سے وابستگی پیدا کرنے والے ہوں ۔

ف زبدۃ التفاسیر میں ہے کہ عیناک سے حال بھی مستقبل ہے اس سے حضور علیہ السلام کی ذات اقدس کا ارادہ زینت حیوۃ الدنیا مطلوب نہیں اس لیے کہ آپ نے تو دنیا اور اس کی زینت سے بدرجہ اتم پورے طور اعراض فرمایا بلکہ آپ نے تو ثابت کر دیا اور اہل دنیا سے دور رہنے کی تعلیم فرمائی ہے ۔ کما قال تعالیٰ

لا تجالسوا الموتیٰ یعنی مردوں کے ساتھ نہ بیٹھو الموتیٰ سے اغنیاء و اہل دنیا مراد ہیں ۔

وَلَا تُطِعْ اور اپنی مجلس سے فقراء کو بھگا کر اطاعت نہ کیجیے مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا ان کا جن کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے

ف یہ بھی اسی حقیقت کی واقفیت حاصل کرنے سے غافل کو روکنے سے عربی میں غفلۃ کہتے ہیں یعنی

اس کے قلب کو فطرۃ اولیٰ میں ذکر سے غافل اور توحید سے محروم رکھا جیسے قریش عرب کے لیڈروں کو دیکھ لیجئے ان کا یہی حال تھا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ عربی میں الھویٰ یعنے نفس کی آرزو یہ ھواہ کا مصدر ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی سے محبت کرے اور اسے چاہے پھر یہ اس شے کو کہا گیا جس سے محبت اور اس کی نفس کی خواہش ہو خواہ وہ شے محمود ہو یا مذموم لیکن اس کا استعمال مذموم پر ہوتا ہے فلان اتبع ھوٰہ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کی مذمت کرنا مطلوب ہو اسی محاورہ سے ہے جو کہا جاتا ہے فلان من اھل الھویٰ یہ اس شخص کے لیے بولتے ہیں جو طلا سنتِ نبوی کے خلاف دوسری راہ اختیار کرے خلاصہ یہ کہ جو بندہ شریعت مطہرہ کے خلاف جو چاہے عمل کرے اور اس کی پیروی کرے جو اس کے نفس کی خواہش ہو اور اسی سے اس کا نفس لذت پائے ۔

نکتہ: کبھی فعل کا اسناد بندے کی طرف ہوتا ہے اس معنے پر کہ اس فعل کا اقتران اسی بندے سے ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے اتبع ھواہ اور کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی ایجاد و تخلیق کی وجہ سے فعل کا اسناد ہوتا ہے اسی سے ہے اغفلنا ۔

وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا قاموس میں ہے کہ الفرط بضمتین یعنے الظلم والاعتداء والامر المجاوز فیہ عن الحد یعنی ظلم و اعتداء اور وہ امر جو حد سے تجاوز کیا گیا ہو اسے عربی میں فرط سے تعبیر کرتے ہیں یعنی اس کا معاملہ حق و صواب سے تجاوز ہوا یعنی اس نے حق اور صواب کو پس پشت ڈال دیا فرس فرط بھی اسی محاورہ سے ہے یہ اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو تیز رفتاری میں دوسرے گھوڑوں کو اپنے پیچھے چھوڑ جائے ۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ان کا معاملہ یعنی نفس کی تابعداری و حرکت اور تصدیہ کی موجب ہوئی یعنی میں تنبیہ کی گئی ہے کہ ان کے قلوب ذکر الٰہی سے غافل ہونے اور حق باقی سے روگردانی اور باطل فانی میں مشغول ہونے کی وجہ سے ان میں یہ استعداد پیدا ہوئی اور تنبیہ کی گئی ہے کہ انسانوں کا وقار اور اس کی بزرگی نفس کو نیک اخلاق سے سنوارنے اور قلب کے چلانے اور روحانی اسرار اور باطن و سرائر کو پاکیزہ رکھنے میں ہے نہ کہ جسم کو زیب و زینت اور اچھی صورت بنانے اور ظاہری ٹھاٹھ باٹھ سنوارنے میں ۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

قلندران حقیقت بہ نیم جو نخرند
قبائے اطلس آنکس کہ از ہنر عاریست

ترجمہ: قلندر اس شخص سے جو کے عوض بھی قبائے اطلس نہیں لیتے جو شخص ہنر سے خالی ہے

حضرت جامی قدس سرہ نے فرمایا ؎

چہ غم ز منقصت صورت اہل معنے را
چو جان ز روم بود گو تن از حبش می باش

ترجمہ: دل سے کوئی ظاہری شکل کی کوئی کارروائی قائم نہیں رہتا جب دور ہے سوچ والا ہو اگر شکل بخشی۔ یعنی بہ صورت ہو تو کیا حرج۔

حدیث شریف اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال اور صورتوں کو نہیں دیکھتا مگر وہ تمہارے قلوب سے اعمال کو دیکھتا ہے۔ یعنی اگر تمہیں اعمال صالحہ اور قلوب سلیم نصیب ہیں تو تم اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہو گے تمہاری صورتیں اور اموال بہتر ہوں یا نہ ہوں اگر اعمال صالحہ اور قلوب سلیم نصیب نہیں تو تمہاری شکلیں اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی وقعت نہیں [illegible] نہ ہوں اور اگرچہ اموال کو بھی قرار واقعی ہو یہی ظاہر و باطن کے احکام ہیں

حکایت خلیل با جبریل علیہ السلام

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا تو فرشتوں نے عرض کی یا اللہ! تو نے انہیں اپنا خلیل کیوں بنایا حالانکہ وہ شب و روز اپنی زندگی آل و اولاد اور مال و اسباب و دیگر معاملات میں مشغول رہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں بندے کے مال و اسباب اور اس کی شکل و صورت کو نہیں دیکھتا بلکہ میری نظر ان کے قلوب اور اعمال پر ہوتی ہے اور میرے خلیل علیہ السلام کو میرے سوا کسی شے کی طرف توجہ ہی نہیں اتنا کہا کہ حضرت جبریل علیہ السلام بشری لباس بدل کر حضرت خلیل علیہ السلام کے بارہ ہزار کتے تھے جو آپ نے انہیں بکریوں کی حفاظت کے لیے رکھا ہوا تھا ہر ایک کے گلے میں سونے کے طوق تھے اس سے بتانا مطلوب تھا کہ ان کی نگاہ میں مال کی کوئی وقعت نہیں

حضرت جبریل علیہ السلام: السلام علیکم
حضرت خلیل علیہ السلام: وعلیکم السلام
جبریل علیہ السلام: جناب یہ مال و اسباب کس کا ہے
خلیل علیہ السلام: اللہ کا مال ہے میرے پاس چند روز کے لیے ملکیت بنا دیا گیا ہے
جبریل علیہ السلام: کیا آپ انہیں بیچیں گے
خلیل علیہ السلام: آپ میرے مالک کا ایک بار نام سنائیں تہائی مال آپ کو پیش کروں گا
جبریل علیہ السلام نے پڑھا: سبوح قدوس رب الملائکۃ والروح۔

خلیل علیہ السلام نے فرمایا اس کا تہائی مال آپ کے قبضہ میں میں نے دے دیا اگر آپ دوبارہ میرے آقا کا نام لیں تو تہائی مال اور لے لیں اسی طرح سہ بارہ لیں تو سارا مال آپ کا اگر چوتھی بار نام لیں گے تو اپنے آقا کے نام پر میں آپ کا غلام بے دام ہوں گا۔ جبریل علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے پوچھا میرے خلیل علیہ السلام کو کیسا پایا عرض کی یا اللہ واقعی وہ تیرا خلیل ہے جب جبریل علیہ السلام جانے لگے تو خلیل علیہ السلام نے اپنے نوکروں سے فرمایا کہ تمام مال و اسباب اس جانے والے کے پیچھے لگا دو جبریل علیہ السلام نے عرض کی میں آپ کی آزمائش کے لیے حاضر ہوا تھا میں جبریل علیہ السلام

یوں خلیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی یا اللہ اب اس مال سے کیا کروں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس سے شہر زمین جاگیر وغیرہ خرید کر اسے وقف کر دیجئے چنانچہ ایسے ہی کیا گیا آج تک وہی اوقاف حضرت خلیل علیہ السلام کے مزار مبارک پر چل رہے ہیں اور فقراء مساکین خلیل علیہ السلام کے لنگر سے پل رہے ہیں

ذکر الٰہی سے کیا سبق ملا: ذکر الٰہی کی محبت سے دولت کی محبت دل سے ختم ہو جاتی ہے دیکھئے خلیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے ذکر پر تمام مال و اسباب قربان کر دیا

سبق مشائخ پر لازم ہے کہ وہ مریدوں کو ذکر کی کوشش کرائیں اس لیے کہ عام قلوب کا ذکر قلب کا صیقل ہے ۔

حضرت شیخ مغربی قدس سرہ نے فرمایا ؎

اگرچہ آئینہ داری از برائے رخش
چہ سود گرچہ کہ داری ہمیشہ آئینہ تار
بیا بصیقل توحید ز آئینہ بزدا
غبار شرک کہ تا پاک گردد از زنگار

ترجمہ اگر تو اپنا چہرہ دیکھنے کے لیے بہترین آئینہ گھر میں رکھتا ہے تو کیا فائدہ تمہیں چاہیے کہ دل کے زنگ کو توحید کے صیقل سے صاف کرو۔

کلمہ لا الٰہ الا اللہ ہر دو معانی صیقل ہے اہل تحقیق نے فرمایا کہ جب کافر لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے تو اس کے دل سے کفر و شرک کا زنگ دور ہو کر اس کے اندر توحید کا نور چمکتا ہے اور جب مومن کلمہ توحید کہتا ہے تو اس کے قلب سے نفس کی ظلمات مٹ کر نور معرفت چمکتا ہے اگرچہ ہزار بار اسے پڑھے گا ہر دوسری بار میں پہلی بار کے دل کی چمک میں اضافہ ہو گا اس لیے کہ علم باللہ کی کوئی انتہا نہیں۔

حدیث شریف حلقہ ذکر میں ایک لمحہ بیٹھنا ہزار سال کی عبادت سے افضل ہے (کذا فی مجالس حضرت الہمدانی)

حلقہ ذکر کی فضیلت ، ذکر الٰہی نور و حضور یعنی اللہ تعالیٰ تک پہنچاتا ہے بلکہ اسے تمام نور کا کاشانہ بنا دیتا

حضرت عارف رومی قدس سرہ نے فرمایا ؎

آدمی دید است باقی پوست است
دید آں باشد کہ دید دوست است

ترجمہ آدمی صرف دید کا نام ہے باقی اس کا سب کچھ پوست ہے دید بھی وہ جو دوست کو دیکھے۔

اے اللہ ہمیں ان لوگوں سے بنا جو تیرے نور جمال کو دیکھتے اور وہ تیرے شرف جمال سے مشرف ہوتے ہیں۔

وَقُلِ
سے کہہ دیا

الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ
اور فرما دو کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے بے شک ہم نے ظالموں کے
نَارًا أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا وَإِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ
لیے وہ آگ تیار کر رکھی ہے جس کی دیواریں انہیں گھیر لیں گی اور اگر پانی کے لیے فریاد کریں تو ان کی فریاد رسی ہوگی اس پانی سے
بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا ⑲
کہ پگھلائے ہوئے دھات کی طرح ہے

تفسیر عالمانہ وَقُلِ اور آپ غافلوں اور خواہش نفسانی کے پرستاروں سے فرمائیں اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ حق تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے ہے نہ وہ جو تمہارے نفسوں کے تقاضے ہیں اس لیے تمہارے نفس کے تقاضے مبنی بر باطل ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ جو کچھ میری طرف سے وحی کے ذریعہ آیا ہے یہی حق ہے اور تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا ہے جب حق اللہ تعالیٰ سے آ گیا ہے جب تمہارا اس سے عدول کرنا بے سود ہے بلکہ اختیار تمہارے ہاتھ میں ہے تمہاری مرضی کہ نجات چاہو یا تباہی اور بربادی

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ خوشخبری اور ڈراوا ظاہری امر ہے اور ارباب سعادت کو سلوک کے راستوں کا الہام اور اہل شقاوت کو سالک سے احتراز کا بیان منجانب اللہ ہے فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ اہل سعادت میں جو چاہے ایمان لائے وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ اور اہل شقاوت سے جو چاہے کفر کرے

تفسیر عالمانہ الارشاد میں ہے کہ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ یعنی اہل ایمان کی طرح ایمان لائے یہ کسی قسم کی مجبوری نہیں وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ اہل کفر کی طرح تجاہل کرے تو ہمیں کوئی ضرورت نہیں چاہے کوئی ایمان لائے یا کفر کرے اسے کفر و ایمان میں تمہاری وجہ سے فائدہ نہیں پہنچے گا اور نہ نقصان صرف اسی خیال پر کہ تم ایمان لاؤ جب کہ حق کے واضح دلائل اس کے مجمل طور پر ظاہر ہو چکے ہیں

ازالۂ وہم: آیت ہذا میں کفر و ایمان کا اختیار نہیں بلکہ تہدید و وعید سنائی گئی ہے اور فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارا ایمان نفع نہیں دیتا ہے اور نہ کفر نقصان پہنچاتا ہے ایمان لاؤ یا کفر کرو یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے لیکن یاد رکھو اگر کفر کرو گے تو تمہیں سخت عذاب میں مبتلا ہونا ہوگا اور اگر ایمان لاؤ تو تمہیں بڑا بہتر ثواب نصیب ہوگا۔ کذا فی الاسئلۃ المقحمۃ

دلیل دیگر: آیت مذکورہ کا مضمون آیت ان تکفروا فان اللہ غنی عنکم ولا یرضی لعبادہ الکفر وان تشکروا یرضہ لکم جیسا ہے یعنی اگر تم کفر کرو تو خدا تعالیٰ تمہارے ایمان سے مستغنی ہے اور وہ پسند

بندوں کے کفر سے راضی نہیں اگرچہ بعض بندوں کے کفر کے ساتھ اس کا ارادہ متعلق ہو چکا ہے لیکن رحمت کی وجہ سے ان کے کفر سے راضی نہیں ہے اس لیے کہ کفر ان کے لیے ضرر رساں ہے اور شکر گزاری کہ علاوہ ایمان ہو تو وہ تمہارے لیے شکر کو پسند کرتا ہے

بحرالعلوم کا بیان بحرالعلوم میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم میں کوئی ایمان لانا چاہتا ہے تو اسے لازم ہے کہ وہ اپنی طاقت اور ارادے کو حصول ایمان کے لیے صرف کرے اور یہاں کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہوئے جملہ احکام کو دل سے مانے اور جو کفر کرنا چاہتا ہے تو بڑی خوشی سے کرے مجھے کسی کی پرواہ نہیں

مسئلہ آیت سے معلوم ہوا کہ بندہ اپنے ایمان و کفر کا خود مختار ہے وہ جس طرح چاہے کرے اس لیے کہ بندے کا ارادہ اور اختیار ہر دونوں ایسے افعال میں کہ وہ بیک وقت تخلیقاً اللہ تعالیٰ اور کسباً بندے سے متعلق ہیں اسی طرح بندے کے جملہ افعال اختیاریہ جیسے نماز، روزہ وغیرہ کہ جیسے اس لیے کہ افعال اختیاریہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور بندے کے کسب کے بغیر چارہ نہیں ہو سکتے یہی مذہب حق اہلسنت کا ہے جو جبر و قدر کے درمیان ہے اگر ہم بندے کے اختیار کو درمیان میں دخل نہ دیں تو إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا اور جیسی آیات کا معنیٰ درست نہیں رہتا۔

اعتدنا بمعنیٰ ھیئانا یعنی ہم نے تیار کر رکھی ہے نَارًا بہت بڑی سخت پہنچانے والی آگ أَحَاطَ بِهِمْ جو انہیں گھیرے گی۔

سوال مستقبل کی بجائے ماضی کا صیغہ کیوں؟

جواب جس فعل کے وقوع میں تحقق ہوتا ہے وہاں فعل مستقبل کے بجائے فعل ماضی لایا جاتا ہے

سُرَادِقُهَا بمعنیٰ فسطاط یعنی خیمہ آگ کو خیمہ سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جیسے خیمہ گھیر لیتا ہے ایسے ہی آگ بندے کو قیامت میں گھیرے گی۔

ف۔ بحرالعلوم میں ہے کہ سرادق ہر اس شے کو کہا جاتا ہے جو خیمے کے گرد ہوتی ہیں یعنی اس کے کنارے یعنی وہ جیسے چھت کے نیچے ہوں گے

حدیث شریف حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس آگ کی سرادق کی چار دیواریں ہیں ہر دیوار کی مسافت چالیس سال کے برابر ہے

وَإِنْ يَسْتَغِيثُوا اور اگر وہ پیاس سے پانی کے لیے فریاد کریں گے يُغَاثُوا تو ان کی فریاد رسی کی جائے گی بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ ایسے پانی سے جو آگ سے پگھلے ہوئے لوہے کی مانند ہوگا المهل پگھلے ہوئے لوہے کو کہا جاتا ہے اس کی مزید تفصیل قاموس میں ہے یہ پیاس تنگی کے طور سے ہوگا اور بجائے پانی کے انہیں پگھلا ہوا لوہا پیش کیا جائے گا

جب وہ پانی مانگیں گے یہ اسی طرح بھی عتاب کی ایک صورت ہو گی کہ جس سے ان کی پیاس دو چند ہو دوزخیوں کے اسباب عتاب ظاہر کیا تو فرمایا کہ دیا جائیگا جیسے پانی کے پگھلا ہوا دھاتوں کا يَشْوِي الْوُجُوهَ جو ان کے چہروں کو بھون دیگا جیسا ان کے سامنے تیل کا گرم پگھلا ہوا دھات پیش کیا جائے گا تو اس کی گرمی سے کافروں کے چہرے ایسے ہوں گے جیسے گوشت کو بھونا جاتا ہے

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ کول تار کی طرح سخت گاڑھا اور کالا سیاہ ہوگا جب کافروں کے چہروں کے قریب لایا جائے گا تو اس کی حرارت سے ان کے چہروں کی کھالیں جل کر نیچے گریں گی

بِئْسَ الشَّرَابُ جس پانی کا ذکر اوپر ہوا وہ برا ہے اس لیے کہ پانی پینے سے پیاس بجھانا مطلوب ہے لیکن ان کو اس میں جلنا ہوگا اور وہ بھی حصول مطلب نہیں بلکہ سخت تر ہے۔

وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا اور مرتفق بمعنی متکا بمعنی ٹھہرنے کی جگہ اور یہ تمیز ہے اس کی اصل ارتفاق بمعنی کہنی کو ٹھوڑی کے نیچے رکھ کر ٹیک لگانا ہے اور اس سے آرام مطلوب ہوتا ہے لیکن جہنم میں آرام و آسائش کیسا اسی لیے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ بہت برا ٹھکانا ہے یہ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا بالمقابل واقع ہوا ہے اور اس کی تفسیر ابھی آتی ہے

ف سعدی چلپی نے فرمایا کہ کسی کا ہاتھ ٹھوڑی کے نیچے رکھنا آرام و آسائش کے طور پر ہوتا ہے ایسے تحیر اور تحزن کے لیے بھی ہوتا ہے چونکہ یہاں آسائش اور آرام کی نفی مطلوب ہے لیکن اس سے دوسرے معنی تحیر و تحزن کی نفی نہیں ہو سکتی اسی لیے اب یہ طنزاً کہا گیا ہے وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا کے بالمقابل لایا گیا ہے

صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ المرتفق بمعنی تکیہ گاہ اور یہ لفظ حقیقی معنی میں نہیں پایا جاتا بلکہ منزل کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے اسی لیے اس سے استراحت کا معنی ختم ہو گیا اسے تجرید کہا جاتا ہے اور تجرید کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ جہنم میں استراحت و آرام نہیں وہاں عذاب ہی عذاب ہے نعوذ باللہ منہا

سبق مومن پر لازم ہے کہ وہ ظلم و معاصی اور آزار سے احتراز کرے اگر ایسی غلطی ہو بھی تو بہت جلد توبہ استغفار کرے قیامت کے ساتھ توحید و اذکار میں مشغول رہے جیسا کہ معلوم ہوا آنے والا سفر طویل اور جہنم کی آگ سخت اور اس کا پانی کالا سیاہ اور گاڑھا تیل جیسے پگھلے ہوئے لوہے کی طرح اور پیپ ہے اور اس کی زنجیریں لوہے کی ہیں۔

حدیث شریف اہل نار میں ادنیٰ عذاب یہ ہے کہ جس کو جوتی پہنایا جائے گا جس کی گرمی کے جوش سے اس کا دماغ ابلنے لگے گا۔ نعوذ باللہ منہا

حکایت حضرت مالک بن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میرا ایک لڑکے پر گذر ہوا جو مٹی سے کھیل رہا تھا وہ اس حالت میں کبھی روتا اور کبھی ہنستا تھا سے السلام علیکم کہنے کا ارادہ ہوا لیکن نفس نے روکا کہ بچہ

لوگ یا والسلام وعلیکم والا کہا جو بیگی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک یاد آگئی کہ آپ ہر چھوٹے بڑے کو السلام وعلیکم سے نوازتے تھے میں نے اس سے کہا السلام علیکم اس نے جواب دیا وعلیکم السلام اب اکثر میں دیکھ میں نے کہا اللہ نے مجھے بھیجا اس نے آپ کی اصلاح کی وہ عالم ملکوت سے ایک دوسری سے واقف نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی وحدت نے بتایا ہے میں نے اس سے پوچھا عقل اور عقل میں کیا فرق ہے اس نے کہا عقل وہ ہے جس نے مجھے نماز پر السلام وعلیکم کہنے سے روکا اور عقل وہ ہے جس نے مجھ پر السلام وعلیکم کہنے پر ابھارا میں نے پوچھا آپ شغل سے کیوں بے کل رہتے ہیں اس نے کہا شغل سے جو پیدا ہو سنا ہو اس میں اپنا سر دھنتا ہوں گے میں نے پوچھا آپ روتے اور ہنستے کیوں ہیں اس نے کہا جب مجھے عذاب الٰہی یاد آتا ہے تو روتا ہوں جب مجھے اس کی رحمت یاد آتی ہے تو ہنستا ہوں میں نے کہا یہ اتنا ابھی تو بچہ ہے تجھے گناہ سے عذاب الٰہی کا ڈر ہے تو بڑا عقلمند ہے اس نے کہا یہ بات مت فرمایئے اس لیے کہ میں نے اپنی ماں کو دیکھا ہے کہ وہ آگ جلاتے وقت پہلے چھوٹی لکڑیوں کو آگ میں ڈالتی ہے پھر بڑی لکڑیوں کو

مثنوی شریف میں ہے ؎

نے ترا از روئے تقویٰ گریہ
نے ترا در سحر بالیں نیم
نے ترا شبہا مناجات و قیام
نے ترا در روز پرہیز و صیام
نے ترا حفظ زباں ز آزار کس
نے نظر کردن بعبرت پیش و پس
پیش چہ بود یاد مرگ و نزع خویش
پس چہ باشد مردن یاران پیش
نے ترا بر ظلم توبہ پر خروش
اے دغا گندم نمائے جو فروش
چونکہ ترازوئے تو کج بود و دغا
راست چوں جوئی ترازوئے جزا
چونکہ پائے چپ بدی در غدر و کاست
نامہ چوں آید ترا در دست راست
چوں جزا سایہ است اے قد تو خم

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّا لَا
بیشک جو ایمان لائے اور نیک کام کیے ہم ان کے نیگ ضائع نہیں کرتے جن کے کام اچھے ہوں
نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا ۝ أُولَٰئِكَ لَهُمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ
ان کے لیے بسنے کے باغ ہیں ان کے نیچے ندیاں
الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا مِنْ
بہیں وہ اس میں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور سبز کپڑے
سُنْدُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ نِعْمَ الثَّوَابُ وَحَسُنَتْ
کریب اور قناویز کے پہنیں گے وہاں تختوں پر تکیہ لگائے کیا ہی اچھا ثواب اور جنت کیا ہی اچھی
مُرْتَفَقًا ۝
آرام کی جگہ

بقیہ صفحہ [illegible]

جہنم کیا ہے: مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت جبریل علیہ السلام حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوئے آپ کا رنگ متغیر تھا یعنی ایسے جیسے کوئی خوفناک ہو۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؟ یہ رنگ کیوں بدلا ہوا ہے جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ ابھی میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں تو جہنم کی آگ کو جوش مارتے دیکھ کر میں گھبرا گیا ہوں آپ نے فرمایا کہ وہ کیا ہے مختصر تعریف کرو اے جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ نے جہنم کے سات طبقات بنائے ہیں اس کے ہر طبقہ میں ستر ہزار آگ کے پہاڑ ہیں ہر پہاڑ میں ستر ہزار آگ کی وادی ہے ہر وادی میں ستر ہزار آگ کے گھر ہیں ہر گھر میں ستر ہزار آگ کے صندوق ہیں ہر صندوق میں ستر ہزار قسم کا عذاب ہے۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ منہا

(روح البیان)

ف یہ مبالغہ پر محمول نہیں بلکہ یہی حقیقت ہے اس لیے کہ بہشت کی نعمتوں کے مقابل ہے اور عقائد اہلسنت کی کیفیت عقل کے دائرہ سے خارج ہے لیکن اس کو تسلیم کرنا ضروری ہے ورنہ مخالفت عذاب کے موجبات سے ہوگا الخ

تفسیر عالمانہ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو جنس [illegible] کے اعمال کے جامع ہیں یعنی وہ ایمان اور اعمال صالحہ کرتے ہیں۔ صالحات صالحہ کی جمع ہے دراصل یہ ایک صفت ہے لیکن شریعت کے ہر نیک عمل پر اس کا اطلاق غالب ہے اسی لیے موصوف کی ضرورت نہیں اسی طرح الحسنۃ بھی صفت ہے جو عمل اللہ تعالیٰ کے قرب کا سبب بنے اس پر بھی اسمیت غالب ہے۔ إِنَّا لَا نُضِيعُ یہ الاضاعۃ سے مشتق ہے بمعنی [illegible] أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا عمل کو ذکر کرتے ہیں اللہ

علامہ احسن کا مقولہ یہ ہے اعمال کی توزین تمثیل کی ہے

سوال نحوی قاعدہ پر مناسب تو یہ تھا کہ ضمیر کے بجائے ظاہر کو کیوں لایا گیا ہے ؟

جواب تاکہ واضح ہو کہ ہر انسان اپنے عمل کی وجہ سے اجر کا مستحق ہوتا ہے نہ صرف فضل سے اس لیے کہ عمل سے
بلند درجات اور شرافت اور بزرگی اور مراتب علیا نصیب ہوتے ہیں

حدیث قدسی شریف اللہ تعالیٰ نے فرمایا بہشت میں میرے فضل و کرم سے داخل ہوں گے لیکن ان کی تقسیم اعمال کے
مطابق ہوگی۔

فضیلت خلفائے اثنین رضی اللہ عنہم اجمعین حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حجۃ الوداع کے موقع پر ایک اعرابی حاضر ہوا اور آقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم ناقہ عضبا پر عرفات میں سوار تھے اس نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں طالب علم کی حیثیت سے آپ سے ایک مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں آپ اس کی وضاحت فرمائیے وہ مسئلہ یہ ہے کہ ان الذین آمنوا (الآیۃ) کے صحیح مصداق کون حضرات ہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اعرابی تو مجھ سے دور نہیں اور وہ مجھ سے دور نہیں اس آیت کے مصداق یہی حضرات ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم ہیں جو میرے ساتھ کھڑے ہیں ان کے متعلق اپنی قوم میں جا کر وضاحت کر دیجئے کہ یہی آیت انہی حضرات کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ (ذکرہ العلامہ اسمعیل فی کتاب تحریرات وسلام)

اُولٰئِکَ وہ لوگ کہ جن کی بہت بڑی تعریف ذکر ہوئی ہے **لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ** امام صاحب نے فرمایا کہ عدن عدت میں بمعنی الاقامۃ ہے باب ضرب یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کی باغات بہشت کے قیام گاہ ہے یہ ایسے ہمیشگی کہا جاتا ہے "ہم بہا" وقاحۃ ۔ اور یہ بھی ہے کہ عدن بہشت کی ایک مخصوص جگہ کا نام ہے جو بہشت کے وسط میں واقع ہے اور وہ بہشت کے تمام مقامات سے افضل و برتر ہے جنات جنت کی جمع ہے اور یہ بھی ہے کہ وہ عدن خاص مقام ہے جنات میں جن جنات کا ذکر ہوا ہے یہاں جنات سے تعبیر کیا گیا ہے اس آیت کے بعد فرمایا ومسکنها جنتان۔ اور یہ بھی ہے کہ وہاں ہر جنتی کے لیے علیحدہ علیحدہ جنت دی جائے گی اسی اعتبار سے جمع جنات کہا گیا ہے **تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ** وہ چار نہریں دودھ، شراب طہور، شہد، خالص پانی کی ہوں گی چونکہ بہترین باغ بہتر وہی سمجھا جاتا ہے جس میں نہریں جاری ہوں اسی لیے بہشت کے باغات کو نہروں کے جاری ہونے سے موصوف کیا گیا ہے **یُحَلَّوْنَ فِیْهَا** بہشت میں پہنائے جائیں گے یہ حلیت المرأۃ سے مشتق ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب عورت کو زیورات پہنائے جائیں اور زیورات سے مراد سونے چاندی و دیگر ہر قسم کے جواہرات مراد ہیں التحلیۃ بمعنی زیور پہنا۔

ف کاشفی نے لکھا ہے کہ بہشت میں ہر جنتی کو زیورات پہنائے جائیں گے

یُحَلَّوْنَ فِیْہَا میں مِنْ ابتدائیہ ہے اور اساور ، اسورۃ کی جمع ہے اور اسورۃ سوار کی جمع ہے یعنی کنگن مِنْ ذَهَبٍ میں مِن بیانیہ ہے اور اساور کی صفت اساور کی تنوین تکثیر کی ہے تاکہ اس کے حسن کی عظمت معلوم ہو اور یہ وہم دفع ہو کہ وہاں سونے کے کنگن پہنایا جانا کا شکوہ ہے

ف : روح المعانی میں ہے کہ ذہب کی تنوین تکثیر و تفخیم کی ہے

بہشت کے کنگنوں کی اقسام حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بہشت میں ہر بہشتی کو تین قسم کے کنگن پہنائے جائیں گے

۱ سونے کا

۲ چاندی کا

۳ موتیوں یا یاقوت کا

یعنی روایات کے ان اقسام تینوں قسم کے کنگن ہر بہشتی کے ہاتھ میں پہنائے جائیں گے ان تینوں کو اکٹھا پہنایا جائے گا یا باری باری جیسے بہشتیوں کی خواہش ہوگی ویسے ہی ہوگا جیسے دنیا میں عورتوں کی عادت ہے کہ مختلف انواع کے زیورات کبھی یکبارگی پہن لیتی ہیں اور کبھی باری باری

تفسیر صوفیانہ بعض مشائخ کا خیال ہے کہ یہاں پر زیورات سے حقائق توحید ذاتی اور معانی تجلیات صفاتیہ اور سونے کے زیورات سے صفاتیت اور چاندی کے زیورات سے نوری صفات مراد ہیں

تفسیر عالمانہ وَیَلْبَسُوْنَ ثِیَابًا خُضْرًا اور سبز کپڑوں کی تخصیص اس لیے کی گئی ہے کہ تمام رنگوں سے حسین ترین اور پروردگار اللہ تعالیٰ کا محبوب ترین رنگ ہے مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ ریشم کا باریک اور گاڑھا ہر دو قسم کا قیمتی کپڑا اور ریشمی پردہ کپڑا ہے جو ریشم کے کیڑے سے حاصل کیا جاتا ہے اور استبرق بروزن استفعل از برق سے نہیں جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا ہے بلکہ یہ استبرہ کا معرب ہے اور ریشم کے ہر دو قسموں کا بیان اسی لیے ہے کہ معلوم ہو کہ وہاں بہشتیوں کی جیسی خواہش ہوگی ایسا ہی انہیں لباس پہنایا جائے گا

ف : دنیا میں لباس دو طرح کا ہوتا ہے (۱) ستر پوشی (۲) زیب و زینت کی نیت سے (۱) صرف ستر پوشی کے لیے اسی طرح بہشتیوں کے لیے یہ حسین الطاف میں پہلے اور بلحاظ زینت میں دوسرے کا بیان ہے

سوال یحلون میں فعل مجہول کیوں اور یلبسون میں فعل معروف کیوں ؟

جواب نمبر ۱ : تاکہ معلوم ہو کہ ایک لباس تو انہیں وعدۂ الٰہی کے مطابق نصیب ہوگا اس کا انہیں علم ہی ہوگا اور دوسرا لباس وہ کہ جسے اللہ تعالیٰ اپنے کرم و فضل سے عنایت فرمائے گا جس کا وعدۂ الٰہی سے کسی قسم کا تعلق نہ ہوگا ۔

جواب نمبر ۲۔ اس میں ان کے شرف اور کرامت کی طرف اشارہ ہے جو بالکل کہ وہ اپنی مرضی سے تو عام معمولی لباس پہننے کے لیے تیار ہو جائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں بہترین لباس سے مزین کیا جائے گا جیسے دنیا میں عادت ہے کہ انسان بسا اوقات جو مل گیا پہن لیا لیکن دوست اپنی محبت سے بہترین لباس پہناتے ہیں یہی کیفیت بہشت میں ہوگی

صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ستر ڈھانپنے کے لیے تو انسان اپنی مرضی سے جس طرح کا لباس مل جاتا پہن لیتا ہے اگرچہ وہ بادشاہی کیوں نہ ہو لیکن اگر اسے سنگار مطلوب ہوتا ہے تو اس کے لیے دوسرے منتخب کر کے بہترین لباس بنواتے ہیں جیسے بادشاہوں اور دلہنوں کے لیے اہتمام ہوتا ہے اسی لیے صیغہ کی تبدیلی ہوئی اس طرح سے ۔

ان کی تعظیم و تکریم کی طرف اشارہ ہے

مُتَّكِـِٔينَ فِيهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ اریکہ کی جمع ہے جیسے پلنگ کے اندر تخت بچھا پلنگ کے بغیر تخت کو اریکہ نہیں کہا جا سکتا الحجلۃ دلہن کے لیے آراستہ کیا ہو کمرہ اور دوسرے ان کا اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ یہ نعمت متقی ہے ان کی شکل اس طرح کہ جو جیسے تاجدار بادشاہوں کے تختوں پر بیٹھتے ہیں اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے مقربان کو جنت کی بیانوں میں ان کے تختوں پر قرآن میں سورۃ یٰسین سہارا لگائے بیٹھتے ہیں اور دونوں کے باغات میں ہر طرف اپنے محبوب حقیقی کا مشاہدہ کریں گے۔

نِعْمَ الثَّوَابُ یہ جنات عدن اور ان کی نعمتوں کی طرف اشارہ ہے اور ثواب سے طاعت کی جزا مراد ہے۔

وَحَسُنَتْ اور کیا ہی اچھے ہیں وہ تخت **مُرْتَفَقًا** آرام گاہ اور تکیہ گاہ

ف بہشت کے حق اور بہترین نعمتوں میں کلام نہیں البتہ ان کے لیے استعداد ضروری ہے اعمال صالحہ اس کے اسباب ہیں اور اعمال صالحہ سے وہ اعمال مراد ہیں جو محض رضائے الٰہی کے لیے ادا کیے جائیں جیسے نماز اور روزہ اور دیگر عبادات چنانچہ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ہے

قیامت کہ بازار مینو نہند
منازل باعمال نیکو دہند
کسے را کہ حسن عمل بیشتر
بدرگاہ حق منزلت بیشتر
بضاعت بچندانکہ آری بری
اگر مفلسی شرمساری بری
کہ بازار چندانکہ آگندہ تر
تہی دست را دل پراگندہ تر

تفسیر صوفیانہ حدیث شریف میں ہے کہ ایمان اور نیک اعمال کو بڑا نصیب ہے لیکن اعمال کی صلاحیت اور ان کے حسن کے مطابق بعض اعمال پیسے پر روحانیت کی سیر اور ان کے بالا جانے کے موجب ہیں یعنی عبادات و عبادت بدنیہ ہیں جو شریعت کی مطابقت اور اس کے حکم کے مطابق نیت خالص سے ادا کیے جائیں اور بعض اعمال وہ ہیں جو سیر الی اللہ کے موجب ہیں یعنی وہ اعمال ہیں جو طلب حق میں صدق طلب اور اخلاص فی التوحید اور ترک دنیا اور اعراض ماسوی اللہ اور توجہ الی اللہ سے ادا کیے جاتے ہیں لیکن اس میں شیخ کامل واصل باللہ کا کامل تصرف اور بزرگی کا ہونا ضروری ہے تاکہ اس کی برکت سے سیر الی اللہ میں واقع خواہشات نفسانی کا خطرہ نہ رہے کیونکہ بغیر بوئے گندم حاصل نہیں ہو سکتی۔

حکایت ایک شخص جو کاہل پنے والا تھا اس نے اپنے نوکر کو حکم فرمایا کہ وہ اپنے کھیت میں گندم بوئے لیکن اس نے گندم کے بجائے جو بوئے جب کھیتی کے اٹھانے کا وقت جو کا ظہور ہوا تب اسے فرمایا اے بندہ خدا تو نے یہی بہانا کر کے بو لے سے گندم کا ظہور ہو جانے کا۔ نوکر نے جواب دیا جناب جیسے جو بونے سے گندم نہیں اٹھائی جاسکتی ایسے ہی آپ بھی خدا تعالیٰ کی نافرمانی کر کے اس کی رحمت کی امید نہیں رکھ سکتے۔ ؎

ہر کہ آں درود عاقبت کار کشت

ترجمہ جو بونے کا عادی ہے اسی طرح کا پھل کاٹے گا یہ تمہیں معلوم نہیں کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے

حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ نے فرمایا ؎

جمد اللہ این گر تو کردی

ہر چہ می کاری ہمش روزے بدروی

ترجمہ سب کو معلوم ہے کہ تمہیں خیر و شر جو اسباب ہے وہ یہاں پاؤ گے وہی فصل کاٹو گے۔

ذکر کیا یہ لیست ہیں کہ وہ شخص تائب ہوا اور اس نوکر کو بھی آزاد کر دیا

سبق اللہ تعالیٰ بے خواب غفلت سے بیدار کرتا ہے کہ اس کے سامنے اس قسم کے واقعات پیش کرتا ہے اور اسے اپنی رضا کے حصول کے اسباب بتا رہتا ہے

ف عابد کے مراتب سے عارف کے مراتب بلند ہوتے ہیں اور کرامات کرنے کی کوئی انتہا نہیں۔

افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یہی وجہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام صحابہ کرام سے افضل ہیں لیکن مجاہدہ ضروری ہے کہ ہر ایک کو اللہ تعالیٰ عام طور پر کرامت سے نوازتا ہے لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خصوصی طریق سے نیابت سے مشرف فرمانے کا معاملہ کہ آپ کی آخری بڑی کرامت ہی مشہور نہیں جیسے دوسرے صحابہ و اولیاء کرام کی کرامات مشہور ہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سب سے بڑی کرامت یہی ہے کہ آپ کی کرامات علیحدہ

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ

اور ان کے سامنے دو مردوں کا حال بیان کرو کہ ان میں ایک کو ہم نے انگوروں کے دو باغ دیئے

وَحَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿٣٢﴾ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ آتَتْ أُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِم

اور ان کو کھجوروں سے ڈھانپ لیا اور ان کے بیچ بیچ میں کھیتی رکھی دونوں باغ اپنے پھل لائے اور اس میں کچھ

مِّنْهُ شَيْئًا وَفَجَّرْنَا خِلَالَهُمَا نَهَرًا ﴿٣٣﴾ وَكَانَ لَهُ ثَمَرٌ فَقَالَ لِصَاحِبِهِ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَنَا

کمی نہ دی اور دونوں کے بیچ میں ہم نے نہر بہائی اور وہ پھل رکھتا تھا تو اپنے ساتھی سے بولا اور وہ اس سے ردو

أَكْثَرُ مِنكَ مَالًا وَأَعَزُّ نَفَرًا ﴿٣٤﴾ وَدَخَلَ جَنَّتَهُ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ قَالَ مَا أَظُنُّ

بدل کرتا تھا میں تجھ سے مال میں زیادہ ہوں اور آدمیوں کا زیادہ زور رکھتا ہوں اپنے باغ میں گیا اور اپنی جان پر ظلم کرتا ہوا

أَن تَبِيدَ هَٰذِهِ أَبَدًا ﴿٣٥﴾ وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِن رُّدِدتُّ إِلَىٰ رَبِّي

بولا مجھے گمان نہیں کہ یہ کبھی فنا ہو اور میں گمان نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہو اور اگر میں اپنے رب کی طرف پھر گیا

لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنقَلَبًا ﴿٣٦﴾

تو ضرور اس باغ سے بہتر پلٹنے کی جگہ پاؤں گا

بقیہ صفحہ ٣٦٨

تو انہیں کیا دوسروں کو یہ مرتبہ نصیب نہ ہوا اس لیے کہ آپ حقائق عالیہ کی تحقیق سے مشرف تھے ایسے حضرات کو جنت العلیہ نصیب ہوتی ہے یعنی دنیا میں ہی جنت سے نوازے جاتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ یہ دونوں اضرب کے مفعول ہیں اس لیے کہ اضرب یہاں بمعنی جعل کے ہے یعنی اے حبیب پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ان کافروں کو جو نعمتوں سے سرشار ہیں اور ان مومنوں کو جو دکھ اور تکالیف فقر و فاقہ میں مبتلا ہیں بنی اسرائیل کے ایک مومن اور دوسرے کافر کا واقعہ بیان فرمایئے یہ دو مرد فرضی تھے یا واقعی دونوں تھے صاحب جلالین نے فرمایا یہ بنی اسرائیل کے بادشاہ کے دو بیٹے تھے لیکن ابو حیان نے فرمایا کہ فقال لصاحبه سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونوں بھائی نہیں تھے بلکہ دوست تھے

تردید از صاحب روح البیان

صاحب روح البیان قدس سرہ نے ابو حیان کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ ابو حیان کی غلط فہمی ہے اس لیے کہ بھائی کو صاحب بھی کہا جاتا ہے

قرآنی واقعہ

ثابت ہوتا ہے کہ کافر اپنے مسلمان بھائی کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے اپنے باغ میں لے گیا جس کی تفصیل ابھی آتی ہے اس سے بھی ہمارے دعوے کی تائید ہوتی ہے جو ابو حیان کا بھائی کو صاحب کہنے سے ان کی اخوت میں

فرق نہیں آتا اور ہر دونوں کے چونکہ علیحدہ علیحدہ اوصاف ہیں اس لیے ان سے صاحب سے تعبیر کیا گیا ہے

دونوں بھائیوں کا قصہ بغوی نے یہ دونوں بھائی تھے ایک کا نام یہوذا تھا مومن تھا دوسرے کا نام قطروس یہ کافر تھا ہر دونوں اپنے والد سے آٹھ ہزار دینار کے وارث ہوئے کافر نے اپنے چار ہزار دینار سے جو اس کے حصہ کے تھے ایک ہزار دینار کی زمین خرید لی اور ایک ہزار سے ایک ہزار اونٹ خریدے ایک ہزار سے ایک عورت سے نکاح کیا اور ایک ہزار دینار سے خدام اور دیگر سامان خریدا اور دوسرے مومن وارث نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ اے مولا کریم میرے بھائی نے تو ایک ہزار دینار سے زمین خرید لی لیکن میں تیرے نام پر ایک ہزار دینار فقراء میں تقسیم کر کے تجھ سے بہشت کی زمین خریدتا ہوں چنانچہ اسی وقت ایک ہزار درہم فقراء پر تقسیم کر دیا پھر کہا میرے بھائی نے ایک ہزار دینار سے ایک عورت سے نکاح کیا ہے میں ایک ہزار تیری راہ میں لگا کر تجھ سے حور عین چاہتا ہوں یہ کہہ کر ایک ہزار فقراء کو دے دیا پھر کہا میرے بھائی نے ایک ہزار دینار سے ایک ہزار اونٹ خریدے ہیں میں تیرے نام پر ایک ہزار دینار خرچ کر کے تجھ سے بہشت کی ایک ہزار سواری کا درخواست گار ہوں یہ کہا اور ایک ہزار دینار مساکین فقراء میں تقسیم کر دیا پھر عرض کی کہ میرے بھائی نے ایک ہزار دینار سے خدام اور دیگر اسباب خریدا ہے میں ایک ہزار تیرے نام پر قربان کر کے تجھ سے غلمان و ولدان چاہتا ہوں جو بہشت میں ہمیشہ بہشتیوں کی خدمت کے لیے نصیب ہوں گے یہ کہہ کر جو تھا ہزار دینار بھی فقراء کو دے دیا اس کے بعد فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرنے لگا ایک دن راستے میں بیٹھا تھا اس کا کافر بھائی بڑے ٹھاٹھ باٹھ سے بہترین سواری پر سوار اس کے آگے ہزاروں نوکر چاکر لیے جا رہا تھا بھائی کو دیکھ کر کہنے لگا تو فقر و فاقہ میں مبتلا ہوں میری امداد کیجیے اس نے کہا وہ مال جو تجھے ورثہ میں ملا تھا وہ کہاں گیا اس نے کہا وہ میں نے فی سبیل اللہ فقراء کو دے دیا کافر بھائی نے یہ سن کر زجر و توبیخ کی اور کہا چلو اپنی راہ اور میرے پاس پھر نہ آئیں۔

جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا ان میں سے ایک جو کافر ہے **جَنَّتَيْنِ** دو باغ **مِنْ اَعْنَابٍ** انگوروں کے مختلف قسم عرف اعناب کہا جاتا ہے استباغ میں انگوروں کے درخت ہیں گو کہ اشجار اعناب بیان ہیں اسی پر حذف مضاف ہے **وَحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ** اور ہم نے ان کے اردگرد کھجوریں گھیر دیں جیسے حفقہ کا معنی باہر سے گھیرنا ہے لیے کہ لوگ باغوں کو باڑ لگا کر محفوظ رکھتے ہیں یہ حف القوم سے مشتق ہے جو اس وقت بولتے ہیں جب وہ قوم کسی شخص کے اردگرد گھیرا ڈال دے اپنے گھیرے میں لے اسی طرح کہا جاتا ہے حففتہ بہم یعنی میں نے انہیں اس کے اردگرد گھیرنے والا بنایا یہ متعدی بیک مفعول ہوتا ہے اگر دوسرے مفعول کی طرف متعدی کرنا چاہیں تو اس کے دوسرے مفعول پر باء لگائی جاتی ہے ایسے ہی غشیتہ وغشیتہ بہم کا حال ہے **وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا** اور ہم نے پیدا کیا ان دونوں باغوں کے درمیان **زَرْعًا** کھیتی تاکہ دونوں باغ ہر دو طرح کا کام دے سکیں یعنی میوے بھی اور غلہ اور مناسب اوقات کے لحاظ اور ترتیب بھی عمدہ اور بہترین ہو تا کہ جس میں کھیتی باڑی بھی ہو سکے۔ **كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا** ہر دو باغوں نے اپنے

ثمرات و میوے کھانے کے لائق تھے ان کا کوئی پھل گھٹیا درجہ کا نہ تھا

سوال آتت میں ضمیر واحد کیوں حالانکہ اس کا مرجع تو تثنیہ (کلتا الجنتین) ہے

جواب ہر دونوں کی ایک ہی حیثیت و کیفیت تھی بنا بریں انہیں مفرد پر محمول کر کے آتت مفرد کا صیغہ لایا گیا۔

جواب حریری نے لکھا ہے کہ کلتا کی خبر ہوتی ہی واحد ہے اس لیے کہ وہ معنًی اگرچہ تثنیہ ہے لیکن لفظاً مفرد ہے اس سبب اس کی خبر کو اس کے لفظ پر محمول کیا جاتا ہے یا شعر کے لیے ضرورت محسوس ہو۔

وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا باغات نے پھل دینے میں کسی قسم کی کمی نہ کی جیسے عام طور باغات میں ہوتا ہے کہ انہیں ایک سال پھل بھرپور ہوتا ہے اور دوسرے سال کچھ کم اسی طرح بعض درختوں میں قدرت نے نظام رکھا ہے کہ ایک سال بہت پھل دیتے ہیں اور دوسرے سال سرے سے دیتے ہی نہیں **وَفَجَّرْنَا خِلَالَهُمَا نَهَرًا ۝** اور ہم نے ان دونوں کے بیچ میں ہر ایک کے لیے علیحدہ علیحدہ نہریں جاری کیں تاکہ پھل دینے اور رونق میں کمی نہ ہو

سوال نہر کے اجراء کے ذکر میں تاخیر کیوں حالانکہ نقل کا تقاضا ہے کہ نہر کے اجراء کا ذکر پہلے ہو۔

جواب تاکہ واضح ہو کہ ان باغات کے پھلوں کی تکمیل کے لیے ہر دونوں کی علاوہ مستقل طور ضرورت تھی اور وہ بھی ہم نے پوری کی اگر نہر کا ذکر پہلے ہوتا تو ہر کوئی سمجھتا کہ چونکہ باغات کے پھل پانی کے محتاج ہوتے ہیں اسی لیے نہر کا ذکر پہلے ہوا اور وہ یہاں مقصود کے خلاف ہے اس لیے کہ یہاں مطلوب یہ تھا کہ اس کافر کے ہر معاملہ میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوتی اور جہاں یہ بات مطلوب نہیں ہوتی تو ایسے معاملات میں دو چیزوں کا ایک دوسری کو تعلق لازم ہے جیسا کہ آیت **یکاد زیتہا یضیء ولو لم تمسسہ نار** میں واضح کیا گیا ہے کہ تیل کی روشنی اگرچہ آگ کی محتاج ہے لیکن اسے آگ کی ضرورت نہیں ایسے ہی باغات کو اگرچہ پانی کی محتاجی ہوتی ہے لیکن وہاں پانی کے بغیر تیار کیا گیا اور نہر کو علیحدہ نعمت کے طور پر بیان فرمایا اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار مطلوب ہے کہ وہ پانی کے بغیر بھی باغات اور کھیتیاں سرسبز فرما سکتا ہے اور یہی غرض

وَكَانَ لَهُ ثَمَرٌ اور کافر باغ والے کے لیے باغات کے علاوہ مال و اسباب کی وفرت تھی۔

ف شیخ نے اپنی تفسیر میں لکھا کہ ثمر بضمتین ثمرۃ کی جمع ہے ہر وہ چیز جو درخت سے نکالنے کے لیے حاصل ہوتا ہے اسے عربی میں ثمرۃ کہتے ہیں

سوال باغات کے ذکر میں ثمرات تو ضمناً آ جاتے ہیں پھر اسے علیحدہ ذکر کرنے کا کیا فائدہ؟

جواب چونکہ اس کے لیے یہاں کثرت مال و اسباب کا اظہار مطلوب ہے اسی لیے اسے علیحدہ ذکر کیا گیا تاکہ معلوم ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر طرح کے مال و اسباب سے نوازا گیا تھا اسی لیے کاشفی نے لکھا کہ اس کے باغات میں انگوروں کے علاوہ ہر قسم کے میوہ جات مثلاً کھجور، انار وغیرہ تھے انگور کا ذکر صرف اس کی غلبیت کی وجہ سے ہے۔

فَقَالَ لِصَاحِبِهِ اس نعمت وافرہ کے حصول کے باوجود اسے حمق سے غرور نے گھیر لیا اسی لیے اپنے مسلمان

غریب بھائی سے کہا وَهُوَ يُحَاوِرُهٗ یہ جملہ حالیہ ہے یعنی بھائی سے کلام کرتے ہوئے دوسری طرف اپنے بھائی سے جھگڑنے کے دوران۔ یحاور کا معنی ہے محاورۃ کا معنی ہے۔

اس کے جھگڑنے کا خلاصہ یہ تھا کہ أَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا میں تیرے سے مال میں بہت زیادہ ہوں حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اصل مال [illegible] یعنی مال فصل کی ہر اس شے کو کہا جاتا ہے جس کا وہ مالک ہو جیسے جاگیر وغیرہ یا سونا چاندی یا گھوڑے [illegible] کا اطلاق [illegible] درہم و دینار [illegible] وَأَعَزُّ نَفَرًا اور میں تجھ سے آدمیوں میں زیادہ ہوں یعنی میرے لڑکے بالے اور اولاد زیادہ اور کثیر التعداد ہے۔

سوال تم نے اولاد سے نفر کی تفسیر کیوں کی

جواب اس لیے کہ فضیلت کرنے والا مال داروں میں جتنا [illegible] مردوں سے حاصل ہوتی ہے عورتوں سے نہیں۔

النفر جس [illegible] کا اطلاق مردوں پر اطلاق ہوتا ہے اس سے عورتوں کا اطلاق نہیں ہوتا۔

صاحب روح البیان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہاں اشکال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ ہم پہلے ایک روایت لکھ چکے ہیں کہ اس کے پاس کچھ بھی نہ رہا [illegible] ثابت ہوتا ہے کہ اس کے پاس مال تھا اکثر [illegible] اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ دونوں [illegible] آسان ہے اس کا جواب ظاہر ہے کہ وہ اگرچہ [illegible] مال [illegible] تو اس کے پاس باقی رہ چکا تھا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

وَدَخَلَ اور باغات والا یعنی [illegible] داخل ہوا جَنَّتَهٗ اپنے بھائی کو ساتھ لے کر اپنے باغات دکھاتا پھرتا تھا اسے عجیب [illegible] پر فخر و مباہات کرتا تھا۔

سوال باغ دو تھے اب اس کا ایک ہو گیا کیا وجہ

جواب چونکہ وہ دونوں ایک تھے اس لیے [illegible] ایک کے حکم میں [illegible] واحد جنتہ کہا گیا ہے

جواب چونکہ اس کا داخل ہونا [illegible] ایک ایک میں ہوا اسی اعتبار سے جنتہ فرمایا ہے

جواب ان دونوں کو [illegible] کے جنۃ [illegible] فرمایا [illegible] شیخ نے جواب لکھا ہے

وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ یہ جملہ حالیہ ہے یعنی وہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والا تھا اپنے آپ کو [illegible] یہ کہ وہ اپنے مال و اسباب کے گھمنڈ سے اپنے خالق و مالک کے ساتھ کفر کرتا تھا اور یہی سب سے بڑا ظلم ہے [illegible] حق کے معاملات پس پشت ڈال کر [illegible] اس کے بعد [illegible] اس کے کفر [illegible] کا جواب یہ فرمایا کہ اس وقت کافر نے کہا تھا قَالَ مَآ اَظُنُّ اس نے کہا میں نہیں جانتا [illegible] علم [illegible] کا فائدہ دیتا ہے بلکہ عادات و احکام میں [illegible] علم کے قائم مقام مستعمل ہوتا ہے اس سے [illegible] مشہور ہے

اَنْ تَبِيْدَ [illegible] ہلاک ہو جائے [illegible] هٰذِهٖٓ [illegible] اَبَدًا ۙ

کا منصوب ہونا بھی ظرفیت و مفعول فیہ کی وجہ سے ہے یہاں پر بکثرت طویل مدت یعنی اس کی اپنی زندگی تک کا عرصہ مراد ہے دائمی مدت الی غیر نہایۃ مراد نہیں اس لیے کہ یہ تو عقلاً بالکل باطل ہے ورنہ یہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ آئے گا اس لیے کہ دنیا کی حرکت ہی ہوتی رہتی ہیں دیکھی بھالی تو ختم ہو گی اس لیے بجائے خود جب اس سے پہلے گزر گئے ختم ہوں گے تو اس سے اندازہ اسے سمجھا ہو گا امید ہے کہ ہو گا کہ یہ باغ اگر فنا ہو گا اور تو پھر بھی موت آئے گی لہٰذا قیامت کے لیے لازم ہے کہ تو آخرت کا سامان اور ضروریات بنا کر اس کے ذہن میں یہ تھا کہ دنیا و دولت اور سرمایہ دنیوی کا ثبوت گویا کہ ہمیشہ رہے گا اور وہ سمجھتا تھا کہ یہ میری دنیا و دولت ہی آرام و آسائش کا بہترین سامان ہے اور مجھے ہر قسم پر امن کرنے میں یہ دنیا و دولت کام دے گی اسی لیے اس نے ان کلمات کفریہ کے علاوہ یہ بھی کہا وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً اور میں گمان نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہو السّاعۃ سے قیامت کا دن مراد ہے کہ جس دن بندے حساب و کتاب کے لیے اٹھیں گے وَلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ بعد اگر میں اپنے رب تعالیٰ کے ہاں لوٹایا گیا تو واقعی یہ اس نے بطور فرض محال کہا اگرچہ بعض لوگوں کو وہم ہوا ہے کہ وہ اس بات سے معرفت کے بعد اٹھنے کا اعتراف کر رہا تھا یہ صرف وہم ہے اس لیے کہ اگر وہ اسے مشرک کہا اس لیے کہ مشرکوں کو ایسے اعترافات کہاں اور قرآن کے الفاظ سے صاف ہے کہ وہ کافر و مشرک تھا اسی لیے اس کے ولئن رددت کو بفرض محال پر محمول کیا جائے گا

ف سورۂ حم میں ولئن رجعت الی ربی ہے وہاں کے مقام کے لیے یہی مناسب ہے اور یہاں ولئن رددت موزوں ہے اس لیے کہ الرد عن الشیٔ سے مردود کی کراہت کو متضمن ہے اور اس مقام پر اس کا مطلب یہ ہے کہ گویا اپنے باغات وغیرہ کے متعلق میرا گمان ہے کہ وہ فنا ہو گا اگر بالفرض کہ رب تعالیٰ کے ہاں جاؤں تو اس اعتبار سے یہاں ولئن رددت زیادہ مناسب ہے اور سورۂ حم میں یہ مفہوم مطلوب نہیں اسی لیے وہاں ولئن رجعت موزوں ہے لَاَجِدَنَّ وہاں ضرور پاؤں گا خَيْرًا مِّنْهَا ان باغات سے بہتر مُنْقَلَبًا تمیز ہے یعنی مرجع و عاقبت یہ اس کی غلط فہمی کا اظہار اس لیے تھا کہ چونکہ وہ دنیا میں بہت بڑے مال کا مالک ہے اور سمجھتا تھا کہ اسے یہ مرتبہ اس کے لائق کی بدولت سے حاصل ہوا اور اس کا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ کا کرم اسے یہ آج حاصل ہے کل قیامت میں بھی اسے ایسے ہی نصیب ہو گا حالانکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے استدراج مہلت کے طور تھا یعنی اس کا خیال تھا کہ کل قیامت میں بہشت میں بھی اسے ایسے ہی باغات نصیب ہوں گے جیسے کہ دنیا میں حاصل ہیں

سبق جنت سے محروم متکبر لوگ نافرمانی اور گناہوں میں غرق ہو کر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے اس نے دنیا میں جیسے ہمارے عنایات فرمائے ہیں آخرت میں اس سے بڑھ کر فرمائے گا ورنہ وہ رحیم و کریم کیسا یہی کلام دھوکہ ہے اور وہ مولا ہی سے جنس و مذاق کرنے کے مترادف ہے ایسے لوگوں کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: یا ایھا الانسان ما غرک بربک الکریم اے انسان تجھے اپنے رب کریم کے ساتھ کس چیز نے دھوکہ دیا ہے۔

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ

اس کے ساتھی نے اس سے الٹ پھیر کرتے ہوئے جواب دیا کیا تو اس

خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ۝ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ

کے ساتھ کفر کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے بنایا پھر نتھرے پانی کی بوند سے پھر تجھے ٹھیک مرد کیا لیکن میں تو یہی کہتا ہوں کہ وہ اللہ ہی میرا رب ہے اور میں

اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ

کسی کو اپنے رب کا شریک نہیں کرتا اور کیوں نہ ہوا کہ جب تو اپنے باغ میں گیا تو کہا ہوتا جو چاہے اللہ ہمیں کچھ زور نہیں مگر اللہ

اِلَّا بِاللّٰهِ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ۝ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ

کی مدد کا اگر تو مجھے اپنے سے مال و اولاد میں کم دیکھتا تھا تو قریب ہے کہ میرا رب مجھے تیرے باغ سے اچھا

خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ۝

دے اور تیرے باغ پر آسمان سے بجلیاں اتارے تو وہ پٹ پر میدان ہو کر رہ جائے

اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ۝ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ

یا اس کا پانی زمین میں دھنس جائے پھر تو اسے ہرگز تلاش نہ کر سکے اور اس کے پھل گھیر لیے گئے تو اپنے ہاتھ

كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ

ملتا رہ گیا اس لاگت پر جو اس باغ میں خرچ کی تھی اور وہ اپنی ٹٹیوں پر گرا ہوا تھا اور کہہ رہا ہے اے کاش میں نے

بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ۝

اپنے رب کا کسی کو شریک نہ کیا ہوتا اور اس کے پاس کوئی جماعت نہ تھی کہ اللہ کے سامنے اس کی مدد کرتی نہ وہ بدلہ لینے

هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ۝

کے قابل تھا یہاں کھلتا ہے کہ اختیار سچے اللہ کا ہے اس کا ثواب سب سے بہتر اور اسے ماننے کا انجام سب سے بھلا

بقیہ صفحہ ۳۶۳

آنکہ [illegible] فرزند [illegible]

تا بماند جرم [illegible] بخشش و کرم

ترجمہ وہ ذات کریم [illegible] بندوں کے جرم [illegible] ہیں۔

تفسیر عالمانہ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ اس کے بھائی مومن نے کافر سے کہا یہ جملہ مستانفہ ہے جیسے پہلے گزرا وَهُوَ يُحَاوِرُهٗ یہ حال ہے [illegible] بحث یا مطلب [illegible] جیسا کہ [illegible] اس سے [illegible] تھا۔

ف اور شاید یہی وجہ ہے کہ اس جگہ کو علیحدہ بنانے میں تنبیہ ہے کہ آدمی اس کلام ایسے کا قائل ہے اور اسے تکبر سے کے اندر کے پیدا ہو گیا

اَكَفَرْتَ تو نے ما اظن الساعة کہہ کر کفر کیا اس لیے کہ قیامت کے متعلق شک کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار کرنا ہے اور قدرت اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اس کے صفات میں سے کسی ایک صفت کا انکار کفر ہے بِالَّذِيْ خَلَقَكَ اس ذات کے ساتھ جس نے تجھ کو تیرے باپ آدم علیہ السلام کے ضمن میں پیدا فرمایا مِنْ تُرَابٍ مٹی سے اگرچہ یہ ابتدائی تخلیق آدم علیہ السلام سے مخصوص ہے لیکن ان کی اولاد چونکہ ان کی جنس سے ہیں ان کے طریقہ پیدائش کا ذکر گویا تمام اولاد کی تخلیق کا ذکر ہے اور وہ تمام انسانی مخلوق کا ایک نمونہ ہے اسی لیے ہر انسان کی تخلیق کا اسی طرح سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ہمزہ تقریری استفہام کا ہے گویا اسے ساتھی تعریضاً کہہ رہا ہے کہ ایسی ذات سے کفر کرنا تیرے لیے ہرگز لائق نہیں اس لیے کہ وہ ایسا کریم ہے کہ اس نے مٹی جیسی معمولی شے سے تجھ جیسا عالیشان انسان بنایا ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ یعنی منی کا وہ قطرہ جو ماں کے پیٹ میں قرار پکڑتا ہے اس میں دوسری تعریض ہے کہ انسان اپنے کریم سے کفر کیوں کرتا ہے جب کہ اس نے ایک گندے اور حقیر پانی سے پیدا فرمانے کے باوجود اسے ذی عظمت انسان بنایا ثُمَّ سَوّٰىكَ یعنی معتدل الخلق اور مستقیم القامۃ تمام رَجُلًا یہ کاف ضمیر سے حال ہے یعنی ایسی معمولی چیزوں کی ترکیب کے بعد بہتر بنایا اور صحیح سالم جوان بنایا

ف قاموس میں ہے الرجل بضم الجیم وسکونها بمعنی مرد یا نر جو بالغ ہو انسان پر اس کا اطلاق اس وقت ہوتا ہے جب بالغ ہو اور جوانی پر چڑھے لٰكِنَّا یہ دراصل لکن انا تھا انا کا ہمزہ حذف کر کے اس کی حرکت لکن کے نون کو دی گئی یا اسے علی خلاف القیاس حذف کر دیا گیا ہے دونوں جمع ہو کر مدغم ہوئے پھر جمیع قراء نے لکنا کے نون کی الف وقف میں ثابت رکھا اور وصل میں گرا دیا سوائے ابن عامر کے کہ وہ وقف و وصل ہر دونوں حالتوں میں ثابت رکھتے ہیں اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ چونکہ یہ الف ہمزہ محذوف کا عوض ہے اسی لیے اسے حذف کرنا نامناسب ہے یا وہ وصل کو وقف پر محمول کرتے ہوئے حذف نہیں کرتے هُوَ یہ ضمیر شان اور مبتدا ہے اور اس کی خبر اللّٰهُ رَبِّيْ ہے یہ جملہ انا کی خبر ہے اور عائد رَبِّيْ کی یاء ضمیر ہے یہ بطور استدراک ہے گویا کافر کے مومن بھائی نے کہا کہ تو اللہ تعالیٰ سے کفر کر رہا ہے لیکن میں تو مومن موحد ہوں اس لیے یہ لٰکن موقعہ استدراک و اثبات و نفی، جملوں کے درمیان واقع ہوا ہے وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا۝ اور میں اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا اس سے معلوم ہوا کہ اس کا کفر شرک کی وجہ سے تھا وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ یعنی تو نے اپنے باغ میں داخل ہوتے وقت کیوں نہ کہا مَا شَآءَ اللّٰهُ وہی ہوگا جو رب تعالیٰ چاہے [illegible] یہ موصولہ ہو اس کا مبتدا محذوف ہے دراصل عبارت یوں تھی و الامر ما شآء اللّٰه امر کی لام استغراق کی ہے اس سے اسے یہ تلقین کرنا مطلوب ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھے کہ باغ اور اس کے جملہ پھل اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہیں وہ چاہے تو انہیں ان کے حال پر باقی رکھے یا چاہے تو فنا کر کے اسے تباہ

نیز سے لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ تو نے کہا ہوتا کہ میں بالکل عاجز ہوں میری قوت اور میرا زور اللہ کی مدد سے ہے بلکہ جو کچھ باغ کی آمدنی اور اس کی آبادی سے حاصل ہوتا ہے اسی کی قدرت اور مدد سے نصیب ہوتا ہے

نظر بد سے بچنے کا وظیفہ: حدیث شریف میں ہے کہ تم میں اگر کوئی بھی چیز دیکھے تو فوراً کہہ دے: ماشاء اللہ تو اسے بد نظر ضرر نہیں پہنچائے گی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جب کسی کو اچھا مال یا نیک اولاد نصیب ہوتی ہے تو فوراً کہے ماشاء اللہ ولا قوۃ الا باللہ تو وہ بھی بد نظر سے محفوظ رہے گا اور اس میں اسے کسی طرح کا بھی کوئی نقصان نہ ہوگا۔

لَا حَوْلَ کا معنی: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے "لا حول ولا قوۃ الا باللہ" کا معنی خود بیان فرمایا کہ ہماری طاقت نہیں کہ ہم گناہ سے بچ سکیں سوائے اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور نہ ہی طاعت پر ہمیں کوئی قوت ہے سوائے اللہ کی مدد کے

لَا حَوْلَ کی فضیلت: حدیث شریف میں ہے کہ "لا حول ولا قوۃ الا باللہ" ننانوے بیماریوں کی دوا ہے ان بیماریوں میں سے ادنیٰ کی بیماری غم ہے۔

اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّ وَلَدًا ۝ ترن اصل میں ترنی تھا اور رؤیت اگر بصری مراد ہے تو اقل اس سے حال ہے اگر علمی ہے تو اقل اس کا دوسرا مفعول ہے اور اس کا پہلا مفعول یائے متکلم کی جگہ قرار دیں ضمیر منفصل اور ہر دونوں معانی میں لفظ انا یائے متکلم کی تاکید ہے فَعَسٰی بمعنی لعل ہے رَبِّیْۤ اَنْ یُّؤْتِیَنِ یہ اصل میں یؤتینی تھا خَیْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ جس بہتر باغ کی خبر دے رہا ہے اس سے عالم آخرت کا باغ مراد ہے وہ بہتر اس لئے ہے کہ دنیا کی تمام چیزیں فانی ہیں اور آخرت کی باقی اور دائمی یہ جملہ شرط کی جزا ہے وَ یُرْسِلَ عَلَیْهَا اور اس دنیا میں تیرے باغ پر اللہ تعالیٰ نازل فرمائے حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ عذاب آسمانی یعنی ایسا کر ڈالے مثلاً آسمانی بجلی آگ۔ قاموس میں ہے کہ الحسبان بالضم حسبانۃ کی جمع ہے اور بمعنی عذاب ہے اور شہاب آسمانی کو کہتے ہیں آتا ہے صاحب روح البیان نے فرمایا کہ کافر کو مومن بھائی نے ایسے عذاب سے اس لئے ڈرایا کہ اسے یقین تھا کہ وہ نعمت کی ناشکری کرتا ہے تو اسے ایسے ہی لگانے نصیب ہوتے ہیں بلکہ عموماً ایسا ہی ہوتا ہے خصوصاً ناشکری ہی تباہی اور بربادی کا موجب بنتا ہے کما قال تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ اسی لئے کافر کو اس کے مومن بھائی نے اس کے اس قول مَاۤ اَظُنُّ اَنْ تَبِیْدَ هٰذِهٖۤ اَبَدًا کے جواب میں یوں کہا جو اوپر مذکور ہوا فَتُصْبِحَ صَعِیْدًا زَلَقًا ۝ اصبح بمعنی صار ہے یعنی الصعید وہ کے ہو جائے گا تیرا باغ صاف میدان زلقًا مصدر بمعنی مفعول ہے یعنی وہ باغ زمین صاف کی طرح رہ جائے گا زلقًا ایسی زمین کہ جس کی صفائی ایسی ہو کہ اس پر پاؤں رکھنے سے پھسلا جائے اس سے مقصود یہ ہے کہ تیرا باغ ملیامیٹ ہو کر باغ کی جگہ خالی زمین رہ جائے قرطبی نے فرمایا یعنی لا ینبت فیہا نبات ہے اس سے یہی معنی مراد ہے کہ تیرا باغ درختوں اور کھیتی سے ایسے خالی ہو جائے جیسے سر منڈے کے بال منڈ جائیں تو وہ بالوں سے خالی رہ کر گنجا صاف معلوم ہوتا ہے اسی طرح تیرا باغ بھی زلقا مصدر بمعنی مفعول ہے اَوْ یُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا یا باغ کا پانی زمین میں چلا جائے یعنی

چلا جائے اور وہاں تک مشین یا نہر پہنچ سکے اور غوراً کا لفظ مصدر کا اطلاق بطور مبالغہ کے ہے فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا پانی کی جستجو کے لیے تدبیر بھی نہ کر سکے گا یعنی پانی کا مہیا کر دینا اس کے حصول کی طاقت بھی تیرے میں نہیں ہے جلالین میں لکھا ہے کہ پانی کا نشان نہ ہو گا جسے تو طلب کر سکے وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ اس کا عطف فعل مقدر پر ہے گویا یوں کہا گیا جس کا خطرہ محسوس کیا گیا وہ ہو کر رہا چنانچہ اس کے تمام اسباب و باغات ہلاک کر دیئے گئے یہ احاط بہ العدو سے ماخوذ ہے اس لیے کہ جب دشمن کسی پر غلبہ کر لیتا ہے تو اسے چاروں طرف سے قابو میں لے لیتا ہے تو اسے ہلاک کے گھاٹ اتار دیتا ہے فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ پس وہ کافر افسوس کے ہاتھ ملتا رہ گیا یعنی افسوس اور حسرت سے اس کی ہتھیلیاں گھل گئیں جیسے کہ ندامت اور افسوس زدہ لوگوں کی عادت ہوتی ہے اس لیے کہ ندامت زدہ انسان افسوس کے ہاتھ ایسے ہی ملتا ہے ۔

ف: بحر العلوم میں ہے تقلیب الکفین وعض الکف والانامل والیدین و اکل البنان وحرق الاسنان وغیرھا یہ تمام حسرت و ندامت کے وقت ہوتے ہیں اور ندامت و حسرت پر دلالت کرتے ہیں ان میں الفاظ بار بار ذکر مروی طور پر استعمال کیا گیا ہے جب یہ کیفیت ہو تو کلام کا انداز کی طرح اونچا ہو جاتی ہے کلام کے حسن میں اضافہ ہو جاتا ہے اسی وجہ سے اسے علیٰ دلیل سے متعدی جو یا معنی پیندم کے ہے اسی طرح علیٰ سے متعدی ہو کر لایا گیا ہے عَلٰى مَآ اَنْفَقَ باغ کی پیداوار لاگت فِيْهَا جو اسی باغ کا مال و اسباب وغیرہ تھا ۔

مثنوی شریف میں ہے ۔

بر گزشتہ حسرت آوردن خطاست

باز ناید رفتہ یاد آں ہباست

ترجمہ: گذری ہوئی چیز پر حسرت کرنا غلط ہے گئی ہوئی شے کب واپس ہو سکتی ہے پھر اس کی یاد خواہ مخواہ کیوں

سوال: لاگت پر حسرت و افسوس کیوں اور جو اس کے سامنے ہر وہ پھل وغیرہ تباہ و برباد ہو گئے ان سے بھی افسوس ہوا ہو گا لیکن اس کا ذکر نہیں پہلے کی تخصیص کیوں؟

جواب: چونکہ پہلے والے اسباب وغیرہ اس کے قبضہ و اختیار میں تھے اور موجودہ پھل وغیرہ اس کے اختیار اور قبضہ سے باہر تھے پھر نقصان کا زیادہ افسوس اسی کا ہوتا ہے جو اس کے قبضہ و اختیار میں ہونے کے باوجود تباہ و برباد ہو جائے

جواب: صاحب روح البیان نے فرمایا کہ لاگت کا مال اپنے ملک اور اثاثہ سے خرچ ہوتا ہے اسی لیے اس کو خاص طور پر خرچ کردہ مال اسباب کا زیادہ افسوس ہوا اور یہ عادت ہے کہ انسان جس شے کے حصول کے لیے پورا پیسہ خرچ کرے اور وہ تباہ و برباد ہو جائے تو زندگی بھر اسے یاد کرتا ہے ۔

وَهِيَ اور وہ انگوروں کا باغ جس کے ذکر پر کہ گزر چکا ہے خَاوِيَةٌ گرا پڑا ہے اس پر خاوت اللہ ارخویا سے ہے یعنی تہدمت و تغنیت اصولھا یعنی دار گر پڑی اور تختیوں سے لاکل ہو گئی عَلٰى عُرُوْشِهَا ۔

ٹٹیوں پر تھیں وہ انگور کی بیل کو ان ٹٹیوں پر چڑھایا جاتا ہے وہ ٹٹیوں پر گری پڑی تھیں اور انگور کے درخت بھی جڑوں سے نکل کر ٹٹیوں پر پڑے تھے

سوال باغ میں انگوروں کے علاوہ کھجوریں اور کھیتی بھی تھی پھر صرف انگوروں کی تخصیص کیوں

جواب چونکہ باغ میں تمام چیزوں سے انگور عمدہ سمجھے جاتے ہیں ان کی عمدگی کی وجہ سے تخصیص کی گئی ہے

ف آسمان سے آگ اتری جس نے تمام باغ کو جلا کر راکھ کر دیا اور اس کا پانی زمین کے اندر دھنس گیا

وَيَقُوْلُ اس کا يقلب پر عطف ہے يٰلَيْتَنِيْ کاش کہتا تھا کاش لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝ میں اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا گویا اس وقت اسے اپنے مسلم بھائی کی نصیحت یاد آگئی اور اسے یقین ہو گیا کہ یہ تمام نقصان شرک کی وجہ سے ہوا۔ باغ کی تباہی کے بعد تمنا کی کہ کاش وہ مؤمن ہوتا اور شرک سے بچتا لیکن اس وقت کی تمنا سے کوئی فائدہ نہ ہوگا اس لیے کہ اسے ایمان کی رغبت دنیوی فائدہ کے پیش نظر تھی اسے شرعاً توبہ نہیں کہا جا سکتا اس لیے کہ توحید کے لیے اخلاص ضروری ہے اسی لیے ابن شیخ نے سورۃ الانعام میں لکھا ہے کہ ایمان و طاعت میں نفسانی خواہش سے مخلوط ہو تو غیر مفید ہے جب تک ان میں خلوص قلب سے رغبت نہ ہو یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام نے فرمایا کہ ایمان و طاعت میں ثواب کی طلب اور عذاب کا خوف ہو تو وہ ایمان کامل کا اور نہ طاعت۔

مثنوی شریف میں ہے ع

آن ندامت از نتیجہ رنج بود
نے ز عقل روشن چوں گنج بود
چونکہ شد رنج آن ندامت شد عدم
می نیرزد خاک آن توبہ ندم
میکند او توبہ و پیر خرد
بانگ لو ردوا لعادوا می زند

ترجمہ وہ ندامت رنج کی وجہ سے تھی خزانہ کی طرح عقل روشن سے نہیں جو ندامت رنج کی وجہ سے ہو وہ بیکار ہے ایسے تائب کی توبہ غیر قابل قبول ہے وہ جتنا توبہ کرتا ہے لیکن وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا کا مصداق بھی ہے کہ اگر اسے دوبارہ زندگی مل جائے تو پھر گناہ کرنے سے نہیں رکے گا۔

وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اس کی کوئی ایسی جماعت نہیں تھی جو اس کی مدد کرتے یعنی اسے اس ہلاکت سے بچا سکتے یا اس کا ضائع شدہ مال و اسباب واپس لا سکتے یا اس جیسا مال و اسباب دے سکتے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی یہ طاقت ہو کہ اس کے باغ جیسا وہ باغ بنا سکتا ہے لیکن اس سے اس کا فخر کی

مدد نہیں کر رہی تھی وہ اس کی مدد کا مستحق نہیں تھا بلکہ وہ اپنے کفر و معاصی کی وجہ سے ذلت و خواری کا مستحق تھا وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا اور وہ اپنی قوت سے اللہ تعالیٰ سے بدلہ لینے والا بھی نہ تھا هُنَالِكَ اس مقام پر اور اس وقت میں یعنی ہولناک وقت کے وقت الْوَلَايَةُ لِلَّهِ الْحَقِّ مدد دینا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے اس پر کسی کو کسی قسم بالذات قدرت نہیں ہے وَلَمْ تَكُن لَّهُ فِئَةٌ کی تقریر کے لیے لایا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کافروں پر اپنے مومن بندوں کی مدد کرتا ہے اور صرف اہل ایمان کے لیے کافروں سے بدلہ لیتا ہے جیسے مذکورہ بالا قصہ میں ہے کہ مومن کے مددگار یقین کر لیا اور کافر کو اس کے سامنے ذلیل و خوار اور تباہ و برباد کر دیا چنانچہ فرمایا هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَخَيْرٌ عُقْبًا وہی اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندوں کو بہتر ثواب دیتا اور اچھے اعمال سے نوازتا ہے عُقْبًا یعنی انتہا تک بھی اچھا انجام ۔

حضرت سعدی مفتی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ عقبا دنیوی اور اخروی ہر دو قسم نیک انجاموں پر مشتمل ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو دنیا و آخرت ہر دو جہانوں میں نیک انجام بخشتا ہے ۔

ف جلالین میں ہے کہ بہترین ثواب وہ ہے کہ جس ثواب کی جناب اللہ سے امید لگی ہے اور اس کی طاعت کا انجام نیک ہو بہ نسبت دوسرے کی طاعت کے انجام کے ۔

ف قصہ مذکورہ سے بہت سے مسائل مستنبط ہو سکتے ہیں اور اس کا عظیم ترین فائدہ یہ ہے کہ توحید اور ترک دنیا دارین کی نجات کا موجب ہیں اور شرک اور حب دنیا دارین کی تباہی و بربادی کے اسباب ہیں ۔

حکایت حضرت وہب بن منبہ سے منقول ہے فرمایا کہ بنی اسرائیل کا ایک عالم دین نے علوم کی ستر صندوقیں جمع کیں ہر صندوق کی لمبائی ستر گز تھی اللہ تعالیٰ نے اسی زمانہ کے نبی علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی اور فرمایا کہ آپ اس عالم دین سے فرما دیجئے کہ یہ علوم و فنون کی کتابیں کوئی فائدہ نہیں دیں گی اگرچہ ان سے کئی گنا زیادہ اور بھی جمع کر لیں ۔ جب تک تم اپنے سے تین عادتیں دور نہیں کرو گے وہ تین عادات یہ ہیں (۱) حب دنیا (۲) شیطان کی رفاقت (۳) مسلم کو ایذا دینا اسی کی وجہ یہ ہے کہ بلعم باعور بہت بڑا عالم تھا اسے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا بھی علم تھا لیکن حب دنیا نے نبی علیہ السلام کا ادب ترک کر کے دنیا اور دنیا داروں کی اتباع سے بہرہ ور ہوا اس سے ثابت ہوا کہ صرف علم غیر مفید ہے جب تک اس پر عمل نہ ہو اسی طرح ابلیس سے بڑھ کر کون عالم ہو سکتا ہے لیکن اس کا حال آدم علیہ السلام کے ساتھ بغض رکھنے کا سب کو معلوم ہے اسی طرح یہود بھی بہت بڑے علماء تھے لیکن ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی اور گستاخی سے مارے گئے اگر صرف علم فائدہ دیتا تو وہ لوگ بھی عاقبت اور سعادت ابدی سے محروم نہ ہوتے اگر اپنے علم کے مطابق عمل کرتے تو نجات پاتے ۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

گرچہ ناصح را بود صد داعیہ
پند را اذنے بباید واعیہ

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

اور ان کے سامنے زندگانی دنیا کی کہاوت بیان کرو جیسے

كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ

ایک پانی ہم نے آسمان سے اتارا تو اس کے سبب زمین کا سبزہ گھنا ہو

فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ مُّقْتَدِرًا ۝ اَلْمَالُ

کر نکلا کہ سوکھی گھاس ہو گیا جسے ہوائیں اڑائیں اور اللہ ہر چیز پر قابو والا ہے مال

وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا

اور بیٹے یہ جیتی دنیا کا سنگار ہے اور باقی رہنے والی اچھی باتیں ان کا ثواب تمہارے رب کے یہاں

وَّخَيْرٌ اَمَلًا ۝

بہتر اور وہ امید میں سب سے بھلی

بقیہ صفحہ ۴۰۰ ترجمہ کلیف پند کسی کی ذہن

اوز بدعت میکنند پہلو تہی

یک کس ناصح ز راستیز بود

صد کس گرینده را عاجز کنند

زانکه تا بیخ تر دوش ش لجو تر

کے بدو کر رفت وطن ان در عجب

تا لگر رو رنگ ورکار آمدند

بن تشنہ بہ بحث راکشادہ بست

آنچنان دلہا کر پریشان بود من

نقشان شد بل اشند کسوہ

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

تفسیر عالمانہ

اے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنی قوم کو دنیا کی زیب و زینت اور رونق کو ایسی چیزوں کی مثال دے کر بتائیے جن کے ساتھ رونق و زینت اور زوال میں دنیا کو مشابہت ہو تا کہ وہ آخرت سے منہ موڑ کر دنیاوی مشاغل کی طرف نہ ٹوٹ پڑیں **کَمَآءٍ** یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے کہاوت کا بیان ہے اس کی تقدیر لفظ عبارت یوں ہے ہی **کما** ء اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ یعنی جیسے وہ پانی ہے جسے ہم نے بادل سے یا آسمان کی جانب سے اتارا یا وہ جسے کہ تشبیہ صورت کی ہے نہ مفرد کی یعنی مثال اس کی جو حیوۃ دنیا کو تشبیہ دی گئی ہے۔

فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ اختلط بمعنی التف و تکاثف یعنی گھنی ہو کر اپنے نشو و نما میں کمال کو پہنچا اس زمین سے رونق پکڑے فَاَصْبَحَ پس ہو جائے رونق اور تروتازگی کے بعد وہی گھاس کھیتی هَشِيْمًا یعنے مهشوما مکسورا یعنی خشک ہو کر بھوسہ کی طرح وہ هشم سے ہے بمعنے نرم شے کا توڑنا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ سے ہوائیں اڑا کر ریزہ ریزہ کر کے اٹھائے پھریں اہل عرب کہتے ہیں ذرت الريح و اذرته یعنے اطارته واذهبته یعنی اسے ہوا اڑا کر لے گئی ذرا اور جو اور لو ذرا اس کے بعد مفعول بھی واقع ہو تو جیسے مثلاً کہا جاتا ہے ذرا الحنطة نقاها فی الريح یعنی فلاں نے گندم کو ہوا میں صاف کیا کذا فی القاموس۔ یہ آیت انما مثل الحيوة الدنيا كماء انزلناه ہے کاشفی نے لکھا ہے کہ یہ کیفیت انسانی زندگی کی ہے کہ جب وہ نوجوان ہوتا ہے تو اس کی زندگی کے لمحات کی چہل پہل ہوتی ہے جب بوڑھا ہو گیا تو موت کے خیالات آنے لگے زندگی کے پھول کملانے لگے یہاں تک کہ فنا ہو جاتا ہے تو اس کی تمام آرزوئیں اس کے جسم کے ساتھ خاک میں مل جاتی ہیں۔ ؎

بہار عمر بسے خوب و رنگینست
ولے چہ سود کہ دارد خزان مرگ ز پے

ترجمہ: زندگی کی بہار بڑی دلفریب اور رنگین ہوتی ہے لیکن کیا فائدہ جب کہ اس کے پیچھے خزاں ہے

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا اور وہ تخلیق اشیاء اور ان کے ابقاء و افناء پر قادر ہے اسے کوئی شے عاجز نہیں کر سکتی۔

سبق دانا وہ ہے جو حیوۃ الدنیا سے دھوکا نہیں کھاتا اس لیے کہ دنیا فانی ہے وہ کتنا ہی طویل کیوں نہ ہو بالآخر اسے فنا و میست ہونا ہے اگرچہ اس کی بہار کتنا ہی مزین ہو۔

حضرت شیخ سعدی نے فرمایا ؎

چوں شصت در آمد برفت شباب
شبت روز شد دیدہ برکن ز خواب

دریغا کہ بگذشت عمر عزیز
بخواہد گذشت ایں دمے چند نیز

فرو رفت جم را یکے نازنین
کفن کرد چوں کرمش ابریشمین

بہ دخمہ در آمد پس از چند روز
کہ بروے بگرید بزاری و سوز

چو باد و بپوشید رویش سرو گلشن
بطاعت چنین گشت بیخویشتن
من از کرم بر گشته بودم بزور
بکند نماز و بار کسمان بود
دریغا کہ بے ما بسے روزگار
بروید گل و بشکفد نوبہار

تفسیر صوفیانہ

جب کہ اللہ تعالیٰ کی ازلی عنایت شامل حال ہو جاتی ہے وہ وجود جو علم سے متعلق ہوتے ہیں اولیاء انبیاء علیہم السلام کی برکات و فیوضات سے مستفیض ہوتا ہے جیسے کہ مٹی میں پانی مل کر اسے تازہ بہار بنا دیتا ہے اور وہ ایمان و توحید کا بیج اپنے اندر رکھتے ہیں وہ تبلیغ و دعوت کے ہاتھ سے نفوس کی زمین پر بوتے ہیں وہ بیج جب انکی زمین میں پاکیزہ قلوب میں پڑتا ہے اس کی مثال کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ میں بیان کی گئی ہے اور دوسرے مقام والبلد الطیب یخرج نباتہ باذن ربہ میں بھی اسی کی مثال مطلوب ہے اپنے قلوب میں توحید کے بیج یعنی لا الہ الا اللہ سے شریعت کے پانی سے شجرۂ ایمان اگتا ہے اس کی وہ جو شخص سالکین تک حق کر اعلیٰ درجات و مقامات پہنچتی ہے بلکہ اسے قرب بیکیہ قریب تر ہو جانا نصیب ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ اور اللہ تعالیٰ اس پر بھی قادر ہے کہ وہ اپنے بندے کو رسوائی میں ڈال دے یا اسے اسفل سافلین بجائے علیین میں رکھنے سے کہ اس کی علوی روح بالبدن سفلی سے بھی بدتر ہو جائے اور اپنے لطیفہ بندوں کو تجلیات حقانیہ کے ساتھ اعلیٰ علیین کے مراتب قرب عطا فرمائے تاکہ وہ اس کا قرب میں کے مستحق ہوں حضرت عارف جامی قدس سرہ نے فرمایا ہے

سالکان بے کشش دوست بجائے نرسند
سالہا گرچہ دریں راہ تگ و پوئے کنند

ترجمہ دوست کی کشش کے بغیر کوئی سالک منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکتا اگرچہ ہزاروں سال اس میں جد و جہد کرے ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے فضل و کرم سے اپنی محبت سے مشرف فرمائے اور ہمیں اہل طاعت و قربت کے

دنیا کی مذمت

حضرت وہب بن منبہ نے فرمایا کہ میں نے بعض کتب میں دیکھا ہے کہ دنیا کی زینت لوگوں کے لیے غنیمت ہے اللہ سے یہ غفلت کا سبب ہے دنیا سوائے انبیاء علیہم السلام نے دنیا میں رہ کر بھی اس کی طرف ذرہ برابر بھی توجہ نہیں کی اور نہ ہی انہیں اس کی پرواہ رغبت تھی اور فرمائے کہ ضروری نہیں کہ قید خانہ میں ہر داخل ہونے والا قیدی ہو بلکہ بعض لوگ قید خانے سے قیدیوں کو رہائی دلانے آتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اس کے قیدی نہیں بلکہ صرف اس لیے تشریف لائے کہ وہ نفوس کے قیدیوں کو دنیا کی قید سے نجات بخشیں جیسے کہ قید سے نجات دلانا چاہیے

ہی دنیا کے قیدخانے سے ہیں جو شخص انبیاء علیہم السلام کے متبعین کا اتباع کرتا ہے تو وہ نفس کی شرارت اور دنیا کے فسادات سے نجات پا جاتا ہے

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۔ زینت مصدر ہے لیکن اکثر بطور مفعول مستعمل ہوتا ہے اور چونکہ اس سے مبالغہ مطلوب ہوتا ہے اس لیے اسے مصدر کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے گویا حیوۃ الدنیا زینت کا عین ہے اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ عرب کے رئیس کہ مال و بنون پر فخر کرتے تھے یہ حیوۃ دنیا کی زیب و زینت کا سامان جمع کرتے ہیں لیکن انہیں یہ معلوم ۔ ہو کہ حیوۃ دنیا کے تمام اسباب عنقریب فنا ہو جائیں گے خلاصہ یہ کہ حیوۃ الدنیا کے آرائش کے جملہ اسباب چند روزہ ہیں یہ صرف ایک لمحہ میں تباہ و برباد ہو جائیں گے ۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

ہمچنیں دنیا اگرچہ خوش شگفت
بانگ ہم زد بیوفائی خویش گفت
کودکی گوید جوانی خوش پی ام
ان فراکش گفتہ من وحشی ام
ای زخوبی بہاراں لب گزاں
بنگر آں سردی و زردی خزاں
کرد کی د حسن شد مولای الحق
بعد فردا شد رسوای خلق

وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ جملہ اسمیہ کہ باقیات صالحات سے تعبیر کیا جاتا ہے اسی لیے کہ یہ لفظ موصوف کی تفسیر مشتمل ہوتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اعمال خیر جن کے ثمرات تا ابد الآباد باقی رہیں گے جیسے نماز روزہ اور اعمال حج اور کلمہ سبحان اللہ والحمد للہ اور لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اسی طرح کی اور نیک دعائیں وغیرہ

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا کہ اپنے ہتھیار سنبھال لو صحابہ نے عرض کی کیا دشمن کے حملہ کی وجہ سے آپ نے فرمایا نہیں جہنم کے حملہ سے ہتھیار درست کر لو عرض کی گئی اس کے ہتھیار کون سے ہیں آپ نے فرمایا جہنم سے بچنے کے لیے بہترین ہتھیار سبحان اللہ الخ " ہے

ف بعض نے کہا کہ الباقیات الصالحات لڑکیاں مراد ہیں چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ ھن ستر لک لڑکیاں تمہارے لیے جہنم کا ستر اور والدین کے لیے جہنم سے نجات کا سبب ہیں ۔

حدیث شریف مع شرح

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ من ابتلی الابتلاء بمعنی امتحان یعنی اس کا اطلاق اکثر رنج و تکلیف میں ہوتا ہے اور لڑکیاں بھی انسان کے لیے ایک آزمائش ہیں اس لیے کہ انسان کی خواہش لڑکوں کی ہوتی ہے من ہذہ البنات بشیء یعنی بیٹیوں سے چاہے ایک ہو یا دو [illegible] جو شخص قریب سے لڑکیوں کے شغل کسی امر میں مبتلا ہوا فاحسن الیہن یعنی دو بھائی سے احسان کرے ان پر احسان جیسے تربیت کرنا لڑکیوں کا اپنے کفو میں نکاح کر دینا لیکن بہتر یہ ہے کہ یہاں ہر قسم کی خدمت مراد ہو کن لہ سترا من النار تو وہ لڑکیاں اس کے لیے جہنم کا پردہ بن جائیں گی یعنی وہ ذریعہ نجات پانے کا سبب لڑکیوں کی پرورش ہے اس لیے کہ لڑکیاں چھوٹی ہوں یا بڑی والدین کی محتاج ہوتی ہیں اسی لیے کہ جو شخص ان کی بہتر طریقہ سے تربیت کرتا ہے تو وہ جہنم سے نجات پا جائے گا۔ [illegible] خیر یعنی باقیات صالحات اعمال و اسباب فانی سے بہتر ہیں جیسا کہ فرمایا آخرت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں ثواباً ثواب کے لحاظ سے یعنی وہ اجر و ثواب جو نیک عمل کرنے والے کو آخرت میں نصیب ہوگا وخیر املا اور امید و رجاء کے لحاظ سے بھی باقیات صالحات بہتر ہیں یعنی دنیا و آخرت کی تمام امیدوں سے وہ بہتر حصہ نصیب ہوگا جو اسے آخرت میں نصیب ہوگا اور دنیا کے مال و اسباب تو اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں آیت میں علاوہ دنیا کی زینت سے اعمال صالحہ کی تلقین کی گئی ہے اور اس پر فخر کرنے والوں کو زجر و توبیخ کی گئی ہے

تفسیر صوفیانہ

بزرگوں کا فرمان ہے کہ حیات دنیا کی زینت سے صرف وہی نجات پا سکتا ہے جس کا دل انوار معرفت رضائے محبت الٰہی اور لمعان شوق سے مزین ہو اور اس کا ظاہر آداب خدمت شریعت سے اور علم تقویٰ سے آراستہ ہو اس کے باطن کا مشغلہ رغبت دنیا کی زینت سے طالب ہو اور وہ ہر وقت طلب دیدار الٰہی کے شوق میں رہتا ہو ایسے لوگ باقی زینت سے بجائے دنیا کی زینت سے طالب رہتی ہے اس لیے کہ ایسے حضرات کی زینت زیادہ مزین ہوتی ہے

حدیث شریف

حضرت ضحاک سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ سب سے بڑا زاہد کون ہے آپ نے فرمایا وہ جو ہر وقت یاد رکھتا ہے

١ مر کر قبر میں جانا ہے

٢ قبر میں جسم نے گل سڑ جانا ہے

٣ دنیا کی فضول زینتوں کو ترک کیے رہتا

٤ فانی اشیاء کے بجائے باقی چیزوں میں رغبت رکھتا ہے

٥ اپنے آپ کو کل کے لیے زندہ رہنے کی امید نہیں رکھتا۔

۲ اپنے آپ کو مردان سے بچاتا ہے۔

حدیث شریف قدسی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا مومن بندہ میرے نزدیک بڑا عجیب ہے میں اسے دنیا کی ہر شے فراوانی سے بخشتا ہوں لیکن وہ فراوانی میرے سے اسے دور کرتی ہے اور میرا مومن بندہ اس وقت بہت گھبراتا ہے جب میں اسے دنیا کی قلت پیدا کر دوں حالانکہ وہ قلت اسے میرے سے قریب کر دیتی ہے اس حکم کی تائید میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔ ایحسبون انما نمدھم بہ من مال و بنین نسارع لھم فی الخیرات بل لا یشعرون لھذا ضرورت دنیا اور اس کی زینت بندے کے لیے فتنہ ہے

مثنوی شریف میں ہے ۔

یکی پارسا سیرت حق پرست
فتادش یکی خشت زرین بدست
ہمہ شب در اندیشہ کین گنج و مال
درو تا زیم رہ نیابد زوال
دگر قامت عجزم از بہر خواست
نباید بر کس دو تا کرد و راست
سرای کنم پای بستش رخام
درختان سقفش ہمہ عود خام
یکی حجرہ خاص از پی دوستان
در حجرہ اندر سرا بوستان
بفرسودم از رقعہ بر رقعہ دوخت
تف دیگران چشم و مغزم بسوخت
دگر زیر دستان پزند خورشش
براحت دہم روح را پرورش
بسختی بکشت این نمد بسترم
روم زین سپس عبقری گسترم
خیالش خرف کرد و کالیوہ رنگ
بمغزش فرو بردہ خرچنگ چنگ

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً وَحَشَرْنَاهُمْ فَلَمْ

اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور تم زمین کو صاف کھلی ہوئی دیکھو گے اور ہم انہیں اٹھائیں گے

نُغَادِرْ مِنْهُمْ أَحَدًا ﴿٤٧﴾ وَعُرِضُوا عَلَىٰ رَبِّكَ صَفًّا لَقَدْ جِئْتُمُونَا كَمَا خَلَقْنَاكُمْ

تو ان میں سے کسی کو نہ چھوڑیں گے اور سب تمہارے رب کے حضور پرا باندھے پیش ہوں گے بیشک تم ہمارے پاس ویسے ہی

أَوَّلَ مَرَّةٍ بَلْ زَعَمْتُمْ أَلَّنْ نَجْعَلَ لَكُمْ مَوْعِدًا ﴿٤٨﴾ وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى

آئے جیسا ہم نے تمہیں پہلی بار بنایا تھا بلکہ تمہارا گمان تھا کہ ہم ہرگز تمہارے لیے کوئی وعدہ کا وقت نہ رکھیں گے اور نامہ اعمال رکھا جائے گا تو تم

الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ يَا وَيْلَتَنَا مَالِ هَٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ

مجرموں کو دیکھو گے کہ اس کے لکھے سے ڈرتے ہوں گے اور کہیں گے ہائے خرابی ہماری اس نوشتہ کو کیا ہوا نہ اس نے کوئی

صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ

چھوٹا گناہ چھوڑا نہ بڑا جسے گھیر نہ لیا ہو اور اپنا سب کیا انہوں نے سامنے پایا اور تمہارا رب کسی پر ظلم

أَحَدًا ﴿٤٩﴾

نہیں کرتا

بقیہ صفحہ ٣٨٥

فراغ مناجات و رازش نماند

خور و خواب و ذکر و نمازش نماند

بجوا در آمد سر خود شکست

که جائے نبودش فرو نشست

یکی در سر کوی حبیب نشست

که حاصل کند زمی گل و درخت

باندیشۂ حق فرو رفت پیر

که ای لطف او را تو پیوسته گیر

چو چندی درین گفتگو شد دلت

که یک روز خشتی کند از گلت

تو غافل در اندیشۂ سود و مال

که سرمایۂ عمر شد پایمال

بکن سرمۂ غفلت از چشم پاک

تفسیر عالمانہ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ اے محبوب عربی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں وہ دن یاد دلایئے کہ جس دن ہم پہاڑوں کو زمین سے اکھیڑ کر انہیں فضا میں اڑا دیں گے پھر ان کو ریزہ ریزہ کر کے فضا میں اڑائیں گے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس والے سے کفار و مشرکین کو ڈرانا مقصود ہے تاکہ وہ قیامت کے لیے مستعد ہوں کی سعادت سے بہرہ ور ہو جائیں۔ وَتَرَى یہ خطاب حضور سرور کائنات امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے یا اس کو جو اس خطاب کا اہل ہے۔ الْأَرْضَ یعنی اس سے اس کی تمام جانبیں مراد ہیں۔ بَارِزَةً یعنی ظاہر یعنی قیامت میں زمین ایک کھلا میدان دکھائی دے گی یعنی اس پر کوئی چیز ایسی نہیں ہو گی جو اسے چھپا دے یعنی اس وقت نہ پہاڑ ہوں گے نہ درخت نہ عمارتیں وَحَشَرْنٰهُمْ اور ہم تمام مومنوں اور کافروں کو ایک جگہ جمع کریں گے فَلَمْ نُغَادِرْ نہیں چھوڑیں گے مِنْهُمْ أَحَدًا ۝ زمین کے اندر والے کافروں اور مومنوں میں سے کسی ایک کو۔

حل لغات غادر یغادر مغادرۃ سے ہے۔ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کو چھوڑ دے اسی سے ہے الغدر یعنی ترک وفا اور حوض وغیرہ کو عربی میں الغدیر اسی لیے کہا جاتا ہے کہ سیلاب چلا جاتا اور پانی اس کی گہرائی میں چھوڑ جاتا ہے۔

وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا اور قیامت میں تمام مخلوق کو جمع کر کے تمہارے رب تعالیٰ کے سامنے اس کے حکم سے صفوں میں پیش کیے جائیں گے صَفًّا مفرد ہے اور یہ جمع کے قائم مقام استعمال کیا گیا ہے جیسے شریف جگہ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا میں صفًّا جمع کے قائم مقام ہے یعنی صف یعنی مصفوف ہے یعنی قیامت میں لوگ ایک دوسرے کے آگے پیچھے صف باندھ کر حاضر ہوں گے منتشر اور متفرق ہو کر نہیں آئیں گے بلکہ جمع ہو کر حاضری دیں گے جیسے بادشاہ کے سامنے لشکر پیش کیا جاتا ہے قیامت میں حاضری دینے والوں کو بادشاہ کے حاضر کردہ لشکر سے تشبیہ دی گئی ہے اور وہاں حاضری اس لیے نہیں ہو گی کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو پہچانے بلکہ اس لیے ہو گی کہ وہ کریم اپنے بندوں کا جس طرح چاہے فیصلہ کرے لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا یعنی قیامت میں انہیں کہا جائے گا کہ آج تم ہمارے ہاں اپنے حاضر ہوئے ہو كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ جیسے ہم نے تمہیں پہلی بار پاؤں اور جسم سے ننگا پیدا کیا جیسے اس وقت تم تھے نہ مال تھا اور نہ اولاد ویسے ہی اب بھی ننگے ہو کر پاؤں اور جسم سے ننگے اور تمہارے پاس نہ مال ہے نہ اولاد۔

حدیث شریف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ قیامت میں لوگ کیسے اٹھائے جائیں گے آپ نے فرمایا پاؤں اور جسم سے ننگے میں نے عرض کی عورتیں بھی آپ نے فرمایا ہاں عورتیں بھی میں نے عرض کی ہمیں شرم محسوس نہیں ہو گی آپ نے فرمایا اے عائشہ قیامت کا منظر خوفناک ہو گا

ہوگا کسی کو دوسرے کے دیکھنے کی ہوش بھی نہ ہوگی

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے وعرضوا علی ربک صفا یعنی وہ اور صفیں ہوں گی پہلے انبیاء پھر اولیاء پھر اہل ایمان پھر کفار اور منافقین کی صفیں ہوں گی انہیں فرمایا جائے گا لقد جئتمونا کما خلقناکم اول مرۃ کہ جیسے تم ابتدائے آفرینش میں پانچ صفوں (انبیاء، اولیاء، اہل ایمان، کفار، منافقین) میں منقسم تھے آج بھی اسی طرح پانچ صفوں میں ترتیب وار حاضر ہوئے ہو

تفسیر عالمانہ بل زعمتم بلکہ اے قیامت کے منکر کافرو! تمہارا گمان تھا الزعم بیضۃ الکذب یعنی زعم جیسے جھوٹا دعویٰ کہ ان لن نجعل لکم موعدا تمہارے لیے قیامت میں ہم حاضری کا پروگرام نہیں بنائیں گے

ف: بل ترویج سے اور ایک قصے سے دوسرے قصہ کی جانب منتقل ہونے کے لیے مستعمل ہوا ہے اس سے کفار کو زجر و توبیخ اور انہیں خواب غفلت سے بیدار کرنا مطلوب ہے یعنی اے کافرو! تمہارا خیال تھا کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام تمہیں آخرت میں اٹھنے کی جو نصیحتیں کر رہے ہیں یہ فضول ہیں اللہ تعالیٰ ہماری حاضری کا کوئی پروگرام نہیں بنائے گا

مسئلہ آیت میں اللہ تعالیٰ کی عزت و عظمت اور اس کی صفت جلال و قہاریت اور آثار عدل کا اظہار ہے تاکہ غافل لوگ خواب غفلت سے بیدار ہو کر قیامت کے دن کے حصول کی تیاری کر سکیں اور اپنے ظاہر و باطن اللہ تعالیٰ کے خطاب و عتاب کے لائق بنائیں کیونکہ ہم سب کا مرجع اور انجام کار اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے

ف: یہ حاضری ایسی نہ سمجھا کر جیسے ایک بادشاہ کے سامنے اس کا لشکر حاضر ہوتا ہے بلکہ یہ اگر ایک ایک کی ایک بے مثل حاضری ہے کہ جسے انبیاء اولیاء یاد کر کے لرزتے تھے

حکایت حضرت عتبۃ الغلام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میرے ساتھ ایک شب باش ہوا جب لوگ سو گئے تو وہ اٹھ بیٹھا اور رونے لگا روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گئی جب ہوش میں آیا میں نے پوچھا کیوں رو رہے ہو اس نے کہا اللہ تعالیٰ کی حاضری جب یاد آتی ہے تو صرف میں بلکہ تمام مخلوق کا یہی حال ہے کہ ان کی جان لبوں پر آجاتی ہے

حکایت سلیمان بن عبدالملک اموی مروانیہ کا ساتواں خلیفہ نے ابو حازم سے پوچھا کیا وجہ ہے ہم لوگ موت سے کیوں گھبراتے ہیں اس نے جواب دیا وجہ ظاہر ہے کہ تم لوگوں نے اپنی دنیا سنواری اور آخرت کو ویران کیا اس لیے تم چونکہ آباد کردہ دنیا سے آخرت کے ویرانے سے گھبراتے ہو۔ سلیمان بن عبدالملک نے کہا صدقت یا ابا حازم اے ابو حازم تو نے ٹھیک فرمایا لیکن یہ تو بتا کہ ہمیں کل قیامت میں کیا ہوگا؟ ابو حازم نے کہا وہ بھی ظاہر ہے جسے قرآن مجید میں واضح طور بیان فرمایا ان الابرار لفی نعیم وان الفجار لفی جحیم ۔ بیشک ابرار بہشت میں اور فجار دوزخ میں ہوں گے سلیمان نے پوچھا ہائے اللہ تعالیٰ کے ہاں ہماری حاضری کیسی ہوگی ابو حازم نے فرمایا نیک کی حاضری تو ایسے ہوگی

جیسے کوئی شخص ایک مدت گھر سے باہر رہا ہو پھر جب وہیں گھر لوٹتا ہے تو وہ اور تمام گھر والے شاداں و فرحاں ہوتے ہیں اور برے کی حاضری ایسے ہوگی جیسے بھاگے ہوئے غلام کو پکڑ کر آقا کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تو وہ غمگین اور شرمسار ہوتا ہے۔ ابو حازم کی یہ باتیں سن کر سلیمان بن عبدالملک خوب رویا۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے

خریدو آب روئے کسی
کہ ریزد گناہ چشمش بسی
کہ آئینت از آہ گردد سیاہ
شود روشن آئینہ دل بآہ

بترس از گناہان خویش این نفس
کہ روز قیامت نترسی ز کس
پلیدی کند گربہ در جائے پاک
چو زشتش نماید بپوشد بخاک
تو آزادی از ناپسندیدہا
نترسی کہ بروے فتد دیدہا
براندیش از بندۂ پر گناہ
کہ از خواجہ غائب شد چند گاہ

اگر باز گردد بصدق و نیاز
بزنجیر و بندش نیارد باز

حکایت حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ فرماتے تھے کہ مجھے نہ انبیاء علیہم السلام پر رشک آتا ہے اور نہ اولیاء کرام پر اور نہ ہی ملائکہ مقربین پر بلکہ مجھے تو اس بندے کی قسمت پر رشک ہے جو ابھی پیدا نہیں ہوا اس لیے کہ خطرات قیامت کا ہولناک منظر دیکھیں گے لیکن جو ابھی پیدا نہیں ہوا اس کے لیے قیامت کی

نکتہ حضرت فضیل کا یہ ارشاد حق بجانب ہے اس لیے کہ جو شخص کسی ہولناک منظر کا مشاہدہ کرتا ہے تو وہ مقام و مرتبہ پر نظر نہیں رکھتا بلکہ اسے ہولناکی سے خطرہ ہوتا ہے اس لیے کہ بندے سے ایسے اسباب صادر ہوتے ہیں جو اسے نجات و جنت سے بھی دور کر دیتے اور ہلاکت میں اس سے سمجھدار انسان عبرت پکڑتا ہے۔

حکایت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وصال کے بیس سال بعد کسی نے خواب میں دیکھا کہ آپ اپنے چہرہ سے پسینہ صاف کر رہے تھے اور فرمایا ابھی حساب سے فراغت پائی ہے اس لیے کہ آپ کی خلافت میں سال پر مشتمل تھی بلکہ

فرمایا کہ میں ایک بکری کے بچے کی وجہ سے ڈرتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ [illegible] ضائع ہو گئی کیا تو نے انتظام نہ کیا اس [illegible] بکری کے بچے کا اگر دریا کے کنارے [illegible] لیکن اس کریم نے بلکہ بخش دیا صرف میرے ایک [illegible] کے خوف سے مجھے جس نے ایک [illegible] سے لپیٹ کر چھوڑ دیا۔

وَوُضِعَ الْكِتَابُ اس کا عطف عُرِضُوا پر ہے یہ بھی ایک تصویر اس مشہد کی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی حاضری سے ڈرایا اور اس منظر کی تصویر کشی کی ہے یعنی اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کو یاد کیجئے جب کہ اعمال کے صحیفے دائیں بائیں ہاتھوں میں میزان میں رکھے جائیں گے فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ تو تمام مجرموں کو دیکھو گے مُشْفِقِينَ اس منظر کی ہولناکی کو دیکھ کر گھبرائے ہوئے ہوں گے جب کہ انہیں اپنے گناہ یاد آئیں گے اور پھر تمام میدان حشر کے سامنے رسوا ہونے کا خطرہ ہوگا۔

شد سیہ چوں نامہ ہائے تیرگی
بر مساس حق نامہ ہائے ما شیہ
چہرہ فسق و معصیت بہ بگی
[illegible] داران [illegible] کالفسکی
آنچناں [illegible] چہرہ و پر و بال
ہیں [illegible] در [illegible] شمال
خود بخود شرمسار شود [illegible]

حاشیہ صفحہ بقیہ گذشتہ

ف۔ اس حکایت کو لے کر شیعہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ [illegible] انسان کے [illegible] ہونے کی دلیل ہے جیسا کہ بیمار [illegible] بات پر چڑتا ہے جب وہ [illegible] حدیث شریف میں ہے کہ [illegible] وہ مٹ گیا اور بعض صاحب [illegible] اس کے عمل کی تحقیق سے فقیر [illegible] کہ یہ تعلق شان نہیں کہ [illegible] سلطنت میں سال میں [illegible] میں صرف ایک [illegible] اور وہ بھی بہت کے تحت [illegible] کی کتاب میں نقل ہے کہ [illegible] فاروق اعظم [illegible] نہیں [illegible] فاروق اعظم [illegible] تفصیل فقیر کی کتاب رفض شیعہ مذہب [illegible] ۔

دستِ چپ را شاید آں دم بیم
چوں نباشی راست می دان کہ ہی
ہست چپ را افسردہ شیرد
گرچہ با حضرت از راست باشش
تو یمینِ دست برو لطف باش

وَيَقُوْلُوْنَ جب اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوں گے تو باوجودیکہ وہ ان گنت تھے لیکن اب مٹھی بھر اور اپنے آپ کو معمولی سی جماعت تصور کرتے ہوئے کہیں گے **يٰوَيْلَتَنَا** گویا وہ اپنی ہلاکت کو ہلاکتوں کے مجمع میں دیکھ کر اسے پکار کر کہیں گے تاکہ ہلاکت کے گڑھے میں پڑیں یا اس بڑی مصیبت کے سامنے انہیں ہر طرح کی تکلیف ہلکی نہیں رہی کہ "وَیْل" اور "وَیْلَۃ" بمعنے ہلاکت آتا ہے اب مخاطب ہو کر کہے ہماری ہلاکت و تباہی آجا حاضر ہو جا یہی تیرے آنے اور حاضر ہونے کا وقت ہے **مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ** بخاری نے فرمایا کہ رسم الخط میں لام جارہ کو علیحدہ لکھتے ہیں اس میں اشارہ ہے کہ ان پر سخت تعجب چھا جائے گا اور بہت بڑی پریشانی کے عالم میں آگ رنگ کر بولیں گے کہ ہمارے اعمال نامہ کو کیا ہو گیا ہے کہ اب اس کا یہ حال ہے کہ اس نے نہ ہماری چھوٹی غلطی کو چھوڑا ہے اور نہ بڑی کو وہ ہماری زندگی کا ہر چھوٹا بڑا معاملہ بیان کرتا جا رہا ہے۔ کہ لفظ

اِلَّآ اَحْصٰهَا مگر اس کو گن رکھا ہے یعنی ہماری چھوٹی بڑی برائی اور اس کو ضبط کر رکھا ہے۔

مسئلہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا **صغیرۃ** سے تبسم اور **کبیرۃ** سے قہقہہ مراد ہے۔

مسئلہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ غیر محرم کو ہاتھ لگانا **صغیرۃ** اور زنا **کبیرۃ** ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ شہوت نفسانیہ کے تحت کوئی تصرف خواہ شرعاً جائز ہے تب بھی صوفیہ کرام کے نزدیک وہ صغیرہ گناہ ہے مثلاً اللہ تعالیٰ سے مناجات ایک بہتر عمل ہے لیکن اگر نفسانی خواہش کے پیش نظر ہو تب بھی عند الصوفیہ صغائر میں داخل ہے اور ہر وہ عمل جو حب دنیا میں کیا جائے اسے صوفیا کرام کبیرہ گناہ سمجھتے ہیں اگرچہ وہ حلال ہو اس لیے کہ حب دنیا ہر گناہ کی جڑ ہے

حدیث شریف نمبر ۱ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھوٹے گناہوں کو تم معمولی سمجھتے ہو اس سے بچو اس لیے کہ ان چھوٹے چھوٹے گناہوں کی مثال ایک قوم کی ہے جو کسی وادی میں اتریں تو ہر ایک شخص ایک ایک لکڑی لائے تو وہاں پر لکڑیوں کا بہت بڑا انبار لگ جائے گا اسی طرح معمولی اور چھوٹے گناہ جب جمع ہوتے جائیں تو دل کی سیاہی کا بہت بڑا سامان بن جاتے ہیں۔

حدیث شریف نمبر ۲ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چھوٹے اور بڑے گناہوں سے بچو اس لیے کہ یہی معمولی اور چھوٹے گناہ قیامت میں بہت بڑے پہاڑوں کی طرح ہو جائیں گے ان کا کفارہ صدقہ ہے۔

تفسیر عالمانہ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا اور وہ اعمال جو انہوں نے دنیا میں کیے یا دنیا کے کیے ہوئے اعمال کی جزا و سزا کو قیامت میں پائیں گے حَاضِرًا حاضر یعنی اپنی کتابوں میں ثبت شدہ

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے وہ اپنے اعمال کو قیامت میں اس طرح پائیں گے کہ انہوں نے اپنے اعمال کے نقوش جو اپنے قلوب کے صحیفوں پر اعمال صالحہ اور برے اعمال نفوس کے صحیفوں پر لیکن ان صحیفوں کے برعکس ارواح کے صفحات پر پایا جائے گا اس لیے کہ بعض ارواح نورانی ہوتے ہیں اگرچہ جسمانی کے اعمال برے ہوتے ہیں اور بعض ارواح ظلمانی ہوتے ہیں اگرچہ ظاہری بدن کے اعمال نیک ہوتے ہیں

تفسیر عالمانہ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا اللہ تعالیٰ کسی پر معمولی طور بھی ظلم نہیں کرے گا مثلاً کسی نے کوئی بھلائی بھی نہ کی ہو لیکن اس کے اعمال نامہ میں برائی لکھے یا کسی نے کوئی برائی کی ہو تو اس کی مقررہ سزا سے زیادہ سزا دے اس وقت کامل تر فیصلہ کیا جائے گا جس سے عدل کا اظہار ہوگا

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اگر انسان کے مقرر روح پر نور کا غلبہ ہوتا ہے تو اسے متقیوں میں لکھا جاتا ہے اور اگر اس پر ظلمات کا غلبہ ہو تو اسے تباہی و بربادی نصیب ہوگی اور یہی خوش قسمت کی روح میں ظلمت کی آلودگی نہ ہو تو وہ اعلیٰ درجات سے مشرف ہوتی ہے اس لیے جو اعلیٰ درجات نصیب ہوتے ہیں اس کی بدولت ان کی تبدیلی کی جاتی ہے ظلمات سے نکال کر روحانی سے واصل کیا جاتا ہے وہ بھی یہ کہ تقدیر کی خصوصی مدد میں متعین ہوتا ہے

سبق ہمارے لیے لازم ہے کہ وہ نیکیوں کو حاصل کرے اور برائیوں سے بچے اس لیے کہ ہر ایک کو اس کے عمل کے ثمرات مرنے کے بعد مل جاتے ہیں

حکایت متعلقہ فضیلت صدقہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ایک عورت حاضر ہوئی اس نے اپنا ایک ہاتھ کپڑے سے چھپایا ہوا تھا بی بی صاحبہ نے فرمایا اے فلاں تو نے اپنا ہاتھ کیوں چھپایا ہوا ہے اس نے عرض کی اے ام المومنین اس کا عجیب قصہ ہے وہ یہ کہ میرے والدین کو زندگی میں دو مختلف اعمال کی عادت تھی میرا والد صدقہ و خیرات کا عاشق تھا اور میری والدہ پہلے درجہ کی بخیل تھی وہ تو میرے والد سے صدقہ خیرات کی وجہ سے لڑتی رہتی تھی میں نے والدہ کو زندگی بھر صدقہ و خیرات دیتے نہیں دیکھا صرف ایک فقیر کو چربی کا ٹکڑا مانگنے پر اسے دیا تھا اور پھٹا پرانا کپڑا بھی جب وہ دونوں مر گئے تو میں نے خواب میں دیکھا گویا قیامت قائم ہو گئی تو میں نے اپنی والدہ کو دیکھا ہے جو لوگوں کے سامنے ننگی کھڑی ہے صرف اپنے اگلی پچھلی شرمگاہ چھپانے کے لیے وہی کپڑا لگا ہوا ہے اور اسی چربی کو دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھ پر رکھ کر چاٹ رہی ہے اور چیخ چیخ کر پکار رہی ہے اور اپنے والد گرامی کو دیکھا کہ وہ حوض کوثر پر بیٹھا ہے اور شربت کا گلاس بھر بھر کر لوگوں کو پلاتا ہے اور اسے زندگی میں پتا نہ تھا کہ جنت بڑی عجیب شے ہے میں نے والد سے ایک پیالہ شربت کا لیا اور والدہ کے پاس لے

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ

اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوا ابلیس کے قوم جن سے تھا

الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِىْ وَهُمْ

تو اپنے رب کے حکم سے نکل گیا بھلا کیا اسے اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو اور وہ تمہارے

لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ

دشمن ہیں ظالموں کو کیا ہی برا بدل ملا نہ میں نے آسمانوں اور زمین کو بناتے وقت انہیں سامنے بٹھا لیا تھا

اَنْفُسِهِمْ ۪ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ۝ وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِىَ

نہ خود ان کے بناتے وقت اور نہ میری شان کہ گمراہ کرنے والوں کو بازو بناؤں اور جس دن فرمائے گا کہ پکارو میرے شریکوں

الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ۝ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ

کو جو تم گمان کرتے تھے تو انہیں پکاریں گے وہ انہیں جواب نہ دیں گے اور ہم ان کے درمیان ایک ہلاکت کا میدان کر دیں گے اور

النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝

مجرم دوزخ کو دیکھیں گے تو یقین کریں گے کہ انہیں اس میں گرنا ہے اور اس سے پھرنے کی کوئی جگہ نہ پائیں گے

بقیہ صفحہ گزشتہ ۳۹۲

گئی میری والدہ مقدسہ نے پانی مانگا میں پانی لینے گیا لیکن مجھے یوں محسوس ہوا کہ اس وقت علالت بڑھ گئی میں نے اسے جلدی پانی پلایا میں کانپ رہا تھا جب میں بیمار ہوا تو دیکھا میرا یہی حال تھا۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ہے

دہقان سالخوردہ چہ خوش گفت با پسر
کای نور چشم من بجز از کشتہ ندروی

ترجمہ دہقان بوڑھے نے اپنے بیٹے سے کہا اے بیٹا جو کچھ بوؤ گے وہی کاٹو گے

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے

کنوں وقت تخم است اگر پروری
گر امیدواری کہ خرمن بری
بشہر قیامت مرو تنگدست
کہ وجہے ندارد بغفلت نشست

بِئْسَ لِلظّٰلِمِیْنَ بَدَلًا ۔ یہ برا بدلہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے بجائے ظالمین نے شیطان ابلیس اور اس کی ذریت کو اپنا کارساز اور مطاع بنا کر بہت برا کیا ہے

مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ میں ہے کہ انہیں یعنی ابلیس اور اس کی ذریت کو حاضر نہیں رکھا خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ اور نہ ہی ان کے پیدا کرنے میں ۔ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تخلیق عالم میں کسی کو شریک نہیں کیا اور نہ ہی اسے اس کی پرواہ ہے اسی لیے الوہیت اسی کے لائق ہے انفسہم کی اضافت میں اشارہ ہے کہ ان میں ایک دوسرے کی تخلیق میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے ۔ وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ کی طرح ہے وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ۔ اور نہ میں گمراہ کرنے والوں کو تخلیقی امور میں اپنا حامی کار بناتا ہے یعنی وہ جو لوگوں کو دینی امور میں گمراہ کرتے ہیں ان سے شیاطین مراد ہیں یا ضمیر عبارت کا اقتضا تھا مقتضاھم ۔ لیکن اسم ظاہر دیا گیا تاکہ شیاطین کے گمراہ کرنے کا ذکر ہو اور یقین ہو ۔ مددگاری میں معاونت اور تخلیقی امور میں مشورہ مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا تخلیق آسمان و زمین و دیگر معاملات میں شیاطین سے اعانت یا مشورہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس لیے کہ آسمانوں و زمینوں کی تخلیق تو شیطان اور ان کی ذریات کی تخلیق سے عرصہ دراز بہت پہلے ہوئی جب تخلیقی امور میں ان کی شرکت کا وہم ہی نہیں ہو سکتا تو ربوبیت کے دیگر امور میں ان کی شرکت کا وہم کیسے ہو سکتا ہے اس لیے اصل مقصد یہ ہے اب معنے یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اپنا مددگار و معین نہیں بناتا ۔

مسئلہ اللہ تعالیٰ الوہیت میں لاشریک ہے تمام مخلوق اسی کی پیدا کردہ ہے ملائکہ جن اور انسان سب اسی کے پیدا کیے ہوئے ہیں اسی لیے یہ آپس میں شکل و صورت اور احوال میں مختلف ہیں ۔

مسئلہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ملائکہ نہ مذکر ہیں نہ مونث نہ بچے جنتے ہیں اور نہ کھاتے پیتے ہیں اور شیاطین بچے جنتے ہیں اور وہ مذکر بھی ہیں اور مونث بھی وہ مرتے نہیں جب تک کہ ان کا ہے وہ زندہ ہے یعنی ابلیس تمام جنات کا باپ ہے ۔

لطیفہ بعض کہتے ہیں کہ شیطان اپنی دبر میں دم ہلا کر انڈے دیتا ہے اس انڈے کو توڑا جاتا ہے تو اس میں سے شیطان کی ایک بڑی نسل پیدا ہوتی ہے

ف امام سہیلی نے کتاب التعریف والاعلام میں لکھا ہے کہ ابلیس کی اولاد میں ایک کا نام ہے لاقیس اور ولہان بعض کا نام ہفاف ہے وہ بازاروں میں رہ کر فتنہ و فساد برپا کرتے ہیں ان کی ماں کا نام طرطبہ ہے بعض نے اسکو طرطبہ نے ان کی پرورش کی ۔

ف ان کا ذکر فرمایا ابلیس نے تیس انڈے دیئے دس مشرق میں دس مغرب میں اور دس زمین کے وسط میں انہی انڈوں میں سے تمام جنات و غیلان قطارب اور دیگر جنات پیدا ہو کر مختلف رنگ کے مختلف اسماء ہیں

سب کے سب اولاد آدم علیہ السلام کے دشمن ہیں جیسا کہ اس نص قرآنی سے ثابت ہوتا ہے سوائے ان کے جو کسی پیغمبر علیہ السلام پر ایمان لائے

ابلیس کی زوجہ کی تحقیق

کاشفی نے لکھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ابلیس کی دائیں پسلی سے ابلیس کی زوجہ اور دونوں کو پیدا فرمایا تو اس سے تھوڑی مدت کے ذریعے پیدا اولاد بنی اس کی اولاد سے ایک مرہ نامی شیطان ہے جو اپنے والد کے علم کی کنیت رکھتا ہے اس کے ایک فرزند کا نام لاقیس ہے اس کا کام ہے نمازیوں کو نماز میں وسوسہ ڈالنا اور دوسرا ولہان ہے یہ وضو کرنے والوں کو وسوسہ ڈالتا ہے حدیث شریف میں ہے کہ ولہان ایک شیطان ہے جو وضو میں پانی زیادہ خرچ کرنے کے لیے وسوسہ ڈالتا اور وضو میں ہنساتا ہے

دوکانداروں اور تاجروں کا شیطان

حضرت امام غزالی قدس سرہٗ نے اربعین میں لکھا کہ شیطان کی اولاد ہے ان میں ایک زلنبور نامی شیطان ہے وہ صاحب اسواق شیطان کی اولاد سے ہے اس کا کام ہے کہ وہ دکانداروں اور تاجروں کو جھوٹ اور کم تولنے و خیانت و دھوکہ وغیرہ پر ابھارتا ہے ان میں ایک اعور نامی شیطان ہے جو زناکاری کی مد میں کام کرتا ہے اس کا کام ہے زانی کو زنا پر اکساتا اور اس کے سامنے زنا کو نہایت لذیذ رنگ میں پیش کرتا ان میں ایک ثبر نامی شیطان ہے اسے صاحب مصائب کہا جاتا ہے وہ لوگوں کو ناجائز طریقوں سے رلاتا اور کپڑے پھڑوانے اور منہ پر طمانچے مارنے اور دیگر وہ امور کراتا ہے جو زمانہ جاہلیت میں جاہل کفار کرتے تھے ان میں سے ایک مسوط نامی شیطان ہے اس کا کام ہے لوگوں کے ذہن میں وسوسہ ڈالنا یعنی جھوٹی خبر کو ایک سے لے کر دوسروں کو سنانا تاکہ وہ آپس میں لڑیں اور ان لوگوں کو عادت پڑ جائے کہ ایک جماعت میں جا کر قسم کھا جائیں اور کہیں وہ ایسی ویسی باتیں کریں جن کا علم تو نہیں ہوتا البتہ وہ مقصد سے متعلق اس طرح کہہ رہا تھا ایک شیطان کو صاحب اخبار ابلیس کہا جاتا ہے ان میں ایک داسم نامی شیطان ہے اس کا کام ہے جو شخص طعام سے پہلے بسم اللہ شریف نہ پڑھے تو وہ اس کے طعام میں شریک ہوتا ہے

ف اکام المرجان میں ہے کہ داسم وہ شیطان ہے جو مرد اور عورت کو ایک دوسرے کے عیوب پر مطلع کر کے ایک دوسرے میں بغض و عداوت پیدا کرے ایک شیطان مریش نامی ہے وہ عقل کو مختلف شہوات خواہشات پر ابھارتا ہے

فوائد الآیات

۱۔ ان دونوں آیات سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ وہ اپنے لطف اور قہر دونوں کو ظاہر فرمائے تو لطف کی صفت کا مظہر آدم علیہ السلام اور قہر کی صفت کا مظہر ابلیس کو بنایا اس سے پھر اپنی کمال قدرت اور اعلیٰ حکمت کا ظہور بھی مطلوب تھا اس لیے کہ آدم علیہ السلام کی ایک پیداوار کامل مخلوق ہے بنا کر ملائکہ جیسی نوری مخلوق سے ان کو سجدہ کرنے کا حکم فرمایا یہی اس کے کمال لطف اور جود و سخا کا ایک نمونہ ہے اسی طرح ابلیس کو بھی سجدہ کرنے کا حکم فرمایا اس نے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے لعنتی بنا دیا اگرچہ اسے رئیس الملائکہ کا منصب حاصل تھا اور مقام ملائکہ سے اعلیٰ بلکہ ان کا معلم تھا اور عبادت میں تو عجب شان تھا آسمانوں زمینوں کے چپے چپے پر عبادت

کی یہی وجہ ہے۔ حقائق جاودانی سے نا آشنا رہا اور اسے عجب و کبر نے گھیر لیا حتیٰ کہ اپنے سے افضل کسی کا ہونا دیکھا اس نے تکبر کرتا ہوا سجدہ سے انکار کر دیا آدم علیہ السلام کی بزرگی کا پردہ جو اس کے بڑے کمال کا خزینہ تھے ہیں اس سے جو سجدوں میں منتقل ہوا اس کی روحانیت سے اس کے لیے یہیں لطافت کا حق پہنچایا اور اپنی نگاہ سے جو دیا اس سے اس کی صفت طہارت کا ظہور بھی ہوا اور کمال قدرت کا اظہار بھی کہ اپنی قدرت کاملہ سے مٹھی بھر مٹی کو جو سراسر ظلمانی تھی مطہر و عطر و لطیف تھا ویسا ترتیب دیا کہ ملائکہ نوری اور مقربین بارگاہ جو نوری ہونے کے علاوہ معصوم بھی تھے روحانی برتری سے حق آدم علیہ السلام کو سجدہ کر رہے تھے۔

۲ - جب اللہ تعالیٰ کا آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ارادہ ہوا تو زمین کے خمیر کا ابلیس رونما ہو گیا تو مٹی یا امر میں اس میں خلافت کا راز کھل گیا راز خلافت سے مراد اطاعت الٰہی کے قبول کرنے کی استعداد مراد ہے اور اسی راز امانت سے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو مخصوص کیا گیا۔ کما قال تعالیٰ۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ یعنی ہم نے آدم علیہ السلام کی اولاد کو تمام مخلوق سے مکرم تر بنایا اسی راز کے پردے حضور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں کھولے ہیں۔ کما قال علیہ السلام۔

اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ فَتَجَلّٰى فِيْهِ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے اس میں اپنی خصوصی تجلی ڈالی اسی راز کی وجہ سے انہیں ملائکہ کرام نے سجدہ کیا۔ حضرت ملا شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ہے

فرشتہ عشق نداند کہ چیست قصہ مخواں
بخواہ جام و گلابی بخاک آدم ریز

ترجمہ ۔ فرشتہ کو عشق کی کیا خبر اور وہ کیا جانے اس قصہ کو اس کے سامنے مت پڑھ۔ ایک پیالہ لا ملا کر گلاب (عشق) اس میں ملا کر آدم علیہ السلام کی خاک میں ڈال دے۔

۳ - ملائکہ کرام کی تخلیق نور ربانی کی عطا سے ہوئی اس حقیقت پر حکم الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ان کی جبلت میں داخل ہے طاعت و عبودیت گویا ان کی غذا تھی لیکن جب انہیں آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم ہوا اس نے ان کا امتحان لینا مطلوب تھا اور یہی ان کے لیے سخت امتحان تھا کیونکہ سجدہ عبودیت وہ اللہ تعالیٰ کے حضور ہی بجا لاتے تو غیر کے لیے کا انتہائی وجہ ہے اور جب وہ غیر اللہ کے لیے سجدہ کرنے پر مامور ہوئے تو گویا یہ امر ان کی جبلت کے خلاف تھا اسی لیے وہ اضطراب کا شکار ہوئے لیکن ملائکہ نور و کرامت اور رفعت سے اس امر کو سمجھ گئے اس سے نہ انہیں اضطراب ہوا اور نہ ہی کراہت۔ اس لیے انہیں بے تامل حکم الٰہی سے سجدہ کیا اور ان کی ایک قسم ہے جن کا یہ کلام ہے متعلق ان کے لیے فرمایا ہے۔ لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۔

۴ - چونکہ ابلیس کو حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کی آزمائش کے لیے پیدا کیا گیا تھا اسی لیے اس کی تخلیق آگ سے ہوئی۔

اور نار کی جبلی استعداد و استکبار ہے گو کہ جب پیدا کر سکتی ہیں اسے اللہ تعالے نے ملائکہ کے ساتھ ملا دیا بلکہ اسے ملائکہ کا لباس عنایت فرمایا اس لیے کہ اس کے افعال ملائکہ سے ملتے جلتے تھے لیکن وہ بھی تقلیداً نہ کہ تحقیقاً اسی لیے یہ بھی ملائکہ میں شمار ہونے لگے پھر جب عبادت و طاعت میں بڑا زور دکھایا تو فرشتوں نے اسے اپنا استاد مان لیا اور اپنے میں سے اسے سردار بنا دیا لیکن چونکہ اس کی عبادت و طاعت ارادۃً نہیں تھی بلکہ ریا سے عبادت و طاعت کرتا اسی لیے امتحان کے وقت ذلیل ہو گیا اور نتیجہ جو ملائکہ کا لباس تھا اتار دیا گیا تاکہ خبیث اور طیب کا امتیاز ہو اس کے بعد اس کی جبلی کے عادات یعنی دھوکہ بازی مکر و فریب اور شر و فساد ظاہر ہونے اور اس کی بدبختی ہویدا ہو گئی اس کی عارضی ہدایت ہٹ کر اصلی گمراہی نمودار ہوئی خلاصہ یہ کہ ملائکہ اپنی جبلی کے تحت آدم علیہ السلام کے سامنے جھکے اور ابلیس اپنی جبلی کے مطابق تکبر کر کے سجدہ کا منکر ہوا تب ظاہر ہوا کہ یہ بظاہر فرشتہ اور حقیقتاً نہیں تھا ۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ہے

زاہد ایمن مشو از بازی غیرت زنہار
کہ رہ از صومعہ تا دیر مغاں این ہمہ نیست

ترجمہ اے زاہد غیرت الٰہی کی گرفت سے غافل نہ ہو عبادت گاہ سے کافروں کی پرستش گاہ میں لے جانے میں اسے کوئی دیر نہیں لگتی ۔

۵ وہ مدعیان زاہد ہیں کی شکل و صورت تو آدم علیہ السلام جیسی ہو لیکن اس کے کردار ابلیس جیسے ہوں تو انہیں شیطین و نفس کے پجاری کی علامت یہ ہے کہ وہ ابلیس اور اس کی معنوی اولاد کو اپنا حاجت روا بنا کر شب و روز ان کی اطاعت میں لگے رہتے ہیں اور اللہ تعالے کی عبادت و اطاعت سے محروم رہتے ہیں وہ ذریت شیطان کے چیلے بننے پر فخر کرتے ہیں لیکن آدم علیہ السلام کی حقیقی اولاد یعنی انبیاء و اولیاء کی اطاعت سے کتراتے ہیں انہیں اولیاء و علماء کے مابین امتیاز نہیں رہتا اسی وجہ سے جہالت کی بنا پر اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں اور اللہ تعالے سے ہٹ کر شیطان کو اپنا دوست بناتے ہیں حالانکہ وہ ان کا دشمن ہے اور اہل اللہ والے اللہ تعالے سے ہی دوستی کرتے اور شیطان سے دور بھاگتے ہیں بلکہ وہ ماسوی اللہ کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کا مقولہ قرآن مجید میں ہے چنانچہ فرمایا "فانہم عدو لی الا رب العالمین" اس لیے کہ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ رب العالمین کے ساتھ دوستی کے لیے ماسوی کی دشمنی ضروری ہے

۹۔ اولیاء کے تصرفات کی بہترین دلیل "ما شغلتھم عن اللہ تعالٰی شغل ولا خلق القسیم" سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے دوستوں کو اپنے معاملات میں دخیل بناتا ہے اگرچہ یہ حیثیت خدائی کے نہیں بلکہ پیار و محبت کی حیثیت سے وہ اپنے لاڈلوں سے اشارہ دیکھتا ہے کہ بعض اشیاء عدم و قدرت کا تعلق میں ہو اور عدم سے وجود کی جانب نکالنے کی کیفیت کیسی ۔

سوال اہل ظاہر کہتے ہیں کہ وجود باری تعالیٰ اور کیفیت تعلق الروح یا صورت وکیفیت العذاب بعد الموت وغیرہ سے گفتگو کرنا ناجائز ہے

جواب واقعی حقیقت کے بیان میں ایسا تو ہے کہ ایسی گفتگو نامناسب ہے لیکن اہل کشف کے نزدیک جائز ہے کیونکہ علوم عقل کا محتاج نہیں بلکہ وہ براہ راست کشف سے معلوم کرتے ہیں اور ہم نے بھی ذکر کیا ہے حضرت اہل کشف کے لیے کہا ہے ۔ صاحب نے فرمایا ہے

سخن عشق با مردہ گفتن
برگ مردہ نیشتر زدن است

ترجمہ ۔ عقل والوں کو عشق کی بات سنانا ایسا ہے جیسے مردہ کی رگ پر نشتر مارا جائے

مثنوی شریف میں ہے ۔

ایکہ پر از عقل ہمپر بال
عقل ایں جا کمتر است از خاک راہ

ترجمہ عقل کا پیدا اللہ تعالیٰ نے کیا حضور میں ادا کسی کلام کا اس سے کہ یہاں عقل کی خاک راہ کے برابر بھی وقعت نہیں

ویوم یقول اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرشتہ کو کہے گا تو پکارو تم جن کو شریک جانتے تھے صاحب روح البیان نے فرمایا کہ یہاں حروف ندا ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد کا فروں سے فرمائے گا اس لیے کہ شرع کا مسلم ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ ہر ایک جلوہ دکھائیں گے وہاں کافر و مسلم کی تخصیص نہیں ہوگی لیکن ہر ایک کو اپنے اعتقاد کے مطابق زیارت ہوگی جیسے وہ اعتقاد جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کے متعلق رکھتے ہوں گے اس سے پھر اگر اللہ تعالیٰ کافروں سے بلا واسطہ گفتگو فرمائے تو کیا حرج ہے اور یہ کلام بھی ان سے زجر و توبیخ ہوگا نہ ارشاد و خوشی اور مسرت کا جیسے ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے بلا واسطہ کلام فرمایا جب اسے حکم ہوا کہ ان علیک لعنتی الی یوم الدین اور فرمایا اخرج منہا اسی کی تفسیر ہم نے سورت حجر میں بیان کر دی ہے نادوا شرکائی میرے شریکوں کو بلاؤ ۔

سوال اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ان کے اپنے شریک کہہ کر موقع دیا کہ واقعی وہ اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں ؟

جواب یہی طرف تو ان کی اضافت فرمائی ان کے گمان کے مطابق ہے نہ کہ حقیقۃً اس سے تحکم اور نفی شریک کا مطلوب ہے

الذین زعمتم جن کے لیے تم نے دعویٰ کیا کہ وہ میرے حصہ دار ہیں اور کہتے تھے کہ وہ تمہاری سفارش کر کے تمہیں دائمی عذاب سے نجات دلائیں گے یا وہ سے کہ اس معنی کے وہ معبود ہیں جن کی اللہ تعالیٰ کے

ان کی پرستش کی جاتی۔ فَدَعَوْهُمْ تو انہیں بلاؤ تاکہ آکر وہ تمہاری مدد کریں

سوال آیت میں ان کی دعوت کی کیفیت کیوں نہیں بیان کی گئی

جواب ان کی دعوت کی کیفیت دوسری آیت۔ فقالوا انا کنا لکم تبعا فھل انتم مغنون عنا " میں بیان فرمائی ہے۔

فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ پس وہ بت نہیں کسی قسم کا جواب نہیں دیں گے ان کی فریاد رسی کو نہیں پہنچیں گے ان سے عذاب دور کر سکیں گے نہ انہیں کسی قسم کا فائدہ پہنچا سکیں گے اس لیے کہ ان سے اس قسم کا امکان کا تصور تک بھی نہیں کیا جا سکتا۔

سوال اس آیت میں ان کی عدم اجابت کا بیان ہے حالانکہ دوسری آیت " کانوا ایانا یعبدون " میں بتوں سے حکایت ہے کہ بت کہیں گے کہ ان لوگوں نے ہماری پرستش نہیں کی تھی۔

جواب چونکہ یہاں آیت میں بتوں سے کلی طور اجابت کا بیان ہے اور دوسری آیت میں ان سے بیزاری کے بیان کے ساتھ اظہار قدرت بھی مطلوب ہے بنا بریں دونوں آیتیں آپس میں متضاد نہیں۔

مسئلہ امور دنیاوی پر عمل کرنے سے جزا اخروی کا مدار دنیوی زندگی پر ہے جیسی کافر اور مشرک آخرت میں نصیب ہوگا اور آخرت میں امور دنیاوی پر عمل کیا جائے تب بھی کسی قسم کا ثواب نہیں ملے گا یہی وجہ ہے کہ قیامت میں ایمان کے اعتراف اور بعض اعمال کے اکتساب کا کوئی فائدہ مرتب نہیں ہوگا

سوال قیامت میں اکتساب اعمال یا ایمان کا اظہار کیسے

جواب اسی آیت میں اس کا جواب موجود ہے جب اللہ تعالیٰ نے نادوا شرکائی سے کفار کو امر فرمائے گا اور وہ کفار خدا کے حکم پر عمل بھی کریں گے لیکن فائدہ ملنے کا نہ ہوا اس لیے کہ انہیں بتوں نے کسی سوال کا جواب نہ دیا۔

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُم مَّوْبِقًا اور ہم ان پکارنے والوں کافروں اور ان کے بتوں کے درمیان آڑ کر دیں گے

حل لغات موبقا اسم مکان یا مصدر ہے۔ وبق یوبق وبقا وثب یثب وثبا کی طرح باب ضرب سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی ہلاک ہو جائے۔

سوال وہ کفار و مشرکین تو اکٹھے ہوں گے اور موبقا حائل واقع کیسے ؟

جواب چونکہ ان کی ہلاکت کا موجب جہنم ایک ہے اسی لیے وہ ایک جیسا ہوگا یعنی وہ اس سے عداوت ہوگی ہے اور ایسی عداوت بہت سخت قسم کی ہلاکت ہوتی ہے۔

ف فراء نے لکھا کہ اس جملہ کا معنی یہ ہے کہ ان کا دنیا کے ساتھ تعلق کو آخرت میں ہلاکت کا سبب بنا دیں گا اس تفسیر کی بنا پر بین بمعنی تعلق و تواصل ہے جیسے لقد تقطع بینکم میں بین بمعنی تواصل و تعلق ہے یہ اس قرأت پر ہے جس میں بینکم مرفوع پڑھا گیا ہے اور قرأت کے ترتیب پر ظرف جعلنا کا مفعول اول اور موبقا کے ترکیب پر جعلنا کا مفعول ثانی ہے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ لِلنَّاسِ مِن

اور بے شک ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں

كُلِّ مَثَلٍ ۚ وَكَانَ الْإِنسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۝ وَمَا مَنَعَ

ہر قسم کی مثل طرح طرح بیان فرمائی اور آدمی ہر چیز سے بڑھ کر جھگڑالو ہے اور آدمیوں کو

النَّاسَ أَن يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ وَيَسْتَغْفِرُوا رَبَّهُمْ إِلَّا أَن تَأْتِيَهُمْ سُنَّةُ

کسی چیز نے اس سے روکا کہ ایمان لاتے جب ہدایت ان کے پاس آئی اور اپنے رب سے معافی مانگتے مگر یہ کہ ان پر

الْأَوَّلِينَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ۝ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ

اگلوں کا دستور آئے یا ان پر قسم قسم کا عذاب آئے اور ہم رسولوں کو نہیں بھیجتے مگر خوشی اور ڈر سنانے والے

وَمُنذِرِينَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ

اور جو کافر ہیں وہ باطل کے ساتھ جھگڑتے ہیں کہ اس سے حق کو ہٹا دیں

وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَمَا أُنذِرُوا هُزُوًا ۝ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ

اور انہوں نے میری آیتوں کی اور جو ڈر انہیں سنائے گئے تھے ان کی ہنسی بنا لی اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جسے اس کے رب کی آیتیں یاد دلائی جائیں

فَأَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ ۚ إِنَّا جَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَن

تو وہ ان سے منہ پھیر لے اور اس کے ہاتھ جو آگے بھیج چکے اسے بھول جائے ہم نے ان کے دلوں پر غلاف کر دیے ہیں کہ

يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۖ وَإِن تَدْعُهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ فَلَن يَهْتَدُوا إِذًا أَبَدًا ۝

قرآن نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں گرانی اور اگر تم انہیں ہدایت کی طرف بلاؤ تو جب بھی ہرگز کبھی راہ نہ پائیں گے

وَرَبُّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ ۖ لَوْ يُؤَاخِذُهُم بِمَا كَسَبُوا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۚ بَل

اور تمہارا رب بخشنے والا مہر والا ہے اگر وہ انہیں ان کے کیے پر پکڑتا تو جلد ان پر عذاب بھیجتا بلکہ ان کے

لَّهُم مَّوْعِدٌ لَّن يَجِدُوا مِن دُونِهِ مَوْئِلًا ۝ وَتِلْكَ الْقُرَىٰ أَهْلَكْنَاهُمْ لَمَّا ظَلَمُوا

لیے ایک وعدہ کا وقت ہے جس کے سامنے کوئی پناہ نہ پائیں گے اور یہ بستیاں ہم نے تباہ کردیں جب انہوں نے ظلم کیا

وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِم مَّوْعِدًا ۝

اور ہم نے ان کی بربادی کا ایک وعدہ رکھا تھا

ف قاموس میں ہے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سوال اس آیت سے معلوم ہوا کہ مشرک کافر جہنم میں نہیں ہوں گے

جواب آڑ شے کے اندر ہونے سے نہیں روکتی اس لیے کہ تمام کافر جہنم کے عذاب اور اس میں دخول کے اعتبار سے مشترک ہیں صرف ان کے درمیان آڑ کھڑی کر دی جائے گی جیسے ایک سرائے میں کئی کمرے ہوتے ہیں ہر ایک کمرے دیوار سے ایک دوسرے کو حائل ہوتے ہیں۔ ایسے ہی وہاں وَمِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ اور جب کافروں کو اکٹھے جہنم کی طرف لے جائیں گے تو دور سے کھڑا جہنم کو دیکھیں گے۔ کاشفی نے لکھا کہ چالیس سال کی راہ سے جہنم کو دیکھیں گے تَغَيُّظًا ترتیب کریں گے۔

اُلْقُوْا مِنْهَا بیشک وہی اس میں گرائے جانے والے ہیں

ف جب کسی کو کسی داخل کرنے میں گرایا جانا مطلوب ہو تو اس کے لیے مبالغۃ استعمال کرتے ہیں

ف امام نے فرمایا کہ صحیح تر یہ ہے کہ اگرچہ وہ دوزخ کو بہت دور سے دیکھیں گے اور انہیں یقین ہوگا کہ وہ اس میں پھینکے جائیں گے لیکن جب تک اس میں داخل نہیں ہوں گے اسے دیکھتے ہی رہیں گے یہ نہیں کہ دور سے دیکھیں تو وہ جہنم ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو جائے بلکہ اس کے دیکھنے کے ساتھ شدت کی آواز بھی ان کے کانوں میں پہنچے گی چنانچہ دوسرے مقام پر حق تعالیٰ نے فرمایا واذا رأتهم من مکان بعید سمعوا لها تغیظا و زفیرا۔ المکان البعید سے پانچ سو سال کی مسافت مراد ہے وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝ وہ اس سے بھاگ جانے کو کوئی جگہ نہیں پائیں گے اس لیے کہ جہنم انہیں ہر طرف سے گھیرے گی (نعوذ باللہ منہا)

تفسیر عالمانہ

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا بے شک ہم نے قرآن مجید کے مضامین مختلف طریقوں سے مکرر بیان کیا ہے فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ یعنی اس قرآن مجید میں لوگوں کی نصیحت و منفعت کے لیے ہر طرح کی کہاوتیں بیان کر کے مثلاً گزشتہ برسوں میں دو بھائیوں کی کہاوت پھر دنیا کی کہاوت تاکہ لوگ نصیحت پائیں یا مثل سے وہ مقصود جیسے مراد ہے جو بیان کا والی ہے اس لیے پر اس کے حسن و غرابت کی وجہ سے اسے مثل (کہاوت) سے تعبیر کیا گیا ہے کاشفی نے لکھا اس سے مراد ہے کہ ہم نے ہر طرح کے قصے کہانیاں سنائیں تاکہ انہیں عبرت ہو اور اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کو پہچانیں یہی طریقہ ان کی عبرت کے اور زیادہ کا موجب ہے ؎

حق تعالیٰ بفضل عمیم
در کتاب کریم و کلام قدیم
آنچہ مقصود ما بکار آید
گفتہ است آنچنانکہ می باید

ترجمہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل عمیم سے اپنی کتاب اور کلام قدیم میں وہ باتیں درج فرمائیں جو ہمارے لیے مفید ہوں جس طرح فرمایا یوں ہوگا وہ ضرور ہوگا۔

وَكَانَ الْإِنْسَانُ اور جنس انسان اپنی جبلت و فطرت کے تحت ہے اَكْثَرَ شَيْءٍ یعنی جتنی بھی عالم دنیا میں جو چیزیں سے جھگڑے کا صدور ہوتا ہے جیسے جنات، ملک وغیرہ ان سب سے انسان جھگڑنے میں زیادہ ہے جہاں پر اس کی باطل کی خصومت وہ ہے اسے یہ کہ یہی اس کی فطرت کا تقاضا ہے جو اسے فطرت کا تقاضا اسی لیے کہا گیا ضروری نہیں کہ انسان کی ہر خصومت جھگڑا باطل ہو بلکہ اس کی بہت سی خصومات اور جدال حق کے لیے ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ جھگڑو اس طریقے سے جو بہت ہی اچھا ہے

حل لغات جدلا یعنے انسان میں اس بری خصلت کو جھگڑا، نے جب کسی میں جھگڑتے ہیں تو گویا وہ ایک دوسرے پر جھپٹتے ہیں اسی لیے اسے جدال سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو قوم جب ہدایت سے گمراہی کی طرف لوٹتی ہے تو پہلے جدال کے طریقوں کو اپناتی ہے (رواہ ابو امامہ کذا فی تفسیر ابی اللیث)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جدال و خصومت انسان کی فطرت ہے اسی بری فطرت سے سلوک کے منازل طے کرنے کے بجائے فرعونی کا شکار ہو جاتا ہے کبھی انبیاء علیہم السلام سے جھگڑا کر ان کی نبوت و رسالت کا انکار کرتا ہے اس سے بڑھ کر منکر ہو کے کبھی انبیاء پر نازل شدہ کتب کا انکار کر بیٹھتا ہے تو کبھی کہہ دیتا ما انزل اللہ علی بشر من شیء کبھی آیات محکمات کے منکر ہو گئے اور کبھی متشابہات کے کبھی ناسخ منسوخ کا انکار کیا کبھی اس کی تفسیر تاویل میں اپنی رائے کو دخل دیا کبھی اس کے اسباب نزول میں کبھی اس کی قرأت میں اختلاف کیا کبھی اس کے قدیم و حادث ہونے پر جھگڑا، ایسے ہی جدالات قرآنیاں، مناظرات، مناظرات وغیرہ میں لگے رہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کان الانسان اکثر شیء جدلا یعنی ان کے متعلق اپنے حبیب کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ، قل اللہ ثم ذرھم

حضرت مولانا قدس سرہ نے فرمایا ؎

ما را چہ ازیں قصہ کہ گاو آمد و خر رفت
ایں وقت حضور است ازیں قصہ چہ بار آ

ترجمہ ہمیں اس سے کیا غرض کہ گائے آئی اور گدھا گیا وقت کو غنیمت سمجھ کر مشغول کی ہر جگ سے دور رہو۔

سبق ہر لازم ہے کہ وہ ہر وقت یاد الٰہی میں مشغول رہے جھگڑے جدال سے کنارہ کشی کر کے زندگی بسر کرے اس لیے کہ جھگڑے و جدال کا انجام برا ہے ہر عدلی یہ نہ ہو جھگڑا جدال اور خصومت میں دوسرے کو دکھ اور درد سے دوچار کرنا یہ انسان دشمنوں کا کام ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندے کا ایمان ناکمل ہے جب تک جدال و خصومت کو ترک نہ کر دے اگرچہ حق پر ہو

ف جب حق واضح ہو جائے کے بعد جدال و بحث سخت عیب ہے باطل پر اڑنے جھگڑنے والا کو دور رکھیے ، اولیاء اللہ تعالیٰ کے پیارے نیک بندے اللہ تعالیٰ علیہم جب کہ اپنے فضل و کرم سے مجادلہ و لڑائیوں وغیرہ سے بچا کر ایسے لوگوں سے بچاتے ہیں جو بیکار باتوں میں لگے رہتے ہیں بلکہ ہر ایسی باتوں سے احتراز کرتے بلکہ تمام لغویات سے بچتے ہیں چنانچہ ان کی تعریف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

واذا مروا باللغو مروا کراما (فرقان) اور فرمایا واذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاما

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اور نہیں لوگوں کو منع کیا ہے اَنْ یُّؤْمِنُوْٓا کہ ایمان لائیں اللہ تعالیٰ پر اور جس کی پرواہ کئے بیٹھے ہیں اسے چھوڑ دیں اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى جب ان کے پاس ہدایت تشریف لائی اس سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس مراد ہے اس لیے کہ آپ ہی اصل ہدایت کے داعی تھے اور قرآن کریم بھی مراد ہے اس لیے کہ وہ بھی ہدایت کا سبب ہے وَیَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اور انہیں کس نے روکا کہ وہ اپنے گناہوں سے اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں ۔ اَوْ یَاْتِیَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا گر انکار کریں تو ان پر کھلا عذاب سامنے آئے قبلا قبیل کی جمع ہے جیسے آمنے سامنے یا بیٹھ جانا ہے یعنی آنکھوں دیکھا اور جلالین میں ہے کہ اس میں بدر کی جنگ میں قتل کی طرف اشارہ ہے

سوال [illegible] میں ہے کہ آیت میں فرمایا گیا کہ اگر ایمان نہیں لاؤ گے تو ان دو عذابوں سے کسی ایک عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے لیکن بہت سے لوگ بدستور کافر رہے اور کسی ایک عذاب میں مبتلا بھی نہ ہوئے ۔

جواب آیت میں فرمایا گیا کہ اگر کافر ایمان نہ لائے تو انہیں ایسے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا لیکن جب ان کے مقدر میں ہو الا ان تاتیهم سنة الاولین ۔ یعنی ان کے ہاں پہلے لوگوں کے طریقے آئیں ۔

جیسے [illegible] میں ہوا تو اس بنا پر عذاب سے بچا اور اس کا وعدہ ہے [illegible] حکم الکل [illegible] کا حکم رکھتا ہے

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ اور ہم رسولوں علیہم السلام کو نہیں بھیجتے اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ مگر اس حال میں کہ اہل ایمان مطیعین کو درجات علیا کی خوشخبری سنانے والے ہوتے ہیں وَمُنْذِرِیْنَ اور کافروں اور مجرموں کو عذاب و جہنم کی مختلف سزاؤں سے ڈرانے والے ہوتے ہیں ۔

نکتہ انبیاء علیہم السلام کو بھیجنے کا سبب یہی ہے کہ انسانی عقل اخروی عذاب و ثواب سے کلی طور پر نہیں روک سکتی یہی اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم ہے کہ اس نے انبیاء و رسل کرام علیہم السلام بھیجے تاکہ ہمیں آخرت کے عذاب و ثواب سے آگاہ کریں

علماء کی قدر و قیمت صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ علماء دنیا میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں بمنزلہ انبیاء بنی اسرائیل کے ہیں اس لیے کہ ان کے بیانات سے مخلوق کی تبلیغ مشعلے جلا کے انسان کی رہبری سے راہ ہدایت و منزل مقصود نصیب ہوتی ہے ۔

وَیُجَادِلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اور کافر انبیاء علیہم السلام سے جھگڑتے رہتے ہیں بِالْبَاطِلِ بیہودہ باتوں سے جیسا کہ کافروں نے کہا تھا ما انتم الا بشر مثلنا "تم تو ہماری مثل بشر ہو" اور کہتے ہیں لو شاء اللہ لانزل ملٰئکة "اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو فرشتے بھیجتا اور معجزات دیکھ کر کہتے کہ تم نے معجزات کا مطالبہ کرتے تھے صرف ضد اور ضد کی بنا پر لِیُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ

ناحق جھگڑا کرتے ہیں تاکہ حق کو مٹا دیں یعنی وہ چاہتے ہیں کہ اس سے حق کو نیست و نابود کر دیں۔

حل لغات

ادحاض دحض مصدر سے ہے یعنی ازلاق القدم من موضعها یعنی قدم کا اپنی جگہ سے ڈگمگا جانا
ازلاق یعنی ڈگمگانا اور زمخشری کی بلاغات میں ہے کہ

حدیث میں ہے کہ دل کسی شبہ سے نہیں پھٹتا ایسے ہی ہے جیسا ابراہیم علیہ السلام نے تعبیر کیا ہے اس طرح کر سکتا تھا۔
مثنوی شریف میں ہے ؎

ہر کہ بر شمع خدا آرد پف
شمع کے میرد بسوزد پوز او

ترجمہ جو اللہ تعالیٰ کی روشن کردہ شمع کو پھونک مار کر بجھانا چاہے شمع نے بجھنا نہیں البتہ بجھانے والے کا منہ خراب ہوگا

وَاتَّخَذُوْٓا اٰیٰتِیْ اور انہوں نے میری ان آیات کو جو میری وحدت و قدرت وغیرہ پر دلالت کرتی تھیں۔
وَمَآ اُنْذِرُوْا اور وہ امور جن سے انہیں عذاب الٰہی سے ڈرایا گیا تھا هُزُوًا ہنسی یعنی ٹھٹھا مذاق کی جگہ اس شے پر مصدر بطور مبالغہ لایا گیا وَمَنْ اَظْلَمُ یہ استفہام بطور توبیخ کے طور پر ہے یعنی کون اس سے بڑا سخت ترین ظالم ہوگا مِمَّنْ ذُکِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّہٖ جسے آیات الٰہی یعنی قرآن مجید سے نصیحت دی جائے فَاَعْرَضَ عَنْھَا تو اس سے وہ منہ موڑے یعنی اس میں نہ تدبر و تفکر کرے وَنَسِیَ مَا قَدَّمَتْ یَدٰہُ اور بھول جائے اپنے کیے ہوئے کفر و معاصی کو اور نہ ہی ان کے بد انجام کی فکر کرے اور اسے خیال تک نہ ہو کہ انجام کار بہتر نہ ہوگا اور سخت سزا ملے گی۔

سوال کفر و معاصی کے ارتکاب کو ہاتھوں سے متعلق کرنے کے ساتھ کیوں تعبیر کیا گیا۔
جواب چونکہ عموماً انسان کے اعمال ہاتھ سے ہوتے ہیں حالانکہ قلب کے اعمال کو بھی کسب ید سے تعبیر کیا جاتا ہے اسی لیے ہاتھوں کا نام لیا گیا

ف آیت میں ظالم سے مراد لیے ہیں منکرین وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیات دیکھ کر عبرت نہیں پکڑتا اور خیر کے راستے کھلے دیکھنے کے باوجود ان پر چلنے کی بجائے روگردانی کرتا ہے بلکہ شر و فساد کی راہوں کا اگرچہ اسے عذاب پہنچے کا شوق رکھتا ہو ایسے گندے راستوں سے اجتناب نہیں کرتا۔

اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِھِمْ بیشک ہم نے ڈال دیا ہے۔ دلالت تفسیر و تشریح۔ یعنی قُلُوْبِھِمْ اَکِنَّۃً ان کے دلوں پر پردے ہیں یہ کنان کی جمع ہے یہ ان کے اعراض و نسیان کی علت ہے کہ جب انہوں نے ہماری آیات سے اعراض کیا اور بھلایا تو ہم نے بھی ان کے دلوں پر مہر لگا دی اَنْ یَّفْقَھُوْہُ کہ اسے سمجھ سکیں یعنی ہمیں ان کی روشنی نہ آئی۔
اسی لیے ہم نے ان کے کانوں پر مہر لگا دی تاکہ آیات کی تفہیم ہی سے محروم رہیں۔

سوال آیات جمع ہے اس میں ان یفقھوہ کی ضمیر واحد کیوں؟

جواب چونکہ ان آیات سے قرآن مجید مراد ہے اسی لیے ضمیر اس معنی پر واحد لائی گئی ہے

وَفِیْٓ اٰذَانِھِمْ وَقْرًا اور ہم نے ان کے کانوں پر ثقل و بوجھ ڈالا تاکہ وہ قرآنی آیات سننے میں ان کے قبول کرنے سے

ف اس میں اشارہ ہے کہ اہل شقاوت قرآن مجید کو سمجھ اور سنتے بھی نہیں۔

حضرت کمال خجندی قدس سرہ نے فرمایا ؎

دل ز شنیدن قرآن بگیردت ہمہ وقت
چو باطلان ز کلام حقت ملولی چیست

ترجمہ: ہر وقت تو قرآن مجید سننے میں مصروف ہو جا، بدبختوں کی طرح تجھے قرآن مجید سننے سے ملال کیوں ہوتا ہے

وان تدعھم الی الھدیٰ یعنی دین اسلام کی طرف اگر انہیں بلاؤ گے

تو وہ ہمیشہ یعنی مدت تکلیف مکلف ہو کر ہرگز ہدایت نہیں پا سکیں گے اس لیے کہ ان کے دلوں پر ازل سے تالے لگ چکے ہیں

اسی لیے ان کا ہدایت پانا محال ہے

ف اس سے ثابت ہوا کہ ایک مخصوص گروہ ہے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ انہوں نے زندگی بھر اسلام قبول نہیں کرنا۔

یہ قول الٰہی دراصل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال کا جواب اور ایک شرط کی جزا ہے حضور علیہ السلام کے سوال کا جواب یوں ہے کہ انا جعلنا علی قلوبھم اکنۃ میں گویا اشارہ تھا کہ اے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم آپ ایسے بدبختوں کو دعوت اسلام پیش ہی نہ کریں لیکن چونکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے لیے بھی حرص تھا اسی لیے گویا آپ نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا مالی لا ادعوھم میں انہیں دعوت اسلام کیوں پیش نہ کروں اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا فَلَنْ یَّھْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا اور شرط کی جزا یوں ہے کہ جب وہ ہدایت کے قابل ہی نہیں ہیں تو پھر ہدایت کے سبب یعنی دعوت دینے کے قابل کب ہو سکتے ہیں جب ان سے ہدایت کا قابل ہونے کی نفی کر دی گئی تو ان سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول کرنے کی نفی کی گئی ہے

وَرَبُّكَ یہ مبتدا ہے اس کی خبر الْغَفُوْرُ ہے یعنی تمہارا رب بہت بڑی مغفرت والا ہے اور مغفرت بخشے بندے کو ایسے عذاب سے بچانا جس کا وہ اپنے عمل کی وجہ سے مستحق تھا یا مغفرت سے یہ مراد ہے کہ کسی شے کو کوئی ایسی شے پہنانا جو اسے گرد و غبار سے بچا لے۔ ذُو الرَّحْمَۃِ وہ رحمت سے موصوف ہے یعنی الانعام علی الخلق یعنی مخلوق کو انعام سے نوازنا یہ مبتدا کی دوسری خبر ہے

سوال پہلے صیغہ کو مبالغہ پر اور دوسرے کو غیر مبالغہ کے کیوں!

جواب مغفرت کا مطلب ہے کہ بندوں کے گناہ ان گنت ہیں اور مغفرت میں ترک الفعل یعنی کسی کو عذاب نہ دینے کی طرف اشارہ ہے اور وہ صحیح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ غیر متناہی مطالب کے ترک پر قادر ہے اور رحمت فعل و ایجاد سے متعلق ہے اسی لیے کہ اس کا وجود صرف ان اشیاء سے متعلق ہوتا ہے جو متناہی ہوں مغفرت کو رحمت پر بھی اسی لیے مقدم کیا ہے کہ تخلیہ تحلیہ سے پہلے آتا ہے۔

لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا اگر وہ ان کی پکڑ فرماتا ان کے گناہوں کی وجہ سے تو لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ تو دنیا میں بہت جلد انہیں عذاب میں مبتلا کر دے اس لیے کہ ان کے گناہوں کا تقاضا یہی ہے لیکن وہ اس پر مہربان ہے کہ اس نے گرفت میں جلدی کی اور نہ ہی فوری ایک عذاب نازل فرمایا بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ بلکہ ان کے عذاب کا ایک وقت مقرر ہے مَوْعِدٌ اسم ظرف ہے اس سے یوم بدر یا قیامت کا دن مراد ہے کہ جس میں انہیں سخت ترین عذاب میں مبتلا کیا جائے گا لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا جب ان پر عذاب کا وقت آئے گا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو جائے پناہ نہیں پائیں گے۔

مَوْئِلًا ملجأ و ماویٰ سے ہے جیسے کہا الیہ یعنی بعض نے کہا کہ من دونہ کی ضمیر عذاب کی طرف راجع ہے اور بعض موعد کی طرف کرتے ہیں لیکن زیادہ صحیح تر یہ ہے اس لیے کہ اس کا معنی ماویٰ و مقام ہے جہاں کے لیے خلاصی اور نجات کیسی بعض نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ جب ان پر عذاب کا وقت آ جائے گا تو پھر ان کو کہیں پناہ نہ ملے گی اور نہ ہی کسی طرف بھاگ سکیں گے یہ معنی بھی اچھا ہے۔ واللہ اعلم۔

وَتِلْكَ الْقُرٰى اس سے عاد و ثمود وغیرہ جیسے کفار کی بستیاں مراد ہیں یہاں مضاف محذوف ماننا پڑتا ہے یعنی واھل واھل تلک القریٰ یہ مبتدا ہے اس کی خبر اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ہے یعنی اور ہم نے ان بستیوں والوں کو اس وقت تباہ و برباد کیا جس وقت انہوں نے ظلم کا ارتکاب کیا اور ان کا ظلم و کفر و شرک بالکل ویسا تھا جیسا اب اہل مکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی اور ان سے لڑتے جھگڑتے اور اسی طرح کے جرائم و معاصی کے مرتکب ہو رہے تھے

ف: لَمَّا ظرف ہے کہ قول ابن عصفور کے مطابق جو تفصیل کے لیے واقع ہوتا ہے اس سے ان کے ظلم کا ابتدائی وقت مراد نہیں بلکہ ان کے ظلم کی ابتداء و انتہا کا مجموعہ وقت مراد ہے۔

وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ اور ہم نے ان کی ہلاکت و تباہی و بربادی کا وقت مقرر کیا المھلک بفتح اللام و کسرھا بمعنی الھلاک ہے مَّوْعِدًا مقرر شدہ یعنی ایسا مقرر کہ اس سے پیچھے نہ ہٹ سکے جب ایسا معاملہ ہے تو پھر قریش کو عبرت کیوں نہیں پکڑتے اور شرک و کفر اور دیگر کافرانہ حرکتوں سے کیوں باز نہیں آتے اس لیے کہ نیک بخت وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے ترجمہ میں فرمایا ہے

نیک بخت آں کہ بود کردنش
آنچہ نیکو تر است جستہ بدید
دیگراں را چو پند داده
او زاں پند بہرہ بگیرد

ترجمہ: نیک بخت وہ ہے جس کا دل دوسروں سے نصیحت حاصل کرے دوسروں کو جب نصیحت کی جائے تو وہ اس نصیحت سے فائدہ اٹھائے

فوائد الآیات ۱۔ ہدایت کے جملہ اسباب کسی کو میسر ہوں تو ضروری نہیں کہ اس کو ہدایت نصیب ہو کیونکہ ہدایت صفت الٰہی سے ہی پایا جاسکتا ہے جب تک صفات تجلیات الٰہیہ دستگیری نہ فرمائیں

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم مدد نہ فرماتا تو نہ ہم ہدایت پاتے نہ صدقات دیتے نہ نمازیں پڑھتے۔ عارف جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ۔

سالکان بے کشش دوست بجائے نرسند
سالہا گرچہ دریں راہ تگ و پوئے کنند

ترجمہ۔ کوئی سالک دوست حقیقی کی کشش کے بغیر مقرب مقصود پر نہیں پہنچ سکتا اگرچہ ہزاروں سال اس راہ میں دوڑ دھوپ کرے ۔

ف یقین کیجئے کہ ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اس کا ایک سبب ظاہری ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ سے حکم دیا گیا ہوں کہ لوگوں کے ساتھ جنگ کروں یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں یا فرمایا میں تلوار اور جنگ کا حکم لے کر آیا ہوں ۔

۲۔ اہل باطل کا طریقہ ہے کہ وہ حق کو باطل سمجھتے ہیں اور باطل کو حق اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے قلوب اندھے اور ان کے عقول گندے ہو جاتے ہیں اس لیے کہ وہ اپنی جہالت و ضلالت سے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام سے دور سرپیکار رہتے ہیں بلکہ حق کو مٹانے کے لیے سر توڑ کوشش کرتے ہیں اور اہل حق انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے آئینہ صفت دل رکھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ باطل و حق ان کے مشاہدات کے سامنے جلوہ گر ہوتے ہیں اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ انہیں اسلام کی نورانیت کی برکت سے حق کو حق سمجھ کر اس کی اتباع اور باطل کو باطل سمجھ کر اس سے اجتناب کرتے ہیں اسی لیے وہ آیات الٰہی کو حق سمجھتے ہیں ان سے ان کے ساتھ استہزاء کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت دنیا میں عام ہے ہر مومن و کافر کو نصیب ہو گی یہی وجہ ہے کہ کفر و معاصی پر دنیا میں مواخذہ نہیں کرتا اور نہ ہی غلطیوں پر کسی کا رزق بند کرتا ہے البتہ آخرت میں صرف اہل ایمان سے اس کی رحمت خاص ہو گی اور عذاب صرف کفار کو نصیب ہو گا

سوال یہ تقریر آیت قرآنی کے خلاف ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وتلک القریٰ اھلکنٰھم لما ظلموا اس آیت میں معلوم ہوا کہ تباہی دنیا میں صرف ان کے ظلم سے ہوئی ۔

جواب کافر ہونا اور بات ہے ظالم ہونا اور اگرچہ جدا جدا ہے بے شک کافر کے کفر سے دنیا میں مواخذہ نہیں ہوتا لیکن جب کفر کے ساتھ ظلم شامل ہو گیا تو ایسے ظلم کی وجہ سے مواخذہ لازم ہے چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ملک کفر کی وجہ سے جاتا نہیں البتہ ظلم[لہ] و استبداد سے چھین لیا جاتا ہے

[لہ] اس سے ہمارے زمانہ کے حکمران ملک کے سربراہ عبرت حاصل کریں ۱۲

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ

اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنے غلام سے کہا میں باز نہ رہوں گا جب تک وہاں نہ

مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا ۝ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا

پہنچوں جہاں دو سمندر ملے ہیں یا قرنوں چلا جاؤں پھر جب وہ دونوں ان دریاؤں کے ملنے کی جگہ پہنچے اپنی مچھلی بھول گئے

فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ۝ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتَاهُ آتِنَا غَدَاءَنَا لَقَدْ لَقِينَا

اور اس نے سمندر میں اپنی راہ لی سرنگ بناتی پھر جب وہاں سے گزر گئے موسیٰ نے غلام سے کہا ہمارا صبح کا کھانا لاؤ بیشک ہمیں

مِنْ سَفَرِنَا هَٰذَا نَصَبًا ۝ قَالَ أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ

اپنے اس سفر میں بڑی مشقت کا سامنا ہوا بولا بھلا دیکھئے تو جب ہم نے اس چٹان کے پاس جگہ لی تو بیشک

الْحُوتَ وَمَا أَنْسَانِيهُ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ

میں مچھلی کو بھول گیا اور مجھے شیطان ہی نے بھلا دیا کہ میں اس کا مذکور کروں اور اس نے تو سمندر میں اپنی راہ لی اچنبا ہے

عَجَبًا ۝

بقیہ صفحہ ۴۹۴

سوال ایک آیت میں ہے کہ [illegible] بعض ظالمین [illegible] اس آیت میں بھی ظالم کو دنیا میں عذاب دینے کی تصریح ہے

جواب ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ ظلم سے گزشتہ شرارت مراد ہوتی ہے اس لیے مظلوم کی بددعا بہت اثر رکھتی ہے بلکہ اس کی دعا بہت جلد مستجاب ہوتی ہے چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا

اتقوا دعوة المظلوم فانه ليس بينها مظلوم کی دعا سے بچو اس لیے کہ اس کی دعا اور اللہ تعالیٰ

وبين الله حجاب کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔

حکمت حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ولدت فی زمن الملک العادل میں عادل بادشاہ کے دور میں پیدا ہوا ہوں اگرچہ عادل کا اطلاق کافر پر ناجائز ہے اس لیے کہ نوشیرواں ایسی آتش پرست تھا اور شرک تو صرف ظلم ہے بلکہ اسے ظلم عظیم کہا گیا ہے لیکن چونکہ وہ مخلوق خدا پر ظلم کرنے سے بچا [illegible] اسی لیے [illegible] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعریف فرمائی۔ شیخ سعدی قدس سرہ نے کیا خوب کہا ہے

[illegible] منعمی گفتن بر احساں
کہ بر یک نفس [illegible]
پریشان [illegible]
[illegible]

خنک روز محشر تن دادگر
کہ در سایۂ عرش دارد مقر

ترجمہ :- مسرور و خوش ہو وہ عادل کہ اس لیے کہ جہاں ایک طرف وہ نہیں رہتا انصاف چاہنے والوں کی پریشانی کبھی باقی نہ کو تخت سے نیچے اتارتی ہے قیامت کے دن وہ عدل کرنے والا بہت زیادہ خوش ہوگا کہ اسے سایۂ عرش الٰہی کے نیچے بیٹھنے کی جگہ ملے گی ۔

تفسیر عالمانہ

مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام قبطیوں کے مر جانے کے بعد جب ملک مصر پر قابض ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی قوم کو وعظ کرنے کا فرمایا جس کا موضوع تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کیسی اعلیٰ نعمتوں سے نوازا چنانچہ آپ نے اپنی قوم کو نہایت بہترین الفاظ میں وعظ فرمایا جس سے بنی اسرائیل خوب روئے اور ان کے دلوں پر آپ کی وعظ کا بہت اچھا اثر ہوا بنی اسرائیل کے علماء میں سے کسی نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ سب سے بڑا عالم کون ہے آپ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ نے عتاب بھیجا فرماتے ہوئے حکم دیا کہ یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا تھا آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ آپ سے میرا ایک اور بندہ زیادہ عالم جو دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ رہتا ہے اس کا خضر نام ہے

ف خضر علیہ السلام افریدون عادل کامل بادشاہ کے زمانہ میں تھے موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے پہلے ذوالقرنین اکبر کے ابتدائی دور میں تھے اور موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ نبوت تک زندہ تھے اب بھی زندہ ہیں ان کی نبوت کا دور گشتاسپ بن لہراسپ کیخسرو کے زمانہ میں تھا۔ کذا فی تاریخ ابن اثیر۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی یا اللہ میں خضر کو کہاں تلاش کروں اور وہ مجھے کس طرح مل سکتے ہیں اس کا کوئی آسان طریقہ بتا دیجئے تاکہ میں آسانی سے مل سکوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ انہیں مجمع البحرین میں اس کی ملاقات کر سکتے ہیں لیکن آپ اپنا زاد راہ ساتھ لے جائیے یعنی مچھلی بھون کر ایک تھیلے میں ڈال کر اپنے ساتھ رکھیں تاکہ بھوک سے تکلیف نہ پہنچے لیکن جب یہ مچھلی دریا میں غوطہ لگا کر بھاگ جائے وہیں پر میرا بندہ ہوگا آپ نے مچھلی بھون کر تھیلے میں رکھ دی اور اپنے غلام سے فرمایا کہ جہاں یہ مچھلی دریا میں غوطہ لگائے تو مجھے مطلع کرنا۔

ازالۂ وہم یہود

یہودی کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں اس مقام پر جس موسیٰ کا ذکر ہے اس سے موسیٰ بن عمران علیہ السلام مراد نہیں بلکہ یہ موسیٰ بن میشا بن یوسف نبی علیہ السلام تھے یہ بھی نبی تھے اور موسیٰ بن عمران سے پہلے تھے ان کا وہم اس لیے ہے کہ موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام سے افضل ہیں اس لیے کہ موسیٰ علیہ السلام صاحب معجزات باہرہ ہیں اور کلیم خدا ہیں اور حضرت خضر علیہ السلام کا مرتبہ کم تھا اسی لیے وہ مفضول تھے اور افضل مفضول سے استفادہ نہیں کرتا یہ ان کا صرف وہم ہے ورنہ کامل عالم افضل ہو کر بہت سے امور سے بے خبر ہوتا ہے اور یہ کوئی عجیب بات نہیں اور فاضل کبھی مفضول بھی ہوتا ہے مگر صحیح یہی ہے کہ اس مقام پر یقیناً اس سے موسیٰ بن عمران علیہ السلام مراد ہیں اگر وہ حضر

موسیٰ علیہ السلام ہو سکے گا اس عقیدہ پر قید اضافی بیان کیا جاتا اس لیے کہ مشہور معروف شخصیت کے مفہوم کو جب کبھی ثبت لکھنا یا کہنا پڑتا ہے تو اس کے ساتھ کسی دوسرے لفظ کا اضافہ ضروری ہوتا مثلاً سیدنا امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا جو نام ہے ایک امام ابو حنیفہ گزرا ہے اب اس ثانی ابو حنیفہ کو جب کبھی لکھا جائے گا تو اس کے ساتھ دینوری کا لفظ ضرور بولا یا لکھا جائے گا قائل علیحدہ الدینوری ورنہ مطلقاً ابو حنیفہ لکھا ہو گا تو وہاں امام صاحب کے سوا کوئی اور مراد نہ ہو سکے گا ایسے ہی یہاں سمجھئے کہ موسیٰ علیہ السلام کو مطلق کہا گیا ہے اگر ان کے علاوہ دوسرے موسیٰ علیہ السلام مراد ہوتے تو ان کے ساتھ موسیٰ بن میشا بن یوسف علیہ السلام لکھا جاتا[1]

لِفَتٰہُ اس سے یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف علیہ السلام مراد ہیں یہ یوشع بن نون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھانجے تھے اور آپ کے اکابر خلفاء میں سے تھے اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہر وقت ساتھ رہتے یہاں تک کہ تا وصال آپ کے ساتھ رہے موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد آپ کی خلافت کا بوجھ ان کے کاندھوں پر رکھا گیا اور انہوں نے ہی شریعت موسوی کو پھیلایا بنی اسرائیل میں موسیٰ علیہ السلام کے بعد انہی یوشع بن نون کو معظم ترین شخصیت سمجھا جاتا تھا۔

سوال جب یوشع بن نون اتنی بڑی شخصیت کے مالک تھے تو پھر انہیں فتٰی سے کیوں تعبیر کیا گیا۔

جواب یہ ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہت بڑی خدمت سرانجام دیتے اور ان کی اتباع میں قریب بالکل اور ہر وقت ان سے استفادہ و استفاضہ میں لگے رہتے تھے

اہل عرب کا قاعدہ ہے کہ شاگرد اور مرید و خادم کو فتٰی سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ جس سے سیدہ ہو جناب علی کا قول مشہور تعلیم یافتہ فالعبد علمی ۔ سے پتہ چلا علم حاصل کرانے والے کے رتبہ حقوق و آداب ہے شاگرد و اساتذہ کی خدمت میں۔

استاذ کا مقام

حضرت شعبہ نے فرمایا

جس سے میں نے صرف چار روایات احادیث حاصل کیں میں اس کا تا عمر زیست غلام بنا رہوں

ف بعض مفسرین نے فرمایا کہ فتٰی سے موسیٰ علیہ السلام کا عبد حقیقی مراد ہے اور فتٰی سے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ عبد حقیقی حاصل کرنا ہو تو غلام کو عبد کہنا سوء ادب ہے حقیقی یہ ہے کہ عبدیت کی نسبت اللہ تعالیٰ کے لیے ہی شایان شان ہے[2]

---

[1] تفسیر [illegible] اویسی شریف [illegible] حاشیہ [illegible] یہ جواب [illegible] جبکہ دو حضرات [illegible] کے سامنے [illegible] مشکل [illegible] ہے [illegible] اویسی غفرلہ

[2] یقین ہے کہ دور میں عیسائیت ایک طرف تو شرک کی زد میں آگیا دوسری طرف [illegible] کے دماغ [illegible] اقتدار پرستی میں ایک عظیم [illegible] تھا ۔ [illegible] شرک کا [illegible] ہے تفصیل فقیر کی تصنیف [illegible] عبدالرسول میں ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی غیر یا غلام کو اپنی طرف منسوب کرنا ہے تو کہا جائے فتای و فتاتی عبدی۔ و امتی نہ کہا جائے

مسئلہ جو شخص کہے کہ انا فتی فلان اس سے اس کے تابع ہونے کا اقرار ہوگا یہی امام محمد رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے

فیصلہ صاحب روح البیان نے فرمایا یہ قول پہلی وجہ زیادہ صحیح ہے اس لیے کہ اتنا بہت بڑا اہم سفر میں کسی غلام کو نہیں لے گئے ہوں گے بلکہ کسی خلیفہ اور عظیم شخصیت کو ساتھ رکھا ہوگا جیسے ہمارا مدعا ہے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر ہجرت بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ آپ نے بھی ایسے عظیم الشان سفر کی رفاقت کے لیے حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا[1] اس لیے کہ آپ ہی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد[2] صحابہ رضی اللہ عنہم سے معزز ترین شخصیت اور آپ کے وصال کے بعد خلیفہ ہوئے۔ آیت نمبر ……

حل لغات برح افعال ناقصہ سے ہے زال یزال کی طرح ہے یعنی لا ازال اسیر۔ ہمیشہ چلتا رہوں گا قرینہ حال پر اعتماد کر کے خبر محذوف کر دی گئی ہے جب آپ سفر ذکر کی طرف متوجہ ہوئے اور لقد لقینا من سفرنا بھی اس کی تائید کرتا ہے اس سے شیخ سعدی کے وہم کا ازالہ ہو گیا انہوں نے فرمایا کہ قرآن میں موسیٰ علیہ السلام کے سفر کی کوئی دلیل نہیں ملتی لیکن ہے انہوں نے کسی ضعیف خبر یا کسی تاریخی واقعہ سے غلطی کھائی ہو اور آیت مذکورہ ان کے ذہن سے اتر گئی ورنہ نص قرآنی کو کس طرح ٹھکرایا جا سکتا ہے

حَتّٰی اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَیْنِ مجمع البحرین بحر فارس و روم کے ملنے کی مشرقی جانب والا مقام مراد ہے اور یہی وہ جگہ ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو خضر علیہ السلام کی ملاقات کا مقام بتایا

ف شیخ سعدی نے فرمایا کہ بحر فارس و روم بیچ میں ملے ہوتے ہیں اس کی مزید تشریح سورۃ رحمٰن میں آئے گی ان شاء اللہ

ف اس سے مجمع بحرین مراد ہے اس لیے دریاؤں کا ٹکراؤ زمین پر ہے اور بعض دریاؤں کے ملنے کا طریقہ معلوم ہے اس سے ہماری مراد نہیں اور ان کے ملنے کی جگہ وہی ہے جو مشرقی جانب کو متصل ہے اور وہ مدعا ہے جو اس کے قریب ہو تو اس پر بھی قرب کا حکم لگایا جاتا ہے اور اسی قرب سے اس کی تعبیر کی جاتی ہے

فائدہ صوفیانہ البحرین سے خود موسیٰ و خضر علیہم السلام مراد ہیں ان کی کثرت علمی کی وجہ سے انہیں بحرین سے تعبیر کیا گیا ہے اشارہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام علم ظاہر کے دریا تھے

---

[1] یار غار ہونا شیعوں نے بھی مانا ملاحظہ ہو فقیر کا رسالہ "چشمہ لوہار اشرح آئینہ شیعہ نما" ۱۲۔

[2] یہی رفاقت سفر ہجرت خلافت بلا فصل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے اہل سنت کی بہترین دلیل ہے ملاحظہ ہو آئینہ شیعہ مذہب ۱۲

اگرچہ آپ میں بھی علم لدنی کی کمی نہیں تھی لیکن چونکہ آپ شریعت کے صاحب تھے اس لیے آپ میں علم ظاہر کا غلبہ تھا اور خضر علیہ السلام علم باطن کے دریا تھے یعنی آپ پر علم باطن کا غلبہ تھا اور انبیاء علیہم السلام چونکہ صفت جلال و جمال کے مظاہر ہیں اسی لیے ان کے مراتب میں فرق ہوتا ہے اس کی مزید تحقیق ہم آگے چل کر بیان کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ

ف ان حضرات کے اجتماع کا مقام متعین نہیں تھا بلکہ اس مقام کا علم اجمالی ہوا ہے۔ آؤ آ تحقیق۔ مفہوم بالامر سے یہ پتہ نہ چلا صرف اتنا بتایا گیا کہ مجمع البحرین ہے اسی ملاقات کا موعد ہے اب عشق یہ ہوا کہ میں ایک لمبی مدت تک چلتا رہوں گا یہاں تک کہ یقین ہو کہ مطلب کا حصول ناممکن ہے علاوہ ازیں اپنے سفر کی انتہا دو باتوں پر موقوف فرمائی

۱۔ مجمع البحرین پہنچنا

۲۔ وہ عرصہ دراز تک چلتے رہیں یہاں تک کہ یقین ہو کہ اب مطلب حاصل نہ ہوگا اور بعض تفاسیر میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ میں عرصہ دراز تک چلتا رہوں گا یہاں تک کہ میں اس عالم دین کو پالوں

ف کاشفی نے لکھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے فرمایا کہ میں چلتا رہوں گا یہاں تک کہ میں منزل مقصود تک پہنچ جاؤں اگرچہ عرصہ دراز اسی سال تک سفر کرنا پڑے تب بھی اس بندہ خدا کی تلاش کیے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔ ؎

دست از طلب ندارم تا کام من برآید

ترجمہ اس کی تلاش سے باز نہیں آؤں گا جب تک مطلب پورا نہ ہو۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

گر گران و گر شتابندہ بود
آنکہ جویندہ است یابندہ بود
در طلب زن دائماً تو ہر دو دست
کہ طلب در راہ نیکو رہبر است

ترجمہ اگر آہستہ چلے یا دوڑ کے بالآخر کوشش کرنے پر مقصد حاصل ہو جاتا ہے مقصد کی طلب میں دونوں ہاتھ پاؤں مار کہ طلب راہ مقصد کی بہتر رہبر ہے

فائدہ طالبانہ امام صاحب نے تفسیر میں لکھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نفس کو سفر کی کلفت دی اس کے علاوہ مصیبت تکلیف دی ہے تاکہ سفر کی تکلیف کو دیکھ کر نفس کو تکلیف ہو تو بہادر علم کی طلب میں ایسی ہی تکلیف برداشت کرنی پڑتی ہیں اسی لیے صاحب علم کو سبق دیا گیا ہے کہ اگر اسے صرف ایک مسئلہ کے حصول کے لیے مشرق سے مغرب تک سفر کرنا پڑے تو بھی علم کی شان میں معمولی امر ہے

حکایت روضۃ الخطیب میں ہے کہ ایک شخص نے ابو حنیفہ سے سمجھ کر صرف ایک حدیث شریف سننے کے

پہلا سفر کیا

فائدہ صوفیانہ بندہ ولایت میں کمال کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کسی کامل کے در پر جا کر گھٹنے نہ ٹیکے اور مقرب کی خصوصیت نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ اس کی تربیت نہ کرے

لطیفہ جو شخص استاد کے بغیر اپنی کارروائی سے مقصد کو پہنچنا چاہتا ہے جیسے پیر و مرشد کے بغیر اپنے دل کے پردے ہٹانا چاہتا ہے وہ اگرچہ کامیاب بھی ہو تب بھی اسے اس بچے کی طرح سمجھو جو راستے میں پڑا ہوا ملے لیکن اس کا باپ کوئی نہ ہو کہ جس سے اس کا نسب بیان کیا جا سکے

بے پیر شیطان کا چیلہ حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ نے فرمایا جس کا شیخ و پیر و مرشد نہ ہو اس کا شیخ شیطان ابلیس ہے

مثنوی شریف میں ہے ۔ ؎

پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں سفر
ہست بس پر آفت و خوف و خطر
چوں گرفتی پیر ہیں تسلیم شو
ہمچو موسیٰ زیر حکم خضر رو

ترجمہ پیر کا دامن پکڑو کہ یہ سفر پیر کے بغیر بہت بڑا آفت اور خوف و خطرہ سے بھرا ہوا ہے جب پیر و مرشد کا دامن پکڑا ہے تو ان کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دو جیسے موسیٰ علیہ السلام نے خضر کے سامنے سر تسلیم خم کیا

تنبیہ صوفیانہ روایات مذکورہ میں جو حکایت ہیں ان سے چند فوائد حاصل ہوئے ۔

۱۔ مسافر پر لازم ہے کہ سفر سے پہلے رفیق سفر کی تلاش کرے

۲۔ سفر میں ایک کو امیر سفر مقرر کر لینا ضروری ہے تاکہ دوسرے اس کے ماتحت کام کریں اور اسی کے تابع رہیں بہتر مشورہ دیتے جائیں اور امیر پر لازم ہے کہ سفر میں ان کے مفید مشوروں کو ضائع نہ جانے دے ۔

۳۔ رفیق سفر کو اپنے سفر کے مقاصد سے باخبر کرے اور اسے بتا دے کہ اس سفر میں اتنا عرصہ لگے گا تاکہ رفیق اس کے حالات سے آگاہ ہو کر اگر مناسب ہو گا تو وہ اس کے ساتھ چلے گا ورنہ معذرت کرے گا

۴۔ مرید پر لازم ہے کہ شیخ کامل کو تلاش کرے اس کی بیعت کے بعد اس کی اقتدا میں عمر کی بازی لگا دے یہاں

لے مقصود یہ ہے کہ استاد کی قدر و قیمت اور دنیا نے گنوا دی ۱۲ ۔

لے اسے بعد ہمارے ہاں مولوی حدیث شریف بطور بیان کرتے ہیں لیکن اس قول کو وہ اپنی پسند کے بہانے سمجھ کر تو دوسرے لیے پیالی شریف قرآن سے منحرف ہو جاتے ہیں گے

سے کہ منزل مقصود تک پہنچ کر مقصد میں کامیاب ہو اس لیے شیخ کامل کی تلاش درحقیقت حق تعالیٰ کی تلاش ہے

تعبیر عالمانہ فَلَمَّا بَلَغَا ۔ کاشفی نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے یوشع بن نون علیہ السلام سے فرمایا کہ تم اسی بندہ کامل کی تلاش میں میری موافقت کرو یوشع بن نون علیہ السلام نے عرض کی کہ میں آپ کے نہ صرف موافق ہوں بلکہ آپ کی موافقت کو غنیمت سمجھتا ہوں ۔ شعر

خوشست آں دولت کہ آنگاہ ہم چنیں باشد

جب ایسے رفیق کی رفاقت نصیب ہو تو اگر کوئی اس سے آزادی کے تو پھر ایسی آزادی ہیں ۔

یوشع علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کھانا اور سامان کا توشہ دان جس میں مچھلی بھنی ہوئی تھی اٹھا کر موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے ہو لیے فَلَمَّا بَلَغَا کی تفسیر ہے یعنی موسیٰ و یوشع علیہما السلام چل پڑے تو جب دونوں پہنچے مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا ۔ بینھما ظرف اور مجمع کا مضاف الیہ ہے اس کی وسعت کی وجہ سے اسے مضاف الیہ بنانا جائز ہے جب پہنچے جہاں وہ دونوں ایسی جگہ پہنچے جہاں دو دریاؤں کا ملاپ ہو کر جمع ہونے کا مقام تھا

چشمہ آب حیات کاشفی نے لکھا کہ دریاؤں کے ملنے میں ایک چشمہ آب حیات کے کنارے پر پہنچا تھا وہیں آرام کرنے کے لیے اترے موسیٰ علیہ السلام آرام فرما ہوئے یوشع علیہ السلام نے وہاں سے وضو کیا آب حیات سے پانی کا قطرہ اس بھونی ہوئی مچھلی پر پڑا تو مچھلی زندہ ہو کر دریا میں چھلانگ لگا دی یوشع علیہ السلام حیران ہو کر دیکھتے رہے جب موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے تو یوشع علیہ السلام سے سوال پوچھا نہ خبر جلدی سے چل دیئے نَسِيَا حُوتَهُمَا جانب سفر میں چلتی کو بھول گئے دونوں کا یہ بہت مطلب کے حصول کی علامت تھی۔

سوال مچھلی کا واقعہ تو یوشع بن نون علیہ السلام ہی سے تھا لیکن آیت میں اس کا اسناد موسیٰ علیہ السلام اور یوشع علیہ السلام ہر دونوں کی طرف کر دیا ؟

جواب موسیٰ علیہ السلام کا ہونا بھی اس میں شامل ہے وہ یوں کہ آپ چلتے وقت یوشع علیہ السلام کو بھنی ہوئی مچھلی دیکھ لینے اٹھانے کا نہ فرمایا اور یوشع علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کو بھنی ہوئی مچھلی کا عجیب کرشمہ بتانا بھول گئے اس لیے نسیان کی نسبت ہر دونوں کی طرف کی گئی

جواب ۲ الاسئلۃ المقحمۃ میں ہے کہ زاد سفر چونکہ دونوں حضرات کا مشترک تھا اس لیے نسیان کا اطلاق ہر دو پر ہوا اگرچہ بظاہر نسیان حضرت یوشع کا ہوا اس کی مثال یوں سمجھئے کہ عرب کہتے ہیں نسی القوم وحملوا الزاد حالانکہ اسے بعض افراد اٹھاتے ہیں لیکن اس کی نسبت سب کی طرف کی گئی ہے بخاری میں دونوں طرح روایت ہے سے سوال کیا گیا ہے کی روایت میں نسیان کا اسناد صرف یوشع کی طرف ہے اور قرآن مجید میں ہر دونوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

سوال فاتخذ سبیلہ کے بعد اتخذ پھر یہاں اس کا لانا ہے جب کہ مچھلی دریا میں پہلے گئی اور اس کو نسیان

پیدا ہو گیا

جواب یہ تو ظاہر ہے اور یہ ضروری نہیں کہ جس صورت علیہ پر تفسیر وارد ہے اس کا مطلب بھی نقل ہو بلکہ اس کی صورت اور نقل ہے اس سے پہلے یہ عبارت یوں تھی من الحوت فسقط فی البحر فاتخذ سبیلہ ۔ یعنی مچھلی زندہ ہو کر دریا میں گری اور بنایا اس نے اپنا راستہ فِی الْبَحْرِ سَرَبًا ۔ سَرَبًا مفعول ثانی ہے اور فی البحر اس سے حال ہے یعنی وہ راستہ سرنگ کی طرح بنایا سرب زمین کے اندر اس گڑھے کو کہتے ہیں جس کے نیچے سوراخ ہو یہ نفق کی قسم ہے اس لیے کہ سرب میں کسی قسم کا سوراخ نہیں ہوتا اور جس میں سوراخ ہو اسے نفق کہتے ہیں ۔

الجواب جس مچھلی پانی میں داخل ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اس پر اجرا کر روک دیا اور اس کے ٹھہرنے کی جگہ طاق کی طرح ہو گئی یعنی مکان کے اوپر جیسی جگہ بنا جس کا اوپر کا حصہ علیحدہ کر کے نیچے کی جگہ خالی رکھی جائے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے مچھلی کی جگہ سے پانی رک گیا اور پانی اس کے گرد دیوار سا معلوم ہوتا تھا گویا وہ مچھلی ایک طاقچہ میں بیٹھی تھی اسی طرح حدیث شریف میں اس کی صورت بتائی گئی ہے

الجواب وہ مچھلی جہاں سے گزرتی تھی اس جگہ سے پانی خشک ہو جاتا تھا اور وہ اسی زمین میں جا ٹھہری جس کے اوپر پانی اور نیچے خشک جگہ تھی بعض مفسرین جیسے قاضی اور اس کے متبعین نے لکھا ہے کہ سرب اس گڑھا کو کہا جاتا ہے جس میں آنے جانے کی جگہ ہو لیکن اس تفسیر کی کوئی دلیل نہیں اس لیے کہ قرآن مجید میں سارب بالنہار کا لفظ ہمارا مؤید ہے یعنی سارب کا معنی چلنے والا ہے فَلَمَّا جَاوَزَا جب بیابان سے گزر گئے اس لحاظ سے خضر علیہ السلام کی ملاقات کی جگہ تھی مروی ہے کہ جس وقت موسیٰ علیہ السلام سو کر اٹھے تو اسی دن اور آنے والی رات کا مسلسل چلتے رہے جب صبح ہوئی اور دوپہر کا وقت قریب ہوا تو بھوک پائی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ذہن میں بھوک کا خیال ڈالا تاکہ وہیں لوٹ کر اپنے مطلب کو حاصل کریں چنانچہ فرمایا ۔ قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا موسیٰ علیہ السلام نے اپنے غلام سے فرمایا کہ صبح کا کھانا لاؤ ۔ الغداء بالفتح وہ کھانا جو دن کو بھوک کے وقت کھایا جائے اور العشاء وہ کھانا جو رات کی بھوک مٹانے کے لیے کھایا جائے لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا بخدا ہم نے اس سفر میں جو کہ مجمع البحرین کے تجاوز ہو کر کیا ہے اور پیچھے کر واپس لوٹے نَصَبًا ۔ تھکان اور کوفت ۔

سوال انبیاء علیہم السلام میں بشریت کا غلبہ ہے تو پھر انہیں تھکان اور بھوک کیوں ؟

جواب چونکہ مقصد سے آگے تجاوز ہو چکے تھے اسی لیے انہیں واپس لوٹنا مطلوب تھا اسی لیے انہیں پہلی منزل یاد دلائی گئی جس سے وہ بشری تقاضوں کی طرف متوجہ ہوئے تو بھوک اور تھکان محسوس ہوئی ۔

حدیث شریف میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو اس وقت بھوک محسوس ہوئی جب منزل مقصود سے تجاوز ہو چکے تھے کہ تھکان طاری ہوئی ۔

سوال یہاں بھوک معلوم ہوتا ہے جس میں علاوہ صرف ایک دو دن میں سفر کیا اور کوہ طور کے سفر میں چالیس دن رات گزر دیے

یعنی بھوک اور تکان کا خیال تک نہ کیا حالانکہ اس وقت بھی بشری تقاضے موجود تھے

جواب: یہ سفر طلب علم اور قرب کے لئے تھا اس میں مشقت کا احساس ہونا ہی امر تھا اور کوہ طور کا سفر ذات حق کی جانب تھا اس لیے وہاں مشقت کا احساس نہیں تھا بلکہ راحت و سرور تھا (کذا فی روح المعانی مختصرا) خلاصہ یہ کہ اس سفر میں بشریت کا غلبہ تھا اور اس میں دیگر بشری معاملات کے لیے جگہ بچ گئے اب وہاں فرشتگی کا غلبہ تھا اس لیے کہ وہاں ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا

ف یہ جو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بھوک کی علت سفرنا هذا فرمایا ہے کہ تکان جو لاحق ہوئی اس لیے کہ بھوک میں کلام نہیں ہو سکتا مگر سفر جاری ہو تو تکان محسوس ہونے لگتی ہے کیونکہ بھوک سے قوت کمزور ہو جاتی ہے جو عام طور سے استراحت کھانا ہی سے ملتی تھی اس سے کاشفی نے کہا کہ جب موسیٰ علیہ السلام صبح کے وقت تھکان اتارنے کے لیے تھوڑی دیر کہیں ٹھہرے تو اپنے غلام سے فرمایا صبح کا کھانا لاؤ تاکہ بھوک بھی دور کریں اور تھوڑا سا آرام بھی کر لیں چنانچہ یوشع علیہ السلام نے دسترخوان پیش کیا تو مچھلی کا واقعہ یاد آگیا تو عرض کی کہ قَالَ موسیٰ علیہ السلام کے غلام نے عرض کی اَرَءَیۡتَ اس کا مطلب ہے کہ کیا یہ اخبرنی کے معنی میں آتا ہے لیکن یہاں تعجب کے معنی میں مستعمل ہوا ہے اور اس کا مفعول محذوف ہے اور وہی اذ اَوَیۡنَاۤ اِلَی الصَّخۡرَةِ کا حال ہے اب مخبر ہوا کہ تعجب ہے کہ مجھے یہ واقعہ پیش آیا تھا جب ہم پتھر پر پہنچ کر ٹھہرے تھے فَاِنِّیۡ نَسِیۡتُ الۡحُوۡتَ تو بھول گیا کہ میں آپ کو مچھلی کا معاملہ عرض کرتا اس وقت جو میں نے عجیب و غریب معاملہ دیکھا تھا اس کی اطلاع حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی کہ یہ بھول بے شک شیطان کی طرف سے ہوئی ورنہ وہاں ہی آپ کو عرض کر دیتا تاکہ آپ وہاں سے چلتے اور یہ سفر کی مشقت اور تکلیف نہ اٹھاتے چنانچہ کہا وَمَاۤ اَنۡسٰنِیۡهُ اِلَّا الشَّیۡطٰنُ اور مجھے شیطان نے ہی اپنے وسوسہ سے مچھلی کی بات بھلانے سے مشغول کر دیا اَنۡ اَذۡکُرَهٗ ۔ وما انسانی کی ضمیر متکلم سے بدل اشتمال ہے یعنی شیطان کے بھلا دینے سے ہی میں آپ کو مچھلی کا ذکر دیتا کا وَاتَّخَذَ سَبِیۡلَهٗ فِی الۡبَحۡرِ عَجَبًا ۝ اور مچھلی نے دریا میں عجیب راستہ لیا تھا جیسا کہ پہلے ہم نے بیان کیا کہ مچھلی نے جس جگہ میں چھلانگ لگائی تو دریا کا پانی ہٹ گیا اور اس کے اوپر پانی طاق کی صورت اختیار کر گیا جس میں مچھلی آرام سے چلی گئی اور یہ ایک عجیب منظر تھا جسے یوشع علیہ السلام نے آنکھوں سے دیکھا لیکن وقت موسیٰ علیہ السلام کو بتا سکے تبھی تو انہیں معذرت کرنی پڑی

ترکیب عَجَبًا اتخذ کا مفعول ثانی ہے اور سبیله بعض حرف مفعول اول یا مفعول ثانی سے حال ہے مچھلی کا واقعہ سنانے سے پہلے یوشع علیہ السلام نے واقعہ کو ذکر کیا اور اس پر مختصر فرمایا اور درمیان میں معذرت کے طور پر معترضہ ذکر کیا اور وہ وما انسانیہ الا الشیطان ہے بکار یہی جملہ معترضہ ہے کہ مچھلی کیا یعنی کہ کی علت بن جائے اصل تفسیر یہی ہے کہ مچھلی زندہ ہو کر چھلانگ مار کر دریا میں چلی گئی لیکن قصہ کے درمیان میں ایک جملہ معترضہ پیش کر دیا کہ مچھلی کے ساتھ سبب کا اظہار کرو یعنی علیہ السلام

ف اس سے مسئلہ اہلسنت کا ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام بشریت و نورانیت کا جامع ہوتے ہیں ۱۲

کنارے مچھلی کا بھاگ جانا جو سرے ہی میں پڑا رہا موزوں تھا

سوال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ناشتہ میں مچھلی کا زندہ ہونا عجیب امر تو ہے لیکن چونکہ یہی علامت مطلوبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حصول مقصد کی ایک نشانی تھی اس سے انہیں خوشی ہونی تھی پھر مچھلی چھوڑ یوشع علیہ السلام کی معذرت کا کیا معنے ۔

جواب چونکہ یوشع علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بڑے معجزات دیکھے ہوئے تھے اسی لیے اس مچھلی کو عجیب در عجیب طریق سے زندہ ہونے کی خرق عادت ان کے معجزات کے مقابل وقعتی نظر آئی اس لیے انہیں اپنے لیے اظہار معذرت کرنا پڑا ۔

جواب صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا اس کا جواب میرے نزدیک اور طرح سے دینا چاہیے وہ یہ کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے علم کو عظیم تر سمجھا تو حق تعالیٰ نے آپ کے دل سے ایک واضح علم بھلایا تاکہ موسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہو کہ ہر علمی شان میں جب تک اللہ تعالیٰ کی عطا و فضل نہ ہو وہ علم بھی جہل ہے ۔

صوفیانہ جواب بعض مشائخ نے فرمایا کہ دراصل معاملہ کچھ اور تھا وہ یہ کہ یوشع بن نون علیہ السلام نے جب آیات عجیبہ مشاہدہ کیں مثلاً مچھلی کا زندہ ہونا تھا اس کا راستہ کیا ہی عجیب تھا پھر اس کے لیے پانی کا جاری نہ ہونا بلکہ طاق کی صورت اختیار کرنا اور اس کا سرنگ ہونا کہ جیسا ... کا مشاہدہ فرمایا مستغرق بجناب القدس ہو گئے

سوال تم نے استغراق بالحق سے تعبیر کیا اور وہ خود شیطان کی طرف منسوب فرما رہے ہیں ہم اس کی بات نہیں یا سماعی

جواب انہوں نے تواضع نفسی کے طور فرمایا جیسا کہ نفس دھوکہ کھانے اور آرام سے اپنے لیے موجب افتخار سمجھے اور یہی طریقہ بزرگوں کا عام ہے

آیات میں چند لطیف اشارات ہیں

۱ ۔ مرید صادق جب ارادہ کرے کہ اپنے شیخ کامل کی خدمت کرے تاکہ وہ اسے سلوک کے منازل طے کرائیں تو اسے لازم ہے کہ توفیق ایزدی کو اپنا رفیق بنائے اس لیے کہ اس کے پاس مردہ مچھلی یعنی قلب ہے جو خواہشات نفسانیہ دنیویہ میں ... کی زینت کی محبت ہے کے تعلق سے مردہ ہو چکی ہے اور ... سے وہ دوستی مراد ہے جو مرید اور شیخ کامل کے مابین واقع ہے اس میں اشارہ ہے کہ مرید صادق شیخ کی صحبت سے اس وقت کامیابی کا حوالی پا سکتا ہے جب مجمع دوستی تک پہنچے گا یا وہ ہے کہ مجمع دوستی کے قرب میں آیات کا چشمہ موجود ہے جسے حیات جدیدہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اس سے ایک قطرہ مرید کے مردہ قلب پر پڑتا ہے تو مرید کا قلب زندہ ہو کر دریائے حقیقت میں غوطہ زن ہو کر اپنا راستہ بنا لیتا ہے ۔

ف ۱ یہ مچھلی واضح کرنے کے لحاظ سے جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ... ظاہر فرمائے جیسے ... نے ... اور ہم نے استغراق پر ... فرمایا ... لیجیے ۔ ۔

۲ - اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ بندے کے دل پر تجلی ڈالتا ہے تو وہ اپنے قلب کو ہی جلا دیتا ہے لیکن یہ اس وقت نصیب ہوتا ہے جب کسی شیخ کامل کی نظر عنایت سے سرشار ہو۔ مثنوی شریف میں ہے ۔

اے خنک آں مردہ کز خود رستہ شد
در وجود زندہ پیوستہ شد
وائے آں زندہ کہ با مردہ نشست
مردہ گشت و زندگی از وے برست

ترجمہ: خوش نصیب ہے وہ مردہ جو اپنی ہستی کو مٹا کر کسی زندہ سے جا ملا اور بد قسمتی ہے اس زندہ کی جو کسی مردوں کے پاس بیٹھا تو وہ خود مر گیا اور زندگی سے نجات پا گیا ۔

۳ - بہت سے مریدین کو اثنائے راہ سلوک میں یہ بات گزرتی ہے کہ خواہ مخواہ ایک اپنے جیسے انسان کے احسانات اٹھاؤں اور اس کی وجہ سے بہت سے مصائب و تکالیف برداشت کرتا رہوں کیوں نہ ہو کہ اسے چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگ جاؤں اور شب و روز اسی کی یاد میں مشغول رہوں اسی طرح سے منزل مقصود کو پہنچ جاؤں یہ خیال اس کا غلط اور سراسر غلط ہے اس بات کے لیے جب تک شیخ کامل کی نگاہ کرم نہ ہوگی منزل پر پہنچنا محال بلکہ سخت مشکل ہے بلکہ ساری زندگی ضائع ہوگی اور عبادات کی لذت اور عبادت و ریاضت کی تکالیف و مشقت بیکار اور شیخ کی رہبری کے بغیر سیدھے راستہ پر چلنے کا خطرہ اور راہ حق سے بہت دور ہونے کا یقین ہاں عنایات الٰہی کی دستگیری وہ علیحدہ بات ہے لیکن یہ کسی خوش قسمت کو نصیب ہوتا ہے عام قاعدہ یہی ہے کہ راہ سلوک میں مرشد کامل کی رہبری ضروری ہے ۔ مثنوی شریف میں ہے - بیت

آں رہے کہ بارہا تو رفتہ
بے قلاوز اندر آں آشفتہ
پس رہے را کہ نرفتی تو ہیچ ۔ ہیں مرو تنہا ز رہبر سر مپیچ
ہیں مپر الا کہ با پر ہائے شیخ ۔ تا ببینی عون و لشکر ہائے شیخ

ترجمہ: وہ راستہ کہ تو بارہا اس پر چلا ہے لیکن رہبر کے بغیر پریشان و سرگرداں رہا جو راستہ تو نے کبھی دیکھا ہی نہیں ایسے راستوں میں رہبر کے بغیر ایک قدم مت چلنا اور ایسے راستوں پر اپنے پروں سے نہ اڑو بلکہ شیخ کے پروں سے اڑو تاکہ تم کو کامیابی ہوگی ۔

۴ - شیخ کامل کی صحبت مرید کے لیے ایک لازمی چیز ہے کہ جہاں بیٹھ کر شیخ کے ملفوظات سنتا اور اس کے افعال و اعمال دیکھ کر پیروی کرتا اس کی روحانی غذا ہے اور صحبت سے محروم ہو کر تو حصول مقصد سے محروم رہے گا کیونکہ نفس میں مخالفت موجود ہی ہے اور شیطان کا کام ہی یہ ہے کہ وہ روحانی کی طرف رغبت والے کو اس سے [illegible]

قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ۝ فَوَجَدَا عَبْدًا

موسیٰ نے کہا یہی تو ہم چاہتے تھے تو پیچھے پلٹے اپنے قدموں کے نشان دیکھتے تو ہمارے بندوں میں

مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝ قَالَ

سے ایک بندہ پایا جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت دی اور اسے اپنا علم لدنی عطا کیا اس سے

لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ۝

موسیٰ نے کہا کیا میں تمہارے ساتھ رہوں اس شرط پر کہ تم مجھے سکھا دو گے نیک بات جو تمہیں تعلیم ہوئی

(بقیہ صفحہ ۳۲۰)

کر صحبت شیخ کی طرف رجوع کرے اور شیخ کی خدمت کرتے ہوئے توفیق ایزدی کو اپنا رفیق بنائے جیسے موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام واپس لوٹے تو منزل مقصود کو پایا اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ یعنی سچے لوگوں کی صحبت حاصل کرو اور جھوٹے لوگوں سے دور بھاگو۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

ہر طرف غولے ہمی خواند ترا
کاے برادر راہ خواہی ہین بیا

رہنمایم ہمرہت باشم رفیق
من قلاوزم دریں راہ دقیق

نے قلاوز ست نے رہ داند او
یوسفا کم رو سوئے آں گرگ خو

ترجمہ ہر طرف غول تمہیں پکارتے ہیں کہ اے بھائی کہیں نہ جا مجھے میری طرف آنا ضروری ہے میں تیرا رہبر ہوں اچھا ساتھی ہوں پیچیدہ راہ کا عارف ہوں یعنی تیرا رہبر ہو سکتا ہے وہ دوسرے لوگ تیرے رہبر ہیں نہ دوست غلط راستے پر ڈالنے والے ہیں سو اے میرے پیارے گرگ صفت لوگوں کو چھوڑ دے اور ہمارے پاس آ جا ہم اللہ تعالیٰ سے ملنے تک توفیق کی اختیار کرتے ہیں

تفسیر عالمانہ

قَالَ ذٰلِكَ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے غلام سے فرمایا کہ جس مچھلی کا تم نے بیان کیا ہے وہی تو مَا كُنَّا نَبْغِ یعنی دراصل یہی تھا اس کی ضمیر جو اس کے اسم موصول کی طرف لوٹتی ہے وہ محذوف ہے عبارت دراصل نبغیہ تھی یعنی جس کی ہمیں تلاش تھی اور جس کی طلب میں ہم گھر سے روانہ ہوئے تھے وہی مقام تھا اس لیے کہ خضر علیہ السلام کی ملاقات کے موقع کی علامت یہی بتائی گئی تھی فَارْتَدَّا جہاں تک پہنچے وہاں سے واپس ہو

اور وہ ایک نہر تھی وہ اس دریا سے نکلتی تھی جس میں مچھلی چھوڑ آئے تھے قولہ اٰثَارِہِمَا یعنی اس راستے سے واپس ہوئے جدھر سے گئے تھے آثار، بعضہ السلام نشانات قدم کی جمع ہے شکوک کہا جاتا ہے قصص قافیہ ڈھونڈنا یعنی وہ اس کے پیچھا اس سے پیچھا کرنا آثار بعضہ القدم ہی کیا ہے فَوَجَدَا عَبْدًا اس کی تنوین تعظیم کی ہے یعنی حیرت انگیز بندہ اور اضافت تشریفی ہے یعنی ہمارے ایک بندے کو ایک عظیم الشان بندہ پایا جو ایک کپڑے سے چھپے بیٹھے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے السلام علیکم کہہ کر اپنا تعارف کرایا اور فرمایا کہ میں آپ کے پاس وہ باقی علوم حاصل کرنے آیا ہوں جو ایک عرصہ ہوا کہ استفادہ کرنے کا جمہور کا مذہب ہے کہ اس عبد سے مراد حضرت خضر علیہ السلام ہی ہیں۔

ف خضر بفتح الخاء المعجمہ وکسر الضاد یہ ان کا لقب ہے

وجہ تسمیہ خضر علیہ السلام

خضر علیہ السلام کو اس نام سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو اس نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ آپ خشک زمین پر بیٹھے تو آپ کے تشریف لے جانے کے بعد وہ خشک زمین سرسبز و شاداب ہو گئی۔

ف الفروۃ خشک زمین کا وہ ٹکڑا جس میں سبزی نہ ہو وہ خشک گھاس جو گٹھڑی کی صورت میں پڑا ہو اور بیضاء وہ زمین جو خالی پڑی ہو جس پر اگوری ہو گھاس اور درخت وغیرہ اور احد حضاء اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ خضرہ کی طرح ہو جاتی سبزی اور سفید ہوتی ہے اہتزاز النبات یعنی انگوری کا حرکت کرنا یعنی تروتازہ و شاداب ہونا۔

خضر علیہ السلام کا اسم گرامی

خضر علیہ السلام کی کنیت ابوالعباس اور اسم گرامی بلیا ہے بیاء موحدہ مفتوحہ جیم ساکنہ اس کے بعد یا اور فاء ہے بن ملکان بن فالغ بن عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام۔

ف ابو اللیث نے فرمایا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خضر علیہ السلام کا لقب بیان فرمایا کہ وہ کسی بادشاہ کے صاحبزادے تھے اس کا خیال تھا کہ ان کو اپنا جانشین بنائے لیکن خضر علیہ السلام نے ایسی جانشینی قبول نہ کی وہاں سے بھاگ کر کسی جزیرے میں جا بیٹھے پھر کر بادشاہ تلاش کرتا رہ گیا۔

خضر علیہ السلام کا تعارف

کتاب التعریف والاعلام وابہام السبیل میں ہے کہ خضر علیہ السلام کے والد بادشاہ اور والدہ ملکہ کی کنیز تھیں اس کا نام الہا تھا خضر علیہ السلام کو ایک غار میں جنا اور وہیں چھوڑ گئی تو وہاں ایک بکری روزانہ دودھ پلاتی رہی پھر بڑے ہوئے تو آپ کو ایک مرد لے گیا اس نے آپ کی پرورش کی جب آپ جوان ہو گئے تو بادشاہ یعنی آپ کے والد نے اعلان کیا کہ کاتبین جمع ہوں تاکہ ان سے ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے لکھوائے جائیں جب کاتبین جمع ہوئے تو ان میں خضر علیہ السلام بھی تھے آپ کے والد بادشاہ کو پہچان نہ تھی جب آپ نے کتابت کی تو آپ کے خط کو بہتر عمدہ اور بہی خصوصیت دیکھ کر بادشاہ متاثر ہوا اور پوچھا آپ کون ہیں آپ نے اپنا تعارف کرایا تب معلوم ہوا کہ یہ تو اس کے صاحبزادے ہیں بیٹے کو ساتھ لے گیا اور بادشاہی کے جملہ امور ان کے سپرد کر دیے لیکن خضر علیہ السلام کو بات

بندرہ آتی تھی یہ بادشاہ سے کم ہو کر جنگل نکلے اور دنیا کو طلاق دے کر عبادت کرتے رہے یہاں تک کہ چشمہ آبِ حیات پر پہنچے تو وہاں سے پانی پی لیا ۔

خضر علیہ السلام بلا واسطہ آدم علیہ السلام کے بیٹے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ خضر آدم علیہ السلام کے بلا واسطہ بیٹے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ نے طویل عمر بخشی ہے یہاں تک کہ آپ دجال کی سرکوبی کریں گے اس میں اشارہ ہے کہ ہر زمانے میں دجال ہوتا ہے اور ہر دجال کی سرکوبی کرنے والا پیدا ہوتا رہتا ہے

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے

کجاست صوفیٔ دجال فعل ملحد شکل
بگو بسوز کہ مہدیٔ دین پناہ رسید

ترجمہ دجال فعل اور ملحد شکل والا صوفی کہاں ہے اسے کہو کہ جل مر تیری سرکوبی کے لیے مہدی دین پناہ تشریف لا چکا ہے

آدم علیہ السلام کی دعا اور خضر علیہ السلام کی درازیٔ عمر ابن عساکر نے روایت کی ہے کہ جب آدم علیہ السلام کا وصال قریب ہوا تو آپ نے اپنے صاحبزادوں کو وصیت فرمائی کہ ان کا جسم اطہر غار میں محفوظ رکھا جائے چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا جب نوح علیہ السلام کے طوفان کا ظہور ہوا تو آدم علیہ السلام کے جسم اطہر کو اپنی کشتی میں ساتھ لے گئے جب نوح علیہ السلام کشتی سے اترے تو فرمایا کہ آدم علیہ السلام نے دعا فرمائی تھی کہ جو انہیں دفنائے گا وہ قیامت تک زندہ رہے گا۔ سن کر آپ کی اولاد آدم علیہ السلام کے جسم اطہر کو دفنانے کے لیے غار میں لے گئے ان میں خضر علیہ السلام بھی تھے اور یہ سعادت صرف انہیں نصیب ہوئی اس پر اللہ تعالیٰ نے وعدہ پورا فرمایا کہ خضر علیہ السلام تا قیامت زندہ رہیں گے اور جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا زندہ رہیں گے بعض کے نزدیک خضر علیہ السلام بلا واسطہ آدم علیہ السلام کے بیٹے ہیں لیکن بعض نے یہ بھی کہا کہ خضر علیہ السلام فرشتے ہیں لیکن یہ قول سراسر غلط ہے

عجیب وغریب قول **اعجوبہ** یہ ہے کہ خضر علیہ السلام فرعون کا بیٹا ہے لیکن یہ فرعون موسیٰ علیہ السلام کے ہم زمان تھے ذکرہ الی تاریخ مصر، بعض روایات میں ہے کہ وہ فرعون کے نواسے ہیں اور وہ ان کے ہمسفر تھے اور آب حیات کا پانی پی لیا تھا اس پر اللہ تعالیٰ نے ایک مدت معلوم تک انہیں زندہ رکھا ہے اور ان کا طویل العمر ہونا عقلاً بھی محال نہیں اس لیے کہ بہت سے آدم زادے تین ہزار سال سے زائد عمر پا کر فوت ہوئے۔

خضر علیہ السلام اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے ہیں بعض کا خیال ہے کہ خضر علیہ السلام اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں ان کا نسب نامہ یوں ہے خضر بن عامیل بن سماقین بن اریا بن علقما بن عیصو بن اسحاق النبی علیہ السلام اور عامیل خضر علیہ السلام کے والد بادشاہ تھے۔

خضر نبی تھے یا ولی؟ خضر علیہ السلام کے متعلق جمہور کی رائے ہے کہ وہ نبی تھے لیکن کسی قوم کی طرف رسول بنا کر نہیں بھیجے گئے اور صوفیاء متقین کی رائے ہے کہ نبی نہیں تھے بلکہ ولی تھے۔

خضر کے زندہ ہونے پر صوفیہ کے دلائل گو آپ کے زندہ موجود رہنے میں اختلاف ہے لیکن اکثر علماء کی رائے ہے کہ وہ زندہ موجود ہیں اور اسی دنیا میں زمین پر رہتے ہیں اور صوفیہ کرام کا تو اس میں اتفاق ہے کسی سے بھی مختلف منقول نہیں بلکہ ان کی ملاقات کی حکایات بے شمار ہیں سب بے شمار شخصوں نے ان کو دیکھا اور ان سے گفتگو کرنے کا دعویٰ فرمایا ہے ایسی حکایات حضرت شیخ اکبر نے فتوحات مکیہ میں اور حضرت ابو طالب مکی نے اپنی تصنیف میں اور حضرت حکیم ترمذی نے اپنی نوادر میں اور دیگر مشائخ نے اپنی تصانیف میں نقل فرمائی ہیں اور نقلیں اور خضر علیہ السلام کی ملاقات کرنے والے اور ان کو دیکھنے والے شخصیتیں صاحبات مشائخ عظام قدست اسرارہم ہیں کہ ان کا جھوٹ پر اتفاق کرنا ممکن نہیں بلکہ محال ہے اور ان سے ایسی غلط نقل کا صدور ہی نہیں ہو سکتا ان کے وجود و ثبوت کے دلائل تو یہ ہیں لیکن ان کے مرنے کی ایک دلیل بھی کسی کے پاس موجود نہیں نہ قرآن میں نہ حدیث میں اور نہ اجماع امت میں اور نہ ہی کوئی ایسی نقل آئی ہے کہ خضر علیہ السلام فلاں وقت فوت ہوئے اور فلاں جگہ مدفون ہیں اور نہ یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ فلاں بادشاہ کی بادشاہی کے وقت فوت ہو گئے تھے۔

چار انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں تفسیر عزیزی میں ہے کہ چار انبیاء علیہم السلام تا قیامت زندہ رہیں گے دو زمین پر دو آسمان پر وہ جو زمین پر ہیں الیاس علیہ السلام جنگلوں میں اور خضر علیہ السلام دریاؤں میں وہ ہر رات ذوالقرنین کی سد سکندری (دیوار) میں جمع ہوتے اور اس کی نگرانی کرتے ہیں اور اس کی حفاظت کرتے ہیں اور جو دو آسمانوں پر ہیں وہ ادریس و عیسیٰ علیہم السلام ہیں

خضر علیہ السلام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعزیت کے لئے حاضر ہوئے علماء حدیث کی ذکر حضرت جوہر کتاب التفسیر میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے اور کفنانے کے بعد کسی سے سنا گیا وہ کہہ رہا تھا السلام علیکم اے اہل بیت بے شک اللہ تعالیٰ ہر فوت ہونے والے کا عوض عطا فرماتا ہے ہر مصیبت پر صبر ضروری ہے لہذا تم بھی صبر کرو اور اس صبر میں صرف اللہ تعالیٰ ہی سے اجر کی امید رکھو پھر ان سے لوگوں نے تعزیت فرمائی اہل بیت آواز تو سن رہے تھے لیکن بولنے والا نظر نہیں آتا تھا اس سے صحابہ کرام و اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم نے سمجھ لیا کہ وہ خضر علیہ السلام تھے

حضرت خضر نے حضرت علی کو دعا سکھائی کتاب ... میں ہے کہ خضر علیہ السلام حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ملے اور انہیں یہ دعا سکھائی اور بتایا کہ اس کے پڑھنے کا ثواب اور مغفرت و رحمت ہے اس شخص کے لیے جو اسے ہر نماز کے بعد پڑھتا ہے وہ دعا یہ ہے:

یا من لا یشغلہ سمع عن سمع ویا من لا تغلطہ المسائل ویا من لا یبرمہ الحاح الملحین اذقنی برد عفوک وحلاوۃ مغفرتک۔

ترجمہ اے وہ ذات کثرت آوازیں اس کے سننے کو مانع نہیں اور اے وہ ذات کثرت سوال غلطی میں ڈالتے ہیں اور اے وہ ذات اصرار کرنے والوں کی زاری اسے تنگ نہیں کرتی مجھے معافی و مغفرت کا مزہ چکھا۔

ف بروی نے فرمایا کہ خضر علیہ السلام حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بار بار حاضر ہوئے۔

سوال حدیث شریف میں ہے لو کان حیا لزارنی اگر خضر زندہ ہوتے تو میرے پاس ضرور حاضر ہوتے اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ خضر علیہ السلام زندہ نہیں؟

جواب یہ حدیث شریف ان کے زندہ ہونے کے منافی نہیں اس لئے کہ حضور سرور عالم کا یہ ارشاد گرامی ان کی آپ سے ملاقات سے پہلے کا ہے۔

خضر علیہ السلام جلیس نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کے راوی ہیں فصل الخطاب میں ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بار بار حاضر ہو کر شرف صحبت سے مشرف ہوئے اور آپ نے متعدد احادیث بھی روایت کی ہیں منجملہ ان کے ایک انگوٹھی پہننے کی روایت بھی ہے تفصیل فقیر اویسی غفرلہ کے رسالہ انگوٹھی پہننے کا ثبوت دیکھئے۔

غزوۂ تبوک میں حضرت الیاس کی حاضری الشفاء للعسکری میں ہے کہ غزوۂ تبوک میں حضور نبی علیہ السلام کی خدمت میں حضرت الیاس علیہ السلام حاضر ہوئے چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ پر ساتھ تھے جب کہ نزدیک فج الناقہ کے مقام پر ایک غیبی آواز سنی گئی وہ کہہ رہا تھا

اللھم اجعلنی من امة محمد المرحومة المغفور لها المستجاب لها۔

اے اللہ مجھے احمد مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم سے بنادے وہ امت ہے کہ جس کے گناہ بخشے اور دعا قبول ہوتی ہے۔

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انس آواز کو دیکھئے کون بول رہا ہے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں آواز کی طرف چلا پہاڑ کے اندر ایک سفید رنگ کی چادر دیکھا جس کے کپڑے سفید ہیں اور سر اور داڑھی مبارک کے بال بھی سفید تھے اس کا قد مبارک تقریباً تین سو گز تھا جب مجھے دیکھا تو فرمایا آپ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے قاصد ہیں میں نے کہا ہاں جی انہوں نے فرمایا آپ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس جا کر میرا سلام عرض کیجئے اور کہنا آپ کا بھائی الیاس پیغمبر علیہ السلام آپ کے دیدار کا مشتاق ہے حضرت انس نے فرمایا میں نے واپس جا کر بارگاہ رسالت میں الیاس کا سلام و پیغام پہنچایا حضور علیہ السلام الیاس علیہ السلام کے ہاں تشریف لے گئے میں بھی آپ کے ساتھ ہو لیا جب آپ الیاس علیہ السلام کے قریب پہنچے تو آپ ان کے ہاں تشریف لے گئے اور میں پیچھے ہٹ گیا دونوں حضرات کافی دیر تک گفتگو کرتے رہے پھر آسمان سے کوئی دسترخوان آسمان سے اترا اس میں کھانے کی چند اشیاء تھیں آپ نے مجھے کھانے کے لئے بلایا اس میں کماۃ، انار، کیلے، کھجوریں، کرفس تھا میں نے کھا کر اجازت مانگی اور پیچھے ہٹ گیا اس کے بعد آسمان سے بادل کی شکل میں کوئی شے اتری اور دسترخوان کو اٹھا کر لے گئی۔

میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں یہ طعام کیسا تھا جو آسمان سے اترا آپ نے فرمایا

اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے مشاہدات [illegible] کے منافی نہیں ہوتے [illegible] کے اتفاقات میں بھی ایسے ہوتے رہتے ہیں۔

میں نے اس کے متعلق الیاس علیہ السلام سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام ہر چالیس روز اسی طرح کا کھانا اور سال کے بعد آب زمزم لاتے ہیں اور بسا اوقات ایسے بھی ہوتا ہے کہ ہم دونوں ملتے ہیں تو اللہ کی مہربانی سے یہاں بیٹھ کر ہی بچے بنا کر چلے جاتے ہیں

ف: بعض لوگ اس کے قائل ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام وفات پا گئے ہیں۔ وفات خضر علیہ السلام کے دلائل:
امام بخاری سے سوال ہوا کہ حضرت الیاس اور خضر علیہ السلام زندہ ہیں یا نہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ان دونوں کی وفات قرآن مجید اور حدیث شریف سے ثابت ہے

۱۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد ہم نے کسی بشر کو ہمیشگی نہیں بخشی۔

۲۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج کے بعد سو سال تک روئے زمین پر جو زندہ ہے وہ زندہ نہیں رہے گا اس میں خضر و الیاس علیہم السلام بھی ضمناً شامل ہوں گے

جواب: ۱۔ حدیث شریف میں کلی حکم نہیں بلکہ اکثری ہے اس لیے کہ زمانہ و عادت کے کلیات سے مستثنیٰ ہوتے ہیں چنانچہ حضرت قادری صدیق کریمہ بقول سو سال کے بعد تک زندہ رہے حالانکہ جس وقت حضور سرور عالم نے یہ ارشاد گرامی فرمایا تو کثیر التعداد حضرات اس وقت موجود تھے اگر حدیث شریف سے ان حضرات کو مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے تو حضرت خضر و الیاس علیہم السلام کو بھی مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ آیت کا جواب بھی ظاہر ہے کہ آیت میں خلود سے تا ابد دائمی زندگی مراد ہے اور حضرت الیاس و خضر علیہم السلام کے لیے ثابت ہے جبکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ نفخ صور سے پہلے ضرور فوت ہوں گے۔

سوال: حضرت خضر کو نبی مانا گیا ہے اگر انہیں زندہ بھی مانا جائے تو ختم نبوت کے مسئلہ پر زد آتی ہے حالانکہ حضور علیہ السلام کے بعد نبوت ختم ہے۔

جواب: یہ بھی غلط فہمی پر مبنی ہے اس لیے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نئے نبی کا آنا محال ہے اور وہ جو آپ کے ظہور سے پہلے کے نبی ہیں جیسے عیسیٰ علیہ السلام نبی ہیں لیکن زندہ بھی ہیں ان کی نبوت ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے لیے متصادم نہیں اس لیے کہ یہ حضرات بحیثیت نبی کے حضور علیہ السلام کی امت میں زندہ موجود نہیں بلکہ بحیثیت امتی ہونے کے ہیں یہی وجہ ہے کہ قریب قیامت میں جب قرآن مجید زمین سے اٹھا لیا جائے گا تو ان حضرات کو بھی وفات دی جائے گی

حکایات ۱۔ حضرت شیخ اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی بعض تصانیف میں فرمایا کہ حضرت خضر علیہ السلام آخری زمانہ میں اصحاب کہف کے ساتھ ظاہر ہوں گے جب امام مہدی کے ساتھ شامل کریں گے تو ان کے لشکروں میں سے یہی حضرات بھی لشکری مقرر ہوں گے۔

۲۔ مسلم شریف میں دجال کی احادیث کے آخر میں لکھا گیا ہے کہ دجال ایک عالم دین کو شہید کر کے زندہ کرے گا ابو اسحٰق ابراہیم بن سفیان امام مسلم کے شاگرد کہتے ہیں کہ یہ عالم دین ہی حضرت خضر علیہ السلام ہوں گے

۳۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت خضر اور حضرت الیاس علیہم السلام موسم حج میں ہر سال ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں اور ہر دو ایک دوسرے کا سر مونڈتے ہیں اور یہ کلمات کہہ کر ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں وہ کلمات یہ ہیں۔ ماشاء اللہ لا یسوق الخیر الا اللہ ماشاء اللہ لا یصرف السوء الا اللہ ماشاء اللہ ما کان من نعمۃ فمن اللہ ماشاء اللہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

ف جو ان کلمات کو تین تین بار صبح و شام پڑھے گا اسے اللہ تعالیٰ آگ کے جلنے اور دریا کے غرق ہونے اور مال کے چوری ہونے اور شیطان کے شر سے محفوظ فرمائے گا بلکہ سانپ بچھو کی ایذا رسانی سے بھی بچا لے گا

۴۔ امام احمد نے کتاب الزہد میں لکھا ہے کہ وہ دونوں حضرات رمضان شریف کے روزے بیت المقدس میں رکھتے ہیں۔

۵۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت خضر کا مسکن بیت المقدس میں باب الرحمۃ اور باب الاسباط کے درمیان رہتا ہے۔

صوفیانہ فائدہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ خضر سے بسط اور الیاس سے قبض مراد ہے لوگوں کا خیال تھا کہ خضر علیہ السلام کسی شخص کا نام ہے جو موسیٰ علیہ السلام سے ملنا چاہتے تھے یا اولیاء کی کوئی صورت مثالی تھی جس سے موسیٰ علیہ السلام کو پیری کا خیال غیر محقق ہے بلکہ یہ ایک خیالی شکل مثالی تھی جو حضرت خضر کے نام سے ظاہر ہوا ہو یعنی علیہ السلام کو پیری کر کے پھر مستقل اور پیر ہوتا ہے جو رہتا ہے پھر وہ مثلاً اسی شخص معین کی روح متشکل ہوتی ہے یا بدن مقدس مستقل صاحب روح جیسے خضر یا روحانی صفت خدا کے مطابق متشکل ہوتا ہے اور اسی طرح اولیاء اللہ کے بعض گمنام بزرگوں سے ملنا جلنا یہ بھی ضروری ہے کہ بیداری میں ہر صورت متشکل نہیں ہوتی ہے بلکہ کبھی اصل اور حقیقی صورت بھی ہوتی ہے البتہ خواب میں کبھی خیالی صورت سامنے آتی ہے اور کبھی حقیقی اور اصل اور اللہ تعالیٰ کے ہر معاملہ میں حکمت ہوتی ہے وہ قادر ہے جس طرح چاہے کر سکتا ہے

آتَیْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا اور ہم نے اسے اپنی طرف سے رحمت عنایت فرمائی اس رحمت سے نبوت و وحی مراد ہے جیسا کہ آیات کی تفسیر سے معلوم ہوتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا تو اس خصوصیت سے بھی صرف نبوت اور وحی مراد ہے اور دوسرے مقام پر رحمت بمعنی نبوت قرآن مجید میں مستعمل ہوئی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اھم یقسمون رحمۃ ربک لیکن ضروری نہیں کہ ہر جگہ رحمت سے نبوت ہی مراد ہو یہاں خضر علیہ السلام کے معاملہ میں طول العمر مراد ہے یہ اس لئے ہے جیسا کہ حضرت خضر ہے

۱؎ یہ تھانوی صاحب کا اپنا خیال ہے جو جمہور کے خلاف ہے۔ ۱۲

۲؎ اس پر ابن جوزی نے ایک کتاب لکھی ہے۔ "الانباء فی عمر الخضر و الیاس" ۱۲۔

علیہ السلام کو نبی نہیں مانا بلکہ صرف ان کی ولایت کے قائل ہیں وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ○ اور ہم نے انہیں علم لدنی عطا فرمایا۔ صاحب روح البیان نے یہاں پر علماً سے علم غیب مراد لیا ہے ان کی اصل عبارت یہ ہے۔

وعلمناه من لدنا علماً خاصاً هو علم الغيوب والاخبار عنها باذنه تعالى على ما ذهب اليه ابن عباس رضى الله تعالى عنهما او علم الباطن۔	علم خاص یعنی علوم غیب اور غیب کی خبریں دینا باذنہ تعالیٰ یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے یا اس سے علم باطن مراد ہے۔

روح البیان صفحہ ج ۵ تحت آیت ہذا۔

علم لدنی کا ثبوت اور اس کے دلائل

علم لدنی کے دیوبندی وہابی قائل ہی نہیں بلکہ کہتے ہیں کہ علم لدنی کوئی شے نہیں اور یہ اصطلاح بدعت ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں صاحب روح البیان ان کے رد میں صدیوں پہلے لکھ گئے

قال فى بحر العلوم انما قلت من لدنا مع ان العلوم كلها من لدنه لان بعضها بواسطة تعليم الخلق فلا يسمى ذلك علما لدنيا بل العلم اللدنى هو الذى ينزل فى القلب من غير واسطة احد ولا سبب مألوف من خارج كما كان لعمر وعلى وغيرهم من اولياء الله قال النبى ما عنيت الذين فاخروا بالشوق والوجد على كل من سواهم	بحر العلوم میں لکھا ہے کہ من لدنا کیوں کہا باوجودیکہ تمام علوم اسی سے ہیں لیکن بعض علوم مخلوق کے واسطے سے ہوتے ہیں۔ اسے علم لدنی نہیں کہا جائے گا بلکہ علم لدنی وہ ہے جو بغیر تعلق کسی واسطے کے قلب پر نازل فرماتا اور اس میں نہ معلم ہو اور نہ ہی کسی شخص کا واسطہ ہو اور نہ ہی کسی دوسرے ظاہری سبب کا جیسا کہ حضرت عمر و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما یا دوسرے بزرگ اولیاء کرام کو نصیب ہوا۔

سواہم ۔ روح البیان صفحہ ج ۵ تحت آیت ہذا۔

ایسے لوگوں کے لیے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

نفس من انفاس المشتاقين خير من عبادة الثقلين۔	مشتاق انسان کی صرف ایک گھڑی ثقلین کی عبادت سے افضل ہے۔

اور فرمایا:

ركعتان من رجل زاهد قلبه خير واحب الى الله	زاہد کا دوگانہ بہتر اور اللہ کے ہاں محبوب ترین ہے تمام

لہ اس سے دیوبندیوں وہابیوں کا تعصب اہلسنت بریلویوں کی تائید ہو کر دیوبندی وہابی کہتے ہیں علم غیبیہ تو انبیاء علیہم السلام کو بھی نہیں مگر کو دیا گیا ہے تو اس پر علم غیب کا اطلاق شرک ہے اہلسنت بریلوی یا روحانی کے قائل ہیں المختصر صدیوں پہلے بھی اکابر علماء کا یہی عقیدہ تھا۔ دیکھیے دیوبندیہ تو مسلمانوں سے بھی منحرف ہیں۔

من عبادۃ التعبد جلیل غلی الدھر ۔ عبادت گزاروں کی تمام زندگی کی عبادت سے

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا کہ ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، وقلیل من عبادی الشکور اور فرمایا، ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔

صحابہ کرام کی شان

اس سے واضح ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شان بہت بلند تھی وہ معرفت الٰہی میں اونچا مرتبہ رکھتے تھے اس لیے کہ وہ تمام اولیا مشائخ و محققین کے امام تھے بلکہ وہ ہدایت کے ستارے اور سرچشمے تھے، ولکن الشیعۃ قوم لا یعقلون۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ عبداً سے وہ عبد جو عبودیت میں غیروں سے بالکل آزاد ہے اور وہی آزاد بندوں سے ہے جنہیں ہم نے غیروں سے آزاد فرمایا اور پسندیدہ بندوں سے انہیں بنایا۔ واتینٰہ رحمۃ من عندنا اور وہ بندے جنہیں ہم نے انوار صفات کے فیوض کی استعداد قبول کرنے کی صلاحیت دی اور اس میں انہیں کوئی واسطہ کی بھی ضرورت نہیں۔ وعلمنٰہ من لدنا علماً اور انہیں ذات و صفات کی معرفت کے وہ علوم عنایت فرمائے جنہیں ہماری تعلیم سے معرفت نہیں وہ علوم نصیب ہوئے

علم لدنی کی پہچان

ہر وہ علم جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عطا فرمائے لیکن وہ ایسا علم ہو کہ جو غیروں سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہو اسے علم لدنی نہیں کہا جاتا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وعلمنٰہ صنعۃ لبوس لکم زرہ بنانے کا علم اگرچہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو عنایت فرمایا مگر یہ ایسا علم ہے جسے بندوں سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے لہٰذا اسے علم لدنی نہیں کہا جائے گا اس لیے کہ اس میں احتمال ہے کہ اسے بندوں سے سیکھا جا سکتا ہے ہاں علم معرفت ذات و صفات ایک ایسا علم ہے کہ اسے سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی سے حاصل نہیں کیا جا سکتا اسی لیے علم لدنی صرف ایسے علوم کو کہا جائے گا۔

حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ علم لدنی وہ ہے کہ اس کے حصول کے بعد پختہ یقین ہو اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ ہو۔ اس میں کسی کو خوف نہیں بلکہ یہ کشف الغیب کے مکاشفات ہیں انوار ہیں اور یہ ہر اس بندے کو نصیب ہوتے ہیں جو اپنے تمام اعضا کو مخلوق کے تعلقات سے فارغ کر دے بلکہ اپنے جمیع ارادات اور حرکات و سکنات کو فنا کر دے اور اپنے آپ کو ہر تمنا و آرزو سے فارغ کر کے بارگاہ حق کے سپرد کر دے

ف حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہٗ نے فرمایا کہ الملکوت والجبروت کا ایک ایسا راز ہے کہ کسی پر نہیں کھلتا الا ماشاء اللہ، اور قلب میں اس راز کے کھلنے کی خواہش رہتی ہے وہ مشاہدۂ حق بھی علم سے نہیں وہ کسی اور صحبت سے نصیب ہوتا ہے جب قلب پر ایسے واردات ہوتے ہیں تو ملک و ملکوت میں سما جاتے ہیں۔

ف متعلمان اہل ظاہر سے تو ہمیشہ کہتے ہیں کہ تم علوم مردگان سے حاصل کرتے ہو اور ہم حی لا یموت سے لیتے ہیں۔

علم کز حق روید یکدست
علم کز عشق روید خوشست
علم کز گل دہد گرد تباہ
علم کز دل دہد واقف بشاہ
علم چو بر دل زند یارے شود
علم چو بر گل زند بارے شود

ترجمہ وہ علم جو علم سے پیدا ہو وہ صرف ایک پل رہے گا اور وہ علم جو عشق سے پیدا ہوگا وہی زندہ جاوید ہوگا وہ علم جو عشق سے تیار ہو وہ ہی جنت جائے گا اور وہ علم جو دل سے پیدا ہوگا وہ دوبارہ وہ علم جو دل پر ابھرے وہ حالی ہو وہ مددگار ہوگا اور وہ علم جو صرف جسم پر ابھرے وہ صرف بوجھ ہوگا۔

ف وہ علوم جو مکاشفات کے ذریعے حاصل ہوں ان سے صوفیائے کرام علم لدنی سے تعبیر کرتے ہیں اس کی تفصیل یوں ہے کہ ماہیت کا ادراک کا تصور ہے اگر علم ہو تو اس کا نام تصدیق ہے اگر بلا حکم ہو تو اسے تصور کہا جائے گا پھر دونوں یا کسب و طلب حاصل ہو تو اسے علم نظری سے تعبیر کرتے ہیں اگر کسب و طلب سے حاصل ہو تو اسے کسبی کہا جائے گا اور علم ضروری اگر نفس و عقل میں کسب و طلب کے بغیر حاصل ہوتا ہے جیسے دو اور دو چار ہوتے ہیں یا ہم کہتے ہیں اثبات نفی کا اجتماع محال ہو سکتا ہے اور ذات اقدس اور دو کا نصف ہے اور کبھی علوم وہ ہیں جو بے نفس میں ابتداً موجود نہیں تھے بلکہ ان کے حصول کے لیے کوئی ذریعہ اور سبب بنایا جاتا ہے اگر وہ حسیات کے ذریعے سے محسوسات کا علوم کرتا ہو تو اسے تجربہ و فکر سے تعبیر کرتے ہیں اور اگر قلب کی صفائی اللہ سے ما سوا کے شغل سے بند کیا جائے تو اسے کشف کہا جاتا ہے اور علوم کشفیہ کا اعلیٰ اور بہتر طریقہ ہے جو کہ صرف ذات و صفات و آثار و افعال الٰہی سے متعلق ہو اسے صوفیائے کرام علم لدنی سے تعبیر کرتے ہیں علم حقائق سے بھی تعبیر کرتے ہیں کہ اس کو بغیر واسطہ حق تعالیٰ کے تعلق و ارتباط سے یہ علم حاصل ہوتا ہے لیکن یہ عقل کی طاقت بشریہ کے مطابق نہیں ہوتا ہے کہ اسی وجہ سے وہ حیرت میں مستغرق ہو کر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا حق کسی کو نصیب نہیں ہوا اور کوئی علوم کو اس علم سے وہی نسبت نہیں جو قطرات کو شبنم سے یا قطرات کو سمندر سے۔ خلاصہ یہ کہ اولیاء اللہ کے علوم کشف و بیان پر مبنی ہیں اور دوسرے لوگوں کے علوم اقوال و نظریات پر مبنی ہوتے ہیں اولیاء کرام کے علوم کا تعلق حق تعالیٰ سے ہوتا ہے اور دوسروں کے علوم کا آغاز دنیوی جاہ و جلال یا مرتبہ مناصب کے حصول و تدبیر ہی تک ہیں حضرت جامی قدس سرہ نے فرمایا ہے

جان زاہد ساحل وہم و خیال
جان عارف غرقۂ بحر شہود

ترجمہ زاہد کی روح وہم و خیال کے ساحل پر ہے اور عارف کی روح بحر شہود میں مستغرق ہوتی ہے۔

ف صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ میرے شیخ قدس سرہ نے فرمایا آیت میں رحمت سے علم العبادۃ اور تعلیم و تہذیب اور ظاہری علوم اور شریعت مراد ہے اور انہیں رحمت سے تعبیر کرنا محض ان کے عموم کی وجہ سے ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وسعت رحمتی کل شیء اور چونکہ اس علم کا مقام قرب صفاتی ہے اسی لیے اس کے لیے عند کا ارشاد فرمایا جو اس کے لائق ہے چنانچہ فرمایا من عندنا یعنی جناب صفات متکلم و ربوبیت اور اس کے مرتبہ قرب سے ہے اور علم سے علم الوراثۃ والاشارۃ اور باطن و حقیقت مراد ہے اسی لیے اسے علم سے تعبیر کیا اس لیے کہ قاعدہ ہے جب شے کا مطلق بلا قید استعمال کیا جائے تو اس سے اس کا فرد کامل مراد ہے اور فرد کامل علم باطن کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کیونکہ علم ظاہر بمنزلہ جسم اور علم باطن بمنزلہ روح کے ہے یا یوں کہو کہ ظاہری علوم بمنزلہ چھلکے کے اور علوم باطنی بمنزلہ مغز کے ہیں یا یوں کہو کہ علم ظاہری شے کی صورت اور علوم باطن بمنزلہ معنے کے ہیں بہرحال علم باطن فرد کامل اور علم ظاہر فرد ناقص ہے اور یاد رہے کہ علم ظاہری کا نقص نقصان عرفی کے لحاظ سے نہیں کہا جاتا بلکہ اس کی اس نسبت سے جو اسے علم باطن سے ہے گویا یہ اضافی نقصان ہے اور یہ شے کے لیے عیب نہیں ہوتا اس لیے کہ اعلیٰ و ادنیٰ کے درمیان مقام کے امتیاز کے طور پر ایسا نقص نہ ہو تو پھر اعلیٰ و ادنیٰ کا امتیاز کیسے ہو سکتا ہے اسی لیے علم ظاہری کا یہ نقص ذاتی نہیں بلکہ اضافی ہے اسی لیے اس کے یہی کمال کو ساتھ رکھ کر اسے علم ظاہری کے مقام سے ممتاز کیا جا سکتا ہے اگر اس طرح نقص و کمال کا فرق نہ کیا جائے تو امتیاز کیسے کیا جا سکتا اس سے معلوم ہوا کہ یہ فرق بوجہ تقسیم کے ہے نہ صاحب کمال کا کمال ذاتی حقیقی ہے نہ ناقص کا نقص ذاتی و حقیقی ہے بلکہ بحیثیت اضافت و نسبت کے ہے اور یہی حیثیات اشیاء کی مختلفات و متفاوتات کے لیے ظاہر ہوتے ہیں اس اعتبار سے علم ظاہر کا نقصان عیب نہیں بلکہ یہ نقص بھی اس کا کمال ہے اسے یوں سمجھو کہ جیسے جہل و غفلت میں نقصان حقیقی ہے ایسے ہی علم ظاہری ہو یا باطنی اپنے مرتبہ میں کمال ہی کمال ہوتا ہے اور ایسا ہی کمال حقیقی کمال متصور ہوتا ہے ہم نے اضافی لحاظ سے انہیں کمال اضافی کہا تھا اور احکام کے اجرا کے لیے اعتبارات کا اعتبار ہوتا ہے اگر اعتبارات نہ ہوں تو احکام باطل ہو جائیں چنانچہ اہل حق کا مقولہ مشہور ہے لولا الاعتبارات لبطلت الحقائق اعتبارات سے اضافات اور نسبتیں مراد ہیں اور یہی اضافات اشیاء میں ضروری ہیں

ف چونکہ مقام باطن قرب ذاتی کے مقام کا مظہر ہے اسی لیے اس مقام قرب ذاتی کو من لدنا سے تعبیر فرمایا ہے یعنی اس بندہ محبوب کو ہم نے اپنی ذات و ربوبیت کا علم عطا فرمایا ہے یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ نے وہ علوم جو اللہ تعالیٰ سے بلاواسطہ کسی کو عطا ہوں انہیں علم لدنی سے تعبیر کیا ہے اور یہی علم باطن ہے اسی لیے کسی صوفی شاعر نے کہا ہے

[illegible]

[illegible]

ترجمہ : ہم نے علوم و رحمت وحدت کے بغیر [illegible] کا قطرہ ہے ذوات ہونے کا ۔
یعنی ہمیں وہ علوم تحقیقی اور اسرار ربانی سے نصیب ہوئے ہیں ہم نے انہیں تعلیم عقلی اور تدریس قولی سے حاصل نہیں کیے ۔

ف علم ظاہری کو علم باطن سے وہی تعلق ہے جو ظاہری کو باطن سے ہوتا ہے اسی لیے ظاہری امور کی پابندی کو علم شریعت سے تعبیر کرتا ہے اور علم شریعت علم باطن کے لیے ایسا ہے جیسے چھلکے سے مغز کو تعلق ہوتا ہے اسی لیے صوفیائے کرام کے نزدیک شریعت کی پابندی ضروری ہے جیسا کہ مغز چھلکے کے اندر آ جاتا ہے ورنہ وہ ضائع ہو جاتا ہے۔

نبی ولی علی اللہ علیہ وسلم و رضی اللہ تعالیٰ عنہ علوم الہیہ کا گھر کہ شہر حضرت سید المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اس کا دروازہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

گر تشنۂ فیض حق بصدقی حافظ
سرچشمۂ آں ز ساقی کوثر پرس

ترجمہ اگر تم فیض حق کے پیاسے ہو اے حافظ تو اس کا سرچشمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھو

تحقیق انیق حضرت موسیٰ علیہ السلام علم کو حضرت خضر علیہ السلام کے ہاں حاصل کرنے کے لیے تشریف لے گئے وہ اشارات کے طریق سے حاصل ہوتا تھا وہ علم باطن جو کہ اشارے کے طور حاصل ہوتا ہے وہ یہاں مراد نہیں اور نہ ہی علم ظاہری کے الفاظ کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے اس کی دلیل ظاہر ہے کہ اگر وہ ظاہری یا باطنی علم ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام کو خضر علیہ السلام کے ہاں بھیجنے کی کیا ضرورت تھی اس لیے کہ اللہ تعالیٰ خود بلا واسطہ یا بواسطہ جبریل علیہ السلام یہ علوم عطا فرماتا انہیں حضرت خضر علیہ السلام کے ہاں اس لیے بھیجا تھا کہ معلوم ہو کہ وہ مخصوص علم ہے جو اشارہ کے طور سکھایا جاتا ہے اگرچہ وہی علوم مذکورہ تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حاصل بھی تھے لیکن چونکہ ان پر علوم ظاہری غالب تھے اور وہ مخصوص نشانات کے طریق سے حاصل تھے اور یہاں اشارات کے طور سکھایا جاتا تھا اسی لیے خضر علیہ السلام نے انہیں فرمایا

انک لن تستطیع معی صبرا وکیف تصبر علی ما لم تحط بہ خبرا اور خضر علیہ السلام پر اشارات کا غلبہ تھا اسی لیے جناب کے علوم واسطے نہیں موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ساتھ رہنے کا اور علوم کا اظہار فرمایا اللہ تعالیٰ نے ولکل وجہۃ ھو مولیھا اور فرمایا قل کل یعمل علی شاکلتہ۔

امام اعظم و حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا موازنہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام

ل اس حدیث شریف سے لطیفہ حاصل کرو یہ کہ بعض جاہل صوفی بھی حقیقت سے بے بہرہ ہیں حالانکہ حدیث شریف میں چاروں یاروں کے نام بھی ترتیب سے ہیں جیسے ہم نے عرض کیا ہے اس کی تفصیل فقیر کی کتاب شرح آئینہ مشیر نما میں ہے اور یہی طرز ہے

ت شریعت سے بے بہرہ کی طریقت کا دعویٰ جو صرف ظاہر بکواس ہے جاہل عوام بنانے لیے تکلف کریں وہ لوگ جو شریعت پر عمل نہیں کرتے اور پھر بھی وہ نماز سے پیر و مرشد بنے ہیں ہم بشریت پر بریلی کے علماء کرام کو پیر و مرشد صرف اسے مانتے ہیں جو عقائد حق کے بعد شریعت کا پابند ہو۔

سے ظہور اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ نسبت اور تعلق ہے کہ جس پر جس شے کا غلبہ ہوتا ہے اسی کا ظہور ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا غلبہ تھا اسی لیے ان سے علوم ظاہرہ اور شریعت مطہرہ کا ظہور ہوا اور ان میں علوم باطن اور طریقت و معرفت و حقیقت کی کمی نہیں تھی آپ نے ساری زندگی علوم شرعیہ کی خدمات سرانجام دیں اگرچہ آپ کا سینہ پاک علوم باطنی سے بھی معمور ہو چکا تھا اور حضرت حسن بصری پر علم باطن کا غلبہ تھا اسی لیے ان سے باطن کی باتیں ظاہر ہوئیں امام اعظم شمسی المشرب اور حضرت حسن بصری قمری المشرب ہیں یہی وجہ ہے کہ امام اعظم کا فلک حضرت حسن بصری کے فلک سے وسیع تر ہے اور امام اعظم رضی اللہ عنہ عوام کی رحمت عامہ تھے اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ خواص کے لیے رحمت خاصہ امام اعظم اسم رحمٰن کے مظہر تھے اور حضرت حسن بصری اسم رحیم کے مظہر اس سے خود اندازہ لگا لیں کہ امام اعظم کا مشرب شرق تا غرب شمس ضو فشاں ہو کر سارے عالم میں پھیل گیا آپ کی مذہب مثال ایسے ہے جیسے انبیاء علیہم السلام کی نبوت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوئی جیسے ولایت کا خاتمہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ہوگا ایسے ہی امام اعظم کا مذہب خاتم المذاہب ہے اسی لیے آپ کا مذہب شمس المذاہب ہے اور آپ کو اسی لیے سراج الامہ کاشف الغمہ رافع الظلم دافع البدعہ محی الدین محافظ شریعت پاک والسنہ کہا جاتا ہے اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ کا مذہب و مشرب قمری تھا اسی لیے آپ کی برکت سے قلوب و نفوس جہاں کو ظلمت غفلت و دوری سے نکال کر معرفت و اسرار الحقیقت والہدیٰ کے ساتھ نورانی ہوا یعنی ایمان عطا کیا یہی وہ ذات برکت والی ہے جس نے آسمان میں برج بنائے اور سورج نورانی اور چاند چمکیلا بنایا آیت میں شمس کی تقدیم سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم کا مرتبہ حضرت حسن بصری سے بلند و بالا ہے اس لیے کہ امام اعظم اسم اول ظاہر کے اور امام حسن بصری رضی اللہ عنہ اسم آخر اور باطن کے مظہر ہیں اور آیت ھو الاول والآخر والظاھر والباطن میں اسم اول ظاہر اسم آخر اور باطن سے مقدم ہیں یاد رہے کہ اس مرتبہ کا فرق ہم نے مراتب کی ترتیب کا اعتبار کیا ہے ورنہ دونوں کا اصل کمال اور حقیقی فضل خدا جانے ہم ان کے متعلق انگشتری کے حلقہ کی مثال دے سکتے ہیں کہ جس طرح حلقہ کے لیے نہیں جانتے کہ اس کا اول کہاں اور آخر کہاں ایسے ہی ہم ان حضرات کے متعلق کچھ نہیں جانتے کہ ان میں افضل و اکمل کون ہے ہاں ہماری اس بات کا اعتبار وہی کرے گا جو ان حضرات سے عقیدت رکھتا ہے اور جو ان کا مخالف ہے وہ تو ہے ہی مخالف ۔

ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم احناف کے اکابرین و مشائخین کے مقتدا امام اعظم سیدنا ابو حنیفہ اور شوافع کے امام شافعی اور مالکیوں کے امام مالک اور حنبلیوں کے امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں ۔

غیر مقلدین وہابیہ کا رد یہ ائمہ اربعہ خلفائے راشدین کی طرح ہیں جو بھی ان حضرات کی اقتداء کرے گا ہدایت پائے گا کیونکہ ہدایت کے ستارے بلکہ چاند بلکہ سورج ہیں وہ دین کے گھر کے چار ستون ہیں جیسے کوئی مکان ستونوں کے بغیر نہیں ہو سکتا اسی طرح ان حضرات کی اقتداء کے بغیر دین سے بہرہ وری نصیب نہیں ہوگی

غلط فہمی کا ازالہ بعض جہال سمجھتے ہیں کہ امر شرع علم معرفت و حقیقت و طریقت سے متعارض ہے حاشا و کلا بلکہ وہ علم

مشائخ طریقت کے لیے بھی اسرار و رموز ہیں چنانچہ صاحب روح البیان نے تحریر فرمایا ہے کہ

علم الباطن بمنزلة الاقطاب والافلاك كالمريخ والشمس من [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] والشريعة والطريقة والحقيقة [illegible] [illegible] [illegible] صلى الله عليه وسلم [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

کلام حضرت شیخ [illegible] مع اختصار

وہ [illegible] انقلاب و دنیا کی طرح حرکت کی طرح ادا کیے ہیں جیسے آسمان پر سورج اور ستارے ہیں اور یہ شرف و مرتبہ بہت بلند ہے جسے کوئی پا کر حاصل نہ ہوگا جب تک ان کی اقتدا نہ کرے یعنی شریعت و طریقت و حقیقت اور علم و عمل اور ان کے آداب سے مناسب ہو اس لیے کہ ان کی اتباع درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا ہے اور اس میں شک نہیں کہ جو ان کی اقتدا نہیں کرتا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے سے دور بھٹک گیا اور درجہ قبول سے محروم ہو گیا۔

سوال بعض مشائخ طریقت سے منقول ہے کہ

ان المجتهدين [illegible] منازل العشق

مجتہدین کو منازل عشق کی کیا خبر

جواب صاحب روح البیان نے فرمایا کہ اس عبارت کے متعدد جواب ہیں جن میں سے بعض [illegible] میں بیان کیا ہے ان میں سے ایک جواب یہ ہے کہ جن مشائخ سے یہ کلمات صادر ہوئے ان سے وہ حالت سکر میں نکلے ہیں جب ان پر مستی کا غلبہ ہوتا ہے تو ان کے ایسے کلمات قابل اعتنا نہیں ہوتے جیسے بایزید قدس سرہ کے غلبہ حال سے سبحانی ما اعظم شانی صادر ہوا۔

سبق ہر مرد مسلمان کا فرض ہے کہ ان حضرات ائمہ مجتہدین کے حق میں لب گستاخی نہ کھولے بلکہ ان کی مدح سرائی کرے تاکہ اسے دارین کی سعادت حاصل ہو۔

تفسیر عالمانہ قَالَ لَهٗ مُوْسٰی یہ جملہ مستانفہ اور سوال کا جواب ہے کلام سابق سے سوال پیدا ہوا گویا کسی نے پوچھا کہ ان دونوں حضرات کی آپس میں کیا گفتگو ہوئی تو جواب ملا کہ موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے کہا هَلْ اَتَّبِعُكَ کیا میں آپ کی صحبت میں رہ سکتا ہوں عَلٰۤی اَنْ تُعَلِّمَنِ اس شرط پر کہ آپ مجھے سکھائیں [illegible] موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے صحبت میں رہنے کی اجازت چاہی ہے اور کہا ہے کہ میں آپ کی صحبت میں صرف حصول تعلیم کے لیے رہنا چاہتا ہوں اس سے شرف صحبت کی دلیل ظاہر ہوئی مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا اس علم رشد سے جو آپ کو عطا ہوا ہے تاکہ میں آپ سے وہی علم حاصل کر کے [illegible] رشد حاصل کروں [illegible] کاشفی نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے کہا کہ مجھے وہ علم سکھائیے جو [illegible] کا علم۔

ف موسیٰ علیہ السلام نے باوجود شان کے تواضع و انکسار سے بات کی اس سے [illegible] کو تنبیہ ہے کہ وہ اس سے [illegible] اپنے سے بڑے عالم کے سامنے تواضع و انکسار سے پیش آئیں۔

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

سوال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تواضع و انکساری آپ کے اعلیٰ مرتبے کی :

جواب حق تو یہ ہے کہ یہ موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کو اپنا استاذ ظاہر فرمایا ہے اور واضح کیا کہ جو علم آپ سے سیکھوں گا اس سے میں ناواقف ہوں اور آپ بجا طور پر صاحبِ مرتبہ ہیں کہ میں علم سکھانے کی وجہ سے آپ سے مستفید ہوں ۔ صاحبِ معاملت ۔ سے ظاہر فرمائی ۔ جس

تنبیہ یہاں سے ایک اور بات ظاہر ہوتی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کو قیمتی اور اعلیٰ پایا آپ کی مساوات کا دم نہیں بھرا بلکہ یہ آپ کے علوم سے بھی حصہ لینے کی تمنا ہے کہ یہ عز و جاہ بڑی شان ہے اور خضر جیسے ہوں دولت مند کے علم سے حصہ حاصل کیا جاتا ہے معاملت میں تبعیت فرمائی ہے کہ میرا مقصد یہ ہے کہ آپ کا علم حاصل کروں ہے ۔ اس سے ظاہر ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے واضح فرمایا ہے کہ اس کے بغیر انسان گمراہی کے گڑھے میں گرتا ہے ۔ اور خضر علیہ السلام سے استدعا کی کہ مجھے وہ علم سکھا دیجئے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا ہے اسی طرح سے آپ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کریں ۔ حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا

اے صاحبِ کرامت شکرانۂ سلامت
روزے تفقدی کن درویش بے نوا را

ترجمہ اے صاحبِ کرامت شکرانہ سے ہی سلامت نصیب ہوگا تم دولت کے موجود ہو کسی دن فقیر بے نوا کی مدد کر دے
حضرت بابا شاہ ولی اللہ نے فرمایا کہ اگر علم ضروری نہ ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام علم کے لیے اتنی مشقت نہ اٹھاتے پڑتی تھی تو خضر علیہ السلام سے علم حاصل کرنے کی کلفت کیوں اٹھاتے

علم کی فضیلت

زجاج نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کے طریقہ کار سے معلوم ہوا کہ باوجود انبیاء علیہم السلام ہونے کے علم کی طلب میں سفر و غربت کی مشقت برداشت فرمایا اس میں اشارہ ہے کہ انسان عالم ہو کر بھی جتنا ہو سکے تکمیل کے لیے زیادہ سے زیادہ علم دین کے حصول میں کوشاں رہے ۔

طالبِ علمی کی فضیلت

حدیث شریف : اطلبوا العلم من المهد الى اللحد ۔ گہوارہ سے لے کر قبر کے اندر داخل ہونے تک علم حاصل کرتے رہو ۔ مثنوی شریف میں ہے ۔

خاتمِ ملکِ سلیمان است علم
جملہ عالم صورت و جان است علم

ترجمہ سلیمان علیہ السلام کے ملک کی انگشتری علم ہے جملہ عالم جسم اور اس کی روح علم ہے ۔

ازالۂ وہم ایراد : حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تبعیت اور اس جلالتِ شان کے منافی نہیں کہ جس سے اوپر

ف اہل سنت کا عقیدہ ہے جو ان حضرات وہابیوں کو نصیب ہو کہ ہم انبیاء علیہم السلام کے علوم غیبیہ کو علمِ عطائی سے تعبیر کرتے ہیں وہابی دیوبندی شرک کہتے ہیں ۔ ۱۲

سے کم درجہ کے نبی سے کسب فیض فرمایا اس لیے کہ ان کے علوم کا تعلق علم شریعت اور ظاہری احکام پر تھا اور خضر علیہ السلام کے علم کا تعلق علم باطن سے تھا اور یہ حصول فیض کے منافی کوئی کمی کی دلیل ہی نہیں علاوہ ازیں وہ مامور من اللہ تھے اور جب تعلیم کا حکم امر الٰہی نبی بجا لائیں تو اور کون لائے گا۔

صاحب روح البیان کے پیر و مرشد کی تقریر صاحب روح البیان نے لکھا ہے کہ میرے شیخ اور پیر و مرشد قدس سرہ نے فرمایا اکمل کامل سے تربیت و تعلیم پائے اس میں حرج نہیں ہے اس لیے کہ کبھی کامل کو اللہ تعالیٰ نے ایسے اسرار و معارف سے نوازا ہے جو اکمل کو وہ نصیب نہیں ہوتے پھر اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے کہ ان اسرار و رموز کو اکمل کو عطا فرمائے تو کبھی بلا واسطہ عنایت فرماتا ہے اور کبھی اس سے کم درجے کے کامل سے اور یہ کب معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ اکمل کو کامل سے یا اس کے جیسے کے واسطے سے عنایات فرمائے وہ مالک ہے جو چاہے اکمل کو واسطہ سے عنایت فرمائے جو اس سے کم درجہ کا کامل ہے اور یہ کامل مطلقاً کامل ہے اس لیے کہ کامل علی الاطلاق کے لیے کاملیت و اکملیت کی قید کیسی اکملیت کسی کو حاصل ہے تو عارضی اصل میں تو وہ بھی کامل ہے اس لیے بیہودوں کے ایسے وساوس و اوہام کو کسی شمار میں نہ رکھا جائے۔

ف خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ ایسے علم پر ہیں جو آپ نے اللہ تعالیٰ سے حاصل فرمایا ہے اور میرے پاس بھی ایک علم ہے جو مجھے بھی اللہ تعالیٰ سے نصیب ہوا ہے اس سے خضر علیہ السلام کی امتیازی شان کا اظہار مطلوب تھا کہ آپ بھی اگرچہ عالم من اللہ ہیں لیکن آپ کی علمی حیثیت اور ہے اور میرے علم کی حیثیت اور۔

سوال تم اعتراف کرتے ہو کہ موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام سے اعلم تھے لیکن حدیث شریف اس کے خلاف ہے وہ یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو مجمع البحرین کی طرف سفر فرمایا تو ساتھ ہی یہ فرمایا هو اعلم منك وہ آپ سے زیادہ علم والے ہیں۔

جواب ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ خضر علیہ السلام اسی علم خاص میں موسیٰ علیہ السلام سے اعلم تھے لیکن اس سے کب ثابت ہوتا ہے کہ خضر علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے من کل الوجوہ اعلم تھے یہ تو اجماع امت کے خلاف ہے کون نہیں جانتا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق سے اعلم ہیں لیکن اس کے باوجود آپ نے ایک مرتبہ باغبانوں سے فرمایا انتم اعلم بامور دنیاکم تم اپنے دنیوی امور میں زیادہ عالم ہو۔

---

[1] اس حدیث کو لے کر دیوبندی وہابی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تنقید کرتے ہیں اور کبھی یہ لکھ دیتے ہیں کہ حضور علیہ السلام دنیاوی امور میں کیسے بے خبر تھے اسی قاعدہ کلیہ کی تائید میں لکھا کہ حضور علیہ السلام سے شیطان و ملک الموت کا علم زیادہ ہے یہی تھانوی اشرف علی تھانوی نے الافاضات الیومیہ میں لکھا کہ آپ سے بیاہی لڑکیاں زیادہ جانتی ہیں معاذ اللہ حالانکہ امور دنیاوی کو حضور علیہ السلام تمام مخلوق سے زیادہ جانتے ہیں لیکن جب تفصیل کا موقع آتا ہے تو دنیوی معاملات میں حضور علیہ السلام کو بے خبر ثابت کرتے ہیں ان کا استدلال حدیث مذکور سے ہے واقعہ یوں ہے کہ مدینہ پاک میں باغبان لوگ نر و مادہ درخت کی شاخیں ملاتے تھے تاکہ پھل زیادہ ہو آپ نے اس عمل سے منع فرمایا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا اس کلام کی عربی میں تشریح کرتے ہیں فقیر نے۔

ف قصص الانبیاء میں ہے کہ حضرت موسیٰ و حضرت خضر علیہم السلام دریا کے کنارے پر بیٹھے تھے کہ ایک پرندہ اڑتا ہوا دریا کے کنارے بیٹھا اور چونچ دریا میں ڈال کر چونچ بھر پانی کا اپنی چونچ میں لے لیا اس کے بعد پہلے مشرق اور پھر مغرب کی طرف اڑتا ہوا اپنی بولی میں کہتا چلا گیا حضرت خضر نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کیا معلوم ہے کہ یہ پرندہ کیا کہتا ہے آپ نے کہا مجھے معلوم نہیں حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا وہ کہتا تھا کہ تمام بنو آدم کو اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں وہی نسبت ہے جو میری چونچ کے پانی کو سمندر سے ہے

حتیٰ کہ کھجوروں کی فصل شاندار پھل کم لگے گی اس کی شکایت سرور عالم کی خدمت میں پیش ہوئی تو فرمایا انتم اعلم بامور دنیاکم اپنے دنیاوی معاملات تم زیادہ جانتے ہو وہابی کہتے ہیں کہ آپ کو علم نہ تھا کہ تلقیح روکنے سے پھل گھٹ جاویں گے اور انصار کا علم آپ سے زیادہ ثابت ہوا

جواب حضور علیہ السلام کا فرمانا انتم اعلم بامور دنیاکم عتاب ناراضی ہے کہ جب تم صبر نہیں کرتے تو دنیاوی معاملات تم جانو جیسے ہم کسی سے کوئی بات کہیں وہ نہ مانے تو کہتے ہیں بھائی تم جانو اس سے نفی علم مقصود نہیں شرح شفاء ملا علی قاری بحث معجزات میں فرماتے ہیں

وعصمه الله من الاطلاع على جميع مصالح الدنيا والدين واستشكل بانه عليه السلام وجد الانصار يلقحون النخل فقال لو تركتموه فتركوه فلم يخرج شيئا او خرج شيصا فقال انتم اعلم بامر دنياكم قال الشيخ السنوسي اراد ان يحملهم على خرق العوائد في ذلك الى باب التوكل واما هناك فلم يمتثلوا فقال انتم اعرف بدنياكم ولو امتثلوا وتحملوا في سنة او سنتين لكفوا امره

اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو تمام دینی و دنیاوی مصلحتوں پر مطلع فرمانے سے خاص فرمایا اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضور نے انصار کو کھجوروں کی تلقیح کرتے ہوئے پایا تو فرمایا کہ تم اس کو چھوڑ دیتے تو اچھا تھا انہوں نے چھوڑ دیا تو کچھ پھل ہی نہ آیا یا ناقص آیا تو فرمایا کہ اپنے دنیاوی معاملات تم جانو شیخ سنوسی نے فرمایا کہ آپ نے چاہا تھا کہ ان کو خلاف عادت کام کر کے باب توکل تک پہنچا دیں انہوں نے نہ مانا تو فرما دیا کہ تم جانو اگر وہ مان جاتے اور ایک سال تکلیف برداشت کر جاتے تو اس محنت سے بچ جاتے ملا علی قاری اسی شرح شفا جلد دوم صفحہ ۴۰۰ میں فرماتے ہیں ولو ثبتوا على كلامه في الفن لافاقوا منه وكفاهم الله المحنة وہ معجزات حضور علیہ السلام کے قرین ہو جاتے، یعنی اگر اس کلام پر ثابت رہتے تو اس فن میں اولیت حاصل ہو جاتی اور ان سے تلقیح کی محنت دور ہو جاتی فصل الخطاب میں علامہ قیصری سے نقل فرمایا ولا يعزب عن علمه عليه السلام مثقال ذرة في الارض ولا في السماء من حيث مرتبته وان كان يقول انتم اعلم بامور دنياكم حضور علیہ السلام کے علم سے زمین و آسمانوں میں ذرہ برابر چیز بھی پوشیدہ نہیں اگرچہ آپ فرماتے تھے کہ دنیاوی کام تم جانو اس کی مزید تشریح ہم نے [illegible] میں لکھی ہے اور پوری تفصیل تفسیر نعیمی میں کر دی ہے

ہمہ عالم زکتبہ ایست حسب علم
تابی دائرہ نقطہ ایست آدم

ترجمہ: تمام عالم ذات سے علم کا کتبہ ہے اسی دائرہ کا ایک نقطہ ہیں آدم

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ مرید کو جب شیخ کامل کا دامن نصیب ہو تو اسے لازم ہے کہ اسی کی صحبت میں رہنے کی ہمیشہ نسبت رہے [illegible] تو واضح ہے مطلب کہ اسے عمل میں شیخ کی تعلیم و تلقین پر ہو اسی میں اپنے جلیل القدر مراتب و کمالات کو دخل نہ دیکھے اور تصور کرے دل سے [illegible] جیسے موسیٰ علیہ السلام کا حال تھا۔ کہ باوجود جلالت وشان اور کلیم خدا ہونے کے بعد حضرت خضر علیہ السلام کے سامنے طفل مکتب بن کر رہے تھے هل اتبعک علی ان تعلمن مما علمت رشدا۔ یعنی یہ اسی طرح علوم سکھائیے جیسے آپ کو اللہ تعالیٰ نے سکھائے ہیں جن میں نہ جبریل علیہ السلام کا واسطہ ہو نہ کسی کتاب کا اسے ہی اللہ تعالیٰ سے جو علوم ہوئے کہیں ایسی طرح کے علوم تو موسیٰ علیہ السلام کو پہلے حاصل تھے

سوال: کمالات کے تو صرف یہی تین طریقے ہیں اسے موسیٰ علیہ السلام کو پہلے حاصل تھے پھر خضر علیہ السلام سے حاصل کرنے کا کیا فائدہ

جواب: واقعی پہلے تو تب علیہ کو نہیں تھے لیکن ان میں پیر واسطہ تھا مثلاً جبریل علیہ السلام بھی ایک واسطہ تھے اور کتاب بھی اور مکالمہ الٰہی سے دوئی کی بو آتی ہے لیکن موسیٰ کلیم کا مقصود تھا اس میں ازلی کے فیض کے حصول کا واسطہ نصیب ہو کر جمال و جلال کے جلوے بلا واسطہ حاصل ہوں گویا معرفت تامہ اور استغراق تام چاہتے تھے جیسے ارنی انظر الیک میں استدعا کی گئی کہ اے اللہ تعالیٰ درمیان میں پردہ سے دوئی کو ہٹا دے اور بے واسطہ کمالات عطا فرما سو یہی [illegible] کے تلاش [illegible] نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جب کسی کامل شیخ کا دامن نصیب ہو جائے تو اس کی صحبت و خدمت میں رہ کر حقائق حاصل ہوں تو پھر وہ منصب کو دیکھے نہ نسب کو نہ جاہ و جلال کو اور نہ منصب و کمال کو اور اپنے تمام علوم و فضائل پہلے فراموش کر دے گویا وہ ایسا جاہل ہے کہ اسے ذرہ بھر کا علم نہیں اور وہ پیر کی راہ و رسم کو جانتا ہے [illegible] کا علم رکھتا ہے [illegible] حضرت خضر علیہ السلام [illegible]

خاطرت کے رقم فیض پذیرد ہیہات
مگر از نقش پراگندہ ورق سادہ کنی

تیرا دل فیض کو قبول کر سکتا ہے ہرگز نہیں جب تک کہ اوراق کو نقوش سے پاک نہ کرے گا۔

مرید پر لازم ہے کہ وہ شیخ کے ہر امر و نہی کے سامنے سر جھکا دے جیسے موسیٰ علیہ السلام کا حال تھا کہ جب حضرت خضر علیہ السلام کے حضور گزارش ہوئے تو نفس [illegible] اور دلائل کا خیال دل سے [illegible] جبریل علیہ السلام جیسے مقرب فرشتہ کا [illegible] کلیم خدا ہونے کا شرف ہوا کتاب الٰہی تورات مقدس کا [illegible] بنی اسرائیل میں ہے [illegible] تمام کمالات بھول کر خضر علیہ السلام کی نیاز مندی [illegible] میں کر رہتے ہونگے بلکہ اپنے تمام [illegible] کو حضرت خضر علیہ السلام کے ارادہ میں گم کر دیے۔

قَالَ اِنَّكَ

آپ میرے

لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ۝ قَالَ

ساتھ ہرگز نہ ٹھہر سکیں گے اور اس بات پر کیونکر صبر کریں گے جسے آپ کا علم محیط نہیں کہا عنقریب

سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ۝ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ

اللہ چاہے تو تم مجھے صابر پاؤ گے اور میں تمہارے کسی حکم کے خلاف نہ کروں گا کہا تو اگر آپ میرے ساتھ رہتے ہیں تو مجھ

فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۝

سے کسی بات کو نہ پوچھنا جب تک میں خود اس کا ذکر نہ کروں

فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ

اب دونوں چلے یہاں تک کہ جب کشتی میں سوار ہوئے اس

خَرَقَهَا ۭ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا ۝ قَالَ

بندہ نے اسے چیر ڈالا موسیٰ نے کہا کیا تم نے اسے اس لیے چیرا کہ اس کے سواروں کو ڈبا دو بیشک یہ تم نے بری بات کی کہا

اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا

میں نہ کہتا تھا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز نہ ٹھہر سکیں گے کہا مجھ سے میری بھول پر گرفت نہ کرو اور

تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا ۝ فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ

مجھ پر میرے کام میں مشکل نہ ڈالو پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب ایک لڑکا ملا اس بندہ نے اسے

قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ۭ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا ۝

قتل کر دیا موسیٰ نے کہا کیا تم نے ایک ستھری جان بے کسی جان کے بدلے قتل کر دی بیشک تم نے بہت بری بات کی

تفسیر عالمانہ

قَالَ خضر علیہ السلام نے کہا اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا آپ میرے ساتھ ہرگز نہیں ٹھہر سکیں گے

اس میں موسیٰ علیہ السلام کے ارادہ کو دیکھ کر تاکید فرمائی ہے گویا خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ کا میرے ساتھ رہنا نامناسب اور نادرست ہوگا اور اس سے صرف صبر کی نفی مطلوب نہیں بلکہ اصل مقصد یہی ہے کہ آپ کو چونکہ اس علم سے تعلق نہیں اسی لیے آپ کا رہنا نہ رہنے کے برابر ہوگا ہم نے یہ معنی اس لیے کیا ہے کہ نفی فعل سے ثبات کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

مسئلہ استطاعت مع الفعل کا ثبوت ہوا یہی مذہب اہلسنت کا ہے۔ [illegible]

ف موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں کیوں صبر نہ کر سکوں گا اس کی کوئی وجہ بھی ہونی چاہیے اس کے جواب میں خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ چونکہ آپ پیغمبر ہیں آپ کے احکام ہمیشہ ظاہر پر ہیں لیکن جس کو میں کروں گا وہ ایسا فعل صادر ہوگا جو آپ کے خلاف ظاہر ہے حالانکہ وہ حقیقت میں برحق ہو اور آپ اپنی شریعت کے قانون کے مطابق میرے ساتھ معاملہ کرنے پر مجبور ہو جائیں گے اس لیے آپ کا اور میرا اکٹھے رہنا محال ہو جائے گا

وکیف تصبر علی ما لم تحط بہ خبرا ۶۸ ترجمہ اور آپ کیسے صبر

سکیں گے جب کہ ذہن پر مشتمل ہوتا ہے اور علم

یعنی عرف حضرت خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ میرے ساتھ کیسے صبر کر سکتے ہیں جب کہ میرے علوم آپ سے ماورا ہیں۔ کر سکیں گے اس میں حضرت خضر علیہ السلام نے تنبیہ فرمائی کہ میرا علم ایسے امور حقیقیہ پر مبنی ہے جس سے ظاہری علم رکھنے والے اور شریعت کے صاحب شریعت ایسے امور کو دیکھ کر برداشت نہیں کر سکے گا اسی لیے آپ نے قبل از وقت موسیٰ علیہ السلام سے فرما دیا۔

طالب علم دو قسم کے ہوتے ہیں۔

۱۔ بعض کامل و مکمل اور اعلیٰ مہارت کے مالک ہوتے ہیں۔

۲۔ بعض علوم میں اتنا مہارت نہیں رکھتے۔

ایسے طالب علم جب اپنے حدود سے علم سے باہر دیکھتے ہیں جو ان کے علم سے بلند ہوتی ہیں تو وہ اپنے استاد اور شیخ علم والے پر اعتراض کرتے ہیں اور رفتہ رفتہ نفرت پیدا ہو کر جس سے استاد و شاگردی کا پاک ہو جاتا ہے حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہوتی ہے اس لیے کہ شاگرد و معمولی علم والے کم علمی کی وجہ سے استاد اور شیخ علم پر غلط فہمی میں مبتلا ہو کر بسا اوقات نزاع اور جھگڑا پیدا ہو جاتا ہے چنانچہ اسی بات کو حضرت خضر علیہ السلام نے واضح فرمایا کہ انک لن تستطیع معی صبرا۔ اے موسیٰ علیہ السلام آپ میرے ساتھ نہیں رہ سکیں گے

ف صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ میرے شیخ و پیر و مرشد قدس سرہ نے "اللائحات البرقیات" میں تحریر فرمایا کہ ہر دو علوم یعنی ظاہر و باطن موسیٰ و خضر علیہم السلام میں موجود تھے فرق صرف اتنا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام پر علم ظاہر کا غلبہ تھا چنانچہ اس کی نبوت و رسالت ہی اس کے اس غلبہ پر دلالت کرتا ہے

سوال ہل اتبعک علی ان تعلمن مما علمت رشدا سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام علم باطن سے بے بہرہ تھے اور وہ خضر علیہ السلام سے حصول علم کی استدعا کرتے۔

جواب دراصل بات یہ ہے کہ وہ شخص جو علوم ظاہری پڑھتا ہے تو وہ صرف حروف کا ہوتا ہے علم باطن چونکہ اللہ تعالیٰ سے نصیب ہوتا ہے اس کے حصول میں حروف و الفاظ نہیں بلکہ وہ ذوق اور وجدان وغیرہ سے حاصل ہوتا ہے اس میں دلائل و براہین کا کوئی تعلق نہیں بلکہ اس علم کے لیے ذوق و کشف الٰہی اور القاء الہام ہونا چاہیے اس لیے کہ جملہ علوم باطنیہ ایسے ہی حاصل ہوتے ہیں اسی لیے انہیں لدنیات سے تعبیر کیا جاتا ہے نظریات کو ان میں کسی قسم کا دخل نہیں کیونکہ نظریات کا قانون ہے کہ صورت سابق حاصل بالفعل سے مبادی و مقدمات کو ترتیب کر کے حاصل کیا جاتا ہے یعنی ایک شے کو حاصل کر کے دوسری شے کو حاصل کرنا علم نظریات میں ضروری ہے اور علم باطن ذوق سے حاصل ہوتا ہے اس میں کسی شے کو واسطہ نہیں بنایا جاتا اگرچہ موسیٰ علیہ السلام کو بھی یہ علم لدنی حاصل تھا لیکن حکمت ربانی کا تقاضا ہوا کہ بندوں کو معلوم ہو کہ انسان کو ظاہری علم سے کتنا ہی وافر حصہ نصیب ہو تب بھی علم باطن کو حاصل کرنے کے لیے بندہ محتاج رہے گا۔

ف خضر علیہ السلام پر علم باطن کا غلبہ تھا چنانچہ ان کی ولایت مشہور ہے اگرچہ ان کی نبوت بھی ثابت ہے تب بھی ان پر علم باطن کا غلبہ تھا اسی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا انک لن تستطیع معی صبرا وکیف تصبر علی ما لم تحط بہ خبرا یعنی کہ آپ پر علم ظاہر کا غلبہ

اور آپ شریعت کے احکام کے پابند ہیں بلکہ میرے احکام علم باطنی سے متعلق ہیں اور میں باطن کے مقتضیات کا پابند ہوں اور شریعت ظاہر پر موقوف ہے اسی لیے ہمارا اور آپ کا ساتھ رہنا مشکل ہو جائے گا

تفسیر صوفیانہ

صورت حال یہ ہے کہ مرید پر لازم ہے کہ وہ ارادات میں پختہ ہو اگرچہ اس کو پیر و مرشد امتحان کے طور پر ہی اپنے سے بار بار ہٹائے تب بھی شیخ کا دروازہ نہ چھوڑے کیونکہ [illegible] ہی جانے گا [illegible] بار بلکہ زیادہ بار واپس ہوتی ہے اسے یہ سبق موسیٰ علیہ السلام سے سیکھنا چاہیے کہ انھیں جتنا بار خضر علیہ السلام نے اپنے ساتھ نہ رہنے کا فرمایا تب بھی موسیٰ علیہ السلام نے ان کی ایک نہ مانی چنانچہ موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ انک لن تستطیع معی صبرا۔ و کیف تصبر علی ما لم تحط بہ خبرا یعنی آپ میرے ساتھ کیسے گزارہ کر سکیں گے حالانکہ میرے اور آپ کے مذہب میں فرق ہے اس لیے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے علم ظاہر اور شریعت کے احکام کا پابند فرمایا ہے اور مجھے اللہ تعالیٰ نے علم باطن اور احکام طریقت کا پابند فرمایا ہے اور میں اسی کے مطابق عمل کروں گا اور علم لدنی و کشف حقائق کے اجرا کروں گا وہ اس لیے کہ میں ہر وقت حق میں فنا اور فنا میں اور اس کی احدیت سے بقا نصیب ہوئی اسی سے میں دیکھتا اور سنتا اور بولتا ہوں اور اسی کی طاقت سے چلتا پھرتا ہوں بلکہ میرا ہر کام اسی میں فانی ہے میرا علم اسی کا علم ہے میں وہی جانتا ہوں جو اس کا علم ہے میرا اپنا کچھ نہیں

تفسیر عالمانہ

قال موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ستجدنی آپ مجھے پائیں گے ۔ ان شاء اللہ صابرا ۔ ان شاء اللہ صبر کرنے والے یعنی میں آپ کی مخالفت پر صبر کروں گا آپ پر کسی قسم کا اعتراض نہیں کروں گا صبر بمعنی حبس یعنی نفس کو آپ کے کاموں پر ٹوکنے سے روکا جاتا ہے۔

ان شاء اللہ کہنے کی حکمت ۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان شاء اللہ تعالیٰ سے مدد طلبی یا توفیق کے لیے یا تبرک کے طور یا انہیں معلوم تھا کہ یہ کام بہت سخت مشکل ہے بالخصوص جہاں جہاں فساد کا ڈر ہو تو موسیٰ علیہ السلام کو خاموش رہنا اور زیادہ سخت تھا اسی لیے اللہ تعالیٰ کی امداد ضروری سمجھی بعض نے کہا کہ ان شاء اللہ اس لیے کہا کہ انھیں صبر اپنے پر بھروسہ نہ کیا جیسا کہ صلحا کی عادت ہے

اگرچہ یہ تمام انبیاء علیہم السلام کے مزاج گرامی بلند تھے سوائے موسیٰ علیہ السلام کے کہ ان کا مزاج اقدس جلالی تھا۔

سوال موسیٰ علیہ السلام نے ستجدنی ان شاء اللہ صابرا ۔ کہنے کے باوجود صبر کیا اور اسماعیل علیہ السلام نے ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین کہا اور صبر بھی کیا ۔

ف بعض لوگ سمجھتے ہیں علم شریعت و طریقت علیحدہ علیحدہ ہیں یہ ان کی غلطی ہے اس لیے کہ وہ ایک ہی ہیں [illegible] سے بندے محروم ہوتے ہیں ہم سب احکام علم ظاہر سے شریعت پر چلنے پر مجبور ہیں اسی لیے جو لوگ شریعت کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ جاہل ہیں۔ ۱۲۔

جواب ۱: موسیٰ علیہ السلام چونکہ طالب علم کی حیثیت سے خضر علیہ السلام کے ہاں حاضر ہوئے تھے اور طالب علموں کی فطرت ہے کہ جب تک اپنے استاذ سے کوئی شے سمجھ نہ لیں وہ صبر نہیں کر سکتے پوچھتے ہی رہتے ہیں اور اسماعیل بحیثیت متعلم ہونے کے نہیں تھے بلکہ ان کا مقام تسلیم و تفویض تھا اسی لیے انہوں نے صبر وغیرہ کا مظاہرہ کیا دونوں حضرات اپنے اپنے مقام پر ٹھیک تھے

جواب ۲: حضرت موسیٰ علیہ السلام مقام غیرت و وحدت پر تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام تسلیم و صبر کے مقام پر فائز تھے انہوں نے اپنے اپنے مقام کا حق ادا کیا۔

لطیفہ: اسماعیل علیہ السلام نے اس بے صبری کا اظہار فرمایا: مِنَ الصّٰبِرِیْنَ کہہ کر اپنے آپ کو صابرین میں داخل فرمایا اور موسیٰ علیہ السلام نے صَابِرًا کہہ کر اپنے آپ کو منفرد کر کے صابرین سے علیحدہ کر لیا اگرچہ تعلیق بالانشاء اللہ فرما دیا تھے اسی لیے تحصیل مقام اور وصول مرام کے لیے اوفق ہے وَلَآ اَعْصِیْ لَکَ اَمْرًا اس کا معنی پر لطف ہے یعنی میں صبر اور غیر صابر ہونے کے متعلق میں آپ کے ہر حکم کا پابند رہوں گا اور آپ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کروں گا۔

حکمت: صرف انشاء اللہ کہہ دینے اور وعدہ دینے سے خضر علیہ السلام کو اس طرح کا مخاطبہ پیش کرنے میں مبالغہ مطلوب ہے

تفسیر صوفیانہ آداب طالب میں ہے کہ مرید پر لازم ہے کہ شیخ کے کسی فعل و قول بلکہ ان کی جملہ حرکات و سکنات میں کسی قسم کا اعتراض نہ کرے بلکہ ان کے ہر معاملہ میں پورا اعتقاد رکھے اگرچہ ان سے کوئی عمل بظاہر خلاف شرع و عقل پسندیدہ نہ دیکھے تو بھی اعتراض کرنے اور دل میں بھی اس سے بدگمانی کرنے سے بچے بلکہ یہی خیال کرے کہ ان کا فعل حق ہے اور وہ اپنے معاملہ میں حق پر ہیں کیونکہ میرے علم و عقل میں کوتاہی ہو سکتی ہے ان کے معاملات میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں ہے۔ ارشاد قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ خضر علیہ السلام نے فرمایا اگر آپ میرے ہاں حصول علم کے لیے میری اتباع کریں گے فَلَا تَسْئَلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ تو مجھ سے کسی قسم کا سوال نہ کرنا اگرچہ آپ کو میرے سے کوئی معاملہ آپ کی شرع کے خلاف نظر آئے تو مجھ سے اس کا سوال کرنا اور نہ اس کی حکمت پوچھنا چاہیے کہ اس پر صبر یا مخالفت کریں۔

ف: اس سے خضر علیہ السلام کا موسیٰ علیہ السلام کو صاحب شریعت کا ادب ثابت ہوا اور بعد از بعثت تعلیم اجازت بخشی۔ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ کی تاکید موسیٰ علیہ السلام کے صبر وغیرہ کے وعدے سے متفرع ہے حَتّٰٓی اُحْدِثَ لَکَ مِنْهُ ذِکْرًا یعنی آپ کو میرے امور سے سوال کرنے کی اجازت نہیں جب تک میں خود اس کا اظہار نہ کروں اس سے معلوم ہوا کہ حضرت خضر علیہ السلام کا ہر عمل مبنی بر حکمت اور راز مخفی تھا

مسئلہ: طالب علم کو اپنے استاد کا اور مرید کو اپنے شیخ سے ایسے ہی ادب لازمی ہے جیسے خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا۔

مسئلہ: آداب میں ہے کہ مرید و شاگرد پر لازم ہے کہ استاد اور شیخ کے کسی معاملہ پر لب کشائی نہ کرے جب تک وہ خود نہ بتائیں خواہ زبان قال سے یا زبان حال سے۔

حکایت ۔ حضرت لقمان داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت داؤد علیہ السلام زرہ بنا رہے تھے چونکہ لقمان نے زرہ نہیں دیکھی تھی اس لیے متعجب ہوئے اور ارادہ کیا کہ داؤد علیہ السلام سے اس کے متعلق پوچھیں لیکن اپنی حکمت سے سوال نامناسب سمجھا خاموش رہے یہاں تک کہ داؤد علیہ السلام نے زرہ بنا کر پہن لی اور فرمایا نعم اللباس للحرب یعنی جنگ کا بہترین لباس ہے۔ بعض نے فرمایا کہ لقمان نے اس پر سال بھر صبر فرمائی اور داؤد علیہ السلام سے پوچھا بھی نہ۔

خاموشی کے فوائد ۱۔ حکمت کا خزانہ ہے کیونکہ اس کا معنی ہے خاموشی ہونا

۲۔ بعض بزرگوں کا فرمان ہے کہ خاموشی دو قسم ہے ۱۔ غیر اللہ کے متعلق زبان کے کلام سے خاموش رہنا ۲۔ دل کو دنیا کی باتوں کا قلب پر نہ آنے دینا۔

۳۔ کسی کی صرف زبان خاموش ہو قلب کا خاموش نہ ہو تو صرف اس کے گناہ ہلکے ہوتے ہیں۔

۴۔ جس کا دل خاموش ہو اور زبان خاموش نہ ہو تو اس کی زبان سے حکمت کی باتیں صادر ہوں گی

۵۔ جس کی زبان اور قلب دونوں خاموش ہوں تو اسے اسرار الٰہی نصیب ہوں گے اور تجلی حق سے نوازا جاتا ہے

۶۔ جس کا نہ دل خاموش ہو اور نہ زبان وہ شیطان کا کھلونا ہے

سبق سالک کو چاہیے کہ قلب کے انقباض ہو تو زبان کو اعتراض سے بچائے اور ماسوی اللہ کو بالکل فراموش کرنے کی کوشش کرے اور پریشانی افکار سے دور ہو قلب کو صاف رکھے صبر و استقامت کا دامن مضبوط پکڑے اور بارگاہ حق میں سر تسلیم خم رکھے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر فعل میں ہزاروں حکمتیں ہوتی ہیں اگر کسی شے کو ضائع کرتا ہے تو اس کا اعلیٰ اور بہتر بدلہ عطا فرماتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

لاف تسلیم و اعتراض از ما برفت
چون عوض می آید از مفقود زفت
چونکہ بے آتش مرا گرمی رسد
راضیم گر آتشم را کشد
بے چراغی چون دہد او روشنی
گر چراغت شد چہ افغان میکنی
[illegible] معترض [illegible] درم
[illegible] و صبحی گشتہ از کرم
[illegible] در [illegible] کار کشد
تا نماند در [illegible] مرغ زدہ

ہر کہ بی قدر و قیمتش نشناسد
ہر کہ شاہ و بیعت شد مرید براند

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ اپنے اہل خلوت مصاحبان حضرات کی صحبت عطا فرمائے جو صحبت کے لائق اور تسلیم جزم رکھتے ہیں

تفسیر عالمانہ: فَانْطَلَقَا پس وہ دونوں یعنی خضر و موسیٰ علیہ السلام دریا کے کنارے چل پڑے انہیں کسی کشتی کی تلاش تھی۔ یوشع علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی طرف واپس بھیج دیا کاشفی نے لکھا وہ ان دونوں کے پیچھے پیچھے

سوال: کاشفی کا قول غیر صحیح معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ یوشع علیہ السلام ان دونوں حضرات کے ساتھ ہوتے تو قرآن مجید میں فانطلقوا جمع کا صیغہ ہوتا فانطلقا تثنیہ کا صیغہ بتاتا ہے کہ وہ ان کے ساتھ نہیں تھے

جواب: صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ چونکہ موسیٰ علیہ السلام کی رفاقت کا قصہ اب خضر علیہ السلام کی طرف منتقل ہوا ہے اسی لیے صیغہ تثنیہ لایا گیا ہے اور چونکہ یوشع علیہ السلام ان دونوں کے تابع ہو کر ان کے پیچھے پیچھے تھے اسی لیے تابع کے ذکر کو غیر معتبر قرار دے کر اصل کا ذکر کیا جاتا ہے

جواب ۲: حدیث شریف میں ہے فمرت سفینۃ فکلموھم ان یحملوھم فعرفوا الخضر فحملوا بغیر نول۔ (کذا فی المشکوٰۃ) یعنی ان کے قریب سے کشتی گزری انہوں نے ان سے سوار ہونے کا کہا تو انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان لیا خضر علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو مفت سوار کر لیا۔ اس حدیث شریف کی ضمیر جمع سے کاشفی کے قول کی تائید ملتی ہے اور جواب سے کہا ہے کہ یوشع علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے ہاں واپس بھیجا گیا ہے یہ قول ضعیف ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے لیے جب واپس ہوئے تو یوشع علیہ السلام کی ضرورت ہوئی۔ واللہ اعلم۔

اِذَا رَكِبَا یہاں تک کہ سوار ہوئے فِي السَّفِينَةِ کشتی پر۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ دونوں یعنی موسیٰ و خضر علیہما السلام جب کشتی کے قریب سے ہوئے تو کشتی والوں نے خضر علیہ السلام کو پہچان کر ان دونوں کو کشتی میں مفت سوار کر لیا۔

ف: حدیث شریف میں لفظ نول آیا ہے بمعنی اجرت۔

خَرَقَهَا کشتی پر بیٹھتے ہی خضر علیہ السلام نے کشتی کا ایک تختہ نکال کر کشتی میں سوراخ کر دیا وہ بھی دریا کی موجوں میں ہی تھے کہ خضر علیہ السلام نے کشتی سے کلہاڑا نکال کر اس کے بیچ میں کشتی سے دو تختے نکال دیے پانی کی سطح کے قریب تھے اور موسیٰ علیہ السلام کشتی کے سوراخ کو کپڑے سے بند کرتے اور خضر علیہ السلام ... بعض روایات میں ہے کہ اگرچہ خضر علیہ السلام نے کشتی کو چیر دیا تھا لیکن اس میں پانی داخل نہیں ہوا اور بعض روایت میں ہے کہ خضر علیہ السلام نے کشتی کے کنارے سے وہ تختے نکالے جو صرف کشتی کے لیے زیب و زینت کے تھے کیونکہ ان سے پانی داخل نہیں ہو سکتا تھا اسی لیے موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے بطور انکار کہا قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا کہ خضر علیہ السلام آپ نے کشتی کو اس لیے چیرا کہ کشتی والے لوگ

غرق ہو جائیں اس لیے اگر کشتی چرا جائے گی تو اس میں ضرور پانی داخل ہوگا جب پانی داخل ہوگا تو کشتی والے ضرور غرق ہوں گے اور یہ احسان کے خلاف بھی ہے کہ کشتی والوں نے بلا اجرت ہمیں کشتی میں بٹھایا اور ہم ان کی کشتی توڑیں اس سے تو ان کے غرق کی ہم معاونت کی ہوگی ۔

ف : سیدنا موسیٰ خضر علیہ السلام نے تعلیل کی ہو تو کہا جاتا ہے کہ یہ مقام انکار ہے اور انکار کے مقام پر وہم تعلیل زیادہ مناسب ہے

لَقَدْ جِئْتَ شَیْئًا اِمْرًا ۵ بے شک آپ نے ایک عجیب کام کیا ہے جس سے دل گھبراتا ہے قاموس میں ہے امر بالکسر منکر و عجیب ۔ ہر کام جو اجنبی اور عجیب ہو قشیری کے حاشیہ میں ہے کہ وحشت کے لحاظ سے ہر وہ کام جو دل پر عجیب تر اور عجیب جتا دیں کی طرح کا ہو وہ امر ہے ایسے ہی دنیا میں تیر سے بچنے کا حال ہے

ف : اِسْتَسْلَمَ الشَّرْعُ میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پر لازم تھا کہ وہ خاموش رہتے لیکن چونکہ آپ کے ظاہری علم کا تقاضا تھا کہ وہ اپنی شرع کے خلاف امر دیکھ کر انکار کرتے اس لیے کہ امر بیہودہ پر انکار کرنا فرض ہے حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ہے

مزن ز چون و چرا دم کہ بندۂ مقبل
قبول کرد بجان ہر سخن کہ جانان گفت

ترجمہ : چون و چرا کرنا روا نہیں ہے اس لیے مقبول بندہ وہی ہے کہ محبوب کے حکم کو دل و جان سے قبول کرے ۔

قَالَ خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا **اَلَمْ اَقُلْ** کیا میں نے آپ کو کہا نہ تھا **اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا** کہ آپ میرے ساتھ رہتے ہوئے صبر نہیں کر سکیں گے خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے سابقہ انکار کی یاد دہانی کرائی کہ میں نے آپ کو پہلے ہی کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے ۔ **قَالَ** موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے دل سے یہ بات اتر گئی کہ میں نے آپ سے کوئی وعدہ کیا تھا **لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ** لہٰذا آپ میرے نسیان پر مؤاخذہ نہ فرمائیے اور یقین فرمائیے کہ مجھے آپ کی وصیت بھول گئی جبکہ آپ نے فرمایا تھا کہ کچھ نہ پوچھنا یا کسی بات پر اعتراض نہ کرنا ۔ ایک بار بھول سے بھول ہو گئی اور بھول پر گرفت نہیں ہوتی ۔

حدیث شریف پہلی بار موسیٰ علیہ السلام سے بھول ہو گئی دوسری بار شرط ہوئی تیسری بار آپ نے عمداً کیا ۔ (بخاری شریف)

وَلَا تُرْهِقْنِیْ ۔ رہق بمعنی غشی ہے یعنی رہق از ارہاق ۔ قاموس میں ہے کہ وہ متعدی ہو اہل عرب کہتے ہیں ارہقہ صعودا یعنی فلاں کو اس نے دکھ میں ڈالا اور قاموس میں ہے لا ترہقنی یعنی مجھ کو تکلیف نہ دو لکھا ہے کہ اشکل نہ کرے کیونکہ وہ مجھ پر ۔ یعنی نہ پہنچایئے **مِنْ اَمْرِیْ** میرے معاملہ کی مجھے میرے ساتھ رہنے کی **عُسْرًا** دشواری میں ۔ لَا تُرْهِقْنِیْ کا متعدی ہوتا ہے یعنی رفاقت کا معاملہ میرے لیے مشکل نہ بنائیے بلکہ آسانی فرمائیے اور مجھ کو پھر آپ کے ساتھ رہنے کا ارادہ ہے لہٰذا ایسے معاملات میں میرے ساتھ چشم پوشی فرمائیے اور ایسی غلطیاں معاف فرما کر میرے ساتھ جھگڑا نہ فرمائیں ۔

پوشش او بس عطا است [illegible] جستجو ہرا
مرید آب [illegible] جستہ [illegible] او چرا

ترجمہ: پیر سے جو پردہ پوشی ہو وہ ایسے غلام کے چوں چرا اس کی عزت رکھتا ہیں

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ شیخ کے لیے ضروری ہے بلکہ اس کی شرائط میں داخل ہے کہ بعض بری حرکت مرید سے صادر ہو تو اس کی پردہ پوشی کرے بلکہ چھپائے اسے تاکہ اسے [illegible] سلوک کی صورتیں اور تصرفات کی خفیہ حقیقتیں ہیں جو اس کی حقیقتیں ہیں [illegible] بشارتیں [illegible] اور یہی طریقہ ہے کہ جس سے اسے غیرت پیدا ہو جب یقین کرے کہ وہ اس کا پردہ پوش ہے اس لیے کہ حصول مقصد میں صادق ہے اور صرف ذات حق کی طرف متوجہ ہونے کے لائق ہے اسے غیر اللہ کی طرف اس کا کوئی نہیں لگتا تو ایسے مرید کو اپنی خدمت و صحبت کے لیے قبول کرے بلکہ لائق ہو کہ اس کی تربیت میں جد و جہد کرے اور اسے اپنے مولیٰ کی طرف واقف کرنے میں کوشاں رہے اور اس کی معاملات تربیت میں [illegible] جیسے ہی اولاد کی تربیت کی جاتی ہے [illegible] عبودیت کے بہترین [illegible] ہیں مرید کا [illegible] شیخ پر لازم ہے کہ وہ مرید پر شفقت و رحمت کرے اور اس کی کوتاہیوں سے چشم پوشی کرے وہ غلطیاں اس سے غلط سرزد ہوں یا خطا پائیاں خواہ اس کے اپنے متعلق ہوں یا شیخ کے متعلق یا ان اوامر و نواہی الٰہیہ کی کوتاہی میں چشم پوشی کے لیے اس کا معنی یہ ہے کہ ان سے درگزر کرے یا اپنے شیخ پر اعتراض و انکار کرتا پائے تو بھی چشم پوشی نہ کرے بلکہ اسے ادب شیخ سکھائے اور ایسے امور یعنی اوامر و نواہی کی پابندی کرے اور شیخ کے اقوال و احوال پر اعتراض و انکار سے باز آ جائے تو بلکہ اس سے توبہ و استغفار کرائے اور نادم ہو کر گزشتہ غلطیوں کے ارتکاب سے پکی توبہ کرلے تو اسے اپنے ساتھ رکھے جیسے موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے معافی طلب کی [illegible] لا تؤاخذنی بما نسیت و لا ترھقنی یعنی آپ بھول چوک پر [illegible] اس لیے کہ [illegible] انسان نہیں جانتا گا۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام پر نسیان طاری ہو سکتا ہے۔ لیکن اسے عدم [illegible] سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسا معلوم ہو کہ ہر عیب سے منزہ پاک صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے بھول کے نسیان کا صدور انبیاء علیہم السلام کے حق میں معاف ہو جاتا ہے بالخصوص جب وہ خود اس پر نادم ہو حضرت [illegible] نے کہا ہے

اقبل معاذیر من یاتیک معتذرا
ان بر عندک فیما قال او فجرا

ترجمہ: جو تمہارے پاس معذرت کرے اس کی معذرت قبول کرو خواہ وہ سچی معذرت کرتا ہے یا جھوٹی۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ [illegible] کی تقصیر بخشتا ہے [illegible] اس میں [illegible] کی [illegible] ہے

---

[۱] اس کی تفصیل تحقیق کے لیے [illegible] میں پڑھیے۔

قفل زفت است و گشاینده خدا
دست در تسلیم زن اندر رضا

ترجمہ: تالا بند ہو تو صرف اللہ تعالیٰ کھولتا ہے تمہارا کام ہے تسلیم و رضا

جناب مجذوبی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے

حیف است دو شدن از جفائے محبوب
ہر کجا پائے یار است سر مجذوب است

ترجمہ: تجھ کو اپنے محبوب کی جفاؤں سے آہ بھی کرنا نامناسب ہے اس لیے کہ جہاں یار کا قدم ہو تو وہاں عاشق کو سر پیش کر دینا چاہیے

حکایت حضرت شیخ ابی عبداللہ بن خفیف قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں حج کو جاتے ہوئے بغداد میں پہنچا اس وقت مجھ پر صوفیت کا غلبہ تھا یعنی ارادات اضطرابی بجاہدہ و ماسوی اللہ کے تصورات کی کشمکش غالب تھی یہاں تک کہ چالیس روز تک کھانا نہیں کھایا اور حضرت جنید قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضری بھی نہ دی بغداد سے نکل کر جنگل کی طرف روانہ ہوا کئی دن سے پانی نہ پیا تھا اسی جنگل میں ایک کنواں دیکھا اس سے ہرن پانی پی رہی ہے جب پانی کنوئیں سے باہر نکل رہا ہے میں پیاس کے مارے کنوئیں کے قریب پہنچا تو ہرن پانی سے سیر ہو کر روانہ ہو چکی تھی لیکن میں جوں ہی قریب پہنچا تو کنوئیں کا پانی بہت نیچے چلا گیا میں نے حیران ہو کر بارگاہ حق میں عرض کی کہ یا اللہ میرے سے اس ہرن کی شان اونچی کیوں ہے جواب ملا کہ وہ حضرت میرے سہارے پر اس کنوئیں سے پانی پینے آتی تھی اور تو پانی پینے آیا تھا اپنی رسی اور ڈول کے سہارے میں نے اپنی اس غلطی کا احساس کیا اور پیچھے لوٹا تو پھر کنواں پہلے کی طرح پر ہو گیا چنانچہ میں نے پانی سے خوب پیالہ بھی بھر کر پیا اور وضو کیا اور مدینہ طیبہ پہنچنے تک مجھے وہی پانی کام دیتا رہا اور جب میں اس حج کی زیارت سے فارغ ہو کر واپس لوٹا تو بغداد سے گزرا حضرت جنید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے دیکھ کر فرمایا کہ اگر تم صبر کرتے تو پانی تمہارے پاؤں سے چشمہ کی طرح بہتا تیرے صبر کا جام لبریز ہو کر چھلک پڑتا کاش تم تھوڑی سی دیر صبر کرتے ۔

اسی طرح بہت سی حکایات سے ہوتا ہے ۔

تفسیر عالمانہ فَانْطَلَقَا یہ فا تعقیبیہ ہے اور انطلاق بمعنی انقلاب یعنی چلنا یعنی جب موسیٰ علیہ السلام سے خضر علیہ السلام نے معذرت قبول فرمائی کشتی سے اتر کر چل پڑے حَتّٰۤی اِذَا لَقِیَا یہاں تک کہ ایک بستی کے باہر لڑکا ایک ملا جو نہایت حسین و جمیل اور بلند قامت تھا حضرت خضر علیہ السلام اسے ایک دیوار کی اوٹ میں لے گئے فَقَتَلَهٗ اور اس نوجوان کو قتل کر دیا اس کا عطف لقیا پر ہے یعنی اس نوجوان کو ملنے کے بعد اسے خضر علیہ السلام نے قتل کر دیا اس نوجوان کا نام جیسور تھا یا جیسوبا یا حیثور تھا کذا فی کتاب الجمیل ۔

لطیفہ حضرت خضر علیہ السلام نے اس نوجوان کو کسی چاقو یا چھری وغیرہ سے قتل نہیں کیا بلکہ صرف تین انگلیوں سے [illegible] اور بعض نے کہا کہ شہادت کی انگلی سے اشارہ فرمایا تو نوجوان کا سر جسم سے علیحدہ ہو گیا کذا فی [illegible] رحمۃ اللہ علیہ

حدیث شریف خضر و موسیٰ علیہ السلام کشتی سے نکل کر دریا کے کنارے چل رہے تھے اتنے میں ایک لڑکا لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا اسے خضر علیہ السلام نے سر سے پکڑ کر اپنے ہی ہاتھ سے اس کا سر دھڑ سے جدا کر دیا۔ وکذا فی الصحیحین و بعض روایت میں ہے کہ پتھر سے مار ڈالا۔

قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے خضر کو کہا کر فرمایا پھر وہ بلا کر جو شے ہے اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً آپ نے ایک بے گناہ قتل کیا جو گناہوں سے پاک ہے اس لیے یعنی بے قصور تھا اور جو کہ مفسرین کی رائے ہیں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے زکیۃ سے گناہوں سے پاک مراد لیا ہے

ف: ابن کثیر و نافع و ابو عمرو نے زاکیہ پڑھا باقی تمام قراء نے زکیہ بغیر الف کے پڑھا ہے اس سے اس کی پاکی ظاہر ہو اور اس میں مبالغہ مراد ہے

ف: ابو العالیہ نے فرمایا کہ زاکیہ وہ جس نے کبھی گناہ نہ کیا ہو اور زکیہ وہ جس نے گناہ کر کے توبہ کر لی ہو۔ بِغَيْرِ نَفْسٍ یعنی اس بچے کو کسی نفس کے بدلے میں نہیں قتل کیا گیا۔

سوال: موسیٰ علیہ السلام نے ایسا کیوں فرمایا اس لیے کہ چھوٹے بچوں سے قصاص نہیں لیا جاتا؟

جواب: وہ لڑکا چھوٹا نہیں تھا بلکہ وہ بالغ تھا لیکن چونکہ نئی جوانی چڑھی تھی اس لیے اسے غلام سے تعبیر کیا گیا۔

جواب: مسائل شرعیہ میں امم میں اختلاف رہا ہے ممکن ہے موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں غیر بالغ سے قصاص لیا جاتا ہو جس کی تائید حدیث شریف سے ہوتی ہے جیسے امام بیہقی نے کتاب المعرفت میں روایت فرمایا کہ صرف بالغوں سے احکام کا تعلق ہجرت نبویہ کے بعد ہوا۔

ف: شیخ تقی الدین سبکی قدس سرہ نے فرمایا کہ بلوغ سے احکام کا تعلق غزوہ خندق کے بعد ہوا۔

خارجیوں کا رد اس تحقیق کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اسلام نابالغی میں قبول ہے باوجود یکہ اجماع ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب اسلام قبول فرمایا تو اس وقت آپ بالغ نہیں تھے چنانچہ آپ کا ایک شعر ہے کہ

سبقتکم الی الاسلام طرا
صغیرا ما بلغت اوان حلمی

ترجمہ: میں نے تم سب میں سے اسلام میں سبقت کی رسائی کیا اس وقت میں بچہ تھا ابھی بلوغ کو نہیں پہنچا تھا

ف: اس وقت آپ کی عمر آٹھ سال تھی اس سے ثابت ہوا کہ ہجرت سے پہلے بچے بھی احکام و عقائد اسلام کے مکلف تھے لیکن احکام شرعیہ سے بچوں کو ہجرت کے بعد مرفوع القلم بنا دیا گیا۔

سوال: اس غلام کے ساتھ زکیۃ کی قید کا کیا فائدہ؟

جواب: یہ کہ نو عمر اور جب جوانی چڑھتا ہے تو گناہوں کی طرف طبیعت زیادہ راغب ہوتی ہے۔

حدیث شریف ۱ میں غلام کو خضر علیہ السلام نے قتل کیا تھا وہ جبلۃً ہی کافر پیدا کیا گیا تھا۔

سوال: یہ حدیث شریف دوسری حدیث شریف مشہور کے خلاف ہے وہ کہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا کیا جاتا ہے

جواب: فطرت سے مراد یہ ہے کہ ہر نومولود بچے میں اسلام کے قبول کرنے کی استعداد ہوتی ہے اور ایسے بچے میں فطری کفر کا ہونا استعداد کے منافی نہیں۔

جواب ۲: فطرت سے مراد الست بربکم کا ابتدائی قول مراد ہے۔

سوال: خضر علیہ السلام کو وجہ کا علم ہوا کیونکہ یہ بات صحیح نہیں اس لیے کہ اس بچے کے والدین مومن تھے اس کفر پر اس بچے کا مواخذہ ابھی لازم ہے۔

جواب: اس کا یہی جواب دیا جائے گا کہ وہ بچہ جس طرح کو بڑا ہوتا تو والدین کا کافر بنتا۔ (واللہ اعلم)

لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا حضرت خضر علیہ السلام آپ نے ایک ایسا کام کیا ہے جسے شرعاً کسی طریق سے بھی جائز نہیں کہا جا سکتا یہ فعل پہلے فعل یعنی کشتی کے توڑنے سے بھی زیادہ برا ہے اس لیے کہ کشتی کے توڑنے کے بعد جوڑنا ممکن ہے لیکن اس بچے کو قتل کرنے کے بعد بظاہر ناممکن ہے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ پہلا فعل یعنی کشتی کا توڑنا اس بچے کے قتل کرنے سے زیادہ بڑا تھا اس لیے کہ یہاں تو صرف ایک بچے کا قتل کیا گیا وہاں تو کشتی کے توڑنے پر ہر ایک اہل کشتی والوں کے مر جانے کا خطرہ تھا۔ لیکن یہ قول غیر معتبر ہے اس کا غیر معتبر ہونا ظاہر ہے)

ف: بعض حفاظ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کا نصف اسی جگہ لقد جئت شیئا نکرا پر ختم ہوا ہے کہ اس پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے۔ بحمداللہ فقیر اویسی غفرلہ کو یہاں تک تفسیر کے ترجمہ کی توفیق نصیب ہوئی یعنی پندرہ پارے شب [illegible] ۱۰ ذی قعدہ ۱۳۹۳ھ کو اس پارہ نمبر ۱۵ کے ترجمہ سے فراغت نصیب ہوئی۔ والحمد للہ علیٰ ذالک۔

والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہ الاعلیٰ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

الفقیر القادری ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ دارالتصنیف جامعہ اویسیہ رضویہ بہاولپور پاکستان۔ [illegible]

فہرست مضامین پارہ نمبر16

آغاز پارہ نمبر 16 451
قال الم اقل لك 452
علم لدنی کی عظمت 461
استاد کی بددعا 463
نعمت سے ادب کا اجر 464
رکوع عربی متن ترجمہ اردو 483
ویسئلونک عن ذی القرنین 494
سکندر کی حیا اور تبصرہ شاہ 495
صحبت کے ادب کا فائدہ 498
سب سے پہلے مسجد [illegible] 509
یاجوج ماجوج کا تعارف 510
یاجوج ماجوج کی لاشیں کہاں 516
رکوع عربی متن ترجمہ اردو 525
افحسب الذین کفروا
فضائل سورۃ کہف 545
آغاز سورۃ مریم عربی متن اردو ترجمہ 548
549
لفظ مولیٰ کے معنی 554
دعا کے مستجاب ہونے کا ایک طریقہ 567
رکوع عربی متن ترجمہ اردو 570
واذکر فی الکتب مریم 571
کشتی کی ابتداء 588
جہال صوفیوں کا رد 596
سورۃ مریم حبشہ کی مجلس میں 604
رکوع عربی متن ترجمہ اردو 606
واذکر فی الکتب ابراہیم
رسول دینی مخارق 607
رکوع عربی متن ترجمہ اردو 614
واذکر فی الکتاب موسیٰ انہ 615
بے عمل اللہ کا عامت رسول اللہ کی 617
شب معراج انبیاء علیہم السلام سے ملاقات 626
رکوع عربی متن ترجمہ اردو 640
ویقول الانسان ءاذا ما 641
عقائد رسول اللہ ﷺ کے تصور میں 647
رکوع عربی متن ترجمہ اردو 655
الم تر انا ارسلنا الشیطین
عہد الست کا علم 659
آغاز سورۃ طٰہٰ عربی متن ترجمہ اردو 673
674
اس وجعل الفلحین 678
ذکر جہر کے اعتراضات کے جوابات 685
اللہ تعالیٰ کے اسماء کی تعداد 688
درخت سے آگ کا اظہار 691
عصا کا معجزہ 698
اژدہا کا حال 704
رکوع عربی متن ترجمہ اردو 707
قال رب اشرح لی صدری 708
قصہ صندوق کے ذکر 717
موسیٰ علیہ السلام کے صندوق کا فرعون کے ہاں پہنچنا 724
رکوع عربی متن ترجمہ اردو 746
منہا خلقنکم وفیہا 757
موسیٰ کا قیام 763
قانون کی اقسام 772
رکوع عربی متن ترجمہ اردو 784
ولقد اوحینا الی موسیٰ 785
[illegible] 793
رکوع عربی متن ترجمہ اردو 803
ولقد قال لہم ھرون 804
قرآن کی [illegible] 821
رکوع عربی متن ترجمہ اردو 827
ویسئلونک عن الجبال
مجرم کا حشر 831
انسان کی تخلیق 843
رکوع عربی متن ترجمہ اردو 846
واذ قلنا للملئکۃ اسجدوا 847
شیطان کے انکار سجدہ کی وجہ 849
حضرت آدم علیہ السلام کے جنت کی زندگی 856
رکوع عربی متن ترجمہ اردو 871
ولولا کلمۃ سبقت
نماز باجماعت کا اجر 874
ہر مشکل کا علاج نماز ہے 882
فضیلت سورۃ طٰہٰ 884
حسن اخلاق 888
الاختتام 896

قَالَ أَلَمْ

قَالَ أَلَمْ أَقُل لَّكَ إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٧٥﴾ قَالَ إِن سَأَلْتُكَ عَن شَيْءٍ

کہا میں نے آپ سے نہ کہا تھا کہ آپ ہرگز میرے ساتھ نہ ٹھہر سکیں گے کہا اس کے بعد میں تم سے کچھ پوچھوں

بَعْدَهَا فَلَا تُصَاحِبْنِي ۖ قَدْ بَلَغْتَ مِن لَّدُنِّي عُذْرًا ﴿٧٦﴾ فَانطَلَقَا حَتَّىٰ إِذَا أَتَيَا

تو پھر میرے ساتھ نہ رہنا بے شک میری طرف سے تمہارا عذر پورا ہوچکا پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب ایک

أَهْلَ قَرْيَةٍ اسْتَطْعَمَا أَهْلَهَا فَأَبَوْا أَن يُضَيِّفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ

گاؤں والوں کے پاس آئے ان دہقانوں سے کھانا مانگا انہوں نے انہیں دعوت دینی قبول نہ کی پھر دونوں نے اس گاؤں

أَن يَنقَضَّ فَأَقَامَهُ ۖ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا ﴿٧٧﴾ قَالَ هَٰذَا فِرَاقُ

میں ایک دیوار پائی کہ گرا چاہتی ہے اس بندہ نے اسے سیدھا کر دیا موسیٰ نے کہا تم چاہتے تو اس پر کچھ مزدوری لے لیتے کہا یہ میری اور

بَيْنِي وَبَيْنِكَ ۚ سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِع عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٧٨﴾ أَمَّا السَّفِينَةُ

آپ کی جدائی ہے اب میں آپ کو ان باتوں کا پھیر بتاؤں گا جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا وہ جو کشتی تھی وہ کچھ

فَكَانَتْ لِمَسَاكِينَ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَأَرَدتُّ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُم مَّلِكٌ

محتاجوں کی تھی کہ دریا میں کام کرتے تھے تو میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں اور ان کے پیچھے ایک بادشاہ تھا

يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ﴿٧٩﴾ وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِينَا

کو جو ثابت کشتی زبردستی چھین لیتا اور وہ جو لڑکا تھا اس کے ماں باپ مسلمان تھے تو ہمیں ڈر ہوا کہ وہ ان کو

أَن يُرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَكُفْرًا ﴿٨٠﴾ فَأَرَدْنَا أَن يُبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكَاةً

سرکشی اور کفر بڑھا دے تو ہم نے چاہا کہ ان دونوں کا رب اس سے بہتر ستھرا اور اس

وَأَقْرَبَ رُحْمًا ﴿٨١﴾ وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ

سے زیادہ مہربانی میں قریب عطا کرے اور وہ دیوار وہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے ان کا

تَحْتَهُ كَنزٌ لَّهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا فَأَرَادَ رَبُّكَ أَن يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا

خزانہ تھا اور ان کا باپ نیک آدمی تھا تو آپ کے رب نے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچیں

وَيَسْتَخْرِجَا كَنزَهُمَا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي ذَٰلِكَ تَأْوِيلُ مَا

اور اپنا خزانہ نکالیں آپ کے رب کی رحمت سے اور یہ کچھ میں نے اپنے حکم سے نہ کیا یہ ہے ان

لَمْ تَسْطِع عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٨٢﴾

باتوں کا پھیر جس پر آپ سے صبر نہ ہو سکا

تفسیر عالمانہ

قَالَ خضر علیہ السلام نے کہا، اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا۔ میں نے آپ کو نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ نہیں گزار سکیں گے۔ یہ خضر علیہ السلام کا موسیٰ علیہ السلام کو زجر و توبیخ ہے کہ آپ میری نصیحت کو اور اپنے وعدہ کو بھول گئے لہٰذا لک کے اضافہ میں عتاب فرمایا کہ یہ بھولنے کا کیا سبب ہے۔ قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ اب کے بعد اگر آپ سے ایسے افعال غیر شرعیہ کا صدور ہوا اور میں سوال کروں گا تو مجھے اپنی رفاقت میں نہ رکھنا۔ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ۞ آپ نے مجھ سے کوئی عذر پا لیا میں آپ کی تین بار مخالفت کر چکا ہوں لہٰذا مجھے ترک صحبت میں معذور تصور فرمائیں۔

حل لغات ، العذر ، بکسرتین و السکون ، انسان کا اپنی غلطیوں کے اعادہ کی کوشش کرنا مثلاً کہنا کہ میں نے سرے سے یہ کام کیا ہی نہیں یا کہے کہ میں نے یہ کام کیا لیکن اس میں فلاں مصلحت تھی یا کہے اب تو مجھ سے غلطی ہو گئی لیکن آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تیسری بار صرف معذرت نہیں بلکہ اعتراف فرمایا اس لئے کہ ہر توبہ معذرت ہے لیکن ہر معذرت توبہ نہیں (الاعتذار) سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کی غلطی کا اثر زائل ہو جائے وہ اصل الاعتذار

بمعنی التبعیض ہے مثلاً کہا جاتا ہے:

اعتذرت منه ای قطعت ما فی قلبه من الموجدة (میرے متعلق جو فلاں کے دل میں کچھ احساس تھا اسے میں نے مٹا دیا۔

حدیث شریف: حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے کہ حیا کے پیش نظر ایسے فرمایا ورنہ اگر وہ کچھ دیر صبر فرماتے کہ خضر علیہ السلام کے ساتھ رہتے تو بڑے بڑے عجائبات دیکھتے۔

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جامع کمالات صوریہ و معنویہ ہیں الخصائص الصغریٰ میں ہے کہ ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم شریعت و حقیقت کے جمیع کمالات کے جامع ہیں اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کو ان دونوں میں کسی ایک کا جامع بنایا گیا جیسا کہ موسیٰ و خضر علیہما السلام کے قصے سے ظاہر ہے اس لئے کہ شریعت سے احکام ظاہری اور حقیقت سے احکام باطنی مراد ہیں اور تمام علماء کرام نے واضح طور پر فرمایا کہ اکثر انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے ظاہری احکام کی اشاعت کے لئے مبعوث فرمایا انہیں باطنی امور سے بطور واسطہ اور تعلق نہیں تھا اور نہ ہی وہ ان کے حقائق کی اطلاع کے درپے رہتے تھے۔ البتہ بطون اور ان کے حقائق کے معلومات ہوتے تھے وہ انہیں ظاہر کرنے پر مامور نہیں تھے۔ اسی لئے موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام کے باطنی امر کے اظہار پر انکار فرمایا بلکہ جب خضر علیہ السلام نے نوجوان کو قتل کیا تو انہیں یہ کہا کہ لقد جئت شیئا نکرا، خضر علیہ السلام نے انہیں جواباً فرمایا: وما فعلته عن امری۔ (اور میں نے یہ اپنی طرف سے نہیں کیا) پہلے ہم نے موسیٰ علیہ السلام کا مکالمہ درج کیا ہے کہ خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ میرے ہاں ایسا علم ہے جس کے اظہار کا حکم نہیں اور نہ ہی آپ اس پر عمل کر سکتے ہیں اور آپ کے ہاں ایسا علم ہے جس کے عمل کا میں نہ مامور ہوں اور نہ ہی اس کے عمل کا پابند ہوں۔

خضر علیہ السلام کا باطنی علم[1] تفسیر ابن حیان میں ہے کہ جمہور امت کا اتفاق ہے کہ خضر علیہ السلام نبی تھے۔ اور ان پر باطنی امور کی وحی نازل ہوتی تھی اور وہ مخفی علوم باطنی کے عارف تھے اور اسی پر عمل کرنے پر مامور تھے اور موسیٰ علیہ السلام امور ظاہرہ پر عمل کرنے کے پابند تھے۔ اور ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم امور ظواہر کے بھی جامع تھے اور امور بواطن[2] کے بھی اگرچہ آپ کا اکثر عمل ظاہر پر ہوتا تھا اور امور باطن پر بھی عمل کرتے

---

[1] یعنی باطنی علوم کے دعاوی اور اکثر پابندی اور درود و وظائف اور خاکساری اور دیگر پابندیاں ضروری ہیں۔ ۱۲ (اویسی)

[2] (حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

تھے جیسے آپ نے ایک سارق (چور) کو قتل کرا دیا اور ایک باطن کے مریض اور بظاہر نمازی کے قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا جب اس کے دل پر دیکھا کہ اس کا دل بغض نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے لبریز ہے اگرچہ بظاہر شرعاً ان دونوں کو قتل کرنا جائز نہ تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے باطن کی خباثتوں کے پیش نظر ان کو قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

لہ۔ دیوبندی، وہابی اور سنی (بریلوی) اختلاف کا موجب اصل میں امر ہے۔ اہلسنت اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے باطنی کمالات کے جامع ہونے کے نہ صرف قائل بلکہ آپ کے ایسے امور کے اثبات میں بھرپور دلائل قائم کرتے ہیں اور وہ لوگ ایسے کمالات کے نہ صرف منکر ہیں بلکہ ایسے کمالات باطنیہ کے قائل کو کافر و مشرک کہتے ہیں۔ اس حقیقت سے عوام کو بے بہرہ رکھ کر ان ہی مسائل کو شرک کرا دیتے ہیں۔ اہل اسلام خود انصاف فرمائیں کہ کون حق پر ہے؟

(حاشیہ صفحہ ہذا)

لہ۔ یہی بات حضور کے دل پر ان نجدیوں اور تبلیغیوں کے معنوی اجداد سے ایک تھا۔ پہلے اس کا قصہ ملاحظہ ہو:

صاحب ابریز نے اپنی کتاب میں نقل کیا:

عن انس قال كان فينا شاب ذو عبادة و
زهد و اجتهاد فسماه لرسول الله صلى الله
عليه وسلم فلم يعرفه ووصفناه بصفة
فلم يعرفه فبينما نحن كذالك اذا قبل
فقلنا يا رسول الله هو هذا فقال انى لارى
على وجهه سفعة من الشيطان فجاء فسلم
فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم
لجعلت فى نفسك ان ليس فى القوم خير
منك فقال اللهم نعم ثم ولى فدخل
المسجد فقال رسول الله صلى الله وسلم
من يقتل الرجل فقال ابوبكر انا فدخل فوجده
هو قائم يصلى فقال ابوبكر كيف اقتل رجلا

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ مدینے میں ایک نہایت
عابد و زاہد نوجوان تھا ہم نے ایک دن حضورؐ سے اس
کا ذکر کیا حضور اسے نہیں پہچانے پھر اس کے حالات
واوصاف بیان کئے جب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے
نہیں پہچان سکے یہاں تک کہ ایک دن وہ اچانک سامنے
آ گیا جیسے ہی اس پر نظر پڑی ہم نے حضورؐ کو خبر دی کہ یہ
وہی نوجوان ہے حضورؐ نے اس کی طرف دیکھ کر ارشاد فرمایا
میں اس کے چہرے پر شیطان کے نشان دیکھتا ہوں
پھر وہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آیا اور
سلام کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے مخاطب
ہو کر فرمایا کیا یہ بات صحیح نہیں ہے کہ تو ابھی اپنے دل
میں سوچ رہا تھا کہ قوم سے بہتر یہاں کوئی نہیں ہے۔

(ایجاب : بزرگ نماز ایک دو موت مرتے ہیں داخل انہیں خضر علیہ السلام قتل کر دیتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

وهو يصلي وقد نهانا النبي صلى الله عليه وسلم عن قتل المصلين فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم من يقتل الرجل فقال عمر انا يا رسول الله فدخل المسجد فاذا هو ساجد فقال مثل ما قال ابوبكر وزاد ■ فرجعني فقد رجع من هو خير مني فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم مَهْ يا عمر فذكر له فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم من يقتل الرجل فقال علي انا فقال انت تقتله ان وجدته فدخل المسجد فوجده قد خرج فقال اما والله لو قتله لكان اولهم واخرهم وما اختلفا في امتي اثنان اخرجه ابن ابي شيبة۔

(۱) ابریز شریف ص ۲۵۵

(۲) حجۃ اللہ علی العالمین ص ۸۵۵

(۳) خصائص کبریٰ جلد ۲ ص ۲۳۰

(۴) فتح الباری جلد ۱۲ ص ۲۹۳

انہوں نے جواب دیا ہاں! اس کے بعد جیسے ہی وہ مسجد کے اندر داخل ہوئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے آواز دی کہ کون اسے قتل کرتا ہے صرف ابوبکر نے جواب دیا میں۔ جب آپ اس ارادہ سے مسجد کے اندر گئے تو اسے نماز پڑھتا دیکھا تو واپس لوٹ آئے اور اپنے دل میں خیال کیا کہ ایک نمازی کو کیسے قتل کروں جب کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے نمازی کے قتل سے منع فرمایا ہے پھر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے آواز دی کہ کون اسے قتل کرتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالے نے جواب دیا میں! وہ مسجد کے اندر گئے تو اس وقت نوجوان سجدہ کی حالت میں تھا۔ وہ بھی اسے نماز پڑھتا دیکھ کر حضرت ابوبکر کی طرح لوٹ آئے۔ پھر حضور نے آواز دی کہ کون اسے قتل کرتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا میں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اسے ضرور قتل کر دوگے بشرطیکہ وہ تمہیں مل جائے لیکن جب حضرت علی رضی اللہ تعالے عنہ مسجد کے اندر داخل ہوئے تو وہ جا چکا تھا۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر تم اسے قتل کر دیتے تو میری امت کے جو تہتر فرقے ہوں گے ان میں سے یہ پہلا اور آخری شخص ثابت ہوتا۔ اور میری امت کے دو فرد بھی آپس میں کبھی نہ لڑتے۔

ف: واقعہ مذکورہ پر غور کیجئے کہ شخص مذکور شرعی احکام کا کتنا بڑا پابند تھا لیکن حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم اور آپ کے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سوال: خضر علیہ السلام اگر نبی ہیں تو انھیں کیا حق ہے کہ وہ ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی امت میں احکام کا اجراء فرمائیں؟

جواب: ان کا یہ فعل ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی نیابت کی حیثیت سے ہے یعنی وہ اس دنیا میں ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کی حیثیت سے زندہ موجود ہیں جیسے عیسیٰ علیہ السلام جب دوبارہ اس عالم میں تشریف لائیں گے تو وہ احکام شرعیہ کا اجراء فرمائیں گے تو حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی نیابت اور آپ کے امتی ہونے کی حیثیت سے نہ بحیثیت نبی و رسول ہونے کے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

حسن و جمال سے یکسر خالی تھا۔ اس بد بخت نے نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کو بار بار مشتعل کرنے کے باوجود آپ نے اس کی جان پہچان سے انکار فرمادیا۔ اگرچہ باطنی طور پر آپ اس کے حالات سے پوری طرح واقف تھے چنانچہ جب وہ شخص حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: انی اری علی وجہہ سفعۃ من الشیطان یعنی اس کے چہرہ پر شیطانی دھبہ دیکھتا ہوں اور اس سے مخاطب ہو کر اس کے اندرونی مرض یعنی دشمنیٔ نبوت کا پتہ بھی دے دیا چنانچہ اس کے ساتھ خطاب کے الفاظ مبارکہ یہ ہیں کہ اجعلت فی نفسک ان لیس فی القوم خیر منک فقال اللھم نعم یعنی کیا تو نے ابھی دل ہی دل میں سوچا کہ مجھ سے بہتر و برتر کوئی نہیں۔ اس نے بے ساختہ کہا: ہاں، یہی خیال تھا۔

(۲) غور فرمائیں کہ ہمارے نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی وسعتِ علم کتنی ہے کہ نہ صرف ہر بندے کے حالات سے باخبر ہیں بلکہ آپ ہر ایک کے اندرونی معاملات کو بھی خوب جانتے تھے۔ اس کی مزید تفصیل فقیر کے رسالہ "علم غیب" میں ہے۔

(۳) پھر غور کیجئے کہ اس شخص کے اتنا عبادت گزار بڑے زہد و تقویٰ کے باوجود رحمۃ للعالمین امت کے غمخوار ساری امت پر شفقت والے کریم و رحیم اور شفیق نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا اور نہ صرف ایک بار بلکہ بار بار اور وہ بھی جلیل القدر صحابہ اور خلفائے راشدین جیسی شخصیات کو پھر جب وہ قتل نہ ہو سکا تو افسوس فرماتے ہوئے فرمایا: انما ھذا اول قرن طلع لو قتل لکان اول فتنتھم و آخرھم وما اختلف اثنان یعنی اگر وہ قتل کیا جاتا تو کوئی بھی فتنہ و فساد کا بیج پیدا نہ ہوتا اگر یہ مقتول ہوتا اور تاقیامت نہ ہی جھگڑا اور اختلاف بھی دنیا سے اٹھ جاتا۔

(۴) ثابت ہوا کہ جھگڑے اور فسادات مثلاً کہیں مسئلہ شیعہ سنی اور کہیں گیارہویں عرس، سماع اور کہیں میلاد و نیاز بلکہ تیجہ قل شریف کے سوم وغیرہ پر لڑائی جھگڑا گھر گھر میں شرارت برپا کرنا اس ایک منافق گستاخ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے شجرہ کی معنوی اولاد کی ہے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اگرچہ حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کے دور زندگی (ظاہرہ) میں عیسٰے علیہ السلام نے بیت المقدس میں آپ کی زیارت کی تو اسی عالم دنیا کی زندگی کی حیثیت سے اس معنے پر عیسٰے علیہ السلام کو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا صحابی کہا جاسکتا ہے (کذا فی انسان العیون)

ف: اس حاشیہ سے صرف عیسٰے علیہ السلام کی صحابیت کے اثبات کی تخصیص کا کیا معنے جس حیثیت سے حضرت عیسٰی علیہ السلام کا صحابی ہونا ثابت ہوتا ہے ویسے ہی ادریس و الیاس و خضر علیہم السلام کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ اسی لئے یوں کہا جائے کہ یہ حضرات بھی حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔

رد وہابی دیوبندی نجدی

اس سے اپنے نبی پاک شہ لولاک صلے اللہ علیہ وسلم کی شرافت کا اندازہ لگایئے کہ آپ کے امتی بننے کے لئے بڑے بڑے اولوالعزم پیغمبران عظام علیہم السلام نے اللہ تعالٰی سے دعا مانگی۔ (پھر ہم اہلسنت کیوں نہ کہیں)۔

ے

سرخیل انبیاء و سپہ دار اتقیاء
سلطان بارگاہ دنٰی قائد امم

ترجمہ: تمام انبیاء علیہم السلام کے سردار اور تمام اتقیاء کے سپہ سالار اور بارگاہ دنٰی کے سلطان اور جملہ امتوں کے قائد ہمارے نبی پاک حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔

فَانْطَلَقَا — دونوں حضرات موسٰی و خضر علیہما السلام پھر چلے **حَتّٰٓی اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ** یہاں تک کہ ایک گاؤں میں تشریف لائے۔ اس بستی سے انطاکیہ (بالفتح و الکسر و سکون النون و کسر الکاف و فتح الیاء المخففۃ) یہ ایک بستی بڑا

(حاشیہ گزشتہ صفحہ)

ف: ہم نے اس شخص کو وہابیوں نجدیوں تبلیغیوں اور دیوبندیوں کا معنوی دادا اس لئے کہا کہ حدیث شریف میں اس کی اولاد معنوی کی پیشگوئی فرمائی گئی ہے اور پھر ان کی مفصل نشانیاں بھی بتائی گئی ہیں جو سب کی سب ان لوگوں پر فٹ آتی ہیں۔ اگر آپ اس کی تفصیل چاہتے ہیں تو میری تصنیف "وہابی دیوبندی کی نشانیاں اور تبلیغی جماعت کے کارنامے" پڑھئے۔ (فقیر اویسی غفرلہ)

(حاشیہ صفحہ ہذا)

ف: اس میں مرزائی قادیانی کے غلط تصورات کا رد ہے کہ وہ عیسٰے علیہ السلام کو مردہ خیال کرتے ہیں حالانکہ اسلاف صالحین کا عقیدہ ہے کہ وہ آسمان پر زندہ ہیں اور قرب قیامت میں بنفس نفیس تشریف لائیں گے۔ مزید فقیر کا رسالہ "القول الفصیح" دیکھئے۔

(فقیر اویسی غفرلہ)

مشہور شہر ہے جس کے بہت سے پانی کے چشمے اور نہروں کی بڑی عظیم وادی پانچ پہاڑوں کے درمیان واقع ہیں جس کا گھیرا بارہ میل کا ہے۔ (کذا فی القاموس)

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ اس شہر والوں کی عادت تھی کہ جب شام ہوتی تو شہر کے تمام دروازے بند کر دیتے کوئی کتنا ہی پریشان حال کتنی ہی زاری کرتا کسی کے لئے دروازہ نہیں کھولتے۔

جب یہ دونوں حضرات شام کو پہنچے تو شہر کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ ان حضرات نے جتنا دروازہ کھلوانے کی کوشش کی اور بار بار کہا کہ ہم دور کے مسافر ہیں دروازہ کیوں نہیں کھولتے ہو تو تم کم از کم کھانا ہی دے دو۔ چنانچہ فرمایا: اِسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا اس گاؤں والوں سے ان دونوں حضرات نے ضیافت کے طور پر کھانا مانگا۔ بعض فرماتے ہیں کہ ان حضرات نے طعام مانگا نہیں تھا لیکن چونکہ بحیثیت مہمان کے تشریف لے گئے تھے۔ بنا بریں ان کا تشریف لانا بمنزلہ طعام مانگنے کے تھا۔

سوال: یہاں موسیٰ علیہ السلام نے طعام مانگا تو انہیں طعام نہ ملا اور شعیب علیہ السلام کی صاحبزادیوں سے بے مانگے طعام مل گیا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ان کا واقعہ یوں لکھا ہے: ان ابی یدعوک لیجزیک اجر ما سقیت لنا میرا باپ پانی پلانے کی مزدوری دینے کے لئے آپ کو بلا رہا ہے۔ ان دونوں قصوں میں فرق کیوں؟

جواب: خضر علیہ السلام کی رفاقت میں موسیٰ علیہ السلام نے مخلوق پر بھروسہ کر کے طعام کا سوال کیا تو آپ کو طعام نہ دیا گیا تاکہ ثابت ہو کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کے غیر پر بھروسہ غیر ضروری ہے اور یہاں شعیب علیہ السلام کے واقعہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صرف اللہ تعالیٰ پر توکل کیا اور مخلوق میں سے کسی کو درمیان میں واسطہ نہ بنایا بلکہ بارگاہ حق میں تسلیم و رضا کے گھٹنے ٹیک دیئے، کما قال:

انی لما انزلت الی من خیر فقیر۔

حضرت حافظ نے فرمایا:

فقیر و خستہ بدرگاہت آمدم رحمے
کہ جز ولائے توام نیست ہیچ دست آویز

ترجمہ: فقیر و عاجز ہو کر تیری درگاہ میں رحم و کرم کی درخواست کرتا ہوں اس لئے کہ تیری بارگاہ میں سوائے عاجزی اور بے مائیگی کے کوئی چیز دستاویز نہیں ہے۔

نیز فرمایا:

ما آبروے فقر و قناعت نمی بریم
با پادشہ بگوی کہ روزی مقدر است

ترجمہ: ہم فقر و قناعت کا دامن نہیں چھوڑ سکتے بادشاہ کو کہہ دو کہ روزی تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

ترکیب: (استطعما) فعل با فاعل جملہ ہو کر بعد قریۃ کی صفت ہے۔

سوال: یہاں پر مختصر ضمیر کا ہونا ضروری تھا اسے کلام کر کے (استطعما) کو قریۃ کی صفت بنانے کا کیا فائدہ؟

جواب: اسی طرح سے بستی والوں کی زیادہ مذمت اور شناعت اور قباحت کا اظہار ہوگا کہ بستی والے صرف ایک ہی بخیل نہیں تھے بلکہ سارے کے سارے ایسے ہی تھے کہ طعام کھلانے میں نادار تھے۔

فَاَبَوْا اَنْ یُّضَیِّفُوْهُمَا ان سب نے موسیٰ و خضر علیہما السلام کی مہمان نوازی سے انکار کر دیا۔

حل لغات: یہ ضَافَة سے مشتق ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کے ہاں کوئی مہمان آئے اور ضیفتہ بمعنی انزلہ وجعلہ ضیفاً یعنی اس نے فلاں کی مہمانی کی یہ اس کا حقیقی معنی ہے پھر طعام کھلانے میں مجازاً عام مستعمل ہونے لگا۔ دراصل ضیافت یعنی میلان ہے مثلاً کہا جاتا ہے ضاف یعنی مال الیہ (وہ اس کی طرف مائل ہوا) ضافت السہم عن الغرض سے لیا گیا ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب تیر نشانہ پر نہ لگے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت اسی بستی والے بہت بڑے بخیل تھے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

بزرگان مسافر بجان پرورند
کہ نام نکوئی بعالم برند
غریب آشنا باش و سیاح دوست
کہ سیاح جلاب نام نکوست
تبہ گردد آن مملکت عن قریب
کزو خاطر آزردہ گردد غریب
نکو دار ضیف و مسافر عزیز
وز آسیب شان بر حذر باش نیز

تفسیر: ① بزرگ مسافروں کی دل سے خدمت کرتے ہیں کیونکہ وہ دنیا میں نیک نامی چاہتے ہیں۔

② غریب الوطن کو مہمان جیسا سمجھئے اور سیاح کا دوست اس لیے بن کہ سیاح دنیا تک نیک نامی کی شہرت کرتا ہے۔

③ وہ شاہی عنقریب تباہ و برباد ہوگی جس سے مسافر دل شکستہ ہو جاتے ہیں۔

④ مہمان کا دل سے احترام کیجئے اور مسافر کو جان سے زیادہ پیارا رکھئے ان کے خطرات سے پرہیز رہیے۔

حکایت عجیب بروایت حدیث الحبیب صلے اللہ علیہ وسلم

مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس بستی انطاکیہ والے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں سونے کا ڈھیر لے کر حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ ہمارے ساتھ اس آیت کا سودا کیجئے وہ یہ کہ فابوا ان یضیفوھما کے بجائے فاتوا ان یضیفوھما بنا دی جائے تا کہ صرف نیچے اوپر ایک کے نقطے کا فرق ہے تا کہ ہمارے آباؤ اجداد سے بخیلی کا سیاہ داغ مٹ جائے۔ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے انکار فرمایا کہ ایسی تبدیلی سے اللہ تعالے پر جھوٹ کا الزام آتا ہے اور اس کی الوہیت پر دھبہ لگانا نبوت کا کام نہیں۔
(کذا فی التفسیر الکبیر)

فَوَجَدَا فِيْهَا ۔ کا تعلق ہے گاؤں والوں کی بات کو شہر کے باہر جو کہ جنگل ہو کر جگہ کو وہ دونوں حضرات چلتے ہی شہر سے تشریف لے گئے تو وہاں پایا۔ جِدَارًا ۔ ایک دیوار کہ جس کا ایک طرف جھکا ہوا تھا اور گرنے والی تھی۔ يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ ارادہ بمعنے نزوع النفس الی شیء مع حکمھا فیہ بالفعل او عدمہ یعنی کسی شے کے فعل یا عدم فعل کے حکم کے لئے نفس کا رجحان اور اللہ تعالے کے لئے ارادہ بمعنے حکم مستعمل ہوتا ہے۔

سوال: دیوار ایک بے جان شے ہے اس کے ارادہ کا کیا معنے؟

جواب: اہل عرب کا دستور ہے کہ وہ مجازات کو بکثرت استعمال کرتے ہیں۔ ارادہ دیوار میں اسی مجاز کے قبیل سے ہے یعنی ارادہ بمعنے قرب و دنی من السقوط ہے یعنی وہ دیوار گرنے کے قریب تھی مثلاً اہل عرب کہتے ہیں: داری تنظر الی دار فلان میری دار فلان کی دار کو دیکھتی ہے۔ اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ میرا مکان فلاں کے مکان کے بالمقابل ہے۔ اسی طرح ارشاد میں کہا ہے:

یرید ان ینقض کا معنے یدانی ان یسقط ہے۔

اس سے دیوار کے بہت جلد گرنے کے لئے مبالغہ کے ارادہ پر یرید استعمال کیا گیا ہے۔ الانقضاض یعنی الاسراع فی السقوط یعنی گرنے میں جلدی کرنا۔ یہ انقض باب انفعال سے مشتق کہا جاتا ہے۔ قضضتہ فانقض یعنی میں نے اسے توڑا تو وہ ٹوٹ گیا۔ اسی مادہ سے ہے انقضاض الطیر والکواکب یعنی پرندے بہت جلد گرتے ہیں تو اس وقت ان کے لئے یہی لفظ بولتے ہیں۔ بعض اہل لغت نے کہا ہے کہ یہ انقض سے ہے جیسے الاحمرار او الاحمیرار سے ہے گویا ان کے نزدیک یہ انفعال کا باب نہیں بلکہ افعلال کا باب ہے۔

فَاَقَامَهٗ تو خضر علیہ السلام نے ہاتھوں کے اشارے سے اسے سیدھا کر دیا۔ (کذا المروی عن النبی علیہ السلام)

ف: اس دیوار کا طول آسمان کی طرف ایک سو گز تھا۔

قَالَ چونکہ طعام کی انھیں شدید ضرورت تھی اس لئے موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے فرمایا۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے فرمایا کہ ہم ان کے ہاں آئے انھوں نے نہ بیٹھنے کی جگہ دی اور نہ ہی طعام کھلایا کتنے بے مروت ہیں لیکن آپ نے ان کی دیوار سیدھی فرمادی۔ یہ جملہ اس شرط کی جزا ہے جو کہ فرمایا۔

لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا ۝ اگر آپ ان سے دیوار کے سیدھے کرنے پر کچھ پیسے لے لیتے تو ہم اس سے طعام خرید لیتے۔

حل لغات: لاتخذت از اتخاذ افتعال کا باب ہے جیسے اتبع یہ تخذ سے نہیں۔ یہی بصریوں کا مذہب ہے۔

راز و رموز کی باتیں موسیٰ علیہ السلام نے جب خضر علیہ السلام سے فرمایا: لتغرق اھلھا۔ تو خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ جب دریا میں تھے تو آپ غرق نہ ہوئے تو اب کشتی میں کیسے غرق ہو سکتے ہیں۔ پھر جب موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے کہا: اقتلت نفسا زکیۃ بغیر نفس۔ تو خضر علیہ السلام نے کہا کہ آپ نے بھی ایک قبطی کو قتل کر دیا تھا اور وہ بھی بے چارہ بے گناہ تھا اور جب موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے فرمایا: لو شئت لتخذت علیہ اجرا۔ تو خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ اپنی بات بھول گئے جب کہ شعیب علیہ السلام کی صاحبزادیوں کو پانی بھر کر دیا تھا اور اس پر آپ نے کوئی مزدوری لی تھی۔ یہ عجیب اور لطیف باتیں راز و نیاز کی تھیں جو استاذ و شاگرد اور پیر و مرید کے درمیان ہوئیں۔

عجیب کہانی جناب قاسم نے کہا کہ جب موسیٰ علیہ السلام کی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک بے گوشت کی ہرنی موسیٰ علیہ السلام کے قریب کھڑی کر دی گئی اور دوسری بھنی ہوئی ہرنی خضر علیہ السلام کے قریب کھڑی کر دی گئی حالانکہ بھوکے تو دونوں ہی تھے لیکن اس میں اشارہ تھا کہ خضر علیہ السلام طمع کے بغیر کام کر رہے ہیں تو جو طمع کے بغیر کام کرے اسے مقصد حاصل ہوتا ہے اور موسیٰ علیہ السلام چونکہ خضر علیہ السلام کو طمع و لالچ کی بات بتا رہے تھے۔ اسی لئے انھیں کھانے کی چیز خالی رکھا گیا۔

مسئلہ روحانی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ کسی کے کلام میں کسی قسم کا طمع ہو تو وہ عمل ضائع ہو جاتا ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کے حال ہوا کہ جب انھوں نے ذرا سا طمع سامنے رکھا تو حضرت خضر علیہ السلام سے جدائی ہو گئی۔

طمع و لالچ کی مذمت حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جب طمع و لالچ کسی دل پر اثر انداز ہوتا ہے اور باطن کے دیکھنے سے وہ دل اندھا ہو جاتا ہے۔

سوال: موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام کو دیوار سیدھی کرنے کی مزدوری کا مطالبہ کیوں کیا حالانکہ اس دیوار کو سیدھے کرنے پر موسیٰ علیہ السلام نے کوئی کام نہیں کیا بلکہ صرف اشارہ فرمایا تو دیوار سیدھی ہو گئی اس پر انھیں کوئی تکلیف تو نہیں

ہوتی تھی؟

جواب: موسیٰ علیہ السلام نے دیوار کے بنانے کے اسباب کی وجہ سے سوال نہیں کیا بلکہ آپ نے دیوار والوں کی وجہ سے فاقہ اٹھانے کی وجہ سے کہا اور ایسے طریق سے بھی اجرت کی طلب جائز ہے۔ ایک صحابی نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر بچھو کے ڈسے آدمی پر دم کیا تو اسے آرام آگیا۔ اس سے اس صحابی نے اجرت مانگی۔ اس طرح کے واقعات بھی احادیث میں موجود ہیں۔ ؎

سوال: تم کہتے ہو کہ انبیاء علیہم السلام دعوت و ارشاد پر مزدوری اور اجر طلب نہیں کرتے تو پھر یہاں موسیٰ علیہ السلام نے مزدوری مانگ لی؟

جواب: یہ طلب اجرت دعوت و ارشاد کی وجہ سے نہیں تھی جیسا کہ قصہ کا قرینہ بتاتا ہے۔

قَالَ: خضر علیہ السلام نے فرمایا: هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ یہ میرے اور تمہارے درمیان جدائی کا وقت ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کا یہ تیسرا اعتراض اس جدائی کا سبب بنا۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے وداع کیا۔

اطلاق تمام معنی: بینی کی طرف فراق کی اضافت اضافۃ المصدر الی الظرف کے قبیل سے ہے اور یہ ظرف میں اتساع کی وجہ سے جائز ہے۔

سَاُنَبِّئُكَ ابھی میں آپ کو خبر دوں گا۔ یہ سین تراخی کا نہیں بلکہ تاکید کا ہے اس لئے کہ اس کے بعد خضر علیہ السلام نے فوراً بلا تاخیر تمام باتیں بتا دیں۔ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ۝ ان تمام امور کا انجام جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔

حل لغات التاویل: مرجع الشیٔ الی مقصد۔ شے کا اپنے مآل کی طرف لوٹنے کا نام تاویل ہے یہاں بمعنی مآل و عاقبت مراد ہے۔ اس لئے کہ یہاں مقصد کے معنی نہیں بن سکتا۔ اور ان امور کا انجام یہ تھا:

① کشتی ظالم سے بچ جائے گی۔
② نوجوان کو قتل کیا گیا تاکہ اس کے والدین اس کے شر سے محفوظ ہو جائیں۔
③ دیوار کو سیدھا کرنے سے یتامیٰ اپنے خزانے کو پالیں گے۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کاش! حضرت موسیٰ علیہ السلام صبر فرماتے تو خضر علیہ السلام کئی اور بھی باتیں بتائی جاتیں۔ یا یہ ہے کہ اس بات کے مقرر قرآن میں نزول وحی سے مستند ہو جائیں۔ ورنہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم

؎ ۔ تیرہ مقام پر نجدی ایسے دم وغیرہ کو شرک کہتے ہیں۔ تعجب ہے کہ ایک طرف احادیث پر عمل کرنے کے مدعی ہیں تو دوسری طرف شرک میں مبتلا ہیں یہ حدیث کا ہی گروہ ہوں کی اس غلط پالیسی سے پیدا ہوا۔ ۱۲ (اویسی غفرلہ)

کرامتی عمل کے ذریعہ بتائی گئی تعبیر تمام نے ان کی ایسی تفسیر کی ہے۔ اگر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم نہ ہوتا تو کیسے معلوم ہوتیں۔

تفسیر صوفیانہ کتاب ولایت نجیبہ میں ہے کہ شیخ اپنے مرید سے یا استاذ اپنے شاگرد سے خلل محسوس کرے تو اسے جلدی سے اپنے آپ سے جدا نہ کرے جب تک کہ اس سے تین بار خلل نہ ہو۔ اس کی دو بار کی غلطیوں سے چشم پوشی کرے، تیسری بار جب اسے خلل میں مشغول پائے تو اسے خضر علیہ السلام کی طرح کہہ دے: هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ۔ نیز پیر و مرشد اپنے مرید سے اور استاذ اپنے شاگرد سے جدائی کے وقت پہلے ان اعتراضات کے جوابات دے (جن امور سے جدائی ہو رہی ہے) اس کی علت اور موجب بتائے تاکہ مرید اور شاگرد کے دل میں شکوک و شبہات نہ رہیں جن کی وجہ سے اس کا خاتمہ برباد ہو جائے (معاذ اللہ)

استاذ کی بددعا فقیر اسماعیل حقی لکھتا ہے کہ کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ استاذ کے نالائق شاگرد کا انجام کیسے برا ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس نامراد کو کہو کہ تو اللہ تعالیٰ کی عین عنایت سے محروم ہو گیا چنانچہ اس کے بعد اسے ہیجڑوں میں دیکھا گیا پھر اس نے چوری کی تو اس کا ہاتھ کاٹا گیا۔

استاذ کی شفقت کا نتیجہ[ل] جیسے استاذ کی بددعا سے انجام برا ہوتا ہے ایسے ہی اس کی شفقت سے بیڑا پار ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو سلیمان دارانی قدس سرہ نے اپنے شاگرد سے فرمایا کہ اپنے آپ کو بچاتے ہوئے

[ل] فقیر نے اس موضوع پر ایک مستقل تصنیف لکھی ہے۔ بنام "البحث اللذیذ فی حقوق الاستاذ علی التلمیذ" چند امور اس مقام پر عرض کئے دیتا ہوں ممکن ہے کہ کسی بندۂ خدا کو اس سے فائدہ نصیب ہو۔ دورِ حاضرہ میں آج کل شاگرد اپنے اساتذہ کو اپنے علم دوست جیسا بھی تصور نہیں کرتے۔ مجھے ایک صاحب کے قول پر تعجب ہوا جب میں نے اسے اس کے استاذ صاحب کی تعظیم و تکریم کی تلقین کی تو کہا کہ دورِ حاضرہ میں بھی عزتِ نفس ضروری ہے۔ اگر ہم اساتذہ کی عوام کے سامنے تعظیم کرتے ہیں تو ہماری عزت عوام کی نظروں میں گر جاتی ہے۔ میں نے اسے عرض کیا کہ آپ نے بے خبری میں فرمایا ہے کیونکہ یہی عزت جس کے آپ طالب ہیں اگر آپ بھی اس باسی عزت کو قربان کر دیں تو دارین میں کئی گنا اور عزت نصیب ہوگی اگر آپ اسی نظریہ پر مر گئے تو جہنم ہوگی اور یہی عزت ذلت سے بدل جائے گی۔

ذیل کا مضمون علیحدہ مختصر طور پر پمفلٹ میں چھاپ دیا جائے تو بہتر ہے۔

استاذ کے حقوق

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

تنور میں ڈال دیجئے چنانچہ شاگرد نے فوراً آگ میں چھلانگ لگا دی اور وہ آگ کا تنور اس پر باغ بہار بن گیا ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

با ادب بانصیب : آج استاد کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا حالانکہ اہل علم کی یہ عزت ان کے صدقہ ہی سے ہے اس کا حق ادا کرنا ضروری اور لازمی ہے ۔ فقیر احادیث مبارکہ سے چند باتیں عرض کرتا ہے ۔

فرمان رسالت (۱) ابو داؤد میں مروی ہے کہ حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بڑے مسلمان اور عالم ، حافظ قرآن ، بادشاہ عادل اور استاد کی عزت و احترام تعظیم خداوندی میں داخل ہے ۔

(۲) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار ہیں ۔ ایک بار زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھوڑے پر سوار مدینہ منورہ جا رہے تھے اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ رکاب پکڑے ساتھ ساتھ جا رہے تھے ۔ دریافت کیا گیا کہ آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں ۔ فرمایا :

هكذا أُمِرْنَا

فرمان مرتضوی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ منقول ہے :

من علمني حرفا فهو مولاي ۔ جس نے مجھے علم دین کا ایک حرف سکھایا میں اس کا غلام اور میرا آقا ہے چاہے مجھے بیچ دے یا اپنے پاس رکھے خواہ آزاد کرے ۔

قرآن اور حدیث کے سیکھنے کا نام علم دین ہے ۔ دنیوی فن اور ہنر کا سکھانا دنیوی ہے وہ بہر حال روزی کمانے کا ذریعہ ہے ، پیشہ ور کاریگر ، انجینئر ، ملازم اور عہدہ دار اپنے کسب اور فرائض کی ادائیگی کر کے روزی کماتا ہے یہ سب کام موت کے ساتھ ختم ہو جاتے ہیں ۔ قبر سے آگے کوئی چیز سوائے علم دین کے نہیں جاتی ۔ علم دین ہی ایک ایسی چیز ہے جو قبر و حشر اور جنت میں ہمیشہ ساتھ رہے گا ۔

اعلیٰ دولت علم دین یا دنیوی مراتب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ دولت کا مقام بلند ہے یا علم دین کا ؟ آپ نے فرمایا کہ علم دین کے مقابل دولت کوئی چیز نہیں ۔

① جس کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہو ، اس کے دشمن بہت زیادہ ہوتے ہیں جتنی دولت بڑھے گی اتنے ہی دشمن بڑھیں گے لیکن جس کے پاس جتنا زیادہ علم دین ہوگا اس کے دوست بھی اسی قدر کثرت سے ہوں گے ۔

② دولت کی حفاظت دولت مند کو خود کرنی پڑتی ہے لیکن علم دین ، اہل علم کا محافظ ہوتا ہے ۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مثنوی شریف میں ہے ؎

جرعہ بر خاک وفا آں کس کہ ریخت
کے تواند صید دولت زو گریخت

جس نے وفا کا دامن تھام لیا اس سے دولت کا شکار کہیں نہیں بھاگ سکے گا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

۳ دولت خرچ کرنے سے گھٹتی ہے علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے جتنا زیادہ پڑھاؤ گے اتنا ہی اس میں اضافہ ہوگا۔

۴ دولت کا ہونا فخر کی بات نہیں کہ یہ فرعون و نمرود کی میراث ہے اور علم حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت ہے۔

۵ دولت عام طور پر انسان میں بغاوت اور سرکشی پیدا کرتی ہے اور علم دین انکساری اور تواضع سکھاتا ہے۔

۶ علم دین کو صحیح طریقہ سے استعمال کیا جائے تو بادشاہوں کے سر اہل علم کی چوکھٹ پر جھکتے ہیں ہم نے ہزاروں بادشاہوں اور سیٹھ امیروں کو اہل علم کے سامنے جھکتے دیکھا، دست بستہ کھڑے دیکھے۔

سلیمان بن عبد الملک، عطاء بن رباح کے حضور

مؤرخین جانتے ہیں کہ سلیمان بن عبد الملک کیسا با رعب بادشاہ تھا اس کی سلطنت سندھ تک پھیلی ہوئی تھی اور اپنے شاہزادگان کے ہمراہ حج پہ گئے تو حج کے مناسک سیکھنے اور ان کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔ انھوں نے کسی عالم دین کو اپنے پاس نہیں بلایا بلکہ شاہزادگان سمیت اس وقت کے جلیل القدر عالم عطاء ابن ابی رباح کی خدمت میں گئے۔ یہ سیاہ فام حبشی غلام علمی مرتبہ کے لحاظ سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ہیں۔ جب بادشاہ ان کی قیام گاہ پر پہنچا تو وہ اشراق کی نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ کی نماز کافی لمبی تھی۔ خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا کرکے فارغ ہوئے تو بادشاہ کی آمد کی خبر ہوئی لیکن کوئی خاص توجہ نہ دی۔ سلیمان نے خود مسائل دریافت کئے جن کے جوابات سنتے رہے جب جانے لگا تو شاہزادوں کو ہدایت کی کہ تم شعور اور ادب و اخلاق کی تعلیم اس عالم دین سے حاصل کرو۔ ہمراہیوں میں سے کسی نے بادشاہ سے دریافت کیا انھوں نے آپ کی طرف توجہ تو نہیں دی آپ شاہزادوں کو چھوڑے جا رہے ہیں تو جواب دیا کہ اس حبشی غلام نے میرے ساتھ جو سلوک کیا اس سے مجھ کو بادشاہی کے مقابلہ میں عالم دین کی حیثیت کا علم ہو گیا۔

مظہر جانجاناں قدس سرہٗ کے حضور میں شاہ عالم کی حاضری، حضرت مظہر جان جاناں سلسلہ نقشبندیہ کے بڑے اولیا

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تفسیر عالمانہ اَمَّا السَّفِیْنَۃُ وہ کشتی کہ جس پر سفر ہو رہا تھا۔ فَکَانَتْ لِمَسٰکِیْنَ وہ چند ایسے کمزور مسکینوں کی تھی جو اسے بوجہ بڑھاپا و فاقوں سے خود نہ چلا سکتے تھے اور ان کی وجہ معاش یہی کشتی تھی۔ وہ دس بھائی تھے ان میں پانچ اپاہج لنگڑے تھے۔ یَعْمَلُوْنَ فِی الْبَحْرِ مزدوری کے طور پر دریا میں کشتی چلا کر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

میں سے ہیں، شاہی خاندان سے تعلق کی بنا پر انتہائی نازک مزاج تھے۔ ایک بار شاہ عالم بادشاہ ان کے ہاں ملنے کے لئے آئے دوران ملاقات بادشاہ کو پیاس لگی وہاں ایک صراحی رکھی تھی جس پر کٹورہ تھا۔ آپ نے بادشاہ کو فرمایا کہ صراحی سے پانی لے لیں۔ بادشاہ نے پانی پی کر کٹورہ رکھ دیا لیکن وہ کچھ ٹیڑھا رکھا گیا۔ مظہر جان جاناں نے فرمایا کہ سر میں درد چڑھ گیا کہ کٹورہ رکھنے کی تمیز نہیں بادشاہی کیا کرو گے۔

یہ واقعات: علم و دولت کا فرق بتاتے ہیں کہ انسان علم و دولت کے حصول میں سر کی بازی لگا دے اگر دنیا میں کوئی کاروبار دولت حاصل نہ بھی ہو تب بھی آخرت کی عزت اور اجر و ثواب سے مایوس نہ ہونا چاہیے۔ لیکن یہ فائدہ فضائل و کمالات اس وقت نصیب ہوں گے جب استاد کے حقوق عزت و احترام ملحوظ رہے ورنہ بربادی و تباہی کے سوا کچھ حاصل نہیں۔

باپ اور استاد سکندر اعظم سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ استاد کو باپ پر کیوں ترجیح دیتے ہیں تو جواب دیا کہ میرا باپ تو مجھے آسمان سے زمین پر لایا اور میرا استاد ارسطو مجھے زمین سے آسمان پر لے گیا نیز باپ سبب حیات فانی ہے اور استاد موجب حیات جاودانی ہے۔

استاد کی عظمت حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت امام مالک رحمہ اللہ کی خدمت میں داخلہ لیا تو جب کتاب کا ورق پلٹنے کی نوبت آتی تو اس قدر احتیاط کرتے کہ آواز پیدا نہ ہو مبادا استاد کو تکلیف پہنچے۔

امام اعظم اور حماد حماد ابن سلیمان جو حضرت ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاد ہیں، ان کی بکریوں کا ایک گلہ تھا حضرت ابو حنیفہ تقریباً دس برس تک چراتے رہے گو اس دوران ہم نے اس خیال سے منع کیا کہ اتنے بڑے امام سے معمولی کام کیوں لیں، جواب میں کہا کہ یہ تو میری خوش قسمتی ہے اسے کیوں چھوڑوں۔

سرتاج نقشبند حضرت مظہر جان جاناں سلسلہ نقشبندیہ کے کبار اولیاء میں سے ہیں۔ آپ نے مولانا حاجی محمد افضل سے علم دین پڑھ کر سند حدیث حاصل کی۔

فرماتے تھے بوقت رخصت مجھے استاد صاحب نے گدڑی کے نیچے کی ٹوپی عنایت فرمائی۔ پندرہ سال تک میں نے گدڑی کے نیچے رکھا۔ پھر ان کے بعد وصیت کا خیال آیا تو رات کے وقت گرم پانی میں بھگو رکھا۔ صبح اس کو نچوڑ کر اور حل کر کے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

کسب معاش کرتے۔

عمل کا اسناد کل کی طرف یا تو تغلیباً ہے یا وکیل کا کام جو کل کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ بنا بریں اگرچہ کام بعض کرتے ہیں لیکن عمل کی نسبت کل کی طرف کی گئی ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کیا اور پانی کو ضائع نہ ہونے دیا اس کا رنگ اتفاق سے مشابہ تھا وہ پانی میں ملے ادب محفوظ رکھتے ہوئے پی لیا۔ جس کی برکت سے علم کے بے شمار دروازے میرے اوپر کھل گئے۔

استاد کی تکلیف بے ادبی تباہی کا موجب ہے۔ صاحب ہدایہ کے استاد حضرت شمس الائمہ حلوائی رحمۃ اللہ علیہ ایک بار اپنے شہر سے دوسرے شہر کو جانے لگے تو سب لوگ حاضر ہوئے امام زرنجری رحمۃ اللہ علیہ نہیں آئے۔ اپنی بوڑھی ماں کی خدمت کر رہے تھے۔ اس لئے استاد کی زیارت سے محروم رہے جب اس کے بعد ملاقات ہوئی تو استاد نے شکایت کی۔ امام زرنجری نے اپنا عذر پیش کیا۔ حضرت حلوائیؒ نے فرمایا کہ ماں کی خدمت کو استاد کی ملاقات پر ترجیح دی۔ اس لئے تمہاری عمر بڑھے گی لیکن علم دین کی درس و تدریس نہ کر سکو گے۔ تعلیم المتعلم میں ہے کہ جیسا کہ استاد نے کہا تھا ویسے ہی ہوا عمر بیشتر دیہی قریوں میں رہے لیکن کسی کو فائدہ نہ پہنچا سکے۔

استاد کے لڑکے کی تعظیم ایک بزرگ اپنے حلقہ درس میں درس دے رہے تھے کہ خلاف معمول آپ اثنائے درس میں کئی بار کھڑے ہوئے اور بیٹھتے رہے۔ اختتام درس پر اس کا سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ میرے استاد کا صاحبزادہ گلی میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا ہے کھیلتے کھیلتے جب وہ مسجد کے دروازے کے سامنے آتا ہے تو اس کی تعظیم میں کھڑا ہو جاتا ہوں۔ اس سے ثابت ہوا کہ استاد کی عزت میں اس کی اولاد کی توقیر بھی شامل ہے۔

استاد کی خدمت کی برکت رئیس الائمہ شمس فخر الدین کے علم و حشمت کا کیا کہنا، شاہ وقت بھی ان کا بے حد احترام کرتا تھا۔ انہوں نے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ میرا منصب جلیلہ صرف استاد کی خدمت کا مرہون منت ہے علاوہ اور صفات کے تیس "۳۰" برس تک میں اپنے استاد ابو زید دبوسی کا کھانا پکاتا تھا اور یہاں تک کہ اس میں کبھی خود نہ چکھا تھا۔

شہزادے استاد کے قدموں پر خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے لڑکے مامون کو علم و ادب کی تعلیم کے لئے امام اصمعی کے سپرد کر دیا تھا ایک دن ہارون الرشید درس گاہ میں جا پہنچے دیکھا کہ امام اصمعی اپنے پاؤں دھو رہے ہیں اور شاہزادگان پاؤں پر پانی ڈال رہے ہیں۔ ہارون نے امام سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

مسکین شریعت میں ایسے غریب شخص کو کہا جاتا ہے جس کے پاس مال تو ہو لیکن نصاب زکوٰۃ کی مقدار سے کم ہو۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

نے شہزادے کو آپ کے پاس اس لئے بھیجا تھا کہ ادب سکھائیں۔ آپ نے شہزادے کو یہ حکم کیوں نہیں دیا کہ ایک ہاتھ سے آپ کے پاؤں دھوئے اور دوسرے سے پانی ڈالے۔

استاد کے حضور میں امام ربیع فرماتے ہیں کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی نظر کے سامنے مجھ کو کبھی پانی پینے کی جرأت نہ ہوئی۔

اساتذہ کو ہدایات

خلاصہ: ① استاذ کا مقام ہر اعتبار سے عزت اور قدر و منزلت کا مستحق ہے استاذ کے اوصاف و اطوار ایسے ہونے چاہئیں کہ وہ نیکی اور پرہیزگاری کا مکمل و مجسم نمونہ ہو اور اس کی زیارت ہی سے تعلیم کے مقدس فیض کا عکس شاگرد کے دل میں کھنچ جائے۔

② جو استاذ اخلاقی برائیوں کو حسن اخلاق کے ذریعے دفع کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا وہ استاذ کہلانے کا مستحق نہیں۔ استاذ کا کام ذہن کو ترقی دینا اور نیک عادات کا پیدا کرنا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ علم کے سمندر میں تیرنے والے بچوں کو کشتی نہ بناؤ کہ وہ تمہارے دھکیلنے سے ہی چلیں۔ بلکہ انہیں اپنی ذاتی صلاحیت سے تیرنا سکھاؤ۔

③ شاگرد کا فرض ہے کہ انتہائی انکسار اور تواضع اختیار کرے اور اپنی اطاعت شعاری اور خدمت گذاری سے استاد کی سختی کو بھی نرمی میں بدل دے تاکہ استاد سے فیض حاصل کر سکے۔

استاد کی ناز برداری ابن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ سخت مزاج تھے کسی نے کہا کہ طالب علم دور دور سے آپ کے پاس آتے ہیں اور آپ ان سے خفا ہوتے ہیں کہیں وہ آپ کو چھوڑ کر چل نہ دیں۔ آپ نے جواب دیا کہ وہ تمہاری طرح احمق ہوں گے کہ وہ میری سخت مزاجی کی وجہ سے اپنا فائدہ ترک کر دیں۔

شاگردوں کو ہدایات ① امام ابو یوسفؒ کا قول ہے کہ استاد کا احترام یہ ہے کہ اگر وہ کوئی تقریر بیان کرے جو وہ تم کو معلوم ہو تو استاد پر یہ ظاہر نہ ہونے دیں کہ ہمیں پہلے سے اس کا علم ہے۔

② بزرگوں کا فرمان ہے کہ استاد کے جگہ پر نہ بیٹھنا چاہئے۔ اگر وہ فرمائیں تب بھی احتراز کرے ہاں اگر اس کے خلاف ان کو دل پہ صدمہ پہنچتا ہے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ "الامر فوق الادب"

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ)

مسئلہ : دو سو درہم یا اس کی قیمت کے مطابق مال کو نصاب زکوٰۃ کہتے ہیں۔

مسئلہ : دو سو درہم یا اس کی قیمت حاجت اصلیہ سے زائد ہو۔

مسئلہ : دو سو درہم یا اس کی قیمت کا مال نامی ہو یا نہ۔

مسئلہ : مسکین وہ ہے جس کا کچھ بھی نہ ہو۔

یہی امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے اور شوافع فقیر و مسکین کی تعریف برعکس مانتے ہیں۔

مسئلہ : قاضی صاحب نے کہا کہ آیت سے ثابت ہوا ہے کہ مسکین وہ ہے کہ جس کے پاس کچھ مال ہو اگرچہ اس کی معاش کو کافی نہ ہو اس لئے یہ لام تملیک پر محمول ہوگی۔

ف : مولانا اسعدی مفتی نے فرمایا کہ لام تملیک کی اس وقت مانی جا سکے جب ثابت ہو جائے کہ وہ کشتی ان کی اپنی تھی۔ لیکن اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ ضروری نہیں کہ لام تملیک ہو بلکہ ممکن ہے تخصیص کی ہو اور وہ اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ وہ کشتی بطور عاریۃ یا اجرت پر لے کر کام کر رہے تھے۔ اسی مناسبت سے کشتی کو ان کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ چنانچہ بعض روایات میں بھی اسی طرح وارد ہوا ہے۔

ف : عاریۃ یا مزدوری کے مفہوم کو کمالین نے شرح ہدایہ میں تصریح فرمائی ہے۔ نیز یہ بھی ہے کہ یہاں پر فقراء کے بجائے مساکین کہنے میں اشارہ ہو کہ وہ بادشاہ ظالم کی دستبرد سے کشتی کو بچانے کی طاقت نہیں رکھتے تھے علاوہ ازیں ان میں چند لنگڑے بھی تھے اور مسکین عرف عام میں ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی وجہ سے ذلت و خواری کا شکار ہو خواہ اس کے پاس مال ہو یا نہ۔ اس لئے یہ فقہی مسکین نہ ہو گا اور عرف عام کے اعتبار سے اور۔ یہاں پر یہی عرف عام والا مسکین مراد ہے نہ کہ عرف خاص یعنی فقہاء مسکین۔ یہ تحقیق صرف شوافع کے مفہوم کے رد میں لکھی گئی ہے جب کہ ان کے مسکین کے معنے کی تائید اسی آیت سے ہوتی تھی۔ ہم نے اوپر اس کے متعلق تفصیل عرض کر دی ہے۔

فَأَرَدْتُّ میں نے اللہ تعالیٰ کے ارادہ و مشیت اور اس کے حکم سے ارادہ کیا۔ **اَنْ اَعِیْبَهَا** کہ اسے عیب دار کر دوں۔ **وَكَانَ وَرَآءَهُمْ** اور ان کے آگے تھا۔ یہاں پر وراء بمعنے امام یعنی آگے کے بیانیہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بہرحال استاد کا ادب و احترام ہر لحاظ سے لازم ہے اور جتنے جلیل القدر مشائخ عظام اور علماء کرام گزرے ہیں سب نے علوم و تربیت اور فیوض و برکات اساتذہ کی خدمات اور ان کی کفش برداری کے طفیل حاصل کئے ہیں۔

استاذ اور ماں باپ اور پیر و مرشد کا بے ادب اور انہیں رنجیدہ کرنے والا کبھی سرفرازی نہ پائے گا اگرچہ دنیا میں کسی طرح سے بچ گیا تو آخرت میں ذلیل و خوار ہوگا۔

جیسے دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ

یہاں پر بھی وراء بمعنے آگے ہے۔ یہ لفظ فوق کی طرح دو اضداد سے ہے جیسے فوق میں اوپر نیچے ہر دو معنے آتے ہیں ایسے ہی وراء میں ہر دو آگے پیچھے کے معانی پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ سورۂ قصص میں اس پر مزید بحث آئے گی (انشاء اللہ)۔

مَّلِكٌ بادشاہ کا نام جلندی بن کرکر تھا وہ شہر قرطبہ کے جزیرہ اندلس میں رہتا تھا۔ وہ پہلا غاصب تھا ظلماً کشتی چھیننے والا پہلا شخص تھا جیسے زمین پر پہلا فساد قابیل کو ہابیل کا قتل ہے۔ (کذا ذکرہ ابو اللیث فی تفسیرہ تحت آیت ظہر الفساد)۔

يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ وہ ہر صحیح و سالم اور اچھی کشتی کو چھین لیتا تھا۔ یہ ایجاز الحذف کے قبیل سے ہے۔ غَصْبًا ۞ یعنے کشتی والوں سے جبراً کشتیاں چھین لیتا تھا۔ اس کا منصوب ہونا یا تو علی المصدریت (مفعول مطلق) ہونے کی وجہ سے ہے، یہ جو کشتی چھیننے کی نوعیت کو بیان کرتا ہے یا علی الحالیۃ غصبا بمعنے غاصبا ہے۔ "الغصب اخذ الشیء ظلما وقهرا" یعنے ظلم و قہر کے طور پر کسی سے کوئی شے لینے کو عربی میں "غصب" کہتے ہیں اور شے مغصوب کو بھی غصب کہا جاتا ہے۔

ف: یعنے خضر علیہ السلام نے کشتی کو غصب کے خوف سے عیب دار فرمایا۔

نکتہ: وجہ بتانے کی تاخیر صرف باختلاف چیزوں کے لحاظ سے ہے اور باقی وجوہ سے اسے مقدم کرنے کی وجہ ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سب سے پہلے یہی واقعہ پیش آیا اور انہوں نے بھی سوال اسی کے متعلق فرمایا کہ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا۔ اب اس کی وجہ بتائی کہ ہم نے کشتی کو عیب دار کشتی والوں کو غرق کرنے کے لئے نہیں کیا بلکہ اس لئے کہ وہ ظالموں کی دستبرد سے بچ جائے۔ چنانچہ مروی ہے کہ خضر علیہ السلام نے کشتی کا تختہ نکالنے کے بعد کشتی والوں کو بتایا کہ تمہارے آگے ایک ظالم بادشاہ ہے جو ہر اچھی کشتیاں چھین لیتا ہے لیکن جو کشتی عیب دار ہوگی اسے نہیں چھینے گا۔ میں نے تمہاری کشتی کو اسی لئے عیب دار بنا لیا ہے تاکہ ظالم بادشاہ تم سے کشتی نہ چھینے۔

ف: قصص الانبیاء میں ہے کہ کشتی تھوڑی دیر آگے گئی تو بادشاہ کے کارندے آ گئے اور بادشاہ نے کشتی لانے کا حکم فرمایا ہے بشرطیکہ اس میں عیب نہ ہو۔ جب انہوں نے کشتی کو دیکھا بھالا کہنے لگے کشتی تو عیب دار ہے، چنانچہ کشتی کا عیب دیکھ کر کشتی والوں کو چھوڑ کر چلے گئے۔ جب وہ نکل گئے تو خضر علیہ السلام نے تختہ جو ساتھ لئے ہوئے تھے اپنی جگہ پر چسپاں کر دیا جس سے کشتی پہلے جیسی سالم ہو گئی۔

مثنوی شریف میں ہے:

گر خضر در بحر کشتی را شکست
صد درستی در شکست خضر ہست

ترجمہ۔ اگر خضر علیہ السلام نے دریا میں کشتی کو توڑ دیا تھا تو ہزاروں فائدے اس کے اندر مضمر تھے۔ ظاہراً تخریب تھی تو باطناً تعمیر مطلوب تھی۔

مثنوی شریف میں ہے۔ ؎

① آن یکے آمد زمین را می شگافت
ابلہی فریاد کرد و برنتافت

② کین زمین را از چہ ویران می کنی
می شگافی و پریشان می کنی

③ گفت اے ابلہ برو بر من مران
تو عمارت از خرابی باز دان

④ کی شود گلزار و گندم زار این
تا نگردد زشت و ویران این زمین

⑤ کی شود بستان و کشت و برگ و بر
تا نگردد نظم او زیر و زبر

⑥ تا نشگافی بنشتر ریش چغز
کی شود نیکو و کی گردید نغز

⑦ تا نشوید خلطہایت از دوا
کی رود شورش کجا آید شفا

⑧ پارہ پارہ کرد درزی جامہ را
کس زند آن درزی علامہ را

⑨ کہ چرا این اطلس بگزیدہ را
بر دریدی چہ کنم بدریدہ را

⑩ ہر بنای کہنہ کآبادان کنند
نے کہ اول کہنہ را ویران کنند

⑪ ہمچنین نجار و حداد و قصاب
ہستشان پیش از عمارتہا خراب

⑫ آن ہلیلہ و آن بلیلہ کوفتن
زان تلف گردند معموری تن

⑬ تا نکوبی گندم اندر آسیا
کی شود آراستہ زان خوان ما

ترجمہ: ① ایک شخص زمین کو چیرتا ہوا ہل چلا رہا تھا۔ ایک بے وقوف نے شور مچایا کہ زمین کو خراب کر رہے ہو۔

② زمین کو کیوں ویران کرتا ہے اسے چیر کر برباد کر رہا ہے۔

③ اس نے کہا: اے بے وقوف! چل تجھے کیا خبر کہ میں اس زمین کو آباد کر رہا ہوں، تجھے تعمیر و تخریب کی تمیز نہیں۔

④ اگر میں ایسا نہ کروں تو اس سے باغات اور گندم کیسے پیدا ہوگی اگر ایسا نہ کروں تو الٹا زمین خراب اور ویران ہو جائے گی۔

⑤ اگر ایسا نہ کروں تو اس سے پھول، کلیاں، سبزیاں کہاں سے آئیں گی۔ اگر ایسا نہ ہو تو زمین کا نظم و نسق برباد ہو جائے گا۔

⑥ اگر انگور کا رس نہ نکالا جائے تو وہ خود بھی اچھا نہ ہوگا اور نہ ہی اس سے میٹھے پیدا ہوں گے۔

⑦ اگر تیری فاسد خلطیں بدن سے باہر نہ نکالی جائیں تو تیری طبیعت کی شورش نہ جائے گی اور شفایاب نہ ہوگا۔

⑧ درزی نے کپڑے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جب مالک نے کہا کہ اس کا نقصان کیوں کر دیا۔

⑨ کہ تو نے اطلس جیسے قیمتی کپڑے کو کاٹ ڈالا۔ اب میں ان کٹے ہوئے ٹکڑوں کو کیا کروں۔

⑩ جو کوئی ویران زمین کو آباد کرتا ہے تو وہ پہلے اسے ویران کرتا ہے۔

⑪ ایسے ہی ترکھان، لوہار اور قصاب کا حال ہے کہ وہ پہلے اپنے معاملات میں ویرانی کرتے ہیں۔

⑫ ہلیلہ و بلیلہ کو کوٹا جاتا ہے تو پھر بدن کی تعمیر ہوتی ہے۔

⑬ جب تک گندم کو چکی میں پیسا نہیں جاتا اس وقت تک وہ ہمارے دسترخوان کی زینت نہیں بن سکتی۔

نفس کو جانی وجود مجازی کی فنا وجود حقیقی کے حصول کا سبب ہے جب تک بشریت اور اس کے اوصاف باقی ہوں اس وقت تک اخلاق الٰہیہ کا ظہور نہیں ہوتا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں چند اشارات ہیں:

① کشتی کا چیرنا اور اسے عیب دار کرنا اس غرض پر کہ اسے ظالم نہ لے جائے اگرچہ بظاہر شرعاً ناجائز ہے لیکن اندرونی طور پر اس میں کشتی والوں کا فائدہ تھا اسی لئے شریعت کے باطنی امور کے اعتبار سے جائز ہو گیا اور ایسے ہی امور شرعاً بھی جائز ہوتے ہیں جب مجتہد کو معلوم ہو کہ ان کے ظاہر پر عمل کرنے سے باطناً بہت بڑا فساد ہوگا جب یہ حقیقت کے مطابق ہو چنانچہ خضر علیہ السلام نے اس کی وجہ خود بتائی۔ وکان وراءھم ملک۔ الخ۔

② جب اللہ عالم مسکین شخصوں پر ایسی لطف و عنایت رکھتا ہے کہ ان کی بے خبری میں دشمنوں ظالموں کا حملہ ہونا تھا لیکن انہیں اپنے فضل و کرم سے بچا لیا تو پھر اپنے انبیاء علیہم السلام پر اس کی کتنی عنایات بے نہایات ہوں گی اور ان سے کتنی بلائیں اور مصیبتیں دفع فرماتا ہوگا۔

③ بظاہر کشتی کے مساکین یعنی غیر انبیاء کی مصلحت کو انبیاء علیہم السلام کی مصلحت کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اگرچہ درحقیقت باطناً اس میں بھی انبیاء علیہم السلام کی مصلحت کو ترجیح ہوتی ہے مثلاً موسیٰ علیہ السلام کی مصلحت کو کشتی والوں کی مصلحت پر ترجیح دی گئی جو بظاہر موسیٰ علیہ السلام کی خضر علیہ السلام سے جدائی کا موجب بنا اور جدائی رسالت و نبوت کے امور کی سرانجامی کا سبب بنا کہ وہ یہاں سے جدا ہو کر بنی اسرائیل کی تربیت میں لگ گئے اور یہی بات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں افضل و اولیٰ تھی بہ نسبت اس کے کہ آپ خضر علیہ السلام کی صحبت میں رہتے۔

فقیر اسماعیل حقی کہتا ہے کہ اس میں ایک اور اشارہ لطیف ہے وہ یہ کہ کشتی والوں نے خضر و موسیٰ علیہما السلام کو عزت کی نگاہ سے دیکھا اور ان کی تعظیم و تکریم میں ان سے کرایہ بھی نہ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے عوض میں انہیں بہتر معاوضہ فرمایا کہ بہت بڑے ظالم سے ان کی کشتی کو بچا لیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ والوں کی تعظیم و تکریم اور ان کے آداب بجا لانے میں دارین کی فلاح و بہبود ہی ہے ([illegible])[1]

تفسیر عالمانہ وَاَمَّا الْغُلٰمُ۔ بہرحال اس نوجوان جیسا کہ قتل کر دینے میں مصلحت یہ کہ فَکَانَ اَبَوٰہُ اس کا باپ کازیر اور اس کی ماں سہوی تھی۔ (کذا فی التعریف)

مُؤْمِنَیْنِ۔ جو دونوں مومن تھے یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید کے اقراری تھے۔ فَخَشِیْنَا۔ پس خطرہ ہوا کہ اَنْ یُّرْهِقَهُمَا۔ یہ رہقہ بمعنی غشیہ و لحقہ سے مشتق ہے اس کی گردان ارھقہ طغیانا بمعنی اغشاہ

---

[1] اضافہ از فقیر اویسی۔

ایاہ والتحقق فی علم اللہ سبحانہ (کذا فی القاموس)۔

شیخ نے اس کا ترجمہ یوں لکھا گیا ہے۔

طُغْیَانًا یعنی ضلالۃ ہے۔ وَّكُفْرًا ۝ یعنی وہ نوجوان اپنے ماں باپ کو گمراہی اور کفر کے گھاٹ اتار دیتا۔ اور وہ بھی لڑکے کی محبت میں مبتلا ہو کر ایمان سے ہاتھ دھو کر گمراہ ہو جاتے اور خضر علیہ السلام کو جو کچھ حق تعالیٰ نے بتایا تھا کہ یہ لڑکا جبلی کافر ہے اس لئے اسے قتل کر دینا مناسب ہے۔

فَاَرَدْنَا پس ہم نے چاہا۔ اَنْ یُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَیْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً کہ ان کا رب تعالیٰ انہیں نعم البدل عطا فرمائے جو اس مقتول سے بہتر ہو اور گناہوں اور اخلاق رذیلہ سے پاک ہو۔ وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ۝ اور شفقت اور رحمت گذاری کے لحاظ سے اس سے بہتر ہو۔

الجواب: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ان اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو ایک بچی عطا کی جس کے ساتھ کسی نبی علیہ السلام نے نکاح کیا جس کی نسل سے ستر انبیاء علیہم السلام پیدا ہوئے۔

ف: جب وہ نوجوان پیدا ہوا تو اس کے ماں باپ بہت زیادہ خوش ہوئے اور جب مارا گیا تو بہت غمگین ہوئے اگر زندہ رہتا تو ان کو بھی جہنم میں لے ڈوبتا۔

مسئلہ: انسان کو اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر پر راضی رہنا ضروری ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر تقدیر انسان کے لئے بہتر ہوتی ہے۔

①
آن پسر را کش خضر ببرید حلق
سر آن را در نیابد عام خلق

②
آنکہ جان بخشد اگر بکشد رواست
نائب است و دست او دست خداست

---

③
بسی مبتلا را کہ آن پادشہ بود
بسی خسروانا کہ سواری بود

ترجمہ: ① جس لڑکے کی خضر علیہ السلام نے گردن کاٹی اس کا راز عام انسانوں کو معلوم نہیں ہو سکتا۔

② جو ذات جان بخشتی ہے اگر وہ جان سلب کرے تو اس کا حق ہے اور یہ ولی اللہ بھی اس کا نائب ہے اس کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہے۔

③ بہت سی صلحوں میں بربادی ہوتی ہے اور بہت سی خرابیوں میں آبادی ہوتی ہے۔

بہت سے بظاہر دشمن نظر آتے ہیں درحقیقت وہ دوست ہوتے ہیں اور بہت سے بظاہر دوست ہیں درحقیقت وہ دشمن ہوتے ہیں۔

ف: دشمن سے بھی عقلمند انسان بہت سے فوائد حاصل کرتا ہے مثلاً دشمن عیوب گنتا ہے تو اسے اپنے عیوب کا علم ہو جاتا ہے وہ دوست عیوب کو محاسن سمجھتا یا انہیں محاسن بنا کر سناتا ہے یا چشم پوشی کرتا ہے۔ اس لئے دوست سے عیوب کا پتہ نہیں چلتا۔

مثنوی شریف میں ہے؎

درحقیقت دوستانت دشمن اند
کہ ز حضرت دور و مشغولت کنند
درحقیقت ہر عدو داروئے تست
کیمیا و نافع و دلجوئے تست
کہ ازو اندر گریزی در خلا
استعانت جوئی از لطف خدا

ترجمہ: ① درحقیقت تیرے یہ دوست دشمن ہیں جو تجھے درگاہِ حق سے دور اور مشغول کرتے ہیں۔

② درحقیقت ہر دشمن تیرا دوا ہے بلکہ کیمیا، نافع اور دلجو ہے۔

③ تاکہ تم اس سے بھاگ کر اللہ تعالیٰ کے لطف سے مدد مانگو۔

حکایت ایک واعظ بزرگ تھے وہ اپنی دعا میں ڈاکوؤں کو شامل کرتے تھے۔ لوگوں نے سبب پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے راہ سلوک انہی ڈاکوؤں کی وجہ سے نصیب ہوا۔ صورت یوں ہوئی کہ میں بہت بڑا تاجر تھا۔ تجارت کا مال کہیں سے جا رہا تھا راستہ میں ڈاکوؤں نے گھیر لیا۔ مال بھی لوٹا اور میری بھی خوب مرمت کی۔ اس دن کے بعد جب بھی مجھے تجارت کا خیال آتا تو ڈاکوؤں کے ڈنڈے یاد آ جاتے۔ اسی لئے تجارت کو خیرباد کہہ کر سالکین راہ حق کی صحبت اختیار کر لی۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں چند اشارات ہیں:

① نفس زکیہ کو بلا جرم قتل کرنا شرعاً حرام ہے اگرچہ اس میں دوسرے کا فائدہ مطلوب ہے لیکن شریعت کے باطن میں جائز ہے بشرطیکہ قتل کرنے والا امور کے انجام کا عارف ہو اور اسے یقین ہو کہ واقعی اس کی

زندگی دوسرے کے دین وایمان کے فساد کا سبب بنے گا جیسے خضر علیہ السلام نے نوجوان کو قتل کر کے اس کی مصلحت بتا دی۔ واما الغلم الخ۔ اس لئے کہ اگر وہ نوجوان ایک مدت تک زندہ رہتا تو اپنے ماں باپ کے دین وفساد کا سبب بنتا۔ اس وقت بھی اگرچہ اس کے اندر شقاوت طبعی موجود تھی لیکن اپنی شقاوت سے دوسرے کو شقی بنانے کے لئے کچھ وقت چاہئے اور وہ نوجوان ابھی خود شقاوت کے کمال کو نہیں پہنچا تھا کہ ابھی اس کا تو بچپن ہی تھی اور نہ ہی اعمال کفر اس سے سرزد ہوئے تھے اس لئے ابھی ماں باپ کے اعمال کے زیر اثر تھا۔

② بہت سی اشیاء سے ہم محبت کرتے ہیں حالانکہ وہ ہمارے لئے مضر ہوتی ہیں اور بہت سی اشیاء سے ہم کراہت کرتے ہیں حالانکہ وہ ہمارے لئے مفید ہوتی ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

عسی ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم الخ۔

جیسے اس نوجوان کے والدین نے بلا جرم اپنے بیٹے کے قتل کو برا محسوس کیا اس لئے کہ وہی لڑکا ان کے دل کا ٹکڑا تھا اور حسین بھی تھا اسی طرح لڑکا خود بھی اپنا قتل نہیں چاہتا تھا لیکن اس میں سب کا فائدہ تھا۔ ماں باپ کو تو اس لئے کہ وہ شقاوت اور کفر سے بچ گئے اور لڑکا بھی کہ اگر وہ بڑا ہوتا تو شقاوت وکفر کے ارتکاب سے جہنم میں جاتا۔ خضر علیہ السلام کی کارروائی سے سب کا بھلا ہو گیا۔

③ اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ ہے کہ جب کسی بندے سے محبوب ترین شے چھین لیتا ہے تو اسے بہتر و بہتر شے عنایت فرماتا ہے بشرطیکہ چھینی ہوئی شے پر وہ صبر وشکر کرے تو بظاہر اگر وہ چھینی ہوئی شے اسے محبوب محسوس ہوتی ہے لیکن بہ حقیقت وہ ہزاروں مصیبتوں کا مجموعہ تھی۔ اس کو اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی سے سمجھئے۔

کما قال فی ھذا المقام:

فاردنا ان یبدلھما ربھما الآیۃ (کذا فی فتوحات الحبیب)

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں شریعت وطریقت کے صابرین وشاکرین سے بنائے اور ہمارے لئے وہی کرے جس میں ہماری بہتری ہو اور ہمیں حقیقت کے کمال تک پہنچا دے۔

تفسیر عالمانہ

وَاَمَّا الْجِدَارُ الخ بہرحال وہ دیوار جسے خضر علیہ السلام نے سیدھا کر دیا تھا۔ فَكَانَ لِغُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ تو وہ دو یتیم بچوں کی تھی۔ ان یتیموں میں سے ایک کا نام اصرم دوسرے کا نام صریم۔ اور ان کے والد کا نام کاشح تھا۔ یہ سیاح اور نہایت متقی انسان تھا۔ ان دونوں یتیموں کی والدہ کا نام دینا تھا۔ (کذا ذکرہ القاشی)

فِی الْمَدِیْنَةِ اس بستی میں جس کا نام انطاکیہ تھا جس کا بیان گزرا ہے۔ وَكَانَ تَحْتَهٗ اور اس دیوار کے نیچے تھا کَنْزٌ لَّهُمَا ان دونوں کا خزانہ۔ کنز وہ اس مال کو کہتے ہیں جسے کوئی انسان زمین میں دفن کرے اس کی گردان کنز یکنز و آتی ہے یعنی دفن کیا تھا، یعنی ان بچوں کا سونا اور چاندی کا مال اس دیوار کے نیچے مدفون تھا۔ اسی طرح مرفوعا حدیث میں مروی ہے۔ اور یہی مطلب راجح ہے اس لئے کہ قرآن مجید میں سونا چاندی کو خزانہ کرنے کی مذمت آئی ہے۔

کما قال:

والذین یکنزون الذهب والفضة

جو لوگ سونے اور چاندی کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور دیگر حقوق واجبہ ادا نہیں کرتے۔

بعض کہتے ہیں کہ اس خزانے میں سونے یا سنگ مرمر کی ایک تختی تھی جس کی ایک طرف کندہ تھا:

بسم الله الرحمن الرحیم
عجبت لمن یؤمن بالقدر و
کیف یحزن وعجبت لمن
یؤمن بالرزق کیف ینصب
عجبت لمن یؤمن بالموت
کیف یفرح وعجبت لمن
یؤمن بالحساب کیف یغفل
وعجبت لمن یعرف الدنیا
وتقلبها باهلها کیف یطمئن
الیها لا اله الا الله محمد رسول الله
(صلی الله علیه وسلم) وعجبت
لمن یؤمن بالنار کیف یضحک

ترجمہ مع شرح

شروع کرتا ہوں ساتھ نام اللہ کے جو رحمٰن و رحیم ہے مجھے اس پر تعجب ہے جسے تقدیر پر ایمان ہے یعنی یقین رکھتا ہے کہ تمام امور اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر سے ہیں باوجود اس کے پھر بھی وہ غمگین ہوتا ہے جب کوئی نعمت چھن جاتی ہے یا اس پر شدت کا غلبہ ہوتا ہے اور مجھے تعجب ہے اس پر جو رزق پر ایمان رکھتا ہے یعنی سمجھتا ہے کہ رزق کی تقسیم منجانب اللہ ہے اور جانتا ہے اللہ تعالیٰ ہر ایک کو رزق پہنچائے گا اس کے باوجود پھر بھی وہ رزق کے حصول میں جان کی بازی لگاتا ہے اور مجھے تعجب ہے اس پر جسے موت پر ایمان ہے یعنی مانتا ہے کہ وہ عنقریب مرے گا اور موت کی حقیقت پر یقین کرنے کے باوجود پھر بھی دنیا میں خوش ہے اور چھوٹی عمر پر خواہ مخواہ خوش رہتا ہے اور مجھے تعجب ہے اس پر جو حساب پر ایمان رکھتا ہے یعنی ایمان رکھتا ہے کہ قیامت میں ہر چھوٹی بڑی شے کا

حساب لیا جائے گا اس کو یاد ہو پھر بھی غافل رہتا ہے اور دنیوی امور میں مشغول رہتا ہے اور مجھے تعجب ہے اس پر جو دنیا اور دنیا والوں کو پریشان حال دیکھ کر پھر بھی دنیوی کاموں پر مطمئن ہے۔ درمیان میں لکھا تھا۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ

مجھے تعجب ہے اس پر جو نارِ جہنم کا اقرار کرتا ہے اور پھر بھی ہنستا رہتا ہے۔

اس کی دوسری جانب عبارت ذیل لکھی تھی:

انا الله لا اله الا انا وحدى لا شريك لى خلقت الخير والشر فطوبى لمن خلقته للخير و اجريته على يديه والويل لمن خلقته للشر و اجريته على يديه۔

میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں میں یکتا ہوں میرا کوئی شریک نہیں ہے میں نے خیر و شر کو پیدا فرمایا اسے مبارک ہے جس نے خیر پیدا فرمائی اور اسے اس کے آگے چلا دیا ہے اور شر کو میں نے پیدا فرمایا اور اس کے

یہی جمہور کا قول ہے۔ (کذا فی بحر العلوم)

وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا " ان دونوں کا باپ نیک تھا اس کے پاس لوگ امانتیں رکھتے تھے تو امانتوں میں خیانت نہیں کرتا تھا بلکہ انھیں امانتیں جیسے سالم ادا کرتا تھا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے مال کو محفوظ فرمایا۔ امام جعفر صادق نے فرمایا کہ ان دونوں اور اس صالح نیک بخت بزرگ کے درمیان سات پشتوں کا فاصلہ تھا۔ اس ساتویں باپ مطلب یہ ہوا کہ ان کے دادا کا مال تھا جس کی اللہ تعالیٰ نے ان تک حفاظت فرمائی۔

کما قال:

فَأَرَادَ رَبُّكَ پس تیرے رب تعالیٰ نے ارادہ فرمایا یعنی خضر علیہ السلام کو دیوار کے سیدھا کرنے کا حکم فرمایا۔ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا۔ یہاں تک کہ وہ دونوں بچے اپنے سن بلوغ اور کمال عقل مندی اور پختگی کو پہنچ جائیں۔

حل لغات: بحر العلوم میں ہے کہ الاشد میں قوت کا معنی ہے اور یہ شدۃ کی جمع ہے جیسے نعمت کی جمع انعم

آتی ہے لیکن شریعت کی بلوغ کے وقت مقرر کردی گئی ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ ایسی عمر ہے کہ جس کا واحد نہیں اور اشد کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو ہر طرح کی عقلی تکمیل حاصل ہو۔ بعض نے کہا کہ بالغ ہونے کے بعد جس سے بیداری محسوس ہو اس کے سن کا آخری حصہ تیئیس (۲۳) یا اٹھائیس (۲۸) سال پر ختم ہوتا ہے۔

سوال: خضر علیہ السلام نے کشتی چیرتے وقت فعل کا اسناد صرف اپنی طرف فرمایا اور نوجوان کو قتل کے وقت خشینا، جمع کا صیغہ کیوں، اور پھر دیوار کو سیدھا کرنے کے بعد فعل کا اسناد صرف اللہ تعالیٰ کی طرف کیوں؟ کما قال: فاراد ربک ان یبلغا۔

جواب (۱): چونکہ پہلا کلام عیب تھا اسی لئے اس کا اسناد اپنی طرف کیا تاکہ تنزیہ الٰہی کے خلاف نہ ہو۔ دوسرے فعل میں چونکہ خشیۂ کفر تھا اسی لئے اس میں اللہ تعالیٰ کی تائید شامل رکھی تاکہ اس کی مدد سے کفر کی خرابی سے حفاظت ہو۔ تیسرے فعل میں خیر محض تھی اسی لئے اس کا اسناد صرف اللہ تعالیٰ کی طرف کیا گیا۔

جواب (۲): بعض نے کہا کہ جب خضر علیہ السلام نے فعل کا اسناد پہلی دفعہ اپنی طرف کیا تو اس پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے الہام ہوا کہ آپ کون ہیں کہ فعل کا اسناد اپنی طرف کر رہے ہیں

ای بعد العاشق والمعشوق کا جیسے اسے عتاب پر محمول نہ کیا جائے؟[لہ]

اس الہام کے بعد خضر علیہ السلام نے دوسرے فعل کے اسناد میں جمع کا صیغہ ملا دیا۔ کما قال: فاردنا۔ اس کے بعد پھر الہام ہوا کہ اس میں تمہاری اور موسیٰ علیہ السلام کی نسبت کا اظہار ہوتا ہے۔ فلہٰذا تم کون ہو کہ میرے نام کے بغیر اپنا نام لے رہے ہو۔ اسی لئے آخر میں خضر علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا نام لیا۔

کما قال تعالیٰ:

فاراد ربک ان یبلغا اشدھما۔

ویستخرجا کنزھما اور وہ دونوں بچے اپنا خزانہ اٹھائیں گے جب بڑے ہوں گے اگر میں اس دیوار کو سیدھا نہ کرتا تو دیوار گر جاتی اور خزانہ کھل جاتا جسے لوگ اٹھا لے جاتے اور بچوں کے بالغ ہونے سے پہلے ہی خزانہ لٹ جاتا۔

سوال: اس خزانے کا اگر یتیم یا ان کے متولی جانتے تھے تو وہ خود دیوار کو سیدھا کر لیتے اور اگر انہیں اس کا علم نہیں تھا تو بچوں کے بڑے ہونے کے بعد انہیں کیسے معلوم ہوتا؟

جواب: اگر بچوں کو خزانے کا علم نہ تھا لیکن ان کے متولی کو معلوم تھا مگر وہ شہر سے باہر کسی کام کے لئے چلا گیا تھا جس وقت وہ باہر گیا تھا اس وقت دیوار کی حالت اچھی تھی لیکن جب خضر علیہ السلام وہاں تشریف لے گئے تو متولی موجود نہ تھا۔ وکذا

لہ از فقیر اویسی غفرلہ۔

قادر معلوم۔

ف: فقیر اسماعیل حقی کہتا ہے کہ خزانے کے لئے بچوں کی لالچ کا قول غیر مسلّم ہے اس لئے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے خزانے کو محفوظ رکھنے کا اہتمام فرمایا اسی طرح اس کی قدرت و حکمت میں شامل ہے کہ وہ ان یتیموں کو وقت پر وہ کام دے دے اور ہر زمانے میں بے شمار مثالیں ملتی ہیں کہ بہت سے لوگوں کو بے خبری میں بے شمار خزانے ملے اور کو میں ان کا استحقاق ہی کیا ہے کہ وہ خزانہ صرف انہی دونوں بچوں کے لئے مخصوص تھا۔

نیز یہ قول بھی غیر معتبر ہے کہ وہ خزانہ ساتویں پشت کے بعد کی اولاد کو ملے اور پہلی چھ پشتوں والوں سے مخفی رکھا جائے۔

رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ یعنی ان کا مال تیرے رب کی رحمت سے خزانے کی حفاظت کی گئی۔

ف: رحمة مفعول لہ کے قائم مقام ہے یعنی موصوف ہے یعنی وہ دونوں رحمت الٰہی کے مستحق تھے نیز یہ بھی ہے کہ یہ ایک محذوف امر کی علت کے لئے ہے اصل عبارت یوں ہے کہ رحمهما الله بذالك رحمة ۔

وَمَا فَعَلْتُهٗ ۔ اے موسیٰ علیہ السلام آپ نے جو کچھ خلاف فرمایا کہ کشتی توڑی گئی اور نوجوان کو قتل کیا گیا اور دیوار کھڑی ہوگئی یہ تمام امور عَنْ اَمْرِیْ میں نے از خود نہیں کئے اور نہ ہی میرا اجتہادی معاملہ ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی وحی حق سے کیا ہے۔ اس سے موسیٰ علیہ السلام کے اشکال کی توضیح اور ظاہر جو امور شرع کے خلاف کے لئے ان کی معذرت کے اظہار کی توجیہ مطلوب ہے۔

فائدہ روحانی مرید اور مرشد کے مابین جو شکوک و شبہات پیدا ہوں ان کے ازالہ کا یہی طریقہ ہے اس لئے کہ مرید اور مرشد کے درمیان مخلصت ضروری ہے۔

ذٰلِكَ اسم مذکور کے متعلق۔ تَاْوِیْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا ۝ یہ تاویل ہے جس پر آپ صبر نہ کرسکے۔

تسطع دراصل تستطیع تھا اسے تخفیفاً حذف کر دیا گیا ہے اس سے خضر علیہ السلام کا اپنا وعدہ ہے جس کے متعلق موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ فرمایا تھا کہ اس امر کے متعلق وضاحت کروں گا۔

موسیٰ علیہ السلام نے گریہ فرمایا مروی ہے کہ جب خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے مفارقت کا ارادہ کیا تو ان سے فرمایا کہ اگر آپ میرے ساتھ خاموشی سے چلتے رہتے تو میں آپ کو اس قسم کے ہزاروں عجائبات دکھاتا جو ہر ایک ایک دوسرے سے بڑھ کر ہوتا۔ موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام کی جدائی کے وقت رونے لگے اور عرض کی کہ اے اللہ کے نبی! کچھ وصیت فرمائیے۔

خضر علیہ السلام کی موسیٰ علیہ السلام کو وصیتیں حضرت خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو الوداع کرتے وقت

حسب ذیل ہدایتیں فرمائیں :

① علم اس لئے نہ پڑھنا کہ دوسروں کو بتلاؤں گا بلکہ اس لئے پڑھنا کہ اس پر عمل کروں گا۔ اس لئے کہ جس نے علم پڑھ کر عمل نہ کیا بلکہ دوسروں کو نصیحت کرتا رہا تو اس علم سے اسے کوئی فائدہ نہ ہوا بلکہ دوسروں کو فائدہ پہنچا۔

مثنوی شریف میں ہے : ـ

چونکہ یوسف بود آن یعقوب را
بوئے نانش می رسید از دور جا
آنکہ بستہ پیرہن را می شتافت
بوئے پیراہان یوسف می نیافت
وآنکہ صد فرسنگ زآن سو بُدّ او
چونکہ بد یعقوب می بوئید بو
اے بسا عالم ز دانش بے نصیب
حافظ علمست آن کس نے حبیب
مستمع از وے ہمی یابد مشام
گرچہ باشد مستمع از جنس عام
زانکہ پیراہان بدستش عاریہ است
چوں بدست آن نخاسی جاریہ است
جاریہ پیش نخاسی سرسریست
در کف او از برائے مشتریست

ترجمہ : ۱ ۔ چونکہ یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کی بھوک تھی اس لئے انہیں دور سے ان کی خوشبو آئی۔

۲ ۔ جبکہ جو یوسف کا پیراہن لا رہا تھا اس نے خوشبو نہ پائی۔

۳ ۔ اور جو سو میل دور خوشبو تھی جسے یعقوب علیہ السلام نے سونگھا۔

۴ ۔ بہت سے عالم اپنے علم سے بے نصیب ہیں علم کا حافظ تو ہے لیکن ۔۔ محبوب خدا نہیں۔

۵ ۔ اس سے علم حاصل کرنا چاہئے اگرچہ اس سے علم حاصل کرنے والا عام آدمی ہے۔

۶ ۔ اس پیراہن کو لانے والے کے ہاتھ میں پیراہن عاریت کا تھا جیسے بردہ فروش کے پاس بردہ جس کی

لونڈی جاریہ کہلاتی ہے ۔

٭ ۔ عاریت کی لونڈی یہ وہ بردہ فروش کے ہاں چند روز رہتی ہے اس لئے کہ وہ اصل وہاں خریدنے والے کے لئے ہوتی ہے ۔

② خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ دوسروں کو نفع دینا نقصان نہ پہنچانا ۔

③ ہر ملاقاتی سے بشاشت سے ملنا اس کے سامنے تیور نہ بدلنا کسی سے غضب ناک ہو کر ملنا ۔

④ کسی کے سامنے ناجائز خوشامد اور چاپلوسی نہ کرنا ۔

⑤ کسی کے ہاں بلا ضرورت نہ جانا ۔

⑥ بلا وجہ نہ ہنسنا ۔

⑦ جب کوئی شخص اپنے گناہوں پر اظہار ندامت کرے تو پھر اسے وہی گناہ یاد دلا کر رسوا نہ کرنا ۔

⑧ کوئی غلطی ہو جائے تو تادم زیست آنسو بہاتے رہنا ۔

⑨ آج کا کام کل پر نہ چھوڑنا ۔

⑩ آخرت کی فکر میں رہنا ۔

⑪ جو تمہاری پرواہ نہیں کرتا اس کے آگے خواہ مخواہ اظہار عجز نہ کرنا ۔

⑫ جو تم سے نہیں ڈرتا اس سے بے خوف نہ رہنا ۔

⑬ خوف الٰہی کے وقت اس سے ناامید بھی نہ ہونا ۔

⑭ اپنے امور کی تدبیر علانیہ طور پر کرنا ۔

⑮ کسی پر احسان کرنے میں حتی الامکان کوشش کرنا ۔

یہ سن کر موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے فرمایا کہ بس کیجئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو فتنوں سے بچائے اور آپ کو اپنی رحمت میں ڈھانپے اور آپ کو دشمنوں سے محفوظ فرمائے۔ اس کے بعد خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ بھی مجھے کچھ نصیحت فرمائیے ۔

موسیٰ علیہ السلام کی خضر علیہ السلام کو وصیتیں

موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے فرمایا :

① اگر کسی پر ناراضگی ہو تو اللہ کے لئے ۔

② دنیا سے محبت نہ کرنا اس لئے کہ اس کی محبت بندے کو ایمان سے خارج کر کے کفر میں داخل کر دیتی ہے ۔

خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اب بس کیجئے اللہ تعالیٰ نے طاعات میں آپ کی مدد فرمائے اور آپ کو ہر معاملہ میں مسرور فرمائے اور مخلوق کی نظروں میں آپ کو محبوب بنائے اور اپنے فضل و کرم سے نوازے تو موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام کی دعا پر کہا ، آمین ۔ (کذا فی التعریف والاعلام للامام السہیلی رحمہ اللہ تعالیٰ)

فائدہ تصوف موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعہ قرآنی سے ثابت ہوا کہ علم ظاہری شرعی کو کمال اور ترقی اس وقت نصیب ہوتی ہے جب اس کے ساتھ علم باطنی حاصل کر کے حقائق امور پر آگاہی حاصل کی جائے (کذا فی تفسیر الامام)

تصوف یعنی علم باطنی کے منکر کو کوڑا

فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے :

قال بعض العارفین من لم یکن له	بعض عارفین کا فرمان ہے کہ جسے علم باطنی سے حصہ
نصیب من ھذا العلم ای العلم	نصیب نہیں اس کے خاتمہ خراب ہونے کا خطرہ
اللدنی۔ الکشفی اخاف علیه سوء الخاتمة	ہے ۔

ف : اس کا ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ کم از کم اس علم باطنی (کشفی) کو مانے اور یقین رکھے کہ یہ علم حق ہے ۔ (الحمد للہ ہم اہل سنت عوام کو یہ مرتبہ نصیب ہے ، اویسی) ۔ اور اس کے منکرین کی ادنیٰ سزا یہ ہے کہ وہ اس علم سے یکسر محروم ہوتے ہیں حالانکہ یہی علم مقربین و صدیقین عارفین کا ہے ۔ (کذا فی احیاء العلوم)

(ناظرین اس حوالہ کو خوب غور سے پڑھ کر حق و باطل کا امتیاز کریں)۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں مندرجہ ذیل چند اشارات ہیں :

① اس میں اللہ تعالیٰ نے کی کمال شفقت اور حکمت کا اظہار ہے کہ اس نے اپنے دو نبیوں کو بالخصوص موسیٰ و خضر علیہما السلام جیسے پیارے عزیزوں کو دو چھوٹے بچوں کے کام میں لگایا۔

② اس سے ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام دنیوی امور میں جد و جہد کرتے ہیں جب کہ ان امور میں ان کا

---

[1] روح البیان ، جلد ۵ ، صفحہ ۲۶۸ ۔

[2] اس سے ان منکرین کو سبق لینا چاہئے جو کہتے ہیں علم باطنی اور علم تصوف کوئی چیز نہیں ۔ یاد رہے کہ تصوف کو انگریز یہودی ہنود بھی مانتے ہیں لیکن اس باطنی تصوف کے وہابی نہ صرف منکر ہیں بلکہ تقریباً اس کے ہر مسئلہ کو شرک گردانتے ہیں اور وہابیوں ، دیوبندیوں اور نجدیوں کی تو بات ہی کیا ۔ (اویسی)

مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہوتی ہے بالخصوص جب دیکھے کہ ان امور میں ایسے بندوں کا فائدہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھتے ہیں۔

③ اس سے معلوم ہوا کہ ایک ولی کامل کے صدقے سے اللہ تعالیٰ اس کی پوری قوم کی حفاظت فرماتا ہے اور کئی قبیلے اس کی وجہ سے مکروہ سے بچتے ہیں اور کامل کے برکات کئی پشتوں تک پہنچتے ہیں۔ کما قال، وکان ابوھما صالحا۔

حضرت محمد بن المنکدر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک کامل صالح کے طفیل اللہ تعالیٰ اس کی اولاد کی کئی پشتوں تک حفاظت فرماتا ہے اور اس کے قبیلے اور ہمسائیگاں اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں آجاتے ہیں۔

حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نماز پڑھتے وقت اپنی دعا میں اپنی اولاد کے لئے بھی دعا[1] کرتا ہوں۔

④ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، وکان ابوھما صالحا: صرف ان دو بچوں کے نیک والد کی وجہ سے فرمایا ہے۔ جب یہ ایک نیک بخت بندے کی اولاد کا حال ہے کہ ساتویں پشت تک اس کے برکات پہنچے۔ اس سے حضور پاک سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کا حال کیا ہوگا؟

نبوت کے ادب کا اعزاز حرم کے کبوتروں کو یہ اعزاز اسی کبوتری کی وجہ سے نصیب ہوا جس نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت غار کے منہ پر انڈے دیئے۔ کذا فی الصواعق لابن حجر

حکایت ہارون الرشید نے ایک علوی کے قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن جب وہ ہارون الرشید کے ہاں حاضر ہوا تو اس کی بہت زیادہ تعظیم و تکریم کر کے اسے معاف فرمادیا۔ لوگوں نے قاتل سے پوچھا کہ آپ کو ہارون الرشید نے قتل کرنے کی بجائے آپ کی تعظیم و تکریم بھی کی اور معاف بھی فرمادیا؟ تو قاتل نے کہا کہ جب میں ہارون الرشید کے ہاں حاضر ہوا تو میں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی۔

یا من حفظ الکنز لصلاح ابیھما احفظنی — اے وہ ذات! جس نے دو بچوں کے مال کی نیکی کی وجہ

---

[1] فقیر بھی نماز کی آخری دعا پڑھ کر بارگاہ حق میں عرض کرتا ہے۔

ربنا ھب لنا من ازواجنا وذریاتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما۔

فقیر امید کرتا ہے کہ فقیر کی اولاد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی خادم بنے گی۔

[illegible] خزانے کی حفاظت فرمائی یہاں کرم میرے آبا کا صدقہ میری بھی حفاظت فرما۔

⑤ مرید پر لازم ہے کہ اس کا اپنا شیخ جس کام پر لگاتے اسے رضائے الٰہی سمجھ کر انجام دے۔ اس میں دنیوی لالچ اور طمع کو مدنظر نہ رکھے اور نہ ہی نفسانی غرض سامنے ہو بلکہ سر تسلیم خم کر کے تعمیل فرمان کرے۔ خلاف کرے گا تو اس کے اعمال بھی اکارت جائیں گے اور شیخ کی صحبت سے بھی محروم ہو جائے گا۔

⑥ نیک بخت کے لئے اللہ تعالیٰ نے اولاد مال کی حفاظت کرتا ہے جب کہ اس کے مال میں اس کا فائدہ ہوتا ہے

⑦ نبی علیہ السلام اور ولی اللہ جو کام کرتا ہے اس میں انہیں امر الٰہی ہوتا ہے، ظاہراً یا باطناً۔ ظاہراً کہ حضرت خضر علیہ السلام نے واضح فرمایا۔ کما قال:

وما فعلته عن امری ۔

اور باطناً موسیٰ علیہ السلام کے اعتراض سے ظاہر ہوا اس لئے کہ ان کا اعتراض بھی باطناً حسب امر اللہ تعالیٰ تھا کیونکہ ان کا اعتراض شریعت کی وجہ سے تھا۔

⑧ مشائخ کے معاملات پر صبر کرنا ایک سخت امر ہے۔ اگر کسی وقت مرید صادق کا قدم ڈگمگا جائے یا کسی معاملہ میں اپنے شیخ پر اعتراض کر بیٹھے یا کسی وقت وہ کام بتائے اور وہ بجا نہ لا سکے یا تعمیل کرتے ہوئے گھبرا کر صبر نہ کر سکے تو اپنے شیخ سے معذرت کرتے ہوئے معافی طلب کرے اور استاد یا شیخ اپنے مرید یا شاگرد کو تین بار معافی دے۔ اگر پھر بھی وہ غلطی کرے تو اسے اپنے سے جدا کر دے اور جن باتوں میں شاگرد و مرید کو استاد و شیخ پر غلط فہمی ہوتی ہے ان کی تسلی دے کر رخصت کر دے۔

ف: مرید پر لازم ہے کہ وہ اپنے شیخ پر کسی قسم کا اعتراض نہ کرے بلکہ اسے وہ امور جو اپنے شیخ سے غلط دیکھتا ہے اس کے تصور کو بھی ختم کر دے اس لئے کہ شیخ پر غلط تصور مرید کے لئے سم قاتل ہے۔ وہ مرید کبھی باطنی طور پر کامیاب نہیں ہو سکتا جو اپنے شیخ پر اعتراض کرتا ہے۔ جب بھی اسے اپنے شیخ کے متعلق کوئی غلط تصور دل میں آئے تو فوراً موسیٰ و خضر علیہما السلام کا قصہ یاد کرے مثلاً تو موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام پر اعتراض کرتے رہے لیکن جب حضرت خضر علیہ السلام نے ان امور کے متعلق انکشاف فرمایا تو پھر خود پشیمان ہوئے۔

حضرت حافظ نے فرمایا ہے:

نصیحت کنمت بشنو و بہانہ مگیر
ہر آن کہ ناصح مشفق بگویدت بپذیر

ترجمہ: میں تجھے ایک نصیحت کرتا ہوں اسے اچھی طرح سنو اور بہانہ مت کیجئے اس لئے کہ تجھے مشفق ناصح نصیحت

کرے تو اعمال دل و جان سے قبول کرو۔

ف: مرشد (استاد) کے لئے ضروری ہے کہ وہ عالم و متقی ہو دوسرے کسی کے امور کا پابند نہ ہو اسی طرح مرید پر لازم ہے کہ
لئے ترش رو ہو کیونکہ اس عیب کی کشش منافی ہو جو اس کی پیروی اختیار کرتا ہے۔

اسی لئے کسی نے فرمایا: ؎

اذا کان الغراب دلیل قوم
سیهدیهم الی ارض الجیفات

ترجمہ: جب کسی قوم کا رہبر کوا ہو تو وہ انہیں ایسے علاقے کی طرف رہبری کرے گا جہاں مردار ہوں۔

حضرت حافظ نے فرمایا: ؎

دردم نہفتہ بہ ز طبیبان مدعی
باشد از خزانۂ غیبش دوا کند

ترجمہ: میرا درد پوشیدہ رہے اور چھپا رہے یہی اچھا ہے۔ ان طبیبوں سے علاج کی ضرورت نہیں ممکن ہے کہ میرا صاحب غیب سے ہی میرا علاج کرے۔

حضرت صاحب نے فرمایا: ؎

ز پیر دوراں علاج درد تو جستن بآں ماند
کہ خار از پا برون آرد کسے با نیش عقربہا

ترجمہ: پیر دوراں سے علاج کرانا ایسا ہے جیسے بچھو کے نیش سے پاؤں سے کانٹا نکالا جائے۔

⑨ اگر دو ضرر درپیش ہوں تو لازم ہے کہ ان میں سے اسے قبول کرے جو آسان تر ہو یہ ایک شرعی قاعدہ ہے مثلاً ایک شخص کا زخم ایسا ہے کہ سجدہ کرنے سے بہتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ بیٹھ کر نماز ادا کرے اور اس حالت میں رکوع و سجدہ کے لئے اشارہ کرے۔ دیکھئے اس میں دو ضرر درپیش ہو گئے:

(۱) زخم بہا کر نماز پڑھنا اس میں بے وضو ہونے کی خرابی لازم آتی۔

(۲) نماز تو با وضو پڑھی لیکن صرف قیام اور رکوع اور سجدہ نہ ہوا اور یہ پہلے ضرر سے آسان ہے اس لئے اس کو اختیار کیا گیا۔

اسی طرح ایک بالصاحب یا سخت بیمار انسان کھڑا ہو کر قرات نہیں کر سکتا لیکن بیٹھ کر قرات کر سکتا ہے تو اسے بیٹھ کر قرات سے نماز پڑھنی چاہئے۔ اس میں اسے دو ضرر پیش ہوئے بیٹھے نماز پڑھنا اور نماز بیٹھ کر پڑھنے سے صرف ترک قیام ان میں سے اسے آسان طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔

اسی طرح ایک شخص نماز با جماعت پڑھنے کے لئے جاتا ہے تو اسے قیام نصیب نہیں ہوتا اگر گھر میں پڑھتا ہے تو جماعت جاتی ہے لیکن نماز کا قیام نصیب ہو سکتا ہے تو فقہاء میں پہلے مسئلہ کو ترجیح دی ہے یعنی ایسا شخص تو نماز با جماعت پڑھنی چاہئے لیکن شرح منیہ میں ہے کہ اسے ترک جماعت لازم ہے کہ گھر ہی نماز پڑھے جب کہ جماعت میں نماز پڑھنے سے قیام جاتا ہے۔ حضرت ابن نجیم نے فرمایا و ہو الظاہر[1] یعنی یہی قول قوی تر ہے۔ اس میں ترک جماعت اس لئے اولیٰ ہے کہ ترک جماعت میں قیام فرض نصیب ہوا اور ترک جماعت میں صرف سنت کا ترک ہوا۔

(ایسے ہی بدمذہب کے پیچھے نماز پڑھنے سے سرے سے نماز گئی اور تنہا پڑھنے سے نماز کا ثواب تو مل گیا۔)

---

[1] یہاں ہم کہتے ہیں کہ نماز با جماعت پڑھنے میں خرابی یہ ہے کہ امام بدمذہب ہے مثلاً دیوبندی عقیدہ رکھتا ہے یا مرزائیوں کے عقائد کو صحیح سمجھتا ہے تو ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنے سے اکیلا نماز پڑھنا لازمی ہے۔ اگر کہتے ہیں کہ ترک جماعت ہوتی ہے میں کہتا ہوں یہی ترک جماعت لازم ہے کیونکہ امام گندے عقیدے رکھتا ہے جب سرے سے امام کی نماز نہ ہوئی تو مقتدی کی کیسے ہوگی تفصیل فقیر کی کتاب "التحقیق الکامل فی امتیاز الحق من الباطل" میں دیکھئے۔ ۱۲ (اویسی)

[2]

ازالۂ وہم فقیر (اویسی) [illegible]ھ میں زیارت حرمین شریفین طیبین کی زیارت سے مشرف ہوا۔ لیکن نجدی امام کے پیچھے نماز نہ پڑھی مکہ معظمہ میں نہ مدینہ طیبہ میں لیکن بفضلہٖ تعالیٰ اکثر نمازیں با جماعت نصیب ہوئیں۔ کبھی خود امامت کرنے سے اور کبھی کسی اہلسنت متشرع امام کے پیچھے۔ فقیر کی واپسی پر مخالفین اہلسنت یعنی وہابیوں، دیوبندیوں نے شور مچایا کہ ایسا کیوں ہوا۔ فقیر نے ان کو خاموش کرانے کے لئے ایک رسالہ "اعزاز السکینۃ علی من لم یصل خلف امام مکۃ والمدینۃ" المعروف "امام حرم کے پیچھے نماز کیوں ناجائز" کے نام سے لکھا۔ اس سے چند ضروری باتیں حاضر ہیں تاکہ ناظرین تحقیق میں مستفید ہوں۔

ہم ان کے پیچھے نجدی عقائد کی وجہ سے نماز نہیں پڑھتے معلوم ہونا چاہئے کہ محمد بن عبد الوہاب نجدی کے عقائد زندیقانہ ہیں جن کی تصدیق پر عالم اسلام کے جلیل علماء و مشائخ کا اتفاق ہے یہاں تک کہ دیوبندی فرقہ کے شیخ الاسلام حسین احمد ٹانڈوی المعروف مدنی نے بھی اپنی کتاب "الشہاب الثاقب" میں صراحت اعتراف کیا بلکہ سب سے بڑھ چڑھ کر نجدی کی مذمت کی۔ ہم اس کے چند عقائد اس کتاب سے نقل کرتے ہیں۔

چونکہ نجدی عقائد سے متعارف کرانا مطلوب ہے اسی لئے ہم "الشہاب الثاقب" کے علاوہ نجدی کی اصل کتاب "التوحید" اور اس کی سوانح عمری "محمد بن عبد الوہاب" سے چند حوالے درج کرتے ہیں اعدہ یہ ہیں:

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

اسی طرح ایک شخص سخت بھوک میں مبتلا ہو یہاں تک کہ موت کا خطرہ ہے اس وقت اسے مردار کا گوشت بھی حلال ہے جس چیز کا کھانا اس کے لئے حلال ہے اس پر لازم ہے کہ غیر کی حلال شے کھا سکے اس لئے کہ اسے وہ حرام درپیش ہیں۔ یہاں

(بقیہ حاشیہ گزشتہ)

وہابی یعنی نجدی عقائد

تمام مسلمان کافر جو شخص مخلوق (انبیاء و اولیاء) کو پکارتا ہے یا رسول اللہ، یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ کہتا) یعنی ان سے ضرورتوں کو پکارتا ہے اور مصیبتوں کو دور کرنے کی درخواست کرتا ہے تو وہ کافر و مشرک ہے اس کا خون بہانا اور مال لوٹنا حلال ہے اگرچہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتا، نماز پڑھتا، روزے رکھتا اور اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے۔ (محمد بن عبدالوہاب ص ۱۹۳)

روضے گرانا مذہب نامہذب وہابیت کے بانی اور تمام شاہ و توحید تحریک جہاد کے علمبردار محمد بن عبدالوہاب نجدی اور اس کے متبعین نے کبھی کافروں مشرکوں کے ساتھ جہاد کیا نہ کسی بت خانہ کو پاش پاش کیا۔ ان کے جہاد کی حقیقت صرف یہی کہ محبوبان خدا انبیاء و اولیاء کی عظمت و محبت ان پر حملہ کرنا، ان کے مزارات مقدسہ کو شہید کرنا اور مسلمانوں کو بلاوجہ کافر و مشرک بنا کر ان کو تہ تیغ کرنا چنانچہ سب سے پہلے حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ (جو جنگ یمامہ میں شہید ہوئے تھے) کے نام سے مقام جبیلہ میں جو قبر مبارک تھی، محمد بن عبدالوہاب نے خود اپنے ہاتھ سے اس کے قبہ کو گرا کر زمین کے برابر کر دیا۔ (۳۱)

کربلائے معلیٰ پر حملہ ۱۲۱۶ھ کو سعود بن عبدالعزیز نجدی نے تمام نجد جنوب، حجاز اور تہامہ سے ایک لشکر جرار لے کر کربلا کے ارادہ سے چلا اور "بلد الحسین" کے باشندوں پر حملہ کیا اور غیبی بیابانوں سے اس پر حملہ کیا یا اس کا والی بچ گئے اور جو بستی کے گھروں میں داخل ہو گئے اور اکثر باشندوں کو گھروں اور بازاروں میں تہ تیغ کر دیا اور اس قبہ کو جو ان کے اعتقاد کے مطابق حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک پر بنایا گیا تھا منہدم کر دیا۔ قبہ اور اس کے آس پاس اور پچھواڑے کی تمام چیزیں لے لیں۔ قبر تعویذ، یاقوت اور جواہرات سے آراستہ تھا اور اس کے علاوہ شہر کے جو کچھ اموال، متاع، ہتھیار، لباس، سونا، چاندی، مصاحف اور بے شمار چیزیں ان سب کو لوٹ لیا۔ اور کربلا کے باشندوں میں سے تقریباً دو ہزار آدمی قتل کئے گئے (محمد بن عبدالوہاب ص ۴۹)

مکہ مکرمہ ۱۸۰۳ء کو سعود بن عبدالعزیز نجدی بادشاہ ایک فاتح کی حیثیت سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوا تو مکہ کے تمام قبے اور قبے زمین کے برابر کر دیے گئے کعبہ کے جواہر اور قیمتی اشیاء فاتحین (نجدی مجاہدین) میں تقسیم کر دیئے گئے اور بعض بعد قتل بھی کئے گئے۔ (محمد بن عبدالوہاب ص ۵۲)

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

اسے مردار کے گوشت سے غیر کی حلال شے کا کھانا منظور ہے ۔

(حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ)

مدینہ منورہ پر حملہ : ۱۲۲۰ھ میں مدینہ منورہ فتح ہوا حسب دستور مدینہ منورہ میں عام قبروں کے قبے اور زیارت گاہیں منہدم کر دی گئیں، سعود کو قبہ روضہ نبوی بھی کھول کر جو کچھ مال اس میں تھا اپنے قبضہ میں کر لیا۔ (محمد بن عبدالوہاب ص ۶۵)

تمام اہلسنت مشائخ و علماء کافر

دیکھئے آنجہانی وہابی اپنے مختصر فرقے کے سوا تمام اہل اسلام کی تکفیر کرتے ہیں بلکہ جو اکابر اولیائے امت میں اتنے زبردست ساطع ہیں وہابی ان کا بھی کچھ لحاظ نہیں کرتے چنانچہ مذکور ہے کہ :

قد کفر الشیخ ابن العربی و ابن الفارض و امثالهما.

بے شک ابن عبدالوہاب نے حضرت ابن عربی و ابن فارض اور ان جیسے دیگر اولیاء امت و بزرگان کی بھی تکفیر کی۔

(محمد بن عبدالوہاب ص ۳۴)

خود محمد بن عبدالوہاب کی کتاب "التوحید" کے متعدد مقامات پر مسلمانوں کو کافر، مشرک اور بدعتی اور خدا جانے کیا کیا بنایا گیا ہے نمونے کے طور پر صرف ایک عبارت مع ترجمہ ہدیہ ناظرین ہے :

ان لاعداء الله لهم اعتراضات كثيرة على دين الرسل يصدون بها الناس عنها قولهم نحن لا نشرك بالله بل نشهد انه لا يخلق ولا ينفع ولا يضر الا الله وحده لا شريك له وان محمدا صلى الله عليه وسلم لا يملك لنفسه نفعا ولا ضرا فضلا عن عبد القادر او غيره ولكن انا مذنب والصالحون لهم جاه عند الله واطلب من الله بهم فاجابه بما تقدم وهو ان الذين قاتلهم رسول الله صلى الله عليه وسلم مقرون بما ذكرت ومقرون ان اوثانهم لا تدبر شيئا وانما ارادوا الجاه و

دشمنان خدا کے بہت سے اعتراضات ہیں جن سے وہ لوگوں کو بہکاتے ہیں، ان کا ایک اعتراض یہ ہے کہ ہم خدا کے ساتھ شرک نہیں کرتے بلکہ گواہی دیتے ہیں کہ خدا کے سوا پیدا کرنے، نفع اور نقصان پہنچانے والا کوئی نہیں، اس کا شریک نہیں اور کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نفع اور نقصان کے مالک نہیں چہ جائیکہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی وغیرہ کے لئے یہ وصف ثابت ہو لیکن چونکہ میں گنہگار ہوں اور اللہ کے نزدیک صلحاء کا مرتبہ ہے اس لئے میں ان کے طفیل سے خدا سے حاجت طلب کرتا ہوں تو اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ گذشتہ چونکہ اے معترض جن کا تو نے ذکر کیا اس کا وہ لوگ مشرکین اقرار کرتے ہیں جن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سو ایک شخص کو کہا جاسکتا ہے کہ یا تو اپنے آپ کو آگ میں ڈال دے یا خود کو قتل کر دے یا پھر قتل کیا جائے۔ آگے ہیں:

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

الشفاعة ۔	نے جادو کیا تھا وہ اقرار کرتے ہیں کہ ان کے بت کسی چیز
(مجموعة التوحيد ص ۔ مطبوعہ ام القریٰ :	کے مدبر نہیں ہیں اور وہ (تیری طرح) جادو اور شفاعت ہی
مکة معظمہ ، سنہ ۱۳۱۳ھ بحکم (ابن سعود) ۔	کا اعتقاد رکھتے تھے۔

اس عبارت میں بھی اہل اسلام کو مشرکین عرب سے تشبیہ دیا گیا ہے۔

کتب درود شریف کا تلف کیا جانا

ابن عبدالوہاب کے حکم سے ایک اور کتاب جب کہ حضرت قسیم ہوئی جس کا نام الہدیۃ السنیہ ہے اس میں ہے:

ولا نامر باتلاف شيء من المؤلفات	(خلاصہ مطلب) ہم کسی کتاب کے تلف کرنے کا ہرگز حکم نہیں
اصلا الا ما اشتمل على ما يوقع الناس	دیتے مگر ہاں ہم اس کتاب کا تلف کرا دیتے ہیں جن میں
في الشرك كروض الرياحين او ما يحصل	ایسے مضامین ہوں جو لوگوں کو شرک میں مبتلا کر دیں یا ان کے
بسببه خلل في العقائد كعلم المنطق فانه	سبب سے عقائد میں خلل آتا ہو جیسے روض الریاحین اور
قد حرمه جمع من العلماء على انا لا	دلائل الخیرات (یعنی ان کو تلف کرا دیا گیا ہے)۔
نفحص عن مثل ذالك وكالدلائل ۔	

(الهدية السنية ص ۔ مطبوعہ المنار مصر ۱۳۴۴ھ)

دیکھئے دلائل شریف کو تلف کرنے کا صاف اعتراف ہے اس عبارت سے کہ اس میں قول سے اور حکم کہ کتاب درود شریف کے ساتھ توحید، عشق الٰہی اور محبت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہار بہترین طریقہ ہے اسی وجہ سے چاروں اولیاء علماء اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم اس مقدس کتاب کو حرز جان بنائے ہوئے ہیں۔

اسلام کا چھٹا رکن

حضرت علامہ سید احمد زینی دحلان مکی قدس سرہ العزیز جن کی زندگی علم و عمل کے شہر میں بنگو دوران کی حضرت ہیں۔ اپنی کتاب مستطاب الدرر السنیہ فی الرد علی الوہابیہ میں فرماتے ہیں: گروہ وہابیہ اپنے بڑوں کے سوا کسی کو مومن نہیں جانتے۔ محمد بن عبدالوہاب سے جب یہ نیا مذہب نکالا، اس کے بھائی شیخ سلیمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تھے اس پر فعل و قول میں سخت انکار فرماتے۔ ایک دن اس سے کہا اسلام کے کتنے رکن ہیں؟ بولا پانچ۔ فرمایا تو نے چھ کر دیئے، جو شخص تیری پیروی نہ کرے اسے تو مسلمان نہیں کہتا، یہ تیرے نزدیک اسلام کا رکن ششم ہے۔

ڈالنا یا خود کو قتل کرنا بھی موت ہے لیکن اسے چاہئے کہ ان تینوں میں سے وہ اختیار کرے جو اسے آسان محسوس ہو۔ یہی امام

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

درود و سلام سے انکار اس کی خباثتوں میں سے ایک یہ ہے کہ ایک نابینا متقی مؤذن خوش آواز کو منع کیا کہ منارہ پر اذان کے بعد صلوٰۃ نہ پڑھا کرو۔ انھوں نے نہ مانا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھی اس پر اس نے ان کے قتل کا حکم دے کر شہید کرا دیا۔ پھر بولا کہ رنڈی کی چھوکری اس کے گھر ستار بجانے والی اتنی گنہگار نہیں جتنا کہ منارہ پر آواز بلند نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے والا۔

فقہ شرعی سے منع کرنا محمد بن عبدالوہاب اپنے پیروؤں کو کتب فقہ دیکھنے سے منع کرتا تھا۔ اس نے فقہ کی بہت سی کتابیں جلا دیں اور وہابیوں کو اجازت دے دی کہ ہر شخص اپنی سمجھ کے مطابق قرآن کے معنی گھڑ لیا کرے۔

کلمہ دوبارہ پڑھوانا جب کوئی مسلمان خوشی سے یا جبراً وہابیوں کے مذہب میں آ جاتا اس سے پہلے کلمہ پڑھواتے پھر کہتے خود اپنے اوپر گواہی دے کہ اب تک تو کافر تھا اور اپنے ماں باپ پر گواہی دے کہ وہ کافر مرے اور اکابر ائمہ سلف سے ایک جماعت کا نام لے کر کہتے کہ ان پر گواہی دے کہ یہ سب کافر تھے۔ پھر اگر اس نے گواہی دے دی جب تو قبول ورنہ مقتول۔ الغرض اعلان کیا جاتا اور صاف کہتے کہ چھ سو برس سے ساری امت والا ائمہ علماء اولیاء کرام و عوام مسلمین کافر تھی۔

سر منڈوانا ابن عبدالوہاب نجدی کا سر منڈوانے میں اتنا غلو تھا کہ اگر کوئی عورت بھی اس کے دین ناپاک میں داخل ہوتی تو اس کا سر بھی منڈوا دیتا کہ زمانہ کفر کے بال ہیں، انھیں دور کرو۔ یہاں تک کہ ایک عورت نے اس کی یہ حرکت دیکھ کر کہا کہ جو مرد تیرے دین میں آتے ہیں ان کی ڈاڑھیاں بھی منڈوا دیا کر وہ بھی تو زمانہ کفر کے بال ہیں۔

تقیہ کرنا ابن عبدالوہاب اکثر کہتا جب وہ علماء کے اقوال پر طعن کرتا اور بطور تقیہ محض مذہب سے حنبلی ہونے کا ادعا کرتا حالانکہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ اس سے بیزار ہیں۔ اس کی یہ چال ڈھال دیکھ کر جمیع مذاہب کے علماء شرق و غرب اس کے رد پر کمربستہ ہو گئے۔

میلاد، ذکر شریف اور دعا کے بعد درود ناجائز حضور پُرنور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد شریف پڑھنے اور اذان کے بعد حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجنے اور نماز کے بعد دعا مانگنے کو ناجائز جانتا۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

صاحب قدس سرہٗ کا مذہب ہے اور صاحبین فرماتے ہیں اسے لازم ہے کہ صبر کرے یہاں تک کہ قتل کر دیا جائے۔ (کذا فی الاشباہ)۔

بقیہ صفحہ گزشتہ

انبیاء و اولیاء کا وسیلہ انبیاء و اولیاء سے توسل کرنے والے کو مشرک کا فتویٰ۔ اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت سے منع کرنا۔ چنانچہ اس کے منع کرنے کے باوجود مقام احساء کے جو حضرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے گئے تھے جب واپس آئے تو اس نے ان کی داڑھیاں منڈوا دیں اور انہیں الٹا سوار کرکے درعیہ سے احساء پہنچایا۔

بتوں والی آیات اہل اسلام پر چسپاں مشرکین کے حق میں نازل شدہ آیات کو مسلمانوں پر چسپاں کرکے کافر بنانا۔

شانِ رسالت کی تنقیص دلائل الخیرات شریف، درود شریف کی مشہور و مقبول کتابوں کو جلانا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص شان کرنا اور کہنا کہ وہ معاذ اللہ (محض ایلچی، قاصد اور ڈاکیہ ہیں۔

نبی کا کوئی اختیار نہیں یہ عصا محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے بہتر ہے کیونکہ اس سے سانپ مارنے اور دیگر ضروریات میں نفع حاصل کیا جاتا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو مر چکے ہیں اب ان میں اصلاً کوئی نفع باقی نہیں رہا۔ خاکم بدہن گستاخ۔ سنہ ۱۲۱۷ھ ذیقعدہ میں جب نجدی طائف کے مالک ہوئے تو انہوں نے چھوٹے بڑے حاکم و محکوم سب کو قتل کر ڈالا۔ بچوں کو ماؤں کے سینوں پر ذبح کیا۔ مال لوٹ لئے۔ عورتوں کو قید کر لیا۔ نیز دوسری بہت سی باتیں کیں جو باعث طوالت ہیں۔ (الدرر السنیہ مطبوعہ مصر ملخصاً)

ابن سعود کا کارنامہ نجدی وہابیوں کے شاہ سعود کے باپ عبدالعزیز ابن سعود (علیہ ما علیہ) نے مکۂ مکرمہ و مدینۂ منورہ کے قبرستان جنت المعلیٰ و جنت البقیع کے تمام مزارات و مقابر و مآثر کو گرا دیا اور ان پاک نفوس والی حضرات اہل بیت و صحابہ کرام و بزرگانِ دین علیہم الرضوان کے مدفن پاک و مقدس کی سخت توہین و بے حرمتی کی۔ مسجد آمنہ (والدۂ ماجدۂ حبیب خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے مزارات کو نیست و نابود کیا۔ قبر مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم، قبر حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو بیت الخلاء کی طرح استعمال کیا۔ سیدہ ام المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے مزار پاک کو سخت توہین کے ساتھ گرایا۔ اس پر گندم کی منڈی بنائی گئی۔ [illegible] خلیفۂ ثالث سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا مزار مقدس منہدم کیا۔ حضرت سید الشہداء امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے مزار شریف اور مسجد کو شہید کیا۔ اس کے علاوہ مسجد ابو قبیس، مسجد جبل وغیرہ بھی گرا دیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (انوار آفتاب صداقت)

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۲۹۴ پر)

وَيَسْئَلُونَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ قُلْ سَأَتْلُوا عَلَيْكُمْ
اور تم سے ذوالقرنین کو پوچھتے ہیں تم فرماؤ میں تمہیں اس کا مذکور پڑھ کر
مِنْهُ ذِكْرًا ۝ إِنَّا مَكَّنَّا لَهُ فِي الْأَرْضِ وَآتَيْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ۝ فَأَتْبَعَ
سناتا ہوں بیشک ہم نے اسے زمین میں قابو دیا اور ہر چیز کا ایک سامان عطا فرمایا تو وہ ایک
سَبَبًا ۝ حَتَّى إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ
سامان کے پیچھے چلا یہاں تک کہ جب سورج ڈوبنے کی جگہ پہنچا اسے ایک سیاہ کیچڑ کے چشمے میں ڈوبتا پایا
وَوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ إِمَّا أَنْ تُعَذِّبَ وَإِمَّا أَنْ تَتَّخِذَ
اور وہاں ایک قوم ملی ہم نے فرمایا اے ذوالقرنین یا تو تو انہیں عذاب دے یا ان کے ساتھ بھلائی اختیار
فِيهِمْ حُسْنًا ۝ قَالَ أَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهُ ثُمَّ يُرَدُّ إِلَى رَبِّهِ فَيُعَذِّبُهُ
کرے عرض کی کہ وہ جس نے ظلم کیا اسے تو ہم عنقریب سزا دیں گے پھر اپنے رب کی طرف
عَذَابًا نُكْرًا ۝ وَأَمَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُ جَزَاءً الْحُسْنَى وَسَنَقُولُ
پھیرا جائے گا وہ اسے بری مار دے گا اور جو ایمان لایا اور نیک کام کیا تو اس کا بدلہ بھلائی ہے اور عنقریب ہم اسے
لَهُ مِنْ أَمْرِنَا يُسْرًا ۝ ثُمَّ أَتْبَعَ سَبَبًا ۝ حَتَّى إِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا
آسان کام کہیں گے پھر ایک سامان کے پیچھے چلا یہاں تک کہ جب سورج نکلنے کی جگہ پہنچا اسے ایسی
تَطْلُعُ عَلَى قَوْمٍ لَمْ نَجْعَلْ لَهُمْ مِنْ دُونِهَا سِتْرًا ۝ كَذٰلِكَ وَقَدْ أَحَطْنَا بِمَا
قوم پر نکلتا پایا جن کے لیے ہم نے سورج سے کوئی آڑ نہیں رکھی بات یہی ہے اور جو کچھ اس کے
لَدَيْهِ خُبْرًا ۝ ثُمَّ أَتْبَعَ سَبَبًا ۝ حَتَّى إِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُونِهِمَا
پاس تھا سب کو ہمارا علم محیط ہے پھر ایک سامان کے پیچھے چلا یہاں تک کہ جب دو پہاڑوں کے بیچ پہنچا ان سے ادھر کچھ ایسے
قَوْمًا لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ قَوْلًا ۝ قَالُوا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ إِنَّ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ
لوگ پائے کہ کوئی بات سمجھتے معلوم نہ ہوتے تھے انہوں نے کہا اے ذوالقرنین بیشک یاجوج و ماجوج
مُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلَى أَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا
زمین میں فساد مچاتے ہیں تو کیا ہم آپ کے لیے کچھ مال مقرر کر دیں اس پر کہ آپ ہم میں اور ان میں ایک دیوار
وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ۝ قَالَ مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ
بنا دیں کہا وہ جس پر مجھے میرے رب نے قابو دیا ہے بہتر ہے تو میری مدد طاقت سے کرو میں تم میں اور
وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ۝ آتُونِي زُبَرَ الْحَدِيدِ حَتَّى إِذَا سَاوَى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ
ان میں ایک مضبوط آڑ بنا دوں میرے پاس لوہے کے تختے لاؤ یہاں تک کہ جب وہ دیوار دونوں پہاڑوں کے کناروں سے برابر کر دی

حَتّٰىٓ اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِىْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ۝ فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ

یہاں تک کہ جب اسے آگ کر دیا کہا لاؤ میں اس پر گلا ہوا تانبا انڈیل دوں تو یاجوج و ماجوج اس پر نہ چڑھ سکے

وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ۝ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّىْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّىْ جَعَلَهٗ

اور نہ اس میں سوراخ کر سکے کہا یہ میرے رب کی رحمت ہے پھر جب میرے رب کا وعدہ آئے گا اسے پاش

دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّىْ حَقًّا ۝ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِىْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ

پاش کر دے گا اور میرے رب کا وعدہ سچا ہے اور اس دن ہم انہیں چھوڑ دیں گے کہ ان کا ایک گروہ دوسرے پر ریلا آوے گا

فِى الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ۝ وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضَا ۝ الَّذِيْنَ

اور صور پھونکا جائے گا تو ہم سب کو اکٹھا کر لائیں گے اور ہم اس دن جہنم کافروں کے سامنے لائیں گے وہ جن کی

كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِىْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِىْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ۝

آنکھوں پر میری یاد سے پردہ پڑا تھا اور حق بات سن نہ سکتے تھے

(تفسیر آیات ص گزشتہ)

تفسیر عالمانہ وَيَسْــَٔـلُوْنَكَ عَنْ ذِى الْقَرْنَيْنِ ؕ اے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے ذوالقرنین کے متعلق سوال کرتے ہیں۔

شانِ نزول: ذوالقرنین کے متعلق سوال کرنے والے یہودی تھے انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ وہ شخص کون تھا جس نے مشرق و مغرب اور شمال و جنوب تک دنیا کے چپے چپے کی شاہی کی یا اس کے سائل قریش تھے [illegible] مستقل دولت کرتا ہے کہ یہ لوگ اس کے متعلق بار بار سوال کرتے تھے جب تک انھیں جواب نہ ملا وہ اس سوال کا تکرار کرتے رہتے۔

سلطان سکندر کا تعارف یہاں پر سکندر اکبر مراد ہے اس کا نام اسکندر بن فیلقوس یونان کا باشندہ تھا دنیا کے چپے چپے کا بادشاہ تھا۔

ف: حضرت مجاہد نے فرمایا کہ ساری دھرتی پر چار شخصوں نے شاہی کی ان میں دو مومن اور دو کافر ہیں:

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۲۹۲)

تنبیہ: ان حقائق [illegible] کو ایک پڑا [illegible] [illegible] ایسے گندے عقائد ہیں جنہیں [illegible] [illegible] عقائد والوں کو امام بنا [illegible] ان کو [illegible] نہیں کرتے۔

سوال: [illegible] امام [illegible] عقائد سے بیزار ہوں؟

جواب: [illegible] (دیکھئے)

دو مومن :

① سلطان سکندر

② حضرت سلیمان علیہ السلام

اور دو کافر :

① نمرود

② نصر بخت

اور مشکوٰۃ الانوار میں بخت نصر کے بجائے شداد بن عاد لکھا ہے ۔

ف : ذوالقرنین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ کے نمرود کے بعد پیدا ہوا تھا اس کی تفصیل آگے ہے لیکن اس نے عمر طویل پائی لکھا ہے اس کی عمر ایک ہزار چھ سو سال تھی ۔

ف : تفسیر الشیخ میں ہے کہ وہ ثمود کے بعد ہو گذرا ہے حضرت خضر علیہ السلام اس کے مشیر خاص تھے اور وہ ان کی بادشاہی میں وہ کام کرتے تھے جیسے بادشاہوں کے وزیر اعلیٰ ۔

سکندر نبی تھے یا صرف بادشاہ

ابن کثیر نے لکھا ہے کہ وہ صرف بادشاہ تھا لیکن تھا بہت بڑا نیک اور عادل۔ وہ نبی نہیں تھے۔ انھوں نے ہفت اقلیم کی شاہی کی تمام دنیا کے بادشاہ اس کے زیر نگین تھے شہر زور شہر میں فوت ہو کر وہیں مدفون ہوئے یہ اس وقت ہوا جب آپ ظلمات کے علاقے فتح کر کے واپس شہر زور شہر میں پہنچے ۔

ف : تبیان میں لکھا ہے کہ سلطان سکندر نے صرف پانچ سو سال عمر پائی تھی اور جب وہ سد سکندری کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو اس کے بعد بیت المقدس میں تشریف لائے تو وہیں فوت ہوئے اور وہیں پر مدفون ۔

سکندر ذوالقرنین کے وجوہ

انھیں ذوالقرنین اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ مشرق و مغرب کے ہر دو طرف کونوں کے مالک ہوئے اسی مناسبت سے انھیں ذوالقرنین کہا گیا جیسے اردشیر زور کے واضح کو کہا جاتا ہے وہ بھی اسی لیے کہ اس کے لمبے ہاتھ تھے کہ جو چاہتا وہی ہوتا ۔

ف : قاموس میں ہے کہ جب لوگوں کو انھوں نے دعوت ایمان دی تو آپ کو لوگوں نے آپ کے دائیں کاندھوں پر شدید ضرب لگائی اسی سے ہی ان کی موت واقع ہوئی پھر انھیں اللہ تعالیٰ نے زندہ فرمایا پھر انھوں نے لوگوں کو دعوت ایمان دی تو لوگوں نے آپ کو بائیں جانب مارا اس سے آپ کی موت واقع ہوئی ۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذوالقرنین تھے

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھی ذوالقرنین کہا جاتا ہے وہ بھی اسی بنا پر جیسا کہ ہے کہ آپ کے سر مبارک کے دونوں کناروں پر دو زخم

ہو سکے۔

① عمرو بن دینار کے ذکر کرنے سے

② عبدالرحمٰن ابن جابر بن اشقر کے ذکر کرنے سے۔

سکندر ذوالقرنین کے دوسرے وجوہ

قصص الانبیاء میں ہے کہ حضرت سکندر نے خواب میں دیکھا کہ وہ سورج کے بالکل پہنچ کر سورج کے مشرق و مغرب کناروں کو ہاتھوں سے پکڑے ہیں جب آپ نے معبرین کو اپنا خواب سنایا تو اس سے آپ کو ذوالقرنین کے نام سے مشہور کر دیا گیا۔

سلطان سکندر کے سر میں سینگ

حضرت علامہ سیوطی قدس سرہ نے "الاوائل" میں لکھا کہ سر پر پگڑی سب سے پہلے سلطان سکندر نے باندھی اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ان کے سر میں دو سینگ پیدا ہو گئے تھے اور وہ جانوروں کے کھروں کی طرح ہلتے تھے ان دونوں کو چھپانے کے لیے آپ نے سر پر پگڑی کی شکل اختیار فرمائی ایک دن وہ نہانے کے لیے غسل خانہ میں داخل ہوئے تو اس وقت آپ کا پرائیویٹ سیکرٹری ساتھ تھا وہ اس راز سے واقف ہو گیا اسے سلطان سکندر نے نہیں کہا کہ میرا یہ ایک ایسا راز ہے جو کسی کو معلوم نہیں اسی لیے تجھے خصوصی آگاہ ہے کہ میرا یہ راز کسی کو نہ بتانا اگر تم نے کسی سے کہہ دیا تو تجھے قتل کر دوں گا۔ حمام سے فارغ ہوئے تو یہی پرائیویٹ سیکرٹری پر اس راز کی کیفیت طاری ہو گئی وہ محل سے جنگل میں چلا گیا وہاں اس کا منہ زمین پر جا لگا اچانک اس کے منہ سے نکلا کہ "الا ان للملک قرنین" یعنی خبردار ہو جاؤ کہ بادشاہ کے سر پر دو سینگ ہیں۔ وہ واپس آ گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے اس جگہ سے دو بانس پیدا فرما دیے ایک دن اسی جگہ سے ایک چرواہا گزرا اس نے وہی بانس کاٹ کر بانسری بنائی جب وہ بجاتا تو اس کے منہ سے آواز آتی "الا ان للملک قرنین"۔

یہ آواز اسی طرح ملک کے بچے بچے کے منہ سے نکل رہی تھی کہ بادشاہ کے سر میں سینگ۔ سلطان سکندر نے سمجھا کہ یہی اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے اور اس کا ارادہ ہے کہ میرا یہ راز ظاہر ہو اسی لیے وہ رضائے خدا پر راضی ہو گیا۔ اس کے بعد ذوالقرنین کے نام سے مشہور ہو گیا۔

ثانی ذوالقرنین

یہ دوسرا ذوالقرنین روم کا بادشاہ تھا اسی وجہ سے رومی بھی کہا جاتا ہے۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہجرت کی وجہ سے رومی بھی کہا جاتا ہے جو پہلے ذوالقرنین سے بہت عرصہ دراز کے بعد پیدا ہوا ان کے مابین دو ہزار سال سے بھی زیادہ کا فاصلہ ہے۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تین سو سال پہلے ہوا ہے اس کے وزیر کا نام ارسطاطالیس وہ مشہور فلسفی تھا دارا سے اس نے جنگ کی تھی اور فارس کے بادشاہوں پر بھی اس نے قبضہ کیا تھا لیکن تھا وہ کافر۔ اس کی عمر صرف چھتیس سال تھی۔

ف: قرآن مجید میں جس ذوالقرنین کا ذکر ہے اس سے پہلا ذوالقرنین مراد ہے دوسرا جو کافر تھا جیسے کہ لوگ سمجھ بیٹھے غلط

نے ان دونوں میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے بہت بڑی غلطیاں کھائی ہیں اور بعض نے تو یہ کہہ دیا کہ قرآن مجید میں اسی اسکندر ذوالقرنین کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے جو قرآن مجید کی تفسیر میں ایسی فاش غلطی کے مرتکب ہوئے۔

قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَیْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ۝ اے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان یہودیوں کے جواب میں فرما دو کہ میں تمہیں ذوالقرنین کے متعلق واضح طور پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے بتادوں گا اگر ذکر سے قرآن مراد ہے تو اب مطلب یہ ہوگا کہ میں تمہیں جانب اللہ ذوالقرنین کے متعلق قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہوں۔

ف: آیت میں سین تاکید کلام اور تحقیق کے لیے ہے یعنی میں قرآن مجید کی تلاوت کسی صورت میں بھی نہیں چھوڑ سکتا۔

اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِی الْاَرْضِ یہاں سے ذوالقرنین کا قصہ بیان کرنا مطلوب ہے جیسے وعدہ کیا اب اس کا ایفاء ہوا یہاں لیکن ہم نے کسی دوسرے کو قدرت دینا اور اس کام کے لیے اسباب تیار فرمانا اسی لیے اب اس کے لیے مفعول کی ضرورت نہیں۔

ف: مکنہ اور مکن لہ کے استعمال میں فرق ہے وہ اس طرح کہ جب مکنہ بولتے ہیں تو اس وقت معنی ہوتا ہے (جعلہ قادرا قویا) یعنی اس نے فلاں کو قادر اور قوی بنایا اور مکن لہ سے مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس نے فلاں کو کام کی قدرت و قوت بخشی کلازم فی الوجود اور تقارب فی المعنی کی وجہ سے ایک دوسرے کی جگہ پر مستعمل ہوتے ہیں چنانچہ قرآن مجید میں ہے کہ
مکنٰھم فی الارض ما لم نمکن لکم یعنی ہم نے قوم عاد کو اسباب و آلات دے کر مختلف تصرفات پر انہیں قادر بنایا جو تمہارے لیے اس طرح کی قوت اور وسعت فی المال اور عدد کا استظہار اور اسباب نہیں بنایا گویا کہا گیا کہ ما لم نمکنکم فیھا (ای ما لم نجعلکم قادرین علی التصرف فیھا) یہ اس وقت ہے جب کہ اس کا مادہ مکان ہو یہ بنانے تو کہ اس کا معنی ہے اب معنی یہ ہوا کہ انا جعلنا له مکنة وقدرة علی التصرف من حیث التدبیر والرأی والاسباب، یعنی ہم نے سکندر کو تصرف کی طرح کی تدبیر و رائے اور اسباب پر تصرف کرنے کی قدرت بخشی یہاں تک کہ بادل بھی اس کے تابع کر دیئے اور اسباب کی فراوانی دی اور راستے ایسا نور بخشا کہ وہ رات اور دن کو برابر دیکھتا تھا اور زمین کے سفر اس کے لیے آسان کر دیئے گئے اور راستے اس کے ہموار تھے وغیرہ وغیرہ۔

سکندر کو نبی کے ادب کا لحاظ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سلطان سکندر ایک دفعہ مکہ معظمہ میں حاضر ہوئے کسی نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہیں پر تشریف فرما ہیں تو سکندر سواری سے اتر پڑا اور کہا کہ جس شہر میں نبی علیہ السلام تشریف فرما ہوں وہاں سواری پر سوار ہو کر جانا نامناسب ہے اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دولت کدہ تک پیدل گیا اور ملاقات کا عرض کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام باہر تشریف لائے اور سکندر کو سلام کر کے گلے لگایا۔

ف: ملاقات کے وقت معانقہ گلے لگانے کی سنت ابراہیم علیہ السلام سے جاری ہوئی (کذا فی انسان العیون و دوار القرب)

نبوت کے ادب کا فائدہ

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سکندر نے ادب کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے صلے میں بادل کو حکم دیا کہ سکندر کے اشاروں پر چلیں وہ جہاں چاہیں بادل ان کو لے جایا ۔

معنی تواضع من نعمہ اللہ ؟

اسی وجہ سے بادل کا کام یہ ہو گیا کہ وہ سکندر اعظم کے لشکر اور ان کے جنگی آلات اور دیگر اسباب اٹھا کر پہنچاتا اور وہاں پہنچاتا جہاں وہ چاہتے تھے اور اسی وقت سے یہ بھی ہو گیا کہ دولت سکندر کے قبضے میں ہو گئی کہ جہاں وہ جانا چاہتے تھے تو اڑ کر لگے آگے ہو گا اور پھر انہیں اور ان کے لشکر کو ظلمات تک پہنچا دیتی تھی ہے

چوں نہد در تو صفات جبرئیل
ہمچو فرخے بر ہوا جوئی سبیل
چوں نہند در تو صفات خرے
صد پرت گر ہست در آخور پری

چونکہ چشم دل شدہ مسموم خور !
ظلمت کون و مکاں مشتبہ از تو بود
ہر کہ نابینا شود اندر جہاں
روز او و شب برابر بے گماں

ترجمہ : جب حق تعالیٰ نے تیرے اندر جبرئیل صفات رکھا ہے تو تم فرشتوں کی طرح اڑتے نظر آؤ گے ۔
اگر تمہارے اندر گدھے کی صفات ہوں گے اگرچہ سو پر دیئے جائیں تب بھی تو آخورگاہ تک اڑتے گا یعنی ۔

جب تیرا دل اندھا معلوم ہو جائے تو گمراہی کی ظلمت تیرے سے دور ہو جائیگی ۔

جو دنیا میں اندھا ہو جاتا ہے تو اس غریب کے لیے رات اور دن برابر ہوتے ہیں ۔

وَاٰتَیْنٰهُ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا ○ اور ہم نے اس کو ہر قسم کے متعلقات (ہر چیز) کے لیے ضروری ہیں) ہم نے ہر قسم کے اسباب عنایت فرمائے ، سبباً سے وہ ذریعہ مراد ہے جس سے مقصود حاصل ہو سکے علم یا قدرت یا آلات جنگ وغیرہ یعنی ایسے وسائل دیئے گئے جن سے وہ اپنے مقصد پر اطلاع سے کامیاب ہو جاتا تھا ۔ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ○ اس کا جزوی مطلب یہ ہے کہ وہ مغرب تک گیا وہ پہنچنے کا ارادہ کرتا تو آپ ایسے اسباب حاصل تھے کہ وہ انہیں کے ذریعہ منزل مقصود تک پہنچ جاتا ۔ اتبع بمعنی لحق ، تبع وسلک وسار ہے ۔

حل لغات

کہ اس میں یہ ہو کہ واتبع سبباً کا ایک معنے یہ ہے کہ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کے آگے چلا جائے تو دوسرا جلدی کرکے اسے پہنچ جائے جیسے فاتبعوہم مشرقین اسی محاورہ پر ہے قول باری تعالیٰ ہے :

فاتبعہ شہاب ثاقب

بعض محققین نے کہا اتباع و اتباع ایک ہی معنی پر ہے اسی طرح بعض اہل لغت نے فرمایا کہ اہل عرب کہتے ہیں :

تبعتہ و اتبعتہ

یہ اس وقت بولتے ہیں جب دوسرا پہلے آدمی تک پہنچ کر چلے اور کبھی اتبعہ بولتے ہیں، تبعہ تبعاً یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی سے گذرے۔

آب حیات کی تلاش

سلطان سکندر کا کوہ مغرب تک کا ارادہ ہوا تو حرکت شمس اس کے لیے آسان کردی گئی تاکہ وہ نہایت آسانی سے اور جلد وہاں پہنچے اور کوہ مغرب میں چشمہ آب حیات کی تلاش کے لیے تشریف لے گئے۔

صاحب تبیان نے فرمایا کہ انہیں کسی نے کہا کہ وہاں کوہ مغرب کے ظلمات کے قریب چشمہ آب حیات ہے جو شخص اس سے قطرہ آب پیا ہے وہ قیامت تک نہیں مرے گا اسی لیے تشریف لے گئے کہ شاید وہ چشمہ مل جائے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ویسئلونک الخ میں اشارہ ہے کہ سائل کو جھڑکنا اچھا نہیں نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قصے کہانیوں سے قلب کو عبرت اور تقویت اور تثبیت حاصل ہوتا ہے۔ انا مکنا لہ فی الارض کذا میں اشارہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خلافت و نیابت بخشا ہے یعنی ہم نے انسان کو زمین کی خلافت بخشی اور خلافت کے لیے عالم صورت و معنی میں جتنا مقدورات تھے تمام اسے بخشے یہاں تک کہ اسے قلب الاعیان کی بھی اسے قدرت دی گئی اور تمام دنیا اس کے تابع کردی گئی ہے یہی وجہ ہے کہ اگر وہ کہیں دور جانا چاہتا ہے تو زمین اس کے لیے لپیٹ دی جاتی ہے اسے اہل خطوۃ الارض سے تعبیر کرتے ہیں، اور اگر وہ دریائی سفر پر ہوتا ہے تو پانی پر چلا جاتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو وہ ہوا پر اڑتا ہے اور چاہے تو آگ میں چلا جاتا ہے اس پر نار گلزار ہو جاتی ہے۔

فاتبع سبباً کا یہی مطلب ہے کہ وہ ہر مقصد پر قادر ہوتا ہے۔ مندرجہ ذیل عبارت کو غور سے پڑھیے جب وہ ایسے تجربہ

ف ۱ یہی ہم اہلسنت کا مسلک ہے کہ جب بندہ نبوت و ولایت سے نوازا جاتا ہے تو اسے ایسی قدرت و اختیار اللہ تعالیٰ سے نصیب ہوتے ہیں اسی حوالہ سے دیوبندی وہابی کے تمام مرد و زن فوق الفطرت سے انکار کرتے ہیں۔

(اولیسی غفرلہ)

یا بشریہ شرک سے تعبیر کرتے ہیں)۔

فصار مقتدرالله بالخلافة فی الارض و صعادی مقتدرا لمنا بالاصالة فی السماء و الارض له	اسے اپنے ولی دینی کو خلافۃ فی الارض کی وجہ سے ان تمام مقدورات کی قدرت حاصل ہوتی ہے جس طرح ہمیں قدرت بالاصالت ہے ہم زمین و آسمان کا تصرف کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ حتیٰ اذا بلغ مغرب الشمس یہاں تک کہ وہ سورج کے غروب کی جگہ پہنچا۔ مغرب سے زمین کا خاتمہ مراد ہے جو بجانب مغرب ہے کہ اس کے بعد کسی کو امکان نہیں کہ وہاں سے تجاوز ہو سکے چنانچہ حضرت سکندر وہاں پہنچ کر دریائے ظلمات کے کنارے پر کھڑے ہو گئے۔ شیخ نے فرمایا کہ حضرت سکندر اسی قوم کے ان پہنچے کہاں کے علاقے حدود کے آگے کسی کو جانے کی طاقت نہ تھی اس لیے کہ جہاں سورج ڈوب رہا ہے وہاں جانے کی کسی کو ہمت نہ ہو سکی۔

خضر علیہ السلام کو چشمہ آب حیات بیان ہے کہ جب حضرت سکندر ذوالقرنین کو مغرب تک پہنچے تو انہیں کسی نے بتایا کہ ظلمۃ الارض کے علاقہ کے آخری کنارے پر چشمہ آب حیات ہے۔ حضرت سکندر نے اپنے مشیروں سے پوچھا کہ رات کو کس جانور کی بینائی تیز ہوتی ہے مشیروں نے کہا گھوڑے کی پھر پوچھا گھوڑوں میں نر یا مادہ کی؟ مشیروں نے کہا مادہ کی۔ اس مقصد کے لیے لشکر سے چھ ہزار گھوڑیاں منتخب کر لی گئیں اور گھوڑیاں بھی باکرہ اسی لیے کہ یہ دوسری گھوڑیوں کی بنسبت تیز تر دیکھتی ہیں۔ چھ ہزار سواروں کے ساتھ چھ ہزار سوار بہادر لے کر حضرت ظلمۃ الارض میں چل پڑے اور باقی لشکر وہیں چھوڑ دیا۔ صرف آخر پر پہنچے تو وہ چشمہ آب حیات حضرت خضر علیہ السلام کو ملا کیونکہ آپ ہی امیر لشکر اور سب سے آگے تھے اور سکندری جھنڈا بھی آپ کے ہاتھ میں تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے نہ صرف آب حیات دیکھا بلکہ پی لیا بلکہ اس سے غسل فرمایا لیکن سکندر خالی ہاتھ رہا۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ہے

فیض ازل بزور و زر آمدی بدست
آب خضر نصیبہ سکندر آمدے

ترجمہ: فیض ازل اگر زور و زر سے نصیب ہوتا تو آب حیات حضرت خضر علیہ السلام کے بجائے سکندر کو حاصل ہوتا۔

لہ روح البیان جلد ۵ صفحہ ۲۹۲ مطبوعہ مصر

زمرد کا حصول

دیکھ رہی تھی چلتے چلتے پتھریلی زمین پر گزرے گھوڑوں کے کھروں کے نیچے ایسے سنگریزے تھے کہ جن کی حقیقت کو وہ نہیں جانتے ان کی سکندر کو خبر دی گئی تو اس نے کہا کہ تم جتنا اٹھا سکتے ہو اٹھا لو اس لیے کہ اگر زیادہ اٹھاؤ گے تو بھی پریشان اور اگر تھوڑے اٹھاؤ گے تو بھی پریشان۔ وہ دراصل زمرد اخضر تھے سب نے اپنی ہمت کے مطابق اٹھا لیے لیکن ظلمت دونوں کے علاقے سے باہر آئے تو سخت پریشان ہوئے اور کہا کاش! ہم اور اٹھاتے۔

وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ سکندر نے سورج کو کالے سیاہ کیچڑ میں ڈوبتے دیکھا۔ حمئۃ بمعنی ذات حمأۃ یعنی کالی سیاہ مٹی۔

حل لغات: حمئت البئر سے مشتق ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب مٹی پر گارے کا غلبہ ہو۔

ف: جب سکندر دریا کے کنارے پہنچے تو سورج کو ڈوبتے دیکھا اس لیے کہ پانی میں ان کا منتہائے نظر پانی کے سوا کچھ نہ تھا جیسے پانی سفر کرنے والوں کو معلوم ہے کہ دریا میں کشتی جا رہی ہو جب پانی کی انتہا معلوم نہ ہو تو غروب کے وقت ایسے معلوم ہوتا ہے گویا سورج پانی میں ڈوب رہا ہے۔ اسی لیے فرمایا: وجدھا تغرب ورنہ صرف تغرب فرماتے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب سکندر ایسے مقام پر پہنچے جہاں جانب مغرب میں کوئی عمارت نہیں تھی تو سورج کو غروب کے وقت دیکھا تو ایسے معلوم ہوا کہ گویا وہ کنارے الارض کی کیچڑ میں ڈوب رہا ہے جیسے دریا میں کشتی کا سوار دیکھتا ہے کہ گویا سورج دریا میں ڈوب رہا ہے یہاں وقت محسوس ہوتا ہے کہ دریا کا کوئی کنارہ نہیں حالانکہ سورج دریا میں نہیں ڈوبتا بلکہ دریا کے پار اوپر کہیں جا کر غروب ہوتا ہے ورنہ خود سکندر کو بھی معلوم تھا کہ زمین کروی شکل میں ہے اور آسمان اس کو گھیرا ہے اور سورج اپنے فلک میں چلتا ہے اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ جہاں سورج غروب کرتا ہے وہاں کوئی قوم موجود نہیں۔ اور یہ بھی واضح ہے کہ سورج کا کرہ زمین کے کرے سے کئی گنا بڑا ہے پھر سورج کا زمین کے کسی چشمہ میں داخل ہونے کا کیا مطلب؟

سوال: بحر العلوم سمرقندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص سوال کرے کہ حدیث شریف میں ہے کہ سورج چوتھے آسمان میں ہے نکل کر زمین پر اس کی کرنیں ڈالتا ہے اور اس کا نورانی چہرہ اہل سماوات کی طرف ہے اور اس کا عقب زمین کے علاوہ سے کئی گنا زیادہ بڑا ہے بلکہ اس سے کم و بیش (واللہ اعلم) پھر کیسے کہا گیا ہے کہ وہ زمین کے ایک چشمہ کے اندر ڈوب رہا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ بہت بڑی قدرت کا مالک ہے اور ان گنت مخلوقیں اس کی قدرت میں ہیں صرف ایک سورج کو ایک چشمہ میں داخل کرنے کی کیا بات ہے وہ اگر چاہے تو ساتوں آسمان اور ساتوں زمینوں کو چھوٹی سے چھوٹی اور ذلیل سے ذلیل ترین شے میں داخل کر دے تو ہمارا ایمان ہے علاوہ اس کی قدرت کے لیے ہم اس سے بھی زائد عقیدہ رکھتے ہیں۔

سوال: کمالات تجریدیہ میں ہے کہ اگر کوئی سائل سوال کرے کہ سورج چوتھے آسمان میں ہے اور وہ بھی ایک خاص فلک میں دوڑتا ہے پھر اس آیت کا کیا مطلب کہ وہ زمین کے ایک کیچڑ بھرے چشمہ میں غروب کرتا ہے؟

جواب: قرآن مجید میں یہ کہاں ہے کہ واقعی سورج ایک کیچڑ بھرے چشمہ میں ڈوبتا ہے البتہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سکندر

ذوالقرنین کے وجدان کی خبر دی ہے کہ اس کے وجدان میں ایسے ہوا۔ کا قول :

وجدھا تغرب فی عین حمئۃ ،

ان کی وجدان کے متعلق یعنی ایک وجہ تھی وہ اس طرح کہ ذوالقرنین جو المغرب میں کشتی سے گئے اور دریائے محیط کا کنارہ کہاں؟ البتہ ذوالقرنین کی کشتی ایک ایسے مقام پر پہنچی جہاں پانی کا اندر کشتی کو آگے نہیں جانے دیتا تھا اس وقت دیکھا کہ سورج ڈوب رہا ہے لیکن انہیں سورج ایک چشمہ میں ڈوبتا ہوا نظر آیا۔

ف : اگر ذوالقرنین نبی تھا تو نبوت کے لیے ضروری ہے کہ شئے کا حقیقت کے عین مطابق دیکھے جیسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کو دور سے دیکھا اور اس کے لیے دعا بھی فرمائی یا نماز جنازہ پڑھی اور اگر وہ نبی نہیں تھا تو پھر ان کا خیال وہمی تھا جسے کسی کاملامت قابل قبول نہیں سمجھا جاتا۔

وَوَجَدَ عِنْدَهَا اور اس چشمے کے نزدیک پایا یعنی عمارت کے انتہا تک آگے یعنی دریائے محیط غربی کے کنارے پایا۔
قَوْمًا ۚ تاملک میں لکھا ہے کہ وہ لوگ بت پرست تھے ان کی آنکھیں سبز اور سرخ تھیں اور ان کا لباس حیوانات کے چمڑے اور ان کی خوراک انہی حیوانات کا گوشت تھا۔ بعض نے فرمایا ہے کہ وہ جابلص قوم تھی کہ ان کے شہر کے بارہ ہزار دروازے تھے اگر ان کا شور و غل نہ ہوتا تو سورج کے غروب کا دھماکہ دنیا کو بھی پہنچتا۔

ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی شان عظیم ہے

امام سہیلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس قوم سے جابلص والتیح اسی وجہ سے اور جابلص ایک شہر کا نام ہے جسے سریانی زبان میں جرجیسا کہا جاتا ہے اس شہر کے دس ہزار دروازے ہیں ہر دروازے کے درمیان ایک فرسخ دو میل کا فاصلہ ہے وہ قوم ثمود کی نسل سے تعلق رکھتی ہے یعنی وہ حضرات جنہوں نے حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لایا تھا اور عذاب الٰہی سے بچ گئے تھے اور صالح علیہ السلام کے منکرین تو سب کے سب عذاب میں ایسے تباہ و برباد ہو گئے تھے کہ ان کا نام و نشان تک باقی نہیں رہا تھا اور یہ قوم ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا چکے تھے جب آپ شب معراج تشریف لے گئے تو آپ کا اس شہر جابلص سے گذر ہوا اور وہاں کے تمام باشندے حاضر ہو کر دولت اسلام سے نوازے گئے۔

ف : اسئلۃ الحکم میں ہے کہ لیلۃ المعراج کی حدیث میں جابلسا و جابلقا کا ذکر آیا ہے اور ان کے رہنے والوں کے متعلق ایمان لانے کا قصہ ہے، حدیث مشہور ہے۔

قُلْنَا ہم نے فرمایا بطریق الہام کے۔

سوال : اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سکندر نبی تھے اور آپ اس قوم کے لیے جہاد پر مامور من اللہ ہو گئے اور جیسے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں کفار کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے مامور من اللہ ہوں جب تک کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اقرار اور تصدیق نہ کریں ایسے ہی سکندر نے جب اس قوم سے دین حق کے لیے جنگ کی

تو معلوم ہوا کہ وہ نبی تھے۔ (کذا فی التفسیرات الاحمدیہ)

جواب: نبوت کے اثبات کے لیے نص قطعی چاہیے تھا اور سکندر کی نبوت کے لیے نص قطعی نہیں بلکہ صرف ایک ظنی معاملہ ہے جیسے قطعات سے بیان ہوا ہے۔ اس لیے ان کی نبوت کا اثبات نہیں ہو سکتا۔[1]

يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ۝ اے ذوالقرنین! یا تم انہیں عذاب دو یا ان سے کسی نیکی کا سلوک کرو۔ یہاں اصل عبارت۔۔ امرا ذا حسن ۔۔ تھی مضاف محذوف کر دیا گیا اس میں ذوالقرنین کو اختیار دیا گیا کہ وہ دعوت دینے کے بعد اگر وہ قوم انکار کرے تو چاہیں تو انہیں قتل کے عذاب میں مبتلا کریں چاہیں تو ان کے ساتھ احسان و مروت سے پیش آئیں۔ یا یہ اما توزیع و تقسیم کے لیے ہے تخییر کا نہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے سکندر! آپ انہیں قتل کر دیں اگر وہ دین حق سے انکار کریں اگر وہ دین کو قبول کریں تو آپ ان کے ساتھ احسان و مروت سے پیش آئیں۔

قَالَ ذوالقرنین نے فرمایا: اَمَّا مَنْ ظَلَمَ بہرحال قوم میں سے جس نے ظلم کیا یعنی دین سے انکار کر کے کفر پر اصرار سے جس نے اپنے نفس پر ظلم کیا اس لیے کہ میری دعوت دینی کو اس نے قبول نہ کیا۔ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ہم اسے ساتھ ہی انہیں دنیا میں قتل کر کے عذاب میں مبتلا کریں گے۔

ف: حضرت قتادہ نے فرمایا کہ سلطان سکندر کافروں کو دین حق کی دعوت کرتے اگر کوئی انکار کرتا تو اسے آگ کی دیگ میں ڈال دیتے اور اگر کوئی دین حق کو قبول کر لیتا تو اسے انعام و اکرام سے نوازتے۔

ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ۝ پھر وہ ظالم کافر مرنے کے بعد آخرت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوگا تو اسے اللہ تعالیٰ عجیب و غریب عذاب میں [illegible] فرمائے گا جو انہوں نے نہ دیکھا ہوگا۔ اس سے جہنم کا عذاب مراد ہے۔

وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨ الْحُسْنٰى ۚ اور جس نے میری دعوت قبول کی اور ایمان لے آیا اور ایمان کے مقتضا پر نیک عمل کیا تو اسے دارین میں نیک اجر نصیب ہوگا۔ یہ عبارت حال ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ نیکی کا بدلہ ملے گا جیسا کہ وہ چاہتا ہوگا یا مفعول فیہ ہے یعنی نیکی کا بدلہ آخرت میں بہشت نصیب ہوگی۔ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ۝ اور ہم اسے اپنے تمام اوامر آسان کر کے بتائیں گے یعنی ان پر جو امر کریں گے وہ احکام آسان ہوں گے اور نماز، روزہ وغیرہ کے جن کے ادا کرنے میں انسان کو تکلیف نہ ہو۔

---

[1] یہ جواب مخشیوں کو دیا گیا ہے جب وہ خلافت کو افضل اور دوسرے امر کے لیے امامت و خلافت کا ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امامت و خلافت نبوت سے بھی اعلیٰ ہے اب انہیں کہو کہ اس کے لیے نص قطعی دکھاؤ۔ تفصیل فقیر کی کتاب "

[illegible]

بس ان اسی دا ابیس تھا جبار کے طور پر مسلط کیا گیا ہے جیسے ہم پہلے وہ احکام جو ان پر لاگو ہیں گے وہ آسان ہوں گے ۔

ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ ذوالقرنین نے ظلمت یعنی تاریکی کو لشکر ظلم آگے بڑھتے گیا یہاں تک کہ وہ لشکر اس قوم کی آنکھوں اور کانوں میں گھس گیا اور وہ قوم چاروناچار سکندر کے حکم کے موافق دین حق کو مان گئی ۔

قصص الانبیاء میں ہے کہ ذوالقرنین جب جانب مغرب سوار ہوتے تو جس قوم سے گزرتے انہیں دین حق کی دعوت دیتے اگر وہ قبول کر لیتے تو انہیں امن اور چین دیتے اگر وہ نہ مانتے تو ان پر ظلمت چھا جاتی یہاں تک کہ وہ علاقہ تاریکی سے بھر جاتا تمام شہر اور بستیاں تاریک ہو جاتیں ان کے گھروں اور قلعوں اور آنکھوں میں اندھیرا ہی اندھیرا ہوتا یہاں تک کہ وہ تاریکی دھوئیں کی طرح ان کے منہوں اور ناکوں اور کانوں اور پیٹوں میں گھس جاتی ۔ اس طرح سے ان لوگوں کو پریشانی لاحق ہوتی تو جب تک سکندر کی دعوت ایمانی کو قبول نہ کرتے ان کے ساتھ یہی کیفیت رہتی اس طریق سے حضرت ذوالقرنین سورج کے ڈوبنے کی جگہ تک پہنچے ۔ وہاں ان لوگوں کو پایا جن کا بیان آیت بالا میں ہے ۔ اور ان کے ساتھ وہی کیا جو مذکور ہوا ۔ اس کے بعد سکندر علاقہ ظلمت میں پہنچے اور اس علاقہ میں پورے اٹھارہ دن رات چلتے رہے اور لشکر کو ظلمت کے علاقہ تک چھوڑ دیا یہاں تک کہ اس پہاڑ کے قریب پہنچے جو تمام روئے زمین کو گھیرے ہوئے ہے ۔ وہاں ایک فرشتہ کو دیکھا جو اس پہاڑ پر قبضہ جمائے ہوئے ہے ۔

جبل قاف کے موکل فرشتے کی تسبیح

جس فرشتہ کو کوہ قاف پر مقرر کیا گیا ہے اسے سکندر اعظم نے دیکھا وہ مندرجہ ذیل تسبیح پڑھ رہا تھا جو پڑھتے پڑھتے تھکتا ہی نہیں :

سبحان ربی من الازل الی منتھی الدھر	پاک ہے میرے رب کی ازل سے منتہی الدہر تک
وسبحان ربی من اول الدنیا الی آخرھا	پاک ہے میرے رب کی تسبیح کی اول دنیا سے آخر تک
وسبحان ربی من موضع کفی الی عرش ربی	پاک ہے میرے رب کی میری ہتھیلی سے عرش تک
وسبحان ربی من منتھی الظلمۃ الی النور ۔	پاک ہے میرے رب کی انتہائی ظلمت سے نور تک

یہ تسبیح وہ فرشتہ بڑے زور سے اور بلند آواز یعنی جہر سے پڑھ رہا تھا ۔

کوہ قاف پر فرشتے اور سکندر اعظم کا مکالمہ

جب سلطان سکندر نے اس فرشتہ کو دیکھا تو سجدہ میں گر گئے اور اسی وقت تک سر سجدہ سے نہ اٹھایا جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس پہاڑ کو دیکھنے کی طاقت نہ بخشی اور اس فرشتہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ۔

فرشتے نے سلطان سکندر کو دیکھ کر کہا کہ آپ اس مقام پر کیسے پہنچے جب کہ آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے یہاں پر آپ سے پہلے اور کوئی نہیں پہنچا ۔ سلطان سکندر نے فرشتے کو جواب دیا جس ذات نے آپ کو اس پہاڑ پر قبضہ جمانے کی طاقت بخشی ہے مجھے بھی اسی نے یہاں تک پہنچنے کی طاقت عنایت فرمائی ہے لیکن آپ فرمائیں کہ آپ اس پر کیسے قابض ہیں اس نے فرمایا

کہ میں اس جبل قاف کا موکل فرشتہ ہوں اور یہی جبل ہے جو تمام زمین کو گھیرے ہوئے ہے اگر یہ نہ ہوتا تو زمین اپنے مکینوں سمیت الٹ ہو جاتی اور اس سے بڑھ کر اللہ کی پیدا کی ہوئی نہیں ہے۔ جب ذوالقرنین واپس لوٹنے لگے تو فرشتے سے عرض کی کہ آپ مجھے وصیت فرمایئے۔ فرشتے نے فرمایا کہ اے ذوالقرنین! آپ کل کے رزق کے لیے پریشان نہ ہونا اور آج کا کام کل پر مت چھوڑنا اور جو ملے چوک جائے اس پر غم نہ کرنا اپنے ہر معاملہ میں نرمی کو ملحوظ رکھنا کسی پر سرکشی نہ کرنا اور نہ ہی تکبر کرنا سے

تکبر کند مرد حشمت پرست
نداند کہ حشمت بحلم اندر است
وجود تو شہریست پر نیک و بد
تو سلطان و دستور دانا خرد
چنانکہ دو نان گردن فراز !
دریں شہر کبرست و سودا و آز
چو سلطان عنایت کند با بدان
کجا ماند آسائش بخردان
تو خود را چو کودک ادب کن بچوب
بگرز گران مغز مردم مکوب

ترجمہ: ① حشمت والا تکبر نہیں کرتا۔ اسے علم نہیں کہ حلم میں ہی حشمت ہے۔
② تیرا وجود خود نیک و بد کا ایک شہر ہے اس کا تو بادشاہ اور عقل اس کی وزیر ہے۔
③ بے شک اس شہر کے کمینے سرکش تکبر۔ سودا حرص ہیں۔
④ جب بادشاہ بدوں سے مہربانی کرنے لگے تو پھر نیکوں کو آرام کہاں۔
⑤ تو اپنے آپ کو بچوں کی طرح ڈنڈے سے سیدھا کر۔ بجائے گرز کے سرکش لوگوں کا مغز ٹھیک کر۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ○ پھر وہ راستہ چلا جو مغرب سے مشرق تک پہنچنے والا تھا۔

ف: معلوم ہوتا ہے کہ قوم ناسک کو اپنے ساتھ لے کر نور کا لشکر آگے روانہ کیا اور ظلمت کا لشکر پیچھے رکھا اور دکن کی طرف متوجہ ہو کر قوم ہاویل کو جو قطر جنوبی میں تھی مسخر کیا اور پھر جس طرح قبل قوم ناسک مذکور تھا اسی طرح مشرق کی طرف توجہ کی۔

حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ یہاں تک کہ مطلع آفتاب تک جا پہنچے یعنی زمین کی آبادی کی اس جگہ تک پہنچے جہاں سورج کے طلوع کے بعد سب سے پہلے اسی جگہ پر سورج کی کرنیں پڑتی ہیں یعنی از جانب مشرق کی وہ جگہ جو کہ آبادات زمین کا منتہا ہے۔

سوال: قرآن مجید میں مطلع الشمس کہا گیا ہے اور تم نے اس کے خلاف مطلب بیان کیا ہے؟

جواب: شمس کے اصلی مطلع پر پہنچنا تو مشکل ہے اس لیے جہت مراد ہو یہی مطلب بیان کیا ہے جو حق اور لفظوں میں ہے ۔

ف: بعض روایات میں ہے کہ مغرب الشمس سے مطلع الشمس تک بارہ سال اور بعض روایات میں اس سے بھی کم مدت میں پہنچنا مذکور ہے اتنی بڑی مسافت کا بجز انکامات کے نہیں طے فرمایا تھا بلکہ ربانی طاقت کے ذریعہ ہوا ہے اللہ تعالیٰ نے بجلی یا بادل کو آپ کے تابع کر دیا تھا اور دوسرے اسباب بھی آپ کو عنایت ہوئے تھے ۔

وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ سورج کو پایا ایسی قوم پر طلوع کرتا ہوا جو بالکل ننگے دھڑنگے تھے۔ **لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ۙ** جن کے لیے سورج اور ان کے درمیان ہم نے کوئی آڑ نہ بنائی تھی وہاں پر پہاڑ تھا اور نہ کسی مکان میں چھپ کر رہتے تھے۔ اس لیے کہ ان کی زمین اتنی نرم ہے کہ اس پر مکان نہیں بنائے جا سکتے۔ جب سورج نکلتا ہے تو وہ غاروں میں چھپ جاتے ہیں جب تک سورج ان سے ڈھل نہیں جاتا وہ غاروں میں سے نہیں نکلتے جب نکلتے ہیں تو مچھلی کا شکار کر کے سورج کی گرمی سے بھون کر کھاتے ہیں ۔

ف: حسن بصری نے فرمایا کہ ان کے سروں اور جسم پر کوئی بال نہیں تھے سوائے ان کے ابرو پر بال ہیں۔ یہ معلوم ہوتا ہے گویا ان کی کھال اتاری گئی ہے بالوں کا نہ ہونا سورج کی گرمی کی وجہ سے ہے ۔

حکایت ایک سیاح کا واقعہ ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے چین کے کسی سے آگے نکل کر پوچھا کہ ان لوگوں تک پہنچنے میں کتنا وقت لگے گا کہا گیا کہ صرف آٹھ پہر کی مسافت ہے جب میں وہاں پہنچا تو انہیں دیکھا کہ ان کے کان لمبے ہیں یہاں تک کہ ایک کان کو نیچے بچھا لیتے ہیں اور دوسرے کو اوپر اوڑھ لیتے ہیں میرے ساتھ ایک رفیق تھا جو ان کی بولی جانتا تھا اس نے کہا کہ ہم سورج کو طلوع کرتا ہوا دیکھنے آئے ہیں۔ یہی بات ہو رہی تھی کہ ہم نے گھنٹی کی آواز سنی اس سے میں تو بے ہوش ہو گیا جب ہوش آیا تو انہیں دیکھا کہ وہ مجھے تیل کی مالش کر رہے تھے۔ جس وقت سورج پانی پر طلوع ہوا تو وہ پانی زیتون کے تیل کی طرح کھولنے لگا اسی کیفیت پر لوگ غاروں میں چھپ گئے اور ہم بھی ساتھ ہی گئے جب سورج ان کے سروں سے آگے نکل گیا تو انہوں نے مچھلیاں پکڑ کر سورج کی گرمی سے پکائیں۔

ف: حضرت مجاہد کی روایت ہے کہ یہ حبشی اور قوم زنگی کے ہیں اور وہ پانی سے زمین کے منافذ سے نکل آتے ہیں۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ یہ قوم منسک و تاریس تھی ۔

ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس کا بیان

سہیل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اہل جابلق و جابلسا ہیں جابلق ایک شہر ہے جس کے دس ہزار دروازے ہیں ایک دروازے سے دوسرے دروازے تک کی مسافت ایک فرسخ (تین میل) ہے۔ انہیں مرتابیں اور مرقسیا کہا جاتا ہے۔ عاد کی بقایا قوم جنہوں نے ہود علیہ السلام پر ایمان لایا تھا یہ لوگ انہی کی اولاد سے ہیں اور اہل جابلق شب اسریٰ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے ان کے نزدیک ہم بہت بری قوم ہیں وہ تاویل اور منسک کی نسل سے ہیں یہی وہ ہیں جو ہمارے نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاسکے ۔

ف : تاویلات نعیمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ یہ اسباب کا عالم ہے کوئی بھی کسی شے اور مقصد کو نہیں پاسکتا جب تک اللہ تعالیٰ نہ چاہے یا اس کے لیے اسباب نہ بنائے ۔ حضرت ذوالقرنین کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے اسباب بنائے جن کی وجہ سے وہ مغرب و مشرق تک پہنچے ۔

كَذٰلِكَ ۖ یعنے ذوالقرنین کا معاملہ ایسا ہی تھا جیسا کہ ہم نے بیان کیا کہ وہ بلند مرتبہ کو پہنچا اور بادشاہی کے لشکر اور وسعت حاصل تھی یا جیسے ہم نے اسے اہل مغرب کے لیے اختیار بخشا ایسے ہی آنے والا معاملہ ۔

ف : بعض نے لکھا ہے کہ ان کے ساتھ بھی سکندر نے ویسا ہی کیا جیسا کہ مغرب والوں کے ساتھ کیا تھا یا اسی طرح مطلب کی دنیا جہاں کی اصلاح میں قطر کی طرف چلا ایک قوم میں پہنچا کہ ان کا ذکر کیا گیا تھا اور ان کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جو قوم اولیٰ کے ساتھ کیا تھا ۔

وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ۝ اور بے شک ہم نے گھیر رکھا ہے اس کو جو اس کے پاس تھا اسباب اور لشکر از روئے علم کے ۔ خبرا تمیز ہے یعنے مضاف یعنی ہمیں اس کے ظاہر و خفایا کا علم ہے یعنے اس کے اسباب و لشکر اتنی کثیر تعداد میں تھے کہ ان کا احاطہ سوائے اللہ تعالیٰ علیم و خبیر کے اور کسی کو نہیں ۔

ف : یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور لطف و کرم ہے کہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے عطا فرمائے ۔

سکندر اعظم ایک بڑھیا کے صاحبزادے تھے

وہب بن منبہ نے فرمایا کہ ذوالقرنین اسکندریہ کے باشندوں سے تھے اور ایک بڑھیا کے صاحبزادے تھے اور اس بڑھیا کے آپ اکلوتے بیٹے تھے اور اپنی قوم سے علیحدہ ہو کر زندگی بسر کرتے تھے اور وہ نہ بڑے حسب و نسب والے نہیں تھے البتہ حسن و جمال میں یکتا تھے اور علم و مروت و صفت میں ضرب المثل تھے بچپن سے جوانی تک نیک اوصاف اور حسن اخلاق میں مشہور ہو کے بڑے بڑے معاملات سر کرنے کے لیے بڑے لوگ حضرت سکندر کو جب تک شامل نہ کرتے وہ کام سرانجام نہ ہوتا اسی بنا پر آپ نے اپنے ملک میں بہت زیادہ شہرت پائی اور خلق خدا میں معزز ترین انسان سمجھے جاتے ۔ خدا تعالیٰ نے بھی بہت زیادہ ہیبت بخشی اس طرح میں عوام میں مقبول عام ہو گئے اس دور میں صرف آپ کی شخصیت تھی جس کے دل میں دین حق کی محبت جاگزیں ہوئی اسی لیے آپ نے عوام کو اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دینی شروع کی ۔ آپ کی پُر وقار شخصیت کے اثر سے بہت سے لوگ دین حق میں داخل ہوئے اور جنوں کو قہر و غلبہ سے دین حق منوایا اس کے بعد مستقل بادشاہی کے مالک بن گئے اور یہاں تک ترقی پائی کہ قرآن مجید نے رہتی دنیا تک اس کی داستان کو زندہ فرما دیا ۔

سکندر اعظم نے زمین کے چپے چپے پر شاہی کس طرح کی اور کیوں؟

سکندر اعظم سے کسی نے پوچھا کہ آپ

مشرق و مغرب تک کس طرح چھا گئے حالانکہ آپ سے بہت پہلے خزانوں والے اور بڑی طاقتوں والے بادشاہ گزرے ہیں ان کے لشکر بھی تھے اور دنیا و دولت بھی لیکن انہیں آپ جیسی فتح و نصرت نصیب نہ ہوئی۔ سکندر اعظم نے جواب دیا کہ میرے اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی اور میں جس ملک میں بادشاہوں کو فتح کرتا اس کی رعایا کو ستم نہ پہنچاتا بلکہ انہیں عیش و آرام سے نوازتا اور اگلے بادشاہوں کے نام بھی نیکی سے لیتا یعنی ان کی برائی نہیں کرتا۔

بزرگش نخوانند اہل خرد
کہ نام بزرگاں بزشتی برد

ترجمہ: عقلمند لوگ اسے بزرگ نہیں کہتے جو بزرگوں کا نام برائی سے لیتا ہے۔

کسی بادشاہ نے کہا ہے

۱۔ فلم ار مثل العدل للمرء رافعا
ولم ار مثل الجور للمرء واضعا

۲۔ كنت الصحيح وكنا منك في سقم
فان سقمت فانا السالمون غدا

۳۔ مضى عليك اكلت ظالما لظلمت
ولحي مشوه ميد مظلومة ابدا

ترجمہ: ۱۔ عدل سے بڑھ کر میں نے اونچا کرنے والا کسی شے کو نہیں دیکھا اور نہ ہی ظلم سے بڑھ کر گرانے والا۔

۲۔ ظالم کو کہتے ہیں کہ تو تندرست ہے اور ہم تیری وجہ سے بیمار ہیں اگر تو بیمار رہے تو کل تندرست ہیں۔

۳۔ جب تک تو ظلم کرے گا تو تیری بددعا کے لیے ہاتھ اٹھے رہیں گے اور مظلوم کا ہاتھ کبھی رد نہیں ہوتا۔

سلطان سکندر کی توبہ کا عجیب واقعہ

تفسیر البیان میں ہے کہ ذوالقرنین ایک ظالم جابر بادشاہ تھا جب اس کا انتقال ہوا تھا تو اسے ذوالقرنین اپنی بادشاہی کا مالک بنا کر دنیا سے رخصت ہوا اس سے بادشاہ کا تجربہ کرانا مقصود تھا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس کا ایک دوست نیک صالح اس کا رفیق حال تھا ایک دن اس نے اسے بطور نصیحت فرمایا کہ اے بادشاہ اپنی تجربہ کاری کو چھوڑیئے اور مرنے سے پہلے ہی تمام گناہوں سے توبہ کیجئے۔ اس پر سلطان سکندر ناراض ہوا اور اسے قید کرا دیا۔ اس کا ساتھی بھی اسی طرح قید رہا۔ تین دن کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ بھیجا جس نے قید خانے کی چھت چیر کر اسے وہاں سے نکال کر اسے اپنے گھر پہنچا دیا۔ صبح کو سلطان سکندر کو معلوم ہوا کہ قیدی قید خانہ سے نکل گیا ہے تو خود جیل کا معائنہ کرنے گیا جیل خانے کی چھت چیری ہوئی دیکھ کر سمجھا کہ یہ واقعہ عجیب سا ہے اس سے اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور یقین کیا کہ میری شاہی مکر و ہے اور حقیقی شاہی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے لیکن ول

سے مفتوح کیا فوراً آرڈر جاری کیا کہ اس قیدی کو میرے ہاں حاضر کرو۔ جب سپاہی گرفتار کرنے کے لیے اس نیک بخت کے گھر گئے تو وہ نیک بخت جیل خانہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ جب اس نیک بخت نے سلطان سکندر کو دیکھا تو کہا کہ اسے بادشاہ! اللہ تعالیٰ کے حضور میں جھک جا اور اپنی غلطیوں کی معافی مانگ۔ بادشاہ کا ارادہ ہوا کہ اسے دوبارہ گرفتار کر کے جیل میں بھجوا دے اور لشکر کو حکم دیا کہ اسے پکڑو۔ اللہ تعالیٰ نے اس نیک بخت کی امداد فرمائی کہ ایک غیبی آگ آئی جس نے تمام لشکر کو جلا دیا اور سکندر بھی بے ہوش ہو گرا۔ جب ہوش میں آیا تو سچے دل سے توبہ کی اور اس نیک بخت شخص کے قدموں پر گر کر معافی مانگی اور وعدہ کیا کہ تاحیات اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں بسر کرے گا اور اپنی عادت کو احکام الٰہی میں ڈھالے گا۔ اس کے بعد تمام بادشاہوں کی سرکوبی کرنی شروع کر دی۔

سب سے پہلے مسجد سکندر اعظم نے بنائی

اس کے بعد حکم فرمایا کہ ایک مسجد تیار کی جائے جس کا طول چار سو گز اور عرض دو سو گز اور اس کی بلندی ایک سو گز تھی۔

سبق: اس میں اشارہ ہے کہ دولت کے لیے ضروری ہے کہ دولت ملے تو پہلے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرے ایسا نہ ہو کہ دولت کے حصول کے بعد نفسانی خواہشات میں لگ جائے۔ ایسے ہی متقی کے لیے لازم ہے کہ سب سے پہلے توبہ کے متعلق خوشے صادر کرے، اسی طرح کپڑے پہننے والے کو لازم ہے کہ وہ نیا کپڑا پہن کر مسجد میں نوافل شکرانہ ادا کرے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے نیا کپڑا پہنے ایسا نہ ہو کہ نیا کپڑا پہن کر بازار کے چکر لگاتا پھرے یا بیت الخلاء یا ایسے ہی گندی جگہوں میں جائے۔

ف: فتح ظاہری یہی ہے کہ اعداء مخالفین پر غلبہ لشکر کی کثرت سے ہوتا ہے۔ ہاں فتح معنوی یعنی بقاء باللہ کا مقام فنا فی النفس کے بعد حاصل ہوتا ہے بلکہ اسباب کے تصورات ختم کر کے صرف مسبب الاسباب سے وابستگی کرنے کے بعد بقاء نصیب ہو گئی ہے۔ جناب صاحب نے فرمایا: ؎

ہر کس کشید سر بگریبان نیستی
تسخیر کرد ملک بے زوال را

ترجمہ: جو نیستی یعنی فنا حاصل کر چکا ہے تو اسے بقا کی ملک پر قبضہ نصیب ہوتا ہے۔

اس تقریر سے معلوم ہوا کہ سکندر حقیقی وہ ہے جس کا ملک دائمی اور اس کی سلطنت کے امور اعلا، صرف اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے اور بس۔ وہ وہ اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے جس کا ظاہر تو طاعات الٰہی سے معمور اور معاملات عبودیت سے سرشار اور اس کا باطن انوار و تجلیات ربوبیت سے مزین ہو۔ ایسے انسان کا نفس انا مست ہو جاتا ہے اور اس کے قلب کے لیے اللہ تعالیٰ کے لیے

لہ یہ حقیقت بیان کرنا مقصود ہے کہ آج کل کے دور میں اہلسنت عوام میں اولیاء اللہ کے ساتھ عقیدت کے باوجود بے ادبی سے اولیاء اللہ کی پہچان نہیں رہی۔ [illegible] یا ولی اللہ وہ ہے جو عقائد میں بھی سچے رکھتا ہو اور اعمال شریعت کے مطابق [illegible] ہے۔ [illegible] تو سمجھا کرو جھوٹا ہے۔
(مترجم)

نظر کی تائید حاصل ہوتی ہے جس کی حقیقت صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

اے اللہ! ہمیں ان لوگوں سے بنا جنہیں اللہ کی خصوصی مدد اور توفیق نصیب ہے۔ اللہ تعالیٰ جو کچھ چاہتا ہے دیتا ہے۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ○ پھر ایک تیسرا راستہ اختیار فرمایا جو جنوب سے شمال کو جاتا تھا۔ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ۔ یہاں تک کہ جب پہنچے بَيْنَ السَّدَّيْنِ دو پہاڑوں کے درمیان کی جگہ پر جس نے دونوں پہاڑوں کو ملا رکھا ہے۔ یہ دونوں پہاڑ ہیں ارض ترک کے اختتام پر مشرق کی جانب واقع ہیں اور ان کے پیچھے یاجوج و ماجوج کا علاقہ ہے۔

حل لغات السد بالفتح و بالضم بمعنی الحاجز و المعاهدة و بالفتح ہر اس دیوار کو کہا جاتا ہے جسے مخلوق نے تیار کیا ہو۔ اور بالضم جو قدرتی طور پر ہو اس لیے کہ فعل بالضم بمعنی مفعول ہر اس فعل کو کہا جاتا ہے جسے دست قدرت نے بلا واسطہ بنایا ہو۔ بین کا منصوب ہونا بوجہ ظرفیت کے ہے اس لیے کہ وہ مبلغ کا مفعول بہ ہے اور بین ان اسماء سے ہے کہ اسم ہو کر بھی مستعمل ہوتا ہے اور ظرف ہو کر بھی اس کی ظرفیت کا مقصد ہے اور اس کی اسمیت کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہو کر بھی مستعمل ہوا ہے چنانچہ لقد تقطع بینکم میں بعض قراتوں میں مرفوع پڑھا گیا ہے اور ھذا فراق بینی و بینک میں بعض قراتوں میں مجرور پڑھا گیا ہے۔

وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا جب سکندر ذوالقرنین دونوں پہاڑوں سے گزرے تو ان کے پیچھے پایا۔ یہ مضمون کا تحتی نے اور صاحب تفسیر نے بیان فرمایا ہے۔ قَوْمًا ایک ایسی قوم کو۔ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ○ جو کسی کی بات نہیں سمجھتے تھے اگرچہ بجز اپنی زبان کے یا اشاروں سے جیسے گونگے کو بات سمجھائی جاتی ہے ایسے ہی ان کو سمجھاتے تھے۔

اہل تاریخ لکھتے ہیں کہ نوح علیہ السلام کے تین صاحبزادے تھے۔

۱ - سام
۲ - حام
۳ - یافث

سام ابو العرب والعجم والروم اور حام ابو الحبش والزنج والنوبہ اور یافث ابو الترک والخزر والصقالبہ و یاجوج و ماجوج تھے۔

ف بلاد المشارق میں ہے کہ ترک تمام قوموں کی اولاد ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد تھیں ان کی بہت اولاد ہوئی جو ترک کے علاقوں میں پھیلی۔

قَالُوْا اپنے ترجمان کے ذریعے گفتگو کی۔ بعض کہتے ہیں کہ ذوالقرنین کا کلام سمجھ جاتا تھا اس لیے انہیں براہ راست گفتگو پیش کی۔

سوال: تکرار تعبیر میں ہے کہ پہلے فرمایا کہ لا یکادون یفقھون قولا پھر فرمایا قالوا یا ذا القرنین کہ ان میں تضاد ہے

جواب یہ قول کا ذکر میں قول کا وقوع ضروری نہیں ہوتا چنانچہ فرمایا:

تکاد السموت یتفطرن منہ ظاہر ہے کہ آسمان پھٹنے کے قریب تو ہوئے لیکن پھٹے نہیں تھے علاوہ ازیں کاد کا ایک قاعدہ ہے وہ یہ کہ جب اس پر لا و ما نافیہ داخل ہوں تو اس سے اثبات مطلب ہوتا ہے مثلاً فذبحوھا وما کادوا یفعلون یعنی قریب تھے کہ گائے کو ذبح نہ کرتے لیکن بالآخر انہیں ذبح کرنا پڑا اسی طرح لا یکادون یفقہون قولا کو سمجھئے کہ اس میں ان کے سمجھنے کی علی الاطلاق نفی نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسی بات کا الزام نہیں رکھتے تھے جو بول کر ذوالقرنین کے دل پر اثر ڈالیں تاکہ وہ ان کی دلی تمنا کے مطابق دیوار کھینچ کر انہیں یاجوج ماجوج سے نجات دلائیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فضل و کرم فرمایا کہ ان کے دلوں میں ایک بات کا القاء ہوا کہ جو انہی ذوالقرنین کو کہی تو فوراً اس کے دل پر اثر ہو گیا اور اس کے بعد سد سکندری کی کا سوال شروع فرمایا۔ چنانچہ عرض کی:

یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِنَّ یَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ ۔ یاجوج و ماجوج دونوں عجمی اسم ہیں۔ دلیل ظاہر ہے کہ وہ دونوں غیر منصرف ہیں یا عربی ہیں تو ان کا غیر منصرف ہونا علمیت و تانیث کی وجہ سے ہے اس لیے کہ یاجوج ماجوج دونوں دو قبیلوں کے نام ہیں اور یہ پہلے ہم لکھ چکے ہیں کہ یہ نوح علیہ السلام کے صاحبزادے یافث کی اولاد سے ہیں۔

آدم علیہ السلام کا احتلام: مروی ہے کہ ایک دن آدم علیہ السلام کو احتلام ہوا تو ان کا نطفہ مٹی پر جا گرا۔ اسی نطفہ میں سے یاجوج ماجوج کو پیدا کیا گیا اس معنیٰ پر وہ باپ کی جانب سے ہمارے بھائی ہیں۔ (کذا فی عین المعانی)

غلطی کا ازالہ: الدر المنثور میں لکھا ہے کہ قول مذکور بالکل غلط ہے اور روایت کی کوئی اصل نہیں۔ (کذا فی بحر العلوم)

نیز یہ حدیث شریف کے بھی خلاف ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

ما احتلم نبی قط کسی نبی کو احتلام نہیں ہوا۔

تحقیقی قول: فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ میرے شیخ اور پیر و مرشد قدس سرہ نے فرمایا کہ احتلام سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا اگرچہ یہ بظاہر شان نبوت کے منافی ہے لیکن قاعدہ الٰہی ہے کہ تقاضائے حکمت ایسے امور انبیاء علیہم السلام سے کرا دیتا ہے جیسے سہو سے انبیاء علیہم السلام پاک ہوتے ہیں لیکن بتقاضائے حکمت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سہو ہوا۔ احادیث شریف میں ہے حضرت آدم علیہ السلام کو غسل کے ذریعہ انبیاء علیہم السلام کے لیے قاعدہ مقرر فرمایا گیا ہے۔ اور رہا ادب کہ آدم علیہ السلام کے لیے احتلام کا اطلاق مناسب ہی نہیں۔

مُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ یعنی وہ یاجوج ماجوج ہمارے علاقہ میں قتل و غارت اور لوٹ مار اور کھیتی وغیرہ کو ضائع کر کے فساد ڈالتے ہیں۔

ف: یاجوج ماجوج کا طریقہ تھا کہ موسم بہار میں اپنے غاروں سے نکل کر سبز کھیتوں کو کھا جاتے اور خشک کو روند کر تباہ و برباد کر ڈالتے بلکہ بعض اوقات انسانوں کو بھی کھا جاتے اور جانوروں کو تو بالکل نہ چھوڑتے۔ جب جانوروں کو کھا جاتے تو پھر انسانوں کو کھانے لگ جاتے

تمام قبیلوں سے لیس ہو کر باہر نکلے انسان کی لمبائیاں عمریں ہوتی ہیں جب تک ان کا ایک اپنی صلب کی اولاد سے کامل ایک ہزار پورا نہ دیکھتا۔ اس پر موت نہ آتی۔ اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ قوم نوح علیہ السلام کی اولاد سے دس گنا زیادہ ہیں

؎

چو بوزینگاں آمدہ در وجود
مژہ زرد و رخ سرخ و دیدہ کبود
ندارند جز خواب و خور ہیچ کار
نمیرد یکے تا نزاید ہزار

ترجمہ: وہ بندروں کی طرح ہیں ان کی پلکیں زرد اور چہرے سرخ اور آنکھیں نیلی ہیں۔ خواب و خور کے سوا ان کا اور کوئی کام نہیں وہ تب نہیں مرتے جب تک ہزار فرزند اولاد نہ دیکھیں۔

یاجوج و ماجوج کا تعارف

وہ کئی قسم کے ہیں ان سے کسی کا قد تو ایک سو بیس گز ہوتا ہے اور بعض کا قد صرف ایک بالشت ہیں ان کے اجسام مرتفع طویل برابر ہیں بعض وہ ہیں جو بڑے کانوں والے ہیں یہاں تک کہ ایک نیچے دھرا اور اوپر کے ہو جاتے ہیں ان کے بال تقسیم ہیں کہ ان سے اپنے جسموں کو ڈھانپ لیتے ہیں انہی بالوں کی وجہ سے انھیں گرمی محسوس ہوتی اور نہ ہی سردی۔ ان بالوں کو کبھی ہوتے ہوئے سکتے ہیں نہ انھیں کنگھی کرتے ہیں اور نہ ہی باندھتے ہیں۔ بھیڑیوں کی طرح آوازیں نکالتے ہیں اور جانوروں کی طرح وطی کرتے ہیں ان کے ہاتھوں میں پنجے ہیں اور درندوں کی طرح ان کی داڑھیں ہیں ان سے جو کھانا ملتا ہے وہ کھاتے ہوتے ہیں جیسے اونٹوں کے گلے میں گھنٹیاں۔ ان کے آگے ہاتھی، خنزیر، خچر وغیرہ اس طرح کے زندہ جانور جو بھی آئے سب کو کھا جاتے ہیں۔ ان میں سے جو بھی مر جائے اسے بھی کھا جاتے ہیں حشرات، سانپ اور بچھو سب کو کھا جاتے ہیں۔

ف: سورۃ الکہف میں ہے کہ اژدہا ایک بہت بڑا سانپ ہے اس کے منہ میں لمبے لمبے تیروں کی طرح داڑھیں ہیں وہ بہت بڑا ہو کر چلتا پھرتا ہے اس کی آنکھیں بجلی کی طرح سرخ ہوتی ہیں۔ اس کا منہ اور پیٹ بہت بڑا ہوتا ہے۔ اس کی بہت لمبی پھیلی ہوئی گردن ہوتی ہے بہت بڑے بڑے جانوروں کو ہڑپ کر جاتا ہے اس سے تمام دریائی جانور ڈرتے ہیں جب وہ دریا میں حرکت کرتا ہے تو دریا کی لہریں اٹھتی ہیں۔ پہلے تو وہ ایک زہریلا سانپ ہوتا ہے جنگل کے جانور کھانے لگتا ہے۔ جب اس کا فساد زمین پر بڑھنے لگتا ہے تو فرشتے اسے اٹھا کر دریا میں ڈال دیتے ہیں۔ وہاں دریائی جانوروں کو ہڑپ کرتا ہے جب اس کا فساد دریا میں بڑھنے لگتا ہے اور اتنا بڑا ہو جاتا ہے کہ اس کا سر ایک بڑے ٹیلے کے برابر ہو جاتا ہے تو پھر اسے فرشتے اٹھا کر یاجوج و ماجوج میں پھینک دیتے ہیں جسے وہ کھاتے ہیں۔

ف: قصص الانبیاء میں ہے کہ جب یاجوج و ماجوج میں یہ اژدہا ڈالا جاتا ہے تو انھیں خوشحالی ہوتی ہے وہ اسے کھاتے رہتے ہیں۔

فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا کیا ہم آپ کے لیے اپنے مال سے چندہ جمع کر کے دے دیں وہ مال جو ہم آپ کے لیے نکالیں گے وہ آپ مزدوروں کو دیں۔ خرج اجر اور خراج خرچ اور خراج ایک ہے۔

بعض نے کہا ہے خراج وہ ہے جو زمین کا ٹیکس وغیرہ وصول کیا جاتا ہے اور کسی کے ذمہ واجب ہو اور خرج ۔ ایک مرتبہ ہو یا عارضی ہو وہ ہے جو گورنمنٹ کو سال کے بعد (محصول وغیرہ) ادا کیا جائے۔ اور خراج وہ ہے جو شہریوں سے ٹیکس وصول کیا جاتا ہے یا خرج وہ جو خود لوگ اپنی خوشی سے چندہ دیا جائے اور خراج واجب کر وہ چندہ جس کی ادائیگی لازمی اور ضروری ہو۔

عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ۝ اس شرط پر کہ آپ ہمارے اور ان کے مابین دیوار تیار فرمائیں جو انھیں ہم تک پہنچنے میں آڑ بن جائے۔

قَالَ ذوالقرنین نے کہا، مَا مَكَّنِّيْ یہ مال و سامان اور انعام جو تم دو گے اس سے بہتر ہے جو کچھ مجھے قدرت بخشی ہے۔ فِيْهِ رَبِّيْ میرے رب کریم نے مجھے قدرت بخشی ہے یعنی بہت بڑا ملک اور مال اور بے شمار اسباب عنایت فرمائے۔ خَيْرٌ ان سے کہیں بہتر ہے جو کچھ تم دیوار کے لیے مجھے چندہ کر کے دو گے۔ اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا:

فَمَآ اٰتٰىنِ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ ۔ جو کچھ مجھے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے وہ تمہارے دیئے گئے مال سے بہتر ہے۔

فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ پس تم میری قوت کے ساتھ مدد کرو یعنی دیوار بنانے میں ساتھ دو اور اس کے لیے جتنے آلات اور مزدور ملتے ہوں ان میں کوئی کمی نہ ہو اس کے لیے ہم جو کچھ کریں مدد کرو۔ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ۝ تمہارے اور ان کے مابین بہت زیادہ مضبوط قلعہ تیار کروں گا۔ یہ امر کا جواب ہے یعنی ایسی مضبوط دیوار ہوگی اور اس کا ایک دوسرے کے ساتھ اتنا سخت جوڑ ہوگا کہ اس کا توڑنا آسان نہ ہوگا۔ ردم سد سے مضبوط تر ہوتی ہے مثلاً کہا جاتا ہے ثوب مردم یعنی وہ کپڑا جس میں تکلف پر کپڑے پیوند کئے جائیں یہاں کے اوپر سے اصل کہ انھیں وجہ کا اظہار کیا گیا۔

اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ۭ تم میرے پاس لوہے کی تختیاں جمع کرو۔

ف عبارت مخفی میں ہے کہ یہ زبر، زبرۃ کی جمع ہے یعنی قوت سے ترتیب لوہے کے لیے اور زبرۃ کی جمع ہے قطعۃ قطعۃ کی طرح یعنی لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے۔

سوال: جب حضرت سکندر نے ان سے چندہ لینے کا انکار کیا پھر ان سے لوہے کے ٹکڑے وغیرہ مانگنا شروع کر دیا۔ یہ ہر دو باتیں باہمی متضاد ہیں؟

جواب: ان کا چندہ دینے کا مطلب یہ تھا کہ وہ اس دیوار کی مزدوری دیں گے اور حضرت سکندر نے مزدوری لینے سے انکار فرمایا اور دیوار کی تیاری کے لیے آلات اور دوسری ضروریات مانگنا مزدوری نہیں بلکہ ایک دوسرے کی معاونت ہے۔

ف قصص الانبیاء میں لکھا ہے کہ انھوں نے حضرت سکندر سے عرض کی کہ ہم لوہا وغیرہ کہاں سے لائیں ہمارے ہاں اس کے ذریعے کی دست نہیں۔ حضرت سکندر نے فرمایا کہ فلاں مقام پر لوہے کی کان ہے اور تانبے کی کان بھی بتائی۔

سوال: حضرت سکندر نے صرف ان کی تختیں کیوں فرمائی حالانکہ اس دیوار کے لیے پتھر وغیرہ بھی ضروری تھے؟

جواب: پہاڑ کو برابر کرنے کے لیے لوہے کی تختیاں ضروری ہوتی ہیں کیونکہ انہی سے کیل وغیرہ تیار ہوتی ہیں۔

ف: کاشفی میں ہے کہ حضرت سکندر نے انہیں فرمایا کہ لوہے کی بڑی بڑی تختیاں بناؤ اور رات دن محنت سے کام کرو۔ انہوں نے حضرت سکندر کے حکم پر جان کی بازی لگا دی اور لوہے کی بے شمار تختیاں تیار کر لیں پھر حضرت سکندر نے فرمایا کہ پہاڑ کے درمیان میں بیٹھ کر چوڑا گڑھا تہ تک کھودو۔

ف: قصص الانبیاء میں ہے کہ دونوں پہاڑوں کے درمیان کا فاصلہ تین میل تھا۔

ف: بعض کا قول ہے کہ ان دونوں پہاڑوں کا درمیانی فاصلہ تین سو میل تھا تاہم اسے پانی کی تہ تک کھودا گیا۔ اس کی بنیادیں بجائے مٹی کے پتھر اور سیسہ پگھلا کر بھری گئیں اس کے اوپر کی بنیاد لوہے کی تختیوں سے بنائی گئی ہر دونوں تختیوں کے درمیان کوئلہ اور لکڑیاں ڈالے گئے۔

حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ ۔ الصدف پہاڑ کے آخری حصہ یا پہاڑ کے آخری گوشے کو کہا جاتا ہے اور بینی ۔ جنبین الصدفین کی طرح منقول ہے یعنی حضرت سکندر کے ہاں وہ لوگ دیوار کا سامان جمع کر کے لاتے تو انہوں نے دیوار کو بنانا شروع کیا یہاں تک کہ دونوں پہاڑوں کا درمیانی فاصلہ اوپر تک پہاڑوں کے برابر کر دیا یعنی پہاڑوں کے درمیانی فاصلہ کے خلا کو اوپر سے پانی کی تہ تک بھر دیا۔ اس کی دیوار کی بلندی دو سو گز اور اس کی چوڑائی پچاس گز تھی۔ دیوار کی تکمیل کے بعد درمیان والی کوئلوں اور لکڑیوں کو مضبوط کرنے کے لیے انہیں ایک طرف سے آگ لگا دی۔ قَالَ انْفُخُوْا حضرت سکندر نے تمام لوگوں سے فرمایا کہ ان تختیوں کے درمیان کی آگ کو پھونکو۔ حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا یہاں تک کہ جب اس آگ نے ان چوڑی تختیوں کو آگ بنا دیا یعنی وہ لوہے کی تختیں گرم ہو کر بعینہٖ آگ کی طرح ہو گئیں۔

سوال: یہ کام تو عملہ نے سرانجام دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے فعل کا اسناد حضرت سکندر کی طرف فرمایا ہے؟

جواب: چونکہ اس کام پر وہی اصل تھا اور باقی عملہ اس کے حکم کا پابند تھا اسی لیے حضرت سکندر کا نام لینا ہی ٹھیک لگتا ہے۔

قَالَ حضرت سکندر نے انہیں فرمایا جو اس سیسہ پگھلانے اور لوہے کے اندر کی لکڑیاں اور کوئلہ وغیرہ کے جلانے پر مامور تھے کہ اٰتُوْنِيْٓ میرے پاس پگھلا ہوا سیسہ لاؤ۔ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ۞ الافراغ بمعنی بہانا ہے یعنی پانی وغیرہ کا بہانا یعنی میں اس آگ لگے ہوئے لوہے پر تیل ڈالتا ہوں۔

سوال: تم نے آگ لگے ہوئے لوہے کا محذوف مانا ہے اس کے محذوف ہونے کی دلیل؟

جواب: چونکہ قطرا کا منصوب اس کے جزو کا عمل ہو کر اسی کا اسی طرح جو دلالت کرتا ہے کہ یہاں دوسرا لفظ محذوف ہے علاوہ ازیں حضرت سیبویہ رحمہ اللہ نے بیان کر دیا ہے۔

افراغ کے فعل کا اسناد حضرت سکندر نے اپنی طرف کیا ہے حالانکہ یہ کام عملہ کے ذمہ تھا اس کا جواب ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔

بہر روئے فسر سخت برانگیختند
بہ روئے حل کردہ مے ریختند

ترجمہ: پھر انھوں نے زرشش پگھلائے اور اس پر پیتل وغیرہ ڈال کر ڈالے۔

فَمَا اسْطَاعُوْٓا ۔ اصل میں استطاعوا تھا تخفیف اور التقائے ساکنین کے خطرہ سے ایک تا کو حذف کر دیا گیا ہے

سوال: یہاں تو یہ دونوں حرف مل گئے ہیں اسی آیت میں آگے وما استطاعوا میں تاء کو کیوں نہیں حذف کیا گیا؟

جواب: فما اسطاعوا کا مفعول ان یظہروہ ہے جس کا پہلا حرف اَنْ اس کے بعد فعل و فاعل اور مفعول ہے۔ اس طرح سے کلام طویل ہو جاتا ہے اگر اس میں تاء حذف نہ کی جاتی تو ثقالت (جو موجب ملالت ہے) کا اندیشہ ہے اور دوسرے استطاعوا کا مفعول نقبا اسم ہے جس میں طوالت کا خطرہ نہیں۔ فما اسطاعوا کی تاء ضمیر ہے یعنی جس طرح ان لوگوں کو حضرت سکندر نے فرمایا کہ تیل لا کر لوہے کی تختیوں پر ڈالو تو وہ اسے لاتے تو حضرت سکندر نے انہیں آپس میں ملانے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ جب سب ملایا گیا تو لوہے کی تختیاں اور درمیان کا کوئلہ اور سیسہ وغیرہ آپس میں مل کر سخت مضبوط پہاڑ کی طرح اور ضم ہو گیا کہ اس پر یاجوج ماجوج کا چڑھنا مشکل ہو گیا چنانچہ جب وہ آتے اور اسی دیوار میں نقب لگاتے تو کامیاب نہ ہو سکے۔ چنانچہ فرمایا

اَنْ يَّظْهَرُوْهُ یعنی یاجوج ماجوج اس کامیاب نہ ہو سکے کہ وہ اس پر چڑھ سکیں کیونکہ ایک تو وہ بہت اونچی تھی دوسرا وہ بہت نرم تھی کہ جس پر قدم وغیرہ نہیں جم سکتے تھے۔ **وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ○** اور نہ اس میں سوراخ کر سکے یعنی نیچے سے اس دیوار کو توڑنے اور اس میں سوراخ کرنے کا منصوبہ بنایا لیکن کامیاب نہ ہو سکے اس لیے کہ ایک تو وہ سخت تھی دوسری ضخیم تھی۔ اتنی موٹی دیوار کو کس طرح نقب لگا سکتے تھے۔

حضرت سکندر کی کرامت آگ کا خاصہ ہے کہ جب یہ سخت تیز ہوتی ہے تو دور دور تک اپنے قریب کسی کو نہیں پھٹکنے دیتی لیکن حضرت سکندر نے اس آگ کے قریب قریب پھونکنے والوں کو بٹھایا کسی کو بھی آگ کی گرمی سے تکلیف نہ پہنچی وہاں اتنا چاہا کہ حضرت خضر نے اس آگ سے گرمی کی تاثیر کو ان کے کام کرنے تک سلب کر لیا اور وہ قادر ہے اس سے زیادہ سخت گرمی کو بھی سلب کر سکتا ہے۔ (کذا فی الشفاء ناقلا عن تفسیر الامام)

ف: فقیر (اویسی) کہتا ہے کہ یہ مانا کہ ایک کرامت ہے لیکن حقیقی ہو یا کوئی عقلی امر نہیں اس لیے کہ حضرت سکندر نے کوئی ایسی کارروائی کی ہو جس سے ان لوگوں پر آگ کا اثر نہ ہو سکتا ہو جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر جب نمرود نے آگ سلگائی تو وہ بھی حد تک کسی کو اپنے قریب پھٹکنے نہ دیتی تھی پھر اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو گوپھن میں رکھ کر دور سے آگ میں پھینکا تھا۔

سدِ سکندری زمانہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک شخص نے عرض کی کہ میں سدِ سکندری کو دیکھ آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا

کر اس کی کیفیت بیان کیجئے۔ اس صحابی نے عرض کیا اس کی کیفیت دھاری دار چادر کی سی ہے کہ کوئی دھاری سرخ ہے اور کوئی سیاہ۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واقعی تم نے دیکھی ہے اس لیے اس کی سرخی کے اثرات بیچ کے اور سیاہ اوپر کے ہیں۔

قَالَ ذوالقرنین نے فرمایا۔ هٰذَا یہ دیوار۔ رَحْمَةٌ بہت بڑی رحمت اور نعمت عظمیٰ ہے۔ مِّنْ رَّبِّىْ ۔ میرے رب تعالیٰ سے تمام بندوں پر بالخصوص اس کے علاقہ میں جہاں کے رہنے والوں پر۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہر وہ کام جو اگرچہ بندوں کے عمل سے تیار ہو لیکن خلق خدا کو فائدہ پہنچائے تو وہ بھی احسان و کرم خداوندی ہے۔

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّىْ پھر جب میرے رب تعالیٰ کا وعدہ آئے گا۔ وعدہ سے مراد یعنی قرب قیامت ہے اس سے قیامت کا قرب مراد ہے اور اس کے آنے سے اس کے آثار مراد ہیں مثلاً یاجوج ماجوج کا دیوار کو توڑنا اور دجال کا آنا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تشریف لانا وغیرہ وغیرہ۔ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ اسے کر دے گا ٹکڑے ٹکڑے یعنی ہموار کر دے گا جو کہ یہ دیوار اب بہت زیادہ مضبوط ہے لیکن وقت آنے پر یہ ریزہ ریزہ ہو کر چٹیل میدان ہو جائے گی۔ یہاں دکا مصدر بمعنی مدکوک ہے اور ایک قرأت میں ہے دکاء۔ یہ وہ جگہ جیسے اوپر گزرا کہ یہ مسیحا کیا جاتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت و عظمت کا بیان ہے اور اس سے پہلے اس کی رحمت کا بیان تھا۔ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّىْ حَقًّا اللہ تعالیٰ کا جو وعدہ ہے اور جو وعدہ کیا ہے وہ ضرور پورا ہوگا۔

سلطان سکندر کی نبوت پر استدلال

صاحب کو اہات نے فرمایا کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ سلطان سکندر نبی تھے اس لیے کہ اس دن کے وعدہ کا حق ہونا اور اس کے پیش نظر کا جاننا صرف انبیاء علیہم السلام کا ہی کام ہے۔ اور یہ کہنا کہ یہ دیوار رب کی رحمت ہے اور اس کے تیار کرنے کا مقصد نزول رحمت کا ہے یہ بھی انبیاء علیہم السلام کی شان ہے۔ واللہ اعلم۔

ف: یہاں تک سلطان سکندر کا قرآنی کارنامہ ختم ہوا۔

یاجوج و ماجوج کا سد سکندری کو توڑنا

منقول ہے کہ یاجوج و ماجوج روزانہ سد سکندری کو کھودتے ہیں یہاں تک کہ صبح سے شام تک تمام دیوار توڑتے ہیں یہاں تک کہ دیوار کا بالکل تھوڑا حصہ رہ جاتا ہے یعنی چھلکے جیسا باریک رہ جاتا ہے ان کا سردار کہتا ہے کہ اب چلو کل صبح بقیہ حصہ توڑ کر آگے نکل جائیں گے۔ چونکہ وہ مسلمان نہیں ہیں اس لیے اپنی کل کی کاروائی پر ان شاء اللہ نہیں کہتے۔ جب کل واپس آتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اس دیوار کو مکمل کر دیتا ہے۔ اسی طرح تا قیامت ہوتا رہے گا جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا کہ قیامت قائم ہو اور یاجوج و ماجوج سد سکندری کو کاٹ لیں گے تو ان میں ایک مسلمان کو پیدا فرمائے گا جو سد سکندری کو کاٹتے وقت شام کے وقت بتا دے گا کہ کل

ف: [illegible] کہ جس چیز کو صحابی نے دیکھی حضور علیہ السلام نے اس کے دیکھنے کی تصدیق فرمائی اور ساتھ ہی اس کی کیفیت بھی بتلا دی اس سے معلوم ہوا کہ جانتے تھے کہ [illegible] اور غیب سے خبر دیتے ہیں [illegible]

"بخدا اللہ تعالیٰ نے چاہا تو کل توڑیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ کی برکت سے دیوار کا توڑنا ان پر آسان ہو جائے گا جب وہ سب دوسرے دن کل کے وعدہ پر آئیں گے تو وہی حالت نہیں ہوگی کہ وہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس کی برکت سے یاجوج و ماجوج دیوار کو توڑ کر انسانوں پر پل پڑیں گے۔ جہاں سے گزریں گے جو شے کھانے کی پائیں گے کھا جائیں گے۔ انسان حیوان، پرند، چرند، درخت، کھیتیاں سب کو کھا کر نہریں، دریا، یہاں تک کہ دجلہ، فرات اور ان کے اندر جو دوسرے جانور مچھلیاں کچھوے وغیرہ سب کو کھا جائیں گے۔ پھر بحیرہ طبریہ جو شام کے علاقہ میں ہے آئیں گے وہاں کے تمام دریا نہریں پی جائیں گے۔ اگر کسی نے پہلے ان دریاؤں کو دیکھا ہوگا کہ بہتے ہیں تو ان کے پی جانے کے بعد دیکھے گا تو ایک قطرہ پانی کا بھی نظر نہیں آئے گا۔ کہ روئے زمین پر چھا جائیں گے اور ہر شے کو چٹ کر جائیں گے صرف چار مسجدیں ایسی

چار مساجد یاجوج و ماجوج سے محفوظ

ہیں انہیں نہیں جانے دیا جائے گا۔

① مکہ معظمہ

② مدینہ منورہ

③ بیت المقدس

④ طور سینا

عیسیٰ علیہ السلام کی دعا کی برکت سے یاجوج و ماجوج کو فنا

کرنا روئے زمین پر گھومتے پھرتے آخر میں جبل الخمر کے قریب پہنچیں گے۔ یہ پہاڑ بیت المقدس کے قریب واقع ہے۔ یہاں پر آپس میں کہیں گے کہ ہم زمین والوں کو قتل کر چکے۔ اب آسمان والوں کو تباہ و برباد کرنا چاہیئے۔ چنانچہ وہاں سے آسمان کی طرف تیر پھینکیں گے۔ اللہ تعالیٰ حکم فرمائے گا کہ ان کے تیروں کو خون سے تر کر کے واپس لوٹا دو تاکہ خوش ہو جائیں کہ واقعی انہوں نے آسمانی مخلوق کو تباہ و برباد کر ڈالا۔

اس دوران حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے ماننے والوں کے ساتھ کوہ طور میں چھپے ہوں گے۔ اور قحط سے اس قدر تنگی ہوگی کہ ان کے ہاں ایک بیل کا سر لوگوں کے سیکڑوں روپے کے برابر ہوگا۔ آخر زیادہ تکلیف کی وجہ سے عیسیٰ علیہ السلام یاجوج و ماجوج کو بد دعا کریں گے۔ آپ کی دعا کی برکت سے وہ سب کے سب فنا ہو جائیں گے۔

یاجوج و ماجوج کی موت کا منظر

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بد دعا سے اللہ تعالیٰ چند پرندے بھیجے گا جسے عربی میں "نغف" کہا جاتا ہے وہ آکر یاجوج و ماجوج کی گردن مروڑ دیں گے اور وہ سب ان میں سب کے سب اسی طرح مر جائیں گے۔ اس پر عیسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے نیچے زمین پر تشریف لائیں گے۔

یاجوج و ماجوج کی لاشیں کہاں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے یاروں سمیت جب زمین پر تشریف لائیں گے تو یاجوج و ماجوج کی لاشیں زمین پر بکھری پڑی ہوں گی جن کی بدبو سے دماغ پھٹنے لگیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دعا فرمائیں گے تو اللہ تعالیٰ اونٹ کے برابر کے پرندے بھیجے گا جو یاجوج و ماجوج کے ایک ایک فرد کو اٹھا کر کسی نامعلوم جگہ پھینک جائیں گے۔

یاجوج و ماجوج کے لشکر کا اندازہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھیوں سمیت جب زمین پر تشریف لائیں گے تو درخت اور لکڑیاں وغیرہ تو ہوں گے نہیں انہیں آگ جلانے کے لیے لکڑیوں کی ضرورت محسوس ہوگی تو یاجوج ماجوج کے تیر کمان اور برچھیاں جلانا شروع کریں گے۔ سات سال تک ان کو یاجوج ماجوج کا یہی سامان ایندھن کا کام دیتا رہے گا[1] (خلاصہ مصابیح اور تفسیر البیان وغیرہا)

حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث سے سدِ سکندری کے ٹوٹنے کی خبر

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم ایک دن اپنی بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں گھبرائے ہوئے تشریف لائے۔ آپ نے فرمایا۔

لا الٰہ الا اللہ ویل للعرب من شر قد اقترب فتح الیوم من ردم یاجوج وماجوج مثل ھذہ وحلق باصبعیہ الابھام والتی تلیھا۔	اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ عرب کے لیے خرابی ہے کیونکہ یاجوج ماجوج کی دیوار کا ٹکڑا اتنا ٹوٹ گیا ہے اس کے بعد آپ نے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کا حلقہ بنایا۔

بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے عرض کی۔

یا رسول اللہ انھلک وفینا الصالحون۔	یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیا ہم تباہ و برباد ہو سکتے ہیں جبکہ ہمارے اندر نیک بخت لوگ ہوں گے[2]

---

[1] یہ تمام حالات چونکہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ ہیں۔ اسے ہم اہل سنت غیب سے تعبیر کرتے ہیں [illegible] مسئلہ قرار دے سکتے ہیں۔ ۱۲

[2] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ام المؤمنین بی بی زینب کا یہی عقیدہ تھا کہ جہاں اللہ والے ہوں وہاں سے عذاب الٰہی ٹل جاتا اور دفع ہو جاتے ہیں۔ حضور نے [illegible] ہے۔ ۱۲

(مترجم)

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں جب خباثت یعنی زنا کی کثرت ہو جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کا غضب آتا ہے۔

ف: اس حدیث شریف میں اشارہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس تک سدِ سکندری کو کسی قسم کا سوراخ نہیں پڑا تھا۔ اس وقت سدِ سکندری کا سوراخ شروع ہوا تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے چنانچہ سدِ سکندری کا یہی سوراخ قربِ قیامت کی علامت تھا چنانچہ اس کے بعد وہ بڑھتا گیا یہاں تک کہ وہی کیفیت ہوگی جو ہم نے پہلے بیان کر دی۔

ف: یاجوج ماجوج کا سدِ سکندری سے خروج دجال کے بعد ہوگا۔

ف: فتح القریب میں ہے کہ حدیث شریف میں لفظ الخبث سے مراد حرامی ولد ہے۔

ف: حضور علیہ السلام نے جیسے خبر دی ویسے واقع ہوا اس لیے کہ آپ نے بتایا کہ ملک، مال و دولت اور شاہی تمھاری ہے جب تک تم صحیح مسلمان رہو گے اگر بگڑے تو شاہی ملک، مال و دولت غیروں کے پاس چلا جائے گا اور غیروں سے ترک و دیلم مراد ہیں۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ یہ دولت و سلطنت شاہی اہلِ عرب کی تھی اور وہ صرف اسی لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکت سے انھیں ایسی شاہی بخشی لیکن جب اہلِ عرب نے اس نعمت کی ناشکری کی کہ ایک دوسرے کی قتل و غارت میں لگ گئے تو اللہ تعالیٰ نے وہ شاہی ان سے چھین کر غیروں کو بخش دی۔ چنانچہ فرمایا۔

وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم — اور اگر تم پھر جاؤ گے تو بے شک اللہ تعالیٰ تمھارے غیروں کو دے دے گا۔

تفسیر صوفیانہ

وہاں پر الزام ہے کہ وہ یاجوج نفس و طبیعت اور شیطان کے لشکر سے بچ کر اس سے محفوظ رہنے کے لیے شریعت و طریقت کا مضبوط قلعہ تیار کرے۔ اقلیم دل و ملکوت و لاہوت کا مسکن اس کی مدد کرے گا۔

تفسیر عالمانہ

وَتَرَكْنَا۔ ہم کر دیں گے۔ یہ اس لیے کہ ترک بمعنی جعل ہے گویا ہم انھیں ایسے ہی بنا دیں گے۔ بَعْضَهُمْ بعض مخلوق کو۔ يَوْمَئِذٍ اس دن کہ جب وہ سد چورا ہوا اور اسی وعدہ کے حق ہونے کا۔ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ ای یضطرب ای یضطربون اضطراب امواج البحر الخ یعنی قیامت میں انتہائی تیزی و اضطراب سے انس و جن ایک دوسرے پر گر پڑیں گے۔

ف: اللہ شاہد ہے کہ یہ نفخ اولیٰ سے پہلے واقع ہوگا۔

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ اور صور پھونکا جائے گا اس سے نفخ ثانی مراد ہے اسی کے بعد حشر برپا ہوگا جیسا کہ اس کے بعد کی فاء سے ظاہر ہے

ف: معلوم ہوا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ قدسی تعالیٰ کے ذرہ ذرہ پر ہے جبھی تو آپ نے سدِ سکندری کے چھید کی خبر دی۔ معلوم ہوا جانتے ہیں کہ یہ کتنا تنگ ہے اس کا کیا علاج؟ (اویسی)

سوال: دیہاں پر نفخ اولیٰ کا ذکر کیوں نہیں؟

جواب: اس کا ذکر نشأۃ اولیٰ کے اعمال و احوال اور نشأۃ اخریٰ کے امور کے درمیان واسطہ واقع ہو۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اجساد کی صورتوں کے استعداد کے وقت اسرافیل علیہ السلام صور میں مخلوق کے ارواح کو پھونکیں گے۔ یہ اجساد ارواح کے قبول کرنے کو ایسی مستعد ہوں گی جیسے انگاروں کو بھڑکنے کی استعداد ہوتی ہے جب کہ اسے ہوا وغیرہ پہنچتی ہے۔ اسی طرح جب اجساد پہ اسرافیل صور پھونکیں گے تو اجساد اپنی ارواح سے متحرک ہو کر کھڑے ہو جائیں گے اور ادھر ادھر دیکھیں گے جیسے کہ نیند سے اٹھتے ہیں ایسے ہی انہیں خیال ہوگا کہ گویا وہ اب نیند سے اٹھے ہیں۔ انسان جب مرتا ہے تو عالم برزخ میں چلا جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ دنیا میں خواب میں تھا تو اب عالم برزخ میں پہنچ کر بیدار ہوا ہے حالانکہ اس کا عالم برزخ میں جانا بھی ایک قسم کی نیند ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ جب آخرت میں اٹھے گا تو سمجھے گا کہ اب حقیقی طور پر بیدار ہوا ہے۔ عالم دنیا و برزخ پر دونوں حالتوں کا نیند پر قیاس کرنے کے باوجود آخرت ہی انسان کی حقیقی بیداری ہے اس لیے کہ وہ نیند نہیں۔

اسرافیل علیہ السلام کا نوری صور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ صور کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: صور قرن من نور التقمہ اسرافیل۔ (وہ نورانی قرن ہے جسے اسرافیل علیہ السلام منہ میں لقمہ بنائے ہوتے ہیں)۔

ف: اسرافیل علیہ السلام کا قرن تمام آسمانوں اور زمینوں سے وسیع تر ہے جب انسانوں کی ارواح قبض کی جاتی ہیں تو ہر روح کا ایک جز مثالی بدن کے ساتھ اسی جسم میں نکل کر اسرافیل علیہ السلام کے قرن میں امانت کے طور پر رکھ دیا جاتا ہے موت کے بعد عالم برزخ میں جو کچھ انسان دیکھتا ہے اسی قرن کے نور سے حقیقی طور پر ادراک کرتا ہے۔

عالم برزخ میں انسانوں کے کوائف صور اسرافیل میں بعض ارواح تو بالکل مقید ہوتی ہیں انہیں عالم دنیا کے ہر قسم کے تصرف پر پابندی ہوتی ہے اور بعض ہر طرح سے آزاد ہوتی ہیں جیسے حضرات انبیاء علیہم السلام اور شہداء کی ارواح اور بعض ارواح کو عالم برزخ میں عالم دنیا کو صرف دیکھنے کی اجازت ہوتی ہے۔

ف: عمدہ سوال مردوں کو خواب میں جس حالت میں دیکھا جاتا ہے وہ بھی صحیح ہوتا ہے ایسے ہی ہر خواب جاگنے کے البتہ تعبیر کرنے والا غلطی سے غلط بنا دیتا ہے تو وہ غلطی تعبیر کی ہوتی ہے نہ کہ خواب غلط تھا۔

ف: فرعون اور اس کی قوم کو برزخ میں صبح و شام جہنم کی آگ میں پیش کیے جانے سے مراد یہی ہے کہ وہ حقیقی عذاب ہوگا نہ خیالی۔ (کذا فی سورۃ غافر مومن)۔

مسئلہ: یہی وجہ ہے تمام خلق و عالم ہر ایک کے جسم کو مرنے کے بعد حساب و کتاب کے لیے ایک جگہ پر جمع کریں گے۔

جمعاً ○ ایک عجیب طریقے سے جمع ہوں گے جن میں تمام فرشتے اور جن و انس اور حیوانات شامل ہوں گے کسی کو بھی نہیں

پھونکا جائے گا۔

حدیث شریف: حدیث شریف میں ہے کہ ایک سخت دھماکہ ہوگا جو اس دن مقتولوں کی جگہ پاکر اپنے پاؤں کی انگلیاں ملکے گا۔ (کذا فی ربیع الابرار)

تکوینات خیر میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت سے تمام مخلوق کو ایک ہی چیخ دھماکہ میں سب کو موت دی ہے اسی طرح انہیں پھر زندہ کرے گا تو بھی سبب سے پہلے نفخ اولیٰ سے تمام کو فنا کرے گا۔

کا قول:

ونفخ فی الصور فصعق من فی السموات ومن فی الارض۔	اور صور پھونکا جائے گا تو تمام زمین و آسمان والے فنا ہو جائیں گے۔

اسی طرح نفخ ثانیہ سے انہیں زندہ کرے گا، کا قول:

ونفخ فی الصور فجمعناھم جمعا۔

اہل سنت کے مسلک کی تائید ایزدی

اس سے ثابت ہوا کہ مخلوق اپنے جملہ معاملات میں اسباب کی محتاج ہے وہ اللہ تعالیٰ ہے جسے اسباب کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ کسی شے کو سبب بناتا ہے تو وہ بھی مخلوق کے لیے یہی وجہ ہے کہ مخلوق کو سبب مطلق کا محتاج بنایا اور نقیض کو سبب نہیں بنایا۔ اور خود قادر مطلق ہو کر ایک شے کو ضدین یعنی دو نقیضوں کا سبب بنایا ہے مثلاً ایک ہی صور کو اماتت کا سبب بنایا تو اسی کو احیاء کا بھی۔

مثنوی شریف میں ہے:

سازد اسرافیل روزے نالہ را
جاں دہد پوسیدہ صد سالہ را
انبیاء را در درون ہم نغمہاست
طالباں را زاں حیات بی بہاست
نشنود آں نغمہا را گوش حس
کز ستمہا گوش حس باشد نجس
نشنود نغمہ پری را آدمی
کو بود ز اسرار پریاں اعجمی
گرچہ ہم نغمہ پری زیں عالمست
نغمہ دل برتر از ہر دو دمست

کہ پری و آدمی زندانیند !
ہر دو در زندان این نادانیند
نغمہ‌ہای اندرون اولیاء !
اولا گوید کہ ای اجزای لا
ہین ز لای نفی سرہا بر زنید
این خیال و وہم یکسو افگنید
ای ہمہ پوسیدہ در کون و فساد
جان باقیتان نروئید و نزاد
ہین کہ اسرافیل وقتند اولیاء
مردہ را زیشان حیاتست و نما
جان ہر یک مردہ از گور تن !
بر جہد ز آوازشان اندر کفن
گوید این آواز ز آواہا جداست
زندہ کردن کار آواز خداست
ما بمردیم و بکلی کاستیم !
بانگ حق آمد ہمہ برخاستیم
مطلق آن آواز خود از شہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

ترجمہ: ۱۔ ایک روز اسرافیل علیہ السلام صور بجائیں گے تو سب مردہ بھی جان حاصل کریں گے۔

۲۔ انبیاء علیہم السلام کے باطن میں ایسے نغمات ہیں جن کے سبب سے طالبان راہ حق کو بے بہا جانیں نصیب ہوتی ہیں۔

۳۔ ان نغمات کو آواز یہ حسی ظاہری کان کو سنائی نہیں دیتی اس لیے کہ گناہوں کی نجاست سے یہ کان ناپاک ہیں۔

۴۔ جب پری کے نغمات انسان اپنے ظاہری کانوں سے نہیں سن سکتا کیونکہ پریوں کے اسرار سے ناواقف ہوتا ہے۔

۵۔ اگرچہ پری کے نغمے اس عالم کے ہیں لیکن قلب کے نغمے بلند و بالا ہیں۔

۶۔

۷۔ انبیاء کے باطنی تصرف ہیں کہ سب سے پہلے ہر کلام جزئی کرسکتے ہیں۔

۸۔ انہی کی نفخ کے ساتھ ہر تعلیم فوراً کر دو اس خیال و وہم کو دور کر۔

۹۔ کہ وہ فنا میں ہمارا ہم پیشوا ہے جیسا ان کا ہر وقت باقی اور زندہ ہے۔

۱۰۔ یہ اولیاء وقت کے اسرافیل ہیں ان سے ہر مردہ کو حیات و نشو و نما ملتی ہے۔

۱۱۔ ان کی آواز سے مردہ گور اور کفن سے جان لے کر باہر آجاتا ہے۔

۱۲۔ ان کی آواز ہماری آواز سے جدا ہے در اصل زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

۱۳۔ ہم مر جائیں گے ہم مٹ جائیں گے اللہ تعالیٰ کی آواز سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔

۱۴۔ معنی تو وہ شخص کی آواز ہے اگرچہ وہ عبداللہ کے حلقوم سے ہو۔

وَعَرَضْنَا۔ اہل عرب کہتے ہیں:

عرضت الشئ لہ بمعنی اظہرتہ، یعنی ہم ظاہر کریں گے۔

جَهَنَّمَ عربی ہے در اصل جہنام تھا بمعنی القعر۔ **يَوْمَئِذٍ** اس دن جب کہ حساب و کتاب کے لیے تمام مخلوق کو لائیں گے۔ **لِلْكَافِرِينَ** کافروں کے لیے اس وقت وہ اسے دیکھیں گے اور اس کی سخت آواز اور غضب سنیں گے۔ **عَرْضًا** ○ ان کے سامنے آجائے گی اور وہ ایسی سخت عذاب والی ہے کہ اس کی حقیقت کھل جائے۔

حدیث شریف: حدیث شریف میں ہے کہ قیامت میں جہنم کو لایا جائے گا اس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جسے وہ کھینچ رہے ہوں گے۔

شرح الحدیث: یعنی جہاں اسے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے وہاں سے لا کر زمین تک پہنچائی جائے گی بہشت تک پہنچنے کے تمام راستے روک دیئے جائیں گے صرف پل صراط باقی رہ جائے گا جسے عبور کرکے جنت میں جانا ہوگا۔

ف: آنکھوں سے اسے دکھایا جائے تو اہل محشر پریشان ہوں گے بعض بد قسمت لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ وکذا فی مشارق لابن الملک۔

سوال: کافروں کی تخصیص کیوں حالانکہ اس وقت جہنم کو اہل بہشت بھی دیکھیں گے؟

جواب: چونکہ اس میں صرف انہوں نے داخل ہونا ہوگا اسی لیے انہیں خصوصیت سے دوزخ دکھائی جائے گی تاکہ وہ اسے دیکھ کر غم اور حزن و ملال کا شکار ہوں۔

ف: قیامت سے پہلے اگر کافروں کو جہنم دکھائی جاتی تو وہ اہل ایمان کی طرح ایمان لاتے لیکن چونکہ ان کی آنکھیں ذکر الٰہی سے اندھی تھیں اسی لیے وہ محروم رہے اور اہل ایمان کے قلوب کان رکھتے تھے اسی لیے وہ کلام الٰہی سن پاتے۔ بنا بریں انہیں نجات نصیب ہوئی۔

اَلَّذِیْنَ یہ موصول اپنے صلہ سے مل کر الکافرین کی صفت یا اس سے بدل ہے اس لیے قراء نے منصوب بحالت جرّ نہیں سمجھا۔ کذا فی الکواشی۔

کَانَتْ اَعْیُنُهُمْ ان کی آنکھیں دنیا میں تھیں **فِیْ غِطَآءٍ** پردے میں یعنی ایسے سخت اور غلیظ پردے میں تھیں جنہیں اس نے ہر طرف سے گھیرا ہوا تھا جس سے وہ حق کی باتوں کے دیکھنے اور سمجھنے سے محروم رہے۔ الغطاء ہر وہ شے جو کسی شے کو ڈھانپ لے جیسے پردہ وغیرہ۔ **عَنْ ذِکْرِیْ** میرے ذکر سے یعنی وہ آیات جو عقل والوں کو اللہ وحدہٗ کی توحید و تمجید یاد کرانے والی ہیں۔

وفی کل شیء لہ آیۃ
تدل علی انہ واحد

ترجمہ: ہر شے میں دلیل ہے جو دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے۔

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

ترجمہ: دانا کی نظروں میں درختوں کا ایک ایک ورق اللہ تعالیٰ کی معرفت کا ایک مستقل دفتر ہے۔

وَکَانُوْا لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَمْعًا ۝ اور یہ سب بے عقلوں کے باوجود وہ نہیں سنتے اس لیے کہ ان کے کان حق سننے سے بہرے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغض و عداوت میں اتنا مجبور ہو چکے ہیں کہ انہیں اس طرف خیال تک نہیں کہ کسی وقت ذکر الٰہی اور کلام نبوی بھی سن لیں بلکہ وہ بہرے سے بھی گئے گزرے ہیں اس لیے کہ بہرہ کسی نہ کسی وقت کوئی بات سن لیتا ہے جب کہ اسے زور سے کوئی بات سنائی جاتی ہے اور یہ بدبخت تو بہرے سے کلام حق کو سننا گوارا ہی نہیں کرتے سنتے ہیں تو اس طرف توجہ نہیں دیتے۔

چون تو قرآن خوانی اے صدر ام
گوشِشان را بپردہ سازم اصم
چشمان را نیز سازم چشم بند
تا نہ بینند و کلامت نشنوند

ترجمہ: اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم ان کے کان بہرے بنا دیتے ہیں ان کی آنکھیں بند کر دیتے ہیں تاکہ وہ تجھے نہ دیکھ سکیں اور تیرا کلام نہ سن سکیں۔

أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِنْ دُونِي أَوْلِيَاءَ ۚ إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ
تو کیا کافر یہ سمجھتے ہیں کہ میرے بندوں کو میرے سوا حمایتی بنالیں گے بیشک ہم نے کافروں کی مہمانی کو جہنم
لِلْكَافِرِينَ نُزُلًا (١٠٢) قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا (١٠٣) الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ
تیار کر رکھی ہے تم فرماؤ کیا ہم تمہیں بتادیں کہ سب سے بڑھ کر ناقص عمل کن کے ہیں ان کے جن کی ساری کوشش
فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا (١٠٤) أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا
دنیا کی زندگی میں گم گئی اور وہ اس خیال میں ہیں کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں یہ لوگ جنہوں نے اپنے رب
بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا (١٠٥) ذَٰلِكَ
کی آیتیں اور اس کا ملنا نہ مانا تو ان کا کیا دھرا سب اکارت ہے تو ہم ان کے لیے قیامت کے دن کوئی تول نہ قائم کریں گے یہ ان
جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا (١٠٦) إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
کا بدلہ ہے جہنم اس پر کہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیتوں اور میرے رسولوں کی ہنسی بنائی بیشک جو ایمان لائے اور اچھے
الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا (١٠٧) خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا (١٠٨)
کام کیے فردوس کے باغ ان کی مہمانی ہے وہ ہمیشہ ان ہی میں رہیں گے ان سے جگہ بدلنا نہ چاہیں گے
قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ
تم فرما دو اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لیے سیاہی ہو تو ضرور سمندر ختم ہو جائے گا اور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی
جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا (١٠٩) قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ
اگرچہ ہم ویسا ہی اور اس کی مدد کو لے آئیں تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود
فَمَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا (١١٠)
تو جسے اپنے رب سے ملنے کی امید ہو اسے چاہیے کہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے

(بقیہ از صفحہ)

ف ۔ [illegible] سننے سے بہرے اور آیات و نشانات کے دیکھنے سے اندھے ہیں۔

تفسیر عالمانہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ ان کے نفوس کی آنکھیں غفلت کے پردے میں ہیں اسی وجہ سے وہ تو عبرت سے نہیں دیکھ سکتے اور ان کے قلوب حب دنیا اور اس کی شہوات کے پردے میں ہیں اسی لیے وہ عجائب آخرت کو نہیں دیکھ سکتے اور نہ ہی انہیں آخرت کی منزلوں کا پتہ چل سکتا۔ اور ان کے اسرار کی آنکھیں التفات الی الآخرین کی طرف متوجہ ہونے کے پردے میں ہیں۔ اسی وجہ سے شواہد تکوین کا نظارہ نہیں کر سکتے اور ان کی ارواح کی آنکھیں ذکر ما سوی اللہ میں مصروف ہیں اسی لیے وہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات سے محروم ہیں جب کسی بندۂ خدا کی مشاہدۂ حق سے باطنی آنکھیں کھل جاتی ہیں تو ظاہری آنکھوں کو بھی عبرت حاصل کرنے کا موقع نصیب ہوتا ہے اسی طرح باطنی کان کھلتے ہیں تو ظاہری کانوں کو عبرت نصیب ہوتی ہے۔ اسی لیے کہ ظاہری کان باطنی کانوں کے تابع ہیں۔

تائید مسلک اہلسنت باطنی کان کھلنے کی ایک علامت یہ ہے کہ انسان کے ظاہری کان کلام حق اور سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرۃ اولیاء سننے سے خوش ہوتا ہے[1]

(تفسیر آیات سلسلہ گذشتہ)

تفسیر عالمانہ اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا - ہمزہ انکار و توبیخ کا ہے واقع کا انکار اور اس کی قباحت کے اظہار کے لیے ہے جیسے أضربت أباك میں واقع کے انکار کے لیے ہے تو أتضرب أباك میں وقوع کے انکار کے لیے ہے اور فا کا عطف مقدر پر ہے جیسے کہ الذین کے صلہ سے واضح ہوتا ہے جیسا اس وقت ہے جب ہم جزو کو ہر دو معطوفوں میں انکار و توبیخ کے لیے بنائیں اب عبارت یوں ہوگی:

أكفروا بي مع جلالة شأني فحسبوا وظنوا۔ یعنی میری شان کے باوجود میرے ساتھ کفر کرتے ہیں تو کیا انہیں یہ گمان ہے کہ:

اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ وہ بنا لیتے ہیں میرے بندوں کو یعنی ملائکہ کرام، عیسیٰ و عزیر علیہم السلام کو، حالانکہ وہ تو میرے مطیع قسمت اور زیر حکم ہیں۔ مِنْ دُوْنِیْٓ اَوْلِیَآءَ معبود کہ وہ ان کو میرے عذاب سے بچا لیں گے۔

سوال: یہاں پر ولایت کا مفہوم صحیح نہیں ہو سکتا اس لیے کہ اس کا قاعدہ ہے کہ وہ جانبین سے ہو جیسے ہے حالانکہ یہاں انبیاء و ملائکہ علیہم السلام کے لیے ولایت کا انکار ہے کیونکہ وہ تو حق کہتے رہے ہم سبحانك انت ولینا۔

---

[1] المحشر یہ مسلک اہلسنت کی تائید ہے اس لیے کہ کلام اللہ سن کر خوش ہوتے اور بعض قسمت قرآن مجید کی آیات سننے سے گھبرا جاتے ہیں یہ وہ مادہ وہابیہ سماع کے بارے جو سننے سے نہیں گھبراتے لیکن ان کا دل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سننے کے باعث [illegible] اور سیرت اولیاء [illegible] سے تنگ ہو جاتے ہیں

جواب ۱: من یہاں اپنے معنے میں نہیں بلکہ جانب والا ہے سے مستعمل ہوا ہے یعنے کافروں نے ایسے کر رکھا تھا لیکن انبیاء علیہم السلام کا کچھ بھی دخل نہیں تھا۔

جواب ۲: استفادہ کا مفعول ثانی محذوف ہے یعنے انہوں نے اپنے معبودوں کو نافع سمجھ کر معبود بنا رکھا تھا لیکن پہلا مطلب صحیح ہے اس لیے کہ اس معنے میں انا (نا) ہے کہ اس میں جانب ثانی کا کچھ دخل ثابت ہوتا ہے۔ (کذا فی الارشاد)

اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ﴿۱۰۲﴾ ہم نے کافروں کے لیے جہنم کو مہمانی کے طور پر تیار کر رکھا ہے۔ نزل ہر وہ شے جو آنے والے مہمان کے لیے تیار کی جائے۔ اس میں کفار کے ساتھ فبشرھم بعذاب الیم کی طرح تہکم ہے۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ جہنم کے علاوہ بھی انہیں اور عذاب ہوگا جو اس جہنم کا عذاب اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں اور وہ عذاب یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے دیدار سے محروم رکھا جائے گا۔ کما قال تعالیٰ:

کلا انہم عن ربہم یومئذ لمحجوبون ثم انہم لصالوا الجحیم۔ خبردار! بے شک وہ کفار قیامت میں اللہ تعالیٰ کے دیدار سے محروم ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

آیت ہٰذا میں جہنم کے داخلہ کا ذکر ہے کہ اور اللہ تعالیٰ کے دیدار سے محرومیت کو پہلے بیان کرنے میں یہی نکتہ ہے کہ جہنم کا عذاب اللہ تعالیٰ کے دیدار سے محرومی کے عذاب کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نزل یعنے منزل اور ٹھہرنے کی جگہ ہے اب آیت کا معنے یہ ہوا کہ جہاں پر کافر کو لایا جائے گا وہ جہنم ہی ہوگی کہ دوزخ کا عذاب اس کے مقابلہ میں حقیر تر ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت کا مدعی ہوتا ہے تو وہ غیر اللہ کو دوست نہیں بناتا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اور غیر اللہ کی محبت جمع نہیں ہوتی۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کر کے غیر اللہ کو اپنا دوست بناتا ہے تو وہ بعد و فراق اور دیدار الٰہی کی جہنم میں داخل ہوگا۔ بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ محبت الٰہی کا انکار ہے کہ اس کے ساتھ کسی غیر کی محبت ہو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت قطب دائرہ ہے اس کے گرد تمام خیرات گھومتی ہیں۔ اگر یوں کہا جائے کہ یہ تمام کمالات کی اصل ہے تو بجا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کی ایک علامت یہ ہے کہ اس کے اوامر پر عمل اور اس کے نواہی سے احتراز کیا جائے، جیسا کہ بعض مشائخ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس بیان کی جائے اور جن معاملات سے اس نے روکا ہے اس کی عظمت کے پیش نظر ان کا ارتکاب نہ کرنا چاہیے اور جن امور کا حکم فرمایا ہے اس کے جاہ و جلال کے تحت انہیں بجا لایا جائے لہٰذا کافر وہی ہیں جنہوں نے غیر اللہ کی پرستش اور گناہوں میں زندگی ضائع کی بلکہ وہ تو ایک معدوم شے کی عبادت کرتے ہیں۔ معدوم سے مراد ماسوی اللہ ہے اور وہ لوگ جانوروں کی طرح خواب و خور میں مشغول رہتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے ٹھہرنے کی جگہ جہنم بنائی اور وہ بہت برا مقام ہے۔

تو صوفی جو یادِ الٰہی میں مشغول رہتے ہیں اور ریاضات و عبادات میں زندگی بسر کرتے ہیں اور وہ حق کے سوا وہ اور کسی کی عبادت نہیں کرتے۔ ان کا ہر وقت اسی کی عبادت میں گزرتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بہت بڑے درجات اور خلاصی و نجات قربِ الٰہی اللہ کی برکات سے ان کے لیے اعلیٰ مقامات مقرر فرمائے۔

حکایت ایک حربی بادشاہ تھا اسے مسلمانوں نے گرفتار کر لیا اسے شکنجے میں بند کر کے آگ میں ڈال دیا۔ اس سختی میں بھی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ سے عجز و زاری کر کے اسلام کی حقانیت کا اقرار کر لیا۔ اس کی عجز و زاری بارگاہِ حق میں قبول ہو گئی۔ چنانچہ موسلادھار بارش ہوئی جس سے وہ آگ بجھ گئی۔ اس کے بعد تند آندھی چلی جس نے اس بادشاہ کو اڑا کر اپنی مملکت میں پہنچا دیا۔ اس کی رعایا نے دیکھ کر تعجب سے کہا کہ آپ کیسے بچ کر یہاں آ گئے؟ بادشاہ نے کہا میرا بچنا واقعی مشکل تھا لیکن میں نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں گڑگڑایا اور سچے دل سے تائب ہو کر صدقِ دل سے مسلمان ہو گیا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم سے مجھے ایسی سخت آگ سے بچا لیا۔ اس کی رعایا نے اس کا قول سنا وہ مسلمان ہو گئے صرف اسی بنا پر کہ جب وہ کریم اپنے بندوں سے اتنا لطف و کرم رکھتا ہے تو پھر کیوں نہ اس کی توحید کا اقرار کیا جائے۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ اے محبوب! صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیجئے کہ اے کافرو! کیا میں تمہیں خبر دوں بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝ اعمالاً تمیز ہے اور اس کا جمع ہونا اعمال کے مختلف انواع کی وجہ سے ہے۔ اس قسم کے اعمال کے لحاظ سے تمام مخلوق سے بہت زیادہ خسارہ والے ہیں۔

ف: اس آیت میں جو کہ کافروں کے ان نیک اعمال کا بیان ہے جو ان سے صادر ہوتے تھے اور وہ انہیں نیکی سمجھ کر کرتے تھے جیسے صدقہ اور فقراء کو طعام کھلانا اور گردن آزاد کرانا وغیرہ وغیرہ اور وہ نہ صرف انہیں نیکیوں کے وہم و خیال میں تھے بلکہ وہ ان پر نازاں بھی تھے اور انہیں اپنے اعمال کے ثواب ملنے کا پورا یقین اور بھروسہ تھا اور سمجھتے تھے کہ ان کی جزا لازمی ہے۔ اگرچہ فی نفسہٖ وہ اعمال نیک تھے لیکن ان کے برے عقائد کی نحوست سے انہیں ثواب کی بجائے عذاب نصیب ہوگا۔

الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ یہ سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایسے لوگوں کا اظہار کیسے ہوگا تو ان کے جواب میں فرمایا کہ وہ لوگ ایسے ہیں کہ ان کی تمام جد و جہد بیکار اور ضائع ہوگی یعنی وہ اعمال اگرچہ فی نفسہٖ صالح تھے لیکن ساتھ کے ساتھ اکارت اور ضائع ہو گئے۔ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا یہ ضلّ کے نہیں بلکہ سعی کے متعلق ہے اس لیے کہ سعی کا بطلان دنیا سے مخصوص نہیں بلکہ آخرت میں بھی ان کی سعی غیر صحیح ہے۔ وَهُمْ یہ ضلّ سے حال واقع ہے۔ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۝ ان کا گمان تھا کہ یہ اعمالِ صالح انہیں آخرت میں نفع دیں گے۔ الاحسان عمل کو حق کے مطابق کما حقہ بجا لانا ایسا ہی صنعت ہے جو حسن والی ہو۔ ستم یہ ہے کہ جو حق کے مطابق اعمالِ صالح بجا لاتے ہیں اور انہیں اپنے عمل پر ناز بھی تھا اور ان کے لیے محنت بھی کرتے تھے۔

ازالۂ وہم: بعض لوگ مثلاً مرزائیوں، یہودیوں، نصرانیوں، عیسائیوں، ہندوؤں و دیگر مذاہب کے اعمالِ صالحہ کو

ریاکار سمجھتے ہیں کہ اتنا بہت نیک عمل کر کے ہماری عبادت بڑی مقبول ہے انہیں صاحب روح البیان کی تحقیق ذیل غور سے پڑھنی چاہیئے ۱؎

آیت میں اشارہ ہے کہ اہل ہوا اور اہل بدعت ۲؎ اور اہل ریا کے اعمال بھی ضائع ہیں۔ اس لیے کہ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ ریا کی ملاوٹ عمل شرک خفی ہے اور شرک اعمال کو ضائع کر دیتا ہے۔

کما قال تعالٰی :

لئن اشرکت لیحبطن عملک ۔ اگر تم شرک کرو گے تو تمہارے اعمال حبط ہو جائیں گے۔

اہل بدعت سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے اسلام میں نئے نئے عقائد گھڑ لیے ہیں ان کے اعمال بھی اسی لیے ضائع ہو جائیں گے کہ وہ اپنے گندے عقائد کی وجہ سے اعمال کو ریا کے طور پر بجا لاتے ہیں۔ اسی لیے ان کے گندے عقائد اور ریا کا وبال اسی کی طرف لوٹے گا خلاصہ کلام یہ کہ ہر وہ عمل جو کفر کو مستلزم ہو اس سے وہ عمل ضائع ہوتا ہے اگرچہ وہ عمل فی نفسہٖ نیک ہو اور اگر وہ عمل جو شرک خفی کو مستلزم ہو تو وہ عمل بھی ضائع ہوگا۔

سبق جس کی طاعت میں قبل ازیں یا بعد کوئی وہ طاعت ہے صرف اس استلزام کی وجہ سے جو طاعت کے منافی ہے تو پھر اس کا کیا حال ہوگا جس کا عمل فی نفسہٖ معصیت ہو اور وہ اپنے خیال میں اسے طاعت سمجھے۔ خلاصہ یہ کہ اہل ریا و سمعہ و اہل بدعت اور لوگوں کے ساتھ احسان و مروت کر کے ان پر احسان منت و شکر کا طالب اسی طرح وہ راہب جو گرجوں میں بیٹھ کر عبادت الٰہی میں بیٹھے ہوئے اور ریاضات شاقہ سے طاعت الٰہی بجا لا رہے ہیں ان سب کے اعمال اکارت اور ضائع ہیں۔

گرت بیخ اخلاص در بوم نیست
ازیں در کسے چون تو محروم نیست
کرا جامہ پاک است و سیرت پلید
در دوزخش را نباید کلید

ترجمہ : اگر تیرے اعمال میں اخلاص نہیں تو یقین کر کہ تیرے جیسا اور کوئی محروم نہیں۔ جس کا ظاہری لباس پاکیزہ ہو اور باطن پلید ہو تو اسے دوزخ میں جانے کے لیے چابی کی ضرورت نہیں۔

۱؎ اللہم اجرنا منہم۔

۲؎ دور حاضرہ میں لوگوں نے اہل جماعت یعنی ہم اہل سنت کو بدعتی کہا ہے حالانکہ درحقیقت وہی لوگ خود اہل بدعت ہیں۔ اس کی تفصیل فقیر کی کتاب "المعتمد فی البدعۃ" میں ہے۔ (اویسی)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا:

خارجیوں کی مذمت

خارجیوں کا بھی یہی حال ہے جیسے آیت میں مذکور ہوا۔ اور خارجیوں سے وہی گروہ مراد ہیں جنھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی تھی۔ (کذا فی الجمل)

خارجی وہی ہیں جو کوفہ میں رہتے تھے اور بہت بڑے عابد زاہد تھے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت پر بغاوت کی جب انھوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کے لیے حکم مقرر فرمایا تو انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کفر کا فتویٰ صادر کیا کہ انھوں نے غیر اللہ کو حکم کیوں بنایا۔ غیر اللہ کو حکم ماننا ان کے نزدیک کفر تھا اور دلیل میں یہی جملہ پیش کیا کہ ان الحکم الا للہ یعنی حکم صرف اللہ کا ہے۔

وہ بارہ ہزار آدمی تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مخالفت کر کے اپنی حکومت کا جھنڈا کھڑا کیا اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے بے شمار افراد کو قتل کیا اور ان کے مال لوٹے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ انھیں اپنی جماعت میں واپس لانے کی دعوت دی لیکن وہ نہ مانے بلکہ اعلانِ جنگ کر دیا۔ نہروان کے مقام پر حضرت علی سے جنگ کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سب کو قتل کر دیا ان میں کچھ بچ گئے۔

ان کے متعلق حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یخرج قوم من امتی یحقر احدکم	میری امت میں ایک قوم پیدا ہو گی جن کے مقابلہ میں تم اپنی
صلاتہ فی جنب صلاتہم وصومہ	نماز روزے کو بہت حقیر سمجھو گے لیکن ان کے بہت بڑے
فی جنب صومہم ولکن لا یجاوز ایمانہم	عابد و متقی ہونے کے باوجود ان کا ایمان ان کے گلے سے
تراقیہم۔	نیچے نہیں اترے گا۔
الخوارج کلاب النار	خارجی جہنم کے کتے ہیں۔

(کذا فی شرح الطریقۃ)

؎ : خارجیوں نے موجودہ دور میں کئی مذہب بدلے ہیں بالآخر ان کا آخری گروہ دجال کے ساتھ مل جائے گا۔ ان کے کئی گروہ ہیں۔ اور وہ ہمارے زمانے میں بھی موجود ہیں۔

نجدی، وہابی، دیوبندی، مودودی اور تبلیغی فرقے انہی خوارج کی شاخیں ہیں۔ تفصیل فقیر کی کتاب ۱۰۰ وہابی دیوبندی کی گستاخیاں مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی [illegible] میں ہے۔

(اویسی غفرلہ)

أُولٰٓئِكَ وہ لوگ ہیں کہ اوصاف مذکورہ جن کے ہیں ان کے دنیاوی اعمال صالح اکارت گئے اگرچہ وہ اس گمان میں تھے کہ ان کے وہ اعمال انہیں آخرت میں بہت بڑا فائدہ دیں گے۔ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ وہ ہیں جو اپنے رب کی آیات کے منکر ہیں۔ یہاں آیات سے وہ دلائل مراد ہیں جن سے عقلاً و نقلاً توحید الٰہی کا ثبوت ملتا ہے۔ وَلِقَآئِهٖ اور خدا تعالیٰ کے دیدار کا بھی انکار کرتے ہیں جس سے قیامت اور آخرت کے تمام امور مراد ہیں۔ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ تو ان کے تمام اعمال صالحہ بالکل ضائع ہوں گے۔ اور پھر انہیں قیامت میں کسی قسم کا ثواب نہ ملے گا۔ فَلَا نُقِیْمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَزْنًا ○ جن کافروں کے اعمال صالحہ برباد ہو جائیں گے ان کی قیامت میں ذرہ برابر بھی کسی قسم کی قدر و قیمت نہ ہوگی یعنی ان کو ایسا حقیر تر سمجھا جائے گا کہ وہاں بار بھی ان کو عزت نصیب نہ ہوگی بلکہ اس وقت ذلیل و خوار ہوں گے اس لیے قیامت میں عزت نصیب نہ ہوگی بلکہ اس وقت ذلیل و خوار ہوں گے اس لیے قیامت میں عزت و احترام کا دارومدار اعمال صالحہ پر ہوگا اور وہ قیامت میں ضائع ہو جائیں گے پھر عزت و مرتبہ کیسا۔ یاد رہے کہ یہاں ذلت و خواری تو اعمال صالحہ کے حبط پر ہوگی اور ان کے کفر کا بدانجام بیان آگے آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حدیث شریف حدیث شریف میں ہے کہ قیامت میں طویل القامت کافر اور خود و آسائش کا دھنی جس کی مکھی کے پر کے برابر بھی عزت نہ ہوگی یعنی اس کے کفر اور اپنے اعمال پر اترانے کی خباثت کی وجہ سے اسے عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جائے گا اس کی دلیل میں آپ نے یہ آیت پڑھی:

فلا نقیم لھم یوم القیمۃ وزنا

یعنی ان کے اعمال کے وزن کے لیے ترازو رکھا بھی نہیں جائے گا اس لیے کہ ترازو تو اہل توحید کے اعمال صالحہ و سیئہ کے امتیاز کے لیے مقرر ہے تاکہ ظاہر کیا جا سکے کہ کفر و ایمان کے درمیان کیا فرق ہے اور اہل کفر کے اعمال کا وزن کیا ان کے تو اعمال کفر کی وجہ سے ضائع ہو گئے اس لیے ان کے وزن کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قیامت میں شخصیات اور ان کے اعمال کو ترازو صدق اخلاص کی وجہ سے رکھا جائے گا جس کا صدق و خلوص زیادہ ہوگا اس کے اعمال کا ثواب زیادہ ہوگا اور جس کے اعمال میں صدق و خلوص نہ ہوگا اسے کسی قسم کا ثواب نہ ہوگا بلکہ اس کے تمام اعمال بے کار ہو جائیں گے۔ چنانچہ فرمایا،

فجعلناہ ھباء منثورا

یعنی ہم اسے اڑتی ہوئی غبار کی طرح بنا دیں گے جیسے اڑتی ہوئی غبار کی کوئی حیثیت نہیں ایسے ہی ان کے اعمال کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوگی۔

تفسیر عالمانہ ذٰلِكَ وہ امر یہی ہے کہ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ ان کی جزا جہنم ہے۔ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰیٰتِیْ وَرُسُلِیْ هُزُوًا ○ بسبب اس کے کہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیات

اور بعض رسل کرام سے بھی مذاق کیا کرتے جن پر انھیں ایمان لانا ضروری تھا لیکن انھوں نے ایمان کے بجائے کفر کیا۔

سوال: یہاں یستہزءون کے بجائے مستہزءون ہونا تھا کیونکہ مستہزئ مسند ہے!

جواب: بطور مبالغہ کے کہا گیا ہے گویا ان کی مسخری اس حد تک پہنچی کہ گویا ان کا یہ فعل مستہزءا کا عین ہو گیا۔ یا یہاں پر لفظ کانوا محذوف ہے یہ اصل میں کانوا مستہزئین تھا۔

علماء کرام کی عزت و احترام

علماء کرام رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہیں۔ اس لیے کہ ان کے علوم حضرات انبیاء علیہم السلام کے علوم سے مستفید ہیں۔ اس لیے ان کی عزت و احترام لازمی اور ضروری ہے اور ان کے ساتھ ٹھٹھا مذاق کرنے والوں کا ویسا ہی حال ہوگا جیسے ابوجہل وغیرہ کی حالت خراب ہوئی ہے کیونکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ٹھٹھا مذاق کرنا ابوجہل کا کام تھا چنانچہ دو حکایتیں ہم یہاں پر لکھ دیتے ہیں۔

کن کذالک کا معجزہ

ابوجہل حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چل کر آپ کی نقل اتارتے ہوئے کسی وقت آگے چلتا تو کسی وقت منہ چڑاتا تھا ایک دفعہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے مڑ کر اسے دیکھ کر فرمایا۔

کن کذالک: اسی طرح ہو جا۔

چنانچہ پھر وہ مرتے دم تک منہ بگاڑا اور ناک چڑھاتا رہا۔

معجزہ جیسی کرنی ویسی بھرنی

ایک دفعہ ابوجہل نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور کی طرف تھوکا تو اس کا اپنا تھوک لوٹ کر اسی کے چہرہ پر پڑی تو اس کی نحوست سے تا دم زیست برص میں مبتلا رہا اور اسی کے حق میں نازل ہوا۔

و یوم یعض الظالم علیٰ یدیہ

یعنی قیامت میں جہنم کے اندر ایک (ابوجہل) اپنا ہاتھ کہنی تک چبائے گا پھر دوسرے کو کاٹنے لگے گا تو پہلا ہاتھ ٹھیک ہو جائے گا۔ اسی طرح حالت دونوں ہاتھوں سے اس کو ابد تک رہے گی۔ کذا فی تفسیر الحسینی

مذاق کرنے والوں کا حشر

حدیث شریف میں ہے کہ مذاق کرنے والوں کو قیامت کے دن دوزخ سے نکال کر بہشت کے دروازے کی طرف لایا جائے گا جب وہ دروازہ بہشت کے قریب آئیں گے تو ان سے بہشت کا دروازہ بند کر دیا جائے گا۔ پھر اس سے جہنم کی طرف لایا جائے گا جو جہنم میں ہے۔ (کذا فی الطریقہ)

اے اللہ! ہمیں حبیب پاک کے صدقے ان سے بچا جو مذاق کرتے رہتے ہیں اور ہمیں ان اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرما جن کی قرآن مجید میں تعریف کی گئی ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۔ بے شک وہ لوگ جو دنیا میں مومن اور نیک اعمال کرنے والے ہیں۔ ان سے وہ اعمال مراد ہیں جو خاص اللہ تعالیٰ کے لیے کیے جائیں۔ كَانَتْ لَهُمْ ۔ ہیں ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے علم میں۔ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ فردوس کے باغات۔ فردوس اس باغ کو کہا جاتا ہے جس میں انگور کے درخت بہت زیادہ ہوں۔

ف: قاموس میں لکھا ہے کہ فردوس وہ باغ ہے جس میں ہر قسم کے درخت پائے جائیں۔ یہ عربی لفظ ہے یا رومی زبان سے منتقل ہو کر عربی میں مستعمل ہوا ہے یا سریانی لغت کا لفظ ہے۔

نُزُلًا ۝ یہ کانت کی خبر ہے اور لہم جار مجرور فعل محذوف کے متعلق اور نزلا سے حال ہے اور نزل بمعنی منزل ہر وہ شے جو آنے والے مہمان کے لیے تیار کی جائے یعنی جنات الفردوس ایسی منزل ہے جو بوصف اہل ایمان اور نیک لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے یا جنات الفردوس کے ثمرات ان لوگوں کے لیے تیار کیے گئے ہیں یا بطور مبالغہ یہی جنات الفردوس ان لوگوں کو اعمال کے عوض پیش کیے جائیں گے۔

حدیث قدسی شریف اسی کے مطابق حدیث قدسی میں وارد ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے فرمایا کہ میں نے نیک بندوں کے لیے وہ نعمتیں تیار فرمائی ہیں کہ جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی کے تصور میں آ سکتی ہیں۔ یہ بطور جزا عطا فرمائی جائیں گی۔ اس سے کاشفی نے دیدار الٰہی مراد لیا ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

نعمت فردوس زاہد را و ما را روئے دوست
قیمت ہر کس بقدر ہمت والائے اوست

ترجمہ: زاہد کو نعمت فردوس اور دوست یعنی اللہ کا دیدار چاہیے اور ہر ایک وہی چاہتا ہے جو اس کی ہمت ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

ہست جنت ہشت دوزخ ہفت پیش من
ہست پیدا ہمچو بت پیش شمن

ترجمہ: آٹھ جنتیں اور سات دوزخ میری نگاہ میں وہ بت ہیں جیسے بت پرست کا بت ہوتا ہے۔

ملفوظ بایزید بسطامی قدس سرہ اسی مقام پر حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ نے فرمایا کہ قیامت میں اگر اللہ تعالیٰ مجھے بہشت اور اس کی نعمتیں عطا فرمائے گا تو میں سمجھوں گا کہ میں عذاب میں مبتلا کر دیا گیا ہوں۔ وہ اصل میرے لیے جنت اعلیٰ صرف دیدار الٰہی اور وصال حق ہے اور ہجر و فراق سے بڑھ کر کوئی اور عذاب نہیں ہے۔

بعد روشب غصہ و خونابی خوردم چوں تمام
چوں ز دیدار تو دورم چہ باغم دل شاد

ترجمہ: مدت دراز میں غصہ سے خون پیتا رہا ہوں اور ان کے گھونٹ پی رہا ہوں جب تیرے دیدار سے دور ہوں تو پھر مجھے خوشی کا ہے کی۔

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا یہ حال مقدرہ ای مقدرین الخلود فی تلک الجنات یعنی ان باغات میں ہمیشہ رہیں گے **لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ۝** یہ معنی کی طرف منسوب ہے اور خالدین کے ضمیر کا حال ہے یعنی وہ لوگ جنت کے باغات سے کہیں دوسری جگہ منتقل ہونے کا نام تک نہ لیں گے جیسے ہمارا کسی جگہ سے اکتا کر دوسری جگہ منتقل ہونے کا پروگرام بنتا ہے لیکن اہل بہشت کو جنت الفردوس میں ایسا کبھی نہ ہوگا جسے کہ وہاں سے منتقل ہونے کا خیال تک نہیں آئے گا اس لیے کہ وہاں انہیں مطلب کی ہر شے ملے گی اور ہر آن خوشی ہی خوشی ہوگی۔

ف: امام فخر الدین نے اپنی تفسیر میں فرمایا ہے کہ جنت الفردوس کے بہتری اوصاف سے کہا جاتا ہے اس لیے کہ انسان دنیا میں سعادت کے جس مرتبے کو حاصل کرتا ہے وہ کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو وہ اس سے اور آگے بڑھنے کی جدوجہد کرتا ہے لیکن جنت الفردوس میں اس کی تمام امنگیں پوری کر دی جائیں گی جن کی وجہ سے جنتیوں کو کوئی استدعا نہ ہوگی۔

ف: الشیخ نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ یہ جملہ خالدین فیها کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے کہ انہیں بہشت میں ایسا خلود نصیب ہوگا کہ وہاں سے منتقل ہونے کا تصور تک بھی نہ کر سکیں گے اور فرمایا کہ فردوس سے وہ جنت اور منزل مراد ہے کہ بہشت میں اس سے کوئی اور جگہ حسین تر ہے نہ بلند تر۔ اسے سرۃ الجنۃ (جنت کی ناف) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حدیث شریف (۱) بہشت میں ایک سو درجات ہیں ہر دو درجے کے درمیان زمین و آسمان کے درمیان فاصلے جتنی مسافت ہے۔ الفردوس ان تمام درجات کے اوپر ہے اسی سے بہشت کی چاروں نہریں نکلتی ہیں اسی جنت الفردوس کے اوپر عرش معلیٰ ہے۔ اے مسلمانو! تم اللہ تعالیٰ سے بہشت کا سوال کرو تو اس سے جنت الفردوس کو طلب کرو۔

حدیث شریف (۲) الفردوس کے چار باغات ہیں دو باغات چاندی کے ہیں یعنی ان کے برتن چاندی کے ہیں اور ان کی ساخت بھی چاندی کی ہے اور دو سونے کے یعنی ان کے برتن اور ان کی ساخت سونے کی ہے۔

ف: تبیان میں مرقوم ہے کہ جنت الفردوس کو اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور دنیوی دنوں کی مقدار کے مطابق روزانہ اسے نماز عصر سے فارغ ہونے پر فرماتا ہے کہ اے فردوس! میرے محبوب بندوں کے لیے حسن و جمال، زینت اور خوشبو میں اضافہ کیجئے۔

حدیث شریف (۳) حدیث شریف میں ہے کہ اسے ہر روز پانچ بار کھولا جاتا ہے۔

ف: فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ بیان اور روایت بالا میں بظاہر تناقض معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں کوئی تناقض

نہیں اس لیے کہ بیان کی روایت میں تفصیل اور روایت ثانیہ میں اجمال ہے وہ اس لیے کہ چار ہی نمازیں اگرچہ پانچ ہیں لیکن در اصل ترتیب معراج پچاس ہی فرض ہوئی تھیں ثواب پچاس ہی نمازوں کا ثواب ملتا ہے جیسا کہ بحث معراج میں ہم نے بیان کیا ہے۔

حدیث شریف (۴) اللہ تعالیٰ نے جنۃ الفردوس کے باغات بلا واسطہ اپنے دست قدرت سے بنائے اور فرمایا کہ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم کہ اس میں شرابی اور دیوث (بے غیرت) داخل نہیں ہوگا عرض کی گئی یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دیوث کون ہے؟ آپ نے فرمایا دیوث وہ ہے جو اپنے اہل و عیال کے زنا و فواحش پر راضی ہو۔ (کذا فی تفسیر الصاوی)

تفسیر بحر العلوم میں ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف (۵) اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ جنۃ الفردوس کا میدان بچھا کر اس پر محلات تیار فرمائے اس کی اینٹ خالص سونے کی لگائی گئی اور اس پر مشک خالص لگائی گئی اور اس میں پاکیزہ اور بہترین باغات لگائے گئے اور بہترین خوشبودار پھول تیار کیے گئے اور اس میں بہترین نہریں جاری کی گئیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے عرش معلیٰ سے جنت کو نظر رحمت سے نوازتے ہوئے فرمایا کہ تجھ میں شرابی اور زانی داخل نہیں ہوں گے۔

سوال: فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ اگر کوئی کہے کہ جب جنۃ الفردوس متقین حضرات کے لیے مخصوص کی گئی ہے تو پھر اعمال صالحہ کے مراتب خاصہ عامہ کا امتیاز کس طرح ہوگا؟

جواب: اعمال صالحہ اور ایمان سے وجہ الکمال پر جنۃ الفردوس کے مراتب کا ترتیب ہوگا مثلاً جس نے پہلے تو ایمان دلیل برہانی سے قبول کیا پھر اسے مشاہدہ نصیب ہو گیا اور باطن کو صاف کر کے ظاہری احکام کو شرائط کے مطابق بجا لایا جیسے جس طرح شریعت کا حکم ہے ویسے ہی پابندی کر کے مخصوص طور پر عبادت کی استقامت و طریقت کا بھی مد نظر رکھا۔ ایسے لوگ جامع الایمان والاعمال الصالحہ کہلاتے ہیں انہیں میں آمر بالمعروف اور ناہی عن المنکر بھی داخل ہیں۔ حضرت کعب نے اپنی تفسیر میں یہ تحقیق فرمایا ہے۔ اس لیے کہ کسی کو نیک راہ پر لگانا اور برائی سے روکنا بھی بہت عمدہ عمل ہے اور اس کا عامل اونچے لوگوں سے شمار ہوتا ہے۔

ف: جیسے والذین کفروا الخ میں کافروں کے سب سے بدترین گروہ کا بیان تھا اب اہل ایمان کے اعلیٰ ترین لوگوں کا ذکر ہوا۔ تعرف الاشیاء باضدادھا کے مطابق متضاد امور سے شے کی بلندی و پستی کا علم ہوتا ہے۔

ف: یہاں سے مراد رؤیت ہے اس لیے کہ انسان پہلے آیات پڑھتا ہے اس کے بعد اسے علم اور غیب و آثار الٰہیہ اور شہادت اور امور سے ترقی نصیب ہوتی ہے جیسا کہ اس کے بعد مضمون "فمن کان یرجوا" الخ سے واضح ہوتا ہے۔ (فافہم۔ واللہ اعلم)

ہم اللہ تعالیٰ سے فردوس بلکہ اس کے تجلیات جمالیہ اور کاسات جلالیہ کی لذت کا سوال کرتے ہیں۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا:

گدائے کوئے تو از ہشت خلد مستغنیست
اسیر عشق تو از ہر دو کون آزاد ست

ترجمہ: تیرے در کا گدا آٹھوں بہشتوں سے بے پرواہ ہے تیرے عشق کا قیدی دونوں جہانوں سے آزاد ہے۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ اے محبوب! صلے اللہ علیہ وسلم فرمائیے کہ جو سمندر یا کوئی پانی۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ اس سے وہ دریا مراد ہے جو روئے زمین کو گھیرے ہوئے ہے اور بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے تمام دریا مراد ہیں۔

مِدَادًا یعنے نقش۔ مداد ہر وہ شے جس سے حروف لکھے جاتے ہیں یعنی سیاہی۔

شان نزول: یہود نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کیا کہ تمہارا قرآن کہتا ہے:

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا جسے حکمت عطا ہوئی ہے اسے خیر کثیر عطا ہوئی ہے۔

اس کے باوجود پھر کہتا ہے:

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا تم تھوڑا سا علم دیئے گئے ہو۔

ان سے ان کا مقصد یہ ہے کہ قرآن میں تعارض ہے کہ وہ ہم یہودیوں کو قلیل کہتا ہے اس کے باوجود قرآن سے سوال ! یہی سوال کرتے جو اس کے جواب میں بتایا گیا کہ تم اہل اسلام جتنا کچھ جانتے ہو اللہ تعالیٰ کے علم و کمال اور علم کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے ؎

علم ما تو بحسب نقش قطرہ
این چو خورشید است و انہا ذرہ
گر کسے در علم مسلم لقمان بود
پیش علم کاملش نادان بود

ترجمہ: جمیع علوم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں ایک قطرہ ہیں اس کے علوم اسی طرح ہیں جیسے سورج کے مقابلے میں ذرہ۔ اگر کوئی لقمان کی طرح علم والا ہو تب بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے نادان ہے۔

اس لیے کہ اگر تمام دریا سیاہی ہو جائیں۔ لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ میرے رب تعالیٰ کے علم و حکمت کے کلمات کے لیے یعنی اس کے معلومات و حکمتوں کو لکھنے کے لیے سیاہی کے پانی اسے ہی بنا کر لکھے جائیں۔

ف: تفسیر التاویلات میں ہے کہ معلومات ربی سے اس کی کلمات مراد ہیں جو اس کی حکمتیں ہیں ان کے عجائبات لکھے جائیں۔ کلمات سے اس کی تجلیات مراد ہیں۔

لَنَفِدَ الْبَحْرُ تو تمام دریاؤں کے پانی ختم ہو جاتے گے یعنی باوجود یہ کہ دریا کثرت میں ہیں ان کا پانی ختم ہو جائے گا پہلے کہ کلمات

ہو جائیں گے ختم ہو جائیں گے اس لیے کہ دریا کا پانی اجسام میں ہے اور ہر جسم متناہی ہے۔ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ پہلے اس کے کہ میرے رب کے کلمات یعنی اس کے معلومات و حکمتیں ختم ہوں اس لیے کہ اس کے علم کی طرح وہ بھی غیر متناہی ہیں۔

سوال: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کلمات رب تعالیٰ متناہی ہیں حالانکہ وہ متناہی نہیں؟

جواب: اس کلام سے دریاؤں کے متناہی ہونے کا افادہ مطلب ہے وہ ان کا متناہی ہونا کلمات ربی کے متناہی ہونے کو مستلزم نہیں۔

سوال: کلمات جمع قلت ہے حالانکہ یہاں جمع کثرت لانا چاہیے تھا یعنی کلم وغیرہ کہنا تھا؟

جواب: تاکہ تنبیہ ہو جائے کہ جب دریاؤں کا پانی اس کے چند کلمات کا احاطہ نہیں کر سکتے تو ان کا اس کے جملہ کلمات سے مقابلہ کیسے ہو سکتا ہے۔ (کذا فی بحر العلوم)

سوال: ابو القاسم القشیری نے رسالہ قشیری میں فرمایا کہ کلمات جمع کیوں کہا گیا حالانکہ اللہ تعالیٰ کا کلام تو ایک ہے یعنی اس کی صفت کلام جو قدیم ہے وہ ایک ہے۔

جواب: اس سے اس کے معانی مراد ہیں اور اس کے کلام کے معانی لا نہایۃ ہیں اور قاعدہ ہے کہ صفات قدیم کے متعلقات بھی قدیم ہیں اسی لیے ناصر بیان فعل کیا گئے کہ ہر وہ کلام جو قرآن مجید میں واقع ہے اس سے وہی مراد ہے اس معنے پر روح انسانی کو وہ قدیم مانتے ہیں اس لیے کہ وہ امر تعالیٰ سے ظاہر ہوا اور اسی کی طرف لوٹے گا۔

حالت زار فقیر اسماعیل حقی کہتا ہے کہ میں نے اپنے بعض معاصرین کو دیکھا کہ وہ اپنے آپ کو محققین کہلاتے ہیں اور کلام الٰہی کی تحقیق میں کئی طرح کے پیچ کھاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے تحقیق کی انتہا کر دی لیکن اپنی تحقیق کو قصہ بنا بیان کرتے ہیں بھی تصریح نہیں یعنی ساتھیوں (تابعین) کو عرض کرتا ہوں کہ ایسے غلو قسم کے محققین سے بچ کر رہو اس لیے کہ یاد لوگوں نے پہلے فلسفیوں کے مذہب زندہ کرنے کی ٹھانی ہے لیکن اسلام نے ایسی باتوں سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے اگرچہ ان کی بعض باتیں اچھی ہیں لیکن بعض میں بایں کرشمہ کبھی اپنا نقصان کر بیٹھتا ہے اور جب باتیں ہی ایسی ہو جاتی ہیں جو سے پہلے (اسلاف) سے کسی قسم کا واسطہ نہیں ہوتا۔

وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ۝ اگرچہ ہم اس جیسے دریاؤں کی مثل اور مدد لائیں۔

ف: یہ شرط ہے کہ اگر ہم مدد کے طور پر اسی جیسا اور لائیں۔ مددا تمیز ہے زیادہ کرنے کے بعد مدد کے تو بھی دریاؤں کی سیاہی ختم ہو جائے گی لیکن حق تعالیٰ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے اس لیے کہ کلمات الٰہی غیر متناہی ہیں۔ اس معنے پر اس کی جزا محذوف ہوگی اسی لیے کہ حرف لَوْ اول کی جزا اس پر دلالت کرے گی اور یوں بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی اصل عبارت یوں ہو کہ:

ولو جئنا بمثله مددا ما نفدت كلمات الله

یہی مضمون قرآن اور آیت میں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ولو ان ما فی الارض من شجرة اقلام والبحر يمده من بعده سبعة ابحر ما نفدت

معلومات اللہ ہے

نیز اس میں دریاؤں کے ختم ہونے اور اللہ تعالیٰ کے کلمات کے غیر متناہی ہونے کی تصریح ہے اگرچہ اس میں کلام بڑھ جاتا ہے لیکن مقصد کے قریب تر یہی زیادہ مناسب ہے۔ (کذا فی ابو السعود)

ف: الارشاد میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لو جئنا الخ کا جواب حذف فرمایا ہے اس کلام میں داخل نہیں بلکہ تحقیق کے طور پر کلام کے مضمون کو پختہ کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔ ولو (واؤ) عاطفہ ہے۔ جملہ کا ایسے ہی جملہ پر عطف کیا گیا ہے یعنی کلمات الٰہی بالکل ختم ہونے والے نہیں اگرچہ دریاؤں کے پانی کی مثل اور دریا بھی لائے جائیں یعنی اگرچہ ہم اپنی قدرت کاملہ سے ان دریاؤں کی مثل اور بھی بطور مدد کے پیدا فرمادیں تو سب ختم ہوجائیں گے لیکن کلمات الٰہی غیر متناہی ہیں بلکہ جس عالم میں ہیں اگر وہ ختم ہوں گے لیکن کلمات الٰہی کا انتہا محال ہے اس لیے کہ تمام ممکنات اجسام ہیں اور دلائل قطعیہ سے ثابت ہوچکا ہے کہ تمام کائنات کو فنا ہے اور صفات الٰہی کو بقا۔

سوال: اگر تم کہتے ہو کہ اللہ قادر علی مقدورات غیر متناھیۃ ہو سکتے ہو۔ حدوث ما لا نہایۃ لہ محال یعنی یہ کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ مقدورات غیر متناہیہ پر قادر ہے جو ہو سکتے ہیں اور لا انتہا شے کا حدوث محال ہے۔ یہ دو متضاد عقیدے کیوں؟

جواب: قادریت حق کا معنی یہ ہے کہ اس کی قدرت کی کوئی حد نہیں کہ ہم کسی کے لیے کہا جاتا کہ اس کے بعد ایجاد ہوگی۔ (کذا قال العلامہ) یعنی اس سے ممکنات کی تناہی کا لزوم نہیں آتا۔

ف: فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ میرے شیخ اور پیر و مرشد قدس سرہ نے اپنی بعض تحریرات میں لکھا کہ کلمات سے اللہ تعالیٰ کا علم و حکمت ظاہرہ مراد ہے یعنی وہ کلمات جنہیں اللہ تعالیٰ کی صفات اور جن سے حکمت الٰہی کا تعلق ہوتا ہے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس میں جو لفظ قل وارد ہے اس کا حقیقی معنی مراد نہیں۔ بلکہ اس سے مقصد یہ ہے کہ دریاؤں کے پانیوں کا ختم ہونا ممکن ہے لیکن کلمات الٰہی کا ختم ممتنع ہے۔

سوال: یہاں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ ہم کہتے ہیں کہ کلمات سے معلومات محدود و مقدورہ ہیں جیسے ممکنات موجودہ ہیں تو یہ قاعدہ حقیقہ کے خلاف ہے اس لیے ماسوا ممکنات کو فنا ہے لیکن متشابہات تو نہیں اور وہ معلومات میں داخل ہیں اس سے لازم آیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معلومات میں ہیں اور ان کو فنا ہے۔ اس سے معاذ اللہ اللہ تعالیٰ پر جہل و غفلت کا الزام بھی آتا ہے اور وہ اس سے منزہ و مقدس ہے اور اس کے لیے ایسے تصورات ذہن میں لانا بھی کفر ہے۔

جواب: پہلے اس آیت کا مفہوم ذہن میں رکھئے یہاں عرض کیا گیا ہے کہ دریاؤں کے پانی اگر سیاہی ہوں تاکہ اگر کلمات الٰہی لکھنا شروع کی جائے تو دریا کے تمام قطرات ختم ہوجائیں گے یہاں تک کہ اس کے بعد ایک قطرہ بھی باقی نہ ہوگا کہ جس سے لکھا جائے اس لیے

لہ۔ سورۃ لقمان، رکوع ۳۔

کہ دریاؤں کے قطرات تو متناہی ہیں اور صفات باری تعالیٰ غیر متناہی ہیں اگرچہ اس طرح کے سات اور دریا سے کلمات الٰہی لکھے جائیں۔ تب بھی وہ پورے نہ ہو سکیں گے کیونکہ قطرات دریا ختم ہو جائیں گے اور صفات باری تعالیٰ غیر متناہی ہیں اس لیے وہ ختم نہ ہوں گے۔ اسی مقصد سمجھنے کے حساب اصل جواب سمجھئے وہ یہ کہ صفات سے مطلق صفات مراد لے جائیں یعنی وہ اشیاء کہ جن سے اللہ تعالیٰ کے علم کا تعلق ہے خواہ وہ ذات باری تعالیٰ ہو یا اس کے صفات و اسماء یا اس کے ماسوا موجودات ممکنہ ہوں یا معدومات ممتنعہ۔ اس طرح سے نقض سوال کا جواب حاصل ہوا۔ اگرچہ وہ اعتراض باقی رہا کہ ممتنعات اللہ تعالیٰ کے علم میں نہیں اس سے نقض سوال کا طول ہے جو علم کو ممتنعات سے تعلق رکھتی ہے اور نقض سوال کا جواب یہی ہوا کہ صفات باری تعالیٰ غیر متناہی ہیں اور یہ بھی کلمات سے وہی صفات مراد لیے ہیں کہ جنہیں اللہ تعالیٰ کے علم سے تعلق ہے خواہ ان پر صفات کا اطلاق ہو یا نہ ہو جیسے ذات وصفات باری تعالیٰ یا دیگر وہ معلومات ہیں لیکن ان پر صفات کے بجائے کلمات کا اطلاق ہوتا ہے ہماری اس تقریر سے معلوم ہوا کہ کلمات کی تفسیر معلومات کے بجائے مخلوقات و مقدورات سے کی جائے تو بہتر ہے تاکہ نقض کا مذکورہ بالا اعتراض وارد نہ ہو۔ ویسے کلمات کو جب رب تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا تو اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ کلمات سے مخلوقات و مقدورات مراد ہیں۔

سوال: کلمات کو مخلوقات سے تعبیر کرنا صحیح نہیں کیونکہ کلمات الٰہی مخلوقات نہیں؟

جواب: مخلوقات کو کلمات سے تعبیر کرنا تسمیۃ المسبب باسم السبب کے قبیل سے (مجازاً) ہے اس لیے کہ وہ کلمہ کن سے بنے ہیں۔ کما قال تعالیٰ:

انما امرہ اذا اراد شیئا الخ

خلاصہ یہ کہ دریاؤں کا پانی ختم ہو کر امر واقعی یا فرضی ایک کائی امر اور مطلقاً غیر معقول ہے ان کے پانی کو سیاہی بنایا جائے یا دریائی لیکن وہ اجسام ہیں اور اجسام کو یقیناً فنا ہونا ہے اور کلمات الٰہی وہ غیر فانی ہوں گے اور فرضاً ان کا ایسے ہونا امر فانی اور لازم ہے غیر معقول ہے کیونکہ وہ ہمیشہ کے لیے غیر متناہی ہیں اور ان کے لیے فانی ہونا مستحیل بالذات ہے۔

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔ اے محبوب! صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیے کہ صورت میں تمہاری طرح آدمی ہوں۔ اور بعض صفت بشریہ میں بھی تمہارے مساوی ہوں۔ يُوحَىٰ إِلَيَّ میرے رب تعالیٰ کی طرف سے میرے پاس وحی آتی ہے۔ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَّاحِدٌ بے شک تمہارا معبود ایک ہے اور وہ متفرد فی الالوہیت ہے نہ ذات میں اس کا کوئی ثانی ہے اور نہ صفات میں اس کا کوئی شریک ہے۔ میں تو اپنی بشریت کا معترف ہوں لیکن یہ بات بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ

ف: یہاں اور اس جیسے بشریت مصطفیٰ ﷺ سے مراد بشریت معصومہ ہیں اس لیے اختلاف نہیں کہ معاذ اللہ حضور علیہ السلام بشر ہی نہیں بلکہ ان کا بشر ہونا جسمانی ہے بلکہ اختلاف یہ ہے کہ بشریت حضور علیہ السلام کی حقیقت نہیں۔ اہل دیوبندی و وہابی اور مودودی اور ان کے ہم نوا تمام فرقے کہتے ہیں کہ بشریت حضور علیہ السلام کی حقیقت ہے۔ جیسا کہ اول تفسیر اولیٰ جلد ۱۱ ص ۱۲۔ (اویسی غفرلہ)

ختم کیے نبوت و رسالت سے نوازا ہے اور اس مظہر میں تم سے ممتاز ہوں۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ بشریت اور استعداد انسانیت میں تمام جوانم برابر ہیں جیسے بشریت سب کی ایک ہے نبی ہوں یا ولی یا مومن ہوں یا کافر۔ یا یں مظہر برابری کا معبود سب کا ایک ہے جیسے فرمایا لم یلد ولم یولد ولم یکن له کفوا احد اس کی شان ہے۔ اس برابری کے باوجود فضائل کے لحاظ سے درجات اور خصوصیات کے مراتب پر ہے مومن کو کافر پر ایمان کی وجہ سے اور ولی کو غیر ولی پر ولایت کے لحاظ سے، نبی کو نبوت و رسالت اور حق و معرفت کے لحاظ سے غیر نبی پر فضیلت ہے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

رہ راست باید نہ بالائے راست
کہ کافر ہم از روئے صورت چو ماست

ترجمہ: راہ راست چاہیے نہ بالائے قامت۔ اس لیے کہ کافر بھی تو بظاہر صورت ہم جیسا ہی ہے۔

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا۔ یہ شرط ہے فلیعمل اس کی جزاء ہے یعنی جو بھی امید رکھتا ہے۔ لِقَآءَ رَبِّهٖ اپنے رب تعالیٰ کے دیدار کی۔

ف: الارشاد میں ہے کہ کان استمرار کے لیے ہے۔ توقع حصول الخیر فی المستقبل یعنی مستقبل میں خیر حصول کی توقع کو الرجاء کہتے ہیں اور لقاء رب سے کرامت حق مراد ہے۔

مسئلہ: امام صاحب نے تفسیر میں فرمایا کہ اہل سنت کے نزدیک لقاء الرب سے دیدار الٰہی مراد ہے اور معتزلہ کہتے ہیں کہ لقاء الٰہی سے [illegible] لقاء سے مراد ثواب ہے اور لقاء یعنی بعض استعمال ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے۔ لقیہ یعنی اس شخص کے ملنا ہی جس سے خوش ہو جائے۔ (کذا فی الوسیط)

فَلْيَعْمَلْ تو اپنے مطلوب مرغوب کے حصول کے لیے عمل کرے۔ عَمَلًا صَالِحًا وہ نیک عمل جو اس کے لائق ہوں۔

ف: مولانا کافی نے فرمایا کہ جو شخص یقین رکھتا ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ہاں آخرت میں حاضر ہونا ہے تو اس پر لازم ہے کہ ایسے نیک اعمال کرے جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے اور الجہاد جیسے عبادت ہے۔ (کذا فی البحر)

ف: حضرت ذوالنون مصری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ عمل صالح سے وہ نیک عمل مراد ہے جس میں ریا کی ملاوٹ نہ ہو۔
حضرت ابو عبداللہ قرشی نے فرمایا کہ عمل صالح وہ ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ہو ظاہر بھی اسی کی ملت پر عمل کیا جائے اور باطنی بھی اور بعض سے مروی ہے کہ آپ الی اللہ اور التفات ما سوی اللہ ہو جو اس کے عمل میں ثواب کی طلب ہو نہ بہشت کی تمنا [illegible] اس وقت کہ جب [illegible] نصیب ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام کے لیے فرمایا

فما زاغ البصر وما طغیٰ۔

؎

دستے از ہمہ برتافتم و صحبت تو کردم
چشم از ہمہ بربستم و دیدار تو دیدم

ترجمہ: سب سے منہ موڑ کر صرف تیری طرف متوجہ ہوں۔ آنکھیں سب سے بند کر دی ہیں صرف تیرے دیدار کا عاشق ہوں۔

وَلَا یُشْرِکْ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖۤ اَحَدًا اور اپنے معبودِ حقیقی کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک نہیں کرتا۔

ف: ابو البقاء نے بعبادۃ ربہ کا معنے فی عبادۃ ربہ کیا ہے یا باء سببیہ ہے یعنی اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کے سبب سے کسی دوسرے کی پرستش نہیں کرتا۔

ف: ارشاد میں ہے کہ نہ اشراک جلی کا مرتکب ہوتا ہے جیسے کفار کرتے تھے اور نہ ہی اشراک خفی جیسے اہلِ ریا کرتے ہیں یا جو عبادت محض ثواب کے طمع پر کرتا ہے وہ بھی صوفیہ کے نزدیک مشرک ہے۔

نکتہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ولا یشرک بعبادۃ ربہ کے بجائے لا یشرک بربہ میں اشارہ ہے کہ جو بندہ نیکی کر کے اس خیال میں ہوتا ہے کہ اس کی اس نیکی پر تعریف ہو تو وہ بھی شرک میں مبتلا ہے بلکہ نیکی کر کے رضائے الٰہی کا طالب ہو اور سمجھے کہ یہ میرے رب تعالیٰ کی عنایت کہ وہ توفیق سے نوازتا ہے ورنہ میں کون اور عبادتِ الٰہی کہاں!

شانِ نزول حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو عبادت میں رضائے الٰہی کے ساتھ لوگوں کو خوش کرنے کا ارادہ کرتے ہیں چنانچہ مروی ہے کہ حضرت جندب بن زہیر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نیک عمل محض رضائے الٰہی پر کرتا ہوں لیکن جب کوئی میری نیکی پر مطلع ہو جاتا ہے تو میں خوش ہو جاتا ہوں اس کے جواب میں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس عبادت میں اللہ تعالیٰ کے غیر[1] کی خوشی کا خیال ہو جائے تو اس عبادت کو اللہ قبول نہیں فرماتا۔ حضور علیہ السلام کے اس ارشادِ گرامی کی تصدیق میں آیت ہٰذا نازل ہوئی۔

ف: ایک روایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے اسے فرمایا کہ اس پر تجھے دو ثواب ہیں ایک چھپا کر کرنے کا اور دوسرا اس کے ظاہر ہو جانے کا۔

سوال: ایک ہی حدیث شریف میں دو متضاد اقوال کیوں؟

جواب: پہلی حدیث کے مطابق حضور علیہ السلام نے فرمایا تاکہ پتہ چل جائے کہ عبادت میں غیر کی خوشنودی مطلوب تو نہیں تھی بلکہ ایسا ایک

---

[1] اس سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام مستثنیٰ ہیں جیسا کہ روایات صحیحہ سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت سی عبادات میں حضور علیہ السلام کی خوشنودی کو بھی مدِنظر رکھتے تھے۔ فافہم ولا تکن من الجاہلین۔ ۱۲

کسی کو معلوم ہو جائے اور اس سے خوشی حاصل ہو تو اس عبادت سے دو ثواب نصیب ہوں گے مگر چھپ کر ہی عبادت کرنے کی کوشش کا ہی چاہیے کہ اس کی عبادت پر کوئی مطلع ہو تو اس نیت کی وجہ سے وہ عبادت قابل قبول نہیں۔

ف: یہی بات بفضلہ تعالیٰ کاملین اولیاء کاملین رضی اللہ عنہم میں بھی بکثرت پائی جاتی ہے۔

مسئلہ: اگر غیروں کو عدم اطلاع تہمت کا موجب ہی ہو جائے مثلاً فرائض و واجبات کو چھپ کر ادا کرے تو لوگ گمان کرتے ہیں کہ یہ شخص فرائض و واجبات ادا نہیں کرتا تو اسے فرائض و واجبات علانیہ ادا کرنے چاہئیں تاکہ اس طرح کی ادائیگی سے فرائض و واجبات کا دہرا ثواب نصیب ہو۔

مسئلہ: جو شخص عبادات اس لیے کم کرتا ہے تاکہ اس کی نیکی کا چرچا ہو تو یہ ریاء اور شرک خفی ہے۔ لازم ہے کہ عبادات نافلہ چھپ کر ادا کی جائیں تاکہ ریاء کے خطرات سے عمل ضائع نہ ہو۔

حکایت: حضرت عبداللہ بن غالب رحمہ اللہ تعالیٰ کی عادت تھی کہ اپنے متعلق احباب میں صاف صاف بتاتے کہ آج میں نے اتنی عبادت نافلہ ادا کی ہے، قرآن مجید کی اتنی مقدار تلاوت کی ہے اور اتنے نوافل پڑھے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ بعض احباب نے عرض کی یا ابا الفراس! آپ جیسوں کے لائق نہیں کہ اپنے منہ میاں مٹھو بن کر اپنی تعریف کرے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ میں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق کی نعمت کا اظہار کرتا ہوں تاکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا کفران نہ ہو۔

مسئلہ: اظہار نعمت الٰہی کے لیے اور اس لیے کہ اس کی عبادت دیکھ کر دوسرے اس کی اقتدا کریں گے تو اظہار جائز ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اسے اپنے اوپر اعتماد ہو کہ اس کے اظہار سے ریاء کا شائبہ نہ ہوگا تو جائز ہے لیکن اسے چھپانا افضل ہے۔

مسئلہ: اگر کسی کو اہل ریاء یا اہل شہرت سے تشبیہ مطلوب ہے تو اس کی سزا اتنی کافی ہے کہ اسے اہل ریاء سے تشبیہ کا مقصد ہوگا (فی الکشاف فی سورۃ والضحیٰ)

ف: یہ آیت علم و عمل کا خلاصہ ہے یعنی انسان پر لازم ہے کہ اپنے عمل میں توحید الٰہی کا عقیدہ رکھے اور اخلاص کا دامن نہ چھوڑے۔ شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا۔

عبادت باخلاص نیت نکوست
وگرنہ چہ آید ز بے مغز است

ف: چاہیے دوسروں کے بعض جاہل اچھے بھلے نمازی اور بے نمازی کہ کبھی فرائض و واجبات پیروں کے متعلق تصور رکھتے ہیں کہ وہ چھپ کر عبادت ادا کرتے ہیں یہ تصورات جاہلوں کی ہیں کیونکہ [illegible] پیر [illegible] کو دیکھ کر [illegible] بغیر [illegible] کرتے ہیں۔

(اویسی غفرلہ)

چه زنار مغ در میانت چه دلق
که در پوشی از بهر پندار خلق
به روی ریا خرقه سهل است دوخت
گرش با خدا در توانی فروخت

ترجمہ: (۱) عبادت خالص نیت سے بہتر ہے ورنہ بے مغز پوست سے کیا حاصل ہوگا۔

(۲) بے مغز پوست کا زنار مجوسیوں کی گودڑی برابر ہے جب کہ وہ پہنا خلق خدا کے دکھاوے پر ہے۔

(۳) ریاء کا کپڑا پہننا آسان ہے اگر اسے اللہ کے نام پر بیچنا چاہتا ہے تو بیچ ڈال۔

مسئلہ: معلوم ہوا کہ ریا ہر اس عمل کو کہتے ہیں جس میں غیر اللہ کی خوشنودی مطلوب ہو۔

احادیث مبارکہ در مذمت ریاء

حدیث شریف (۱) حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنی امت سے شرک کے ارتکاب سے بہت بڑا خوفزدہ ہوں اس سے میری مراد یہ نہیں کہ وہ سورج یا چاند یا کسی درخت یا بت کی پرستش کریں گے بلکہ عمل کریں گے تو اس میں غیر اللہ کی خوشنودی کو دخل بنائیں گے۔

مسئلہ: الاشباہ والنظائر میں ہے کہ روزہ میں ریاء کو کسی قسم کا دخل نہیں یہ اس وقت ہے کہ جب کہ اپنے آپ کو بھوکا مار کر لوگوں کو ظاہر کرے کہ میں روزہ سے ہوں زبان حال سے یا زبان قال سے ورنہ اس میں بھی ریاء کو دخل ہے۔

حدیث شریف (۲) حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ریاء کے طور پر نماز ادا کرے تو اس نے اللہ تعالیٰ سے شرک کیا اور جس نے ریاء کے طور پر روزہ رکھا وہ بھی مشرک ہوا اس کی تصدیق میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی، فمن کان یرجو لقاء ربہ (تحفۃ الکافی الہادی)

مسئلہ: حدیث شریف کی وعید صوم و حج اور تمام عبادات کے لیے ہے۔

؎

مرائی ہر کسے معبود سازد
مرائی را ازاں گفتند مشرک

ترجمہ: چونکہ ریاکار ہر شخص کو معبود بناتا ہے اسی لیے اسے حضور نے مشرک کا لقب دیا۔

حدیث شریف (۳) ہر ریاکار پر جنت حرام کی گئی ہے۔

مسئلہ: نیکی اچھے لباس اور اچھی صورت بنانے کا نام نہیں بلکہ نیکی مسکینی اور پردہ داری بنے کا نام ہے سے

کرا جامہ پاکست و سیرت پلید
در دوزخش را نباید کلید
بنزدیک من شب رو راہزن
بہ از فاسق پارسا پیرہن!

ترجمہ: جس کا لباس تو نہایت بہتر ہو لیکن عادت گندی ہے میرے نزدیک ڈاکو اور چور اس فاسق سے بہتر ہے جو ظاہر میں پارسا بنا ہوا ہے۱

حدیث شریف (۴) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ منادی کو حکم کرے گا اعلان کرانے کا کہ جس نے نیک اعمال غیروں کو خوش کرنے کے لیے کیے تھے انھیں اپنے اعمال کی جزا انہی سے جا کر طلب کرنی چاہیے کیونکہ مجھے کسی شریک کی ضرورت نہیں۔

ز عمرو اے پسر چشم اجرت مدار
چو در خانۂ زید باشی بکار!

ترجمہ: عمرو سے مزدوری کی امید نہ کر جب تم زید کے گھر کا کام کر رہے ہو۔

حدیث شریف (۵) جہنم میں ایک ایسی وادی ہے جس سے دوزخ کے دوسرے طبقات دن میں ۴۰۰ بار پناہ مانگتے ہیں وہ طبقہ ریاکاروں کے لیے تیار کیا گیا ہے۔

حدیث شریف (۶) شرک اصغر سے بچو عرض کی گئی شرک کیا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ریاکاری شرک اصغر ہے۔

حدیث شریف (۷) حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اپنی امت کے لیے شرک خفی کا زیادہ خوف ہے اس لیے کہ یہ بہت باریک ہے! تم شرک خفی کے تمام امور سے بچو کیونکہ شرک خفی تمہارے اندر ایسے گھسا ہوا ہے جیسے چیونٹی اندھیری رات میں سفید پتھر پر چلے یہ بات لوگوں کو بہت سخت محسوس ہوئی ان کی اس پریشانی کو دیکھ کر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں ایک ایسی دعا سکھاتا ہوں جس کے پڑھنے سے شرک خفی تمہارے اندر سے نکل جائے گا۔ شرک کی دوا یہ دعا ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ اَنْ اُشْرِکَ بِکَ	اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ کسی چیز کو
شَیْئًا وَّ اَنَا اَعْلَمُ بِہٖ وَاَسْتَغْفِرُکَ لِمَا لَا	تیرا شریک بناؤں اور مجھے اس کا علم ہو اور میں معافی مانگتا
اَعْلَمُ بِہٖ تُبْتُ عَنْہُ وَتَبَرَّأْتُ مِنَ الْکُفْرِ	ہوں تجھ سے اس گناہ سے جس کا مجھے علم نہیں میں نے اس
وَالشِّرْکِ وَالْکِذْبِ وَالْغِیْبَۃِ وَالْبِدْعَۃِ	سے توبہ کی اور بیزار ہوا کفر سے اور شرک سے اور جھوٹ سے اور

---

۱ حقیقت یہ ہے کہ [illegible]

[illegible] وَاَسْلَمْتُ وَتَشَهَّدْتُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۔ (کذا فی [illegible])

تحیت سے اور رحمت سے اور حق سے اور بے نیازی کے ساتھ حمد و ثنا کرتا ہوں ہر قسم کی نافرمانیوں سے اور میں نے اسلام قبول کیا اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں ۔

حکایت خلفاء راشدین میں سے کسی ایک کا واقعہ ہے کہ وضو کر رہے تھے تو آپ کے کسی خادم نے پانی ڈالنے کا ارادہ کیا تو آپ نے روک کر فرمایا کہ مجھے شرک خفی کا خطرہ ہے اس کی دلیل میں یہی آیت پڑھی ۔ فقیر (حق) کہتا ہے میرا گمان ہے کہ ان سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مراد ہیں ۔ (کذا فی [illegible] رحمہ اللہ الباری) ۔

نکتہ : فقیر (حق) کہتا ہے کہ اس سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے تقویٰ کے کمال معلوم ہوا کہ آپ نے [illegible] وضو میں استعانت بالغیر کو بھی شرک میں داخل فرمایا اور وہ آیت فمن کان یرجوا لقاء ربہ کے عموم کے پیش نظر جیسے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اولامستم النساء میں عموم کے پیش نظر عورت کو صرف ہاتھ لگانے سے نقض وضو کا حکم صادر فرمایا ہے ۔

مسئلہ : ہم احناف کے نزدیک یہی روایت ہی ہے کہ عورت کو ہاتھ وغیرہ لگ جائے تو وضو کا اعادہ مستحب ہے اگر کوئی نہ کرے تو بھی جائز ہے اسے رخصت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور وضو کر لینے کو عزیمت سے یہ فقہاء کرام کی ایک اصطلاح ہے ۔

فضائل سورۂ کہف

① حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے سورۂ کہف کے اوّل سے دس آیتیں یاد کیں وہ فتنۂ دجال سے محفوظ رہے گا ۔ (رواہ مسلم و ابو داؤد والنسائی)

ف : ابن ملک نے فرمایا کہ حدیث شریف میں الدجال کے لفظ میں الف لام عہدی ہے جس سے وہی مخصوص دجال مراد ہے جو قرب قیامت میں آئے گا لیکن بعض محدثین نے فرمایا ہے کہ یہ الف لام جنسی ہے اور اس سے تمام دجال مراد ہیں اور اصطلاح شریعت میں دجال وہ ہے جو جھوٹ اور تلبیس کا بکثرت ارتکاب کرے ۔

حدیث شریف میں ہے کہ آخری زمانہ میں متعدد دجال پیدا ہوں گے ۔

ف : تمام اہل ہوا اور اہل بدعت دیوبندی ، چکڑالوی ، نیچری ، رافضی ، خاکساری ، مرزائی ، نجدی ، وہابی ، مودودی اپنے زمانہ کے دجال ہیں ۔

نکتہ : ان دس آیات کو پڑھنے سے دجال کے شر سے حفاظت اس لیے نصیب ہو گی کہ اس سورت میں اصحاب کہف (اولیاء کرام) کا ذکر ہے جیسے ان حضرات نے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگی تو انہیں دقیانوس کے شر سے حفاظت نصیب ہوئی اسی طرح اس

[illegible]

سورت کے تلاوت کرنے والوں کو دجال کے فتنے سے حفاظت نصیب ہوگی اور ان دعاؤں کی برکت سے دین متین پر اسے ثابت قدمی نصیب ہوگی۔

(۲) نسائی کی روایت میں ہے کہ جس نے سورۂ کہف کی آخری دس آیتیں حفظ کیں تو وہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔

(۳) جس نے سورۂ کہف کو ویسے پڑھا جیسے نازل ہوئی ہے تو اس کی قبر سے مکہ تک نور ہی نور ہوگا جس نے اس کی آخری دس آیات یاد کر لیں تو اس پر دجال کا تسلط نہیں ہو سکے گا۔ (عن ابی سعید الخدری عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم، رواہ الحاکم)۔

(۴) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور سرور دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھی تو قیامت میں اس کے قدم سے لے کر آسمان تک نور چمکے گا اور اس کے دو جمعوں کے درمیان کے تمام گناہ بخش دیے جائیں گے۔

(۵) حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص سورۂ کہف کو جمعہ کی شب پڑھتا ہے اور بیت العتیق کے درمیانی فاصلہ تک اس کے لیے نور ہی نور ہوگا۔ (رواہ الدارمی فی مسندہ موقوفاً علی ابی سعید رضی اللہ عنہ، کذا فی الترغیب والترہیب للمنذری)۔

(۶) تفسیر بیان میں ہے کہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں آگاہ نہ کروں ایسی سورت سے کہ جب وہ نازل ہوئی تو اس کی عظمت نے زمین و آسمان کے درمیانی خلا کو بھر دیا ایسے ہی اس کے پڑھنے والے کو اتنا ثواب نصیب ہوگا۔ سب نے عرض کی ہاں ہمیں اس سے آگاہ فرمائیے۔ آپ نے فرمایا وہ سورۂ کہف ہے جو اسے جمعہ کے روز پڑھے گا اس کے اگلے جمعہ تک کے تمام گناہ بخش دیے جائیں گے اور مزید برآں اور تین روز کے گناہ بھی۔ اور قیامت میں اسے ایسا نور عطا ہوگا جس کی کرنیں آسمان تک پہنچیں گی اور وہ دجال سے بھی محفوظ رہے گا۔

خواص سورۂ کہف

(۱) تفسیر بیضاوی میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سورۂ کہف کو پڑھتا ہے تو وہ آٹھ دن تک ہر فتنے سے محفوظ رہے گا۔

(۲) جو شخص سوتے وقت اس کی آخری آیت کو پڑھتا ہے تو جب تک بستر سے اٹھتا نہیں تب تک اس کے لیے وہاں سے مکہ تک نور ہی نور ہوتا ہے اور اسی نور کے برابر ستر ہزار فرشتے ہوتے ہیں جو اس کے لیے رحمت کے پھول برساتے رہتے ہیں اور اگر وہ مکہ میں ہوتا ہے تو اس کے آرام کرنے کی جگہ سے بیت المعمور تک نور ہی نور ہوتا ہے اس کے برابر ملائکہ کرام اس بندۂ خدا پر رحمت کے پھول برساتے ہوئے اس کے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ بستر سے جاگ اٹھتا ہے۔

(۳) تفسیر البیضاوی میں ہے کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو نیند سے پہلے قل انما انا بشر مثلکم ... پڑھ کر سوتا ہے تو اس کے بستر سے کعبہ معظمہ تک نور چمکتا ہے اسی نور کے برابر ملائکہ کرام اس کے بیدار ہونے تک اس بندے کے لیے رحمت کے پھول برساتے رہتے ہیں۔

رات کے کسی وقت میں بیدار ہونے کا وظیفہ

① فتح القریب میں ہے کہ جو شخص سوتے وقت یہ آیت ان الذین امنوا وعملوا الصالحات... آخر تک پڑھ کر یہ دعا مانگے۔

اللّٰھم ایقظنی فی احب الاوقات الیک واستعملنی باحب الاعمال الیک۔
اے اللہ تعالیٰ مجھے اپنے محبوب ترین اوقات میں بیدار فرما اور اپنے محبوب ترین اعمال کے عمل کی توفیق بخش۔

اللہ تعالیٰ اس بندے کو اسی وقت بیدار فرمائے گا اور اسے قائم اللیل بندوں کی فہرست میں لکھے گا۔

② حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جو شخص مخصوص وقت میں بیدار ہونا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ سوتے وقت یہ آیت قل لو کان البحر مدادا... الخ پڑھ کر سوئے جس وقت چاہے اسے اللہ تعالیٰ بیدار فرمائے گا۔

مسائل: بعض نے بستر میں قرآن مجید کی آیات پڑھنے کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف فرمایا ہے۔

مسئلہ: افضل یہی ہے کہ بستر میں سوتے ہوئے قرآنی آیات نہ پڑھے کیونکہ یہی اقرب التعظیم ہے۔ (کذا فی شرح الشرعۃ لیحییٰ الفقیہ)

مسئلہ: ظہیر الدین المرغینانی نے فرمایا کہ بستر میں سوتے ہوئے قرآنی آیات پڑھنے میں حرج نہیں بشرطیکہ چہرہ لحاف وغیرہ سے باہر ہو اس لیے کہ لحاف بھی مثل کے لباس میں داخل ہے لحاف میں چہرہ کو چھپا کر قرآنی آیات پڑھنا مکروہ ہے۔ (کذا فی فتاویٰ قاضی خان)

مسئلہ: محیط میں ہے کہ لیٹ کر قرآنی آیات پڑھنے میں حرج نہیں لیکن ضروری ہے کہ پاؤں سمیٹ کر پڑھے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں موت سے پہلے خواب غفلت سے بیدار فرمائے اور ہمیں روزانہ شب قرآن مجید پڑھنے کی ہمت عطا فرمائے۔

تفسیر سورہ کہف بروز سوموار ۲۲ رمضان المبارک ۱۴۰۰ھ کو ختم ہوئی۔
بفضلہ تعالیٰ فقیر اویسی غفرلہ نے بروز جمعہ ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ کو سورۂ کہف کے ترجمہ سے فراغت پائی۔
وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ اجمعین۔

* * *

ف: فقیر کا تجربہ ہے کہ آیت ان الذین امنوا الخ پڑھنے سے مطلوبہ وقت پر جاگ آجاتی ہے اور یہ تجربہ بھی ہے کہ سوتے وقت اپنے ہمزاد (جن) کو کہے کہ فلاں وقت بیدار کرو۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اسی وقت آنکھ کھل جائے گی ایک سیکنڈ کا فرق نہ ہوگا۔

سورۂ مریم

سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ　بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ　اٰيَاتُهَا ۹۸ رُكُوْعَاتُهَا ۶
[illegible] اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا [illegible]
كٓهٰيٰعٓصٓ ۝١ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۝٢ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۝٣ قَالَ رَبِّ
یہ مذکور ہے تیرے رب کی اس رحمت کا جو اس نے اپنے بندہ زکریا پر کی جب اس نے اپنے رب کو آہستہ پکارا عرض کی
اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝٤
اے میرے رب میری ہڈی کمزور ہو گئی اور سر سے بڑھاپے کا بھبھوکا پھوٹا اور اے میرے رب میں تجھے پکار کر کبھی نامراد نہ رہا
وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ
اور مجھے اپنے بعد اپنے قرابت والوں کا ڈر ہے اور میری عورت بانجھ ہے تو مجھے اپنے پاس سے کوئی ایسا دے ڈال جو میرا کام اٹھالے
وَلِيًّا ۝٥ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝٦ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا
وہ میرا جانشین ہو اور اولاد یعقوب کا وارث ہو اور اے میرے رب اسے پسندیدہ کر اے زکریا ہم تجھے
نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝٧ قَالَ رَبِّ اَنّٰى
خوشی سناتے ہیں ایک لڑکے کی جن کا نام یحییٰ ہے اس کے پہلے ہم نے اس نام کا کوئی نہ کیا عرض کی اے میرے رب
يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝٨ قَالَ
میرے لڑکا کہاں سے ہوگا میری عورت تو بانجھ ہے اور میں بڑھاپے سے سوکھ جانے کی حالت کو پہنچ گیا

كَذٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ
ہی ہے تیرے رب نے فرمایا وہ مجھے آسان ہے اور میں نے تو اس سے پہلے تجھے اس وقت بنایا جب تو کچھ بھی نہ
شَيْـًٔا ⑨ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ
تھا عرض کی اے میرے رب مجھے کوئی نشانی دیدے فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ تو تین رات دن لوگوں سے کلام نہ کرے بھلا
سَوِيًّا ⑩ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً
چنگا ہو کر تو اپنی قوم پر مسجد سے باہر آیا تو انہیں اشارہ سے کہا کہ صبح و شام تسبیح کرتے رہو
وَّعَشِيًّا ⑪ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ⑫ وَّحَنَانًا مِّنْ
اے یحییٰ کتاب مضبوط تھام اور ہم نے اسے بچپن ہی میں نبوت دی اور اپنی طرف سے
لَّدُنَّا وَزَكٰوةً وَكَانَ تَقِيًّا ⑬ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ⑭ وَسَلٰمٌ
مہربانی اور ستھرائی اور کمال ڈر والا تھا اور اپنے ماں باپ سے اچھا سلوک کرنے والا تھا زبردست و نافرمان نہ تھا اور سلامتی
عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ⑮
ہے اس پر جس دن پیدا ہوا اور جس دن مرے گا اور جس دن مردہ اٹھایا جائے گا

تفسیر سورۂ مریم شریف اس میں (۹۸) آیات ہیں یہ مکیہ ہے سوائے آیت سجدہ کے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان رحیم ہے

تفسیر عالمانہ

کٓھٰیٰعٓصٓ ○ یہ سورت کا نام ہے اور مبتدا محذوف ہے کیونکہ وہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اصل ھذا کٓھٰیٰعٓصٓ تھا یعنی یہ وہ سورت ہے جس کا نام کہیعص ہے۔

سوال: ھذا کا اشارہ کہاں ہے جب کہ وہ مذکور ہی نہیں؟

جواب: اگرچہ مذکور نہیں لیکن مذکور کے حکم میں ہے گویا وہ حاضر اور محسوس کے حکم میں ہے جیسے کہا جاتا ہے: ھذا ما اشترٰی فلان یعنی یہ وہ ہے جس نے فلاں سے خریدا۔ (کذا فی المدارک)

تفسیر [illegible] میں ہے کہ یہ قسم ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ نے قسم یاد فرمائی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک ہے۔ اس کی تائید بعض روایات میں منقول ہے۔ یا کہیعص یا حمعسق یہ ان حروف سے مرکب ہے جن کا ہر ایک حرف [illegible]

کی صفت پر دلالت کرتا ہے مثلاً کاف۔ کریم و کبیر پر اور ہا۔ ہادی سے اور یا۔ رحیم پر اور عین۔ علیم و عظیم پر اور صاد۔ صادق پر یا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی مخلوق کا کافی اور اپنے بندوں کا ہادی اس کا ہاتھ تمام بندوں کے اوپر ہے۔ وہ اپنی تمام مخلوق کو جانتا ہے اور اپنے وعدہ کا سچا ہے۔

ف: ابو جعفر نے کہا ہے کہ صاحب عرفان صاحب الاحیت سے نقل کرتے ہیں یہ وہ کتاب ہے جو صاحب مجمع حضرت شیخ رکن الدین علاء الدولہ سمنانی قدس سرہ پر وارد ہوا اس میں مذکور ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تین صورتیں ہیں:

① بشری۔ کما قال تعالیٰ:

انما انا بشر مثلکم

② ملکی۔ کما قال تعالیٰ:

لست کاحد ابیت عند ربی

③ حقی۔ کما قال تعالیٰ:

لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل

اسی لیے جس میں صورتیں ظہور پاتی ہیں الخلق کا بھی ظاہر ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے ان تینوں صورتوں میں حسب حال ایسے گفتگو فرمائی صورت بشری میں کلمات مرکبہ سے جیسے قل ھو اللہ احد اور صورت ملکی کے مطابق حروف مفردہ سے کما قال: کہیعص اسی طرح کے جو حروف مقطعات اور صورت حقی کے مطابق کلام مبہم سے کما قال: فاوحی الی عبدہ ما اوحی۔

؎

در تنگنائے حرف نگنجد بیان ذوق
زاں سوئے حرف و نقطہ حکایات دیگر است

ترجمہ: ایسے مقام پر بیان ذوق میں حروف کی گنجائش نہیں جہاں کی گفتگو کے لیے حروف و نقطے ناکافی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں سورۃ البقرہ میں لکھا ہے کہ الم اسی طرح تمام حروف مقطعات وہ صفات ذات ہیں جو محب و محبوب کے درمیان راز و نیاز کی باتیں ہیں جو سوائے ان کے اور کوئی مطلع نہیں ہوتا یہ حروف بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کے لیے ایسے وضع فرمائے ہیں کہ وہاں کسی ملک مقرب کی گنجائش ہے نہ کسی نبی مرسل کی۔ یہاں تک کہ حضرت جبریل علیہ السلام لانے کو لائے لیکن وہ بھی ان کے اسرار و رموز سے بے خبر تھے اور نہ ہی کوئی دوسرا ان پر مطلع ہو سکتا۔

جبریل علیہ السلام بھی بے خبر تھے

تکمیل علوم: رسول اکرم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تین علوم نازل فرمائے:

① ایسا علم جس پر سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی مطلع نہیں ہوتا جیسے ذات حق کی کنہ اور اس کے اسماء وصفات کے حقائق کی معرفت اور اس کے خاص غیوب کے علوم کی تفاصیل انہیں سوائے اس کے اور کوئی نہیں جانتا۔

② اسرار و رموز قرآن کہ جن پر سوائے اپنے نبی علیہ السلام کے اور کسی کو مطلع نہیں فرمایا اور ایسے علوم صرف نبی علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہیں اور ان میں سوائے حضور علیہ السلام کے اور کسی کو گفتگو کرنے کی اجازت نہیں جیسے سورتوں کے اوائل کے حروف مقطعات اسی قسم سے ہیں بعض نے کہا اول قسم سے ہیں اہل سنت کا ترجیحی قول اول ہے[۱] دوسرا قول ضعیف اور مرجوح ہے۔

③ ایسے علوم ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں امانت رکھے ہیں اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی تعلیم دے کر حکم فرمایا ہے کہ یہ سب کی سب اپنی امت کو بتاویں۔ ان میں بعض علوم جلی ہیں اور بعض خفی۔

تفسیر عالمانہ

ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا ○

ترکیب : ذکر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے۔ عبدہ، رحمۃ کا مفعول ہے۔

زکریا بالمد والقصر ان کے والد کا نام آذر تھا۔

زکریا علیہ السلام کا نسب نامہ : ثعلبی نے کہا ہے کہ رحبعم بن سلیمان بن داؤد علیہم السلام کی اولاد میں سے تھے جب کہ بڑے بادشاہ بنی اسرائیل اور بیت المقدس کے علماء کے سردار اور صاحب قربان تھے۔

ف : امام صاحب نے فرمایا کہ زکریا علیہ السلام ہارون و موسیٰ علیہما السلام کے بھائی کی اولاد سے تھے اور وہ لاوی بن یعقوب بن اسحاق علیہم السلام کی اولاد سے تھے۔

یہ بیان ہے تیرے رب کی اس رحمت کا جو اس نے اپنے بندے زکریا علیہ السلام پر کی۔

إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا ○ یہ رحمۃ یا ذکر کی ظرف ہے یعنی جب کہ انہوں نے پکارا اپنے رب کو آہستہ سے اپنے بیت المقدس کی محراب میں یہ قریب قربان کے بعد کا واقعہ ہے۔

نکتہ : حضرت زکریا علیہ السلام نے چند وجوہ سے آہستہ دعا مانگی۔

① یہ دعا میں حسن ادب کا نمونہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بھید بھی معلومات ہیں پیش کر سکتے تھے دراصل آہستہ دعا مانگنے میں اخلاص زائد

---

[۱] اس میں یہ اعتراض نقل کیا گیا کہ جناب بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے نقل فرمایا ہے وہ منافی علم کلی ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کل کے واقعات جانتے ہیں تو بہتان باندھا الخ ایک روایت میں ہے کہ جو یہ کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کل کے حوادثات جانتے تھے تو بے شک وہ جھوٹا ہے بخاری شریف جلد ۲ ص ... مسلم شریف جلد ۱ ص ۹۸ دیوبندی وہابی کہتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ام المؤمنین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ما کان وما یکون یعنی علم کلی کا قائل نہ تھیں۔ ... اہل سنت کہتے ہیں ... تفصیل فقیر کی تفسیر اویسی میں ہے۔

جو آپ کے امر پائے بھی پیدا ہو۔

② اپنے رشتہ داروں کی ملامت سے بھی یہی مطلب تھا اس لیے کہ جب یہ شبہ طلب وہ مانگی تو وہ ان کے وارث علمی نہ ہو سکے۔

③ عوام کی ملامت سے بھی احتراز ضروری تھا کہ وہ کہتے کہ یہ بزرگ عجیب باتیں کرتے ہیں جبکہ بچے کی پیدائش کے اسباب بھی ان میں ختم ہیں اس لیے کہ آپ بڑھاپے کی آخری منزل پہنچ چکے ہیں یعنی اس وقت آپ سو سال کے تھے جیسا کہ شیخ نے کہا ہے

سوال: [illegible] کتا ہے کہ ضروری ہے کہ دعا عجز کے ساتھ ہو لیکن اس کے بعد غضب کی قید کا کیا معنی؟

جواب ۱: بڑھاپے نے اتنا ضعیف کر دیا ہے کہ اب چہرہ کے اعضاء بھی گئے سے گئے۔

جواب ۲: خیر دعا کی کا یہ ضروری نہیں کہ تمام ہی ہو اس لیے کہ کسی چیز میں ضعیف الحق سے بھی ہو جاتا ہے ویسے ہی یہ ہے جو حال کی جا ہے یہ مقتضا تھا کہ یہیں کہا ہے کہ بعض احتمالات ہیں اور تمام ہی ہو کر ہوتی ہیں تفصیل تفسیر کے ذخائر میں دیکھئے۔

نکتہ تصوف: [illegible] میں یکساں ہو گئی اور وہ بھی تفصیل کے مطالعہ سے واضح ہوئی اور کہ اس [illegible] کے بعض [illegible] کی آیات ہو گیا جیسے ان حضرات کے [illegible] کی تحقیق ہے ایسے ہی ان کی [illegible] سے ان کی [illegible] کے ہاں [illegible] جیسا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور [illegible] علیہم السلام کا [illegible] ہے۔

قَالَ یہ جملہ مستانفہ ہے اور مقدار [illegible] کے بیان کے لیے ہے یعنی زکریا علیہ السلام نے عرض کی۔ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي بیشک کمزور ہو گئیں۔ [illegible] ہڈی کی کمزوری کی طرف اسناد [illegible] اس لیے کہ تمام بدن کا قیام ہڈی پر ہے جب اس پر کمزوری طاری ہوئی تو ظاہر ہے کہ بدن کے باقی اجزاء بھی کمزور ہو جاتے ہیں۔

ف: قتادہ نے فرمایا کہ آپ نے دانت ٹوٹنے کی وجہ سے یہ شکوہ حق میں عرض کیا۔ (کذا فی البحر)

ف: العظم کو واحد کے صیغہ میں ہڈیوں کی تمام جنس مراد ہے گویا اس طرف اشارہ فرمایا کہ میرے جسم کا ہر حصہ بڑھاپے کی وجہ سے کمزور ہو گیا ہے اگر جمع کا صیغہ لاتے تو ممکن ہے اس سے بعض ہڈیاں مقصود میں داخل نہ ہوتیں۔

ترکیب: مِنِّي کا متعلق محذوف اور وہ العظم سے حال ہے اس میں اجمال کے بعد تفصیل ہے تاکہ [illegible] ہڈی کی کمزوری کی نسبت ہی کی گیا علیہ السلام کی طرف تھی لیکن اس میں اجمال تھا پھر جب مِنِّي فرمایا تو تفصیل ہو گئی الخ۔

وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ اس کے بعد لفظ مِنِّي محذوف ہے جو پہلے مِنِّي مذکور کے [illegible] شَيْبًا [illegible] بڑھاپے کا شعلہ یعنی سر کے تمام بال سفید ہو گئے۔ بڑھاپے کی سفیدی کو آگ کے شعلہ سے تشبیہ دی گئی ہے تاکہ مبالغہ کے ساتھ واضح ہو کہ ان کے تمام سر کے تمام بال سفید ہو گئے کوئی ایک بال بھی سیاہ نہ تھا [illegible] بھی مقصود ہے۔ گویا اصل عبارت تھی

اشتعل شیب راسی۔

اس اصل عبارت سے بالائی عبارت کا یہ فائدہ ہے کہ اشتعل بیتہ نارا کہا جاتا ہے بجائے اشتعل النار فی بیتہ کے۔

اسی طرح یہاں بھی مبالغہ مقصود ہے ورنہ مطلب دونوں کا ایک ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

چو شیبت در آمد بروی شباب
شبت روز شد دیدہ برکن ز خواب
من آن روز از خود ببریدم امید
کہ افتادم اندر سیاہی سفید
چو دوران عمر از چہل در گذشت
مزن دست و پا کآب از سر گذشت
دریغا کہ بگذشت عمر عزیز
بخواہد گذشت این دمی چند نیز

ترجمہ: ① جب بڑھاپا جوانی پر غالب ہوا۔ تیری رات ختم ہوئی اب تو اپنا خواب سے آنکھیں کھول۔
② میں نے اسی دن سے اپنے سے امید منقطع کر دی جب سے میرے سیاہ بال سفید ہو گئے۔
③ جب زندگی کے چالیس سال گزرے اب ہاتھ پاؤں مارنا بے کار ہے اس لیے کہ پانی سر سے گزر گیا۔
④ افسوس کہ عمر عزیز گذر گئی۔ باقی چند لمحات بھی گذر جائیں گے۔

وَلَمْ أَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝ یعنی میں باوجود عمر طویل ہو جانے کے باوجود تجھی سے دعا مانگنے سے کسی مقصد میں مایوس نہیں ہوا بلکہ جب بھی دعا مانگی تجھی سے مانگی اور تیرے فضل و کرم سے میری وہ دعائیں مستجاب بھی ہوئیں۔ اس سوال کی تمہید کے لیے سابقہ مستجاب دعاؤں کو وسیلہ بنایا ہے جیسا کہ پہلے اپنے بڑھاپے کے اظہار سے رحمت و رافت کو جوش دلایا۔ اب اظہار تجربہ بعد اپنے مقصد کے حصول کے لیے عرض کر دیا کہ جب میں پہلے تیری رحمت سے بے بہرہ نہیں رہا تو اب کیسے محروم رہ سکوں گا جب کہ اب سخت مضطرب اور ضعیف و محتاج ہوں۔

حکایت مروی ہے کہ کسی محتاج نے کسی سخی سے کہا کہ میں وہی ہوں جس پر آپ نے فلاں وقت احسان و کرم فرمایا تھا۔ اس نے کہا کہ تیرے فہم کو شاباش کہ تو نے اپنے مقصد کے حصول کے لیے خوب وسیلہ بنایا۔ یہ کہہ کر اس کی احتیاج پوری کر دی۔

نکتہ: کسی کو پہلے انعام بخشا جائے پھر اسے رد کیا جائے تو انعام اول کی قدر نہیں رہتی گویا حضرت زکریا علیہ السلام عرض کر رہے ہیں کہ اے الٰہی جب میں جوان اور طاقتور تھا تو تو میری ہر بات مان لیتا تھا اب کہ بوڑھا ضعیف ہو چکا ہوں۔ آپ مجھے اپنے لطف و کرم سے نا امید

فرمایا ہے اگر لطف و کرم کے بعد اب شفقت بدلی کے اور مجھے نا امید کرے گا تو آخر زمانہ سے علیحدہ کر دیا جائے گا اور میری ہلاکت کا موجب ہوگا۔ یہاں پر شقی سے مراد ہے مراد سے محروم کیونکہ جب کوئی اپنی مراد میں کامیاب ہو تو اس کے لیے کہتے ہیں۔ سعد بحاجتہ اس کے لیے کہتے ہیں جو اپنے مقصد میں ناکام ہو تو اس کے لیے کہتے ہیں۔ شقی بھا۔ (کذا فی تفسیر المظہری)

ربط ؛ اب بیان فرمایا کہ میں بیٹے کی طلب بھی صرف دین کے فائدہ کے لیے کر رہا ہوں، کما قال ؛

وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ اور مجھے اپنی موت کے بعد اپنے رشتہ داروں کا خوف ہے اس لیے میرا جانشین ضروری ہے۔

ف۔ دین کا متعلق محذوف ہے جیسا کہ کلام کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے جیسا کہ وہ مخفی ہے۔ اسی طرح الموالی من ورائی اور یہ خفت کے متعلق نہیں کیونکہ اس سے معنی بگڑ جاتا ہے اور یہ جملہ خفت و الموالی و من الخطر ہے اس سے ایک مضمون کا دوسرے مضمون پر مرتب کرنا مطلوب ہے یعنی ضعف و پیری کا خوف اپنے غلط جانشینوں کے خوف کی وجہ سے تھا۔ موالی سے آپ کے چچیرے بھائی مراد ہیں کیونکہ وہ بنی اسرائیل میں شریر لوگ تھے اسی لیے آپ کو خطرہ محسوس ہوا کہ وہ آپ کی موت کے بعد آپ کی جانشینی کا حق ادا نہیں کر سکیں گے بلکہ الٹا دین حق کو بدل دیں گے۔

لفظ موالی کے معانی

قاموس میں لکھا ہے کہ لفظ مولیٰ عربی میں اکیس معانی میں مستعمل ہے ؛

۱۔ مالک
۲۔ عبد
۳۔ معتق (آزاد کرنے والا)
۴۔ معتق (آزاد کردہ شدہ)
۵۔ دوست، ساتھی
۶۔ قریبی رشتہ دار جیسے چچازاد بھائی وغیرہ
۷۔ ہمسایہ
۸۔ حلیف
۹۔ بیٹا
۱۰۔ چچا
۱۱۔ مہمان
۱۲۔ شریک
۱۳۔ بھانجا
۱۴۔ ولی، متولی
۱۵۔ رب
۱۶۔ ناصر
۱۷۔ منعم
۱۸۔ منعم علیہ
۱۹۔ محب
۲۰۔ تابع
۲۱۔ داماد

[illegible]

وَكَانَتِ امْرَاَتِىْ : زکریا علیہ السلام کی زوجہ محترمہ کا نام ایشاع بنت فاقوذ بن قبیل یہ حنہ بنت فاقوذ کی بہن تھیں اور طبری نے بیان کیا ہے کہ عمران بن ماثان مریم کی والدہ کا نام حنہ تھا ۔

قتیبی نے فرمایا ہے کہ زکریا علیہ السلام کی زوجہ محترمہ کا نام ایشاع بنت عمران تھا ۔ اس تحقیق سے یحییٰ علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام کے خالہ زاد ہوں گے اور یہی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یحییٰ علیہ السلام ابن مریم کے خالہ زاد ہیں اور حدیث اسراء میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

فلقیت ابنی الخالۃ یحیی وعیسی علیہما السلام	میری ملاقات دو خالہ زاد بھائیوں یحییٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام سے ہوئی ۔

یہ حدیث پہلے قول کی تائید کرتی ہے ۔ (کذا قال الامام السہیلی فی کتاب التعریف والاعلام)

عَاقِرًا : میری عورت تو جوانی سے تا حال بانجھ ہے ۔

ف : عاقر اس مرد اور عورت کو کہا جاتا ہے جو بچہ کی پیدائش کے اہل نہ ہوں ۔ کاشفی نے لکھا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی زوجہ اٹھانوے سال کی تھیں ۔

فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ : یہ دونوں جار مجرور ھب کے متعلق ہیں چونکہ ان دونوں کے معانی مختلف ہیں اسی لیے ان کا ایک متعلق جائز ہے اس لیے "لام" صلہ کی اور "من" ابتداء غایت کے لیے ہے اور لدن اصل میں ظرف ہے بمعنی اول غایت زمان یا مکان یا ان اوقات میں سے کوئی اور یہاں مطلق جانب کے معنی میں ہے یعنی اسے اللہ تعالیٰ مجھے محض اپنے کرم و فضل سے عطا فرما اور صرف اپنی قدرت سے مجھے بیٹا بخش دے میرے متعلق اسباب عادیہ کو دخل نہ ہو ۔ اس لیے کہ میں اور میری زوجہ بچے کی ولادت کے اہل نہیں رہے ۔

وَلِيًّا ۝ : بچہ میری صلب سے جو میرے وصال کے بعد دین حق کے احیاء کے لیے میرا وارث ہو ۔

کما قال تعالیٰ :

يَّرِثُنِىْ : وہ بیٹا کی صفت ہے یعنی میرا وہ بچہ جو میرے علم و دین اور نبوت کا وارث بنے اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام مال کے وارث نہیں بنایا کرتے جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

له — من کنت مولاہ فعلی مولاہ ۔۔۔ والی حدیث شریف شیعہ پیش کرتے ہیں اس سے پہلے یہ تحقیق کیا جائے کہ ان کلمیں معانی کے کون سا مقصود ہے ۔ ۔۔ مزید تحقیق فقیر کی کتاب آئینہ مذہب شیعہ صفحہ ۔۔ میں دیکھیے ۔

له : حاشیہ صفحہ نمبر ۱۰۰ پر ملاحظہ ہو ۔

نحن معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکنا صدقۃ[1] — ہم انبیاء علیہم السلام کسی کو مال کا وارث نہیں بناتے جو کچھ ہم مال یا دولت چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔

سوال: حضرت زکریا علیہ السلام اپنے وارث تو چاہتے تھے اس لیے کہ یحییٰ علیہ السلام زکریا علیہ السلام سے پہلے واصل باللہ ہو گئے۔

جواب: ہم اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی ہر دعا مستجاب ہے لیکن جو دعا اللہ تعالیٰ کی مشیت اور تقدیر کے خلاف ہوتی ہے تو اس سے انہیں حکمت ایزدی سے مطلع کر کے روک دیا جاتا ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام کی دعا اپنے چچا آزر کے لیے منظور نہ ہوئی اور حضور علیہ السلام نے فرمایا:

سألت ربی ان لا یذیق بعضهم باس بعض فمنعنیها — میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ میری امت کے کسی فرد کو ایک دوسرے کے کشت و خون کی طاقت نہ دی جائے لیکن مجھے اس سے روک دیا گیا۔

چونکہ زکریا علیہ السلام کی دوسری دعا قضا و قدر کے خلاف تھی اسی لیے دوسری دعا سے روک دیا گیا اور پہلی دعا پوری کر دی گئی۔

وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ۔ حضرت یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام مراد ہیں۔ ورثہ و وراثت سے دونوں طرح مستعمل ہوتا ہے اور آل الرجل انسان کے وہ متعلقین کہلاتے ہیں کہ وہ اس کی طرف راجع ہوتے ہوں بوجہ قرابت یا صحبت یا موافقت فی الدین کے۔

ف: کلبی و مقاتل نے فرمایا کہ یعقوب بن ماثان مراد ہیں۔ یہ عمران بن ماثان کے بھائی ہیں اور یہ عمران بن ماثان حضرت سلیمان علیہ السلام کی اولاد اور بی بی مریم کے والد تھے اس معنے پر آل یعقوب یحییٰ علیہ السلام کے ننھیالی رشتہ دار مراد ہوں گے۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ)

لے یہ آیت ذیل کے طور پر ہم شیعہ کو تنبیہ کرتے ہیں کہ [illegible] صدقہ کے طور پر [illegible] جو جواب دیا وہ بھی بر صواب تھا۔ مزید تفصیل فقیر کے رسالہ فدک [illegible] میں دیکھئے۔ (اویسی)

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] یہی حدیث اصول کافی (کتاب شیعہ) میں بھی موجود ہے۔

[2] [illegible] تفسیر [illegible] میں دیکھئے۔

[3] اس سے فقیر کا مذہب کھل کر واضح ہوا ہے [illegible] کا دائرہ وسیع تر ہے۔

ف: بعض نے کہا کہ یعقوب بن ماثان بنی اسرائیل کے بادشاہ تھے اور زکریا علیہ السلام بنو اسرائیل کے علماء کے امام و پیشوا تھے جیسا کہ بنی اسرائیل کا قاعدہ چلا آرہا تھا اسی لیے حضرت زکریا علیہ السلام نے چاہا کہ ان کی اولاد میں نبوت کا سلسلہ جاری رہے جیسے ان کے دوسرے شعبہ عمل میں سلسلہ ولایت جاری تھا۔

وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا — اے میرے رب! میرے بچے کو قولاً فعلاً اپنی بارگاہ میں پسندیدہ بنا۔

ف: جعل کے دو مفعولوں کے درمیان لفظ رب کا فاصلہ ان کے اسم و خبر کے درمیان کی طرح لانا جائز ہے مگر سلسلہ اجابت دعا کی وجہ نیز اس سے زکریا علیہ السلام اپنے عجز و انکسار کا اظہار بھی فرمانا چاہتے ہیں۔

دعا کے مستجاب ہونے کا ایک طریقہ جو چاہے کہ اس کی دعا مستجاب ہو تو اسے چاہیئے کہ اپنی دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات میں سے کسی اسم و صفت کو ذکر دعا کرے۔

ف: اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی دعا کا سائل ہو اس کا کچھ حصہ ضرور قبول فرماتا ہے جیسے زکریا علیہ السلام کے لیے ہوا ہے۔

ـــ

هم ز اول تو دہی میل دعا
تو دہی آخر دعاہا را جزا
ترس و عشق تو کمند لطف ماست
زیر ہر یا رب تو لبیک ہاست

ترجمہ: دعا مانگنے کی محبت بھی تو ہی بخشتا ہے اور اس دعا کی جزا بھی تو عطا فرماتا ہے تیرا خوف و عشق ہماری گرفتاری کا کمند ہے ہم یا رب ایک بار کہیں تو اس کے بعد سینکڑوں لبیک جواب ملتے ہیں۔

دعا مانگنے کی فضیلت حدیث شریف میں ہے کہ جس کے لیے دعا کا دروازہ کھل گیا یعنی اسے دعا مانگنے کی توفیق ہوئی تو سمجھو اس کے لیے رحمت کے بے شمار دروازے کھل گئے[1]

نکتہ: دعا مانگنے میں ذلت و مسکینی کا اظہار مطلوب ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں عجز و انکسار کے اظہار سے اللہ کو کوئی شے محبوب تر نہیں۔

حکایت بایزید سیدنا بایزید بسطامی قدس سرہ فرماتے ہیں میں نے تیس سال عبادت و ریاضت میں بہت بڑی جدوجہد کی لیکن کوئی اثر نہ ہوا۔ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا فرما رہا ہے کہ اے بایزید عبادت سے اللہ تعالیٰ کے خزانے پر ہیں اگر تم اس کا وصال چاہتے ہو تو اس کے سامنے عجز و نیاز

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ جنازہ پڑھنے کے بعد دعا مانگنے کی صورت میں اگر توفیق ہوئی تو رحمت کے دروازے نصیب ہوں گے لیکن بد قسمتوں کے لیے وہ بند ہیں کہ وہ صرف دعا نہیں مانگتے بلکہ مانگنے والے کو بھی روکتے ہیں اور بدعتی سمجھتے ہیں۔ تحقیق فقیر کے رسالہ دعا بعد نماز جنازہ میں پڑھئے۔

زیادہ سے زیادہ گناہ ہے آپ بوقت وفات مندرجہ ذیل شعر کہتے گئے ؎

چار چیز آوردہ ام شاہا کہ در گنج تو نیست
نیستی و حاجت و عجز و نیاز آوردہ ام

ترجمہ: اے شاہ کریم دو جہاں تیرے حضور میں چار ایسی چیزیں لایا ہوں جو تیرے خزانۂ کبریائی میں نہیں (۱) نیستی (۲) حاجت (۳) عجز (۴) نیاز کا تحفہ تیرے ہاں لے کر حاضر ہوا ہوں۔

سلوکی نکتے: اہل معرفت فرماتے ہیں کہ بہترین تحفہ دعا ہے اور بہترین دعا عاشق کی دعا ہے۔ کذا فی حقائق البقلی۔

ف: دعا دو قسم کی ہوتی ہے۔

① دین کے لیے

② دنیا کے لیے

کاملین اہل اللہ صرف دین کی دعا مانگتے ہیں جیسے زکریا علیہ السلام نے دعا مانگی کہ وہ بیٹا عطا ہو جو میرے علم کا وارث ہو اور علم کا وارث دنیا کے وارث سے بہتر ہوتا ہے اس لیے کہ عالم دنیا کا نظام علم و عمل اور صلاح و تقویٰ اور عدل و انصاف پر چل رہا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اس میں اشارہ ہے کہ انسان کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے قلبی شیخ کی صفات روحانیت رکھے تاکہ اس میں اس کے کمالات کا ظہور ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو عالم کو پیدا فرمایا اور بالخصوص انسان کے تعین کو اپنا مظہر بنایا کہ ہر زمانہ میں انسان کامل کے افراد کو اپنے اسرار کا مظہر مقرر فرمایا۔ اسی لیے ہم اہل سنت کہتے ہیں کہ جو وصال حق کا طالب ہے اسے لازم ہے کہ وہ کسی کامل صاحب نفس ولی اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس سے کوئی ایسا وظیفہ طلب کرے جس سے اس کا ذکر تا قیامت باقی رہے جیسے زکریا علیہ السلام نے یحییٰ علیہ السلام کی طلب میں یہی غرض منظور تھی۔ یہ وظیفہ اللہ کا ہے وہ اپنے محبوب ولی کامل کے کشف پر عطا فرماتا ہے تاکہ وہی سب کو دیتا اور توفیق بخشتا ہے منزل مقصود تک پہنچنے کے اسباب بھی وہی عطا فرماتا ہے۔

تفسیر عالمانہ: یٰزَکَرِیَّآ۔ یہاں پر قال محذوف ہے یعنی ملائکہ کی زبان سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

سوال: تم قال کو محذوف مان کر اسے ملائکہ کی قید کیوں لگاتے ہو؟

جواب: سورۂ آل عمران میں ملائکہ کی تصریح موجود ہے۔ کما قال

فنادتہ الملائکۃ وھو قائم یصلی فی المحراب ان اللہ یبشرک بیحییٰ۔

اِنَّا نُبَشِّرُکَ۔ ہم آپ کو [illegible] خوشخبری سناتے ہیں۔ [illegible]

یہی سورہ مریم میں بیان کیا ہے حیث قال: بِغُلٰمِ ٱسْمُهٗ يَحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ○ سے یا بیٹا جس کا نام یحییٰ ہے ہم نے اس سے پہلے اس کا ہم نام (یعنی اس کے نام میں کسی کو شریک) نہیں بنایا یعنی یحییٰ نام والا تیرے بیٹے سے پہلے کوئی نہیں ہوا۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ اسماء کی عجیب و غریب ترکیب مسمّٰی کی عظمت پر دلالت کرتی ہے۔ اسی لیے اہل عرب اس معاملہ میں جدوجہد کرتے ہیں کہ ان کے اسماء غریبات میں سے ہوں۔

ف: زاد المسیر میں لکھا ہے کہ وجہ فضیلت یہ نہیں کہ یحییٰ نام والا پہلے کوئی نہ تھا اس لیے کہ ممکن ہے کہ اس نام والے پہلے کوئی اور گزرے ہوں جو جستجو کے بعد دستیاب ہو جائیں مگر یہ آج تک اس نام والا کوئی بھی معلوم نہیں بلکہ وجہ فضیلت اور ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے یحییٰ علیہ السلام کا نام خود منتخب فرمایا یہ تجویز والدین کے سپرد نہیں فرمائی۔ اس کی دلیل حضرت ام المومنین بی بی زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ہے کہ ان کا نکاح اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا۔ کما قال:

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا[1]

اسی لیے بی بی رضی اللہ تعالیٰ عنہا فخر فرمایا کرتی تھیں کہ میرے دیگر ازواج مطہرات پر اللہ تعالیٰ نے یہی شرف بخشا ہے کہ میرا نکاح اپنے حبیب علیہ السلام کے ساتھ خود بلاواسطہ کیا ہے۔

ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی فضیلت

امام ثعلبی نے فرمایا کہ پہلی کتابوں میں اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا کہ میرے حبیب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم عنقریب تشریف لائیں گے۔ ان کے چند ایسے اسماء گرامی مخصوص ہوں گے کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء سے مشتق فرمایا ہوگا جیسا کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

وشق له من اسمه ليجله
فذو العرش محمود وهذا محمد

ترجمہ: اپنے نام سے انہیں مشتق فرمایا تاکہ ان کی بزرگی ظاہر ہو اسی لیے ذوالعرش محمود ہے تو یہ محمد ہیں۔

کسی نے کیا خوب فرمایا ہے

اے خواجہ کہ عاقبت کار امت است
محمود ازاں شدہ ست کہ نامت محمد است

ترجمہ: محمود ہوئی امت کی عاقبت نیک اس لیے ہے کہ ان کے نبی علیہ السلام کا اسم گرامی محمد ہے۔

---

[1] پارہ ۲۲ الاحزاب ع ۲۔

اسم یحییٰ کی تحقیق ظاہر تر یہ ہے کہ یحییٰ عجمی نام ہے اگرچہ عربی ہو تو وہ فعل سے منقول ہے جیسے اسم یعیش و یزید۔ انہیں یحییٰ اس لیے موسوم کیا گیا کہ انہوں نے ماں کے رحم کو زندہ کیا یعنی وہ بانجھ تھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں بچہ جننے کے قابل بنایا۔ یا اس لیے کہ انہوں نے حق تعالیٰ کے دین کو زندہ کیا اپنی دعوت سے یا اس علم و حکمت سے جو انہیں بذریعہ وحی عطا ہوئے۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ بچہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ولادت سے قبل نامزد و موسوم ہوتا ہے۔

یا انہیں یحییٰ کے نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ ان کی وجہ سے زکریا علیہ السلام کا نام روشن ہوا جیسے آدم علیہ السلام کا نام شیث علیہ السلام سے اور نوح علیہ السلام کا نام سام سے۔ اسی طرح دوسرے بعض انبیاء علیہم السلام لیکن یہ صرف زکریا علیہ السلام کی خصوصیت ہے کہ انہیں ایسا صاحبزادہ عطا فرمایا کہ جن کا وہ نام تھا جو ان کی صفت کے مطابق تھا بخلاف بعض دوسرے انبیاء علیہم السلام کے کہ ان کے صاحبزادوں نے اگرچہ ان کا نام بلند کیا لیکن ان کے اسماء اس صفت سے موصوف نہیں۔ یہ صرف حضرت زکریا علیہ السلام کی خصوصیت تھی یہ بھی صرف اسی دعا کا اثر ہے کہ جو انہوں نے عرض کیا کہ

فهب لي من لدنك وليا

یحییٰ کا نام بھی انہیں اسی لیے ہوا کہ بیٹے کی طلب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ان کا نام لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طلب کے موافق ایسا صاحبزادہ عطا فرمایا جو ان کے ذکر کی بلندی کا سبب بنا۔ کما قال الشیخ الاکبر قدس سرہ۔

الجواب: الامام السہیلی نے کتاب التعریف والاعلام میں لکھا ہے کہ پہلی کتابوں میں ان کا نام حیی تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ مطہرہ کا نام یسارہ تھا عربی میں اس کا ترجمہ ہے وہ عورت جو بچے نہیں جنے گی جب ان کے بطن سے اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کا نام سارہ رکھا گیا اور یہ نام حضرت جبریل علیہ السلام نے تجویز فرمایا جب بی بی صاحبہ نے اپنے نام میں ایک لفظ کی کمی پائی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے عرض کیا کہ میرے نام میں ایک حرف کیوں کم کر دیا گیا ہے آپ نے فرمایا کہ آپ کے نام میں یہ کمی جبریل علیہ السلام نے کی ہے۔ انہوں نے عرض کی کہ ایسا کیوں ہوا ہے۔ جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ ایک حرف آپ کی اولاد میں ایک بچہ جو ہونے والا ہے علیہ السلام کا وہی حرف انہیں دیا گیا ہے۔ اسی بنا پر حیی کے بجائے ان کا نام یحییٰ ہوا۔ (کذا فی الاتقان)

قال: یہ جملہ مستانفہ سوال مقدر کا جواب ہے گویا کسی نے پوچھا کہ پھر زکریا علیہ السلام نے کیا کہا تو جواب ملا کہ انہوں نے کہا کہ رب۔

سوال: حضرت زکریا علیہ السلام کو خوشخبری فرشتوں نے سنائی جیسا کہ تم پڑھ چکے ہو لیکن اب وہ ملائکہ سے کلام کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ سے بلاواسطہ کیوں عرض کرتے ہیں؟

جواب ۱: تضرع و زاری و انکسار کا اظہار مطلوب ہے اور بتانا چاہتے ہیں کہ مجھے غرض صرف تیری ذات سے ہے۔

جواب ۲: ملائکہ وغیرہ کو بھی دور کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارا علم ملائکہ کا محتاج نہیں نہ ہی ہم ان کے محتاج ہیں وہ تو محض سفیر ہیں ورنہ ہمارا تعلق

براہِ راست اللہ تعالیٰ سے سنی ہے۔

اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ ۔ اے میرے رب میرے ہاں بچہ کہاں اور کیسے یا کس طرح پیدا ہو گا۔ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا ۔ حالانکہ میری عورت تو بانجھ ہے وہ تو شباب میں بھی بچہ نہ جن سکی حالانکہ اس وقت میری جوانی تھی اب وہ بوڑھی ہو چکی ہے۔ وَقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝ اور میں بھی بڑھاپے سے حد جانے کی حالت کو پہنچ چکا ہوں۔

حل لغات، عتی سوکھی ہوئی لکڑی کی طرح خشک ہو کر سکڑ جانا، عتا العود " عتی ہے یعنی لکڑی سوکھ گئی اور کہا جاتا ہے عتا الشیخ یہ اس وقت بولتے ہیں جب انسان بڑھاپے کی انتہا پر پہنچ چکا ہو۔

سوال، زکریا علیہ السلام سے تعجب کا ہونا خود تعجب خیز ہے۔

جواب، انھوں نے تعجب کر کے اپنے قادرِ حقیقی کی قدرت کاملہ کا اعتراف کیا ہے کہ باوجودیکہ اندر تمام اسباب عادیہ مفقود ہیں لیکن میرے قادر قدیر کی قدرت پر قربان کہ اس نے اسباب کے بغیر مجھ کو بچہ عطا فرمایا ہے۔

سوال، طلب کے باوجود پھر تعجب کیوں؟

جواب ۱، تعجب اس معنے سے ہوا کہ بچہ عطا تو ہو گا لیکن اب معاملہ کیسے ہو گا یا تو ہمیں نوجوان بنا کر بچہ جننے کی صلاحیت دینے کے بعد کا یا ہم ایسے بوڑھے ہی رہیں اور بچہ پیدا ہو گا جیسا کہ رب لا تذرنی فردا وانت خیر الوارثین فاستجبنا له ووهبنا له يحيى واصلحنا له زوجه " سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بچہ جننے کی صلاحیت ڈالی گئی پھر ان سے صاحبزادہ پیدا ہوا۔

جواب ۲، [illegible] میں ہے کہ انھوں نے اس سے ارادہ فرمایا کہ نامعلوم بچہ اسی بیوی سے پیدا ہو گا یا کسی اور عورت کے ساتھ نکاح کرنے کا حکم ہو گا یا کسی لونڈی سے پیدا ہو گا۔

قَالَ ۔ زکریا علیہ السلام سے اس فرشتے نے کہا جو ان کے ہاں صاحبزادے کی بشارت سنانے کے لیے تشریف لائے تھے كَذٰلِكَ ۔ معاملہ ایسے ہی ہے جیسے آپ فرما رہے ہیں کہ بڑھاپے سے بچے پیدا نہیں ہوتے لیکن قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۔ آپ کے رب تعالیٰ نے فرمایا کہ باوجودیکہ واقعۃً بڑھاپے میں بچے پیدا نہیں ہوتے مگر میرے لیے یہ کام آسان ہے کہ میں آپ کو قوت جماع بخشوں اور آپ کی عورت میں نطفہ ٹھہرنے کی قوت پیدا فرماؤں۔ (کذا فی تفسیر الحسینی والکاشفی)

ف، الاشارہ میں ہے کہ کذلک کا کاف تشبیہ کے کاف کی طرح زائدہ ہے لیکن اس سے جدا نہیں ہو گا اور محلاً منصوب ہے اور قال فعل کے لیے مصدر تشبیہ ہے اور اس کا اشارہ مصدر کی طرف ہے یعنی وعدہ سابق کی طرف اشارہ ہے ذا کسی اوّل کی طرف جو اس کے مشابہ ہے۔ هو علی هین وعدہ مذکور کی تقریر کرتا ہے اور وعدہ کے پورے ہونے پر دلالت کرتا ہے قال

(حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ف، جیسے آج کل بعض وہابی کہتے ہیں کہ حضرت علیہ السلام اور دوسرے انبیاء علیہم السلام تو جبریل علیہ السلام کے بتانے کے محتاج تھے۔ (معاذ اللہ)

اولاد کی خبر میں ہے گویا یوں کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس عجیب قول کی مثل فرمایا کہ میں خود وہ وعدہ پورا فرماؤں گا جو کیا گیا ہے عیسیٰ میں

ہے اگرچہ عادۃً محال ہے۔

ف: كَذٰلِكَ کو علامہ قرطبی مبتدا محذوف کی خبر میں بنانا جائز ہے اور یہ کہ یہ وعدہ سابقہ کی طرف ہو گا یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

میں نے جو تم سے یہ وعدہ کیا ہے وہ ضرور ہو گا خیال رہے علامت لفظ ہو گا وہ جو سابقہ کی تفریع کے لیے ہو گا۔

وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ اور میں نے تمہیں یحییٰ کی پیدائش سے پہلے پیدا فرمایا۔ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا اس وقت

تم کچھ بھی نہ تھے بلکہ معدوم محض تھے۔ اس کے بعد بیٹے کو دو بشروں سے پیدا کرنا تو کوئی مشکل نہیں۔ اس میں تخلیق آدم علیہ السلام کی طرف اشارہ

ہے اس لیے کہ اسے قدرت کے طور پر بیان کیا گویا ان کی جمیع اولاد کی تخلیق ایسے ہے۔

ف: امام صاحب نے فرمایا کہ وَقَدْ خَلَقْتُكَ سے وجہ استدلال یہ ہے کہ معدوم محض سے اس نے ذات وصفات پیدا فرما دیئے اور

بالعموم بیٹے کو پیدا کرنے سے صرف صفات کی تبدیلی کرنی پڑے گی جو بظاہر ذات وصفات کی تخلیق پر قدرت رکھتا ہے۔ اس کا

تبدیلی صفات پر قدرت رکھنا بطریق اولیٰ ہے۔

ف: جو معلوم ہی ہے کہ شئی کا اطلاق جامعہ ترکیب موجودات پر ہوتا ہے اس میں بالکل یہ نہ ہو معدومات کو شے کہا جائے

گا۔ قاعدہ یہ ہے کہ شے کی نفی سے عدم ہو گا اس سے نتیجہ نکلا کہ معدوم کوئی شے نہیں۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْ اٰيَةً اے میرے رب جب بیٹے کی تخلیق کے متعلق یہ بشارت دی ہے تو مجھے

جاننے کے لیے بچے کے پیٹ میں پہنچ جانے کی کوئی علامت بتا دیجئے تاکہ اس سے میں تیرے دیئے ہوئے انعام کا شکر کروں۔

ف: جب انہیں بیٹے کے لیے مژدہ سنایا گیا تو انہوں نے بھی یہی سوال کیا۔

چنانچہ مروی ہے کہ حضرت یحییٰ حضرت عیسیٰ علیہما السلام سے چھ ماہ یا تین سال بڑے تھے اس کی وجہ ظاہر ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام

نے بی بی مریم کے طفولیت کے زمانہ میں یہ کرامت دیکھی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ

اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ یحییٰ علیہ السلام جب پیدا ہوئے تھے تو اس وقت بی بی مریم کی عمر دس یا تیرہ سال تھی۔ واللہ تعالیٰ

ورسولہ اعلم

قَالَ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ تیری علامت یہ ہے کہ تم لوگوں سے بات نہ کر سکو

گے لیکن اس کے باوجود ذکر و تسبیح پر قدرت حاصل ہو گی۔

سوال: تم نے ذکر و تسبیح کی قدرت کہاں سے سمجھی؟

جواب: سوال میں کی قید بتاتی ہے کہ وہ ذکر الٰہی پر قدرت رکھتے تھے لیکن لوگوں سے بات نہ کر سکتے تھے۔

ثَلٰثَ لَيَالٍ تین راتیں اور تین دن۔ اگرچہ اس آیت میں دن کا ذکر نہیں لیکن سورۂ آل عمران میں تصریح کی گئی ہے۔ سَوِيًّا

یہ تکلم سے مانع ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ زکریا علیہ السلام کا رکنا اضطراراً نہیں تھا یعنی گونگے پن سے اس لیے کلام نہ کرتے تھے کہ ان کے کسی عضو کو کوئی تکلیف تھی بلکہ تمام اعضا صحیح سالم تھے بلکہ حکم ربانی کے تحت کلام نہ کرتے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی زبان پر کنٹرول کر دیا گیا کہ بات کرتے تو زبان کلام نہ کرتی۔

ف: مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ حکم سن کر جب زکریا علیہ السلام گھر واپس ہوئے تو رات کو بی بی صاحبہ سے جماع کیا تو اسی رات حضرت یحییٰ علیہ السلام والدہ کے شکم اطہر میں تشریف لائے۔

فَخَرَجَ جب بی بی صاحبہ حاملہ ہوئیں تو آپ حجرہ سے باہر تشریف لائے۔ **عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ**۔ اپنی قوم کے ہاں اپنی عبادت گاہ یعنی حجرہ سے۔ وہ آپ کے عام لوگ حجرہ کے باہر آپ کے حجرہ کے کھلنے کے منتظر کھڑے تھے کہ حجرہ کا دروازہ کھلتے ہی آپ کے ساتھ نماز پڑھیں۔ جب آپ حجرہ سے اچانک باہر تشریف لائے تو آپ کا چہرہ متغیر تھا اور بالکل خاموش تھے۔ لوگ آپ کی یہ حالت دیکھ کر گھبرائے **فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ** تو آپ نے انھیں سر کے اشارہ سے فرمایا جیسے لفظ الا رمزاً سے معلوم ہوا ہے۔ **اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا** ○ ان مفسرہ تفسیر کے لیے ہے یا مصدریہ ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ نماز پڑھو صبح اور شام۔ بکرۃ سے طلوع فجر سے ضحیٰ تک اور عشیا سے زوال شمس سے تا غروب کا وقت مراد ہے۔ یہ دونوں تسبیح کے ظرف زمان ہیں۔

ف: ابوالعالیہ سے نماز فجر و عصر مراد ہیں یا سبحوا بمعنی دن کے دونوں طرفوں میں اللہ تعالیٰ کی تنزیہ بیان کرو اور کہو سبحان اللہ۔ حضرت زکریا علیہ السلام کو شکر کے طور پر اللہ تعالیٰ کی تسبیح کے مامور تھے یہی حکم آپ نے اپنی قوم کو اشارۃً فرمایا۔ کذا فی الارشاد

ف: فقیر اویسی کہتا ہے کہ یہی صحیح ہے اس لیے کہ تسبیح کا معنیٰ یہاں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس بیان کی جائے کہ وہ عاجز نہیں کہ وہ بوڑھوں سے بچہ پیدا فرمائے اگرچہ بظاہر ایسا ہونا مشکل ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید نہیں۔ اس لیے کہ وہ ہر شے پر قادر ہے۔ اذکار میں قاعدہ ہے کہ ہر امر عجیبہ سبحان اللہ یعنی ہر امر عجیب کے وقت سبحان اللہ کہنا چاہیے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیات میں حسب ذیل اشارات ہیں:

① اللہ تعالیٰ نے زکریا علیہ السلام کو نام لے کر پکارا یہ بھی ان کی کرامت و شرافت کے ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عنایت فرماتا ہے۔

② آپ کے صاحبزادے کا یحییٰ نام رکھا ایسا نام پہلے کسی کا نہیں تھا۔ صورۃً: یعنی صورۃ تو ظاہر ہے اور معنیً یوں تھا کہ یحییٰ علیہ السلام کو کوئی جانتا بھی نہیں تھی بلکہ کبھی کسی وقت شہوت نہ ہوئی اور نہ ہی کبھی کسی گناہ کا ارادہ کیا بلکہ آپ کے دل میں کبھی اس قسم کا خیال تک بھی نہ گذرا ایسے ہی حضور علیہ السلام سے یحییٰ علیہ السلام کے حالات مذکور ہوتے۔

③ لم نجعل له سميا سے معلوم ہوا کہ مخلوق سے پہلے ہر ایک کا نام اللہ تعالیٰ نے خود نامزد فرمایا ہے اور ہر ایک کا نام

اللہ تعالیٰ کے الہام سے نکلا ہوا ہے جیسے حضور علیہ السلام کا اسم گرامی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الہام کے ذریعہ معلوم ہوا۔ کا قول ،

ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد ۔

④ قال رب انی یکون لی غلام میں اشارہ ہے کہ کبھی ظاہری طور پر بغیر کے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں مثلاً بانجھ ہو اور بوڑھا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ ایک شے کو دوسری شے پیدا فرماتا ہے۔ کا قول ،

وما خلق اللہ من شیء ،

اور اس کی قدرت ہے کہ شے کو لاشے سے پیدا فرمائے۔ اسی لیے زکریا علیہ السلام نے عرض کیا ،

انی یکون لی غلام

میرے لیے بچہ عطا ہوگا اس وقت موجودہ سے یا قدرت کاملہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب عطا فرمایا ،

قال کذلک اللہ ۔

پر دونوں سے خالی نہ ہوگا یعنی اس میں قدرت کاملہ کا ظہور بھی ہوگا اور اسباب معروف کا ظہور بھی۔

⑤ قال ربک ھو علی ھین میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کمال پر دونوں آسان ہیں اللہ تعالیٰ نے چاہے تو اسباب اور حصول والد کے اسباب پیدا کرے مثلاً تمہیں جوانی کی قدرت عطا کرے اور تمہاری زوجہ کی بانجھ کے اندر نطفہ ٹھہرنے کی طاقت بخشے۔ یہ قانون معروف ہے اور عادی ہے کا اور اگر چاہے تو اپنی قدرت کاملہ سے تمہیں عدم سے پیدا کرے جیسے تمہیں پہلے پیدا کیا حالانکہ اس وقت تم معدوم تھے یعنی تمہاری روح تمہارے جسم سے پہلے پیدا فرمائی جب کہ اس وقت کوئی شے وجود میں نہ تھی اور اللہ تعالیٰ نے کیسے تمہاری ارواح پیدا فرمائیں۔ اسی لیے فرمایا ،

قل الروح من امر ربی یعنی روح اس عالم امر سے ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی قدرت متعلق ہوتی ۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

آب از جوشش ہمی گردد ہوا
واں ہوا گردد ز سردی آب ہا
بلکہ بے اسباب بیروں زیں حکم
آب رویانید تکوین از عدم
تو ز طفلی چوں سببہا دیدۂ
در سبب از جہل بر چفسیدۂ

ترجمہ پانی اس کے جوش سے ہوا ہو جاتا ہے اور ہوا سردی کے غلبے سے پانی ہو جاتی ہے۔

(۲) اسباب کے بغیر ان کے گھر عطائی پیدا ہوا جب امر تکوین نے عدم ذاتی کی تحقیق فرمائی ۔

(۳) مگر آپ نے یحییٰ (روح قولی) سے عجب کر دیکھا آپ جلال کے جال میں پھنسا رہے گا ۔

یٰیَحْیٰی یہاں بھی ایک عبارت محذوف ہے جو اصل یوں تھا وہ بچہ جب پیدا ہوا ہم نے اسے کہا یا یحییٰ بیٹا ہم نے زکریا علیہ السلام کو عطا کر کے کہا اے یحییٰ (علیہ السلام)

ف: حضرت زکریا علیہ السلام تین روز کی خاموشی سے ذکر الٰہی کرتے رہے تین یوم کے بعد حسب دستور لوگوں سے گفتگو کرنی شروع کی اور یحییٰ علیہ السلام ماں کے پیٹ میں مدت حمل کے مطابق پیدا ہوئے اور بچپن ہی سے کپڑے پہننے کے عادی تھے اور بیت المقدس کے علماء سے نشست و برخاست شروع کر دی اور عبادت و ریاضت و مجاہدہ میں لگ گئے یہاں تک کہ وہ وقت آن پہنچا کہ منصب انبیاء کی تعیین ہوئی اور فرمان ہوا

خُذِ الْکِتٰبَ: تورات لیجئے ۔ **بِقُوَّۃٍ:** قوت کے ساتھ یعنی جد و جہد کیجئے اور توفیق ایزدی اور تائید خداوندی پر بھروسہ کیجئے ۔ (کذا قال الکاشفی)

ف: تفسیر جلالین میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے آپ کو تورات عطا کی اور اس کے حفظ اور اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشی

عارف جامی قدس سرہ کی تشریح

حضرت مولانا جامی قدس سرہ السامی نے فصوص الحکم کی شرح میں لکھا ہے کہ اگر زکریا علیہ السلام اور ان کی زوجہ محترمہ کو نہیں لگتا تھا یعنی انہیں اسباب خارجیہ کے بغیر تائید الٰہی و حق تعالیٰ کی توجہ نہ پہنچنے کے قابل ہوتی اور وہ اس میں عمل کا شہباز نہیں لہٰذا حضرت زکریا اور ان کی توجہ کو نصیب ہوئی تو ان سے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی طرف منتقل ہوئی اسی لیے انہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔

یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ ۔

معتزلہ کا رد: روح البیان میں ہے کہ اس میں معتزلہ کا رد ہو گیا کہ وہ اسم و مسمّٰی کو غیر مانتے ہیں اور ہم عین اس آیت سے ہماری تائید ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے خبر دی اسمہ یحییٰ ۔ اس کے بعد اسی یحییٰ کو خطاب فرمایا کہ یا یحییٰ خذ الکتاب بقوۃ ۔

وَاٰتَیْنٰهُ الْحُكْمَ ہم نے انہیں حکم عطا فرمایا اس حال میں کہ وہ **صَبِیًّا** بچے تھے ۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حکم سے نبوت مراد ہے اس لیے کہ انہیں تین یا سات سال کی عمر میں نبوت عطا ہوئی لفظ نبوت کو حکم سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ ان کو بچپن سے ہی عقل پختہ اور فہم کامل تھی اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں بچپن ہی سے نوازا ۔

ف: بعض کے نزدیک حکم سے مراد ہے فہم تورات اور تفقہ فی الدین مراد ہے ۔ اصل الحکم یعنی المنع ہے اسی معنی پر حاکم کو حاکم کہا

جلتا ہے کہ وہ عالم کرم سے بہکتا ہے اور حکمت انسان کو بے وقوفی سے روکتی ہے ۔

حکایت: ایک لڑکے نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو کھیل کود کے لیے بلایا تو آپ نے جواب دیا کہ ہم کھیل کود تماشہ کے لیے نہیں پیدا ہوئے ۔

سبق: کاشفی نے لکھا ہے کہ اس میں ان لوگوں کو عبرت حاصل چاہیے جو زندگی بھر کھیل تماشہ میں وقت ضائع کرتے ہیں اور دنیا کے عام ترددوں میں پھنسے رہتے ہیں ۔

عمر بباز یچہ بسر میبری
پائے باندازہ بدر مے بری
ہر کہ زبازیچہ جہاں پا کشی !
طفل نہ چند بہ بازی خوشی

ترجمہ: زندگی کھیل تماشہ میں ضائع کر رہا ہے اپنے اندازہ سے باہر پاؤں پھیلا رہا ہے ۔ تا کہ کھیل تماشہ میں زندگی ضائع کر رہا ہے گا تو بچہ تو نہیں کہ کھیل تماشہ سے خوش ہو ۔

اولیائے امت مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی شان

فقیر اویسی غفرلہ کہتا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ایسے حضرات گزرے ہیں جنہیں بچپن میں حضرت یحییٰ کی طرح کشف و الہام ربانی نصیب ہوا ۔ ان میں حضرت سہل بن عبد اللہ تستری قدس سرہٗ ہیں جنہوں نے سلوک کی تمام منزلیں تین سال سے سات سال تک کمل کر لیں جیسے ولادت گاہی اپنے شیخ پیر و مرشد سے مروی ہے ۔

(اسی طرح اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہٗ کا حال تھا جیسا کہ ان کے حالات شاہد ہیں[۱] ۔ ان کے علاوہ اور بھی متعدد مشائخ کے حالات اس طرح ملتے ہیں ۔)

ف: ایسے حضرات کو نصیب ہوتا ہے جن کے قلب پر تجلی جلالت ہوں تو پھر تجلی میں تو جیسے وہ کمالات وہ بچپن سے ہی پاتے ہیں اور بہت سے کشف الحجاب لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے لیے مجاہدات شاقہ اور ریاضات شدیدہ کی ضرورت ہوتی ہے ان کے کمالات عمر کے بعد حاصل ہوتے ہیں ۔

ف: کامل کی روح بدن سے بہت جلد مستغنی ہو جاتی ہے اسی لیے وہ عالم روحانی کی طرف جلد پہنچ جاتے ہیں جس سے انسی صفت سے اور اصل نسانی میں لطف قرب ہے اور انسی صفت اور اصل نسانی میں ملاءمت ہوتی ہے ۔ اسی بنا پر وہ بچہ اکملیت الٰہی کی امانت گی میں کام کر رہا ہے ۔

اے اللہ تعالیٰ نے ہم سے عبادت کا لانے والے نورانیہ معرفہ کر کے ہیں ان لوگوں سے بنا جن کے قلوب پر انوار ربانیہ کشف ہوتے ہیں رحمی

---

[۱] حیات اعلیٰ حضرت جلد اول وغیرہ ۲۲ ۔ اویسی غفرلہ)

وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا اس کا الحکم پر عطف ہے اور اس کی تنوین تعظیم کے لیے ہے۔ صاحب بحر نے تحنن و اشتیاق مثلاً کیا جاتا ہے:

حنت الی ارتاح و اشتاق۔

پھر عطوفت و رحمت کے معنی میں مستعمل ہونے لگا یعنی ہم نے یحییٰ علیہ السلام کو بہت بڑی رحمت و شفقت عنایت فرمائی یا یہ معنی ہے کہ ہم نے ان کے دل میں رحمت اور والدین وغیرہا کے لیے شفقت پیدا فرمائی۔

وَزَكَوٰةً یعنی طہارۃ من الذنوب یعنی انہیں گناہوں سے پاکدامنی بخشی۔

ف: حضرت امام نے فرمایا کہ انہیں ایسی شفقت نصیب ہوئی کہ ان کو ادائیگی واجب میں خلل اندازی سے بچاتی تھی۔ اس لیے کہ بعض اوقات شفقت انسان کو ادائیگی واجب سے روک لیتی ہے۔ کما قال تعالیٰ:

ولا تأخذكم بهما رأفة في دين الله[1]

اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے انہیں والدین وغیرہا پر شفقت و رحمت کرنے کے ساتھ ایسی طبیعت بخشی جس سے وہ ادائیگی واجب میں کسی قسم کی کمی نہیں کرتے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ زکوٰۃ سے صدقہ مراد ہے یعنی ہم نے ان کے والدین کو یحییٰ علیہ السلام بصورت صدقہ عطیہ کے بخشا یا ہم نے یحییٰ علیہ السلام کو لوگوں پر خیر و خیرات دینے کی توفیق بخشی۔

وَكَانَ تَقِيًّا ۝ اور تھے وہ پرہیزگار یعنی مطیع اور معاصی سے اجتناب کرنے والے۔ انہوں نے کبھی بھی کسی گناہ کا ارتکاب نہ کیا اور نہ ہی کسی گناہ کا ارادہ فرمایا۔

وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ اور اپنے والدین کے بے حد خدمت گذار اور ان کے سامنے تواضع اور انکسار سے پیش ہونے والے اور ہر طرح کی خدمت بجا لانے والے۔ **وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۝** اور نہ تھے اپنے والدین اور رب تعالیٰ کے بے فرمان

ف: بحر العلوم میں ہے کہ الجبار بمعنی المتکبر۔

بعض نے کہا کہ جبار وہ انسان ہے جو لوگوں کو بے دردی سے مارے اور غیظ و غضب سے لوگوں کو قتل کرے اور اپنے انجام پر نگاہ نہ رکھے۔ بعض نے کہا جبار وہ ہے جو تکبرانہ انداز میں اللہ تعالیٰ کے احکام سے روگردانی کرے۔

وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی اور امان ہو یحییٰ علیہ السلام پر۔ یہ عبارت دراصل و سلمنا علیہ فی ھذہ الاحوال یعنی ہم نے یحییٰ علیہ السلام پر ان احوال میں سلام بھیجا اس لیے کہ انسان کے یہی حالات زیادہ وحشت ناک ہوتے ہیں۔ پھر جملہ فعلیہ کو جملہ اسمیہ کی طرف منتقل کیا گیا ہے تاکہ سلام کے استمرار و ثبات پر دلالت ہو اسی لیے وحشت کی دوری

---

[1] سورہ نور، رکوع ۱۔

صرف سلام کے ثابت اور صحت پر سکتی ہوتے ہیں۔ يَوْمَ وُلِدَ ۔ اس وقت کہ وہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے مطلب یہ ہے کہ بچہ کو پیدائش کے وقت شیطان شیاطین چھوتا ہے لیکن حق نے سلامتی اور امان نازل فرما کر یحییٰ علیہ السلام کو محفوظ فرما لیا۔

وَيَوْمَ يَمُوتُ ۔ اور اس وقت جب کہ وہ طبعی موت سے واصل باللہ ہوں گے یہ وقت ہی اور اس کے بعد قبر کے اوقات وحشتناک ہوتے ہیں لیکن حق نے یحییٰ علیہ السلام کو امن و سلامتی سے نوازا۔ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۝ اور اس وقت جب کہ قیامت میں زندہ ہو کر اٹھیں گے تو انہیں قیامت اور عذاب کے سلامتی اور امان بخشیں گے۔

فائدہ صوفیانہ: آیت میں ولادت الطبیعۃ اور موت سے فنا اور بعثت سے بقاء بعد الفناء کی طرف اشارہ ہے یعنی جب انسان متخیلات طبیعت سے ذات حق میں فنا پاتا ہے تو سے مقام بقا نصیب ہوتا ہے۔

نکتہ: ولادت، موت، قبر سے حشر کے میدان میں اٹھنے کے حالات اس لیے وحشتناک ہیں کہ انسان جب پیدا ہوتا ہے تو اسے دنیا کا عالم ایک اجنبی ملک محسوس ہوتا ہے جس میں پیدا ہو کر ہی معلوم ہوتا ہے اور جب مرے گا تو قبر میں ایسے لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے جو دنیوی زندگی سے غیر مانوس ہوں گے اور حشر میں اٹھے گا تو اپنے آپ کو ایسے حالات میں پائے گا جن سے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا لیکن یحییٰ علیہ السلام کو ان وحشتناک مقامات سے امان اور سلامتی بخشی گئی۔

تفسیر صوفیانہ: زکریا سے روح انسانی اور اس کی زوجہ سے انسانی جسم مراد ہے اس لیے کہ جسم روح کی زوجہ ہے اور یحییٰ سے قلب کی طرف اشارہ ہے اب اس کا معنی یہ ہے کہ جب روح نے جسم میں بہت دراز مدت گزاری تو ناممکن سمجھا کہ کوئی بیٹا قلب نصیب ہو جو فیض روحانیت کو بطور حاصل کرنے کی استعداد رکھے۔ اسی لیے اس کو حق نے اعلان فرمایا۔

ما وسعني أرضي ولا سمائي ولكن يسعني قلب عبدي المؤمن۔	میں نہ زمین میں سماتا ہوں نہ آسمان میں لیکن میں مومن بندے کے قلب میں سماتا ہوں۔

اور اس سے وہ فیض الٰہی مراد ہے جو جسمانیت کو بھی نصیب نہ ہوا اور نہ ہی ملائکہ کو۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہ نے فرمایا ؎

ملائک را چہ سود از حسن طاعت
چو فیض عشق بر آدم فرو ریخت

ترجمہ: ملائکہ کو اس طاعت کی لذت کیا خبر جب کہ عشق کے فیض کی بارش حضرت آدم علیہ السلام کو نصیب ہوئی۔

ف: جب روح کو صورت یوسف مذکور قلب کی بشارت نصیب ہوئی تو اس نے مزید علامات چاہا کہ میں یہ معلوم کر لوں کہ جسم تو اب بوڑھا ہو چکا ہے اب وہ اس نعمت کو کیسے اپنے میں جذب کر سکے گا جو روحانی عشق اس حق تعالیٰ نے عطا فرمایا۔

وَآيَتُكَ أَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ	اور اس کی علامت یہ ہے کہ تم غیروں سے کلام کرو اسے اللہ کی طرف توجہ رکھو۔

لہٰذا اس سوال میں بھی مراتب کی طرف اشارہ ہے۔

① ظلمات

② حجابات

③ روحانیات

جب بندہ اللہ تعالیٰ کے قرب کے حصول کے لیے ما سوی سے توجہ ہٹا لیتا ہے تو اسے وہ قلب نصیب ہوتا ہے جو نورِ الٰہی سے منور ہوتا ہے جسے حدیث میں لفظ غلام سے تعبیر کیا گیا ہے۔

خلص جوهره طوبه یعنی روح جب اپنے خواہشات کے مرکب سے نکل آتی ہے تو مجھے صفات نفس و قلب اور انانیت سے فریاد کر سبحوا بکرۃ و عشیا یعنی دن رات صرف اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ رکھو اور غیروں سے بالکل بیزار، بکرۃ سے ازل اور عشی سے ابد مراد ہے یعنی ہمیشہ کے لیے جب ایسی کوشش قسمت میں آ گئی یعنی نورانی قلب نصیب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: خذ الکتاب، یعنی قوت انسانی بلکہ قوت ربانیہ سے فیض الٰہی کی کتاب کو لے لے۔ قوت انسانی کی نفی اس لیے کی گئی کہ انسان تخلیقاً ضعیف ہے بلکہ اسے کوئی قوت ذاتی ہے ہی نہیں کہ جسے اپنی قوت و طاقت کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اور وہی ہر ایک قوت اور رزق وغیرہ عطا کرنے والا ہے اسی وجہ سے وہ قلب نورانی صاحب علم و حکمت، رحمت اور طاہر عن طغیان عن ما سوی اللہ اور متقی ہوتا ہے۔

وبرا بوالدیہ ولم یکن جبارا عصیا اور وہ قلب نورانی نفس امارہ کی طرح نہیں بلکہ وہ باپ روح اور ماں جسم کے ساتھ احسان کنندہ ہے اور ان کے ساتھ طاعت اور نیکی کے ساتھ پیش نہیں ہوتا باپ یعنی روح سے احسان مندی کا معنی یہ ہے کہ اسے فیض الٰہی کے نور سے نورانی بناتا ہے اور فیض الٰہی کے نور کا مرکز یہی روح ہے اس لیے کہ فیض الٰہی کے نور کو صرف روح قبول کرتا ہے۔

سوال: روح نے فیض الٰہی کے نور کو قلب کے واسطہ کے بغیر کیوں نہ قبول کیا؟

جواب: جواب یہ ہے کہ روح لطیف ہے اس لیے وہ نور فیض الٰہی کو اپنے میں سمونے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا قلب نے اگر نور فیض الٰہی کو اپنے میں جگہ دی اس لیے کہ وہ متوسط ہی ہے اور کثافت بھی۔ اسی لیے نور فیض الٰہی اس میں رہ گیا اس لیے کہ قلب نے صفائی سے نور کو قبول کیا اور کثافت سے اسے روکا۔ اس کے واسطہ سے پھر وہی نور روح کو حاصل ہوا۔ اسے یوں سمجھئے کہ سورج کا نور ہوا پر بھی پڑتا ہے لیکن ہوا اپنی لطافت کی وجہ سے اپنے میں اس نور کو روک نہ سکی وہی نور آئینے میں رہ گیا اس لیے کہ شیشہ میں لطافت تھی تو نور کو قبول کیا اس کے بعد اپنی کثافت سے اس نور کو محفوظ کر لیا ہے ایسے ہی قلب کا معاملہ ہے۔

بار امانت کا راز: امانت ابدی یہ ہے اللہ تعالیٰ نے کل کائنات کو پیش کیا تو سب نے انکار کیا لیکن انسان نے اسے اٹھایا تو اس کا راز اسی میں مضمر تھا اور قلب کی اس لیے جو سب سے احسان مندی کا معنی یہ ہے کہ اسے اوامر شرع پر لگایا اور اسے نواہی سے بچایا تاکہ احکام الٰہی کی تعمیل سے قبر کے عذاب سے بچ کر جنت کا مستحق ہو۔

ایک سوال کا ذکر ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں بنی اسرائیل کے جنگل میں تھا کہ ایک بزرگ میرے ساتھ اس جنگل میں چل رہے

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿١٦﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ
اور کتاب میں مریم کو یاد کرو جب اپنے گھر والوں سے پورب کی طرف ایک جگہ الگ گئی تو ان سے ادھر ایک

دُوْنِهِمْ حِجَابًا فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿١٧﴾
پردہ کر لیا تو اس کی طرف ہم نے اپنا روحانی بھیجا وہ اس کے سامنے ایک تندرست آدمی کے روپ

قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿١٨﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ
میں ظاہر ہوا بولی میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تجھے خدا کا ڈر ہے بولا میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں

رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿١٩﴾ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ
کہ میں تجھے ایک ستھرا بیٹا دوں بولی میرے لڑکا کہاں سے ہوگا مجھے تو کسی آدمی نے ہاتھ نہ لگایا

بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿٢٠﴾ قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً
نہ میں بدکار ہوں کہا یونہی ہے تیرے رب نے فرمایا ہے کہ یہ مجھے آسان ہے اور اس لئے کہ ہم اسے لوگوں کے واسطے نشانی

لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿٢١﴾ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا
کریں اور اپنی طرف سے ایک رحمت اور یہ کام ٹھہر چکا ہے اب مریم نے اسے پیٹ میں لیا پھر اسے لئے ہوئے ایک

قَصِيًّا ﴿٢٢﴾ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ
دور جگہ چلی گئی پھر اسے جننے کا درد ایک کھجور کی جڑ میں لے آیا بولی ہائے کسی طرح میں اس سے پہلے

قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿٢٣﴾ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ
مر گئی ہوتی اور بھولی بسری ہو جاتی تو اسے اس کے تلے سے پکارا کہ غم نہ کھا بیشک تیرے

رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿٢٤﴾ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا
رب نے تیرے نیچے ایک نہر بہا دی ہے اور کھجور کی جڑ پکڑ کر اپنی طرف ہلا تجھ پر تازی پکی کھجوریں گریں گی

جَنِيًّا ﴿٢٥﴾ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا فَقُوْلِيْٓ
تو کھا اور پی اور آنکھ ٹھنڈی رکھ پھر اگر تو کسی آدمی کو دیکھے تو کہہ دینا

اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴿٢٦﴾ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا
میں نے آج رحمٰن کا روزہ مانا ہے تو آج ہرگز کسی آدمی سے بات نہ کروں گی تو اسے گود میں لئے اپنی قوم کے

تَحْمِلُهٗ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا ﴿٢٧﴾ يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ
پاس آئی بولے اے مریم بیشک تو نے بہت بری بات کی اے ہارون کی بہن تیرا باپ برا آدمی

امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ﴿٢٨﴾ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ
نہ تھا اور نہ تیری ماں بدکار اس پر مریم نے بچے کی طرف اشارہ کیا وہ بولے ہم کیسے بات کریں اس سے جو

فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝٢٩ قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللّٰهِ آتَانِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ۝٣٠

اسے جو پالنے میں بچہ ہے بچہ نے فرمایا میں ہوں اللہ کا بندہ اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے غیب کی خبریں بتانے والا (نبی) کیا

وَّجَعَلَنِي مُبٰرَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ وَأَوْصٰنِي بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝٣١ ع

اور اس نے مجھے مبارک کیا میں کہیں ہوں اور مجھے نماز و زکوٰۃ کی تاکید فرمائی جب تک جیوں

وَّبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا ۝٣٢ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ

اور اپنی ماں سے اچھا سلوک کرنے والا اور مجھے زبردست بدبخت نہ کیا اور وہی سلامتی مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن

أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ۝٣٣ ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ

مروں اور جس دن زندہ اٹھایا جاؤں یہ ہے عیسیٰ مریم کا بیٹا سچی بات جس میں شک کرتے ہیں

يَمْتَرُونَ ۝٣٤ مَا كَانَ لِلّٰهِ أَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهٗ إِذَا قَضٰى أَمْرًا فَإِنَّمَا

اللہ کو لائق نہیں کہ کسی کو اپنا بچہ ٹھہرائے پاکی ہے اس کو جب کسی کام کا حکم فرماتا ہے تو یوں ہی کہ اس

يَقُولُ لَهٗ كُنْ فَيَكُونُ ۝٣٥ وَإِنَّ اللّٰهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هٰذَا صِرَاطٌ

سے فرماتا ہے ہو جا وہ فوراً ہو جاتا ہے اور عیسیٰ نے کہا بیشک اللہ رب ہے میرا اور تمہارا تو اس کی بندگی کرو یہ راہ سیدھی

مُّسْتَقِيمٌ ۝٣٦ فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ مَّشْهَدِ

ہے پھر جماعتیں آپس میں مختلف ہو گئیں تو خرابی ہے کافروں کے لیے ایک بڑے دن کی

يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝٣٧ أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ يَوْمَ يَأْتُونَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُونَ الْيَوْمَ فِي ضَلٰلٍ

حاضری سے کتنا سنیں گے اور کتنا دیکھیں گے جس دن ہمارے پاس حاضر ہوں گے مگر آج ظالم کھلی گمراہی میں ہیں

مُّبِينٍ ۝٣٨ وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا

اور انہیں ڈر سناؤ پچھتاوے کے دن کا جب کام ہو چکے گا اور وہ غفلت میں ہیں اور وہ

يُؤْمِنُونَ ۝٣٩ إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ۝٤٠ ع

نہیں مانتے بیشک زمین اور جو کچھ اس پر ہے سب کے وارث ہم ہوں گے اور وہ ہماری ہی طرف پھریں گے

بقیہ صفحہ نمبر ۲۹۵

حکایت تھے میں ان سے عجیب ہوا تعجب سے دل میں الہام ہوا کہ یہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں میں نے انھیں قسم دے کر پوچھا کہ بتائیے آپ کون ہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ میں تیرا بھائی خضر ہوں۔ پھر ان سے میں نے عرض کی کہ اگر اجازت ہو تو میں آپ سے ایک سوال پوچھوں۔ انھوں نے فرمایا پوچھو میں نے عرض کی کہ بتائیے مجھے آپ سے زیادہ و شرف کیوں نصیب ہوا۔ انھوں نے فرمایا کہ صرف اس لیے کہ تم اپنی والدہ کے فرمانبردار اور ان کی خدمت کرتے ہو۔ (کذا فی المقاصد الحسنہ)

سبق والدین کی وجہ سے اپنے والدین کا مطیع ہو بھلائی والدین میں پایا جاتا ہے اسی لیے کہ احسان مند انسان کو بہشت

پر پہنچاتی ہے اور کرامت نصیب ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ سے انس و سلامتی حاصل ہوتی ہے۔

تفسیر عالمانہ

فَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اور یاد کیجئے حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کتاب میں یاد کیجئے کتاب سے قرآن مجید یا سورۃ کریمہ مراد ہے اس لیے کہ سورۃ بھی قرآن مجید کا ایک حصہ ہے اسی لیے اس پر بھی لفظ کتاب کا اطلاق ہو جاتا ہے **مَرْيَمَ** ۔ یہاں لفظ خبر بمضاف محذوف ہے یعنی مریم بنت عمران کا قصہ اور اس کی خبر۔

سوال : مضاف محذوف ماننے کا کیا فائدہ؟

جواب : چونکہ ذکر کا تعلق اعیان سے نہیں ہوتا بنا بریں مضاف محذوف مان کر ذکر کا اعیان کے تعلق سے بچا لیا گیا ہے اور مریم بمعنی عابدہ۔

نکتہ اور رد نصاریٰ قرآن مجید میں سوائے بی بی مریم کے اور کسی عورت کا نام نہیں اس میں ایک عجیب نکتہ ہے وہ یہ کہ نصاریٰ نے گندا عقیدہ پھیلا رکھا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کا بیٹا اور بی بی مریم اس کی جورو معاذ اللہ اور اسی وہم میں انہیں یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ نے احکم الحاکمین ہے اور اہل عرب میں قاعدہ تھا کہ جیسے بادشاہ و امراء اپنی تصانیف و دیگر کتب و رسائل و خطوط میں اپنی عورتوں کا نام لینا گوارا نہیں کرتے اور نہ ہی خود ان کا کہیں ذکر کرتے۔ البتہ کنیزوں کے نام لیتے رہتے تھے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جا بجا بی بی مریم کا نام لیا تاکہ نصاریٰ کے گندے عقیدے کا رد ہو جائے اور انہیں معلوم ہو کہ اگر بی بی مریم خدا تعالیٰ کی جورو (معاذ اللہ) ہوتی تو اس کا نام قرآن مجید میں نہ لیتے اور اس کے بار بار نام لینے سے انہیں سمجھ جانا چاہیے کہ نہ بی بی صاحبہ خدا تعالیٰ کی جورو ہے نہ عیسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کے بیٹے اور وہ دونوں اس کے پاکباز بندے ہیں اسی طرح بی بی صاحبہ کی پاکدامنی اور ان کی طہارت کے ذکر سے یہودیوں کی تردید کی گئی ہے جب کہ وہ بی بی صاحبہ پر بہت بڑے اور پیشے گندے الزام و بہتان تراشتے تھے۔ (کذا فی التعریف والاعلام علامہ امام اسمٰعیل قدس سرہٗ)

نکتہ (۲) : مستدرک الحکم میں ہے کہ صرف بی بی مریم کا نام قرآن مجید میں مذکور ہے اس میں اشارہ ہے کہ اگر یہ وہ بی بی عورت تھی لیکن اس کے ایک امثال کئی مردوں سے بڑھ کر ہیں اسی لیے وہ اس لائق ہے کہ اس کا نام قرآن مجید میں کئی بار ذکر ہو جیسے مرسلین، جیسے ابراہیم اور اسماعیل علیہم السلام کے اسماء ذکر ہیں ایسے وہ بھی اور جیسے انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے خطاب سے نوازا اس کو بھی۔ کما قال تعالیٰ ،

یا مریم اقنتی لربک واسجدی وارکعی مع الراکعین[1]

---

[1] سورۃ آل عمران

انہی کی اتفاق کو دیکھ کر بعض لوگوں نے بی بی مریم کی سمت کا قول کیا۔

اِذِ انْتَبَذَتْ ۔ یہ اصل انتباذ کا فرق ہے اور انتباذ نبذ سے ہے بمعنی طرح از باب افتعال۔ مِنْ اَهْلِهَا ۔ اس سے ان کی اپنی قوم مراد ہے۔ یہ انتبذت کے متعلق ہے۔ مَكَانًا شَرْقِيًّا ○ چونکہ انتباذ میں ابتعاد کے معنے کو متضمن ہے اس لیے کہ مکانا ظرف بنا اس کا مفعول ہے اب معنی یہ ہوا کہ بی بی مریم اپنی قوم سے مشرق کی جانب ایک جگہ الگ ہو گئیں۔ اسی وجہ سے نصاریٰ مشرق کی سمت کو اپنا قبلہ بناتے ہیں اس کے برعکس یہود مغرب کی جانب کو۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ تورات کا حصول اور مناجات پہاڑ کی غربی جانب سے تھا۔

کما قال تعالیٰ:

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ

حل یہ ہے کہ بی بی مریم اپنی برادری سے بہت دور چلی گئیں اور بیت المقدس کے شرقی جانب بی بی ایشاع یعنی اپنی خالہ زوجہ زکریا علیہ السلام کے گھر میں چلی گئیں۔

ف بی بی مریم صاحبہ کی عبادت گاہ بیت المقدس کے اندر تھی لیکن جب ایام ماہواری شروع ہوتے تو اپنی خالہ کے گھر جو مسجد کے قریب تھا چلی جاتیں، فراغت کے بعد مسجد میں واپس تشریف لاتیں لیکن ایک دن سردی میں انہیں غسل کرنا پڑا تو سردی کی وجہ سے دھوپ میں نہانے کے لیے گھر کی جانب ایک اوٹ (حجاب) میں نہانے لگیں۔

فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۔ تو اپنے گھر والوں کے مکان کی جانب سے ایک پردہ لے لیا۔ (کما قال الکاشفی)

ف حجاب سے وہ آڑ مراد ہے جو کسی کو چھپا لے اور اسے کوئی نہ دیکھ سکے۔

منقول ہے جب فارغ ہوئیں اور کپڑے پہن کر غسل خانہ سے باہر نکلنے کا ارادہ کیا تو آپ کے سامنے ایک فرشتہ انسانی شکل میں تشریف لایا جو بالکل نوجوان بے ریش حسین چہرہ اور گھنگھرالے بالوں والا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا ہم نے اس کی طرف اپنا روحانی بھیجا۔ اس سے حضرت جبریل علیہ السلام مراد ہیں۔ اس لیے کہ وہ روحانی ہیں اور انہیں ان کی لطافت کی وجہ سے روح کہا جاتا ہے یا اس لیے کہ ان کی وجہ سے دین زندہ ہوتا ہے۔

ف بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام اپنی حقیقت مجردہ کی وجہ سے حقیقۃً اور باعتبار صورت مثالی کے مجازاً روح ہیں۔

قاعدہ برائے اہل سنت ارواح مجردہ کی خصوصیت ہے اور وہ ان کی ذاتی صفات سے ہے کہ وہ عین حیات ہیں اور ان کی شان ہے کہ مثالی صورتوں میں متشکل ہوں اس لیے کہ وہ بالعدد متشکل جس شے کا بھی ہوں کرتے

ہیں تو وہ شے زندگی پا لیتی ہے اور اسی مٹی کی وجہ سے اس میں حیات سرایت کر جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس وقت سامری نے جبرائیل علیہ السلام کی گھوڑی کے پاؤں کے نیچے کی مٹی سے مٹھی بھر کر بچھڑے میں ڈالی اور چونکہ وہ بچھڑا چاندی کے زیورات سے بنایا گیا تھا لیکن حی ہو گئے سے وہ آواز دینے لگا اس لیے کہ اس میں جبریل علیہ السلام کے اثرات سرایت کر گئے تھے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ انہیں روح محبت سے کہا گیا ہے جیسے تم اپنے محبوب سے کہتے ہو۔

انت روحی (تو میری روح ہے)

فَتَمَثَّلَ لَهَا تو جبریل علیہ السلام بی بی مریم کے لیے متمثل ہوئے یعنی ہم شکل ہو گئے۔ یہاں پر تمثل بمعنی تشبہ یعنی ہم شکل ہونا ہے اسی لیے **بَشَرًا** اس کا مفعول بہ ہے۔ **سَوِيًّا** ○ کامل انسان کہ اس میں آدمیت کے تمام اوصاف پائے گئے کسی وصف کی بھی ان میں کمی نہیں تھی۔

ف جبریل علیہ السلام بشری لباس میں اس لیے تشریف لائے تاکہ بی بی مریم ان سے مانوس ہو کر ہمکلام ہو سکیں اور وہ حکم اللہ تعالیٰ سے جو لائے اسے پورے طور پر حاصل کر سکیں۔ ورنہ اگر وہ ملکی صورت میں آتے تو بی بی مریم ان سے نفرت کر کے ان سے کلام الٰہی نہ سن سکتیں۔ علاوہ ازیں وہ بی بی مریم کے اندر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح پھونکنے آئے تھے اسی لیے بشری لباس میں آئے تاکہ عیسیٰ علیہ السلام بشری صورت میں دنیا میں تشریف لا سکیں۔ اگر وہ ملکی صورت میں تشریف لاتے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام روحانیین سے ہوتے اور حکمت ایزدی پوری نہ ہو سکتی۔

فائدہ طیبہ: اس سے معلوم ہوا کہ عورت کے ساتھ جماع کرنا اس وقت نہایت مفید ہوتا ہے جب حیض سے پاک ہو کر غسل کر لے۔ اس طرح سے بچہ جمالی طور پر کامل و اکمل پیدا ہو گا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ روح سے کلمۃ اللہ کا نور مراد ہے وہ کلمۃ اللہ جسے کن سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کلمۃ اللہ کو نور سے اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ اس کے سبب سے مردہ دل زندہ ہو سکتے ہیں۔ کما قال:

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ کیا وہ مردہ نہیں تھا جسے ہم نے زندہ کیا۔

اور کبھی روح کو نور سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کبھی نور کو روح سے۔ کما قال:

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا۔ اور اسی طرح ہم نے اپنا نور اپنی جانب سے آپ کی طرف بھیجا۔

اب معلوم ہوا کہ جب نے بی بی مریم کے پاس کلمۂ کن کا نور بھیجا تو وہ ایک تندرست آدمی کی شکل میں آیا جیسے ہمارے ہاں اور توحید کو لا الہ الا اللہ کی صورت میں کہا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کو کن کے ذریعے ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

ف۔ یہاں کلمہ سے مراد عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کے لیے بیان کر سکتے ہیں۔ ۱۲

وکلمتہ القاھا الی مریم و روح منہ — وہ کلمہ جو اللہ تعالیٰ نے بی بی مریم کو عنایت فرمایا اور روح یعنی اپنے دیدار کا نور۔

جب وہ تو بی بی مریم کے پاس بشری لباس میں آیا تو اسے اجنبی سمجھ کر پہچان نہ سکیں، اسی لیے اس سے پناہ مانگی۔

تفسیر عالمانہ

قَالَتْ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ بی بی مریم بولی کہ اسے نوجوان! میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں۔

ف، صفت رحمانیہ ذکر کرنے میں مبالغہ مطلوب ہے تاکہ کامل طور پر پناہ حاصل ہو۔ یعنی خصوصی رحمت کے طلب گار ہوئیں تاکہ جس سے خوفزدہ ہوئی ہیں اس سے کامل طور پر عصمت نصیب ہو۔

ف، کشاف میں لکھا ہے کہ بی بی صاحبہ کے کمال پرہیزگاری کی دلیل ہے کہ باوجود حسین وجمیل صورت کو دیکھنے کے اس سے بھاگ رہی ہیں۔

اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۝ اگر تم خدا تعالیٰ کا خوف دل میں رکھتے ہو اور تمہیں رب تعالیٰ کی پناہ کی کچھ قدر ہے، شرط کا جواب محذوف ہے اس لیے کہ سیاق کلام سے جواب خود بخود ہی جاتا ہے اور وہ جواب ہے فانی عائذۃ بہ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتی ہوں۔

ف، کاشفی نے لکھا ہے کہ بی بی صاحبہ نے کہا کہ اگر تم متقی اور پرہیزگار ہو تو میں تجھ سے پرہیز کرتی ہوں اور تجھے اللہ تعالیٰ کی پناہ کا واسطہ دیتی ہوں تاکہ تم میرے قریب نہ پھٹکو۔

ف، شیخ نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ بی بی صاحبہ نے یہ اس لیے فرمایا کہ پرہیزگار کو خدا کا اور فاسق کو حکومت کا اور منافق کو لوگوں کا ڈر ہوتا ہے۔

ف، تاویلات نجمیہ میں لکھا ہے کہ بی بی صاحبہ نے فرمایا کہ اگر تم متقی ہو تو میں تمہیں خدا کی پناہ کا واسطہ دیتی ہوں لیکن اگر تم فاسق ہو تو تمہیں رحمٰن کا کیا پتہ! پھر میں لوگوں سے ڈراتی ہوں۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے بی بی صاحبہ کی بات سن کر کہا۔

قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۔ فرمایا کہ میں وہ نہیں جس سے تمہیں خطرہ ہے اور تم اللہ تعالیٰ کی پناہ کا واسطہ دیتی ہو میں تو تیرے رب تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہوں۔ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا تاکہ میں تمہیں ایک بیٹا دوں۔ یا یوں طور کہ تیرے دامن میں پھونک کر۔ زَكِيًّا ۝ ستھرا بیٹا پیدا ہونے کا سبب بنوں۔ زکیا یعنی گناہوں اور خلاف انسانیت کی خرابیوں سے پاک۔

قَالَتْ ۔ ظاہری اسباب نہ ہونے سے متعجب ہو کر فرمایا کہ بی بی صاحبہ کو قدرت ایزدی سے بعید ہونے سے نہیں بلکہ اسباب عادیہ کے فقدان کی وجہ سے تعجب ہوا۔ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ مجھے ستھرا بیٹا کیسے؟ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ اور مجھے تو کسی آدمی نے آج تک ہاتھ نہیں لگایا یعنی میرے ساتھ کسی نے نکاح ہی نہیں کیا۔ اس سے حلال وطی کی طرف

اشارہ فرمایا یہاں بغی سے زنا مراد نہیں لیا۔ اس لیے کہ آپ کی پاک دامنی کا اظہار تو پہلے ہو گیا اور وہ ایسے خبیث فعل سے نفرت کا اظہار پہلے فرما چکی تھیں اور بتا دیا تھا کہ یہ کام فاجر عورت کا ہے۔ یا ممکن ہے کہ زنا ہی مراد ہو۔

ف : بشرٌ کی قید اس لیے لگائی کہ وہ اسباب ولادت سے بالکل منزہ ہیں۔

وَلَمْ اَكُ بَغِيًّا ○ بغیا بروزن فعول بمعنے فاعل دراصل بغویا تھا یعنے ما اکن میں زنا کار بھی نہیں ہوں۔

سوال : بغیۃ مؤنث کا صیغہ لانا تھا مذکر کا کیوں ؟

جواب : شیخ نے اپنی تفسیر میں فرمایا ہے کہ یہ لفظ حائض کی طرح مؤنث کے لیے مستعمل ہوا جیسے وہ عورت جو زنا کے لیے مردوں کی تلاش میں رہے۔ یعنے زنا کار اور فسق و فجور کی طالبہ۔ اس سے بی بی صاحبہ نے مطلقاً وطی کی نفی کی ہے۔ اس لیے کہ بچے کی پیدائش یا نکاح حلال سے ہوتی ہے یا حرام فعل سے۔ اور نکاح حلال کی نفی پہلے فرمائی کہ مجھے کسی آدمی نے چھوا تک نہیں۔ اور حرام کی نفی میں فرمایا کہ میں زنا کار نہیں۔ جب یہ دونوں فعل مجھ میں نہیں تو بچہ کیسا ؟

ف : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ بی بی صاحبہ نے کہا کہ ولم یمسسنی بشر یعنے اس سے قبل مجھے کسی نے ہاتھ نہیں لگایا اور ولم اک بغیا۔ اور اب اس کے بعد بھی میرے ساتھ زنا یا نکاح میں کوئی نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ میں محررہ ہوں اور دونوں سے نکاح کرنے سے روکی ہوئی ہوں۔

قَالَ كَذٰلِكِ ۚ فرمایا معاملہ تو ایسے ہی ہے جیسے تم فرماتی ہو کہ تمہیں نکاح و زنا سے کسی نے ہاتھ نہیں لگایا لیکن قَالَ رَبُّكِ تیرے رب تعالیٰ نے مجھے تیرے پاس بھیج کر فرمایا ہے کہ هُوَ جو کچھ میں نے کہا ہے کہ میں تجھے بیٹا دیتا ہوں اگرچہ تجھے کسی نے چھوا تک نہیں لیکن عَلَيَّ هَيِّنٌ میرے لیے آسان ہے اس لیے کہ میں اسباب عادیہ و وسائط کا محتاج نہیں ہوں۔

ف : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قال کذالک جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ معاملہ ایسے ہی ہے جیسے تم کہتی ہو لیکن قال ربک ھو علی ھین۔ تیرے رب تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ میرے لیے آسان ہے کہ میں تیرا بیٹا کسی انسان کے نطفہ سے پیدا نہیں کروں گا بلکہ میں تو اسے کن کے ذریعے سے پیدا کروں گا[1]

کما قال تعالیٰ :

مثل عیسیٰ کمثل آدم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون۔	یعنے عیسیٰ علیہ السلام کی مثل آدم علیہ السلام کی سی ہے کہ انہیں مٹی سے بنا کر فرمایا کن تو پیدا ہو گئے۔

---

[1] بعض بدمذہب کہتے ہیں کہ عیسیٰ یوسف سے پیدا ہوئے تھے تو نبی علیہ السلام بے مثل نہیں۔ [illegible] ۔۔۔ انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ ہمیں معلوم ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیٹا نہ ماننا ضروری ہے۔ اس سے بڑھ کر اپنے نبی کریم کے لیے ماننا ضروری ہے۔

وَلِنَجْعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ اور اس لیے کہ ہم اسے یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کر کے بنائیں لوگوں کے لیے برہان ور نشانی اپنی قدرت پر تاکہ لوگ انھیں دیکھ کر ہماری کامل قدرت پر استدلال کریں۔ واؤ اعتراضیہ ہے یا محذوف ہے کہ ہم اپنی قدرت کی عظمت کا بیان کریں۔

ف، تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیۃ کا مطلب یہ ہے کہ ہم اسے اپنی قدرت کی علامت بناتے تاکہ لوگ یقین کریں کہ ہم باپ کے بغیر بھی پیدا کر سکتے ہیں جیسے آدم علیہ السلام ماں باپ کے بغیر اور حوا کو ماں کے بغیر پیدا فرمایا۔

وَرَحْمَةً اور بہت بڑی رحمت۔ مِّنَّا ہماری طرف سے اس لیے تاکہ وہ لوگ اس سے ہماری ہدایت و ارشاد کو پائیں

رحمة للعلمین رحمة منا اور یدخل من یشاء فی رحمته میں بہت بڑا فرق ہے۔ جسے اپنی رحمت سے بہشت میں داخل کرے گا وہ کم درجہ ہے اس سے جسے عین رحمت بنا دے پھر اس کا کیا کہنا جو رحمة منا اور رحمة للعلمین میں فرق ہے کہ ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کل کائنات کے لیے رحمت ہیں۔ دنیا میں تو یہی ہے کہ آپ کا دین تا قیامت جاری ہے کسی دوسرے دین سے منسوخ نہ ہوگا اور آخرت میں کل مخلوق آپ کی شفاعت کی محتاج ہے۔ یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ؎ (ملخص جدا) (کذا فی التاویلات النجمیہ)

وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝ اور عیسیٰ علیہ السلام کی باپ کے بغیر تخلیق ہونی ایک امر فیصلہ شدہ ہے یعنی نے اپنے علم میں سابقاً فیصلہ کر لیا تھا اور اس کے وقوع کا حکم صادر کیا تھا کہ ضرور ایسے ہی ہوگا اب اس کے خلاف ہونا ممتنع ہے لہٰذا اب حزن و ملال کا کوئی فائدہ نہیں۔

من عرف سر الله فی القدر هانت علیه المصائب جو شخص اللہ تعالیٰ کے اسرار سے واقف ہوتا ہے اس پر مصائب آسان ہو جاتے ہیں۔

ف، فقیر (حقی) کہتا ہے کہ علم مقدور کے تابع ہے جیسے ہی حالات کا تقاضا ہوتا ہے ویسے ہی اللہ تعالیٰ انھیں اپنی حکمت سے ظاہر فرماتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق صفت مذکورہ کے ساتھ ازل میں مقتضائے حکمت باری تعالیٰ ایسے ہی مقدر تھی اسی طرح جمیع اعیان اور اس کے تمام متعلقات و حالات مقتضائے حکمت ایزدی کے تحت داخل ہیں جسے یہ راز مکشوف ہو اس پر مصائب و آلام آسان ہو جاتے ہیں اس لیے کہ جو کچھ وجود خارجی میں ظاہر ہو رہا ہے وہ حکم ازلی سے ہے ہر ایک کی استعدادات ایسے مختلف ہیں جیسے کھیتی میں اختلاف ہے وہ بیج کی وجہ سے اور اعیان و احوال مختلف ہیں تو استعدادات مختلف ہیں جو اپنے لیے

ـه اعلیحضرت قدس سرہ نے فرمایا ؎

وہ جہنم میں گیا جو ان سے مستغنی ہوا
ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی

خیر اور صدق پائے تو اس پر حمد الٰہی بجا لائے اور جو اس کے خلاف پائے تو اپنے آپ کو ملامت کرے۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ہے

نمی کنم گلہ لیکن ابر رحمت دوست
بکشت زار جگر تشنگاں نداد نمی

ترجمہ : مجھے کوئی گلہ نہیں ہے لیکن میرے مالک کی رحمت کی بارش نے میرے پیاسے جگر کو پانی ہی نہیں دیا اس کی شکایت کیسے ہو سکتی ہے جب کہ میرے احوال میرے ذاتی ہیں۔

اور فرمایا ہے

درین چمن نکنم سرزنش بخود روئی
چنانکہ پرورشم می دہند می رویم

ترجمہ : اس چمن میں خود روئی کی ملامت نہیں کرتا اس لیے کہ جیسے مجھے پرورش کرتے ہیں ویسے ہی ظاہر ہوتا ہوں یعنی مجھ پر ملامت کیوں ہو اس لیے کہ جو کچھ ہوا وہ قضا و قدر سے ہوا۔

حکایت حضرت امام ابو القاسم قشیری قدس سرہ نے فرمایا کہ میں نے اپنے استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا وہ آخری عمر میں فرماتے تھے کہ اب میرے اعضاء توحید کی حفاظت کے لیے آیات اللہ کے مدحت ہوئے ہیں میری حالت سفر کی مجبوری کو جو کچھ سفر میں ہوتا ہے وہی سفر میں ہو چکا ہے۔ اب ہمارا حال تو یہ ہے کہ اگر کوئی مقراض سے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے تب بھی اس پر بجائے آہ و زاری کے حمد و شکر بجا لاؤں گا۔

ف : بی بی مریم کا قصہ بھی اللہ تعالیٰ کے احکام تقدیری سے ہے اس لیے وہ اپنے حال کو چھپا گئیں اسی لیے انہیں اللہ تعالیٰ نے صدیقہ کے لقب سے نوازا۔ یہی وجہ ہے کہ بی بی کو اپنی قوم نے جتنی تکلیفیں اور مصیبتیں دیں تو بجائے آہ و بکا کے صبر و شکر کیا۔

حدیث شریف جس بندہ سے اللہ تعالیٰ نے محبت کی ہے تو اسے کسی مصیبت میں مبتلا کرتا ہے اگر بندہ صبر کرے تو اسے برگزیدہ بنا لیتا ہے اگر شکر کرے تو بہت بڑے مراتب و کمالات سے نوازتا ہے۔

سبق سالک پر حمد و شکر لازم ہے جب اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی نعمتوں میں مبتلا فرمائے تو اگر وہ نعمت چھن جائے تو صبر کرے ہر دو اس بندہ کی عبدیت پر دلالت کرتے ہیں۔ اگر کسی مصیبت کے وقت نفس کو خوش کرنے کے لیے جزع و فزع کرتا ہے تو وہ ظلم جانے نفس میں شامل ہوگا۔

سبق حضرت احمد بن خضرویہ قدس سرہ نے فرمایا کہ راستہ واضح اور دلیل روشن اور داعی بہت بڑا سننے والا ہے اس کے بعد بھی حیرت ہو جاتا ہے اگر کرے گا تو اندھا ہوگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر تم کوئی نیک کام کرو تو اسے یقین کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کرو اور نفس کی تکلیف پر صبر کرو تو اس میں بھی تمہارے لیے بہت بڑی بھلائی ہے۔

تفسیر صوفیانہ

شرح الحکم العطائیہ میں ہے کہ بہت بڑے کامل کے بعد واقع ہوتا ہے کہ معرفت کے حصول کا وارد صاحب وجد ہوا میں ہے۔ بندے کو معرفت نصیب نہیں ہوتی جب تک اللہ تعالیٰ کے اوصاف اپنے میں پیدا نہ کرے اور وہ فنا کے بعد نصیب ہوتا ہے اور فنا بلا و مصیبت کو سر پر رکھنے کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ دیکھیے ہو سکتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی عزت کے مقابلہ میں اپنی عزت اور اس کے غنا کے مقابلہ میں اپنا فقر اس کی قوت و قدرت کے مقابلہ میں اپنی قوت و قدرت کا عدم ہو جیسے اور ان باتوں کو مٹانے پر بہت زیادہ تکلیف برداشت کرنی پڑتی ہے اور اس پر صبر ضروری ہے۔ اس سے قہر ربوبیت کا اپنے اوپر غالب کرنا ہوگا اور اپنی عبودیت کا اظہار۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حقیقت حال کی توفیق اور جمیع احوال میں مقام صبر اور حمد کا کمال نصیب فرمائے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

صد ہزاراں کیمیا حق آفرید
کیمیائے ہمچو صبر آدم ندید

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے بے شمار کیمیا پیدا فرمائے لیکن جو صبر کا کیمیا حضرت آدم علیہ السلام کو نصیب ہوا ایسا کیمیا کسی کو نصیب نہ ہو سکا۔

نکتہ: بلا و مصیبت سے انسان کے برے اوصاف رذیلہ (جو اسے پیدائشی طور پر ملے تھے) جل جاتے ہیں اور اس پر صبر کرنے سے اخلاق الٰہیہ و صفات حمیدہ نصیب ہوتے ہیں۔

فَحَمَلَتْهُ: جبریل علیہ السلام کی بات سے جب بی بی مریم مطمئن ہوئیں تو جبریل علیہ السلام نے بی بی مریم کے قریب ہو کر ان کے گریبان میں پھونک ماری تو اس کا اثر بی بی صاحبہ کے پیٹ تک چلا گیا۔ اس پر عیسیٰ علیہ السلام ماں کے پیٹ میں حمل کی صورت میں تشریف لائے۔ (کذا قال ابن عباس رضی اللہ عنہما)

سوال: جبریل علیہ السلام کی پھونک بی بی مریم کے پیٹ کے اندر کیسے پہنچی ہوگی۔ وہ جب ان میں حلقوم تک پیٹ کے منفذ کھلے تو نہیں ہیں!

جواب: یہ روحانی معاملات ہیں انہیں منافذ کی ضرورت نہیں مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کے جسم میں روح داخل ہوئی تو کھوپڑی کے درمیان میں سے آنکھوں میں پھر منہ میں پھر تمام اعضاء میں پھیل گئی۔

نکتہ: عیسیٰ علیہ السلام کی مدت حمل میں؛

① جسمانیہ

② روحانیہ

③ جامعہ

جب انھیں جسمانیت کی جہت سے دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ بی بی مریم سے ہیں اور جب انھیں روحانیت سے دیکھا جاتا ہے تو ان میں روحانیت اور اس کے آثار پائے جاتے ہیں مثلاً احیاء الموتیٰ اور مٹی سے پرندہ تیار کر کے اس میں روح پھونکنا تو ظاہر ہے کہ جبریل علیہ السلام کی پھونک سے ہیں اور جب دیکھا جاتا ہے کہ وہ دونوں جہتوں کے جامع ہیں تو سمجھا جاتا ہے کہ وہ ہر دو کے ہیں۔

تحقیق: تحقیق قول یہ ہے کہ جب جبریل علیہ السلام بشری صورت میں متمثل ہو کر بی بی مریم کے سامنے ہوئے تو لذت کی شدت کا اتنا غلبہ ہوا کہ جونہی جبریل علیہ السلام نے بی بی مریم کو دیکھا تو انہی سے محض شہوت کی لذت سے پانی کا ظہور ہوا جو جبریل علیہ السلام کی پھونک سے مل کر عیسیٰ علیہ السلام کی صورت میں بشکل مریم علیہ السلام ہی ٹھہرا۔ اسی پر عیسیٰ علیہ السلام تنہا ماں کے پانی سے ہوئے۔ اسے ہم اہل اسلام کہتے ہیں لیکن طبیعین مثلاً فلاسفر منکر ہیں۔ وہ کہتے ہیں صرف اور اکیلی عورت کے پانی سے بچے کا وجود محال ہے جب تک زوجین میں سے دونوں کا پانی جمع نہ ہو۔

سوال: اطباء کا اتفاق ہے کہ بچے کی جسمانیت میں ماں باپ ہر دونوں کے پانیوں کا بہت زیادہ دخل ہے چنانچہ باپ کے پانی سے ہڈیاں اور پٹھے وغیرہ تیار ہوتے ہیں اور ماں کے پانی سے گوشت، خون وغیرہ۔ اس سے عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق اگر صرف ماں کے پانی سے ہوا تو جسمانیت مکمل نہ ہو اس لیے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا جسم کامل مکمل تھا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان میں باپ کے پانی کا بھی دخل ضرور ہے۔

جواب نمبر ۱: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جسمانیت کا کامل مکمل ہونا بھی صرف ماں کے پانی کی وجہ سے تھا اس لیے کہ بی بی مریم کا پانی عام عورتوں جیسا نہ تھا۔

جواب نمبر ۲: بی بی مریم کے پانی کے ساتھ جبریل علیہ السلام کا بشری لباس میں متمثل ہو کر ان کے روح پھونکنے کا بھی دخل تھا اس میں یہ بات تو ثابت ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق دو شخص کے واسطے سے ہوئی جیسے دوسرے انسانوں کی تخلیق ہوتی ہے۔

جواب نمبر ۳: اس نفخ میں پانی ہی تھا اسی وجہ سے چونکہ روحی قوت کا کام گرمی اور بعض اشیاء کا وجود تو بات سے بھی ہوتا ہے مثلاً جیسے شیر بچے کو اللہ کرنے کے ذریعے زندہ کرتا ہے۔

جواب نمبر ۴: جبریل علیہ السلام کے نفخ سے ہی پانی کا کام دیا جب کہ وہ بشری لباس میں تھے اور روح تو جسم کا اور اس میں بقا ہوتی ہے۔

عقیدہ اہل سنت رد مرزائیت: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے

پانچ سو چھپن سال پہلے ہوئی لیکن وہ اس وقت سے تا حال زندہ ہیں اور قرب قیامت میں زمین پر تشریف لائیں گے اور حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے دین کی دعوت دیں گے ۔

نکتے ہی نکتے : ① حضرت جبریل علیہ السلام اگر نفخ روح کے وقت بشری لباس میں بی بی کے پاس نہ آتے تو عیسیٰ علیہ السلام روحانیوں کی صورت میں ظاہر ہوتے ۔

② اگر حضرت جبریل علیہ السلام بی بی مریم کو استعاذہ کے وقت نفخ روح کرتے تو عیسیٰ علیہ السلام ایسی صورت میں ہوتے کہ ان سے کسی کو ملاقات یا دیکھنے کی طاقت نہ ہوتی ۔ اس لیے کہ اس وقت کی بی بی کی صورت نہایت ڈراؤنی ہوگی بلکہ جلالی صورت نمایاں ہوئی ہوتی ۔

قاعدہ طبیہ طب کا قانون ہے کہ بوقت جماع دونوں یا کسی ایک کا انتقال نطفہ کے وقت دل یا دماغ جیسے خیالات میں ہوں تو بچہ اسی شکل وصورت میں پیدا ہوتا ہے ۔

چونکہ بی بی مریم استعاذہ کے وقت نہایت پریشانی اور ان کے دل میں گھبراہٹ تھی کہ یہ اجنبی میرے پاس ایسی حالت میں آیا ہے ۔ خدا نخواستہ کوئی ایسا معاملہ ہو جس کی شریعت سے اجازت نہیں تو پھر کیا ہوگا ۔

حکایت بعض کتابوں میں مرقوم ہے کہ ایک عورت کو بچہ پیدا ہوا جس کی شکل وصورت تو انسانی تھی لیکن باقی جسم سانپ کی طرح تھا ۔ اس عورت سے جب پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ جب میرے شوہر نے میرے ساتھ جماع کیا تو اس وقت میرے پیش نظر سانپ کی صورت تھی ۔

حکایت ایک عورت کو ایک بچہ پیدا ہوا جس کی چار آنکھیں تھیں اور اس کے پاؤں ریچھ جیسے تھے اور عربی قبیلہ سے تعلق رکھتی تھی اس سے جب پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ جب میرے شوہر نے میرے ساتھ جماع کیا تو اس وقت میرے سامنے دو ریچھ کھڑے تھے جنہیں میرے شوہر نے پال رکھا تھا ۔

③ جب جبریل علیہ السلام نے بی بی مریم کو خوشخبری سنائی کہ انما انا رسول ربک لاھب لک غلاما زکیا یعنی اے بی بی مریم گھبرائیے مت میرا تو یہ منصب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام لایا ہوں تاکہ بچے کی پیدائش کا سبب بنوں ۔ اس سے بی بی صاحبہ کی گھبراہٹ چلی گئی اور انہیں بے حد سرور و فرحت حاصل ہوئی اس لیے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری سنائی بطور ہدیہ ذکر کرتے ہیں ۔

کما قال تعالیٰ :

و اذ قالت الملٰئکۃ یا مریم ان اللہ

یبشرک بکلمۃ منہ اسمہ المسیح عیسیٰ

ابن مریم وجیھا فی الدنیا و الاٰخرۃ

ومن المقربین۔

بی بی مریم کی ماں فرشتہ و مرد کے اتصال میں عیسیٰ علیہ السلام کی روح ان کے پیٹ میں تشریف لائی اسی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام جناتی بشری ہو کر دنیا میں تشریف لائے اس لیے کہ ماں کی جو بھی حالت ہو بچے پر اثر خاص ہوتا ہے۔

فائدہ طبیہ: اطبا کہتے ہیں کہ بوقت جماع قوی تر اور حسین و جمیل صورتوں کا تصور میں رکھا جائے تاکہ اسی تصور صورت کے مطابق بچہ پیدا ہو۔

ف: بی بی کے حمل کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب تشریف لائے تو اس وقت بی بی صاحبہ تیرہ سال کی تھیں۔ حمل ہونے سے پہلے دو حیض آپ پر گزرے۔

ف: عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ماں کے پیٹ میں رہنے کا وہی اختلاف ہے جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے۔

انجیر: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ جس وقت بی بی صاحبہ کو جبریل علیہ السلام نے پھونکا، اسی وقت فرزند عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہو گئے بعض علماء نے اسی قول کو صحیح تر کہا ہے۔ اور دلیل دیتے ہوئے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت چونکہ عجوبہ روزگار تھی اسی لیے ان کا ماں کے پیٹ سے تشریف لانا اسی قبیل سے ہو گا کہ آپ کا ہر معاملہ اعجوبہ روزگار ہو نیز فانتبذت کی فاء سے بھی اس قول کی تائید ہوتی ہے اس لیے کہ فاء تعقیب بلا تاخیر کے لیے مستعمل ہوتی ہے۔

جوابات از صاحب روح البیان قدس سرہ

① فاء کی دلیل ضعیف ہے اس لیے کہ کبھی یہ ترتیب کلام کی وجہ سے بھی تعقیب ہوتی ہے اور اس میں ہر کل الاجزاء تعقیب بلا تاخیر کا فائدہ ضروری نہیں جیسا یہاں بھی ترتیب کلام کے لیے ہے۔

② ان کا کسی فقرہ سے ذہن پر بھی ظاہر البطلان ہے اس سے تحقیق اعتراض کا فائدہ ضائع ہوتا ہے اور یہ پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کی ماں کے حمل اور متوہم پالنے سے تحقیق ہوئی ہے۔

③ ان کا باپ کے بغیر پیدا ہونا ضروری نہیں کہ ان کے جملہ حالات بلا سبب واقع ہوں جب کہ اس کے لیے کوئی دلیل بھی نہیں ہے۔

④ ایک روایت سے ثابت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ماں کے پیٹ میں نو ماہ ٹھہرے تھے۔ یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے خلاف ہے۔ (اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال) اگر ان کا ماں کے پیٹ میں نہ ٹھہرنا عجوبہ روزگار بات ہوتی تو اسے قرآن مجید میں ضرور بیان کیا جاتا اس لیے کہ یہ بھی ان کے معاجز میں شامل ہے اور ان کے معاجز کو قرآن مجید نے واضح طور پر بیان فرمایا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ وہ دوسرے انسانوں کی طرح ماں کے پیٹ میں نو ماہ ٹھہرے تھے۔

معجزہ عیسیٰ علیہ السلام: بعض روایات میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ماں کے پیٹ میں آٹھ ماہ ٹھہرے۔ یہ آپ کا ایک

معجزہ ہے ورنہ آٹھ ماہ کا بچہ پیدا ہوتے ہی مر جاتا ہے۔

قاعدہ کلیہ: اطباء کا قاعدہ کلیہ ہے کہ بچہ ماں کے پیٹ میں ساتویں مہینے میں باہر نکلنے کے لیے بہت زیادہ زور لگاتا ہے اور اس کی یہ حرکت چھٹے ماہ کی حرکت سے قوی تر ہوتی ہے اگر اسی چھٹے مہینے میں پیدا ہو جائے تو اس کی زندگی کی امید ہے اگر چھٹے مہینے میں پیدا نہ ہو اور ساتویں مہینہ کی حرکت سے بھی خاموش رہا تو اب آٹھویں مہینے میں آرام کرتا ہے معمولی سی حرکت بھی نہیں کرتا۔ اگر خدانخواستہ پیدا بھی ہوگا تو مر جائے گا اس لیے کہ وہ پچھلے دو ماہ کی حرکتوں کو برداشت نہیں کر سکتا۔

شیخ اکبر قدس سرہٗ کا ارشاد: حضرت الشیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہ نے فرمایا کہ ہم نے عالم دنیا میں آٹھ ماہ کے بعد پیدا شدہ کسی بچے کو نہیں دیکھا۔ اس لیے کہ اگر آٹھویں مہینے میں پیدا ہو تو مر جاتا ہے اگر زندہ بھی رہے تو اکثر بیمار رہے گا اور زندگی میں کبھی راحت تندرستی نصیب نہ ہوگی۔ اس لیے کہ آٹھواں مہینہ بچے پر سرد و خشک چھاتا ہے اور یہ دونوں موت کی طبع میں شامل ہیں۔

فانتبذت بہ کی باء ملابست کی ہے اور جار مجرور ملا منصوب حال ہے اب عبارت یوں ہوگی۔

فانتبذت ملتبسۃ بہ۔

یعنی بی بی صاحبہ گھر والوں سے علیحدہ ہوئیں تو عیسیٰ علیہ السلام ان کے پیٹ میں تھے۔ اس کی نظیر تنبت بالدھن یعنی تنبت دھنھا فیھا ہے۔

مَكَانًا قَصِيًّا ○ یہ انتبذت کا مفعول ہے اس لیے کہ انتبذت اتیان کے معنے کو متضمن ہے جیسے ہم نے پہلے بیان کیا یعنی ایسے مکان میں تشریف لائیں جو گھر والوں سے دور تھا۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ وہ مکان شہر کے باہر بجانب مشرق ایک کوس کے فاصلہ پر تھا یا بیت لحم میں تشریف لے گئی تھیں جو شہر ایلیاء سے چھ میل دور تھا۔

حدیث شریف: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں شب معراج ایک مقام پر پہنچا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی کہ آپ یہاں اتر کر دوگانہ پڑھیے جب میں فارغ ہوا تو جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی کہ یہی وہ مقام ہے جہاں عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ اسے بیت لحم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

یہ حدیث صحیح یا حسن ہے اسے امام نسائی نے اور امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں روایت کیا ہے۔

ف: بی بی مریم صاحبہ اپنے گھر کے تنہائی حصہ میں تشریف لے گئیں۔ یہی قول انسب ہے اس لیے کہ وضع حمل کے وقت اتنا دور نہیں جایا جا سکتا۔ (کذا فی الارشاد)

ف: مروی ہے کہ جب وضع حمل کے آثار نمودار ہوئے تو بی بی صاحبہ آدھی رات کو اٹھ کر چلی گئیں تاکہ اس مخفی راز سے زکریا علیہ السلام

کر آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور سکون ہو۔

فَأَجَاءَهَا الْمَخَاضُ۔ ہمزہ تعدیہ کے لیے اور المخاض ولادت کے وقت کے درد کو کہا جاتا ہے۔ مخضت الحامل اور یہ اس وقت بولتے ہیں جب بچہ ماں کے پیٹ سے باہر نکلنے کے وقت حرکت کرے یعنی بی بی مریم کو درد زہ نے آیا۔ **إِلَىٰ جِذْعِ النَّخْلَةِ** کھجور کے سوکھے تنے کی طرف لے گیا۔ بی بی اس میں چھپ کر بچہ جنے اور بچہ کی پیدائش کے وقت اس کا سہارا لے۔ اس لیے کہ اس وقت آپ کے ساتھ کوئی دایہ نہ تھی جو آپ کو ولادت کے لیے امداد کرتی۔

ف: قصص الانبیاء میں ہے کہ بی بی صاحبہ نے قوم سے مارے شرم کے چھپتے چھپتے چلیں یہاں اس جگہ کا سوکھا تنا دیکھا تو اس کے ساتھ سہارا لگا کر بیٹھ گئیں۔

ف: روایات صحیحہ میں ہے کہ بی بی صاحبہ کھجور کے سوکھے تنے کے ساتھ اس لیے بیٹھ گئیں تاکہ معجزے کا اظہار ہو سکے۔

حل لغات الجذع: کھجور کا وہ خشک تنا جو سر کے نیچے سے کاٹ دیا گیا ہو یعنی جو سالم ہو یعنی اس کے قریب والے شاخوں کے اوپر کا حصہ کاٹ لیا جائے۔ اسی وجہ سے اس میں ثمر کی پیدائش کا کوئی امکان نہیں جو عام طور پر بالکل جڑوں سمیت سوکھ جاتا ہے۔ بی بی صاحبہ کی ولادت کا وقت سردی کا موسم تھا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بی بی صاحبہ کے دل پر القا فرمایا کہ وہیں بیٹھیں تاکہ معجزے کے ظہور سے کھجوریں حاصل ہوں اور دل کو تسلی نصیب ہو۔ اس لیے کہ اس خشک تنے سے موسم سرما میں پھل نکلا۔ اس سے معجزے ظاہر ہوئے ایک خشک تنے کو پھل دار بنانا اور موسم سرما میں پھل کا پیدا ہونا۔ اس سے کہ موسم سرما میں اس کے پھل کا موسم ختم ہو جاتا ہے اس لیے کہ کھجور بالخصوص سردی کی برداشت نہیں کر سکتی اور کھجور کا ثمر جاڑے کے موسم سے پیدا ہوتا ہے اور جاڑے کے موسم میں سفید رنگ کا ایک نرم و نازک مغز ہوتا ہے۔

ف: خشک تنا بی بی صاحبہ کے قریب بیٹھنے سے تر ہو گیا اسی لیے وہ نرم و نازک ہی سرسبز ہو گیا اسے کھایا بھی جاتا ہے علاوہ ازیں کھجور کا پھل پکنے کے بعد نرم و نازک اور بہترین ہوتا ہے اور رطب اتنا کی تعریف پہنچتی ہے یعنی نرم و نازک ہے۔ بی بی صاحبہ کو پکنے کے بعد کھانے کے کام آیا۔

ف: الخرسة: ہر وہ طعام جو بچہ جننے کے بعد عورتیں کھاتی ہیں اور یہ بیان کرنا ہے کہ بچہ جنی ولادت کے خاص طعام کا نام ہے۔

قَالَتْ يَا لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَٰذَا۔ بی بی بولیں کاش میں اس سے پہلے مر جاتی۔

حل لغات: مت بکسر المیم از مات یمات خفت کی طرح ہے اسے بضم المیم بھی پڑھا جاتا ہے وہ مات یموت سے ہے۔ قبل هذا یعنی قبل الیوم یا قبل هذا الامر مراد ہے۔ کذا فی الارشاد

سوال: یہ قول بی بی صاحبہ نے کیوں کہا حالانکہ انہیں جبریل علیہ السلام نے تسلی دلائی کہ یہ معاملہ من جانب اللہ ہے اور ان کے سبب ہوا ہے پھر جزع فزع کا کیا معنی؟

جواب: لوگوں کی حیا کی وجہ سے کہ لوگ کیا کہیں گے اور حضرت عیسیٰ کی قوت تھا اور حیا کی بات نہیں ہے وہ بھی جگر باقی ہے

جس نے وضع حمل کا فتنہ ہے بلکہ لوگوں کی ملامت کا خطرہ محسوس کیا اس لیے کہہ دیا۔

سوال: بی بی صاحبہ علیہا السلام تو متقیہ تھیں انھیں ملامت کا خطرہ کیوں؟ و لا یخافون لومۃ لائم، کے خلاف ہے۔

جواب: لوگوں سے اپنے لیے نہیں بلکہ ان کے گناہ میں مبتلا ہونے سے خوفزدہ ہوئیں۔ باوجودیکہ میں پاکدامن اور عنداللہ مجرم نہیں ہوں لیکن عیسیٰ پر غلط اتہام اور گناہ سے بچانا ان پر لازم ہے کہ جہنم کے مستحق نہیں گے لہٰذا یہ انسانی ایمانی شانوں کی عظمت پر دلالت کرتا ہے اور یہ بھی در اصل خوف خداوندی ہوتا ہے اور مقربان کو تو اس طرح کے خوف ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ زمین سے ایک تنکا اٹھا کر ہاتھ میں لے کر کہتے کہ کاش میں یہی تنکا ہوتا اور نہ پاتا یہ ہوتا وغیرہ۔ اسی طرح حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے متعلق مشہور ہے وہ فرماتے ہیں:

یا لیت بلالا لم تلدہ امہ (کاش بلال کی ماں نہ جنتی)۔

فقولی تارة یا رب بارک

واخری لیت امی لم تلدنی

ترجمہ: تم ہر وقت کہو اے اللہ مجھے برکت دے اور کبھی کہو کاش مجھے ماں نہ جنتی۔

ف: ملفوظات شریف میں ہے کہ قبل ھذا کا اشارہ حمل کی طرف ہے یعنی میں حاملہ ہونے اور بچہ جننے سے پہلے مر جاتی اس لیے کہ ہزار اس حاملہ کی وجہ سے بہت سے لوگ جہنم کا ایندھن بنیں گے اس لیے کہ بعض مجھ پر زنا سے متہم کریں گے جیسے یہودیوں نے کیا اور بعض میرے بیٹے کو ابن اللہ کہیں گے جیسے نصاریٰ نے کہا۔

وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ○ نسیا ہر وہ حقیر اشیاء ہے جس کے غیر معتبر ہونے کی وجہ سے ذہن سے نکالا جائے، اور منسیا ہر وہ جو کسی کے خیال میں بھی نہ ہو یہ مبالغہ کے طور پر نسیا کی صفت ہے۔

ف: تلویحات نجیبہ میں ہے کہ بی بی صاحبہ مریم نے یہ جملہ مشیت الٰہی کے لیے ظاہر فرمایا۔

ف: کاشفی میں ہے کہ بی بی صاحبہ کے اس قول کا مقصد یہ ہے کہ میں ایسی گوشہ گمنامی میں ہوتی کہ مجھے سب لوگ بھول جاتے بلکہ صرف عالم بیت المقدس کے تمام علماء و احبار جانتے ہیں اور سب کو معلوم ہے کہ میں ان کے امام (عمران) کی لڑکی اور حضرت زکریا علیہ السلام جیسے برگزیدہ نبی کی کفالت میں ہوں اور فرمایا کہ غیر شادی شدہ ہوں بچے کو کس منہ سے ان کے پاس جاؤں گی۔

ف: یہ قاعدہ صالحین و نبیوں کے لیے یاد رکھیں بہت سے حضرات میں کلام ہے مثلاً ابراہیم علیہ السلام کو لوگوں سے اور موسیٰ علیہ السلام سانپ سے خوفزدہ ہوئے وغیرہ وغیرہ (مترجم)

ہر چہ بستہ بود کار درے بگرم
محنت زدہ بود خود بے چشم کن

ترجمہ: میں نے اپنے سامنے بہت بڑا لشکر کے ایک خیمہ سے جیسا اللہ کی دکھایا جو گا۔

فَنَادٰىهَا: جب جبرئیل علیہ السلام نے بی بی مریم کی یہ ناامیدی سنی تو آپ کا ہاتھ یا بیٹے علیہ السلام ... نہیں اس لیے کر ان کا اپنا توازم کے ساتھ جو اسباب ... ان کے پاس بیٹے علیہ السلام کر لائیں۔ مِنْ تَحْتِهَآ ان کے بیٹھنے کی جگہ سے یا گود کے نیچے سے۔

ف: والاشۃ الظہر میں ہے کہ تحت کے میم کو فتح کے ساتھ پڑھا گیا ہے اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں کہ وہ پیدا ہوتے ہی اپنی ماں سے بولے:

اَلَّا تَحْزَنِیْ

ف: اَنْ مفسرہ ہے یعنی میری پیدائش واقعہ سے غم نہ کھائیے اور نہ ہی موت کی تمنا کیجئے یا اَنْ مصدریہ ہے اور اس میں با مقدر ہے عبارت دراصل بان لا تحزنی تھی۔

حل لغات: التحزن، ہر وہ غم جو شئے فائق کے فوت ہونے یا کسی ضرر کے پہنچنے سے دل کو ہو۔

قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝ بے شک تیرے رب تعالیٰ نے تیرے بیٹھنے کی جگہ کے نیچے نہر جاری فرمائی ہے۔ سری چھوٹی نہر کو کہتے ہیں (کذا فسرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے یہاں پر اپنا پاؤں مارا تو وہاں سے میٹھے پانی کی ایک چھوٹی نہر جاری ہوگئی۔

ف: ارباب الحقیقۃ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی نبوت کی دو جگہ پر خبر دی:

① اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا

ماں کے پیٹ میں فرمایا:

② قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا

اس معنی پر سریا بمعنی سید ہے یعنی نبوت کے لحاظ سے اپنی قوم کا سردار اس پر سریا سرو سے مصدر ہو مشتق ہوگا وہ نظیر حق۔

حل لغات: ھز الشیء یعنی ... حرکت ... جانب ... کے متحرک کرنا مراد ہے جیسا کہ لفظ اِلَیْکِ سے بتایا ہے۔ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ۔ باء ... صلہ ... تاکید کے لیے ہے۔

ف: فراء نے فرمایا کہ اہل عرب ھزہ و ھزبہ ہر دو طرح استعمال کرتے ہیں۔

تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا : یعنی تجھ پر مسلسل کھجور گرا کرے گی ا تجھ ہی میوے سے دے گی۔ رطب کھجور کے تازہ میوے کو کہا جاتا ہے۔ جنیا فعیل بمعنی مفعول ہے یعنی رطبا جنیا خشک ہونے سے پہلے جس میوہ کو کاٹا جائے اسے جنی کہتے ہیں یعنی ہر وہ میوہ جو پکنے کے قابل ہو یعنی پک جانے کے بعد چننے کے وقت میوہ کو جنی کہا جاتا ہے۔

سوال: یہاں سوال یہ ہے کہ یہاں پر کھجور کو کیوں خاص کیا ہے کہ کیوں حکم فرمایا حالانکہ اس سے قبل زکریا علیہ السلام نے ان کو دیکھا تو بی بی کی عبادت گاہ میں تازے اور نایاب میوے موجود تھے۔

جواب ۱: بی بی کا وہ زمانہ طفولیت کا تھا جس میں مشقت اور تکلیف کے بغیر ملنا چاہیئے۔

جواب ۲: اسی سوال کے جواب میں ہے کہ جب بی بی نے دیکھا کہ بچہ باپ کے بغیر پیدا ہوا ہے تو متعجب ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے تعجب کے ازالہ کے لیے خشک تنے سے تازہ کھجوریں عنایت فرمائیں گویا اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی قدرت کاملہ کا کرشمہ دکھایا تاکہ بی بی صاحبہ کو مزید تسکین نصیب ہو۔

نکتہ: کھجور کے میوے عنایت فرمانے میں حکمت یہ تھی کہ کھجور آدم علیہ السلام کی بچی ہوئی مٹی سے پیدا ہوئی اس معنیٰ پر کھجور کو انسان سے عنصری نسبت ہے بخلاف دوسرے میوہ جات کہ انھیں انسان کے ساتھ ایسی نسبت نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ کھجور نر کا بیج ڈالے بغیر پھل نہیں دیتا جیسے عورتوں میں تاثیر کرتے ہیں۔

سوال: اس کی کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بی بی کو پانی کی نہر تو مشقت کے بغیر عطا فرمائی کھجور کا میوہ عطا ہوا تو جھونکے دینے کی مشقت سے!

جواب ۱: چونکہ کھجور کے میوہ میں لذت و شہوت ہے اور پانی دوسرے کاموں میں بھی کام آتا ہے مثلاً طہارت، خدمت وغیرہ۔ اسی لیے شہوت و لذت والی شے مشقت کے بعد عطا فرمائی۔

جواب ۲: کھجور کے میوے میں صورت عمل و کسب کو دخل ہے اور پانی میں فیض الٰہی کا مادہ مضمر ہے اسی لیے ہر ایک کو اپنے مرتبہ میں رکھا گیا۔ یہ اشارہ ہے کہ انسان کو ہر حال میں مشقت کرنی چاہیے تو وہ مستحق ہو جاتا ہے اور اس کے حصول کے لیے انسان کو کام کی عادت پڑتا ہے۔

جواب ۳: اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ میوہ جات میں کچھ کام کو دخل بنایا ہے مثلاً پیدا ہونا اسے پانی دینا پھر اس کے اندر نر کا بیج ڈالنا بخلاف پانی کے کہ اسے اسباب ارضی کی حاجت نہیں بلکہ وہ سماوی آفاقی ہے یہی وجہ ہوئی کہ نہر بغیر کسی سبب ارضی کے جاری ہو گئی۔

فَكُلِيْ: پس اس کھجور کے میوہ کو کھائیے۔ **وَاشْرَبِيْ** اور نہر کا پانی پیجئے۔

ف: (۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارہاص اور بی بی مریم کی کرامت ہے۔ ارہاص سے معجزہ نہیں کہا جا سکتا اس لیے کہ معجزہ میں تحدی شرط اور وہ یہاں نہیں۔ کذا فی بحر العلوم

یہاں سے معتزلہ کا رد مقصود ہے کہ وہ اولیاء کرام کی کرامات کے منکر ہیں اور یہی وہ کہتے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا

نکتہ : کلی کو اشربی سے مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انسان کو طعام کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔

سوال : کسی شے سے ضرر کا خوف خود خوشی سے زیادہ ہوتا ہے اس لیے کہ خوف بدن کا دشمن ہے اور بھوک پیاس جسم کا اور روحانی
جسمانی قوت سے اقوی و اتم ہے چنانچہ ایک بکری کو چند روز بھوکا رکھا گیا اس کے آگے گھاس رکھا گیا اور ساتھ ہی اس کے قریب بھیڑیا
بھی باندھا گیا لیکن بکری نے بھیڑیے کے خوف سے باوجود بھوک کے گھاس نہ کھائی اس کے بعد بھیڑیے کو الگ کر کے بکری کی ٹانگ
اس کے آگے گھاس رکھی تو بھوک کے باوجود اس نے گھاس کھا لی۔ اس سے معلوم ہوا کہ خوف روحانی شدید تر ہوتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے دفع
ضرر کو بعد میں بیان کیا ہے!

جواب : حضرت مریم علیہا السلام کو اگرچہ خوف تھا لیکن بھوک پیاس بھی تھی اس لیے کہ آپ کو جبریل علیہ السلام پہلے ہی خبر سنا چکے تھے اس لیے اب
اس کی ضرورت نہ ہوگی۔

گھٹی کی ابتدا بچہ جننے کے بعد کھجوریں کھانے اور چھوہارے بالخصوص کھجور کو چبا کر نومولود کے منہ میں ڈالنا جسے عربی میں تحنیک کہا
جاتا ہے گھٹی کی ابتدا یہاں سے شروع ہوئی۔

التحنیک - حنکہ الشئ ہے یعنی مضغ تمر او غیرہ یعنی کھجور کو چبا کر نومولود کے منہ میں ڈالنا۔

ف : بعض کہتے ہیں زچہ کو کھجور بہتر ہے بجائے ان میں اہم اثر کا اثر حاصل ہے۔ (کذا فی التاویلات)

مسئلہ حدیث شریف میں ہے کہ جب بچہ پیدا ہو تو اسے کھجور کھلاؤ تاکہ بچے کے پیٹ میں سب سے پہلے طیب (کھجور) پہنچے
اگر کھجور نہ ملے تو خشک کھجور چبا کر منہ میں ڈالی جائے اس لیے کہ گھٹی کے لیے اگر کوئی اور شئے افضل ہوتی تو حضرت مریم علیہا
السلام کو ولادت کے وقت وہی شئے اللہ تعالیٰ بی بی مریم کو کھلواتا۔

طبی نسخہ : ربیع بن خیثم نے فرمایا کہ بچہ جننے والی کو کھجور اور چھوہارا شہد سے اور کوئی شئے مفید تر نہیں۔

وَقَرِّیْ عَیْنًا : اور آنکھیں ٹھنڈی رکھیے اور اپنا دل خوش رکھیے اور دل سے غم اور حزن کو ہٹا دیجئے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے
آپ کی خاطر اسے ہر ذیل ایسے خرق عادات امور ظاہر فرمائے :

① نہر کا اجراء۔

② سوکھی کھجور کا سرسبز اور پھلدار ہونا۔

③ اس کا بے وقت پھل دینا مگر قابلیت والوں کے ماں باپ کے بغیر بچہ جنم دینا ہے تو بھی یہ بڑی کرامت ہے جیسے کہ
اولیاء کی کرامت ہیں۔

ل لغات ، قرّی مشتق از قرّ اس لیے ہے کہ جب آنکھ ایسی چیز کو دیکھے جس سے جی خوش ہو تو وہ غیر سے ہٹ کر اسی پر
ے سکون پکڑتی ہے ۔ اہل عرب کہتے ہیں :

"اقرّ اللہ عینک"

ہ تیرا دل ایسی شے سے ملے جس سے تیری آنکھ ٹھنڈی ہو کر اس کے ساتھ قرار پکڑے ۔

ت ، قاموس میں ہے کہ قرت عینہ وتقر بالکسر والفتح قرۃ ، بالضم بمعنے السرور از باب ضرب و علم و فتح از باب نصر ای
مصدر قرور و آتا ہے بمعنے سرمت یعنے آنکھ ٹھنڈی ہوئی اور اس کے آنسو ختم ہو گئے یا آنسو اس لیے منقطع ہو سکے کہ جس شے کے دیکھنے
وہ مشتاق تھی وہ اسے مل گئی یا القر سے ہے بمعنے البرد وہ اس لیے کہ سرور کے آنسو ٹھنڈے اور غم کے گرم ہوتے ہیں یہی وجہ
ے کہ محبوب کو قرۃ العین اور مکروہ کو سخنۃ العین کہا جاتا ہے ۔

ت ، کاشفی نے لکھا ہے کہ اپنی آنکھ ٹھنڈی کر بچہ کی پیدائش سے یا کھجور کے خشک تنے کی سرسبزی سے اس کے پھل دینے سے
ے تیرے حال کے موافق ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کھجور کے خشک تنے کو سرسبز کر کے پھلدار کر سکتا ہے تو وہ باپ کے بغیر بھی بچہ دے
تا ہے ۔

ت ، عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے وقت اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کرام کو بھیجا کہ وہ بی بی مریم کے گرد جمع ہوں ، جب عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوں
نہیں اٹھا کر ریشم کے کپڑے میں لپیٹ کر بی بی مریم کی گود میں ڈال دیں ۔
ت ، ہر بچہ پیدائش کے وقت چیختا ہے سوائے عیسیٰ علیہ السلام کے ۔

اس کے بعد بی بی مریم کو جناب سے ندا آئی ، **فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ** ، جب تم آدمیوں میں سے کسی کو دیکھو حرف
ما ان شرطی کی تاکید کے لیے ہے اور نون تاکید قسم کے ہے ، اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ جب وہ کسی فعل پر داخل ہو اور اس کے ساتھ نون تاکید
تو وہ قسم کے قائم مقام ہوتا ہے ۔ **فَقُولِي** اگر تجھ سے پوچھے کہ یہ بچہ کہاں سے لائی ہو تو اسے کہہ دینا یا کوئی ملامت کرے تو کہنا
ي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَٰنِ صَوْمًا میں نے اپنے اوپر خاموشی کو واجب کر لیا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے لیے خاموشی یا خاموشی
روزہ

ت ، بنی اسرائیل کے ہاں بہت بڑی عبادت گزار لوگوں کی عادت تھی کہ وہ صبح سے شام تک روزہ کے ساتھ لوگوں سے کلام بھی نہیں
کرتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے اس قسم کا روزہ منسوخ ہو گیا اس لیے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی کے
روزہ سے منع فرمایا ہے ۔

ت ، ابکار الافکار میں ہے کہ خاموشی کے وقت خاموش رہنا ہی ضروری ہے اور بوقت ضرورت بولنا بہترین خصلت ہے ؎

اگرچہ پیش خردمند خامشی ادب است
بوقت مصلحت آن بہ کہ در سخن کوشی

دو چیز تیرہ عقل است دم فرو بستن
بوقت گفتن و گفتن بوقت خاموشی

ترجمہ: اگرچہ دانا کے لیے خاموشی ادب ہے بوقت مصلحت اس میں بہتری ہے کہ بولنے میں کوشش کریں۔ دو چیزیں عقل کی تاریکی ہیں کہ بولنے کے وقت خاموش رہنا اور نہ بولنے کے وقت بولنا۔

سوال: بہت سے اہل مجاہدہ دائمی خاموشی کو ترجیح دیتے ہیں؟

جواب: یہ ہر اہل مجاہدہ کا اختیار اور مقصد نہیں بلکہ خاص لوگوں کے لیے ہے مثلاً جن لوگوں کو بولنے میں حظ نفس اور صفات مدح کے اظہار اور اچھے بولنے کے خیال کا خطرہ ہے۔ دیکھی ہے جن بزرگوں نے ایسے کیا انہیں تکبر یا شہوات کا خطرہ ہے۔

مسئلہ: حدیث شریف میں زمانہ جاہلیت کی خاموشی سے منع فرمایا گیا۔ اس لیے کہ اہل جاہلیت [illegible] تھی۔ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ بلوغت کے بعد یتیمی نہیں اور نہ ہی دن بھر خاموش رہنا چاہیے۔

ف: اہل جاہلیت کا طریقہ تھا کہ اعتکاف بیٹھتے تو بات بھی کسی سے نہ بولتے۔ آج بھی بعض بے خبر اعتکاف میں اس قسم کا معمول کرتے ہیں، حالانکہ اسلام میں بحالت اعتکاف اس قسم کی خاموشی سے روکا گیا ہے۔

مسئلہ: اسلام نے اعتکاف میں حکم فرمایا کہ ذکر و فکر کے ساتھ نیک باتیں بھی کرو۔

مسئلہ: حدیث شریف میں مطلقاً سکوت سے روکا گیا ہے اگر کوئی شخص ہر وقت ذکر و فکر میں مشغول ہو تو وہ عام لوگوں سے کلام نہ کرے یہی افضل ہے بلکہ سالک کو اسی کا حکم ہے جیسا کہ سلوک کی منازل طے کرنے کی شرائط میں سے ایک شرط دائمی خاموشی بھی ہے اس لیے کہ سالک کی انتہا عروج کا مطلب اللہ تعالیٰ سے وصول کا ذریعہ دائمی خاموشی اور اس کے ساتھ باقی سات شرطوں کے بغیر حاصل نہ ہوگا۔ فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ۝ میں آج کسی آدمی سے کلام نہ کروں گی بلکہ فرشتوں سے بولوں گی یا اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہوں گی۔

ف: بی بی مریم کو حکم تھا کہ وہ اپنی عفت کی تہمت والوں سے معاندین میں سے کسی سے ہم کلام نہ ہوں صاحب عقل نے سمجھا کہ اپنی عفت کا ثبوت [illegible] نہیں اشاروں سے دیجئے۔

قاعدہ: قرآن نے [illegible] مقدم کر کے اس کا [illegible] اس کلام سے تخصیص مقصود ہوتی ہے۔

نکتہ: بی بی صاحبہ کو کلام نہ کرنے سے اس لیے روکا گیا کہ بچہ کو صورت سے بات کرانے کے لیے الّا کسی کا کلام ہی نہیں ہوتا۔ بی بی صاحبہ اگرچہ انہیں دلائل سے بھی سمجھاتیں تب بھی وہ نہ سمجھتے۔ ہاں اب جب عیسیٰ علیہ السلام کلام بھی کریں گے تو چونکہ وہ خرق عادت ہوگا اس لیے اس سے عقل نہیں بھرے گی کہ وہی کلام کریں گے اور نہ ہی بی بی صاحبہ کو پریشانی کرنی ہوگی۔ اسی لیے عیسیٰ علیہ السلام گہوارے میں بولنے کی ذمہ داری لگی۔

ہ۔ مثنوی میں ایک روایت لکھی گئی ہے جس میں ہے [illegible] (اویسی)

ف: اس سے معلوم ہوا کہ

«جواب جاہلاں باشد خاموشی»

کا مقولہ صحیح ہے یعنی جاہلوں سے کلام نہ کرنا واجب ہے اس لیے کہ بیوقوف سے ذلیل تر اور کوئی انسان نہیں۔
حضرت صاحب نے فرمایا ؎

در مجلسے کند لب خاموش کار تیغ
داد جواب مردم نادان چہ لازم است

ترجمہ: مجلس میں لب خاموش تلوار کا کام دیتا ہے بیوقوف آدمی کو جواب دینا لازم نہیں۔

اور فرمایا ؎

با گراں جاناں مگو حرف گراں تا نشنوی
کوہ دارد صدا بے اختیار افتادہ است

ترجمہ: سخت جانوں کو سخت بات نہ کہو اس لیے کہ پہاڑ میں بے اختیار صدا نکلتی ہے۔

ف: یہ بات بھی تجربہ سے ثابت ہے کہ بیوقوف کو دوسرا مار سے مارو اگر وہ آپ تیز تر ہو تو خاموش رہو۔ اس لیے کہ آگ کو پانی ہی بجھاتا ہے یعنی بیوقوف کا غصہ آگ کی طرح ہے اور صبر بجھانا ہے تو صبر کرو۔ جیسے آگ کو پانی کے بغیر بجھانا مشکل ہے ایسے ہی بیوقوف کے غصہ کو صبر کے بغیر ٹھنڈا کرنا مشکل ہے آگ پر اور کوئی شے ڈالو تو وہ اور بھڑک جاتی ہے ایسے ہی بیوقوف کے سامنے دوسرے کو زوال کا اثر اسی پر پڑتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں روزے سے اشارہ ہے کہ ماسوی اللہ سے بالکل توجہ ہٹا لو۔ بزرگوں کا ارشاد ہے کہ دنیا صرف ایک دن کی جاہ ہے اس میں ہمیں روزہ رکھنا ہے اور اس کا افطار اللہ تعالیٰ کے جمال کا مشاہدہ ہے یعنی سالک پر لازم ہے کہ وہ ماسوی الحق سے بالکل انقطاع کرے اور خاموشی کے ذکر کے سوا کوئی ذکر زبان پر نہ لائے۔ یہاں تک کہ اسے (رب) ایمان کا لقاء نصیب ہو اور اس سے منزل مقصود تک پہنچے پھر جیسے بی بی مریم نے بچہ کے متعلق بتانے کو جو نہ کیا تا کہ معجزات نصیب ہو سکے۔ اسی طرح قلب کو جب سالک ذکر الٰہی کی منزلیں لگاتا ہے یعنی لا الٰہ الا اللہ کے ذکر سے دل کو بیدار کرتا ہے تو اس پر مشاہدات ربانی و مکاشفات الٰہی کی راہیں کھلتی ہیں۔ اس سے اسے وہ مقامات نصیب ہوں گے جو سوائے راہ حق کے نصیب ہو سکتے ہیں جیسے حضور علیہ السلام نے خبر دی ہے۔

ابیت عند ربی یطعمنی ویسقینی۔

اسے اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان لوگوں سے بنا جن پر حقیقت حال منکشف ہو جاتی ہے اور وہ تجلیات جلال و جمال سے واصل ہوتے ہیں۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا ، یہ 'با' بمعنی مع ہے یعنی بی بی مریم اپنی قوم کے ہاں اپنے بچے سمیت تشریف لائیں یعنی جب کہ نفاس سے فارغ ہو گئیں اور احتمال ہے کہ 'با' تعدیہ کی بنا پر ہیں، ان کے نزدیک اب معنی یہ ہوا کہ بی بی مریم بیٹے علیہ السلام کو لائیں۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ قوم سے طلوع صبح کے وقت گئیں جب واپس آئیں تو ظہر کا وقت تھا اور صاحبزادہ بیٹے علیہ السلام بھی ساتھ تھے۔

تَحْمِلُهٗ ؕ حال ہے یعنی حاملۃ ہے۔

حکایت حضرت زکریا علیہ السلام نے بی بی مریم کو عبادت گاہ میں موجود نہ پایا تو تلاش کے لیے اپنے بھتیجے یوسف کو بھیجا۔ اس نے انہیں تلاش کرتے ہوئے کھجور کے نیچے پایا۔ جب وہ انہیں لے کر آئے تو ان کے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ زکریا علیہ السلام اور دوسرے گھر والے بہت مغموم ہوئے اس لیے کہ تمام گھر والے نیک آدمی تھے وہ اپنی شرمساری کی وجہ سے سخت پریشان تھے۔ چنانچہ اسی پریشانی سے روتے اور غمگین ہو کر (قَالُوْا) زجر و توبیخ کرتے ہوئے بی بی صاحبہ سے کہا کہ یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْـًٔا ۔ جئت بمعنی فعلت ہے یعنی مریم تو نے ایسا فعل کیا ہے جو بہت برا ہے اور ایسا معلوم ہے کہ جس کی مثال نہیں۔ فَرِیًّا فری الجلد سے مشتق ہے یعنی قطع اور فری بمعنی عظیم اور الفریۃ بالکسر بمعنی الکذب و اصل الفری الامر المختلق المصنوع یعنی بعض نے کہا کہ الفری بمعنی العظیم ہے۔

اہل ادب کہتے ہیں،

یفری الفری یعنی یاتی بالعجب فی کلامہ یعنی وہ اپنے کلام کو عجیب طرح سے لاتا ہے جیسے [illegible] سے ہے کہ اس کا استعمال صالح اور بد ہر دونوں امروں کے لیے مستعمل ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ اے مریم! تو نے ایسا عمل کیا ہے کہ جو ہمارے خاندان میں آج تک کسی نے ایسا نہیں کیا۔

یٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ ، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ اس ہارون سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون علیہ السلام مراد ہیں۔ ان کے ہاں ان کا قاعدہ تھا کہ ان کی اولاد سے جتنے لوگ پیدا ہوتے اور وہ نیک اعمال سے ان کے مرتبہ کو پہنچتے تو اسے ان کے بھائی یا بہن سے تعبیر کرتے تھے حالانکہ بی بی مریم اور ہارون علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار آٹھ سو سال کا فاصلہ تھا۔

ف: بعض روایتوں میں ہے کہ ہارون بی بی مریم کا علاتی بھائی تھا (یعنی باپ کی جانب سے) اور وہ بھی بہت نیک اور صالح انسان تھا۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے وہی ہارون علیہ السلام یعنی موسیٰ علیہ السلام کے بھائی مراد ہیں اور ان کی طرف اخوت کی نسبت اولاد ہونے کی وجہ سے ہے اس لیے کہ کبھی اولاد کو بھی اخوت سے تعبیر کرتے ہیں مثلاً کہا جاتا ہے۔

یا اخا العرب یا واحدا منہم [illegible]

مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ اور نہ تیرا باپ عمران برا تھا۔

ف: المرء۔ الف لام وصلی کے ساتھ بمعنی الانسان والرجل، اس کی جمع اس کے اپنے لفظ سے نہیں آتی، (کذا فی القاموس)۔ سوء بفتح السین بمعنی برا یا اعمال کی طرف مضاف ہے اور اکثر صفت ہو کر مستعمل ہوتا ہے یعنی حضرت عمران زانی نہیں تھے۔ (قالہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما)۔

ف: کاشفی نے کہا ہے کہ اے مریم! تیرا باپ برا نہیں تھا بلکہ وہ سچا متقی کے علاوہ عباد کے سرتاج اور برگزیدہ تھے۔

وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ۝ اور نہ تیری ماں (حنہ بنت فاقوذ) زانیہ تھی۔ پھر یہ بیٹا تجھے باپ کے بغیر کیوں؟ یہ مطابقت کی تقریر ہے کہ بی بی صاحبہ کے ساتھ اظہار مذمت کی تاکید ہو اور مزید تنبیہ کے لیے کہ ایسا برا عمل اگرچہ ہر ایک سے قبیح ہے لیکن صالحین کی اولاد سے قبیح تر ہے۔

ولی و نبی کی ایک عجیب علامت

جب کسی ولی یا نبی علیہ السلام سے معجزے اور کرامت کے اظہار کا ارادہ فرماتا ہے تو ان کے معاصرین کی عادت ہے کہ ان کے معجزے اور کرامت کا انکار کرکے ان حضرات کو جنون کی طرف منسوب کرتے ہیں بلکہ بہت سے بدقسمت انہیں گمراہ، مفتری، کذاب اور ساحر وغیرہ جیسے القاب سے یاد کرتے ہیں۔ بہت سے تھوڑے خوش قسمت ایسے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ اگرچہ ان کے طور طریق جمہور کے خلاف ہو گئے ہیں لیکن ایک وقت اس مرتبہ والی آجائیں گے اس لیے کہ ان کے ہاں علوم غریبہ و احوال عجیبہ ہوتے ہیں۔ ان کے معاملات کو عقول سے نہیں پرکھا جاتا اور نہ ہی افکار و انظار معلوم کیے جاسکتے ہیں بلکہ ان کے ساتھ صحیح اعتقاد رکھنے سے انہیں سمجھا جاسکتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ~

خشمہا خالی کن از انکار یار
تا کہ ریحان یابی از گلزار یار
تا بیابی بوئے خلد از یار من
چوں محمد بوئے رحمٰن از یمن

ترجمہ: انکار سے مغز خالی کیجئے تاکہ گلزار سے خوشبو نصیب ہو، تاکہ یار سے بہشت کی خوشبو ہو جیسے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یمن سے رحمٰن کی خوشبو پاتے تھے۔

فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ط بی بی مریم نے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا کہ اس سے گفتگو کیجیے۔ وہی آپ کو جواب دے گا اس کا کلام میرے لیے ثبوت ہوگا۔ ظاہر یہ ہے کہ اس وقت بی بی صاحبہ نے اپنی نذر کا بتایا اور اشارہ کیا کہ میں لوگوں سے گفتگو کرنے سے معذور ہوں لہٰذا بیٹے علیہ السلام سے پوچھو۔ **قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝** انکار کرتے ہوئے کہا کہ ہم اس سے کیسے گفتگو کریں جو گہوارے میں ابھی بچہ ہے اور ہم نے کبھی نہ سنا نہ دیکھا کہ شیرخوار

جو گود میں باتوں جیسی گفتگو کرے اسی لیے ایسے بچوں کو بولنے کا کیا پتہ اور کس کو جواب دینے کی کیا خبر ؟

قاعدہ کَانَ کان فعل تام افعال ناقصہ کا قاعدہ ہے کہ وہ زمانہ ماضی میں مضمون جملہ کے ایقاع کے لیے مستعمل ہوتا ہے۔ خواہ ماضی قریب ہو یا بعید۔ یہاں پر ماضی قریب کے لیے ہے۔ اس پر قرینہ یہ ہے کہ یہ کان تعجب کے بعد واقع ہوا ہے یا زائدہ ہے اور فی المھد۔ من موصول کا صلہ ہے اور صبیا اسی ظرف کے اندر ضمیر مستتر سے حال ہے یا کان تامہ ہے یا استمرار پر دلالت کرتا ہے جیسے وکان اللہ علیما حکیما میں کان استمراریہ ہے۔

ف : فقیر (حقی) کہتا ہے کہ یہ کان عیسیٰ علیہ السلام کے نبی ہونے کی تحقیق کے لیے ہے۔ ماضی خود تحقیق پر دلالت کرتی ہے تو اسے تکلم کے ساتھ متحقق کرنے لایا گیا ہے۔

قَالَ : یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے گویا سوال ہوا کہ پھر انہوں نے کیا کیا اور ان کے سوال پر عیسیٰ علیہ السلام نے کیا فرمایا؟ اس کے جواب میں فرمایا : قال یعنی عیسیٰ علیہ السلام نے فصیح کلام سے کہا : اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ میں اپنی عبودیت کا اقرار کرتا ہوں۔

ردِّ نصرانیت عیسیٰ علیہ السلام نے سب سے پہلے کلام نصرانیوں کے رد میں فرمایا جب کہ ان کا عقیدہ ہے کہ (معاذ اللہ) عیسیٰ علیہ السلام خدا ہیں اور اللہ تعالیٰ پر نصاریٰ بہتان تراشتے ہیں کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کا باپ ہے اس کا انکار فرمایا اور ساتھ ہی اپنی ماں کو بھی زنا کی تہمت سے بری فرمایا کہ زانیہ عورت کو ایسے بیٹے نصیب نہیں ہوتے۔

ف : حضرت جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں عبد زانی ہوں بندۂ الٰہی اور شہوت پرست۔

مسئلہ : اس میں اشارہ ہے کہ افضل الاسماء وہی ہیں جن میں عبودیت کا اظہار ہو۔

مسئلہ : فقیر (حقی) کہتا ہے کہ میں نے اپنے پیر و مرشد قدس سرہ سے سنا ہے کہ عبد اللہ نام عبد الرحمن سے افضل ہے، عبد الرحمن، عبد الرحیم سے اور عبد الرحیم عبد الکریم سے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ و عبد الرحمن جیسے اسماء کو احب الاسماء بتایا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض اسماء ذات پر اور بعض صفات پر اور بعض افعال پر دلالت کرتے ہیں۔ اول سے ثانی اور ثانی ثالث سے اعلیٰ ہے

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو بولنے کے لیے کہنے والے حضرت زکریا علیہ السلام تھے۔

ف : چار پیغمبروں کو بچپن میں چار صفات نصیب ہوئے :

① یوسف علیہ السلام کو بچپن ہی کنوئیں میں وحی سے نوازا گیا۔
② عیسیٰ علیہ السلام کو گہوارہ میں بولنے کی طاقت بخشی گئی۔
③ سلیمان علیہ السلام کو سمجھ ملی۔
④ یحییٰ علیہ السلام کو حکمت۔

افضل الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم : ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بوقت ولادت

بچپن کی دولت بخشی گئی۔ اس سے آپ نے اپنی رسالت کا اظہار فرمایا اور آپ کو اسی وقت سے شرح صدر عطا ہوا اور شرف نبوت سے نوازے گئے اور ولادت کے وقت ملائکہ اور حوریں خدمت کے لیے مقرر ہوئیں بلکہ آپ کو ولادت سے پہلے عالم ارواح میں نبوت سے نوازا گیا اور ایسے اوصاف دوسرے انبیاء علیہم السلام کو کہاں نصیب۔

؎

شحنۂ نُہ مسند و ہفت اختران
ختم رسل خواجہ پیغمبران

ترجمہ: نو مسندوں اور سات ستاروں کے شحنہ رسل کرام کے خاتم تمام پیغمبروں کے سردار۔

اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ ۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے کتاب انجیل عطا فرمائی۔ **وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۝ وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا** اور مجھے نبی اور بابرکت یعنی نفع رساں اور معلم خیر بنایا۔ صیغہ ماضی سے ما یکون کی خبر دی۔ جمہور کا مذہب ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل اور نبوت طفولیت میں ہی اور طفولیت میں بڑے عقل مندوں جیسی باتیں کرتے۔ (کذا فی بحر العلوم)

ف: فقیر (اویسی) کہتا ہے کہ مشہور ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام پر تیس سال کی عمر میں وحی کا نزول ہوئی۔ اس معنے پر آپ کی نبوت و رسالت سے پہلے ہوگی۔ **اَیْنَمَا کُنْتُ** جہاں بھی میں ہوں گا یہ کمال موجود ہوگی۔

وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ ۔ اور مجھے میرے رب تعالیٰ نے صلوٰۃ و زکوٰۃ سے متعلق تاکید فرمائی ہے۔ زکوٰۃ سے مال کی یعنی زکوٰۃ ادا کرنا مراد ہے۔

ف: فقیر کہتا ہے کہ شیخ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ نے کہا کہ زکوٰۃ کے حکم سے ضروری نہیں کہ وہ دولت مند ہی ہوں اس لیے کہ یہ حکم یعنی عیسیٰ علیہ السلام کا ان کے دولت مند امتیوں کے لیے ہو اور اس لیے کہ عام قاعدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی طرف جو کوئی تعلیمات منسوب ہوتے ہیں بمعہ اصل ان کی امت کے لیے ہوتے ہیں تاکہ وہ حضرات اپنی امت کو اللہ تعالیٰ کے اوامر کی پابندی اور نواہی سے احتراز کرنے پر متنبہ کریں۔

مَادُمْتُ حَیًّا ۝ جب تک میں دنیا میں زندہ رہوں۔

جہال صوفیوں کا رد بہت سے جاہل صوفی کہا کرتے ہیں کہ اب ہم یا بابا (جاہل پیر) ایسے مراتب کو پہنچ چکا ہے کہ احکام شریعت معاف ہو چکے ہیں۔ ان کی تردید میں صاحب روح البیان نے فرمایا:

"اس آیت سے ثابت ہوا کہ انسان جب تک زندہ ہے اس سے ظاہری احکام تکلیفیہ کبھی ساقط نہیں ہوتے تو اس کے بعد جاہل صوفیہ کے متعلق فرمایا "احکام تکلیفیہ کے سقوط کا قول کفر و گمراہی ہے" (بحر العلوم)

؎ اضافہ از مترجم۔

فالقول بسقوطها كما نقل عن بعض الاباحيين   احکام شریعت کے ساقط ہونے کا قول جو بعض جاہل صوفیا کہتے ہیں
حمق وضلال له   وہ گمراہی اور کفر ہے۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس آیت میں واضح دلیل ہے کہ سالک پر لازم ہے کہ وہ اسرار الٰہیہ پر مشغول رہے تاکہ عبودیت وتزکیہ نفس کے لیے آسان رہے۔

ف: فقیر اویسی کہتا ہے کہ اقامت تکالیف عبودیت کی علامت ہے۔ جتنی کوئی اقامت تزکیہ نفس کا فائدہ دیتی ہے اتنا ہی ادائیگی شکر کا۔ اور یہ دونوں یعنی تزکیہ نفس وادائیگی شکر انسان کو زندگی بھر لازم ہیں۔ کسی وقت بھی ساقط نہیں ہوتے جب تک کہ کوئی شرعی عذر حائل نہ ہو مثلاً جنون وبیہوشی وغیرہ۔

وَبَرًّا بِوَالِدَتِي: اس کا عطف مبارکا پر ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی ماں کا خدمت گزار احسان کرنے اور لطف کرنے والا بنایا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ ان کی والدہ کا کوئی شوہر نہیں۔ وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا: اور میرے رب تعالیٰ نے مجھے متکبر نہیں بنایا یعنی میں وہ نہیں ہوں کہ سرکشی کروں اور اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا سمجھ کر تکبر کروں اور ان کو ذلیل دکھاؤں۔ شَقِيًّا: اور مجھے میرے رب نے اپنا نافرمان بندہ بھی نہیں بنایا۔

وَالسَّلَامُ عَلَيَّ: اور مجھ پر اللہ تعالیٰ کے سلام ہوں۔ يَوْمَ وُلِدْتُّ: جس وقت میں بغیر باپ کے پیدا ہوا اور مجھے شیطان کے چھونے سے محفوظ کر لیا گیا۔ وَيَوْمَ أَمُوتُ: اور اس وقت مجھے موت آئے گی اس وقت موت کی تکلیف اور اس کے بعد کے شدائد سے امن میں ہوں گا۔ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا: یہ ابعث کی ضمیر متکلم سے حال ہے یعنی قیامت کے ہولناک عذابوں سے اور جب قبر سے اٹھوں ہی مجھے بچایا جائے گا جیسے یحییٰ علیہ السلام کو ان مقامات پر سلامتی عطا کی گئی ایسے ہی عیسیٰ علیہ السلام کو بھی۔

ف: السلام کا حرف تعریف عہدی ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ جنس ہے اس معنی پر دشمنوں کا رد مطلوب ہے جو عیسیٰ علیہ السلام پر طعن کرتے ہیں۔ اس لیے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے لیے سلامتی کا اظہار فرمایا تو سلامتی کے تمام اضداد کا رد ہو گیا جیسے کہ ہو سکتے ہیں۔

والسلام على من اتبع الهدى

یعنی جو بھی خدا تعالیٰ کے دین سے اعراض کرتا ہے اس پر عذاب اور جو اس کا اقرار کرتا ہے اس کے لیے امن وسلامتی ہے۔

ف: عیسیٰ علیہ السلام سے یہ کلام سن کر تمام قوم مطمئن ہو گئی اور بی بی مریم کو معذور مان لیا اور ان سے تمام شکوک وشبہات ختم کر دیئے گئے اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام سن تکلم تک خاموش رہے۔

له روح البیان صفحہ ۳۲۳ جلد ۵ مطبوعہ مصر

سوال از دہری: اوستم الفوم میں ہے کہ یوم ابعث حیا سے معلوم ہوا کہ قبر میں حیات نہیں ورنہ اس کا ذکر بھی فرماتے یہاں پر ایک حیات کے ذکر سے ثابت ہوا کہ برزخ میں کسی قسم کی کسی کو حیات حاصل نہیں!

جواب: چونکہ سلامتی کا تعلق عوام کی نظروں میں صرف دنیا سے متعلق ہوتا ہے، اسی لیے اس کا نام لیا اور حیات برزخ میں جدید سلامتی کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ اس کا تعلق بھی حیات دنیوی کے لوازمات سے ہوتا ہے۔

ف: فقیر اویسی کہتا ہے کہ عموماً برزخ میں حیات روحانی اور دنیوی حیات بالروح مع الجسد ہوتی اور پہلی دوسری کا نصف ہے اور روح کو اعلیٰ حیات حاصل ہے: وہ فنا پذیر نہ ہوگا جسم سے نکلنے کا نام اس کے لیے موت ہے۔ (کتاب الروح لابن القیم اویسی غفرلہ)۔

نکتہ: یحییٰ علیہ السلام کے مضمون میں سلام کو نکرہ اور عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں معرفہ لانے میں حکمت یہ ہے کہ یحییٰ علیہ السلام کے ذکر میں سلام کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ وہ اگرچہ قلیل ہے لیکن بے شمار اور کثیر در کثیر ہے اور عیسیٰ علیہ السلام میں سلام کی نسبت ان کی اپنی طرف ہے اور اس سے کثرت مطلوب ہے۔

ف: اللہ تعالیٰ کی طرف قلت کی نسبت بھی عند الصوفیہ بہتر اولیٰ ہے۔ اسی لیے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "اھــدنا صراطا مستقیما" پڑھا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم تیرے تھوڑے عطیہ پر راضی ہیں۔ (کذا فی بیان القرآن)

صوفیانہ نکتہ: فقیر اسماعیل حقی کہتا ہے کہ میرے شیخ و پیر و مرشد قدس سرہ نے فرمایا کہ یحییٰ علیہ السلام کے مضمون میں صیغہ غیب اور عیسیٰ علیہ السلام کے کلام میں صیغہ تکلم میں اشارہ ہے کہ دونوں حضرات اہل حقیقت اور اہل فنا و کمال اور جامع بین الجلال والجمال و اہل شریعت والبقاء تھے اور قاعدہ ہے کہ جلال و جمال کمال کلی میں مندرج ہیں صرف فرق یہ ہے کہ استعداد ی ازلی کا میلان حقیقت و کمال کی طرف ہے اور یحییٰ علیہ السلام پر بحسب فطرت الٰہیہ ازلیہ کی وجہ سے کمال الجلال کا غلبہ تھا اور یہ غلبہ اضطراری معاملہ ہے کسی کے اختیار میں نہیں اس لیے کہ یہ غلبہ ازلی ہوتے ہوئے مقام حقیقت و فنا سے غیب ہوتا ہے۔ اسی لیے ان کے قلب پر کمال جلال کا غلبہ تھا اس کا میلان جانب شریعت ہوتا ہے اور بقا جمال ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کی طبیعت پر بحسب فطرت الٰہیہ ازلیہ جمال غالب تھا اور یہ بھی اختیاری نہیں بلکہ اضطراری تھا جو انہیں بدولت شریعت و بقا کے استیلاء اور قلب پر جمال و کمال کی وجہ سے تھا۔ یحییٰ پر غلبہ کا تقاضا سکوت و عدم نطق ہے، اسی لیے یحییٰ علیہ السلام کے احوال اللہ تعالیٰ نے خود بیان کیے اور ان کے سلام میں صیغہ غیب کا لانا اسی وجہ سے کیا گیا ہے۔

"من عرف اللہ کل لسانہ"

یعنی جس کا غالب غیب ہوا اس کی زبان گنگ ہوئی اس لیے کہ ایسے شخص پر فنا اور استغراق کا غلبہ ہوتا ہے اور جس کی معرفت میں زبان کھلے وہ عیسیٰ علیہ السلام کے مشرب پر ہوتا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کے غلبہ کا تقاضا نطق و ترک سکوت ہے، اسی لیے انہوں نے اپنا حال خود بیان کیا۔ حدیث میں بھی اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی نہیں لیا گیا۔ یہ "من عرف اللہ طال لسانہ" کے قبیل سے ہے یعنی جو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتا ہے اس کی زبان متکلم ہو جاتی ہے اس لیے کہ ایسے شخص کی بقا کو فنا پر غلبہ ہوتا ہے اور یہ مرتبہ حاصل کرکے

شام سے مصر کی ہجرت

بی بی مریم حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو شام سے مصر کے علاقے میں لے گئیں جب کہ آپ کو ہیرودس بادشاہ سے خطرہ لاحق ہوا۔ وہ اس لیے کہ فارس کے بادشاہ کو نجوم کے ذریعے عیسےٰ علیہ السلام کی ولادت کا علم ہوا تو اس نے ہیرودس کے بادشاہ کے ہاں تین تحفے بھیجے۔

① سونا
② مُر
③ لوبان

ہیرودس کے ہاں قاصد تحائف لے کر حاضر ہوئے تو اس نے پوچھا کہ سونے کا ہدیہ کس لیے؟ انہوں نے کہا کہ سونا دنیوی اسباب کا سردار ہے اور جس (عیسیٰ) علیہ السلام کے لیے ہم نے ہدیہ بھیجا ہے وہ تمام سامان کا سردار ہے اور "مُر" اس لیے کہ یہ زخموں کو درست کرتا اور شفا دیتا ہے اور جس کے لیے ہم ہدیہ لے کر آئے ہیں وہ بھی بیماروں کو شفا دیں گے اور لوبان اس لیے کہ اس کا دھواں آسمان کی طرف جاتا ہے اور جن کا ممدوح بھی آسمان پر اٹھایا جائے گا۔ ان تحائف کی خبر سے ہیرودس کو اپنی شاہی کے چھن جانے کا خطرہ لاحق ہوا اس لیے انہیں کہا کہ جب تم اپنے ممدوح کو معلوم کر لو تو مجھے بھی اس کا تعارف اور اس کے گھر کی خبر دیتے جانا۔ ان صاحبان نے عیسیٰ علیہ السلام کو پا لیا اور ان کی خبر ہیرودس کو بھی دے دی لیکن اللہ تعالیٰ نے بی بی مریم کے ہاں فرشتہ بھیجا کہ ہیرودس عیسےٰ علیہ السلام کو قتل کرانا چاہتا ہے لہٰذا تم یہاں سے مصر چلی جاؤ۔ چنانچہ بی بی مریم یوسف بن یعقوب نجار کے ساتھ مصر کی طرف چلی گئیں اور وہیں کافی عرصہ مقیم رہیں یہاں تک کہ عیسےٰ علیہ السلام بارہ سال کے ہو گئے ادھر ہیرودس بادشاہ بھی فوت ہو گیا۔ تب بی بی صاحبہ اپنے علاقہ شام میں واپس تشریف لائیں۔

عیسےٰ علیہ السلام اور حروف ابجد

منقول ہے کہ بی بی مریم نے عیسیٰ علیہ السلام کو ایک استاذ کے ہاں پڑھنے کے لیے بٹھایا جب استاذ نے عیسےٰ علیہ السلام کو لفظ ابجد پڑھایا تو عیسیٰ علیہ السلام نے استاذ صاحب سے پوچھا کہ ابجد کیا ہے؟ انہوں نے کہا، واللہ اعلم۔ آپ نے فرمایا کہ الف سے آلاء اللہ (اللہ تعالیٰ کی نعمتیں) اور با سے بہاء اللہ (اللہ تعالیٰ کی خوبی) اور جیم سے جلال اللہ (اللہ تعالیٰ کا جلال اور بزرگی) اور دال سے دین اللہ مراد ہے۔ استاذ صاحب نے کہا، احسنت۔ پھر اس نے پڑھایا ہوز آپ نے پھر اسی طرح فرمایا کہ ھا سے ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو۔ اور واؤ سے ویل للمکذبین۔ اور زاء سے زبانیۃ جہنم اعدت للکفرین مراد ہیں۔ استاذ نے کہا، احسنت۔ اس کے بعد فرمایا کہ حطی کی حاء سے حطۃ الخطایا عن المذنبین۔ اور طاء سے شجرہ طوبیٰ اور یاء سے ید اللہ علی خلقہ مراد ہے۔ استاذ صاحب نے کہا، احسنت۔ اس کے بعد فرمایا کہ کلمن میں کاف سے کلام اللہ، اور لام سے لقاء اہل الجنۃ بعضہم بعضا۔ اور میم سے ملک۔ اور نون سے نور اللہ مراد ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ سعفص میں سین سے سناء اللہ اور عین سے علم اللہ اور فاء سے فعلہ فی خلقہ اور صاد سے صدقہ

ذ بعقولہ مراد ہے۔ استاذ صاحب نے فرمایا احسنت۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ قرشت میں ق سے قدرۃ اللہ اور ر سے ربوبیۃ اللہ اور ش سے مشیۃ اللہ اور ت سے تعالی اللہ عما یشرکون مراد ہے۔ استاذ صاحب نے عیسیٰ علیہ السلام کے علم و دانش کی داد دی۔ استاذ صاحب نے بی بی سے کہا کہ صاحبزادہ کو لے جائیے اس نے الف ب کے وہ اسباق سکھائے جو میں پہلے نہیں جانتا تھا۔ (کذا فی قصص الانبیاء)

تنبیہ: مروی ہے کہ یہ آٹھ کلمات "ابجد۔ ہوز۔ حطی۔ کلمن۔ سعفص۔ قرشت۔ ثخذ۔ ضظغ" آٹھ بادشاہوں کے نام ہیں۔

ف: بعض کے نزدیک یہ آٹھ کلمات یونانیوں کی ایجاد ہے انھوں نے اعداد کی ضبط اور ان کے مراتب کی تمیز کے لیے وضع کیے تھے۔ (کذا فی شرح التقویم)

ف: مدین علو العقد الفرید میں لکھتے ہیں سب سے پہلے جن لوگوں نے عربی خط کی وضع کی اور اس کے حروف جوڑ کر اس کے اقسام بنائے وہ چھ اشخاص تھے جو عدنان بن ادد کے ہاں مہمان ہو کر ٹھہرے ان کے اسماء یہ ہیں:

① ابجد ② ہوز
③ حطی ④ کلمن
⑤ سعفص ⑥ قرشت

انھوں نے ہی کتابت کو وضع کیا اور نحو کو اسماء پر مقرر کیا۔ بعض وہ حروف جو ان کے اسماء میں نہیں تھے انھیں اپنے اسماء کے حروف کو الحاق بنایا اور انھیں روادف سے تعبیر کیا اور وہ یہ ہیں: ثاء۔ خاء۔ ذال۔ ضاد۔ ظاء۔ غین۔ یعنی وہی الحاق ہے جو ایک جملہ کو دوسرے جملے سے ملحق کیا جاتا ہے۔ ہم نے خلاصہ کے طور پر چند باتیں عرض کر دی ہیں ان کے علاوہ اور وجوہ بھی بیان کیے گئے ہیں۔

ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ جس کی صفت ابھی مذکور ہوئی وہ عیسیٰ ابن مریم ہیں وہ جیسے نصاریٰ بیان کرتے ہیں ویسے نہیں اس سے نصاریٰ کی تکذیب ہے کہ ان کے عقیدے کے خلاف امر کو بیان کر کے ان کی تصریحاً تکذیب فرمائی بلکہ ایسے طریق یعنی طریق برہانی سے ان کی تردید فرمائی اس لیے کہ جس کو وہ معبود بناتے تھے اس کی نقیض کو اللہ تعالیٰ نے حق بتایا۔ **قَوْلَ الْحَقِّ** یعنی وہ قول جو ثابت اور سراسر صدق ہے۔ یہ منصوب ہے اور مفعول مطلق ہونے کے۔ قال انی عبد اللہ کی تاکید ہے اور ذالک عیسی بن مریم جملہ معترضہ ہے۔ **الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ** وہ کہ جس کے متعلق تم شک کرتے ہو اس لیے کہ المریۃ بمعنی شک ہے کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے۔

مَا كَانَ لِلّٰهِ اللہ تعالیٰ کے لائق نہیں۔ **اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ** ۔ من ولد۔ یتخذ کا مفعول بہ ہے اور من نفی عام کی تاکید کے لیے ہے۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ولد سے جزء مراد ہے اس لیے کہ ولد، والد کا جزء ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا، فاطمۃ بضعۃ منی، فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے جسم کا ٹکڑا ہے۔

سُبْحٰنَهٗ ۔ اللہ تعالیٰ نفس ولدی کی جزئیت سے پاک اور منزہ ہے اس لیے کہ قدیم کی کوئی جنس نہیں۔ اِذَا قَضٰٓی اَمْرًا جب اللہ تعالیٰ کسی امر کے ہونے کا ارادہ کرتا ہے۔ فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ۝ تو اس کے لیے فرماتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا، کن۔ ہو جا۔ فیکون۔ تو باپ کے بغیر پیدا ہو گئے۔ یہاں پر قول کا مجازی معنی سرعۃ الایجاد ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی شے کے پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے لیے کوئی شے حائل نہیں ہوتی بلکہ جونہی وہ ارادہ فرماتا ہے تو وہ شے فی الفور پیدا ہو جاتی ہے یہ ایسے ہے جیسے امر اپنے مطیع مامور کو کسی کام کا حکم فرماتا ہے تو وہ مطیع مامور فوراً بلا تاخیر حکم کی تعمیل کرتا ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں کسی قسم کی تاخیر نہیں ہوتی ایسے معانی کو تمثیل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۔ اور بے شک میرا اور تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہے تو فقط اسی کی عبادت کرو۔ یہ عیسیٰ علیہ السلام کے کلام کا تتمہ ہے اور اس کا انی عبد اللہ پر عطف ہے اور یہ قال کے حکم میں داخل ہے۔ ھٰذَا یہ جو میں نے توحید کے اسباق بیان کیے۔ صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ۝ ایسا سیدھا راستہ ہے کہ اس پر چلنے والا گمراہ نہیں ہو سکتا۔ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ ۔ الاحزاب، حزب کی جمع ہے بمعنی جماعت۔ مِنْۢ بَیْنِهِمْ ۔ آپس میں جماعتوں نے اختلاف کیا کہ جو کہا وہ تمہارا رب ہے۔ فاعبدوہ۔ اسی کی عبادت کرو۔ احزاب سے عیسیٰ علیہ السلام کی وہ قوم مراد ہے جن کی طرف مبعوث ہوئے۔ چنانچہ جماعت نسطوریہ نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام ابن اللہ ہیں۔ اور یعقوبیہ فرقے نے کہا کہ وہ خود خدا ہے جو آسمان سے زمین پر تشریف لا کر پھر آسمان کی طرف واپس تشریف لے گئے ہیں۔ ملکانیہ نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام بندہ خدا اور اس کے سچے نبی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ دنیا میں عبادت گزار بندے دو قسم کے ہیں۔

① شریعت و طریقت کے قوانین پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوئے مقامات کو عبور کر کے قربات الٰہی تک پہنچتے ہیں یہ اولیاء کرام اور سعادت مند غلام ہیں انہیں اہل اللہ اور خاص الخاص سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

② خواہش نفسانی کی پرستش کرتے ہیں جیسے جیسے ان کی طبیعت کا تقاضا ہوتا ہے ویسے ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے کوسوں دور ہوتے ہیں جیسے کہ بت پرست یوں کہتے ہیں۔

ما نعبدهم الا لیقربونا الی اللہ زلفی۔

یہ لوگ اللہ اہل حق کے منکر ہوتے ہیں۔ یہی اہل بدعت و اہل ہوا و ریا کار اور شہرت باز ہیں تا ابد ان کا ٹھکانہ جہنم

کے مانند ہی ہیں۔

④ اللہ تعالیٰ کی اسی طرح عبادت کرتے ہیں جیسے شریعت کا حکم ہوا ہے۔ یہ عام اہل اسلام ہیں یہ لوگ یقیناً جنتی ہیں۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ایسے کافروں کے لیے خرابی ہے ان کافروں سے وہی جماعتیں مراد ہیں جنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اختلاف کیا۔ ویل بمعنے ہلاکت۔ یہ مبتدا ہے اس کا مابعد اس کی خبر ہے اگرچہ نکرہ ہے لیکن بعض مخصوص صورتوں میں نکرہ مبتدا واقع ہوتا ہے جیسے سلام علیک میں سلام نکرہ مبتدا ہے دراصل یہ اپنے فعل محذوف کے قائم مقام ہے لیکن اس سے عدول کر کے اسے مرفوع اور مبتدا بنایا گیا ہے تاکہ استمرار و دوام و ثبات پر دلالت کر سکے جو کہ مدعو علیہ کے لیے مقصود ہے۔ **مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝** اس دن کی حاضری کی وجہ سے جس کا منظر ہولناک ہے اور اس دن کا حساب و کتاب اور جزا و سزا سخت ہے۔ اس سے قیامت کا دن مراد ہے۔

اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ یہ فعل تعجب ہے چونکہ قیامت کے دن ان کی بینائی و شنوائی تیز ہو جائے گی اسی لیے اسے تعجب کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ ہدایت کے لیے ان کا سننا اور دیکھنا بہت خوب ہو گا۔ **يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا** اس دن کہ وہ ہمارے ہاں حاضر ہوں گے یعنے قیامت کے دن جس وقت حساب اور جزا کے لیے وہ لوگ ہمارے ہاں حاضر ہوں گے تو ان پر تعجب کرنا چاہیے کہ ہدایت کی باتوں کو کیسے تیز دیکھتے اور کیسے جلد تر سنتے ہیں حالانکہ دنیا میں نہایت درجہ کے اندھے اور بہرے تھے اور کسی شے کا عظیم الشان ہونا لیکن اس کے سبب سے بے خبر ہونے کا نام تعجب ہے۔ اب مطلقاً شے کا عظیم الشان ہونا یعنے پر استعمال کیا گیا ہے۔ **لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ** لیکن ظالم لوگ آج دنیا میں۔ **فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝** گمراہی ظاہر یعنے ایسی خطا ظاہر میں ہیں کہ اس کی انتہا کو کوئی نہیں پہنچ سکتا یعنے تفکر اور استماع عبرت سے بالکل غافل رہے حالانکہ دنیا میں ان کے ذریعے اسے بہت بڑے منافع حاصل کر سکتے تھے۔ ؎

عمر مکن ضائع بافسوس و حیف
کہ فرصت عزیز است و الوقت سیف
کہ فردا پشیمان برآری خروش
کہ اوخ چرا حق نکردم بگوش

ترجمہ: افسوس و حیف سے عمر ضائع نہ کیجئے۔ اس لیے کہ فرصت قیمتی شے ہے اور وقت تلوار۔
قیامت میں پشیمان ہو کر فریاد کرے گا کہ میں نے نصیحت کو کانوں سے نہ سنا۔

وَاَنْذِرْهُمْ اور انہیں یعنے ظالموں کو ڈرائیے۔ **يَوْمَ الْحَسْرَةِ** حسرت کے دن سے یعنے وہ دن جس میں لوگوں کو حسرت اور کامل طور پر ندامت ہوگی۔ بروں کو تو برائی کی وجہ سے اور نیکوں کو نیکیوں کی کمی سے کہ اگرچہ اس کے ہاں کتنی ہی بہت بڑی نیکیاں ہوں گی تب بھی افسوس کرے گا کہ کیوں اور نیکی نہ کی۔ **اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ** یہ یوم الحسرۃ سے بدل ہے جب کہ ان کا

پھر پورا ہو جائے گا یعنی جب اللہ تعالیٰ حساب و کتاب سے فارغ ہو کر حکم فرمائے گا کہ جنتی بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں جائیں۔

موت مینڈھے کی شکل میں (حدیث شریف)

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے یوم حسرت کی تفسیر پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا

قیامت کے روز موت کو مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا پھر اسے ذبح کیا جائے گا۔ بہشتی و دوزخی اسے آنکھوں سے دیکھیں گے اس کے بعد اعلان ہوگا کہ اے بہشتیو! تم پر اس کے بعد کوئی موت نہیں اب تم ہمیشہ جنت میں رہو گے اور اے دوزخیو! اس کے بعد تم پر کوئی موت نہیں آئے گی اب تم ہمیشہ دوزخ میں رہو گے اس اعلان سے جنتی لوگوں کی خوشی میں اور دوزخیوں کے غم میں اضافہ ہوگا۔

وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ اور کہ وہ غفلت میں ہیں یعنے انہیں بے خبری ہے کہ کل قیامت میں ان کے ساتھ کیا ہوگا۔ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ یہ دونوں جملے فی ضلال مبین کی ضمیر مستتر سے حال ہیں یعنے وہ گمراہی میں ہیں جبکہ ان کا حال یہ ہے کہ وہ غفلت میں ہیں اور وہ ایمان نہیں لاتے ان کے مابین جملہ معترضہ واقع ہے۔

اِنَّا نَحْنُ ضمیر متکلم کی تاکید کے لیے ہے۔ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا ہم ہی وارث ہیں زمین اور اس کے مکینوں کے مالک ہیں اگرچہ زمین کے مکین انسان اور غیر انسان ہیں لیکن من العقول کی تغلیب سے مَنْ لایا گیا ہے یعنے زمین پر سوائے ہمارے اور کوئی نہیں رہے گا اور وہی ہمارے سوا اس کا کوئی مالک ہے اس کے متعلق سورۂ مریم میں تفصیل سے لکھ آئے ہیں۔ وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ○ اور صرف ہمارے ہاں حساب و کتاب اور جزا و سزا کے لیے لوٹائے جائیں گے ہمارے سوا ان کا کوئی مستقل مالک ہے اور نہ اختیار والا۔

ف: رجوع دو قسم کے ہیں:

① بالقہر۔ یہ عوام کے لیے ہے اس لیے ان کے نفوس دنیا سے متعلق اور اسی میں رہنا چاہتے ہیں اس لیے انہیں بالاجبار والاکراہ دنیا سے اٹھا کر آخرت میں لایا جائے گا۔

② الرجوع۔ الرجوع باللطف یہ خواص کا رجوع ہے اس لیے کہ ان کے نفوس فانی فی اللہ ہو گئے ہیں نہ انہیں دنیا کی خوشی ہے اور نہ آخرت سے واسطہ، ان کا تعلق براہ راست اپنے مولا سے ہوتا ہے وہ دنیا سے ہجرت بھی شوق وصال کی وجہ سے ترجیح دیتے ہیں کہ وہ اپنے مالک و مولیٰ کے دیدار کے مشتاق ہو گئے ہیں۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ وہ فنا و بقا اور تکمیل الشوق الی اللہ بالموت اور رجوع الی اللہ کے لیے اس سے پہلے جد و جہد کرے جب کہ اسے موت کا پیغام پہنچے۔ یعنی الملک الرحوم کا راز اسی میں مضمر ہے۔

هر که افروخت از نگه وحدت یار
خس و خاشاک تعین همه برباد برد
هر چه در عرصهٔ امکان بوجود آمده بود
سیل غیرت همه را تا بعدم آباد برد

ترجمہ: اس نے قرب الٰہی کی وحدت سے جو آگ سلگائی تو اس نے تعین کے تمام خس و خاشاک اڑا دیئے۔
جو امکان کے میدان میں موجود تھے سب کو غیرت کے سیلاب نے عدم آباد میں پہنچایا۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے ہوتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے خطابات سے نوازا جاتا ہے تو وہ مرتبۂ کمال پر پہنچ جاتے ہیں اور انہیں ذات حق کا مشاہدہ ہوتا ہے تو ہمہ تن آنکھ ہو جاتے ہیں اور دنیا سے اس وقت کوچ کرتے ہیں جب ان کا باطن کا مقام اللہ کے ہاں متعین ہوتا ہے۔

نظرت في الراحة الكبرى فلم ارها
تنال الا على جسر من التعب
والمجد منها بعيد في تطلبه
فكيف تدركه بالتقصير واللعب

ترجمہ: میں نے راحت کبریٰ کو تلاش کیا تو سوائے مشقت کے کچھ نہ پایا۔
اس کی طلب میں بزرگی بہت دور ہے اسے تقصیر و لعب سے کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

حکایت: حضرت الشیخ ابو الحسن مزین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نہایت مفلس و کنگال اور ننگے پاؤں سے ننگا سر جنگل میں گیا اور دل میں خیال کیا کہ میرے جیسا اللہ کا کوئی بندہ نہ ہوگا اتنے میں اچانک مجھے کسی نے پیچھے سے دھکا دے کر کہا اے حجام کب تک تم جھوٹے خیال دل میں لاتے رہو گے۔

سبق: اس سے معلوم ہوا کہ ترک و تجرید و رجوع الی الحق کے مراتب ہوتے ہیں اور ہر ایک سالک کو وہی نصیب ہوتا ہے جو اس کے لائق ہوتا ہے اسی لیے کسی کو اپنے مراتب سے دھوکہ نہ کھانا چاہیئے اور نہ ہی اپنے حال سے عجب و کبر میں مبتلا ہو۔

حکایت: حضرت ابراہیم الخواص قدس سرہ نے فرمایا کہ میں ایک جنگل میں داخل ہوا اس سے مجھے سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑا لیکن صبر کے دامن کو میں نے نہ چھوڑا۔ جب میں مکہ معظمہ میں پہنچا تو مجھے اپنی نیکی سے عجب محسوس ہوا تو طواف کرتے ہوئے مجھے ایک بڑھیا نے ندا دی کہ اے ابراہیم! میں جنگل میں تیرے ساتھ تھی لیکن میں نے تیرے سے گفتگو کی اس خیال

(بقیہ صفحہ نمبر ۶۰۶)

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ

اور کتاب میں ابراہیم کو یاد کرو بیشک وہ صدیق تھا (نبی) غیب کی خبریں بتاتا جب اپنے باپ سے

تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ۝ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ

بولا اے میرے باپ کیوں ایسے کو پوجتا ہے جو نہ سنے نہ دیکھے اور نہ کچھ تیرے کام آئے اے میرے باپ بیشک میرے

مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝ يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ

پاس وہ علم آیا جو تجھے نہ آیا تو تو میرے پیچھے چلا آ میں تجھے سیدھی راہ دکھاؤں اے میرے باپ شیطان کا بندہ نہ بن

اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ۝ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ

بیشک شیطان رحمن کا نافرمان ہے اے میرے باپ میں ڈرتا ہوں کہ تجھے رحمن کا کوئی عذاب

الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ۝ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۚ

پہنچے تو تو شیطان کا رفیق ہو جائے بولا کیا تو میرے خداؤں سے منہ پھیرتا ہے اے ابراہیم بیشک

لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ۝ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ

اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے پتھراؤ کروں گا اور مجھ سے زمانہ دراز تک بے علاقہ ہو جا کہا بس تجھے سلام ہے قریب ہے

رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ۝ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا

کہ میں تیرے لیے اپنے رب سے معافی مانگوں گا بیشک وہ مجھ پر مہربان ہے اور میں ایک کنارے ہو جاؤں گا تم سے اور ان سب سے جن کو

رَبِّيْ ۖ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ۝ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ

اللہ کے سوا پوجتے ہو اور اپنے رب کو پوجوں گا قریب ہے کہ میں اپنے رب کی بندگی سے بدبخت نہ ہوں پھر جب ان سے اور اللہ کے سوا

دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ۝ وَوَهَبْنَا لَهُمْ

ان کے معبودوں سے کنارہ کر گیا ہم نے اسے اسحاق اور یعقوب عطا کیے اور ہر ایک کو غیب کی خبریں بتانے والا کیا اور ہم نے انہیں

مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ۝

اپنی رحمت عطا کی اور ان کے لیے سچی بلند ناموری رکھی

بقیہ حاشیہ صفحہ ٤٠٥

یہ کہ میرے شغل و ذکر الٰہی و عبادات میں حرج ہوتا ہے اب ہمارا پیچھا چھوڑو لازم ہے کہ تم اپنے دل سے یہ وسوسہ نکال دو۔

ف۔ اس سے معلوم ہوا کہ رجعت الی اللہ کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ سے نصیب ہوتی ہے ہر کمال اللہ تعالیٰ کی نسبت و قوت سے نصیب ہوتا

تفسیر عالمانہ **وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ** ۔ اے میرے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کے سامنے سورت یا قرآن سے ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کیجئے یا انہیں ابراہیم علیہ اسلام کا قصہ پڑھ کر سنائیے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا :

"واتل علیہم نبأ ابراھیم ۔"

ابراہیم علیہ السلام کی تخصیص اس لیے ہے کہ تمام اہل ادیان حضرت ابراہیم علیہ السلام سے عقیدت رکھتے تھے یہاں تک کہ کفار مکہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ناز تھا اور فخریہ کہتے کہ ہم حضرت ابراہیم کی اولاد ہیں۔ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام سے فرمایا کہ ان سب کو ابراہیم علیہ السلام کا عقیدۂ توحید سنا دیں تاکہ ان کے ذہن سے شرک کا گندہ تصور جھڑ جائے ۔

اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ○ بے شک تھے وہ ابراہیم علیہ السلام بہت سچے بہت پختہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کے سامنے سر جھکانے اور ہر برائی سے بچنے میں ہر وقت پابندی کرنے والے تھے ۔ نبیاً : یہ کان کی دوسری خبر ہے پہلی خبر کے لیے قید اور اس کے اندر تخصیص پیدا کرنے والی ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام صفت صدیقیت و نبوت کے جامع تھے اور صدیقیت نبوت کے تابع ہے اس لیے کہ ہر نبی کا صدیق ہونا ضروری ہے لیکن ہر صدیق کو نبی ہونا ضروری نہیں ۔

فائدہ صوفیانہ : ارباب حقیقت فرماتے ہیں کہ صدق کے چند مراتب ہیں :

① صدق

② صدق

③ صدیق

صدیق وہ ہے جو تمام حظ الصدق من الفرد والنفر بہ فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہوتا ہے ۔

رسول و نبی میں فرق رسول ہر وہ ہے جو احکام الٰہی کی تبلیغ کے لیے مقرر ہو وہ فرشتہ ہو یا آدمی اور نبی تبلیغ احکام کے لیے مقرر ہو لیکن یہ صرف آدمی کے لیے خاص ہے خواہ فرشتے کے لیے نہیں آتا البتہ رسول آتا ہے ۔

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ : یہ ابراہیم سے بدل الاشتمال ہے اس لیے کہ اوقات اپنے افعال پر مشتمل ہوتے ہیں جیسے یاد کیجئے ابراہیم علیہ السلام کی اس بات کو جو انہوں نے اپنے باپ یعنی آذر سے کہی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر سے نہایت نرمی اور اسلوب عجیب میں فرمایا **يٰٓاَبَتِ** ۔ تا یہ ہے کہ اصل میں یا ابی تھا یا کے بدلے تا کو لایا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں کو جمع نہیں کرتے یعنی یا ابتی اور یا ابتا نہیں کہا جاتا ہے الف کے ساتھ بھی اسی لیے نہیں کہا جاسکتا کہ الف یا متکلم کا بدل ہے ۔ **لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ** ۔ ان کی عبادت کیوں کرتے ہو جو تمہاری عبادت کے وقت تمہاری ثنا نہیں سنتے ہیں اور نہ ہی تمہارے عجز و انکسار کو ۔ ما سے وہ تصویریں اور مورتیاں مراد ہیں جن کی وہ پرستش کرتے تھے اور لم پر لام جارہ ہے ۔ یہ وہ میم ہے حروف جارہ کی طرح ما استفہامیہ داخل ہوتی ہے تو شکل کیا جاتا ہے ۔

بصر و ظاہر و غیرہ الامر و ہم و غم ۔

استفہام کے الف کو چونکہ یہ حروف کو ثقیل کرنے کا باعث ہے ایک کو حذف کر دیا گیا۔

وَلَا يُبْصِرُ ۔ اور وہ بت تمہارے خشوع و خضوع کو نہیں دیکھ سکتے اگرچہ تم ان کے سامنے کھڑے ہو کر ان کی عبادت کرتے ہو۔

وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْئًا ۝ اور تم سے کسی شے کو دور کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ ہی تمہیں کسی قسم کا نفع پہنچا سکتے ہیں دنیا و آخرت میں۔ شیئا مصدر ہے یعنی مفعول مطلق۔ اس صورت میں لا یغنی کا مفعول مطلق ہے یا اصل شیئا من الاغناء ہوگا یا مفعول بہ ہے۔ اب معنی ہوگا

لا یرفع عنک شیئا من عذاب اللہ تعالیٰ۔

يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝

ابا جان! تمہیں یقین ہونا چاہیے کہ میرے پاس بذریعہ وحی وہ علم آیا ہے جو تمہیں نصیب نہیں۔ لہٰذا تم انکار نہ کرو بلکہ میری اتباع کرو۔ میں تمہیں ایسا سیدھا راستہ دکھاؤں گا جو تمہیں مراتب علیا تک پہنچا دے گا اور تمہیں گمراہی سے بچا لے گا۔

نکتہ اللہ عزوجل کے بجائے مخاطب باپ کو خطاب اور اپنے علم کے اظہار کے بجائے علم الٰہی سے گفتگو کرنے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نگاہ تدبیر کا پتہ چلتا ہے کہ وہ نرمی سے اس طرح گفتگو کرتے ہیں جیسے کوئی مہربان دوست سے خیرخواہ بات کرتا ہے تاکہ وہ اس سے متاثر ہو کر ان کی بات مان لے۔ [illegible]

يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ۭ ابا جان! شیطان کی عبادت نہ کیجئے۔ یہ بت پرستی حقیقت میں شیطان کی پرستش ہے اس لیے کہ شیطان بتوں کی پرستش کا حکم کرتا اور اچھا کہتا ہے۔ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ۝ بے شک شیطان سب رحمٰن کا نافرمان ہے اس لیے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف آدم علیہ السلام کو سجدہ سے انکار کیا تھا اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی انسان کو بلند مراتب سے گرانے اور نعمتوں سے محرومی کا سبب بنتی ہے بلکہ عنایت کے قرب سے دوری۔ اس لیے ابراہیم علیہ السلام نے آزر کو اس کی بہت سی عملی نافرمانی کا احساس دلا کر اس کے مراتب سے گرانے کا سبب بھی بتا دیا۔

يٰٓاَبَتِ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ ۔ ابا جان! مجھے خوف ہے کہ اگر تم اسی شیطان کی تابعداری اور رحمٰن کی نافرمانی پر ڈٹے رہے تو تمہیں پہنچے گا۔ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ رحمٰن کے عذاب سے۔ یہ خوف ابراہیم علیہ السلام کو آزر کی محبت بازی سے ہوا۔ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ۝ تو تم شیطان کے ساتھ دائمی عذاب کے ساتھی ہو گے یا تم شیطان کے دوست ہو گے اور وہ تمہارا ولی ہوگا سے بھی لعنت۔

قَالَ ۔ یہ جملہ مستانفہ بیانیہ اور سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ گویا پوچھا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام کو آزر نے کیا جواب دیا تو اس کے جواب میں فرمایا کہ آزر نے ابراہیم سے نصیحت سننے کے بعد بجائے ان کی نصیحتوں کو قبول کرنے کے اپنے عناد پر ڈٹ گیا۔ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِـهَتِيْ يٰٓـاِبْرٰهِيْمُ ۚ اے ابراہیم! کیا تم ہمارے معبودوں سے روگردانی کرنے والے ہو۔

نکتہ: اراغب انت کو تعجب میں بیان کرنے میں آزر نے تصریح کی کہ ہمارے معبودوں سے بیزاری اور انکار کی گنجائش نہیں اور تم اے ابراہیم! نہ صرف اظہار کرتے ہو بلکہ ہمارے معبودوں کو ہی ان سے انکار کی ترغیب دے رہے ہو۔

ف: خبر کو مبتدا کرنے پر مقدم کرنے سے اس کے مقدم و اہتمام ہونے کی طرف اشارہ ہے لیکن حق یہ ہے کہ اراغب مبتدا اور انت خبر کے قائم مقام ہو کر راغب کا فاعل ہے یہ اس لیے کہ صفت اور اس کے متعلق کے درمیان فاصلہ نہیں ہوتا اور وہ غیر اجنبی ہے۔ (کذا فی تفسیر الشیخ)

لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ، بے شک اگر تم اپنی نصیحت یعنی بتوں کی پرستش سے روکنے سے باز نہ آئے تو میں تمہیں سنگسار کروں گا یہاں تک کہ تم مر جاؤ یا مجھ سے علیحدگی اختیار کرو۔

ف: بعض مفسرین نے کہا کہ اس سے آزر نے سب و شتم مراد لی ہے۔

اس سے رجیم مشتق ہے بمعنی لعین وطرد کیا ہوا اور اصل میں الرجم بمعنی الرمی۔ بالرجام بالکسر بمعنی الحجارۃ ہے، یعنی پتھروں سے مارنا۔

وَاهْجُرْنِیْ مَلِیًّا ۝ اس کا لارجمنک کے مدلول پر عطف ہے یعنی میں تمہیں سنگسار کروں گا تو تم مجھے عرصہ دراز تک چھوڑ جاؤ گے اور ایسا ماروں گا کہ پھر تم مجھے بت پرستی سے ہمیشہ تک نہیں روکو گے۔ ملیا۔ الملاوۃ سے ہے بمعنی الدھر۔

قَالَ: یہ بصورت تقریر بیان ہے یعنی ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا **سَلٰمٌ عَلَیْكَ ۚ** میرا تجھے سلام۔ یہ سلام احسان کا سلام نہیں بلکہ الوداعی اور مفارقت کا ہے۔ اس لیے کہ اس سلام سے ابراہیم علیہ السلام آزر کے لیے سلامتی کی دعا نہیں کر رہے جیسا کہ سلام علیکم لا نبتغی الجاھلین میں وہ سلام تحیہ نہیں بلکہ یہ برائی کے مقابلہ میں نیکی کے قبیل سے ہے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی کو نصیحت قبول کرتا نہ دیکھے تو اس سے علیحدگی اختیار کرنا جائز ہے۔

ایسے ہی یہ ہوا کہ میں تمہیں اپنی طرف سے یقین دلاتا ہوں کہ آج سے میں تمہیں کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچاؤں گا اور نہ ہی تیرے ساتھ ایسی گفتگو کروں گا جس سے تجھے ایذا پہنچے بلکہ اب دوسرا طریقہ اختیار کرتا ہوں اور وہ یہ ہے **سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ ۚ** سین استقبالیہ یا تاکیدیہ ہے یعنی اب میں تیرے لیے اپنے رب سے استغفار کروں گا کہ وہ تیرے گناہ بخش کر تجھے توبہ کی توفیق بخشے اور تجھے ایمان کی ہدایت عطا فرمائے جیسا کہ دوسری آیت "واغفر لابی انه کان من الضالین" سے معلوم ہوتا ہے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ کسی کافر کے کفر پر مرنے کا یقین نہ ہو تو اس کے لیے استغفار جائز ہے۔ ہاں اگر کسی کے کفر کا یقین ہو کہ یہ یقیناً کفر پر مرے گا تو اس کے لیے استغفار ناجائز ہے عقلاً بھی نقلاً بھی۔

مسئلہ: کافر کے مرنے سے پہلے تو استغفار جائز ہے لیکن جب اس کی استغفار سے صراحۃً ممانعت ہو تو پھر ناجائز ہے

چنانچہ ابو طالب کے لیے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لاستغفرن لك ما لم انه عنك[1] — میں تیرے لیے استغفار کرتا رہوں گا جب تک مجھے روکا نہ جاؤں۔

اس پر آیت نازل ہوئی:

ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين[2] — نبی علیہ السلام اور اہل ایمان کو لائق نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار کریں۔

ابراہیم علیہ السلام نے آزر کو سأستغفر لك اور لأستغفرن لك اور واغفر لأبي یہ آیات اس وقت کہی ہیں جب آپ آزر سے ایمان قبول کرنے کی امید رکھتے تھے جب اس کی دشمنی اور شرک کی تو پھر استغفار سے باز آ گئے۔ یہی جواب حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے ہوگا جب کہ آپ نے ابو طالب اور ابو جہل و دیگر کفار و مشرکین و منافقین کے لیے دعائیں اور استغفار کیے لیکن یہ لوگوں نے حقیقت سے چشم پوشی کر کے نبی علیہ السلام کو عالم اور مختار ثابت کرنے کی کوشش کی ہے؟

ف: ابراہیم علیہ السلام آزر کی استغفار سے اس وقت باز آئے جب انھیں یقین ہو گیا کہ وہ ایمان قبول نہیں کرے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فلما تبين له أنه عدو لله تبرأ منه

(ایسے ہی اپنے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا معاملہ سمجھئے تفسیر اویسی میں تفصیل دیکھئے)

إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا ○ بے شک میرا رب بڑے لطف و کرم کے لائق ہے۔

حل لغات: حفی حفاوۃ بمعنے بالغت سے ہے اور کہا جاتا ہے تحفیت فی اکرامہ ای بالغت میں نے اس کے اکرام میں مبالغہ کیا۔

وَأَعْتَزِلُكُمْ اور میں تم سے اور تمہاری قوم سے علیحدگی اختیار کرتا ہوں اس لیے کہ اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تم پر میری نصیحتوں کا اثر نہیں ہوگا۔ وَمَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ اور میں ان سے دوری اختیار کرتا ہوں جن کی تم عبادت

---

[1] روح البیان، جلد ۵، صفحہ ۳۳۰، طبع جدید۔

[2] افسوس ہے کہ ابو طالب کے کفر کی تصریحات کے باوجود بعض لوگ اس کے ایمان کے ثبوت کے لیے کوشاں ہیں اور صرف ایمان کی بجائے وہ عبارات پیش کرتے ہیں جو انھوں نے محض نقل کے طور پر فرمائیں جن اعلان کی اس تصریح کو یہ سمجھتے نہیں یا قصداً اس کو نہیں سمجھتے۔ ۱۲

[3] اضافہ از اویسی غفرلہ۔

کرتے ہو۔

ف : یہاں پرستش ہونا بمعنی تعبدون ہے۔

وَاَدْعُوْا رَبِّیْ اور اپنے رب تعالیٰ واحد لاشریک لہ کی عبادت کرتا ہوں۔ یہاں پر بھی ادعوا بمعنی اعبد ہے۔
عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ۝ میں اپنے رب تعالیٰ کی دعا سے نا امید نہیں ہوں یعنی میری دعا اور اس میں میری عبادت ضائع نہیں ہوگی اور نہ ہی مجھے اس سے نا امید رکھا جائے گا۔ اس سے ابراہیم علیہ السلام نے بت پرستوں کو بتایا کہ تم ہو کہ تم اپنے معبودوں سے خائب و خاسر ہو۔

حاجت ز کسے خواہ کہ مستجابان ما
بے بہرہ نگرداند از انعام عمیم

ترجمہ : اس سے اپنی حاجت طلب کیجئے جو کسی وقت بھی اپنے حاجت مندوں کو محروم نہیں کرتا۔

سوال : ابراہیم علیہ السلام نے لفظ عسیٰ فرمایا ہے اس میں تو صرف امید ہی کی جا سکتی ہے نہ کہ یقین؟

جواب : اگرچہ ابراہیم علیہ السلام کو یقین تھا لیکن تواضع کے طور پر عسیٰ فرمایا اور ادب کا طریقہ سکھایا کہ اس قسم کی بارگاہ میں ادب اور تواضع ضروری ہے۔

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ جس وقت ابراہیم علیہ السلام ان سے اور ان کے معبودوں سے علیحدہ ہو گئے یعنی شام کی طرف ہجرت کر گئے۔

ف : تفسیر الشیخ میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے وہاں سے ارض المقدس کی طرف ہجرت فرمائی۔

وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ اور ہم نے اسحاق اور یعقوب بن اسحاق علیہما السلام عطا فرمائے یعنی جب انہوں نے اپنے کافر رشتہ داروں سے علیحدگی اختیار فرمائی تو ہم نے انہیں ان کے عوض بیٹے عطا فرمائے۔

ف : ہجرت اور مفارقت من الوطن کے بعد صاحبزادے مذکور پیدا نہیں ہوئے بلکہ اس ہجرت و مفارقت پر انہیں اسماعیل علیہ السلام عطا ہوئے جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے :

فبشرنٰہ بغلٰم حلیم۔

جب کہ ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی :

رب ھب لی من الصالحین

---

[1] روح البیان، جلد ۵، صفحہ ۳۳۳۔

[2] نذر اویسی غفرلہ۔

سوال: یہاں پر اسماعیل علیہ السلام کا نام گرامی کیوں نہیں لیا گیا؟

جواب ①: چونکہ یہ دونوں اسحاق و یعقوب علیہما السلام ابو الانبیاء بنی اسرائیل ہیں۔ اس کے لیے صرف انہی حضرات کا ذکر فرمایا۔

جواب ②: چونکہ اسماعیل علیہ السلام صاحب فضیلت تھے اسی لیے انہیں مستقل طور پر علیحدہ بیان فرمایا۔

وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ۝ ان دونوں میں سے ہر ایک کو ہم نے نبی بنایا۔ یہ نہیں کہ ان کے بعض کو نبی بنایا اور بعض کو نہیں۔ کلا جعلنا کا مفعول اول صرف تخصیص کے لیے فعل سے مقدم لایا گیا ہے۔ وہ نسبت ان کے بعض کے نہیں بلکہ ان کے بہ نسبت ان کے ماسوا کے۔

وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا اور ہم نے انہیں دینی و دنیوی بھلائی اور ہر طرح کی رحمت سے نوازا جیسا کہ کثیر دولتوں اور اولادوں سے نوازا ہے۔ **وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ۝** اور ہم نے ان کے لیے سچی زبان بلند بنائی۔ لسان صدق سے الثناء الحسن مراد ہے۔ اسی لیے کہ لسان سے ہر وہ شئے مراد ہے کہ جس سے کلام کا صدور ہوتا ہے اس کی اضافت اضافۃ الموصوف الی الصفۃ کے قبیل سے ہے یعنی لوگ ان پر فخر اور ان کی اچھی تعریف کریں گے۔

ف: یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول ہونے کا ثمرہ ہے جیسا کہ انہوں نے اپنی دعا میں کہا تھا:

واجعل لی لسان صدق فی الآخرین — اور میرے لیے پچھلے لوگوں میں سچی ناموری رکھ۔

مسائل شرعیہ: آیت سے چند اشارات کا اثبات ہوا:

① نرمی و حسن خلق: داعی الی الحق کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے مخاطبوں سے نرمی اور خوش خلقی سے پیش آئے اس لیے کہ سخت کلامی لوگوں کو استفادہ و استفاضہ سے محروم رکھتی ہے۔

حدیث شریف: حدیث شریف میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ خوش خلقی سے پیش آیا کریں اگرچہ آپ کے ساتھ کفار ہی گفتگو کریں اس طریقہ سے آپ کو ابرار کے مراتب حاصل ہوں گے اس لیے کہ میں نے تقدیر میں لکھ دیا ہے کہ خوش خلق کو میں اپنے عرش کے سایہ تلے بٹھاؤں گا اور حظیرۃ القدس میں ٹھہراؤں گا اور اسے اپنی جوار خاص کا قرب عطا کروں گا۔

حضرت صائب نے فرمایا ہے:

گذشت عمر و نکردی کلام خود را نرم
ترا چہ حاصل ازیں آسیائے دندانست

ترجمہ: تیری زندگی گذر گئی لیکن تو نے اپنی گفتگو نرم نہ کی تجھے اس دندانے والی چکی سے کیا حاصل ہوا۔

② متابعت حق: حضرت ابو القاسم نے فرمایا کہ راہ حق تابعداری سے نصیب ہوتا ہے۔ جس کا بہت بڑا درجہ ہے یعنی نبی علیہ السلام کو قرآن مجید کی اور جو ان سے کم درجہ ہے اسے رسول کی اور جو ان سے کم ہے تو اسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اور جو ان سے کم ہے تو اسے اولیاء اور علماء رحمہم اللہ تعالیٰ کی اتباع لازمی ہے۔

طرق الی اللہ کا علم وراثۃً انبیاء میں ہے اسی لیے حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نفس پر سخت ترین مشقت صحبت کی انتہا میں ہے اس لیے کہ نفس کو اس سے نہ راحت نصیب ہوتی ہے نہ سرور۔

② عزلت و گوشہ نشینی: حضرت ابوالقاسم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو دنیا و آخرت میں ظاہری باطنی سلامتی چاہتا ہے اس کے لیے لازم ہے کہ وہ برے دوستوں سے علیحدگی اختیار کرے اور برے دوستوں سے علیحدگی آسان نہیں وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے الحاح و زاری سے دعا مانگے کہ اسے برے دوستوں سے مفارقت اور جدائی کی توفیق بخشے برے دوستوں سے علیحدگی اس لیے ضروری ہے کہ قیامت میں ہر شخص کو اپنے دوست کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

نکتہ: عزلت و گوشہ نشینی، خاموشی کا بہترین سبب ہے اس لیے کہ جو لوگوں سے دور ہوگا تو کس سے بات کرے گا جب بات نہ کرے گا تو اسے خاموشی اختیار کرنی پڑی۔

ف: گوشہ نشینی دو قسم کی ہے:

① عزلۃ المریدین بالاجسام عن الاغیار یعنی جسم کا جسمانی طور پر غیروں سے علیحدہ رہنا۔

② عزلۃ المحققین بالقلوب یہ ہے کہ دل کو کون سے علیحدہ رکھے اس لیے کہ دل صرف علم الٰہی کا مرکز ہے اور یہی اس لیے کہ اسی سے عارف کو مشاہدۂ حق نصیب ہوتا ہے۔

ف: گوشہ نشینی سے لوگوں کے شر سے اپنی حفاظت یا اپنے شر سے دوسروں کو بچانا مطلوب ہو۔ دوسرا پہلے سے افضل ہے اس لیے کہ اپنے اوپر بدگمانی کی بہ نسبت دوسروں پر بدگمانی کے بہتر ہے اور اس نیت سے عزلت ہو کہ کسی بہتر کی صحبت نصیب ہو کہ جسے اپنے رب تعالیٰ کی صحبت نصیب ہو تو پھر دوسروں کے ساتھ صحبت کا کیا فائدہ۔ خلاصہ یہ ہے کہ گوشہ نشین کا جلیس اللہ تعالیٰ ہے۔ پھر کسی کو کیا خبر کہ اسے عزلت یعنی صحبت ربی سے کیا اسرار و رموز نصیب ہوتے ہیں عزلت سے صرف زبان کی خاموشی حاصل ہوتی ہے بلکہ قلب کی خاموشی تو حاصل نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ انسان اگرچہ گوشہ نشین ہو تب بھی اس کے دل پر غیر اللہ کے خیالات ضرور گذرتے ہیں اسی لیے اس پر لازم ہے کہ گوشہ نشینی میں سوائے اللہ تعالیٰ کے باقی تمام خیالات کو مٹانے کی کوشش کرے اسی لیے سلوک میں گوشہ نشینی ایک اعلیٰ رکن کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ گوشہ نشینی سے سالک سے بہت سے گندے اوصاف دور ہو جاتے ہیں اسی لیے بہت سے گوشہ نشین صاحب یقین من اللہ ہو گئے لیکن یہ اس وقت ہوتا ہے جب دل سے غیر اللہ کے تصورات و خیالات مٹ جائیں۔

ف: ہجرت بھی گوشہ نشینی کی ایک قسم ہے کہ اس سے انسان کو اشرار کی شرارت سے حفاظت نصیب ہوتی ہے لیکن خوش بخت وہ انسان ہے جو صرف رضائے الٰہی کے پیش نظر ہجرت کرتا ہے ایسے انسان کو دنیا و آخرت میں مکرم بنایا جاتا ہے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ ہجرت و خلوت و عزلت اور ہر قسم کی عبادت میں رضائے الٰہی کو مد نظر رکھے۔

حضرت صاحب نے فرمایا ؎

(بقیہ صفحہ ۶۱۵)

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰى ۡ اِنَّهٗ كَانَ

اور کتاب میں موسیٰ کو یاد کرو بے شک وہ

مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ

چنا ہوا تھا اور رسول تھا غیب کی خبریں بتانے والا اور اسے ہم نے طور کی داہنی جانب سے ندا فرمائی

وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ۝ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ۝ وَاذْكُرْ فِي

اور اسے اپنا راز کہنے کو قریب کیا اور اپنی رحمت سے اس کا بھائی ہارون عطا کیا غیب کی خبریں بتانے والا اور کتاب میں

الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝ وَكَانَ يَاْمُرُ

اسمٰعیل کو یاد کرو بے شک وہ وعدے کا سچا تھا اور رسول تھا غیب کی خبریں بتاتا اور اپنے گھر والوں

اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۠ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ۝ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ

کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتا اور اپنے رب کو پسند تھا اور کتاب میں ادریس کو یاد کرو بے شک

اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ

وہ صدیق تھا غیب کی خبریں دیتا اور ہم نے اسے بلند مکان پر اٹھا لیا یہ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا غیب کی خبریں

مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۗ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۡ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ

بتانے والوں میں سے آدم کی اولاد سے اور ان میں جن کو ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا تھا اور ابراہیم اور یعقوب کی اولاد سے

وَاِسْرَآءِيْلَ ۡ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۭ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا

اور ان میں سے جنہیں ہم نے راہ دکھائی اور چن لیا جب ان پر رحمٰن کی آیتیں پڑھی جاتیں گر پڑتے سجدہ کرتے اور

وَّبُكِيًّا ۝ ۩ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ

روتے تو ان کے بعد ان کی جگہ وہ ناخلف آئے جنہوں نے نمازیں گنوائیں اور اپنی خواہشوں کے پیچھے ہوئے تو عنقریب

يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَ

وہ دوزخ میں غی کا جنگل پائیں گے مگر جو تائب ہوئے اور ایمان لائے اور اچھے کام کئے تو یہ لوگ جنت میں جائیں گے اور انہیں

لَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۝ جَنّٰتِ عَدْنِ ۨ الَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ

کچھ نقصان نہ دیا جائے گا بسنے کے باغ جن کا وعدہ رحمٰن نے اپنے بندوں سے غیب میں کیا بیشک اس کا وعدہ

وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ۝ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ۭ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً

آنے والا ہے وہ اس میں کوئی بیکار بات نہ سنیں گے مگر سلام اور انہیں اس میں ان کا رزق ہے صبح

وَّعَشِيًّا ۝ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ۝ وَمَا نَتَنَزَّلُ

و شام یہ وہ باغ ہے جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے اسے کریں گے جو پرہیزگار ہے اور جبریل نے محبوب سے عرض کی

إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهٗ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ

سے عرض کی ہم فرشتے نہیں اترتے مگر حضور کے رب کے حکم سے اسی کا ہے جو ہمارے آگے ہے اور جو ہمارے پیچھے اور جو اس کے درمیان

نَسِيًّا ۝ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ

ہے اور حضور کا رب بھولنے والا نہیں آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے سب کا مالک تو اسے پوجو اور اس کی بندگی پر ثابت رہو کیا اس

هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ۝

کے نام کا دوسرا جانتے ہو

(بقیہ صفحہ نمبر)

در مشرب من خلوت اگر خلوت کو راست

بسیار بہ از صحبت ابنائے زمانست

ترجمہ: میرے مشرب میں اگر خلوت ہے تو اس سے بڑھ کر ابنائے زماں کی محبت کی صحبت سے اعلیٰ نصیب ہے۔

④ جو کسی محبوب سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہجرت و مفارقت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بہتر اور محبوب بدل عطا فرماتا ہے جس سے اس کی سابقہ وحشت دور ہو کر لطف و مؤانست نصیب ہوتی ہے اور پھر اس کی تمام مشکلات حل ہو جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق اس کی جملہ مرادیں عطا ہوتی ہیں۔

اے اللہ ہمیں ان لوگوں سے بنا جو تیرے ہیں اور تیرے ماسوا سے انہیں کسی سے کسی قسم کا واسطہ نہیں یعنی وہ ہجرت تیرے راہ میں فانی اور تیری رضا کے طالب ہیں۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰى ۔ موسیٰ علیہ السلام کا ذکر اسماعیل علیہ السلام کے ذکر سے پہلے اس لیے ہے کہ یعقوب علیہ السلام کی مناسبت کے لیے ہے۔ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا ۔ یاد کیجیے موسیٰ علیہ السلام کو کہ وہ مخلص تھے یعنی انہیں اللہ تعالیٰ نے اور اس کا نفس ما سوا سے خالص بنا دیا تھا۔

ف: مخلص۔ بفتح اللام صدیق کے موافق ہے اس لیے کہ ارباب حقیقت کے ہاں مخلص بکسر اللام صادق کے موافق ہے یعنی وہ شخص جو صفات نفسانیہ کی کشائش سے بھی پاک ہو اور مخلص و صدیق کا ایک معنیٰ ہے یعنی وہ شخص جو غیریت سے پاک ہو۔

ف: روح البیان تعبیر میں ہے کہ اخلاص فی العبودیت اولیاء کا منصب ہے ہر ولی مخلص ہوتا ہے کوئی نبی اور رسول اخلاص سے خالی نہیں اور ہر نبی رسول نہیں لیکن وہ مخلص ضرور ہے۔ المخلص بالکسر یعنی نفس کو تزکیہ سے اوصاف نفسانیہ حیوانیہ سے پاک و صاف کرنے والا۔ المخلص بالفتح۔ جسے اللہ تعالیٰ صفات روحانیہ و انانیہ سے پاک کر کے منتخب کرے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جسے چالیس روز خلوص کی دولت بخشے تو اس کے دل سے حکمت کے چشمے زبان پر ابلیں گے۔

حدیث قدسی شریف: اخلاص میرے اور میرے بندے کے درمیان ایک راز ہے جس میں کسی مقرب کو گنجائش ہے نہ نبی مرسل کو اور میں ہی مخلصین کے قرب کا منصب جمالی و جلالی سے متولی ہوتا ہوں۔

مسئلہ: حقیقت یہ ہے کہ عبادت صرف مخلصین کی قبول ہوتی ہے اوروں کی نہیں۔ کما قال تعالیٰ:

وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین۔

ف: مخلصین کے اخلاص کے چند مراتب ہیں۔ اس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبودیت میں کسی کو شریک نہ کرے۔ اس کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وصال کے لیے اس کے حکم پر دل و جان خرچ کرے۔ اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ اپنے لیے اس کے وجود کو خالی کر کے اپنے وجود کے لیے باقی رکھے۔

وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا ۝ یعنی انہیں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا پھر انہیں نبوت بخشی۔ اگرچہ لفظ رسول اخص و اعلیٰ ہے لیکن یہاں موسیٰ علیہ السلام کے لیے ترتیب یہی تھی جیسے ہم نے بتائی اس لیے پہلے رسول اور پھر نبی کہا۔

ف: فقیر (اویسی) کہتا ہے کہ اگرچہ ترتیب مذکور صحیح ہے لیکن یہاں پر آیات کے فواصل کی وجہ سے لفظ نبیا کو مؤخر کیا گیا ہے۔

وَنَادَيْنَٰهُ مِن جَانِبِ ٱلطُّورِ ٱلْأَيْمَنِ طور مصر و مدین کے درمیان ایک پہاڑ ہے۔ الایمن، ضد الایسر یعنی دائیں جانب۔ یہاں پر الجانب محذوف کی صفت ہے یعنی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی دائیں جانب سے پکارا۔

سوال: تم نے موسیٰ علیہ السلام کی دائیں جانب کہاں سے نکالی؟

جواب: چونکہ پہاڑ کا دایاں ہے نہ بایاں۔ اسی لیے موسیٰ علیہ السلام کا نام لینا پڑا۔ اس کا معنی یہ ہیں کہ ہم نے ان کو اس جانب سے پکارا جو ان کے ملاقی طرف ہے اور اللہ تعالیٰ کے پکارنے کا مطلب یہی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے سامنے اللہ تعالیٰ کی جانب سے کلام متمثل ہو کر سنی گئی۔

ف: جلالین شریف میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے مصر کو واپس جا رہے تھے تو درخت سے موسیٰ علیہ السلام کو ندا آئی
سے آواز آئی:

وَقَرَّبْنَٰهُ نَجِيًّا ۝ قرب و تشریف۔ ہم نے انہیں اس حال میں قرب بخشا کہ
راز کہتے ہیں:

تقریب الملک لمناجاتہ: یعنی جیسے کوئی بادشاہ اپنی راز داری کے لیے قریب کیا اور اپنی صحبت کا اسے شرف بخشا۔ اب مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو فرشتہ کی وساطت کے بغیر ہمکلام ہونے کا شرف بخشا کہ وہ ہمارے ساتھ گفتگو کرنے والے تھے۔ نجیاً بمعنی مناجیاً، یہ ناجیتہ کی کسی ایک ضمیر سے حال ہے۔ اس لیے جو معنی راز کہنا۔

(کذا فی التہذیب)

کہا جاتا ہے: ناجاہ مناجاۃ: ساراہ یعنی اس کے ساتھ راز کی بات کی۔ (کذا فی القاموس)

وَوَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اور ہم نے اپنی رحمت ومہربانی کی وجہ سے بنایا۔ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ۝ ان کے بھائی ہارون کو نبی بنایا۔ اخاہ، وھبنا کا مفعول ہے اور ھارون، اخاہ سے عطف بیان کیا ہے۔ نبیا، ھارون سے حال ہے۔ ہارون کو اس لیے نبی بنایا تاکہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے وزیر اور معین و مددگار رہیں جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا:

"واجعل لی وزیرا من اھلی" (اور میرے گھر والوں میں سے میرا وزیر بنا)۔

اس لحاظ سے ھبۃ اپنے ظاہری معنی پر ہوگا جیسے ووھبنا لہ اسحاق ویعقوب میں اپنے ظاہری معنی پر ہے۔ اس لیے ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے عمر میں بڑے تھے اسی لیے ان سے معاونت ووزارت کا معنی موزوں ہے۔

ف: صاحب کشف الاسرار نے لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کی روش و کشش ایک طرح تھی۔ ولما جاء موسیٰ میں کشش کا وقربنٰہ نجیا میں ان کی روش کا بیان ہے۔ سالک جب تک کشش میں رہتا ہے وہ خطرات میں رہتا ہے جب اسے روش نصیب ہوتی ہے تو خطرات سے محفوظ ہو جاتا ہے یہ سلوک میں آخری قدم ہوتا ہے اور جذب میں ابتداء ہے۔

―

با خود بودی بے حاصل چوں او گشتی واصل
رفتی کجا بودی کجا ایں سر ربانیست ایں

ترجمہ: جب اپنے خیال پر چلو گے بے حاصل رہو گے جب اس کی کشش کے مطابق زندگی بسر کرو گے واصل اللہ ہو گے اپنا جانا اور ہے اس کا لے جانا اور، یہ ایک امر ربانی ہے۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہ نے فرمایا:

سالکاں بے کشش دوست بجائے نرسند
سالہا گرچہ دریں راہ تگ و پوئی کنند

ترجمہ: سالک دوست کی کشش کے بغیر منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتے اگرچہ وہ اس راستہ کو برسوں سال طے کریں۔

رد مرزائیت تفسیرات نعیمی میں ہے کہ "ووھبنا لہ من رحمتنا اخاہ ھارون نبیا" سے ثابت ہوا کہ نبوت کسبی نہیں بلکہ عطیات الٰہی سے ہے وہ جسے چاہے نبوت عطا فرمائے اور جسے چاہے رسالت سے نوازے یہ اس کا فضل و کرم ہے اس میں بندوں کے کسب و اجتہاد کو کسی قسم کا دخل نہیں اگرچہ کسب و اجتہاد بھی عطیات الٰہی سے ہیں لیکن پھر بھی اس کی توفیق کے بغیر کچھ نصیب نہیں ہو سکتے۔ (مرزائی نبوت کو بھی کسبی کہتے ہیں)

ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ اس میں اشارہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا قرب اور قبولیت حاصل تھی کہ آپ کی شفاعت سے حضرت ہارون

علیہ السلام کو رسالت و نبوت نصیب ہوئی اور حضرات انبیاء و رسل علیہم السلام کو ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا محتاج بنایا گیا۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الناس یحتاجون الی شفاعتی حتی ابراہیم (علیہ السلام)	سب کے سب میری شفاعت کے محتاج ہیں یہاں تک کہ ابراہیم علیہ السلام بھی۔

اے اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں سے بنا جو تیرے حبیب پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی استمداد رکھنے والے ہیں اور قیامت میں ہمیں ان کے جھنڈے کے نیچے جگہ عنایت فرما۔ (آمین)

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ إِسْمٰعِيْلَ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر اپنے والد گرامی اور بھائی اسحاق علیہ السلام کے ذکر سے جدا بیان کرنے میں اشارہ ہے کہ وہ بہت قریب باکمال نبی تھے یہ اسے محبوب محمد صلے اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کو قرآن سے اپنے دادا اسماعیل علیہ السلام کا قصہ سنا دیجئے۔ **إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ** وہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے ساتھ صادق الوعد تھے۔ الوعد کسی کو نفع پہنچانے سے پہلے خبر دینا۔ چونکہ اسماعیل علیہ السلام کو اس وصف میں شہرت تھی اسی لیے اسی وصف سے انہیں یاد کیا گیا۔ اگرچہ دوسرے حضرات بھی اس وصف سے خالی نہیں تھے لیکن چونکہ اسماعیل علیہ السلام اس وصف کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے تھے اسی لیے انہیں اس وصف کی خصوصیت بخشی گئی۔

حکایت: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اسماعیل علیہ السلام نے کسی کے ساتھ کسی جگہ پر ملنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ آپ اس کے لیے وہیں پر ایک سال تک انتظار کرتے رہے۔

؎

نیست بر مرہم صاحب نظر
بہترے از صدق و وفا خوب تر

ترجمہ: صاحب نظر کے نزدیک صدق و وفا سے اور کوئی بہتر عمل نہیں۔

ان کے صادق الوعد ہونے کی قرآنی دلیل کافی ہے کہ ذبح کے وقت والد گرامی سے صبر کا وعدہ کیا تو اسے پورا کر دکھایا، کما قال تعالیٰ:

ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین۔

مسئلہ آیت میں وعدے کے ایفاء کی ترغیب دی گئی ہے لیکن یاد رہے کہ وعدے کا ایفاء نیت پر موقوف ہے یعنی کوئی شخص وعدہ کے وقت عزم بالجزم کیا ہو کہ اس کا ایفاء ضرور کرے گا اگر بعد میں کسی مجبوری سے پورا نہ ہو سکا تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔[1]

---

[1] [illegible]

حدیث شریف حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب کوئی اپنے بھائی سے وعدہ کرے اور اس کی نیت میں ہے کہ ایفا کرے گا لیکن مجبوری سے پورا نہ ہوا تو گنہگار نہ ہوگا۔

مسئلہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تعریف اس معنے پر فرمائی کہ وہ وعدہ پر پورے اترتے تھے۔ اس سے ہر اس شخص کی بڑی تعریف ہے جو وعدہ کا ایفا کرتا ہے اور وعید اس میں شامل نہیں اور نہ ہی کسی دوسرے کو ڈرانے دھمکانے اور جسے اسے پورا کرنے کا مامور یا ممدوح ہو بلکہ عقلاً و شرعاً اسے ترک کیا جانا لازمی ہے۔ اس لیے کہ آفات وحشرات کی کوئی تعریف نہیں بلکہ خیرات وحسنات پر مدح ہے۔ اسی قانون کے تحت علماء نے اختلاف فرمایا کہ خلف الوعید علی اللہ جائز ہے یا نہیں۔ (صرحہ الامام الواحدی فی الوسیط تحت قولہ تعالٰی ومن یقتل مؤمنا متعمدا۔ الآیۃ (سورۃ نساء)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

ف: بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے کہ وعدہ کرتے وقت ان شاء اللہ کہہ دیتے ہیں حالانکہ اس وقت ان کی نیت وعدہ پورا کرنے کی نہیں ہوتی یہ سخت گناہ ہے بلکہ اللہ تعالٰی کے نام سے دھوکا دینا ہے۔ ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا)

ف: یہاں پر خلف الوعید جواز و عدم جواز کی تفصیل ضروری ہے کیونکہ ہمارے دور کے معتزلہ اللہ تعالٰی کے لیے امکان کذب پر زور لگاتے اور اس کے جواز میں جیسے دلائل قائم کرتے ہیں ان کے دلائل میں ایک دلیل خلف الوعید بھی ہے اور اپنے دعوے میں علمائے اہلسنت کی جواز کی عبارات پیش کرتے ہیں ہم اس کی توضیح کرتے ہیں تاکہ بیچارے کسی کو غلط فہمی میں مبتلا نہ کر دیں۔

یاد رہے کہ اگر خلف وعید مجازی مراد ہو یعنی عفو اور درگذر سے عبارت ہے تو ہم اس کے قائل ہیں بلکہ تمام اہلسنت اس کے جواز بلکہ وقوع پر متفق ہیں صرف معتزلہ کو اس سے انکار ہے چنانچہ علامہ شہاب الدین خفاجی مصری نسیم الریاض اور علامہ علی قاری شرح شفا میں مسئلہ خلف وعید کو اہلسنت کا اتفاقی قرار دیتے ہیں اور اس میں اختلاف کو صرف معتزلہ کی طرف منسوب کرتے ہیں:

"الوعید لا یجوز تخلفہ عند المعتزلۃ لقولہم بانہ یجب علی اللہ تعالٰی تعذیب العاصی"

(نسیم الریاض جلد ۴ ص ۵۰۰ و شرح شفا جلد ۲ ص ۴۴۴) کہ خلف وعید معتزلہ کے نزدیک جائز نہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ نافرمان کو سزا دینا خدا کے لیے واجب ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ بعض متکلمین جس خلف وعید کے قائل ہوتے ہیں حقیقتاً وہ خلف نہیں بلکہ اس پر خلف کا اطلاق محض مجازاً کیا گیا ہے مثلاً مجوزین خلف اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما — بے شک اللہ تعالٰی مشرکین کی مغفرت نہ کرے گا اور ایسے

حدیث شریف اور دستور شریف حضور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کسی سے کسی کام کا وعدہ کرے تو اسے چاہیے کہ اس کو پورا کرے [illegible] اگر ان میں [illegible] ہو تو پورا کرے۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

دون ذالک لمن یشاء جو اس سے کم ہو جس کو چاہے گا بخش دے گا۔

چنانچہ خلف نہیں اس وجہ سے کہ خلف وعید کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی کہ خلف وعید کے معنی ہیں کسی سزا کے وعدہ کا خلاف کرنا یعنی وعدہ تو یہ کیا ہے کہ فلاں شخص کو اس کے گناہوں کی وجہ سے عذاب دیا جائے گا۔ اور پھر فرمایا کہ ہم نے فلاں شخص کو عذاب دینے کا وعدہ کیا تھا لیکن اب اس کو عذاب نہ دیں گے لہذا معلوم ہوا کہ اس پر بلا تکلیف کا اطلاق خلف کرنا محض مجازاً ہے جس کی مثال قرآن پاک میں موجود ہے۔ قال اللہ تعالی: وجزاء سیئة سیئة مثلها یعنی برائی کا بدلہ برائی ہے اسی کی مثل۔ یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالی کسی برائی کا حکم نہیں کرتا۔ اب اگر سیئہ کو اپنے ہی معنے میں رکھا جائے تو لازم آئے گا کہ معاذ اللہ، اللہ تعالی بھی برائی کا حکم کرتا ہے تعالی اللہ عن ذالک علوا کبیرا۔ پس جس طرح یہاں جزاء سیئہ پر سیئہ کا اطلاق کیا گیا ہے اسی طرح بلا تکلیف معافی پر خلف کا اطلاق مجازاً کیا گیا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ جن مسائل میں اس قسم کا ذکر ہو وہاں خلف وعید کے قائل نہ تھے، ورنہ اگر خلف وعید اسی کو کہا جائے تو ہم کو اس سے انکار نہیں بلکہ ہم تو اس کے وقوع کے قائل ہیں۔

ف: خلف وعید بمعنے عفو و کرم ہم نے اس لیے بیان کیا ہے کہ دور حاضر کے معتزلہ ایسی عبارات نکال کر خلف وعد کا اثبات کر کے امکان کذب کی دلیل ٹھہرا لیتے ہیں حالانکہ خلف وعید اور خلف وعد میں زمین و آسمان کا فرق ہے وہ یہ ہے کہ خلف وعد یعنی کسی کے انعام کا وعدہ کر کے خلف کرنا اور خلف وعید یعنی کسی سزا کا وعدہ کر کے خلاف کرنا۔

خلاف وعید کے متعلق ہم نے عرض کر دیا کہ محققین اگر قائل ہیں تو عفو و کرم کے مجازی معنی میں لیکن خلف وعد کا قائل تو کوئی بھی نہیں دیکھیے دیوبندی و وہابی خلف وعد کا خلف وعید پر قیاس بھی محض شور ہے اس لیے کہ

① قائلین خلف وعید کے نزدیک بھی کہا گیا ہے کہ اس کا کرم ہے اور بعض محققین نے فرمایا کہ خلف وعید ثابت ہے یعنی وعید سے مقصود انشاء کے تخویف و تہدید ہے اخبار مطلوب نہیں اس صورت میں سرے سے احتمال کذب کا محل ہی نہ رہا چنانچہ صاحب مسلم الثبوت نے جب یہ کہا کہ ایعاد اللہ تعالی خبر صادق قطعا۔ اللہ تعالی کی وعید خبر صادق ہے یقینی طور پر تو ہے اس میں خلف محال ہے کیونکہ خبر کے خلف سے کذب لازم آتا ہے جو اللہ تعالی کے لیے محال ہے تو علامہ بحر العلوم رحمۃ اللہ علیہ نے اس لازم سے بچنے کے لیے وعید کو خبر تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے اسے انشاء ٹھہرایا ہے کیونکہ انشاء میں کذب کا احتمال نہیں ہے تو اب کذب باری لازم آنے کا احتمال جواب فرماتے ہیں:

الایعاد لیس خبرا بل انشاء والمقصود منه الحث او التخویف (کشف الستر شرح [illegible])

لیے خبر نہیں بلکہ انشاء ہیں جن کا مقصد انذار و تخویف ہے ۔

② خلف وعید کو امکان کذب کا مستلزم ٹھہرانا اس وجہ سے صحیح نہیں ہو سکتا کہ خلف وعید کرم اور امکان کذب نقص کو لازم کی قرار دینا اور اس پر قیاس کرنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے ؟ اہل سنت کا مذہب ان اختراعات سے بیزار و منزہ ہے ۔

③ خلف وعید انشاء ہے اور امکان کذب بیشتر خبر ہی میں ہو سکتا ہے تو اخبار کا قیاس انشاء پر کیونکر صحیح ہو سکتا ہے بلکہ یہی کا قیاس ہر امر پانی کا آگ پر اور ہوا کا مٹی پر قیاس کرنا جائز ہو تو یہ بھی جائز ہو گا ۔

ف : بعض کے نزدیک خلف وعید بمعنی عفو و درگزر بھی مسلمانوں سے ہی مخصوص ہے کفار کے حق میں وہ بھی خلف کے قائل نہیں ہیں چنانچہ شامی میں ہے :

الاشبه ترجیح جواز الخلف فی الوعید فی حق المسلمین خاصة دون الکفار ۔ (ج ۱ ص ۔۔۔) — اشبہ یہ ہے کہ خلف وعید کے جواز کا خاص کر مسلمانوں کے حق میں ہونا ، کافروں کے حق میں نہیں ہے ۔

کل روز قیامت جو لاکھوں بلکہ کروڑوں گنہگاروں کی بخشش ہو گی اسے خلف وعید کے تحت عفو و کرم سے تعبیر کیا جائے گا ۔ (فافہم)

سوال : کفر و شرک کے لیے اس خلف وعید کا دروازہ کیوں مسدود کر دیا گیا حالانکہ اسے بھی عفو و کرم کے زمرہ میں شامل ہونا چاہیے ؟

جواب : آیات وعید عفو و مغفرت کی آیات سے مخصوص و مقید ہیں یعنی جس طرح وعید کی آیتیں وارد ہیں اسی طرح عفو و مغفرت کی بھی ہیں اور ان کے مجموعے سے یہ قرار پاتا ہے کہ جنہیں ہم معاف نہ فرمائیں گے وہ سزا پائیں گے ، چنانچہ شرح عقائد میں فرماتے ہیں :

وقد کثرت النصوص فی العفو فیخص المذنب المغفور عن عمومات الوعید (ص ۱۲۳) — عفو میں نصوص کثرت سے وارد ہیں لہٰذا بخشے ہوئے گنہگار کو وعید سے مخصوص و مستثنیٰ کیا جائے گا ۔

یعنی وعیدات کا عموم مخصوص عنہ البعض ہے ، یہی خلف وعید ہے ، اگر یہی امکان کذب کی تعریف ہے تو ان حضرات سے کوئی یہ پوچھے کہ کیا آج تک کسی عاقل نے بھی مخصوص عنہ البعض کو کذب یا کذب کا مستلزم قرار دیا ہے ؟ مسلم الثبوت میں علامہ بہاری یوں فرماتے ہیں :

ان الایعاد فی کلامه تعالیٰ مقید بعدم العفو — کلام الٰہی تعالیٰ میں وعید عدم عفو سے مقید و مشروط ہے ۔

(ص ۱۲۳ مجتبائی)

نبراس ص ۳۳۱ و خیالی ص ۔۔۔ میں بھی یونہی فرماتے ہیں کہ وعید میں شرط ہے عدم عفو کی ، علامہ شمس الدین خیالی رحمہ اللہ

(بقیہ صفحہ نمبر ۶۳۲ پر)

اس کے فضل و کرم کی داد دینی چاہیئے۔

؎

وانی اذا اوعدتہ او وعدتہ

لمخلف ایعادی ومنجز موعدی

ترجمہ: بے شک جب میں کسی کو ڈراتا یا وعدہ کرتا ہوں تو ڈرانے کے وعید کے خلاف کرتا ہوں اور وعدے کو پورا کرتا

ہوں۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

اور امام الہمام دوانی [illegible] بیان میں بھی فرماتے ہیں کہ کریم کے کلام میں وعید کے ساتھ عدم عفو کی تخصیص یا تقیید کی اگرچہ تصریح نہ بھی ہو تب بھی اس کے کرم سے اس کی وعید عدم عفو سے مشروط و مقید ہے، ملاحظہ ہو:

ان الکریم اذا اخبر بالوعید فاللائق بشانہ ان یبنی اخبارہ علی المشیئۃ وان لم یصرح بذالک بخلاف الوعد فلا کذب ولا تبدیل۔ (شرح عقائد جلالی ص [illegible])

یعنی خلف وعید کا مطلب یہ ہے کہ کریم جب وعید کی خبر دے تو اس کی شان کے یہی لائق ہے کہ اپنی خبر وعید کو مشیت پر مبنی فرمائے اگرچہ اپنے کلام میں اس کی تصریح ذکر نہ کرے وعدہ کے برعکس تو اس خلف میں نہ کذب ہے اور نہ بات بدلی۔

یہ ہے خلف وعید کا تصور جس سے نہ تو دیوبندیوں پر امکان کذب کے قول کا الزام عائد ہوتا ہے اور نہ ہی حقیقی کو وعید کے منکر کا عذر۔

نتیجہ: ثابت ہوا کہ خلف وعید اللہ کریم کے حق میں سچ ہے اور وہ ہے ہی خلف وعید جیسے عفو و کرم و صرف عدم مستثنیٰ ہے [illegible] سے قرآن میں ملا جاتا ہے چنانچہ حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں کہتے ہیں ؎

نبئت ان رسول اللہ اوعدنی

والعفو عند رسول اللہ مأمول

ترجمہ: مجھے خبر ملی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وعید فرمائی (قتل کی دھمکی دی) ہے اور معاف فرمانے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امید کی جاتی ہے۔

نیز جب حضرت کعب تائب ہو کر آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی سے طلب التماس ہوئے تو صرف یہ حضور نے

(بقیہ صفحہ نمبر ۲۳۳)

اور کسی نے فرمایا ہے

إذا وعد السراء تنجز وعده

وإن أوعد الضراء فالعقل مانعه

ترجمہ: جب خوشی کی وعدہ کرے تو اسے چاہیے کہ پورا کرے اور جب دکھ پہنچانے کا وعدہ کرے تو عقل اس کے پورا کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

ف: یحییٰ بن معاذ نے خوب فرمایا کہ وعدہ وعید دونوں حق ہیں وعدہ حقوق العباد سے ہے کہ جس سے کیا اسے پورا فرمائے گا اور وہی اس لائق ہے کہ پورا فرمائے اور وعید اس کے اپنے حق پر ہے کہ اس نے بندوں سے فرمایا کہ یہ کرو اور وہ نہ کرو ورنہ میں تمہیں سزا دوں گا اگر بندوں سے خلاف ورزی ہوگی تو وہ چاہے تو معاف فرمادے چاہے تو گرفت کرے اس لیے کہ یہ اس کا اپنا حق ہے اور اس کے لائق ہے عفو وکرم کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔ (کذا فی شرح العقد لجلال الدوانی)

وَكَانَ رَسُولًا اور وہ اسماعیل علیہ السلام رسول تھے اس لیے کہ انہیں ان کے والد ماجد کی زندگی میں ہی جرہم عمالقہ اور یمن کے علاقہ کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔

ف: قاموس میں ہے کہ جرہم قحطان یمن کے ایک قبیلہ کا نام ہے جس میں اسماعیل علیہ السلام نے نکاح کیا۔ نَبِيًّا نبی یعنی اللہ تعالیٰ سے خبر دیتے ہیں اسماعیل علیہ السلام اپنے والد گرامی کے دین پر تھے ان کے ہاں کوئی جداگانہ کتاب نازل نہیں ہوئی ایسے ہی لوط اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کا حال ہے۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

معاف کیا اور اپنی وعید سے درگزر فرمایا بلکہ اسے انعام واکرام سے نوازا (المصابیح ج ۲ ص ۱۴۷ واسعد الطالب ج ۲ ص ۲۲۳)

اس تفصیلی بحث کے بعد اہل علم کو یقین ہوگیا ہے کہ خلف وعید پر خلف وعدہ کا قیاس کر کے امکان کذب ثابت کرنا سخت حماقت ہے ورنہ جماعت اہل متقدمین ومتاخرین میں سے کوئی خلف وعید کے حقیقی معنے کا قائل نہیں۔

چنانچہ حلیہ میں ہے:

حاشا للہ ان یراد بجواز الخلف فی الوعید	یعنی حاشا للہ خلف وعید جائز ہونے کے یہ معنی نہیں کہ معاذ
ان لا یقع عذاب من اراد اللہ الاخبار بعذابہ	اللہ جس کے عذاب کی خبر دینی چاہی اس کا عذاب
فانہ محال علی اللہ تعالیٰ قطعاً (سبحان السبوح)	واقع نہ ہو یہ اللہ تعالیٰ پر یقیناً محال ہے۔

مزید تفصیل وتحقیق اعلیٰ حضرت امام اہلسنت سیدی شاہ احمد رضا خاں قدس سرہ کی کتاب سبحان السبوح میں دیکھیے۔

وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ اور وہ اپنے اہل خاص سے حکم فرماتے ۔ اس سے مراد قریب تر لوگ ہیں جو قرابت ولادت و زوجیت سے اتصال رکھتے ہیں اسلام رشتہ میں مقرر ہوتا ہے جیسے ہر وہ انسان جسے دین داری دیا ہے اور وہی اس کی قوم کے لوگ تھے لیکن پہلا معنی زیادہ موزوں ہے کیونکہ پہلے انسان کو اپنی اصلاح ضروری ہے ۔ اس کے بعد ان لوگوں کی جو اس کے رشتہ قبیلہ میں قریب تر ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ،

وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ

اور فرمایا :

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ ۔

اور فرمایا

قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا

کیونکہ ان کی اصلاح سے کل زمانہ کی اصلاح ہوگی اس لیے کہ خیر و صلاح میں لوگ ان کے طریق پر ہوں گے ۔ **بِالصَّلٰوةِ ۔** نماز کہ عبادات بدنیہ سے اشرف ہے ۔ **وَالزَّكٰوةِ ۔** اور عبادات مالیہ میں سے زکوٰۃ افضل ہے ۔

ف : اس میں اشارہ ہے کہ نیک بخت وہ ہے جو اپنے ہمسایہ کی اصلاح کرے اور انہیں زہد و خیر پر لگائے ۔

ست

اے صاحب کرامت شکرانۂ سلامت
روزے تفقدی کن درویش بے نوا را

ترجمہ : اے صاحب کرامت شکرانہ سلامتی یہ ہے کہ تو درویشوں کے وہاں بے نوا فقیر کے ساتھ احسان و مروت کر ۔

وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا ۝ اور وہ اقوال و افعال و احوال میں اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ تھے بلکہ ان میں جب کہ وہ صاحب خلق و کریم تھے ۔

اے مرد گرت رضائے دلبر باید
آں باید کرد ہرچہ او فرماید
گر گوید خوں گرے گو از چہ سبب
ور گوید جاں بدہ مگو کہ ناید !

ترجمہ : اے یار اگر تجھے دلبر کی رضا مطلوب ہے تو وہ عمل کر جو وہ فرمائے ۔
اگر وہ خون چاہے تو اس کا سبب مت پوچھ ۔ اگر وہ جان مانگے تو نہ کہہ کہ وہ میرے بس میں نہیں ۔

اقوال صوفی: ایک بزرگ نے فرمایا کہ میرے ہاں چند ابدال تشریف لائے جنہیں میں نے پہچانا کہ وہ ابدال ہیں میں نے عرض کی کہ بہتر یہ وصیت فرمائیے، انھوں نے فرمایا کہ ہم چھ باتیں بتاتے ہیں:

① جو نیند کا خوگر ہو وہ وقت قلبی کی امید نہ رکھے۔
② بسیار خوری سے شب بیداری سے ہاتھ دھونا ہے۔
③ ظالم کی صحبت سے دین کی سلامتی نصیب نہ ہوگی۔
④ کذب و غیبت کی عادت سے خاتمہ خراب ہوتا ہے۔
⑤ لوگوں کے ساتھ خلط ملط سے عبادت کی لذت نصیب نہ ہوگی۔
⑥ جو لوگوں کی رضا کے درپے ہوا سے رضائے الٰہی سے محروم ہونا پڑے گا۔

صوفیانہ فائدہ: صوفی پسندیدہ وہ کامل انسان ہے جو جمیع کمالات کا جامع اور جمیع اشیاء و صفات کے حقائق کا محیط ہے جو اس مراتب میں کم درجہ ہے وہ پسندیدگی میں بھی کم تر ہے ایسے ہی عقل کی کا حال ہے۔ ہم حضرت نے سوال کرنے میں کلام ہم کو اپنا دیتی اور سکون دیکھیں حالوں سے بتاسکتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ: وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ادریس علیہ السلام نوح علیہ السلام کی جد کے باپ تھے کیونکہ نوح علیہ السلام لمک کے بیٹے وہ متوشلخ کے اور وہ اخنوخ کے اور اخنوخ ادریس نبی کا نام ہے اور وہ یرد کے بیٹے اور وہ مہلائیل کے اور وہ انوش اور وہ شیث علیہ السلام کے بیٹے تھے اور شیث علیہ السلام آدم علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ ان کی ولادت کے بعد آدم علیہ السلام ایک سو سال زندہ رہے۔ (کذا فی روضۃ الخطیب)

ف: دمشقی نے لکھا کہ جامع الاصول میں ہے کہ ادریس علیہ السلام آدم علیہ السلام کی وفات کے سو سال بعد پیدا ہوئے۔

ادریس علیہ السلام کی ایجادات

① کیل
② میزان۔ رطل اور ناپ کے واضع ادریس علیہ السلام ہیں۔
③ ہتھیار کے موجد بھی آپ ہیں۔
④ سب سے پہلے جہاد فی سبیل اللہ کا طریقہ ادریس علیہ السلام نے شروع فرمایا۔
⑤ آپ نے ہی قابیل کو قیدی نیز
⑥ علم نجوم یا یہ طریقہ بھی ان کا ایجاد کردہ ہے۔
⑦ قلم سے لکھنا آپ نے شروع فرمایا۔

⑧ علم حساب آپ سے شروع ہوا۔

⑨ نجوم کے فن کی ایجاد بھی آپ نے کی۔

⑩ کپڑا سی کر پہننا آپ نے ایجاد کیا ورنہ آپ سے پہلے لوگ چمڑا پہنتے تھے۔

⑪ سوئی سے کپڑا تیار کرنے کا آغاز آپ نے فرمایا۔

ادریس۔ درس سے مشتق ہے اور ادریس غیر منصرف ہے اور کہا گیا ہے کہ اس لفظ کا یہی معنیٰ قریب ہے اور آپ کا لقب ادریس اسی لیے ہے کہ آپ درس بکثرت دیتے تھے۔

مروی ہے کہ آپ پر تیس صحیفے نازل ہوئے۔

إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا بے شک وہ ہر حال میں اپنے اوپر صدق و سچائی کو لازم کرنے والے تھے۔ **نَبِيًّا** کان کی دوسری خبر اور پہلی خبر کی مخصص ہے کیونکہ ہر صدیق نبی نہیں ہوتا۔

ہر نبی کی اعلیٰ منزل رسول کی ادنیٰ منزل کے برابر ہوتی ہے۔ ہر صدیق کی اعلیٰ منزل نبی کی ادنیٰ منزل اور ہر مومن کی اعلیٰ منزل صدیق کی ادنیٰ منزل کے برابر ہوتی ہے۔

وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا اور ہم نے اسے بلند مکان پر اٹھا لیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اس سے چوتھا آسمان مراد ہے۔

شب معراج انبیاء علیہم السلام سے ملاقاتیں

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج آدم علیہ السلام کو پہلے آسمان پر اور یحییٰ و عیسیٰ علیہما السلام کو دوسرے آسمان پر اور یوسف علیہ السلام کو تیسرے آسمان پر اور ادریس علیہ السلام کو چوتھے آسمان پر اور ہارون علیہ السلام کو پانچویں آسمان پر اور موسیٰ علیہ السلام کو چھٹے آسمان پر اور ابراہیم علیہ السلام کو ساتویں آسمان پر دیکھا۔

چار نبی علیہم السلام دنیوی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں علماء کرام نے فرمایا کہ اس وقت چار نبی علیہم السلام دنیوی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں۔

① عیسیٰ علیہ السلام
② ادریس علیہ السلام
③ خضر علیہ السلام
④ الیاس علیہ السلام زمین پر (کذا فی روح البیان)

ادریس علیہ السلام کا آسمان پر اٹھائے جانے کا قصہ

کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ ادریس علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کی مختلف روایات ہیں، منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت کعب سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ ایک دن ادریس علیہ السلام کو سورج کی گرمی نے ستایا تو عرض

کہ الٰہ العالمین باوجودیکہ سورج مجھ سے کوسوں دور ہے لیکن اس کی گرمی سے میں جاں بلب ہو رہا ہوں تو پھر اس فرشتہ کا کیا حال ہوگا جو اس کے بالکل قریب ہے پھر اس فرشتہ کے لیے دعا فرمائی کہ اے پروردگار! اس فرشتے سے سورج کی گرمی کم فرما اور اسے اپنی عنایت کے سایہ میں ٹھنڈک دے

ز تاب آفتاب حوادث چہ غم خورد
آنرا کہ سائبان عنایت پناہ اوست

ترجمہ: آفتاب حوادث کی گرمی سے وہ کیا غم کرے جو اللہ تعالیٰ کے سائبان عنایت کی پناہ میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ادریس علیہ السلام کی دعا قبول کی اور دوسرے روز فرشتہ مذکور پر شدت گرمی آفتاب کا اثر نہ ہوا لیکن اس کے سبب سے بے خبر رہا۔ بارگاہ ایزدی میں دعا کی اور اس کا باعث عرض کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندے ادریس علیہ السلام نے تیرے لیے دعا کی ہے میں نے اس کی دعا مستجاب کی اسی وجہ سے تجھ سے آفتاب کی گرمی اٹھالی گئی ہے۔ فرشتے نے استدعا کی کہ مجھے ادریس علیہ السلام کی زیارت کی اجازت بخش دی۔ چنانچہ وہ فرشتہ زمین پر ادریس علیہ السلام کے پاس حاضر ہوا اور ادریس علیہ السلام نے کہا کہ مجھے آسمان پر لے چل چنانچہ فرشتے نے آپ کو اپنے پروں پر بٹھا کر سورج کے قریب پہنچایا۔ آپ نے فرمایا کہ عزرائیل علیہ السلام سے پوچھیے کہ میری زندگی کے کتنے لمحات رہ گئے ہیں۔ عزرائیل علیہ السلام نے دفتر اعمار میں دیکھا (لکھا تھا کہ ان کی روح سورج کے نزدیک ابھی قبض کرنا ہے) چنانچہ ادریس علیہ السلام کی روح اسی وقت آفتاب کے نزدیک قبض کر لی گئی۔

دوسری روایت ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام کو ادریس علیہ السلام کی کثرت عبادت کا سن کر ان کی زیارت کا اشتیاق ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے ان کی زیارت کے لیے اجازت لے کر زمین پر پہنچے تو حکم ہوا کہ ادریس علیہ السلام کی روح قبض کر لی جائے چنانچہ روح قبض کر لی گئی پھر عزرائیل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ ان کی روح ان کے جسم میں ڈال کر انہیں آسمان پر لے چلو جب آسمان پر لے جائے گئے تو دوزخ کی سیر کرائی پھر وہاں سے بہشت میں گئے تو پھر واپس نہ آئے وہیں ہمیشہ کے لیے مقیم ہو گئے۔

ف: آیت سے ثابت ہوا کہ ادریس علیہ السلام بلند مرتبہ اور بہت اونچے مکان پر بیٹھے ہوئے تھے لیکن ان کی رفیع المرتبتی اعلیٰ اور بلند مکان پر ہونا باعث ہے اور اس بلند مکانی سے فلک شمس مراد ہے۔

افلاک کا تعارف، رفعت مکان کے متعلق دو تقریریں ہیں۔

① بلندی باین معنیٰ کہ فلک شمس کے نیچے اور بھی بہت سے کرات وغیرہ ہیں مثلاً کرات فلکیہ و عنصریہ۔

② بلندی باعتبار مرتبہ کے یعنے بہ نسبت تمام افلاک کے کہ وہ اس لیے کہ فلک شمس کے نیچے سات افلاک ہیں۔ اور وہ یہ ہیں

① فلک الزہرہ
② فلک عطارد

③ فلک القمر
④ کرۃ الاثیر یعنی نار
⑤ کرۃ الہواء
⑥ کرۃ الماء
⑦ کرۃ التراب

اور ایسے ہی فلک شمس کے اوپر بھی سات افلاک ہیں جو یہ ہیں:

① فلک المریخ
② فلک المشتری
③ فلک زحل
④ فلک الثوابت
⑤ فلک اطلس
⑥ فلک الکرسی
⑦ فلک العرش

ان افلاک میں سے مرتبہ و مکانت کے اعتبار سے ان تمام افلاک سے اعلیٰ فلک الشمس ہے اسے قلب الافلاک کہا جاتا ہے کیونکہ تمام افلاک کو اسی کی روحانیت سے فیض پہنچتا ہے جیسے اس کے ایک ستارے سے تمام فلک منور ہوتے ہیں جیسے انسان کے قلب سے تمام بدن کو فیض پہنچتا ہے ایسے ہی فلک شمس ہی مقام روحانیت ہے جیسے حدیث معراج سے معلوم ہوا۔

تحقیق یہی ہے کہ ادریس علیہ السلام بجسم کرامت سے اللہ تعالیٰ کے قرب میں ہے۔

تفسیر صوفیانہ

ف: اللہ تعالیٰ نے ہم کو مثالوں کی نسبت بلند مرتبہ عطا فرمایا کہ جسد والے ملک کا مقصود نہیں ہو سکتا کیونکہ مرتبہ کے حصول کے بعد پھر اور مرتبہ ہے یہاں تک کہ انبیاء و اولیاء علیہم السلام کے مراتب شروع ہوتے ہیں بلکہ صرف عروج انسانی کا کل کر سکتا ہے اور ہیں۔ جب مراتب نبوت شروع ہوتے ہیں تو اس کی پرواز آگے نہیں بڑھ سکتی ہم نے اسے ملوطی نسبت اعلیٰ سے مطلق کیا ہے اور مراتب بھی اور یہ ہے وہ یہی ہیں کیونکہ وہ اکمال کے مراتب کا حصول ممکن ہے وہاں صرف صاحب الجمع کے شایان شان ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

دست بر بالائے دست این تا کجا
تا بیزدان که الیه المنتهیٰ

کان یکے دریاست بے قعر و کراں
جملہ دریاہا چو سیلے پیش آں
حیلہ ہا و چارہ ہا گر اژدہاست
پیش الا اللہ آنہا جملہ لاست

ترجمہ: یہ اس کے بعد واحد حقیقی ہے کیونکہ سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

اس لیے کہ وہ بحر بے کنار ہے تمام دنیا اس کے سامنے ایک قطرہ ہیں۔

تمام حیلے اور چارے اگر اژدہا سے ہوں تب بھی الا اللہ کے سامنے تمام فنا ہو جاتے ہیں۔

سبق: حاصل انسان پر لازم ہے کہ وہ جب بعض ریاست بوجہ استحقاق جیسے قضاء، تدریس، امامت، امارت وغیرہ کمالات انسانی مراتب حاصل کریں تو انہیں واسطے سمجھیں اور خود اس کو ضروری ہے کہ بعض علوم اعتباری مراتب جو بعض کمالات پر حاصل ہوتے ہیں جیسے افعال و صفات کے مراتب تو انہیں خیالی ہی دلائیں کیونکہ جملہ مراتب خواہ کتنا ہی بلند ہوں سب فانی ہیں اور یہ تعلقات سب کے سب مقصود نہیں بلکہ لازم ہے کہ ہر مرتبہ حادث ظاہری سے بالکل آزادی اختیار کی جائے جیسے اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم نے کی۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو غیر اللہ کو ترک کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ: اُولٰٓئِکَ ۔ یہ آیات مکہ یعنی سورہ مریم میں انبیاء جیسے زکریا و یحییٰ و عیسیٰ و ابراہیم و اسماعیل و موسیٰ و ادریس علیہم السلام کی طرف اشارہ ہے۔ یہ مبتدا اور اس کی خبر الذین انعم اللہ ... الخ ہے یعنی حضرات ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی دینی و دنیوی کی نعمتوں اور عطیات صوری و معنوی سے نوازا۔ ان کے بعض حضرات کی بعض عطا کردہ نعمتوں کی تصریح بھی فرمائی۔ مِنَ النَّبِيّٖنَ یہ موصول کا بیان ہے اس کی نظیر سورۃ الفتح میں آیت وعد اللہ الذین آمنوا و عملوا الصالحات منہم مغفرۃ میں ہے۔ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ جار کے اعادہ کے ساتھ ماقبل سے بدل ہے یہ ھذا الذی بعض کا ترجمہ ہے۔ الذریۃ اس سے مراد نسل الثقلین کو ذریۃ کہا جاتا ہے۔ (کذا فی القاموس)

وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ یعنی بعض ذریۃ میں سے وہ بھی تھے جنہیں ہم نے نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی پر سوار کیا اس سے ادریس علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ وَمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ اس میں باقی تمام داخل ہو گئے وَاِسْرَآءِيْلَ اس کا عطف ابراہیم پر ہے یعنی اسرائیل کی اولاد جیسے موسیٰ و ہارون و زکریا و یحییٰ علیہم السلام۔

ف: اس سے ثابت ہوا کہ بنات الاولاد بھی ذریت میں داخل ہوتی ہے کیونکہ مریم یعقوب علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔

وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا یعنی منکرین مجد ان میں سے بھی جنہیں ہم نے ہدایت دی اور برگزیدہ بنایا نبوت و کرامت بخشی۔ بعض نے کہا کہ یہ من تبعیضیہ ہے اگر اس کا عطف من النبیین پر ہو تو تبعیضیہ ہے اگر اس کا عطف من ذریۃ آدم

پ ۱۶

اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ جب ان انبیاء علیہم السلام پر پڑھی جاتی ہیں۔ اٰیٰتُ الرَّحْمٰنِ رحمٰن کی آیات جو ان پر آیات ترغیب وترہیب ان کی کتابوں میں نازل ہوتیں۔ خَرُّوْا زمین پر گر جاتے سُجَّدًا در آں حالیکہ وہ سجدہ کرنے والے ہوتے یہ ساجد کی جمع ہے۔ وَّبُکِیًّا در آں حالیکہ وہ رونے والے ہوتے یہ باکی کی جمع ہے۔ یہ دراصل بکویا تھا۔ اب معنی یہ ہوا کہ تمہارے سے پہلے انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں باوجودیکہ ان کے اعمال کی درستی اور شرف نسب میں بھی سب سے اونچے میں بالکل تھے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی بڑا قرب رکھتے تھے لیکن سجدہ گذار اور آیات الٰہی سن کر خوب روتے تھے تم بھی ان کی طرح ہو جاؤ۔

گریہ اور آنسو بہانے کا حکم حدیث شریف میں ہے کہ قرآن پڑھو اور آنسو بہاؤ اگر رونا نہ آئے تو رونی شکل بناؤ۔

تباکو۔ تباکی سے ہے بعض مشائخ سے منقول ہے اگر تمہاری آنکھیں نہیں روتیں تو اپنے دل کو رلاؤ یعنی قرآن مجید سنتے ہوئے حزن وملال کا اظہار کرو اس لیے کہ قرآن حزن سے کر عروج پر اترا ہے۔

ف: ابو القاسم محمد اشرف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ کلام رب العزت شوق کو ابھارتا ہے جب آتش شوق دل کو گرماتی ہے اس میں روشنی ہوتی ہے تو آنکھیں شوق کے آنسو بہاتی ہیں۔

ای دریغا اشک من دریا بدی
تا نثار دلبر زیبا بدی
اشک کان از بہر او بارند خلق
گوہر ست و اشک پندارند خلق

ترجمہ: کاش میرے آنسو دریا ہوتے تاکہ میرے محبوب پر نثار ہوتے۔
وہ آنسو جو محبوب کی خاطر بہتے ہیں وہ گوہر ہیں جنہیں لوگ آنسو سمجھتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ خروا سجدا یعنی عبودیت پر اپنے دل کو لگاتے ہیں سجدہ یعنی احکام الٰہیہ کے سامنے سرتسلیم خم کرتے ہیں۔ وبکیا یعنی شوق ومحبت پر اپنا جگر گھلاتے ہیں جب یار کی بات سنتے ہیں۔

جب سجدہ کرے تو چاہئے کہ مناسب آیات پڑھے اس مقام پر یہ دعا پڑھے۔

اللھم اجعلنی من عبادك المنعم علیھم المھدیین الساجدین لك الباکین عند تلاوۃ آیاتك	اے اللہ مجھے اپنے ان بندوں میں سے بنا جن پر تیرا انعام ہے اور وہ ہدایت یافتہ ہیں اور تیرے لیے سجدہ گزار اور تیری آیات کو پڑھ کر روتے ہیں۔

اور آیت سجدہ سورۃ مریم میں یہ چوتھی ہے۔

اللھم اجعلنی من الباکین الیک الخاشعین لک۔	اے اللہ! مجھے اپنے رونے والوں اور تجھ سے ڈرنے والوں سے بنا۔

اور آیت تنزیل السجدہ میں پڑھے:

اللھم اجعلنی من الساجدین لوجھک المسبحین بحمدک واعوذبک ان اکون من المستکبرین عن امرک۔	اے اللہ! مجھے تیری ذات کے لیے سجدہ کرنے والوں اور تیری حمد کے ساتھ تسبیح کرنے والوں سے بنا اور تیرے سے پناہ مانگتا ہوں ان لوگوں سے جو تیرے امر سے تکبر کرتے ہیں۔

ف: حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ آیت سجدہ میں سے پانچواں سجدہ ہے اور حضرت شیخ قدس سرہ نے فرمایا کہ یہ بعینہٖ تلاوت آیت مطابق سجدۂ الہام ہے اور فرمایا کہ اس پر سجدہ دیگر فرح وسرور کا ہے۔ اس لیے کہ رحمت رحمانی لطف و رافت تقاضا کرتی ہے اور بہجت و مسرت کا موجب ہے اس سے نتیجہ نکلا کہ اس میں طرب ہی طرب ہے نہ کہ اندوہ و غم۔

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ۔

حل لغات: پیچھے چھوڑے جانے والا اگر نیک ہو تو خلف بفتح اللام اور اگر بُرا ہو تو بسکون اللام پڑھا جائے گا۔ اب معنی یہ ہوا کہ مذکورہ انبیاء علیہم السلام نے اپنے پیچھے نا اہل اولاد چھوڑی۔ جلالین میں ہے ان حضرات نے اپنے بعد برے لوگ چھوڑے یعنی یہود ونصاریٰ وغیرہم۔

حدیث شریف ہر نبی علیہ السلام جسے اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا ان کے حواری اور صحابی ہوتے ہیں جو اپنے انبیاء علیہم السلام کی سنت کی پیروی کرتے اور ان کے فرامین کے مطابق اعتقاد رکھتے ہیں ان کے بعد خلف لوگ آتے ہیں جو وہ کہتے پھرتے ہیں جو کرتے نہیں دوسروں کو نیکی کا حکم کرتے ہیں لیکن خود اس کے خلاف کرتے ہیں تم میں جو ان کے ساتھ ہاتھ سے تو اور جو زبان سے اور قلب سے جہاد کرے تو وہ مومن ہے اس کے ماسوا کیا تو رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نصیب نہیں ہوگا۔ (رواہ مسلم)

أَضَاعُوا الصَّلٰوةَ: انہوں نے نماز ضائع کی یعنی چھوڑ دی یا بے وقت ادا کی یا ادائیگی کے بعد بلا رغبت کسب وغیرہ سے اس کا ثواب ضائع کیا یا نماز پڑھی لیکن بلا نیت یا خشوع وخضوع کے بغیر۔ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ اور شہوات کی اتباع کی جیسے شراب خوری بہن کے ساتھ نکاح حلال سمجھنا ایسے ہی دیگر مختلف گناہوں کا ارتکاب۔

ف: سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو بہترین بلڈنگیں بناتے اور اعلیٰ سواریوں پر سوار ہوتے اور شہرت کا لباس پہنتے ہیں۔

وحی داؤدی: سیدنا داؤد علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف وحی نازل کی کہ دنیا جیفہ کی طرح ہے جس پر چند کتے جمع ہو کر

ہر ایک چیز وقت کھینچتا ہے کیا تم کتنا ہی اگر ادا کرو گے ۔ حضرت داؤد علیہ السلام فرماتے ہیں علم اور نرم لباس یا درہم میں شہرت اور بلندی اور آخرت کا اجتماع نہیں ہو سکتا۔

ف: شہوات کے اسباب کی آسانی میں بہتری کی علامت نہیں اور دین آخرت میں نجات کی نشانی ہے اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب شہد شربت پیالہ میں ملا کر پیش کیا گیا تو آپ نے اسے قبول نہ کرتے ہوئے فرمایا: اسے ہٹاؤ، تاکہ میں حساب میں پریشانی نہ اٹھاؤں۔

دو فرشتوں کا مکالمہ حضرت وہب بن منبہ نے فرمایا کہ پہلے آسمان میں دو فرشتوں کی ملاقات ہوئی۔ ایک نے دوسرے سے پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ اس نے کہا کہ میں دریا کی فلاں مچھلی کو جلانے جا رہا ہوں اس لیے کہ اسے فلاں یہودی نے کھانے کی خواہش کی ہے۔ دوسرے نے کہا کہ میں فلاں جگہ سے زیتون کی قرابہ گرانے جا رہا ہوں اس لیے کہ اس کے مستحق کی فلاں عابد نے خواہش کی ہے۔

ف: الشہوات جمع شہوۃ بمعنی آرزو ما ہیت میں تمام وہ اشیاء شامل ہیں جن کے لیے طبیعت انسانی خواہش رکھتی ہے۔

ہوٰی و شہوۃ کا فرق ہوٰی مذموم ہے جتنا بھی نفسانی خواہشات ہیں سب مذموم ہیں اور شہوۃ کبھی محمود ہوتی ہے وہ اجابت الٰہیہ ہے جس سے اصلی مطلب ہو وہ شہوت محمود ہے اور مذموم شہوۃ وہ ہے جو نفس امارہ کی خواہش کے مطابق جنسی لذات ہوں کہ وہ شہوۃ مذموم ہے۔

ف: ترک شہوۃ سے بڑھ کر اہل آخرت کی کوئی عبادت نہیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

مبر طاعت نفس شہوت پرست
کہ ہر ساعتش قبلۂ دیگر است
مرو در پے ہر چہ دل خواہدت
کہ تمکین تن نور جاں کاہدت
کند مرد را نفس امارہ خوار
اگر ہوشمندی عزیزش مدار

ترجمہ: (۱) نفس شہوت پرست کی اطاعت نہ کیجیے کیونکہ ہر گھڑی اس کا نیا قبلہ ہے۔
(۲) جو جی آئے وہ نہ کیجیے کیونکہ بدن کی عادت تیری روح کا نور کم کر دے گی۔
(۳) نفس امارہ انسان کو خوار کرتا ہے اگر تو عقلمند ہے تو اس سے پیار نہ کر۔

فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝ وہ عنقریب غی نامی جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ غی جہنم کی وادی ہے کہ ایک

ہر شر گمراہی ہے جیسے ہر خیر رشاد ہے۔ اور ضحاک نے فرمایا کہ غی سے جزائے غی مراد ہے جیسے 'یلق اثاما' میں جزائے اثام مراد ہے۔ بعض تفسیریں نے فرمایا کہ غی جہنم کی ایک وادی ہے جس کی گرمی سے جہنم کی دوسری وادیاں پناہ مانگتی ہیں جسے زانی اور شرابی اور سود خور اور جھوٹے گواہ اور والدین و استاذ و پیر و مرشد کے نافرمان اور تارک الصلوٰۃ کے لیے تیار کی گئی ہے۔

اِلَّا مَنْ تَابَ مگر وہ جس نے شرک و معاصی سے توبہ کی۔ **وَاٰمَنَ** اور کفر کی بجائے ایمان کو اختیار کیا۔ **وَعَمِلَ صَالِحًا** اور توبہ و ندامت کے بعد نیک عمل کیا۔ **فَاُولٰٓئِكَ** تو وہی لوگ جنہیں توبہ و ایمان و عمل صالح نصیب ہوا۔ **يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ** بہشت میں داخل ہوں گے جیسا کہ خدا تعالیٰ کا پختہ وعدہ ہے۔ **وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا ۝** ان کے اعمال کی جزا میں کسی قسم کی کمی نہ کی جائے گی۔ یہاں پر ظلم بمعنی نقص و منع ہے۔ اور شیئًا اس کا مفعول ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ مفعول مطلق کے قائم مقام ہے۔

جَنّٰتِ عَدْنِ ۣ یہ جنۃ سے بدل البعض ہے کیونکہ جنت جنات عدن کو بھی شامل ہے۔ ان کے مابین کا جملہ معترضہ ہے اور جنات عدن ایک جنت خاص کا نام ہے جیسے رمضان ایک خاص مہینہ کا نام ہے یعنی مضاف محذوف ہے۔ شہر رمضان کی بجائے صرف رمضان کہا جاتا ہے۔

ف: بعض نے کہا ہے کہ جنات عدن تمام دار الثواب کا نام ہے اور العدن بمعنی الاقامۃ آتا ہے۔ یہاں یہی معنی زیادہ مناسب ہے کیونکہ جنات عدن اور جنت الفردوس میں عوام بالاصالۃ داخل نہ ہوں گے اس لیے کہ وہ مقربین کی قیام گاہیں ہیں۔

الَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ جس کا رحمٰن نے اپنے بندوں سے وعدہ فرمایا ہے۔ **بِالْغَيْبِ ۭ** جو کہ غیب سے متلبس ہے یعنی ان سے غائب یعنی غیر حاضر ہے یا وہ اس سے غائب ہیں جسے وہ دیکھ نہیں سکتے۔ اور یا اس پر ان کا ایمان لانا محض خبر ازلی سے ہے۔ اور اسے رحمت سے مشتق کرنے میں اشارہ ہے کہ اس کا وعدہ اور ایفائے عہد محض اس کی رحمت اور فضل و کرم سے ہے۔

ف: اور عبادہ کو اپنی ذات سے مضاف کرنے میں اشارہ ہے کہ اس کا استحقاق اسے ہے جو خلصانہ طور پر عبادت کرتا ہے یعنی عبودیت میں مخلص ہے اور دنیا و خواہشات نفسانی کے بندے ایسے فضل و کرم کے مستحق نہیں کیونکہ ایسی کامل کرامت کا وہی مستحق ہو سکتا ہے جو حقیقی اس کا بندہ ہے۔ اور جو واقعی اس کا بندہ ہے اس کے لیے جنت عدن ہے۔

اِنَّهٗ بے شک وہ اللہ تعالیٰ نے **كَانَ وَعْدُهٗ** ہے اس کا وعدہ یعنی جنت۔ **مَاْتِيًّا ۝** اس کے اہل آئیں گے وہ جس کے ساتھ اس کا وعدہ کیا گیا ہے اس کے خلاف ہرگز نہ ہوگا اس تقدیر پر مأتی اسم مفعول از اتیان ہے یا بمعنی اسم الفاعل ہے یعنی اس میں ضرور آئے گا۔

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا ان میں فضول کلام نہ سنیں گے اس میں اشارہ ہے کہ بہشتیوں سے لغو کلام کا صدور نہ ہوگا اور اس میں تنبیہ ہے کہ حتی للامکان فضول کلام سے اس دنیا میں بھی احتراز لازم ہے۔ **اِلَّا سَلٰمًا ۭ** یہ مستثنیٰ منقطع ہے لیکن وہ بہشت میں صرف فرشتوں کے سلام سنیں گے یا آپس میں ایک دوسرے کو السلام علیکم کہیں گے۔ **وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا**

اور ان کے لیے اس میں رزق ہوگا۔ بُکْرَۃً بوقت صبح۔ وَّعَشِیًّا اور وقت شام۔ اس سے ان کا دائمی طور پر رزق پانا مراد ہے جیسے کہا جاتا ہے:

"انا عند فلان صباحا و مساء" میں صبح و شام فلاں کے پاس ہوتا ہوں۔ اس سے اس کی مراد یہ ہے کہ وہ اس کے ہاں ہمیشہ رہتا ہے۔

بعض نے اس کا یہ معنی کیا کہ ان کے ہاں صبح و شام کی مقدار پر طعام لایا جائے گا کیونکہ وہاں نہ صبح نہ شام بلکہ وہاں تو نور ہی نور ہے لیکن بہشت کے طعام کو بکرۃ و عشیا سے موصوف کرنے میں اہل عرب کے طریقہ پر ہے کہ وہ صبح و شام کے طعام سے بڑھ کر اور کوئی طعام نہیں سمجھتے تھے۔

سوال: آیت سے مقصود یہ ہے کہ بہشت کے لیے ان کی نعمت کا اظہار ہو لیکن صبح و شام کے طعام میں کوئی نعمت نہیں اس کی وجہ کیا ہے؟

جواب: مقصود یہ ہے کہ اس میں ان امور کا ذکر ہے جو لوگوں کو دنیا میں مرغوب تھیں اسی لیے سونے چاندی کے کنگنوں کا ذکر ہوا ہے ایسے ہی ریشم پہننا۔ یہ اگرچہ عرب کو مرغوب نہ تھا لیکن عجمیوں میں ان کا نہ صرف رواج تھا بلکہ انہیں فخریہ استعمال کرتے تھے ایسے ہی متکئے لگانا عجمیوں میں افراط امراء کی علامت میں شامل تھا ایسے ہی صبح و شام کا طعام عرب کی مرغوب شے تھی اسی لیے اس کا ذکر ہوا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے: ولهم رزقهم فيها اور ان میں انہیں لذت اللقاء نصیب ہوگی۔ بکرۃ و عشیا۔ صبح و شام کے وقت جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

اکرمهم على الله من ينظر الى وجهه غدوة و عشيا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں مکرم تر وہ شخص ہوگا جو اللہ تعالیٰ کو صبح و شام دیکھے گا۔

تفسیر عالمانہ تِلْكَ۔ یہ اشارہ اسی جنت کی طرف ہے جس کا ابھی ذکر گزرا ہے یعنی وہ بہشت جس کا وصف بیان ہوا اور تم نے اس کا ذکر ابھی سنا۔ الْجَنَّةُ۔ اور شاید یہ ہے کہ یہ مبتدا و خبر ہے اور وہ اس لیے کہ بہشت کی عظمت شان اظہار ہو اور ہمیں بتایا جائے کہ اس میں یہی لوگ داخل ہوں گے اور یہ کہ یہی ہے الجنۃ۔ تلک کی صفت پھر ہے اور اس کی خبر الَّتِیْ نُوْرِثُ ہے۔ وہ بہشت جسے ہم وارث کے اعتبار سے بغیر اس کے عطا فرمائیں گے۔ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ کَانَ تَقِیًّا ○ اپنے ان بندوں کو جو شرک و معاصی سے بچتے اور ہمارے مطیع ہوں گے یعنی ہم انہیں ان کے تقویٰ کی وجہ سے بہشت دیں گے اور اس سے انہیں متمتع فرمائیں گے جیسے وارث مورث کے مال کا مالک ہو کر اپنی مرضی سے تصرف کرتا ہے ایسے ہی اسے بہشت میں تصرف کا حق حاصل ہوگا۔

سوال: اسے وراثت سے تعبیر کرنے کا کیا معنی جب کہ وراثت کا معنی یہ ہے کہ ایک شخص سے مال کا انتقال کر کے دوسرے

کے حکم میں دنیا کی چیز کا کسی قسم کا تعلق ہے جو یہاں ایسا معنی نہیں بنتا؟

جواب: یہ بطور تشبیہ کے کہا گیا ہے اصل مقصد یہ ہے کہ اعمال جنت کے حصول کا سبب ہیں جیسے نسب مال کی تملیک کا سبب ہے جیسے یہاں بلا کسب و بلا محنت مال حاصل ہوتا ہے ایسے ہی جنت کی نعمتیں کہ وہ بھی محض عطائے الٰہی اور رحمتِ ایزدی ہے جس میں بندہ کا کسی قسم کا دخل نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں معتزلہ و بدمذہب فرقہ کا رد ہے۔

ف: لفظ وراثت کا استعمال زیادہ تر ایسے تملک ما ستحق پر ہوتا ہے کہ جس کا فسخ ہو سکے اور نہ اس میں رد کیا جا سکے اور نہ ہی ابطال ہو سکے اور نہ اسقاط۔

مسئلہ: الاشباہ میں ہے کہ اگر کوئی وارث کہے کہ میں نے اپنا حق چھوڑا تو اس کا حق باطل ہو جائے گا۔ف

بعض مفسرین نے فرمایا کہ جنت کے وہ مکانات و منازل جو اللہ تعالیٰ نے کافروں کے نامزد فرمائے تھے لیکن وہ تو دوزخ میں چلے گئے اب وہی منازل و مکانات جنتیوں کو عطا فرمائے گا۔ اسی لیے اسے وراثت سے تعبیر فرمایا۔

تین جنتیں: علماء نے تفسیر الاتقان میں کہا ہے کہ جنتیں تین ہیں:

① **اختصاصِ الٰہیہ کی جنت۔**

(۱) اس میں ان بچوں کو داخل فرمائے گا جو قبل از بلوغ مر گئے۔ اس کی حد بعض نے بیان فرمائی ہے کہ پیدائش کے وقت چیخ مار کر رونے کے وقت سے چھ سال تک۔

(۲) اس کے علاوہ جسے چاہے عطا فرمائے۔

(۳) مجنون یعنی پاگل لوگ جن کو عقل نہ تھی یا تھی مگر بعد میں ختم ہو گئی۔

(۴) اہلِ توحید

(۵) اہلِ فترت یعنی جنہیں کسی رسول علیہ السلام کی دعوت ہی نہ پہنچی۔

② **جنتِ میراث:**

اس میں ہر وہ اہلِ ایمان داخل ہوں گے جن کا ابھی ہم نے ذکر کیا یعنی وہ مکان جو جنت میں کفار کے داخل ہونا تھا اگر یہ ایمان لاتے اور عمل صالح کرتے لیکن جب وہ کافر ہو کر جہنم میں داخل ہوئے ان کے منازل کو بطور وراثت اہلِ ایمان کو دیے جائیں گے۔

ف: انگریزی دور میں لڑکیوں کو وراثت نہیں ملتی تھی لیکن پاکستان بننے کے بعد اگرچہ حقوق میں انگریزی باقی ہیں لیکن بعض امور میں اسلامی قانون پر عمل ہوتا ہے لڑکیوں کو وراثت جائداد کا کوئی حصہ ملتا ہے لیکن بعض لڑکیاں اسی وجہ سے ہیں یہاں تک کہ وہ اپنے حصہ (وراثت) کی بجائے یہ کہتی ہیں کہ ہم اپنے باپ کا ترکہ نہیں لیتیں ہم اپنے بھائیوں کے حق میں دے دیتی ہیں ان کی یہ بخشش اس الاشباہ کی عبارت سے باطل ہے۔ (اویسی غفرلہ)

③ جنت الاعمال ۔

یہ جنت اعمال کا بدلہ ہوگی جن کے اعمال صالحہ زیادہ ہوں گے ان کے منازل و مراتب زیادہ ہوں گے کیونکہ ہر عمل صالح کے بدلے میں جنت میں منازل مقرر ہیں جیسا کہ حدیث پاک میں ہے :

یا بلال بم سبقتنی الی الجنۃ فما دخلت الجنۃ الا سمعت خشخشتک امامی ۔ — اے بلال! جنت میں تم مجھ سے کیسے سبقت لے گئے میں نے جہاں قدم رکھا تیری جوتی کی آواز سنائی دی ۔

عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ما احدثت قط الا توضأت وما توضأت الا صلیت رکعتین فقال رسول اللہ علیہ السلام بهما ۔ — میں جب بھی بے وضو ہوا تو وضو کیا اور پھر دو رکعت پڑھتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہی کی برکت ہے ۔

اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ اسی عمل پر ایک مخصوص جنت ہے کوئی نفل ہو یا فرض اس کے علاوہ کوئی بھی کام خیر ہو یا حرام و مکروہ کے ترک پر ہر ایک کے لیے علیحدہ مخصوص جنت اور خاص نعمت ہے جو حق کو کرنے یا حرام و مکروہ سے بچنے پر ملتا ہوگا ۔

الایہ کہ بیک وقت متعدد اعمال صالحہ کئے مثلاً ایک وقت میں کان سے تلاوت کی آنکھ سے ... دیکھا وغیرہ تو اسے ان مجموعہ اعمال پر یکبارگی کچھ ایسی عجیب ہوں گی جسے دیکھ کر دوسرے لوگ رشک کریں گے ۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اہل طاعت سے بنا دے ۔

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّکَ ۚ

شانِ نزول حضرت مجاہد نے فرمایا کہ فرشتہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر نہ ہوا چند روز کے بعد حاضر ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کس وجہ سے دیر سے آئے یا عرض کیا کہ میں کیسے حاضر ہوتا جبکہ آپ کے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم ناخن نہیں کاٹتے اور مونچھیں نہیں کٹواتے اور نہ ہی براجم صاف کرتے ہیں اور نہ مسواک کرتے ہیں اس کے بعد یہی آیت "وما نتنزل الا بامر ربک" اور ہم آپ کے رب کے حکم سے اترتے ہیں نازل ہوئی ۔ (کذا فی اسباب النزول وتفسیر الابرار)

حدیث شریف میں ہے کہ نقوا براجمکم (اپنے براجم صاف کرو) ۔

ف : براجم انگلیوں کے جوڑ اور وہ ڈھیری جو انگلیوں کے پیچھے کی طرف ہیں ان میں میل کچیل جم جاتا ہے ۔ برجمہ کی جمع ہے اور وہ جوڑ کے درمیان ہے اسے عربی میں راجبہ کہا جاتا ہے اس کی جمع رواجب آتی ہے اور یہ وہ ہے جو انگلیوں کی پشت سے متصل ہے اس سے معلوم ہوا کہ ہر انگلی میں دو براجم اور تین رواجب ہوا انگوٹھے میں ایک برجمہ اور دو رواجب ہیں ۔

ف : ان کی صفائی کا حکم اس لیے ہے کہ عموماً جب ہاتھ دھوتے ہیں تو یہ جگہ رہ جاتی ہے اس لیے ان کے اندر کی میل کچیل کو اچھی طرح صاف کیا جاسکے ۔ (کذا فی الترغیب)

جبریل علیہ السلام کی کہانی اپنی زبانی

بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ جبریل علیہ السلام کے قول کی حکایت ہے جب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے کفار و مشرکین وغیرہم نے اصحاب کہف، ذوالقرنین اور روح کے متعلق سوالات کیے تو آپ کو معلوم نہ تھا کہ وہ اس کا کیا جواب دیں اور خیال فرمایا کہ اس کا جواب بذریعہ وحی معلوم ہوگا لیکن جبریل علیہ السلام تو چالیس یا پندرہ دن حاضر نہ ہوئے۔ آپ کو یہ سخت ناگوار گذرا بلکہ زیادہ سے زیادہ وحشت اٹھانی پڑی یہاں تک کہ مشرکین نے کہہ دیا کہ اس کا رب اسے چھوڑ گیا بلکہ اس سے عداوت ہو گئی (معاذ اللہ) جب ان کے متعلق جبریل علیہ السلام جواب لے کر آئے تو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے جبریل علیہ السلام آپ نے بڑی دیر لگا دی یہاں تک کہ میں تو کچھ اور ہی سمجھ بیٹھا تھا اور مجھے آپ کا بڑا اشتیاق تھا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ مجھے تو آپ کی زیارت کا ہر وقت بہت بڑا شوق رہتا ہے لیکن کیا کروں مجبور ہوں عبد مامور ہوں جب حکم ہوتا ہے حاضر ہو جاتا ہوں اور جب روکا جاتا ہوں تو رک جاتا ہوں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہی آیت اور سورۃ والضحیٰ نازل فرمائی[1]

ف والتنزل یعنے وقتاً فوقتاً اترنا اس جگہ یہ تنزل کا اطلاق بجا ہے۔

اب معنے یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے جبریل (علیہ السلام) محمد (عربی صلے اللہ علیہ وسلم) کو کہو کہ ہم صرف تیرے رب کے حکم سے اترتے ہیں جب آتے ہیں تو اسی کا حکم ہوتا ہے نہیں آتے تو بھی یہ اس کی حکمت کا تقاضا ہے جیسے چاہے کرے۔

لَهٗ۔ صرف اسی کے خاص ہے۔ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وہ جو ہمارے آگے ہیں آنے والے امور اخرویہ۔ وَمَا خَلْفَنَا وہ جو ہمارے پیچھے ہیں گذشتہ امور دنیویہ۔ وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ اور وہ جو۔ وَمَا كَانَ یعنے جو کچھ ہو گذرا۔ وما یکون وہ جو ہوگا، کے مابین الیٰ یوم القیٰمۃ کے امور ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے:

له ما بین ایدینا سے تقدیر ازلی، وما خلفنا سے تدبیر ابدی، و ما بین ذالک سے انشائی ایجاد ہے۔ اس کی نظیر باری تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

یعلم ما بین ایدیہم وما خلفہم

---

[1] یہ حکایت کا شان نزول سے کہہ کر وہابی دیوبندی حضور علیہ السلام کی لاعلمی ثابت کرتے ہیں حالانکہ آپ ایسے مواقع پر اپنی نبوت کی توثیق کے لیے عمداً فرماتے کیونکہ کتب سابقہ میں آپ کی نبوت کی علامات میں سے تھا کہ آپ ہر بات میں وحی الٰہی کا انتظار فرمائیں گے اگرچہ ان کو کما حقہٗ سے حقیقت پر مطلع ہو چکے چنانچہ آپ کی انہی علامات کو یہود نے یاد کر رکھا تھا منجملہ ان کے ایک یہی سوال ہے روح اور اصحاب الکہف وغیرہ وغیرہ۔ اگر آپ اپنے علم کا اظہار کرتے تو آپ کی نبوت کی تصدیق از خود نہ ہوتی اور مقصد اولین تو تحقیق نبوت تھی نہ کہ اظہار علم مزید تفسیر اویسی میں ہے۔ (اویسی)

تفسیر عالمانہ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا اور آپ کا پروردگار فراموش کار نہیں یعنی وہ ہر وقت آپ کے حال سے آگاہ ہے جب چاہتا ہے آپ کے پاس بھیج دیتا ہے۔

ف: اہل تفسیر نے فرمایا کہ یہاں فعیل بمعنی فاعل ہے نسیان سے مشتق ہے یعنی ترک یعنی آپ کا پروردگار آپ کو ہرگز نہیں چھوڑتا جیسے کہ کفار کا گمان ہے اگر وحی میں تاخیر ہو تو اس میں مصلحت ہوتی ہے یا نسیان ترک کا نقیض ہے یعنی غفلت یعنی آپ کا رب آپ سے غافل نہیں۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی ربنا خبر ہے۔ رب یعنی مالک یعنی اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔ وَمَا بَيْنَهُمَا اور وہ مخلوق جو ان کے درمیان واقع ہے تو پھر وہ آپ کو کیسے چھوڑ دے گا۔ فَاعْبُدْهُ یعنی جب آپ کو یقین ہے کہ رب وہی ہے تو پھر اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عبادت میں ثابت قدم رہیے۔ العبادۃ بمعنی بندے کا حق پرستش ادا کرنا اور اوامر و نواہی کا حکم ہے اس کی پابندی کرنا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ فاعبدہ سے مراد اپنے جسم و نفس و قلب و سر اور روح کے ساتھ عبادت کیجئے جسم کی عبادت ارکان شریعت سے ہے یعنی جن امور کا حکم ربانی ہے انہیں بجا لانا اور نواہی سے رکنا اور ادب طریقت سے نفس کی عبادت خواہشات نفسانی کا ترک اور مخالفت خواہشات نفسانی پر التزام کرنا اور عبادت قلب دنیا و مافیہا سے اعراض کرنا آخرت اور اس کے مکارم کی طرف متوجہ ہونا اور عبادت سر اللہ تعالیٰ سے واصل ہو کر تعلقات کونین سے فارغ ہونا اور عبادت روح مشاہدہ کے حصول کے لیے وجود کو راہ حق میں خرچ کرنا۔

تفسیر عالمانہ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت پر صبر کیجئے یعنی عبادت میں جو مشقتیں اور تکلیفیں آئیں انہیں برداشت فرمائیے وحی کی تاخیر اور کفار کے استہزاء اور طعن کی سبب سے مشوش و ملال نہ کیجئے کیونکہ وہی ذات کا نگران و نگہبان اور وہی آپ پر دنیا و آخرت میں لطف و کرم فرماتا ہے۔

سوال: اصطبر علیٰ سے متعدی ہوتا ہے لیکن لام سے کیوں لایا گیا؟

جواب: یہاں پر اصطبر ثبات کے معنے کو متضمن ہے کیونکہ عبادت کو شدائد اور مشقتیں لازم ہیں اسی لیے اس پر ثابت قدم رہنے کا حکم ہوا یہ ایسے ہے جیسے جنگ میں پہلوان کو کہا جاتا ہے اصطبر لقرنک یعنی مقابل کے حملوں اور تکلیف وغیرہ پر ثابت رہنا۔

هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا مثیل یعنی شریک فی الاسم والعلم اور مثل و شبیہ کو بھی سمی کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ اس لائق نہیں کہ اس کا مثل کسی دوسرے کا نام الٰہ رکھا جاسکے۔

ف: مثل کو سمی اس لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ دونوں آپس میں ہم شکل اور ایک دوسرے کا مشابہ ہے یا یہ مطلب ہے کہ کوئی کسی

لہ یہی معنی جمہور علماء کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ (اویسی غفرلہ)

ہمت نہیں کہ وہ کسی کا نام اللہ رکھے۔ یہی وجہ ہے کہ مشرکین نے شرک میں غلو کے باوجود اپنے کسی بت کا نام اللہ نہ رکھا۔

ف : الٰہ کی نفی سے معبود کی نفی ہے یعنی وہ ہے واحد و حقیقی معبود ہے ۔

نکتہ : کاشفی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی شانِ قدرت ہے کہ کسی بت پرست کو توفیق نہ ہوئی کہ وہ اپنے کسی بت کا نام اللہ رکھے۔ اللہ تعالیٰ کی غیرت نے کسی کو اجازت نہ دی کہ کوئی بھی اس اسم سے کسی کو موسوم کر سکے گویا اس اسم کی تسمیہ اللہ تعالیٰ کی خاص حفاظت میں ہے۔ البتہ اہلِ ایمان ہر دکھ اور پریشانی اور راحت و سرور کے وقت اسی اسم کا ورد زبان پر رکھتے ہیں۔

اللہ اللہ چہ فرخندہ نام است این
مونس دل ورد جان تمام است این
بس بود نزد صاحب معنی
حسبی اللہ گواہ این دعوے

ترجمہ : اللہ اللہ کیا عجیب نام ہے جو ہماری جان و دل کا وظیفہ ہے ۔

صاحب معنی کے نزدیک یہ نام کافی ہے حسبی اللہ کا ارشاد اس دعوے کا گواہ ہے۔

اللہ کے گستاخ کی سزا : مروی ہے کہ کسی سرکش بادشاہ نے سرکشی سے اپنا نام اللہ رکھا تو اس کی آنتیں، جگر اور تلی وغیرہ پیٹ کے راستے نکل آئیں اور وہ اسی وقت مر گیا۔

لطیفہ : فرعون نے انا ربکم الاعلیٰ کا دعوے کیا لیکن انا اللہ کہنے کی جرأت نہ کر سکا ۔

مسئلہ : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ رحمٰن بھی کسی کا نام نہ رکھا جائے ۔

ف : علامہ قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بسم اللہ ... کی ترتیب میں لکھا ہے کہ اللہ ، اختصاص وضعی اور رحمٰن اختصاص استعمالی ہے۔

ف : رحمٰن الیمامہ مسیلمۃ الکذاب کا نام دھرا تھا لیکن اس کے حواریین یا وہ خود محض تکبر اور سرکشی سے کہا یا کرتا تھا خلاف جیسے چاہے کرے مگر وہ اپنا نام اللہ رکھتا تو اسے کون روکتا۔ خلاف کی بات چاہے خلاف نہیں ۔

شانِ نزول : قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ آپ کو یمامہ کا رحمٰن ہی تعلیم دیتا ہے اور یہی رحمٰن الیمامہ مسیلمہ تھا جب تک آپ اس کی تعلیم سے دست بردار نہ ہوں گے ہم ایمان نہ لائیں گے۔ بعض نے کہا کہ ان کے رحمٰن سے یہود ہیں

(بقیہ صفحہ نمبر ۹۴۲ پر)

ا؎ : ایسے ہی نوح علیہ السلام کا واقعہ فلا تسئلن ما لیس لک به علم میں علم مجھے معلوم ہے تفصیل فقیر کی تفسیر اویسی میں ہے ۔ (اویسی)

وَيَقُولُ الْإِنسَانُ أَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا
اور آدمی کہتا ہے کیا جب میں مر جاؤں گا تو ضرور عنقریب جِلا کر نکالا جاؤں گا
أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ۝ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ
اور کیا آدمی کو یاد نہیں کہ ہم نے اس سے پہلے اسے بنایا اور وہ کچھ نہ تھا تو تمہارے رب کی قسم ہم انہیں
وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ۝ ثُمَّ لَنَنزِعَنَّ مِن كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ
اور شیطانوں سب کو گھیر لائیں گے اور انہیں دوزخ کے آس پاس حاضر کریں گے گھٹنوں کے بل گرے پھر ہم ہر گروہ سے نکالیں گے جو ان میں
أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَٰنِ عِتِيًّا ۝ ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أَوْلَىٰ بِهَا صِلِيًّا ۝ وَإِن
رحمٰن پر سب سے زیادہ بے باک ہوگا پھر ہم خوب جانتے ہیں جو اس آگ میں بھوننے کے زیادہ لائق ہیں اور تم میں
مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۝ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا وَّنَذَرُ
کوئی ایسا نہیں جس کا گزر دوزخ پر نہ ہو تمہارے رب کے ذمہ پر یہ ضرور ٹھہری ہوئی بات ہے پھر ہم ڈر والوں کو بچا لیں گے اور
الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ۝ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ
ظالموں کو اس میں چھوڑ دیں گے گھٹنوں کے بل گرے اور جب ان پر ہماری روشن آیتیں پڑھی جاتی ہیں کافر مسلمانوں سے
آمَنُوا أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَأَحْسَنُ نَدِيًّا ۝ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ
کہتے ہیں کون سے گروہ کا مکان اچھا اور مجلس بہتر ہے اور ہم نے ان سے پہلے کتنی سنگتیں کھپا دیں
هُمْ أَحْسَنُ أَثَاثًا وَرِئْيًا ۝ قُلْ مَن كَانَ فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمَٰنُ
کہ وہ ان سے بھی سامان اور نمود میں بہتر تھے تم فرماؤ جو گمراہی میں ہو تو اسے رحمٰن
مَدًّا ۚ حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ إِمَّا الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ
خوب ڈھیل دے یہاں تک کہ جب وہ دیکھیں وہ چیز جس کا انہیں وعدہ دیا جاتا ہے یا تو عذاب یا قیامت تو اب جان لیں گے کہ کس کا
شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضْعَفُ جُندًا ۝ وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى ۗ وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ
برا درجہ ہے اور کس کی فوج کمزور اور جنہوں نے ہدایت پائی اللہ انہیں اور ہدایت بڑھائے گا اور باقی رہنے والی نیک باتوں کا
خَيْرٌ عِندَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ مَّرَدًّا ۝ أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ
تیرے رب کے یہاں سب سے بہتر ثواب اور سب سے بھلا انجام تو کیا تم نے اسے دیکھا جو ہماری آیتوں سے منکر ہوا اور کہتا ہے مجھے ضرور
مَالًا وَوَلَدًا ۝ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ۝ كَلَّا ۚ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ
مال و اولاد ملیں گے کیا غیب کو جھانک آیا ہے یا رحمٰن کے پاس کوئی قرار رکھا ہے ہرگز نہیں اب ہم لکھ رہے ہیں جو وہ کہتا ہے
وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۝ وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ۝ وَاتَّخَذُوا
اور اسے خوب لمبا عذاب دیں گے اور جو چیزیں کہہ رہا ہے ان کے ہم ہی وارث ہیں اور ہمارے پاس اکیلا آئے گا اور

دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۝ كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ
اور خدا بنالیے کہ وہ انہیں عزت دیں ہرگز نہیں کوئی دم جاتا ہے کہ وہ ان کی بندگی سے منکر ہوں گے اور ان کے مخالف
ضِدًّا ۝ ٨٢
ہو جائیں گے

(بقیہ صفحہ ۹۳۹)

کہا اس سے مراد تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں فرمایا کہ میں خود "اللہ" اپنے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو تعلیم دیتا ہوں کہ قل:

قل هو ربي لا إله إلا هو عليه توكلت وإليه متاب (فائدہ) جب یہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اسی پر بھروسہ کیا اور اسی کی طرف رجوع ہے۔ متاب بمعنے توبتی و رجوعی ہے۔ (کذا فی تفسیر السیوطی)

مسئلہ: اللہ تعالیٰ کے اسماء مخصوصہ سے کسی کا نام رکھنا مکروہ ہے جیسے رحمٰن، رحیم، خالق، اور قدوس وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وجعلوا لله شركاء قل سموهم۔ (اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے شریک ٹھہرائے فرمائیے ان کے نام لو)۔

ف: بعض مفسرین نے اس کا مطلب بتایا کہ انہیں فرمائیے کہ وہ میرے اسماء پر نام رکھیں لیکن دیکھا کریں کہ کیا وہ ان اسماء کے لائق بھی ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے العزیز کا نام تبدیل کیا اور فرمایا کہ عزت صرف اللہ تعالیٰ کے لائق ہے اور بندے کو ذلت مسکین لازم ہے۔ (کذا فی انکار الافکار)

ف: کلام میں ہے کہ لسوف کی لام تاکید کی نہیں یہ حکمی کیونکہ یہ قول تو قیامت کے متعلق کلام نہیں بلکہ حضور علیہ السلام کا یہ کلام بطور حکایت ہے۔ گویا حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ انسان جب مرے گا تو پھر عنقریب اسے زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ کافر نے انکار کیا تو حضور علیہ السلام نے اس کے انکار کو بطور حکایت بیان فرمایا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (کذا قال الجرجانی فی کتاب نظم القرآن)۔

ف: بحر العلوم میں لکھا ہے کہ جب یہ لام ابتدائیہ اور مضمون جملہ کی تاکید کرتی ہے اور لام تاکید اس جملہ میں داخل ہوتی ہے جو مبتدا و خبر پر مشتمل ہو تو لام سے پہلے یہاں پر مبتدا و خبر محذوف ہو اصل عبارت یوں ہے:

"لانا سوف اخرج حیا"

اور اذا میں ما تاکید ہے اور تکرار تاکید انکار یعنی الانکار پر دلالت کرتی ہے۔

تفسیر عالمانہ وَیَقُوْلُ الْاِنْسَانُ۔ انسان قیامت کا انکار کرتے ہوئے کہتا ہے۔ اس سے ابی بن خلف مراد ہے جب اس نے پرانی ہڈی اٹھا کر حضور علیہ السلام سے کہا کیا یہ ممکن ہے کہ ہم مرنے کے بعد اٹھیں گے اور ہمارا حال اس ہڈی جیسا ہوگا۔ تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ءَاِذَا مَا مِتُّ کیا ہم جب مر کر بکھر جائیں گے لَسَوْفَ اُخْرَجُ تو عنقریب میں قبر سے نکالا جاؤں گا۔ حَیًّا زندہ ہو کر۔ ظرف کی تقدیم اور حرف انکار سے کلام لانے میں اشارہ ہے کہ منکر زندگی میں مرنے کے بعد اٹھنے کا انکار کر رہا ہے اور اس کا منصوب ہونا فعل مقدر سے ہے جس پر اخرج دلالت کر رہا ہے اور وہ فعل مذکور ابعث ہے۔ اس کا منصوب ہونا اخرج سے نہیں اس لیے کہ لام ابتدا اس کے ماقبل پر عمل نہیں کرتا اور اسے صدارت کلام ضروری ہے اس کا اصل یہ ہے کہ حال کے معنے پر دلالت کرے لیکن یہاں پر تاکید محض کے لیے واقع ہوئی ہے یعنی وہ اذا میں جو ہمزہ انکاری واقع ہے اس کی یہ لام تاکید کرتی ہے اس لیے اسے سوف کے ساتھ جمع ہونا جائز ہے ورنہ اگر یہ حال کے لیے ہوتی تو سوف استقبالیہ کے ساتھ اس کا اجتماع جائز نہ ہوتا۔

اَوَلَا یَذْکُرُ الْاِنْسَانُ۔ یہ ہمزہ انکاری توبیخی ہے اور واؤ عاطفہ ہے اس کا عطف محذوف پر ہے اور وہ محذوف مقدر ہے جس پر یقول دلالت کرتا ہے۔

حل لغات: ذکر۔ اصل میں اس کا معنی یہ ہے کہ وہ جو بھولنے کے بعد حاصل ہو لیکن یہ معنی یہاں نہیں بن سکتا کیونکہ وہ اسے پہلے نہیں جانتے تھے ہاں اسے تذکر و تفکر کے معنے میں لیا جا سکتا ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ کیا انسان کہتا ہے اور وہ تفکر نہیں کرتا۔

اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ۔ بے شک ہم نے اسے اس سے پہلے پیدا فرمایا یعنی اس حالت میں کہ جس میں وہ پہلے موجود زندگی سے پہلے۔ وَلَمْ یَكُ۔ اس کا اصل لم یکن تھا کثرت استعمال اور صورت میں حروف مد سے تشبیہ کی وجہ سے نون تخفیفاً حذف کر دیا گیا۔ رضی نے کہا کہ نون غنہ میں واؤ سے مشابہت ہے۔ شَیْئًا اور وہ کوئی شے نہ تھا بلکہ عدم محض تھا۔ تو اسے یقین ہونا چاہیے کہ جو ذات کسی عدم سے پیدا کرنے پر قادر ہے وہ اس شے کو متفرق ہونے کے بعد بھی جمع کر سکتی ہے۔

رد وہابیہ و شیعہ اس آیت سے قیاس کرنے کا ثبوت ہے۔ انکار کرنے والا اس مضمون کو غور سے پڑھے کے منکر ہیں یعنی وہابی غیر مقلد اور روافض مطلقاً قیاس کے منکر ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے [illegible] قرار دیا ہے جس نے مرنے کے بعد اٹھنے کا انکار کیا پھر اسے قیاس سے سمجھایا کہ جب عدم سے ابتدائی تخلیق میں تو اس کا اعادہ بھی

ل ۱ اضافہ از اویسی غفرلہ۔

کب مشکل ہو سکتا ہے جس کا نتیجہ بلا کا بعث یعنی مرنے کے بعد اٹھانا اور دوبارہ یعنی اجسام میں روح ڈال کر قیامت میں حاضر ہونا حق ہے ۔

نکتہ : بعض محققین نے کہا کہ تمام مخلوق جمع ہو کر موت کے بعد اٹھنے کی ایسی عقلی دلیل قائم نہیں کر سکتی ۔

فَوَرَبِّكَ ۔ واؤ قسم ہے یعنی تیرے پروردگار کی قسم ہے کہ **لَنَحْشُرَنَّهُمْ** ۔ ہم منکرین جمع ہونے کے قائلین کو قبر سے زندہ نکال کر قیامت میں جمع کریں گے ۔ **وَالشَّيٰطِيْنَ** اور ان کے ساتھ شیطانوں کو ان سے وہ مراد ہیں جنہوں نے انہیں گمراہ کیا کیونکہ ہر کافر اپنے شیطان کے ساتھ قیامت میں ایک ہی زنجیر میں جکڑا ہوا آئے گا ۔ **ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ** ۔ پھر انہیں جہنم کے ارد گرد حاضر کریں گے وہاں حالیکہ **جِثِيًّا** ۝ گھٹنوں کے بل پڑے ہوئے ۔ یہ جاثی کی جمع ہے ۔ جثا یجثو یجثی سے اس کا مصدر جثوا و جثیا ہر دونوں طرح آیا ہے یعنی جلس علی رکبتیہ یعنی دو گھٹنوں پر بیٹھا ۔ کذا فی القاموس یعنی دو گھٹنوں پر بیٹھیں گے جب ان کو وہ امور عارض ہوں گے جن کے مشاہدے سے مجبور ہو کر گرے ہوئے کی بجائے گھٹنوں کے بل پڑے ہوں گے ۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ، جثیا یعنی جماعت جثوۃ کی جمع ہے یعنی جماعت ۔ (تفسیر جلالین میں اسی کو پسند کیا گیا ہے) ۔

ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ ۔ پھر ہم نکالیں گے ۔ ایسے ہی نزع سے مشتق ہے اور النزع یعنی الجذب آیا ہے ۔ **مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ** ۔ ہر امت و فرقہ جو دنیا میں جیسا یعنی وہ فرقہ جو گمراہ ہو کر دنیا میں آیا ۔ **اَيُّهُمْ** ۔ موصوف ہے جس کے صلہ کا صدر محذوف ہے اور یہ ننزعن کی وجہ سے منصوب ہے ۔ اب عبارت یوں ہوگی ولننزعن الذین ھم ۔ یا ایھم استفہام مبتدا ہے اور اس کی خبر اشد ہے اس کا مفرع ہونا لکھا ہے ۔ اصل عبارت یوں تھی لننزعن الذین یقال فیہم ایھم **اَشَدُّ** سخت تر اور بہت زیادہ ۔ **عَلَى الرَّحْمٰنِ** ۔ رحمن کے نزدیک ۔ **عِتِيًّا** ۝ بوجہ سرکشی کی جرات کے ۔ یعنی ہر امت میں سے مجرموں میں سے سب سے پہلے اسے منتخب کریں گے جو سب سے زیادہ سرکش ہوگا ۔

حل لغات : وعتیا ۔ عتا یعتو عتوا سے ہے ۔ وہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی ظلم میں تجاوز کرے ۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت میں سب سے پہلے اسے جدا کیا جائے گا جو سب سے بڑا نافرمان ہوگا پھر سب کو ترتیب وار جہنم میں ڈالا جائے گا ۔

ف : تفسیر کبیر میں ہے کہ پہلے سب کو اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر کیا جائے گا ۔ اس کے بعد سب سے پہلے عذاب عظیم کے لیے چنا جائے گا جو سرکشی میں سب سے بڑا ہوا ہوگا کیونکہ گمراہ اور گمراہ کنندہ کا عذاب سخت تر ہوگا بہ نسبت اس کے جو تنہا گمراہ ہوا ہوگا اور مقتدیٰ کا عذاب مقتدی کے عذاب سے لامحالہ زیادہ ہوگا ۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللہ زدنٰھم	وہ جو کافر ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنے والے ہیں

عذابا فوق العذاب بما کانوا یفسدون ۔ ان کے فساد کی وجہ سے ہم ان کا عذاب بڑھائیں گے ۔

ف ۔ فقیر حقی کہتا ہے کہ اس میں منافی مذکور کے لیے تہدید عظیم ہے قیامت میں حساب کے لیے شریر کی وجہ میں سب سے پہلے اسے منتخب کیا جائے گا کہ اس کا عناد بڑی کی وجہ سے رحمٰن کے نزدیک بہت سخت تر ہے ۔

ف ۔ قیامت میں سب سے پہلے قبروں سے اٹھنا ہوگا، پھر بارگاہ ایزدی میں حاضری پھر حساب کے لیے انتخاب پھر جہنم کا ادخال چنانچہ فرمایا ۔

ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أَوْلَىٰ بِهَا صِلِيًّا ○ پھر ہم ہی خوب جانتے ہیں کہ سب سے پہلے کون جہنم میں داخل ہونے کے لیے سب سے زیادہ لائق ہے ۔ اس سے وہ منتخب کافر لوگ ہیں جن کا ابھی ذکر ہوا ۔

حل لغات : کہا جاتا ہے صلی یصلی صلیا بمعنی دخل یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی آگ میں داخل ہو ۔

وَإِن مِّنكُمْ ۔ اے لوگو! نہیں تم میں کوئی اِلَّا وَارِدُهَا مگر اس میں داخل ہوگا ۔ كَانَ ہے ان کا جہنم میں داخلہ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ○ حتم مصدر بمعنی اسم مفعول ہے ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کام کسی پر واجب کرے اسی لیے موجب کا حتم سے تعبیر کرتے ہیں جیسے کہتے ہیں، خلق اللہ وضرب الامیر یعنی یہ ایسا امر حتمی ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر اسے واجب کیا ہے ۔ مقضیا یعنی ایسا فیصلہ کہ اس کا وقوع ضروری ہے ۔

ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا ۔ پھر ہم انہیں نجات دیں گے جنہوں نے شرک سے کنارہ کشی کی یعنی انہیں دوزخ سے باہر نکالیں گے ۔

نکتہ ۔ ورود کی نسبت بندوں کی طرف اور نجات کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف فرمائی تاکہ بندوں کو ادب سکھایا جائے کہ برے فعل اپنی طرف منسوب کریں اور اچھے اللہ تعالیٰ کی طرف ۔

فائدہ صوفیانہ : اس میں اشارہ ہے کہ ہر ایک خواہش نفسانی کی جہنم میں اپنی طبیعت کے تابع رہتا ہے وہ کبھی نجات نہ پائے گا لیکن اس سے وہی نجات پائے گا جسے اللہ تعالیٰ کی نجات نصیب ہو ۔

وَّنَذَرُ الظَّالِمِينَ اور ہم ان کو جو اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں ہم انہیں چھوڑ دیں گے ۔ فِيهَا جِثِيًّا ○ جہنم میں گھٹنوں کے بل پڑے ہوئے ۔

ف ۔ فائدہ صوفیانہ ۔ اس میں اشارہ ہے کہ خواہشات نفسانیہ پر عمل کرنے والوں کا حال ایسا ہے اور وہ جنت کی طرف جانے والوں کے ساتھ نہیں چل سکیں گے بلکہ وہ جہنم میں بیٹھ جائیں گے ۔

ف ۔ جلالین میں جثیا بمعنی جمیعا کہا ہے ۔

تحقیق المذاہب :
① وعیدیہ معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ جو جہنم میں گیا پھر اس کا خروج نہ ہوگا ۔
② مرجیہ کہتے ہیں کہ مومن دوزخ میں ہرگز داخل نہ ہوگا وہ ورود بمعنی حضور کے قائل ہیں دخول کے معنی نے

ان کا انکار ہے ۔

③ اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ بعض اہل ایمان کو ان کے گناہوں کی سزا پر جہنم میں داخل کیا جائے گا اس کے بعد اپنے فضل و کرم سے نکال لے گا اور ورنہ بخشے دخول۔

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آیا ہے۔ کہ قال :

① فاوردهم النار

② حصب جهنم انتم لها واردون

اور ثم ننجي الذين اتقوا ... الآیۃ سے بھی اہل سنت کی تائید ہوتی ہے کیونکہ ننجا، کا اطلاق عذاب دینے کے بعد متصل ہے، چنانچہ فنجيناه من الغم وكذلك ننجي المؤمنين سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

سوال : یہ آیت اولئك عنها مبعدون (وہی لوگ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے) کے منافی ہے پہلے یہاں ان کے داخل ہونے کا ذکر ہے۔ دوسری آیت میں ان سے دور رکھے جانے کا بیان ہے اس سے تو اجتماع نقیضین لازم آتا ہے۔

جواب (۱) : جہنم کے اندر سے ضروری نہیں کہ انہیں عذاب بھی ہو پہلی آیت میں صرف دخول کا ذکر ہے اور وہ حق ہے اور جو حقیقت یہ ہے کہ انہیں دوزخ کے عذاب سے دور رکھا جائے گا اور وہ یہی ہے کہ انہیں دوزخ میں داخلے کے باوجود بھی اس کا انہیں عذاب نہ ہوگا۔

جواب (۲) : لا يسمعون حسيسها میں ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اس میں داخل ہوں لیکن اس کا عذاب انہیں محسوس نہ ہو کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کی طرح ان پر وہ آگ بردا وسلاما بنا دے۔ اسی لیے ان پر سے مومن گذریں گے تو بردا وسلاما ہوگی اور جب کافر گذریں گے تو ان کے لیے عذاب شدید، جیسے موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک ہی کوزہ سے اگر بنی اسرائیل پانی پیتے آب ہی کا اثر پاتے لیکن جب قبطی اسی کوزہ سے پانی پیتے تو خون ہوتا ؎

مومن افسون مے دمد بر آتشش بخواند
سوزش وے خاموش گردد ہچو نور روشنی

ترجمہ : مومن کو جب سامنے جاتا ہے تو اس پر پڑھ کر پھونک مارتا ہے کہ آگ کی گرمی ختم ہو جائے اور وہ آگ نور روشنی کی طرح بن جائے۔

حدیث شریف : حدیث شریف میں ہے کہ جب دوزخ سے مومن کا گذر ہوگا تو دوزخ عرض کرے گی :

جز يا مومن فان نورك قد اطفأ لهبي۔ اے مومن ! جلدی سے گذر اس لیے کہ تیرے نور نے میرے شعلہ کو بجھا دیا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

گر بہشتی بگذر سبک اے محتشم
ورنہ آتشہا سے تو مرد آتشم !

ترجمہ: دوزخ مومن کو کہے گی کہ اے جنتی والے جلدی سے جلدی گذر ورنہ تیرے عشق کی آگ سے میرے شعلے بجھ جائیں گے۔

سوال: جب مومن کو دوزخ میں جانے پر عذاب نہ ہوگا تو پھر اس میں داخل ہونے کا حکم کیوں ؟

جواب (۱): جب اس سے خلاصی پا جائیں گے تو اس سے انہیں راحت و سرور محسوس ہوگا اسی راحت و سرور عطا کرنے کی وجہ سے دوزخ میں داخلے کا حکم ہوگا۔

جواب (۲): جب مومن (اولیاء، علماء، عامل) کافروں کے سامنے سے دوزخ سے نجات پا کر نکل جائیں گے تو کفار کو سخت رسوائی ہوگی اور کہیں گے افسوس اگر ہم ان کی نصیحت پر عمل کرتے تو آج ہمیں فضیحت نہ ہوتی کفار کے اس زعم کے اعتقاد پر اہل ایمان کو دوزخ میں داخل ہونا ہوگا۔

جواب (۳): کافروں کو دکھانا مطلوب ہوگا کہ وہ اہل ایمان جنہیں تم اپنا دشمن سمجھتے تھے وہ دوزخ سے نجات پا گئے اور تم ہمیشہ اسی میں پھنسے رہو۔ اس سے گویا ان کی حسرت میں اضافہ مطلوب ہے۔

جواب (۴): دوزخ میں مومنوں کا کافروں کے ساتھ رہ کر ان کو عذاب روحانی دلا کر جلدی سے نکل جائیں۔

جواب (۵) صوفیاء کرام: فقیر مصنف حقی کہتا ہے کہ اہل معرفت کے نزدیک جہنم کی صورت نفس امارہ جیسی ہے تو اس دنیا میں اس جہنم میں ہر ایک ایماندار گیا حتیٰ کہ انبیاء و اولیاء بھی۔ انبیاء علیہم السلام کے نفوس قدسیہ مطہرہ تھے انہیں کسی قسم کا نقصان نہ ہوا اور اولیاء کے نفوس زکیہ تھے ان پر اگرچہ نفس امارہ کی آگ نے حملہ کیا تو انہوں نے تزکیہ نفس سے اسے بجھایا بعض اہل ایمان ان کے طفیل نفس امارہ کی شرارت سے محفوظ رہے اسی لیے وہ قیامت میں دوزخ میں نہ جائیں گے اور نہ ہی انہیں دوزخ جلا سکے گی اور کفار کے نفوس چونکہ طبیعت کے بندے تھے انہوں نے خواہ مخواہ دوزخ میں جانا اور ہمیشہ رہنا ہے بعض اہل ایمان بھی اپنے گناہوں کی شامت سے داخل ہوں گے لیکن بعد کو انہیں اس سے نکال لیا جائے گا اس لیے ایمان کی برکت سے جس نے انہیں کفر کی آگ سے بچایا۔

پل صراط: حضرت ابن مسعود اور حضرت حسن اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ ورودہ سے پل صراط پر گذرنا مراد ہے جو کہ دوزخ پر ہے کیونکہ جنت میں جانے کے لیے اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں رکھا گیا اور مرور کو ورود سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حدیث شریف: حدیث شریف میں ہے کہ کسی مسلمان کی اولاد میں سے تین بچے فوت ہو گئے ہیں تو قیامت میں اسے اگر گناہوں کی سزا میں جہنم میں داخل کیا جائے گا تو صرف قسم پوری کرنے کے طور پر۔ "وان منکم الا واردھا" سے یہی مراد ہے۔

ف: والتمس صفقتک الیمین کا مقصد یہ ہے کہ میں نے اسے قسم سے بری کیا اور تحلۃ القسم کا مقصد یہ ہے کہ قسم کھانے والا اپنی قسم سے بری ہونے کے لیے اس فعل کا اسی قدر ارتکاب کرے کہ جس سے وہ قسم سے آزاد ہو سکے تو اس سے قلیل مقدار مراد ہے۔

بخار کے متعلق: مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مومن کا دوزخ میں ورود اس کا بخار میں مبتلا ہونا ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

الحمی من فیح جہنم فابردوھا — بخار جہنم کا جوش ہے اسے پانی سے ٹھنڈا کرو۔

حدیث شریف[1]: بخار ہر مومن کا حصہ ہے دوزخ میں سے۔

حدیث شریف[2]: ایک شب کا بخار سال بھر کا کفارہ ہے جو ایک دن بخار میں مبتلا ہوتا ہے تو اسے جہنم سے براءت نصیب ہو گی اور وہ گناہوں سے ایسا پاک صاف ہو جاتا ہے جیسے کہ آج ماں نے اسے جنا ہے۔

بخار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں

حضرت جابر سے مروی ہے کہ بخار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ یہ کون ہے؟ بولا کہ میں ام ملدم (بخار کا نام) ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ قبا کی طرف چل جا۔ پھر قبا والے سخت بخار میں مبتلا ہوئے اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر تکلیف کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا کہ چاہو تو میں دعا مانگوں وہ تمہیں شفا ہو جائے چاہو تو رہنے دو یہ تکلیف (بخار) ہے گناہوں کا کفارہ ہو۔ انہوں نے عرض کی ایسے ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں۔ انہوں نے عرض کی تو پھر اسے رہنے دیجئے۔

ازالۂ بیماری کی دعا

بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب مدینہ طیبہ ہجرت کر کے آئے تو یہ مدت زیادہ وبائی علاقہ تھا اس کی وباؤں (بخار) کی زد میں بی بی صاحبہ رضی اللہ عنہا آ گئیں انہیں رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں کیا ہے؟ عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں بخار ہے یہ کہہ کر بخار کو گالی دی۔ آپ نے فرمایا کہ اسے گالی مت دے یہ تو فرمان الٰہی کا پابند ہے ہاں اگر چاہو میں تمہیں چند ایسی دعائیں بتاؤں جسے پڑھو تو بخار ٹل جائے گا۔ بی بی صاحبہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ بتائیے آپ نے یہ دعا بتائی:

اللھم ارحم جلدی الرقیق وعظمی الدقیق	اے اللہ! میرے رقیق چمڑے اور دقیق ہڈیوں پر رحم فرما کر
من شدۃ الحریق یا ام ملدم ان کنت آمنت	وہ جلنے والی سختی کی شدت میں ہیں اور اے ام ملدم اگر
باللہ العظیم فلا تصدع الراس ولا تنتن	تجھے اللہ عظیم پر ایمان ہے تو میرے سر کو درد نہ دے نہ بدبو دار کر

---

[1] ف: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اختیار ملاحظہ ہو کہ بخار بھی حکومت سے ہو اور وہ آپ کے حکم کے تابع کہ مدینہ طیبہ سے نکل کر قبا چلا گیا۔

[2] ف: حضور علیہ السلام کا اختیار ملاحظہ ہو کہ فرمایا چاہو تو تم سے بخار چلا جائے ... الخ (اویسی غفرلہ)

لتنعم ولا تاکل [illegible] [illegible] السید هو
وتحول حتی لا [illegible] [illegible] [illegible]

یہ معلوم ہوا ہو اگر اللہ ذبح ہو کر گوشت اور زمین پر [illegible]
اور میرے سے [illegible] چونکہ اس کے پاس ہی [illegible]
کے ساتھ [illegible] مطلوب ہے۔

بلال صاحب رضی اللہ عنہ نے یہ پڑھا تو آپ کو شفا ہو گئی۔ (کذا فی انسان العیون)

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ اور جب ان پر پڑھی جاتی ہیں۔ آيَاتُنَا ہماری قرآنی آیات۔ بَيِّنَاتٍ۔ واضحات لاعجاز اللفظ والمعنی حال مؤکدہ ہے کیونکہ آیات الٰہی کا وضوح لازم ہے۔ قَالَ کہتے ہیں۔ الَّذِينَ كَفَرُوا۔ وہ جو کافر ہیں جیسے نضر بن الحارث اور اس کے ساتھی۔ لِلَّذِينَ آمَنُوا اہل ایمان کے لیے جیسے فقرائے مؤمنین۔ لام تبلیغ کا ہے جیسے قول باری تعالیٰ ہے وقال [illegible] میں ہے۔ یا لام اجل کا ہے یعنی ان کے لیے ان کے حق میں۔ أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ کون سے دو فریق میں سے یعنی مؤمنین و کافرین میں سے گویا انھوں نے کہا کہ ہم میں سے کون بہتر ہے۔ خَيْرٌ ہم بہتر ہیں یا تم۔ مَقَامًا۔ مکان و مسکن کے لحاظ سے یعنی ہماری منازل بہتر ہیں اور ہمیں معیشت کے تمام اسباب میسر ہیں۔ وَأَحْسَنُ نَدِيًّا اور مجلس اور مجامع کے اعتبار سے احسن ہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ ندی اس مجلس کو کہتے ہیں جو لوگ بیٹھا کرتے ہیں اور اعلیٰ ترین [illegible] یعنی ہماری مجلس میں قریش کے بڑے بڑے لیڈر اور عرب کے بڑے سردار ہوتے ہیں اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں تمام غلام اور ضعفاء ہوتے ہیں۔

شان نزول مروی ہے کہ وہ اپنے بالوں کو تیل سے سنوارتے اور کنگھا کرتے اور خوشبو لگاتے اور بہترین لباس پہنتے جب آیات قرآنی سنتے اور ان کے جواب سے عاجز ہوتے تو پھر فقرائے مؤمنین کو اپنے مقابلہ میں دیکھ کر فخر سے کہتے کہ اگر تم حق پر اور ہم باطل پر ہوتے تو تمہارا حال ہم سے اچھا ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو ذلیل اور [illegible] نہیں کرتا اور اپنے دشمنوں کو عزت و وسعت دیتا ہے لیکن یہاں معاملہ برعکس ہے ان کا مقصد یہ تھا کہ ایسے کہنے سے [illegible] لوگ دین سے پھر جائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں فرمایا۔

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ۔ کم اہلکنا کا مفعول ہے اور من قرن اس کے ابہام کا بیان ہے۔ ہر اہل عصر اپنے بعد والوں کے لیے قرن ہوتا ہے کیونکہ وہ ان سے پہلے ہوا ہے اور یہ قرن الدابة سے ہے یعنی جانور کا سینگ۔

ف: کاشفی میں لکھا ہے قرن اس گروہ کو کہتے ہیں جو ایک زمانہ میں جمع ہو گیا [illegible] سے [illegible] فرمایا ہے۔ هُمْ أَحْسَنُ۔ محلاً منصوب ہے کیونکہ قرن کی صفت ہے۔ أَثَاثًا۔ زینت سے تمیز ہے۔ گھر کے سامان کو اثاث کہا جاتا ہے یعنی گھر کے سازوسامان کے لحاظ سے جو کہ منازل اور مکان کی آرائش ہے وہ کہیں احسن ہے۔ وَرِئْيًا۔ یہ رؤیة کا فعل ہے یعنی جو کام کے وقت دکھا جاتے جیسے کہ آنکھ دیکھتی ہے۔

اب اے قریش عرب! تم خود سوچو کہ انھیں ہم نے مختلف عذاب میں تباہ و برباد کیا اگر دنیوی اسباب کی کثرت کی بدولت بچ جاتے تو پھر وہ لوگ کیوں تباہ و برباد ہوتے۔

ف: اس میں تہدید و وعید ہے جیسا کہ مخفی نہیں گویا انھیں کہا گیا کہ وبال ان کو بھی دیکھ لو کہ ان کے ساتھ کیا ہوا۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ نہ انھیں مال و اسباب نے ہلاکت سے بچایا اور نہ ہی ان کے حسن و جمال نے عذاب سے بچایا۔

؎

بر مال و جمال خویشتن تکیہ مکن
کانرا بشبی برند و آنرا بہ تبی

ترجمہ: اپنے مال و جمال پر بھروسہ نہ کر، اس لیے کہ مال رات ہی رات نکل جائے گا اور حسن و جمال بھی چند روز میں ختم ہو جائے گا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اہل انکار اور اہل عزت کی طرف اشارہ ہے۔ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ اور جب انھیں آیات بینات یعنی حقائق و اسرار سنائے جاتے ہیں۔ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وہ لوگ جنھوں نے انکار و استہزاء کر کے حق کو چھپایا۔ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اہل تحقیق کو کہتے ہیں جب انھیں راحتیں بعنایت اللہ اپنے لطف سے عطا کرنے والے اور متقی مزاج اور متواضع و خاشع و خاضع اور منکسر الحال اور اپنے آپ کو مشغول و فتیح و مکدر اور شہوات نفسانیہ کے پیچھے پڑنے والے جسمی مذاق میں مشغول اور خوشحال دیکھتے ہیں کہتے ہیں۔ اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ ہم اور تم میں سے خَيْرٌ مَّقَامًا دنیا کے مراتب و منازل کے لحاظ سے نگاہوں میں وجیہ ہونے کے اور عیش میں وسعت کے اعتبار سے۔ وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا اور مجلس یعنی منصب و ملک کے لحاظ سے اچھی اور بہتر کون ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا۔ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ اور کتنی گروہ ایسے گزرے ہیں جنھیں ہم نے تباہ و برباد کیا۔ جب انھیں دیکھا کہ وہ بحر شہوات میں غرق ہیں اور خواہشات کے پورا کرنے میں منہمک ہیں اور عزت کے حصول میں حیران و سرگرداں ہیں۔ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا۔ کمالات دینیہ کی استعداد و استحقاق میں وہ تمھارے سے بہتر تھے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو تم میں سے جاہلیت میں اچھے تھے وہی اسلام میں اچھے ہوں گے جب دین کو سمجھیں گے

تفسیر عالمانہ

قُلْ۔ مال و منال پر فخر کرنے والوں سے فرمایئے۔ مَنْ شرطیہ ہے یعنی جو کوئی۔ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ گمراہی میں یعنی راہ حق سے دوری میں یعنی وہ جہل میں ڈوبا ہوا اور عواقب امور سے غافل ہے۔ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۝ تو اسے اللہ تعالیٰ ڈھیل دیتا اور لمبی عمر کر کے مہلت دیتا اور مال و تمکین اور تصرفات دنیویہ دے کر لمبا کرتا ہے۔

صیغہ امر لانے میں اشارہ ہے کہ اس ذات کے لیے ایسے چاہیے جب اس کی حکمت کا تقاضا یہی ہے تاکہ قیامت

سکے۔ یہ لوگ ضد کر کے نہیں [illegible] وسعت دیا اور گمراہی میں مشغول ہوا ان لوگوں کے لیے ہے جو صاحب دولت و ثروت ہے وہ بہت سے گمراہ ایسے ہی ہوتے ہیں کہ انہیں ہدایت کی راہ مل جاتی ہے۔

نکتہ: الرحمن کی صفت لانے میں اشارہ کیا گیا ہے کہ کفار کو مہلت دینا بھی رحمت دنیا سے ہے۔

تفسیر صوفیانہ: میرے شیخ امیر و مرشد نے اپنی بعض تحریرات میں لکھا ہے کہ فلیمدد میں بتایا گیا ہے کہ استدراج ہے یعنی وہ جو انہیں مہلت دیتا اور ان کی عمر بڑھاتا ہے اور انہیں مال کی وسعت بخشتا ہے اور کثرت عطا فرماتا ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ جو گمراہی و طغیان پر انہیں مہلت مرحمت فرماتا ہے اور [illegible] کا معاملہ [illegible] یہاں تک کہ شدید عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے اور اس کے لیے عذاب [illegible] نہیں ہوتا [illegible] کہ عذاب انہیں [illegible] اور [illegible] کے لحاظ سے [illegible] مہلت نہیں [illegible] جو ایسے [illegible] مہلت نہیں [illegible] میں مبتلا ہوتے ہیں ہے علاوہ ازیں اصل دیا صفت رحمٰن سے منسوب ہے قہار و جبار سے نہیں کیونکہ قہر و جبار میں شدت ہے۔ میرا اپنا ذاتی خیال ہے کہ اسے صفت رحمٰن سے ذکر کرنے میں عذاب کی سختی کچھ کم نہیں ہوتی کیونکہ جب انہیں اس کی رحمت و مہلت کا تصور تھا تو اس کے بجائے رحمت اور وہ ملا تو ان کے ملنے پر گمراہ تر ہوا اور ان پر عذاب سخت تر ہے بہ نسبت ان کے جو اس کے برعکس ہے خلاصہ یہ کہ مد کو یہ جیسی ڈھیل کا ذکر ایسی گمراہی کا اسناد صرف صفت رحمٰن سے موزوں ہے اس لیے کہ وہی اس کا اصل و منشا ہے۔

تفسیر عالمانہ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ یہ غایۃ مد ممتد کے لیے ہے اور دونوں قولوں میں ضمیر جمع باعتبار معنی من کے ہے جیسے پہلے مرتبے میں مفرد آئی ہے لفظ من کی وجہ سے رہ یہ ہے کہ من لفظاً مفرد اور معنی جمع ہے) یعنی یہاں تک جب وہ شے دیکھیں گے جس سے وہ دنیا میں ڈرائے جاتے تھے۔ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ یہ ما یوعدون کی تفصیل علی سبیل البدل ہے عذاب سے یا دنیوی عذاب مراد ہے جیسا کہ اہل اسلام کا غلبہ اور انہیں طرح طرح کی تکلیفیں پہنچانا مثلاً قتل کرنا یا قیدی بنانا وغیرہ وغیرہ یا آخرت کا عذاب مراد ہے جیسا کہ انہیں آگ کی سخت سے سخت عذاب میں مبتلا ہونا ہو گا یہ علی سبیل منع الخلو کے قبیل سے ہے کیونکہ قیامت کے عذاب سے انہیں کسی طرح سے چھٹکارا نہیں۔

ف: امام فخر الدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آگ کی بدبختی کا ذکر کیا لازمی مقابل اتنی مہلت نصیب ہو کہ جس کے بعد انہیں دنیوی عذاب نہیں ——— آخرت کے عذاب میں تو ضرور مبتلا ہو گا اسے دیگر دنیوی عذاب نہیں یہ کچھ کم ہے کہ آخرت کے عذاب سے اسے اس کا مال و منال فائدہ دے پہنچا سکتا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

فَسَيَعْلَمُوْنَ یہ حتیٰ کا جواب ہے اور وہ جو حتیٰ کے بعد واقع ہے کلیہ سمجھا گیا یہ شرط وہ ہے کہ جس کے بعد ملا [illegible] کی حکایت کی گئی ہے اسی لیے یہ جملہ شرطیہ کے بعد واقع ہوا ہے۔ یعنی یہاں تک کہ وہ عذاب دنیوی یا اخروی کو دیکھیں گے جب کہ اس سے انہیں دنیا میں ڈرایا جاتا تھا تو انہیں معلوم ہو گا۔ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا کہ ان دونوں گروہوں میں سے

تو مراتب میں بدتر کون ہے جب آنکھوں سے دیکھیں گے کہ معاملہ برعکس ہے جیسا کہ انھوں نے گمان کیا تھا کہ صرف دنیوی اعتبار سے یہی اور اہل ایمان ذلیل و خوار و معاذ اللہ انکی جگہ پر ہوگا کہ وہ خود بہت برے ذلیل و خوار ہوں گے اور اہل ایمان بہت بڑے مقام والے

ف: یہاں تنبیہ ہے اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ نہیں اب معلوم ہوگا کہ ان دو گروہوں میں سے بدترین مکانوں والے کون ہیں اور بہترین مکانوں والے کون، اس لیے کہ اس وقت اہل ایمان بہشت کے اعلیٰ درجات میں ہوں گے اور کفار جہنم کے بدترین درکات میں۔

؎

افتخار از رنگ و بو و از مکان
ہست شادی و فریب کودکان

ترجمہ: مکان اور خوشبو اور رنگ وغیرہ سے بچوں کا خوش اور مطمئن ہونا آتا ہے۔

نکتہ: روح المعانی میں ہے کہ شرارت کو مکان کی طرف منسوب کرنے کا اشارہ ہے کہ اس کے مکین شریر ترین ہوں گے کیونکہ قاعدہ ہے کہ مکان کی شرارت کے اثبات سے واضح ہوتا ہے کہ اس کا مکین شریر ترین ہے جیسے اہل عرب کا مقولہ مشہور ہے:

"المجد فی ثوبیہ والکرم فی بردیہ"

بزرگی اس کے کپڑوں میں اور جود و سخا اس کی چادروں میں ہے۔

وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ۝ اور کمزور لشکر اور مددگار کی رو سے کون ہے جیسا کہ وہ دعوے کرتے تھے کہ ہم بڑے لشکر والے اور ہمارے حمایتی و مددگار بے شمار ہیں لیکن یہاں ان کو کوئی بھی چھڑانے والا بھی کوئی نہ ہوگا۔

ف: تفسیر الجلالین میں ہے کہ جب اہل اسلام نے کافروں کو قتل کیا اور کفار پر غلبہ پایا تب ان کی آنکھ کھلی کہ ان کا حال بتا اور ان کے مددگار ہیں نہیں اور وہ باطل پر ہیں اور حقیقت میں یہ اور دین ان کا کوئی حمایتی ہے جو ان کی مدد کرے اور دین اللہ کے ساتھ ان کی مدد کرنا باطل ہے۔

شان نزول: کفار کا خیال تھا کہ ان کے حمایتی اور مددگار بے شمار ہیں کیونکہ عزت اور اہل ثروت لوگ ان کی انگلیوں کے اشاروں پر چلتے ہیں اور اپنی اس قوت و طاقت پر جاہ و مال میں ان ہوانے کو بہت بڑے فخر و ناز سے بیان کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں مذکورہ آیت نازل فرمائی۔

وَيَزِيدُ اللّٰهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى ۚ

ربط: یہ جملہ مستانفہ ہدایت یاب لوگوں کا حال بتانا مطلوب ہے جب کہ اس سے پہلے گمراہوں کا حال ذکر ہوا یعنی اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو ایمان و عمل صالح اور یقین و رشد میں بڑھاتا ہے جیسے گمراہوں کو گمراہی میں بڑھاتا ہے۔

وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ یہ جملہ مستانفہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے وارد ہے۔ ہدایت والوں کے اعمال صالحہ کی فضیلت بیان کرنا مطلوب ہے اسے ماقبل اور کلام لاحق سے کوئی خصوصی تعلق نہیں یعنی باقیات صالحات بہتر ہیں۔ رحمت کی

عِنْدَ رَبِّکَ ثَوَابًا یعنی تیرے رب تعالیٰ کے ہاں ثواب کے اعتبار سے۔ ثواب سے یہاں مراد جزا ہے کیونکہ اس کا نفع جانے والے کی طرف لوٹتا ہے اور یہ استعارہ یا تشبیہ کا نام ہے یعنی وہ اعمال جن کا فائدہ باقی رہے گا وہ تمہارے رب کے ہاں بہتر ہیں بلکہ کفار کے منافرات اور دنیوی حظوظ سے۔ وَّخَيْرٌ أَمَلًا اور وہ عاقبت اور انجام کے لحاظ سے بہتر ہیں کیونکہ اعمال صالحہ کا مآل رضائے الٰہی اور نعمت دائمی ہے اور کفار کے حظوظ و منافرات کا مآل غضب الٰہی اور عذاب دائمی ہے۔

ف: کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ کافر اگرچہ دنیا میں صاحب مال و منال ہو لیکن آخرت میں سخت ذلیل و خوار ہوگا۔ اور مومن دنیا میں ہدایت یافتہ ہے اور عنایت الٰہی کی اسے حاصل ہے اور آخرت میں ثواب پائے گا اور انجام میں بہتر۔

بدنیا سرفراز و نام دارند
بعقبیٰ کامیار و کامگارند

ترجمہ: دنیا میں بھی سرفراز اور نام والے ہیں آخرت میں بھی بامراد اور مقصد پانے والے ہوں گے۔

ف: آیت میں اشارہ ہے کہ وہ عمر قلیل جو چند روز کے بعد ختم ہو جائے لیکن اس کے بدلے میں منافع کثیرہ اور غیر فانی نصیب ہوں جیسے مومن کا حال ہے اس کے برعکس مال سے بہتر ہے جیسے کافر کا حال ہے اسے دنیا میں مال و منال اور جاہ و جلال کا ملنا اس کی فضیلت اور بزرگی نہیں جیسے مومن کا ان امور سے خالی ہونا اس کا نقص یا عیب ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے خیر و جلال کا ارادہ فرمایا ہے کہ اسے اس تکلیف اور کے عوض بہت اچھا عطا فرمائے گا۔

باقیات صالحات کیا ہے ویسے ہر نیک عمل جو آخرت کے فائدہ کے لیے کیا جائے وہی باقیات صالحات ہے ان میں سے ایک کلمہ یہ بھی ہے۔ سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور سوکھی لکڑی ہاتھ میں لے کر اس کے تمام پتے جھاڑ دیئے اور فرمایا کہ لا الٰہ الا اللہ اور اللہ اکبر اور سبحان اللہ اور الحمد للہ گناہوں کو ایسے جھاڑتے ہیں جیسے درخت سے پتوں کو یہ۔ اے ابو الدرداء ان کلمات کو خوب پڑھا کرو قبل اس کے کہ تیرے اور ان کے مابین موت حائل ہو یہی باقیات صالحات ہیں اور یہی جنت کے خزانوں میں سے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ باقیات صالحات میں اعمال صالحہ ہیں جو ان واردات الٰہیہ کا نتیجہ ہیں جو جناب اللہ الی غیب سے پہنچتے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ جو عمل صالح قسم افعال طبع نفسانی کے نتائج سے ہو وہ باقیات صالحات نہیں جیسا کہ ما عندکم ینفد وما عند اللہ باق سے معلوم ہوتا ہے۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ وہ نفس کی اصلاح اور اس کے تزکیہ کی جد و جہد کرے تاکہ اعمال باقیہ و احوال فاضلہ پیدا ہوں اور انہیں تسلی حاصل ہو جو مقیم نہ ہو اور مکاشفات نصیب ہوں جس سے ان گنت بہترین نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ ہم سب کو توفیق بخشے

اس میں ضرور اتر جائے (آمین)

تفسیر عالمانہ

أَفَرَءَيْتَ ٱلَّذِى كَفَرَ بِـَٔايَٰتِنَا :

شان نزول : یہ آیت اس شخص کے حق میں نازل ہوئی جس نے قیامت کے بارے میں مذاق کیا وہ عاص بن وائل تھا۔ اس نے حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کا قرضہ دینا تھا۔ آپ نے اس سے مانگا تو اس نے کہا کہ میں قرض اس وقت دوں گا جب آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کفر کرے گا۔ آپ نے کہا کہ یہ نہیں ہو سکتا زندگی میں نہ مرنے کے وقت اور نہ مر کر اٹھنے کے بعد۔ اس نے کہا کہ تو پھر جب مرنے کے بعد اٹھو میرے پاس آ جانا میرے پاس مال و اولاد ہوگی تجھے قرض دے دوں گا۔

ہمزہ تعجب کا ہے اس کے حال سے تعجب کے طور پر کہا گیا ہے اور ف۔ عاطفہ ہے اس کا عطف فعل مقدر پر ہے جیسا کہ مقام کا تقاضا ہے اصل عبارت یوں ہوگی:

انظرت فرأيت الذى .... دیکھا اسے جو ہماری آیات کا انکار کرتا ہے جن میں سے قیامت میں اٹھنا ہے۔

وَقَالَ اور اس کے ساتھ استہزاء کرتے ہوئے جھوٹی قسم کھا کر کہا۔ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ۝ دارہ۔ آپ اے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے حال پر تعجب کیجئے کہ کیسی غلط گفتگو کرتا اور بے جا بات کرتا ہے۔

أَطَّلَعَ الْغَيْبَ ہمزہ استفہام کا ہے۔ یہ اصل أَاطَّلَعَ تھا۔ یہ الطلوع من الجبل سے ہے۔ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جائے۔ طلع الثنية اس کا اصل مادہ ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ کیا وہ اس شان کو پہنچ گیا ہے کہ اسے وہ علم غیب مل گیا ہے جو علیم و خبیر کا خاصہ ہے یہاں تک وہ دعویٰ کرتا ہے کہ اسے قیامت میں مال و اولاد دیے جائیں گے اور پھر اس پر قسم بھی کھا لی۔ أَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ۝ کیا اس بارے میں عالم غیب رحمٰن سے کوئی معاہدہ لیا ہے کیونکہ اس مرتبہ کو دو باتوں سے حاصل کیا جاتا ہے۔

① علم غیب سے

② عالم غیب سے معاہدہ کرکے۔

ف: بعض نے کہا ہے کہ یہاں عہد سے کلمہ شہادت و عمل صالح مراد ہے کیونکہ عمل صالح پر ثواب کا وعدہ برحق ہے۔

كَلَّا ہرگز نہیں جو کہہ رہا ہے وہ سراسر غلط ہے۔ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وہ جو کہہ رہا ہے ہم اسے لکھ رہے ہیں اور آپ پر عنقریب اس کے کذب و کفر و استہزاء کا حال معلوم ہو جائے گا جس پر ہم اسے سزا دیں گے۔ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۝ اسے اس کے دعوے مال و اولاد دیے جانے کے بجائے ہم اسے لمبا چوڑا عذاب دیں گے جس کا وہ مستحق ہے۔

وَنَرِثُهُ مَا يَقُوْلُ۔ اور اس کے مرنے پر ہم کو وہ کہتا ہے اس کے بجائے ہم اسے عذاب دیں گے یعنی وہ مال و اولاد کی امید رکھتا ہے حالانکہ ہم اسے سخت عذاب میں مبتلا کریں گے۔

ف۔ اس میں تنبیہ ہے کہ جو کچھ وہ کہتا ہے یہ اس کا محض گمان ہے بلکہ مرنے پر مال و اولاد اس سے چھن جائے گا اور وہ مرے گا تو سیدھا جہنم جائے گا یہی اس کی سزا ہے۔ (کذا فی الارشاد)

ف۔ بالیمین میں فرمایا ہے کہ ما نرثہ کی ضمیر سے بدل الاشتمال ہے یعنی اسے ہم تباہ و برباد کر کے اس کی مال اولاد کا وارث اوروں کو بنائیں گے۔

ف۔ کاشفی میں ہے اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ اس کی اولاد و مال کا اس کے مرنے کے بعد میراث بنائیں گے۔

وَيَاْتِيْنَا اور قیامت میں ہمارے ہاں آئے گا۔ فَرْدًا ۝ اکیلا تنہا کہ اس کے ساتھ کوئی نہ ہوگا نہ مال نہ اولاد یعنی اس کا تمام اثاثہ دنیا میں رہ جائے گا وہاں اکیلا حاضر ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ اہل غرور تکبر اپنے خیال میں دعوے کرتے ہیں کہ انہیں دنیا میں مال و اولاد اور آخرت میں بڑی محبت ملیں گے اور اہل تجرید پر طنز کرتے ہیں کہ وہ بیچارے دنیوی اسباب سے محروم اور عورتوں اور اولاد کی لذتوں سے محروم ہیں حالانکہ وہ اہل غرور یہ نہیں جانتے کہ وہ ان اقوال سے عذاب جہنم میں جا رہے ہیں کیونکہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اسے کہہ رہے ہیں۔

حضرت کمال خجندی نے فرمایا ہے

بگذر جنت خوار کردہ دین عاشقان
یک بہشت کہ بگذشتہ از صد عبادت

ترجمہ: حور اور بہشت آزادہ اس لیے عشاق کے دل میں ایک جنت لقا صد عبادت سے بہتر ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَاتَّخَذُوْا۔ مشرکین قریش نے بنا لیا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً اللہ کے سوا بتوں کو معبود لِيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۝ تاکہ ہوں وہ بت ان کے لیے موجب قوت و طاقت یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور ان کی قریب کرنے والے سفارشی اور مددگار اور وہ انہیں کی وجہ سے عذاب الٰہی سے نجات پا جائیں گے۔

ف۔ کسی بزرگ نے فرمایا کہ جس عزت کو تو چاہتا ہے اسے تو ذلت میں پاتا ہے کیونکہ تو اسے مخلوق سے ڈھونڈتا ہے اگر تو عزت چاہتا تو حق تعالیٰ سے مانگتا اور اس کا ذکر کرتا اس کی رضا کا طالب ہوتا کیونکہ ہر شے اسی سے ملتی ہے اگر اس طرح کرے گا تو دنیا و آخرت میں عزیز ہوگا۔

كَلَّا۔ ہرگز نہیں یہ ان کا غلط خیال ہے۔ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ۔ عنقریب کفار اپنے بتوں کی عبادت

(بقیہ صفحہ [illegible] پر)

أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيٰطِينَ عَلَى الْكٰفِرِينَ تَؤُزُّهُمْ أَزًّا ﴿۸۳﴾ فَلَا تَعْجَلْ
کیا تم نے نہ دیکھا کہ ہم نے کافروں پر شیطان بھیجے کہ وہ انہیں خوب اچھالتے ہیں تو تم ان پر جلدی نہ کرو

عَلَيْهِمْ إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿۸۴﴾ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿۸۵﴾ وَنَسُوقُ
ہم تو ان کی گنتی پوری کرتے ہیں جس دن ہم پرہیزگاروں کو رحمٰن کی طرف لے جائیں گے مہمان بنا کر اور مجرموں کو جہنم کی

الْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿۸۶﴾ لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ
طرف ہانکیں گے پیاسے لوگ شفاعت کے مالک نہیں مگر وہی جنہوں نے رحمٰن کے پاس قرار رکھا

عَهْدًا ﴿۸۷﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ﴿۸۹﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ
ہے اور کافر بولے رحمٰن نے اولاد اختیار کی بے شک تم حد کی بھاری بات لائے قریب ہے کہ آسمان اس سے پھٹ پڑیں

مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾ وَمَا
اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ گر جائیں ڈھ کر اس پر کہ انہوں نے رحمٰن کے لیے اولاد بتائی اور رحمٰن

يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾ إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي
کے لائق نہیں کہ وہ اولاد اختیار کرے آسمانوں اور زمین میں جتنے ہیں سب اس کے حضور بندے ہو کر حاضر

الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿۹۳﴾ لَقَدْ أَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿۹۴﴾ وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿۹۵﴾
ہوں گے بے شک وہ ان کا شمار جانتا ہے اور ان کو ایک ایک کر کے گن رکھا ہے اور ان میں ہر ایک روز قیامت اس کے حضور اکیلا حاضر ہو گا

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾ فَإِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ
بے شک وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے عنقریب ان کے لیے رحمٰن محبت کر دے گا تو ہم نے یہ قرآن تمہاری

بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنْذِرَ بِهِ قَوْمًا لُدًّا ﴿۹۷﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا
زبان میں یونہی آسان فرمایا کہ تم اس سے ڈر والوں کو خوشخبری دو اور جھگڑالو لوگوں کو اس سے ڈر سناؤ اور ہم نے ان سے پہلے

قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ
کتنی سنگتیں کھپا دیں کیا تم ان میں کسی کو دیکھتے ہو یا ان کی بھنک

لَهُمْ رِكْزًا ﴿۹۸﴾

(بقیہ گذشتہ صفحہ)

سے انکار کریں گے جب اس کا برا انجام دیکھیں گے اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ بتوں کی عبادت تو کچھ نہیں **وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا** اور ہو جائیں گے اپنے بتوں کے دشمن اور ان کے ساتھ کفر کرنے والے حالانکہ پہلے وہ ان سے ایسی محبت کرتے تھے جیسے اللہ سے محبت کی جاتی ہے اور ان کی پرستش کرتے تھے۔

ف : تفسیر المظہری میں ہے کہ وہ بت ان کی عبادت کا انکار کریں گے کیونکہ وہ جماد محض تھے انھیں معلوم نہ تھا کہ کوئی ان کی عبادت کرتا ہے یا کیونکر اور وہ ان کے دشمن ہو جائیں گے کیونکہ قیامت میں اللہ تعالیٰ انھیں بولنے کی طاقت دے گا اور عقل عطا فرمائے گا وہ خود اپنے پرستاروں کے لیے کہیں گے یا اللہ ہمارے پرستاروں کو عذاب دے جب کہ انھوں نے تیرے ماسوا کی پرستش کی تھی۔ اس معنے پر ضمائر ان کے بتوں کی طرف راجع ہیں۔

تفسیر عالمانہ

اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ ہم نے کافروں پر شیطانوں کو مسلط کیا ہے جو ان کے اپنے برے اختیار کے ساتھ کہ وہ دنیا میں تَؤُزُّھُمْ اَزًّا انھیں گناہوں پر برانگیختہ کرتے ہیں وساوس ڈال کر اور گناہوں کو مستحسن بنا کر۔ الأز۔ ھز۔ استفزاز کا معنی ایک ہی ہے یعنی شدۃ الازعاج یعنی سخت ابھارنا۔

ف : المیزان میں ہے کہ الأز دراصل التحریک مع الصوت المتصل کو کہا جاتا ہے ازیز القدر سے ہے اور اس کو گرمائی انہماک اور غلیان کے اشتیاق اور معاصی میں افراط پر ترغیب دینا مراد ہے اور اب آئے کہ اب حق واضح ہو چکا ہے لہٰذا اس پر ڈٹ جانا چاہیے اور تنبیہ کی گئی ہے کہ جو کچھ کفر و معاصی صادر ہو رہے ہیں یہ تمام شیطان کے اضلال و اغوا سے ہے۔

فَلَا تَعْجَلْ عَلَیْھِمْ تو ان پر جلدی نہ کیجئے کہ وہ جلد از جلد برباد ہو جائیں جیسے ان کے گناہوں اور غلط کاریوں کا تقاضا ہے تاکہ آپ اور جملہ اہل ایمان ان کے شر سے نجات پائیں اور زمین ان کے خباثات سے صاف ہو جائے۔

شان نزول : عجلت علیہ بمعنی استعجلته منہ ہے۔

اِنَّمَا نَعُدُّ لَھُمْ بے شک ہم ان کے اعمال کا علم کر رہے ہیں۔ عَدًّا ہ پوری گنتی۔ لہٰذا ان کی تباہی و بربادی دیکھئے اس لیے کہ اب ان کی زندگی کے دن بہت تھوڑے اور چند گنتی کے سانس رہ گئے ہیں پھر اللہ تعالیٰ انھیں پوری پوری سزا دے گا۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب یہی آیت پڑھتے تو خوب روتے اور فرماتے کہ آخری عدد پر ہماری روح پرواز کرے گی۔ آخری عدد پر ہم اپنے اہل سے جدا ہوں گے آخری عدد پر ہم قبر میں داخل ہوں گے۔

ابن السماک رحمہ اللہ تعالیٰ نے مامون کے سامنے یہی آیت پڑھی اور فرمایا کہ جس کی زندگی کے لمحات چند گنتی کے ہوں اسے کوئی شے کیا فائدہ دے گی اور وہ لمحات بھی جلد ختم ہونے والے ہیں۔

اعرابی نے کہا ہے کہ اس زندگی پر خوشی کیسی جس کی گنتی کے ایام ہوں اور ایسے دنوں کی سلامتی کی کیا امید جس کے پیچھے لمحات گنتے ہوں۔

ف : حضرت [illegible] نے فرمایا کہ اجل کی مہلت سے پہلے نفوس کو غنیمت جانو انہی لمحات میں عمل کی کوشش کیجئے شبات سے پہلے [illegible] اور پچھتانا پڑے جب پچھتانے کا کہ جب وہ وقت ہاتھ سے گیا ہے اور زندگی کے چند لمحات ہیں۔

حکایت : جب [illegible] فارسی [illegible] آکر [illegible] آخرت کو اپنے لمحات کے ساتھ بیچ دیا۔

ف : جو اپنے سانس کی نگرانی کرتا ہے تو اسے باقی ساعات کی حفاظت مشکل نہیں ہے یہ وہ ہیں جن کا وقت ضائع ہو رہا ہے وہ سانس کی کیا قدر کرتا ہے جو اوقات کی پابندی نہیں کرتا وہ ایام کی کب نگرانی کر سکتا ہے جس کو صرف [illegible] یہ ہے وہ باقی ایام کا کیا کرے گا جس کے چند لمحات باقی رہ گئے ہیں وہ جو بقیہ کی قدر و قیمت کیا سمجھے گا جس کو اپنی زندگی کی قدر نہیں وہ سال ضائع کرے گا جس نے عمر گنوا دی اسے وقت کی کیا قدر ہو گی۔

مثل : عز نفسه عليك من متاع عمره

ترجمہ : وہ اپنے اوپر روتے ہیں جنہوں نے عمر ضائع کی۔

وقت کی درازی اور کمی صاحب وقت پر منحصر ہے کسی کو ایک گھڑی نصیب ہوتی ہے کسی کو ایک دن کسی کو پورا ہفتہ کسی کو کامل مہینہ کسی کو کامل سال کسی کو زندگی میں ایک بار کسی کو بار بار کسی کو ہمیشہ غیبت و استغراق و مشاہدات کبھی نصیب نہیں ہوتا۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہ نے فرمایا : ؎

ہر دمے از عمر گرامی ہست گنجے بے بدل
میرود گنجے چنیں ہر لحظہ برباد آہ آہ

ترجمہ : زندگی کا ہر لمحہ بڑا قیمتی ہے افسوس کہ ہر لحظہ ایسا خزانہ ضائع ہو رہا ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا : ؎

کارے کنیم ورنہ خجالت بر آورد
روزیکہ رخت جاں بجہان دگر کشیم

ترجمہ : ہمیں زندگی میں کوئی ایک کام کرنا چاہیے ورنہ شرمندگی ہو گی جب اس جہان سے دوسرے جہان کی طرف سفر کریں گے۔

تفسیر آیۃ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کو ترغیب و ترہیب کے طور پر وہ دن یاد دلائیے جس دن ہم اہل التقویٰ اور اہل طاعت کو جمع کریں گے۔ إِلَى الرَّحْمٰنِ ان کے رب تعالیٰ کی طرف جو انہیں اپنی رحمت واسعہ میں ڈھانپ لے گا۔ وَفْدًا لیکن ان کو حاضری دیں گے جیسے بادشاہوں کے انعام و اکرام کے منتظر ان کے ہاں [illegible]۔ الوفد ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو خیر و بھلائی لائے۔

حل لغات : الغریب میں ہے کہ الوفد و الوفادۃ بمعنی کسی ضرورت کے لیے امیر و حاکم کے نزدیک ہونا۔

قاموس میں ہے کہ وفد الیہ بمعنی آتا ہے اور وفد جمع ہے بمعنی قوم وفود اور اس کی جمع وفود بھی آتی ہے وغیرہ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وفد المتقین کے لیے حضرت رحمانیہ کی طرف جمع ہونے کے لیے حشر کا اس لیے ذکر ہوا کہ رحمانیت صفات لطف سے اس کی ایک صفت ہے اور جود و انعام و فضل و کرم و تقریب وغیرہ اس کی شان ہے۔ اور رحمت اگر ذات کی صفات سے ہو تو اس کا معنی ہوگا ایصال خیر و دفع شر کا ارادہ کرنا۔ اگر فعل صفات سے ہو تو بمعنی ایصال الخیر و دفع الشر۔ (کذا فی بحر العلوم)

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ بخدا متقین قیامت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں پیدل چل کر نہ جائیں گے بلکہ اونٹنیوں پر سوار ہوں گے جن کے کجاوے سونے کے ہوں گے یا جنتی گھوڑوں پر جن کی زین یاقوت کی اور لگام زبرجد کی ہوگی اسی طرح ان کو بہشت تک لایا جائے گا یہاں تک کہ بہشت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے۔

ف: کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ وفدا کا معنی یہ ہے کہ بہشت کی اونٹنیوں پر سوار ہو کر جائیں گے یعنی انہیں بہشت کی اونٹنیوں پر سوار کر کے لایا جائے گا جیسے اعزازاً بادشاہوں کے ہاں شاہی مہمانوں کو لایا جاتا ہے۔

ف: امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان میں سے بعض عبادات و طاعات کے گھوڑوں پر اور بعض ہمم و نیات کی اونٹنیوں پر سوار ہوں گے وہ لوگ جو عبادات و طاعات کے گھوڑوں پر سوار ہوں گے وہ بہشت کے طالب ہوں گے انہیں بہشت کے باغات میں لایا جائے گا اور جو ہمم و نیات کی اونٹنیوں پر ہوں گے وہ طالبین حق ہوں گے انہیں قرب رحمت کی طرف لایا جائے گا اس سے ان کا مقصد یہ کہ طالبان جمال کریں اور مشتاقان رحمت کریں۔

حکایت شاہ رحیوری رحمہ اللہ تعالیٰ پر نزع طاری ہوئی ایک صاحب دل حاضر ہو کر دعا کرنے لگا کہ اے اللہ تعالیٰ اسے اس کے مصطفیٰ کے لیے بہشت میں جگہ دے۔ آپ نے فرمایا اے بندۂ خدا یہ کیا کہہ رہا ہے؟ تیس سال ہو گئے ہیں کہ بہشت اور قصور و محل مجھے دکھائے جا رہے ہیں میں انہیں آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا اب میں قرب شاہی میں پہنچنا چاہتا ہوں اور تو میرے لیے بہشت و رحمت مانگتا ہے یعنی دعا مانگ کہ ذات واصل سے

باغ فردوس از برائے دیگراں باید مرا
بے جمال دوست رضوان ہیچ کار آید

ترجمہ: مجھے باغ فردوس صرف یار کے دیدار کے لیے چاہیے اگر اس کا جمال یہاں نظر نہ آیا تو جنتوں کے باغات میرے لیے بے کار ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اور ہم مجرموں کو جانوروں کی طرح ہانک کر لے جائیں گے اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا جہنم کی طرف پیدل اور پیاسے کیونکہ پانی کی طرف شدت پیاس کی وجہ سے آنا پڑتا ہے لیکن الورد کا پانی کی طرف آنا حقیقی معنی ہے۔

لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ؕ اور شفاعت کا کوئی اختیار نہیں رکھیں گے مگر وہ جس نے رب الرحمٰن سے پیمان لے رکھا ہے ۔

شفاعت کی نحوی تحقیق

شفاعۃ اگر مصدر بمعنی فاعل ہے اور العہد بمعنی الاذن ہے کیونکہ اہل عرب کہتے ہیں :
عهد الامير الى فلان بكذا (حاکم نے فلاں کو فلاں کام کا اذن بخشا ہے) یہ اس وقت استعمال ہیں جب امیر کسی کو کسی کا حکم فرمائے ۔

اب مطلب یہ ہوگا کہ کوئی بندہ بھی خواہ کتنا ہی عظیم المرتبہ ہو وہ مجرموں کی شفاعت کا مالک نہ ہوگا مگر جس نے اللہ تعالٰی سے اذن حاصل کیا ہے جیسے دوسری آیت میں ہے :

من ذالذی یشفع عندہ الا باذنہ (کون ہے جو اس کے اذن کے بغیر شفاعت کرے ۔

اگر مصدر بمعنی المفعول ہے اور عہد سے عہد الایمان ہو تو معنی یہ ہوگا کہ مجرموں میں شفاعت اس شخص کی ہوگی جس کو دولت ایمان نصیب ہوگی ۔

عہد نامہ کا استناد

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ کیا تم سے ہر روز صبح و شام کو اللہ تعالٰی سے اقرار لینا نہیں ہو سکتا ہم سب نے عرض کی وہ کیسے ؟ آپ نے فرمایا کہ ہر صبح و شام کو منقولہ ذیل عہد نامہ؎ پڑھا کرے ۔ اور فرمایا کہ اس عہد نامہ پر اللہ تعالٰی نے مہر خاص فرمائی ۔ اور اسے عرش کے نیچے محفوظ کر کے رکھ دیا پھر جب قیامت آئے گی تو اللہ تعالٰی کا منادی پکارے گا کہ وہ لوگ کہاں ہیں جن کا اللہ تعالٰی کے ہاں معاہدہ ہے جب وہ آئیں گے تو انہیں جنت میں داخلہ کا حکم ہوگا اور وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے ۔

؎ عہد نامہ کی اصل عبارت آگے آئے گی ۔

عہد نامہ پڑھنے کا ثبوت

مذکورہ بالا روایت تفسیر روح البیان کا اردو ترجمہ ص ۳۸۱ ج ۵ ۔ تحت آیت لا یملکون الشفاعۃ الا من اتخذ عند الرحمٰن عہدا (پارہ نمبر ۱۶ سورہ مریم رکوع ۸) میں ہے ۔ اور یہ عہد نامہ ہمارے اہل سنت کے مشائخ عظام و علماء کرام اور عوام میں مروج ہے بہت سے خوش قسمت اسے روزانہ بطور ورد پڑھتے ہیں ۔ فقیر کے والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کا وظیفہ یہی ہوتا ۔ فقیر نے ان سے بچپن میں یہی عہد نامہ سیکھا تھا بلکہ ہمارے خاندان کے چھوٹے بڑے پڑھتے ہیں اور کرتے ہیں ۔ اور ہمارا اصول ہے کہ ہم صاحب قبر کو قبر میں داخل کرتے وقت یہی عہد نامہ ہاتھ میں دیتے ہیں ۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ جب بھی بادشاہ کے حضور میں جاتا ہے اور سے ایک اجنبی علاقہ میں جاتا ہے اور قاعدہ ہے کہ کوئی کسی کے ہاں اگر قطعہ

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

تفسیر عالمانہ: وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۝ ان آیات و فضائل ہیں یہ ہی اہل عرب میں سے وہ لوگ بھی کا خیال تھا کہ ملائکہ اللہ تعالٰی کی لڑکیاں ہیں اور کہا کہ رحمٰن نے اولاد اختیار کر لی ہے۔ حضرت تعالٰی نے اس کے رد میں فرمایا۔ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ۝ ادّ الادّ والادّة بالکسر یعنی العجب والامر العظیم والداھیۃ المنکر الاد والفتح یکسر ہے۔ کذا فی القاموس، بے شک

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

جائے تو اس کی وحشت میں سکون ہو جاتی ہے اور کام بھی بن جاتا ہے ہم اسی نیت سے یہ عہد نامہ اپنے ہیں یا سینے پر رکھ سکتے ہیں تاکہ اس کی وحشت دور ہو اور بارگاہ حق کے بھیجے ہوئے فرشتے (منکر و نکیر) کو عطا فرمائے گا تو حساب و کتاب میں تخفیف کریں گے۔

چنانچہ شامی کتاب الجنائز میں ہے کہ ایک شخص نے مرتے وقت وصیت کی کہ میرے ماتھے پر "بسم اللہ الرحمن الرحیم" لکھ دیا جائے چنانچہ لکھا گیا تو منکر و نکیر کے حساب سے تخفیف ہوئی بلکہ اسے بخش بھی دیا گیا۔

مزید تحقیق فقیر اویسی کے رسالہ "فیض السماوی الکتابۃ علی الکفن بالحروف" کتب کو پڑھیے۔

عہد نامہ کے فضائل جو کہ سے عام طور پر بیان ہوتے رہتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

① رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی اس عہد نامہ کو تمام عمر میں ایک بار پڑھے تو وہ بے شک ایمان کے ساتھ جائے اور اس کے بخشش ہونے کا میں ضامن ہوں۔

② حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آدمی کے ساتھ تین ہزار بلائیں ہیں۔ ایک ہزار بیماریوں کو حکم ہوتا ہے ایمان کی دعا کرتے ہیں باقی دو ہزار بلاؤں کی دوا کوئی نہیں جانتا جو کوئی اس عہد نامہ کو اپنے پاس رکھے گا تو اللہ تعالیٰ اسے ان دو ہزار بلاؤں سے محفوظ رکھے گا۔

③ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو کوئی اس عہد نامے کو اپنے پاس رکھے گا تو سانپوں اور بچھوؤں سے امن میں رہے گا اور اس پر جادو کا اثر نہیں ہوگا اور دشمنوں کی زبان بند ہو جائے گی اور لشکر کو مغلوب کر دے ورنہ مدد کو پہنچے ان شاء اللہ۔

④ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو کوئی اس عہد نامہ کو شیخ لائے اس کی حاجت پوری ہو اور اسے مفلسی و فقر سے نکال کر غنی کے بدلے دولت دے اس کا علم و عقل زیادہ ہو اور جو کچھ پڑھے یاد رکھے اور وہ ہرگز فراموش نہ ہو۔

⑤ حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو کوئی

تم نے دنیا کا کام کیا ہے جو بہت ہی عجیب و غریب ہے اس لیے کہ اس دور جاہلہ۔ خلق کے منظر میں آتا ہے اور بہت سے لوگوں کی طرح مشہور ہوتا ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اس عہد نامہ کو پڑھے اور مردوں کو بخشے اس کی قبر روشن ہو حضرت محمد مصطفیٰ جو اسے لکھ کر مردے کی قبر میں رکھے اس مردے کو سات چیزوں کا ثواب ملے گا۔ اور منکر اور نکیر کا سوال اس پر آسان ہو گا اور اللہ تعالیٰ ایک لاکھ گز داہنے اور چالیس ہزار بائیں اور بیس گز جانب سر اور چالیس ہزار گز پاؤں کی جانب عذاب دور کرے گا اور اس کی قبر فراخ کشادہ ہو کر آنکھ کام کرے گا۔ اور اس عہد نامہ کی اللہ تعالیٰ نے ایک اور صورت بنائی ہے کہ جو قبر میں پاس رہے گی اور جب قیامت کو قبر سے اٹھے گا تو یہ فرشتہ ہو کر سامنے ہو گا اور بہشتی حلہ لا کر پہنا دے گا اور براق پر سوار کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ یوں فرمائے گا کہ اے مومن! تیرے ساتھ عہد نامہ ہے تو خوش ہو کہ تو نے اس عہد نامہ کو ہر روز پڑھا ہے۔ آج میں اس عہد کو وفا کرتا ہوں۔ وہ تاج سر پر رکھے اور بہشتی جامہ پہنے اور براق پر سوار ہو اور بے حساب کتاب بہشت میں جا داخل ہو۔ قیامت کے دن اس کا منہ چودھویں رات کے چاند کا سا ہو گا۔ لوگ یہ دیکھ کر شور مچائیں گے کہ کون پیغمبر ہے یا کوئی اولیاء اللہ کہاں سے آتا ہے۔ اس وقت بہشت کا نگہبان فرشتہ کہے گا کہ یہ پیغمبر نہیں ہے بلکہ امت مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا ادنیٰ غلام ہے۔ جو کہ دنیا میں یہ عہد نامہ ساتھ رکھتا تھا اس لیے یہ اس کا اعزاز و بزرگی ہے۔ تب وہ لوگ ہاتھ ملیں گے اور کہیں گے کہ افسوس کہ ہم اتنی مدت تک دنیا میں رہے اور اس کرم و بخشش سے غافل رہے۔

عہد نامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شروع کرتا ہوں ساتھ نام اللہ کے جو بخشش کرنے والا مہربان ہے

اللّٰھم فاطر السموات والارض عالم	اے اللہ! آسمانوں کے پیدا کرنے والے اور زمین کے
الغیب والشھادۃ ھو الرحمن الرحیم	جاننے والے پوشیدہ اور ظاہر کے وہ بخشش کرنے والا
اللّٰھم انی اعھد الیک فی ھذہ الحیوۃ	بڑا مہربان ہے۔ اے اللہ! تحقیق میں عہد کرتا ہوں طرف
الدنیا اشھد ان لا الٰہ الا انت وحدک	تیری بیچ اس زندگی دنیا کے ساتھ اس کے کہ میں گواہی
لا شریک لک واشھد ان محمدا عبدک	دیتا ہوں کہ نہیں معبود کوئی سوائے تیرے اکیلا نہیں

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

ف ، کاشفی وغیرہ میں اللہ تعالیٰ نے تہدید کی ہے کہ تم نے ایسا قول کیا ہے جو نہایت قبیح اور بیہودہ بات ہے ۔

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ ۔ اور کاد صفت ہے یعنی نقص یعنی قریب ہے کہ یَتَفَطَّرْنَ کہ وہ اس بہت بڑی بات کی وجہ سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں ۔ تفطر یعنی شق ہے یعنی ٹکڑے ٹکڑے ہونا اور منہ اصل میں [illegible] کا کلام کرتا ہے ۔ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ اور زمین ریزہ ریزہ ہو جائے ۔

الخ ۔ مروی ہے کہ جو قوم ہر درخت سے ہر وقت منافع حاصل کرتے تھے جب سے مشرکین نے کلمہ بد بات کہی تو زمین سے سیم و تھور پیدا ہوا اور بعض درختوں میں کانٹے ۔

وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا اور پہاڑ گر جائیں گے ۔ ھدا مصدر ہے اور منصوب ہے اور وہ الجبال سے حال ہے اور اصل عبارت تہد ھدا ہے یعنی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے ۔

ف ، القاموس میں ہے الھد یعنی الھدم الشدید والکسر الھدود کی طرح ۔

اب معنے یہ ہوا کہ یہ مشرک جو کہتے ہیں کہ اللہ نے بیٹا بنا لیا ہے اگر وہ کسی کو محسوس ہوتا تو کوئی چیز ان کے بوجھ کو اٹھا سکتی بلکہ زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی اور اس کی خرابی غضب الٰہی کو دعوت دیتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ حلیم نہ ہوتا تو صرف کہنے والے مٹ

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

وسوالك فلا تكلني الى نفسي فانك ان تكلني الى نفسي تقربني من الشر وتباعدني من الخير وانى لا اثق الا برحمتك فاجعل لي عندك عهدا توفينيه الى يوم القيمة انك لا تخلف الميعاد وصلى الله تعالى على خير خلقه محمد وآله واصحابه اجمعين برحمتك يا ارحم الراحمين ۔

کوئی شریک نہیں اور بے شک محمد تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں اور صاحب [illegible] تیرے ہیں اور سوال تیرے ہی [illegible] تو مجھ کو اوقات نفس میرے کی [illegible] تو اگر سپرد کرے گا مجھ کو طرف نفس میرے کی نزدیک کرے گا وہ مجھ کو طرف برائی کے اور دور کرے گا مجھ کو بھلائی سے اور تحقیق میں نہیں بھروسا کرتا ہوں مگر ساتھ رحمت تیری کے پس کر واسطے میرے نزدیک اپنے عہد کو پورا کرے تو اس کو روز قیامت کے تحقیق تو نہیں خلاف کرتا ہے وعدہ اور رحمت کاملہ کرے خدا تعالیٰ اوپر بہتر مخلوق اپنی کے کہ محمد ہیں اور اوپر ان کی آل کے اور اوپر دوستوں ان کے سب پر ساتھ رحمت اپنی کے اے سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے زیادہ مہربان ہے ۔

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

کر دیا جائے جو کل عالم کو تباہ و برباد ہو جاتا اور وہ اپنے فضل و کرم سے عذاب نہیں بھیجتا ورنہ کل عالم خراب ہو جاتا یہ اس کی کرم نوازی ہے کہ ایسے کلمات سخت کے باوجود قائلین پر عذاب نہیں بھیجتا۔

اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝ اس کا منصوب ہونا لام کے محذوف ہونے کی وجہ سے ہے اور لام کا تعلق تکاد سے ہے یا ان دعوا۔ مجرور ہے اس کا حرف جار محذوف ہے۔ اصل عبارت یوں تھی:

تکاد السموات الی ان قال لان دعوا ۔۔۔ الخ

دعوا از دعا یدعو ہے یعنی کی دو مفعولوں کی طرف متعدی ہے لیکن یہاں صرف ایک مفعول پر اکتفا کیا گیا ہے تاکہ تمام مدعو لھم جیسے عیسیٰ و عزیر و ملائکہ کرام علی نبینا و علیہم السلام وغیرہم کو شامل ہو کیونکہ اگر صرف ان دعوا عیسیٰ تو دوسروں کے لیے عموم نہ رہتا یا دعا بمعنی نسب ہے۔ جیسے اہل عرب کہتے ہیں:

ادعی الی فلان

بمعنی انتسب الیہ۔ یعنی فلاں نے اپنے آپ کو فلاں کی طرف منسوب کیا۔

وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ۝ اور رحمٰن کے لائق نہیں کہ وہ اولاد مقرر فرمائے۔ یہ فاعل سے حال ہے۔ و ینبغی۔ بغی کا مطاوع ہے بمعنی طلب یعنی ان بیوقوفوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا ذکر کیا حالانکہ یہ اس کے شان کے لائق نہیں کہ اپنے لیے اولاد مقرر کرے اگرچہ کوئی ایسے واقعی اکتساب کرے تب بھی غلط تصور ہوں گے کیونکہ اس کی ذات کے لیے محال ہے وہ اس لیے کہ اولاد والد کا ایک حصہ ہوتی ہے اور یہ ترکیب کی علامت ہے اور ترکیب کو اجزا ضروری ہیں اور مرکب اپنے جز کا محتاج ہوتا ہے اور جو محتاج ہو وہ الٰہ نہیں ہو سکتا۔ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ نہیں کوئی آسمانوں اور زمین میں جو وہ ملائکہ ہوں یا جن و انس۔ ان یہاں پر نافیہ ہے اور کل مبتدا اور الا آتی الرحمن اس کی خبر ہے اور من موصوفہ ہے اس لیے کہ وہ کل نکرہ کے بعد واقع ہوا ہے۔ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ مگر وہ رحمٰن کے ہاں آئیں گے۔ عَبْدًا ۝ در آنحالیکہ وہ مملوک ہو کر حاضری دیں گے یعنی ان کی حاضری بحیثیت عبودیت و انقیاد کے ہوگی۔

ف: معنی یوں ہیں ہے کہ قیامت میں جمیع مخلوق رحمٰن کے سامنے خاشع و ذلیل اور عبودیت کا اقرار کرتے ہوئے حاضر ہوگی۔ انہیں میں ملائکہ و عیسیٰ و عزیر وغیرہم شامل ہوں گے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی طرف عاجزی اور انکساری کرتے ہوئے آئیں گے جیسے غلام اپنے آقاؤں کے ہاں حاضر ہوتے ہیں تو پھر وہ ان کو کیسے اولاد مقرر فرمائے گا۔

انتباہ: عبد نامی کی اشاعت و تبلیغ مخالفین اہل سنت نے گستاخی سے عبد نبی جیسے ناموں کی ضد میں بعض نوائی قسم سے منہ تکسیر کر مسجد میں بڑا نام ہو کہ اس صفت کے نام کا کلام میں لایا جا سکے۔

لث: استفادہ عبد نامہ از خلیل حقوڑہ

ف: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کے لیے کوئی راستہ عبودیت و اظہار عجز و نیاز سے بڑھ کر نہیں کیونکہ عبودیت کا التزام دوام المعرفت مختص ہے اور اللہ تعالیٰ اختیار دوام افتقار و تضرع عطا فرماتا ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

فقیر و خستہ بدرگاہت آمدم رحمے
کہ جز دعائے توام نیست ہیچ دست آویز

ترجمہ: فقیر و خستہ تیری درگاہ میں حاضر ہوا ہوں رحم فرمائیے اس لیے کہ تیری دعا کے سوا میرے ہاں کوئی دستاویز نہیں۔

لَقَدْ اَحْصٰهُمْ بے شک انہیں گن رکھا ہے اور انہیں گھیر رکھا ہے اس حیثیت سے کہ کوئی بھی اس کی گنتی سے خارج نہ ہوگا اور ہر ایک اس کے قبضہ قدرت میں ہے باوجودیکہ اشیاء کی کثرت ہے لیکن سب اس کی حکومت کے گھیرے میں ہیں۔۔۔

وَعَدَّهُمْ عَدًّا اور ان کے اشخاص و انفاس و آجال کو شمار کیا ہے۔

وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا اور ہر ایک قیامت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں تنہا آئے گا نہ اس کا کوئی ساتھی ہوگا نہ اس کا کوئی مددگار اس سے کیا مناسبت رکھتا ہے جسے اس کا شریک بنایا جائے۔

حدیث قدسی شریف حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بنی آدم نے میری بات جھوٹ نسبت کیا۔ اس کے لیے ایسا کرنا لائق نہ تھا اور اس نے مجھے گالی دی۔ انقسم جیسے کسی شخص کو عیب سے موصوف کرنا اور یہ اس کو لائق نہ تھا۔

تکذیب تو یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ مجھے مرنے کے بعد نہیں اٹھائے گا جیسے کہ پہلے مجھے پیدا کیا حالانکہ مجھ پر دوبارہ لوٹانا کچھ مشکل نہیں اور اسے معلوم نہیں کہ اس کی پہلی تخلیق مجھ پر کوئی مشکل نہیں تھی تو اس کا دوبارہ لانا کیسے مشکل ہو سکتا ہے۔ (یہ بات) سمجھنے کے لیے بطریق تمثیل ہے، بلکہ اس کا مرنے کے بعد اٹھانا زیادہ آسان ہے کیونکہ اس وقت اس کا اصل ڈھانچہ تو موجود ہے حالانکہ ابتدائی تخلیق کے وقت کچھ بھی نہ تھا تب بھی اس کی اصلی صورت بنائی گئی۔

ف: یہ مضمون بطریق التمثیل مذکور ہوا ہے جیسے انسان سمجھتا ہے کہ اعادہ جدید تخلیق سے آسان ہے ورنہ قدرت الٰہی کے لیے آسانی و صعوبت ہر دو برابر ہیں۔

بقیہ الحدیث: اور بندہ کا اللہ تعالیٰ کو گالی دینا یہ ہے کہ اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کر دی۔

ف: اور یہ گالی اس لیے ہے کہ اولاد کا ثبوت اللہ تعالیٰ کے لیے اجزاء ثابت کرنا ہے۔ اور وہ ترکیب کی دلیل ہے اور ترکیب امکان کی مستلزم ہے۔

(اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کا نقص و عیب ثابت کیا گیا اور میں نے پہلے لکھا ہے کہ شتم یعنی کسی کا نقص بیان کرنا ہے۔)

عدم اولاد کا اثبات محض ہے کہ اگر اس کی اولاد ہوں تو اس کے افراد و امثال (نعوذ باللہ) تو اس کی شان موجود ہیں اور دوسرا یہ کہ اس کے لیے اولاد ثابت کرنا اس کے لیے محتاجی ثابت کرنا ہے جو اس کی شان کے خلاف ہے۔

سوال: اگر تم کہو کہ اتخذ اللہ بھی تکذیب ہے کیونکہ اس نے خبر دی ہے کہ اس کی کوئی اولاد نہیں لیکن بندے نے اس کے لیے اولاد ثابت کی اور لم یولد میں بھی شتم ہے کیونکہ اس سے اس کے عجز کی خبر دی گئی ہے تو حدیث شریف میں ایک کو شتم سے تعبیر کیا گیا ہے اور دوسرے کو تکذیب سے۔

جواب: اولاد کی نفی اس کے کمال کی صفت کی نفی ہے اور اولاد کا اثبات اس کے نقصان کی صفت کا اثبات ہے اور قاعدہ ہے کہ شتم تکذیب سے فحش ہے اسی لیے اس کی نفی ابلغ الوجوہ سے ہے چنانچہ فرمایا:

وانا الاحد۔ حالانکہ میں واحد و لاشریک ہوں یعنی بقا کی صفت کمال میں میں منفرد ہوں اور صفت تنزہ میں بھی منفرد ہوں وانا الصمد میں واؤ حالیہ ہے۔ الصمد میں صمد ہوں صمد یعنی مقصود ہوں یعنی وہ ذات جس کے ہاں جملہ حوائج پیش کیے جاتے ہیں۔ الذی لم یلد وہ ذات جس نے کسی کو نہیں جنا اس میں تشبیہ و مجانست کی نفی ہے۔ ولم یولد اور نہ وہ کسی سے جنا گیا ہے اس میں اس کے قدم و ازلیت کی صفت کا بیان ہے۔ ولم یکن لہ کفوا احد اور اس کا کوئی کفو نہیں یہ ما قبل کی تقریر کے لیے ہے۔

سوال: یہ صیغہ ماضی ہے اور مضمون یہ نہیں کہ جس کا زمانہ ماضی میں کفو ہو تو زمانہ حال و مستقبل میں بھی نہ ہو؟

جواب: اس بحث کا ماضی میں کفو نہیں تو حال و مستقبل میں البتہ اس کا کفو نہ ہوگا کیونکہ جب ماضی میں نہ تھا تو اب کیسے پیدا ہوا اور جب کہ پیدا ہوا تو حادث ٹھہرا اور حادث قدیم کا کفو نہیں ہو سکتا۔ (کذا فی شرح المشارق لابن الملک)

ف: جب اللہ تعالیٰ کی الوہیت و ربوبیت کا ثبوت ہو کر مخلوقات میں سے ذات کا کوئی شریک ہے اور نہ ہم جنس تو بندوں کے لیے عبودیت و مربوبیت ثابت ہوئی بلکہ یقیناً ثابت ہوا کہ بندہ پر لازم ہے کہ وہ صرف اسی کو عبادت کے لیے خاص کرے اور اپنی توحید کو اثبات غیر اللہ سے خالص کرے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عقلی دلیل

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا آپ نے کبھی کسی بت کی پرستش کی؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ پھر سوال ہوا کیا آپ نے کبھی شراب پی؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں ابتدا سے جانتا تھا کہ یہ لوگ کافر ہیں اور ان کے کرتے کفر ہیں حالانکہ اس وقت مجھے معلوم نہ تھا کہ ایمان کیا ہے اور کتاب کیا ہے۔ یعنی بذریعہ وحی ورنہ آپ اگر ایمان وغیرہ نہیں جانتے تھے تو ولادت کے وقت "رب ھب لی امتی" کہنے کا کیا معنی ہے؟

ف: مزید تفصیل تفسیر اویسی میں دیکھئے۔

ف: اس سے اندازہ لگایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسی احسن استعداد والے تھے کہ آپ کو کسی برہان کی ضرورت نہ ہو اور نہ ہی آپ کو دلائل کی ضرورت تھی۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کا اتباع کرے۔

ف: اس سے واضح ہوا کہ نورِ حق کسی طرح پوشیدہ نہیں ہو سکتا اور نورِ حق سے توحید و اقرار مراد ہے اور اس نور کو پوشیدہ کرنے والا شرک و انکار ہے جب توحید اپنے حقائق کے ساتھ متجلی ہوتی ہے تو تجرید کامل کر دی جاتی ہے اور جب تجرید اپنے کمال کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے تو تفرید ثابت ہو جاتی ہے اس سے ثابت ہوا کہ فردانیت مرسلین کی صفت ہے اور یہ عارفین کو دنیا میں حاصل ہوتی ہے اور دوسروں کو قیامت میں نصیب ہوگی اور اس دنیا میں کوئی اختیاری عمل مقبول نہیں اور نہ ہی آخرت میں کوئی عذر مردود ہوگا۔

اے مشرکو! توحید کہاں ہے اور اہلِ توحید تجرید کہاں ہیں اور اے اصحابِ تجرید تفرید کہاں ہے تم سب قیامت میں تنہا آؤ گے۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا کہ عارفین کی قیامت دائمی ہے۔

حضرت صاحب نے فرمایا ؎

ترک ہستی کن کہ آمد رستخیز ہمچو سیل
ہر کہ پیش از سیل رخت خود بروں از خانہ ریخت

ترجمہ: ترک ہستی کیجئے کیونکہ قیامت سیلاب کی طرح ہے خوش نصیب وہ ہے جو اپنا گھر کا سامان سیلاب سے پہلے سامان اٹھا کر چل دیا۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ بے شک وہ جو ایمان لائے اور عمل صالح والے یعنی اہل تصوف و اہل دل کے جانتے ہیں۔ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا ۝ عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں محبت پیدا کرے گا جنہیں نہ کسی اسباب کی ضرورت ہوگی اور نہ رشتہ داری کی اور نہ کسی سے دوستی کا دم بھر سکیں اور نہ کسی کی دیگر کے کر سکیں سوائے اس کے کہ ان کے پاس ایمان اور عمل صالح کی دولت ہوگی۔

ف: سین استقبالیہ ہے اس کی دو تقریریں ہو سکتی ہیں:

① یہ سورہ مکیہ ہے اور یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب اہل اسلام کافروں کی نظروں میں حقیر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نہایت وعدہ کیا کہ عنقریب اسلام قوت پکڑے گا جس پر تصادم سے اخوت و اکرام میں اضافہ ہوگا۔

② قیامت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے کہ ان کے اعمال صالحہ ظاہر کرے گا جس سے مخلوق کے سامنے ان کی عزت افزائی ہوگی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ ایمان کا بیج جب کسی دل کی زمین میں بویا جاتا ہے تو اعمال صالحہ کے پانی سے اس کی تربیت کی جاتی ہے تو وہ قلب پرورش پاتا ہے ثمر دینے کے لائق ہو جاتا ہے ثمرہ سے محبت الٰہی و محبت انبیاء و ملائکہ اور سب اہل ایمان مراد ہے؎

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

تؤتی اکلها کل حین باذن ربها ۔ وہ ہر وقت باذن اللہ تعالیٰ ثمر دیتا ہے ۔

محبت کے درجات : محبت پہلے موافقت اس کی ترقی ہو تو اسے المیل سے تعبیر کرتے ہیں پھر الود سے پھر الہوی سے پھر الولہ سے ۔

ف : موافقت محبت کے لیے اور فواد قلب کے باطن کو کہا جاتا ہے ۔

ف : الہوی محبت کے غلبہ کا نام ہے الولہ شوق کی زیادتی کو کہا جاتا ہے ۔

ف : اہل تجربہ کہتے ہیں محبت کا ظہور ہوتا ہے پھر آگے بڑھ جاتا ہے تو عشق پھر حرارت شہوت پھر لطیف پھر نفس رقیق پھر ہوا لائق حاصل ہوتا ہے ۔

کسی سے محبت کی علامت حضرت عبداللہ بن جعفر سے کسی نے پوچھا کہ میں کسی سے محبت کرتا ہوں پھر کیسے معلوم کروں کہ اسے بھی میرے ساتھ محبت ہے یا نہیں ۔ اس کے متعلق مجھے کوئی علامت بتائیے آپ نے فرمایا کہ اپنے دل سے پوچھ ۔ اگر وہ اس سے محبت کرتا ہے تو سمجھ کہ وہ بھی تجھ سے محبت کرتا ہوگا ۔

شعر

و فی القلوب من القلوب دلائل
بالود قبل تشاهد الاشباح

ترجمہ : دل کو دل سے معلوم کرتا ہے اس سے قبل اجسام کا علم ہو ۔

حدیث شریف (۱) حدیث شریف میں ہے کہ اپنے یار دوست زیادہ بناؤ اس لیے کہ تمہارا رب باحیا اور کریم ہے اس بندے سے حیا کرتا ہے کہ اس کے دوست بہت زیادہ ہوں اور وہ اسے قیامت میں عذاب میں مبتلا کرے ۔

حدیث شریف (۲) حدیث شریف میں ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی کو نظر شفقت سے دیکھتا ہے لیکن دل میں اس کے متعلق کسی قسم کا کینہ اور حسد نہیں رکھتا تو آنکھ جھپکنے سے پہلے اسے اللہ تعالیٰ

؎ یعنی اللہ تعالیٰ کی بدولت ہم کو بہشت نصیب ہے ۔ ۱۲

اس کے پچھلے تمام گناہ بخش دے گا۔

ف: بروایت بصرہ بعض انگلی کی ایک چٹک کا دوسری پر بند کرنا۔

محبت بڑھانے والے تین امور

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تین امور سے محبت بڑھتی ہے۔

① سلام کی ابتدا کرنے سے
② مجلس میں جگہ دینے سے
③ اچھے نام سے بلانے سے

ف: مستزاد اس کے یہ کہ جب ملاقات ہو تو انہیں تعریفی کلمات کہو کیونکہ تعریفی کلمات سے محبت بڑھتی ہے جبکہ بھلائی کی برائی بیان کرنے سے عداوت بڑھتی ہے۔

ف: روضات الاخطری سے ہے کہ محبت کے علامات سے ایک یہ ہے کہ تکلیف کے وقت اخوت کا دم بھرنا صدق ہے۔ آرام کے وقت اخوت کا دم ہر کوئی بھرتا ہے۔

حکایت ایک ظالم نے خلیفہ وقت کے ہاں صوفیاء کی شکایت کی تو خلیفہ نے ان کی گردن اڑانے کا حکم دیا۔ حضرت جنید رضی اللہ عنہ چونکہ اپنی فقہ کے بجائے ابو الثور کی فقہ پر فتوے دیتے تھے اسی لیے ان کو چھوڑ کر شحام، رقام، نوری اور دوسری جماعت صوفیہ کو گرفتار کر کے قتل گاہ میں لایا گیا تاکہ ان کے سر قلم کئے جائیں۔ ان سب سے پہلے جلدی کر کے حضرت نوری رحمہ اللہ تعالیٰ قتل گاہ میں آگے بڑھے جلاد نے کہا کہ آپ جلدی کر رہے ہیں لیکن معلوم بھی ہے کہ آپ کے ساتھ کیا ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ معلوم ہے لیکن جلدی اس لیے کی کہ جتنی دیر میں پہلے قتل کیا جاؤں گا اتنی دیر میرے ساتھی بچ جائیں گے۔ یہ سن کر جلاد حیران ہو گیا۔ خلیفہ بغداد کو خبر پہنچا دی۔ بادشاہ نے یہ معاملہ قاضی پر چھوڑ دیا کہ ان کے متعلق تحقیق کر کے رپورٹ دے۔ چنانچہ قاضی نے حضرت ابوالحسن نوری رحمہ اللہ تعالیٰ سے چند فقہ کے مسائل کے سوالات کئے جن کے آپ نے تسلی بخش جوابات دیئے۔ پھر قاضی کو آپ نے فرمایا کہ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے ہیں جن کا اٹھنا بیٹھنا اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہوتا ہے ان کا بولنا وغیرہ بھی ایسے ہی۔ آپ نے کلام جاری رکھا جس پر قاضی کو خوب رلایا۔ اس پر قاضی نے خلیفہ بادشاہ کے پاس رپورٹ بھیجی کہ اگر یہ لوگ زندیق ہیں تو دنیا میں کوئی بھی مسلمان نہیں ہے یہ حضرات بڑے اچھے مسلمان ہیں۔

سبق: دیکھئے! حضرت نوری قدس سرہ نے اپنے دوستوں کی کس طرح جان بچائی اور کس طرح ان پر اپنی جان دینے کے لیے تیار ہو گئے۔

حدیث عشق ازاں بطال منیوش
کہ در سختی کند یاری فراموش

ترجمہ : اس بیان سے عشق کی بات مت میں جو دکھ اور تکلیف کے وقت یار دوستی بھول جاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ فَإِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بے شک ہم نے قرآن آسان کیا۔ بِلِسَانِكَ آپ کی زبان پر۔ یعنی عربی آپ کی لغت میں اسے نازل فرمایا۔ با بمعنی علٰی ہے اور تفسیر ہے گویا یوں کہا گیا کہ جب یہ وعدہ کریمہ آپ پر اتاری گئی ہے تو اب آپ لوگوں کو خوشخبری سنا دو یا ڈراؤ کیونکہ اسے ہم نے آپ کی لغت پر نازل کیا ہے۔ لِتُبَشِّرَ بِهِ تاکہ آپ اس سے خوشخبری سنائیں۔ الْمُتَّقِينَ متقین کو یعنی ان لوگوں کو جو تقوٰی کا سامان رکھتے ہیں اور انہیں شوق ہے کہ اوامر کی پابندی کریں اور نواہی سے بچیں۔ وَتُنْذِرَ اور آپ ڈرائیں بِهِ یہ انذار بالامر انذارا سے ہے جیسے اعلمه ... یعنی اسے پیغام پہنچانے میں ڈرایا اور خبردار کیا۔ (کذا فی القاموس)

قَوْمًا لُدًّا جھگڑالو قوم جو ایمان نہیں لاتی یہ جھگڑالو شرارت اور عناد کے الد الالد کی جمع ہے سخت جھگڑالو اور شرارتی۔

ف : القاموس میں ہے کہ الالد وہ دشمن شرارتی جو حق کی طرف ذرہ برابر بھی مائل نہ ہو۔

حدیث شریف : حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ترین وہ شخص ہے جو سخت جھگڑالو اور شرارتی ہو۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ قرآن درحقیقت اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور وہ قدیم اور قائم بذاتہ تعالیٰ ہے۔ جہاں حرف و صوت کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ حروف حادث اور محدود اور مشابہت والے ہیں اور اس کی صفت قدیم غیر محدود اور غیر متناہی ہے یہ اس کا سمجھنا صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوا اور اس کا پڑھنا بھی اپنی زبان عربی میں صرف آپ کو عطا ہوا تاکہ آپ اس کے ذریعے متقین کو مژدۂ بہار سنائیں کیونکہ یہی لوگ اہل بشارت ہیں۔

متقین کی اقسام : متقین تین قسم کے ہیں :

① جو توحید کا اقرار کر کے شرک سے بچتے ہیں۔

② طاعت الٰہی کے ذریعے معاصی سے بچنا۔

③ ماسوی اللہ سے بچنا۔

وَتُنْذِرَ بِهِ قَوْمًا لُدًّا اور آپ جھگڑالو قوم کو ڈرائیں کیونکہ اہل انذار تین قسم کے ہیں :

① وہ کفار جو باطل کی خاطر جھگڑا کرتے ہیں۔

② وہ اہل کتاب جو اپنے ادیان منسوخ کے لیے جھگڑتے ہیں۔

③ اہل اہواء والبدع اور وہ فلاسفہ جو باطل کی خاطر حق کے ساتھ برسرپیکار ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ قرن کا معنی ہم نے پہلے بیان کیا ہے یعنی بہت سے گروہ ہم نے تباہ و برباد کیے جو ان سے پہلے ان کی طرح سرکش اور جھگڑالو تھے لیکن

اس وقت جب انھوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کے انکار کے بعد سرکشی کی انتہا کے واسطے ہم نے آیات کا انکار کیا اور دیگر انبیاء علیہم السلام نے انھیں عذاب الٰہی سے ڈرایا۔

هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ کیا ان میں سے کسی ایک کو بھی تو دیکھتا ہے۔ **اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ** یا ان میں سے کسی ایک کو سنتا ہے۔ **رِكْزًا** ○ آواز آہستہ۔ رکز کا حقیقی معنی ہے خفاء یعنی پوشیدگی اسی سے ہے رکز الرمح یہ اس وقت بولتے ہیں جب نیزہ کا کنارہ زمین کے اندر غائب ہو جائے۔ الرکاز بمعنی مال مدفون یعنی چھپا ہوا مال۔

اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے انھیں بالکل تباہ و برباد کیا اور ان کی جڑ اکھیڑ ڈالی کہ اب ان کا نام و نشان تک نہیں رہا۔ اب نہ وہ دیکھے جاتے ہیں اور ان کی کوئی آواز سنائی دیتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتوں نے انھیں مار دیا گویا وہ پیدا ہی نہ ہوئے تھے اور نہ ان کا کوئی وجود تھا۔

کو اثر از سروران تاج بخش
کو نشان از خسروان تاجدار
سوخت دیہیم شہان کامیاب
خاک شد تخت ملوک کامگار

ترجمہ: تاج بخش بادشاہ کہاں ہیں تاجدار خسرو کہاں ہیں۔
ان کے بہترین تاج و تخت جل کر گئے بڑے بڑے شاہوں کے تخت خاک ہو گئے۔

ف: اس آیت میں جہال کافروں کو وعید سنائی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے اور آپ کو فرمایا گیا ہے کہ انھیں عذاب الٰہی سے ڈرائیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا

① بگوی آنچہ دانی سخن سودمند
وگر ہیچ کس را نیاید پسند
② کہ فردا پشیمان برآرد خروش
کہ آوخ چرا حق نکردم بگوش

③ بگمراه گفتن نکو میروی !
گناه بزرگست و جور قوی

④ مگو شهد شیرین شکر فایقست
کسی را که سقمونیا لایقست

⑤ چه خوش گفت یک روز دارو فروش
شفا بایدت داروی تلخ نوش

ترجمہ ① جو تیرے خیال میں سودمند قول ہے وہ کہہ ڈال اگرچہ کسی کو پسند نہ آئے۔

② کل وہ پریشان ہو کر شور کرے گا کہ افسوس! میں نے حق کے لیے کیوں کوشش نہ کی۔

③ گمراہ کو کہنا کہ تو ٹھیک چل رہا ہے یہ بڑا گناہ اور عظیم ظلم ہے۔

④ بیمار کو نہ کہو کہ شہد شیریں ہے جسے لائق ہے کہ اسے سقمونیا پلایا جائے۔

⑤ ایک دن دوا فروش نے کیا خوب کہا کہ اگر تجھے شفا چاہیے تو کڑوی دوا پیجیے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ہے

① ہر کہ او از سمت دین سر گشت
میرود سوی سمت کان وا پست

② تو ز گفتار تعالوا کم مکن
کیمیائی بس شگرفست این سخن

③ گر مسی گردد ز گفتارت نفیر
کیمیا را هیچ از وی وا مگیر

④ این زمان گر بست نفس ساحرش
گفت تو سودش کند در آخرش

⑤ قل تعالوا قل تعالوا ای غلام
هین که ان الله یدعو بالسلام

ترجمہ ① جو دین کی سمت سے سرکشی کرتا ہے تو وہ اس سمت کی طرف جا رہا ہے جو واپس آنے گی۔

② تو تعالوا کے اعلان سے خاموش نہ ہو۔ یہ بہترین کیمیائی گُر ہے۔

③ اگر تانبا تیری اس گفتگو سے دور بھاگتا ہے تو تیری کیمیا کا کوئی نقصان نہیں۔

④ اب قرآن کا نفس مادہ رہ جاتا ہے لیکن اگر اس سے بھی فائدہ اٹھایا تو آخر میں فائز ہوگا۔

⑤ تو تعالیٰ کہتے جاؤ گے کہ اللہ تعالیٰ خود ہی سب حق کی دعوت دیتا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اجابت دعوت کی توفیق بخشے کہ وہ قریب و مجیب ہے۔

تفسیر سورہ مریم بوقت صبح سوا دس بجے ۱۸ ذی قعدہ ۱۴۰۴ھ کو ختم ہوئی۔

اور

ہمیں تعالیٰ سے تفسیر سورہ طہ میں بوقت ظہر اس کا ترجمہ ختم کیا۔ بتاریخ ۱۸ ربیع الآخر ۱۴۰۵ھ مطابق ۹ جنوری ۱۹۸۵ء

بروز جمعرات بمقام بہاولپور - پاکستان۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الکریم الرؤف الرحیم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

انا الفقیر القادری ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ

سورۃ طٰہٰ

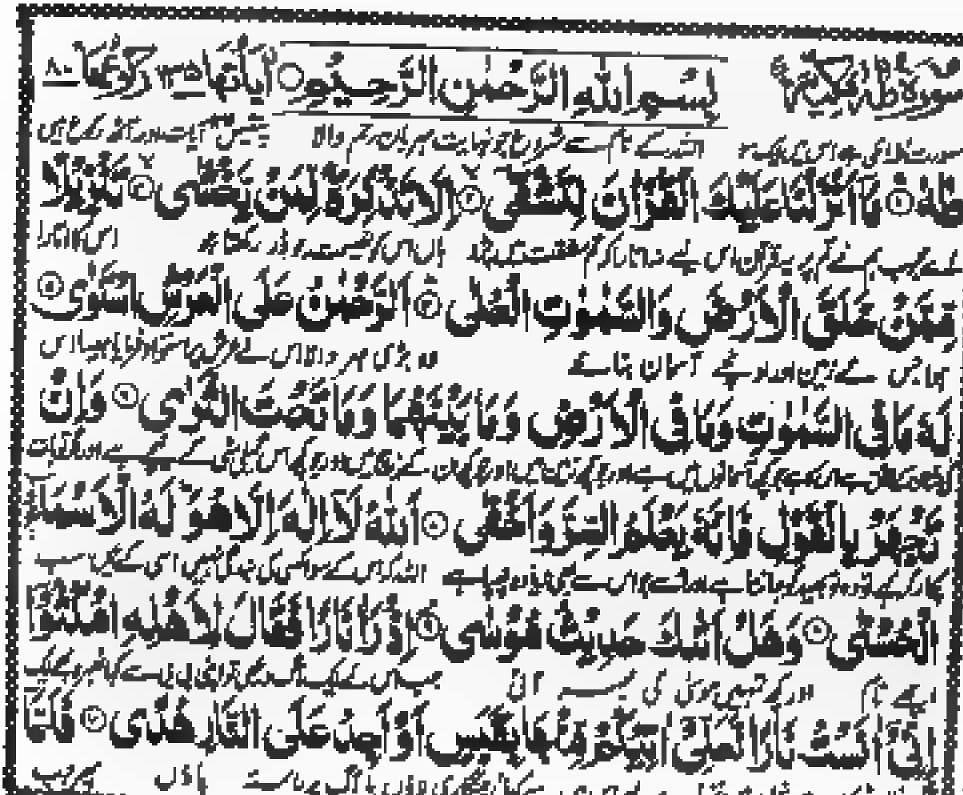

سورۃ طٰہٰ مکیۃ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اٰیاتہا ۱۳۵ رکوعاتہا ۸

سورۃ طٰہٰ مکی ہے اس میں　اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا　ایک سو پینتیس آیتیں آٹھ رکوع ہیں

طٰهٰ ۝ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝ تَنْزِيْلًا

اے محبوب ہم نے تم پر یہ قرآن اس لیے نہ اتارا کہ تم مشقت میں پڑو ہاں اس کو نصیحت جو ڈر رکھتا ہو اس کا اتارا

مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۝ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝

ہوا جس نے زمین اور اونچے آسمان بنائے وہ بڑی مہر والا اس نے عرش پر استوا فرمایا جیسا اس

لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ۝ وَاِنْ

کی شان کے لائق ہے اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں اور جو کچھ ان کے بیچ میں اور جو کچھ اس گیلی مٹی کے نیچے ہے اور اگر تو بات

تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ۝ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَآءُ

پکار کر کہے تو وہ تو بھید کو جانتا ہے اور اسے جو اس سے بھی زیادہ چھپا ہے اللہ کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں اسی کے ہیں سب

الْحُسْنٰى ۝ وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا

اچھے نام اور کچھ تمہیں موسیٰ کی خبر آئی جب اس نے ایک آگ دیکھی تو اپنی بی بی سے کہا ٹھہرو مجھے

اِنِّىْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّىْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝ فَلَمَّا

ایک آگ نظر پڑی ہے شاید میں تمہارے لیے اس میں سے کوئی چنگاری لاؤں یا آگ پر راستہ پاؤں پھر جب

اَتٰىهَا نُوْدِیَ یٰمُوْسٰی ﴿۱۱﴾ اِنِّیْۤ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ

آگ کے پاس آیا ندا فرمائی گئی کہ اے موسیٰ بیشک میں تیرا رب ہوں تو تو اپنے جوتے اتار ڈال بیشک تو پاک جنگل طویٰ میں ہے

طُوًی ﴿۱۲﴾ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی ﴿۱۳﴾ اِنَّنِیْۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا

اور میں نے تجھے پسند کیا اب کان لگا کر سن جو تجھے وحی ہوتی ہے بیشک میں ہی ہوں اللہ کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں

فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ﴿۱۴﴾ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ اَكَادُ اُخْفِیْهَا لِتُجْزٰی

تو میری بندگی کر اور میری یاد کے لیے نماز قائم رکھ بیشک قیامت آنے والی ہے قریب تھا کہ میں اسے سب سے چھپاؤں

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰی ﴿۱۵﴾ فَلَا یَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا یُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ

کہ ہر جان اپنی کوشش کا بدلہ پائے۔ تو ہرگز تجھے اس کے ماننے سے وہ باز نہ رکھے جو اس پر ایمان نہیں لاتا اور اپنی خواہش کے پیچھے

فَتَرْدٰی ﴿۱۶﴾ وَمَا تِلْكَ بِیَمِیْنِكَ یٰمُوْسٰی ﴿۱۷﴾ قَالَ هِیَ عَصَایَ اَتَوَكَّؤُا عَلَیْهَا وَ

چلا پھر تو ہلاک ہو جائے اور یہ تیرے داہنے ہاتھ میں کیا ہے اے موسیٰ عرض کی یہ میرا عصا ہے میں اس پر تکیہ لگاتا ہوں اور

اَهُشُّ بِهَا عَلٰی غَنَمِیْ وَلِیَ فِیْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰی ﴿۱۸﴾ قَالَ اَلْقِهَا یٰمُوْسٰی ﴿۱۹﴾ فَاَلْقٰىهَا

اس سے اپنی بکریوں پر پتے جھاڑتا ہوں اور میرے اس میں اور کام ہیں فرمایا اسے ڈال دے اے موسیٰ تو موسیٰ نے ڈال دیا

فَاِذَا هِیَ حَیَّةٌ تَسْعٰی ﴿۲۰﴾ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِیْدُهَا سِیْرَتَهَا الْاُوْلٰی ﴿۲۱﴾ وَاضْمُمْ

تو جبھی وہ دوڑتا ہوا سانپ ہو گیا فرمایا اسے اٹھا لے اور ڈر نہیں اب ہم اسے پھر پہلی طرح کر دیں گے اور اپنا ہاتھ

یَدَكَ اِلٰی جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ اٰیَةً اُخْرٰی ﴿۲۲﴾ لِنُرِیَكَ مِنْ اٰیٰتِنَا الْكُبْرٰی ﴿۲۳﴾

اپنے بازو سے ملا خوب سپید نکلے گا بے کسی مرض کے ایک اور نشانی کہ ہم تجھے اپنی بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں

اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی ﴿۲۴﴾ ع

فرعون کے پاس جا اس نے سر اٹھایا

(تفسیر ابتدائے سورت)

تفسیر عالمانہ

سورۃ طٰہٰ کی ایک سو پینتیس آیات ہیں اور یہ سورۃ مکیہ ہے۔

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور رحم والا ہے۔

طٰہٰ ○ یہ حروف مقطعات کی بہ نسبت اس میں زیادہ اختلاف ہے۔

① بعض نے کہا کہ یہ قرآن یا سورۃ یا اللہ کا نام ہے یا ابتداء طاہر و الہادی کا ایک ایک حرف لے کر طٰہٰ کہا گیا ہے۔

② بعض نے فرمایا کہ یہ احمد و محمد کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

طٰہٰ فرمایا ۔

انا محمد و انا احمد و انا فاتح ...الخ

میں محمد، احمد، فاتح، خاتم، حاشر، عاقب، واحی، طٰہٰ و یٰسین ہوں۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

اس کی تائید حدیث کے خطاب سے ہوتی ہے۔ اس تقدیر پر یہاں پر حرف ندا محذوف ہے در اصل

③ یا طٰہٰ ۔ طٰہٰ میں اشارہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم طالب الشفاعۃ للناس ہیں یعنے لوگوں کی شفاعت کے طالب ہیں اور ہادی البشر ہیں یا یہ معنے ہے کہ آپ طاھر من الذنوب اور علام الغیوب کی معرفت کے ہادی ہیں۔

کاشفی نے فرمایا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے، یا طاہر یعنے آپ کا دل غیر حق تعالیٰ سے پاک ہے اور آپ کو قرب حق تعالیٰ کی ہدایت حاصل ہے۔

④ **اہل بیت کی فضیلت** : سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا،

طٰہٰ میں طا سے اہل بیت کی طہارت کی قسم ہے اور ھا میں ہدایت کی۔ کما قال تعالیٰ :

و یطھرکم اللہ تطھیرا (اور تمہیں خوب پاک کرے گا)

⑤ طٰہٰ کی طا میں طوبیٰ اور ھا میں ھاویۃ یعنے جنت و نار کی طرف اشارہ ہے۔

⑥ **مکہ و مدینہ کی فضیلت** : زاد المسیر میں ہے کہ طا سے طیبہ اور ھا سے مکہ مراد ہے۔ حق تعالیٰ نے ان میں ان دونوں شہروں کی قسم یاد فرمائی ہے۔

⑦ طا سے غازیوں کی طلب اور ھا سے گناہگار پر ہیبت جاگنا ہے۔

⑧ طا سے اہل جنان کی طرب اور ھا سے اصحاب نیران کی ہوان یعنے ذلت مراد ہے۔

⑨ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے،

یا من طوی بہ بساط النبوۃ ۔	اے وہ ذات جس نے نبوت کی بساط لپیٹی۔
یا من طوی بہ المکونات الی ھویتنا ۔	اے وہ ذات جس کے سبب سے مکونات کو لپیٹا ہے۔

⑩ یہ حروف مقطعات سے نہیں بلکہ یہ یا رجل کے معنے پر ہے یہ لغت عک ہے یا حبشی یا نبطی یا سریانی ہے اس سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔

⑪ بعض تفاسیر میں ہے کہ حساب ابجد میں طا کے ۹ اور ھا کے پانچ عدد ہیں کل چودہ ہوئے اور چاند کی تکمیل چودہ تاریخ کو ہوتی ہے۔ اس معنے پر خطاب میں کہا گیا ہے کہ اے چودہویں کے چاند یعنے محبوب کل صلی اللہ علیہ وسلم

اور آپ بدر بایں معنے ہے کہ آپ کے ماتحت بدر یا ماہ تمام ہے جیسا کہ عارفین سے مخفی نہیں۔

؎

ماہ چوں کامل شود انور بود
وانکہ او مرآت نور خور بود
گاہ ماہ بدری وگہ شاہ بہ
صدر تو مشروح و کلامت شرح صدر
در شب تاریکی و کفر و ضلال
از مہت روشن شود نور جلال

ترجمہ: چاند جب کامل ہوتا ہے تو بہت زیادہ نورانی ہوتا ہے اس لیے کہ وہ سورج کے نور کا آئینہ ہے۔
کبھی ماہ بدر ہوتا ہے کبھی شاہ بدر ہے تیرا صدر مشروح اور تیرا کلام شرح صدر۔
تاریکی و کفر و ضلال کی شب، تیرے چاند سے نور جلال روشن ہوتا ہے۔

ف: حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ طٰہٰ بروزن ھب ہے۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے کہ آپ زمین کو اپنے دونوں قدموں سے مشرف فرمائیں اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی تو آپ عبادت میں جد و جہد کرنے اور ساری رات عبادت میں ایک قدم مبارک پر کھڑے کھڑے گزار دیتے ہیں۔ صرف ایک قدم پر اس لیے کھڑے تھے کہ دوسرے قدم کو آرام و تخفیف ہو۔ اس طریقہ سے آپ کو خوب تکلیف ہوتی اسی معنے پر طٰہٰ دراصل طأ تھا وطی سے مشتق ہے۔ ہمزہ کو ھا سے تبدیل کیا گیا ہے۔

حدیث شریف (۱): بے شک اللہ تعالٰی نے زمین و آسمان کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے طٰہٰ و یٰسٓ پڑھا جب ملائکہ نے قرآن سنا تو ملائکہ نے کہا کہ ان چیزوں کو مبارک ہو جو انھیں اٹھائیں گے اور امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبارک ہو کہ جن پر یہ نازل ہوگا اور ان زبانوں کو مبارک ہو جو اسے تلاوت کریں گی۔ (رواہ الطبرانی و حاکم الفردوس)۔

حدیث شریف (۲): حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے وہ سورت عطا ہوئی ہے جس میں بقرۃ کا ذکر ہے اور وہ الاول الذکر ہے اور مجھے طٰسٓ و طٰہٰ الواح موسٰی علیہ السلام سے عطا ہوئی ہیں اور مجھے فواتح القرآن اور خواتیم السورۃ عطا ہوئی ہیں جن میں بقرۃ کا ذکر ہے اور یہ عرش کے نیچے کے خزانے ہیں اور مجھے مفصل انعام کے طور پر ملی ہیں۔ (کذا فی بحر العلوم)

مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰۤی ۝ یہ شقاء سے مشتق ہے۔ بمعنی تعب و تکلیف کے معنی

میں شبہ ہے اور اشتقاق میں سے اشقی الظہر اسی سے ہے یعنی اسے عرب میں رہنے والی چیزوں نے تھکا دیا۔ اسی سے وہی کا وہ بیمار ہے جو سواری کے قابل ہو۔ اس وقت سے صعوبت نازل ہو جاتی ہے اور وہ سواری کے آگے سرکشی نہیں کرتا بلکہ سر تسلیم خم کر دیتا ہے چونکہ اس وقت اسے مشقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اسی الفور تعب و تھکان میں پڑتا ہے۔ بنا بریں اسے ایسے وقت میں شقی کے طور پر بھی استعمال کرتے ہیں۔

اب معنے یہ ہوگا کہ آپ قریش کے کفر سے بہت زیادہ افسوس سے مشقت نہ اٹھائیں کیونکہ آپ کے ذمہ تو صرف پیغام پہنچانا ہے اور آپ نے وہ کر لیا۔ اب آپ کو افسوس کیوں ہو وہ ایمان لائیں یا نہ لائیں۔ یا کثرت ریاضت اور کثرت تہجد کی ادائیگی سے یا مجاہدات کے لیے ایک قدم پر کھڑا ہونا آپ کو شاق ہو اس لیے کہ آپ خاص حقیقت کے ساتھ مبعوث ہوئے۔

اب آیت کا معنے یہ ہوا کہ اے حبیب! صلے اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کی طرف قرآن مجید اس لیے نہیں اتارا کہ آپ رنج اٹھائیں اور تمام رات آرام نہ فرمائیں کہ نماز کے قیام سے پاؤں مبارک سوج جائیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ما انزلنا علیک القرآن لتشقی۔ ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نہیں اتارا کہ آپ دنیا یا عقبیٰ میں مشقت اٹھائیں بلکہ آپ کے قلب اطہر پر نازل کیا ہے تاکہ آپ خلق الٰہی سے آپ متخلق ہو کر خلق عظیم سے موصوف ہوں تاکہ آپ ہی کے فیوض و برکات سے جملہ اہل السموات والارضین سعادت حاصل کریں۔ اس معنے پر شقاوت سعادت کی نقیض ہوگی۔

شان نزول نیز منقول ہے کہ یہ مشرکین کے لیے رد ہے کیونکہ مروی ہے کہ ابوجہل و نضر بن حارث نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہا کہ تم شقی ہو (معاذ اللہ) کیونکہ تم نے اپنے آباء کا دین چھوڑ دیا اور تم پر قرآن اس لیے اترا کہ تم شقی ہو جاؤ۔ ان کے رد میں یہ آیت اتری کہ اے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم یہ دین اسلام اور قرآن ہی دونوں جہان کی کامیابی اور ہر سعادت کے حصول کا سبب ہیں اور جس دین پر کافر ہیں درحقیقت وہی شقاوت ہے۔

تفسیر عالمانہ **اِلَّا تَذْکِرَۃً لِّمَنْ یَّخْشٰی ۝** منصوب ہے اس لیے کہ انزلنا کا مفعول لہ ہے اور معنوی لحاظ سے اس کا عطف لتشقی پر ہے۔ پہلے شقاوت کی نفی کی گئی ہے اب اس کا استدراک کر کے اس کی نقیض یعنی سعادت کا اثبات کیا جا رہا ہے جیسا کہ استثنا منقطع سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ ایک فعل دو معنوں کی طرف متعدی علی سبیل البدلیۃ یا علی سبیل العطف ہی ہو سکتا ہے کیونکہ یوں کہا گیا ہے کہ ہم نے آپ پر قرآن مجید اس لیے نہیں اتارا کہ ان کے پیغامات پہنچانے میں مشقت اٹھائیں لیکن یہ اس کے لیے تذکیرہ و وعظ ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ تذکرہ و تخویف سے متاثر ہوگا۔ تذکرۃ سے لام حذف کر دی گئی ہے اس لیے کہ اس کا اور فعل معلل بہ کا فاعل ایک ہے۔

سوال: یہاں پر صرف لمن یخشی کے لیے نزول قرآن کیوں حالانکہ یہ سلسلہ تبلیغ و تذکرہ عام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لیکون

کی عظمت شان پیدا ہو۔

جواب: چونکہ اس سے ثواب صرف وہی پاتے ہیں اس لیے ممن یخشی کہا گیا ہے۔

ف: ممن یخشی میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں کیونکہ خشیت و تذکرہ میں آپ کل کائنات سے آگے ہیں۔

تَنْزِيْلًا: یہ تنزیل فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے۔ مِّمَّنْ خَلَقَ اس کا متعلق تنزیلا سے ہے جو خلق بمعنی ایجاد من العدم الی الوجود ہے یعنی قرآن کا نزول اس ذات سے ہے جس نے عدم سے وجود کی طرف نکالا الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى زمین اور آسمانوں کو۔

سوال: زمین اور آسمانوں کی تخصیص کیوں حالانکہ وہ تو ہر ایک شے کا خالق ہے؟

جواب: چونکہ یہی ہر شے کا اصل اور انہی پر جملہ عالم کا قیام ہے۔

سوال: زمین کی تقدیم کیوں؟

جواب: چونکہ یہی اقرب الی الحس اور بہ نسبت آسمان کے زیادہ ظاہر ہے۔

سوال: السموات کی صفت العلی کیوں؟

جواب: العلی۔ العلیا کی جمع اور العلیاء الاعلی کی تانیث ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ وہ اتنا عظیم الشان ہے کہ ایسے اونچے آسمانوں کا بھی خالق ہے۔

ف: السموات کا العلی پر وصف یہ وصف الجمع بالجنس کے قبیل سے ہے نعت الجمع بالمفرد کے قبیل سے نہیں اس سے ترک اولی لازم نہیں آتا ورنہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ صفت و موصوف میں توافق و تطابق ضروری ہے لیکن یہاں پر اس کا لحاظ نہیں کیا گیا۔

اَلرَّحْمٰنُ اس کا مرفوع ہونا علی المدح ہے اصل یہ ہو الرحمن تھا یا الرحمن مبتدا اور اس کی خبر ہے اس کا اشارہ من خلق کی طرف ہے اور اس کا مابعد اس کی خبر ہے۔ عَلَى الْعَرْشِ رحمٰن عرش پر ہے جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے یہ جار مجرور اسْتَوٰى کے متعلق ہے اس سے اس کی زندگی میں بڑا شور برپا ہوا یہاں تک کہ ایک

ف ۱: تحقیق علی العرش استوی اس آیت کے مفہوم میں اختلاف ہے متقدمین و متاخرین اسے متشابہات سے کہتے ہیں پہلے اس مسئلہ کی جماعت کے مورد میں سے سب سے پہلے امام اسمٰعیل دہلوی نے اپنی کتاب "ایضاح الحق الصریح" میں لکھا کہ اس مسئلہ کی زندگی میں بڑا شور برپا ہوا یہاں تک کہ ایک عرصہ تک معرکہ آرائی ہوتی رہی ان کے مرنے کے بعد اس عقیدہ پر بڑی تحریک پیدا ہو گئی۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

علی العرش استویٰ کے متعلق صاحب روح البیان کی تحقیق

تفسیر اول: عرش شاہی تخت کا نام ہے اور الاستواء یعنی استقرار لیکن یہاں پہ بمعنے الاستیلاء ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے عرش کا استیلاء ہے اس سے مراد اس کی ملک ہے کیونکہ یہ اس کے توابع سے ہے۔ لازم کا ذکر کر کے ملزوم مراد لیا گیا ہے مثلاً کہا جاتا ہے:

استوی فلان علی سریر الملک۔

اس سے خبر دینا مطلوب ہے کہ فلان نے بادشاہ کے تخت پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس سے اس کا مطلق قبضہ مراد ہے خواہ وہ اس تخت پر بیٹھا بھی نہ ہو۔ اور یہاں پر اللہ تعالیٰ کا عرش سے متعلق ارادہ مراد ہے کہ ایجاد کائنات اس کے ارادہ شریفہ اور قلم اسعد اس کی تدبیر سے ہوتے ہیں۔ ہم نے یہ معنے اس لیے مراد لیا ہے کہ وہ کریم انتقال و حلول سے پاک ہے اور اس نے عرش اس لیے پیدا فرمایا تاکہ عبادت گذار کو معلوم ہو کہ ان کے قلوب دعا و عبادت کے وقت آسمان کی طرف متوجہ ہوا کریں جیسے کعبہ کو بنایا تاکہ عبادت کے وقت زمین پر اپنے ابدان کو کعبہ کی طرف متوجہ کریں۔

حضرت شیخ اکبر قدس سرہ نے فتوحات مکیہ میں لکھا ہے:

تفسیر دوم: استوی علی العرش قرآن مجید ہے۔ ہمارا اس پر ایمان ہے لیکن اس کی تاویل چاہنا جائز نہیں بلکہ جو اس کی تاویل کے درپے ہوگا وہ گمراہ ہوگا بظاہر اسے قبول کریں گے لیکن بباطن سر تسلیم خم کریں گے اس کے بعد یوں اقرار کریں گے کہ اسے مکان کی حاجت ہی نہیں اور نہ اسے عرش نے اٹھایا ہوا ہے بلکہ وہی عرش کو برقرار رکھنے والا اور وہی اس کا نگہبان ہے۔

نے مکان رہ یافت سویش نہ نشان
نے بیان دارد [illegible] نہ عیان
این ہمہ خلق مسخر داروست
خالق عالم ز عالم برتر است

(بقیہ گزشتہ)
گئے اور آج تک اسی عقیدہ کو خوب پرچار کر رہے ہیں۔ مولانا عبدالحی لکھنوی نے ان کے رد میں ایک کتاب لکھی اور جو عقیدہ کی طرف سے اس کا رد لکھا گیا ہے۔ اس عبارت کو اہلسنت علمائے دیوبند سے لکھنوی نے پوچھا تو انہوں نے بھی اس عبارت پر اسماعیل دہلوی کو کافر لکھ دیا۔

(اقتباس) و انسی سے آپ نے خوب سمجھ لیا کہ اسماعیل دہلوی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر کے قائل کو کافر و مشرک کہتے
(بقیہ اگلے صفحہ پر)

ترجمہ: اس کی طرف ذہن کی رسائی نہیں، نہ زبان کو اس کے بیان کی خبر ہے نہ جان کو۔

یہ جو مخلوق ہے وہ رحمٰن کے حکم کی پابند ہے۔ عالم کا خالق اہتمام عالم سے برتر ہے۔

③ بعض نے فرمایا کہ ان پانچ کا کوئی معنی ہے نہ اثر کوئی کا۔

④ بعض نے فرمایا کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مکان سے منزہ ہے جو مکان کو قدیم مانتا ہے وہ گمراہ ہے اور دلائل قاطعہ سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی شے قدیم نہیں اور یہاں پر اللہ تعالیٰ کی استواء وجودی مراد نہیں بلکہ اس سے کوئی اور معنی مراد ہے لیکن ہم کو ضرورت نہیں کہ کوئی ایسی مراد متعین کریں کیونکہ ہماری تعیین غلط سے خالی نہیں بلکہ اسے متشابہات کے قبیل سے سمجھیں اور یہی عقیدہ اس کی وہی مراد ہے جو خود اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور جس بیان کی بنا پر ہے جو الا اللہ کے ساتھ موافقت ہے اور یہی سلف صالحین کا عقیدہ ہے۔

چنانچہ امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

الاستواء معلوم والکیفیۃ مجہولۃ والبحث عنہا بدعۃ۔ استواء کا معنی معلوم اور کیفیت مجہول اور اس سے بحث کرنی بدعت ہے۔

اس سے مقصود یہ ہے کہ بحث و جدال کا دروازہ بالکل مسدود رکھا جائے۔ جیسا کہ ابھی واضح ہے کیونکہ بحث و جدال کا دروازہ کھولنے میں دین کا عظیم نقصان ہے اس سے بے شمار بندگان خدا گمراہی کے پنجہ میں پھنس جائیں گے۔

حکایت: مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے روایات متشابہات کا مطلب پوچھا تو آپ نے درے لگائے۔

⑤ **مجسمہ فرقہ کا رد:** اکابر محققین میں سے ایک بزرگ نے فرمایا کہ استواء سے وہ استواء مراد ہے جو اس کی شان کے لائق ہے نہ اس طرح جو ظالم مجسمہ فرقہ نے کہا ان کا غلط خیال و عقیدہ مبنی بر ضلالت ہے۔ اس استواء کو اس کی ذات سے کوئی تعلق نہیں ہے اگر ہے تو صرف باعتبار امر ایجادی و تجلی حسی اور امدادی کے ہے کیونکہ عرش محل الاستواء ہے اس لیے کہ تجلیات ذاتیہ عالم کلیہ منزہ تجلیات صفتیہ و احکام ظاہرہ و باطنہ اور عرش منتہی اعلیٰ ہوں یا زمینی یا ان کے مابین جو کچھ ہے امر الٰہی و ایجاد اول کے ظہور میں وہاں ان کی تکمیل ان کے عالم کے استواء وجوب کے استقلال و کائنات اور مستویہ کے استیعاب سے ہوتی ہے۔ اور ان تجلیات صفتیہ وغیرہا کے ارکان اور عرش پر مع امور و احکام مراد ہیں ہے کیونکہ ان جملہ عوالم میں ان کا مستوی [illegible] سے تجلی حسی و امر ایجادی کے ساتھ تجلیات حق کو استواء ضروری ہے [illegible]

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

یہاں اللہ تعالیٰ کے لیے جہاں کہیں [illegible] کے قریب [illegible] اور [illegible] اس عقیدہ کا حاصل [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] انبیاء و صحابہ کرام و اولیاء کرام سب پر [illegible] ہے۔ (اویسی)

برزخ اکمل مستوی ہے کیونکہ یہی جوہر عنصر و طبائع و موالید سب پر مشتمل ہے اور معاملہ وہی ہے جو بار بار آ رہی ہے اور اسی سے ذات ارکان اربعہ کی تعمیر حاصل ہوئی اور وہ اسمائے کلیہ چار ہیں ،

① رکن مستوی اسمائیہ
② رکن نوریہ روحانیہ
③ رکن جسمیہ مثالیہ
④ رکن صوریہ حسیہ

یہی رکن صوریہ حسیہ جو عرش کی حرکت سے ہے یہی برزخ اصغر ہے اور حصول ارکان اربعہ کے امر تمام مستوی ہوا اور یہی ارکان اربعہ موقوف علیہا ہیں ان پر اللہ تعالیٰ نے تجلیات ایجادیہ امریہ موقوف رکھے ہیں یہ تجلیات سات آسمانوں اور سات زمینوں پر اہل عصر کی استعدادات کے مقتضیات کے موافق اور تجلیات اصحاب نعلین کے موجب ہر یوم بلکہ ہر آن نازل ہوتی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "یتنزل الامر بینهن" اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ایسے ہی باری تعالیٰ کا دوسرا ارشاد گرامی "کل یوم هو فی شأن" یعنی عرش میں ہر آن نئی ہے۔ باعتبار منکر ثانی عرش حق کا مستوی ہے باعتبار اول کے استقرار نہیں ہے اور حقیقت میں نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ استواء امر ایجادی ہے نہ یہ کہ اس کی ذات عرش پر مستوی ہے۔ اس تقریر سے کلام کا تمام اضطراب و خلجان ختم ہو گیا۔

فائدہ: استواء امر ایجادی علی العرش بمنزلہ استواء امر تکلیفی تشریعی علی الشرع کے ہے جیسے ہر ایک ان دونوں امر میں ایک دوسرے کا عکس ہے اور ہر ایک مستوی ہے۔

⑥ صاحب روح البیان قدس سرہٗ کی تحقیق

فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ زید و عالم میں فرق ہے وہ اس طرح کہ زید ذات پر اور عالم اس کی صفت پر دلالت کرتا ہے۔ استویٰ کی نسبت رحمٰن کی طرف ہے کہ جس سے صفت رحمت عامہ مراد ہے اگرچہ وہ بھی ذات پر مشتمل ہے لیکن اللہ کی طرف استویٰ کا اسناد نہیں ہوا کہ اس کا ذاتی اسم ہے اگرچہ یہ اسم جامع لجمیع الصفات ہے لیکن کلام کے اسلوب سے واضح ہو گیا اس کی ذات استواء علی العرش سے منزہ اور پاک ہے۔ ہاں عرش عظیم جو جمیع اجسام کو محیط ہے پر اگر مستوی ہے تو رحمت عامہ جو عالم کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ خطا وہ ہے جس نے صفات و صفت کا فرق نہ سمجھتے ہوئے استواء کی نسبت ذات حق کی طرف کر دی حالانکہ معاملہ اس کے خلاف ہے کیونکہ ذات باری تعالیٰ جملہ عالم سے مستغنی ہے ہاں اس کی صفات و اسماء جملہ ارواح و اجسام میں متجلی ہے لیکن مراۃ اکوان میں سوائے صور تجلیات اسمائیہ و صفاتیہ کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ اس سے لازم نہیں کہ اس کی ذات بھی اکوان میں سے کسی کون میں حلول کئے ہوئے ہے۔ "وھو الآن کما کان" کا شان والا ہے جیسے وہ وحدہ و تنزہ و تقدس سے پہلے تھا اب بھی ویسے ہی ہے۔ اسی لیے عالم حقیقت مطلق کی طرف اعلیٰ مراتب

پر وصل کے لیے اطلاق ذات کا ہوتا ہے مثلاً الیہ یصعد الکلم الطیب وغیرہ اور حدیث شریف میں ہے اللہ تعالیٰ جیسے ہمارے مخفی ہے ایسے ہی بصارت سے بھی پوشیدہ ہے اور ملاءِ اعلیٰ اس کی طلب میں ویسے سرگرداں ہیں جیسے تم زمین پر ہو اور ملاء عُلیٰ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نہ آسمانوں میں ہے نہ زمین پر ورنہ جو اس کی طلب سے تھک کر بیٹھ جاتے۔

سوال: حدیث شریف میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی یا رب! تو آسمان میں ہے اور ہم زمین پر ہیں کیسے سمجھیں کہ راضی ہے یا ناراض اپنی رضا و عدم رضا کی علامت بتائیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب میں تم پر اچھے حاکم مقرر کروں سمجھو میں تم پر راضی ہوں اگر تم پر برے حاکم متعین فرماؤں تو سمجھو کہ تم پر ناراض ہوں۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاویہ بن الحکم السلمی کی لونڈی سے فرمایا: این اللہ؟ اللہ کہاں ہے؟ اس نے عرض کی کہ فی السماء آسمان میں ہے اور فرمایا کہ من انا میں کون ہوں۔ عرض کی کہ انت رسول اللہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اسے آزاد کر دو اس لیے یہ مومنہ ہے۔ ان احادیث وغیرہ سے اللہ تعالیٰ کی مکانیت ثابت ہوتی ہے۔

جواب: یہ احادیث اپنے اصلی اور ظاہر معانی پر نہیں ہیں بلکہ ان کے نکتہ مناسب کے لحاظ کا حل مراد ہے۔ اسی لیے آسمان کا ذکر فرمایا گیا کہ آسمان مہبط انوار اور محل نوازل و احکام ہے۔

مسئلہ: فقہائے کرام نے فرمایا کہ جو کہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں عالم ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کی مکانیت مراد ہے تو کافر ہو جائے گا اگر صرف حکایت از اخبار مروی مراد ہے تو کافر نہ ہوگا کیونکہ ایسی روایات و احادیث منقول ہیں اور اہل ایمان علماء اور عقل سلیم ایسے مقامات پر تنزیہ و تقدیس باری تعالیٰ کا دامن نہیں چھوڑتے۔

حکایت: امام الحرمین رحمہ اللہ تعالیٰ کسی کے مکان پر مہمان ہوئے آپ کے ہاں چند منتہی علماء کرام بھی جمع ہو گئے آپ سے کسی نے الرحمن علی العرش استویٰ کا مطلب پوچھا اور ساتھ یہ بھی کہا کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی مکانیت ثابت ہوتی ہے علماء کرام تنزیہ از مکانیت کے قائل ہیں لیکن تنزیہ از مکانیت کی کوئی معقول دلیل نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی تنزیہ از مکانیت کی دلیل آیت لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین ہے جبکہ یہ دعا حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں مانگی۔ اس پر حاضرین متعجب ہوئے۔ صاحب ضیافت نے کہا کہ حضرت آپ اسے واضح فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ یہاں پر ایک فقیر ہے جو مقروض مجلس میں موجود ہے اس کا ایک ہزار درہم قرض ہے تم ادا کر دو تو تفصیل میں عرض کرتا ہوں۔ چنانچہ صاحب خانہ نے ایک ہزار درہم اسے دے دیا۔ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج پر تشریف لے گئے جہاں تک تشریف لے گئے وہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ وہاں آپ نے کہا:

لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک۔ میں تیری ثنا نہیں کر سکتا تو ایسے ہی ہے جیسے تو نے اپنی ثنا خود کی ہے

[illegible] بیان کی ہے۔

اور حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں دعا کی تو یوں کہا :

لا الٰہ الا انت سبحٰنک انی کنت من الظّٰلمین۔ ترجمہ : اور کوئی معبود نہیں تو پاک ہے بے شک میں ظالم ہوں۔

ان دونوں حضرات نے اللہ تعالیٰ کو انت سے خطاب کیا اور خطاب حضور کے لیے ہوتا ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ مکان میں ہوتا تو ایسا خطاب نہ ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کسی مکان میں نہیں ہے ۔

سوال : تو چاہیے کہ پھر وہ ہر مکان میں ہو حالانکہ یہ بھی غلط ہے ؟

جواب : ہم پہلے کہہ آئے ہیں کہ اس کی صفات، آثار اور اس کی ذات کے انوار ہر مکان میں ہیں۔ (یہی تو جیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کے لیے کی جاتی ہے۔)[1] مگر اس کی ذات ہر جگہ ہے ، جیسے وہابیہ نے ہم اہلسنت پر بہتان تراشا ہے کہ یہ اہلسنت حضور علیہ السلام کی ذات کو ہر جگہ حاضر و ناظر مانتے ہیں[2]۔ آثار صفات و انوار ذات کا ہر جگہ ہونے کی مثال سورج کی ہے کہ اس کی تپش عالم پر ہے لیکن اس کے انوار اور اس کا ظہور ہر جگہ ہے یہ کوئی نہیں کہتا کہ سورج کی عین ذات ہر جگہ ہے۔

جاہل صوفیاء کا رد اگر اس طرح مانا جائے جیسے جاہل صوفیوں نے کہا ہے کہ اس کی ذات ہر جگہ ہے ، تو ان سے پوچھا جائے کہ وہ اس عالم کے وجود سے پہلے کہاں تھا۔ حالانکہ ان کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ وہ ان ہر ایک سے پہلے موجود حقیقی تھا اگر وہ اس کا انکار کریں تو کافر ہو جائیں گے۔ اگر وہ حلول یا انتقال کا قول کریں تو بھی کافر ہو جائیں گے کیونکہ واجب الوجود حادث کے ساتھ بالکل مقارن نہیں اگر مقارن ہے تو تاثیر و فیض اور اپنے ظہور کے لحاظ سے اس حیثیت سے نہیں کہ وہ حادث مخلوق ہے بلکہ اس حیثیت سے کہ وہ حادث مخلوق اس سے استفادہ کرتا ہے ۔

سوال : اگر وہ کسی مکان میں نہیں تو پھر دعا کے وقت آسمان کی طرف ہاتھ اٹھانے کا کیا معنیٰ ؟

جواب : دعا میں آسمان کی طرف ہاتھ اٹھانا طلب عطا کے لیے ہے کیونکہ اس کی رحمت کے خزانے آسمان میں ہیں جیسا کہ فرمایا :

وفی السماء رزقکم وما توعدون ۔

اور فرمایا :

وان من شیء الا عندنا خزائنه وما ننزله الا بقدر معلوم ۔

خلاصہ : خلاصہ یہ کہ اس سے واضح ہوا کہ اس کی صفت رحمانیہ کے استواء کا عرش مظہر ہے اور جو بھی اس کی ذات کے لیے مکانیت ثابت کرتا ہے وہ یا تو فرقہ مجسمہ سے تعلق رکھتا ہے یا وہ جاہل صوفیا سے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر مکان میں ہے ۔ اس طرح وہ اہل حق سے دور اور عقل و نقل و کشف سے محروم ہیں۔ یہ وہی ان کے ساتھی ہیں ان کی گندگی ان کے مذہب کی طرح ہے ۔

---

[1] اضافہ از اویسی

[2] جیسے اسماعیل دہلوی اور اس کے پیروکار [illegible] (اویسی)

ہم اللہ تعالیٰ سے جہل کی نحوست اور زیغ و ضلال سے پناہ مانگتے ہیں اور ہم اس کا دامن تھامتے ہیں جو ہمیں وہم و خیال سے بچائے اور حق بین ہے اور اشیاء، اشیاء ہیں اور اللہ تعالیٰ کو انہیں اشیاء سے وہی دیکھتا ہے جس کی آنکھ میں بینائی ہیں۔

تفسیر عالمانہ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے خواہ ان کے اجزاء ہیں یا وہ چیزیں ان میں حلول کئے ہوئے ہیں۔ وَمَا بَیْنَهُمَا اور جو دونوں کے درمیان یعنی خلاء میں ہے یا جیسے کے لیے ہے جیسے ہوا اور بادل یا اکثر ہوا میں چلتے ہیں جیسے پرندے یعنی صرف اسی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اس کے غیر کے لیے نہیں نہ شرکۃً اور نہ استقلالاً۔ اور یہ جو کچھ مذکور ہوا ہے اس کے ملک اور تصرف میں ہے پیدا بھی وہی کرتا ہے اور فنا بھی وہی کرتا ہے موجد بھی وہی ہے اور معدوم بھی وہی کرتا ہے۔ وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی

تحل بالنبات، والثری بمعنی گیلی مٹی۔ (کذا فی القاموس)

یہاں پر صرف مٹی اور گیلی مٹی ہر دونوں مراد ہو سکتے ہیں کیونکہ ارض خشک مٹی ہے سے کر اس کے نیچے گیلی مٹی تک مراد ہوتی ہے۔

سوال: اگر الثریٰ سے زمین کا آخری حصہ مراد ہو تو پھر اس کے کوئی شے باقی رہی جس کا وہ مالک ہے۔

جواب: الثریٰ کے نیچے یا بیل ہے یا مچھلی یا پتھر یا دریا یا ہوا ہے۔ (علی اختلاف الروایات)

ف: بعض علماء نے فرمایا کہ ثریٰ سے وہ گیلی مٹی مراد ہے جو صخرہ (پتھر) کے نیچے ہے جس پر وہ بیل کھڑا ہے جو زمین کے نیچے ہے اور تحت الثریٰ کا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا جیسے سدرہ کے اوپر کا علم صرف اللہ کو ہے۔ (نبی علیہ السلام کو بھی ما تحت الثریٰ اور فوق السدرہ کا علم حاصل ہے جیسے شب معراج اور دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے)[1]

ف: وہ گیلی مٹی جو زمین کے نیچے ہے اس کی زمین سے وہاں تک پانچ سو سال کی مسافت ہے اگر وہ گیلی مٹی نہ ہوتی تو جہنم کی آگ ساری دنیا و مافیہا کو جلا کر راکھ بنا دیتی۔ (کذا فی انسان العیون)

زمین کے نیچے کی سیر حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا کہ زمین ایک فرشتے کے کاندھے پر ہے اور فرشتے کے دونوں کاندھے پتھر پر ہیں اور پتھر بیل کے سینگ پر اور بیل کے پاؤں ایک مچھلی پر اور مچھلی دریا پر اور دریا جہنم پر اور جہنم ہوا پر اور ہوا ظلمات کے جوف پر اور ظلمات گیلی مٹی پر اور آسمان کے اوپر سے لے کر زمین کے نیچے تک سب کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ساتوں زمینیں مچھلی کی پیٹھ پر اور مچھلی دریا پر ہے اور اس کا سر اور دم عرش کے نیچے ملے ہوئے ہیں اور دریا سبز پتھر پر ہے آسمان کی سبزی اسی پتھر کی رنگت کی ہے اور یہ وہی پتھر ہے جس کا ذکر سورہ لقمان میں ہے کہ فَتَکُنْ فِیْ صَخْرَۃٍ اور یہ الصخرۃ (پتھر) بیل کے سینگ پر اور بیل گیلی مٹی پر ہے اور تحت الثریٰ کا علم صرف اللہ

---

[1] اضافہ از اویسی

ہی کو ہے اور وہ بیل منکوسہ کے جیسے ہے جب اللہ تعالیٰ نے تمام دریاؤں کو ایک بنا کے گا تو وہ سب کو اسی بیل کے پیٹ کے اندر چلے جائیں گے جب اس کے پیٹ میں جائیں گے تو بعض ہی خشک ہو جائیں گے۔ (ذکرہ البغوی)

وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ اور اگر تم اللہ تعالیٰ کا ذکر اعلانیہ یا دعا کرو اللہ تعالیٰ تمہارے جہر و اعلان سے بے پرواہ ہے۔ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ۝ وہ پوشیدہ بلکہ پوشیدہ تر شے کو جانتا ہے جیسے کہا جاتا ہے۔

فلان یعیش الی الشقی آخر (فلاں فقراء کا کسی ہے)۔ اخفی کے لیے اس مقولہ میں وہ زمانہ حال مراد ہوتا ہے نہ استقبال بلکہ مراد ہوتی ہے کہ ہر گھڑی اس کے جود وعطا کے فواصے جاری ہیں اسی طرح یعلم السر واخفی کو سمجھئے کہ ذات الٰہی امور کا عالم ہر وقت اور ہمیشہ ہے کیونکہ جیسے وہ مکان سے منزہ ہے ایسے ہی اس کا علم زمانہ سے پاک ہے۔ ہمارے نزدیک یہ تقریر اسلم ہے یعنی اس کے علم میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔

سر واخفیٰ میں تحقیق سر۔ اسرار کی جمع ہے یعنی ما یکتم وہ شئے جو چھپائی جائے اسی سے ہے اسر الحدیث یعنی فلاں نے بات چھپا دی۔ اور اخفیٰ کی تنکیر مبالغہ کی ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان باتوں کو جانتا ہے جو تم اپنے غیر سے چھپاتے ہو اور اسے بھی جو اس سے پوشیدہ تر ہے یعنی وہ شئے جو دل میں کھٹکے نہ زبان پہ ہرگز نہ لایا جائے اور وہ اسے جانتا ہے جو اب تمہارے وہم و خیال میں ہے اور وہ جو آئندہ تمہارے وہم و گمان میں آئے گا یعنی وہ باتیں جو آئندہ اللہ تعالیٰ تمہارے دل میں القاء فرمائے گا جو تمہیں تا حال معلوم نہیں کہ وہ کیا ہے۔

ذکر بالجہر کے اعتراضات کے جوابات آیت میں بظاہر ذکر بالجہر کی نفی کی دلیل تو ہے لیکن اس کے جوابات دیئے گئے ہیں جو آیت واذکر ربک فی نفسک تضرعا وخیفة ودون الجهر من القول کے تحت بیان ہوئے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں۔

۱۔ بندوں کو تعلیم دینی ہے کہ جہر سے یہ نیت نہ ہو کہ ہم اپنا ذکر یا دعا اللہ تعالیٰ کو سنا رہے ہیں وہ تو ہماری ہر بات سنتا ہے وہ تو ہماری ہر بات سنتا ہے خواہ کتنی ہی وہ پوشیدہ ہو ہاں جہر کے وقت یہ ارادہ ہو کہ

① میں اپنے نفس کو ذکر کا تصور دلا رہا ہوں اور یہ ذکر اس میں راسخ کر رہا ہوں۔

② غیر کے شغل سے اسے باز رکھ رہا ہوں۔

③ اس سے وسوسہ دور ہوگا۔

④ اس سے عجز و نیاز نصیب ہوگی۔

⑤ غیروں کو ذکر الٰہی کی طرف توجہ ہوگی۔

⑥ جہاں تک آواز پہنچے گی برکات پھیلیں گے۔

⑦ میرے ذکر کے گواہ بہت زیادہ ہوں گے۔

حدیث شریف حدیث شریف میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم وادی خیبر کی طرف چلے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وادی میں داخل ہونے پر تکبیر یا اللہ اکبر لا الہ الا اللہ کی آواز بلند کی۔ آنحضور علیہ السلام نے فرمایا: اربعوا علی انفسکم، اپنے نفسوں کو نرمی دلاؤ یعنی اتنی بلند آواز سے تکبیر نہ کہو کیونکہ تم بہرے یا غائب کو نہیں بلکہ سمیع و قریب کو پکارتے ہو جو ہر وقت تمہارے ساتھ ہے۔

ازالۂ وہم اس حدیث شریف میں تکبیر سے بھی رفع الصوت کی ممانعت ہے حالانکہ عیدین میں تکبیر بلند آواز سے پڑھی جاتی ہے تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ اس حدیث شریف سے مطلق رفع الصوت سے منع نہیں کیا گیا بلکہ ایسی آواز سے جس میں زور لگا کر پڑھے جو بسا اوقات خود اپنے لیے ایذا کا موجب بنتا ہے۔ چنانچہ خود اسی حدیث شریف میں "اربعوا علی انفسکم" یعنی ارفقوا بہا نرم آواز سے تکبیر کہو، کے الفاظ دلالت کرتے ہیں۔ (کذا فی انسان العیون)

صاحب روح البیان کی تحقیق فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ یہاں پر رفع الصوت کا موجب یہ تھا کہ خیبر میں جنگ کے لیے جا رہے تھے اور دشمن آپ کی تاک میں تھے اور ان پر اپنا حال مخفی رکھنا ضروری تھا اسی لیے اربعوا انفسکم ...... الخ فرمایا۔ دوسرا یہ کہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ارباب احوال تھے اور ان کے لیے اعتدال ہی کا حکم ضروری تھا جیسا کہ اہل تصوف کا قاعدہ ہے کہ خفی کے لیے ذکر خفی موزوں تر ہوتا ہے اور اخفا اصل ہے جہاں وقت ضرورت ہو کہ جیسے دشمن کے مقابلہ میں اور جہاد کے سامنے زور زور سے بلند آواز مفید ہے اور ظاہر ہے کہ سب سے بڑا جہاد بھی یہی ہے اسی لیے ان کو جمعیت ملانے اور شیطان کے وسوسہ دور کرنے کے لیے ذکر بالجہر ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ کہا گیا ہے کہ بادشاہ کو نقارہ سے بلند کرنا چاہیے تاکہ سامعین پر ہیبت چھا جائے اور ان کے دلوں پر اس کا رعب ہو۔ (کذا فی التحفۃ المرضیہ)

صوفیانہ تحقیق الخفی صوفیاء کی اصطلاح میں ایک لطیفہ کا نام ہے جو قلب و روح کے مابین واقع ہے جس میں اسرار باطنی کا منبع ودیعت ہے اور خفی وہ لطیفہ ہے جو روح اور حضرت الٰہیہ کے مابین ہے اور جس میں اسرار و انوار ربانی کا مخزن ہے اسی لیے یعلم السر واخفی کے بعد فرمایا: اللہ لا الہ الا ھو۔ آیت میں الوہیت کے صفت عیاں کے مظہر کی طرف اشارہ ہے کیونکہ وہ ایسا خفی ہے کہ سر سے بھی زیادہ مخفی اور لطیف اور عزیز اشرف ہے اور اقرب الی الحضرت صرف وہی حضرت ہے جس کا حاصل وعلم آدم الاسماء کلھا میں ہے اور جس کا ان اللہ خلق آدم فتجلی فیہ سبحانہ آدم علیہ السلام کو پیدا فرما کر اپنی تجلی سے نوازا کی یہی حقیقت ہے۔

ف: وہ سر جو قلب و روح کے مابین واقع ہے وہ ہر انسان میں اس وقت پیدا نہیں ہوتا جب وہ تخلیق انسانی میں نقطۂ تخلیق کے بعد پیدا ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ ہر انسان اسرار روحانیہ کا خزانہ ہو لیکن پورا کا پورا اور ان اسرار کا مجموعہ مستورات میں نگاہ کا وہ اسرار باطنیہ کا مجموعہ مشاہدات و مکاشفات و حقائق علوم وغیرہ ہیں۔

تفسیر عالمانہ اَللّٰہُ مبتدا منعوت کی خبر ہے۔ اصل عبارت وہ ذات المنعوت ...... الخ یعنی اللہ وہ ذات جلیل کہ

کا مقصود وہی اللہ تعالیٰ ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ زمین و آسمان میں معبود وہی موجود ہے۔ یہ ھو جیسا اسی معنی پر دلالت کرتی ہے ھو غائب مطلق کا معنی دیتا ہے جیسے ہو؟ کہا اس سے غائب ہے جو ازل سے موجود ہے اسی معنے میں حق ہے یعنی وہ ذات جو حواس کے ادراک سے بلند و بالا ہے اسی لیے حضرت کے لیے ھو کی ضمیر کا مستحق ہے۔ (کذا فی بحر العلوم)

فائدہ صوفیانہ: مذکورہ بالا تقریر کی وجہ سے صوفیائے کرام نے ذکر کی بنا اسم ھو پر رکھی ہے۔ اخفاءً ہو یا جہراً، اجتماعاً ہو یا انفراداً۔ باوجودیکہ ھو کا مرجع اللہ ہے اس معنے پر ھو اسم مظہر کے حکم میں ہے اور اس میں معرفت وہی منکر اور حق و صداقت ہی اختلاف کرے گا ورنہ سلیم انسانوں کو انکار کی گنجائش نہیں۔

ایک فرشتہ کی تحقیق: حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق سے پہلے ایک فرشتہ پیدا فرمایا جس کا کام یہ ہے کہ وہ جہر کے ساتھ پڑھتا ہے۔

اشہد ان لا الٰہ الا اللہ۔

اور اسی ورد کو وہ کبھی بھی نہ چھوڑے اور نہ ہی اس میں سانس لے، یہاں تک کہ جب اسے ختم کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسرافیل علیہ السلام کو حکم فرمائے گا کہ صور پھونکیں اور قیامت قائم ہو۔ (کذا فی التفسیر الکبیر)

ف: اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ عالم کائنات کا رکن اعظم اور اس کے وجود کا دوام ذکر الٰہی پر مبنی ہے جب ذکر ختم ہوگا تو عالم کائنات مٹ جائے گا۔ اور یہ نقصان ترک ذکر سے ہوتا ہے۔

حکایت: منقول ہے کہ ایک شکاری مچھلی کا شکار کرکے گھر لاتا تو اس کی لڑکی اسے پانی میں واپس چھوڑ دیتی اور کہتی کہ یہ جال میں ذکر کی غفلت سے پھنسی ہے۔

حدیث شریف: حدیث شریف میں ہے کہ جب تک اللہ اللہ ہوتا رہے گا قیامت قائم نہ ہوگی۔

ف: اللہ کا لفظ جو دو مرتبہ آیا اس میں شک نہیں کہ اس اسم (اللہ) کا حقیقی ذکر وہی کر سکتا ہے جو اس کی معرفت تامہ رکھتا ہے کیونکہ یہ اسم جمیع اسماء کا جامع ہے اور ہر زمانہ میں کامل معرفت رکھنے والا دنیا میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہوتا ہے وہی اس زمانہ کا کامل سمجھا جاتا ہے گویا حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ زمین پر جب تک کامل انسان موجود ہوگا قیامت قائم نہ ہوگی۔ اس میں اشارہ ہے کہ دنیا کا معنوی آباد کار وہ ہے کہ اسی کی برکت سے دنیا آباد ہے جب وہ اس دنیا کو چھوڑے گا تو آسمان پھٹ جائے گا، سورج بے نور ہو جائے گا اور ستاروں کا نور گدلا ہو جائے گا بلکہ تمام ستارے جھڑ جائیں گے اور زمین ختم ہو جائے گی اور قیامت قائم ہوگی۔ (کذا فی الفکوک لسید الشیخ صدر الدین قدس سرہٗ)

تفسیر عالمانہ: لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى اس میں اس کی خالقیت، رحمانیت، مالکیت، معالیت وغیرہ اس کے ذاتی اسماء و صفات جو لاتعداد ہیں ان کا بیان ہے۔

شان نزول: مروی ہے کہ جب مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یا اللہ یا الرحمن کہتے سنا تو کہا کر

اسم تو نہیں رکھتے ہیں کہ شرک کرو اور خود وہ معبودوں کو پکارتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اچھے نام ہیں۔

ف: الحسنیٰ احسن کی تانیث ہے اس سے وہ اسماء مؤنثہ اور جمع مذکر و مؤنث کو موصوف کیا جاتا ہے اسی لیے یہ عرب میں مروج ہے جیسے دوسری آیات میں ہے:

مآرب اخریٰ اور آیتنا الکبریٰ۔

ف: اللہ تعالیٰ کے اسماء احسن بایں معنے ہے کہ ان کے ہر اسم میں معنی تقدیس و تمجید و تعظیم موجود ہے اور روایت ہوا یا احسن جیسے اور افعل تلم میں شاید فی الفضل والحسن مراد ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء کی تعداد تفسیر کبیر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے چار ہزار نام ہیں اور تین ہزار کو صرف اللہ تعالیٰ اور انبیاء علیہم السلام جانتے ہیں باقی ایک ہزار اولیاء کو معلوم ہیں۔ ان میں سے تین سو تورات میں اور تین سو انجیل میں اور تین سو زبور میں اور ایک سو قرآن مجید میں ہیں۔ ان میں سے ننانوے ظاہر ہیں اور ایک پوشیدہ ہے جو انہیں یاد رکھتا ہے وہ بہشت میں داخل ہوگا ان اسماء کا ذاتی کوئی حسن نہیں کیونکہ وہ الفاظ و اصوات محض ہیں ہاں ان کا حسن ان کے معانی کی وجہ سے ہے اور حسن کا حسن ان اسماء کی صورت و خلقت سے نہیں کیونکہ یہ اس ذات کے لیے محال ہے جو محتاجی سے منزہ ہے بلکہ ان کا حسن اس کے معنی کی وجہ سے ہے مثلاً اسم ستار و غفار و رحیم ان کا حسن اس لیے ہے کہ یہ احسان کے معنے پر دلالت کرتے ہیں۔

حکایت ایک حکیم کے ہاں ایک حسین اور قبیح حاضر ہوئے اور وصیت چاہی حسین سے فرمایا تو حسین ہے تجھے کوئی قبیح فعل عمل میں نہیں لانا چاہیے اور قبیح سے فرمایا کہ تو قبیح ہے اگر کوئی قبیح عمل کرے گا تو تیرے قبح میں اضافہ ہوگا اور تمہیں معلوم ہے کہ ہمارے محبوب کے جملہ اسماء حسنیٰ ہیں اور اس کے صفات کامل ہیں تو ان اسماء حسنہ و صفات جلیلہ کا ظہور ہمارے لیے سوائے احسان کے نہیں ہوتا۔ یہی ہمارے قبح افعال و گندگی صفات کی سزا یہی کافی ہے کہ ہم اس قبح اور گندگی کے موصوف ہیں تو پھر ہم اپنے لئے قبیح حجاب دوزخ عذاب کا اضافہ کیوں کریں۔

حدیث شریف میں ہے:

اطلبوا الحوائج عند حسان الوجوہ۔ اپنی حاجات حسین چہروں سے مانگو۔ دیکھو کہ کسی کا کام بنانے کو تو خوش ہو کر اور اللہ کے بندوں سے نیکی کرے گا جنتی ہو کر پائے گا ؎

گشتہ از لطف حق بجز خاک

کرد صورت و سیرت پاک

ترجمہ: دنیا میں لطف حق سے سیرت پاک حسن صورت کی دلیل ہے۔

کسی نے کہا ہے ؎

یدل علی معروفہ حسن وجہہ
وما زال حسن الوجہ احدی الشواھد

ترجمہ: اس کی نیکی پر چہرہ حسین کی دلیل ہے اور چہرے کا حسن اس کے شواہد میں ایک ہے۔

حدیث شریف: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے ہاں کسی کام کے لیے حسین چہرے والے اور اچھے نام والے کو بھیجو۔

ف: ہمارے حسین کے نام اچھے لیکن ہمارے چہرے گناہوں کی وجہ سے سیاہ ہیں اسی لیے ہم اس سے ضروریات کی طلب میں حیا کرتے ہیں۔ اے اللہ عزوجل! تیرے تمام اسماء و صفات حسین ہیں لطف فرما تو ہمیں اپنے احسان و کرم سے خائب و خاسر نہ لوٹا۔

ف: موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ اے خدایا تیرے نزدیک مکرم تر کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ بندہ جس کی زبان ذکر سے تر رہتی ہے پھر عرض کی کہ زیادہ علم والا کون ہے؟ فرمایا وہ جو جانتا ہے کہ میرا علم دوسروں کے علم سے باخبر ہے۔ پھر عرض کی کہ سب سے عادل کون؟ فرمایا جو دوسروں کا اسی طرح فیصلہ کرتا ہے جیسے اپنا۔ پھر عرض کی کہ سب سے بڑا مجرم کون؟ فرمایا۔۔۔ جو مجھے متہم کرتا ہے پھر مانگتا بھی مجھ سے ہے اور وہ میرے قضا و قدر پر راضی ہی نہیں۔ اے اللہ ہم تجھے متہم نہیں کرتے لیکن ہم جانتے ہیں کہ جو کچھ ہم پر احسان و کرم فرماتا ہے وہ تیرا فضل اور وہ جو تو ہمارے گناہ سے ہماری گرفت نہیں کرتا وہ تیرا عدل ہے لہٰذا تو ہمارے برے اعمال پر مواخذہ نہ فرمانا۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

در دائرہ قسمت ما نقطہ تسلیم
لطف آنچہ تو اندیشی حکم آنچہ تو فرمائی

ترجمہ: دائرہ قسمت میں ہم نقطہ تسلیم ہیں جو سوچے تیرا ہر تدبر لطف اور تیرا ہر فرمان حکم ہے۔

تفسیر عالمانہ: وَهَلْ أَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝ اور ایسا احتمال ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے حالات میں سے پہلی خبر ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کے حالات بیان کرنے میں یہ پہلی صورت ہے۔ یہ استفہام انکاری ہے

ف: حدیث شریف سے ہم اہل اللہ کی مستحسنات روحیہ کا استدلال کرتے ہیں۔ صلحاء کے حسین چہروں کی شہادت قرآن کریم دے رہا ہے۔ کما قال تعالیٰ سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود (۱۲ ۔ اویسی)

یعنی کیا تمہیں تک موسیٰ علیہ السلام کی خبر اور واقعہ نہیں پہنچا۔ ہاں ابھی آپ کے پاس وحی آ رہی ہے لہٰذا آپ متنبہ ہو جائیے اور امرِ تبلیغ وغیرہ میں سے اپنی قوم کو یہ واقعہ سنائیے۔ نیز یہ بھی احتمال ہے کہ آپ کے پاس پہلے یہ واقعہ آ چکا ہے اس جگہ پر استفہام تقریری ہے گویا فرمایا۔ قد اتاک: بے شک تحقیق یہ سوال آیا ہے۔

اِذْ رَاٰ نَارًا۔ یہ حدیث کا ظرف ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے آگ دیکھی۔

آگ کا واقعہ مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے بی بی صفورا سے نکاح کیا۔ پہلے گزر چکا کہ وہ صفورا بنت شعیب علیہ السلام تھیں۔ نکاح کے چند سال بعد اپنی ماں اور بھائی کی زیارت کے لیے شعیب علیہ السلام سے، وہیں سے مصر واپس جانے کی اجازت چاہی۔ شعیب علیہ السلام سے اجازت لے کر اپنے اہل و عیال کو لے کر چل پڑے لیکن شام کے بادشاہوں کے خطرہ سے غیر معروف راستہ اختیار فرمایا جب موسیٰ علیہ السلام وادی طویٰ جو کہ طور کے جانب غربی تھی سے گزرے تو آپ کی اہلیہ نے بچہ جنا۔ بیاباں پر سردی بلکہ برف باری اور موسم سرد اور رات اندھیری تھی اور یہ واقعہ جمعہ کی رات کو پیش آیا۔ آپ نے دیا سلائی جلائی اس سے آواز تو نکلی لیکن آگ نہ جلی۔

بعض کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام غیرت مند تھے وہ اپنی اہلیہ [illegible] رفقاء سے علیحدہ ہو کر چلتے تاکہ ان کے ساتھ ہو جاتے۔ ایک دفعہ راستہ بھول کر قافلہ سے بچھڑ گئے۔ اسی حالت میں دور سے آگ دیکھی جو کوہِ طور کے بائیں جانب نظر آئی۔ آپ نے سمجھا کہ یہ چرواہوں نے آگ روشن کی ہے۔

فَقَالَ لِاَهْلِهِ تو اپنی اہلیہ اور ساتھ والوں سے فرمایا۔ امْكُثُوْٓا۔ اپنی جگہ پر ٹھہرو میرے پیچھے نہ آؤ۔ اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا۔ احساس۔ یعنی ایسا واضح دیکھنا جس میں کسی شے کی کوئی شک نہ ہو اسی سے انسان الانسی۔ یعنی انس کہتے ہیں کہ وہ ظاہر ہیں جیسے جنات کو ان کے پوشیدہ ہونے کی وجہ سے جن کہا جاتا ہے۔ یعنی میں نے آگ کو واضح طور پر ایسے دیکھا کہ جس میں کسی قسم کا کوئی وہم و شبہ نہیں ہے تو اب میں وہاں جاتا ہوں۔ لَّعَلِّیْٓ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا امید ہے کہ میں وہاں سے لاؤں گا بِقَبَسٍ۔ آگ کی چنگاری یعنی انگارہ جو بہت بڑے ڈھیر سے ایک تھوڑا سا حصہ ہوتا ہے۔ سورۂ قصص میں جذوۃ اور سورۂ نمل میں شہاب سے قبس مراد ہے۔ اہل لغت کہتے ہیں۔

قبست منه نارًا [illegible] واقتبسته او غیره [illegible]۔ میں نے [illegible] کے لیے [illegible] میں سے آگ لی ہے۔

ازالۂ وہم اہل کا اطلاق اس لیے کہ اس وقت انہیں آگ کے [illegible] کا یقین نہ تھا گو صرف امْكُثُوْا ۔ ۔ ۔ الخ ممکن ہے کہ آپ کی بیوی ہی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام پر الزام کا جواب آ گیا اور یہ بھی کہ پہلے ہم انبیاء علیہم السلام کے لیے کذب کے قائل نہیں اور آپ اس وقت نبی نہیں تھے۔

اہل سنت کا مذہب یہ ہے [illegible] کہ نبوت سے پہلے اور بعد انبیاء علیہم السلام کے لیے [illegible] کذب کے قائل نہیں۔

ف: وہ جو موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا تھا وہ نار نہیں بلکہ نور تھا۔ لیکن اسے نار اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اسے نار تصور فرمایا تھا۔

عجیب توجیہ حضرت امام فخر الدین رازی نے فرمایا کہ وہ نار تھی۔ یہ جو فرمایا اس لیے کہا ہے تاکہ موسیٰ علیہ السلام پر کذب کا اتہام نہ آئے کیونکہ اگر وہ نور تھا اور موسیٰ علیہ السلام اسے نار کہہ رہے ہیں تو واقعہ کے خلاف ہو گا اس سے موسیٰ علیہ السلام پر کذب کا الزام آتا ہے۔

نکتہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ چونکہ موسیٰ علیہ السلام کا مقصد آگ تھی اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے مطلوب مجازی کی صورت میں تجلی فرمائی تاکہ اس طرف متوجہ ہوں ورنہ اگر اس صورت کے بغیر کسی اور صورت میں تجلی ہوتا تو اس سے منہ پھیر لیتے جب دیکھتے کہ یہ ان کا مطلوب نہیں ہے۔

کنار موسے یراها عین حاجته
وهو الاله ولکن لیس یدریه

ترجمہ: جیسے موسیٰ علیہ السلام اپنی ضرورت کو دیکھ رہے تھے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ تھا لیکن اس وقت انہیں علم نہ تھا۔
یہی حال بھٹکے ہوؤں کا ہے کہ جس کو وہ دیکھ رہے ہیں اور جس سے ہم کلام ہیں وہ اسی آگ میں جلوہ گر ہے۔

اَوْ اَجِدُ عَلَی النَّارِ هُدًی○ یا میں اس آگ سے کوئی رہبر پاؤں جو مجھے سیدھا راستہ بتائے کیونکہ اکثر آگ کے نزدیک کوئی نہ کوئی آدمی ضرور ہوتا ہے۔

ف: ہدًی مصدر بمعنی ہادی ہے اس سے مبالغہ مطلوب ہے یا یہاں پر مضاف لفظ ذا محذوف ہے۔ دراصل ذا ہدًی تھا اور لفظ اَوْ منع الخلو کے لیے ہے۔ منع الجمع کے لیے نہیں جیسے سورۂ قصص میں آیت لعلی آتیکم منها بخبر او جذوة من النار میں منع الخلو کا ہے۔ لفظ علیٰ استعلاء کے لیے ہے اور وہ یہاں پر بایں معنی ہے کہ موسم سرما میں گرما گرم آگ کے قریب بیٹھے ہیں یا گرم ہونے کے لیے آگ کو روشن کر کے اوپر سے سینکتے ہیں اسی لیے لفظ علیٰ لایا گیا ہے۔

فَلَمَّا اَتٰهَا جس آگ کو دور سے دیکھا تھا جب اس کے قریب آئے۔

سبز درخت سے آگ کا نظارہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے سبز درخت دیکھا جسے اوپر نیچے سے ایسی آگ گھیرے ہوئے ہے جس کی روشنی سے آنکھیں چندھیا

جاتی ہیں لیکن وہاں پہ کوئی بھی نہیں۔ تو موسیٰ علیہ السلام درخت کی سبزی اور پھر آگ کی شعلہ روشنی سے متعجب ہو کر کھڑے ہو گئے کہ خدایا یہ کیا راز ہے کہ سبز درخت میں آگ اور عجیب تر یہ کہ نہ آگ درخت کو جلاتی ہے اور نہ درخت کا پانی آگ کو بجھاتا ہے اسی تعجب میں تھے کہ فرشتوں کی تسبیح سنی اور پھر ایک عظیم نور نظر آیا ہے جس سے آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔ اس پر دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ دیئے اور خوفزدہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر سکون و طمانیت کا نزول فرمایا اور ساتھ ہی ندا دی۔

درخت کا نام وہ سبز درخت ببول کا درخت تھا یا تو بقول بعض عناب تھا۔ یہ وہ درخت ہے جس میں آگ نہیں بخلاف دیگر اشجار کے کہ ان میں آگ ہوتی ہے۔

آگ کی اقسام اہل علم نے فرمایا کہ آگ کی چار اقسام ہیں:

① کھاتی ہے لیکن پیتی نہیں یہ دنیوی آگ ہے۔

② پیتی ہے لیکن کھاتی نہیں۔ یہ اسی سبز درخت مذکور کی آگ ہے۔

③ کھاتی بھی ہے پیتی بھی ہے۔ یہ جہنم کی آگ ہے۔

④ نہ کھاتی ہے نہ پیتی ہے۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کی آگ ہے۔

بعض اہل علم نے فرمایا کہ آگ کی چار قسمیں یوں ہیں:

① جلاتی ہے لیکن اس میں روشنی نہیں جیسے نار جہنم۔

② جلاتی نہیں اس میں روشنی ہے جیسے نار موسیٰ۔

③ جلاتی ہے اور اس میں روشنی بھی ہے جیسے نار دنیا۔

④ نہ جلاتی ہے نہ اس میں روشنی ہے جیسے نار اشجار۔

ف: فقیر اسماعیل حقی کہتا ہے کہ نور محبت کے لیے ہے اور نار عشق کے لیے جب موسیٰ کی محبت کامل ہو گئی تو اس سے عشق کی آگ کے شعلے بھڑکنے لگے تو اس کے بالمقابل سے اللہ تعالیٰ نے اس پر تجلی کی اور وہ اس لیے کہ جب قلب نے صفتوں کی راہ میں اپنا جلیہ وہ بجھا یا جو اللہ تعالیٰ کا زمین میں نائب ہے تو نار عشقیہ کی صورت میں نور الٰہی ظاہر ہوا کیونکہ صورت کی مناسبت کی تجلی ہے اس نور ذاتی کے ظہور سے موسیٰ علیہ السلام جیسے انسان کی ہیچ انانیت جل کر راکھ ہو گئی اس پر اس کو توجہ و ملاقی نصیب ہوئی تو اس وقت **نُوْدِیَ** موسیٰ علیہ السلام سے کہا گیا: **یٰمُوْسٰی ○ اِنِّیْۤ اَنَا**۔ یہ انا تاکید و تحقیق کے لیے ہے یعنی اے موسیٰ (علیہ السلام) کسی قسم کا شک و شبہ نہ کیجئے پورے یقین کے ساتھ سمجھ کر میں **رَبُّكَ** " تیرا پروردگار ہوں۔ **فَاخْلَعْ** تو پاؤں سے اتاریئے۔ **نَعْلَیْكَ** اپنے دونوں جوتے اتاریئے جیسے اپنی عورت ہے اور بکریوں کا خیال چھوڑیئے۔

ف: حضرت شیخ نجم الدین قدس سرہ نے فرمایا کہ اپنی طبیعت و نفس کے تعلق کو مٹائیے۔

شرح: فقیر اسماعیل حقی کہتا ہے کہ عورت کی صورت طبیعت جیسی ہے اور اولاد کی صورت نفس کی طرح ہے کیونکہ اولاد کی بات

از خواہش طبیعت سے ہے اور صورت انسان کے نفس کے حکم میں ہے کیونکہ یہ اس کا ایک جز ہے اور بکریاں وغیرہ اس کے لواحق سے ہیں جو وجود کے تابع ہے۔ گویا موسیٰ علیہ السلام سے کہا گیا کہ آپ نفس اور اس کے توابع پھینک کر آئیے۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا کہ نعلین سے دنیا و آخرت ہے گویا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ معرفت و مشاہدہ میں مستغرق ہو جائیے۔ اور الْوَادِ الْمُقَدَّسِ سے قدس، جلال و طہارت اور عزت الٰہی مراد ہے۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا کہ سالک کا اثبات دو مقدموں سے ہوتا ہے انہیں نعلین سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ انہیں کے ذریعہ نتیجہ تک پہنچا جاتا ہے اور معرفت الٰہی ان سے تخلی ہونے کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ اس میں سالک کو حکم ہے کہ ان کی طرف التفات بھی نہ کرے تاکہ قلب فضائے قدس میں مستغرق ہو۔ گویا یوں کہا گیا کہ دلیل و برہان کے فکر سے فارغ ہو جائیے۔ کیونکہ معائنہ و مشاہدہ کے بعد ان کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ:

سالکان حرم از قید منا آزادند
(حرم کے سالک قید منا سے آزاد ہیں)

مثنوی شریف میں ہے ؎

چوں شدی بر بامہائے آسمان
سرد باشد جست و جوئے نردبان
آئینہ روشن کہ شد صاف و جلی
جہل باشد بر نہادن صیقلی
پیش سلطان خوش نشستہ در قبول
زشت باشد جستن نامہ رسول

ترجمہ: جب تم آسمان کی چھت پر چڑھ جاؤ تو پھر سیڑھی کی ضرورت نہیں۔
جو آئینہ صاف و شفاف ہو اسے صیقل کرنا جہالت ہے۔
جو بادشاہ کے آگے مقبول ہو کر بیٹھا ہے اسے قاصد کے خط کی جستجو عبث ہے۔

ف: یہی وجہ ہے کہ جب شبلی قدس سرہٗ کو وصول الی اللہ کا مرتبہ نصیب ہوا تو آپ نے اپنی تمام کتابیں دھو ڈالیں۔

إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ بیشک تم مقدس وادی میں ہو طُوًى ۝ جس کا نام طویٰ ہے یہ الوادی المقدس کا عطف بیان ہے۔

حل لغات: القاموس میں ہے کہ وادی پہاڑوں یا ٹیلوں یا بڑے ریت کے ڈھیروں کے درمیانی خلا کو کہتے ہیں اور طویٰ ملک شام میں ایک وادی ہے اور یہ منصرف اور تنوین کے ساتھ پڑھنا چاہیئے کہ مکان کے معنی میں مؤول ہے اور غیر منصرف بھی

پڑھنا جائز ہے کہ ایک مشہور وادی کا نام ہے۔

ف ، مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جوتے اتار کر پیٹھ پیچھے پھینک دیئے۔

وَاَنَا اخْتَرْتُكَ اور میں نے تجھے نبوت و رسالت کے لیے منتخب کیا ہے۔

ف ، حمزہ کی قرأت میں وانا اخترناک بصیغہ جمع ہے۔

فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحٰى ○ جو میری جانب تمہیں وحی کی جاتی ہے از قسم امر و نہی لام فاستمع کے متعلق اور زائدہ اور اس کا مدخول مفعول ہے جیسے ردف لکم میں لام زائدہ ہے۔

اِنَّنِيْۤ اَنَا اللّٰهُ یہ جملہ ترکیب میں لما یوحیٰ کا بدل ہے اس میں اشارہ ہے کہ اصول فروع پر مقدم ہوتے ہیں کیونکہ توحید مسائل اصول سے ہے اور عبادت کا ذکر آگے ہے فروع سے ہے۔ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ جب بات یقینی ہے کہ صرف میں ہی عبادت کے لائق ہوں۔ فَاعْبُدْنِيْ تو میری ہی عبادت کرو، لہٰذا میری عبادت کے لیے مجھے خاص کرو اور میری توحید کا اقرار کرو اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ یہ عطف الخاص علی العام کے قبیل سے ہے اس کی فضیلت کے پیش نظر اس کی تصریح کی گئی ہے۔ لِذِكْرِيْ ○ مصدر مفعول کی طرف مضاف ہے یعنی مجھے ذکر اور صرف میرے ذکر ہی میں مشغول رہو کیونکہ ذکر الٰہی کا تقاضا ہے کہ قلب و زبان و جوارح و ارکان کے ساتھ عبادت میں مشغول رہو اور نماز ان تمام کا مجموعہ ہے یا مصدر فاعل کی طرف مضاف ہے یعنی میرا تمہیں ثواب دینے کا ذکر کرو۔

ف ، تفسیرات احمدیہ میں ہے کہ تمہیں یہ کہنا حق ہے کہ میں تمہیں عبادت کو ادا کرنے کے لیے تمہیں اپنی دائمی تجلیات سے ذکر کروں تو تم میری مناجات اور میرے ذکر میں اپنے وجود کو خرچ کرو۔

اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ یہ وجوب عبادت و اقامت صلوٰۃ کی علت ہے۔ الساعۃ اس وقت کا نام ہے جس میں قیامت قائم ہوگی اسے ساعۃ سے موسوم کرنے میں اشارہ ہے جیسے ساعۃ میں ہے کہ اس میں ایک جھلک امر ہوگا یعنی قیامت آنے والی ہے یعنی اس کا وقوع یقینی ہے لہٰذا اسے اتیان (آنا) سے اس کے لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ وہ ایک ایسا امر محقق ہے کہ اس کے وقوع کی آمد قریب ہے۔ اَكَادُ اُخْفِيْهَا جلالین میں ہے کہ اسے لوگوں سے تعظیم کی وجہ سے چھپاتا ہوں اور اکاد سے بعض علماء نے فرمایا کہ کاد دراصل مقاربت کے لیے وضع کیا گیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہو تو تحقیق و وجوب کا فائدہ دیتا ہے اب معنی یہ ہوا کہ میں اس کے وقت کو مخلوق سے چھپاتا ہوں[1] تاکہ وہ اس سے ہر وقت خوف زدہ رہیں۔ مثل عسیٰ ان یکون قریبا۔

---

[1] یہ آیت علم غیب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معاندین پیش کرتے ہیں حالانکہ ظاہر ہے کہ اس کا اخفاء عوام کے لیے ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم حقیقی کو پیچھے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ساعت کا علم عطا فرمایا چنانچہ صاوی شریف جلالین، روح البیان وغیرہ میں تصریح موجود ہے۔ (اویسی غفرلہ)

میں معنیٰ قریب کے یقینی معنی میں ہے یعنی یقیناً وہ قریب ہے۔

ف ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں اسے ظاہر نہیں کرتا ہاں یہ ضرور کہتا ہوں کہ وہ آئے گی ضرور۔ اگر خبر دینے میں میرا لطف و کرم نہ ہو) اور تیرے ڈر سے عذر کا قطع مطلوب نہ ہوتا تو میں اسے کبھی بیان نہ کرتا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ میں قیامت اور اس کی آمد کا اس لیے چھپاتا ہوں جیسے ہی جنت اور اس کی نعمتیں اور دوزخ کے ہولناک واقعات اور اس کے عذاب کو مخفی رکھتا ہوں تاکہ میری عبادت کے ساتھ جنت کے طمع اور دوزخ کے خوف کی ملاوٹ نہ ہو جائے بلکہ عبادت خالص میری ذات کے لیے ہونی چاہیئے۔ کما قال تعالیٰ ،

وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین۔

اس میں بندوں کو تہدید عظیم اور ذات حق کی عزت و عظمت کا اظہار ہے لیکن چونکہ اس کی رحمت غضب پر سبقت کر گئی ہے اسی لیے

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

تفسیر صاوی میں ہے ،

انما وقت السؤال والا فقد اخبر نبینا علیہ السلام حتی اطلعہ اللہ علی جمیع المغیبات ومن جملتھا الساعۃ۔	اس سے قیامت پر کوئی مطلع نہیں لیکن یہ سوال کے وقت تھا ورنہ نبی علیہ السلام تشریف نہ لے گئے یہاں تک کہ آپ کو اللہ نے تمام غیبوں پر مطلع فرمایا جن میں سے قیامت بھی ہے
ولیس من شروط النبی ان یعلم الغیب بغیر تعلیم من اللہ تعالیٰ ۔	اور نبی کی شرائط میں سے یہ نہیں ہے کہ اللہ کے بغیر بتائے غیب جانے ۔

اس آیت میں کسی کو علم قیامت دینے کی نفی نہیں لہٰذا اس سے حضور علیہ السلام کے نہ جاننے پر دلیل پکڑنا غلط ہے۔

تفسیر صاوی میں ہے ،

المعنی لا یجلیھا علیہ غیرہ تعالیٰ فلا ینافی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یخرج من الدنیا حتی اعلمہ اللہ ما کان وما یکون وما ھو کائن ومن جملتہ علم الساعۃ	مطلب یہ ہے کہ قیامت کا اظہار اللہ کے سوا کوئی نہیں دے سکتا لہٰذا یہ آیت اس کے خلاف نہیں کہ نبی علیہ السلام دنیا سے تشریف نہ لے گئے یہاں تک کہ رب تعالیٰ نے ان کو سارے اگلے پچھلے واقعات پر مطلع فرمایا جن میں سے قیامت کا علم بھی ہے

لہٰذا اس آیت کی مزید تفصیل ہماری [illegible] میں دیکھئے۔

(از مترجم اویسی)

میرا ساعۃ اور اس کے آنے کو مخفی رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا تَسْعٰى ○ یہ لطیفہ کے متعلق اور اس کے دیدار جلوہ مرتضیٰ اور ما مصدریہ ہے یعنی قیامت کے قیام کو مخفی رکھنے کا سبب یہ ہے تاکہ اس کے لیے حق واضح ہو جائے دل جائے نیکی کی نیک اور بدی کی بُری جزا و سزا اگرچہ وہ اس کا استحقاق ہے۔ اور دن کا ذکر اس لیے ہے کہ تنبیہ ہو کہ قیامت قائم کرنے کی اصلی وجہ یہی ہے کہ بندوں کو عبادات کا ثواب اور نافرمانی کی سزا دی جائے اور انھیں پتہ چلے کہ ان کا عذاب ان کے سوء اختیار کے مقتضیات سے ہے۔

تفسیر عالمانہ

فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا تو تمہیں روکے ساعت کے ذکر اور اس کے مراقبہ سے۔ مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا یعنی وہ جو ایمان نہیں لاتا قیامت پر۔ اگرچہ بظاہر اس میں کافر کو نہی ہے کہ وہ قیامت کے ماننے کا انکار نہ کرے لیکن درحقیقت موسیٰ علیہ السلام کو اس کے انکار سے روکا گیا ہے اور وہ بھی اس کے اسباب کے انکار سے کیونکہ شے کے اسباب و مبادی کی نفی و اثبات شے کی نفی و اثبات میں مبالغہ مطلوب ہوتا ہے اور یہ طریق برہانی ہے اور سبب کی جڑ کاٹنے سے اصل کی جڑ خود کٹ جاتی ہے۔ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ اور جس نے اپنی خواہش کی اتباع کی یعنی وہ مقصد مراد ہو سراسر تخیلی جہالت محض ہے جس کی نہ برہان عقلی تائید کرتی ہے نہ دلیل حق۔

ف: الارشاد میں ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ لذات حسیہ فانیہ کی نفس خواہش کرتا ہے۔

فَتَرْدٰى ○ تو تباہ و برباد ہوگا۔ الردی سے ہے یعنی موت و ہلاکت کیونکہ جو شخص قیامت اور اس کے ہولناک عذاب سے بچنے کے اسباب سے غفلت برتتا ہے تو وہ لامحالہ تباہ و برباد ہوتا ہے۔ اس میں یا استقامت فی الدین کا امر ہے۔ اگرچہ خطاب موسیٰ علیہ السلام کو ہے لیکن اس سے وہ لوگ مراد ہیں۔

ف: آیت ہذا اور دوسری آیات الی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو فرمائی اور موسیٰ علیہ السلام نے اس گفتگو کو سنا بھی۔

سوال: موسیٰ علیہ السلام کو کیسے پتہ چلا کہ جسے میں سن رہا ہوں وہ کلام الٰہی ہے؟

جواب: موسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ گفتگو کرتے وقت حال ایسا نہ تھا جیسے انسانوں کے ساتھ گفتگو کے وقت حال رکھا جاتا ہے۔ اس سے انھوں نے معلوم کیا کہ میں اللہ تعالیٰ سے گفتگو کر رہا ہوں اور انھیں یہ کلام الٰہی مع وصال سے نصیب ہوا اور ساتھ ہی یہ کلام ہر جانب سے سنائی دے رہا تھا اس سے بھی انھیں یقین ہوا کہ یہ کلام الٰہی ہے اور اس کلام کو اپنے جمیع اجزاء سے سنا بجملہ قویٰ سنتے تھے کہ یہ کلام خدا ہے کیونکہ یہ کلام سنتے وقت موسیٰ علیہ السلام کا تمام وجود کان ہی بن گئے تھے۔

ف: یہی حال مومن کا ہے جب آخرت میں کلام الٰہی سنے گا تو یہ کلام سننے کے لیے اسے وجہ مخصوص یا ادراک مخصوص نصیب ہوگا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو ہر جانب سے دیکھے گا اور ہر وجہ اور ہر طرف سے اس کا کلام سنے گا۔ ایسے جب بندے کو اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ نصیب ہو گیا ہے تو وہ ہر جہت سے اس کا مشاہدہ کرتا ہے جو دیکھنے اور کلام سننے کے لیے کوئی حد حاجب نہیں۔

ہوتی ہر جہت سے دیکھتا ہے ۔

ف ۔ وجہ یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسا علم ضرور پیدا فرماتا جس سے اسے خصوصیت کے ساتھ دیکھا جاتا جیسے جو حال نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے غار حرا میں جبریل علیہ السلام کی پہلی حاضری کے وقت ہوا ۔

کلام کے چند مراتب یہ ہیں :

① کلام متکلم کے عین ہو ۔

② وہ معنے جو متکلم کی ذات کے ساتھ قائم ہو جیسے کلام نفسی ۔

③ وہ جو کہ حروف و اصوات سے مرکب ہو ۔ اور یہ عالم مثال و عالم حس کے مطابق ظاہر ہوتا ہے ۔

موسٰے علیہ السلام پر یہ کلام مرتبہ اولیٰ سے مرتبہ ثالثہ کی طرف نازل ہوا اس کے بعد مرتبہ حس کی طرف آیا ۔ اور جو ان مراتب کو عبور کر لیتا ہے اس کے لیے کوئی فرق نہیں رہتا ۔ دیکھئے چاہے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم وحی الٰہی کو کبھی گھنٹی کی آواز میں سنتے تھے اور تجلی باطنی کو یہ مراتب حاصل بھی نہیں ہوتے ۔

سوال ۔ موسٰی علیہ السلام کی کیا تخصیص ہے کہ انہیں کلیم اللہ کہا گیا ہے حالانکہ اس طرح کا کلام تو تمام انبیاء علیہم السلام سے ہوا ۔ پھر انہیں کو کلیم اللہ کیوں نہیں کہا جاتا ؟

جواب ۔ یہ اصل جز اور اعلیٰ مراتب ما حصل پر مرتب ہوتے ہیں ۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام پیغمبر عالی آزمائش تھی اور اس میں آپ کی زبان بھی جل گئی تھی اس پر انہیں اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ کلام کا شرف بخشا ۔

ہر حقیقت سعت در   داستے بود
شد ہم زبان حق چو کلام کلیم سوخت

ترجمہ ۔ ہر بڑی داستان کو پیش خیمہ ہوتا ہے موسٰے علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے کلام سے اس وقت سرفراز ہوئے جب کہ اس سے پہلے آپ کی زبان جل گئی تھی ۔

حکایت : بعض مشائخ کو ان کے مرنے کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کی گفتگو کیسی رہی تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی تھا اور شفقت فرماتے ہوئے کہا کہ میرے پیارے اب کھائیے جب کہ تو نے دنیا میں نہ کھایا اور پی جو تو نے دنیا میں پیٹ بھر کر نہ پیا ۔

ف ۔ چونکہ اس نے دنیا میں نیک کام کیا تو مرنے کے بعد بھی اسے نیک مرتبہ عطا ہوئی ۔ اسے یہ فرمایا کہ کھا اور پی اور راحت کو جا جھگڑا تجربے کمائی اسے جنگل میں راحت قدم رکھنے والے ۔

حکایت : ایک بزرگ کو بعد از وفات دیکھا گیا تو ان سے پوچھا گیا کہ تمہیں یہ مرتبہ کیسے نصیب ہوا جواب میں فرمایا کہ میں نے اپنی خواہشات نفسانیہ کو دبایا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ مرتبہ عطا فرمایا کہ ہوا کو میرے تابع کر دیا ۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ کلام و حکمت معرفت مناسبات میں مصروف ہو مفید حق اور کمال ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی خلافت کرتا ہے تو اتنی گنجائش کہ اسے مواقع کلام سے خود بار بار بھی نصیب نہیں۔

وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ○ ما تلك کی کی ماہیت سے سوال کیا جاتا ہے یعنی شئ کی وہ حقیقت کہ جس سے وہ معروف ہے جیسے کہا جائے کہ ما زید ایسے ہی لفظ کے معنی کی حقیقت کیا ہے تو اس کا جواب صرف انسان ہوگا۔

ف: کاشفی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے وادی مقدس سے جوتا باہر رکھ کر وادی میں قدم رکھا تو ندا آئی وما تلك یعنی یہ کیا شے ہے جس کا حال یہ ہے کہ وہ تیرے ہاتھ میں پکڑی ہوئی ہے۔

اس معنی پر یہ ما استفہامیہ ہے محلاً مرفوع ہے اور لفظ تلك سے خبر ہے اور تلك کا اشارہ عصا کی طرف ہے۔ حال کا عامل لفظ ہذا کا معنی اشارہ ہے۔

سوال: بیمینک کہنے کا بیمینک میں کونسا راز ہے؟

جواب: ممکن ہے کہ ان کے بائیں ہاتھ میں انگشتری وغیرہ ہو تو اگر مطلق بیدك ارشاد ہوتا تیرے ہاتھ میں کیا ہے کہا جاتا تو موسیٰ علیہ السلام حیران ہو جاتے۔ اس کے تیر کو دور کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہارے سیدھے ہاتھ میں کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے استفہام کی تحقیق ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔

قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: هِيَ عَصَايَ یہ میرا عصا ہے۔ اسے موسیٰ علیہ السلام نے اپنی طرف اس لیے منسوب فرمایا کہ واضح ہو جائے کہ سیدھے ہاتھ میں فلاں شے ہے اور دیکھنے والے جیسا کہ خیال منسوب الی موسیٰ علیہ السلام ہی اس لیے جلال پر موسیٰ علیہ السلام نے عصا کو اپنی طرف مضاف کیا تاکہ آنے والے افاعیل کے لیے بہروز تمہید کے ہو جائے۔ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا راستہ میں تھکان کے وقت، بیٹھنے وقت اور چراگاہ میں بکریوں کے ریوڑ کے سامنے کھڑے ہونے کے وقت میں اس پر سہارا کرتا ہوں۔ وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ اهش بمعنی درخت کے پتے جھاڑنا۔

حل لغات: اہل لغت کہتے ہیں هش الورق هشا یعنی اس نے پتا اتارا تو اس سے پتے گر پڑے۔

اب معنی یہ ہوا کہ میں اس سے درخت کے پتے جھاڑتا ہوں تاکہ وہ پتے بکریاں کھائیں۔

وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ مارب، جمع مأربۃ بفتح الراء وضمہا بمعنی حاجت و ضرورت۔ اُخْرٰى ○ انہوں نے لیکن تفصیل نہ فرمایا بلحاظ فواصل آیات کی رعایت کی وجہ سے یعنی اس عصا سے میرے اور بہت سے مقاصد حاصل ہو سکتے ہیں یعنی سہارا لگانے اور پتے جھاڑنے کے علاوہ بھی میرے اس سے بہت سے کام وابستہ ہیں مثلاً چلتے وقت کاندھے پر رکھ لیتا ہوں اور اس کی دوسری طرف تیر کمان اور دوسرا کا برتن اور ڈول باندھ دیتا ہوں اور اس کی دوسری طرف زاد راہ باندھتا ہوں۔ ان جیسا اشیاء کو اس ڈنڈے کے ذریعہ ساتھ رکھتے ہیں ان کا اٹھانے میں آسانی ہوتی ہے۔ عجیب تر یہ کہ سفر کے دوران میرے ساتھ باتیں کرتا ہے۔

عصا کا تعارف حضرت موسٰے علیہ السلام کا عصا مبارک دو شاخہ تھا اور جب کسی درخت کی شاخ اونچی ہوتی تو اسے بھی سے نیچے کرتے اور پھر توڑنے کا ارادہ فرماتے تو عصا کے دو شاخوں سے ٹہنی کو کھینچ لیتے۔ (اس طرح سے ٹہنی سے پھل توڑنا آسان ہو جاتا اور اس عصا کے نیچے کی طرف دو دندانے تھے۔

① جب اسے زمین پر گاڑتے تو زمین سے پانی نکل آتا۔

② جو ثمر موسٰے علیہ السلام چاہتے وہ ڈنڈے سے مل جاتا۔

③ جس وقت کنوئیں سے پانی نکالنا چاہتے تو وہ ڈنڈے کو کنوئیں میں ڈال دیتے تو ڈنڈا ڈول کی صورت اختیار کر جاتا جس سے پانی نکال لیتے۔

④ جب دی کم ہو جاتی تو عصا کے ساتھ ٹھونکتے اس سے پانی نکال لیا جاتا۔

⑤ رات کے وقت وہ چمکتا بھی تھا۔

⑥ اس سے دشمنوں کا مقابلہ کرتے جس سے دشمن بھاگ جاتے۔

⑦ جب درندے بکریوں کے پیچھے پڑتے تو موسٰے علیہ السلام اس ڈنڈے سے انہیں بھگاتے۔

⑧ خیمہ اور میدان میں ہوام کو ہٹاتے۔

⑨ دھوپ سے بچنے کے لیے ڈنڈے کو زمین پر گاڑ کر اس پر کپڑا ڈال دیتے جس کے سایہ کے نیچے آپ آرام فرماتے۔

ڈنڈے کا طول و عرض ڈنڈے کا طول موسٰے علیہ السلام کے ہاتھ کے مطابق بارہ ہاتھ تھا۔ جنت کے عود کے درخت کا بنا ہوا تھا موسٰے علیہ السلام کو شعیب علیہ السلام سے اور شعیب علیہ السلام کو ایک فرشتے سے ملا تھا جیسے آدمی کے بھیس میں آکر آپ کے ہاں امانت رکھا تھا۔

ف: شبلی علیہ الرحمۃ نے کہا ہے کہ وہ ڈنڈا اس جنت کی آس کی لکڑی کا بہشت سے آیا تھا۔ اس کا طول دس گز اور اس کا سر دو شاخہ تھا۔ اس کے نیچے دندانے تھے جسے وہ علیق سے موسوم کرتے یا نبعہ سے۔ آدم علیہ السلام سے بطور وراثت شعیب علیہ السلام کو ملا۔ ان سے موسٰے علیہ السلام کو حاصل ہوا۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام خلق خدا کے والی ہیں اور مخلوق جانوروں کی طرح ہے۔ انہیں چرواہے اور نگرانی کی ضرورت ہے وہ شیطان جیسے بھیڑیئے اور نفس جیسے شیر سے بچانا لازمی ہے۔ انسان پر لازم ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے ارشادات پر عمل کرے اور ان کے دروازے پر پڑا رہے اور ان کے اشاروں پر چلے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ہے۔

شبان وادیٔ ایمن گہے رسد بمراد
کہ چند سال بجان خدمت شعیب کند

ترجمہ : دوسری بار اس وقت منزل مقصود پر پہنچا جب کہ چند سال شعیب علیہ السلام کی خدمت کی۔

فائدہ صوفیانہ : اہل معرفت نے فرمایا کہ چونکہ نفس مطمئنہ کی صورت میں تھا یہی وجہ ہے کہ وہ خواہشات و شہوات کو ترک کرتا ہے اس لیے کہ سانپ کی صورت ایسی ہے کہ وہ ایمان کی استعداد رکھتی ہے جیسے جنوں کو مدینہ طیبہ میں سانپ کی صورت میں دیکھا گیا۔ اس کا ذکر صحاح ستہ میں موجود ہے۔ اسی لیے موسیٰ علیہ السلام نے کہا : ھی عصای اتوکؤا علیھا یعنی اس نفس مطمئنہ کے ذریعے اسرار الٰہیہ کے مطالب حاصل کرتا ہوں۔

واھش بھا علیٰ غنمی اور اسی پر دنیا یعنی اعضا و جوارح اور اپنے جملہ قویٰ سے ظاہرہ و باطنہ کی روحانی غذا پاتا ہوں۔ ولی فیھا مآرب اخریٰ اور دیگر وہ کمالات جو مجاہدات و ریاضات شرعیہ سے نصیب ہوسکتے ہیں میں اسی کے ذریعے حاصل کرتا ہوں۔ جب یہ مجاہدہ و ریاضت میں پورے کام آتا ہے اور رجوع الی اللہ سے جھکا دیا جاتا ہے تو معصیت طاعت سے تبدیل ہو جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

یبدل اللہ سیاٰتھم حسنات۔ اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے تبدیل کرتا ہے۔

سوال : سوال تو لاعلمی کی وجہ سے ہوتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کیوں سوال کیا؟

جواب : یہ عام قاعدہ ہے کہ جب کوئی عجیب شے مخفی والی ہوبہو ظاہر کرتا ہے تو ایسا ہے کہ اس کا مشاہدہ عوام کو بھی ہو جو اس سے بے خبر ہیں تو سوال کے طور پر کہا جاتا ہے (مصنف) اس کے جواب پر مقصد ظاہر ہو جاتا ہے[لہ]

چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ڈنڈے کی حقیقت کو ظاہر فرمایا تو اس کی مثال یوں ہے کہ ایک موچی کا اصل مٹکا اپنا ہی ہے، دیکھنے والا عجیب شے سمجھتا ہے چند دنوں کے بعد اس سے بہترین نہ تیار کر کے اسے کہا جائے کہ یہ وہی ہے جسے تم حقیر سمجھتے تھے ایسے ہی جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اس عصا سے اپنی عجائبات قدرت دکھائے تو پوچھا فرمایا کہ یہ کیا ہے ایک لکڑی ہے جس سے نفع ہے نہ نقصان لیکن جب ایک بڑا اژدھا دکھایا گیا تب واضح ہوا کہ یہ ایک قدرت الٰہی کا نمونہ اور اس کی حکمتوں کا ایک باب۔

ف : ملا علی قاری مرحوم نے لکھا کہ استفہام تنبیہ کے لیے ہے گویا مخاطب کو فرمایا کہ اسے قدرت کے عجائبات ملاحظہ کیجیے۔

تفسیر صوفیانہ : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے استفہام فرمایا اور تنبیہ فرمائی تاکہ انہیں معلوم ہو کہ عصا کا اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک نام اور بھی ہے اور اس کی ایک حقیقت اور ہے جسے وہ نہیں جانتا تاکہ کہیں کہ یا اللہ اس کا علم تجھے ہے جیسا کہ انہیں اس وقت کی گئی جب انھوں نے اس کا علم اپنی طرف منسوب فرمایا ان کا قول ھی عصای

[لہ] یہی مقصد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوتا تھا جب کسی صحابی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوئی سوال پوچھا کرتے۔ اس کو یہی جواب دیا

(اویسی غفرلہ)

لیکن اللہ تعالیٰ نے متنبہ فرمایا کہ تیرے اس جواب میں دو لغزشیں ہیں ۔

① اس کا عصا نام بتانا ۔

② اس کا علم اپنی طرف منسوب فرمانا ۔

بلکہ صحیح جواب یہ ہے کہ یہ میرا ثعبان ہے تیرا اژدہا نہیں ۔

سوال : ایسا خطاب موسیٰ علیہ السلام کو نصیب ہوا لیکن ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسے خطاب سے نہیں نوازا گیا ؟

جواب : اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے خطاب سے نوازا جس سے نہ صرف موسیٰ علیہ السلام بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کو بھی نصیب نہ ہوا ۔ کما قال تعالیٰ :

فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ ۔

یہ خطاب راز و نیاز ہے جو سوائے حضور علیہ السلام کے کوئی بھی اس کا اہل نہیں ہے اور جیسے موسیٰ علیہ السلام کو خطاب ہوا ہے ایسے ہی ہر فرد امت مصطفویہ علیٰ صاحبہا السلام روزانہ پانچ بار خطاب کرتی ہے ۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے ۔ "المصلی یناجی ربہ" نمازی اپنے رب سے مناجات کرتا ہے ۔ علاوہ ازیں موسیٰ علیہ السلام نے یہ استفہام استعلام کے طور پر سمجھا تھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ منزہ اور مقدس ذات ہے بلکہ سمجھا یہ کہ سوال اس لیے کیا کہ وہ اس عصا کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے تیار ہو گئے یا یہ کہ سوال ہوا ہے کہ اس کے منافع بیان کیجئے ۔ چنانچہ اس کے منافع بھی اسی لیے بیان کیے ۔

ف : لاٹھی پر اللہ تعالیٰ نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اژدہا کی حقیقت بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا ذکر بھی کر دیا ۔

ف : بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوال کی حقیقت یہ تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کو تنبیہ ہو جائے کہ یہ اژدہا ہے اس سے خوف زدہ نہ ہوں جب یہ اژدہا بن جائے ، اور یہ تمہارا معجزہ ہے اسی لیے اسے بار بار کے خطاب سے نوازا تاکہ وہ اس سے مانوس ہو جائیں اس سے انہیں وحشت نہ ہو اور ساتھ ہی ہیبت جلالیہ سے بھی نہ گھبرائیں جو کلام الٰہی سے طاری ہوئی کیونکہ وہ کلام از جنس مخلوق نہ تھا دوسرا وہ خوف بھی ان کے دل سے دور ہو جائے جو انہیں درخت سے حیرت انگیز طور پر بات سنائی دی اور ملائکہ کی تسبیح سے ان کے دل میں طاری ہو چکا تھا یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد ان کا دل مطمئن ہوا تو کلام میں طوالت فرمائی ۔

صدیق اکبر کی شان

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شب معراج میں نے اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کی تو مجھ پر ہیبت سی اس وقت طاری ہوا جب مجھے وحشت طاری ہوئی تو میں نے ایک آواز سنی جو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز کے مشابہ تھی جو مجھے فرمایا جا رہا تھا ۔

قف یا محمد ان ربک یصلی ۔ (ٹھہریئے آپ کا رب صلوٰۃ پڑھ رہا ہے)

اس سے مجھے تعجب ہوا کہ یہاں ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھ سے پہلے یہاں کیسے پہنچ گئے حالانکہ میرا رب تو صلوٰۃ پڑھنے سے پاک ہے۔ اور وہ خود فرماتا ہے کہ میں کسی پر صلوٰۃ پڑھنے سے مستغنی ہوں بلکہ وہ کہتا ہے۔

سبحانی سبحانی سبقت رحمتی علی غضبی   میں پاک ہوں پاک ہوں میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی ہے۔

اس کے بعد میری تسکین کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا

"اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے آپ پر یہ آیت نازل نہیں فرمائی هو الذی یصلی علیکم ..... الخ وہ اللہ جو تم پر صلوٰۃ بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے ہیں تاکہ وہ تمہیں ظلمات سے نور کی طرف نکالیں اور اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے لیے رحیم ہے۔

ف ۔ میرا صلوٰۃ آپ پر اور آپ کی امت پر رحمت کے معنی میں ہے۔

اور ہم نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز میں کہا تھا " یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) " یہ صرف اسی لیے تاکہ آپ مانوس ہوں جیسے ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا تھا کہ وما تلک بیمینک یا موسیٰ ۔ وہ اس لیے کہ ہم کو موسیٰ علیہ السلام کو عصا سے انس تھا اسی لیے ہم نے ان کی وحشت دور کرنے کے لیے انہیں عصا کی طرف متوجہ فرمایا تاکہ وہ ہمارے کلام سے مانوس ہوں ایسے ہی ہم کو آپ کا اپنے یار غار صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے انس ہے اسی لیے ہم نے یہاں پر ایک فرشتے کو ان کے لباس اور ان کی آواز میں کر کے آپ کو اپنی طرف مانوس فرمایا تاکہ آپ سے وحشت دور ہو اور کامل طور پر ہماری طرف متوجہ ہوں۔ (کذا فی روح البیان)

حکایت : امام ابن الشاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ ملفوظات میں تحریر فرماتے ہیں کہ امام شاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے صاحب حزب البحر نے فرمایا کہ ایک روز میں مسجد اقصیٰ میں سو رہا تھا کہ خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ مسجد اقصیٰ کے باہر حرم شریف کے صحن میں ایک تخت بچھایا گیا ہے اور بڑی مخلوق جمع ہو رہی ہے میں نے پوچھا کہ یہ جماعت کون ہے کہا گیا کہ یہ انبیاء و رسل علیہم السلام کی جماعت ہے یہ اس لیے جمع ہوئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حسین حلاج سے جو قصور صادر ہوا ہے اس کے بارے میں سفارش کریں۔ جب میں نے تخت کو دیکھا تو اس پر صرف ہمارے نبی پاک شہ لولاک سید محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تنہا رونق افروز ہیں اور دیگر جملہ انبیاء علیہم السلام جیسے ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور نوح علیہم السلام نیچے زمین پر تشریف فرما ہیں میں وہاں پر ٹھہر گیا اور ان کے پاکیزہ کلام کو سننے کا مشتاق ہو گیا۔ اسی بیچ انبیاء علیہم السلام میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخاطب ہو کر عرض کی کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام جیسے ہیں آپ ان میں سے ایک تو ہمیں دکھائیے۔ ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے ایک سوال کیا امام غزالی نے اس کے دس جواب دیئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اعتراض فرمایا کہ سوال کے مطابق جواب ہونا چاہیے میں نے سوال تو ایک کیا جبکہ آپ نے دس جواب دیئے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے عرض کی کہ حضور یہی اعتراض تو آپ پر وارد ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے

آپ سے پوچھا تھا کہ وما تلک بیمینک یموسیٰ۔ آپ کو جواب میں صرف کہنا تھا: ھی عصای۔ لیکن آپ نے بڑا طویل جواب دیا۔

امام شاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے نبی سید الانبیاء سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند قدر شان و شوکت کو دیکھ رہا تھا۔ سبحان اللہ! آپ اکیلے ہی تخت پر ہیں اور دیگر انبیاء خلیل و کلیم اور عیسیٰ علیہ السلام نیچے بیٹھے ہیں۔ ابھی میں اس حال میں تھا کہ کسی نے میرے سینہ پر پاؤں مارا جس سے میں جاگ اٹھا اس وقت میں نے ایک شخص کو پایا جو قندیلیں روشن کر رہا تھا اور مجھے فرمایا کہ تعجب نہ کیجئے یہ تمام انبیاء علیہم السلام ان کے نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ یہ سن کر میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جب نماز قائم ہوئی تو مجھے افاقہ ہوا اور میں نے اس شخص کی تلاش کی لیکن وہ موجود نہ تھا وہ آج تک مجھے نہیں ملا۔

اسی کے مطابق امام بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے۔

فانسب الی ذاتہ ما شئت من شرف
وانسب الی قدرہ ما شئت من عظم

ترجمہ: حضور علیہ السلام کی طرف ہر بزرگی کا جو چاہو منسوب کرو۔ اور ان کی عظمت و قدر و منزلت جیسے چاہو بیان کرو۔

کسی شاعر نے کہا ہے

سر خیل انبیاء و سپہدار اتقیاء
سلطان بارگاہ دنا قائد امم

ترجمہ: حضور علیہ السلام انبیاء کے سردار اور اتقیاء کے سرتاج ہیں۔ بارگاہ دنا کے سلطان اور امتوں کے قائد ہیں۔

تفسیر عالمانہ

قَالَ۔ یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اَلْقِهَا یٰمُوْسٰی ۝ اے موسیٰ علیہ السلام اسے پھینک دیجئے پھر اس کا حال دیکھئے وہ اژدہا بن جائے گا جسے آپ نے کبھی دیکھا نہ تھا اور نہ تصور میں ہی آسکتا ہے۔ الالقاء۔ الطرح والنبذ ہر دو کا ایک معنی ہے۔

فَاَلْقٰىهَا۔ تو اسے موسیٰ علیہ السلام نے زمین پر پھینک دیا۔

ف: قاشی نے لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے گمان فرمایا کہ اسے ویسے ہی پھینکنے کی طرح پھینکنا ہے جو عموماً زمین پر پھینکا جاتا ہے تو اس سے ایک عجیب و غریب آواز سنائی دی اسے مڑ کر دیکھا کہ فَاِذَا ھِیَ تو اچانک حَیَّۃٌ سانپ تھا۔ تَسْعٰی ۝ ہر طرف دوڑ رہا تھا۔

ف: مروی ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے عصا نیچے گرایا تو وہ زرد رنگ کا سانپ ڈنڈے کی موٹائی میں تھا پھر موٹا ہو کر بڑا اژدہا بن گیا اسی لیے کبھی اسے جان سے تعبیر کیا گیا۔ کہ فرمایا: کانھا جان۔ یہ اس کا ابتدائی حال ہے اور پھر فرمایا: فاذا ھی ثعبان۔ یہ اس کا انتہائی حال ہے لیکن یہاں پر حیۃ نام فرمایا اس کے صغر و کبر کا اعتبار نہیں کیا گیا لیکن ظاہر یہ ہے کہ ابتداءً اژدہا بن گیا تھا مقام کے مناسب بھی یہی معنی موزوں ہے جیسا کہ فاذا ھی ثعبان مبین سے یہی معنی موجود ہے۔ جان سے جان

کی مناسبت باہم موجب وحدت سلک ہے۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا کہ ڈنڈے کے سانپ ہو جانے میں اشارہ ہے کہ کبھی برائیاں نیکیوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں گویا کہ سانپ صورت سے ہے جب حیثیت تبدیل ہو تو وہ راحت ہی ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ۔ — مگر جو تائب ہو اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے تو اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے تبدیل فرماتا ہے۔

یہ تبدیلی مقام مغفرت سے ہے اور برائیوں کا مٹا دینا ماز قبیل خشوع ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ برائی کے فوراً بعد نیکی کر لیا کرو اس لیے کہ برائی کو نیکی مٹا دیتی ہے۔

ف: اژدہا سے اس کا حکم ہوا ہے ورنہ اعیان تو تبدیل نہیں ہوتے۔ فقیر (حقی) کہتا ہے کہ عصا کا سانپ بن جانا بتاتا ہے کہ اکسیر سے تانبے کا سونا بن جانا یا جبریل علیہ السلام کا بشری لباس میں آنا عقلاً ممکن نہیں اور جو اب عرفان میں داخل ہوتا ہے اسے اس کا یقین ہو جاتا ہے اسے اسی نظر سے خوب کھلا ہوا اور اوہام کا ازالہ ہو جائے گا۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

دست از مس وجود چو مردان رہ بشوی
تا کیمیائے عشق بیابی و زر شوی

ترجمہ: جب تم اپنا ہاتھ مردان راہ کی طرح وجود کے تانبے سے دھو لو گے تو عشق کا کیمیا نصیب ہو گا پھر سونا بن جاؤ گے۔

مولانا جامی قدس سرہ نے فرمایا ؎

چوں کسب علم کردی در عمل کوش
کہ علم بے عمل زہریست بے نوش
چہ حاصل زانکہ دانی کیمیا را
مس خود را نکردہ زر سرا را

ترجمہ: ① جب علم پڑھ لیا ہے تو اب عمل کی کوشش کیجئے۔ اس لیے کہ علم بے عمل زہر ہے۔
② اس کیمیا دانی کا کیا فائدہ جو اپنے تانبے کو سونا نہ بنا سکے۔

قَالَ: یعنی اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا: خُذْهَا وَلَا تَخَفْ اسے پکڑ لو اور ڈرو نہیں۔

اژدہا کا حال مروی ہے کہ جب ڈنڈا اژدہا سانپ بن گیا تو جہاں سے گذرتا بڑے بڑے پتھروں کو نگل جاتا پتھر و درخت وغیرہ سب کھا جاتا تھا اس کی آنکھیں آگ کی طرح چمکتی تھیں اور اس کے دانتوں سے سخت قسم کی آواز نکلتی تھی۔ اور اس کے دونوں جبڑوں کی درمیانی مسافت چالیس یا اسی ہاتھ تھی جب موسیٰ علیہ السلام نے اسے اس ہیئت میں دیکھا تو گھبرائے

کیونکہ عجیب شکل سے گھبرانا انسانی فطرت ہے ۔

سوال: موسیٰ علیہ السلام سانپ سے گھبرائے لیکن ابراہیم علیہ السلام آتشِ نمرود سے خوفزدہ نہ ہوئے اس کی وجہ کیا ہے ؟

جواب: ابراہیم علیہ السلام میں تمکین زیادہ تھی بہ نسبت موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ ازیں ابراہیم علیہ السلام اس وقت منتہی تھے اور موسیٰ علیہ السلام مبتدی اور مبتدی اور منتہی میں فرق ہوتا ہے اسی لیے لا تخف کہہ کر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے گھبراہٹ کو زائل کر دیا اسی لیے بعد میں فرشتے کو دیکھتے ہوئے نہ گھبرائے کیونکہ پھر وہ ابراہیم علیہ السلام کی طرح صاحب تمکین ہو گئے تھے جیسے ہمارے نبی علیہ السلام جبرائیل علیہ السلام کی پہلی آمد پر گھبرائے ۔ اسی لیے جب غار حرا سے گھر واپس تشریف لائے تو آپ کانپ رہے تھے ۔ پھر تمکین کا وہ کمال پایا کہ خود حق ذات کو دیکھا تو بھی نہ گھبرائے ۔ کما قال تعالیٰ :

ولقد رآه نزلة اخرى عند سدرة المنتهى ۔

ف : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ خذها ولا تخف ۔ اے موسیٰ علیہ السلام ابتداءً تم اسی ڈنڈے کے متعلق سمجھتے تھے کہ اس میں بہت سے منافع ہیں اب تم اس کے نقصانات سے گھبرا رہے ہو اسے پکڑو اور گھبراؤ نہیں تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ ہر ضرر اور نقصان اللہ سے ہے اسی لیے تمہیں ڈر اور امید صرف اللہ تعالیٰ سے ہو اور بس ۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

ہر کہ ترسید از حق و تقویٰ گزید
ترسید ازو جن و انس و ہر کہ دید

ترجمہ : جو اللہ تعالیٰ سے ڈرا اور تقویٰ اختیار کیا ۔ اس کو جو بھی جن و انس دیکھے گا اس سے خوف کرے گا ۔

سَنُعِيدُهَا عنقریب ہم اسے لوٹائیں گے ۔ سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ ۝ سیر کا ایک نوع سیرۃ بروزن فعلۃ ہے اسے طریقہ و ہیئت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اس کا منصوب ہونا علی نزع الخافض ہے ۔ اصل عبارت یوں تھی سنعيدها الى سيرتها الاولى پکڑنے کے بعد ہم اسے پہلی ہیئت پر لوٹا دیں گے یعنی وہی ہیئت جو پہلے ڈنڈے کی تھی چنانچہ جب موسیٰ علیہ السلام نے سانپ کے منہ پر ہاتھ رکھا تو وہ اسی طرح پہلے والا ڈنڈا بن گیا اور آپ کا ہاتھ اس کے جبڑے پر تھا اب دیکھا تو وہی جگہ تھی جس پر ہاتھ رکھ کر سہارا لیتے تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ کیفیت اس لیے دکھائی تاکہ فرعون کے پاس جا کر گھبرائیں جب وہ ڈنڈا سانپ بن جائے ۔

حدیث شریف : قیامت میں زکوٰۃ نہ دینے والے مال والے کا مال سانپ کی صورت میں لایا جائے گا ۔

صوفیانہ تقریر : اہل معرفت فرماتے ہیں کہ ہر ذی جسد میں روح ہوتی ہے اگرچہ وہ معنوی روح ہوتی ہے اور ہر عمل اور خلق اور وصف کی دنیا میں صورت متحدہ ہوتی ہے جو آخرت میں ایک محسوس صورت میں نظر آئے گی

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

فینبئھم بما کانوا یعملون - یعنی ہم ان کے اعمال کی صورتیں ظاہر کریں گے۔ جیسا کہ سورہ انعام میں تفصیل گذری ہے اور چونکہ مال نفس امارہ کی محبوب شے ہے اور یہ نفوس میں سب سے زیادہ خبیث ہے اسی لیے اسے زیادہ موذی سانپ کی صورت میں دیکھا جائے گا۔ اس دن جب کہ سینے کے اسرار ظاہر کیے جائیں گے اور پھر اس سانپ کو صاحب مال کے لیے طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔ جس خوش بخت نے قلب سے تزکیہ نفس کیا اور مال کی محبت اپنے سے نکال دی اور اسے راہ حق میں فنا کیا تو وہ مال ایسی حسین صورت میں ظاہر ہوگا جیسے اس کا جی چاہتا ہوگا کیونکہ اس نے اس مال کو راہ حق میں خرچ کیا تھا ایسے ہی باقی اعمال کا قیاس کیجئے۔

وَاضْمُمْ يَدَكَ اور دایاں ہاتھ ملائیے۔ إِلَىٰ جَنَاحِكَ اپنے پہلو یعنی بغل کے نیچے۔

حل لغات

جناح الانسان یعنی اس کا پہلو اور وہ بازو یا بغل کی جڑ کی جانب ہو جیسے جناح العسکر یعنی لشکر کے دو کنارے جناح الطیر سے مستعار ہے اور اسے 'جناح' سے اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ پرندہ اڑتے وقت اس کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ اپنے ہاتھ کو اس حصے سے ملائیں جو بازو کے نیچے ہے۔

تَخْرُجْ، تاکہ باہر ہو۔ بَيْضَاءَ سفید اور روشن ہو کر۔ یہ تَخْرُجْ کی ضمیر سے حال ہے۔ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ یہ بیضاء کی ضمیر سے حال ہے یعنی حال یہ ہے کہ ہاتھ کا سفید ہونا بیماری کی وجہ سے نہ ہوگا ورنہ یہاں کا سفید ہونا قبیح کہا جائے گا اس سے برص کی بیماری مراد ہے جیسے سوءۃ سے شرمگاہ مراد ہے اس لیے کہ اس طرح سے طبائع کو نفرت ہوگی اور اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

ف: مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام گندمی رنگ والے تھے جب آپ اپنا دایاں ہاتھ بائیں بغل میں دبا کر باہر نکالتے تو سورج کی طرح چمکتا تھا کہ اس سے آنکھیں چندھیا جاتی تھیں اور اس کی روشنی چاروں طرف پھیل جاتی جب اسے واپس لوٹاتے تو وہ پہلے کی طرح بغیر روشنی کے گندمی رنگ والا ہو جاتا۔

آيَةً أُخْرَىٰ ○ یہ دوسرا معجزہ تھا یعنی ایک عصا کا اژدھا بن جانا اور دوسرا یہ اور اس کا منصوب ہونا بیضاء کی ضمیر سے حال ہونے کی بنا پر ہے۔

لِنُرِيَكَ، یعنی ہم نے عصا کو سانپ بنایا اور ہاتھ کو روشنی دیا اس لیے ہے تاکہ ان دونوں معجزوں سے ہم آپ کو دکھائیں مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرَىٰ ○ اپنی بعض بڑی نشانیوں میں سے دکھائیں یعنی عصا کا سانپ ہو جانا اور ہاتھ کا روشن ہو جانا اور یہ دونوں بڑی آیات میں سے ہیں اور وہ نو نشانیاں آیت:

- ولقد اتینا موسیٰ تسع آیات بینات

میں مذکور ہیں جن کا مفصل بیان گذر چکا ہے۔

- یہ آیات موسیٰ علیہ السلام کے لیے ایسے ہیں جیسے ہمارے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن دیا جو دائمی ایک ابدی معجزہ ہے

قال رب اشرح لي صدري ۝ ويسر لي امري

[illegible]

واحلل عقدة من لساني ۝ يفقهوا قولي ۝ واجعل لي وزيرا من اهلي

[illegible]

هرون اخي ۝ اشدد به ازري ۝ واشركه في امري ۝ كي نسبحك كثيرا ۝ ونذكرك

[illegible]

كثيرا ۝ انك كنت بنا بصيرا ۝ قال قد اوتيت سؤلك يموسى ۝ ولقد مننا

[illegible]

عليك مرة اخرى ۝ اذ اوحينا الى امك ما يوحى ۝ ان اقذفيه في التابوت

[illegible]

فاقذفيه في اليم فليلقه اليم بالساحل ياخذه عدو لي وعدو له ۚ والقيت

[illegible]

عليك محبة مني ۚ ولتصنع على عيني ۝ اذ تمشي اختك فتقول هل ادلكم

[illegible]

على من يكفله ۖ فرجعنك الى امك كي تقر عينها ولا تحزن ۚ وقتلت نفسا

[illegible]

فنجينك من الغم وفتنك فتونا ۚ فلبثت سنين في اهل مدين ثم

[illegible]

جئت على قدر يموسى ۝ واصطنعتك لنفسي ۝ اذهب انت واخوك

[illegible]

بايتي ولا تنيا في ذكري ۝ اذهبا الى فرعون انه طغى ۝ فقولا له قولا

[illegible]

لينا لعله يتذكر او يخشى ۝ قالا ربنا اننا نخاف ان يفرط علينا او ان

[illegible]

يطغى ۝ قال لا تخافا انني معكما اسمع وارى ۝ فاتياه فقولا انا رسولا

[illegible]

رَبِّكَ فَأَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۖ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ۖ

رب کے بھیجے ہوئے ہیں تو اولاد یعقوب کو ہمارے ساتھ چھوڑ دے اور انہیں تکلیف نہ دے بیشک ہم تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے نشانی لائے ہیں

وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿٤٧﴾ إِنَّا قَدْ أُوحِيَ إِلَيْنَآ أَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ

اور سلامتی اسے جو ہدایت کی پیروی کرے بیشک ہماری طرف وحی ہوتی ہے کہ عذاب اس پر ہے جو جھٹلائے اور منہ

وَتَوَلّٰى ﴿٤٨﴾ قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوسٰى ﴿٤٩﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيٓ أَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ

پھیرے بولا تو تم دونوں کا خدا کون ہے اے موسیٰ کہا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کے لائق صورت دی پھر

ثُمَّ هَدٰى ﴿٥٠﴾ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولٰى ﴿٥١﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي فِي كِتٰبٍ ۚ لَا

راہ دکھائی بولا اگلی سنگتوں کا کیا حال ہے کہا ان کا علم میرے رب کے پاس ایک کتاب میں ہے میرا

يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنْسَى ﴿٥٢﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا

رب نہ بہکے نہ بھولے وہ جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا کیا اور تمہارے لیے اس میں چلتی راہیں

وَّأَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۭ فَأَخْرَجْنَا بِهٖٓ أَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿٥٣﴾ كُلُوا وَارْعَوْا أَنْعَامَكُمْ ۭ

رکھیں اور آسمان سے پانی اتارا تو ہم نے اس سے طرح طرح کے سبزے کے جوڑے نکالے تم کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو چراؤ

إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي النُّهٰى ﴿٥٤﴾

بیشک اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کو

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب معراج دیکھیں "من آیات ربہ الکبریٰ" اپنے پروردگار کی بعض بڑی نشانیاں۔

کلیم و حبیب علیہما السلام کے آیات دیکھنے کا فرق : حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آیات صرف عجائب الارض میں سے تھے لیکن حبیب کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آیات عجائبات ارض سے بھی تھے اور عجائبات آسمان سے بھی۔

ف : یہ فرق خوب ہے اور اس مقام کے لائق ہے اسے خوب سمجھو۔

عصائے موسوی کے کرامات : حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا لاٹھی [illegible] کو [illegible] فرمائی ہے کہ وہ عصا

اس میں عجیب و غریب نقش بنا ہوا تھا۔ اس میں ان کے ہاتھ مبارک کے جود و کرم اور سخا و ایثار کی طرف اشارہ مخفی تھا کہ جود یہ ہے کہ بے سوال عطا کی جائے اور کرم یہ ہے کہ انسان کو اپنی ضرورت کے باوجود دوسرے کو عطا کر دے اسی سے خلت کی تکمیل ہوتی ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کی سخاوت

ابراہیم علیہ السلام کے ہاں اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو بصورت بشری میں بھیجا تا کہ ان سے فقیر بن کر کچھ مانگیں۔ جبریل علیہ السلام نے ابراہیم علیہ السلام سے عرض کی۔ اپنے پرائے کو برابر طور پر عطایا سے نوازتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ طریقہ میں نے اپنے پروردگار سے سیکھا ہے کہ وہ اپنے پرائے کا کوئی فرق نہیں فرماتا کہ ہر ایک کو بے حساب دیتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام پر وحی بھیج کر فرمایا کہ واقعی اے ابراہیم علیہ السلام تم ہمارے خلیل ہو۔

رسول خدا حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک کے معجزات

① بوقت غزوہ تبوک حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ مبارک سے پانی کا چشمہ جاری ہوا جس سے لوگوں نے سیر ہو کر پیا اور بہت سے لوگ اس پانی کو (تبرک بنا کر) گھروں میں لے گئے۔

② دشمنوں کے منہ پر ہاتھ مبارک سے مٹی پھینکی تو وہ شکست کھا گئے۔

③ آپ کے ہاتھ مبارک میں کنکریوں نے تسبیح پڑھی۔

حضرت شیخ عطار قدس سرہ نے کہا ہے

داعی ذرات بود آں پاک ذات
در کفش تسبیح از آں گفتے حصات

ترجمہ: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم کے ذرہ ذرہ کے رسول تھے اسی لیے آپ کے ہاتھ میں کنکریاں بھی تسبیح پڑھتی تھیں۔

کرامات اولیاء: بہت سے اولیاء کرام کو دیکھا گیا ہے کہ وہ آسمان کی طرف اٹھتے تو آتے اور ہاتھوں کو کھولتے تو زمین پر چاندی اور سونے کی بارش برسنے لگتی (وغیرہ وغیرہ)

سبق: اس تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ ہر وہ کمال جو کسی انسان سے ظاہر ہوتا ہے وہ اس کے کسی عمل یا اس کے احوال میں سے کسی حال کا اثر ہوتا ہے اور ان دونوں کو آپس میں ظاہری یا باطنی مناسبت ضرور ہوگی جب بھی کوئی ہوشیار انسان اسے طلب کرتا ہے تو اسے ڈھونڈ لیتا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ جو عصا حضرت موسیٰ کو ان دنوں میں مرحمت کرنے کی توفیق بخشی تھی جب کہ ہم بے دم پڑے ہو گئے ہیں ہمیں بھی اپنے فضل و کرم کے انوار سے نوازے۔ (آمین)

اِذْهَبْ : اے موسیٰ علیہ السلام ہدایت و تذکیر کے لیے جائیے۔ **اِلٰی فِرْعَوْنَ** : فرعون اور اس کی قوم کے ہاں یہی دونوں معجزات (عصا و ید بیضا) لے کر۔

سوال: تم نے معجزات سے مصرف یہی دو معجزے کیوں مراد لئے اور قوم کا لفظ کہاں سے نکالا؟

جواب: سورۂ قصص میں اس کی تصریح ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فذانک برھانان من ربک الی فرعون وملائه۔ یعنی یہ دونوں معجزے ہیں تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے فرعون اور اس کی قوم کی طرف۔

سوال: پہلے یہ تقریر تم نے دکھائی دوسرے مقام پر جملہ معجزات کا ذکر ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے: اذھب انت واخوک بآیاتی۔ تم اور تمہارا بھائی میری آیات لے کر جاؤ؟

جواب: اس کا جواب ابھی آتا ہے۔

اِنَّهٗ طَغٰی ○ بے شک وہ حد سے بڑھ گیا ہے کہ عبودیت کے اقرار کی بجائے وہ ربوبیت کا دعویٰ کر بیٹھا ہے یعنی وہ مستقل طور پر اپنے آپ کو خدا کہلاتا ہے اور اپنی خدائی میں کسی دوسرے کو شریک نہیں مانتا چنانچہ اس کا اپنا قول ہے: انا ربکم الاعلیٰ۔ (میں تمہارا بڑا رب ہوں)۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں دو حیثیتوں کا اشارہ ہے:

① سالک صادق جب مرتبہ کمال کو پہنچتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی رہبری کے لیے منتخب فرماتا ہے تاکہ بندوں کی کامل تربیت فرماسکے۔

② سالکین باکمال کا کمال یہ ہے کہ وہ خلق سے دور رہیں مگر ان پر کہ ان کی ملاقات سے ضرر ہو اور ان کی ایذا رسانی پر صبر کرے تاکہ ان کے علم و حلم کا امتحان ہو سکے۔

معجزۂ عصا کی حکمت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا کے معجزہ سے نوازنے کا اصل موجب یہ ہے کہ عصا چرواہوں کی علامت ہے اور موسیٰ علیہ السلام بکریاں چراتے تھے اور پھر فرعون گدھا مزاج تھا۔ اس لیے اسے سیدھا کرنے کے لیے اسی طرح کا معجزہ دیا گیا۔

مثنوی شریف میں ہے:

گر ترا عقلست کردم لطفہا ۔ ور خری آوردہ ام خر را عصا
آنچناں زیں آخرت بیروں کنم ۔ کز عصا گوش و سرت پر خوں کنم
اندریں آخر خراں و مردماں ۔ می نیابند از جفائے تو اماں

۴۔ یک عصا آوردہ ام بہر ادب   ہر خرے را کو نباشد مستحب
۵۔ اژدہائے میشود در قہر تو   کاژدہائے گشتۂ در فعل و خو
۶۔ اژدہائے کوہئ تو بے امان   لیک بنگر اژدہائے آسمان
۷۔ ایں عصا از دوزخ آمد چاشنی   کہ ہلا بگریز اندر روشنی
۸۔ ورنہ درمانی تو در دندان من   مخلصت نبود ز در بندان من
۹۔ ایں عصائی بود ایں دم اژدہاست   تا نگوئی دوزخ یزدان کجاست
۱۰۔ ہر کجا خواہد خدا دوزخ کند   اوج را بر مرغ دام و فخ کند
۱۱۔ ہم ز دندانت بر آید دردہا   تا بگوئی دوزخست و اژدہا
۱۲۔ یا کند آب دہانت را عسل   کہ بگوئی کہ بہشتست و حلل
۱۳۔ از بن دندان برویاند شکر   تا بدانی قوت حکم قدر
۱۴۔ پس بدندان بے گناہاں را مگز   فکر کن از ضربت نامحترز

ترجمہ ۱۔ اگر تجھے عقل ہے تو میں نے بہت الطاف کیے ہیں اور اگر تو گدھا ہے تو گدھوں کے لیے ڈنڈا لایا ہے۔

۲۔ تجھے ایسے گدھے تھان سے نکالوں گا اور گدھے کو درست کرنے کے لیے تیرے سر اور کان کو خون آلودہ بنا دوں گا

۳۔ وہ اس گدھے کے تھان سے قرار پائیں گے اور انسان امن پائیں گے۔

۴۔ ادب کے لیے میں ایک لاٹھی لایا ہوں وہ ایسی ہے کہ وہ گدھوں کو قابو کرے گا۔

۵۔ وہ ایسا اژدہا ہے کہ جب وہ تیرے قبضہ میں آئے گا وہ اژدہا جو فعل و خو میں بہتر ہے۔

۶۔ اژدہا پہاڑی کو امان سے بے نیاز ہے لیکن آسمانی اژدہا کو دیکھ (کہ وہ کیا رکھتا ہے)۔

۷۔ اس لاٹھی کو دوزخ سے حصہ ملا ہے کہ اس سے روشنی کی طرف بھاگنے کا اشارہ ہے۔

۸۔ ورنہ تو میرے دانتوں کے بیچ پھنس جائے گا میرے بندے کے لیے۔

۹۔ اس وقت میں وہ لاٹھا ہے تو اب دم وہ اژدہا ہے تاکہ تو نہ کہہ سکے کہ اللہ تعالیٰ کی دوزخ کہاں ہے۔

۱۰۔ اللہ تعالیٰ جہاں چاہتا ہے دوزخ بنا دیتا ہے پرندہ بلندی پر پرواز کرنے والے کو زمین کی پھانسی میں پھنسا دیتا ہے۔

۱۱۔ تیرے دانتوں میں درد اٹھتا ہے تاکہ تو کہے کہ یہ دوزخ ہے یا اژدہا ہے۔

۱۲۔ یا وہ کرتا ہے کہ تیرے منہ میں شہد ڈالتا ہے پھر تجھے محسوس ہوتا ہے کہ میرے منہ میں بہشت آگئی۔

۱۳۔ دانتوں کی جڑوں سے جب شکر کا ذائقہ اٹھا لیا سمجھ اس لیے کہ تجھے تقدیر کا علم ہو۔

۱۴۔ پھر دانتوں سے بے گناہوں کو نقصان نہ پہنچاؤ اور لاٹھی کی ضرب سے بچنے کا بھی فکر کیا کرو۔

تفسیر عالمانہ

قَالَ: موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے مدد چاہتے ہیں جب انہیں معلوم ہوا کہ انہیں ایک بہت بڑے بوجھ کے اٹھانے کا امر ہوا ہے اور سمجھا کہ انہیں بہت بڑے امر کا مامور بنایا گیا ہے جیسے تصور کیا کہ میں اکیلا اور فرعون کا بہت بڑا ملک ہے پھر مقابلہ کس طرح ہوگا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ سے عجز و نیاز کر کے دعا مانگی، رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ○
اے میرے پروردگار میرے لیے میرا سینہ کشادہ فرما۔

ف: صدر سے یہاں پر قلب مراد ہے اس سے گوشت کا ٹکڑا مراد نہیں جو صنوبری شکل کا سینہ میں ہے یعنی اے اللہ تعالیٰ! میرا قلب کشادہ فرما تاکہ دشمنوں کی مخالفت اور معاندت سے تنگ نہ ہو اور نہ ہی ان کی شوکت و کثرت سے خوفزدہ ہو۔

ف: شرح صدر ہی انبیاء و اولیاء پر اللہ تعالیٰ کے فضلوں سے ایک نعمت ہے ان میں سب سے زیادہ حصہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نصیب ہوا اس لیے کہ یہ نعمت صورۃً اور معنیً بھی صرف ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوئی کیونکہ زمانہ طفولیت میں آپ کا شق صدر ہوا اور وہاں سے شیطانی حصہ کو اکھیڑ کر پھینکا پھر اسے سونے کے تھال میں دھو کر رکھ دیا گیا اور پھر اسی طرح آپ کا سینہ مبارک چالیس سال تک بھر دیا گیا یہ صرف اس لیے تاکہ آپ کو شرح صدر سے حظ وافر نصیب ہو اور رسالت کا زیادہ سے زیادہ بوجھ اٹھا سکیں اور پھر شب معراج میں بھی آپ کا شرح صدر ہوا تاکہ آپ اسرار الٰہی سے زیادہ سے زیادہ حاصل ہو سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صفات جلیلہ مثلاً علم و حلم و صبر اور عفو و کرم اور لطف و فضل اور دعا و نصیحت وغیرہ وغیرہ میں بے عدیل و بے مثیل تھے۔

وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ○ اور میرا معاملہ آسان فرما یعنی تبلیغ کے اسباب پیدا فرما اور اس کے موانع دور فرما۔

وَاحْلُلْ: اور کھول دے۔ عُقْدَةً: اس لکنت کو۔ مِّن لِّسَانِي: جو میری زبان میں ہے جو انگارہ کے کھانے سے ہے۔

نکتہ: عقدۃ کی تنکیر اس کی قلت کی طرف دلالت کرتی ہے۔

نکتہ: انسان میں اگر زبان نہ ہوتی تو یہ تصویر جماد کی طرح جامد ہوتا یا صرف وہ چوپایہ ہوتا انسان اسی لیے ہے کہ قلب کی زبان کا کام ہے۔

يَفْقَهُوا قَوْلِي ○ تاکہ میری بات کو سمجھیں یعنی تبلیغ احکام کو فرعون اور اس کی قوم سمجھے کیونکہ فصیح و بلیغ انسان سے تبلیغ مستحسن ہوتی ہے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب سے انگارہ منہ میں ڈالا تھا تھوڑی سی زبان میں لکنت پیدا ہو گئی تھی۔

موسیٰ علیہ السلام کا انگارہ منہ میں رکھنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کندھے پر بٹھا کر جا رہا تھا تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کی داڑھی نوچ لی اور پھر بال بھی اکھیڑ ڈالے اس کی داڑھی میں جواہرات اور لعل پروئے ہوئے تھے۔ اس نے ارادہ قتل کا کر لیا کہ یہ وہی ہے جس کے ہاتھ میری ہلاکت ہونے کی خبر نجومیوں نے دی ہے۔ فلہٰذا اب میں

اسے قتل کرتا ہوں۔ بی بی آسیہ رضی اللہ عنہا اس کے آگے سے آگئی اور کہا اے بادشاہ سلامت! بچے انجان ہوتے ہیں انہیں کیا پتہ کہ موتی ہیں یا کیا اور۔ اگر امتحان لینا ہے تو ایک طرف انگارے رکھ دو دوسری طرف موتی۔ موسیٰ علیہ السلام کو بلا کر اس کے سامنے کر دو۔ دیکھو پہلے سے کیا کرتا ہے۔ چنانچہ ایسا کیا گیا تو موسیٰ علیہ السلام موتی اٹھانے لگے لیکن جبریل علیہ السلام نے آپ کا ہاتھ انگارے کی طرف کر دیا جسے آپ نے اٹھا کر منہ میں ڈالا تو آپ کی زبان جل گئی جس سے معمولی سی لکنت پیدا ہو گئی ایسی کہ آپ کی بات کو آسانی سے سمجھا نہیں جا سکتا تھا۔ اسی طرف شیخ عطار قدس سرہ نے ارشاد فرمایا ہے:

؎

ہمچو موسیٰ ایں زماں در طشتِ آتش ماندہ ایم
طفلِ فرعونیم ما کام و دہان پر اخگرست

ترجمہ: اس دور میں ہم موسیٰ علیہ السلام کی طرح آگ کے تھال میں ہیں۔ ہم فرعونی بچے ہیں ہمارے منہ انگاروں سے پُر ہیں۔

ف: شاید موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ مبارک سفید اسی لیے تھا کہ آپ نے وہ انگارہ اور فرعون کی داڑھی پکڑی اور پھر اسے اٹھایا تھا۔

سوال: انگاروں سے منہ میں تو اثرات پہنچے جس کی وجہ سے زبان میں ثقالت پیدا ہو گئی حالانکہ یہ اثرات ہاتھ میں پڑنے چاہیے تھے کیونکہ انگارے جب ہاتھ میں لیے گئے تو اس وقت ان کی تیزی سخت تھی بہ نسبت منہ میں پہنچنے کے؟

جواب: تاکہ فرعون کو یقین ہو کہ یہ واقعی اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں اور جب موسیٰ علیہ السلام اسے دعوتِ حق پیش کریں گے تو اسے تعجب نہ ہو کہ یہ وہی موسیٰ علیہ السلام ہیں جنہیں آگ نے جلایا تھا اور اس وقت زبان بولنے کے بھی قابل نہ رہی تھی لیکن اب وہ صحیح و سالم تشریف لا کر نہایت فصیح و بلیغ کلام فرماتے ہیں اور خود موسیٰ علیہ السلام فرعون کو کہہ سکیں کہ اے فرعون! دیکھ لے کہ تو نے مجھے ہر طرح سے ناکارہ بنا دیا تھا لیکن میرے اللہ تعالیٰ نے مجھے اس وقت بہتر سے بہتر اور احسن ترین بنا کر نبوت کا تاج پہنایا اور ساتھ یہ دوسرا معجزہ ہے کہ میرے ہاتھ کو نورانی کر دیا کہ جب بھی اسے گریبان سے نکالتا ہوں تو اس سے نوری شعلے نکلتے ہیں۔ اس لیے بچپن میں میرا امتحان لیا گیا لیکن جوانی میں اعلیٰ سے اعلیٰ انعام و اکرام سے نوازا۔ یہی ہے کہ ہر آزمائشِ الٰہی میں حسن و جمال ہے۔

سوال: تمہاری تقریر سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس واقعہ کے بعد فصیح و بلیغ ہو گئے اور آپ کی دعا «واحلل عقدۃ من لسانی» سے بھی تمہاری تائید ہوتی ہے اس لیے کہ موسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا مستجاب ہوئی۔ کما قال «قال قد اوتیت سؤلک یٰموسیٰ» لیکن موسیٰ علیہ السلام کا اپنا قول تمہاری تردید کرتا ہے چنانچہ فرمایا «واخی ھارون ھو افصح منی» اور فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی فصاحت و بلاغت کا بھی انکار کر دیا ہے۔ کما قال «ولا یکاد یبین»؟

جو آپ سے واقعی ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے فصیح تر تھے اور ایک نبی کو دوسرے نبی سے جزوی طور پر فضیلت حاصل ہو تو منع نہیں۔ یہ صرف ہمارے نبی علیہ السلام کا خاصہ ہے کہ جملہ انبیاء علیہم السلام سے ہر طرح کے کمالات میں افضل و اعلیٰ ہیں۔ اور فرعون کا آپ کی فصاحت کا انکار از راہ معاندت و عداوت تھا۔ چنانچہ مخالفین کی عادت ہے کہ اپنے مخالف کے کمالات کا اقرار نہیں کرتے جیسا کہ مخالف مخالف کو کہتا ہے کہ تم تو کچھ شے نہیں یا اسے کہتا ہے کہ تم تو کچھ نہیں جانتے۔

شعیب علیہ السلام کو آپ کے مخالفین کہا:

ما نفقه كثيرا مما تقول۔

اور ہود علیہ السلام کو کہا گیا:

ما جئتنا ببينة۔

اور ہمارے نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کو کفار نے کہا:

قلوبنا في اكنة۔ (کذا فی الاسرار الحق)

یہی جوابات صاحب ارشاد یعنی مولانا ابو السعود رحمہ اللہ۔

وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا اور میرا وزیر بنا۔ الوزیر بادشاہ کے اس خاص ہم نشین ہم ساتھی کو کہا جاتا ہے جو اس کے بوجھ اٹھائے اور وہ اس کی رائے کی تائید کرے۔ (قاموس)

الوزر (بالکسر) سے مشتق ہے بمعنے الثقل (بوجھ) ہے اور وزیر کو بادشاہ کے بوجھ اٹھانا ہے اسی لیے اس نام سے موسوم کیا جاتا ہے یا الوزر (بالفتحتین) سے بمعنے الملجاء المعتصم (جائے پناہ) ہو گا وزیر کی رائے سے پناہ لی جاتی ہے اور امور سلطنت میں اس سے پناہ لی جاتی ہے اسی لیے اس نام سے موسوم ہوتا ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ اے اللہ! مجھے ایک ایسا ساتھی عطا فرما جو امور نبوت میں میری معاونت فرمائے کہ اس کے تعاون سے مجھے آسانی حاصل ہو۔

مِّنْ اَهْلِيْ ۝ میرے خواص و اقرباء سے اس لیے کہ اہل انسان کے ان خاص لوگوں کو کہا جاتا ہے جو اس کی طرف منسوب ہوتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کا قول بیان فرمایا: ان ابنی من اھلی اور اھل اللہ سے اللہ تعالیٰ کے خاص بندے مراد ہوتے ہیں۔

حدیث شریف

ان للہ اھلین من الناس اھل القرآن ھم اھل اللہ۔ (روح البیان جلد ص ۳۲۹) کذا فی المقاصد الحسنہ۔

بیشک کچھ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہوتے ہیں وہ اہل قرآن ہیں وہی اہل اللہ ہیں۔

فائدہ از اویسی غفرلہ : اہل قرآن اہل اللہ کا لقب ہے لیکن دورِ حاضر میں یہ لقب چکڑالویوں اور پرویزیوں نے اپنے لیے مشہور کر دیا ہے جیسے اہل حدیث محدثین کا مخصوص لقب ہے لیکن آج کل کے غیر مقلدین وہابیوں نے اپنے لیے خاص کر لیا ہے اس سے واضح ہوا کہ القاب قدیمہ سے اپنے آپ کو مشہور کرنے سے ان کی بد مذہبی کا سیاہ داغ نہیں مٹ سکتا لہ

ف : من اہلی یا تو وزیرًا کے لفظ کی صفت یا اجعل کا صلہ ہے ۔

ھٰرُوْنَ : یہ اجعل کا مفعول اول ہے ۔

نکتہ : مفعول ثانی اس سے پہلے اس لیے لایا گیا ہے تاکہ واضح ہو کہ حضرت کا اصل مدعا وزیر کا حصول تھا ۔

اَخِیْ ○ یہ ہارون سے بدل ہے ۔

اشْدُدْ بِہٖٓ اَزْرِیْ ○ ازر بمعنے قوت و ظہر (پشت) یعنی اس وزیر کے سبب سے میری قوت یا میری پشت مضبوط فرما دے ۔

وَاَشْرِکْہُ فِیْٓ اَمْرِیْ ○ اور میری رسالت کے امور میں اسے میرا شریک بنا دے تاکہ وہ میری ہر طرح سے معاونت کرے ۔

سوال : موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کے لیے نبوت کا سوال کیوں کیا جب کہ انہیں معلوم تھا کہ نبوت اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہوتا ہے۔ کما قال : اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ " وہ دعا وغیرہ سے حاصل نہیں ہوتی !

جواب : اللہ تعالیٰ کا موسیٰ علیہ السلام کی دعا کو قبول کر لینا دلالت کرتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی استدعا اللہ تعالیٰ کی اجازت اور اذن سے تھی بلکہ اللہ تعالیٰ سے انہیں الہام ہوا تھا کہ آپ یہی دعا مانگیں میں اسے ضرور قبول کروں گا ۔

فائدہ از اویسی غفرلہ : اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی دعا غیر ممکن امور میں بھی مستجاب ہوتی ہے وہ غیر ممکنہ امور میں دعا مانگتے ہی اس وقت ہیں جب اللہ تعالیٰ سے انہیں اجابت کی اطلاع ہو جاتی ہے ورنہ انہیں دعا مانگنے سے پہلے ہی روک دیا جاتا ہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کو اور نوح علیہ السلام کی امت کے لیے دعا مانگنے سے پہلے کہا گیا : یا ابراھیم اعرض عن ھذا ۔ اس سے ثابت ہوا کہ وہ شخص سخت ترین مجرم اور انبیاء علیہم السلام کا گستاخ ہے جو کہتا ہے کہ نبی کی دعا رد ہو جاتی ہے لہ

نکتہ : چونکہ نبوت کے امور میں معاونت ایک بہت بڑا عہدہ تھا اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کسی کو معاون بنانا تھا اس لیے انہوں نے یہ عہدہ اپنے بھائی کے لیے مانگ لیا ۔

لہ ۔ لہ ۔ اضافہ از اویسی غفرلہ

صحبتِ صالح اس سے معلوم ہوا کہ نیکوں کی معاونت و صحبت انبیاء علیہم السلام کو بھی مرغوب رہی ہے تو ہم جیسے عوام کو کیوں نہیں اس سے سبق ملا کہ نیک لوگوں کی صحبت و معاونت ایک اعلیٰ دولت ہے یہ کسی قسمت والے کو نصیب ہوتی ہے۔

اسباق: ① انسان کو اپنی ذات پر مغرور نہ ہونا چاہیے چاہے کتنا ہی قوت و شوکت کا مالک ہو۔

② جو کچھ اپنے لیے پسند کرے اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند کرے۔

③ بعض نیک امور میں بطور معاون دوسرے کو شریک کرنا جائز ہے۔

ازالۂ وہم موسیٰ علیہ السلام کا ہارون علیہ السلام کو وزیر بنانا ان کی نبوت کے منافی نہیں بلکہ بنی اسرائیل کے اکثر انبیاء علیہم السلام کا یہی حال تھا کہ انہیں ایک نبی ہوتا اور دوسرا ان کا وزیر معاون و مددگار۔

ف: ہارون علیہ السلام مصر میں رہے اور موسیٰ علیہ السلام شام میں۔

کَیْ: یہ صیغہ کلمہ تعلیل و غرض کی غایت ہے۔ نُسَبِّحَكَ كَثِيرًا ۝ تاکہ ہم تیری تسبیح بکثرت کریں یعنی ہم تجھے ان امور و صفات کی تنزیہ بیان کریں جو تیری شان کے خلاف ہیں بالخصوص وہ امور جن کا مخالف قائل ہے۔

ف: تسبیح کا حال یہ ہے کہ ہم ہر حال میں تیری تسبیح بیان کریں اور تیرے وہ کمالات اور صفاتِ جمال و جلال کو ظاہر کریں جو تیرے لائق ہیں۔

ف: قاعدہ کا تقاضا یہی ہے کہ اس سے مخالف پر رعب چھا جائے گا اور ہم خیر و جلال کو کثرت سے ظاہر کر سکیں گے۔

وَنَذْكُرَكَ كَثِيرًا ۝ اور ہم ایک دوسرے کی معاونت میں تیرا بہت زیادہ ذکر کریں گے۔

تفسیر صوفیانہ آیات مذکورہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ انسان کو ایک جنس کے ساتھ اختلاط و صحبت کرنی چاہیے کیونکہ نیک صحبت اور اچھی رفاقت کا ایک دوسرے پر اثر پڑتا ہے اس سے طاعات میں ایک دوسرے کی معاونت ہوتی ہے۔ اور سالک کی راہیں آسانی سے طے ہو جاتی ہیں۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

دریغ و درد کہ تا این زمان ندانستم
کہ کیمیائے سعادت رفیق بود رفیق

ترجمہ: افسوس اور درد ہے کہ آج تک مجھے اس کا احساس نہ ہو سکا کہ اچھا رفیق سعادت کا کیمیا ہے۔

اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ۝ بنا کو بصیراً کے متعلق ہے تو اس کی رعایت کی وجہ سے بنا کو اپنے متعلق سے مقدم کیا گیا ہے یعنی تو ہمارے احوال کو خوب جانتا ہے اور ظاہر ہے کہ تعاون میں ہماری مصلحت ہے اور ہارون علیہ السلام کی وزارت میں ہے جس کی تمنا کی گئی اور یہی بہتر ثابت ہوگی کیونکہ ایک تو یہ

سے مدد دیں، بے شک آپ ہمیں خوب دیکھ رہے ہیں۔

ف : ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے چار سال یا ایک سال بڑے تھے روایات کا اختلاف ہے۔

قَالَ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَكَ یٰمُوْسٰی ○ اے موسیٰ علیہ السلام آپ کو آپ کا سوال کردہ مطلوب عطا کر دیا گیا ہے۔ سؤل فعل بمعنی مفعول ہے جیسے خبز بمعنی مخبوز۔

ف : اس سے اللہ تعالیٰ نے وہ امداد مراد لی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کو مطالب عطا ہوں گے۔

صحبت صالح کے فوائد

حضرت داؤد قیصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اقطاب و اغواث پر اللہ تعالیٰ کی منت و احسان اور ان کے کمالات کا ایک یہ بھی ہے کہ انہیں جہلا و صفا کی صحبت سے بچا کر ان کو علماء و ادبا و امرا کی صحبت و رفاقت بخشتا ہے تاکہ وہ ان کے بوجھ اٹھائیں اور ان کے احکام کا نفاذ کریں۔ اور ان کے اقوال عوام تک پہنچائیں جیسے آصف بن برخیا سلیمان علیہ السلام کے وزیر تھے اور وہ اپنے وقت کے قطب اور جملہ عالم دنیا میں تصرف کرنے والے تھے اور انہوں نے بہت اہم امور انجام دیئے مثلاً بلقیس کا تخت لانا وغیرہ جیسا کہ ان کا واقعہ قرآن مجید میں ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے خلیفہ اور وزیر تھے۔

نوشیرواں کے تجربے

نوشیرواں نے کہا کہ تلوار کتنی ہی بہتر کیوں نہ ہو پھر بھی اسے صیقل ضروری ہے۔ ایسے ہی سواری اعلیٰ سے اعلیٰ کیوں نہ ہو پھر بھی اس کے لیے چابک لازمی ہے اور بادشاہ کتنا ہی زیرک دانا ہو اسے وزیر واجب ہے۔

حدیث شریف

حدیث شریف میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بادشاہ کے لیے خیر و بھلائی فرماتا ہے تو اسے نیک طینت وزیر عطا فرماتا ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بھول جاتا ہے تو وہ اسے یاد دلاتا ہے۔ اگر وہ نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اس کی اعانت کرتا ہے اگر وہ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اسے روکتا ہے۔

حضور علیہ السلام کے وزراء

حضور سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی وزراء تھے چنانچہ خود فرمایا :

ان لی وزیرین فی الارض ابابکر و عمر — میرے دو وزیر زمین میں ہیں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اور دو

و وزیرین فی السماء جبریل و اسرافیل — وزیر آسمانوں میں ہیں جبریل و اسرافیل علیہما السلام

ف : اور دو وزیر جو آسمانوں میں تھے وہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت کی حیثیت سے معاونت کرتے اور دو جو زمین پر تھے وہ بحیثیت جسمانیہ کے۔

کما قال تعالیٰ :

هو الذی ایدك بنصره وبالمؤمنین ۔ — وہ اللہ تعالیٰ ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی اپنی اور اہل ایمان کی مدد سے امداد کی ہے۔

اس آیت میں نص الٰہی سے آمال اور تصرفات میں سے ارض مراد ہے، اور ان کا قائم وزراء سے عمل بالاطلاق ہر ایک کے لئے عیاں ہے۔

حدیث مروی کشف یعنی امداد از اہل قبور حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا تحيرتم في الامور فاستعينوا من اهل القبور — جب تم معاملات میں پریشان ہو کر حیران ہو جاؤ تو اہل قبور سے مدد حاصل کرو۔

سند الحدیث المذکور کاشفی نے رسالہ فتحیہ میں اور ابن کمال نے شرح الاربعین میں حدیث مذکور کو بیان فرمایا ہے۔ اہل القبور سے روحانی لوگ مراد ہیں خواہ وہ اجساد کثیفہ میں ہوں یا لطیفہ میں۔

عادل حاکم اور ظالم عادل حاکم کو اس طرح کی مناسبت از سرور کونین صلے اللہ علیہ وسلم نصیب ہوتی ہے اور ظالم حاکم کو ابلیس سے مناسبت نصیب ہوتی ہے اور حق تعالیٰ کے غضب و ناراضگی اور انتقام کی علامت ہے۔ حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ہے

بخواہی گر خیرے پسند خدائے
دہد خسرو عادل نیک رائے
چو خواہد کہ ویران کند عالمے
کند ملک در پنجہ ظالمے

ترجمہ: کسی قوم پر اللہ تعالیٰ اگر خیر و بھلائی چاہتا ہے تو انہیں عادل و نیک رائے بادشاہ و حاکم عطا فرماتا ہے۔ اگر ملک کو ویران کرنا چاہتا ہے تو اس ملک و علاقہ پر ظالم حاکم کو مسلط فرماتا ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا

زمانہ گر نہ زدے سر قلب داشتے کارش
بدست آصف صاحب عیار بگیتی

ترجمہ: اگر سلیمان علیہ السلام کے لئے زمانہ ساتھ نہ دیتا تو ان کا وزیر آصف عیار و مکار ہوتا۔

سلطان وقت زمین پر اللہ تعالیٰ کا سایہ ہوتا ہے حقیقت جامع الٰہیہ مظہر ہو کر ظاہر ہوتا ہے وہی قطب اور **بادشاہ ظل الٰہی ہے** جو عالم کا مدار ہے جیسے قطب کے وزراء اور امداد ہوتے ہیں ایسے ہی بادشاہ ظل کا سایہ ہے جیسے

سے روح البیان جلد ... ص ...

بادشاہ کے وزیر بنا دیا۔

ف ایسی وزارت حضرت امام مہدی تک جاری رہے گی اس وقت ان کے سات وزراء ہوں گے اور وہ اصحاب کہف ہیں انہیں زمانہ مہدی میں زندہ فرمائے گا اور وہی وزارت مہدویہ کے حاکم ہوں گے، چنانچہ ہر قطب کے بھی سات وزراء ہوتے ہیں انہیں وزراء القطب کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

دوسری سے آفاق میں جو اسماعیل اور انفس میں روح اعظم اور آفاق میں چار وزیر اور انفس میں چار عقل اور قویٰ سے اس کے حواس خمسہ وغیرہ اور قلوب اس کے مراد ہیں جب روح اس عقل سے ملتی ہے جو اس کا وزیر اعظم صوفی و تاقی ہے تو روح نفس پر غلبہ پا جاتی ہے اور قلب کو نفس کے چنگل سے چھڑا لیتی ہے جیسے کوئی بادشاہ اپنی سلطنت میں نیک اور عادل وزیر منتخب کر لیتا ہے تو وہ جس قدر تصرف لینے اور اپنے علم پاتا ہے جیسے چاہتا ہے دشمنوں کے بلاد و حصون پر تصرف کرتا ہے۔

مثنوی معنوی میں ہے ؎

عقل تو دستور مغلوب ہواست
در وجودت رہزن راه خداست
وای آن شہ کہ وزیرش این بود
جای ہر دو دوزخ پرکین بود
شاد آن شاہی کہ او را دستگیر
باشد اندر کار چون آصف وزیر
شاه عادل چون قرین او شود
نام او نور علی نور این بود
چون سلیمان شاه و چون آصف وزیر
نور بر نور است و عنبر بر عبیر
شاه فرعون و چو ہامانش وزیر
ہر دو را نبود ز بدبختی گزیر
پس بود ظلمات بعضی فوق بعض
نے خرد یار و نہ دولت روز عرض

عقل جزوی را وزیر خود مگیر
عقل کل را ساز ای سلطان وزیر
مر ہوا را تو وزیر خود مساز
کہ برآید جان پاکت از نماز
کین ہوا پر حرص و حالی بین بود
عقل را اندیشہ یوم الدین بود

ترجمہ: ① تیری عقل خواہشات نفسانی کے طریقہ پر چل کر اس سے منصب ہے اور یہی وہ خواہشات ہیں ۔

② اس بادشاہ کا بہت افسوس ہے جس کا ایسا وزیر ہو عقل کی جگہ نفس ہو گا ۔

③ وہ بادشاہ مبارکباد کا مستحق ہے جس کا ہیں مددگار آصف جیسا وزیر ہو ۔

④ بادشاہ عادل کو جب ایسا وزیر میسر ہو اس کا ہر کام عمدگی سے ہو گا ۔

⑤ بادشاہ سلیمان اور وزیر آصف ہو تو یہ نور علیٰ نور اور بہتر یہی ہے ۔

⑥ بادشاہ فرعون اور وزیر ہامان ہو تو دونوں کو بدبختی لازم ہے ۔

⑦ جیسوں کے لیے ظلمات پر ظلمات ہے ان کی نہ عقل مدد کرے گی نہ دولت نصیب ہو گی ۔

⑧ اپنا وزیر عقل جزوی کو مت بنا عقل کل تیری دولت کے لیے ضروری ہے ۔

⑨ خواہشات نفسانی کو کبھی وزیر نہ بنا۔ اس لیے کہ وہ تیری روح کو نماز ادا کرنے نہ دے گی ۔

⑩ اس لیے کہ خواہشات تو حرص و آز ہوس کے سبب دنیا ہی پر ہیں اور عقل کو یوم حساب کی فکر رہتی ہے ۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنی شاہی و حکومت میں نا اہل کو کام سپرد کرے حالانکہ اس کی سلطنت میں اہلیت و صلاحیت والے موجود ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جملہ اہل ایمان کی خیانت کرتا ہے ۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ہے

کسی را کہ با خواجہ تست جنگ
بدستش چرا میدہی چوب و سنگ
سگ آخر کہ باشد کہ خوانش نہند
بفرمای تا استخوانش دہند

ملاقات موالی بہ الشش مکن !
کہ سگ را تخش بر تخود باید زین

سر گرگ باید ہم اول برید
نہ چون گوسفندان مردم درید

ترجمہ: ① جب تیرے آقا سے جنگ ہو تو پھر اس کے ساتھ فتنہ اور جھگڑا کیوں کیا جاتا ہے۔

② کتے کو دسترخوان پیش کرنے کا کیا معنے اس کے لیے ہڈی چاہیئے۔

③ موالی کو حلوہ سے کیا مطلب اس کی جوتی کاٹ دیجئے۔

④ بھیڑیئے کا سر پہلے سے اتار دینا اچھا ہے اس وقت کیا فائدہ جب وہ لوگوں کی بکریاں پھاڑ کھائے۔

تفسیر عالمانہ

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ۔

حل لغات یہ من علیہ منا سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کو انعام دے۔ یہ علیہ منۃ سے نہیں بلکہ اصلی علیہ اس لیے کہ منت انسان کے کسی کردار سے ختم ہو سکتی ہے۔

سوال: موسیٰ علیہ السلام پر منت جتلانا ایک قسم کا ایذا ہے حالانکہ یہاں تو ان کے ساتھ لطف و شفقت چاہیئے!

جواب: اللہ تعالیٰ نے یہ انعام و اکرام اس لیے جتلایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام (آپ) بطور ایسے انعامات و کرامات کے مستحق ہیں اور انہیں معلوم ہو کر جو کچھ انہیں عطا ہوا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے۔

اب معنے یہ ہوا کہ جیسا ہم نے آپ پر اے موسیٰ علیہ السلام احسان کیا اور بہترین انعامات و کمالات سے نوازا حالانکہ آپ نے ہم سے ان کے متعلق سوال بھی نہیں کیا۔ وکذا فی الکبیر!

مَرَّةً اُخْرٰى ۝ آنے جانے کے وقت یعنی ایسے اوقات میں جو اس وقت کا غیر ہیں۔ اخری، آخر کی تانیث ہے بمعنی غیر اور المرۃ، مرۃ واحد کا اسم ہے اور مر اسم مصدر ہے چنانچہ کہا جاتا ہے: مر یمر مرا و مرورا یعنی جب پھر اس کا اطلاق حلاوت کے فرد واحد پر ہوتا ہے۔ وہ حلاوت قائم ہوں یا منقضی۔ اس کے اطلاق کے بعد عرف میں ان افراد کے ایک فرد میں مستعمل ہونے لگا جو افراد آپس میں متجدد ہوں اور یہ اسی فرد کا نام ہو کر مستعمل ہو جاتا ہے گویا یہ اپنے باقی جملہ افراد کے لیے بمنزلہ میعاد کے ہے اور یہ عرف مرۃ سے مخصوص نہیں بلکہ اور بھی ایسے الفاظ ہیں جو مرۃ کی طرح اپنے افراد کے فرد کے لیے استعمال ہیں جیسے مرۃ اپنے افراد کے فرد کا جیسے کرۃ، تارۃ، دفعۃ۔ لیکن یہاں پر وہ وقت مستعار ہے جس میں آنے والی کثیر اور عظیم منتوں کا وقوع ہوا ہے۔

اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ۔ یہ مننا کا ظرف ہے یعنی جب ہم نے آپ کی والدہ کی طرف وحی کی۔ اس سے وہ

www.marfat.com

وحی مراد نہیں جو انبیاء علیہم السلام پر ہوتی ہے کیونکہ جب عورت قضا و امارت کے قابل نہیں تو اس کے لیے نبوت کیسی۔ ہاں یہاں الہام مراد ہو سکتا ہے جیسے دوسرے مقام پر شہد کی مکھی کے لیے فرمایا: وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ یعنی شہد کی مکھی کے دل میں ایک بات کا ارادہ القا فرمایا کہ وہ بناوٹ و قدرت تیار کرے۔

سوال: الاسئلۃ المقحمۃ میں ہے کہ ام موسیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے اپنے پیارے بیٹے کو دریا میں کیوں ڈال دیا؟

جواب: اس وقت اسے دو خطروں کا سامنا تھا اس نے ان میں سے اسے اختیار کیا جو آسان تھا۔

تحقیقی جواب: موسیٰ علیہ السلام نے ایک بہترین موتی پایا تھا اور موتی صدف میں ہوتا ہے موسیٰ علیہ السلام کی ماں اس موتی کی تھیلی اور قاعدہ ہے کہ جہاں موتی چمکتا ہے صدف بھی ساتھ چمکتا ہے اسی لیے ایسے الہام کو ماں ہی کے لیے لازمی امر تھا کہ ان کے پیٹ میں ایک نبی علیہ السلام اور وہ بھی کلیم اللہ موجود تھے اور ایسے الہامات خاص لوگوں کو ہوا کرتے ہیں۔

مَا یُوْحٰی ۝ اس وحی سے وہ امور مراد ہیں جو اس کے بعد مذکور ہوں گے جیسے موسیٰ علیہ السلام کو تابوت اور دریا میں ڈالنا وغیرہ وغیرہ۔

سوال: پہلے اس وحی کو مبہم بتایا گیا اس کے بعد تفصیل کیوں؟

جواب: الہام میں تفخیم و تہویل مطلوب ہے تاکہ موسیٰ علیہ السلام کی شان و عظمت کی اہمیت محسوس ہو اس کے بعد اس کی تفصیل اس لیے تاکہ مطلوب کا دل میں گہرا اثر ہو۔

اَنِ اقْذِفِیْهِ فِی التَّابُوْتِ۔ ان مفسرہ بمعنی ای اس لیے وحی میں قول کے معنی ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے الہام کو فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کو صندوق میں رکھ دے یہاں پر قذف بمعنی وضع رکھنا ہے۔ اسی طرح فَاقْذِفِیْهِ فِی الْیَمِّ میں قذف بمعنی القاء ہے اور وہ بھی تابوت کے بعد یعنی پھر موسیٰ علیہ السلام کو صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دے۔ تکلم مفسرین نے کہا ہے کہ الیم سے دریائے نیل مراد ہے اس لیے کہ یم سے مطلقاً دریا اور بڑی نہر مراد ہوتی ہے۔

سوال: صرف موسیٰ علیہ السلام کو دریا میں ڈالنے کی کیا حکمت تھی جبکہ کسی اور نبی کے لیے ایسا حکم نہیں؟

جواب (۱): چونکہ فرعون کے معاملات نجومیوں کے ذریعے طے پاتے تھے اور نجومیوں کو دریا کے اندر والی اشیاء کا علم نہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا تاکہ نجومی موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرعون کو کوئی خبر نہ دے سکیں۔

جواب (۲): اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کو ظاہر کرنا تھا اسی لیے موسیٰ علیہ السلام کو دریا میں ڈال کر گویا انہیں ہلاکت کیا جا رہا ہے لیکن وہ قادر ایسی قدرت رکھتا ہے کہ انہیں ایسی ہلاکت گاہ سے محفوظ فرمایا۔

جواب (۳): ام موسیٰ پر احسان ظاہر کرنا مطلوب تھا کہ اسے یقین آئے کہ جسے میں میرے حکم سے دریا میں ڈال دے میں نے اسے بچا لینا ہے نبی بنا کر واپس کروں گا۔

ف: موسیٰ علیہ السلام کو ابتداء میں دریا سے نجات پانا ہے اور انتہا میں کہ آپ کے دشمن فرعون کو دریا میں ڈبویا اور آپ کو

[illegible]

تفسیر صوفیانہ

بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ تابوت میں تابوت سے موسیٰ علیہ السلام جسمانی صورت انسانیہ کی طرف اشارہ ہے اور یم سے ان کے وہ علوم مراد ہیں جو انہیں جسم عنصری سے حاصل ہوئے جب اس جسم کو قوٰی و آلات سے اس جسم میں تصرف کرنے اور تدبیر کا حکم ہوا اللہ تعالیٰ نے اس کے قوٰی کو لیے آلات بنائے ہیں جس سے وہ امور حاصل کرے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے ارادہ میں تھے انہیں دریا میں ڈالا گیا تاکہ وہ ان قوٰی کے سبب قوت علمی کی وجہ سے امر الٰہی کے حصول کی استعداد حاصل ہو اور سے ملکوتیہ اور رب سے روح کی مراد ہے اس کے امتزاج سے سبب قابلیت استعداد نصیب ہوتی ہے۔ اسی اتفاق الٰہی سے موسیٰ علیہ السلام کو استعداد نصیب ہوئی۔

حضرت جامی قدس سرہ نے فرمایا —

دیدم رخت آفتاب عالم رفت
در طور وجود نور اعظم است

اللہ دلم اسیر تابوت بدن !
در بحر صفت القی فی الیم رفت

ترجمہ: تیرا چہرہ عالم آفتاب کو میں نے دیکھا معلوم ہوا کہ طور وجود میں نور اعظم ہی ہے۔ تابوت بدن میں میرا دل اسیر ہوا جیسے دریائے عظیم میں جو کچھ حاصل ہونا تھا حاصل ہوا القی فی الیم میں بہی مار رہا ہے۔

تفسیر عالمانہ

فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ پس اسے دریا نے ساحل پر پھینکا چونکہ یہ امر ہے اور امر وجوب کے لیے آتا ہے اور اس کا تعلق ارادہ الٰہی سے ہے دریا کو تمیز قرار دیا گیا گویا وہ ذی عقل اور امر کا ماننے والا ہے۔ اسی لیے اسے جواب امر کے قائم مقام ٹھہرایا گیا۔ یہ صورۃً امر اور معناً خبر ہے اس کی جو ضمائر موسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہیں، اگرچہ بالقصد پھینکی ہوئی اور دریا میں ڈالی ہوئی صندوق تھی لیکن مقصود بالذات اس کے اندر رہنے والے موسیٰ علیہ السلام ہی اور ساحل اسم فاعل بمعنی مفعول ہے یہ السحل سے مشتق ہے اس لیے کہ سحل بمعنی قشر و سلخ و نزع ہے اور وجہ کہ ساحل اس زمین کے اس حصہ کو کہا جاتا ہے جو پانی سے علیحدہ ہے اسی لیے اس اسم سے موسوم ہے یہ قشرت العود سے ہے بمعنی [illegible] پانی نے اسے اس سے جدا کیا۔ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّي وَعَدُوٌّ لَّهُ میرا اور اس کا دشمن پکڑے گا۔ یہ امر بالالقاء کا جواب ہے اور عدو کا تکرار مبالغہ کے لیے ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اسے امر ہوا! انہیں دریا میں ڈال دے انہیں میرا اور ان کا دشمن پکڑے گا اور میں اس بات پر قادر ہوں کہ ان کی اس کے گھر میں پرورش دوں اور اس کے شر سے انہیں محفوظ رکھوں بلکہ یہی نہیں کہ اس کے دل میں ان کی محبت ڈال دوں گا۔

سوال: یہاں تو فرعون کی اللہ تعالیٰ کے لیے عداوت کو شمار کیا ہے اس لیے کہ عداوت کسی کے بالمقابل کو کہا جاتا ہے؟

جواب دیا چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے امر کا مخالف تھا اسی مخالفت کی بنا پر اسے [illegible] کیا گیا۔ (کذا فی [illegible])

ف: ساحل سے مراد یہاں پر پانی سے خالی جگہ جانا مراد ہے کیونکہ جہاں دریا نے موسیٰ علیہ السلام کے صندوق کو باہر پھینکا تھا وہ دریا کا ساحل نہ تھا بلکہ وہ جگہ دریا کے وسط میں تھی وہاں سے فرعون کے محل میں پانی کی نہر نکل کر جاتی تھی جو اس کے باغات کو سیراب کیا کرتی تھی۔

موسیٰ علیہ السلام کے صندوق کا فرعون کے ہاں پہنچنا منقول ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے صندوق کو روئی سے بھر کر اس کے اردگرد تارکول ڈال کر تیل ڈالا تاکہ پانی اندر نہ چلا جائے اس طرح صندوق کو اندر سے محفوظ کر کے اسے دریا میں ڈال دیا وہاں سے دریا نے فرعون کے باغات کو سیراب کرنے والی نہر میں پہنچایا اور وہ صندوق وہاں چلا گیا جہاں فرعون بی بی آسیہ کے ساتھ بیٹھا تھا۔ فرعون نے بی بی سے کہا کہ دیکھیے یہ صندوق کیسا ہے جب اسے کھول کر دیکھا تو اس میں نہایت حسین و جمیل لڑکا لیٹا ہوا ہے۔

موسیٰ کی وجہ تسمیہ موسیٰ علیہ السلام چونکہ پانی میں دریا کے کنارے سے ملے اس لیے اسی نام سے موسوم ہوئے کیونکہ قبطی زبان میں "مو" بمعنی پانی اور "سا" بمعنی درخت ہے۔

فرعون موسیٰ علیہ السلام کو دیکھتے ہی ان کی محبت میں مبتلا ہو گیا یہاں تک کہ جب تک انہیں دیکھ نہیں لیتا تھا اسے چین نہیں آتا تھا چنانچہ فرمایا:

وَاَلْقَیْتُ عَلَیْکَ مَحَبَّۃً مِّنِّیْ ۵ میں نے اپنی طرف سے اس کے دل میں آپ کی بہت زیادہ محبت ڈال دی یہاں تک کہ ہر ایک کے دل میں موسیٰ علیہ السلام کی ایسی محبت ڈال دی گئی جو بھی آپ کو دیکھتا تھا پھر آپ کے دیدار کے بغیر چین نہ آتا تھا۔ اسی لیے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ فرعون اور اس کا تمام خاندان محبت کرتا تھا۔

[illegible] مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے چہرے پر حسن و جمال کے اثرات اور آنکھوں میں ملاحت تھی جو بھی آپ کی زیارت کرتا فریفتہ ہو جاتا تھا۔

مہ زیباست ولی روئے تو زیباتر ازوست
چشم نرگس چہ کنم چشم تو رعنا تر ازوست

ترجمہ: چاند کتنا حسین ہے لیکن تیرا چہرہ اس سے حسین تر ہے۔ میں نرگس کی آنکھ کو کیا کروں کہ تیری آنکھ تو اس سے بدرجہا بہتر ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت کریمہ ہے۔ وَاَلْقَیْتُ عَلَیْکَ مَحَبَّۃً مِّنِّیْ میں ہے کہ آپ پر اپنی محبت ڈال دی تاکہ جو بھی [illegible] بالتحقیق محبت کرتا ہے وہ آپ سے بھی محبت کرے اور جو میرا اور تیرا دشمن ہے وہ بالتحقیق آپ سے محبت کرے گا جیسے کہ فرعون کی تقلیدی محبت تھی وہاں سے جب موسیٰ علیہ السلام سے ایک حرکت ظاہری خلاف طبع دیکھی تو اس کی وہ محبت عداوت میں بدل

ہو گئی اور حضرت آسیہ کی محبت حقیقی تھی اس لیے ان کی محبت میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہ ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ جس مرید کا ارادہ تقلیدی ہوتا ہے وہ شیخ کا اصول ظاہری فعل اچھے مرید نقل کی محبت سے۔ اس سے اس کی ارادت و عقیدت فاسد و باطل ہو جاتی ہے بخلاف مرید محقق کے کہ وہ شیخ کی بہت بڑی غلطیوں سے بھی منحرف نہیں ہوتا اگرچہ وہ فعل اس کی طبع و نفس کے مزاج اور طبع کے غیر موافق ہو وہ ہر حال میں اپنے شیخ کے لیے تسلیم و رضا کی تصویر بنا رہتا ہے۔

نشان اہل خدا عاشقی و تسلیم است
کہ در مرید شہر این نشان نمی بینم

ترجمہ: خدا والوں کی نشانی عاشقی و تسلیم ہے لیکن آج کل اس علامت والے مرید بہت نظر نہیں آتے۔

تفسیر عالمانہ

وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَیْنِیْ ○ الفت کی علت مقدر پر عطف ہے یعنی تاکہ وہ اسے موسیٰ علیہ السلام تجھ پر مہربان ہو اور اسے پالے بنظر شفقت نرمی سے اپنے حاضر رہ کے تربیت کرسکو پھر وہ اسے موسیٰ علیہ السلام آپ کے ساتھ احسان و مروت سے پیش آتے اور میں جو آپ کا محافظ و ناصر ہوں آپ کی ویسے ہی نگرانی اور حفاظت فرماؤں گا جیسے کوئی کسی اپنی پیاری شے کی بتوجہ خاص بہت حفاظت و نگرانی کرتا ہے یہ صنع الیہ معروفا سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کے ساتھ احسان و مروت کرے۔

ف عینی۔ تصنع سے متعلق ہے اس سے علت نہیں اور عینی مجازاً بمعنی حراست و حفاظت ہے سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا ہے اس لیے کہ نگران جس شے کی حفاظت کا ارادہ کرتا ہے تو اسے وہ اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے جس سے وہ اس شے کے لیے نگہبان ہو جاتا۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ جس بندے پر اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت ہو جائے تو وہ اپنے جملہ حالات دنیویہ و اخرویہ میں جملہ خرابیوں سے محفوظ رہتا ہے اس لیے کہ ہر وقت منجانب اللہ تربیت اور صلاحیت کے اسباب تیار ہوتے ہیں یہاں تک کہ اسے وہ مقامات و مراتب حاصل ہو جاتے ہیں جو اس کے لیے مقدر ہیں۔

تفسیر عالمانہ

اِذْ تَمْشِیْٓ اُخْتُكَ جب کہ آپ کی بہن چلتی تھی۔ آپ کی بہن کا نام مریم تھا اور یہ ظرف تصنع کی طرف ہے اس سے وہ مراد ہے جب وہ فرعون کے گھر آتی جاتی تھی۔ اسی پر فَتَقُوْلُ الخ اور پھر اس کا اپنی ماں کے ہاں جانا اور آپ کی ماں کی تربیت اور اس کی شفقت۔ کیونکہ یہ مرتب ہوں گے اور یہ تمام مضمون تصنع کا مصداق ہے۔ کیونکہ ماں کی شفقت کا اور کوئی شفقت مقابلہ نہیں کرسکتی۔

ف ابن شیخ نے فرمایا کہ تربیت کو معنی احسن کے ساتھ مقید کیا ہے جیسے کہ موسیٰ علیہ السلام کی بہن کا آنا جانا ان کی ماں کے ہاں

واپس ہو جائیں ان کی تربیت کا انتظام ہے۔

فَتَقُوْلُ جب موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے فرعون و آسیہ کو دیکھا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے لیے ایسی دودھ پلانے والی کی تلاش میں ہیں جس کا موسیٰ علیہ السلام دودھ پی لیں کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کسی عورت کا دودھ قبول نہیں کر رہے تھے۔

ف: مضارع کا صیغہ ہر دو ان استمرار پہ حال ماضی کے حال کے لیے ہے۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے کہا:

هَلْ اَدُلُّكُمْ اے حاضرین کیا میں تمہاری رہبری کروں۔ **عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ** ایسی عورت کے لیے جو اس بچے کی کفالت کرتے ہوئے اسے دودھ پلائے یعنی بچے کو اپنے پاس رکھ کر اس کی خوب پرورش کرے اور مجھے یقین ہے کہ یہ بچہ اس عورت کا دودھ پینا بھی قبول کر لے گا۔

ف: منقول ہے کہ مصر میں یہ خبر عام شائع ہو گئی کہ فرعون کو دریائے نیل سے ایک بچہ ملا ہے جو کسی عورت کا دودھ نہیں پیتا۔ موسیٰ علیہ السلام کی بہن فرعون کے گھر سے اچھی طرح ہو کر آئی اور کہا کہ اس بچے کے دودھ پلانے والی میں لا سکتی ہوں۔ فرعون وغیرہ نے پوچھا وہ کون ہے؟ اس نے کہا کہ میری ماں ہے۔ اس کا دودھ پیتا بچہ ہارون علیہ السلام ہے۔ فرعون نے کہا جاؤ اسے لے آؤ۔ بی بی کو لایا گیا اور آپ نے فوراً دودھ پینا شروع کر دیا۔

فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ ۔ فا فصیحہ ہے یہ محذوف فعل کی جزا ہے جس پر ما بعد کا عطف ہوگا۔ اور اصل عبارت یوں ہے:

فقالوا دلینا علیها فجاءت بامك فرجعناك الخ

یعنی فرعون والوں نے کہا کہ ہمیں ایسی عورت کے لیے رہبری کیجئے چنانچہ وہ آپ کی والدہ کو لائی تو ہم نے آپ کو ان کے ہاں واپس پہنچا دیا۔ اس لیے کہ ہمارا وعدہ تھا کہ ہم آپ کو آپ کی والدہ کے ہاں واپس لوٹائیں گے جب وہ پیدا ہوگا چنانچہ وہ وعدہ قرآن یوں ہے۔

کما قال تعالیٰ:

انا رادوه الیك وجاعلوه من المرسلین۔

ہم موسیٰ علیہ السلام کو تیرے ہاں واپس لوٹائیں گے اور ہم اسے اپنا پیغمبر بنائیں گے۔

الہام خاص: موسیٰ علیہ السلام کا الہام خواص اولیاء کے الہام جیسا تھا جو بمنزلہ وحی انبیاء علیہم السلام کے ہوتا ہے اسی لیے بی بی صاحبہ نے ایسی گفتگو کو مان لیا اور بی بی کو یہ حال خواب میں دکھایا گیا جس سے انہیں تسلی تھی۔

كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا تاکہ آپ کے ملنے سے آپ کی والدہ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کی والدہ آپ کے ملنے سے خوش ہوگی یہ قرۃ عین سے مشتق ہے۔ اس وقت بولتے ہیں جب آنکھ کسی کے دیکھنے سے ٹھنڈی ہو یہ مسرت کی تفسیر ہے یا اس کی قرار بمعنی ٹھہرنا ہے اس سے مراد ہے اور یہی معنی یہاں مقصود ہے۔ کذا فی بحر العلوم۔

وَلَا تَحْزَنَ اور آپ کی گمشدگی سے غمگین نہ ہو اور آپ کے ہجر و فراق سے ملال نہ ہو۔ (کذا فی الکبیر)

سوال: ولا تحزن میں تو کلام ہے اس لیے کہ سرور غم کا ازالہ کرتا ہے تو پھر اس کی کیا ضرورت؟

جواب: تقر عینها میں اشارہ ہے کہ اے موسیٰ علیہ السلام آپ والدہ کے ہاں واپس جائیں گے تو انہیں مسرت ہوگی اور آپ اس کے سوا کسی دوسری عورت کا دودھ نہ پئیں گے تو ان سے یہ غم دور ہوگا کہ آپ کے پیٹ میں اس کے سوا کسی دوسری عورت کا دودھ نہ جائے گا۔

ف: ولا میں اشارہ ہے کہ اب جب کہ آپ اپنی والدہ کے ہاں واپس لوٹ گئے تو اس کے بعد ہمیشہ تک آپ کے ہجر و فراق سے فارغ ہو گئی اور اسے پھر کبھی حزن و ملال نہ ہوگا۔ یہ معنے نہ کیا جائے تو مذکورہ سوال کا ورود صحیح ہے اس لیے کہ حزن کا زوال سرور سے پہلے ہوتا ہے اسی کو قرۃ العین سے تعبیر کیا جاتا ہے اور قاعدہ ہے کہ تخلیہ تحلیہ پر مقدم ہوا کرتا ہے۔

فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ میرے نزدیک واؤ مطلق جمع کے لیے ہے ترتیب کے لیے نہیں یہی کہا جا سکتا ہے کہ دوسرا جملہ پہلے جملے کی تاکید ہے ان دونوں تقریروں کے بعد جملہ اعتراضات دفع ہو گئے۔

وَقَتَلْتَ نَفْسًا اور آپ نے ایک شخص کو قتل کر دیا۔ اس مقتول سے وہ قبطی مراد ہے جس سے اسرائیلی کو خطرہ تھا تو اس کے ظلم سے بچنے کے لیے اسرائیلی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مدد چاہی۔ (اس واقعہ کی تفصیل سورہ قصص میں آئے گی)۔ **فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ** تو ہم نے آپ کو غم سے نجات دی یہاں پر غم سے قتل مراد ہے کیونکہ قتل کے بعد موسیٰ علیہ السلام کے دل میں خوف سخت لاحق تھا کہ میں نے ناحق قتل کر دیا ہو۔ شاید اس کی وجہ سے مجھ پر عذاب الٰہی نازل ہو جائے اور ساتھ ہی فرعون کے قصاص سے بھی خوف زدہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے عذاب سے نجات کی خوشخبری سنائی اور مدین کی طرف ہجرت کا حکم فرمایا جس سے موسیٰ علیہ السلام ہمیشہ کے غم و حزن سے آزاد ہو گئے۔ **وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا** اور ہم نے آپ کو آزمایا۔ فتنۃ و فتون بمعنی محنت و مشقت یا ہر امر جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی آزمائش کرے۔

ف: اللہ تعالیٰ پر یہ اسم فتان کا اطلاق ناجائز ہے اس لیے کہ یہ اسم بظاہر مذموم ہے۔ اس لیے یہ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں اور اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں۔

سوال: اگر یہ اسم مذموم ہے تو محنتوں کے ذکر کے وقت اس کا استعمال کیوں ہوتا ہے؟

جواب: فتنہ یعنی تشدید المحنۃ چونکہ کثرت ثواب کا موجب ہے اسی لیے اسے اللہ تعالیٰ نے نعمتوں میں شمار فرمایا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما اوذی نبی مثل ما اوذیت۔ مجھ جیسی ایذا کسی اور نبی کو نہیں پہنچائی گئی۔

ف: بعض شارحین نے فرمایا ہے کہ اس حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ جتنا تصفیہ قلب مجھے نصیب ہوا ایسا کسی اور کو نصیب نہ ہوا۔ اب ظاہر ہوا کہ جیسے آپ کو بہت آزمایا۔

بعض نے فرمایا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے آپ کو آزمائشوں میں خوب پکایا اور آپ بھی ہر ایک آزمائش میں پورے اترے ۔ منجملہ ان آزمائشوں کے چند ایک یہ ہیں :

① قبطی کو قتل کرنا ۔
② وطن سے ہجرت کر جانا ۔
③ دوستوں سے جدا ہو جانا ۔
④ دور کا سفر پیدل طے کرنا ۔
⑤ زاد راہ کا ختم ہو جانا اور

دیگر تکالیف جو مدین تک پہنچنے سے پہلے پیش آئیں جیسا کہ آنے والے کلام میں لفظ فقیر سے ثابت ہوتا ہے ۔

موسیٰ علیہ السلام کی آزمائشوں کی فہرست

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو آزمایا گیا جن آزمائشوں میں آپ کو آزمایا گیا وہ یہ ہیں :

① فرعون کے ساتھ رہتے تھے اور اسی کی قوم میں تربیت و پرورش کے باوجود اس کے مذہب کو قبول نہ کرنا ۔
② قبطی کو ناحق قتل کرنا اور فرعون سے اس کے خوف سے بھاگنا ۔ ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو نجات بخشی ۔
③ شعیب علیہ السلام کی دو صاحبزادیوں کی ملاقات اور ان کی بکریوں کو پانی پلانا باوجودیکہ موسیٰ علیہ السلام اس وقت نوجوان تھے اور جوانی کی امنگوں کے پیش نظر آپ کا غلط فعل کا مرتکب ہونا کہ اکثر عورتوں کی طرف مائل ہو جانا فطری امر ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے محفوظ فرمایا کہ ان کی طرف خیال تک نہ گیا ۔
④ حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت و صحبت اور پھر ان کی مزدوری کا آٹھ سال تک کا معاہدہ ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عہد پورا کرنے کی توفیق بخشی ۔

ف : بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو چند مقامات پر آزمایا تاکہ وہ ان آزمائشوں میں پورا اتریں بعد میں ان کے مراتب بلند ہوں ۔

قبطی کا قتل کرنا بھی منجملہ آزمائش کے تھا لیکن اس قتل کا موسیٰ علیہ السلام کو علم نہ تھا ۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ قتل کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام نہایت اضطراب و پریشانی میں رہتے اگر یہ اعمال کا حکم ہوتا تو وہ قتل کے بعد کبھی مضطرب اور پریشان نہ ہوتے بلکہ اس قتل سے بجائے انہیں دنیا و آخرت کی خوشی ہوتی لیکن اس کے برعکس نے جو آپ نے قبطی کو قتل کیا اس سے معلوم ہوا کہ یہ امر اتفاقی تھا اور یہ بھی ہے کہ جب انسان کسی کو قتل کرتا ہے تو وہ اس کے بعد پشیمان ہوتا ہے ۔

مودودی کا رد : مودودی نے لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کو قتل کر کے گناہ کیا تھا اور یہ اس کا ہی نتیجہ ہے اس سے یہ کہ

انبیاء علیہم السلام کا معصوم ماننا لازم ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا یہ عمل بھی گناہ میں شامل نہیں ہے۔

(چنانچہ تفسیر (صاحب روح البیان) نے لکھا ہے ؛)

وانما قلنا انه علیه السلام کان معذورا فی قتل القبطی لان باطن النبی معصوم من ان یمیل الی امر لم یکن مامورا به من عند ربه وان کان فی الصورة یکون النبی معصوم الباطن من حیث لا یشعر حتی یخبر بانه ما فعله الا مامورا به فی السر[۲]

اور ہم نے اسی لیے کہا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو قبطی کے قتل کرنے کا الہام اللہ تعالیٰ نے ہوا تھا اس لیے کہ نبی کا دل معصوم ہوتا ہے وہ ہر ایسے امر کا ارتکاب نہیں کرتے جس کا انہیں اللہ تعالیٰ نے حکم نہ ہو اگرچہ وہ امر بظاہر انہیں معلوم نہ ہو تب بھی باطن انہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے وہ بظاہر اسے محسوس نہیں تو انہیں بعد میں محسوس کرایا جاتا ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام نے غلام کو ناحق قتل کر کے موسیٰ علیہ السلام کو متنبہ فرمایا کہ آپ کا قبطی کو قتل کرنا الہامی حکم تھا اگرچہ اس وقت آپ کو اس وقت توجہ نہیں تھی میں نے غلام کو قتل کر کے آپ کو یاد دلایا ہے تاکہ موسیٰ علیہ السلام سمجھ لیں کہ جو کچھ میں نے کیا ہے حق ہے اگرچہ بظاہر غلام کی ہلاکت ہے اور باطن اس میں بھلائی ہے ایسے ہی کشتی کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں اشارہ تھا کہ اے موسیٰ! علیہ السلام آپ اپنا واقعہ یاد کیجئے کہ آپ کی والدہ نے آپ کو دریا میں ڈال دیا تھا اس کا ظاہر تو تباہی و بربادی تھی لیکن باطن میں ہزاروں حکمتیں۔ ایسے ہی میرا معاملہ سمجھئے کہ میں نے کشتی میں سوراخ کر کے کشتی کو غاصب سے بچایا ہے جیسے آپ کی والدہ نے صندوق کو دریا میں ڈال کر آپ کو فرعون کے غضب سے بچایا ورنہ فرعون آپ کو دوسرے بنی اسرائیل کے لڑکوں کی طرح قتل کر دیتا۔ یہ دونوں ماجرے الہامی ہیں اگرچہ آپ کی والدہ حقیقت حال کو بظاہر نہیں جانتی تھی لیکن الہام سے غالب گمان تھا کہ یہ بچہ صرف میرا ہی نہ رہے گا اس لیے یہ لطفاً دریا سے بچ نکلے گا اور ہمیں الہام ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام رسول خدا ہوں گے اور انہی کے ہاتھوں فرعون اور قبطی تباہ و برباد ہوں گے۔ اسی لیے بی بی صاحبہ کا ایمان تھا اور عقل و ہوش کا وقت بسر کیا ورنہ بظاہر اس کے پاس کوئی دلیل نہ تھی جو اسے تحقیق تک پہنچاتی۔ لیکن ایسی صاحبہ کا یقین و وہم ہو کے ظن ہو گیا جب کہ اس کا تعلق حق اور مطابق بواقع اور متحقق فی الامر تھا۔

فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۔ تو تم اہل مدین میں کئی سال ٹھہرے رہے یعنی دس سال شعیب علیہ السلام کے ہاں آپ بکریاں چراتے رہے جب کہ انہوں نے اپنی صاحبزادی صفورہ کا نکاح آپ سے اس شرط پر کیا کہ آپ ان کی آٹھ سال بکریاں چرائیں لیکن آپ نے دس سال پورے کر دیئے تاکہ خدمت کا کامل حق ادا ہو جیسا کہ سورۃ قصص میں تفصیل آئی ہے۔

---

[۱] اضافہ از اویسی۔

[۲] روح البیان جلد ۵ صفحہ ۲۰۳۔

ف: مدین مصر سے آٹھ مراحل پر ہے۔

مدت کی بجائے لبثت کہنے میں اشارہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ عرصہ بڑی مشقت اور تکلیف میں گذارا تھا اور یہ بھی مصیبت سے کم نہ تھا کہ آپ شعیب علیہ السلام کے ہاں ایک مزدوری کر رہے۔

تفسیر صوفیانہ فَلَبِثْتَ سِنِیْنَ فِیْٓ اَھْلِ مَدْیَنَ ۔ اے موسیٰ علیہ السلام تم اہل مدین میں کئی سال ٹھہرے رہے تاکہ شعیب علیہ السلام کی خدمت کرکے اور ان کی صحبت میں چند روز صبر کرکے نبوت و رسالت کے مستحق بن جاؤ۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

شبانِ وادیٔ ایمن گہے رسد بمراد
چند سال بجان خدمت شعیب کند

ترجمہ: کبھی وادی ایمن کا چرواہا بھی مراد کو پہنچ جاتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ چند سال وہ شعیب علیہ السلام کی خدمت کرتا رہے۔[1]

سبق: غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ناگوار امر کو کس طرح محبوب بنا دیا ہے یعنے موسیٰ علیہ السلام سے قبطی قتل کرا کر شعیب علیہ السلام کی خدمت میں روانہ کر دیا تاکہ ان میں نبوت و رسالت کی استعداد پیدا ہو۔ ایسے ہی اس جیسے سینکڑوں امور ہیں۔

سبق: جب نبوت کے لیے اتنا کچھ ضروری ہے تو ولایت کے لیے بطریق اولیٰ لازم ہے۔

تفسیر عالمانہ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰی قَدَرٍ یّٰمُوْسٰی ○ راستہ بھول جانے اور اندھیری رات میں بکریوں کے منتشر ہو جانے کے بعد اے موسیٰ علیہ السلام تم وادی مقدس میں ایک مدت کے بعد آگئے۔ قدر سے وہ مدت مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے لیے مقدر فرمائی کہ فلاں وقت میں موسیٰ علیہ السلام سے وادی مقدس میں گفتگو کریں گے اور اسی وقت انہیں نبوت سے سرفراز فرمائیں گے اس سے ذرا بھی آگے پیچھے نہ ہوگا یا اس سے وہ سن مراد ہے جس میں انبیاء علیہم السلام کو نبوت کے اعلان کا حکم ہوتا ہے یعنے چالیس سال کے بعد حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی چالیس سال کے بعد نبوت کے اعلان پر مامور ہوا۔ (کذا فی بحر العلوم)

ف: بعض محدثین نے اس روایت کو موضوعات میں شامل کیا ہے۔

وہ انبیاء علیہم السلام جنہیں چالیس سال سے پہلے نبوت ملی: مروی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملی اور پھر آسمان پر

---

[1] ؎ اگر آ جائے کوئی شعیب میسر
تو شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

اٹھائے گئے تو اس وقت آپ کی عمر تیس سال تھی اور یوسف علیہ السلام کو چاہ کنعان میں نبوت ملی جبکہ آپ اس وقت اٹھارہ سال کے تھے اور یحییٰ علیہ السلام کو بچپن میں نبوت حاصل ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی نبوت کے لیے چالیس سال کی کوئی شرط نہیں۔ وکذا فی المقاصد الحسنہ۔

یا موسیٰ تکرار خطاب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شرافت کے اظہار کے لیے ہے اور اس میں تنبیہ بھی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پہلی بار کسی آزمائش میں مبتلا ہوئے تو دوسری بار کسی میں۔

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ○ اور میں نے اپنی ذات کے لیے آپ کو چن لیا۔ یہ وانا اخترتک کے وعدہ کے بیان کی تاکید ہے۔ یعنی میں نے رسالت اور ہم کلامی کا مرتبہ عطا کر کے آپ کو لوگوں پر یوں فضیلت بخشی ہے کہ جیسے بادشاہ اپنے لیے مخصوص کر لیتا ہے اور پھر بادشاہ اس خاص کو امور جلیلہ سپرد کرتا ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو نبوت و رسالت کے امور جلیلہ سپرد فرمائے۔ اصطلاح بلاغت میں اپنے لیے خاص کرنے کو تمثیل اور رسالت و نبوت کے امور جلیلہ سپرد کرنے کو ترشیح کہتے ہیں۔

ف: قاشانی نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اے موسیٰ علیہ السلام ہم نے آپ کو برگزیدہ بنایا اور اپنی محبت میں خاص فرمایا یعنی اپنا دوست خاص مقرر فرمایا۔

ف: ابن الشیخ کے حواشی میں ہے کہ میں نے آپ کو اپنے لیے اس لیے چنا تاکہ آپ میری محبت کریں اور میرے ارادہ و مشیت کے مطابق تصرف فرمائیں اور جیسے کہ آپ کو اقامت حجت و تبلیغ رسالت کا حکم ہے آپ اس میں مشغول ہوں اور یہ کہ آپ کی تمام حرکات و سکنات صرف میرے لیے ہوں۔ اس میں آپ کے اپنے نفس اور آپ کی خواہشات اور دوسرے غیر کو کسی قسم کا دخل نہ ہو۔

حل لغات الاصطناع افتعال کا باب الصنع (بالضم) ہے اور یہ صنع الیہ معروفاً او معروفہ۔ اصطنع فلان فلانا اصطناعاً صنعنا معروفاً الیہ سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کی تعظیم و تکریم کے تحت اس کے ساتھ احسان و مروت کے طور پر اسے اپنا مقرب بنائے۔ اور قفال نے لکھا ہے کہ اصطنعتک کا اصل مادہ اصطنع فلان فلانا ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی سے ایسا احسان کرے کہ پھر وہ ہر وقت اپنے محسن کی طرف ہی منسوب ہو جیسے عربی محاورہ ہے:

هذا صنيعة فلان (یہ فلاں کا احسان ہے)۔

اور مشہور ہے:

هو صنيعة فلان (یہ فلاں شخص کا تربیتی ہے)۔

قاموس میں ہے: اصطنعتک لنفسی کا معنی یہ ہے کہ میں نے ایسے خاص امر کے لیے مختص کیا ہے کہ پھر اس میں ہی آپ کی کفالت کروں گا۔

صوفیانہ معنے: حقیقت یہ ہے کہ اصل اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ایسا آئینہ بنایا جو صفات جمال و جلال کے انوار

کی کفایت کرتا ہے۔

تقریر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خواص وہ ہیں جنہیں اسی خاص مطلب کے لیے پیدا کیا گیا ہے ورنہ ان کے بعض صرف دنیوی کام کے لیے ہیں اور بعض اخروی امور کے لیے۔ اس سے ثابت ہوا کہ خواص حقیقۃً اللہ تعالیٰ کے وہ مخصوص بندے ہیں جو باطل و ماسوی اللہ کی میل کچیل سے بالکل صاف اور پاک ہیں۔

لبید نے کہا ؎

الا کل شیء ما خلا اللہ باطل
وکل نعیم لا محالۃ زائل

ترجمہ: خبردار! اللہ تعالیٰ کے ماسوی تمام باطل ہے اور ہر نعمت زوال پذیر ہے۔

حدیث شریف حدیث شریف میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے کسی مصیبت میں مبتلا کرتا ہے پھر وہ اس مصیبت پر صبر کرے تو اسے برگزیدہ بنا لیتا ہے اور اگر وہ اس پر راضی ہو جاتا ہے تو اسے اپنے لیے خاص کر لیتا ہے۔

ف دنیاوی مصائب کے وقت کڑوے گھونٹ پینے کا نام صبر اور قضائے الٰہی کے اجرا پر قلب میں سرور و فرحت محسوس کرنے کا نام رضا ہے۔

ف: جس بندے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ اسے خاص اپنے لیے چن لے تو پہلے اسے بلا و مصیبت کا ذائقہ دیا جاتا ہے پھر اس کے جوہر قلبی کو ماسوی اللہ سے پاک و صاف کر دیتا ہے لیکن یہ راہ بہت مشکل ہے۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

گو مکن قطع بیابان عشق آسان ست
کز کرانہ تا بجا ریگ آں بیاباں ست

ترجمہ: مت کہو کہ عشق کا بیابان طے کرنا آسان ہے اس لیے کہ عشق کے جنگل میں وہ پہاڑ ہیں جن میں ریت کا نام و نشان تک نہیں۔

اے اللہ! ہمیں صابرین و شاکرین اور راضی بقضائے الٰہی بنا (بجاہ النبی الامین) —

تفسیر عالمانہ

فَاذْهَبْ اَنْتَ:

حل لغات الذہاب بفتح ہ کا معنی جانا ہے، وذہب بالشیء و اذہبہ، لے گیا اور وہ اسے لے گیا۔ اس کا استعمال اعیان و معانی ہر دونوں میں ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

[illegible] (یہ ایمان کی شکل ہے)

اور فرمایا :

فلما ذهب عن ابراهيم الروع جب ابراہیم علیہ السلام سے گھبراہٹ چلی گئی (یہ معانی کی شکل ہے)

وَأَخُوكَ یعنی آپ کو آپ کے بھائی ہارون علیہ السلام کو جانا چاہیے، جیسا کہ آپ نے ہارون علیہ السلام کی رفاقت کی آرزو کی تھی۔

سوال : ہارون علیہ السلام کے لیے صیغہ غائب کیوں؟

جواب : اس وقت ہارون علیہ السلام موجود نہ تھے۔

ف : لفظ اخوة : مشارکة فی الولادة من الطرفین کے لیے ہی مستعمل ہوتا ہے (اسے حقیقی کہتے ہیں) اور ایک طرف سے بھی۔ اگر باپ سے ہو تو وہ اخوة علاتیہ اور اگر ماں سے ہو تو اخوة اخیافیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے تفصیل علم میراث میں ہے اگر دودھ پینے کی شراکت ہو تو بھی اخوت ثابت ہو جاتی ہے۔

ف : مشارکة فی الفعل مثلاً قبیلہ کی شراکت (مسلمان بھائی بھائی) ایسے ہی دین کی شراکت ایسے ہی صنعت ایسے ہی کوئی معاملہ دینی و دنیوی اور اخلاق وغیرہ ایسے ہی دوستی اور محبت وغیرہ وغیرہ پر بھی اخوت کا اطلاق ہوتا ہے خلاصہ یہ کہ جب کسی کو کسی سے کوئی مناسبت ہوگی تو اس مناسبت سے اگرچہ معمولی سی ہو کی وجہ سے ایک دوسرے پر اخوت کا اطلاق جائز ہوگا۔

بِاٰيٰتِيْ میرے معجزات ساتھ لے کر، یہ باء مصاحبت کی ہے تعدیہ کی نہیں۔ کیونکہ موسیٰ و ہارون علیہما السلام معجزات لے کر فرعون کے ہاں پہنچے اور اس کا مقابلہ انہی معجزات و آیات سے کیا تاکہ احکام الٰہیہ اور رسالت و نبوت ادا کر سکیں اور انہی ہی سے ان کی دعوت کی تکمیل ہوتی۔ اگر باء تعدیہ کی ہو تو معنے یہ ہوگا کہ وہ معجزات و آیات لے کر فرعون تک پہنچے پھر اس کے بعد ان سے کوئی واسطہ اور تعلق نہ تھا جیسا کہ باء تعدیہ کا تقاضا ہے۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیات سے وہ نو معجزات مراد ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے صادر ہوئے اگرچہ ان دونوں کا وقوع بالفعل ایک دوسرے کے بعد دیگرے ہوا ماورا ہی ہو جو کہ کہا گیا ہے کہ یہ جمع تعظیم کے لیے ہو اور اس سے صرف عصا اور ید بیضا مراد ہو یا یہ کہ یہاں خلیل نحوی کے مذہب کے مطابق ہو وہ کہتا ہے کہ جمع کم از کم دو فرد ضروری ہیں۔ اس لیے یہ جمع کا صیغہ اپنے ادنیٰ مراتب پر مستعمل ہوا ہے۔

وَلَا تَنِيَا اور سستی نہ کرنا۔

حل لغات : یہ ونی ینی ونیا فهو وان سے ہے [illegible]

له روح البیان مختصراً

فی ذکر کثیر: میرے ذکر کی مداومت میں ہر حال میں یعنی زبان اور قلب سے ہر وقت میرے ذکر میں مشغول رہا کرو کیونکہ میرا ذکر جملہ مقاصد کے حصول کا بہترین وسیلہ ہے اس لیے کہ میرے ذکر کے بغیر کوئی امر بھی سرانجام نہیں ہوتا میرے ذکر ہی اصل مقصد ہے کہ تسبیحات کثیرہ و ذکر کثیر کی یاددہانی کے لیے لایا گیا ہے دیکھئے موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا تھا کہ یا اللہ ہارون علیہ السلام کو میرے ساتھ بھیج دے ہم مل کر تیرا ذکر بہت زیادہ کریں گے اب اسی کی یاددہانی کرائی گئی ہے۔

نکتہ: بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر پر مداومت میں فائدہ یہ ہے کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ یاد کرتا ہے تو اس کے دل سے غیر کی ہیبت ختم ہو جاتی ہے اسی لیے پھر وہ کسی سے نہیں ڈرتا بلکہ اس کی روحانیت آتشی ہو جاتی ہے کہ وہ کسی کو کچھ نہیں سمجھتا پھر وہ اپنے مقصد کے حصول میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

ف: مرشدی طریقت جو نہج ربانی میں حضرت امام العارف قدس سرہ نے فرمایا کہ دعوت سے پہلے توجہ ضرب لگا کر پڑھنا بعون اللہ تعالیٰ سامعین کو متوجہ کرنے اور ان کے قلب میں اثر پیدا کرنے کا بہترین نسخہ ہے۔

صوفیانہ تفسیر: الدوام میں ہے کہ دلالت بنا کا مغز ہے کہ اے موسیٰ و ہارون علیہما السلام تم میرے احکام بجا لاؤ اور ہر وقت میرے ذکر پر رہو یعنی ایسا مت کرو کہ ہم اللہ تعالیٰ کے احکام بجا لانے میں مشغول ہیں تو پھر میرے ذکر سے سست ہو جاؤ ایسا ہرگز نہ کرنا۔

ف: فقیر (اویسی) کہتا ہے کہ اولیاء اللہ اپنے مشاہدہ سے پل بھر بھی غائب نہیں ہوتے۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ اوراد و وظائف پر مداومت ضروری ہے اور اسی کو تعبیر کیا گیا ہے کہ اصل مطلب میں جدوجہد کرنی چاہئے کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

یا خاطب الحوراء فی حسنها
شمر فتقوی الله فی مهرها
وکن مجدا لا تکن وانیا
وجاهد النفس علی صبرها

ترجمہ: اے حوروں سے نکاح کے خواہشمند، مہر دیجئے اس کا مہر تقویٰ و طہارت ہے۔ بہت کوشش کیجئے سستی سے کام نہ لیجئے بلکہ مجاہدات و ریاضت پر نفس کو ہر وقت مائل کیجئے۔

اور کمال خجندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

کوشش بایست آری کلید گنج وجود
کہ بے طلب نتواں یافت گوہر مقصود

ف: مستفاد از فقیر اویسی۔

ترجمہ : راہِ عشق پیچ ہے تاکہ تجھے تنگ ہو رہی کہ پایا حاصل ہو اس لیے کہ طلب کے بغیر کوئی مقصود نصیب نہیں ہوتا۔

حضرت جامی قدس سرہ نے فرمایا ؎

بے طلب نتواں وصالت یافت کے آسے عبد
دولت بے دست نیزہ راہ بیابان بردہ ما

ترجمہ : بلا طلب وصال ناممکن ہے یہی دولت بے بہا اس وقت نصیب ہوتی ہے جب عرب کے دشت و بیاباں طے کیے جاسکتے ہیں۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

مقام عیش میسر نمیشود بے رنج
بلی بحکم بلا بستہ اند عہد الست

ترجمہ : رنج کے بغیر عیش کا مقام میسر نہیں ہوتا۔ ہاں ہاں حکم الست کو بلا و رنج کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کی طرف روانہ ہونا مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وادی مقدس میں ندا دی اور فرمایا کہ آپ فرعون کے ہاں تشریف لے جائیے اور تیرا سوال میں نے پورا کیا ہے کہ ہارون کو بھی اپنے ساتھ لے جائیے تو موسیٰ علیہ السلام وہاں سے فرعون کے ہاں جانے کے لیے چل پڑے یہاں پر ملائکہ کی ایک جماعت نے آپ کی مشایعت (الوداع) کی اور بوقت روانگی [illegible] نے آپ کا مصافحہ کیا لیکن آپ نے اپنے اہل و عیال کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا اور چل پڑے۔

ف : تفسیر کبیر میں ہے کہ آپ کے اہل و عیال نے رات تک آپ کی واپسی کا انتظار کیا، پھر دوسرے روز بھی منتظر رہے لیکن کوئی پتہ نہ چل سکا۔ اس جنگل میں آپ کے اہل و عیال حیران و سرگرداں تھے اور ایک عرصہ تک وہیں پر مقیم رہے یہاں تک کہ وہاں سے مدین کا ایک چرواہا گزرا تو اس نے انہیں پہچان لیا اور انہیں شعیب علیہ السلام کے پاس لے گیا اور وہ شعیب علیہ السلام کے ہاں اس وقت تک مقیم رہے یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام کے متعلق معلوم ہوا کہ آپ فرعون کے ہاں پیغمبر بنا کر بھیجے گئے اور اب وہ فرعون کو دریا میں غرق کر کر اپنی قوم (بنی اسرائیل) کو مصر میں احکام الٰہی پر عمل کرانے میں مصروف ہیں۔ یہ خبر سن کر حضرت شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کے اہل و عیال کو ان کے ہاں بھیجا۔

سبق اس میں اشارہ ہے کہ جب کسی کو دنیوی یا اخروی امور میں کسی ایک امر کی طرف ترجیح معلوم نہ ہو تو اسے امر آخرت اختیار کرنا چاہیے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیا کہ جب انہیں فرعون کے ہاں رسول بنا کر بھیجا گیا تو انہوں نے اپنے اہل و عیال کو وہیں چھوڑا ان کے متعلق ذرہ بھر بھی خیال نہ کیا بلکہ صرف قادر حکیم کی طرف توجہ کی کہ صرف وہی ہمارا اور ان کا کفیل کار ہے کیونکہ حضرت و حضر میں جہاں بھی جدا ہو اللہ ہر وقت وہ سب کی کفالت کرتا ہے۔ ایسے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حال ہے کہ انہوں نے بھی

کو مکہ کی زمین میں اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالیٰ کے سہارے پر چھوڑا حالانکہ اس وقت یہ وادی ویران و بیابان تھی یہاں تک کہ وہاں پانی تک نہ تھا لیکن آپ نے صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں بلا اعتراض اپنے اہل و عیال کو چھوڑا ایسے ہی ہمیں فرمان الٰہی بجا لانے میں تعجیل کرنی چاہیے۔

حکایت میں نے اپنے شیخ قدس سرہ کو فرماتے سنا کہ پاکستان کے وقت ہند میں حکم ہوا کہ میں اپنے شہر [illegible] کے بعد کسی ایک شہر کا ہو رہوں، سے ہجرت کر کے فلاں جگہ چلا جاؤں چنانچہ میں نے بلا تاخیر ہجرت کر کے وہاں ڈیرہ جمایا وہاں سے چلا گیا۔ پھر ان کے اہل و عیال کے ساتھ حکومت وقت نے جو کچھ کیا وہ سب کو معلوم ہے[1]

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

خرم آں روز کزیں مرحلہ بربندم رخت
وز سر کوئی تو پرسند رفیقاں خبرم

ترجمہ: وہ گھڑی اور وہ خوشی کی ہوگی جب میں یہاں سے سامان باندھ کر چل جاؤں گا۔ پھر گلی کوچوں میں میرے ساتھی میرا حال پوچھتے رہیں گے۔

تفسیر عالمانہ: اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ یعنی اے موسیٰ و ہارون علیہما السلام، فرعون کے ہاں جاؤ۔

سوال: جب موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے ہاں جانے کا حکم ہوا تھا اس وقت ہارون علیہ السلام آپ کے ساتھ نہیں تھے پھر تثنیہ کا صیغہ کیوں؟

جواب ۱: یہ خطاب تغلیباً ہے یا ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے۔

جواب ۲: یہ خطاب جب ہوا جب دونوں بھائی آپس میں ملے۔

سوال: خطاب کے تکرار کیوں؟

جواب: تاکہ ما بعد کے مضمون کو اس پر مرتب کیا جا سکے۔

ف: فرعون ولید بن مصعب موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے فرعون کا لقب ہے۔

یہ عجمی لفظ ہے اس سے اس کی شکایت اگر اس کا معنی ہوتا ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ مخصوص نسل سے ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی فرعون جیسا عمل کرے جیسے کہا جاتا ہے ابلیس و تبلیس یعنی جو شخص ابلیس کا طور طریقہ رکھتا ہو یا اس کے لیے بولتے ہیں اور سرکشوں اور ظالموں کو اسی لغت کے اعتبار سے فراعنہ و ابالسہ کہا جاتا ہے۔

اِنَّهٗ طَغٰى ۝ بے شک وہ سرکش ہے۔

حل لغات: الطغیان یعنی عصیان میں حد سے متجاوز ہونا یعنی فرعون نے عبودیت کی حد سے تجاوز کر کے الوہیت کا دعویٰ کیا۔

---

[1] اس کی تفصیل صاحب روح البیان نے اپنی کتاب علم النفس میں بیان کی ہے۔

ف: واقعی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو فرعون کے ہاں اس لیے بھیجا تاکہ ثابت ہو کہ وہ اپنے دعویٰ میں کاذب ثابت ہو اس میں ہر اس شخص کو تنبیہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے تعلق کے ساتھ وہ دعویٰ کرے جو اس کا اہل نہ ہو۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو اعدائے دین کی طرف اس لیے بھیجا ہے تاکہ انہیں معلوم ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہدایت کرنے سے عاجز ہیں اور اس سے منع ہو کہ جب وہ غیر کو ہدایت نہیں دے سکتے تو اپنے آپ کو کیسے ہدایت دے سکتا ہے جیسے طبیب ڈاکٹر حکیم، جو دوسروں کو علاج کے ذریعہ شفا نہیں دے سکتے پھر وہ اپنے آپ کو کیسے شفا دے سکتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہو کہ اختصاص الٰہی کو اسباب کی ضرورت نہیں۔ پھر ان دو وجہ کو دیکھ کر لوگ اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائیں۔ اور ساتھ ہی ان کو معلوم ہو کہ کبھی کافر فرعون کے اندر رہنے والی بعض ایسی شخصیتیں ہوتی ہیں جنہیں ہدایت پر استعداد نصیب ہوتی ہے جیسے حبیب نجار رحمہ اللہ تعالیٰ اور وہ شخص جو فرعون کی قوم میں رہنے کے باوجود ایمان کی دولت سے بہرہ ور تھا اور آسیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مثال بھی روشن ہے اور فرعون کے جادوگر جب کہ فرعون کے پیروکار تھے لیکن استعداد ربانی سے بہرہ ور تھے۔

فائدہ صوفیانہ: حضرت ابن عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فرعون کی طرف موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمانے میں اشارہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام درحقیقت جادوگروں کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جب اپنے اعداء کی طرف اپنے انبیاء علیہم السلام کو بھیجتا ہے تو اس کی وجہ کرم درحقیقت اپنے اولیاء کرام کو سرفراز کرنے کے لیے ہوتی ہے کیونکہ اسے معلوم ہے کہ اعدائے دین نے قرآن سے استفادہ نہیں کریں گے اس لیے انبیاء کی بعثت کا اصل سبب اللہ والے ہی ہوتے ہیں جنہیں تاکہ انبیاء علیہم السلام تشریف لا کر محبوبوں اور دشمنوں کے مابین امتیاز کریں۔

حافظ از بہر تو آمد سوی اقلیم وجود
قدمے نہ بوداعش کہ رواں خواہد شد

دوسرا فائدہ صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو ان کی طرف رسول بنا کر تشریف لائے اور ان کا رسالت الٰہی کے پیغام پہنچانا درحقیقت ان کا آمد تھا فرعون کو اس سے تو وہ ہرگز فائدہ نہ اٹھا سکا بلکہ اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں تھا کہ ان کا رسول بن کر فرعون کے ہاں آنے کا ظاہری فائدہ یہ ہے کہ ان کی رسالت کا انکار ہو اور فرعون کا کفر سب کو معلوم ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ تاکہ جو ہلاک ہونا ہے وہ دلیل سے ہلاک ہو اور جو آباد ہو جسے آباد ہونا ہے۔

تفسیر عالمانہ: فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا: تو اس سے نرم لہجہ سے بات چیت کریں جس میں سختی اور ترشی ہرگز نہ ہو

بلکہ ہر طرح آسانی دیتا اس کے ساتھ کوئی بھی سختی کا معاملہ نہ کیا گیا کیونکہ بعض مریض نرمی سے اچھا ہوسکتا ہے اور بعض سختی سے اور بے ادب ہو جاتا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کے غضب اور غصہ کا یہ عالم تھا کہ جب ناراض ہوتے تو ان کے بال کھڑے ہو جاتے یہاں تک کہ سر پر ٹوپی اوپر کو ہو جاتی اور ان سے آگ کے شعلے نکلتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی سختی اور غضب کا علاج نرمی سے بتایا تاکہ وہ فرعون کے ہاں باوجود جو کہ تشریف لے جائیں یہی نکتہ ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے علیہم کے خطاب میں کہ آپ ہر وجہ سے رحیم و حلیم تھے اس لیے آپ کو اعدائے اسلام پر سختی کرنے کا حکم ہوا تاکہ کمال جلال کا تحقق ہو اور موسیٰ علیہ السلام میں حدت و شدت و صلابت تھی انہیں نرمی کا حکم ہوا تاکہ ان میں کمال جمال کا تحقق ہو۔

حدیث شریف: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تخلقوا باخلاق اللہ (اللہ تعالیٰ کی صفات کو عادت بناؤ)

ف: اس حدیث شریف میں اشارہ ہے کہ انسان پر لازم ہے کہ جمال و جلال کا جامع ہو تاکہ بوقت ضرورت ہر دو فن کو عمل میں لایا جا سکے۔

نکتہ: چونکہ فرعون ان لوگوں میں سے تھا جن میں بے حد طغیانی و سرکشی ہوتی ہے اگر ان کے ساتھ وعظ میں سختی دکھائی جائے تو ان کی سرکشی اور طغیان میں اضافہ ہوتا ہے اور عوام کے لیے وعظ میں نرمی اور شدت مفید ہوتی ہے یہی حکمت یہاں ملحوظ رہی اور یہ بات بہت زیادہ موثر ہے۔ اگر موسیٰ علیہ السلام سختی کرتے تو فرعون کی طبیعت اور بگڑ جاتی ممکن ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی شدت و حدت طبیعت کے تحت فرعون آپ کو نقصان پہنچاتا یا قتل کر دیتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے نرمی کا حکم فرمایا۔ اس میں بڑا راز یہی ہے اس میں موسیٰ علیہ السلام کا فائدہ تھا۔
ف: الاسئلۃ المقحمۃ میں ہے کہ چونکہ موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا ابتدائی دور تھا اور ابتدائے دعوت میں نرمی لازم ہے اور دعا کو اصلاح کیا جائے تاکہ وہ اس دعوت میں موجب ہدایت بن سکے جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام کو فرمایا:

وجادلھم بالتی ھی احسن۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ نرمی بات اس لیے تھی تاکہ وہ اپنے تمرد و سرکشی کے انجام پر غور کر کے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ضرورت معلوم کر کے راہ راست پر آجائے جب وہ اپنی سرکشی و عناد سے باز نہ آئے پھر ان پر سختی اور شدت کی گئی اس سے معلوم ہوا کہ سختی و نرمی مختلف احوال کے لحاظ سے ہوتی ہے تو یہ بھی ثابت ہوا کہ موقع محل کے مطابق کبھی خشونت اور سختی بہتر ہوتی ہے اور کبھی نرمی بہتر ہوتا ہے۔

حدیث شریف: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ولا تکن مرا فتعقی ولا حلوا فتسترط۔ اتنا کڑوا مت ہو کہ اگل دیا جائے اور اتنا میٹھا مت ہو کہ نگلا جائے۔

شرح الحدیث: فتعقی: اعقیت الشیء سے ہے یعنی اس وقت بولتے ہیں جب کسی شے کو اس کے کڑوا پن کی وجہ سے

مزے سے نگل کر تھوکا جائے۔ اور تسترط، استرطاط سے ہے یعنی شے کے لذیذ ہونے کی وجہ سے اسے نگل جانا۔ اسی لیے امثال عرب میں یہ مثل مشہور ہے:

لا تکن رطبا فتعصر ولا یابسا فتکسر۔ نہ اتنے تر ہو کر نچوڑے جاؤ اور نہ ہی اتنا خشک ہو کر توڑے جاؤ۔

اسی لیے مشائخ فرماتے ہیں:

خیر الامور اوساطها (درمیانے امور بہتر ہوتے ہیں)۔

بہر حال انسان ہر قول و عمل کی رعایت کو مدنظر رکھتا ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

چوں نرمی کنی خصم گردد دلیر
وگر خشم گیری شوند از تو سیر
درشتی و نرمی باہم دربہست
چوں رگ زن کہ جراح و مرہم نہست

ترجمہ: جب بہت زیادہ نرمی کرو گے تو دشمن دلیر ہو جائے گا اگر زیادہ سختی کرو گے تو اپنے پرائے ہو جائیں گے۔

سختی و نرمی باہم ملے ہوں جیسے خون نکالنے والا پہلے نشتر مارتا ہے تو پھر مرہم لگاتا ہے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کفر فرعون کے باوجود نرمی کا حکم اس لیے دیا تاکہ موسیٰ علیہ السلام کی تربیت کا حق ادا ہو۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون نے پالا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو متنبہ فرمایا تاکہ والدین کی تعظیم و تکریم کا حق ادا ہو۔

والدین کی تعظیم و تکریم کا نمونہ الاحیاء میں ہے کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے سوال ہوا کہ والدین کو برائی سے بچنے کی تلقین کس طرح کرے۔ آپ نے فرمایا کہ انہیں نرم لہجے سے نصیحت کرے۔ اگر اس سے ان کی ناراضگی محسوس کرے تو خاموشی اختیار کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ والدین کو سختی سے کہنے کا اولاد کو کوئی حق نہیں اور نہ ہی انہیں مار سکتا ہے اور نہ ہی سخت کلام کر سکتا ہے اگرچہ وہ برائی میں مبتلا ہوں۔

حق استاذ: ایسے ہی شاگرد کو حق پہنچتا ہے کہ استاد کو سختی سے پیش آئے جبکہ بے عمل ہو کیونکہ عالم بے عمل کسی کام کا نہیں۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کو نرمی کا حکم اتمام حجت کے لیے تھا تاکہ دعوت الٰہی پر فرعون کبھی بھی عذر کرے۔

حکایت حضرت یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ تعالیٰ کے سامنے یہی آیت پڑھی گئی تو رو پڑے، وجہ پوچھنے پر فرمایا کہ جب وہ کریم انی انا اللہ کہنے والے کے لیے نرمی کا حکم فرماتا ہے تو پھر اس کے ساتھ کتنی کرم بخشی فرمائے گا جو کہتا ہے: انت الالٰہ۔

لَعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ شاید وہ نصیحت قبول کرے۔ **اَوْ يَخْشٰى ○** یا عذاب الٰہی سے ڈرے۔

ف ۔ اس ارشاد میں یہ کہا گیا ہے کہ تمہاری تبلیغ سے متاثر ہو کر نصیحت قبول کرے اور احکام الٰہی کی طرف راغب ہو جائے یا کم سے کم عذاب سے ڈر جائے۔ لعل۔ ترجی المخاطب کے لیے ہے۔

نکتہ: بعض مفسرین نے فرمایا کہ رجا و طمع موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے لیے ہے اور تذکر محقق اور خشیت متوہم کے لیے ہے اور خشیت اس خوف کو کہتے ہیں جس میں تعظیم بھی مقرون ہو اور اس کا اکثر استعمال اس کے لیے ہوتا ہے جس میں ما یخشی منہ کا علم ہو اسی لیے اپنی خشیت علماء سے مخصوص فرمائی۔ چنانچہ فرمایا:

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء۔ (بے شک اللہ تعالیٰ سے اس کے بندوں میں سے علم والے ہی ڈرتے ہیں)۔

اب معنی یہ ہوا کہ اے موسیٰ اور اے ہارون علیہما السلام تم دونوں فرعون کے ہاں جا کر نرم بات کہنا اس امید پر کہ وہ انکار حق کے اصرار سے باز آ جائے اور نصیحت کر کے حق کی تکذیب نہ کرے یا یہ کہ وہ نصیحت کو قبول کر کے ظاہری اور باطنی طور پر حق کو تسلیم کرے یا اس کے وہم و گمان میں آ جائے کہ حق یہی ہے جو موسیٰ و ہارون علیہما السلام کہہ رہے ہیں اس کے دل میں خوف خدا پیدا ہو تو وہ انکار حق پر اصرار نہ کرے اس طرح سے وہ حق و باطل کے درمیان متردد و متوہم رہے گا اس سے یہ بہتر ہے کہ وہ اکیلا اصرار علی الکفر سے فقولا لہ قولا لینا کا ایک سبب یہ بھی ہے چنانچہ فرعون نے اس وقت نصیحت قبول کی اور خوف و خشیت کا اظہار کیا جب اسے یہ امر نصیب ہوا چنانچہ دریا میں غرق ہوتے وقت اس نے کہا:

قال آمنت انہ لا الٰہ الا الذی آمنت — کہا کہ میں ایمان لایا کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر

بہ بنوا اسرائیل وانا من المسلمین ○ — بنی اسرائیل ایمان لائے۔

فرعون کو ہامان نے بہکایا

مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا کہ اگر ایمان لاؤ تو تمہیں ایسی جوانی نصیب ہوگی کہ بڑھاپا نہ آئے گا اور ایسا ملک نصیب ہوگا جو تجھ سے تا مرگ چھینا نہ جائے گا۔ طعام و شراب اور نکاح کی لذت مرتے دم تک باقی رہے گی جب مرو گے تو سیدھے بہشت میں جاؤ گے۔ فرعون کو یہ باتیں بھلی لگیں لیکن ہامان اس وقت موجود نہ تھا۔ فرعون اس وقت تک کوئی کام نہ کرتا جب تک ہامان سے مشورہ نہ کرتا۔ جب وہ واپس آیا تو اس نے موسیٰ علیہ السلام کے وعدوں کا حال سنایا اور ساتھ یہ بھی کہا کہ میرا ارادہ ہو گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاؤں۔ ہامان نے کہا کہ میں تو تجھے ذی عقل اور بڑا عقلمند سمجھتا تھا اس لیے تجھے رب مانا لیکن جب تم نے موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاؤ گے تو تم اس کے ماتحت ہو جاؤ گے۔ ہامان کی تقریر سے متاثر ہو کر فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو ٹھکرا دیا۔

اتمام حجت

اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ فرعون ایمان لانے والا نہیں لیکن اس کے باوجود موسیٰ علیہ السلام کو اس کے ہاں رسول بنا کر بھیجا تاکہ اس پر حجت قائم ہو اور قیامت میں معذرت نہ کر سکے۔ اسی لیے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ ہے کہ پہلے دعوت دیتا ہے جب کوئی انکار کرتا ہے تو پھر اسے عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔

نکتۂ صوفیانہ: اسباب حقیقت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے امر دو ہیں:

① تکوینی

② ارادی

بسا اوقات امر ارادی امر تکوینی کے خلاف واقع ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور ورثۃ انبیاء یعنی اولیاء کرام اور علمائے عظام امر تکوینی پر مامور ہوتے ہیں امر ارادی کی خدمت ان کے سپرد نہیں ہوتی اگر وہ امر ارادی کے متعلق مامور ہوتے تو وہ امر تبلیغ پر کسی کو کوئی رد و قدح نہ کرتے بلکہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیتے کیونکہ انھیں معلوم تھا کہ جب امر ارادی یونہی ہے تو پھر ہم درمیان میں خواہ مخواہ کیوں آڑے آئیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم یا دوسرے انبیاء عظام اور اولیاء کرام تمام کافروں اور بد دینوں وہابیہ وغیرہ کو راہ راست نہ لا سکنے پر ان کے اختیار و علم پر اعتراضات وارد نہیں ہوتے کیونکہ انھیں معلوم تھا کہ یہ لوگ ارادۂ الٰہی میں ایسے ہی رہیں گے۔ تو پھر ہمارے دخیل ہونے کا کیا معنے؟ لیکن چونکہ امر تکوینی کے مامور تھے اسی لیے انھیں تبلیغ فرمائی۔ اب یہ کہنا کہ حضور علیہ السلام کو اختیار ہوتا تو ابوطالب و ابوجہل وغیرہ وغیرہ کو دولت ایمان سے کیوں نہ نوازا۔ اس تقریر سے وہابیہ کے کئی اعتراضات خود بخود دفع ہو جائیں گے۔¹

نکتہ: جب کسی مامور کے لیے حضرت علمیہ میں تکلیف کی استعداد ثابت ہے تو پھر اس کی طرف امر تکوینی متوجہ ہوتا ہے لیکن اس میں امر بجا آوری کی استعداد نہیں ہوتی تو اس سے مامور بہ کا تحقق نہیں ہو سکتا اسی لیے اس سے مخالفت و معصیت واقع ہو جاتی ہے۔

سوال: جب کسی کے لیے اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس سے حکم کو بجا نہیں لائے گا تو پھر اسے امر تکوینی کا کیا فائدہ؟

جواب: تاکہ استعداد کو قبول و عدم قبول کرنے والے کے مابین امتیاز ہو اور سعادت و شقاوت والے ظاہر ہو جائیں۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

درین چمن نکنم سرزنش بخود روئی
چنانکہ پرورشم می دہند می رویم

ترجمہ: اس چمن میں اپنی خود روئی پر ملامت نہیں کرتا اس لیے کہ جیسے میری تربیت ہوتی ہے ویسے ہی چلتا ہوں۔

فائدہ: یہ تو معلوم ہی ہے کہ دنیا میں جس طرح کوئی ہو گا اس کا اللہ تعالیٰ کو علم ازلی تھا کہ وہ ایسے کرے گا یا ہو جاتا ہے یہ کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ فلاں اپنے اختیار سے ایمان نہیں لائے گا اور نہ ہی اس کا اختیار امکان و ایمان لانے سے ، سے باہر ہو سکتا ہے اسی لیے مجبور نہیں

---

¹ اضافہ از اویسی غفرلہٗ۔

علیہ السلام کو ان کی وراثت میں نبوت کا حکم فرمایا۔

رد جبریہ

مذکورہ بیت ذو حصہ اور بخشش میں واضح دلیل ہے کہ بندہ کی قدرت کو اپنے افعال اور اپنے غیر کے افعال میں تاثیر ہے اور وہ مجبور محض نہیں جیسا کہ اشعری کا گمان ہے وہ کہتا ہے کہ بندے کو اپنے افعال کی تاثیر میں کوئی قدرت نہیں اگر اس کا قول مان لیا جائے تو آیت مذکورہ میں بندے کے لیے تاثیر کی تثبیت کا کیا معنے!

قَالَا رَبَّنَا :

سوال: الارشاد میں ہے کہ اس کے قائل تو موسٰی علیہ السلام تھے لیکن یہاں یہ قول دونوں (موسٰی و ہارون علیہما السلام) کی طرف منسوب کر دیا؟

جواب: یہ تغلیباً ہے تا کہ معلوم ہو کہ ان جیسے امور کے قول و فعل میں اصل موسٰی علیہ السلام تھے اور ہارون علیہ السلام ان کے تابع۔

کوہ طور سے مصر کی جانب

مروی ہے کہ موسٰی علیہ السلام جب کوہ طور سے مصر کی جانب روانہ ہوئے اس وقت تو آپ کو بظاہر راستہ کا علم تھا اور نہ ہی آپ کے پاس زاد راہ تھا اور نہ ہی کوئی اوڑھنے بچھونے کے۔ راستے میں جنگل فروٹ مل جاتے کھا لیتے یا کوئی شکار حاصل ہوتا تو کھا لیتے اور کبھی بھوکے رہ کر وقت گزار دیتے۔ ایسے ہی چلتے چلتے مصر میں پہنچ گئے۔

ہارون و موسٰی علیہما السلام کی ملاقات

کاشفی نے لکھا ہے کہ جب موسٰی علیہ السلام مصر کی جانب روانہ ہوئے تو ہارون علیہ السلام کو وحی ہوئی کہ دریائے نیل کے راستہ پر اپنے بھائی موسٰی علیہ السلام کے استقبال کے لیے جائیں۔ جب راستے میں دونوں آپس میں ملاقی ہوئے تو موسٰی علیہ السلام نے اپنا سارا حال سنایا اور یہ بھی فرمایا کہ مجھے فرعون کے ہاں رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ ہارون علیہ السلام نے کہا کہ آپ کے جانے کے بعد فرعون کی شان و شوکت بڑھ گئی ہے اب تو اس کا یہ حال ہے کہ ذرا سی بات پر لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیتا ہے اور کسی کو قتل اور کسی کو پھانسی لٹکا دیتا ہے۔ اس سے موسٰی علیہ السلام کو اندیشہ لاحق ہوا۔ جس پر دونوں بھائیوں نے مل کر کہا اے ہمارے پروردگار!

اِنَّنَا نَخَافُ ہمیں خوف ہے۔

حل لغات

خوف یا مظنون یا معلوم علامت سے کسی ناپسندیدہ امر کے وقوع کی توقع کو خوف کہتے ہیں اور طمع یا معلوم و ظنی اسباب سے کسی محبوب شے کے حصول کی توقع کو رجا کہا جاتا ہے۔ خوف کی نقیض امن ہے اور یہ دونوں ہی دنیوی اور اخروی امور میں مستعمل ہوتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا:

ویرجون رحمتہ ویخافون عذابہ   وہ رحمت الٰہی کے امیدوار اور اس کے عذاب سے خائف

رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے خوف کا معنے اللہ تعالیٰ سے خوف کا یہ معنے نہیں کہ اس کے رعب سے کوئی شے دل میں کھٹکے جیسے شیر

کے رعب سے دل میں پیدا ہوتی ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ انسان بزدلی سے مجبور ہو کر اس کی اطاعت اختیار کرے۔

اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ، ہمارے اوپر زیادتی کرے۔

حل لغات فرط یعنی اپنے ارادہ سے آگے بڑھنا اسی سے الفارط بمعنی السابق ہے یعنی اصلاح حال کے لیے آگے بڑھنے والا۔ اب معنی یہ ہوا کہ وہ ہماری سزا پر جلد بازی کرے کہ ہمیں دعوت پہنچانے اور اظہار معجزہ کا وقت ہی نہ دے۔ اس سے خطرہ ہے کہ ہمارے رسول بنا کر بھیجنے کا مقصد پورا نہ ہو اسے یفرط افراط سے بھی پڑھا گیا ہے یعنی ہمارے ایذا پہنچانے میں زیادتی کرے۔

سوال: انہیں خوف کیوں ہوا حالانکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے رسول اور پیغمبر تھے؟

جواب: یہ خوف فطرت کے مطابق ہے جیسا کہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جو آدم کی جبلی عادت ہے کہ وہ ضرر رساں چیزوں سے خوف کرے اگرچہ رسالت و نبوت کا بھی حامل ہو جیسے موسیٰ و ہارون علیہما السلام باوجود نبی ہونے کے فرعون کے خطرہ سے کہہ رہے تھے انّنا نخاف الخ یعنی انہیں خطرہ ہوا کہ فرعون انہیں قتل کر دے گا۔

تحقیقی جواب: ان کا خوف اپنے قتل ہو جانے پر نہیں تھا بلکہ اس لیے خوفزدہ ہوئے کہ کہیں ہمارے قتل ہو جانے پر دعوائے رسالت و تبلیغ کا مقصد نامکمل رہ جائے گا یا اس لیے خوفزدہ ہوئے کہ فرعون اپنی جہالت پر مزید سرکشی دکھائے اور اللہ تعالیٰ کو گالی دینے لگ جائے۔

ف: یہ تحقیقی جواب اس لیے ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں جبلی عادات جو انسان کے لیے نقص و عیب کا موجب ہوں ان سے وہ منزہ ہوتے ہیں اور یہ خوف جان تو ان سے کم درجے والے اولیاء کرام کو بھی نہیں کما قال تعالیٰ

لا خوف علیهم و لا هم یحزنون

تو پھر ان جیسے مرتبہ والوں پر یہ الزام کیسا؟

اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ۝ یا سرکشی میں بڑھ جائے کہ تیری ذات اقدس میں کچھ کہہ جائے کیونکہ وہ اس وقت بڑا بیباک اور شقاوت قلبی میں بہت بڑھ چکا ہے یعنی خوف ہے کہ کہیں آپ کی ذات اقدس کا پاس و ادب نہ کرے۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ کے ہاں انبیاء کا یہ عذر مقبول تھا کیونکہ انہیں بہ نسبت اپنے اس کی ذات کی تعظیم کا بہت زیادہ لحاظ تھا۔ اسی لیے کلام کو یہاں ختم فرمایا۔ عربی قاعدہ ہے کہ اظہار میں اقوی عذر کو بعد میں لایا جاتا ہے اور موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے اپنا قوی تر عذر ابھی بیان فرمایا اسی لیے گفتگو یہاں ختم ہوئی یہ ایسے ہی ہے جیسے ہدہد کا کلام وجدتها وقومها يسجدون للشمس پر ختم ہوا جبکہ سلیمان علیہ السلام کے سامنے اس کی یہ دلیل قوی تھی۔

لے، بقیہ از روح البیان

صاحب روح البیان کا احتمال فقیر (حقی) کہتا ہے کہ یہ تمام احتمال اس لفظ خیفۃ فی نفسہٖ میں ہے جو سابقہ بمعنی بسبب کی صورت میں ہے۔ یا ورنہ بمعنی لفظ خیفۃ کو حذف کیا گیا اور اس کی جگہ لگایا گیا ہے جیسے مسائل طلب مبالغہ وما فیہ تقدیر جار مجرور محذوف ہے۔

ف: اس حقیقی معنی ان دونوں جب بھی صحیح ہوتا لیکن اس کے ظاہر کرنے میں اشارہ ہے کہ ان دونوں کا خوف اتنا لاحق ہوا خواہ اس کی وجہ کچھ ہو۔

قَالَ: یہ عبارت تفسیر بیان ہے گویا کسی نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو کیا جواب دیا تو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **لَا تَخَافَا** جن امور کا تمہیں خوف ہے ان سے مت ڈرو۔

اس سے ثابت ہوا کہ انسان کا طبعی اور فطری خوف اللہ کریم سے زائل ہو جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یا نار کونی بردا و سلاما علی ابراہیم۔

آگ میں اگرچہ جلانے کا مادہ ہے لیکن اللہ کریم نے اس کا مادہ ختم کر کے اس میں ٹھنڈک اور سلامتی رکھ دی۔
مثنوی شریف میں ہے ؎

لا تخافوا ہست نزل خائفاں
ہست در خور از برائے خائفاں
ہر کہ ترسد مر ورا ایمن کنند
مر دل ترسندہ را ساکن کنند
آنکہ خوفش نیست چوں گوئی مترس
درس چہ دہی نیست او محتاج درس

ترجمہ: ① لا تخافوا (مت ڈرو) خائفین (ڈرنے والوں) کی مہمانی ہے یہ ایسا لفظ خائفین کے لائق ہے۔

② جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اس کو بے خوفی، اطمینان اور قرار عطا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ڈرنے والوں کے قلوب کو سکون بخشتے ہیں۔

③ جسے خوف خدا کی دولت نصیب ہے اسے بتانا کہ نہ ڈرو بے سود ہے، اسے نصیحت نہ کرو اس لیے کہ اسے تمہارے سبق کی ضرورت نہیں۔

ف: ابن الشیخ کے حواشی میں ہے کہ یہاں پر خوف کی نہی مراد نہیں کیونکہ خوف تو ایک طبعی امر ہے اس میں انسان کو اپنے اختیار کو کوئی دخل نہیں اور جس میں انسان کے اختیار کو دخل نہ ہو اس پر تکلیف نہیں ہوتی یعنی اس کا انسان کو مکلف نہیں بنایا جاتا نہ اثباتاً نہ نفیاً یعنی اس پر عمل کرنے اور نہ کرنے کا حکم نہیں ہوتا بلکہ اس میں موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو حفاظت و نصرت کا وعدہ دے کر تسلی دی

گئی ہے جیسا کہ اس پر إِنَّنِي مَعَكُمَا دلالت کرتا ہے یعنی میں تمہارے ساتھ ہوں یعنی کہ میں ہی تمہاری مکمل طور پر حفاظت و نصرت کروں گا یہ معنی ہم نے اس لیے کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ معیت مکانیہ سے منزہ ہے۔ أَسْمَعُ وَأَرَىٰ ○ یعنی جو تم دونوں فرعون کے ساتھ قول و فعل کرتے ہیں اسے سنوں گا اور دیکھوں گا پھر ہر حالت میں تم سے دفع شر و ضرر کروں گا کیونکہ جسے اللہ تعالیٰ کی ایسی معیت نصیب ہوتی ہے جو جبار اور سرکش دشمن سے اس کی حفاظت فرماتا ہے۔

کرامت ایک نوجوان کی منقول ہے کہ ایک نوجوان امر و نہی کرتا تھا۔ ہارون الرشید بادشاہ نے اسے ایک ایسے قید خانہ میں محبوس کر دیا جس میں ہر طرف سے باہر نکلنے کے تمام راستے مسدود تھے تاکہ وہ باہر نہ نکل سکے اور وہیں مر جائے لیکن چند دنوں کے بعد ایک باغ میں اسے ٹہلتا ہوا دیکھا گیا۔ ہارون الرشید نے پھر گرفتار کر لیا اور پوچھا کہ اس کمرے سے کس نے نکالا؟ اس نے کہا جس نے مجھے اس میں داخل کیا۔ ہارون نے پوچھا کہ کس نے تجھے داخل کیا۔ اس نے کہا جس نے مجھے نکالا۔ یہ جواب سن کر ہارون الرشید رو پڑا اور فرمایا کہ اسے بہت بڑا انعام دیا جائے اور گھوڑے پر سوار کر کے بازاروں میں اعلان کیا جائے کہ یہ وہ شخص ہے جسے ہارون الرشید نے ذلیل کرنا چاہا لیکن اس سے ذلیل نہ ہو سکا اسے اللہ تعالیٰ نے مکرم و محترم بنایا۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

ہزار دشمن اگر می کنند قصد ہلاک
گرم تو دوستی از دشمناں ندارم باک

ترجمہ: ہزاروں دشمن میری تباہی و بربادی کا ارادہ کریں، اگر تیری مہربانی میرے ساتھ ہے تو مجھے دشمنوں سے کوئی خطرہ لاحق نہیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

محالست چوں دوست دارد ترا
کہ در دست دشمن گزارد ترا

ترجمہ: جب تجھے اللہ تعالیٰ نے دوست بنا لیا ہے تو یہ محال ہے کہ وہ تجھے تیرے دشمنوں کے ہاتھ دے۔

فائدہ صوفیانہ اللہ تعالیٰ اپنے حضور کے لائق ہر شے کے ساتھ حاضر ہے لیکن اس حضور کو وہی جانتا ہے جس کی عین بصیرت کو نور رشد کا سرور نصیب ہے لیکن یاد رہے کہ شہود معیت سے شہود وحدت ذاتیہ اتم و اکمل ہے یہی وجہ ہے کہ عارفین و کاملین شہود معیت پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ وہ اس سے آگے مقام وحدت تک پہنچتے ہیں۔

ف حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام نے کمال عبودیت کے ساتھ حضرت ربوبیت کی طرف رجوع کیا تو انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال حفاظت و نصرت سے نوازا۔

حکایت: حضرت شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک روز بغداد میں قاضی ابو علی بن مقلہ وزیر کے ہاں درخواست لے گئے۔ انھوں نے اس کی درخواست کی پشت پر لکھا:

لست بمعاودنا سبقکم ولا بتارحو ما کتب کم — میں ایسا نہیں کہ تمھیں پائی ہوئی حالت پر لوٹا دوں بلکہ تمھاری

اتبعوا الی ساعۃ شکم۔ — کفایت کرو جو اپنے سبب سے عرض کرو۔

حکایت: ابوالحسن نے فرمایا کہ میں نے ایک نصرانی سے پوچھا کہ انجیل میں سب سے اچھی آیت کونسی ہے۔ اس نے کہا کہ پانچ کلے اس انجیل میں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

① مجھ سے مانگ میں تجھے دوں۔

② میرا شکر کر میں تیری نعمت میں اضافہ کروں۔

③ تو میری طرف متوجہ ہو میں تیری طرف توجہ کروں۔

④ میرے قریب ہو جا میں تجھ سے قریب ہوں۔

⑤ تو دنیا میں میری اطاعت کر میں تجھے آخرت میں جزا دوں گا۔

مثنوی شریف میں ہے:

گفت حق گر فاسقی و اہل صنم

چوں مرا خوانی اجابت می کنم

تو دعا را سخت گیر و می شخول

عاقبت برہاندت از دست غول

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر تو فاسق ہے یا اہل صنم ہے مجھے پکار میں تیری فریاد رسی کروں۔ تو دعا میں سخت ضد کر جو تجھے دعا پر کہ دو سے نجات بخشے گی۔

فَأْتِيَاهُ فرعون کے پاس جانے کا حکم ہے۔ یہاں پر فرعون کے ہاں پہنچنے کے بعد اسے کہنے کا حکم ہے اس لیے تکرار نہیں۔ الاتیان بمعنی الاتیان سے آنا اور مفعول المجیء المعلوم ہے اتیان سے مراد ایک بات کو بالقصد آنے کے لیے مستعمل ہوتا ہے اگرچہ اس سے مطلوب کا حصول نہ ہوا اور مجیء میں حصول ضروری ہے۔ فَقُولَا جا کے ہی یہ کہو۔ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں تاکہ اسے مرض کو اپنے جانے کا مقصد معلوم ہو اور پھر وہ اس کے مطابق جواب دے سکے۔ مسولا رسول کا تثنیہ ہے بمعنی قول رسالت کا صیغہ ہے یعنی مثل دیعتم العلیم و لعج الحسن، یہ لفظ رسل کے مبالغہ کے لیے آتا ہے جیسے صاحب رسالت اور ال قول کا فعل مبالغہ کے لیے اس کا استعمال ہوتا ہے اور شریعت میں رسول وہ ہے جو تبلیغ احکام کے لیے مبعوث ہو خواہ وہ فرشتہ ہو یا انسان بخلاف نبی کے کہ وہ اس کا اطلاق صرف انسان ہی کے لیے آتا ہے۔ فَأَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ کا ترجمہ ہے

ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دیجئے تاکہ ہم ان کو بیت جبرین ارض مقدس سے جانا چاہتے ہیں اس لیے کہ وہی جائے آباء و اجداد کا مسکن ہے جہاں قبر ابراہیم ،

موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو حکم ہوا کہ وہ جا کر فرعون سے کہیں کہ بنی اسرائیل کو اپنے عذاب سے چھٹکارا دیجئے تاکہ ہم انہیں فلسطین لے جائیں کیونکہ وہی ہمارا اصل وطن ہے۔

ف: فلسطین (بکسر الفاء و فتح اللام و سکون الیاء یعنی المحدود) علاقہ ملک شام و مصر کے درمیان واقع ہیں جن میں ایک کے نام یہ ہیں۔

① رملہ

② غزہ

③ عسقلان

ف: وادی شام میں بھیج کر ارسل سے بنی اسرائیل کی آزادی مراد ہے کیونکہ وہ فرعون کے قبضہ میں تھے بلکہ یوں سمجھئے کہ وہ اس کے قیدی تھے اور ان سے سخت سے سخت کام لیتا تھا اور وہ گویا ایک قسم کے عذاب میں مبتلا تھے۔ موسیٰ و ہارون علیہما السلام انہیں فرعون کے اس عذاب سے چھٹکارا دلانا چاہتے تھے۔ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ (یا اسے مذکورہ معنی کی تاکید کہ جب چھڑائے فرعون تو انہیں عذاب سے یعنی انہیں ایسے مصائب و تکالیف میں مبتلا کر۔

بنی اسرائیل پہلے قوم فرعون کے قبضہ میں تھے وہ ان سے سخت کام لیتے تھے مثلاً ان سے مٹی کھدوانا پتھر اٹھوانا اور ان کی عمارات تیار کرانا وغیرہ تکلیف دہ امور بلکہ ایک سال ان کے تمام نومولود لڑکوں کو قتل کر دیتے اور دوسرے سال اسے رہنے دیتے۔ لیکن ان کی لڑکیاں زندہ چھوڑتے جب وہ بڑی ہو جاتیں تو ان سے خدمت کراتے۔

نکتہ: رسالت کے پیغام پہنچانے کے فوراً بعد انہیں آزاد کرنے کی اپیل کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو کفار کی قید سے آزاد کرانا اہمیت رکھتا ہے یہ بتانا ہے کہ انہیں اسلام کی دعوت دی جائے اور رسالت کے پیغام کے بعد انہیں معجزات کا اظہار ضروری تھا لیکن چونکہ مسلمانوں کی آزادی اہم امر تھا اس لیے انہوں نے معجزہ سے پہلے یہی اہم کام شروع فرما لیا۔

حل لغات: تعذیب یعنی کسی کو شدید ترین درد پہنچانا مثلاً کہا گیا کہ عذبه تعذیبا۔ اس کا معنی ہوگا کہ اس نے کسی کو عذاب میں مبتلا کیا یعنی سخت تکلیف دی۔ یہ عذب الرجل سے ماخوذ ہے اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کھانا اور پینا ترک کر دے التعذیب یعنی کسی کو کھانے اور پینے سے روک کر پریشان کیا جائے بعض نے کہا کہ عذب سے ہے یعنی میٹھا اور تعذیب میں سلب معنی ہے کسی سے لذت حیات چھین لینا جیسے کہا جاتا ہے مرضته یعنی میں نے اس کا مرض زائل کیا ایسے قذیته۔ بعض نے کہا تعذیب اکثار الضرب بعذبة السوط یعنی کوڑے سے پے در پے کسی کو مارنے کے ایک حد سے بہت زیادہ مارا۔

قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ؕ ہم تیرے پاس تیرے رب سے نشانی لے کر آئے ہیں یعنی تیرے پیدا کرنے

کے معجزات ۔

ف : باوجودیکہ معجزات متعدد تھے لیکن ان کے لیے واحد (آیت) کا صیغہ لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ دعویٰ کے اثبات کے لیے صرف ایک معجزہ بھی کافی ہے۔ یعنی یہاں پر مقصد یہ تھا کہ اگرچہ ہم صاحب معجزات ہیں لیکن یوں فرمایا کہ ہم نے اپنے لیے رسالت کا جو دعویٰ کیا تھا اس کی دلیل لائے ہیں ۔

وَالسَّلٰمُ : لام تعریف ماہیت کی ہے اور سلام بمعنی آفات ظاہرہ و باطنہ سے بچاؤ۔ یہاں پر السلام علیکم کا معنی مراد ہے ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ سلامتی (جس میں سعادت دارین ہو) منجانب اللہ و ملائکہ اور خزنۃ الجنۃ و دیگر جملہ اہل اسلام ہو۔ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ○ ان لوگوں پر جو ہدایت کا اتباع کرتے ہیں یعنی آیات الٰہیہ (جو حق کا راہ دکھاتی ہیں) کی تصدیق کرتے ہیں اس معنیٰ پر علٰی اپنے اصل پر ہے اور تبعہ و اتبعہ کا ایک معنیٰ ہے یعنی کسی کے پیچھے لگنا یا اور جب کسی کے پیچھے گیا یا اس کے نقش قدم پر چلا یا اس کی فرمانبرداری کی جیسے آیت میں ہے ۔

فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ۔

ف : السلام کے بعد علٰی واقع ہے یعنی لام بھی ہے جیسے کہیں لام بمعنیٰ علٰی آتا ہے جیسے ولھم اللعنۃ بمعنیٰ علیھم اللعنۃ ہے ۔

ف : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ سلام بمعنیٰ استسلام یعنی استسلیم الہدایۃ سے انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوئے احکام کو تسلیم کرنا مراد ہے ۔

اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَا ہمارے پروردگار کی طرف سے ہمیں پیغام پہنچا ہے ۔ الوحی بمعنیٰ اشارہ سریعہ ۔ کبھی جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے یا کسی فرشتے سے ہوتی ہے اور کبھی الہام و منام سے ۔ موسیٰ علیہ السلام کو جبریل کی وساطت سے اور ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام کی وساطت سے اور جبریل علیہ السلام کی وساطت سے وحی ہوتی تھی ۔ اَنَّ الْعَذَابَ تمام عذاب اس لیے کہ لام کے بالمقابل واقع ہے یعنی دونوں کی حقیقت ہوتی ہے یہاں بھی کل عذاب مراد ہے یعنی دنیوی و اخروی اور دائمی [illegible] مطلب جو کافروں پر ہونے کے قابل ہے ۔

ہماری اس تقریر سے وہ سوال زائل ہو گیا کہ کبھی عذاب غیر مکذبین کو بھی ہوا کرتا ہے حالانکہ تم کہتے ہو کہ عذاب صرف مکذبین کو ہوتا ہے عَلٰی مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ○ اس پر جس نے تکذیب کی۔ یعنی آیات اللہ کو جھٹلایا اور انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوئے احکام کے ساتھ کفر کیا ۔ کذب قول و فعل دونوں کے لیے مستعمل ہوتا ہے ۔ و تولیٰ جب یہ متعدی عن ہو مثلاً تولی عن تو معنیٰ اعراض و ترک قرب مستعمل ہوتا ہے ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اس نے نفس کی تابعداری کر کے حق کو قبول نہ کیا ۔

ف : اس میں وعید سنانے کی نرمی کی گئی ہے اس لیے کہ حلول عذاب کی تصریح نہیں فرمائی ورنہ وہ اسی کا مستحق تھا ۔

صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا فقیر (حقی) کہتا ہے کہ مراسم شرعیہ و حقائق کی تکذیب مستلزم عذاب کا موجب ہے ہر ملک کا مراسم شرعیہ اور حقائق کی تکذیب کرنے والوں کے لیے

انھیں حیوانی و عقلی مردوں ان مثالوں میں جتلایا گیا ہے اور وہ لوگ جو حقیقت کا انکار کرتے ہیں وہ چونکہ آیات حقیقت سے انکار کرتے ہیں اسی لیے انھیں معنوی ذلت سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ عزت و حرمت اطاعت و اتباع اور فرماں برداری میں ہے اور ذلت و خواری اور جہنم اس کے خلاف کرنے میں۔

حکایت حضرت عبد اللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ کو کسی سید صاحب نے دیکھا کہ بڑے کروفر کے ساتھ اپنے مریدوں کے جھرمٹ میں کہیں جا رہے تھے۔ سید صاحب نے فرمایا کہ لوگو! دیکھو سادات ذلت و خواری میں ہیں اور یہ عبد اللہ بن مبارک کیسی شان سے جا رہا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حضرات سادات کرام نے جب اپنے دادا جان علیہ السلام کی سنت کی پیروی نہ کی تو ذلت کا منہ دیکھا اور عبد اللہ بن مبارک نے چونکہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کو اپنایا ہے اس لیے اسے ایسی عزت و شان سے نوازا گیا۔

ف : فرعون کی عزت و شرافت، ذلت و خواری سے تبدیل ہوئی تو اسی سے موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب اور ان کی دعوت دینی سے اعراض کیا اگرچہ بظاہر بادشاہی اس کے انکار کا سبب تھا لیکن درحقیقت اس میں قبول حق کی جگہ استعداد نہ تھی۔

سبق : کسی کو ظاہری دنیوی عزت سے دھوکہ نہ ہو کہ وہ اس کے قریب ہیں اگر طاعت و انقیاد الٰہی سے محروم ہو جائے یہ آنی جانی شے ہے کبھی عزت ہوتی ہے تو کبھی بصورت ایام یہی ذلت و خواری عیاں ہوتی ہے اور یہ اکثر ہوتا رہتا ہے۔ اسی لیے انسان پر لازم ہے کہ وہ ناصح کی نصیحت پر عمل کرے اور اہل علم باعمل کی صحبت پر مداومت کرے اس لیے کہ جسے از قبول حق کی قابلیت نصیب ہے وہ ہر وقت اطاعت الٰہی میں مصروف رہتا ہے اگرچہ بظاہر اس کا مانع ہو۔

حبشہ کا نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیکھئے! حضرت نجاشی حبشہ کا والی اس کی قسمت اچھی تھی جب اس نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام پاک سنا تو دین پر سر تسلیم خم کر دیا اور مر گیا تو ابدی نجات پا گیا۔

کرامات اولیاء جیسے انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا ظہور حق ہے تو اولیاء کرام کی کرامات کے صدور کا حق ماننا لازم ہے کیونکہ بوقت ضرورت ان کا بھی صدور ہوتا رہتا ہے اس لیے قدرت الٰہی کا صدور ہر دو میں یکساں ہے اور عقیدہ رکھنا چاہیے کہ کرامات اولیاء بھی آیات الٰہیہ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حضرات لاتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ واقعی وہ ولی اللہ ہو اور وہ شریعت سے بہرہ ور ہو شریعت کے خلاف جیسے شعبدہ دکھاتے ہیں ہم انھیں کرامات نہیں کہتے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی گرفت کا پھندہ ہے ان سے بچ کر رہنا ضروری ہے۔[1]

کرامات کا انکار : اولیاء کرام کی کرامات کو قبول کرنا عالم حقیقت کے لیے رہبر ثابت ہوتا ہے اور جو ان کے انکار کی لعنت

---

[1] مستفاد از اویسی غفرلہ

سے ہوتا ہے جو وہ معنوی یا صوری مناسبت سے کشف ہوتا ہے۔ معنوی مناسبت سے مقصود تناسلے کا ظہور و فراق مراد ہے ان کمالات کو کشف ہو

والی مناسب میں مبتلا ہو کر رہ جاتا ہے۔

منکرین انبیاء و اولیاء جب صداقت ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اللہ تعالیٰ کی رحمت ہیں بندوں کے لئے۔ اور کوئی نعمت نہیں پھر ان لوگوں پر تعجب ہے جو انکا انکار کرتے ہیں اور چند ایک بد نصیب لوگ ان کی اتباع کرتے ہیں وہ اکثر ان کی اتباع و عقیدت سے محروم ہو جاتے ہیں بلکہ ان کے جاہ و جلال کے خوف سے منکر ہو جاتے ہیں ہم نے دیکھا کہ گذشتہ زمانوں میں اکثر لوگ مذاہب میں مبتلا ہوئے ان قدسی نفوس کے انکار سے۔

سبق اس مضمون سے انسان کو کرنا چاہئے اور پختہ یقین کے ساتھ انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام کی اتباع و عقیدت سے بہرہ ور ہو۔ وقت نصیب ہو سکے بالخصوص اس دور میں جہاں فسق و فجور اور دنیاوی امور کے اشغال کا دور دورہ ہے اور لوگ طرح طرح کے مصائب و شکایت میں مبتلا ہیں آج کل کے دکھوں کا واحد علاج یہی ہے کہ اللہ والوں کا دامن تھامیں اور ان کی محبت اور حق عقیدت بجا لا کر ان پر اطاعت کریں۔ اور ہر مرید و سالک پر لازم ہے کہ وہ اپنے شیخ کامل ہی میں فنا ہو کر اسے اپنے وجود کا مقصود بنا کر ختم ہو جائے اس طرح سے وہ عالم غیب تک وصول ہو سکتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ وہ اپنے شیخ کی رضا و محبت و عقیدت میں گم ہو۔

عبادت گذاروں کی اقسام عبادت گذاروں کی اقسام مندرجہ ذیل ہیں:

① عبادت صرف عادت کے طور پر کرتا ہے یعنی اپنے نفس کو خوش کرے۔

② عبادت ثواب کی نیت سے کرتا ہے یہ بھی کی عادت ہے۔

③ مشاہدۂ حق کے انتظار میں عبادت کرتا ہے یعنی یہ عبادت گذار ہے یا اپنے سے کہ بجز رضائے الٰہی اللہ سے فارغ ہو کر عبادت کرتا ہے۔ یہی عبادت محبت و عشق الٰہی کے لیے وصول ہوتی ہے اس سے دائمی قربت اور سعادت دارین نصیب ہوتی ہے سالک پر لازم ہے کہ وہ اس قسم کی عبادت کے لیے جدوجہد کرے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

جہد کن تا نور تو رخشاں شود
تا سلوک و خدمتت آساں شود
کودکاں را می بری مکتب بزور
زانکہ ہستند از فوائد چشم کور
چوں شود واقف بمکتب می دود
جانش از رفتن شگفتہ می شود

ترجمہ: (اپنی) عبادت میں جدوجہد کیجئے تاکہ تیرا باطن نورانی ہو جائے اور تیرا سلوک بھی آسان ہوگا۔

(۸) جو بچے بچیاں کو مدرسہ، درسگاہ، سکول ایسی جگہ بھیجا جاتا ہے کیونکہ وہ اپنے انجام اور تعلیم کے لحاظ سے بے خبر ہیں۔

(۹) جب کسی بچے کو کسی فائدہ کا علم ہو جاتا ہے تو وہ سکول، مدرسہ میں جانے کے لیے فرحاں و شاداں ہوتا ہے۔

والله المعین فی کل حین، مشکل میں ہر وقت ہمارا معین و مددگار ہے۔

تفسیر عالمانہ

قَالَ: اس شخص نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام بحکم الٰہی فرعون کے پاس پہنچے، چونکہ مدت کے بعد ملاقات ہوئی اسی لیے جاتے ہی فرعون کو پیغام الٰہی پہنچایا اور فرمایا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور تیرے پاس اس کا حکم لاتے ہیں اور تجھے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ تو صرف اسی کی عبادت و اطاعت کر۔ جب موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے تبلیغ الٰہی سنائی تو فرعون نے کہا: **فَمَنْ رَّبُّكُمَا**۔ من استفہامیہ ہے۔ یعنی کون ہے تمہارا پروردگار۔

ف: بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں پر خلاصہ سبق پر سوال کی ترتیب کے لیے لایا ہے جیسے کہ فرعون نے کہا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کے رسول ہو تو بتاؤ تمہارا رب کون ہے؟

سوال: فمن ربکما کیوں کہا جب کہ موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے کہا تھا کہ ہم تیرے رب کے رسول ہیں؟

جواب (۱): یہ اس کی سرکشی اور تکبر کی دلیل ہے۔

جواب (۲): امام فخر الدین نے فرمایا کہ اس جواب سے وہ اپنی ربوبیت کو برقرار رکھنا چاہتا تھا اور اس نے یہی کہا تھا: الم نربک فینا ولیدا۔ گویا اس کا یہ جواب ازراہ تعجب ہے کہ اے موسیٰ علیہ السلام جب میں تمہارا رب ہوں تو کیا میرے سوا بھی کوئی اور رب ہے اگر ہے تو بتاؤ وہ کون ہے وہ پھر میری عبادت چھوڑ کر اس کی عبادت کیوں کرتے ہیں۔ **یٰمُوْسٰی** ۝ اے موسیٰ۔

سوال: پہلے دونوں کو پھر صرف موسیٰ علیہ السلام کو کیوں خطاب کیا؟

جواب: جب اسے تحقیق ہو گیا کہ اس معاملہ میں موسیٰ علیہ السلام اصل اور ہارون علیہ السلام ان کے وزیر و تابع ہیں۔ اسی لیے پہلے دونوں کو پھر صرف تنہا موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کیا۔

قَالَ: موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ **رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ**۔ ربنا مبتدا اور الذی الخ اس کی خبر ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے مخلوق کو ہر قسم کا عطا فرمائی۔ **خَلْقَهٗ** اس کی شکل و صورت جس کی وہ لائق تھی یعنی ہر شے کو جو اس کے ساتھ خاص لائق ہیں وہی تمام عطا فرمائے اور الشیٔ سے مخلوق مراد ہے کیونکہ ربنا کی ضمیر جمع سے ہی معلوم ہوتا ہے جب اس میں موسیٰ و ہارون علیہما السلام اور فرعون وغیرہ سب داخل ہیں۔

سوال: موسیٰ علیہ السلام نے صرف ربنا کیوں نہ کہا آگے الذی اعطی الخ کا اضافہ کیوں؟

جواب: وصف کا ذکر فعل پر دلالت کرتا ہے اور فعل فاعل کے وجود پر۔ اسی مناسبت سے موسیٰ علیہ السلام نے دعویٰ کی دلیل بیان فرما دیا۔

ثُمَّ هَدٰى ۝ پھر ان کی رہبری فرمائی ان امور میں جو ان سے صادر ہوں گے یا جو ان کے لائق ہیں جیسے عبادت

میں بلا اختیار اور حیوانات میں اختیار اور ہر ایک کو مخصوص ہیئت عطا فرمائی۔

ف: پہلا محقق ہدایت کے مرکز میں مطلب واضح ہے کہ شئے کی پہلی ترکیب اور اس کے اجزاء کی ترتیب ہوتی ہے بعد اس ہدایت اور ان دونوں کے درمیان بھی ایک مدت کی ضرورت پڑتی ہے اسی لیے ان کے درمیان لفظ ثم لایا گیا۔

ف: ہر شئے میں حیات و ادراک ہوتی ہے جیسے صوفیہ جیسے انسان و جن و ملائکہ و دیگر مخلوق حتیٰ کہ جمادات و نباتات وغیرہ اسی لیے انھیں خطاب فرمایا۔

وان من شیء الا یسبح بحمدہ۔

اس سے ثابت ہوا کہ مخلوق کے ہر فرد کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہے بقدر اس کے عقل و ادراک و شعور کے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ و عطی کل شیء خلقہ یعنی ہر شے کو جسے اللہ تعالیٰ نے جس استعداد کے لیے پیدا فرمایا ہے اسے وہی استعداد عطا فرمائی مثلاً مومن کو پیدا فرمایا تو قبول فیض ایمان کی استعداد عطا فرما کر پھر اسے دعوت انبیاء علیہم السلام کی دعوت قبول کرنے کی ہدایت بخشی اور کافر کو فیض قہر و خذلان و قہر کی استعداد دے کر پیدا فرمایا اسی لیے انھوں نے انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کی۔

حضرت عطار قدس سرہ نے فرمایا ؎

یکے را بہر طاعت خلق کردند
یکے را بہر عصیان آفریدند
یکے را بہر مالک گشت آورید
یکے را بہر رضوان آفریدند

ترجمہ: کسی کو طاعت کے لیے اور کسی کو نافرمانی کے لیے پیدا فرمایا۔
ایک صرف مالک کی خدمت جو جہنم کے داروغہ ہیں ایک کو رضوان جنت کے لیے۔

قال: فرعون نے کہا۔ فما بال القرون الاولی ۝ تو بتائیں پہلے لوگوں کا کیا بنا۔ ما استفہامیہ ہے اور بال سے وہ حال مراد ہے جس پر انسان کا وقت بسر ہوتا کہا جاتا ہے۔ صاحب المفردات نے کہا میں نے ہر وقت میں کیا۔ اور عرف میں وہ حال جو انسان کے دل پر گذرے جیسے کہا جاتا ہے۔ ما خطر ببالی کذا یعنی میرے دل پر یہ نہیں کھٹکا۔ القرون وہ لوگ جو ایک دور میں موجود ہوں۔ الاولی، الاول کی تانیث ہے یا بمعنی الامم کی تانیث ہے۔

اب مطلب یہ ہوا کہ اے موسیٰ علیہ السلام پہلی امتوں کا کیا حال ہوا جو ہم سے پہلے گزری ہیں جیسے قوم نوح و عاد و ثمود جنھوں نے مرنے کے بعد ان پر کیا گذری۔

موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو سابقہ امم سے نہیں ڈرایا تھا انی اخاف علیکم مثل یوم الاحزاب ... ج ... آ امی

موسیٰ سے کہا جو فرعون کے ہاں رہ چکا تھا۔ اور یہاں موسیٰ علیہ السلام مخاطب ہے جیسے یہ سوال صاحب روح البیان نے مذکورہ بالا جواب پر اٹھایا جو موزوں ہے۔ مذکورہ بالا سوال کا جواب یہ ہے کہ فرعون نے جب موسیٰ علیہ السلام کے بیان میں دلائل سنے تو اسے خوف ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ موسیٰ علیہ السلام کی زبردست حجت سے قوم نہ بگڑ جائے اور اسے چھوڑ کر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔ اس لیے موسیٰ علیہ السلام کے خیال کو دوسری طرف لگانا چاہا تاکہ وہ توحید پر دلائل بیان نہ کر سکیں لیکن موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی بات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنی تقریر توحید کو جاری رکھا اور ساتھ ہی فرعون کا جواب بھی دے دیا چنانچہ فرمایا:

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ان کا علم میرے پروردگار کے ہاں ہے کیونکہ ان کے حالات از قبیل علوم غیبیہ ہیں اور علوم غیبیہ صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اور نہ ہی ان کے حالات کے علم کو نبوت و رسالت سے کوئی تعلق ہے اور میں ان کے حالات کو اس قدر جانتا ہوں جتنا میرے رب تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا ہے یعنی وہ جنہیں امور رسالت سے تعلق ہے **فِيْ كِتٰبٍ** اور وہ علوم لوح محفوظ میں اپنی تفاصیل کے ساتھ ثبت ہیں۔ **لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى** میرا پروردگار نہ بھٹکتا ہے نہ بھولتا ہے۔ الضلال بھٹکنے کی اصل جگہ سے آگے نکل جانا اور اس کے حصول کے لیے راہ نہ پانا۔ اور النسیان کسی شے سے ایسا غافل ہو جانا کہ اس کی طرف خیال تک نہ رہے۔ اور یہ دونوں امور ذات کے لیے محال ہیں جس کا علم ذاتی ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے علم سے ابتداءً ہی یہ بات دور نہیں کیونکہ وہ کل معلومات کو ازلاً جانتا ہے اور نہ ہی اس بات سے اسے غفلت ہوئی جو کچھ کہ ان کے بارے میں پہلے سے ثابت ہے۔

اس میں اشارہ ہے کہ امور لوح محفوظ میں ثبت ہیں تو اس لیے نہیں کہ اس کی اللہ تعالیٰ کو ضرورت یا محتاجی ہے اسے نہ ابتداءً لوح محفوظ میں اثبات کی ضرورت ہے نہ بقاءً بلکہ اس نے لوح محفوظ میں اس لیے احکامات ثبت فرمائے تاکہ وہ امور ملائکہ کے سامنے ظاہر ہوں جس سے ان کے استدلال میں اضافہ ہوتا ہے اور واضح ہوتا ہے کہ اس کا علم سہو و غفلت سے منزہ ہے۔

؎

بہ علمش یک ذرہ پوشیدہ نیست
کہ پیدا و پنہاں بنزدش یکیست

ترجمہ: اس کے علم سے کوئی شے پوشیدہ نہیں۔ اس لیے پیدا و پنہاں اس کے نزدیک برابر ہے۔

ربط: موسیٰ علیہ السلام فرعون کو جواب دے کر اب اللہ تعالیٰ کی صفت خاص بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ کہا:

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وہ اللہ تعالیٰ جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا۔

حل لغات المہد راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ المہد بچھونا وہ شے جو بچے کے لیے تیار کی جائے۔ المہاد و المہد وہ بچھی ہوئی جگہ جیسے پاؤں سے روندا جائے۔ کما قال تعالیٰ:

الذی جعل لکم الارض مہدا۔

ف ۔ کاشفی نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو ایسا اچھا بچھایا کہ ہم چلتے ہیں اور اس پر گھر بناتے ہیں ۔

وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا اور تمہارے لیے اس میں راستے بنائے ۔ سلک از السلوک بمعنی راستہ پر چلنا ۔ لازم و متعدی دونوں طور پر مستعمل ہے مثلاً کہا جاتا ہے :

سلکت الشی فی الشی ۔ میں نے فلاں شے میں داخل کیا ۔

السبل ۔ سبیل کی جمع ہے وہ راستہ جس پر چل کر سفر طے کیا جاتا ہے ۔

اب معنی یہ ہوا کہ زمین نے راستے صرف تمہارے لیے بنائے تمہارے غیروں کے لیے نہیں گو وہ ان پر چلتے ہیں تو تمہارے طفیل ۔ اور وہ راستے بھی پیچ در پیچ ۔ ان کے درمیان پہاڑ بھی ہیں اور نہریں بھی اور جنگلات بھی تم انھیں منزل بہ منزل طے کرتے ہو تاکہ انھیں طے کرکے اپنے مقاصد کو پہنچو اور اپنے منافع حاصل کرو ۔

وَّاَنْزَلَ ۔ تنزل سے ہے ۔ بمعنی انحطاط من علو یعنی اوپر سے نیچے آنا مثلاً کہا جاتا ہے :

نزل عن دابتہ و نزل فی مکان کذا

ایسے ہی کہتے ہیں :

حط رحلہ فیہ ۔ فلاں جگہ پر سامان اتارا ۔

وانزل غیرہ ۔ اور اپنے غیر کو اتارا ۔

مِنَ السَّمَآءِ ۔ آسمان یا بادل سے اتارا **مَآءً** ۔ ھو جسم سیال الخ ۔ ماء وہ ایک بہنے والا جسم ہے جو زمین کو گھیر لیتا ہے یہاں پر بارش مراد ہے ۔ وہ بارش اجزائے مائیہ جو ہوا میں ہوتے ہیں وہ اجزاء جب جمع ہو جاتے ہیں تو پانی کی طرح زمین کو گھیر لیتا ہے

اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا ۔

فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ۔ خروج ۔ خروج سے ہے بمعنی شے کا اپنی جگہ سے یا حال سے ظاہر ہونا اکثر اس کا استعمال اعیان میں ہوتا ہے یعنی ہم نے پانی کے سبب اگایا ۔

ف ۔ غیبت سے تکلم کی طرف عدول میں اشارہ ہے کہ وہ جملہ امور اللہ تعالیٰ کے ذاتی ہیں اور وہ امور بھی جو صرف اسی سے مخصوص اور اسی سے ہی آسکتے ہیں اس کے سوا کوئی دوسرا ان پر قدرت رکھتا ہی نہیں ۔

اَزْوَاجًا ۔ مختلف قسمیں اور ان اقسام کو ازواج سے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ وہ ایک دوسرے سے مقترن ہیں اور ہر شے ایک دوسرے سے مقترن ہیں جو مماثل ہو یا متضاد اسے زوج سے تعبیر کرتے ہیں اسی لیے حیوانات کے نر و مادہ کو زوج کہتے ہیں ۔ حیوانات کے علاوہ دوسرے اقسام میں بھی جو مقترن ہو تو دونوں کو زوج کہا جاتا ہے ۔ **مِّنْ نَّبَاتٍ** ۔ ہر قسم کی اگنے والی اشیاء جو کہ اس کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور زمین سے جو بھی نشو و نما پاتا ہے ۔

ف ۔ امام راغب نے لکھا کہ النبت و النبات ہر وہ شے جو بڑھنے والی ہو زمین سے اگتی ہو اس کا تنا ہو جیسے اشجار یا نہ ہو جیسے گھاس ۔

لیکن عرف میں لفظ نبات صرف ترکاریوں کے لیے استعمال ہوتا ہے بلکہ عام تر نبات سمجھا جاتا ہے ہی ہیں جیسے حیوانات کا لفظ جب اس کے حقائق کا اعتبار کیا جائے گا تو ہر نامی شے کو نبات کہا جائے گا خواہ انگوریاں ہوں یا حیوان یا انسان۔

جیسا بیان ہے اس لفظ پر شتی۔ نبات کی صفت ہے۔ اس لیے کہ یہ دراصل مصدر ہے اور مصدر واحد و جمع ہر دونوں کے لیے مستعمل ہے۔ شتی۔ شتیت کی جمع ہے بمعنی متفرق یعنی انگوریاں جو مختلف الانواع ہیں جن کے ذائقے بھی مختلف اور خوشبوئیں اور اشکال بھی مختلف اور منافع بھی جو بعض انسانوں کے لیے ہوتی ہیں تو بعض جانوروں کے لیے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ شتی اور من نبات دونوں نبات کی صفت ہیں لیکن شتی کی وجہ سے موخر کیا گیا ہے۔

کلوا یہ بارادۂ قول ازواج اخرجنا کی ضمیر سے حال ہے۔ دراصل عبارت اخرجنا منها اصناف النبات قائلین کلوا یعنی ہم نے قسم قسم کی انگوریاں زمین سے نکال کر کہہ دیتے ہیں کہ کھاؤ ان کے پھل اور بیج وغیرہ۔ **وارعوا**۔ الرعی سے ہے بمعنی جڑوں کی حفاظت یا جڑیں عطا کر کے ان کی زندگی کی حفاظت ہے یا اس سے دشمن کو دفع کر کے بچنے بچاؤ۔ **انعامکم** اپنے جانوروں کو۔ ان سے اونٹ، گائے، بھیڑیں اور بکریاں مراد ہیں یعنی ان سے بالذات یا بالواسطہ نفع اٹھاؤ۔ در آں حالیکہ ہم تمہیں ان سے نفع اٹھانے کی اجازت بخشتے اور مباح فرماتے ہیں کہ ان کے بعض کو کھاؤ اور بعض کو گھاس کے طور پر جانوروں کو کھلاؤ۔

تفسیر صوفیانہ موہوبات تجلی میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ آسمان، پانی، انگوریاں اور جانور سب کے سب تمہارے لیے بنائے گئے ہیں اگر تمہیں ان کی بجائے مخلوق کی ضرورت نہ ہوتی تو میں تمہیں پیدا نہ کرتا۔

حضرت مولانا قدس سرہ نے فرمایا ؎

غرض توئی نہ وجود جہاں جہاں ورنہ
لما تکون فی الکون کان لولاک

ترجمہ: جہان کے وجود کا اصل سبب تم ہو۔ اگر تم نہ ہوتے تو کسی کا وجود نہ ہوتا۔

تفسیر عالمانہ **ان فی ذلک** ان مذکورہ اشیاء یعنی افعال الٰہیہ مثلاً زمین کو بچھونا بنانے اور زمین میں راستے تیار کرنے اور آسمان سے پانی برسانے اور انگوریوں کے مختلف اقسام اگانے میں۔ **لایت** البتہ بہت اور بڑی عظیم الشان اور واضح دلیلیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صنعت و وسعت اور عظیم القدرت اور روشن حکمت پر۔ **لاولی النہی** النہی، نہیۃ کی جمع ہے اسے عقل کے لیے استعمال کرتے ہیں اس لیے کہ عقل اتباع باطل اور ارتکاب افعال قبیحہ سے روکتی ہے۔ اس لیے اسے عقل و حجر بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ نفس امتوال کو اباطیل سے روکتا ہے جیسا وہ سرکشی کے اسباب میں ہیں جنہیں سرکش اور باغی لوگ اپناتے ہیں۔

ف: عقل والوں کی تخصیص اس لیے ہے کہ ان آیات سے صرف اہل عقل ہی نفع پا سکتے ہیں۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا
ہم نے زمین ہی سے تمہیں بنایا اور اسی میں تمہیں پھر لے جائیں گے
نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۝ وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ۝ قَالَ اَجِئْتَنَا
اور اسی سے تمہیں دوبارہ نکالیں گے اور بیشک ہم نے اسے اپنی سب نشانیاں دکھائیں تو اس نے جھٹلایا اور نہ مانا بولا کیا تم
لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ۝ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا
ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہمیں اپنے جادو کے سبب ہماری زمین سے نکال دو اے موسیٰ تو ضرور ہم بھی تمہارے آگے ویسا ہی جادو لائیں گے تو
وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ۝ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ
ہم میں اور اپنے میں ایک وعدہ ٹھہرا دو جس سے نہ ہم بدلہ لیں نہ تم ہموار جگہ ہو موسیٰ نے کہا تمہارا وعدہ میلے کا دن ہے
الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ۝ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ۝ قَالَ
اور یہ کہ لوگ دن چڑھے جمع کیے جائیں تو فرعون پھرا اور اپنے داؤں اکٹھے کیے پھر آیا ان سے
لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ وَقَدْ خَابَ مَنِ
موسیٰ نے کہا تمہیں خرابی ہو اللہ پر جھوٹ نہ باندھو کہ وہ تمہیں عذاب سے ہلاک کر دے اور بیشک نامراد رہا جس
افْتَرٰى ۝ فَتَنَازَعُوْا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ۝ قَالُوْا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ
نے جھوٹ باندھا تو اپنے معاملہ میں باہم مختلف ہو گئے اور چھپ کر مشورت کی بولے بیشک یہ دونوں ضرور جادوگر ہیں
يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ۝
چاہتے ہیں کہ تمہیں تمہاری زمین سے اپنے جادو کے زور سے نکال دیں اور تمہارا اچھا دین لے جائیں
فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ۝ قَالُوْا يٰمُوْسٰى
تو اپنا داؤں پکا کر لو پھر پرا باندھ کر آؤ اور آج مراد کو پہنچا جو غالب رہا بولے اے موسیٰ
اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ۝ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا فَاِذَا حِبَالُهُمْ
یا تو تم ڈالو یا ہم پہلے ڈالیں موسیٰ نے کہا بلکہ تمہیں ڈالو جبھی ان کی رسیاں اور
وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ۝ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً
لاٹھیاں ان کے جادو کے زور سے ان کے خیال میں دوڑتی معلوم ہوئیں تو اپنے جی میں موسیٰ نے خوف
مُّوْسٰى ۝ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ۝ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا
پایا ہم نے فرمایا ڈر نہیں بیشک تو ہی غالب ہے اور ڈال تو دے جو تیرے داہنے ہاتھ میں ہے

صَنَعُوا إِنَّمَا صَنَعُوا كَيْدُ سَاحِرٍ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتَى ﴿٦٩﴾ فَأُلْقِيَ

ان کی بناوٹوں کو نگل جائے گا وہ جو بنا کر لائے ہیں وہ تو جادوگر کا فریب ہے اور جادوگر کا بھلا نہیں ہوتا کہیں آوے تو سب جادوگر

السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ هَارُونَ وَمُوسَى ﴿٧٠﴾ قَالَ آمَنتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ

سجدے میں گرا دیئے گئے بولے ہم اس پر ایمان لائے جو ہارون اور موسیٰ کا رب ہے فرعون بولا کیا تم اس پر ایمان لائے قبل اس

آذَنَ لَكُمْ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُم

کے کہ میں تمہیں اجازت دوں بیشک وہ تمہارا بڑا ہے جس نے تم سب کو جادو سکھایا تو مجھے قسم ہے ضرور میں تمہارے ایک طرف

مِّنْ خِلَافٍ وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ فِي جُذُوعِ النَّخْلِ وَلَتَعْلَمُنَّ أَيُّنَا أَشَدُّ عَذَابًا

کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا اور تمہیں کھجور کے ڈنڈ پر سولی چڑھاؤں گا اور ضرور تم جان جاؤ گے کہ ہم میں کس کا عذاب

وَأَبْقَى ﴿٧١﴾ قَالُوا لَن نُّؤْثِرَكَ عَلَى مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالَّذِي فَطَرَنَا

سخت اور دیرپا ہے بولے ہم ہرگز تجھے ترجیح نہ دیں گے ان روشن دلیلوں پر جو ہمارے پاس آئیں ہمیں اپنے پیدا کرنے والے کی قسم تو تو کر

فَاقْضِ مَا أَنتَ قَاضٍ إِنَّمَا تَقْضِي هَذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿٧٢﴾ إِنَّا آمَنَّا بِرَبِّنَا

جو تجھے کرنا ہے تو اس دنیا ہی کی زندگی میں تو کرے گا بیشک ہم اپنے رب پر ایمان

لِيَغْفِرَ لَنَا خَطَايَانَا وَمَا أَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ وَاللَّهُ خَيْرٌ وَأَبْقَى ﴿٧٣﴾ إِنَّهُ

لائے کہ وہ ہماری خطائیں بخش دے اور وہ جو تو نے ہمیں مجبور کیا جادو پر اور اللہ بہتر ہے اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا

مَن يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَى ﴿٧٤﴾ وَمَن يَأْتِهِ

بیشک جو اپنے رب کے حضور مجرم ہو کر آئے تو ضرور اس کے لیے جہنم ہے جس میں نہ مرے نہ جیے اور جو اس کے

مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُولَئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَى ﴿٧٥﴾ جَنَّاتُ عَدْنٍ

حضور ایمان کے ساتھ آئے کہ اچھے کام کئے ہوں تو انہیں کے درجے اونچے بسنے کے باغ جن

تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ جَزَاءُ مَن تَزَكَّى ﴿٧٦﴾

کے نیچے نہریں بہیں ہمیشہ ان میں رہیں اور یہ صلہ ہے اس کا جو پاک ہوا

تفسیر عالمانہ

منہا ، زمین سے ۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس سے وہ مشت مراد ہے جو عزرائیل علیہ السلام نے بامر الٰہی آدم علیہ السلام کے لیے [illegible] سے زمین

لے تاویلات کا ترجمہ از اویسی غفرلہ ۔

سے اشتقاق ہی ۔

خَلَقْنٰكُمْ تمہیں تمہارے باپ آدم علیہ السلام کی وساطت سے پیدا فرمایا۔ آدم و حوا علیہما السلام کے سوا باقی ہر آدم زاد نطفہ سے پیدا ہوئے ۔

حل لغات ۔ الخلق دراصل تقدیر مستقیم کو کہا جاتا ہے اور عرف میں شئے کو بغیر اصل سے پیدا کرنے پر مستعمل ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ۔

خلق السموات والارض

اور ایک شئے کو دوسری شئے سے پیدا کرنے کے لیے بھی آتا ہے جیسے آیت ہٰذا میں ۔

وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ اور تمہیں موت کے بعد اسی زمین میں واپس کرائیں گے جہاں سے تمہارا خمیر لیا گیا اور لفظ فی استقرار پر دلالت کرتا ہے اور عود کا معنی شئے سے انصراف کے بعد پھر اس کی طرف رجوع کرنا۔ یہ تین قسم کا ہے ۔

① بالذات

② بالقول

③ بالعزیمت

اور اعادۃ یعنی شئے کا تکرار جیسے بات وغیرہ کو دہرانا ۔

وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ○ اور قیامت میں تمہارے اجزاء کو جمع اور انہیں زندہ کر کے حساب اور جزا و سزا کے لیے اٹھائیں گے۔ اور دوسری بار نکالنا یوں ہوگا کہ جیسے وہ زمین میں پڑے ہیں انہیں وہاں سے باہر کیا جائے گا۔ اس میں کسی قسم کی تجدید نہ ہوگی۔ تارۃ دراصل تور تھا یعنی ایک بار جاری ہونا اس کے بعد ہر نئے فعل پر مستعمل ہونے لگا جو دوبارہ ایک بار ہو کر ختم ہو جائے ۔

حکیم فردوسی نے فرمایا ؎

بخاکت در آرد جہاندار پاک
دگر رہ بروں آرد از تیرہ خاک
بدان حال کاید بخاک اندروں
بدان گونہ از خاک آید بروں
اگر پاک در خاک گیری مقام
برآئی از و پاک و پاکیزہ نام

ترجمہ :۔ تمہیں پروردگار مٹی میں ملائے گا پھر اس سے تمہیں اٹھائے گا ۔

(۲) جس حال پر لاش میں دفن ہوں گے اسی طرح قبر سے باہر آئیں گے۔

(۳) اگر ایک چور لاش میں جائے گا تو پھر پاکباز اور نیک نام ہو کر باہر نکلے گا۔

جبرئیل علیہ السلام نے قم باذن اللہ کہہ کر مردے زندہ کیے

سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ایک دن سیدنا جبرئیل علیہ السلام حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوئے تو عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ نے آپ کو سلام کہا ہے اور فرماتا ہے کہ آپ مغموم و مہموم کیوں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اپنی امت کا غم ہے۔ عرض کی اہل اسلام کے لیے یا کافروں کے لیے آپ نے فرمایا اہل اسلام کے لیے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کو بنی سلمہ کے قبرستان میں لے گئے اور وہاں پاؤں مار کر ایک مردہ کو زندہ کیا وہ سفید چہرہ والا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" (صلی اللہ علیہ وسلم) پڑھتا ہوا اٹھا۔ اسے جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ واپس اپنی قبر میں چلے جاؤ۔ پھر پاؤں مارا تو ایک سیاہ اور نیلی آنکھوں والا مردہ زندہ ہو کر قبر سے باہر ہائے ہائے کرتا ہوا اٹھا۔ جبرئیل نے اسے فرمایا واپس اپنی قبر میں چلا جا اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عرض کیا کہ اسی طرح قیامت میں یہ اٹھیں گے۔ اسی واقعہ کے بعد آپ نے فرمایا:

تموتون کما تعیشون و تبعثون کما تموتون۔ تم جس طرح زندگی بسر کرتے ہو ایسے ہی مرو گے اور جس حال میں مرو گے اسی حالت میں قیامت کے روز اٹھو گے

حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ انسان کو دنیوی زندگی سے کیوں پیار ہے؟

دنیوی زندگی سے پیار کیوں؟

آپ نے فرمایا اس لیے کہ انسان کے لیے ضروری ہے کہ اس سے پیار کرے اس لیے کہ اسی میں پیدا ہوا اسی سے پیدا اس کی ماں ہوئی پھر اسی میں زندگی بسر کرتا ہے اور اسی میں اسے رزق ملتا ہے اور اسی میں اسے مرنا ہے اور اسی میں ہی دفنایا جائے گا یہی اس کی کفایت کرنے والی اور اسی میں جنت کے حصول کے اسباب حاصل کرتا ہے۔ یہی دنیا اس کی سعادت کا سبب اور یہی علماء کی گذرگاہ ہے جس میں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچتے ہیں۔ اسی وجہ کے باوجود اسے انسان کو کیوں نہ پیار ہو جب کہ اسی سے اسے رب تعالیٰ کی ہمسائیگی نصیب ہوتی ہے۔

زمین کو اولیاء و نیکوں حاصل ہے کیونکہ اسے اپنے وجود میں کامیابی نصیب ہوئی باوجودیکہ نہایت سفلی ہے لیکن اعلیٰ مراتب پر فائز ہے کیونکہ رضی بقضاء اللہ اور تسلیم کے مقام پر ہے۔ اس کا دین اسلام ہے۔ اسی طرح دنیا میں انسان کامل مثل ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے قالب زمین سے اٹھا کر اپنا رنگ چڑھایا ہے یہ اگرچہ ترابی الاصل ہے لیکن اس میں اکسیر روح اعظم ڈالا گیا جب اس سے روح الگ کی جاتی ہے تو اس کا جسم اس کے رنگ میں رہتا ہے یہی متاثر ہوتا ہے کیونکہ سونا خالص پگھلنے کے بعد بھی اپنی حقیقت پر رہتا ہے۔ اسی طرح کاملین اولیاء کو سمجھئے کہ وہ آزمائشوں میں مبتلا کیے جاتے ہیں تاکہ خالص سونے کی طرح اور زیادہ چمک پائیں۔

زمین افضل ہے یا آسمان؟

اس مسئلہ میں ہے کہ اکثر علماء کا مذہب ہے کہ زمین آسمان سے افضل ہے

اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام زمین سے پیدا کیے گئے اور اسی میں عبادت کی، مبعوث رہے اور اسی میں مدفون ہوئے نیز زمین اللہ تعالیٰ کے احکام کے دیوان عبادت کا محل اور مرجع کا موقع ہے۔ اور ان ساتوں زمینوں میں سے یہ پہلی زمین افضل ہے اس لیے کہ وحی الٰہی کا نزول اسی پر ہوا اور انبیاء علیہم السلام کو مشاہدہ الٰہی بھی اسی زمین پر ہوا اور اس میں سے افضل سید دو عالم ﷺ بھی پیدا ہوئے اور ان کے خلفاء بھی اسی زمین میں ہوئے وغیرہ وغیرہ۔

صاحب روح البیان کی تحقیق فقیر حقی کہتا ہے کہ اگرچہ بظاہر آسمان افضل معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہ ملائکہ کی قرار گاہ ہے یہی وجہ ہے کہ مرنے کے بعد جسم زمین پر پڑا رہتا ہے لیکن روح آسمان میں۔ اور اگر حقیقت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو زمین افضل معلوم ہوگی کیونکہ ارواح عالیہ کو ارواح کی لطافت کے اسباب سے حقیر آئے اس لیے حضور سرور عالم ﷺ نے نماز کو دنیوی قرار دیا۔ کما قال علیہ السلام:

حبب الی من دنیاکم ثلاث الطیب والنساء وقرۃ عینی فی الصلوٰۃ۔

مجھے تمہاری دنیا سے تین چیزیں محبوب ہیں: ① خوشبو

② عورتیں

③ نماز (آنکھوں کی ٹھنڈک)

شرح الحدیث وجہ یہ ہے کہ نماز چند افعال و اذکار مجموعہ کا نام ہے اور وہ افعال و اذکار اجساد سے حاصل ہوتے ہیں اور وہ اجساد دنیوی اور عالم الملک سے ہیں اگرچہ قلب اور روح عالم ملکوت سے ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں حقائق اشیاء کی تحقیق اور فضل و شرف سے مددگاروں کی توفیق عطا فرمائے۔ و آمین

ف: اس مسئلہ میں علماء کا اتفاق ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ جس جگہ آرام فرما ہیں وہ جگہ کل کائنات کی جگہوں سے افضل ہے یہاں تک کہ عرش و کرسی اور کعبہ معظمہ اور بیت المعمور سے بھی۔ اس کے بعد اس پر اتفاق ہے کہ کعبہ معظمہ کا شہر مدینہ طیبہ وغیرہ تمام امکنہ سے افضل ہے پھر اختلاف ہے کہ آیا مدینہ طیبہ افضل ہے یا مکہ معظمہ۔ بعض کو مکہ معظمہ افضل مانتے ہیں بعض مدینہ طیبہ کو۔ ہمیں بعض علماء کا یہ قول افضل معلوم ہے انہیں اعلیٰ حضرت نے کہا ہے:

طیبہ نہ سہی افضل مکہ ہی بڑا زاہد
ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہو

اس مسئلہ کی تفصیل فقیر نے دوسری جگہ لکھ دی ہے۔

(محرم - ۱۱ ربیع الآخر [illegible])

تفسیر عالمانہ

وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا ۔ آیات کی اضافت عہد یا شمول افراد کے لیے ہے کلھا تاکید کے لیے ہے۔ معنی یہ ہوا کہ ہم نے فرعون کو موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے جملہ آیات دکھائے مثلاً عصا کا سانپ بن جانا، ہاتھ کا نورانی ہو جانا وغیرہ وغیرہ اور وہ بھی واقعہ ہے کہ یا اس کا یہ معنی ہے کہ ہم نے فرعون کو ان آیات کی پہچان عطا فرمائی یا یہ معنی ہے کہ تمام ایسی آیات پر جو دلالت واضح فرمائی۔ فَكَذَّبَ تو اس بدبخت نے فرط عناد سے جلد و بلا تاخیر بغیر سوچے سمجھے بغیر ان آیات کی تکذیب کر دی۔ اور سمجھا کہ وہ سحر اور جادو ہیں۔ وَاَبٰى ۝ اور اپنی سرکشی کی بنا پر ان کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

الاباء بمعنی شدت الامتناع۔

ف: ہر اباء کو امتناع کہہ سکتے ہیں اور ہر امتناع کو اباء نہیں کہا جاسکتا۔

قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ۝ فرعون نے کہا کہ اے موسیٰ علیہ السلام تم ہمارے ہاں اس لیے آئے ہو تاکہ اپنے جادو سے ہمیں ہمارے ملک سے نکال دیں۔ یہ کلام مستانفہ ہے اس کی تکذیب و اباء کی کیفیت کی وضاحت اور ہمزہ انکار واقعی کے لیے ہے اور اس کی قباحت کا اظہار مطلوب ہے اور دعوی کرتا ہے کہ یہ جو تم کہتے ہو محال ہے۔

ف: المجیء راہ آنے کے حقیقی معنی میں ہے یا بمعنی الاقبال علی الامر ہے یا پیچھے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ السحر بمعنی دھوکہ اور ایسے خیالات بیان کرنا جن کی کوئی حقیقت نہ ہو جیسے عام طور پر شعبدہ باز کرتے ہیں کہ چالاکی سے ایسے ظاہر کر دیتے ہیں کہ لوگوں کی آنکھیں چکا چوند ہو جاتی ہیں۔ یا کوئی ایسا حرف پڑھنا جو سننے والوں کو وحشت میں ڈال دے۔

اب معنی یہ ہوا کہ اے موسیٰ علیہ السلام تم جو ہم سے چند سال باہر رہ کر ایسے امور لے کر آئے ہو جو سراسر جادو ہیں تاکہ ہم پر غلبہ پاکر ہمیں ملک مصر سے نکال دیں اور یہاں اپنی سلطنت کا تسلط قائم کر دیں یہ جو کچھ ہے یہ کمالات سے ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ فرعون نے کہا کہ ہمیں معلوم ہے کہ تم جادوگر ہو اور چاہتے ہو کہ جادو کے ذریعے تم ہمیں مصر سے نکال کر بنی اسرائیل پر قبضہ کر کے ان پر شاہی کرو۔

ف: بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ تحیر و تعلیل سے کہہ رہا تھا اس لیے کہ اسے معلوم ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام جو کہتے ہیں وہ حق ہے اسی لیے اسے خطرہ ہو گیا کہ اس سے اس کا ملک چھن جائے گا ورنہ اسے یقین تھا کہ جادوگر سے کسی بادشاہ کو اس کے ملک سے نہیں نکالا جا سکتا۔

ف: ارشاد میں ہے کہ فرعون نے یہ کلمات اپنی قوم کو اکسانے کے لیے کہے کہ اے قبطیو! موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کو لے جانے کا مطالبہ محض فریب ہے۔ درحقیقت وہ تمہیں اپنے ملک سے نکالنا چاہتے ہیں اور پھر تمہارے ملک و مال پر قابض ہو کر مطلق العنان بادشاہ بن کر اپنے آپ کی کسی قوم کی پرواہ نہ کریں گے۔ وہ اس لیے کہہ رہا تھا تاکہ وہ اس کے ساتھ ہو کر موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ و مدافعت کریں۔ اسی لیے اس نے موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو جادو سے تعبیر کیا تاکہ انہیں غیرت پیدا ہو کہ جادوگر ہو کر تمہارا ملک کیوں چھین جائے؟

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ فرعون نے یہ اس لیے کہا کہ وہ اہل بصیرت تھا اس لیے کہ اہل بصیرت کو یقین تھا کہ موسیٰ علیہ السلام تو آئے ہی اس لیے ہیں کہ ظلمات کفر سے نکال کر نور ایمان اور ظلمات بشریہ سے خارج کر کے

فریب دہ نیست اور ظلمت انسانیہ سے نکل کر نور و پاکیزگی کی طرف لے جاتی ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) ہر کہ از دیدار برخوردار شد
ایں جہاں در چشم او مردار شد

(۲) ملک برہم زن تو ادہم وار زود
تا بیابی ہمچو او ملک خلود

ترجمہ: (۱) جو دیدار الٰہی سے بہرہ ور ہوا وہ اس جہان کو مردار کی طرح دیکھتا ہے۔

(۲) سارے ملک کو ادہم (ابراہیم بن ادہم) رحمۃ اللہ علیہ کی طرح چھوڑ دے تاکہ تجھے دائمی ملک نصیب ہو۔

ربط: جب کہ فرعون نے معجزہ کو اپنی اٹکل سے جادو کہا اس لیے دعویٰ کیا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لیے جادوگر لائے گا۔ چنانچہ کہا:

فَلَنَأْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهِ۔ فاء جزائیہ ما قبل کے ساتھ ترتیب کے لیے ہے۔ اور لام قسم محذوف کا جواب ہے گویا فرعون نے کہا کہ جب حال اس طرح ہے تو آپ تم کیا کرو گے فرعون نے کہا کہ جیسا ہم موسیٰ علیہ السلام کے جادو کی طرح جادو لائیں گے اس لیے وہ ہم پر غالب نہیں ہو سکتا یعنی اے موسیٰ! ہم تیرے مقابلہ کے لیے تیرے جادو جیسا جادو لائیں گے تاکہ ہم تیرا مقابلہ کریں گے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ تو نبی نہیں بلکہ جادوگر ہے۔

فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا۔ تو ہمارے اور اپنے درمیان وعدہ مقرر کیجئے تاکہ مقابلہ سے جادو کا پول کھل جائے لَّا نُخْلِفُهُ ہم اس وعدہ کے خلاف نہ کریں۔ نَحْنُ وَلَا أَنتَ۔ نہ ہم اور نہ تم۔

حل لغات: الخلف وعدہ کا جاتا ہے۔ اخلف زمانہ و مکان میں کہا جاتا۔

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہاں پر موعدا سے مراد وہ جگہ ہے جہاں پر مقابلہ ہونا ہے۔ الوعد بمعنی کے وقوع سے پہلے اس کے مکان کی طرف۔ الخلف بمعنی وعدہ خلافی کرنا بھی کہا جاتا ہے۔ وعدہ خلف فاخلف یعنی اس نے ساتھ وعدہ کرکے اس کے خلاف کیا۔

مَكَانًا سُوًى ۝ یہاں پر محل انتصاب ہے جیسا کہ اس کا مصدر دلالت کرتا ہے۔

سوال: یہ مصدر سے مکانا منصوب کیوں ہوا جب کہ مصدر بھی عامل ہے؟

جواب: وجہ یہ کہ مصدر اس کی صفت واقع ہے اور صفت اپنے موصوف پر عمل نہیں کیا کرتی۔

ف: سوی کو بالکسر و الضم پڑھا گیا ہے بمعنی مساوات یعنی ایسا مقام جہاں وعدہ والے کی مسافت کے

لہٰذا ہمارے درمیان میں جو جہاں چاہیں اور قصد کی مسافت کے لحاظ سے برابر ہو کہ کوئی ایک طرف دوسری سے بڑھ نہ جائے۔ ایسی جگہ مقرر کیجئے جو آنکھوں سے اوجھل نہ ہو یعنی نہایت اونچا ہموار میدان تاکہ لوگ اچھی طرح نظارہ کر سکیں۔

ف۔ فرعون نے یہ مطالبہ موسیٰ علیہ السلام کے جادو کے ظاہر کرنا چاہا کہ وہ اس مقابلہ میں کمزور نہیں بلکہ پوری قوت و طاقت کے ساتھ تیار ہے مدت طویل ہو یا قصیر:

ف۔ مدت کی تعیین پر جیسا کہ فرعون نے مہلت اس لیے دی کہ اس کے گمان میں موسیٰ علیہ السلام جادوگر تھے اور جادو کی تیاری میں وقت چاہیئے حالانکہ آپ نے تو معجزہ ظاہر کرنا تھا اور معجزہ کے لیے کسی قسم کی مہلت کی ضرورت نہیں ہوتی۔

قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارا اور ہمارا وعدہ عید کا دن ہے اور وہ بھی قبطیوں کی زینت کا دن تھا کیونکہ عید میں ہی لوگ دور دور سے خود بخود آئیں گے اور اگر مشاہدہ کریں گے بلکہ ممکن ہے کہ جادو کی مغلوبی اور معجزہ کے غلبے سے متاثر ہو کر دولت ایمان سے بہرہ ور ہوں۔

سوال: فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے مکان کے تعیین کا کہا لیکن موسیٰ علیہ السلام نے یوم الزینۃ جواب کہا یہ تضاد کیوں؟

جواب: یوم کا ذکر زمان مکانیت کو مستلزم ہے اس لیے ایسے تضاد حقیقت کے منافی نہیں اور آپ نے مطلق یوم ہی نہیں فرمایا بلکہ یوم عید متعین فرمایا اور ایسے ایام کے لیے مکانات مخصوص ہوتے ہیں۔

عید کی اقسام

اسلام سے پہلے پانچ قسم کی عیدیں مشہور تھیں۔

① ابراہیم علیہ السلام کی قوم کی عید کا دن، آپ نے ان کے بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کیا۔
② فرعون کی قوم کی عید، جسے آیت ہذا میں یوم الزینۃ سے تعبیر کیا گیا ہے۔
③ عیسیٰ علیہ السلام کی قوم کی عید، جس کا ذکر تفصیل سے سورۃ مائدہ میں گزر چکا ہے۔
④ اہل مدینہ کی ایام جاہلیت میں دو عیدیں، عید النیروز اور
⑤ عید المہرجان۔ جنہیں اسلام نے عید الفطر اور عید الاضحیٰ سے تبدیل فرمایا۔ اور قیامت تک کے لیے دونوں عیدیں قائم رہیں گی۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہ نے فرمایا ہے ؎

قربان شدن پیش جمالت عید است
جان دادن بہ ہر چشمی عید ما است

ترجمہ: تیرے جمال کے حضور سے کٹ مرنا ہماری عید ہے اور ایسی عید کے لیے تو ہم کئی عمریں قربان کرنے کو تیار ہیں۔

وَاَنْ یُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ۝ اس کا عطف الیوم یا الزینۃ پر ہے۔ الحشر یعنی جمع کرنا، اکثر یہ عموماً کسی جگہ وغیرہ کی طرف سے جانا اور اس کا اطلاق چاشت کے لیے ہوتا ہے۔ ضحیٰ کا منصوب ہونا ظرفیت پر ہے۔ اب یعنی یہ ہوا کہ لوگ ضحیٰ کے وقت جمع کیا جائے تاکہ کسی قسم کا شک و شبہ نہ رہے۔

ف: دعوات المستغلی میں ہے کہ یوم کے چند وقت کا نام، فجر اس کے بعد صباح اس کے بعد غداۃ اس کے بعد بکرۃ اس کے بعد ضحیٰ اس کے بعد ضحوہ اس کے بعد ہجیرہ پھر ظہیرہ پھر رواح پھر مسا پھر عصر پھر اصیل پھر عشاء اول پھر عشاء آخر پھر شفق کے غائب ہونے سے عتمہ شروع ہوتی ہے۔

بحر العلوم میں ہے کہ دن کے ان اول اوقات کو ضحیٰ کہا جاتا ہے جب کہ سورج اونچا ہو کر اپنی کرنیں پھیلاتا ہے۔
امام راغب علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ نہار کے انبساط و امتداد کا نام ضحیٰ ہے اور ان اوقات کو ضحیٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
کاشفی نے لکھا ہے کہ ضحیٰ یعنی چاشت کا وقت باقی دن کے بہ نسبت دوسرے اوقات کے روشن تر ہوتا ہے۔

فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فرعون نے قرب ترک کیا یعنی اپنی مجلس سے اٹھ کر اپنے ملک کے شہروں کے جادوگروں کو جمع کرنے کا حکم دیا۔ **فَجَمَعَ كَيْدَهٗ** پھر اس نے تمام تدبیریں جمع کیں۔ کید سے مراد وہ امور ہیں جن سے جادوگر کام چلاتے ہیں اور کید بعض کی تدبیر یا ہے ایک قسم ہے۔ **ثُمَّ اَتٰى** ۝ پھر وہ اپنے وعدے کی جگہ پر اپنے جادوگروں کے ساتھ آگیا۔ اس میں اشارہ ہے کہ اس نے اس امر میں عجلت نہیں کی بلکہ مکمل تیاری کے بعد پہنچا۔

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى یہاں گویا سوال پیدا ہوا کہ جب وہ جادوگر موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچے تو آپ نے انہیں کیا فرمایا؟ اس کے جواب میں فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں کو بطور نصیحت فرمایا: **وَيْلَكُمْ** تم پر افسوس ہے، یہ کلمہ دراصل بددعا کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یعنی تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ نے تباہی چاہی ہے یعنی تم تباہ و برباد ہو جاؤ۔ لیکن یہاں بصورت بددعا مراد ہے کہ انہیں اس مقابلے سے باز رہنے سے جھڑکا اور ترغیب دلائی کہ نبی کے مقابلہ پر تمہارے لیے مفید نہیں۔ **لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا** اللہ تعالیٰ پر جھوٹا افترا نہ باندھو یعنی معجزہ کو جادو ظاہر کر کے اور اس کے لیے یوں ذکر کر کے یہ جادو ہے یا یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے باطل معبودوں کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

حل لغات: افترا یعنی جھوٹی بات بیان کرنا۔

ف: تاویلات میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں کو فرمایا کہ تمہارے لیے افسوس کہ تم اللہ تعالیٰ پر افترا کرو یعنی معجزہ کو صاف جادو کہہ کر یوں ظاہر کرو کہ جادو بھی معجزہ کی طرح ہے یا یہ کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو معجزات دیے تمہیں یہ جادو بھی اللہ تعالیٰ سے عطا ہوئے ہیں۔

فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ورنہ وہ تمہیں عذاب میں مبتلا کر کے تباہ و برباد کر دے گا یعنی تمہاری جڑ کاٹ دے گا۔

حل لغات: اسحت الشیء اعدمہ واستاصلہ یعنی استیصال سے اور جڑ سے اکھاڑ دے اور حتیٰ کہ بالکل ختم

جو جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔

وَقَدْ خَابَ۔ الخیبۃ سے ہے یعنی مقصد کا فوت ہونا یعنی جو بہرہ اور نا امید ہوا۔ **مَنِ افْتَرٰى** ○ جس نے افترا کیا۔

فَتَنَازَعُوْٓا پس وہ جادوگر موسیٰ علیہ السلام کا کلام سن کر جھگڑ پڑے کیونکہ انھیں موسیٰ علیہ السلام کا کلام سخت لگا تو آپس میں موسیٰ علیہ السلام پر غلبہ پانے کے لیے مشورہ کرنے لگ گئے۔ **بَيْنَهُمْ** آپس میں غلبہ پانے کے دلائل سوچنے لگے لیکن مشورہ میں الجھ گئے اور کوئی بات انھیں سمجھ میں نہ آئی تو مختلف آراء پیش کر کے آپس میں جھگڑنے لگے۔

ف المفردات میں ہے کہ تنازعوا کا مادہ نزع القوس عن کبدہ سے ہے تنازع و منازعۃ یعنی مجاذبۃ ہے یعنی مخاصمت و مجادلت۔

وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ○ اور اپنے مشورہ کو موسیٰ علیہ السلام سے مخفی رکھنے کی کوشش کی تاکہ وہ ان کے مشورہ سے آگاہ ہو کر مدافعت نہ کریں۔

حل لغات

النجویٰ پوشیدہ راز۔ دراصل مصدر ہے مثلاً کہا جاتا ہے ناجیتہ یعنی ساررتہ یہ اصلہ ان تخلو بہ فی نجوۃ من الارض سے ہے اور نجویٰ اس اونچی جگہ کو کہا جاتا ہے جو اپنی اونچائی کی وجہ سے اپنے اردگرد کی زمین سے علیحدہ ہو بعض نے کہا یہ نجاۃ سے ہے جیسے کسی شے کے چھٹکارا کے لیے تعاون کرنا یا ان تنجو بسرك من ان یطلع علیہ سے ہے اور ان کے راز فاش کا مخفی یہ تھا۔

قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ انھوں نے کہا بے شک یہ دونوں جادوگر ہیں۔ اور یہ اِنْ مخففہ من المثقلہ ہے اور لام اس لیے لائی گئی ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ اِن مخففہ ہے نافیہ نہیں اور ھٰذٰن سے ان کا اشارہ حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام ہیں۔

اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ یہ دو تمھیں تمھاری زمین سے باہر نکال دیں۔

ف یہاں پر ارض سے ملک مصر مراد ہے یعنی وہ تم پر غلبہ و استیلاء پا کر تمھیں باہر نکال پھینکیں گے یہ ترکیب میں دوسری خبر ہے۔

بِسِحْرِهِمَا اپنے اس جادو کے ذریعہ جو ظاہر کیا ہے۔

وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ○ المثلیٰ امثل کی تانیث ہے یعنی اشرف یعنی یہ دونوں تمھارا مذہب جو تمام مذاہب سے اشرف و اعلیٰ ہے مٹا دیں گے کیونکہ جب ان کا مذہب غلبہ پائے گا تو لازماً تمھارا مذہب مٹ کر رہ جائے گا۔

ف بطریقتکم المثلیٰ سے فرعون کی قوم کا مذہب مراد ہے۔ چنانچہ "انی اخاف ان یبدل دینکم" کے تحت ہے کہ وہ تمھارا دین تبدیل کر دے گا۔ اس سے طریقۃ السحر مراد نہیں کیونکہ وہ جادو کو مذہب نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ ایک فن ہے۔

ف بحر العلوم میں لکھا ہے کہ انھوں نے اپنے مذہب کی فضیلت اس لیے کہا کہ وہ اپنے مذہب سے خوش و مسرور تھے اور اسی سے ان کے قریب متعلق تھے۔ کما قال تعالیٰ۔

کل حزب بما لدیہم فرحون۔ ہر گروہ اپنے مذہب پر خوش رہتا ہے۔

ف : امام راغب نے فرمایا کہ الطریق سے ہر وہ راستہ مراد ہے جو پاؤں سے طے کیا جاتا ہے کما قال :

فاضرب لهم طريقا في البحر يبسا ۔ ان کے لیے دریا میں خشک راستہ بنا لیجیے۔

پھر استعارۃ ہر اس مسلک کو کہا جاتا ہے جس پر کسی فعل میں انسان گامزن ہو خواہ وہ محمود ہو یا مذموم جیسے ویذہبا بطریقتکم المثلیٰ۔ اس میں مثلیٰ بمعنے وہ مثل کی مؤنث ہے کے زیادہ مشابہ ہو۔

فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ معناہ عیب ہے اور اجمعوا الاجماع سے ہے۔ کہا جاتا ہے : اجمعت الامر، یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی امر متکلم کو بات اور اس کے دل میں اسے کرنے کا پختہ ارادہ ہو اور اس کا حقیقی معنیٰ ہے کہ متفرقات کا ایک مقصد پر اکٹھا ہو جانا جیسے مشہور کلیہ ہے :

"اجمع المسلمون"

یا کہتے ہیں :

اجمعت أمرا فهم عليه ۔

ف : امام راغب نے فرمایا کہ یہ اصل فعل کے لیے کلام ہے جس کے ذریعے تدبیر و فکر کا حاصل کیا جا سکے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب یقینی ہے کہ موسیٰ و ہارون علیہما السلام جادوگر ہیں اور یہ دونوں جادوگر تمہارا علاقہ چھیننا چاہتے ہیں کہ وہ تمہیں اپنے شہر سے نکال کر اپنا قبضہ جمانا چاہتے ہیں تو پھر تم کسی ایک تدبیر پر جم جاؤ اور اس کے مقابلے کے لیے پورا زور لگاؤ لیکن کسی ایک خاص بات پر متفق ہو اتفاق کر لو جس سے کسی کو اختلاف نہ ہو ایسے کہ ایک ہی کمان سے سب کے تیر چھوٹ کر ایک ہی نشانہ پر لگیں۔

ف : بعض قراءات میں فاجمعوا بھی ہے جمع کا صیغہ ہے یعنی جمع کرو لیکن اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اپنے سب سحر، تیر یا آلات اور جادو کے جوڑ توڑ اکٹھے کرو۔

ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا پھر تم سب کو یکجا ہو کر آنا ہو گا کہ موسیٰ علیہ السلام پر ہیبت طاری ہو اس طرح سے تمہارا عظیم مجمع یکجا ہو جادوگروں کے لشکر پر بھاری ہو جائیں اور کیا گیا ہوتے ہیں اور کل ستر ہزار جادوگر تھے اس حساب سے ستر ہزار جادوگر جمع کیے گئے۔

مطلب یہ ہے کہ صف کو استعارہ کہا ایسے جیسے لوگوں کی صف بنا ہوا اور درختوں کی قطار وغیرہ وغیرہ اور کبھی صف بمعنی مصلیٰ بھی آتا ہے۔

ف : اشارہ ہے کہ وہ میدان بہت زیادہ وسیع تھا جہاں موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ جادوگروں کے ساتھ ہوا اور اس پر مقابلہ دیکھنے کے لیے ملک کے اطراف سے لوگ ٹوٹ پڑے۔

اشارہ ہے کہ سب ایک کنارے سے آ کر متفرق ہو گئے پھر دوبارہ کھڑے ہو گئے کہ میدان میں سب مل کر آؤ۔

وَقَدْ اَفْلَحَ الْیَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰی ○ بے شک آج وہی کامیاب ہوگا جو غالب ہو گیا۔

حل لغات الفلاح کا مادہ الفلاح ہے یعنی الظفر و ادراک البغیۃ کامیابی اور مطلب کو حاصل کر لینا۔ الاستعلاء کبھی طلب العلو المذموم کے لیے آتا ہے اور کبھی بمعنی طلب العلاء یعنی الرفعۃ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ آیت میں دونوں معانی محتمل ہیں یعنی جو غالب ہوا وہ مطلب پا گیا اور لوگوں میں عالی مرتبت بنا جائے گا۔

ف : الارشاد میں ہے کہ مطلوب حاصل کرنے سے فرعون کا وہ وعدہ ہے جو اس نے کامیابی پر جادوگروں کو اپنا مقرب بنانے کا کیا تھا اسی لئے تحریض کا لالچ دیا تھا ان میں سے سارے غالب ہو جائیں یا بعض تاکہ وہ مقابلہ میں ایڑی چوٹی کا زور لگائیں۔

صاحب روح البیان کی تحقیق الارشاد میں ہے کہ وہ علوم و اسباب جن کا حصول منع ہے جیسے جادو وغیرہ۔ ایسے ہی وہ امور جن سے قرب دنیا اور اس کے متاع کی طلب ہے اور جنت اور اس کے انعامات مطلوب نہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی رضا منظور ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ

ہر عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچتا ہے جب اس عمل سے صرف دنیوی منفعت مقصود ہے یا ان امور سے کوئی سا شرعی پاک ہو کا ہے درجات اخروی یا مراتب معنوی حاصل کرنا ہے تو یہی امور و علوم و فنون کی سعی ضائع ہے اور وہ بھی اس میں فلاح اور اس میں مقصد اور ملکہ طاعت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔

منکرین اولیاء اب جب تحقیق ہے منکرین اولیاء فرعون اور جادوگروں کے نقش قدم پر چل رہے ہیں کیونکہ وہ اہل تحقیق یعنی اولیاء کرام اور ان کے ماننے والوں کے متعلق کہتے ہیں کہ یہی لوگ ہیں جو عوام کو بلند مراتب دینیہ کے حصول سے روکتے ہیں اور عوام کی نظروں میں مقبول و مرغوب ہونے سے منع کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ عوام ان سے متنفر رہیں اور بادشاہوں اور امراء کے ہاں جانے سے بھی دور رکھنے کے درپے ہیں اور علماء ان کے ترد و تحیر ہیں۔ غرضیکہ ایسے لوگ اولیاء اللہ سے بدظنی کرنے میں طرح طرح کے حیلے بہانے کرتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور کو پھونک مار کر بجھا دیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ اس کے پیاروں کے انوار قیامت تک رہیں اگرچہ مشرک کو یہ برا لگے اور حسد والے جلتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

ہر کہ بر شمع خدا آرد پفو
شمع کے میرد بسوزد پوز او

لہ کسی نے اسی مضمون کی ترجمانی یوں کی ہے ؎

اگر گیتی سراسر باد گیرد
چراغ مقبلاں ہرگز نمیرد

www.marfat.com

ترجمہ: [illegible] کو [illegible] سکے [illegible] ان کا [illegible] ہو سکے گی۔

ف: سوچو کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں پر بنا اسباب کے طاقت ہے کہ وہ اس تک پہنچ سکے، ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے عرش و زمین کا [illegible] بنایا [illegible] جواب کریں [illegible] جائے گا۔

مولانا جامی قدس سرہ نے فرمایا ہے

پستست قدر فلک اگر خود کلاہ جاہ
بر اوج سلطنت ز نماز گردش زمان
ننگیست خاک اگرچہ در پر منظماے ہی
ہمسرا گرد باد کشد سر بر آسمان

ترجمہ: فلک کا درجہ پست ہے اگرچہ اس کا مرتبہ آسمانوں سے اوپر چلا جائے۔ جیسے مٹی کا اصل مرتبہ زمین کا ہے لیکن جب اسے گرد و غبار بنا کر آسمانوں کی طرف اڑا کر لے جاتی ہے۔ تو اس سے گرد کا مرتبہ بلند نہیں ہو سکے گا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنی محبت و اپنی طلب سے سرفراز کرے۔

قَالُوْا: انہوں نے کہا [illegible] کے بعد جادوگروں نے کہا۔

ف: بیضاوی نے لکھا ہے کہ جادوگروں نے [illegible] رسیاں اور لاٹھیاں [illegible] کر [illegible] موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی۔

يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ۔ اے موسیٰ پہلے آپ [illegible] ڈالیں [illegible] اب [illegible] کرنے والی شے [illegible] مستقل [illegible] موسیٰ علیہ السلام [illegible] ہم پہلے [illegible] ڈالیں گے۔ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ○ یا ہم پہلے ڈالنے والے بنیں۔ [illegible] یا [illegible] کا [illegible] ترکیب [illegible] موسیٰ علیہ السلام [illegible] دوسری ترکیب [illegible] آپ کا [illegible] پایا جائے۔

موسیٰ علیہ السلام کے ادب کا صلہ

اس میں اشارہ ہے کہ جب جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام [illegible] ادب [illegible] تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے صدقے انہیں ایمان حقیقی عطا فرمایا۔ [illegible] انہوں نے [illegible] ایمان [illegible] موسیٰ علیہ السلام [illegible] ایمان [illegible] نہیں تھا [illegible] علیہ السلام کے ارشاد گرامی کی [illegible] حدیث قدسی میں فرمایا۔

من تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعا۔ جو میری طرف ایک بالشت قریب ہوتا ہے میں ایک ہاتھ قریب ہو جاتا ہوں۔

ف: جب وہ اللہ تعالیٰ کے ایک نبی علیہ السلام کی عزت کر کے اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں ایمان حقیقی کے قرب سے نوازا۔

قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ **بَلْ اَلْقُوْا** بلکہ پہلے تم ڈالو۔

ف: اللہ تعالیٰ نے جادوگروں کے دلوں میں القا فرمایا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو اختیار کا عرض کریں اور موسیٰ علیہ السلام کو علم عطا فرمایا کہ پہلے وہ ڈنڈے اور رسیاں ڈالیں تاکہ حق و باطل کا امتیاز ہو سکے وہ اس طرح سے کہ پہلے اپنا زور لگا لیں پھر حق آئے گا تو باطل مٹ جائے گا۔ اگر موسیٰ علیہ السلام پہلے سے ہی اپنا عصا ڈال کر اژدہا بناتے تو لوگ اس سے ڈر کے مارے بھاگ جاتے جیسا کہ بعد میں عصائے موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں کی رسیوں اور ڈنڈوں کو نگلا تو تمام لوگ بھاگ گئے تھے۔ اور یہ مقصد کے خلاف تھا۔

سوال: امام فخر الدین نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے انھیں حکم کیوں فرمایا جب کہ وہ کافر و ساحر تھے؟

جواب ۱: جب آپ پر منکشف ہو گیا کہ شبہات کا ازالہ یوں ہوگا کہ پہلے وہ اپنا جادو دکھائیں اور ایسی ضرورت پر کافر و ساحر کو ایسا حکم کرنا جائز ہے۔

جواب ۲: الاسئلة المقحمة میں ہے کہ یہ وہ امر نہیں جس سے کسی کی تعظیم و تکریم مطلوب ہو بلکہ یہ امر اہانت کے لیے ہوا ہے اور وہ بھی اس نیت سے تھا کہ حق کا اظہار اور باطل کا ابطال کھل کر سامنے آئے۔

فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ○ فاء فصیحہ اور اذا مفاجاتیہ ظرفیہ ہے۔ حبال حبل کی جمع ہے بمعنی رسی اور عصی عصا کی جمع ہے۔ یخیل تخییل سے ہے یعنی شے کا تصور دل میں لانا اور تخیل یعنی شے کا تصور اور خیالی صورت پیدا ہو جیسے وہ خواب جو نیند میں متصور ہو کر محسوس ہوتا ہے یا شیشے میں ایک صورت نظر آتی ہے یا شے کے دیکھنے سے حواس کے غائب ہونے پر دل میں صورت متصور ہوتی ہے پھر ہر متصور شے کے تصور پر استعمال ہونے لگا اور اس شخص دقیق پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جو بغیر خیال کے دل میں متصور ہوتا ہے۔ انھا تسعی، یخیل کا نائب فاعل ہے اور السعی بمعنی جلدی چلنا یہ دوڑ لگانے سے کچھ مشابہ ہوتا ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ جب انھوں نے رسیاں اور ڈنڈے زمین پر ڈالے تو اچانک موسیٰ علیہ السلام کو خیال گزرا کہ یہ رسیاں اور ڈنڈے ان کے جادو کے اثر سے دوڑ رہے ہیں۔ دراصل وجہ یہ تھی کہ جادوگروں نے رسیوں اور ڈنڈوں پر کوئی تیل لگایا ہوا تھا جب انھیں دھوپ لگی تو تیل کے پگھلنے پر محسوس ہوا کہ سانپ دوڑ رہے ہیں۔

فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ○

حل لغات: اوجس بمعنی چھپی آواز اور التوجس بمعنی وہی چھپی آواز سننا اور ایجاس اسی چھپی آواز کا دل میں ہونا۔ الخیفة بمعنی وہ کیفیت جو انسان کو خوف کے وقت طاری ہوتی ہے اور اوجس کا مفعول ہے اور موسیٰ اس کا فاعل ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کو خوف محسوس ہوا جب انھوں نے اچانک دیکھا کہ یہ رسیاں اور ڈنڈے سانپ بن گئے اور یہ

بشریت کا تقاضا تھا جیسے کہ وہ اسی طرح مضر اشیاء سے خوفزدہ ہو۔

وہابیہ کا الزام اور اس کا جواب[۱] وہابی دیوبندی کہہ دیتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام ان سانپوں سے ڈر گئے کہ خدا داد علم بشریت سے وہ نہ سمجھ سکے کہ کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو ان کا یہ خوف خیالی تھا جیسا کہ فی نفسہ آیت کا کلمہ واضح دلیل ہے اور وہ ڈر نہیں تھا کہ جادوگروں کے سانپوں سے ڈر کر بھاگے جیسے پہلے بار بار پلٹے تھے یا اس خوف احساس اس سے ظاہر ہوا یہاں تک کہ آپ کے اس خوف کو خواطر نفس سے تعبیر کیا گیا ہے مفسرین نے تو آپ کے قلب تک احساس کے بھی قائل نہیں ہیں جو پہنچا ہو، اسے عام بشروں جیسا خوف مانا جائے چنانچہ صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے تصریح فرمائی۔

لانہ من خطرات النفس لا من القلب

اور یہ تو بشریت کی نوعی شباہت کی دلیل ہے کہ بار بار کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آنکھوں سے دیکھتے ہیں لیکن دل میں نہیں بلکہ مطمئن ہیں کہ نہایت اطمینان و سکون سے کھڑے ہیں۔

جواب[۲]: آیت میں خوف کا ذکر تو ہے لیکن اس کا ذکر نہیں کہ آپ کے خوف کی علت اور سبب کیا تھا اپنی طرف سے سبب و علت بنانا قرآن مجید پر افترا ہے اور ایسے اضافے تحریف کے مترادف ہیں۔ البتہ مفسرین نے جس علت و سبب کو بتایا ہے وہ ماننا قرآن کی تفسیر ہے چنانچہ صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا۔

وفی الحقیقۃ ان اللہ تعالیٰ البس السحرۃ	درحقیقت اللہ تعالیٰ نے جادوگروں کو اپنے قہر کا لباس پہنا کر
لباس القہر فخاف موسیٰ من قہر اللہ	دکھایا تو موسیٰ علیہ السلام قہر الٰہی سے ڈرے کہ وہ
لا من غیرہ لانہ لا یأمن من مکر اللہ	نہ کہ قہر الٰہی کے سوا کسی سے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے مکر
الا القوم الخاسرون[۲]	سے امن کا اندیشہ ہے۔)

فقیر اویسی کہتا ہے ؎

چون خدا خواہد شود ہر برگ خار
رشتۂ باریک در چشم چون مار
برگ از دن آب ریزان از الم
چون نی ترسم ز قہر کردگار

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ چاہے تو ہر پتہ کانٹا ہو جاتا ہے اور باریک دھاگہ سانپ کی آنکھ میں دکھائی دیتا ہے تو وہ

---

[۱] وہابیہ کا الزام ۔ اضافہ از اویسی۔

[۲] روح البیان جلد ۵ صفحہ ۳۰۲

کچھ نہیں کر سکتا۔

چنانچہ لشکر میں یہ بولا گیا ہے موسیٰ ڈرتے ہیں تو پھر ہم فرعون کے مقابلہ سے کیوں نہ ڈریں۔

قُلْنَا لَا تَخَفْ ہم نے کہا خوف نہ کیجئے اس سے جس کا آپ کو خیال ہے۔ **اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى** یعنی یہ کہ آپ غالب رہیں گے اور جو آپ کے مقابل میں ہیں وہ آپ کے ساتھ کچھ نہیں کر سکتے آپ کا مسبب پر سہارا ہے اور ان کا اسباب پر نیز آپ کے پاس ہماری آیات کبریٰ ہیں اور درحقیقت آپ کی حفاظت کے لیے یہی طاقت کافی ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ خوف جو فطرت جبلت انسانی میں مرکوز ہے اگرچہ نبی علیہ السلام ہو لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اسے مٹا ڈالا اپنے قول ربانی سے کہ:

قلنا لا تخف انك انت الاعلى ۔

تو وہ خوف سرے سے جڑ سے ختم ہو جاتا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کو خطاب ہوا کہ آپ نہ ڈریں بلکہ آپ ایسے بلند مرتبہ ہیں کہ آپ سوائے خالق کے مخلوق سے نہیں ڈرتے۔

دوسری تقریر اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ مخلوقات سے نہیں ڈرتے بلکہ مخلوق کے خالق سے ڈرتے ہیں۔ یہ اس وقت ہوا جب آپ نے دیکھا کہ ان کا عصا سانپ بن کر جادوگروں کے لاٹھیوں اور رسیوں کو نگل رہا ہے تو آپ نے گمان کیا کہ یہ اللہ کا مظہر قہر نازل ہوا ہے اسی لیے وہ اس قہر ربانی سے ڈرتے تھے نہ کہ سانپوں سے اور اللہ تعالیٰ نے اسی لیے فرمایا:

"لا تخف انك انت الاعلى"

یعنی آپ میرے ہاں بہت بڑے مرتبہ والے ہیں اور یہ عصا آپ سے منسوب ہے آپ میرے رسول اور کلیم ہیں اور میں نے آپ کو صرف اپنے لیے منتخب کیا ہے اگرچہ یہ ظاہر ہے تو آپ میرے لطف و کرم کے مظہر اور میری قدرت کے مظہر ہیں۔

تفسیر عالمانہ **وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ** اور ڈال دیجئے جو آپ کے ہاتھ میں ہے۔ ما کا لفظ ابہام سے بیان ابہام تعظیم شان کے لیے ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ یہ عصا معمولی عصا نہیں کیونکہ اس میں آثار عجیبہ ہیں۔ **تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا** تلقف کا مجزوم ہونا امر کے جواب کی وجہ سے ہے۔

حل لغات : یہ لقف سے ہے از باب سمع لقفا بسکون القاف ولقفانا۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شے کسی دوسری جگہ کو نگل جائے اور جلدی سے اسے لقمہ بنا لے۔

ف : المفردات میں ہے:

لقفت الشيء و تلقفته یعنی تناولته بالحذف یعنی میں نے اسے جھٹ سے اٹھا لیا۔ [illegible] اور تلقف کا صیغہ ما موصولہ کے لیے عصا کی طرف کی وجہ سے ہے۔

المنجد میں ہے لقف یعنی جلدی پکڑ لیا کہ اس اعتبار سے ہر فعل کا معنی کر سکتے ہیں لیکن ہر معنی نقل نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی معنی کو

جمادات و نباتات کی طرح اسناد کیا جاتا ہے بخلاف فعل کے کہ وہ ان کی طرف منسوب ہوتا ہے ۔

اب معنی یہ ہوا کہ عصائے موسیٰ علیہ السلام نے نگل لیا ان کے ان ڈنڈوں اور رسیوں کو جو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے سامنے سانپ بنا کر دکھائے ۔

ف اللہ کے اس قول کو صنعوا سے تعبیر کرنا ان کے اس فعل کی تحقیر مطلوب ہے اور واضح کرنا ہے کہ یہ عمل ان کا بناوٹی اور مکر و فریب پر مبنی تھا یعنی انہوں نے جعل سازی اور دھوکہ بازی کی تھی۔

إِنَّمَا صَنَعُوا ۔ ما موصولہ یا موصوفہ ہے۔ پہلے کا معنی یہ ہے کہ بے شک وہ جو انہوں نے کیا۔ دوسرے کا معنی یہ ہے کہ بے شک وہ ایک شے ہیں جو انہوں نے بنا کر دکھائی۔ كَيْدُ سَاحِرٍ ۔ ان کی خبر ہے یعنی ساحر کے مکر و حیلہ کی بنی ہے اس کا مکر ہے اسماعت ایسے مکر کا اسیر ہے۔ تحقیراً ایسا لایا ہے۔ الکید حیلہ کی ایک قسم ہے اور کبھی مدح ہوتا ہے کلام عرب میں لیکن اکثر مذموم کے لیے مستعمل ہے۔ ایسے ہی یہاں ساحر و مکر و فریب کا مال ہے۔ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ اور ایسے جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہوتے حَيْثُ أَتَىٰ ○ زمین کے کسی حصے سے آئیں اور جس طرح کے جادو دکھائیں۔ یہ تفصیل کا ثمرہ ہے ۔

ف روایات تفسیر میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ جو تیرے ہاتھ میں ہے وہ میرا بنایا ہوا ہے اور جو وہ لائے ہیں وہ ان کی صنعت اور کید ہے اور میری صنعت و تدبیر غالب ہے اسی لیے جادوگر کامیاب نہیں ہو سکیں گے ۔

فلاح کی اقسام : فلاح دو قسم کی ہے :

① دنیوی یعنی وہ کامیابی جو سعادت پر مشتمل ہے جس سے دنیوی زندگی راحت و سرور سے بسر ہو جیسے بقاء، غنا، عزت۔

② اخروی اور وہ چار قسم کی ہے :

○ بقا بلا فنا

○ غنا بلا فقر

○ عزت بلا ذلت

○ علم بلا جہل

اہل دنیا کی فلاح دو چیزوں کے بارے ہے کیونکہ اس کا انجام نتیجہ و ثمرہ ہے مثلاً کوئی شکاری اسے آسانی سے شکار کر لیتا ہے یا اس کو لگ کر دیکھیں یہ تو وہ گیا ایسا شکار کہیں کامیاب نہ ہو گا۔ جو حضرات ہے شکاریوں کو دیکھا ہے کہ جیسے عیش و آرام اور الطاف سے زندگی بسر کرتے رہتے لیکن آخر میں بڑے خساروں اور نقصانات سے وہ دوچار ہو گئے۔ ایسے ہی دوسرے شاطرین مکروں کا حال ہے۔ مستحکم و نصاب الاحتساب میں ہے کہ جادوگر اگر حاکم کے ہاں گرفتاری سے پہلے تائب ہو جائے تو اس کی توبہ قبول ہے اگر گرفتاری کے بعد توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔ یعنی سزا دی جائے آخرت کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑا جائے اگر وہ سچے دل سے توبہ کرے گا

تو اللہ تعالیٰ کے حق سے گناہ معاف ہو جاتا ہے ۔

مسئلہ شیخ اکمل کی شرح مشارق الانوار میں ہے کہ عمرو بن شعیب حضرت حسن بن زیاد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب معلوم ہو کہ فلاں جادوگر ہے تو اسے قتل کر دے اس کی توبہ کو نہ مانا جائے ۔ وجوب کو قتل کا فاعل حاکم وقت ہو اور توبہ میں اس کی نہ سنے کہ میں اب جادو کا دھندا چھوڑ دوں گا اور تہ دل سے تائب ہوتا ہوں ۔

مسئلہ جو شخص اپنے جادوگر ہونے کا اقرار کرے اسے قتل کر دینا جائز ہے یعنی حاکم وقت کو ۔

مسئلہ جس پر دو معتبر گواہ گواہی دیں کہ فلاں جادوگر ہے ان گواہوں سے سوال کیا جائے کہ جادو کیا ہے وہ جادو کا طریقہ بیان کریں یعنی انہیں علم ہو کہ واقعی جادو دیں یوں ہوتا ہے تو ایسے شخص کو قتل کر دیا جائے ۔ اگر توبہ کرے تو توبہ قبول نہ ہوگی یعنی تعزیر ضرور ہوگی ، اگر اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ قبول کرے تو وہ مالک ہے لیکن ایسا شخص دنیوی سزا سے نہ بچ سکے گا ۔

مسئلہ فتاویٰ قاری الہدایہ میں ہے کہ زندیق وہ ہے جو بری باتوں کا قائل ہو (جیسے دہریہ کیونسٹ) اور وہ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور نہ یہ مانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے اور کہتا ہے کہ حلال و حرام کچھ نہیں یہ دونوں برابر ہیں ۔

سحر کی تحقیق : شرح الطریقہ میں ہے :
لغت میں سحر لطیف و دقیق شے کو کہا جاتا ہے اسی لیے صبح کاذب کو سحر سے تعبیر کیا جاتا ہے

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

ان من البیان لسحرا بے شک بعض بیان بھی سحر ہے ۔

اور شرعی معنی اور اصطلاح شرع میں باطل کو حق کی شکل و صورت میں دکھانا ، اور یہ امر ہمارے نزدیک ثابت ہے ۔ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

السحر حق والعین حق جادو اور نظر حق ہے ۔

شرح المہاۃ میں ہے کہ سحر از سحر یسحر سحرا سے ہے اسی وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی سے دھوکا کرے اور اسے مجبور و مسخر بنا دے یہ اس لیے ہے کہ جادوگر دوسرے کے ساتھ ایسا عمل کرتا ہے جس کے ادراک سے وہ عاجز ہے ۔

ف کتاب اختلاف الائمہ میں ہے کہ سحر اس جادو منتر کو کہتے ہیں جو دل اور عقل کا علم ہے یا ابدان و قلوب پر اثر انداز ہو کر بیمار بنا دیں یا قتل کر ڈالیں اور عورت و مرد کے درمیان جدائی ڈالیں (طلاق ہو جائے) ۔ اور جادو سے اثر تو ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی حقیقت ثابت ہے ۔ اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں اور ایسے ہی ابو جعفر استرآبادی (شافعی المذہب) نے فرمایا ۔

ف شرح المقاصد میں ہے کہ نفس شریرہ خبیثہ اعمال مخصوصہ کو عمل میں لا کر خارق للعادۃ امر کو ظاہر کرنے کا نام سحر ہے اور یہ تعلیم و تعلم سے حاصل ہوتا ہے اسی قید کو معجزہ و کرامت کو جادو نہ کہا جائے گا کیونکہ وہ بھی اگرچہ خارق للعادۃ صادر ہوتے ہیں لیکن ان میں تعلیم و تعلم کو دخل نہیں ۔ جادو کے علاوہ دیگر خوارق بھی ایسے ہی ہیں ۔

① طلب کرنا ضروری نہیں کہ فنا فی میں ہو یا جاتے بخلاف کرامت و معجزہ کے کہ وہ صاحب کرامت و معجزہ سے حسب منشا صادر ہو جاتے ہیں۔

② سحر زمانہ اور مکان خاص کا محتاج ہے لیکن کرامت و معجزہ کو زمان و مکان کی ضرورت نہیں۔

③ دیگر چیزوں اور حروف و الفاظ میں کا جادو محتاج ہے ان کا ہونا ضروری ہے کرامات و معجزات ان چیزوں کے محتاج نہیں۔

④ جادو کا معارضہ ہو سکتا ہے لیکن کرامت و معجزہ کا کوئی تعارض نہیں کر سکتا۔

⑤ جادو کی مثل جو جادوگر کے علاوہ بھی لا سکتا ہے کرامت و معجزہ میں دوسرا کا ثانی نہیں۔

⑥ جادوگر فسق و فجور کا ارتکاب کرتا ہے اور اسے ملامت کرتا ہے بلکہ ظاہری و باطنی نجس سے متلبس ہونے کی وجہ سے ایسے ہی اس سے دنیوی و اخروی رسوائی کا سامنا ہوتا ہے لیکن بخلاف صاحب کرامت اور معجزات کے کہ وہ بحشر تک باکمال اور ظاہری و باطنی پاک و صاف رہتے اور دنیوی و اخروی رسوائی کی بجائے عزت و عظمت اور شان و شوکت پاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

خلاصہ یہ کہ ہمارے نزدیک جادو کی ایک حقیقت ہے جو عقلاً و نقلاً ثابت ہے۔ ایسے نظر بندی بھی ایک حقیقت ہے اور وہ بھی عقلاً و نقلاً ثابت ہے۔

معتزلہ کا مذہب اور اس کی تردید

معتزلہ کہتے ہیں کہ جادو کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ وہ شعبدہ بازی کی طرح ہے، جادوگر ہاتھ کی صفائی یا حیلوں وغیرہ کی ترکیب سے دیکھنے والوں کو حیران کر دیا کرتا ہے۔

ان کے رد میں ہمارے پاس دلائل ہیں چند ان کے وہ یہ ہیں۔

① دونوں قسم کرامت کا اور قدرت ایزدی کی تخلیق پر مشتمل ہے کیونکہ ہمیں پر ہے کہ خالق حق ہے اور بندہ سراسر کاسب محض ہے اس کے وجود کے تمام افعال قائل ہیں صرف اس کے کرنے میں مختلف ہیں۔

② قرآن مجید میں اس کے وجود کی تصریح ہے کہ قال:

یعلمون الناس السحر وما انزل علی	وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور وہ جو بابل میں دو فرشتوں
الملکین ببابل ھاروت و ماروت۔	یعنی ہاروت اور ماروت پر اتارا گیا۔

اور فرمایا:

فیتعلمون منھما ما یفرقون بہ بین	اور لوگ ان سے وہ باتیں سیکھتے تھے جو مرد اور عورت
المرء وزوجہ وما ھم بضارین	کے درمیان جدائی ڈالے۔
بہ من احد الا باذن اللہ	

سوال: آیت یخیل الیہ من سحرھم انھا تسعی سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا کوئی وجود نہیں وہ صرف ایک خیالی

بات تھی جس پر یوسف علیہ السلام کو ڈالا گیا ؟

جواب : یہی تو ہماری دلیل ہے اس لیے کہ یہی خیالی بات کا پیدا ہو جانا ہی ان کے جادو سے ہی تو تھا جس کی وجہ سے وہ خیال پیدا ہوا اور اس شخص سے کب لازم آیا کہ اس کی کوئی حقیقت بھی نہیں ۔

سحر کی اقسام : جادو کی پانچ مشہور اقسام یہ ہیں :

① علم :

بعض نے کہا ہے کہ یہ سحر کا منتسب ہے جیسے آثار علویہ مع حقائق الارض کے اسرار کا جاننا ہے ان کے اجتماع سے عجائب و غرائب ظاہر ہوتے ہیں ۔

② نیرنج :

بعض نے کہا ہے کہ یہ نیرنگ کا معرب ہے جیسے قوت تخیل ، بعض کہتے ہیں کہ ارواح سفلیہ و جواہر [illegible] کے ملانے سے عجائب و غرائب ظاہر ہونے کا نام نیرنجات ہے ۔

③ رقیہ :

یعنی افسوں (منتر) ، آب سون کا معرب ہے یعنی پانی میں پھونک مارنا اور یہ اس نام سے اس لیے موسوم ہے کہ اس قسم کے لوگ پانی پر کوئی منتر (مخصوص کلمات) دم کرتے تھے یا پھر کاغذ وغیرہ پر لکھتے تھے اور اسے رقیہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ کلمات پھونک کے واسطے کے پہنچنے سے نکلتے ہیں ۔ بعض کلمات غیر عربی (عبرانی) بعض قبطیہ بعض ہندی ہوتے اور ان کا عقیدہ تھا کہ یہ کلمات افسوں کے فرشتوں سے سیکھے ہیں یا انہیں خواب میں بتائے گئے ہیں ۔

(اب کون سر پھرا ہوگا جو قرآنی آیات یا بزرگوں کے بتائے ہوئے مخصوص کلمات کے دم کرنے جھاڑ پھونک کو اس رقیہ میں شامل کرکے شرک کا فتویٰ لگا کر اپنا انجام برباد کرے گا ۔)[1]

④ الطلسمات :

یہ چند لکیروں کا نام ہے جن پر حروف و اشکال بنائے جاتے ہیں یعنی طلسم اور دائرے کھینچے ہیں ۔ اس میں ان کا عقیدہ تھا کہ انہی لکیروں اور دائروں میں ہی تاثیر ہے ۔

(تعویذات و عملیات کے دائرے اس میں شامل نہیں ہو سکتے بلکہ وہ تعویذات اور دائرے آیات قرآنی اور اسمائے الٰہیہ پر مشتمل ہوتے ہیں یا ان کے اعداد و ابجد ہے)[2]

---

[1] : مزید تفصیل تعویذات و عملیات کے جواز پر فقیر کی کتاب "معجزات قرآن" دیکھئے ۔

[2] : مترجم ۔

⑤ شعبدہ :

ایسے شعبدہ بازی کا جو آلات سے مشاہدہ کا مرہون ہے۔ یہ ایک شخص کا کام ہے جس کی طرف یہ علم منسوب ہے۔ یہ بھی چند علامات پر مشتمل ہے کہ ہاتھ کی صفائی اور نظر کی گرفت سے اشیاء کی تقلیب پر مداوم ہوتے ہیں۔

مسئلہ : ان امور کے صدور یا تاثیر کا سبب خود تو قبیح ہے کیونکہ اسباب سے عادت پر اللہ تعالیٰ فعل کو پیدا فرماتا ہے اور اس کی حکمت صرف وہی جانتا ہے۔

ازالۂ وہم شیخ اکبر قدس سرہ نے فتوحات مکیہ شریف میں لکھا کہ وہ تاثیر جو حروف اور اسماء الٰہیہ سے پیدا ہوتی ہے وہ بھی کرامت سے ہے کیونکہ ایسی تاثیرات اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندوں سے ظاہر ہو سکتی ہیں ہر ایک کو قدرت حاصل نہیں کہ اشیاء کے خواص نکال سکے۔

(یہی ہم اہل سنت کہتے ہیں کہ اولیائے کرام و علمائے عظام کے تعویذات اور عملیات اور ان کے دم درود وغیرہ وغیرہ کے قائل ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے شفا دیتا ہے۔)

فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ ۔ خطاب فصیح ہے یعنی جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا ڈالا تو جو کچھ انہوں نے بنایا تھا جادوگروں کے ڈنڈے اور رسیوں کو نگل گیا تو جادوگر بے اختیار ہو کر **سُجَّدًا** سجدہ میں گئے گویا وہ لکڑی کی طرح گر پڑے۔

ف : حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب عصا زمین پر ڈالا تو وہ اژدہا بن گیا اور منہ کھولا تو جادوگروں کے تمام سازوسامان کو ہڑپ کر گیا جسے لوگ دیکھ کر خوفزدہ ہو کر دوڑے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اسے واپس لیا تو وہ پہلے کی طرح عصا تھا جادوگروں نے سمجھا کہ یہ جادو نہیں کیونکہ جادو کا وجود ہے جادو پر اثر نہیں ہو سکتا لہٰذا یقیناً یہ قدرت ایزدی ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے اسی لیے فوراً سجدہ میں گر گئے۔

ف : وہاں کے اس گرنے کو القاء سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے تاکہ ان کا ان کے جادو کے اسباب کے گرنے سے مشابہت ہو۔

ف : مروی ہے کہ جادوگروں کے بڑے نے کہا کہ ہم لوگوں پر جب غلبہ پاتے تو ہمارے ڈنڈے اور رسیاں بچ جاتی تھیں لیکن یہاں تو ہمارے بالمقابل کا اژدہا انہیں ہڑپ کر گیا اگر یہ جادو ہوتا تو ایسا نہ کرتا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اژدہا قدرت ایزدی کا کرشمہ اور موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے فوراً ایمان لا کر اپنے مذہب سے تائب ہوا ہے چنانچہ ہم کہ سب کے سب بارگاہ حق میں سجدہ ریز ہو گئے۔

نکتہ : جار اللہ زمخشری نے کہا کہ یہ عجیب بات ہے کہ رسیاں ڈنڈے ڈالنے والے تھے تو کفر کی حالت میں لیکن فوراً ایمان کی دولت سے نوازے جانے پر ان دونوں میں کتنا عظیم فرق ہے۔

قَالُوْٓا ۔ یہ حالت سجدہ بیان ہے یعنی سجدہ میں کہا : **اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ۞** ہم ایمان لائے ہارون و موسیٰ کے

ف ، [illegible]

کے رب پر ایمان لے آئے ہیں۔

نکتے: ہارون کی تقدیم میں چند نکات ہیں!

① رعایت فواصل آیات۔

② چونکہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو پالا تھا اگر موسیٰ علیہ السلام کا ذکر پہلے ہوتا تو پھر بھی وہم رہتا کہ یہ فرعون کے بارے میں کہہ رہے ہیں اور ہارون علیہ السلام کا نام موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کی وجہ سے لے رہے ہیں۔

ف: رب کی دونوں (موسیٰ و ہارون علیہما السلام) کی طرف اس لیے ہے کہ وہ دونوں ہی بیک وقت داعی الی اللہ تھے اور اظہار معجزہ اگرچہ بظاہر موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہوتا ہے لیکن وہ درحقیقت ان دونوں کا تھا کیونکہ دونوں نبی (علیہما السلام) برحق تھے۔

ف: بعض مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جسے عالم غیب کی طرف دیکھنے کی استعداد نصیب ہوتی ہے لیکن نفس کی شرارتوں سے محجوب ہوتا ہے تو وہ استعداد اپنا کام نہیں کرتی لیکن وہ بندہ اپنے مالک کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اخلاص و یقین سے اپنے رب کو دیکھتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ اپنے حضور کے انوار اور قرب کا جذبہ منکشف فرماتا ہے۔ اسی لئے یہ وہ جادوگر جو رب حقیقی باشد الی اللہ مؤمن با ایمان تحقیقی سے معروف ہوئے ان کا ایمان تقلیدی نہ تھا اور چونکہ فرعون نے برہان رب کو نہ دیکھ سکا اسی لیے دولت ایمان سے محروم رہا۔

قَالَ فرعون نے جادوگروں کو جھڑکتے ہوئے کہا۔ **اٰمَنْتُمْ لَهٗ** تم نے موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کر دی۔ لام اتباع کے تضمین کی وجہ سے قرآن مجید میں جہاں بھی لام منضا ایمان پر آتی ہے ہر جگہ بمعنے ایمان علی الغیر مراد ہوتا ہے۔ لیکن بحر العلوم میں لکھا ہے کہ یہاں لام بمعنے باء ہے اس لیے کہ معنے یہ ہے کہ تم موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے رب پر ایمان لائے ہو۔ چنانچہ اگلی آیت قال اٰمنتم بہ قبل ان اٰذن لکم (سورہ اعراف) اس کی قطعی دلیل موجود ہے یعنے فرعون نے کہا کہ تم میری اجازت سے پہلے ایمان لائے ہو بلکہ اس میں فرعون نے زجراً و توبیخاً ان کے ایمان کو خبر دی ہے یعنے فرعون نے انہیں جھڑکا کہ تم مجھ سے اجازت لیے بغیر ایمان لے آئے اس معنے کی مثال یہ آیت ہے:

لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ تو میں نے تمہیں اجازت دی اور تم پہ میرا حکم تھا تو تم نے اس کے خلاف کیوں کیا۔

اس کا معنے یہ نہیں کہ فرعون پہلے انہیں اس کے بعد ایمان کی اجازت دیں یا اس کے جواز کا امکان تھا۔

حل لغات: الاذن بمعنے اجازت کا پتہ دینا۔ اذنت بکذا و اٰذنتہ کا ایک معنے ہوتا ہے یعنے اس کے مجرد و مزید میں کوئی خاص فرق نہیں۔

اِنَّهٗ یعنے موسیٰ علیہ السلام **لَكَبِیْرُكُمْ** تم سے فن کا بڑا استاد یا بہت بڑا عالم ہے۔ **الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ** جس نے تمہیں جادو سکھایا اور تم اس کے فن کے موافق ہو گئے۔

ف: کاشفی نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام تمہارا استاد و معلم اور سردار ہے اور تم چاہتے ہو کہ اس کی مدد سے ملک چھین لو اور فرعون نے یہ اس لیے کہا تاکہ قوم اس سے باغی ہو کر موسیٰ علیہ السلام کی اتباع نہ کرسکے حالانکہ اسے یقین تھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے جادو نہیں سیکھا یا حقیقۃً فرعون نے قوم کے خیالات تبدیل کرنے کی غرض سے ایسے کہہ دیا اور انہیں متاثر کرنا چاہا کہ ایمان لانے کے لیے بھی فرعون سے اجازت لینی پڑتی ہے اور جو ایمان اس کی اجازت کے بغیر ہو گا وہ غیر معتبر ہو گا اور مزید غلط تاثر یہ دیا تھا کہ یہ جادوگر موسیٰ علیہ السلام کے شاگرد ہیں اور ظاہر ہے کہ شاگردوں کی نقل بھی استاد کی نقل ہوتی ہے لہٰذا انہیں اسے قبول اس سے کوئی غلط تاثر نہ ہو۔ دراصل اس سے اسے خطرہ لاحق ہوا کہ جادوگروں کے ایمان لانے پر ساری قوم موسیٰ علیہ السلام کی معتقد ہو جائے گی اس لیے چیخا چلایا اور لگا کہنے جیسے اللہ تعالیٰ نے اس کا قول ذکر کرکے یوں بیان فرمایا۔

فَلَاُقَطِّعَنَّ فرعون نے کہا کہ اب میں ضرور بالضرور کاٹ ڈالوں گا۔ باب تفعیل تکثیر کے لیے ہے ایسے ہی آئندہ الفاظ کو سمجھیے۔

ف: القطع سے کاٹنا مراد ہے وہ ملک بالبصر ہو جیسے اجسام یا ملک بالبصیرۃ جیسے اشیاء معقولہ۔

اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ تمہارے اطراف خلاف جہت سے اس لیے کہ دونوں کا جہاں مختلف ہونا ضروری ہے بخلاف اس کے کہ اس میں اختلاف ضروری نہیں۔

اب معنی یہ ہوا کہ تمہاری ہر جانب سے ایک ایک عضو کاٹوں گا مثلاً دایاں ہاتھ کاٹوں گا تو بایاں پاؤں۔ اس کا منشا ابتدائے غایت کے لیے ہے یعنی کاٹنے کی ابتدا ہر عضو کی مخالفت سمت سے ہو گی۔ من اپنے مجرور سے مل کر محل نصب میں جار مجرور سے حال ہے۔ اصل عبارت یوں ہوگی:

"لاقطعنها مختلفات"

اس لیے کہ مخالفت سمت دوسری سمت کے موافق نہ ہو مثلاً دایاں ہاتھ ہو گا تو بایاں پاؤں ایسے ہی برعکس۔ فرعون نے یہ تعیین ڈر اور خوف کی کیفیت میں ہیبت بٹھانے کے لیے بتائی۔

وَلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ۔ الصلب بعد قتل کے لیے کسی کو لٹکانے سولی چڑھانا۔ ... کی سخت سے سخت ہوا و دھوپ سے لٹکا کر مار دینے سے ہوتی ہے اسی لیے فرعون نے کہا کہ میں تمہیں درخت نخل کے تنوں کے ساتھ لٹکا کر قتل کروں گا تاکہ تمام لوگ تمہارے حال سے عبرت حاصل کریں۔ ف: فی میں اشارہ ہے کہ انہیں اس طرح ایک عرصہ تک لٹکایا جائے گا۔

الجوبہ: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سولی پر لٹکانے کی رسم سب سے پہلے فرعون نے شروع کی۔

سوال: فرعون کی اس دھمکی کا انداز عقل کے خلاف ہے کیونکہ وہ ابھی تو دیکھ چکا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس بڑی طاقت موجود ہے جیسے عصا سانپ بن کر بڑی بڑی چیزیں ہڑپ کر جاتا ہے۔ چنانچہ جیسے جادوگروں کے ڈنڈے اور رسیاں ہڑپ کر لیا تھا فرعون کے محل

نکتہ: یہیں پہ یاد رہے پھر فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے غفلت کی تو اس کی چال نقش ہوئی پھر اس کی کیا مجال تھی کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ استہزاء کسی طرح بھی کر سکتا۔

جواب: سخت غصہ اور دہشت میں تھا لیکن اپنی فرعونی کو برقرار رکھنا چاہتا تھا اسی لیے ڈرایا دھمکایا۔

وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَا اور تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں سے یعنی میں اور موسیٰ علیہ السلام۔ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى عذاب کرنے میں سخت اور ہمیشگی شاہی کس کی ہے۔ سبب اسلام تھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے کیا کسی کو عذاب کرنا تھا ہاں فرعون عذاب کرنے میں مشہور تھا اسی لیے فرعون جاہلوں پر رعب ڈالنے کی غرض سے ایسے کہہ رہا اور پھر یہ بھی خیال کیا کہ شاید جادوگر موسیٰ علیہ السلام کے عصا کے اژدہا بن جانے سے ڈر کر ایمان لا سکتے ہیں۔

ف: دیگر اسلام کی تحریر سابق کے مطابق یہاں دونوں میں فرعون اور رب موسیٰ علیہ السلام مراد ہے۔

ف: روح البیان میں ہے کہ اشد و ابقی کہہ کر اپنا دنیوی عذاب سے ڈرایا لیکن اسے عذاب آخرت سے بے خبری تھی ورنہ وہ اپنے دنیوی عذاب کو اشد نہ کہتا۔

قَالُوْا: فرعون کے ڈرانے دھمکانے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے جادوگروں نے کہا۔

ف: کاشفی نے فرمایا کہ جادوگر وہ جام جذب حقانی سے مست تھے اور ان کے قلوب انوار واردات سے روشن ہو چکے تھے اسی لیے انہیں کسی کی پرواہ نہ تھی۔ ؎

نبودہ جرعہ از کف ساقی
ہرچہ نانیست کردہ در باقی
دامن از ملک غیر افشاندہ
لیس فی الدار غیرہ خواندہ

ترجمہ: جو ساقی کے ہاتھ سے ایک گھونٹ پیتے ہیں وہ باقی ذات میں فانی ہو چکا ہے، وہ غیر کے ملک سے دامن جھاڑ لیتے ہیں اس وجہ سے ان پر دنیا میں غیر کا سبق ہی نہیں۔

پھر ایسے لوگ فرعون کی کیا پرواہ کرتے۔

لَنْ نُّؤْثِرَكَ ہم تمہیں ہرگز پسند نہیں کرتے۔ عَلٰى مَا جَآءَنَا اس ایمان پر جو ہمارے پاس موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے لے کر آئے۔ مِنَ الْبَيِّنٰتِ معجزات میں سے کہ جن کی حقیقت میں کوئی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے اور انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی حقانیت یوں بھی کہ اگر موسیٰ علیہ السلام جادوگر ہوتے تو ہمارے جادو کی چیزیں کہاں گئیں۔

صوفیانہ فائدہ: مشائخ فرماتے ہیں کہ وہ حضرات آیات الٰہیہ میں انوار ذات کا مشاہدہ کر چکے تھے اسی لیے اب انہیں بلیات سے کوئی خطرہ نہ تھا اور عزمات الٰہی کو چاہتا ہے اس کے سامنے بلیات و مصائب کچھ وقعت نہیں رکھتیں۔

تفسیر روحانی بزرگ فرماتے ہیں کہ صاحب ولایت کو نزول کے وقت گھبرانے کا کیا مطلب جب کہ یقین ہو کہ مجھے مبتلا کرنے والا تو وہی کریم ہے جس کا میں بندہ ہوں۔

وَالَّذِي فَطَرَنَا اور وہ ذات جس نے ہمیں پیدا کیا اور جملہ مخلوقات کو اس کا عطف ما جاءنا پر ہے اس کی تاخیر اس لیے ہے کہ اس میں عقلی اور نظری دلیل ہے اور اس سے پہلے جو فرعون نے دیکھا تھا وہ آیت حسیہ ظاہرہ تھی۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ قسم ہے اس کا جواب محذوف ہے جیسا کہ مضمون مذکور اس پر دلالت کرتا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اس ذات کی قسم جس نے ہمیں پیدا فرمایا ہم تجھے ہرگز ترجیح نہیں دے سکتے۔ لیکن یہاں پر جواب میں لفظ لن کو ماننا پڑے گا پھر یا تو اس کی تاویل کرنی پڑے گی یا شاذ کہنا پڑے گا۔

ف وتفسیر القادری میں ہے کہ ہمیں اس خدا کی قسم جس نے ہمیں پیدا فرمایا اور تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہمیں اس خدا کی قسم جس نے ہمیں فطرت اسلام پر پیدا فرمایا۔

نکتہ یہاں خلقنا کے بجائے فطرنا کہنے میں اشارہ ہے کہ انہوں نے فرعون کو نہ ماننے اور عدم ترجیح کا اپنے لیے واجب قرار دیا تھا۔

فَاقْضِ مَا أَنْتَ قَاضٍ یہ انقطع کے جواب میں کہا یعنی جادوگروں نے فرعون کو دو ٹوک کہہ دیا کہ کر لے جو تیرا جی چاہے سولی یا ہاتھ کاٹنا ہمیں ان میں سے کسی ایک سے بھی خطرہ نہیں۔

ف وتاویلات نجمیہ میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ اے فرعون! جو تم کرنا چاہتے ہو کر لے کیونکہ تیرا کام وہ ہے جو پہلے ازل سے لکھا جا چکا ہے۔ پھر ہمیں کس کا خوف ہے؟

إِنَّمَا تَقْضِي هَٰذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بے شک تو اس دنیا میں فیصلہ کرے گا یعنی تیرا فیصلہ صرف فانی خواہشات کا آئینہ دار اور ایک دنیوی سزا ہوگی اور وہ بھی صرف ہماری زندگی تک محدود ہوگی لیکن اس کے بعد اس کا کوئی اثر نہ ہوگا اور پھر اگر ہم مر بھی گئے تو تو بھی نہیں رہے گا۔ اسی لیے تو ہمیں اس دنیوی زندگی کی طلب اور دوام کے طالب سے خطرہ۔ تو نے جو کرنا ہے کر گزر لیکن یاد رکھ پھر قیامت میں تیرے لیے وہ ہوگا جو تیرے ذہن و گمان کو خیال تک نہ ہوگا۔

إِنَّا آمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطَايَانَا بے شک ہم اپنے پروردگار پر ایمان لائے تاکہ وہ ہماری خطائیں معاف فرما دے یعنی وہ کفر و معاصی معاف ہو جائیں جن کا ہم نے قبل ازیں ارتکاب کیا اور ان کے ارتکاب پر آخرت میں جو ہمارا مواخذہ فرماتے اور ہمیں توفیق دے کہ ہم تیرے مقابلہ کے خطرہ سے دنیوی حیات کو پسند کریں۔

حل لغات المغفرۃ یعنی بندے کے گناہ معاف کر کے اس کے استحقاق عذاب کے باوجود اسے عذاب سے بچانا۔ الغفر سے ہے یعنی کسی شے کو ایسے پردہ سے چھپانا جو اسے پہنچنے کے میل کچیل وغیرہ سے۔ الخطایا، خطیئۃ کی جمع ہے۔ سیئۃ اور خطیئۃ میں فرق یہ ہے کہ سیئۃ وہ ہے جس میں بالذات قصد ہو اور خطیئۃ جس میں بالعرض ارادہ ہے اس لیے کہ یہ الخطا سے مشتق ہے۔

وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ اور جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا یعنی جادو کرنے پر۔ اس کا عطف خطٰینا پر ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہمارے وہ گناہ بخش دے جو ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں تیرے مجبور کرنے پر اور تیرے جابرانہ دباؤ پر جادو کا ارتکاب کیا ہے۔

سوال: ان سے تو اور گناہ بھی سرزد ہوئے ہوں گے صرف مقابلہ موسیٰ علیہ السلام یعنی جادو کے ذکر کی تخصیص کیوں؟

جواب: اس سے کلی طور پر نفرت اور حقارت میں رغبت کے اظہار کے لیے۔

وَاللّٰهُ خَيْرٌ اور اللہ تعالیٰ بالذات خیر و بھلائی والا ہے۔ اس کا اشارہ الذی فطرنا کی طرف ہے۔ وَّاَبْقٰى اور سزا و جزا ہمیشہ کے لیے مالک ہے یا اس کا مطلب ہے کہ وہ ثواب دینے میں تجھ سے بہتر ہے اگر ہم اس کی اطاعت کریں اور دائمی عذاب والا ہے اگر ہم اس کی نافرمانی کریں۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ واللہ خیر اور بہ نسبت تیرے اللہ تعالیٰ سے ثواب پہنچانے اور وجود فیض میں بہتر ہے۔ وابقی اور اس کی بھلائی اور عذاب بہ نسبت تیرے جزا اور عذاب کے باقی رہنے والا ہے۔

ف: حضرت حسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی شان کہ سب سے بڑے کافر اور منکر بن کر گھر سے چلے مگر آنکھ جھپکنے سے پہلے دولت ایمان سے نوازے گئے اور پھر اتنا پختہ کہ فرعون جیسے جابر ظالم اور سرکش کو فاقض ما انت قاض کہہ کر اپنی راسخ اعتقادی کا مظاہرہ کیا ورنہ آج کل تو یہ حالت ہے کہ ساٹھ سال کی عمر تک قرآن کی تعلیم پر عمل کے باوجود چند ٹکوں کی لالچ میں دین بیچ ڈالا جاتا ہے۔ (الامان والحفیظ)

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

زباں بند کن مرد تفسیر دان
کہ علم ادب می فروشد بنان
کجا عقل یا شرع فتویٰ دہد
کہ اہل خرد دین بدنیا دہد
بدیں اے خردمند دنیا مخر
چو خر را بانجیل عیسیٰ مخر

ترجمہ: (۱) اس عالم تفسیر دان پر حسرت تعجب کی آتی ہے جو روٹی کے بدلے اپنا علم و ادب بیچتا ہے۔
(۲) بھلا عقل و شرع کب فتویٰ دے سکتی ہے کہ دین دنیا کے بدلے بیچ دیا جائے۔
(۳) دین کے عوض دنیا نہ خریدیے۔ یہ ایسے ہے جیسا عظیم الشان انجیل بیچ کر گدھا خریدنا ہے۔

اِنَّهٗ یہ ان کے قول واللہ خیر وابقی کی تعلیل ہے کہ بے شک شان یہ ہے کہ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا

جو بھی اپنے پروردگار کے ہاں مجرم ہو کر آتا ہے یعنی اپنے جادو و ساحری میں خلاف مستزاد کفر کی حالت کفر و ساحری میں مرتا ہے۔

سوال: و ترجمہ مجرم کے لفظ سے کفر کا معنی کہاں سے نکال لیا؟

جواب: اس کے بالمقابل مومن کا ذکر ہے اس مناسبت سے یہاں کفر و ساحری جو دونوں معانی موجود ہیں رکھتے ہیں۔

فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ لَا يَمُوتُ فِيهَا تو اس کے لیے جہنم ہے اور وہ اس کے اندر ہمیشہ رہے گا پھر اس پر موت نہ آئے گی یہی نہیں، بلکہ ابدی کی حالت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا عذاب دائمی ہے۔ **وَلَا يَحْيٰى** ۝ اور نہ وہ ایسی زندگی پائے گا جس سے نفع پا سکے۔

وَمَنْ يَأْتِهِ مُؤْمِنًا اور جو اس کے پاس مومن ہو کر آتا ہے یعنی اس کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کے دیئے ہوئے احکام و معجزات پر ایمان رکھتا ہے جیسے جادوگروں نے اپنے پیارے رسول سیدنا کلیم اللہ علیہ السلام کا معجزہ دیکھ کر ایمان کو قبول کیا۔ **قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ** اور اس نے نیک اعمال بھی کیے ہوں۔ صالحات الخصلۃ الحسنۃ کی طرح اسم کا حکم رکھتا ہے اسی لیے موصوف کے بغیر مذکور ہوتا ہے اس سے ہر وہ عمل مراد ہے جو شرعاً صحیح ہو جیسے حقوق اللہ سب کا اصلاح ہے۔

فَأُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى اولٰئک کا اشارہ مَن کی طرف ہے اور یہ معنی کی بنا پر جمع ہے یعنی وہ مومن اور نیک عمل کرنے والے ایمان و اعمال صالحہ کی وجہ سے ان کے لیے جنت میں بہت بڑے اعلیٰ مراتب ہیں۔ العلیا، اعلیٰ کی تانیث۔ و اس سے معلوم ہوا کہ تمام مومن اور ترقی درجات میں فرق ہے کیونکہ جس کے اعمال صالح ہوں گے اسے بلند درجات نصیب ہوں گے اور اعمال صالحہ سے خالی ہے تو وہ اعلیٰ درجات سے محروم ہوگا اگرچہ جنت نصیب ہو گی۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ یہ الدرجات العلیا سے بدل ہے۔ **تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ** ان کے نیچے نہریں جاری ہیں یعنی ان منازل کے نیچے یا بہشت کے اشجار ہیں۔ **خٰلِدِينَ فِيهَا** اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ ہم کی ضمیر سے حال ہے اور اس کا استقرار کا معنی یا اشارہ عامل ہے۔ **وَذٰلِكَ** یہ اشارہ ثواب مذکور کی طرف ہے۔ **جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى** ۝ اس کی جزا ہے جو پاکیزہ ہوا ہے۔ جزا بمعنی المکافاۃ بمقابلہ عمل کو کہتے ہیں اور آجا خیر ہو یا شر اس کا بدلہ جزا سے کہا جاتا ہے۔

جزيته كذا

اور اس کا صلہ باء میں آتی ہے جیسے۔

جزيته بكذا۔

اجر و جزا کے مابین فرق اجر وہ ہے جو عقد یا معاہدہ کے قائم مقام کے طور پر دیا جاتا ہے اور صرف نفع میں مستعمل کیا جاتا ہے۔ اور نقصان پر مستعمل نہیں اور جزاء، خیر اور شر کے لیے مستعمل ہے اور نفع و نقصان دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

اب معنے یہ ہوا کہ وہ شخص جو کفر و معاصی کی گرد و غبار سے پاک ہو کر ایمان و اعمال صالحہ سے سرشار ہوتا ہے یہ اسی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جزاء و ثواب باقی رہنے والا ہے۔

حدیث شریف حدیث شریف میں ہے کہ جنت کے بلند درجات والوں کو نیچے والے ایسے دیکھیں گے جیسے تم اونچے چمکتے ستارے کو دیکھتے ہو اور حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما انہیں میں سے ہیں یعنی انہی بلند درجات والوں میں سے ہیں۔

ف: قرآن میں ہے اور وہ بھی کسی اور روایت میں کہ ان اہل ایمان (جادوگر) جو موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے فرعون ان کا کچھ بگاڑ نہ سکا اور نہ ہی جس طرح سے فرمایا دھمکایا اسے عمل میں لا سکا۔

ف: تفسیر کبیر میں ہے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جادوگر صبح کو کافر تھے لیکن شام کو شہید تھے۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ وہ صبح کو کافر تھے اور شام کو شہداء و ابرار تھے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) ساحران در عہد فرعون لعین
چوں مری کردند با موسیٰ بکین

(۲) لیک موسیٰ را مقدم داشتند
ساحران او را مکرم داشتند

(۳) زانکہ گفتندش کہ فرمان آن تست
گر تو می خواہی عصا تو فکن نخست

(۴) گفت نی اول شما ای ساحران
افگنید آن مکرہا را در میان

(۵) این قدر تعظیم ایشان را خرید
و از مری آن دست و پاشان برید

(۶) ساحران چوں حق او بشناختند
دست و پا در جرم آن در باختند

ترجمہ: (۱) وہ جادوگر جو فرعون لعین کے زمانہ میں تھے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کینہ سے بالمقابل ہوئے۔

(۲) لیکن بوقت مقابلہ موسیٰ علیہ السلام کو پہل کرنے کا کہا اس سے انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی تعظیم کی

(بقیہ صفحہ نمبر [illegible] پر)

وَلَقَدْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا لَّا

اور بیشک ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ راتوں رات میرے بندوں کو لے چل اور ان کے لیے دریا میں سوکھا راستہ نکال دے

تَخَافُ دَرَكًا وَلَا تَخْشَىٰ ۝ فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُودِهِ فَغَشِيَهُم مِّنَ الْيَمِّ

تجھے ڈر نہ ہو گا کہ فرعون آ لے اور نہ خطرہ تو ان کے پیچھے فرعون پڑا اپنے لشکر لے کر تو انہیں دریا نے ڈھانپ لیا جیسا

مَا غَشِيَهُمْ ۝ وَأَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهُ وَمَا هَدَىٰ ۝ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ قَدْ أَنجَيْنَاكُم

کچھ ڈھانپ لیا اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا اور راہ نہ دکھائی اے بنی اسرائیل بیشک ہم نے تم کو تمہارے

مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوَاعَدْنَاكُمْ جَانِبَ الطُّورِ الْأَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ ۝

دشمن سے نجات دی اور تمہیں طور کی داہنی طرف کا وعدہ دیا اور تم پر من اور سلویٰ اتارا

كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِي ۖ وَمَن

کھاؤ جو پاک چیزیں ہم نے تمہیں روزی دیں اور اس میں زیادتی نہ کرو کہ تم پر میرا غضب اترے اور جس پر

يَحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِي فَقَدْ هَوَىٰ ۝ وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ

میرا غضب اترا بیشک وہ گرا اور بیشک میں بہت بخشنے والا ہوں اسے جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھا کام کیا

صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ ۝ وَمَا أَعْجَلَكَ عَن قَوْمِكَ يَا مُوسَىٰ ۝ قَالَ هُمْ أُولَاءِ

پھر ہدایت پر رہا اور تو نے اپنی قوم سے کیوں جلدی کی اے موسیٰ عرض کی کہ وہ یہ ہیں

عَلَىٰ أَثَرِي وَعَجِلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضَىٰ ۝ قَالَ فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِن

میرے پیچھے اور اے میرے رب تیری طرف میں جلدی کر کے حاضر ہوا کہ تو راضی ہو فرمایا تو ہم نے تمہارے آنے کے بعد تمہاری قوم کو

بَعْدِكَ وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ۝ فَرَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا ۚ قَالَ

بلا میں ڈالا اور انہیں سامری نے گمراہ کر دیا تو موسیٰ اپنی قوم کی طرف پلٹا غصہ میں بھرا افسوس کرتا کہا

يَا قَوْمِ أَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۚ أَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ أَمْ أَرَدتُّمْ

اے میری قوم کیا تم سے تمہارے رب نے اچھا وعدہ نہ کیا تھا کیا تم پر مدت لمبی گزری یا تم نے چاہا

أَن يَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّكُمْ فَأَخْلَفْتُم مَّوْعِدِي ۝ قَالُوا مَا أَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ

کہ تم پر تمہارے رب کا غضب اترے تو تم نے میرا وعدہ خلاف کیا بولے ہم نے آپ کا وعدہ اپنے اختیار سے

بِمَلْكِنَا وَلَٰكِنَّا حُمِّلْنَا أَوْزَارًا مِّن زِينَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنَاهَا فَكَذَٰلِكَ أَلْقَى

خلاف نہ کیا لیکن ہم سے کچھ بوجھ اٹھوائے گئے اس قوم کے گہنے کے تو ہم نے انہیں ڈال دیا پھر اسی طرح

السَّامِرِيُّ ۝ فَأَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهُ خُوَارٌ فَقَالُوا هَٰذَا إِلَٰهُكُمْ وَإِلَٰهُ مُوسَىٰ فَنَسِيَ

سامری نے ڈالا تو اس نے ان کے لیے ایک بچھڑا نکالا بے جان کا دھڑ گائے کی طرح بولتا تو بولے یہ ہے تمہارا معبود اور موسیٰ کا معبود تو بھول گئے

فَنَسِيَ ۝ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۝

تو بھول گئے کیا نہیں دیکھتے کہ وہ انہیں کسی بات کا جواب نہیں دیتا اور ان کے کسی برے بھلے کا اختیار نہیں رکھتا

(بقیہ صفحہ نمبر ٧٨٤)

③ چنانچہ کہا کہ جو آپ کا حکم۔ اگر آپ چاہیں تو آپ اپنا عصا پہلے ڈال دیجئے۔

④ بلکہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ نہیں پہلے تم ڈالو اور تم کو اپنا داؤ چلاؤ۔

⑤ اتنی قدر و تعظیم سے ان کی عداوت کافور ہو گئی اور گویا مقابلہ سے ہتھیار ڈال دیئے۔

⑥ یہی جادوگر جو پہلے موسیٰ علیہ السلام کی شان سے بے خبری کی وجہ سے مقابلہ پر تل گئے تھے اس لیے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے۔

نتیجہ : ان دلائل سے ثابت ہوا کہ وہ شہید ہوئے ورنہ فرعون کو سب سے پہلے سولی پر چڑھانے والا کیسے کہا جاتا۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف مائل ہو اپنے آپ کو اخلاق ذمیمہ سے پاک و صاف رکھے اور افعال شیطانیہ سے دور رہے اور اخلاق رذیلہ و عادات سیئہ سے بری ہو اور روح و مال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرے تاکہ اس سے اعلیٰ درجہ کو حاصل کرے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو اس سے دوستی کرتے ہیں اور وہ ہر آتی ہوئی مصیبت کو اٹھا سکتے ہیں۔ (آمین)

(تفسیر آیات سورۂ طٰہٰ)

تفسیر عالمانہ : وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۵ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ : بتحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی یہ تو معجزات کے اظہار کے بعد کی بات ہے جبکہ درمیان میں بیس سال کا عرصہ گذرا۔ (کذا فی [illegible])

خیر وحی کا کہنا ہے کہ یہ بعض روایات مشہورہ کے خلاف ہے کیونکہ مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کی قوم کے سیلاب و طوفان وغیرہ کا اثر چالیس سال کے بعد ظاہر ہوا یہ روایات مفسرین کی تفاسیر میں قصہ عجیب و غریب کے تحت ہے۔

اَنْ مفسرہ ہے یعنی ای یا مصدریہ ہے۔ اصل عبارت یہ تھی :

بِاَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ :

اور اسریٰ کا مادہ سریٰ اور رات سے ہے یعنی رات کو جانا یعنی اے موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو رات کے وقت

نے بانٹے اور رات کو لے جانے کا حکم اس لیے ہے تاکہ فرعون کے ملازمین آڑے نہ آئیں۔

فَاضْرِبْ لَهُمْ۔ اضرب بمعنی اجعل ہے ضرب لہ فی مالہ سہما بولا گیا ہے یعنی اس نے اپنے مال سے اس کا حصہ مقرر کیا۔ یا اضرب بمعنی اتخذ و اعمل ہو ضرب اللبن سے ماخوذ ہے۔ اس وقت [illegible] جب لے عمل میں لاسکے۔

ف ۔ جلالین میں ہے کہ فاضرب لہم بعصاک آپ ان کے لیے اپنا عصا ماریئے۔

طَرِيقًا۔ ہر وہ جگہ جس پر انسان چلے۔ یہ عادت کے طور پر ہو یا عادت کے بغیر۔

ف ۔ امام راغب نے فرمایا کہ وہ راستہ جس پر پاؤں سے چلا جائے۔

فِي الْبَحْرِ۔ دریا میں۔ بحر وہ عام جگہ جہاں بہت زیادہ پانی ہو۔ یہاں پر بحر القلزم مراد ہے۔

ف ۔ قاموس میں ہے کہ وہ ایک شہر ہے جو مصر و مکہ کے درمیان جبل طور کے قریب واقع ہے۔ اس کی طرف بحر القلزم منسوب ہے کیونکہ وہ اس کے کنارے واقع ہے یا اس میں جو داخل ہو وہ اسے نگل لیتا ہے۔ اسی لیے کہ تقلزم بمعنی ابتلاع ہے۔

يَبَسًا۔ طریقا کی صفت ہے۔ الیبس ہر وہ جگہ جہاں پانی ہو پھر سوکھ جائے۔

ف ۔ الارشاد میں ہے کہ یبس بمعنی یابس ہے مبالغہ کے طور پر مصدر بمعنی فاعل لایا گیا ہے یعنی اس راستہ پر پہلے پانی ہوگا لیکن تمہارے جانے سے وہ خشک ہو جائے گا۔

لَا تَخَافُ دَرَكًا۔ امر سے حال مقدر ہے اور مخاطب حضرت موسیٰ علیہ السلام مراد ہیں۔ درک محرکۃ بالکسر کی طرح ادراک کا اسم ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ ڈر نہ تھا کہ تم دشمن کے پا لینے سے امن میں ہوگے۔ **وَلَا تَخْشَىٰ ○** اور نہ ہی غرق ہونے سے خوفزدہ ہوگے۔

فَأَتْبَعَهُمْ۔ فاء فصیحہ ہے یعنی پس موسیٰ علیہ السلام نے کیا جس کا انہیں حکم تھا یعنی بنی اسرائیل کو رات کے وقت لے چلا اور راستہ بنایا پھر اس پر چلا ان کے پیچھے فرعون لشکر سمیت درمیان تک کہ اشراق کے وقت انہیں پا لیا۔ اشراق بمعنی سورج کا چمکنا۔ اتبعہ اور تبعہ کا ایک معنی ہے۔ صرف فرق اتنا ہے کہ اتبعہ اس وقت بولتے ہیں جب ایک دوسرے کو طلب میں پیچھے لگے اور تبعہ اس وقت بولتے ہیں جب ایک دوسرے کے ساتھ اور اس کے پیچھے ہو کر چلے۔

فرعون اور موسیٰ علیہ السلام مروی ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو رات کے اول حصہ میں لے کر چلے اور ان کی تعداد ستر ہزار تھی تو متقی اور فرعون کو جب معلوم ہوا تو اپنا لشکر جن کی تعداد سات لاکھ تھی اور فرعون ان کے آگے آگے چل رہا تھا جب فرعون کا لشکر موسیٰ علیہ السلام کے لشکر کے قریب ہوا تو موسیٰ علیہ السلام نے دریا میں عصا مارا تو اس میں بارہ راستے بن گئے ہر حصہ پہاڑ کی طرح تھا اور ہر راستہ کے اندر پانی برف کی طرح جم کر کھڑا ہو گیا یعنی راستہ پر موسیٰ علیہ السلام اور آپ کا قافلہ صحیح سالم دریا کو عبور کر گیا۔

فَغَشِيَهُمْ ان فرعونیوں کو پانی نے ڈھانپ لیا یعنی ان پر چڑھ گیا۔ **مِّنَ الْيَمِّ** دریا سے قلزم سے۔ **مَا غَشِيَهُمْ ○** وہ جو انہیں دریا کی سخت موجوں نے ڈھانپا وہ ایسی موجیں تھیں جن کی کنہ کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا یعنی انہیں ایسی راہ پر لگایا جو انہیں خیبت و خسران کی طرف لے گیا وہ دین کے رہے نہ دنیا کے۔ یہاں تک کہ وہ کفر کی حالت میں سخت عذاب و تنگی میں جل جل کر مر گئے اور اخروی عذاب میں دائمًا گرفتار رہیں گے۔ **وَمَا هَدٰى ○** اور نہ ہی انہیں ہدایت سے کہ یعنی انہیں کوئی ایسا راستہ نہ دکھایا جو ان کے دینی و دنیوی مطالب کے حصول پر مبنی ہو۔ یہ اضلال کی تقریر و تاکید ہے یہ اس لیے کہ بعض سے متصل (گمراہ کنندگان) کبھی اپنے گمراہ کردہ انسانوں کو مطالب کے حصول کی راہ دکھاتا ہے۔ اور اس آیت :

" وَمَا اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ " " اور میں تمہیں سیدھے راستے کی راہ بھی دکھاتا ہوں "

میں ایک قسم کا تہکم ہے کیونکہ کسی سے گمراہ آدمی سے سنت کی نقل میں یا اشارہ ہوتا ہے کہ وہ ایسا ہے کہ اس سے ہدایت منسوب ہے لیکن یہاں مقصد کا اظہار صرف تہکم کی بنا پر ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ موسیٰ اور اس کے لشکر میں روح مع اس کے قوٰی کی طرف اور فرعون لشکر سمیت میں نفس امارہ اور اس کے قوٰی کی طرف اور دریا بحر دنیا کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ راستے روح حقیقت شریعت یا بحر کشف علمی سے عبور کر لیتا ہے لیکن نفس امارہ اس میں غرق ہو جاتا ہے کیونکہ وہ خواہشات نفسانیہ میں مبتلا ہوتا ہے اسے نہ شریعت نصیب ہوتی ہے اور نہ ہی کشف۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو اہل ضلال اپنے نفوس امارہ کی اتباع کرتے ہیں وہ ظاہری و باطنی تباہی میں غرق ہو جاتے اور اہل ہدایت کی اقتدا سے دائمی نجات نصیب ہوتی ہے۔

زنہار از قرین بد زنہار
وقنا ربنا عذاب النار

ترجمہ: برے ساتھی سے خدا کی پناہ اے پروردگار! ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔

ف: بہترین ساتھی ایمان و توحید ہے کیونکہ جملہ انبیاء علیہم السلام اس پر متفق ہیں اور مومن ایک قلعہ میں محفوظ ہو جاتا ہے جس کی حفاظت اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور اس پر نہ ظاہری دشمن حملہ آور ہو سکتے ہیں اور نہ باطنی اور نہ ہی دنیا و آخرت میں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حجاج بدبخت کا قصہ عبد اللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو حجاج ظالم نے کہا کہ میں آپ کو بری طرح قتل کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرا عقیدہ ہوتا کہ تو حکم الٰہی کے بغیر مجھے قتل کر سکے گا، تو میں تیری عبادت کرتا۔ حجاج نے کہا وہ کیسے؟ حضرت انس نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی دعا سکھا کر فرمایا کہ جو کوئی صبح کو پڑھے گا تو کوئی اس کا [illegible]

بچائے گا اور وہ میں نے صبح کو پڑھ لی تھی۔ حجاج نے کہا کہ مجھے بھی وہ دعا سکھا دیجئے۔ آپ نے فرمایا معاذ اللہ تجھ ظالم کو سکھاؤں وہ نہیں سکھاؤں گا۔ حجاج نے کہا کہ انہیں چھوڑ دو۔ لوگوں نے حجاج سے پوچھا کہ تم نے انس رضی اللہ عنہ کو کیوں چھوڑا تو جواب دیا کہ میں نے ان کے دونوں کندھوں پر دو بڑے شیروں کو دیکھا جو منہ کھولے ہوئے تھے۔ اگر میں انھیں کچھ کہتا تو وہ مجھے پھاڑ کھاتے۔ جب حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو خادم سے فرمایا کہ تیرا مجھ پر حق ہے خدمت کا میں تجھے وہی دعا سکھاتا ہوں اور وہ دعا یہ ہے:

بسم اللہ خیر الاسماء الذی لا یضر مع اسمہ — اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں جو تمام اسماء

شیء فی الارض ولا فی السماء۔ — سے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کوئی شے نقصان نہیں پہنچا سکتی نہ آسمان اور زمین۔

ف: اس دعا کا دنیوی فائدہ تو مذکور ہوا اور آخرت کا فائدہ یہ ہے کہ یہ دعا پڑھنے والے کی دوزخ اور اس کے عذاب سے حفاظت کرے گی۔

ف: موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو خیر خواہانہ پند و نصیحت فرمائی لیکن وہ نہ مانا اور نہ ہی اس نے موسیٰ علیہ السلام کی قدر و منزلت پہچانی اس لیے وہ واصل جہنم ہوا اور سخت قسم کے عذاب میں مبتلا ہو کر مرا۔

سبق: عاقل وہ ہے جو ناصح کی نصیحت کو دل کی رضا سے قبول کرے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

امروز قدر پند عزیزاں شناختم
یارب روان ناصح ما از تو شاد باد

ترجمہ: آج میں نے بزرگوں کی نصیحت کی قدر معلوم کی۔ یا اللہ ہمارے ناصح کی روح شاد و آباد رکھ۔

شرح شعر حافظ امروز سے جوانی کے ایام مراد ہیں اس میں اشارہ ہے کہ جوانی بڑھاپے سے مختلف طور رکھتی ہے اکثر دیکھا گیا ہے کہ جوانی میں وقت لہو و لعب میں ضائع کر دیتے ہیں اور وہ کسی کی بات تک سننا گوارا نہیں کرتے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ہدایت بخشتا ہے تو پھر اسے ناصح یاد آتا ہے تو اس کے لیے دعا کرتا ہے۔ نصیحت تلخ ہے جیسے جیسے سن پختگی کو پہنچتا ہے تو وقت اس کی غلطیوں کے پتا چلتے ہیں۔

سبق سالک کے لیے مرشد اور ناصح ضروری ہے مرشد جو کچھ بھی ہدایت کرے سب ہی فضول ہے جب تک کہ اس کے فرمان پر عمل ادا کرے۔

مسئلہ: فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی حقانیت اور ان کے دست پر جو معجزات ظاہر ہوئے ان کی حقیقت کا دل سے قائل تھا لیکن بایں ہمہ ایمان نہ لایا جو اسی بنا پر مارا گیا۔ معلوم ہوا کہ پہلے اعتقاد کو درست کیا جائے پھر اس کا زبان سے اقرار کرے اس کے بعد اس پر عمل کرنے میں کوشاں

ہو۔ اسی لیے بزرگوں کا فرمان ہے کہ جس طرح کشتی خشکی پر نہیں چل سکتی اسی طرح مجاہدہ کے بغیر کام نہیں ہو سکتا۔ اور نفس کا کام ہے کہ وہ ضلالت وجہالت کی طرف لے جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

فانفروا خفافا و ثقالا۔

نتیجہ یہ نکلا کہ عبادت لازم ہے۔ یہاں تک کہ یقین نصیب ہو خواہ عبادت میں دل لگے یا نہ، راحت سے ہو یا بتکلیف۔ اور ایسا جہاد قیامت تک جاری ہے۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؂

بے رنج کسے ہیچ نبردہ بسر گنج
آن بہ کہ بکوشیم بقناعت نہ نشینم

ترجمہ : کوئی بھی رنج و تکلیف کے بغیر خزانہ نہیں پاتا، بہتر ہے کہ ہم کوشش کریں، نہ کہ صرف آرزو کرکے امید میں ٹھہرے بیٹھے رہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنی رضا کا راہ دکھائے اور ہمیں اپنی بارگاہ تک پہنچنا نصیب فرمائے۔

تفسیر عالمانہ

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ فرعون اور اس کے لشکر کے غرق ہو جانے اور بنی اسرائیل کے نجات پا جانے کے بعد ہم نے کہا کہ اے بنی اسرائیل! قَدْ اَنْجَیْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ ہم نے تمہیں تمہارے دشمن فرعون سے نجات بخشی کہ وہ تمہارے بچوں کو قتل کر ڈالتا تھا اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا اور تم سے بڑی سخت قسم کی خدمتیں لیتا تھا اور مشقت بھرے امور میں لگاتا تھا۔

ف : لفظ عدو واحد اور جمع دونوں کے لیے مستعمل ہے۔

وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ۔ الایمن منصوب ہے اس لیے کہ مضاف کی صفت ہے یعنی جانب کی۔ یعنی ہم نے تمہارے نبی علیہ السلام کے ذریعے تمہارے ساتھ وعدہ کیا کہ تم طور کی جانب یمین کی طرف آؤ یعنی جو وہاں سے بیت شام کی طرف آسان راستہ ہے۔ یہ ہم نے اس لیے کہا کہ پہاڑ کی اپنی ذاتی جانب نہیں۔ نہ یمینی نہ یساری اور وہ وعدہ موسیٰ علیہ السلام کے لیے طور میں مناجات اور تورات کے حصول کے لیے تھا۔

سوال : یہ وعدہ بنی اسرائیل کی طرف کیوں جب کہ یہ وعدہ تو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھا؟

جواب : ادنیٰ ملابست کی وجہ سے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے تبعین تھے اور پھر اس کا نفع انہیں پہنچنا تھا۔

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وہ ایک شے تھی جس میں لذت اور حلاوت عجیب و غریب تھی۔ وہ درختوں پر اترتی تھی اسے ترنجبین کہا جاتا ہے ترنگبین کا معرب ہے۔ وَالسَّلْوٰى ۞ ایک پرندہ ہے سلوٰی کہا جاتا ہے۔ ترنجبین برف کی طرح صبح سے طلوع شمس تک آسمان سے درختوں پر اترتی ہر فرد کو ایک صاع کے برابر نصیب ہوتی پھر اس کے ساتھ پرندہ آتا ان کے

پانی ملتا تھا جسے بغیر فروخت کیے کام میں لاتا۔ التیہ وہ جنگل جس میں چلنے والے کو کوئی راہ نہ ملے اور وہ اس میں حیران اور مارا مارا بھٹکتا پھرے یہ اس وقت ہوا جب انہیں حکم ہوا کہ وہ جبابرہ کے شہر میں جا کر ان کا مقابلہ کریں لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ اسی پر انہیں جنگل میں ہی رکھا گیا کہ وہ حیران اور مارے مارے بھٹکتے پھرتے رہے اور اسی سزا میں ان پر چالیس سال گزر گئے جیسا کہ اس کی تفصیل سورۂ مائدہ میں ہم نے بیان کر دی ہے۔

ف: یہ سزا ایسی ہے جیسے شفیق مہربان باپ اپنے نافرمان بیٹے سے کرتا ہے تاکہ وہ فرمانبردار ہو جائے لیکن اس کی مروت و احسان اس سے منقطع نہیں ہوتا۔ یہ بھی جنگل کے عذاب میں مبتلا تو ہوئے لیکن ان پر رزق کا دروازہ بند نہ ہوا اور بغیر تکلیف کے روزانہ انہیں رزق مل جاتا ہے۔

اے کریمی کہ از خزانۂ غیب
گبر و ترسا وظیفہ خور داری
دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری

ترجمہ: اے کریم! تو خزانۂ غیب سے کافر یہودی کو روزانہ رزق دیتا ہے تو پھر دوستوں کو تو کب محروم کرے گا جبکہ تو دشمنوں سے بھی شفقت فرماتا ہے۔

كُلُوْا اور حکم دیا ہم نے تمہیں کہ کھاؤ۔ **مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ** لذیذ اور حلال اشیاء سے جو ہم نے تمہیں عطا فرمائیں۔

ف: امام راغب نے فرمایا کہ الطیب ہر وہ شے جس سے حواس و نفس لذت محسوس کریں اور وہ طعام حلال جس کا شرع نے جواز دیا ہے یعنی مقرر فرمایا۔ جتنا بھی ضرورت ہو اور جہاں سے بھی حاصل ہو اور جب وہ ایسی شے ہوگی تو لازماً وہ طیب ہوگی وہ عاجلاً ہو یا آجلاً لیکن طیب اس وقت کہلائے گی جب ہضم ہو جائے اس کے لئے شبعہ اور بدہضمی پیدا کرے تو وہ حلال تو ہوگی لیکن طیب نہیں کہلائے گی۔ ایسے ہی وہ عاجلاً طیب تو ہو سکے گی لیکن آجلاً نہیں کیونکہ اس کا انجام اچھا نہیں۔

وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ الطغیان کا مطلب ہے حد سے بڑھنا یعنی جن چیزوں کو ہم نے تمہارے لیے حلال فرمایا اسے کھانے میں حد سے نہ بڑھو مثلاً ناشکری کرو یا فضول خرچی کرو یا متکبرانہ طور پر خرچ کرو یا مستحق کو اس کا حق نہ دو یا امانت اور دین کی ضرورت سے زائد ذخیرہ کر کے رکھو۔ **فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ** تو میرا غضب تم پر لازم ہو جائے گا۔ یہ نہی کا جواب ہے یعنی میرا عذاب تمہارے لیے لازم ہو جائے گا۔ یہ حل الدین یحل، بالکسر سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب قرض کی ادائیگی واجب ہو جائے اور اگر بالضم پڑھیں تو باب نصر ینصر ہو تو یہ نزول ہوتا ہے۔ الغضب جیسے انتقام کے ارادہ پر قلب کا جوش ہے اور جب اللہ تعالیٰ کے لیے اس کا استعمال کیا جائے تو اس وقت مطلق انتقام مراد ہوتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے —

شکر منعم واجب آید در خرد
ورنہ بگشاید در خشم ابد

ترجمہ: منعم کا شکر واجب ہے ورنہ وہ ہمیشہ کے لیے غصہ کا دروازہ کھول دے گا۔

وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى — اور جس پر میرا غضب لازم ہو جاتا ہے تو وہ تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔

ہوی، دراصل پہاڑ سے گر کر ہلاک ہو جانے کو کہا جاتا ہے۔

ف: بلاغات الزمخشری میں ہے:

من ارسل نفسه مع الهوى فقد هوى فی ابعد المهوی۔ — جس نے اپنی خواہشات نفسانی کو نہ چھوڑا وہ سخت تباہی و بربادی سے ہلاک ہوا۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ ونزلنا علیکم المن اور ہم نے تم پر اپنے صفات والسلوی اور اخلاق اتارے۔ کلوا من طیبت ما رزقنکم اور ہماری انہی صفات سے موصوف اور ہمارے اخلاق سے متخلق ہو جاؤ۔ یعنی اگر عنایت ربانیہ نہ ہوتی تو نہ تم حیات پاتے نہ تمہارا قلب اور نہ تمہاری روح کے صفات شرف قبول پاتے نفس اور اس کے صفات سے چھٹکارا پاتے اور اگر تمہاری یہ نیاز مندی نہ ہوتی تو نہ صفات الہیہ سے موصوف ہوتے اور نہ ہی متخلق باخلاق اللہ ہوتے۔ ولا تطغوا فیہ جب تم صفات و اخلاق سے نکل کر میرے صفات و اخلاق سے متصف و متخلق ہو جاؤ تو پھر حد سے نہ بڑھو وہ اس طرح کہ پھر ربوبیت کا دعوی کرنے لگ جاؤ یا میرے نام سے موسوم ہونے لگو یا میرے صفات اپنے ساتھ لگاؤ جیسے انا الحق یا جیسے بعض نے سبحانی ما اعظم شانی کا دعوی کیا اور ایسے ہی دیگر وہ دعوے جو انسان بطور پندار ظاہر کرتا ہے کیونکہ انسان کی عادت ہے کہ جب مراتب پا لیتا ہے تو سرکشی کرتا ہے اور بعض بزرگوں کے ایسے دعاوی اگرچہ ان کے کمال سے تھے لیکن ایسے حالات مقامات کے لائق نہیں اور ایسے حالات غضب الہی کا موجب بنتے ہیں۔ کما قال:

فیحل علیکم غضبی ومن یحلل علیہ غضبی فقد ہوی

یعنی ایسے ہی ان کے جو حالات اڑتی ہوئی غبار کی طرح بیکار ہو جاتے ہیں۔ اسی غضب سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے بندوں کو ہدایت طلبی کا حکم فرمایا۔

کما قال تعالیٰ:

اهدنا الصراط المستقيم صراط — ہمیں سیدھا راہ دکھا ان لوگوں کا جن پر تیرا غضب نازل ہو
الذين انعمت عليهم غير المغضوب عليهم — جو تیری عبادت و طاعت کے بعد بھی گناہ کا ارتکاب کرتا
ولا الضالين۔ — ہے۔

تفسیر عالمانہ: وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ اور بے شک میں انہیں بخشتا ہوں جو کفر و شرک اور معاصی سے تائب ہوتے ہیں نیز ان کے طغیان سے بھی بچے۔

ف: المفاتیح شرح المصابیح میں ہے کہ غفور و غفّار میں فرق ہے اور وہ یہ کہ غفور بمعنی کثیر المغفرۃ اور مغفرت یعنی بندے کے گناہوں سے تجاوز کر کے اسے استحقاقِ عذاب سے بچانا۔ غفور سے یہ بھی کہ وہ عذاب سے بچانے کے لیے کسی شے پر پردہ وغیرہ ڈالنا۔ اور غفار، غفور کا مبالغہ ہے اس لیے کہ اس میں غفور سے ایک لفظ زائد ہے۔

ف: بعض نے کہا کہ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ غفار میں از جہت کیفیت اور غفور میں از جہت کمیت مبالغہ ہے۔

وَاٰمَنَ اور جن پر ایمان لانا واجب ہے ان پر ایمان لائے۔ وَعَمِلَ صَالِحًا اور نیک عمل کرے یعنی وہ عمل جو عقل و شرع کے لحاظ سے اچھے ہیں۔

ف: اس میں طغیان کے مرتکب کو ترغیب ہے کہ اگر کوئی امر باطل ہو جائے تو اسے ایمان و عمل صالح اور توبہ کو عمل میں لایا جا سکے۔

ثُمَّ اهْتَدٰى ۝ پھر وہ ہدایت پر تادمِ زیست قائم رہا۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ جو ان امور پر استمرار نہیں کرتا وہ مغفرت کا مستحق نہیں اور لفظ ثُمَّ تراخی کے لیے ہے۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ ثُمَّ، تراخی الاستقامۃ علی الخیر عن الخیر کے لیے ہے کہ خیر واقعی تو یہ ہے لیکن اس پر استقامت اعلیٰ و اجل ہے اس لیے کہ خیر کے حاصل کرنے میں ہی تو بہت سے لوگ قدمِ استقامت سے الگ ہو جاتے ہیں۔

ف: حضرت ابن عطاء نے فرمایا کہ لِمَنْ تَابَ بمعنی تائب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کے لیے غفار ہے جو مخالفت سے تائب ہو کر موافقت کی طرف جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے وعدے پر پورا اتر آتا ہے اور سنت کا اتباع کرتا ہے۔ ثُمَّ اهْتَدٰى پھر اس پر ثابت ہو جاتا ہے کہ اب حق کی راہ کے سوا کسی اور راہ کو چاہتا ہی نہیں۔

سے

راہ سنت رو اگر خواہی طریق مستقیم
کو سخن راہی بجو سوی رضای ذوالمنن

ہر کہ زد در چشم دین بی بحران سنانی باد تیز
کو ستانی زندگی خواہد زمانی بی سخن

ترجمہ: اگر راہ مستقیم کے طالب ہو تو راہ سنت پر چلو اس لیے کہ سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے رضائے الٰہی نصیب ہوتی ہے۔

ہر وہ جو سنت کی آنکھ میں کانٹے بوتا ہے وہ بے دین ہے اگرچہ اس کی زندگی کے لمحات سنت کے بغیر ہوں۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ مَنْ تَابَ یعنی جو ذریعہ سے نفسانی طغیان سے رجوع کر کے وصول الی اللہ

ربوبیت کے لیے عبودیت کا اظہار کرے۔ شعر اعتداد ہی ہے اس کے لیے تحقیق ہو جاتا ہے کہ بے شک حضرت ربوبیت اس وہم و خیال سے منزہ اور اس کی ربوبیت قائم اور عبودیت دائم ہے۔

ف: توبہ بمنزلہ صابن کے ہے جیسے صابن کپڑے وغیرہ کی میل کچیل دور کرتا ہے ایسے ہی توبہ انسان باطنی یعنی گناہوں کو صاف کرتی ہے۔

حکایت دینوری: حضرت دینوری رحمہ اللہ تعالیٰ سے کسی نے پوچھا کہ میں کیا عمل کروں۔ آپ نے فرمایا جب تم اپنے مولیٰ کے دروازے پر جاؤ تو چھوٹے بچے کی طرح ہو جاؤ جیسے وہ اپنی ماں کے سامنے ہوتا ہے کہ جب اسے مارتی ہے تو بجائے بھاگنے کے وہ الٹا ماں کے گلے میں چمٹتا ہے۔ ماں کتنا مارے لیکن وہ بار بار ماں کو چمٹتا ہے یہاں تک کہ ماں اسے گلے لگا لیتی ہے۔

توبہ کی اقسام: توبہ کی تین اقسام ہیں:

① توبہ عوام —— ان کا گناہوں سے توبہ کرنا۔
② توبہ خواص —— ان کا لغزشوں اور غفلتوں سے توبہ کرنا۔
③ توبہ ابرار —— ان کا اپنی نیکیوں کو نیکیاں دیکھنے اور طاعات کو خیال میں لانے سے توبہ کرنا۔

اور توبہ کی تین شرائط ہیں:

① دل سے نادم ہونا۔
② زبان سے عذر کرنا مثلاً گناہوں سے استغفار کرنا۔
③ اعضاء سے گناہوں کی جڑ اکھیڑنا۔

حدیث شریف: حدیث شریف میں ہے کہ زبان سے استغفار لیکن گناہوں پر اصرار یہ مذاق اڑانے والے کی طرح ہے۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہ نے فرمایا ؎

۱۔ دارم جہاں جہاں گنہ ای شرم روی من
چوں رو ازیں جہاں بجہان دگر نہم

۲۔ یاراں روند سیر حرم مست شوق شدہ
آیا عنان عقل بدست کساں دہم

۳۔ با عقل لاف توبہ و دل پر گنہ ہنوز
کس بے فن بود کہ بدیں گونہ گم رہم

ترجمہ: ① میں دنیا میں بہت بڑے گناہ رکھتا ہوں۔ جیسے میں اس دنیا میں کسی دوسرے جہاں کی طرف آ رہا ہوں۔

(۲) تم مجھ سے آگے یقینی کی طرف بڑھ گئے ہیں یعنی ایک سخت شوق کی بنا پر اس کی طرف بڑھ رہا ہوں۔

(۳) لوگوں کے ساتھ آنے کی وجہ سے وہ لوگ اپنی حیثیت کے واسطے سے تمہارے گمراہ ہوں۔

وَمَا أَعْجَلَكَ عَن قَوْمِكَ يَا مُوسَىٰ ○ تم سے جلدی کرکے قوم کا انتظار چھوڑ کر پہلے سے آئے ہو۔ ما اعجلک جتنا اور عن قومک اس کی خبر دیتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا جب وعدہ مذکورہ کے مطابق میقات پر کوہ طور پر پہنچے قومک وہ ستر نقباء جنہیں کوہ طور پر ساتھ لے گئے تھے اور موسیٰ علیہ السلام محض شوق ملاقات الٰہی میں تیز تیز قدم رکھتے ہوئے تنہا کو فرمایا کہ تم میرے پیچھے آ جانا۔ وکذا فی الجلالین۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

ف: بحر میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی عجلت کی علت صرف ملاقات الٰہی تھی اور بس۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ فرعونیوں کی ہلاکت و تباہی کے بعد بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی کہ ہمیں آپ احکام شریعت کے احکام چاہئیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے استدعا کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ستر آدمی منتخب فرما کر کوہ طور پر آ جائیے تاکہ میں آپ کو احکام کی کتاب عطا فرماؤں۔ موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کو اپنا جانشین بنا کر قوم کے سربراہ ستر آدمی لے کر کوہ طور کی طرف چل پڑے اور فرمایا چالیس دنوں کے بعد کتاب لے کر آ جاؤں گا جب کوہ طور کے قریب پہنچے تو شوق ملاقات میں جلدی کرتے ہوئے ان ستر ہمراہیوں سے فرمایا کہ تم میرے پیچھے پیچھے آؤ جب کوہ طور پر چڑھنے لگے تو وہاں سے آواز آئی وما اعجلک عن قومک تجھے کونسا سبب پیش آیا کہ تجھے قوم سے پہلے لے آئی۔

ازالہ وہم

جب اللہ تعالیٰ جانتا تھا تو یہ سوال کیوں؟ اس کے جواب میں ہم وہی کہتے ہیں کہ وما تلک بیمینک یموسیٰ کی طرح استعلامی سوال ہے انکاری سوال نہیں جیسا کہ بعض لا ابالی مفسرین نے کہا۔

قَالَ هُمْ أُولَاءِ عَلَىٰ أَثَرِي عرض کی وہ میرے پیچھے اب بھی میرے بعد وہ لوگ مجھ سے جا ملیں گے۔ وَعَجِلْتُ اور میں اس سے سبقت کرکے جلدی کی۔ إِلَيْكَ تیری طرف۔ رَبِّ اے میرے پروردگار لِتَرْضَىٰ ○ کہ تجھے راضی کروں اور تیرے وعدہ کے ایفاء میں جلد بازی سے تو راضی ہو۔

آیات کے فوائد دونوں آیتیں مذکورہ میں مختلف معانی کی طرف اشارہ ہے۔

(۱) سیر الی اللہ میں جلد بازی کرنی چاہیے۔ اس معاملہ میں سستی اچھی نہیں اور یقین کرے کہ سیر الی اللہ میں عجلت بہتر امر ہے اور دنیا میں عجلت مذموم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ (اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی طرف جلد بازی کرو)۔

اسی لیے طلب الٰہی میں عجلت ضروری ہے۔

مثنوی شریف میں ہے۔

۱ - گر گراں و گر شتابندہ بود
آنکہ جویندہ است یابندہ بود

۲ - در طلب زن دائماً تو ہر دو دست
کہ طلب در راہ نیکو رہبر است

ترجمہ ① اگرچہ آہستہ چلنے والا ہو یا تیز چلنے والا ہو، بالآخر طلب کرنے والا مقصد حاصل کر لیتا ہے۔

② طلب میں ہاتھ پاؤں مارتے جاؤ، اس لیے کہ طلب بہترین رہبر ہے۔

اور عادت ہے کہ ہجر اور اپنے اوقات سے وابستہ ہیں اس لیے فرمایا ؎

چو صبح وصل او خواہد دمیدن عاقبت جامی
ز درد غم گر شب ہجراں بپایاں دیر می آید

ترجمہ ؛ اے جامی جب اس کے وصال کی صبح یقینی ہے تو غم نہ کھا اگر شب ہجر انتہا کو دیر سے پہنچتی ہے۔

③ میراں اللہ میں کسی وجہ سے دیر سے دیکھئے موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کا انتظار کیے بغیر جلدی سے کوہ طور پر پہنچ گئے۔

حکایت مجنوں : منقول ہے کہ مجنوں عامری نے اونٹنی کو راستے میں چھوڑ دیا جب دیکھا کہ وہ لیلیٰ تک پہنچنے میں دیر کر رہی ہے اور سر کے بل چلنے لگا۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

۱ - راہ نزدیک و بماندم سخت دیر
سیر گشتم زیں سواری سیر سیر

۲ - سرنگوں خود را ز اشتر در فگند
گفت سوزیدم ز غم تا چند چند

۳ - تنگ شد بر وی بیاباں فراخ
خویشتن افگند اندر سنگلاخ

۴ - چوں چناں افگند خود را سوی پست
از قضا آں لحظہ پایش ہم شکست

۵ - پای را بربست و گفتا گو شوم
در خم چوگانش غلطاں می روم

عشق مولیٰ کی کم از لیلیٰ بود ۶ ـ
گوی گشتن بہر او اولیٰ بود

گوی شو می گرد بر پہلوی صدق ۷ ـ
غلط غلطاں در خم چوگان عشق

ترجمہ: ① زندگی دراز کے باوجود تو حال میں اپنے محبوب کے وصال تک نہیں پہنچ سکا اتنی دیر میں جلدی سے لگا دی۔

② مرکب کو گردش سے اور عشق کو چھوڑ دیا اور کہا کہ تم زنجیر میں کب تک جلتا رہوں گا۔

③ اس پر بیابان سخت تنگ ہو گیا اگرچہ فراخ تھا اس لیے اپنے آپ کو زمین پر دے مارا۔

④ جب اس نے اپنے آپ کو نیچے گرا دیا تو اس کا پاؤں بھی ٹوٹ گیا۔

⑤ پاؤں پر پٹی باندھ کر کہا کہ مجھے مایوس ہو کر بیٹھنے کی بجائے جلدی سے جانا چاہیئے۔

⑥ مولا کا عشق لیلیٰ سے کیا کم ہے۔ اس کی گلی کا چکر لگانا بہتر ہے۔

⑦ اس کی گلی میں صدق دل سے چکر لگانا چاہئیں جیسے گیند ڈنڈے کے ہاتھ سے غلطاں ہوتی ہے ایسے ہی عشق کے ڈنڈے میں ایسے ہی گھومنا چاہیئے۔

③ میرا یہاں قصد میں نیت خاص یہ ہوتا ہے صرف اس کی طلب کا ارادہ ہو غیر کا قصد نہیں ہو جیسے موسیٰ علیہ السلام نے کہا وعجلت الیک رب لترضیٰ اس سے واضح ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کا ارادہ صرف ذات الٰہی کا تھا۔

حضرت کمال خجندی نے فرمایا ـــ

سالک پاک رو نخوانندش
آنکہ از ماسوی منزہ نیست

ترجمہ: اسے پاکباز سالک نہیں کہا جا سکتا جو ماسویٰ سے بچا ہوا نہیں۔

④ سالک پر لازم ہے کہ وہ حضرت اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہو اسے اپنی نفسانیت کا مطلقاً تصور نہ ہو۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا (وعجلت الیک رب لترضیٰ) (کذا فی التاویلات النجمیہ)۔

تفسیر عالمانہ قَالَ: یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ تو ہم نے تمہارے بعد تمہاری قوم کو آزمائش میں ڈال دیا ہے جب تم اپنے شہر سے نکلے تو تمہاری برادری کو ہم نے ایمان کے راستے میں آزمایا وہ اس طرح کہ ہم نے بچھڑا بنا دیا تو وہ اس کو پوجنے لگ گئے۔

ف: موسیٰ علیہ السلام جاتے وقت ساحل دریا پر ہارون علیہ السلام کے ماتحت چھ لاکھ بنی اسرائیل کو چھوڑ گئے تھے یہ سب بچھڑے کی پوجا میں مبتلا ہو گئے سوائے ان میں سے بارہ ہزار بچ گئے۔

ف: موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جاتے وقت تم نے ہارون علیہ السلام سے کہا: اخلفنی فی قومی کہا مجھے بھول گئے کہ بجائے میرے ہارون علیہ السلام پر اعتماد کیا[1]

ف: اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے امور میں آزمائش ہی آزمائش ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان البلاء موکل بالانبیاء ثم الامثل فالامثل بے شک آزمائش انبیاء علیہم السلام کے لیے مقرر ہے۔ اس کے بعد جو مقرب ہوگا اتنی ہی آزمائش ہوگی۔

نکتہ: اللہ والوں کے لیے آزمائش ایسے ہے جیسے سونے کے لیے آگ۔

ف: آزمائش نبی علیہ السلام کے امتی یا شیخ کے مرید سے ہوتی ہے جنہیں ان حضرات سے قرب حاصل ہوگا لیکن اس وقت جب وہ ان کی صحبت سے دور ہوں جیسے فانا قد فتنا قومک من بعدک سے معلوم ہوتا ہے یعنی اے موسیٰ علیہ السلام ہم نے ان کو آزمائش میں اس وقت ڈالا جب آپ ان کو چھوڑ کر آئے اس لیے کہ سایۂ قرب کا تقاضا ہے جب دور ہو تو ہر تکلیف میں وقایہ ہوتا ہے جب قرب یا صحبت نہ رہی تو ان کا شکار ہو جاتا ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

قطع این مرحلہ بے ہمرہی خضر مکن
ظلمات است بترس از خطر گمراہی

ترجمہ: اس منزل کو طے کرنا رہبر کے بغیر خیال میں نہ لا کیونکہ یہاں بڑے خطرے ہیں اس لیے گم ہو جانے کے خطرے سے ڈرو۔

بنی اسرائیل کی غلط فہمی بنی اسرائیل کو موسیٰ علیہ السلام نے چالیس دن کے بعد واپسی کا وعدہ کر کے تشریف لے گئے تو بنی اسرائیل دن رات کو ملا کر بیس ہی دن سمجھے کہ وعدہ ختم ہو گیا لیکن موسیٰ علیہ السلام کی واپسی کا نام و نشان تک نہیں اس سے سامری کو گمراہ کرنے کا موقع مل گیا۔ چنانچہ فرمایا:

وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِیُّ ۝ انہیں سامری نے گمراہ کیا یعنی گمراہی آزمائش اور بچھڑے کی پرستش کا اصلی محرک و موجب یہی تھا۔

نکتہ: اضلال کو سامری کی طرف اور فتنہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے میں اشارہ ہے کہ ان کی گمراہی کا سبب سامری کی دعوت و تحریک تھی اور فعل کا اسناد قدرت و ارادہ و تخلیق حق سے تھا اسی لیے اضلال کو کبھی اسباب کی طرف اور کبھی مسببات کی طرف منسوب کیا

---

[1] یہ انبیاء علیہم السلام کی ترقی قرب کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے ظاہری اسباب پر اعتماد بھی گوارا نہیں فرمایا ورنہ ظاہری اسباب کو عمل میں لانا مسلمہ ہے لیکن خاص لوگوں کے لیے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ حسنات الابرار سیئات المقربین۔ (اویسی غفرلہ)

جاتا ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے ان کی آزمائش کو موسیٰ علیہ السلام کے فوراً بعد جانے کو کیوں بیان فرمایا جب کہ اس کا وقوع تو آپ کے بیس دن بعد ہوا تھا جیسے ابھی گزرا؟

جواب ①: اللہ تعالیٰ نے اپنے علم و مشیت کی بنا پر فرمایا جو عنقریب وقوع پذیر ہونے والی تھی موسیٰ علیہ السلام کو اس کی خبر قبل از وقت دے دی گئی۔

جواب ②: سامری نے اس فتنے کا آغاز موسیٰ علیہ السلام کے تشریف لے جانے کے فوراً بعد کر دیا تھا اسی معنے پر فتنہ و آزمائش خبر دینے کے وقت گویا واقع ہو گئی۔

سامری کا تعارف سامری عظمائے بنی اسرائیل سے ایک شخص تھا از قبیلہ سامرہ یا اہل کرمان میں سے تھا جو گاؤ پرست تھے وہ بنی اسرائیل میں آ کر مسلمان ہو گیا لیکن اس کے دل میں گاؤ پرستی کی محبت پیوست تھی۔ اسی لیے بنی اسرائیل کو پرستش میں مبتلا کیا۔ گائے کے بچھڑے میں آواز کا سبب جبریل علیہ السلام کی گھوڑی بنام حیزوم کے سموں کے نیچے کی مٹی ہے اس نے پگھلے ہوئے سونے میں ڈالا تو وہ بچھڑا بولنے لگا اور یہ سامری کو اسے شیطان نے بتائی۔

جبریل علیہ السلام کی گھوڑی کے سموں کی مٹی کا واقعہ

کاشفی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ صحیح تر یہ ہے کہ سامری بھی بنی اسرائیل کا ایک فرد تھا اس لیے کہ جب فرعون بنی اسرائیل کے لڑکوں کو ذبح کرتا تھا یہ اسی سال پیدا ہوا لیکن اس کی ماں نے اسے جنگل کے ایک جزیرہ میں ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ نے جبریل کو فرمایا کہ اس کی حفاظت کریں۔ جب یہ بالغ ہو گیا اور یہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاں حاضر ہوا۔ جب موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر تشریف لے گئے اور ان کا کہنا ایک خلل میں چلا ہے جو ذکر کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ زیورات جو فرعونیوں سے لیے گئے تھے ان کی خرید و فروخت کرتے تھے ہارون علیہ السلام نے کہا کہ ان سے زیورات ہٹا دو کہ انہیں جمع کر کے ایک گڑھے میں دفنا کر دیے جائیں۔ چنانچہ زیورات جمع ہونے لگے۔ چونکہ سامری ایک چالاک شخص تھا اس نے اس پگھلے ہوئے سونے سے بچھڑا تیار کر لیا۔ پھر جبریل علیہ السلام کی گھوڑی (جو قرین الحیاۃ ہے) کے پاؤں کے نیچے سے تھوڑی سی مٹی لے کر اس کے پیٹ میں ڈالی تو وہ فوراً زندہ ہو گیا اس پر گوشت پوست بھی پیدا ہوا اور وہ آواز نکالنے لگا۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ زندہ نہ ہوا صرف اس سے ایک قسم کی آواز نکلتی تھی۔ چنانچہ بنی اسرائیل چالیس ہزار آدمی بچھڑے کو سجدہ کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اطلاع دی کہ تمہارے طور پر جانے کے بعد تمہاری قوم بچھڑے کی پرستش میں مبتلا ہو گئی۔

فَرَجَعَ مُوسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ: پھر موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی طرف لوٹے جب آپ کے چالیس دن پورے ہو گئے وہ ذی قعدہ کا کل اور ذوالحجہ کے دس روز تھے۔ اور وہ تختیاں ساتھ لائے جن میں تورات لکھی ہوئی تھی۔ اس کی ایک ہزار سورتیں اور ہر ایک سورت ایک ہزار آیت پر مشتمل تھی جس کا بوجھ ستر اونٹ اٹھاتے تھے۔ غَضْبَانَ: درآنحالیکہ غضبناک اور پریشان۔ اَسِفًا: ان کے کرتوت سے غمگین تھے ان کے اس فعل یعنی بچھڑے کی عبادت پر موسیٰ علیہ السلام غضبناک ہوئے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اچانک موت کے بارے میں فرمایا:

رحمۃ للمؤمنین و اسف للکافرین یہ اہل ایمان کے لیے رحمت اور کفار کے لیے سخت ترین غضب الٰہی ہے۔

حدیث شریف مذکورہ میں اسیف اسی اسف سے ہے۔

امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حزن و غضب ہر دونوں کے یک وقت کے وقوع کو اسف کہتے ہیں اور کبھی ہر ایک کے لیے علیحدہ علیحدہ مستقل ہے۔

ف: حضرت کاشفی نے لکھا کہ جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ہاں تشریف لائے تو انہیں دیکھا کہ وہ بچھڑے کے ارد گرد دف بجاتے اور رقص کرتے تھے آپ نے غصے سے انہیں جھڑکتے ہوئے کہا:

قَالَ فرمایا: **یٰقَوْمِ** اے میری قوم، **اَلَمْ یَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا** کیا تمہارے پروردگار نے تمہارے ساتھ اچھا وعدہ نہیں کیا تھا یعنی اس نے فرمایا کہ میں تمہیں تورات عطا کروں گا جس میں نور و ہدایت ہے اور یہ ایسا سچا وعدہ تھا کہ جس سے تمہیں انکار ہو ہی نہیں سکتا۔

ف: بحر العلوم میں لکھا ہے کہ وعدا حسنا سے حسن میں انتہا کو پہنچنے والا وعدہ ہے کیونکہ بنی اسرائیل سے وعدہ کیا کہ میں تمہیں تورات عطا فرماؤں گا جس میں نور و ہدایت ہے اور یہ ایسا وعدہ ہے کہ اس سے احسن و اجمل اور کوئی وعدہ نہیں ہو سکتا۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ بسا اوقات وعدہ الٰہی آزمائش و فتنہ کا سبب بن جاتا ہے جیسے بنی اسرائیل سے وعدہ فرمایا کہ انہیں تورات عطا فرمائے گا جس میں ہدایت و نور ہوگا لیکن ایفائے عہد کے بعد انہیں گمراہی اور گوسالہ پرستی میں مبتلا فرمایا۔ ہاں کے جس میں حسن کی صفت ہو اس سے یقین ہو گا کہ اس کا انجام نیک ہو گا۔ چنانچہ بنی اسرائیل کو بالآخر توبہ نجات اور رفع درجات نصیب ہو گئے۔

اَفَطَالَ عَلَیْكُمُ الْعَهْدُ فاء مقدر پر عطف کی وجہ سے ہے اور ہمزہ ملامت کے انکار کے لیے ہے اور اس سے ملامت کی نفی مقصود ہے۔ دراصل عبارت یوں ہے:

اوعدکم ذالک فطال... الخ یعنی کیا اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ اس کا وعدہ کیا تو کیا ایفائے عہد کا زمانہ طویل ہو گیا تھا جس کی وجہ سے تم غفلت کا شکار ہو گئے۔

ف: جلالین شریف میں ہے کہ اس سے موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے اپنی مفارقت کی مدت کے متعلق فرما رہے ہیں مثلاً اہل عرب کہتے ہیں

"طال عہدی بک"

اس سے یہ مراد ہوتی ہے:

طال زمانی بسبب مفارقتی (میری ملاقات سے مدت طویل ہو گئی)۔

اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ یَّحِلَّ یا تمہارا ارادہ تھا کہ لازم ہو جائے۔ یحل بمعنی یجب ہے۔ جیسے ہم نے پہلے لکھا ہے۔

عَلَيْكُمْ غَضَبٌ تمہارے اوپر غضب یعنی بڑا عذاب اور انتقام شدید۔ **مِّن رَّبِّكُمْ** تمہارے پروردگار کی طرف سے یعنی تمہارے تمام امور کے مالک علی الاطلاق کی طرف سے بسبب اس کے پرستش میں مبتلا ہونے کے جو حماقت و ناواقفی میں ضرب المثل ہے یعنی بچھڑا۔ **فَأَخْلَفْتُم مَّوْعِدِي ۝** تم نے میرے وعدے کے خلاف کیا جب کہ تم میرے ساتھ معاہدہ کر چکے تھے کہ میری واپسی تک میرے فرمان پر ثابت قدم رہو گے۔

ف: موعدی میں مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے اور فاء اپنے مابعد کی ترتیب کے لیے ہے کہ دونوں چیزوں کی عجیب ایمان تمہارا ہے یعنی گویا فرمایا کیا تم نے میری مدت کو طول سمجھ کر وعدہ کو بھلا بیٹھے اسی لیے خلاف کا ارتکاب کر کے خلاف کیا یا تمہارا یہ ارادہ تھا کہ تم پر غضب الٰہی واجب ہو جائے اسی لیے تم نے عمداً اس کا ارتکاب کیا۔

قَالُوا مَا أَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ انہوں نے کہا کہ ہم نے آپ کے وعدہ یعنی حکم پر ثابت قدمی کا خلاف نہیں کیا **بِمَلْكِنَا** اپنی قدرت اور اختیارات سے لیکن ہم پر سامری کا اثر و فریب اور اس کی دھوکہ بازی سے کہ انسان جب کسی فتنہ آزمائش میں مبتلا ہوتا ہے تو وہ اپنے اختیار میں نہیں رہتا بلکہ وہ مغلوب ہو کر غلطی کر لیتا ہے۔ ملک بمعنی قدرت۔ **وَلَٰكِنَّا حُمِّلْنَا أَوْزَارًا مِّن زِينَةِ الْقَوْمِ**۔ الوزر بالکسر بمعنی ثقل یعنی بوجھ اس سے قبطیوں کے وہ زیورات مراد ہیں جو انہوں نے گھروں سے نکلتے وقت قبطیوں سے شادی پر پہننے کے لیے استعارۃً لیے تھے۔ **فَقَذَفْنَاهَا** ہم نے انہیں آگ میں پھینک دیا تاکہ غیر کی ملک کے تصرف کے گناہ سے بچ جائیں۔ **فَكَذَٰلِكَ** اسی طرح **أَلْقَى السَّامِرِيُّ ۝** سامری نے بھی کافی زیورات آگ میں پھینک دیے تاکہ سب کو یقین ہو کہ وہ بھی اسی طرح ہے یعنی اس نے زیورات آگ میں ڈال دیے ہیں حالانکہ اس نے تو وہ مٹی آگ میں پھینکی تھی جو جبریل علیہ السلام کی گھوڑی کے پاؤں کے نیچے سے اٹھائی تھی اور مٹی کی تاثیر تھی کہ اسے جب آگ میں ڈالا جاتا تو وہ اس کی ہیئت تبدیل کر دیتی تھی اور یہ ایک کرامت تھی جو اللہ تعالیٰ نے روح القدس کو عطا فرمائی تھی۔

فَأَخْرَجَ لَهُمْ تو سامری نے اس مٹی کے سبب سے بنی اسرائیل کے لیے نکالا **عِجْلًا** بچھڑا یعنی ان پگھلے ہوئے زیورات سے۔ **جَسَدًا** یہ عجلاً سے بدل ہے یعنی ایک جسم مطلق یا وہ جسم کہ جس میں خون اور گوشت تھا یا وہ سونے کا بچھڑا جس میں روح نہ تھی۔

ف: کرامت سے ایسا امر صادر ہونا ممتنع نہیں بلکہ اسے استدراج سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

لَّهُ خُوَارٌ عجلاً کی صفت ہے اور یہ خوار العجل خوار سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب بچھڑا آواز دیتا ہے جونہی بنی اسرائیل نے بچھڑے سے ایسی آواز سنی تو سجدہ میں گر گئے۔ **فَقَالُوا** یعنی سامری اور اس کے ساتھ بنی اسرائیل جنہوں نے بچھڑے کی سب سے پہلے کیفیت دیکھی تو کہا **هَٰذَا** یہ بچھڑا **إِلَٰهُكُمْ وَإِلَٰهُ مُوسَىٰ فَنَسِيَ** تمہارا اور موسیٰ علیہ السلام کا معبود ہے لیکن وہ اس کو بھول گیا کہ تو یہاں ہے اور وہ اسے کوہ طور پر ڈھونڈنے چلا گیا۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے سامری کی گمراہی کی حکایت کا تذکرہ فرمایا تاکہ اس کے بعض کی تفسیر کی تاکید ہو اس کے بعد اس پر ملامت کر کے قریب فرمایا گیا

اور قائلین کی طرف سے نہیں ورنہ فاسد ہو جاتا۔

ف : اس میں شک نہیں کہ اسے اللہ تعالیٰ نے ان سے آزمائش و ابتلا کے طور پر بچھڑے کو پیدا فرمایا تاکہ سچے پکے اور کھوٹوں کے درمیان امتیاز ہو اور اس سے عجیب تر انہیں کی تخلیق ہے کہ دنیا بھر کے سچے اور پکے انسانوں کی آزمائش کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

أَفَلَا يَرَوْنَ ۔ ہمزہ فعل محذوف کے لیے ہے اور مقام کا تقاضا یہی ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی :

الا يتفكرون فلا يعلمون ۔ (تفکر نہیں کرتے تو اس لیے وہ کچھ نہیں جانتے۔)

ان مخففہ من المثقلہ ہے۔

أَلَّا يَرْجِعُ ۔ یہ کہ بچھڑا نہیں لوٹاتا ۔ **إِلَيْهِمْ** ان کی طرف ۔ **قَوْلًا** کوئی بات اور نہ ہی انہیں کسی سوال کا جواب دیتا ہے یعنی یہ جب اس کے ساتھ بات کرتے ہیں تو وہ انہیں کوئی جواب نہیں دیتا پھر انہیں کیسے وہم ہوا کہ یہ معبود ہے۔ لا یرجع الرجع سے ہے بمعنی اعادہ یہ رجوع سے نہیں کیونکہ رجوع فعل لازم ہے بمعنی العود۔ **وَلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَ نَفْعًا** ۔ اور نہ وہ قدرت رکھتا ہے کہ وہ ان سے نقصان دور کرے یا انہیں نفع پہنچائے۔

تفسیر صوفیانہ : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی شے کے متعلق قضا و قدر لازم کرتا ہے تو باوجودیکہ مشاہدہ آیات و معائنہ معجزات سے سرفراز ہو چکے ہوتے ہیں لیکن ان سے وہ قوت سلب ہو جاتی ہے حواس ختم اور آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں۔ اسی لیے فرمایا افلا یرون کہ وہ بچھڑے اور اس کے ہم گروہ دیکھتے تھے ان لا یرجع الیھم قولا انہیں کسی بات کا جواب دے سکتا تھا۔ و لا یملک لھم ضرا و لا نفعا اور نہ ہی ان سے نفع دور کر سکتا تھا اور نہ ہی کسی قسم کا نقصان دے سکتا تھا۔

فوائد : آیات سے چند فوائد حاصل ہوئے :

① اللہ تعالیٰ کے لیے غضب ہونا۔ انسان کامل کی فطری علامت ہے کیونکہ وہ حضرت الٰہیہ کا آئینہ ہوتا ہے اور حضرت الٰہیہ میں غضب بھی ہے۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات کے لیے کبھی ناراض نہ ہوتے اور جب کسی پر ناراض ہوتے تو وہ غضب رب الٰہی سے پیدا ہوا کرتا تھا۔

ف : بعض بزرگان دین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے ناراض ہونے پر ناراض ہوتا ہے اور ان کی خوشی سے خوش ہوتا ہے اور ان نفوس قدسیہ کا غضب یعنی غضب حق اور ان کی رضا یعنی رضائے الٰہی ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ کسی بندۂ خدا کا غضب اللہ تعالیٰ کے غضب کا مظہر ہوتا ہے کیونکہ یہی حضرات اللہ تعالیٰ کی صفات کے مظہر ہیں جلال و جمال صفات کا ظہور ان سے ہی ہوتا ہے اسی لیے ان کا غضب عام انسانوں جیسا نہیں ہوتا۔

ف : حضرت عبداللہ انصاری نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ناراض ہونا ہماری طرح نہیں بلکہ اس کی ناراضگی اور رضا بلا مثال اشیاء کی ناراضگی و رضا

سے ظاہر ہوتی ہے کہ ان کا غضب و رضا میں غضب و رضائے حق ہے، اس کی تائید حدیث قدسی سے ہوتی ہے،

من اهان لی ولیا فقد بارزنی بالمحاربة — جو میرے کسی ولی کی اہانت کرتا ہے وہ مجھ سے جنگ کے لیے میرے مقابل ہوتا ہے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام کے طریقہ کو اپنائے کہ جب بھی کوئی برا امر دیکھے تو اللہ کے لیے ناراض ہو۔ ؎

کرت نہی منکر بر آید ز دست
نشاید چو بی دست و پایان نشست
چو دست و زبان را نماند مجال
بہمت نمایند مردے رجال

ترجمہ: ① جب تجھ سے گناہ مٹ سکتا ہو تو لنجا ہو کر مت بیٹھ۔

② جب ہاتھ اور زبان کی طاقت نہ رہ جائے تو پھر مرد ہمت سے کام لیتے ہیں۔

③ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب وہ خلاف نفس عمل ہے۔ طالب حق پر لازم ہے کہ وہ استقامت و ثبات پر التزام کرے۔

؎

از دم صبح ازل تا آخر شام ابد
دوستی و مہر بر یک عہد و یک میثاق بود

ترجمہ: صبح ازل سے شام ابد تک دوستی اور محبت ایک ہی عہد و میثاق پر ہو۔

ف: روح البیان میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ جو تمہارے پاس امید لے کر آئے اسے نا امید نہ کرنا اور جو تم سے پناہ مانگے اسے پناہ دینا۔

حکایت موسیٰ علیہ السلام کہیں جا رہے تھے کہ آپ کے کاندھے پر کبوتر پناہ گزیں ہوا اس کے پکڑنے کے لیے آپ کے دوسرے کاندھے پر باز بھی پہنچ گیا۔ کبوتر آپ کی آستین میں داخل ہو کر پناہ چاہتا تھا اور باز کو اللہ تعالیٰ نے بولنے کی طاقت دی۔ اس نے عرض کی کہ اے ابن عمران میں آپ سے بے مراد نہ جاؤں گا اور آپ میرے رزق کے درمیان حائل نہ ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے دل میں سوچا کہ اس میں میرا امتحان ہے اسی لیے باز سے کہا کہ بہت کبوتر نے پناہ مانگی ہے اس سے میرا وعدہ ہو گیا ہے، اس لیے معاف کیجئے۔ ہاں اگر تمہیں گوشت کی ضرورت ہے تو لیجئے یہ میری ران ہے اس سے گوشت لیجئے۔ باز اور کبوتر دونوں بول پڑے اور کہا کہ اے ابن عمران جلدی نہ کیجئے ہم دونوں اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں آپ کی آزمائش کے لیے آئے تھے۔

(بقیہ صفحہ نمبر)

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ

[illegible]

فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ۝ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا

[illegible]

مُوْسٰى ۝ قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ۙ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ اَفَعَصَيْتَ

[illegible]

اَمْرِيْ ۝ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ

[illegible]

فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ۝ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ۝

[illegible]

قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا

[illegible]

وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ۝ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ

[illegible]

لَا مِسَاسَ ۠ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ

[illegible]

عَلَيْهِ عَاكِفًا ۭ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ۝ اِنَّمَآ اِلٰـهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ

[illegible]

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝ كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ

[illegible]

مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ۝ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ

[illegible]

يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۭ وَسَاۗءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

[illegible]

حِمْلًا ۝ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا ۝ يَّتَخَافَتُوْنَ

[illegible]

بَيْنَهُمْ إِنْ لَّبِثْتُمْ إِلَّا عَشْرًا ۝ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ إِذْ يَقُولُ أَمْثَلُهُمْ

کہتے ہوں گے کہ تم دنیا میں نہ رہے مگر دس رات ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہیں گے جب کہ ان میں سب سے بہتر

طَرِيقَةً إِنْ لَّبِثْتُمْ إِلَّا يَوْمًا ۝

راستہ والا کہے گا کہ تم صرف ایک ہی دن رہے تھے

(بقیہ صفحہ ۸۰۲)

ايا سامعا ليس السماع بنافع
اذا انت لم تفعل فما انت سامع
اذا كنت في الدنيا عن الخير عاجزا
فما انت في يوم القيامة صانع

ترجمہ: اے سننے والے تجھے سننا فائدہ نہ دے گا جب تو عمل نہیں کرتا تو اس سننے کا کیا فائدہ جب تو دنیا میں کچھ نہیں کر سکتا تو پھر قیامت میں کیا کر سکے گا۔

(۳) متاعِ دنیا خود وفا و بقا کا سامان ہے؟ فرعون کو دیکھئے وہ کیسے دنیا کے ساز و سامان کے دھوکے سے چکنا چور ہوا اور سامری سے نصیحت حاصل کیجئے کہ وہ کیسے زیورات کے فریب سے اپنے آپ کو ذلیل و خوار کر بیٹھا ایسے ہی بنی اسرائیل اگر زیورات مصر سے نہ لاتے تو وہ بچھڑے کی پرستش میں مبتلا نہ ہوتے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنی جناب سے کامل ہدایت عطا فرمائے اور اپنے دروازے سے ہمیں محروم نہ فرمائے اور نہ ہمیں عذاب کے اسباب میں مبتلا فرمائے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ۔ ہمارا ہارون علیہ السلام نے نصیحت فرمائی اور حقیقت امر سے انہیں آگاہ کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کا انتظار کرو چنانچہ ان کے خطابات تھے: **يٰقَوْمِ** اے میری قوم، **اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ**۔ بے شک تم بچھڑے کی عبادت سے آزمائش کئے جا رہے ہو اور یہی تمہاری گمراہی کی یقینی دلیل ہے۔ ہم نے حصر لفظ انما سے سمجھا ہے جب کہ قوم نے اپنے غلطی میں اپنی جہالت پر حصر کی اس سے کسی اور دلیل کو حصر کے لیے نہیں بتایا جا سکتا۔ اس کا مفہوم ہوگا کہ تم بچھڑے کی پرستش میں مصروف نہیں

ہو گئے بلکہ تمہاری ہدایت ممکن ہے اور تمہارا گمراہ ہونا صرف بچھڑے کی پرستش میں محصور نہیں بلکہ تمہارا گمراہ ہونا دوسری وجہ سے بھی ہو سکتا ہے۔ وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ ، بے شک عبادت کا مستحق صرف رب رحمٰن ہی ہے کیونکہ وہی بلا قتوں کا منعم ہے۔ یہ بچھڑا پرستش کے لائق ہے ہی نہیں۔ لفظ رحمٰن میں اشارہ فرمایا کہ اگر تم اس غلطی سے توبہ کرو گے وہ تمہاری توبہ بھی قبول کرے گا۔ اے میری قوم! جب معاملہ یونہی ہے تو فَاتَّبِعُوْنِیْ تو دین کے معاملہ میں میری اتباع کرو۔ وَأَطِيْعُوْٓا أَمْرِيْ اور میرے حکم کی اطاعت کرو اور بچھڑے کی پرستش چھوڑ دو۔

ف: ہارون علیہ السلام کی پند و نصیحت میں کیسی بہترین ترتیب ہے کہ پہلے باطل سے اجتناب کے لیے انما فتنتم بہ سے زجر و توبیخ فرمائی۔ اور اس سے ان کے شبہات کا ازالہ فرمایا یہ ایسے ہے کہ جیسے پہلے راستے سے کانٹے وغیرہ دور کیے جاتے ہیں پھر راستہ آسانی سے طے کیا جاتا ہے ایسے ہی ہارون علیہ السلام نے کیا ان کے دل کے کانٹے دور کر کے پھر دعوت حق پیش کی اور عرفان الٰہی سے آگاہ فرمایا۔

کما قال:

وان ربکم الرحمٰن فاتبعونی

پھر انہیں احکام شریعت کا پیغام دیا:

واطیعوا امری۔

ف: اس وعظ ہارون میں ان کی آپ اپنی ذات کے لیے بھی شفقت ہے اور قوم کے لیے بھی اپنے لیے تو یہی معنی ہے کہ وہ جو اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر مامور تھے بجا لائے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نیابت: اخلفنی فی قومی واصلح ولا تتبع سبیل المفسدین، پر بھی اترے اگر وہ یہ حکم بجا نہ لاتے تو اللہ تعالیٰ اور موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت ہوتی اور وہ ناجائز ہے۔

یوشع علیہ السلام کی وحی اللہ تعالیٰ نے یوشع علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ میں تیری قوم سے نیک لوگوں کی چالیس ہزار کی جماعت کو تباہ و برباد کرنے والا ہوں اور ساٹھ ہزار برے لوگ بھی برباد اور تباہ ہوں گے۔ یوشع علیہ السلام نے عرض کی کہ برے لوگ تو سزا و عذاب کے مستحق ہوتے ہیں ان کی تباہی و بربادی بجا لیکن نیک لوگوں کی تباہی و بربادی کیوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ اس لیے کہ نیک لوگ میری وجہ سے بروں سے ناراض نہ ہوتے

حدیث شریف: محبت و شفقت اور رحم دلی اور پیار میں مسلمان آپس میں ایک جسم کی طرح ہیں جب جسم کا ایک عضو درد محسوس کرتا ہے تو سارا جسم ساری رات بے قرار اور بے آرام رہتا ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا

بنی آدم اعضائے یکدیگرند
کہ در آفرینش زیک گوہرند
چو عضوے بدرد آورد روزگار
دگر عضوہا را نماند قرار
تو کز محنت دیگراں بے غمے
نشاید کہ نامت نہند آدمی

ترجمہ: ① بنی آدم آپس میں ایک دوسرے کے اعضاء ہیں اس لیے کہ تخلیق میں ایک جوہر ہے ۔
② جب زمانہ کی گرفت سے کسی عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو دوسرے اعضا کو قرار نہیں رہتا ۔
③ جب کہ تو دوسروں کی تکلیف سے بےفکر ہے پھر تجھے آدمی نہیں کہنا چاہیئے ۔

ہارون علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ لوگ جبر کے کنارے کھڑے ہیں تو پھر انھیں حق کی بات صاف صاف بتادی نہ قوم کی کثرت سے خائف ہوئے اور نہ ہی ان کی نفرت سے ۔

ـــ

بگوی آنچہ دانی سخن سودمند
دگر ہیچ کس را نیاید پسند
کہ فردا پشیماں بر آرد خروش
کہ آوخ چرا حق نکردم بگوش

ترجمہ: ① جو بات تجھے حق نظر آتی ہو اسے کہہ ڈال اگرچہ کسی کو ناپسند ہو ۔
② کل قیامت سے پریشان حال فریاد کرے گا کہ افسوس کہ میں نے حق بات کو قبول نہ کیا ۔

ردِّ رافضہ

شیعہ حدیث "انت منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ" یعنی علی رضی اللہ عنہ تم میرے لیے ایسے ہی ہو جیسے ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے لیے تو اسے زوردار دلائل سے سمجھتے ہیں حالانکہ اسی حدیث سے ان کی تردید ہوتی ہے وہ اس طرح کہ ہارون علیہ السلام نے تو تقیہ نہ کیا بلکہ بھرے مجمع میں منبر پر حق کا حکم کھلا بیان کر دیا اور فرمایا کہ اس وقت تمہیں صرف میری متابعت ضروری ہے ۔ ایسے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ لوگ گمراہی میں جا رہے ہیں کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی اتباع کر رہے ہیں تو ان کا فرض تھا کہ کھلم کھلا کہہ دیتے کہ لوگو! تمہیں میری متابعت ضروری ہے ان کا اس موقع پر تقیہ کرنا مناسب نہ تھا لیکن وہ حضرت ابوبکر ، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی خلافت کے دوران میں خاموش رہے تو معلوم ہوا کہ وہ ان کی خلافت کو حق سمجھتے تھے ۔ (مترجم)

دوسرا رد

باحادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان بے دینوں کو قتل کر دیا جنھوں نے آپ کے لیے الوہیت کا دعویٰ کیا اگر تقیہ جائز سمجھتے ہوتے تو وہاں بھی خاموشی اختیار کرتے ورنہ پھر ماننا پڑے گا کہ خلافت اصحاب ثلاثہ ان کے نزدیک باطل نہیں بلکہ حق تھی ورنہ ان کے ساتھ بھی جنگ کرتے۔

قَالُوْا بنی اسرائیل نے ہارون علیہ السلام کے جواب میں کہا کہ **لَنْ نَّبْرَحَ** ہم بچھڑے کو اور اس کی پرستش کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔ **عٰكِفِيْنَ** اس کی پرستش پر ہم ہمیشہ قائم رہیں گے۔

ف امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ العکوف علی سبیل التعظیم کسی شے کی طرف متوجہ ہونا اور اس کے ساتھ مقیم رہنا۔

ف تفسیر کبیر میں ہے کہ وہ بنی اسرائیل پر یہ اس رحمت تھی کہ انھیں فرعون کے عذاب سے نجات دلائی اور پھر اپنی جہالت سے تعبیہ گویا اللہ تعالیٰ کا انکار کیا چنانچہ کہا : لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ۔

حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ۝ یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لائیں۔ اے ہارون! ہمیں آپ کی دلیل قبول نہیں ہاں موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لا کر اگر مانع ہوئے تو ہم ان کی بات مان جائیں گے۔

ف الارشاد میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی واپسی کو بچھڑے پر عکوف کی غایت بتائی لیکن وہ بھی بطریق وعدہ نہیں بلکہ بطریق تعلل و تسویف تھا لیے انھیں ان کو گمان تھا کہ موسیٰ علیہ السلام واپس ہو کر سامری کے خلاف نہیں کریں گے اسی لیے ہارون علیہ السلام کی بات کاٹ کر موسیٰ علیہ السلام کی واپسی تک بچھڑا پرستی کا کہا۔

ہارون علیہ السلام کا بائیکاٹ کرنا

جب ہارون علیہ السلام نے دیکھا کہ بنی اسرائیل ان کا فرمان نہیں مانتے تو وہ اپنے ماننے والوں کو علیحدہ کر کے عبادت حق میں مشغول ہو گئے اور وہ بارہ ہزار افراد تھے جنھوں نے بچھڑا پرستی نہ کی۔

ف جب موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لاتے تو ہیں کے وقت بچھڑے اور بنی اسرائیل کا اس کے اردگرد رقص کرنے کی آواز سنی تو اپنے ستر ساتھیوں سے فرمایا کہ یہ فتنہ و شرارت کی آواز معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ انھیں ویسا ہی پایا انھوں نے وہی کیا جو پہلے بیان ہوا۔

ف تاویلات نجمیہ میں ہے کہ بنی اسرائیل نے ہارون علیہ السلام کا فرمان سنا ان سنا کر دیا وہ اس لیے کہ ان میں سمع حقیقی مفقود تھی اسی لیے کہہ دیا : لَنْ نَّبْرَحَ ....الخ

فائدہ صوفیانہ : اس سے معلوم ہوا کہ مرید جب کسی شیخ کامل و اصل کی خدمت میں رہنے کی سعادت سے مشرف ہوا اور اس

ف : یہ اضافہ از اویسی غفرلہ۔

کی صحبت کے فیض و برکات سے حاصل ہو پیر ہی کے ارشادات اور اوامر و نواہی کے مطابق پورا اترتا ہے تو اس کی ولایت کی برکت سے وہ مرید بینا و بصیر ہو جاتا ہے یعنی شیخ کے نور ولایت کی وجہ سے وہ اسرار و معانی کو دیکھتا سنتا ہے حالانکہ اس سے قبل وہ ان اسرار و رموز سے بالکل ناآشنا تھا اس کے بعد اگر وہ شیخ کی صحبت سے قبل از تکمیل جدا ہو جاتا ہے تو پھر نور ولایت سے محرومی کی وجہ سے پہلے کی طرح بدستور اندھا اور بہرا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ پھر اسے شیخ کی صحبت نصیب ہو تو اس کے نور ولایت سے منور ہو کر اسرار و معانی کو دیکھنے لگے گا ۔

قَالَ یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے گویا کسی نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام نے واپسی پر ہارون علیہ السلام کو کیا فرمایا تو اس کے جواب میں کہا کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب قوم کو بگڑا ہوا دیکھا اور ہارون علیہ السلام کی قوم سے جواب انکاری کو خاموشی ہو دیکھے تو موسیٰ علیہ السلام نے غصے سے ہارون علیہ السلام کو داڑھی اور سر کے بالوں سے پکڑا ۔ اس لیے کہ ہارون علیہ السلام ایسے بااثر واسطے تھے اور فرمایا : **يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا** ○ اے ہارون! جب آپ نے دیکھا کہ وہ بچھڑے کی پرستش سے سیدھے راستے سے بھٹک کر راہ توحید الٰہی سے دور ہو گئے اور تیرے سامنے مکابرہ اور بڑے مقابلے کے مرتکب ہوئے ۔

اَلَّا تَتَّبِعَنِ ط لا زائدہ اور منعک کا مفعول ثانی اور اذ کا عامل ہے۔ اب معنیٰ ہوا کہ جب تو انہیں گمراہی میں پھنستا دیکھ رہا تھا تو پھر تجھے کس شے نے میری پیروی سے روکا کیا تمہیں معلوم تھا کہ ان کا یہ ارتکاب غضب الٰہی کا موجب ہے اور یہ بھی تمہیں معلوم تھا کہ ان کا یہ عمل کفر ہے اور کافروں سے جنگ کرنا فرض ہے جس وقت یہ بچھڑے کی پرستش میں مبتلا ہوئے تو اگر تمہیں مقابلہ کی طاقت نہ تھی تو کم از کم مجھے آکر اطلاع کرتے تو فوراً واپس آ جاتا اور انہیں سمجھاتا اور اس طرح یہ لوگ بدبختی سے بچ جاتے ۔

ف دوسری ترکیب میں لا زائدہ ہے۔ بعض نحویوں کے نزدیک لا زائدہ نہیں ،

اب منعک مجازاً بمعنی دعاک ہے ۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ تمہیں کس شے نے ابھارا کہ تو نے میری اتباع چھوڑ دی، تمہیں غضب الٰہی یاد نہ رہا اور نہ ہی تمہیں میری ہیبت کا تصور رہا۔

جیسے مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ ... الخ میں لا زائدہ و غیر زائدہ کی دو ترکیبیں ہیں۔ یہاں بھی ایسے ہی ہے ۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر پہنچ کر بحر شواہد حق میں مستغرق ہو گئے انہیں بغیر حق کے نظر ہی نہیں آتا تھا۔ اس کے درمیان میں حجابات و وسائط بالکل اٹھ گئے تھے ۔

اسی لیے انہیں اللہ تعالیٰ نے فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ فرما کر ماتحت کی طرف متوجہ فرمایا اور چونکہ وہ اس وقت قریب حق میں تھے انہیں ماسوائے اللہ کے کچھ منظور نہ تھا اسی لیے کہ دیا

ان هي الا فتنتك ۔

یہاں آزمائش و ابتلاء کو ذات حق کی طرف منسوب فرمایا اس لیے کہ حقیقت کی حقانیت و رعایت ضروری تھی لیکن یہ خود حقیقت شریعت کے نقش قدم پر چلنے سے میسر آتا ہے اسی لیے ہارون علیہ السلام کو فرمایا ۔

أَفَعَصَيْتَ أَمْرِي ○ ! وہ جو کہ میں امر دین کو پختہ اور مضبوط کر گیا تھا اور گویا اس پر مضبوط دیوار کھینچ گیا لیکن تو نے قوم کی طرح میرے خلاف کیا اور اللہ تعالٰی کے حکم کی پاسداری بھی نہ کی ۔

استفہام میں امر الٰہی و امر موسوی ہر دونوں کو مستلزم ہے اس لیے کہ خلیفہ وہی ہو سکتا ہے جو مستخلف کے جملہ امور کو پورے طور پر ادا کر سکے ۔ ہمزہ انکار توبیخ کے لیے ہے اور فاء عاطفہ ہے اس کا عطف فعل مقدر پر ہے جیسا کہ مقام موضع کا تقاضا ہے یعنی تو نے میری مخالفت کر کے میری نافرمانی کر ڈالی ۔

قَالَ يَبْنَؤُمَّ ۔ ام ، اب کے بالمقابل ہوتی ہے یعنی والدہ جس سے یہ پیدا ہوا لیکن عام اطلاق ام قریبہ کے لیے ہوتا ہے ورنہ ام بعیدہ کو بھی ام کہا جاتا ہے جیسے نانی کو بھی ام کہنا جائز ہے ۔ ویسے ہر اس شے کو ام کہا جا سکتا ہے جس سے کوئی شے کا وجود ہو تربیت کنندہ بھی ایسے ہی اصلاح کرنے والی کو یا شے کے ابتدا کرنے والے کو بھی ام کہا جاتا ہے ۔ اور یہاں پر دو اصل میں یا ابن امی تھا ۔ یاء کو الف سے تبدیل کیا گیا ہے یا ابن اما ہوا ۔ الف کو حذف کر کے بفتح المیم پڑھا گیا ہے بوجہ کثرت استعمال اور فتحہ کو طوالت سے بچانے کے لیے کیا گیا جیسے اصلی حالت پر رہتا تو اس میں تخفیف کی ثقالت بھی ہوتی ۔

ف : کو حذف کر کے میم کی کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے ۔

نکتہ : ماں کی طرف منسوب کرنے میں ماں کے حقوق کی عظمت کا اظہار اور ماں کے نام سے موسیٰ علیہ السلام کے دل کو نرم کرنا مطلوب ہے اور یہ بھی ظاہر کرنا تھا کہ وہ ایک ماں کے بیٹے تھے ۔ اور باپ بھی ایک تھا یہی جمہور کا مذہب ہے ۔

فائدہ صوفیانہ : بعض مشائخ نے فرمایا کہ ہارون علیہ السلام کی نبوت حضرت رحمت سے تھی ۔

کما قال تعالٰی :

ووهبنا له من رحمتنا اخاه هارون نبيا ۔

اسی لیے ہارون علیہ السلام نے ماں کے واسطے سے ندا کی کیونکہ ماں کی رحمت بہ نسبت باپ کے زائد ہوتی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ماں تربیت اولاد میں دلچسپی لیتی ہے ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب ہارون علیہ السلام نے دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام حضرت حق سے ذوق و شوق میں بھرپور ہیں اور لذت قربت ، مشاہدہ و مکالمہ میں سرشار ہو کر آئے ہیں اس لیے تواضع و انکسار سے کام لیتے ہوئے کہا ۔

یا ابن ام — لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۔ میری داڑھی نہ پکڑیے اور نہ ہی سر کے بال ۔
اس امر کی دو وجہ ہیں ۔

① صورتی کا خیال آنے گا تو زخم پڑ جائیں گے ۔

② موسیٰ علیہ السلام نے رویت حق کی طلب کی اور پھر ان پر تجلی سب پڑی اس لیے بیہوش ہو گئے ۔ ان کی بیہوشی پہ ملائکہ آئے اور ان کے سر کے بالوں سے پکڑا اور کہا کہ اے حیض والی اولاد اور منی بجز کہاں تم کہاں وہ رب الارباب ۔ تم بھی اس کی زیارت چاہتے ہو ۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

برو این دام بر مرغ دگر نہ
کہ عنقا را بلند است آشیانہ

ترجمہ: یہ دام کسی دوسرے مرغ کے واسطے پھیلا اس لیے کہ عنقا کا آشیانہ بہت دور ہے ۔

؎

عنقا شکار کس نشود دام باز چین
کانجا ہمیشہ باد بدستست دام را

ترجمہ: عنقا کا شکار مشکل ہے اور نہ ہی ایسے کو کسی پھانس پکڑ سکتی ہے جب کہ دام ہر وقت اسی کی نذر میں لگا ہے ۔

ف: مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کے سر کے بالوں کو دائیں ہاتھ سے اور داڑھی کو بائیں ہاتھ سے پکڑا اس وقت آپ سخت غضب میں تھے اور ویسے بھی آپ غضب ناک اور سخت گیر تھے ۔ اب جب کہ قوم کو بچھڑے کی پرستش کرتے دیکھا تو آپے سے باہر ہو کر وہی کیا جو ابھی معلوم ہوا لیکن یہ سب کچھ قوم کے سامنے ہو رہا تھا اور لوگوں سے دیکھ رہے تھے کہ ہارون علیہ السلام کے ساتھ کیا ہو رہا ہے اسی لیے ہارون علیہ السلام نے کہا ۔

اِنِّیْ خَشِیْتُ ۔ مجھے خوف ہے کہ یہ ایک دوسرے سے لڑیں گے اور ان کی جمعیت تفرقہ میں بدل جائے گی۔ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۔ تم کہو گے کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا ہے تفرقہ سے ان کا جنگ و جدال سے آپس میں کٹ مرنا مراد ہے جب کہ اس وقت ایسی فضا تھی ۔

ف: جلالین میں ہے کہ مجھے خطرہ ہے کہ یہ آپس میں دو گروہ کر کے ایک دوسرے سے لڑیں گے جن کا سنبھالنا مشکل ہو جائے گا پھر تم کہو گے کہ تم نے اختلاف کھڑا کیا ہے ۔

وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِیْ ۝ نہ تو نے میرے امر کا انتظار کیا اور نہ کوشش کی جیسا کہ ہم تھے

مقرر کیا تھا کہ

"اُخلُفنِی فِی قَومِی وَاَصلِح"

اصلاح یعنی منتشر لوگوں کو جمع رکھنا اور ان کی جماعتوں کی پوری نگرانی کرنا اور ان کی خاطر مدارات کا خیال رکھنا یہاں تک کہ میں واپس آ جاؤں گا اور ہارون علیہ السلام نے جو وجہ بیان کی ہے وہ یہ کہ ان کی غلطی کا تدارک موسیٰ علیہ السلام ہی کر سکتے تھے ہارون علیہ السلام ان سے لڑ نہیں سکتے تھے کیونکہ وہ تعداد میں زیادہ اور یہ قلیل تھے۔ جیسا کہ آیت ذیل سے معلوم ہوتا ہے:

اِنَّ القَومَ استَضعَفُونِی وَکَادُوا یَقتُلُونَنِی۔

ف: بالعموم یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ہارون (علیہ السلام) تو نے میرے امر کی نگرانی نہ کی یا تو نے میرے آنے کا انتظار نہ کیا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہارون علیہ السلام نے کہا کہ مجھے آپ کے امر کی نگرانی میں ایک رکاوٹ تھی اور آپ کے امر پر عمل کرنے کا عذر معقول تھا اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں نے آپ کے حکم کی نافرمانی کی ہے۔

ف: یہ ہارون علیہ السلام سے معذرت تھی اور معقول عذر انسان کی غلطیوں کو مٹا دیتا ہے۔

عذر کے اقسام: عذر کے مندرجہ ذیل تین اقسام ہیں:

① میں نے یہ کام کیا ہی نہیں۔

② کیا ہے لیکن فلاں وجہ درپیش تھی اور اس وجہ سے جرم کا ارتکاب قابل معافی ہو جاتا ہے۔

③ غلطی کی ہے لیکن آئندہ ایسی غلطی نہیں کروں گا۔

اس تیسری قسم کی غلطی کا دوسرا نام توبہ ہے۔

ف: توبہ کو عذر کہا جا سکتا ہے لیکن ہر عذر توبہ نہیں ہو سکتی۔

ف: ہارون علیہ السلام حلیم اور رقیق القلب تھے۔ اسی لیے بنی اسرائیل کو ان سے زیادہ محبت تھی۔

نکتہ: سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

احسن الکنوز محبۃ القلوب — دلوں کی محبت بہترین خزانہ ہے۔

حسن خلق اور بد خلقی سقراط نے کہا کہ جس کا خلق اچھا وہ عیش کی زندگی بسر کرے گا اور ہمیشہ سلامتی و عافیت کے ساتھ رہے گا اور لوگوں میں اس کی محبت ہوگی اور جس کا خلق برا ہے اس کا عیش مکدر اور بغض و عداوت

ہیں بگڑ جاتے تھا اور لوگوں کے دل بھی اس سے متنفر ہوں گے ۔

وری الحلم فی بعض المواضع ذلۃ
وفی بعضہا عز الیسود فاعلۃ

ترجمہ : بعض اوقات حلم ذلت کا سبب بنتا ہے لیکن بعض اوقات اس کا مالک عزت پاتا ہے اور لوگوں کے دلوں پر بادشاہی کرتا ہے ۔

ارسطو کے اقوال

ارسطو نے کہا ہے ○ چار چیزیں انسان کی قدر و منزلت بڑھاتی ہے ۔

○ تواضع بڑائی کو عروج دیتی ہے ۔
○ حلم دوستوں کی تعداد میں اضافہ کرتا ہے ۔
○ نرمی قلوب پر بادشاہی کرتی ہے ۔
○ وفا اخوت زیادہ کرتی ہے ۔

حدیث شریف : حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نرمی اور شفقت میں اعتدال سے کام لیتے اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس طرح موصوف فرمایا :

"بالمومنین رؤف رحیم ،"

مثنوی شریف میں ہے ۔

۱ ۔ بندگان حق رحیم و بردبار
خوی حق دارند در اصلاح کار

۲ ۔ مہربان بے رشوتان یاری گراں
در مقام سخت و در روز گراں

۳ ۔ ہیں بجو این قوم را اے مبتلا
ہیں غنیمت دار شان پیش از بلا

ترجمہ : ۱ ۔ بندگان حق، رحیم و بردبار ہوتے ہیں، اصلاح کار میں خوئے حق رکھتے ہیں ۔

۲ ۔ بے رشوت کام کرتے ہیں مہربان ہوتے ہیں، دوستوں کی مدد کرتے ہیں سخت اور مشکل اوقات میں کام آتے ہیں ۔

۳ ۔ اے مشکل میں پھنسنے والو! ایسے لوگوں کی تلاش میں رہو اس سے کہ بلا کے آنے سے پہلے ایسے لوگوں کو حصول غنیمت سمجھو

قَالَ: یہ ایک سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ جب قوم اور ہارون علیہ السلام اپنی غلطی سے بری ثابت ہو گئے اور ساری خرابی کا سرچشمہ سامری ثابت ہوا تو پھر موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے کیا فرمایا تو اس کے جواب میں فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا **فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ** ○ الخطب لغت میں اس بہت بڑے کام کو کہا جاتا ہے جس میں تعجب کی کثرت ہو یعنی سخت مطلب ہے گویا ایسا آدمی بہت بڑے خبط میں مبتلا ہوتا ہے ۔

اب معنی یہ ہوا کہ اے سامری! تیرا کیا معاملہ ہے اور اس غلط کاری سے تیرا مطلب کیا ہے اور کس بات نے تجھے اس کام پر ابھارا۔ موسیٰ علیہ السلام نے سامری کے ساتھ اس لیے گفتگو فرمائی تاکہ عوام کو اس کی شرارت اور فتنہ و فساد اور مکر و فریب کا علم ہو جائے اور وہ اعتراف کرے کہ یہ میرا فعل ہے پھر اسے جب سزا دی جائے تو عوام کو یہ کہنے کا موقع ہی نہ رہے کہ اس پر ظلم ہوا اور آنے والی نسلوں میں ایسے فتنہ ساز سر نہ اٹھا سکیں ۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا کہ تو نے دشمن سے مل کر ہماری قوم کے لیے یہ فتنہ کیسے برپا کیا کہ بچھڑا بنا کر پرستش شروع کرا دی اور اموال کی بچھڑے میں شکل بنا ڈالی اور اموال میں ہی لوگوں کے دلوں کی بندگی ہے۔ اسی لیے عیسیٰ علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ اے بنی اسرائیل لوگوں کے دل اموال میں ہوتے ہیں اسی لیے اموال کو آسمان پر رکھا کرو تاکہ تمہارے قلوب آسمان پر ہوں یعنی اموال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا کرو تاکہ تمہارا ثواب آسمان پر جاوے اور وہ دائمی اور باقی ہے ۔

لطیفہ: مال کو اسی لیے مال کہا جاتا ہے کہ اس کی ذات کی طرف قلب کا میلان ہوتا ہے اور اس سے مقاصد کا حصول اور حوائج پورے ہوتے ہیں ۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

مال دنیا دام مرغان ضعیف
ملک عقبیٰ دام مرغان شریف
ایں مشو گر عاشق مملوک ملک
مالک الملک آنکہ بجہید او ز ہلک

ترجمہ: مال دنیا کمزور پرندوں کی پھانسی ہے اور آخرت کا ملک شریف پرندوں کی ۔

خبردار اگر آپ طالب ہیں کہ اس دنیا کے ملک کے تابع ہو تو مالک الملک کی طرف جانے کی کوشش کرو تاکہ ہلاکت اور تباہی سے بچاؤ ہو جائے ۔

قَالَ: سامری نے موسیٰ علیہ السلام کے سوال کے جواب میں کہا: **بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ**

حل لغات: قاموس میں ہے کہ بصر از باب کرم و فرح اس کا مصدر بصرا و بصارۃ بمعنی وہ دیکھنے والا ہو گیا ۔

ف : المفردات میں ہے کہ بصیرت حاسہ ہے دیکھنے کو کہا جاتا ہے۔ اسے قلب سے دیکھنے کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اب مجھے یہ ہوا کہ میں نے وہ شے دیکھی جو دوسرے نہ دیکھ سکے۔

جبریل علیہ السلام کی گھوڑی میں حیات

سامری نے دیکھا کہ جبریل علیہ السلام جس گھوڑی پر سوار ہیں وہ جہاں قدم رکھتی ہے تو وہاں سوکھا گھاس سبز ہو جاتا ہے اس سے میں نے سمجھا کہ اس کی کوئی تاثیر ضرور ہوگی، اسی لیے اس کے قدموں کے نیچے سے مٹھی بھر مٹی اٹھالی۔

تفسیر الکبیر میں ہے یہ اس نے اس وقت دیکھا جب دریا کو موسیٰ علیہ السلام عبور کر گئے اس کے بعد فرعون کی باری تھی تو فرعون کے گھوڑے سے آگے جبریل علیہ السلام گھوڑی لائے اور دریا میں داخل ہو گئے، اس کے جانے سے فرعون کا گھوڑا فرعون کے قابو میں نہ رہا اور وہ دریا میں کود گیا۔ اسی سے فرعون اور اس کی تمام قوم ڈوب کر مر گئی۔

دوسری تفاسیر میں ہے کہ سامری نے یہ کیفیت دیکھی جب جبریل علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور کی جانب لے گئے اور جلالین شریف میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے ماجرا پوچھا تو اس نے کہا کہ میں نے جبریل علیہ السلام کو فرس الحیاۃ پر دیکھا تو میرے دل میں خیال گزرا کہ میں اس کے پاؤں سے مٹی کی مٹھی اٹھالوں، چنانچہ میں نے جب بھی اس مٹھی میں سے کچھ مٹی کو جس شے پر بھی ڈالا تو اس پر گوشت پیدا ہو گیا اور اس کو روح مل گئی، میں نے جب بنی اسرائیل کو دیکھا کہ آپ سے بچھڑا کو معبود بنانے کی استدعا کر چکے ہیں تو میں نے آپ کی عدم موجودگی میں ان کے لیے بچھڑا تیار کر کے ان کو پرستش کی دعوت دی، چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کے متعلق فرماتا ہے:

فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ أَثَرِ الرَّسُوْلِ ۔ تو میں نے رسول کے قدموں کے نیچے سے ایک مٹھی بھر مٹی اٹھالی۔

یعنی اس فرشتہ کی گھوڑی کے قدموں کے نیچے سے جو آپ کے پاس پیغام الٰہی لاتا ہے۔ اس سے فرس الحیاۃ مراد ہے کہ جبریل علیہ السلام کو سواری کے لیے دی گئی تھی، اور یہاں نہ جبریل کہا اور نہ روح القدس اس لیے کہ وہ جبریل علیہ السلام سے متعارف نہ تھا۔

ف : قبضہ ایک بار مٹھی بھر لینا یعنی کسی شے کی ایک بار مٹھی بھرنا، کبھی قبضہ بمعنی مقبوض بھی ہوتا ہے۔

فَنَبَذْتُهَا ،

حل لغات : النبذ یعنی کسی شے کو غیر معتبر سمجھ کر پھینکنا۔

میں نے اس مٹی کو پگھلے ہوئے زیورات یا بناوٹی بچھڑے کے منہ میں ڈالا، بچھڑا زندہ ہو گیا جیسا کہ آپ ابھی دیکھ رہے ہیں۔

ف : العرائس میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سے سامری نے سنا تھا کہ تدبیروں میں ایسی تاثیر ہوتی ہے کہ وہ بےجان میں جان ڈال دیتے ہیں[1] اسی لیے اس نے قدسی فرشتہ کی سواری کے قدموں سے مٹی اٹھا کر بچھڑے میں ڈال دی جسے اللہ تعالیٰ[2] نے اپنی قدرت سے اسے زندہ بنایا۔

[یعنی ہمارا عقیدہ ہے کہ مُردوں میں روح اللہ تعالیٰ ڈالتا ہے اور اللہ والوں کی دعا سبب حقیقی ہے جیسے غوث جیلانی قدس سرہٗ نے بڑھیا کا بیڑا ترایا۔ تفصیل رسالہ "احیاء الموتیٰ بعد الستین" میں دیکھئے مصنف اویسی غفرلہٗ]

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب سامری نے دیکھا کہ اسے کرامت سے نوازا گیا ہے جب کہ اس گھوڑی کے قدموں کے نیچے کا سوکھا گھاس سبز ہو جاتا ہے اور یہ میرا الہامی تصور تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کسی ایک کو کرامت عطا فرمائی ہے۔ فقبضت قبضۃ من اثر الرسول اس سے ثابت ہوا کہ اہل کرامت کے لیے کرامت کرامت ہو جاتی ہے اور اہل غرامت کے لیے فتنہ۔ آزمائش اور استدراج۔ ان میں فرق یہ ہے کہ اہل کرامت اسے حق کے اثبات میں تصرف کرتے ہیں اور اہل بطلان کے لیے باطل اور نفسانیت کے لیے جیسا کہ سامری نے خود اعتراف کیا کہ وکذلک سولت لی نفسی۔

تفسیر عالمانہ وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ○ اور ایسے ہی مجھے میرے نفس نے بنا سنوار کر دکھایا۔ یعنے میری شقاوت اور محنت کو میرے نفس نے بنا سنوار کر دکھایا۔

حل لغات : التسویل یعنے نفس کا اپنی پسندیدہ شے کو سنگار کر رکھنا اور قبیح شے کو حسین و شکیل خیال میں ڈالنا۔ دراصل عبارت سولت لی نفسی تسویلا کائنا مثل ذالک التسویل۔ مثل التسویل مصدر محذوف کی صفت ہے اور ذالک کا اشارہ اس فعل کی طرف ہے جو بعد میں مذکور ہوگا۔ اسے فعل پر مقدم کرنا قصر و حصر کے ارادہ پر ہے اور کاف زائد ہے یہ تاکید کا فائدہ دیتا ہے جیسے ذالک کا کاف کا اس معنے پر مصدر مؤکد ہے صفت نہیں ہے۔

اب معنے یہ ہوا کہ یہ تزئین عجیب ہے جسے میرے نفس نے مجھے افعال (قبض۔ نبذ) سنگار کر دکھائے اور یہ تزئین کوئی معمولی شے نہیں اس سے آپ اندازہ لگائیے کہ میں نے کیونکر ایسے کیا۔

سامری کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ تزئین میرے نفس امارہ کی شرارت سے ہوئی اس کا کوئی اور موجب اور سبب نہیں اور نہ ہو سکتا ہے نہ برہان عقلی سے نہ ہی الہام الٰہی سے۔

ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ لباب میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ندا دی کہ

---

[1] ہم اہلسنت کا یہ عقیدہ انبیاء علیہم السلام سے ثابت ہی غلط ہے۔ (اویسی)

[2] اضافہ از اویسی غفرلہٗ۔

اسے قتل نہ کیجئے کیونکہ اس کی سخاوت کی عادت ہے چونکہ اس کی سخاوت سے بہت مخلوق کو فائدہ پہنچا اس لیے ہم چاہتے ہیں اسے چند روز زندہ چھوڑتے ہیں تاکہ چند روز اور زندگی سے فائدہ اٹھائے۔ اما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض۔ کا راز اس سے کھلا۔

ــــ

ہر درختے کہ برگ دارد و بر
باد ز آب حیات تازہ و تر
وآنچہ بے میوہ باشد و سایہ
بہ کہ گردد تنور را مایہ

ترجمہ: وہ درخت جس کے پتے بھی ہوں اور پھل بھی خدا کرے آب حیات سے ہمیشہ تازہ و تر ہو۔
اور وہ درخت جس کا نہ میوہ ہے نہ سایہ۔ اسے تنور میں ڈال کر آگ لگا دینی چاہیئے۔

قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے فرمایا کہ تیرے قتل سے مجھے باری تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ فَاذْهَبْ تو لوگوں میں سے میرے ہاں سے چلا جا۔ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ تیرے لیے تمام زیست سزا یہ ہے کہ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ کہتا رہ لا مساس۔

ف: المفردات میں ہے کہ مس اور لمس کا معنے ایک ہی ہے فرق یہ ہے کہ لمس کسی شے کی طلب کے لیے استعمال ہوتا ہے اگرچہ وہ شے موجود نہ ہو اور مس وہ جو پائی جائے اور اس کا ادراک حس سے ادراک کیا جا سکے۔

ف: القاموس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں ہے لا مساس بالکسر یعنے لا امس ولا امس القاص کا یہی معنے ہے۔ اسی سے ہے ان یتماسا یعنے نہ میں کسی کو ہاتھ لگاؤں اور کوئی مجھے ہاتھ لگائے اس خوف سے کہ کہیں بخار نہ گھیر لے۔

سامری کی سزا مروی ہے کہ سامری جس مرد یا عورت کو ہاتھ لگاتا تو وہ خود بھی اور جسے ہاتھ لگاتا دونوں بخار کا شکار ہو جاتے اسی لیے وہ لوگوں کے ہاتھ لگنے سے بچتا تھا اور لوگ اس سے۔ اور وہ تمام عمر تنہا ہو کر رہتا تھا۔

اب سامری، لوگوں کے ساتھ ملنا جلنا، بولنا، اٹھنا بیٹھنا، بیع و شراء اور دیگر معاملات سے محروم ہو گیا۔ اور وہ خود جنگلوں میں جانوروں اور وحشیوں کے ساتھ زندگی بسر کرتا تھا۔

عجیبہ: بعض تفاسیر میں ہے کہ اس سامری کی اولاد آج بھی دنیا کے بعض علاقوں میں ہے جو چھونے کو برا سمجھتے ہیں ان کی زندگی کا بھی وہی حال ہے جو سامری کا تھا۔

تردید: فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ اولاد کا ہونا ازدواج (نکاح کرنا) پر موقوف ہے اور اس سے پہلے صورت شکل تھی پھر اس کے بعد پیدا ہوئی کیا؟

نکتہ: ارشاد میں ہے کہ سامری کو اس عذاب میں مبتلا کرنے میں ایک راز یہ ہے کہ اس نے چونکہ ایک بے جان کو جان ڈالنے کا سبب بنایا تو اسے ایسی سزا میں مبتلا کیا گیا جو زندگی کے لیے موت کا سبب بنے یعنی بخار کیونکہ اکثر بخار موت کا سبب ہے، اسی لیے اسے اسی میں مبتلا کیا گیا۔

فائدہ صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ جو بھی نفس امارہ کی خواہشات کی اتباع کرتا ہے تو اسے ایسی سزا میں مبتلا کیا جاتا ہے کہ دنیا میں جبکہ وہ گنہگار اور لوگوں سے بیزاری وغیرہ کی سزا پاتا ہے۔

چون عاقبت ز صحبت یاران بریدنست
پیوند با کسے نکند آنکہ عاقلست

ترجمہ: جب دوستوں سے دوری ہونا ہے تو عاقل وہ ہے جو کسی سے دوستی نہیں کرتا۔

ف: اتصال کے بعد انقطاع سے سخت تر تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بخلاف انقطاع اصل کے کہ اس سے اطمینان و فرحت و سرور نصیب ہوتا ہے ؎

الف مگیر چو الف ہیچ با کسے
تا بستۂ الم نشوی وقت انقطاع

ترجمہ: الف کی طرح کسی سے الفت نہ کر کہ انقطاع کے وقت تجھے دکھ درد ہو۔

وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا اور بے شک تیرے شرک وغیرہ پر تجھے آخرت میں عذاب کا وعدہ ہے۔ لَّنْ تُخْلَفَهٗ وہ ہرگز ٹلنے تیرے اس وعدے کے خلاف نہ کرے گا بلکہ اسے ضرور پورا کرے گا جیسے تجھے دنیا کی سزا میں مبتلا کیا۔

ف: الخلف والاخلاف بمعنی وعدہ خلافی جیسے کہا جاتا ہے:

اخلفنی: اس نے میرے ساتھ وعدہ کے خلاف کیا۔

وَانْظُرْ اِلٰۤى اِلٰهِكَ اور اپنے معبود کو دیکھ۔ الَّذِیْ ظَلْتَ عَلَیْهِ عَاكِفًا ؕ ظلت در اصل ظللت تھا تخفیفاً پہلی لام حذف کر دی گئی ہے۔

ف: المفردات میں ہے کہ یہاں ایک 'لام' حذف ہے وہ فعل جسے دن میں کیا جائے، اور عاکف کا معنی مقیم ہے۔

اسے یعنی جس پر تو اس کی عبادت کے لیے کر بیٹھا تھا یعنی دائمًا اس کی عبادت میں مشغول تھا۔

لَنُحَرِّقَنَّهٗ قسم محذوف کا جواب ہے یعنی ہم اسے آگ میں جلائیں گے۔

ف: لنحرقنہ۔ احراق سے ہے جیسے کسی شے میں شعلہ والی آگ جلانا۔ بعض علماء نے کہا کہ اس کا معنی ہے کہ کسی شے میں گرمی داخل ہو اس میں شعلہ کی قید نہیں جیسے کپڑے کا گرم کرنا۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ یہ اس قول پر ہے جو کہتا ہے کہ بچھڑے میں گوشت پوست اور خون تھا یا لفظ "مبرد" بمعنی سوہان محذوف ہے۔ اس سے جلانے کے معنی میں مبالغہ مطلوب ہے کیونکہ کسی شے کو خوب جلایا جائے تو پھر اسے ٹھنڈا کرنا پڑتا ہے بھی اس کے حق میں ٹھنڈا ہونے کی دلیل ہوتی ہے مثلاً کہا جاتا ہے:

حرقت الحدید بالمبرد (یعنی مبرد یا سوہان سے گھسایا)۔

مراد اس سے مشتق ہے وہ ریزے جو لوہے سے گرتی ہے۔

ف: کاشفی نے کہا ہے کہ یہ معنی اس قول پر صحیح ہو سکتا ہے جو کہتے ہیں کہ وہ بچھڑا بے جان تھا۔

ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِی الْیَمِّ نَسْفًا پھر ہم اسے خاک بنا کر دریا میں بہادیں گے یا اسے ریزہ ریزہ بنا کر دریا میں ڈال دیں گے۔ یہ نسفت الریح التراب سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب ہوا مٹی کو زمین سے اکھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر کے اڑا لے۔ نسف بمعنی کھیتی کو اکھیڑنا اور اسے صاف کرنا۔ (کذا فی التہذیب)

ف: النسف بمعنی ہوا میں اڑا دینا اور ہوا کا کسی شے کو لے جانا۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ ہم اس کی راکھ کو دریا میں ڈال دیں گے۔

اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ بے شک تمہارا معبود یہی عبادت کا مستحق۔ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی شے نہیں۔ اِلَّا هُوَ سوائے اس کے، وہ معبود واحد لاشریک لہ ہے۔ کوئی شے بھی کسی وجہ سے اس کی شریک نہیں اور منجملہ اس کے احکام الوہیت ہے۔

ف: بحر الصدور میں لکھا ہے کہ الذی لا الہ الا ھو اختصاص الوہیت کی تقریر ہے۔ اس کی مثال یوں ہو سکتی ہے جیسے ہم کہتے ہیں:

القبلۃ الکعبۃ لا قبلۃ الا ھی۔

یعنی قبلہ وہ کعبہ ہے جس کے سوا اور کوئی قبلہ نہیں ہے۔

وَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا اللہ تعالیٰ نے ہر شے کا علم اور احاطہ کیا ہے۔ یہ علم ہے جل ہے یعنی اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کا علم ہر شے کو گھیرا ہوا ہے منجملہ اس کے بچھڑا بھی ہے کیونکہ وہ بھی ایک شے ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ صفت کیوں بتائی تاکہ معلوم ہو کہ عبادت کا مستحق تو وہ ہے جس کا علم ہر شے کو گھیرے۔ اور بچھڑا تو ایک جماد محض ہے اور اگر وہ واقعی حیات میں ہوتا تب بھی اسے اللہ کی صفت نہ ہوتی تو اس کا حماقت اور نادانی سے واقعی مشہور ہے۔

ف: مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس بچھڑے کو ذبح کرکے آگ میں جلا کر اس کی راکھ دریا میں ذرہ ذرہ کرکے بہا دی تاکہ سامری کی سزا میں اضافہ ہو اور اس کی ذلت نمایاں ہو اور اس کے پرستاروں کی غباوت ظاہر ہو۔

؎

با دست موسوی چہ زند سحر سامری

ترجمہ: موسیٰ علیہ السلام سے سحر سامری کا مقابلہ کیا!

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

سحر با معجزہ پہلو نزند ایمن باش
سامری کیست کہ دست از ید بیضاء

ترجمہ: جادو کا معجزہ کے ساتھ مقابلہ کیا۔ سامری کون ہوتا ہے کہ وہ ید بیضا کا مقابلہ کرے۔

تفسیر صوفیانہ

کہ وہ تفسیر یہی ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ نفس و ہوا کے بچھڑے کی پرستش کرنے والے جہنم کا ایندھن ہیں اور انہیں جلا کر دریائے قہر میں ذرہ ذرہ کرکے ڈالا جائے گا اور وہ ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہیں گے انہیں اس عذاب سے کبھی چھٹکارا نہ ہوگا۔

انما الٰهكم الله الذي لا اله الا هو اس میں اشارہ ہے کہ جو غیر اللہ کی پرستش کرے گا اسے جدائی اور مفارقت ذات اور ہجر حق تعالیٰ کی آگ میں جلا کر ہمیشہ کے لیے بحر قہر میں عذاب میں مبتلا رہے گا۔ وسع کل شیء علما اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر بندے کو جانتا ہے کہ لطف کا مستحق کون ہے اور قہر کا مستحق کون۔

ف: جب آدم و حوا علیہما السلام کا نکاح ہوا تو ان سے نوع بشر پیدا ہوا اور جب ابلیس نے دنیا سے نکاح کیا تو اس سے خواہشات نفسانیہ پیدا ہوئے۔ جمیع اخلاق مذمومہ اور ادیان باطلہ انہی خواہشات نفسانیہ کی تاثیر سے ہے۔ اسی لیے مشائخ کہتے ہیں کہ معصیت کے شر سے بدعت اور خواہشات نفسانیہ کا شر زیادہ ہے اسی لیے صاحب البدعت مسکین اپنے فعل کو غلط نہیں سمجھتا اسی لیے وہ توبہ کرتا ہے نہ استغفار۔ اور صاحب معصیت تو اپنی غلطی اور خطا کا نہ صرف معترف ہے بلکہ وہ اس سے توبہ بھی کرتا ہے اور استغفار بھی۔

ف: ہر زمان کا موسیٰ ہوتا ہے اور اہل باطل کے لیے حق ظاہر کرنے والا ہوتا ہے۔ فرعون نے زمین پر کفر و تکذیب اور ظلم و معاصی کا جال بچھایا تو موسیٰ علیہ السلام نے ایمان و تصدیق اور عدل و طاعات سے اصلاح فرمائی پھر سامری نے بچھڑا کر دین کے آئینے کو زنگ آلود کیا تو موسیٰ علیہ السلام نے اسے زائل کیا اور قیامت تک یہی حال رہے گا۔ اصل مقصد یہ ہے کہ قلب کی اصلاح کی جائے اور اسے اخلاق مذمومہ سے پاک کیا جائے اور خواہشات نفسانی سے روکا جائے اور حتی المقدور اسے خالی و فنا کیا جائے جیسے انبیاء علیہم السلام اور ان کے وارثین اولیاء کرام نے کیا کہ خیر سے ہی ایمان کی [illegible]

اور اللہ تعالیٰ غیور ہے اور اس کا بندہ اس کی غیرت میں ہوتا ہے ۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ غیور ہیں اور میں سعد سے زیادہ غیرت مند ہوں اور میرا اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیور ہے اللہ تعالیٰ کی غیرت یہ ہے کہ ظاہری و باطنی فواحش حرام ہیں ۔ (حدیث)

مثنوی شریف میں ہے ؎

جملہ عالم زاں غیور آمد کہ حق
برد در غیرت بریں عالم سبق
غیرت حق بر مثل گندم بود
کاہ خرمن غیرت مردم بود
اصل غیرتہا بدانید از الٰہ
آن خلقان فرع حق بے اشتباہ

ترجمہ ۱ ۔ یہ جہاں اس لیے غیور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عالم سے پہلے غیرت کا حکم فرمایا ۔
۲ ۔ غیرت حق گندم کی مانند ہے اور لوگوں کی غیرت بھوسہ ہے ۔
۳ ۔ غیرتوں کی اصل اللہ سے سیکھو یہ تمام مخلوق اس کی فرع ہے ۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ ایسے ہی ہم تمہیں سابقہ خبروں کی ایک قسم بیان کرتے ہیں ۔ اس میں موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کی طرف اشارہ ہے ۔

القص بمعنی تتبع الاثر نشان کے پیچھے لگنا اور قصص سے اخبار متتبعہ مراد ہیں ۔ من انباء ۔۔۔ کے ابتداء سے متعلق کا مفعول ہے ۔ انباء وہ خبریں ہیں جن سے بڑا فائدہ ہو جن سے علم یا غالب گمان حاصل ہو اور عام چیز کے لیے استعمال نہیں کی جاتی اور نبا میں ان تینوں کا ہونا ضروری ہے یعنی ۔

۱ ۔ خبر ۲ ۔ فائدہ ۳ ۔ علم یا ظن غالب

اور نبا وہ حق خبر ہے جو کذب سے خالی ہو جیسے خبر متواتر اور خبر اللہ اور خبر النبی صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ۔

اب معنی ہوا کہ اس قصہ عجیب کی طرح جو تم نے ابھی سنا ہم ایسے ہی اے محبوب ! صلی اللہ علیہ وسلم ہم تمہیں گذشتہ امتوں کے بعض واقعات بیان کرتے ہیں اور وہ قصص ہی کافی ہیں اقصص نہیں ۔ اس سے تمہیں حالات پر تدبر کرنے کا موقع ملے گا علم کی کثرت میں اضافہ ہوگا اور معجزات کی کثرت ہوگی اور امت کے لوگوں میں سے جنہیں رہبری کی طلب ہوگی انہیں نصیحت حاصل ہو ۔ اس میں وعدہ ہے کہ جو لوگ پہلے گزرے ہیں ان کے واقعات میں سے کچھ باتیں بیان ہوں گی ۔

وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ۔ اور تحقیق ہم نے اپنی طرف سے تمہیں عطا کیا گیا ۔

ذِکْرًا ۝ یعنی عظمت و شرافت والی کتاب جو ان قصوں اور خبروں پر مشتمل ہے جس کے یہ لائق ہے کہ اس میں تفکر اور اس سے عبرت حاصل کیا جائے۔

قرآن مجید کا ذکر نام رکھنے کے وجوہ : تفسیر کبیر میں ہے :

① یہ وہ کتاب ہے جس میں ان امور دینی و دنیوی پر مشتمل ہے جن کی لوگوں کو ضرورت ہے۔

② اس میں انواع نعمت الٰہیہ کا ذکر ہے جس سے بندوں کو تذکیر و موعظت نصیب ہوتی ہے۔

③ اس میں آپ کا اور آپ کی امت کا ذکر ہے۔ اس سے آپ کی اور آپ کی امت کی شرافت کا اظہار ہے۔

ویسے اللہ تعالیٰ نے ہر کتاب کو ذکر سے موسوم فرمایا ہے۔ کما قال تعالیٰ :

فَاسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ۔

بعض مشائخ نے فرمایا کہ یہاں پر ذکر سے موعظت مراد ہے جس سے نصیحت حاصل کریں اور اس پر عمل کریں گے تو آپ کا دین اسلام پھیلے گا اور اس کے نزول کے بعد اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر چار اسرار و رموز اور حیل ظاہر ہوں گے بلکہ وہ اسرار و رموز جو میں نے آپ سے پہلے انبیاء علیہم السلام پر کشوف فرمائے وہ بھی آپ سے مخفی نہ رہیں گے۔ اس معنی پر آپ کے سامنے تمام دوسرے جملہ انبیاء علیہم السلام کی حقیقتیں کھل جائیں گی لیکن آپ ہمارے پردوں میں چھپے رہیں گے۔

مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ جو شخص بھی ایسے ذکر عظیم الشان اور جامع جملہ وجوہ سعادت و نجات سے روگردانی کرے گا۔ یعنی اس سے عبرت حاصل نہ کرے گا اور نہ ہی اس پر عمل کرے گا یعنی منکر ہوگا۔ من شرطیہ ہے یا موصول ہر تقدیر پر یہ جملہ ذکر کی صفت ہے۔ **فَاِنَّهٗ** تو وہی منکر۔ **یَحْمِلُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وِزْرًا ۝** قیامت میں گناہ سے بڑی ایسے گناہ کا سخت بوجھ اور ایسے گناہوں کا بوجھ اور کفر و معاصی کو وزر سے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ جیسے بوجھ اٹھانے والا بوجھ اٹھانے والے کو تکلیف ہوتی ہے ایسے ہی کفر و معاصی کے مرتکب کو۔ اس معنوی مناسبت سے اس کیفیت کے احساس کو وزر سے تعبیر کیا گیا۔

خٰلِدِیْنَ فِیْهِ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے یعنی وزر کے بوجھ میں یحمل کی ضمیر ھو سے حال ہے۔ معنی کے ہونے کی وجہ سے جمع کا صیغہ لایا گیا۔ اس لیے کہ نار میں اجتماع کا معنی اس وقت متحقق ہو سکتا ہے جب اس میں داخل ہونے والے جتنے زیادہ ہوں۔ **وَسَآءَ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ حِمْلًا ۝** اور ان کے لیے قیامت میں بوجھ اٹھانا برا ہوگا۔ ضمیر کی وجہ بیان ہے۔ یہ سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

آخر کیا کسی نے پوچھا کہ کس کے لیے اس کی مکہ بنا ہے؟ فرمایا علیم۔

سوال: یوم القیمۃ کا تکرار کیوں؟

جواب: تقریر و تاکید اور معاملہ کو زیادہ مہیب و خوفناک ظاہر کرنے کے لیے۔

تفسیر صوفیانہ آیات مذکورہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ جو بھی ذکر حق (آگ) جس سے حقیقت ایمان و اسلام و عرفان قائم ہے سے روگردانی کرتا ہے تو قیامت میں اس پر کفر و نفاق اور شرک و جہل و محرومی و شقاوت و قساوت قلبی اور اس پر جو برائے اور اخلاق ذمیمہ اور حسرت و ندامت کا بوجھ ڈالا جائے گا اور حقیقت عبودیت اور دوام ذکر و مراقبہ قلب اور فیض الٰہی کی قبولیت کے لیے بھی توجہ سے محروم رہ کر دائمی خسارہ میں مبتلا ہوگا اور فیض الٰہی کی قبولیت کے لیے بھی توجہ ہی ذکر کی حقیقت ہے کہ جس کا اول ایمان اور اوسط ایقان و آخر عرفان ہے۔

ف: ذکر ایمانی اعراض عن الدنیا و اقبال الی الآخرۃ کا وصف بنا دیتا ہے اس کی وجہ سے معاصی کو ترک و طاعات کا اشتغال نصیب ہوتا ہے اور ذکر ایقانی دنیا اور اس کے نقش و نگار سے ملول ہوں یا حرام کا ترک اور آخرت اور اس کے درجات کی طلب کا وصف بناتا ہے اور ذکر عرفانی تصفیہ کاملین سے تسلیم ثمرات الشہود کے حصول میں بذل وجود کرکے سعادت دارین کی طرف سعی فرماتا ہے۔

ف: ذکر کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ذاکر مذکور میں اپنے ذکر کو ایسا فنا کرے کہ اس کے اپنے نفس و وجود کا نام و نشان بھی مٹ جائے۔

حکایت بغداد میں یہ واقعہ عام ہو گیا اللہ تعالیٰ سے فیض پانے والا کہ کسی شبلی کا ذکر اللہ اللہ کرنا وہ بھی تو ہم اس شہر کو چھوڑ کر کہ بستی شہر کے ذاکرین اللہ اللہ کرنے والے نے حضرت شبلی قدس سرہ سے پوچھا کہ ہم بھی اللہ اللہ کرتے ہیں لیکن ہمارا نام نہیں پایا گیا اور آپ کی خصوصیت کیوں؟ آپ نے فرمایا کہ تم لوگ اپنی نفسانیت سے ذکر کرتے ہو اور میں اللہ تعالیٰ کی ذات میں گم ہو کر اللہ اللہ کرتا ہوں۔

ف: چونکہ افضل العبادات اور ذکر اللہ اقرب القربات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر عبادت کا ایک وقت مقرر فرمایا ہے لیکن ذکر الٰہی کے لیے وقت کی کوئی قید نہیں۔

حدیث شریف: حضور نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم سے قلب کے جلا کا نسخہ پوچھا تو آپ نے فرمایا: ذکر اللہ و تلاوت قرآن مجید اور میرا درود۔

حضرت مولانا قدس سرہ نے فرمایا ؎

اگر چہ آئینہ داری از برائے رخش
دلی چہ سود کہ داری ہمیشہ تیرہ و تار
بیا بصیقل توحید ز آئینہ بزدای
غبار شرک کہ تا پاک گردد از زنگار

[illegible]

ترجمہ: اگر تو اپنے چہرے کے لیے شیشہ رکھتا ہے تو کیا فائدہ جب کہ تیرا حقیقی آئینہ تو سیاہ ہے۔
آئینہ توحید کے صیقل سے شرک کا غبار دور کیجئے تاکہ قلب کا آئینہ روشن ہو۔

حکایت موسیٰ علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی یا الٰہ العالمین مجھے مخصوص ذکر بتا دیجئے تاکہ خاص وقت میں بھی آپ کو یاد کروں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہو۔

"لا الٰہ الا اللہ"

موسیٰ نے کہا یا اللہ یہ تو ہر بندہ کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ علیہ السلام اگر ساتوں طبق ایک پلڑے میں ہوں اور دوسرے پلڑے میں یہی کلمہ ہو تو وہ پلڑا بھاری ہوگا جس میں یہ کلمہ ہوگا۔

فقیر رومی کہتا ہے ۔

گر تو خواہی شوی ز حق آگاہ
ہم مسلسل لا الٰہ الا اللہ
افضل ذکر باشد این کلمہ
یحکم الذکر کل من یہواہ

ترجمہ: اگر تم الٰہی حق چاہتے ہو تو لا الٰہ الا اللہ پر مداومت کیجئے، یہ کلمہ افضل الذکر ہے اور جس کو جس سے محبت ہوتی ہے وہ اسے بہت زیادہ یاد کرتا ہے۔

تفسیر عالمانہ **یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ** - یہ یوم القیامۃ سے بدل اور فعل اذکر محذوف سے منصوب ہے۔ اب معنی یہ ہوگا کہ اے محبوب عربی صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنی قوم قریش کو یاد دلائیے کہ جب اسرافیل علیہ السلام اس قرن کو پھونکیں گے جو انہوں نے پھونکنے کے لیے اسے اپنے منہ میں رکھا ہوا ہے۔ **وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِیْنَ یَوْمَئِذٍ** اور ہم اس دن ان لوگوں کو قبروں سے نکال کر جمع کریں گے جو جرائم کے مرتکب ہیں دنیا میں سے بعض اور اکثر ہیں سے ان سے کفار و مشرکین مراد ہیں۔ نفخہ صور کے ذکر کی تصریح صرف اس لیے ہے کہ اس کا ہیبت ہو اور معلوم ہو کہ نفخہ ثانیہ ہی ہوگا اور حشر کے ذکر سے اس کی تصریح کی ضرورت نہ تھی کہ حشر ثانیہ ہی کے بعد ہوگا۔ **زُرْقًا** الازرق کی جمع ہے ازرقہ سے ہے۔ آنکھ کا بہت برا اور گدلا رنگ اگرچہ اہل عرب کے نزدیک ہے کہ رومی ان کے سب سے بڑے دشمن تھے اور ان کی آنکھیں زرق یعنی نیلی تھیں۔

ف: بعض نے کہا ہے کہ آنکھ کا نیلا پن اور سیاہ کہ جہنمیوں کی علامت ہے اور فرمایا کہ حدیث شریف میں ایسے ہی ہے۔

ف: المفردات میں امام راغب نے فرمایا کہ یومئذ زرقا سے ان کی آنکھیں اندھی ہوں گی ان میں نور نہ ہوگا اس لیے کہ اندھے کی آنکھیں نیلی ہو جاتی ہیں جیسے جب آنکھوں سے نور نکل جاتا ہے تو آنکھوں کا رنگ نیلا ہو جاتا ہے۔

يَتَخَافَتُونَ بَيْنَهُمْ یہ مجرم آہستہ سے آپس میں چپکے چپکے باتیں کریں گے۔

ف: التخافت بمعنی آہستگی سے بولنا اور کلام کو چھپا چھپا کر کرنا یعنی ایک دوسرے سے بات ایسی آہستگی سے کریں گے جس کی آواز بالکل نہ ہوگی اس لیے کہ خوف اور ہیبت کی وجہ سے ان کے سینے بند ہوں گے یا ان پر سستی اور کمزوری غالب ہوگی۔

إِن لَّبِثْتُمْ۔ نہیں ٹھہرے تم یعنی تم دنیا یا قبر میں نہیں ٹھہرے۔ إِلَّا عَشْرًا ۞ مگر دس راتیں یا دس گھڑیاں یعنی ان کے وہاں طویل مدت ٹھہرنے کی ظاہری کا مطلب ہے کیونکہ ایسے ایام جلد تر زائل ہو جاتے ہیں۔ ویسے ہی راحت کے ایام تھوڑے محسوس ہوتے ہیں۔ اور وہ گھڑیاں بادلوں کی طرح جلد تر گزر جاتی ہیں۔

ف: جلالین میں ہے کہ وہ شک آپس میں کہیں گے کہ تم تو قبر یا دنیا میں صرف دس راتیں ٹھہرے ہو اس سے دس کے ایام النفختین کی درمیانی مدت مراد ہوگی یعنی نفخ صور اول اور نفخ ثانی کی درمیانی مدت چالیس سال ہوگی اور اس مدت میں کفار و مشرکین سے عذاب اٹھا لیا جائے گا تاکہ وہ آخرت کے عذاب میں جب مبتلا ہوں تو انہیں وہ عذاب سخت سے سخت تر محسوس ہو۔ یہی قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ یہ قول ضعیف ہے۔

نَحْنُ ہم ہی خوب جانتے ہیں أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ ان کی باتوں کو خوب جانتے ہیں یعنی جو کہتے ہیں کہ ان کی ٹھہرنے کی مدت کتنی ہے۔ إِذْ يَقُولُ جب کہیں گے۔ أَمْثَلُهُمْ طَرِيقَةً ان کے افضل ترین طریقے والے یعنی ان سے رائے و عقل میں اکمل ترین۔

ف: المفردات میں ہے کہ امثل وہ ہے جو افاضل کے مشابہ اور اقرب الی الخیر ہو۔ اماثل القوم قوم کے برگزیدہ لوگوں کو کہا جاتا ہے اسی استعمال میں سے ہے۔

قول باری تعالیٰ ہے:

إِذْ يَقُولُ أَمْثَلُهُمْ طَرِيقَةً

إِن نافیہ ہے یعنی لَّبِثْتُمْ إِلَّا يَوْمًا ۞ تم نہیں ٹھہرے مگر ایک دن۔

اس قول کی نسبت ان کے امثل کی طرف منسوب کرنا اظہار کی غرض سے ہے ان کے صدق ظاہر کرنے کو ہے لیکن وہ صدق بھی بے صدق ہوگا بلکہ ہیبت ہول اور خوف سے کہیں گے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ نفخ ثانیہ کے بعد جب قیامت میں اہل جہاد و اہل دنیا کا نشانہ ہوگا اس دن جیسے کہ آج آدمی کو ایک ماہ کر دیا جاتا ہے اس دن وہ زمین تبدیل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اسی دن ایسے منکر ہوں گے کہ انہیں اب سے پہلے کہیں کا احساس جانا ہوگا جس میں ہوں گے جیسے قیامت کا عذاب دیکھیں گے تو وہ قبر کے عذاب کو بھول جائیں گے اور کہیں گے کہ ہم تو قبر میں چند روز ٹھہرے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَنَحْنُ اعلم

جیسا کہ حدیث میں خوب معلوم ہے کہ پھر خلیفہ دیکھ کر کہیں گے اور یہی وہ دن معلوم ہے جو ان کے اعلیٰ و افضل لگ کہیں گے کہ تم تو صرف ایک یوم گذار کر آئے ہو وہ اس بڑی مدت کو صرف ایک دن سے اس لیے تعبیر کریں گے کہ باقی دنوں کی شدت اس ایک دن کی شدت کے برابر ہوگی۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

الا انما الدنیا کظل سحابۃ
اظلتک یوما ثم عنک اضمحلت
فلا تک فرحانا بہا حین اقبلت
ولا تک جزعانا اذا ھی ولت

ترجمہ: خبردار یہ دنیا بادل کے سایہ کی مانند ہے کہ کبھی سایہ فگن ہوتی ہے اور کبھی دور چلی جاتی ہے۔ جب دنیا آئے ہو تو خوش نہیں کرنی چاہیے اور جب یہ جاتی ہو تو غم نہ کیا چاہیے۔

حضرت منصور رحمۃ اللہ تعالیٰ کا ملفوظ: حضرت منصور رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بوقت وصال فرمایا تھا کہ ہم نے اوقات خواب غفلت سے ضائع کر دی۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

نگہ دار فرصت کہ عالم دمیست
دمے پیش دانا بہ از عالمیست
مکن عمر ضائع بافسوس و حیف
کہ فرصت عزیزست والوقت سیف

ترجمہ: فرصت کو غنیمت جان کہ جہان صرف ایک سانس ہے۔ دانا کے نزدیک یہ دم عالم سے ایک لمحہ بہتر ہے۔ افسوس و حیف سے عمر ضائع نہ کیجیے۔ اس لیے کہ فرصت قیمتی شے ہے اور وقت بمنزلہ تلوار کے ہے۔

حضرت السلطان باہو نے فرمایا ؎

بگذار جہان را کہ جہان آن تو نیست
وین دم کہ ہمی زنی بفرمان تو نیست
گر مال جہان جمع کنی شاد مشو
ور تکیہ بجان کنی جان آن تو نیست

ترجمہ: اس جہان کا خیال تصور بھی چھوڑ دے کیونکہ یہ تیرا نہیں اور یہ سانس جو تو لیتا ہے وہ بھی تیرے زیر فرمان

نہیں مگر جانوں کا تمام مال ہی بیچ کر آفتاب میں غرق ہو گیا ہاں یوں سمجھا کرو گے تو یہ تو نہ کہو کہ یہ جان تیری ہے بھی نہیں۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ وہ دنیا وما فیہا اور اس کے شہوات میں تضییع اوقات نہ کرے اس لیے کہ وقت نہایت عظیم اور جوہر لطیف اور بازی ہاتھ سے جب اسے حقیر شے کے عوض ضائع نہ کیجئے اور اس سے ایسا گنوار نہ چاہیے جو نہ ہوا ہوتا ہے اور وہ بھی جھونک کی تاب والا ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ دنیا کا عیش چند روزہ لیکن بہت زیادہ خوفناک ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو اس کی مکھی کے پر کے برابر بھی قدر و قیمت نہیں جو اسے عظیم المرتبت سمجھتا ہے وہ مکھی کے پر سے بھی کمتر ہے ۔

بر مرد ہشیار دنیا خس است
کہ ہر مدتے جائے دیگر کس است

ترجمہ : ہوشیار لوگوں کی نظروں میں دنیا خس کے برابر ہے اس لیے کہ ہر مدت میں یہ دوسرے کی جگہ ہے ۔

حکایت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حواریوں نے کہا کہ آپ کے لیے ایک مکان ضروری ہے۔ آپ نے فرمایا کہ دنیا بمنزلہ دریا کی موج کے ہے۔ اب تم بتاؤ کہ تم میں سے کون ہے جو دریا کی موج میں مکان بنا سکے ۔

تمہیں لازم ہے کہ دنیا کو قرارگاہ نہ بناؤ اس لیے کہ دنیا صرف ایک ساعت ہے اسے طاعت میں صرف کرو اور اہل طاعت کے لیے ایک ساعت قیامت میں ہزار برس کا بدلہ بنے گی کیونکہ ان کا ہر لحظہ راحت میں بسر ہوگا بخلاف اہل معصیت کے ان کی ہر گھڑی ہزار برس کے برابر ہوگی لیکن وہ تکلیف میں اور توحید اور یقین کامل اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع تمام طاعات و عبادات میں افضل اور مقصود عبادت ہے ۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" تم سب بہشت میں داخل ہو گے سوائے ان کے جنہوں نے انکار کیا۔ عرض کی گئی اس انکار سے کون مراد ہے۔ آپ نے فرمایا منکر وہ ہے جس نے " لا الٰہ الا اللہ " نہ کہا۔ اسی لیے تم پر لازم ہے کہ " لا الٰہ الا اللہ " بکثرت کہا کرو، قبل اس کے کہ تم پر موت آئے کیونکہ یہی کلمہ توحید اور عروہ وثقیٰ اور جنت کا ثمن ہے جیسے جزء العصر والضحیٰ کا ثمن کا ترجمہ ہے اور صورت و معنی سے قلب و روح مراد ہے اسی میں از بار قبہ و ثمرات الاسرار ہیں اور یہ ظاہر کی جنس سے کہیں بلند و بالا اور اولیٰ و اعلیٰ ہے کیونکہ ہر کمال انسانی کی تاثیر اور اس کی تجلیات سے ہے جو اپنے باطن کی اصلاح کرتا ہے اس کے ظاہر کی اصلاح خود بخود ہو جاتی ہے جیسے درخت کہ اگر اس کی جڑیں صحیح سالم اور مضبوط ہوں تو پھر اس پر شاخیں اور پھل وغیرہ میں پیدا ہوتا ہے ورنہ سوکھ جاتا ہے ۔

ہم اللہ تعالیٰ سے عشق و محبت میں مبتلا ہونے اور توحید کا استغراق اور ماسویٰ کی بربادی کا سوال کرتے ہیں

بقیہ نمبر ۸۲۵

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنسِفُهَا رَبِّي
اور تم سے پہاڑوں کو پوچھتے ہیں تم فرماؤ انہیں میرا رب ریزہ ریزہ کرکے
نَسْفًا ﴿١٠٥﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿١٠٦﴾ لَّا تَرَىٰ فِيهَا عِوَجًا وَلَا أَمْتًا ﴿١٠٧﴾ يَوْمَئِذٍ
اڑا دے گا تو زمینوں کو پٹ پر ہموار کر چھوڑے گا کہ تو اس میں نیچا اونچا کچھ نہ دیکھے اس دن پکارنے
يَتَّبِعُونَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهُ ۖ وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَٰنِ فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا
والے کے پیچھے دوڑیں گے اس میں کجی نہ ہوگی اور سب آوازیں رحمٰن کے حضور پست ہو کر رہ جائیں گی تو تو نہ سنے گا مگر بہت
هَمْسًا ﴿١٠٨﴾ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ
آہستہ آواز اس دن کسی کی شفاعت کام نہ دے گی مگر اس کی جسے رحمٰن نے اذن دے دیا ہے اور اس کی بات پسند
قَوْلًا ﴿١٠٩﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ﴿١١٠﴾ وَعَنَتِ
فرمائی وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے اور ان کا علم اسے نہیں گھیر سکتا اور سب منہ
الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ ۖ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿١١١﴾ وَمَن يَعْمَلْ مِنَ
جھک جائیں گے اس زندہ قائم رکھنے والے کے حضور اور بیشک نامراد رہا جس نے ظلم کا بوجھ لیا اور جو کچھ نیک کام کرے
الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا ﴿١١٢﴾ وَكَذَٰلِكَ أَنزَلْنَاهُ
اور ہو مسلمان تو اسے زیادتی کا خوف ہوگا نہ نقصان کا اور یونہی ہم نے اسے عربی
قُرْآنًا عَرَبِيًّا وَصَرَّفْنَا فِيهِ مِنَ الْوَعِيدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ أَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ
قرآن اتارا اور اس میں طرح طرح سے عذاب کے وعدے دیئے کہ کہیں انہیں ڈر ہو یا ان کے دل میں
ذِكْرًا ﴿١١٣﴾ فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۗ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِن قَبْلِ أَن
کچھ سوچ پیدا کرے تو سب سے بلند ہے اللہ سچا بادشاہ اور قرآن میں جلدی نہ کرو جب تک اس کی وحی تمہیں
يُقْضَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ ۖ وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا ﴿١١٤﴾ وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِن
پوری نہ ہولے اور عرض کرو کہ اے میرے رب مجھے علم زیادہ دے اور بیشک ہم نے آدم کو اس سے پہلے ایک تاکیدی
قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا ﴿١١٥﴾
حکم دیا تھا تو وہ بھول گیا اور ہم نے اس کا قصد نہ پایا

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

چنانچہ اس نے خود فرمایا کہ ایسے لوگوں کے لیے بہت زیادہ احسان و کرم ہے۔ کما قال فی القرآن المجید :

للذين احسنوا الحسنى وزيادة ۔

تفسیر عالمانہ: ويسئلونك عن الجبال۔

حل لغات: سوال یا وہ شے جو معرفت کا سبب بنے اسے طلب کرنے کو سوال کہتے ہیں۔ اس کا جواب زبان سے یا ہاتھ سے ہوگا۔ جواب یا تو زبان کا خلیفہ ہے اور ہاتھ کی نیابت کتابت سے ہوگی یا اشارہ سے جیسے ہو مال یا اس کے قائم مقام کسی شے کی طلب کو بھی سوال کہا جاتا ہے اس کا جواب ہاتھ سے ہوتا ہے اس کی نیابت زبان بھی کرتی ہے اور زبان کا جواب یا وعدہ یا اس کے رد کرنے سے ہوتا ہے۔

ف: کبھی سوال اظہار وعدہ کرنے کے لیے ہوتا ہے اور کبھی مخالفت کا خاموش کرانے کے لیے اور کبھی مشغول سے متعارف کرانے کے لیے اور کبھی اس پر تنبیہ مطلوب ہوتی ہے تاکہ مخاطب کو معلوم ہو اور اس سے مطلع ہو سکے۔

جب متعارف کرانے کے لیے ہو تو متعدی الی المفعول الثانی کبھی بلا واسطہ ہوگا اور کبھی حرف جارہ سے جیسے کہا جاتا ہے

سألته كذا وسألته عن كذا وبكذا۔

لفظ عن سے زیادہ متعدی ہوتا ہے جیسے آیت بالا میں ہے۔ اور اس سے مال کی استدعا مطلوب ہو تو وہ متعدی ہوگا یا حرف من کے ساتھ ہوگا جیسے

واذا سألتموهن متاعا فاسئلوهن من وراء حجاب۔

ف: الجبال: جبل کی جمع ہے وہ عظیم و طویل شے جو زمین میں گاڑی جائے اور ہر جملہ استقرار رکھنے کی مناسبت سے مختلف اشیاء میں مستعمل ہے مثلاً فلان جبل۔ ہر وہ شخص جو اپنے ارادے کا پختہ ہو ایسے ہی جس شخص میں ثبات و دوام ہو اس پر بھی اس کا استعمال ہوتا ہے مثلاً

جبله على كذا۔

واس شخص کے لیے بولتے ہیں جس طبیعت پر اس کی تخلیق ہوتی ہو اور وہ اس میں ایسی راسخ ہو کہ اس سے اس کا ازالہ ممکن نہ ہو یا اس سے اس کی خلقت جدا ہو۔ اسی لیے جسم بڑی جماعت کو بھی جبل کہا گیا ہے۔ کما قال تعالیٰ:

ولقد اضل منكم جبلا كثيرا۔

جبلاً یعنی جماعت اور اسے کثرت کی وجہ سے جبل سے تشبیہ دی گئی ہے۔

ف: دنیا میں کل چھ ہزار چار سو تہتر پہاڑ ہیں لیکن ان سے بڑے بڑے پہاڑ مراد ہیں۔ بڑے بڑے چھوٹے اور چھوٹے چھوٹے پہاڑ مراد نہیں ہیں۔

مطلب یہ ہوا کہ آپ سے پہاڑوں کے انجام کے متعلق سوال کرتے ہیں۔

شانِ نزول: یہ سوال ثقیف قبیلہ کے کسی شخص نے کیا تھا کہ یا رسول اللہ قیامت میں اللہ تعالیٰ ان پہاڑوں کے ساتھ کیا کرے گا۔

فَقُلْ ۔ فاء سائلین کے الزام کی سرعت کے لیے ہے۔ کاشفی نے لکھا ہے کہ آپ انہیں جواب میں فرمائیے کہ،

يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ۝ میرا پروردگار اپنی قدرت سے انہیں ریزہ ریزہ کرے گا۔

نسف۔ نسفت الریح الشئ سے ہے یعنی ہوا نے فلاں شے کو جڑ سے اکھاڑ ڈالا۔ اور کہتے ہیں کہ نسف البناء ینسفہ اس نے اپنی بنا کو جڑ سے اکھاڑ ڈالا۔ اور ایسے ہی اللہ تعالیٰ قیامت میں تمام پہاڑوں کو جڑ سے اکھیڑ ڈالے گا۔

ف: القاموس میں ہے کہ انہیں جڑ سے اکھیڑ کر اڑتی غبار کی طرح بنا دے گا۔

ف: الارشاد میں ہے کہ انہیں ریت کی طرح ریزہ ریزہ کر دے گا پھر ان ذرات کو ہوا اڑا کر لے جائے گی۔

ف: تفسیر کبیر میں ہے کہ ممکن ہے کہ بعض کفار نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا ہو کہ تم دعویٰ کرتے ہو کہ یہ دنیا فانی ہے تو پھر کسی شے کا اجزاء و فنا ثابت ہوتا اگر پہاڑ جیسے کھڑے ہیں ان میں معمولی سی کمی بھی واقع نہیں ہوئی جیسے تھے ویسے ہی ہیں۔ اسی لیے جالینوس آسمانوں کے قدیم ہونے کا قائل ہوتے ہوئے اس پر پہاڑوں کی مثال دیتا ہے۔ اس کا ازالہ یوں کیا جائے کہ شے کا بطلان کبھی تدریجی ہوتا ہے یعنی اسے نقصان بتدریج ہوتا ہے اور پھر یکبارگی وقت اس کا ظہور ہوگا اللہ تعالیٰ اس مشیئت عالم جسمانی کو اپنی مشیئت و ارادہ میں مٹانا مقدر کر چکا ہے۔ پھر جب انہیں مٹایا جائے گا تو یک وقت مٹ جائیں گے۔ دنیا اور اس کے پہاڑوں کی مثال اس نوجوان کی سی ہے کہ جس کا بظاہر جسم قوی اور مضبوط ہے لیکن جب اچانک موت کا شکار ہوتا ہے تو اس کے مضبوط اور قوی جسم کو مٹا دیا جاتا ہے۔ دیکھئے جب وہ نوجوان اچانک فوت ہوا تو اس کے لیے پہلے مرض کا ہونا ضروری نہ تھا۔ ایسے ہی یہ دنیا اچانک مٹے گی۔ اس لیے ضروری نہیں کہ اس کے مٹنے کے اسباب پہلے ظاہر ہوں ؎

دیدی آن قہقہۂ کبک خرامان حافظ
کہ ز سرپنجۂ شاہین قضا غافل بود

ترجمہ: اے حافظ! ایک خراماں کے قہقہ کو دیکھ کر تعجب کیجئے کہ وہ کس طرح شاہین قضا کے پنجہ سے غافل ہے۔

سوال: یہ سوال تو یہ ہے کہ یہاں ویسئلونک میں فاء جزائیہ تھی۔ فاء کے ساتھ جواب دیا اور یسئلونک عن الیتامی قل اصلاح میں فاء کے بغیر کیوں؟ حالانکہ مضمون ایک ہی طرز کا ہے اور ایک جگہ فاء کے ساتھ تو دوسری جگہ فاء کے بغیر۔

جواب: دراصل یہاں پر ان حرف شرط محذوف ہے۔ دراصل عبارت ان سئلوک ... الخ ہے۔ اسی لئے یہاں فاء لائی گئی

میں ہوا، یہ نہیں تھا جن کے سوال کو مقدم ذکر فرمایا اور دوسری آیت میں مقدر سوال کئے گئے تھے۔ ان کے سوال کے جواب میں فاء کی ضرورت نہ تھی۔ اس کی مثال دوسری آیت وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۔۔۔ الخ ہے۔ ایسے ہی دیگر مقامات میں بھی ایسے ہی ہے کہ سوال ہو چکا تو ان کے جواب میں فاء نہیں لائی گئی۔

فائدہ صوفیانہ: روایت میں ہے کہ اے محبوب! مجھے قریب وہ دن ہو گا آپ سے چاندوں کے بارے میں سوال کریں کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ ان سے کیا کرے گا تو آپ انہیں فرمائیے کہ میرا پروردگار انہیں اپنی قدرت کاملہ سے ریزہ ریزہ کر دے گا۔ جیسے صفت با ہیبت سے کوہ طور کو ریزہ ریزہ بنا دیا۔

فَيَذَرُهَا

حل لغات: اہل لغت کہتے ہیں: ذَرْهُ يَذَرُهُ یعنی فلاں شے کو چھوڑ دیا۔ اس کی ماضی مستعمل نہیں ہوتی۔ اسی لیے وذر کا صیغہ نہیں آتا۔

اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ زمین کو ایسے اور اس کے مرکز چھوڑ دے گا۔

قَاعًا: خالی مکان، یہ اصل قوع تھا۔

ف: القاموس میں ہے کہ القاع وہ نرم اور کھلی زمین جس سے پہاڑ اور ٹیلے چھوٹ نکلیں۔

صَفْصَفًا ○ بار یہ معلوم ہو گا جیسے اس کے اجزاء برابر ہو رہے ہیں گویا ایک صف میں ہیں۔

لَّا تَرٰى فِيْهَا یہ صفت ثانیہ ہے قاعًا صفصفًا کے اوصاف کی کیفیت بیان کرنے کے لیے ہے اور خطاب ہر شخص کو ہے جسے رویت حاصل ہے۔ پہلے اس وقت دیکھتے ہیں رویت بصیرت سے پہاڑوں کی قوم کو نہیں دیکھ سکو گے۔ **عِوَجًا** بالکسر کسی قسم کا ٹیڑھا پن یعنی اس کے حق ہونے کی صفت یہ معانی کے حق ہونے کے قبیل سے ہے کیونکہ عوج بالکسر معانی سے مختص ہے۔

ف: المفردات میں ہے کہ یہ سے حال سے ٹیڑھا ہونا ہے۔ العوج اس کا استعمال ہوتا ہے جن کا بصرت سے ادراک کیا جاتا ہے جیسے کسی لکڑی کا ٹیڑھا پن اور عوج بالکسر وہ ٹیڑھا پن جس کا ادراک فکر و بصیرت سے کیا جائے جیسے سیدھی زمین اور دین اور معاش وغیرہ۔

وَّلَآ اَمْتًا ○ اور نہ ہی تھوڑی سی اونچائی۔

حل لغات: زمخشری نے کہا کہ الامت یعنی النتؤ الیسیر یعنی تھوڑی سی اونچائی۔

ف: القاموس میں ہے کہ الامت یعنی المکان المرتفع اور چھوٹے ٹیلے یعنی اس وقت زمین پر نہ پانی دیکھو گے اور نہ ہی اونچائی۔

ف: المناسبات میں لکھا ہے کہ اس وقت زمین پر اونچائی اور نیچائی کا کوئی فرق نہ ہوگا۔

ف: جلالین میں ہے کہ اس میں نہ انخفاض (نیچائی) دیکھو گے نہ ارتفاع (اونچائی)۔

ف: تفسیر مظہری میں ہے کہ عوجاً پستی ہونا یعنی ضمار کی اونچائی۔ ولا امتاً اور نہ بلندی و اونچائی۔

يَوْمَئِذٍ جس دن کہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے یعنی وقت النفخ کی طرف صفات اور يَتَّبِعُوْنَ کی طرف ہے یعنی اس وقت لوگ پیچھے چلیں گے۔ الدَّاعِيَ اس پکارنے والے جو محشر و موقف کی طرف بلائے گا۔ اس سے حضرت اسرافیل علیہ السلام مراد ہیں وہ نفخ ثانیہ کے وقت صخرۂ بیت المقدس پر کھڑے ہو کر لوگوں کو یوں ندا دے کر بلائیں گے:

أيتها العظام البالية والأوصال المتفرقة — اے بوسیدہ ہڈیو! اے متفرق جوڑو! اور اے گوشت

واللحوم المتمزقة قوموا الى عرض — کے ٹکڑو! اٹھو رحمٰن کے پیش ہونے۔

الرحمٰن۔

پس ہر طرف سے لوگ اٹھیں گے اور اس کی آواز کی طرف چلے جائیں گے لَا عِوَجَ لَهٗ کوئی کجی اس پکارنے سے جس کو نہ جانے گا سیدھے اسی کی طرف چلیں گے جہاں سے بلانے والا بلا رہا ہوگا کیونکہ زمین کا کوئی حصہ بھی اونچا نیچا نہ ہوگا اس لیے سیدھے اسرافیل علیہ السلام کی آواز کی طرف چلے جائیں گے۔ وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ اور گھبراہٹ کی شدت اور رب تعالیٰ کی ہیبت سے آوازیں پست ہو جائیں گی۔

حل لغات: الخشوع والخضوع بمعنى التواضع والسكون یا خشوع استعمال صوت و بصری اور خضوع بدن کے لیے ہوتا ہے۔

ف: المفردات میں ہے کہ الخشوع بمعنی الضراعة خشوع کا اکثر استعمال اس پر ہوتا ہے جو اعضاء میں پایا جاتا ہے اور ضراعة کا جو قلب میں ہو۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ اگر قلب خاشع ہو تو ارکان اعضاء بھی خاشع ہو سکتے ہیں۔

ف: الصوت ہوا جو ٹکرانے سے جو بھی سنائی دے آواز کہتے ہیں اور وہ عام ہے انسان اور غیر انسان سب کے لیے۔ لیکن حرف نطقاً صرف انسان سے مخصوص ہے۔

فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا تو نہ پاؤ گے مگر ہلکی سی آواز یعنی حروف صوت کا اصل میں همس ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں:

همس الاقدام قدموں کے چلنے کی ہلکی آواز جو آہستگی سے سب سے مخفی ہو جائے۔

ف: کاشفی نے کہا ہے کہ اس وقت سنو گے مگر زیادہ آواز یعنی قدم شریں چلنے وقت قدم اتنا آہستہ اٹھائیں گے کہ ان کی آواز نہایت زیادہ پست ہوگی۔

صوفیانہ تفسیر حضرت امام غزالی قدس سرہٗ "الدرة الفاخرة" میں لکھتے ہیں کہ جب اسرافیل علیہ السلام پہلا صور پھونکیں گے تو پہاڑ اٹھتے ہوئے نظر آئیں گے اور دنیا کی تمام چیزیں ... مل جائیں گے۔ پھر اس وقت زمین پر

پر نہ پانی ہوگا نہ ہوا ہوگی اور آسمان سے جدا ہو جائیں گے اور زمین پر اعمال پیش ہو جائیں گے۔

بدلہ اور جزا و سزا کا [illegible] ہو جائے گا زمین و آسمان میں کوئی بھی نہ رہے گا پھر اللہ تعالیٰ [illegible] کو ایک حکم دے گا تو پھر اس سے [illegible] اٹھیں گے [illegible] اپنے پیٹ میں سے لے لیں گے [illegible] زمین سے پانی نکل جائے گا زمین کا پانی سیاہ ہو جائے گا اور آسمان سیاہ تیل کی طرح اور ایسے معلوم ہوں گے گویا آنچ سے پگھلا ہوا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ عرش کے نیچے سے [illegible] کی طرح برسے گا جس سے انسان کی منی کی طرح کے قطرات نیچے زمین پر گریں گے تو ان قطرات سے انسانوں کے اجسام اگیں گے [illegible] جوان جس ہیئت میں مرے تھے اسی ہیئت میں اٹھیں گے پھر عرش کے نیچے سے ایک لطیف اور نرم ہوا چلے گی اس سے زمین صاف ہوگی جس پر نہ پہاڑ ہوں گے نہ اونچائی نہ نیچائی۔ پھر اللہ تعالیٰ اسرافیل علیہ السلام کو حکم فرمائے گا۔ وہ صخرۂ بیت المقدس پر صور پھونکیں گے۔ اس کے صور کے سوراخ سے روحیں نکل کر اپنے اجسام میں داخل ہوں گی یہاں تک کہ انسانوں کے علاوہ وحوش، طیور وغیرہ اسی طرح سب زمین کے ساہرہ یعنی اس کے اوپر پھیل جائیں گے۔ جبکہ اس سے قبل وہ سب زمین کے اندر پڑے ہوئے تھے۔ بعض نے کہا کہ ساہرہ جہنم کے کنارے پر ایک جنگل کا نام ہے۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ساہرہ ایک ایسی زمین ہے جو سفید چاندی کی طرح صاف و شفاف ہے جب سے اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا فرمایا اس پر کسی معصیت کا ارتکاب نہیں ہوا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ [illegible] [illegible] اس میں [illegible] کی وجہ سے [illegible] دیکھو گے [illegible] اور [illegible] اس میں اونچائی نیچائی۔

یعنی [illegible] دار السلام [illegible] جس کی دعوت کو دنیا میں قبول کیا ہوگا۔ [illegible] اسی [illegible] ہوگا جیسے جب دنیا میں اس کی اتباع میں زندگی بسر کی تو پھر آج آخرت میں [illegible] کریں گے [illegible] اپنی ہمت [illegible] کے مطابق اپنے مالک حق تعالیٰ کی دعوت کے مطابق ہوگا [illegible] کا قول:

"واللہ یدعوا الی دار السلام ویھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔"

اس سے ثابت ہوا کہ [illegible] انسانوں کی [illegible] ہر قسم کے [illegible] دعوت [illegible] حق کے [illegible] ہوتے ہیں [illegible] جا سکتا ہے۔

ف: [illegible] دنیا [illegible] جنت قربت کی دعوت [illegible] اگرچہ اس کے مراتب [illegible] مختلف ہوتے ہیں۔

وخشعت الاصوات للرحمٰن یہ داعی اللہ کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ جب کسی بندہ خدا کو ربوبیت کی صفت سے دعوت دیتا ہے تو اس کی آواز پست اور نہایت ہی ضعیف ہوتی ہے۔ فلا تسمع الا ھمسا اس کی دعوت کے بعد ان کے مجیبین کے قدموں کی آواز نہایت ہلکی ہوتی ہے جب کہ وہ ان کی دعوت کو قبول کرنے کے لیے ان کے پاس حاضری دیتے ہیں۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ داعی حق کی اتباع کرے کیونکہ ماسوی الحق کے باقی ہر شے باطل ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

۱۔ در دوی جز تو شتہ غل کو
کل شئ ما سوی اللہ باطل

۲۔ باطلند و مینمایندم رشد
زانکہ باطل باطلاں را می کشد

۳۔ اشتر گوری صیاد توست این
تو کشش می بیں عبادت را مبین

۴۔ گر شدی محبوس جذاب و عیار
پس تماذی ایں جہاں دار القرار

۵۔ گیر دیدی کوپلہ سگ می دود
مسخرۂ دیو ستنبہ مے شود

۶۔ در پی او گر شدی مانند حیز
پاے خود را وا کشیدی گیر تیز

۷۔ گاو گر واقف ز قصاباں بدی
کی پے ایشاں بداں دکاں شدی

۸۔ یا بخوردے از کف ایشاں سبوس
یا بدادے شیر شاں از چاپلوس

۹۔ ور بخوردے کی علف ہضمش شدی
گر ز مقصود علف واقف بدی

۱۰ - تو بهر کاری که گشتی پرست ؛
هیچ این هم بر تو پوشیده شده ست

۱۱ - بر تو گر پیدا شدی زان عیب و شین
زان رمیدی جانت بعد المشرقین

۱۲ - حال کاخر زان پشیمان می شوی
گر بود این حالت اوّل کی دوی

ترجمہ : ۱ - یہ جزو کل کا پابند ہے اس لیے کہ وہ مسلط فکر کے پیوستہ اعمال سے ہے ۔

۲ - یہ باطل میں بہتر ہیں اچھے لگتے ہیں اس لیے کہ باطل باطل کو کھینچتا ہے ۔

۳ - اشیاء کی ماہیت پوشیدہ ہے سب تم گلشن کو دیکھو سامان کو مت دیکھو ۔

۴ - اگر حجاب و حجاب کا عکس جیسے کہ پھر بھی جاں و مال اقرار دیتا ہوگا ۔

۵ - بلکہ وہ تیز رو کے ساتھ رو رہے سمجھ کر وہ ویران کے ساتھ اتفاق کر لیتا ۔

۶ - اس کے پیچھے آدمی کی طرح چھکتا ہے جو کہ جانا ہے جس نے پال اٹھاتا ہے ۔

۷ - کاش کہ اگر طالب کو اس کا عیب آتا تو اس کے ملک کا نام کچھ دیتے ۔

۸ - تو وہ اس سے کل کلتی اور دائمی ہو جاتی ۔

۹ - اور وہ تم کو جسم ہوتا جب تجھی کو اس کے مقصد کی غرض کیا ہے ۔

۱۰ - تو نے بھی جو کام اختیار کیا ہوا ہے اس چیز کا انجام بھی تجھ سے پوشیدہ ہے ۔

۱۱ - اگر تجھ پر اس کا عیب واضح معلوم ہو جاتا تو تیری جان اس سے بعد المشرقین دیکھ ۔

۱۲ - بالآخر تو اس سے پشیمان ہوگا۔ اگر پہلے سے علم ہوتا تو اس کے پیچھے نہ دوڑتا ۔

یَوْمَئِذٍ اس دن یعنی جب کہ وہ مذکورہ چیزیں کا ہونا واقع ہوں گے ۔ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ کسی بھی سفارشی کی سفارش کسی کو نفع نہ دے گی ۔

ف : المفردات میں ہے کہ امام راغب قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ الشفاعۃ یعنی کسی دوسرے کا الحاق ہونا جو کہ اس کی طرف سائل ہو کر اس سے مانگا ۔ اس کا اکثر استعمال اعلیٰ کا ادنیٰ کے ساتھ ملنا و سوال کے طلب کے لیے ہوتا ہے ۔ قیامت میں شفاعت کا معنی اسی سے ہے ۔

إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ مگر جسے رب رحمن نے اجازت بخشی ہوگی کہ وہ کسی کے لیے شفاعت کرے ۔

الاذن بمعنی الاعلام یعنی جس کو اپنی اجازت کی خبر دینا اور کہنا اس کام کی تمہیں رخصت ہے ۔ وَرَضِيَ لَهُ

قَوْلًا ۝ اور بات کہے سکے لیے اس سے راضی ہو یعنی اس کے لیے اس کے متعلق شافع سے راضی ہو اس کے سوا باقی کسی عام انسانوں کی سفارش کسی کو فائدہ نہ دے گی بفرضِ محال اگر کسی کو اجازت بھی ہو اور وہ مجرموں کی سفارش کریں بھی تب بھی قبول نہ ہو۔

کما قال تعالیٰ :

فما تنفعهم شفاعة الشافعين   انہیں سفارش کرنے والوں کی سفارش نفع نہ دے گی۔

آیت میں اسم المفاعیل سے استثنا ہے۔

يَعْلَمُ اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ **مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ** ان کے وہ حالات جو پہلے گزر چکے ہیں۔ **وَمَا خَلْفَهُمْ** اور گزشتہ امور سے ان کے بعد والی سے مرتد ہونے اور ضمیر والی کے تعیین کی طرف راجع ہے

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے ان امور کو جو انسانوں کو آخرت میں پیش آئیں گے اور ان کے وہ امور بھی جانتا ہے جو آخرت سے پہلے دنیا میں ان سے سرزد ہوئے۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اپنے بندوں کے وہ مختلف احوال جانتا ہے جو ان کے آغاز تخلیق میں لکھے گئے تھے اور ان کے اختلاف احوال الی الابد کو بھی۔

وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ۝ اور بحث علم وہ اتنی جو عالم اللہ تعالیٰ کے علم کو محیط نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ قدیم ذات ہے اور مخلوق کا علم قدیم کو محیط نہیں ہو سکتا۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ اس کی معرفت کی کنہ سے کل عالم عاجز ہے۔

کجا دریابد او را عقل چالاک
کہ بیرون ست از سرحد ادراک
تماشا می کن اسما و صفاتش
کہ آگہ نیست کس از کنہ ذاتش

ترجمہ: ① عقل چالاک اسے نہیں پاسکتی اس لیے ادراک کی سرحد سے وہ خارج ہے۔
② اس کے اسماء و صفات کا تماشا کیجیے کیونکہ اس کی ذات کی کنہ سے کوئی بھی آگاہ نہیں۔

صوفیانہ فائدہ اس کی ذات کے سوا اس کو کوئی نہیں جانتا ہے اور نہ اس کے سوا اس کا کوئی ذکر کر سکتا ہے۔ درحقیقت عالم میں وہی ہے اگر ہی وہی کیونکہ مخلوق حادث ہے اور فانی الوجود اور وہ قدیم باقی الوجود ہے اور باقی کا فانی کو ادراک نہیں ہو سکتا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ باقی کو صرف باقی پا سکتا ہے جبکہ اس کے ازلی کمالات کے ایک ذرہ کو کوئی بھی نہیں پا سکتا۔

اس لیے من کل الوجوہ اس کے وجود کو نہ صفاتاً پایا جا سکتا ہے اور نہ ذاتاً اور نہ سراً اور نہ حقیقتاً۔

ف: حضرت واسطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کی ذات کے احاطہ کے لیے راستے بند ہیں اور علمی لحاظ سے اس کا احاطہ یوں نہیں ہو سکتا اور آسمان کو بھی کوئی احاطہ نہیں کر سکتا جس کا جوہر محسوس ہو رہا ہے پھر وہ ذات کس طرح احاطہ میں آسکتی ہے جس کی کنہ میں عقول و افہام عاجز ہیں۔

ف: التاویلات میں ہے کہ احاطۃ العلم بہ یعنی شے کا وجود وجنس و کیفیت اور اس کی غرض معلوم کرنا جس کے لیے وہ شے پیدا ہوئی اور دیگر اس کے متعلقات جو اس کی غرض سے متعلق ہیں اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

فائدہ صوفیانہ: انوار المشارق میں ہے کہ طریقہ صوفیہ کرام میں ہے کہ جن اشیاء کی کنہ میں ادراک عاجز ہے ان کی طلب بھی جائز ہے ہاں ان امور کی طلب ناجائز ہے جن کا وجود عقلاً محال ہے۔

اس سے وہ اعتراض رفع ہو گیا جو کہا جاتا ہے کہ عقول بشریہ کو ذات الٰہیہ کا مطالعہ کب ممکن ہے جب کہ اس کی ذات کی کنہ عقول عاجز ہیں کہاں سورج کہاں چمگادڑ کی آنکھ۔

مسئلہ الشیخ محمد پارسا قدس سرہ نے فصل الخطاب میں لکھا ہے کہ جو شے عقلاً محال ہے اس کا ولایت کی کرامت سے صدور ناجائز ہے ہاں جس امر کے ادراک سے عقل کا قصور ہے اس کا صدور ولایت کی کرامت سے جائز ہے۔ جو شخص استبعاد و قصور عقل کا فرق نہیں کرتا وہ بے عقل اور جاہل ہے۔

مسئلہ الشیخ عز الدین: ذات حق اور اس کے صفات عقول کی نظر سے پوشیدہ ہیں۔ عارفین کی معرفت کی انتہا یہ ہے کہ وہ یقین کریں کہ معرفت ذات حق کی حقیقت غیر اللہ کو منکشف ہونا محال ہے ہاں عارفین مقربین بایں معنی پہچانتے ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کی معرفت نصیب ہوتی ہے جیسے صفات باری تعالیٰ اور اس کے عجائب مقدورات اور دنیا و آخرت کی عجیب و غریب منکشف ہوتی ہیں اسی کے بعد انہیں معرفت الٰہیہ نصیب ہوتی ہے پھر آخرت میں درجات کی بخشش اسی معرفت کی وجہ سے ہوگی۔

وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ؕ اور حی قیوم کے سامنے سب کے چہرے جھک جائیں گے۔

حل لغات: عنوت فیہم عنواً وعناءً سے ہے یعنی صرت اسیراً۔ میں قیدی ہو گیا۔ عنیت وخضعت کا ایک ہی معنی ہے۔ (کذا فی القاموس)

سوال: واقعہ قیامت میں ہو گا پھر اسے ماضی سے تعبیر کیوں کیا۔ یہاں تو تعنو کہنا چاہیے تھا؟

جواب: تاکہ تحقیق و ثبوت کو یقینی ہو۔ (کذا فی البحر العلوم)

الوجوہ کی لام جنس کی ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہاں ہر چہرہ مراد ہے، مومن ہو یا کافر، نیک ہو یا بد یا عہد کا ہے۔ اس سے صرف عاصیوں کے چہرے مراد ہیں۔ کما قال تعالیٰ،

سیئت وجوہ الذین کفروا :

مکلفین کے بجائے وجوہ کہنے میں اشارہ ہے کہ عاجزی کا ظہور چہروں میں ہوتا ہے۔ وکذا فی الکبیر

اب معنی یہ ہوا کہ قیامت میں حی و قیوم کے سامنے چہرے عاجز ہو جائیں گے اور ایسے ذلیل و خوار ہوں گے جیسے قیدی جابر قہری حاکم کے سامنے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وجوہ مکونات حی و قیوم کے لیے جھک جائیں گے کیونکہ ان کا زندہ ہونا اس کی حیات کی وجہ سے ہے اور وہ اپنے قیام و قوام میں اسی کے محتاج ہیں اضطراراً یا اختیاراً، ہر طرح سے اس کی ذات کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔

ف : العرائس میں ہے کہ عرف میں صاحب وجہ وہ ہے جو کثیر ذو وجاہت سے وجیہ تر ہو۔ اسی معنی پر حقیقی وجیہ انبیاء و مرسلین اور اولیاء مقربین ہیں اور لوگ وجوہ الورد حسین چہروں کو ذو وجاہت سمجھتے ہیں یہ ان کی غلطی ہے۔

ف : جملہ عالم کے حسین و جمیل ہونا اللہ تعالیٰ کے حسن و جمال اور جلال کا کرشمہ ہے۔ اگرچہ جملہ عالم کا ہر فرد یوسف کے حسن و جمال کا آئینہ دار ہو تب بھی اللہ تعالیٰ کے حسن و جمال کے آگے ماند ہے بلکہ جب وہ اپنے حسن ازلی سے حجاب اٹھائے گا تو تمام عالم اپنے حسن و جمال کو بھول کر اس کے آگے سر تسلیم خم ہو جائے گا۔

مولانا جامی قدس سرہ نے فرمایا : ؎

آنکس بجمال جاودانی آدم
حسن گذرندہ را ازاں بیزارم

ترجمہ : وہ جمال جو دائمی ہے مجھے اسی سے پیار ہے اور حسن فانی سے میں بیزار ہوں۔

اسم اعظم : حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسم اعظم کو ان تین سورتوں میں تلاش کرو :

① بقرہ ② آل عمران ③ طٰہٰ

ف : راوی نے فرمایا کہ وہ تینوں آیتیں "لا الٰہ الا ھو الحی القیوم" ان میں مشترک ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ○ اور بے شک خسارے میں ہے وہ جس نے ظلم اٹھایا یعنی جس نے شرک کیا بغیر تائب ہوئے مرا وہ بے بہرہ اور محروم رہا۔

ف : امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ الخیبۃ وہ شے جو مطلب کے فوت ہونے سے ہو (الخ)۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ : اعمال صالحہ میں سے بعض کا عمل اور من تبعیضیہ ہے یعنی وہ جو بعض نیک عمل کرتا ہے۔ وَهُوَ مُؤْمِنٌ اس لئے کہ وہ مومن ہو ایمان کی شرط صحت طاعات و قبول حسنات کے لیے ہے۔ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا

وَّلَا هَضْمًا اور نہ ثواب کے ضائع ہونے کا خوف کرے گا اور نہ اس کی کمی کا کیونکہ جس کا وہ مستحق ہے اس کا اللہ تعالیٰ سے وعدہ ہو چکا ہے اور اللہ تعالیٰ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

حل لغات: هضم الطعام اس سے ہے۔ امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ هضم بمعنی توڑنا جس میں نرمی ہو اس کے معنی ہو سکتے ہیں:

هضمته فانهضم (میں نے اسے آہستگی سے توڑا تو وہ ٹوٹ گیا)

هضم الطعام اسے کہتے ہیں جو معدہ میں پہنچ کر ہضم کر ڈالے کو کہا۔ الهاضوم وہ دوا جو طعام کو ہضم کرے۔ ونخل طلعها هضیم وہ کھجور جس کا گابھا نرم و نازک ہے۔ اس کے بعض اجزا بعض میں داخل جیسے شطرنج کی طرح ہیں۔

ف: جناب کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ اس دن ستم و بیداد سے نہ ڈرے گا جیسے زیادتی سیئات سے مجرم کرنا ہوگا اور نہ ہی حسنات کے ثواب میں کمی اور نقصان سے خوفزدہ ہوگا یعنی مومن کی حسنات میں کمی نہ کی جائے گی اور نہ اس کی برائیوں میں زیادتی۔

سبق: اعمال صالحہ پر التزام اور برائیوں سے بچنا لازم ہے کیونکہ قیامت میں ہر شخص کو اپنے اعمال کے اعتبار کا ثمرہ ملے گا۔ اعمال صالحہ سے ہی نیک انجام پائے گا اور سب سے افضل اعمال فرائض کی ادائیگی اور محارم سے اجتناب ہے۔

سبق سلیمان بن عبد الملک نے ابو حازم کو فرمایا کہ مجھے نصیحت فرمائیے لیکن اختصار کو مدنظر رکھنا۔ حضرت ابو حازم نے فرمایا کہ اے سلیمان بن عبد الملک اللہ تعالیٰ کو منزہ و مقدس جاننا اور ان امور سے بچنا جن سے اس نے روکا ہے جب کہ یہ تصور ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت دیکھ رہا ہے اور جن امور کا اس نے حکم کیا ہے ان کی ادائیگی میں ہر وقت کمربستہ رہنا۔

سبق بعض مشائخ نے فرمایا کہ خواہشات نفسانی کی اتباع کی ایک علامت یہ ہے کہ نفلی عبادات میں تو کمی اور اضافہ کیا جائے لیکن فرائض کی ادائیگی میں سستی کی جائے۔ اور عام لوگوں کا حال یہی ہے الا من عصمہ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ کیا نہیں دیکھتے کہ عام خیال صوفی اوراد و وظائف و نوافل پڑھتے ہیں اور محنت سے عبادات کی مشغولی رکھتے ہیں لیکن فرائض کی ادائیگی کرتے ہی نہیں اگر کچھ کرتے ہیں تو لاپرواہی سے۔ ایسے لوگ اصول دین کو ضائع کرنے کی وجہ سے وصول الی اللہ سے محروم ہیں۔

حکایت حضرت ابو محمد مرتعش رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے شرعی اصول کی پابندی اور تصوف کے قانون قدم قدم پر کے سلسلہ میں متعدد حج کئے۔ ایک روز میری ماں نے رات کے وقت پانی مانگا تو مجھے رات کی خدمت ناگوار گذری اس سے میں نے سمجھا کہ میرے وہ تمام حج جن پر اخلاص نہیں تھے۔ ان میں میرے نفس کی خواہش اور حظ نفسانی کی ملاوٹ تھی کیونکہ اگر ان میں اخلاص ہوتا تو آج مجھے پانی پلانے کے لیے طبیعت میں ناگواری کا تصور نہ آتا حالانکہ ان جیسا کسب حج سے اس حق شرعیہ یعنی ماں کی خدمت کو فوقیت ہے۔

مرشد کامل کی ضرورت: نیک اعمال سے بندہ عارف عابد ہو سکتا ہے لیکن معارف الٰہیہ اور وصول الی الصفات الالہیات

کے لیے مرشد کامل کی ضرورت ہے جو اس کے بغیر اس کا حصول ناممکن ہے یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے مشائخ اولیاء حضرت پیر ابدال کی صحبت کے لیے دور دور سفر کیے۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

من بسر منزل عنقا نہ بخود بردم راہ
قطع این مرحلہ با مرغ سلیمان کردم

ترجمہ: میں عنقا کی منزل تک از خود نہیں پہنچا بلکہ یہ منازل میں نے مرغ سلیمان کے ساتھ طے کیے۔

تفسیر عالمانہ وَكَذٰلِكَ: یہ اشارہ ان آیات سابقہ کی طرف ہے جن میں وعیدیں بیان کی گئیں اور بتایا گیا کہ کل قیامت میں ایسے ہولناک واقعات ہوں گے۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ سابقہ آیات کے انزال کی طرح۔ اَنْزَلْنٰهُ یعنی نازل کیا ہم نے قرآن۔

سوال: یہ قرآن کا ذکر نہیں اور پھر اس کی طرف ضمیر کیسے راجع ہو سکتی ہے؟

جواب: چونکہ اس کا تصور جملہ اذہان میں راسخ ہے اسی لیے اس کی تصریح کی ضرورت ہی نہیں اور یہ علم میں سب کو ہے یہی شکل ہے کہ ضمیر مفعول بہ انزلنہ کے مصدر انزال کی طرف راجع ہو یعنی اس انزال یقینی کی طرح ہم نے قرآن کو نازل کیا۔ دراں حالیکہ وہ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا قرآن عربی ہے یعنی وہ عرب پر نازل ہوا تاکہ عرب کے لوگ اس کے اعجاز کو سمجھیں اور انہیں یقین ہو کہ یہ کلام بشر کی حد سے باہر ہے۔

ف: آیت مجیدہ میں ہے کہ جیسے ہم نے آدم علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام پر صحائف و کتب ان کی زبانوں اور لغتوں میں نازل فرمائیں ایسے ہی ہم نے آپ پر لغت عرب میں قرآن اتارا۔ اور اللہ تعالیٰ کا حقیقی کلام تو وہ ہے جو اس کی صفت اور اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور وہ مختلف حروف و اصوات سے منزہ ہے کیونکہ حروف و اصوات مخلوق ہیں اور انہیں مختلف لغات اور مختلف زبانوں سے تعلق ہے۔

وَصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ:

حل لغات: التصریف بمعنی ایک شے کو ایک حالت سے دوسری حالت پر پھیرنا یا اسے غیر کے ساتھ بدلنا۔ التصریف بھی یہی معنٰی ہے لیکن اس میں تکثیر کا مطلب ہوتی ہے اور اکثر صرف کا اطلاق ایک شے کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف یا ایک امر کو دوسرے امر کی طرف پھیرنا ہے۔ تصریف الریاح کا یہی مطلب ہے کہ انہیں ایک حال سے دوسرے حال کی طرف پھیرا جاتا ہے۔ الوعید بمعنی تہدید یعنی خوف اور ڈر دکھانا۔

اب معنٰی یہ ہوا کہ ہم نے قرآن مجید میں بعض وعیدیں بار بار بیان کیں۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ جیسے ذکر طوفان اور رجفہ وصیحہ اور صاعقہ و مسخ۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہم نے آپ کی قوم کو ان مختلف عقوبات سے ڈرایا جن میں سابقہ امتیں مبتلا ہوئیں اور پھر بار بار انھیں ڈرایا تاکہ عبرت حاصل کریں۔

ف: تفسیر الکبیر میں ہے کہ ان میں فرائض احکام بھی داخل ہیں کیونکہ یہ بھی وعیدات پر مشتمل ہیں۔

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ تاکہ وہ بالکل کفر و معاصی سے بچ جائیں۔ أَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ۝ اور انھیں یاد کرائے یعنی قرآن مجید ان کے لیے ایقاظ و اعتبار کی تجدید کرے تاکہ پہلے لوگوں کے حالات کی ہلاکتیں اور تباہیاں دیکھ کر اپنی آخرت سنواریں اور متقی اور پرہیزگار بن جائیں۔

ف: والحدوث الشی یعنی ایجاد اور الحدث یعنی کسی شے کا عدم کے بعد موجود ہونا وہ عرض ہو یا جوہر۔

فَتَعَالَى اللَّهُ۔ تعالیٰ کا مادہ علو ہے یعنی ہر اونچے سے اونچا اور بزرگ سے بزرگتر مرتبہ اللہ تعالیٰ کا مرتبہ بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے کیونکہ وہی تو وہ واجب الذات ہے اور اس کا ماسوا ہی اس کے ذات اور کل کائنات ممکن اور وہ ناواجب۔ اور واجب و ممکن کے مابین مماثلت کیسی؟

ف: والاشارہ میں ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا بیان ہے اور ان عظمتوں کو ظاہر کرنا ہے کہ جن سے وہ اپنے بندوں پر امر و نہی کا تصرف کرتا ہے اور وعید و وعدہ کرتا ہے اور اپنی ذات و صفات و افعال و احوال میں مخلوق کی مماثلت سے منزہ و مقدس ہے۔

الْمَلِكُ۔ وہی حقیقی بادشاہ اور اسی کی حقیقی نہی و امر نافذ ہے اور صرف اسی کے وعدہ کی امید اور صرف اسی کی وعید سے خوف رکھنا چاہیے۔ الْحَقُّ۔ حقیقت میں اسی کی سلطنت ثابت ہے الوہیت حقیقی اسی کی ہے اور ہر شے کا ذاتی مالک ہے۔ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَى إِلَيْكَ اور قرآن مجید کے نزول سے پہلے جلدی نہ کیجیے قبل اس کے کہ آپ تک پہنچایا جائے اور سننے سے فراغت نہ پائی جائے قضی یعنی فرغ آتا ہے۔

کما قال تعالیٰ:

لقضی الیہم اجلہم — ان کی مدت تو ابھی ان کے اجل سے فارغ ہوا۔

وَحْيُهُ۔ وحی یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کی قرأت سے۔

شان نزول جب قرآن مجید حضرت جبرائیل علیہ السلام حضور علیہ السلام کے سامنے پڑھتے تو حضور علیہ السلام ان کے پیچھے پڑھتے تو حضور علیہ السلام ان کے یاد کرنے میں جدوجہد کرتے۔ آپ کو اس طرح سے روکا گیا کیونکہ بسا اوقات ایسے مواقع بھی آتے ہیں کہ جلد پڑھنے اور اس کے جمع کرنے والا کر رہ جاتا ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ اے حبیب کریم صلے اللہ علیہ وسلم آپ خلاف نسیان اور کسی حرف کے رہ جانے کی مخافت و تکمیل سے پہلے جلدی نہ کیجیے جب وہ پڑھ کر فارغ ہو جائیں پھر پڑھیں۔

تاویلات نجمیہ کی بہترین توجیہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاموشی سے سننے اور اس میں تدبر کا حکم ہوا تاکہ آپ کو اس کے انوار و اسرار سے نور حاصل ہو اور حقائق کا کشف نصیب ہو۔ اسی لیے اس کے بعد فرمایا:

وَقُلْ اور اپنے دل میں کہئے۔ **رَّبِّ** اے میرے پروردگار! **زِدْنِی** بڑھا مجھے **عِلْمًا ○** علم میں اور اس کے حقائق کے ادراک میں کیونکہ وہ غیر متناہی ہیں اور مجھے اس کے انوار سے نور بخش اور اس کے احکام کے مطابق بنا۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا کہ اس سے علم القرآن مراد ہے کیونکہ جونہی قرآن مجید کا نزول ہوتا تو اس سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں اضافہ ہو جاتا۔

ف: محمد بن الفضل نے فرمایا کہ اس سے علم النفس مراد ہے یعنی مجھے اپنے نفس اور اس کے پوشیدہ شرور کا علم دے کیونکہ اس کا شر دھوکا اور مکر و فریب ایسا ہے کہ جسے آدمی جانتا ہے جب معلوم ہوگا تو میں اس کی مدد سے اس کی شرارتوں، مکر و فریب اور دھوکے سے بچ جاؤں گا۔

مسئلہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جب اس کو پڑھتے تو اس کے بعد یہ دعا مانگتے:

اللّٰھم زدنی ایمانا و یقینا۔ اے اللہ! مجھے ایمان اور اپنی ذات کے یقین میں اضافہ عطا فرما۔

یہ ابن مسعود کی تعبیر ہے یعنی انہوں نے ایمان و یقین کو ذات سے متعلق کیا اور غیر سے بیزاری کا اظہار، اور یہی اصحاب الاحوال ہے فقیر حقیر نے اپنے شیخ و مرشد قدس سرہ سے ایسے ہی سنا۔

فائدہ: بعض مفسرین نے فرمایا کہ جہاں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے طلب زیادتی کا کہا وہاں علم کا اضافہ مراد ہے۔

نکتہ: کاشفی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے زیادتی علم کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں خضر علیہ السلام کے حوالے کر دیا لیکن حبیب علیہ السلام کے مانگے بغیر خود علم عطا فرمایا کسی دوسرے کا آپ کو محتاج نہیں بنایا تاکہ معلوم ہو کہ جس ذات کو ادبنی ربی کا مکتب اور علمنی ربی کا سبق نصیب ہو اور جس نے درسگاہ وعلمک ما لم تکن تعلم سے علمت علم الاولین والآخرین کا نکتہ سیکھا ہو اس کے حقائق علوم و اسرار تک پہنچنا کس کی مجال ہے۔

علم ہائے انبیاء و اولیاء
در دلش رخشندہ چوں شمس الضحیٰ
ہاں کہ آموزگارش حق بود!
علم او بس کامل مطلق بود

ترجمہ: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر میں انبیاء و اولیاء کا علم سورج کی طرح چمکتا ہے۔

وہ عالم جس نے علم اللہ تعالیٰ سے سیکھا ہو تو اس کا علم کامل ہوگا۔

حکایت ابراہیم ہروی نے کہا کہ میں حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ کی محفل میں بیٹھا تھا۔ کسی نے کہا کہ فلاں فلاں کا شاگرد ہے۔ حضرت ابو یزید قدس سرہ نے فرمایا کہ ان مسکینوں نے مردوں سے علم حاصل کیا اور ہمارا علم تو اس ذات سے حاصل کردہ ہے جسے ہمیشہ دوام اور بقا ہے۔

کرامت حضرت ابوبکر کتانی نے کہا کہ مجھے خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں صنعا کی مسجد میں تھا، تمام لوگ عبدالرزاق سے حدیث شریف کا درس سن رہے تھے لیکن ایک نوجوان مسجد کے ایک کونے میں مراقبہ بیٹھا تھا۔ میں نے کہا کہ اے نوجوان! تم عبدالرزاق کی باتیں نہیں سنتے۔ اس نے کہا کہ میں تو رزاق کی باتیں سن رہا ہوں مجھے عبدالرزاق سے کیا کام؟ میں نے اسے کہا کہ اگر واقعی ایسے ہے تو بتائیے کہ میں کون ہوں؟ اس نے فرمایا کہ آپ خضر علیہ السلام ہیں۔

آیت میں علم کی شرافت اور بزرگی کا بیان ہے۔ سیدنا الشیخ الاکبر قدس سرہ نے فرمایا کہ علم اللہ تعالیٰ کا نور ہے جس کو اللہ عطا کرنا چاہتا ہے تو اس کے دل میں وہی نور ڈال دیتا ہے اور وہ علم اس دل میں قائم ہوتا ہے جو شخص کسی شے کو جاننا چاہتا ہے تو وہی نور حقائق اشیاء سے ایسے آگاہی پاتا ہے جیسے ہم آنکھوں سے دیکھ کر جانتے ہیں۔ علم بصیرت کے لیے ایسے ہے جیسے آنکھ بصر کے لیے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحابہ کرام نے عرض کیا کہ کونسا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا:

"العلم باللہ"

صحابہ کرام نے عرض کیا کہ ہم نے عمل کا پوچھا ہے، آپ علم بتاتے ہیں۔ تو پھر بھی آپ نے فرمایا: العلم باللہ۔ صحابہ کرام نے پھر اسی طرح عرض کی تو آپ نے فرمایا:

قلیل العمل ینفع مع العلم وان کثیر العمل لا ینفع مع الجہل۔
تھوڑا عمل علم کے ساتھ ہو تو نافع ہے لیکن بہت عمل جہل کے ساتھ نافع نہیں۔

ف: وہ علم غیر نافع ہے جس سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے علم غیر نافع سے پناہ مانگی۔ کما قال علیہ السلام:

اللھم انی اعوذ بک من علم لا ینفع۔ اے اللہ! میں علم غیر نافع سے پناہ مانگتا ہوں۔

ف: علم تصفیہ قلب کے بغیر ناممکن ہے اور تصفیہ قلوب اللہ تعالیٰ کے اعلیٰ قربات و افضل طاعات سے ہے اس لیے اکابر مشائخ کا مطمح نظر اصلاح قلوب اور باطن کی اصلاح تھی۔

پاک و صافی شو و از چاہِ طبیعت بدر آی
کہ صفائی ندہد آبِ تراب آلودہ

ترجمہ: چاہِ طبیعت سے باہر آ اور پاک و صاف ہو اس لیے کہ جس پانی میں مٹی کی ملاوٹ ہو وہ کبھی پاک و صاف نہ ہوگا۔

تفسیرِ عالمانہ وَلَقَدْ عَهِدْنَآ إِلٰٓى اٰدَمَ

حل لغات: عہد فلان الی فلان بعہد بمعنی القی العہد الیہ ... الخ یعنی فلاں نے اس کے ساتھ عہد کیا اور اس کی حفاظت کے لیے اسے وصیت کی۔ اور العہد بمعنی حفظ الشیء و مراعاتہ حالاً بعد حال۔ ہر حالت میں شے کی حفاظت اور نگرانی کرنا اور وہ پختہ امر جس کی نگرانی لازم ہو۔ اسے عہد سے بھی اسی لیے تعبیر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ایک عہد تو وہی ہے جو ہمارے عقول میں مرکوز ہے اور کبھی اس کا اطلاق اس پر بھی ہوتا ہے جس کی ہم کتاب اللہ و سنت رسول اللہ سے مامور ہیں اور اس امر کو بھی عہد کہا جاتا ہے جو شرعاً تو ہمارے لیے لازم نہیں لیکن ہم نے اسے اپنے اوپر خود لازم کر دیا جیسے نذر اور دیگر امور۔ آدم سیدنا ابو البشر علیہ السلام کا اسمِ گرامی ہے۔ وہ اس نام سے اس لیے موسوم ہوئے کہ ان کا جسم اطہر ادیم الارض سے تیار کیا گیا یا اس لیے کہ رنگ گندمی تھا۔ ادمۃ سے مشتق کیا گیا جیسے کہا جاتا ہے رجل آدم یعنی الاسمر یعنی گندمی رنگ والا۔

اور بعض نے کہا ہے کہ اس نام سے اس لیے موسوم ہوئے کہ مختلف عناصر اور متفرق قوتوں سے ان کی ترکیب ہوئی مثلاً کہا جاتا ہے:

جعلت فلانا

بعض نے کہا کہ وہ روح منفوخ [illegible] سے اطیب ہوئے اور انھیں عقل و فہم اور روحانیت سے نوازا گیا ان امور کی وجہ سے دیگر تمام مخلوق سے افضل ہو گئے۔ اسی لیے سالن کو عربی میں 'ادام' کہا جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے طعام لذیذ ہو جاتا ہے۔ اور بعض نے کہا کہ یہ عجمی لفظ ہے اسے عربی کے مادہ سے تعلق نہیں اور یہی زیادہ موزوں ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے آدم علیہ السلام کو حکم فرمایا اور تاکید فرمائی کہ درخت کو نہ کھانا اور یہ خاص درخت تھا جس کا ذکر ابھی آ چکا ہے۔

مِنْ قَبْلُ اس زمانہ سے پہلے۔ فَنَسِيَ تو عہد کو بھول گئے اور اس کے ایفا کا اہتمام نہ کیا یہاں تک کہ اس سے غافل ہو گئے۔

نسیان کی تحقیق

نسیان بمعنی شے کا یاد نہ رہنا یا بھولی ہوئی شے کا ترک۔

امام راغب نے فرمایا کہ انسان کا اس شے کو ترک کرنا جس کا ضبط اس میں بطور امانت رکھا گیا اس کا

سبب یا تو ضعفِ قلب یا غفلت یا عمداً اس سے لا پرواہی کی جائے کہ دل میں اس کا تصور داخل نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے جس نسیان کی مذمت کی ہے اس سے وہ نسیان مراد ہے جو قصداً ہو اور جس نسیان میں عذر ہو جیسے حدیث شریف میں ہے کہ میری امت سے خطا و نسیان مرفوع یعنی معاف ہے تو وہ نسیان ہے جس کا سبب انسان کی طرف سے نہ ہو۔

وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ○ اور ہم نے اس کا عزم نہیں پایا۔ اگر اس سے وجد بمعنی علم مراد ہو تو لہ اور عزما اس کے دو مفعول ہیں اور لہ عزما سے اس لیے مقدم ہے کہ لہ ظرف ہے۔ اگر اس سے وجود عدم کا بالمقابل مراد ہے اور یہی زیادہ موزوں ہے کیونکہ اسی معنے سے ہی فائدہ شرعی مرتب ہو سکتا ہے اور عزما اس کا مفعول ہے اور لہ نجد کے متعلق ہے۔

حل لغات: العزم فعل پر نفس کو پختہ کرنا اور اس کے اجتناب پر قلب کو مضبوط رکھنا۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے آدم علیہ السلام کو گندم کا دانہ کھانے پر پختہ ارادہ نہیں پایا یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جس معاملہ پر مامور ہوئے تھے اس پر ثابت قدم نہ پایا ورنہ انہیں شیطان نہ بہکاتا اور نہ ہی دھوکہ کرتا اور یہ آدم علیہ السلام کی ابتدائی زندگی میں ہوا اور ایسے دور میں تجربہ کاری اور پختہ رائے بہت کم ہوتی ہے۔ اسی لیے اگر انہوں نے گندم کا دانہ کھایا تو قابلِ مذمت نہیں وہ نہیں کہا جا سکتا کہ معاذ اللہ انہوں نے کم عقلی کی وجہ سے ایسے کیا۔ بلکہ ایسا کہنا خود کم عقلی کی دلیل ہے کیونکہ وہ تو ہم سب سے زیادہ عقیل و فہیم اور صائب الرائے تھے۔ اسی لیے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لو وزنت احلام بنی آدم بحلمہ لرجح حلمہ۔

اگر تمام بنی آدم کے عقول و فہم ایک پلڑے اور حضرت آدم علیہ السلام کی عقل و فہم دوسرے پلڑے میں ہو تو آدم کے عقل و فہم کا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔

خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ولم نجد لہ عزما۔

ف: غور کیجئے کہ ایسے بلند مرتبہ ہونے کے باوجود جب آدم علیہ السلام پر شیطان کے وسوسہ کا اثر ہوا تو پھر ہم کس باغ کی مولی ہیں!

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

دام سخت است مگر لطف خدا یار شود
ورنہ آدم نبرد صرفہ ز شیطان رجیم

ترجمہ: دام سخت ہے ہاں اگر اللہ تعالیٰ کا لطف شاملِ حال ہو جائے تو پھر آسانی ہے ورنہ آدم علیہ السلام بھی شیطان رجیم سے پگڑی نہ سنبھال سکے۔

ف: یہ اس وقت کی بات ہے جب انسان سے نسیان پر بھی مواخذہ ہوتا تھا۔ تو ہمارے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان و کرم ہے کہ ہمارے نسیان و خطا کو معاف کرا دیا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے ولقد عھدنا الی ادم من قبل یعنی ہم نے آدم علیہ السلام سے اس وقت وعدہ لیا جب کہ وہ اس وعدہ میں پہلا تھا اور ہمارے غیر سے اس کا تعلق نہ ہوا تھا اور ہمارے ماسوا کسی کی احتیاج میں تھا پھر جب وہ بہشت میں داخل ہوا تو نفس نے ہمارے وعدہ کو بھول کر شجرہ سے متعلق اور ابلیس کا مقید ہوا۔ ولم نجد لہ عزما اور ہم نے اس کا ارادہ نہ پایا۔ اس میں اشارہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور اپنے جمیع صفات کے ساتھ اس پر تجلی ہوا تو ان کی فطری صفات مغلوب اور صفات ربوبیت کے سطوات تجلیات سے مستور ہو گئے اور جب غیر اللہ کے ساتھ کا تعلق اور ماسوائے اللہ کے اشیاء کے ظلمات مٹ گئے پھر جب بشریہ حیوانیہ کے دواعی متحرک ہوئے اور شہوات نفسانیہ انسانیہ ابھرے اور حظوظ نفسانیہ کی دلدادگی میں مشغول ہوئے تو حقوق الہیہ کی ادائیگی کو بھول گئے اسی لیے انسان کو " ناس " سے تعبیر کیا گیا کیونکہ اس میں نسیان کا مادہ ہے۔ انہی اسباب سے اس میں بے شمار ظلمات پیدا ہوئے اور آدمی ان کے گھیرے میں پھنس گیا یہاں تک کہ وہ ظلمات شموس المعارف بادل اور آفاق عوارف پردے بن گئے تو معہود وعدہ میثاق الہیہ بھول گئے اور شجرہ منہی عنہ کے درخت ہو گئے۔

ف علامہ زمخشری نے کہا کہ یا انسان ما سمیت الا لنسیان " اے بیکار انسان! تیری فطرت ہی نسیان ہے " اذکر الناس (انسان بھولنے والا ہے) کو یاد کر۔ ارق القلوب قاس = تمام قلوب سے پہلا وہ قلب ہے جس پر قسوۃ کا غلبہ ہو "

ف ابوالفتح البستی نے بطریق معذرت اپنے نسیان کی معذرت کرتے ہوئے لکھا ہے

یا اکثر الناس احسانا الی الناس
یا احسن الخلق اعراضا عن الباس
نسیت وعدک والنسیان مغتفر
فاغفر فاول ناس اول الناس

ترجمہ ① اے لوگوں پر بکثرت احسان کرنے والے اور اچھے خلق والے اور غلطیوں سے چشم پوشی کرنے والے۔

② میں تیرا وعدہ بھول گیا اور بھول معاف ہے لہٰذا مجھے معاف فرمایئے اور سب سے پہلا انسان بھی بھول گیا۔

نسیان کے موجبات: حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ نسیان کے موجبات و اسباب ذیل ہیں:

① ہم و غم۔
② نظر بے محابا۔
③ کھڑے پانی میں پیشاب کرنا۔
④ کھٹے تفاح کھانا۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا

اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب سجدہ میں

اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ۝ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ

گرے مگر ابلیس اس نے نہ مانا تو ہم نے فرمایا اے آدم بیشک یہ تیرا اور تیری بی بی کا دشمن ہے تو ایسا

فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ۝ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا

نہ ہو کہ وہ تم دونوں کو جنت سے نکال دے پھر تو مشقت میں پڑے بیشک تیرے لیے جنت میں یہ ہے کہ نہ تو بھوکا ہو اور نہ

تَعْرٰى ۝ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ۝ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ

ننگا ہو اور یہ کہ تجھے نہ اس میں پیاس لگے نہ دھوپ تو شیطان نے اسے وسوسہ دیا بولا اے

يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ۝ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ

آدم کیا میں تمہیں بتادوں ہمیشہ جینے کا پیڑ اور وہ بادشاہی کہ پرانی نہ پڑے تو ان دونوں نے اس میں سے کھالیا

لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۫ وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ

اب ان پر ان کی شرم کی چیزیں ظاہر ہوئیں اور جنت کے پتے اپنے اوپر چپکانے لگے اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش

فَغَوٰى ۝ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ۝ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًۢا

واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی پھر اسے اس کے رب نے چن لیا تو اس پر اپنی رحمت سے رجوع فرمائی اور اپنے قرب خاص کی راہ دکھائی فرمایا تم دونوں مل کر جنت سے اترو

بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا

تم میں ایک دوسرے کا دشمن ہے پھر اگر تم سب کو میری طرف سے ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کا پیرو ہوا وہ نہ بہکے

يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ۝ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا

نہ بدبخت ہو اور جس نے میری یاد سے منہ پھیرا تو بیشک اس کے لیے تنگ زندگانی ہے اور ہم اسے

وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ۝ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ

قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے کہے گا اے رب میرے مجھے تو نے کیوں اندھا اٹھایا میں تو انکھیارا

بَصِيْرًا ۝ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ۝

تھا فرمائے گا یونہی تیرے پاس ہماری آیتیں آئی تھیں تو نے انہیں بھلا دیا اور ایسے ہی آج تیری کوئی نہ لے گا

وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ

اور ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں جو حد سے بڑھے اور اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہ لائے اور بیشک آخرت کا عذاب سب سے سخت تر

أَشَدُّ وَأَبْقَىٰ ﴿١٢٧﴾ أَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ فِي

کڑا اور سب سے دیرپا ہے تو کیا انہیں اس سے راہ نہ ملی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی سنگتیں ہلاک کر دیں کہ یہ ان کے بسنے کی جگہ

مَسَاكِنِهِمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي النُّهَىٰ ﴿١٢٨﴾

چلتے پھرتے ہیں بے شک اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کو

(بقیہ صفحہ نمبر)

⑤ کزبرہ کھانا۔

⑥ چوہے کا پس خوردہ کھانا پینا۔

⑦ قبروں کے کتبے پڑھنا۔

⑧ سولی چڑھے ہوئے کو دیکھنا۔

⑨ دو اونٹوں کی قطار میں چلنا۔

⑩ جوئیں زندہ چھوڑنا۔ (کذا فی روضۃ الخطیب)

مسئلہ: قاضی خان نے کہا ہے کہ جوئیں زندہ چھوڑنا جائز ہے لیکن انہیں مارنا مستحب ہے۔ المقاصد الحسنہ میں اضافہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مردوں کا مسگ استعمال کرنا اگر زیب و زینت سے نہ ہو مثلاً منہ کا مرض بخر (بدبو) ازالہ کرنا ہو تو جائز ہے۔

مسئلہ: عورت کو مسگ ملنا جائز ہے بشرطیکہ روزہ نہ ہو کیونکہ مسگ عورت کے لیے بمنزلہ مسواک کے ہے بلکہ ان کو مساگ استعمال کرنا زیادہ ضروری ہے کیونکہ ان کے دانت بہ نسبت مردوں کے زیادہ کمزور ہوتے ہیں بلکہ ان کا ہر عضو کمزور ہے اس لیے مسواک کے استعمال سے شاید ان کے دانت گر جانے کا خطرہ ہے۔

فائدہ طبیہ: مسگ مسواک کی طرح مسوڑھوں اور دانتوں کو مضبوط کرتا ہے۔

ف: نسیان کا سب سے بڑا سبب گناہ ہے ہم اللہ تعالیٰ سے اس سے بچنے اور معفو رہنے کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ: وَاِذْ قُلْنَا اور اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہماری گفتگو کے وقت کو یاد کیجئے جب کہ ہم نے کہا لِلْمَلٰٓئِكَةِ کل فرشتوں کو آسمانی اور زمین والوں سب کو۔ اس کی تحقیق گزری ہے۔ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ آدم علیہ السلام کو تحیہ و تکریم و تعظیم کا سجدہ کرو۔

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آدم علیہ السلام کے اس حال کو یاد کیجئے تاکہ واضح ہو کہ وہ عزیمت و ثبات والے نہ تھے۔

سجدۂ آدم کے استحقاق کے موجبات : حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کا استحقاق چند وجوہ سے تھا :

① آدم علیہ السلام کی تخلیق ایک عظیم الشان امر کے لیے ہوئی یعنی خلافت الٰہیہ کے لیے اس اعتبار سے وہ سجدہ کے مستحق تھے۔

② آدم علیہ السلام کو عالم خلق و امر اور ملک و ملکوت اور دنیا و آخرت کا جامع پیدا فرمایا بلکہ آپ کے جسم میں جو عالم کے ہر جزو کا نمونہ رکھا گیا عالم امر و آخرت کی کوئی ایسی شے نہیں جس کے حقائق آدم علیہ السلام کی روح میں نہ ہو غرضیکہ آدم علیہ السلام جملہ کائنات علوی سفلی اور ظاہری باطنی کا خلاصہ ہیں اور ملائکہ کرام کی تخلیق صرف عالم امر و ملکوت سے ہوئی انہیں عالم خلق و ملک سے کوئی تعلق نہیں۔ اسی نسبت کمال کی وجہ سے سجدہ کے مستحق ہوئے اور ملائکہ کو یہ کمال حاصل نہیں بلکہ وہ عالم خلق و ملک سے غیر متعلق ہونے کی وجہ سے نقص کے حامل ہوئے اسی وجہ سے وہ آدم علیہ السلام کے ہم مرتبہ نہیں۔

③ تمام ارواح ملکیہ وغیرہ کی بہ نسبت آدم علیہ السلام کی روح احسن تقویم انسان کی صورت و اسی صورۃ یعنی صورت رحمٰن پر پیدا ہوئی اور ملائکہ اگرچہ حسن کمال روحانی میں پیدا ہوئے لیکن صورت رحمٰن ان کو نصیب نہیں اس سے یہ دونوں حالتوں یعنی روحانی اور جسمانی لطافت میں ملائکہ سے افضل ہے اسی لیے وہ سجدہ میں گرے تاکہ معلوم ہو کہ آدم علیہ السلام ان سے افضل و اعلیٰ ہیں۔

④ آدم علیہ السلام کو یہ شرف نصیب ہے کہ ان کے جسم کی تیاری کے لیے ان کے گارے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے ہاتھ سے چالیس روز گوندھا و نفخت فیہ من روحی ان کے لیے فرمایا اور ان کی روح کا جسم سے تعلق کرنے کی کرامت سے نوازا و نفخت فیہ من روحی کی شان بخشی اسی کرامت پر فقعوا لہ سجدین سجدہ کا حکم ہوا۔ فقعوا لہ سجدین میں اسی استحقاق سجدہ کا اظہار ابلیس کو طعن بنانے کے لیے فرمایا بلکہ اسے سجدہ نہ کرنے پر ہوا۔

کما قال :

یا ابلیس ما منعک ان تسجد لما خلقت بیدی۔

⑤ علم اسماء کی وجہ سے بھی آدم مخصوص ہوئے اور ملائکہ ان اسماء کے اخبار کے محتاج ہوئے۔

کما قال تعالیٰ :

یا آدم انبئھم باسمائھم جب آدم علیہ السلام نے انہیں اسماء کی خبر سے مطلع فرمایا تو ان کے لائق تھا کہ وہ ان کو سجدہ کریں۔

④ جب آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان پر جمیع صفات کے ساتھ تجلی ڈالی تو اس پر ملائکہ کو حکم ہوا کہ وہ انھیں سجدہ کریں تاکہ ان کی تعظیم و تکریم سے ان کا اعزاز و اجلال کا مظاہرہ ہو کیونکہ وہ جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے اور وہی فیصلہ کرتا ہے جو اس کا ارادہ ہوتا ہے۔

فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ○ یعنی جملہ ملائکہ نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے کہ اس نے سجدہ نہ کیا۔

شیطان کے انکار سجدہ کی وجہ

دراصل یہ بات ہوئی کہ جب اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا کہ انی جاعل فی الارض خلیفۃ (میں زمین پر خلیفہ بناتا ہوں) تو فرشتوں نے کہا:

اتجعل فیہا من یفسد فیہا الی اخر ما قال و نحن نسبح و نقدس لک۔	کیا تو فساد اور افساد یعنی کو پیدا کر رہا ہے جب کہ ہم تیری تسبیح و تقدیس کرتے ہیں۔

چونکہ ملائکہ کا یہ کلام اعتراض جو ایک نکتہ تھا اور ان کی اپنی خفیت کا اظہار ہے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں جواب میں فرمایا:

انی اعلم ما لا تعلمون	میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔

کیونکہ میں نے اس میں علم الاسماء و استعداد خلافت کی امانت رکھی ہے جس کا تمہیں علم نہیں، اس معنے پر تم سے افضل ہیں اب تم اپنے اعتراض کے کفارہ میں سجدہ کرو اور اس کی توہین پر استغفار پڑھو اور اپنی انکساری و عاجزی کا اعتراف کرو۔ چنانچہ ملائکہ نے اپنی غلطی کا اعتراف اور خطا کا اقرار کیا اور تائب ہو کر احکام الٰہیہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اسی لیے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا مگر ابلیس اعتراض پر ڈٹا رہا اور ان کی غیبت پر اور عجب و تکبر پر مصر رہا اور اللہ تعالیٰ کے احکام منانے بلکہ اعتراض و غیبت و عجب میں بڑھا۔ چنانچہ کہا:

انا خیر منہ خلقتنی من نار و خلقتہ من طین۔

اور سجدہ سے انکار کر دیا۔ (کذا فی التاویلات)

فسجدوا اللہ تعالیٰ کے حکم تعظیم اور اس کے حکم کی تعمیل میں جملہ ملائکہ نے سجدہ کیا۔ الا ابلیس سوائے ابلیس کے۔ نہ ہی اس نے سجدہ کیا اور نہ ہی اپنے سے تکبر کی چادر ہٹائی اور نہ ہی عجز و تواضع کی۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

آنکہ آدم را بدن دید او رمید
و آنکہ نور مؤتمن دید او خمید

ترجمہ: جس نے صرف آدم علیہ السلام کا جسم دیکھا تو وہ بھاگا اور جس نے انھیں نور کا امانتدار دیکھا تو وہ جھک گیا۔

حل لغات: وابلس بمعنے یئس و تحیر ہے اس سے ابلیس مشتق ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ عجمی ہے۔ (کذا فی القاموس)

سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر کسی نے پوچھا کہ اس نے سجدہ کیا تو اس کا کیا حال ہوا، تو اس کے جواب میں فرمایا ابٰی کہ ابلیس نے سجدے سے انکار کر دیا اور رک گیا۔

لغت المفردات میں ہے کہ الاباء شدۃ الامتناع ہر اباء امتناع ہے لیکن ہر امتناع اباء نہیں۔

فَقُلْنَا اس کے بعد ہم نے آدم علیہ السلام کو نصیحت کی کہ یٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا ، یعنی جس نے آپ کے ساتھ یہ نازیبا حرکت کی ہے، عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ وہ تمہارا اور تمہاری اہلیہ کا دشمن ہے۔ الزوج فرد کے لیے استعمال ہوتا ہے بشرطیکہ اس کے ساتھ اس کی اور جنس ہو مذکر ہو یا مؤنث۔

ابلیس کی عداوت کے وجوہ : ابلیس کی عداوت کے وجوہ حسب ذیل ہیں :

① حاسد تھا، جب آدم علیہ السلام پر انعام الٰہیہ دیکھے تو ان پر حسد کیا اس لیے ان کا دشمن بن گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو کوئی کسی پر حسد کرتا ہے تو وہ اس کا دشمن بن جاتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ ہلاک ہو جائے بلکہ وہ ہر وقت اس کے زوال کے درپے رہتا ہے۔

② آدم علیہ السلام نوجوان عالم تھے اور ابلیس بوڑھا جاہل تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی فضیلت ثابت کر کے دکھائی اور ابلیس کی جہالت ظاہر فرمائی اور بوڑھا جاہل ہمیشہ نوجوان عالم دین سے عداوت رکھتا ہے۔

—

زد شیخ شہر طعنہ بر اسرار اہل دل
المرء لا یزال عدوا لما جہل

ترجمہ : شیخ شہر نے اسرار اہل دل پر طعن و تشنیع کی، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر شخص جس شے سے بے خبر ہوتا ہے اس کا دشمن ہوتا ہے۔

③ ابلیس کی تخلیق آگ سے اور آدم علیہ السلام کی پانی اور مٹی سے ہوئی۔ اس لیے ان دونوں کی آپس میں ابدی عداوت ہے اسی وجہ سے آدم اور ابلیس کے درمیان عداوت ہوئی اور رہے گی۔

يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ تو وہ تم کو بہشت سے نکالنے کا سبب نہ بنے۔ یہ اسناد الفعل الی السبب کے قبیل سے ہے، ورنہ بہشت سے حقیقتاً نکالنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور نکالنے کی نہی بظاہر ابلیس کو ہے لیکن درحقیقت یہ نہی آدم و حوا علیہما السلام ہر دونوں کو ہے کہ وہ شیطان کے سبب بننے سے بچیں۔ استعارۃً یہ نہی سے تعبیر کیا جاتا ہے فَتَشْقٰى ○ یہ نہی کا جواب ہے۔

سوال : پہلے خطاب آدم و حوا علیہما السلام ہر دونوں کو تھا اب صرف آدم علیہ السلام کو ہے اس کی وجہ؟

جواب (۱) : صرف رعایت فواصل مطلوب ہے۔

جواب (۲) : امر معیشت میں اصل آدم علیہ السلام اور بیوی تو اس کی فرع ہیں اصل کے ذکر کے بعد فرع کی ضرورت نہیں تھی۔

حل لغات: شقاوت، سعادت کی نقیض ہے، اور سعادت دو قسم کی ہے:

① دنیاوی

② اُخروی

پھر سعادت دنیاوی تین قسم کی ہے:

① نفسیہ

② بدنیہ

③ خارجیہ

ایسے ہی شقاوت کے تین اقسام ہیں۔ شقاوت اخروی کے لیے اللہ نے فرمایا:

فمن اتبع هداي فلا يضل ولا يشقى۔

اور شقاوت اخروی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فلا يخرجنكما من الجنة فتشقى۔ شقاوت بمعنے مشقت و محنت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے: شقیت فی کذا۔ (کذا فی القاموس) الشقا بمعنے شدت اور عسر دائمی۔

اب معنے یہ ہوگا کہ اے آدم علیہ السلام اسباب خروج کا ارتکاب نہ کیجئے ورنہ دنیوی محنت و مشقت میں پڑ جاؤ گے جیسے کھیتی باڑی پھر اس کا کاٹنا، اسے صاف کرنا، پھر کھانے کے لیے پیسنا اور گوندھنا اور روٹی پکانا جیسے امور معاش ہیں اب ہم سب محنت و مشقت میں مبتلا ہیں۔ اس معنے کی تائید اگلے والی آیت سے ہوتی ہے۔ ہمیں نے اس آیت میں آدم علیہ السلام کے لیے شقاوت معروف کا معنے مراد لیا ورنہ حقیقۃً تو شقی ہے نہ۔

ف: تشقی نے اس کا معنے کیا کہ تم دونوں ایسے رنج و مشقت میں مبتلا ہو جاؤ گے کہ جب جنت سے نکل کر دنیا میں قدم رکھو گے تو کسب معاش کی مشقت و تکلیف اٹھاؤ گے۔

ف: حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو کھیتی باڑی کے لیے سرخ بیل عطا فرمایا۔ آپ اس سے زراعت کا کام لیتے اور کام کی شدت سے پسینہ پونچھتے تھے یہی ان کی شقاوت تھی۔

فقیر اویسی غفرلہ کہتا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ شیطان اپنی عداوت کے سبب سے ایک ناجائز فعل پر آدم علیہ السلام کو ابھارتا ہے جو ان کے بہشت سے نکلنے کا سبب بنا۔ تو یہ شقاوت حقیقی ممنوع کے امر کے ارتکاب سے ہوئی۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ تشقی سے حضرت الٰہیہ سے بعد مراد ہے۔ یہ بعد تو بعد استغفار کے کہ بارگاہ حق میں اپنے قرب کے مقام پر ترقی کا تو وہ شقی ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ عصیان اور اتباع شیطان سے جنت قلب سے نکلے جانے اور اسفل بشریت پر پہنچنے اسے مجاہدہ کرنے کے بعد اس کی طرف لوٹنے کا موجب ہے۔

[illegible]

تفسیر عالمانہ إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا ۔ لک اِنّ کی خبر مقدم اور الا تجوع مؤخر اس کا اسم ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے کہا کہ اے آدم علیہ السلام تیرا حال یہ ہے کہ جب تک تو جنت میں رہے گا تجھے بھوک نہ ہوگی کیونکہ وہاں ہر طرح کی نعمتیں ہر وقت حاضر کی جاتی رہیں گی۔ وَلَا تَعْرٰى ○ اور نہ تو کپڑوں سے ننگا ہوگا کیونکہ تمام ملبوسات جنت میں موجود ہوں گے۔ العری ہر چیز کا ان چیزوں سے خالی ہونا جو اسے چھپاتی ہیں۔

وَأَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيهَا اور یہ کہ تو اس میں پیاسا نہ ہوگا کیونکہ وہاں چشمے اور نہریں جاری ہوں گی

حل لغات: الظمأ وہ حالت جو دو چیزوں کے درمیان واقع ہو۔ الظمأ پیاس کی وہ حالت جو اس سے لاحق ہو۔

وَلَا تَضْحٰى ○ اور تجھے جنت میں دھوپ نہ لگے گی کیونکہ وہاں سورج نہ ہوگا اور جنتی لگاتار سایہ میں ہوں گے

حل لغات: ضحی الرجل للشمس (بکسر الحاء) یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی سورج کی شعاعوں سے دو چار ہو اور یا ضحا کا اپنے اسم و خبر سے مل کر ان لا تجوع پر عطف ہے درمیان میں اظہار کر لایا گیا ہے تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ ان دونوں کی نفی ایک نعمت ہے یہی وہ وضو تا کا جمع ہونے کا احتمال ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ جنت سے جو حق مراد ہے اور وہ جنت نفس ہے یعنی نفس کی چراگاہ ہے اور اس کے ماکولات و مشروبات و ملبوسات و منکوحات سے متمتع ہو گئے ہیں قالب و اعضاء سے متمتع ہوتا تھا لیکن یہی حال۔

تفسیر عالمانہ فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ شیطان کا وسوسہ آدم علیہ السلام تک پہنچا اور خوب پہنچا۔ الٰی سے اس کا متعدی ہونا اس لیے ہے کہ یہ انہاء و ابلاغ کے معنی کو متضمن ہے اور جب وسوس لہ کہا جائے گا تو وہ لام اجلیہ ہوگی۔ الوسوسہ پست صوت خفی زیورات کی آواز کو بھی اسی لیے وسواس سے تعبیر کیا جاتا ہے کیونکہ وہ آواز خفی ہوتی ہے اور وہ مخفی ہے۔

ف: حضرت کاشفی نے لکھا ہے کہ شیطان نے آدم علیہ السلام پر وسوسہ ڈالا جب وہ بہشت میں تھے اس طرح سے کہ اپنا روپ دکھایا اور پھر صورت سے خوفزدہ ہو گئے بی بی صاحبہ نے آدم علیہ السلام کو موت کا کہا اور وہ خود بھی موت سے خوفزدہ تھیں پھر دونوں کو موت کا بہت خطرہ تھا ابلیس نے موقعہ کو غنیمت سمجھا اور ایک انسان کی صورت میں آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور نہایت ہی دردناک آواز سے عرض کی کہ میں آپ کو موت سے بچنے کا علاج بتاؤں۔

قَالَ وسوس سے بدل ہے یا عبارت مقدر ہے سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ گویا کسی نے کہا کہ شیطان نے اپنے وسوسہ میں آدم علیہ السلام کو کیا کہا تو اس کے جواب میں فرمایا کہ ابلیس نے کہا يٰٓاٰدَمُ اے آدم علیہ السلام موت کے مرض کا علاج یہ ہے کہ شجرہ خلد کا میوہ کھا لیجئے۔ هَلْ اَدُلُّكَ کیا میں آپ کی رہبری کروں عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ ایسے درخت کی جو اسے کھا لے تو وہ ہمیشہ زندہ رہتا ہے اس پر موت نہیں آتی تو وہ اسی طرح

سو جو بھی زندہ ہو جائے۔ خلد کی طرف شجرہ کی اضافت اس لیے کہ ابلیس نے اپنے گمان پر اسے خلود کا سبب کہا ہے جیسے جبرئیل کے گھوڑے کو فرس الحیاۃ کہا جاتا ہے وہ اس لیے کہ وہ حیات کا سبب ہے اسی سبب کی وجہ سے حیات کی نسبت اسی کی طرف ہوئی ہے۔

حل لغات حضرت امام راغب نے فرمایا کہ الخلود یعنی شے کا فساد کے عارضہ سے بری ہونا اور اس کا اسی حالت پر باقی رہنا جس پر وہ ہے اور بہشت میں اشیاء کے خلود کا یہی معنی ہے کہ وہ اشیاء اپنی اسی حالت میں جیسی کہ جس پر وہ ہیں ان پر خرابی و فساد کا گذر نہ ہوگا۔

وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى اور ایسا ملک جو نہ زائل ہوگا اور کسی وجہ سے اس میں خلل اور نقصان واقع ہوگا یعنی وہ کہنہ نہ ہوگا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا تو مجھے دکھائیے وہ درخت۔ ابلیس نے کہا کہ میرے ساتھ چلئے۔ آدم و حوا علیہما السلام کو اسی منع کردہ اور روکے ہوئے، درخت تک لے گیا۔

فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا ، تو انھوں نے اس درخت سے کچھ کھایا تو ظاہر ہو گیا ان کا ستر وغیرہ۔

حل لغات بدا الشیء بدوا و بداء یعنی ظہر ظہورا بینا یعنی وہ طور پر ظاہر ہو گیا اور سوآۃ سے ستر مراد ہے کیونکہ اس کے کھلنے سے بندہ باحیاء کو شرم محسوس ہوتی ہے یعنی اس کا کھلنا باحیاء انسان کو مغموم و محزون کرتا ہے۔

ف: ① کاشفی نے کہا ہے کہ ان سے بہشت کا لباس اتارا گیا تو وہ ننگے ہو گئے۔

② حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ان سے وہ نور واپس لیا گیا جو انھیں بہشت میں پہنایا گیا تھا اس کے اٹھنے پر ان کا ستر کھل گیا۔

③ بعض مفسرین نے فرمایا کہ بہشت میں ان کا لباس ناخنوں کی طرح تھا جب انھوں نے درخت سے کچھ کھایا تو وہ لباس اتار دیا گیا نمونے کے طور پر یہی ناخن جو انگلیوں کے اطراف پر ہیں باقی رکھے گئے۔

④ بعض نے کہا کہ لباس سے تقویٰ مراد ہے۔

حدیث شریف ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمھارے ابا آدم علیہ السلام سیدھے اور لمبے کھجور کی طرح طویل القامۃ اور بہت بالوں والے اور ستر چھپانے والے جوان تھے جب لغزش ہوئی اور ستر کھلا تو بہشت سے بھاگ کر نکلنے لگے تو آپ کی پیشانی کو ایک درخت نے پکڑ کر پیچھے ہٹا دیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا آئی۔ اے آدم! مجھ سے بھاگتے ہو۔ عرض کی نہیں، یا رب! مجھے تجھ سے شرم آتی اسی جرم کے واسطے بھاگا جاتا تھا۔

نکتہ: حمیری نے فرمایا، بدت لہما میں اشارہ ہے کہ وہ ستر صرف ان کے لیے بدو ہوا تھا کسی غیر کی نگاہ نہیں پڑی تھی تاکہ کسی کو معلوم نہ ہو کہ آدم علیہ السلام کو کس جرم کی سزا دی جا رہی ہے۔ ہاں اگر غیر کی نگاہ پڑتی تو بدت منہما فرماتا۔

وَطَفِقَا بمعنے شرع یعنے شروع ہونا ہے۔

حل لغات: طفق یفعل کذا بمعنے اخذ و شرع اس کا استعمال اثبات میں ہوتا ہے نفی میں کبھی مستعمل نہیں ہوا اس لیے ما طفق نہیں کہا جاتا۔

يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ

حل لغات: قاموس میں ہے، خصف النعل یخصفها بمعنی خرزها، اس سے مراد یا لیے آدم و حوا علیہما السلام اپنے بدن پر پتے چپکانے لگے تاکہ ستر نہ کھلنے پائے۔ یہاں پر انجیر کے پتے مراد ہیں۔ بعض نے کہا کہ وہ پتے ایسے تھے جیسے ان کے ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کے نیچے کی شکل اسی طرح کی بنائی گئی ہے۔

وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ: آدم علیہ السلام نے درخت سے پھل کھا کر حکم الٰہی کی خلاف ورزی کی۔

حل لغات: عصی عصیانا یعنی خرج من الطاعة یعنی طاعت سے نکل گیا اس کا اصل معنی ہے۔ اپنے عصا سے رک جانا۔ (کذا فی المفردات)

فَغَوٰى: تو اپنے مطلوب سے چوک گیا یعنی جنت کے خلود یا اس سے بیٹھے اسے حکم تھا کہ وہ درخت سے دور رہیں جیسا کہ ارشاد گرامی ہے:

وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ ؕ

یا اس لیے ہے کہ دشمن کی بات سے دھوکا کھا بیٹھے کیونکہ غی رشد کی نقیض ہے۔

عصمت انبیاء علیہم السلام کی تحقیق: معصیت عصیان (نافرمانی) ایک حرام فعل ہے لیکن اس کا اصدار قصد سے ہی ہے اگر قصداً نہ ہو تو وہ زلہ کہلاتی ہے اور زلہ کو معصیت نہیں کہا جاتا کیونکہ وہ ایسا فعل ہے جس کا صدور قصداً نہیں ہوا بلکہ اس کا قصد فعل مباح تھا جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ ایک درخت کے کھانے کی اباحت کا تھا تو اس اعتبار پر آدم علیہ السلام کے لیے عصیان یعنے اباحت مجازاً ہے۔ اس لیے کہ اہل سنت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کبائر و صغائر سے معصوم ہوتے ہیں اور ہم ان سے زلۃ (لغزش) کے صدور کے قائل ہیں اگرچہ بعض اشاعرہ کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام صغائر سے معصوم نہیں اور یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ ان کی زلۃ (لغزش) کا یہ مطلب نہیں کہ وہ معاذ اللہ حق سے نکل کر باطل کی طرف چلے جاتے ہیں بلکہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ وہ افضل کو چھوڑ کر مفضول کا ارتکاب کرتے ہیں اور پھر ان کو اس پر عتاب الٰہی ہوتا ہے تو یہ بھی ان کی قدر و منزلت کی عظمت شان کی دلیل ہے۔

ف: ابن الشیخ نے اپنے حواشی میں لکھا ہے کہ عصیان بمعنے ترک الامر ہے خواہ وہ ممنوعہ کا ارتکاب ہے اگر وہ مباح ہو تو اس کا نام

ذنب (گناہ) ہے اور اگر خطا ہو تو اسے زلّۃ (لغزش) کہا جاتا ہے۔ اور آیت دلالت کرتی ہے کہ آدم علیہ السلام سے معصیت کا صدور ہوا جسے مصنف نے زلّت سے تعبیر کیا ہے۔

سوال: جب یہ زلّۃ (لغزش) تھی اور وہ بھی معمولی اس لیے کہ ایک درخت سے کچھ لینا مباح فعل تھا تو پھر اسے عصیان و غوایت سے تعبیر کرنے کا کیا معنی؟

جواب: تاکہ آدم علیہ السلام کی اولاد کو تنبیہ ہو کہ جب اللہ تعالیٰ نے ایک معمولی سی لغزش پر ہمارے باپ کو اتنا زیادہ دھمکایا تو پھر ہم کون ہو سکتے ہیں، اگر غلط کا ارتکاب کیا تو ہم بھی سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

ف: اس سے ثابت ہوا کہ آپ نے فعل مباح کا ارتکاب کیا اور وہ بھی ایک اجتہاد تھا ورنہ ایک اعلیٰ مرتبہ نبی سے بھولا کر سے عمداً خدا کی نافرمانی کا صدور کیسا جب کہ ایک ولی اللہ بھی اتنی جرات نہیں کر سکتا اور ان کے اجتہاد کا پہلو یوں نکلتا ہے کہ آپ نے اس نہی کو نہی تنزیہی پر محمول فرمایا ان کے نزدیک یہ نہی تحریمی نہیں تھی اور ایسے ہی انہوں نے "ھٰذہ الشجرۃ" میں بھی یہی درخت مراد لیا جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس درخت کی ہر قسم کی جنس مراد لی علاوہ ازیں یہ واقعہ ہے بھی نبوت سے پہلے کا، اس لحاظ سے عصمت نبوت پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔

سوال: اشکال اقویٰ یہ ہے کہ جب تم نے ثابت کیا کہ یہ آدم علیہ السلام کا اجتہاد تھا اور شرعی قاعدہ ہے کہ جو اجتہاد میں خطا کرے اس پر سزا نہیں لیکن یہاں آدم علیہ السلام سے مواخذہ ہو رہا ہے؟

جواب: یہ اجتہاد کا مقام نہیں جب آپ پر وحی متواتر نازل ہوتی اور آپ اجتہاد کرتے تو کوتاہی ہوتی جب اس وقت وحی کا نزول شروع ہو چکا تھا اور آپ نے اجتہاد کیا اسی بنا پر آپ پر عتاب ہوا۔

سوال: آپ پر وحی کیوں نازل نہ ہوئی تاکہ آپ سے لغزش کا وقوع نہ ہوتا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے وحی نہیں فرمائی تاکہ اپنی تقدیر کا اجرا فرمائے اس کی مثال حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قضاء وحی کا موقعہ ایک بار عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جب کہ اٹھارہ روز نزول وحی نہ ہوا تاکہ تقدیر کا اجرا ہو۔

سوال: تفسیر کبیر میں ہے کہ اس سے تو آدم علیہ السلام کا گناہ کبیرہ کے صدور کا پتہ چلتا ہے اس لیے کہ لفظ عصیان، عاصی، معصیت مذمت پر بولے جاتے ہیں اور جس سے کبیرہ کا صدور ہو اسے عاصی کہا جاتا ہے اور ایسے ہی لفظ غوایۃ ضلالۃ کا مترادف اور رشد کی نقیض ہے اور ایسے الفاظ منہمک فی الفسق کے لیے مستعمل ہوتے ہیں؟

جواب: معصیت و عصیان کا حقیقی استعمال خلاف الامر پر ہوتا ہے اور کبھی امر مندوب کے لیے بھی آتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے أمرته بشرب الدواء فعصاني "میں نے اسے دوا پینے کے لیے کہا تو اس نے میری نافرمانی کی۔ تو ممکن ہے کہ یہی اطلاق آدم علیہ السلام پر ہو اور یوں کہا جائے کہ انہوں نے واجب کا ترک نہیں کیا بلکہ امر مندوب کے خلاف کیا اور وہ قابل مذمت نہیں۔

آدم علیہ السلام کی برأت کے دلائل: تفسیر کبیر میں ہے کہ کسی کے لیے لائق نہیں کہ آدم علیہ السلام کو عاصی و غاوی کہے۔ اس کے چند وجوہ ہیں:

① العاصی اسے کہا جاتا ہے جو ایک فعل کے لیے کہا جاتا ہے۔ قطع ثوبا وخاطہ (اس نے کپڑا کاٹا اور اسے سیا)۔ اس فعل کے استعمال کے بعد ضروری ہے اسے حائک یا خیاط کہا جائے۔ ہاں اگر بار بار وہ فعل کا ارتکاب کرے یا وہ کام اس کا پیشہ بن جائے۔ اور آدم علیہ السلام کی تو لغزش اس قبیل سے ہے کہ آپ سے ایک بار صادر ہوئی تو کہا بار لفظ ایک بار کے ارتکاب پر اسے اس فعل کا پیشہ ور نہیں کہا جائے گا۔

② زلت (لغزش) اگر نبوت سے پہلے ہوئی تو نبوت سے مشرف ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس معنی سے یاد نہیں فرمایا۔ ایسے ہی اگر نبوت کے بعد صادر ہوئی لیکن جب انھوں نے توبہ کی تو پھر بھی اس صفت سے موصوف نہ کیا جائے گا جیسے ایک عالم آدمی جب گناہ میں یا کفر سے تائب ہو تو توبہ کے بعد اسے کافر زانی اور شرابی وغیرہ نہ کہا جائے گا اگرچہ توبہ سے پہلے اس سے ایسے جرائم صادر ہوئے تو اب اسے مومن کہا جائے گا نہ کہ کافر۔

③ ہم جب بھی کسی کو عاصی و غاوی کہتے ہیں تو اس سے عاصی ہی مراد لیا جاتا ہے حالانکہ اس قصہ میں با اتفاق حضرت آدم علیہ السلام کے لیے یہ معنی مراد نہیں اسی لیے اس وہم فاسد کے ازالہ کے لیے یہ صفات آدم علیہ السلام پر اطلاق نہ کیا جائے گا۔

④ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے یہ صفات آدم علیہ السلام کے لیے استعمال کی ہیں تو وہ مالک ہے جو جس طرح چاہے بندے کو کہے لیکن ہمیں لائق نہیں کہ ہم بھی وہی صفات استعمال کریں جیسے مولا اپنے نوکر کو یا باپ اپنے بیٹے یا استاد اپنے شاگرد یا مرشد اپنے مرید کو جو چاہے کہے اگرچہ وہ فعل کا ارتکاب کر چکے ہیں تب بھی دوسروں کو کہنا نامعقول ہوتا ہے بالخصوص جب کہنے والے ان سے مراتب میں کم ہوں۔ ہمارا حال ان سے کم تر ہے کہ ہم اولاد اور وہ ابا، ہم عاصی اور وہ نبی پیغمبر اور خلیفۃ اللہ اور مسجود ملائکہ ہیں۔

ف: حضرت حسن (بصری) رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام سے یہ لغزش نسیان سے ہوئی۔

ف: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جان اور اس کی لغزشوں کی طرف جانے والے کو قیامت تک کہا جاتا رہے گا

وعصیٰ آدم۔

اور اگر اس کے دل میں قلب سے جھانکا جاوے تو یہی صدا آتی ہے کہ تو ہاتھی طرح پر ہجر و فراق میں رہے گا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے وعصیٰ آدم ربہ طلب شہوات نفس میں جبلہ الٰہی کو صرف کر دیا۔ فغویٰ طلب خلود و ملک ابدی نے ابد میں فنا کر دی۔

مثنوی شریف میں ہے ۔۔

چیست توحید خدا آموختن
خویشتن را پیش واحد سوختن
گر ہمی خواہی کہ بفروزی چو روز
ہستی ہمچون شب خود را بسوز
ہستیت در ہست آن ہستی نواز
ہمچو مس در کیمیا اندر گداز

ترجمہ: ① توحید از خدا سیکھنے کا یہ معنی ہے کہ اپنے آپ کو اس ذات واحد کے سامنے جلا دینا۔
② اگر تم روز روشن کی طرح چمکنا چاہتے ہو تو اپنی ہستی کو ایسے جلا دو جیسے رات دن کے آگے۔
③ تیری ہستی اس ہست نواز کے آگے ایسے ہے جیسے تانبا کیمیا گر کے سامنے۔

حضرت ابن عطاء سے سوال ہوا کہ آدم علیہ السلام سے صرف ایک لغزش ہوئی تو اسے پکار پکار کر ظاہر کیا اور ان کی اولاد کے کئی سو گناہ چھپا دیئے جاتے ہیں تو اس کے جواب میں فرمایا کہ چونکہ آدم علیہ السلام کی لغزش قربت کے مقام اور بساط حق میں ہوئی اور ان کی اولاد کی غلطیاں دار محنت میں ہوئیں اس لیے آدم علیہ السلام کی لغزش اکبر و اعظم ہے۔

تفسیر عالمانہ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ پھر انہیں اپنے رب تعالیٰ نے چن لیا یعنی توبہ کی توفیق دے کر اپنے قریب کر دیا۔

حل لغات: یہ اجتبیٰ اشتقاق ہے جباہ لنفسہ سے ہے یجمعہ الی حضرتہ جمع کیا۔

فَتَابَ عَلَيْهِ جب آدم علیہ السلام نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی اور ساتھ ہی ان کی زوجہ کی بھی جب دونوں نے کہا ربنا ظلمنا انفسنا ... الخ

وَهَدٰى ○ اور ثبات علی التوبہ اور تمسک باسباب العصمۃ کی ہدایت بخشی۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ جس نے اپنے آپ کو اپنے نفس اور اس کی عادت طبعی کی طرف پھیر لیا تو اسے نہ توبہ کی توفیق نصیب ہوگی ہے اور نہ رجوع الی اللہ حاصل ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ جسے اپنے کرم و فضل سے چن لے اور جذبۂ الٰہیہ سے نوازے اور حضرت ربوبیت کی طرف راہ دکھائے وہ اس کی نوازش ہے۔

حدیث شریف اگر دنیا بھر کے آنسو جمع کیے جائیں داؤد علیہ السلام کے آنسوؤں کے مقابلہ میں لائے جائیں تو داؤد علیہ السلام کے آنسو بڑھ جائیں گے پھر داؤد علیہ السلام کے آنسو نوح علیہ السلام کے آنسوؤں کے مقابلہ میں ہوں تو نوح علیہ السلام کے آنسو زیادہ ہوں گے اور نوح علیہ السلام کے آنسو آدم علیہ السلام کے آنسوؤں سے کم ہوں گے۔

ف: نوح علیہ السلام کا نام نوحہ و رونے اور گریہ کرنے کی وجہ سے نوح رکھا تھا۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

① خاک غم را سرمہ سازم بہر چشم
تا ز گوہر پُر شود دو بحر چشم
اشک کاں از بہر او بارند خلق
گوہر است و اشک پندارند خلق

---

② تو کہ یوسف نیستی یعقوب باش
ہمچو او با گریہ و آشوب باش
پیش یوسف نازش و خوبی مکن
جز نیاز و آہ یعقوبی مکن

---

③ آخر ہر گریہ آخر خندہ ایست
مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

ترجمہ: ① غم کی خاک کا سرمہ آنکھ کے لیے بناتا ہوں تاکہ آنکھ کا دریا موتیوں سے پُر ہو۔ مخلوق جو آنسو حق کے لیے بہاتی ہے وہ موتی ہیں اگرچہ انہیں آنسو سمجھتے ہیں۔

② اگر تم یوسف نہیں تو یعقوب ہو جاؤ اسی کی طرح گریہ میں رہو اور با آشوب رہو۔ یوسف کے آگے ناز و خوبی نہ دکھا۔ اس کے سامنے نیاز اور آہ و یعقوبی ظاہر کر۔

③ ہر گریہ کا انجام ہنسنا ہے اور مبارک مرد وہ ہے جس کی نگاہ انجام پر ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے توبہ کے وقت کونسی دعا پڑھی؟

حضرت وہب نے فرمایا کہ جب آدم علیہ السلام کا گریہ حد سے بڑھ گیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا کہ مندرجہ ذیل دعا پڑھو:

لا الٰہ الا انت سبحانک و بحمدک
عملت سوء وظلمت نفسی فاغفرلی
انک خیر الغافرین۔

تیرے سوا کوئی معبود نہیں تیری پاکی اور تیری حمد کے ساتھ میں نے برا عمل کیا اور اپنے نفس پر ظلم کیا تو مجھے بخش دے کیونکہ تو خیر الغافرین ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ دعا پڑھو:

سبحانک لا الٰه الا انت عملت سوءًا وظلمت نفسی فتب علی انک انت التواب ۔

ترجمہ: پاک ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں نے برا عمل کیا اور اپنے نفس پر ظلم کیا تو تو میری توبہ قبول کر۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ دعا کے وہ کلمات تھے جو اللہ تعالیٰ نے خود آدم علیہ السلام کے دل میں القا فرمائے۔ (ونیز معلوم ہو کونسے کلمات تھے)۔

آدمؑ پائے توبہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدم علیہ السلام نے اپنی لغزش کا اعتراف کیا تو عرض کی اے پروردگار میں الٰہی تجھ سے اپنی بخشش مانگتا ہوں حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنا کر۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

یا آدم کیف عرفت محمدًا

(اے آدم علیہ السلام! تم نے (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے جانا؟

حالانکہ میں نے تو انھیں ابھی پیدا بھی نہیں کیا۔ عرض کی۔

لانک لما خلقتنی بیدک ونفخت فی من روحک رفعت راسی فرأیت علی قوائم العرش مکتوبا لا الٰه الا الله محمد رسول الله (صلی الله علیه وآله وسلم) فعرفت انک لم تضف الی اسمک الا اسم احب الخلق الیک ۔

جب تو نے مجھے اپنے قدرت کے ہاتھ سے پیدا کرکے مجھ میں اپنی روح پھونکی تو میں نے سر اٹھا کر عرش کے پایوں پر لکھا دیکھا "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم" اس سے میں نے سمجھا کہ جس نام مبارک کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ ملایا ہے وہ اسے محبوب تر ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

صدقت یا آدم انه لاحب الخلق الی غفرت لک ولولا محمد ما خلقتک ۔ (رواہ البیہقی فی دلائلہ)

اے آدم علیہ السلام! تو نے سچ کہا کہ واقعی وہ مجھے **محبوب** تر ہیں میں نے تجھے بخش دیا لیکن یاد رکھیے کہ اگر محمد نہ ہوتے تو تم بھی نہ ہوتے۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام پر حق تعالیٰ کا فضل خاص تھا کہ انہیں لغزش پر دنیا میں مختلف مصائب و تکالیف میں مبتلا فرمایا اس لیے کہ ایسی غلطیاں ہوں تو آخرت میں سزا دی جاتی اور دنیا کی سزا بہ نسبت آخرت کے نرم ہے۔

نکتہ: آدم علیہ السلام کے لیے شیطان بمنزلہ اس سانپ کے مقرر کیا جو خزانے کے اوپر بیٹھا ہوتا ہے کہ جب اسے مارا جائے تو اس کے نیچے سے مخفی خزانہ دستیاب ہوتا ہے اور دشمن بھی مارا جاتا ہے گویا دو بڑی عظیم نعمتیں حاصل ہو جاتی ہیں ایسے آدم علیہ السلام

کا حاصل یہ ہے کہ اس ملعون ابلیس نے آدم علیہ السلام سے عداوت کی لیکن درحقیقت انہیں خود تربیت کا راستہ دکھایا اگرچہ اس کی غرض آدم علیہ السلام سے دشمنی کرنا تھی لیکن آدم علیہ السلام کو اصطفائیہ ازلیہ کے بعد اجتبائیہ ابدیہ نصیب ہوئی اور وہ بدبخت انہیں ازلی ابدی لعنت کا طوق پہن گیا۔

نکتہ: اگر خطأ عصیان مذموم ہے تو آدم علیہ السلام کو سبب اصطفاء و اجتباء کی صفات نصیب ہوئیں تو پھر ان کے لیے یہ دولت کالعدم ہو گئی۔

موسیٰ و آدم علیہما السلام کا مناظرہ

حدیث شریف میں ہے:

احتج آدم و موسیٰ۔	موسیٰ و آدم علیہما السلام کی ایک خصوصی گفتگو ہوئی۔

شرح: یہ گفتگو عالم ارواح میں تھی یا عالم اجساد میں یہی صحیح ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے اس نے ان دونوں کو زندہ کرکے گفتگو کے لیے جمع فرمایا اس کی نظیر حدیث معراج ہے کہ اس میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جملہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ملاقی ہوئے اور امام بن کر انہیں نماز پڑھائی۔

فقال موسیٰ یا آدم انت ابونا الذی خیبتنا۔	تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ آپ ہی ہمارے والد گرامی ہیں جنہوں نے ہماری بہشت کی سکونت چھڑا کر ہمیں خائب و خاسر کیا۔

شرح: یعنی آپ ہمارے خروج جنت کا سبب بنے جس سے ہمیں شدائد وغیرہ نصیب ہوئی۔

واخرجتنا من الجنۃ بخطیئتک الشقی خروجت بہا منہا۔	آپ نے ہمیں اپنی لغزش سے جنت سے نکلوایا جس سے آپ بھی وہاں سے نکلے۔

شرح: حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

من ملک بودم و فردوس بریں جایم بود
آدم آورد دریں دیر خراب آبادم

ترجمہ: میں بادشاہ تھا اور فردوس اعلیٰ میری جائے قیام تھی لیکن آدم علیہ السلام مجھے اس ویران حویلی میں لا سکے۔

فقال لہ آدم انت موسیٰ اصطفاک اللہ بکلامہ۔	آدم علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو جواب دیا کہ آپ ہی وہ موسیٰ علیہ السلام ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام سے سرفراز فرمایا۔

شرح: یعنے آپ کو اپنا کلیم بنایا۔

وخط لك التوراة بيده ، اتلومني ۔ اور آپ کے لیے اپنے قدرت کے ہاتھ سے تورات لکھی تو کیا آپ بھی مجھے ملامت کرتے ہیں۔

شرح : ہمزہ استفہام انکاری کا ہے۔

علی امر قدرہ اللہ علی ۔ ایسے امر پر جسے اللہ تعالیٰ نے میرے لیے مقدر فرمایا۔

شرح : یعنی میرے لیے یہ امر لوح محفوظ میں لکھ دیا تھا۔

قبل ان یخلقنی باربعین سنۃ ۔ میری پیدائش سے چالیس سال پہلے۔

شرح : یہاں چالیس سال سے تکثیر مراد ہے یعنی صرف چالیس مراد نہیں بلکہ یہ مطلب ہوا کہ عرصہ دراز پہلے۔

سوال : آدم علیہ السلام تو یہاں معصیت سے انکار فرما رہے ہیں حالانکہ ان سے اس کا صدور ہوا اگر یہاں کے علی امر کے بجائے علی معصیۃ قدرھا اللہ علی کہتے تو ظاہر کے مطابق ہوتا ؟

جواب(۱) : یہ انکار توبہ کے بعد کا ہے جب کہ آپ معافی کا پیغام حاصل کر چکے تھے اسی لیے اتلومنی (مجھے ملامت کرتے ہو) فرمایا ورنہ أأُلام بصیغہ مجہول فرماتے۔

جواب(۲) : معصیت پر ملامت اس وقت مناسب ہے جب دار التکلیف میں ہو کیونکہ اس میں نہ صرف ملامت بلکہ زجر و توبیخ بھی ساتھ کی جاتی ہے اور جب یہ دار التکلیف میں نہیں تو ملامت کیوں۔

فحج آدم موسیٰ فحج آدم موسیٰ ۔ اس گفتگو میں آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب ہو گئے۔

شرح : جملہ کا تکرار تاکید کے لیے ہے حج بمعنی غلب ہے یعنی آدم علیہ السلام دلیل میں موسیٰ علیہ السلام پر غالب ہو گئے کیونکہ اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا اور متنبہ فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام اصل سے بے خبر ہو کر فرع پر نظر فرما رہے ہیں جب کہ یہ امر تقدیر میں پہلے لکھا جا چکا تھا اور نیز یہ بھی ان کا [illegible] پر ہی ہے جب [illegible] آدم علیہ السلام سے صادر ہوا۔

ایک اور روایت میں ہے :

قال آدم بکم وجدت اللہ کتب التوراۃ قبل ان اخلق قال موسیٰ اربعین عاما قال آدم فھل وجدت فیھا وعصی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فحج آدم موسیٰ۔

آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ اے موسیٰ علیہ السلام آپ نے اپنی تورات میں لکھا دیکھا تھا کیا اس میں نہیں تھا کہ میری تخلیق سے چالیس سال پہلے یہ امر مقدر تھا کہ اللہ تعالیٰ کا ایک رسول اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہٹ جائے گا۔ اس دلیل سے آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب ہو گئے۔

شرح: حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

عیب رندان مکن ای زاہد پاکیزہ سرشت
کہ گناہ دگران بر تو نخواہند نوشت
من اگر نیکم و گر بد تو برو خود را باش
ہر کسی آن درود عاقبت کار کہ کشت

ترجمہ: ۱ - اے پاکیزہ سرشت زاہد رندوں کو ملامت نہ کر کیونکہ دوسروں کے گناہ تیرے پر نہیں لکھے جائیں گے۔
۲ - اگر میں نیک ہوں یا بد تم جاؤ اپنا کام کرو کیونکہ ہر کوئی بوئے کی کھیتی سے وہی اٹھائے گا۔

اور فرمایا ؎

دریں چمن نکنم سرزنش بخود روئی
چنانکہ پرورشم میدہند میرویم

ترجمہ: اس دنیا میں اپنی روش پر ملامت نہیں کرتا کیونکہ مجھے جو تربیت دی گئی ہے میں اسی طرح چلا گیا۔

اور فرمایا ؎

نقش مستوری و مستی نہ بدست من و تست
انچہ سلطان ازل گفت بکن آن کردم

ترجمہ: نقش مستوری و مستی میرے ہاتھ میں نہیں کیونکہ مجھے سلطان ازل نے جیسے کہا میں نے ویسے ہی کیا۔

اور فرمایا ؎

عیبم مکن ز رندی و بدنامی اے حکیم
کیں بود سرشت ز دیوان قسمتم

ترجمہ: میری رندی اور بدنامی سے اے حکیم میرا عیب نہ بیان کر کیونکہ دیوان قسمت میں میرا لکھا یہی تھا۔

اور فرمایا ؎

من ارچہ عاشقم و رند مست و نامہ سیاہ
ہزار شکر کہ یاران شہر بے گنہند

ترجمہ: میں اگرچہ عاشق و رند مست و نامہ سیاہ ہوں لیکن ہزار شکر ہے کہ یاران شہر بے گناہ ہیں۔

تعبیر عالمانہ قال اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام و حوا کو صدور زلہ کے بعد فرمایا۔ اھبطا منھا جمیعا، ترجمہ: تم دونوں اس سے زمین بہشت کی طرف سے جاؤ بظاہر یہ خطاب حضرت آدم و حوا کا ہے لیکن درحقیقت کل یہ

تزئین کا ہے۔

حل لغات: اهبطوا ہبوط بمعنی تنزل (نیچے اترنا)۔

امام راغب نے فرمایا کہ الهبوط: حرکت سے کسی شے کا نیچے اترنا جیسے پتھر کا نیچے گرنا۔

کما قال تعالیٰ:

وان منها لما یهبط من خشیة الله۔ بعض وہ پتھر ہیں جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔

جب اسے انسان کے لیے استعمال کیا جائے تو اس کی تحقیر مطلوب ہوتی ہے بخلاف انزال کے کہ اس کا اطلاق شرافت و بزرگی کے لیے ہوتا ہے جیسے نزول القرآن و الملائکة و المطر وغیرہ یہاں پر ہبوط بعض کے معنی پر متنبہ کرنے کے لیے ہے

کما قال:

وقلنا اهبطوا بعضکم لبعض عدو۔

اور فرمایا:

فاهبط منها فما یکون لک ان تتکبر فیها۔

بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ: اس معاشرہ میں تمہاری اولاد ایک دوسرے کی دشمن ہوگی جیسے ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اس معاشرہ میں لوگ ایک دوسرے کے ساتھ کھینچا تانی اور جنگ و جدال میں ہیں۔ یہ آیت اس کی نظیر ہے:

"فلما اتاهما صالحا جعلا له شرکاء"

یعنی بعضکم لبعض عدو کا معنی یہ نہیں کہ آدم و حوا کی آپس میں دشمنی ہوگی بلکہ ان کی اولاد کی عداوت مراد ہے جیسے آیت ہذا میں جعلا له شرکاء کا معنی یہ نہیں کہ ان دونوں نے شرک کیا بلکہ ان کی اولاد نے شرکیہ افعال کا ارتکاب کیا۔ اور ان دونوں کو خطاب اس لیے کہ یہ اولاد و ذریت کی اصل ہیں۔

اب معنی یہ ہوا کہ اے آدم و حوا کی اولاد تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے۔

صوفیانہ نکتہ آیت تحریر میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صوفیوں کی آپس میں عداوت ڈال کر اس لئے اس کے علاوہ کسی کو محبوب نہ بنائیں جیسا ابراہیم علیہ السلام کے لیے فرمایا: فانهم عدو لی الا رب العالمین (سب کے سب میرے دشمن ہیں سوائے رب العالمین کے)۔

ربط: چونکہ آدم علیہ السلام کو اجتباء و اصطفاء سے نوازا اور انہیں آزمائش امتحان کے لیے زمین پر اتارا اس لیے ان کے ساتھ اجتباء کا وعدہ فرمایا کہ

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ: اے آدم و حوا علیہم السلام کی اولاد اگر تمہارے پاس آئے **مِّنِّىْ هُدًى**: میری جانب سے ہدایت یعنی کتاب و رسول۔

حل لغات: فاما اصل میں ان ما تھا۔ ما زائدہ ہے معنی شرط کی تاکید کے لیے ہے یعنی جیسا افعال پر اسی طرح تاکیدی ہے جیسے لام افعال پر قسم کی تاکید کے لیے داخل ہوتی ہے۔ ان شرط شک کے لیے آتا ہے۔

اس میں اشارہ ہے کہ رسول و کتاب سے ہدایت دینا قطعی الوقوع نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے جسے ہدایت دے چاہے تو دے۔ اس پر کوئی شے واجب نہیں پھر وہم ہوتا تھا کہ رسول و کتاب کا ہدایت کے ساتھ آنا قطعی الوقوع نہیں تو پھر ان سے ہدایت کی امید کیسی؟ اس کے ازالہ کے لیے نون تاکید و حرف شرط لایا گیا تاکہ یقین ہو کہ ان سے ہدایت کا واقع ہونا تحقیق راجح ہے۔

فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ پس جو کتاب پر ایمان لائے اور رسول کی تصدیق کرے۔ **فَلَا يَضِلُّ** تو وہ دم زیست دین قویم کے راستے سے دنیا میں نہیں بھٹکے گا۔ **وَلَا يَشْقٰى ○** اور نہ آخرت کے عذاب میں مبتلا ہو کر رنج اٹھائے گا۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ اور جس نے میرے ذکر کے التزام اور میری تابعداری کی ہدایت میں جب اس کے پاس آئی سے روگردانی کی۔ **فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا** تو اس کی معاش تنگ ہو گی یعنی اس کے قلب پر حجابات اور ظلمت کے باعث کے انسداد کا سبب کیونکہ ذکر استفتاح القلوب ہے اور اس سے روگردانی فیض کے انسداد کا موجب ہے۔

ذکر حق مفتاح باشد ای سعید
تا کشائی در جان بے کلید
چوں کسے بذکر حق شد از کی ندا
ایں بود دائم معاش اولیا

ترجمہ: اے سعید ذکر حق چابی ہے تاکہ روح کا دروازہ چابی کے بغیر کھل سکے۔ جو کوئی بغیر ذکر حق اپنی غذا بناتا ہے اولیا کو یہی دائمی معاش ہے۔

وَنَحْشُرُهٗ اور روگردانی کرنے والے کو ہم اٹھائیں گے۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ الحشر بمعنی البعث والجمع کے معنی میں آتا ہے یہاں پہلا معنی مراد ہے۔

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ○ قیامت میں اندھا۔ اعمی یعنی فاقد البصر ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی میں ہے۔

ونحشرهم يوم القيامة على وجوههم عميا وبكما وصما۔

فائدہ صوفیانہ: عرائس البیان میں ہے کہ اعمی کا معنی ہے وہ حق سے جاہل یعنی جیسے وہ دنیا میں دیدار کے عرفان سے جاہل تھا ایسے ہی قیامت میں جاہل ہو گا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کو دنیا میں نہ پہچانا وہ آخرت میں بھی نہیں پہچانے گا۔

قَالَ یہ پوچھنا تعجباً ہے۔ کہیگا اے میرے پروردگار! **لِمَ حَشَرْتَنِیْٓ اَعْمٰی وَقَدْ كُنْتُ بَصِیْرًا ○** تو نے مجھے اندھا کیوں کیا، دنیا میں تو میں انکھیارا تھا۔

قَالَ كَذٰلِكَ ۔ فرمایا تو نے بھی ایسے ہی کیا اس کو کی تفسیر میں فرمایا۔ **اَتَتْكَ اٰیٰتُنَا** تیرے پاس ہماری آیات یعنی آیات یا دلائل قدرت و علامات وحدہ واضح نیرہ جو کسی سے پوشیدہ نہ تھے آئے۔ **فَنَسِیْتَهَا** تو تو نے انہیں بھلا دیا یعنی تو ان سے اندھا بنا اور انہیں ترک کر دیا گیا وہ کسی طرح بھی تیرے یہاں مذکور نہیں ہوئیں۔ **وَكَذٰلِكَ الْیَوْمَ** اور ایسے ہی جیسے تو دنیا میں غفلت اور بھول میں تھا۔ **الْیَوْمَ تُنْسٰی ○** آج بھلایا جائے گا یعنی اندھے ہی اور عذاب میں رہے گا یہ اس دنیوی عمل کی کامل سزا ہے لیکن ابدًا نہیں بلکہ جو اللہ تعالیٰ چاہے گا پھر اسے اللہ تعالیٰ زائل فرمائے گا یہ اس لیے ہوگا تاکہ قیامت کی ہولناکیوں کو دیکھے اور جہنم میں اپنا ٹھکانا اپنی آنکھوں سے دیکھے یہ اس لیے دوہرا عذاب ہوگا اسی طرح اس کا بہرہ پن، گونگا پن بھی اس سے تھوڑی مدت کے لیے ہوجائے اور گونگے پن کو زائل کرے گا تاکہ اسے موجودہ عذاب سنائے اور دکھائے۔

وَكَذٰلِكَ اور اسی طرح اسی قسم کا بدلہ دیں گے۔ **نَجْزِیْ مَنْ اَسْرَفَ** ہم اس کو سزا دیتے ہیں جو حد سے بڑھتا ہے۔

حل لغات: الاسراف یعنی ہر وہ کام جو انسان کرتا ہے اس کی حد سے آگے بڑھنا اگرچہ انفاق میں زیادہ مشہور ہے۔

وَلَمْ یُؤْمِنْۢ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ اور وہ اللہ تعالیٰ کی آیات یعنی قرآن اور باقی تمام معجزات پر ایمان نہیں لایا بلکہ ان کی تکذیب بھی کی اور ان سے منہ موڑا۔ **وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ** اور آخرت کا مطلق یا جہنم کا عذاب **اَشَدُّ** اس سے زیادہ سخت ہوگا جو ہم انہیں دنیا میں چکھاتے تھے مثلاً روزی کی تنگی وغیرہ۔ **وَاَبْقٰی ○** اور بہت زیادہ اور باقی رہنے والا اور دائمی ہے کیونکہ وہ منقطع نہیں ہوگا پس جو اللہ تعالیٰ سے بخشش چاہے اور اس سے جزا و ثواب چاہے تو اس پر لازم ہے کہ دنیا میں طاعت الٰہی پر صبر کرے اور معاصی اور شہوات دنیا سے اجتناب کرے اسی لیے کہ جنت کو تکالیف اور دوزخ کو شہوات نے گھیرے ہوئے ہیں۔

حدیث شریف: حدیث شریف میں وارد ہے:

اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو بہشت کے معائنہ کا حکم فرمایا کہ اس کی زیب و زینت اور اس کے اندر کی نعمتوں کو دیکھیں جب جبریل علیہ السلام نے اسے قریب سے دیکھا تو واپس آ کر عرض کیا کہ یا اللہ! جو بھی اس کے متعلق سنے گا اس میں ضرور داخل ہوگا اس کے بعد اس کے اردگرد تکالیف کی چاردیواری کھڑی کر دی گئی۔ پھر فرمایا کہ اے جبریل! (علیہ السلام) اب جا کر بہشت کو دیکھئے۔ جبریل علیہ السلام نے اس دیوار کو دیکھ کر عرض کی کہ یا الٰہ العالمین اب کسی کے داخل ہونے کا امکان نظر نہیں آتا۔ اس کے بعد دوزخ کے معائنہ کا فرمایا جب جبریل علیہ السلام نے دوزخ اور اس کے اندر عذاب کی اشیاء دیکھیں تو عرض کی یا الٰہ العالمین! جو اس کا نام

سنے گا کہ اس سے دور بھاگے گا کوئی بھی اس دوزخ میں جانے کا نام نہ لے گا۔ اس کے بعد دوزخ کو شہوات سے گھیر دیا گیا پھر اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو فرمایا کہ اب جا کر دوزخ کو دیکھئے جب جبریل علیہ السلام نے دوبارہ دیکھا تو عرض کی کہ یا الٰہ العالمین! اب تو ہر کوئی اس میں داخل ہو جائے گا۔

دوزخ کی سزا کا نمونہ مروی ہے کہ جب دوزخیوں کو دوزخ کی طرف روانہ کیا جائے گا تو ان کا استقبال زبانیہ (فرشتے) سلاسل و اغلال سے کریں گے ایک زنجیر دوزخی کے منہ میں ڈال کر اس کی دبر سے نکالا جائے گا۔ بایاں ہاتھ گردن سے باندھا جائے گا اور دایاں ہاتھ اس کے منہ میں داخل کر کے اس کے دونوں کاندھوں کے درمیان سے نکالا جائے گا پھر اسے بیڑیوں سے جکڑ کر اس کے ساتھ ایک شیطان ملا کر جہنم کی طرف کھینچ کر لایا جائے گا اور فرشتے اسے لوہے کے چابک سے مار مار کر دوزخ میں دھکیلیں گے۔ [illegible]

حدیث شریف دوزخ کا ادنیٰ عذاب یہ ہے کہ اسے آگ کے جوتے پہنائے جائیں گے جن کی گرمی کی شدت سے اس کا دماغ ابلے گا۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ وہ عذاب کے اسباب اور آخرت میں ان سزاؤں کے موجبات سے بچے اور کوشش کرے کہ وہ قیامت میں امن میں رہے اور اشد العذاب سے بچے اس سے اللہ تعالیٰ کا ہجر و فراق مراد ہے۔

بعد حق باشد عذاب متقین
از نعیم قرب عشرت سازیم
ہر کہ نابینا شود از این بصر
ماند در تاریکی مہر و ماہ او

ترجمہ: ۱۔ عذاب یہی ہے فراق الٰہی۔ اور ایسے ہی عشرت سازی کی ذات ہے قرب حق کی سعی۔

۲۔ جو اللہ تعالیٰ کی آیات سے اندھا ہے وہ ہمیشہ آنکھ کی جگہ کے اندھیرے میں رہے گا۔

أَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُونِ - ہمزہ انکار توبیخی کا اور فا عطف محذوف کے لیے ہے۔ اور ہدایۃ بمعنی التبیین ہے اس کا مفعول محذوف ہے اور اس کا فاعل جملہ کا مضمون ہے اور لہم کی ضمیر مشرکین کی طرف راجع ہے اور مشرکین سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصرین کفار مراد ہیں۔ القرون، قرن کی جمع ہے وہ قوم جو زمانے کے لحاظ سے ایک دوسرے کے قریب ہو۔

اب معنی یہ ہوا کہ کیا وہ غافل ہیں اور انہیں اپنے امور کا انجام واضح نہیں ہوا وہ غور کریں کہ ہم نے قرون اولیٰ کے لوگ تباہ و برباد کیے ہیں۔ اس کا فاعل ضمیر ہے جس کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ اب یہ ہوا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے

ہدایت نہیں کی۔ اھلکنا بطریق التفات اس ہدایت کا بیان ہے۔ اور من القرون محل نصب میں لفظ کم کی تمیز ہے اب عبارت یوں ہوگی۔

کم قرنا کائنا من القرون۔

یَمْشُوْنَ فِیْ مَسٰکِنِھِمْ ، یہ القرون سے حال ہے یعنی درانحالیکہ اپنے گھروں میں امن اور چین کے ساتھ چلتے پھرتے تھے، یا یہ لھم کی ضمیر سے حال ہے اور انکار کے لیے ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ کیا انہیں اس سے بھی ہدایت نہ ملی کہ ہم نے قرون سالفہ میں کئی قرون تباہ و برباد کر ڈالے جیسے اصحاب ایکہ، اصحاب حجر، ثمود اور قوم لوط کی بستیاں۔ درانحالیکہ وہ اپنے گھروں میں چلتے پھرتے اور وہ ان سے شام کی طرف جاتے ہوئے وہاں سے گزرتے اور ان کی تباہی و بربادی کو آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور یہ ایسے اسباب ہیں کہ جن سے وہ جلد تر ہدایت پائیں اور عبرت پکڑیں کہ کہیں یہ بھی ان کی طرح عذاب کی لپیٹ میں نہ آجائیں۔

حل لغات ، امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ الانتقال بمعنی ادھر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا۔ السکون بمعنی حرکت کے بعد شے کا ثابت ہونا اور کہیں وطن بنانے کو بھی کہا جاتا ہے جیسے سکن فلان مکان کذا یعنی فلاں اس جگہ ٹھہرا، مسکن اسم ظرف اور مساکن اس کی جمع ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ ، بے شک اس عذاب میں جو کہ گزرے ہیں لَاٰیٰتٍ ، نشانات کثیرہ اور واضح الہدایۃ امر ظاہر اللہ الالٰہ الحق ہیں کہ وہی ہادی اور کافی ہادی ہے۔ لِّاُولِی النُّھٰی ○ نھیۃ کی جمع ہے بمعنی عقل یعنی ذوی العقول کے لیے اور عقول ناروا سے روکتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ جو ان کا منکر ہے وہ عاقل نہیں۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

پس سپاس او را کہ ما را در جہان
کرد پیدا از پس پیشینیان
تا شنیدیم آن سیاستہای حق
بر قرون ماضیہ اندر سبق
استخوان و پشم آن گرگان عیان
بنگرید و پند گیرید ای مہان
عاقل از سر بنہد این ہستی و باد
چون شنید انجام فرعونان و عاد

(بقیہ صفحہ نمبر ۹۶۹)

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ
اور اگر تمہارے رب کی ایک بات نہ گزر چکی ہوتی تو ضرور عذاب انہیں
لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿١٢٩﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ
لپٹ جاتا اور اگر نہ ہوتا ایک وعدہ ٹھہرایا ہوا تو ان کی باتوں پر صبر کرو اور اپنے رب کو سراہتے ہوئے اس کی پاکی بولو
قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ
سورج چمکنے سے پہلے اور اس کے ڈوبنے سے پہلے اور رات کی گھڑیوں میں اس کی پاکی بولو اور دن کے کناروں پر اس
لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿١٣٠﴾ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ
امید پر کہ تم راضی ہو اور اے سننے والے اپنی آنکھیں نہ پھیلا اس کی طرف جو ہم نے کافروں کے جوڑوں کو برتنے کے لیے دی ہے
الدُّنْيَا ۬ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿١٣١﴾ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ
جیتی دنیا کی تازگی کہ ہم انہیں اس کے سبب فتنہ میں ڈالیں اور تیرے رب کا رزق سب سے اچھا اور سب سے دیرپا ہے اور اپنے گھر والوں کو
وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿١٣٢﴾ وَقَالُوْا
نماز کا حکم دے اور خود اس پر ثابت رہ کچھ ہم تجھ سے روزی نہیں مانگتے ہم تجھے روزی دیں گے اور انجام کا بھلا پرہیزگاری کے لیے اور
لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿١٣٣﴾ وَلَوْ
کافر بولے یہ اپنے رب کے پاس سے کوئی نشانی کیوں نہیں لاتے اور کیا انہیں اس کا بیان نہ آیا جو اگلے صحیفوں میں ہے اور اگر ہم
اَنَّاۤ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا
انہیں کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے رسول کے آنے سے پہلے تو ضرور کہتے اے ہمارے رب تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ
رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿١٣٤﴾ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ
بھیجا کہ ہم تیری آیتوں پر چلتے قبل اس کے کہ ذلیل و رسوا ہوتے تم فرماؤ سب راہ دیکھ رہے ہیں تو تم بھی راہ
فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ﴿١٣٥﴾
دیکھو تو اب جان جاؤ گے کہ کون ہیں سیدھی راہ والے اور کس نے ہدایت پائی

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

بود بچشم دیگراں از حال او
عبرتی گیرند از استدلال او

ترجمہ و ① میں فائدہ کہ اس نے جہان میں ہیں اگلے لوگوں کے جد پیدا فرماؤ ۔
② آؤ ہم قوموں پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کے آثار دیکھ کر عبرت حاصل کریں۔
③ ان کے گھروں کی تباہیوں اور زوال دیکھ کر اسے حزن و بصیرت اور عبرت حاصل کرو۔
④ عاقل اپنے سر سے ان کی ہستی اور ان کا خیال نکال دیتا ہے جب فرعون و عاد کا حال سنتا ہے۔
⑤ اگر کوئی کسی سے عبرت نہیں پکڑتا تو لوگ اس کی گمراہی سے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ ۔ اگر تیرے پروردگار سے کلام سبقت نہ کر جاتا۔ اس سے وہ کلام مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تاخیر عذاب کا وعدہ فرمایا اور امت سے امت دعوت مراد ہے اور اس تاخیر عذاب میں اس کی حکمت کا تقاضا یونہی تھا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے فرمایا اور لوح محفوظ میں لکھ دیا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اگرچہ تکذیب رسل و انکار کتب وغیرہ کرے گی تب بھی ان سے عذاب مؤخر کیا جائے گا اس لیے وہ تباہی و بربادی جو پہلی امتوں کے لیے ہوئی وہ نہ ہوگی ان کی جڑ کاٹ کر رکھ دیا جائے گا کیونکہ اس کے علم میں تھا کہ ان میں بعض اہل ایمان بھی ہوں گے اگر عذاب عام ہو تو ان میں وہ بھی تباہ و برباد ہو جائیں گے۔

(اس سے معلوم ہوا کہ اللہ والوں کا صدقہ ہے کہ ہم عذاب الٰہی سے محفوظ ہیں۔ فافہم و تدبر)۔

لَكَانَ لِزَامًا ان کے کرتوت کی سزا ہوتی۔ لِزَامًا ان کافروں کو چمٹی ہوتی کہ ان کے کرتوت کے بعد فوراً عذاب میں مبتلا ہو جاتے جیسے پہلی امتوں کے لیے ہوا کہ وہ تکذیب پر فوراً تباہ و برباد ہوئے۔ یہ مصدر لازم ہے لیکن اسے وصف بنا مبالغہ کے لیے ہے۔ وَأَجَلٌ مُّسَمًّى ۝ اس کا عطف کلمہ پر ہے اور درمیان کا فاصلہ بتاتا ہے کہ یہ دونوں ہر ایک لزوم عذاب کے لیے مستقل ہیں اور فواصل آیات کے لیے بھی ایسا کیا گیا یعنی اگر ان کی اجل یا عذاب کا جو وقت مقرر نہ ہوتا (اس وقت سے قیامت یا یوم بدر مراد ہے) تو ان سے عذاب ہرگز مؤخر نہ ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان کی ترغیب دی ہے اور پھر انہیں عبرت و استدلال سے سمجھایا ہے یہ اس کی رحمت اور فضل و کرم کی دلیل ہے ورنہ اسے کیا ضرورت تھی کیونکہ اس میں بندوں کا فائدہ ہے اسے تو اس سے کوئی نفع نہیں۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

چون خلقت الخلق کی یربح علی
لطف تو فرمود ای قیوم و حی
لا لان اربح علیہم جود تست
کہ شود زو جملہ ناقصہا درست

ترجمہ: خلقت الخلق (میں نے مخلوق پیدا فرمائی) کی وجہ علی ہو تاکہ وہ مجھ سے نفع پائیں، تو نے فرمایا اللہ حی و قیوم (لا لاربح علیہم) نہ کہ میں ان سے نفع پاؤں، یہ تیرا جود ہے تاکہ اس سے تمام ناقص کامل ہوں۔

قدسی حدیث شریف: کلمات قدسیہ یہ ہیں:

یا عبادی لو ان اولکم و آخرکم وانسکم	اے میرے بندو! اگر تمہارے پہلے پچھلے تمام انس و جن
وجنکم کانوا علی اتقی قلب رجل واحد	ایک متقی ترین کے قلب کے موافق ہوں تب بھی میرے
منکم مازاد ذالک فی ملکی شیئا۔	ملک میں اضافہ نہ ہو۔

اور فرمایا:

یا عبادی لو ان اولکم و آخرکم	اے میرے بندو! اگر تمہارے پہلے اور تمام انس و جان
وانسکم وجنکم کانوا علی افجر قلب	ایک فاجر ترین کے موافق ہوں تب بھی میرے ملک سے کچھ
رجل واحد منکم ما نقص ذالک من	کم نہ ہوگا۔
ملکی شیئا۔	

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ کلمۂ توحید پر التزام کرے تاکہ وہ وعید میں داخل نہ ہو۔

حدیث شریف: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سارے جنت میں داخل ہو گے سوائے منکر کے، عرض کی گئی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منکر کون ہے؟ جس نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ نہ کہا اس سے قبل کہ اس پر موت آئے وہ منکر ہے۔ کلمۂ طیبہ ہی عقیدہ دینی اور جنت کا ثمن ہے۔

ف: و تاخیر حضرت توبہ کے لیے مہلت ہے اور گناہ پر اصرار کرنے والے کے لیے حجت ہے۔

سبق: عاقل مکلف پر لازم ہے کہ وہ مواعظ قرآن کریم سے منافع حاصل کرے اور کلام حکیم سے ذکر ہے اور ملاحظہ و انابت میں جدوجہد کرے اسے چاہیے کہ عبادات سے بے عمل میں نہ ہو کہ وہ قربانیوں اور نیک اعمال ملائکہ العالی اشرف المخلوق و بدیع المصنوعات ہے۔

حدیث و معجزہ: حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا آپ کو پیاس کا غلبہ ہوا۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ اس سامنے والے پہاڑ کو میرے سلام کے بعد کہیے کہ وہ پانی بھیجے اگر اس کے پاس ہو تو۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے پہاڑ کے قریب جا کر کہا السلام علیک ایہا الجبل، اس نے بزبان فصیح کہا:

لبیک یا رسول رسول اللہ لبیک۔ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد! میں حاضر ہوں۔

میں نے اسے پانی کا کہا تو اس نے کہا :

تیرا سلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو، اور سلام کے بعد عرض کرنا کہ جب سے میں نے یہ آیت : فاتقوا النار التی وقودها الناس والحجارة" سنی ہے اسی روز سے رو رہا ہوں کہ کہیں وہی پتھر نہ ہوں جو جہنم کا ایندھن بنے گا۔ اس گریے سے میرے اندر پانی نہیں رہا۔"

سبق : جو شخص قرآن مجید کے زواجر سن کر معاملات میں رقت نہیں کرتا وہ پتھروں سے سخت تر اور جاہلوں سے بدتر ہے ہم اللہ تعالیٰ سے قلب کی نرمی کا سوال کرتے ہیں۔

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ : تو آپ ان کی گفتگو پر صبر کیجئے جب یہ بات طے شدہ ہے کہ ان پر عذاب مقرر کیا گیا ہے اور اس سے یوں نہ سمجھا جائے کہ ان سے چشم پوشی کی جا رہی ہے بلکہ انہیں چند روزہ مہلت دی جا رہی ہے کیونکہ عذاب ان پر لازم ہے تو آپ ان کے کلمات کفریہ اور جادو وشعر اور جنون کی نسبت کرنے پر اتنی دیر صبر کیجئے یہاں تک کہ ان کے بارے میں فیصلہ ہو۔ ویسے بھی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ ان پر خواہ مخواہ عذاب جانا ہے یہی بات بھی آپ کی تسلی اور صبر کے لیے کافی تھی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ صبر کیجئے ان باتوں پر جو اہل اعتراض و اہل انکار کہا کرتے ہیں کہ آپ کو ان کی تربیت کرنی ہے یہاں تک کہ آپ مقام صبر تک پہنچیں۔

ف : بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت "آیۃ السیف" سے منسوخ ہے لیکن تفسیر کبیر میں ہے کہ ضروری نہیں کہ اسے منسوخ مانا جائے کیونکہ ممکن ہے کہ آپ کو کفار کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم بھی ہوا اور ساتھ ہی ان کے ایذاؤں پر صبر کرنے کا حکم بھی۔

حل لغات : امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا کہ الصبر کے معنی نفس کا ان امور سے روکنا جن کے روکنے پر عقل و شرع کا تقاضا ہے لفظ صبر ایک عام ہے اور بلحاظ مختلف مواقع کے اس کے اسماء بھی مختلف ہیں مثلاً نفس کو مصیبت کے وقت روکنے کا نام صبر ہے اس کی نقیض جزع آتی ہے اور اگر جنگ کے موقع پر صبر کرنے کا نام شجاعت اس کی نقیض جبن (بزدلی) ہے اور اگر حادثہ کے وقت صبر کیا جائے تو اسے رحب الصدر (سینہ کی کشادگی) اور اس کی نقیض الضجر آتی ہے۔ اگر گفتگو کرنے پر اپنے آپ کو روکا جائے تو اسے کتمان سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کی نقیض مذل آتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان تمام مواقع کا نام صبر رکھا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں اس پر تنبیہ فرمائی ہے :

والصابرون فی الباساء والضراء۔

اور فرمایا :

الصابرین علی ما اصابھم، والصابرین والصابرات۔

اسی لیے الصوم کا نام صبر ہے اس لیے کہ یہ صبر کے انواع سے ہے۔

تفسیر عالمانہ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ. اور اپنے رب تعالیٰ کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے یعنی نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی ہدایت و توفیق پر حمد الٰہی کیجیے۔

سوال: تم نے تسبیح کا معنی نماز پڑھنے کا معنی کیوں کیا ہے؟

جواب: جزو بول کر کل مراد لی گئی ہے کیونکہ نماز میں تسبیح و ذکر الٰہی ہوتی ہے اور یہ امور تسلی و راحت بخشتے ہیں اور یہی احزان و ہموم کو دور کرتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ:

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔

قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ طلوع شمس سے پہلے۔ اس سے صبح کی نماز مراد ہے۔

حدیث شریف: حدیث شریف میں ہے کہ طلوع شمس تک ذکر الٰہی میں مصروف رہنا اولاد اسماعیل میں سے چار غلام آزاد کرنے سے افضل ہے۔

ف: اسماعیل علیہ السلام کی تخصیص ان کی شرافت اور ابو العرب کی وجہ سے ہے۔

وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا اور غروب شمس سے پہلے۔ اس سے عصر کی نماز مراد ہے کیونکہ یہ دونوں نمازیں زوال کے بعد غروب سے ادا کی جاتی ہیں۔ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ اور رات کی بعض ساعات میں سے۔ انی بالکسر والقصر کی جمع ہے جیسے معی کی جمع امعاء آتی ہے۔ وانا کو بالفتح والمد پڑھا جاتا ہے۔ فَسَبِّحْ پھر نماز پڑھیے اس سے مغرب و عشاء کی نمازیں مراد ہیں۔

سوال: نماز پڑھنے کے حکم سے ان کے اوقات کی تقدیم کیوں؟

جواب: ان کی فضیلت کا اظہار مطلوب ہے کیونکہ ان اوقات میں قلب کو جمعیت حاصل ہوتی ہے اور نفس راحت کی طرف زیادہ مائل ہوتا ہے اور ان اوقات میں عبادت کرنے میں مشقت ہوتی ہے۔

وَاَطْرَافَ النَّهَارِ اور دن کے اطراف میں۔ بعض کو نفلی عبادت کا حکم ہے۔

ف: الصاوی میں ہے کہ یہ منصوب ہے ما قبل پر دوسرے ظروف پر اس کا عطف ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ اطراف النہار میں تسبیح پڑھیے۔ اس سے صلوٰۃ مغرب و ظہر مراد ہے۔ تکرار صرف اختصاص کے لیے ہے جیسے: حافظوا علی الصلوٰت والصلوٰۃ الوسطٰی میں الصلوٰۃ الوسطٰی کا تکرار اختصاص کے لیے ہے۔ الا الصلوٰۃ الوسطٰی سے مراد نماز عصر ہے۔

ف: جلالین میں ہے کہ قبل غروبہا سے نماز عصر، و اطراف النہار سے صلوٰۃ الظہر مراد ہے کیونکہ یہ بیچ کے عین سے واقع مراد ہے۔

ف: طبری میں ہے کہ قبل غروبہا سے عصر کی نماز مراد ہے اور اٰناء اللیل سے عشاء آخرہ اور اطراف النہار سے ظہر

مغرب مراد ہے کیونکہ ظہر نہار کی طرف اول کا کنارہ آخری اور نہار کے آخری حصہ کا پہلا کنارہ ہے گویا نماز ظہر ان دونوں طرفوں کے درمیان ہے اور مغرب طرف ثانی کے آخر میں ہے۔ اس معنی پر انہیں اطراف کہا گیا۔

ف: اس آیت سے الشیخ ابوالقاسم البلخی رحمہ اللہ تعالیٰ نے الاسئلۃ القمر میں استدلال کیا ہے۔ اس کی تشریح سورہ ہود کے آخر میں گذری اور مزید تشریح سورہ ق میں آئے گی۔

لَعَلَّكَ تَرْضٰى ○ یہ سبح کے متعلق ہے یعنی ان اوقات میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھئے پھر امید رکھنی چاہیئے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں [illegible] پائیں گے جس سے آپ کو بھی خوشی اور دل راضی ہوگا۔

ف: صاحب کاشفی نے لکھا کہ خوشنودی سے صحیح تر قول یہ ہے کہ امت مراد ہے اس لیے کہ وعدۂ اعلیٰ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا ہے وہ شفاعت امت ہے۔ اس تحقیق کی "ولسوف یعطیک ربک فترضٰی" سے تقویت ملتی ہے۔

امت ہمہ جسمند و توئی جان ہمہ
ایشان ہمہ آن تو و تو آن ہمہ
خوشنودی تو جست خدا در محشر
خوشنود نہ ای مگر بغفران ہمہ

ترجمہ: ① امت تمام جسم اور اس کی روح آپ ہیں یہ تمام آپ کے ہیں اور آپ تمام کے ہیں۔
② قیامت میں اللہ تعالیٰ بھی آپ کی رضا چاہے گا اور آپ امت کی مغفرت سے راضی ہوں گے۔

فضائل نماز تسبیح کی مشغولی میں دراصل تسبیح پڑھنے والا اس کے وسیلہ سے کفر پر غلبہ اور فتح و نصرت کی مدد چاہتا ہے اور نماز ازالۂ الم کے لیے تریاق اعظم ہے۔ اسی لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی پریشانی یا غم لاحق ہوتا تو آپ نماز میں مشغول ہو جاتے اور آیت "وما ملکت ایمانکم" یہی سبب ہے آخر میں نماز کی تاکید کی ہے۔

ف: آیت مذکورہ میں پانچ نمازوں کا بیان ہے۔

حدیث شریف: حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ آپ نے چودھویں کے چاند کو دیکھ کر فرمایا:

انکم سترون ربکم کما ترون ھذا القمر
لا تضامون فی رؤیتہ فان استطعتم ان
لا تغلبوا علی صلوٰۃ قبل طلوع الشمس وقبل
غروبھا فافعلوا ثم قرأ وسبح بحمد ربک ؕ

بے شک تم اپنے پروردگار کو ایسے دیکھو گے جیسے اس چودھویں
کے چاند کو دیکھ رہے ہو تم اس کے دیدار سے محروم نہ ہو گے
اگر تم طاقت رکھتے ہو تو تم طلوع شمس سے قبل اور غروب کی نماز
سے مغلوب نہ ہو جاؤ۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت مبارکہ

[illegible] ... الخ

ف: حدیث شریف میں لفظ لا تضامون آیا ہے اس کا میم مشدد پڑھی جائے یہ ضم سے مشتق ہے۔

اب معنے یہ ہوا کہ تمہارا بعض کے ساتھ ضم ہو کر نہ دیکھو گا اور کثرت ہجوم سے یہ نہ ہو گا کہ پیچھے کو دیکھ سکو تو وہ کہاں ہے بلکہ ہر ایک مستقل طور پر اللہ تعالیٰ کو دیکھے گا۔ اس تقریر پر تا مفتوح ہوگی یہ دراصل لا تتضامون تھا ایک تا حذف کر دیا گیا ہے اور میم کو خفیف کر کے بھی پڑھا گیا ہے الضیم سے مشتق ہو گا بمعنے الظلم اس کی تا مضموم ہے یعنی تم سے کسی ایک پر ظلم نہ ہو گا کہ کسی کو دیدار ہو اور کسی کو نہ ہو بلکہ سب کو ہو گا اور تمام اس کے دیدار میں برابر ہوں گے۔

حدیث شریف: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ منافقین پر ثقیل ترین دو نمازیں ہیں:

① نماز عشاء
② نماز فجر

اور اگر انہیں ان کا ثواب معلوم ہوتا تو گھٹنوں کے بل چل کر آتے۔

نماز با جماعت کے فوائد: مشائخ فرماتے ہیں جو پانچوں نمازوں کو جماعت کے ساتھ ادا کرتا ہے اسے مندرجہ ذیل فوائد نصیب ہوتے ہیں:

① رزق کی تنگی دور ہوگی۔
② عذاب قبر سے حفاظت نصیب ہوگی۔
③ پل صراط پر سے بجلی کی طرح گزرے گا۔
④ بہشت میں بلا حساب داخل ہوگا۔

ترک نماز با جماعت کے نقصانات: جو شخص نماز با جماعت میں سستی کرتا ہے وہ مندرجہ ذیل آفات میں مبتلا ہوگا:

① اس کے رزق سے برکت اٹھ جائے گی۔
② اس کی کمائی میں برکت نہ ہوگی۔
③ اس کے چہرے سے صالحین (نیک بختوں) کی نشانی (علامت) اٹھالی جائے گی۔
④ اس کے باقی اعمال صالحہ بھی قبول نہ ہوں گے۔
⑤ لوگوں کے دلوں میں اس کے لیے بغض پیدا کر دیا جائے گا۔
⑥ اس کی روح بھوکی پیاسی قبض کی جائے گی۔
⑦ نزع روح (سکرات) کے وقت سخت تکلیف میں مبتلا ہوگا۔
⑧ قبر میں تنگی کی گرفت سخت ہوگی۔

⑨ قبر میں اندھیرا رہے گا۔
⑩ قبر تنگ ہو جائے گی۔
⑪ حساب سخت ہوگا۔
⑫ اللہ تعالیٰ کا غضب سخت تر ہوگا۔
⑬ جہنم میں اسے داخل کرکے شدید عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

اللہ والوں کی شان : حدیث شریف میں ہے :

امتی مرحومة وانما یدفع اللہ عنھم البلایا باخلاصھم وصلواتھم ودعائھم وضعفائھم[1]

میری امت پر رحمت خداوندی ہے اور ان سے اللہ تعالیٰ عذاب اور بلائیں دفع فرماتا ہے ان کے اخلاص اور نمازوں اور دعاؤں اور ضعیفوں کی برکت سے[2]

فضیلت امت مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت دانیال نبی علیہ السلام نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی تعریف فرمائی کہ وہ نمازیں پڑھتے ہیں اگر نوح علیہ السلام کی امت نماز پڑھتی تو طوفان میں غرق نہ ہوتی ویسے ہی اگر قوم عاد نماز پڑھتی تو ان پر ہوا کا عذاب نہ آتا اور ثمود کی قوم نماز پڑھتی تو انہیں چنگھاڑ نہ پکڑتا۔

سبق : ہر ایک پر لازم ہے کہ وہ کسی وقت بھی نماز و دعا اور التجا الی اللہ میں سستی نہ کرے۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ :

حل لغات : المد بمعنی الجر یعنی کھینچنا اسی سے المدة للوقت الممتد یعنی دراز وقت کا عرصہ۔ الامداد کا اکثر استعمال اچھی اشیاء اور المد کا بری چیز میں ہوتا ہے پہلے کی مثال میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وامددناھم بفاکھة (اور ہم نے ان کی میوہ جات سے مدد کی)۔

دوسرے کی مثال میں فرمایا :

ونمد لہ من العذاب مدا (اور ہم ان کا عذاب دراز کر دیں گے)۔

---

[1] روح البیان جلد ۵ ص ۴۴۳۔

[2] اللہ والوں کی ہی دعائیں نمازیں اور اخلاص مراد ہو سکتی ہے ورنہ بہت سے لوگوں کی نہ دعائیں قبول اور نہ نمازیں بلکہ ایسے اعمال ان کے منہ پر مارے جاتے ہیں اور ضعفاء سے بھی وہی بیچارے خدا مراد ہیں۔ ۱۲ فافہم و تدبر و لا تکن من الغافلین ۱۲

(اویسی غفرلہ)

لفظ عین اسی آنکھ (عضو) کو کہا جاتا ہے بخلاف بصر کے کہ وہ عام ہے۔ اسی لیے حدیثِ قدسی میں فرمایا: کنت لہ سمعا وبصرا (میں اس کی سمع و بصر ہو جاتا ہوں)، عینا و اذنا نہیں فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ اعضا سے پاک ہے۔

اب مطلب یہ ہوا کہ رغبت و میلان کی وجہ سے آنکھیں دراز نہ کیجیے یعنی نہ دیکھیے۔

ف: بعض نے کہا کہ مد العینین میں تطویل ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کے مرتبہ اور شان کو دیکھ کر اس کی آرزو اور تمنا پر اسے ٹکٹکی لگا کے دیکھے کہ کاش وہی مرتبہ اور شان مجھے بھی حاصل ہو۔

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کے مرتبہ و شان کو دیکھ کر آرزو کرنا لیکن اسے رشک کی نگاہوں سے مسلسل طور پر نظر رکھنا منع نہیں کیونکہ یہ ایسا امر ہے کہ اس سے چارہ نہیں ہے اور انسان کے اپنے بس میں نہیں۔ اسی لیے کراہت سے امور ہمارے سامنے آتے ہیں ہم انہیں دیکھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں لیکن نگر شرعاً اس سے آگے بڑھتے ہیں ہاں اسے بار بار غور سے دیکھنا منع ہے جیسا کہ حسد کے طور پر ہے مثلاً دنیوی نقش و نگار میں نگاہیں لگا دے ایسے کہ گویا اس کے دل میں اس نے گھر کر لیا ہے دنیا کا منع ہے یا کوئی شخص کسی دنیوی محبوب شے کو دیکھ کر ایسا محو ہو جاتا ہے کہ سوائے اس کے کسی دوسری طرف دیکھتا گویا ہی نہیں کرتا تو یہ ناجائز ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا: ولا تمدن عینیک (آنکھ اٹھا کر) نہ دیکھیے جو بشری جبلت کے مطابق ہو۔

شانِ نزول حضرت کاشفی نے لکھا کہ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ایک مہمان حاضر ہوا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں کچھ نہ تھا کہ جس سے مہمان نوازی فرماتے مجھے ایک یہودی کے ہاں بھیج کر فرمایا کہ کچھ آٹا دے دے تاکہ مہمان بھوکا نہ جائے اور وعدہ فرمایا کہ رجب کو رقم ادا کر دیں گے لیکن یہودی نے آٹا دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ادھار قطعی بند ہے۔ ہاں اگر کوئی شے گروی رکھو تو آٹا مل سکتا ہے۔ جب آپ نے یہودی کا جواب سن کر فرمایا کہ بخدا میں تو آسمان و زمین کا امین ہوں اگر وہ یہودی آٹا دے دیتا تو اللہ تعالیٰ اس کا قرض اتار دیتا لیکن اس نے انکار کیا تو لیجیے ابو رافع! میری زرہ لے جاؤ اور اس کو گروی رکھ کر آٹا لے آؤ۔ تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے یہی آیت نازل ہوئی۔

ولا تمدن عینیک (اپنی آنکھیں دراز نہ کیجیے یعنی نہ دیکھیے)

إِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖ اس کی طرف جسے ہم نے دنیوی نقش و نگار سے متمتع فرمایا۔

حلِ لغات: متعنا التمتیع اسی متعنا سے ہے یعنی کسی شے کا حصول کہ جس سے نفع اٹھایا جائے۔ اسی کو کہا جاتا ہے الاستمتاع بمعنی الانتفاع والارتفاق بھی کہا جاتا ہے۔

متع النہار ومتع النبات۔

بمعنی ارتفع یعنی بلند ہوا اور کبھی تمتع بمعنی طلب المتاع یعنی نفع طلب کرنا بمعنی التمتع یعنی لمبی مدت تک نفع پایا۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اس شے کی طرف نہ دیکھئے جسے ہم نے چند روز کے لیے نفع کا سبب بنایا ہے۔

ف: والکبیر میں متعت بہ بمعنی التذذنا بہ لکھا ہے اور فرمایا التمتع بمعنی التلذذ آتا ہے یعنی ان اشیاء سے لذت پانا جو مناظر حسنہ یا بہترین آواز یا اچھی خوشبو سے تعلق رکھتی ہیں۔ ایسے ہی لباس و نکاح وغیرہ کی اشیاء۔

اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ کافروں کے اصناف میں سے جیسے وثنی (بت پرست) کتابی یعنی یہود و نصاریٰ۔ اور یہ متعنا کا مفعول بہ ہے۔ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا اس فعل سے منصوب ہے جو مقدر ہے جس پر متعنا دلالت کرتا ہے یعنی ہم نے انھیں دنیا کی زینت، رونق، نقش و نگار اور حسن بخشا ہے۔

ف: واسطی نے فرمایا کہ اس آیت میں فقراء و مساکین کو تسلی ہے کہ جب امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنیوی زیب و زینت اور رونق کو دیکھنے سے منع کیا گیا ہے تو ہم کون ہوتے ہیں کہ اس کے لیے للچائیں۔

لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ تاکہ ان سے وہ معاملہ کریں جو آزمائش کرتے ہوئے لوگوں سے کیا جاتا ہے یعنی جو کچھ ہم نے انھیں عطا فرمایا ہے یہ مال ان کے لیے وبال اور آزمائش اور امتحان ہے کہ اس کی خلاف ورزی پر عذاب کے مستحق ہوں ہم انھیں نعمتیں بڑھائیں گے تو یہی ہو گا کہ ان کے کفر و طغیان میں اضافہ ہو رہا ہے یہ معاملہ ان کے لیے عذاب اور سزا ہے۔ اسی لیے لازم ہے کہ دنیا سے نفرت کرنی چاہیے کیونکہ دنیا آزمائش گاہ ہے اور امتحان کے بعد یا تو اعزاز نصیب ہوتا ہے یا ذلت اور خواری۔

تقویٰ و طہارت میں تشدد

حضرات علمائے کرام نے اسی آیت کے مطابق تقویٰ کا سبق دیا ہے بلکہ تشدد برتا ہے کہ ظالمین اور فاسقین کی ہر روش اور طریقے سے اجتناب ضروری ہے یہاں تک کہ نہ ان جیسا لباس پہننا چاہیے نہ ان جیسی سواری یہاں تک کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فساق کے ہمالیج کی دقدقہ کو نہ دیکھو بلکہ اگر دیکھنا ہے تو یہ سوچو کہ ان رقاب سے معصیت کی ذلت کیسے ظاہر ہو رہی ہے وہ اس لیے کہ انھوں نے یہ اشیاء محض دکھاوے کے لیے بنا رکھی ہیں اور دیکھنے والا اس لیے لگا کہ اسے بھی اس غرض و غایت کے اسباب حاصل ہوں۔

حدیث شریف

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ((دنیا یعنی اس کی صورت اور ساز و سامان (حلوۃ) میٹھی ہے... خضرۃ حسنۃ فی المنظر تعجب الناظر = سرسبز اور حسین منظر ہیں جو دیکھنے والے کا دل لبھاتے ہیں اور دنیا کو سرسبزی سے اس لیے موصوف کیا گیا ہے۔

اہل عرب ہر اعلیٰ اور بہتر نعمت کو خضرۃ سے تعبیر کرتے ہیں اور اسے سبزی سے اس کے زوال کی سرعت کی وجہ سے تشبیہ دی گئی ہے اس میں اشارہ ہے کہ دنیا دھوکا اور فریب سے پر ہے کہ اس کے حسن و جمال کے شغل میں پھنس کر انسان عمل کا [illegible] ہو جاتا ہے۔

حضرت جندی نے فرمایا ؎

جہان و جملہ لذاتش بزنبور عسل ماند
کہ شیرینیش بسیار است زان افزون شر و شورش

ترجمہ: دنیا اور اس کی جملہ لذات شہد کی مکھی کی طرح سمجھو کہ اس کی اگرچہ شیرینی بہت ہے تو اس کا شور و شر بھی کچھ کم نہیں۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

ہر کہ از دیدار برخوردار شد
این جہان در چشم او مردار شد

ترجمہ: جو کوئی دیدار سے سرشار ہوتا ہے تو یہ جہان اس کی نظروں میں مردار جیسا ہوتا ہے۔

حضرت حافظ نے فرمایا ؎

از رہ مرو بعشوہ دنیا کہ این عجوز
مکارہ می نشیند و محتالہ می رود

ترجمہ: دنیا کے عشوہ سے راہ حق سے مت ہٹو کیونکہ دنیا کے اشارے سے فریب ہیں اس بڑھیا کی عادت ہے کہ وہ مکار ہو کر بیٹھتی ہے اور حیلہ جو کر جاتی ہے۔

اور فرمایا ؎

خوش عروسیست جہان از رہ صورت لیکن
ہر کہ پیوست بدو عمر خودش کابین داد

ترجمہ: دنیا ظاہر میں دلہن جیسی ہے لیکن جو اس سے پیوستہ ہوا تو اس نے اپنی زندگی اسے مہر میں دی۔

تطبیق حدیث شریف "ان اللہ مستخلفکم فیہا" بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس دنیا میں خلیفہ بنایا ہے یعنی حقیقت یہ اموال تمہارے نہیں بلکہ ان کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے اس کے تصرف میں تم بطور وکیل کے ہو۔ فینظر کیف تعملون پھر دیکھتا ہے کہ تم ان میں کس طرح تصرف کرتے ہو۔

ف: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم دنیا کو آقا نہ بناؤ ورنہ وہ تمہیں غلام بنا لے گی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ولا تمدن عینیک میں عین البصر والبصیرۃ کی طرف اشارہ ہے یعنی بصر سے سر کی اور بصیرت سے قلب کی آنکھ مراد ہے اور یہ خطاب صرف حضور علیہ السلام کو ہے۔ اس کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں۔

رؤیت حق صرف حضور علیہ السلام سے مخصوص ہے بخلاف دوسرے انبیاء علیہم السلام کے کہ انہیں دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار نہ ہوا۔ اور رؤیت حق غیر کی شرکت کو قبول نہیں کرتی جیسے زبان سے صرف توحید کا اقرار ضروری ہے اس اقرار میں کسی غیر کی

وہ یہ نہیں کیا جا سکتا اور قلب میں ذکر الٰہی کے سوا کسی غیر کی گنجائش نہیں۔ ایسے ہی فرمایا واذکر ربک اذا نسیت یعنی ماسوا اللہ کو بھول کر ذکر الٰہی کیجئے۔

اسی طرح رویت الٰہی میں غیر کے دیکھنے کی گنجائش نہیں۔

الی ما متعنا به ازواجا منهم زهرة الحيوة الدنيا " اس میں دنیا و آخرت ہر دو ہی مراد ہیں، کیونکہ دنیا کا ذکر آخرت کو مستلزم ہے اسی لیے صرف ایک پر اکتفا کیا گیا۔ ازواجا سے اہل دنیا و اہل آخرت مراد ہیں یعنی حضرت کے پہلی سے ظاہر و باطن کی آنکھیں رویت دنیا و آخرت کی میل کچیل سے دھو دیے کیونکہ انہیں جاہ سے جلال کے نور کا ظہور مطالعہ کرنا ہے جمال کو دیکھنا پڑتا ہے اور ہم نے اہل دنیا و آخرت کو اپنے حضرت جلال کے لیے صورت بخشی ہے۔

لنفتنهم فيه — تاکہ ہم انہیں دارین کی نعمتوں میں مشغول رکھ کر اپنے کمال رویت جمال تک پہنچنے کے لیے آزمائیں۔

حکایت: حضرت شبلی قدس سرہ کے سامنے " ان اصحاب الجنة اليوم في شغل فاكهون " پڑھا گیا تو آپ کی چیخ نکل گئی اور فرمایا کہ مسکین بے خبر ایسے شغل سے نا معلوم کیوں دل گرفتاری کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ ورزق ربك اور تمہارے پروردگار کا رزق یعنی وہ جو تمہارے لیے آخرت میں ذخیرہ ثواب جمع کیا گیا ہے یا وہ جو آپ کو طاعت کی ادائیگی کے لیے کفایت کے طور پر عطا کیا گیا ہے۔

ف: رزق عطا کو کہا جاتا ہے دنیوی ہو یا اخروی اور کبھی مقسوم کو بھی رزق کہتے ہیں۔ وہ چیز جو پیٹ کی بھوک مٹاتے یعنی غذا کے طور پر استعمال کی جائے اس کو بھی رزق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

خیر تمہارے لیے اس سے بہتر جو انہیں دنیا میں عطا ہوا ہے یا وہ جو کہ وہ نعمت جلیل القدر ہے جس میں ابتلا نہ لائے یا ثواب جو جنت میں محفوظ ہے بخلاف ان کے مال و اسباب کے جو انہیں دنیا میں عطا ہوا ہے۔ وابقی اور زیادہ باقی رہنے والا ہے کیونکہ وہ ہمیشہ کے لیے غیر منقطع ہے۔

ف: حضرت کاشفی نے کہا کہ زهرة سے ہی شگوفہ کہتے ہیں اور شاید اسی لیے دنیا کو شگوفہ سے تعبیر کیا ہے وہ اس لیے کہ جیسے چند روز تر و تازہ اور سرسبز رہ کر خزاں کا شکار ہو جاتا ہے ایسے ہی دنیا کا حال ہے کہ چند روز کی رونق کے بعد تباہ و برباد ہو جائے گی۔

گل جہاں بباغ تنعم شگوفہ ایست
کاول بجلوہ دل برباید ز اہل حال
یکبارہ بگذرد کہ فرو ریزد از درخت
بر خاک رہ شود چو خس و خاک پایمال

اہل کمال در دل خود جا بجا داشتند
آزار کہ دیدم تپاے است آفت زوال

ترجمہ: ① ملا جامی قدس سرہ نے باغ میں ایک شگوفہ سے کہا ہے کہ وہ اہل دل کو اپنے جاہ سے بھلاتا ہے۔

② دو منٹ گزرنے نہیں پاتے کہ وہ شگوفہ درخت سے ٹوٹ کر زمین پر خس و خاشاک کی طرح خراب پڑا ہوتا ہے۔

③ اہل کمال ایسے تھے کہ کب ملا ہر جگہوں لطف لطف آفت زوال جس کے پیچھے ہے۔

سبق: اہل حق ایسا رزق اختیار کرتے ہے جو باقی رہتا ہے اور فانی نعمتوں کو دیکھتے تک نہیں وہ مرتے دم تک اس قوت پر اکتفا کرتے ہیں خوشی سے زندگی بسر کر سکتا ہے۔

شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا:

① گر آزادہٗ بر زمین خسب و بس
مکن بہر قالی زمین بوس کس

② نیرزد عسل جان من زخم نیش
قناعت نکوتر بدوشاب خویش

③ خداوند زان بندہ خرسند نیست
کہ راضی بقسم خداوند نیست

④ پسندار بجان سرکہ خود خورم
کہ جور خداوند حلوا برم

⑤ قناعت کن اے نفس بر اندکی
کہ سلطان و درویش بینی یکی

⑥ کند مرد را نفس امارہ خوار
اگر ہوشمندی عزیزش مدار

ترجمہ: ① اگر تم آزاد ہو تو زمین پر سو جاؤ اور بس۔ دنیاوی قالین کی خاطر کسی کی زمین بوسی نہ کرو۔

② زخم نیش کا رنج حاصل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں قناعت کر کے اپنے شیرہ پر رکھ یہی بہتر ہے۔

③ اللہ تعالیٰ اس بندے سے خوش نہیں جو اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی نہیں۔

④ پسند ہے کہ اپنا سرکہ کھا لوں بہ نسبت اس کے کہ حلوا والے کا ظلم اٹھاؤں گا۔

⑤ اے نفس تھوڑے پر قناعت کر اس لیے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سلطان اور گدا برابر ہے۔

④ منہ کو نفس کی غذا سے بند کرلو اگر وہ زور آور ہو تو اس کے ساتھ پیار نہ کرو۔

ف: رزق سے مراد حکمت ہے جو روح قدسی کی غذا ہے جیسے علم و حکمت بطور غیبی نازل ہوگی۔

مثنوی شریف میں ہے ۔۔

۱۔ فہم ناں کردی نہ حکمت اے رہی
زانکہ حق گفتا کلوا من رزقہ

۲۔ رزق حق حکمت بہ بود در مرتبت
کان گلو گیرت نباشد عاقبت

۳۔ این دہان بستی دہانی باز شد
کو خورندہ لقمہ ہائے راز شد

۴۔ گر ز شیر دیو تن را وا بری
در فطام او بسی نعمت خوری

ترجمہ: ① اے میرے دوست! تو نے کلوا کا مفہوم روٹی سمجھا ہے حکمت کو نہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مطلق فرمایا ہے و کلوا من رزقہ۔

② مرتبہ میں حکمت کا رزق بہتر ہے وہ جو رزق گلو گیر ہو وہ بے فائدہ ہے۔

③ یہ منہ بند ہوا تو منہ کھلا وہ راز و اسرار کے لقمے ہیں۔

④ اگر تم اس دیو نفس کو دودھ سے دور رکھو گے تو تمہیں ایسی نعمتیں ملیں گی۔

تفسیر عالمانہ

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا اور اپنے اہل کو نماز کا حکم فرمائیے جیسے ہم نے آپ کو نماز کا حکم فرمایا ہے ایسے ہی آپ اپنے اہل بیت کو نماز کا حکم فرمائیے کیونکہ فقیر کو ضروری ہے کہ وہ اپنے فقر پر زمانے کے ساتھ استقامت کرے اسے معاشی امور میں دل گیر نہ ہونا چاہیے اور نہ ہی دولت مندوں کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا چاہیے۔

حدیث شریف اہل بیت: اس آیت کے نزول پر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں روزانہ صبح جا کر فرماتے "الصلوٰۃ" اور آپ کا یہ طریقہ ہمیشہ رہا۔

ف: روح البیان میں ہے کہ اصطبار مجاہدہ اور صبر مشاہدہ کا نام ہے۔

ف: بعض علماء نے فرمایا کہ صبر کے جمیع انواع سے اصطبار شدید تر ہے کیونکہ اصطبار جانوں کی بوجھ پر صبر و قلب سے صبر کا نام ہے اور صبر صرف نفس سے ہوتا ہے۔

لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا ، ہم آپ سے رزق کا سوال نہیں کرتے کہ آپ اپنا اور اپنے اہل و عیال کے رزق کے لیے مکلف نہیں بلکہ عبادت کا مکلف بناتے ہیں۔ **نَحْنُ نَرْزُقُكَ** ، ہم تمہیں اور تمہارے اہل و عیال کو رزق دیں گے تم صرف اللہ ہی کی عبادت میں دل لگاؤ کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں دل لگا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی روزی کا خود کفیل ہوتا ہے۔

وَالْعَاقِبَةُ ، اور نیک انجام یعنی جنت کیونکہ اس کا اطلاق ثواب کے ساتھ مخصوص ہے جسے ہم پسندیدہ انجام سے تعبیر کرتے ہیں۔ **لِلتَّقْوٰى** ○ اہل تقویٰ کے لیے یعنی نیک انجام آپ کے بعد ان کے لیے جو آپ کی تصدیق کرے۔ اہل دنیا کو نیک انجام نصیب نہ ہوگا کیونکہ دنیا و آخرت کا اجتماع ممتنع ہے۔ تقویٰ سے پہلے مضاف محذوف ہے اور مضاف الیہ اس کے قائم مقام ہے تاکہ تنبیہ ہو کہ جمیع اعمال کا دارومدار تقویٰ پر ہے یعنی نفس اور جوارح کو ان جملہ قبائح سے روکنا جن کی شریعت مطہرہ اور عقل نے مذمت کی ہے۔

حدیث شریف : مروی ہے کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل و عیال سے کسی کو تکلیف پہنچتی تو آپ انہیں نماز کا حکم فرما کر یہی آیت پڑھ کر سناتے۔

ہر دکھ کا علاج نماز ہے حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جملہ ضروریات طلب کرنے کے لیے نماز ہے اور کوئی نسخہ نہیں۔

اگلے لوگ ہر دکھ درد کے وقت نماز پڑھتے تو ان کی تمام دکھ درد ٹل جاتے ان کی عادت تھی کہ کوئی تکلیف جب بھی پہنچتی تو نماز پڑھتے۔ اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کے قصے میں فرمایا :

فَلَوْلَا اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ۔

اس میں المسبحین سے المصلین مراد ہے۔ کذا قال ابن عباس رضی اللہ عنہما یعنی اگر وہ نماز پڑھنے والوں میں سے نہ ہوتے تو وہ قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں ٹھہرے رہتے۔

ف : حضرت شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ فیوضات کے لیے تسبیح سے بڑھ کر کوئی زیادہ نافع علاج نہیں

ف : حضرت یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عابدین کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے چادریں پہنائی جاتی ہیں جن کا ظاہر کا حصہ نماز اور اندر کا روزہ ہوگا یعنی ان دونوں پر عمل کرنے سے خصوصی انعامات نصیب ہوتے ہیں۔

فائدہ صوفیانہ : جسم کی نماز فرض و نوافل ہیں اور نفس کی نماز یہ ہے کہ وہ بشریت کے گڑھے سے نکل کر روحانیت کی چوٹی تک پہنچے یعنی اپنے اوصاف رذیلہ سے نکل کر اس جنت تک پہنچے جو حضرت الٰہیہ کا دروازہ ہے۔

کما قال تعالیٰ :

اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ

اور قلب کی نماز ماسوی اللہ سے توجہ ہٹا کر مشاہدہ میں مستغرق ہو جانا۔ کما قال تعالیٰ :

"مَن یطع الرسول فقد اطاع اللہ"

کیونکہ ایسا انسان اپنے نفس کو فانی کر کے باقی باللہ ہو جاتا ہے جو شخص ایسی نماز پڑھتا ہے اسے اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء سے بے پرواہ کر دیا ہے جن کی لوگوں کو محتاجی ہے اور ایسے شخص کا رزق اللہ تعالیٰ اپنے ذمہ کرم لگاتا ہے۔ کما قال تعالیٰ۔

"ووجدک عائلاً فاغنیٰ"

اسی لیے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔

ابیت عند ربی یطعمنی ویسقینی (میں اپنے رب تعالیٰ کے ہاں شب باشی کرتا ہوں وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے)۔

نیست غیر نور آدم را خورش
جان را جز آن نباشد پرورش
چون خوری یکبار ازاں ماکول نور
خاک ریزی بر سر نان تنور

ترجمہ: (۱) آدم کی غذا صرف نور ہے کیونکہ روح کی پرورش اسی سے ہوتی ہے
(۲) جب تم اسی نور کے طعام سے کچھ کھاؤ گے تو پھر تنور کی روٹی کو پاؤں میں بہا دو گے۔

وَقَالُوْا اور کفار قریش نے کہا۔ لَوْلَا یَاْتِیْنَا ہمارے لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیوں نہیں لاتے۔ بِاٰیَةٍ وہ معجزات جو ہم ان سے مطالبہ کرتے یا جن پر ہمیں اتفاق ہے۔ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اپنے رب تعالیٰ سے جیسے موسیٰ عیسیٰ علیہم السلام پہلے انبیاء سے انہیں لا دیئے تاکہ وہ آپ کی نبوت کی گواہی دیں تب ہم مانیں گے کہ آپ نبی ہیں یہ کفار ان کی ضد و دشمنی انتہا کو پہنچ چکی تھی اسی لیے بار بار بڑے بڑے معجزات دیکھنے کے پھر بھی ایسی بات کا مطالبہ کیا جو نہ کرنے کی تھی۔ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَیِّنَةُ مَا فِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی ۝ کیا ان کے ہاں وہ تصدیقات نہیں آئیں جو پہلے صحفوں میں تھا۔

ف: وجوہ اشکال تو واقع اور وہ ملاحظہ ہے یہاں ایک فصل مقتضی ہے۔ بینہ دلالت واضحہ کو کہتے ہیں وہ دلالت جیسا کہ یہاں قرآن مراد ہے کیونکہ اس میں دلائل واضح موجود ہیں اور لفظ ما سے عقائد حقہ اور وہ اصول احکام مراد ہیں جن پر تمام امتوں کا اتفاق ہے الصحف، صحیفہ کی جمع ہے۔ وہ شے جس پر احکام منقوش ہوں اور حروف لکھے ہوں وہ ایک جلد ہو یا صحیفہ تھا جو کہ آدم علیہ السلام پر اتری گئی جیسا کہ تورات، انجیل، زبور اور جملہ کتب مراد ہیں جو دیگر انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئیں۔

اب معنی یہ ہوا کہ کیا ان کے ہاں وہ جملہ آیات نہیں آئیں یا ان کے ہاں وہ خاص صحیفہ نہیں آیا جو صحف اولیٰ میں ہے بے شک ان کے ہاں وہ صحیفہ آئی جو ام الآیات ہے اور باب اعجاز میں سب سے بڑی ہے یعنی وہ قرآن مجید

جو مضمون ہیں ان کی صحیح حقیقت کا شاہد ہے کہ اس نے جو امم کی تاریخیں بیان کیں کہ اس کے اجمالاً مفصل سے جو امور ہیں کے اثبات کے لیے ہر چیز سے حق کر دیا ہے یہ جو سابق کتب کا خلاصہ ہے باوجودیکہ آپ امی ہیں اس کے اساتذہ بھی قرآن ہی ذکر ان سابقہ امم کو دیکھا اور نہ ہی ان کی تاریخ کسی سے پڑھی یہ بھی معجزہ ہے ۔

ربط : اب بیان فرماتے ہیں کہ انہیں اس شریعت و احکام کے ترک پر کوئی عذر نہیں اور نہ ہی ان کا گمراہی کے راستے پر چلنے کا کوئی اچھا انجام ہے کا قول ۔

وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ اور اگر ہم انہیں دنیا میں تباہ و برباد کر دیں بِعَذَابٍ ایسے شدید ہلاکت خیز عذاب سے مِّنْ قَبْلِهٖ اس کا تعلق اھلکنا سے ہے یعنی اگر ہم انہیں ایمان بعثت سے پہلے ہلاک کریں ۔ یہ در اصل لو انا اھلکنا اھلکنا تھا کیونکہ لو فعل کو چاہتا ہے پہلا فعل حذف کر دیا گیا تاکہ وہ بعد ذکر دیکھا جائے جب کہ اس کا مفسر موجود ہے پھر ضمیر متصل ام کو فاعل ہے ، سے ضمیر منفصل کو بدل بنا کر لایا گیا ہے یعنی انا ضمیر منفصل متصل سے بدل ہے کیونکہ اس کے ساتھ متصل ہو کر وہ رہ گیا اب اس کا متصل ہونا مشکل ہو گیا اسی لیے منفصل کر کے لایا گیا اس سے معلوم ہوا کہ انا فعل محذوف کا فاعل ہے مبتدا نہیں اور نہ ہی تاکید ہے اس لیے کہ نحو میں کوئی ایسا قاعدہ نہیں کہ لو کے داخل تو معروف ہوں اور تاکید باقی رہے ۔ لَقَالُوْا قیامت میں احتجاج کرتے ۔ رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا اے ہمارے پروردگار! تو نے کیوں نہ بھیجا الینا ہماری طرف دنیا میں رَسُوْلًا کوئی رسول کتاب دے کر فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ تو ہم تیری نازل کردہ آیات کی اتباع کرتے ۔ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ اس سے پہلے کہ ہم دنیا میں ضلالت اور عذاب قتل اور قید میں ذلیل و خوار ہوتے جیسے ان کے ساتھ بدر میں ہوا ۔ الذل بمعنے الہوان یعنی خواری صورت کی تھیں ۔

ف : امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ الذل کبھی تو جبراً اور کبھی بغیر قہر کے تعب و مشقت کے بعد ہوتی ہے کما قال تعالیٰ

واخفض لهما جناح الذل من الرحمة

یعنی اب ان کے لیے متواضع ہو جائیے ۔

وَنَخْزٰى اور ہم نہ قیامت میں عذاب آخرت و دخول نار کے ساتھ رسوا ہوتے ۔

ف : امام راغب نے فرمایا کہ الخزی یعنی کسی کا انکسار لاحق ہونا اپنی ذات سے یا غیر سے اپنی ذات سے لاحق ہو تو وہ حیا کہلائے یعنی شرمساری اس کا مصدر الخزایۃ ہوگا اور جو غیر سے لاحق ہو تو حقارت و استخفاف کہلائے گا اس کا مصدر آئے گا ۔

اب معنی یہ ہوگا کہ آخرت کے آنے سے پہلے ہم انہیں تباہ و برباد کریں گے تو ان کے تمام عذر ختم ہو جائیں گے اور اعتراف کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہاں! ہم نے ڈرانے والوں کی تکذیب کی جب وہ ہمارے ہاں تشریف لائے اور ہم یہی کہتے اللہ تعالیٰ نے کوئی شے نازل نہیں فرمائی ۔

سوال ؛ لاستدلال المعتزلہ یہ ہے کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ بندوں کے لیے وہ کام کرے جو ان کے لیے بہتر ہو ورنہ وہ حجت کے طور پر کہیں گے کہ اے پروردگار! تو نے جانتے ہوئے یہ کام نہ کیا اسی لیے ہم ایمان نہ لا سکے، حالانکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی شے واجب نہیں!

جواب ؛ اگر اللہ تعالیٰ کے لیے ان کا کوئی کام واجب ہوتا تو انھیں پیدا نہ فرماتا۔ انھیں پیدا کرکے ان کے ہاں رسل کرام کا بھیجنا ان کے لیے بہتر کام کا وجوب ثابت نہیں ہوتا پھر اسے یہ علم تھا کہ ایمان نہیں لائیں گے اسی لیے ان کے ہاں حجت قائم کرنے کے لیے رسل کرام بھیجے اور پھر کتاب و معجزات سے اس حجت کو قائم کیا۔ ان کے اختیارِ ضلالت کو دیکھ کر ان سے توفیق سلب کرلی (وہ بھی مالک ہے جو چاہے سو کرے)۔

قُلْ ، ان مشرکین کو فرمائیے۔ **كُلٌّ** ، ہر ایک تمھارا اور ہمارا۔ **مُتَرَبِّصٌ** ، انتظار کرتا ہے کسی امر کے انتظار اور اس کے نزول کو تربص کہا جاتا ہے یعنی ہم تم انتظار کرتے ہیں تم ہماری شکست کا اور ہم تمھارے عذاب کا۔

تفسیر کبیر میں ہے کہ ہم تم اپنے انجام کا انتظار کر رہے ہیں موت سے پہلے جہاد و ظہور دولت و قوت کے سبب سے یا موت کے بعد ثواب و عقاب کا۔ یا اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ حق غلبے سے انواع کرامات کا مسعود اور اہل باطل پر اہانت حق کا ظہور ہوگا۔

شانِ نزول ؛ مروی ہے کہ مشرکین کہا کرتے تھے کہ ہم منتظر ہیں کہ کب (حضرت) محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو حوادث دہر کا پیش آتے ہیں پھر ہمیں خلاصی نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا:

فَتَرَبَّصُوْا ؛ تم بھی انتظار کرو۔ **فَسَتَعْلَمُوْنَ** ، جب اللہ تعالیٰ کا حکم آئے گا تو تمھیں معلوم ہو جائے گا۔ **مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ** ، صراط مستقیم والا کون ہے۔ اصحاب، صاحب کی جمع ہے بمعنی ملازم اور الصراط وہ سیدھا راستہ جس میں نہ ٹیڑھا پن ہو نہ پیچ بلکہ سیدھا منزل مقصود تک پہنچانے والا ہو۔ **وَمَنِ اهْتَدٰى** ۝ اور ہدایت یافتہ کون ہے ہم یا تم۔

کسی نے خوب کہا ہے ؎

سوف ترى اذا انجلى الغبار
افرس تحتك ام حمار

ترجمہ ؛ جب غبار ہٹ جائے گا دیکھو گے کہ تم گھوڑے کے سوار ہو یا گدھے کے۔

اس میں ان کے لیے تہدید شدید ہے۔

ف ؛ بعض مشائخ نے فرمایا کہ اس سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں کہ آپ ہی ہدایت یافتہ اور راہ دکھانے والے ہیں۔

[illegible]

[illegible]

ترجمہ : واضح بات وہ دیکھے جو نکلے ... صلی اللہ علیہ وسلم۔

ف : آیت میں اشارہ ہے کہ وصل باخدا وہ ہے جو منازل طے کرتے ہیں ما سوی اللہ سے علیحدہ اور غیر کے اتصال سے کوسوں دور ہوتے ہیں۔

حضرت خجندیؒ نے فرمایا ؎

وصل میسر نشود جز بقطع
قطع نخست از ہمہ ببریدنست

ترجمہ : وصال الٰہی انقطاع کے بغیر مشکل ہے اور انقطاع یہ ہے کہ ہر شے سے فارغ ہو جائے۔

ف : اللہ تعالیٰ نے معذرت کا انقطاع ارسال رسل سے فرمایا ہے یہ اشارہ ہے اس کے لیے حجت کا خاتمہ ہے وہ جو چاہے کرے۔

قیامت میں تین شخص سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تین شخص حجت پیش کریں گے۔

① زمانۂ فترت میں فوت ہونے والا عرض کرے گا کہ میرے پاس کوئی رسول نہ آیا اور نہ ہی تو نے بھیجا جس سے میں ہدایت پاتا۔

② مغلوب العقل عرض کرے گا کہ تو نے مجھے عقل نہ دی میں ایمان لاتا۔

③ صغیر سن (نابالغ) عرض کرے گا کہ میں تو بچہ تھا مجھے کسی بات کی خبر نہ تھی۔

ان تینوں کی آزمائش کے لیے جہنم لائی جائے گی جس کے لیے علم الٰہی میں سعادت لکھی ہوگی اسے جہنم میں داخل ہونے کا حکم ہوگا تو وہ فوراً داخل ہونے لگے گا اور جس کے لیے علم الٰہی میں شقاوت لکھی تھی اسے حکم ہوگا کہ جہنم میں داخل ہو جا وہ اس میں داخل ہونے سے انکار کرے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جب تم میری نافرمانی کرتے ہو تو رسول کرام علیہم السلام کی بھی تکذیب کرتے جب وہ تمہارے ہاں تشریف لاتے۔ (کذا فی التفسیر الکبیر)

فضیلت سورۂ طٰہٰ و یٰسین : حدیث شریف میں ہے کہ جنت میں صرف سورہ طٰہٰ و یٰسین پڑھی جائے گی۔ (کذا فی الکشاف)۔

سورۂ طٰہٰ بیس ربیع الاول [illegible] میں تفسیر ختم ہوئی۔

حسن اتفاق :

فقیر اویسی غفرلہ نے بھی بیس ربیع الاول شریف [illegible] مطابق [illegible] فروری [illegible] بروز جمعہ صبح ترجمہ کیا۔

فقط الحمد للہ علی ذالک وصلی اللہ علی حبیبہ الکریم

سُوْرَةُ الْاَنْبِيَاءِ مَكِّيَّةٌ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اٰيَاتُهَا ۱۱۲ رُكُوْعَاتُهَا ۷
سورۂ انبیاء مکیہ ہے اور اس میں اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ایک سو بارہ آیتیں اور سات رکوع ہیں

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۝۱ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ
لوگوں کا حساب نزدیک اور وہ غفلت میں منہ پھیرے ہیں جب ان کے رب کے

ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝۲ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاَسَرُّوا
پاس سے انہیں کوئی نئی نصیحت آتی ہے تو اسے نہیں سنتے مگر کھیلتے ہوئے ان کے دل کھیل میں پڑے ہیں

النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ هَلْ هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ
ظالموں نے آپس میں خفیہ مشورہ کیا کہ یہ کون ہیں ایک تم ہی جیسے آدمی تو ہیں کیا جادو کے پاس جاتے ہو اور

وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝۳ قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۫ وَهُوَ
دیکھ بھال کر نبی نے فرمایا میرا رب جانتا ہے آسمانوں اور زمینوں میں ہر بات

السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۴ بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚۖ
اور وہی ہے سنتا جانتا بلکہ بولے پریشان خوابیں ہیں بلکہ ان کی گڑھت ہے بلکہ یہ شاعر ہیں تو

فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝۵ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ
ہمارے پاس کوئی نشانی لائیں جیسے اگلے بھیجے گئے تھے ان سے پہلے کوئی بستی ایمان نہ لائی جسے ہم نے ہلاک

اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝۶ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ
کیا تو کیا یہ ایمان لائیں گے اور ہم نے تم سے پہلے نہ بھیجے مگر مرد جنہیں ہم وحی کرتے تو اے لوگو علم والوں

الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۷ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ
سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو اور ہم نے انہیں خالی بدن نہ بنایا کہ کھانا نہ کھائیں

وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝۸ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَ
اور نہ وہ دنیا میں ہمیشہ رہیں پھر ہم نے اپنا وعدہ انہیں سچا کر دکھایا تو انہیں نجات دی اور جن کو

اَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ۝۹ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا
چاہی اور حد سے بڑھنے والوں کو ہلاک کردیا بیشک ہم نے تمہاری طرف ایک کتاب اتاری جس میں تمہاری ناموری ہے

تَعْقِلُوْنَ ۝۱۰ ع
تو کیا تمہیں عقل نہیں

ع ۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الانبیاء مکیہ ہے اس کی آیات ایک سو بارہ اور رکوعات سات ہیں۔

تفسیر عالمانہ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ ۔ قرب، اقترب کا ایک ہی معنی ہے مثلاً کہا جاتا ہے، قرب الشیء و اقترب بمعنی دنا اسی طرح کہا جاتا ہے، قربت منہ۔

الجمل میں لکھا ہے کہ یہاں پر لام بمعنی من اور فعل کے متعلق ہے اور اسے فاعل پر اسی لیے مقدم کیا گیا ہے تاکہ بندوں کے دلوں پر قیامت اور حساب و کتاب کا خوف جلد تر اثر انداز ہو۔ اسی لیے کہ اقترب کے بجائے اقتراب کا انھیں زیادہ خطرہ محسوس ہوگا اور الناس سے اہل مکہ کے وہ مشرکین مراد ہیں جو مرنے کے بعد اٹھنے کے قائل نہیں یہ آنے والے مضمون میں لفظ غفلت و اعراض وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے۔ اور الحساب بمعنی المحاسبہ ہے، یعنی جو کچھ بندے پر ہو اس کے لیے ظاہر کی جائے تاکہ اس کی اسے جزا یا سزا دی جائے۔

ف: حساب کے اظہار سے قیامت کا قریب ہونا مراد ہے اور یوم قیامت کو یوم الحساب اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اس دن میں سب سے زیادہ وقت حساب پر صرف ہوگا بلکہ اسی وجہ سے یہ دن سخت ترین ہوگا۔ اسی دن کی سختی کو دیکھ کر بندوں کے دلوں پر خاصا اثر پڑتا ہے اسی لیے کہ حساب سے انسان کے حالات منکشف ہو جاتے ہیں اور اس کے قریب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حساب کا دن انھیں قریب سمجھے جب ایک ساعت گزر جاتی ہے تو دوسری ساعت حساب کے لیے قریب ہو جاتی ہے علاوہ ازیں جتنا دنیا کا عرصہ گزر گیا ہے جتنا زندگی حساب کے لیے بہت تھوڑی رہ گئی ہے۔

حدیث شریف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ تمھارا امت، کا بقا بہ نسبت گزشتہ امتوں کے ایسے ہے جیسے نماز عصر سے مغرب کا وقت۔

نکتہ: قیامت کے وقت کو پوشیدہ رکھنا انسان کے لیے مصلحت ہے جیسا اسی طرح موت کے وقت کے پوشیدہ ہونے میں بھی ایک راز ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ مشرکین مکہ کا حساب کا وقت آگیا ہے کہ ان سے اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال بد کا حساب لے گا وہ قریب ہے۔

ف: آلوسی علیہ الرحمۃ نے بعض مفسرین سے نقل کیا ہے کہ اس سے مشرکین مکہ تھا سے مواخذہ کا وقت قریب آگیا ہے۔ انھیں اسی لیے یاد دلایا گیا ہے کہ انھوں نے اپنی زندگی میں قتل و غارت کا بازار گرم کر رکھا تھا۔

فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ یہی معنی قریب تر ہے اسی لیے کہ موت کے بعد قیامت قریب ہے۔ یہ اس طرح ہے جیسے کوئی کسی کو قتل کرے تو اس کے مواخذہ کا وقت اتنا بعید نہیں ہوتا اگرچہ کتنا وقت گزر جائے تب بھی اس کے لیے مواخذہ کا وقت ہر وقت [illegible]، من مات فقد قامت قیامتہ

(جو مرتا ہے اس کے لیے قیامت قائم ہو جاتی ہے)۔

وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ ۔ وہ سہو و نسیان جو انسان کو قلت تحفظ و تیقظ کی وجہ سے طاری ہوتا ہے یعنی باوجودیکہ حساب قریب ہے لیکن وہ مکمل غفلت میں ہیں حالانکہ ان سے ذرہ ذرہ کا حساب ہوگا اور وہ اس تیاری سے بالکل فارغ بیٹھے ہیں انہیں معمولی طور پر توجہ بھی نہیں حالانکہ انہیں اعتراف ہے کہ ان کے اعمال کے ذرہ ذرہ کا حساب ہوگا اس کا انکار اور تکذیب کرتے ہیں حالانکہ ان کے عقول گواہی دیتے ہیں کہ یقیناً حساب و کتاب ہوگا وہ اس لیے کہ عقل مانتی ہے کہ ہر عمل کی جزا ضروری ہے ورنہ فرمانبردار اور نافرمان کے درمیان فرق اٹھ جائے گا اور حکمت اور عدالت کے خلاف ہے۔ مُّعْرِضُوْنَ ○ وہ ایمان اور آیات اور ان ڈرانے والے امور سے بھی اعراض کرتے ہیں جو ان کی غفلت دور کر دیں۔

اعراب جملے دونوں حال ہیں یا یہ دونوں ھم ضمیر کی خبریں ہیں۔ یاد رہے کہ چونکہ کفار کی غفلت جبلی اور فطری تھی اسی لیے ھم کی خبر اول ظرف مقرر کی گئی جو مستقر کے متعلق ہے بخلاف اعراض کے وہ ان کی فطری اور جبلی عادت نہیں تھی اور یہ جملہ حالیہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ کمالات نجیہ میں سے ہے کہ جب انہیں نصیحت گو نصیحت اور ان کے حالات سے باخبر کرتا ہے تو بجائے ماننے کے اس کی نصیحت اور بات سے روگردانی کرتے ہیں چنانچہ فرمایا و لکن لا تحبون الناصحین۔

شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

کسے را کہ پندار در سر بود
مپندار ہرگز کہ حق بشنود
ز علمش ملال آید از وعظ ننگ
شقائق بباراں نروید ز سنگ

ترجمہ: جسے خود خیالی سر میں ہو اس کے لیے گمان بھی نہ کرو کہ وہ حق سنے گا۔ اسے علم سے ملال آئے گی بارش کے وقت پتھر سے پھول پیدا نہیں ہوتے۔

العرائس البقلی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو حساب کی حاضری سے ڈرایا اور زجر فرمائی تاکہ وہ غفلت کے نشوں سے بیدار ہو کر برائیوں سے باز آ جائیں اور حساب کا وقت ہر ایک کو بالکل قریب تر ہے۔ اگر انہیں معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ایک لمحہ میں تمام لوگوں کا حساب لے گا اور اس کا حساب بال کی کھال اتارنے کے مترادف ہو گا اور اسے وہی حضرات جانتے ہیں جو ہر وقت اور ہر قدم پر اللہ تعالیٰ کی حاضری کو اپنے سامنے رکھتے ہیں۔ ھُمْ فِی غَفْلَۃٍ

یعنی وہ لوگ حجاب میں ہیں اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ سے محروم ہیں اسی لیے اس کی طاعت سے روگرداں ہیں ایسے لوگوں کو نہ طاعات سے کچھ لذت نصیب ہوتی ہے نہ مشاہدہ سے کوئی حصہ پائیں گے۔

تفسیر عالمانہ مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ ذِکْرٍ نہیں آتا ان کے پاس کوئی حصہ قرآن مجید کے آیات کا جو انہیں حساب کی مکمل طور پر یاد دہانی کراتا ہے بلکہ انہیں غفلت کے خواب سے بیدار کرتا ہے گویا قرآن مجید ذکر کا عین ہے۔ مِنْ رَّبِّهِمْ - یہ مِن محلاً ابتدا غایت کے لیے اور یاتیھم کے متعلق ہے اس میں قرآن مجید کی فضیلت و شرافت کا ذکر اور مشرکین نے جو اس کے ساتھ سلوک کیا اس کی مذمت ہے۔ مُّحْدَثٍ نیا مجرور اور ذکر کی صفت ہے یعنی اس کا منجانب اللہ نازل ہونا نیا نہیں بلکہ اس کریم کی حکمت کے تقاضا کے عین مطابق ہے اور بار بار کلام الٰہی کا نزول ان کو متنبہ کرنے کے لیے ہے تاکہ نصیحت حاصل کریں۔ باقی رہا اس کو بدلتے حالات کے وقت نازل کرنا تو وہ بھی ان کی مصلحتوں اور ضرورتوں کی وجہ سے ہے۔ اس سے یہ کوئی نہ سمجھے کہ کلام الٰہی حادث ہے بلکہ کلام الٰہی تو قدیم ہے ہاں مصلحتوں اور ضرورتوں کی وجہ سے حادث ہے۔ اسی لیے کہ وہ قدیم ازلی ذات کی صفت ہے تو جیسے ذات قدیم اور ازلی ہے ایسے ہی اس کی صفت بھی قدیم اور ازلی ہے۔

ہم نے یہ اس لیے لکھا ہے کہ اس آیت سے بعض لوگوں نے قرآن مجید کے حادث ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور ساتھ یہ بھی کہا کہ اگر یہ قدیم نہ ہوتا تو مرکب از حروف و اصوات نہ ہوتا۔ ہم نے وہ ذکر کر دیا کہ حروف و اصوات کی ترکیب حادث ہے لیکن کلام نفسی قدیم ہے۔

(کلام نفسی وہ معنی قدیم ہے جو ذات باری تعالیٰ سے قائم ہے جیسے ہم الفاظ سے بولتے اور سنتے ہیں جیسا کہ شرح عقائد میں ہے:

ھو معنی قدیم قائم بذات اللہ تعالیٰ یلفظ ویسمع بالنظم الدال علیہ... الخ

کلام لفظی وہی نظم و عبارت ہے جس کی کلام نفسی پر دلالت ہے یعنی مسلمانوں کو یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کامل طور پر صفات کمالیہ ہیں جس طرح کسی صفت کمال کی اس سے نفی ناممکن ہے اسی طرح کسی صفت عیب و نقص کا اس کے لیے ثبوت بھی محال ہے۔

چنانچہ معتبر اور مستند تفاسیر میں ہے:

۱۔ قاضی بیضاوی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

(وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا) انکار اور کون زیادہ سچا ہے اللہ سے بات میں، اس بات کی

ای لا یکون احد اصدق منه فانه لا یتطرق الکذب الی خبره بوجه لانه نقص وهو علی الله تعالی محال۔	نفی ہے کہ کوئی ایک اس سے زیادہ سچا ہو کیونکہ جھوٹ کسی طرح خدا کی خبر کی طرف راہ نہیں پاتا کیونکہ جھوٹ عیب ہے اور عیب خدا کے لیے محال ہے۔ (ملخصاً)

۲۔ امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ اپنی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں:

(المسئلة الثالثة) قوله ومن اصدق من الله حديثا استفهام على سبيل الانكار والمقصود منه بيان انه يجب كونه صادقا وان الكذب والخلف في قوله محال واما المعتزلة فقد بنوا ذلك على اصولهم واما اصحابنا فدليلهم ..... الخ	(تیسرا مسئلہ) اللہ تعالیٰ کا قول "ومن اصدق" الآیۃ، بیان ہے اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ کا سچا ہونا واجب ہے اور کذب اور خلف اللہ تعالیٰ کے قول میں محال ہے۔ لیکن معتزلہ پس انھوں نے اس کو اپنے اصول پر قائم کیا ہے اور ہمارے اصحاب پس ان کی یہ دلیل ہے الخ۔

۳۔ ایضاً

فقد جوز الكذب هذا خطأ عظيم بل يقرب من ان يكون كفرا فان العقلاء اجمعوا على ان الله تعالى منزه عن الكذب انتهى۔	پس جس شخص نے کذب کو جائز کہا اور یہ بہت بڑی خطا ہے بلکہ قریب بکفر ہے اس لیے کہ عقلاء نے اجماع کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کذب سے منزہ ہے۔

۴۔ تفسیر خازن میں ہے:

(ومن اصدق من الله حديثا) اي لا احد اصدق من الله تعالى فانه لا يخلف الميعاد ولا يجوز عليه الكذب انتهى۔	اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچا کون ہے از روئے کلام کے، یعنی نہیں ہے کوئی زیادہ سچا اللہ تعالیٰ سے اس لیے کہ وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا اور نہ اس پر کذب جائز ہے۔

باری تعالیٰ کے کذب کے محال ہونے پر نہ صرف اہل اسلام، نہ صرف اہل ملل یہودی، نصرانی بلکہ ہر مذہب والے کافر بھی اتفاق کیے ہوئے ہیں، نبراس میں ہے:

وايضا فان اهل الملل اجمعوا على ان الكذب من الله محال۔ ص۲۱۹	نیز تمام اہل مذاہب کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ سے جھوٹ محال ہے۔

(سوال) اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ نہیں تو اس کے برابر تو ہو سکتا ہے پھر تمہارا مدعا ثابت نہ ہوا (جواب) خدا کے برابر

کسی کا سچا ہونا اولاً ثانیاً بھی کے نزدیک بھی مردود ہے ثانیاً یہ کہ کلام عرب میں بحسب اور جمیع محاورات اہل لسان میں عموماً یہ لفظ نفی مساوات کے لیے ہی آیا کرتے ہیں۔

چنانچہ تفسیر روح المعانی میں ہے:

ويفيد نفي المساواة ايضاً كقولك هو ليس	یعنی یہ مساوات کی نفی کا بھی فائدہ دیتا ہے۔ چنانچہ جب ہم یوں کہتے
ليس في البلد احد من هو يزيد في العلم	ہیں شہر میں زید جیسا کوئی عالم نہیں ہے۔
جلد ۵ صفحہ ۱۰۵، وهكذا في حاشية العلامة الكازروني على	

البیضاوی جلد ۴ صفحہ ۱۰۱۔

امکان کذب کے متعلق مزید ابحاث فقیر کی تفسیر اویسی میں ملاحظہ ہوں یا سبحان السبوح کا مطالعہ کیجئے۔

یاد رہے کہ قرآن مجید کا اطلاق کلام ازلی نفسی قدیم پر ہوتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اسے جو شخص حادث کہے کافر ہے البتہ اس کا اطلاق جب نظم مسطور (تلاوت کردہ ترکیب) پر ہوتا ہے تو یہ حادث ہے اسے بھی بلا تامل قدیم کہے تو وہ اپنی جہالت وحماقت پر مہر ثبت کرتا ہے۔

اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ۔ یہ محلاً مرفوع اور محلاً منصوب ہے اس لیے کہ ما یاتیھم کے مفعول سے استثنا ہے اور استمعوہ سے پہلے لفظ قد مقدر ہے۔ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝ یہ استمعوہ کے فاعل سے حال ہے یعنی کہ کلام الٰہی کو سن کر ہنسی مذاق کرتے ہیں۔ لعب سے مشتق ہے ہر وہ امر جس کے کرنے سے مقصد صحیح کا ارادہ نہ ہو۔

لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ۔ یہ دوسرا حال ہے لہا سے مشتق ہے بمعنی شغل و غفل۔

راغب (اصفہانی) نے لکھا کہ ہر وہ کلام جو انسان کو مقصد و مراد سے باز رکھے لہو کہا جاتا ہے:

لهوت ولهيت بكذا بمعنى اشتغلت عنه بلهو، یعنی میں نے انہیں لہو ولعب میں مشغول رکھا اور کہتے ہیں:

الهاه عن كذا بمعنى شغله عما هو اهم

اب معنی یہ ہوا کہ ان کے ہاں قرآن مجید نیا نہیں آیا مگر اس حال میں کہ کفار کو سننا لہو ولعب کے طور پر تھا وہ اس سے ٹھٹھا مذاق کرتے اس میں کسی قسم کا غور و تامل نہیں کرتے اس لیے کہ نہایت درجہ کی غفلت میں تھے اور اس میں تفکر وتدبر نہیں کرتے تاکہ اپنے انجام بخیر بنالیں لعب کو لہو پر مقدم کرنے میں تنبیہ ہے کہ کفار کو غفلت نے حق کو حاصل کرنے سے کوسوں دور رکھا ہوا ہے اور پھر ٹھٹھا مذاق میں مشغول ہوتے ہیں کہ ٹھٹھا مذاق اسی امر کا نتیجہ ہے جس کی وجہ

ط: ( ) اضافہ از اویسی غفرلہ۔

سے حق کو پا سکے نہ انھیں اپنے انجام کے بارے میں تدبر و تفکر کا موقعہ ملا۔

نکتہ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ قلب لاھی وہی ہے جو دنیا کے احوال میں مشاغل اور احوال آخرت سے غافل ہو۔ اور حق نے فرمایا کہ کفار کے قلوب معاد و مبدا و حقیقت سے غافل ہیں اسی لیے ان کے لیے فرمایا لاھیۃ قلوبھم۔

شعر

یا الٰہی بجود نامتناہی
از ما دور کن دل لاہی

ترجمہ: اے الٰہی اپنے جود غیر متناہی سے ہمارے غافل دل کو ہم سے دور فرما۔

وَاَسَرُّوا النَّجْوٰی۔

حل لغات اسروا النجوی مصدر ہے جیسے کسی کو راز کی بات کہنا پھر اسے التناجی کا اسم قرار دیا گیا ہے یعنی وہ بات جو ایک دوسرے کو راز کے طور پر کہی جائے یعنی دو یا دو سے زائد انسانوں کے درمیان راز کی بات، مثلاً کہا جاتا ہے:

— تناجی القوم۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب غیروں سے چھپ کر دو یا دو سے زائد انسان آپس میں باتیں کریں۔

راغب اصفہانیؒ نے فرمایا: وتناجیت ای ساررتہ یعنی میں نے اس کو راز کی بات بتائی اور اس نے مجھے۔

دراصل نجوۃ اس جگہ کو کہا جاتا ہے جو اونچی جگہ ہو کہ اس نے دوسری زمین سے چھٹ کر اونچائی کو اختیار کر لیا ہے اسی لیے اسے نجوۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور سرگوشی سے بات کرنے والے غیروں سے علیحدہ ہونے کی وجہ سے عموماً پوشیدہ اور آہستہ بولتے ہیں اسی لیے ان کی بات کو نجوی سے تعبیر کیا گیا اور یہ چونکہ پوشیدہ و آہستگی پر وہ مبالغہ کرتے تھے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے فرمایا: واسروا النجوی۔

الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا۔ اور چھپ کر راز کی بات کی ان لوگوں نے جنھوں نے شرک اور معصیت کا ارتکاب کر کے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔ یہ واسروا کی ھم ضمیر سے بدل ہے اس میں اشارہ ہے کہ وہ ظالم اسی وجہ سے ہیں کہ جو انھوں نے باتوں کو چھپا کر ایک دوسرے سے کہیں۔ اس کے بعد سوال ہوا کہ انھوں نے آپس میں کونسی راز کی باتیں کہیں۔ جواب ملا کہ انھوں نے آپس کے راز و نیاز میں کہا۔

هَلْ هٰذَآ ۔ ھل نافیہ ہے یعنی نہیں ہیں یہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) **اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ** مگر تمھارے جیسا بشر گوشت و پوست اور خون میں تمھارے مساوی ہیں تمھاری طرح کھاتے پیتے ہیں جن چیزوں کا عام بشر محتاج ہوتا ہے وہ بھی انہی کے محتاج ہیں جیسے تم مرو گے وہ بھی مریں گے[لہ] جب وہ ان امور کے محتاج ہیں تو وہ

[لہ] یعنی جیسے ہم بھی آب و گل کے دائروں اور پابندیوں سے مستثنیٰ نہیں ہیں ۱۲

صرف بشر ہیں وہ رسالت کا دعویٰ کیسے کر سکتے ہیں تو وہ غلط ہے (معاذ اللہ) بشر ظاہری کھال اور صاف جسم والے کو بشر کہا جاتا ہے اس لیے کہ اس کا چہرہ بالوں میں حیوانات کی طرح چھپا ہوا نہیں بخلاف دوسرے حیوانات کے کہ کسی کے جسم پر بال ہیں اور کسی پر پر، اُون وغیرہ ہے۔ اور اس کا اطلاق واحد جمع ہر دونوں کے لیے برابر ہوتا ہے اور قرآن میں ہر جگہ لفظ بشر سے جثہ اور اس کا ظاہر مراد ہے۔

اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ ہمزہ انکار کے لیے اور فاء فعل مقدر پر عطف ہے۔ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ○ تاتون سے انکار کے لیے حال مقررہ اور استبعاد کے لیے حال مؤکدہ ہے یعنے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے جیسے بشر ہیں اور یہ جو معجزہ قرآن لاتے ہیں یہ جادو ہے پھر ایک دوسرے کو کہتے کہ جب تم جانتے ہو تو پھر ان کے ہاں کیوں حاضر ہو کر ان کی باتوں پر یقین کرتے ہو حالانکہ تم دیکھ رہے ہو کہ ان کا ہر کلام جادو ہے۔

ف: کفار نے یہ باتیں اسی لیے کہیں کہ ان کا عقیدہ تھا کہ رسول صرف فرشتہ ہو سکتا ہے کوئی انسان اللہ تعالیٰ کا نبی مرسل نہیں ہو سکتا اگر کوئی دعویٰ کرے تو غلط ہے۔ اگر نبی سے معجزات کا صدور ہو تو وہ انہیں جادو اور تخیلات اور مکر و فریب اور ان کی کوئی حقیقت نہ ہو کہہ کر جھٹلا دیتے۔

ف: امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ نے لکھا کہ کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت میں طعنہ زنی کی کہ وہ بشر ہیں اور معجزات جو ان سے صادر ہوتے ہیں وہ جادو ہیں۔ ان کا یہ خیال غلط ہے اس لیے کہ نبوت کی صحت کا دار و مدار معجزات پر ہے نہ صورت خیالیہ پر جب کسی بندۂ خدا سے معجزات کا صدور ہوگا اسے نبی ماننا واجب ہوگا جب انہوں نے جناب نبی اکرم مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معجزات دیکھے تو ان پر واجب تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر ایمان لاتے۔ ؎

اے صورت بشر سے وہ سمجھے ہو
کہ صورت برگ شد معانی ہو

ترجمہ: تم نے ظاہری صورت دیکھ لی اور سمجھے کہ وہ صرف اس لیے کہ صورتیں تو برتن ہیں اور حقائق بمنزلہ خوشبو کے۔ اور مقصد خوشبو ہوتا ہے نہ کہ پیالہ۔

نکتہ: کفار نے حضور علیہ السلام پر بشری تہمتوں کو اپنے دل میں اس لیے چھپایا تاکہ وہ آپس میں مشورے اور مختلف تدبیریں تیار کر سکیں۔ اس لیے کہ مشورہ کرنے والوں کی عام عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنے امور کو حتی الامکان دشمنوں سے پوشیدہ رکھتے ہیں۔

حدیث شریف حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنی حوائج کی کامیابی کے لیے پوشیدہ رکھنے سے مدد چاہو اس لیے کہ صاحب نعمت پر حسد

کیا جاتا ہے۔

قٰلَ۔ اس کے فاعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ یعنی آپ نے اس وقت فرمایا جب آپ کو بذریعہ وحی کفار کے اقوال و احوال اور ان کی پوشیدہ سرگوشیاں واضح اور منکشف ہو گئیں۔ رَبِّیْ یَعْلَمُ الْقَوْلَ میرا رب تعالیٰ ہر قسم ہر بات کو علم رکھتا ہے پوشیدہ ہو یا ظاہر تم کو۔ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ آسمان یا زمین میں جب ایسا وسیع العلم ہے تو پھر تمہاری سرگوشیاں اس کے آگے کس طرح مخفی رہ سکتی ہیں جب وہ تمہاری سرگوشیاں جانتا ہے تو پھر تمہارے اعمال کیسے نہیں جانیں گے۔ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ اور وہ تمام مسموعات کو خوب جانتا ہے۔ پھر ان کے تمہاری سرگوشیاں ہیں ان کا بھی اسے علم ہے اسی لیے تمہارے تمام اقوال و افعال کی تمہیں جزا دے گا۔

بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ،

حل لغات: و اضغاث ضغث (بالکسر) کی جمع ہے وہ گھاس کا مٹھا جس میں خشک و تر ملا ہوا ہو۔ اور اضغاث احلام سے مراد وہ پریشان خواب مراد ہیں جن کی تاویل میں اشتباہ ہو۔ (کذا فی القاموس)

اور الاحلام حلم (بضم الحاء و سکون اللام) بمعنی الرؤیا (خواب) اور بضم اللام بمعنی عقل۔ ایک لغت میں آیا ہے الاحلام بمعنی مطلق خواب حق ہوں یا باطل اور اضغاث احلام (بمعنی الاباطیل) کی طرف اضافت اضافۃ الخاص الی العام کے قبیل سے ہے اور یہ اضافت بمعنی من ہے الرؤیا حق خواب اور الحلم باطل خواب پر بولا جاتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

الرؤیا من اللہ والحلم من الشیطان۔ رؤیا منجانب اللہ اور حلم شیطان کی جانب سے ہوتا ہے۔

ف: یہ اعراض منجانب اللہ ہے کہ ایک حکایت سے قول دیگر کی طرف انتقال کیا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے کفار کی مذمت کرتے فرمایا کہ وہ صرف میرے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بشر بشر کی رٹ لگاتے تھے یا ان کے معجزات دیکھ کر انہیں جادوگر کہتے ہیں بلکہ ان کا نظریہ ہے کہ یہ قرآن ان کے پریشان خواب ہیں جو وہ نیند میں دیکھ کر عوام میں پھیلاتے ہیں (معاذ اللہ)

بَلِ افْتَرٰىهُ بلکہ حضور علیہ السلام نے قرآن مجید کے مضامین از خود گھڑ لیے ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں اور نہ ہی انہیں حقیقت سے کوئی مناسبت ہے۔ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ اور یہ جو کچھ لاتے ہیں یہ تخیل شاعرانہ ہے جسے سننے والا سمجھتا ہے کہ ان کی کوئی حقیقت ہے حالانکہ ان کے مضامین کی کوئی حقیقت نہیں۔

ف: مبطل اور مکرو انسان جب دلائل نہیں دے سکتا تو بالمقابل کے دلائل و براہین کے سامنے ہتھیار ڈالتا ہے اور الزام تراشی

لہ: اس سے معلوم ہوا کہ حضور کے باوجود کفار کو سمجھانے کے لیے اس کلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

ذہب کہ اس طرح کی باتیں کرتا ہے اور اپنے ایک باطل قول کا ابطال کر کے دوسرے باطل قول کی طرف رجوع کرتا ہے جیسے مشرکوں کا یہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اعتراض فرمایا پھر کفار نے اپنے کلام میں اعتراض در اعتراض کیا ان کا ہر اعتراض مبنی بر بطلان ہے۔

تحقیق شعر

امام راغب علیہ الرحمۃ نے فرمایا:

شعرت بمعنی اصبت الشعر۔ اسی سے شعرت کذا بمعنی علمت علما فی الدقۃ مستفاد ہے کہ وہ اصابۃ الشعر کی طرح ہے۔

بعض نے کہا کہ شاعر کو اسی نام سے اسی لیے موسوم کرتے ہیں کہ وہ نہایت درجہ کا فطین اور دقیق معرفت رکھتا ہے۔ دراصل شعر علم دقیق کا نام ہے مثلاً کہا جاتا ہے۔

لیت شعری:

اور عرف میں موزوں اور مقفیٰ کلام کو شعر سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جو اس طرح کے کلام پر قادر ہو اسے شاعر کہتے ہیں۔ بل ہو شاعر (اور اس طرح کی اور آیات) میں شاعر کو بعض مفسرین نے اسی معنی عرفی پر محمول کیا ہے اس لیے کہ کفار نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی لیے متہم کیا تھا کہ وہ سمجھتے تھے کہ قرآن مجید کا ہر جملہ منظوم و مقفیٰ کے مشابہ ہے مثلاً وجفان کالجواب وقدور راسیات۔ اور تبت یدا ابی لہب وتب۔

لیکن بعض محققین نے کہا کہ کافروں کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شاعر کہنا عرفی معنی کی وجہ سے نہیں اور ظاہر ہے کہ قرآن مجید کے معانی میں شاعرانہ اسلوب پر نہیں۔ چنانچہ اعجم کے بکریوں کے چرانے والے بھی جانتے ہیں چہ جائیکہ فصحاء و بلغاء عرب۔ ہاں کفار نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر بمعنی کاذب کہا اس لیے کہ اہل عرب شعر سے کذب مراد لیتے ہیں اور شاعر کو کاذب کہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ادلہ کاذبہ کو شعر سے تعبیر کرتے ہیں۔ (چنانچہ فن منطق میں اس کا ایک مستقل باب مرقوم ہے)۔ اور جاہلیت وغیرہ کے اشعار اکثر کذب کے معانی سے کھیلتے تھے۔ اہل عرب کا مقولہ مشہور ہے۔

احسن الشعر اکذبہ۔ سب سے بڑھ کر کاذب کی نشانی یہ ہے کہ اس کے اشعار اچھے ہوں۔

اسی لیے حکماء نے فرمایا و جس نے ہیچ دینار کا شعر گوئی کی طرف مائل نہیں پایا۔

در قیامت نرسد شعر بفریاد کسے
گر سراسر سخنش حکمت یونان گردد

۱؎ [illegible] تحریر روایت کے سوال "اذا علاہ الشعر" میں بیان کی جہت سے تفصیل تفسیر اولیٰ میں ہے۔

ترجمہ: قیامت میں شعر کسی کام نہیں آئے گا اگرچہ اس کے تحریر میں تمام بیان کی لطافت ہی ہو۔

سوال: حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے شعر گوئی ولایت کی علامت بتائی ہے کا قول:

—

از کرامات بلند اولیا
اوّل شعر است آخر کیمیا

ترجمہ: اولیاء کی بہت بڑی کرامات میں سے پہلے شعر گوئی اور انتہائی کرامت کیمیا ہے۔)

جواب: اس سے کلام موزوں بنانے کی قدرت مراد ہے ورنہ ولایت کے تقاضوں سے نہیں کہ خواہ مخواہ شعر گوئی میں لگے رہیں۔

فَلْيَأْتِنَا: جزا محذوف کی جزا ہے جیسا کہ کلام کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے۔

دراصل عبارت یوں تھی:

وان لم یکن کما قلنا... الخ اگر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے نہیں جیسے ہم کہتے ہیں بلکہ ان کے دعویٰ کے مطابق وہ واقعی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو لائیں ہمارے پاس بہت بڑے آیات۔

بِآيَةٍ كَمَا أُرْسِلَ الْأَوَّلُونَ ○ جیسے آیات پہلے رسل کرام لائے تھے جیسے ہاتھ کا سفید ہونا اور عصا کا سانپ بن جانا اور مردوں کو زندہ کرنا اور پتھر سے اونٹنی نکالنا وغیرہ۔ اگر وہ ایسے معجزات دکھائیں تو ہم ان پر ایمان لائیں گے۔

اس معنے پر ما موصولہ ہوگا اس کا عائد محذوف ہے اور کاف محلاً مجرور آیت کی صفت ہے۔

مَا آمَنَتْ قَبْلَهُمْ: مکہ کے مشرکین سے پہلے کفار ایمان نہیں لائے۔ مِنْ قَرْيَةٍ "قریہ" ہر اس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں لوگ جمع ہوتے ہیں۔ اس سے اہل قریہ مراد ہیں۔ یہ محلاً مرفوع اور آمنت کا فاعل ہے تاکید عموم کے لیے مِن زائد ہے۔

أَهْلَكْنَاهَا: ہم نے اس آبادی کے ساتھ ان میں سے جو ان کو تباہ و برباد کر دیا یعنی جب انہوں نے انبیاء کرام علیہم السلام سے معجزات طلب کیے اور ان کی طلب پر انبیاء علیہم السلام نے معجزات نکالے لیکن معجزات کو دیکھنے کے باوجود انکار کیا تو ہم نے انہیں تباہ و برباد کر دیا۔

یہ قریۃ کی صفت ہے۔

أَفَهُمْ يُؤْمِنُونَ ○ ہمزہ وقوع کے انکار کے لیے ہے اور فا کا عطف فعل مقدر پر ہے۔

اب معنے یہ ہوا کہ وہ کفار سابقین جنہوں نے انبیاء علیہم السلام سے معجزات طلب کیے اور انبیاء علیہم السلام نے ان کی طلب پر معجزات ظاہر کیے تو وہ ایمان نہ لائے تو کیا یہ ایمان لائیں گے اگر ان کے سوالات و مطالبات پورے ہوں حالانکہ یہ

ان سے زیادہ سرکش اور خود سر تھیں کہ قتل ہو سکے ۔

اَکُفَّارُکُمْ خَیْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِکُمْ یعنی تمہارے زمانہ کے کفار ان کفار جیسے ہیں جو نوح و ہود و صالح و ابراہیم علیہم السلام اور فرعون کے زمانے میں تھے۔ وہ کفار طلب آیات میں اس شخص کی طرح تھے جو اپنے ہاتھوں آپ مارا جائے ۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ؎

ولا تک کالشاۃ التی کان حتفہا
بحفر ذراعیہا فلم ترض محفرا

ترجمہ: اس بکری کی طرح نہ ہو جس کا تباہ ہونا اپنے دونوں ہاتھوں سے ہوا کہ زمین کھود کر چھری نکال دی حالانکہ وہ اس کھودنے کو پسند نہ کرتی تھی ۔

واقعہ عجیبہ : منقول ہے کہ کسی شخص کو بکری ہاتھ لگی اس نے چاہا کہ بکری کو ذبح کرے لیکن چھری پاس نہ تھی بکری جنس بھلی تھی وہ اپنے پاؤں سے زمین کو کریدتی رہی یہاں تک کہ اس سے چھری برآمد ہوئی تو اس شخص نے اسی چھری سے بکری کو ذبح کر دیا ۔

اب یہ مثال اس شخص کے لیے دی جاتی ہے جو اپنے ہاتھوں آپ مارا جائے ۔

فائدہ روحانیہ : اس میں تنبیہ ہے کہ کفار کے مطالبہ پر معجزات کا ظاہر نہ کرنے میں ان پر رحمت و شفقت فرمائی گئی ہے اس لیے کہ ان کے حسب طلب اگر معجزات ظاہر ہوتے اور وہ ایمان نہ لاتے تو وہ تباہ و برباد کن عذاب کے مستحق ہوتے جیسے پہلے کافروں کے ساتھ ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وعدہ فرمایا ہے کہ آپ کی امت کو تباہ کن عذاب قیامت تک نہیں آئے گا ۔

(وہابیہ نے ایسے مقامات پر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عدم اختیار کا شور برپا کیا ہوا ہے۔ ان غریبوں کو حقیقت حال کا علم نہیں یا بوجہ دشمنی کا ثبوت دے رہے ہیں ۔)

تفسیر صوفیانہ : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ آیت اگرچہ قیامت کے منکرین کے لیے نازل ہوئی ہے لیکن مضمون کے لحاظ سے ہمارے زمانہ کے بعض مدعیان اسلام کو بھی شامل ہے۔ وہ اس طرح کہ اس عالم دنیا میں اللہ تعالیٰ کسی خاص بندے میں قرآن مجید کے اسرار و رموز پیدا فرماتا ہے اور اسے علوم لدنیہ کے حقائق معلوم ہوتے ہیں اور ان کے کلام میں بھی اس کے ساتھ پیدا فرما دیتا ہے جو ان کے کمالات و کرامات کا نہ صرف انکار کرتے ہیں بلکہ ان کے پڑھنے اور ان کے کلام پر طعنہ زنی کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب خواہشات نفسانی کی اتباع میں غافل اور شہوات دنیویہ سے مشغول ہو کر ان کے قلوب۔ ذکر الٰہی سے دور ہیں اور ان کی طلب سے محجوب ہو گئے ہیں اور اندرونی طور پر ان کی سلامتی ایمان تک لیے

سے ہیں جو اولیاء مشائخ کے منکرین ہیں اور انھیں کہتے ہیں کہ تم ماہر کلام اور ہر کلام یاوہ اور مکر و فریب پر مبنی ہے آپ انھیں فرماتے ہیں کہ ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے وہ اہل سما سے قلب اور اہل ارض سے نفوس کے امور کو جانتا ہے اس لیے کہ اہل قلوب کے اقوال کو سنت اور اہل نفوس کے اقوال اور ان کے انکار کو جانتا ہے اور راست ان کے دلوں کے راز اور ان کے افعال و اوصاف اور پوشیدہ اسرار کے اوصاف معلوم ہیں بلکہ محققین کے کلام کو وہ خیالات فاسدہ تصور کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جو کچھ وہ فرماتے ہیں وہ انھوں نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے الہامات ہیں اور بعض ان کے متعلق خیال کرتے ہیں کہ وہ شاعر ہیں ایسے جو کہتے ہیں یہ ان کی صداقت نفس اور ذکائے طبعی اور اس کی قوت سے ہے بعض نے کہا کہ انھیں کہو کہ اگر واقعی تم ولی اللہ ہو تو کوئی کرامت دکھاؤ جیسے متقدمین مشائخ نے کرامات دکھائیں اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں فرمایا کہ ان سے پہلے لوگوں نے جب اولیاء کرام کی کرامات دیکھیں اور پھر بھی انکار کیا تو ہم نے انھیں رسوائی اور دوری و محرومی سے تباہ و برباد کیا۔ ایسے لوگ ارباب حقائق اگرچہ کرامات بھی دیکھیں تو بھی اولیاء کرام کا انکار کریں گے اس لیے کہ یہ سابقہ منکرین کی طرح کفر پر پیدا کیے گئے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

مغز را خالی کن از انکار یار
تا کہ ریحان یابد از گلزار یار
تا بیابی بوے خلد از یار من
چوں محمد بوی رحمان از یمن

ترجمہ: انکار یار سے مغز کو خالی کر تاکہ تمہیں گلزار یار سے خوشبو نصیب ہو۔
تاکہ تمہیں یار کی بہشت سے خوشبو حاصل ہو جیسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمٰن کی خوشبو یمن سے پاتے تھے۔

یک منارہ در ثنای منکران ۱
کو درین عالم کہ تا باشد نشان
منبری کو کہ بر آنجا مخبری ۲
یاد آرد روزگار منکری
روی دینار و درم از نامشان ۳
تا قیامت میدہد از حق نشان

۴ ۔ سکہ شاہان ہمی گردد دگر !
سکہ احمد ببیں تا مستقر

۵ ۔ بر رخ نقرہ و یا روی زری !
وا نما بر سکہ نام منکری

---

۶ ۔ ہر کہ باشد ہمنشین دوستان
ہست در گلخن میان بوستان

۷ ۔ ہر کہ با دشمن نشیند در زمن
ہست او در بوستان در گولخن

ترجمہ : ۱ ۔ منکروں کی یادگار دنیا میں رکھی گئی تاکہ لوگ اس سے عبرت حاصل کریں ۔
۲ ۔ جب منکرین کی یادگار سے کوئی گذرتا ہے تو اسے وہ یاد دہانی کراتا ہے ۔
۳ ۔ وہاں ان مکانوں پر وہ نام کندہ کراتے ہیں تاکہ قیامت تک نشان باقی رہے ۔
۴ ۔ کتنے بادشاہوں کے سکے مٹ گئے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نشان قیامت تک باقی ہے ۔
۵ ۔ سکے چاندی سونا کسی منکر کا نام کندہ ہے تو کیا ہوا ۔
۶ ۔ جو دوستوں کے ساتھ بیٹھتا ہے وہ باغ کے پھولوں پر ہے اگرچہ آگ کی بھٹی میں ہو ۔
۷ ۔ کوئی دشمن کے درمیان ہو تو وہ اگرچہ باغ میں ہو تب بھی سمجھو کہ آگ میں ہے ۔

اے اللہ ! ہمیں اولیاء اللہ کی مجلسوں میں بیٹھنے کی توفیق بخش اور قیامت میں ان کے ساتھ اٹھا بطفیل حضرت **محمد** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا یہ کفار کے قول ما ھذا الا بشر مثلکم کے قول کا جواب ہے ہم نے آپ سے پہلے تمام امتوں کی طرف ان کے ہم جنس وہ مرد بھیجے جو نبوت و رسالت کے اہل تھے ۔ **نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ** ہم بواسطہ ملائکہ شرائع و احکام و دیگر قصص و اخبار کے لیے وحی بھیجتے ہیں ان کی اور آپ کی وحی میں کسی قسم کا فرق نہیں ہے اور نہ ہی ان کی حقیقت کی مثال میں کوئی تفاوت ہے اور جیسے آپ بشر ہیں وہ بھی بشر تھے ۔ جب یہ بات مسلم ہے تو پھر کفار کو کیا ہو گیا ہے کہ آپ کی نبوت کو نہیں مانتے ۔ آپ کوئی نئے نبی بن کر تو نہیں آئے اور نہ ہی آپ کی وحی ان کی وحی کے خلاف ہے ۔ اب ان کی بدقسمتی ہے کہ آپ کی طرف غلط باتیں منسوب کرتے ہیں ۔

فائدہ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر زمانہ میں انبیاء علیہم السلام کے تابعین پیدا فرماتا رہتا ہے اور انہیں وحی الہام سے مخصوص فرماتا ہے جیسے عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں حواریین پیدا فرمائے جنہیں عیسیٰ علیہ السلام کی تابعداری کی برکت سے وحی الہام سے نوازا گیا۔

کما قال تعالیٰ :

واذ اوحیت الی الحواریین ان امنوا بی وبرسولی۔ اور جب ہم نے حواریین کی طرف وحی بھیجی کہ مجھ پر اور میرے رسول علیہ السلام پر ایمان لاؤ۔

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ پہلے ہم نے بتایا ہے کہ ذکر کا اطلاق کتب الٰہیہ پر ہوتا ہے یعنی اگر تم مذکور بیان کو نہیں جانتے تو اے کافرو! جاہلو! اہل کتاب سے پوچھو جو سابقہ رسل کرام علیہم السلام کے حالات کو جانتے ہیں ان سے سوال کرنے سے تمہارے شبہات زائل ہو جائیں گے۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ جم غفیر کی خبر بھی علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے۔

ف : یہ اس لیے فرمایا گیا کہ وہ مشرکین جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عداوت میں شب و روز لگے رہتے تھے وہ اہل کتاب سے ہی حضور علیہ السلام کے متعلق مشورہ لیتے تھے اور انہیں یہی اقرار تھا کہ پہلے رسل کرام علیہم السلام بشر تھے اگرچہ اہل کتاب کو صرف ہمارے نبی علیہ السلام کی نبوت سے انکار تھا۔

ف : حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ سے پوچھا کہ آپ کو اصول و فروع پر اس قدر زیادہ وسعت کیسے نصیب ہوئی۔ آپ نے یہی آیت پڑھ کر فرمایا کہ اہل علم سے سوال علوم و معانی جاننے کا بہترین ذریعہ ہے۔

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا :

حل لغات : الجسد انسان، جن اور ملائکہ کے جسم کو کہا جاتا ہے۔

ف : امام راغب رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ الجسد، الجسم کی طرح ہے لیکن جسد، جسم سے اخص ہے اس لیے کہ جسد وہ ہے جس میں لون (رنگت) ہو اور جسم وہ ہے جس میں رنگ وغیرہ نہ ہو جیسے پانی، ہوا اور یہ جعلنا کا مفعول ثانی ہے اسی لیے منصوب ہے۔ اس کا معنیٰ یہ نہیں کہ پہلے جسد نہیں تھے اب انہیں جسد بنایا گیا جیسا کہ جعل بمعنی تصییر کا تقاضا ہے بلکہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم نے ابتداءً انہیں جسد بنایا ہے جیسے " سبحان من صغر البعوض وکبر الفیل " میں ابتداء کا معنیٰ مفہوم ہوتا ہے۔

لَا يَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ : یہ جسد کی صفت ہے اور الطعم ہر کھانے والی اشیاء کو کہا جاتا ہے جو کھانے کے ہوتی ہیں اور الطعام صرف غذا کھانے کو کہتے ہیں یعنی ہم نے انبیاء علیہم السلام کو ایسے اجسام پیدا نہیں کیا جو کھانے

اور پینے سے مستغنی ہوں بلکہ وہ طبعی طور پر کھانے پینے کے محتاج ہیں تاکہ کھانے پینے سے جسم میں زندگی بسر کی جا سکے۔ وَمَا کَانُوْا خٰلِدِیْنَ ○ اور نہ ہی وہ اس دنیا میں ہمیشہ رہیں گے اس لیے کہ جو شے بھی اس طرح کی زندگی رکھتی ہے وہ فنا پذیر ہوتی ہے اور خلود شے کے تغیر و فساد سے بری ہونے کو کہتے ہیں اور وہ شے جو اپنی اصل حالت پر باقی ہے لیکن یہاں پر تادیر سلامت رہنے کو کہا جاتا ہے جیسے ملائکہ کرام کہ وہ اس عالم دنیا میں تادیر رہ کر آخر فانی ہوں گے اور کفار کا عقیدہ تھا کہ ملائکہ کرام علیہم السلام کو موت نہیں۔

اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ ہم نے انبیاء علیہم السلام کا اجسام بنایا ہے کہ وہ طبعی طور پر غذا کے محتاج ہیں اور ایک مدت کے بعد ان پر موت طاری ہوگی۔

یاد رکھئے کہ اہل سنت کا عقیدہ ہے ؎

انبیاء کو اجل آنی ہے فقط آنی ہے۔

یہ انبیاء علیہم السلام ملائکہ نہیں بلکہ بشر ہیں اگرچہ ملائکہ کرام کو بھی خلود نہیں بلکہ ایک دن ان پر بھی موت آئے گی۔

ردّ وہابیہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام میں طبعی طور پر طعام کی ضرورت رکھی گئی ہے بخلاف ملائکہ کرام کے کہ ان کی طبیعت کو طعام وغیرہ کی ضرورت نہیں اور انبیاء و اولیاء میں طعام کی ضرورت نبوت و ولایت کے کمال کے منافی نہیں اس لیے کہ طعام وغیرہ کی ضرورت ان کے احوال لوازم اور ان کے کمال کے توابع سے ہے اور ان کے لیے طعام وغیرہ میں چند فوائد ہیں۔

① طعام روح حیوانی (جو روح انسان کا مرکب ہے) کے لیے ایسے ضروری ہے جیسے چراغ کے لیے تیل اور یہی صفات نفسانیہ شہوانیہ کا سرچشمہ ہے اور روح میں شوق و محبت کی سواری ہے اور اسی شوق و محبت سے سالک صادق بُعد و محرومی کے راستے طے کرتا ہے اور اسی سے عاشق صادق فراق اور جدائی کی وادیوں سے گذر کر کعبۂ وصال تک پہنچتا ہے۔

② طعام خواہش نفسانی کا نتیجہ ہے یہی طعام نفس کو خواہشات کی طرف لاتا ہے پھر مومن اس نفس کو خواہشات کو روک کر وہ محسن باطن ہو جاتا ہے کہ قال تعالیٰ۔

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى۔

اس لیے مشائخ فرماتے ہیں۔

لولا الهوى ما سلك احد طريقا الى الله۔ اگر خواہشات نفسانی نہ ہوتیں تو کوئی بھی اللہ تعالیٰ تک نہ پہنچتا۔

③ بہت سے وہ علوم جو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو سکھائے تھے ان سے اکثر اکل طعام سے متعلق ہیں مثلاً مذوقات کے ذوق اور لذت بالمشتہیات اور لذتِ شہوت و بھوک و عطش و شبع (سیر ہونا) پیاس جو جسم طعام یا اس کا تخیل ہونا اور صحت، مرض، دوا، دودا وغیرہ کا علم اسی طرح وہ علوم جو فن طب سے متعلق ہیں اور وہ علوم جو ان کے توابع ہیں جیسے ادویہ کی معرفت اور گھاس، پھول، بوٹی اور ان کے خواص و طبائع وغیرہ کے علوم اسی اکل طعام سے متعلق ہیں۔

ہم صرف اسی پر اکتفا کرتے ہیں ورنہ اکل طعام کے بے شمار فوائد ہیں۔

حکایت: کسی ایک صوفی محقق پر اسم "الصمد" کی تجلیات جلوہ گر ہوئیں تو انھوں نے چھ ماہ نہ کھایا نہ پیا۔ ان کے شیخ اور پیر و مرشد نے فرمایا کہ بیٹا! کچھ نہ کچھ کھایا کرو اس لیے کہ کمالاتِ محمدی کا راز کھانے اور نکاح اور سونے اور بیدار رہنے وغیرہ میں مضمر ہے ورنہ اسلام میں رہبانیت کی سخت مذمت کی گئی ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

۱۔ ہیں مکن خود را خصی رہبان مشو
زانکہ عفت ہست شہوت را گرو

۲۔ بی ہوا نہی از ہوا ممکن نبود
ہم غزا بر مردگان نتوان نمود

۳۔ پس کلوا از بہر دام شہوتست
بعد ازاں لا تسرفوا آن عفتست

۴۔ چونکہ رنج صبر نبود مر ترا
شرط نبود پس فرو ناید جزا

۵۔ حبذا آن شرط و شادا آن جزا
آن جزای دل نواز جانفزا

ترجمہ (۱) خود کو خصی رہبان نہ بنا اس لیے کہ عفت شہوت کی گرو ہے۔

(۲) خواہش کے بغیر شہوت سے نہیں روکا جاتا اور مردوں کے ساتھ جنگ نہیں لڑی جاتی۔

(۳) کلوا (کھاؤ) کا حکم بھی شہوت کو پھانسنے کے لیے ہے اس کے بعد لا تسرفوا (حد سے نہ بڑھو) کا حکم عفت ہے۔

(۴) اگر کسی کو صبر کا رنج برداشت نہیں تو اسے جزا نہیں ملے گی۔

(۵) شرعی محبوب الاجر حج ابھی مقبول ہو جاتا اور نماز قضا ادا ۔

ف امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قیامت میں چار شخصوں کی عبادت کا کوئی اعتبار نہ ہوگا ۔

① زاہد خصی ۔

② علماء کا تقویٰ یعنی جو عالم محض اپنے آپ کو متقی بنائے اور جو لقمہ نہ ہو یا فعل و قول میں اللہ تعالیٰ کا خوف اور تقویٰ نہ رکھے اس کا امر تو بہت بُرا ہے ۔

③ عورت کی امامت جیسا کہ ہم نے خصی کے لیے کہا اسی طرح عورت کے لیے سمجھئے ۔

④ نابالغ لڑکے کی عبادت یہ اکثریت پر محمول ہے ورنہ ان سب کی عبادات اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں ۔
(کذا فی المقاصد الحسنہ)

ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ اس کا عطف فعل مقدر پر ہے اور فعل صدق دوسرے مفعول کی طرف حرف جر سے متعدی ہوتا ہے اور وہ یہاں واختار موسیٰ قومہ کی طرح محذوف ہے گویا یوں کہا گیا کہ ہم نے انبیاء علیہم السلام کی طرف وحی بھیجی پھر ہم نے ان کے ساتھ وعدہ پورا کر دکھایا کہ وحی کے منکروں کو تباہ و برباد کر ڈالا ۔ فَاَنْجَیْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ پس انھیں اور ان پر ایمان والوں کے علاوہ دوسروں کو جنہیں ہم نے چاہا نجات بخشی یعنی جنہیں باقی رکھا گیا ان کے باقی رکھنے میں حکمت الٰہی کا تقاضا تھا وہ خود یا ان کی اولاد سے جن لوگوں نے دولت ایمان سے نوازا جانا تھا اور سب کو دائمی عذاب سے نجات بخشنے کی حکمت یہی تھی کہ ان کی اولاد کو دولت اسلام نصیب ہوئی ۔

فقیر اسماعیل حقی کہتا ہے کہ ومن نشاء سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ امم سابقہ میں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ صرف ان پر ایمان لانے والے محفوظ ہوتے باقی تمام کفار ہر عذاب میں تباہ و برباد ہو گئے تھے جیسا کہ دوسرے مقام پر واضح الفاظ میں فرمایا ۔

ثم ننجی رسلنا والذین امنوا کذلک حقا علینا ننج المؤمنین ۔

اہل عرب جو کہ عذاب سے محفوظ ہے صرف اس لیے کہ ان کی نسلوں سے اہل ایمان پیدا ہونے تھے اسی لیے اولاً ان پر عذاب نہیں آیا اگر بعض مواقع پر چلا ہوتے تو ان میں سے وہ بچ گئے جو خود مسلمان ہوئے یا ان کی نسلوں سے ایمان لانے والے پیدا ہوئے جیسے بدر کی لڑائی سے واضح ہے ۔

وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ○ اور حد سے تجاوز کرنے والوں کو ہم نے تباہ و برباد کر دیا تجاوز من الحد سے ان کا کفر اور معاصی کا مرتکب ہونا مراد ہے ۔

راغب اصفہانی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اس کا مادہ السرف ہے بمعنی التجاوز عن الحد فی کل فعل یفعلہ الانسان یعنی ہر وہ کام جو انسان کرے اس کی حد سے آگے بڑھنے کو اسراف کہتے ہیں اگرچہ انفاق میں اس کا

استعمال زیادہ مشہور ہے۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ ۔ ہم نے تمھاری طرف نازل فرمائی ہے۔ **كِتٰبًا** کتاب عظیم الشان و عظیم البرہان ۔ **فِيْهِ ذِكْرُكُمْ** اس میں تمھارے لیے نصیحت ہے اور اچھے وعدے دیئے گئے ہیں تاکہ تم نیکی کی طرف رغبت کرو، اور اس میں وعیدیں ہیں تاکہ تم خوف خداوندی سے ڈرو، نہ یہ جادو ہے نہ شعر (جھوٹ) ہے نہ پریشان خیالات ہیں اور نہ نبی علیہ السلام نے اسے اپنی طرف سے گھڑا ہے جیسے تمھارے دعاوی ہیں۔ **اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ** ○ 'فا' عاطفہ ہے اس کا عطف فعل مقدر پر ہے جو کہ افلا تتفکرون ہے یعنی کیا تفکر و تدبر کو کام میں لا کر سمجھتے نہیں کہ معاملہ یوں ہے۔

بعض نے کہا کہ یہاں ذکر بمعنی شرف ہے یعنی تمھاری شرافت و بزرگی اسی کتاب میں ہے کہ یہ تمھاری زبان عربی میں نازل ہوئی ہے۔

ف: کاشفی علیہ الرحمہ نے لکھا کہ آیت ھٰذا میں حفاظ قرآن مجید کی شرافت و بزرگی کا بیان ہے۔ حدیث شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اشراف امتی حملة القرآن ۔ میری امت کے بزرگ ترین لوگ قرآن مجید کے حفاظ ہیں

اس معنیٰ کی مفید تائید کرتا ہے۔ لیکن اس سے وہی حفاظ مراد نہیں بلکہ جو قرآن مجید کی تلاوت پر مداومت اور اس پر عمل کی مناسبت رکھتے ہیں۔ (کذا فی تفسیر الفاتحہ للفناری)[1] ـــ

اہل قرآنست اہل اللہ و بس
اندر ایشان کے رسی اے بوالہوس
اہل باشد جنس و جنس این کلام
نیست جنسش مرغ کو پروا ز دام

ترجمہ: اہل قرآن ہی اہل اللہ ہیں ان کے مرتبہ کو تم اے ابوالہوس کیسے پہنچ سکتے ہو اس لیے کہ اہل اسے کہتے ہیں جو اس کلام کا ہم جنس ہو، وہ اس کی مثال اس پرندے کی سی ہے جو قید سے چھوٹ کر بھاگے۔

حدیث شریف: (۱) حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے دو اہل ہیں وہی دراصل ایک ہیں اہل قرآن وہی اہل اللہ ہیں یعنی اس کے خواص بندے ہیں۔

---

[1] ہمارے دور کے ملحدین یعنی منکرین حدیث اپنے آپ کو اہل قرآن اور ہمارے دور کے مستردہ وہابی غیر مقلدین اپنے آپ کو اہل حدیث کہلوا کر لکھوا کر اپنے منہ میاں مٹھو بنتے ہیں۔ ۱۲

حدیث شریف (۲) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصال کی گھڑی قریب ہوئی تو ہم اپنی اماں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالے عنہا کے حجرہ پاک میں جمع ہوئے۔ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دیکھا تو آپ کی چشمان مبارک سے آنسو بہہ گئے اور مرحبا فرمایا کہ اللہ تعالے تمہیں زندہ رکھے، اللہ تعالے تم پر رحم فرمائے، کہا اور فرمایا میں تمہیں اللہ تعالے کی اطاعت اور تقوے کی وصیت کرتا ہوں، اب میرا تم سے جدائی، اور اللہ تعالے کی طرف اور سدرۃ المنتہیٰ کی طرف چلے جانے کا وقت قریب ہے اور اب میں جنۃ الماویٰ کی طرف جانے والا ہوں، میرے وصال کے بعد مجھے میرے اہل بیت غسل دیں گے اور مجھے انہی کپڑوں میں یا یمنی کپڑوں میں کفنائیں گے، پھر جب تم میرے غسل وکفن سے فراغت پالو تو میرا جنازہ مبارک میری لحد کے قریب رکھ کر تم سب باہر چلے جانا اس لیے کہ میری نماز جنازہ سب سے پہلے میرے حبیب جبرائیل پھر میکائیل پھر اسرافیل اور پھر ملک الموت اپنے ساتھیوں سمیت پڑھیں گے۔ اس کے بعد تم جماعت در جماعت پڑھنا۔[ل]

[ل] ہم اہلسنت تو حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنازے مبارک کو جنازہ کہنا بھی بے ادبی سمجھتے ہیں لیکن کیا کریں اس کا بدل لفظ نہیں ملتا۔ لیکن باوجود اس کے ہم شریعت کے قانون کا انکار نہیں کرتے کہ آپ پر موت عادی ہوئی اس کے بعد آپ دائمی حقیقی حیات کے ساتھ زندہ ہیں یہی وجہ ہے کہ آپ کا جنازہ عام اموات کی طرح نہ پڑھا گیا بلکہ اس میں ہر ایک صحابی نے اپنی حضرت کے لیے شفاعت طلب کی افسوس ہے کہ وہابی تو حضور علیہ السلام کو عام میت کی طرح سمجھتے ہیں اور دوسری طرف شیعہ صحابہ کرام بالخصوص صدیق اکبر رضی اللہ تعالے عنہ کی جنازہ مبارک میں شمولیت نہیں مانتے۔

اس مسئلہ پر مستقل کتاب فقیر نے لکھی ہے اس سے چند حوالے دیکھئے۔

(۱) جلاء العیون میں ہے۔

وقت نماز جنازہ حضرت رسول خدا ابوبکر نے چاہا کہ پیش امام ہو امیر المومنین نے ہٹا دیا ہے۔ اور خود امامت کی بعد اس کے اجازت دی، اصحاب دس دس داخل ہوتے اور درود پڑھتے تھے یہاں تک کہ اہل مدینہ و اطراف مدینہ حضرت پر درود بھیجتے تھے ... الخ

اور ایسا ہی کتاب انوار النعمانیہ ص ۳۰ میں ہے۔ اور اصول کافی ص ۲۲۶ مطبوعہ کتاب ... سے امام جعفر علیہ السلام سے مذکور ہے۔

عن ابی جعفر علیہ السلام قال لما قبض النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلت علیہ	کہا حضرت امام جعفر محمد باقر نے کہ جب رحلت کی حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتقال فرمایا تو تمام ملائکہ و تمام مہاجرین و انصار گروہ گروہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

الملئكة والمهاجرون والانصار فوجاً فوجاً... الخ

انہوں نے فوجاً فوجاً نماز جنازہ آپ کی ذات پر پڑھی۔

اور کتاب باقر جلد ۲ ص ۴۸ پر یوں لکھا ہے:

عن ابی جعفر علیه السلام قال قال الناس كيف الصلوة عليه فقال علي عليه السلام ان رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم امامنا حيا وميتا فدخلوا عليه عشرة عشرة فصلوا عليه يوم الاثنين وليلة الثلثاء حتى الصبح ويوم الثلثاء حتى صلى عليه صغيرهم وكبيرهم وذكرهم واناثهم وضواحي المدينة بغير امام؟

کہ امام جعفر نے کہا کہ لوگوں نے آپس میں کہا کہ آپ کی ذات کا جنازہ کیسے پڑھیں گے۔ پس کہا علی حق نے آپ کی ذات حیاتی و مماتی میں ہمارا امام ہے۔ لہذا آپ کی ذات پر دس دس آدمی گروہ ہو کر نماز جنازہ پڑھو۔ پس سوموار کے روز نماز شروع ہوئی سے شب و منگل تک برابر اسی طرح پیر تک نماز اسی صورت میں ہوتی رہی اور تمام چھوٹوں اور بڑوں اور عورتوں اور مردوں نے اور تمام گرد و نواح مدینہ والوں نے بغیر امام کے نماز ادا کی

کتاب اہلسنت شمائل ترمذی ص ۲۸ کے حاشیہ میں یوں لکھا ہے:

قال ابوبكر يدخل قوم فوجاً فوجاً ويصلي واحد منهم يصلى عليه منفردا وقال علي ابن ابي طالب رضي الله عنه ما يؤم عليه لانه امامنا حال حياته وامامنا حال مماته وقال ابوبكر ان النبي صلى الله عليه وسلم كان اوصى بذلك الوجه وكذا التاخير في دفنه... الخ

فرمایا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہ لوگ فوج فوج داخل ہو کر آپ حضور علیہ السلام کے جنازہ کی نماز ہر ایک نے ان میں سے علیحدہ علیحدہ پڑھی اور کہا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوئی امام نہ بنے کیونکہ آپ کی ذات ہماری حیات و ممات میں امام ہے۔ اور کہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی۔ اور اسی لیے حضور کے دفن کرنے میں دیر ہوئی۔

فتح المبین ص ۱۳۰ پر لکھا ہے:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کے جنازہ کی نماز پڑھی۔

(بقیہ حاشیہ ص ۹۰۸

اور کہتے :

یا رسول اللہ انت نور بیننا و شمع جمعنا
و سلطان امرنا اذا ذهبت عنا الی من نرجع
فی امورنا۔

اے اللہ کے رسول! آپ ہمارے سب کے نور اور ہماری مجلس کی شمع اور ہمارے کاموں کے سلطان تھے جب کہ اب آپ ہم سے رخصت ہو گئے تو ہم اپنے امور کس کے پاس لے جائیں گے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۳)

ان عبارات سے صاف صاف معلوم ہوا کہ تمام اصحاب مہاجرین و انصار نے آپ کے دفن کرنے سے پہلے نماز جنازہ ادا کی۔ اور اس پر یہ دلیل بھی شاہد ہے کہ جب آپ کی ذات کا جنازہ تیار ہوا اور دس دس آدمی داخل ہوتے اور نماز جنازہ پڑھتے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دروازہ میں کھڑے ہو کر لوگوں کو کہتے کہ خالی کرو جنازہ کو اہل اس کے کو دو یہ ہے :

نادی عمر ابن الخطاب خلوا الجنازۃ و اھلھا ... الخ (نقل از ماثبت بالسنۃ صـ ۲۲۳ ـ مولفہ شیخ عبد الحق ؒ)۔

اور اگر شیعہ کہیں کہ اصحاب ثلاثہ تو خلافت کے جھگڑے میں مشغول رہے اور آپ کا جنازہ نہ پڑھا اگر پڑھا بھی تو بعد دفن کے پڑھا ہوگا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اوپر کی تمام عبارتوں سے صاف معلوم ہو چکا ہے کہ قبل از دفن آپ کے تمام صحابہ نے جنازہ ادا کیا۔ اور اگر معترض کو یہ سمجھ نہیں آئی تو فقیر دوبارہ تحریر کر دیتا ہے :

کتاب ماثبت بالسنۃ صـ ۱۱۸ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے پیر کے روز ۱۱ھ میں ربیع الاول کی ۱۲ تاریخ کو انتقال فرمایا تو اس الم سے حضرت عمر و عثمان و علی اور تمام صحابہ کرام دیوانوں کی طرح ہو گئے تھے۔ اور حضرت ابو بکر صدیق اپنے گھر سے دوڑتے ہوئے آئے اور آپ کے چہرہ مبارک سے کپڑا اٹھایا اور روئے اور پیشانی مبارک کو بوسہ دیا۔ اور جب ان کو ہوش آیا تو فرمایا صبر کرو۔ اور خطبہ پڑھا اور کہا کہ یہ قرآن کا کلام ہے ہر ایک چیز ماسوا اللہ کے فنا ہونے والی ہے۔ اور اسی اثنا میں ایک فتنہ بنی ساعدہ میں تنازعہ دربارۂ خلافت شروع ہوا۔ اہل مدینہ یعنی انصار کہتے کہ خلیفہ ہم سے ہونا چاہیئے۔ جب یہ بات حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سنی تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر بنی ساعدہ یعنی سعد بن عبادہ کے گھر مشورہ کے لیے تشریف لائے اور وہاں تمام مہاجرین و انصار سے گفتگو کی۔ اور تمام مہاجرین و انصار نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پھر خلیفہ اول نے منبر پر خطبہ پڑھا اور حضرت علی اور حضرت زبیر کو بھی طلب کیا اور انہوں نے بڑی خوشی سے خلیفہ اول کی بیعت کی۔ اور یہ سنی گئی ہے۔

نقل از تشریح الاحباب صـ ۲۲۳ ـ اور شاہ عبد الحق محدث دہلوی نے کتاب مذکور صـ ۱۲۹ پر لکھا ہے :

جب یہ تنازعہ طے ہوا تو پھر تمام اصحاب مہاجرین و انصار آپ کی تجہیز و تکفین کی طرف متوجہ ہوئے۔ و ثم ہنا :

(بقیہ حاشیہ صفحہ

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں تمھارے پاس بہت بڑی روشن دلیل چھوڑے جا رہا ہوں یعنے ایسا طریقہ واسع و واضح کہ جس کی شب دن سے زیادہ روشن ہے۔ اور تمھارے پاس —— (بقیہ متن صفحہ نمبر ۲۱ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

وما فرغ الناس من بيعته ابي بكر وجمعهم الله وما اهتم به اصحابه بعد موته صلى الله عليه وسلم وتقرر الامر على ابي بكر اقبلوا على تجهيز النبي صلى الله عليه وسلم والاشتغال به ... الخ

یعنے جب لوگ ابوبکر کی خلافت سے فارغ ہو گئے۔ اور اللہ نے ان کو متفق کر دیا اور اس سے کہ جس کا صحابہ نے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موت کے بعد اہتمام کیا تھا اور خلافت ابوبکر پر ٹھہر گئی تو پھر حضور علیہ السلام کی تجہیز و تکفین اور اس کاروبار پر متوجہ ہو گئے۔ اور سب سے پہلے تمام صحابہ سے حضرت علی اور ابن عباس و بنو ہاشم نے آپ پر نماز پڑھی پھر مہاجرین میں سے ابوبکر صدیق وغیرہ نے۔ پھر تمام اصحاب انصار رضی اللہ عنہم نے۔

خمیس جلد ثانی ترجمہ صـ ۵۴ پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازے کے متعلق لکھا ہے۔

"جناب سرور دو عالم نے وفات پائی تو جوق جوق مہاجرین و انصار داخل ہوئے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجا۔"

شیعہ کی معتبر تفسیر صافی کے صـ ۴۲۹ پر امام محمد باقرؑ کا فرمان مذکور ہے۔

لما قبض النبي صلت عليه الملائكة والمهاجرون والانصار فوجا فوجا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد فرشتوں اور مہاجرین و انصار نے فوج در فوج ہو کر آپ پر نماز جنازہ (صلوٰۃ و سلام) پڑھی۔

حیات القلوب جلد دوم صـ ۶۲۳ پر مہاجرین و انصار کے متعلق ثابت ہے کہ یہ سب حضرات حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ میں شامل ہوئے۔

وایشان بر آں جناب صلوات مے فرستادند و بیروں مے رفتند تا آنکہ ہمہ مہاجران و انصار چنیں کردند۔

یہ لوگ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوات بھیجتے اور حجرۂ مبارک سے باہر نکلتے تھے یہاں تک کہ سب مہاجرین و انصار نے اس طرح جنازہ پڑھ لیا۔

مزید تحقیق اردو میں فقیر [illegible] کے رسالہ "جنازۂ نبی علیہ السلام" کا مطالعہ کیجئے۔

(بقیہ پچھلی صفحہ

وہ دو حصے چھوڑ کر جا رہا ہوں ایک ناطق اور دوسرا صامت، ناطق قرآن اور صامت موت ہے جب تمہیں کسی معاملہ میں اشکال ہو تو قرآن مجید اور سنت، حدیث کی طرف رجوع کرو اگر دلوں پر زنگ کا غلبہ ہو تو موت کو یاد کرو۔

حدیث شریف (۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو قرآن شریف بچپن میں پڑھتا ہے تو قرآن مجید اس کے رگ و ریشہ میں گھل مل جاتا ہے اور جو کبر سنی میں پڑھتا ہے اور اس کا پڑھنا اسے مشکل ہو جاتا ہے لیکن وہ اسے چھوڑتا نہیں تو اسے دوہرا ثواب نصیب ہوگا۔

پہلی کی وجہ یہ ہے کہ صغر سنی میں مشاغل و شواغل بہت کم ہوتے ہیں اس لیے پڑھنے میں قلب خالی ہوگا تو قرآن مجید قلب پر زود اثر انداز ہوگا۔

شاعر نے کہا ہے

اتانی ھواھا قبل ان اعرف الھوی
فصادف قلبا خالیا فتمکنا

ترجمہ: اس کی محبت نے اس وقت سے گھر بنایا جب کہ میں محبت کو جانتا نہیں تھا جب اس نے دل خالی پایا تو اس میں گھر کر گیا۔

اور قرآن بڑی عمر میں داخل ہوگا تو کبر سنی کی وجہ سے عقل کمزور یا زبان پر حروف نہ چڑھ سکیں گے اس پر اسے قرآن پڑھنا دشوار ہوگا۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو کوئی قرآن پڑھے اور اسے اس کا پڑھنا دشوار ہو تو اسے دوہرا ثواب نصیب ہوتا ہے

① پڑھنے کا ثواب
② مشقت کا ثواب۔ (کذا فی شرح المصابیح)

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّأَنْشَأْنَا بَعْدَهَا
اور کتنی ہی بستیاں ہم نے تباہ کردیں کہ وہ ستمگار تھیں اور ان کے بعد اور قوم پیدا
قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿١١﴾ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَأْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ﴿١٢﴾ لَا
کی تو جب انہوں نے ہمارا عذاب پایا جبھی وہ اس سے بھاگنے لگے نہ بھاگو
تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿١٣﴾
اور لوٹ کے جاؤ ان آسائشوں کی طرف جو تم کو دی گئی تھیں اور اپنے مکانوں کی طرف شاید تم سے پوچھنا ہو
قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿١٤﴾ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى
بولے ہائے خرابی ہماری بیشک ہم ظالم تھے تو وہ یہی پکارتے رہے یہاں تک کہ ہم نے انہیں کردیا کاٹے ہوئے
جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ﴿١٥﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا
بجھے ہوئے اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے
بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿١٦﴾ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ
عبث نہ بنائے اگر ہم کوئی بہلاوا اختیار کرنا چاہتے تو اپنے پاس سے اختیار کرتے
اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿١٧﴾ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا
اگر ہمیں کرنا ہوتا بلکہ ہم حق کو باطل پر پھینک مارتے ہیں تو وہ اس کا بھیجا نکال دیتا ہے تو جبھی وہ
هُوَ زَاهِقٌ ۚ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿١٨﴾ وَلَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَ
مٹ کر رہ جاتا ہے اور تمہاری خرابی ہے ان باتوں سے جو بناتے ہو اور اسی کے ہیں جتنے آسمانوں اور
الْاَرْضِ ۚ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿١٩﴾
زمین میں ہیں اور اس کے پاس والے اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور نہ تھکیں
يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿٢٠﴾ اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ
رات دن اس کی پاکی بولتے ہیں اور سستی نہیں کرتے کیا انہوں نے زمین میں سے کچھ ایسے خدا
الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿٢١﴾ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ
بنالیے ہیں کہ وہ کچھ پیدا کرتے ہیں اگر آسمان و زمین میں اللہ کے سوا اور خدا ہوتے تو ضرور وہ تباہ ہوجاتے تو پاکی
اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿٢٢﴾ لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ﴿٢٣﴾
ہے اللہ عرش کے مالک کو ان باتوں سے جو یہ بناتے ہیں اس سے نہیں پوچھا جاتا جو وہ کرے اور ان سب سے سوال ہوگا

أَمِ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ آلِهَةً ۖ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ ۖ هَٰذَا ذِكْرُ مَن مَّعِيَ
کیا اللہ کے سوا اور خدا بنا رکھے ہیں تم فرماؤ اپنی دلیل لاؤ یہ قرآن میرے ساتھ والوں کا ذکر ہے

وَذِكْرُ مَن قَبْلِي ۗ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ الْحَقَّ ۖ فَهُم مُّعْرِضُونَ ۝۲۴
اور مجھ سے اگلوں کا تذکرہ بلکہ ان میں اکثر حق کو نہیں جانتے تو وہ روگرداں ہیں

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا
اور ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول نہ بھیجا مگر یہ کہ ہم اس کی طرف وحی فرماتے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو

فَاعْبُدُونِ ۝۲۵ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَٰنُ وَلَدًا ۗ سُبْحَانَهُ ۚ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ ۝۲۶
مجھی کو پوجو اور بولے رحمن نے بیٹا اختیار کیا پاک ہے وہ بلکہ بندے ہیں عزت والے

لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُم بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ ۝۲۷ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا
بات میں اس سے سبقت نہیں کرتے اور وہ اسی کے حکم پر کاربند ہیں وہ جانتا ہے جو ان کے آگے ہے اور جو

خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ وَهُم مِّنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ ۝۲۸
ان کے پیچھے ہے اور شفاعت نہیں کرتے مگر اس کے لیے جسے وہ پسند فرمائے اور وہ اس کے خوف سے ڈر رہے ہیں

وَمَن يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَٰهٌ مِّن دُونِهِ فَذَٰلِكَ نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ ۚ كَذَٰلِكَ
اور ان میں جو کوئی کہے کہ میں اللہ کے سوا معبود ہوں تو اسے ہم جہنم کی جزا دیں گے ہم ایسی ہی

نَجْزِي الظَّالِمِينَ ۝۲۹
سزا دیتے ہیں ستمگاروں کو

تفسیر عالمانہ

وَكَمْ قَصَمْنَا مِن قَرْيَةٍ ۔ یہ کم خبریہ ہے اور محلاً منصوب ہے اس لیے کہ قصمنا کا مفعول ہے اور اس کی تمیز من قریۃ ہے۔ قصم کا اصلی معنی ہے آپس میں جڑی ہوئی شے کے اجزاء کو جدا کرنا بلکہ اس کی ترکیب و ترتیب کو بالکل زائل کرنا اس سے اللہ تعالیٰ کی ان قوموں پر سخت غیظ و غضب کا پتہ چلتا ہے یعنی ہم نے بہت سی آبادیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

كَانَتْ ظَالِمَةً ۔ یہ قریۃ کی صفت ہے اور قریۃ کا مضاف لفظ "اہل" محذوف ہے یعنی ہم نے بہت سی آبادیوں میں آباد رہنے والوں کو برباد کیا وہ لوگ جو کہ قرآن کی آیات کے منکر ہونے کی وجہ سے تمہاری طرح اے قریشیو! وہ بھی ظالم تھے۔

وَاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا اور ان کی تباہی و بربادی کے بعد ہم نے پیدا فرمائے۔ انشاء و اختراع و تکوین و ایجاد و ابداع مترادف ہیں اور ان سے ایک ہی معنی مراد ہوتا ہے یعنی معدوم کو وجود میں لانا۔ (کذا فی بحر العلوم) امام راغب علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ انشاء یعنی ایجاد الشئ و تربیتہ۔ اور اس کا اکثر اطلاق حیوانات پر ہوتا ہے جیسے اسی آیت میں ہے۔

قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ○ اور ایسی قومیں جو نہ وہ تمہارے نسب سے متعلق ہوں نہ تمہارے دین پر۔

فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ احسوا کی ضمیر اہل قریہ کی طرف راجع ہے۔ اور الباس بمعنے الشدۃ و المکروہ و النکایۃ یعنی انہوں نے ہمارے سخت عذاب کا کل ادراک کیا گویا انہیں وہ عذاب محسوس و مشاہد تھا۔

اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ○ اذا مفاجاتیہ ہے اور ھم مبتدا اور یرکضون خبر ہے اور منها کی ضمیر قریہ کی طرف راجع ہے۔ الرکض بمعنے سواری کو دوڑانے کے لیے مارنا۔ جب اسے راکب کی طرف منسوب کیا جائے تو معنے ہوگا سواری کو دوڑانا جیسے رکضت الفرس یعنی میں نے گھوڑے کو دوڑایا۔ اگر اس کی نسبت پیدل چلنے والے کی طرف ہو تو معنے ہوگا، وطی الارض۔

اب معنے یہ ہوگا کہ عذاب الٰہی کو ادراک کر کے وہ اپنی آبادیوں سے اپنی سواریوں کو تیز دوڑاتے یا سواریوں کی طرح بہت تیز دوڑتے ہیں۔

لَا تَرْكُضُوْا انہیں زبان حال یا فرشتے کی طرف سے کہا گیا مت دوڑو۔ **وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ**

حل لغات: الاتراف، اترفتہ النعمۃ یعنے اطغتہ سے ہے اور کہا جاتا ہے، اترف فلان ای اصر علی البغی یعنے اس نے بغاوت پر اصرار کیا۔

اب معنے یہ ہوا کہ کفار کو بھاگتے ہوئے دیکھ کر فرشتے کہا نہ بھاگو بلکہ حسب سابق اپنے حال طیبہ اور عیش واسع کی طرف لوٹ آؤ۔ بغاوت اور کفر کر کے اپنے عمل کے شکر سے روگردانی نہ کرو۔

فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ اور اپنے مکانوں میں واپس جاؤ جن پر تم فخر کرتے تھے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

افتخار از رنگ و بو و از مکان
ہست شادی و فریب کودکان

ترجمہ رنگ و بو اور مکان پر فخر کرنا عارضی خوشی اور بچوں کا فریب ہے۔

لَعَلَّكُمْ تُسْــَٔلُوْنَ ○ تاکہ تم سے حسب سابق لوگ سوال کریں اور اپنے معاملات اور اہم امور میں مشورہ لیں جیسا کہ تمہاری عادت تھی کہ اپنے اہم امور کے لیے گاؤں کے سرداروں سے مشورے لیتے اور انہی کے سامنے اپنے امور پیش کرتے تھے۔

قَالُوْا: جب عذاب میں نجات نہ دیکھی اور یقین کیا کہ یقیناً عذاب الٰہی نازل ہو گا تو کہا: یٰوَیْلَنَا: اے خرابی ہمارے لئے ہلاکت! آ جا یہی تیرے آنے کا وقت ہے۔

کاشفی نے اس کا ترجمہ کیا ہے: ہائے ہائے اور ہائے افسوس۔

اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ یقیناً ہم ظالم اور عذاب الٰہی کے مستحق ہیں۔ اپنے ظلم کا اعتراف اور عذاب سے بچنے کی آرزو اور سوال ایسے وقت میں کر رہے تھے جب انہیں ناامیدی چھا گئی تھی اور اس وقت کا اعتراف غیر مفید ہوتا ہے۔

فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ: ان کا یہ پکار کر رہنا " یاویلنا انا کنا ظالمین " ان کے منہ سے نکلتا رہا۔ تلک اسم اشارت کا اسم اور دَعْوٰىهُمْ اس کی خبر ہے یعنی ان کی پکار اور ندا یعنی اسی کو بار بار پکارتے رہے۔ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا: یہاں تک کہ ہم نے انہیں بنا دیا جیسے کھیتی کی طرح کاٹ دیئے گئے۔ حصید بمعنی محصود ہے وہ کھیتی اور گھاس جسے کاٹ لیا جائے۔

سوال: حصید مفرد ہے اور ھم ضمیر جمع اسے جمع لانا چاہئے تھا؟

جواب: قاعدہ ہے کہ جب فعیل بمعنی مفعول ہو تو اس میں مفرد، جمع، مذکر، مونث سب کے لئے فعیل (مفرد) لایا جاتا ہے۔

خٰمِدِيْنَ ۝ یہ جعلنا ھم کے مفعول یعنی ضمیر ھم سے حال ہے یعنی بجھے ہوئے یعنی مردہ۔ یہ خمدت النار سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب آگ کے شعلے بجھ جائیں۔ اسی سے خمدت الحمی مشتق ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب بخار کا جوش نرم پڑ جائے اور اس سے مریض کا حوصلہ بڑھ جائے جیسے آگ بجھ جاتی ہے اور اس کے شعلے ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں ایسے ہی اس کی حالت ہوتی ہے۔ اس معنے پر خمود سے مشتق کر کے خامدین فرمایا گیا ہے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ ظلم سے آبادی برباد ہو جاتی ہے۔

حضرت شیخ سعدی نے فرمایا ؎

بقومی کہ نیکی پسندد خدای
دھد خسرو عادل نیک رای
چو خواہد کہ ویران کند عالمی
کند ملک در پنجہ ظالمی

ترجمہ: (۱) جس قوم کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی چاہتا ہے اسے نیک و عادل حاکم (بادشاہ) عطا فرماتا ہے۔

(۲) جب چاہتا ہے کہ وہ ملک ویران ہو تو وہ ملک ظالم کے پنجے میں دے دیتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت میں ظلم تاریکیاں لائے گا۔

قاعدہ صوفیانہ: جب قلب معرفت و اخلاص سے محروم ہوتا ہے تو ویران ہو جاتا ہے۔ قلب کی خرابی کی علامت یہ ہے کہ اعضا سے گناہوں کا صدور ہوتا ہے اور اس کا رجوع ہلاکت و تباہی کی طرف ہوتا ہے۔

موسیٰ بن میشان نبی کا قصہ

بعض مفسرین نے فرمایا کہ ان اہل قریہ سے مراد یمن کے بعض لوگ ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ شام کی حدود پر ایک حجازی بستی تھی ان کی طرف ایک نبی علیہ السلام مبعوث ہوئے جن کا اسم گرامی موسیٰ بن میشان تھا۔ (یہ موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے علاوہ اور نبی تھے۔ (کذا فی الکشف)

شعیب بن ذی مہدم نبی کا قصہ

امام سہیلی علیہ الرحمۃ التعریف و الاعلام میں لکھتے ہیں: اس نبی علیہ السلام کا اسم گرامی شعیب بن مہدم علیہ السلام تھا۔ اسی شعیب بن ذی مہدم کی مزار شریف یمن میں ضین نامی پہاڑ میں ہے۔

ف: قاموس میں لکھا ہے کہ ضین بالکسر صنعاء میں ایک بہت بڑے پہاڑ کا نام ہے۔

ف: یہ وہ شعیب علیہ السلام نہیں جو مدین والوں کے ہاں مبعوث ہوئے تھے۔

ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نرالی شان

یہ شعیب بن ذی مہدم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد امجد حضرت معد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے اور حضرت سلیمان علیہ السلام سے دو سو سال بعد میں ہو گزرے ہیں۔ اس بدبخت قوم (جن کی طرف آیت ہذا میں اشارہ ہوا ہے) نے اپنے نبی علیہ السلام کو شہید کیا، اور اسی تاریخ کو اصحاب الرس نے بھی اپنے نبی جن کا اسم گرامی حنظلہ بن صفوان علیہ السلام تھا، کو شہید کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کو ان پر ناراضگی ہوئی تو ارمیا کی طرف وحی بھیجی کہ آپ بخت نصر کو فرما دیجئے کہ وہ اس قوم پر حملہ کرے۔ ہم نے ان کی سلطنت اسی کو بخشی ہے اور ارض عرب بھی اس کے قبضے میں دی گئی ہے اسی لیے مسلط کر رہا ہوں تاکہ میں ان سے بدلہ لوں۔ لیکن اے ارمیا حضرت معد بن عدنان کو براق پر سوار کر کے عراق کے علاقہ میں چلے جائیے تاکہ آپ کو اور معد بن عدنان کو دکھ درد اور بلاؤ مصیبت نہ پہنچے، اس لیے کہ معد بن عدنان کی پشت سے میرے محبوب محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہور پذیر ہوں گے اس لیے ان کی وجہ سے ان کی عزت و حفاظت مطلوب ہے۔ اس وقت حضرت معد بن عدنان کی عمر بارہ سال تھی اور وہ عراق میں بنی اسرائیل میں زندگی بسر کرتے رہے یہاں تک کہ جوان ہوئے اور انہوں نے ایک بی بی معانہ نامی سے نکاح کیا۔

بخت نصر نے حکم سنتے ہی لشکر تیار کیا اور عرب کو زیر کرنے کے لیے ایک سرنگ نکالی تاکہ ان کے ساتھ مقابلہ کے وقت اسے استعمال کرے۔ یہی پہلا بادشاہ ہے جس نے جنگ کے لیے سرنگیں تیار کیں۔ پھر اس بستی حضور نامی کے گرد

خندق کھدوائی تا کہ وہ لوگ نہ بھاگ سکیں۔ چنانچہ اس کے بعد پورے سے ان پر حملہ کر کے بعض کو قتل کر دیا اور بعض کو قیدی کیا۔ اور اس بستی کو ویران کر دیا یہاں تک کہ اس بستی (حضور) کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

حتی جعلنٰهم حصیدا خامدین ۔

اس کے بعد بعض عرب پر حملہ کیا اور ان سے بعض کو قتل کیا اور بعض کو قید کیا اور بعض مقامات کو ویران اور بعض کو آگ لگا دی۔ اس کے بعد اس کے گردونواح پر حملہ کیا انھی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا: وکم قصمنا من قریۃ کانت ظالمۃ ۔

ف: یہ روایت حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے اور ظاہر آیت سے تو کثرت معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے کہ کم تکثیر کے لیے ہے لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے صرف بستی حضور مراد لی ہے اس لیے کہ وہ بھی ان کے ایک تھی۔ اسی کا اللہ تعالیٰ نے بھی ارادہ فرمایا ہے۔

حدیث شریف: پانچ برے عملوں پر پانچ سزائیں ملتی ہیں:

① جو قوم ظلم کرتی ہے ان پر اللہ تعالیٰ ان کے دشمن مسلط کر دیتا ہے۔
② جو قوم اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے خلاف احکام جاری کرتی ہے ان کو اللہ تعالیٰ فقر و فاقہ میں مبتلا کرتا ہے۔
③ جس قوم سے فواحش زنا وغیرہ سرزد ہوتے ہیں ان کو موت دے دیتا ہے۔
④ جو قوم ناپ تول میں کمی بیشی کرتی ہے اس سے اناج روک کر قحط میں مبتلا کر دیتا ہے۔
⑤ جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے ان پر بارش بند کر دیتا ہے۔

ہر چہ بر تو آید از ظلمات و غم
آں ز بے شرمی و گستاخیست ہم

ترجمہ: جو تجھ پر ظلم اور غم آتا ہے وہ تیری بے شرمی و گستاخی کی وجہ سے ہے۔

تفسیر عالمانہ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ۔ الخلق بمعنی التقدیر المستقیم ہے لیکن یہ ابداع کے معنے میں مستعمل ہوتا ہے یعنے ایسی شے بنانا جس کی پہلے اصل موجود نہ ہو۔

اب معنے یہ ہوا کہ ہم نے آسمان جو ایک قبہ اور خیمہ کی مانند ہے نہیں پیدا فرمایا۔ وَالْاَرْضَ اور زمین کو جو کہ بچھونے کی طرح ہے۔ وَمَا بَیْنَهُمَا اور جو ان کے مابین عجائب و غرائب اور دیگر جملہ مخلوقات کے تمام انواع کو۔ لٰعِبِیْنَ ○ در آنحالیکہ ہم عبث کام کرنے والے ہوں۔ یہ لعب فاعل سے

مطلق ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی مقصد صحیح کا قصد نہ کرے۔ یہاں لاعبین بمعنی عابثین ہے یعنی ہم نے انہیں عبث نہیں پیدا فرمایا بلکہ ان کی تخلیق میں بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں ہیں مثلاً ان کی تخلیق وجود انسان کے لیے مبدا اور اس کی معاش کا سبب اور معرفت الٰہی کی بہترین دلیل ہے اور انسان کا اصل مقصد بھی معرفت ہے ؎

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

ترجمہ: ہوشمند کی نظر میں سبز برگ درختاں کا ہر پتہ معرفت کردگار کا ایک بڑا دفتر ہے۔

ف: ہر شے معرفت الٰہی کا مظہر ہے یا اس کے قہر کا۔ اس سے تعبیر نکلا کہ ہر ذرے میں عجیب و غریب اسرار و رموز پوشیدہ ہیں ؎

بنگر بچشم فکر کہ از عرش تا بفرش
در ہیچ ذرہ نیست کہ سرے عجیب نیست

ترجمہ: فکر سے دیکھ کہ از عرش تا فرش کوئی ذرہ ایسا نہیں جس میں راز الٰہی نہ ہو۔

سوال: آیت سے معلوم ہوا کہ لعب اللہ تعالیٰ کا فعل نہیں بلکہ وہ لاعبین کا فعل ہے اس لیے کہ لاعب لعب کا اسم فاعل ہے اور اللہ تعالیٰ لاعب نہیں مشتق کی نفی فعل کی نفی کو مستلزم ہے!

جواب: ہم بارہا عرض کر چکے ہیں کہ ہر شے کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ الا کسب بندہ یہاں اس کی تخلیق و قدرت کا بیان ہے کہ لعب کے اسباب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اس تقریر سے اس سوال کا جواب ظاہر ہے۔

لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا۔ یہاں پر لہو بمعنی مرد وشے جس سے لہو و لعب کی جائے یعنی مصدر بمعنی اسم مفعول ہے مثلاً کہا جاتا ہے:

لہوت بالشئ لہوا۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی شے سے لہو و لعب کی جائے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ لہو ہر اس شے کو کہا جاتا ہے جس سے انسان کھیلے اور اسے دیکھ کر خوش ہو جیسے اولاد اور بیوی کی۔

ف: امام راغب نے لکھا کہ لہو ہر وہ شے جو انسان کا مقصد و مراد سے غافل کر دے اور جس شے سے انسان نفع اندوز ہو۔

لو اردنا ان نتخذ لهوا میں اولاد اور بیوی مراد لینا "زینة الحیوة الدنیا" کے قاعدے سے بعض افراد کی تخصیص کو مستلزم ہے۔

ف: جلالین میں لہو سے مراد بیوی اور ولد مراد لینا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کی وجہ سے ہے اور اولاد اور بیوی ہر دو معنی شیخ نجم الدین نے اپنی تاویلات میں مراد لی ہے۔ اور یہ بزرگ شریعت و طریقت کے جامع اولیاء کے اکابر میں سے

ہیں۔ اور اسی معنے پر «ولکم الویل مما تصفون» بھی دلالت کرتا ہے۔ (کذا قال صاحب روح البیان)

ف: امام واحدی نے فرمایا کہ انسان ان پر دونوں سے سرور و راحت پاتا ہے اسی لیے کہا گیا ہے: امراۃ الرجل و ولدہ ریحانتاہ یعنی انسان کے لیے بیوی بچے خوشبودار پھول ہیں۔

لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۔ تو ہم اسے بناتے اس لیے کہ ہم اس پر قادر ہیں۔ اس لیے کہ ہر شے اسی کی قدرت سے متعلق ہے یعنی ہم جسے چاہیں اپنے لیے چن لیں حوروں سے یا ان کے ماسوا کوئی اور۔

ف: امام واحدی نے فرمایا کہ ہم اسے اپنے لیے ایسے چن لیں کہ تمہیں ظاہر ہی نہ ہونے دیں اور نہ تم اسے جان سکو کیونکہ اس لیے کہ بیوی بچے انسان کے پاس ہوتے ہیں نہ کہ اس کے غیر کے ہاں۔ اس معنے پر لدنا بمعنے عندنا ہے۔

اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝ اگر ہم کرنے والے ہوتے لیکن ایسا ہمارے لیے محال ہے۔ یا یہ معنی کہ ہم اس کا ارادہ نہیں کرتے کیونکہ یہ حکمت ایزدی ہے۔

اس کا معنے یہ نہیں کہ ہمیں اولاد اور بیوی اور دیگر امور کو اپنے لیے اختیار کرنے کی قدرت نہیں کہ ہم اسے عملاً اپنے لیے تیار بھی نہ کر سکیں۔

فائدہ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہماری بارگاہ ایسی فضول اور لغو باتوں سے پاک اور ہماری جناب کبریائی ایسی کمزوریوں سے منزہ ہے بلکہ ہمارے ملائکہ مقربین بھی ایسے امور سے منزہ ہیں حالانکہ وہ ہمارے مکرم و مقرب بندے ہیں جب ہمارے بندے منزہ ہیں تو خالق کائنات کا منزہ ہونا اولیٰ ہے۔

ف: ان شرطیہ ہے یعنی علی الشرط والتقدیر۔ ان کا جواب محذوف ہے اس لیے کہ اس سے پہلے کا جملہ اس پر دلالت کرتا ہے۔ اب عبارت یوں ہوگی:

ان کنا فاعلین لاتخذناہ ۔

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ یہ اتخاذ الولد وغیرہ اس کے ارادے سے اعراض ہے گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم اولاد وغیرہ کا ارادہ نہیں رکھتے بلکہ ہماری شان یہ ہے کہ ہم حق کو باطل پر غلبہ دیں جیسے اس کے ایمان و قرآن وغیرہ کا غلبہ لہو و کفر و دیگر باطل امور پر۔

ف: امام راغب نے کہا ہے کہ قذف بمعنے دور سے تیر پھینکنا اس بعد کی مناسبت سے کہا جاتا ہے: منزل بقذف و قذیف و بلدۃ قذوف بمعنے طروح بعیدہ۔

ف: باطل حق کی نقیض ہے یعنی باطل کو کوئی ثبات نہیں جب حق اس کا تعاقب کرتا ہے۔

فَيَدْمَغُهٗ پس حق باطل کو تباہ کر مٹا دیتا ہے۔

ف: مفسرین فرماتے ہیں کہ تخییب وتسلیط کے بجائے اس لفظ کو استعارہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ اسی طرح حق کو باطل کے تسلط کو قذف استعارہ کی وجہ ظاہر ہے کہ جس طرح مرمی پتھر سے ماری ہوئی شے کی حالت ہوتی ہے ایسے ہی باطل کو پیچنے کو حق کے مقابلہ میں مٹ کر فنا ہو جاتی ہے اور دمغ جیسے کھوکھلی اور نرم شے کو توڑنا اور دماغ کو اس صفت بیان کیا ہے کہ اس کی کیفیت کچھ اس قسم کی ہوتی ہے کہ اس کی اوپر کی جلد سخت مضبوط ہوتی ہے حق کو ایک مضبوط جسم جیسے پتھر یا قوت سے تشبیہ دی گئی ہے اور باطل کو ایک کھوکھلی اور نرم شے جیسے مٹی وغیرہ سے جیسے مضبوط چیز سے نرم اور کھوکھلی شے پاش پاش ہو جاتی ہے ایسے ہی حق سے باطل مٹ کر فنا ہو جاتا ہے۔

ف: صاحب مفتاح نے فرمایا کہ القذف والدمغ کا استعمال اجسام میں ہوتا ہے۔ قذف کو حق کے لیے اور دمغ کو باطل کے لیے استعارہ کیا گیا ہے۔ اس معنے پر مستعار منہ حسی اور مستعار لہ عقلی ہے گویا حق کو باطل سے تشبیہ دی گئی ہے صورۃ معقول کو ایسے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے جو صورۃ محسوسہ پر دلالت کرتی ہیں تاکہ سامع کے ذہن میں جیسے معقول کی تصویر کھنچ جائے۔

فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ط پس اس وقت باطل پورے طور پر مٹ کر فنا ہو جاتا ہے۔

ف: زھوق دراصل روح کے نکلنے کو کہتے ہیں، کہا جاتا ہے۔

زھقت نفسہ ای خرجت من الاسف۔

فاذا فجائیہ کے بعد جملہ اسمیہ لانے میں اس کے فوری طور پر مٹنے اور نہایت کی طرف اشارہ ہے گویا باطل کی جو حرکت ہوتی ہے اسے ترشیح المجاز کے طریق پر بیان فرمایا ہے اس لیے کہ زہوق کا لفظ مستعار منہ کے معنے کے مناسب ہے یعنی دمغ کے اس لیے کہ دماغ حواس کا مجمع ہے جب دماغ کو کوئی زخم پہنچتا ہے تو حیوان مر جاتا ہے۔ ایسے حق کے غلبے سے باطل مٹ کر فنا ہو جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

حق کے تین مراتب ہیں، اسی طرح باطل کے بھی تین مراتب ہیں۔ حق کے مراتب یہ ہیں:

① افعال الحق
② صفات الحق
③ ذات الحق تعالیٰ۔

افعال الحق کی تفصیل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اوامر پر مامور فرماتا ہے تو منہیات کا بطلان مٹ جاتا ہے۔

صفات الحق کا مطلب یہ ہے کہ جب صفات الحق بندوں پر تجلی ہوتے ہیں تو بندوں کے صفات کا بطلان ختم ہو جاتا ہے۔

ذات الحق کا مطلب یہ ہے کہ جب اس کی ذات متجلی ہوتی ہے تو تمام ذوات فنا پذیر ہو جاتی ہیں، کما قال تعالیٰ:

کل شیء ھالک الا وجھہ۔

اس تقریر پر "وقل جاء الحق وزہق الباطل" دلالت کرتا ہے۔

انا الحق کی توجیہ بعض بزرگوں نے "انا الحق" کہا ان کا حال یہی ہو گیا تھا کہ ان پر ذات حق تعالیٰ یا اس کی ذاتی صفت متجلی ہوئی تو بندے کا باطل وجود فانی ہو گیا جب ذات حق جلوہ گر ہوئی تو باطل وجود مٹ گیا اس پر خود ذات حق نے لسان موصوف بصفۃ الحق سے فرمایا۔

حضرت عطار علیہ الرحمۃ نے فرمایا ؎

ناصر و منصور می گوید انا الحق ابلہین
بشنو از ناصر کہ آں گفتۂ منصور نیست

ترجمہ: ناصر و منصور کہتے ہیں انا الحق۔ ناصر فرماتا ہے کہ یہ منصور کی گفتار نہیں

حضرت جندی قدس سرہ نے فرمایا ؎

ہر کہ بنار فنا جبہ ہستی بسوخت
رمز سوی اللہ بخواند سر انا الحق شنود

ترجمہ: جس نے نار فنا میں ہستی کا جبہ جلا ڈالا اس نے ماسوی اللہ کی رمز معلوم کی اور اس نے انا الحق کا راز سنا۔ اور فرمایا ؎

اسرار انا الحق حق یکسے بجستہ ست
صحنے بچنیں بسر دار نیابی

ترجمہ: انا الحق کے اسرار و رموز بہت جلد ہی اس صحنے کو دار پر چڑھنے سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَلَهُ الدِّيْنُ۔ اصمعی نے فرمایا کہ الوصب بمعنی الوصوب ہے اور یہ کمی میں مستعمل ہوتا ہے اور واصب استعمال میں الدائم ہوتا ہے جس نے وصب ایک وادی جہنم کی کہا اس نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ یہ لفظ لغت میں اسی وادی کے لیے وضع کیا گیا ہے بلکہ اس کی مراد یہ ہے کہ جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ کم فرمایا تھا اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور اس کے لیے جہنم ثابت ہو گئی۔

اب معنی یہ ہوا کہ اسے مشرکو! تمہارے لیے ہلاکت ثابت ہو گئی۔

عَمَّا تَصِفُوْنَ ۝ من تعلیلیہ استقرار کے متعلق ہے یعنی بوجہ اس کے کہ تم اللہ سبحانہ کے لیے ایسی وصفیں بیان کرتے ہو جو اس کی شان جمیل کے لائق نہیں مثلاً اس کے لیے بیوی بچوں کا الزام لگانا اور اس کے کلام مبارک کو جادو، اشعار، اسطور و دیگر باطل اوصاف سے موصوف کی۔

وَلَهٗ۔ اسی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمین کی جملہ مخلوقات پیدا ہونے اور بندگی کے لحاظ سے ہیں۔ وَمَنْ عِنْدَهٗ عطف الخاص علی العام کے قبیل سے ہے۔ اس سے ملائکہ کرام مراد

ہیں جو بوجہ کرامت اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسے ہیں جیسے بادشاہوں کے مقرب ہوتے ہیں یہ بطریق تمثیل فرمایا ہے تاکہ باقی عام مخلوق پر ان کی شرافت و فضیلت کا اظہار ہو جائے اس سے تمام مخلوق (مثلاً انبیاء اور خواص اولیاء) پر فضیلت کا اظہار مطلوب نہیں جیسے باقلانی اور معتزلہ کا عقیدہ ہے۔ یہاں پر عندیت شرافت کی ہے مکانیت اور جہت مراد نہیں۔

سوال: عند ظروف مکانیہ سے ہے تو کیسے ہو کہ یہ مکانیت و جہت کے لیے نہیں؟

جواب: عرب میں قرب مکانی اور منزلت کو کبھی مکان و مسافت سے تشبیہ دی جاتی ہے وہی یہاں مراد ہے گویا مشبہ لہ کو مشبہ مراد لیا گیا ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ فرشتے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے مقرب ہیں تم ان کی پرستش کرتے ہو۔

لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے اپنی عظمت کا خیال کر کے منہ نہیں موڑتے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی پر فخر و مباہات کرتے ہیں۔ اسی لیے بشر پر لازم ہے کہ وہ اپنے ضعف اور کمزوری کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کی عبادت زیادہ سے زیادہ کرے۔ یہ جملہ ومن عندہ سے حال ہے۔

علامہ ابو السعود نے ومن عندہ کو مبتدا اور لا یستکبرون کو اس کی خبر بنایا ہے۔

وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ۝ اور وہ تھکتے نہیں۔

حل لغات: حسر والستحسر بمعنی تعب و اعیٰ یعنی استفعل بمعنی فعل ہے جیسے استقر بمعنی قر آتا ہے۔

مفردات امام راغب علیہ الرحمۃ میں ہے کہ الحسر بمعنی کشف الملبس عما علیہ، مثلاً کہا جاتا ہے:

حسرت عن الذراع

اور "الحاسر" ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جس پر زرہ ہو نہ خود۔

اہل عرب کہتے ہیں:

الناقۃ حسیر (یہ وہ اونٹنی جس میں سے گوشت اور طاقت ختم ہو جائے)۔

الحاسر اللحم ہر وہ جس کے قویٰ بالکل منکشف ہو جائیں جیسے ماندے انسان کو حاسر و محسور کہتے ہیں تو اس لیے کہ کام کرنے سے اس کے قویٰ اسے جواب دے بیٹھے اور محسور اس لیے کہ تھکان نے اس کے قویٰ کو تھکا دیا۔ کسی شے کے فوت ہونے سے غم لاحق ہو یا کسی امر کے ارتکاب سے ندامت حاصل ہو تو اسے حسرۃ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ گویا اس کا جہل کھل گیا یا یہ معنی کہ اس جہل نے اس فعل کے ارتکاب پر برانگیختہ کیا تھا یا اس غم کے ادراک اور ملال سے کمی کو پورا کرنے سے اس کے قویٰ تھک گئے ہیں۔

يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ ملائکہ کرام کس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت

کرتے ہیں تو اس کے جواب میں فرمایا کہ وہ دن رات اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں لگے رہتے ہیں یعنی ہر وقت ہی وہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صاحبت، بیوی، بچوں اور شریک سے پاک ہے اور وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بزرگی بیان کرتے رہتے ہیں۔ لَا یَفْتُرُوْنَ ○ لمحہ بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح سے فارغ نہیں ہوتے اور نہ ہی ان کا کوئی اور شغل ہے اسی لیے کہ ان کی زندگی کا مدار ذکر اور تسبیح و تہلیل اور عبادت پر ہے جیسے انسان سانس کے بغیر اور مچھلی پانی کے بغیر زندگی نہیں گزار سکتی ایسے ہی ملائکہ کا حال ہے کہ عبادت الٰہی کے بغیر ان کا زندہ رہنا محال ہے جیسے ہمارا اٹھنا بیٹھنا وغیرہ ہمارے سانس کے لیے مانع نہیں ایسے ہی ان کے دیگر مشاغل مثلاً تبلیغ رسالت اور کسی پر لعنت بھیجنا تسبیح حق سے مانع نہیں۔

حضرت عبداللہ بن حارث رحمۃ اللہ نے حضرت کعب سے عرض کی کہ ملائکہ کرام تبلیغ رسالت اور شیاطین اور کفار پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں جب کہ ان کی ہر وقت تسبیح پڑھنے میں زندگی بسر ہوتی ہے۔ جواب میں حضرت کعب نے یہی فرمایا کہ جیسے ہماری سانس ہمارے دیگر امور سے نہیں رکتی ایسے ہی ان کی تسبیح دوسرے اشغال سے بند نہیں ہوتی۔

سوال: تسبیح اور لعنت بھیجنا ایک ہی عضو سے ادا ہوتے ہیں یعنی ایک وقت ملائکہ سے یہ دونوں کام کس طرح ادا ہو سکتے ہیں؟
جواب: اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ ایک زبان کے علاوہ کئی زبانیں پیدا فرمائے کہ کسی سے وہ تسبیح و تہلیل اور کسی سے لعنت کرتے ہوں۔

جواب: یہاں دوام سے عرفی دوام مراد ہے جیسے ہم کہتے ہیں کہ فلاں نماز باجماعت پر مداومت رکھتا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اس کا عزم ہوتا ہے کہ کبھی بھی نماز باجماعت سے کوئی نہ روکے گا ایسے ہی ان کا تسبیح پر ہر وقت عزم رہتا ہے اور کسی خاص مقررہ وقت پر اس کی ادائیگی کرتے ہیں ہم کذا فی الکبیر۔

جاہل صوفیوں کا رد

بعض ہمارے دور میں ہیں اور صاحب روح البیان کے زمانہ میں بھی کہتے تھے کہ جب بندہ واصل بحق ہو جاتا ہے تو اسے عبادت کی حاجت نہیں رہتی یہ ان کی جہالت اور حماقت ہے حالانکہ ارباب حقیقت اور اصحاب طریقت فرماتے ہیں کہ اہل اللہ کو تکلیف شرعیہ کی مشقت ایسی حق نائل ہو جاتی ہے کہ وہ مشاہدۂ حق کی محبت میں ایسے محو ہو جاتے ہیں کہ انہیں مشقت کا احساس نہیں ہوتا بلکہ ایسے عبادات انہیں شہد سے زیادہ میٹھے اور لذیذ لگتے ہیں اس لیے کہ انہیں عبادت کی برکت کا اب پتہ چلا ہے کہ یہی حب الٰہی کا وسیلہ بنتی ہے اور اسی سے تجلیات حق کا مشاہدہ نصیب ہوا ہے۔

صاحب روح البیان کے پیر و مرشد کی تقریر اور بعض جاہل پیر

بعض جاہل پیروں نے ہمارے دور میں یہ کہا پھیلایا ہوا ہے کہ عبادت ظاہری سے کوئی فائدہ نہیں۔ صاحب روح البیان نے اپنا ذکر

ہو نے لکھا ہے :

میرے پیر و مرشد قدس سرہ نے فرمایا کہ عبادت کی لذت اس خوش قسمت انسان کو محسوس ہوتی ہے جسے معرفت حق کلی طور پر نصیب ہوتی ہے بلکہ اسے مشاہدۂ حق کے بعد عبادت کی شان معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ سلطان کی ملاقات اسی کو حاصل ہوتی ہے جو اس کے موافق ہو حماقت کرنے والوں کو دور بٹھایا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اہل حجاب کی عبادت فتور اور سستی اور غفلت پر مبنی ہوتی ہے بخلاف اہل کشف و عارفین اللہ کاملین کے کہ انھیں عبادت سے راحت و سرور اور لذت نصیب ہوتی ہے وہ عبادت کو عادت کے طور پر کرتے ہیں ان کے لیے عبادت میں سہولت اور آرام ہوتا ہے ۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارے گناہ معاف فرمائے اس لیے کہ وہ غفار ہے کریم ہے ۔

ف : امام راغب علیہ الرحمہ نے کہا کہ فتور بمعنی حدۃ ۔ تیزی کے بعد سکون اور شدت کے بعد نرمی ۔ قوت کے بعد ضعف کما قال اللہ تعالیٰ :

یا اھل الکتاب قد جاءکم رسولنا یبین لکم علی فترۃ من الرسل ۔

یہاں پر فترۃ سے وہ زمانہ مراد ہے جو دنیا پر رسول کے بغیر گذرا ۔ الا اللہ تعالیٰ نے فرمایا لا یفترون یعنی فرشتے خوشی سے عبادت میں لا پرواہی نہیں کرتے ۔

حدیث شریف : حضور علیہ السلام نے فرمایا :

لکل عامل شرۃ و لکل شرۃ فترۃ فمن فترتہ الی سنتی فقد نجا والا فقد ھلک

ہر کام کرنے والے کو جوش ہوتا ہے اور ہر جوش کو سکون لازم ہے جو شخص میری سنت سے سکون پاتا ہے اسے نجات ہے ورنہ ہلاکت ہے ۔

ف : اس میں اشارہ ہے کہ اہل جد اور جہد کو پیوست جاتا ہے اور حق ان سے ہمت اور دائمی دولت ہے ۔

من فترتہ الی سنتی کا مطلب ہے کہ سنت سے سکون پائے اس پر عمل نہ کرنے کی کمزوری بہتر ہے ۔ دراصل فتر انگشت اور سبابہ کے درمیانی فاصلہ کو کہا جاتا ہے مثلاً اہل عرب کہتے ہیں :

فترتہ بفتری و شبرتہ بشبری ۔

یہاں پر فترہ سے یہی فاصلہ مراد ہے ۔ کما قال الامام الراغب الاصفہانی فی المفردات ۔

أَمِ اتَّخَذُوْا اٰلِهَةً یہ ام منقطعہ اس سے قبل لفظ بل مع ہمزہ محذوف ہے اور ہمزہ کا انکار وقوع

لے : راحت از التقی می خیزد ۔

کے لیے ہے جو ام کے انکار کے لیے نہیں۔ اتخذوا کی ضمیر مشرکین کی طرف راجع ہے اور آلھۃ سے اصنام (بت) مراد ہیں۔ مِّنَ الْاَرْضِ۔ اتخذوا کے متعلق ہے یعنی ابتدا اتخاذ خاص الارض یعنی انھوں نے اپنے بت زمین سے یعنی اس کے پتھروں سے یا اس کے بعض جواہر جیسے لکڑیاں اور تانبے سے گھڑ کر تیار کیے تھے اس سے ان کے تیار کردہ بتوں کی تحقیر مطلوب ہے۔ اور تخصیص کا افادہ نہیں کہ وہ صرف زمین سے بت تیار کرتے تھے باقی اشیا سے نہیں۔

هُمْ يُنْشِرُوْنَ ○ انشر، واللہ سے ہے یعنی احیاء یعنی وہ موتٰی کو اٹھاتے ہیں۔ یہ جملہ آلھۃ کی صفت ہے اسی طور پر انکار و تجہیل و تشنیع کا دارومدار ہے یعنی ان کی حماقت و جہالت صرف بتوں کو گھڑ کر ان کی پرستش کی وجہ سے نہیں ہے اس لیے کہ یہ کلام تو ان سے ہو چکا بلکہ اس وجہ سے ہے کہ باوجودیکہ وہ جانتے ہیں کہ انھوں نے ایک حقیر اور ذلیل مٹی سے ان کو خود اپنے ہاتھوں سے تیار کیا ہے اور بہت پتھروں اور جسموں کا مجموعہ ہیں لیکن پھر ان پر عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہی بت تمام موتٰی زندہ کریں گے۔

سوال: انھوں نے صراحۃً کبھی نہیں کہا کہ ان کے معبود باطل موتٰی کو زندہ کرتے ہیں بلکہ ان کا عقیدہ اہل اسلام کی طرح تھا کہ موتٰی کو زندہ کرنا صرف اللہ تعالٰے سے خاص ہے۔ چنانچہ قال من یحیی العظام وھی ... سے واضح ہے؟

جواب: اگرچہ انھوں نے اپنے بتوں کے لیے صراحۃً ایسے عقیدے کا اظہار نہیں کیا لیکن ان کی بتوں کی پرستش اور پھر ان کے معبود حق کی جملہ صفات کے مستحق ٹھہرانے سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے معبودوں کے لیے تخلیق و احیاء جیسے صفات کے قائل تھے ورنہ ان کا معبود ماننا کیسا۔

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ اس آیت میں اللہ تعالٰے نے اپنے سے شریک کی نفی پر عقلی دلیل سے بیان فرمائی ہے۔ اور یہاں پر الا بمعنے غیر ہے اس لیے کہ یہ آلھۃ کی صفت ہے۔

اب معنے یہ ہوا کہ اگر آسمانوں اور زمینوں میں اللہ تعالٰے کے سوا اور کوئی معبود ہوتے جیسے ان کا باطل عقیدہ تھا اس میں معبود حقیقی کو اپنے معبودان باطلہ میں شامل کر کے مانیں یا نہ مانیں۔

لَفَسَدَتَا فساد، یعنے شے کا اعتدال سے خارج ہونا خواہ وہ خروج قلیل ہو یا کثیر اس کی نقیض صلاح آتی ہے شے بھی حد اعتدال سے خارج ہو جائے وہ نفس ہو یا بدن اور اسی طرح تمام اشیاء پر فساد کا اطلاق ہوتا ہے یعنے زمین و آسمان اس تمام مشہود کی حد اعتدال سے نکل جائیں اس لیے کہ دو شخصوں کا ایک نظام نہیں چل سکتا اور دو بادشاہوں کی تدبیر سے ریاست بگڑ جاتی ہے جب کمال کا مقصد ہو تو تقدم کا اعتماد تعین ہو گیا۔

توحید کے لیے عقلی دلیل تفصیل اس کی یہ ہے کہ اگر الٰہ متعدد ہوں تو الوہیت اور کمال کی قدرت میں تمام برابر ہوں گے یا بعض کامل ہوں گے اور بعض ناقص ہوں گے اور وہ الوہیت میں ایک دوسرے کے

محتاج ہوں گے اور جو معبود کہ کامل ہوں گے اور کچھ ناقص تو عقل کا تقاضا ہے کہ ناقص کی کامل کو کوئی ضرورت نہ ہوگی اور جو ناقص ہے وہ الوہیت کے قابل نہیں اور جو کل کے کل ناقص ہوں گے تو وہ ایک دوسرے کی اعانت کے محتاج ہوں گے جب وہ خود محتاج ہیں تو معبودیت کے کس طرح مستحق ہو سکتے ہیں بہرحال کل کے محتاج ہوں گے اور عقل ایسا اکمل ہو کہ وہ کسی کا محتاج نہ ہو وہ صرف اللہ واحد صمد کی ذات ہو سکتی ہے جو ماسوا کا محتاج نہیں بلکہ جملہ ماسوا اسی کا محتاج ہے۔ اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اگر زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود ہوں تو زمین و آسمان کا نظام بگڑ جاتا اس لیے کہ کامل و مبنی الالوہیۃ کے سوا اور معبودان باطلہ کا عجز فی الربوبیۃ کا تقاضا یوں ہے اب چونکہ زمین و آسمان کا نظام صحیح سالم ہے لہٰذا معبود صرف ایک ہے ؎

در دو جہاں قادر و یکتا توئی
جملہ ضعیف اند و توانا توئی
چوں قدمت بانگ بر ادہم زند
جز تو کہ یارد کہ انا الحق زند

ترجمہ: دونوں جہانوں میں قادر و یکتا تو ہے۔ تمام کمزور اور قدرت والا تو ہے۔ جب تیرا قدم گھوڑے پر آئے تو تیرے سوا کسی کی ہمت نہیں کہ وہ انا الحق کہے۔

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ پس اللہ تعالیٰ رب العرش کی کفار کے ان اقوال کی تنزیہ بیان کرو کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اولاد اور بیوی اور اس کے شریک ثابت کیے اس لیے کہ یہ امور جسمانیت کو مستلزم ہیں اگر اللہ تعالیٰ جسم ہوتا تو کائنات کی تخلیق پر قدرت نہ رکھتا نہ ہی تدبیر عالم اس کے بس میں ہوتی۔ علاوہ ازیں جسم مرکب اور اس کا تجزیہ ہوتا اور یہ حدوث کی علامتیں اور امکان کی نشانیاں ہیں اور اللہ تعالیٰ تو واجب الوجود ہے اور واجب الوجود ایسی باتوں سے پاک اور منزہ ہے۔

فائدہ صوفیانہ [illegible] تفسیر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے سے عجز اور محتاجی کی تنزیہ بیان فرمائی ہے اور فرمایا کہ عرش کا خالق وہی ہے اور عرش کائنات کی طرف فیض رسانی کا مرکز اور مصدر ہے اس سے گویا تمام معبودوں کے وجود کا بطلان بھی ہو گیا اور ان لوگوں کا رد بھی ہو گیا جو معاذ اللہ اللہ تعالیٰ کو عرش کا یا دوسرے معبودوں کی اعانت و امداد کا محتاج مانتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

واحد اندر ملک او یار نے
بندگانش را جز او سالار نے

نیست خلقش را دگر کس مالکے
شرکتش دعویٰ کند جز ہالکے

ترجمہ وہ واحد ہے ملک کا اس کا کوئی مددگار نہیں بندوں کا سہارا صرف وہی ہے ۔
مخلوق کا مالک اس کے سوا اور کوئی نہیں اس کی شرکت کا مدعی تباہ و برباد ہوتا ہے ۔

دہریہ و دیگر بد مذاہب کا تعارف

بعض مشائخ نے فرمایا کہ بعض منکرین جیسے طبائعیین نے اللہ تعالیٰ پر افترا کیا ہے کہ جملہ تاثیرات واقعیہ مقتضیات طبیعہ سے ہیں۔ ذات باری تعالیٰ کا کوئی وجود نہیں ایسے طائفین کا امام دیمقراطیس ہے اور سوفسطائیہ کہتے ہیں کہ موجودات کا کوئی وجود نہیں یہاں تک کہ وہ اپنے اثبات و نفی کے بھی قائل نہیں۔ اور ثنویہ کا عقیدہ ہے کہ معبود دو ہیں ایک سے خیر کا اور دوسرے سے شر کا صدور ہوتا ہے ۔ ان بدبختوں کا تمام اہل کشف و اہل برہان رد کرتے ہیں اور دلیل کے طور پر انہیں فرماتے ہیں کہ جب ایک جسم کے دو دل اور ایک بدن کے دو نفس اور ایک آسمان کے دو سورج نہیں ہوتے تو کائنات کے دو معبود کیسے ہو سکتے ہیں۔ آنکھوں سے مشاہدہ کیا جا رہا ہے کہ سورج ایک ہے اگر دو ہوتے تو نظام کائنات درہم برہم ہو جاتا جب ایک سورج کا دوسرے کی شرکت کائنات کا نقصان پہنچاتی ہے تو دوسرے معبود کے ماننے سے کس طرح نظام نہ بگڑے اس سے ثابت ہوا کہ تمام کائنات کے لیے صرف ایک معبود ہے اور اسی کے لیے کمال ہے اور یہی ہے

شہد اللہ از پئے این بود
انہ لا الہ الا ہو

وہ گواہی سدا اسی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے

تفسیر صوفیانہ

ارباب حقائق کہتے ہیں کہ اگر آسمان روحانیت اور ارض بشریت میں بہت سے معبود ہوتے سوائے اللہ تعالیٰ کے یعنی آسمان روحانیت میں عقل اور ارض بشریت میں ہوائے نفسانی اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت بواسطہ انبیاء علیہم السلام اور شرائع کے سوا ہوتا تو آسمان روحانیت اور ارض بشریت فاسد ہو جاتیں جیسے عقل و ہوائے نفسانی کی تدبیر سے فلاسفہ و طبائعیہ و دہریہ و اباحیہ وغیرہ کا آسمان روحانیت اور ارض بشریت فاسد ہوئے ان کے آسمان روحانیت کے فساد کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے قدم جادۂ توحید اور صراط وحدانیت سے ڈگمگا گئے یہاں تک کہ واحد قدیم کے مقابل میں ایک دوسرا شریک تسلیم ثابت کیا یعنی عالم کو قدیم مانا انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی دعوت کو قبول نہ کیا تو ہدایت حق نہ پا سکے ۔

مثنوی شریف میں ہے ۔

اے بردہ عقل ہدیہ تا الٰہ
عقل آنجا کمتر است از خاک راہ

ترجمہ: اے عقل کا تحفہ لے کر اللہ تعالیٰ کے ہاں جانے والے! عقل تو وہاں خاک کے برابر بھی نہیں۔

ان کی زمین بشریت کے فساد کا یہ معنے ہے کہ ان کے قدم جادۂ عبودیت اور صراط شریعت و متابعت سے ڈگمگا گئے یہاں تک کہ انہوں نے ہوائے نفسانی کی موافقت اور شیطان کی پرستش کی اور ان کے فساد کا انجام یہاں تک پہنچا جسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

صم بکم عمی فھم لا یعقلون۔

ف: شیخ ابوعثمان مغربی قدس سرہ نے فرمایا: جو شخص اپنے اوپر سنت نبوی کا التزام کرتا ہے کہ ہر عمل کی پابندی اور ہر بری سے باز رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے محبت اور اسی کے لیے بغض رکھتا ہے تو اس کی ہر بات حکمت پر مبنی ہوگی اگر وہ اپنے اوپر ہوائے نفسانی کا التزام کرتا ہے تو اس سے بدعات سیئہ صادر ہوتی ہیں۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ وہ طریقۂ وسطیٰ کو اختیار کرے یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرے اس لیے کہ یہی راہ جنت و قربت و وصلت تک پہنچاتا ہے۔ کمال صدق و اخلاص کے حصول میں جدوجہد کرے اس لیے کہ اہل اختصاص کا زاد یہی چیزیں ہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ فیاض و کریم سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے فیض عام سے مشرف فرمائے اور صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھے (آمین)۔

تفسیر عالمانہ: **لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُونَ ○** اللہ تعالیٰ جو فیصلہ کرتا ہے اس کے کام کا سوال نہ ہوگا البتہ بندوں سے ہر چھوٹے بڑے کام کے متعلق سوال ہوگا۔

ف: کسی شے کی لاعلمی کے متعلق علم حاصل کرنا اور ایسے علم کو معلوم کرنا جو حقیقت حال سے باخبر کرے اسے سوال سے تعبیر کرتے ہیں اس کا جواب زبان سے ہو یا اس کے نائب یعنی ہاتھ سے لکھ کر یا اشارہ کرکے۔

سوال: سوال کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کیوں ہے اس سے تو اس کی جہالت ثابت ہوتی ہے؟

جواب: ویسے سوال جہالت سے کیا جاتا ہے اپنے علمی نقص کو رفع کرنے کے لیے اور وہ صرف حقیقت کے اظہار اور اتمام حجت کے لیے بھی ہوتا ہے ورنہ وہ تو عالم الغیب والشہادۃ ہے اسے سوال کی کیا ضرورت علاوہ ازیں کبھی سوال سے

ل۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سوالیہ احادیث سے لاعلمی کی تہمت لگانے والے اس قاعدہ کو سمجھیں۔ ۱۲

سوال کبھی انکشاف بھی ہوتا ہے جیسے صاحب [illegible] کا سوال یعنی سوال الاستکشاف جیسا کہ یہی ہے کبھی سوال التقریع والملامۃ بھی ہوتا ہے جیسے کفار کا قول قرآن میں ہے۔

رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَىٰ وَقَدْ كُنتُ بَصِيرًا۔ اے رب! تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا حالانکہ میں آنکھوں والا تھا۔

ف: بحر العلوم میں آیت "لایسئل عما یفعل ...." کے تحت لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس لیے سوال نہ ہوگا کہ وہ سب کا مالک اور علام الغیوب ہے اس کے علم کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا ماسوی اس کے بندے اور مملوک ہیں وہ تمام اس کی تعلیم کے بغیر جاہل ہیں اس کے بتائے بغیر تمام بے خبر ہیں اس لیے جاہل کے لائق نہیں کہ وہ اپنے آقا و مولا پر اعتراض کے طور پر کہے کہ یہ کام آپ نے کیوں کیا یا یہ کام نہ کیا۔

وھم یسئلون اور بندوں سے اس لیے سوال ہوگا کہ وہ اس کے مملوک بندے خطا کار ہیں اس لیے ان سے سوال ہوگا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا یا یہ کام نہ کیا۔

ف: اکابر پر اعتراض کے طور پر سوال کرنا شوم (نحوست) ہے۔ اللہ تعالیٰ کے غضب کو جوش آتا ہے اور معترض اس کے عذاب و غضب کا مستحق ہو جاتا ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

مزن ز چون و چرا دم کہ بندۂ مقبل
قبول کرد بجان ہر سخن کہ جانان گفت

ترجمہ: مقبول بندے چون و چرا نہ کیجئے جو محبوب خدا کہیں اسے دل و جان سے قبول کرو۔

اسی اعتراض کی نحوست تھی کہ جونہی شیطان ابلیس نے اللہ تعالیٰ پر اعتراض کیا تو لعین ٹھہرا اور ہمیشہ کا مردود ہو کر مردودین میں شامل ہوا جب کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کو سجدہ کا حکم فرمایا تو شیطان نے اعتراض کے طور پر کہا ءاسجد لمن خلقت طینا۔ اسی اعتراض کی نحوست سے ہاروت و ماروت کو سزا ملی جب کہ انہوں نے آدم علیہ السلام کی اولاد کے بارے میں اعتراض کیا۔

سبق جب مخلوق کے بارے میں اعتراض کی یہ سزا ہے تو خالق کائنات پر اعتراض کرنے کی کیا سزا ہوگی اور ہمارے دور میں بعض جدت پسند اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات اور ان کے افعال میں غور و خوض کر کے تباہ و برباد ہو رہے ہیں یاد رکھیے کہ سابقہ امتیں بھی اہل ہوا معترضین و منکرین اسی وجہ سے تباہ و برباد ہوئے کہ انہوں نے ان مسائل کو اٹھایا جنہیں صحابہ کرام، تابعین، ائمہ کرام اور اولیاء کاملین رحمہم اللہ تعالیٰ بیان کرنے سے گھبراتے تھے اس لیے کہ ان مسائل کے اظہار سے ذات و صفات پر شبہات پیدا ہونے کا خطرہ تھا لیکن بعض آنے والے علماء نے وہی مسائل چھیڑے

سے قیامت میں پڑ کر خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ اگر وہ یہ سوال کرنے سے رک جاتے تو ایمان سے ہاتھ نہ دھو بیٹھتے۔

مسئلہ خلاصہ یہ ہے کہ ابلیس کا اتباع ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی بھی فعل اور اس کے تخلیقی امور میں اعتراض کرنا کفر ہے اس پر وہی جرأت کر سکتا ہے جو کوئی گمراہ اور گمراہ کن ہو گا۔

فائدہ ولایت کشی اسی طرح حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعتراض کرنا بھی کفر ہے اس لیے کہ آپ ہر بات اللہ تعالیٰ کی جانب سے فرماتے ہیں آپ کی کسی بات میں خواہش نفسانی کو دخل نہیں ہوتا اسی لیے ان پر اعتراض کرنا دونوں جہانوں کی تباہی و بربادی کو مول لینا ہے۔

حدیث شریف سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ ۔۔ اے لوگو تمہارے اوپر حج فرض ہے۔

یہ ارشاد گرامی سن کر حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا ہم پر ہر سال حج فرض ہے یا صرف اسی سال۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر میں نعم (ہاں) کہہ دیتا تو پھر ہر سال حج فرض ہو جاتا اگر ہر سال فرض ہوتا تو تم اسے چھوڑ کر گمراہ ہو جاتے۔ لہٰذا تم مجھ سے اس قسم کے سوالات مت کیا کرو جب تک میں خود نہ بتاؤں۔ تم سے پہلی قومیں بھی کثرت سوالات و اختلافات اور رسل علیہم السلام پر اعتراض و انکار کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئیں۔

آپ کے اس ارشاد گرامی پر آیت یا ایہا الذین لا تسئلوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤکم نازل ہوئی۔

ایک گستاخ کی کہانی بہت بڑی بدبختی اس شخص کی ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعتراض کیا چنانچہ بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ فرمایا میں ایک جگہ بیٹھا تھا کہ کسی بدبخت نے کہا کہ کوئی بھی اپنی خواہش نفسانی سے خالی نہیں تھا وہ نبی ہے یا ولی۔ یہاں تک کہ جناب نبی علیہ السلام بھی (معاذ اللہ) اس لیے کہ آپ نے فرمایا ہے:

حبب الی من دنیاکم ثلاث الطیب والنساء
وقرۃ عینی فی الصلوٰۃ۔

میں نے اسے کہا، اے بدبخت خدا کا خوف کر کہ یہ اعتراض بے جا ہے اس لیے کہ آپ کو نفسانی خواہش ہوتی تو آپ فرماتے احببت بلکہ فرمایا حبب بصیغہ مجہول اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کو مذکورہ بالا اشیاء کی محبت کا حکم جانب اللہ تعالیٰ

لہ بہ اضافہ از فقیر اویسی غفرلہ۔

جب وہ مخاطب اللہ تعالیٰ تھا تو پھر آپ پر اعتراض کیا۔ اس بدبخت کی بات بے حد سخت ناگوار گزری اور بے حد سخت قلق ہوا۔ اسی غم میں مجھے نیند نے گھیرا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے فرمایا غم نہ کھا تیرے غم نے اس بدبخت کا کام پورا کر دیا ہے۔ جب میں خواب سے بیدار ہوا تو سننے میں آیا کہ وہ بدبخت مارا گیا ہے۔

گستاخ نبوت کی سزا جو شخص یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن سے تعلق ہی پایا تھا۔ اس سے اس کا ارادہ تنقیص رسالت ہو تو ایسے بدبخت کو قتل کرنا ضروری ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے بدبخت کو تباہ و برباد کرے۔ بکنہ تعالیٰ الشقیاء۔

صاحب روح البیان فرماتے ہیں ؎

شب پرہ حیلہ جو ز تافتن نقصان
او نداند کہ آید نور تو قاہر باشد
ہر کہ از روئے جدل بر تو سخن میراند
کشتنی باشد اگرچہ بو علی کافر باشد

ترجمہ (۱) چمگادڑ جو دن میں یا رات کے چاند کا نقص کہتا ہے وہ نہیں جانتا کہ یہ تیرا نور قاہر ہوگا۔

(۲) جو شخص تجھ پر اعتراض کرتا ہے وہ قتل کے لائق ہے اگرچہ بوعلی سینا کا فرزند ہو۔

اولیاء کرام کے گستاخ ایسے ہی اولیاء و مشائخ اور علماء باعمل پر اعتراض کرنا بھی محرومی ہے بلکہ ان کی صحبت سے برکات نصیب نہ ہوں گی نہ ہی ان سے علمی فیوض حاصل ہو سکیں گے جیسے موسیٰ و خضر علیہم السلام کا واقعہ شاہد عدل ہے حالانکہ خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے پہلے معاہدہ کرا لیا کہ فلا تسئلنی عن شیء حتی احدث لک منہ ذکرا۔ لیکن پھر بھی موسیٰ علیہ السلام نے ان پر اعتراض کیا تو جدائی کی نوبت آگئی اور ساتھ رہنے کے برکات اور علمی فیضانات کے حاصل کرنے سے رہ گئے اور وہ علوم آپ کو نصیب نہ ہو سکے جو آپ کو حضرت خضر علیہ السلام سے حاصل ہونے تھے۔

خوارج کی بدقسمتی خوارج کی بدقسمتی ہے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا اسی وجہ سے نہ صرف ان کا خروج ہوا بلکہ دین حق سے خارج ہو گئے اور نہ انہیں کتاب اللہ اور شرح قرآن مجید کے اسرار الٰہیہ کے لطائف نصیب ہوئے۔

ولی اللہ کے گستاخ کی کہانی حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ کا ایک شاگرد آپ کا نافرمان نکلا۔ آپ نے اس کے متعلق فرمایا کہ اسے چھوڑ دو یہ اللہ تعالیٰ کی نوازشات سے گر گیا ہے۔ چنانچہ جو بھی اسے

۱۔ گستاخوں کے متعلق فقیر کی تصنیف "گستاخوں کا برا انجام" مع ضمیمہ ملاحظہ فرمائیے۔

پیروں کے ساتھ پیدا کیا گیا پھر چوری کی تو اس کا ہاتھ کاٹا گیا۔ یہ اسے دنیا میں سزا ملی اور آخرت میں اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کلام نہ فرمائے گا اور نہ ہی اسے نظر کرم سے نوازے گا اور اس کے لیے دردناک عذاب ہے بلکہ وہ ہمیشہ کے لیے حیران و فرقت میں رہے گا۔

فقیر اسماعیل حقی کہتا ہے ؎

ہان مکن با مرشد کامل جدل
تا نباشد گمراہی او را بدل

ترجمہ: خبردار! مرشد کامل سے جھگڑا نہ کرنا کہ تجھے گمراہی کا خطرہ نصیب ہو۔

تفسیر عالمانہ

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ۔ استفہام کے انکار اور اس کی قباحت کے اظہار اور اس کے استعظام کے لیے ہے اور من اتخذوا کے متعلق ہے۔

اب معنے یہ ہوا کہ بلکہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کو معبود بنا لیا حالانکہ انھیں یقین ہے کہ وہ الوہیت کے بالکل مستحق نہیں۔

قُلْ اب انھیں زجر اور اتمام حجت کے طور پر فرمایئے۔ **هَاتُوْا** بحر العلوم میں ہے کہ یہ اسم فعل ہے۔ کہا جاتا ہے: ھات الشی بمعنے اعطیتہ یعنے لاؤ میرے پاس۔

بُرْهَانَكُمْ اپنے دعویٰ پر عقلی و نقلی دلیل اس لیے کہ امور دینیہ بالخصوص ایسا عظیم الشان امر دلیل کے بغیر قابل قبول نہیں۔

حل لغات

امام راغب اصفہانی نے فرمایا کہ برھان بروزن فعلان رجحان و جنبان کی طرح ہے۔ بعض نے فرمایا کہ برہ یبرہ کا مصدر ہے بمعنے ابیض۔

قاموس میں ہر دونوں معنوں کو بیان فرمایا ہے۔ باب النون میں لکھا ہے کہ البرھان بالضم بمعنے الحجۃ و برھن علیہ بمعنے اقام البرھان اور باب الہاء میں لکھا ہے کہ ابرہ بمعنے اتی بالبرھان۔

المفردات میں لکھا ہے کہ برہان مؤکد ترین دلیل کو کہا جاتا ہے جو ہمیشہ صدق کا مقتضی ہوتا ہے۔

هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِیَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِیْ ۔ اس میں اشارہ ہے کہ ان میں تینوں کتابیں قرآن۔ تورات اور انجیل موجود ہیں یعنے جس نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع میں قرآن مجید کی تابعداری کی وہ نجات پا سکے گا اور یہ قیامت تک لوگوں کے لیے نصیحت اور دستور العمل ہے اور تورات و انجیل امم سابقہ کے لیے وعظ و نصیحت اور دستور العمل رہیں۔ اب انھیں چیلنج کے طور پر فرمایا کہ ان ہر تینوں کتابوں کا مطالعہ کرو اور دیکھو ان میں سوائے توحید کے اور کچھ تمہیں ملتا ہے؟ ہم نے اپنی دلیل برہانی قائم کر دی ہے اسے ملاحظہ کرو۔ اگر تمہارے اندر طاقت ہے تو تم بھی اپنی دلیل قائم کر کے دکھاؤ۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ تحقیق و کشف سے و معاینت کا اثبات ان علماء کاملین کا کام ہے جو پوری اتباع میں حضرت نبی کے سیر مقامات و قطع منازل کر کے ہیں اور یہ ساتھ انبیاء علیہم السلام کا مرتبہ تھا جو اللہ تعالیٰ نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے آپ کی امت کے علماء کرام کو عطا فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل

یعنی جیسے بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام صدق طلب اور توجہ الی الحضرت اور اعراض عن الکونین سے موصوف تھے اللہ تعالیٰ نے علماء امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہی درجہ نصیب فرمایا ہے۔

بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ الْحَقَّ یہ اضراب و اعراض اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ یہ کلام سابق میں داخل نہیں ہے بلکہ وہ کفار حق کو نہیں جانتے اور نہ ہی حق و باطل کی تمیز رکھتے ہیں اس لیے ان کے سامنے حقیقۃ الحق و بطلان الباطل کی بحث کوئی قدر نہیں رکھتی۔

ف: روح البیان میں لکھا ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں فرمایا کہ ان کے ہاں اصل الفساد یعنی جہالت اور عدم التمیز بین الحق والباطل کے سوا اور کچھ نہیں اس لیے ان سے اعراض کے سوا اور کوئی چارہ نہیں اسی لیے ان سے الحاد کا صدور ہوا

فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○ اسی وجہ سے توحید و اتباع الرسول سے وہ گردانی پر اصرار کرنے والے ہیں ان میں کچھ ایسے ہیں جو حضور علیہ السلام اور توحید کی حقانیت پر یقین رکھنے کے باوجود بطور عناد کے قبول نہیں کرتے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ○ اور ہم نے آپ سے پہلے کسی رسول علیہ السلام کو نہیں بھیجا مگر یہ کہ ہم ان کی طرف وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں لہٰذا میری توحید کو مانو اور میرے ساتھ کسی اور کو شریک مت ٹھہراؤ۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی حکمت انہی دونوں مقصدوں پر مبنی ہے یعنی اثبات وحدانیت اور اس کی اخلاص سے عبادت اور ان کا فائدہ بندوں کی طرف راجع ہوتا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کو ضرورت نہیں۔

قدسی حدیث شریف ہے کہ میں نے مخلوق کو پیدا فرمایا تاکہ مجھ سے نفع حاصل کریں مجھے ان کی تخلیق سے کوئی فائدہ نہیں مثنوی شریف میں ہے ؎

بہر آن خلقت الخلق کی یربح علی
لطف تو فرمود ای قیوم و حی
لا لان اربح علیہم جود تست
کہ شود زو جملہ ناقصہا درست

عقل کل زیں تا قیامت تن پرست
عقل از دریاے عقل او قطرہ ست !

ترجمہ: (۱) تو نے مخلوق کو پیدا فرمایا تاکہ وہ تجھ سے نفع پائیں اے حی و قیوم یہ تیرا لطف و کرم ہے۔

(۲) نہ یہ کہ میں مخلوق سے فائدہ اٹھاؤں یہ تیرا جود ہے کہ تمام ناقصین نے تجھ سے کمال پایا۔

(۳) الٰہی پرستوں ناقصوں کو صفات فرما دیے کہ تیرے ہاں عقل کل بھی شمہ ہے۔

ف: عبادت میں سب سے بڑا فائدہ معرفت حق تعالیٰ کا حصول ہے۔ کما قال تعالیٰ: وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ لیعبدون بمعنی لیعرفون ہے اور یہ فائدہ جس سے عرفان حق کا حصول صرف انسان سے مخصوص ہے۔ باقی مخلوق کو اس سے کوئی واسطہ نہیں اور امانت کی حقیقت اسی میں منحصر ہے۔ کما قال تعالیٰ: وانا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض (الآیۃ)

تحقیق صاحب روح البیان قدس سرہٗ

ذریعہ معرفت عبادت ہے اور معرفت سے رویت باری تعالیٰ نصیب ہوتی ہے اور عارفین کے نزدیک رویت حق سے بلند کر اور کوئی نعمت نہیں یہ نعمت معرفت سے اعلیٰ اور بلند و بالا ہے اس لیے کہ عارفین اہل وصال کاملین کے منازل کے مشتاق رہتے ہیں لیکن اہل وصال کو کسی منزلت و مرتبہ کا اشتیاق نہیں نہ مرتبہ معرفت کا نہ کسی اور کا۔

ف: یاد رہے کہ معرفت سے مشقت و محنت اور رویت سے سرور اور رضائے حق نصیب ہوتی ہے۔

ف: بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ معرفت الطف اور رویت اشرف ہے یا یوں کہو کہ معرفت اشد اور رویت اتم و اکمل ہے۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ معرفت کے حصول میں جدوجہد کرے تاکہ اسے ذات حق تعالیٰ کی رویت و مشاہدہ نصیب ہو۔

توحید کے مراتب: توحید کے تین مراتب ہیں:

① توحید اہل ہدایت اور وہ "لا الٰہ الا اللہ" ہے اور اس اہل توحید کی سیر عالم اجسام تک محدود ہے۔

② توحید اہل توحید اور وہ "لا الٰہ الا انت" ہے اس موحد کی سیر عالم ارواح تک ہے۔

③ توحید اہل نہایۃ اور وہ "لا الٰہ الا انا" ہے اور اس صاحب توحید کی سیر عالم حقیقت میں ہے اسی مرتبہ کی طرف شیخ عطار قدس سرہٗ نے اشارہ فرمایا ہے

نور ہستی جملہ ذرات عالم گاہ اید
میگشتہ از مغربی چوں ماہ از مہر اقتباس

ترجمہ: جملہ ذرات عالم کی ہستی کا نور ہے تجھ سے اسے ہزاروں ایسے ہی نور حاصل کرتے ہیں جیسے سورج سے چاند۔ حضرت کمال خجندی کے لطائف سے ہے ۔

ما کسی بادی بدیدم از بہشت
چون جمشید از سوکشتی آگہی
رفت در چہ وقت بازی گفت
نیست فی تحقیق سوی اللہ

ترجمہ: میں نے فضا میں جمشید و عبدالرزاق جیسا ایک شہباز دیکھا جو عجیب ہیں کہ وہ باتھا کر دیں سے جتنے ہیں اللہ تعالیٰ ہے۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ اکثر لوگ اسلام کا دم بھرتے ہیں اور توحید کے نعرے لگاتے ہیں لیکن وہ بیچارے حق و باطل کی تمیز نہیں رکھتے۔ وہ اہل شرک و ریا اور اہل بدعت و ہوا اور اہل دنیا کی اتباع میں زندگی بسر کرتے ہیں یہی وجہ ہے ان کی عبادات میں خلوص بہت کم ہوتا ہے بلکہ ان میں شرکی امور کا اختلاط ہوتا ہے اگر ان میں وحدانیت حق کی استعداد ہوتی تو انہیں اولیاء اللہ کا دامن نصیب ہوتا پھر وہ انہی کے صدقے شریعت و طریقت اور معرفت و حقیقت کے ذریعے عین کر وصال الٰہی حاصل ہوتا لیکن ان بیچاروں نے شروع سے اصول بندگی کو ہی ضائع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت و توفیق اور مقام صدق و تحقیق تک پہنچنا نصیب ہو آمین ۔ ویسے اللہ تعالیٰ نصیب ہی کرے۔

تفسیر عالمانہ

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۔ اور کفار نے کہا کہ رحمٰن نے ہم کو اپنی اولاد بنا رکھا ہے۔ اور وہ یہی کہتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں ہیں اور ان احمقوں کا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جنات کی لڑکیوں سے شادی کی اور ان سے ملائکہ پیدا ہوئے (معاذ اللہ)۔

ف: راغب اصفہانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اخذ کا معنی حوز و تحصیل کا دوسرا ہے اور کبھی بمعنی تناول مستعمل ہوتا ہے کما قال:

"معاذ اللہ ان نأخذ الا من وجدنا متاعنا عندہ"

اور کبھی بمعنی قہر و غلبہ آتا ہے۔ کما قال تعالیٰ:

"لا تاخذہ سنۃ ولا نوم"

اور کہتے ہیں:

"اخذتہ الحمی"

اور اسیر قیدی کو ماخوذ و اخیذ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور اتخذ اسی اخذ سے ہے یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہو کر بمعنے الجعل مستعمل ہوتا ہے۔

سُبْحٰنَهٗ اس کے شان کے لائق اس کی ذات کو تنزیہ ہے جب کہ سبحان کو مصدر مانا جائے اس کا فعل نہ آتا ہو گا بمعنے بعد یا یہ اصل اسم ہے تسبیحۃ تھا اس معنے پر سبحان تسبیح کا اسم علم ہوگا یعنی ماننے والوں کی بیانی سے بولا جاتا ہے یا اس کا اصل سبحوہ تسبیحہ تھا۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ ایک شکل ہے ایک یہ کہ تعجب کا ہو کہ ان احمقوں کی گفتگو سے تعجب کے طور پر بندوں سے فرمایا کہو سبحانہ یعنی وہ کریم انھیں ہر چھوٹی بڑی حماقتوں سے بچاتا ہے۔ اس کی شان بہت بلند ہے اس لیے کہ اس کے لیے بیوی بچوں اور شریک ثابت کرتے ہیں۔

ف: کشف میں لکھا ہے کہ تعجب تنزیہ کے منافی نہیں یعنی یہ جائز ہے کہ تعجب کے ساتھ اس کی تنزیہ بھی بیان کی جائے کوئی حرج نہیں۔

بَلْ یعنے جیسے ان کافروں نے کہا کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں ہیں ان کا کہنا مردود ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ملائکہ **عِبَادٌ** اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے پیدا کردہ اور **مُّكْرَمُوْنَ** اس کے مقرب اور اس کے بہت سے بندوں سے افضل اور اعلیٰ ہیں۔

(یاد رہے کہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ انبیاء ملائکہ سے افضل ہیں)[1]

اور مخلوق اولاد ہونے کے منافی ہے اس لیے کہ اولاد میں مناسبت ضروری ہے اور ملائکہ کو اللہ تعالیٰ سے کیا مناسبت اور ان کا مقرب ہونا اولاد ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا جیسا کہ کافروں کا گمان ہے۔

لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ یہ عباد کی دوسری صفت ہے۔

حل لغات: اسبق بمعنے التقدم فی السیر۔ چلنے میں کسی کے آگے بڑھنا۔ پھر مجازاً چلنے کے علاوہ دوسرے امور میں بھی مستعمل ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ ملائکہ کرام اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی سے پہلے کسی بات میں سبقت نہیں کرتے، کمال ادب کے طور پر [illegible] ہیں وہ حکم کے منتظر ہیں، اللہ تعالیٰ کے حکم کو باادب فرمانبردار غلاموں کی طرح بجا لاتے ہیں۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ وہ بے دستور کلام نہیں کرتے۔ اس سے کافروں کے قول کو توڑنا ہے کہ وہ ملائکہ کی شفاعت پر امید تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر تمہاری شفاعت نہیں کر سکتے۔

---

[1] از اویسی غفرلہ

وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ اور وہ اس کے حکم کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے۔ یہ قصر بامرہ جو حاصل ہوا ہے اپنے عامل کی تقدیم سے ثابت ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اگرچہ انسان ذکر کا امر اور خلق کی ہے لیکن ملائکہ صرف اللہ تعالیٰ کے امر ہی سے اور الامر مصدر ہے و منه کہا جاتا ہے امرتُ شیئاً۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی دوسرے کو کسی فعل کے بجا لانے پر مکلف بنایا جاتا ہے۔

ولی اللہ کی شان آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مکرم اور مقرب بندوں کی یہی شان ہے کہ جب وہ واصل باللہ اور مقرب الٰہی ہو جاتے ہیں تو وہ اپنی طرف سے کچھ بولتے ہیں نہ اپنے ارادہ سے کچھ کرتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بولتے اور خاموش رہتے ہیں۔ صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا ؎

چوں وزد باد صبا وقت سحر — می شود دریا ز جنبش موج گر
موج و تحریک از صبا باشد یقین — نے ز دریا ایں خروش آیندہ بین

ترجمہ: ۱۔ جب صبح کے وقت باد صبا چلتی ہے تو دریا میں موج آ جاتی ہے۔
۲۔ اس کی موج و تحریک باد صبا کی وجہ سے ہے ورنہ دریا کو ایسا جوش نہ ہوتا۔

يَعْلَمُ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے اس سے کوئی شے مخفی نہیں **مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ** جو کچھ انہوں نے عمل کر کے آگے بھیجا ہے **وَمَا خَلْفَهُمْ** اور جو کچھ انہوں نے بعد کو کیا یا کریں گے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے علم کے احاطہ کی طرف اشارہ ہے کہ چونکہ ملائکہ کو علم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم محیط بالکل حق ہے اسی لیے وہ اپنے ہر معاملہ کی نگرانی کرتے ہیں اور اسی وجہ سے قول و عمل میں اللہ تعالیٰ کے بغیر اجازت نہیں کرتے۔ اسے ما قبل کی تعلیل اور مابعد کی تمہید کے لیے لایا گیا ہے **وَلَا يَشْفَعُوْنَ** الشفع بمعنی ضم الشیء الی مثله کسی شے کو اپنے ہم شکل کے ساتھ ملانا۔ اور الشفاعۃ بمعنی سفارش اور رسائی کا آپس میں ملنا اور اس کا اکثر استعمال اعلیٰ کو ادنیٰ سے ملانے کے لیے ہوتا ہے۔ اسی معنی سے قیامت کی شفاعت کو لیا گیا ہے **اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى** یعنی ملائکہ کرام کسی کی شفاعت نہیں کریں گے مگر اس کے لیے جس پر اللہ تعالیٰ راضی ہوگا۔ یعنی ملائکہ کرام اہل ایمان کی شفاعت کریں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ لا الٰہ الا اللہ کے قائل اور اسی پر خلوص دل سے ماننے والے کی شفاعت کریں گے۔

معتزلہ اور نجدی وہابی کا رد اس آیت سے معتزلہ (وہابی نجدی) کا استدلال صحیح نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے کہا کہ اہل کبائر کو شفاعت نصیب نہیں ہوگی۔ اہل کبائر کی تخصیص کہاں سے نکالی (یا نجدیوں وہابیوں نے نبی و ولی کی شفاعت کی نفی کیسے کر لی)

سوال: اہل کبائر کی شفاعت کی نفی اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے جرائم و معاصی سے راضی نہیں اس لیے انہیں شفاعت نصیب نہ ہوگی۔

جواب: اللہ تعالیٰ پر اس پسندیدہ سے راضی ہے جو کلمۂ شہادت کا اقراری اور اس سے سرشار ہے اگرچہ اس کے عمل شنیع سے راضی نہیں۔ اس سے اتنا ثابت ہوگیا کہ عاصی مجرم پر من وجہ راضی ہے اور من وجہ ناراض ہے۔ اور ہم نے اہل السنۃ کے عقائد کی تصحیح کو ترجیح دی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول اس کا مؤید ہے فرمایا:

ارتضاہم ھم اھل شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ۔ (کذا فی الاستدراک الحق).

مثنوی شریف میں ہے:

۱ گفت پیغمبر کہ روز رستخیز — کے گذارم مجرماں را اشک ریز
۲ من شفیع عاصیاں باشم بجاں — تا رہانم شاں ز اشکنجہ گراں
۳ عاصیاں و اہل کبائر را بجہد — وارہانم از عتاب نقض عہد
۴ صالحان امتم خود فارغ اند — از شفاعات من روز گزند
۵ بلکہ ایشاں را شفاعت ہا بود — گفتشاں چوں حکم نافذ می رود

ترجمہ: ۱۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت میں میں مجرموں کو روتا ہوا کیسے چھوڑوں گا!
۲۔ میں بدل و جان مجرموں کا شفیع ہوں تاکہ انہیں عذاب کے شکنجہ سے بچاؤں۔
۳۔ عاصیوں اور اہل کبائر کو جد وجہد کرکے نقض عہد کے عتاب سے چھڑاؤں۔
۴۔ میری امت کے نیک تو خود چھوٹ جائیں گے انہیں میری شفاعت سے کیا تعلق!
۵۔ بلکہ وہ (نیک) میرے ساتھ ہو کر مجرموں کی شفاعت کریں گے ان کی شفاعت بھی میری شفاعت جیسی ہوگی۔

وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ اور وہ باوجود یکہ عظیم و فرمانبردار ہیں اللہ تعالیٰ کے خوف سے۔ اس میں مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے۔ یعنی وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے خوف سے مُشْفِقُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ کی ہیبت و عظمت سے لرزتے کانپتے ہیں۔

حلِ لغات: الاشفاق بمعنی العنایۃ المختلطۃ بخوف۔ اس لیے کہ مشفق مشفق علیہ سے محبت کرتا اور جو کچھ اسے لاحق ہو اس سے اس کے لیے خوف کرتا ہے۔ (کذا فی المفردات)

اور ابن الشیخ نے فرمایا:

الخشیۃ والاشفاق قریب المعنی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ الخشیۃ میں مخشی منہ (جس سے ڈرا جائے) کی جانب کو ترجیح ہوتی ہے یعنی اس کی عظمت و ہیبت کا تصور دل میں ہوتا ہے اور الاشفاق میں مشفق علیہ (جسے ڈرا جائے) کی جانب کو ترجیح ہوتی ہے کہ اس کی رعایت مطلوب ہوتی ہے اور احتیاط کی جاتی ہے کہ اسے کسی مصیبت اور مکروہ امر میں مبتلا نہ ہو۔ الاشفاق کا فعل اور من حرف کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

اشفق علیہ فہو مشفق اور اشفق منہ۔ ای حذر منہ۔ اگر من کے ساتھ متعدی ہو تو اس میں

خوف کا معنی زیادہ ظاہر ہوتا ہے اگر لفظ علیٰ کے ساتھ متعدی ہو تو بہ نسبت خوف کے اشفاق (عنایت، شفقت) کا معنی زیادہ ظاہر ہوتا ہے۔

شب معراج کے دو واقعے

(۱) حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے جبریل علیہ السلام کو شب معراج دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے ٹاٹ کی طرح گرے پڑے تھے۔

(۲) حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسرافیل علیہ السلام کو دیکھا باوجودیکہ اس کی عظمت یہ ہے کہ اس کا ایک پاؤں مشرق میں ایک مغرب میں اور عرش الٰہی کو ایک پر اٹھائے ہوئے ہے لیکن کبھی خوف الٰہی سے (وصع) پرندے کی طرح ضعیف اور کمزور پڑ جاتا ہے۔

ف: الوصع بالسکون کبھی دونوں حرکتوں سے پڑھا جاتا ہے۔ ایک پرندہ ہے جو چڑیا سے بھی چھوٹا ہے۔ (کذا فی القاموس)

خوف و خشیت حلیۂ اہل دلست   اس وجہ بے پروائی شان غافلست

ترجمہ: خوف و خشیت اہل دل کا شیوہ ہے۔ اس وجہ بے پروائی غافلوں کا طریقہ ہے۔

اس کے باوجود وَمَنْ يَّقُلْ جو کہے مِنْهُمْ ملائکہ کرام میں سے اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ جو شخص ۔ اس کے سوا معبود ہوں۔ من دونہ حال ہے۔ اصل عبارت یوں ہوگی: متجاوزا ایاہ تعالیٰ۔ فَذٰلِكَ پس ایسے یعنی جس نے ایسا قول امر کو فرض طور مانا حالانکہ ملائکہ کرام میں کسی ایک نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا۔

ف: بعض نے کہا کہ اس سے ابلیس مراد ہے اس لیے کہ اس نے الوہیت کا دعویٰ کر کے اپنے لیے پرستش کرائی۔ اگر یہ تفسیر مان لی جائے تو پھر ماننا پڑے گا کہ ابلیس فرشتہ تھا حالانکہ وہ تو جن تھا۔

نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ہم اسے دوسرے مجرموں کی طرح جہنم کی سزا دیں گے اگرچہ وہ بہت اچھے اور نیک صفات اور اعمال کے مالک ہیں لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچ سکیں گے۔ اس میں مشرکین کو تنبیہ ہے اس لیے کہ جب الوہیت کے مدعی کو سزا ہوگی تو اس کے پرستاروں کو بطریق اولیٰ سزا ہونی چاہیے تاکہ وہ اس تنبیہ کو سن کر شرک کے ارتکاب سے باز آجائیں۔ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ یہ مصدر تشبیہ ہے جو پہلے مضمون کی تاکید کے لیے ہے یعنی مذکورہ سخت بری سزا کی طرح ہم ان ظالموں کو بھی سزا دیں گے جو اس کو غیر محل میں استعمال کر رہے ہیں اور شرک کا ارتکاب کر رہے ہیں یا الوہیت کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ یہ صورت تعلیق و فرضیت میں مثال کے اظہار کے لیے ہے یعنی اگر ایسا کریں گے تو یہی سزا پائیں گے اگر ایسا کریں گے تو سزا پائیں گے۔ جزیتہ کما یکن الا یہی مطلب ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ لا یسبقونہ بالقول میں اشارہ ہے کہ ملائکہ کرام کو اکل و شرب و لباس و نکاح اور گرمی و سردی سے بچنے و دیگر امور عارضہ جیسے امراض و علل و آفات سے منزہ پیدا فرمایا ہے جب وہ ان ضروریات سے پاک ہیں تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے سبقت کر سکتے ہیں جب انہیں ضرورت ہی کسی شے کی نہیں تو پھر کیسے استدعا کر سکتے ہیں کہ فلاں کام کر دے اور فلاں تکلیف دور فرما دے وغیرہ۔ اسی طرح ان کی طبائع ایسی نہیں بھی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اوامر کے خلاف ارتکاب کریں بلکہ ان سے خلاف کے بجائے ایسے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ ہر حکم کو بجا لانے پر تیار رہتے ہیں **وھم بامرہ یعملون** اسی لیے ان کے لیے فرمایا **لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یؤمرون** بخلاف اپنے خصائل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہیں۔ بنی آدم کی اکرمیت کا راز **ولقد کرمنا بنی آدم** میں مضمر ہے کہ بنی آدم میں وہ کرامات ہیں جو ملائکہ کرام سے موکد تر ہیں بنی آدم انہی خصائل و عادات کی وجہ سے درجات کے لحاظ سے اکبر اور منزلت کے لحاظ سے ارفع ہیں۔ وہ اس لیے کہ بنی آدم میں وہ طبائع رکھے گئے ہیں جن کی ملائکہ کو محتاجی نہیں بنی آدم دو خصلتوں سے ملائکہ سے اکرم قرار پا سکے:

۱۔ اپنی احتیاجات میں مضطر و پریشان ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

۲۔ اسی سے اپنی ضروریات و حاجات کے لیے دعائیں مانگتے ہیں ان کی اسی عاجزی کے پیش نظر اللہ تعالیٰ ان سے دعا کی استجابت کا وعدہ فرماتا ہے۔ کما قال ادعونی استجب لکم۔

اسی معنے پر بنی آدم ملائکہ کی خصلت **لا یسبقونہ بالقول** میں شریک ہیں۔ اسی لیے کہ وہ حکم الٰہی بجا لانے میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتے بلکہ جمیع حاجات کے وقت صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اسی لیے ان کی تعریف فرمائی۔ کما قال تعالیٰ:

تتجافی جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم خوفا وطمعا۔

اور ان کی دعا مانگنے کی وجہ سے ان کی شان بلند فرما دی۔ کما قال تعالیٰ:

قل ما یعبأ بکم ربی لولا دعاؤکم۔

اسی کرامت دعا و استجابت سے بنی آدم ملائکہ کرام سے ممتاز و مکرم ترین ہوئے۔ لیکن یہ بنی آدم کے عوام کا مرتبہ ہے۔ لیکن جو اخص الخواص ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کسی طمع و خوف کے پیش نظر نہیں کرتے بلکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کے شوق و محبت میں ڈوب کر عبادت کرتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ:

یدعون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون وجھہ۔

یہ مقام ان کی بنا پر بنی آدم ملائکہ سے بڑھ گئے کوئی ایسی مخلوق نہیں جو اس مقام میں بنی آدم کا مقابلہ کر سکے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی درگا

مخلوق کسی نہ کسی وجہ سے محتاج ہے اور ان کی محتاجی ان کی استعداد کے مطابق رکھی گئی ہے لیکن بنی آدم ہر طرح اور من کل الوجوہ ذات حق کے محتاج پیدا کیے گئے ہیں۔ یہی راز ہے واللہ الغنی و انتم الفقراء میں۔ یعنی جیسے اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں من کل الوجوہ غنی ہے ایسے ہی بنو آدم محتاج ہیں من کل الوجوہ اسی کی ذات کے محتاج ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بنو آدم کو اپنے ہر اسم کا علم سکھایا ہے تاکہ اپنی ہر ضرورت اسی اسم کے علم کے مطابق سوال کرے۔ یہ اعزاز صرف انسان کو نصیب ہوا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

واتیکم من کل ما سالتموہ۔

اور اپنی نعمتوں کے بارے میں بھی فرمایا کہ وہ ان گنت اور غیر محصی ہیں۔ کما قال:

وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا۔

یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم۔ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ملائکہ کی اس بات کو جانتا ہے جو تخلیق آدم کے مشورہ کے وقت زمانہ سابق میں انھوں نے بنی آدم کے لیے کہا: **اتجعل فیھا من یفسد فیھا۔** اس میں ایک قسم کا بنی آدم پر اعتراض کا شائبہ ہے اور اس میں غیبت کی بھی بو آتی ہے اور ان کا عجب بھی جھلکتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں عار دلاتے ہوئے فرمایا:

انی اعلم ما لا تعلمون۔ مجھے معلوم ہے کہ سجدہ کا استحقاق کس کو حاصل ہے اور ساجدیت کا حقدار کون۔ **وما خلفھم** میں ملائکہ کا وہ عمل جو انھوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا اور پھر قیامت تک بنی آدم کے لیے استغفار کریں گے تاکہ بنی آدم کی غیبت کا کفارہ ہو جائے۔ **ولا یشفعون** اور استغفار میں شفاعت نہیں کرتے **الا لمن ارتضی** مگر ان لوگوں کے لیے جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہے کہ ان میں اہل مغفرت کون ہیں۔ **وھم من خشیتہ مشفقون** یعنی ملائکہ کرام اللہ تعالیٰ کی خشیت اور جلال کی سطوت سے خوفزدہ ہیں کہ زمانہ سابق میں جو ان سے بنی آدم کے حق میں غیبت کا صدور ہوا، نہ معلوم کہ وہ کریم انھیں بخشتا ہے یا نہیں۔ **ومن یقل منھم انی الٰہ من دونہ** یعنی ملائکہ میں کوئی بھی ایسا نہیں جو کہتا ہو کہ وہ معبود ہے **فذلک نجزیہ جھنم** اس میں اشارہ ہے کہ ملائکہ میں کوئی ایسا نہیں جو اپنے آپ کو الوہیت کے اوصاف سے موصوف سمجھتا ہو بفرض محال اگر کوئی ان میں الوہیت کا دعویٰ کرے تو ہم اسے جہنم کی سزا دیں گے یعنی اسے اپنی درگاہ سے ہٹا کر محروم کر کے عذاب میں مبتلا کریں گے۔ جیسے ابلیس کا حال سب کو معلوم ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے اوصاف سے متصف ہونا صرف انسان کی شرافت و بزرگی ہے اور بس۔ جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

تخلقوا باخلاق اللہ۔ اللہ تعالیٰ کے اوصاف پیدا کرو۔

اور قیامت میں اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کرام کی طرف ایک مکتوب گرامی بھیجے گا جس کا عنوان یوں ہوگا: (باقی بر صفحہ ٩٢٣)

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ

کیا کافروں نے یہ خیال نہ کیا کہ آسمان اور زمین بند تھے

كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۖ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٠﴾

تو ہم نے انہیں کھولا اور ہم نے ہر جاندار چیز پانی سے بنائی تو کیا وہ ایمان لائیں گے

وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ ۖ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا

اور زمین میں ہم نے لنگر ڈالے کہ انہیں لے کر نہ کانپے اور ہم نے اس میں کشادہ راہیں رکھیں

سُبُلًا لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ﴿٣١﴾ وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَحْفُوظًا ۖ وَهُمْ عَنْ

کہ کہیں وہ راہ پائیں اور ہم نے آسمان کو چھت بنایا نگاہ رکھی گئی اور وہ اس کی

آيَاتِهَا مُعْرِضُونَ ﴿٣٢﴾ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ

نشانیوں سے روگرداں ہیں اور وہی ہے جس نے بنائے رات اور دن اور سورج

وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴿٣٣﴾ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ

اور چاند ہر ایک ایک گھیرے میں پیر رہا ہے اور ہم نے تم سے پہلے کسی آدمی کے لیے دنیا میں ہمیشگی نہ

أَفَإِنْ مِتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُونَ ﴿٣٤﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَنَبْلُوكُمْ

بنائی تو کیا اگر تم انتقال فرماؤ تو یہ ہمیشہ رہیں گے ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور ہم تمہاری آزمائش کرتے ہیں

بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ﴿٣٥﴾ وَإِذَا رَآكَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ

برائی اور بھلائی سے جانچنے کو اور ہماری ہی طرف تمہیں لوٹ کر آنا ہے اور جب کافر تمہیں دیکھتے ہیں تو تمہیں نہیں

يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا ۖ أَهٰذَا الَّذِي يَذْكُرُ آلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ

ٹھہراتے مگر ٹھٹھا کیا یہ ہیں وہ جو تمہارے خداؤں کو برا کہتے ہیں اور وہ رحمٰن ہی کی یاد سے منکر

كٰفِرُونَ ﴿٣٦﴾ خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۚ سَأُورِيكُمْ آيٰتِي فَلَا تَسْتَعْجِلُونِ ﴿٣٧﴾

ہیں آدمی جلد باز بنایا گیا اب میں تمہیں اپنی نشانیاں دکھاؤں گا مجھ سے جلدی نہ کرو

وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ﴿٣٨﴾ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِينَ كَفَرُوا حِينَ

اور کہتے ہیں کب ہوگا یہ وعدہ اگر تم سچے ہو کسی طرح جانتے کافر اس وقت کو جب نہ

لَا يَكُفُّونَ عَنْ وُجُوهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُورِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿٣٩﴾

روک سکیں گے اپنے مونہوں سے آگ اور نہ اپنی پیٹھوں سے اور نہ ان کی مدد ہو

بَلْ تَأْتِيهِم بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿٤٠﴾

بلکہ وہ ان پر اچانک آپڑے گی تو انہیں بے حواس کر دے گی پھر نہ وہ اسے پھیر سکیں گے اور نہ انہیں

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُم مَّا

مہلت دی جائے گی اور بیشک تم سے اگلے رسولوں کے ساتھ ٹھٹھا کیا گیا تو مسخرگی کرنے والوں

كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٤١﴾

کا ٹھٹھا انہیں کو لے بیٹھا

تفسیر عالمانہ

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا ہمزہ نفی رویت انکار کے لیے ہے اور واؤ عاطفہ ہے کہ نفی النفی کا انکار بھی نفی ہوتی ہے جیسے نفی النفی سے اثبات ہوتا ہے اور واؤ فعل مقدر کے عطف کے لیے ہے اور رویت سے رویت بصری نہیں بلکہ رویت قلبیہ مراد ہے۔ اس معنی پر ما اشہدتہم خلق السموات والارض کے منافی نہیں۔ اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ کیا یہ لوگ فکر یا علماء سے استفسار کیوں نہیں کرتے یا کتابوں کا مطالعہ کر کے کیوں معلومات نہیں حاصل کرتے یا دلی غور کیوں نہیں کرتے۔ اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔

سوال: تثنیہ کی ضمیر کیوں، حالانکہ سموات اور ارض ہر دو جمع کے صیغے سے مشتق ہیں۔

جواب: چونکہ ہر دو ایک مخصوص جماعت ہیں انہیں دو جماعتیں قرار دے کر تثنیہ کی ضمیر لائی گئی۔

كَانَتَا رَتْقًا یہاں مضاف محذوف ہے در اصل ذواتی رتق تھا یعنی ملتزقین و متصلین بے شک آسمان و زمین آپس میں ملے ہوئے تھے ان کے درمیان کوئی خلا اور سوراخ نہیں تھا اس لیے کہ وہ سب تھے جو خلقۃً یا صنعۃً متصل یا ملتئم ہوا سے عربی میں رتق کہتے ہیں فَفَتَقْنٰهُمَا۔ الفتق دو متصل چیزوں میں فاصلہ کر دینے کو کہا جاتا ہے۔ یہ رتق کی نقیض ہے۔ یعنی ہم نے ان دونوں کے درمیان میں ہوا کے ذریعے فاصلہ بنایا۔

عرش معلیٰ کو کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ سے سکون ملا

حدیث شریف میں ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے نورانی جوہر پیدا فرمایا پھر اس پر ہیبت کی نظر ڈالی تو وہ نورانی جوہر پگھل کر پانی پانی ہو گیا۔ پھر اس پگھلے ہوئے پانی پر حرکت

ریاس) من الملك الحي الذي لا يموت الى الملك الحي الذي لا يموت ۔ ملک حی اور جسے موت نہیں کی طرف سے یہ مکتوب اسی ملک حی کی طرف جس پر موت نہیں آئے گی۔

كذلك نجزي الظالمين یعنی ان غافلوں کو ہم ایسے سزا دیں گے جو اشیاء کو برمحل استعمال نہیں کرتے۔ مثلاً وہ ریاء و سمعہ اور شرک خفی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

ڈالی تو اس کا نصف حصہ منجمد ہو گیا۔ اس کے پگھلے ہوئے حصے سے عرش بنایا تو عرش ہلنے لگا اس پر لا اله الا الله محمد رسول الله لکھا تو عرش کو سکون نصیب ہوا۔

نکتہ: اسی وجہ سے پانی ہر وقت ہلتا رہتا ہے اور قیامت تک ہلتا رہے گا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وكان عرشه على الماء۔ اس سے میٹھا پانی مراد ہے۔

ف: پانی کی حرکت سے تہ بہ تہ موجیں اٹھیں اس سے جھاگ ابھری۔ موج بہ موج تہوں سے سات آسمان اور سات زمینیں پیدا فرمائیں۔ اسی لیے ابتداءً یہ دونوں طبق آپس میں ملے ہوئے اور ملحق تھے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جدا کر کے پیدا فرمایا تو آسمانوں اور زمینوں کے درمیان خلا اور فضا پیدا کر دی۔ کما قال تعالیٰ: ثم استوى الى السماء وهي دخان۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو دھوئیں سے اس لیے پیدا فرمایا کہ دھواں متماسک الاجزاء ہے علاوہ ازیں اوپر چڑھ کر ٹھہر جاتا ہے بخلاف بخارات کے کہ وہ اپنے مرکز کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ وہ اپنی حکمتوں کو خوب جانتا ہے وہی کمال علم کا مالک ہے۔ اس کے بعد پانی پر جھاگ کو پھیلایا تو اس کی قدرت سے جیسے ہی جھاگ کا حصہ زمین بن گئی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: والارض بعد ذلك دحاها۔

ف: ایک روایت میں ہے کہ آسمان ایسا مضبوط تھا کہ پانی اس سے نیچے نہیں اترتا تھا اور زمین بھی پختہ تھی اس سے گھاس نہیں اگتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے بارش کا سلسلہ جاری فرمایا تو وہ دونوں کھل گئے اور آسمان سے پانی اور زمین سے گھاس پیدا ہونے لگے۔ یعنی اس قدرت والے نے آسمان جیسی سخت ترین چیز کو نرم ترین بارش سے جدا فرمایا۔ اسی طرح زمین کو بھی نرم ترین یعنی انگوری سے جدا فرمایا۔

سوال: بارش تو صرف پہلے آسمان سے اترتی ہے پھر ساتوں کے پھٹنے سے کیا مناسبت۔

جواب: ساتوں آسمانوں میں بارش کا دخل ہے اس لیے کہ بارش کی تاثیر علوی سے حاصل ہوتی ہے۔

ف: فتق بھی علم و قدرت وغیرہا کی طرح اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اسی لیے یہ بھی دوسری صفات کی طرح قدیم ہے۔ لیکن مفتوق جو تعلق بالفتق کے حادث ہے جیسے معلومات و مقدورات حادث ہیں باوجودیکہ ان کا تعلق علم و قدرت قدیم صفتوں سے ہے۔ سو مختصر یہ کہ جیسے معلومات و مقدورات کو کوئی قدیم نہیں کہتا ایسے ہی مفتوق کو بھی کوئی قدیم نہیں کہہ سکتا۔

ف : یہاں قاضی بیضاوی نے نقل کی ہے انھوں نے فرمایا ہے کہ زندگی ایک عارضی صفت ہے اور عارض ہے۔ (کذا فی روح البیان)
وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ اور ہم نے پیدا فرمایا یعنی واسطہ پانی سے جو کل زمین کا سبب ہے كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ہر جان (ذی حیات شے) کو۔

ف : الماء میں استغراق جنس کا ہے۔ یعنی حیوان کی ہر جنس کو اسی پانی کی جنس سے پیدا کیا گیا ہے۔ اور یہاں الماء سے نطفہ منی مراد ہے۔

چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا : واللہ خلق کل دابۃ من ماء ۔ دواب کا ہر فرد یعنی پانی سے یعنی اپنے باپ کے نطفہ سے پیدا کیا گیا ہے یا اس سے نوع ہی اور نوع الدواب مراد ہے۔ یعنی دواب کا ہر نوع اپنے پانی کے نوع سے پیدا ہوا ہے۔

حیوان اور حی میں فرق

فقیر (حقیؒ) کہتا ہے کہ حی و حیوان میں فرق ہے اس لیے کہ ہر حیوان حی ہے لیکن ہر حی حیوان نہیں۔ جیسے ملائکہ کرام حی ہیں لیکن انھیں حیوان نہیں کہا جائے گا۔

حدیث شریف

سے ثابت ہوتا ہے کہ ملائکہ کرام کی تخلیق میں بھی پانی کو دخل ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کرام کو ہوا سے پیدا کیا ہے اور ہوا پانی سے اور آدم علیہ السلام کو مٹی سے اور مٹی کو پانی سے اور جنات کو آگ سے اور آگ کو پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔

ف : بعض بزرگوں نے فرمایا کہ آیت میں نباتات و اشجار داخل ہیں اس لیے کہ ان کی نشوونما پانی سے ہے اور حیات کا اطلاق قوت نامیہ پر ہوتا ہے اور یہ قوت نامیہ جیسے حیوان میں ہوتی ہے ایسے ہی نباتات و اشجار میں ہوتی ہے اور ان اشجار و نباتات کی حیوۃ پر آیت یحیی الارض بعد موتہا دلالت کرتی ہے۔ (کذا فی الکبیر)

اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ان آیات موجبہ کو دیکھ کر یہ مشرکین ایمان کیوں نہیں لاتے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے[1] آسمان و زمین کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے مشرکین اور اہل ایمان کے ارواح پیدا ہوئے۔

حدیث شریف

میں ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اجساد سے دو ہزار سال پہلے ارواح کو پیدا فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ چار ہزار سال پہلے ارواح کو پیدا کیا گیا ارواح کے ساتھ ہی آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق ہوئی۔ اس وقت آسمان اور زمین ایک شے تھی جیسا کہ مشہور حدیث شریف میں ہے کہ اول ما خلق اللہ جوہرۃ الخ۔

---

[1] اس حدیث شریف کا مضمون ابھی گزرا ہے۔

وجعلنا من الماء کل شیء حی میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کی حیات اسی وقت پیدا فرمائی جب اس کا عرش پانی پر تھا۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ تمام موجودات کا مبدأ وہی جوہر ہے اور اس سے روح اعظم (حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس) مراد ہے۔ اسی روح اعظم سے تمام ملائکہ اور ارواح اس کے اعلیٰ حصہ سے اور تمام حیوانات و دواب اس کے اسفل حصہ یعنی پانی سے پیدا ہوئے۔ کما قال: واللہ خلق کل دابۃ من ماء۔ اور ان سب کی تخلیق ارواح کے سامنے ہوئی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: افلا یشعرون۔ یعنی کیا یہ نہیں جانتے کہ ان کی ارواح کے سامنے سب کچھ پیدا ہوا۔

ف: یہ نکتہ صوفیہ کرام کے ہاں مشہور ہے۔ اور یہی ایمان کی حقیقت ہے۔

حکایت سیدنا علی رضی اللہ عنہ

مروی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے منبر پر یہ دعویٰ فرمایا کہ عرش کے سوا جو کچھ چھپا ہو پوچھو۔ اس لیے کہ مجھے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعاب دہن سے نوازا۔ اسی کی برکت سے مجھے ہر شعبہ کے علوم نصیب ہوئے ہیں۔ بخدا تورات و انجیل کو اگر پڑھنے کی طاقت عطا ہو جائے تو میں جو کچھ ان کے علوم بتاؤں تو وہ میری تصدیق کریں گے۔ اسی مجلس میں ایک یمنی شخص نے کہا کہ یہ عجیب انسان ہے کہ بلند چوٹی کے دعوے کر رہا ہے۔ میں ایک ہی سوال سے اسے شرمسار کر دوں گا۔ چنانچہ عرض کی، اگر میں سوال کروں تو آپ جواب دیں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں، لیکن سمجھنے کی نیت سے سوال کرنا، سوال میں سرکشی نہ دکھانا۔ اس نے عرض کی: آپ کے دعوے سے تو میرا سوال میری سرکشی پر ہوگا۔ آپ بتائیے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ایسے رب تعالیٰ کی عبادت اس لیے نہیں کرتا کہ میں اسے دیکھوں۔ اس نے عرض کی جب آپ نے اسے دیکھا نہیں تو اس کی عبادت کیسے؟ آپ نے فرمایا اگرچہ میں نے اسے ان آنکھوں سے نہیں دیکھا لیکن حقیقت ایمان کے ساتھ اس کو قلب کی بصیرت سے دیکھا ہے۔ میرا رب احد، واحد، لاشریک لہ ہے۔ اس کا کوئی ثانی نہیں۔ وہ فرد ہے اس کا کوئی مثل نہیں، نہ وہ مکان میں ہے نہ وہ زمان کا محتاج ہے۔ نہ اسے ادراک سے پایا جا سکتا ہے نہ قیاس سے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی یہ تقریر سن کر وہ یمنی شخص بے ہوش ہو گیا۔ جب اسے ہوش آیا تو عرض کی میں عہد کرتا ہوں کہ آئندہ سرکشی سے سوال نہیں کروں گا۔

حضرت شیخ مغربی قدس سرہ نے فرمایا ؎

دیدہ طلب کن پس از آنگہ دیدار
از انکہ یار کند جلوہ بر اولو الابصار

ترجمہ: پہلے آنکھ مانگ پھر دیدار، اس لیے کہ محبوب کا جلوہ صرف اولو الابصار کو نصیب ہوتا ہے۔

حضرت جندی قدس سرہ نے فرمایا ؎

بیدار شو اگر طلب آن روی کنی ہرگز ؎ در خواب چنین دولت بیدار نیابی

ترجمہ: بیدار ہو کر اس کا دیدار طلب کر، اس لیے کہ یہ دولت بیداری میں نصیب ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سے نیند غفلت اور حجاب دور فرمائے اور اپنے جمالِ بے مثال کی آنکھیں کھول دے اس لیے کہ وہی رب الارباب اور مسبب الاسباب ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ ارض تمام کثیف اجسام سے کثیف ترین ہے۔ مرکزِ عالم یہی ہوتی ہے جہاتِ ستہ کی کیفیت اسی سے ظاہر ہے۔ مثلاً مشرق وہ ہے جہاں سے شمس و قمر کا طلوع ہوتا ہے اور مغرب وہ ہے جہاں ان کا غروب ہوتا ہے۔ شمال جدی کے مدار کا نام ہے اور جنوب سہیل کے مدار کا نام ہے۔ اور وہ حصہ جو محیطِ عالم کے متصل ہے اسے فوق اور جو مرکزِ ارض کے متصل ہے اسے تحت کہا جاتا ہے۔ رَوَاسِيَ وہ جبال ثوابت جو زمین پر لنگر کے طور گاڑ دیئے گئے ہیں۔ راسی کی جمع اور رسا سے مشتق ہے بمعنی ثبت و رسخ۔ اَنْ تَمِيدَ بِهِمْ، مید سے مشتق ہے۔ کسی عظیم شے کا مضطرب ہونا جیسے زمین کا مضطرب ہونا۔ مَادَ يَمِيدُ مَيْدًا سے مشتق ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شے متحرک ہو۔ اسی سے مائدہ مشتق ہے۔ طعام اور جس دستر خوان پر طعام رکھا جائے اسے مائدہ کہتے ہیں۔ جیسے امام راغب نے فرمایا کہ مائدہ وہ دستر خوان یا طباق جس پر طعام رکھا جائے۔ اور طعام کو بھی مائدہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اب معنی یہ ہوا کہ زمین انہیں کھینچ لے اور مضطرب ہو۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ با تعدیہ کی ہے۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ زمین کو پانی پر بچھایا گیا تو وہ اپنے اہل سمیت پانی پر تیرنے لگی جیسے کشتی پانی پر تیرتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر ثوابت جبال گاڑ دیئے جیسے کشتی کو لنگر سے باندھ دیا جاتا ہے۔

ف: حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا گیا کہ سب سے سخت ترین کیا شے ہے؟

آپ نے فرمایا: سب سے سخت تر جبال ثوابت ہیں لیکن لوہا ان سے بھی سخت تر ہے کہ لوہے سے پہاڑ توڑے جا سکتے ہیں اور لوہے پر آگ غالب ہے لیکن آگ کو پانی بجھا دیتا ہے اور پانی بادل کو اٹھائے پھرتا ہے اور ہوا بادلوں کو اڑا کے لے جاتی ہے اور انسان اپنی ثابت قدمی کے لحاظ سے ہوا پر غالب ہے لیکن انسان کو غم نڈھال کر دیتا ہے اور نیند سب پر غالب ہے۔

فقیر (حقی) عرض کرتا ہے:

نباشد در جہاں چوں مرگ چیزے
کہ غالب شد ترا ہر چند عزیزے

ترجمہ: دنیا میں موت سے کوئی شے غالب نہیں اگرچہ وہ کتنی ہی غلبہ والی ہو۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں ابدال کی طرف اشارہ ہے کہ وہی زمین کے اوتاد و افراد ہیں انہی کہ زمین والے انہی کے صدقے رزق دیئے جاتے ہیں اور انہی کے صدقے بارش برسائی جاتی ہے۔

اور ابدال اولیاء کا ایک گروہ ہے جن کے صدقے اللہ تعالیٰ زمین کو قائم رکھتا ہے۔ وہ ستر افراد ہیں ان میں سے چالیس شام میں اور تیس دوسرے علاقوں میں ہیں، ان میں ایک فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے عام آدمیوں میں سے کسی کو مقرر فرما دیتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے، زمین چالیس مردوں سے خالی نہیں رہتی۔ وہ حضرت خلیل الرحمٰن کی طرح ہیں انہیں کے صدقے تم پر بارش برسائی جاتی ہے اور انہیں کے طفیل تمہیں مدد و نصرت نصیب ہوتی ہے ان میں جب ایک فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اور مقرر فرماتا ہے۔

وَجَعَلْنَا فِيهَا اور ہم نے زمین میں رواسی بنا دئیے ہیں۔ صاحب جلالین نے صرف اسی پر اکتفا کیا ہے اس لیے کہ انہی میں راستوں کی حاجت ہوتی ہے۔ **فِجَاجًا سُبُلًا** یعنی وہ راستے جن پر آمد و رفت جاری ہو، اس لیے سبیل اس راستہ کو کہا جاتا ہے جس پر لوگوں کی آمد و رفت جاری ہو۔ **فَجٌّ** دو پہاڑوں کے درمیانی شق کو کہا جاتا **لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ** تاکہ اپنی مصلحتوں اور اپنے مقاصد کے لیے راہ پائیں جو ان کے لیے دور دور کے شہروں میں ہیں **وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا** اور ہم نے آسمان کو چھت بنایا اور آسمان کو چھت اس لیے کہا کہ وہ زمین کے لیے بمنزلہ چھت کے ہے۔ **مَّحْفُوظًا** گرنے سے محفوظ، یا بوجہ بغیر ستون کے ہے، یا اسے فساد سے محفوظ فرمایا ہے یا وقت معلوم تک ٹوٹنے گرنے دیا، یا چنگاریوں کے ذریعے آسمان کی باتوں کو سننے سے محفوظ فرمایا۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ عارف کا قلب شیاطین الانس والجن کے وساوس سے محفوظ ہے اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ فرمایا کرتے تھے:

اے اللہ! میرے قلب کو اپنے ذکر کے تصورات سے آباد فرما اور مجھ سے شیطان کے وساوس دور فرما۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

ذکر حق کن بانگ غولاں را بسوز
چشم نرگس را ازیں کرگس بدوز

ترجمہ: غول کی آوازوں کو جلانے کے لیے ذکر الٰہی کر۔ نرگس کی آنکھ کو گدھ سے چھپا دے۔

وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا اور وہ ہماری آیات یعنی وہ دلائل و امور جنہیں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں پیدا فرما کر انہیں اپنی ذات اور توحید کی علامات اور اپنی عظیم قدرت اور اعلیٰ حکمت کی نشانیاں بنائیں جیسے سورج، چاند، ستارے وغیرہ **مُعْرِضُونَ** روگردانی کرتے ہیں اور ان میں تدبر نہیں کرتے تاکہ وہ اپنے کفر اور گمراہی کے متعلق باخبر ہو سکیں۔

ابدال کی علامات ابدال کی دس علامتیں ہیں:

---

[1] ہم اہل سنت والجماعت ابدال کے وجود کے قائل ہیں۔ بد قسمتی سے ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا ہے جو اس کا منکر ہے۔

۱۔ سیرت صالحات ۲۔ صدق مقال ۳۔ شدائد و مصائب پر صبر ۴۔ خلق خدا کی خیر خواہی ۵۔ اشیاء میں تفکر

۲۔ سخاوت ۲۔ تواضع ۳۔ خلوت میں گریہ و زاری ۴۔ دشمنوں پر رحمت و شفقت ۵۔ اشیاء میں عبرت

سبق اے بندگانِ خدا! اللہ تعالیٰ کی نعمت کے آثار دیکھو اور اس کی صنعت و قدرت کے عجائب و غرائب میں غور و فکر کرو تاکہ تمہیں معرفت سے ترقی اور ثواب نصیب ہوں۔

حکایت داؤد علیہ السلام مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی عبادت گاہ میں ایک چھوٹا سا کیڑا پایا، اس کی ساخت پر غور و فکر کیا اور سوچا کہ اللہ تعالیٰ نے کس فائدہ کے لیے پیدا فرمایا ہوگا! اللہ تعالیٰ نے اس کیڑے کو قوتِ گویائی بخشی، وہ کہنے لگا: اے داؤد علیہ السلام! آپ مجھے دیکھ کر تعجب کر رہے ہیں حالانکہ میں آپ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا ذکر و شکر کرتا رہتا ہوں۔

سبق آیاتُ اللہ کو دیکھنے کا مقصد یہ ہے کہ انہیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا زیادہ سے زیادہ ذکر کیا جائے۔ یہی کامل مومن کی شان ہے۔ کافر اندھا تو انہیں دیکھ کر ذکر کے بجائے روگردانی کرتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے:

۱ پیش خر خر مہرہ و گوہر یکیست آں اشک را در در و دریا شکیست
۲ منکر بحرست و گوہرہاش او کے بود حیواں در و پیرایہ جو
۳ در سر حیواں خدا ننہادہ است کہ بود در بند لعل و در پرست
۴ مر خرا ہیچ دیدی گوشوار گوش و ہوشش خر بود در سبزہ زار

ترجمہ: ۱۔ گدھے کے سامنے خرمہرہ اور موتی دونوں برابر ہیں۔ اسے موتی اور دریا کے درمیان فرق نہیں لگتا

۲۔ وہ دریا اور موتی کا منکر ہے پھر وہ نیچے رہ کر کیا تلاش کرے گا!

۳۔ حیوان میں اللہ تعالیٰ نے یہ خیال رکھا ہی نہیں کہ وہ لعل اور موتی کی خواہش کرے۔

۴۔ کیا کسی گدھے کو زیور پہنے دیکھا ہے! اس کا دھیان تو صرف گھاس کی طرف رہتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں عارف کے قلب کی آیات کی طرف اشارہ ہے یعنی اس کی ذات سے عقلیات جیسے کمالات و انفسیہ مراد ہیں اور اہلِ سلوک حقیقی عارفین کاملین کی یہ شان ہے اور ان کے احوال و مقامات و مکاشفات کا اقرار کرتے ہیں بخلاف ان کے غیروں کے کہ وہ ان کا انکار کرتے اور ان کے مقامات و احوال سے روگردانی کرتے ہیں کیونکہ وہ ہمیشہ عقل کے پھندے میں گرفتار رہتے ہیں ان کے متعلق عقل کو غور و فکر سے نہیں دیکھتے اس لیے کہ عقل کا مرتبہ عقلیات تک محدود ہے اور عقلیات کے انتہا پر مکاشفات کا آغاز ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا وصال محال ہے جب تک اہل اللہ راہ دکھائیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ملنے کے صحیح راستے یہی حضرات جانتے ہیں اور ان کے علوم رشد کے ہیں نہ تبدیل ہو سکتے ہیں نہ دنیا میں ذرہ تفت

یعنی اگرچہ ہر ایک گناہ ہے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ اپنے نفس کو خواہشات سے روکے اور اسے سیدھا چلانے کی سوچے اور اسی پر لگ جائے جو پیر کہ عقل وعلم کے لحاظ سے ایسے راستوں کا واقف اور عارف ہو۔ مثنوی شریف میں ہے کہ

رہرو راہ طریقت ایں بود
کو باحکام شریعت میرود

ترجمہ: راہ طریقت پر وہ چلتا ہے جو احکام شریعت کی پابندی کرتا ہے۔

اور جو پیر و مرشد جو بلا شریعت کے خلاف چلتا ہو اس سے دور بھاگنا ضروری اور لازمی ہے اس لئے کہ جاہل اور بے عمل پیر کی دوستی تو باطل صحبت کی طرح ہے۔ بالخصوص جب اس کا تعلق ہوگا جو خود بیکار ہوگا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے توفیق کی درخواست کرتے ہیں کہ جمیع حالات میں اہل مکاشفات ومشاہدات کے طریقہ پر ثابت قدمی کی توفیق بخشے۔

تفسیر عالمانہ

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ اور اللہ تعالیٰ واحد لاشریک لہ وہ ہے جس نے رات کو یعنی زمین کے سایہ وَالنَّهَارَ اور دن کو یعنی سورج کی روشنی کو وَالشَّمْسَ اور سورج یعنی وہ چمکدار ستارہ جو دن کو چمکاتا ہے وَالْقَمَرَ اور چاند یعنی وہ چمکدار ستارہ جو رات کو چمکاتا ہے کو پیدا فرمایا۔ یعنی ان اشیاء کو عدم سے وجود میں ظاہر فرمایا اور یہ سوائے اس کے اور کون کر سکتا ہے یہ اسی کی قدرت کاملہ اور حکمت باہرہ کا کرشمہ ہے کہ كُلٌّ ان میں ہر ایک یعنی سورج و چاند یہ جتنا ہے اور اس کی خبر فِي فَلَكٍ اپنے اپنے مخصوص فلک میں ہے جیسا کہ تنوین سے معلوم ہوا۔ يَسْبَحُونَ یہ حال ہے کہ وہ فلک کی سطح پر تیرتے ہیں جیسے انسان پانی پر تیرتا ہے اس لئے کہ السبح بمعنی پانی یا ہوا میں تیز چلنا۔ پھر یہاں استعارۃً سطح فلک پر ستاروں کے تیز چلنے پر استعمال کیا گیا ہے۔ (کذا فی المفردات) اس سے معلوم ہوا ہے کہ ستارے افلاک میں ایسے مرکوز ہیں جیسے انگوٹھی میں فص (نگینہ) جڑا ہوا ہے۔

ف: تحریر التقویم میں ہے کہ ستارے فلک میں ایسے مرکوز ہیں جیسے کیل دیوار میں ٹھونکی ہوتی ہے۔ جیسے مچھلی پانی میں ہوتی ہے ایسے افلاک میں ہیں اور افلاک متحرک بالارادہ اور کواکب متحرک بالعرض ہیں۔

ف: بعض فرماتے ہیں کہ آیت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ فلک سیال ہے کہ ایک موج مکفوف ہے جو آسمان کے نیچے ہے اور انہی افلاک میں سورج اور چاند ایسے تیرتے ہیں جیسے مچھلی پانی میں اور فلک جسم شفاف اور جملہ عالم کو محیط ہے۔

ف: علماء نے استنباط فرمایا کہ کلام عرب میں ہر مستدیر شے کو فلک سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسی لئے افلاک آئی ہے۔ اسی سے فلکۃ المغزل تکلے کا چرخا۔

ف: ابن الشیخ نے فرمایا کہ حرکات کواکب کے متعلق اختلاف ہے اور نقل دلائل سے ان میں تین وجوہ بیان کیے جا سکتے ہیں۔

۱۔ فلک ساکن ہے ستارے ایسے تیرتے ہیں جیسے ٹھہرے ہوئے پانی میں تیرنے والا تیرتا ہے۔

۲۔ ستاروں کی طرح افلاک بھی گھومتے ہیں لیکن ایک دوسرے کی سمت کے مخالف ہو کر یا موافق ہو کر سرعت و بطء میں باہمی

حرکت مساوی ہو جائے۔

۳۔ افلاک متحرک اور کواکب ساکن۔

فلاسفہ فرماتے ہیں کہ رائے اول باطل ہے اس لیے کہ اس سے خرق والتیام لازم آتا ہے جو علاوہ محال ہے اسی طرح رائے ثانی بھی باطل ہے جس کے بطلان کی بھی وہی دلیل ہے جو مذکور ہوئی۔ باقی احتمال ان کے نزدیک صحیح ہے وہ اس طرح کہ ستارے افلاک میں گاڑ دیے گئے ہیں اور وہ ٹھہرے ہوئے ہیں افلاک کے گھومنے سے وہ بھی تبعاً گھومتے ہیں۔

ف: امام (فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ اس کلام کا دارومدار اس پر ہے کہ افلاک میں خرق والتیام محال ہے اور یہ باطل ہے حقیقت یہ ہے کہ اس میں تینوں احتمال ہیں اور تینوں ممکن ہیں اللہ تعالیٰ تمام ممکنات پر قادر ہے۔ قرآن کے ظاہر سے ثابت ہوتا ہے کہ افلاک ٹھہرے ہوئے ہیں اور ستارے ان میں گھوم رہے ہیں جیسے مچھلی پانی میں تیرتی ہے۔

ف: اگر اللہ تعالیٰ آسمان کو پیدا فرما کر سورج اور چاند کو پیدا نہ فرماتا جو کہ ان کے ذریعے رات اور دن اور باقی منافع ظاہر ہوتے ہیں یعنی گرمی اور سردی کا یکے بعد دیگرے آنا نہ ہوتا تو اس کے بندوں پر نعمتوں کی تکمیل نہ ہوتی۔ اور بے شک نعمتوں کی تکمیل افلاک کی تحریک پر ہوتی ہے۔ اسی لیے فرمایا: کل فی فلک یسبحون۔

ف: اسی سے ابو علی بن سینا نے کہا کہ اس آیت کے لفظ یسبحون سے ثابت ہوتا ہے کہ کواکب زندہ اور ناطق ہیں اسی پر دوسری آیت دال ہے احد عشر کوکبا والشمس والقمر رأیتہم لی ساجدین بھی دلالت کرتی ہے۔ اس لیے کہ اگر وہ احیاء ناطقہ نہ ہوتے تو ان کے لیے سباحۃ اور سجود کے صفات استعمال نہ کیے جاتے اور نہ ہی ان کے لیے ضمائر ذوی العقول ہوتے۔ یہ بو علی سینا کی غلط فہمی ہے ذوی العقول کے ضمائر ان کو ذوی العقول نہیں بنا دیتے اس لیے کہ علم معانی کا قاعدہ ہے کہ غیر ذوی العقول کو ذوی العقول قرار دے کر ضمائر ذوی العقول راجع کیے جاتے ہیں اور یہ عام ہے اسی قاعدہ کے تحت ان ضمائر کا ذکر کیا گیا۔

ف: بعض اہل حقیقت فرماتے ہیں کہ اجرام فلکیہ یعنی وہ اجسام ہیں جو افلاک کے عنصر کے اوپر ہیں خصوصاً کواکب ان کی حرکات دلیل ہیں ان کے ہمارے گھومنے کے لیے جو کہ ستارہ ادا کرتے ہیں، جواہر ہیں جو افلاک کی ذوات و انفس کے واسطے مجرد اور افلاک کی حرکات کے متعلق ہیں تاکہ وہ جواہر ان کی تحریکات کے مبادی ہوں۔ انہی جواہر مجردہ کو نفوس ناطقہ فلکیہ کہا جاتا ہے۔

سوال: ناطقیت تو صرف انسان کا خاصہ ہے اسی لیے انسان کے لیے فصل نطق کو قرار دیا گیا ہے۔

جواب: انسانی نطق سے وہ نطق مراد ہے جو زبان پر جاری ہوتا ہے لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن، فرشتے اور طوطے زبان سے بولتے ہیں لیکن انسان نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ زبان سے وہ نطق مراد ہے کہ پہلے دل میں اس کا تصور ہو پھر دل کے تصور کا زبان ترجمہ کرے یہ تصور قلبی ملک و جن اور طوطے میں نہیں۔

فائدہ صوفیانہ: کاشفی نے لکھا کہ کشف الاسرار میں ہے کہ شب و روز ستاروں کے تیرنے یعنی یسبحون دلالت کرتے ہیں تاکہ

جن کے قبضہ میں اگر سلطان جمال سے اپنی ہستی کو مٹانے اور ... سے بساط کے بساط پر چھوڑ کر جمال حق کے فیض و برکات حاصل کرے اور آفتاب جمالی تو یہ ایک نشان ہے کہ قسمت تکمیل سے کبھی از راہ اضافہ پا جائے کبھی کمی ۔ اسی لیے صوفیہ کا قول مشہور ہے کہ اگر پردے اٹھ جائیں تب بھی ہمارے یقین میں اضافہ نہ ہوگا اور قرار ابتر کا نشان ہے کبھی وہ بار گلوق میں ہوتے ہیں اور کبھی ہستی کو مٹا کر فنا پاتے ہیں کبھی انسان پر ایسا وقت آجاتا ہے کہ چودھویں کے چاند کی طرح مکمل ہوتا ہے۔ حقائق آگاہ حضرت جامی قدس سرہ کے کلام میں اسی معنے کی طرف اشارہ ہے؎

ز ہجر سوز ہجرانت ز مو باریک تر گردم
چو روز وصل یاد آرم شوم و حال ازاں فربہ

ترجمہ: سوز ہجر کی طرف سے بال سے بھی باریک تر ہو جاتا ہوں۔ جب مجھے وصال کی گھڑی آجاتی ہے تو اس وقت موٹا ہو جاتا ہوں۔

اور حضرت پیر رومی قدس سرہ فرماتے ہیں؎

چوں روئے بر تابی زمن گردم ہلالے منحنی ور رخ بسوئے من کنی چو بدر بے نقصان شوم
تو آفتابی من چو مہ گرد تو گردم روز و شب گہ در محاق افتم ز تو گہ نور افشاں شوم

ترجمہ: ۱۔ جب تم مجھ سے منہ پھیرتے ہو تو میں ہلال جیسا ہو جاتا ہوں۔ جب میری طرف متوجہ ہوتے ہو تو میں چودھویں کے چاند جیسا ہو جاتا ہوں۔

۲۔ تم سورج اور میں چاند ہوں کہ شب و روز تیرے ارد گرد گھومتا ہوں اور اندھیری راتوں میں چھپ جاتا ہوں تاکہ تجھ سے نور لے کر جہان کو روشن کروں۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ البشر والبشرۃ بمعنی ظاہر الجلد اور انسان کو اس کے جلد کے ظاہر ہونے کی وجہ سے بشر کہا جاتا ہے بخلاف حیوانات کے کہ ان کے چمڑے پر بال اور اون ہونے کی وجہ سے انہیں بشر نہیں کہا جاتا۔

الخلد بمعنی شے کا فساد کے عارض سے بری ہونا اور اس کا اپنی اصلی حالت پر باقی رہنا۔

جب کافروں مشرکوں نے کہا نتربص بہ ریب المنون، تو ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

شان نزول یعنی ہم انتظار کرتے ہیں کہ دنیا میں کوئی ایسے حوادث زمانہ پیدا ہوں جن سے اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تباہ و برباد ہو جائیں (معاذ اللہ)۔ الریب کسی کو مکارہ و تکالیف میں ڈالنا اور المنون بمعنی موت، یعنی ہم ان کے لیے انتظار کرتے ہیں کہ صحابہ پر ایسے حوادث و مکارہ نازل ہوں جو انہیں موت کے گھاٹ اتار دیں۔

خلاصہ یہ کہ ریب المنون کا معنی یہ ہے کہ حوادث زمانہ میں سے ان پر ایسے حوادث نازل ہوں جو انہیں تباہ و برباد کر ڈالیں۔ اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ اے پیارے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ سے پہلے کسی ایک فرد کو دنیا میں

بقاء دوام نہیں۔ یعنی ہمارا طریقہ نہیں کہ دنیا میں ہم کسی کو دوام بخشیں اگرچہ ہم اس بات پر قادر ہیں کہ دوام بخشیں۔ لیکن جو بھی اس دنیا میں آیا ہے اسے لامحالہ موت کا ذائقہ چکھنا ہوا۔ جب موت ہر انسان پر لازماً آئے گی تو اسی طرح أَفَإِن مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ اگر آپ دنیا سے تشریف لے جائیں گے تو کیا وہ اس دنیا میں ہمیشہ رہیں گے! ہرگز نہیں۔ بلکہ جیسے آپ اس دنیا میں نہیں رہیں گے وہ بھی دنیا سے چلے جائیں گے۔ یہی ہمارا طریقہ ہے۔ اس کی دلیل انک میت و انہم میتون ہے۔ افان مت کا جزو معنًا خلود پر داخل ہے۔ گویا کہا گیا ہے کہ جب آپ دنیا سے چلے جائیں گے تو کیا یہ مشرکین بچ کر رہ جائیں گے! جب انہیں بھی مرنا ہے تو پھر وہ آپ کی موت سے کیوں خوشیاں منا رہے ہیں۔ کسی شاعر نے کہا ہے ؎

فقل للشامتين بنا افيقوا
سيلقى الشامتون كما لقينا

ترجمہ: ہمارے بدخواہوں کو کہہ دو کہ وہ بچ کر رہیں کیونکہ جو کچھ ہمیں پہنچا ہے انہیں بھی پہنچے گا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

مکن شادمانی بمرگ کسے
کہ دوراں پس از وے نماند بسے

ترجمہ: کسی کی موت پر خوشی نہ مناؤ کہ دنیا میں کسی نے نہیں رہنا۔

ف: اس خلود کے انکار سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی موت پر خوشی منانے کی نفی ہے اس لیے ان کے خلود کی نفی کا مدار آپ کی موت پر خوشی ذکر نے پر ہے۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ خلود سے مکث طویل مراد ہے اس کے ساتھ دوام ہو یا عدم دوام فرق کا اس میں لحاظ نہیں کیا گیا ہے کہ وہ فرضی کے تحقق کا مقتضی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان معترضین کفار و مشرکین کی موت سے پہلے حضور علیہ السلام دنیا سے تشریف نہیں لے گئے بلکہ یہاں آپ کی فرضی موت کو بیان کیا گیا ہے جیسے ایک محال امر کو فرض کیا جاتا ہے وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ معترضین لازماً حضور علیہ السلام کے وصال سے پہلے مر جائیں گے اور حضور علیہ السلام ان کے مرنے کے بعد ایک مدت تک زندہ سلامت رہیں گے چنانچہ غزوۂ بدر کا واقعہ اس امر کا شاہد ہے۔

قرآن مجید کی تاثیر فقیر (حقی) لکھتا ہے کہ وزیر مصطفیٰ الشہیر بابن کوپریلی نے میرے شیخ اور پیر و مرشد کو جزیرہ قبرص میں شہر بدر کر دیا میں ان کی زیارت کے لیے جب جزیرۂ قبرص میں حاضر ہوا تو میرے شیخ مرنے کے وقت آیت مذکورہ کو بار بار پڑھ رہے تھے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ شیخ کے وصال سے پہلے وزیر مذکور مر گیا۔

ف: امام (فخر الدین رازی) نے لکھا کہ چونکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اس سے وہم گزرتا تھا کہ آپ عالم دنیا سے تشریف نہیں لے جائیں گے اس لیے کہ اگر آپ کا وصال ہو گیا تو آپ کی شریعت میں تغیر ہو جائے گا۔

ف: اس آیت سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ خضر علیہ السلام کے آج تک زندہ ہونے کے قائل نہیں حالانکہ یہ تمام مشائخ کرام اور علماء محققین کے عقیدہ کے خلاف ہے کیونکہ وہ زندہ ہیں۔ یہاں تک کہ بعض حضرات نے انہیں دیکھا بھی ہے، ان سے ملاقات اور گفتگو بھی کی ہے۔ (واللہ اعلم) اگر خضر علیہ السلام کا زندہ ہونا پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے تو یہ آیت مخصوص عنہ البعض ہوگی۔

خضر علیہ السلام زندہ ہیں خضر علیہ السلام کے متعلق حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس تک زندہ ہونے کا ثبوت ملتا ہے چنانچہ مستدرک میں مذکور ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال مبارک ہوا تو آپ کی تعزیت کے لیے ملائکہ کرام حاضر ہوئے اور صحابہ کرام کو کہا: "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مصیبت میں ثواب بخشا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو اور ہر معاملہ اسی کے سپرد کرو اور اسی سے ثواب کی امید رکھو اور درحقیقت محروم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ثواب سے محروم ہو۔" یہ کہہ کر واپس ہوئے تو معلوم نہ کر سکے کہ کہاں چلے گئے۔ ان کے بعد ایک مرد اشہب اللحیہ جسیم صبیح لوگوں کی گردنوں پر پھلانگتا ہوا آیا اور آتے ہی رونے لگا۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوا اور فرمایا کہ اللہ مصیبت پر اجر و ثواب بخشتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور رغبت کرو۔ وہ بلاؤں میں تمہیں لطف و کرم سے دیکھتا ہے پھر معلوم نہ ہو سکا کہ کہاں چلے گئے۔ حضرت ابوبکر و علی رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ خضر علیہ السلام تھے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ اس سے ان کفار کے انکار پر ان کو قائم فرمایا۔ اور نفس سے نفس ناطقہ یعنی روحِ انسانی اور موت سے روح کا جسم سے جدا ہونا مراد ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہر نفس روح سے جسم کی جدائی کا مزہ چکھے گا اور ذوق کا حقیقی معنیٰ بھی مراد نہیں اس لیے کہ موت مطعومات سے نہیں بلکہ یہاں پر ذوق سے ایک خاص قسم کا ادراک مراد ہے اسی لیے استعمال اور اک سے مجازی معنیٰ لیا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ موت جوہر یا صفت اور حیات کی نقیض ہے اور اہل حقیقت کی اصطلاح میں نفس کی خواہشات کو مٹانا اس لیے کہ نفس کی خواہشات مٹانے سے حیات حقیقی نصیب ہوتی ہے۔

موت و حیات کے اقسام امام راغب نے فرمایا کہ حیات کی طرح موت بھی کئی قسم ہے
(۱) **قوتِ نامیہ** جو ہر انسان اور حیوانات و نباتات میں ہوتی ہے اسے حیات اور اس کی موت کو نقیض سے تعبیر کرتے ہیں کما قال تعالیٰ اعلموا ان اللہ یحی الارض بعد موتہا۔

(۲) **قوتِ حساسہ** جیسے ویقول الانسان ءاذا ما مت لسوف اخرج حیا۔

(۳) **قوتِ عاقلہ**، اس کی نقیض جہالت ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، انک لا تسمع الموتیٰ۔

(۴) وہ حزن جو انسانی زندگی کو بے چین کر دیتا ہے اس حزن کو موت سے تعبیر کرتے ہیں۔ جیسے ویاتیہ الموت من کل مکان وما ھو بمیت۔

(۵) نیند کو موت اور بیداری کو حیات سے تعبیر کرتے ہیں یعنی نیند کو موت خفیف اور موت حقیقی کو نوم ثقیل سے تعبیر

کیا جاتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے نیند کو توفی سے تعبیر کیا ہے۔ کما قال تعالیٰ: وھو الذی یتوفاکم باللیل۔

اس تحقیق کے بعد یاد رکھنا چاہیے کہ کل نفس ذائقۃ الموت میں موت سے قوتِ حیوانیہ کا زوال اور جسم کا روح سے جدا ہونا مراد ہے۔

ف: التعریفات میں ہے کہ نفس ایک بخاری لطیف جوہر ہے جو قوتِ حیات و حس و حرکت ارادیہ کا حامل ہے۔ اسے حکیم روحِ حیوانی سے تعبیر کرتا ہے۔ یہ ایک نورانی جوہر ہے جو جسم کو روشنی پہنچاتا ہے۔ موت کے وقت اس کی روشنی جسم کے ظاہر و باطن سے منقطع ہو جاتی ہے۔ اس معنی پر موت اور نوم ایک شے ہے، فرق صرف یہ ہے کہ موت میں انقطاع کلی اور نوم میں انقطاع ناقص ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ بیداری کے وقت جوہرِ نفس کا ضوء بدن کے ظاہر و باطن سے منقطع نہیں ہوتا۔ اگر اس کا انقطاع صرف ظاہر بدن سے ہو تو اسے نیند اگر ظاہر و باطن ہر دو سے منقطع ہو تو اسے موت سے تعبیر کرتے ہیں۔

روح کی تحقیق

فقیر (حقی) عرض کرتا ہے کہ روحِ حیوانی کی روشنی جسم کے ظاہر و باطن سے منقطع ہونے کا نام موت ہے یہ روحِ حیوانی روحِ انسانی کا غیر ہے روحِ انسانی کا دوسرا نام نفسِ ناطقہ ہے اس لیے کہ وہ تو ذات جوہر مجرد ہے وہ روحِ حیوانی کے کنٹرول کے ماتحت ہے اس کی تائید انسان العیون سے ہوتی ہے اس میں لکھا ہے کہ اہلسنت کے نزدیک روح ایک لطیف جسم ہے جسے واہبِ حیات نے اپنے کمالات سے اجسام کے مقابلہ بدن میں تصرف کرنے والا ہے اور جسم میں ایسے حلول کرنے والا ہے جیسے تیل زیتون میں حلول کرتا ہے یہ وہی روح ہے جو جسم میں ملاحظات سے تعبیر کرتا ہے یہی روح جب جسم سے جدا ہوتی ہے تو انسان کو موت واقع ہو جاتی ہے۔

ف: بعض اہلِ روحانیت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی جسم کے اندر روح کی نورانی علوی پاکی کی امانت رکھا ہے تاکہ انسان ملائکہ کرام کی طرح تسبیح و تہلیل کرے جسم سے جدا ہونے کے بعد بھی باقی رہے اور اسی جسم انسانی میں روح کی نورانی علوی کے ساتھ روحِ حیوانی ظلمانی سفلی فانی بھی امانت رکھا گیا ہے تاکہ جسم سے جدا ہونے کے بعد اسے موت سے تعبیر کیا جا سکے۔

نکتہ: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ موت کے وقت تو اس کا نام اس لیے لیا جاتا ہے حالانکہ ارواح و قلوب کا ذکر نہیں ہوتا تھا اس لیے کہ ارواح و قلوب کو حقیقی حیات حاصل ہے۔ پھر جب ارواح اجسام سے جدا ہوتے ہیں تو وہ خود ختم ہو جاتے ہیں تو ارواح معارفِ غیب و شاہد رب تعالیٰ کی طرف چلے جاتے ہیں۔

عجیب تحقیق

فقیر (صاحب روح البیان) عرض کرتا ہے کہ میرے پیر و مرشد قدس سرہٗ نے اپنی بعض تحریرات میں لکھا ہے کہ روح اپنی جوہریت اور تجرد اور عالمِ ارواح سے ہونے کی وجہ سے بدن کا مغایر ہے۔ بدن میں تصرف و تدبیر کی وجہ سے متعلق لیکن قائم بذاتہ ہے اپنی بقا و دوام کے اعتبار سے روح بدن کا محتاج نہیں۔ ان چونکہ بدن روح کے علم اور عالمِ شہادت میں اس کے کمالات و ترقی کا مظہر ہے۔ اس معنی پر روح کو بدن کا محتاج کہہ سکتے ہیں اس عالم میں اس سے جدا نہیں ہو سکتا اس کے قدم سے قدم کے اندر جاری و ساری ہے اس کا حلول بدن میں اس طرح کا نہیں جیسے اہلِ نظر کے

یاں مشہور ہے بلکہ وہ جسم میں ایسے موجود ہے جیسے وہ اہل حق تعالیٰ کو ہر جہات میں موجود مانتے ہیں۔ اس تقریر سے معلوم ہوا کہ روح و بدن کے درمیان کل البدن حقایت نہیں۔

ف: ابھا اشیاء میں ظہور حق کی کیفیت معلوم ہے کہ کس کیفیت سے اشیاء کو ذات حق کا عین مانا جاتا ہے اور کس طرح سے غیریت معلوم ہے کہ شئی وجود میں کس طرح سے ظاہر ہے اور کس وجہ سے وہ بدن کا عین ہے اور کس وجہ سے غیر ایک کہ روح اور جسم کا مجازی سب ہے۔

اس تقریر سے ہر ایک کے لئے تحقیق کا میدان صاف ہو گیا وہی علم و فہم کی ہدایت بخشتا ہے۔ فقیر (حق) کے شیخ اور پیرو مرشد کی تقریر بیان ختم ہوئی۔ حق یہ ہے کہ بہت عمدہ تقریر ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ نفس کو روح جو انی کو اس کے تشبیہ کی وجہ سے کہا جاتا ہے ورنہ درحقیقت روح اور شے ہے اور نفس اور۔ اس تحقیق کو پورے طور یاد رکھو۔

ملفوظ جنید رضی اللہ عنہ سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص فنا کی دو طرفوں میں ہو اسے فانی کہو۔ جو شخص اپنے نفس کے ساتھ زندہ ہے تو وہ روح کے نکل جانے سے مردہ ہے۔ اور جس کی حیات اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ ہے وہ موت کے بعد حیات طبیعی سے منتقل ہو کر حیات اصلی کی طرف رجوع کرتا ہے اور حقیقی حیات یہی ہے۔

وصال کے بعد ولی اللہ کی شان بعض مشائخ فرماتے ہیں اولیاء کرام سے کرامات کا ظہور موت اختیاری (یعنی موتوا قبل ان تموتوا جسے فنائی فی اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے) کے بعد ہوتا ہے اگرچہ وہ اس عالم دنیا میں ہوتے ہیں لیکن فنائی فی اللہ کے مرتبے پر فائز ہوتے ہیں۔ پھر موت عارضی (جسے موت عرفی کہا جاتا ہے) سے ان کی کرامت کے ظہور کے منافی نہیں بلکہ ان کی کرامات کا ظہور ان کی وفات کے بعد بھی ہوتا رہتا ہے۔[1]
(کذا فی کشف النور)

حضرت صائب نے فرمایا ؎

مشو بمرگ ز امداد اہل دل نومید[2]
کہ خواب مردم آگاہ عین بیداری ست

ترجمہ: اہل دل کی موت کے بعد ان کی امداد سے نا امید نہ ہو کیونکہ اولیاء اللہ کا خواب (موت) میں بیداری (حیات) ہے۔

---

[1] افسوس کہ وہابی نجدی اس عقیدہ کے خلاف ہیں ۱۲

[2] الحمد للہ ہم اہلسنت کو یہی عقیدہ نصیب ہے جو صدیوں پہلے اسلاف صالحین رحمہم اللہ بھی رکھا کرتے تھے لیکن افسوس کہ دیوبندی اور ان کے ہمنوا اس عقیدہ کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں ۱۲

عقیدہ وہابی گنگوہی ہمارا اعتقاد حضرت اللہ تعالیٰ میں ہے کہ ہر ولی مرنے کے بعد بھی اپنی اصلی حالت میں ہے جیسے وہ قابلِ حیات کے ایمان سے خارج نہیں ہوتا ایسے ہی مرنے کے بعد ایمان سے خارج نہیں ہوتا ایسے ہی انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام وصال کے بعد بھی ولی رہتے ہیں کیونکہ ان کا تعلق روح سے ہے جو صفت موت سے ختم نہیں ہوتی (اسی لیے ہم قائل ہیں کہ جیسے عالم دنیا میں فیضانات و برکات سے نوازتے ہیں وصال کے بعد بھی فیوض و برکات سے مستفیض کر سکتے ہیں مگر ہم نہیں کرسکتے)

ف: نفس سے صرف روح مراد ہے ذات مراد نہیں۔

سوال: اللہ تعالیٰ کی ذات پر نفس کا اطلاق قرآن مجید میں موجود ہے چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا،

تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسک۔

پھر حق نفس ذائقۃ الموت کا عموم کس طرح صحیح رہے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے موت کا مفہوم ممتنع ہے۔ اسی طرح جمادات کے نفوس ہیں لیکن ان پر بھی مذکورہ بالا طریق سے موت نہیں۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ پہاڑ، دواب اور درخت اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول ہیں، جب وہ تسبیح سے غفلت کرتے ہیں تو ان کے آجال اللہ تعالیٰ ختم فرماتا ہے۔ ان کی موت سے ملک الموت کو کوئی تعلق نہیں۔

جواب: اس کا جواب اوپر معلوم ہوا کہ یہ مخصوص منہ البعض ہیں۔

حدیث شریف: اپنی لونڈیوں کو پیٹتے وقت تم نے سوچنا ہے اور دیکھو کہ ان کے لیے بھی تمہاری طرح اجل مقرر ہے۔

حدیث شریف: بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سیدھے گھر تشریف لائے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس کو کھول کر ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور دونوں ہاتھ حضور علیہ السلام کی پیشانی مبارک پر رکھ کر وانبیاہ، واخلیلاہ، واصفیاہ کہا۔ اس کے بعد فرمایا صدق اللہ ورسولہ، وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد افائن مت فہم الخالدون۔ کل نفس ذائقۃ الموت۔ اس کے بعد لوگوں کے پاس چلے گئے، اپنے خطبہ میں فرمایا کہ،

من یعبد محمداً (صلی اللہ علیہ وسلم) فان محمداً (صلی اللہ علیہ وسلم) قد مات و
من یعبد ربہ فان رب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حی لا یموت۔

جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا ہے اُسے سُن لینا چاہیے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے تو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا رب زندہ ہے وہ نہیں مرے گا۔

اس کے بعد آپ نے پڑھا

وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افائن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم۔

ف : عاشق نے کہا کہ جس نے مردم کے دہانہ سے صراحی کے دہن میں قدم رکھا وہ بالضرور فنا کا شربت پیئے گا اسماعات و وفات کا لباس پہنے گا ؎

ہر کہ آمد بجہان اہل فنا خواہد بود
آنکہ پایندہ و باقیست خدا خواہد بود

ترجمہ : جو بھی جہان میں آیا وہ ضرور فانی ہوگا وہ ذات جو ہمیشہ باقی ہے وہ صرف اللہ ہے۔

وَنَبْلُوْكُمْ اے لوگو! ہم تمہارے ساتھ وہی معاملہ کریں گے جو ایک آزمائش والے سے کیا جاتا ہے۔ امام فخر الدین رازیؒ نے فرمایا کہ وہ آزمائش و امتحان لینے سے پاک ہے کیونکہ وہ سب کچھ جانتا ہے۔ لیکن چونکہ آزمائشی صورت میں بندوں سے معاملہ کرتا ہے اسی لیے اس پر اس فعل کا اطلاق مجازاً جائز ہے۔ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ مصیبتوں اور نعمتوں سے جیسے فقر و الم شدۃ اور غنا و لذت و سرور تاکہ ظاہر ہو کہ تم صبر و شکر کرتے ہو یا نہ۔ صوفیائے کرام نے کہا کہ خیر و شر سے قہر و لطف اور فراق و وصال اور اقبال و ادبار اور محنت و عافیت اور جہل و علم و نکرہ و معرفۃ مراد ہے۔

حضرت سہل تستری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شر سے متابعت اور ہوائے نفس بغیر ہدی، اور خیر سے عصمت عن المعصیت اور معونۃ علی الطاعۃ مراد ہے۔

فِتْنَةً یعنی ابتلاء و آزمائش۔ یہ نبلوکم کا مفعول مطلق من غیر لفظہ ہے۔ اصل فتن سونے کو آگ میں ڈالنے کو کہا جاتا ہے تاکہ کھرے اور کھوٹے کا امتیاز ہو۔

حدیث شریف حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں بلا و مصیبت سے آزماتا ہے جیسے سونے کو آگ سے پرکھا جاتا ہے۔ اور بعض لوگ سونے کی طرح کھرے ثابت ہوتے ہیں۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

خوش بود گر محک تجربہ آید بمیان
تا سیہ روی شود ہر کہ در و غش باشد

ترجمہ : اچھا ہے اگر کسوٹی درمیان میں آئے تاکہ اس کا کھوٹ نکل جائے جو کھوٹا مال ہے۔

حضرت خجندیؒ نے فرمایا ؎

نقد قلب و سرہ عالم را
عشق صراف و محبت محک است

ترجمہ : قلب کے نقد اور عالم کا عشق صراف اور محبت کسوٹی ہے۔

حل لغات : امام راغبؒ نے فرمایا کہ بلی الثوب بلی کے معنے ہیں یعنی کپڑا پرانا ہو گیا۔ اور اہل عرب کہتے ہیں بلوتہ

یعنی میں نے اس کا امتحان لیا کہ آیا یہ اس مصیبت سے پاک یا آزمائش سے صاف گزر گیا یا آج اسلام کی بلا۔ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ وہ دوائی ہے جو کہ تپ اس کے جسم کو دور کر دیتا ہے۔

ف: تکالیف کو بلا سے تعبیر کرنے کی کئی وجہیں ہیں:

۱۔ تکالیف جسم کے لیے مشقتیں ہیں اسی بنا پر ان کا نام پڑا ہے۔

۲۔ وہ سراسر آزمائشیں اور امتحانات ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ بندے کو کبھی خوشی و راحت سے آزماتا ہے تاکہ بندہ نعمتوں و راحتوں پر شکر کرے اور کبھی تکالیف میں مبتلا کرتا ہے تاکہ صبر کرے۔

اس سے ثابت ہوا کہ محنت و نعمت ہر دو بلا (آزمائش) ہیں۔ اس لیے کہ نعمت شکر کی مقتضی ہے اور محنت صبر کی۔ لیکن یاد رہے کہ انسان کے لیے تکالیف میں صبر کرنا آسان ہے بہ نسبت نعمتوں پر شکر کرنے کے اس سے معلوم ہوا کہ نعمت انسان کے لیے عظیم آزمائش ہے۔ اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم تکالیف سے آزمائے گئے تو ہم نے صبر کیا لیکن جب ہمیں نعمتوں سے آزمایا گیا تو ہم شکر نہ کر سکے۔ حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو دنیوی دولتوں سے نوازا گیا اور اسے اپنی اس آزمائش کا علم نہ ہو سکا تو وہ دھوکہ کھا گیا۔

ف: جب کسی کے لیے کمالات اور آزمائش میں ڈالا گیا تو اس میں دو امر مقتضی ہوتے ہیں:

۱۔ اس کے حال کا معلوم ہونا اور اس کے قبول امر سے باخبر ہونا کہ وہ نعمت میں مبتلا ہوتا ہے یا محنت میں۔

۲۔ اس کے کھوٹے کھرے کا ظاہر ہونا اس کے حال کا علم ہو جانا۔ لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ نعمت نصیب ہو تو شکر میں اپنے اوقات بسر کرے اگر مصیبت میں مبتلا ہو تو صبر کرے۔ یہ بہت ہی مشکل مرحلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی جس پر فضل کرے وہ کامیاب ہو سکتا ہے ورنہ مشکل ہے۔

وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ موت کے بعد ہماری طرف تم لوٹائے جاؤ گے ہمارے غیر کے ہاں نہ اشتراکاً حاضر ہو گے نہ استقلالاً۔ پھر تم سے سرزد اعمال کی ہم تمہیں جزا دیں گے۔ اس میں وعدہ وعید دونوں ہیں۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ دنیا آزمائش اور ثواب و عقاب کا گھر ہے۔

ف: چونکہ موت اشد التکالیف ہے اسی لیے یہاں بلا پر اسے مقدم کر کے ذکر کیا گیا ہے نیز یہ امر مقرر ہوا کہ جاندار کو مرنے کے بعد حساب و کتاب دینا ہوگا۔ اسی لیے ہر نفس پر موت لازمی ہے۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ سکرات کی تکلیف اس لیے ہوتی ہے تاکہ روح سے وہ محبت دور کی جائے جو اسے جسم کے ساتھ محبت تھی پھر اسے اسی جسم میں اسی لیے لوٹایا جائے گا تاکہ آخرت کے ثمرات سے بہرہ ور ہو جو اس کے لیے تیار کی گئیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا نہ کسی فرد بشر کے دل میں کھٹکا۔

تفسیر صوفیانہ

حدیث قدسی میں ہے و نبلوکم بالشر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے میرے بندو! میں تمہیں مصائب و مکروہات سے آزماتا ہوں جنہیں تم شر سے تعبیر کرتے ہو۔ ان مکروہات میں بھوک، خوف، اموال و انفس و ثمرات کا نقص ہے کیونکہ ان سے نفس کی موت اور قلب کی حیات نصیب ہوتی ہے اور تمہیں محبوب و مرغوب اشیاء سے بھی آزماتا ہوں جنہیں تم خیر کہتے ہو۔ مثلاً شہوات نساء و محبت اولاد اور بہت زیادہ مال یعنی سونا، چاندی اور بہترین گھوڑے، سواریاں اور جانور، کھیتیاں، ان میں نفس کی حیات لیکن قلب کی موت ہے۔ دونوں خیر و شر کی حالتیں تمہارے لیے آزمائش و امتحان ہیں جو نفس اور اس کی صفات کی موت پر صبر کرتا ہے یعنی ان مکروہات و مصائب کے صدمہ پر صبر کرتا ہے تو اسے قلب کی حیات اور اطمینان نفس کی بشارت ہے اور اسے مبارک ہو کہ وہ جذبہ ارجعی الی ربک سے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اپنے آقا و مولیٰ کی طرف رجوع رکھتا ہے کما قال و الینا ترجعون جسے تو شر سمجھتا ہے درحقیقت وہ اس کے لیے خیر ہے۔ کما قال:

وعسیٰ ان تکرھوا شیئًا وھو خیر لکم۔

اور جو شخص مکروہات و مصائب اور نفس کی شہوات پر صبر نہیں کرتا اور محبوب و مرغوب اشیاء کی لذات میں منہمک ہو جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ کے حقوق اور اس کی نعمتوں کا شکر نہیں کرتا تو اسے نعمت کی ناشکری کی وجہ سے سخت عذاب ہوگا اور جسے وہ خیر سمجھتا ہے درحقیقت وہ اس کے لیے شر ہے۔ کما قال تعالیٰ:

وعسیٰ ان تحبوا شیئًا وھو شر لکم۔

اسے اللہ تعالیٰ کے حضور میں قہر و جلال کی وجہ سے بیڑیوں اور زنجیروں سے جکڑ کر حاضر کیا جائے گا۔

سبق

عاقل پر لازم ہے کہ وہ فقر و تنگدستی اور جن امور کو برا سمجھتا ہے ان پر صبر کرے، بالخصوص نفس کے معاملات میں۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

درین بازار اگر سودیست با درویش خرسند است
الٰہی منعمم گردان بدرویشی و خرسندی

ترجمہ: اس بازار میں اگر نفع ہے تو درویش خوش ہے۔ اے اللہ! درویشی و خوشی سے نعمت والا فرما۔

وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا۔

تفسیر عالمانہ

شان نزول: ایک دفعہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ابوجہل کے ہاں سے گزرے تو وہ از راہ استہزاء اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا: یہی عبد مناف کے نبی صاحب ہیں۔ یعنی جب آپ کو مشرکین دیکھتے ہیں اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا تو ٹھٹھا مخول کرتے ہیں۔

حل لغات: الھزو بمعنی المزح فی خفیۃ کسی سے پوشیدہ طور پر ٹھٹھا مخول کرنا۔ یہاں مصدر بمعنی اسم مفعول ہے۔ یعنی ہر وہ شخص جس سے ٹھٹھا مخول کیا جائے۔ اب معنی یہ ہوا کہ یہ لوگ ٹھٹھا مخول کے طور پر آپ کو نبی کہتے ہیں۔

اَهٰذَا الَّذِیْ میں بیان قول محذوف ہے یعنی وہ ایک دوسرے سے کہتے ہیں کیا یہی ہے وہ جو یَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ تمہارے معبودوں کو برائی سے یاد کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ان کی پرستش مبنی بر باطل ہے اور انہیں معبود سمجھنا نہایت قبیح عمل ہے۔ ذکر کبھی جاتا ہے وغیرہ یہ کہ قرائن سے۔ یعنی فلاں ان لوگوں کا غیبت سے ان کے عیوب بیان کرتا رہتا ہے۔ (کذا فی بحر العلوم)

سوال: تم نے ذکر کے ساتھ تو عیوب بیان کرنا وغیرہ کی قید کیوں لگا دی۔

جواب: اس لیے کہ یہی دشمنوں کا کام ہوتا ہے ان کے عیوب کے اظہار کے لیے۔ ورنہ اس کا دشمنوں کا ذکر کرنے کا کیا معنی۔ چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے بتوں کے دشمن تھے اس لیے آپ کا انہیں یاد کرنا ان کے اظہار عیوب وغیرہ کے لیے ہوتا۔ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ یہ حال ہے اور ضمیر مبتدا اور اس کی خبر کافرون ہے اور دوسری ضمیر پہلی ضمیر کی تاکید ہے اور بذکر الرحمٰن خبر کے متعلق ہے اور یہ مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے یعنی کافروں کا حال عجیب ہے کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شکایت کرتے ہیں کہ وہ ان کے معبودان باطلہ کے عیوب بیان کرتے ہیں حالانکہ ان کے معبودان باطلہ کسی کو نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان۔ حالانکہ خود بدبخت ہیں کہ اپنے رب رحمٰن سے کفر کرتے اس کے ذکر سے روگردانی کرتے ہیں ان پر تو فرض ہے کہ اپنے منعم حقیقی کی نعمتوں کو تصور میں لا کر اس کا زیادہ سے زیادہ ذکر کریں۔ اور اس کی توحید کو مانیں۔ لیکن الٹے منکر ہیں۔ لہٰذا وہ اسی لائق ہیں کہ ان کے عیوب بیان کیے جائیں اور ان کی مذمت کی جائے۔

وہابی کی نشانی

آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات سے محجوب ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے محبوبوں کا انکار کرتا ہے اور دیکھتا ہے اور ان کے ساتھ ٹھٹھا و مذاق کرتا ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہیں وہ منکرین کی نگاہ میں قبیح ہیں اور منکرین نے اپنی خواہشات نفسانی کو اپنا معبود بنا رکھا ہے ان پر ان کا تسلط مسلط ہے اس لیے وہ اپنے باطل تصورات میں گرفتار ہیں گویا انہی کی پرستش میں مشغول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ۔

ہر حبیب اپنے محبوب کے لیے غیرت رکھتا ہے اس لیے وہ غیروں سے عداوت کی بنا پر ان کی ان سے مذمت کرتا اور عیب لگاتا ہے اور ان کی نکیروں میں انہیں پر نقصان رکھتا ہے حالانکہ وہ منکرین پر عیب اور قاصر ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے:

۱ آں دہان کژ کرد و از تسخر بخواند مر محمد را دہانش کژ بماند
۲ باز آمد کای محمد عفو کن ای ترا الطاف و علم من لدن
۳ من ترا افسوس میکردم ز جہل من بدم افسوس را منسوب و اہل
۴ چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد میلش اندر طعنۂ پاکاں برد
۵ ور خدا خواہد کہ پوشد عیب کس کم زند در عیب معیوباں نفس

ترجمہ: ١- جو شخص منبر مبارک کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیتا تھا تو اس کا منہ ٹیڑھا ہو جاتا تھا۔

٢- میں حاضر ہو کر معافی طلب کروں گا کیونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ سے بہت لطف و کرم حاصل ہے۔

٣- میں نے غلطی سے آپ کا عیب ظاہر کیا۔ میں برا ہوں اور جہل کی طرف منسوب ہوں۔

٤- جب اللہ تعالیٰ کسی کا پردہ چاک کرنا چاہتا ہے تو اس کا میلان اللہ والوں کے عیب لگانے کی طرف کر دیتا ہے۔

٥- اگر کسی کے عیب ڈھانپنا چاہتا ہے تو عیب داروں کے عیب بھی نہیں کہتا۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ دوسروں کے عیوب بیان کرنے کی بجائے ہر وقت حضرت علام الغیوب کے ذکر میں مشغول رہے کیونکہ وہ اپنے مخصوص بندوں پر ہر وقت رحمت نازل فرماتا ہے۔

حدیث شریف: میں ہے جو اللہ تعالیٰ کو مطیع ہو کر یاد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے یاد کر کے اپنی رحمت سے نوازتا ہے اور جو اسے نافرمان ہو کر یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ذکر کی بجائے اس پر لعنت کرتا ہے اور تمام اذکار سے افضل ذکر لا الٰہ الا اللہ ہے کیونکہ اس سے اعراض عما سوی و اقبال الی اللہ نصیب ہوتا ہے۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ حدیث کے جملہ اول میں ففروا الی اللہ کی طرف اور جملہ ثانیہ میں قل اللہ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون کی طرف اشارہ ہے۔

ف: منقول ہے کہ تمام عبادات اور اذکار الٰہی ملائکہ کے واسطے سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں پہنچتے ہیں سوائے کلمہ طیبہ کے کہ وہ بلاواسطہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں پہنچتا ہے۔ جو بھی اسے خلوص قلب سے ایک بار پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ بخش دیتا ہے اگرچہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو اسی کلمے کا حکم فرمایا ہے۔ اسی کلمہ (لا الٰہ الا اللہ) سے زمین و آسمان قائم ہیں اور یہی اسلام کا کلمہ اور نجات اور نور ہے اور خلوص و صدق و صفا و یقین کے ساتھ یہی انسان کا باطن نورانی ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

خُلِقَ الْاِنْسَانُ انسان کی جنس پیدا کی گئی **مِنْ عَجَلٍ** عجلت سے۔ العجلۃ یعنی طلب الشئ و تحریہ قبل اوانہ شئ کا وقت سے پہلے مطالبہ اور جدوجہد کرنا اور یہ شہوت کے مقتضیات سے ہے۔ اس لیے مذموم ہے۔ چنانچہ وارد ہے العجلۃ من الشیطان۔ چونکہ انسان کی فطرت میں عجلت کا غلبہ ہے گویا اسی سے پیدا کیا گیا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے: خلق زید من الکرم۔ یہ اس شخص کے لیے بولتے ہیں جو جود و کرم جس کی طبیعت میں رچا بس جائے۔ اس لیے جو عادت کسی کی طبیعت بن جائے کہ اس کا اس سے جدا ہونا عادۃً ناممکن ہو تو اسی عادت پر اس کی تخلیق کو منسوب کیا جاتا ہے۔ منجملہ انسان کا کفر کی طرف عجلت اور وعید کا جلد تر مطالبہ ہے۔ چنانچہ نضر بن حارث نے کہا: اللھم ان کان ھذا ھو الحق فامطر علینا حجارۃ من السماء او ائتنا بعذاب الیم۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہاں الانسان سے حضرت آدم علیہ السلام مراد ہیں کہ جس وقت ان کی روح ان کے جسم میں داخل ہوئی ابھی روح پیٹ تک نہیں پہنچی تھی کہ کھڑے ہونے لگے حالانکہ روح ابھی نیچے حصے میں نہیں پہنچی تھی۔

سَاُورِیْکُمْ اے جلد باز، عنقریب میں تمہیں دکھاؤں گا اٰیٰتِیْ اپنی آیات۔ یعنی دنیا میں اپنی قہر کی نشانیاں دکھاؤں گا۔ جیسا کہ غزوۂ بدر میں کافروں نے مزہ چکھا اور آخرت کے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ پس عذاب کے مطالبہ میں جلدی نہ کرو۔

سوال : تم نے کہا کہ عجلت طبع انسانی ہے اور فطرت انسانی سے روکنا مالا یطاق ہے اسے روکنا کیا جائز ہے۔

جواب : اگرچہ عجلت فطرت انسانی ہے لیکن منع کے اپنے اختیار و ارادہ سے ہوتی ہے اور انسان کو اپنی مراد سے روکنا تاکہ اپنی بری عادت سے باز آجائے تکلیف مالا یطاق نہیں۔ اس کی مثال اُحضرت الانفس الشح ہے کہ طبعی بخل انسان کا فطری معاملہ ہے تاہم اسے راہ خدا میں خرچ کرنے کا حکم ہے۔ اسی طرح ضعف و کمزوری انسان کی فطرت ہے لیکن پھر بھی اسے جہاد کا حکم ہے۔ اسی طرح شہوات نفسانی میں مبتلا ہونا بھی اس کی فطرت ہے۔ لیکن اسے شہوت رانی سے روکا گیا ہے۔ یہ تمام تکالیف مالا یطاق نہیں بلکہ اسے برائیوں سے بچنے کا حکم ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں چند اشارے ہیں :

۱۔ اے بندگان خدا! تم اپنی جہالت و حماقت سے عذاب کی طلب میں عجلت کرتے ہو اور اس طرح کہ تم میرے حبیب اور میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استہزا کرتے ہو اور انہیں ایذا دیتے ہو۔ مجھے اس سے ناراضگی ہوتی ہے تو میں تمہیں عذاب میں مبتلا کر دوں گا کیونکہ میرا قانون ہے کہ جو میرے کسی دوست سے دشمنی کرتا ہے وہ میرے ساتھ جنگ کرتا ہے۔ اسے یقین ہو کہ اس طرح سے میں اپنے دوست کے دشمن پر غضبناک ہو کر عذاب میں مبتلا کرتا ہوں۔ جیسا ایک بکری کے بچے کا ایک شیر پر اس لیے غضبناک ہوتا ہے کہ شیر اس کی بکری کے بچے کا دشمن ہے۔ ایک بکری کے بچے سے ناراض ہونا تو معمولی بات ہے میرے دوست کی دشمنی بڑا خطرناک امر ہے۔ اس کلام کی تائید سیاق و سباق سے ہوتی ہے کہ یہاں آیات سے مراد عذاب ہے۔ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ یعنی میرے نبی علیہ السلام کے ساتھ استہزاء اور ایذا رسانی کر کے جلد عذاب کی طلب نہ کرو۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین اور ان کے مابین کی اشیاء کو صرف چھ دن میں اور آدم علیہ السلام کو چالیس دن میں پیدا فرمایا۔

حدیث شریف مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین اور ان کے مابین کی اشیاء کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا اور آدم علیہ السلام کا گارا اپنے قدرت کے ہاتھ سے چالیس دن تک ملایا۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ اس کا ہر دن ہمارے ہزار سال کے برابر تھا۔ یعنی آدم علیہ السلام کی تخمیر پر چالیس ہزار سال گزرے۔

نکتہ عجیبہ باوجودیکہ انسان کی تخلیق کو عجلت سے تعبیر کیا گیا کہ اس پر چالیس ہزار برس لگے وہ حقیقت انسان کے مابین کا [illegible] ہزار برس [illegible] کیونکہ آدم علیہ السلام سے آسمان اور زمین اور ان کے

مابین کی جو اصطبا کا ہر فرد پیدا کیا گیا۔ علاوہ ازیں خلافت کا حامل بنانا مطلوب تھا اس لیے اس کے اندر خلافت کے اسرار کے قبول کرنے کی استعداد تیار کی گئی اور اسی سے تجلیات ذات وصفات حاصل کرنے تھے اس میں ایسی قابلیت رکھی گئی تھی پھر وہ کمالات جن کے لیے کائنات کی تخلیق ہوئی ان کے ظاہر کرنے کا شیشہ اسی میں مطلوب تھا یہی وہ آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں اور ان کے مکینوں اور ملائکہ کے سامنے پیش کی گئی تو سب نے انکار کر دیا اس امانت کا اٹھانا اسی کے ذمہ ہو گیا اس کی استعداد کی اس کے اندر پیدا کرنا مقصود تھا وجہ مذکورہ کے پیش نظر تخلیق و تکمیل آدم علیہ السلام پر بہت طویل عرصہ درکار تھا لیکن باوجود ایں ہمہ صرف چالیس ہزار سال میں یہ کام تمام ہوا۔ اسی لیے فرمایا: خلق الانسان من عجل۔ اس تقریر کی تائید سأریکم آیاتی فلا تستعجلون سے بھی ہوتی ہے۔ یعنی میں اپنے کمالات صفات مظاہر آفاق و مرآت نفوس میں تمہیں دکھاؤں گا بشرطیکہ تم اپنے زمانہ کے نبی یا ولی سے اپنے نفوس کی تربیت و تزکیہ کرو۔ لیکن یاد رکھو ان کمالات سے بہرہ لینے کے لیے مقام کے حصول میں عجلت نہ کرو۔ یاد رہے کہ اس مقام کی طلب مدت مدید تک حاصل کی جاتی ہے۔ بلکہ میرے نزدیک اس کی طلب ازل سے ابد تک جاری رہتی ہے۔ ایسا وہ پروگرام ہے جو شتابزدگی (لاابالی) سے ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

سنریهم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسهم حتی یتبین لهم انه الحق۔

کسی شاعر نے فرمایا ہے

لا تعجلن لأمر انت طالبه — فقلما یدرك المطلوب ذو العجل
فذو التأنی مصیب فی مقاصده — وذو التعجل لا یخلو من الزلل

ترجمہ: ۱- جس امر کا آپ طالب ہیں اس میں عجلت نہ کیجئے۔ عجلت والے مطلوب کو نہیں پا سکتے۔
۲- حوصلہ والے مطالب حاصل کر لیتے ہیں اور عجلت والے خرابیوں سے خالی نہیں۔

ف: اعرابی نے دوستوں سے فرمایا کہ عجلت مت کرو اس لیے کہ اہل عرب عجلت کو "ام الندامات" کا لقب دیتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو فرمایا ہر کام سے پہلے تھوڑا سا وقفہ کر کے سوچ لیا کرو۔ کاش میں بھی تھوڑا سا سوچ لیتا تو مجھے ایک عرصہ دراز تک تکالیف نہ اٹھانا پڑتیں۔

سبق: امور دینی و دنیوی میں حوصلہ اور تامل اور طویل فکر ضروری ہے۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے

چو آید صبح وصل او خواہد رسیدن عاقبت جامی
مخور غم گر شب ہجراں بپایاں دیر می آید

ترجمہ: وصال کی صبح جب آئے گی تو اے جامی! غم نہ کر اگر شب ہجر کو دیر ہو رہی ہے۔

تفسیر عالمانہ وَيَقُولُونَ بطریق استہزاء کہتے ہیں مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ یہ وعدہ عذاب کب آئے گا اے رسول اللہ تعالیٰ ہمارے اوپر جلدی سے اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اگر تم اپنے وعدہ میں سچے ہو۔ یہ خطاب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہے کہ وہ کفار کو عذاب شدید کی آیات سناتے تھے لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ

لَوْ کا جواب محذوف ہے یعنی لفظ مضارع کو ماضی کیا گیا تاکہ کفار کے عدم علم کے استمرار پر دلالت کرے اور حِیۡنَ یعلم کا مفعول بہ ہے اور الکف بمعنی الدفع، جیسے کَفَفۡتُہٗ بمعنی اَکۡفَفۡتُہٗ یا الکف وہ ہتھیلی ہے چونکہ عادۃً منہ کو ہاتھ سے چھپایا جاتا ہے اسی لیے اس کا معنی الکف لیا گیا ہے۔ وہ منہ چھپانا مطلب ہے ہاتھ سے یا کسی اور شے سے۔ اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ اگر کفار وقت معلوم ہوتا جس کے لیے وہ متیٰ ھٰذا الوعد کہہ کر جلدی کرتے ہیں کہ انہیں جہنم کی آگ ہر طرف سے گھیر لے گی اور وہ اسے دور دفع کر سکیں گے اور نہ ہی اپنا کوئی حامی و مددگار پائیں گے جو ان کے طلب کرنے پر عذاب سے انہیں بچا سکے اور چہروں اور پشتوں کی تخصیص صرف ان کی شرافت و جانب ہونے کی وجہ سے ہے ورنہ انہیں عذاب ہر طرف سے گھیر لے گا۔ جیسے کوئی شے کسی کو گھیر لیتی ہے تو اسی کی ہر طرف کو محیط ہو جاتی ہے۔ بَلۡ تَاۡتِیۡهِمۡ بلکہ ان کے پاس وہ گیا ہوا آئے گا بَغۡتَةً اچانک، بغتۃً بمعنی فجاءۃ الشیء من حیث لا یحتسب شے کا اچانک آنا کہ جس کے متعلق وہم و گمان تک نہ ہو۔ یہ تاتیہم کا مفعول مطلق ہے اسی لیے کہ بغتۃً بھی ایک قسم کا آنا ہے یا تاتی کے حال ہے بمعنی باغتۃً۔ فَتَبۡهَتُهُمۡ تو انہیں مبہوت اور متحیر کر دے گی۔ البہت بمعنی الحیرۃ۔

حکمت قیامت کا علم (عوام کو) اسی لیے نہیں دیا گیا کہ وہ جانتے کہ اچانک آتی ہے اسی سے انسان کو ہر وقت کھٹکا رہتا ہے اور اسی کی فرصت پیدا کرنے کے لیے ہر وقت لگا رہتا ہے لیکن تو اس کو اسی سے غیرت ہوتی ہے جو پریشانی یعنی کہ غیرت و پریشانی اسے ہوتی ہے جو غفلت میں ہے وہ حضرات تو ہر وقت قبضۂ حق اور اس کے حضور میں حاضر رہتے ہیں انہیں غفلت کیسی اور حیرت کیوں؟ بلکہ وہ حیات کی منازل طے کر کے عالم قدس کے جانشین ہو سکتے ہیں۔

(کذا قال بعض الاکابر)

فَلَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ رَدَّهَا تو اس وقت عذاب یا آتشِ جہنم یا قیامت کو رد کرنے کی طاقت نہیں رکھیں گے۔ وَلَا هُمۡ يُنۡظَرُوۡنَ۔ الانظار سے ہے بمعنی مہلت دینا اور مؤخر کرنا یعنی نہ انہیں مہلت دی جائے گی تاکہ توبہ آرام کر سکیں یا توبہ کر سکیں یا عذر پیش کر سکیں یا النظر سے ہے یعنی انہیں لطف و رحمت سے نہیں دیکھا جائے گا اور نہ ہی ان کے عجز و نیاز کو دیکھا جائے گا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ منکرین کو انکار کی برائی اور نار قطیعہ کی سزا سے پہلے علم ہوتا کہ انہیں اس طرح یعنی فراق الٰہی کی آگ سخت جلائے گی تو وہ انکار پر نہ رہتے بلکہ توبہ کر کے راہِ الٰہی پر ہو جاتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کا اعلیٰ و افضل مقصد طلب حق و وصول الی اللہ ہے جیسے انسان کے ظاہری اعضاء میں ضروری ہے کہ وہ نار حق کی حفاظت میں پائیں دیکھے۔ اسی طرح اس کے باطنی اعضاء سے ہے کہ اپنی بصیرت کو اسی اللہ سے محفوظ رکھے لیکن یہ منزل کسی اللہ والے کے وسیلہ اور اس کی نگاہ کرم کے بغیر نصیب نہیں ہوتی۔

حکایت مجنوں منقول ہے کہ کسی نے مجنوں کا پیالہ توڑ دیا تو مجنوں رقص و وجد کر خوشی سے رقص کرتا رہا۔ اسے کہا گیا کہ تیرا خیال ہے کہ لیلیٰ تجھ سے پیار کرتی ہے حالانکہ معاملہ برعکس ہے اگر تو دوسروں کو کچھ دیتی ہے اور تیرا پیالہ توڑ ڈالا۔ مجنوں نے جواب دیا کہ یہ پیالہ چونکہ غیر کا تھا اسی لیے اس کا ٹوٹ جانا مجھے عزیز ہے ورنہ تو میرا پیالہ کیوں توڑتی!

کسی لمحہ کیوں نہ توڑا!

سبق : صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ اسی طرح اللہ تعالیٰ جس بندے سے پیار کرتا ہے اس کے وجود کا پیالہ توڑ کر اسے فنائیت کا مقام عطا فرماتا ہے۔

ولی کا رد اور ولی اللہ کا کمال حقداؤ شرعاً وکشفاً تمام علماء ظاہر و مشائخ باطن کا اتفاق ہے کہ جسے مقام فنائیت یار کی اور مقام ولایت دنیا میں نصیب نہ ہوا وہ مرنے کے بعد بھی محروم رہے گا اور آخرت میں بھی اسے کچھ نصیب نہ ہوگا۔ (کذا فی الفکوک لحضرۃ الشیخ صدر الدین قونوی)

اس سے معلوم ہوا کہ ظرف صوفی ایک غنیمت ہے جب اچانک موت نے آگھیرا تو انسان کو نہ مہلت نصیب ہوگی نہ اس میں کوئی تدارک کر سکے گا۔

شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

۱ خبر داری اے استخوانی قفس   کہ جان تو مرغیست نامش نفس
۲ چو مرغ از قفس رفت بگسست قید   دگر رہ نگردد بسعی تو صید
۳ نگہ دار فرصت کہ عالم دمیست   دمی پیش دانا بہ از عالمیست

ترجمہ : ۱ - اے پنجرے میں پھنسی ہوئی چڑیا (انسان) ! تیری روح تو ایک پرندہ ہے جسے نفس کہا جاتا ہے۔
۲ - جب پرندہ اڑ گیا تو پنجرہ ٹوٹ جائے گا دوبارہ تیری کوشش کے باوجود بھی وہ پرندہ تیرے ہاں نہ آسکے گا۔
۳ - فرصت کو غنیمت سمجھو اس لیے کہ یہ جہان ایک دم ہے ایک دم دانا کا عالم سے بہتر ہے۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کفار کے استہزا سے تسلی دی جا رہی ہے کہ جیسا آپ سے پہلے رسل کرام علیہم السلام سے استہزا کیا جاتا کہ وہ بھی بڑے ذیشان اور صاحب فضیلت پیغمبر تھے اور آپ سے پہلے ایسے کثیر التعداد حضرات سے کفار استہزا کرتے تھے۔ انہوں نے صبر کیا آپ بھی صبر فرمائیے۔ اس میں مضاف کو محذوف کر کے مضاف الیہ اس کے قائم مقام کر دیا گیا ہے **فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ**۔ حل لغات : حاق یحیق حیقا بمعنے احاطہ یعنی کافروں کو گھیر لیا یعنی ان پر لازم اور واجب ہو گیا اور حاق بمعنے نزول بھی آتا ہے لیکن اس کا اکثر استعمال شر کے لیے ہوتا ہے اور الحیق ہر وہ فعل کہ جو انسان پر لازم ہو بالذین، حاق سے متعلق ہے اور منھم کی ضمیر رسل کی طرف راجع ہے اور اسم موصول حاق کا فاعل ہے۔ اب معنی یوں ہوا کہ ان کے استہزا کی وجہ سے انہیں عذاب محیط ہو گیا۔

سوال : انہوں نے عذاب کی جلدی کا مطالبہ کیا لہٰذا یہاں یستہزءون کی بجائے یستعجلون لانا مناسب تھا۔

جواب : چونکہ اسی جلدی کے مطالبہ میں استہزا مطلوب تھا اسی لیے اصل فعل کو دیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ جیسے کفار مکہ آپ سے استہزاء کرتے ہیں ایسے ہی سابقہ امتوں کے کافروں نے اپنے انبیاء و رسل کرام علیہم السلام سے استہزا کیا تھا تو جیسے وہ عذاب میں مبتلا ہوئے یہ بھی ہوں گے اور اپنے کیے کی سزا پائیں گے۔

قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ
تم فرماؤ شب و روز تمہاری کون نگہبانی کرتا ہے رحمٰن سے
بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٤٢﴾ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ
بلکہ وہ اپنے رب کی یاد سے منہ پھیرے ہیں کیا ان کے کچھ خدا ہیں جو ان کو ہم سے بچاتے ہیں
لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ﴿٤٣﴾ بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ
وہ اپنی ہی جانوں کو نہیں بچا سکتے اور نہ ہماری طرف سے ان کی یاری ہو بلکہ ہم نے ان کو اور ان کے
وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ؕ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا
باپ دادا کو برتنا دیا یہاں تک کہ زندگی ان پر دراز ہوئی تو کیا نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے
مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿٤٤﴾ قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۫ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ
گھٹاتے آتے ہیں تو کیا یہ غالب ہوں گے تم فرماؤ کہ میں تم کو صرف وحی سے ڈراتا ہوں اور بہرے پکارنا نہیں سنتے
الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ
جب ڈرائے جائیں اور اگر انہیں تمہارے رب کے عذاب کی ہوا چھو جائے تو ضرور کہیں گے ہائے
لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿٤٦﴾ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ
خرابی ہماری بیشک ہم ظالم تھے اور ہم عدل کی ترازوئیں رکھیں گے قیامت کے دن تو کسی
فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ
جان پر کچھ ظلم نہ ہوگا اور اگر کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر ہو تو ہم اسے لے آئیں گے اور ہم
وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿٤٧﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً
کافی ہیں حساب کو اور بیشک ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فیصلہ دیا اور اجالا
وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٨﴾ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ
اور پرہیزگاروں کو نصیحت وہ جو بے دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور انہیں قیامت کا
مُشْفِقُوْنَ ﴿٤٩﴾ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿٥٠﴾
اندیشہ لگا ہے اور یہ ہے برکت والا ذکر کہ ہم نے اتارا تو کیا تم اس کے منکر ہو

تفسیر عالمانہ قُلْ اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم بطور تبکیت و تقریع کے طور استہزاء کرنے والوں سے فرمائیے مَنْ استفہامیہ ہے یَکْلَؤُکُمْ الکلؤ بمعنے حفظ الشیء و تبقیتہ کسی شے کو محفوظ اور باقی رکھنا۔ اور انکاری وہ شخص جو شے کی حفاظت کرے۔ یعنی تمہاری حفاظت کون کرتا ہے بِالَّیْلِ وَالنَّھَارِ رات اور دن میں مِنَ الرَّحْمٰنِ اللہ تعالیٰ کے اس عذاب سے جو رات اور دن میں تمہارے کرتوتوں کی [illegible] سے نازل ہو جس کے تم مستحق ہو یعنی اگر اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دینے کا ارادہ فرمائے تو اس کے عذاب سے تمہیں کون بچائے گا۔ یعنی کوئی نہیں وہی ہے تمہیں عذاب وغیرہ سے بچانے والا۔

نکتہ اس میں اشارہ ہے کہ وہ کریم رحمت عامہ کے علاوہ خاص رحمت سے اپنے ہر بندے کی حفاظت فرماتا ہے۔ اور ان کی حفاظت کا یہ معنیٰ ہے کہ انہیں مہلت بخشتا ہے اور رات کی تقدیم اس لیے ہے کہ عذاب اور آفات [illegible] اور حشرات جو عذاب و حادثہ کا واقع ہو سکتے ہیں۔

بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُعْرِضُونَ بلکہ وہ اپنے رب تعالیٰ کے ذکر سے روگردانی کرنے والے ہیں۔ یعنی ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کا خیال تک نہیں چہ جائیکہ ان کے دل میں خوف الٰہی ہو۔ وہ ہماری اس حفاظت کو اپنا اصلی ورثہ سمجھ کر اتنا بے شعور ہیں سے پوچھتے ہیں کہ ہمارا انکار ہوتا ہے۔ آپ ان سے ایسے سوالات دیکھیے اس لیے کہ وہ ایسی صلاحیت نہیں رکھتے کہ ان سے سوال کیا جائے کیونکہ وہ ذکر الٰہی سے روگردان ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب بشریت سے بے ہیں ان سے تو صلاحیت کی امید کی جا سکتی ہے، لیکن جو روحانیت کے پردوں سے بے ہیں ان سے تو بہتری کی امید نہیں کی جا سکتی اس لیے کہ بشریت کے حجابات کے بعد انہیں اپنی جہالت کا اقرار ہے لیکن روحانیت کے حجابات کے بعد تو مغرور ہیں اسی لیے بشریت کے حجابات کے گرفتار بہ لوازم بشریت میں مشغول ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ذکر و طلب سے روگردان ہیں لیکن روحانیت کے حجابات کے گرفتار اپنی معرفت اور مقامات عالیہ میں گرفتار ہونے کی وجہ سے مکر میں پڑے ہوئے ہیں اسی لیے ان کی روگردانی سخت تر ہے۔ کمال خجندی نے فرمایا ہے

بشکنی بت خود کہ در دین ما عاشقان ٭ یک بت کہ بشکند بہ از صد عبادت است

ترجمہ: خود پسندی کے بت کو توڑ دے اس لیے کہ عشاق کے دین میں سو سال کی عبادت سے ایک بت توڑنا بہتر ہے۔

صائب نے فرمایا ہے

۱ بخود بینی ہرگز نمی گسستند مغروران ٭ اگرچہ صورت مقراض لا دارد گرہ بیجا

ترجمہ: مغروروں سے خود بینی کا رشتہ کبھی نہیں کٹتا۔ دیکھیے مقراض کی شکل لا جیسی ہے لیکن ہزاروں گرہیں بیجا پیدا کرتی ہے۔

تفسیر عالمانہ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ ام منقطعہ بمعنے بل ہے یعنی بلکہ انہیں یہ ناز ہے کہ ان کے معبودان باطلہ بچا لیں گے اور انہیں ان پر بڑا اعتماد ہے حالانکہ ان کا یہ خیال سراسر غلط اور باطل ہے لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ۔ یہ جملہ مستانفہ اور ماقبل کے مضمون یعنی ان کے اعتماد کی تقریر اور ان کے اعتقاد باطل کی وضاحت کرتا ہے یعنی ان کے معبودان باطلہ جن کے متعلق ان کا اعتقاد ہے کہ وہ انہیں عذاب الٰہی سے بچائیں گے یہ بالکل غلط ہے اس لیے کہ ان کے معبودان باطلہ تو ایسے بیچارے ہیں کہ انہیں اپنی مدد کی بھی طاقت نہیں یعنی اگر انہیں کوئی نقصان پہنچائے مثلاً انہیں توڑے یا اپنی جگہ سے ہٹائے یا ان پر گندگی پھینکے یا ان کو گندگی آلود کرے وغیرہ وغیرہ تو اپنے سے ایسی خرابیاں دور نہیں کر سکتے۔ (وہابی نجدی دیوبندی اولیاء کرام کے مزارات کو بتوں سے تشبیہ دے کر یہی آیات استدلال میں لاتے ہیں ان بےعقلوں سے کوئی پوچھے کہ مزارات اولیاء اور اصنام باطلہ میں قدر مشترک کیا ہے کیا مزارات اور اصنام باطلہ ایک شے ہیں یا فرق ہے ؟ تفصیل تفسیر اویسی میں دیکھئے)[1] اور نہ ہی بتوں کو ہماری جانب سے مصاحبت کا اور کسی طرح کی اجازت ہے

بُت اور ولی اللہ میں فرق امام راغب نے فرمایا کہ ہماری جانب سے انہیں نہ تسکین نصیب ہوگی یہ وضاحت نہیں جیسے ہمارے اولیاء کرام کو ہماری جانب سے تسکین وغیرہ نصیب ہوتی ہے کہ اس کا وجود بتوں کے بجائے یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے بت ان کی مدد کریں گے وغیرہ۔[2]

مسئلہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یصحبون بمعنے یمنعون کیا ہے۔

بَلْ مَتَّعْنَا هٰۤؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ امتاع بمعنے ایک طویل وقت تک کسی شے سے نفع پانا۔ مثلاً کہا جاتا ہے:
متعہ اللہ بکذا او امتعہ و تمتع بہ۔

اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا بلکہ ہم نے انہیں اور ان کے آباء کو سامان عیش اور اسباب زندگی بخشے۔

حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ؕ عمر العمر و عمر بمعنے زندگی۔ تعمیر بدن کی عمارت کو عمر سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی عیش و عشرت میں عرصہ دراز تک انہوں نے وقت گزارا تو وہ دھوکا کھا کر گمان کر بیٹھے کہ ہمیشہ اسی طرح رہیں گے یہاں تک کہ ان پر کسی کا غلبہ نہیں، لیکن اصل مطلب نہ سمجھا کہ ایک دن دست اجل انہیں ایسا طمانچہ مارے گا کہ ان کی زندگی کا ڈھانچہ پاش پاش ہو جائے گا۔ اَفَلَا يَرَوْنَ کیا وہ کیوں نہیں دیکھتے اَنَّا نَاْتِى الْاَرْضَ حتی ہم کفار دار الحرب کی زمین پر آتے ہیں نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا اہل ایمان کو ان پر غلبہ دے کر ان کی زمین کے اطراف کو کم کر دیتے ہیں۔ پھر انہیں غلط فہمی کیوں ہے کہ وہ ہمارے عذاب سے بچ جائیں گے۔ یہ جملہ بعد دوسری خبر یا حال کے بعد دوسرا حال ہے یا بدل ہے الاطراف، طرف (بالتحریک) کی جمع ہے بمعنے ناحیۃ من النواحی وطائفۃ من الشئ۔ مفسرین نے فرمایا اس سے زمین کے کم ہو جانے کی دلیل نہیں بلکہ کفار کے ممالک کا تھوڑا تھوڑا کر [illegible]

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ

[2] یہ فرق امام راغب اصفہانی کا بتلایا ہوا ہے صاحب روح البیان نے جلد ۴ ص [illegible] میں تحت آیت ہذا بیان فرمایا ہے اسے وہابی نجدی دیوبندی کی نظر کرنی چاہیے کیونکہ وہ ہمیشہ اولیاء اور اصنام باطلہ کو ایک سمجھتے ہیں۔ مترجم

اور کافروں کے اسلام میں داخل ہونے پر مجبور ہو جانے کی تمثیل و تصویر ہے جیسے ثانی میں اللہ تعالیٰ کے کہنے کے سبب سے اطراف اسلام کا غلبہ مجازاً مراد ہے یعنی اسی زمین کی کمی سے یعنی کفار کے قبضہ سے نکل کر اہل اسلام کے قبضہ میں (مجازاً) چلا جانا مراد ہے اسی معنیٰ پر جب چند ملک مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئے اور کفار سے چھین لیے گئے تو گویا کافروں کی زمین کم ہو گئی۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آیت کے نزول کے بعد حسب وعدہ روز اہل اسلام کو ترقی دی اور کفار کو تنزل۔ اس کی مزید تفصیل ہم نے سورۂ رعد میں کر دی ہے۔

أَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ یعنی جب خود اسلام کا غلبہ آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں تو کیا اب بھی انہیں وہم ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل اسلام پر غلبہ پائیں گے حالانکہ غلبہ اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے اور کفار مغلوب ہیں۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں چار صفات میں خصوصی فضیلت دیا گیا ہوں:

حدیث شریف ۱۔ سماحت ۲۔ شجاعت ۳۔ کثرۃ الجماع ۴۔ شدیدۃ البطش (سخت گرفت)

سکندر سے کہا گیا کہ دارا ایک کثیر لشکر لے کر مقابلے میں آ رہا ہے۔ سکندر نے جواب دیا کہ قصاب بکریوں کو ذبح کرنے کے لیے ان کی کثرت سے نہیں گھبراتا۔ مثنوی شریف میں ہے:

۱ تیشہ را ز انبہی شاخ درخت — کے ہراس آید ببرد لخت لخت
۲ شعلہ را ز انبہی ہیزم چہ غم — کے رمد قصاب ز انبوہ غنم
۳ خر شاید کشت از بہر صلاح — چون شود وحشی شود خونش مباح
۴ لاجرم کفار را شد خون مباح — ہمچو وحشی پیش نشاب و رماح
۵ جفت و فرزندان شان جملہ سبیل — زانکہ بے عقلند و مردود و ذلیل

ترجمہ: ۱۔ کلہاڑی کو درخت کی ٹہنیوں سے ہراس کیا بلکہ وہ ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے۔

۲۔ آگ کو لکڑیوں کی کثرت کا خوف کہاں، اور قصاب کو بکریوں کی کثرت کا کیا خطرہ۔

۳۔ جب گدھا وحشی ہو جائے اس کی اصلاح کی امید فضول، اسے تو اس کا قتل کر دینا چاہیے۔

۴۔ کافروں کا خون مباح کرنا ضروری ہے جیسے شکاری اور تیر انداز کے سامنے وحشی۔

۵۔ کافروں کے تمام اہل و عیال اور چھوٹے بڑے بھی قبضہ میں لانا ضروری ہے کیونکہ وہ بھی بے عقل اور مردود و ذلیل ہیں۔

اولیاء و انبیاء کی شان اقدس

غلبہ و نصرت ایک اعلیٰ اور شریف منصب ہے اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کے لشکر کو حاصل ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا لشکر حضرات انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا و علیہم السلام ہیں

کما قال تعالیٰ: وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔

اگرچہ بظاہر کہیں مغلوب بھی ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو کل عرب بلکہ مشرق و مغرب تک غلبہ بخشا اور بہت بڑے سرکش بادشاہوں کی سلطنتوں پر قبضہ جمایا اور ان کے تخت اور خزانوں کے مالک بنے اور تمام دنیا پر اپنی فوقیت کا لوہا منوا دیا۔ بعض اوقات ان کا شکست کھا جانا ان کے لیے امتحان و آزمائش کی وجہ سے تھا۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے وعدے پر بھروسہ کرے۔ جہاد سے کسی وقت بھی دلگیر نہ ہو اس لیے کہ ہمت ہو تو زنجیریں کٹ جاتی ہیں اور پہاڑ ہل جاتے ہیں۔ ؎

باب خیبر اور حضرت علی رضی اللہ عنہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا:
ما قلعت خیبر بقوۃ جسمانیۃ ولا بحرکۃ غذائیۃ ولکن ایدت بقوۃ ملکوتیۃ ونفس بنور ربہا مضیئۃ۔ (روح البیان ج ۳ ص ۳۰۴ تحت آیت ۱۶)
(میں نے قوت جسمانیہ سے نہیں اور نہ ہی حرکت غذائیہ سے خیبر کو توڑا تھا بلکہ قوت ملکوتیہ اور اللہ تعالیٰ کی اس نورانی طاقت سے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے بخشی)

دروازہ خیبر کو ستر انسانوں نے اٹھایا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ خیبر کے قلعے میں پہنچے تو اس کے ایک دروازے کو اکھاڑ کر زمین پر دے مارا۔ فراغت کے بعد ستر آدمیوں نے اٹھا کر اسے اپنی جگہ رکھا۔ اور فرمایا: چند پہلوں سے اور عاقل ہمت سے اٹھاتا ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ وہ لوگ جو آپ سے عذاب کی جلدی کا مطالبہ کرتے ہیں آپ ان سے فرما دیجیے کہ میں تمہیں عذاب الٰہی سے بذریعہ وحی اور ان اخبار کی وجہ سے ڈراتا ہوں جو مجھ پر نازل ہوتی ہیں۔ میں عذاب الٰہی کے لانے پر مامور نہیں اس لیے کہ ایمان کا تعلق دلائل عیانیہ سے نہیں بلکہ بیانیہ سے ہے کیونکہ عذاب الٰہی لانا اور کوئی دوسری شے ہے اور تم ان کے لائق نہیں۔ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اور بہرے بھی ایمان کو نہیں سنتے۔ الصم، اصم کی جمع ہے۔ ہر وہ شخص جس کی قوت سامعہ مفقود ہو۔ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ جب انہیں آیات الٰہی سنا کر ڈرایا جاتا ہے۔

سوال: کفار کو بہروں سے تشبیہ دینے کا کیا مقصد؟

جواب: جب قرآن کی آیات الٰہی سن کر ان کا پتا نہ کرتے تو گویا وہ ان بہروں جیسے ہو گئے جو سرے سے سنتے ہی نہیں جیسے بہروں کو گلا پھاڑ کر بھی بات سنائی جائے تو وہ نہیں سنتے اس لیے کہ ان کے کانوں کی قوت سماعت ختم ہو گئی ہے ایسے ہی ان کا حال ہے کہ انہیں کتنے ہی مضبوط اور پختہ دلائل بتائے جائیں تب بھی نہیں مانتے۔

سوال: بہرے تو ہر قسم کے کلام سے غافل ہوتے ہیں لیکن یہاں صرف کلام انذار سے تشبیہ دی گئی ہے۔

؎ نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

جواب۔ یہاں جو بہرے کا ذکر ہے وہ کلام کے بعد بیان کرنا مطلب ہے کہ یہ آنکھ رکھتے ہیں کہ انہیں کتنا ڈرایا دھمکایا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

سوال: کلام (دعا بات) کی بجائے نداء کو کیوں اختیار کیا گیا ہے یعنی پکارنا اور زور زور سے بولنا۔

جواب: ندا آواز کا ہو جانا، چیخ و پکار زور سے بولنے پر ہوتا ہے جب وہ اس زور دار اور بار بار کے کلام کو نہیں سنتے تو واضح ہو جائے گا کہ یہ بہرے ہیں پورے درجہ کے ہیں۔

ف: یہ قول کے متعلق آگاہ ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم ہوا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! کافروں کو آگاہ فرمائیں بیان کر دینا آپ کا کام ہے آپ کا ان کے ماننے سے کوئی واسطہ نہیں۔ آپ اپنا فرض ادا کیجئے پھر ان کی قسمت۔

وہابیہ کا رد اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء و اولیاء کا کام صرف احکام بیان کرنا اور نصیحت کرنا ہے، منوانا ان کے اختیار میں نہیں کیونکہ جو ازل کے مارے ہوتے ہیں اور بارگاہ حق سے ازل سے ہٹائے گئے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں

مسئلہ

بہرا اندھا بنا کر شہوات نفس دنیا میں ہی سے اور طلب الٰہی سے محروم، انہیں جتنا سمجھاؤ ہرگز نہیں سمجھتے اس لئے کہ اسماع اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے مخلوق کے اختیار میں نہیں۔ کما قال ولو علم اللہ فیہم خیراً لاسمعہم۔ (اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء و اولیاء اپنے سپرد کردہ امور میں مختار ہیں لیکن جو امور ان کے سپرد کئے نہیں ان سے نفی کرنا جہالت و حماقت ہے)

وَلَئِن مَّسَّتْهُمْ المس یعنی لمس۔ بہ محاورت جو انسان کو پہنچا اسے مس سے تعبیر کرتے ہیں نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ یعنی اگر کافروں کو اس عذاب سے تھوڑا سا پہنچے جس سے انہیں ڈرایا جا رہا ہے۔ النفحۃ اس کا اطلاق اگر ہوا پر ہو تو الدفعۃ، اگر عذاب پر ہو تو یعنی القطعۃ ہے۔ (کذا فی القاموس)

حدیث شریف ان لربکم فی ایام دھرکم نفحات الا فتعرضوا لہا میں شارح شہاب مرحوم نے النفحات سے پہلا معنی مراد لیا ہے۔

اہل لغت کا کہنا ہے کہ نفحۃ الدابۃ سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب گھوڑا دولتی مارے۔ لیکن نفحۃ یعنی ضربۃ ہے یا نفحۃ الریح سے ہے یعنی ہبت۔ اس تقدیر پر نفحۃ یعنی ہبۃ ہوگا۔ یا یہ نفح الطیب سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب خوشبو مہکے۔ اس تقدیر پر نفحۃ یعنی فوحۃ تشدۃ کے ہی معنی دیتا ہے یعنی خوشبو کی مہک۔

ابن جریر نے کہا کہ نفحۃ یعنی نصیب ہے نفحہ فلان سے ہے یعنی اعطاہ من مالہ حظا منہ یعنی فلاں نے اسے اپنے مال کا کچھ حصہ عطا فرمایا۔

لَيَقُولُنَّ نہایت اضطراب و بے چینی سے کہیں گے یٰوَیْلَنَآ ہائے ہماری شامت۔ اس کی تحقیق ہم نے پہلے بیان کر دی۔ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ بے شک ہم ظالم تھے۔ وہ دل سے بلک بلک کر اپنے ظلم کا اعتراف کریں گے کہ واقعی اللہ تعالیٰ کی آیات سن کر ان سے روگردانی کر کے انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا جب انہوں نے وعید کی خبر سے اثر قبول نہ کیا تو اب انہیں نفس عذاب کی کیفیت بتائی گئی ہے تاکہ اپنی غلط کاریوں سے باز آ سکیں۔

تفسیرِ صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اہلِ غفلت انبیاء علیہم السلام کی تنبیہات اور اولیاء کرام کی نصیحتوں سے دنیا میں بیدار نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ مرنے کے بعد عذابِ الٰہی میں مبتلا نہ ہوں گے اسی لیے عوام خوابِ غفلت سے مرنے کے بعد بیدار ہوں گے اس وقت اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے واویلا پکاریں گے اور کہیں گے واقعی ہم ظالمین کے اندر ظالم ہیں اور نادم ہے کہ ظلم عذاب کو واجب کرتا ہے اور نعمتوں سے محروم کرتا ہے ظلم علی الغیر ہو یا ظلم علی النفس مومن پر لازم ہے کہ وہ عذابِ خدا سے اجتناب کرے اور نجات و رحمت کا دروازہ کھٹکھٹائے اور خواہشاتِ نفسانی کو مٹائے اور واعظ و مفتی کی بات پر عمل پیرا ہو۔

حکایت ایک ولی کامل کی کثرتِ عبادت کو دیکھ کر کسی نے کہا کہ آپ اپنے نفس پر نرمی کیجئے انہوں نے کہا نفس پر نرمی کرنے سے آقا و مولیٰ کے دروازے سے دوری کا سبب بنتا ہے حالانکہ مقصود یہ ہے کہ اپنے مولیٰ کے دروازے سے دنیا کے مشغلوں کی وجہ سے ہٹا ہوا نہ رہے وہ ہر وقت اسی سے وابستہ ہوتا ہے اس کے بعد زار و قطار روئے اور کہنے لگے کہ ہائے سبقت کی حسرت اور ہائے ہوائے فراق کا صدمہ فرمایا کہ سبقت کی حسرت یہ ہے کہ تمام انسان جب اپنی قبروں سے اٹھیں گے تو اللہ والوں کے لیے سواریاں حاضر کی جائیں گی اور ان کے آگے مقربین کی سواریاں ہوں گی اور بعض بدقسمت وہاں سواریوں کے بغیر رہ جائیں گے اور انہیں پیدل ہی کے عقب سے ہانکا جائے گا۔ آقا و مولیٰ کی جدائی و فراق کے صدمہ سے میری مراد یہ ہے کہ جب تمام مخلوق ایک میدان میں جمع ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک فرشتہ اعلان کرے گا اے اللہ کے بندو! جدا جدا ہو جاؤ۔ اس وقت متقین کو ممتاز کر کے علیحدہ کر لیا جائے گا اور مجرم عذاب کی سختی میں ترتیب وار ہوں گے۔ کما قال تعالیٰ: وامتازوا الیوم ایہا المجرمون۔ اس وقت عجیب نظارہ ہوگا باپ بیٹے سے، بیٹا ماں سے، شوہر عورت سے اور دوست دوست سے ہمیشہ کے لیے جدا کیا جا رہا ہوگا۔ پھر متقین کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ ریاض الجنۃ میں اور مجرموں کو بیڑیوں اور زنجیروں سے باندھ کر جہنم میں بھیجا جائے گا۔ اب خود اندازہ کیجئے کہ اہلِ ثواب کا کیا حال ہوگا اور اہلِ عذاب کا کیا۔

ف: اللہ والوں کی نصیحت بہترین امر ہے سننے کے بعد عملی طور پر لازم ہے کہ گناہوں سے توبہ کرکے آئندہ کے لیے ہر گناہ سے باز رہے اور نیک نصیحت اور اچھے وعظ کی طرف کان دھرے ورنہ قیامت میں حسرت کے طور پر کہے گا: ولو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر۔ اور حقیقی بہرے وہی ہیں جو نصیحت سن کر نیک عمل نہیں کرتے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

بگو آنچہ دانی سخن سودمند
وگر ہیچ کس را نیاید پسند
کہ فردا پشیمان بر آرد خروش
کہ آوخ چرا حق نکردم بگوش

ترجمہ: جو تجھے تیری سمجھ میں مفید معلوم ہو کہہ ڈال اگرچہ کسی کو پسند نہ آئے۔ کل قیامت کو پشیمان ہو کر زاری کرے گا کہ میں نے نصیحت کیوں نہ سنی۔

تفسیر عالمانہ

﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ﴾ ۔ الموازین، میزان کی جمع ہے، بمعنی ترازو۔ القسط بمعنی العدل یعنی ہم وہ عدل کے ترازو قائم کریں گے جن سے تمہارے اعمال کا صحیح اندازہ کر کے وزن کیے جائیں گے۔

ف: قیامت میں اعمال جواہر اور اجسام ہوں گے۔ وہ دیسا طور کا انسان اس کا قائل نہیں فقیر نے تفسیر اویسی میں دلائل سے ثابت کیا ہے۔

سوال: موازین جمع کیوں حالانکہ حساب کے لیے ایک ترازو کافی ہے۔

جواب: تعدد اعمال کی وجہ سے یا ہر صاحب عمل کا علیحدہ ترازو ہو گا۔

ف: امام راغب نے فرمایا: شے کی مقدار کی معرفت کو وزن کہا جاتا ہے۔

نکتہ: قرآن مجید میں بعض مقامات پر موازین جمع اور بعض میں واحد اس لیے لایا گیا کہ اسے باعتبار حساب کے استعمال کیا گیا تو واحد کا صیغہ لایا گیا اگر باعتبار صاحبان اعمال سے محاسبہ کے کیا گیا تو صیغہ جمع لایا گیا اور القسط مفرد اس لیے ہے کہ یہ مصدر ہے وصف کا معنی دیتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے رجل عدل۔ اور موازین کو قسط سے اس لیے موصوف کیا گیا تاکہ معلوم ہو کہ مخلوق کے ساتھ جو معاملہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا وزن اس خرابی سے پاک اور منزہ ہے۔

﴿لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ قیامت کی جزا و سزا کے لیے ﴿فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ﴾ کسی ایک پر بھی کمی نہیں کی جائے گی ﴿شَيْئًا﴾ اس کے حق میں سے کسی ایک حق کی اور یہ تظلم کا مفعول ثانی ہے اس لیے کہ تظلم بمعنی تنقص ہے۔ اور وہ دو مفعول چاہتا ہے جیسے نقصہ حقہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہر صاحب حق کو پورا حق عطا فرمائے گا اگر عمل اچھا ہے تو نیک جزا اگر برائی ہے تو سزا دے گا۔ ﴿وَإِنْ كَانَ﴾ کان کا اسم عمل ہے جس پر نضع الموازین دلالت کرتا ہے ﴿مِثْقَالَ حَبَّةٍ﴾ مثقال، وہ ثقل یعنی وہ دانہ جس سے وزن کیا جائے اور حبۃ بمعنی دانہ۔ ﴿مِنْ خَرْدَلٍ﴾ رائی کا، یعنی اگرچہ عمل اکل نہایت صغیر الحجم رائی کے دانہ کے برابر ہو ﴿أَتَيْنَا بِهَا﴾ بقصر الہمزہ از اتیان اور باء تعدیہ کی ہے یعنی وہ عمل جسے وزن کے لیے رائی کے دانہ کے برابر تعبیر کیا جائے ہم اسے قیامت میں حاضر کریں گے۔

سوال: خردل تو مذکر ہے اس کے لیے اتینا بہا کی ضمیر مونث کیوں۔

جواب: خردل کا مضاف حبۃ مونث ہے اس کا اعتبار کر کے مونث کی ضمیر لائی گئی ہے۔

﴿وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ﴾ ہم کافی ہیں حساب لینے میں اس لیے کہ اور کون ہے جو ہم سے علم میں زیادہ ہو اور عدل میں کوئی ہمارے برابر کا اور کوئی نہیں۔ کفٰی بنا کی با زائدہ ہے اور نا کفٰی کا فاعل اور حاسبین بمعنی عادین، نا ضمیر جمع متکلم سے حال ہے اور حساب بمعنی گنتی کرنا آتا ہے۔ کہا جاتا ہے حسب المال۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب مال کو شمار کرے۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حاسبین بمعنی عالمین حافظین اس لیے کہ جو کسی شے کو گنتا ہے تو اسے اس کا علم ہوتا ہے اور وہ اس کی حفاظت کرنے والا ہوتا ہے۔

سبق اس میں اشارہ ہے کہ ہمارا حساب دان جستجو قدرت کا مالک اور اسے ہر ایک کا علم ہے کہ اس کے حساب سے کوئی بچ کر نہیں جاتا اس لیے اس کے حساب سے ہر وقت ڈرنا لازم ہے۔

حکایت حضرت شبلی قدس سرہ کو کسی نے وفات کے بعد خواب میں دیکھا اور کہا کیا گزری؟ انہوں نے جواب دیا ہے

حاسبونا فدققوا

ثم منوا فاعتقوا

ترجمہ: حساب لیا گیا اور بال بال کا، پھر کرم کر کے آزاد فرمایا۔

کمیونسٹوں کا رد حضرت علامہ [illegible] رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میزان حق ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وجاہت اعمال کے مطابق میزان میں بوجھ پیدا فرمائے گا اس طرح سے بندوں کو اپنے اعمال کی مقدار معلوم ہو جائے گی تاکہ اللہ تعالیٰ کے حساب کا عدل اور بخشش اعمال میں فضل ظاہر ہو۔ اسی سے علامہ فخر الدین کا سوال رفع ہو گیا کہ اعمال کے وزن کی ضرورت کیا ہے اس لیے کہ اگر ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عادل ہے تو پھر محض اس کے خبر دینے سے تسلیم کر لیں گے اگر ان کا یہ عقیدہ نہ ہو تو پھر وہ بدگمانی کر سکتے ہیں کہ اس نے کیوں ڈالا کہ ظلماً (معاذ اللہ) ہماری برائی فرمایا۔ ان کا جواب یہ ہے شیعی اعمال کا اگرچہ اہل اسلام کو یقین ہے لیکن انہیں شبہ کرنا اعتراف ہے کہ لوگ عالم دنیا میں خواب میں ایسی مرئے کے بجائے اٹھیں گے اللہ تعالیٰ انہیں مشاہدہ کراتے ہوئے اعمال کے مقدار میزان کے ذریعے ظاہر کرے گا تاکہ اس کا عدل و فضل کھلی طرح واضح ہو کہ اس میں کسی قسم کا فساد ہے اور ساتھ ہی کافرین پر اتمام حجت ہو۔

میزان جبریل علیہ السلام کے ہاتھ میں مروی ہے کہ میزان کی ایک زبان اور دو پلڑے ہیں اور ترازو جبریل علیہ السلام کے ہاتھ میں ہو گی تاکہ اچھے اور برے اعمال کا وزن ہو سکے کیونکہ غالب اعمال پر مرتب ہوگا یعنی اگر نیکیاں غالب ہوئیں تو بہشت اور دوزخ اگر برائیاں ہوں تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے بخشے یا عذاب دے۔

نکتہ فقیر (حقی) کہتا ہے کہ ترازو جبریل علیہ السلام کے ہاتھ میں اس لیے ہو گا کہ امر و نہی کے واسطہ تھے اسی مناسبت سے انہی کے ہاتھ میں ترازو دیا گیا تاکہ امر و نہی کے مطابقت کا علم ہو۔

میزان اور داؤد علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ مجھے میزان کی اصلی صورت دکھائی جائے۔ جب داؤد علیہ السلام نے میزان دیکھی تو اس کا ایک پلڑا مشرق و مغرب کے برابر تھا۔ داؤد علیہ السلام یہ حال دیکھ کر بیہوش ہو گئے جب ہوش میں آئے تو عرض کی یا اللہ! اس میزان کا کون بھرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے داؤد! میں جب بندے سے راضی ہوں گا اس کی ایک کھجور کی گٹھلی سے اس کا ترازو بھر دوں گا۔

حدیث شریف دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے لیکن میزان میں بوجھل اور اللہ کے پسندیدہ ہیں۔ وہ کلمے یہ ہیں:
سبحان اللہ وبحمدہ، سبحان اللہ العظیم۔

نکتہ : یہ دو کلمے اللہ تعالیٰ کو اس لیے محبوب ترین ہیں کہ ان میں اللہ تعالیٰ کی مدح و صفات علیہ ہے جو تنزیہ اور صفات ثبوتیہ اور عدم پر دلالت کرتی ہے۔

حدیث شریف تسبیح نصف المیزان اور الحمد میزان کو بھر دے گی۔

ف : مولانا قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ روز اعمال کے لیے ترازو رکھے جائیں گے ان میں سب سے پہلے اعمال کی کتابیں رکھی جائیں گی سب سے آخر میں ترازو میں الحمد للہ کے کلمہ کا عمل رکھا جائے گا۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا: الحمد للہ تملأ المیزان۔

ف : میزان میں سوائے کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے تمام اعمال رکھے جائیں گے پھر الحمد للہ کے ساتھ مگر لا الٰہ الا اللہ کو میزان میں رکھا جائے گا تو میزان پُر ہو جائے گا۔

ف : ہر ایک کا پلڑا اپنے اعمال سے بھرپور ہوگا ان کے اعمال میں کسی قسم کی کمی و بیشی نہ ہوگی اور ہر عمل اور ذکر خیر وغیرہ سب ترازو میں رکھا جائے گا سوائے کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے کہا ہے۔

نکتہ : ہر عمل کے لیے وہ برابر میزان میں بالمقابل رکھا جائے گا اسی لیے لا الٰہ الا اللہ کے بالمقابل شرک ہوتا ہے مگر شریعت کے مقابلہ میں نہیں رکھا جائے گا کیونکہ شرک و توحید یکجا جمع نہیں ہو سکتے۔ اس لیے کہ جب بندہ اعتقاد کرے لا الٰہ الا اللہ تو شرک ختم۔ اگر مسلمان اللہ شرک کا اعتقاد رکھے تو توحید کہاں۔ اسی لیے ان کا اجتماع میزان میں نہ ہو سکے گا اور مشرکین کے اعمال کے وزن کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ فرمایا: فلا نقیم لهم یوم القیامة وزنا یعنی ان کے اعمال کا جب اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی قدر و منزلت ہی نہیں تو پھر وزن کیسا!

مسئلہ : بعض دوسرے ایسے لوگ ہوں گے جن کے اعمال کے وزن کی کوئی قدر و منزلت نہ ہوگی جیسے فرقہ معطلہ اور مجبرہ۔

نکتہ : مشرک کی نیکی وزن کے قابل اس لیے نہیں ہوتی کہ شرک کی وجہ سے اس کی ہر نیکی ضائع ہو گئی ہے اس لیے وہ نیکیاں آخرت میں نہ پیش ہوں گی نہ ان کا وزن ہوگا۔

عجیب جس شخص کی ہر ایک نیکی و ذکر وغیرہ ایک طرف پلڑے میں ہو اور دوسری طرف لا الٰہ الا اللہ تو اس کی برائیوں کے تمام دفتر پلڑے اس کے مقابلہ میں رکھے جائیں گے تو بھی لا الٰہ الا اللہ کا پلڑا بھاری رہے گا۔ ایسے شخص کا لقب صاحب البطاقہ ہے۔ یاد رہے کہ ہر برائی کا پلڑا مشرق و مغرب کی درمیانی مسافت کے برابر ہوگا۔

ف : لا الٰہ الا اللہ کلمہ توحید ہے اس کے مقابل اور برابر اور کوئی عمل نہیں ہے اسی لیے اسے کلمہ توحید کہا جاتا ہے۔ جب یہ کلمہ کسی کے صدق دل اور خلوص قلب سے نکلے تو اس کے بالمقابل اور کوئی کلمہ نہیں آ سکتا اس لیے کہ اس کے مقابل و برابر کا اور کوئی کلمہ نہیں۔

حدیث شریف اس کی تائید صحیح حدیث قدسی سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں اور ان کی آبادی میزان کے ایک پلڑے میں اور لا الٰہ الا اللہ دوسرے پلڑے میں ہو تو بھی کلمہ توحید کا

پلڑا بھاری رہے گا۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ کلمۂ توحید کے مقابلہ میں کوئی شے نہیں آ سکتی بلکہ اس کے مقابل دنیا کی کوئی شے ہے ہی نہیں۔ کما قال تعالیٰ: لیس کمثلہ شیء۔ بلکہ اس سے توحید حقیقی مراد ہے۔ رسمی توحید یعنی صرف زبانی توحید کا اقرار ہو تو اس کی ضرورت ضد ہو گی اضداد کثیرہ اس کے مقابل داخل ہوں گی جیسا صاحب البطاقات کا واقعہ ہم نے بیان کیا کہ اس کے مقابل کوئی برائی نہ آ سکی کہ اس نے خلوص قلبی سے کلمۂ توحید صرف ایک بار پڑھا تھا۔

مسئلہ: یہ اس کلمہ مبارکہ کی بات ہے جو زبان سے نکلا اور اسے فرشتے نے لکھ کر محفوظ کر لیا اور جو کلمہ قلب کے اندر محفوظ رہا جسے فرشتے نے نہ لکھا اس کا بیان آگے آتا ہے۔

مسئلہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ذرہ بھر اس کلمۂ توحید سے زیادہ ہو اگر اس کے بالمقابل بھی سیئات کے ٹیلے سے صاحب بطاقات کی فضیلت واضح ہوئی اور ایسی موافقت بھی کہ واقعی خلوص قلب سے کلمہ پڑھنے کی بہت بڑی برکت تھی۔ لیکن یہ کیفیت اس وقت ہو گی جب موحدین میں سے جسے بھی اللہ تعالیٰ جہنم میں داخل کرنا چاہے گا اسے داخل کرنے کے بعد صاحب بطاقہ کی فضیلت کا اظہار فرمائے گا اس وقت باقی وہی لوگ ہوں گے جنہیں بہشت میں داخل کرنا مطلوب ہو گا اس لیے بھی وہاں کے لیے اللہ تعالیٰ نے جہنم میں داخل کر کے پھر شفاعت سے یا رحمت ایزدی سے بہشت میں داخل کرنا مقدر کیا ہو گا ان کے لیے وزن اعمال کا کیا معنی۔ اس لیے کہ ان کے لیے بھی وزن اعمال ہو گا تو کلمۂ توحید کا اظہار ضروری ہو گا اور اسے اب ظاہر نہیں کرے گا اسے دوزخ میں داخل کر کے بہشت میں داخل کرنا ہی ہے تو ایسے لوگوں کے لیے وزن اعمال کا کیا فائدہ۔ ہاں صاحب بطاقہ اس سے مستثنیٰ ہے اور وہ اس کا فضل ہے وہ جس پر جس طرح چاہے کرے۔ یہ میرے (حقی کے) شیخ کی تحقیق ہے۔

مسئلہ: یہ اعمال اعضاء ظاہرہ کے اعمال ہیں یعنی سمع، بصر، ہاتھ، پیٹ، فرج اور پاؤں وغیرہ۔ اور اعمال باطنہ اس ظاہری ترازو سے نہیں تولے جائیں گے بلکہ عدل یعنی میزان حق سے ان کا وزن ہو گا اس لیے صوری کا وزن صوری سے اور معنی کا معنی سے اس لیے کہ ہر شے اپنے ہم شکل کے بالمقابل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وزن ان اعمال کا ہو گا جسے اللہ نے ذکر کیا ہو گا۔ اور مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ ذکر خفی وہ ہے جس سے کراماً کاتبین بھی بے خبر ہیں اسے توحید حقیقی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اسے توحید باطنی بھی کہتے ہیں۔ یہ میزان صوری میں داخل نہ ہو گا اس لیے کہ اسے نہ لکھا گیا اور نہ ہی میزان میں داخل ہو سکے گا۔

مسئلہ: میزان اور صراط کے بعد اہل حساب سے جنتی بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں جائیں گے۔ ہاں جن حضرات کا کوئی حساب نہ ہو گا اور وہ بہشت میں بلا حساب داخل ہوں گے۔ یہ حساب ان اہل ایمان کے لیے ہو گا جن کے اعمال نیک و بد دونوں طرح کے ہوں گے۔

ف: مشائخ فرماتے ہیں کہ دنیا میں میزان کئی ہیں:

۱۔ میزان النفس والروح

۲- میزان القلب والعقل

۳- میزان المعرفۃ والسر

میزان النفس والروح ۔ سے امر و نہی مراد ہے اور اس کے دو پلڑے وعدہ وعید ہیں۔

میزان القلب والعقل ایمان و توحید ہے اور اس کے دو پلڑے ثواب و عقاب ہیں۔

میزان المعرفۃ والسر رضا و غضب الٰہی ہے اور اس کے دو پلڑے ہرب و طلب ہیں۔

ف و مشائخ نے فرمایا کہ جو اس دنیا میں اپنے نفس کا میزان ریاضت و مجاہدات سے اور قلب کا مراقبات سے اور عقل کا اعتبارات اور روح کا مشاہدات سے اور سر کا لطافت و حفاظت غیب اور صورت کا معاملات سے وزن کرتا ہے اور اس کے دو پلڑے حقیقت و طریقت ہیں اور اس کی لسان شریعت اور اس کے عمود عمل و اخلاص ہے۔ ایسے شخص کا قیامت میں شرف میں وزن ہوگا اور جو اپنے قلب کا میزان المعرفت اور اپنے عقل کا میزان نور اور اپنے روح کا میزان السرور اور اپنے سر کا میزان الوصول اور صورت کا میزان قبول سے وزن کرتا ہے تو اگر موازین بوجھل ہوئے تو اسے فراق سے امن نصیب ہوگا اور قلب کی جزا مراد میں مشاہدہ شرف حاصل ہوگا اور عقل کی جزا اصطفا صفات سے اور روح کی جزا کشف انوار ذات سے اور سر کی جزا اسکی الاسرار المشاہدات سے اور صورت کی جزا وصال و حیات کی مجالس میں جو اس کی قرابت نصیب ہوگی۔ نیز اعمال کو اخلاص کے میزان سے بھی تولا جائے گا اسی طرح صدق کو اعمال سے۔ ع

بصدق کوش کہ خورشید زاید از نفست
کہ از دروغ سیہ روی گشت صبح نخست

جس کے اعمال میں ریا ہوگا اس کے اعمال قبول نہیں ہوں گے ع

منہ آب زر جان من بر پشیز
کہ صراف دانا نگیرد بچیز

ترجمہ: اے دوست! تانبے پر سونے کا پانی نہ لگا کیونکہ صراف اسے کسی قیمت میں نہ لے گا۔

جس کے اعمال عجب میں ملوث ہوں گے اس کے احوال باطنی میں ترقی نہ ہوگی ع

حال خود از عیب تخلیص کن　　از عمل توفیق را تخصیص کن
گر جزا می تا گران سنگ شوی　　وزن کن حالت بمیزان شوی
چون ترازوے ترا بود وفا　　راست بودی ترازو سنگ جزا

ترجمہ: ۱- اپنا حال عجب سے خالص کر کے عمل کو توفیق الٰہی سے خاص کر۔

۲- اگر چاہتے ہو کہ تمہارا بوجھ بھاری ہو اپنے حال کو میزان کے مطابق کیجئے۔

۳۔ جب غیر ارادہ ٹیڑھا ہو اور بیہودہ اعمال کو حرکت ہو پھر تیرا اجر کا توقع اچھا طلب کرنا حماقت ہے)۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ بےشک ہم نے موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو ایسی کتاب عنایت فرمائی جو حق و باطل کے درمیان فرق بتانے والی اور روشنی دینے والی ہے کہ جس سے ظلمات جہل و جہالت میں روشنی حاصل کی جا سکے اور ذکر جس سے لوگ نصیحت حاصل کر سکیں۔ ان تینوں صفات سے ایک شے مراد ہے یعنی تورات اور متقین کی تخصیص صرف اسی لیے ہے کہ اس سے صرف وہی استفادہ و استفاضہ اور اس کے علوم و آثار سے فیض حاصل کرنے والے ہیں الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بر محلاً مجرور اور متقین کی صفت اور ہے یعنی وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے ہیں بِالْغَيْبِ یخشون یا ربہم سے حال ہے یعنی عذابِ الٰہی سے ڈرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ ان سے غائب ہے۔ جب وہ اسے نہیں دیکھتے اس میں کافروں کو تعریض ہے کہ وہ لوگ کتنے اچھے ہیں باوجود کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا نہیں لیکن اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں اور تم کتنے بدبخت ہو کہ تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے اس وقت ڈرتے ہو جب عذاب تمہارے سروں پر منڈلاتا ہے وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ السّاعة اس گھڑی کا نام جس میں قیامت قائم ہوگی۔ اور اسے الساعۃ سے اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ اس میں ایک عظیم حادثہ ہوگا یا اس لیے کہ گویا وہ اس امر عظیم کے وقوع کی طرف سعی کر رہی ہے اور اس کی مسافت میں گھڑیاں ہی گزر رہی ہیں۔

ف: امام راغب نے کہا کہ الساعۃ الزمان کا ایک جز ہے جس سے قیامت مراد ہوتی ہے اور اسے ساعۃ سے اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ اس میں جلد تر حساب ہوگا۔ کما قال تعالیٰ:

وھو اسرع الحاسبین۔

اور اس پر تنبیہ فرمائی۔ کما قال:

کانھم یوم یرون ما یوعدون لم یلبثوا الا ساعة من نھار۔

اور فرمایا:

یوم تقوم الساعة یقسم المجرمون ما لبثوا غیر ساعة۔

پہلی ساعۃ سے قیامت اور دوسری سے زمانہ کا قلیل حصہ مراد ہے۔

مُشْفِقُوْنَ اسی سورۃ میں اشفاق کی تحقیق گزری ہو کہ قیامت سے گھبراہٹ کا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا اس لیے خصوصیت سے ذکر ہے تاکہ معلوم ہو کہ قیامت بڑی خوفناک اور سب سے زیادہ خوفناک ہے وَهٰذَآ اور یہ قرآن مجید کی طرف اشارہ ہے اور اسے اسم اشارہ سے اس لیے بیان کیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ قرآن مجید کا امر ایسا واضح ہے کہ گویا محسوس مشاہد ہے ذِكْرٌ نصیحت حاصل کرنے والے کے لیے نصیحت ہے مُّبٰرَكٌ کثیر الخیر والنفع ہے کہ اس سے برکت حاصل کی جاتی ہے اَنْزَلْنٰهُ ہم نے اسے نازل کیا اپنے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ یہ ذکر کی صفت ہے یا خبر کے بعد خبر ہے اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ یہ ان کے انکار کا انکار ہے جبکہ قرآن مجید کا نزول تورات کی طرح واضح امر ہے تو پھر انکار کیوں۔ گویا انہیں کہا گیا ہے

کیسے قرآن مجید کا نزول اور دلوں میں اثر ہوسکے یعنی واضح رہے کہ پھر اس کی حقانیت کا انکار کیوں کرتے ہو اور کہتے ہو کہ یہ نعوذ باللہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نہیں ہے بلکہ اپنی طرف سے بنالیا ہے۔

ف : بعض مشائخ کرام نے فرمایا کہ قرآن مجید کی قسم مبارک ہے جاہل اسے نہ پڑھ سکے اور اسے مانے باندھ سکے اور جو اسے محبت اور شوق سے خدا سے ملنا چاہتا ہے کہ کلام والے کا مشاہدہ نصیب ہو جو صرف اس کے احکام کا پابند ہوتا ہے اور اس کے ارشادات پر چلتا ہے تو وہ اپنے دل میں قدرت پائے گا اس شوق و محبت میں رہنے سے اسے مرکز یعنی رب حق کی وصالی نصیب ہوگی۔

حدیث شریف جس دل میں قرآن مجید کی ایک آیت بھی نہ ہو وہ دل ویران گھر کی طرح ہے۔

حدیث شریف اپنے گھروں کو قبرستان مت بناؤ۔ یعنی گھروں میں قرآن مجید کی تلاوت کیا کرو تاکہ وہ قبرستان کی مانند نہ ہوں اس لیے کہ جس گھر میں قرآن مجید کی تلاوت نہ کی جائے تو وہ گھر قبرستان جیسا ہے کہ جیسے قبرستان میں تلاوت قرآن مجید اور طاعت اور ذکر الٰہی نہیں ہوتا ایسے ہی اس گھر کا حال ہے جس میں تلاوت قرآن مجید اور طاعت اور ذکر الٰہی نہیں ہوتا۔

افسوس (صاحب روح البیان فرماتے ہیں) مجھے اپنے دور کے لوگوں سے رونا آتا ہے کہ انہوں نے قرآن مجید کی تلاوت ترک کرکے اشعار و غزلیات و اہل ہوی کے کلام سے دل لگا دیا ہے۔[1]

حضرت کمال خجندیؒ نے فرمایا ؎

دل از شنیدن قرآن بگیردت ہمہ وقت
چو باطلان ز کلام حقت ملولی چیست

ترجمہ: قرآن کے سننے سے تیرا دل گھبراتا ہے، وہ کیوں۔ باطل سے دل گھبرانا چاہیے لیکن حق کلام سے تجھے گھبراہٹ ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ نور جو حق و باطل بلکہ مخلوق و خالق اور حدوث و قدم کے درمیان فرق بتاتا ہے وہ نور ہے جو اپنے مخلصین کاملین بندگان جیسے اولیاء کرام و انبیاء علیہم السلام کے قلوب پر وارد فرماتا ہے اس کا حصول علوم شرعیہ کے مطالعہ و تکرار سے نصیب ہوتا ہے۔ عقل علوم و فلسفی فنون سے حاصل نہیں ہوتا اس نور میں ایک خصوصی چمک اور نصیحت ہوتی ہے جس سے صرف وہ حضرات روشنی پاتے ہیں جو توحید کی برکت سے شرک سے اور شریعت کی برکت سے طبع سے اور اخلاص کی برکت سے ریا سے نجات پاتے ہیں وهذا ذكر مبارك اسی قرآن مجید ذکر مبارک اس

---

[1] یہ دور تیرھویں صدی پہلے کی بات ہے اور آج تو حالت اس سے کہیں بدتر ہے۔ اویسی غفرلہ

جو کس قدر خوش قسمت انسان کے لیے ہے جو اس نعمت عظمیٰ کا قدر شناس ہوتا ہے اور کتنا محروم ہے وہ جس نے اس خوش قسمت انسانی کے قلب پر نازل فرمایا ہے عقل اور فکر اور تدبر و تفکر سے نصیب نہیں ہوگا۔ اسے وہ کبھی نہیں جانتے نہیں جو کہ واقعی وہی خدا ہماری جانب سے حاصل ہوتا ہے۔

حکایت سلاطین عثمانیہ کے مؤسس اول غازی عثمان رحمہ اللہ تعالیٰ کو بھی اتنا بڑا مرتبہ قرآن مجید کے احترام کی وجہ سے نصیب ہوا۔ واقعہ یوں ہے کہ غازی عثمان بہت بڑا سخی انسان تھا اکثر غریب خاندانوں کو بہت بڑی بخششوں سے نوازتا۔ اس کی سخاوت سے خزانہ ختم ہوگیا اس کے بعد تنگدستی کا دور گزرا اور طرح طرح کی تکلیفوں اور اذیتوں پڑ گئے۔ غازی عثمان دوستوں کی شکایات حاجی بکتاش کو سنانے چلے پاس اور ... راستے میں ایک شخص کے ہاں بطور مہمان ٹھہرا جس کے گھر پر قرآن مجید لٹکا ہوا تھا۔ پوچھا یہ کیا شے ہے؟ جواب ملا یہ کلام الٰہی ہے۔ غازی عثمان نے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ کا کلام ہو تو ان بیٹھے رہنا بے ادبی ہے اس لیے ادب سے قرآن مجید کے سامنے ہاتھ باندھ کر ساری رات کھڑا رہا یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور وہاں سے روانہ ہوا تو راستے میں ایک آدمی ملا اور کہا میں تیرا مطلب ... ہوں مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے تاکہ آپ کو مبارک دوں کہ آپ نے کلام الٰہی کی عزت کی ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے صلے میں آپ کے لیے آپ کی اولاد کے حق میں سلطنت مقدر فرمائی ہے اور فرمایا کہ درخت سے ایک لکڑی کاٹ کر اس پر کپڑا باندھ دیجیئے یہ آپ کا جھنڈا ہے۔ چنانچہ ایسے کیا تو مسلمان غازی عثمان کے گرد بہت بڑی جماعت جمع ہو گئی تو اسی جماعت کی طاقت سے بہت کچھ ملک فتح کیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے فتح کر لیا اس کے بعد سلطان علاؤ الدین نے مستقل بادشاہی کی اجازت دی تو اس کے بعد مستقل بادشاہ بن بیٹھے۔

ف: اس حکایت سے چند فوائد مرتب ہوسکتے:

۱۔ بادشاہی بھی نبوت کی طرح عطائے الٰہی ہے۔

۲۔ شکوہ صاحب اقتدار کی جانب ہے۔

۳۔ حیرت کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے میں بہت بڑی تاثیر ہے۔

۴۔ کلام الٰہی کی تعظیم سلطنت صوری یا معنوی کے حصول کا سبب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا نام ذکر مبارک رکھا ہے۔

۵۔ کلام الٰہی کی بے قدری اپنی طاقت و قوت ضائع کرنے کے مترادف ہے بلکہ دو جہاں کی سعادتوں کا ستیاناس ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ صاحب روح البیان کے زمانہ میں ہوا کہ جس طرح سلطنت عثمانیہ کی ترقی کا سبب ہوئی اسی طرح سلطان محمد رابع کے زمانے میں تنزل کا آغاز ہوا۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ سلطان محمد رابع نے قرآن مجید کی عزت و احترام سے منہ موڑا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی سلطنت میں زوال پیدا فرمایا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمارے دلوں میں قرآن مجید کی محبت اور اس کی روشنی پیدا فرمائے
(آمین)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ۝٥١ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ

اور بیشک ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے اس کی نیک راہ عطا کردی اور ہم اس سے خبردار تھے جب اس نے اپنے باپ اور

وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۝٥٢ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا

قوم سے کہا یہ مورتیں کیا ہیں جن کے آگے تم آسن مارے ہو بولے ہم نے اپنے باپ دادا

لَهَا عٰبِدِيْنَ ۝٥٣ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝٥٤

کو ان کی پوجا کرتے پایا کہا بیشک تم اور تمہارے باپ دادا سب کھلی گمراہی میں ہو

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ۝٥٥ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ

بولے کیا تم ہمارے پاس حق لائے ہو یا یونہی کھیلتے ہو کہا بلکہ تمہارا رب وہ ہے جو رب

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝٥٦

ہے آسمانوں اور زمین کا جس نے انہیں پیدا کیا اور میں اس پر گواہوں میں سے ہوں

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝٥٧ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا

اور مجھے اللہ کی قسم ہے میں تمہارے بتوں کا برا چاہوں گا بعد اس کے کہ تم پھر جاؤ پیٹھ دے کر تو ان سب کو چورا کردیا مگر

اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ۝٥٨ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ

ایک کو جو ان سب کا بڑا تھا کہ شاید وہ اس سے کچھ پوچھیں بولے کس نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کام کیا بیشک

لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝٥٩ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ۝٦٠ قَالُوْا

وہ ظالم ہے ان میں کے کچھ بولے ہم نے ایک جوان کو انہیں برا کہتے سنا جسے ابراہیم کہتے ہیں بولے

فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ۝٦١ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ

تو اسے لوگوں کے سامنے لاؤ شاید وہ گواہی دیں بولے کیا تم نے ہمارے خداؤں

هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝٦٢ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ

کے ساتھ یہ کام کیا اے ابراہیم فرمایا بلکہ ان کے اس بڑے نے کیا ہوگا تو ان سے پوچھو اگر

كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ۝٦٣ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝٦٤

بولتے ہوں تو اپنے جی کی طرف پلٹے اور بولے بیشک تمہیں ستمگار ہو

ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ۝٦٥ قَالَ

پھر اپنے سروں کے بل اوندھائے گئے کہ تمہیں خوب معلوم ہے یہ بولتے نہیں کہا

اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿٦٦﴾ اُفٍّ

کہا تو کیا اللہ کے سوا ایسے کو پوجتے ہو جو نہ تمہیں نفع دے اور نہ نقصان پہنچائے تف ہے

لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ

تم پر اور ان بتوں پر جن کو اللہ کے سوا پوجتے ہو تو کیا تمہیں عقل نہیں بولے ان کو جلا دو اور

وَانْصُرُوْۤا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿٦٨﴾ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا

اپنے خداؤں کی مدد کرو اگر تمہیں کرنا ہے ہم نے فرمایا اے آگ ہو جا ٹھنڈی اور سلامتی

عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿٧٠﴾ وَنَجَّيْنٰهُ

ابراہیم پر اور انہوں نے اس کا برا چاہا تو ہم نے انہیں سب سے بڑھ کر زیاں کار کر دیا اور ہم اسے اور لوط کو

وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِىْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿٧١﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ

نجات بخشی اس زمین کی طرف جس میں ہم نے جہان والوں کے لیے برکت رکھی اور ہم نے اسے اسحاق عطا فرمایا

وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴿٧٢﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ

اور یعقوب پوتا اور ہم نے ان سب کو اپنے قرب خاص کا سزاوار کیا اور ہم نے انہیں امام کیا کہ ہمارے حکم

بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ

سے بلاتے ہیں اور ہم نے انہیں وحی بھیجی اچھے کام کرنے اور نماز برپا رکھنے اور زکوٰۃ دینے کی اور وہ

وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴿٧٣﴾ وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ

ہماری بندگی کرتے تھے اور لوط کو ہم نے حکومت اور علم دیا اور اسے اس بستی سے

الْقَرْيَةِ الَّتِىْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ﴿٧٤﴾

نجات بخشی جو گندے کام کرتی تھی بے شک وہ برے لوگ بے حکم تھے

وَاَدْخَلْنٰهُ فِىْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٧٥﴾

اور ہم نے اسے اپنی رحمت میں داخل کیا بیشک وہ ہمارے قرب خاص کے سزاواروں میں ہے

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ۔ الرشد نعت الازلی جس سے آدمی دین و دنیا کا اہل ہو جائے کذا قاله اسے حاصل ہو جو نبوت کا اہل ہو اور اب معنی یہ ہوں گے کہ ہم نے اپنے جلال و عظمت شان سے ابراہیم علیہ السلام کو ان کی شان کے لائق رشد عطا کیا جیسے دوسرے اولوالعزم انبیاء علیہم السلام کو ان کے لائق رشد عطا ہوا۔

سوال ہم نے اولوالعزم کا اضافہ کیوں کیا۔

جواب: رشد کی ابراہیم علیہ السلام کی طرف اضافت سے یہی معنی ظاہر ہوتا ہے۔

مِنْ قَبْلُ: ہارون و موسیٰ علیہما السلام کو توراۃ دینے سے پہلے۔

سوال: قرآن مجید کے نزول کو ابراہیم علیہ السلام کے ذکر کے ساتھ کون سی مناسبت ہے کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام سے پہلے انہی کا ذکر فرمایا۔

جواب: قرآن مجید کے مضامین کو ابراہیم علیہ السلام کی شریعت سے مشابہت تامہ ہے اسی لیے ان کا ذکر مناسب ہوا۔

وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ: اور ہم جانتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایسے رشد و نبوت کے اہل ہیں۔

سوال: ظرف یعنی جار مجرور کی عٰلمین پر تقدیم کیوں؟

جواب: مضمون کے عظیم الشان ہونے اور آیت کے فاصل کی وجہ سے۔

ف: آیت ہذا کی نظیر دوسری آیت اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ہے۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ اہلیت بھی خداداد عطیہ ہوتی ہے ؎

قابلیت گر شرط فعل حق بدے ∴ ہیچ معدومے بہستی نامدے

ترجمہ: قابلیت اگر فعل حق کے لیے شرط ہوتی تو معدوم کی طرح ہستی میں ہرگز نہ آتا۔

مسئلہ: قابلیت صفت حادثہ اور مخلوق کے صفات سے ہے اور فاعلیت صفت قدیمہ صفات باری تعالیٰ سے ہے اور قاعدہ ہے کہ قدیم حادث پر موقوف نہیں ہوتا۔

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ: یہ اٰتینا کا ظرف ہے چونکہ یہ ظرف زمان ہے اس کی وسعت کی وجہ سے اٰتینا کے علاوہ ابراہیم علیہ السلام کے جملہ افعال و اقوال اس میں واقع ہو سکتے ہیں۔

مسئلہ: آیت میں ابراہیم علیہ السلام کی والدہ کے عدم ذکر سے واضح ہوتا ہے کہ ان کی والدہ مومنہ تھیں۔ (کذا قال صاحب روح البیان) اس لیے کہ آپ نے باپ اور جملہ قوم سے بیزاری کا اظہار فرمایا اور والدہ سے بیزاری کا ذکر نہیں اور قوم سے اہل بابل مراد ہیں جو عراق میں ایک شہر ہے۔ یہ ایک مشہور شہر تھا جو بغداد سے موصل کی طرف طولاً اور شام و حجاز کی طرف عرضاً واقع تھا اور اسے اس نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ یہ فرات و دجلہ کے کنارے پر واقع تھا۔

مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ: یہ تصویریں کیا ہیں جن کی تم پرستش کرتے ہو۔ التماثیل تمثال کی جمع ہے۔ یعنی تصویر جو اللہ تعالیٰ کی کسی مخلوق کی ہم شکل تیار کی جائے اور مثل ہر وہ صورت جو دوسرے کی مثال سے تیار کیا جائے جیسے مثلت الشئ بالشئ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب ایک شے کو دوسری شے سے تشبیہ دی جائے۔ العکوف یعنی کسی شے کی طرف متوجہ ہونا اور کسی غرض سے علیٰ سبیل التعظیم ہر وقت اس کے ساتھ رہنا اور یہ عبادت کے معنیٰ کو متضمن ہے جیسا کہ آئندہ جواب سے بھی ثابت ہوتا ہے اسی لیے اس کا صلہ لفظ لام آیا ہے ورنہ لغۃً اس کا صلہ لفظ علیٰ آتا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ یہ کیسی چیزیں ہیں جن کی تم پرستش کرتے ہو اور ہر وقت ان کے ساتھ

سمجھتے ہو۔

ف : حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ سوال تجاہلِ عارفانہ[1] تھا ورنہ انہیں ان بتوں کی حقیقت معلوم تھی کہ یہ پتھروں یا دھاتوں سے تیار کیے گئے ہیں۔

بتوں کی تعداد کاشفی نے لکھا کہ وہ بُت بتعداد (۷۲) بہتّر تھے، اور صاحب تیسیر فرماتے ہیں کہ نوّے (۹۰) تھے۔ اور تیسیر میں ہے کہ ان کی صورتیں درندوں، پرندوں، چوپایوں اور انسانوں کی طرح بنائی گئی تھیں اور بڑا بُت سونے کا تھا اور شاہانہ موتی اس کی آنکھوں میں رکھے ہوئے تھے۔ بعض بتوں کی صورتیں ستاروں کے مطابق تھیں۔

حکایت سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ایک قوم سے گزرے جو شطرنج کھیل رہی تھی۔ آپ نے فرمایا: ما ھذہ التماثیل۔ یہ تصویریں کیا ہیں۔ (کذا فی تفسیر ابی اللیث)

شطرنج اور کھیل بازی کی مذمت روایت مذکورہ سے ثابت ہوا کہ کھیل بازی اور شطرنج نہایت مذموم ہیں کہ جیسے ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کی مذمت کے ارادہ سے ما ھذہ التماثیل التی فرمایا ایسے ہی شطرنج کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ما ھذہ التماثیل کہہ کر اس کی مذمت فرمادی۔

ف : شطرنج وغیرہ کے انہماک میں ٹوٹ پڑنا ایسے ہے جیسے بتوں کے پجاری بت پرستی کے انہماک میں ٹوٹ پڑے۔

مسئلہ : صاحب ہدایہ نے لکھا کہ نرد و شطرنج و اربعۃ عشر (کھیل کا نام ہے) مکروہ ہیں اس لیے کہ یہ قمار ہیں اور اگر ان میں شرط لگائی جائے تو حرام ہے کیونکہ میسر کی حرمت نص سے ثابت ہے۔ اگر شرط نہ لگائی جائے تب بھی عبث فعل ہے اور ہر عبث لغو اور ہر لغو باطل ہے۔

حدیث شریف مومن کی ہر لغو باطل ہے سوائے تین امور کے :

۱۔ اپنے گھوڑے (جنگی و دیگر معاشی ضروریات کے لیے) کو طور طریقے سکھانا۔

۲۔ تیر کو کمان سے چھوڑنا (جنگی یا شکار و دیگر معاشی ضروریات کے لیے)

۳۔ اپنی اہلیہ (زوجہ) سے جماع کے لیے (یا دیگر بھی)۔

مسئلہ شافعیہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے شطرنج کھیلنے کا جواز منقول ہے اس لیے کہ اس سے عقل کی تیزی حاصل ہوتی ہے لیکن زین العرب شرح المصابیح میں لکھتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے وصال سے چالیس روز پہلے اس قول سے رجوع فرمایا۔ اسی لیے امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاصہ میں لکھا کہ شطرنج کا کھیل مکروہ ہے۔ ایسے ہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قول اخیر میں فرمایا وہ مکروہ کیوں نہ ہو جبکہ اس میں مجوس کے طریقہ کو رواج دینا ثابت ہوتا ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شطرنج و نرد شیر سے کھیلتا ہے وہ گویا خنزیر کے

---

[1] دانستہ بے خبر ظاہر کرنا

[2] بادشاہ کے بیٹے

دوزخ میں پہنچا دیتا ہے۔

سوال: ابن خیام نے کہا ہے

زمانے بحث و درس و قیل و قالے — کہ انسان را بود کسب کمالے
زمانے شعر و شطرنج و حکایات — کہ خاطر را شود دفع ملالے

ترجمہ: بحث و درس، دیگر قیل و قال اور دیگر کاروبار میں رہے تاکہ طبیعت ورق ہوتی ہو تو شعر و شطرنج و حکایات سے دل بہلا کر دل کا ملال دور کرلے۔

جواب: یہ باطل قول ہے جو خواہش نفسانی سے کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نفس اور اس کے مکر و فریب سے محفوظ رکھے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اہل دین کا طریقہ ہے کہ وہ اہل دنیا کے حالات سے عبرت پاتے ہیں۔ جب انہیں دیکھتے ہیں کہ وہ خواہشات نفسانی کے بتوں اور شہوات پر ٹوٹ پڑتے ہیں تو انہیں دیکھ کر ان سے پوچھتے ہیں یہ کیا تصویریں ہیں جن پر تم منہمک ہو کر ٹوٹ پڑے ہو۔ اگر اہل دین کو توفیق و رشد اللہ تعالیٰ سے نصیب نہ ہوتا تو وہ بھی ان کے ساتھ خواہشات نفسانی پر ٹوٹ پڑتے جیسے اہل دنیا ان خواہشات نفسانی میں مبتلا ہیں وہ بھی ان کے ساتھ مبتلا ہوتے۔

تفسیر عالمانہ قَالُوْا یہ سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ گویا ان سے ابراہیم علیہ السلام نے اصنام پرستوں سے پوچھا کہ تم کو ان کی پرستش پر کس نے ابھارا؟ تو انہوں نے کہا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ہم نے آباء و اجداد کو ان کی پرستش کرتے پایا تو ہم بھی ان کی پرستش کرتے ہیں۔ یہ جواب ایسے لوگ دیتے ہیں جو مسائل کو حجت و دلیل پیش کرنے سے عاجز ہوں۔ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا بخدا بے شک تم اور تمہارے آباء و اجداد جنہوں نے بت پرستی کا باطل طریقہ شروع کیا کھلی گمراہی میں ہو اور تمہاری اور ان کی غلطی ظاہر ہے جسے ہر کوئی جانتا ہے اور تمہارے پاس اس کی دلیل ہے نہ تمہارے آباء و اجداد کے پاس۔

مسئلہ: تقلید اس امر میں جائز ہے جس کی حقانیت واضح ہو اور تقلید و قائلین کی کثرت سے باطل حق نہیں ہو جاتا۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ خواہشات نفسانی اور بری رسوم میں عوام پر تقلید غالب ہوتی ہے۔ ہاں جسے اللہ تعالیٰ رشد و ہدایت نصیب فرمائے تو وہ ایسی اندھی تقلید سے محفوظ و مامون ہوتا ہے۔

غیر مقلدین کا رد واعلم ان التقلید قبول قول الغیر بلا دلیل۔ جان لو کہ کسی کی بات کو دلیل کے بغیر مان لینے کو تقلید کہتے ہیں۔ یہ تقلید اور ہم اہلسنت (احناف، شوافع وغیرہم) کے نزدیک صرف فروعی و عملیات (مسائل عامہ)

عوام انسان کے لیے۔ چنانچہ ہر کوئی جانتا ہے کہ جن ائمہ کی تقلید کرتا ہوں وہ سوائے قرآن و حدیث کے اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتا اس لیے اس کے قول کو بلا دلیل مان لیتا ہے۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ دوسرے سے قرآن و حدیث کو نہیں سمجھتا۔ یہ وہابیہ غیر مقلدین کی ایک شرارت کی حقیقت ہے کہ غیر مقلدین کے عوام اپنے چند اشخاص کے ایمان کو بیشہ کے اپنے بڑوں کے مقلد ہیں۔ تقلید سے خالی نہیں لیکن مقلد کو ملامت کرتے ہیں ۔۔ اویسی غفرلہ

میں تقلید جائز ہے اور اصول دین و معتقدات میں تقلید ناجائز ہے بلکہ ان میں نظر و استدلال ضروری ہے۔

مسئلہ: احناف کے نزدیک مقلد کا ایمان بھی صحیح ہے اسی طرح ظاہر ہو سکتے ہیں۔ یعنی وہ امور جو انسان کو ماننا واجب ہے جیسے حدوث عالم کہ حادث اور موجد صانع اور اس کے صفات تقدیر اور ارسال الرسل اور وہ جو کچھ لائے سب حق ہے اسے ایمان کا جاننا ہے ان امور کو محض بلا دلیل مانتا ہے تب بھی اس کا ایمان صحیح ہے۔ چنانچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اعراب دیہاتیوں کے بچوں، عورتوں، غلاموں، کنیزوں کا ایمان تعلیم الدلیل کے بغیر تسلیم فرماتے تھے۔

مسئلہ: اگر کوئی ایسے امور میں غور و فکر اور استدلال نہیں کرتا تو گنہگار ہوگا اس لیے کہ ایسے امور میں غور و فکر اور استدلال واجب ہے۔

مسئلہ: فصل الخطاب میں ہے کہ جو شخص اہل اسلام میں پیدا ہوا اور ان میں نشو و نما اور تربیت پا کر جوان ہوا اور اپنے مسلمان ہونے کا مدعی ہے اور کلمہ اسلام پڑھتا اور اسلام کا نام لیتا ہے اسی حالت میں اللہ تعالیٰ کے صنائع و عجائبات کو دیکھ کر سبحان اللہ کہتا ہے تو ہم اسے تقلیدی مومن نہیں کہیں گے اس لیے کہ رؤیت مصنوعات سے سبحان اللہ کہنا ہی اس کے غور و فکر اور استدلال کی دلیل ہے۔

(بحمدہ تعالیٰ ہمارے عوام اہل اسلام ایسے استدلال سے بھرپور ہیں لہٰذا یہ حقیقی مومن ہیں نہ مقلد محض اس سے انگریزوں اور ان کے گستاخوں کے اوہام کا قلع قمع ہوگیا جو ہمارے عوام اہل اسلام کو ایمان کی اندھی تقلید پر مطعون ٹھہراتے ہیں)

ف: ہمارے عوام کا مصنوعات الٰہی کو سبحان اللہ یا اس قسم کے الفاظ کہنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس عجیب و غریب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے سوا کسی کو قدرت نہیں کہ وہ اس طرح کی اشیاء پیدا کر سکے اسے اہل علم "استدلال بالاثر" سے تعبیر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس طریقے سے بات کرنے والا صانع کی قدرت و ارادہ و علم کو ثابت کر رہا ہے اور استدلال سے بھی یہی مطلب ہوتا ہے کہ اثر سے مؤثر کی طرف اور مصنوع سے صانع کی طرف انتقال کیا جائے اور وہ ہر عامی مسلمان سے صادر ہو رہا ہے اور یہی استدلال ہے خواہ وہ جس طریقے سے ہو۔ یہ کب لازم ہے کہ استدلال کے وقت کہا جائے کہ یہ صغریٰ کبریٰ ہے اور ان میں حد اوسط چھوڑ مقدمات کو ترتیب دے کر فلاں شکل سے نتیجہ نکالا ہے جیسے علم معقول کا قاعدہ ہے۔

ف: (صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ یہ بھی ضروری نہیں کہ جو بھی مصنوعات عجیبہ کو دیکھ کر سبحان اللہ وغیرہ پڑھے وہ مسلمان ہے بلکہ اس کا اپنے لیے مسلمان ہونے کا دعویٰ بھی ہو جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے وہ اس لیے کہ ہمارے زمانہ میں کافر و سکھ، ہندو، مجوسی و دیگر غیر مسلم اقوام اسلامی آبادیوں میں جماعت کے غلبہ سے اسلامی شعار غیر شعوری طور پر ادا کر لیتے ہیں۔ ایک مسلمانوں کی طرح ہر عجیب و غریب شے پر سبحان اللہ تک بھی کہہ دیتے ہیں اس سے لازم نہیں کہ ایسے طریقے اختیار کرنے والا مسلمان ہو بلکہ وہ تو عام رسم و رواج کے تحت وہی کہہ رہا ہے جو اس کے علاقے کے عوام مسلمان کہتے ہیں کہ جیسے سیلاب عظیم یا سخت وقت اور آگ کے بڑے بڑے شعلے یا اس قسم کے عجیب و غریب امور دیکھتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں سبحان اللہ۔ تو وہ غیر مسلم بھی ان کی دیکھا دیکھی ایسے امور عجیبہ کے وقت کہہ دیتا ہے سبحان اللہ، حالانکہ اس کے دل میں نہ عقیدہ ہے نہ اس کا وہم و گمان ہے کہ اس عجیب و غریب امر کا خالق و صانع اللہ تعالیٰ ہے۔

(صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا) میں نے ایک ولی کا فرمان کہ دیکھا کہ کشتی میں ذاکروں کو مختلف اور

حکایت متعدد ماحول میں کشتی کی کوشش کرو اور غیرت مند تو اس لیے کہ غیرت ایمان سے ہے حالانکہ اسے اور اس کے ذاکروں کو بجز یک دلی کو غیرت کہا ہے اور ایمان کہا اور جو اس کا طور ہو کر ایسے الفاظ نہ کہے۔ بعض اہل اسلام ہیں جو کہ ایسے کلمات علم و روح کے مطابق کہہ دیا کرتے (اسی طرح ہمارے عوام اہل سنت بعض اور غلطی سے چند واہ (جبکہ ایک وہ چند وہ کے ساتھ دو ہے) وہ لوگ سے یا حضرت جب وہ بیٹھے ہیں تو انہیں مشرک اور بے دین کہہ دینا ہر ایک کا کام ہے ورنہ انہیں ایسے غلط اقوال و افعال اسلام سے خارج نہیں کرتے۔ فافہم ولاکن من اولیاء یعنی الا الولایة قوم لا یعقلون۔

سبق مومن پر لازم ہے کہ وہ تقلید کو چھوڑ کر تحقیق تک رسائی حاصل کرے۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق بخشے۔ (آمین)

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

خواہی بصوب کعبۂ تحقیق رہ برو
پے بر پے مقلد گم کردہ رہ مرو

ترجمہ: تم چاہتے ہو کہ کعبۂ تحقیق میں راہ راست سے پہنچو تو کسی مقلد کے قدموں پر نہیں بلکہ اپنے قدموں کے ساتھ چلو۔

اور فرمایا ؎

مقلدان چہ شناسند داغ جگر را
خبر ز شعلۂ آتش ندارد افسردہ

ترجمہ: مقلد کو داغ جگر کی کیا خبر، شعلۂ آتش کا افسردہ کو کیا علم۔

ف: اس سے محقق و مقلد کا فرق معلوم ہو گیا۔ جو اللہ تعالیٰ کا طالب ہے وہ تحقیق کرتا ہے اور وہ ذوق کے ہوتے کا احساس اپنی فنا (کذا فی التحقیق)

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ کافروں نے ابراہیم علیہ السلام سے کہا کیا آپ ہمارے پاس سچی اور یقینی بات لائے ہیں اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِیْنَ یا ہمارے ساتھ مزاح کر رہے ہیں۔ بت پرستوں نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمارے دین قدیم اور اس کی شان و شوکت اور اس کی کثرت کے باوجود ان سے مذاق کر رہے ہیں۔

لطیفہ اس سے معلوم ہوا کہ اہل دنیا کو اللہ والے لہو و لعب میں پاتے ہیں اس لیے کہ دنیا لہو و لعب ہے۔ کما قال تعالیٰ: ذرھم وھم فی خوضھم یلعبون۔ اسی طرح اہل دنیا اللہ والوں کو لہو و لعب اور دین کو عبث اور بیکار عمل سمجھتے ہیں۔

قَالَ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: میں تمہارے ساتھ مذاق نہیں کر رہا بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بلکہ تمہارا رب وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ ابتداءً پیدا فرمایا۔ پہلے ان کی کوئی مثال نہیں دی

تمہارا مالک اور وہی تمہارا پروردگار ہے۔ فطرھن کی ضمیر السموات والارض کی طرف۔ یا تماثیل کی طرف راجع ہے۔ یعنی جب تمہارا خالق اللہ تعالیٰ ہے تو پھر تم اس کی مخلوق یعنی بتوں کی پرستش کیوں کرتے ہو۔ وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكُمْ اور میں اس پر تمہیں بتاتا ہوں کہ تمہارا رب وہی ہے۔ جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا ہے اس کے سوا کوئی بھی تمہارا رب نہیں ہو سکتا وہ کیسے ہی بلند ہستی کیوں نہ ہو مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ میں ان شاہدین سے ہوں جو اس حقیقت کو جانتے اور اس کو دلائل و براہین سے ثابت کر سکتے ہیں۔

سوال: شاہد اس کو کہتے ہیں جو حقیقت امر و واقعہ کو آنکھوں سے دیکھ کر گواہی دے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی تخلیق وغیرہ کو آنکھوں سے نہیں دیکھا کہ گواہی دے سکیں۔ پھر ابراہیم علیہ السلام نے اپنے آپ کو کیسے شاہد فرمایا۔

جواب: استعارۃً و مجازاً اپنے آپ کو شاہدین سے فرمایا اس لیے کہ جیسے اپنے دعویٰ پر مضبوط اور پختہ حجت اور برہان حاصل ہو تو وہ گویا عینی شاہد ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ میں اپنے دعویٰ میں مذاق نہیں کر رہا بلکہ ان لوگوں سے ہوں جو اپنے دعویٰ کو دلائل و براہین سے ایسے وضوح میں بیان کرتے ہیں گویا وہ عینی شاہد ہیں کہ جن کے دلائل و براہین سے دعاوی قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو جاتے ہیں۔

ربط: وکانوا سے ملک کا نمرود کی عید کا ایک دن تھا۔ اس دن وہ میدان میں جاتے اور شام تک سیر کر کے واپس بت خانہ میں آ جاتے اور بتوں کو سجدہ کر کے ان کے سامنے گاتے بجاتے۔ پھر پرستش کی رسمیں ادا کر کے اپنے گھروں میں چلے جاتے جب ابراہیم علیہ السلام نے ان کے بعض لوگوں سے ان مورتیوں کے بارے میں مناظرہ کیا تو بولے کل ہماری عید کا دن ہے شہر سے باہر چل کر دیکھنا کہ ہمارے دین اور ہمارے آئین میں کیسی رونق و بہار ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کوئی جواب نہ دیا۔ دوسرے دن جب عید کو جانے لگے تو ابراہیم علیہ السلام کو بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہا۔ ابراہیم علیہ السلام نے بیماری کا عذر کر کے بصورت کنایہ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ فرمایا میں تمہارے بتوں کی پرستش سے متنفر ہوں۔ کذا فی القصص۔ جب بت پرستوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معذور سمجھ کر گھر پر چھوڑ دیا اور آپ نے دل ہی دل میں ان سے فرمایا وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ اللہ کی قسم میں تمہارے بتوں کو توڑنے کی کوئی تجویز بناؤں گا۔ اور ارشاد میں اس کا ترجمہ یوں ہے کہ میں تمہارے بتوں کو توڑنے کی بعد تدبیر کروں گا۔

مسئلہ در تائید اہلسنت

(اس سے ثابت ہوا کہ مشکل امر کو آسان کرنے کے لیے تدبیر و ترکیب جائز ہے) اسی میں وہابیہ، نجدیہ، دیوبندیوں کا رد ہے کہ وہ شرعی اسقاط وغیرہ حیلہ کو حرام و ناجائز کہتے ہیں۔ دلائل فقیر اویسی غفرلہ کے رسالہ "حیلہ اسقاط" میں دیکھیے۔

ابن الشیخ امام فخر الدین کی تفسیر کے حوالہ سے سوال کرتے ہیں کہ الکید یعنی کسی کو ضرر پہنچانے کا ارادہ ہے اس کے ساتھ ایسی تدبیر کرنا کہ اسے علم نہ ہو۔ پھر بتوں کو توڑنے سے بتوں کو ضرر کیسا یا انہیں شعور کہاں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ توسع فی الکلام کے قبیل سے ہے کیونکہ بت پرستوں کا عقیدہ تھا کہ بت ذی شعور ہیں۔ ان کے

عقیدے کے مطابق ہی بتوں کو قرب حق کا ذریعہ بنانا مطلوب ہے۔ یہ قاعدہ ہے کہ خصم کے عقیدہ کے مطابق کلام کرنا علم مناظرہ کا ایک ضابطہ ہے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ دینی متکلم کا عقیدہ ہے۔ پھر اسی قاعدے سے آگے چل کر وہابی نجدی اولیاء و انبیاء علیہم السلام کو بتوں جیسا بنانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ (والتفصیل فی الکتب المختصۃ بھذا الباب)

دراصل یہ بات حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت پرستوں کو قائل کرنے کے ارادہ سے فرمائی۔

ف: اصنام صنم کی جمع ہے وہ جثہ جو سونے یا تانبے یا لکڑی سے تیار کرکے اس کی پرستش کی جائے اس سے ان کی پرستش سے تقرب الٰہی مطلوب ہو۔ (کذا فی المفردات)

(وہابی نجدی وہ بھی تقرب کے لفظ سے دھوکہ دیتے کہ اولیاء و انبیاء علیہم السلام کی عقیدت و محبت و تعظیم و تکریم کو شرک ٹھہراتے ہیں۔ حالانکہ مسئلہ ظاہر ہے کہ کفار کا تقرب بذریعہ عبادت تھا اور ہمارا تقرب بلکہ ادب توسل و استغفار کے طریق سے ہے۔ (تفصیل از ناکارہ)۔ ولکن الوہابیۃ قوم لا یعقلون)

بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا بمعنی تدبروا۔ ولّٰی بالتشدید کا مضارع ہے۔ مُدْبِرِيْنَ بمعنی ذاھبین یہ حال مؤکدہ ہے اس لیے کہ تولیتہ و ادبار ایک شے ہے اور الادبار الاقبال کی نقیض ہے۔ بمعنی الذھاب الی الخلف یعنی پیچھے لوٹنا۔ کا شئی سے تعلق رکھنا اس کے کہ منہ پھیر وہ ان کی طرف اور پیٹھ کر کے چلے جاؤ اور جب تم پیٹھ پھیر لو گے ان کی طرف۔ یعنی جب بتوں کو چھوڑ کر اپنی میلہ گاہ میں جاؤ گے۔ فَجَعَلَهُمْ فاء فصیحہ ہے بمعنی فولوا فجعلهم یعنی ادھر وہ چلتے ہوئے، ادھر پیٹھ پھیری ادھر ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو کر دیا جُذٰذًا ٹکڑے ٹکڑے۔ جذاذ بروزن فعال بمعنی المفعول۔ الجذ سے ہے بمعنی کاٹنا الحطام کی طرح کہ وہ الحطم سے ہے بمعنی توڑنا۔

ف: القاموس میں ہے الجذ بمعنی جڑ سے کاٹنا اور توڑنا۔ اور الجذاذ مثلث ہے یعنی اس کے تینوں حرکات منقول ہیں۔

اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ یہ فجعلهم کے مفعول سے استثناء ہے اور لهم کبیرا کی صفت ہے اور ضمیر اصنام کی طرف لوٹتی ہے یعنی سوائے بتوں کے بڑے کے ابراہیم علیہ السلام نے توڑ ڈالا بلکہ اسے اپنے حال پر چھوڑ دیا اور کلہاڑا اس کی گردن میں لٹکا دیا۔

سوال: اسے کبیر کیوں کہا؟

جواب: اسے تعظیماً بڑا کہا ہے۔ یا جثہ میں سب سے بڑا تھا یا بحیثیت ان تمام بتوں سے زیادہ معظم تھا۔

لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ شاید نمرود کے لوگ اس بت کی طرف آئیں اور اس سے حالات پوچھیں۔ الیہ کی تقدیم اختصاص یا رعایت فاصلہ کے اہتمام کے لیے ہے۔ اور بت کی طرف لوٹنے کی امید اسی لیے رکھی گئی کہ وہ ان کا بڑا معبود تھا اور معبود کی شان یہ ہے کہ حل مشکلات کے وقت اس کے پاس حاضری دی جاتی ہے اور پھر اس سے مقاصد کے حصول کی

امید رکھی جائے۔ اس سے ان کی جہالت کا اظہار اور لاجواب کرنا مطلوب ہے۔ (کذا فی بحر العلوم) یا الیہ کی ضمیر ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور معنی یہ کہ ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتا اس لیے کہ وہ سمجھتے تھے کہ ابراہیم علیہ السلام ہمارے دین کے مخالف تھے اور بتوں کو گالیاں دیتے اور ان سے کھلی عداوت رکھتے تھے۔ بیضاوی صاحب بھی یہی کہ ابراہیم علیہ السلام انہیں بعد کو بحث کے طور پر فرمایا بل فعلہ کبیرھم۔ یہ کلمہ ان پر حجت تامہ قرار پائی اور لاجواب کیا۔ (کذا فی الارشاد)

بت شکن ابراہیم علیہ السلام

مروی ہے کہ آزر اور اس کے بھائی بند سارے عید گاہ کی طرف جانے سے پہلے بت خانہ میں گئے اور بتوں کو سجدہ کیا اور ان کے پاس طعام چھوڑا اور سمجھا کہ اس طعام کی وجہ سے بتوں کی برکتیں طعام میں آ جائیں گی۔ اس کے بعد عید گاہ کو چلے گئے۔ ابراہیم علیہ السلام پیچھے بت خانہ میں تشریف لے گئے اور بتوں کو استہزاءً فرمایا تمہیں کیا ہے تم بولتے نہیں اور نہ ہی کچھ کھاتے ہو۔ پھر ایک کلہاڑا پکڑا اسے اٹھا کر تمام بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ ایک بڑے بت کو چھوڑ کر بلکہ وہی کلہاڑا اس کے گلے میں لٹکا دیا اور طعام بت خانہ میں بکھیر دیا۔ اس کارروائی کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام واپس گھر تشریف لے گئے۔

سوال: امام فخر الدین نے سوال کیا ہے کہ اگر وہ بت پرست عقلمند تھے تو انہیں یقین ہوگا کہ یہ بت نہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان تو پھر انہیں توڑنے کا کیا فائدہ۔ زیادہ سے زیادہ وہ ان کی ایسے ہی تعظیم کرتے ہوں گے جیسے ہم قرآن مجید، مسجد وغیرہ کی تعظیم کرتے ہیں تو پھر ابراہیم علیہ السلام کو ان کے توڑنے سے کیا فائدہ ہوا۔ اگر وہ قوم بے وقوف تھی تو ان کے ساتھ مناظرہ اور ان کے ہاں رسل کرام علیہم السلام کا بھیجنا بے سود۔

جواب: وہ قوم عقلمند ذی شعور تھی اور سمجھتے تھے کہ واقعی یہ بت نہ نفع دیتے ہیں نہ نقصان، لیکن ان کا عقیدہ تھا کہ یہ اصنام ستاروں کے ہم شکل ہیں اور طلسم ہیں کہ ان کی جو کوئی پرستش کرے گا نفع پائے گا اور جو ان کی بے حرمتی کرے گا اسے نقصان پہنچے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے عقیدے کو غلط کر دکھایا کہ میں نے انہیں توڑ دیا ہے لیکن مجھے تو کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ اس سے ثابت ہے کہ بت پرستو! تمہارا عقیدہ اور مذہب غلط ہے۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے جو اپنے آپ کو نفس و طبع کے حوالے کر دیتا ہے تو نفس کی خواہش اسے بت کا پرستار بنا رکھتا ہے جیسے آزر کا حال ہوا۔ اگر عنایت ازلی شامل حال ہو تو نفس کی خواہش کو پرزہ پرزہ کر دیتا ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام نے کیا۔ اگر انسان ازلی بدبخت ہو تو وہ حق کو باطل سمجھتا ہے اور باطل کو حق۔ جیسے نمرود کی قوم کا حال تھا۔ حضرت جامی نے فرمایا:

بشکن بت غرور کہ در دین عاشقاں
یک بت شکستن بہ از صد عبادت است

ترجمہ: غرور کے بت کو توڑ دے اس لیے کہ عاشقوں کے دین میں ایک بت توڑنا سو عبادت سے بہتر ہے۔

تفسیر عالمانہ قَالُوْا نمرودی جب شام کو میلہ سے بت خانہ میں واپس آئے تو کہا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کام کس نے کیا کہ انہیں ریزہ ریزہ کر ڈالا۔ یہ استفہام انکاری اور توبیخ کے لیے ہے۔

سوال: انہیں بِاٰلِهَتِنَا کی بجائے هٰؤُلَاءِ کہنا چاہیے تھا کیونکہ بتوں کی توڑ پھوڑ ان کے سامنے تھی۔

جواب: بتوں کی تصریح سے توڑ پھوڑ کرنے والے کی شناعت و مذمت میں مبالغہ مطلوب ہے۔

اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ بے شک وہ بتوں کی توڑ پھوڑ کی وجہ سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والوں سے ہے کیونکہ اس نے بتوں ایسی جرأت کرکے اپنے آپ کو ہلاکت و تباہی کا نشانہ بنایا ہے **قَالُوْا** ان کے بعض نے سوال کرنے والوں کو جواب دیتے ہوئے کہا **سَمِعْنَا** ہم نے لوگوں سے سنا **فَتًى** کہ وہ ایک نوجوان **يَّذْكُرُهُمْ** جو بتوں کو برائی سے یاد کرتا اور ان کی مذمت کرتا تھا، شاید اسی نے کیا ہوگا۔

سوال: ذکر مطلق ہے تم نے اسے برائی اور عیب کی مذمت سے کیوں مقید کیا۔

جواب: دلالت حال سے معلوم ہوتا ہے جیسے تم کہتے ہو فلاں یذکرک۔ اس سے تم خود سمجھ جاتے ہو کہ اگر یاد کرنے والا تمہارا دوست اور خیرخواہ ہے تو سمجھتے ہو کہ اس نے تمہاری تعریف کی ہوگی اگر وہ تمہارا دشمن ہے تو سمجھتے ہو کہ اس نے تمہاری بدگوئی اور مذمت کی ہوگی۔

يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِیْمُ اسے ابراہیم کہا جاتا ہے یعنی اس کا نام ابراہیم ہے (علیہ السلام) **قَالُوْا** ای الشیخ نے کہا کہ یہ معاملہ نمرود و دیگر اراکین سلطنت تک پہنچا تو انہوں نے حکم جاری کیا کہ **فَاْتُوْا بِهٖ** اسے لاؤ **عَلٰٓی اَعْیُنِ النَّاسِ** لوگوں کی آنکھوں کے سامنے۔ یہ بِهٖ کی ضمیر سے حال ہے بمعنے **ظاهرًا او مكشوفًا**۔ یعنی سب کے سامنے اسے ظاہر اور کھلم کھلا لاؤ تاکہ اسے ہر ایک دیکھے **لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ** شاید لوگ اس کے قول و فعل کی گواہی دیں کہ واقعی اسی نے بتوں کو توڑا ہے۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ بعض کفار ایسے بھی گزرے ہیں کہ وہ بلا دلیل کسی کو جرم کی سزا نہیں دیتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مجرم کو گواہی اور قوی حجت کے بغیر سزا دینے والے نمرود اور کفار سے بھی گئے گزرے ہیں۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

قَالُوْا یہاں کلام محذوف ہے وہ یہ کہ فَاَتَوْا بِهٖ یعنی نمرود کی حکومت کے حکم کے تحت حضرت ابراہیم تشریف لائے جب مجلس کی کارروائی ہو گئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو زجر و توبیخ کرتے ہوئے کہنے لگے: **ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِیْمُ** اے ابراہیم (علیہ السلام) کیا تم نے ہمارے خداؤں کو توڑا پھوڑا ہے؟ **قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا** ابراہیم نے فرمایا ان کے بڑے نے کیا۔ اسی بڑے بت کی طرف اشارہ فرمایا جسے آپ نے توڑا نہیں تھا یہ اس لیے کہ بتوں کی بڑی برادری یعنی کفار انہیں خوب سنگار کرکے صف بستہ کھڑے ہوکر پوجتے اور ان کی تعظیم و تکریم بجا لاتے اور ساتھ ہی اس بڑے بت کی بھی پرستش کرتے اگرچہ اس کی تعظیم و تکریم زیادہ ہوتی اور اس کے سامنے خشوع و خضوع بھی بہت زیادہ ہوتا۔ اس سبب کو آپس میں غیظ و غضب رہتا کہ دوسروں کی تعظیم و تکریم کی شرکت کیوں۔ یہ بڑا آخر بڑا تھا اس کا غیظ و غضب بھی بڑا ہونا چاہیے تھا

اسی لیے غصہ میں آکر اس نے سب کا ستیاناس کر دیا ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ کلام بطور طنز اس لیے کیا ہے کہ اسے ناممکن ہونے کے ہوتے ہوئے ان دوسروں کی پرستش کیوں کی جاتی ہے۔ فَاسْئَلُوْهُمْ ان سے خود پوچھو کہ انہیں کس نے توڑا۔ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ اگر وہ بولنے والے ہیں تو وہ تمہیں بتائیں کہ یہ کام کس نے کیا۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین کذبات کے سوا کبھی کوئی جھوٹی بات نہیں کی۔

ف: تعریض کو حضور علیہ السلام نے کذب سے تعبیر فرمایا۔ محض اس لیے کہ ان کی ظاہری صورت ایک ہے ورنہ کذب (جھوٹ) تو کبیرہ گناہ ہے اور انبیاء علیہم السلام تمام کبائر سے معصوم ہوتے ہیں۔

سوال: اگر یہ صریح جھوٹ نہ ہوتا بلکہ تعریض ہوتی تو ابراہیم علیہ السلام قیامت کے دن انہیں شفاعت کی معذرت میں پیش نہ فرماتے حالانکہ قیامت میں جب لوگ آپ سے شفاعت کے لیے عرض کریں گے تو آپ فرمائیں گے کہ مجھ سے تین کذبات سرزد ہوئے ورنہ میں ضرور شفاعت کرتا۔

جواب: نبوت و خلافت کا حق یہ ہے کہ وہ عزیمت سے کام لیں حتی الوسع کلام کا اظہار اسی طرح کریں جس طرح اس کا حق ہے لیکن بوجہ مصلحت اسے رخصت پر عمل کر لیں تو یہ ان کے لیے جائز ہے اسی لیے کہ حسنات الابرار سیئات المقربین مسلّم قانون ہے اور ان کا اس رخصت پر عمل کرنے میں خلق خدا کی کئی بھلائیاں مضمر ہوتی ہیں۔ (تحقیق مزید فقیر اویسی غفرلہ کے رسالہ "عصمت الانبیاء" میں دیکھیے)۱؎ اسی کمزوری کی وجہ سے آپ اپنے آپ کو ناقابل سمجھ کر شفاعت سے معذرت فرمائیں گے

۱؎ اس آیت سے شیعہ تقیہ کا جواز ثابت کرتے ہیں یہ غلط ہے اس لیے کہ سب کو معلوم ہے کہ شیعہ کے نزدیک تقیہ ایک بہت بڑی عبادت ہے اور شیعہ مذہب کا دارومدار ہی تقیہ پر ہے

اس کے فضائل و کمالات فقیر کی کتاب "آئینہ شیعہ مذہب" میں پڑھیے۔

ذیل میں فضائل تقیہ از کتب شیعہ دیکھے جاتے ہیں۔ کتب شیعہ میں اس کی بہت تعریف کی گئی ہے اسے اعلیٰ عبادت میں شمار کیا گیا ہے:

۱۔ اصول کافی صفحہ ۴۸۴ میں ہے:

قال ابو جعفر علیہ السلام التقیة من دینی ودین آبائی ولا ایمان لمن لا تقیة له۔	امام محمد باقر نے فرمایا ہے تقیہ میرا اور میرے باپ دادا کا دین ہے اور جو تقیہ نہ کرے اس کا کوئی ایمان ہی نہیں ہے۔

۲۔ اصول کافی صفحہ ۴۸۳ میں ہے:

قال ابو عبد اللہ علیہ السلام یا ابا عمر ان تسعة	ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا اے ابو عمر دین کے

(باقی اگلے صفحہ پر)

ف۔ شیعہ کے تقیہ کا معنی ہے جھوٹ بولنا، ہر بات میں دوسروں کے خلاف باطن رکھنا اور قرآنی اصطلاح کا معنی یہ ہے کہ کسی بات کو ایسے

دیکھو حاشیہ صفحہ ۹۹۱

اعظم الدين يعني التقية ولا دين لمن لا تقية له۔

تقیہ ہی دین ہے جو تقیہ نہ کرے وہ بے دین ہے۔

۳۔ اصول کافی صفحہ ۴۸۳ میں ہے:

عن ابي بصير قال قال ابو عبد الله عليه السلام التقية من دين الله قلت ومن دين الله قال إي والله من دين الله ولقد قال يوسف ايتها العير انكم لسارقون والله ما كانوا سرقوا شيئاً ولقد قال ابراهيم اني سقيم والله ما كان سقيماً۔

ابو بصیر سے روایت ہے کہ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا تقیہ خدا کے دین سے ہے۔ راوی نے کہا کیا خدا کے دین سے ہے؟ امام نے فرمایا، واللہ خدا کے دین سے ہے۔ یوسف نے کہا اے قافلہ والو! تم چور ہو۔ بخدا انھوں نے کوئی چوری نہ کی تھی۔ ابراہیم نے کہا میں بیمار ہوں بخدا وہ بیمار نہ تھے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ تقیہ جھوٹ بولنے کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ معاذ اللہ یوسف و ابراہیم جھوٹ بولے کہ قافلہ والوں نے کوئی چوری نہ کی تھی ان کو سارق کہا گیا۔ اور ابراہیم تندرست تھے جھوٹ موٹ بیمار بن بیٹھے۔ یوسف علیہ السلام کے متعلق جوابات پارہ نمبر ۱۳ کے حواشی پر دیکھیے اور ابراہیم علیہ السلام کے متعلق جوابات اسی آیت کے تحت دیکھیے۔

۴۔ حیات القلوب جلد ۲ ص ۳۳۳ میں ہے:

و در حدیث معتبر دیگر از او که تقیه هیچکس به تقیه اصحاب کهف نمیرسید چونکه ایشان زنار می بستند و بعید مشرکان حاضر میشدند پس خدا ثواب ایشان را مضاعف گردانید۔

دوسری حدیث معتبر میں ہے کہ کسی شخص کا تقیہ اصحاب کہف کے تقیہ کے برابر نہیں ہو سکتا کہ وہ جنیو پہنتے اور کفار کی عیدوں میں شامل ہوا کرتے تھے اور خدا نے ان کا ثواب دو چند کیا ہے۔

اس روایت سے بھی صاف ثابت ہوا کہ تقیہ جھوٹ بولنے کو کہتے ہیں۔ سب سے تقیہ باز اصحاب کہف تھے وہ یہاں تک جھوٹ بولتے تھے کہ مسلمان ہو کر زنار پہن لیتے اور مشرکین کی کفار کی عیدوں میں شامل ہو جاتے اور اس کا ثواب عظیم حاصل ہوتا۔ شرم! شیعہ خود تو جھوٹ بولا کریں، تقیہ کا ثواب لوٹیں لیکن پاک لوگ پیغمبروں، ولیوں، اماموں کو تقیہ باز (جھوٹ بکنے والا) کہنے سے تو تامل کیا کریں۔ مگر نہیں، ان کے دست ستم سے نہ امام بچا ہے نہ نبی نہ ولی۔

۵۔ رسالہ الحفاظ تقیہ میں ہیں (اقوال علامہ حائری لکھے گئے ہیں) میں ہے کہ:

"امیر المومنین حضرت علی نے خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں تقیہ کیا اور حضرت نے تقیہ کیا جیسا کہ جس طرح صدر اسلام میں رسول اللہ
(باقی ص ۹۹۴)

واقعہ بیان کرنا کہ مجھے سامنے ورق کے صفحے پر ایک رسالہ نظر آیا اسی غلط سے دوسرا مفہوم ہوا ہے۔ مثلاً ابراہیم علیہ السلام کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۹۲)

صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۳ سال تک اعداء اسلام کے خوف سے تقیہ کیا۔ جناب امیرؓ نے بھی قلت انصار و اعوان کے سبب خوف سے تقیہ کیا۔ اس تقیہ کے کرنے سے اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت و قوت و جرأت پر کوئی حرف نہیں آتا تو انفس رسول (علیؑ) پر جو کسی طرح پیغمبر سے کسی صفت میں بھی زیادہ نہ تھے کوئی اعتراض لازم نہیں آسکتا۔ مزید برآں جناب امیرؓ نے بھی محض حفاظت اسلام کے لئے اس وقت تقیہ کیا۔ صدر اسلام کا زمانہ تھا اگر وہ تقیہ نہ کرتے تو مسلمانوں کی باہمی کشمکش سے اسلام خطرہ میں پڑ جاتا۔ یہی بات تھی کہ انہوں نے بعض مستحقوں کی بیعت ہرگز نہیں کی اور تقیہ میں زمانہ گزار دیا۔ وہاں اگر بیعت خلافت کے لیے مجبور کیا جاتا تو وہ پھر مقابلہ میں لڑائی اور اقتدار اسلام کو ترجیح دیتے اور تقیہ ترک فرماتے۔ مگر اتحاد ملی کی بنا پر بیعت کے لیے مجبور نہیں کیے گئے تو انہوں نے تقیہ ترک کیا اور باوجود تقیہ کرنے کے بھی اعتراف اکابر علماء اہل سنت علیؓ نے سیرت شیخین پر عمل نہیں کیا بلکہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ جناب امیرؓ کی خلافت ظاہری کا زمانہ آیا اور آپ نے اپنی خلافت میں اصحاب ثلاثہ کے مقرر کردہ احکام کو بدل کر دیا اور اس کا ازسرنو اجرا کیا۔

مسئلہ تقیہ کی ایجاد کی اصل وجہ

موجدان مذہب شیعہ نے جب یہ دیکھا کہ جناب امیرؓ کے خطبات اور ائمہ اہل بیت کے اقوال سے اصحاب ثلاثہ کی بہت بڑی تعریف پائی جاتی ہے اور جناب امیرؓ عہد خلافت اصحاب ثلاثہ میں ان سے شیر و شکر رہے اور ہر معاملہ میں ان کے مشیر و وزیر رہے ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے تو یہ سوال قائم ہو سکتا تھا کہ پھر شیعہ کس طرح کہتے ہیں کہ اصحاب ثلاثہ سے وہ ناراض اور ان کی خلافت کو ناجائز سمجھتے تھے۔ اس کے جواب کے لیے انہوں نے مسئلہ تقیہ ایجاد کیا کہ یہ سب کچھ جناب امیرؓ اور اہل بیت کا تقیہ تھا اور بہت فضیلت رکھتا ہے اور دین کے نو حصے تقیہ میں ہیں اور تمام انبیاء علیہم السلام کا دین و ایمان تقیہ ہی تھا۔

چونکہ یہ بات بدیہی البطلان تھی اس کی تکمیل خاطر کے لیے تقیہ کی بڑی بڑائی کی ہے۔ یہاں تک کہہ دیا کہ ائمہ اہل بیت نے فرمایا ہے کہ دین حق ظاہر کرنے کے لیے نہیں بلکہ چھپانے کے لیے ہوتا ہے:

اصول کافی ص ۴۸۵ میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے ایک خاص شاگرد کو یوں فرمایا:

یا سلیمان انکم علی دین من کتمہ اعزہ اللہ ومن اذاعہ اذلہ اللہ۔	اے سلیمان! تم ایسے دین پر ہو کہ جو اس کو چھپائے اللہ اس کو عزت دے گا اور جو اس کو ظاہر کرے گا اس کو ذلیل کرے گا۔

(باقی صفحہ

قال ہذا اکبر کہہ کر اعلان کیے جب بل فعلہ کبیرھم فرمایا تو اس کا مطلب ظاہر ہے یہی ہے کہ بڑے بت نے مارا ہے۔ اور ابراہیم علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ اسے بیوقوفو! جب تمہارا سب سے بڑا معبود اپنے سے دفع ضرر کی طاقت نہیں رکھتا تو وہ دوسروں کو کیسے ضرر پہنچا سکتے ہیں۔ جب ان کی یہ حالت ہے تو پھر وہ معبود کیسے! (مزید تشریح تفسیر آلوسی میں دیکھیے)

کذب کی تفصیل شیخ عزالدین نے فرمایا کلام مقاصد کا وسیلہ ہے۔ ہر نیک مقصود کو صدق و کذب دونوں سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اسے کذب سے حاصل کرنا حرام ہے۔ اگر کسی وقت ایسی صورت درپیش ہو کہ اسے صدق سے حاصل کرنا ناممکن ہے تو کذب کے ذریعہ حاصل کرنا مباح ہے۔ اگر اس مقصد کا حصول مباح ہو تو کذب مباح ہے اگر اس کا حصول واجب ہو تو ایسے موقع پر کذب واجب ہے۔ اس تفصیل کے بعد اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تین کذبات کی تفصیل سنیے۔ ان میں سے دو کذبات میں دو مقاصد کا حصول ابراہیم علیہ السلام کو محض ذات الٰہی کی رضا پر مطلوب تھا۔ تیسرے میں بی بی سارہ رضی اللہ عنہا سے دفع ضرر مطلوب تھا اور وہ بھی درحقیقت رضائے الٰہی پر مبنی تھا۔ لیکن چونکہ اس میں ان کی اپنی ذات اور بی بی سارہ رضی اللہ عنہا کا واسطہ تھا اسی لیے اول دو کو ذات الٰہی سے منسوب کیا گیا ہے اور تیسرے کو بالواسطہ منسوب کیا گیا۔ اس تفصیل کے بعد اب تینوں مقامات کی تشریح سنیے۔

کذب اول: إِنِّي سَقِيمٌ (میں بیمار ہوں) **توجیہ اول:** جب ابراہیم علیہ السلام کو ان کے چچا آزر نے کہا کہ آپ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸)

دوسری جگہ اس کتاب کے ص ۴۸۵ میں ہے

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام من اذاع علینا شیئاً من امرنا کمن قتلنا عمداً و لم یقتلنا خطاءً۔	امام صادق علیہ السلام نے فرمایا جو شخص ہمارے مذہب میں سے کچھ ظاہر کر دے گا اس نے ہمیں عمداً قتل کیا نہ کہ خطاءً۔

نیز کتاب مذکور کے ص ۴۸۵ میں ہے کہ

من اذاع علینا حدیثاً سلبہ اللہ الایمان۔	امام صادق نے فرمایا جو ہماری حدیث کو ظاہر کرے گا خدا اس کا ایمان چھین لیتا ہے۔

ہر ایک عقل مند یہ بات بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ جو شخص یا لوگوں کی انگشت میں رہتا ہو یا ایسا کہ ان کہیں کرتی کے اظہار سے ایمان جاتا رہتا ہے تو مذہب اور دین کی اشاعت و تبلیغ الٰہی اور اس کا کتمان باعث خوشنودی خدا ہے۔ اور اگر حدیث یا ان کا مذہب ظاہر کر دینا ایسا ہے جیسا ان کو عمداً قتل کر دینا۔ پس یہ درست ہے کہ روافض کا مذہب صرف چھپانے کے قابل ہے۔ اس کی نظیر باطل ترین فرقہ اور ادیان عالم میں نظر نہیں آتی کا موجب ہے اور یہ مذہب روافض ہرگز ہرگز مذہب اہل بیت نہیں ہو سکتا۔ بھلا جس مذہب میں امہات المؤمنین (ازواج رسول) کو گالیاں دینا، لعنت، تبرا بھیجنا جائز بلکہ عبادت ہو وہ کبھی اہل حق کا مذہب کہلا سکتا ہے!

تفصیل مزید تحقیق فقیر کی کتاب "آئینہ مذہب" میں دیکھئے۔ اویسی غفرلہ

ہماری عیدگاہ میں چل کر دیکھیں کہ ہمارا میلہ کیسا خوب ہے۔ آپ اس کے لئے چل پڑے۔ راستہ میں گر پڑے اور کہا کہ میں بیمار ہوں۔ یعنی میرا دل تمہارے دین کو دیکھنے سے بیمار ہے۔ یعنی مجھے وہاں عیدگاہ جانے سے قلبی نفرت ہے۔ اس لیے مجھے معذور سمجھئے۔

بعض نے کہا کہ ابراہیم علیہ السلام علم نجوم کے عالم تھے لہٰذا بت پرستوں کی عادت تھی کہ وہ عیدگاہ میں بیمار کو ساتھ نہیں لے جاتے تھے جب ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کو توڑنے کا ارادہ ہوا تو رات کو ستاروں کو دیکھ کر صبح کو بت پرستوں سے فرمایا کہ میں اپنے آپ کو بیمار پاتا ہوں۔ اس تکلیف کے اظہار کے لیے سر کو باندھ رکھا تھا۔ اس لیے قوم عیدگاہ کو چلی گئی اور آپ اکیلے گھر پر رہ گئے۔ اس معنے پر سقیم کہہ کر اپنے مستقبل کی بیماری کا اظہار کیا۔

کذب دوم: بل فعلہ کبیرھم ھذا ہے اس کی تشریح کچھ اوپر بیان ہو چکی ہے۔

کذب سوم: جب ابراہیم علیہ السلام اردن میں تشریف لے گئے تو وہاں کا بادشاہ بہت بڑا ظالم و جابر تھا۔ اس کا نام صادوق تھا۔ ابراہیم علیہ السلام جب اردن میں تشریف لائے تو بی بی سارہ رضی اللہ عنہا آپ کے ساتھ تھیں جو بہت حسینہ و جمیلہ تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بی بی سے فرمایا کہ اگر بادشاہ کو معلوم ہوا کہ آپ میری زوجہ ہیں تو وہ آپ کو مجھ سے جبراً چھین لے گا۔ لہٰذا اگر آپ کو وہ بادشاہ میرے متعلق پوچھے تو کہنا کہ وہ میرا بھائی ہے یعنی دینِ اسلام کا بھائی اس لیے کہ میں جانتا ہوں اس وقت روئے زمین پر سوائے تیرے اور میرے اور کوئی مسلمان نہیں ہے۔ جب یہ دونوں حضرات اس ظالم و جابر بادشاہ کے علاقہ میں تشریف لائے تو بادشاہ کو مخبروں نے خبر دی کہ تیرے علاقے میں ایک ایسی عورت آئی ہے جس کی کوئی مثال نہیں اور وہ ہے بھی تیری شان کے لائق۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے میرے پاس لاؤ۔ جب بی بی سارہ کو وہاں لے گئے تو ابراہیم علیہ السلام نماز و دعا میں مصروف ہو گئے۔ جونہی بادشاہ نے بی بی کو دیکھا تو فریفتہ ہو گیا۔ بی بی کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا ہاتھ شل کر دیا۔ بادشاہ نے کہا: اے بی بی! دعا کیجئے میرا ہاتھ ٹھیک ہو جائے میں آپ کو کچھ نہیں کہوں گا۔ بی بی نے دعا کی تو اس کا ہاتھ اچھا ہو گیا۔ اسی طرح اس نے تین بار حرکت کی تینوں دفعہ اسے شکست کی کھانی پڑی۔ آخر تنگ آ کر بادشاہ نے اس شخص کو جو بی بی کو لے کر آیا تھا کہا کہ اسے یہاں سے لے جاؤ تم جن لے آئے ہو۔ اور ساتھ ہی بی بی ہاجرہ خدمت کے لیے دے دی۔ بی بی ہاجرہ بھی حسن و جمال میں بے نظیر تھیں۔ بی بی سارہ نے بی بی ہاجرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہبہ کر دی۔ اسی بی بی ہاجرہ سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ [1]

فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ پس لوٹے اپنی عقلوں کی طرف اور سمجھ گئے کہ یہ اپنے سے تو ضرر نہیں ہٹا سکتے اور نہ ہی کسی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں تو پھر وہ کسی دوسرے کا ضرر کیسے ٹال سکتے ہیں یا اس کے لیے کیسے نفع پہنچا سکتے ہیں۔ جب ان سے یہ نہ ہو سکا

---

[1] بحمد اللہ تعالیٰ ہم اہلسنت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مانتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے انبیاء علیہم السلام کو بھی۔ لیکن اہلسنت پر شیعہ حضرات طعن کرتے ہیں کہ کذبات کو منسوب کر کے اہانت کرتے ہیں۔ ان کے جوابات تفسیر اویسی میں دیکھئے۔ صاحب روح البیان کی طرح حاشیہ تفسیر "عمدۃ البیان" نے بھی خوب لکھا ہے وہیں آیات دیکھیے۔ اویسی غفرلہ

حالت اتنی زار ہے تو پھر وہ کس طرح معبود مانے جا سکتے ہیں۔ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ تو آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے بے شک تم ہی بیکاروں کی پرستش کرنے سے ظالم ہو۔ اسے ظالم کہنا یہ قول ہے جس نے انہیں توڑا۔ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰی رُءُوْسِهِمْ باوجودیکہ اس واقعہ سے ان کے دماغ درست ہو گئے لیکن تھوڑے سے بعد پھر پہلی حالت پر لوٹ آئے۔ انہیں اس لکڑی کے ساتھ مشابہت دی گئی ہے جسے سیدھا کیا جائے تو پھر وہ اپنی ٹیڑھی حالت کی طرف خود کر آئے۔ ان کے ساتھ یہی ہوا کہ حق کو سمجھنے کے باوجود پھر باطل کی طرف لوٹ گئے یہ نُكِسَ الْمَرِيْضُ سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب مریض کی حالت صحت کے بعد پھر خراب ہو جائے۔ اصل النکس قلب الشئی ورد آخرہ علٰی اولہ کو کہا جاتا ہے۔ یعنی شے کو الٹا اور اس کے آخر کو اول کی طرف رد کرنا۔ کاشفی نے لکھا پھر جھکے اپنے سروں کے بل یعنی خجالت سے سر جھکا لیے اور حیرت سے بولے۔

فت و صوفیہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ہر انسان کے اندر عقل ہے اگر وہ اسی کی طرف رجوع کرے اور پھر اسے خود غور و فکر کرے تو وہ صلاحیت و فساد کو پہچان سکتا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

عقل بے لشکر آمد در نبرد — گر نباشد یار غار دردمند
فکر خفتہ عاقل را امان — فکر سے ویرانہ کن از عاقلاں

ترجمہ: کشتی فکر کے بغیر اسے تر دو خالفت سے خوف نہ ہوگا جب اسے عقل حاصل ہو گئی کہ عقل فکر ہے اسلام والوں سے فکر طلب کرنا چاہیے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ اگرچہ عقل کو صلاح و فساد اور حق و باطل کی تمیز حاصل ہے لیکن اس کے ساتھ جب تک نور الٰہی و توفیق ایزدی کی تائید نہ ہو تو وہ صلاح کو اختیار کر سکتا ہے نہ فساد سے احتراز۔ بلکہ وہ مجبور ہو جاتا ہے جیسے نمرود کی قوم کا حال ہوا کہ وہ اپنے سروں کے بل اس لیے گرے کہ انہیں توفیق ایزدی نصیب نہ ہوئی باوجودیکہ حق کو پہچان چکے تھے لیکن اس سے نفع نہ پا سکے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

جز عنایت کہ کشاید چشم را — جز محبت کہ نشاند خشم را
جہد بے توفیق خود کس مباد — در جہاں واللہ اعلم بالصواب

ترجمہ: عنایت الٰہی کے بغیر آنکھ کون کھول سکتا ہے۔ محبت کے بغیر غصہ کون فرو کر سکتا ہے۔ خدا کرے جہاں میں توفیق الٰہی کے بغیر کسی کو جد و جہد نصیب نہ ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تفسیر عالمانہ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ یہاں قائلین محذوف ہے یعنی درانحالیکہ وہ کہتے تھے کہ اے ابراہیم علیہ السلام! آپ کو معلوم ہے کہ بت بولنے کے لائق ہی نہیں۔ جب وہ بولتے ہی نہیں تو پھر آپ ہم سے کیوں سوال کرتے ہیں کہ وہ بولیں۔ انہوں نے اسی حیرت سے دوچار انہیں سمجھنے کے بعد لاحق ہوئی تھی، اپنی غلطی کا اعتراف

کریں۔ قَالَ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں بکمت دلائل سے عاجز کرکے فرمایا اَفَتَعْبُدُوْنَ جب تمہیں اپنے معبودوں کی
لاچاری معلوم ہے تو پھر تم ان کی پرستش کیوں کرتے ہو مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ سوائے اللہ تعالیٰ کے یعنی درانحالیکہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت سے
تجاوز کرنے والے ہو مَا لَا یَنْفَعُكُمْ شَیْئًا وہ تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتے اگر تم ان کی عبادت کرو وَّلَا یَضُرُّكُمْ اور تمہیں
نقصان پہنچا سکتے ہیں اگر تم ان کی عبادت چھوڑ دو کیونکہ عقل کا تقاضا یہی ہے کہ جس میں الوہیت کے منافی امور موجود ہیں اور انہیں تم نے
آزما لیا تو واجب ہے کہ ان کی پرستش سے ہٹ جاؤ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اُفّ کلمہ ہے نفرت کا اظہار
کیا جو غصہ کرنے کے لیے کہ پھر بھی باطل پر قائم رہنے والے ہیں۔ اُفّ تُفّ کی طرح کا کلام ہے کہ جب اس لفظ کو انسان منہ سے نکالتا ہے تو
کہا جاتا ہے کہ وہ کسی خاطر اور فرزند ہے۔ یہاں یہ معنی ہے کہ یہ بڑائی اور خرابی ہو تم پر اور اس چیز پر جس کی تم اللہ تعالیٰ کے سوا پرستش
کرتے ہو۔ وم مثلفف له کے بیان کے لیے ہے یعنی خرابی صرف تمہارے لیے اور تمہارے معبودانِ باطلہ کے لیے ہے۔ کتب نحو
میں ہے کہ یہ لفظ اُفّ اسم فعل بمعنی اَتَضَجَّرُ ہے۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کیا تم عقل نہیں کرتے ہو کیا تم اپنی غلط کاری سمجھتے نہیں ہو۔

ف: اللہ تعالیٰ نے اَفَتَعْبُدُوْنَ میں اپنے بندوں کو اپنی عبادت کی طرف دعوت دی اور غیروں کی پرستش سے روکا اور واضح فرمایا کہ
تم اپنے جیسی مخلوق کی عبادت کیوں کرتے ہو، جبکہ ان میں کسی قسم کی طاقت نہیں۔ بلکہ اس ذات کی عبادت کرو جو ہر طرح کے نفع و نقصان
کی مالک ہے۔

ف: حضرت حمدون القصار نے فرمایا کہ مخلوق سے مدد چاہنا ایسے ہے جیسے ایک قیدی دوسرے قیدی سے نجات چاہے۔

ف: بعض مشائخ کا ارشاد گرامی ہے کہ غیروں سے کچھ مانگنے سے واضح ہوتا ہے کہ تو اپنے مالک مولیٰ سے کوسوں دور ہے کیونکہ
اگر تیرے دل میں اس کے قریب ہونے کا یقین ہوتا تو غیروں سے کچھ نہ مانگتا حالانکہ اہل دل کا قانون ہے کہ خدا کے ماسوا شے
کا تصور ختم کرتے ہیں اس لیے ان کے نزدیک ماسویٰ اللہ جھوٹ اور عبث ہے اسی لیے جھوٹ اور عبث سے تعلق پیدا کرنا بھی
جھوٹ اور عبث ہے۔ سالک پر لازم ہے کہ صرف اپنے آقا و مولیٰ سے تعلق جوڑے اسی سے ہی ہر مطلب و مقصد حاصل ہو گا
اے سالک! اگر اپنے دل سے ماسویٰ اللہ کا تعلق دور کرو پھر دیکھو کہ کیسی لذت نصیب ہوتی ہے یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں میں
بنائے جو اس کے ساتھ مخلصانہ طور پر تعلق رکھتے ہیں اور ہمیں ذلت و ندامت و غفلت سے محفوظ فرمائے (آمین)

کرامت

حضرت حبیب عجمی رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں ایک عورت نے عرض کی کہ مفلسی و تنگ دستی نے تنگ کر رکھا ہے
براہ کرم کوئی تعویذ دیجیے تاکہ ہم سے تنگی و فاقہ دور ہو آپ نماز عشاء کے لیے چل پڑے اور آدھی رات تک
مسجد میں نوافل و دیگر عبادت میں مشغول رہے واپس خالی ہاتھ آئے تو بی بی صاحبہ نے ماجرا پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے آج
بہت بڑے عظیم الشان آدمی کی مزدوری کی ہے لیکن اس سے اجرت مانگنے سے شرم آئی ہے وہ خود ہی کرم فرمائیں گے۔ بی
بی صاحبہ نے انتظار کرکے پھر عرض کیا کہ اگر انہوں نے مزدوری نہیں دی تو خود جا کر مانگیے یا کسی اور کی مزدوری کیجیے یا مجھے
طلاق دے دیجیے۔ بی بی کی یہ گفتگو سن کر عبادت خانے میں چلے گئے اور کافی رات تک روتے رہے۔ گھر لوٹے تو مکان چمکتا

گوشت پانی اور میوہ کو موجود پایا۔ بیوی صاحبہ نے عرض کی کہ جس کریم کی آپ نے مزدوری کی اس نے بہت عمدہ چیزیں بھیجی ہیں یہ لو سونے سے بھری ہوئی تھیلیاں ہیں۔ یہ سن کر حضرت حبیب عجمی رحمہ اللہ تعالیٰ مسجد سے اٹھے اور کہا کہ یہ غلام بھیجا ہوا اسباب اسی مسبب الاسباب کا ہے جو کل کائنات کا رزاق ہے۔ میں نے اسی کی مزدوری (عبادت) کی تھی۔ بیوی صاحبہ خوش ہو کر تائب ہوئی اور عرض کی کہ آئندہ آپ کو تنگ نہیں کروں گی۔

ف: حکایت مذکورہ سے چند فوائد حاصل ہوئے:

۱۔ مزدوری اگرچہ ایک مشروع امر ہے لیکن حضرت حبیب عجمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے طاعت الٰہی میں وقت بسر کیا اور اسے مزدوری سے تعبیر کیا۔ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کریمہ کے مطابق پورا فرمایا۔ کما قال:

من شغله ذكري عن مسألتي اعطيته فوق ما اعطي السائلين۔ جسے میرا ذکر میرے سوال سے مشغول رکھے تو میں اسے مانگنے والوں سے بھی زیادہ عطا فرماؤں گا۔

۲۔ صبر سے مراد پوری ہو جاتی ہے خواہ دیر سے ہی سہی اسی لیے انسان پر لازم ہے کہ صبر کرے اور جزع فزع سے احتراز کرے۔

۳۔ بیوی صاحبہ کو جب معرفت حق نصیب ہوئی تو انہوں نے صبر و قناعت کو ترجیح دے کر عبادت و اطاعت میں زندگی بسر کرنے کا عہد کیا۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ جو معرفت حق کے حصول کے بعد بھی عبادت سے اعراض کرے تو اپنے نفس کی خیانت کر کے اپنے آپ کو ذلیل و خوار کرتا ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا حال تھا کہ باوجودیکہ انہیں دلائل و براہین سے اللہ تعالیٰ کا عرفان ہوا لیکن وہ حق سے کفر کی طرف راجع ہوئے علاوہ اس پر اصرار کر کے کفر کی اور پتھروں کے بنائے ہوئے بتوں کی پرستش کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں پتھروں سے تباہ و برباد کیا۔ مثنوی شریف میں ہے:

ہست دنیا قہر خانۂ کردگار　　قہر بیں چوں قہر کردی اختیار
استخوان و موئے مقہوران نگر　　تیغ قہر افگندہ اندر بحر و بر

ترجمہ: یہ دنیا اللہ کا قہر خانہ ہے تو نے قہر کو دیکھ کر خود قہر اختیار کیا ہے۔
قہر والوں کی ہڈیاں اور بال دیکھ کہ قہر کی تلوار نے انہیں بحر و بر میں پھینکا ہے۔

قالوا احرقوه: جب ابراہیم علیہ السلام کے دلائل سے عاجز آگئے تو آپس میں مشورہ کر کے کہا کہ ابراہیم علیہ السلام کو جلا دو۔ یہی اہل باطل کا طریقہ ہے کہ جب دلائل سے عاجز ہو جاتے ہیں تو بالمقابل سے شرارت کرتے ہیں اور انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کو اس لیے اختیار کیا کہ تمام عذابوں سے آگ کا زیادہ ہولناک ہے۔

ف: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ میں ڈالنے کا مشورہ عجم کے ایک دیہاتی نے دیا تھا اس لیے کہ ان کی عادت ہے کہ فساد اور ظلم میں اور دوسروں کو عذاب دینے میں یہی لوگ سخت ترین ہوتے ہیں اور ان کی

یہ فرشتے مرنا ذوق میں بلد رہے یہاں تک کہ اصحاب علم میں کچھ اشخاص نے عذر انداز کی۔ ان پر ملک داسلام کا اثر ہوا اور انھوں نے اثر قبول کیا ان کی عادت مسلمانوں کا مال مارنا اور ان کا علم، چوری و قتل، اٹھا کر ذلی ہے۔ بغیر ان کے کسی کی اطاعت نہیں ہو سکتی (او قبل) اور دی اللہ تعالیٰ سے قاف میں سے اہل جنت بکثرت جا رہا ہے۔ ان سے بچ کر رہو اور ان کے شہروں سے دور رہو (یعنی وہی لوگ جنھوں نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا منصوبہ بنایا اور ان کی اولاد یہاں بھی ہو)

وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ بتوں سے بدلہ لینے کی نیت سے اپنے معبودوں کی مدد کرو۔ **اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ** اگر تم کچھ کر سکتے ہو تو بدلہ لینے کا سب سے بہترین طریقہ یہی ہے کہ ابراہیم (علیہ السلام) کو آگ میں ڈال دو۔

واقعہ آگ جمع کرنے کا

پھر نمرود نے قوم کو حکم جاری کیا کہ ہر ایک کے سامنے ایک گڑھا بنایا جائے۔ اس کی چوڑائی سات گز تھی یہ پہاڑ کوثی (یا فقیر) نامی گاؤں کے قریب تھا۔ ابراہیم علیہ السلام کے جلانے کے لیے بہت سی لکڑیاں جمع کی گئیں۔ یہاں تک کہ بعض وصیت کی کہ میری طرف سے لکڑی خرید کر اس گڑھا میں ڈالی جائے۔ اسی طرح کوئی عورت بیمار ہوتی تو منت مانتی کہ صحت ہونے پر اتنی لکڑیاں گڑھا میں ڈالوں گی یا فلاں کام ہو گیا تو اتنی لکڑیاں گڑھا کے لیے لاؤں گی۔ ؎

عورتوں کا قصہ

اس زمانہ کی عورتیں منت مانتی تھیں کہ فلاں کام ہو گیا تو لکڑیاں سر پر اٹھا کر گڑھے میں ڈالوں گی۔ چنانچہ اگر کام ہو جاتا تو منت پوری کرنے کے لیے تاگے کاتتیں، پھر اسے بیچ کر لکڑیاں خریدتیں اور خود سر پر اٹھا کر گڑھا میں ڈالتیں کہ ثواب ہو۔ اپنے مذہب میں وہ اس کام کو بہت بڑا ثواب سمجھتی تھیں۔

ایک بڑھیا ملعونہ کا قصہ

ایک بڑھیا منت پوری کرنے کے لیے سر پر لکڑیوں کا گٹھا اٹھا کر جا رہی تھی۔ راستہ میں ایک فرشتہ نے پوچھا کہاں جا رہی ہے؟ کہا ابراہیم علیہ السلام کے گڑھے میں لکڑیاں ڈالنے جا رہی ہوں۔ فرشتے نے کہا خدا کرے تیرا استقلال اور قدم قصیر ہو۔ چنانچہ یہ گٹھا سر پر اٹھا کر چلتی رہی اور بھوک پیاس سے مر گئی۔

ف: بعض روایات میں ہے کہ مختلف قسم کی لکڑیاں جانوروں پر لاد کر چالیس دن تک جمع کی گئیں۔ کاشفی نے کہا کہ ان لکڑیوں پر بہت سا تیل چھڑک دیا گیا۔

خچر کی بدقسمتی اور نبوت کی گستاخی کی سزا

بعض روایات میں ہے کہ تمام جانوروں نے لکڑی اٹھانے سے انکار کر دیا سوائے خچر کے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی سزا میں اسے بانجھ بنا دیا۔

(کذا فی القصص)

بی بی مریم کی کرامت

فضائل القدس میں حضرت سعید بن عبدالعزیز سے منقول ہے کہ بنی اسرائیل کے زمانہ میں زمزم کی طرح بیت المقدس میں پانی کا ایک چشمہ تھا جب کسی عورت پر زنا کی تہمت لگتی تو اسے

لہ مشیروں کے تحریر پر وقت لینے سے جیسے نمرود کے زمانہ میں تھا غلط منت سے کام ہوا اللہ تعالیٰ کی آزمائش ہے خدا بچائے۔

اس چشمہ پر لاتے اور اسے اس سے پانی پلاتے ۔ اگر وہ بے گناہ ہوتی تو وہ پانی اسے نقصان نہ پہنچاتا ۔ اگر اس کا کوئی قصور ہوتا تو چشمہ کا پانی پیتے ہی مر جاتی ۔ جب بی بی مریم حاملہ ہوئیں تو انہیں بھی اسی چشمہ پر خچر پر سوار کر کے لے گئے ۔ خچر نے بی بی مریم کو نیچے گرا دیا ۔ بی بی مریم نے اسے بددعا دی تو اس روز سے یہ نسل کے اضافہ سے محروم ہو گیا ۔ جب بی بی مریم نے اس چشمہ سے پانی پیا تو بی بی کو کچھ نہ ہوا بلکہ آپ کو اس سے اور فائدہ ہوا ۔ بی بی نے دعا کی کہ اس چشمہ کے پانی سے کسی مومن عورت کو رسوائی نہ ہو ۔ چنانچہ بی بی صاحبہ کی دعا سے وہ چشمہ خشک ہو گیا ۔

آگ کا باقی قصہ

ایندھن پر تیل چھڑک کر پھر ایک ہفتہ مسلسل لکڑیاں ڈالتے رہے یہاں تک کہ آگ کے شعلے بھڑک اٹھے اور اس طرف کی ہوا بھی آگ بن گئی اگر کوئی پرندہ یا انسان غلطی سے قریب سے گزرتا تو جل جاتا ۔ مروی ہے کہ اب حیران تھے کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں کس طرح ڈالیں کیونکہ جو بھی وہاں سے گزرتا جل جاتا ۔ اسی اثنا میں ابلیس ایک بوڑھے (شیخ) کی شکل و صورت میں آیا اور منجنیق (فلاخن) کے ذریعے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا مشورہ دیا اور منجنیق بنا کر دکھائی اور اس کا طریقہ بھی انہیں سکھایا ۔

ف : انس الجلیس میں ہے کہ سب سے پہلے فلاخن ابلیس نے تیار کیا کیونکہ جب نمرودیوں نے لکڑیاں جمع کر کے انہیں آگ لگا دی تو پھر انہیں علم نہیں تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں کس طرح ڈالیں تو ابلیس نجار کی صورت میں ظاہر ہوا اور ان کے لیے منجنیق تیار کی اور اسے چھوڑ کر کھڑا کر دیا ۔ پھر ابراہیم کو اسی میں بٹھا کر آگ میں ڈالا ۔

ف : جاہلیت میں سب سے پہلے اسی سے جذیمہ الابرش کو سزا دی گئی ۔ یہی سب سے پہلا شخص ہے جس نے شمع جلانے کا طریقہ شروع کیا ۔

ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ

مروی ہے کہ یہ فلاخن ایک دیہاتی (کردی) نے تیار کی اور فلاخن سب سے پہلے اسی نے تیار کی لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک دھنستا چلا جائیگا ۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

آگ میں ڈالنے کا باقی قصہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو باندھ کر یعنی ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر منجنیق کے ذریعے آگ میں ڈالے جا رہے تھے ۔ اس پر ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں اور ان کے تمام مخلوق سوائے جن و انس کے سب کی چیخیں نکل گئیں ۔

ف : اس حال زار کو دیکھ کر ملائکہ کرام نے عرض کی : الٰہ العالمین ! تیری زمین پر تیری عبادت کرنے والا صرف یہی ایک ہے اب اسے بھی دشمنوں کی آگ سے جلایا جا رہا ہے ہمیں اجازت بخشئے ہم جا کر تیرے پیارے خلیل علیہ السلام کی مدد کریں ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : میں کسی کو روکتا نہیں لیکن وہ میرا ایسا مخلص بندہ ہے کہ اسے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں وہ صرف میری مدد کا خواہاں ہے ۔ اور مجھے معلوم ہے کہ وہ اپنے اسی خلوص سے اب مجھ کو بھی نہیں کہے گا ۔ لہٰذا مجھے اور اسے ایک راز داری میں ایسے ہی رہنے دو ۔ ۔

میرا خلیل ہے اور میں اس کا معبود ہوں۔ (تفسیر جامع البیان)

ابراہیم علیہ السلام کی استقامت

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا تو آپ کے پاس ہوا کا خازن فرشتہ حاضر ہوا اور عرض کی، اگر آپ چاہیں تو آگ میں ہوا کے ذریعہ اُسے اڑا دوں، نہ آگ ہوگی تو آپ کو جلا سکے گی۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا، مجھے تمہاری اس خدمت کی کوئی ضرورت نہیں۔ پھر آپ نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا، اے اللہ تعالیٰ! تو آسمان میں واحد ہے اور میں تیرا بندہ زمین پر اکیلا ہوں کیونکہ زمین پر میرے سوا تیری عبادت کرنے والا اور کوئی نہیں۔ تو ہی مجھے کافی ہے اور تو ہی میرا وکیل و کفیل ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کا استغنا دیکھ کر اور کلام سن کر منجنیق (گوپھن) کے اس پلڑے سے چپٹ گئے جس پر ابراہیم علیہ السلام کو بٹھا کر پھینکنا تھا۔ تاہم جب منجنیق کو اٹھاتے تو وہ اٹھتی نہیں تھی۔ اس پر وہ بہت حیران تھے۔ ابلیس نے ان کو ایک ترکیب بتائی کہ اس پلڑے کے ساتھ دس عورتیں سر سے ننگی کھڑی کر دو۔ چنانچہ ایسے ہی کیا گیا تو پلڑا آسانی سے اٹھ گیا۔ (کذا فی القصص)

مسئلہ: ننگے سر والی عورت کو فرشتے نہیں دیکھتے بلکہ جنات دیکھتے ہیں۔ (جو اس دور میں عورتوں کو ننگے سر پھرنے کی ضرورت [illegible] بلکہ اسے فیشن اپنی شعار سمجھتی ہیں۔ انہیں کون سمجھائے جب مرد ہی ایسے ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون)

تجربہ بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ابتدائے وحی میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرشتے کو دیکھا تو (فطرتِ انسانی کے مطابق) گھبرائے۔ بی بی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو حال سنایا تو بی بی صاحبہ آپ کو اپنے حجرۂ اقدس میں لے گئیں اور اپنا سر مبارک ننگا کر کے بیٹھ گئیں اور پوچھا کیا اب بھی وہ صورت نظر آتی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ اس پر بی بی نے عرض کی، گھبرائیے نہیں یہ فرشتہ ہے، شیطان آپ کے پاس نہیں آتا اور نہ ہی آ سکتا ہے۔ (کیونکہ عورت ننگے سر ہو تو وہاں فرشتہ نہیں آتا)

ف: حضرت ابراہیم علیہ السلام جب آگ میں ڈالے گئے تو پڑھا: لا الٰہ الا انت سبحانک رب العٰلمین لک الحمد ولک الملک لا شریک لک۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے مخلص کامل بندے کی تکمیل چاہتا ہے تو اس پر اپنی مخلوق میں سے بہت سے دشمن مقرر کرتا ہے جیسے دریا میں کسی مچھلی کی تکمیل پر بہت سی چھوٹی مچھلیوں کو اس پر قربان کرتا ہے۔ اسی طرح جب ابراہیم علیہ السلام کی تخمیر کو بشریت سے پاک اور صاف فرمانا چاہا تو نمرود اور اس کی قوم کو ابراہیم علیہ السلام پر قربان کر دیا۔ یہاں تک کہ سب نے اتفاق کر کے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کی ٹھانی۔ جب ابراہیم علیہ السلام کو یقین ہو گیا کہ اب یقیناً آگ میں ڈالا جاؤں گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر سرِ تسلیم خم کر لیا۔ اسی اثنا میں جبریل علیہ السلام آپ کے پاس پہنچے اور عرض کی، کچھ حاجت ہو تو فرمائیے۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا، آپ سے میری کوئی حاجت نہیں۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی، جس سے حاجت ہے اسی سے عرض کیجئے۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا وہ

میری حاجت کو جانتا ہے میں اس سے کیوں عرض کروں۔ (صاحب روح البیان نے فرمایا کہ یہاں تک کے یہ سوالات جبریل علیہ السلام نے بطور امتحان پیش کیے لیکن وہابیہ کی عقل ماری گئی وہ عوام اہلسنت کو پریشان کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ اگر وسیلہ جائز ہوتا تو ابراہیم علیہ السلام نے کیوں نہ وسیلہ پکڑا۔ جواب ظاہر ہے کہ یہ ان کے لیے امتحان تھا اگر اس کے برعکس کرتے تو امتحان میں کامیابی نہ ہوتی۔ دوسرا یہ کہ ادنیٰ اعلیٰ کو وسیلہ بناتا ہے نہ کہ اعلیٰ ادنیٰ کو۔ ابراہیم علیہ السلام اعلیٰ ہو کر جبریل علیہ السلام ادنیٰ کو کیسے وسیلہ بناتے۔ تیسرے وہ اس وقت توکل کے انتہائی مقام پر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے نہ جبریل علیہ السلام کو وسیلہ بنایا نہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔ اگر یہی دلیل وہابیہ کو مفید ہو تو انہیں کہا جائے کہ جیسا کہ جبریل علیہ السلام کے وسیلے سے انکار کیا وہاں ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کرنے سے بھی گریز کیا۔ تو پھر کیا خیال ہے اس دلیل سے بایں طور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا بھی ناجائز ہو۔ (معاذ اللہ) باقی تفسیر اویسی میں دیکھیے[لہ]

تفسیر عالمانہ

ربط: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کمال توکل کا مظاہرہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت ازلیہ سے انہیں دامن میں لے لیا۔ کما قال قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ۔ البرد خلاف الحر۔ یعنی گرمی کی نقیض کو البرد کہا جاتا ہے یعنی سردی۔ اور السلام بمعنی السلامۃ عن الآفات یعنی آفات و بلیات سے محفوظ ہونا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے کہا کہ اے آگ! اپنی گرمی میں سرد اور سردی سے سلامتی والی ہو جا۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کے بعد آگ سے جلانے اور گرمی کا مادہ مٹ گیا۔ اب آگ کی صرف روشنی ہی رہ گئی اور بعض محققین نے یہی معنیٰ لیا ہے اور اس کا ظاہر بھی اسی پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ معجزات کے متعلق اہل علم کو معلوم ہے۔ اور ایسا ہونا اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آگے کیا مشکل نہیں تھا۔ لیکن چونکہ ابراہیم علیہ السلام کے سبب سے ایسے ہوا اس لیے اسے ابراہیم علیہ السلام کے معجزات میں شمار کیا جاتا ہے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ آگ تو اپنے حال پر رہی۔ لیکن ابراہیم علیہ السلام کے جسم مبارک پر ایسی کیفیت پیدا فرمائی کہ ان کے جسم اطہر پر آگ اثر انداز نہیں ہو سکتی تھی جیسے آخرت میں دوزخ کے اندر دوزخ کے ملائکہ کرام پر آگ کا اثر نہیں ہوگا۔ جیسے شتر مرغ انگارہ نگلتا ہے اسے نقصان نہیں پہنچتا۔ ایسے ہی سمندل (آگ کا چوہا) کو آگ کی حرارت اصلاً ضرر نہیں پہنچاتی۔ وغیرہ وغیرہ۔

ف: علیٰ ابراہیم میں اس تقریر کی تائید ہوتی ہے۔

ابحاث

مروی ہے اگر کوئی تخصیص نہ ہوتی اگر علیٰ ابراہیم نہ فرمایا جاتا۔ اور اگر اس میں بردًا کے بعد وسلامًا نہ فرماتا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ کی ٹھنڈک سے فوت ہو جاتے کیونکہ آگ کی ٹھنڈک مہلک ہے۔ ایسے ہی حد سے زیادہ ٹھنڈک کھا لینا بھی ہلاکت ہوتی ہے اس لیے اس کا معتدل ہونا ضروری امر تھا۔ آگ کے بردًا وسلامًا کے متعلق چند صورتیں

[لہ] مقالۃ الاویسی غفرلہ

ہو سکتی ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے آگ کو اس قدر ٹھنڈا کیا جو ضرر رساں نہ تھی۔

۲۔ اس کا بعض حصہ ٹھنڈا اور بعض حصہ اپنی حالت پر گرم رہا۔

۳۔ ابراہیم علیہ السلام کے جسم مبارک کے اندر ایسی کیفیت پیدا فرمادی کہ انہیں آگ کی سردی ضرر نہ پہنچا سکتی تھی۔ کذا فی الکبیر۔

گرگٹ کو گستاخیِ نبوت کی سزا

ہر شے ابراہیم علیہ السلام کی آگ کو بجھاتی تھی سوائے گرگٹ کے، کہ یہ آگ کو پھونکیں مارتا تا کہ آگ اور جلے۔ اسی لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مارنے کا حکم فرمایا۔

نارِ ابراہیم علیہ السلام پر گلزار بن گئی

ابراہیم علیہ السلام نے آگ میں ڈالے جانے کے بعد چالیس یا پچاس دن بسر کیے اور فرمایا کہ مجھے وہ دن نہیں بھولیں گے جو میں نے آگ میں بسر کیے۔ کیونکہ ان دنوں آگ میرے لیے باغ سے بھی زیادہ آرام دہ تھی۔

حکایت

کسی ایک بزرگ کو کسی وجہ سے کوہستان میں قید کیا گیا تو ان کی غذا نباتات کی جڑیں اور درختوں کے پتے تھے۔ فرماتے کہ مجھے وہ غذا اہل جنت کی غذا سے بھی بہتر محسوس ہوتی۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا: ؎

عاشقاں را گر در آتش بنشاند مہر دوست
تنگ چشمم گر نظر در چشمۂ کوثر کنم

ترجمہ: عشاق کو اگر آگ میں بٹھائیں تو وہ مہرِ دوست ہے تو میرے لیے وہی آگ کوثر سے بہتر ہے۔

نار میں ملائکہ کرام کی حاضری

بعض روایات میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام جب آگ میں ڈالے گئے تو آپ کو ملائکہ کرام نے اٹھا کر ایک ایسی جگہ پہنچایا جہاں کے چشمے میٹھے اور گلاب اور نرگس کے باغات تھے۔ آتش سے صرف ان کا طوق، بیڑی اور ہتھکڑی تو فوراً جل گئی۔

ف: ایک روایت میں ہے نار میں ایک فرشتہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہم شکل حاضر ہوا تو آپ کے قریب بیٹھ کر آپ کو مانوس کیا۔ پھر جبریل علیہ السلام حاضر ہو کر ریشمی بستر لائے اور آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس پر ابراہیم علیہ السلام اور ملک بیٹھ کر باہم گفتگو کرتے رہے۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی: اے ابراہیم علیہ السلام! آپ کو اللہ تعالیٰ نے سلام بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ اے پیارے! آپ کو یقین ہونا چاہیے کہ آگ میرے محبوبوں کو نقصان نہیں پہنچاتی۔

نمرود نے کیا دیکھا

مذکورہ بالا کیفیت کو نمرود اپنے محل سے دیکھ رہا تھا کہ آگ ابراہیم علیہ السلام کو کچھ نہیں کہتی بلکہ وہ آرام سے ایک بہترین باغ میں بیٹھے ہیں اور آپ کے ساتھ ایک حسین وجمیل انسان

منتظر ہے۔ اسی وقت فرشتے نے عرض کی کہ اگر آپ چاہیں تو آپ کو آگ سے باہر لے چلوں۔ ابراہیم علیہ السلام نے آگ سے باہر نکلنے کا ارادہ فرمایا تو وہ فرشتہ آپ کو بسلامت آگ سے باہر لے آیا۔ جب آپ آگ سے باہر تشریف لائے تو آپ کی نمرود سے ملاقات ہوئی۔ نمرود عزت و تعظیم سے آپ سے پیش آیا اور عرض کی: وہ کون تھا جس سے آپ محو گفتگو تھے؟ آپ نے فرمایا: ملک الظل (اللہ تعالیٰ کا سایہ پر مقرر کردہ فرشتہ) تھا اسے اللہ تعالیٰ نے میرے لیے بھیجا تاکہ میں آگ میں پریشان نہ ہوں۔ نمرود نے کہا کہ میں تیرے اللہ تعالیٰ کے لیے قربانی پیش کرتا ہوں کہ اس نے اپنی قدرت سے آپ کو بچایا۔ اس وقت میں چار ہزار گائیں ذبح کرتا ہوں۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: تیری قربانی بارگاہ حق میں قبول نہ ہوگی جب تک تم کفر سے توبہ نہ کر لو۔ نمرود نے کہا کہ میں اپنا ملک چھوڑ سکتا ہوں نہ اپنی قوت، لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے قربانی ضرور دوں گا۔ چنانچہ اس نے قربانی دی اور پھر ابراہیم علیہ السلام کے درپے آزار بھی نہ ہوا۔

نمرود نے ابراہیم علیہ السلام کو جادوگر کہا

القصص میں ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام آگ سے باہر بسلامت تشریف لائے تو نمرود نے کہا کہ اے ابراہیم! تم بڑے جادوگر ہو۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: یہ جادو نہیں بلکہ میرے اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا کہ اپنی قدرت کاملہ سے مجھے آگ سے بچایا اور اسے مجھ پر ٹھنڈی اور سلامتی والی بنا دیا اور مجھے جنت سے خلعت کی پوشاک پہنائی۔ نمرود نے پوچھا: وہ کون لوگ تھے جو آپ کے گرد گھوم رہے تھے اور وہ کون تھا جو آپ کے دائیں جانب بالکل قریب بیٹھا تھا؟ آپ نے فرمایا: وہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے تھے جو اللہ تعالیٰ نے میری تسلی کے لیے بھیجے تھے اور مجھے اطلاع پہنچائی کہ اس نے مجھے اپنا خلیل بنایا ہے۔ یہ سن کر نمرود حیران ہو گیا۔ کوئی جواب نہ بن پڑا اور نہ ہی اس کی سمجھ میں کچھ آیا اور یہی خیال کیا کہ یہ ابراہیم (علیہ السلام معاذ اللہ) مجنون ہیں۔ پھر کہا کہ میں آسمان پر چڑھ کر ابراہیم کے خدا کو قتل کر ڈالوں گا۔ چنانچہ اس نیت سے ایک بڑا صندوق بنوایا اس کی تفصیل ہم نے سورۃ ابراہیم کے لطائف میں ذکر کر دی ہے۔

ہاران کو سزا ملی

مروی ہے کہ جب ان بت پرستوں نے دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام آگ سے صحیح سالم نکل آئے ہیں آگ سے آپ کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سوائے پنڈلی کے کہ اس کا کچھ حصہ جل گیا تھا تو ہاران یعنی لوط علیہ السلام کے والد نے کہا کہ وہ آگ کیونکر جلاتی یہ تو جادوگر ہے۔ اس نے جادو کے اثر سے آگ کو ٹھنڈا کر دیا تھا۔ اب ایسے کرو کہ ابراہیم (علیہ السلام) کو کسی اونچی شے پر لٹکا دو اور نیچے آگ سلگا دو وہ اس کے دھوئیں سے ابراہیم (علیہ السلام) مر جائیں گے۔ چنانچہ یہی تجویز پاس ہوئی۔ آگ سلگائی جا رہی تھی کہ ایک انگارہ اڑ کر ہاران کی داڑھی پر پڑا جو اس کے لیے جان لیوا ثابت ہوا۔

ف: جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو اس وقت ان کی عمر سولہ سال تھی۔

سوال: وقلنا ینار حقیقی کا قول اللہ تعالیٰ سے صادر ہوا یا یہ تمثیلی قول ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے آگ کو ٹھنڈا فرمایا۔ اس میں کسی قسم کا خطاب نہیں تھا جیسے اِنَّمَا اَمْرُہٗ اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ۔ بعض نے فرمایا کہ واقعی اس وقت یہ خطاب ہوا یا بلا واسطہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یا جبریل علیہ السلام کے واسطے سے کہ انھوں نے آگ کو اللہ تعالیٰ کا حکم سنایا اور وہ ٹھنڈی ہو گئی۔

ف: ابن عطا نے فرمایا کہ سلام علیٰ ابراہیم کا معنی یہ ہے کہ آپ کے جسم مبارک کو سلامتی نصیب ہو گئی۔ کما قال اِذْ جَآءَ رَبَّہٗ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ۔ یعنی آپ کا قلب مبارک اسباب و عوارض سے خالی تھا۔

نکتہ ابراہیم علیہ السلام کے دل میں توکل و یقین کا غلبہ تھا اس لیے آپ پر نار گلزار ہو گئی۔ بعض محققین نے فرمایا کہ آپ کے دل میں عشق الٰہی موجزن تھا اور عشق کی آگ تمام آتشوں پر غالب ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ عشق آن شعلہ است کو چون فروخت — ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت
۲ در پناہ لطف حق باید گریخت — کو ہزاران لطف بر ارواح ریخت
۳ تا پناہی یابی آنگہ چون پناہ — آب و آتش مر ترا گردد سپاہ
۴ نوح و موسیٰ را نہ دریا یار شد — نے بر اعداشان بکین قہار شد
۵ آتش ابراہیم را نے قلعہ بود — تا برآورد از دل نمرود دود
۶ کوہ یحییٰ را نہ سوی خویش خواند — قاصدانش را بزخم سنگ راند
۷ گفت اے یحییٰ بیا در من گریز — تا پناہت باشم از شمشیر تیز

ترجمہ: ۱۔ عشق وہ شعلہ ہے کہ جب وہ اٹھتا ہے تو معشوق کے سوا دوسرا جل کر راکھ ہو جاتا ہے۔

۲۔ لطف حق میں پناہ لینی چاہیے وہ حق جس نے ارواح پر ہزاروں الطاف فرمائے۔

۳۔ تاکہ تمہیں ایسی پناہ نصیب ہو کہ جب وہ پناہ نصیب ہو تو آب و آتش تیرے سپاہی ہو جائیں۔

۴۔ کیا نوح و موسیٰ علیہما السلام کے دریا مددگار نہ ہوئے کہ ان کے دشمنوں پر کینے سے قہار ثابت ہوا۔

۵۔ ابراہیم علیہ السلام پر آگ قلعہ بن گئی کہ نمرود کے دل سے درد کا دھواں اٹھا۔

۶۔ یحییٰ علیہ السلام کو پہاڑ نے بلایا، قاصدوں کو پتھر مارے۔

۷۔ کہا اے یحییٰ! میرے میں آ جا تاکہ میں آپ کے لیے دشمن کی تلوار سے پناہ بن جاؤں۔

سوال: ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے کیوں آزمایا گیا؟

جواب: ۱۔ قاعدہ ہے کہ ہر نبی علیہ السلام کو معجزہ وہی دیا جاتا ہے جو اس کی قوم کے لائق ہو۔ چونکہ ابراہیم علیہ السلام کی قوم آگ، سورج، ستاروں کو پوجتی تھی اور ان کا عقیدہ تھا کہ یہ بلند اجرام ہیں اور ان کے ہی ہیں جیسے ارواح اجسام کی تربیت کرتے ہیں ان کے اندر کی تاثیر ہوتی ہیں ان سے انھیں بھی نصیب ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں دکھایا کہ آگ جو تمہارے نزدیک معبود ہے اور ستاروں کی

بڑی تاثیریں ہیں۔ لیکن وہ سب اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو کسی قسم کا اثر نہیں ڈال سکتیں۔

۲۔ بعض نے اس کا جواب لکھا کہ ہر انسان طبعی طور پر ایسی اشیاء سے ڈرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا: ولا تخف سنعیدھا سیرتھا الاولیٰ۔ اسی لیے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال کر ظاہر کر دیا کہ یہ آگ کی تاثیر نہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ وہ اپنی صفت قہاریہ سے جس کے اندر تاثیر پیدا کرے یا نہ کرے اسی لیے آگ کی دو تاثیریں بیک وقت ظاہر فرما دیں کہ ٹھنڈی بھی ہو گئی اور سلامتی والی بھی تاکہ اعدائے اسلام کے سامنے معجزہ کا ظہور ہو اور وہ سمجھیں کہ جن عناصر کو ہم پکارتے ہیں وہ تو کچھ نہیں عبادت کا مستحق تو اللہ تعالیٰ ہے جس نے اپنے پیارے بندے کے ذریعے ہمارے معبودوں کی جملہ طاقتیں خاک میں ملا دیں اور آگ کو گلزار بنا دیا۔ (کذا فی اسئلۃ الحکم)

وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا اور انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ایک بہت بڑا مکر و فریب کا جال بچھایا تاکہ انہیں ضرر عظیم پہنچائیں فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ پس ہم نے انہیں ہر خسارے والے سے بڑی زیاں تر بنا دیا کہ ان کی سعی اور جدوجہد خاک میں مل گئی جسے وہ مٹانا چاہتے تھے وہ بہ شان عظیم پھلا پھولا اور ثابت کر دکھایا کہ ابراہیم علیہ السلام حق پر ہیں اور تم سراسر باطل پر سو رفیع درجات کے مستحق وہی ہیں اور تم عذاب شدید کے۔

مثنوی شریف میں ہے:

۱ ہر کہ بر شمع خدا آرد پُف او   شمع کے میرد بسوزد پوز او
۲ چوں تو خفاشاں بسی بینند خواب   کیں جہاں ماند یتیم از آفتاب
۳ اے بریدہ آں لب و حلق و دہاں   کہ کند تف سوئے مہ یا آسماں
۴ تف برویش باز گردد بے شکے   تف سوئے گردوں نیابد مسلکے
۵ تا قیامت تف برو بارد ز رب   ہمچو تبت بر روان بولہب

ترجمہ: ۱۔ جو شمع حق کی طرف پھونکتا ہے شمع تو نہ بجھے گی البتہ اس کی ڈاڑھی جل جائے گی۔
۲۔ چمگادڑ خواب دیکھتے ہیں کہ یہ جہاں سورج سے محروم ہو جائے گا۔
۳۔ جس کے لب، حلق اور منہ کٹے ہوں وہ چاند کی طرف کیا تھوکے گا۔
۴۔ بلکہ تھوک الٹا اسی کے منہ پر پڑے گی کیونکہ آسمان کی طرف تھوک کب جا سکتی ہے۔
۵۔ قیامت تک اس کے منہ پر آسمان سے لعنت برستی رہے گی جیسے ابولہب کو تبت یدا کہنے سے لعنت ہو رہی ہے۔

ف: بعض نے فرمایا کہ الاخسرین بمعنی الہالکین ہے یعنی ہم نے ان پر مچھر مسلط کر دیے حالانکہ وہ بالکل کمزور مخلوق ہے لیکن نمرودیوں کو تباہ کر دیا۔ چنانچہ نمرود نے آنکھوں سے دیکھا کہ اس کے ساتھیوں کو مچھروں نے کھانا شروع کیا تو ان کے

ذرہ ذرہ کر کے نکل گئے انسان کے خون کو چوس لیے اور نمرود کی ناک میں ایک مچھر داخل ہوا تو اسے اس وقت چھوڑا جب اس کے دماغ کو چاٹ لیا باوجودیکہ وہ تمام لوگوں سے کم ترین تھا لیکن جب تک سر پر ہتھوڑا لوہے کے ہتھوڑے سے نہ مرواتا اسے آرام نہ آتا۔ اسی طرح اسے چار سو سال تک سزا ملتی رہی۔ اس کی مزید تفصیل ہم سورہ نحل میں لکھ چکے ہیں۔

وَ نَجَّیْنٰهُ اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں جلنے اور نمرود کے شر سے نجات دی **وَ لُوْطًا** اور لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی ہاران کے بیٹے تھے وہ انہیں لے کر انھوں نے ہجرت کی **اِلَى الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا لِلْعٰلَمِیْنَ** اس زمین کی طرف جس میں ہم نے برکتیں نازل فرمائیں۔ اس سے شام کا علاقہ مراد ہے یعنی جب انھوں نے عراق سے شام کی طرف ہجرت فرمائی۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ واقعہ نمرود کوثیٰ میں ہوا۔ اور کوثیٰ علاقہ عراق میں حدود بابل میں ہے حضرت لوط علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وہاں ہجرت کرنے کا حکم فرمایا تاکہ نجات پا کر علاقہ شام میں چلے جائیں۔

ف: حضرت سفیان سے مروی ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا ایسی زمین کی طرف جہاں دراہم و دنانیر سے عجیب ٹپک جاتی ہے۔ اور وہ علاقہ اسی طرح سے مشہور تھا۔ اس علاقہ کو برکت اس لیے نصیب ہوئی کہ اس میں انبیاء علیہم السلام بکثرت مبعوث ہوئے اور یہاں سے ان حضرات کی شریعتوں کا زیادہ سے زیادہ اجرا ہوا۔ اور یہی حقیقی برکات ہیں جن کے ذریعے سعادت وغیرہ دینی اہل عالمین کو نصیب ہوتی ہیں اور ظاہری طور پر یہ علاقہ خوشحال تھا کہ اس میں پانی کی فراوانی تھی اور اشجار و اثمار بکثرت تھے۔ اور یہاں پر ہر امیر و غریب آسودہ تھا۔

ف: حضرت ابی بن کعب نے فرمایا کہ اس علاقہ کو اللہ تعالیٰ نے اسی لیے مبارک بنایا کہ ہر ملک کے میٹھے چشمے کی اصل بیت المقدس میں ہے۔

ف: حضرت ابراہیم علیہ السلام پر لوط علیہ السلام ایمان لائے تھے۔ لوط علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ ان کا نسب نامہ یوں ہے لوط بن ہاران بن تارخ۔ یہی تاخور اور آزر لقب والد تارخ نام تھا (بقول بعض) اور ہاران اور ابراہیم علیہما السلام دونوں بھائی تھے اور سارہ رضی اللہ عنہا ہاران اکبر کی جو ابراہیم علیہ السلام کے چچا کی لڑکی تھی وہ بھی ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائی تھی۔ جب کوثیٰ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کی تو لوط علیہ السلام اور بی بی سارہ بھی آپ کے ساتھ تھے یہ ہجرت صرف اس لئے کہ آپ اپنے دشمنوں کے بار بار جھگڑوں سے بچ کر سکون و اطمینان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکیں۔ پہلے آپ حران میں پہنچے وہاں ایک مدت رہ کر فلسطین چلے گئے پھر وہاں سے مصر کی طرف ہجرت کر گئے۔ پھر مصر سے شام کی طرف تشریف لے گئے اور لوط علیہ السلام موتفکہ میں ٹھہر گئے وہاں کے لوگوں کے لیے آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر مبعوث فرمایا۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہجرت در ہجرت ہوگی سب سے بہتر ہجرت شام کی طرف ہوگی اور وہاں کی طرف ہجرت کر کے جانے والے افضل اور بہتر لوگ ہوں گے۔ اس دوسری ہجرت سے

ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت مراد ہے لیکن اس سے شام کی طرف ہجرت کر جانے کی ترغیب مطلوب ہے۔

حدیث شریف بیت المقدس حشر و نشر کا مقام ہے اور شام اللہ تعالیٰ کا محبوب ترین شہر ہے اس لیے اس کی طرف اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ لوگ ہجرت کر کے جائیں گے۔

حدیث شریف مرقاۃ حدیث شریف میں ہے کہ علیکم بالشام یعنی شام کے علاقے کو لازم پکڑو۔

سعدیا حب وطن گرچہ حدیث است صحیح
نتوان مرد بسختی کہ من اینجا زادم

ترجمہ: اے سعدی (علیہ الرحمۃ) حب وطن اگرچہ صحیح حدیث سے ثابت ہے لیکن سختی سے مرنا نہ چاہیے اس خیال پر کہ یہیں میری پیدائش کی جگہ ہے۔

مثنوی شریف میں ہے:

مسکن یار است و شہر شاہ من
پیش عاشق این بود حب الوطن

ترجمہ: یار کا مسکن اور میرے شاہ کا شہر ہے۔ عاشق کے نزدیک حب الوطن کا یہی معنیٰ ہے۔

وَوَهَبْنَا لَهٗ اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ارض شام میں تشریف لانے اور طلب اولاد کے بعد عطا فرمایا اِسْحٰقَ اسحاق۔ حضرت اسحاق علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے بی بی سارہ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئے۔ اسحاق عبرانی لغت میں ضحاک کو کہتے ہیں۔ ایسے ہی عبرانی لغت میں اسمٰعیل بمعنی مطیع اللہ۔ وَيَعْقُوْبَ اور ہم نے انہیں عطا فرمایا یعقوب علیہ السلام وہ ان کے بیٹے تھے وہ نَافِلَةً زائد یعنی پوتے ہیں۔ یہ حرف معطوف علیہ سے حال ہے اس لیے کہ اس میں التباس نہیں اور یعقوب علیہ السلام اس نام کے ساتھ اس لیے موسوم ہیں کہ اپنے بھائی کی پیدائش کے بعد پیدا ہوئے ان کے بھائی کا نام عیص تھا یا اس لیے کہ پیدائش کے وقت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بھائی عیص کا گٹا پکڑا رکھا تھا۔

ف: قاموس میں لکھا ہے کہ النافلة بمعنی الغنیمة والعطیة اور وہ عمل جو ہمارے اوپر واجب نہ ہو یعنی عبادات نافلہ اور بیٹے کی اولاد۔ یہاں یہی آخری معنیٰ مراد ہے۔

وَكُلًّا اور چاروں میں سے ہر ایک کو جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ہم نے بنایا نیک بخت۔ یعنی انہیں ہم نے دین و دنیا کے امور کی صلاحیت بخشی۔ اسی لیے وہ کامل تھے وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً اور ہم نے انہیں بنایا امام تاکہ امور دین میں ان کی اقتدا کی جائے يَّهْدُوْنَ وہ دعوت کو حق کی طرف دیتے تھے بِاَمْرِنَا ہمارے حکم سے یعنی انہیں ہمارا حکم تھا اور ہم نے انہیں رسول بنا کر بھیجا تھا اس لیے وہ خلق خدا کو ہدایت بتائیں اور ان کی اس معاملہ میں تکمیل کریں وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ اور ہم نے ان کی طرف نیکی کی باتوں کا حکم بھیجا تاکہ وہ دوسروں کو نیکی کی ترغیب دے سکیں کیونکہ انسان کا کمال

اسی میں ہے کہ علم و عمل کا جامع ہو۔

ف : فقیر (حقی) کہتا ہے کہ فعل مصدر مجہول ہے تاکہ ثابت ہو کہ تکالیف شرعیہ کی ادائیگی میں انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتیں مشترک ہوتے ہیں۔

سوال : اسی سورۃ کے اواخر میں انھم کانوا یسارعون فی الخیرات اور سورۂ مریم میں عیسیٰ علیہ السلام کا قول واوصانی بالصلوٰۃ والزکوٰۃ ما دمت حیا سے ثابت ہوتا ہے کہ فعل کا مصدر معروف ہو۔

جواب : اشتراک کی نفی کا اثبات کرنے سے نہیں ہوتی اور ان کی مسارعت الی الخیرات اور عیسیٰ علیہ السلام کو تقصیری وصیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ حضرات تکالیف شرعیہ میں اصل اور امتیں ان کی فرع اور تابع ہوتی ہیں۔

وَاِقَامَ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءَ الزَّکٰوۃِ یہ عطف الخاص علی العام کے قبیل سے ہے تاکہ واضح ہو کہ یہ دونوں عبادتیں جامع ترین ہیں۔

سوال : اقام کا قاعدہ ہے کہ مصدر میں تا عوض ضرور ہو یہاں حذف کر دی گئی ہے۔

جواب : جب یہ مصدر کسی کی طرف مضاف ہو تو تا کو حذف کر دینا جائز ہے اس لیے کہ مضاف الیہ اس تا مقدرہ کے قائم مقام ہوتا ہے۔

وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ اور صرف ہمارے ہی تھے عبادت۔ یہ عبادت گزار کہ ان کے دلوں میں ہماری عبادت کے سوا کسی دوسرے کی عبادت کا خیال اور تصور تک نہیں ہوتا کیونکہ عبادت غایۃ تذلل اور انتہائی عجز و انکسار کا نام ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وَوَهَبْنَا لَهٗ الخ میں اشارہ ہے کہ اولاد عطیہ ایزدی ہے اس میں بندہ کے کسب کو کسی قسم کا دخل نہیں **وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ** میں اسی اشارہ ہے کہ صلاحیت بھی عطیہ ایزدی ہے۔ اور صلاحیت کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کو فیض الٰہی کے قبول کرنے کے لیے استعداد فطری حاصل ہو۔ ان سے **وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا** سے معلوم ہوا کہ امامت بھی عطیہ ایزدی ہے اسی لیے امام پر واجب ہے کہ وہ قطعاً ہوائے نفس کو دخل نہ دے بلکہ ہر کام اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کرے۔ **وَاَوْحَيْنَاۤ** الآیۃ میں اشارہ ہے کہ نیکیاں بالاصالۃ ان کو یعنی انبیاء علیہم السلام اور بالتبع اولیاء کرام کو نصیب ہوتے ہیں ورنہ نفس امارہ کا تقاضا سوائے خواہشات نفسانی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔

ف : آخری آیت میں اہل اخلاص کو اور اہل صفا کی اشارات سے تعبیر کی گئی ہے کہ یہی لوگ نفس سے مطلق ہیں اور دوسرے خواہش نفسانی اور دنیا کے بندے۔

حدیث شریف میں ہے عبد الدرہم و عبد الدینار کا ذکر کیا گیا ہے۔

سوال: حدیث شریف میں صرف انہی دونوں کی تخصیص کیوں!

جواب: ماسوی اللہ کی پرستش کرنے والوں کا علاج ظاہراً انہی دونوں خصوصیات سے ہوتا ہے۔

ف: حضرت یحییٰ بن معاذ نے فرمایا کہ لوگ تین طرح کے ہوتے ہیں:

١- عابدین —— وہ جو صرف معاد کی فکر میں مشغول رہتے ہیں۔

٢- ھالکین —— معاش کی فکر میں معاد سے محروم ہوتے ہیں۔

٣- مخاطرین —— معاش و معاد دونوں میں مشغول رہتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

١ آدمی را ہست در کار دست — لیک از و مقصود این خدمت بدست
٢ تا جلا باشد مرین آئینہ را — کہ صفا آید ز طاعت سینہ را
٣ جہد کن تا نور تو رخشاں شود — تا سلوک و خدمت آسان شود
٤ چند بگسل باش آزاد اے پسر — چند باشی بند سیم و بند زر
٥ ہر کہ از دیدار برخوردار شد — این جہان در چشم او مردار شد
٦ باز اگر باشد سپید و بے نظیر — چونکہ صیدش موش باشد شد حقیر

ترجمہ: ١- آدمی کا ہاتھ کام میں، لیکن اس سے مقصد خدمتِ حق ہے۔

٢- تاکہ اس کے آئینہ کو جلا ہو کر طاعت سے سینہ کو صفائی ہو۔

٣- کوشش کیجئے تاکہ تیرا نور چمکدار ہو تاکہ تیرا سلوک و خدمت آسان ہو۔

٤- چند بگسل اور آزاد ہو، کب تک سیم و زر کی قید میں رہو گے۔

٥- جو دیدار سے پھل کھانے والا ہوگا اس کی نظروں میں یہ جہان مردار محسوس ہوگا۔

٦- اگرچہ باز سپید اور بے نظیر ہو تو چونکہ اس کا شکار چوہا ہے لہٰذا ایسا باز حقیر محسوس ہوگا۔

تفسیر عالمانہ وَلُوْطًا بفعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔ اس مقدر فعل کی تفسیر اٰتَیْنٰہُ ہے یعنی ہم نے لوط علیہ السلام کو عطا فرمایا حُکْمًا اور تفسیر کبیر میں ہے کہ حکم سے حکمت حقیقیہ مراد ہے۔ اور بحرالعلوم میں ہے حکم وہ امر ہے جو عمل میں لانا واجب ہے۔ اور جلالین میں ہے کہ حکم سے فیصلہ مراد ہے جو دعاوی کے دلائل حق کے ساتھ کیا جائے۔ صاحب "روح البیان" نے فرمایا کہ اگرچہ حکم حکمت سے عام ہے لیکن انبیاء علیہم السلام کے حق میں اکثر حکمت کے معنے میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ یحییٰ علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: واٰتیناہ الحکم یعنی الحکم بمعنے الفہم عن اللہ سبحانہ اور داؤد علیہ السلام کے حق میں فرمایا: واٰتاہ اللہ الملک والحکمۃ وعلّمہ مما یشاء۔ اور یہ حکم و حکمت، علم کا

علیٰ طریقہ نصب بتایا ہے۔

وَعِلْمًا یہاں پر علم سے علم نافع مراد ہے جو انسان کی اصلاح شرعی وقت سے متعلق ہو **وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ** یہاں پر قریہ سے سدوم مراد ہے اور الموتفکات الٹی ہوئی بستیوں میں سب سے بڑی بستی یہی تھی۔ یعنی وہ بستیاں جو عذاب الٰہی کی وجہ سے تباہ و برباد ہو گئی تھیں۔ اس کی تفصیل ہم نے پہلے عرض کی۔ ہے **الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ** ۔ یہ الخبیثۃ کی جمع ہے ہر وہ فعل و قول جو اعتقادی اور خبیث ہو یعنی ہر عمل قبیح اور بُرے قول اور قبیح افعال پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:
اعوذبك من الخبث والخبائث۔

اس میں شیاطین کے ذکور و اناث مراد ہیں۔ اور آیت میں الخبائث سے لواطت مراد ہے۔

سوال: لواطت بستی تو نہیں کرتی تھی بلکہ وہاں کے باشندے لواطت کے مرتکب ہوتے تھے لیکن فعل کا اسناد القریۃ کی طرف ہے اور وہ ناموزوں ہے۔

جواب: یہاں مضاف محذوف کر کے حکم مضاف الیہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور یہ قاعدہ عام ہے اور مضاف کا معنی مراد لیا۔ **اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ** سے معلوم ہوتا ہے اور قوم سوء یعنی بُری قوم۔ امام راغب نے فرمایا کہ السوء ہر وہ امر جو انسان کو مغموم کرے دنیوی ہو یا اخروی اور احوال نفسیہ ہوں یا بدنیہ یا خارجیہ یعنی مال کی گمشدگی اور دوستوں کی جدائی اور حسن کے بالمقابل ہر قبیح کو اسی سوء سے تعبیر کرتے ہیں۔

فٰسِقِيْنَ وہ لوگ جو کفر و معاصی میں ہر وقت مشغول و مصروف ہوں یعنی ایمان کے دائرہ سے باہر ہو جانے والے۔

ف: آیت میں اشارہ ہے کہ بُرے دوستوں سے الگ اختیار کرنا بہت بڑا انعام ہے اور ان کے ساتھ تعلق جوڑنا دائمی رسوائی ہے ؎

زنہار از قرین بد زنہار
وقنا ربنا عذاب النار

ترجمہ: بُرے دوست سے پناہ، اے اللہ! ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

۱ ہر یکے باشد خوش کردی دگر — در میان باغ از سیر و کرفس
۲ ہر یکے با جنس خود در کرد خود — از برائے پختگی نم مے خورد
۳ تو کرد زعفرانی زعفران — باش آمیزش مکن با دیگران
۴ آب مے خور زعفرانا تا رسی — زعفرانی اندران حلوا رسی

۵ ترکی در کرد مستقم باز خویش   کہ کردہ باز او حلیمی و کیش
۶ تو بگردی او بگردد مو و سر   زانکہ ارض اللہ آمد واسعہ

ترجمہ: ۱۔ ہر روحانیت حق کی حاجت ایک مدرسہ کے خلاف ہے جب میر کے لیے باغ میں جا گئیں۔

۲۔ ہر ایک اپنے ساتھی کے ساتھ اپنی خواہش کے مطابق اپنی پسند کا میوہ اٹھا سکتا۔

۳۔ اگر زعفرانی ہے تو زعفران کی طرف جائے گا۔ آمیزش سے بچا کر رہ۔

۴۔ زعفران کا پانی تاکہ مقصد حاصل ہو، اس سے ہیش بھی حاصل ہوگا۔

۵۔ مستقم کے پیچھے تو بھاگ تاکہ تیرے اندر اس کی طبع کا اثر ہو۔

۶۔ اگر اس کے پیچھے گھومے گا تو اس کی طبع میں پھنس جائے گا اس سے باہر جا کیونکہ اللہ کی زمین فراخ ہے۔

وَاَدْخَلْنٰهُ فِیْ رَحْمَتِنَا اور ہم نے انہیں خاص کے حق میں شامل فرمایا اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۔

ان حضرات سے تھے جنہیں ہماری طرف سے خصوصیت خصوصی حاصل تھی۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ رحمت دو قسم کی ہے:

۱۔ عامہ

۲۔ خاصہ

عامہ ہے جو ہر نیک و بد کو نصیب ہوتی ہے جیسا کہ قال تعالیٰ:

ورحمتی وسعت کل شیء۔

اور خاصہ رحمت صرف انہی کو نصیب ہوتی ہے جسے ادخل فی الرحمۃ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور یہ حیثیت ازلی اور حسن استعداد سے متعلق ہے۔ اسی لیے لوط علیہ السلام کے لیے فرمایا:

انہ من الصالحین۔

یعنی وہ ان حضرات سے تھے جو ہماری رحمت کے فیض کو قبول کرنے والوں میں داخل ہونے کی استعداد رکھتے تھے۔ یہ مقام وصول کی طرف اشارہ ہے۔ اسی لیے فرمایا:

یدخل من یشاء فی رحمتہ۔

اسے اچھی طرح سمجھ۔

وَنُوحًا إِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ

اور نوح کو جب اس سے پہلے اس نے ہمیں پکارا تو ہم نے اس کی دعا قبول کی اور

وَأَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۚ وَنَصَرْنٰهُ

اسے اور اس کے گھر والوں کو بڑی سختی سے نجات دی اور ہم نے ان لوگوں

مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ

پر اس کو مدد دی جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں، بے شک وہ برے لوگ تھے تو ہم نے ان سب کو

اَجْمَعِيْنَ (77) وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ

ڈبو دیا اور داؤد اور سلیمان کو یاد کرو جب کھیتی کا ایک جھگڑا چکاتے تھے جب رات کو اس میں کچھ لوگوں

غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ (78) فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا

کی بکریاں چھوٹیں اور ہم ان کے حکم کے وقت حاضر تھے ہم نے وہ معاملہ سلیمان کو سمجھا دیا اور دونوں کو حکومت اور

وَّعِلْمًا ۡ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۭ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ (79) وَعَلَّمْنٰهُ

علم عطا کیا اور داؤد کے ساتھ پہاڑ مسخر فرما دیئے کہ تسبیح کرتے اور پرندے اور یہ ہمارے کام تھے اور ہم نے اسے

صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ (80) وَلِسُلَيْمٰنَ

تمہارا ایک پہناوا بنانا سکھایا کہ تمہیں تمہاری آنچ سے بچائے تو کیا تم شکر کرو گے اور سلیمان کے

الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ

لیے تیز ہوا مسخر کر دی کہ اس کے حکم سے چلتی اس زمین کی طرف جس میں ہم نے برکت رکھی اور ہم کو ہر چیز معلوم

عٰلِمِيْنَ (81) وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ

ہے اور شیطانوں میں سے وہ جو اس کے لیے غوطہ لگاتے اور اس کے سوا اور کام کرتے

وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ (82) وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ

اور ہم انہیں روکے ہوئے تھے اور ایوب کو یاد کرو جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے تکلیف پہنچی اور تو سب مہر والوں سے

الرّٰحِمِيْنَ (83) فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ

بڑھ کر مہر والا ہے تو ہم نے اس کی دعا سن لی تو ہم نے دور کر دی جو تکلیف اسے تھی اور ہم نے اسے اس کے گھر والے اور

رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ (84) وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ

ان کے ساتھ اتنے ہی اور عطا کیے اپنے پاس سے رحمت فرما کر اور بندگی والوں کے لیے نصیحت اور اسمٰعیل اور ادریس اور ذوالکفل کو یاد کرو

كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ۖ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَ
وہ سب صبر والے تھے اور انہیں ہم نے اپنی رحمت میں داخل کیا بیشک وہ ہمارے قرب خاص کے سزاواروں میں ہیں اور

ذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ
ذوالنون کو (یاد کرو) جب چلا غصہ میں بھرا تو گمان کیا کہ ہم اس پر تنگی نہ کریں گے تو اندھیریوں میں پکارا

اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ
کوئی معبود نہیں سوا تیرے پاکی ہے تجھ کو بیشک مجھ سے بے جا ہوا تو ہم نے اس کی پکار سن لی

وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَكَذٰلِكَ نُـنْجِى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾ وَزَكَرِيَّاۤ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ
اور اسے غم سے نجات بخشی اور ایسی ہی نجات دیں گے مسلمانوں کو اور زکریا کو جب اس نے اپنے رب کو پکارا اے

لَا تَذَرْنِىْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۸۹﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَ
میرے رب مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو سب سے بہتر وارث تو ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اسے یحییٰ عطا فرمایا اور

اَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ
اس کے لیے اس کی بی بی سنواری بیشک وہ بھلے کاموں میں جلدی کرتے تھے اور ہمیں پکارتے تھے امید اور خوف سے

وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿۹۰﴾ وَالَّتِىْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا
اور ہمارے حضور گڑگڑاتے ہیں اور اس عورت کو جس نے اپنی پارسائی نگاہ رکھی تو ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی

وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَاۤ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۱﴾ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ
اور اسے اور اس کے بیٹے کو سارے جہان کے لیے نشانی بنایا بیشک تمہارا یہ دین ایک ہی دین ہے

وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۹۲﴾ وَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ؕ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿۹۳﴾
اور میں تمہارا رب ہوں تو میری عبادت کرو اور اوروں نے اپنے کام آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر لیے سب کو ہماری طرف پھرنا ہے

تفسیر عالمانہ

وَنُوْحًا اِذْ نَادٰی یہ معطوف ہے مقدر کی طرف سے یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! اس واقعہ کو یاد کیجئے جب نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی ہلاکت اور تباہی کے لیے دعا کی تھی **مِنْ قَبْلُ** ان مذکورہ بالا انبیاء علیہم السلام سے پہلے **فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ** تو ہم نے ان کی دعا قبول کر لی ان کی دعا یہ تھی رب انی مغلوب فانتصر

فائدہ: استجاب بمعنی اجاب ایک ہے لیکن استجابت دعا کی طرف بلاواسطہ متعدی ہوتی ہے اور داعی کی طرف لام کے ساتھ۔ اور جب داعی کی طرف متعدی ہو تو اکثر دعا محذوف ہوتی ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ استجاب اللہ دعاءہ اور استجاب لہ۔ یاد رہے کہ استجاب لہ دعاءہ بہت کم استعمال ہوا ہے۔ اور نہ یہاں پر بھی دعا ہے جیسا کہ فاستجب لہ

معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ استجابت دعا کی مقتضی ہے۔

وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ یعنی اس غم سے ہم نے نوح علیہ السلام اور ان کے اہل کو نجات دی جو انھیں ان کی قوم کی طرف سے اذیتیں اور تکلیفیں پہنچ رہی تھیں۔

ف: امام راغب نے فرمایا کہ الکرب بمعنی الغم الشدید ہے۔ یہ کرب الارض سے ہے بمعنی قلبها بالحفر یعنی زمین کو کھود کر الٹا دیا۔ ایسے ہی غم بھی انسان کو گویا گھرا کر پچھاڑ کر الٹ دیتا ہے۔

وَنَصَرْنٰهُ ہم نے ان کی ایسی مدد کی کہ ان کے دشمنوں سے مکمل طور پر بدلہ دیا گیا اسی لیے یہ مِنْ سے متعدی ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا: مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا اس قوم سے جنھوں نے از اول تا آخر ہماری آیات کی تکذیب کی اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ بے شک وہ بری قوم تھی کیونکہ وہ کافر تھے اور کفر تمام برائیوں کی جڑ ہے فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ تو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا کیونکہ جو قوم بھی تکذیب اور انہماک فی الشرور والفساد پر مصر ہو تو اسے اللہ تعالیٰ تباہ و برباد کر دیتا ہے جو دعا باذن اللہ اور خلوص قلب سے ہو جیسے انبیاء و کاملین اولیاء کی دعائیں ہیں وہ اجابت (قبولیت) سے مردود نہیں بلکہ ضرور ہمکنار ہوتی ہیں۔

کرامت حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

مروی ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ایک شخص کی معیت میں مکہ معظمہ سے طائف کی طرف تشریف لے گئے اور آپ کو معلوم نہ تھا کہ یہ منافق ہے۔ دونوں ایک ویرانے میں آرام کرنے کے لیے ٹھہرے اور جب سو گئے تو منافق نے اٹھ کر حضرت زید رضی اللہ عنہ کے دونوں ہاتھ باندھ دیے اور آپ کو شہید کرنے کی ٹھانی۔ حضرت زید جاگ اٹھے اور منافق کی کارروائی کو دیکھ کر کہا:

یا رحمٰن اعنّی۔ اے اللہ! میری مدد فرما۔

اس کے بعد منافق نے سنا کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ افسوس ہے تو انھیں شہید کرنا چاہتا ہے۔ منافق نے ادھر ادھر دیکھا تو اسے کوئی نظر نہ آیا۔ اسی طرح تین بار ہوا۔ جب منافق نے تیسری بار حضرت زید رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا تو غیبی سوار نے منافق کی گردن اڑا دی اور حضرت زید کی ہتھکڑیاں توڑ دیں اور فرمایا کہ میں جبریل ہوں۔ جب حضرت زید نے دعا مانگی میں ساتویں آسمان پر تھا اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا اے جبریل! میرے بندے کی مدد کیجئے۔

ف: اس حکایت کرامت سے چند فوائد مرتب ہوتے:

(۱) سفر کے لیے ساتھی کا ہونا ضروری ہے لیکن اس کی حال تفتیش ضروری ہے تاکہ اس سے ضرر اور نقصان نہ پہنچے، اس لیے کہ بہت سے لوگ دوستوں کے بھیس میں دشمن ہوتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

آدمی را دشمنِ پنہاں بسیست
آدمی با حذر عاقل کسیست

ترجمہ: آدمی کے پوشیدہ دشمن بہت ہیں آدمی کو چوکنا رہنا چاہیے۔

ف: ہر شے میں عبرت ہوتی ہے لیکن گدھے میں ایک عجیب عبرت ہے کہ وہ ہر وقت اور ہر ایک سے خطرہ میں رہتا ہے۔

(۲) دعا نجات کے اسباب سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نجات کو دعا سے معلق فرمایا ہے۔ کما قال: فاستجبنا لہ۔ اس کے بعد فرمایا: فنجینٰہ۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

مرا دریں ظلمات آنکہ رہنمائی کرد
دعائے نیم شبی بود و گریۂ سحری

ترجمہ: اس ظلمات بھری دنیا میں میری آدھی رات کی دعا اور گریۂ سحری نے رہبری کی۔

اور مثنوی شریف میں ہے ؎

۱ آں نیاز مریمی بودست و درد — کہ چناں طفلے سخن آغاز کرد
۲ ہر کجا دردے دوا آنجا رود — ہر کجا پستیست آب آنجا رود

ترجمہ: ۱۔ وہ بی بی مریم کی نیاز و درد بھری دعا تھی کہ بچہ گہوارے میں بول پڑا۔
۲۔ جہاں درد ہوتا ہے دوائی بھی وہاں لڑھکتی ہے۔ جہاں نیچی زمین ہوتی ہے پانی بھی وہیں جاتا ہے۔
اپنے مجبور بندے کی غیب سے مدد فرماتا ہے اس لیے کہ عالم دنیا کا ہر ذرہ اس کا لشکر ہے۔

معجزہ: حضرت سفینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام روم کے علاقہ میں لشکر سے علیحدہ ہو گئے تو انھیں دشمنوں نے قید کر لیا۔ لیکن آپ ان سے بھاگ گئے۔ اسی اثنا میں راستہ تلاش کر رہے تھے کہ آپ کا ایک شیر سے سامنا ہوا۔ آپ نے اس سے فرمایا: میں سفینہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں اور میں مصیبت میں گرفتار ہوں اور اپنے وطن جانا چاہتا ہوں۔ شیر حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی گفتگو سنتے ہی دم ہلا کر حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی خدمت بجالانے کے لیے ان کی ایک جانب کھڑا ہو گیا۔ جب حضرت سفینہؓ پر کوئی شے حملہ آور ہوتی تو شیر آپ کے قریب ہو کر ڈھال بن جاتا یہاں تک کہ حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لشکرِ اسلام میں پہنچ گئے اور شیر واپس چلا گیا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

۱ یکے دیدم از عرصۂ رودبار — کہ پیش آمدم بر پلنگے سوار
۲ چناں ہول ازاں حال بر من نشست — کہ ترسیدم پائے رفتن ببست

۳ تبسم کناں دست بر لب گرفت   کہ سعدی مدار آنچہ آید شگفت
۴ تو ہم گردن از حکم داور مپیچ   کہ گردن نپیچد ز حکم تو ہیچ
۵ محالست چوں دوست دارد ترا   کہ در دست دشمن گزارد ترا

ترجمہ ۱۔ ایک شخص کو میں نے دیکھا کہ رود بار کے بیابان سے میرے سامنے ایک پلنگ پر (کہ ایک درندہ جانور ہے) سوار آیا۔

۲۔ اس واقعہ سے ایسا خوف مجھ پر غالب ہوا کہ دہشت نے میرے چلنے کا پاؤں باندھا۔
۳۔ مسکراتا ہوا ہاتھ ہونٹوں میں دبایا کہ اے سعدی! جو کچھ تو نے دیکھا تعجب مت جان۔
۴۔ تو بھی خدا کے حکم سے گردن مت پھیرنا تاکہ کوئی تیری نافرمانی نہ کرے۔
۵۔ یہ ناممکن ہے کہ خدا تجھے دوست رکھے اور تجھے دشمن کے ہاتھ میں چھوڑ دے۔

(۳) فرشتے اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کے لیے انسانی جسم بدل کر حاضری دیتے ہیں۔ حضرت امام غزالی قدس سرہٗ نے المنقذ من الضلال میں لکھا کہ صوفیائے کرام بیداری میں ملائکہ کرام کو دیکھتے ہیں اس لیے کہ یہ حضرات باطن کو اور قلب کی حقائق اور علائق کو قطع کرنے اور اسباب دنیا و جدال سے فارغ ہونے اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے اور نیک زندگی بسر کرنے کی وجہ سے ملائکہ کی ملاقات کے اہل ہو جاتے ہیں الخ

شد فرشتہ میان نہ شاید فرشتہ

ترجمہ: یعنی کہ فرشتہ بصورت انسان ہو سکتا ہے۔

وَدَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ اِذْ یَحْکُمٰنِ فِی الْحَرْثِ اور داؤد و سلیمان علیہما السلام کے اقرار کو یاد کرو جب کہ انہوں نے کھیتی کے فیصلہ کے متعلق اپنا اپنا حکم صادر فرمایا۔ اِذْ نَفَشَتْ بمعنی تفرقت و انتشرت یہ حکم کی ظرف ہے فِیْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ رات کے وقت چرواہے کے بغیر بکریاں کھیتی چٹ کر گئیں۔

حل لغات: النفش بمعنی چرواہے کے بغیر بکریوں کا رات کے وقت پھیل جانا۔ اور الغنم مؤنث ہے جو منقسم ہے جس کا اپنے لفظ سے واحد نہیں آتا۔ اس کا واحد شاۃ آتا ہے جو اسم مؤنث ہے لیکن جنس مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے مستعمل ہے۔ کذا فی القاموس۔

وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ اور ہم ان دونوں فیصلہ کرنے والوں کے فیصلے کے وقت حاضر تھے۔

سوال: تمہارے ترجمہ سے ثابت ہوا کہ حکمھم کی ضمیر حاکمین متحاکمین کی طرف راجع ہے۔ اس سے کئی خرابیاں لازم آتی ہیں۔
۱۔ اضافۃ المصدر الی الفاعل والمفعول دفعۃ واحدۃ حالانکہ مصدر صرف فاعل کی طرف مضاف ہو سکتا ہے یا مفعول کی طرف۔
۲۔ فاعل کی طرف مضاف ہونا علی سبیل القیام اور مفعول کی طرف علی سبیل الوقوع علیہ کی حیثیت سے ہوگا۔ اور یہ

دونوں مصدر کے دو مختلف معمول ہیں اور یہ بیک وقت مصدر کس طرح عمل کر سکتا ہے۔

س۔ جمع بین الحقیقۃ والمجاز لازم آتا ہے اس لیے کہ مصدر کا فاعل کی طرف مضاف ہونا اس کی حقیقت اور مفعول کی طرف مجاز ہے۔

جواب: یہ اضافت علی سبیل الاختصاص ہے یعنی اضافت کے وقت بالفاعل و مفعول کی حیثیت کو مد نظر نہیں رکھا گیا۔ گویا یہ اضافت علی سبیل عموم المجاز ہے اور وہ بالاتفاق بلا کراہت جائز ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ ہم ان کے حکم متعلق ہم کے وقت سے تھے

شٰہِدِیْنَ حاضر یعنے ازروئے علم ہم حاضر تھے۔ ان کے حکم کی عظمت شان کی وجہ سے فرمایا گیا ہے۔

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے صاف ارشاد فرمایا کہ ان دونوں حضرات کا فیصلہ ہمارے ارشاد کے عین مطابق تھا۔ ان میں کسی نے بھی اپنے فیصلے میں غلطی نہیں کی۔ اس میں ہمارا مقصد یہ تھا کہ مسئلہ اجتہاد کا طریقہ جاری ہو کر مخلوق اختیار کرے تاکہ مجتہدین کی عزت و احترام کو چار چاند لگ جائیں اور ان کے اجتہادات کی اقتدا کی جائے اور ان کے اجتہاد کی مساعی پر انھیں ثواب نصیب ہو۔

فَفَهَّمْنٰهَا پس ہم نے فیصلہ سمجھا دیا **سُلَیْمٰنَ** حضرت سلیمان علیہ السلام کو۔ اس وقت ان کی عمر گیارہ سال تھی۔ اور کاشفی نے تیرہ سال لکھی ہے۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ بعض کو ایک دوسرے پر فضیلت ہوتی ہے۔ اس میں سن میں بڑا ہونا ضروری نہیں بلکہ فضیلت کا دارومدار فہم پر ہے اور ساتھ ہی اس میں احکام و اسرار و معانی کا فہم بھی ضروری ہے۔ اسی لیے سلیمان علیہ السلام کو یہاں فضیلت حاصل ہوئی کہ انھوں نے اس فیصلہ کو اصوب اور احق طور سمجھا ورنہ حضرت داؤد علیہ السلام سن میں بڑے اور نبی برحق بھی تھے۔ اسی لیے حکما نے فرمایا کہ دولت مندی ہنر کا نام ہے، مال کا نام دولت مندی نہیں۔ اور بزرگی عقل سے ہوتی ہے نہ کہ سن سے۔

ف: مروی ہے کہ بنی اسرائیل نے سلیمان علیہ السلام کے علم و حکمت پر حسد کیا کہ چھوٹی سی عمر میں انھیں اتنا بڑا مرتبہ کیوں ملا۔ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ عالم دنیا میں حکمت کے سو اجزا ہیں ان میں سے اسی صرف سلیمان علیہ السلام کو عطا ہوئے ہیں اور باقی بیس حصے تمام لوگوں میں منقسم ہوئے ہیں۔

وَكُلًّا اور ہر ایک باپ بیٹے کو **اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا** ہم نے عطا فرمایا بہت بڑا حکم اور علم۔ اس میں اس امر کا ازالہ مطلوب ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس فیصلہ سے ثابت ہوا کہ سلیمان علیہ السلام اپنے والد سے حکم اور علم میں زیادہ تھے۔ اس جملے سے واضح فرمایا کہ واقعہ سے سلیمان علیہ السلام کی والد گرامی سے افضلیت علی وجہ الکلی ثابت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے وہ دونوں بہت زیادہ علم و حکم رکھتے تھے اور فیصلہ مذکورہ میں بھی دونوں کے علم و حکم کا ثبوت ہے کیونکہ دونوں نے شرعی فیصلہ کا اظہار کیا جو دونوں اپنے مرتبہ و مقام کے لحاظ سے صحیح تھے۔

ف: تفسیرات احمدیہ میں ہے کہ حکم سے مراد حکمت ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے ان دونوں کو علم و حکمت سے نوازا تاکہ دونوں کا فیصلہ علم و حکمت کے عین مطابق ہو اور ان دونوں کو یہ امر تاکید حاصل ہے اگرچہ بظاہر ایک فیصلہ حکم کے خلاف تھا لیکن اس میں بھی حکمت ایزدی تھی وہ یہ کہ ثابت ہو سکے کہ مسائل شرعیہ میں اجتہاد جائز ہے اور ہر مجتہد اپنے اجتہاد کے لحاظ سے مصیب ہوتا ہے اگرچہ دوسرے حق فیصلے کے لحاظ سے مخطی بر خطا ہے لیکن وہ فی نفسہ اپنے فیصلے میں مصیب ہے۔ اور اشارہ میں ہے کہ مجتہد کی خطا اسے درجۂ اجتہاد سے نہیں گراتی۔

کھیت کا واقعہ

مروی ہے کہ دو مرد داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ایک نے عرض کی کہ اس کی بکریاں رات کو میرا کھیت چر گئی ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ کھیت والا تمام بکریاں لے جائے۔ ان دونوں کی قیمت میں کوئی فرق نہ تھا یعنی جتنی کھیت کی قیمت تھی بکریوں کی بھی اتنی ہی قیمت تھی۔ جب وہ دونوں باہر نکلے تو ان کی سلیمان علیہ السلام سے ملاقات ہو گئی اور تمام ماجرا سنایا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا فیصلہ اس کے علاوہ ہے جو دونوں کے لیے مفید ہے۔ یہی بات حضرت داؤد علیہ السلام سے کسی نے کہی اور سلیمان علیہ السلام کو بلا کر فرمایا میں آپ کو نبوت اور ابوت کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ وہی فیصلہ بتاؤ جو دونوں کو مفید ہے۔ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ بکریاں کھیت والے کے سپرد کی جائیں اور وہ ان کے دودھ اور اون وغیرہ سے فائدہ اٹھاتا رہے اور دوسرا باغ و کھیت میں محنت کر کے اسے ویسا ہی تیار کر دے جیسا پہلے تھا۔ جب کھیت تیار ہو جائے تو کھیت والے کو کھیت واپس کر کے اپنی بکریاں لے جائے۔ داؤد علیہ السلام نے سلیمان کا فیصلہ سن کر فرمایا حقیقی فیصلہ یہی ہے میں اسی کا اجراء کرتا ہوں۔

ف: اور اشارہ میں ہے کہ ان دونوں حضرات کا فیصلہ مبنی بر اجتہاد تھا اس لیے کہ سلیمان علیہ السلام کے الفاظ فیصلہ غیر ھذا ارفق بالفریقین اور اسی ان تدفع الخ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ صریح وحی ہوتی تو ایسے مبہم الفاظ نہ فرماتے۔ اگر وحی ہوتی تو اسے قطعی طور سے فرماتے کہ ایسا ہی ہے۔ اور نہ ہی خاموشی سے داؤد علیہ السلام کے فیصلے کو سنتے رہتے بلکہ ان پر واجب ہوتا کہ ان کے فیصلے سے پہلے اسے ظاہر فرماتے اس لیے کہ وحی ربانی کے فیصلہ کو ہر فیصلہ پر فوقیت ہوتی ہے۔ اسی طرح داؤد علیہ السلام کا فیصلہ بھی اجتہادی تھا اس لیے کہ اگر ان کا حکم وحی ربانی تھا تو پھر سلیمان علیہ السلام کے اجتہاد سے مخالف نہ ہوتا۔ مجتہد کا حسب وسعت علم کسی مسئلہ میں غور و فکر کرنا تاکہ غلبۂ ظن سے حکم شرعی ثابت ہو جائے اسے اجتہاد کہا جاتا ہے اور وہ انبیاء علیہم السلام کے لیے بھی جائز ہے یہی اہلسنت کا مذہب ہے تاکہ اجتہاد کا ثواب حاصل ہو اور دوسرے مجتہد ان کی اقتدا کر سکیں۔ اسی لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

العلماء ورثة الانبیاء۔

اس سے ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی اجتہاد لازم ہے تاکہ علماء کرام ان کی وراثت کے حقدار ہو سکیں۔ وہاں یہ بھی اپنی جگہ حق ہے کہ وہ اجتہادی خطا پہ برقرار نہیں رہتے۔

حدیث شریف جب کوئی حاکم کسی فیصلے کے لیے اجتہاد کرتا ہے اور وہ اس پر صحیح اترتا ہے تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور اگر اجتہاد میں غلطی کر جائے تو اسے ایک اجر ہے۔

مسئلہ: ہر واقعہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک فیصلہ متعین ہوتا ہے اس پر دلیل قطعی ہو یا ظنی' جو مجتہد اس کے مطابق فیصلہ دیتا ہے وہ مصیب ہے۔ جو اس کے خلاف فیصلہ کرتا ہے وہ مخطی ہے لیکن گنہگار نہیں۔

سوال: جو فیصلہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ہو اس کے ارتکاب سے کفر ہونا چاہیے یا فسق۔ اور تم دونوں سے بری کر رہے ہو۔

جواب: مجتہد نے اسی فیصلے کو اپنے گمان پر اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر ظاہر کیا ہے۔ اگرچہ خطا ہوئی تو وہ اس کے لیے معاف ہے۔ اس لیے کہ وہاں جان کر فیصلہ نہیں دے رہا بلکہ مطیع ہو کر۔

مسئلہ: جو اسلام میں ہے کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ مجتہد مصیب بھی ہوتا ہے اور مخطی بھی اگرچہ مسائل اجتہادیہ میں حق ایک طرف ہوگا۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ دونوں حق پر ہیں اس لئے کہ پھر واقعہ مذکورہ میں سلیمان علیہ السلام کی تخصیص عبث جائے گی اور اللہ تعالیٰ کا کوئی امر عبث نہیں۔ اور ہم انبیاء علیہم السلام کے اجتہاد کے بھی قائل ہیں اور اسی میں ہر قول اجتہادی کو حق مانا جائے تو اجتماع النقیضین لازم آئے گا کہ صحت و فساد اور وجوب و حظر و اباحت یکجا جمع ہو جائیں گے اور یہ ممتنع ہے۔

مثنوی شریف میں ہے:

وہم افتد در خطا و در غلط
عقل باشد در اصابتہا فقط

مجتہد ہر گہ باشد نص شناس
اندر آں صورت نیندیشد قیاس

چوں نیابد نص اندر صورتے
از قیاس آنجا نماید عبرتے

ترجمہ: ۱۔ غلط و خطا میں وہم کو اور صحیح فیصلوں میں عقل کو دخل ہوتا ہے۔
۲۔ وہ مجتہد جو نص کو پہچانتا ہے اس صورت میں قیاس کا گوشہ نہیں ہوتا۔
۳۔ جس صورت میں نص نہ ہو تو پھر قیاس سے کام چلتا ہے۔

وَسَخَّرْنَا اور ہم نے مسخر کر دیے **مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ** داؤد علیہ السلام کے پہاڑوں کو۔ **صرف:** مسخرنا تسخیر سے مشتق ہے۔ تسخیر بمعنے تذلیل الشئی۔ یعنی کسی کو دوسرے کے تابع فرمان کر دینا اسی سے ہے سفن مواخر یعنی اس وقت بولتے ہیں جب کشتیوں کے لیے ہوا خوشگوار ہو۔ **یُسَبِّحْنَ** یہ جبال سے حال ہے یعنی درانحالیکہ پہاڑ اللہ تعالیٰ کی

تقدیس و تنزیہ بیان کرتے تھے جسے حاضرین سنتے تھے۔ یہاں تسبیح قولی مراد ہے۔ اس سے چہکار کی گونج مراد نہیں اس لیے کہ وہ عام ہے جسے ہر ایک سنتا ہے اور یہاں داؤد علیہ السلام کے معجزے کا اظہار ہے۔ اور معجزہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ان کی تسبیح قولی مانی جائے۔ اسی طرح تسبیح بزبانِ حال بھی یہاں مراد نہیں ہو سکتی۔ (اسے اچھی طرح سمجھ لو) وَالطَّیْرَ اس کا الجبال پر عطف ہے۔

نکتہ: الطیر پر الجبال کی تقدیم اس لیے ہے کہ پہاڑوں کی تسبیح زیادہ تعجب ناک ہے اور قدرتِ ایزدی اور معجزۂ داؤدی کے لیے زیادہ موثر ہے کیونکہ پہاڑ جماد ہے اور پرندے کا ناطق ہونا اور اس کا تسبیح پڑھنا اتنا تعجب خیز نہیں۔

وَكُنَّا فَاعِلِيْنَ اور ہم کرنے والے ہیں اس لیے کہ یہ ہماری قدرت میں ہیں اگرچہ تمہارے نزدیک یہ ایک عجیب چیز ہو۔

ف: مروی ہے کہ داؤد علیہ السلام جب گزرتے تو پہاڑوں اور پرندوں سے تسبیح سنتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے انہیں یہ تسبیح اس لیے سنائی تاکہ وہ تسبیح سے خوش ہوں اور بارگاہِ ایزدی کی جانب انہیں مزید اشتیاق ہو۔

ف: اہلِ حق نے لکھا کہ تحقیق کرنے والے مسلمان کو اعتقاد رکھنا چاہیے کہ پہاڑ اور پرند حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ اس طرح تسبیح کرتے تھے کہ تمام سننے والے ان کے حروف اور کلمات سمجھتے تھے۔ اور قدرتِ الٰہی سے یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ ؎

ہر کجا قدرتش علم افروخت
از خراب ہر آنچہ خواست بساخت
قدرتے دائیست نقصانش
کار با جملہ ہست آسانش

ترجمہ: جہاں اس کی قدرت نے علم گاڑا وہاں جتنے عجیب چاہے بنا دیئے۔
اس کی قدرت میں کسی قسم کا نقصان نہیں۔ اس کے ان تمام کام آسان ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

تلاوت مجید میں ہے کہ ذکرِ الٰہی میں مشغول رہنے والے پر سلطانِ ذکر غالب ہو جاتا ہے تو اس کے جسم کا ذرہ ذرہ ذکرِ الٰہی کے نور سے منور ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اس کا قلب اور روح ہر دو ذکر سے آشنا ہو جاتے ہیں کہ اس کے اندر ذکر کا عکس اس کے سامنے ہونے والے جمادات وغیرہ پر پڑتا ہے تو وہ بطریقِ انعکاس بھی ذکر کرنے لگ جاتے ہیں جیسا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک میں کنکریاں تسبیح پڑھتی سنی گئیں اور کھجور (ستون) آپ سے ہمکلام ہوتی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ ہم طعام کھاتے تھے اور اس طعام سے تسبیح بھی سنتے تھے۔

ف: عرائس البقلی میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام ہر وقت خالی مکان کی تلاش میں رہتے تاکہ تنہائی میں اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہو سکیں۔ اسی لیے وہ عموماً پہاڑوں کی غاروں میں تشریف لے جاتے اس لیے کہ یہی پہاڑ انوارِ قدرتِ الٰہی سے سرشار اور غیبی عوارف سے مالا مال [illegible]

تا حال موجود ہے اس لیے کہ وہ ازلی ابدی کی صنعت ہے اور پاک ہے اسی لیے جب داؤد علیہ السلام تسبیح حق میں مشغول ہوتے تو پہاڑ بھی ان کے ساتھ تسبیح پڑھتے اور پرندے بھی لوگوں کی زبان سے اللہ تعالیٰ کی تقدیس بیان کرتے گویا خود اللہ تعالیٰ داؤد علیہ السلام کی تنزیہ و تقدیس سے اپنی تنزیہ و تقدیس بیان فرماتا اس لیے کہ داؤد علیہ السلام پر صفت الٰہی اور نور کبریائی کا غلبہ تھا۔

ف: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پہاڑ مجردوں کی تسکین اور فردوں کے انس کے لیے پیدا کیے گئے ہیں اس لیے کہ پہاڑ مخلوق کی دستبرد سے پاک ہیں تو اسی حالت میں بدستور باقی ہیں جیسے انھیں اللہ تعالیٰ نے عدم سے وجود بخشا۔ مخلوق کا ذرہ برابر بھی ان پر اثر نہیں ہوا۔ اسی لیے ان سے وحشت ہوتی ہے۔ یاد رہے کہ صانع حقیقی سے جس انداز سے انھیں پیدا کیا گیا اسی انداز پر تا حال موجود ہیں ان میں کسی قسم کی تحویل اور تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔

لحن داؤدی کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل داؤد علیہ السلام کی تشریف آوری سے پہلے دین حق سے منحرف اور متفرق ہو کر شیطان کی لہو و لعب یعنی بانسریاں طنبورے و دیگر مزامیر کے گانے بجانے میں مست ہو گئے ان کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو نبی بنا کر مبعوث فرمایا۔ حسن صوت اور خوش الحانی آپ پر ختم تھی۔ آپ جس وقت تورات کو خوش الحانی سے پڑھتے تو بنی اسرائیل دنگ ہو جاتے اور باجوں کو چھوڑ کر داؤد علیہ السلام کی تورات سننے کے لیے جمع ہو جاتے اور دل لگا کر آپ کی تورات سنتے اور داؤد علیہ السلام کا کمال یہ تھا کہ جب آپ تسبیح پڑھتے تو پہاڑ اور پرندے آپ کے ساتھ تسبیح شروع کر دیتے۔ (کذا فی قصص الانبیاء)

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

بہ از روئے زیباست آواز خوش
کہ ایں حظ نفس است و آں قوت روح

ترجمہ: حسین چہرے سے خوش آواز بہتر ہے اس لیے کہ خوش چہرے میں حظ نفسانی ہے اور آواز روح کی غذا ہے۔

اور فرمایا ؎

اشتر بشعر عرب در حالت است و طرب
گر ذوق نیست ترا کژ طبع جانوری

ترجمہ: اونٹ عرب کے شعر سے حالت اور خوشی میں ہے اگر تجھے ذوق نہیں تو تو ٹیڑھے طبع جانور ہے۔

مزید فرمایا ؎

وعند هبوب الناشرات على الحمى
تميل غصون البان لا الحجر الصلد

ترجمہ: ہواؤں کے تیز جھونکوں سے باغ کی ٹہنیاں بھی وجد کر جھومتیں۔

ف: جیسے اصوات حسنہ و نغمات موزونہ نفوس میں اثر انداز ہو کر انہیں شرف کمال کی طرف لے جاتی ہیں اور انہیں استعداد کمال بخشتی ہیں ایسے ہی اصوات قبیحہ اور نغمات غیر موزونہ نفوس پر اثر انداز ہو کر اصوات حسنہ اور نغمات موزونہ کے خلاف عمل کراتی ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے:

۱ یک مؤذن داشت بس آواز بد — در میاں کافرستاں بانگ زد
۲ چند گفتندش مگو بانگ نماز — کہ شود جنگ و عداوتہا دراز
۳ او ستیزہ کرد و پس بے احتراز — گفت در کافرستاں بانگ نماز
۴ خلق خائف شد ز فتنہ عامہ — خود بیامد کافرے با جامہ
۵ شمع و حلوا با چناں جامہ لطیف — ہدیہ آورد و بیامد چوں الیف
۶ پرس پرساں کیں مؤذن کو کجاست — کہ صلا و بانگ او راحت فزاست
۷ دخترے دارم لطیف و بس سنی — آرزو مے بود او را مؤمنی
۸ ہیچ ایں سودا نمی رفت از سرش — پندہا میداد چندیں کافرش
۹ ہیچ چارہ مے ندانستم دراں — تا فرو خواند ایں مؤذن آں اذاں
۱۰ گفت دختر چیست ایں مکروہ بانگ — کہ بگوشم آمد ایں دو چار دانگ
۱۱ من ہمہ عمر ایں چنیں آواز زشت — ہیچ نشنیدم دریں دیر و کنشت
۱۲ خواہرش گفتا کہ ایں بانگ اذاں — ہست اعلام و شعار مؤمناں
۱۳ باورش نامد بپرسید از دگر — آں دگر ہم گفت آرے اے پدر
۱۴ چوں یقیں گشتش رخ او زرد شد — از مسلمانی دل او سرد شد
۱۵ باز رستم من ز تشویش و عذاب — دوش خوش خفتم دراں بے خوف خواب
۱۶ راحتم ایں بود از آواز او — ہدیہ آوردم بشکر آں مرد کو
۱۷ چوں بدیدش گفت ایں ہدیہ پذیر — کہ مرا گشتی مجیر و دستگیر
۱۸ گر بمال و ملک و ثروت فردمے — من دہانت را پر از زر کردمے

ترجمہ: ۱۔ ایک موذن بہت بدآواز تھا اور کافروں کے علاقہ میں اذان پڑھتا تھا۔

۲۔ لوگوں نے اسے کہا کہ تو اذان نہ پڑھا کر کیونکہ تیری آواز سے شور ہوتا ہے اور جنگ چھڑ جاتی ہے۔

۳۔ وہ اس پر بضد تھا بلکہ صورت پراگندہ ہو جاتا۔ اور کہتا اس میں زیادہ ثواب ہے کہ کافروں کے علاقہ میں اذان پڑھتا ہوں۔

۴۔ مخلوق اس کی اذان سے ناخوش تھی لیکن ایک کافر نے اسے آکر انعام کے طور پر کپڑے پہنائے۔

۵۔ وہ شمع بھی، کپڑے اور حلوا شکریہ کے طور پر دیا۔

۶۔ پوچھا تھا کہ وہ مؤذن کہاں ہے جس کی اذان سے مجھے راحت نصیب ہوئی ہے۔

۷۔ کیونکہ میری لڑکی نہایت حسین و جمیل ہے اسے اسلام لانے کا شوق تھا۔

۸۔ اسے یہ خیال ایسا سمایا کہ ہمارے سمجھانے سے نہیں مانتی تھی۔

۹۔ اس کے سمجھانے کا ہمیں کوئی چارہ نظر نہ آتا تھا یہاں تک کہ اس کی اذان سے اس کا خیال بدلا ہے۔

۱۰۔ جب اس کی اذان سنی تو پوچھا کہ یہ کرخت آواز کیسی ہے جس نے میرے کان کے پردے پھاڑ ڈالے ہیں۔

۱۱۔ میں نے دیر و معابد میں ایسی گندی آواز کبھی نہیں سنی۔

۱۲۔ اس کی بہن نے کہا کہ اہل اسلام کی اذان کی آواز ہے۔

۱۳۔ اسے یقین نہ آیا۔ کسی دوسری عورت سے پوچھا اس نے بھی یہی کہا۔

۱۴۔ جب اسے یقین ہوا تو اس کا چہرہ زرد ہو گیا اور مسلمانی سے مکمل طور پر بیزار ہو گئی۔

۱۵۔ ہم کو اس کے وسواس اسلام سے چھٹکارا نصیب ہوا۔

۱۶۔ اس کی بد آواز سے ہمیں راحت ملی ہے اس لیے میں ہدیہ کے طور پر یہ اشیاء لایا ہوں۔

۱۷۔ مؤذن کو دیکھ کر کہا، حضرت! ہدیہ قبول کیجئے کہ آپ کی بدولت ہمیں راحت نصیب ہوئی۔

۱۸۔ اگر میرے پاس اور مال و زر ہوتا تو آپ پر نچھاور کر دیتا۔

تفسیر عالمانہ

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ اور ہم نے داؤد علیہ السلام کو زرہ بنانا سکھایا۔

حل لغات: الصنع بمعنے الفعل، لیکن فعل کو صنع نہ کہا جائے گا الصناعة بوزن کتابة بمعنے کاریگری کا پیشہ۔ اور اللبوس بمعنے اللباس مطلق وہ زرہ ہو یا کوئی اور شے۔ مثلاً کہا جاتا ہے لبس الثوب بمعنے استمتع بہ۔ یاد رہے کہ داؤد علیہ السلام کے زمانہ سے پہلے زرہ ہوتی لیکن صرف لوہے کی چادریں جنہیں لوگ وقتاً جسم کے اوپر لپیٹ لیتے تھے لیکن داؤد علیہ السلام نے قوت عقل اور خداداد ذہانت سے ان چادروں کو بہترین طریقے سے جوڑ کر زرہیں تیار کیں جیسے درزی کپڑے کو جوڑتا ہے۔ لکم تمہارے فائدہ کے لیے۔ یہ علمنا یا فعل محذوف کے متعلق ہو کر لبوس کی صفت ہے۔ یہ بھی داؤد علیہ السلام کا ایک معجزہ تھا کہ وہ بغیر آلات مثلاً بھٹی، آگ، سندان اور ہتھوڑے کے زرہیں تیار کرتے تھے۔

حکایت لقمان حکیم منقول ہے کہ لقمان حکیم حضرت داؤد علیہ السلام کو زرہیں بناتے ہوئے دیکھ کر متعجب ہوئے اور قبل ازیں آپ نے ایسی صنعت نہیں دیکھی تھی۔ خاموشی سے اسے بیٹھے ہوئے دیکھتے رہے اس کی وجہ نہ پوچھی۔ بالآخر داؤد علیہ السلام نے زرہ تیار کر کے اپنے جسم پر پہنا۔ اس پر لقمان حکیم سمجھ گئے کہ یہ زرہ جنگی ضرورت کے لیے تیار کی جا رہی ہے۔ اس وقت لقمان حکیم نے فرمایا

ان من الصمت لحکمۃ۔ بعض اوقات خاموشی سے حکمت حاصل ہوتی ہے۔

اور حکما نے فرمایا کہ گفتگو اگر چاندی ہے تو خاموشی سونا ہے۔

اگر بسیار دانی اندکے گو
یکے را صد مگو صد را یکے گو

ترجمہ: اگر بسیار دان ہو تب بھی کم بولو۔ ایک کو سو نہیں بلکہ سو کو ایک بات میں کہہ دو۔

لتحصنکم تاکہ تمہیں بچا سکے۔

سوال: اللبوس تو مذکر ہے اس کے لیے مؤنث کا صیغہ کیوں؟

جواب: اللبوس کی تاویل میں ہے اور اللبوس مؤنث سماعی ہے۔ اور ذریعہ یعنی **حصینۃ** (قلعہ) چونکہ زرہ جنگ کے لیے بمنزلہ قلعہ کے ہے پھر چونکہ یہی حفاظت کا کام دیتی ہے اسے مجازاً درع سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ اللبوس سے بدل الاشتمال ہے اس لیے کہ **لتحصنکم** مع لام یعنی احصانکم کے ہے اور لکم کی ضمیر اور احصان کا باہمی اشتمال ظاہر ہے اس لیے کہ تم سے انفسہم اور منفعۃ کا معنی حاصل ہوتا ہے۔

من باسکم یہاں پر الباس یعنی الحرب (جنگ) ہے اور اس کا اطلاق بڑی جنگ کے لیے آتا ہے یعنی تمہارے دشمن کی جنگ سے۔ جیسے قتل اور زخم جو جنگ میں دشمنوں کے ہاتھوں یعنی تلواروں، نیزوں اور تیروں سے پہنچیں

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ جملہ صنائع اللہ تعالیٰ کی تخلیق و تعلیم سے نصیب ہوتی ہیں۔

حدیث شریف ہر صانع اور اس کی صنعت کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا۔

مثنوی شریف میں ہے:

۱ قابل تعلیم و فہم است ایں خرد
لیک صاحب وحی تعلیمش دہد

۲ جملہ حرفت یقیں از وحی بود
اول او لیک عقل آنرا فزود

ترجمہ: یہ عقل قابل تعلیم و فہم ہے لیکن اسے صاحب وحی تعلیم دیتا ہے۔

۲۔ تمام صنعتیں حقیقتاً وحی سے ہیں پہلے وحی کی رہبری پھر عقل اس کی تائید کرتی ہے۔

فَهَلْ أَنْتُمْ شَاكِرُونَ تو کیا تم اس کی نعمت کا شکر کرتے ہو یعنی تمہیں ایسی نعمتیں عطا ہوئی ہیں جو شکر کی موجب ہیں۔ تمہارے لیے سامان حرب کا آسان فرمایا، تو اللہ تعالیٰ کا شکر کرو۔ کاشفی نے کہا کہ ایسے لباس پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرو۔

ف: یہ بصورت استفہام ہے اور خطاب امت مصطفیٰ یعنی اہل مکہ اور قیامت تک آنے والوں کو ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کی خبر دی ہے کہ لوہے کو زرہ بنانے کا آغاز داؤد علیہ السلام نے کیا لیکن ان کے سکھانے پر تمام لوگوں کو یہ نعمت عام ہوگئی۔ یہاں تک کہ قیامت تک ہر جگہ کو اس کی ضرورت پڑے گی۔ اسی معنیٰ پر اس نعمت کا ہر انسان کو شکر الٰہی واجب ہے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ خطاب داؤد علیہ السلام اور ان کے اہلبیت کو ہے یہاں عبارت محذوف ہے۔ وہ اصل فقال لهم بعض ما انعمنا عليهم الخ یعنی داؤد علیہ السلام اور اہل بیت کو ان بہت بڑی نعمتوں سے بہرہ ور فرما کر ہم نے انہیں کہا کہ ان بہت بڑی نعمتوں یعنی تسخیر الجبال والطیر اور لوہے کے نرم ہو جانے اور زرہ بنانے کی تعلیم پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرو۔

زرہ بنانے کا موجب

مروی ہے کہ ایک دفعہ داؤد علیہ السلام حزین و غمگین ہو کر نکلے اور ارادہ تھا کہ کسی اجنبی سے اپنی سیرت کے متعلق استفسار کریں۔ آپ کو جبریل علیہ السلام بصورت انسان سے آپ کے سامنے اجنبی بن کر پوچھا کہ آپ داؤد (علیہ السلام) کو کیسے سمجھتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا، بہت بھلے بزرگ ہیں لیکن ایک کمی ہے کہ وہ بیت المال سے اخراجات لیتے ہیں کاش وہ اپنی کمائی سے ضروریات زندگی پورے کرتے اس لیے کہ ہاتھ کی کمائی سے بڑھ کر اور کوئی عبادت نہیں۔ داؤد علیہ السلام یہ نصیحت سن کر گھر لوٹے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ انہیں ہاتھ کی کمائی سے رزق بخشے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے لوہا موم بنا دیا۔ اسی سے زرہیں تیار کر کے بیچتے اور اسی سے بسر اوقات فرماتے۔

مسئلہ: فقیر (حقی) کہتا ہے کہ فقہ کی کتابوں میں ہے کہ علماء و سادات و مشائخ وغیرہم کو بیت المال سے وظیفہ اہل شریعت اور اہل حقیقت کے نزدیک جائز ہے لیکن ترک افضل ہے۔ اور تقویٰ کا تقاضا ہے کہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے بسر اوقات کرنا چاہیے جیسا کہ داؤد علیہ السلام کا قصہ دلالت کرتا ہے۔ ایسے ہی اوقاف کی آمدنی و دیگر عطیات و وظائف کا حکم ہے خصوصاً کہ اس زمانہ میں ایسے وظائف وغیرہ شبہات (حرام کی ملاوٹ) کو گنجائش ہے۔ علاوہ ازیں رزق متعین پر مدار توکل کے بھی خلاف ہے۔ اسی لیے بہت سے مشائخ نے مال موقوف کے نفع سے حصہ لینے سے انکار کیا بلکہ ان کی وجہ معاش صرف عطیات الٰہیہ پر تھی جس پر وہ اپنی تحصیل کرتے حال میں تو لازم ہے جائے کہ وہ اس کے لیے جدوجہد کریں۔ ہاں کسب حلال بھی کیا کرتے تھے۔ حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

فقیہ مدرسہ دی مست بود و فتویٰ داد
کہ می حرام ولے بہ ز مال اوقاف است

ترجمہ: مدرسہ کے فقیہ گذشتہ دن مست تھے اور فتویٰ دیا کہ شراب حرام ہے لیکن اوقاف کے مال سے بہتر ہے۔

ازالۂ وہم بعض شارحین نے حضرت حافظ قدس سرہ کے اس شعر کی شرح میں غلطی کھائی ہے۔ (صاحب روح البیانؒ نے فرمایا: میں کہتا ہوں کہ اس کی تحقیق یہ ہے کہ شعر میں لفظ "دی" سے یہ "حضرت حافظ قدس سرہ کا کلام ہے مفتی کا مقولہ نہیں۔ اب اس کا معنی یہ ہوا کہ گزشتہ روز مفتی شراب غفلت اور حب دنیا اور مدرسہ کے چندہ پر نازاں ہو کر اہل عشق کے حال پر انکار کرتے ہوئے ان کے شراب یعنی عشق کو حرام کر دیا حالانکہ یہ اس کی سراسر غلط خیالی ہے عشق کیسے حرام ہو سکتا ہے بلکہ مفتی کو معلوم ہونا چاہیے کہ بقول شاعر عشق حرام سہی لیکن وقف کے مال کو تم اٹھاتے ہو اس سے یہی عشق اولیٰ ہے یعنی عشق اور توکل جس پر محققین صوفیہ کا عمل ہے وہ دنیا داروں کے وقف پر سہارا لگانے اور اسی پر زندگی بسر کرنے سے بہتر ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اشعار کا تعلق فقیہ مفتی دنیا دار سے ہے اس کا عاشق متوکل سے کوئی تعلق نہیں۔

ف: علماء کرام فرماتے ہیں انبیاء علیہم السلام کی وجہ معاش صنعت اور اپنے ہاتھ کی کمائی تھی۔ مثلاً حضرت ادریس علیہ السلام خیاط (درزی) تھے اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں اکثر کپڑے سیا کرتے تھے۔

حدیث شریف نیک مردوں کا کسب کپڑے سینا اور نیک عورتوں کا چرخہ کاتنا ہے۔ (کذا فی روضۃ الاخیار)

حدیث شریف اپنی اولاد کو تیرنا سکھاؤ۔ اور وہ عورت کتنی اچھی ہے جس کے دل کا بہلاوا چرخہ ہے۔ اور جب تمہیں ماں باپ یک وقت بلائیں تو تم پہلے ماں کے پاس جاؤ۔ (کذا فی المقاصد الحسنۃ للسخاوی)

حدیث شریف عورت کے چرخہ کاتنے کی آواز جہاد میں اللّٰہ اکبر کہنے کے برابر ثواب ہے اور جو سارا دن اللہ اکبر کا ثواب ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں سے بوجھل ہے۔

حدیث شریف عورت کے ہاتھ میں چرخہ ایسا ہے جیسے غازی کے ہاتھ میں تیر (غازی جو محض رضائے الٰہی کے لیے جنگ پر جا رہا ہو) (کذا فی کنز العمال)

ف: حضرت نوح علیہ السلام نجار (بڑھئی) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بزاز (کپڑا فروش) تھے۔

حدیث شریف اگر اہل جنت کو بہشت میں تجارت کی اجازت ہو تو وہ کپڑا فروشی کریں گے۔ اگر اہل جہنم کو دوزخ میں تجارت کی اجازت ہو تو وہ سونا چاندی کی خرید و فروخت کریں گے۔ (کذا فی روح البیان)

ف: حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بناتے تھے اور آدم علیہ السلام کھیتی باڑی کرتے تھے۔ سب سے پہلے آدم علیہ السلام نے کپڑا کاتا اور بُنا۔

پاولیوں کو بددعا منقول ہے کہ بی بی مریم ایک دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تلاش میں گھر سے باہر تشریف لے گئیں راستہ بھول گئیں ایک کپڑا بننے والی عورت سے راستہ پوچھا تو اس بستی والوں نے غلط راستہ بتایا۔

بی بی مریم سلام کے لیے بددعا کی کہ اسے اللہ ان کی کمائی سے برکت چھین لے اور ان کی نسلوں کو فقر و فاقہ میں مبتلا کر اور انھیں عوام کی نظروں میں حقیر بنا۔ بی بی مریم کی دعا مستجاب ہوئی۔

ف : حضرت سلیمان علیہ السلام زنبیل تیار کر کے زندگی بسر فرماتے اگرچہ بہت بڑی سلطنت کے مالک تھے لیکن بیت المال سے کچھ نہیں لیا کرتے تھے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت شعیب علیہم السلام نے بکریاں چرائیں۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے اعلان سے پہلے بکریاں چرانے کو اختیار فرمایا تھا۔

حدیث شریف ہر نبی علیہ السلام نے بکریاں چرائیں۔

نکتہ : بکریاں چرانے میں حکمت یہ ہے کہ انسان کو بکریوں سے رافت و شفقت کی نصیب ہوتی ہے اس لیے کہ بکریاں تمام جانوروں سے ضعیف جانور ہیں۔ اسی لیے ان کی نگرانی قلب پر رافت و رحمت ہوتی ہے جب خلق خدا سے واسطہ پڑے گا تو طبیعت کی تیزی اور ظلم و شدت کا مادہ پہلے سے لطف و کرم اور رافت و رحمت سے بدل چکا ہو گا اور اس کی عادت معتدل بن چکی ہو گی اور کسی پر ظلم و شدت اور ناجائز سختی نہ کر سکے گا۔

گستاخ نبوت کی سزا اگر کوئی کسی کو منہ پر کہے کہ بکریوں کا چرواہا کہہ کر عار دلائے تو اسے جواب میں کہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی بکریاں چراتے تھے۔ ایسے جواب دینے والے کو سزا دی جائے۔ اس لیے کہ بکریاں چرانا انبیاء علیہم السلام کے لیے کمال تھا۔ لیکن دوسروں کے لیے تحقیر اور تحقیری امر میں تشبیہ دینا نبوت کی گستاخی ہے۔

قاعدہ روح البیان[لہ] ہر وہ امر جو نبوت کے لیے کمال لیکن دوسروں کے لیے موجب حقارت ہو تو وہ لفظ نبی علیہ السلام کے لیے استعمال کرنا حرام ہے۔ مثلاً کوئی کسی سے کہے، اسے امی (ان پڑھ)۔ وہ اسے جواب دے کہ کیا حضور علیہ السلام امی (ان پڑھ) نہیں تھے۔ ایسے شخص کو سزا دی جائے۔ (کذا فی انسان العیون)

[لہ] اسی قاعدہ پر ہمارے اور نجدیوں، وہابیوں، دیوبندیوں، مودودیوں کے جھگڑے کی بنیاد ہے۔ ان کی کتابوں میں نبوت کی گستاخی کی بھرمار کی گئی ہے۔ مثلاً نبی علیہ السلام کو بڑے بھائی سے تشبیہ دینا، نماز میں ان کے تصور کو گدھے اور اپنی بیل کے خیال سے بدتر جاننا، حضور کے علم مبارک کو پاگلوں حیوانوں سے تشبیہ دینا، شیطان اور ملک الموت کے علم کو حضور علیہ السلام کے علم سے زیادہ جاننا اور ان کے میلاد کی مجلس کو کنہیا کے جنم سے تشبیہ دینا اور عامی شریعت ان کی شریعت کے مساوی ماننا اور انھیں چوہڑا اور چمار لکھنا۔ ایسی دیگر ان گنت عبارات ہیں۔ فقیر نے تفصیل سے "التحقیق الکامل فی امتیاز الحق والباطل" میں کر دیا ہے۔ حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے صرف اسی قاعدہ پر ایک کتاب لکھی جس کا نام ہے "تنزیہ الانبیاء عن تسفیہ الاغبیاء"۔ اس کا آغاز ہے "اما بعد حمد اللہ غافر الزلات و مقیل العثرات والصلوٰۃ و
(باقی اگلے صفحہ پر)

(صاحب روح البیانؒ نے فرمایا کہ) سلطان سلیم اول از خاقان عثمانیہ کے زمانہ میں اشعاریٹی بزرگ ادیب ہیں اھ

(بقیہ حاشیہ ص ۱۰۲۹) السلام علی سیدنا محمد الذی انزل علیہ فی کتابه العزیز (افمن زین له سوء عمله فراٰه حسنا فان اللہ یضل من یشآء ویھدی من یشآء فلا تذھب نفسک علیھم حسرات) وعلی اٰله وصحبه النجوم النیرات ۔

اس رسالہ کی تصنیف کا سبب یہ ہوا کہ دو شخصوں کا جھگڑا ہوا اور آپس میں خوب گالی گلوچ چلی۔ بالآخر ایک نے دوسرے کے نسب پر حملہ کیا تو دوسرے نے کہا: اے چرواہے کے بچے۔ اس کے باپ نے کہا کیا یہ نسبت صرف میری ہے۔ کیا حضرات انبیاء علیہم السلام چرواہے نہیں تھے بلکہ کوئی بھی نبی علیہ السلام ایسا نہیں ہوگا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔

یہ واقعہ جامع مسجد طوبونی سے قریب بازار قول میں عوام کے مجمع میں ہوا اور یہ مقدمہ حکام وقت کی خدمت میں پیش کیا گیا جب قاضی القضاۃ مالکی کو معلوم ہوا تو انھوں نے فرمایا:

لو رفع الی ضربته بالسیاط۔ یعنی اگر یہ مقدمہ میرے ہاں پیش ہوتا تو میں قائل کو دُرّے لگاتا۔

مجھ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو میں نے جواب دیا کہ ایسے شخص کو سزا دی جائے کیونکہ انبیاء علیہم السلام اس لائق نہیں کہ کسی ایک عام آدمی سے ان کی مثال دی جائے۔

میرے فتویٰ کو مرتب دیکھ کر ایک شخص بولا یا شاکر مفتی وسیرتی کا یہ فتویٰ غلط ہے کیونکہ ایسے شخص کو نہ تعزیر ہے اور نہ ہی اس پر کوئی ملامت ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی ایک عام آدمی سے تشبیہ دینا ایک مباح امر ہے۔ لہٰذا اس کا قائل نہ گنہگار ہے اور نہ اسے گناہ کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے۔

مجھے اس سے خطرہ ہوا کہ عوام کالانعام کو جب ایسے کلام کے جواز کا علم ہوا تو وہ اپنے عام جھگڑوں میں ایسی گستاخیاں کریں گے پھر وہ ان کی عام عادت بن جائے گی جس کی وجہ سے وہ دین سے خارج ہو جائیں گے۔ صرف دین کی خیرخواہی اور مسلمانوں کی رہبری کو پیش نظر رکھ کر یہ چند سطور لکھ دیں۔

فصل: سب سے پہلے قاضی عیاض کا وہ بیان نقل کروں جو انھوں نے اس مسئلہ میں تحریر فرمایا جو نہایت ہی شاندار بیان ہے اور حق یہ ہے کہ بہت ہی خوب لکھا ہے کہ قائل ابھی اپنی حس الخ،

۱۔ کسی نبی علیہ السلام کی شان گھٹانے کا ارادہ نہ ہو۔

۲۔ ان کا کوئی عیب نہ بیان کیا جائے۔

۳۔ انھیں گالی نہ دی جائے۔

(باقی بر صفحہ)

۱ یک گدا بود سلیمان بصد و زنبیل
یافت از لطف قرآن حشمت ملک آرائے

۲ مصطفیٰ بود یتیمی ز عرب پست مدت
داد شش انعام قرآن شرف یا شئے

(بقیہ صفحہ) ف: شریعت میں مندرجہ صورتیں بھی انبیاء علیہم السلام کے معاملات کو اپنے اوپر چسپاں کرنا حرام ہے۔
مثلاً ۱۔ انبیاء علیہم السلام کے بعض احوالات بیان کر کے مثال کے طور اپنے لیے حجت یا دوسرے کے لیے حجت بنا سکے بلکہ
تو امور انبیاء علیہم السلام بحیثیت دینی امور کے اظہار کے لیے تھے یا ان کی اسی طرح تکمیل ضروری تھی۔

۲۔ کسی کلام کو انھوں نے کسر نفسی کے طور کیا۔

۳۔ یا کسی مقصد اسلامی کے پیش نظر اپنے آپ کو جسد ارفع ظاہر فرمایا حالانکہ دوسروں کو جائز نہیں۔ اسی طرح مثلاً کوئی کہے
کیا ہوا میرے حق میں ایسا ویسا کہا گیا۔ نبی علیہ السلام کو بھی تو کہا گیا تھا۔

۴۔ یا یوں کہے کہ اگر میری تکذیب ہوئی تو کوئی بات نہیں انبیاء علیہم السلام کی بھی تو تکذیب ہوئی تھی۔

۵۔ یا یوں کہا اس کرے کہ میں نے گناہ کر لیا تو کیا ہوا جبکہ انبیاء علیہم السلام نے بھی تو گناہ کیے تھے۔

۶۔ یا یوں کہے کہ میں لوگوں کی مذمت سے کب بچ سکتا ہوں جبکہ انبیاء علیہم السلام بھی نہ بچ سکے۔

۷۔ یا یوں کہے کہ میں فلاں مصیبت سے صبر کر رہا ہوں جیسے اولوالعزم پیغمبروں علیہم السلام نے صبر کیا۔

۸۔ یا کہے کہ ایسے صبر کرتا ہوں جیسے حضرت ایوب علیہ السلام نے صبر کیا۔

۹۔ یا کہے کہ میرا صبر گویا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح صبر کرنا ہے انھوں نے بھی دشمنوں کی دشمنی پر صبر کیا تھا بلکہ
اس سے کچھ زیادہ حوصلہ جیسے میں مظاہرہ کر رہا ہوں متنبی کا شعر ہے ؎

انا فی امۃ تدارکہا اللہ غریب کصالح فی ثمود

(میں ایسی قوم میں غریب ہوں اللہ تعالیٰ انھیں اچھا کرے جیسے حضرت صالح علیہ السلام ثمود میں غریب تھے)

جیسے مصری شاعر کا قول ہے کہ ؎

کنت موسیٰ وافتہ بنت شعیب
غیر ان لیس فیکما من فقیر

وغیرہ وغیرہ۔ فقیر کی اس موضوع پر ایک تصنیف "گستاخ کا انجام بد" ہے۔ اس میں اسی رسالہ "تنزیہ الانبیاء
عن تسفیہ الاغبیاء" کو بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ اویسی غفرلہٗ

توجیہہ: ۱۔ سلیمان علیہ السلام صرف زنبیل سے گذارہ کرتے تھے لیکن تیرے کرم نے انہیں بادشاہ بنا دیا۔

۲۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یتیم اور کمزور و غریب تھے۔ تیرے دروازے سے انعام پایا تو بہت اونچے ہو گئے۔

ان میں گستاخی اس لیے ہے کہ دو انبیاء علیہم السلام کی تحقیر کا پہلو نکلتا ہے۔

ف: صالح علیہ السلام کمبل بنتے تھے۔ عیسیٰ علیہ السلام جوتے سیتے اور پیوند لگاتے تھے۔ افضل کسب جہاد ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے نبوت و ہجرت کے بعد تمام زندگی مبارک اسی پر بسر فرمائی۔ اس کے بعد تجارت بشرطیکہ اس میں فریب اور خیانت نہ ہو۔ اس کے بعد کھیتی باڑی۔ اس کے بعد کوئی ہنر۔ (کذا فی المختار والمنتقیٰ) خبیث پیشہ حرام کا ہے ان سے بچنا لازم ہے اسی لیے رنڈی اور کاہن کی اجرت حرام ہے۔ اور کاہن وہ ہے جو انسان کو مستقبل اور ماضی کی خبریں دے یا ستارے کی گردش سے پتہ بتاتے۔ اسی طرح کسی کو دولت ملنے یا عہدہ ملنے کی خبر دے۔

مسائل فقہیہ: لہو ولعب کے آلات وغیرہ کی صنعت سے احتراز کرے۔ اسی طرح مردوں کے کفن کی تجارت سے بچنا چاہیے اس لیے کہ ایسے شخص کو ہر وقت انتظار رہتا ہے کہ کوئی کب مرتا ہے۔ اسی طرح مردوں کے لیے خوشبو اور ابٹن وغیرہ کی خرید و فروخت بھی نہیں چاہیے۔ اسی طرح احتکار بھی ناجائز ہے۔ اسی طرح جانوروں کو ذبح کرنے کی مزدوری سے بھی دور رہنا چاہیے اس لیے کہ اس سے قلب سخت ہو جاتا ہے۔ اور زرگری کے پیشہ سے بھی بچنا چاہیے اس لیے کہ اس سے دنیا کی زیب و زینت میں دل لگا رہتا ہے۔ اسی طرح ہر اس صنعت سے بچنا چاہیے جس کا دنیا کی زیب و زینت سے تعلق ہو۔ جیسے مکانات وغیرہ کا نقش و نگار اور دیواروں پر چونا اور رنگ لگانا وغیرہ۔ اسی طرح بردوں اور عورتوں کو بیچنا ہے۔ مروی ہے کہ تین شخص کو خسارہ ہی خسارہ ہے:

۱۔ انسانوں کو بیچنے والا

۲۔ درختوں کو کاٹنے والا

۳۔ گائے بیل ذبح کرنے والا

اسی طرح حجامت، جھاڑو، صفائی اور پاخانہ (اور اس طرح کے دوسرے پیشے جن کو گندگی کا تعلق ہو) سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ مشقت سے متعلق اور انسان کی عزت و وقار کے منافی ہے۔

مسئلہ: ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دلال کی اجرت مکروہ ہے اس لیے کہ کذب اور اپنے ساتھی کی بکری پیدا کرنے وغیرہ باتوں سے اس کا بچنا مشکل ہو جاتا ہے۔

الحکایہ: دلالی کا کام سب سے پہلے ابلیس نے کیا۔ کما قال: هل ادلك على شجرة الخلد وملك لا يبلى۔ (کذا فی منح الغفار)

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ اور ہم نے سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو تابع فرمان کر دیا۔

سوال، حضرت داؤد علیہ السلام کی تسخیر کو لفظ مع کے ساتھ اور سلیمان علیہ السلام کی تسخیر کو لام کے ساتھ ایسا فرق کیوں؟

جواب، حضرت سلیمان علیہ السلام کی تسخیر کا مطلب یہ ہے کہ ہوا ہر طرح سے آپ کے زیر فرمان تھی جیسے کوئی شے کسی کی ملکیت ہو تو وہ اپنی ملکیت میں جس طرح اور جیسے اور جس وقت چاہے تصرف کرے۔ اسی لیے مفسرین نے لام تملیک کی قرار دی ہے اور حضرت داؤد علیہ السلام کی تسخیر صرف عبادت کے لیے تھی کہ جبال وغیرہ آپ کے ساتھ عبادت الٰہی کی اقتدا کرتے۔

عَاصِفَةً یہ الریح سے حال ہے یعنی تند اور تیز چلنے والی (ہوا) کہ سلیمان علیہ السلام کا تخت اٹھا کر لے جاتی اور ایک دن میں ایک مہینے کی راہ پر پہنچا دیتی تھی لیکن نہایت نرم اور باد نسیم کی طرح خوشبودار تھی۔ خلاصہ یہ کہ وہ چلنے میں نہایت تیز اور نرم کہ جس سے طبیعت کو فرحت اور سرور حاصل ہو اور سلیمان علیہ السلام کے حکم کی پابند تھی کہ جب وہ چاہتے تو چلتی اور جب ٹھہرانا چاہتے تو ٹھہر جاتی۔ یہ بھی سلیمان علیہ السلام کے معجزات سے ایک معجزہ تھا۔ تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ وہ چلتی تھی سلیمان علیہ السلام کے حکم سے ان کی خواہش اور ارادہ کے مطابق اِلَى الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا اس زمین کی طرف جس میں ہم نے برکت بخشی۔ الارض سے شام کی ولایت مراد ہے۔ یعنی سلیمان علیہ السلام کو صبح کے وقت علاقہ شام میں لے جاتی اور دوپہر کے وقت تک ایک ماہ کی مسافت طے کر کے ملک کے کسی خطہ میں پہنچا دیتی پھر وہاں سے زوال کے بعد سے اٹھا کر غروب تک شام کی ولایت میں واپس لاتی۔ کما قال، غدوها شهر ورواحها شهر۔

ف، مقاتل نے کہا کہ شیاطین اور جنات نے سلیمان علیہ السلام کے لیے تین میل لمبا چوڑا ایک تخت تیار کیا جو ابریشم اور زر کی چادر سے تیار کیا گیا اس کے درمیان میں ایک سونے کی بڑی کرسی سلیمان علیہ السلام کے لیے، اس کے سامنے چند سونے کی کرسیاں دیگر انبیاء علیہم السلام کے لیے اور چاندی کی کرسیاں علماء کے لیے تیار کی گئیں۔ ان کرسیوں کے گرد انسانوں کو اور انسانوں کے گرد جنات کو کھڑا کر دیا گیا۔ تمام تخت پر پرندے سایہ کرتے یہاں تک کہ سورج کی کوئی کرن بھی سلیمان علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں پر نہیں پڑتی تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس تخت کو صبح کے وقت اٹھا کر لے جاتی ایک مہینے کے سفر کو شام تک آمد و رفت میں طے کر لیتی اور سلیمان علیہ السلام شب و روز جنگ و جہاد میں مشغول رہتے یہاں تک کہ عالم دنیا میں کسی کو نہ چھوڑتے جس کافر بادشاہ کا نام سنتے تو پہلے اسے دعوت حق پہنچاتے۔ اگر وہ انکار کرتا تو پھر اس کے ساتھ جہاد کرتے۔

ف، کاشفی نے کہا ہے کہ تفسیر میں ہے کہ ملک شام میں تدمر نام کا ایک شہر تھا اسے جنوں نے سلیمان علیہ السلام کے لیے

ل ایسے ہی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیارات کی تقریب ہے بلکہ ایک ہی طرح تقریر کے پیش کیا جائے اگرچہ وہابی نجدی دیوبندی مودودی نہیں مانیں گے لانهم قوم لا یعقلون۔ تفصیل رسالہ "مختار کل" میں ہے۔

ل اس سے وہابی دیوبندیوں کا وہ اعتراض اٹھ گیا کہ نبی علیہ السلام کے معجزات ان کے اختیار میں نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ اختیار بحیثیت تخلیق اللہ تعالیٰ کا خاصہ اور بحیثیت ان کے اجراء و اظہار نبی علیہ السلام کے ہر وقت اختیار میں ہوتا ہے۔ اویسی غفرلہ

تیار کیا تھا صبح کو وہاں سے حضرت سلیمان علیہ السلام نکلتے استخر عام کے گرد ہوتے پھر نماز مغرب کے وقت آپ کو ہوا اسی شہر میں واپس لے آتی۔

عرائس القصص میں ہے کہ صبح کو تدمر سے حضرت سلیمان علیہ السلام نکلتے اور اصطخر فارس میں جا استراحت فرماتے رات کو بابل میں جاتے۔ دوسرے دن بابل سے چاشت کے وقت اصطخر میں ہوتے اور شام کے وقت تدمر واپس آجاتے۔

بہرحال سلیمان علیہ السلام جہاں جانا چاہتے ہوا آپ کے تخت کو وہاں لے جا کر پھر علاقہ شام میں واپس لاتی۔

ف: مروی ہے کہ سلیمان علیہ السلام صبح کے وقت عراق سے چلے اور مرو کا افتتاح کیا۔ اس کے بعد عصر کی نماز بلخ میں جا کر پڑھی۔ وہاں سے بلاد ترک اور چین تک پہنچے وہاں سے واپس لوٹ کر یورپ کے ساحل مطلع الشمس تک پہنچے یہاں تک کہ قندھار تشریف لاتے وہاں سے مکران و کرمان سے ہوتے ہوئے فارس پہنچے وہاں چند روز ٹھہر کر کسکر کی طرف روانہ ہو کر شام کے وقت شام کی ولایت واپس تشریف لاتے اور آپ کا دارالخلافہ شہر تدمر میں تھا (کذا فی بحر العلوم)

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

نہ بر باد رفتی سحرگاہ و شام
سریر سلیمان علیہ السلام
باخر نہ دیدی کہ بر باد رفت
خنک آنکس کہ با دانش و داد رفت

ترجمہ: کیا سلیمان علیہ السلام کا تخت صبح و شام ہوا پر سفر نہیں کرتا تھا۔ بالآخر وہ بھی فنا ہو گئے خوش قسمت وہ ہے جو دانائی اور انصاف سے دنیا سے رخصت ہوا۔

وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ اور ہم ہر شے کو جاننے والے ہیں اسی لیے ہم اپنی حکمت اور علم کے مطابق ہر شے کا فیصلہ کرتے ہیں **وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ** اور ہم نے دیووں میں سے سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیے **مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ** وہ جو دریا میں غوطہ لگا کر سلیمان علیہ السلام کے لیے قیمتی اشیا نکالتے۔

ف: امام راغب نے کہا الغوص یعنی دریا میں غوطہ لگا کر کوئی شے نکالنا۔ پھر ہر گہرے امر میں پڑ کر کوئی شے حاصل کرنے پر استعمال ہونے لگا وہ علمی گہرائی ہو یا عملی امور۔ الغواص اسی مادہ کا صیغہ مبالغہ ہے۔

وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ اور دریا میں غوطہ لگا کر نفیس اشیاء نکالنے کے علاوہ اور کام بھی کرتے جیسے بڑے شہر اور مکانات بنانا اور عجیب و غریب مصنوعات تیار کرنا اسے وہی پیشہ ور کرتے تھے یا یہ اور تھے کلمہ مَن کے عموم کا یہی تقاضا ہے گویا فرمایا: ومن یعملون الخ۔

ف: مروی ہے کہ یہ کام جنات کے کافروں سے کرایا جاتا جیسا کہ ومن الشیاطین کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے اور

ابیان جنات ایسے سخت کاموں سے مستثنیٰ تھے۔

وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ اور تھے ہم ان دیووں کے نگہبان کہ سرکشی اور بغاوت کر کے سلیمان علیہ السلام کے کم سے باہر ہو جاتے یا زمین پر فساد ڈالیں جیسا کہ دیووں کی فطرت ہے۔

وہابیوں دیوبندیوں کو دعوت غور و فکر

جنات، دیو اگرچہ اجسام لطیفہ ہیں لیکن اشکال مختلفہ میں متشکل ہو کر اعمال شاقہ پر قدرت رکھتے ہیں جیسے ہوا جسم لطیف ہونے کے باوجود بہت بڑی طاقت رکھتی ہے۔ (لیکن وہابی دیوبندی ان کو تو مانتے ہیں اگر ہم انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام کے لیے مانیں تو شرک۔ اب وہابی دیوبندی بتائیں کہ ان کا عقیدہ کیسا)

ت: سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں جنات، دیو کھلم کھلا پھرتے تھے جنہیں لوگ آنکھوں سے دیکھتے اور سلیمان علیہ السلام کے زیر فرمان مختلف امور کے سر انجام دینے پر مامور تھے۔

سوال: الاستفسار میں ہے کہ جنات دیو سلیمان علیہ السلام کے زیر فرمان کیسے تھے جبکہ انہیں امور شاقہ کی انجام دہی میں ہر وقت ذلیل و خوار کیا جاتا تھا۔

جواب: اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں سلیمان علیہ السلام کا رعب ڈال دیا تھا کہ سر مو ان کے حکم کے خلاف نہیں کر سکتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے معجزات میں سے ایک معجزہ یہ بھی تھا۔ (اس سے وہابیہ کے رد میں دوسری نظیر قائم کی جا سکتی ہے کہ معجزات انبیاء علیہم السلام کے تحت قدرت ہوتے ہیں)

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب انسان اپنے کمال کو پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے حسب مرتبہ نبوت و ولایت علویات و سفلیات کی اشیاء اس کے زیر فرمان کر دیتا ہے۔ ملک و ملکوت اس کے زیر نگیں ہوتے ہیں۔ مثلاً سلیمان علیہ السلام کے لیے سفلیات سے ہوا، جنات، دیو، پرندے، حیوانات، و اصناف اور نباتات مسخر فرمائے اور علویات میں سورج کو آپ کے حکم پر لوٹانے کے لیے لوٹایا گیا۔ ایسے ہی داؤد علیہ السلام کے لیے پہاڑ، پرندے، لوہا اور پتھر جس کے ذریعے جالوت کو قتل کیا اور اس کے لشکر کو شکست ہوئی مسخر فرمائے۔

ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ارفع و اعلیٰ

ہر نبی علیہ السلام کے لیے علویات و سفلیات کی بعض چیزیں مسخر فرمائی گئیں لیکن ہمارے نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علویات و سفلیات کی تمام اجناس زیر فرمان بنا دی گئیں۔ سفلیات کے متعلق خود حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

۱۔ زویت لی الارض فرأیت مشارقها و مغاربها وسیبلغ ملک امتی ما زوی لی منها۔

میرے لیے زمین لپیٹ دی گئی میں نے مشارق و مغارب کو دیکھا جہاں تک میرے لیے زمین لپیٹی گئی وہاں تک میری امت ہوگی۔

۲۔ جعلت لی الارض مسجدا و ترابها طهورا۔ زمین میرے لیے سجدہ گاہ اور اس کی مٹی پاک کرنے والی بنائی گئی۔

اور فرمایا:

۳۔ اتیت بمفاتیح خزائن الارض۔ مجھے زمین کے خزانے عطا کیے گئے ہیں۔

۴۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انگلی مبارک سے پانی کے چشمے بہہ نکلے۔

اور فرمایا:

۵۔ نصرت بالصبا۔ میری مدد صبا سے ہوئی۔

۶۔ اشجار آپ کو صلوٰۃ و سلام عرض کرتے اور سجدہ ریز ہوتے۔

۷۔ آپ کے اشارہ سے درخت جڑوں سمیت حاضر خدمت ہوتے اور پھر واپس اپنی جگہ چلے جاتے۔

۸۔ جمادات آپ سے کلام کرتے اور آپ کی نبوت کی شہادت دیتے۔

اور فرمایا:

۹۔ اسلم شیطانی علی یدی۔ میرا شیطان میرے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا۔

اس کے علاوہ سفلیات کی بے شمار مثالیں ہیں۔

اور عالم علویات میں سے بھی بے شمار مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ مثلاً چاند کے دو ٹکڑے ہو جانا ہے

پس قمر امر بشنید و شتافت
پس دو نیمہ گشت بر چرخ و شکافت

ترجمہ: چاند حکم سن کر دوڑا اور دو ٹکڑے ہوا اور نیچے اتر کر پھر آسمان کی طرف چلا گیا۔

براق، جبرائیل اور رفرف آپ کے تابع فرمان تھے۔ آپ شب معراج میں ساتوں آسمان، بہشت اور دوزخ اور عرش و کرسی کو عبور فرماتے ہوئے قاب قوسین او ادنیٰ کے مقام تک پہنچ گئے

فما بقی شیٔ من الموجودات الا وقد سخر لہ[1] (روح البیان ج ۵ ص ۱۱۵) موجودات کی ہر شے حضور علیہ السلام کے لیے مسخر کی گئی۔

---

[1] یہ حوالہ پڑھ کر وہابی دیوبندی مودودیوں کے آقا مولوی اسماعیل دہلوی کی عبارت "جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں" (تقویۃ الایمان) پر غور کریں۔

اویسی غفرلہ

کسے در گرد تو ہرگز نرسید

کسے را نیز چنیں عز نرسید

ترجمہ: آپ کی گرد تک کوئی نہ پہنچ سکا اور نہ ہی آپ جیسی عزت کسی کو ملی۔

ف: ومن الشیٰطین الخ میں اشارہ ہے کہ ہم نے سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں انہیں بہت بڑے امور کو سرانجام دینے کی طاقت بخشی لیکن اب ان میں ایسے امور کو سرانجام دینے کی طاقت نہیں ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَاَیُّوْبَ اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! ایوب علیہ السلام کا واقعہ یاد کیجئے۔

ف: ان کے نسب میں اختلاف ہے۔ اگرچہ انتہا میں روم بن ابراہیم علیہ السلام تک سب کا اتفاق ہے۔ مروی ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر بستی حوران کی طرف مبعوث فرمایا۔ یہ بستی دمشق کے نشیبی علاقوں میں واقع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کثرتِ اموال و اولاد سے نوازا۔ منقول ہے کہ آپ کے سات صاحبزادے اور سات صاحبزادیاں تھیں اور جانوروں کا تو شمار نہ تھا۔ آپ پر ابلیس ملعون نے حسد کر کے کہا کہ اے الٰہ العالمین! یہ تیرا بندہ عیش اور خیر و عافیت میں ہے اور بہت مال رکھتا ہے اور اس کی نیک اولاد کی کثرت ہے۔ اگر مال و اولاد چھین کر اسے بلاؤں اور مصیبتوں میں مبتلا کیا جائے تو وہ بہت جلد تیری راہ سے پھر جائے گا اور ناشکری کرے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو غلط کہتا ہے کیونکہ وہ میرا پسندیدہ بندہ ہے۔ اگر میں اسے ہزاروں بلاؤں میں بھی مبتلا کر دوں تب بھی وہ امتحان میں کامیاب ہوگا۔ ؎

چناں در عشق بگرویدم کہ گر تیغ زنی بر سر

بروزِ امتحاں باشم چو شمع استادہ پا برجا

ترجمہ: میں تیرے عشق کا ایسا گرویدہ ہوں کہ اگر میرے سر پر تلوار ماریں تب بھی امتحان میں سر نہ ہلاؤں گا بلکہ تلوار کے سامنے سر جھکائے کھڑا رہوں گا۔

شیطان کے اعتراض کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو آزمائش میں ڈال دیا کہ تمام اونٹ بجلی سے مار دیے اور تمام بکریاں سیلاب میں بہا دیں۔ کھیتی ہوا کی نذر ہو گئی۔ اولاد دیوار کے نیچے دب کر مر گئی۔ جسم مبارک پر زخم ہو گئے یہاں تک کہ کیڑے پڑ گئے۔ سوائے ایک بیوی کے باقی تمام لوگوں نے آپ سے علیحدگی اختیار کر لی۔

ف: ان کا امتحان بھی ابراہیم علیہ السلام کی طرح تھا یعنی دونوں کی آزمائش مال، اولاد اور بدن سے ہوئی۔

---

[1] یہ قول مرجوح ہے کہ اس سے عام کیڑے مراد ہوں۔

ف: مروی ہے کہ ایسی آزمائش ایوب علیہ السلام سے پہلے ستر انبیاء علیہم السلام نے اختیار کی لیکن اللہ تعالیٰ نے صرف ایوب علیہ السلام کو منتخب فرمایا۔ اور ایوب علیہ السلام اس آزمائش میں اٹھارہ سال یا سات سال سات ماہ سات دن سات گھڑیاں مبتلا رہے۔

اعجوبہ ایک بی بی رحمت بنت افرائیم بن یوسف علیہ السلام نے عرض کی کہ آپ اپنے لیے اللہ تعالیٰ سے صحت و عافیت کی دعا مانگئے۔ آپ نے فرمایا کہ عیش و عشرت اور آرام میں کتنی زندگی گزری؟ بی بی صاحبہ نے کہا: اسی سال۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم و حیا آتی ہے کہ آرام کی زندگی کے مقابلہ میں دکھ کی زندگی تھوڑی ہے۔ اگر عرض کروں تو نامعقول بات ہے۔

لطف: ہر سحر کے وقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے آواز آتی کہ اے ایوب (علیہ السلام) کیا حال ہے؟ تو ایوب علیہ السلام شوق و ذوق سے ٹھنڈی سانس کھینچ کر عرض کرتے کہ اے مولیٰ کریم! آپ کے دیئے ہوئے تحفے سے خوش ہوں۔

؎

گر بہ سر بیمار تو آئی بعیادت
صد سال بامید تو بیمار تواں بود

ترجمہ: اگر بیمار پرسی کے لیے آپ تشریف لائیں تو آپ کی تشریف آوری کے انتظار میں سو سال بیماری میں بسر کرنا بھلا لگتا ہے۔

ایک ضعیف قول ایوب علیہ السلام کے جسم پر اللہ تعالیٰ نے بارہ ہزار کیڑے مسلط فرمائے۔ اس لیے کہ کامل لشکر بارہ ہزار کی تعداد سے ہوتا ہے۔ کما قال علیہ السلام:

اثنا عشر لن یغلب من قلۃ ابداً۔ بارہ ہزار کا لشکر قلت کے باوجود کبھی مغلوب نہیں ہوگا۔

ف: اللہ تعالیٰ کا لشکر:

۱۔ کیڑے

۲۔ مچھر۔ نمرود کی تباہی اسی لشکر سے ہوئی۔

۳۔ ابابیل نے صاحب الفیل کو فنا کیا۔

۴۔ جو چوہوں کو مٹانے کے لیے اور کبوتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے حاضر ہوئے۔

صبر ایوب علیہ السلام حضرت ایوب علیہ السلام کے تمام جسم اطہر کو کیڑے کھا گئے صرف ہڈیاں دل، زبان، کان، آنکھیں باقی رہ گئیں۔ جب ایک کیڑا ایوب علیہ السلام کے قلب مبارک اور زبان اطہر پر پہنچا، چونکہ قلب محل معرفت اور سر ہر ساعت و ولایت اور زبان مصدر ذکر و معدن توحید ہے اس

غیرت کمال اور خطرہ محسوس کیا کہ اگر یہ اعضاء بھی باقی نہ رہے تو طاعت الٰہی اور تسبیح حق سے رہ جاؤں گا۔ اور ادھر آزمائش کی گھڑیاں بھی ختم ہو چکی تھیں اور حالت بھی کمزور ہو چکی تھی یہاں تک کہ کھڑے ہو کر نماز بھی ادا نہ کر سکتے تھے مقام ابتلا میں قائم تھی نصیب ہو چکی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں ایک دعا القا فرمائی تاکہ مقام رضا حاصل کریں اور انہیں جلال کے بعد تجلی جمال اور شکوہ کے بعد دولت عطا سے نوازے۔

چنانچہ ایوب علیہ السلام کے اس مقام کی خبر دی اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ جب کہ ایوب علیہ السلام نے دعا مانگی کہ اَنِّیْ بے شک مجھے مَسَّنِیَ الضُّرُّ دکھ اور تکلیف پہنچی ہے۔

ف: الضر بالفتح ہر قسم کی تکلیف پر استعمال ہوتا ہے، بالضم خاص قسم کی تکلیف جو انسان کے وجود میں مرض یا کمزوری وغیرہ پہنچے۔

وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ اور تو ارحم الراحمین ہے کہ رحم ہو کر اور رونے کے وقت تیری طرف رجوع کرتے ہیں۔

نکتہ: اصل مقصود کہنا تھا لیکن ایوب علیہ السلام نے ایسے طریق سے سوال کیا کہ جس میں لطف الٰہی کو خود بخود بندے پر توجہ ہو اور اسی میں ادب بھی ہے اور حضرات انبیاء علیہم السلام کی اکثر دعائیں اسی طرح اشاروں کنایوں سے ہوتی ہیں ؎

وفی النفس حاجات وفیک فطانة
سکوتی بیان عندها وخطاب

ترجمہ: دل میں تمناؤں کا انبار ہے اور تم انہیں خوب جانتے ہو۔ میرا سکوت اور خاموشی انہی کا بیان اور اظہار ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

ارباب حاجتیم و زبان سوال نیست
در حضرت کریم تمنا چہ حاجت است

ترجمہ: ہم بھی صاحب حاجت ہیں لیکن سوال کی ضرورت نہیں اس لیے کہ کریم کے سامنے اظہار تمنا کیسا۔

سوال: تم نے کہا کہ انبیاء علیہم السلام اشاروں کنایوں سے عرض حاجات پیش کرتے ہیں۔ یہ غلط ہے اس لیے کہ زکریا علیہ السلام کی تصریح قرآن مجید میں موجود ہے۔ کما قال: رب هب لی من لدنک ولیاً۔

جواب: ہم نے اکثر کی قید لگائی اور پھر اشارے کنایے ایسی دعاؤں میں ہوتے ہیں جو دکھ درد ٹالنے کے لیے ہوں تاکہ تصریح سے شکایت کا اشتباہ نہ ہو باقی ضروریات کی تصریح ہمارے دعویٰ کے خلاف نہیں۔

حکایت ایک بڑھیا نے سلیمان بن عبدالملک کے ہاں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے گھر میں چوہے قلابازیاں کھاتے ہیں۔ اس سے اس کا مطلب یہ تھا کہ میرے گھر میں کھانے پینے کی کوئی شے نہیں۔ بڑھیا کو سلیمان بن عبدالملک نے کہا تو نے سوال میں لطافت دکھائی ہے اس لیے میں تیرے لیے انتظام کروں گا۔ بڑھیا نے یہ سن کر خوشی سے تیندوا[1] کی طرح قلابازی

---

[1] درندوں کی ایک قسم جو کتے سے بڑا اور بھیڑیئے سے چھوٹا ہوتا ہے اس کے بدن پر چھوٹے چھوٹے سیاہ داغ ہوتے ہیں۔ دست مولی م، فیروز اللغات۔ اس کو چیتا بھی کہتے ہیں۔

کہا کہ سلیمان بن عبد الملک اس کی مزید بیماری سے بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے اس کے گھر کو مسجد بنوایا

ف: ایوب علیہ السلام کی دعا عجز و انکسار اور اپنی تنگی اور محتاجی کے اظہار پر مبنی تھی۔ اس میں جزع و فزع اور شکایت نہیں تھی جیسے عموماً اضطرار میں ہوتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں استجابت کا مژدہ سنایا اور انا وجدناہ صابراً سے ان کی مدح فرمائی۔ بالفرض اگر مانا جائے کہ وہ شکایت تھی تو کیا حرج ہے۔ جب انھوں نے غیر سے تو شکایت نہیں کی بلکہ اپنے مالک و مولیٰ سے عرض کیا اور یہ صبر جمیل کے منافی نہیں۔ یعنی جیسے یعقوب علیہ السلام نے کہا: انما اشکوا بثی وحزنی الی اللہ فصبر جمیل۔

فائدہ صوفیانہ عارف کامل جو معرفت الٰہی میں کامل اور محقق ہو تو اس کا شکوہ انبساط کی حقیقت اور اس کی ذات کی تحقیق اور محبوب کی آزمائش سے تمکین عبادات کی حقیقت اور عشق کی زبان تضرع و حکایت کے ساتھ ہوتی ہے جسے شکایت اور جزع و فزع نہیں کہا جاتا جیسا کہ عاشق رومی نے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے ؎

بشنو از نے چوں حکایت مے کند
از جدائیہا شکایت مے کند

ترجمہ: نے سے سن کیا کہتی ہے وہ جدائیوں کی شکایت کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جو بھی ایوب علیہ السلام کی طرح مصائب میں مبتلا ہو کر شکوہ شکایت (ماجرائی) کرے وہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ بشریت مصائب سے المناک ہوتی ہے جس کی بشریت مجروح ہے لیکن چونکہ وہ عنایت ازلیہ الٰہی سے مؤید ہوتی ہے اسی لیے وہ مصائب کے وقت بھی نور الٰہی کو دیکھتی اور جانتی ہے کہ آزمائش کرنے والے کی طرف سے کمال عنایت ہے بلکہ زحمت کے پردہ میں رحمت فرمایا ہے اس سے نفس کی تربیت مطلوب ہوتی ہے۔ اسی سے انسان مقام صبر اور بہ نعمت عبودیت کو پہنچتا ہے جس کے متعلق وہ مصنف القصہ سے مخبر ہوتا ہے لیکن بشریت کی حیثیت سے وہ صرف عرض کرتا ہے کہ اے ارحم الراحمین! مجھے مصائب میں مبتلا ہونا چاہیے بھی تیرے فضل کا نور ہے اور تو ارحم الراحمین ہے اسی لیے تو نے ہی مجھے ذکر اور قناعت فرما کر اور قوت صبر عطا کر کے رحم فرمایا ہے کہ میں اپنے نفس کے صفات سے پاک اور صفات ہو کر فنا سے تیری صفات کی بقا پائی اور ان صفات سے ایک بھی صبر ہے اور یاد رہے کہ صبر اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ بندہ کی صفت ہے تو مجازاً اسکا قال: واصبر وما صبرک الا باللہ۔ اور الصبور صرف (حقیقۃً) اللہ تعالیٰ ہے اور بس۔

تفسیر عالمانہ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ پس ہم نے ایوب علیہ السلام کی دعا مستجاب فرمائی **فَكَشَفْنَا** پس ہم نے ان سے رنج اور دکھ دور کر کے انھیں شفا بخشی۔

ایوب علیہ السلام کی شفایابی کا قصہ مروی ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو جمعہ کے دن سحر کے وقت یا زوال کے وقت حکم ہوا کہ آپ کو مبارک ہو کہ آپ کی دعا مستجاب

ہو چکا ہے۔ اب حضور پاؤں کھینچ کر اپنا پاؤں مبارک زمین پر ماریئے۔ جب ایوب علیہ السلام نے اپنا پاؤں مبارک زمین پر مارا تو اس سے پانی کا ایک چشمہ بہ نکلا۔ اس سے آپ نے غسل فرمایا جس کی برکت سے آپ کے جسم پر کوئی کیڑا اور زخم نہ رہا۔ پھر دوبارہ زمین پر پاؤں مبارک مارا تو دوسرا چشمہ نکلا اس سے آپ نے پانی پیا تو پیٹ کی تمام بیماریاں دفع ہو گئیں اور آپ بصورت مکمل طور پر صحت یاب ہو گئے بلکہ آپ کی جوانی لوٹ آئی اور حسن و جمال نکھرا۔ آپ نے ایک نئی پوشاک پہنی۔

فائدہ صوفیانہ بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ ایوب علیہ السلام کی اس بیماری کا حل کی گئی کہ ریاضات شاقہ اور قسم قسم کے مجاہدات بدنیہ سے آپ کے مقامات علیا کی تکمیل ہوا اس لیے آپ کو حکم ہوا کہ بشریت کی زمین کو زور دار لات کریں تاکہ انھیں حقیقت کا پانی مثال صحت میں نصیب ہو اور آپ اس سے غسل فرمائیں تاکہ آپ کے جسم سے امراض جسمانیہ اور قلب سے امراض روحانیہ دور ہوں۔ خلاصہ یہ کہ ایوب علیہ السلام جب مجاہدہ سے فارغ ہوئے اور آپ کی استعداد صاف و شفاف ہو گئی اور اس قابل ہو گئے کہ آپ کو فیض الٰہی سے نوازا جائے تو حضرت ربانیہ سے آپ کو آب حیات نصیب ہوا جس میں آپ نے غسل فرمایا تو آپ کے ظاہری و باطنی امراض کے حجابات اٹھ گئے اور مشاہدات ربانیہ سے سرفراز ہو گئے۔ کذا فی التاویلات النجمیہ)

ریشم کے کیڑے میں نبوت کے فیوض و برکات

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ رذیل ترین مخلوق کیڑے کی شان بلند ہوتی تو اسے ایوب علیہ السلام کے جسم اطہر سے چمٹے کا موقع بخشا تاکہ وہ رذالت سے شرف اور نقص سے کمال ہو جائیں جیسے یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں جگہ دے کر شرافت اور بزرگی سے ہمکنار فرمایا ایسے ہی کیڑے نے ایوب علیہ السلام کی صحبت سے رذالت سے شرافت پائی کیونکہ ایوب علیہ السلام کے جسم اطہر سے گرے تو درخت پر چڑھ کر ان کے لعاب سے ریشم نکلا اور اس کی قدر و قیمت سب کو معلوم ہے اور اس کی یہ قدر و قیمت کیڑے کی ذاتی نہیں بلکہ نبوت کے فیوض و برکات کا اثر ہے۔ شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ہے

۱۔ گلے خوشبوئے در حمام روزے — رسید از دست محبوبے بدستم
۲۔ بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری — کہ از بوئے دلآویز تو مستم
۳۔ بگفتا من گلے ناچیز بودم — و لیکن مدتے با گل نشستم
۴۔ کمال ہمنشیں در من اثر کرد — وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

ترجمہ ۱۔ حمام کی خوشبودار مٹی مجھے محبوب کے ہاتھ سے ملی۔

۲۔ میں نے اسے کہا کہ تو مشک ہے یا عنبر کہ تیری دل لوٹنے والی خوشبو سے مست ہو گیا ہوں۔

۳۔ کہا میں ایک مٹی ناچیز ہوں لیکن گلاب کے ساتھ ایک عرصہ گزارنے کا مجھے موقع نصیب ہوا ہے۔

۴۔ ہمنشیں کے کمال نے مجھ میں اثر فرمایا ورنہ میں تو وہی مٹی ہوں جیسا کہ سب کو معلوم ہے۔

بزرگوں کی صحبت مشائخ نے فرمایا کہ شریف و عزیز کی صحبت سے انسان شریف و عزیز بنتا ہے اور کمینے اور رذیل کی صحبت سے انسان کو کمینگی اور رذالت نصیب ہوتی ہے۔ دیکھیے باد صبا جب باغات سے گزرتی ہے تو اس میں خوشبو ہوتی ہے اور جب وہ غلاظت سے گزرتی ہے تو اس میں بدبو ہوتی ہے۔ اسی طرح جو شخص کاملین کی صحبت اختیار کرتا ہے اسے دولت روحانی ملتی ہے اور جو اخلاق اور ادب سے سرفراز ہوتا ہے تو اسے شرافت اور بزرگی نصیب ہوتی ہے۔

مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ

وَاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ اور ہم نے انہیں عطا کیے ان کے اہل اور ان جیسے ان کے ساتھ۔ اور یہ کہ پہلی اولاد سے دگنی اولاد پیدا ہوئی۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی زوجہ محترمہ کو پھر جوانی لوٹا دی اور آپ کے ان چھبیس بیٹے پیدا ہوئے اور آپ کو بے پایاں مال عطا ہوا۔ آپ غرباء و مساکین پر بے حد رحم فرماتے اور یتامیٰ و بیواؤں کی کفالت اور مہمان نوازی میں بے نظیر تھے۔ اور مسافروں پر لطف و کرم فرماتے۔

سونے کی ٹڈی حدیث شریف میں ہے کہ ایوب علیہ السلام غسل فرما رہے تھے تو آسمان سے آپ پر ٹڈی کی شکل کی مانند سونے کے ٹکڑے برسے، جنہیں ایوب علیہ السلام سمیٹ کر کپڑے میں ڈالنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ایوب! کیا تجھے میں نے غنی نہیں کیا؟ پھر اس سونے کی کیا ضرورت ہے۔ عرض کی: یا اللہ! تیری برکت کے حصول کے لیے سمیٹ رہا ہوں ورنہ مجھے مال و دولت کی تو کوئی کمی نہیں۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ حلال اور طیب مال کی کثرت و وفرت مباح ہے۔

رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا اور ایوب علیہ السلام کو مال و دولت سے نوازنے اور رحمت خاصہ عنایت فرمانے کے لیے کیا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ اور دوسرے عبادت گزاروں کی نصیحت و عبرت کے لیے انہیں مال و دولت سے نوازا تاکہ دوسرے عبادت گزاروں کو معلوم ہو کہ ہم بہت بڑی قدرت کے مالک ہیں اگر وہ صبر کریں جیسے ایوب علیہ السلام نے صبر کیا تو ثواب پائیں گے جیسا انہیں اجر و ثواب سے نوازا گیا اور مال و دولت اور اہل و اولاد سے بھی۔

ہر کہ او در راہ حق صابر بود ۱
بر مراد خویشتن قادر بود

صبر باید تا شود یکسر حرج ۲
زانکہ گفت الصبر مفتاح الفرج

ترجمہ: ۱۔ جو راہ حق میں صبر کرتا ہے اپنی مراد پر قدرت پاتا ہے۔

۲۔ صبر چاہیے تاکہ حرج دور ہو۔ اس لیے کہ صبر کشادگی کی کنجی ہے۔

ف۔ ان آپ علیہ السلام کی آزمائش تھی کہ انھیں ایسے مصائب میں مبتلا کیا گیا تاکہ مخلوق کو ان کے مدارج علیا کا علم ہو کر ہمارے محبوب تعالیٰ کے کتنے بڑے مراتب کے مالک ہیں۔ یوسف علیہ السلام کو اولاً کنوئیں حتیٰ کہ ملک کے کھانے سے دنیوی عاقبت سے دوچار کیا گیا اور یحییٰ علیہ السلام کو کفار نے ذبح کر ڈالا۔ ان کی مصیبت ان کی کرامت اور مراتب کو بلند کرنے کے لیے تھی اس لیے کہ آپ سے زندگی بھر لغزشیں تو در کنار آپ سے خلاف اولیٰ بھی صادر نہ ہوا بلکہ اس کے ارادہ تک کا ارتکاب نہ کیا۔

وَاِسْمٰعِیْلَ اور یاد کرو اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اسمٰعیل علیہ السلام کے قصہ کو۔ اسمٰعیل بن ابراہیم علیہما السلام۔ **وَاِدْرِیْسَ** آپ کا اسم گرامی اخنوخ بن یرد بن مہلائیل۔ بعض علماء نے فرمایا کہ آپ کو ادریس اس لیے کہا جاتا تھا کہ آپ کثرت سے درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے۔ اس کی تحقیق ہم نے پہلے بیان کر دی ہے۔ **وَذَا الْکِفْلِ**۔ کفل یعنی کفالت و ضمانت۔ وہ اس لیے کہ بنی اسرائیل کے کسی ایک نبی کے ہاں وحی آئی کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کی روح قبض کروں اور آپ اپنا ملک بنی اسرائیل کے کسی ایسے شخص کے سپرد کریں جو اس بات کی ضمانت دے کہ پابندی سے تمام رات نماز پڑھتا رہے گا، نہ وہ بھی آرام نہ کرے گا، سستی نہ کرے گا۔ دن کو روزہ رکھے گا، روزہ میں ناغہ نہ کرے گا۔ اور دین حق کا فیصلہ کرے گا اور کسی پر ناراض نہ ہو گا۔ جو ان امور کی پابندی کے لیے تیار ہو جائے تو اپنی بادشاہی اس کے سپرد کر دو۔ جب پیغمبر علیہ السلام نے بنی اسرائیل پر یہ بات ظاہر کی تو ایک جوان نے حامی بھری اور کہا کہ:

انا اتکفل بہا۔ میں اس کی کفالت کروں گا۔

پیغمبر علیہ السلام نے ملک اس جوان کے سپرد کر دیا۔ اس نے ایفائے عہد کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے انعام کے طور خلعت نبوت سے نوازا۔ اس لیے وہ ذوالکفل کے نام سے مشہور ہوئے۔

کُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیْنَ وہ سب یعنی اسمٰعیل و ادریس و ذوالکفل علیہم السلام صبر کرنے والوں سے تھے یعنی طاعات عبادات کی مشقات اور بلیات کی برداشت سے کامل طور پر صبر کرنے والے تھے۔ مثلاً ذبح کے وقت اسماعیل علیہ السلام نے صبر کیا اور عرض کی:

یا ابت افعل ما تؤمر (الآیۃ)

اور ایسے بیابان اور جنگل کے مقام میں رہنے پر صبر کیا جہاں نہ کھیتی تھی اور نہ آبادی۔ اس کی جزا میں اللہ تعالیٰ نے خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی نسل سے پیدا فرمایا اور ادریس علیہ السلام نے درس و تدریس میں صبر فرمایا اور ذوالکفل علیہ السلام نے صیام اور قیام اللیل اور حکومت میں لوگوں کی اذیتوں پر صبر فرمایا کبھی بھی ان پر خفا نہ ہوئے۔

فائدہ صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر اور معصیت سے بچنے کی تکالیف اور جانی و مالی مصائب پر صبر کرتا ہے تو اسے صبر کے مطابق مراتب جبروت کے مراتب سے نوازتا اور اسے

خصوصی رحمت میں داخل ہونے کا اہل بناتا ہے۔

وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِیْ رَحْمَتِنَا اور ہم نے انہیں رحمت خاصہ میں داخل کیا جیسے نبوت وغیرہ۔ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ بیشک وہ صلاحیت والوں میں کامل ترین افراد میں سے تھے۔ اس سے حضرات انبیاء علیہم السلام مراد ہیں ان کا صالح ہونا بایں معنے کہ وہ ہر فساد اور گناہ سے معصوم تھے۔

مسئلہ: علماء فرماتے ہیں کہ عام مومنین سے گناہ کا ارتکاب ہوتا ہے اگر وہ بمطابق قانون شریعت توبہ کریں تو ان کی توبہ قبول ہو جاتی ہے۔ اور انبیاء کرام گناہ نہیں کرسکتے اگرچہ ان سے گناہوں کے صدور کا امکان ہے اسی لیے کہ وہ لوگ جائز الخطا ہیں لیکن منجانب اللہ محفوظ ہوسکتے ہیں۔

ملفوظ بایزید قدس سرہٗ

سیدنا بایزید قدس سرہٗ سے پوچھا گیا کیا عارف باللہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو کون ٹال سکتا ہے اگر عارف باللہ سے کوئی غلطی سرزد ہوتی ہے مقام عرفان کی طرف لوٹنے کی توفیق بخشی جاتی ہے بشرطیکہ وہ حقیقی عارف باللہ ہو (زبانی جمع خرچ کرنے والا اور شیطان کا کھلونا اور رسمی عارف نہ ہو) حقیقی عارف کو توبہ خالص پہلے مقام تک پہنچا دیتی ہے اور اس کی درمیانی غفلت سے غلطی کا ازالہ یوں ہو جاتا ہے کہ گویا اس سے غلطی ہوئی ہی نہیں۔ یعنی اپنے مرتبہ اول سے بالکل نہیں گرا بلکہ بدستور مرتبہ اول پر ہے جیسے سیدنا ماعز صحابی رضی اللہ عنہ سے زنا کا ارتکاب ہوا اور انہیں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم بھی فرمایا باوجود اس کے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لو قسمت اھل السمٰوٰت والارض لوسعتھم۔ اگر جملہ اہل السماء والارض تک توبہ کو بانٹا جائے تو حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی توبہ کا مرتبہ سب سے بڑھا ہوگا۔

مسئلہ: حضرات انبیاء علیہم السلام سے کبھی گناہ ہوا اور نہ ان سے گناہوں کے صدور کا امکان ہے اس لیے کہ وہ فطرۃً معصوم ہوتے ہیں۔

ف: صلاح (صالح ہونے) کا ابتدائی درجہ یہ ہے کہ بندہ احکام شرعیہ پر حتی الامکان پابندی اور جمیع شہوات و منہیات شرعیہ سے بچنے کی کوشش کرے اور انتہائی مرتبہ یہ ہے کہ ہر وقت توجہ صرف رب الارباب کی طرف اور جملہ ماسوا کے تصورات اور خیالات سے فارغ ہو۔ یہی مقام صدیقیت ہے۔

ف: بعض بندوں کی اصلاح تخلیقی ہوتی ہے اور بعض میں کسبی وہ اس طرح کہ ان کے اندر فساد وغیرہ ہو تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے دور فرما دے۔ یاد رہے اللہ تعالیٰ کے بعض ایسے خوش قسمت بندے بھی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ازل سے ہی اپنی ذات کے لیے چن لیا۔ ایسے حضرات فطرۃً ایسے پاکباز ہوتے ہیں کہ انہیں اور بھی اللہ تعالیٰ غیر کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتا۔ اور بعض دوسرے وہ کہ جن کو غیر اللہ کی توجہات نے گھیر رکھا ہو لیکن وہ اس کے اثرات

گئے۔ یہ بیان ہے کہ جیسا اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مقامات کے بعد مقامات نصیب ہوئی۔

ف: صبر بھی اسی صلاح کے مراتب سے ہے۔ حضرت یزید رقاشی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب انسان قبر میں مدفون ہوتا ہے تو نماز اس کے دائیں جانب اور زکوٰۃ بائیں جانب ہوتی ہے اور نیکی سر پہ چھتری کی طرح ہوتی ہے۔ اور صبر ایک طرف سے عذاب کی روک تھام کرتا ہے یہاں تک کہ دوسرے اعمال صالحہ سے فرماتا ہے کہ اگر تم اس بندے کو عذاب الٰہی سے بچا سکتے ہو تو الحمدللہ ورنہ میں اکیلا ہی اس کی نجات دلانے کے لیے کافی ہوں۔

ف: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ صبر تمام اعمال صالحہ سے افضل اور بزرگ ترین صفات طلب رضائے الٰہی ہے۔ وجہ اس لیے کہ صبر صرف بلا و مشقت کے وقت ہوتا ہے اور انسان کو بھی ترقی صرف صبر کی وجہ سے نصیب ہوتی ہے صرف بلا و مشقت ترقی کا سبب نہیں اس لیے کہ اگر صرف بلا و مشقت ہی ترقی درجات کا موجب ہوتی تو تمام مشرکین و کفار کو بھی بلاؤں اور مصیبتوں کی وجہ سے اسی سعادت سے نوازا جاتا حالانکہ جملہ اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ وہ ایسے مصائب و تکالیف سے زیادہ عذاب میں مبتلا کیے گئے تھے البتہ اہل ایمان کو مصائب و تکالیف پر صبر کرنے کی وجہ سے ترقی درجات نصیب ہوتی اور جرائم و معاصی کی معافی کا موجب ہے بلکہ ان کے لیے یہ مصائب و تکالیف اکسیر بن کر آئے۔

مثنوی شریف میں ہے:

۱ صد ہزاران کیمیا حق آفرید — کیمیائے ہمچو صبر آدم ندید
۲ چونکہ بابِ بستہ در بند حرج — صبر کن الصبر مفتاح الفرج
۳ شکر گویم دوست را در خیر و شر — زانکہ ہست اندر قضا از بد بتر
۴ چونکہ قسام اوست کفر آمد گلہ — صبر باید صبر مفتاح الصلہ
۵ غیر حق جملہ عدو اند اوست دوست — با عدو از دوست شکوت کی نکوست
۶ تا دہد دوغم نخواہم انگبین — زانکہ ہر نعمت غمی دارد قرین

ترجمہ: ۱۔ لاکھوں کیمیا حق نے پیدا فرمائے ہیں لیکن آدم علیہ السلام میں صبر جیسا اور کوئی کیمیا نہیں۔
۲۔ جب کوئی حرج اور تنگی میں بند ہو تو صبر کر کیونکہ صبر کشادگی کی کنجی ہے۔
۳۔ میں شکر کرتا ہوں ہر خیر و شر میں کیونکہ قضا میں ہر برائی بھلائی کی ہوتی ہے۔
۴۔ جب ہر امر کا قاسم وہی ہے تو پھر شکوہ کفر ہے۔ صبر کیجئے اس لیے کہ صبر صلہ و انعام کی کنجی ہے۔
۵۔ جملہ عالم ہمارا دشمن ہے صرف اللہ تعالیٰ دوست ہے۔ دوست کا شکوہ دشمن سے کرنا اچھا نہیں۔
۶۔ میں شہد نہیں مانگتا کیونکہ اس میں دوغم لاحق ہوں گے کیونکہ ہر نعمت پہ غم ملتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَذَا النُّوْنِ اور مچھلی والے کو یاد کیجئے۔ نون بمعنی حوت یعنی مچھلی۔ اور ذوالنون سے حضرت یونس بن متی علیہ السلام مراد ہیں۔

ف: متی بفتح المیم وتشدید التاء والقصر۔ بعض نے فرمایا کہ متی یونس علیہ السلام کی والدہ کا نام ہے۔ وکذا فی جامع الاصول، اور حضرت عطاء نے فرمایا کہ میں نے حضرت کعب سے متی کے بارے میں سوال کیا کہ متی یونس علیہ السلام کے والد کا نام ہے یا والدہ کا؟ انہوں نے فرمایا کہ متی ان کے والد کا نام تھا اور ان کی والدہ کا نام بدورہ تھا۔ اور یہ بنیامین صاحب ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھیں اور یونس علیہ السلام کو ذوالنون اور سورۃ ن والقلم میں صاحب الحوت سے یاد کرنے میں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کی مدح وثنا فرمائی ہے وہاں ذوالنون سے یاد فرمایا ہے اور جہاں ان کا صرف واقعہ بیان فرمایا ہے تو وہاں صاحب الحوت کا لقب دیا ہے۔

قاعدہ: لفظ ذو کی اضافت لفظ صاحب کی اضافت سے اشرف واعلیٰ ہوتی ہے اس لئے کہ ذو تابع کی طرف مضاف ہوتا ہے اور لفظ صاحب متبوع کی طرف۔ مثلاً ہم کہتے ہیں: ابوہریرہ صاحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ یہ نہیں کہ ہم کہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صاحب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تھے۔ اور ذو کی شرافت اضافت مشہور ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے ذوالمعالی اور ذوالعرش۔

قاعدہ: ایک اسم کی دوسرے اسم کی طرف اضافت پہلے کا تابع اور دوسرے کا متبوع ہونا ظاہر کرتا ہے۔ یہ قاعدہ اکثریہ ہے کلیہ نہیں۔

نکتہ: چونکہ لفظ نون حروف تہجی میں سے ایک ہے۔ اور حرف نون اوائل السور میں بھی آیا ہے۔ مثلاً ن والقلم الخ اس اعتبار سے لفظ ذوالنون لفظ صاحب الحوت سے اشرف واعلیٰ ہے۔ وکذا قال الامام اسمٰعیل رحمہ اللہ تعالیٰ۔

اِذْ ذَّهَبَ یاد فرمائیے ان کے چلے جانے کے وقت کو **مُغَاضِبًا** اپنی قوم سے ناراض ہو کر کہ انہوں نے ان کی دعوت اسلام کیوں قبول نہیں کی اور ان کی قوم سے اہل نینوی مراد ہیں یہ موصل کی ایک بستی کا نام ہے ان کا قصہ اور ان کے مفصل حالات اور یونس علیہ السلام کی کیفیت ہم نے پیچھے لکھ دی ہے۔

ف: مغاضبا باب مفاعلہ مبالغہ کے معنی پیدا کرنے کے لئے ہے یعنی اس سے ظاہر کرتا ہے کہ یونس علیہ السلام کو اپنی قوم پر سخت ناراضگی ہوئی۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ انہوں نے اپنی قوم سے عذاب کا وعدہ کیا تھا جب وعدے کا وقت قریب آیا تو ان لوگوں نے بارگاہ حق میں عجز و نیاز اور آہ و زاری کی اللہ تعالیٰ کو ان کے حال پر رحم آیا اس لئے ان سے عذاب ٹال دیا چونکہ یونس علیہ السلام انہیں عذاب الٰہی کا وقت بتا کر ناراضگی سے چلے گئے تھے لیکن جب تاریخ معین کے بعد تشریف لائے تو وہ لوگ عذاب سے محفوظ تھے یونس علیہ السلام نے خیال کیا کہ اگر میں ان کے ہاں گیا تو اب وہ میری تکذیب کریں گے اس لئے غضب ناک ہو کر باہر تشریف لے گئے۔ اس کی تفصیل ہم لکھ آئے ہیں۔ حضرت اسمٰعیل حقی

جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہی قول مناسب تر ہے اسی لیے کہ شیخ نجم الدین کی تاویلات کے موافق ہے اور وہ اہل تحقیق کے نزدیک مستحسن بھی ہے۔

فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ تو یونس علیہ السلام نے خیال فرمایا کہ ہم ان پر ہرگز تنگی نہیں کریں گے ۔ یہ قدر علی عیالہ قدرا سے ہے بمعنے اضیق ۔ اور قدرت علیہ الشیٔ بمعنے ضیقت علیہ ہے ۔ گویا اس معنے پر اسے ایک اندازہ پر محدود کر دیا گیا ہے ۔ یہ بغیر حساب کی صفت کی نقیض ہے اگرچہ نبی یونس علیہ السلام معصوم تھے ۔ ان سے ایسا فعل صادر ہونا ممتنع ہے لیکن انہیں اس شخص جیسا قرار دیا گیا جو ایسے وقت ایسا گمان کرے ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ جب انسان پر غضب غالب ہوتا ہے تو اس کی عقل بحال نہیں رہتی بلکہ اس سے نور ایمان بھی غائب ہو جاتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسی بدگمانیاں کرتا ہے جو اس کے شایان شان نہیں اگرچہ کوئی نبوت کا حامل بھی کیوں نہ ہو دیگر نبی علیہ السلام کی اس حالت پر کسی قسم کی گرفت نہیں ہوا سوائے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ کے اندر وہ قوت کاملہ تھی کہ غضب اور غیر غضب میں سوائے حق کے آپ کے دہن مبارک سے اور کوئی شے صادر نہ ہوتی۔

مسئلہ : اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق محبوب ہے کہ اگرچہ کتنے گنہگار یا عذاب کے مستحق بھی ہوں تب بھی اپنے نبی علیہ السلام کے مطالبہ کے باوجود انہیں عذاب میں مبتلا نہیں کرتا بلکہ ان سے چاہتا ہے کہ وہ اس سے استغفار کریں اور عذاب سے گلو خلاصی کے لیے معافی مانگیں۔ چنانچہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا

فاعف عنهم واستغفر لهم ۔

اور جب حضور علیہ السلام کافروں کو بددعا اور لعنت کرنے لگے تو کافروں کی خاطر فرمایا

ليس لك من الامر شئ او يتوب عليهم او يعذبهم فانهم ظلمون ۔

حکایت مروی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام جب اپنی قوم سے ناراض ہو کر بحر روم کی طرف چلے تو کشتی دریا کے لیے تیار تھی آپ بھی لوگوں کے ساتھ کشتی میں بیٹھ گئے ۔ جونہی کشتی دریا کے درمیانی حصے میں پہنچی تو رک گئی، وہ آگے ہلتی تھی نہ پیچھے ہٹتی تھی ۔ ملاحوں نے کہا کہ یہاں کوئی نافرمان اور گنہگار اور اپنے آقا سے بھاگا ہوا انسان بیٹھا ہے جب تک وہ یہاں ہے کشتی نہیں چلے گی اور ہماری عادت ہے کہ ہم پردہ فاش نہیں کرتے بلکہ قرعہ اندازی کرتے ہیں جس کے نام قرعہ نکلا اسے دریا میں پھینک دیتے ہیں ۔ تین بار قرعہ ڈالا گیا ہر بار یونس علیہ السلام کا نام نکلا ۔ آپ نے فرمایا وہ عاصی و آبق بندہ میں ہی ہوں یہ کہہ کر آپ نے خود کو دریا میں چھلانگ لگا دی ۔ آپ کو مچھلی نے لقمہ بنا لیا ۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ میرے اس پیارے بندے کا بال بال بھی محفوظ رہنا چاہیے اس لیے کہ میں نے تیرے پیٹ کو اس کے لیے قید خانہ بنایا ہے یہ تیرا لقمہ نہیں ہے ۔

تفسیر عالمانہ فَنَادٰی یہ فاء فصیحہ ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے دریا میں مچھلی کے پیٹ کے اندر پہنچے تو یونس علیہ السلام نے پکارا فِی الظُّلُمٰتِ تاریکیوں میں۔ یعنی ایک سمندر یا دریا دوسرے مچھلی کا پیٹ تیسرے رات کی تاریکی۔

ف: شیخ سمرقندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ پیٹ مچھلی کی تاریکی شش جہات سے تھی جیسا کہ حضور علیہ السلام کی حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے فرمایا:

میں نے اپنے بھائی یونس کو دیکھا کہ اس کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں اور اس کے اوپر نیچے تاریکی ہی تاریکی ہے اور وہ ان تاریکیوں میں حیران و سرگردان ہے۔

اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ یہ ان تفسیریہ ہے۔

فائدہ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ روح شریف کو دنیا کے عالم کے دریا میں پھینکا گیا تو اسے نفس کی مچھلی نے لقمہ بنا لیا لیکن یہ ظاہر ہے کہ نفس کی آفات سے روح ہمیشہ سالم رہتی ہے یعنی نفس اس کی صفات کے اندر تغیر و تبدل نہیں کر سکتا وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نفس کو ارشاد فرماتا ہے جیسا کہ مچھلی نے یونس کو کچھ نہیں کہا اس لیے کہ روح چند روز تیری قید میں رکھی گئی ہے اسے تیرا لقمہ بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ وہی نامور ہے کہ یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں صحیح و سالم رہے۔ یہ بھی روح کی سلامتی کی علامت ہے کہ وہ باوجود ظلمات یعنی ظلمت نفس اور ظلمت قالب اور ظلمت دنیا میں ہوتا ہے تو بھی پکارتا ہے لَآ اِلٰهَ یعنی کوئی ایسا معبود نہیں جو ان ظلمات سے میری حفاظت کر سکے مجھے ان کی آفات سے بچائے اور مجھے الہام کے ذریعے بتائے کہ اس سخت مقام پر بھی اسے یاد کروں اِلَّآ اَنْتَ سوائے تیرے سُبْحٰنَكَ میں تیری شان کے لائق تیری تنزیہہ بیان کرتا ہوں اور تحقیق کرتا ہوں کہ تجھ کو کوئی شے عاجز نہیں کر سکتی اور مجھے یقین ہے کہ میری آزمائش کسی سبب کے بغیر نہیں ہے۔ مثنوی شریف میں ہے:

ہرچہ بر تو آید از ظلمات غم
آں ز بے باکی و گستاخیست ہم

ترجمہ: جو کچھ تم پر غم کے ظلمات اترے وہ تیری بیباکی اور گستاخی سے ہے۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ظلم کی تنزیہہ کی جائے حالانکہ ظلم کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ کما قال: واللہ خلقکم وما تعملون باوجود اس حضرت یونس علیہ السلام نے ظلم کو اپنی طرف نسبت فرمائی اپنے اظہار عجز اور اپنے لیے استحقاق اور رعایت ادب کی وجہ سے۔ چنانچہ کہا: اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ بے شک میں اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہوں کہ اسے ہلاکت میں ڈالا خود اللہ کی رحمت کی طرف عجلت کی۔ مثنوی شریف میں ہے:

چوں بگیرے جام تسلیم

ایں یقیں دانست از [illegible]

۲ از پدر آموز اے روشن جبیں
ربنا گفت و ظلمنا پیش ازیں

۳ نے بہانہ کرد و نے تزویر ساخت
نے لوائے مکر و حیلت برفراخت

ترجمہ: ۱- جب تم کو کوئی جاہل ہو تو اسے تعلیم دے ایسا انصاف ناروں سے بہتر ہے۔
۲- اے روشن جبیں باپ آدم سے بھی سیکھ کہ انہوں نے پہلے فرمایا تھا: ربنا ظلمنا۔
۳- نہ بہانہ کیا اور نہ ہی مکر کیا، نہ مکر و حیلہ کا جھنڈا لہرایا۔

معراج یونس علیہ السلام

وانش النجلی میں ہے کہ یونس علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے معراج کی استدعا کی اور کہا کہ مچھلی کے پیٹ میں تیرا مشاہدہ نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے معراج کرانے کیلیے مچھلی کو سبب بنایا تاکہ انہیں قرب حق اور مشاہدہ الٰہی نصیب ہو۔ اسی لیے مچھلی کے پیٹ کے اندر زمین کے نچلے حصے میں انہیں وہی نصیب ہوا جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو فوق العرش نصیب ہوا۔ اسی تحیر میں یونس علیہ السلام نے عرض کی

لا الٰہ الا انت سبحٰنک انی کنت من الظّٰلمین۔

یعنی میں اپنے گھر و مقام سے جس طرح تجھے کہتا تھا اس سے میں تیری تنزیہ بیان کرتا ہوں اور میں بہت کمی میں تھا کہ جس طرح تیری شان جلالی بیان کرتا تھا اس میں میری بہت بڑی کوتاہی تھی اس لیے کہ تیری شان عزت اور عظمت بہت بلند و بالا ہے۔ یونس علیہ السلام کا یہ قول حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول "لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک" کی ترجمانی کرتا ہے۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا:

"مجھے یونس بن متی علیہ السلام پر فضیلت مت دو۔"

ف: جب یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں مشاہدات ربانی نصیب ہوئے تو آپ کو وہی مقام اچھا لگا اور یہی چاہا کہ یہیں پر رہ جاؤں کیونکہ دنیا میں ایسے جلوے کہاں، لیکن پھر جلوے ان سے پوشیدہ ہوئے تو حضرت یونس علیہ السلام کو گھبراہٹ ہوئی تو نجات کے لیے دعا مانگی۔ اس پر انہیں اللہ تعالیٰ نے الٰہی محبت کی وحشت سے نجات عطا فرمائی۔

کا قال:

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ پس ہم نے یونس علیہ السلام کے اعتراف پر نہایت لطف طریق سے ان کی دعا کو قبول فرمایا

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جیسے یونس علیہ السلام کو عالم اجسام کی ظلمات سے نجات بخشی ایسے ہی روح کو ظلمات نفس و قالب اور دنیا سے نجات بخشی تاکہ وہ عالم کی ظلمات میں اللہ تعالیٰ کو جدا نہ کیا یاد کرے جیسے وہ عالم ارواح کے انوار میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا تھا تاکہ اللہ تعالیٰ کی خلافت میں عالم غیب و

شفاعت میں اللہ تعالیٰ کے اذن سے نصرت کریں گے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

حدیث شریف میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جو شخص سختی اور مصیبت میں پھنس جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کو اسی کلمہ لا الٰہ الا انت الخ سے پکارے تو اس کی دعا مستجاب ہوگی۔

ف: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت یونس علیہ السلام کو صرف اور صرف اپنے ہی اعتراف ہی نے نجات دلائی۔

اسمِ اعظم صحیح المستدرک میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسمِ اعظم یہ ہے کہ اس کے وسیلہ سے جو بھی دعا مانگی جائے مستجاب ہوتی ہے اور اس کے وسیلہ سے جو بھی دعا مانگی جائے مستجاب ہوتی ہے اور اس کے وسیلہ سے جو سوال کیا جائے عطا کیا جاتا ہے اور اسمِ اعظم لا الٰہ الا انت الخ ہے۔

تفسیر عالمانہ اور ہم نے یونس علیہ السلام کو مچھلی کے لقمے اور دریا سے نجات بخشی کہ آپ کو مچھلی نے چار ساعات یا تین یا سات یا چالیس روز کے بعد کنارے پر پھینکا اور آپ کو اس سے بھی نجات دلائی کہ مچھلی آپ کو اس سے بھی نجات دلائی کہ مچھلی آپ کو سمندروں کے انتہائی مقام اور زمین کی تہہ میں لے گئی تھی۔

ف: بعض نے فرمایا کہ جس وقت یونس علیہ السلام نے دریا میں چھلانگ لگائی تو اس وقت مچھلی نے پانی سے سر باہر نکال کر منہ کھولا ہوا تھا۔

حکایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مچھلی سے فرمایا کہ یونس علیہ السلام کو لقمہ بنا لے لیکن اسے نہ تو زخم آئے نہ اس کی ہڈی ٹوٹے۔ یہاں تک کہ ہم ان کے جسم کو صحیح سلامت رکھیں گے۔ مچھلی یونس علیہ السلام کو پیٹ میں رکھ کر اپنے مسکن میں لے گئی۔ جب مچھلی آپ کو دریا کی تہہ میں لے گئی تو آپ کو کچھ آوازیں محسوس ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ یہ آوازیں کیسی ہیں؟ جواب ملا کہ یہ دریائی جانوروں کی تسبیح ہے۔ اس پر یونس علیہ السلام نے تسبیح پڑھی جسے ملائکہ کرام نے سنا اور عرض کی یا الٰہ العالمین! اجنبی زمین سے یہ کمزور سی آواز کیسی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ یہ معروف آواز غیر معروف جگہ سے کیسی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ آواز میرے بندے یونس علیہ السلام کی ہے جنہوں نے میرے حکم کے بغیر ہجرت کی تو انہیں مچھلی نے لقمہ بنایا ہے۔ فرشتوں نے عرض کی وہ تو تیرے نیک بندے ہیں جن کے نیک اعمال صبح و شام زمین سے آسمانوں تک پہنچتے تھے۔ ایسے نیک بندے کو معاف فرما دیجئے۔ چنانچہ فرشتوں کی شفاعت سے اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم فرمایا کہ انہیں ساحلِ دریا پر پھینک دے۔

وَكَذٰلِكَ اور ایسی نجات کی طرح نُـْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ہم اہلِ ایمان کو غم سے نجات بخشتے ہیں جب وہ غم کے وقت خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں۔

روحانی طبیب حضرت جعفر بن محمد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ان لوگوں سے متعجب ہوں جو چار بلاؤں میں

مبتلا ہوتا ہے تو وہ ان چار کلمات سے غفلت کرتا ہے:

۱۔ غم میں مبتلا ہو تو کثرت سے پڑھے:

لا الٰہ الا انت سبحٰنک انی کنت من الظٰلمین۔

اس لیے کہ غمزدہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے:

فاستجبنا لہ ونجینٰہ من الغم وکذٰلک ننجی المؤمنین۔

۲۔ کسی برائی سے خوفزدہ ہو تو پڑھے:

حسبی اللہ ونعم الوکیل۔

اس لیے ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فانقلبوا بنعمۃ من اللہ وفضل لم یمسسھم سوء۔

۳۔ جسے لوگوں کے مکر و فریب سے خطرہ ہو تو پڑھے:

وافوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد۔

اس لیے کہ ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فوقٰہ اللہ سیاٰت ما مکروا۔

۴۔ جسے بہشت میں داخل ہونے کی رغبت ہو وہ پڑھے:

ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ۔

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے:

فعسٰی ربی ان یؤتین خیرا من جنتک۔

حکایت حضرت قتادہ نے فرمایا کہ ہمیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس کے ایک شخص کی حکایت سنائی گئی جس نے دعا مانگی:

"اے اللہ تعالیٰ! جو سزا مجھے آخرت میں ملنی ہے وہ مجھے دنیا ہی میں دے دی جائے۔"

چنانچہ وہ شخص کسی مرض میں بیمار ہو گیا اور سخت لاغر ہو چکا یہاں تک کہ چڑیا کے برابر اس کا جسم باقی رہ گیا۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی آپ اس کے پاس تشریف لائے تو اس نے آپ کو سر اٹھا کر دیکھا اسے حرکت کرنے کی طاقت نہ تھی۔ عرض کی گئی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ اس طرح کی دعا مانگتا تھا۔ اس دعا کا ترجمہ اوپر مذکور ہوا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: "اے کمزور آدمی! تم اللہ تعالیٰ کی سزا کے متحمل نہیں ہو، تمہیں چاہیے کہ اس کی بارگاہ میں یوں عرض کریں:

اللھم ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار۔

اس سے یہ بیمار انشاءاللہ شفایاب ہوگا۔

ڈراؤنے خواب کا علاج حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! خواب میں بہت ڈرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا مندرجہ ذیل کلمات پڑھ لیا کرو:

اعوذ بکلمات اللّٰہ التامات من غضبہ و عقابہ و شر عبادہ و من ھمزات الشیاطین و ان یحضرون۔

میں اللہ تعالیٰ کے کلمات تامہ کے ساتھ اس کے غضب عذاب اور اس کے بندوں کے شر اور شیاطین کے وسوسوں کہ میرے پاس آئیں سے پناہ مانگتا ہوں۔

مثنوی شریف میں ہے۔

۱ تا فرود آید بلا بے دافعی
چون نباشد از تضرع شافعی

۲ جز خضوع و بندگی و اضطرار
اندریں حضرت ندارد اعتبار

۳ زور را بگذار و زاری را بگیر
رحم سوئے زاری آید اے فقیر

۴ زاری مضطر تشنہ معنویست
زاری سرد دروغ آں غویست

۵ گریۂ اخوان یوسف حیلتست
کہ درونشان پر ز رشک و علتست

ترجمہ: ۱- بلا بے دافع کیا چاہیے جو تو تضرع و زاری سے ہو اور کوئی شے دافع نہیں ہوسکتی۔

۲- خضوع و بندگی و اضطرار کے سوا اس بارگاہ میں کوئی شے کام نہیں آتی۔

۳- زور چھوڑیئے زاری پر عمل کیجئے رحمت الٰہی زاری کی طرف آتی ہے۔

۴- زاری ایک معنوی تشنہ کا مضطر ہے۔ زاری اس کی خلاف ہے تو اس کا نقصان۔

۵- جیسے اخوان یوسف کا گریہ کہ اندر سے حسد و بدخیالی سے تھا۔

وَزَكَرِيَّآ اور یاد کرو بنی اسرائیل کے ایک پیغمبر حضرت زکریا جو لاوی بن یعقوب کی اولاد اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ جب انہوں نے اپنے رب تعالیٰ سے دعا مانگی۔ رَبِّ اے میرے اللہ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا یہ عبارت جیسا اپنے مالک کو بطور تضرع اور دعا کے عرض کرتا ہے گویا زکریا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی اے میرے اللہ کریم! مجھے بچہ عطا فرما مجھے اکیلا (لاوارث) نہ چھوڑ۔

ف: جب زکریا علیہ السلام کی عمر مبارک ایک سو بیس سال اور آپ کی زوجہ محترمہ کی اٹھانوے سال کو پہنچی تو اتنا طویل عرصہ اولاد نہ ہونے کے باعث انہیں اولاد کی خواہش ہوئی تاکہ اس سے نیکی بجا لائیں اور دنیوی و دینی امور میں تقویت حاصل ہو اور ان کے وصال کے بعد ان کی اولاد ان کی مسند نشین ہو۔ اسی لیے سوال ایسے لہجے میں کیا "سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے" کا اثر تھا۔

وَاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ اور تو بہتر وارث ہے جو کسی کے مرنے کے بعد باقی رہے اور میں اس پر بھی خوش ہوں اگر مجھے اولاد سے نوازا جائے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا مطلوب ہے کہ وہی تمام مخلوق کی فنا کے بعد باقی رہے گا اور تمام زمین و آسمان اسی کی ملک ہیں۔ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ پھر ہم نے اس کی دعا اس کے بچے کے حق میں دعا مستجاب فرمائی کما قال وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى اور ہم نے انہیں عطا فرمایا یحییٰ (علیہ السلام)۔ وراثت کے حق میں زکریا علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اس لیے کہ یحییٰ علیہ السلام اپنے والد گرامی سے پہلے شہید کر دیے گئے۔

سوال: اس طرح سے زکریا علیہ السلام کی استجابت نہ ہوئی اور تم (سُنّی) کہتے ہو کہ ہر نبی علیہ السلام کی ہر دعا مستجاب ہوتی ہے۔

جواب: اس دعا کا قبول نہ ہونا ایسے ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام کی آزر کے حق میں دعا کا حال تھا۔ اس کے جوابات ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔

(صاحب روح البیان اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ)

فان الانبیاء علیہم السلام وان کانوا مستجابی الدعوۃ لکن اثر بعض الدعوات لا یظہر فی ھذا الموطن للحکمۃ الالٰہیۃ۔	اگرچہ انبیاء مستجاب الدعوات ہوتے ہیں لیکن ان کی بعض دعاؤں کا اثر ظاہر نہیں ہوتا اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت ہوتی ہے۔

وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ اور ہم نے زکریا علیہ السلام کی زوجہ ایشاع بنت عمران یا بنت فاقود کو بچہ جننے کے لائق بنا دیا حالانکہ وہ بانجھ تھی اور وہ اٹھانوے سال کو پہنچ چکی تھیں اور اس سن میں ان سے بچہ جننے کی صلاحیت ممکن نہیں ہوتی۔ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ یہ پیغمبران عظام علیہم السلام کا ذکر خیر ہوا ہے یہ سب نیکی کرنے میں جلدی کرتے تھے۔

ف : انھم کا ضمیر ذکریا اور ان کی زوجہ اور یحییٰ علیہم السلام کی طرف یا بلا تکرار انبیا علیہم السلام کی طرف راجع ہے۔ اس سے مقصود ان حضرات پر جو احسانات کی تفصیل کی علت کا اظہار مطلوب ہے۔ مثلاً موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو تورات عنایت فرمائی جو انھیں حق و باطل کا فرق بتاتی۔ اور ابراہیم علیہ السلام پر نار گلزار کر دی گئی۔ اور لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات بخشی۔ اور نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم کو طوفان سے بچایا اور قوم کی ایذا رسانی وغیرہ سے محفوظ فرمایا۔ اسی طرح دوسرے انبیا علیہم السلام پر الطاف کی بارش ہوئی۔ تو یہ حضرات ان نعمتوں کی ادائیگی کے شکر میں خیرات یعنی ہر طرح کی نیکیوں میں جلدی کرتے اور یہ اصل نیکیاں ان سے مطلوب تھیں۔ اور یہ بات مسلّم تھی اس لیے یہاں پر یسارعون کا صلہ لفظ الیٰ کے بجائے لفظ فی لایا گیا ہے جو دلالت کرتا ہے کہ وہ اصل خصوصیات متعلقہ کے ساتھ ہر قسم کی نیکیوں سے بہرہ ور تھے ورنہ سارعوا کے ساتھ عموماً لفظ الیٰ آتا ہے۔ کما قال تعالیٰ: وسارعوا الی مغفرۃ من ربکم وجنۃ (الآیۃ)

ف : امام راغب نے فرمایا: الخیر وہ شے جس کے حصول میں ہر ایک کو رغبت ہو۔ یہاں پر خیر مطلق مراد ہے اس کی نقیض الشر آتی ہے۔

وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا یہ حال ہے بمعنی راغبین فی اللطف والجمال۔ وَرَهَبًا بمعنی راہبین بمعنی خائفین من القہر والجلال۔ یا ان دونوں کا معنی راغبین فینا و خائفین مما سوانا۔ یعنی ہماری ذات کی رغبت اور ہمارے ما سوا سے خوف کرنے والے۔ اور الرغبۃ بمعنی السعۃ فی الارادۃ۔ مثلاً کہا جاتا ہے: رغب الشیء بمعنی اتسع۔

قاعدہ: رغب فیہ والیہ یعنی جب رغبت کا صلہ فی یا الیٰ واقع ہو تو وہاں اس شے کی حرص مطلوب ہوگی اگر اس کا صلہ عن آئے تو اس شے سے نفرت اور زہد (بے رغبتی) مراد ہوگی۔ اور الرغیبۃ بمعنی العطاء الکثیر۔ اس لیے کہ وہ مرغوب و مطلوب ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے اس کا اشتقاق اصل معنی یعنی رغبۃ بمعنی سعۃ سے ہوا۔ اسی معنی سے لے کر چند مخصوص راتوں کو لیلۃ الرغائب کہا جاتا ہے بمعنی لیلۃ العطایا الجزیلۃ۔ اسی طرح کہا جاتا ہے: فلان یعطی الرغائب من یشاء و یمنعہم۔ یعنی فلاں جسے چاہتا ہے تو بے شمار عطایا سے نوازتا ہے وغیرہ۔ الرھبۃ بمعنی تحرک و اضطراب کے ساتھ کسی سے خوف زدہ ہونا۔

وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ المتضرعین، متواضعین یعنی عجز و نیاز سے ہماری عبادت کرنے والے۔ اگرچہ خشوع کا اطلاق صرف ظاہری جسم کے عجز و نیاز پر ہوتا ہے لیکن یہاں ظاہری و باطنی خشوع و خضوع مراد ہے اس لیے کہ انبیا علیہم السلام کے ذوات قدسیہ ہوتی ہیں جو قلب و قالب دونوں طرح سے اللہ تعالیٰ کے لیے خاشع و خاضع ہوتے ہیں۔

ف : ظاہری طور پر موٹی روٹی کھانا اور موٹے کپڑے پہننا اور سرنگوں رہنا لیکن دل میں خلوص نہ ہو اور قلب خوف الٰہی سے کورا ہو تو ایسا انسان ریاکار اور اللہ تعالیٰ سے کوسوں دور ہوتا ہے۔

۱ در آوازہ خواہی در اقلیم فاش
برون حلہ کن گو درون حشو باش

۲ بہ نزدیک من شب رو راہ زن
بہ از فاسق پارسا پیرہن

۳ چہ قدر آورد بندۂ حوردیش
کہ زیر قبا دارد اندام پیس

ترجمہ: ۱۔ اگر جہاں میں اپنا نام چاہتا ہے ظاہر کو اچھا کر اگرچہ اندر روئی ہو۔

۲۔ میرے نزدیک رہزن ڈاکو اس فاسق سے بہتر ہے جو اندرونی طور مجرم ہے باہر سے پارسا۔

۳۔ وہ کیا قدر پائے گا جو اچھے کپڑوں سے اپنے آپ کو اچھا بناتا ہے۔

اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ وہ حضرات انبیاء علیہم السلام ان مراتب علیا کو انہی خصائل حمیدہ و فضائل کاملہ کی وجہ سے پہنچے جو شخص بھی ان مراتب و کمالات کو پہنچنا چاہتا ہے تو اسے بھی انہی حضرات کے اخلاق و عادات پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔

وَالَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا اس سے مائی بی بی مریم بنت عمران مراد ہیں۔ الحصن ہر وہ مقام جو نہایت محکم اور مضبوط ہو یعنی کہ اندر آسانی سے کوئی نہ پہنچ سکے۔ اسے کہا جاتا ہے۔

احصنہ یعنے جعلہ فی حصن و حرز۔ فلاں نے فلاں کو محفوظ اور مضبوط بنایا ہے۔

یہ اس کا حقیقی معنیٰ ہے۔ مجازاً ہر تعرض سے بچا جاتا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں: امرأۃ حصان بروزن سحاب یعنے عفیفہ یا شادی شدہ عورت۔

حل لغات: الفرج والفرجۃ یعنے دو چیزوں کے درمیان کا فرجہ (کشادگی)۔ جیسے فرجۃ الحائط یعنی دیوار کا سوراخ۔ ایسے ہی دو پاؤں کے درمیان والی جگہ کو بھی فرج (شرمگاہ) کہتے ہیں اور اب کثرت اسی کے لیے استعمال ہونے لگا ہے۔ یہاں تک کہ مطلقاً یہی لفظ استعمال کرتے وقت سوائے اس کے اور کوئی معنیٰ مراد نہیں ہوتا۔ اور الفرج بمعنے انکشاف الغم بھی آتا ہے۔ اور مرغی کے بچوں کو فراریج اسی لیے کہا جاتا ہے کہ انڈے ان کے چھلکے سے پھٹ جاتے ہیں۔

آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! مریم کا واقعہ یاد کیجئے کہ اس نے اپنی شرمگاہ حلال و حرام سے محفوظ فرمائی اور اپنے آپ کو پاک رکھا۔ یعنی ان کے دامن عصمت تک کسی کا ہاتھ نہیں پہنچا تھا۔

ف: امام سہیل نے فرمایا کہ یہاں سے قمیص کا فرج مراد ہے یعنی ان کے کپڑوں پر کسی قسم کی نجاست نہیں پڑی تھی اور ان کے کپڑے ہر طرح کی نجاستوں سے پاک تھے۔ یاد رہے کہ قمیص میں چار جگہوں میں کشادگی ضروری ہے

(۲) (۲) دونوں مستثنیٰ (۳) اور (۴) شیخ کا حصر۔ اس سے بی بی صاحبہ پر کوئی بدگمانی نہ کی جائے۔ اس سے ان کی پاکدامنی کی طرف لطیف اشارہ فرمایا ہے۔

فَنَفَخْنَا فِيهَا ترجمہ: ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کی روح کو ان کے پیٹ کے اندر پھونک مار کر اس میں پیدا فرما دیا۔ نفخ کے لغوی معنی منہ سے ہوا نکالنا ہے جیسے فنفخنا فیہا اس روح سے جو ہمارے حکم سے تھی۔ حالت مذکورہ کو اس پھونکنے والے سے تشبیہ دی گئی ہے جو کسی شے کو پھونک کر کسی شے میں داخل کرتا ہے اس تقریر پر فنفخنا استعارہ تبعیہ ہے۔

ف: بعض نے فرمایا کہ روح قدس کے حکم سے قدس نے پھونکا۔ اس میں قدس کے فعل کو قدس کی طرف منسوب کیا ہے جو کمال اختصاص سے بی بی مریم کی تعریف کی گئی ہے۔ روح پھونکنے کا قصہ سورہ مریم میں ہم نے بیان کیا ہے۔ **وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا** اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم اور ان کی ماں کو ان کے صاحبزادے کے حال کو بنایا **آيَةً** بہت بڑی نشانی **لِّلْعَالَمِينَ** جہان والوں کے لیے ان کا معاملہ جو دور اور آنے والے انسانوں کے لیے اپنی قدرت کاملہ کے لیے بہت بڑی دلیل بنائی اور اس حقیقت کو واضح کردیا تاکہ لوگوں کو سمجھنے میں آسانی ہو کہ بی بی پاکدامن سے شوہر کے بغیر بچے کا پیدا ہو جانا اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے سوا نہیں ہو سکتا ہے۔

سوال: آیتین کہنا چاہیے کیونکہ بی بی صاحبہ اور ان کے صاحبزادہ کا حال علیحدہ علیحدہ قدرت کاملہ کی دلیل ہیں۔

جواب: اگرچہ بظاہر دو حالتیں ہیں لیکن درحقیقت ایک واقعہ ہے اسی لیے دونوں کو آیۃ سے تعبیر فرمایا ہے اس لیے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کو بغیر قدرت کاملہ کی دلیل بنایا گیا ہے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دونوں علیحدہ علیحدہ بہت بڑے دلائل پر مشتمل ہیں جو انہیں کتب تفسیر اور قصص میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے۔

۱ صومعۂ عیسیست خوانِ اہلِ دل — ہاں و ہاں اے مبتلا ایں در مہل
۲ جمع گشتندی ز ہر اطرافِ خلق — از ضریر و شل و لنگ و اہلِ دلق
۳ بر درِ آں صومعۂ عیسیٰ صباح — تا بدم اوشاں رہاند از جناح
۴ او چو فارغ گشتی از اورادِ خویش — چاشتگہ بیروں شدی آں خوب کیش
۵ جوق جوقی مبتلا دیدی نزار — شستہ بر در در امید و انتظار
۶ گفتی اے اصحابِ آفت از خدا — حاجت و مقصود جملہ شد روا
۷ چاشت وقت جملہ شاداں در رواں — از دعائے او شدندی پادواں
۸ از دمِ اہلِ دل و آبِ حیات — چند نوشیدی بما شب شربات
۹ آزمودی تو بسی آفاتِ خویش — یافتی صحت ازیں شاہانِ کیش
۱۰ باز ایں در را تو کردی ز حرص — [illegible]
۱۱ [illegible] — [illegible]

۱۲ چو شفا یابند اگر جانہا فزو شود   کارہا امید ایشاں بہ شود

ترجمہ: ۱۔ اہلِ دل کے لیے عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت گاہ ایک دستر خوان ہے اسے مت چھوڑیئے۔

۲۔ ہر طرف سے اندھے، لنگڑے، لولے، لنجے اور گدڑی پوش اس دستر خوان پر جمع ہوتے۔

۳۔ عیسیٰ علیہ السلام اس عبادت خانے سے باہر تشریف لا کر ان پر پھونک مارتے۔

۴۔ عیسیٰ علیہ السلام اپنے اوراد و وظائف سے چاشت کے وقت فارغ ہو کر باہر تشریف لاتے۔

۵۔ جوق در جوق آئے ہوئے بیماروں کو دیکھتے جو امیدِ شفا کے لیے آپ کے دروازے پر بیٹھے ہوئے ہوتے۔

۶۔ فرماتے: اے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی آفت میں مبتلا ہونے والو! تمہاری حاجات اور مقاصد پورے ہو گئے۔

۷۔ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے شفا یاب ہو کر شاداں و فرحاں گھر کو لوٹتے۔

۸۔ دل کے درد کے لیے اہلِ آبحیات سے تو نے پانی پیا اور شفا ملی۔

۹۔ تو نے اپنی بڑی آفات آزمائیں ان شاہوں سے تو نے صحت پائی۔

۱۰۔ پھر دل سے ان کی دوائیں لیں اور ہر دکان پر پھرا۔

۱۱۔ جب دیگوں دیگوں سے کچھ لینے کے لیے دوڑتا رہا۔

۱۲۔ جب تجھے یقین ہو گیا کہ ان سے تیرا جسم موٹا ہو گیا اور جان پر ناامیدی سے امید ملی۔

معجزۂ عیسیٰ علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے ایک معجزہ یہ تھا کہ آپ کو والدہ ماجدہ ایک رنگریز کے پاس لے گئیں اور فرمایا کہ اے رنگریز! اسے رنگریزی کا کام سکھا دے۔ اس نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے پاس بٹھا لیا۔ بی بی صاحبہ چلی گئیں۔ اس نے پوچھا: آپ کا کیا نام ہے؟ آپ نے فرمایا: عیسیٰ بن مریم۔ اس نے کہا: اے عیسیٰ (علیہ السلام)! اس مٹکے کو اٹھا کر فلاں نہر سے پانی لاؤ اور ان تمام مٹکوں کو بھر دو۔ پھر رنگریز نے آپ کو چند کپڑے دیے اور کہا کہ ہر کپڑے کے رنگ کو ایک مٹکے میں ڈال دو۔ جب رنگریز چلا گیا تو عیسیٰ علیہ السلام نے تمام کپڑے اور رنگ ایک ہی مٹکے میں ڈال دیے اور والدہ کی خدمت میں چلے گئے۔ پھر کل اس رنگریز کے ہاں لوٹے۔ رنگریز نے دیکھا کہ تمام کپڑے اور رنگ ایک ہی مٹکے میں ڈال دیے گئے ہیں تو سخت ناراض ہوا اور کہا کہ آپ نے مجھے سخت نقصان پہنچایا اور لوگوں کے کپڑے بھی ضائع کر دیے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے پوچھا: تو کس دین پر ہے؟ کہا: میں یہودی ہوں۔ آپ نے اسے فرمایا کہ لا الٰہ الا اللّٰہ عیسیٰ روح اللّٰہ۔ اس کے بعد مٹکے میں ہاتھ ڈال کر جس رنگ کا کپڑا چاہتے اٹھاتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس رنگریز کو ہدایت بخشی تو جیسے چاہا ویسا رنگا ہوا کپڑا پایا۔

اِنَّ هٰذِهٖٓ هٰذِهٖ کا اشارہ ملتِ توحیدِ اسلام کی طرف ہے۔ اس میں تنبیہ ہے کہ ملت صحت و سداد میں روشن ہے اُمَّتُكُمْ اے لوگو! تمہاری ملت اسی دینِ حق ہے کہ اس کے حدود کی محافظت اور اس کے جملہ حقوق کی رعایت کی جائے گی

کو ایک ہی دین کی ماننے والی جماعت اُمَّةً وَّاحِدَةً یہ اُمَّتُکُمْ سے حال واقع ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ یعنی تمام انبیاء کی ملت ایک ہے کسی ایک نبی علیہ السلام کی ملت دوسرے انبیاء علیہم السلام کی ملتوں سے مختلف نہیں اس لیے کہ اصول و عقائد میں سب کے سب ایک تھے اصولی طور پر بھی ان کی ملت کے اصول میں اختلاف نہیں تھا البتہ مختلف اعصار اور دوروں کے مختلف حالات کی وجہ سے فروعی و احکام ظاہرہ میں اختلاف تھا۔

حل لغات: قاموس میں ہے کہ اُمت اس جماعت کو کہتے ہیں جس کی طرف رسول علیہم السلام مبعوث ہوئے۔ دراصل اس جماعت کو کہا جاتا ہے جو ایک دین پر مجتمع ہو پھر وسعت دے کر اس کا ملت پر اطلاق کیا جانے لگا جس پر لوگ مجتمع ہو گئے ہوں۔ یہ اُم سے مشتق ہے بمعنی قصد۔ اور وہ جماعت جو کہ ملت پر اجتماع کا ارادہ رکھتی ہے اسی لیے اسے اُمت سے تعبیر کیا گیا اور ملت پر اس لیے کہ وہ لوگوں کا مقصود ہے۔

وَاَنَا رَبُّكُمْ اور میں ہی تمہارا رب ہوں میرے سوا اور کوئی عبادت کا مستحق نہیں فَاعْبُدُوْنِ پس صرف میری عبادت کرو میرے سوا کسی کی عبادت نہ کرو وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ اس میں خطاب سے غائب کی طرف التفات ہے

حل لغات: التقطع بمعنی کسی شے کو جدا کرنا مدرک بالبصر ہو جیسے اجسام یا مدرک بالبصیرۃ ہو جیسے اشیاء معقولہ۔ اور تفعل کا باب یہاں متعدی ہو کر استعمال ہوا ہے۔ اور یہ باب متعدی ہو کر بھی استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے

علمتہ الفقہ فتعلم الفقہ۔

(میں نے اسے فقہ کی تعلیم دی تو اس نے فقہ کو سیکھ لیا)

اب معنی یہ ہوا کہ لوگوں نے دین کے معاملات کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور اس میں ایسا اختلاف برپا کیا کہ وہ آپس میں کئی فرقے بن گئے۔ گویا کہا گیا ہے کہ دیکھو ان بیہودوں نے کتنا بڑا جرم کیا کہ جس ملت پر تمام انبیاء متفق تھے انہوں نے اختلاف برپا کیا کہ آپس میں کئی گروہ ہو گئے۔ گویا ہر ایک جماعت نے دین کا ایک ٹکڑا علیحدہ کر لیا اس طرح سے ہر گروہ دین کا ایک علیحدہ ٹکڑا لے کر بیٹھا اور پھر ایک دوسرے کو لعنت اور ایک دوسرے سے بیزاری کا اظہار کرنے لگے۔

کاشفی نے لکھا کہ امم سابقہ کے لوگوں نے اپنی علیحدہ علیحدہ جماعت بنا ڈالی یعنی فرقہ فرقہ ہو گئے جیسے یہود و نصاریٰ۔ اور ایک دوسرے کو کافر جانتے تھے۔

ف: ابراہیم علیہ السلام کے وصال مبارک کے بعد ان کی امت بہتر فرقوں میں، موسیٰ علیہ السلام کی امت اکہتر (فرقوں میں) عیسیٰ علیہ السلام کی امت بہتر فرقوں میں اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت تہتر فرقوں میں بٹ گئی۔ سوائے ایک جماعت کے باقی سب جہنم میں جائیں گے۔ وہ جماعت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے معین کردہ عقائد و مسائل سے اجتناب النفس میں سرمو نہ ہٹے گی[1]

(باقی برصفحہ)

---

[1] دور حاضر میں یہ دولت اہلسنت و جماعت یعنی بریلوی احباب کو نصیب ہے۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ
تو جو کچھ بھلے کام کرے اور ہو ایمان والا تو اس کی کوشش کی بے قدری نہیں اور ہم اسے

كٰتِبُوْنَ (94) وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ (95) حَتّٰٓى
لکھ رہے ہیں اور حرام ہے اس بستی پر جسے ہم نے ہلاک کر دیا کہ پھر لوٹ کر آئیں یہاں تک کہ

اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ (96) وَاقْتَرَبَ
جب کھولے جائیں گے یاجوج و ماجوج اور وہ ہر بلندی سے ڈھلکتے ہوں گے اور قریب آیا

الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا
سچا وعدہ تو جبھی آنکھیں پھٹ کر رہ جائیں گی کافروں کی کہ ہائے ہماری خرابی بیشک

فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ (97) اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
ہم اس سے غفلت میں تھے بلکہ ہم ظالم تھے بیشک تم اور جو کچھ اللہ کے سوا تم پوجتے ہو

حَصَبُ جَهَنَّمَ ۭ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ (98) لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَاۗءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ۭ
سب جہنم کے ایندھن ہو تمہیں اس میں جانا اگر یہ خدا ہوتے جہنم میں نہ جاتے

وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (99) لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ (100) اِنَّ الَّذِيْنَ
اور ان سب کو ہمیشہ اس میں رہنا وہ اس میں رینکیں گے اور وہ اس میں کچھ نہ سنیں گے بیشک وہ جن کے لیے

سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰۗىِٕكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ (101) لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ
ہمارا وعدہ بھلائی کا ہو چکا۔ وہ جہنم سے دور رکھے گئے ہیں وہ اس کی بھنک نہ سنیں گے

وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ (102) لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ
اور وہ اپنی من مانتی خواہشوں میں ہمیشہ رہیں گے انہیں غم میں نہ ڈالے گی وہ سب سے بڑی گھبراہٹ

تَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ ۭ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (103) يَوْمَ نَطْوِي
اور فرشتے ان کی پیشوائی کو آئیں گے کہ یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ تھا جس دن ہم آسمان کو

السَّمَاۗءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۭ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۭ وَعْدًا عَلَيْنَا ۭ
لپیٹیں گے جیسے سجل فرشتہ نامۂ اعمال کو لپیٹتا ہے جیسے پہلے اسے بنایا تھا ویسے ہی پھر کر دیں گے یہ وعدہ ہے ہمارے ذمہ

اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ (104) وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ
ہم کو اس کا ضرور کرنا اور بیشک ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھ دیا کہ اس زمین

يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿١٠٥﴾ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ﴿١٠٦﴾ وَمَا

کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے بیشک یہ قرآن کافی ہے عبادت والوں کو اور ہم نے

اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٧﴾ قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے تم فرماؤ مجھے تو یہی وحی ہوتی ہے کہ تمہارا خدا نہیں مگر ایک

فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿١٠٨﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ وَاِنْ اَدْرِيْۤ

تو کیا تم مسلمان ہوتے ہو پھر اگر وہ منہ پھیریں تو فرما دو میں نے تمہیں لڑائی کا اعلان کر دیا برابری پر اور میں

اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿١٠٩﴾ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا

کیا جانوں کہ پاس ہے یا دور ہے وہ جو تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے بیشک اللہ جانتا ہے آواز کی بات اور جانتا ہے جو

تَكْتُمُوْنَ ﴿١١٠﴾ وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿١١١﴾ قُلْ

تم چھپاتے ہو اور میں کیا جانوں شاید وہ تمہاری جانچ ہو اور ایک وقت تک برتوانا نبی نے عرض کی

رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿١١٢﴾

کہ اے میرے رب حق فیصلہ فرما دے اور ہمارے رب رحمٰن ہی کی مدد درکار ہے ان باتوں پر جو تم بتاتے ہو

(بقیہ تفسیر صفحہ ۱۰۰۰) كُلٌّ اِلَيْنَا تمام گروہ ہمارے ہاں رٰجِعُوْنَ لوٹیں گے۔ یعنی قیامت میں انہیں قبور سے نکال کر حساب کے لیے ہمارے ہاں حاضر کیا جائے گا پھر ہم انہیں ان کے اعمال کی جزا و سزا دیں گے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ خلق اپنے معاملات میں متفرق ہوئی۔ بعض وہ ہیں جنہوں نے دنیا چاہی اور بعض نے آخرت طلب کی اور بعض طالب مولیٰ ہوئے۔ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ تمام ہمارے ہاں حاضر ہوں گے تو پھر طالب دنیا تو ہمارے قہر کا نشانہ بنے گا اور اسے جہنم میں دھکیلا جائے گا اور آخرت کے طالب کو لطف و کرم کا مصدر بنایا جائے گا یعنی اسے بہشت نصیب ہوگی اور طالب مولیٰ کو ہماری وحدانیت نصیب ہوگی۔

تفسیر عالمانہ ربط: اس آیت میں مذکورہ بالا اعمال کی جزا و سزا کی تفصیل بتائی جا رہی ہے۔ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ پس جو کوئی بعض اعمال صالحہ بجا لاتا ہے وَهُوَ مُؤْمِنٌ درانحالیکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتا ہے فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ تو اسے اعمال صالحہ کی جزا میں محروم نہیں رکھا جائے گا۔ کفران کو عمل صالح کی جزا کی منع سے استعارہ کیا گیا ہے جیسا اس کی جزا کو شکر سے تعبیر کیا جاتا ہے گویا رد العمل اور منع ثواب کو کفران سے تشبیہ دی گئی ہے جو نعمت کے چھپانے اور انکار کے معنے میں آتا ہے۔ اسی طرح قبول عمل اور اعطائے ثواب کو شکر سے تشبیہ دی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ربنا لغفور شکور۔ اور السعی تیز چلنے کو کہا جاتا ہے جو عدو کے مفہوم سے کم ہوتا ہے۔ کسی کام میں جو جد و کوشش ہو اس سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

وہ کام اچھا ہو یا برا لیکن اب اکثر افعال محمودہ میں استعمال کیا جاتا ہے۔ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ اور ہم اس کی سعی کو اس کے عمل نامہ میں لکھ دیں گے اس کی سعی کا کوئی حصہ بھی نہیں رہ جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی کی نیکی ضائع نہیں ہوتی اس لیے کہ وہ دونوں جہانوں میں محسنین کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔ وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ۔ حرام مبتدا لا یرجعون کی خبر ہے۔ یہ سابق جملہ کل الینا راجعون کے مضمون کی تقریر کے لیے ہے

حل لغات۔ حرمان کا لفظ شے کے ممنوع الوجود کے لیے ہے یعنی دونوں ان کے لیے ممنوع الوجود ہیں اور انہیں ان سے کوئی تعلق نہیں۔ سبب نہ کہنا چاہیے۔ القریۃ بڑے شہر کو کہا جاتا ہے و کذا فی القاموس۔ اور اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں لوگوں کا اجتماع ہو (کذا فی المفردات)

یعنی قریہ کا اطلاق بڑے شہر اور بستی دونوں پر ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ لفظ حرام سے نفی کا معنی مستفاد ہوتا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ جو شہر اور بستیاں عذاب الٰہی سے تباہ و برباد ہوئیں وہ ہمارے ہاں جزا کے لیے حاضر نہیں ہوں گی بلکہ ان کے لیے جہنم لازم ہو چکی ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ قیامت میں وہ مرنے سے اٹھیں گے بھی نہیں۔

سوال: عدم رجعت میں صرف ان کی تخصیص کیوں حالانکہ یہی معاملہ تو ہر ایک کافر سے ہوگا۔

جواب: وہ کہ صرف وہی قیامت کی حاضری کے منکر تھے اس لیے ان کا ذکر خصوصیت سے ہوا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اہل ہوا و اہل بدعت (اعتقادی) کے قلوب گندے اعتقادات کی وجہ سے تباہ و برباد ہیں اور خباثت شرعیہ کی وجہ سے ویران ہیں اور وہ ان غلط اعتقادوں سے توبہ کر کے جناب الٰہی کا رخ بھی نہیں کرتے۔ اس مضمون کی تائید آخری آیت من اتخذ الٰہہ ہواہ و اضلہ اللہ علی علم سے بھی ہوتی ہے۔

تفسیر عالمانہ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ۔ حتیٰ جارہ ہے نہ عاطفہ بلکہ ابتدائیہ ہے اور وہ ہے کلام جس سے اس کلام کا آغاز کیا جاتا ہے جو ما قبل کے مضمون کی غایت پر دلالت کرے۔ گویا یوں کہا گیا ہے کہ یہ لوگ اپنی ہلاکت پر دوام کریں گے یہاں تک کہ قیامت قائم ہوگی پھر کہیں گے یا ویلنا الخ۔ یاجوج و ماجوج انسانوں کے قبیلوں کا نام ہے جیسا کہ مشہور ہے کہ انسان کے دس اجزا میں سے نو حصے یاجوج و ماجوج ہیں صرف ایک حصہ باقی تمام انسان ہیں۔ فتحت سے سد سکندری کا کھل جانا مراد ہے گویا یہاں مضاف محذوف ہے۔ دراصل عبارت ہے سد یاجوج و ماجوج تھی۔ مضاف الیہ اسی محذوف مضاف کے قائم مقام ہے یاجوج ماجوج اور سد سکندری اور ان کا قرب قیامت میں ظاہر ہونے کی تفصیل ہم نے سورہ کہف کے آخر میں عرض کر دی ہے۔ وَهُمْ اور وہ یعنی یاجوج و ماجوج مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ۔ حدب اونچی زمین اور ٹیلے کو کہا جاتا ہے۔ امام راغب نے فرمایا کہ حدب دراصل پیٹھ کے باہر نکلنے اور سینے اور پیٹ کے اندر گھس جانے یعنی کبڑے ہونے کو کہتے ہیں۔ اسی معنی سے زمین کی اونچائی کو تشبیہ دی گئی ہے اور محدب الفلک

کر دیا اسی جہت سے دیا گیا ہے۔ اور ینسلون بمعنی ینزلون سامعون یعنی جلدی سے اتریں گے۔ در اصل نسل بمعنی الخروج الاسراع۔ اور بحر العلوم میں ہے کہ نسل الذئب اس وقت بولتے ہیں جب بھیڑیا چلنے میں جلدی کرے۔ اب معنی یہ ہوا کہ یاجوج ماجوج لوگوں کی طرف ہر اونچی جگہ سے اتر کر زمین پر پھیلتے ہوں گے۔ چنانچہ جب وہ نکلیں گے تو تمام عالم کو گھیر لیں گے اور تمام دریاؤں کا پانی پی جائیں گے اور دنیا کی تمام خشک اور تر چیزیں کھا جائیں گے۔ **وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ** اس کا عطف فتحت پر ہے اور اس سے نفخۂ ثانیہ کا وقت مراد ہے اس لیے کہ اسی نفخۂ ثانیہ کے بعد ہی قبروں سے اٹھنا اور حساب دینا اور جزا و سزا پانا ہوگا۔ **فَاِذَا هِیَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا** یہ جواب ہے شرط کا اور اذا مفاجاتیہ ہے اور ضمیر قصہ کی ہے اور شاخصۃ ابصار الذین الخ کی خبر مقدم ہے اور جملہ ضمیر قصہ کی خبر اور اس کی تفسیر ہے۔

حل لغات: شخص بصرہ فھو شاخص اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اپنی دونوں آنکھیں کھول دے اور پھر انہیں جھپکنے نہ دے بلکہ انہیں کھول رکھے اور شخص شخوصا بمعنی فتح ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ قیامت میں کفار کی حالت یہ ہوگی کہ ان کی آنکھیں حیران اور کھلی رہیں گی۔

مسئلہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ یاجوج ماجوج کے خروج کے بعد فوراً قیامت قائم ہو جائے گی۔

حدیث شریف مروی ہے کہ یاجوج ماجوج کے خروج کے بعد گھوڑے پر زین رکھنے کے بعد اس پر سوار ہونے کا وقت بھی نہیں ملے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔

سوال: واقترب الوعد الحق اور سد سکندری کا کھلنا دنیا کے آخری ایام میں ہوگا اور شخوص ابصار کفار قیامت کے میدان میں ہوگا اور یہ دونوں شرط و جزا ہیں اور شرط و جزا کا ایک وقت ہونا ضروری ہے اور یہاں وقت کا اتحاد نہیں۔

جواب: دنیاوی وقت کا تفاوت کالعدم قرار دیا گیا ہے۔

یٰوَیْلَنَا یہاں یقولون فعل محذوف ہے اور الذین کفروا سے حال ہے۔ گویا عبارت یوں ہے یقولون یویلنا تعال فھذا اوان حضورک۔ یعنی کافروں کا حیرانی کے عالم میں یہ حال ہوگا وہ کہیں گے کہ اے ویل! آ جا۔ یہی تیری حاضری کا وقت ہے۔ **قَدْ كُنَّا فِیْ غَفْلَةٍ** بیشک ہم دنیا میں بہت بڑی غفلت میں تھے۔ قلت تحفظ و تیقظ سے سہو کے طاری ہونے کو غفلت کہا جاتا ہے۔ **مِّنْ هٰذَا** اس حاضری اور جزا سے اور ہمیں اس کی حقانیت کا یقین نہیں آتا تھا۔ **بَلْ كُنَّا ظٰلِمِیْنَ** ماقبل کی صفت سے اعراض ہے یعنی آیات اور عذاب الٰہی سے ڈرانے والوں کی باتوں کی طرف التفات و فکر کے نہ ہونے سے غفلت کا شکار ہوئے بلکہ ان آیات کو ٹھکرا کر اپنے نفسوں پر بہت ظلم کیا اور اپنے آپ کو عذاب الٰہی کے سپرد کر دیا اور تکذیب کی وجہ سے ہمیں دائمی عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا۔

سبق: اس سے عاقل کو فکر کرنا لازمی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کیسی بہترین نصیحت فرما کر اپنے عذاب سے بچانے کے اسباب بتاتے ہیں۔

حدیث قدسی قیامت میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے جن وانس! میں نے دنیا میں تمہیں بہت نصیحت کی لیکن تم نے جو کچھ کیا یہ تمہارے اعمال نامے ہیں جو نیکی پائے وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرے کہ اس نے اسے نیکی کی توفیق بخشی۔ اگر برائی پائے تو وہ اپنے نفس پر ملامت کرے۔

حکایت کسی حکیم نے لوگوں سے سنا کہ وہ کسی میت کا جنازہ اٹھائے گورستان کی طرف لیے جا رہے تھے اور اس کے لیے رحمت و شفقت کی باتیں کرتے جاتے تھے۔ حکیم نے فرمایا، اے بندگان خدا! اپنے نفسوں پر رحم کرو وہی تمہارے لیے بہتر ہے وہ تو مر گیا اور تین تکالیف سے جان چھڑا گیا۔

۱۔ ملک الموت کا دیکھنا

۲۔ موت کا کڑوا پن

۳۔ خاتمہ کا خوف

اب تم اپنی فکر کرو۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے

۱ خبر داری اے استخوانی قفس
که جان تو مرغیست نامش نفس

۲ چو مرغ از قفس رفت بگسست قید
دگر ره نگردد بسعی تو صید

۳ سر از جیب غفلت بر آور کنون
که فردا نماند بخجلت نگون

۴ اگر مرده مسکین زبان داشتی
بفریاد و زاری فغان داشتی

۵ که ای زنده چون هست امکان گفت
لب از ذکر چون مرده برهم مخفت

۶ چو ما را بغفلت بشد روزگار
تو باری دمی چند فرصت شمار

ترجمہ: ۱۔ اے ہڈیوں کے پنجرے میں پھنسنے والے! تجھے معلوم ہی ہے کہ تو ایک پرندہ ہے اس کا نام نفس ہے۔

۲۔ جب یہ مرغ تیرے پنجرے کی قید سے آزاد ہو گیا تو پھر وہ تیری کوشش کے باوجود دوبارہ تیری قید میں نہ آئے گا۔

۳۔ ابھی وقت ہے غفلت سے سر باہر کر ورنہ قیامت میں خجلت سے جھک جائے گا۔

۴۔ اگر وہ مسکین زبان رکھتا تو فریاد و زاری اور فغاں سے کہتا۔

۵۔ اے زندو! اب تیرے لیے بولنے کا امکان ہے غنیمت قبل اس کے کہ زبان بند کر سکتے ہو۔

۶۔ ہمارا غفلت سے وقت گزر گیا تو اپنے وقت کی فرصت کو غنیمت جان۔

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اے اہلِ کفر! تم اور تمہارے معبود جن کی تم اللہ تعالیٰ کے سوا پرستش کرتے ہو۔

ف: عیسیٰ و عزیر و ملائکہ علیہم السلام اس میں شامل نہیں اس لیے کہ لفظ ما غیر ذوی العقول کے لیے آتا ہے۔

حَصَبُ جَهَنَّمَ [illegible] اس شے کو کہا جاتا ہے جو آگ میں ڈالی جائے تو آگ میں جوش پیدا ہو جائے حصب یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی شے کو انگارا دیا جائے۔ یہ حرف اس وقت بولا جاتا ہے جب آگ کے اندر ہو اور آگ سے باہر اس کا نام لکڑی اور درخت، پتھر وغیرہ ہوگا۔ اب معنی یہ ہوا کہ تم آگ کا ایندھن بنائے جاؤ گے اور تم آگ میں پکڑ کر راکھ ہو جاؤ گے۔ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ تم اس میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو گے۔ خطاب اہلِ کفر اور ان کے معبودوں کو بھی ہے اگرچہ وہ غیر عاقل ہیں لیکن تغلیباً انہیں عقلا میں داخل کر کے انہیں خطاب کیا گیا ہے۔

نکتہ: تبیان میں ہے کہ بتوں کو آگ میں ڈالنے سے بت پرستوں کے عذاب دینے میں اضافہ مطلوب ہے اس لیے کہ بتوں کے ڈالے جانے سے آگ بھڑک اٹھے گی اور اس کی گرمی میں اضافہ ہوگا جیسے آگ میں مزید ایندھن ڈالنے سے آگ کی گرمی میں اضافہ ہوتا ہے۔ لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اگر تمہارے بت ہوتے اٰلِهَةً معبود، جیسے تم گمان کرتے تھے مَّا وَرَدُوْهَا تو وہ دوزخ میں داخل نہ ہوتے ان کا دوزخ میں داخل ہونا بذاتِ خود دلالت کرتا ہے کہ وہ عبادت کے مستحق نہیں وَكُلٌّ وہ تمام بت اور بت پرست فِيْهَا خٰلِدُوْنَ اسی جہنم میں ہمیشہ رہیں گے اس سے انہیں کبھی بھی نجات نصیب نہ ہوگی لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ ان کے لیے جہنم میں چلانا ہوگا۔ تفسیر: یعنی اتنا سانس کھینچیں گے کہ پسلیاں پھول جائیں گی جو جہنم میں ہوں گے اور چلائیں گے اور دھاڑیں ماریں گے اگرچہ چیخنا چلانا صرف بت پرستوں سے ہوگا بتوں کی طرف تغلیباً منسوب ہے۔ وَهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ اور وہ جہنم میں ایک دوسرے کا چیخنا چلانا نہیں سن سکیں گے شدت ہول یا عذاب کی سخت گرانی کی وجہ سے۔

ف: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انہیں جہنم کے صندوقوں میں بند کر کے صندوق ایک دوسرے کے اوپر رکھے جائیں گے اس وجہ سے وہ ایک دوسرے کے عذاب کو نہ دیکھ سکیں گے نہ ایک دوسرے کی چیخ و پکار سن سکیں گے۔ (روح البیان)

ربط: آنے والی آیات میں کفار کے مقابلہ یعنی اہلِ ایمان اور ان کی جزا کا بیان ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى الحسنیٰ وہ نیک خصلت جو تمام خصلتوں سے احسن ہو۔ یعنی سعادت اس سے تمام اہلِ ایمان مراد ہیں جنہوں نے عمل صالح میں زندگی بسر کی یا اس سے خوشخبری مراد ہے جو انہیں عمل صالح کے ثواب کے لیے سنائی جائے گی یعنی چونکہ وہ لوگ جن کے لیے حقیقت کی ہے ہماری طرف سے نیکی کی سعادت اور توفیق تو

کا وعدہ ہو چکا ہے اُولٰٓئِکَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ وہی لوگ جن کی ابھی تعریف ہوئی دوزخ سے دور رکھے گئے ہیں کیونکہ وہ بہشت میں ہوں گے۔ اور بہشت و دوزخ کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہے۔ جنت اعلیٰ علیین میں اور دوزخ اسفل السافلین میں ہے۔

ف: صاحب روح نے لکھا ہے کہ سبقت سے مراد وہ عنایت ازلیہ ہے جو ابتدا میں موجب ہدایت ہوتی اور انتہا میں باعث درستی ہوگی ؎

ہر تخم کہ در ازل بکشتند نہاں
در مزرعہ ابد بود عیاں

ترجمہ: جو دانہ ازل میں پوشیدہ بویا گیا وہ ابد کی کھیتی میں کھلم کھلا ظاہر ہوگا۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا کہ اہل صفا کو جو حسن ظاہری عنایت ازلیہ سے نصیب ہوا اس کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ گناہوں سے منزہ ہونا۔
۲۔ دارین سے فراغت پاکر لقائے الٰہی پر راضی ہونا۔
۳۔ حرکت و سکون میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر زندگی بسر کرنا۔
۴۔ فراسات صادقہ اور کرامات ظاہرہ کے ساتھ ان سے قدرت الٰہی کے انوار کا ظاہر ہونا۔

اللہ تعالیٰ سے جو باطنی حسن انہیں نصیب ہوا وہ بھی چار قسم کا ہے:

۱۔ مواجید ساطعہ
۲۔ انفتاح علوم غیبیہ[1]
۳۔ مکاشفات قاہرہ
۴۔ مصادقت کاملہ

اور یہ چاروں اپنے ظاہر اور باطن کے ساتھ جہاں نمودار ہوتے ہیں اپنے مظہر ولی کامل کو آفاق میں صدیقین کی نشانیاں والے نام سے مشہور کرتا ہے بلکہ انہیں اہل آفاق مقربین کی علامات اور خلافت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے حامل پکارتے ہیں۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا کہ الحسنیٰ سے عنایت و اختیار و ہدایت و عطا و توفیق مراد ہے۔ عنایت سے کفایت اور اختیار سے رعایت اور ہدایت سے ولایت اور عطا سے حکمت اور توفیق سے استقامت نصیب ہوتی ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا: ؎

---

[1] یہ مراتب وہابیہ کو کہاں نصیب، انہیں تو ان کا علم ہی نہیں اس لیے ایسے اہل مراتب کو بڑا کہتے ہیں اور ان کے معتقدین کو مشرک۔ میں انہیں کیا کہتا ہوں کہ تم نے تو مدرسہ کا منہ دیکھا ہی نہیں ۱۲ اویسی غفرلہ

۱ نخست او ارادت بدل بر نہاد
پس این بندہ بر آستان سر نہاد

۲ چہ اندیشی از خود کہ فعلم نکوست
ازاں در نگہ کن کہ توفیق اوست

۳ برد بوستان بان بایوان شاہ
بتحفہ ثمر ہم ز بستان شاہ

ترجمہ: ۱۔ پہلے اس کریم نے بندے کے دل میں خیال ڈالا، پھر بندے نے سر اس کے آستان پر رکھا۔
۲۔ تو نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ تو نے یہ نیک کام کیا، اس بارگاہ کو دیکھ جس نے تجھے توفیق بخشی۔
۳۔ باغ سے بادشاہ کا باغبان پھول لے گیا، تحفہ بھی اسی کا باغ بھی اسی کا۔

لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا العیسیں بڑی آواز ہو کہ پست ہو کہ اگرچہ معمولی طور پر۔ یعنی اہل جنت دوزخ والوں کی معمولی آوازیں بھی نہیں سنیں گے کیونکہ وہ اعلیٰ علیین میں ہوں گے اور دوزخ والے اسفل السافلین میں۔ پھر عادةً دوری کی آواز سنائی نہیں دیتی۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ اہل بہشت بہرے ہو جائیں گے کہ کوئی آواز بھی نہیں سن سکیں گے۔

نکتہ: حق یہ ہے کہ اہل بہشت کے لیے دوزخ کے آگے پردے لٹکائے جائیں گے تاکہ ان کے جھانک کر دیکھنے سے جہنم کی آتش ٹھنڈی نہ ہو جائے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: جہنم اہل ایمان سے عرض کرے گی کہ اے مومن! جلدی سے چل دیجیے کیونکہ آپ کے نور کے جلووں نے میرے شعلوں کو بجھا دیا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ ز آتش مومن ازیں رو اے صفی
میشود دوزخ ضعیف و منطفی

۲ گویدش بگذر سبک اے محتشم
ورنہ ز آتشہا ے تو مرد آتشم

ترجمہ: ۱۔ مومن کی صفائی اور روشنی سے آتش دوزخ کمزور پڑ جائے گی بلکہ بجھ جائے گی۔
۲۔ عرض کرے گی اے حشمت والے! جلدی گزر جائیے ورنہ تیری آتش سے میری آگ ٹھنڈی پڑ جائے گی۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ سبقت عنایت ازلیہ کے آثار سے ایک نشان یہ ہے کہ اہل ایمان جہنم میں گمراہی کی آواز تک بھی نہیں سن سکتے۔ یعنی ان کے کانوں تک اہل ہوا اور اہل بدعت کی باتیں نہیں پہنچتیں اور وہ فلاسفہ کے دلائل عقلیہ (جن میں وہم و خیال اور ظلمت طبیعہ کی ملاوٹ ہوتی ہے) سنتے ہیں۔

وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ اور وہ جس چیز کی آرزو کریں گے ان کے دل ہمیشہ رہیں گے یعنی نہایت درجہ کی نعمتوں اور خواہشات اور نفس کی طلب کی لذت میں ہوں گے بہشت میں جو چاہیں گے پائیں گے۔ قرآن کی تعلیم صرف اجتناب کے لیے ہے پہلے ان کے مہالک سے نجات پانے کو بیان کیا گیا پھر ان کے مطالب کی کامیابی کو بیان فرمایا ہے۔

ف: نفس، قلب و روح تینوں کی اپنی اپنی خواہش ہوتی ہے بہشت میں تینوں کی خواہشات کو پورا کیا جائے گا مثلاً ارواح کی خواہش قرب الٰہی، قلوب کی خواہش مشاہدۂ ربانی اور رویت حق، اور نفوس کی خواہش شہوت، راحت و اکل، شرب و زینت سے لذت پانا۔ بفضلہ تعالیٰ ان تینوں کی خواہشات کو بہشت میں کمل طور پر پورا کیا جائے گا۔ (کذا قال ابن العطاء)

لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ پہلے بیان کیا گیا تھا کہ اہل جنت دوزخ سے نجات پا کر بہشت میں جائیں گے اب خوشخبری دی جا رہی ہے کہ انھیں قیامت کی ہر طرح کی گھبراہٹوں سے محفوظ رکھا جائے گا۔ چنانچہ فرمایا کہ انھیں قیامت کی سب سے بڑی گھبراہٹ بھی غمگین نہیں کرے گی جب وہ بڑی گھبراہٹ سے محفوظ ہوں گے تو چھوٹی چھوٹی گھبراہٹوں سے ان کا دور ہونا اور زیادہ ضروری ہوگا۔

حل لغات: الفزع بمعنی منقبض ہونا، اور انسان پر کسی ڈراؤنی شے کی وجہ سے ایک کیفیت کے طاری ہونے کا نام ہے، جسے ہم گھبراہٹ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسی لیے فزعت من اللہ کہنا ناجائز ہے۔ ہاں اس سے ڈرنے کے لیے خفت منہ کہنا مناسب ہے۔

ف: امام راغب نے فرمایا کہ الفزع الاکبر سے دخول نار کی گھبراہٹ مراد ہے۔

بعض دوسرے مفسرین نے فرمایا کہ اس سے وہ وقت مراد ہے جب موت کو بھیڑ کی صورت میں اہل بہشت و اہل دوزخ کے سامنے ایک بلندی پر لا کر کے ذبح کریں گے (اور ندا آئے گی اے دوزخیو! تمھیں دوزخ میں ہمیشہ رہنا ہے۔ اب کے بعد کوئی موت نہیں۔ اس سے دوزخی گھبرا کر چلائیں گے اور بہشتی خوش ہوں گے) بعض نے کہا اس گھبراہٹ سے وہ وقت مراد ہے جب اہل دوزخ پر دوزخ کے طبقات ہمیشہ کے لیے ڈالے جائیں گے جبکہ سزا یافتہ مومنوں کو نکال کر بہشت میں بھیجا جائے گا۔ اس سے اہل دوزخ کو سخت گھبراہٹ ہوگی کہ اس کے بعد انھیں دوزخ سے نکلنے کی امید مکمل طور پر ختم ہو جائے گی۔ بلکہ اہل دوزخ کے لیے یہی سب سے بڑی گھبراہٹ ہوگی۔

تفسیر صوفیانہ اہل حقیقت یعنی صوفیائے کرام نے فرمایا کہ اس گھبراہٹ سے اللہ تعالیٰ کا وہ ارشاد گرامی ہے جو اس نے ازل میں فرمایا کہ:

ھؤلاء فی الجنۃ ولا ابالی۔ یعنی یہ گروہ بہشتی ہے اور مجھے کوئی پروا نہیں۔

اس لیے کہ اولیاء اللہ بہشت میں جانے سے اس لیے مغموم ہوں گے کہ وہاں بارگاہ حق کا قرب نصیب ہوگا کہ نہ۔

وار خلقی جنتی ۔

اگر یہ بات نہ ہوتی تو عارفین بھی بہشت کی آرزو نہ کرتے۔ اسے اچھی طرح یاد کرو۔

تفسیر عالمانہ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اور قبروں سے نکلنے کے وقت اہل ایمان کے استقبال کے لیے رحمت کے فرشتے حاضر ہو کر مبارکباد پیش کرتے ہوئے کہیں گے هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ یہ وہی دن ہے جس کے لیے كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ دنیا میں تمہیں وعدہ دیا گیا تھا۔ ملائکہ کرام مبارکباد دے کر انہیں ایمان و طاعت کی جزائے خیر کی مختلف قسم کی خوشخبریاں سنائیں گے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ عابدوں کو مژدہ ہوگا کہ یہی تمہاری عبادت کی جزا کا دن ہے اور عارفین کو خطاب الٰہی نصیب ہوگا کہ یہی تمہارے تماشا کا دن ہے ؎

۱ نیک مرداں را نعیم اندر نعیم
عشق بازاں را لذت اندر لقا

۲ حصۂ آنہا وصالِ حور عین
بہرۂ اینہا جمالِ کبریا

ترجمہ: ۱۔ نیک مردوں کو نعمتیں ہی نعمتیں ملیں گی اور عاشقوں کو دیدار سے سرشار کیا جائے گا۔
۲۔ ان کا حصہ حور عین کا وصال اور ان کا حصہ جمال کبریا ہوگا۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ طاعات میں جد و جہد کرے تاکہ اسے قرب الٰہی نصیب ہو۔ اس پر لازم ہے کہ نفس کو مخالفتِ حق سے روکے تاکہ اس کی سزا آتش نہ بن جائے۔

فائدہ صوفیانہ دار آخرت اور اس کا اجر و ثواب دنیا اور اس کے نقش و نگار کے ترک سے نصیب ہوتا ہے لیکن وصلِ حق اور وصالِ الٰہی کونین کے ترک سے، جو شخص جنت اور نعمتوں کی لذتوں کا جویا ہے اسے دنیا کی لذتوں سے پرہیز لازمی ہے اور جو مشاہدۂ حق کا طالب ہے اسے غیر اللہ سے نظر و التفات ہٹانا واجب ہے۔ اسی لیے شیخ اکبر قدس سرہٗ نے الفتوحات المکیہ میں لکھا کہ تمام اہل حق کا اجماع ہے کہ دنیا میں زہد ضروری ہے اور دنیا سے فارغ البال ہونا ہر عقلمند کے لیے لازم ہے تاکہ ان خرابیوں میں مبتلا نہ ہو جائے جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں ڈرایا ہے کہ فرمایا: انما اموالکم واولادکم فتنۃ۔

حضرت شیخ عبدالوہاب شعرانی قدس سرہٗ نے فرمایا: رہبانیت (اگرچہ مذموم ہے لیکن) اس میں چند فوائد ہیں کہ راہب زہد و انفراد نہیں چھوڑتا اور نہ ہی وہ سونا چاندی جمع کر کے خزانہ بناتا ہے۔

حکایت راہب کسی نے ایک راہب سے عرض کی کہ اس سنگ کو کیوں کریدتا ہے کس بادشاہ کا خزانہ ہے۔

راہب نے جواب دیا کہ ہمیں دنیا کی ہر شے کو دیکھنے کی بڑی مخالفت ہے۔

حکایت دیگر ہم نے ایک راہب کو دیکھا کہ وہ کسی کو اپنے عبادت خانہ سے گھسیٹ کر باہر نکال رہے تھے۔ ہم نے سبب پوچھا تو انہوں نے کہا کہ اس نامراد نے پگڑی میں چند درہم باندھے ہوئے ہیں۔ اس نے ہماری طبیعتوں کو منغص کیا ہے۔ ہم نے پوچھا کیا پگڑی میں روپیہ پیسہ رکھنا بری عادت ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ یہ نہ صرف ہمارے مذہب میں مذموم ہے بلکہ تمہارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بھی قبیح امر ہے۔

ف: حکماء نے فرمایا کہ بہشت ہر اس بندہ خدا کو نصیب ہوگی جس نے دنیا میں راحت کی بو تک نہ سونگھی۔ اور لقاء بھی اسے نصیب ہوگا جس نے دنیا میں دولت کا منہ نہ دیکھا۔ اور امن اسے نصیب ہوگا جس نے دنیا میں فضول اور واہیات امور سے پرہیز کیا ہوگا اور بالکل معمولی رزق پر اکتفا کیا ہوگا۔ وہ بہشت میں نہایت سکون اور قرار سے ہوں گے جنہیں دنیا کی گھبراہٹ اور خوف نے گھیر رکھا ہوگا۔

لا تخافوا ہست نزل خائفاں
ہست در از برائے خائف آں

ترجمہ: خائفین کی مہمانی لا تخافوا ہے۔ اسی لیے وہ اللہ تعالیٰ سے خائف رہتا ہے۔

ف: وفیہا ما تشتہی الانفس کا مزہ اسے نصیب ہوگا جس نے دنیا میں زہد و قناعت سے زندگی بسر کی ہوگی۔

حکایت کسی زاہد کو دیکھا گیا کہ وہ صرف ساگ کے پتے سے نمک ملا کر اسے تناول فرما رہا تھا اس کے پاس روٹی بھی نہیں تھی اور نہ دوسری غذا۔ کسی نے کہا: برادر! صرف ساگ کے پتے اور نمک، یہ کیوں؟ زاہد نے جواب دیا کہ میں نے دنیا کے عیش کے عوض دار آخرت کا عیش خریدا ہے اور تم قیمتی اور نہایت لذیذ چیزیں کھا کر شکم خانہ پُر کرتے ہو اور میں صرف اتنا کھاتا ہوں کہ جس سے طاعت الٰہی ادا کر سکوں تاکہ بہشت کا مستحق ہو سکوں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے فیض وجود اور طریق شہود کی ترقی کا سوال کرتے ہیں۔

یوم نطوی السماء یہ اذکر کی وجہ سے منصوب ہے اور طی، نشر کی نقیض ہے یعنی یاد کرو اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! وہ دن کہ ہم آسمانوں کو لپیٹ لیں گے **کطی السجل للکتب** طی بمعنی صحیفہ یعنی طومار کی طرح لپیٹنا۔ للکتب یہ محذوف کے متعلق اور سجل سے حال ہے۔ یہ عبارت دراصل کائنا للکتب تھی اور کتب سے معانی لغویہ کے اعتبار سے مکتوب ہے اور سجل سے ان کے بعض اجزاء مراد ہیں وہ حقیقت طی اسی کے متعلق ہے۔

ف: امام سہیلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ محمد بن حسن مقری سے مذکور ہے وہ مفسرین کی ایک جماعت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ السجل ایک فرشتے کا نام ہے جو تیسرے آسمان پر ہے اور تمام بندوں کے اعمال اسی کے ہاں جمع ہوتے ہیں یعنی تمام حفظہ کراماً کاتبین، بندوں کے اعمال لکھ کر اسی فرشتے کی خدمت میں پیش کرتے ہیں اور کراماً کاتبین کی

حاضری اس فرشتے کے ہاں نہیں اس سے واسطہ کہ وہ ہوتی ہے۔ اور اسما روحیت مادرت کی مجل فرشتے کے اعمال سے ہیں۔

اعجوبہ ۱ سنن ابی داؤد میں ہے کہ سجل حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب تھے۔ لیکن حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اس نام کا کوئی آدمی نہیں ہے۔ علاوہ اس حدیث کی کتاب کے کسی اور حدیث کی کتاب میں یہ روایت نہیں ملتی۔

اعجوبہ ۲ انسان العیون میں ہے کہ قرآن مجید میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پروردہ تھے کے سوا کسی صحابی کا نام صراحۃً نہیں ہے۔ جیسے عورتوں میں قرآن مجید میں سوائے بی بی مریم رضی اللہ عنہا کے اور کسی کا نام صراحۃً نہیں۔

ف: سنن ابی داؤد کی طرح ابن جوزی نے بھی لکھا ہے کہ سجل کے متعلق بعض تفاسیر میں مروی ہے کہ وہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک کاتب کا نام ہے۔ علاوہ کطی السجل للکتب الآیہ میں وہی کاتب نبوی مراد ہے۔

اور قاموس میں بھی لکھا ہے السجل حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب اور ایک فرشتے کا نام ہے۔

كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهٗ ما مصدریہ یا کاف کا محل سے ہوتا ہے اور وہ بدأنا کا مفعول اول ہے۔ یعنی ہم انہیں مرنے کے بعد ابتداءً لوٹائیں گے جیسے انہیں عدم سے پہلی بار لوٹایا تھا کہ اس وقت کوئی مادہ تھا نہ کسی کی مدد۔

سوال: مرنے کے بعد ایک ہڈی باقی رہتی ہے اس سے انسانی ڈھانچہ تیار ہوگا اور یہ آیت اس قاعدہ کے خلاف ہے۔

جواب: خلاف نہیں اس لیے کہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ تخلیق امور میں اللہ تعالیٰ کسی شے کا سبب کے بغیر پیدا کرنے پر قادر ہے اور اسی قدرت کا یہاں بیان ہے اور وہ ہڈی انسانی تخلیق ثانی کا سبب نہیں بلکہ صرف انسان کی کمزوری اور ضعف کے اظہار کے لیے باقی رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ بحر العلوم میں لکھا ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تخلیق انسانی ثانی پر قدرت رکھتے ہیں جیسے اس کی تخلیق اول میں ہم کسی کے محتاج نہیں ہوئے تو اس کے مرنے کے بعد لوٹانے میں بھی کسی کی مدد نہیں چاہیں گے۔

وَعْدًا ہم نے ان کے آخرت میں لوٹانے کا وعدہ کیا ہے **عَلَيْنَا** اس کا پورا کرنا ہمارے ذمہ کرم ہے حقنا ہم پورا کرکے دکھائیں گے۔ **إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ** یعنی ضرور بالضرور ہم اسے پورا کریں گے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ ہمارا وجود انسانی کو صفت جلال کی تجلی سے اشیاء عدم تک مراتب وجود میں فانی کرنے میں لپیٹنا ہے جیسے اس کی تخلیق اول کی ترتیب تھی کہ پہلے نطفہ تھا پھر علقہ ہوا، اس کے بعد مضغہ بنا، پھر ہڈیوں سے مرکب ہو کر انسانی صورت میں مکمل ہوا ایسے ہی اسے عالم بطون میں پہلے اسے صفات نباتیہ سے، پھر صفت مرکبیہ سے، پھر صفت متولدات عنصریہ سے، پھر صفت حیوانیہ سے، پھر ملکیہ سے، پھر روحانیہ سے، پھر جذبہ اسم الٰہی کی وجہ سے وصف ربوبیت سے موصوف ہوا۔ وَعْدًا عَلَيْنَا یعنی وہ وعدہ

جو ہم نے اول سے کیا تھا اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ بے شک ہم اسے ابد تک پورا کریں گے۔

تفسیر عالمانہ

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ اور ہم نے زبور میں لکھا۔ زبور داؤد علیہ السلام کی کتاب کا نام ہے کما قال تعالیٰ: وآتينا داود زبورا۔

مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ یعنی اس کے بعد جو ہم نے تورات میں لکھا اس لیے کہ ہر آسمانی کتاب ذکر ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔

حل لغات: اہل عرب کہتے ہیں:

زبرت الكتاب بمعنے كتبته كتابة غليظة۔

اور ہر غلیظ الکتابت والی کتاب کو زبور کہا جاتا ہے۔

اب خصوصیت سے صرف حضرت داؤد علیہ السلام پر جانب اللہ نازل کردہ کتاب کو زبور کہا جاتا ہے۔

ف: بعض مفسرین کہتے ہیں کہ آسمانی کتب سے جس کتاب کا سمجھنا مشکل ہو گیا ہو اسے زبور سے تعبیر کرتے ہیں۔ بعض نے کہا زبور وہ کتاب جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام پر نازل فرمائی لیکن اس میں احکام شرعیہ کی بجائے صرف حکمت عقلیہ پر مشتمل ہو۔ اور کتاب کا اطلاق ہر اس آسمانی کتاب پر ہوگا جس میں احکام شرعیہ اور علوم حکمت ہوں۔ اس تقریر کی تائید داؤد علیہ السلام کی زبور سے بھی ہوتی ہے کہ اس میں احکام شرعیہ نہیں بلکہ صرف حکمت عقلیہ کے بیانات ہیں۔ القاموس میں لکھا ہے کہ زبور بمعنے مزبور۔ اس کی جمع زبر آتی ہے، اور حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل کردہ کتاب کا نام ہے۔

أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ زمین کے وارث اللہ تعالیٰ کے مومن بندے ہیں۔ وراثت کا معنے یہ ہے کہ کافروں کو جلا وطن کرنے کے بعد ان علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ کما قال تعالیٰ: وعد الله الذين آمنوا وعملوا الصالحات ليستخلفنهم في الارض كما استخلف الذين من قبلهم۔ اس میں دین کے غلبے اور اہل اسلام کے اعزاز کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیت میں الارض سے بہشت مراد ہے۔ چنانچہ آیت ہذا سے معلوم ہوتا ہے کما قال تعالیٰ: وقالوا الحمد لله الذي صدقنا وعده وأورثنا الارض نتبوأ من الجنة حيث نشاء۔

تفسیر صوفیانہ

روح البیان میں ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ بہشت کے مالک زاہد، عابد، ابرار، اخیار ہوں گے اس لیے کہ یہی لوگ اجر و ثواب اور درجات کے مستحق تھے اور مشاہدۂ جمال ربانی کا حصہ اہل معرفت و محبت اور اہل شوق اور عشاق کا ہے اس لیے کہ وہ دنیا میں مشاہدۂ ربوبیت کے لیے زندگی بسر کرتے رہے اور عبادت گزار لوگ مشاہدۂ عبودیت کے لیے۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف مضاف فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کو وہ بندے محبوب ہیں جو خالص مخلص ہوں جو

غیر کا دل پر بھی اثر نہ ہو۔ یہ درجہ بھی عطا ہوا۔ حضور نے اپنا باطن صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص رکھا اور جمیع ماسوا سے بالکل منقطع ہے۔ حضرت شیخ عراقی نے کہا ہے۔

مجو در دل ما غیر محبت زانکه نیابی
زانکه در دل محمود بجز ایاز نباشد

ترجمہ: ہمارے دل میں سوائے محبوب کے اور کسی کو تلاش نہ کرو اور تمہیں غیر ہمارے دل میں نہ ملے گا جیسے محمود کے دل میں ایاز کے سوا کچھ نہ تھا۔

تفسیر عالمانہ إِنَّ فِي هَٰذَا یعنی جو کچھ اس سورۃ میں مذکور ہوا مثلاً حالات و قصص انبیاء اور احکام و وعدہ و وعید اور دلائل توحید و نبوت لَبَلَاغًا کفایت ہے لِّقَوْمٍ عَابِدِينَ ان لوگوں کے لیے جن کی طبیعت میں عبادت کا شوق ہے وہ عبادت عادت کے طور پر نہیں بلکہ رضائے حق کی خاطر کرتے ہیں۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ اور اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو احکام شرعیہ و دیگر امور دے کر نہیں بھیجا إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ مگر یہ کہ آپ کل کائنات کے لیے سراسر رحمت ہیں اس لیے کہ آپ کی بعثت جہاں کہ سعادت دارین کا سبب اور مصالح امور کے انتظام کا موجب ہے جو بھی آپ سے روگردانی کرے تکبر سے تو وہ رحمت کا مستحق نہیں بلکہ اس کی گردن زدنی ضروری اور مال و اسباب غنیمت میں شامل کرنا لازمی ہے۔

کفار کے لیے رحمۃ للعالمین مفسرین نے فرمایا کہ کفار کے لیے بھی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم باین معنی رحمت ہیں کہ ان سے دنیوی عذاب ٹل گیا اور ہلاکت عذاب سے محفوظ رہے اور خسف و مسخ سے تاقیامت بچا رہے۔

جبریل علیہ السلام کے لیے رحمت حدیث شریف میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ کو ہماری رحمت سے کیا نصیب ہوا؟ انہوں نے عرض کیا حضور! آپ کے لطف و کرم نے میری قسمت کو بیدار کیا ورنہ میں تو خائف تھا بد انجام سے جو عرصے سے میرے اندر تھا لیکن جب آپ کی غلامی کا شرف نصیب ہوا اور آیت کریمہ ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے میری مدح و ثنا فرمائی تو آپ کے صدقے میں مجھے کلی اطمینان نصیب ہوا۔

تمام اُمت پر رحمت کاشفی نے لکھا کہ کشف الاسرار میں ہے کہ آپ کی رحمت سے ایک یہ ہے کہ آپ نے اپنی امت کو کہیں بھی فراموش نہیں فرمایا کہ جب شکم مادر میں تھے تو بھی امت یاد تھی جب دنیا میں تشریف لائے تو بھی امت کو نہ بھولے، مسجد حرام میں پہنچے تو بھی، حجرہ عائشہ میں تشریف فرما ہوئے تو بھی، عرش کی چوٹی پر قاب قوسین او ادنیٰ سے جہاں ارفع مقام پر بھی امت کو یاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے تحفہ سلام دو سلام لینے کے بعد امت کے واسطے بھی

عرض کی السلام علینا و علیٰ عباد اللہ الصالحین۔ پھر کل قیامت میں مقام محمود جیسے اعلیٰ و بالا مقام پر بھی دامنِ شفاعت پھیلا کر امتی امتی کا نعرہ لگائیں گے ؎

۱ عاصیاں پر گنہ در دامن آخر زماں
دست در داماں زدند جاں در آستیں
۲ نا امید از حضرتت با نصرتت نتواں شدن
چوں توئی در پردہ عالم رحمۃ للعالمین

ترجمہ: اے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم! عاصی و گنہگار آپ کے دامن کو مضبوط پکڑے ہوئے ہیں یا ہاتھ آپ کے دامن میں ہیں لیکن جانیں آپ کی آستین میں۔
۲۔ آپ کی مدد سے ناامید نہیں ہونا ہے کیونکہ آپ رحمۃ للعالمین ہیں۔

کل کائنات کے لیے رحمت

مشائخ کرام نے فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم رحمتِ مطلقہ تامہ کاملہ کل کائنات کے ذرہ ذرہ کو شامل بلکہ جمیع موجودات کے ہر قطرہ کو محیط وہ عوالم غیبیہ ہوں یا شہادت علیہ ہوں یا حسیہ وجودیہ ہوں یا شہودیہ سابقہ ہوں یا لاحقہ اسی طرح وہ عوالم ذوی العقول یا غیر ذوی العقول وعالم الارواح ہوں یا اجسام غرضیکہ خدا تعالیٰ کی شان کا کوئی ایک فرد نہ ہوگا جس کے لیے ہمارے حضور پرنور شافع المشہود صلی اللہ علیہ وسلم رحمت نہ ہوں۔

مسئلہ: وما ارسلنٰک الآیۃ کا خطاب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اسی طرح آپ کے وارثین کاملین کو بھی آپ کے صدقے یہ خطاب نصیب ہے اس لیے کہ اولیاء کاملین و علمائے راسخین حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب و وارث ہونے کی حیثیت سے عالم کائنات کے حسبِ مرتبہ رحمت و برکت ہیں۔

نکتہ: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا رحمۃ للعالمین ہونا آپ کے خلقِ عظیم کی صفتِ مبارکہ کی وجہ سے ہے اس لیے کہ آپ نے ہر عالم کے مناسب حال پر خلقِ عظیم کا رنگ دکھایا عالمِ ملک ہو یا ملکوت عالم جبروت ہو یا عالمِ نفس اور عالمِ روح اور سر وغیرہ۔ (کذا قال بعض المشائخ)

رحمتِ عیسیٰ و رحمتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں فرق

تاویلاتِ نجمیہ میں سورۂ مریم کی آیت ورحمۃ منا میں ہے کہ یہ آیت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہے اور وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے۔ ان دونوں رحمتوں کے درمیان بہت زیادہ فرق ہے اس لیے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی رحمت کو منا کے ساتھ مقید کیا گیا ہے اور وہ تبعیضیہ ہے اسی لیے ان کی رحمت صرف ان کے تبعین اور ان کے ہمسایوں کے لیے جب تک کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث نہیں ہوئے

پھر ان کی رحمت ان کی امت کے لیے مختص ہو گئی اس لیے کہ حضور علیہ السلام کی تشریف آوری سے ان کی شریعت منسوخ ہو گئی اور حضور علیہ السلام کی رحمت جملہ عالم کے ذرہ ذرہ کے لیے ہے اور اس کے انقطاع کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا چونکہ آپ کی شریعت کا کوئی منسوخ کرنے والا نہیں اسی لیے آپ کا مطلقاً رحمۃ للعالمین ہونا ثابت ہوا۔ دنیا میں رحمت ہونے کا معنی ظاہر ہے کہ آپ کا دین غیر منسوخ ہے اور آخرت میں ایسی شخصیت کہ آپ کی شفاعت کا ہر ایک محتاج ہو گا یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی آپ کی رحمت کے طالب ہوں گے[1] اسے خوب سمجھ لیں ولا تکن من الجاہلین (انتہیٰ)

اوّلُ ماخلقَ اللّٰہُ نوری

ايها الفهيم من الله اخبرك ان نور محمد صلى الله عليه وسلم اول ما خلقه جميع الخلائق من العرش الى الثرى من بعض نوره فانه رسول عالمي الوجود والشهود رحمة لكل موجود اذا الجميع صدر منه فلكونه كون الخلق وكونه سبب وجود الخلق وسبب رحمة الله على جميع الخلائق فهو رحمة كافة واعلم ان جميع المخلوق صورة مخلوقة مطروحة فى فضاء القدرة بلا روح حقيقة منتظرة لقدوم محمد صلى الله عليه وسلم فلما قدم الى العالم صار العالم حيا بوجوده لانه روح جميع المخلوقات ويا عاقل اى من العرش الى الثرى لم يخرج من العدم الا ناقصا من حيث الوقت سط اسرار قد منه بعثت كالنحلة والعنصر

اے فہیم! اللہ تعالیٰ نے تجھے خبر دی ہے کہ نور محمدی تمام مخلوق سے پہلے ہے اس کے بعد جملہ مخلوق عرش سے تحت الثریٰ تک آپ کے نور سے پیدا کی اس معنی پر آپ عالم وجود و شہود کے رسول اور کل موجودات کے لیے رحمت ہیں پس تمام کے تمام آپ سے ہی صادر ہوئے اور جملہ مخلوق کے وجود اور جمیع مخلوق پر رحمت کے سبب ہیں یوں کہیے کہ آپ جملہ عالم کے ذرہ ذرہ کے لیے رحمت ہیں اور معلوم ہوا کہ جمیع مخلوق فضاء قدرت میں بلا روح پڑی تھی اور حضور علیہ السلام کی تشریف آوری کی منتظر تھی جب آپ تشریف لائے تو جملہ عالم کو زندگی ملی کیونکہ آپ جملہ عالم کی جان ہیں اے عقلمند عزیز! عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک ہر شے ناقص تھی جسے اسرار معرفت و علم کا پتہ نہ تھا اور سب کے سب بجائے اہلیت کے کنارے سے اور

---

[1] اعلیحضرت امام احمد رضا خان قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا ہے

وہ جہنم میں گیا جو ان سے مستغنی ہوا
ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی صلی اللہ علیہ وسلم

فصاروا عاجزين عن البلوغ الى شط بحار الالوهية وسواحل قاموس الكبريائية فجاً محمد صلى الله عليه وسلم اكسيرا جماد العالم وروح اشباحه بحقائق علوم الاولية واوضح سبيل الحق للخلق بحيث جعل سفر الآزال والآباد لجميع خطوة واحدة فاذا تقدم من الحضرة الى سفر القربة بقدم جيمها بخطوة من خطوات صار (سبحان الذى اسرى بعبده) حتى وصل الى مقام أو ادنى فنفق الحق بجميع اخلاق بمقدمه المبارك -

قاموس کبریائی کے سواحل پر تھے حضور علیہ السلام تشریف لائے اکسیر بن کر جملہ اجساد عالم نے آپ سے فیض پایا اور حقائق علوم ازلیہ کی روح آپ بن گئے آپ نے مخلوق کو حق کی راہ واضح بتائی اور ایسے سفر کو قریب کر دیا کہ از آزال تا آباد صرف ایک قدم ہے جب آپ سفر قربت سے تشریف لائے تو سب کو سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ کے جنگل سے ایک قدم کی مسافت سے او ادنیٰ کے مقام تک پہنچایا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سب کو آپ کی وجہ سے بخش دیا۔

(روح البیان ج ۵ ص ۲۲۰)

سراپا رحمت بعض علماء کرام نے فرمایا کہ ہر نبی علیہ السلام خلق خدا کے لیے عقوبت و عذاب الٰہی کا مقدمہ بن کر مبعوث ہوا کما قال تعالیٰ (وما کنا معذبین حتیٰ نبعث رسولا)۔ اور ہمارے رسول مقدمۂ رحمت بن کر تشریف لائے۔ کما قال تعالیٰ (وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعٰلمین)۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ آپ کو خاتمہ رحمت بنائے۔ کما قال (سبقت رحمتی علیٰ غضبی)۔ اسی وجہ سے ہمیں آخر الامم بنایا۔ اس سے ثابت ہوا کہ وجود کی ابتدا اور آخر اور خاتمہ رحمت ہی رحمت ہے۔

میم کا پردہ جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ مخلوق کو ظاہر فرمائے تو سب سے پہلے حضرۃ الٰہیہ کے مخفی خزانے سے حقیقت احمدیہ کو ظاہر فرمایا اور آپ کو امکان کے میم سے ممتاز رکھا اسی لیے آپ کو رحمۃ للعالمین کے مرتبہ سے نوازا آپ کی ذات پاک کی وجہ سے نوع انسانی کو شرف نصیب ہوا آپ کے نور سے ہی جملہ ارواح کے چشمے پھوٹے اس کے بعد جملہ عالم کا ظہور اسی نور محمدی سے ہوا۔ کما قال علیہ السلام:

انا من اللہ والمؤمنون من فیض نوری۔

میں اللہ سے ہوں اور جملہ مومن میرے نور کے فیض سے ہیں۔

(روح البیان ج ۵ ص ۲۲۰ مطبوعہ جدید)

خلاصہ یہ کہ مبادی کائنات اصلی (عرش) و غایت حبیب کبریا شہ ہر دو سرا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے کما قال اللہ تعالیٰ:

لولاک لما خلقت الافلاک۔

آپ نہ ہوتے تو میں افلاک پیدا نہ کرتا۔

(روح البیان ص ۲۲۹)

؎

علت غایہ ہر عالم اوست
سرور اولاد بنی آدم اوست
واسطۂ فیض وجودی ہمہ
رابطۂ بود و نبودی ہمہ

ترجمہ: جملہ عالم کی علت غائی آپ ہیں آپ جملہ بنی آدم کے سردار ہیں آپ فیض وجود کے واسطہ اور بود و نابود کے رابطہ ہیں۔

حضرت عرفی شیرازی نے قصیدہ نعتیہ میں کہا ؎

ازبس شرف گوہر ختمی تقدیر
آں روز کہ بگذاشتی اقلیم عدم را
تا حکم نزول تو دریں دور نوشتہ است
صد و بعثت باز تراشیدہ قلم را

شرح البیت مع ترجمہ: البعث مشتق ہے بعث کا، یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کا یہ شرف و کمال ہے کہ تمہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق پیدا فرمائی اور ان میں انبیاء علیہم السلام بھیجے تاکہ وہ آپ کی تشریف آوری کے لیے مقدمۃ الجیش ہوں آپ کے بعد عالم شہود سے عالم ظہور میں تشریف لائیں ان سب کی ارواح مقدسہ آپ کی روح پاک اور ان کے اجسام مبارکہ آپ کے جسم شریف کے تابع ہیں۔

ف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ بھی رحمت ہے ایسے ہی آپ کا دنیا سے پردہ فرمانا بھی رحمت۔ کما قال علیہ السلام:

حیاتی خیر لکم و مماتی خیر لکم۔	میری حیات و ممات دونوں تمہارے لیے بہتر ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی، ہم نے مانا کہ آپ کی حیات مبارکہ ہمارے لیے رحمت ہے لیکن وفات کیسے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تعرض علی اعمالکم کل عشیۃ الاثنین والخمیس فما کان من خیر حمدت اللہ وما کان من شر استغفرت اللہ لکم۔	ہر پیر اور جمعرات کی شام کو تمہارے اعمال میری خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تمہاری نیکیوں سے میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں تمہاری برائیوں سے تمہارے لیے استغفار کرتا ہوں۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ ز مہجوری برآمد جان عالم ترحم یا نبی اللہ ترحم
۲ نہ آخر رحمۃ للعالمینی ز محروماں چرا غافل نشینی
۳ ز خاک اے لالۂ سیراب برخیز چو نرگس چند خواب از خواب برخیز
۴ اگرچہ غرق دریائے گناہیم فتادہ خشک لب بر خاک راہیم
۵ تو ابر رحمتی آں بہ کہ گاہے کنی در حال لب خشکاں نگاہے

ترجمہ: ۱۔ آپ کے فراق سے کائنات کا ذرہ ذرہ جاں بلب اور دم توڑ رہا ہے۔ رسول خدا! رحم فرمائیے لطف و کرم فرمائیے۔

۲۔ آپ یقیناً رحمۃ للعالمین ہیں محروموں سے کیسے تغافل فرما سکتے ہیں۔

۳۔ اے لالۂ دلکش رنگ! اپنی شادابی سے عالم کو سیراب فرما، نرگس کی طرح خواب سے آنکھ کھولیے۔

۴۔ اگرچہ میں گناہوں کے دریا میں غرق ہوں۔ خشک لب سر راہ پڑا ہوں۔

۵۔ آپ ابر رحمت ہیں لہٰذا آپ سے ہم خشک لبوں پر ایک نگاہ کرم ہو۔

قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ فرمائیے کہ میری جانب صرف یہی نازل ہوا ہے کہ تمہارا صرف ایک معبود ہے۔ خلاصہ یہ کہ میری جانب سوائے توحید کے اور کچھ نازل نہیں ہوا اور میری بعثت کا اصل مقصد بھی یہی ہے کہ توحید کا اعلان کروں اگرچہ دوسرے احکام بھی بتاتا ہوں تو وہ اسی توحید کے طفیل ہیں۔ آیت میں پہلا اِنَّمَا قصر الحکم علی الشیٔ کے لیے ہے جیسا کہ اِنَّمَا یقوم زید یعنی زید کے سوا اور کوئی قائم نہیں اور دوسرا اِنَّمَا قصر الشیٔ علی الحکم کے لیے ہے جیسا اِنَّمَا زید قائم یعنی زید کی صرف قیام کی صفت ہے۔

سوال: اس قصر سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ میں وحدانیت کے سوا اور کوئی صفت نہ ہو حالانکہ اس کی اور بھی صفتیں ہیں مثلاً جلال و جمال وغیرہا۔

جواب: یہ قصر حقیقی نہیں اس لیے کہ اس سے صرف مشرکین کے غلط عقیدہ کا رد کرنا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے خلاف اپنے اور معبودوں کی عبادت کا عقیدہ رکھتے تھے۔

فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ کیا تم اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مخلص ہو کر سوائے اسی کے اور کسی کو عبادت کا مستحق نہ سمجھ کر اسی کی وحی کے حکم کے مطابق سر جھکاؤ۔ اس فا سے معلوم ہوا کہ اس کا ماقبل مابعد کا موجب ہے یعنی تمہارا جب خود کرے تو اسے ماقبل کے مضمون پڑھنے سے یقین ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود ہے ہی نہیں فَاِنْ تَوَلَّوْا اگر وہ اسلام اور اس کے موجبات سے روگردانی کریں اور وحی الٰہی کا انکار کریں فَقُلْ تو آپ انہیں فرمائیے اٰذَنْتُكُمْ

میں نے اپنے رب تعالیٰ کے حکم کے مطابق تمہیں توحید و تنزیہ سے آگاہ کر دیا ہے عَلٰی سَوَآءٍ میں نے تم سب کو برابر اعلام الٰہی پہنچانے میں یہ نہیں کہ کسی کو سنائے ہوں اور کسی کو محروم رکھا ہو بلکہ میں نے نصیحت اور تبلیغ رسالت میں کسی قسم کا فرق نہیں کیا۔ یہ اٰذنتکم کے مفعول سے حال ہے وَاِنْ اَدْرِیْٓ اور مجھے معلوم نہیں اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ کہ قریب ہیں یا بعید وہ امور جن کا تمہیں وعدہ دیا گیا ہے کہ مسلمان غلبہ پائیں گے اور یہ جلد ہو گا یا اس سے قیامت کے دن جمع ہونے کا وعدہ مراد ہے یعنی وعدہ اور قیامت قائم ہو گی اور تم نے عذاب اور ذلت میں مبتلا ہونا ہے۔ اسکالتحریر میں ہے کہ پہلا معنی یہاں کیسے چھپایا جا سکتا ہے جبکہ اس کے متعلق بار بار فرمایا گیا ہے وہ قریب ہے کما قال: اقترب الوعد الحق۔

اور فرمایا: اقترب للناس حسابھم۔

اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وہ جو تم کھلم کھلا اسلام پر طعن و تشنیع اور آیات کی تکذیب کرتے ہو اسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ اور جانتا ہے تمہارے وہ جرائم جو تم اپنے دل میں چھپاتے ہو مثلاً حسد اور عداوت رسول و المؤمنین تمہیں ان تمام اعمال کی سزا دے گا۔

ف: یعلم کا تکرار وعید کی تاکید پر دلالت کرتا ہے۔

ف: مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ اس سے مخلوق کے اعمال کس طرح پوشیدہ رہ سکتے ہیں جبکہ اس نے تمام کی صورتیں شکلیں اور ان کے اندر کے اوصاف خیر اور شر اور نفع و ضرر کو خود ودیعت رکھے ہیں بلکہ ظاہری امور کی نسبت پوشیدہ امور اس کے آگے زیادہ ظاہر ہیں بلکہ یوں کہو کہ اس کے سامنے ظاہر و باطن کا ہر معاملہ اظہر و اوضح ہے۔ اسی لئے شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا۔

بر علم یک ذرہ پوشیدہ نیست ٭ کہ پیدا و پنہاں بنزدش یکیست

ترجمہ: اس کے آگے کوئی شے پوشیدہ نہیں، ظاہر و پوشیدہ اس کے ہاں برابر ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ وہ تمہارے دعاوی اسلام و ایمان اور زہد و صلاح و معارف اور تمام صدق و اخلاص یا ریا و سمعہ و نفاق کو خوب جانتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ اور مجھے معلوم نہیں شاید کہ تمہیں مہلت دینا تمہارے لئے آزمائش ہو اس لئے کہ عذاب میں مہلت آزمائش کا سبب ہوتی ہے بلکہ مہلت دے کر پھر سخت عذاب میں مبتلا فرماتا ہے عذاب وغیرہ کو فتنہ سے تعبیر کرنا مجاز مرسل ہے یا اس میں تمہارا امتحان ہے کہ تم کس طرح کے عمل کرتے ہو یعنی تمہارا معاملہ امتحان کے مشابہ ہے اور یہ استعارہ تمثیلیہ کے طریق پر ہے وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ اور ایک معین وقت تک تمہیں نفع پہنچانا ہے تاکہ ایک معین وقت میں تمہیں جزا و سزا دی جا سکے اور اس میں اس کی حکمت ہے قٰلَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا یہ حضور علیہ السلام کی دعا کی حکایت ہے رَبِّ اے میرے پروردگار احْكُمْ بِالْحَقِّ ہمارے ساتھ ان کا

کہ بیان حق کا فیصلہ فرما دے یعنی عدل فرما دے تاکہ انہیں جلد عذاب یا آخرت کی اذیت میں جکڑ دے وَرَبُّنَا یہ مبتدا اور اس کی خبر الرَّحْمٰنُ ہے۔ یعنی ہمارا رب تعالیٰ کثیر الرحمت ہے اپنے بندوں پر۔ اگر رحمت بمعنے انعام ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی صفات افعال سے ہے اگر بمعنے ارادۂ خیر ہے تو بمعنے صفات ذات سے ہے الْمُسْتَعَانُ یہ دوسری صفت ہے۔ ہے بمعنے وہ ذات جس سے امداد طلب کی جائے عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ اور اس کے کرم اس کی صفت بیان کرتے ہوئے کہتے تھے کہ شوکت و طاقت ہمیں حاصل ہے اس لیے کہ اسلام کا مجمع اٹھوں ہو جائے گا گویا اس کلام سے کفار کو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اپنی طاقت پر نازاں ہو ہمیں اللہ تعالیٰ کی رحمت پر بھروسہ ہے ؎

مراد خویش ز درگاہ پادشاہی خواہ
کہ ہیچکس نشود نا امید ازاں درگاہ

ترجمہ: اپنی مراد بادشاہ کی بارگاہ سے طلب کر کیونکہ اس درگاہ سے کوئی بھی ناامید نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا مستجاب فرمائی کہ کفار مکہ کا انجام برباد ہوا ان کے عادات تباہ ہوئے اور اپنے دوستوں کی مدد فرمائی کفار مکہ کو بدر میں شکست فاش ہوئی۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی سے طلب کی جائے جس قسم کی بھی آرزو ہو۔ اس نے ہر ایک کے لیے استحقاق کے مطابق ازل میں اپنی رحمت قبول کی تھی اور اس کی رحمت کی کوئی انتہا نہیں اگرچہ اس کے انواع صرف ایک سو بنائے گئے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ایک سو رحمت ہے۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ وہ اپنی طول عمر اور کثرت مال و اولاد سے دھوکہ نہ کھائے اس لیے کہ ایسی اشیاء سے دھوکہ کھانا کفار کا کام ہے۔

ف: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس پر دنیا کی وسعت ہو اور وہ اس میں متوجہ الی اللہ نہ ہو تو اس کی عقل دھوکہ کھا گئی ہے۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ نے کسی سے فرمایا کہ تجھے بیداری میں ایک درہم ملے اور خواب میں دینار تو تجھے کس سے خوشی ہوگی؟ اس نے کہا کہ خواب میں دینار ملنے پر خوش ہوں گا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تیرا جھوٹ ہے کیونکہ تو دنیا کا طالب ہے اگرچہ تو خواب میں بھی ہے اس لیے کہ جو بندہ کسی شے سے بیداری میں محبت کرتا ہے وہی خواب میں ظاہر ہوتی ہے اور جو شخص آخرت نہیں چاہتا اسے خواب میں دنیا کی محبت ظاہر ہوتی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عصمت اور توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ انبیاء کی
تفسیر ۵ رجب ۱۱۱۵ھ میں فراغت پائی۔ اور فقیر
اویسی غفرلہ نے ۱۱ ربیع الآخر شریف ۱۴۰۷ھ شب منگل
بعد نماز عشاء فراغت پائی بفضلہ تعالیٰ وکرمہ فضل اللہ تعالیٰ سے
وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

سُوْرَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اٰيَاتُهَا ٧٨ رُكُوْعَاتُهَا ١٠

سورۂ حج مدنی ہے اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا اس میں ۱۰ رکوع ۷۸ آیتیں ہیں

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ① يَوْمَ

اے لوگو اپنے رب سے ڈرو بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی سخت چیز ہے جس دن

تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ

تم اسے دیکھو گے ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے کو بھول جائے گی اور ہر گابھنی

حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ

اپنا گابھ ڈال دے گی اور تو لوگوں کو دیکھے گا جیسے نشہ میں ہیں اور وہ نشہ میں نہ ہوں گے مگر ہے

عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ② وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ

یہ کہ اللہ کی مار کڑی ہے اور کچھ لوگ وہ ہیں کہ اللہ کے معاملہ میں جھگڑتے ہیں بے جانے بوجھے اور ہر سرکش شیطان

كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ③ كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ

کے پیچھے ہو لیتے ہیں جس پر لکھ دیا گیا ہے کہ جو اس کی دوستی کرے گا تو یہ ضرور اسے گمراہ کر دے گا اور اسے عذاب

اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ④ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا

دوزخ کی راہ بتائے گا اے لوگو اگر تمہیں قیامت کے دن جینے میں کچھ شک ہو تو یہ غور کرو کہ ہم نے تمہیں پیدا کیا

خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ

مٹی سے پھر پانی کی بوند سے پھر خون کی پھٹک سے پھر گوشت کی بوٹی سے

مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۚ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ

نقشہ بنی اور بے بنی تاکہ ہم تمہارے لئے اپنی نشانیاں ظاہر فرمائیں اور ہم ٹھہرائے رکھتے ہیں ماؤں کے پیٹ میں

مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى

جسے چاہیں ایک مقرر میعاد تک پھر تمہیں نکالتے ہیں بچہ پھر اس لئے کہ تم اپنی جوانی کو پہنچو اور تم میں کوئی پہلے ہی مر جاتا ہے

وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۗ وَتَرَى

اور تم میں کوئی سب میں نکمی عمر تک ڈالا جاتا ہے کہ جاننے کے بعد کچھ نہ جانے اور تو

الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ

زمین کو دیکھے مرجھائی ہوئی پھر جب ہم نے اس پر پانی اتارا تر و تازہ ہوئی اور ابھر آئی اور ہر رونق دار

كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ⑤ ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَأَنَّهُ عَلٰى
جوڑا اُگا لائی یہ اس لیے ہے کہ اللہ ہی حق ہے اور یہ کہ وہ مُردے جلائے گا اور یہ کہ
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ⑥ وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ
وہ سب کچھ کر سکتا ہے اور اس لیے کہ قیامت آنے والی اس میں کچھ شک نہیں اور یہ کہ اللہ اٹھائے گا
مَنْ فِي الْقُبُورِ ⑦ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى
انہیں جو قبروں میں ہیں اور کوئی آدمی وہ ہے کہ اللہ کے بارے میں یوں جھگڑتا ہے کہ نہ تو علم نہ کوئی دلیل
وَلَا كِتٰبٍ مُّنِيرٍ ⑧ ثَانِيَ عِطْفِهِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ لَهُ فِي الدُّنْيَا
اور نہ کوئی روشن نوشتہ حق سے اپنی گردن موڑے ہوئے تاکہ اللہ کی راہ سے بہکا دے اس کے لیے دنیا
خِزْيٌ وَنُذِيقُهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيقِ ⑨ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ
میں رسوائی ہے اور قیامت کے دن ہم اسے آگ کا عذاب چکھائیں گے یہ اس کا بدلہ ہے جو تیرے ہاتھوں
يَدٰكَ وَأَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ⑩
نے آگے بھیجا اور اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا

تفسیر عالمانہ

سورۃ الحج مکیہ ہے سوائے چھ آیتیں مدنیہ ہیں جو آیت هذان خصمان سے شروع ہو کر الحمید پر ختم ہوتی ہیں اور اس کی اٹھتر (۷۸) آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یٰٓاَیُّہَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو یعنی اپنے امور کے مالک و مربی کے عذاب سے ڈرو اس کی اطاعت کر کے اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ زلزلہ یا زلزال شدید جھٹکے کو کہا جاتا ہے اس کے الفاظ کا تکرار بھی اسی معنی پر دلالت کرتا ہے اس لیے کہ حرف ل کا مضاعف ہے اور الساعۃ سے قیامت مراد ہے۔ اس نام سے اسے اس لیے موسوم کیا گیا ہے کہ اس روز حساب بہت جلد تر ہوگا۔ (کذا)

(المفردات)

ف: اس زلزلہ کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ یہ زلزلہ طلوع شمس من المغرب سے پہلے ہوگا۔ اس معنی پر زلازل اور وحشتیں اپنے حقیقی معنی پر ہوں گے۔ بعض نے کہا کہ یہ احوال قیامت میں ہوں گے۔ اس تقریر پر مذکورہ احوال مجازی معنی پر ہوں گے جنہیں تشبیہاً بیان کیا گیا ہے۔ ان معانی میں سے معمول بہ معنی وہ ہے جسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ زلزلۃ الساعۃ سے قیام قیامت مراد ہے اس لیے کہ قیام قیامت کے وقت اسی طرح کا زلزلہ واقع ہوگا۔ اور ایک بہت عظیم شے ہے جو بیان نہیں کیا جا سکتا۔

سبق انسان پر تقویٰ لازم ہے تاکہ قیامت کے عذاب شدید سے نجات پا سکے۔

یَوْمَ تَرَوْنَهَا اپنے مابعد کی وجہ سے منصوب ہے۔ یعنی تمہارے دیکھنے کے وقت تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ أَرْضَعَتْ الذہول بمعنی دہشت کے ساتھ کسی معاملہ کو بھول جانا۔ المرضعة وہ عورت جو بالفعل دودھ پلا رہی ہو۔ اگر تاء کے بغیر ہو تو اس حالت کو کہا جاتا ہے جو دودھ پلانے کی اہل ہو لیکن بالفعل دودھ نہ پلا رہی ہو اسی طرح حائضہ اور حائض کا فرق سمجھیے۔

سوال: الطفل کہنا تھا لیکن اس کی بجائے عما ارضعت کیوں؟

جواب: محض ذہول کے معنے کو مؤکد کرنے کے لیے ایسے کیا گیا ہے۔ یعنی وہ وقت ایسا سخت ہوگا کہ عورت کو دودھ پلانے کا خیال تک نہ رہے گا۔ یعنی اسے ایسی دہشت و حیرت غالب ہوگی کہ اسے خوف ہو اس میں بچے کے منہ میں پستان دینے کے باوجود کوئی خبر نہ ہوگی یعنی باوجودیکہ عورت کو دودھ پینے بالخصوص دودھ پلانے کے وقت بہت پیار ہوتا ہے لیکن وقت ہولناک سے بہت غفلت میں ڈوب جائے گی۔

سوال: قیامت میں دودھ پینے والے کہاں؟ جبکہ یہ معاملات درپیش ہیں۔

جواب: یہ بطور مثال بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کا دن اتنا سخت ہے کہ اگر بالفرض کوئی عورت دودھ پلانے والی ہو تب بھی وہ بچے کو بھول جائے۔ ایسے ہی وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا سمجھیے یعنی قیامت کی سختی سے حاملہ عورت بھی اپنا حمل گرا دے۔ الحمل بالفتح ہر وہ شے جو پیٹ میں یا درخت پر ہو، اور بالکسر وہ شے جو پیٹھ پر ہو۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں مراد کی طرف اشارہ ہے یعنی ہر شے کا مادہ ہوتا ہے اور وہ حرکت ہے اس لیے کہ وہ اپنے رضیع یعنی ملک کی پرورش کرتا ہے۔ اور ذہول سے مراد یہ ہے کہ وہ پرورش کی استعداد سے ہلاک و تباہ ہوگا اور ذات حمل سے ہیولیٰ مراد ہے یعنی وہ شے جو صورت کی حامل ہے یعنی صورت کا حمل ہیولیٰ کے ہلاک کر دے گا۔

تفسیر عالمانہ وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى حشر میں لوگوں کو دیکھو گے سکریٰ سکران کی جمع ہے۔ نشہ والے، یعنی ایسے معلوم ہوں گے کہ گویا وہ نشہ میں ہیں۔

سوال: یوم ترونها میں صیغہ جمع اور ترى الناس میں صیغہ واحد کیوں؟

جواب: وہاں زلزلہ کا بیان تھا اور وہ سب کو محسوس ہوگا بخلاف صورت نشہ کے کہ اسے ہر ایک اپنے غیر کو نشہ زدہ دیکھے گا۔

ف: السکر وہ حالت جو مرد اور اس کی عقل کے درمیان حائل ہو۔ اور یہ اکثر شراب سے لاحق ہوتی پر مستعمل ہوتا ہے اور یہ کیفیت کبھی غضب

شق کی وجہ سے بھی ہو جاتی ہے چنانچہ شاعر کہتا ہے شعر

سکران سکر ہوی وسکر مدامۃ

نشے دو ہیں ایک عشق اور محبت کا ' اور دوسرا شراب کا، سکرات الموت کا وہی لفظ ہے۔

ث : سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قیامت میں لوگوں کو مشاہدۂ حق و جبروت و کبریائی کے سبب مدہوش کر دیا جائے گا یہاں تک کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اسی مدہوشی سے نفسی نفسی پکاریں گے ؎

واں روز کز فعل پرسند و قول
اولو العزم را تن بلرزد ز ہول
بجائے کہ دہشت خورد انبیا
تو عذر گنہ را چہ داری بیا

ترجمہ : اس دن کہ قضاء و قدر کے فرشتے فعل و قول کے متعلق سوال کریں گے ہول سے اولو العزم کانپ اٹھیں گے۔ جب انبیاء علیہم السلام کو بھی دہشت ہوگی تو تو کس شمار میں ہے۔ تجھے چاہیے کہ ابھی سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ لے۔

وما ھم بسکٰری اور وہ درحقیقت نشہ والے نہیں ہوں گے۔

ت : الآلوسی نے لکھا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا یہ نشہ زوال عقل از خوف و حیرت ہے سکر سے نہ ہوگا اگرچہ بظاہر ایسے محسوس ہوگا۔

ت : آیت میں اشارہ ہے کہ صور اخرویہ اگرچہ بظاہر صور دنیویہ کی مانند ہیں لیکن ان دونوں کی حقیقتیں مختلف ہیں۔ اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا : دنیا اور بہشت کی اشیاء کو ایک دوسرے سے کسی قسم کی مناسبت نہیں سوائے اس کے کہ ان کے نام ایک ہیں۔

نشہ کی اقسام

نشہ ان چیزوں سے ہوتا ہے :

(۱) شراب غفلت و عصیان (۲) حب دنیا اور اس کی شہوات۔
(۳) دنیوی تنعمات (۴) طلب علم
(۵) شوق (۶) محبت
(۷) وصال (۸) معرفت
(۹) محبیۃ و محبوبیۃ

چنانچہ کسی نے فرمایا ؎

لی سکرتان و للندمان واحدۃ
شیئ خصصت بہ من بینہم وحدی

ترجمہ: مجھے دو نشے ہیں اور نادم و شرمسار کو ایک۔ اسی لیے میں دوسرے لوگوں میں یہ خصوصیت رکھتا ہوں۔

وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ لیکن اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہے اسی لیے انہیں عذاب الٰہی گھیر لے گا اور ان کے عقول اڑ جائیں گے اور ان کی تمیز ختم ہو جائے گی۔ اور عذاب کی چار آگ ہیں۔

١۔ نارِ جہنم　　٢۔ نارِ اشتیاق
٣۔ نارِ قطیعت و فراق　　٤۔ فنا فی النار و بقا بالنار

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَنْ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے کلمینی یا حمیرا فرمایا تھا تو بھی اسی نارِ اشتیاق اور اس کے جوش سے۔

ف: حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے حکم فرمائے کہ مخلوق میں عذاب تقسیم کروں تو میں عاشقوں کو عذاب نہیں دوں گا۔ حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

ہرچند غرق بحر گناہم ز صد جہت
گر آشنائے عشق شوم ز اہل رحمتم

ترجمہ: سینکڑوں جہات سے اگرچہ میں بحر گناہ میں غرق ہوں تاہم اگر مجھے عشق کی دولت نصیب ہو جائے تو اہل رحمت سے ہوں۔

شانِ نزول بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ دو آیتیں رات کے وقت غزوۂ بنی المصطلق میں نازل ہوئیں تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پڑھ کر سنائیں۔ پھر رات کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سارا وقت گریہ و زاری میں گزار دیا اور دن کو معیشت کے تمام امور ترک کر دئیے۔ یعنی سواریوں اور دیگر جانوروں سے سامان نہ اتارا نہ ہی آرام کے لیے خیمے نصب کیے اور نہ ہی کھانا تیار کیا بلکہ سارا دن غمگین و حزیں اور متفکر اور روتے رہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں معلوم ہے کہ یہ کونسا دن ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حسب دستور عرض کی: اللہ و رسولہ اعلم (اللہ اور اس کا رسول ہی جانتے)۔ آپ نے فرمایا: یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا: یا آدم۔ آدم علیہ السلام نے عرض کی: لبیک وسعدیک والخیر فی یدیک۔ وہ حاضر ہوں یا رب۔ تمام بھلائیاں

تیرے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے آدم! دوزخ سے اپنی اولاد کے چند افراد نکال لے۔ عرض کی یا اللہ! کتنے نکالوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایک ہزار میں سے صرف ایک۔ یہ گفتگو اس وقت ہوگی جب بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور ہر حاملہ حمل گرا دے گی اور لوگوں کو نشہ میں دیکھو گے یعنی اس وقت تمام لوگ خوفزدہ ہوں گے اسی وجہ سے بظاہر نشہ والے معلوم ہوں گے حالانکہ درحقیقت انہیں شراب کا نشہ نہ ہوگا۔ اس وقت عذاب الٰہی سخت ہوگا۔ یہ تقریر صحابہ کرام کو گراں گزرا چیخیں نکل گئیں خوب روئے اور عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم کس گروہ میں ہوں گے؟ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں مبارک ہو نو سو ننانوے جہنم میں جانے والے یاجوج ماجوج ہوں گے اور ایک ہزار میں ایک بہشتی ہو سکتا ہو جو تمہاری گنتی ہے وہ تم میں سے کوئی ہوگا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے قسم ہے اس ذات اقدس کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے بہشت میں پوری تہائی تم لوگ ہو گے۔ یہ سن کر صحابہ کرام نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور حمد بجا لائے۔ پھر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے قسم ہے اس ذات اقدس کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے مجھے امید ہے کہ بہشت میں آدھے تم لوگ ہو گے۔ اسے سن کر صحابہ نے خوشی سے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد کی پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے قسم ہے اس ذات اقدس کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے مجھے امید ہے کہ بہشت میں تم دو تہائیاں ہو گے اور یاد رکھو بہشت میں کل ایک سو بیس صفیں ہوں گی ان میں اسی صفیں صرف میری امت کی ہوں گی اور اور لوگوں میں مسلمان اسی قدر قلیل مقدار میں ہیں جیسے سفید اونٹ پر ایک تل یا جیسے گدھے کے پاؤں پر ایک سفید داغ یا جس طرح سفید بیل میں ایک سیاہ بال یا سیاہ بیل میں ایک سفید بال۔ پھر فرمایا: میری امت کے ستر ہزار نفوس بغیر کسی حساب کے بہشت میں داخل کیا جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تعجب کے طور پوچھا کہ ستر ہزار کو بلا حساب بہشت میں داخل ہونا ہوگا آپ نے فرمایا ہاں! نہ صرف ستر ہزار بلکہ ہر فرد کے ساتھ ستر ستر ہزار بلا حساب بہشت میں جائیں گے۔ یہ سن کر حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ اٹھے اور عرض کی میرے لیے دعا فرمائیں تاکہ اللہ تعالیٰ مجھے ان لوگوں سے بنا دے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو انہیں میں سے ہے۔ اس کے بعد ایک انصاری اٹھا اور عرض کی: میرے لیے بھی دعا فرمائیے تاکہ میں انہیں میں سے ہو جاؤں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: تجھ سے عکاشہ نے سبقت لے لی۔

نکتہ: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ امت مصطفیٰ کے متعلق بہشت میں اسی صفوں پر مشتمل ہونے میں ایک نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امت مصطفیٰ کے متعلق فرمایا ہے کہ اولئک ھم الوارثون یہی لوگ بہشت کے وارث ہیں اور چونکہ اپنے مقام پر ثابت ہے کہ بہشت ان کے والد حضرت آدم علیہ السلام کی جائداد ہے۔ اور علم المیراث کا قانون ہے کہ باپ کی میراث کی حقدار وہ اولاد ہے جو باپ کا اقرب ہو۔ اور ابعد جو کہ اقرب کے ہوتے ابعد محروم ہوتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے کل اولاد سے زیادہ قریب اور افضل ترین حضور سرور عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت ہے۔ اور میراث کا قانون ہے کہ اقرب اصل کو باپ کی وراثت کا دو تہائی مال ملتا ہے۔ یوں حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کو بہشت کا دو تہائی حصہ ملے گا اور باقی ایک حصہ باقی اولاد آدم کو۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ امت مصطفویہ باقی امتوں کی بہ نسبت اقرب الی الکمال ہے۔ آدم علیہ السلام کی امت مصطفویہ بمنزلہ اولاد نرینہ کے ہے اور باقی اولاد بمنزلہ اولاد دختر کے اور للذکر مثل حظ الانثیین قرآنی فیصلہ نافذ ہے۔

نکتہ: مذکورہ بالا تقریر کے مطابق بہشت میں آدم علیہ السلام کی کنیت ابو محمد ہوگی۔

ف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ابو الارواح ہیں جیسے آدم علیہ السلام ابو الاجساد۔ اور ظاہر ہے کہ باپ حقیقی اولاد و دادا کے لیے حاجب ہوتا ہے۔ اس معنی پر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت آپ کی اقرب اولاد ہے اور باقی امتیں ابعد الاولاد۔

تفسیر عالمانہ: وَمِنَ النَّاسِ یہ مبتدا ہے یعنی بعض انسان۔ اس سے نضر بن الحارث مراد ہے جو سخت جھگڑالو تھا۔ کہتا تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں ہیں اور قرآن پہلوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ اور مرنے کے بعد جی اٹھنے کا بھی منکر تھا۔ مَنْ یُّجَادِلُ۔ المجادلہ بمعنی المفاوضہ علی سبیل المنازعۃ والمغالبۃ۔ جدلت الحبل سے ہے بمعنی احکمت فتلہ یعنی میں نے اس کی رسی کو مضبوط کیا۔ دو جھگڑنے والے گویا ایک دوسرے کی رسی کو توڑنے اور اپنے کلام کی رسی کو مضبوط کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اب معنی یہ ہوا کہ بعض لوگ ایسے ہیں جو جھگڑتے ہیں فِی اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کے متعلق یعنی اس کی شان میں ایسی باتیں کرتے ہیں جو سراسر بے بنیاد اور باطل ہوتی ہیں۔ ان جھگڑالوؤں کا یہ حال ہے کہ وہ اپنے قول میں جاہل ہیں بِغَیْرِ عِلْمٍ بغیر علم کے یعنی نہ ان کے پاس دانش ہے نہ معرفت نہ برہان نہ حجت۔

مسئلہ: یہ آیت عام ہے ہر کافر و مسلم کو شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں حجت و برہان کے بغیر جھگڑتا ہے۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس آیت میں اشارہ ہے کہ علم و معرفت ہو تو اللہ کی ذات و صفات میں گفتگو کرنا جائز ہے۔ اور جو شخص علم و معرفت کے بغیر ذات و صفات باری تعالیٰ میں گفتگو کرتا ہے تو یقین جانئے کہ وہ شیطان کا تابعدار ہے۔ کما قال تعالیٰ وَیَتَّبِعُ اور وہ ذات و صفات باری تعالیٰ کے متعلق جھگڑا کرنے اور اپنے دیگر احوال میں تابعداری کرتا ہے کُلَّ شَیْطٰنٍ مَّرِیْدٍ ہر سرکش شیطان کی۔ شیطان کو مرید اس لیے کہا گیا کہ وہ ہر وقت فساد و فسق کے درپے رہتا ہے اور وہ خیر و بھلائی سے بالکل عاری ہے۔ اس سے کفار کے وہ لیڈر مراد ہیں جو لوگوں کو غیر اللہ کی عبادت اور بتوں کی پرستش کی طرف بلاتے تھے۔ یا اس سے شیطان اور اس کا لشکر مراد ہے۔ یہ مرود الشیٔ سے مشتق ہے بمعنی اذا جاوز حد مثلہ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی حد سے تجاوز کرے۔ اور اس کا اصل معنی ہے التعری۔ اسی لیے نہ داڑھی والے کو امرد کہا جاتا ہے۔ اور وہ درخت جو پتوں سے خالی ہو اسے بھی امرد سے تعبیر کرتے ہیں۔

حدیث شریف: واھل الجنۃ مرد (بہشتی امرد ہوں گے)

شرح الحدیث: بعض محدثین نے اسے اپنے اصل معنی پر محمول کیا ہے اور بعض نے اس کا مجازی معنی مراد لیا ہے وہ یہ کہ بہشت میں بہشتی جملہ قبائح و شوائب و گندگیوں کی آلودگی اور برائی کی نجاست سے پاک و

صادق ہوں گے۔

كُتِبَ عَلَيْهِ لکھا گیا ہے ہر شیطان جنی وانسی پر۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

اور کاشفی نے لکھا ہے کہ شیطان پر لوح محفوظ میں لکھا گیا ہے۔

أَنَّهُ تحقیق شان یہ ہے کہ مَنْ تَوَلَّاهُ جو شخص شیطان کو دوست بنائے اور اس کی تابعداری کرتا ہے فَأَنَّهُ يُضِلُّهُ بالفتح اس لیے کہ وہ جملہ محذوف کی خبر ہے۔ یعنی شیطان کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے دوست کو طریق حق سے بہکا دے وَيَهْدِيهِ اور اس کی رہبری کرے إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ جہنم کے عذاب کی طرف۔ یعنی شیطان اپنے دوست کو ایسے امور کے ارتکاب کا راستہ دکھائے جو جہنم کے عذاب کا موجب بنیں۔ عذاب السعیر کی اضافت بمعنی اللام الخ کی طرح اضافت بیانیہ ہے اور السعیر وہ آگ جس کے تیز شعلے ہوں۔

ف: حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سعیر جہنم کا ایک نام ہے۔

ف: شیطان جن وساوس وتسویلات والقاء الشبہ سے گمراہ کرتا ہے اور شیطان انس مذاہب اہل ہوا واہل بدعت وملاحدہ و زنادقہ یعنی منکرین بعث ونشر کی ترغیب دیتا ہے۔ اور بدمذاہب ہمیشہ اپنے غلط مذاہب کو دلائل عقلیہ سے ثابت کرتے ہیں جن میں وہم وخیال اور ظلمات الطبیعہ کی ملاوٹ ہوتی ہے اور شیطان انسانی بدمذاہب کے دلائل دے کر ایسا پھنساتا ہے کہ وہ چند روز کے بعد انہیں میں داخل ہو کر ان کے زمرہ کا ایک فرد شمار ہوتا ہے۔

کما قال تعالیٰ ومن یتولہم منکم فانہ منہم (اور جو ان سے دوستی کرے گا وہ انہیں میں سے ہو جاتا ہے)

(چنانچہ ہمارے دور کے بدمذاہب کا یہی حال ہے کہ صبح کو مسلمان تھا تو شام کو مرزائی کی صحبت ملی تو مرزائی ہو گیا۔ ایسے ہی پرویزی کی صحبت سے پرویزی اور مودودی، تبلیغی، دیوبندی، وہابی، شیعہ وغیرہم)

ف: بدمذاہب اپنی جہالت سے مذاہب سیئہ کی طرف راہ دکھاتے ہیں اور یہی دائمی حرمان وقطیعت کا سبب بن جاتی ہے۔

علوم کمالیہ کا شمار

دین کا کمال علوم حقیقیہ میں ہے اور وہ چار ہیں:

(۱) معرفۃ النفس وما یتعلق بہا۔

(۲) معرفۃ اللہ تعالیٰ وما یتعلق بہ۔

(۳) معرفۃ الدنیا وما یتعلق بہا۔

(۴) معرفۃ الآخرۃ وما یتعلق بہا۔

ف: اہل تقلید اہل استدلال سے اور وہ اہل ایقان سے اور وہ اہل عیان سے مرتبہ میں کم ہیں۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ وہ وصول الی مرتبۃ عیان کے لیے کوشش کرے۔ لیکن مرشد کامل کا دامن پکڑنا ضروری ہے اس لیے کہ مرشد کامل کے بغیر اس راہ پر چلنا مشکل ہے اور منزل مقصود پر نہیں پہنچا جا سکتا۔ حضرت جامی قدس سرہ نے فرمایا:

ہوای بصوب کعبۂ تحقیق رہ بری
پے بر پے مقلد گم کردہ رہ مرو

ترجمہ : اگر تم چاہتے ہو کہ تمہیں کعبہ تحقیق کا راستہ نصیب ہو تو گم کردہ راہ کی تقلید میں نہ چلنا۔

ف : مرتبۂ عیاں تک پہنچنے کے بعد ظاہری علوم کی کتب کا شغل متروک ہو جاتا ہے کیونکہ کتابیں وصول الی العیان کا سبب ہیں جب مقصد حاصل ہو جائے تو پھر سبب کی ضرورت نہیں رہتی۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

۱ چوں شدی بر بامہائے آسماں
سرد باشد جستجوئے نردباں

۲ آئنہ روشن کہ شد صاف و جلی
جہل باشد بر نہادن صیقلی

۳ پیش سلطاں خوش نشستہ در قبول
زشت باشد جستن نامہ و رسول

ترجمہ : (۱) جب تم آسمان پر پہنچ جاؤ تو پھر سیڑھی کی ضرورت نہیں رہتی۔

(۲) جب شیشہ صاف و شفاف ہو تو اس پر صیقل کی ضرورت محسوس کرنا جہالت ہے۔

(۳) جب بادشاہ کے ہاں قرب و قبول میسر ہو جائے تو پھر اس کے ہاں کسی قسم کا خط یا قاصد بھیجنا حماقت ہے۔

ف : اسی مقام پر پہنچ کر کامل انسان عوام کے ساتھ جدال و خصومت سے فارغ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ عالم تحقیق کے بعد جنگ و جدال کیسا! اور پھر اس وقت شیطان کی اتباع کا تخیل کہاں! اس لیے کہ جس خوش قسمت کو ذاتِ حق کے ہاں پہنچنا نصیب ہو جائے تو وہ ہر قسم کے شیطان کی شرارت سے محفوظ ہو جاتا ہے اس لیے کہ وہاں شیطان کیسے پہنچ سکتا ہے! اور وہ ایسا مقام ہے وہاں وسواس خناس کا اثر نہیں آ سکتا۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ شب و روز تزکیۂ نفس اور صحبتِ اخیار کے لیے جد و جہد کرے۔ دراصل یہی جہاد اکبر ہے، کیونکہ نفس انسان کے باطنی دشمنوں سے ہے اور ایسے دشمن سے بچنا نہایت مشکل ہے ؎

نفس اندروں دیو و بیروں رہ زنم
از کجا ایں دو رہزن پرحیلہ چوں کشم

ترجمہ : نفس اندر سے اور شیطان باہر سے میرا راستہ مارتے ہیں ان دو پرحیلہ دشمنوں سے کس طرح بچ سکتا ہوں۔

ہم اللہ سبحانہ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ان کے شر سے محفوظ فرمائے اور ہمیں حق و مرضیہ کا انصار بنائے کہ اس کے سوا ہمارا کوئی چارہ نہیں اور وہی ہماری عظیم ترین امید گاہ ہے۔

تفسیر عالمانہ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اے اہل مکہ یعنی اے منکرین بعث و نشر! اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ (البعث یعنی زمین سے نکال کر وقف کی طرف لے جانا۔ اگرچہ شک کرنے والے تمام کفار تھے لیکن اسے حرف اِنْ سے لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ مقام ایسا ہے کہ جہاں شک و ارتیاب کی کوئی گنجائش نہیں اور اسے کم از کم شک کرنے والا بفرض محال ذکر کیا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر تم شک میں ہو کہ قیامت میں اٹھنا ہے اور تمہیں اب بھی شک ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے تو غور کرو فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ یہ جملہ شرط کی جزا نہیں کیونکہ جزا شرط سے پہلے نہیں آتی اور ظاہر ہے کہ تخلیق زمانی ان کے شک ہونے سے پہلے ہے، ہاں اسے جزاء محذوف کی علت کہا جا سکتا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اے منکرو! اپنی تخلیق کے آغاز کو دیکھو تاکہ تمہارے شکوک و شبہات زائل ہوں، یعنی ہم نے تم سب کو ابتدائی طور پہلے بنایا مِّنْ تُرَابٍ آدم علیہ السلام کی تخلیق کے ضمن میں تمہیں بھی مٹی سے (اجمالاً) پیدا فرمایا)

اللہ تعالیٰ نے زمین کو نرم تر بنایا تاکہ تم اس کے کاندھوں پر چلو، اور آدم علیہ السلام کی اولاد کو مٹی **حدیث شریف** سے پیدا کیا گیا تاکہ انہیں اسی مٹی کی وجہ سے تواضع کا درس نصیب ہو۔ لیکن بدبختوں نے اسے ترک کیا اور فخر و نخوت و تکبر کا شکار ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے قانون بنایا ہے کہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو گا وہ ہرگز جنت میں داخل نہ ہوگا۔

ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ پھر ہم نے تمہیں نطفہ سے بنایا۔ نطفہ صاف پانی کو کہا جاتا ہے قلیل ہو یا کثیر۔ اور انسان کی منی کو نطفہ اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ وہ قطرہ قطرہ نکل کر بہتی ہے۔ نطف الماء سے مشتق ہے یعنی سال۔ یا النطف سے ہے یعنی الصب۔ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ پھر علقہ سے۔ علقہ خون کا وہ منجمد ٹکڑا جو منی سے ہو۔ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ پھر مضغہ سے۔ مضغہ گوشت کے اس ٹکڑے کو کہا جاتا ہے جو منجمد منی سے ہو اور یہ دراصل گوشت کی اس مقدار کا نام ہے جسے چبایا جا سکے۔ مُّخَلَّقَةٍ مجرور ہے اور مضغہ کی صفت ہے یعنی پورے ہو گئے جس کی تخلیق کا نقشہ مکمل کر سامنے آ جائے وَّ غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ اور جس کی تخلیق اور نقشہ ظاہر نہ ہو اس سے مضغہ کے حال کی تفصیل ہے اور واضح کرنا ہے کہ انسان پہلے گوشت کا ایک لوتھڑا ہوتا ہے کہ اس وقت اس کا کوئی عضو ظاہر نہیں ہوتا اس کے بعد اعضا کا ابتدائی نقشہ ظاہر ہوتا ہے جو اب بھی مکمل تخلیق کے مطابق نہیں ہوتا اس لیے کہ اس کی تخلیق کی تکمیل کے بعد ہی اس کے اعضاء کا صحیح مکمل نقشہ حاصل ہوتا ہے۔

(کذا فی الارشاد)

ف: ہماری اس تقریر کی تائید حضرت نجم الغیری کی تاویلات سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ مخلقۃ یعنی وہ ڈھانچہ انسانی جس میں روح پھونکی گئی و غیر مخلقۃ یعنی وہ انسانی ڈھانچہ جس میں روح نہ ہو۔

حدیث شریف میں ہے کہ بے شک ہر ایک کی تخلیق کا مادہ جمع کیا جاتا ہے تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں۔

ف: حدیث شریف میں لفظ بطن کل بول کر جز یعنی بچہ دانی مراد لی گئی ہے چالیس دن تک مادہ جمع کیا جاتا ہے۔

حدیث شریف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نطفہ ماں کے پیٹ میں واقع ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ اس سے کچھ پیدا فرمائے تو وہ نطفہ ماں کے رونگٹے رونگٹے یعنی بال بال تک کہ ماں کے ناخن اور بال بال میں پھیل جاتا ہے اسی طرح وہ چالیس روز تک اسی حالت میں رہتا ہے اس کے بعد اسی کو خون کی صورت میں کھینچ کر بچہ دانی میں پہنچایا جاتا ہے۔ پس حدیث شریف میں جمع کے یہی معنی ہیں۔ اس کے بعد چالیس روز تک خون رہتا ہے۔ چالیس دن کے بعد علقہ بنتا ہے۔ اسی طرح پھر چالیسویں دن کے بعد مضغہ، پھر چالیسویں دن اس میں روح پھونکنے کے لیے فرشتہ بھیجا جاتا ہے جو اس میں روح پھونکتا ہے۔

ف: اس سے ثابت ہوا کہ انسانی نقشہ دوسرے چالیس کے بعد بنتا ہے اس لیے کہ نقشہ کشی اسی حالت میں ممکن ہے، اس سے قبل اگرچہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید نہیں لیکن عادۃً ممکن نہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرشتے کو انسان کے لیے چار کلمات لکھنے کا حکم فرماتا ہے۔

ف: حدیث شریف میں لفظ کلمہ واقع ہے اس سے قضا و قدر کا ہر ایک علیحدہ علیحدہ باب مراد ہے۔ مثلاً وہ فرشتہ انسان کا رزق اور اجل یعنی اس کے عالم دنیا میں رہنے کے کل لمحات اور اس کے اعمال اور پھر یہ کہ وہ بدبخت ہے یعنی ایسا کہ اس کے لیے دوزخ واجب اور نیک بخت یعنی اس کے لیے بہشت واجب ہوگی۔ یہ تمام باتیں اس کی ماں کے پیٹ کے اندر لکھی جاتی ہیں۔

ف: یہ حدیث شریف ہمارے (اہلسنت والجماعت کے) ان دلائل میں سے ایک ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے طفیل دیگر محبوبوں کو ما فی الارحام کا علم عطا فرماتا ہے۔ اس پر فقیر اویسی کا رسالہ "ازالۃ الاوہام عن علوم ما فی الارحام" پڑھیے۔ سردست چند عبارات ملاحظہ ہوں۔

○ ہمارے دلائل علم غیب کلی کے لوازم میں یہ علم بھی ثابت ہے۔ علم کلی کے متعلق علماء کرام نے فرمایا:

إِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَخْرُجْ مِنَ الدُّنْيَا حَتّٰى أَعْلَمَهُ اللّٰهُ بِجَمِيْعِ مُغَيَّبَاتِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔ (تفسیر صاوی علی الجلالین تحت آیت یسئلونک عن الساعۃ ایان مرسٰها)

(ترجمہ: کہ حضور علیہ السلام دنیا سے نہ گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا اور آخرت کے سارے علوم دے دیئے)

○ اور علوم خمسہ کے متعلق بھی علماء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ:

وَلَكَ اَنْ تَقُوْلَ اِنَّ عِلْمَ هٰذِهِ الْخَمْسَةِ وَاِنْ كَانَ لَا يَمْلِكُهُ اِلَّا اللّٰهُ لٰكِنْ يَجُوْزُ اَنْ يُّعَلِّمَهَا مَنْ يَّشَاءُ مِنْ مُحِبِّيْهِ وَاَوْلِيَائِهِ بِقَرِيْنَةِ قَوْلِهٖ تَعَالٰى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ عَلٰى اَنْ يَّكُوْنَ الْخَبِيْرُ بِمَعْنَى الْمُخْبِرِ۔ (تفسیرات احمدیہ ص ۵۰۸ تحت آیۃ آخری سورۃ لقمان)

(ترجمہ: اور تم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ ان پانچوں علوم کو اگرچہ خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا لیکن جائز ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے محبوبوں

(باقی بر صفحہ آئندہ)

ف: حدیث شریف میں علوم خمسہ کی تقسیم اسی لیے ہے کہ اکثر لوگ بلا برتنگی ہوتے ہیں۔

دیکھیں ص ۔۔۔ اور ولیوں میں سے جس کو چاہے سکھائے اس قول کے قرینے سے کہ اللہ تعالیٰ جاننے والا بتانے والا ہے خبیر بمعنی مخبر۔

○ اور اولیاء کرام کے لیے فرمایا:

وَكَيْفَ يَخْفٰى أَمْرُ الْخَمْسِ عَلَيْهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْوَاحِدُ مِنْ أَهْلِ التَّصَرُّفِ مِنْ أُمَّتِهِ الشَّرِيْفَةِ لَا يُمْكِنُهُ التَّصَرُّفُ إِلَّا بِمَعْرِفَةِ هٰذِهِ الْخَمْسِ۔ (الابریز شریف ص ۲۰۳)

(ترجمہ: حضور علیہ السلام پر علوم خمسہ کیسے پوشیدہ رہ سکتے ہیں جبکہ آپ کی امت سے کسی اہل تصرف کو تصرف ممکن نہیں جب تک کہ ان علوم خمسہ کی معرفت حاصل نہ ہو۔)

○ دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

هُوَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنَ الْخَمْسِ الْمَذْكُوْرَةِ فِي الْآيَاتِ الشَّرِيْفَةِ وَكَيْفَ يَخْفٰى عَلَيْهِ ذٰلِكَ وَالْأَقْطَابُ السَّبْعَةُ مِنْ أُمَّتِهِ الشَّرِيْفَةِ يَعْلَمُوْنَهَا وَهُمْ دُوْنَ الْغَوْثِ فَكَيْفَ بِالْغَوْثِ فَكَيْفَ بِسَيِّدِ الْأَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ الَّذِيْ هُوَ سَبَبُ كُلِّ شَيْءٍ وَمِنْهُ كُلُّ شَيْءٍ۔ (الابریز شریف ص ۲۳۹)

(ترجمہ: حضور علیہ السلام پر ان پانچوں مذکورہ میں سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں اور حضور پر یہ امور مخفی کیوں کر رہ سکتے ہیں حالانکہ آپ کی امت کے سات قطب ان کو جانتے ہیں حالانکہ وہ غوث سے مرتبہ میں نیچے ہیں، پھر غوث کا کیا کہنا، پھر حضور علیہ السلام کا کیا پوچھنا جو تمام اولین و آخرین سارے جہان کے سردار ہیں اور ہر چیز کے سبب ہیں اور ہر چیز ان سے ہے)

○ سیدی علی الخواص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے:

لَا يَكْمُلُ الرَّجُلُ عِنْدَنَا حَتّٰى يَعْلَمَ حَرَكَاتِ مُرِيْدِهِ فِي انْتِقَالِهِ فِي الْأَصْلَابِ وَهُوَ نُطْفَةٌ مِنْ يَوْمِ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ إِلٰى اسْتِقْرَارِهِ فِي الْجَنَّةِ أَوْ فِي النَّارِ۔ (کبریت احمر ص ۱۲۵)

(ترجمہ: ہمارے نزدیک مرد اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک کہ اس کو اپنے مرید کی حرکتیں اس کے آباء کی پشتوں میں معلوم نہ ہوں یعنی جب تک یہ معلوم نہ کرے کہ یوم الست سے کس کی پشت میں ٹھہرا اور اس نے کس وقت حرکت کی یہاں تک کہ اس کے جنت اور دوزخ میں قرار پکڑنے تک کے حالات جانے)

○ تاج العارفین شیخ ابو الوفا فرماتے ہیں:

وَلَا يَكُوْنُ الشَّيْخُ شَيْخًا حَتّٰى يَعْرِفَ مِنْ كَاتِبٍ إِلٰى كَاتِبٍ فَقِيْلَ لَهُ مَا كَاتِبٌ وَمَا كَاتِبٌ فَقَالَ يُطْلِعُهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلٰى حِيْنِهِمْ مَا فِي الْمَكْنُوْنِ مِنْ أَيْنَ إِلٰى خَلْوَتِهِمْ إِلَى الْمَقَامِ وَقُعُوْدِهِمْ إِنَّهُمْ مَسْئُوْلُوْنَ۔ (بہجۃ الاسرار ص ۴۳)

(باقی برصفحہ ۱۰۹۲)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۹۱) (ترجمہ) کوئی شخص اس وقت تک شیخ کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ کاف سے قاف تک مکمل معرفت حاصل نہ کر لے۔ پوچھا گیا، کاف اور قاف کیا ہوتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا اللہ عزوجل اس شیخ کامل کو روز اول سے ہی تمام مخلوقات کی اطلاع دیتا ہے یعنی نطفہ کی حالت سے پیدائش کی ابتدا سے لے کر روز قیامت اس مقام تک کی اطلاع جہاں مخلوق کو قرار کے بعد ان سے سوال کیا جائے گا۔)

یہ حضور کے غلاموں کا علم ہے، جس آقا کے غلاموں کا اتنا علم ہو کہ وہ ابتدائے آفرینش خلق سے لے کر مخلوق کے جنت اور دوزخ میں جانے تک کے تمام حالات جانتے ہیں اس آقا کا اپنا علم کتنا ہوگا!

○ صاحب تفسیر روح البیان آیت وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ کے ماتحت فرماتے ہیں:

وسمعت ایضاً من بعض اولیاء اللہ انہ اخبر ما فی الرحم من ذکر و انثیٰ و رایت بعینی ما اخبر۔

(تفسیر روح البیان)

(ترجمہ) میں نے بعض اولیاء اللہ سے یہی سنا کہ انہوں نے مافی الرحم کی خبر دی کہ پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی۔ اور میں نے اپنی آنکھ سے دیکھ لیا کہ انہوں نے جیسی خبر دی ویسا ہی وقوع میں آیا۔)

دلائل سے ثابت ہوگیا کہ ملائکہ، صحابہ اور اولیاء اللہ کو بھی مافی الارحام کا علم عطا ہوتا ہے۔ تو پھر حضور اکرم علیہ والا قربان سے یہ علم کیونکر مخفی رہ سکتا ہے جبکہ وہ تمام مخلوقات سے افضل اور اعلم ہیں۔ اور یہ محض قیاس آرائی نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے علوم مافی الارحام عطا فرمائے جس کے شواہد ان گنت ہیں۔

○ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے پیدا ہونے کی خبر دی، جیسا کہ مشکوٰۃ شریف میں روایت ہے کہ ام فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے آج شب ایک نہایت ناپسند خواب دیکھا ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ کیا؟ عرض کیا، وہ بہت سخت ہے۔ فرمایا، وہ کیا؟ عرض کیا، میں نے دیکھا کہ گویا ایک ٹکڑا حضور والا کے جسم اقدس کا کاٹا گیا اور میری گود میں رکھا گیا۔ تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

رَأَيْتِ خَيْرًا تَلِدُ فَاطِمَةُ إِنْ شَاءَ اللهُ غُلَامًا يَكُونُ فِي حِجْرِكِ فَوَلَدَتْ فَاطِمَةُ الْحُسَيْنَ فَكَانَ فِي حِجْرِي كَمَا قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (مشکوٰۃ ص ۵۷۲)

(ترجمہ) تو نے اچھا خواب دیکھا ہے، ان شاء اللہ فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے ہاں لڑکا ہوگا اور وہ تیری گود میں ہوگا پس حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حسین کو جنا پس میری گود میں آیا جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا

(باقی بر صفحہ آئندہ)

یہ ذات جو تمہیں مٹی سے پیدا کر سکتی ہے جبکہ اس وقت تمہارے اندر زندگی کی رمق بھی نہیں تھی وہ تمہیں بعث و نشر میں اٹھانے پر بھی قادر ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۔)

○ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیدا ہونے کی خبر سنائی، جو بعد میں پیدا ہوں گے، جو کہ حدیثوں میں مذکور اور عوام الناس میں مشہور ہے۔ یہ خبر آپ نے لڑکا پیدا ہونے کی اس وقت دی جبکہ نطفہ باپ کی پیٹھ میں نہیں بلکہ اس سے بھی بہت پہلے۔ امام مہدی رضی اللہ عنہ کے متعلق تفصیل و تحقیق فقیر کی کتاب "امام مہدی" اور "آئینہ شیعہ نما" کی شرح میں ہے۔

○ عن انس قال مات ابن لابی طلحة من ام سلیم فقالت لاهلها لا تحدثوا ابا طلحة بابنه حتی اکون انا احدثه قال فجاء فقربت الیه عشاء فاکل وشرب قال ثم تصنعت له احسن ما کان تصنع قبل ذلك فوقع بها فلما ان رات انه قد شبع واصاب منها قالت یا ابا طلحة ارأیت لو ان قوما اعاروا عاریتهم اهل بیت فطلبوا عاریتهم الهم ان یمنعوهم قال لا قالت فاحتسب ابنك قال فغضب فقال ترکتنی حتی ثم اخبرتنی بابنی فانطلق الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بارك اللہ لکما غابر لیلتکما قال فحملت۔

(رواہ مسلم فی فضائل ام سلیم رضی اللہ عنہا)

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ابو طلحہ کا بیٹا جو ام سلیم کے پیٹ سے تھا فوت ہو گیا انھوں نے اپنے گھر والوں سے کہا ابو طلحہ کو خبر نہ کرنا ان کے بیٹے کی جب تک کہ میں خود نہ کہوں۔ آخر ابو طلحہ آئے۔ ام سلیم شام کا کھانا سامنے لائیں۔ انھوں نے کھایا اور پیا۔ پھر ام سلیم نے اچھی طرح بناؤ سنگھار کیا ان کے لیے، یہاں تک کہ انھوں نے جماع کیا ان سے۔ جب ام سلیم نے دیکھا کہ وہ سیر ہو گئے اور ان کے ساتھ صحبت بھی کر چکے۔ اس وقت انھوں نے کہا اے ابو طلحہ! اگر کچھ لوگ اپنی چیز کسی گھر والے کو مانگے پر دے دیں پھر اپنی چیز مانگیں تو کیا گھر والے اس کو روک سکتے ہیں؟ ابو طلحہ نے کہا، نہیں روک سکتے۔ ام سلیم نے کہا تو میں تم کو خبر دیتی ہوں تمہارے بیٹے کے فوت ہو جانے کی۔ یہ سن کر ابو طلحہ غصے ہوئے اور کہنے لگے تو نے مجھ کو خبر نہ کی یہاں تک کہ میں آلودہ ہوا اب بیٹے کی خبر کی۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم کو برکت دے تمہاری گزری ہوئی رات میں۔ ام سلیم حاملہ ہو گئیں۔

ف: حدیث شریف سے واضح ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابی کو ایک خفیہ بات کی خبر دے کر اس کی بیوی کے حاملہ ہونے کی اطلاع دی۔ چنانچہ اسی روایت میں ہے کہ "فولدت غلاما" تو بی بی کو بچہ پیدا ہوا۔

(باقی بر صفحہ ۱۰۹۴)

بعث انسان گر نشد زوست عیاں
اوّل خلقش گر بُدا پیساں
بر کہ بر ایجاد او فتّا در بود
قدر نقش بر بعث او لا محصر شود۔
ہست غایت کہ از بعد خزاں
میکند پیدا بہار بوستاں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۹۳)

اور یہ کمال نبوت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک محدود نہ تھا بلکہ آپ کے فیضانِ کرم سے آپ کے فیض یافتگان اور آپ کی اُمت کے اولیاء کرام کو بھی حاصل تھا۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

① عن عروۃ قال لقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجلاً من اعراب البادیہ وھو متوجہ الی بدر لقیہ بالروحاء فسألہ القوم عن خبر الناس فلم یجدوا عندہ خبرًا فقالوا لہ سلّم علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال اوفیکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قالوا نعم قال الاعرابی فان کنت رسول اللہ فاخبرنی ما فی بطن ناقتی ھذہ فقال لہ سلمۃ بن سلامۃ بن وقش وکان غلامًا حدثًا لا تسأل رسول اللہ انا اخبرک تزوت علیھا ففی بطنھا سخلۃ منک۔ رواہ الحاکم فی المستدرک ج ۳ ص ۴۲۰ وقال ھذا صحیح مرسل وحکاہ ھشام فی سیرتہ ونقلہ الدمیری فی حیوۃ الحیوان)

(ترجمہ) عروہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کی جنگ کو جا رہے تھے تو مقام روحاء پر ایک بدوی سے ملاقات ہوئی صحابہؓ نے کچھ حالات اس سے پوچھے لیکن اس نے کچھ نہ بتایا پھر اسے کہا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کیجئے۔ کہا کیا تم میں رسول ہے؟ صحابہ کرام نے کہا ہاں۔ اعرابی بدوی نے کہا بتاؤ میری اونٹنی کے پیٹ میں کیا ہے؟ سلمہ بن وقش نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ پوچھ میری طرف متوجہ ہو، میں تجھے بتاتا ہوں کہ اس کے پیٹ میں تیری ہی حرکت نالائق کا نتیجہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خاموش۔ اور وہ اعرابی حیران رہ گیا۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سے فرد صحابی نے پیٹ کا حال بتا دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی کو یہ سوال میں کرنے سے منع فرمایا کہ اس کی نالائق حرکت کا پردہ فاش نہ ہو۔ لیکن اس نے اعرابی کو یہ بتا دیا کہ اس اونٹنی کے پیٹ میں کس کا نطفہ ہے۔

حضور سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت دینی پر قربان جنہوں نے علم ہونے کے باوجود اس اعرابی کا پردہ
(باقی ص)

ترجمہ: قیامت کے دن انسان کو اٹھانا اگر تمہیں معلوم نہیں تو اللہ تعالیٰ کی اول تخلیق پر غور کیجئے کہ وہ اس بارہ میں بہتر دلیل ہے۔ جو ذات ایجاد عالم پر قادر ہے وہ قیامت میں اٹھانے پر بھی قدرت رکھتی ہے کیونکہ وہ ہر شے کی خالق ہے۔ دیکھئے خزاں کے بعد بہار آتی ہے اور باغ بن جاتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ) فاش کرنا مناسب نہ سمجھا۔ حضرت علم صحابی رضی اللہ عنہ کا یہ خبر دے دینا اسی بات کی دلیل ہے کہ آقائے دو عالم کے علم کی شان تو بہت بلند ہے لیکن ان کی بدولت غلاموں کو بھی ما فی الارحام کا علم ہوتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اعرابی حیران ہو گیا۔

○ عن عائشۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم انھا قالت ان ابا بکرؓ الصدیق کان نحلھا جاد عشرین وسقا من مالہ بالغابۃ فلما حضرتہ الوفاۃ قال واللہ یا بنیۃ ما من الناس احب الی غنی بعدی منک ولا اعز علی فقرا بعدی منک وانی کنت نحلتک جاد عشرین وسقا فلو کنت جددتیہ واحتزتیہ کان لک وانما ھو الیوم مال وارث وانما ھما اخواک واختاک فاقتسموہ علی کتاب اللہ قالت عائشۃ یا ابت واللہ لو کان کذا وکذا لترکتہ انما ھی اسماءُ فمن الاخری قال ذو بطن ابنۃ خارجۃ اراھا جاریۃ۔ (رواہ البیہقی ج ۶ ص ۱۷۰ ۔ والطحاوی ج ۲ ص ۲۴۳ ۔ تاریخ الخلفاء ص ۶۲ ۔ اصابہ ص ۲۰۶)

(ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کو ایک درخت کھجور کا دے دیا تھا جس سے بیس وسق کھجوریں حاصل ہوتی تھیں۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اے بیٹی! اللہ کی قسم مجھے تیرا غنی ہونا بہت پسند ہے اور غریب ہونا بہت ناگوار۔ اس درخت سے اب تک جو کچھ تم نے نفع اٹھایا ہے وہ تمہارا تھا لیکن میرے بعد یہ مال وارثوں کا ہے اور وارث تمہارے حقیقی دو بھائی اور دو بہنیں ہیں اس ترکہ کو موافق حکم شریعت کے تقسیم کر لینا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ایسا ہو سکتا ہے لیکن میری تو صرف ایک بہن اسماء ہی ہیں آپ نے دوسری کون سی بتا دی؟ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا ایک تو اسماء ہیں دوسری بہن ماں کے پیٹ میں ہے میں جانتا ہوں کہ وہ لڑکی ہے۔ پھر ام کلثوم پیدا ہوئیں۔)

ایسے بیشمار واقعات اولیائے کرام کے ہیں صرف ایک واقعہ ملاحظہ ہو۔

○ استاذ الکل حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بستان المحدثین (ص ۱۱۴) میں فرماتے ہیں:
نقل می کنند کہ والد شیخ ابن حجر را فرزندی زیست نمی کرد۔ کشیدہ خاطر بحضور شیخ رسید۔ شیخ فرمود از پشت تو فرزندی خواہد برآمد کہ بعلم دنیا را پر کند۔

(یعنی شیخ ابن حجر عسقلانی کے والد ماجد کی اولاد زندہ نہیں رہا کرتی تھی ایک روز رنجیدہ ہو کر اپنے شیخ کے حضور میں پہنچے۔ شیخ نے فرمایا کہ تیری پشت سے ایک فرزند پیدا ہوگا جو اپنے علم سے دنیا کو بھر دے گا۔ چنانچہ ابن حجر پیدا ہوئے۔)

وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ یہ جملہ مستانفہ ہے اور تخلیق کی تکمیل کے بیان کے بعد اب اس کے بعض حالات کا بیان فرمایا یعنی جتنی مدت ہم تمہارے لیے چاہتے ہیں تمہیں ماؤں کے پیٹوں میں ٹھہراتے ہیں **اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی** ایک مقرر مدت تک۔ اس سے حمل کی مدت مراد ہے۔

پیٹ میں بچے کے ٹھہرنے کی مدت

تمام ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک پیٹ میں بچے کے ٹھہرنے کی اقل مدت چھ ماہ ہے اور زیادہ سے زیادہ مدت کے متعلق ان کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دو سال اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک چار سال اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک پانچ سال ہے۔

ف: مروی ہے کہ ضحاک بن مزاحم تابعی رحمہ اللہ تعالیٰ ماں کے پیٹ میں دو سال اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ تین سال ٹھہرے (کذا قالہ السیوطی)۔

ف: امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کی ہمسایہ عورت کے بارہ سال میں تین بچے ہوئے، جن میں سے ہر ایک ماں کے پیٹ میں چار سال ٹھہرا تھا۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ جن بچوں کے لیے ماں کے پیٹ کے اندر اللہ تعالیٰ ٹھہرانا نہیں چاہتا تو وہ بچہ کچا گر جاتا ہے۔

ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ ماں کے پیٹ کے اندر ٹھہرانے اور تمہاری مدت کی تکمیل کے بعد ہم تمہیں نکالتے ہیں **طِفْلًا** بچے بنا کر، کہ تم اپنے معاملات کو طے نہیں کر سکتے کیونکہ اس وقت تم نہایت کمزور ہوتے ہو۔

سوال: اطفالاً کے بجائے طفلاً کیوں کہا گیا؟

جواب: یہاں جنس واقع ہوا ہے جس میں ایک بھی مراد ہو سکتا ہے اور متعدد بھی۔ یا کل واحد منکم کے معنے میں ہے۔

ف: ہر وہ بچہ جو پیدائش کے بعد جب تک کھانے پینے کی قدرت نہ رکھے اس وقت تک اسے طفل کہا جاتا ہے (کذا فی الروح)۔

ف: مولانا قاری رحمہ اللہ الباری نے تفسیر الفاتحہ میں لکھا کہ ہر وہ بچہ جو پیدائش کے بعد چیخ مارے اور یہاں تک کہ ۷ سال کا ہو جائے اسے طفل کہا جائے گا۔

ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ یہ نخرجکم کی علت اور اس کا عطف آخرہ پر عطف ہے اور اسی کی مناسبت سے اس کا اس پر عطف ڈالا گیا ہے۔ گویا عبارت یوں تھی: ثم نخرجکم لتکبروا شیئاً فشیئاً ثم لتبلغوا اشدکم یعنی تمہیں ماں کے پیٹ سے نکالا تاکہ تم بتدریج بڑے ہو کر اپنے عقل و قوت و تمیز کے کمال کو پہنچو۔ وہ تیس و چالیس کی درمیانی عمر کو کہا جاتا ہے اور قاموس میں ہے کہ یہ اٹھارہ سال سے تیس سال تک کہتے ہیں اور اشد واحد کا صیغہ ہے لیکن جمع کے وزن پر آیا ہے جیسے لفظ آنک واحد کا صیغہ جمع کے وزن پر آیا ہوا ہے۔ اس صیغہ کی کوئی اور نظیر نہیں۔ **وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى** اور تم میں بعض وہ ہوتے ہیں جن کی روحیں بلوغ سے پہلے قبض کی جاتی ہیں یا وہ بلوغ کے تھوڑی سی مدت بعد مر جاتے ہیں۔

التوفی بمعنی الموت۔ چنانچہ اہل عرب کہتے ہیں:

توفاہ اللہ بمعنی قبض روحہ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کی روح قبض کر لی۔

وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ اور بعض تم میں وہ ہیں جنہیں رذیل ترین عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے اس سے بڑھاپا اور انسانی زندگی مراد ہے۔ اور الرذل والرذال سے وہ شے مراد ہوتی ہے جس سے اس کے ردی ہونے کی وجہ سے طبیعت کو سخت نفرت ہو اور وہ وقت جو بدن میں روح کی وجہ سے محفوظ رہتی ہے اسے عمر کہا جاتا ہے **لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْــًٔا** تاکہ اس عمر تک پہنچنے کے بعد کسی شے کو نہ جان سکے حالانکہ اس سے قبل بہت سی معلومات رکھتا تھا اس میں اس کے علم کی کمی اور اس کی تبدیلی حال میں مبالغہ مطلوب ہے۔ مقصود اس عمر میں انسان کی حالت بچے کی ہو جاتی ہے گویا وہ بڑھاپے میں بچپن کی حالت کی طرف لوٹ جاتا ہے مثلاً جسمانیت کی کمی اور عقل کی کمزوری اور فہم کی قلت وغیرہ۔ اس طرح یہ کیفیت ہوتی ہے کہ بہت سے اپنے پچھلے اعمال کو بھول جاتا ہے اور بہت سی جانی پہچانی چیزوں کا انکار کر جاتا ہے بہت سے امور کو ان پر قدرت رکھنے کے باوجود اب عجز کا یہ حال ہوتا ہے کہ پچھلے وقت ادا کرتا ہے سورۂ نحل میں اسی کے متعلق تحت آیت واللہ خلقکم ثم یتوفاکم میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

طرب نوجوان ز پیر مجوی
کہ دگر نآید آب رفتہ بجوی

زرع را چون رسید وقت درو
نخرامد چنانکہ سبزۂ نو

ترجمہ: نوجوان کی خوشی کی باتوں کو بوڑھے سے مت تلاش کر اس لیے کہ نہر کا گیا ہوا پانی واپس نہیں آتا۔
کھیتی کے کاٹنے کا وقت جب پہنچتا ہے تو وہ نئے سبزے کی طرح نہیں ہوتی۔

اور فرمایا:

۱ چو دوران عمر از چہل در گذشت
مزن دست و پا کآب از سر گذشت

۲ بسبزی کجا تازہ گردد دلم
کہ سبزی بخواہد دمید از گلم

۳ تفرج کنان در ہوا و ہوس
گذشتیم بر خاک بسیار کس

۴ کسانی کہ دیگر بہ غیب اندرند
بیایند و بر خاک ما بگذرند
۵ دریغا کہ فصل جوانی گذشت
بلہو و لعب زندگانی گذشت
۶ چہ خوش گفت با کودک آموزگار
کہ کاری نکردیم و شد روزگار

ترجمہ (۱) جب دور زندگی چالیس سال سے گزر جائے تو ہاتھ پاؤں مت مار کیونکہ اب پانی سر سے گزر گیا۔
(۲) سبزی سے میرا دل کب تازہ ہو سکتا ہے اس لیے کہ میری مٹی سے اب سبزی پیدا نہ ہو سکے گی۔
(۳) لوگوں کی قبر پر ہنسی و مذاق کرتے ہوئے ہم گزرے۔
(۴) جو ابھی پیدا نہیں ہوئے وہ بھی ایسے ہی ہماری قبروں سے گزریں گے۔
(۵) افسوس کہ جوانی کی بہار گزر گئی۔ لہو و لعب میں زندگی گزر گئی۔
(۶) استاد نے لڑکے سے کیا خوب فرمایا کہ ہم نے کوئی کام نہ کیا اور ہمارا وقت گزر گیا۔

نکتۂ روحانی نسفی نے کشف الحقائق میں لکھا ہے وہ لکھتے ہیں! علم سے پہلے جہالت دوزخ ہے اور جہل کے بعد علم بہشت ہے اس لیے کہ علم سے پہلے جہالت حرص و طمع کا سبب اور جہل کے بعد علم رضا و قناعت کا سبب ہے۔

فائدہ صوفیانہ عرائس البیان میں ہے کہ ارذل العمر سے مشاہدہ کے بعد ایام حجاب اور مواصلت کے بعد ایام فترۃ مراد ہے تاکہ علم کے باوجود واصلان احوال شریفہ اور مقامات رفیعہ کا علم نہ ہو جو اس پر گزر چکے اور محققین پر غیرت حق کی وجہ سے ہے یہ اس وقت ہے جب وہ دعاوی کثیرہ سے اپنے اسرار و رموز ظاہر کرتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ اور اس کے فضل و کرم کا اضافہ چاہتے ہیں تاکہ وہ اپنے فضل و کرم سے ہمیں نفس کے فتنے اور اس کے شر سے بچائے۔ (آمین)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ کائنات بمنزلہ بچوں کے عدم بمنزلہ ماں کے ہے اور یہ کائنات اسی عدم کے پیٹ میں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جتنے ایام مقرر فرمائے ہیں اس کائنات نے اتنی مدت عدم میں گزاری اور جب عدم سے عالم دنیا میں آیا اس کے لیے میعاد مقرر فرمائی اور ان میں سے ہر ایک کی زندگی اللہ تعالیٰ کی رضا و مشیت پر مبنی ہے۔ اس کی حکمت کے تقاضا کے مطابق ہوتا ہے کوئی بھی عدم کے رحم سے خارج نہیں ہوتا مگر وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق ظاہر ہوتا ہے اور اس کی زندگی کے اوقات بھی

حیثیت حق کے مطابق مکمل ہوتے ہیں۔

تردید فلاسفہ

اس سے فلاسفہ کا رد ہو گیا وہ کہتے ہیں کہ عالم قدیم ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ایجاد عالم کے لیے ازل میں اسباب الٰہیہ بالکمال تھے۔ اگر ہم کہیں کہ ازل میں اسباب الٰہیہ نہیں تھے تو نقص لازم آتا ہے اور نقص شان الٰہیہ کے لائق نہیں۔ اگر ہم کہیں کہ ازل میں اسباب الٰہیہ بالکمال بلا مانع موجود تھے اس سے ایجاد عالم فی الازل بلا تقدم زمانی صانع علی المصنوع لازم آتا ہے بلکہ یوں کہو کہ اس سے تقدم رتبی لازم آتا ہے۔ ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ آیت میں دلالت ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل میں موجود تھا اور اس کے ساتھ اور کوئی شے نہیں تھی اور اسے قدرت ہے جیسے چاہے جیسے چاہے پیدا کرے۔ ہاں ازل میں اللہ تعالیٰ کا ارادہ تھا کہ حکمت ازلیہ کے مقتضیٰ کے مطابق ایک وقت میں عدم سے کائنات کو ظاہر فرمائے اگرچہ اس عالم کے وجود سے پہلے کوئی وقت وغیرہ نہیں تھا لیکن اللہ تعالیٰ کے ارادہ میں ان ایام کی مقدار مقدر تھی جس میں نہ صبح تھی نہ شام۔ کما قال تعالیٰ وذکرھم بایام اللہ۔ اور فرمایا نخرجکم الخ اس میں اشارہ ہے کہ کائنات کا ہر ہر ذرہ عدم سے ظاہر ہوا کہ جس کے متعلق تربیت کی استعداد تھی پھر اسے جتنا کمال نصیب ہوا ان میں بعض ایسے ہوتے ہیں جو کمال تک پہنچنے سے پہلے لوٹ جاتے ہیں اور ان میں بعض اپنے کمال سے متجاوز ہو کر کمال کی نقیض کی طرف لوٹتے ہیں یہاں تک کہ اس میں کمال کا ایک ذرہ بھی باقی نہیں رہتا۔ لکیلا یعلم من بعد علم شیئا کا یہی معنیٰ ہے

دفتر دانش من جملہ بشوئید بمی
تا شود از نم فیض ازلی جانم حی

ترجمہ: دانائی کے تمام دفتر شراب حقیقت سے دھو ڈالو تاکہ فیض ازلی کی تروتازگی سے میری جان زندہ ہو۔

تفسیر عالمانہ

وَتَرَى الْاَرْضَ اور زمین کو دیکھتے ہو۔ یہ خطاب ہر اس شخص کو ہے جس میں رویت کی صلاحیت ہو۔ یہ بعث و حشر کی دوسری حجت ہے هَامِدَةً ویران اور خشک۔ یہ ھمدت النار سے مشتق ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شے جل کر راکھ ہو جائے فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ پس جب ہم نے اس پر پانی یعنی بارش نازل فرمائی اهْتَزَّتْ تو اس کی سطح حرکت میں آجاتی ہے اهتزاز بمعنے وہ حرکت جو ابتہاج و سرور سے ہو۔ اھتز نفس ملکیت وکیت یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی میں حسن و شادابی کی رونق آجائے وَرَبَتْ اور پھول جاتی اور بڑھ جاتی ہے یہ ربا یربو ربا سے مشتق ہے بمعنے زیادہ ہونا۔ اور کہا جاتا ہے الفرس ربوا یہ اس وقت بولتے ہیں جب گھوڑا دوڑنے یا کسی دیگر خوف سے پھول جائے وکذا انفاس۔ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ اور اگاتی ہے ہر قسم کے جوڑے۔ بَهِيْجٍ البہجۃ بمعنے اچھے رنگ والی شے۔ اور ہر اس شخص پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جس سے سرور و فرحت ظاہر ہو۔ اور اہل عرب کہتے ہیں۔

ابتہج بکذا سرورا بمعنے اشرق وجہہ۔ یعنی سرور و فرحت کے آثار اس کے چہرے سے ظاہر ہیں۔

اور معنی یہ ہوا کہ زمین یعنی جیسی پر رونق ہو جاتی ہے کہ اس کی ریگ کی تو ... ہو جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو تر و تازہ اور سرسبز پر رونق کرتا ہے اور وہ ویران زمین کو زندہ کرنے پر قادر ہے تو مردوں کو بھی زندہ کر سکتا ہے ؎

آنکہ ہیچ دانہ نہال افراختست — دانہ ہم خیر تو اند ساختست
گر نابودہ را بقدرت بود — چہ عجب گر دہد ببودہ وجود

ترجمہ: وہ ذات جو دانے سے پودا درخت بنا سکتی ہے وہی درخت سے دانہ بھی پیدا کر سکتی ہے۔ اگر وہ ذات اپنی قدرت سے نیست کو ہست بناتی ہے تو اس سے کب بعید ہے کہ وہ ہست کو وجود بخشے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ ذلک کا اشارہ مضمون مذکورہ کی طرف راجع ہے۔ یعنی انسان کی تخلیق اطوار مختلفہ پر اور انسان کی تربیت اطوار مختلفہ میں اور ویران زمین کا آباد ہونا اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ هُوَ الْحَقُّ حق ہے وَاَنَّهٗ یُحْیِ الْمَوْتٰی اور وہ مردوں کو زندہ کرتا ہے یعنی اس کی شان اور عادت کریمہ یہ ہے کہ مُردوں کو زندہ کرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر طرح کے احیاء پر قادر ہے۔ ابتداءً نطفہ میں عدم کو وجود بخشا تو اسی نے اور پھر مرنے کے بعد زندہ کر کے اٹھاتا ہے تو اسی نے۔ اور دیکھو کہ نطفہ میں سے کیسی صورتیں بنا بنا کر دیتی ہیں۔ اور ویران زمین کو تازگی اور رونق بخشی اور بخشتا رہے گا۔ وَاَنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔ پس یہ کیسے بہت بڑی قدرت والا ہوا اس کی سب سے بڑی قدرت کی دلیل کل موجودات کی تخلیق و ایجاد ہے وَّاَنَّ السَّاعَةَ اور بے شک قیامت اٰتِیَةٌ آنے والی ہے یعنی عنقریب آئے گی جس میں نیکو کاروں اور بدکاروں کو جنت اور سزا ملے گی لَّا رَیْبَ فِیْهَا اس میں کسی قسم کا شک نہیں کیونکہ اس کی آمد کی دلیلیں واضح اور اس کا معاملہ ظاہر ہو چکا ہے۔ اور یہ اللہ کی مخبری خبر ہے وَاَنَّ اللّٰهَ یَبْعَثُ اور بے شک اللہ تعالیٰ اٹھائے گا یعنی اپنے وعدہ کے مطابق اٹھائے گا اس لیے کہ اس کے وعدے کا خلاف نہیں ہو سکتا مَنْ فِی الْقُبُوْرِ یہ قبر کی جمع ہے یعنی وہ جگہ جہاں مردے کو دفنایا جاتا ہے اور البعث سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قبروں سے سب کو اٹھائے گا یعنی ان کے اصلی اجزاء جمع کر کے ان کے اندر روح ڈالے گا۔

فلاسفہ اور نیچرسٹوں کی تردید

فلاسفہ اور نیچری اسلام پر کہتے ہیں کہ قبروں سے کیسے اٹھایا جائے گا جبکہ یہ تمام اجسام ریزہ ریزہ ہو کر معدوم ہو جائیں گے اور معدوم کا اعادہ ممتنع ہے۔

جواب: ہم اہل اسلام ان کے جواب میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان اجزاء کو جمع فرمائے گا جو انسان کے اصلی اجزاء ہیں اور وہ اول عمر سے آخر عمر تک باقی اور موجود رہتے ہیں انہی کی طرف روح لوٹائی جاتی ہے اب اعادۃ المعدوم سے کوئی تعبیر کرتا ہے تو یہ اس کی اپنی اصطلاح ہے ورنہ ہماری تقریر واضح ہے اور اسے اعادۃ المعدوم کہنا انصاف کا خون کرنا ہے۔

سوال: اجزاء ماکولہ کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟

جواب: ہم ان اجزاء بالکل کو فضلے سے تعبیر کرتے ہیں یہ انسان کے اصلی اجزاء میں داخل نہیں اگر کوئی ان کو اجزاء اصلیہ میں داخل نہیں کرتا تو ہم اس کے ساتھ ہیں ہم فلاسفہ (اور فیلسوفوں) کو اجزائے اصلیہ کے اعادہ کی بات کرتے ہیں اور وہ حق ہے اور اسے منصف مزاج مانتے بھی ہیں ہم اجزائے بالکل کو نہ اجزائے اصلیہ میں داخل کرتے ہیں اور نہ ان سے ہماری گفتگو ہے اگر کسی کو خوشی ہے تو وہ ہمارے اصول اپنے بچے پھر اعتراض کرے۔

ف: مروی ہے کہ جب ہم سب قیامت میں اٹھیں گے تو اس وقت آسمان سے ایک پانی برسے گا جو منی کے مشابہ ہوگا، اسی سے ہی آخرت میں انسانی نشوونما ہوگی۔ اسے دنیا کی نشوونما پر قیاس کیجئے کہ وہ نطفہ جو بوجہ حیات سے گزر کر آباء کے اصلاب میں پہنچا وہاں سے منتقل ہو کر امہات کے ارحام میں داخل ہوا انسانی ڈھانچہ بن گیا۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے ہماری پہلی تخلیق ایسے طریقے سے فرمائی کہ جس کی پہلے کوئی مثال نہیں تھی پھر اسے ایسی بہترین ترکیب میں ظاہر فرمایا کہ عقل حیران ہے ایسے ہی ہماری دیگر نشوونما ایسے طریقے سے فرمائے گا جس میں مثال یا سبق کو دخل نہ ہوگا۔ فرق صرف یہ ہے کہ آخرت میں نشوونما محسوس ہوگی اور پہلی نشوونما غیر محسوس تھی۔ اس تقریر کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کی ریڑھ کی ہڈی سے تمام جسم کے ڈھانچے کو بنائے گا اور وہ ریڑھ کی ہڈی اسی دنیوی نشأۃ سے ہوگی اور یہی انسانی اجزاء کی اصل ہے اور اسی پر آخرت کی نشأۃ کا دارومدار ہے۔

فائدہ صوفیانہ جیسے اللہ تعالیٰ ویران زمین اور انسان کے معدوم ڈھانچہ کو پانی سے زندہ فرماتا ہے ایسے ہی زنگ آلود قلوب کو معنوی آب سے زندہ فرماتا ہے اور معنوی پانی سے اذکار و انوار و تجلیات مراد ہیں۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ اپنے دل کو اذکار و طاعات و واردات الٰہیہ سے منور اور زندہ کرے تاکہ اس کا دل شرک جلی و خفی کے ظلمات اور دیگر شکوک و شبہات سے نجات پا سکے۔

رد وہابیہ معتزلہ اور نجدیہ دیوبندیہ[1] اس میں شک نہیں کہ قبر میں میت زندہ لوگوں کی دعا سے نفع پاتی ہے۔ ایسے ہی روح کو اعضائے انسانی اور قوالب جسمانی سے قرب نصیب ہوتی ہے تو مقام اعلیٰ کی طرف ترقی پاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے طفیل اس سے حیات ابدیہ کا سوال کرتے ہیں۔

ہر کہ بر شمع مدی بجز گرا سے
گرچہ جاہد ز صورت بجا سے

ترجمہ: اگر تم دانا ہو تو حقیقت کی طرف مائل ہو اس لیے کہ حقیقت برقرار رہے گی اور صورت تباہ ہو کر مٹ جائے گی۔

---

[1] یہ عنوان میں نے اس لیے قائم کیا ہے کہ وہابی دیوبندی اور ان کی شاخیں بلا وجہ کہتے ہیں کہ مُردوں کو زندوں سے فائدہ نہیں پہنچ سکتا یعنی ان کا طرز عمل اور معاملات وہی ہیں جو معتزلہ اور نجدیوں کے ہیں۔ آزما کر دیکھیے۔ اویسی غفرلہ

وَمِنَ النَّاسِ اس سے ابوجہل وغیرہ مراد ہے مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰہِ اور بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے متعلق جھگڑتے ہیں اور ان کا حال یہ ہے کہ اپنے جھگڑے میں بِغَیْرِ عِلْمٍ علم کے بغیر کرتے ہیں نہ انہیں ضروری علم نصیب ہے نہ بدیہی اور فطری وَّلَا ھُدًی اور نہ انہیں ہدایت حاصل ہے کہ جس سے کسی حقیقت کے لیے استدلال کر سکیں اور نہ ان کے ہاں کوئی برہان جو انہیں معرفت کی ہدایت دے یعنی ان کے ہاں کوئی ایسی دلیل نہیں جو انہیں مطلوب مقصود تک پہنچا دے وَّلَا کِتٰبٍ مُّنِیْرٍ اور نہ ہی ان کے ہاں روشن کتاب ہے یعنی وحی الٰہی جو ان پر حق ظاہر کرے۔

ف کاشفی نے لکھا کہ ان کے ہاں کوئی ایسی کتاب جس میں جس سے وہ صواب و خطا کا امتیاز کر سکیں۔ خلاصہ یہ کہ وہ جھگڑالو اللہ تعالیٰ کے متعلق جھگڑتا ہے تو اس کے پاس نہ کوئی دلیل ضروری ہے اور نہ حجت نظری اور نہ برہان کشفی، بلکہ وہ اندھی تقلید میں گرفتار ہے اور قاعدہ ہے جو بھی کسی سے مناظرہ کرے اور اس کے پاس ان تینوں امور (دلیل ضروری، حجت نظری، برہان کشفی) میں سے کوئی ایک نہ ہو تو اسے جاہلوں کا باپ اور احمقوں کا سردار کہا جاتا ہے۔ بلکہ یقین کیا جاتا ہے کہ گمراہی اور ضلالت اسی پر ختم ہے۔

ثَانِیَ عِطْفِہٖ (حل لغات) یہ یجادل کے فاعل سے حال ہے۔ یہ ثَنَی الْعُوْدَ سے مشتق ہے یعنی ٹیڑھی ہو گئی۔ اس کی مناسبت ظاہر ہے کہ لکڑی کی ایک جانب دوسری جانب سے مل کر گویا دوہری ہو گئی ہے، عطف الانسان (بکسر العین) بمعنی جانب الانسان یعنی اس کی جانب یعنی سر سے کر ران یا قدم تک کو عطف الانسان سے تعبیر کرتے ہیں۔

ف ابن الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ العطف بکسر العین انسان کی وہ جانب کہ جس کی طرف گردن موڑ کر یعنی کسی شے سے روگردانی کر کے اس طرف متوجہ ہونے کو کہا جاتا ہے اور بفتح العین بمعنی التعطف والمیل یعنی احسان، ہمدردی اور لطف و کرم کرنا۔ اور یہاں ثنی العطف سے تکبر اور سرکشی مراد ہے۔ اسی لیے جلالین میں اس کا معنی لاوی عنقہ لکھا ہے یعنی اس نے اپنی گردن تکبر سے موڑی۔ اور دامن لپیٹنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اور اس سے بھی تکبر مراد ہوتا ہے۔ وہ اس لیے کہ متکبر ہر شے سے اپنا دامن سمیٹ لیتا ہے اور کسی کو کچھ نہیں سمجھتا۔ علامہ الارشاد میں اس کا معنی لکھا ہے عاطفا بجانبہ وطاویا کشحہ معرضا متکبرا یعنی اس نے ایک طرف کو گردن موڑی اور پہلو کو لپیٹا یعنی روگردانی کی اور اکڑ گیا۔

لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستہ سے بہکا دے۔ یہ یجادل کے متعلق ہے یعنی یہ تکبر و سرکشی کی غرض یہی ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کو سیدھے راستے سے بہکا دے اگرچہ وہ اسے گمراہی کے بجائے اصلاح تعبیر کرے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اس تکبر اور سرکشی کا پھل گرم ہے کہ وہ اہل ایمان کو ایمان سے نکال کر کفر کے گھاٹ اتارے یا کم از کم اس کی یہ کوشش ہو کہ کافر و مشرک تو اپنے کفر و شرک پر ثابت قدم رہیں لَہٗ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ الخزی

یعنے الهوان والفضیحة یعنی تاکہ اسے دنیا میں ایسے ثابت قدم رکھے اسی سبب سے جو اسے یوم بدر میں ہوا ان کے بعض قتل کر دیے گئے اور بعض قیدی بنا لیے گئے۔ اس سے بڑھ کر رسوائی انھیں اور کیا ہو گی وَنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ الحریق یعنے المحرق یعنی جلانے والا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ اضافت السبب الی المسبب کے قبیل سے ہو اور الحریق سے نار مراد ہو۔ یا یوں کہو کہ یہ اضافت الموصوف الی الصفت کے قبیل سے ہے۔ در اصل جملہ العذاب الحریق تھی۔ معنی یوں ہو گا کہ قیامت میں ہم اسے جلانے والا عذاب چکھائیں گے ذٰلِكَ اسے کہا جائے گا کہ دنیا میں یہ ذلت اور خواری اور آخرت میں یہ سخت عذاب بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ بسبب اس کے ہے جو تیرے ہاتھوں نے عمل کیا یعنی تیرے کفر اور معاصی کی وجہ سے تجھے دنیا و آخرت میں سزا ملی ہے۔

ف: چونکہ عادۃً عموماً افعال کا صدور ہاتھوں سے ہوتا ہے یہاں فعل کا اسناد ہاتھوں کی طرف کیا گیا ہے اور یہ کلام تاکید وعید و تشدید تہدید کے لیے التفات کے قبیل سے بھی ہو سکتا ہے۔

وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ یہ جملہ محلاً مرفوع ہے اس لیے کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ان کے گناہوں کے بغیر انھیں عذاب میں مبتلا نہیں کرتا۔

سوال: یہاں پر لیس بظالم للعبید ہونا چاہیے تاکہ اصل ظلم کی نفی ہو۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ ظلّام مبالغہ کے صیغے سے اصل ظلم کی نفی نہیں ہوتی۔

جواب: (۱) یہ مبالغہ در اصل بندوں کی کثرت کی وجہ سے ہے جس سے اصل ظلم کی نفی مطلوب ہے اور بندوں کی کثرت کی وجہ سے مبالغہ خود بخود پیدا ہو جاتا ہے اس لیے کہ جو ذات اتنی بڑی مخلوق کے ایک ایک فرد پر اگر ظلم کرے تو وہ کثیر الظلم ہو گی اب یہاں اس کی نفی کی گئی ہے تو اب معنیٰ یہ ہو گا کہ وہ ذات نہ اس پر ظلم کرتی ہے نہ اس کے لیے نہ فلاں کے لیے الیٰ غیر نہایہ۔
(۲) نیز اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عدل کا تقاضا ہے کہ وہ برے کو عذاب اور نیک کو ثواب پورا پورا دے یعنی کسی کے عذاب میں اضافہ کرے اور نہ کسی کے عطیہ میں کمی کرے اب اس معنیٰ پر اگر اپنے حق و وعدے کے خلاف غیر مستحق کو عذاب میں مبتلا کرے تو اس کا قلیل ظلم بھی کثیر متصور ہو گا اس لیے کہ وہ ایسے غلط فعل سے کوسوں دور بلکہ ایسے قبیح امور سے منزہ و مقدس ہے لیکن بالفرض محال ایسا اس سے صادر ہو تو اس کا صدور خفیف ایک بہت بڑا ظلم ہو گا اس کی مثال اس عالم دین کی ہے جس سے معمولی سی خطا صادر ہو تو عالم دنیا کی نظروں میں ایک بڑا جرم متصور ہو گا۔

حدیث شریف اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے اوپر اور اپنے بندوں پر ظلم کو حرام قرار دیا ہے بنا بریں میرے بندے ظلم نہیں کرتے۔

(۱) عربی میں مشہور ہے:

مقالات عرب من کثر ظلمه واعتداه قرب هلاكه وفناؤه۔ (جس کے ظلم اور تجاوز عن الحد کی کثرت ہو

(اس کی تباہی اور فنا قریب سمجھو۔)

(۲) شر الناس من ینصر الظالم و یخذل المظلوم (تمام لوگوں میں شریر ترین وہ انسان ہے جو ظالم کی مدد اور مظلوم کو رسوا کرتا ہے۔

مسئلہ: آیت سے معلوم ہوا کہ بندے اپنے نفسوں پر خود ہی ظلم کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وما ظلمناھم ولکن کانوا انفسھم یظلمون۔ اور ان کے اپنے نفوس پر ظلم کرنے کا یہ معنیٰ ہے کہ عبادت و طلب کو غیر محل میں استعمال کر کے ضائع کرتے ہیں۔ حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

قصد ما بلند است از سجدہ در محرابہا
گر نباشد نیت خالص چہ حاصل از عمل

ترجمہ: ہمارا ارادہ محرابوں میں سجدے سے صرف اتنا ہے کہ تیری شان بلند ہو اور عمل میں نیت خالص نہ ہو تو وہ عمل جانئے نرا بیکار ہے۔

بدمذاہب کا مناظرہ

منافق زندیق، کافر اصلی ہو اور اہل بدعت سے گفتگو فضول بلکہ مذموم ہے۔ ہاں ان حضرات کی گفتگو سے ثواب ملتا ہے جو معرفت الٰہی کے طالب ہیں اور انہیں لاعلمی ہو کہ ان کے شبہات کا ازالہ ہو اور راہ حق مل جائے اور اللہ تعالیٰ کا وصال اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ پر چلنا نصیب ہو۔

مسئلہ: امام حق نے فرمایا کہ ہر وہ مسئلہ کہ جس میں حدیث شریف صریح اور اس کی سند مضبوط ہے تو اس میں مزید گفتگو اور مناظرہ گمراہی اور دین میں کمی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا بلکہ اسے گمراہی کی کنجی کہا جائے تو بجا ہوگا اسی لیے کہ امت مصطفیٰ میں اکثر لوگ وہ ہیں جنہیں اذہان روشن اور طبائع سلیم نصیب نہیں اسی لیے ان گفتگو سے گمراہی پھیلے گی (اسی لیے امت نے اجماع کیا کہ تقلید واجب ہے اور ان چار ائمہ سے آگے اگر کسی نے جدید تحقیق کا دروازہ کھولا تو وہ اصلی مجرم ہوگا اور جب سے غیر مقلدیت نے سر اٹھایا ہے نئے نئے فتنوں (دیوبندیت، پرویزیت، خاکساریت، نیچریت، مرزائیت وغیرہ) نے جنم لیا۔ ورنہ برصغیر پاک و ہند میں دو صدیاں پیشتر ان کا نام و نشان تک نہ تھا)

ف: امم ماضیہ میں جتنے لوگ تباہ و برباد ہوئے وہ اسی جدید تحقیق کی بدولت۔

سبق: اس سے لازم ہوا کہ انسان سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل پیرا ہو اور اس سے سرمو بھی ہٹنے کا نام نہ لے۔ (لیکن یہ تحقیق اسلاف اور حدیث مبارکہ کو اپنی تحقیق کے مطابق ڈھالنے کا تو تباہ و برباد ہوگا۔ اس کی تحقیق فقیر اویسی کی کتاب "تحفۃ السالکین" میں ملاحظہ فرمائیے) اور لازم ہے کہ عوام کو سنت مبارکہ کی دعوت حق دے اور اسی پر فیصلہ کرے نت نئے فتنوں کے مذاہب اہل بدعت کی طرف توجہ نہ کرے اور نہ ہی ان کی صحبت میں بیٹھے اور نہ ہی ان کی باتیں سنے۔ (اسی وجہ سے ہم اہل سنت بدمذاہب کی صحبت سے بچنے اور ان کی بری باتیں سننے سے اجتناب کی تلقین کرتے ہیں اس

کے لیے فقیر اویسی کے رسالہ "وہابیوں دیوبندیوں کی شانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی" کا مطالعہ کیجئے یہ تمام باتیں شرعاً ممنوع ہیں بلکہ ان کے بارے میں وعیدِ شدید وارد ہے۔

بدمذاہب سے اجتناب کی عقلی دلیل

اہلِ حق نے فرمایا کہ طبائع مقناطیسی مادہ رکھتی ہیں ان کی طاقت سے انسان پھنس جاتا ہے۔ اسی لیے ہم اہلسنت کہتے ہیں کہ اگر کسی کے پاس بیٹھنا ہے تو اہل اللہ کی صحبت اختیار کرو اگر ان کی باتیں سننی ہوں تو اولیاء اللہ کے ملفوظات پڑھو اور سنو جن سے امراض کی تاثیر سے تندرست ہو جاتا ہے ایسے ہی بدمذہبوں کی صحبت روحانی طور پر بیمار بنا دیتی ہے۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ تبلیغی جماعت کے ساتھ گشت اور ان کے مراکز کے چلے روحانیت کو وہی نقصان پہنچاتے ہیں جو وبائی امراض تندرست انسان

(۲) حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

ہوش باش کہ رہ بلعبہ زد   دُو بسی دہر کہ مکارہ است و محتالہ
بلاف ناخلفان زمانہ غرہ مشو   و مرو چوں سامری از رہ بہ بانگ گوسالہ

ترجمہ: ہوش سنبھال کہ دنیا مکارہ اور حیلہ گر نے بہتوں کو گمراہ کیا ہے نالائقوں کے میٹھے میٹھے بولوں پر مغرور نہ ہو اور نہ ہی ان کے پیچھے جا جیسے سامری گوسالہ کی آواز سے گمراہ ہوا۔

شرح اشعار مذکورہ

جیسے سامری گوسالہ کی آواز سے خود گمراہ ہوا اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا ایسے ہی اہلِ ہوا اور اہلِ بدعت بدمذاہب کی تحریر و تقریر کو کچھ کر نہ سمجھیں اسی طرح گمراہ کر دے گی۔ یعنی جس طرح بنی اسرائیل سامری کی گمراہ کن باتوں میں پھنس گئے ایسے ہی تم بھی پھنس جاؤ گے۔ چنانچہ ہمارا تجربہ ہے کہ ہمارے اہلسنت عوام نے جونہی کسی بدمذہب کے ساتھ چند روز نشست و برخاست کی تو فوراً گمراہ ہو گئے۔ اسی لیے تبلیغی جماعت اور مرزائی فرقہ چندہ اپنے ہاں ظہرانہ کی دعوت دیتے ہیں اس سے ان کا مقصد عوام کو اپنے دام تزویر میں پھنسانا ہوتا ہے اور یاد رہے کہ ہر بدمذہب کا طریقہ ہے کہ وہ اپنی غلط باتوں اور گمراہ طریقوں کو علوم صحیحہ یعنی قرآن مجید و احادیث صحیحہ سے ثابت کر کے گمراہ کرتے ہیں اس سے بچنا ہے عوام کو کیا خبر کہ وہ انہیں کس قعرِ ضلالت میں دھکیل رہے ہیں۔

اہل اللہ کی صحبت

اولیاء اللہ کے اقوال و احوال چونکہ علم صحیح اور کشف صریح سے ثابت ہوتے ہیں اسی لیے عوام کو ان کی اتباع لازم ہے ورنہ اہلِ باطل تو ایسی میٹھی میٹھی باتیں کریں گے بلکہ اپنے کشف و کرامات بھی دکھا دیں گے لیکن سچا انسان وہ ہے جو اپنے اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کے طریقے کو نہیں چھوڑتا اور باطل قوتوں کی باتوں کو ایک طلسمی قوت سمجھتا ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تمام اقوام کے اہلِ حق نے سامری کے گوسالہ کی آواز کی طرف توجہ نہ دی بلکہ اسے اپنے لیے ابتلاء و آزمائش سمجھا۔

سبق: اس سے معلوم ہوا کہ اہلِ باطل کے اقوال گمراہ اور گمراہ کن ہوتے ہیں ان کے سننے سے پرہیز لازم ہے۔

(باقی ص ۱۱۰۶)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ

اور کچھ آدمی اللہ کی بندگی ایک کنارہ پر کرتے پھر اگر انہیں

فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۨاطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨ

کوئی بھلائی پہنچ گئی جب تو چین سے ہیں اور جب کوئی جانچ آکر پڑی

انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۝

منہ کے بل پلٹ گئے دنیا اور آخرت دونوں کا گھاٹا یہی ہے صریح نقصان

يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ

اللہ کے سوا ایسے کو پوجتے ہیں جو ان کا برا بھلا کچھ نہ کرے یہی ہے دور کی گمراہی

الْبَعِيْدُ ۝ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ۭ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ

ایسے کو پوجتے ہیں جس کے نفع سے نقصان کی توقع زیادہ ہے بے شک کیا ہی برا مولیٰ اور بے شک کیا ہی

الْعَشِيْرُ ۝ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ

برا رفیق بے شک اللہ داخل کرے گا انہیں جو ایمان لائے اور بھلے کام کئے باغوں میں جن کے نیچے

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۝ مَنْ كَانَ يَظُنُّ

نہریں رواں بے شک اللہ کرتا ہے جو چاہے جو یہ خیال کرتا ہو کہ اللہ

اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَاۗءِ ثُمَّ

اپنے نبی کی مدد نہ فرمائے گا دنیا اور آخرت میں تو اسے چاہیے کہ اوپر کو ایک رسی تانے پھر اپنے

لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ۝ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۢ

آپ کو پھانسی دے لے پھر دیکھے کہ اس کا یہ داؤں کچھ لے گیا اس بات کو جس کی اسے جلن ہے اور بات یہی ہے کہ ہم نے یہ قرآن اتارا روشن آیتیں

بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا

اور یہ کہ اللہ راہ دیتا ہے جسے چاہے بے شک مسلمان اور یہودی

وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ڰ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ

اور ستارہ پرست اور نصرانی اور آتش پرست اور مشرک بے شک اللہ ان سب میں

بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ

قیامت کے دن فیصلہ کردے گا بے شک ہر چیز اللہ کے سامنے ہے کیا تم نے نہ دیکھا کہ اللہ

لَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ

کے لیے سجدہ کرتے ہیں وہ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور تارے اور پہاڑ

وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ۭ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۭ

اور درخت اور چوپائے اور بہت آدمی اور بہت وہ ہیں جن پر عذاب مقرر ہو چکا

وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاۗءُ ۝ هٰذٰنِ

اور جسے اللہ ذلیل کرے اسے کوئی عزت دینے والا نہیں بے شک اللہ جو چاہے کرے یہ دو فریق ہیں

خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ۡ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ

کہ اپنے رب میں جھگڑے تو جو کافر ہوئے ان کے لیے آگ کے کپڑے بیونتے گئے ہیں

نَّارٍ ۭ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ۝ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ

اور ان کے سروں پر کھولتا پانی ڈالا جائے گا جس سے گل جائے گا جو کچھ ان کے پیٹوں میں ہے

وَالْجُلُوْدُ ۝ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ۝ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا

اور ان کی کھالیں اور ان کے لیے لوہے کے گرز ہیں جب گھٹن کے سبب اس میں سے نکلنا چاہیں گے

مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۤ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝

پھر اسی میں لوٹا دیئے جائیں گے اور حکم ہوگا کہ چکھو آگ کا عذاب

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے جلال کو کبریا کی صفت سے یاد کر کے اس کی مدحت فرمائی ہے اور کبر وہ صفت ہے جو اللہ کے سوا کسی اور مخلوق میں ہو تو اس سے بڑھ کر مذموم اور کوئی صفت نہیں۔

ارسطو نے کہا کہ:

اقوالِ ارسطو

(۱) من تکبر علی الناس احب الناس ذلته (جو لوگوں پر تکبر کرتا ہے لوگ اس کی ذلت کے درپے رہتے ہیں)

(۲) بالمحادثة الحسنى يعظم القدر (اچھی گفتگو سے قدر و منزلت بڑھتی ہے۔)

(۳) بالتواضع تكثر المحبة (تواضع سے محبت بڑھتی ہے)

(۴) بالحلم تكثر الانصار (حلم سے دوستوں کی کثرت ہوتی ہے)

(۵) بالرفق يستخدم القلوب (نرمی سے دل خادم ہو جاتے ہیں)

(۶) بالوفاء يدوم الاخاء (وفا سے اخوت بڑھتی ہے)

(۷) بالصدق يتم الفضل (سچائی سے انسان کی فضیلت میں اضافہ ہوتا ہے)

ہم اللہ تعالیٰ سے صفات قبیحہ رذیلہ سے بچاؤ اور عادات جمیلہ و اخلاق حمیدہ سے متصف ہونے کی توفیق چاہتے ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ (شانِ نزول) یہ آیت اعراب کے حق میں نازل ہوئی جو مدینہ طیبہ میں آکر رہتے ان میں سے جب کسی کو تندرستی ہوتی اور اس کی گھوڑی بچہ جنتی اور اس کی اولاد نرینہ پیدا ہوتی تو وہ کہتا بہترین دین میں داخل ہوا ہوں۔ اگر اس کا معاملہ برعکس ہوتا تو کہتا بدترین دین میں داخل ہوا ہوں۔ اس پر وہ مرتد ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں فرمایا کہ ومن الناس اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ مَنْ یَّعْبُدُ اللّٰهَ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ عَلٰی حَرْفٍ دین کے ایک کنارے پر ہوتے ہیں انہیں دین کا درمیانی حصہ نصیب نہیں ہوتا۔ جس کا یہ حال ہو وہ شک کے کنارے پر رہتا ہے اسے ثابت قدمی کم نصیب ہوتی ہے اس کی مثال اس شخص کی ہے جو لشکر کے کنارے کنارے چلتا ہے جب دیکھتا ہے کہ فتح و نصرت ہوتی ہے تو اسے قرار ملتا ہے، جب لشکر شکست کھاتا ہے تو یہ سب سے پہلے بھاگتا ہے۔ اس تقدیر پر الحرف بمعنے الطرف ہوگا۔ اس تقریر پر دین کو ایک جسم قرار دیا گیا ہے۔ یہ استعارہ تمثیلیہ کے قبیل سے ہوگا۔

ف: امام راغب (اصفہانی) رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حروف ہجا بھی اسی نام سے اسی لیے موسوم ہوتے ہیں کہ حروف ہجا ان کلمات کے جوانب میں جنہیں ایک دوسرے سے رابطہ ہے۔

فَاِنْ اَصَابَهٗ پس اگر اسے پہنچتی ہے خَیْرُ ۨ دنیوی بھلائی مثلاً تندرستی اور وسعت رزق اطْمَاَنَّ بِهٖ دین میں مطمئن ہو جاتا ہے بِهٖ اسی بھلائی کی وجہ سے۔ الاطمینان پریشانی کے بعد سکون پانا۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ وہ شخص دین سے آرام پاتا اور اسی دنیوی منافع کی وجہ سے دین میں ثابت قدم ہوتا ہے یعنی وہ اسی پر ظاہراً ثابت قدم ہوتا ہے اور باطناً بھی۔ پھر بھی غیر مطمئن رہتا ہے اسے کامل مومنین کی طرح اطمینان اور سکون نصیب نہیں ہوتا۔

وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨ اور اگر اسے پہنچی کوئی ایسی شے جو اس کے لیے فتنہ کا سبب بنے مثلاً اس کی طبیعت کے خلاف کوئی ایسا مکروہ فعل صادر ہو جو اس کی ذات یا اہل و عیال کو دکھ پہنچاتا ہے۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ یہاں فتنہ سے مراد یہی ہے کہ طبیعت کو ناپسند اور نفس پر بوجھل ہو اسے خیر کے بالمقابل لانے سے یہی معنی متعین ہو جاتا ہے اور اگر اسے خیر کے مقابل نہ لایا جاتا تو ہر فتنہ اگرچہ طبیعت کے مخالف ہوتا ہے لیکن چونکہ وہ آزمائش اور امتحان کے طور ہوتا ہے اسی لیے وہ فتنہ تو رحمت اور رفع درجات کا موجب بنتا ہے اس لیے کہ ایسا فتنہ موجب منافع اخروی اور اس کی تقدیر کے سامنے سر تسلیم خم کا سبب ہے۔

اِنْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ انقلاب بمعنے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا اور عرف میں بمعنے الجہۃ والطریقۃ یعنی وہ شخص مرتد ہو جاتا ہے اور کفر کی طرف لوٹ جاتا ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ وہ شخص کہ وہ اس جہت کی طرف لوٹ جاتا ہے جہاں سے آیا تھا یعنی دین اسلام کو چھوڑ جاتا ہے۔

ف: بحر العلوم میں اسی جگہ بیان فرمایا گیا ہے کہ انقلب علی وجهه بمعنے تحول عن وجهه فانقلب ہے یعنی وہ شخص کفر کی طرف لوٹا۔ اس تقریر پر علیٰ بمعنے عن ہے جیسے وما من دابۃ فی الارض الا علی اللّٰه رزقها میں علیٰ بمعنے من یعنی ہر جاندار کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے بلا رزق پہنچتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ جس منہ سے اس نے اسلام کی جانب متوجہ

ہوا تھا اس نے وہاں سے منہ پھیر لیا۔

خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةَ دنیا و آخرت کا گھاٹا پایا یعنی کہ دنیا و آخرت اس کے ہاتھ سے نکل گئیں اور انہیں ضائع کر دیا یعنی مرتد ہو جانے سے اس کے پچھلے اعمال صالحہ اکارت گئے (صاحب روح البیان نے فرمایا کہ) اس کے دنیا کے خسارہ کا معنی یہ ہے کہ اس کے ملنے سے اہل و عیال کو نقصان ہوا اور آخرت کا خسارہ یہی ہے کہ وہ آخرت کے ثواب سے محروم ہو گیا اور اس سے اعمال صالحہ اور دین حق چھینا گیا تو مرنے کے بعد جہنم میں داخل ہو گا۔ چنانچہ کاشفی نے لکھا کہ دنیا میں خسارہ کا معنی یہ ہے کہ وہ منزل مراد کو نہ پہنچا۔ اور آخرت کا خسارہ یہی ہے کہ اس کے تمام اعمال صالحہ اکارت گئے۔ ذٰلِكَ یہ اشارہ دنیا و آخرت کے خسارے کی طرف ہے هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ یہی واضح خسارہ ہے اس لیے کہ تمام معتقدا گواہی دیں گے کہ اس جیسا بد قسمت انسان اور کوئی نہیں کہ جسے دارین کا خسارہ نصیب ہو ؎

نہ مال و نہ اعمال نہ دنیا و نہ دین　　نہ صدق و نہ انوار یقین
در ہر دو جہان مشغل و خوار و حزین　　البتہ زیانے نبود بدتر از این

ترجمہ: جس کا نہ مال رہا نہ اعمال نہ دنیا نہ دین نہ صدق کی چمک رہی نہ یقین کے انوار۔ دونوں جہان میں اس جیسا ذلیل و خوار اور حزین کوئی نہ ہو گا۔ اس سے بڑھ کر کوئی زیاں کار نہ ہو گا۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا کہ دنیا میں خسران کا معنی یہ ہے کہ اسے طاعات نصیب نہ ہوں اور اس سے مخالفت شرع امور صادر ہوں۔ اور آخرت کا خسارہ یہ ہے کہ قیامت میں اس کے خصوم اور حقوق کا مطالبہ کرنے والے بکثرت ہوں۔

یَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ یہ جملہ مستانفہ اور خسران کی علت کو ظاہر کرتا ہے اس معنے پر ضمیر یَدْعُوْا مرتد کی طرف راجع ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ وہ عبادت الٰہی سے تجاوز ہو کر عبادت کرتا ہے مَا لَا یَضُرُّهٗ اس کی کہ اس میں قدرت نہیں کہ اللہ کی عبادت ترک کی جائے تو وہ نقصان نہیں پہنچاتا وَمَا لَا یَنْفَعُهٗ اور اگر اس کی عبادت کی جائے تو وہ اسے نفع نہیں دیتا کیونکہ وہ تو جماد محض ہیں ان سے نفع و ضرر کا صدور کہاں۔ لفظ ما کے تکرار سے یہی معنی و مفہوم ظاہر ہوتا ہے ذٰلِكَ اس کا اشارہ مَا بمعنے عبادۃ کی طرف ہے هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِیْدُ یعنی من دون اللہ کی عبادت بہت بڑی گمراہی ہے یعنی حق اور ہدایت سے بہت دور ہو جاتا ہے۔ بعید حق کی دوری کو اس شخص سے استعارہ کیا گیا ہے جو راستہ بھول کر آبادیوں سے کوسوں دور نکل جائے۔ ایسے ہی اس کا حال ہے جو ہدایت و حق سے ہٹ جائے تو وہ گویا مسافت میں طے کرتے کرتے بہت دور نکل گیا ہے کہ اس کا آبادیوں میں لوٹنا بظاہر سخت مشکل ہے۔ یَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِیْرُ (ترکیب) یہاں دعا بمعنے قول ہے اور لام اس کے مقولہ کے

ۂ یدعوا بمعنے عبادۃ صاحب روح البیان نے لکھا ہے اور یہی ہم اہلسنت کہتے ہیں لیکن وہابی دیوبندی ایسی معانی کرتے ہیں اس لیے یدعوا کو اپنے اصلی معنی میں لے کر قرآن کی تحریف کرتے ہیں۔ اویسی غفرلہ

ناصب پر داخل ہے اور معنی جملہ اور اس کی خبر اقرب ہے اور جملہ اوّل کا صلہ ہے اور لبئس المولیٰ قسم مقدر کا جواب ہے لبئس اور جواب قسم دونوں مبتداء اوّل کی خبر ہیں۔

نکتہ: ما کی بجائے مَن اور اقرب افعل التفضیل کا صیغہ ہے ان کے بتوں کی مذمت اور بت پرستوں کی حالت کا اظہار مطلوب ہے اس لیے کہ مَن ذوی العقول کے لیے ہوتا ہے اور ان کے بت جامد محض تھے اور افعل میں نفع میں اضافہ کا معنی نکلتا ہے لیکن ان پتھروں سے نفع کی امید بیوقوفی اور حماقت ہے۔

معنیٔ آیت اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ کل قیامت میں چیخ و پکار کرے گا جب اپنے معبود باطل کو دیکھ کر چیخ کرے گا اسی کی وجہ سے مجھ کو چیخ رہے ہیں اور اسی کی وجہ سے جہنم میں جا رہا ہوں اور پھر وہ ان سے کسی قسم کا نفع نہیں پائے گا بلکہ نفع کے بجائے ضرر و خسارہ کا نشانہ بنے گا تو کہے گا بخدا یہ مددگار (بت) برا ہے اور برا ساتھی اور برا معاشر اور شریک ہے اور بات کہاں کیا ہے کہ بت سے نفع کہاں، بلکہ اس میں تو ضرر ہی ضرر ہے اس سے نفع کی امید حماقت و جہالت ہے۔

ف: یہ جملہ مستانفہ ہے جس کو بعد مذکور کے حال کے اظہار کے لیے لایا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ واقعی ایسا بت گمراہی میں غرق ہے اس سے معلوم ہوا کہ لام زائد ہے اور معنی یَدْعُوا الاصنام ہے بغیر لام والی قرأت بھی اس کی تائید کرتی ہے اب مطلب یہ ہوا کہ جسے معبود بنا کر پوجا جا رہا ہے آخر نفع کے بجائے اس کا ضرر قریب تر ہے وہ اس لیے کہ دنیا کا نقصان تو یہ تھا کہ بت کے پجاری کو قتل کرنا واجب تھا اور آخرت میں اس کا جہنم میں جانا ضروری۔ اور یہ ضرر کے قریب تر اس لیے ہوا کہ بت پرست کو بت پرستی سے امید تھی کہ یہی بت اسے قیامت میں بچائے گا اور وسیلہ بن کر سفارش کرے گا لیکن اس کے بجائے وہ اس کے لیے جہنم کا سبب بنا۔ اس لیے یہاں افعل کا صیغہ نکالا ہے اور جملہ تفسیریہ مستانفہ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اس آیت میں کامل مومنین عبادت گزار لوگوں کے اس حال کا بیان ہے اس لیے کہ قرآن مجید کا قاعدہ ہے کہ وہ شے کو نقیض سمیت بیان کرتا ہے پہلے چونکہ کفار کے برے حال کا ذکر کیا اب اہل ایمان کے اچھے حال کو بیان فرمایا اور جنّت اس باغ کا نام ہے جس میں گھنے درخت ہیں۔ نہر پانی کے بہنے کی جگہ کو کہا جاتا ہے اور پانی کے بہنے کا اسناد انہار کی طرف مجازًا ایسے کیا جاتا ہے جیسا سال المیزاب میں اسناد مجازی ہے اس لیے کہ جاری ہونا پانی کا کام ہے نہ کہ انہار اور میزاب کا۔ اور جنت کو اسی طرح سے موصوف کرنے میں اشارہ ہے کہ بہشت ایسے بہترین مقامات پر مشتمل ہے کہ سب میں سیرابی کی حالت ہے۔ کاشفی نے بھی اس کا ترجمہ اسی طرح کیا ہے کہ وہ جنات کہ جن میں نہایت خوبصورت باغات ہیں اور ان میں پانی ہر وقت جاری ہے اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ بے شک اللہ تعالیٰ وہی کرتا ہے جو اس کا ارادہ ہوتا ہے۔ شرع ارادہ ہے کہ وہ نیک بخت کو ثواب دے اور برے کو سزا۔ اور وہ ایسے کرتا ہے اس کے اس ارادہ سے اسے کوئی روک سکتا ہے نہ اس کے ارادہ کو ٹال سکتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

آیات میں ارشادات ہیں۔ ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں خواہش نفسانی اور جدال اور حرص کے خیال اور حصول کرامات کے لیے اور مخلوق کی تعریف کرنے کی نیت اور حصول دنیا کے ارادہ سے کرتا ہے تو اس کو گویا وہی من یعبد اللہ علیٰ حرف کا مصداق ہے اس لیے کہ اس کی یہی عادت ہے کہ اگر عبادت کرنے سے اس کے مقاصد حاصل ہو سکتے ہیں تو وہ خوش ہوتا ہے اور اس سے اسے سکون ملتا ہے اگر اس کی آرزو کے مطابق کام نہیں ہوتے تو عبادت ترک کر دیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ کام فضول ہے۔ ایسے شخص کو دنیا میں خسارہ یہ ہے کہ عوام کی نظروں میں اس کی عبادت کی وقعت نہیں ہوتی بلکہ وہ ہر وقت ان سے خفت و رسوائی اٹھاتا ہے اور وہ مرتبۂ صدق سے ہٹ کر بدعت میں مبتلا ہوتا ہے اور ہدایت سے گمراہی پاتا ہے۔ اور اس کا آخرت کا خسارہ یہ ہے کہ وہ مشاہدۂ حق سے محجوب اور بُعد و ہجران کی آگ میں داخل ہوگا۔ اسی طرح بعض طالبین حق اور سالکین راہِ مولیٰ کی عادت ہوتی ہے کہ طلب راہِ حق میں انہیں شک و تردد رہتا ہے اسی لیے وہ طلب میں سچائی اور ثبات نہیں رکھتے۔ اگر اسی اثنا میں ان کی نفسانی خواہشات پوری ہوتی رہتی ہیں اور غیب سے امور ان کے موافق ہوتے ہیں تو طلب راہِ حق میں مصروف رہتے ہیں اگر کسی بلا و شدت اور مجاہدات و ریاضات و ترک شہوات و مخالفت نفس و ملازمت خدمت اولیاء اور رعایت صحبت اصفیا اور آداب صحبت اور یاران طریقت سے کچھ تکلیف محسوس کرتے ہیں تو ان کی حالت بگڑ جاتی ہے اقرار سے انکار کی طرف لوٹ جاتے ہیں اور تسلیم و رضا کے بجائے اباء و استکبار اور اعتراضات کے درپے ہو جاتے ہیں اور ارادت چھوڑ کر ارتداد کے مرتکب ہوتے ہیں اور صحبت اولیاء سے دور بھاگتے ہیں ان کے متعلق دنیا کا خسارہ یہی کافی ہے کہ وہ اللہ والوں کی صحبت سے محروم ہو گئے۔ اور آخرت کا خسارہ یہی ہے کہ وہ مشاہدات حق سے دائمی طور محروم کر دئیے گئے ہیں۔ اسی لیے مشائخ کرام فرماتے ہیں شریعت کے مرتد سے طریقت کا مرتد بدترین ہوتا ہے اور الخسران المبین جسے قرآن نے بیان فرمایا ہے وہ یہی بے برکتی ہے کیونکہ جسے کسی صاحب دل نے اپنے سے دور کیا تو یقین کرو کہ وہ تمام قلوب اہل حق سے مارا گیا۔ ایسے ہی جسے ایک اہل دل قبول کر لیتا ہے وہ تمام اہل قلوب کا مقبول ہو جاتا ہے۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

کلید گنج سعادت قبول اہل دل است　　مباد کس کہ درین نکتہ شک و ریب کند
شبان وادی ایمن گہے رسید بمراد　　کہ چند سال بجان خدمت شعیب کند

ترجمہ: سعادت کے خزانے کی کنجی اہل دل کے ہاں مقبول ہونے سے حاصل ہوتی ہے خدا کرے اس نکتہ سے کسی کو شک و شبہ نہ ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام وادی ایمن میں اس وقت منزل مقصود کو پہنچے جب کئی سال تک حضرت شعیب علیہ السلام کی دل و جان سے خدمت کی۔

صاحب روح البیان کی صوفیانہ تحقیق

فقیر (حقی) کہتا ہے کہ انسان دو قسم کے ہیں:

(۱) جہاد اصغر میں مشغول ہونے والے۔

(۲) جہاد اکبر میں شکست۔

جیسے جہاد اصغر کے کمزور ایمان والے ظاہری شکست پر ہٹ جاتے ہیں ایسے ہی جہاد اکبر کے ضعفاء بھی دین کے ایک کنارہ پر ہوتے ہیں۔ ان کی علامت یہ ہے کہ اگر ان کی دل مراد پوری ہوتی ہے تو وہ دینی امور میں پختہ ہو جاتے ہیں۔ اگر کچھ نقصان دیکھ لیا تو فوراً دین سے ہٹ جاتے ہیں۔ ایسے کمزوروں پر کفار کا غالب ہونا ان کے قصور کی علامت ہے۔ اور دوسری قسم کے ضعفاء پر نفس امارہ دنیا میں غالب رہتا ہے اور آخرت میں سعادت کے درجات سے محروم ہو جاتا ہے ایسے لوگ ظاہری و باطنی غنیمت سے محروم رہتے ہیں۔

سبق: ایسی شکستوں میں صبر لازم ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

۱ خوشا وقت شوریدگان غمش — اگر زخم بینند اگر مرہمش
۲ دما دم شراب الم درکشند — وگر تلخ بینند دم درکشند
۳ نہ تلخست صبرے کہ بر یاد اوست — کہ تلخی شکر باشد از دست دوست

ترجمہ (۱) محبوب کے غم کے عشاق کا بہت اچھا وقت ہے کہ وہ زخم پر خوش ہیں اور مرہم پر بھی۔
(۲) وہ ہر وقت درد کا شراب پیتے ہیں۔ اگر اس میں کڑواہٹ دیکھتے ہیں تو صبر کرتے ہیں (۳) وہ صبر جو یار کی یاد میں ہو کڑوا نہیں ہوتا کیونکہ یار کے ہاتھوں دی ہوئی شے شکر سے بھی زیادہ میٹھی ہوتی ہے۔

جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے تو سمجھو کہ وہ اس ذات کی پرستش کرتا ہے جو ہر نفع و نقصان کا مالک ہے اور وہ اپنے بندوں کو بواسطہ ملائکہ و انسان و جمادات نفع و نقصان پہنچاتی ہے اور کبھی بلاواسطہ بھی۔ اور جو ماسوی اللہ کی عبادت کرتا ہے وہ ایسی چیزوں کی پرستش کرتا ہے جو کسی کو نہ نفع دے سکتی ہیں نہ نقصان۔ وہ اس لیے کہ عالم کی تمام اشیاء فرشتے ہوں یا انسان، شیطان ہوں یا دیگر مخلوق جیسے افلاک و ستارے وغیرہ وغیرہ خیر و شر کے ذاتی طور پر مالک نہیں اور نہ ذاتی طور پر کسی کو نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان۔ بلکہ یہ تمام اسباب و ذرائع ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے پابند۔ ان سب امور کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے جیسے قلم کا فعل درحقیقت کاتب کا ہے قلم تو صرف ایک سبب ہے۔ جو غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں ان کا معبود باطل بھی برا اور پرستش کنندہ بھی۔ اس کا دنیا میں شہوات کے تحت زندگی بسر کرنا بھی برا ہے۔

یہ بھی آیات مذکورہ سے ثابت ہوا کہ جو بھی بہشت میں داخل ہوگا وہ ایمان تقلیدی کی وجہ سے داخل ہوگا نہ اعمال ظاہری کی وجہ سے بلکہ اللہ تعالیٰ اسے بہشت میں داخل کرے گا جس کا ایمان تحقیقی ہوگا جیسے اس سے قبل اور اچھے مقامات حاصل نہیں تھا جس کے تجربہ سے اس بندے کے قلب میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے تحت اعمال صالحہ کی توفیق نصیب ہوئی۔

تفسیر عالمانہ مَنْ كَانَ يَظُنُّ ۔ مَنْ شرطیہ ہے یعنی ہر وہ جو اللہ تعالیٰ پر گمان بد کرنے والا ہو گا یعنی وہم کرتا ہے کہ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ تعالیٰ ہرگز مدد

نہیں کرے گا فِی الدُّنْیَا دنیا میں، یوں کہ آپ کا دین بلند ہو اور آپ کے دشمن مقہور ہوں وَالْاٰخِرَۃِ اور آخرت میں، یوں کہ آپ کے درجات بلند ہوں اور آپ کے دشمنوں سے بدلہ لیا جائے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا و آخرت میں مدد فرماتا ہے۔ دنیا میں یوں کہ آپ کے دشمن اور حاسدین اگر اس کے خلاف توقع رکھتے ہیں تو وہ اپنے غیظ و غضب میں جل مریں اور آخرت میں تو اس کا کوئی حساب نہیں فَلْیَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَی السَّمَآءِ یہاں پر سبب سے وہ رسّہ مراد ہے جس کے ذریعہ سے چھلانگ لگا کر گھر پر چڑھ جاتے ہیں اور سماء سے دشمن کے اپنے گھر کا اوپر کا حصہ مراد ہے کیونکہ اہل عرب کا قاعدہ ہے کہ ہر وہ شے جو سر کے اوپر ہو اسے سماء سے تعبیر کرتے ہیں ثُمَّ لْیَقْطَعْ قاموس میں ہے قطع فلان الحبل بمعنی اختنق۔ اس سے ثم لیقطع بمعنی لیختنق ہے اور اختناق کو قطع سے اسی لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ اختناق والا اپنے آپ کو حبس نفس سے کاٹ ڈالتا ہے۔ کاشفی نے اس کا ترجمہ لکھا کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن کو چاہیے کہ وہ اپنی رسی کاٹ کر زمین پر گر کر مر جائے فَلْیَنْظُرْ اس سے تقدیرًا دیکھنا مراد ہے گویا کہ مرنے والے سے دیکھا گیا۔ یعنی میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن کو اگر مرنے کے بعد دیکھنے کی طاقت ہو تو دیکھے هَلْ یُذْهِبَنَّ كَیْدُهٗ کیا اپنا مکر و فریب لے جائے گا۔ اسے کید سے اسی لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ اس کا فعل تیز و کید کے نیچے ہے کہ گویا وہ اس پر صبر کی طاقت نہیں رکھتا۔ یوں بھی ہو سکتا ہے کہ یہ استہزاء کیا گیا ہے اس لیے کافروں نے جس ذات کے ساتھ حسد کیا ان کو کسی قسم کا نقصان نہ ہوا البتہ خود عذاب الٰہی میں گرفتار ہوئے مَا یَغِیْظُ سخت تری غضب کو غیظ کہا جاتا ہے۔ غضب قلب کے خون کے جوش حرارت سے پیدا ہوتا ہے۔ اسے جب انسان محسوس کرتا ہے تو اسے ظاہر کرتا ہے یعنی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا غلبہ کافروں کو ہر وقت غیظ و غضب میں جلتا رکھتا ہے اور وہ ان کی فتح و نصرت کو کسی طرح سے دفع نہیں کر سکتے اگرچہ وہ اپنے اسی غیظ و غضب میں مر جائیں۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا؎

گر جان بدہد سنگ سیہ لعل نگردد
با طینتِ اصلی چہ کند بد گہر افتاد

ترجمہ: اگر سنگ سیاہ اس شرط پہ جان دے کہ وہ لعل ہو جائے ہرگز نہیں ہو سکے گا۔ ایسے ہی جس کا معاملہ خراب ہو ایسے بد گوہر کا ہم کس طرح صحیح کر سکتے ہیں!

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے عجز کی نفی کی گئی ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے اور وہ اپنے محبوبوں کی مدد فرماتا ہے۔

حکایت یہودی مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ایک یہودی مسجد نبوی میں حاضر ہوا، پوچھا تم میں وصی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کون ہے؟ سب نے حضرت ابوبکر صدیق

رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے عرض کی کہ میں چند سوال پیش کرتا ہوں جنہیں مرشد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے یا ان کا وصی بتائے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بتائیے وہ کیا سوال ہیں؟ یہودی نے کہا: وہ کیا شے ہے جسے خدا نہیں جانتا اور وہ کیا شے ہے جو اللہ کے لیے نہیں ہو سکتی اور وہ کیا شے ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس نہیں؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ زندیقوں کا کلام ہے حالانکہ اس کا کوئی جواب نہیں۔ اس سے یہودی اور مسلمانوں کو ملال ہوا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم نے اس شخص کے ساتھ نا انصافی کی ہے اگر تم اس کا جواب دینا مناسب نہیں سمجھتے تھے تو تمہیں اسے ایسے شخص کے پاس بھیجنا چاہیے تھا جو اس کے جوابات دے دیتا۔ اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے فرمایا: اے اللہ! اس کے قلب کی ہدایت فرما اور اس کی زبان کو ثابت رکھ۔ اس کے بعد خود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور جملہ حاضرین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور صورت حال بیان کی۔ آپ نے فرمایا: وہ شے جسے خدا تعالیٰ نہیں جانتا وہ یہودیو تمہارا وہ عقیدہ ہے جس کے تم قائل ہو کہ عزیر اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے اس کا اللہ تعالیٰ کو علم نہیں ہے کہ کوئی اس کی اولاد ہے یعنی تو جب ہے ہی نہیں تو وہ جانے کیسے، تو جو ہے وہ جانتا ہے۔ کما قال عز شانہ:

اتنبئون اللہ بما لا یعلم فی السموات ولا فی الارض۔

اور وہ شے جو اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں وہ ہے اس کا شریک۔ یعنی اس کا کوئی شریک نہیں۔

اور وہ جو اللہ تعالیٰ کے پاس نہیں وہ ہے ظلم۔

یہ باتیں سن کر یہودی نے کلمہ کا اظہار کیا اور کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام قبول کر لیا اور اس نے کہا کہ واقعی حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں۔ اس سے تمام اہل اسلام بہت خوش ہوئے۔

ف: اس سے شیعہ کے کلمہ کا ثبوت نہیں ہو سکتا اس لیے کہ کلمہ اسلام کے لیے ضروری چاہیے اور یہ تو صرف وصایت کا واقعہ ہے اور صرف ایک کمالی ہے۔ قصوں اور کہانیوں سے مذہب نہیں بنتے بلکہ نصوص قطعیہ قرآن و حدیث سے بنتے ہیں۔ اور وصی سے چند مخصوص باتوں کا ہمراز مراد ہے جیسے حضور علیہ السلام نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو ہمراز کے طور پر چند باتیں بتائیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا کلمہ پڑھا جائے یا انہیں خلیفہ بلافصل مانا جائے۔ اور یہ جزوی فضیلت ہے جزوی فضیلت سے افضلیت ثابت نہیں ہو جاتی۔ جیسے حضرت خضر کو حضرت موسیٰ پر جزوی فضیلت حاصل تھی۔ مزید تفصیل فقیر کی کتاب "آئینہ شیعہ مذہب" میں دیکھیے یا "شرح آئینہ شیعہ نما" کا مطالعہ کیجیے۔

ف: کافروں کا یہ عقیدہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے در کو پکا رہے ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں سرے سے ہی مٹا دیا اور اپنے حبیب اکرم

---

[1] اس سے مخصوص باتوں کا ہمراز مراد ہے نہ وہ جو شیعوں کا اصطلاحی لفظ ہے۔ اور یہی غفرلہ تحریر اعتقاد فقیر اویسی غفرلہ نے کیا ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرمائی اور آپ کے جلال و سطوت سے فرشتے اور آپ کے لشکر اسلام کو کامیاب فرمایا۔ البتہ بعض اوقات مشقت میں مبتلا کرنے اور مدد پہنچانے میں دیر کرنے میں حکمتیں اور مصلحتیں تھیں۔

سبق : نیک انسان وہ ہوتا ہے جو راضی برضائے الٰہی ہو اور دشمنوں اور حاسدوں کے شر اور حسد پر صبر کرے کیونکہ حق ہمیشہ غالب ہوتا ہے اسے کوئی طاقت میں مغلوب نہیں کر سکتی اور دکھ کے بعد سکھ اور تنگی کے بعد راحت حاصل ہوتی ہے اور بحمدہ تعالیٰ اہل ایمان ہمیشہ روحانی راحت سے مسرور رہتے ہیں اور انہیں دکھ کے بعد آرام و سکون ملتا ہے اور مشرک کافر کے شر سے انہیں حفاظت نصیب ہوتی ہے۔

تفسیر عالمانہ : وَكَذٰلِكَ اور اسی انزال بدیع جو بہت عجیب حکمتوں پر مشتمل ہے اَنْزَلْنٰهُ ہم نے تمام قرآن مجید کو نازل فرمایا درانحالیکہ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ اس کی آیات بیّن اور روشن ہیں جو معانی لطیفہ پر دلالت کرتے ہیں وَّ اَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ یہ جملہ مرفوع ہے اس لیے کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی:

والامر ان اللہ ... الخ

یعنی معاملہ یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے ذریعے ابتداءً جسے چاہتا ہدایت دیتا اور اسے ہدایت پر ثابت قدم رکھتا ہے یا جسے ہدایت دینا چاہتا ہے اسے ہدایت کے امور میں بڑھاتا ہے یا اسے ثابت قدم رکھتا ہے یا اس کی ہدایت میں اضافہ فرماتا ہے۔

حدیث شریف : قرآن مجید کے ذریعے اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کے درجات بلند فرماتا ہے اور بعض لوگوں کے درجات گراتا ہے۔

شرح الحدیث : جن لوگوں کے درجات بلند کرتا ہے ان سے وہ اہل ایمان مراد ہیں جو قرآن مجید پر ایمان لانے کے بعد اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔ جن لوگوں کے درجات کم کرتا ہے ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو اس سے روگردانی کرتے اور اس کے احکام کی پابندی نہیں کرتے۔

ف : صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اشتغال لسان کی بجائے احوال و اعمال پر مرکوز تھیں اور ان کے اکثر صرف دس آیات یاد کرتے اور پھر زندگی بھر انہی کو اپنا دستور العمل بناتے۔

عجوبہ : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت تیس ہزار صحابہ کرام زندہ موجود تھے لیکن ان میں حفاظ کرام صرف چھ تھے (کذا فی الاحیاء) اور دوسرے ان کے اکثر صرف ایک یا دو سورتوں کے حافظ ہوتے یا ان کے علاوہ سورہ بقرہ اور سورہ انعام حفظ کرتے تھے۔

ف : قرآنی علوم کا اشتغال اور اس کے احکام پر عمل کرنا ہدایت کی علامت ہے۔

سبق: مومن پر لازم ہے کہ دولت دین کی بجائے ساعات میں قرآنی احکام پر عمل کرنے کی جدوجہد کرے یہاں تک کہ اسے منزل مقصود نصیب ہو۔ اس لیے کہ جو آب حیات کا طالب ہوتا ہے وہ ظلمات کے دریا کا خوف نہیں کرتا ہے اور اس میں ہر طرح کی مشقت نہیں گنتا۔

محروم القسمت کی علامت علم شرعی کے حصول اور اس کے شغف سے ملال کرنا اور حق سے متنفر ہونے کی علامت ہے کہ وہ عنایت الٰہی اور توفیق ایزدی سے دور ہو جاتا ہے ؎

ملول از شنیدن قرآن بگیردت ہر وقت
چو باطلان ز کلام حقت ملولے چیست

ترجمہ: تیرا دل قرآن مجید کے شغف سے گھبراتا ہے تو باطل پرستوں کی طرح تجھے قرآن مجید سے ملال کیوں ہے۔

فضیلت فقراء اغنیاء حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن ضعفاء مہاجرین کی جماعت میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا اور ان کی حالت تھی کہ کپڑوں کی قلت کی وجہ سے ایک دوسرے کے پیچھے چھپ بیٹھے تھے اور ہم ایک قاری کی قرات سننے میں مصروف تھے کہ اچانک حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو قاری تلاوت سے خاموش ہو گیا۔ آپ نے ہم سے پوچھا کیا کر رہے تھے؟ ہم نے عرض کیا کہ ہم قرآن مجید سن رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: تمام تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں ایسے ہی لوگوں کے ساتھ زندگی بسر کروں۔ اس کے بعد آپ ہم سب کے درمیان بیٹھ گئے تاکہ ظاہر ہو کہ آپ بھی انہی فقراء سے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے ہاتھ کے اشارے سے حلقہ بندی کا حکم فرمایا[1]۔ ہم نے حلقہ کچھ ایسے طریقہ سے بنایا کہ ہر ایک کا چہرہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر آتا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اے مہاجر فقیرو! تمہیں قیامت میں نور تام کی خوشخبری ہو اس لیے کہ تم دولتمندوں سے آدھا دن پہلے بہشت میں جاؤ گے اور قیامت کا آدھا دن آج کے پانچ سو سال کے برابر ہوگا۔

ف: وہ اس لیے کہ دولت مندوں کو روک کر سوال کیا جائے گا کہ تم نے مال کہاں سے حاصل کیا اور کہاں خرچ کیا۔

ف: اور فقراء سے وہ لوگ مراد ہیں جو اپنے فقر و فاقہ پر صبر کرتے اور تنگی حالت میں طاعت میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور اغنیاء سے وہ لوگ مراد ہیں جو دولت مندی پر شکر اور مال کے حقوق ادا کرتے ہیں۔

ازالہ وہم قرآن مجید میں اگرچہ چند آیات متشابہات اور بعض اسرار و رموز کی آیات بھی ہیں تو وہ اس کے بیان ہونے کے منافی نہیں اس لیے کہ وہ ایسی آیات نہیں جنہیں کوئی بھی بندہ خدا نہ جانتا ہو[2] یہ علیحدہ بات ہے کہ ان کی علوم ہر ایک میں

---

[1] ہمارے مشائخ اہلسنت کے حلقہ کا ثبوت یہی حدیث شریف ہے۔ اویسی غفرلہ

[2] اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ متشابہات و مقطعات کے علوم حضور علیہ السلام اور بعض اولیاء کرام جانتے ہیں۔ اویسی غفرلہ

علماء کرام مشاہدات و عبادات رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان اسرار و رموز کی ہدایت بخشے جن سے اپنے حضور میں علماء راسخین کو نوازا اور ہمیں بھی انہیں جیسی اطلاعات سے سرفراز فرمائے دعا ہے ،

تفسیر علماء امت

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے ان چیزوں پر ایمان لانا واجب ہے وَالَّذِينَ هَادُوا اور وہ لوگ جو یہودیت میں داخل ہوئے۔ امام راغب نے فرمایا ، الهود بمعنى الرجوع برفق ہے۔ نرمی سے لوٹنا۔ عرب کے عرف میں بمعنے توبہ کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ،

إِنَّا هُدْنَا إِلَيْكَ بمعنى تبنا إليك۔

بعض اہل لغت نے فرمایا ،

الیہود کا لفظ دراصل هدنا الیک سے مشتق تھا۔ اور تعریف و مدح کا کلمہ لیکن جب ان کی شریعت منسوخ ہوگئی اور پھر بھی اسی دین کو چمٹے رہے تو ان کے لیے یہ لفظ بطور علم کے ہوگیا اور اس سے مدح کا معنی ختم ہوگیا جیسے لفظ نصاریٰ دراصل من انصاری الی اللہ سے ماخوذ تھا باوجودیکہ وہ دین منسوخ ہوگیا لیکن اسی دین سے چمٹے رہنے کی وجہ سے ان کے لیے یہ بطور علم کے ہوگیا وَالصَّابِئِينَ اور وہ لوگ جو ہر دین سے نکل گئے اور ملائکہ کی پرستی اختیار کی۔ یقال صبأ الرجل عن دینه سے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی ایک دین چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرے ۔

امام راغب نے فرمایا کہ ،

صابی ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو نوح علیہ السلام کے دین پر ہو۔

اور بعض نے کہا ، ہر وہ جو ایک دین کو چھوڑ کر دوسرے دین کو اختیار کرے ۔

یہ صبا ناب البعیر سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب اونٹ کی ڈاڑھ نکل جائے۔

وَالنَّصَارَىٰ نصران و نصرانة کی جمع ہے جیسے ندامی " ندمان و ندمانة کی جمع ہے۔ اسے یاء کے بغیر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے ، رجل نصران و امرأة نصرانة۔ وَالْمَجُوسَ قاموس میں ہے کہ مجوس جیسے صبور۔ یہ اس شخص کو کہا جاتا تھا جس کے دونوں کان چھوٹے ہوتے تھے۔ اس نے ایک نئے دین کی بنیاد رکھی اور لوگوں کو اس کی دعوت دی۔ یہ " منج گوش " کا معرب ہے۔ اس کے واحد کو مجوسی کہا جاتا ہے اور مجوس اس کی جمع ہے جیسے یہودی و یہود اس کی جمع یہود آتی ہے۔ اور مجوس آگ پرست ہیں۔

مسئلہ : یہ اہل کتاب سے نہیں اسی لیے نہ ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے نہ ان کا ذبیحہ جائز۔ ان سے جزیہ اس لیے نہیں لیا جاتا کہ وہ اہل کتاب نہیں بلکہ اس لیے کہ وہ عجمی ہیں۔

وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا اور وہ لوگ جو مشرک ہیں۔ ان سے بت پرست مراد ہیں إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ یہ مذکورہ جملہ ان سب کی اس بات کی خبر ہے جو پہلے گزر چکا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان اور

انہی پانچ (فرقوں دین کے کفر پر سب کا اتفاق ہے) کے درمیان فیصلہ فرمائے گا تاکہ اہل حق اور اہل باطل کے درمیان امتیاز ہو یعنی اہل ایمان کو اجر و ثواب سے نوازا جائے گا اور دوسروں کو ان کے استحقاق پر الیم عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کے استحقاق کے مطابق جزا اور سزا دے گا۔ اہل ایمان کو جنتوں سے نوازے گا اور کفار کو جہنم میں داخل فرمائے گا۔ یا یوں کہو کہ اہل حق کو عمدہ حال سے ہمکنار فرمائے گا اور اہل باطل کو ہجر و فراق کے عذاب میں مبتلا فرمائے گا۔

ف: آیت سے معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا چھ ادیان میں سے صرف ایک دین اللہ تعالیٰ کو پسند ہے وہی دین اہل ایمان جسے اسلام نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ کما قال تعالیٰ:

ان الدین عند اللہ الاسلام۔

اور باقی پانچ دین شیطان کے ہیں یعنی وہ ادیان جو اسلام کے سوا ہیں وہ تمام شیطان کے ادیان ہیں اسی لیے کہا جاتا ہے کہ شیطان انہی ادیان کی دعوت دیتا ہے اور ان کی کیفیت کفار کے سامنے مزین کر کے بیان کرتا ہے

اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے کے ہر حال سے آگاہ ہے۔

ف: امام غزالی قدس سرہ نے فرمایا کہ شہید کا معنیٰ علم سے تعلق رکھتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ شہید میں ایک خصوصی اضافہ ضروری ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ غیب و شہادت دونوں کو جانتا ہے۔ اور غیب ہر وہ چیز جو پوشیدہ ہو اور شہادت ہر وہ شے جس کا مشاہدہ کیا جا سکے۔ جب مطلق علم کا اعتبار ہو تو اسے علیم کہا جائے گا اور جب اس کی نسبت غیب اور امور باطنہ کی طرف ہو گی اسے خبیر سے تعبیر کیا جائے گا اور جب امور ظاہرہ کے ساتھ منسوب کیا جائے گا تو اسے شہید سے موسوم کیا جائے گا اور کبھی اسے شہید اس لیے بھی کہا جاتا ہے کہ وہ قیامت میں مخلوق پر اپنے علم اور مشاہدہ کے مطابق گواہی دے گا۔ آیت میں وعید و تہدید ہے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ فیصلہ کے دن کو یاد کرے اور اعمال صالحہ میں جد و جہد کرے جن سے رضائے الٰہی نصیب ہوتی ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا: ؎

۱ قیامت کہ نیکان باعلیٰ رسند   ز قعر ثریٰ بر ثریا رسند
۲ ترا خود بماند سر از ننگ پیش   کہ گردت برآید عملہائے خویش
۳ برادر ز کار بدان شرم دار   کہ در روئے نیکان شوی شرمسار
۴ بنازد و طرب نفس پرورده گیر   بایام دشمن قوی کرده گیر
۵ یکے بچہ گرگ مے پرورید   چو پرورده شد خواجہ را بر درید
۶ بہشت آن ستاند کہ طاعت برد   کرا نقد باشد بضاعت برد
۷ پے نیک مردان بباید شتافت   کہ ہر کو سعادت طلب کرد یافت

۸ ولیکن تو دنبال دیو خسی — ندانم کہ در صالحان کے رسی
۹ پیمبر کسے را شفاعت گرست — کہ بر جادۂ شرع پیغمبرست
۱۰ رہ راست باید نہ بالائے راست — کہ کافر ہم از روئے صورت چو ماست

ترجمہ : (۱) صالحین قیامت میں اعلیٰ مراتب پر پہنچیں گے۔ مٹی کے ٹکڑے سے گلشن تک پہنچیں گے

(۲) تیرا سر سوالات سے نیچے رہے گا۔ تیرے اردگرد تیرے اعمال پیش ہوں گے

(۳) اے بھائی! بدوں کے کلام سے شرم کر۔ اس لیے کہ نیکوں کے سامنے شرمسار ہوگا۔

(۴) کہ تو خوشی میں نفس کی پرورش کر کہ کسی دشمن کے مقابلہ میں ہاتھ سے گئی جان۔

(۵) کسی نے بھیڑیئے کا بچہ پالا جب بڑا ہوا تو اس نے مالک کو کاٹ کھایا۔

(۶) بہشت اسے ملے گی جس کے اعمال نیک ہوں گے جس کے پاس نقدی ہوگی وہی مال لے گا۔

(۷) نیک مردوں کا پاؤں پکڑنا ہے جو سعادت طلب کرتا ہے پا لیتا ہے۔

(۸) نیکی کر تو اسے کیسے ایڑی کے پیچھے لگا ہے، مجھے معلوم نہیں تو نیکوں کے ساتھ کب پہنچے گا۔

(۹) پیغمبر اس کی شفاعت فرمائیں گے جو شریعت کے طریقے پر چلتا ہے۔

(۱۰) سیدھا راستہ چلنا ہے نہ کہ قد سیدھا، کیونکہ کافر بھی ظاہر ہمارے جیسا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

ایمان وکفر قلب کے اوصاف ہیں اور قلب کے دو دروازے ہیں،

(۱) علوی (۲) سفلی

علوی روح اور سفلی نفس کے قریب ہے۔ نفس کی طرف سے جب قلب کا دروازہ بند ہوجاتا ہے تو قلب کی طرف کا دروازہ کھل جاتا ہے اور نفس کا دروازہ تب بند ہوتا ہے جب اس کی مکمل طور پر مخالفت ہو۔ پھر جب قلب کا روح کی طرف سے دروازہ کھل جاتا ہے تو روح کے واسطے سے قلب پر معارف الٰہیہ کا ورود ہوتا ہے جس سے قلب انوارِ معرفتِ الٰہی سے منور ہوجاتا ہے اور جب نفسانیہ سے نجات پاتا ہے۔ اور جب بدقسمتی سے قلب کا روح کی طرف سے دروازہ بند ہوجاتا ہے تو نفس کی جانب سے دروازہ کھل جاتا ہے۔ جب نفس کی جانب سے دروازہ کھلتا ہے تو قلب میں نفس کے ذریعے وساوس شیطانیہ اور بدعت سیئہ اور خواہشات نفسانیہ اور دین باطل کے میلان کی خرابیاں پیدا ہوجاتی ہیں، جن کی وجہ سے انسان طریق حق اور دین مبین سے بھٹک جاتا ہے، اس کے بجائے خواہشات کی پوجا کرنے لگتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ باطل انسان اور اپنے ہدایت یافتہ بندے کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ ظاہر ہے کہ جیسے ایک دل میں ایمان وکفر کا اجتماع ناممکن ہے ایسے ہی ایک دار میں اہل ایمان و اہل کفر کا اجتماع نہیں ہو سکتا۔ اور عالم برزخ درمیان میں حائل ہے اس کے بعد فرق ظاہر ہوجائے گا۔ اگرچہ اہل معرفت کی نگاہوں میں آج بھی فرق عیاں ہے، لیکن یہ فرق معنوی ہے، ہاں قیامت میں یہ فرق

مسمی ہوگا۔

تفسیر عالمانہ اَلَمْ تَرَ ہر اس کو خطاب ہے جو خطاب کا اہل ہے اور رؤیۃ بمعنے علم ہے۔ یعنی کیا تمہیں معلوم نہیں اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ یعنی اس کی تدبیر و مشیت کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ اس سے ملائکہ، جن و انس مراد ہیں مطیع ہو یا عاصی۔ اس لیے کہ ایک سجدہ اختیاری ہوتا ہے جس سے انسان مراد ہے اور اس پر وہ ثواب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ دوسرا سجدہ تسخیری ہوتا ہے یا انسان، حیوان و نباتات کے لیے ہوتا ہے۔

نکتہ: انقیاد یعنی سر تسلیم خم ہونے کو باب طاعت میں سجدے کے اکمل افعال سے تشبیہ دی گئی ہے تاکہ معلوم ہو کہ کمال تعبد و تذلل اسی میں ہے۔

نکتہ: ہم نے اسے معنی مجازی پر اس لیے محمول کیا ہے کہ کفرۃ الانس و مردۃ الجن و شیاطین اور جملہ حیوانات و جمادات کو سجدۂ طاعت و عبادت نصیب نہیں اس لیے کہ سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے اور سجدہ وضع الجبھۃ علی الارض یعنی زمین پر ماتھا ٹیکنے کو کہتے ہیں۔

وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ اور سورج، چاند اور ستارے کہ چلتے پھرتے اور طلوع و غروب کرتے ہیں۔ صرف بندوں کے منافع کے لیے وَالْجِبَالُ اور پہاڑ ہیں جو پانی کے چشمے بہاتے ہیں اور معادن ظاہر کرتے ہیں۔ وَالشَّجَرُ اور درخت سایہ کرتے اور پھل پھول وغیرہ دیتے ہیں وَالدَّوَآبُّ اور چوپائے ہیں جو عجیب باتیں دکھا کر۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان ہیں۔ جس کام کے لیے اللہ نے انہیں پیدا فرمایا اسے بحسن و خوبی انجام دے رہے ہیں اسی کی تسبیح ہے کہ اس نے ایسی عجیب و غریب مخلوق پیدا فرمائی اور ہر ایک کو اس کے مناسب حال رزق بخشا۔ اور ہم اس کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں پیدا فرمایا اور ہمیں رزق بخشا، صحت و تندرستی عطا کی۔ اگر بیماری میں بھی مبتلا کیا ہے تو اس میں ہزاروں حکمتیں مخفی رکھیں۔ اور ان نعمتوں میں مومن و کافر، نیک و بد سب برابر رکھے وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ اور انسانوں میں سے اکثر ایسے ہیں جو اس کے سامنے عبادت و طاعت کے طور پر سر جھکاتے ہیں۔ اور یہ محذوف فعل کا فاعل ہے اس لیے مرفوع ہے ورنہ حقیقت و مجاز کا اجتماع لازم آتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات میں ہے کہ اہل عرفان اپنے ارادہ سے عبادت کے طور پر سر بسجود ہوتے ہیں اور جملہ جمادات اور غیر ذوی العقول اشیاء و جملہ دیگر لوگ اپنی کسی حاجت کے تحت عجز و نیاز کا سجدہ کرتے ہیں۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ عالم کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ کے حضور خاضع و خاشع ہے جیسا کہ دلالت حال بتاتی ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ دلالت حال دلالت مقال سے فصیح تر ہے ؎

در نگر تا بینی از عین شہود جملہ ذرات جہاں را در سجود

ترجمہ: غور سے دیکھ تاکہ تجھے عین شہود نظر آئے کہ جملہ عالم کا ذرہ ذرہ سربسجود ہے۔

تفسیر عالمانہ وَكَثِيرٌ اور بکثرت ایسے ہیں جن پر حَقَّ ثابت ہو گیا ہے عَلَيْهِ الْعَذَابُ عذاب بوجہ ان کے کفر اور بسبب طاعت سے انکار کرنے کے۔

ف: کاشفی نے کہا کہ قرآنی سجدات کا یہ چوتھا سجدہ ہے اور اس پر علماء کا اتفاق ہے۔

تفسیر صوفیانہ فتوحات میں اس سجدہ کو سجدہ مشاہدہ و عبرت سے تعبیر کیا اور اسے تقریبی بھی فرمایا کہ صرف انسان کو کثیر سے تبعیض (بعض حصہ) بنانے میں اشارہ ہے کہ انسان پر لازم ہے کہ سجدہ ریزی میں جلدی کرے تاکہ اسے کثیر اول میں شمار ہونے کا موقع نصیب ہو کیونکہ وہی اہل سجدہ اور اہل قرب ہیں بخلاف کثیر ثانی کے کہ وہ عذاب و عتاب کے مستحق ہیں۔

سہ

ذوق سجدہ و طاعت پیش خدا
خوشتر باشد ز صد دولت ترا

ترجمہ: تجھے اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریزی اور اطاعت کا موقع نصیب ہو جائے تو تیرے لیے یہ سینکڑوں دولتوں سے بہتر ہے۔

ف: فقیر (حقی) کہتا ہے کہ کثیر اول فی نفسہ کثیر ہیں اگرچہ بلحاظ ثانی کے قلیل ہیں کیونکہ کثیر اول اہل جمال ہیں اور اہل جمال بہ نسبت اہل جلال کے قلیل ہیں کیونکہ اہل جمال اہل جلال میں ہزاروں میں ایک ہے۔

ف: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اہل حق اگرچہ ایک ہی ہو تب بھی وہ سواد اعظم ہے۔ اور بعض بزرگوں نے فرمایا کہ قلیل جب اپنی شئے میں مضبوط ہو تو حقیقۃ کثیر وہی ہے۔

تفسیر عالمانہ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ اور جسے اللہ تعالیٰ ذلیل و خوار کرے۔ یعنی جسے ازل سے اپنے علم سے کہ وہ بدبخت ہوگا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ یہ بندہ اپنے اختیار سے ہی شقاوۃ اختیار کرے گا فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ تو پھر کوئی اسے سعادت مند نہیں بنا سکتا اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے۔ چاہے کسی کو ازل سے نیک مکرم بنائے، چاہے کسی کو ذلیل و خوار کرے۔

ف: امام نیشاپوری نے کشف الاسرار میں لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو اہل ایمان سے اس لیے کثیر پیدا فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی طاعت و عبادت سے مستغنی ہے۔

حدیث شریف چنانچہ حدیث قدسی میں خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے مخلوق کو اس لیے پیدا نہیں فرمایا کہ میں ان سے فائدہ اٹھاؤں بلکہ اس لیے پیدا فرمایا کہ وہ مجھ سے فائدہ اٹھائیں۔

نکتہ: بعض مفسرین نے فرمایا کہ کفار کی تخلیق صرف اہل ایمان کی عزت افزائی کے لیے ہوئی۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ تعرف

الاشیاء باضدادھا، اشیاء اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں۔ نیز قاعدہ ہے کہ شے جو تنی قلیل تر ہوگی عزیز تر ہوگی۔ اسی وجہ سے مصنوعات اللہ تعالیٰ کے اسم عزیز کا مظہر ہیں کہ وہ اشیاء میں عزیز ترین تعین کیا جاتا ہیں۔

نکتہ: اہل ایمان کو قلیل اسی لیے ہی بنایا تاکہ اپنی قدرت دکھائے کہ وہ کیا کیا قادر ہے کہ دشمنوں کی صفوں میں بھی ان کی حفاظت فرماتا ہے جیسے اپنے محبوب عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نے کفار کے درمیان میں محفوظ فرمایا باوجودیکہ وہ کثیر اور محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم تنہا۔ فتح و نصرت اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے۔ بہت سے مواقع پر قلیل کثیر پر غالب آ جاتے ہیں۔ یہ صرف خدا تعالیٰ کی مہربانی اور عنایت و اعانت ہوتی ہے۔ وہ اپنے لطف و کرم سے جس کی مدد فرماتا ہے اسے کوئی بھی رسوا نہیں کر سکتا۔

سوال: حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب پر سبقت اور غلبہ رکھتی ہے۔ اس حدیث شریف کا تقاضا یہ ہے کہ اہل رحمت اہل غضب سے کثیر التعداد ہوں گے حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے کہ قیامت میں ایک ہزار اہل غضب کے مقابلہ میں صرف ایک ہی اہل رحمت ہوگا (کما ورد فی الحدیث الصحیح) نیز وارد ہے کہ اہل رحمت اہل غضب کی نسبت ایسے ہیں جیسے ایک سفید بال سیاہ بالوں والے بیل میں۔

جواب: یہ کثرت صرف بہ نسبت بنی آدم کے ہے ورنہ غور سے دیکھا جائے تو اہل رحمت کا تو شمار ہی نہیں مثلاً اب اہل رحمت بنی آدم کے ساتھ ملائکہ اور حور و غلمان کو ملائیے پھر اہل غضب کے ساتھ مقابلہ کیجئے تو اہل غضب اہل رحمت کے مقابلہ میں کروڑواں حصہ بھی نہیں بنتے۔

تحقیق اہل تحقیق: محققین فرماتے ہیں کہ عالم موجودات کی تخلیق سے مقصود صرف انسان کامل کا ظہور ہے اور وہ صرف ایک ہے اسی نسبت سے حقیقت مطلقہ انسان کو بزرگی ہے۔ اسے یوں سمجھیے کہ کل انسان اگر ایک ہزار ہوں تو ان میں نو حصے کافر ہوں گے اور ایک حصہ اہل ایمان۔ پھر اہل ایمان کو دس حصوں میں تقسیم کیا جائے تو ان میں نو حصے گنہگاروں کے اور ایک حصہ اہل اطاعت کا ہوگا۔ پھر اہل اطاعت کو دس حصوں میں تقسیم کیا جائے تو ان میں نو حصے اہل زہد کے ہوں گے اور ایک حصہ اہل عشق کا۔ پھر اہل عشق دس ہوں تو ان میں نو حصے اہل برزخ و اہل فرقت ہوں گے تو ایک اہل منزل و اہل وصلت ہوگا اور یہی درحقیقت کبریت احمر اور مشک اذفر سے بھی عزیز ہے۔ یہی وہ محبوب انسان ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنی عزت و کرامت سے معزز و مکرم بناتا ہے جس کا ثانی نہیں ہوتا۔ ایسے محبوب کی اہانت پر بلا عالم چاہے کتنا زور لگائے تب بھی اس کا بال بیکا نہ ہوگا کیونکہ اسے حقیقی عزت نصیب ہوتی ہے۔ اسی لیے کہ اس نے اپنے آپ کو فنا فی اللہ بنا دیا ہے اور یہ حقیقی کامیابی مقام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے معزز و مرتفع بنایا ہے۔

حدیث شریف: چنانچہ حدیث قدسی میں ہے:

من عادی لی ولیا فقد بارزنی بالمحاربۃ جس نے میرے کسی ولی اللہ کے ساتھ دشمنی کی اور

سے ایذا دیتا ہے وہ اس کی اہانت کرتا ہے۔ گویا وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ میدان جنگ میں نکلا اور اللہ تعالیٰ صرف اپنے محبوبوں کی مدد فرماتا ہے اس لیے جو بھی اولیاء اللہ کا مقابلہ کرتا ہے رسوا ہوتا ہے نہ کوئی اس کی مدد کرتا ہے نہ اسے کہیں عزت نصیب ہوتی ہے ؎

اہل حق ہرگز نمی باشد تباہ
اہل باطل خوار باشد در جہاں

ترجمہ: اہل حق کبھی رسوا نہیں ہوتے البتہ جہان میں اہل باطل ہمیشہ ذلیل و خوار ہوتے ہیں۔

هٰذٰنِ یہ دو گروہ یعنی اہل ایمان اور کفار، جنھیں سابقاً پانچ فرقوں میں منقسم کیا گیا ہے **خَصْمٰنِ** آپس میں جھگڑا کرتے ہیں **اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ** ان کا جھگڑا اللہ تعالیٰ کے متعلق ہے یا اس کے دین یا اس کی ذات یا صفات یا اس کی جلد شانوں کے بارے میں ہے اس لیے کہ ہر گروہ اپنے عقیدہ کو حق کہتا ہے اور دوسرے کو باطل۔ اور ہر ایک کے اقوال و احوال دوسرے گروہ کے لیے موجب خصومت بنے رہتے ہیں اگرچہ وہ آپس میں کبھی باہم مصروف گفتگو ہوئے ہوں یا نہ ؎

اہل دین حق و افواج باطل
مختصم شد بے زبان اندر جدل

ترجمہ: حق دین والے اور دوسرے اہل باطل ایک دوسرے سے برسر پیکار رہتے ہیں لیکن زبان اور جدل کے بغیر۔

فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا یہ یفصل بینهم یوم القیٰمة کے اجمال کی تفصیل ہے۔ یعنی پس جو لوگ کافر ہیں **قُطِّعَتْ لَهُمْ** (حل لغات) یہ التقطیع سے ہے بمعنی ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔ یہاں پر قسمت علیٰ مقادیر جثتھم کے معنی میں ہے یعنی ان کے جثے کے انداز سے تیار رکھا جائے گا **ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ** آگ کے کپڑے۔ یعنی وہ سخت نار جو انھیں ایسے گھیرے گی جیسے کپڑا انسان کے جسم کو گھیر لیتا ہے **یُصَبُّ** صب الماء سے ہے بمعنی پانی کو اوپر سے گرانا۔ یعنی گرایا جائے گا **مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ** ان کے سروں پر ایسا سخت گرم پانی کہ اگر اس کا ایک قطرہ بھی دنیا کے پہاڑوں پر گرایا جائے تو تمام پہاڑ پانی کی طرح پگھل کر پانی کی طرح بہہ جائیں۔ امام راغب نے فرمایا الحمیم ہر اس پانی کو کہا جاتا ہے جو سخت گرم ہو اور پسینے کو بھی حمیم کہا جاتا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں استحم الفرس۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب گھوڑے سے پسینہ بہے۔ اور حمام کو اسی لیے اس نام سے موسوم کرتے ہیں کہ اس کے اندر گرمی ہوتی ہے کہ انسان اس میں داخل ہوتے ہی (بالفعل یا بالقوۃ) پسینے سے شرابور ہوجاتا ہے یا اس لیے کہ وہ گرم پانی سے لبریز ہوتا ہے۔ اور الحمی (بخار) کو بھی اسی لیے اس نام سے موسوم کیا جاتا ہے کہ بخار میں شدید گرمی ہوتی ہے یا اس لیے کہ کبھی بخار میں پسینہ عارض ہوتا ہے۔ یا اس لیے کہ یہ موت کی علامات سے ہے اور عربی میں موت کو حمام کہا جاتا ہے اسی معنی پر حمّٰی اسی سے ماخوذ ہوا۔ **یُصْهَرُ بِهٖ** اسے گرم پانی کی سخت تر گرمی سے پگھلایا جائے گا (**حل لغات**) یہ صہرت الشیء فانصهر (میں نے فلاں شے کو پگھلایا تو وہ پگھل گئی) سے مشتق ہے فہو صہیر یعنی وہ پگھلنے والا ہے۔ اور الصہر بمعنی کسی شے کو پگھلانا۔ اور الصہارہ

ہو جائے جس سے کسی شے کو پگھلایا جائے۔ مَا فِیْ بُطُوْنِهِمْ وہ جو ان کے پیٹ کے اندر آنتیں وغیرہ ہوں گی وَ الْجُلُوْدُ اور ان کے چمڑے وغیرہ پگھل کر گر پڑیں گے۔ اس کا ما پر عطف ہے اور اس کی تاخیر رعایت فواصل کی وجہ سے ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ جب جہنم کا گرم پانی ان کے سروں پر ڈالا جائے گا تو اس کی گرمی کی تاثیر سے جیسے ان کے اندر کے حصے متاثر ہوں گے کہ آنتیں وغیرہ جل کر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر باہر نکلیں گی ایسے ہی ان کے ظاہری جسم یعنی ان کی کھالیں وغیرہ جل کر گریں گی۔ پھر اللہ تعالے اپنی قدرت کاملہ سے انسان کو اصلی حالت میں کر دے گا، پھر یہی عمل دہرایا جائے گا ایسے بار بار ہمیشہ ہوتا رہے گا۔ نعوذ باللہ من غضبہ وسخطہ و عذاب نارہ بجاہ حبیبہ الکریم (صلی اللہ علیہ وسلم) وَ لَهُمْ اور کافروں کو عذاب دینے اور ان کے چمڑے ادھیڑنے کے لیے مَقَامِعُ مِنْ حَدِیْدٍ جہنم کے فرشتوں کے ہاتھوں میں لوہے کے گرز ہوں گے۔ یہ مقمعہ کی جمع ہے قمع کا آلہ۔

ف وہ گرز ایسے کرارے ہوں گے وہ ڈنڈے کہ جب کفار پر مارے جائیں گے تو ان کے چمڑے ادھڑ جائیں گے۔ در حقیقت مقمعہ بمعنے ما یقمع بہ ای یکف بشدت ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اگر جہنم کا ایک ڈنڈا زمین پر رکھا جائے تو اسے جن و انس اٹھانا چاہیں گے بھی تو نہیں اٹھا سکیں گے۔

كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا جب وہ اس سے نکلنا چاہیں گے یعنی دوزخ کے عذاب سے گھبرا کر باہر نکلنے کا خیال کریں گے۔ مروی ہے کہ انہیں جہنم کی آگ کے شعلے نیچے سے اوپر کے کنارے پر لے آئیں گے تو باہر نکلنے کے خواہاں ہوں گے تو انہیں فرشتے گرز مار کر دھکیلیں گے جس کی وجہ سے جہنم کی آگ میں ستر سال کی مسافت کے برابر دھنس جائیں گے۔ حدیث شریف میں لفظ خریف سے جزو بول کر کل مراد لیا گیا ہے اور خریف فصول اربعہ کی آخری فصل کا نام ہے۔ مِنْ غَمٍّ سخت ترین غم سے جو انہیں ان ڈنڈوں کے پڑنے سے پہنچے گا۔ یہ منہا کی ضمیر سے بدل الاشتمال ہے اُعِیْدُوْا فِیْهَا اسی جہنم کے گڑھے میں لوٹائے جائیں گے یعنی انہیں جہنم کے اوپر کے حصے سے نیچے کے حصے میں دھکیل دیا جائے گا۔ اس کا معنی یہ نہیں کہ وہ جہنم سے کبھی باہر نکل جائیں گے تو انہیں وہاں سے پکڑ کر لایا جائے گا۔

ف دمشقی نے کہا کہ انہیں آتشیں گرزوں سے مار کر دوزخ میں لوٹایا جائے گا۔ یہ اس وقت ہوگا جب وہ دوزخ کے کنارے پہنچ جائیں گے اور قریب ہوگا کہ وہ دوزخ سے باہر نکل جائیں لیکن پھر دوزخ کے فرشتے ان پر ڈنڈے برسائیں گے تو وہ دوزخ کے نچلے حصوں میں دھنس جائیں گے۔

وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ اور انہیں کہا جائے گا کہ جلانے والے دوزخ کا عذاب چکھو۔ یا الحریق بمعنے المحرق ہے جیسا کہ اوپر گزرا اور فعیل کے صیغے کی طرف عدول سے مبالغہ مطلوب ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے فالذین کفروا یہاں وہ ارباب نفس مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے دین سے منقطع ہو گئے اور انہوں نے اتباع ہوا و طلب شہوات دنیوی میں زندگی بسر کی۔ اس طرح وہ بعض اصحاب نزد ... جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے روگردانی کی اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت حق کو رد کیا قطعت لھم ثیاب من نار ان کے قد کے مطابق قضا و قدر کے تاگوں کے ساتھ ان کے لیے جہنم کے کپڑے تیار کیے جائیں گے اور یہ کپڑے دراصل ان کی وہ خواہشات نفسانی ہوں گی جو انہوں نے شریعت پاک کی مخالفت کر کے اختیار کی اور موافقت طبع سے انہیں عمل کیا یصب من فوق رؤسھم الحمیم ان کے سروں پر خواہشات نفسانیہ کا گرم پانی ڈالا جائے گا جس سے پگھلیں گے وہ جو ان کے اندر اخلاق حمیدہ ہیں وہ سب کے سب ان سے خارج ہو جائیں گے ولھم مقامع من حدید اور انہیں اخلاق ذمیمہ اور استیلاء سے حرص و امل کے ڈنڈے نصیب ہوں گے۔ وقیل لھم ذوقوا عذاب الحریق اور انہیں کہا جائے گا اب وہ عذاب چکھو جس میں تمہیں شہوات کی نار سے نصیب ہو رہا ہے کہ اس نار سے تم نے استعدادات حسنہ کو جلایا تھا۔

سوال: نار جہنم اچھی ہے یا بری!

جواب: نہ اچھی ہے نہ بری بلکہ ایک قسم کا سخت عذاب ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت ہے۔ بعض نے کہا کہ وہ من وجہ اچھی ہے اور من وجہ بری ہے جیسے نمرود کی نار بظاہر تو دوسروں کی نظروں میں بری تھی مگر ابراہیم علیہ السلام کے لیے برد و سلام تھی یا جیسے ڈنڈا جو پولیس کے ہاتھ میں ہوتا ہے نافرمان و سرکش لوگوں کے لیے مفید ہوتا ہے اور فرمانبردار و صالحین کے لیے برا۔ اسی طرح نار جہنم دوزخ کے حقیقی افسر یعنی مالک اور اس کے عملہ کے لیے اچھی ہے لیکن دشمنان خدا جو اس میں داخل ہوں گے ان کے لیے بری ہے۔ اسی طرح یہی نار جہنم اہل ایمان فساق کے لیے بھی اچھی ہے جب وہ اس میں داخل ہوں گے تو ان کے نفوس کے جواہر سے معاصی و جرائم کی آمیزش ہوگی اس سے وہ صاف و شفاف ہو جائیں گے۔ لیکن وہ مردود یعنی کفار و مشرکین کے لیے بری ہے۔ اسے طاعون و وبا کی طرح سمجھیے کہ وہ اہل ایمان کے لیے رحمت ہے لیکن کفار کے لیے زجر و توبیخ۔ اسی طرح وجود بھی عارفین کے نزدیک خیر محض ہے لیکن محققین اسے شر خالص سے تعبیر کرتے ہیں وہ اس لیے کہ وجود بھی باری تعالیٰ کی صفت کا ایک ظل ہے۔ کما قال: ربنا ما خلقت ھذا باطلا اس معنی پر وجود کو اعیان کی طرف سے منسوب ہونے کی وجہ سے شر کہہ سکتے ہیں لیکن جب اسے افعال الٰہی سے نسبت ہو گی تو اسے خیر ہی خیر ماننا پڑے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے ملک میں جو چاہے کرے اور جس طرح چاہے حکم فرمائے۔ خلاصہ یہ کہ نار حق تعالیٰ کے جلال کا مظہر ہے۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ چونکہ یہ مظہر جلال ہے یہ خیر ہی خیر ہے اور چونکہ اسے بعض اعیان سے تعلق ہے اس لیے اسے شر بھی سمجھا ہوا۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ نے نار کو اس لیے پیدا فرمایا تاکہ مخلوق کو جلال و کبریائی کا علم ہو اور ہمیشہ خوف الٰہی اور ہیبت حق سے خوفزدہ ہو

ہو تاکہ اس کے ذریعے ان بیچاروں کی سرزنش کی جائے جنہوں نے انبیاء و رسل علیہم السلام کا ادب نہ کیا اسی لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصا مبارک گھر میں لٹکا دیا تھا تاکہ اہل بیت دیکھ کر ادب کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

اپنے اور پرائے کی پہچان مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ہاں وحی بھیج کر فرمایا کہ میں نے دوزخ اس لیے نہیں پیدا کی کہ میرے ہاں رحمت کی کمی ہے بلکہ اس لیے بنایا تاکہ دوستوں و دشمنوں کی پہچان ہو اور انہیں ایک جگہ رکھنا ناموزوں تھا اس لیے دوستوں کے لیے بہشت اور دشمنوں کے لیے دوزخ پیدا فرمائی۔

نکتہ: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ دوزخ کی تخلیق بھی مبنی بر شفقت ہے جیسے کوئی شخص اعلان کرے کہ جو میری مہمانی قبول کرے گا اس کی عزت ہوگی اور جو قبول نہیں کرے گا اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن دوسرا یوں اعلان کرے کہ جو قبول کرے گا اس کی عزت ہوگی اور جو قبول نہیں کرے گا اسے سزا ملے گی۔ ان دونوں میں سے دوسرے کو زیادہ شفیق و کریم سمجھا جائے گا۔ بلا تمثیل یہی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی بہشت میں مہمانی کے لیے بلایا کما قال:

واللہ یدعوا الی دار السلام۔

اس کے بعد اپنے محبوب علیہ السلام کو تلوار دے کر حکم فرمایا کہ جو میری مہمانی قبول نہ کرے اسے قتل کر دو۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دعوت قبول کرے اور اس کے حکم کو مانے تاکہ اس کے قہر و غضب سے بچ سکے۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

۱ ہنوزت اجل دست ہوشت نبست   برآور بدرگاہ داور دو دست
۲ تو پیش از عقوبت در عفو کوب   کہ سودے ندارد فغاں زیر چوب
۳ چناں شرم دار از خداوند خویش   کہ شرمت ز ہمسایگانست و خویش
۴ بترس از گناہان خویش ایں نفس   کہ روز قیامت نترسی ز کس
۵ بر آں خورد سعدی کہ بیخے نشاند   کسے برد خرمن کہ تخمے فشاند

ترجمہ (۱) ابھی اجل نے تیرے ہوش کے ہاتھ نہیں باندھے بارگاہ احکم الحاکمین میں دونوں ہاتھ اٹھا کر گریہ کر۔

(۲) سزا سے پہلے معافی کا دروازہ کھٹکھٹا، سزا کے بعد شور کرنا بے سود ہوگا۔

(۳) اپنے خدا سے اس طرح شرم کر جیسے تجھے ہمسایوں اور رشتہ داروں سے شرم ہے۔

(۴) اے نفس! اپنے گناہوں سے ڈر پھر تجھے قیامت میں کسی سے ڈر نہ ہوگا۔

(۵) پھل وہ کھائے گا اے سعدی! جو اس کا پودا لگائے گا، خرمن وہ لے گا جو بیج بوئے گا۔

إِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
بے شک اللہ داخل کرے گا انہیں جو ایمان لائے اور انہوں نے کیے کام

الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ
نیک بہشتوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں ان میں پہنائے

فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۭ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿٢٣﴾ وَهُدُوْٓا اِلَى
جائیں گے سونے کے کنگن اور موتی اور وہاں ان کی پوشاک ریشم ہے اور انہیں پاکیزہ بات

الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ښ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿٢٤﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
کی ہدایت کی گئی اور سب خوبیوں سراہے کی راہ بتائی گئی بے شک وہ جنہوں نے کفر کیا

وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَاۗءَ
اور روکتے ہیں اللہ کی راہ اور اس ادب والی مسجد سے جسے ہم نے سب لوگوں کے لیے

الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ۭ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٢٥﴾
مقرر کیا کہ اس میں ایک سا حق ہے وہاں کے رہنے والے اور پردیسی کا اور جو اس میں کسی زیادتی کا ناحق ارادہ کرے ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے۔

تفسیر عالمانہ إِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو داخل کرے گا جنہوں نے ایمان لا کر نیک عمل کیے جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ باغات میں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں يُحَلَّوْنَ فِيْهَا اس میں انہیں زیور پہنائے جائیں گے۔

حل لغات [illegible] الحلیۃ سے مشتق ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی عورت زیور پہنے۔ قیامت میں اللہ کریم جنتیوں کو زیورات پہنائیں گے۔ اور الحلی ہر وہ شے جو زینت کے طور از قسم سونا و چاندی پہنی جائے۔ یعنی زیور۔ یعنی بہشت میں ان لوگوں کو زیورات پہنائے جائیں گے۔

مِنْ اَسَاوِرَ یہ مِن تبعیضیہ ہے اور اساور، اسورۃ، اور سوار کی جمع ہے یعنی دستبند یعنی کنگن۔
مِنْ ذَهَبٍ یہ سوار کا بیان ہے یعنی وہ کنگن سونے کے ہوں گے وَّلُؤْلُؤًا اس کا عطف من اساور کے محل پر ہے اسے جر دے کر بھی پڑھا گیا ہے اس وقت اس کا عطف من ذہب پر ہوگا۔ یعنی وہ کنگن سونے کے ہوں گے جن پر موتیوں کا جڑاؤ ہوگا یا یہ معنی ہے کہ وہ دونوں جنسوں سے ہوں گے یعنی کسی وقت سونے کے اور کسی وقت موتی کے یا دونوں طرح کے زیورات مختلف طریقوں سے پہنائے جائیں گے جیسے دنیا میں عورتیں بیک وقت مختلف اجناس کے

زیورات مختلف طریق سے پہنتا ہیں۔ اور وہ ایک جوڑ شمار ہوتا ہے جن کا ایک کنگن خالص سونے کا اور دوسرا سفید موتیوں کا ہو۔ بعض نے کہا کہ اس کا عطف ذہب پر نہیں بلکہ اساور پر ہے اس لیے کہ خالص موتیوں کے کنگن نہیں ہوتے۔ لیکن یہ قول غلط ہے اس لیے کہ اس میں عالم ملکوت کا عالم دنیا پر قیاس کیا گیا ہے اور ایسا قیاس سراسر خطا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے آخرت میں جنتیوں کے لیے ایسی نعمتیں تیار فرمائی ہیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور وہ دل کی سوچ میں آسکتی ہیں۔ ہماری تائید حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے قول سے بھی ہوتی ہے انہوں نے فرمایا کہ بہشتی کو بہشت میں تین کنگن پہنائے جائیں گے، ایک خالص سونے کا، دوسرا خالص چاندی کا، تیسرا لؤلؤ و یاقوت کا۔

ف: ابن الشیخ نے فرمایا کہ اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ کبھی خالص موتیوں سے بھی کنگن تیار ہو سکتے ہیں وہ اس طرح کہ موتیوں کو ایک دوسرے کے ساتھ پرو دیا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ آخرت کے زیورات کی ساخت اس عالم دنیا سے نرالی ہوگی۔ اور یہی معنیٰ موزوں ہے اس لیے کہ باب ترغیب میں ایسا مفہوم موثر ہوتا ہے۔

وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ اور بہشت میں ان کا لباس ریشمی ہوگا۔

مسئلہ: دنیا میں مردوں کو ریشمی لباس پہننا حرام ہے۔

حدیث شریف حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے دنیا میں ریشمی لباس پہنا وہ بہشت میں ریشمی لباس سے محروم ہوگا۔

مسئلہ: امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مردوں پر ریشمی لباس پہننا حرام ہے مگر صرف چار انگل کی مقدار ریشم لباس میں استعمال کرنا جائز ہے۔

روایت مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ جبہ مبارک پہنا جس کی آستینیں چار انگل کے برابر ریشمی تھیں۔ اس میں جنگ وغیرہ کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

مسئلہ: امام ابو یوسف و محمد رحمہما اللہ نے ایسا جبہ پہننا صرف جنگ کے وقت جائز رکھا ہے بوجہ ضرورت کے لیکن یہ قول غیر مفتیٰ بہ ہے کیونکہ ضرورت تو دوسرے طریق سے بھی پوری ہو سکتی ہے وہ اس طرح کہ جنگ میں ایسا کپڑا پہنا جائے جس کا باہر یا اندر کا حصہ ریشمی ہو۔ (کذا فی بحر العلوم)

مسئلہ: امام دمیری رحمہ اللہ نے حیاۃ الحیوان میں لکھا ہے کہ جوئیں دور کرنے کے لیے ریشمی لباس پہننا جائز ہے اس لیے کہ ریشمی لباس میں جوئیں نہیں آتیں۔ اور یہ بھی تحریر ہے کہ یہ عام ہے سفر میں ہو یا حضر میں۔ (کذا فی انوار المشارق)

وَهُدُوا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ اور اہل ایمان پاکیزہ قول کی طرف راہ دکھائے جائیں گے۔ مثلاً

بہشت کو دیکھ کر کہیں گے الحمد للہ الذی ہدانا ۔ جب بہشت میں داخل ہوں گے تو کہیں گے الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن ۔ جب اپنی منزلوں میں پہنچیں گے تو کہیں گے الحمد للہ الذی صدقنا وعدہ واورثنا الارض ۔ بعض مفسرین نے فرمایا یہاں پر پاکیزہ قول سے ان کا دنیا میں کلمہ طیبہ پڑھنا مراد ہے کیونکہ انہیں دنیا میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے کی توفیق نصیب ہوئی۔

تفسیر صوفیانہ چنانچہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ انہیں اخلاص سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنا اور اس کے مقتضا پر عمل کرنا نصیب ہوا۔

اور حقائق البقلی میں ہے کہ اس سے مراد ذکر یا امر بالمعروف یا اہل اسلام کی خیر خواہی یا ان کے لیے دعائے خیر اور ارشاد و سبق کہنی مراد ہے۔

ف : حضرت کاشفی نے لکھا کہ حضرت الہی نے کشف الاسرار میں فرمایا کہ قول پاکیزہ یہ ہے کہ بندہ دعویٰ سے پاک اور عجب سے بے نیاز اور عجز و نیاز کے قریب ہو۔ اور سہل تستری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے اس کے متعلق غور و خوض کیا تو مجھے قول پاکیزہ عجز و نیاز کے سوا اور کچھ معلوم نہیں ہوا اور دعویٰ نہایت مشکل ترین امر سے محسوس ہوا۔

دعویٰ کا دست ایں راہ نشیب ساز   ترک ناز کش گیر و پائی راہ بساز
ہر تیرک دعویٰ و عادت بگو   راہ حق ز کبر و از نخوت مجو

ترجمہ : برکت کا انتظام ہے یہ راہ و نیاز ، ناز کش کو چھوڑ اور نیاز حاصل کر۔ دعویٰ و عادت کو بالکل ترک کر دو راہ حق کبر و نخوت سے حاصل نہیں ہوتا۔

تفسیر عالمانہ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ اور انہیں ایسے راہ کی ہدایت دی گئی جو نفس محمود تھا یا اس کا انجام محمود تھا۔ (اصل کی رعایت سے ہدایت کے بیان کو موخر فرمایا ہے۔ حضرت کاشفی نے لکھا کہ ایسے راہ کی ہدایت دیے گئے جس کی اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی ہے یعنی دین اسلام۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی کی تعریف فرمائی ہے اب معنی یہ ہوا کہ وہ دین حق کے جملہ افعال کی اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس سے وہ راستہ مراد ہے جو وصل الی اللہ ہے اس لیے کہ حمید اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔

ف : طریق قرآنیہ کے اتباع کی علامت یہ ہے کہ انسان کو عمل صالح پر ثابت قدمی نصیب ہو اور وہ اخلاص سے حاصل ہوتی ہے اگرچہ ایمان انسان کو خلود فی النار سے نجات دے کر بہشت میں لے جائے گا لیکن زینت عمل صالح سے نصیب ہوتی ہے اور عمل صالح سے ہی قلب منور ہوتا ہے۔

ف : حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی یا اللہ! تیرے بندوں سے عاجز ترین کون ہے؟ فرمایا :

وہی جو اللہ سے بہشت اور رزق دنیا کے لیے مانگتا ہے۔ پھر سوال کیا کہ تیرے بندوں سے بخیل ترین کون ہے؟ فرمایا: جس سے سائل سوال کرے اور اس کے پاس اس کی حاجت پوری کرنے کی طاقت بھی ہو لیکن اس کی حاجت پوری نہ کرے۔

حکایت یثرب (مدینہ) میں ایک شخص نے اپنے دوستوں کو دعوت دی جب وہ تشریف لائے تو اس نے اپنے نوکر کو چار درہم دیئے اور فرمایا کہ ان کے بدلے ایسے میوے لاؤ جو ان تمام کو کافی ہو سکیں۔ جب غلام منصور عمار (ولی اللہ) کی مسجد سے گزرا تو آپ کسی فقیر کے لیے کچھ پیسے درکار تھے اور فرما رہے تھے جو شخص اس فقیر کو چار درہم دے گا میں اس کے لیے چار دعائیں مانگوں گا۔ غلام نے وہ چار درہم فقیر کو دے دیئے اور حضرت منصور سے عرض کی کہ آپ میرے لیے حسب وعدہ چار دعائیں مانگیے۔ وہ یہ ہیں: (۱) میں کسی کا غلام ہوں دعا فرمائیے وہ مجھے آزاد کر دے۔

(۲) یہ چار درہم مجھے واپس مل جائیں۔ (۳) میرے آقا کو اللہ تعالیٰ توبہ کی توفیق بخشے۔

(۴) مجھے اور میرے آقا اور مجلس جماعت کو اللہ تعالیٰ بخش دے۔

حضرت منصور نے فرمایا میں نے تیرے لیے چار دعائیں مانگی ہیں ان شاء اللہ قبول ہو جائیں گی۔

جب نوکر اپنے آقا کے ہاں گیا تو آقا نے فرمایا کہ اتنی دیر تم کہاں رہے؟ اس نے تمام ماجرا سنایا۔ آقا نے فرمایا: پہلی دعا کیا تھی؟ اس نے بتایا کہ میں نے کہا کہ میرا آقا مجھے آزاد کر دے۔ آقا نے فرمایا جاؤ میں نے تجھے آزاد کیا۔ کہا دوسری دعا یہ تھی کہ مجھے درہم واپس مل جائیں۔ آقا نے کہا جا میری طرف سے چار ہزار درہم لے لے۔ تیسری دعا یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ میرے آقا کو توبہ کی توفیق بخشے۔ آقا نے کہا میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں توبہ کرتا ہوں۔ غلام نے کہا چوتھی دعا یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بخش دے۔ آقا نے کہا یہ میرے بس سے باہر ہے۔ رات کو جب آقا سویا تو خواب میں غیب سے آواز آئی کہ جو تیرے بس میں تھا تو نے کر دیا اور جو میرے کرنے کا ہے وہ میں نے کر دیا۔ وہ یہ کہ تجھے اور تیرے غلام اور تیرے ساتھیوں اور منصور کو بخش دیا۔

ف: اس حکایت میں بے شمار فوائد ہیں جو کسی طرح سے مخفی نہیں ہم اللہ تعالیٰ سے مغفرت و عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

تو چاکر و سلطان عشق شو چو ایاز   کہ ہست عاقبت کار عاشقاں محمود

ترجمہ: تو سلطان عشق کے حضور میں ایاز کی طرح ہو جا پھر عاشقوں کا انجام بالآخر محمود ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بے شک وہ لوگ جو کافر ہوئے اور لوگوں کو اللہ کی طاعت اور اس کے دین میں داخل ہونے سے روکتے ہیں۔ مضارع سے حال و استقبال مراد نہیں بلکہ اس سے استمرار مطلوب ہے۔ گویا یوں کہا گیا کہ وہ لوگ جو کافر ہوئے ان کا کام ہی ہے حق سے روکنا۔ اسی کی نظیر الذین آمنوا و تطمئن قلوبھم بذکر اللہ ہے وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اس کا عطف سبیل اللہ پر ہے اس سے

مراد کا مسجد حرام سے ہے یا معنی یہ ہے کہ کفار اہل ایمان کو مسجد حرام کے طواف سے روکتے ہیں۔ الحرام کا معنی یہ ہے کہ وہ مسجد ہر لحاظ سے محترم ہے بایں معنی کہ نہ اس کے شکار کو پکڑا جائے نہ وہاں سے گھاس کاٹی جائے اور نہ وہاں خون بہایا جائے۔

ف ؛ علامہ شنی نے کہا کہ اس سے حدیبیہ کی طرف اشارہ ہے جبکہ اسی روز کفار نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو طواف کعبہ اور مسجد کے داخلے سے روکا۔ یہی قول مشہور تر ہے۔

الَّذِیْ جَعَلْنٰهُ جسے ہم نے بنایا عبادت گاہ **لِلنَّاسِ** لوگوں کے لیے وہ جہاں کے بھی ہوں، لیکن ملکی ہوں یا آفاقی۔ **سَوَآءَ ۟ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ** یہ جعلنٰہ کا دوسرا مفعول ہے اور العاکف یہ بکسرہ فاعلیت مرفوع ہے اور حرم میں مقیم کو بادی کہا جاتا ہے اور البادیہ ہر وہ مکان جو اپنے اندر کی تمام اشیاء کو ظاہر کردے۔ اب معنی یہ ہوا کہ مسجد حرام کی حاضری میں مقیم اور باہر سے آنے والے سب برابر ہیں یعنی اس کی تعظیم و تکریم بجا لانے کے لیے مقیم و مسافر برابر ہیں۔ اور اسے الحرام کی صفت سے موصوف کرنے میں اس کے طواف سے روکنے والوں کی مذمت کی گئی ہے۔ انّ کی خبر محذوف ہے اور وہ معذبون ہے یعنی اس فعل شنیع کے مرتکب عذاب میں مبتلا ہوں گے جیسا کہ انّ کی خبر محذوف پر دوسری آیت دلالت کرتی ہے۔ **وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ** اور اس میں جو بھی ارادہ کرے **بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ** یہ دونوں حال ہیں اور ہیں۔ اب معنی یہ ہوا کہ درانحالیکہ وہ ارادہ کرنے والا حق سے روگردان اور ظالم ہو اور بظلم دراصل متلبسا بظلم تھا۔ اس معنے پر اس کی باء ملابست کی ہوگی اور الحاد بمعنے میل یعنی روگردانی۔

حل لغات ؛ امام راغب نے فرمایا کہ یہ الحد فلان سے ہے۔ یہ اس شخص کے لیے بولتے ہیں جو حق سے روگردانی کرے۔ یہ دو قسم کا ہے ؛ (۱) الحاد الی الشرک باللّٰہ۔ (۲) الحاد الی الشرک بالاسباب۔

اول ایمان کے منافی بلکہ اسے باطل کر دیتا ہے۔ دوسرا ایمان کے منافی ہے نہ اسے باطل کرتا ہے صرف اس کی بنیاد کو کمزور کر دیتا ہے۔ یہ الحاد دوسری قسم سے ہے۔

نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ یہ مَن (شرطیہ) کا جواب ہے یعنی ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے۔

مسئلہ ؛ آیت میں تصریح ہے کہ مسجد حرام میں داخل ہونے کے بعد واجب ہو جاتا ہے کہ عدل و انصاف کا دامن تھاما جائے۔

مسئلہ ؛ الحاد و ظلم سے مراد یہ ہے کہ حرم محترم کا نہ شکار کیا جائے اور نہ ہی وہاں کے درخت کاٹے جائیں اور نہ اس میں احرام کے بغیر داخل ہوں۔ اور تمام معاصی و جرائم سے احتراز کیا جائے یہاں تک کہ آقا کو اپنے نوکر کی سرزنش کرنا بھی روا نہیں اسی لیے حرم محترم میں ہر گناہ نیکی کی طرح دوہرا لکھا جاتا ہے یعنی جیسے حرم محترم میں ہر نیکی مثلاً نماز وغیرہ کا ثواب کئی گنا زیادہ نصیب ہوتا ہے اسی طرح بہ نسبت دوسرے مقامات کے یہاں کی برائی بھی کئی گنا زیادہ لکھی جاتی ہے۔

مسئلہ ؛ مسجد حرام کی طرح مسجد الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) و مسجد اقصیٰ کی حرمت بھی ضروری ہے اور تعظیم و تکریم میں یہ تینوں

مساجد برابر ہیں یہاں تک کہ فقہائے کرام نے فرمایا کہ اگر کسی نے ان تینوں میں کسی ایک میں نوافل ادا کرنے کی منت مانی تو ان تینوں میں کسی ایک میں ادا کرے تو ادا ہو جائے گی۔

فائدہ عجیبہ حضرت الشیخ ابو بکر قدس سرہ الاقدس نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دل کے وسوسے معاف فرمائے ہیں لیکن مکہ معظمہ میں جو غلط وسوسے دل میں آجاتے ہیں ان کا گناہ لکھا جائے گا کیونکہ قرآن مجید میں تصریح فرمائی گئی ہے کہ ومن یرد فیہ بالحاد بظلم (الآیۃ)۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے مسجد حرام کے بجائے طائف میں اقامت اختیار فرمائی اسی احتیاط پر کہ غلط وسوسوں سے کون روک سکتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارات ہیں،

(۱) نفوس سرکش جو معاند اور اہل مرتبہ کا طریقہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی عبادت سے روگردانی اور حق کے انکار کی لعنت کا طوق ان کے گلے میں پڑتا ہے تو وہ دوسروں کو راہ حق پر چلنے سے روکتے ہیں اور ان کی عادت ہے کہ علمائے دین پر غلط قسم کے اعتراضات کرتے ہیں اور مشائخ و اولیاء پر بیجا طعن و تشنیع کرتے ہیں اور ان کے ماننے والوں کو ان سے دور رکھنے کے لیے کئی قسم کے حربے استعمال کرتے ہیں تاکہ وہ انہیں طلب حق کے لیے حرم قلب کی مسجد میں داخل ہونے سے محروم کریں۔ یاد رہے کہ مومن بندہ کا قلب اطہر حرم الٰہی ہے۔ حضرت حافظ نے فرمایا ؎

در رہ عشق وسوسہ اہرمن بسیست
ہشدار و گوش دل بہ پیام سروش کن

ترجمہ: عشق کی راہ میں ہزاروں شیاطین ہیں وسوسہ ڈالنے والے۔ ہوش سے کام لے اور دل کے کان کو غیبی فرشتے کے پیغام کی طرف لگا دے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

پس عدو جان صراف است قلب
دشمن درویش کہ بود غیر کلب

ترجمہ: تیری جان کا دشمن کھوٹا پیسہ دل کا دشمن ہے اس لیے کہ درویش کا دشمن کتے کے سوا اور کون ہو سکتا ہے۔

اور ؎

مغز را خالی کن از انکار یار
تا کہ ریحان یابد از گلزار یار

ترجمہ: انکار یار سے مغز کو خالی کر دے تاکہ اسے گلزار یار کی خوشبو نصیب ہو۔

لہ وہابی دیوبندی اور ان کے دیگر بھائی بند جتنے بھی فرقے ہیں وہ تو اسی مرض میں مبتلا ہیں۔ ان کے علاوہ ہر گمراہ جماعت کا اتفاق ہے کہ اولیاء کرام سے دشمنی اور ان کی بے ادبی و گستاخی ہے۔ اویسی غفرلہ

(۲) جس قلب کو وصالِ یار دیر سے نصیب ہوا یا جلد ، فضیلت میں دونوں برابر ہیں ان میں کسی کو ایک دوسرے پر فوقیت نہیں دی جا سکتی ۔ ہاں مقاماتِ قلب میں فرق ہو تو پھر ان کی فضیلت میں تفریق ہو سکتی ہے ۔

ف : حقائق میں لکھا ہے کہ اول عمر سے اپنے قلب کو یادِ الٰہی میں صرف کرنے والا اور وہ جسے نگاہِ ولی سے ایک آن میں وصالِ یار نصیب ہو گیا انکشافات و مشاہداتِ حق میں دونوں برابر ہیں اس لیے کہ عطا کرنے والا کریم ہے ۔ وہ دائم الطاعت یعنی عمر بھر عبادت کرنے والے کو جو کچھ عطا فرماتا ہے عمر بھر گناہ کرنے کے بعد تائب ہونے والے کو بھی اتنا ہی عطا فرماتا ہے ۔ اسے کون روک سکتا ہے یا اس کے خزانوں میں کون سی کمی ہے !

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

فیضِ روح القدس ار باز مدد فرماید
دگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا میکرد

ترجمہ : روحِ قدس کے فیض کا دروازہ جب کھلتا ہے تو جو کچھ مسیح علیہ السلام کر سکتے ہیں وہی کرتے ہیں ۔

اسی لیے بعض بزرگوں نے فرمایا ہے میں شام کے وقت کُردی تھا تو صبح کو عربی اٹھا (یعنی اس کریم کی مہربانی سے اگر میں شام کو وحشی تھا تو صبح کو عظیم الشان بن گیا) ۔

(۳) جو شخص اپنے دل میں غیرِ حق کو جگہ دیتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ ہجر و فراق کے دردناک عذاب میں مبتلا کرتا ہے اور وہ حضرتِ حق سے بعید و دور و مہجور رہ جاتا ہے اس لیے کہ قلبِ انسان محبتِ الٰہی کا گنجینہ ہے اس میں غیر اللہ کی محبت کو گنجائش دینا ظلم ہے ۔

شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

دلم خانۂ مہرِ یار است و بس
از آں می‌نگنجد درو کینِ کس

ترجمہ : میرا دل یار کی محبت کا گھر ہے اس لیے اس میں کسی کے کینے کی گنجائش نہیں ۔

اور حضرت مجذوبؒ نے فرمایا ؎

با دوست گزیں کمال یا جاں را
یک خانہ دو میہماں نگنجد

ترجمہ : اے کمال ! دوست سے پیار کر یا اپنی جان سے ۔ اس لیے گھر میں دو مہمان نہیں ٹھہرائے جا سکتے ۔

خلاصہ یہ کہ قلب میں محبت و عشق و توجہ الٰہی کے سوا اور کسی شے کے لیے گنجائش نہیں ۔

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرٰهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَّا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِينَ
اور جب کہ ہم نے ابراہیم کو اس گھر کا ٹھکانا ٹھیک بتا دیا اور حکم دیا کہ میرا کوئی شریک نہ کر اور میرا گھر ستھرا رکھ طواف
وَالْقَآئِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ﴿٢٦﴾ وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا
والوں اور اعتکاف والوں اور رکوع سجدے والوں کے لیے اور لوگوں میں حج کی عام ندا کردے وہ تیرے پاس حاضر
وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ﴿٢٧﴾ لِّيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ
ہوں گے پیادہ اور ہر دبلی اونٹنی پر کہ ہر دور کی راہ سے آتی ہیں تاکہ وہ اپنا فائدہ پائیں
وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ
اور اللہ کا نام لیں جانے ہوئے دنوں میں اس پر کہ انہیں روزی دی بے زبان چوپائے تو ان
فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيرَ ﴿٢٨﴾ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ
میں سے خود کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو کھلاؤ پھر اپنا میل کچیل اتاریں اور اپنی منتیں پوری کریں اور اس آزاد
وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿٢٩﴾ ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ
گھر کا طواف کریں بات یہ ہے اور جو اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کرے تو وہ اس کے
لَّهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَأُحِلَّتْ لَكُمُ الْأَنْعَامُ إِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا
لیے اس کے رب کے یہاں بھلا ہے اور تمہارے لیے حلال کیے گئے بے زبان چوپائے سوا ان کے جن کی ممانعت تم پر
الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ ﴿٣٠﴾ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ
پڑھی جاتی ہے تو دور ہو بتوں کی گندگی سے اور بچو جھوٹی بات سے ایک اللہ کے ہوکر کہ اس کا ساجھی کسی کو نہ کرو
بِهِ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي
اور جو اللہ کا شریک کرے وہ گویا گرا آسمان سے کہ پرندے اسے اچک لے جاتے ہیں یا ہوا
بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ ﴿٣١﴾ ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا
اسے کسی دور جگہ پھینکتی ہے بات یہ ہے اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ
مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ ﴿٣٢﴾ لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ إِلٰى أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى
دلوں کی پرہیزگاری سے ہے تمہارے لیے چوپایوں میں فائدے ہیں ایک مقرر میعاد تک پھر ان کا پہنچنا ہے اس

الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿٣٣﴾
آزاد گھر تک

تفسیر عالمانہ

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ (حل لغات) اہل عرب کہتے ہیں بوأه منزلا ای انزل فیہ۔ اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ اے محبوب عربی صلی اللہ علیہ وسلم! اس وقت کو یاد کیجئے جب ہم نے بیت اللہ یعنی کعبہ کو ابراہیم علیہ السلام کے لیے منزل بنائی کہ اس کی تعمیر اور عبادت کے لیے وہاں آ گئے۔ اور جلالین شریف میں بوّانا یعنی بیّنا ہے یعنی ہم نے کہا کہ کعبہ مکرمہ کی تعمیر کریں۔

تعمیر کعبہ کا شمار

مروی ہے کہ کعبہ مکرمہ کی پانچ بار تعمیر ہوئی:

(۱) آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے اسے ملائکہ کرام نے سرخ یاقوت سے تیار کیا جو ایام طوفان میں آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا۔

(۲) ابراہیم علیہ السلام نے بنایا۔ مروی ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام اس کی تعمیر کے لیے مامور ہوئے تو انہیں معلوم نہیں تھا کہ اس کی اصل بنیاد کہاں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہوا کے ذریعہ بتلایا جس نے آ کر اس کے اردگرد جھاڑو پھیرا تو اس کی بنیادیں صاف نظر آنے لگیں۔ اس ہوا کا نام الخجوج تھا۔ کلبی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے بادل بھیجا جو کعبہ معظمہ کے بالمقابل کھڑا ہو گیا اور اس میں کوئی بول رہا تھا کہ اے ابراہیم! میری مقدار پر اور میرے بالمقابل کعبہ تیار کیجئے۔ چنانچہ اس کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر فرمائی۔

(۳) زمانۂ جاہلیت میں قریش نے کعبہ کی تعمیر کی تو اس کی تعمیر میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہوئے۔ آپ اس وقت جوان تھے۔ قریش نے تعمیر مکمل کر کے حجر اسود کو نصب کرنے کا ارادہ کیا تو آپس میں جھگڑنے لگے۔ ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ حجر اسود کو وہی کعبہ معظمہ کی دیوار میں نصب کرے۔ جھگڑا طول پکڑ گیا۔ کوئی بھی اس بات پر راضی نہ ہوا کہ دوسرا قبیلہ حجر اسود کو نصب کرے۔ بالآخر طے پایا کہ کل صبح جو شخص اس کوچے سے گزرے گا حجر اسود کے بارے وہ فیصلہ کرے گا اور اس کا فیصلہ سب کو ماننا ہوگا۔ چنانچہ صبح سویرے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ادھر تشریف فرما ہوئے تو سب نے آپ کو اپنا حکم مان لیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حجر اسود کو ایک چادر بچھا کر اس میں رکھو پھر سب مل کر اٹھاؤ۔ چنانچہ حجر اسود کو چادر میں ڈال سب نے مل کر اٹھایا اور حضور سرور عالم نے خود اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو پکڑ کر دیوار میں نصب فرما دیا۔ اس پر تمام لوگ خوش ہو گئے۔ آپ کی نیک سیرت کی وجہ سے قریش آپ کو "امین" کے پیارے لقب سے یاد کرتے تھے۔

ف: بعض علماء نے فرمایا یہ تعمیر آپ کے اعلان نبوت سے پندرہ سال پہلے ہوئی۔

(۴) حضرت عبد اللہ بن الزبیر نے تعمیر فرمایا۔

(۵) حجاج بن یوسف) نے تعمیر فرمایا۔ موجودہ تعمیر اسی کی بنا کردہ ہے۔ ؎

فائدہ صوفیانہ: پنجم قسم میں کعبہ شش اشکل تھا اس میں انبیاء علیہم السلام کے قلوب کی طرف اشارہ ہے کہ ان کے قلوب میں صرف تین قسم کے خطرات ہوتے ہیں۔ (۱) الہی (۲) ملکی (۳) نفسی

اور پانچ شکل میں ہے اس میں محبوب المؤمنین کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ ان کے قلب میں ذکرہ بالا تین خطرات کے علاوہ ایک چوتھا خطرہ شیطانی بھی ہوتا ہے۔

پندرہ قبلے حضرت محقق کاشانی نے اپنے مناسک میں لکھا کہ کعبہ پندرھواں قبلہ ہے کیونکہ آسمان سے عرش الٰہی تک سات قبلے ہیں۔ اسی طرح زمین کے نیچے تحت الثریٰ تک بھی سات قبلے ہیں۔ ہر قبلہ کا ہمارے قبلہ کی طرح ایک حرم ہے اور وہ سب ایک دوسرے کے بیچ وسط میں ہیں یہاں تک کہ ساتوں آسمانوں کے اوپر والا قبلہ اگر گرے تو ساتوں زمین والے قبلہ پر گرے گا اور ان سب کا ایک تعمیر کنندہ مقرر ہے جیسے ہمارے اس کعبہ کے تعمیر کنندگان اوپر گزرے۔ یہ پیدا ہوں گے۔ ان تمام قبلوں سے افضل ترین کعبہ ہے۔ لاہم فقیروں کا عقیدہ ہے کہ پھر اسی کعبہ کا ایک کعبہ ہے۔ اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو

(مزید تفصیل فقیر کی تفسیر اویسی میں دیکھئے۔)

۱ در حرم شکر دوران خوش حریم   هست سیه پوش نگاری مقیم
۲ عنبر جسم دوخته خلد برین   او نگاران کی مربا نشین
۳ قبلهٔ خوبان عرب رشته او   سجدهٔ خوبان عجم مستفاد
۴ کعبه بود نوگل مشکین من   تازه از او باغ دل و دین من

ترجمہ: (۱) حرم کعبہ کا گوشہ حریم سیاہ پوش محبوب مقیم ہے۔
(۲) حرم کا مشکی غلاف گلوں کا باغ ہے محبوب اسی حرم کے گوشے میں بصورت چار دیوار بیٹھا ہے۔
(۳) عربیوں کا قبلہ وہ محبوب اس کا چہرہ ہے عجم کا اسی کی طرف سجدہ ہے۔
(۴) کعبہ گل مشکین پیارا محبوب ہے اس سے میرے دل اور دین کا باغ تازہ ہے۔

اَنۡ لَّا تُشۡرِكۡ بِیۡ شَیۡـًٔا یہ اَن تفسیریہ ہوتا ہے یہ مفسرہ ہے اس لیے کہ یہ تبوّانا کے معنی کو متضمن ہے کیونکہ

؎ اس سے وہ مجلہ والے سبق لیں جو میلاد شریف و سلام و قیام پر بدعت کا فتویٰ لگا کر ایک بادشاہ کی ایجاد کہہ کر بدعت سیئہ قرار دیتے ہیں لیکن کعبہ کی تعمیر بدعت کو مانیں گے؟ کیونکہ اس کی اصل بنا تو پہلے تھی۔ یہی ہم کہتے ہیں کہ اس کا اصل پہلے تھا۔ معلوم ہوا کہ انہیں بدعت کا بہانہ بغض ہے۔ [illegible] (اویسی غفرلہٗ)

یہ تبوئۃ عبادت کے لیے ہی تھی۔ گویا یوں کہا گیا کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو عبادت خانہ کر دیا اور فرمایا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا کیونکہ میں شرک سے منزہ و مبرا ہوں وَطَهِّرْ بَيْتِيَ میرے گھر کو پاک کیجئے بتوں اور نجاستوں سے جو اس کے ارد گرد پڑے ہوئے ہیں۔ کعبہ کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے اپنا گھر کہا کہ اسے اس نے اپنی آیات کے انوار سے منور فرمایا تھا لِلطَّائِفِينَ ان لوگوں کے لیے جو اس کا طواف کرتے ہیں وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ رکع راکع کی اور سجود ساجد کی جمع ہے۔ ان تینوں صیغوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو اس میں نماز ادا کرتے ہیں۔

نکتہ: نماز کے بجائے اس کے ارکان قیام، رکوع، سجود کے ذکر میں اشارہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک نماز کا ایک مستقل رکن ہے اور جب ایک رکن سے اس کی اتنی بڑی عظمت ہے تو پھر ان کے اجتماع سے اس کی عظمت و احترام کا کیا مقام ہوگا۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قائمین سے وہ لوگ مراد ہیں جو کعبہ معظمہ کے ہمسائیگان ہیں اور طائفین سے مراد ہیں طواف کرنے والے خواہ مقیم ہوں یا آفاقی (مسافر)۔

تفسیر صوفیانہ حضرت کاشفی نے نقل کر کے مذکورہ بالا ارشادات اہل علم ظاہر کے تھے اور اہل باطن فرماتے ہیں کہ گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے انسان! اپنے دل کو صاف ستھرا رکھ اس لیے کہ تیرا دل میری راہ اور الوہیت سے خلط ہے میرے سوا کسی دوسرے کو اس میں مت آنے دے تاکہ تیرا دل میری عظمت و کبریائی ہی کا مرکز رہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے ہاں وحی بھیجی کہ میرے گھر کو پاک و صاف کرو۔ انہوں نے عرض کی: یا اللہ! تیرا گھر کہاں ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ میرے بندۂ مومن کا دل ہے۔ انہوں نے عرض کی: اسے صاف اور پاک کرنے کا طریقہ بتائیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ عشق کی آتش سے پاک ہوگا یعنی اس میں آتش عشق جلاؤ تاکہ ماسوی اللہ جل کر راکھ ہو جائے ؎

خوشا آں آتش کہ در دل بر فروزد ٭ بجز حق ہر چہ پیش آید بسوزد

ترجمہ: وہ آتش بہت مبارک ہے جو کسی دل میں روشن ہو کر حق کے ماسوا سب کو جلا کر راکھ کر دے۔

ف: حضرت سہل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جیسے بیت اللہ (کعبہ) کو بتوں سے صاف اور پاک کرنا ضروری ہے ایسے ہی دل کو شرک، شک، وسوسہ، غل و غش، کدورت اور حسد سے بھی پاک و صاف کرنا واجب ہے۔ حضرت مغربی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

گل توحید نروید ز زمینے کہ درو ٭ خار شرک و حسد و کبر و ریا و کینہ است
مسکن دوست ز جاناں دل طلبیدم گفتا ٭ مسکن دوست اگر ہست دل مسکین است

ترجمہ: اس زمین میں توحید کا پھول نہیں اگتا جس میں شرک و حسد و کبر و ریا اور کینہ کا کانٹا ہو۔ مجھے دوست کے گھر کی خواہش تھی، جواب ملا کہ دوست کا مسکن مسکین (دل) کا دل ہے۔

ف : تاویلات النجمیہ میں ہے کہ اپنے دل پر پہرہ دے تاکہ اس میں غیر حق اور کوئی داخل نہ ہونے پائے۔ اور اسے صرف میرے لیے ہی فارغ رکھو وَطَهِّرْ بَيْتِيَ اور میرے گھر سے دنیا و آخرت کی ہر خواہش کو نکال کر باہر پھینک دے اس بات کا کسی وقت بھی خیال نہ ہو کہ دنیا میں عزت و عظمت اور آخرت میں انعام و اکرام پاؤں گا وغیرہ لِلطَّآئِفِيْنَ اس سے اللہ تعالیٰ کے واردات اور حال کے موارد مراد ہیں جنہیں بندے کے لیے اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے وَالْعٰكِفِيْنَ اس سے وہ اشیاء مراد ہیں جو صاحب عرفان کے ہاں ہر وقت موجود ہوتی ہیں، اور وہ امور جنہیں بیان سے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں یعنی تجلیات حق وغیرہ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ اس سے احوال کے وہ مسلسل ارکان مراد ہیں جو سالک کے دل پر وارد ہوتے ہیں، جیسے رغبت و رہبت اور رجاء و مخافہ اور قبض و بسط اور انس و ہیبت۔ اسی معنے پر شاعر نے کہا،

لست من جملة المحبين ان لم　　اجعل القلب بيته والمقاما
وطوافي اجالة السر فيه　　وهو ركني اذا اردت استلاما

ترجمہ : میں عاشقوں سے نہیں ہوں اگر میں اپنے دل کو یار کا گھر نہ بنا دوں، اور میرا طواف یہی ہے کہ میں اپنے خیال کو اس کی طرف متوجہ کروں۔ اور میں اسی کو حجر اسود کا استلام کر کے اپنا رکن اعظم سمجھتا ہوں۔

تفسیر عالمانہ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ تاذین بمعنی نماز کے لیے پکارنا۔ قاموس میں ہے المؤذن وہ ہوتا ہے جو کہ کسی شے کی خبر دے۔ المفردات میں ہے کہ اب معنی یہ ہوا کہ اے ابراہیم علیہ السلام! لوگوں کو پکاریے بِالْحَجِّ حج کے لیے۔ یعنی لوگوں کو حج کا حکم سناؤ۔

دور سے سننا سنانا مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب تعمیر کعبہ سے فارغ ہوئے تو انہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا، لوگوں میں حج کا اعلان کیجئے۔ انہوں نے عرض کی، اے اللہ تعالیٰ! میری آواز کہاں تک پہنچے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، تیرا کام صرف اعلان کرنا ہے اور پہنچانا میرا کام۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام صفا پر چڑھے۔ ایک روایت میں ہے کہ ابو قبیس پر چڑھے۔ ایک اور روایت ہے کہ مقام ابراہیم پر۔ (وہ مقام ایک پہاڑ کے برابر اونچا ہو گیا۔ آپ نے اپنی انگلیاں کانوں میں ڈالیں اور دائیں بائیں اور آگے پیچھے منہ کر کے پکارا "اے لوگو! خبردار تمہارے رب تعالیٰ نے ایک گھر بنایا ہے اور حکم فرمایا ہے کہ تم اس گھر کی زیارت کے لیے آؤ اور حج ادا کرو تاکہ وہ تمہیں اس کا ثواب عطا فرمائے اور بہشت عطا فرمائے اور دوزخ سے نجات بخشے۔" آپ کی اس آواز کو آسمان و زمین کے درمیان والوں سب نے سنا اور جواب دیا، لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ۔

یمن اور اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے فضائل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سب سے پہلے اہل یمن نے جواب دیا اسی لیے حج کی سعادت اس خطہ کے لوگوں کو سب سے زیادہ نصیب ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے "الایمان یمان" اور یمن کی سب سے بڑی عظمت یہی ہے کہ سیدنا اویس قرنی اسی علاقہ کے ہیں۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انی لاجد نفس الرحمٰن من قبل الیمن۔ (میں یمن سے رحمٰن تعالیٰ کی خوشبو پاتا ہوں) (یہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے)

نبوت کا ادب

مجاہد نے کہا (اگرچہ عالم ارواح میں ہم احکام شرعیہ کے مکلف نہیں تھے لیکن نبوت کا ادب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر عالم ارواح میں بھی فرض کیا ہوا تھا ان دلائل میں سے ایک دلیل یہی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اعلان فرمایا تو جس نے ایک بار جواب دیا اسے ایک بار سعادت حج نصیب ہوگی، جس نے دو بار جواب دیا اس کو دو بار اور اس سے زیادہ جس نے جتنی مرتبہ جواب دیا اسے اتنی بار حج نصیب ہوگا۔

ف: اسی طرح عالم میں سب کی ارواح اگرچہ آباء کی پشتوں یا امہات کے بطون میں تھے سب نے ابراہیم علیہ السلام کی آواز سنی اور جسے جواب کی توفیق نصیب ہوئی اس نے وہیں پر جواب دیا۔

اذّن فی الناس ندا گشت عام — تو کہ بخواب آمدہ بین الانام
دعویٰ خاصی کنی و امتیاز — خاص نباشد ہمہ کس چوں ایاز
بہر ہمیں شد دل خاصان دو نیم — حالت لبیک ز امید و بیم

ترجمہ: اذن فی الناس عام ندا ہے تو لوگوں کے درمیان خواب غفلت میں ہے۔ اپنے آپ کو خاص ممتاز سمجھتا ہے ایاز کی طرح ہر کوئی خاص نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے خاص لوگوں کا دل دو ٹکڑے ہوا جب انہوں نے امید و بیم کی حالت میں لبیک پکارا۔

قواعد شرعیہ: خصائص الصغریٰ میں ہے کہ وہ مسائل جو پہلے انبیاء و رسل علیہم السلام پر فرض تھے وہ اس امت پر بھی فرض ہوئے جیسے یہ ہیں: (۱) وضو (۲) جنابت سے غسل (۳) حج (۴) جہاد

ے اضافہ از اویسی غفرلہ

ے دور سے سن لینا شرک ہے نہ خاصۂ خدا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کو دور کہنا کفر ہے کیونکہ اس کی شان نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ہے۔ اس لیے دور سے سننا بندوں کی صفت ہوگی کیونکہ وہی دور ہیں اور دور سے سنتے ہیں اور سننا اللہ کا کام ہے کوئی قریب ہے یا دور۔ مجملاً اس کے یہی ہے کہ اس کی وجہ وہ ہے جو حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ رسالہ "انباء الاذکیا فی حیاۃ الانبیاء" میں لکھتے ہیں کہ:

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے دو قسم کے کان عطا کیے تھے۔ ایک معتاد، جو تمام بنی آدم کو دیے گئے اور جن کے ذریعہ معمولی آواز سنتے ہیں۔ اور دوسری خارق للعادۃ، جن کے ذریعے سے آپ اطیط السماء یعنی آسمان کی چرچراہٹ کی آواز ہوتی تھی وہ سن لیتے تھے اور یہی سمع خارق للعادۃ آپ کے برزخ میں موجود ہیں جن کے ذریعہ سے آپ درود اور سلام خواہ کتنی ہی دور مسافت کیوں نہ ہو سن لیتے ہیں کیونکہ معجزات انبیاء اور کرامات اولیاء بعد الموت منقطع نہیں ہوتے

(باقی بر صفحہ آئندہ)

دقیقہ

کما صرح بہ الشیخ عبد الغنی النابلسی نقلاً عن العلامۃ الشہاب الدین الرملی الشافعی۔

(۲) وہ حدیث قدسی ہے جس کو امام بخاری نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے:

لا یزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتی احبہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بھا فبی یسمع وبی یبصر۔

ترجمہ: خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا بندہ بوجہ کثرت نفل خوانی کے میرا قرب پاتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو اپنا دوست بنا لیتا ہوں اور جب میں اس کو اپنا دوست بنا لیتا ہوں تو پھر میں اس کے وہ کان بن جاتا ہوں جن کے ساتھ وہ سنتا ہے اور اس کی وہ آنکھ ہو جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ دیکھتا ہے اور اس کا وہ ہاتھ ہو جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ کسی چیز کو پکڑتا ہے اس لیے وہ میرے ہی کانوں سے سنتا ہے اور میری ہی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور میرے ہی ہاتھوں سے پکڑتا ہے۔

اب اس حدیث میں معنی حقیقی تو متعذر ہے اس لیے مجازی معنی لینا پڑے گا کہ خدا تعالیٰ اپنے اوصاف اپنے مقرب بندے کو عطا کر دیتا ہے اس لیے اس کو بھی سمیع و بصیر بالعرض کہہ سکیں گے۔

علامہ یوسف نبہانی شواہد الحق میں اسی حدیث سے ثابت کرتے ہیں کہ باری تعالیٰ جب اپنے اوصاف کسی مقرب بندے کو عطا کرے گا تو اس کی نسبت دیگر سب چیزیں یکساں ہوں گی اور اطراف السماوات والارض میں جہاں کہیں بھی کوئی چیز ہوگی اس کو وہ دیکھے گا اور اس کی آواز سن لے گا کیونکہ اس حدیث کا مآل یہ ہوا اس کے ادراک ہو سکتا ہے کہ باری تعالیٰ اس سامع یا مبصر کی قوت سمعی اور بصری کو ایسا قوی اور تیز کر دیتا ہے جس کی وجہ سے اشیاء قریبہ اور بعیدہ کا دیکھنا سننا اس کے نزدیک یکساں ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کانہ میں سے ایک شخص کے استغاثہ کی آواز باوجود اتنی مسافت بعیدہ کے سنی۔ اور یہی معنی حدیث فبی یسمع کا۔

اور صحیح بخاری شریف باب صلوٰۃ الکسوف میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کسوف میں جنت اور دوزخ ہر دو کے اہل کو دیکھا حالانکہ جنت ساتویں آسمان پر اور دوزخ ساتوں زمینوں کے نیچے ہے۔ یہی معنی ہے و بصرہ [illegible]

اس حدیث قدسی کی تائید خود قرآن مجید اور فرقان حمید بھی کر رہا ہے۔ دیکھو آیت:

وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی۔

اس آیت میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کو خدا تعالیٰ نے اپنا فعل قرار دیا ہے اور یہی معنی ہے ویدہ التی یبطش بھا۔

اور مقام حدیبیہ میں جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کے دست مبارک پر بیعت رضوان کی اور آپ نے اپنا دست مبارک بوقت بیعت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر رکھا تو اس کی نسبت سورۂ فتح میں ارشاد ہوا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ [illegible] یعنی جو لوگ اس وقت (باقی برصفحہ آئندہ)

دیتے ہیں تو (...) آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ در اصل ہمارے ہاتھ پر ہیں ...... اور ان کے ہاتھوں پر جو آپ کا ہاتھ مبارک ہے وہ ہمارا ہی ہاتھ ہے۔

(۴) عارف ربانی واقف اسرار قرآنی حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے رسالہ حیات المسیح بجسمہ العنصری میں فرماتے ہیں:

اعلم انه يجوز للرجل ان ينادي نبيًا او وليًا من الاولياء حيًا كان او ميتًا بعيدًا كان او قريبًا ويعتقد وصول صوته اليهما ولو كانا على مسافة سنة مثلًا بمعنى لا يجوز ولا يحل له ان يعتقد وصول صوته اليهما باستقلالهما كما يسمع الله تعالى بل انه من غير اعانته احدًا مرات او شيء بل يعتقد ان الله تعالى يبلغ صوته اليهما باي وجه شاء من كشف او الهام او ملك او غير ذلك وهو على كل شيء قدير ونحن اهل السنة نعتقد ان الحي اذا نودي من قريب لا يسمع بنفسه بل هو يسمع فكذلك يسمع الميت اذا نودي من بعيد ولو فرق بينهما غير المقلد متحكم في الشرك والدليل على بلوغ النداء من مسافة بعيدة قوله تعالى وَنَادٰى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا قَالُوْا نَعَمْ (الآية بتمامها من تفسير الخازن) قلت اذا كانت الجنة في السماء والنار في الارض كيف يمكن ان يبلغ هذا النداء او يسمع ان يقم قلت ان الله تعالى قادر على ان يقوي الاصوات والاسماع فيصير البعيد كالقريب انتهى والدليل الثاني عليه قوله تعالى قالت نملة يٰاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ قال صاحب الخازن والمعنى ان ذلك سمع سليمان قولها من ثلاثة اميال فاوصل الله اليه وهو يسير بين السماء والارض الى قوله وهذا يدل على انه لا يتكلم احد من الخلائق بشيء الا جاءت الريح واخبرتك به انتهى (وذكره صاحب الكشاف ايضًا) والدليل الثالث ما اخرجه البيهقي وثبت بنقل صحيح ان عمر رضي الله تعالى عنه بعث جيشًا وامر عليهم رجلًا يدعى سارية فبينا عمر رضي الله تعالى عنه يخطب فجعل يصيح يا ساري الجبل فقدم رسول من الجيش فقال يا امير المؤمنين لقينا عدونا فهزمونا فاذا بصائح يصيح يا ساري الجبل فاسندنا ظهورنا الى الجبل فهزمهم الله تعالى۔ والدليل الرابع على بلوغ نداء المنادي الى المنادى من مكان بعيد ما جاء عن النبي صلى الله عليه وسلم

(باقی بر صفحہ
۱۱۳۲

یاتوک یہ امر کا جواب اور ابراہیم علیہ السلام کو خطاب ہے اس لیے کہ جو بھی کعبہ معظمہ میں آئیگا وہ گویا ابراہیم علیہ السلام کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۴۱)

عن سید خلقه انه قال اذا اضل احدکم شیئا او اراد عونا وھو بأرض لیس بھا انیس فلیقل یا عباد الله اعینونی فان لله عبادا لا یراھم رواہ الطبرانی قال العلامة علی القاری فی المرقاة قال بعض العلماء الثقات ھذا حدیث حسن یحتاج الیه المسافرون وروی عن المشائخ انه مجرب قال صاحب الوسیلة الجلیلة قال فی جامع الصغیر قال بعض العلماء ھذا حدیث حسن ورواہ البزار عن ابن عباس مرفوعا ورواہ الطبرانی وقال الحافظ ابو الحسن فی مجمع الزوائد رجاله ثقات وحسنه الحافظ ابن حجر العسقلانی فی تخریج ابن الجزری وذکرہ الحافظ شمس الدین بن الجزری فی حصن الحصین دلیل علی تصحیحه لانه التزم التصحیح فی ھذا الکتاب ورواہ ابن ابی شیبة عن ابن عباس ورواہ ابن السنی عن ابن مسعود رضی الله تعالی عنه انتھی۔

یعنی واضح ہو کہ بے شک جائز ہے کسی شخص کے لیے کہ وہ کسی نبی یا ولی کو اولیاء میں سے ندا کرے خواہ وہ نبی یا ولی زندہ ہو یا فوت ہو گیا ہو قریب ہو یا بعید اس امر کا اعتقاد رکھے کہ میری آواز اس تک پہنچتی ہے اگرچہ وہ نبی یا ولی ایک سال کی مسافت بعیدہ پر کیوں نہ ہو۔ لیکن اس بات کا اعتقاد نہ رکھے اور نہ اس کے لیے ایسا اعتقاد رکھنا شرعاً جائز ہے کہ وہ ولی یا نبی اس کی آواز بالذات یعنی بدون امداد الٰہی کے سنتا ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ ہر ایک چیز کی آواز کو بالذات سنتا ہے کیونکہ ایسا اعتقاد کفر ہے بلکہ یہ اعتقاد رکھے کہ خدا تعالیٰ میری آواز کو اس تک پہنچا دیتا ہے جس طرح کہ چاہتا ہے خواہ بذریعہ کشف ہو یا الہام ہو یا بذریعہ فرشتہ وغیرہ ہو کیونکہ خدا تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور ہم گروہ اہلسنت والجماعت کا یہی اعتقاد ہے کہ کسی زندہ آدمی کو جب نزدیک سے پکارا جاتا ہے تو وہ بھی خود بخود اس آواز کو نہیں سنتا بلکہ خدا تعالیٰ ہی اس کو سناتا ہے تو اسی طرح میت کو بھی جبکہ اس کو دور سے پکارا جاتا ہے تو خدا تعالیٰ ہی سناتا ہے۔ اور اگر کوئی وہابی و غیر مقلد یہ شخص زندہ اور مردہ انسان میں یہ فرق کرے کہ زندہ آدمی تو خود بخود بدون امداد الٰہی کے سنتا ہے نہ مردہ تو وہ بے شک مشرک ہو جائے گا اور مسافت بعیدہ سے کسی آواز کے سن سکنے پر پہلی دلیل خدا تعالیٰ کا یہ قول ہے۔

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا
فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۔ الآیۃ

یعنی جنت کے رہنے والے دوزخ میں رہنے والوں کو پکار کر کہیں گے کہ ہمارے ساتھ جو ہمارے رب نے

(باقی برصفحہ
۱۱۴۳

اں حاضر ہو گیا اس لیے کہ اس نے ابراہیم علیہ السلام کے اعلان کا جواب دیا تھا۔ دیکھا اللہ! یہ حال ہے کہ وہ اپنے پاؤں پر چل کر آئیں گے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۳۲)

وعدہ کیا تھا ہم نے تو وہ پا لیا تو کیا تمہارے ساتھ تمہارے رب نے جو وعدہ کیا تھا اس کو تم نے بھی پایا یا نہ۔

■ جواب دیں گے کہ بے شک ہم نے بھی پا لیا۔

صاحب تفسیر خازن اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ جنت تو آسمان پر ہوگی اور دوزخ زمین پر، تو پھر اہل جنت کی یہ آواز اہل دوزخ تک باوجود اتنی مسافت بعیدہ کے کس طرح پہنچے گی؟ تو میں اس کا جواب یہ دیتا ہوں کہ خدا تعالیٰ اس امر پر قادر ہے کہ اہل جنت کی آوازوں کو یا اہل دوزخ کے کانوں کو اس قدر قوی اور تیز کر دے کہ مسافت بعیدہ مثل قریب ہو جائے۔

اس امر کے ثبوت کے لیے دُوسری دلیل خدا تعالیٰ کا یہ قول ہے:

قَالَتْ نَمْلَةٌ يٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۔

یعنی جب ایک چیونٹی نے حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے لشکر کو آتے ہوئے دیکھا تو دوسری چیونٹیوں سے کہنے لگی کہ تم سب اپنے سوراخوں میں داخل ہو جاؤ تاکہ کہیں حضرت سلیمانؑ اور ان کے لشکر بے خبری کی حالت میں تم کو روند نہ ڈالیں۔

صاحب تفسیر خازن اور مدارک فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس چیونٹی کی آواز کو تین میل کے فاصلے سے سنا اور خدا تعالیٰ نے ان کی طرف اس وقت وحی کی جبکہ وہ ہوا میں سیر کر رہے تھے کہ ہم نے تمہاری سلطنت میں ایک اور امر زائد کر دیا ہے وہ یہ کہ دنیا بھر میں مخلوقات میں سے کوئی چیز کلام نہیں کرے گی مگر ہوا اس کی آواز کو تیرے پاس لے آئے گی اور تجھے خبر دے گی۔

تیسری دلیل اس امر پر وہ ہے جس کو بیہقی نے روایت کیا ہے اور نقل صحیح سے ثابت ہوا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لشکر بھیجا اور ساریہ بن زنیم نامی ایک شخص کو اس پر سپہ سالار مقرر کیا اور ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں خطبہ پڑھ رہے تھے تو آپ نے خطبہ میں یہ کہا کہ:

یا ساری الجبل۔ یعنی اے ساریہ! پہاڑ کی طرف پناہ لے۔

اس کے بعد ایک قاصد جب فوجی ڈاک لے کر مدینہ طیبہ میں پہنچا تو اس نے کہا کہ اے امیر المومنین! دشمنوں سے ہمارا مقابلہ ہوا اور قریب تھا کہ ہم کو وہ شکست دیں، اتنے میں ہم نے یا ساری الجبل کی آواز سنی تو پھر ہم نے پہاڑ کے ساتھ سہارا پکڑ کر پناہ لی اور خدا تعالیٰ نے کفار کو شکست دی۔

(باقی بر صفحہ آئندہ)

یہ راجل کی جمع ہے جیسے قیام قائم کی جمع ہے۔

ف ۔ امام راغب نے فرمایا کہ یہ الرجل سے مشتق ہے بمعنے پاؤں پر چلنا۔

وَعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ اس کا ما قبل پر عطف ہے یعنی وہ آئیں گے اس حال میں کہ وہ لوگ کمزور اونٹنیوں پر سوار ہو کر حاضر ہوں گے یعنی ہر وہ اونٹنی جو سفر کی تکان سے کمزور ہو جائے۔ امام راغب نے فرمایا کہ ہر اس گھوڑے کو ضامر کہا جاتا ہے جو نحیف و لاغر ہو۔ اور اصل لغت میں اسی طرح ہے یہ الہزال سے مشتق نہیں۔ یَاْتِیْنَ یہ ضامر کی صفت ہے اس لیے کہ واحد بمعنے جمع ہے جیسے اونٹوں کی قطار کو ضامر کہا جاتا ہے مِنْ كُلِّ فَجٍّ ہر راستہ سے۔ امام راغب نے فرمایا الفج وہ راستہ جو دو پہاڑوں کے درمیان واقع ہو عَمِیْقٍ بعید، اس لیے کہ یہ العمق سے ہے بمعنے البعد سفلاً یعنی نیچے کی طرف گہرائی میں دور۔ مثلاً کہا جاتا ہے بئر عمیق۔ یہ اس کنویں کے لیے بولتے ہیں جو نیچے کی طرف گہرا ہو۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ)

چوتھی دلیل اس امر پر کہ مسافت بعیدہ سے کسی منادی کی آواز منادیٰ تک پہنچ جاتی ہے یہ ہے کہ آپ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جبکہ تم میں سے کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے یا وہ تنہا کسی جنگل میں ہے اور کسی امداد کی اس کو ضرورت ہے تو وہ یوں کہے،

یا عباد اللہ اغیثونی۔ یعنی اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔

کیونکہ ایسے بھی اللہ تعالیٰ کے بندے ہوتے ہیں جو اسے نظر نہیں آسکتے۔ اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرمایا ہے کہ بعض معتبر علماء نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے جس کی طرف مسافر لوگ اکثر محتاج ہوا کرتے ہیں اور صوفیائے کرام نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث مجرب ہے۔ صاحب وسیلہ جلیلہ فرماتے ہیں کہ باعث الدروز میں لکھا ہے کہ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے اور بزار نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے۔ جیسا کہ طبرانی نے اور حافظ ابو الحسن نے مجمع الزوائد میں لکھا ہے کہ اس حدیث کے تمام راوی معتبر ہیں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے امالی اذکار میں اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے اور حافظ شمس الدین جزری نے اس حدیث کو حصن حصین میں ذکر کیا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حافظ مذکور نے اس کی تصحیح کی ہے۔ کیونکہ اس نے اس کتاب میں تصحیح کا التزام کیا ہے۔ اور ابن ابی شیبہ نے اس حدیث کو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور ابن السنی نے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔

(ذی شعور کے لیے تو یہی کافی ہے۔ تفصیل فقیر کی تفسیر اویسی میں ملاحظہ ہو۔
اویسی غفرلہ)

حج کی فضیلت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا کہ جو شخص سوار ہو کر حج کو جاتا ہے اسے ہر قدم پر ستر نیکی کا ثواب نصیب ہوتا ہے اور جو شخص پیدل جاتا ہے اسے ہر قدم پر سات سو نیکیاں نصیب ہوتی ہیں جن کی ہر نیکی حرم شریف کی نیکی کے برابر ہوتی ہے۔ عرض کی گئی کہ حرم کی نیکی کا کتنا ثواب ہے؟ آپ نے فرمایا وہاں کی ایک نیکی غیر حرم کی ایک لاکھ نیکی کے برابر ہوتی ہے۔

ف: حضرت مجاہد نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام پیدل حج کو حاضر ہوتے، جب حرم شریف کے قریب پہنچتے تو جوتے اتار لیتے تھے۔

مسئلہ: حج کو پیدل جانا کسی عارضہ سے ہو تو کوئی حرج نہیں ورنہ سوار ہو کر جانا افضل ہے۔

ف: پہلے ادیان کے راہب سیر و تفریح کو جاتے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی کہ ہمارے لیے سیر و تفریح کی اجازت ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے سیر و تفریح کا نعم البدل حج کعبہ کا سفر عطا فرمایا ہے کہ اس سے سیر و تفریح بھی ہوگی اور عبادت و طاعت سے اجر و ثواب ملے گا۔

کعبہ کی کشش کا سبب

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر سال پندرہ شعبان کی رات میں نظر کرم سے نوازتا ہے اسی وجہ سے قلوب کو اس کی طرف کشش ہوتی ہے۔

ف: لیکن صرف ان قلوب کو جنہوں نے عالم ارواح میں ابراہیم علیہ السلام کی ندا پر لبیک کہا تھا اور یہی تجلی ان قلوب میں ہوتا ہے جنہوں نے یوم میثاق میں الست بربکم کے اعلان پر بلیٰ کہا تھا۔

حکایت عجیبہ

حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا کہ مجھے ایک عارف نے فرمایا ایک دنیادار شخص تھا جس کا کعبہ کو جانے کو جی نہیں چاہتا تھا قدرتی طور پر اس کے ذمہ ایک جرم کا الزام لگا اسے بیڑیاں پہنا کر امیر مکہ کی طرف لایا گیا اور مجرم بھی اتنا سنگین تھا کہ اسے امیر مکہ کے ہاں قتل کرانے کے لیے پیش کرنا تھا اور جس نے قتل کی سزا سنا کر اسے امیر مکہ کے سامنے پیش کرنا تھا وہ بھی امیر مکہ کے ساتھ تھا اور امیر مکہ عرفات میں مناسک حج کے لیے تشریف لے جا چکے تھے حاکم وقت نے حکم دیا کہ اس مجرم کو عرفات میں ہی امیر مکہ کے ہاں پیش کیا جائے چنانچہ اسے بیڑیاں پہنا کر اور گلے میں رسہ کا طوق ڈال کر امیر مکہ کے سامنے بروز نو ذوالحجہ کو میدان عرفات میں لایا گیا۔ جونہی مجرم پیش ہوا امیر مکہ نے کہا یہ تو میرا دوست ہے تمہیں اس کی گرفتاری میں غلطی ہوئی ہے۔ چنانچہ امیر مکہ نے اس شخص سے معذرت کی اور اس سے بیڑیاں اور طوق دور کیے گئے، اسے غسل دلا کر نئے کپڑے پہنائے یعنی احرام بندھوایا اور حج کے مناسک ادا کرائے اس طرح سے اسے حج کا نصیب ہوا اور اسے امیر مکہ سے اعزاز و اکرام بھی حاصل ہوا۔ اور وہ ظاہری باطنی طور پر بہت بلند مراتب پر فائز ہوا۔

سبق: یہ ہے اس کا کرم کہ اپنے بندوں سے جس طرح چاہے کرے۔ ایسے ہی قیامت کے دن بعض بندوں کو

پا بسلاسل کر کے بہشت میں لیجایا جائے گا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے اسرار و رموز کا ایک عجیب کرشمہ ہے۔ فرمان الرومی میں ہے ؎

ہر کہ رسیدہ بوجود از عدم | در رہ او ساختہ از سر قدم
ہیچ کسی ہیچ دلی ہم نبود | کو نبود در رہ او امید سود
جملہ خلائق ز عرب تا عجم | بادیہ پیما بہوائے حرم

ترجمہ: جو بھی عدم سے وجود میں آیا اس کی راہ میں اس نے سر کو قدم بنایا۔ ہر شخص اور ہر دل نے اس سے منفعت کی امید رکھی بلکہ تمام مخلوق از عرب تا عجم اسی کی محبت سے اس کے حرم کی طرف دوڑنے والی ہے۔

لِيَشْهَدُوا یہ یاتوک کے متعلق ہے یعنی یحضروا یعنی تاکہ حاضر ہوں **مَنَافِعَ لَهُمْ** انہیں وہ دینی دنیوی منافع حاصل ہوں جو ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں۔ یعنی عفو و مغفرۃ اور ایام حج کی تجارت۔

نکتہ: منافع کو نکرہ لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ انہیں ان ایام میں مخصوص طریقے سے عبادت و منافع حاصل ہوتے ہیں جو دوسرے عبادات اور دوسرے ایام میں نصیب نہیں ہوتے۔

فائدہ عجیبہ: حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب تک حج نہیں پڑھا تھا آپ دوسری عبادات کو حج پر ترجیح دیتے مگر جب حج پڑھا اور اس میں خصوصی فوائد ملاحظہ فرمائے تو دوسری تمام عبادات پر حج کی فضیلت کے قائل ہوگئے۔

وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ اور ضحایا و ہدایا کے ذبح کرنے کے وقت اللہ کو یاد کریں۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ اس سے مراد وہ قربانیاں ہیں جو اہل اسلام بقرب اللہ تعالیٰ کے لیے اور کفار اپنے بتوں کیلئے دیتے تھے۔

ف: ذکر الٰہی کو حج کی عبادت کی غایت بنانے میں اشارہ ہے کہ انسان کی ہر عبادت کی غرض و غایت صرف وہی ذات ہو اسے غیر سے کسی قسم کا سروکار نہ ہو۔

فِيْۤ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ معلوم ایام میں ان سے قربانی کے ایام مراد ہیں جیسا کہ **عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ** سے معلوم ہوتا ہے۔ یعنی اس پر اس کے کہ انہیں اللہ تعالیٰ چوپائے جانور عطا فرمائے۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ یہاں پر اسم سے مخصوص ذکر مراد ہے یعنی وہ جو جانور کو ذبح کرتے وقت پڑھا جاتا ہے (یعنی بسم اللہ اللہ اکبر)

نکتہ: فعل کو مرزوق سے متعلق کرنے اور مرزوق کی تخصیص صرف بہیمۃ الانعام سے قربانی کی ترغیب کے لیے ہے اور اس لیے کہ تنبیہ ہو کہ ذکر الٰہی کا مقتضیٰ یہی ہے کہ ذاکر کو قرب حق نصیب ہو جائے۔

حل لغات: البہیمۃ ہر وہ جانور جو چار پاؤں رکھتا ہو، بکری ہو یا بڑی۔ مگر الانعام کا اطلاق صرف اونٹ،

گائے اور بھیڑ بکری وغیرہ پر ہوتا ہے۔ اس لیے کہ حج کے ہدایا و ضحایا میں ان کے سوا اور کوئی جانور جائز نہیں۔

امام راغب نے فرمایا کہ البھیمۃ وہ ہے جو بول نہ سکے۔ اسی کی آواز تو ہو مگر اس سے کچھ کہا نہ جا سکے۔ عرف عرب میں درندوں پرندوں کے سوا تمام جانوروں کو بھیمۃ کہا جاتا ہے۔ الانعام، نعم کی جمع ہے اور وہ صرف اونٹ سے مخصوص ہے۔ اس لیے کہ اہل عرب کے نزدیک اونٹ سب سے بڑی نعمت ہے۔ پھر مجازاً اونٹ، گائے، بھیڑ بکری کو بھی انعام کہا جانے لگا لیکن ان میں جب تک اونٹ نہ ہوگا اہل عرب کے نزدیک انہیں انعام کہنا جائز نہ ہوگا۔

فَكُلُوْا مِنْهَا اس میں خطاب کی طرف التفات ہے اور فا فصیحیہ کا مظہر ہے۔ عبارت دراصل یوں تھی فاذکروا اسم اللہ علی ضحایا کم فکلوا من لحومھا۔ اور یہ امر اباحت کا ہے۔

ف: اہل جاہلیت کا طریقہ تھا کہ وہ حج کی قربانیوں کے گوشت خود نہیں کھاتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں فرمایا کہ یہ گوشت تمہارے لیے مباح ہے۔

وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ یہ امر وجوب کا ہے۔ البائس ہر وہ انسان جو بؤس و شدت میں مبتلا ہو یعنی درماندہ و محنت کشیدہ **الْفَقِیْرَ** یعنے المحتاج۔ کاشفی نے الفقیر یعنے محتاج و تنگدست کہا ہے خلاصہ یہ کہ البائس شدید الفقر کو کہتے ہیں اور الفقیر وہ محتاج جسے تنگدستی نے ضعیف اور کمزور بنا دیا ہو اور اس کے پاس ضروریات زندگی پوری کرنے کے لیے معمولی سے معمولی شے بھی نہ ہو اور البائس ہر وہ انسان جس کے لباس اور چہرے سے فقر و فاقہ کے آثار محسوس ہوتے ہوں۔ اور الفقیر جس کے کپڑے بھی صاف ستھرے ہوں اور چہرے سے دولتمندی جھلکتی ہو۔

ف: مختصر الکرخی میں ہے کہ کسی نے وصیت کی ہو کہ میرا تہائی مال تین شخصوں کو دینا:

۱۔ البائس

۲۔ الفقیر

۳۔ المسکین

تو ہم اس کے تین حصے کریں گے۔ ایک حصہ البائس کو دیں گے یعنی ہر اس تنگدست کو جو چلنے پھرنے سے معذور ہو۔ دوسرا حصہ اس فقیر کو دیں گے جو تنگدستی کے باوجود لوگوں کے دروازوں پر جا کر بھیک نہیں مانگتا۔ تیسرا حصہ اس مسکین کو دیں گے جو تنگدستی کے باعث سوال کرے اور لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہے۔ لیکن امام یوسف نے فرمایا کہ اس کے مال کو دو حصوں میں منقسم کریں گے، ایک حصہ صرف البائس کو اور ایک حصہ الفقیر و المسکین دونوں کو۔

مسئلہ: علماء کا اتفاق ہے کہ قربانی کا گوشت خود بھی کھا سکتا ہے۔ ایسے ہی نفل قربانی جو حج کے موقع پر دی جاتی ہے۔

حدیث شریف: مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے موقع پر ایک سو ہدی (قربانی کے جانور) ساتھ لے کر گئے تھے ان میں سے آپ نے تریسٹھ جانور ذبح کیے۔ یوں آپ نے اپنی کل مدت زندگی کی طرف اشارہ فرمایا

یعنی تریسٹھ قربانی کے جانوروں کو ذبح کر کے اُمت کو بتا دیا کہ میری کل عمر مبارک تریسٹھ سال ہے (ثابت ہوا کہ ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے تھے) قربانی کے باقی جانوروں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ذبح فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے حکم فرمایا کہ ہر جانور کی ایک ایک بوٹی لے کر ہنڈیا میں ڈالی جائے۔ چنانچہ ایسے ہی کیا گیا جب گوشت پک گیا تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ساتھ ملا کر گوشت کھایا اور شوربا نوش فرمایا اور وہ تمام قربانی کے جانور نفل تھے۔

مسئلہ: ہدی واجب ہے۔ جیسے دم تمتع قران و نذر۔ کفارات یعنی وہ دم جو کسی نقصان کو پورا کرنے کے لیے ہوتی ہیں اسی طرح وہ دم جو حرم کے شکار کرنے سے یا حج کے کسی اہم رکن کے فوت ہو جانے سے واجب ہوتی ہیں۔ ایسے جزاء الصید کی قربانیوں کا گوشت قربانی کرنے والے کو کھانا جائز ہے یا نہیں۔ بعض فقہاء تو فرماتے ہیں کہ اسے نہیں کھانا چاہیے یہ قول امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے اور ہمارے ائمہ حنفیہ نے فرمایا کہ دم تمتع و قران کی قربانی کا گوشت کھانا جائز ہے اس لیے کہ یہ دونوں شکرانہ کے طور پر ہوتی ہیں یہ سزا اور جرمانہ کی قربانیاں نہیں ہیں اور ان دونوں کے سوا باقی کسی قربانی کا گوشت نہیں کھانا چاہیے۔ اسے خود اور اس کے کنبہ والے اور اس کے غلام اور لونڈیاں بھی نہ کھائیں۔ ایسے ہی اغنیاء بھی نہ کھائیں اس لیے کہ صدقہ واجبہ فقراء کا حق ہے۔

ف: آیت میں اشارہ ہے کہ اغنیاء پر لازم ہے کہ فقراء کو اپنے کھانے پینے میں شامل رکھیں انہیں وہ کھلائیں پلائیں جو خود کھاتے ہیں اور خود پیتے ہیں۔ وہ چیزیں ہرگز نہ دیں جو اپنے لیے پسند نہیں کرتے۔

ف: حضرت ابن عطاء نے فرمایا کہ البائس وہ ہے جس کے ساتھ بیٹھنے اور کھانے پینے سے نفرت ہوتی ہے اور الفقیر وہ ہے جسے طعام کی حاجت تو ہے مگر وہ سوال نہیں کرتا۔

ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ اس کا ایک لطیف معنی ہے یعنی پھر انہیں چاہیے کہ اپنے میل کچیل دور کریں۔ یعنی اب ان کے لیے سر منڈوانا، مونچھیں ترشوانا، ناخن کٹوانا، بغلوں کے بال اکھیڑنا، زیر ناف مونڈنا یا ایسی کسی صفائی سے صاف کرنا جائز ہو گیا یہ اس وقت ہے جب احرام سے فارغ ہو جائیں۔

حل لغات: التفث بمعنی الوسخ۔ جیسے اہل عرب کہتے ہیں:

ما اتفثک و ما ادرنک بمعنی ما اوسخک۔ یہ اس شخص کے لیے بولتے ہیں جو ہمیشہ میلا کچیلا رہتا ہو اور جس کی میل کچیل کو دیکھ کر طبیعت کراہت کرے۔ اسی طرح جس کے ناخن لمبے لمبے ہوں اس کے لیے بھی تفث کہتے ہیں۔

امام راغب نے فرمایا کہ اصل تفث ناخن اور بدن کے ان اعضاء کی میل کچیل کو کہا جاتا ہے جسے بدن سے صاف کیا جائے اور القضاء بمعنی فصل الامر یعنی کسی کا فیصلہ قولاً یا فعلاً۔ اس کی دو قسمیں ہیں (۱) الٰہی (۲) بشری۔ اور آیت از قبیل بشری ہے جیسے قولہ تعالیٰ:

ثم اقضوا الی ولا تنظرون۔ بمعنی افرغوا من امرکم۔

اور شاعر نے کہا: وقضیت امورا ثم غادرت بعدھا۔ (ترجمہ) اور میں نے یہ کیے تو پھر تو نے ان کے بعد چھوڑ دیا۔ [illegible]

ترک فعل ہو ورنہ گناہ ہیں ۔ (کذا فی المفردات)

وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وفی بعہدہ و اوفی سے ہے ۔ یہ اس شخص کے لیے بولتے ہیں جو اپنے معاہدہ کو مکمل کرے اور تا تکمیل اس کی حفاظت کرے ۔ اس کا نقیض غدر ہے یعنی ترک الوفاء ۔ اور النذر و بر ہ ۔ شے جو کسی پر واجب نہ ہو تو اپنے اوپر واجب کرلے ۔ یہاں اس پر نذر ورنہ نذر نیک امور مراد ہیں جو حاجی حج کے ایام میں اپنے اوپر واجب کیے جاتے اس لیے کہ ان امور میں بعض ایسے امور ہوتے ہیں کہ اگر اپنے اوپر واجب نہ کیے جائیں تو لازم ہوتا ہی نہیں ۔ مثلاً قربانی وغیرہ۔

مسئلہ: اگر کسی پر نذر مطلقہ ہو تو اس کے لیے افضل یہی ہے کہ اہل حرم پر خرچ کرے ۔

وَلْيَطَّوَّفُوا اور چاہیے کہ طواف رکن ادا کریں اور احرام کی فراغت اس طواف کے بعد ہوتی ہے ۔ میل کچیل اتارنے کا تو پتہ چلتا ہے کہ اس سے طواف رکن مراد ہے ۔ **بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ** پرانا گھر ۔ اس لیے کہ سب سے پہلے اسی کو یہاں رکھا گیا (پھر زمین بچھائی گئی) یا بمعنے العتق ہے ۔ اس لیے کہ یہ جابر اور سرکش بادشاہوں کی شرارت و فساد سے محفوظ و مامون ہے ۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ بہت بڑے سرکش اور مفسد بادشاہ اسے منہدم کرنے کے لیے آئے تو انہیں منہ کی کھانا پڑی ۔

سوال: حجاج بن یوسف نے بھی اس پر حملہ کیا اسے تو کوئی تکلیف نہ ہوئی ۔

جواب: اس کا کعبہ معظمہ کو نقصان پہنچانے کا قصد نہ تھا بلکہ وہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو وہاں سے نکالنا چاہتا تھا ۔ تو جو ہونا تھا ہوا ۔ البتہ ابرہہ ظالم کعبہ معظمہ کو مسمار کرنا چاہتا تھا اس کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ سب کو معلوم ہے ۔

مسئلہ: طواف کعبہ تین قسم کا ہے :

(۱) طواف قدوم ۔ جو حج کرنے کے ارادہ سے جب کوئی مکہ معظمہ میں داخل ہو تو سات بار کعبہ شریف کا طواف کرے تین بار دوڑ کر چلے رمل کرے جس کا آغاز و اختتام حجر اسود پر ہو اور باقی چار بار آرام سے چل کر ۔ یہ طواف سنت ہے اس کے ترک سے کوئی کفارہ وغیرہ نہیں ۔

(۲) طواف افاضہ ۔ یہ رمی و حلق کے بعد دسویں ذی الحجہ کو ہوتا ہے اور یہ فرض و رکن ہے اس کا دوسرا نام طواف زیارۃ بھی ہے اس کی ادائیگی سے پہلے احرام نہ چھوڑنا چاہیے ۔

(۳) طواف الوداع ۔ جو شخص قصر صلوٰۃ کی مقدار میں مکہ سے باہر جائے تو طواف کیے بغیر نہ جائے ۔ اگر نہ کرے تو اس پر دم لازم ہے ۔ حائضہ عورت کو طواف الوداع معاف ہے ۔

ف: طواف میں دوڑ کر چلنے کا حکم صرف طواف قدوم کے لیے ہے ۔ طواف زیارۃ و طواف وداع میں دوڑ کے نہیں چلتے ۔

۱ سہ ای کہ دوری کردہ قدم نہی   رو سوئے تو جبہ بجبہ م نہی
۲ پاسے بانداز دوری کوتہ نہ   پاسے اگر سوئے مشہود رو سے نہ
۳ چرخ زبان طرف کاہ بہ حضور   زرشتہ پروانہ و نز شمع نور

۴ عادت پروانہ نداری مگر   چرخ زند اول و سوزد دگر

ترجمہ : ۱ ۔ اے وہ جو اس گلی میں قدم رکھتا ہے اور کوچۂ یار شبِ حرم ہے۔

۲ ۔ اللہ تیرے حسن پر اس گلی میں قدم رکھ۔ اگر پاؤں کام نہیں کرتے تو چہرہ ہی رکھ دے۔

۳ ۔ محبوب کے سامنے رو رہا اور گھوم کیونکہ تو اس وقت پروانہ اور وہ شمع نور ہے۔

۴ ۔ شاید تجھے پروانے کی عادت معلوم نہیں کہ پہلے چکر لگاتا ہے پھر مرتا ہے۔

کعبہ معظمہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے یعنی مرکز تجلیات

حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہ نے فتوحات مکیہ میں لکھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے عرش کو اپنی طرف منسوب فرمایا اور وہ استوائے رحمانی کا مرکز ہے کہ قال تعالیٰ :

الرحمٰن علی العرش استویٰ۔

اس ملائکہ کو حکم ہوا کہ وہ محیط ہو کر اس کی نگرانی کریں یعنی اس کا پہرہ دیں جیسے شاہی محلات کے پہرہ دار پہرہ دیتے ہیں اور وہ اس عرش کے ارد گرد ہر وقت حاضر رہیں تاکہ جب اللہ تعالیٰ کسی حکم کا نفاذ فرمانا چاہے تو سب سے پہلے انہیں معلوم ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے زمین پر اپنا گھر بنایا تاکہ انسان اس کا اسی طرح طواف کریں اور اس کے گرد گھومیں جیسے فرشتے عرش کے ارد گرد گھومتے ہیں اور یہ عرش سے ممتاز ہے بایں معنی کہ اسے حجر اسود سے نوازا گیا اور اسے رحمانی کا مرکز بنایا گیا اور یہی زمین پر اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ (قدرت) ہے تاکہ اس کے بندے اس کے طواف کے دوران میں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر بیعت کریں یہی معنی ہے حجر اسود کا استلام ہوتا ہے کہ یہی گویا اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ ہے جو بندوں کی بیعت قبول کر رہا ہے۔ لیکن یہ کیفیت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اسی طرح ہم اس کی تقدیس و تنزیہ پر مامور ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی موجود نہیں ہے

کعبہ کہ در وی چو دلدارہ است
جزوے از اعضائے یمین اللہ است

ترجمہ : وہ کعبہ کہ اس کا چہرہ دلبر ہی راہ ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اعضا سے ایک عضو یعنی اس کا دایاں ہاتھ (قدرت) ہے۔

ف : اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کو آدم اور اس کی اولاد سے پہلے پیدا فرمایا صرف اپنے بندوں سے امتحان و آزمائش کے لیے تاکہ بیت کے ساتھ صاحب بیت کے عشق بندوں کے اعزاز و اکرام کا اظہار ہو جائے یعنی کعبہ کو اپنی ذات کے کمال کا پردہ بنایا گیا ہے یہی اس کی غیرت کی دلیل ہے کہ وہ اپنے تجلیات بلاواسطہ (سوائے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم) کسی کو دکھانا نہیں چاہتا۔

حکایت ایک عارف باللہ رومی کامل نے کعبہ معظمہ کی زیارت یعنی بیت اللہ شریف کے حج کا ارادہ فرمایا تو ان کے صاحبزادے نے ان سے پوچھا کہ ابا جان! کہاں کا ارادہ ہے؟ والد گرامی نے فرمایا کہ بیت اللہ کی زیارت کو جا رہا ہوں۔ صاحبزادے

بیمار ہیں کے گھر میں جا کے یہ وہاں صاحب خانہ کو بھی دیکھا جاتا ہے اسی خیال سے والد گرامی کے ساتھ چلنے کی خواہش کی۔ انہوں نے فرمایا تم اس کی صلاحیت و اہلیت نہیں رکھتے۔ یہ سن کر صاحبزادہ رو پڑا تو اس ولی کامل نے صاحبزادے کو ساتھ لے لیا۔ جب میقات سے دونوں باپ بیٹے نے احرام باندھ کر لبیک پڑھا۔ بیت اللہ نظر آنے لگا تو بیت اللہ کو دیکھ کر وہ نوجوان بیہوش ہو کر گرا اور گر کے ہی رہ گیا۔ والد یہ حال دیکھ کر بہت پریشان ہوئے اور کہنے لگے میرا بیٹا کہاں گیا اسے کیا ہو گیا۔ غیب سے آواز آئی جا سے بندۂ خدا! تم بیت اللہ کو دیکھنے آئے تم نے اسے دیکھ لیا اور تمہارا بیٹا صاحب خانہ کے دیدار کا مشتاق تھا سو اسے صاحب خانہ کا وصال نصیب ہو گیا۔ اس کے بعد اس لڑکے کو عالم غیب کی طرف اٹھا لیا گیا اور ساتھ ہی غیبی آواز میں بتایا گیا کہ بچہ نہ قبر میں ہے نہ زمین کے کسی کونے میں اور نہ ہی جنت میں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت اعلیٰ مقام میں ہے۔ مثنوی شریف میں ہے۔

۱ خوش بکش ایں کاروان را تا بحج
اے امیر الصبر مفتاح الفرج

۲ حج زیارت کردن خانہ بود
حج رب البیت مردانہ بود

ترجمہ: اے امیر حج! قافلہ کو خوشی سے لے جا اس لیے کہ صبر کشادگی کی کنجی ہے۔ خانہ کعبہ کی زیارت کا نام حج ہے لیکن مردانہ حج وہ ہے جو صاحب خانہ کی زیارت سے مستفید ہو۔

سبق جو بھی جہات سے توجہ ہٹا کر ذات حق کی طرف متوجہ ہوا اس کا قبلہ ذات حق ہو گا پھر وہی جملہ عالم کا قبلہ ہو جائے گا جیسے آدم علیہ السلام ملائکہ کے قبلہ تھے اس لیے کہ وہی ملائکہ کے ذات حق کے لیے جلوہ گاہ تھے اس لیے کہ وہی جمال و جلال ذات کی پوشاک سے پیراستہ و آراستہ تھے۔

حدیث شریف ان اللہ خلق آدم علی صورتہ۔
یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام پر اپنے حسن و صفات و نور مشاہدہ کا پرتو ڈالا۔

ف: بعض عارفین نے فرمایا کہ چونکہ بیت اللہ شریف جامع شمس ذات احدیہ کا ایک مخفی راز ہے اسی لیے حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اس کی زیارت کا حکم فرمایا۔ کما قال:

وللہ علی الناس حج البیت۔

اسے البیت سے اسی لیے تعبیر فرمایا ہے کہ یہ البیت سے مشتق ہے۔ اور البیت اس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں شب باشی کی جائے اللہ تعالیٰ کی تجلیات بندوں پر رات کو ہی نازل ہوتی ہیں کیونکہ وہ اپنی شان کے لائق رات کو ہی نزول فرماتا ہے وہی مظہر غیب اور تجلیات کا مرکز ہے اور شمس کا پاسبان تجلیات ہے۔ اس معنی پر البیت الحرام حضرت غیب الہی کا مظہر اور تجلی وحدانی کا راز دار خاتمیہ کا سرچشمہ ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ زمین پر صفت رحمت کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے تو سب سے پہلے اس کا نزول بیت اللہ پر ہی ہوتا

اسی سے ہی رحمت دوسروں پر منقسم ہوتی ہے۔

زندگی میں صرف ایک بار کیوں حج فرض ہے

مذکورہ بالا تقریر کا ظاہر یہ ہے کہ بیت اللہ حق تعالیٰ کی وحدانیت کا مظہر ہے بندوں پر زندگی میں اس کی زیارت صرف ایک بار اسی لیے فرض فرمائی (حالانکہ دوسری عبادات بار بار فرض ہوتی رہتی ہیں) کہ اسے حضرت احدیت کے ساتھ مشابہت ہے اور اسے تمام عالم دنیا کے بیوت (گھروں) پر اسی طرح فضیلت ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی بلاد عالم پر اور یہ تمام فضل در اصل اسی ذات کا حق ہے۔ یاد رہے کہ جلویت کے انوار بیت اللہ کے نور سے نور حاصل کرنے والے ہیں۔ چنانچہ روایات میں اس کا اشارہ ہے کہ ارض کعبہ سے ہی بچھائی گئی۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ کائنات کے حقائق کی حقیقت یہی کعبہ ہے۔ اسی لیے حضور اکرم ام القریٰ سے مبعوث ہوئے (شرفہا اللہ تعالیٰ وقدس)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے **واذن فی الناس بالحج یاتوک رجالا** یعنی جن لوگوں نے نفس اور اس کی صفات کو جلا دیا اور جو قالب اور جوارح سے بے نیاز ہو گئے انہیں کا ■ ذکر کرو کہ قلب کی زیارت کریں اس لیے کہ صفات حق سے موصوف ہوگی اور مقامات خاصہ میں داخل ہوگی۔ یہ یاتوک پیدل چل کر آئیں گے۔ اس سے نفس اور اس کی صفات مراد ہیں **وعلیٰ کل ضامر** اس سے قالب اور اس کے جوارح مراد ہیں یعنی قالب و جوارح اعمال شرعیہ بجا لانے کے ساتھ دل کا قصد کرتے ہیں کیونکہ یہ لاغر سواریاں ہیں اس لیے کہ اعمال بدنیہ حرکات جوارح سے بایں معنی ہے کہ جیسے اعمال نفس کو مشقت سے تعبیر کیا جاتا ہے **یاتین من کل فج عمیق** یہ بعید سے مثل دنیا مراد ہے اس لیے کہ قالب دنیوی ہے اور مصالح دنیا میں اس کا استعمال جوارح و اعضاء کے ساتھ ہے۔ اسے صرف قلب میں استعمال کرنے کا حکم اتیان من کل فج عمیق ہے **لیشہدوا منافع لہم** تاکہ حاضر ہوں اور نفع پائیں ان منافع سے جو قلب میں پوشیدہ ہیں اور نفس اور اس کے صفات کے منافع تبدیل اخلاق میں ہیں اور قالب اور اس کے جوارح کے منافع طاعات کو قبول کرتے ہیں **ویذکروا اسم اللہ** تاکہ قلب، قالب اور نفس شکرانے کے طور اللہ تعالیٰ کو یاد کریں **من بہیمۃ الانعام** وہ اس طرح کہ اس کی صفات بہیمیہ درندگی صفات قلبیہ روحانیہ ربانیہ سے تبدیل کیا گیا **فکلوا منہا واطعموا البائس الفقیر** اس میں اشارہ ہے کہ جب ان کرامات و مقامات سے نفع پائیں تو ان پر لازم ہے کہ وہ غیر محتاج یعنی طالب دلجوئی کریں ان کے منافع پہنچائیں کیونکہ وہ بھی خدمت میں حضور وارث ولی کا ارادہ رکھتا ہے **ثم لیقضوا** پھر طالبوں اور دلجوئی پر لازم ہے کہ وہ پورا کریں **تفثہم** الاندر کرکے ان پر ارادہ صدق وغیرہ واجب ہیں **ولیوفوا نذورھم** انہیں چاہیے کہ وہ تو الی اللہ صدق طلب اور مجاہدہ کے ساتھ کی نذر پوری کریں **ولیطوفوا بالبیت العتیق** انہیں قدیم گھر (دل حقیقی) سے اللہ تعالیٰ کا اپنا جلوہ نظر آ جائے اس سے ماسویٰ کا قصد ہی ختم کر دیں۔ اور عتیق سے قدیم مراد ہے اس سے صفات باری تعالیٰ کی طرف اشارہ ہے۔

ذٰلِکَ یہ بات ہو اس امر و شان کی طرف ہے جو اذ بوانا تا قولہ بالبیت العتیق تک مذکور ہے ۔ اس لیے کہ یہ آیت امر حج اور منی حج احکام پر مشتمل ہے۔ یہ کلمہ اور اس طرح کے دیگر کلمات فصل میں استعمال ہوتے ہیں جیسے یہ اور جیسے ہی کلام واحد پر استعمال ہوتے ہیں وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ حرمۃ کی جمع ہے ہر وہ شے جس کی ہتک حرام ہو۔ اس سے اللہ تعالیٰ کے احکام و فرائض و سنن اور وہ جمیع مشاعر اور جن کا توڑنا حرام ہے مراد ہے جیسے کعبہ معظمہ اور مسجد حرام اور بلد حرام اور شہر حرام۔ ان کی تعظیم کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کی مراعات کے [illegible] کا عقیدہ رکھا جائے اور بموجب حکم خداوندی ان کے متعلقہ احکام پر عمل کیا جائے فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ یعنی اس کے لیے تعظیم ثواب کے لحاظ سے بہتر ہے یعنی متبرک ہے اس کے رب تعالیٰ کے ہاں ، یعنی آخرت میں۔

ف : آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معظم اشیاء کی تعظیم دراصل اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے کہ جس کام سے اس نے روکا ہے اسے ترک کیا جائے اور جس کے کرنے کا حکم دیا ہے بجا لایا جائے۔ بزرگوں نے فرمایا کہ طاعت سے بہشت نصیب ہوتی ہے اور تعظیم طاعات سے اللہ کا وصال حاصل ہوتا ہے۔ اسی لیے فرمایا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ یعنی قرب الٰہی کے حصول میں بندے کو بہ نسبت قرب بالطاعات کے قرب بالصفات بہتر ہے۔ اسی لیے بزرگوں نے فرمایا کہ ترک خدمت عقوبت کا موجب ہے اور ترک تعظیم ، فراق کا سبب ہے۔ اور یہ بھی بزرگوں کا فرمان ہے کہ مخالفت احکام سے معافی کی امید ہے لیکن ترک تعظیم سے معافی کے امکانات ہی ختم ہو جاتے ہیں اور اس بے ادب کے ایمان و اسلام اور توحید پر ایسی چوٹ پڑتی ہے کہ اس کی معافی کا سوال ہی اٹھ جاتا ہے۔ (اسی لیے ہم اہلسنت انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اور ان کے متعلقات کی تعظیم و تکریم کے لیے زیادہ زور دیتے ہیں اور مخالفین کی عقول پر تالے پڑ گئے ہیں کہ وہ ان کی تعظیم و تکریم کو شرک کا درجہ دیتے ہیں)

وَاُحِلَّتْ یعنی حلال کر دیے گئے یہ بیان کرنے کے لیے ہیں لَكُمُ تمہارے منافع کے لیے الْاَنْعَامُ چوپائے ، اس سے وہ آٹھ قسم مراد ہیں جنہیں قرآن مجید میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے یعنی ثمانیۃ ازواج نر و مادہ بھیڑ بکری گائے (بھینس) کا جوڑا اور اونٹ کا جوڑا۔ اس سے معلوم ہوا کہ الانعام کی تعریف سے گھوڑا ، گدھا اور خچر خارج ہیں۔ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ مگر وہ جو تمہارے لیے آیت تحریم میں بتایا گیا۔ کما قال تعالیٰ :

حرمت علیکم المیتۃ والدم (الآیۃ)۔

یہ استثناء متصل ہے اس لیے کہ لفظ ما سے جانور مراد ہیں جو کسی عارضہ کی وجہ سے حرام ہیں مثلاً مردار اور ما اھل بہ لغیر اللہ۔ اور یہ جملہ معترضہ ہے کہ الانعام کے عارضی تحریم کی تقریر بعد ایک وہم کے رفع کے لیے لایا گیا ہے۔ وہ وہم یہ ہے کہ احرام میں جیسے شکار حرام ہے ایسے ہی یہ جانور بھی حرام ہوں۔ اس وہم کو دفع فرمایا کہ یہ جانور تمہارے لیے حرام نہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تمام جانور حلال فرمائے ہیں مگر وہ جانور جن کے متعلق قرآن مجید میں تفصیل بتائی گئی ہے جو حرمت والے اور حرام ہیں۔ اسی لیے تمہیں لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت کرو۔ اور بالخصوص جانوروں کے بارے میں خصوصی خیال رکھو!

کہ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ اشیاء کو تم اپنے اوپر حرام نہ کرو جیسے بت پرستوں کا طریقہ رہا ہے کہ انہوں نے خود ہی بحیرہ سائبہ وغیرہ کو حرام قرار دیا۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء کو حلال نہ بناؤ۔ مثلاً مردار اور میتہ وغیرہ جو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمائی ہیں اور تم انہیں حلال سمجھ کر کھاتے ہو۔ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ من بیانیہ ہے یعنی رجس سے بت مراد ہیں یعنی ان سے ایسے ہی اجتناب کرو جیسے نجاست سے کیا جاتا ہے۔ دراصل رجس ہر اس شے کو کہا جاتا ہے جس سے طبیعت کو نفرت ہو۔ مثلاً کہا جاتا ہے رجل رجس اور رجال ارجاس۔

ف : رجس چار قسم ہے :

(۱) من حیث الطبع

(۲) من حیث العقل

(۳) من حیث الشرع

(۴) من حیث الطبع والعقل والشرع جیسے میتہ (مردار)۔ اس لیے کہ مردار سے طبیعت کو اور عقل کو اور شریعت کو نفرت ہے۔

اور رجس شرعاً مثل شراب ہے اسی طرح جوا بازی بھی۔ اور الاوثان : وثن کی جمع ہے وہ پتھر جس کی پرستش کی جائے۔ (کذا فی المفردات)

بعض مشائخ نے فرمایا کہ وثن اور صنم میں فرق ہے۔ صنم وہ ہے جو لکڑی یا سونے یا چاندی سے انسان کی صورت پر تیار کیا جاسکے اور وثن جو ایسے نہ ہو۔

ف : اس اشارہ میں ہے کہ :

ومن یعظم حرمٰت اللّٰہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فاجتنبوا کا امر وجوبی ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ محرمات کی تعظیم و تکریم واجب اور اس کے شرک و قریب سے اجتناب ضروری ہے۔

ف : چونکہ جانوروں کی حلت تعظیم کے دلائل سے ہے اسے عبادت اور اجتناب سے کوئی تعلق نہیں اسی لیے اس کا ذکر بیچ میں لایا یعنی پہلے ان کا ذکر کیا گیا ہے جو اجتناب و مشتبہ ہے یعنی محرمات کی توہین سے اجتناب۔ پھر ان امور کا بیان ہوا جو ان کا اتصاف وجہ ہے یعنی بت پرستی کا اجتناب محرمات کا انتہائی مرتبہ ہے۔ گویا یوں کہا گیا کہ جو اللہ تعالیٰ کی محرمات کی تعظیم کرتا ہے وہ اس کے لیے بہتر ہے اور جانوروں کی حرمت محرمات سے نہیں بلکہ وہ سب تمہارے لیے حلال ہیں سوائے چند ایک کے جو ان میں جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔

وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّوْرِ تخصیص کے بعد تعمیم ہے اسی لیے کہ بت پرستی راس الزور ہے کیونکہ مشرک کا گمان ہے کہ بت عبادت کا مستحق ہے اسی لیے گویا اسے کہا گیا ہے کہ اے لوگو! قول الزور کی کل اقسام سے اجتناب کرو۔ اس کے قریب بھی نہ پھٹکو

یا یوں کہ جب اللہ تعالیٰ نے تعظیم حرمات کے لیے ترغیب دی تو اس کے بعد ان امور کا ذکر فرمایا جن کے کفار پابند تھے مثلاً سوائب و بحائر وغیرہ کو حرام سمجھنا اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتے اسی لیے فرمایا کہ مطلقاً زور و غلط گوئی سے بچو۔

مسئلہ: بعض مشائخ نے اس سے جھوٹی گواہی مراد لی ہے اسی لیے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت زور کو شرک باللہ کے برابر بتایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جھوٹے گواہ کو چالیس دُرّے مارتے اور اس کا منہ کالا کر کے بازار کا چکر لگاتے۔

حل لغات: الزور بمعنی انحراف سے ہے جیسے الافک۔ افک بمعنی قلب و صرف کے ہے اور چونکہ کذب واقع سے منحرف اور مصروف ہے اسی لیے اسے اس نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قول زور ہر وہ زبانی بات جو قلب کے موافق نہ ہو اسی طرح ہر وہ انسان جو اللہ تعالیٰ سے صدق طلب کا معاہدہ کرے اس پر پورا نہ اترے وہ بھی قول زور میں داخل ہے ؎

۱ طریق صدق بیاموز از آب صافی دل
براستی طلب آزادگی چو سرو چمن

۲ وفا کنیم و ملامت کشیم و خوش باشیم
کہ در طریقت ما کافریست رنجیدن

ترجمہ: سچائی کا طریقہ سفید اور صاف پانی سے اور راستی و آزادگی سرو چمن سے سیکھو۔
ہم وفا کرتے رہیں گے اور ملامت کھینچتے رہیں گے بلکہ ہم خوش رہیں گے اس لیے کہ ہمارے طریق میں کسی کو دکھ اور رنج پہنچانا کافری ہے۔

تفسیر عالمانہ: **حُنَفَآءَ لِلّٰهِ** فاجتنبوا کی ضمیر سے حال ہے یعنی تمہارا حال یہ ہو کہ تم ہر دین باطل سے روگردانی کرنے والے اور دین کی طرف رجوع کرنے والے اور اس کے ساتھ خلوص کرنے والے ہو۔ الحنف بمعنی المیل عن الضلال الی الاستقامۃ یعنی گمراہی سے استقامت کی طرف رجوع کرنا۔ اور الحنیف بمعنی ضلال سے ہٹ کر استقامت کی طرف رجوع کرنے والا۔ اور کہا جاتا ہے کہ تحنف فلان بمعنی تحری طریق الاستقامۃ اس نے استقامت کے طریق کے لیے جدوجہد کی۔ **غَیْرَ مُشْرِکِیْنَ بِہٖ** وہ کسی شے کو بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے والے نہیں۔ اس معنی پر تو بت پرستی سب سے پہلے اس میں داخل ہوتی ہے۔ یہ فاجتنبوا کا دوسرا حال ہے **وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰهِ فَکَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ** المفردات میں ہے کہ خر بمعنی سقط سقوطا بمعنی ایسا گرنا کہ جس سے آواز سنائی دے۔ دراصل پانی اور ہوا اور دیگر ان چیزوں کی آواز کو کہا جاتا ہے جو اوپر سے نیچے گریں **فَتَخْطَفُهُ الطَّیْرُ** الخطف بمعنی الاختلاس بالسرعۃ ہے یعنی جھپٹ لینا۔ اور مضارع کا صیغہ اس خطرناک صورت کو سامعین کے ذہن نشین کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔ حضرت کاشفی نے اس کا معنی یہ لکھا کہ جو بھی کسی شے کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتا ہے تو وہ گویا آسمان سے زمین پر گر کر ہلاک ہوا تو مردار خور پرندے زمین سے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اٹھا کر

سے جا پڑیں اَوْ تَھْوِیْ بِہِ الرِّیْحُ یا اسے ہوا پست نیچے دے مارے ھَوٰی یَھْوِیْ اِنْزا بمعنی ہے بمعنی سقط من علو الی سفل یعنی اوپر سے نیچے گرا۔ یا ھوی یھوی انزا جاء ظلم بمعنی احب ہے فِیْ مَکَانٍ سَحِیْقٍ سحیق بمعنی بعید اس لیے کہ سحق بمعنی بعد ہے اور حضرت اسحاق علیہ السلام کا اسم گرامی اس سے مشتق نہیں اس لیے کہ وہ عبرانی لفظ ہے بمعنی الضحک اور لفظ اَوْ تخییر ہے جیسے آیت اَوْ کَصَیِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ میں اَوْ تخییری ہے۔ حضرت کاشفی نے اس کا ترجمہ لکھا ہے کہ یا اسے ہوا اونچی جگہ سے نیچے کی ایسی جگہ میں پھینکے جہاں اس کا کوئی فریاد رس اور دستگیر نہ ہو۔ یہ کلمات تشبیہات مرکبہ سے ہیں یعنی جو شخص ایمان کی بلندی سے کفر کے گڑھے میں گرتا ہے اسے نفس کی خواہشات پریشان اور ذلیل و خوار کریں۔ یا مطلب یہ ہے کہ وسوسۂ شیطان کی ہوا اسے وادیٔ ضلالت میں گرا دے تو پھر وہ تباہ اور برباد ہو جائے۔ خلاصہ یہ کہ یہاں کفار کی تباہی و بربادی کا بیان ہے اس لیے کہ حقیقی تباہی کفر میں ہے اور نجات ایمان میں۔

حدیث شریف ۱ صحیحین میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کا کیا حق ہے؟ انہوں نے عرض کی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر حق یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ پھر فرمایا: اے معاذ! تمہیں معلوم ہے کہ بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق ہے جب وہ اس کی عبادت کریں اور شرک سے بچیں۔ انہوں نے کہا: اللہ و رسولہ اعلم۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر یہ لطف ہوگا کہ وہ انہیں عذاب میں مبتلا نہیں فرمائے گا۔

ف اس سے معلوم ہوا کہ بندوں پر لازم ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور ایسا عقیدہ خالص بنائیں کہ ان سے شرک کی بو بھی نہ آسکے تاکہ ملت حنیفی کی اتباع نصیب ہو۔ اور یہی ایک ملت ہے جو آدم علیہ السلام سے لے کر تا قیامت جاری رہے گی۔ یعنی توحید یقینی پر قائم و دائم رہنا۔

حدیث شریف ۲ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ سب سے بہتر عمل کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لانا۔ پھر عرض کی گئی: اس کے بعد؟ آپ نے فرمایا: جہاد فی سبیل اللہ۔ اس کے بعد سوال ہوا پھر؟ آپ نے فرمایا: حج مبرور۔

حدیث شریف ۳ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے تمہارے لیے زیادہ خطرہ شرک اصغر کا محسوس ہوتا ہے۔ عرض کی گئی: شرک اصغر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ریا۔

مرائی ہر کہ را معبود سازد
مرائی را از آن گفتند مشرک

ترجمہ: ریاکار ہر ایک کو معبود بناتا ہے اسی لیے اہلِ حق کہتے ہیں کہ ریاکار مشرک ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

گویا باور نمی دارند روز داوری
کیں ہمہ قلب و دغل در کار داور میکنند

ترجمہ: قیامت میں یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف منہ نہیں کریں گے جبکہ اللہ تعالیٰ کے کسی کام میں کھوٹ نہیں۔

خلاصہ یہ کہ شرک تمام رذیل ترین امور سے قبیح ترین ہے جیسے توحید تمام نیکیوں سے حسین تر ہے۔

حدیث شریف میں ہے: جب تم سے غلطی (گناہ) سرزد ہو جائے تو اس کے ساتھ ہی نیکی بھی کر لیا کرو اس لیے کہ ایک نیکی سے دس کا ثواب ملتا ہے۔ مخاطب نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! لا الٰہ الا اللہ بھی نیکی ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ تو تمام نیکیوں سے حسین ترین نیکی ہے۔

ذٰلِکَ یہ اشارہ امر یا شان یا تعظیم حرمات اللہ کی طرف ہے اور اجتناب عن الشرک وقول الزور لازم ہے۔ یا معنٰی یہ ہے کہ شان امر کر بھلا ذٰلِکَ وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰہِ یا یہ شعائر اللہ سے حج کی قربانیاں مراد ہیں اس لیے کہ یہی حج کے علامت و شعائر سے ہیں۔ چنانچہ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰہَا لَکُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ میں اس کی تصریح ہے اور اس کے مابعد کے مضمون سے بھی اسی کو زیادہ موافقت ہے۔

حل لغات: شعائر شعیرۃ کی جمع ہے بمعنی علامت۔ اور اشعار اس سے ہے بمعنی اعلام (بتلانا) اور الشعور بمعنی علم (جاننا) ہے اور البدن کا شعائر اس لیے کہا گیا کہ ان کا شعار کیا جاتا ہے یعنی اس کی کوہان کی جانب ایمن و ایسر میں نیزہ مار کر خون نکالا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ قربانی کے جانور ہیں اور کوئی بھی ان کو نہ چھیڑے اور نہ ہی انہیں ذبح کر کے کھایا جائے۔

خلاصہ یہ کہ قربانیاں حج کی علامات بلکہ زیادہ ظاہر اور مشہور تر نشانیوں سے ہیں۔

ف: دینی تعظیم کا معنٰی یہ ہے کہ ان کے متعلق یہ اعتقاد رکھا جائے کہ ان کے ذریعے ہی قربِ الٰہی نصیب ہو گا کیونکہ تقرب الٰہی کے ذرائع و اسباب میں یہی سب سے بڑھ کر وسیلہ و ذریعہ ہے۔

مسئلہ: قربانی کا جانور حسین، موٹا اور قیمتی ہونا چاہیے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے سو اونٹ بھیجے ان میں ایک اونٹ ابوجہل کا تھا جس کی نکیل سونے کی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بہترین اور موٹی تازی اونٹنی قربانی کے لیے بھیجی جن کی قیمت تین سو دینار تھی۔

؎

ہر کسے از ہمت والائے خویش
سود برد در خور کالائے خویش

ترجمہ: ہر شخص بقدر ہمت خود اور اسباب کی حیثیت کے مطابق پھل اٹھاتا ہے۔

ف: حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ توکل، تفویض، تسلیم بھی شعائر اللہ کی تعظیم میں داخل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسرار و رموز اپنے اولیاء میں امانت رکھے ہیں۔ جب کوئی بندہ ان شعائر کی تعظیم و تکریم کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر کو مختلف آداب سے سنگار رکھتا ہے۔

فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ اس لیے کہ تعظیم شعائر اللہ قلوب کا تقویٰ ہے۔ تقویٰ کو قلوب کی طرف منسوب کرنے میں اشارہ ہے کہ تقویٰ کا مرکز قلب ہے اس لیے کہ جب اس میں تقویٰ ہو تو پھر اس کے آثار تمام اعضاء سے نمودار ہوتے ہیں **لَكُمْ فِيْهَا** تمہارے لیے ان شعائر میں کہ جن کے علامات نمایاں ہوں کہ واقعی وہ حج کی قربانیاں ہیں **مَنَافِعُ** بہت بڑے منافع ہیں مثلاً دودھ اور نسل اور اون وغیرہ۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ قربانی کرنے والے کے لیے جائز ہے کہ اسے ذبح کرنے سے پہلے نفع اٹھائے بشرطیکہ اسے اس کی ضرورت ہو بلا ضرورت اس سے نفع نہ اٹھائے۔

اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى مدت مقررہ تک اور وہ میعاد قربانی کا دن ہے۔

مسئلہ: اسے ذبح کرکے اس کے گوشت کو صدقہ کرے۔ خود بھی اسے کھا سکتا ہے۔

ثُمَّ مَحِلُّهَاۤ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ المحل اسم زمانی ہے یہاں مضاف محذوف ہے یہ حل الدین سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب ادائیگی (قرض) کا وقت آ جائے اس کا عطف منافع پر ہے اور الی البیت، فیہا کی ضمیر سے حال ہے اور اس کا عامل وہ مستقر ہے جو لفظ فی کا متعلق ہے اب معنی یہ ہوا کہ ان بہت بڑے منافع کے بعد یعنی قربانی کے ذبح کرنے کے وقت مقررہ آ جانے اور اسے ذبح کرنے کے وجوب کے بعد اس کا حلال یہ ہو کہ وہ بیت عتیق کے لیے تیار کی جائے یعنی وہ حرم تک جو بیت اللہ کے حکم میں ہے اس لیے کہ یہاں حرم کا سارا احاطہ مراد ہے جیسے فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامہم ھذا میں مسجد حرام سے حرم شریف کا جملہ احاطہ مراد ہے کیونکہ بیت اللہ اور اس کے اردگرد کو گوبر خون و دیگر آلائش سے پاک رکھنا ضروری ہے۔

مسئلہ: منیٰ سارے کا سارا قربان گاہ ہے۔

ف: شعائر میں سب سے بڑا فائدہ اس کے ذبح کرنے میں اس وقت ہے جب خالص اللہ تعالیٰ کی رضا طلبی کے لیے ہو۔ اور اسے یوم نحر میں ذبح کرنے میں بھی اسی طرف اشارہ ہے اور تنبیہ کی گئی ہے کہ جب اس فعل کے وقت میں اتنا بڑا فائدہ ہے تو پھر نفس فعل میں کتنا فائدہ ہوگا۔

ف: العتیق بمعنی القدیم ہے یعنی یہ گھر زمان و مکان و رتبہ کے لحاظ سے تمام امکنہ و ازمنہ و مراتب میں اول ہے۔

ف: الاشفی نے لکھا کہ جب تمہاری قربانیاں ان پہنچیں طرف خانہ خدا کے جو کعبہ معظمہ کا نام ہے یا وہ بزرگ ترین مکان ہے۔

حکایت ابراہیم علیہ السلام

مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک پتھر ملا جس پر چار سطریں مکتوب تھیں۔
پہلی سطر کا مضمون تھا: انی انا اللہ لا الٰہ الا انا فاعبدنی۔

دوسری سطر پر لکھا تھا: انی انا اللہ لا الٰہ الا انا محمد رسولی طوبیٰ لمن آمن به واتبعه (میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں حضرت محمد میرے رسول ہیں جو ان پر ایمان لائے گا اور ان کی تابعداری کرے گا وہ مبارکباد کا مستحق ہوگا)

تیسری سطر پر مکتوب تھا: انی انا اللہ لا الٰہ الا انا من اعتصم بی نجا (میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں، جو میری رسی کو مضبوط پکڑے گا نجات پا جائے گا)

چوتھی سطر پر تھا: انی انا اللہ لا الٰہ الا انا الحرم لی والکعبة بیتی من دخل بیتی امن من عذابی (میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں، حرم میرا ہے اور کعبہ میرا گھر ہے۔ جو میرے گھر میں داخل ہو گیا وہ میرے عذاب سے محفوظ ہو گیا)

حدیث شریف

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!
اللہ تعالیٰ ایک حج سے تین شخصوں کو جنت میں داخل فرمائے گا:
۱۔ جسے حج کی وصیت کی گئی اور اس نے اسے پورا کیا۔
۲۔ اس وصیت کو پورا کرنے والا۔
۳۔ اس حج کو ادا کرنے والا۔

فقہی مسائل

(۱) اشتباہ میں ہے کہ کسی کو حج کا حکم ہو وہ آمر اگرچہ بیماری کی وجہ سے بھی اور کو دے تو وہ حج اس کی طرف سے ادا نہ ہو گا جب تک اسے اذن عام نہ کرے۔ مثلاً کہے

اصنع ماشئت (جو چاہو کرو)

تو اس مطلق اجازت کے بعد حج میں ہر طرح کے امور بھی کر سکتا ہے۔

(۲) مامور بالحج پر اگر اپنا حج بھی فرض ہے تو اسے چاہیے کہ آمر کے حج کی ادائیگی دوسرے سال ادا کرے۔ اس پر لازم ہے کہ پہلے اپنا حج ادا کرے لیکن اس تاخیر سے اس پر کوئی ضمانت وغیرہ نہیں۔ کذا فی التاتارخانیہ۔ اگرچہ اسے کہا ہو کہ میری طرف سے اسی سال حج کرنا اس لیے کہ اس کا اس طرح کہنا تاکید سے عجلت ادائیگی مطلوب ہے نہ یہ کہ خود اسی سال سے مقید کرتا ہے۔

(۳) جب کوئی کسی کو حج کا حکم کرے تو اسے چاہیے امر مفوض کرے مثلاً کہے کہ میرے اس مال سے جس طرح چاہو حج کرو تمہیں میری طرف سے اجازت ہے حج افراد کرو یا تمتع یا قران اور مجھے میرے مال سے دوسرے کو بھی وصیت

کے سفر کی اجازت سے ۔ یہ اذن عام اس لیے دیا جائے تاکہ اسے حرج واقع نہ ہو یعنی اگر وہ بیمار ہو جائے یا رہ جائے تو کسی اور سے حج پڑھ سکے اور ادائیگی میں جس طرح کی سہولت دیکھ پائے۔

(۴) حج عن الغیر کے مال سے جو کچھ بچ جائے اسے ضروری ہے کہ آمر یا اس کے ورثہ کو واپس کر دے۔

(۵) اگر کسی پر اپنا حج فرض ہے لیکن وہ دوسرے کی طرف سے حج پڑھے تو بھی جائز ہے ۔ لیکن افضل یہ ہے کہ ایسے آدمی کو حج پر بھیجا جائے جو اپنا حج فرض ادا کر چکا ہو (کذا فی الفتاوی الخیریہ)

(۶) دوسرے کی طرف سے حج پڑھنے سے اس کی فرضیت ساقط نہیں ہوگی یعنی اسے اپنا حج فرض ادا کرنا ہوگا (کذا فی حواشی اخی چلپی)

(۷) اگر کسی عورت یا لونڈی کو اس کے شوہر اور مولیٰ کی اجازت سے حج پڑھائے تو بھی جائز ہے لیکن گنہگار ہوگا۔

(۸) کسی نے عجز کی صورت میں دوسرے کو حج کرایا لیکن اب اس کا عجز زائل ہو گیا تو وہ حج نفل ہوگا اور ادائیگی فرض کے لیے دوسرا حج پڑھنا ضروری ہے (کذا فی الحاشی)

(۹) امام یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر عجز کا ازالہ ادائیگی حج کے بعد ہو تو حج ہو گیا اگر پہلے ہوا تو اسے دوسرا حج فرض پڑھنا لازمی ہے (کذا فی المحیط)

(۱۰) حج نفل بلا شرائط جائز ہے لیکن اس کا جملہ ثواب (باتفاق) آمر کو ملے گا۔

(۱۱) مامور کو چاہیے کہ نفل کا ثواب آمر کے لیے کر دے اور یہ اہلسنت کے نزدیک ہے کہ ایک کا ثواب دوسرے کو ملے خواہ وہ نماز ہو یا روزہ یا صدقہ وغیرہ (کذا فی الہدایہ)

(۱۲) اگر حج پڑھنے والا مامور راستے میں فوت ہو جائے تو آمر کی طرف سے کسی دوسرے کو حج پڑھانا واجب ہے اس کے خرچ کا آغاز وصیت کرنے والے یا اس کے وارث کے گھر سے ہوگا جب وطن کا ایک گھر ہو اور وہ مال بھی اس کی ادائیگی کے لیے پورا ہو سکے۔

ف: یہ اس وقت ہے جب طے ہو جائے کہ عزم کو وصیت متعلق کرتی ہے یا نہیں۔

(۱۳) جب مکان وطن کا اتحاد نہ ہو تو آمر کے ہاں (وطن) سے حج پڑھایا جائے (کذا فی المحیط)۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا

اور ہر امت کے لیے ہم نے ایک قربانی مقرر فرمائی کہ اللہ کا نام لیں اس کے دیے ہوئے

رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا ؕ وَبَشِّرِ

بے زبان چوپایوں پر تو تمہارا معبود ایک معبود ہے تو اسی کے حضور گردن رکھو اور اے محبوب خوشی سنادو ان

الْمُخْبِتِيْنَ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَاۤ

تواضع والوں کو کہ جب اللہ کا ذکر ہوتا ہے ان کے دل ڈرنے لگتے ہیں اور جو افتاد پڑے

اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِى الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا

اس کے سہنے والے اور نماز برپا رکھنے والے اور ہمارے دیے سے خرچ کرتے ہیں اور قربانی کے ڈیل دار جانور اونٹ اور گائے

لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا

ہم نے تمہارے لیے اللہ کی نشانیوں سے کیے تمہارے لیے ان میں بھلائی ہے تو ان پر اللہ کا نام لو ایک پاؤں بندھے تین پاؤں سے کھڑے پھر جب

وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ

ان کی کروٹیں گر جائیں تو ان میں سے خود کھاؤ اور صبر سے بیٹھنے والے اور بھیک مانگنے والے کو کھلاؤ ہم نے یونہی ان کو تمہارے بس میں دے دیا

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۳۶﴾ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى

کہ تم احسان مانو اللہ کو ہرگز نہ ان کے گوشت پہنچتے ہیں نہ ان کے خون ہاں تمہاری پرہیزگاری اس تک باریاب ہوتی ہے

مِنْكُمْ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰٮكُمْ ؕ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۷﴾

یونہی ان کو تمہارے بس میں کردیا کہ تم اللہ کی بڑائی بولو اس پر کہ تم کو ہدایت فرمائی اور اے محبوب خوشخبری سناؤ نیکی والوں کو

اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۸﴾

بیشک اللہ بلائیں ٹالتا ہے مسلمانوں کی بیشک اللہ دوست نہیں رکھتا ہر بڑے دغاباز ناشکرے کو

تفسیر عالمانہ

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ تمام امتوں کے لیے۔ یہ لام نفع کے لیے ہے یا [illegible] سے ہے [illegible] تقدیم تخصیص کے لیے ہے **جَعَلْنَا مَنْسَكًا** ہم نے بنا دی عبادت گاہ اور قرب حق کے سبب [illegible] اور اس کے ذریعے قرب الٰہی حاصل کرتے ہیں۔ یہاں پر منسک سے مراد قربانی ہے [illegible] یعنی ہم نے ہر امت و مذہب کے لیے مشروع کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے قربانی کریں۔

حل لغات ۔ الاعرب ۔ نسک ینسک نسکاً و نسوکاً و منسکاً بمعنی ذبح ۔ اسی وقت بولتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی جانور قربان کیا جائے۔

لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ تاکہ صرف اللہ تعالیٰ کا نام یاد کریں اس کی یاد سے ہٹ کر غیر کی یاد میں مشغول نہ ہو جائیں اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں قربانی کریں اسے جعل کی علت بنایا گیا ہے تاکہ بندوں کو تنبیہ ہو کہ مناسک سے اصلی مقصود یاد الٰہی ہے۔ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ جو ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کریں کہ اس کریم نے انہیں چارپائے جانور عطا فرمائے ہیں۔ بهیمة کو انعام کی طرف مضاف کرنے میں بھی تنبیہ ہے کہ قربانی صرف انعام سے واجب ہوتی ہے اور البہائم الانعام سے نہیں اور بہائم سے مراد گھوڑا، خچر، گدھا وغیرہ ہے انہیں قربانی کے لیے ذبح کرنا جائز نہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہر سالک کے لیے ہم نے طریقہ اور مقام مقرر اور قربت کا سبب بنایا ہے یعنی مختلف طبقات ان کے مراتب کی وجہ سے ہیں بعض ان میں وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو عبادات کے طریقہ سے اور بعض ان میں وہ ہیں جو اسے مجاہدات سے اور خود اسے اس کی ذات سے طلب کرتے ہیں وہ اپنے طریقۂ کار کے مطابق تمسک کر کے طلب الٰہی میں ذکر الٰہی میں مصروف ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں رزق عطا فرمایا یعنی قہر نفس اور اس کی صفات بہیمیہ و انعامیہ کے مٹانے کی توفیق بخشی وہ اپنے منازل و طبقات کو حاصل نہیں کر سکتے جب تک اپنے نفس پر قہر نہ کیا جائے اور اس کی صفات کو نہ توڑا جائے اسی لیے وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے قہر نفس سے جو ان کے مقامات و کمالات تک پہنچنے کی نعمت عطا فرمائی۔

تفسیر عالمانہ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ تا جعل مذکور کے ساتھ تو ما بعد کو ماقبل سے مرتب کرنے کے لیے ہے اور یہ خطاب تغلیباً تمام مخلوق کو ہے جواب معنی یہ ہوا کہ تمہارا صرف ایک معبود ہے کوئی اس کا شریک نہیں ذات میں نہ صفات میں ورنہ عالم کا انتظام درہم برہم ہو جائے گا۔ فَلَهٗ اَسْلِمُوْا جب یقینی ہو گیا کہ تم سب کا معبود ایک ہے تو تمہارے لیے لازم ہے کہ تقرب و ذکر کے لیے صرف اسی کو مخصوص کرو یعنی خالص اسی کی رضا میں ذکر کرو اور اس کے تقرب میں کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اسلام بمعنی اخلاص ہے اور اعمال کو آفات سے اور اخلاق کو کدورات سے اور احوال کو التفات سے اور انفاس کو اغیار سے صاف رکھنے کا نام اخلاص ہے۔

تفسیر عالمانہ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ اور خاشعین یا مطمئنین کو خوشخبری سنا دو۔ یہ الخبت سے مشتق ہے۔ نیچی والی زمین کو کہا جاتا ہے۔ اور المخبت ہر وہ شخص جو نیچے والی زمین میں ہو۔ چونکہ اخبات تواضع کے لوازمات سے ہے اس لیے اسے المخبت کہا گیا۔

ف : کاشفی نے اس کا معنی لکھا ہے کہ اسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم! متقیوں اور عجز و نیاز کرنے والوں کو خیر و فضیلت کی خوشخبری سنا دیجیے۔

ف : بعض نے فرمایا کہ مشتاقین غمزدہ کو دیدار الٰہی کی سعادت کی خوشخبری سنا دیجیے۔ اگرچہ دیدار کا لفظ عبارت میں نہیں لیکن مخبتین کی صفت باقی ہے کہ اس سے وہی مشتاقان غمزدہ حضرات مراد ہیں۔

الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وہ لوگ جن کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں۔ الوجل خوف کو کہتے ہیں (کذا فی المفردات) یعنی ان کے دل اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اس لیے کہ ان کے دلوں پر ذات باری تعالیٰ کے جلال کی شعاع اور اس کی عظمت کے انوار طلوع ہوتے ہیں۔ اور ذکر کے وقت خصوصیت اس لیے ہے کہ تجلی حق کا ورود اس وقت ہوتا ہے ؎

ہر کرا نور تجلی شد فزوں
خشیت و خوفش بود از حد بروں

ترجمہ : جس پر نور تجلی زیادہ پڑتی ہے اسی کو خوف و خشیت بہت زیادہ نصیب ہوتی ہے۔

وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ اور مصائب و تکالیف پر صبر کرنے والوں کو۔ تحریر اعلم میں ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے اپنے وطنوں اور رشتہ داروں کی جدائی سے مصیبتوں اور دکھوں کو سر پر اٹھا کر اور جان و مال وغیرہ کے کاٹ سے گوشت پھر اور اللہ تعالیٰ کی فتح و نصرت اور اس کی طاعت اور ازدیاد خیر میں مشقتوں اور مشقتوں کا بوجھ اٹھا کر صبر کیا۔

حل لغات : الصبر بمعنی الحبس۔ مثلاً کہا جاتا ہے : صبرت نفسی علی کذا یعنی میں نے نفس کو فلاں فلاں تکلیف میں قید رکھا۔

تفسیر صوفیانہ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَا اَصَابَهُمْ یعنی وہ حکم الٰہی کے سامنے سر جھکاتے ہیں نہ انہیں اس سے کراہت ہوتی ہے نہ وہ اس سے چھٹکارے کی تمنا کرتے ہیں بلکہ آزمائش و رضا اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ حضرت حافظ نے فرمایا :

؎

اگر بلطف بخوانی مزید الطاف است
وگر بقہر برانی درون ما صاف است

ترجمہ: لطف سے ہو تو بڑی مہربانی۔ اگر قہر سے چاہو تو بھی ہمارا دل صاف ہے۔

پھر فرمایا: ؎

بدرد و صاف ترا حکم نیست خوش درکش
کہ ہر چہ ساقی ما کرد عین الطاف است

ترجمہ: تجھے گدلا و صاف مئے کا کوئی حق نہیں ساقی کے ہاتھ سے جو ملے عین لطف ہے۔

پھر فرمایا: ؎

عاشقان را گر در آتش می پسندد لطف دوست
تنگ چشمم گر نظر در چشمۂ کوثر کنم

ترجمہ: عشاق کو اگر محبوب آگ میں ڈال دے۔ اگرچہ وہ ایسا لطف سے کرتا ہے تو چشمہ کوثر بھی ہیچ ہے

پھر فرمایا: ؎

آشنایان رہ عشق گرم خون بخورند
ناکسم گر بشکایت سوئے بیگانہ روم

ترجمہ: اگر محبوب مجھ سے خون مانگے تو میری نالائقی ہے کہ میں غیر سے شکایت کروں۔

پھر فرمایا: ؎

حافظ از جور تو حاشا کہ بنالد روزے
کہ از آں روز کہ در بند توام دلشادم

ترجمہ: اے حافظ! اگر محبوب تجھ سے جور کا طالب ہے تو تو خوش ہو جا جس دن سے تیرا عاشق ہوں دل شاد ہوں۔

نیز اس سے وہ لوگ بھی مراد ہو سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے اسرار کو چھپاتے ہیں اور گو وہ سر پر آفات کے باوجود اپنے احوال کی تسلی مخلوق سے نہیں چاہتے۔

تفسیر عالمانہ وَالْمُقِيمِي الصَّلٰوةِ: یہ در اصل والمقیمین تھا اور یہ اضافت لفظیہ ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ وہ لوگ نماز کو اپنے اوقات میں ادا کرتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تعلیمات تجلی میں سے ہے کہ وہ لوگ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ راز و نیاز میں مشغول رہتے ہیں۔ جیسے قول ہو الذین هم علی صلاتهم دائمون۔ اور شعر کہا: ؎

اذا ما تمنی الناس روحا وراحة
تمنیت ان اشکو الیک وتسمع

ترجمہ: جب لوگ راحت و فرحت کی آرزو کرتے ہیں تو میں آرزو کرتا ہوں کہ میں تیرے حضور میں شکایۃً حال سناؤں اور تُو اسے غور سے سنے۔

تفسیر عالمانہ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا اس میں سے وہ بھلائی کے کاموں میں خرچ کرتے ہیں۔ مفعول کو مقدم کرنے میں اشارہ ہے کہ یہ معاملہ اہمیت کا حامل ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ اپنے بعض حلال مال کو خصوصیت سے اللہ تعالیٰ کے لیے خرچ کرنے کے لیے مخصوص کر لیتے ہیں۔ اس سے زکوٰۃ مراد ہے کیونکہ فرض نماز کے بعد ذکر ہوئی ہے یا مطلق نفل صدقات مراد ہیں۔ اس لیے کہ یہ مطلق بلا قید ذکر ہوا ہے۔ اور قاعدہ ہے جب امر بلا قید ذکر کیا جائے تو اس سے نفل صدقات مراد ہوتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ میری اُمت کے ابدال نماز، روزہ وغیرہ کے سبب ہی بہشت میں داخل نہیں ہوں گے بلکہ ان کا بہشت میں داخلہ ان کے نفس کی سخاوت اور اہلِ اسلام کی خیر خواہی کی وجہ سے ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ معلوم ہونا چاہیے کہ مالک کی خدمت و عبادت میں مال اور وجود کو خرچ کرنا دنیا و عقبیٰ کی سعادت کا موجب ہے۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی صناعی کو ظاہر فرما کر اپنی مخلوق کو دکھائی تو ہر ایک نے اپنی مرضی کی صنعت کو اختیار کیا لیکن اس کے بعض ایسے بندے بھی تھے جنہوں نے کہا ہمیں تو اس سے کوئی شے پسند نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں عبادت و طاعت اور مقامات اولیاء دکھائے تو انہوں نے عرض کی ہمیں تو تیری عبادت پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم نے اگر میری عبادت کو پسند فرمایا ہے تو میں بھی وعدہ کرتا ہوں کہ اپنے بندوں کو تمہارے تابع کر دوں گا اور دنیا میں وہ سب تمہارے خادم ہوں گے اور قیامت میں تمہارے خادم اور تمہارے پہچاننے والوں کی شفاعت بھی قبول کروں گا۔ اس سے وہ لوگ غور فرمائیں جنہیں اولیاء اللہ کے ساتھ نسبت جوڑنے سے دوری ضد ہے بلکہ اس نسبت کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔ اھ

حکایت حضرت شیخ ابو الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے ایک پہاڑ میں مقیم ولی اللہ کی تعریف سنی تو اس کی زیارت کے لیے وہاں پہنچا۔ اس کے ہاں شب باشی کی۔ رات کو میں نے سنا کہ وہ بارگاہِ حق میں عرض کر رہے تھے کہ اے اللہ تعالیٰ! تیرے بعض بندوں نے تجھ سے تسخیر خلائق مانگی تو تُو نے ان کی مراد پوری فرمائی اور میں تجھ سے صرف یہ مانگتا ہوں کہ تُو اپنی مخلوق کو مجھ سے منحرف کر تاکہ میں ہر وقت تجھے یاد کرتا رہوں۔ جب صبح ہوئی تو میں نے ان سے عرض کیا کہ لوگ تسخیر خلائق چاہتے ہیں اور آپ ان سے نفرت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: بیٹا! تم سَخِّرْ لِیْ (میرے تابع کر دے) مخلوق کی بجائے یہ دعا مانگا کرو: اَللّٰھُمَّ کُنْ لِیْ (اے اللہ! صرف تُو ہی میرا ہو جا)، اس لیے کہ جب تیرا رب تیرا ہو گیا تو پھر تجھے اور کیا چاہیے، پھر تجھے کسی شے کی ضرورت نہ رہے گی۔

سبق: انسان پر لازم ہے کہ طریق طلب میں جدوجہد کرے اور حصول مطلب میں کوشش جاری رکھے۔
مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا؎

بے طلب نتواں وصالت یافت آرے کے دہد
دولت حج دست جز راہ بیاباں بردہ را

ترجمہ: طلب کے بغیر وصال یار کہاں! دولت حج بھی نصیب نہیں ہوتی جب تک دور دراز کا سفر نہ طے کیا جائے۔

تفسیر عالمانہ وَالْبُدْنَ منصوب ہے فعل مضمر سے، جس کی تفسیر اس کا مابعد کرتا ہے۔ جیسے والقمر قدرنٰہ میں القمر منصوب ہے فعل مضمر سے۔ البُدْنَ، البدنۃ کی جمع ہے۔ یہ اس اونٹ اور گائے کو کہا جاتا ہے جنہیں ہدایا و ضحایا میں قربان کیا جاتا ہے اور انہیں اس نام سے ان کے بدن کی عظمت کی وجہ سے موسوم کیا جاتا ہے۔

بحر العلوم میں ہے کہ البدنۃ لغت میں صرف اونٹ کو کہا جاتا ہے اور اس کا اطلاق نر و مادہ دونوں پر ہوتا ہے اور شریعت میں اونٹ اور گائے دونوں کو البدنۃ کہتے ہیں ان کے بدن کی عظمت کی وجہ سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے گائے کو اونٹ کے حکم میں لاحق فرمایا بایں طور کہ جیسے اونٹ کی قربانی میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں ایسے گائے میں بھی۔

القاموس میں ہے کہ البدنۃ (ذکر) اس اونٹ یا گائے کو اور الاضحیۃ اس بکری یا بھیڑ وغیرہ کو کہا جاتا ہے جو حج کے موقع پر مکہ معظمہ میں قربانی کے لیے بھیجا جائے وہ نر ہو یا مادہ۔

اسی لیے کاشفی نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ وہ اونٹ اور گائے جو قربانی کے لیے مکہ معظمہ کو بھیجے جائیں۔ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے دین کے علامات سے ہم نے انہیں تمہارے لیے مشروع فرمایا۔ من شعائر اللہ جعلنٰھا لکم کا دوسرا مفعول ہے اور لکم ظرف لغو اور جعلنا کے متعلق ہے اور شعائر کو اللہ کی طرف مضاف کرنے میں اس کی تعظیم مطلوب ہے کیونکہ عظیم الشان کی طرف کسی شے کو مضاف کرنے سے مضاف کی عظمت میں اضافہ ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے: بیت اللہ، ناقۃ اللہ، روح اللہ ایسے ہی نور اللہ[1] اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے قربانیوں کو ذبح کرنے کو اللہ تعالیٰ کے دین کی نشانیوں سے بنایا ہے۔ لَكُمْ فِيْهَا تمہارے لیے ان قربانیوں میں خَيْرٌ بھلائی ہے جیسے دنیا میں بہت بڑے منافع ہیں اور آخرت میں بھی بہت بڑا اجر نصیب ہوگا۔

فائدہ صوفیانہ اس میں کعبۂ قلب کے سامنے نفس کے جانور کو ذبح کرنے کی طرف اشارہ ہے اور یہ دین کی علامات اور سالکین کی نشانیوں میں سے ہے اور نفس کو صدق کی چھری سے ذبح کرنے والا اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں

---

[1] سیدنا محمد نور اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نور بھی ایسے ہی ہے جو لوگ ایسی اضافت کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں وہ اپنے نظریہ پر نظر ثانی کریں۔ اویسی غفرلہ

قربانی کرنے میں بھلائی ہے ۔

ظاہرش مرگ و باطن زندگی
ظاہرش ابتر نہان پایندگی

ترجمہ: ظاہراً اسے موت دی جاتی ہے لیکن باطن کی زندگی نصیب ہوتی ہے بظاہر اسے ذلیل و خوار کیا جاتا ہے تو باطن میں اسے دوام حاصل ہوتا ہے ۔

فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا اور ان کے ذبح کے وقت اللہ کو یاد کرو۔ مثلاً کہو اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللھم منک والیک یعنی اے اللہ! یہ تیری عطا تھی اور تیرے قرب کے حصول کے لیے ہم اسے ذبح کر رہے ہیں **صَوَآفَّ** یہ صافۃ کی جمع ہے یعنی قائمات یہ اس لیے کہ اونٹ کا قیام اس کے ہاتھوں اور پاؤں کی صف بندی کو مستلزم ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ وہ اونٹ بائیں ہاتھ سے بندھے ہوئے ہو کر ہاتھوں اور پیروں سے صف باندھ کر کھڑے ہو گئے ہیں۔

مسئلہ: آیت سے معلوم ہوا کہ اونٹ کو کھڑا کر کے نحر کیا جائے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ صواف اونٹوں کی اس کیفیت کو کہتے ہیں جب وہ پاؤں پر کھڑے ہوں۔ اونٹ کو کھڑا کر کے ذبح کرنا سنت ہے۔

فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا یہ وجب الحائط و یجب وجبۃ سے مشتق ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب دیوار گر پڑے۔

التہذیب میں ہے کہ الوجبۃ یعنی ارکانا وغیرہ۔ اب معنی یہ ہوا کہ جب وہ اونٹ زمین پر گر پڑیں۔ اس سے ان کی موت مراد ہے۔

حضرت کاشفی نے لکھا کہ جب ذبح کردہ جانوروں کے پہلو زمین پر گریں اور ان کی روح نکل جائے۔

فَكُلُوْا مِنْهَا تو تم ان کا گوشت کھاؤ بشرطیکہ وہ جنایت کا اور نذر کی دم نہ ہو جیسا کہ گزرا ہے اور یہ امر اباحت کا ہے **وَاَطْعِمُوا** یہ امر وجوب کا ہے یعنی اور ان کا گوشت کھلاؤ **الْقَانِعَ** قناعت پذیر فقیر کو۔ اسے قانع اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کے پاس جو کچھ ہوتا ہے مانگے بغیر جو کچھ دیا جائے اس سے وہ راضی ہوتا ہے **وَالْمُعْتَرَّ** یہ الاعتراء سے مشتق ہے یعنی سوال کے درپے ہونا۔

قاموس میں ہے کہ المعتر یعنی وہ فقیر جو بھلائی کے درپے ہو۔ اہل عرب کہتے ہیں:

اعترہ وعروت بک حاجتی۔ وہ اس کے درپے ہوا اور میں نے اپنی حاجت کو تیرے پیچھے لگایا۔

اور العر وہ خارش جو اونٹ کو عارض ہو۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ زاد المسیر میں ہے کہ قانع گوشہ میں بیٹھنے والے کو اور معتر باہر سے آنے والے

پڑ جاتے ہیں۔ كَذٰلِكَ اسی عجیب تسخیر کے جو صواف سے معلوم ہوتی ہے سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ انہیں ہم نے تمہارے منافع کے لیے مسخر (زیر) کر دیا ہے۔ تسخیر بمعنی تابع کرنا۔ حق یہ ہے کہ یہ جانور تم سے بڑے اور بہت بڑی طاقت و قوت والے ہیں لیکن تمہارے تابع فرمان ہیں تمہارے حکم سے سر تابی نہیں کرتے جیسا تم انہیں چاہتے ہو تمہارے سامنے سر جھکا دیتے ہیں اور تم انہیں رسیوں سے باندھ دیتے ہو اور تم آنکھوں سے دیکھتے ہو کہ وہ صف آرا ہو کر تمہارے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں اور تم ان کی گردنوں اور سینوں میں چھرے گھونپ دیتے ہو تو وہ تمہیں کچھ نہیں کہتے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی تسخیر نہ ہوتی تو تمہارے قابو میں نہ آتے اور تم ان سے چھوٹے پرندوں سے عاجز رہ جاتے جو کہ ان سے جسم اور قوت والے ہیں لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ تاکہ تم توحید و اخلاص کر کے ہمارے انعام کا شکر ادا کرو۔ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ (شانِ نزول) اہلِ جاہلیت کی عادت تھی کہ وہ قربانی کے جانوروں کے خون سے کعبہ معظمہ کو لت پت کرتے اور گوشت کے ٹکڑے بنا کر کعبہ شریف کے اردگرد رکھ دیتے ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اس طرح سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس سے روکا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہرگز نہیں پہنچتے ہاں اس کے ہاں اس کی رضا پہنچتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو قبول نہیں لُحُوْمُهَا جانوروں کے گوشت کھائے ہوئے یا صدقہ دیئے ہوئے وَلَا دِمَآؤُهَا اور نہ ذبح کے وقت خون بہائے ہوئے باین حیثیت کہ وہ گوشت اور خون ہیں وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ لیکن اس کے ہاں تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ اس سے بندوں کا فرمانبرداری کا قصد اور اس کی رضا جوئی مراد ہے۔ اس سے وہم اور شبہ خارج ہو گیا۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ کوئی عمل نیت و اخلاص کے بغیر قبول نہیں ہوتا۔

آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ عمل کی قبولیت میں نفس تمہاری پرہیزگاری پہنچتی ہے وہ اس طرح کہ امر خداوندی کی تعظیم اور اس کی قربانی کے ساتھ تقرب ہو۔ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ یہ تکرار تذکیر کے لیے ہے اور لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ کی تعلیل ہے یعنی اسی طرح ان چیزوں کو تمہارے لیے اس لیے تابع کیا ہے تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت کو پہچانو اور بجا لاؤ کہ اس نے تمہیں کیسی قدرت بخشی ہے۔ اس کی کبریائی کا اظہار کرو عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ علیٰ تکبروا کے متعلق ہے اس بنا پر کہ یہ متضمن ہو شکر کے معنی ہے یعنی علی ہدایتہ ایاکم یہ ما مصدریہ ہے یعنی علی ما ہداکم الیہ و ارشدکم یعنی ہدایت کا مطلب یہی ہے کہ اس نے تمہیں جانوروں کو قابو میں رکھنے اور ان کے ذبیحہ سے قرب الٰہی کے حصول کا طریقہ بتایا وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ اور محسنین یعنی وہ لوگ جو امر کی ادائیگی اور نواہی سے اجتناب میں مخلص ہیں انہیں بہشت یا قبول طاعات کی خوشخبری سنا دیجئے۔

ف : امام قشیری نے فرمایا کہ یہ ان لوگوں کو خوشخبری ہے جو گویا اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر عبادت کرتے ہیں اور اس کی رضا اور فضل کے طالب رہتے ہیں انہیں اوامر کی پابندی اور نواہی سے بچنے پر یہی بات اچھی لگتی ہے اور ان کی علامت یہ ہے کہ وہ اوامر کی ادائیگی اور برائی سے بچنے سے دل پر بوجھ محسوس نہیں کرتا۔

ف ۔ آیت میں بھی اعمال صالحہ میں احسان کے معنی پر مضبوطی کرنے کی ترغیب و تحریص کا بیان ہے۔

سبق
جو شخص رب تعالیٰ کے قرب کے ذوق نہیں اسی قلب جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف راغب نہیں اس کے تدارک کے لیے انسان کو محنت لازم ہے اگر مال دار ہے تو اسے مال کو راہِ حق میں لٹانا ضروری ہے اگر مال نہیں رکھتا تو نفس اور بدن کو۔ بلکہ انسان پر لازم ہے کہ مال و جان دونوں کو ایک وقت راہِ خدا میں خرچ کر دے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا کہ مال مہمان نوازی میں اور جان نمرود کی آگ میں اور حضرت اسمٰعیل کو قربانی کے لیے اور قلب کو رب رحمٰن کے حضور پیش کر دیا۔ آپ کی ایسی قربانیوں کو دیکھ کر ملائکہ حیران و ششدر رہ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ایسی سخاوت کے صلہ میں انہیں خلت کا تاج پہنایا۔

حکایت
حجاج بن یوسف (ظالم) کو ابو الہولم نے کہا کہ عید قربان میں چند مناسک ضروری ہیں۔
(۱) حق سے مسجد حرام اور عید گاہ کی طرف جانا۔
(۲) قرآن اور نماز عید پڑھنا۔ حدیث شریف میں ہے کہ بیت اللہ کا طواف بھی نماز ہے۔
(۳) سنتوں پر عمل کرنا مثلاً سر منڈانا، ناخن کترانا، جو بدعات کا ازالہ کرنا اور ہر سنت کو قائم کرنا۔
(۴) اسی دن جانور قربان کرنا و دیگر عبادات۔ لیکن بہترین قربانی اپنے آپ کو راہِ حق میں قربان کر دینا اور کعبۂ قلب کو تجلیاتِ رب کے لیے پاک و صاف کرنا اور نفس کو مجاہدہ اور فنا فی اللہ کی چھری سے ذبح کرنا۔

حکایت
حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں مکہ مکرمہ کی طرف جا رہا تھا راستہ میں دیکھا کہ ایک نوجوان رات کے اندھیرے میں آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہہ رہا ہے اے وہ ذات جو طاعات سے خوش ہوتی ہے اور اسے معاصی و جرائم سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ مجھے ان اعمال کی توفیق بخش جو تجھے راضی کریں۔ میرے معاصی و جرائم بخش دے۔ جب لوگوں نے احرام باندھا اور لبیک پکارا تو میں نے اسے کہا کہ اے بھائی! تم لبیک کیوں نہیں پکارتے۔ تو انہوں نے کہا اے شیخ! مجھے اپنے گناہوں سے خطرہ ہے وہ میرے لبیک ایک پکار سے معاف نہیں ہوں گے۔ البتہ یہ خوف ہے کہ اگر میں لبیک کہوں اور جواب میں فرمائے لا لبیک ولا سعدیک، اور فرمائے کہ میں تیرا کلام نہیں سنتا اور نہ ہی میں تجھے دیکھتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ چل دیا اور کئی روز بعد نظر آیا۔ ایک دن میں نے دیکھا کہ وہ منیٰ میں کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے اے اللہ! مجھے بخش دے، اور لوگ قربانیاں کر کے تیرا قرب حاصل کر رہے ہیں میرے پاس کیا ہے جو تیری راہ میں قربان کروں، ہاں یہی جان ہے جو تیرے نام پر قربان ہے اسے قبول فرما لے۔ یہ کہہ کر ایک چیخ ماری بیہوش ہو کر گرا اور گرتے ہی دم توڑ گیا۔

۱ جاں کہ نہ شد قربانِ جاناں بود
چیزے کز بہتر از آں جاں بود

۲ ہر کہ نشد کشتۂ بشمشیرِ دوست
لاشۂ مردار بہ از جانِ اوست

ترجمہ: ۱- وہ جان جو محبوب کے نام پر قربان ہو ایسی جان سے مر جانا اچھا۔

۲- جو دوست کی تلوار سے ذبح نہ ہوا اس سے بیکار مردار بہتر ہے۔

اور مثنوی میں ہے: ؎

۱ معنی تکبیر اینست اے امیم
کاے خدا پیش تو ما قربان شدیم

۲ وقت ذبح اللہ اکبر میکنی
ہمچناں در ذبح نفس کشتنی

۳ تن چو اسماعیل و جان شد چون خلیل
کرد جان تکبیر بر جسم نبیل

۴ گشت کشتہ تن ز شہوتہا و آز
شد بہ بسم اللہ بسمل در نماز

ترجمہ: ۱- اے دوست! تکبیر کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ! ہم تیرے سامنے قربان۔

۲- ذبح کے وقت اللہ اکبر کہتا ہے ایسے ہی نفس کو ذبح کرتے وقت بھی اللہ اکبر کہہ۔

۳- جسم اسماعیل جیسا اور روح خلیل جیسی ہو جب کہ جان پر تکبیر اور جسم پر چھری چلائی۔

۴- نفس کو تمام خواہشات اور حرص سے ذبح کر دے۔ بسم اللہ کہتے ہی نماز میں قربان ہو جا۔

اِنَّ اللّٰہَ یُدٰفِعُ عَنِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (قاعدہ) الدفع بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا دفع اگر الی سے متعدی ہو تو وہ ادائگی کا معنی دیتا ہے۔ جیسے قولہ تعالیٰ:

فادفعوا الیہم اموالہم۔ یعنی ان کے مال انہیں پہنچا دو۔

اگر عن سے متعدی ہو تو حمایت کا معنی دیتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ:

ان اللہ یدافع عن الذین آمنوا۔ یعنی اللہ تعالیٰ مشرکین کے غیظ کو اہل ایمان سے خوب دفع فرماتا اور ان کی بہت زیادہ مدد کرتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ خَوَّانٍ کَفُوْرٍ خوان سے وہ خیانت کرنے والا مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی امانت امام ہوں یا ان کے دیگر امانات میں خیانت کرتا ہے۔ کفور یہ اس سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے والا مراد ہے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ایسے بڑے انسانوں کے افعال و اعمال سے ہرگز راضی نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کی اعانت فرماتا ہے۔

ف: مصنف ان کا لفظ نعمتوں کے انکار اور ان کی ناشکری میں خصوصاً اور مطلق دین کے انکار میں عام مستعمل ہے۔

مغفور دونوں میں استعمال ہوتا ہے اور مبالغہ کا صیغہ ان کے ہر افعال کے اظہار کے لئے ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ان کے بعض بہت زیادہ خیانتی اور منکر نعمت ہیں اور بعض ان سے کم۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ محبت کی نفی سے بغض کا اثبات ہوتا ہے اور بغض یعنی نفس کا ایسی شے سے نفرت کرنا جس کے بجا لانے کو اس میں کسی قسم کی رغبت نہ ہو۔ یعنی محبت کی نقیض ایسی کہ محبت یعنی نفس کا کسی ایسی شے کی طرف کھنچنا جس میں بجا لانے کو رغبت ہو۔

(حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا)

حدیث شریف بے شک اللہ تعالیٰ حد سے زائد فحش میں مبتلا ہونے والے سے بغض رکھتا ہے۔

ف : اللہ تعالیٰ کے بغض کا معنی یہ ہے کہ وہ مبغوض کو اپنے فضل و احسان سے دور رکھتا ہے۔

ف : آیت میں تنبیہ ہے کہ انسان خیانت و کفران کے ارتکاب سے اس حد تک پہنچتا ہے کہ اسے توبہ کا موقع نہیں ملتا اس لئے کہ وہ اپنے اس برے عمل میں انتہائی سرکشی میں ہوتا ہے جب وہ توبہ نہیں کرتا تو وہ اللہ تعالیٰ کی محبت سے محروم ہو جاتا ہے جبکہ اس نے محبت والوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ انہیں اپنے فضل و کرم اور لطف و احسان سے نوازے گا اور اللہ تعالیٰ کی بندے سے محبت کا یہی مطلب ہے کہ وہ اپنے محبوب بندے کو اپنے لطف و کرم اور احسان و انعام سے نوازتا ہے اور بندے کی اللہ سے محبت کا یہ معنی ہے کہ وہ اس کے قرب کا طالب رہتا ہے۔

ف : خیانت و منافقت ایک شے ہے کیونکہ خیانت بندے کی بدعہدی اور منافقت دینی خامی کی وجہ سے ہے کبھی دونوں یکجا بھی ہو جاتی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ خیانت پوشیدہ طور پر بدعہدی کرنا اور اس کی نقیض امانت آتی ہے۔ اور کفر بھی خیانت میں داخل ہے کیونکہ کافر نے کفر کے ہتھیار کو اٹھا کر اس نے نفس (جو اللہ تعالیٰ کی امانت ہے) کو تباہی سے بچانا تھا اور یہ تقریباً تمام اعضاء و جوارح میں جاری ہوگی۔ کما قال تعالیٰ:

(ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئک عنہ مسئولا۔

ایسے ہی نماز اور روزہ و دیگر اعمال صالحہ ہیں۔ مثلاً سرے سے انہیں ادا نہ کرنا یا ان کے شرائط میں سے کسی شرط ظاہری یا باطنی کو پورا نہ کرنا۔ مثلاً غالب ظن ہو کہ صبح صادق ہو گئی ہے تب بھی کھاتے جانا۔ ایسے ہی غروب شمس کا گمان غالب ہو تو روزہ افطار کرنا۔ اسی طرح سحری کھا کر سو جانا اور نماز صبح قضا کر دینا۔ یہ تمام صورتیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی خیانت اور ان کے کفران میں داخل ہیں اس لئے کہ مثلاً اس نے سحری تو کھائی اور وہ واقعی نعمت الٰہی تھی لیکن پھر فرض نماز ترک کر دی۔ اس کا یہ سودا کھانے کا اسی پہ ہے کہ اس نے سحری کھا کر سنت پر تو عمل کیا لیکن فرض الٰہی کو ترک کر دیا۔

حکایت ایک شخص کے نو درہم گم ہو گئے اس نے اعلان کیا کہ جو تلاش کر کے دے گا اسے دس درہم انعام دوں گا۔ کسی نے کہا کہ اتنا ایک درہم کا نقصان۔ اس نے جواب دیا کہ جو لذت گمشدہ مال کے حصول سے حاصل ہوگی وہ ایک درہم کے گھاٹے سے کئی گنا زیادہ ہوگی۔

سبق: بدبخت لوگ نیند سے لذت پاتے ہیں اسی لیے نیند کی لذت سے نمازیں ترک کر دیتے ہیں۔ بعض بدبخت تو کہہ دیتے ہیں کہ ہزار نمازیں نیند کی لذت پر قربان۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

مسئلہ: اشیاء کی بھرتی میں کمی بیشی کرنا بھی نقض عہد میں داخل ہے۔

حکایت: ایک شخص پر سکرات طاری تھی اور کہتا تھا ہائے آگ کے دو پہاڑ ہیں۔ اس کے متعلقین سے اس کا حال پوچھا، کہ تجارتی کاروبار میں دو قسم کے ترازو رکھتا ہے لینے کا اور دینے کا اور۔

مسئلہ: خیانت کے لیے حیلہ بنانا بھی خیانت ہے۔

حکایت: ایک شخص نے اصحاب میں جا کر کہا کہ ایک مرد مر گیا ہے اس کا ترکہ ایک ہزار دینار ہے اس نے اپنی وصیت میں لکھا ہے کہ اس ترکہ میں سے نصف حصہ میری لڑکی کو اور باقی مال بھی اسی کو دیا جائے۔ اس کے خلاف کرنے والے پر اللہ کی لعنت ہے[1]

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ کا کامل بندہ ہر حال میں خیانت کرنے والوں کی حمایت سے ضرور محفوظ ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں سے راضی نہیں۔ جب اللہ ان سے راضی ہی نہیں تو ان کی کیا مدد کرے گا! ایسا ہی جس سے وہ راضی ہے اس کے لیے اس کی مدد فرماتا ہے۔

دوسری تقریر: آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان سے نفس کی خیانت اور خواہشات دفع کرتا ہے۔ ایسی دلالت کا مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان سے خیانت اور کفران نعمت کا مادہ مٹا دیتا ہے اس لیے کہ ایسی صفات کے موصوف لوگوں سے اللہ تعالیٰ راضی ہی نہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ ان بندوں سے محبت و پیار کرتا ہے جو ایسی بری صفات سے جدا اور خالص دل ہیں۔

سبق: آیت میں تنبیہ ہے کہ نفس امارہ کی اصلاح کی جائے اور اسے صفات رذیلہ سے پاک و صاف کیا جائے۔

۱ وجود تو شہریست پر نیک و بد
تو سلطان و دستور دانا خرد
۲ ہمانا کہ دونان گردن فراز
دریں شہر کبرست و سودا و آز
۳ چو سلطان عنایت کند با بدان
کجا ماند آسائش بخردان

ترجمہ: تیرا وجود ایک شہر ہے اس میں نیک و بد ہیں تو خود بادشاہ ہے اور تیری عقل تیرا وزیر ہے۔ یقیناً اس شہر میں کبر اور حرص وغیرہ سرکش کمینے ہیں تو ان سے نرمی نہ کر کیونکہ جب بادشاہ فسادیوں سے نرمی کرے تو اہل خرد کو آسائش میسر نہیں ہوتی۔

---

[1] یہ وصیت بیچ ہے اگر لڑکی کے ساتھ کوئی اور بھی وارث ہو

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ﴿٣٩﴾

[illegible]

الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا

[illegible]

دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ

[illegible]

وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ۗ

[illegible]

إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٤٠﴾ الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ

[illegible]

وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ

[illegible]

الْأُمُورِ ﴿٤١﴾ وَإِن يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَثَمُودُ ﴿٤٢﴾

[illegible]

وَقَوْمُ إِبْرَاهِيمَ وَقَوْمُ لُوطٍ ﴿٤٣﴾ وَأَصْحَابُ مَدْيَنَ ۖ وَكُذِّبَ مُوسَىٰ

[illegible]

فَأَمْلَيْتُ لِلْكَافِرِينَ ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿٤٤﴾ فَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ

[illegible]

أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ

[illegible]

وَقَصْرٍ مَّشِيدٍ ﴿٤٥﴾ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ

[illegible]

بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا ۖ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى

[illegible]

الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ﴿٤٦﴾ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَن يُخْلِفَ

[illegible]

اللّٰهُ وَعْدَهٗ ؕ وَ اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۴۷﴾ وَ كَاَیِّنْ

کرے گا اور بیشک تمہارے رب کے یہاں ایک دن ایسا ہے جیسے تم لوگوں کی گنتی میں ہزار برس اور کتنی

مِّنْ قَرْیَةٍ اَمْلَیْتُ لَهَا وَ هِیَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ ﴿۴۸﴾

بستیاں کہ ہم نے ان کو ڈھیل دی اس حال پر کہ وہ ستمگار تھیں پھر میں نے انہیں پکڑا اور میری ہی طرف پلٹ کر آنا ہے

تفسیر عالمانہ

اُذِنَ الاذن بمعنی کسی شے کی اجازت کی خبر دینا اور بتانا کہ اس کے فعل میں وسعت کی رخصت ہے۔ اس کو ماذون فیہ (یعنی جس امر کی رخصت و اجازت ہے) محذوف ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جنگ کرنے کی رخصت دی ہے لِلَّذِیْنَ ان اہل ایمان کو یُقٰتَلُوْنَ جن سے کفار جنگ کرتے ہیں بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا اس لیے کہ وہ مظلوم ہیں اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد ہیں کیونکہ مشرکین انہیں ایذا دیتے وہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ان میں بعض کو پیٹا گیا ہوتا بعض زخمی ہوتے آپ سے عرض کرتے کہ اجازت بخشئے تاکہ ہم ان سے نپٹ لیں آپ انہیں فرماتے صبر کرو اس لیے کہ میں ان سے ابھی جنگ کرنے پر مامور نہیں ہوا جونہی مدینہ طیبہ کو ہجرت کی تو کفار سے جنگ کرنے کے لیے سب سے پہلے یہی آیت نازل ہوئی حالانکہ اس سے پہلے جنگ سے ممانعت کی گئی تھی۔ ستر سے زیادہ آیات قتال میں سے ایک یہی ہے وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر قادر ہے۔ پہلے اہل ایمان سے وعدہ فرمایا کہ وہ کفار کی ایذا کو دور کرے گا اور انہیں ان کے ظلم و ستم سے نجات بخشے گا اب یہ وعدہ فرمایا کہ اہل اسلام کو فتح و نصرت عطا فرمائے گا اور انہیں کفار پر غلبہ دے گا۔

ف امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قدرۃ جب انسان کی صفت بنایا جائے تو اس کا معنی ہوتا ہے وہ ہیئت جس سے اسے کسی شے کے عمل میں امکان حاصل ہو۔ اور جب اسے اللہ تعالیٰ کی صفت بنایا جائے تو اس سے عجز کی نفی مطلوب ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو قدرت مطلقہ سے موصوف کرنا محال ہے اگرچہ غیر اللہ کو اس سے موصوف کیا جاتا ہے تو جائز ہے بلکہ غیر اللہ پر قدرت کا اطلاق کیا جائے تو بہتر ہے اسے کسی قید سے مقید کرکے کہا جائے قادر علی کذا۔ اور مطلقاً قادر کہا جائے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہو اس لیے کہ مطلق قدرت کا مالک اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی نہ کسی وجہ سے عجز کا شکار ضرور ہوتا ہے جیسے کسے قادر من وجہ کہا جائے گا ایسے ہی اسے عاجز من وجہ بھی ماننا پڑے گا۔ اور اللہ تعالیٰ وہ ہے کہ اسے من کل الوجوہ عجز سے منزہ و مقدس ماننا لازمی ہے۔ قدیر کا معنی یہ ہوا کہ وہ اپنی حکمت کے مقتضیٰ پر جیسا چاہے کرسکتا ہے۔ اس کی حکمت کے عین مطابق ہوگا نہ اس سے زائد ہوگا نہ کم۔ اسی معنی پر اسے غیر اللہ کے لیے استعمال نہیں کیا جاتا ہے تعالیٰ اللہ [illegible]

ترجمہ: وہ چند دلالت واللہ تعالیٰ کیسے علیم و دانا ہے وہ ہر ایک کو قدرت عطا فرماتا ہے۔

مسئلہ: آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کسی کو مارنا، قتل کرنا ناجائز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کو تھپڑ مار کر قتل کر دیا تو توبہ فرمایا، هٰذا من عمل الشیطان (یہ شیطانی کام ہے)۔ یہ اس لیے فرمایا کہ آپ کو کافروں کو قتل کرنے کا جناب الٰہی سے اذن نہیں تھا۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ نفس کی اصلاح میں اسے قتل کرنا بلا اذن الٰہی جائز نہیں یعنی نفس کشی اس طرح چاہیے جیسے شرع کا حکم ہے۔

ف: نفس کشی کا وقت بھی بلوغ کے بعد شروع ہوتا ہے اس سے قبل نفس انسانی احکامِ شرع کو اٹھانے کے لئے تیار کرنا چاہیے۔ کیونکہ قبل بلوغ انسان غیر مکلف ہے۔ اس لیے صوفیہ کرام کا اشارہ ہے کہ مجاہدہ افراط و تفریط کے درمیان لازم ہے یعنی اعتدال ضروری ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جونہی محسوس ہو کہ نفس مخالفت شرع سے قلب کو ضرر پہنچاتا ہے تو نفس کی اتنی سرکوبی کی جائے کہ قلب کو اس پر غلبہ حاصل ہو جائے۔ ایسے ہی جب محسوس ہو کہ نفس اپنی طبیعت پر شہوات و لذات دنیا میں مشغول ہوتا جاتا ہے تو اسے اس سے باز رکھنے کے لیے اس پر سختی کی جائے اس لیے کہ نفس کی شہوات و خواہشات پورا کرنے سے قلب پر سیاہی اور کدورت اور زنگ لگ جاتا ہے۔ وہ نفس یہی چاہتا ہے کہ قلب کی وہ سیاہی ہو (معاذ اللہ) اس لیے ہم پر لازم ہوا کہ نفس کو صفائی کیلئے سے باز رکھا جائے۔ اس کی آسان صورت یہی ہے کہ اسے شریعت کے احکام کے تابع رکھا جائے اور اس کی خواہشات کو دبایا جائے اور واسطہ ذکر الٰہی سے صفی کیا جائے اور اسے جذبہ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ کے قبول کرنے کے لیے مستعد کیا جائے ان امور پر عمل کرنے سے انسان مجاہدہ میں اعتدال پر رہتا ہے۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ وہ نفس کے اس مکر و فریب سے آگاہ رہے جو اللہ تعالیٰ نے اس میں پیدا فرمایا۔ آیت کے آخری حصے میں اشارہ ہے کہ نفس کو اعتدال پر رکھنا سوائے نصرت الٰہی و تائید ایزدی کے مشکل ہے ؎

چو روئے بخدمت نہی بر زمین
خدا را ثنا گوے و خود را مبین

گر از حق نہ توفیق خیرے رسد
کے از بندہ خیرے بغیرے رسد

ترجمہ: جب تم اپنا سر خدمت و عبادت کے لیے زمین پر رکھو تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرو اور اپنا خیال درمیان میں نہ لاؤ۔ اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے خیر و بھلائی نہ پہنچے تو بندہ غیر کو خیر و بھلائی نہیں پہنچا سکتا۔

اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ موصول ہے اس سے پہلے موصول کی صفت ہے۔

ربط: ابھی پہلے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ان کے مظلوم ہونے کی وجہ سے جنگ کی اجازت بخشی تو بتایا کہ مظلوم

وہ بیچارے اپنے ملک سے نکالے گئے اور دیار ہجرت سے [illegible] ہوا ہے۔

حل لغات دار کو دیار سے اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ انسان کا سہارا گھر کے گھوم پھر کر اسی کی طرف لوٹتے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے دیار بکر ۔ یہ بکر وائل کے شہروں کو کہا جاتا ہے۔ ایسے ہی الدیار جب کہ [illegible] کے [illegible] باشندے کہتے تھے یعنی من ب الف اور اس سے مراد حرب البلد ہوتی تھی۔

امام راغب نے فرمایا کہ الدار یعنی منزل ہے اس لیے کہ اس کے ارد گرد دیوار کھینچی جاتی ہے۔ بعض نے کہا اس سے دار مراد ہے جس کی جمع دیار آتی ہے پھر مجازاً شہروں کو دیار کہا جانے لگا۔

بِغَيْرِ حَقٍّ یعنی وہ اپنے علاقوں سے بلاوجہ نکالے گئے حالانکہ ان کا اس میں کوئی قصور نہ تھا۔

حل لغات حق مصدر ہے۔ کہا جاتا ہے حق یحق بالکسر یعنی وجب اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۔ یہ حق سے بدل ہے یعنی بلاوجہ انہیں نکالا۔ ان کا قصور یہ تھا کہ وہ کہتے تھے ہمارا رب اللہ ہے۔ یعنی توحید کے قائل تھے اور ان کا یہ موجب تو ان کے ملک میں استقرار اور تمکین کا مستحق تھا نہ کہ انہیں ان کے ملک سے نکالا گیا۔ اور یہ جملہ اپنے ظاہری معنی پر نہیں بلکہ اس محاورہ سے ہے جیسے کہ نابغہ نے اپنے شعر میں کہا ہے :

ولا عیب فیھم غیر ان سیوفھم
بھن فلول من قراع الکتائب

ترجمہ : اور ان میں عیب نہیں سوائے اس کے کہ ان کی تلواریں لشکروں کے میدانوں میں کند ہیں۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ اگر اللہ تعالیٰ کا بعض کے ذریعے بعض سے دفع کرنا نہ ہوتا مثلاً اہل اسلام کو کفار پر غلبہ دینا اسیر ہو جاتے ہیں تو لَّهُدِّمَتْ الہدم یعنی اسقاط البناء یعنی عمارت کو گرانا۔ اور یہاں تہدیم میں تکثیر کے معنی میں ہے یعنی خراب اور ویران ہو جاتے یا یہ مراد کہ مشرکین کا تسلط ہو جاتا صَوَامِعُ راہبوں کی عبادت گاہیں وَبِيَعٌ اور نصاریٰ کے گرجے۔ ایسے عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تھے۔

حل لغت : الصوامع ، صومعۃ کی جمع ہے۔ ہر وہ جگہ جہاں راہب عبادت کریں اور صرف عبادت کے لیے گوشہ نشینی اختیار کرنے کے لیے کسی جگہ کو منتخب کر لیں۔

ف : امام راغب نے فرمایا کہ صومعہ ہر وہ تعمیر جو گنبد نما ہو اور اس کی چوٹی گنبد سے نوکدار ہوئی ہو۔ اسی لیے اصمع اسے کہا جاتا ہے جس کے کان سر سے چپکے ہوئے ہوں۔ اور البیع ، بیعۃ کی جمع ہے یعنی نصاریٰ کی عبادت گاہ۔ اور وہ صرف شہر میں بنائی تاکہ وہاں جمع ہو کر عبادت کریں اور ان کے صوامع بھی ہوتے ہیں لیکن تنہائی کے مقامات پر بنائے جاتے ہیں مثلاً پہاڑوں یا جنگلوں میں۔

امام راغب نے فرمایا کہ نصاریٰ کی عبادت گاہ کو بیعۃ کہا جاتا ہے۔ اسی نام سے وہ نصاریٰ موسوم کرتے ہیں جو

خاص عربی ہو گئے ہیں۔ اس لیے بیعۃ بمعنی بیع و شراء ہے۔ جہاد کو بھی اللہ تعالیٰ نے بیع و شراء سے تعبیر فرمایا ہے۔ کما قال تعالیٰ:

ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسہم (الآیۃ)۔

وَصَلَوٰتٌ یہودیوں کی عبادت گاہوں کو اس نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ ان میں ان کے راہب نمازیں پڑھتے۔ موسیٰ علیہ السلام کے نمازی بھی اسی نام سے موسوم تھے۔

امام راغب نے فرمایا کہ نماز کی جگہ کو صلوٰۃ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی عبادت گاہوں کو صلوات کہا کرتے۔

بعض نے کہا کہ یہ عبرانی لفظ ہے۔ دراصل صلوتا بالثاء المثلثۃ ہے بمعنی المصلّیٰ۔ اسے معرب کر کے "صلوٰۃ" کہا گیا۔

وَمَسٰجِدُ اور اہل اسلام کی عبادت گاہیں۔ اور یہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا اصطلاحی لفظ ہے

سوال: غیروں کی عبادت گاہوں کا پہلے کیوں ذکر کیا گیا؟

جواب: وہ بلحاظ وجود مقدم تھیں اس لیے ان کی مثلاً تقدیم وجودی تھی۔ اور اسلوب القرآن میں ہے کہ کسی شے کے ذکر میں تقدیم ہمیشہ فضیلت پر دلالت نہیں کرتی۔ جیسے فمنکم کافر ومنکم مؤمن میں کافر کی تقدیم ہے۔

یُذْکَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ کَثِیْرًا جن میں اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا ذکر ہو۔ یہ مساجد کی صفت مادحہ ہے اور ذکر الٰہی کو صرف اسی سے مخصوص کرنے میں مسجد کی اور اس کے اہل کی فضیلت کی طرف اشارہ ہے اور نیز ہو سکتا ہے کہ یہ ان چاروں عبادت گاہوں کی صفت ہو اس لیے کہ ان کی شرائع کے منسوخ ہونے سے پہلے ان چاروں میں ذکر الٰہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول تھا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ قلوب کو نفوس پر غلبہ نہ بخشتا اور دینی قوتوں کے استیلاء کو قلوب دفع نہ فرماتا تو ارکان شریعت کا صومعہ اور آداب طریقت کا بیعہ اور مقامات حقیقت کی عبادت گاہ ایمان کے قلوب کی مساجد جن میں اللہ تعالیٰ کا ذکر بکثرت ہوتا ہے گرا دیے جاتے۔ اسی لیے کہا کہ ان قلوب میں وسعت حاصل ہوتی ہے جو انوار الٰہی سے منور ہوں۔

تفسیر عالمانہ وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ اور بیشک اللہ تعالیٰ انہیں مدد دے گا جو ان کے اولیاء کرام کی مدد کرتے ہیں یا ان کی مدد کرتا ہے جو اس کے دین کی مدد کرتا ہے۔ اس وعدہ کے ایفاء کو دنیا نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے مہاجرین و انصار کو صنادید عرب و اکاسرہ عجم اور قیاصرہ روم پر کیسی شان سے غالب فرمایا کہ ان تمام بڑے بڑے بادشاہوں کے ملک و ثروت مہاجرین و انصار کے قبضہ میں دے دیے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ بے شک اللہ تعالیٰ جس امر کے لیے چاہتا ہے اس پر بہت بڑی قوت رکھتا ہے سب پر غالب ہے نہ اس کا کوئی مقابلہ کر سکتا ہے نہ کوئی اس کے

جو اس کو زائل کر سکتا ہے۔

ف : بدر اسلام میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور غلبہ سے دین کے دشمنوں کو تباہ و برباد کر دیا۔

سوال : اگر اہلِ اسلام کا غلبہ منجانب اللہ تھا تو پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں غزوات میں شمولیت اور تلوار وغیرہ سے لڑنے اور دیگر تکلیفات و مشقات میں کیوں مبتلا فرمایا؟

جواب : تاکہ اہلِ اسلام کو جنگی آلات کے استعمال کا طریقہ معلوم ہو اور ہمیشہ کی عادت و دیگر فنونِ جنگ سے واقف ہو کر دینی و دنیوی منافع حاصل کر سکیں۔

یہ دنیا عالمِ اسباب سے متعلق ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کی نصرت و اعانت تو نصیب ہوئی لیکن اسباب و وسائل کے ساتھ۔ تاکہ تکوینی قاعدہ و قانون بحال رہے۔

سوال : اگر واقعی اہلِ اسلام کو فتح و نصرت منجانب اللہ نصیب ہونے کا وعدہ تھا تو پھر انہیں بعض جنگوں میں شکست ہوئی کیوں؟

جواب : یہ دنیا امتحان و آزمائش کے لیے بنائی گئی ہے اور اگرچہ فتح و نصرت اور غلبہ ایک بہت بڑا مرتبہ ہے اور کفار اس عہدہ جلیلہ کے لائق نہیں لیکن اللہ تعالیٰ اگر ہر بار کفار کو شکست اور اہلِ ایمان کو فتح و نصرت سے بار بار نوازتا تو پھر کفر و ایمان کی آزمائش کس طرح ہو سکتی۔ اس لیے اس نے کبھی کفار کو اور کبھی اہلِ ایمان کو فتح و نصرت سے نوازا۔ اسی آزمائش کی وجہ سے تو بندوں کو مکلف بنایا گیا ہے اور ان کے لیے جزا و سزا بھی مقرر ہے تاکہ اہلِ کفر ایمان کا اقرار کر کے دل سے بھی کفر سے مُڑ جائیں۔

ف : بعض دفعہ اہلِ ایمان اپنے معاصی کی وجہ سے دنیا میں دکھ اور درد میں مبتلا ہو جاتا ہے تو وہ ابتلاء اس کے حق میں کفارہ ہو جاتا ہے اور کافروں کو دنیا میں گناہوں کی وجہ سے تکالیف میں مبتلا کرنا اس کے گناہوں کا کفارہ نہیں بنتا بلکہ اس سے اللہ تعالیٰ کے غضب و قہر کا اظہار ہوتا ہے۔ جیسے طاعون کفار کے لیے قہر و غضب اور اہلِ ایمان کے لیے لطف و کرم ہوتا ہے۔

حکایت : حضرت عامر نے حجاج بن یوسف کو دیکھا کہ اس نے ایک غریب مظلوم کو سولی پر لٹکایا ہوا ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کی کہ یا اللہ! تیرا حلم ظالموں کی حوصلہ افزائی کر رہا ہے اور مظلوم کو سخت دکھ اور درد پہنچا رہا ہے۔ یہ کہہ کر عامر چلے گئے۔ رات کو خواب میں دیکھتے ہیں کہ قیامت قائم ہو گئی اور وہ بہشت میں داخل ہوئے۔ دیکھا کہ جس شخص کو حجاج ظالم نے سولی پر لٹکایا ہوا ہے وہ اعلیٰ علیین میں نہایت آرام و سکون سے ہے۔ اس کے بعد ایک منادی نے غیب سے آواز دی کہ میرا حلم ظالموں کو مہلت دیتا ہے لیکن مظلوموں کو اعلیٰ علیین میں پہنچاتا ہے۔

ف : بعض مشائخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے میں بدبخت کو نیک بخت سے اور اہلِ باطل کو حق سے اور وقت کے فرعون کو وقت کے موسیٰ اور وقت کے دجال کو وقت کے عیسیٰ سے مٹایا ہے۔ لہٰذا اس کے علم میں دیر ہوتی ہے اندھیر نہیں۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ~

اسمِ اعظم بکند کارِ خود اے دل خوش باش　　کہ بتلبیس و حیل دیو سلیمان نشود

ترجمہ : اسم اعظم تو اپنا کام کرتا ہے تمہیں خوشی ہونی چاہیے لیکن تلبیس و حیلوں سے وہ اسم سلیمانی نہیں بن سکتے۔

ف : بعض مشائخ نے فرمایا کہ بادشاہ تلواروں سے جنگ کرتے ہیں اور اولیاء اللہ نگاہوں سے۔ اسی لیے مشہور ہے جب مسلمان بادشاہ جنگ کے معاملہ میں حق پر ہو اور اس کا مد مقابل باطل پرست، تو غیب سے رجال الغیب حق والے کی مدد کرتے ہیں۔ اگر مسلمان بادشاہ حق پر نہ ہو تو پھر غیبی امداد نہیں پہنچتی۔

ف : امت محمدیہ کے متعلق تورات میں لکھا ہے تھا کہ ان کے سینوں میں قرآن ہوگا اس لیے کہ وہ لوگ جب بھی جنگ پر جائیں گے تو ان کی مدد کے لیے جبریل علیہ السلام حاضر ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل اسلام حق پر ہوں تو ان کی جنگ میں جبریل علیہ السلام تشریف لاتے ہیں۔ ان کا یہ طریقہ تاقیامت جاری رہے گا۔ بلکہ یوں کہو کہ اگر حق پر ہو تو صرف ایک بندہ ہزاروں پر غلبہ حاصل کر لیتا ہے۔ حضرت حافظؒ نے فرمایا ؎

تیغے کہ آسمانش از فیض خود دہد آب
تنہا جہاں بگیرد بے منت سپاہی

ترجمہ : جس تلوار کو اللہ تعالیٰ کی مدد نصیب ہو تو وہ سپاہی کے بغیر بھی جہان پر غلبہ پا سکتی ہے۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ ظلموا اور اخرجوا من دیارھم کے موصوفین کی وہ صفت بیان کی جا رہی ہے جو انہیں آئندہ نصیب ہوگی۔ مثلاً انہیں زمین پر ملکی غلبہ دینا یعنی ان کی حسن سیرت کے پیش نظر انہیں ملکوں کا بادشاہ بنانا۔ یعنی وہ لوگ جنہیں ہم زمین کا مالک بنائیں یا **اَقَامُوا الصَّلٰوةَ** انہوں نے نماز قائم کی صرف میری تعظیم کی خاطر۔

قاعدہ : امام راغب نے لکھا ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے نمازیوں کی مدح کے طور نماز کا ذکر فرمایا ہے تو وہاں اقامت الصلوٰۃ بیان فرمایا ہے اور جہاں منافقین کا ذکر فرمایا ہے وہاں مصلین وغیرہ کا لفظ فرمایا ہے۔ مثلاً فرمایا فویل للمصلین۔

سوال : اہل مدح کے لیے اقامۃ الصلوٰۃ کے لفظ سے کیا فائدہ ہے؟

جواب : اس اطلاق سے اس کے جملہ حقوق کی ادائیگی اور اس کی شرائط مراد ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسے اس کی اصلی حیثیت سے پڑھا جائے اسی لیے اہل حق فرماتے ہیں کہ نمازی تو بہت ہیں لیکن حقوق کی پابندی کے ساتھ اسے ادا کرنے والے بہت کم ہیں۔

وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ اور وہ میرے بندوں کی امداد کے ارادہ سے زکوٰۃ دیں **وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ** معروف ہر اس عمل کو کہا جاتا ہے جو شرعاً و عرفاً اچھا ہو **وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ** المنکر وہ عمل جسے اہل علم اور اہل عقل سلیم قبیح کہیں۔

امام راغب نے فرمایا کہ ہر وہ فعل جس کا حسن عقل و شرع سے مشہور و معلوم ہو اسے معروف کہا جاتا ہے اور منکر

وہ فعل جو عقل و شرع میں اچھا نہ ہو۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں قلوب منصورہ کے اوصاف کی طرف اشارہ ہے کہ اگر انہیں اللہ تعالیٰ زمین بشریہ پر قوت و طاقت بخشے تو وہ صلوٰۃ مواصلت پر مداومت کرلیتے ہیں اور اموال کی زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اموال کی زکوٰۃ کا یہ مطلب ہے کہ وہ اپنے دو سو نفوس میں سے ایک سو ننانوے نفوس اپنے کام میں لگاتے ہیں تو ایک باقی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خلق خدا پر صرف کرتے ہیں جیسے مالدار اپنے دو سو دراہم میں سے پانچ درہم اللہ تعالیٰ کے نام پر خرچ کرتا ہے وہ امر بالمعروف کرتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت سے نفس کو محفوظ رکھتا ہے بلکہ اپنے ہر سانس پر قابو رکھتا ہے تاکہ یاد الٰہی کے بغیر نہ گزرے۔ اور برائی سے روکتا ہے یعنی دنیا و حجاب و مساکن و ماخذ جیسی گندی بیماریوں سے اجتناب کرتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں جملہ امور کے نیک انجام۔ کیونکہ جملہ امور کا مرجع اسی کے حکم و تقدیر کی طرف ہے اس لیے کہ جیسے وہ چاہتا ہے ویسے ہی امور کا انجام ہوتا ہے ؎

ایں دولت فقر و جاہ و بود بیخواہد
واں گلشن و حوض و آب جو میخواہد
از حق ہر کس حال نکو می خواہد
آں نیست سر انجام کہ او میخواہد

ترجمہ: یہ دولت فقر و جاہ وہ چاہتی ہے اور وہ گلشن اور حوض اور نہر کا پانی چاہتا ہے ہر کسی حق تعالیٰ سے اچھا انجام چاہتا ہے لیکن ہوتا وہی ہے جو وہ خود چاہتا ہے۔

علامات قیامت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ علامات قیامت یہ ہیں:

(۱) نمازیں ضائع کی جائیں گی۔

(۲) شہوات کا اتباع ہوگا۔

(۳) خواہشات نفسانی کی طرف طبیعت راغب ہوگی۔

(۴) حکام خیانتی ہوں گے۔

(۵) وزراء فاسق ہوں گے۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ تڑپ اٹھے اور عرض کی میرے ماں باپ آپ پر قربان کیا یہ امور واقعی عالم دنیا میں ہوں گے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے سلمان! ہوں گے اور ضرور ہوں گے۔ بلکہ اس وقت مومن کا دل ایسے

پھیلا گا جیسے نمک پانی میں گھل جاتا ہے لہٰذا بیچارہ اتنا عاجز اور کمزور ہو گا کہ ان کے غصہ امر کو روک نہیں سکے گا۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اس سے متشوش ہو کر کہنے لگے، واقعی ایسے ہو گا؟ غیب پر نظر رکھنے والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے سلمان! ایسے ہو گا اور ضرور ہو گا۔ بلکہ اس وقت مومن عوام کی نظروں میں ذلیل ترین انسان ہو گا۔ اگر وہ بیچارہ ان کے معاملات میں مداخلت یا ان کی مخالفت کرے گا تو اسے جان سے مار دینے کے درپے ہوں گے۔ اگر خاموش رہے گا تو غم و غضب میں خود مرنے لگیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا سایہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، وہ کون سا بادشاہ ہے جس کے سامنے گردنیں جھک جاتی ہیں اور اس کی عظمت کے سامنے سو جان قربان ہوں۔

آپ نے فرمایا، وہ بادشاہ جسے ظل اللہ (اللہ کا سایہ) کا لقب ملا ہے۔ وہ نیکی کرتا ہے تو اسے اجر و ثواب نصیب ہوتا ہے۔ تمہیں ایسے بادشاہ کا زمانہ میسر آسکے تو شکر الٰہی بجا لاؤ۔ اگر بادشاہ برائی کا ارتکاب کرے تو تم صبر کرو اور اس کا گناہ اس کے سر۔

حدیث شریف (حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،)
ایک پہر عدل و انصاف کرنا ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا، ؎

شاہ را بہ بود از طاعت صد سالہ و زہد
قدر یک ساعت عمرے کہ در و داد کند

ترجمہ، بادشاہ کی وہی صد سالہ عبادت و طاعت ہے جو زندگی میں ایک پہر عدل و انصاف کرے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا، ؎

۱ بجائی کہ نیکی پسندد خدائے
دہد خسرو عادل نیک رائے

۲ چو خواہد کہ ویران کند عالمی
کند ملک در پنجۂ ظالمی

۳ نخواہی کہ نفرین کنند از پست
نکو باش تا بد نگوید کست

۴ نخفتست مظلوم از آہش بترس
ز دود دل صبحگاہش بترس

۵ نترسی کہ پاک اندرونی شبی
برآرد ز سوز جگر یاربی

۶ تو ترسی اے بزرگ ناقص خرد
کہ روزے پلنگت بدرّد دد

۷ الا تا بغفلت نخسپی کہ نوم
حرامست بر چشم سالار قوم

۸ غم زیردستان بخور زینہار
بترس از زبردستی روزگار

ترجمہ: ۱۔ جس قوم کے لیے اللہ تعالیٰ بھلائی پسند کرتا ہے تو اسے نیک اور عادل بادشاہ بخشتا ہے۔
۲۔ جب جہان کو ویران کرنا چاہتا ہے تو ملک ظالم کے ہاتھ میں دیدیتا ہے۔
۳۔ اگر نہیں چاہتا کہ تیرے بعد برائی ہو تو اچھا ہوتا کہ تجھے کوئی بھی برا نہ کہے۔
۴۔ مظلوم سوتا نہیں، اس کی آہ سے ڈر۔ بچ اس کی صبح گاہی آہ کے دھوئیں سے با خطر رہ۔
۵۔ تو نہیں ڈرتا اس پاک دل سے کہ اگر وہ کسی رات سوز جگر سے آہ کھینچے اور عرض کرے کہ اے پروردگار۔
۶۔ اے ناقص عقل بیوقوف! اگر تو ڈرتا نہیں کہ ایک دن تجھے چیتا پھاڑ کھائے گا۔
۷۔ خبردار! غفلت سے نہ سو کیونکہ سالار قوم پر نیند حرام ہے۔
۸۔ ماتحتوں کا غم کھا، زمانہ کے غلبہ سے ڈر۔

نکتہ انوشیرواں کی سلطنت عوام کے عدل سے کمال کو پہنچی ہے اور ملک مال سے عزت پاتے ہیں اور مال تعمیر سے عروج پاتا ہے اور تعمیر بسیاست عدل سے رونق پاتی ہے۔ بعض نے کہا سیاست ریاست کی بنیاد ہو۔

وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو کیا ہے۔ مضارع کا صیغہ لانا بھی تکذیب کے تحقق کی وجہ سے ہے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی ہو کیونکہ آپ کی تکذیب سے آپ کے مغموم و محزون ہونے کا امکان تھا اس لیے قبل از وقت آپ کو تسلی دی گئی۔ یعنی اگر آپ اپنی قوم کی تکذیب سے محزون و مغموم ہوں تو یہ آپ کے واقع نہیں فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَثَمُودُ ۝ وَقَوْمُ إِبْرَاهِيمَ وَقَوْمُ لُوطٍ ۝ وَأَصْحَابُ مَدْيَنَ تو آپ سے پہلی قوموں نے تکذیب کی۔ یعنی قوم نوح نے نوح علیہ السلام کی، قوم عاد نے ہود علیہ السلام کی، ثمود نے صالح علیہ السلام کی، قوم ابراہیم نے ابراہیم علیہ السلام کی، قوم لوط نے لوط علیہ السلام کی اور اصحاب مدین نے شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی۔

ف : مدین اور شعیب ابراہیم کے بیٹے تھے۔ پھر یہ ایک بستی کا نام پڑ گیا۔

وَكُذِّبَ مُوسٰى اور موسیٰ علیہ السلام جھٹلائے گئے۔ جھٹلانے والے قبطی تھے اور وہ اسی تکذیب پر مرتے دم تک ڈٹے رہے۔

سوال : قبطیوں کی طرح بنی اسرائیل نے بھی موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی۔ چنانچہ ان کا انکار لن نؤمن لک حتی نری اللہ جهرة (اے موسیٰ! ہم آپ کو ہرگز نہیں مانتے یہاں تک کہ ہم خدا کو کھلم کھلا دیکھیں) تھا۔ پھر تم نے صرف قبطیوں کی تخصیص کیوں کی؟

جواب : واقعی انہوں نے بھی موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب بار بار کی لیکن اس پر مداومت نہیں رکھتے تھے بلکہ تکذیب کے بعد معجزہ دیکھ کر تائب ہو جاتے اور پھر پہلے سے موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ عقیدت کا ثبوت پیش کرتے۔

سوال : پہلی قوموں کے برعکس موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے متعلق عبارت کو کیوں متغیر کیا گیا۔ یعنی ان کے لیے صیغہ فعل ماضی معلوم اور ان کے لیے فعل مجہول؛ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب : چونکہ سابقہ قوموں کی تکذیب سخت اور نہایت قبیح تھی اور وہ معجزات دیکھنے کے باوجود انکار سے باز نہ آتے تھے بخلاف ان کے۔

فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ پس میں نے کافروں کو ایک میعاد تک مہلت بخشی ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ پھر میں نے ان کی گرفت کی یعنی مدت مقررہ گزرنے کے بعد پھر میں نے ہر تکذیب کرنے والی قوم کو عذاب میں مبتلا کیا کسی کو طوفان سے تباہ کیا کوئی آندھی سے، کوئی چنگھاڑ سے تباہ ہوئے۔ کوئی بھونچال سے، کوئی خسف سے اور کوئی پتھروں سے مارے گئے کوئی یوم الظلہ سے برباد ہوئے، کوئی دریا میں غرق ہوئے وغیرہ۔ (کذا فی بحر العلوم)

ف : امام راغب نے فرمایا کہ الاخذ بمعنی حوز الشئی وتحصیله۔ وہ کبھی تناول سے ہوتا ہے مثلاً فرمایا معاذ اللہ ان ناخذ الا من وجدنا متاعنا عندہ۔ اور کبھی قہر سے، اس کی مثال آیت ہذا ہے۔

فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ پھر میرا انکار کیسا رہا۔ مثلاً ان کی نعمتوں کو دکھ درد اور تکالیف سے اور ان کی حیات کو تباہی و بربادی سے اور ان کی آبادی کو ویرانی سے تبدیل کیا تو ظاہر کہ ان کے معاملات نہایت ہی ہولناک صورتوں میں بدل گئے۔ یہ استفہام تقریری ہے تو اس سے غرض یہ ہے کہ ان انبیاء علیہم السلام کو حسب وعدہ فتح و نصرت نصیب ہوئی اور پھر انہوں نے آرام و سکون سے زندگی بسر فرمائی۔ آپ بھی صبر کیجئے آپ کے دشمن تباہ و برباد ہوں گے پھر آپ بھی آرام و سکون سے وقت گزاریں گے۔ اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے۔ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ حضرت مولانا عارف جامی قدس سرہ نے شرح کافیہ میں لکھا ہے کہ کاین کا لفظ کایا کا ہے اور وہ مبنی ہے کیونکہ جیسا ای پر کاف تشبیہ کا داخل ہوا تو اگرچہ لفظ ای معرب تھا لیکن دونوں کے ایک جز ہونے پر ترادفی معنی پیدا ہوا اور کاف کے ساتھ مل کر وہ گویا بمنزلہ کم خبریہ کے اس طرح وہ اسم مبنی ہوتا ہے جیسا کہ عدد مرکب ہو جیسے اسم من۔ اس کا آخر مبنی علی السکون ہے۔ یہ تنوین تمکن کا نہیں اس لیے یا کے بعد نون کو صراحتاً لکھا

کہا جاتا ہے حالانکہ قرآن کی نحوی ترکیب کی کوئی شکل درست نہیں۔ سب سے صحیح یہ ہے کہ ایک بہت سے عربیات اور شعر ہیں۔ یہ مبتدا ہے جیسا اَهْلَكْنٰهَا یہ مبتدا کی خبر ہے وَهِيَ ظَالِمَةٌ یہ جملہ حالیہ ہے اسی کا واو اہلکنا میں ہے اور اس سے بستی والوں کا ظلم مراد ہے اور ان کے ظلم کفر و معاصی تھے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف کے ظلم سے منزہ ہونے کا بیان ہے۔ چنانچہ واضح فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بلا وجہ تباہ و برباد نہیں فرمایا بلکہ انہوں نے کفر و معاصی کا ارتکاب کیا تو انہیں تباہ و برباد کیا گیا۔ فَهِيَ خَاوِيَةٌ اس کا عطف اہلکناہا پر ہے جس کا مرجع القریہ ہے۔ اس سے بستی کی دیواروں کا انہدام مراد ہے۔

حل لغات : الخواء بمعنے السقوط۔ خوی النجم سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب ستارا گرے۔ اب معنے یہ ہوگا ان بستیوں کی دیواریں گرنے والی ہیں عَلٰى عُرُوْشِهَا اپنی چھتوں پر۔ یعنی ان بستیوں کی بنیادیں بیکار ہو جائیں گی چھتیں گریں گی ان کے اوپر ان کی دیواریں گر پڑیں گی۔ العروش بمعنے السقوف۔ کیونکہ ہر وہ شے جو سر کے اوپر ہو اسے عرش کہا جاتا ہے وہ چھت ہو یا کوئی درخت یا کسی دیگر شے کا سایہ۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اہل ظلم کے قلوب کی بربادی و ویرانی کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ ظلم ظالمین کے دلوں کی خرابی و بربادی کا موجب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پھر اس کی راحت کا سرچشمہ یعنی دل برباد ہو اور وحشت وہ ہے جو کہ اس پر غلبہ رکھتی ہے۔ اس لیے کہ ظلمت بے چینی تنگی اور برے اخلاق اور مظالم ان پر غیظ و غضب سے پیدا ہوتی ہے اور یہ جملہ امور دل کی راحت کے اجاڑنے کے اسباب ہیں اور حقیقت میں اصل ظالم کے ظلم کی سزا یہی ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے ارادہ پر ہے کہیں کسی ظالم کو فوراً سزا دیتا ہے اور کسی کو دیر سے۔ اور صوفیہ کے نزدیک نفس کے ظلم کی علامت یہ ہے کہ اس کی شامت کے اثرات سے عبادت میں لذت نہیں ملتی۔ کما قال :

فهي خاوية على عروشها۔

اور قلوب کے ویران و برباد ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ غفلت کے نقشے میں ڈوب جائیں بالخصوص نماز کے اوقات اور خلوات کی گھڑیوں میں تو غفلت ان پر بادلوں کی طرح چھا جاتی ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ البئر دراصل اس گڑھے کو کہا جاتا ہے جس کے اوپر کا حصہ ڈھانپا جائے تاکہ اس سے گزرنے والا اس میں گر نہ جائے اور معطلہ 'عطلت المرأۃ و تعطلت' سے ہے یہ اس عورت کے لیے بولتے ہیں جو زیور پہنے ہوئے نہ ہو اسے عاطل بھی کہا جاتا ہے۔ دراصل التعطیل بمعنے التفریغ ہے یہ اس کے لیے بولتے ہیں جو اپنے کام پر نہ لگا ہو۔ اس سے مراد کنواں ہے اس کا عطف قریہ پر ہے یعنی کتنے کنویں بستیوں میں ہر وقت پانی سے بھرے رہتے تھے اور پانی نکالنے کے آلات ہر وقت ان پر موجود رہتے تھے اب ویران پڑے ہیں کیونکہ ان سے پانی نکالنے والے نیست و نابود ہوگئے ہیں۔ یہاں انکا ویران ہونا لازم ارتفاع و قَصْرٍ مَّشِيْدٍ بمعنے ضممت بعضہ الی بعض یعنی میں نے اس کے بعض کو بعض سے ملایا اور قصر دال پر ... اس لیے قصر

کہا جاتا ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصے سے ملا ہوا ہوتا ہے۔ القاموس میں القصر خلاف الطول کا معنی لکھا ہے ایسے ہی القصور خلاف المدر کو بھی کہا جاتا ہے اور بمعنے المنزل والدار ہر وہ گھر جو پتھروں سے تیار کیا جائے اسے بھی القصر کہتے ہیں وہ ایک علاقے کا علم ہے جو ستادین مرافضات پر مشتمل مدینہ طیبہ کے پاس واقع ہے اور بمعنے قریہ و حصن بھی آیا ہے۔ علامہ یاقوت کے بیانات میں ہے ابرام کا محل تھا جو صرف ایک پتھر سے تیار کیا گیا اور یہ جھیل کے قرب میں واقع تھا۔ مَشِیْد وہ مکان جو شید سے تیار کیا گیا ہو۔ مطلب یہ کہ ہم نے اسے مکینوں سے خالی کر دیا۔ اہل عرب شید 'جص' کو کہتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ مشید بمعنے مطول و مرفوع البنیان ہے (کذا فی المفردات) مثلاً کہا جاتا ہے:

شیّد قواعدہ بمعنے احکمھا۔ یعنی اسے جص سے مضبوط بنایا گیا۔ اور جص بمعنے چونا۔

القاموس میں ہے کہ شاد الحائط و یشیدہ بمعنے طلاہ بالشید یعنی ہر وہ مکان جس کی دیواروں پر چونا وغیرہ لگایا جائے اور المشید وہ مکان جو چونے وغیرہ سے تیار کیا جائے۔

کنویں والوں کا قصہ

مروی ہے کہ اسی کنویں پر صالح علیہ السلام اترے اور چار ہزار نفوس آپ کے امتی بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ کی امت پر عذاب نازل ہوا۔ تو آپ اور آپ کے ماننے والے امتی نجات پا کر اسی کنویں کے قریب آباد ہو گئے۔ اسی مقام کو حضر موت بھی کہا جاتا ہے۔

حضر موت کی وجہ تسمیہ

چونکہ یہاں حضرت صالح علیہ السلام تشریف لائے اس لیے حضر کہا گیا۔ یہاں آپ پر موت طاری ہوئی۔ یہ اصل حضرمات ہے۔ کثرت استعمال سے حضر موت ہو گیا ہے۔

(بقایا قصہ) کنویں کے کنارے ایک شہر تھا جسے "حاضورا" کہا جاتا۔ اسے حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے بنوایا تھا۔ اس کا امیر و حاکم بلیس بن جلاس مقرر ہوا۔ یہ عرصہ دراز تک آباد رہے۔ ایک مدت کے بعد کافر ہو کر بت پرستی اختیار کر لی۔ ان کی اصلاح کے لیے حضرت حنظلہ بن صفوان علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا۔ انھوں نے اپنے نبی حنظلہ کو بازار میں شہید کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کو ان پر ناراضگی ہوئی تو انھیں تباہ و برباد کر دیا۔ اس کے بعد کنواں اور محلات بھی ویران ہو گئے۔

کنویں کی دوسری داستان

امام سہیلی نے فرمایا کہ اس سے رس والوں کا کنواں مراد ہے۔ وہ عدن میں تھا اور اس کے ساتھ ثمود کے بقایا لوگ آباد تھے ان کا بادشاہ العلس نامی عادل اور نیک سیرت تھا اور کنویں سے تمام شہر اور گرد و نواح کی آبادیاں سیراب ہوتی تھیں اور جملہ جانور یعنی بھیڑ بکریاں، اونٹ اور گائیں وغیرہ بھی اسی سے پانی پیتے تھے۔ اس سے مختلف طریقوں سے پانی کی چھوٹی چھوٹی نالیاں بنا دی گئیں۔ اور اس سے پانی نکالنے اور مختلف نالیوں میں پہنچانے کے لیے کثیر التعداد نوکر و خادم مقرر تھے۔ اس کے پانی کو پہلے سنگ کے ایک بڑے حوض میں جمع کیا جاتا۔ ہر ایک جنس کے لیے علیحدہ علیحدہ چھوٹے چھوٹے حوض بنائے گئے۔ یعنی انسانوں کے لیے علیحدہ، وحشی جانوروں کے لیے علیحدہ اور دیگر جانوروں کے لیے علیحدہ۔ اس کنویں کے کنارہ بازار میں خوب لگا کر

دیتی تھی۔ شہروں میں سے الرس شہر کے گرد و نواح کے لوگوں کو سوائے اس کنوئیں کے اور کہیں سے پانی نہیں ملتا تھا۔ اسی لیے اس سے پانی پینے کے لیے ہر قبیلے کے لیے باری مقرر تھی۔ بادشاہ بڑا عدل و انصاف سے چلتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے طویل عمر بخشی آخرکار اسے موت نے آ لیا۔ چونکہ ملک کی تباہی کا خطرہ تھا اس لیے مشیروں نے اس کے جسم پر تیل مل دیا تاکہ جسم متغیر نہ ہو۔ ان کی عادت تھی کہ جو معظم شخصیت کی میت کو تیل مل دیتے تھے۔ اس عادل بادشاہ کی وفات ان کے لیے کوئی معمولی سا حادثہ نہ تھا ملک کی تباہی کا خطرہ تھا اس لیے بادشاہ کی موت سے انہیں سخت صدمہ پہنچا اور دھاڑیں مار مار کر روئے۔ ان کی اس کیفیت سے شیطان نے موقع غنیمت جانا اور بادشاہ کی لاش میں گھس گیا۔ چند روز خاموش رہنے کے بعد بول پڑا اور کہنے لگا: اے میری رعایا! میں مرا نہیں ہوں صرف چند روز کے لیے تم سے جدا ہو گیا تاکہ معلوم کروں کہ تم میرے بعد کیا کرتے ہو۔ رعایا اپنے محبوب بادشاہ کی باتوں سے بہت خوش ہوئی۔ اس کے بعد شیطان نے نیا ڈھنگ اختیار کیا اور بادشاہ کے خواص کو کہا کہ میرے اور رعایا کے درمیان پردہ حائل کر دو اور آج کے بعد ہر شخص میرے ساتھ پردہ کی اوٹ میں گفتگو کرے۔ یہ اس لیے کیا تاکہ لوگ جسم کی خرابی کو دیکھ کر اسے مردہ تصور کر کے اس کے کلام سے شک میں نہ پڑ جائیں۔ اور ساتھ ہی اس لاش کے ساتھ ہی اوٹ میں ایک بت کھڑا کر دیا اور کہا کہ اب میں نہ کھاؤں گا نہ پیوں گا اور نہ کبھی مروں گا بلکہ یہی تمہارا معبود ہے۔ یہ تمام کارروائی شیطان نے ہی کی تھی اور رعایا نے کلام بادشاہ کے منہ سے سنا تھا۔ ان کم عقلوں کی تصدیق اکثر لوگوں نے کی لیکن اہل ایمان نے انکار کیا۔ چونکہ اسے ماننے والے بکثرت تھے اور انکاری (مومن) بہت تھوڑے اس لیے وہ منکرین (یعنی مومنوں) پر مظالم ڈھانے لگے جس سے وہ بیچارے بادل نخواستہ راضی ہو گئے۔ لیکن رب تعالیٰ نے ان پر فضل فرمایا کہ ان میں ایک نبی بھیجا جن کا نام حضرت حنظلہ بن صفوان (علیہ السلام) تھا۔ ان پر بحالت خواب ہی وحی نازل ہوئی۔ انہوں نے بت پرستوں سے فرمایا کہ یہ بولنے والا بت ہے اس کے اندر شیطان بولتا ہے وہی تمہیں گمراہ کر رہا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ انسان کی شکل و صورت میں حلول نہیں ہوتا اور نہ ہی تمہارا بادشاہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں شریک ہو سکتا ہے۔ جونہی حضرت حنظلہ نے انہیں وعظ فرمایا تو وہ بت پرست آپ کی جان کے پیاسے ہو گئے۔ پہلے تو انہوں نے آپ کو ڈرایا دھمکایا اور وعظ و نصیحت کرنے سے روکا، پھر طرح طرح کی اذیتیں دیں لیکن حضرت حنظلہ نے حق کا پیغام پہنچانے میں کوئی کمی نہ کی۔ ان بدبختوں نے آپ کو شہید کر ڈالا اور آپ کی نعش کو اسی کنوئیں میں پھینک دیا۔

نبی علیہ السلام سے گستاخی کا انجام

ان ظالم بدبختوں نے جونہی نبی علیہ السلام کو شہید کر کے کنوئیں میں پھینکا تو اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا۔ اسی کنوئیں کے پانی سے سیراب ہوتے تھے یکایک دیکھا کہ کنوئیں کا پانی زمین میں دھنس گیا۔ اب پانی کے بغیر پیاس سے مرنے لگے یہاں تک کہ مرد، عورتیں، بچے پانی کی پیاس سے بلبلا بلبلا کر مرنے لگے اور جانور بھی پانی نہ ملنے کی وجہ سے تڑپ تڑپ کر مرنے لگے۔ یہاں تک کہ اس علاقے کے لوگ ایک ایک کر کے مر گئے۔ اب وہاں سنسان اور جنگل ہو گیا اور جنگلی جانوروں کا بسیرا ہو گیا [illegible]

ان کے باطنوں میں غبار و وحشت پیدا ہو گئے۔ اب وہاں سے جنوں اور درندوں کی آوازیں آتی تھیں (تفسیر [illegible]
[illegible])

قصرِ مشید کا قصہ اس محل عالیشان کو شداد بن عاد بن ارم نے بنایا اور ایسی شان والا محل عالمِ دنیا میں اور نہیں تھا۔ پھر اس کی حالت بھی وہی ہو گئی جو کنوئیں والوں کے انجام میں بیان کی گئی ہے۔ بلکہ اس کا حال اس سے زیادہ ابتر تھا کہ ویران ہو گیا اس کے اندر کسی کے جانے کا امکان نہ رہا بلکہ جنات اور درندوں کی آوازیں دور دور تک سنائی دیتی تھیں۔ یہ اس کی قدرت ہے کہ تختوں سے تاراج کر کے اور عیش و عشرت سے محروم فرما کر ویران و برباد کر دیتا ہے۔

سبق مالک الملک وہ ہوں کرتا ہے گھیں موتیوں کی طرح پرو دیتا ہے۔ پھر توڑتا ہے تو نام و نشان تک مٹا دیتا ہے۔ آیت ہٰذا میں امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو نصیحت و تذکیر فرمائی ہے تاکہ اس کی نافرمانی سے بچیں اور انجامِ بد سے احتراز کریں۔

حضرت حنظلہ علیہ السلام کی بعثت کی دوسری وجہ حضرت علامہ [illegible] نے لکھا کہ تفسیر میں ہے کہ ایک کافر بادشاہ نے مسلمان وزیر پر ظلم کیا تو وہ مسلمان وزیر چار ہزار افراد اہلِ ایمان کو ساتھ لے کر حضرموت کے پہاڑ کے دامن میں چھپ گیا۔ جہاں انہوں نے رہنا سہنا اختیار فرمایا خوشنما مقام تھا لیکن کنواں کھودا تو اس کا پانی کڑوا نکلا۔ غیب سے آواز آئی کہ فلاں جگہ پر کنواں کھودو۔ چنانچہ وہاں پر کنواں کھودا گیا تو پانی نہایت میٹھا اور لذیذ تھا۔

مزہ چوں شیرۂ شاخِ نبات
در خوشی چشمۂ آبِ حیات

ترجمہ: ذائقہ اور مزے میں گنا اور مصری کی طرح تھا اور آبِ حیات کی طرح فرحت بخش تھا۔

یعنی نعمت یعنی کنوئیں کو خوب سنبھالا گیا اور اس کے منہ کو سنگِ مرمر کی اینٹوں سے پختہ بنایا گیا اور نعمتِ حق کے شکریہ میں عبادت و طاعت میں مشغول ہو گئے۔ مدتِ دراز کے بعد شیطان ایک نیک بخت بڑھیا کی شکل میں نمودار ہوا اور ان کی عورتوں سے کہا کہ شوہر ہونے کی صورت میں جماع کے بجائے انگلیوں سے گزارہ کریں۔ پھر ایک مدت کے بعد ایک عابد و زاہد کی صورت میں ان کے مردوں کے پاس آیا اور کہا کہ عورتوں کی ازدواجی صورت کے عدمِ حصول پر جانوروں سے وطی کریں۔ ان بدبختوں کو شیطان کی خرافات پسند آ گئیں اور مذکورہ بالا قبیح فعل کے مرتکب ہونے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت حنظلہ علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا لیکن انہوں نے حضرت حنظلہ علیہ السلام کی نصیحت کو قبول نہ کیا اور بدستور اس فعلِ قبیح کا ارتکاب کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی نازل ہوئی تو سب سے پہلے ان کے لیے اس کنوئیں کا پانی بند ہو گیا۔ جب یہ کیفیت انہوں نے دیکھی تو پیغمبر

کے ہاں توبہ کی اور وعدہ کیا کہ پھر ایسی فعل نہیں کریں گے۔ پیغمبر علیہ السلام نے دعا کی تو کنویں میں پانی پھر جاری ہو گیا۔ لیکن وہ خوشحالی کے بعد وہ پھر برے اعمال کے مرتکب ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر سے فرمایا کہ انہیں زیادہ سے زیادہ سات سال تک مہلت دی ہے بعد انہیں عذاب میں مبتلا کروں گا۔ انہوں نے بجائے عذاب الٰہی سے ڈرنے کے ایک بہت بڑا محل تعمیر کیا جس کا ایک حصہ زر و سیم کی اینٹوں اور یاقوت و جواہر سے اسے مرصع کیا۔ جونہی وعدہ عذاب الٰہی آ پہنچا تو سب کے سب محل کے اندر گھس گئے اور باہر سے سب دروازے بند کر دیئے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور محل کو زمین میں دھنسا دیا اور اسی کنویں سے تا حال دھواں آتا ہے اور اس کے ارد گرد سے تباہ شدہ لوگوں کی چیخ و پکار کی آواز سنائی دیتی ہے۔

۱ نہ ہرگز شنیدیم در این عمر خویش
کہ بد مرد را نیکی آید بہ پیش
۲ رطب ناورد چوب خرزہرہ بار
چو تخم افگنی بر ہمان چشم دار
۳ غم و شادمانی نماند و لیک
جزائے عمل ماند و نام نیک

ترجمہ: ۱۔ ہم نے زندگی بھر نہیں سنا کہ برے کو بھلائی نصیب ہو۔
۲۔ کنیر سے کبھی کھجور کا میوہ نہیں ملتا۔ جیسا بیج ڈالو گے ویسا پھل ملے گا۔
۳۔ غم اور خوشی ہمیشہ نہیں رہتی۔ ہاں عمل کی جزا اور نیک نامی باقی رہتی ہے۔

تفسیر عالمانہ

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا کیا غفلت کے نشے میں ہیں۔ انہیں تو سیر کرنا چاہیے **فِی الْاَرْضِ** زمین پر۔ یعنی ملک شام میں پھر کر تباہ شدگان کے مقامات کو دیکھیں **فَتَكُوْنَ لَهُمْ** بسبب مشاہدہ کے ان عبرت گاہوں کے انہیں حاصل ہوں۔ استفہام کے جواب کی وجہ سے منصوب ہے اور یہ جملہ بظاہر مثبت ہے لیکن معنیٰ منفی ہے **قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِهَا** قلوب جن کے ذریعہ وہ سمجھیں یعنی انہیں وہ اسباب حاصل ہوں جن کی بدولت وہ توحید کو سمجھیں **اَوْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِهَا** یا انہیں کان حاصل ہوں جن کے ذریعے وہ سنیں۔ یعنی انہیں ایسے اسباب میسر آ جائیں جن کی وجہ سے علم ملے کہ وہ حالات سنیں جو ان علاقوں کے لوگوں میں مشہور ہیں کیونکہ علاقہ والے لوگ اپنے سے پہلے لوگوں کے حالات سے واقف ہوتے ہیں۔

سوال: کفار مکہ تو تجارتی سفر کے لیے ان علاقوں سے گزرتے اور بار بار ان کے حالات سے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دیکھنے اور سننے کی نفی فرمائی ہے۔

جواب: چونکہ انہوں نے اسے دیکھنے اور سننے سے عبرت حاصل نہیں کی تھی اس لیے ان سے دیکھنے اور سننے کی نفی کی گئی ہے۔

اس معنے پر یہ استفہام انکاری ہے فَإِنَّهَا ضمیر قصہ کی ہے لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ان کے مشاعر (حس) میں خلل نہیں بلکہ خلل ان کی عقول میں ہے کہ اتباع ہوائے نفس اور انہماک فی الغفلۃ کی وجہ سے ان کی عقلوں پر قفل پڑ گئے ہیں۔ یعنی ان کی دیکھنے والی آنکھیں اندھی نہیں ہیں وہ تو ہر شے دیکھ رہی ہیں۔ ان کے قلوب عبرت پکڑنے سے اندھے ہو چکے ہیں وہ قلوب جو ان کے سینوں میں ہیں۔ اندھے بایں معنی کہ گزشتہ لوگوں کے حالات و واقعات سے عبرت نہیں پکڑتے۔ یا اس کا یہ معنی ہے کہ ان کی ظاہری آنکھیں دل کی آنکھوں کے مقابلہ میں نہ ہونے کے برابر ہیں اور عمی کا اطلاق ظاہری آنکھ اور دل کی بینائی کے فقدان پر ہوتا ہے اور فی الصدور کا اضافہ بہ تاکید مطلوب ہے یا مجازی معنے کو دور کرنے کے لیے ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ اندھا پن صرف آنکھ سے مخصوص ہے بلکہ اس کا تعلق دل سے بھی ہے۔

ہر انسان کی چار آنکھیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے چار آنکھیں عطا کی ہیں: دو سر میں جن سے دنیوی امور دیکھے جاتے ہیں اور دو دل میں، جن سے دینی امور دیکھے جاتے ہیں اور اکثر لوگ اندھے دل کی آنکھوں سے محروم ہیں۔ اسی وجہ سے انہیں دینی امور کا کوئی علم نہیں۔

؎

۱ دل بکشا ببین بہ استظہار
ہر طرف آیات قدرت آشکار

۲ چشم سر جز پوست چیزے ندید
چشم سر در مغز ہر چیزے رسید

ترجمہ: دل کی آنکھ کھول کر دیکھ ہر طرف آیات قدرت ظاہر ہیں۔ سر کی آنکھ میں سوائے گوشت پوست کے اور کیا ہے۔ لیکن اس میں ہر شے کا مغز ہے۔

فائدہ صوفیانہ حقائق البقلی میں ہے کہ جاہل اشیاء کو انہی ظاہری آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور ان کے قلوب ان حقائق اشیا سے محجوب ہیں جو کہ وہ انوار و لطائف صفات کے تابع ہیں اور ان کے دل کی آنکھیں اللہ تعالیٰ نے غشاوۂ غفلت اور غطائے شہوت سے اندھی بنا دی ہیں۔

سہل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قلب کی بصر کا قصور اس لیے کہ خواہشات و شہوات غالب ہو جاتا ہے جب دل کی آنکھ بند ہو جاتی ہے تو شہوت کا غلبہ اور غفلت طاری ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے انسان غلبۂ شہوت کے بعد ہر معاصی و جرائم میں منہمک اور حق کا نافرمان رہتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ : وصف تجربہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ عشقِ حقیقی دل کی صفائی کے بعد نصیب ہوتی ہے اور دل صفائی ذکر اس کے ادب سے ہی اور جو حسن کی درستی کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جیسے قلب کا صحیح وجود معروف کیا جا سکتا ہے ایسے ہی زندگی کے ہر صفت سے اسے موصوف کرنا جائز ہوگا۔ اسی معنے پر قلب کے لیے جملہ ادراکات کا ماننا لازم ہے۔ جیسے قلوب نورِ یقین سے دیکھتے ہیں ایسے ہی مشامِ سحر سے نسیمِ اقبال کو سونگھتے ہیں جیسا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انی لاجد نفس الرحمٰن من قبل الیمن۔ — میں رحمٰن کی خوشبو یمن سے سونگھتا ہوں۔

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو خبر دی کہ:

انی لاجد ریح یوسف۔ — بیشک میں یوسف کی خوشبو سونگھتا ہوں۔

ان کا یہ ادراک سرِ الٰہی سے تھا ظاہری ہوا کو سونگھنے سے نہیں تھا۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ تصفیۂ باطن اور تجلیۂ قلب اور اس سے پردہ ہٹانے کی کوشش کرے اور یہ صرف ذکرِ الٰہی سے ہوتا ہے۔

ف : حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے حدیث پہنچی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سوا اور کوئی زیادہ کلام نہ کرو۔ اس لیے کہ کثرتِ کلامی سے دل زنگ آلود ہو جاتا ہے اور زنگ آلود قلب اللہ تعالیٰ سے دور ہو جاتا ہے اور تم اسے نہیں جانتے۔

ف : حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو مخلوق کی باتوں کی بجائے اللہ تعالیٰ کی باتوں سے مانوس نہیں ہوتا اس کے عمل قلیل ہو جاتے ہیں اور جس کے عمل قلیل ہو جاتے ہیں اس کا دل اندھا اور عمر ضائع ہو جاتی ہے۔

حدیث شریف (حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:)

ہر شے کا صیقلہ ہے اور دل کا صیقلہ ذکرِ الٰہی ہے۔

روحانی نسخے حضرت ابو عبد اللہ انطاکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دل کا علاج پانچ چیزوں میں ہے:

(۱) نیک لوگوں کی صحبت

(۲) قراءت القرآن

(۳) پیٹ کو طعام سے خالی رکھنا۔

(۴) قیام اللیل

(۵) سحر کے وقت آہ و بکا۔

(کذا فی تفسیر الثعالبی)

تفسیر عالمانہ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ (شانِ نزول) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم
کو کفار کہتے آپ جس عذاب کی ہمیں دھمکیاں دیتے ہیں وہ لائیے۔ ہم اس کے لیے تیار ہیں ان
کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ سے کفار تعجیلِ عذاب کی جلدی کرتے ہیں۔ ان سے ابن حارث اور اس کے ساتھی
مراد ہیں کیونکہ وہ بطور استہزاء اور تعجیز کہا کرتے تھے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ آیت میں ان کی عدم تصدیق کی طرف اشارہ ہے کما قال تعالیٰ:
یستعجل بہا الذین لا یؤمنون بہا۔ عذاب کی عجلت وہی کرتے ہیں جو کافر ہیں۔ اگر
وہ ایمان دار ہوتے تو عذاب طلب نہ کرتے بلکہ وہ نبی علیہ السلام کے ہر قول کی تصدیق کرتے اور پھر آپ سے کسی شے
کو جلد لانے کی طلب نہ کرتے۔ استعجال بمعنے طلب الشئ وتحریہ قبل اوانہ۔ وقت سے پہلے شے کا مطالبہ
اور اس کے حصول کے لیے تگ و دو کرنا۔

تفسیر عالمانہ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ اور اللہ تعالیٰ ہرگز وعدہ کے خلاف نہیں کرے گا۔ اور ان کے
عذاب کے مطالبہ سے پہلے اللہ تعالیٰ اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وعدہ فرما چکا ہے
کہ کفار کو ضرور عذاب میں مبتلا کرے گا۔ چنانچہ اس کا ایفاء یوم بدر میں ہوا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اہل ایمان کے ساتھ وعدۂ الٰہی کے خلاف محال ہے البتہ ان سے وعید
کا خلاف کرے تو اس کا عین کرم ہے اس لیے کہ اہل ایمان کے حق میں رحمت الٰہی غضب حق
پر غلبہ رکھتی ہے نیز ان سے مغفرت کا بھی وعدہ فرمایا ہے کما قال:

ان اللہ یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذٰلک لمن یشاء۔

اور فرمایا:

ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً۔

ف: یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی بہتر توجیہ فرماتے تھے وہ فرماتے کہ وعدہ و وعید دونوں حق ہیں اس لیے کہ
وعدۂ الٰہی بندوں کا حق ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے لکھا ہے کہ جب وہ حکم الٰہی بجا لائیں تو انہیں فلاں فلاں
احسان و کرم سے نوازا جائے گا۔ جب بندہ وہ حکم بجا لاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کرنے کے مطابق اس بندے کو
احسان و کرم سے نوازتا ہے اس لیے کہ ایفاء عہد جب اس کے بندوں سے لازماً صادر ہوتا ہے تو ان کے آقا
سے صادر ہونا تو اور اولیٰ ہے اور وعید اللہ تعالیٰ کا حق ہے جو اس نے اپنے بندوں سے کیا ہے۔ مثلاً انہیں
فرمایا:

لا تفعلوا کذا۔ اے میرے بندو یوں نہ کرو ورنہ تمہیں عذاب میں مبتلا کر دوں گا۔ اگر وہ حکم عدولی کریں تو پھر

اللہ تعالیٰ کی مرضی، چاہے انہیں معاف کر دے چاہے عذاب میں مبتلا کرے کیونکہ یہ اس کا اپنا حق ہے اور اس کے لیے ایسے امور میں عفو و کرم اولیٰ ہے کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔ حضرت سری الوصلی قدس سرہ نے فرمایا ؎

اذا وعد السراء انجز وعده
وان اوعد الضراء فالعفو مانعه

ترجمہ: جب رحمت کا وعدہ فرماتا ہے تو اس کا ایفا کرتا ہے۔ اگر کسی کو اپنے عذاب سے ڈراتا ہے تو عفو و کرم اس کو مانع ہوتا ہے۔

کذا فی شرح المقصد لجلال الدوانی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد بیان فرمایا ہے کہ کفار کو عالم دنیا میں عذاب میں مبتلا کرنے کے علاوہ آخرت میں انہیں بہت سخت اور دائمی عذاب ہوگا۔ چنانچہ آخرت کی ایک معمولی کیفیت یوں بیان فرمائی۔

تفسیر عالمانہ وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ یعنی کفار کے عذاب کا ایک دن كَأَلْفِ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ تمہارے دنیا کے ہزار سال کے برابر ہوگا۔

ف: یوم (دن) کی ساعات کے چند مراتب ہیں۔ اس کے ادنیٰ مرتبہ کو آن کہا جاتا ہے۔ اور آن پر چھوٹی گھڑی جیسے زمان کا اطلاق ہو سکے۔ اسی سے ہی آگے کے مراتب بڑھتے ہیں (مثلاً سیکنڈ، منٹ، گھنٹہ، پہر وغیرہ) اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا:

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ۔

اسے یوں سمجھئے کہ شئون الٰہی ادوار زمان میں جزء لایتجزی کی طرح ہے کہ اسی سے ہی ادوار زمان گردش کرتے ہیں اور شئون الٰہی کی کیفیت ادوار زمان میں ایسے ہے جیسے روح جسم کے ذرے ذرے میں جاری و ساری ہے اور قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہوگا اور آخرت کا دن ایک ہزار سال کا ہوگا۔

ف: یہ خطاب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور آپ کے ان ساتھیوں کو جو آپ پر ایمان لائے گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کفار عذاب چاہتے کیوں ہیں حالانکہ ان کے عذاب کے ایام میں سے صرف ایک یوم کی درازی ایک ہزار سال کی ہے۔

ف: وہ درازی یا تو حقیقۃً ہوگی یا اس کی شدت اور سختی کی وجہ سے انہیں دراز کہا گیا ہے اس لیے کہ سختی اور شدت کے ایام طویل محسوس ہوتے ہیں۔ چنانچہ اہلِ عرب کے ہاں مقولہ مشہور ہے۔

لیل الفراق طویل و ایام الوصل قصار۔

یعنی فراق کی راتیں لمبی اور وصال کے دن چھوٹے ہوتے ہیں۔

نیز وہ فرماتے ہیں :

سنة الوصل سنة و سنة الهجر سنة۔

یعنی وصال کی گھڑیاں آنکھ جھپکنے سے پہلے گزر جاتی ہیں اور ہجر و فراق کی ایک گھڑی سال کے برابر محسوس ہوتی ہے ؎

ويوم لا اراك كالف سنة
وشهر لا اراك كالف عام

ترجمہ : تیرا ایک دن کا فراق ہزار برس معلوم ہوتا ہے اور ایک مہینہ کا فراق تو ہمارے لیے تو ہزاروں برس کے برابر ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا : ؎

آں دم کہ با تو باشم یک سال ہست روزے
واں دم کہ بے تو باشم یک لحظہ ہست سالے

ترجمہ : حبیب تیرا وصال نصیب ہوتا ہے تو ایک سال ایک دن کی طرح گزر جاتا ہے اور جب تیرے فراق میں ہوتا ہوں تو میرا ایک لحظہ سال کا ہو جاتا ہے۔

ف : یہ بھی جائز ہے کہ وان یوما الخ کا تعلق ولن یخلف اللہ سے ہو۔ اب معنی یہ ہوا کہ وعدہ الٰہی تو ضرور پورا ہو کر رہے گا اگرچہ اس کے ایفا میں دیر نہیں ہونی چاہیے۔ لیکن چونکہ وہ حلیم و صبور ہے اس لیے کفار کو عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ اس کا ایک دن ہزار برس کا ہے اس لیے اسے حلم و وقار کی وجہ سے کافروں کے عذاب میں دیر لگتی ہے۔

ف : مدت کی طوالت اور کمی صرف مخاطبین کی وجہ سے ہے ورنہ اس کے ہاں مدت کی کمی بیشی برابر ہے۔ ہزار برس اور ایک دن اس کے لیے الآن کما کان کے حکم میں داخل ہے کیونکہ زمانہ کی کثرت و قلت اور درازی و کمی اس کے لیے نہ مفید ہے نہ نقصان دہ اس لیے کہ وہاں نہ صبح ہے نہ شام (شرح اور ذرات)۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہزار سال اور ایک دن برابر ہے کیونکہ اس پر زمانے کا اجرا نہیں ہوتا۔ اس کے ہاں کثرت و قلت اور وجود و عدم برابر ہیں۔ بنا بریں جب وہ چاہے کسی کو عذاب دے خواہ دیر سے۔ اور اجرائے حکم میں جلدی اور دیر حائل نہیں ؎

تا روز نرسد وعدہ ہر کار کہ ہست
ہر چند کنی جہد بجائے نرسد

ترجمہ: جب تک مصلحت حق کے مطابق کام کا وقت نہ آئے تمہاری جدوجہد اس کے حصول کے لیے کارگر نہ ہوگی۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھے کہ وعدۂ الٰہی ضرور پورا ہوگا۔ ہاں اس کے مہلت دینے سے مغرور نہ ہونا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی گرفت شدید ہے۔ اس کے عذاب کو برداشت کرنے کی کس کو طاقت ہے بلکہ بندے پر لازم ہے کہ وہ اس کی رضا کے حصول کے لیے جدوجہد کرے۔ یعنی اس کے اوامر پر عمل کرے اور نواہی سے اجتناب ہو۔ اور اس پر لازم ہے کہ دین سے متعلق شکوک کو دور کرے دلائل دینی سے۔ احکام الٰہی اور اس کے وعدہ وعید کی صداقت پر یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اقوال میں سچا اور اپنے افعال میں حکیم ہے۔ بندے پر واجب ہے کہ اس کے اوامر و نواہی کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔

وَكَأَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اور بہت سی بستیوں کے لوگوں کو **أَمْلَيْتُ لَهَا** عذاب روک کے مہلت دی جیسے کفار مکہ کو مہلت دے رکھی ہے **وَهِيَ ظَالِمَةٌ** حالانکہ وہ لوگ ظالم تھے اور عذاب کے مستحق تھے۔ ان کے لیے تو یہ چاہیے تھا کہ انہیں فوراً تباہ کر دیا جاتا۔ جیسے اب مکہ والوں کا حال ہے **ثُمَّ أَخَذْتُهَا** بہت بڑی مدت کے بعد میں نے ان کی گرفت کی اور وہ اس وقت جب انہوں نے معاصی و جرائم سے توبہ نہ کی۔ **وَإِلَيَّ الْمَصِيرُ** اور میرے حکم کے مطابق تمام بنی آدم وغیرہ کو لوٹنا ہے کسی دوسرے کے ہاں ان کی حاضری نہیں ہوگی اب انہیں مہلت دی جا رہی ہے کہ وہ رجوع کر جائیں۔

ف: آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا مہلت دینا بھی حکمت ہے۔ وہ اپنی مرضی سے مہلت دیتا ہے اسے کوئی مجبور نہیں کرتا۔ ظالم کو مہلت دیتا ہے اور ظلم کرنے کے لیے اس کی رسی دراز کرتا ہے۔ اس سے ظالم یہ سمجھتا ہے کہ اس کا فعل اچھا ہے۔ یہ محض اس کا گمان ہوتا ہے ورنہ جب اللہ تعالیٰ گرفت کرتا ہے تو ڈھیل نہیں دیتا ہے اور نہ ظالم کو اس کا موقع دیتا ہے۔ جب ظالم کی گرفت ہوتی ہے تو اس وقت اسے ندامت ہوتی ہے۔ لیکن اس سے اسے کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور نہ ہی کسی حیلہ اور سبب سے وہ عذاب الٰہی سے نجات پا سکتا ہے کیونکہ تدبیر کو تقدیر فنا کر دیتی ہے اور سب کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہے لیکن ظالم کو بدبخت کرتا ہے ظلم کی شامت سے گرفتار کر کے بارگاہِ حق میں پہنچایا جاتا ہے گرفت پر سر پیٹتا ہے حالانکہ اسے چاہیے اس گرفت پر اپنے آپ کو ملامت کرنا چاہیے نہ وہ ظلم کرتا نہ اسے گرفت ہوتی۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ہے:

تو بتقصیر خود افتادی ازیں در محروم
از کہ می نالی و فریاد چرا می داری

ترجمہ: تو اپنی کوتاہی سے اس دروازہ سے خود محروم ہوا ہے پھر رو کیوں رہا ہے اور فریاد کیوں کرتا ہے۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۚ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
[illegible]
الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۞ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْۤ اٰيٰتِنَا
[illegible]
مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۞ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ
[illegible]
رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْۤ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ
[illegible]
اللّٰهُ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۞
[illegible]
لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ
[illegible]
وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ۞ وَّلِيَعْلَمَ
[illegible]
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ
[illegible]
قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۞ وَلَا يَزَالُ
[illegible]
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ
[illegible]
عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ۞ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
[illegible]
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۞ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا
[illegible]
بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۞
ان کے لیے ذلت عذاب ہے

تفسیر عالمانہ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ فرما دیجئے اے لوگو! بجز اس کے نہیں کہ میں تمہارے لیے کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں یعنی میں ایسے بیان سے تعلق سے جو حق آشکار ہے اس میں امم سابقہ کے حالات میں تمہیں اسی وحی کے حکم سے ڈراتا ہوں اس میں میرا ذاتی طور پر کسی قسم کا دخل نہیں اور نہ مجھ میں تمہارے مطالبے پر جلد تر عذاب دے سکتا ہوں۔

سوال: یہاں انذار پر اکتفا کیوں؟ حالانکہ اس کے بعد دونوں فریقوں یعنی مسلم و کافر کا ذکر ہے۔

جواب: اس کلام کا حقیقی روئے سخن مشرکین ہیں صرف انہیں کو عذاب کی خبر سنانا مطلوب ہے۔ پھر اہل اسلام اور ان کی نعمتوں کا بیان آیا ہے تو اس میں کافروں پر غیظ و غضب بیان کرنے کے لیے مزید اضافہ مقصود ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ انذار اہل نسیان کو ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کافروں کو فرما دیجئے کہ ظاہر صورت میں میں تمہارے جیسا ہوں لیکن سیرت کے اعتبار سے نہیں۔ میں نیکی والوں کا بشیر (خوشخبری سنانے والا) اور برائی والوں کا نذیر (ڈر سنانے والا) ہوں۔ میں برائی اور بدی سے تائید دیا گیا ہوں اور تمہیں طاعت و احسان کے لیے امر اور فجور و عصیان سے بچنے کا حکم فرماتا ہوں۔

تفسیر عالمانہ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ پس وہ جو ایمان اور نیک عمل والے ہیں ان کے لیے مغفرت ہے یعنی ان کے گناہوں سے تجاوز کیا جائے گا وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ اور رزق کریم یعنی جنات النعیم نصیب ہوگی۔ یا زحمت کے بغیر انہیں رزق نصیب ہوگا۔

ف: الکریم وہ ہے جو ہر طرح کے فضائل کا جامع ہو۔

وَالَّذِيْنَ سَعَوْا اور وہ لوگ جنہوں نے عجلت کے ساتھ جد و جہد کی فِیْۤ اٰيٰتِنَا ہماری آیات میں۔ یعنی ان کے رد اور باطل کرنے اور ان پر طعن و تشنیع کرنے اور انہیں جادو، شعر و دیگر افتراءات کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ مُعٰجِزِيْنَ درانحالیکہ وہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کا مقابلہ کرتے اور ایسے طریقے کوشش کرتے کہ کسی طرح وہ اللہ تعالیٰ کے احکام سنانے میں عاجز ہو جائیں یا ان کا گمان تھا کہ اللہ عاجز ہے اور ہم پر کسی قسم کی قدرت نہیں رکھتا یا وہ ہمارے ساتھ مخاصمت رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم پر سبقت کر جائیں گے۔ یہ عاجز فلاں فلاں سے سبقت لے گیا۔ جیسے معجزہ بمعنی مسبقہ۔ حضرت کاشفی مرحوم نے لکھا کہ درانحالیکہ وہ اپنے گمان کو ہم پر آگے جانے والے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ ہمارے عذاب سے بچ جائیں گے۔ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ وہی دوزخی ہیں۔ یعنی جہنم کی آگ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ جحیم دوزخ کے ایک طبقہ کا نام ہے۔ مثنوی شریف میں ہے۔

ہر کہ بر شمع خدا آرد پف او
شمع کے میرد بسوزد پوز او

۲ کے شود دریا ز پوز سگ نجس
کے شود خورشید از پف منطمس

ترجمہ: (۱) جو بھی اللہ تعالیٰ کی شمع پر پھونک پھینکتا ہے اس سے شمع تو نہیں بجھے گی بلکہ اس کی اپنی داڑھی جل جائے گی۔

(۲) کتے کی تھوک سے دریا پلید نہیں ہوگا اور نہ ہی سورج پھونک مارنے سے بے نور ہو جائے گا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ جو بھی اہل آیات اولیاء اللہ سے عناد رکھتا ہے وہ دوزخی ہے یعنی جو شخص بھی اللہ والوں کی ولایت کو رد کرتا اور ان سے بغض رکھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی نظروں سے گر جاتا ہے اور جحیم آخرت کی نار جہنم کو کہا جاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے لیے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کا دل انکار از اولیاء سے پھیر دیتا ہے اور اسے توبہ و استغفار کی توفیق بخشتا ہے۔

حکایت کرامت بشر حافی حکایت مشہور ہے کہ ایک شخص صوفیہ کرام سے بغض و عداوت رکھتا تھا اور وہ خود کہتا ہے کہ اسی بغض و عداوت میں میں نے ایک دن بشر حافی قدس سرہ کو دیکھا کہ وہ نماز جمعہ کے لیے تشریف لائے۔ بعد فراغت بازار سے روٹی بھنا ہوا گوشت اور حلوا خرید کر بغداد سے باہر نکل گئے میری بدگمانی بڑھ گئی اور خیال آیا کہ جب یہ زاہد ہے تو پھر اسے ایسی لذیذ اشیاء کی کیا ضرورت! میں ان کے پیچھے ہو لیا تاکہ دیکھوں کہ وہ ان اشیاء سے خود دل لگایا کرتے ہیں میرا غالب گمان یہی تھا کہ جنگل میں اکیلے ہو کر خود کھائیں گے لیکن وہ ان اشیاء کو اٹھائے عصر تک چلتے رہے بالآخر ایک مسجد میں گھس گئے میں بھی ان کے پیچھے تھا۔ جب میں مسجد میں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں ایک بیمار پڑا ہے اور وہ لذیذ اشیاء اس کے سامنے پڑی ہیں اور وہ کھا رہا ہے۔ میں اس کے بعد مسجد سے باہر نکلا تاکہ دیکھوں کہ بشر حافی کہاں چلے گئے۔ میں نے مریض سے بشر حافی کا پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ وہ تو واپس بغداد چلے گئے ہیں۔ میں نے پوچھا یہاں سے بغداد کا کتنا فاصلہ ہے؟ مریض نے کہا: چالیس فرسخ (یعنی ایک سو بیس میل)۔ میں نے اتنا فاصلہ سن کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ میرے پاس اتنے پیسے نہ تھے کہ میں کرایہ کی سواری سے بغداد پہنچ سکتا۔ پیدل چل کر بھی اتنی مسافت طے کرنا میرے بس میں نہ تھا۔ آئندہ جمعہ تک مجھے انتظار کرنا پڑا۔ حسب دستور حضرت بشر حافی رحمہ اللہ تعالیٰ تشریف لائے اور مریض کے لیے اشیاء خوردنی بھی لائے۔ مریض نے کہا: اے ابو نصر (بشر حافی قدس سرہ کی کنیت ہے) اس شخص کو اس کے گھر پہنچا دیجئے۔ انھوں نے غضبناک آنکھوں سے میری طرف دیکھا اور فرمایا: میرے ساتھ کیوں چلے آئے تھے! میں نے عرض کی: خطا ہو گئی معاف فرما دیجئے۔ مجھے گھر پہنچا کر فرمایا کہ آئندہ ایسی غلطی نہ کرنا۔ میں نے اس کے بعد توبہ کی اور اپنے گھر کا اثاثہ اللہ کی راہ میں لٹا دیا اور اولیاء کرام کی صحبت و خدمت میں رہنے لگا۔

ف: حکایت مذکورہ بالا سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوئے:

(۱) کرامات اولیاء حق

(۲) جہاں عقل کی دال نہ گلے وہاں ایسے امور میں عقل کو دخیل بنانا اور انکار کرنا جہالت ہے۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی وارث کامل کی طرف رجوع کرنے سے قربت الٰہی نصیب ہوتی ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

کلید گنج سعادت قبول اہل دل است
مباد کس کہ دریں نکتہ شک و ریب کند

ترجمہ: سعادت کے خزانے کی چابی اللہ والوں کے ہاں قبول ہو جانے میں ہے خدا کرے ایسے معاملہ میں کوئی بھی شک و شبہ نہ کرے۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا کہ اہل ارشاد سے استمداد حصول مقصد کے لیے اگرچہ ایک اچھا عمل ہے ان کے ساتھ تو محض حسن اعتقاد ہی بہت سی مشکلات کو آسان بنا دیتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ تک پہنچا دیتا ہے۔ وہی مفتح الابواب اور ہادی الی سبیل الصواب ہے۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ عارفین کاملین سے انکار قلت فہم اور فقدان عقل ہوتا ہے اس لیے کہ ان کے علوم مبنی بر کشف و عیان ہیں اور ان کے غیروں کے علوم غور و فکر و دانائی کی پیداوار ہوتے ہیں۔ اللہ والوں کا ابتدائی طریقہ تقویٰ و عمل صالح ہوتا ہے اور ان کے غیروں کا ابتدائی طریقہ مطالعۂ کتب و استمداد از مخلوق پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ والوں کے علوم کا انتہا حضرت حق و قیوم کے شہود تک وصول ہوتا ہے اور ان کے غیروں کے علوم کی نہایت اور غرض و غایت تحصیل الوظائف والمناصب اور وہ دنیوی مطالب ہیں کہ وہ علم نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ بہتر طریقہ وہی ہے جو اللہ والوں اولیاء و علماء کا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اور آپ سے پہلے ہم نے کوئی رسول بھیجا نہ نبی۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اور نبی میں فرق ہے۔ رسول وہ انسان ہے جسے اللہ تعالیٰ تبلیغ رسالت کے لیے اور ان مصالح دارین کے بیان کے لیے مخلوق کی طرف بھیجے جن سے عقول قاصر ہوں اس میں کتاب کی شرط لگائی جاتی ہے۔ اور نبی اعم ہے اس کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے ہوتی ہے جبکہ آپ سے پوچھا گیا کہ انبیاء علیہم السلام کتنے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار۔ پھر سوال ہوا کہ ان میں رسل کرام کتنے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: تین سو تیرہ۔

ف: ایک روایت میں انبیاء علیہم السلام کی گنتی دو لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ قہستانی نے فرمایا کہ رسول وہ ہے جو تبلیغ احکام کے لیے مبعوث ہو وہ انسان ہو یا فرشتہ۔ اور نبی صرف انسانوں سے مخصوص ہے۔

ف علامہ آلوسی مرحوم نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ بعض تفاسیر میں قصۂ القاء الشیطان واضح چیز کو ایسے طریقہ سے بیان کیا گیا ہے جو اہلِ تحقیق کو بالکل ناپسند ہے۔ تاویلات علم الهدیٰ و تیسیر و دیگر کتب معتبرہ جیسے معتمد المستند و زبدہ اور صاحب تحفہ برگزیدہ ثقات اور رجال سے اللہ تعالیٰ نوازے۔ ہم اس طرح سے نقل کرتے ہیں جو اہلِ سنت کے مذہب کے موافق ہے۔

القاء الشیطان کی توجیہ

مروی ہے کہ جب سورۂ والنجم کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں مسجد حرام میں مجمع قریش کے سامنے تلاوت فرمایا ہر آیت پر وقفہ کے ساتھ، تاکہ سامعین سن کر اس پر غور و فکر کریں اور یاد بھی کر سکیں۔ چنانچہ آپ نے افرءیتم اللات والعزّٰی ومناة الثالثة الاخریٰ پر وقف فرمایا تو شیطان نے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یوں پڑھا تلك الغرانیق العلیٰ وان شفاعتهن لترتجیٰ۔ یعنی یہ بت بہت بڑے بلند قدر یا وہ ایسے پرندے ہیں جن کی پرواز بلند ہے اور ان کی شفاعت کی امید رکھی جا سکتی ہے۔ کفار و مشرکین نے سنا تو بہت شاداں و فرحاں ہوئے اور ان کا گمان تھا کہ یہ الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہوئے ہیں اور انہوں نے شکر کیا کہ آج آپ نے بتوں کی تعریف کر ہی ڈالی۔ آخر سورۂ مذکورہ (والنجم) پر سجدہ آیا اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے سجدہ کیا تو کفار و مشرکین بھی شکرانہ کے طور پر سجدہ ریز ہوئے۔ اس پر جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صورتِ حال سے آگاہ فرمایا۔ حضور اکرم کو اس سے سخت غم و حزن ہوا اور بہت پریشان ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے یہی آیت نازل فرمائی کہ وما ارسلنا من رسول الآ۔

اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓی جو بھی وہ پڑھتے تھے۔

اہلِ عرب میں تمنی الکتاب بمعنی قرأ آتا ہے۔

حلِ لغات

امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا: التمنی بمعنی تقدیر شیءٍ فی النفس وتصویرها کسی شے کا نفس میں مقدر اور مصور کرنا۔ الامنیة یعنی وہ صورت جو نفس میں حاصل ہو۔ تمنی بالشیء سے ہے۔ قرآن مجید میں ہے ومنهم امیون لا یعلمون الکتاب الا امانی یعنی ان کی تلاوت معرفت سے خالی تھی کیونکہ ہر تلاوت معرفتِ معنی سے خالی ہو تو پڑھنے والے کے لیے صرف ایک خیال ہے جو ایک تخمینہ پر مبنی ہے۔

اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ پر شیطان اس کی قرأت میں ملاتا ہے۔ جیسا کہ امام راغب وغیرہ نے تفسیر کی ہے۔ علامہ آلوسی مرحوم نے کہا کہ تلاوت کے وقت شیطان جو چاہتا ہے ملا دیتا ہے جیسا کہا جاتا ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کے وقت کیا تھا کہ ابیض نامی شیطان نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز کے مشابہ آواز بنا کر مذکورہ بالا الفاظ پڑھے جنہیں کفار نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز سمجھا تھا۔ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ تو اللہ تعالیٰ مٹاتا اور زائل کرتا ہے۔ یہاں پر نسخ سے شرعی معنیٰ مراد نہیں بلکہ لغوی معنیٰ مراد ہے کیونکہ شرعی معنیٰ احکامِ شرعیہ میں استعمال ہوتا ہے۔

مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ وہ کلمات جو شیطان ڈالتا ہے ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ پھر ثابت رکھتا ہے اللہ تعالیٰ آيٰتِهٖ اپنی آیات جو انبیاء علیہم السلام نے پڑھیں۔ یہاں تک کہ کسی کو ان کے شامل ہونے کی جرأت نہیں ہوتی وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ اور اللہ جانتا ہے وحی اور شیطان کے القاء کو جانتا ہے حَكِيْمٌ اس میں جسے مضبوط رکھنے کا ارادہ رکھتا ہے اسے مضبوط رکھنے میں حکمت والا ہے تاکہ متزلزل ایمان والوں اور ثابت قدم ایمان والوں کا امتیاز ہو۔

سوال۔ اگر اس قسم کا القاء شیطانی تسلیم کیا جائے تو پھر احوال انبیاء علیہم السلام میں اشتباہ واقع ہوگا کہ جاننے والے کو کیا معلوم کہ یہ انبیاء علیہم السلام کی تلاوت حقیقی ہے یا شیطانی القاء ہے۔

جواب (۱) اہل ایمان خود اس میں امتیاز کریں گے کیونکہ القاء شیطانی مبنی بر بطلان ہوگا جیسا کہ مذکور ہوا اور القاء میں شیطان نے اصنام کی تعریف کی مگر اس کو تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے فوراً سمجھ لیا کہ بتوں کی ایسی تعریف نبوت سے محال ہے۔

(۲) بغرض تسلیم نسخ و احکام و ایقاعات کا قانون اسی لیے وضع کیا گیا ہے کہ ناقابل امر بعد کو منسوخ ہو جاتا ہے اگرچہ چند لمحات کے بعد یوں اشتباہ کی جڑ کٹ جائے گی۔

(۳) دراصل اس قسم کا القاء شیطانی اہل ایمان کے لیے بطور امتحان کے ہوتا ہے جس سے کامیابی کے بعد تمام حجاب اٹھ جاتے ہیں اور تردد کے بعد ثواب نصیب ہوتا ہے۔

لِيَجْعَلَ یعنی اللہ تعالیٰ نے شیطان کو القاء کی قدرت صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہی نہیں دی بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ایسا ہوتا رہا ہے۔ محض اس لیے تاکہ بنائے مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً شیطانی القاء کو ذریعہ آزمائش اور امتحان لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ان لوگوں کے لیے جن کے دلوں میں مرض یعنی شک اور منافقت ہے اس لیے کہ یہی مرض روحانی ہلاکت و تباہی کا موجب بنتی ہے جیسے ظاہر قلب کی بیماری موت کا سبب بن جاتی ہے وَالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ اور وہ قلوب جو سخت ہیں یعنی مشرکین۔

حل لغات: القسوۃ یعنی قلب کا سخت ہونا۔ یہ حجر قاسی سے لیا گیا ہے المقاساۃ بمعنی المعالجۃ۔ کاشفی مرحوم نے فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ منافق و مشرک القاء شیطانی سے شک و شبہات میں مبتلا ہوتا ہے۔

وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ اور بیشک ظالمین یعنی منافقین و مشرکین۔ اسم ضمیر کی بجائے اسم ظاہر ہوا ان کے ظلم پر گواہی کرتے ہوئے لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ البتہ وہ مخالفت میں بہت ہی حق سے کوسوں دور ہے یعنی وہ عداوت شدیدہ و مخالفت تامہ میں ہیں۔

نکتہ: شقاق کو بعید سے موصوف کرنے میں مبالغہ مطلوب ہے ورنہ درحقیقت بعد اس کی صفت ہونی چاہیے کہ شقاق عارض ہوا۔

وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اور تاکہ علم والوں کو معلوم ہو اَنَّهُ بے شک قرآن۔ جلالین میں ہے انہ کی ضمیر کا مرجع قرآن مجید کی آیات محکم ہیں الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ تیرے رب تعالیٰ سے حق ہیں جو اسی سے نازل ہوئی ہیں

وہی شیطان کی تصرفات کیا باطل۔ حق الامر ہے بے شک ثابت و جب۔ فَیُؤْمِنُوْا بِہٖ پس اس پر ایمان لائیں اور اس پر ثابت قدم رہیں۔ یا اثبات شیطانی کی وارد کے ایمان میں بڑھ جائیں گے۔ اس کا عطف فیؤمنوا پر ہے فَتُخْبِتَ لَہٗ قُلُوْبُهُمْ قرآن کے دل متواضع و متخشع ہوں گے۔ اخبات کا معنی اس صورت میں یہ ہے کاشفی مرحوم نے لکھا ہے تو نرم ہوں ان کے دل قرآن کے لیے، اور اس کے احکام قبول کریں وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اور بے شک اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ہدایت دیتا ہے عموماً امور دینیہ میں، بالخصوص مشکلات اور عجیبہ امور میں۔ جیسا کہ واقعہ کرہ میں ہوا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ سیدھے راستے کی طرف۔ یعنی ایسی بصیرت جو نظر سے بچ جاتا ہے جو حق امر کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر نفس کو فتنہ میں ڈالتا ہے۔ اور اسے ایسا صو بصیرت عطا فرماتا ہے جس سے وہ حق و باطل کا امتیاز کرتا ہے جب زنگ کے بادل چھا جاتے ہیں تو کوئی اور شے بلکہ اس کے قلب سے ظلمت کے پردے ہٹ جاتے ہیں پھر اس پر کسی قسم کا وسوسہ اثر انداز نہیں ہو سکتا اور نہ ہی کوئی آزمائش اس کے آڑے آ سکتی ہے۔ جیسے کہ گرد و غبار سورج کی شعاع اور چمک کو نہیں ڈھانپ سکتی جب وہ اپنی تابانی پر ہوتا ہے۔ ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے اسی کی تائید و توفیق سے ہدایت نصیب ہوتی ہے انسان کی تدبیر کا اس میں کسی قسم کا دخل نہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ اس کے نفس کے سپرد کر دے اور اسے اس کی طبیعت پر چھوڑ دے تو اس سے زنگ دور کرنے کی کوشش سے نکل سکتا ہے بلکہ وہ گمراہی کے دلدل میں پھنس جاتا ہے اگرچہ اس کے لیے نیک لوگ بڑی کوشش کریں۔ حضرت مولانا جامی قدس سرہ نے فرمایا ہے

۱ آنرا کہ زمین گیر کند ہمچو قارون
کی پیش کشد بدعا موسیٰ عمران
۲ قاصد شدہ راز رہ نگار داوود
دیگر۔ لن یصلحہ العطارون

ترجمہ: ۱۔ جسے قارون کی طرح زمین میں دھنسا دیا گیا ہے اسے موسیٰ علیہ السلام باہر نکال سکتے ہیں

داؤد علیہ السلام۔

۲۔ وہ تیل جو بگاڑ دیا جا چکا ہے اسے عطار درست نہیں کر سکتے۔

شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ہے

توان پاک کردن ز زنگ آئینہ
و لیکن نیاید ز سنگ آئینہ

ترجمہ، آئینے سے زنگ کو صاف کیا جا سکتا ہے لیکن پتھر سے شیشہ نہیں بنایا جا سکتا۔

سبق حاصل یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کے تمام احکام کو سنے اور نفس امارہ کی عادات میں جو اس سے بیان کی
جیسے کہ اس کا نفس جاہ و مال، انکار، تکبر اور دعا رہے۔

حضرت شیخ مغربی رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے

ملکے بود کہ افتاد در چاہ بابل
چہ کرامت درین قعر چاہ بابل

ترجمہ: وہ فرشتہ تھا جو بابل کے کنویں میں گر پڑا۔ لیکن ہمارے کنویں میں ہزاروں جادو پوشیدہ ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ اور کافر ہمیشہ قرآن میں شک کرتے اور اس کے ساتھ جدال کرتے رہتے ہیں۔

ف: امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا: المریۃ جیسے کسی معاملہ میں متردد ہونا۔ اور یہ شک سے اخص ہے۔

حَتّٰى تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ یہاں تک کہ ان کے پاس قیامت آئے گی۔ اور قیامت کو ساعۃ کہا کی وجہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔ بَغْتَةً اچانک، یعنی ان کے پاس اس وقت غفلت کے وقت آئے گی اَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيمٍ یا ان کے پاس عقیم کے دن عذاب آئے گا۔

حل لغات العقیم یہ عقم بمعنی یبوست کا قول ہے۔ العقیم وہ عورت جو شوہر کے پانی (نطفہ) کو قبول نہ کرے یعنی بانجھ۔

اب معنی یہ ہوا کہ وہ یوم جس کے بعد اور یوم نہیں۔ گویا ہر یوم اپنے بعد اسے یوم کرتا ہے۔ لیکن قیامت کا دن دنیا کا یوم ہے کہ اپنے بعد کسی کو نہ جنے گا۔ اس معنی پر وہ عقیم ہے۔ اس سے قیامت مراد ہے جیسا کہ ما بعد کا مضمون بتاتا ہے جبکہ فرمایا: الملک فیہ للہ والحکم بین الفریقین۔ یہاں پر ضمیر کے بجائے اسم ظاہر کی وضع مقام کرنا اس لئے کہ ظاہر مطلوب ہے (کذا فی الارشاد)۔

صاحب روح البیان کی تحقیق فقیر (اسماعیل حقی علیہ الرحمۃ) کہتا ہے کہ قرآن مجید میں اکثر وہ عذاب دنیوی کے ساتھ خصوصاً مقامات پر ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

افامنوا ان تاتیہم غاشیۃ من عذاب اللہ او تاتیہم الساعۃ بغتۃ۔

اور فرمایا:

حتی اذا رأوا ما یوعدون اما العذاب واما الساعۃ۔

اس تقریر پر یوم عقیم تو وہ دن ہوا جس میں کسی قسم کی بھلائی نہ ہو۔ نہ ان کو عذاب سے نجات نصیب ہو اور نہ راحت و سرور حاصل ہو۔ جیسے بدر کے دن وغیرہ۔ اور یہ کرامت دنیوی کا آخری اور آخرت کا پہلا دن ہے جواب ہے اللہ تعالیٰ

اسی میں صرف اپنا تصرف ثابت فرمایا ہے اور فریقین کے فیصلہ کا دن بھی اسی کو مقرر فرمایا ہے اسی معنے پر یوم کا زمانہ آخرت کے زمانے سے متصل ہوگا۔

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ جب ان کے ہاں قیامت یا عذاب آئے گا تو تعجب والی شاہی اور استیلاء تام اور علی الاطلاق تصرف لِلّٰهِ وحدہ لا شریک لہ کے لیے ہوگا اس میں کسی کی شرکت نہ ہوگی نہ مجازاً نہ حقیقۃً۔ جیسے آج دنیا میں تو بادشاہ اپنی شاہی اور ملک کا دم بھرتے ہیں لیکن قیامت میں ان کا کروفر ختم ہو جائے گی اور تاج خسروانہ ٹھاٹھ ختم ہو جائے گا اور تمام دعاوی خاک میں مل جائیں گے۔ ان کی تمام خیالی شاہی دنیا برد ہو جائے گی اور لمن الملک الیوم کے اعلان سے ان کی آوازیں مٹ جائیں گی۔ اس وقت وہ عجز و نیاز کے سوا کچھ ظاہر نہ کر سکیں گے ؎

آں سر کہ ہیبت افسرش از چرخ در گذشت
روزے بہ آستانہ او خاک در شود

ترجمہ: وہ سر جس کے تاج کی آواز آسمان سے بھی گزر جائے ایک دن اس کے آستانہ پر مٹی ہوگی۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

ہر تخت و ملک پذیرد زوال
بجز ملک فرماں دہ لایزال

ترجمہ: تمام تخت اور ملک زوال پذیر ہیں سوائے لایزال مالک کے ملک کے۔

ف: اہل علماء نے فرمایا کہ ہر وقت اور ہر حال میں ملک اللہ تعالیٰ کا ہی ہے۔ لیکن عوام اس سے غافل ہیں۔ ہاں قیامت میں قہاریت و جباریت کا غلبہ ہوگا اس وقت کھل کر سامنے آجائے گا کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کا ملک نہیں۔ نہ ہی کسی مجازی اقتدار کی گنجائش ہوگی۔

يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ بندوں کو کیا کرے گا۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ ان کے مابین فیصلہ فرمائے گا اہل ایمان کو نیک جزا اور کفار کو سزا دے گا۔

ربط: [illegible] کی تفسیر و تفصیل بتائی کہ فَالَّذِينَ آمَنُوا پس وہ لوگ جو ایمان لائے اور قرآن کے متعلق کوئی جھگڑا نہ کیا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور اس کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کرکے نیک عمل کیے فِي جَنّٰتِ النَّعِيمِ نعمت والے جنات میں ٹھہریں گے۔

ف: کاشفی مرحوم نے لکھا کہ وہ انواع نعمت کے باغات میں بغیر کسی دکھ کے ہوں گے۔ امام راغب نے لکھا کہ النعیم بمعنے نعمت کثیرہ۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيٰتِنَا اور وہ لوگ کافر ہیں اور ہماری آیات کی تکذیب کرتے ہیں اور اس سبب

رہے وہ مرتے دم تک شک میں رہتے ہیں۔ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ہے۔ یہ لوگ خوار و رسوا کن عذاب میں ہوں گے۔

حضرت مرتضیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مُّهِيْنٌ وہ عذاب ہے جو انکی دنیاوی جاہ و شان و شوکت کے بجائے ان کو ایسی ذلت و خواری میں ڈال دے جو بیان سے باہر ہو۔

ف: اس ارشاد میں فرمایا گیا ہے کہ عذاب کی صفت مذکور ہے اور اس کی تحریر ان کی قباحت پر دلالت کرتی ہے اور غیر اولی کے بجائے جزاء ثانی پر فاء کے دخول سے تنبیہ ہے کہ اہل ایمان کا یہ ثواب اس کا فضل محض ہے۔ یہ ان کے اعمال کا نتیجہ نہیں البتہ کفار کے اعمال سیئہ کی سزا عذاب کی صورت میں ہوگی۔

سبق: ایسے دولت و حکومت عارضی اور فانی ہوتی ہے اگرچہ کتنا عرصہ ان کا حاصل رہے ان لوگوں کو ذرا بھی اس کے دائمہ سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

لقمان حکیم کی حکیمانہ باتیں مروی ہے کہ لقمان حکیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے صاحبزادے کو نصیحت فرمائی کہ:

۱۔ اے بیٹے! اگر تجھے موت کا شک ہے تو نیند کو آنے سے روک (کیونکہ نیند سے غافل ہوجاتا ہے ویسے ہی موت سے)۔

۲۔ اگر تو مرنے کے بعد قیامت کو اٹھنے کا شک ہے تو نیند میں جاگنے کو روک کر۔

جب تم ان باتوں پر غور کرو گے تو تمہیں یقین ہو جائے گا کہ تمہارا اختیار تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ نیند بمنزلہ موت کے اور اس سے بیدار ہونا مرنے کے بعد قیامت کو اٹھنے کے بمنزلہ ہے۔ جب کسی کو اپنے مولا کی ایسی قدرت کا یقین ہو جائے تو وہ کبھی اس کی نافرمانی نہ کرے گا بلکہ اسکی فرمانبرداری سے دنیا کی ہر چیز حاصل ہو جائے اخروی عزت کہ جس کے مقابلہ میں دنیا کی عزت ہیچ ہے۔

لطیفہ مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا جاہ و جلال دیکھ کر کسی نے کہا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے کیسی عظیم سلطنت بخشی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت ایک بار تسبیح پڑھنا سلیمان اور اس کے جملہ تخت و سلطنت سے بہتر ہے۔ اس لیے کہ سلیمان اور اس کے جملہ تخت و سلطنت کو فنا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی تسبیح کو بقا ہے۔

سبق: جب ایک بار تسبیح کی یہ فضیلت ہے تو تلاوت قرآن مجید کا کیا شان ہوگی، جبکہ قرآن مجید افضل الکتب ہے۔

مسئلہ: حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر نے فتوحات مکیہ میں لکھا ہے کہ قرآن کی تلاوت کرنے والے کے لیے مستحب ہے کہ وہ قرآن مجید کو مصحف سے پڑھے اور آیت پر نظر اور اس آیت پر انگلی رکھ کر تلاوت کرے اس لیے کہ زبان کے پڑھنے کے ساتھ آنکھ سے دیکھنا بھی ہو اور انگلی سے مس کرنے کا بھی ثواب ہو۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایسے ہی تلاوت کرتے تھے یہاں تک کہ ایک مصحف ان کے ہاتھوں میں پھٹ گیا۔ سبق: [illegible] قرآن [illegible]

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوا

اور وہ جنہوں نے اللہ کی راہ میں اپنے گھر بار چھوڑے پھر مارے

أَوْ مَاتُوا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۚ وَإِنَّ اللّٰهَ

گئے یا مر گئے تو اللہ ضرور انہیں اچھی روزی دے گا اور بے شک

لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِينَ ۝ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُدْخَلًا يَرْضَوْنَهُ ۗ وَإِنَّ اللّٰهَ

اللہ کی روزی سب سے بہتر ہے ضرور انہیں ایسی جگہ لے جائے گا جسے وہ پسند کریں گے اور بے شک اللہ علم اور

لَعَلِيمٌ حَلِيمٌ ۝ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوقِبَ بِهِ ثُمَّ بُغِيَ

حلم والا ہے بات یہ ہے اور جو بدلہ لے جیسی تکلیف پہنچائی گئی تھی پھر اس پر زیادتی کی جائے

عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۗ إِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ ۝ ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ يُولِجُ

تو بے شک اللہ اس کی مدد فرمائے گا بے شک اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ رات کو ڈالتا ہے

اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَأَنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ۝

دن کے حصہ میں اور دن کو لاتا ہے رات کے حصہ میں اور اس لیے کہ اللہ سنتا دیکھتا ہے

ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ هُوَ

یہ اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے اور اس کے سوا جسے پوجتے ہیں وہی باطل ہے

الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ۝ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ أَنْزَلَ

اور اس لیے کہ اللہ ہی بلندی بڑائی والا ہے کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے آسمان

مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَتُصْبِحُ الْأَرْضُ مُخْضَرَّةً ۗ إِنَّ اللّٰهَ لَطِيفٌ

سے پانی اتارا تو صبح کو زمین ہریالی ہو گئی بے شک اللہ پاک خبردار

خَبِيرٌ ۝ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَإِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ

ہے اسی کا مال ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بے شک اللہ ہی بے نیاز سب

الْحَمِيدُ ۝ ع

خوبیوں سراہا ہے

تفسیر عالمانہ

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا اور وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی یعنی ترک وطن کیا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے راستے میں یعنی جہاد یا اس کی جنت رضا تک پہنچنا ہے جیسا کہ قول باری تعالیٰ سے واضح ہوتا ہے۔ ثُمَّ قُتِلُوا پھر وہ دشمنان اسلام کے مقابلہ میں جہاد کے دوران شہید ہو گئے۔ القتل جیسے ازالۃ الروح عن الجسد۔

قتل و موت کا فرق اگر ازالۂ روح کسی بندے کے سبب سے ہو تو اسے قتل سے تعبیر کرتے ہیں اگر واسطۂ بندہ نہ ہو تو اسے موت سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اَوْ مَاتُوْا یا مر گئے یعنی ہجرت کے درمیان موت وارد ہو گئی لیکن انھوں نے شربتِ شہادت نوش نہیں فرمایا۔ لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا انھیں اللہ تعالیٰ رزق حسن سے نوازے گا۔ اس سے جنت کی غیر منقطع نعمتیں ہیں۔

ف: کاشفی مرحوم نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ انھیں نیک روزی عطا فرمائے گا اور نیک روزی بہشت کی نعمتیں ہو سکتی ہیں جن کو حاصل کرنے میں نہ کوئی تکلیف اٹھانی پڑے گی نہ ان کے کھانے سے کسی بیماری کا خدشہ ہوگا۔ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ اور بے شک اللہ تعالیٰ بے حساب رزق بخشتا ہے۔ وہ خیر الرازقین ہے اس جیسا بے حساب روزی دینے والا اور کوئی نہیں ہے۔

رزق کسے کہتے ہیں وہ عطا جو انتفاع جاری رہے وہ دنیوی ہو یا اخروی۔

ربط: رزق کے بعد اس کے مسکن کو بیان فرمایا۔

چنانچہ فرمایا: لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا مدخل اسم مکان ہے۔ اس سے بہشت مراد ہے۔ اب معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ انھیں بہشت میں داخل فرمائے گا يَّرْضَوْنَهٗ جس سے وہ راضی ہوں گے اس لیے کہ وہ ایسا مکان ہے کہ اس جیسا نہ آنکھوں نے دیکھا نہ ان کے کانوں نے سنا، نہ کسی کے دل میں اس جیسا تصور آ سکتا ہے۔ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کے تمام حالات جانتا ہے حَلِيْمٌ حلیم ہے کہ وہ باوجود قدرت رکھنے کے اپنے دشمنوں کی گرفت میں جلدی نہیں کرتا۔

حکایت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ایک شخص کو گناہ کرتے دیکھا کہ اس کی تباہی کے لیے بددعا کی تو وہ فوراً تباہ ہو گیا۔ پھر دوسرے کے ارتکاب گناہ پر بددعا کی وہ بھی مر گیا۔ پھر تیسرے کے لیے، پھر چوتھے کے لیے بددعا کی وہ بھی غرق ہو گیا۔ باری تعالیٰ نے فرمایا: اے ابراہیم! اگر ہم بھی ایسے ہی ہر مجرم گنہگار کو مارنے لگیں تو چند اشخاص ہی بچ سکیں گے لیکن ہمارا دستور ہے کہ جب ہم کسی بندے کو گناہ کا مرتکب دیکھتے ہیں تو پہلے ہم اسے مہلت دیتے ہیں اگر تائب ہو جاتا ہے تو ہم اس کی توبہ قبول کر لیتے ہیں اگر استغفار کرتا ہے تو اس سے عذاب مؤخر کر دیتے ہیں کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ اس نے ہمارے ملک سے باہر تو کہیں جانا نہیں تو پھر اس پر عذاب میں جلدی کیوں؟

شانِ نزول: حضرت کاشفی مرحوم نے لکھا کہ صحابہ کرام نے عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بعض ہمارے دوست و صحابی، جہاد پر جاتے ہوئے شہید ہو جاتے ہیں اور بعض طبعی موت مرتے ہیں۔ شہیدوں کو تو بلند مراتب نصیب ہوتے ہیں کیا طبعی موت مرنے والوں کو بھی شہداء کی طرح مراتب ملیں گے۔ ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

مسئلہ: جہاد پر جانے والے خواہ شہید ہوں یا طبعی موت مریں ثواب سب کے لیے برابر ہے کیونکہ ان سب کا مدعا و مرام ایک ہے یعنی تقرب الی اللہ اور نصرت دینِ الٰہی

حکمت یہ مقصد بظاہر عقل کے خلاف ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کے تقاضے کے عین مطابق ہے۔ اس کی مثال شریعت میں موجود ہے۔ جیسا کہ حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ نے فتوحات مکیہ میں لکھا کہ مؤذن اقامت کے وقت کہتا ہے قد قامت الصلوٰۃ۔ اس میں صیغہ ماضی ہے حالانکہ نماز بعد میں ادا کی جائے گی جو صیغہ مستقبل سے متعلق ہے۔ اس طرح ہر نمازی کے لیے خوشخبری ہے جو نماز میں ابھی داخل ہی نہیں ہوا۔ تو جیسے یہ خوشخبری ہر طرح کے نمازیوں کے لیے ہے ایسے ہی مجاہدین فی سبیل اللہ بہشت کی نعمتوں میں برابر ہیں وہ شہید ہو گئے ہوں یا طبعی موت مرے ہوں۔

ف: ہر طرح کے نمازیوں سے مراد یہ ہے کہ وہ نماز کے لیے مسجد میں حاضر ہوں یا ابھی تکبیر تحریمہ تک نہیں پہنچ سکے مسجد کی طرف آ رہے ہوں یا نماز کے لیے وضو کر رہے ہوں یا اسی نماز کی تیاری میں مصروف ہوں (ایسا ہو کہ وہ نشست کر کے بیٹھے ہیں اور جب نماز کی اقامت ہو تو اٹھ کھڑے ہوں) اس سے وہ نمازی مراد ہیں جو نماز کے لیے شرعی مجبوری کی وجہ سے پہنچ یا ابھی پہنچ نہیں پائے اور راستہ میں موت واقع ہو گئی۔ ان سب کو اللہ تعالیٰ نے قد قامت الصلوٰۃ کہہ کر نماز کی شرکت کی خوشخبری سنا دی ہے تو معلوم ہوا کہ حصول فضل کی نیت سے فضل میں شامل ہو جانا اور مرتکب ہونا مساوی ہے۔

استدلال از حدیث شریف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جو شخص نماز کا منتظر ہے وہ گویا نماز میں ہے۔

حکایت دو شخص بیک وقت مر گئے ایک کی لڑائی کے ذریعہ سے موت واقع ہوئی۔ دوسرا طبعی موت سے فوت ہوا۔ دونوں کو دفن کیا گیا۔ اس کے بعد حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ اس شخص کی قبر پر جا بیٹھے جو طبعی موت مرا تھا آپ سے عرض کیا گیا حضرت! آپ شہید کی قبر کو چھوڑ کر غیر شہید کی قبر پر کیوں جا بیٹھے ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا معلوم یہ دونوں اجر و ثواب میں برابر ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

والذین ھاجروا فی سبیل اللہ ثم قتلوا او ماتوا (الآیۃ)۔

ف: حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ کی اس حکایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ بظاہر دو عمل مختلف ہوتے ہیں لیکن ثواب و اجر میں برابر ہوتے ہیں۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جو حج کے ارادہ سے گھر سے نکلا ہے لیکن راستہ میں مر جاتا ہے تو قیامت تک اس کے لیے حج کا ثواب لکھا جائے گا ایسے ہی جو عمرہ کرنے کے لیے گھر سے روانہ ہوا تو راستہ میں موت آ گئی تو اسے قیامت تک عمرے کا ثواب نصیب ہوگا۔ ایسے ہی جو جنگ کے لیے روانہ ہوا لیکن راستہ میں مر گیا تو اسے بھی قیامت تک جہاد کا ثواب ملتا رہے گا۔

اولیا زندہ ہیں حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ (صحابی) بحری جنگ کے لیے سوار ہوئے تو راستہ میں وفات پا گئے دفن کرنے کے لیے ساتھیوں نے جزیرہ کی تلاش کی لیکن بہت کوشش کے باوجود دفن کرنے کی جگہ سات روز بعد جزیرہ میسر ہوا، باوجود اس کے سات روز تک حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے جسم میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہ ہوا۔

ف : یہی حال شہداء کا حال ہے۔

ازالۂ وہم قیامت میں مراتب مختلف ہوں گے اس لیے کہ اعمال والوں کے مراتب پر ان کا دارومدار ہے۔ جب اعمال کے لحاظ سے مراتب میں اختلاف ہے تو پھر شہید اور عام موت والے کے مراتب و درجات کیسے مساوی ہو سکتے ہیں اس لیے ماننا پڑے گا کہ راہ حق میں شہید ہونے والا طبعی موت مرنے والے سے افضل ہے۔ اس پر بہت سے دلائل ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ حدیث شریف ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ بہتر جہاد کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا جس کا گھوڑا راہ حق میں مارا جائے اور اس کا اپنا خون بھی اللہ تعالیٰ کے لیے بہہ جائے۔

دوسری دلیل حدیث شریف میں ہے کہ قیامت میں جب شہید آئے گا تو اس کا خون بہتا ہوا ہوگا اس کی بو مشک جیسی ہوگی یہ مرتبہ عام موت مرنے والے کو نصیب نہیں ہوگا۔

- ○ مرنے کے بعد دنیا کی طرف دوبارہ لوٹنے کی آرزو شہید کے لیے ثابت ہے عام موت مرنے والوں کے لیے آرزو ثابت نہیں۔
- ○ طبعی موت مرنے والے کو غسل دیا جاتا ہے، شہید کو غسل نہیں دیا جاتا۔
- ○ شہادت ہر گناہ کا کفارہ بن جاتی ہے۔
- ○ شہید دوسروں کی شفاعت کرے گا لیکن طبعی موت مرنے والا صرف اپنے تک محدود ہوگا۔
- ○ شہید اپنا خون خشک ہونے سے پہلے حور عین کو دیکھ لیتا ہے لیکن طبعی موت مرنے والے کو یہ مرتبہ نہ ملے گا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے طالب حقیقت میں ارادہ طلب سے ہجرت کا جہد صداقت کے ساتھ نفس کو قتل کرنے میں اور صاحب جنس کو مارنے کی طرف اشارہ ہے اور ان کا اجر و ثواب یہ ہے کہ انہیں بقائے معنوی سرمدی کی عطا ہے۔ اور قلوب کا رزق مشاہدۃ العرفان اور اسرار کا رزق مشاہدات الجمال اور ارواح کا رزق مکاشفات الجلال ہے۔ مثنوی شریف میں ہے۔

اے بسا نفس شہید معتمد

۲ اے بسا ظالم بظاہر جسم ریخت
لیک نفس زندہ آں جانب گریخت

۳ آلتش بشکست و رہزن زندہ ماند
نفس زندہ است گرچہ مرکب نماند

ترجمہ: ۱۔ بہت سے شہید مقتول ایسے ہیں جو دنیا میں مردہ ہو گئے ہیں لیکن زندہ ہو کر دنیا سے رخصت ہوتے ہیں۔

۲۔ بہت سے ظالم جسم سے ظاہراً مر گیا لیکن نفس زندہ ہو کر اس کی طرف بھاگا۔

۳۔ آلہ اس کا ٹوٹا اور رہزن زندہ رہ گیا۔ نفس زندہ ہے اگرچہ اس کی سواری اس کے اپنے ہاتھوں سے نکل گئی۔

تفسیر عالمانہ

ذٰلِكَ جملہ مقدرہ کی خبر ہے۔ دراصل الامر ذلک الذی قصصنا علیکم و بینا حکم تھا۔ یہ جملہ الکلام کی تقریر اور تنبیہ ہے کہ یہ کلام ختم ہوا ہے۔ وَمَنْ اور جس نے عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ظالم کو سزا دی اسی قدر جتنا اس نے اس پر ظلم کیا اور قصاص میں تجاوز نہ کیا۔ العقوبہ جرم کی سزا کا نام ہے۔

سوال: جب عقوبۃ جرم کی سزا کا نام ہے تو پھر جس نے جرم کیا ہی نہیں اس پر عقوبت کا اطلاق کیوں؟

جواب: اس کے ساتھ دوسرے کی مشاکلت کی وجہ سے۔ یا یہ مجاز مرسل ہے کیونکہ جس سے جرم کا صدور ہوا اسے سزا ملی تو یہ اس کے سبب سے ہے۔ مسبب کو سبب کا نام دیا گیا ہے۔

ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ پھر اس پر زیادتی کی یعنی سزا دینے میں بدلہ لینے کے بعد اس نے اس پر ظلم کیا۔

حل لغات

بغی علیہ بغیا بمعنی علا و ظلم یعنی تجاوز کیا اور اس پر ظلم کیا۔ امام راغب نے فرمایا: البغی بمعنی طلب التجاوز عن الاقتصاد فیما یتحری اس پر تجاوز ہو یا نہ ہو۔ کبھی قدرت میں ہوتا ہے یعنی کمیت میں اور کبھی وصف یعنی کیفیت میں۔ جو کہا جاتا ہے: بغیت الشئی یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اپنے اصلی حقوق سے زیادہ مطالبہ کرے۔

لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ اس مظلوم سے کا جس پر زیادتی و ظلم ہوا۔ یہ مَن کی خبر ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ بیشک اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔ یعنی بہت عفو و غفران والا ہے۔ بدلہ والے کو معاف کرتا ہے اور اس سے جو کچھ صادر ہوا ہے بخش دیتا ہے اور اسے بھی بخش دیتا ہے جو صبر و عفو پر انتقام کو ترجیح دیتا ہے۔ حالانکہ اسے صبر و عفو مرغوب ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔ اور بے شک وہ جو صبر کرتا ہے اور بخشتا ہے بیشک یہی بڑے امور میں سے ہے۔

اگرچہ عفو کا تقاضا یہ ہے کہ جسے معاف کیا جا رہا ہے اس سے پہلے جرم صادر ہوا ہے لیکن کبھی ایک اور معنیٰ میں بھی مستعمل ہوتا ہے وہ یہ کہ جس فعل پر ملامت کرنا تھی وہ ترک کر دے تو زجر و توبیخ اسے بھی جرم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ف : بحر العلوم میں لکھا ہے کہ غفور وہ ذات ہے جو اپنے صفحۂ قلوب سے گناہوں کے نشانات بھی مٹا دے تاکہ اس سے بروز قیامت میں ان گناہوں کا مطالبہ نہ ہو اور نہ ہی اسے ملائکہ اس کے گناہ یاد دلا کر رسوا کریں۔ اور کبھی یوں بھی فرماتا ہے کہ اس کے گناہوں کے عوض اس کی نیکیاں لکھوا دیتا ہے۔ کما قال :

اولٰئک یبدل اللہ سیاٰتھم حسنات ۔

(وہی لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ حسنات سے تبدیل فرماتا ہے)

اور وہ غفور ہے کہ مستحق جزا کی سزا کو زائل کرنے کا ارادہ کرنے والا ہے۔ یہ لفظ غفر سے ہے بمعنٰی الستر یعنی وہ اپنے بندوں کے گناہ چھپاتا ہے۔

نکتہ : عفو کو غفر پر مقدم اس لیے کیا ہے کہ عفو غفر سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ عفو گناہوں کے مٹانے کا نام ہے اور وہ غفر (چھپانے سے) بہتر ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ جس سے بدلہ لینا ہے اس کی غلطیوں سے درگزر کرنا اور انہیں چھپا دینا اور بخش دینا بدلہ لینے سے افضل ہے۔ اس کے ساتھ احسان و مروت کرنا بھی ضروری ہے ۔ ع

بدی را بدی سہل باشد جزا
اگر مردی احسن الی من اساء

ترجمہ : برائی کا بدلہ برائی سے دینا آسان ہے لیکن اگر تم جوانمرد ہو تو برے کے ساتھ احسان کرو۔

بلکہ اس کے سامنے اس کی غلطیوں کا ذکر تک نہ ہو تاکہ اس کا دل نہ دکھے۔ جب بندوں کے لیے یہ حکم ہے تو اللہ تعالیٰ تو اکرم الاکرمین ہے اس کے لیے بطریق اولیٰ ایسے ہونا چاہیے۔

نکتہ : عفو بدلہ لینے سے اس لیے افضل ہے کہ جس سے بدلہ لیا جائے گا اس سے بدلہ لیتے وقت اپنے حقوق سے تجاوز کرنے کا خطرہ ہے بالخصوص غضب و غصہ اور بغض میں۔ گمان غالب ہے کہ الٹا بدلہ لینے والا ظالموں میں سے نہ ہو جائے جس کا اسے شعور بھی نہ ہو۔

شیخ و مرشد کی بہترین تعریف

نیز حقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے میں نے اپنے شیخ قدس سرہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ انسان کا دل دہ در دہ حوض بلکہ دریا کی طرح ہونا چاہیے۔ اگر کوئی اسے ایذاء دے یا اس کا گلہ و غیبت کرے یا اس کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے تو اس سے دل آزردہ نہ ہو بلکہ اسے معاف کر دے۔ اگر ہو سکے تو اس کے ساتھ احسان کرے۔ جیسے دریا میں پیشاب پڑے یا اس میں جنبی داخل ہو تو اسے کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ الٹا انہیں پاک کر دیتا ہے۔ جیسے پیشاب سے دریا [illegible]

پاک اور اس کی نجاست بھی پانی میں مل کر پاک ہو گی۔

ف : پھر انہوں (روح اللہ روحہ) نے فرمایا کہ جو چاہے سو تو برائی کرے اسے معاف کر دے کیونکہ اس کے ساتھ انتقام کا ارادہ کرنا یا اسے کسی تکلیف میں ڈالنا ہمارے نزدیک شرک ہے ہم (صوفیہ) اس طرف تو بھی کبھی متوجہ نہیں ہوتے بلکہ ہمارا کام تو انتقام اور بدلہ میں منع ہے جو ہمیں اللہ تعالیٰ سے منقطع کرے۔ ہاں فضل حق کے حصول میں ہم جان کی بازی لگا دیتے ہیں (شیخ نے اس تحقیق میں ایک طویل بحث کی ہے جو کہ بلا تفریح ہماری کتاب " تمام الفیض " میں ہے)

مسئلہ : خلاصہ کی کتاب الحدود میں ہے کہ اگر کسی کو خبیث کہے اس پر لازم ہے کہ خاموش ہو جائے اور اسے کوئی جواب نہ دے۔ اگر یہ مقدمہ قاضی (حاکم وقت) کی خدمت میں پیش ہو تو قاضی پر لازم ہے کہ وہ خبیث کہنے والے کو سزا دے یا خبیث کہنے والے کو جواب میں خبیث کہا جائے تو بھی جائز ہے۔

مسئلہ : مجمع الفتاویٰ کی کتاب الجنایات میں ہے اگر کوئی کسی کو یا خبیث کہے اور وہ اس کے جواب میں یہی کلمات دہرا دے تو بھی جائز ہے۔ کیونکہ یہ ایک قسم کا ظالم سے بدلہ لینا ہے اور اس کی شرع پاک میں اجازت ہے۔ کما قال تعالیٰ : ولمن انتصر بعد ظلمه فاولٰئك ما عليهم من سبيل اور اس کے بعد جو ظلم کے بعد بدلہ لیتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

ف : عفو افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

فمن عفا واصلح فاجره على الله۔

(جو معاف کرتا ہے اور اچھے عمل کرتا ہے تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر ہے)

مسائل

۱۔ اگر کوئی کسی کو یا خبیث کہے تو وہ اس کے جواب میں ایسا کلمہ نہ بولے جس سے اسے حد کا مستحق ہونا پڑے۔

۲۔ کسی کو کوئی کہے، یا زانی اس نے اس کے جواب میں کہا کہ تو زانی ہے۔ تو جواب دینے والے پر حد کا اطلاق ہو گا بخلاف اس شخص کے کہ جس نے یا خبیث کہنے والے کو جواب میں یا خبیث کہا تو جواب دینے والے پر حد نہ ہو گی۔

۳۔ القنیہ میں بھی اسی طرح ہے جس نے کسی کو کان پر مارا تو پھر اس نے جواب میں بھی مارا تو دونوں کو سزا دی جائے گی پہلے اس کو سزا دی جائے گی جس نے پہلے مارا۔

ذٰلِكَ نصر کی طرف اشارہ ہے۔ یہ مبتدا ہے اس کی خبر بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ یہ سبب اس کے کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔ یہ شے کا دوسری شے پر غلبہ دینا بھی اسی کی قدرت کاملہ کی دلیل ہے کیونکہ وہ قدرت دیتا ہے کہ رات دن کی روشنی پر تاریکی ڈالتی ہے پھر اس کا دن کی سورج اور روشنی کو ظاہر دیتا ہے۔ اسی طرح سے گھڑیاں گھٹتی بڑھتی رہتی ہیں۔

حل لغات: امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا، ولوج بمعنی تنگی میں داخل ہونا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

حتی یلج الجمل فی سم الخیاط۔ یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو۔

ایسے ہی یولج الیل الخ۔ اس میں تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم کو اس طرح ترتیب فرمایا ہے کہ رات کا حصہ [illegible] بڑھاتا ہے اور زیادتی اور کمی سورج کے مطالع و مغارب کی وجہ سے ہوتی ہے۔

وَاَنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ اور بےشک اللہ تعالیٰ [illegible] دونوں کی ہر بات سنتا ہے بَصِیْرٌ اور دونوں کے ہر عمل کو دیکھتا ہے پھر وہ انہیں مہلت نہیں دے گا۔ ذٰلِکَ یہ کمال علم و قدرت اس وجہ سے ہے بِاَنَّ اللّٰہَ هُوَ الْحَقُّ کہ بےشک اللہ تعالیٰ ہی الوہیت میں حق ہے وَاَنَّ مَا یَدْعُوْنَ اور بےشک جن کی وہ عبادت کرتے ہیں مِنْ دُوْنِہٖ اللہ تعالیٰ کے سوا هُوَ الْبَاطِلُ وہ باطل ہے۔ یعنی اصنام میں الوہیت باطل ہے وَاَنَّ اللّٰہَ هُوَ الْعَلِیُّ اور بےشک وہ اللہ تعالیٰ ہر شے سے بلند ہے الْکَبِیْرُ بڑی عظمت والا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور نہ اس کی اعلیٰ شان کا کوئی ہمسر ہو سکتا ہے اور نہ ہی کوئی اس کی سلطنت و بادشاہت کے مساوی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ولایت اس سے کہیں اعلیٰ ہے جسے وہ لوگ سمجھتے ہیں اور اس کی شان بھی اس سے بلند و بالا ہے جس کا تصور اہل علم کے ذہنوں میں ہے۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ اللہ کی شان ذات و صفات میں بلند و بالا ہے وہ ہر ایک سے ہر لحاظ سے اعلیٰ ہے اور وہ واجب الوجود ہے کہ اس اعتبار سے اس کے برابر کون ہو سکتا ہے۔ العلی بروزن فعیل ہے علو سے مشتق ہے اور یہ دو قسم ہے علو عقلی یا علو محسوس جیسے بلند ہونا کرسی وغیرہ پر۔ اس کا اطلاق امر معقول پر بھی ہوتا ہے جیسے درجات کی بلندی و پستی کے مراتب اور خلیفہ و سلطان اور عالم و متعلم کی بلندی و پستی کی شرافت و کمال اور خصائل رذیلہ کے اعتبارات میں چونکہ اللہ تعالیٰ امر محسوس سے منزہ و مقدس ہے اس لیے اس کے لیے دوسرا معنی صحیح نہیں ہوگا۔

ف: حضرت امام غزالی قدس سرہ نے فرمایا کسی انسان کے متعلق علو مطلق کا تصور نہیں ہو سکتا اس لیے کہ ہر انسان کے اوپر کوئی بلندی رکھتا ہے جیسے عام انسان پر انبیاء و علماء فوقیت رکھتے ہیں۔ اور انسانوں میں ایک ہستی ہے جس کے اوپر اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی بلند مرتبہ نہیں یا انبیاء علیہم السلام میں وہ ذات گرامی ہیں وہ ہیں ہمارے نبی پاک [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اس کے ذات حق تعالیٰ سے آپ کے مرتبہ کو کوئی نسبت نہیں دی جا سکتی کیونکہ ذات حق تعالیٰ واجب الوجود ہے اور وجود ذاتی

؎ [illegible] صاحب مثنوی [illegible] نے [illegible] آیات سے انبیاء و اولیاء کی [illegible] ثابت کرتے ہیں۔ اویسی غفرلہ

سے کسی کو کوئی نسبت نہیں۔ اس ذات واجب الوجود کے علاوہ باقی تمام موجودات سے علی الاطلاق بلند ہے۔ مقصود وجود عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالا و اعلیٰ ہیں۔

علامہ کہ علی مطلق (علی علی الاطلاق) وہی ذات ہے جو ہر لحاظ سے عالی ہے۔ اس کی فوقیت اضافی نہیں، وجوب امکان کا کوئی فرد بھی اس کے برابر نہیں ہو سکتا۔

الکبیر بمعنی خدا کبریا، وہ ذات جس کی کبریائی کا کمال ذاتی ہے وجوبی ہے۔ اور کمال وجوبی وہ ہے ـــــ :

(۱) ہر وجود اسی سے ہے۔

(۲) وہ دائم ابدی و قدیم ہے بخلاف دوسروں کے کہ انہیں دوام نہیں بلکہ ان سے ہر ایک کے وجود سے پہلے عدم ہے اور پھر بھی اسے عدم لاحق ہوگا اور یہ عیب و نقص ہے۔

ف: بعض اولیاء کو نصیب ہوا سے کبیر الشان کہا جاتا ہے یعنی وہ شخص جس کی فکر اور کمالی قوت تک بقا نصیب ہو۔ ایسے کو عظیم الشان نہیں کہا جاتا۔ بہت سے ایسے مقامات ہیں جہاں عظیم استعمال نہیں ہو سکتا مگر کبیر استعمال ہوتا ہے۔ الکبیر بمعنی بڑے سے اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کی صفات کا کمال صرف اپنی ذات تک محدود نہ ہو بلکہ دوسروں میں بھی سرایت کر جائے۔ اس کی صحبت جسے بھی نصیب ہو وہ فیض و فضل سے معمور ہو جاتا ہے۔ اور دوسرے کے کمال سے کمال فی العقل و العلم و العمل مراد ہے۔ اس معنی پر الکبیر وہ شخص ہے جو عالم ہو، پرہیزگار ہو، خلق خدا کا رہبر ہو اور مقتدا بننے کی صلاحیت و اہلیت بھی رکھتا ہو جس کے انوار و علوم سے اقتباس کیا جا سکے۔

عیسیٰ علیہ السلام کے ارشادات

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: جس نے علم پڑھا اور اس پر عمل کیا پھر اسے پڑھایا تو اسے ملکوت سما میں عظیم انسان کہا جاتا ہے۔

علماء کی صحبت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا ہم کس کی صحبت میں بیٹھیں؟ فرمایا: جس کی گفتگو سے تمہارے علم میں اضافہ ہو اور اس کے دیکھنے سے خدا یاد آ جائے اور اس کی عمل صحبت سے آخرت کی ترغیب نصیب ہو۔

آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا تمام باطل ہے یعنی وجود ذاتی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی موجود نہیں۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ کل شیء ما خلا اللہ باطل
ان فضل اللہ غیم ہاطل

۲ ملک ملک اوست او خود مالکست
غیر وجہش کل شیء ہالکست

ترجمہ: ۱۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شے باطل ہے فضلِ الٰہی برسنے والی بارش کی طرح ہے۔

۲۔ تمام ملک اسی کا ہے وہی تمام کا مالک ہے اس کی ذات کے سوا تمام اشیاء فانی ہیں۔

ف: حضرت الشیخ ابوالحسن بکری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ماسوی اللہ سے استغنا کرنا چاہیے کیونکہ جو فانی ہیں اس فانی کو لازم ہے کہ وہ اپنے وجود کے لیے ذاتی وجود کے دعویٰ سے استغفار کرے۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ تحصیلِ شہود و یقین میں اور توحید کے مقامِ تمکین تک پہنچنے میں کوشاں رہے۔

تا دم وحدت زدی حافظ شوریدہ حال
خامۂ توحید کش بر ورق این و آن

ترجمہ: اے پریشان حال حافظ! جب تم توحید کا دم بھرتے ہو تو توحید کے قلم سے اِس و آں کے ورق کاٹ دیجئے۔ ہم تحقیق کے ساتھ درکِ حقیقت کی توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ: أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَتُصْبِحُ الْأَرْضُ مُخْضَرَّةً کیا نہیں دیکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا ہے جس سے زمین سرسبز ہو جاتی ہے یعنی نزولِ بارش سے زمین خشکی اور ویرانی کے باوجود سرسبز ہو جاتی ہے۔

حل لغات: الخضرۃ سفیدی و سیاہی کے درمیانی رنگ کا نام ہے لیکن سیاہی کے زیادہ قریب ہوتا ہے اسی لیے بعض اوقات سیاہ رنگ کو سبز اور سبز کو سیاہ کہا جاتا ہے۔ سواد العراق اسی جگہ کو کہا گیا جہاں سبزی بکثرت ہو۔

ف: الم تر یہ استفہام تقریری ہے اسی لیے مرفوع ہے اور فتصبح کا عطف انزل پر ہے اگر فتصبح منصوب پڑھا جائے تو اخضرار (سبزی) کی نفی ہو گی حالانکہ اسی کا اثبات مطلوب ہے اور نفی کے معنی کلام فینظر میں ہے جیسے لم تر کے استفہام کے جواب فینظر کو منصوب پڑھنے میں نظر کی نفی ہو جاتی ہے اور مقصود اس نفی کی نفی مطلوب بھی یہی ہے بخلاف اخضرار کے یہاں پر نفی نہیں بلکہ اثبات مطلوب ہے۔

نکتہ: فتصبح کو مضارع پڑھنے میں اشارہ ہے کہ بارش کا اثر کافی دیر تک رہتا ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ لَطِيفٌ بے شک اللہ تعالیٰ سب پر لطف فرماتا ہے۔ ایسے لطف و کرم کا انہیں وہم و گمان تک نہیں ہوتا۔

ف: جناب کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا کہ وہ اللہ تعالیٰ جو اپنے بندوں پر سبزی کا اظہار لطف و کرم فرماتا ہے کہ انہیں روزی پہنچائے۔

خَبِيرٌ وہ ظاہری و باطنی تدابیر سے باخبر ہے کہ کس کو کون سی بات چاہیے۔ (باقی برصفحہ ۱۲۱۶)

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ وَالْفُلْكَ
کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے تمہارے بس میں کر دیا جو کچھ زمین میں ہے اور کشتی کو
تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهٖ ۚ وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ أَنْ تَقَعَ عَلَى
کہ دریا میں اس کے حکم سے چلتی ہے اور وہ روکے ہوئے ہے آسمان کو کہ زمین پر نہ گر پڑے
الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهٖ ۗ إِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ۝ وَهُوَ
مگر اس کے حکم سے بیشک اللہ آدمیوں پر بڑی مہر والا مہربان ہے اور وہی
الَّذِي أَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ۗ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ ۝
ہے جس نے تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں جلائے گا بیشک آدمی بڑا ناشکرا ہے ہر
لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ ۖ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ
امت کے لیے ہم نے عبادت کے قاعدے بنا دیے کہ وہ ان پر چلے تو ہرگز وہ تم سے اس معاملہ میں جھگڑا نہ کریں اور
وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُسْتَقِيمٍ ۝ وَإِنْ جَادَلُوكَ
اپنے رب کی طرف بلاؤ بیشک تم سیدھی راہ پر ہو اور اگر وہ تم سے جھگڑیں تو
فَقُلِ اللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ اللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا
فرما دو کہ اللہ خوب جانتا ہے تمہارے کوتک اللہ تم میں فیصلہ کر دے گا قیامت کے دن جس بات
كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۗ
میں اختلاف کرتے ہو کیا تو نے نہ جانا کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے
إِنَّ ذٰلِكَ فِي كِتَابٍ ۚ إِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرٌ ۝ وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ
بیشک یہ سب ایک کتاب میں ہے بیشک یہ اللہ پر آسان ہے اور اللہ کے سوا ایسوں کو پوجتے ہیں
اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطَانًا وَمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۗ وَمَا لِلظَّالِمِينَ
جن کی کوئی سند اس نے نہ اتاری اور ایسوں کو جن کا خود انہیں کچھ علم نہیں اور ستمگاروں کا کوئی مددگار
مِنْ نَصِيرٍ ۝ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِ الَّذِينَ
نہیں اور جب ان پر ہماری روشن آیتیں پڑھی جائیں تو تم ان کے چہروں پر بگڑنے کے آثار دیکھو گے جو
كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ۖ يَكَادُونَ يَسْطُونَ بِالَّذِينَ يَتْلُونَ عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا ۗ قُلْ
کافر ہیں قریب ہے کہ لپٹ پڑیں ان کو جو ہماری آیتیں ان پر پڑھتے ہیں تم فرما دو کیا میں تمہیں
أَفَأُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِنْ ذٰلِكُمُ ۗ النَّارُ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ وَبِئْسَ
بتا دوں جو تمہارے اس حال سے بھی بدتر ہے وہ آگ ہے اللہ نے اس کا وعدہ دیا ہے کافروں کو اور کیا ہی بری
الْمَصِيرُ ۝

ف : جناب کاشفی مرحوم نے لکھا کہ رزق و مرزوق کے حال کو پہچانتا ہے۔

لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے یعنی کہ ان سب کو اسی نے پیدا فرمایا ہے اس لیے ان سب کا مالک بھی وہی ہے اور تصرف بھی وہی کرتا ہے۔ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِیُّ اور بے شک وہی غنی ہے اور وہ اپنی ذات میں ہر شے سے بے نیاز ہے۔ یہاں تک حضرت کاشفی مرحوم نے کہا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

غنی وہ ہے کہ وہ اپنی ذات میں کسی غیر کے واسطہ کا محتاج نہیں۔

اَلْحَمِیْدُ وہ اپنی صفات و افعال میں حمد کا مستحق ہے۔

ف : حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا : حمید وہ ہے جس کی بہت تعریف کی جائے۔ اور اللہ تعالیٰ بھی حمید بایں معنی ہے کہ اس نے اپنی ثنا ازلاً ابداً فرمائی۔ جیسے اس کی ثنا ابدی ہے ایسے ہی اس کی تمام مخلوق ہمیشہ اس کی حمد کرتی رہے گی۔ ایسے ہی اس کی جملہ صفات کا حال ہے کہ اس کی ہر صفت کو اس کی مخلوق کمال و جلال کے ساتھ ذکر کرے گی کیونکہ حمد یہی ہے اس کے کمال کے اوصاف کو بیان کرنا۔

تفسیر عالمانہ

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ کیا نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے اندر کی تمام چیزیں تمہارے لئے تابع کر دی ہیں یعنی جیسے چاہتے ہو ان سے منافع حاصل کرتے ہو ہم نے انہیں تمہارے منافع کے لیے ہر وقت تیار کر رکھا ہے ان پر جس طرح چاہو تصرف کرو۔ دیکھو پتھر سے بھی بڑھ کر کوئی شے سخت ہے یا اس سے بھی کوئی شے ضروری تر ہے۔ اور آگ کی تربیت تا کہ سخت ہے۔ لیکن یہ تمام چیزیں ہم نے تمہارے تابع بنا رکھی ہیں۔ وَالْفُلْكَ اس کا عطف ما پر ہے یا اللہ کے اسم پر۔ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ اور کشتیاں اللہ تعالیٰ کے حکم سے دریا و سمندر میں اس کے ہمارے تابع و مشیت ہے وَیُمْسِكُ السَّمَآءَ اور آسمان کو روکے رکھتا ہے اس سے کہ وہ اَنْ تَقَعَ عَلَی الْاَرْضِ کہ گر پڑے زمین پر۔ یعنی اس کی مشیت کچھ ایسی ہوئی ہے کہ اس کے گرنے کی صورت نظر نہیں آتی یا وقوع سے بچنے اس کے روکنا۔ اہل عرب کہتے ہیں امسک الشیئ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی شے کو گرنے سے روکے۔ اِلَّا بِاِذْنِهٖ جب کہ گرانا اگر چاہے تو پھر اس کے اذن یعنی مشیت سے۔ حضرت امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا الاذن فی الشیئ یعنی کسی کو کسی کام میں اپنی اجازت و رخصت جتلانا۔ اور آسمان کا زمین پر گرنا قیامت میں ہوگا۔ اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ آسمان ذاتی طور پر کھڑا ہے جیسے [illegible] اللہ تعالیٰ کی قدرت و تصرف کا کسی قسم کا دخل نہیں ہے۔ لیکن ان کی یہ بات باطل ہے ظاہر ہے کہ یہ آسمان اجسام ہیں جسمانیت میں دوسری اشیاء کی طرح ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ ہر وہ شے جس کا جسم ہو وہ کسی نہ کسی وقت ضرور گرے گی۔ جس کا تغیر [illegible] کہ آسمان بھی قابل [illegible] ہے۔ جب اللہ تعالیٰ چاہے گا اسے گرا دے انکی ہیئت و تغیر [illegible] کہتا ہے کہ ایک حضرت میں نے کسی کتاب میں دیکھا [illegible] ایک ایسا

پناہ ہے جو رات کو بھی محض اس وقت کی تشویش سے اتنا خطار رہتا ہے حتیٰ اس خوف سے کہ اس پر کہیں آسمان نہ گر جائے۔ اس کی نظیر کرکی (پرندہ) ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ وہ ایک پاؤں اٹھا کے رکھتا ہے۔ اگر زمین پر بیٹھتا ہے تب بھی پاؤں کو اٹھا کر رکھتا ہے۔ اگر دونوں پاؤں زمین پر رکھتا ہو ہے تو اسے اعتماد نہیں ہوتا بلکہ خطرہ ہوتا ہے کہ وہ کہیں زمین میں نہ دھنس جائے۔

سبق: ان دونوں پرندوں سے عاقل کو عبرت حاصل کرنی چاہیے۔

إِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے مہربان اور بخشنے والا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے لیے اسباب معاش تیار فرمائے اور ان کے لیے منافع کے ابواب کھول دیئے اور طرح طرح کی مضر چیزوں کو ان سے دور رکھا اور آیات تکوینیہ و تنزیلیہ کے ساتھ انہیں استدلال کرنے کے طریقے واضح فرمائے۔ رؤوف یعنی رحیم ہے یا رافت رحمت سے زیادہ رکھتی ہے یعنی رافت (رقتِ اعلیٰ) بہ نسبت رحمت کے رافت میں زیادہ ہے (کذا فی القاموس)

ف: بحر العلوم میں لکھا ہے کہ رافت وہ ہے جو اپنے بندوں پر تخفیف کا ارادہ رکھے۔

وَهُوَ الَّذِي أَحْيَاكُمْ اور اللہ وہ ہے جس نے تمہیں زندہ فرمایا یعنی تم جماد (مٹی کا خمیر اور نطفہ) بے جان تھے پھر تمہیں بہترین تخلیق کے ساتھ زندگی بخشی جیسا کہ اسی سورۃ کے شروع میں اس کی تفصیل بیان فرمائی ثُمَّ يُمِيتُكُمْ پھر جب تمہاری میعاد ختم ہو گی تو تمہیں موت دے گا ثُمَّ يُحْيِيكُمْ تمہیں قیام قیامت کے وقت پھر زندہ فرمائے گا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ بے شک انسان اس کی نعمتوں کا بہت بڑا ناشکر ہے حالانکہ اس کی نعمتوں کے آثار روشن اور ہویدا ہیں اس لیے وہ اپنے منعم حقیقی کی عبادت نہیں کرتا اور بعض افراد کی وجہ سے اسم جنس (انسان) کا وصف بیان فرمایا (ورنہ سارے انسان ایسے نہیں جیسے اوپر ذکر کیا گیا)

تفسیر صوفیانہ سیدنا جنید بغدادی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی معرفت کے ساتھ زندگی بخشتا ہے پھر تمہیں اوقات غفلت و فترت سے موت دیتا ہے اس کے بعد تمہیں جذب سے زندہ فرماتا ہے پھر تمہیں بلا علت متحیر کر کے حقیقت کا وصل عطا فرماتا ہے بے شک انسان بہت بڑا ناشکرا ہے وہ اپنے منافع یاد رکھتا ہے لیکن جو شے اسے نقصان پہنچائے اسے بھلا دیتا ہے۔

ف: اللہ تعالیٰ نے انسان کو معدوم پایا اور اسے خلعت بخش کر اسے عالم جماد سے منتقل کر کے عالم نباتات کی طرف دیا پھر اسے عالم حیوان تک پہنچایا اس کے بعد عاقل بنایا پھر اسے صوری و معنوی نعمتوں سے نوازا بلکہ جملہ موجودات کو اس کا خادم بنایا اس لحاظ سے اس پر لازم تھا کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے شکر میں لگا رہتا کہ اس نے اس پر کتنا لطف و کرم فرمایا اور اسے کیسی بہترین نعمتوں سے نوازا اسے ہر طرح کے انکشافات عطا کیے۔ شکر کی نقیض کفران یعنی ناشکری یعنی نعمت کو چھپانا ہے

لے پیچھے گزرا   کہ کرکی کا بعض کرامت کا ملک مشہور ہے پارہ ۱۲ خیانتہ۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت اللہ تعالیٰ کی معرفت کا سبق دیتی ہے کیونکہ ہر نعمت اللہ تعالیٰ کے آثار سے ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ہر اثر اپنے مؤثر پر دلالت کرتا ہے اسی سے ایمان حقیقی نصیب ہوتا ہے۔

حدیث قدسی اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كنت كنزاً مخفياً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق وتحببت اليهم بالنعم حتى عرفوني.

میں مخفی خزانہ تھا مجھے محبت ہوئی کہ پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا فرمایا اور میں نے اسے اپنی نعمتیں دے کر اسے اپنا دوست بنایا تاکہ میری معرفت حاصل کرے۔

سبق: عاقل کو چاہیے کہ وہ اپنی قوت وطاقت سے مغرور نہ ہو ہر حال میں توفیق الٰہی کو شامل حال سمجھے۔

فرمانِ خداتعالیٰ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ آپ طاقتور کو فرما دیں کہ وہ اپنی طاقت کا دعویٰ نہ کرے اگر اسے اپنی طاقت پر ناز ہے تو اسے فرما دیں کہ وہ میری کوئی بھیجی ہوئی قوت سے اپنے کو بچا دے۔ اور عالم دین سے فرما دیجئے کہ وہ اپنے علم سے گھمنڈ نہ کرے اگر اسے اپنے علم پر اتنا غرور ہے تو اسے فرما دیجئے کہ بتا تیری اجل کب ہے؟ اور دولت مند کو فرما دیجئے کہ وہ اپنی دولت پر ناز نہ کرے اگر اسے اپنی دولت ومال پر گھمنڈ ہے تو اسے فرما دیں کہ وہ میری تمام مخلوق کو صرف ایک دن کا کھانا کھلا دے۔

سبق: انسان عاجز وناقص ہے اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔ ہر چھوٹے بڑے کو اسی کی نعمت مل رہی ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

ادیم زمین سفرۂ عام اوست
برین خوان یغما چہ دشمن چہ دوست

ترجمہ: تمام روئے زمین اس کا عام دسترخوان ہے اس پر دشمن و دوست سب یکساں ہیں۔

سبق: انسان کے ہر عضو کے لیے علیحدہ علیحدہ مخصوص عبادت مقرر ہے جب وہ اسے مقررہ مصرف پر نہیں لگاتا بلکہ دوسری اس سے وہ خدمت لیتا ہے جو اس کے لیے مقرر نہیں ہے تو وہ غضب الٰہی کا نشانہ بنتا ہے۔ بوستان[1] میں ہے:

؎

یکے گوش کودک بمالید و گفت
کہ اے بوالعجب رائے برگشتہ بخت
ترا تیشہ دادم کہ ہیزم شکن
نگفتم کہ دیوار مسجد بکن

---

[1] بوستان سعدی

۳ زبان آمد از بہر شکر و سپاس
بغیبت نگرداندش حق شناس

۴ گذرگاہ قرآن و پند است گوش
بہ بہتان و باطل شنیدن مکوش

۵ دو چشم از پے صنع باری نکوست
ز عیب برادر فرو گیر و دوست

ترجمہ (۱-۱) اے بیوقوف! اے بدبخت! اپنے بچے کی صفت گزشتا لکھ۔
۲۔ میں نے تجھے کلہاڑی لکڑی کاٹنے کے لیے دی تھی مسجد کی دیوار ڈھانے کے لیے نہیں۔
۳۔ زبان شکر و سپاس کے لیے ہے غیبت میں اسے ملوث نہ کر۔
۴۔ کان پند و قرآن کی گزرگاہ ہیں بہتان اور بری باتیں سننے کی کوشش نہ کر۔
۵۔ دو آنکھیں کارگر کی کاریگری دیکھنے کے لیے ہیں بھائی اور دوست کی عیب گیری سے آنکھیں بند رکھ۔

حضرت النقیب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہونے کی تین علامات ہیں:

رجوع الی اللہ کی علامات

(۱) دل کو صفاتِ الٰہی کے تفکر اور امور اخروی میں لگا دینا۔

(۲) اپنی زبان کو ذکر و شکر سے معمور رکھنا۔

(۳) اپنے بدن کو راہ حق میں یوں لگانا کہ تھکان کا احساس نہ رہے یہاں تک کہ موت آجائے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنی طاعت و خدمت کی توفیق بخشے اور ہمیں اپنی محبت و وصال سے مشرف فرمائے۔

تفسیر عالمانہ

لِكُلِّ أُمَّةٍ ہر ایک امت یعنی جو امتیں کہ پہلے گزر چکی ہیں اور وہ لوگ جو اس وقت زندہ موجود ہیں ان سب کے لیے۔ اُمّة اس جماعت کو کہا جاتا ہے جس کی طرف رسول بھیجا جائے۔ **جَعَلْنَا** ہم نے مقرر کی **مَنْسَكًا** نسک کا مصدر میمی ہے بمعنے عبادۃ یعنی ایسی شریعت خاص جو ایک امت کے ساتھ مخصوص ہو اس میں دوسری امت شامل نہ ہو **هُمْ نَاسِكُوهُ** یہ منسکاً کی صفت مؤکدہ ہے اور اس میں قصر ہے جیسا کہ جار مجرور کی تقدیم دلالت کرتی ہے یعنی وہ امت فقط وہی جو اپنے متعین کردہ عبادات پر عمل کرنے والی ہے۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام کی امت کے مناسک یعنی عبادات تورات میں مندرج تھے وہ عیسیٰ علیہ السلام کے مبعوث ہونے تک مقرر رہے ان کے مبعوث ہونے کے بعد انجیل اتاری گئی۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور اقدس تک انجیل کے احکام کا اجراء رہا۔ جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید کا نزول ہوا تو جملہ آسمانی کتب کے احکام منسوخ ہوگئے پھر قیامت تک اسی قرآن مجید پر عمل ہوتا رہے گا۔ اس معنی پر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک ہر فرد کے

بنو ہیں اور مسلم لوگ آپ کی امت واحدہ ہے۔ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ تو آپ کے معاصرین اہل مل آپ سے جھگڑا نہ کریں۔

حل لغات نزع الشیء بمعنی جذبه من مقره یعنی شے کو اپنی مقر سے جدا کرنا۔ جیسے تیر کا کمان سے علیحدہ ہونا اور منازعة بمعنی مخاصمت (جھگڑا کرنا)

فِي الْأَمْرِ دین کے معاملہ میں اس گمان پر کہ ان کا وہ دین جو انہیں آباء و اجداد کے ہاتھوں ملا ہے کیونکہ پچھلے دین کی دو کتابیں (۱) تورات (۲) انجیل منسوخ ہونے سے پہلے قابل عمل تھیں لیکن اب منسوخ ہو چکی ہیں اب آپ کے قرآن کے احکام جاری رہیں گے اور قیامت تک تمام لوگوں کے لیے یہی کتاب کافی رہے گی لہٰذا ان کا جھگڑا بیکار ہے وَادْعُ اور تمام لوگوں کو دعوت اسلام دیجئے صرف چند لوگوں کے لیے ہی آپ مبعوث نہیں ہوئے بلکہ آپ جملہ لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں إِلَىٰ رَبِّكَ اپنے رب کی طرف یعنی اس کی توحید و عبادت کی اسی طرح دعوت دیجئے جیسے ان کے لیے قرآن مجید میں احکامات اتارے گئے۔ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ بے شک آپ سیدھی راہ پر ہیں یعنی آپ کی وہ راہ جو حق تک پہنچاتی ہے بالکل سیدھی ہے۔ اس سے آپ کا دین مراد ہے وَإِن جَادَلُوكَ اور اگر ظہور حق اور تفہیم حجت کے باوجود بھی وہ آپ سے جھگڑیں۔

حل لغات : جادلة جدلت الحبل سے ہے بمعنی رسی کو بل دے کر مضبوط کرنا۔ اسی معنی پر گویا جھگڑا کرنے والے اپنی اپنی رائے کی رسیوں کے بل کو مضبوط کر کے دکھاتے ہیں۔

فَقُلِ تو انہیں علی سبیل الوعید فرمائیے اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ اللہ تعالیٰ تمہارے باطل اعمال کو خوب جانتا ہے تمہارے ان کے یہی تمہارا جھگڑا ہے پھر ان پر تمہیں جزا دے گا اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ اللہ تعالیٰ مومنین اور کافروں کے فیصلے فرمائے گا يَوْمَ الْقِيَامَةِ قیامت میں ثواب و عذاب دے کر جیسے دنیا میں دلائل اور آیات دکھا کر فیصلے کیے فِيمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ وہ جو تم دین کے معاملہ میں اختلاف کرتے ہو أَلَمْ تَعْلَمْ کیا تمہیں معلوم نہیں ؟ یہ استفہام تقریری ہے معنی تمہیں معلوم ہے أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے وہ جو آسمان اور زمین میں ہے ان سے کوئی شے مخفی نہیں پھر اس سے کافروں کی باتیں اور اعمال بھی ہیں کہ وہ بھی اس سے پوشیدہ نہیں إِنَّ ذَٰلِكَ بے شک وہ جو آسمان اور زمین میں ہے فِي كِتَابٍ کتاب میں کتاب سے لوح محفوظ کا مراد ہے کیونکہ اس میں تخلیق سے پہلے ہر شے کو لکھا گیا۔ اس لیے اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! ان کا معاملہ آپ کو پریشان نہ کرے ہمیں ہر امر کا علم ہے اور ہم ہی ہر شے کی حفاظت کرتے ہیں إِنَّ ذَٰلِكَ بیشک وہ جو اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت کا ذکر ہوا اور بتایا گیا کہ ہر شے لوح محفوظ میں مکتوب ہے عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے کیونکہ اس کی ذات کا مقتضیٰ ہی یہ ہے کہ اسے عظیم قدرت اور وسیع علم ہو اسی لیے نہ تو اس سے کوئی شے مخفی ہے اور نہ ہی کوئی کام اس کی قدرت کے سامنے مشکل ہے۔

تفسیر صوفیانہ

ان آیات میں مندرجہ ذیل اشارات ہیں طالبین راہ مولیٰ کے ہر گروہ کا ایک مخصوص راستہ ہے جس سے وہ سیر الی اللہ کرتے ہیں اور ہر ایک کے مخصوص مقامات ہیں جن میں ان کا روحانی قیام ہوتا ہے پھر ہر ایک گروہ کو ان کی صلاحیت و اہلیت کے مطابق مربوط فرمایا اور ہر ایک کو اس کے مقام پر پہنچاتا ہے جس کا وہ اہل ہے اس لیے وہ لوگ عبادت کے لیے ہر وقت مستعد رہتے ہیں اور شغل اجتہاد بوجود کسلمندی ان کی وجہ سے مسرور ہیں ۔ اور اصحاب معارف کی مجالس لوازم عارفین سے مانوس ہیں اور مشتاق کی منازل وجد کرنے والوں کی حاضری سے آباد و شاداب ہیں مقامات سلوک و وصول اس لیے مختلف ہیں کہ دعوت حق مختلف طرق سے ہوتی ہے جس کے چند طریقے مندرجہ ذیل ہیں

دعوت الی اللہ کے طریقے

(۱) خلق خدا کو حقیقت عبودیت میں فنا سے دعوت دی جاتی ہے ۔ وقد خلقتک من قبل ولم تک شیئا اور بے شک میں نے تجھے پیدا فرمایا حالانکہ تم لاشئے تھے ۔

(۲) بعض کو حظ عبودیت سے دعوت دیتے ہیں اس کو ذلت و افتقار سے تعبیر کرتے ہیں جیسا کہ عبودیت کا تقاضا ہے ۔

(۳) اخلاق ربانیہ کو تحت نظر رکھ کر دعوت دیتے ہیں ۔

(۴) اخلاق قہریہ کو تحت نظر رکھ کر ۔

(۵) اخلاق الٰہیہ ۔ اور یہ مجموعی طریقہ سب سے ارفع و اعلیٰ ہے ۔

ف : بعض مشائخ نے فرمایا کہ طرق الی اللہ انفاس خلائق اور انفاس الٰہیہ کے برابر ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ سے جو شئون تجدد وارد ہوتے ہیں وہ انفاس الٰہیہ کے مظہر ہیں ۔

ف : اہل زہد و اذکار دین مجاہدہ کرتے ہیں اور حق پر مستغرق بھی ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کے احوال خوب جانتا ہے اور ہر گروہ کا قیامت میں ان کے حسب حال فیصلہ فرمائے گا ۔ دشمنان حق کے لیے فرمایا :

کفیٰ بنفسک الیوم حسیباً ۔

اور اولیاء اللہ کا حساب نہایت آسان ہوگا ۔ بعض ان میں ایسے ہوں گے جنہیں بے حساب اجر و ثواب نصیب ہوگا ۔ اور جو اللہ کی محبت والے ہیں انہیں مخصوص مقام میں اللہ تعالیٰ کے قرب میں جگہ ملے گی ۔

آیت کے بعض فوائد میں ایک یہ ہے کہ آسمان سے قلب مراد ہے اس میں یقین ، صدق و اخلاص اور محبت کا نور ہے ۔ اور ارض سے بشریت و نفس امارہ مراد ہے اس میں شک ، کذب ، شرک اور حرص دنیا کی تاریکی ہے ۔ ارباب قلوب سے بلائیں دور فرماتا اور انہیں اپنی نعمتوں سے بھرپور فرماتا ہے ۔ اور ارباب نفوس پر بلائیں نازل کرتا ہے اور پھر ان کی شکایت بھی نہیں سنتا ۔ اور یہ کتاب میں بحکم تقدیر سے قدیم زمانہ سے مرقوم ہے ۔ جیسا کہ حضرت شیخ سعدی

قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

گرت صورت حال بد یا نکوست
نگارندۂ دست تقدیر اوست

ترجمہ: اگر تیری صورت بری ہے یا اچھی ہے اسے دستِ قدرت نے بنایا ہے۔

بے شک اللہ تعالیٰ پر ہر اتفاق تقدیر اسکی ہوا اور بڑا آسان ہے لیکن مومن کو معلوم ہے کہ جس کام کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے وہ اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے علم و عمل سے نوازا اسے سعادت حقہ نصیب ہوئی۔ اور جو جہل میں مبتلا ہوا اور نیکی سے سستی کرتا ہے وہ اس کی شقاوت و بدبختی کی علامت ہے۔ بہتر ہے کہ انسان احکام الٰہیہ کے سامنے سر تسلیم خم کرے اور شریعت و طریقت سے طریق حق میں جدوجہد کرے یہاں تک کہ اسے معرفت و حقیقت تک پہنچنا نصیب ہو جائے۔

سوال: مندرجہ ذیل شعر تمہارے دعویٰ کے خلاف ہے: ؎

قضا کشتی آنجا کہ خواہد برد
وگر ناخدا جامہ بر تن درد

ترجمہ: قضائے الٰہی کشتی کو جہاں چاہتی ہے لے جاتی ہے اگرچہ ناخدا کپڑے پھاڑ ڈالے۔

جواب: تقدیر کے مسائل عقل و قیاس سے وراء ہیں۔ بندہ اس سے بے خبر ہے اسی سبب سے کسی کو دم زدن کی تاب نہیں اور اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے وہ حق ہے وہی سیدھے راستے کی ہدایت فرماتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَيَعْبُدُوْنَ اور مشرکین عبادت کرتے ہیں مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے ماسوا کی۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تجاوز کر رہے ہیں مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے نہیں اتارا۔ ما سے اصنام مراد ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی عبادت کا کوئی جواز نازل نہیں فرمایا سُلْطٰنًا یعنی حجت و برہان وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ اور انہیں بتوں کی عبادت کے جواز کا کوئی عِلْمٌ علم حاصل نہیں ہوا حالانکہ معمولی عقل والا بھی سمجھتا ہے کہ بتوں کی پرستش کم عقلی کی دلیل ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ بت پرستی جہل سے یا اپنے آباؤ اجداد کی تقلید میں ایسا کرتے ہیں وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ اور ظالموں کے لیے نہیں۔ اور یہاں ظالمین سے وہ مشرک مراد ہیں جنہوں نے ایسے ظلم عظیم کا ارتکاب کیا مِنْ نَّصِيْرٍ ان کے ظلم کے سبب سے ان پر جو عذاب نازل ہوگا دفع کرنے کے لیے ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے اس سے معلوم ہوا کہ جو اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہوتے ہیں انہیں وہ برہان بخشتا ہے اور ان کے لیے مقامات کو واضح فرما دیتا ہے وہ دل سے محسوس فرماتا ہے

وہ اپنے خداؤں میں انہیں ان کی اصنام پرستی کے جواز کے لیے کوئی برہان نصیب نہیں، نہ ہی ان کے مطلب پر ہدایتیں قائم کیے جاتے ہیں نہ ہی انہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے نصرت میسر ہوتی ہے بلکہ ان کی قسمت میں رسوائی ہی رسوائی لکھ دی جاتی ہے۔

تفسیر عالمانہ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ اور جب مشرکین پر پڑھی جاتی ہیں آيَاتُنَا ہمارے قرآن کی آیات میں سے بَيِّنَاتٍ حالانکہ وہ آیات حقائق حقیہ و احکام الٰہیہ پر واضح الدلالۃ ہیں تَعْرِفُ فِي وُجُوهِ الَّذِينَ كَفَرُوا الْمُنكَرَ تم کافروں کے چہروں میں تیوری جان لو گے۔ المنکر بمعنی انکار یا عبوس و کراہۃ بمعنی تیوری چڑھانا کے ہیں۔ اور المنکر المکرم بمعنی اکرام کی طرح مصدر یعنی انکار کے معنی میں ہے یعنی چونکہ کفار کو حق سے بہت زیادہ عناد اور دشمنی ہے اسی لیے جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو کراہت و نفرت کے آثار ان کے چہروں سے ہویدا ہوتے ہیں۔

ف: چہرہ دل کا آئینہ ہوتا ہے دل کے اقرار و انکار کے آثار چہرے سے صاف نظر آتے ہیں۔ ہر برتن سے وہی باہر نکلتا ہے جو اس کے اندر ہوتا ہے جیسے صالح علیہ السلام کی قوم کا حال ہوا کہ جو کچھ ان کے باطن میں تھا وہ چہروں پر صاف ظاہر ہو گیا۔

فقیر (حقیؒ) نے کہا ؎

۱ ہر کرا صورت بیاض الوجہ بود
صورت حال درونش رو نمود

۲ گر سیاہی یا کبودی بود رنگ
رنگہا ظاہر شد از دلہائے تنگ

ترجمہ: ۱۔ جس کے چہرے سے سفیدی ظاہر ہو وہ اس کے اندرون حال کی گواہ ہے۔
۲۔ اگر سیاہی یا کبودی ظاہر ہو تو وہ رنگ بتائیں گے کہ اس کے دل میں تنگی (ملال) ہے۔

يَكَادُونَ يَسْطُونَ بِالَّذِينَ يَتْلُونَ عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا قریب ہے کہ وہ فرط غیظ و غضب سے حملہ کر دیں ان دلائل کی وجہ سے جن کی تعلیم میں جھگڑے ہوتے ہیں۔ یسطون السطوۃ بمعنی ہاتھ اٹھا کر پکڑنا۔ مثلاً کہا جاتا ہے سطا بہ۔ قُلْ ان کا رد کرتے ہوئے اور مسلمانوں کو ضرر پہنچانے سے نا امید کر کے فرمائیے أَفَأُنَبِّئُكُمْ کیا میں تم سے مخاطب ہو کر تمہیں خبر دوں بِشَرٍّ مِّن ذَٰلِكُمُ اس سے بدتر شے کی، یعنی اس شے کی خبر دوں جو تمہاری تلاوت قرآن پر غیظ و غضب میں ہے اور قرآن کو سن کر تم پر حملہ کرتے ہیں اس سے بھی وہ شے بدتر ہے النَّارُ وہ جہنم ہے۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے گویا کسی نے سوال کیا وہ کیا چیز ہے؟ تو اس کے جواب میں فرمایا وَعَدَهَا اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَبِئْسَ الْمَصِيرُ جس کا اللہ تعالیٰ نے کافروں سے وعدہ فرمایا ہے وہ جہنم ہے اور بہت برا ٹھکانا ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ قطیعت و جود ابعاد کی نار اس نار سے بدتر ہے جو منکرین کے قلوب میں ہے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ اہل جلال سے دور رہے جو شرک و انکار کا موجب بنیں اور اہل جمال سے قریب ہونے کی کوشش کرے جو توحید و اقرار اور حقائق و اسرار کی طرف متوجہ کرنے کے سبب بنیں۔ عقلمند پر لازم ہے کہ اولیاء اللہ سے محبت کرے اور اہل ضلالت سے بغض رکھے۔

حدیث شریف قیامت میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے ابن آدم! تُو نے دنیا میں زہد کیا تو کیا ہوا تو نے اپنی راحت نفس کے لیے کیا تھا اور پھر تو میری طرف رجوع کر کے انقطاع میں اعمال کیا تو کیا ہوا، تُو نے اپنی عزت نفس کے لیے کیا۔ ہاں مجھ سے پوچھتا ہوں، بتا تُو نے میرے دشمن سے دشمنی کی یا نہیں اور میرے دوست سے پیار کیا یا نہیں۔

ف: کفر و انکار جہنم کی طرف لے جاتے ہیں اور توحید و اقرار جنت میں پہنچاتے ہیں انسان کو توحید و اقرار سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ملی کیونکہ انسان توحید کے سبب سے سعادت ابدیہ تک پہنچاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر عمل کا وزن ہوگا سوائے کلمہ شہادت (توحید) کے کہ اس کا وزن نہ ہو سکے گا۔ اور جب انسان کے دل میں توحید راسخ ہو جاتی ہے تو پھر وہ اقرار بھی کرتا ہے اور ذکر بھی۔ جب بھی اس کے لیے موزوں وقت پاتا ہے تو ذکر و فکر میں محو ہو جاتا ہے۔

زبیدہ بیگم ہارون الرشید کی بخشش کا موجب بعض بزرگوں نے زبیدہ زوجہ ہارون الرشید کو اس کی موت کے بعد خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ تیری نجات کا سبب کون سا عمل ہوا؟ کیا وہ نہر جو تُو نے عرب میں کھدوائی تھی؟ زبیدہ نے جواب دیا نہیں، وہ تو اموال مغصوبہ سے کھدوائی گئی تھی اس کا ثواب تو انہیں ملا جن کے مال تھے۔ میری نجات کا ایک عمل ہوا وہ یہ کہ میں مجلس شراب میں بیٹھی تھی تو مؤذن نے اذان پڑھی میں نے ادب سے شراب سے ہاتھ اٹھایا اور احترام پر کلمہ شہادت پڑھا۔ کہا موت کے بعد فرشتوں نے کہا کہ اس سے عذاب اٹھا لو اگر اس کے دل میں توحید راسخ نہ ہوتی تو شراب کے وقت اللہ کو یاد نہ کرتی۔ اس طرح میں انجام بخیر کو پہنچی۔

ف: دوزخیوں کے لیے دوزخ قریب تر ہے انہیں آگ کا جُبّہ پہنایا جائے گا جس سے ان کے دماغ اُبلیں گے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وبئس المصیر اور دوزخ برا ٹھکانا ہے اس میں کسی قسم کی راحت نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو نار بُعد و عذاب سعیر سے بچائے، وہی سب سے بہتر بچانے والا اور پناہ دینے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ
اے لوگو ایک کہاوت فرمائی جاتی ہے اسے کان لگا کر سنو وہ جنہیں اللہ کے
تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ
سوا تم پوجتے ہو ایک مکھی نہ بنا سکیں گے اگرچہ سب اس پر اکٹھے ہو جائیں
وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ
اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین کر لے جائے تو اس سے چھڑا نہ سکیں کتنا کمزور چاہنے
وَالْمَطْلُوْبُ ۝ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ اَللّٰهُ
والا اور وہ جس کو چاہا اللہ کی قدر نہ جانی جیسی چاہیے تھی بیشک اللہ قوت والا غالب ہے اللہ
يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝
چن لیتا ہے فرشتوں میں سے رسول اور آدمیوں میں سے بیشک اللہ سنتا دیکھتا ہے
يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝
جانتا ہے جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے اور سب کاموں کی رجوع اللہ کی طرف ہے
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا
اے ایمان والو رکوع اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی بندگی کرو اور بھلے کام
الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَجَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا
کرو اس امید پر کہ تمہیں چھٹکارا ہو اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا حق ہے جہاد کرنے کا اس نے تمہیں پسند کیا
جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ
اور تم پر دین میں کچھ تنگی نہ رکھی تمہارے باپ ابراہیم کا دین اللہ نے تمہارا نام
الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ
مسلمان رکھا ہے اگلی کتابوں میں اور اس قرآن میں تاکہ رسول تمہارا نگہبان و گواہ ہو
وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۖ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا
اور تم اور لوگوں پر گواہی دو تو نماز برپا رکھو اور
الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى
زکوٰۃ دو اور اللہ کی رسی مضبوط تھام لو وہ تمہارا مولیٰ ہے تو کیا ہی اچھا مولیٰ
وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝

تفسیر عالمانہ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ اے لوگو! ایک عجیب حالت بیان کی گئی ہے جو عجیب و غریب اور انوکھا قصہ ہے در حقیقت مثل اس کلام کو کہا جاتا ہے جو عجیب طرز سے بیان ہو۔ پھر وہ طرز پر اصطلاحاً اشعار میں پھیل جائے فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ تو اس مثل کو فکر و تدبر کے ساتھ سنو۔ یعنی کان لگا کر ہوش سے سن کر اس میں تامل و تفکر کرو۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اہل نسیان کے ساتھ اور ان کی طرف اشارہ ہے جو حقیقت مثل کو نہیں دیکھتے اس لیے ایک کلام سے انہیں متنبہ کیا گیا ہے تاکہ وہ غفلت سے بیدار ہو کر خطاب عہد میثاق کو بھلانے والوں کو عام اور فہم خطاب کے ادراک کی استعداد رکھنے اور سننے والوں کو خاص طور سے اور یہ امر ذکر ہی ہے تاکہ خطاب کو سن کر اس سے نصیحت حاصل کریں۔

ربط: خطاب کے بعد اب اصل مقصد کو بیان فرمایا۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ بے شک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے سوا کی پرستش کرتے ہیں یعنی وہ بت جن کی پرستش کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تجاوز کرتے ہیں یہ مثل کا بیان ہے۔

تین سو ساٹھ بت حضرت کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ کعبہ کے اندر تین سو ساٹھ بت رکھے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن بتوں کی تم[1] پرستش کرتے ہو وہ سب کے سب اللہ کے غیر ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات میں ہے:
ما سوی اللہ سے ظاہری و باطنی بت مراد ہیں۔

تفسیر عالمانہ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وہ ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے۔ یعنی حالانکہ مکھی ایک چھوٹا اور نہایت حقیر سا جانور ہے لیکن یہ تمام بت مل کر ایسی ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے کیونکہ لفظ لن تاکید نفی کے لیے ہے جو مستقبل اور منفی حرف کے مابین منافات پر دلالت کرتا ہے۔

مکھی کے متعلق تحقیق الذباب الذب سے ہے بمعنے الطرد بضم و بفتح۔ اس کا اطلاق اس معنی معروف پر ہوتا ہے یعنی مکھی اور شہد کی مکھی اور بھڑ۔ واحد سیلہم الذباب اور الزناب سے مکھی بھگائے جاتے۔ یہاں پر الذباب سے یہی معروف مکھی مراد ہے۔

---

[1] یہاں اس غلط عقیدہ کے قائلوں کا رد ہے جو مِنْ دُوْنِ سے انبیاء و اولیاء کی ندا کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں حالانکہ یہاں شرک عن بتوں کا معبود مراد ہے۔ چنانچہ روح البیان ج ۶ ص ۷۱ میں ہے کہ الاصنام التی تعبدونہا [illegible]

مکھی کی تخلیق اور تجربہ

ملے مکھی گندگی اور عفونت سے پیدا ہوتی ہے اور اس کی پلکیں نہیں ہوتیں بوجہ اس کے چھوٹے جثہ کے۔ چونکہ پلکیں آنکھوں سے گرد و غبار صاف کرتی رہتی ہیں اس لیے مکھی اپنی آنکھوں کی صفائی اپنے ہاتھوں سے کرتی ہے اس لیے عموماً دیکھا جاتا ہے کہ مکھی اپنے دونوں ہاتھ آنکھوں پر ملتی رہتی ہے۔

ف: [illegible] کے پتوں کی دھونی سے مکھی بھاگ جاتی ہے۔

وَلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ اگر یہ مکھی بنانے میں سب کے سب جمع ہو جائیں۔ یہ جواب مقدر کے ساتھ متعلق ہے حال ہے جو حالت کے طور پر لایا گیا ہے۔ یعنی سارے بت مل کر ایک دوسرے کی معاونت کرتے ہوئے ایک مکھی بنانا چاہیں تو نہیں بنا سکیں گے۔

ملے مکھی میں زہر اور شفاء

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر کھانے میں مکھی گر جائے تو اس کو کھانے میں غوطہ دے دو۔ کیونکہ اس کے ایک پر میں زہر اور دوسرے میں شفا ہے۔ اور مکھی کی عادت ہے کہ وہ پہلے زہر والا پر ہی ڈبوتی ہے۔ (نسائی شریف)

ف: اس حدیث کو ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

زہر سے حفاظت

کنز العباد میں لکھا ہے کہ جب کوئی شخص کچھ کھانے پینے تو یہ دعا پڑھ لے اس کی برکت سے کھانے کے مضر اثرات سے محفوظ رہے گا۔

بِسْمِ اللّٰهِ خَيْرِ الْأَسْمَاءِ بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْأَرْضِ وَالسَّمَاءِ لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ
وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو سب ناموں سے افضل ہے اور ایسے نام کے ساتھ جو زمین و آسمان کا مالک ہے وہ اللہ جس کے نام کی برکت سے آسمان و زمین کی کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی اور وہی سننے والا جاننے والا ہے۔

حکایت

روایت ہے کہ ابو مسلم خولانی کی ایک لونڈی تھی اس نے اپنے مالک کو کئی بار زہر دیا لیکن اس پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ کافی مدت گزرنے کے بعد لونڈی نے مالک سے پوچھا کہ میں نے تم کو کئی بار زہر دیا لیکن تم پر اثر نہیں ہوا اس کی کیا وجہ ہے۔ مالک نے پوچھا تو نے مجھے زہر کیوں دیا تھا؟ اس نے کہا کہ تم بوڑھے ہو گئے ہو اور مجھے بڑھاپا پسند نہیں۔

مالک نے کہا میں ہمیشہ پاک کلمات اپنے ہر کھانے پینے کی چیز پر پڑھ کر کھاتا پیتا ہوں۔ اسی کی برکت سے میں محفوظ رہا۔ اور ساتھ ہی اس لونڈی کو آزاد کر دیا۔

جب ان کی اجتماعی طاقت اتنی کمزور ہے تو پھر انفرادی طاقت کا حال تو اس سے بھی زبوں تر ہوگا۔ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا اور اگر ان سے مکھی کوئی شے چھین لے لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ تو اس سے وہ چھینی ہوئی چیز واپس نہیں لے سکتے حالانکہ مکھی ایک کمزور شے ہے وہ اس سے بھی زیادہ کمزور ہیں۔

تجربہ بت کے پجاری اپنے بتوں پر خوشبو اور شہد لگا کر دروازے بند کر دیتے تو مکھیاں اندر گھس کر تمام شہد وغیرہ چٹ کر جاتیں۔ یہ ان کی اسی کارروائی کی طرف اشارہ ہے۔

ف: حضرت کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مشرکین کی عادت تھی کہ وہ بتوں پر خوشبو اور شہد لگا کر دروازوں کو مقفل کر دیتے تھے۔ مکھیاں اندر گھس کر سب کچھ کھا جاتیں۔ مشرکین کچھ دنوں کے بعد جب دروازے کھول کر دیکھتے تو وہاں شہد ہوتا نہ خوشبو۔ وہ سمجھ لیتے کہ بتوں نے استعمال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بتایا کہ یہ تمہارے بت نہیں بلکہ مکھیاں کھا گئی ہیں۔ تم کتنے احمق ہو کہ ان کی عاجزی اور کمزوری کو جاننے کے باوجود بھی ان کی پرستش میں لگے ہوئے ہو حالانکہ وہ تو صرف ایک مکھی پیدا کرنے سے عاجز ہیں بلکہ وہ تو مکھی کی چھینی ہوئی چیز واپس کرانے کی طاقت بھی نہیں رکھتے۔

ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ طالب و مطلوب دونوں کمزور ہیں۔ طالب سے بت پرست اور مطلوب سے بت مراد ہے۔ یا طالب سے مکھی جو بتوں سے خوشبو اور شہد چھیننے کی طلبگار ہے اور مطلوب سے بت مراد ہیں۔ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر و منزلت نہ پہچانی یا اس کی تعظیم کا حق ادا نہ کیا کیونکہ انہوں نے اس کے ساتھ ایسی کمزور چیزوں کو شریک ٹھہرا لیا جو نہ مکھیوں کو اپنے سے روک سکتے ہیں نہ ان سے بدلہ لے سکتے ہیں اور نہ ان کے ایسے نام رکھتے ہیں جو بیہودہ وحشیانہ ہوتے ہیں اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ بے شک اللہ تعالیٰ بڑی قوت رکھتا ہے کہ اس نے جملہ ممکنات کو پیدا فرمایا اور جملہ موجودات کو فنا کرے گا۔ عزیز بہت غلبے والا ہے وہ ہر شے پر غالب ہے اس پر کوئی شے غالب نہیں۔ لہٰذا ان کے معبود عاجز محض ہیں بلکہ ذلیل تر بھی ہیں۔

ف: اس تفسیر کی تائید حضرت ابن عطا سے بھی ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ قول وان یسلبھم الذباب کے معنی یعنی اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق پر ہر طرح کی قدرت رکھتا ہے ہیبت و عظمت کے لحاظ سے سب پر غالب ہے۔ وہ ایک معمولی شے سے کیسے خائف ہو سکتا ہے۔ وہ اس چیز کے عجز و ضعف کو ظاہر کرتا ہے تاکہ اس کی پرستش کرنے والوں کو معلوم ہو کہ جب یہ (بت) اس قدر ذلیل و ضعیف ہیں تو ان کی پرستش سے کیا فائدہ۔ ایسے ہی ہر انسان اپنے عجز و ضعف کو میں دیکھ کر غور کرے کہ وہ ایک ضعیف ترین انسان ہے تو پھر دوسروں پر تفوق و برتری کا دعویٰ کیوں۔ سب انسان آدم کی اولاد ہیں۔

عاجز اکرم [illegible]

[illegible]

۲ عجز و امکان لازم یک دیگرند
پس ہمہ خلقے ز ہم عاجز ترند

۳ قوت از حق است و قوت حق ازوست
آں او مغز است و آں خلق پوست

ترجمہ ۱ :- وہ عاجز جو عاجزوں کے پرستار ہیں جب ان سے کوئی کام نہیں بنتا تو شرمسار ہوتے ہیں۔

۲- یہ کہ ان دونوں کو عجز و امکان لازم ہے اس سے معلوم ہوا کہ تمام مخلوق ایک دوسرے سے عاجز تر ہے۔

۳- قوت حق سے ہے اور اس کی قوت حق ہے اس کی آن مغز اور تمام مخلوق کی آن پوست ہے۔

ف : واصل نے فرمایا کہ آیہ آخیرہ سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ ہی اپنی قدر و منزلت جانتا ہے کوئی اس کی قدر و منزلت کیسے جان سکتا ہے جبکہ اس کی معرفت کی قدر و منزلت کے عرفان سے رسل کرام اور اولیاء عظام بھی عاجز ہیں حالانکہ وہ اس کی ذات کے وسائل و وسائط ہیں۔ ما اس کے ماسوا کی طرف التفات نہ کیا جائے اور نہ ہی اس کے ذکر سے غفلت برتی جائے اور نہ ہی اس کی اطاعت سے سستی کی جائے۔ یہ کہ یہی اس کے ظاہری عرفان کی قدر و منزلت کی علامت ہے۔ ہاں حقیقی عرفان پر کسی کو قدرت نہیں وہ اپنے آپ کو خود جانتا ہے اور بس۔

کاشفی مرحوم کی صوفیانہ تقریر

جناب کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ محققین کا مذہب یہ ہے کہ جیسے مشرکین اس کی حقیقی معرفت سے عاجز ہیں ایسے ہی اہل ایمان اور ان کے اہل علم بھی عاجزی کا اظہار کرتے ہیں کیونکہ ولا یحیطون به علما کوئی بھی اس کے آستان کبریا تک نہیں پہنچ سکتا اور نہ ہی اس کی ہویت کے قریب جانے کے لیے کوئی دلیری کر سکتا ہے۔ ماسوی کو اس کے ساتھ کوئی نسبت نہیں تو پھر اس کے قریب ہونے کی معرفت کیسے حاصل ہو سکتی اور معرفت مناسبت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی، کہاں ہم مشتِ بھر مٹی اور کہاں وہ رب العالمین عزّ

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

ترجمہ : عالم پاک سے مٹی کو کون سی نسبت !

صوفیہ کے صوفیانہ خیالات

بعض مشائخ نے فرمایا کہ تیری معرفت جیسے کہ تو ہے ہم نے نہیں سمجھا۔ ہاں ہم نے اپنی سمجھ کے مطابق تجھے پہچانا ہے۔

ف : شرح مفاتیح الغیب مصنفہ شیخ وسنتری قدس سرہٗ میں ہے کہ علم الٰہی جسے اہل اللہ کے مشرب میں علم الحقائق کہا جاتا ہے وہ درحقیقت یہی علم الٰہی ہے کہ اس سے اس کے اور مخلوق کے درمیان ارتباط ہے۔ یہ وہی مقام ہے جس میں بہت سے کاملین دہ حیرت میں ہیں اور وہ عرفان الٰہی سے اپنے عجز کا اقرار کرتے ہیں۔

ولی کی پہچان معرفتِ الٰہی سے زیادہ مشکل ہے

حضرت شیخ ابو العباس رحمہ اللہ نے فرمایا:

معرفة الولی اصعب من معرفة الله فان الله معروف بکماله وجماله متی یعرف مخلوقا مثله یاکل کما یاکل ویشرب کما یشرب۔ (روح البیان ج ۱۰ ص ۹۲)	ولی کی معرفت اللہ تعالیٰ کی معرفت سے مشکل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو اپنے کمال و جمال کی وجہ سے معروف ہے لیکن اسے کیسے پہچانا جائے جو عام انسانوں کی طرح کھاتا پیتا ہے۔

اور یہ شرح المفتاح کی تقریر کے موافق ہے۔ جسے تھوڑا سا بھی ذوق نصیب ہو وہ اسے ٹھیک طور پر پا جاتا ہے۔

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے ملائکہ سے رسول جو اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء علیہم السلام کے درمیان واسطہ بنائے گئے ہیں جیسے جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل (علیہم السلام)۔

حل لغات: المفردات میں ہے الصفا بمعنی کدورت سے صاف ہونا۔ اور اصطفا بمعنی تناول صفو الشئ بمعنی تناول الخیر۔ ایسے ہی اجتبا بمعنی تناول الجبایۃ۔

ف: اللہ تعالیٰ بعض مخلوق کو پیدائشی طور پر ہر کدورت سے پاک پیدا فرماتا ہے۔ اور بعض کو بعد تخلیق ہر آلائش سے پاک اور منزہ فرماتا ہے۔ دوسری قسم پہلی قسم کے منافی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ ملائکہ میں سے بعض کو رسول مقرر فرماتا ہے تاکہ بندوں (انسانوں) کے درمیان وہ واسطہ بنیں اور ان کے ہاں پیغامِ الٰہی پہنچائیں جب تک وہ بلا واسطہ پیغام لینے کی اہلیت صلاحیت پائیں اسی درمیانی مدت تک ملائکہ اللہ تعالیٰ اور انبیاء علیہم السلام کے درمیان پیغام رسانی کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَمِنَ النَّاسِ اور انسانوں میں بعض ایسے اشخاص بخشے ہیں جو مخلوق کو خالق کے پیغام پہنچاتے ہیں اور یہ مخصوص انسان ہیں جن کے نفوس مزکیہ اور قوتِ قدسیہ سے تائید کردہ اور روحانی و جسمانی عالم کے کلام سے واقف ہوتے ہیں جو ایک جانب سے دوسری جانب تک پہنچا سکتے ہیں ان کی جانب حق کے ساتھ متعلق ہونے سے مخلوق کے تعلقات و مشاغل و عوائق مانع نہیں ہوتے اس لیے ان کے ہاں جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتا وہ مخلوق تک پہنچاتے اور انہیں احکام و شرائع الٰہی بتلاتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بے شک اللہ تعالیٰ تمام مسموعات کا سننا ہے۔

ف: جناب کاشفی نے لکھا کہ وہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی علیہ السلام کے اقوال سنتا ہے جب وہ تبلیغ فرماتے ہیں۔ بَصِيْرٌ تمام مبصرات کو دیکھنے والا ہے اسی لیے اس پر نہ افعال مخفی ہیں نہ اقوال۔

ف: جناب کاشفی رحمہ اللہ نے لکھا کہ وہ اُمت کے حال کو جانتا ہے جو ان کی دعوتِ اسلام کو رد اور قبول کرتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تا یہ بات ظاہر ہو جائے کہ وہ سمیع ہے کہ ان کی احتیاجات الی الوجود کی عاجزی کو عدم میں سنتا تھا جب کہ وہ معدوم تھے۔ اور اسے دیکھتا تھا جو عدم میں مسافت کا مستحق تھا جبکہ وہ معدوم تھا۔

تفسیر عالمانہ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ جو کچھ ان کے آگے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے وہ سب کچھ جانتا ہے۔ یعنی اشیاء میں سے پریشان کن اور راحت دینے والی ہر شے کو جانتا ہے۔

ف: کاشفی مرحوم نے کہا کہ وہ جو آدمیوں کے آگے ہے یعنی ان کے وہ اعمال جو انہوں نے زمانہ ماضی میں کئے اور وہ اعمال جو زمانہ مستقبل میں کریں گے سب کو جانتا ہے۔

وَاِلَی اللّٰہِ اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف۔ کسی دوسرے کی جانب نہیں، نہ بالاشتراک نہ بالاستقلال۔ **تُرْجَعُ** رجعت قہقری کی طرح لوٹائے جاتے ہیں **اَلْاُمُوْرُ** جملہ امور، کیونکہ وہی بالذات سب کا مالک ہے۔ جو کچھ چاہے بے کھٹک فرماتا ہے اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں اور ان سے ان کے کئے کا سوال ہوگا۔

امام زین العابدینؓ کی بردباری کے واقعات

کسی نے امام زین العابدین رضی اللہ عنہ پر بہتان باندھا۔ آپ نے فرمایا جیسے تو کہتا ہے اگر میں ویسا ہوں تو میں اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں۔ اگر میں ویسا نہیں ہوں تو میں تیرے لیے استغفار کرتا ہوں۔ وہ شخص نادم ہوا اور اٹھ کر آپ کے سر مبارک کو چوما اور کہا، جیسے میں نے کہا آپ ویسے نہیں، میرے لیے استغفار فرمائیں۔ اب مجھے یقین ہوا کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے رسالت کا انتخاب فرماتا ہے۔

بدم گفتی و خرسندم

سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ ایک مسجد سے باہر نکلے تو ایک شخص نے آپ کو گالی دی۔ یہ سن کر آپ کے جان نثاروں اور غلاموں نے اس شخص کو گھیر لیا تاکہ اس کی سرزنش کریں۔ آپ نے منع فرمایا اور کہا اسے میرے پاس لے آؤ۔ جب وہ شخص حاضر ہوا آپ نے فرمایا، تو نے میرے جتنے عیوب سنائے ہیں وہ بہ نسبت ان غلطیوں کے بہت کم ہیں جو میرے اللہ نے چھپا رکھے ہیں۔ اگر تو چاہے تو میں تمہیں وہ بھی بتا دوں تاکہ تو میری مذمت اور زیادہ کر سکے۔ وہ شخص ندامت کے مارے سر جھکائے کھڑا تھا آپ نے اسے اپنا قیمتی کمبل عطا فرمایا اور ساتھ ہزار درہم بھی عنایت فرمائے۔ وہ شخص کہنے لگا، میں گواہی دیتا ہوں آپ یقیناً اولاد رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔

ف: اہل بیت کے لیے یہ وہم بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ اہل دنیا تھے اور وہ جمع کردہ دولت سے خرچ کرتے تھے بلکہ وہ سخی گھرانہ تھا اور احسان و مروت اور جود و سخا ان کی فطرت تھا اور وہ بہترین اخلاق کے مالک تھے۔ جو کچھ ان کے ہاں آتا تھا وہ فوراً راہ خدا میں لٹا دیتے تھے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل اشعار ان پر صادق آتے ہیں۔ ؎

لہ آگے پائیں

تعود بسط الکف حتی لو انہ
ثناھا لقبض لم تطعہ انا ملہ
فلو لم یکن فی کفہ غیر نفسہ
لجاد بہا فلیتق اللہ سائلہ

ترجمہ :- اس کی ہتھیلی ہمیشہ کھلی رہتی ہے یہاں تک کہ اگر بند کرے تو اس کی انگلیاں قابو میں نہیں آتیں۔ اگر اس کے ہاتھ میں سوائے اپنی جان کے اور کچھ بھی نہ ہو تو وہ جان دینے کو تیار ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ ایسے سائل سے بچائے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا :- اے ایمان والو! اپنی نماز میں رکوع و سجود کرو۔ مختلف تفاسیر کے مطابق رکوع و سجود کا حکم اس لیے ہوا کہ ابتدائے اسلام میں رکوع و سجود نہیں تھا۔

حضرت ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پہلے نماز رکوع کے بغیر پڑھی جاتی تھی اس آیت سے حکم ہوا کہ اب سجود کے ساتھ رکوع بھی کیا کرو۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ کبھی نماز کو سجود سے ادا کرتے تو رکوع نہیں کرتے تھے۔ اور کبھی سجود کرتے تو رکوع ترک کر دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ، نماز میں دونوں ضروری ہیں۔

جناب کاشفی مرحوم نے لکھا کہ ابتدائے اسلام میں نماز میں قیام و قعود تھا۔ اس آیت میں حکم ہوا کہ ان کے ساتھ رکوع و سجود بھی کیا کرو۔

بعض دیگر مفسرین نے فرمایا کہ اس میں نماز کا حکم ہے۔ رکوع و سجود سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہ نماز کے اہم ترین رکن ہیں۔

وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ ان افعال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جن کا تمہیں حکم ہے **وَافْعَلُوا الْخَیْرَ** اور نیکی کرو یعنی ہر اس کام کے پیچھے دوڑو جو بہتر اور صالح تر ہو۔ جیسے نوافل ، صلہ رحمی اور مکارم اخلاق وغیرہ۔

حدیث شریف ۱ میں ہے : نوافل کو اپنے فرض کی طرح سے ادا کرو اس لیے کہ انہی نوافل سے فرائض کی تکمیل ہوتی ہے۔

حدیث شریف ۲ دوسری حدیث میں ہے کہ نوافل مومن کا ہدیہ و تحفہ ہے جو وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کرتا ہے لہٰذا چاہیے کہ اپنا ہدیہ بہتر طریق سے اور اطیب کر کے پیش کرے۔

حل لغات : الخیر بمعنی ہر وہ شے جس کی ہر ایک کو رغبت ہو جیسے عقل ، فضل ، عدل ، مال اور ہر مفید شے۔ اس کی ضد شر ہے۔

ف : بعض نے کہا کہ خیر دو قسم کی ہے :

(۱) خیر مطلق: جس میں ہر ایک کو ہر وقت رغبت ہو۔ جیسے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہشت کے متعلق فرمایا: بہشت سے بہتر کوئی چیز نہیں اور دوزخ سے بُری کوئی شے نہیں۔

(۲) خیر مقید: جو بعض کے لیے بہتر ہو اور بعض کے لیے مضر۔ جیسے مال، جو بسا اوقات زید کے لیے مفید ہوتا ہے لیکن عمرو کے لیے مضر۔

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ لہٰذا جملہ امور مذکورہ بالا عمل میں لاؤ اور انجام کار تم فلاح کی امید میں رہو۔ ایسا نہ ہو کہ ان امور کی ادائیگی کے بعد یہ یقین کر کے بیٹھ جاؤ کہ اب ہم فلاح پا چکے۔ اعمال کا کوئی بھروسا نہیں، اس کے فضل و کرم کی امید میں رہو۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا؎

بضاعت نیاوردم الا امید
خدایا ز عفوم مکن نا امید

ترجمہ: صرف امید کی پونجی لایا ہوں۔ اے اللہ! مجھے اپنے عفو و کرم سے نا امید نہ فرما۔

فلاح کی تحقیق فلاح بمعنی ظفر اور مقصد کی کامیابی۔ یہ دو قسم کی ہے:

(۱) دنیوی (۲) اخروی

دنیوی یہ ہے کہ ایسے اسباب میسر آ جائیں جن سے زندگی عیش سے بسر ہو۔ مثلاً درازیٔ عمر، غنا (دولتمندی)، عزت، علم۔

اخروی چار امور کے حصول کا نام ہے:

(۱) بقاء بلا فناء
(۲) غنا بلا فقر
(۳) عزت بلا ذلت
(۴) علم بلا جہل

اسی لیے حدیث شریف میں ہے:

آخرت کا عیش ہی حقیقی عیش ہے۔ شعر

زنہار دل مبند بر اسباب دنیوی

ترجمہ: خبردار! اسبابِ دنیوی کے ساتھ وابستگی نہ کرو۔

مسئلہ: امام شافعی و امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ آیت سجدہ ہے کیونکہ اس میں سجدہ کا حکم ہے۔ حضرت کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس سجدہ کے متعلق اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک قرآن مجید کے سجدۂ تلاوت

کا یہ ساتواں سجدہ ہے۔ اور حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے سجدۃ الصلوٰۃ کا نام دیا ہے۔

ارشادِ امام اعظم رضی اللہ عنہ ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ سجدہ صلوٰتیہ ہے جیسا کہ سجود و رکوع مذکور کا یہاں ذکر کرنے کا قرینہ بتاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یا ایہا الذین آمنوا میں اشارہ ہے کہ انسان پر لازم ہے کہ وہ قیام انسانیت کے تکبر کو چھوڑ کر حیوانیت کی تواضع کی طرف رجوع کرے کیونکہ چوپائے ہمیشہ رکوع میں رہتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ و منہم من یمشی علی اربع اور ان کے بعض وہ ہیں جو چار پیروں پر چلتے ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ رکوع کو چھوڑ کر زیادہ انکساری کو چلا جائے۔ جیسے نباتات ہمیشہ عجز و نیاز کے ساتھ سربسجود ہیں۔ کما قال تعالیٰ:

والنجم والشجر یسجدان۔ اور ستارے اور درخت سجدہ ریز ہیں۔

کیونکہ روح نے ایسی ہی منازل طے کی ہیں کیونکہ وہ عالم ارواح سے نیچے اتری ہے تو معکوس ہو کر یعنی عجز و نیاز کی حالت آئی تو پہلے نباتی منازل پھر حیوانی منازل طے کر کے انسانی منزل میں پہنچی۔ اسی بنا پر اگر انسان وصال الٰہی کا طالب ہے تو اسے چاہیے کہ اپنی منازل اسی طریق (عجز و نیاز) سے طے کرے۔ یہی راز ہے الصلوٰۃ معراج المومنین میں۔ اور قول الٰہی واعبدوا ربکم سے یہی واضح ہوتا ہے یعنی اس عجز و نیاز کو عمل میں لاؤ پھر ذات حق کے وصال کے مزے لوٹو۔ وافعلوا الخیر اپنے جمیع اقوال و اعمال خیر میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہو لعلکم تفلحون تاکہ تم حجب ظلمات نفسانیہ و انوار روحانیہ کی منازل طے کرنے میں کامیاب ہو جاؤ۔

تفسیر عالمانہ

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ الجہاد والمجاہدہ بمعنی اپنی طاقت دشمن کی مدافعت میں صرف کرنا فی اللہ بمعنی فی سبیل اللہ (کذا فی الجلالین)۔ دوسری تفاسیر میں فی اللہ بمعنی للہ لکھا ہے۔ یعنی اللہ کی رضا کے لیے دین اسلام کے ظاہری و باطنی اعداء کی مخالفت میں قوت اور طاقت صرف کرو۔ جملہ اہل زیغ ظاہری دشمن ہیں اور باطنی اعداء نفس اور شہوات نفسانیہ حَقَّ جِهَادِهٖ اس کے جہاد کا حق ادا کرو۔

لہ اس سے آیت کے تقریح فاسد کو تصور میں نہیں لانا چاہیے جیسا کہ اس سے کہا کہ انسان کی اصل بندر (حیوان) ہے ارتقا کی منازل طے کرنے کے بعد انسانی صورت موجودہ وجود میں آئی۔ معاذ اللہ ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ بلکہ اس کا مطلب واضح ہے کہ انسان کی روح پہلے عالم بالا میں تھی جب اس کو اس دنیا میں لایا گیا تو عجز و نیاز سے کہ جیسے نباتات حضور حق میں سربسجود ہیں ایسے ہی روح عجز و نیاز کے ساتھ آئی۔ اس سے سالک کو سمجھایا جا رہا ہے کہ اگر تم وصال الٰہی چاہتے ہو تو روح کی طرح عجز و نیاز اختیار کرو۔ اویسی غفرلہ

جیسا کہ جہاد کا حق ہے۔ یعنی نیت خالص اور رضائے الٰہی مد نظر رکھ کر جہاد کرو۔ یعنی وہ جہاد جس میں اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور وہ صرف اسی کی رضا کے لیے ہو۔ یہ عبارت دراصل جہادا حقا فیہ خالصا لوجھہ تھا۔ مبالغہ کے طور پر عبارت کو برعکس بنا دیا گیا اور جہادہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف کرنے میں بھی مبالغہ مطلوب ہے۔

جہاد کی اقسام جہاد کی تین قسمیں ہیں:

(۱) ظاہری دشمن سے

(۲) شیطان سے

(۳) نفس سے۔ یہ تینوں آیہ مذکورہ میں داخل ہیں۔ (کذا قال الراغب)

حدیث شریف ۱ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
کفار کے ساتھ ہاتھوں اور زبانوں سے جہاد کرو۔

حدیث شریف ۲ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
اپنی خواہشات نفسانیہ کے ساتھ ایسے جہاد کرو جیسے دشمنوں سے کیا جاتا ہے۔

حدیث شریف ۳ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک سے واپسی پر فرمایا:
ہم جہادِ اصغر سے فارغ ہو کر جہادِ اکبر کی طرف لوٹ رہے ہیں۔

ف: اس سے ثابت ہوا کہ نفس کا جہاد کفار و شیاطین کے جہاد سے سخت تر ہے۔ اس میں اتباع الاوامر واجتناب عن النواہی کی ترغیب ہے۔ مثنوی شریف میں ہے:

۱ اے شہان کشتیم ما خصم برون
ماند از وخصمی بتر در اندرون

۲ کشتن این کار عقل و ہوش نیست
شیر باطن سخرۂ خرگوش نیست

ترجمہ: اے بادشاہو! ہم نے اپنے ظاہری دشمنوں کو تو مار ڈالا لیکن اندرونی دشمن تا ہنوز زندہ ہے۔ اس کا قتل کرنا عقل و ہوش کا کام نہیں۔ باطنی شیر خرگوش کے مکر و فریب میں نہیں آ سکتا۔

ھُوَ اجْتَبٰکُمْ اس نے تمہیں اپنے دین کی نصرت کے لیے چنا، تمہارے غیروں کو نہیں۔ اس میں جہاد کے مستحق اور دعوت الی الجہاد کی تنبیہ ہے۔

ف: ابن عطا نے فرمایا: اس میں اشارہ ہے کہ اجتبا نیت جہاد کا واسطہ بناتی ہے نہ کہ جہاد سے اجتبا ثابت

ہوا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وجاھدوا فی اللہ حق جہادہ یعنی دونوں حقوق کے لیے نفس کے ساتھ جہاد کرو۔ یعنی نفس سے حظوظ نفسانیہ ترک کراؤ اور قطع تعلق از ماسوی اور مراقبات میں اسماء صفات میں قلوب کا تصفیہ کرو اور وجود مجازی کو وجود باقی میں فنا کرکے ارواح کا تجلیہ و استہلاک کرو تاکہ فانی وجود باقی وجود کے ساتھ باقی ہو۔ ھُوَ اجْتَبٰىكُمْ تمام مخلوق میں سے انہی کمالات کے لیے اس نے تمہیں منتخب فرمایا ہے۔ اگر اس کا انتخاب نہ ہوتا اور نہ ہی تمہیں اس جہاد کی استعداد عطا ہوتی اور وہ تمہیں راہ ہدایت بخشتا تو تم کبھی اس جہاد فی اللہ کے قریب نہ پھٹکتے۔

فلولاکمو ما عرفنا الھوی
ولولا الھوی ما عرفناکمو

ترجمہ: اگر تم نہ ہوتے تو ہم عشق کو معروف نہ کرتے اور اگر عشق نہ ہوتا تو تم بھی معروف نہ ہوتے۔

ف: جہاد حق کے مبادی میں سے ہے قتال نفس کے جہاد میں عمر بھر سستی نہیں کرنی چاہیے۔ جیسا کسی شاعر نے کہا

یا رب ان جہادی غیر منقطع
فکل ارضک لی ثغر و طرسوس

ترجمہ: اے میرے پروردگار! میرا جہاد جاری ہے تیری زمین میری سرحدیں اور چھاؤنی ہے۔

تفسیر عالمانہ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ اور ہم نے تمہارے اوپر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں بنائی۔

حل لغات: حرج دراصل جمع شجر کا ہے جو نہایت گھنے ہوں اور وہ گھنے پن سے تنگی مقصود ہو۔ اسی لیے معنیٰ (تنگی) کرکے ترجمہ کیا گیا یعنی ہم نے دین میں کوئی ایسی تنگی نہیں رکھی کہ جس سے تمہیں دین کے احکام ادا کرنے میں دقت محسوس ہو۔ اسی لیے نابینا اور لنگڑے اور خرچ کی کمی والے اور سواری نہ رکھنے والے مفلس اور بچے والدین اجازت نہ دیں تک بھی جہاد معاف ہے۔

ف: کاشفی مرحوم نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تنگی نہیں بنائی اور نہ احکام دین میں تکلیف مالا یطاق رکھی۔ بوقت ضرورت بہت سے احکام معاف فرما دیتا ہے مرض و سفر میں قصر و تیمم و افطار جیسی سہولتیں اسی آیت کا مصداق ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے سیر الی اللہ اور وصل الی اللہ میں تمہارے لیے تنگی نہیں رکھی کیونکہ سیر الی اللہ میری طاقت سے طے کرتے ہو نہ کہ اپنی طاقت سے۔ ایسے ہی میرا وصال میرے قرب سے نصیب ہوتا ہے نہ کہ اپنے قرب سے۔ اگر تم یہ گمان رکھو کہ تمہارا تقرب میرے وصال بالذات کا سبب بنتا ہے اور اس میں ہمارے تقرب کا کوئی دخل نہیں تو یہ تمہارا گمان غلط ہے کیونکہ میرا تقرب تمہارے تقرب سے سابق ہے جیسا کہ حدیث قدسی

میں ہے۔

حدیث قدسی (اللہ تعالیٰ نے فرمایا) جو میرے پاس ایک بالشت قریب ہوتا ہے میں ایک گز اس کے قریب ہو جاتا ہوں۔

شبر (دو بالشت) میں اشارہ ہے ایک بالشت میرے قرب سے چلنے اور ایک بعد میں۔ یہاں تک کہ بندہ جب اس کے پاس چل کر جاتا ہے تو وہ دوڑ کر (یعنی جلد تر) اس سے ملاقی ہے۔

تفسیر عالمانہ

مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ملت کا منصوب ہونا فعل مقدر کی وجہ سے ہے جیسا کہ فعل ما قبل دلالت کرتا ہے اور یہاں مضمون محذوف ہے در اصل عبارت یوں تھی، وسع علیکم دینکم دین میں تمہیں ایسی وسعت بخشی ہے جیسی تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کے دین میں تھی لہٰذا اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی فرماں برداری کرو۔ (کذا فی الجلالین)

ف : ملّة دین کی طرح ہے یہ اس کا نام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے مشروع فرمایا تاکہ اس پر چل کر اللہ کا تقرب حاصل کریں (کذا قال الراغب)

ملت و دین کا فرق ملت و دین میں فرق یہ ہے کہ ملت کی اضافت صرف اسی نبی کی ہوتی ہے جس کی وہ منسوب ہے جیسے اتبعوا ملة ابراهيم واتبعت ملة آبائى۔ نہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف ہوتی ہے اور نہ کسی عام انسان کی طرف۔ اس لیے اس کا استعمال جملہ شرائع پر ہوتا ہے۔ اس معنی پر ملة الله یا ملتی یا ملة زید نہیں کہا جاتا بخلاف دین کے کہ وہ عام ہے اسی لیے دین اللہ (و دینی و دین زید) کہا جاتا ہے۔

حل لغات : ملّة ملت الکتاب سے ہے اور نبی علیہ السلام کی طرف اس لیے مضاف ہوتی ہے کہ اسے اس نے جناب اللہ بندوں پر مشروع فرمایا ہے اور دین ہر اس شخص کے لیے ہے جو اسے قائم کرے جبکہ اس کا منشا اطاعت ہو۔ (کذا فی المفردات)

سوال : ابراہیم علیہ السلام کو ہمارا باپ کیوں کہا گیا حالانکہ وہ تو ہمارے حضور علیہ السلام کے اَب (دادا) تھے۔

جواب (۱) چونکہ ہر رسول علیہ السلام اپنی امت کے لیے بمنزلہ باپ کے ہوتا ہے کیونکہ وہ باپ کی طرح حیوۃ ابدیہ کا سبب بنتا ہے اور اسی کے وجہ سے ہی قیامت میں امت کا وقت قائم ہوگا۔

(۲) چونکہ اکثر اہل عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے تھے اس لیے تغلیباً سب کے لیے ابیکم کہا گیا ہے۔

ملتِ ابراہیم کے چند احکام حضرت ابن العطا نے فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت سے جود و سخا اور خرچ میں وسعت اور حسن اخلاق نفس اور اہل و عیال اور اموال و اولاد کے حقوق کی ادائیگی مراد ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں سیر الی اللہ کی چال مراد ہے کہ جیسے سیر الی اللہ کی چال چلا تم بھی ویسے چلو۔ اس کی چال کا ذکر [illegible] میں ہے اور انہیں باپ اس لئے کہا کہ وہ طریق السیر الی اللہ میں بمنزلہ باپ کے ہیں جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

انا لکم کالوالد لولدہ۔ میں تمہارے لئے بمنزلہ باپ کے ہوں۔

تفسیر عالمانہ هُوَ اللہ تعالیٰ نے سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ اس سے پہلے یعنی کتب متقدمہ میں تمہارا نام مسلمان رکھا تھا وَفِيْ هٰذَا اور اس قرآن میں بھی لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ تاکہ ہوں رسول اللہ (یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) قیامت میں۔ یہ سمّٰکم کے متعلق ہے اور لام علت کی ہے شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ گواہ کہ انہوں نے تمہارے اپنے رب کے پیغام پہنچا دئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت قابل اعتماد ہوگی کیونکہ ان کی عصمت مسلم ہے یا تمہاری اطاعت اور نافرمانی کی گواہی دیں گے وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ اور تم لوگوں کی گواہی دو گے کہ واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام الٰہی پہنچایا تھا فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ یعنی مختلف طاعات و عبادات سے اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جاؤ کیونکہ اس نے صرف تمہیں فضل و شرف سے نوازا ہے۔

سوال: صرف نماز و زکوٰۃ کی تخصیص کیوں حالانکہ تم جملہ عبادات و طاعات مراد لے رہے ہو۔

جواب: ان کی فضیلت کی وجہ سے۔ دوسرے یہ کہ نماز امر الٰہی کی تعظیم پر اور زکوٰۃ شفقت علی الخلق پر دلالت کرتی ہے۔

وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ اور تم اپنے جملہ امور میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو اور صرف اسی سے ہی اعانت و نصرت طلب کرو یعنی اسی کے فضل کو مضبوطی سے پکڑو یعنی جملہ امور میں اسی پر اعتماد کرو یا عبادات مقصود ہے کتاب و سنت کے دامن کو مضبوطی سے تھامو۔

ف: حضرت [illegible] مرحوم نے فرمایا: اعتصام بحبل اللہ کا حکم عوام کو اور باللہ کا خواص کو ہے۔ حبل اللہ کے اعتصام کا معنی ہے اوامر کا تمسک اور نواہی سے تنفر۔ اور اعتصام کا مطلب ہے دل کو ماسوی اللہ سے خالی کرنا۔

هُوَ مَوْلٰىكُمْ وہی تمہارا مددگار اور جملہ امور کا کارساز ہے فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ وہ کیا مددگار اور کارساز ہے کہ ولایت میں اس کی مثال ہے نہ نصرت میں، بلکہ درحقیقت اس کے سوا نہ کوئی مددگار ہے نہ کارساز۔

ف: جناب کاشفی مرحوم نے لکھا کہ وہ بہتر کارساز ہے اور بہتر مددگار کہ اپنی مہربانی سے ہمارے گناہ ڈھانپتا اور مددگاری سے گناہ بخشتا ہے لہٰذا اسی سے ہی مدد طلب کرنی چاہئے کہ وہ کسی کی کارسازی سے تھکتا نہیں اور مددگاری بھی اسی سے مانگنا لازم ہے کہ وہ کسی کی مددگاری سے عاجز نہیں ہوتا۔

از یاری خلق بگذر اے مرد خدا | یاری طلب از فضل کریم دو سرا

۲ کار تو تواند کہ بسازد بہر وقت دست تو تواند کہ بگیرد ہمہ جا

ترجمہ: ۱۔ اے مرد خدا! خلق کی مدد سے دور بھاگ۔ اس ذات سے یاری طلب کر جو باوفا ہے۔

۲۔ وہ قادر ہے تیرا کام ہر وقت بنا سکتا ہے اور وہ ہر جگہ تیری دستگیری فرماتا ہے۔

ف: یعنی فرشتے نے کہا کہ جب تم کسی کام کا آغاز کرو تو پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عجز و نیاز کا اظہار کرو۔

حکایت: کسی نے اپنے بھائی سے شکایت کی اس نے کہا: بھائی! اس قادر سے عرض کرو جو سب کا کارساز ہے اور سب کی ضروریات پوری کرتا ہے۔ لہٰذا تم اس کے سوا کسی اور سے شکایت کرو اور نہ کوئی سوال کرو۔

حکایت دیگر: سلیمان بن عبد الملک کعبہ معظمہ میں حاضر ہوا تو حضرت سالم بن عبد اللہ سے کہا کہ کچھ ضرورت ہو تو بتاؤ۔ انہوں نے فرمایا: بخدا میں اللہ تعالیٰ کے گھر میں رہ کر غیر سے سوال نہیں کروں گا۔

سبق: طالب خدا پر لازم ہے کہ وہ اپنے جملہ امور میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر بھروسا کرے ظاہر و باطن میں صرف اسی کی رضا میں رہے اور دل میں یہ تصور نہ کرے کہ یہ کام اس کے لیے مشکل ہے۔ اس کے لیے تو ہر کام آسان ہے وہی سب کا مولیٰ، کارساز اور مددگار ہے۔ چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا: ذٰلِكَ یعنی اس کی مدد بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الآیۃ یعنی اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا مولیٰ ہے۔

(صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ) سورۃ حج کی تفسیر اواخر جمادی الاولیٰ ۱۱۱۸ھ میں ختم ہوئی۔

فقیر اویسی غفرلہ اس کے ترجمہ سے ۱۲ محرم ۱۴۰۳ھ میں بروز اتوار بعد نماز ظہر فارغ ہوا۔

فہرست مضامین پارہ نمبر 17

آغاز پارہ نمبر 17	897	[illegible]	1023	رکوع عربی مع ترجمہ اردو	1161
اقترب للناس حسابهم		[illegible]	1036	ولكل امة جعلنا	
رکوع عربی مع ترجمہ اردو	911	ایوب علیہ السلام کی بیماری کا قصہ	1040	رکوع عربی مع ترجمہ اردو	1173
وكم قصمنا من قرية كانت	912	معراج یونس	1048	اذن للذين يقاتلون بانهم	1174
[illegible]	915	[illegible]	1052	[illegible]	1181
ایک گستاخ کی کہانی	929	رکوع عربی مع ترجمہ اردو	1059	کنوئیں والوں کا قصہ	1185
شب معراج کے دو تحفے	938	فمن يعمل من الصلحت	1060	رکوع عربی مع ترجمہ اردو	1195
رکوع عربی مع ترجمہ اردو	941	کیا کافر کے لئے رحمت	1073	قل يا ايها الناس	
اولم یر الذین کفروا ان	942	رحمت عالمین و رحمت مصطفیٰ میں فرق	1073	[illegible]	1204
ابدال کی علامات	947	آغاز سورۃ حج	1080	رکوع عربی مع ترجمہ اردو	1205
خضر علیہ السلام زندہ ہیں	953	عربی مع ترجمہ اردو	1081	والذين هاجروا في سبيل الله	
موت و حیات کی اقسام	963	تخلیق انسان	1083	قتل اور موت کا فرق	1206
رکوع عربی مع ترجمہ اردو	965	[illegible]	1087	رزاق کسے کہتے ہیں؟	1208
قل من يكلؤكم بالليل		[illegible]	1096	[illegible]	1208
باب خیبر اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ	970	رکوع عربی مع ترجمہ اردو	1106	رکوع عربی مع ترجمہ اردو	1210
عنہ		ومن الناس من يعبد	1107	الم تر ان الله سخر لكم	
دروازہ خیبر کو چالیس آدمیوں سے نہ اٹھا	973	[illegible]	1116	[illegible]	1219
حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ہاتھ میں	974	رکوع عربی مع ترجمہ اردو	1127	[illegible]	1224
رکوع عربی مع ترجمہ اردو	981	ان الله يدخل الذين آمنوا		سے جب	
ولقد آتینا ابرهیم رشده	982	رکوع عربی مع ترجمہ اردو	1134	رکوع عربی مع ترجمہ اردو	1226
شطرنج اور کھیل بازی کی مذمت	984	واذ بوانا لابراهيم مكان		يا ايها الناس ضرب	
بت شکنی ابراہیم علیہ السلام	990	[illegible]	1136	مکھی کی [illegible]	1227
[illegible]	994	کعبہ معظمہ کی زیارت کے فضائل	1138	[illegible]	1233
[illegible]	1000	[illegible]	1140	[illegible] کا فرق	1237
رکوع عربی مع ترجمہ اردو	1014	[illegible]		اختتام پارہ نمبر 17	1239
ونوحا اذ نادى من قبل	1016	[illegible]	1152		
[illegible] کا واقعہ	1020	ہے			

فیوض الرحمٰن

اردو ترجمہ

تفسیر روح البیان

شیخ القرآن والحدیث فیض ملت حضرت علامہ مفتی

محمد فیض احمد اویسی رضوی مدظلہ

مکتبہ اویسیہ رضویہ
سیرانی روڈ بہاول پور

فیوض الرحمٰن

اردو ترجمہ

تفسیر روح البیان

مصنف

سراج العلمأ زبدۃ الفضلأ حضرت مولانا شیخ **اسماعیل حقی** قدس سرہ

مترجم

شیخ القرآن والحدیث فیض ملت حضرت علامہ مفتی **محمد فیض احمد** اویسی رضوی مدظلہ

ناشر: مکتبہ اویسیہ رضویہ سیرانی روڈ بہاول پور (پاکستان)

فہرست پارہ 18-23

[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	1	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

پارہ ١٨

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْنَ مَكِّيَّةٌ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ اٰيَاتُهَا ١١٨ رُكُوْعَاتُهَا ٦

سورہ مومنون مکی ہے اور اس میں ۔ اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے ۔ ایک سو اٹھارہ آیتیں اور چھ رکوع ہیں

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝١ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝٢ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ

بے شک مراد کو پہنچے ایمان والے جو اپنی نماز میں گڑگڑاتے ہیں اور وہ جو کسی بیہودہ بات کی

اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝٣ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝٤ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ

طرف التفات نہیں کرتے اور وہ کہ زکوٰۃ دینے کا کام کرتے ہیں اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی

حٰفِظُوْنَ ۝٥ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ

حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیبیوں یا شرعی باندیوں پر جو ان کے ہاتھ کی ملک ہیں کہ ان پر کوئی ملامت

مَلُوْمِيْنَ ۝٦ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝٧ وَالَّذِيْنَ هُمْ

نہیں تو جو ان دو کے سوا کچھ اور چاہے وہی حد سے بڑھنے والے ہیں اور وہ جو اپنی امانتوں

لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝٨ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝٩

اور اپنے عہد کی رعایت کرتے ہیں اور وہ جو اپنی نمازوں کی نگہبانی کرتے ہیں

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝١٠ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝١١

یہی لوگ وارث ہیں کہ فردوس کی میراث پائیں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝١٢ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ

اور بے شک ہم نے آدمی کو چنی ہوئی مٹی سے بنایا پھر اسے پانی کی بوند کیا ایک مضبوط ٹھہراؤ

مَّكِيْنٍ ۝١٣ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا

میں پھر ہم نے اس پانی کی بوند کو خون کی پھٹک کیا پھر خون کی پھٹک کو گوشت کی بوٹی پھر گوشت کی

الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ

[illegible]

أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذَٰلِكَ لَمَيِّتُونَ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

[illegible]

تُبْعَثُونَ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَائِقَ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ

[illegible]

غَافِلِينَ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَسْكَنَّاهُ فِي الْأَرْضِ وَإِنَّا عَلَىٰ

[illegible]

ذَهَابٍ بِهِ لَقَادِرُونَ فَأَنْشَأْنَا لَكُمْ بِهِ جَنَّاتٍ مِنْ نَخِيلٍ وَأَعْنَابٍ

[illegible]

لَكُمْ فِيهَا فَوَاكِهُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُورِ سَيْنَاءَ

[illegible]

تَنْبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِلْآكِلِينَ وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيكُمْ

[illegible]

مِمَّا فِي بُطُونِهَا وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ وَعَلَيْهَا وَعَلَى

[illegible]

الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ

[illegible]

تفسیر عالمانہ سورۂ مومنون مکیہ ہے اور جمہور کے نزدیک اس کی ایک سو دس اور کوفیوں کے نزدیک ایک سو اٹھارہ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ [illegible]

اور ہمیشہ بہشت میں رہنے والے۔

ف: مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے جنت عدن کو پیدا فرمایا تو اس سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بول، کیا کہتی ہے؟ اس نے عرض کی: قد افلح المؤمنون۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جنتِ عدن! تجھے مبارک ہو کہ تیرے اندر جنت کے بادشاہ داخل ہوں گے۔ اس نے عرض کی: جنت کے بادشاہ کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ فقراء جو صبر کرنے والے ہیں۔

ف: ماضی کا صیغہ دلالت کرتا ہے کہ مومن کو کامیابی نصیب ہو گئی، اور کلمۂ قد سے واضح ہوتا ہے کہ جو امر متوقع الثبوت تھا وہ واقع ہو گیا اس لیے کہ اہلِ ایمان کو فلاح و کامیابی کی امید تھی اور فلاح بمعنے بقاء اور مراد کو پہنچنے اور مکروہ امر سے نجات کو کہتے ہیں۔ اور افلاح بمعنے ان امور میں داخل کرنا جیسے ابشار بمعنے بشارۃ میں داخل کرنا۔ اور فلاح کبھی خود بھی متعدی ہو کر استعمال ہوتا ہے بمعنے ادخال فی الفلاح۔ جس قرأت میں فعل مجہول پڑھا گیا ہے اس کا یہی معنیٰ ہے۔

مسئلہ: جب تک ایمان کی دولت نصیب نہ ہو فلاح حقیقی نصیب نہیں ہوتی۔

ایمان کی تعریف

ھو التصدیق بما علم ضرورۃ انہ من دین نبینا علیہ السلام من التوحید والنبوۃ والبعث والجزاء ونظائرھا بل یحصل بالایمان الحقیقی المقید بجمیع الشرائط قال بطریق الایضاح او المدح۔

ایمان سے ان امور کی تصدیق مراد ہے جس کے متعلق یقین ہے کہ یہ ہمارے نبی علیہ السلام کے دین سے ہیں جیسے توحید، نبوت اور قیامت میں اٹھنا اور اعمال کی جزاء و سزا وغیرہ بلکہ فلاح حقیقی اس ایمان حقیقی سے حاصل ہوتی ہے جو جمیع شرائط سے مقید ہے۔

ربط: اب اہلِ ایمان کے اوصاف بیان فرمائے تاکہ مزید وضاحت ہو۔ یا ان اوصاف سے اہلِ ایمان کی مدح مقصود ہے۔

اَلَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ۔ الخشوع بمعنے الخوف والتذلیل۔ اور المفردات میں ہے کہ الخشوع بمعنے الضراعۃ۔ اور اس کا اکثر استعمال ان افعال پر ہوتا ہے جو قلب سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اذا ضرع القلب خشعت الجوارح (جب قلب کو تضرع نصیب ہوتا ہے تو جوارح کو خود بخود خشوع حاصل ہو جاتا ہے) اب معنیٰ یہ ہوا کہ مومن وہ ہیں جو نماز میں اللہ تعالیٰ کے خوف سے

marfat.ocm

وہ جو [illegible] جنت [illegible] ہیں

ف: خشوع [illegible] جاتے ہیں

حکایت و روایت [illegible] حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے اپنی [illegible] نماز [illegible] آپ [illegible] خشوع [illegible]

مسئلہ: نماز [illegible] مکروہ ہے [illegible] نماز میں [illegible] آسمان کی طرف دیکھنا [illegible]

مسئلہ: نماز کے علاوہ [illegible] دعا میں آسمان کی طرف دیکھنا [illegible] اس لیے کہ آسمان دعا کا قبلہ ہے [illegible] برکات کا [illegible] ہے۔

مسئلہ: حضرت [illegible] نماز میں [illegible] مکروہ [illegible] بہت [illegible] ہے۔

حدیث شریف [illegible] نماز میں [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ [illegible] خشوع [illegible] خشوع [illegible] خشوع [illegible] خشوع [illegible] جنت [illegible] وقت [illegible]

ف: [illegible] نماز میں [illegible]

marfat.ocm

اس کے وصال میں پہنچے ؎

۱ یار بیزار است از تو تا توئی
اول از خود خویش را بیزار کن

۲ گر ز تو یک ذرہ ماندہ است
خرقہ و تسبیح با زنار کن

۳ ترک خویش و ہر دو عالم گیر ودرد
ذرۂ میندیش و چوں عطار کن

ترجمہ : تجھ سے تیرا یار بیزار ہے جب تک تیرے اندر دوئی ہے اس لیے پہلے اپنے آپ کے لیے بیزاری اختیار کیجئے۔ اگر تیرے اندر ذرہ برابر بھی دُوئی ہے تو خرقہ و تسبیح و زنار میں کوئی فرق نہیں۔ دُوئی کو چھوڑ پھر دونوں عالم تیرے قبضہ میں ہوں گے ذرہ برابر بھی اپنا تصور دل میں نہ لایا کر، اور عطار کی طرح ہو جا۔

تفسیر عالمانہ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ۔ لایعنی اقوال و افعال کو لغو کہتے ہیں۔ المفردات میں ہے غیر معتبر کلام کا دوسرا نام لغو ہے۔ ایسا کلام انسان کے ارادہ و فکر کے بغیر منہ سے خارج ہو جاتا ہے۔ ایسا کلام لغا کی طرح ہوتا ہے۔ اور لغا بمعنے صوت العصافیر (چڑیوں وغیرہ کی آواز)۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ لغو ہر وہ فعل جو غیر اللہ سے ہو اور ہر وہ قول جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے نہ ہو۔ اور غیر اللہ کو دیکھنا بھی لغو میں داخل ہے۔ وہ فعل جو اللہ تعالیٰ سے دور رکھے وہ بھی لغو ہے۔

ف : حضرت کاشفی نے فرمایا کہ امام قشیری کا ارشاد ہے کہ جو کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نہ ہو وہ حشو ہے اور وہ کام جو اللہ تعالیٰ سے باز رکھے وہ سہو ہے اور جس فعل میں بندے کو حظِ نفس حاصل ہو وہ لہو ہے اور جو شے خدا تعالیٰ سے نہ ہو وہ لغو ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ لغو وہ افعال و اقوال ہیں جو کسی کام نہ آئیں۔

تفسیر عالمانہ مُعْرِضُوْنَ۔ حلِ لغات : اعراض بمعنے عرضہ۔ عرض بمعنے ناحیۃ (کنارہ)۔ مثلاً جب کہا جائے گا عرض لی کذا یعنی مجھے اس کا کنارہ ظاہر ہوا تو مجھے اس کے حصول میں تمکن حاصل ہو گیا۔ اور جب اعراض کہا جائے گا تو اس کا معنیٰ ہو گا ولی مبدیا عرضہ۔ اب آیت کا معنیٰ ہوا کہ وہ اپنے جملہ اوقات میں لغو سے روگردانی کرنے والے ہیں۔ استمرار کا معنی صیغہ اسم فاعل سے حاصل ہوا۔ جب وُہ حضرات عام اوقات میں لغو سے روگردان

marfat.ocm

[illegible]

[illegible]

والذین هم للزکوة فاعلون [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تفسیر صوفیانہ

[illegible] خذ من اموالهم صدقة تطهرهم وتزکیهم بها۔

[illegible]

قد افلح من تزکی۔

[illegible]

قد افلح من زکاها وقد خاب من دساها۔

[illegible]

marfat.ocm

مطلب ہے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ

وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ ۔

حلِ لغات: الفرج والفرجۃ بمعنے دو چیزوں کے درمیان سوراخ۔ دیوار کے سوراخ کو فرج و فرجۃ سے تعبیر کرتے ہیں۔ دو پاؤں کے درمیان کے حصے کو فرج کہا جاتا ہے۔ یہاں پر شرمگاہ مراد ہے۔ اور جمع کے صیغے میں تصریح مطلوب ہے۔

حٰفِظُوْنَ یعنی وہ اپنے فروج (شرم گاہوں) کو حرام سے روکنے والے ہیں اور انھیں غیروں کے ملک میں نہیں چھوڑتے اور نہ ہی انھیں بیجا استعمال کرتے ہیں اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِھِمْ سوائے اپنی عورتوں کے۔ لفظ زوج نر و مادہ دونوں کے لیے مستعمل ہے۔ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ یا (سوائے) اپنی کنیزوں کے جو ان کی اپنی ملک میں ہیں۔

ف: ما ملکت اگرچہ غلاموں کو شامل ہے لیکن یہاں پر بالاجماع صرف کنیزیں مراد ہیں۔

ف: ما ملکت پر صیغہ غیر ذوی العقول یعنی لفظ ما میں اشارہ ہے کہ لفظ ملك عام ہے۔ ذوی العقول و غیر ذوی العقول دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

سوال: الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ صرف رقیق (غلام و کنیز) کے لیے ملک یمین کی تخصیص کیوں۔ دوسرے املاک کو ملک یمین سے کیوں نہیں تعبیر کیا جاتا؟

جواب: غلام و کنیز کے ملک میں مخصوص تصرف کی اجازت ہے بخلاف دوسرے املاک کے۔ مثلاً دار کی ملکیت پر اسے توڑنا جائز ہے لیکن غلام و کنیز کی ملکیت کے بعد نقض کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

نکتہ: اگرچہ ما ملکت کا مفہوم عن اللغو میں ادا ہو جاتا تھا لیکن یہ چونکہ تمام لذات و شہوات سے لذیذ ترین ہے اسی لیے اسے خصوصیت سے علٰحدہ بیان کیا گیا، نیز یہ دوسرے امور سے زیادہ خطرناک بھی ہے اسی لیے اسے علٰحدہ ذکر کرنا نہ صرف موزوں بلکہ اشد ضروری تھا۔

فَاِنَّھُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ بے شک اپنے ازواج کے سوا فروج کی حفاظت کرنے والوں پر کوئی ملامت نہیں اس لیے کہ ان کی اپنی عورتوں سے انھیں مباشرت کی اجازت ہے بشرطیکہ وہ حیض و نفاس اور روزہ و احرام میں نہ ہوں۔

ف: اللوم بمعنے انسان کو ایسے فعل سے منسوب کرنا جس میں ملامت ہو۔ التہذیب میں ہے کہ اللوم بمعنے ملامت کرنا۔

سوال: اللوم و الذم میں کیا فرق ہے؟

جواب: الذم صفات میں مستعمل ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے: الکفر مذموم۔ اور اللوم کا استعمال

marfat.ocm

[illegible] ہوتا ہے۔ مثلاً [illegible] ہوتا ہے۔ [illegible] معلوم۔ (کذا فی [illegible])

تفسیر صوفیانہ

[illegible] بالشہوات سے محفوظ [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] [illegible] ہے۔ کہ [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم۔

[illegible] ہے کہ [illegible] حاصل ہے اس کا [illegible] نہیں [illegible] کے [illegible] ہیں۔

مسئلہ: [illegible] ہے [illegible] حضور نبی [illegible] کے [illegible] ہے۔ [illegible]

تفسیر عالمانہ

فسق [illegible] ذٰلکم [illegible] [illegible] اسلامیہ [illegible] شریعت [illegible]

[illegible] ہے۔

[illegible] ہے [illegible] الاحتشاء مجاوزۃ [illegible]

[illegible] سے حرام [illegible] ہیں۔

مسئلہ: نشت زنی [illegible] ہے۔ (کذا فی تفسیر الاحمدی)

مسئلہ: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص [illegible] نہیں کر سکتا [illegible]

[illegible] (کذا فی [illegible] المشارق)

ف: [illegible] استعمال فرمایا ہے [illegible] حرام ہے کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے [illegible] شاعر [illegible] شعر [illegible] [illegible] فرمایا [illegible] ہے۔

مسئلہ: [illegible] ہے کہ [illegible] نشت زنی کرکے [illegible] ہے [illegible] شریعت کے [illegible] نشت زنی کرے تو حرام ہے [illegible] ہے کہ [illegible] میں [illegible] نہ ہوگا۔

نشت زنی حرام ہے

[illegible] ہے کہ نشت زنی حرام ہے۔ [illegible] اور نشت [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] ہے۔

marfat.ocm

(۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

والذین ہم لفروجہم حافظون،

الیٰ قولہ فاولٰئک ہم العادون۔

عادون وہ ظالم جو حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرنے والے ہیں۔ امام بغوی نے فرمایا کہ آیت میں دلیل یہ ہے کہ مشت زنی حرام ہے۔

(۲) ابن جریج نے فرمایا :

میں نے عطاء سے مشت زنی کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ ایک قوم کو قیامت میں اٹھایا جائے گا جن کے ہاتھ گابھن ہوں گے۔ میرے خیال میں وہ یہی مشت زنی کرنے والے ہوں گے۔

(۳) حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

اللہ تعالیٰ اس قوم کو عذاب میں مبتلا کرے گا جو اپنے ذکر سے کھیلتے ہیں۔ یعنی مشت زنی کرتے ہیں۔

مسئلہ : مشت زنی کرنے والے پر تعزیر ہے۔ کذا قال ابن الملقن وغیرہ۔

مسئلہ : امام ابوحنیفہ و امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک اس شرط پر (مشت زنی) جائز ہے کہ انسان کو زنا میں مبتلا ہو جانے کا یقین ہو۔

مسئلہ : ایسے ہی اسی شرط پر اپنی زوجہ اور اپنی لونڈی کے ہاتھ کے ذریعہ منی خارج کرنے کی اباحت ہے۔ لیکن قاضی حسین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے مکروہ لکھا ہے اس لیے کہ یہ عزل میں داخل ہے۔

مسئلہ : التاتارخانیہ میں ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایسے شخص کا حساب وکتاب برابر ہو تو بھی اسے نجات کی امید رکھنی چاہیے (یعنی فتنۂ زنا سے بچنے کا ثواب جو نیکی کی وجہ سے ہوا اور مشت زنی کا ارتکاب کر کے جو گناہ ہوا یہ دونوں برابر ہو جائیں)

وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ یعنی وہ امانتیں اور وہ وعدے جو اللہ تعالیٰ سے یا بندوں سے کئے جائیں یعنی انھیں امانتوں پر امین مقرر کیا جائے ازجانب مخلوق ، یا وہ امانات اللہ تعالیٰ کی ہوں ، جیسے نماز ، روزہ ، غسل جنابت۔ ایسی امانات کی پابندی لازم ہے۔

الامانۃ وہ شے جس کی انسان حفاظت کرے۔ اور عہد شے کو ہر حال میں محفوظ رکھنا اور وہ معاہدہ جس کی مراعات ضروری ہو، اسے بھی عہد کہتے ہیں۔

رَاعُوْنَ یعنی ان پر وہ قائم ہیں اور اصلاح کے ارادہ پر ان کی نگرانی کرتے ہیں۔

marfat.ocm

تفسیر صوفیانہ

[illegible] هم لامنتهم وعهدهم راعون [illegible] کو امانت [illegible] وہ [illegible] ہے جسے انسان نے ازل میں اٹھانے کا عہد کیا۔ یعنی وہ فیض الٰہی ہے [illegible] قبول کیا اور [illegible] اکرام ہے جس کی وجہ سے انسان جملہ مخلوق سے ممتاز [illegible] عہد سے وہ عہد مراد ہے جو انسان نے روز میثاق اللہ تعالیٰ سے باندھا کہ وہ اس کی [illegible] عبادت [illegible] گا۔ کما قال:

[illegible] ھذا صراط مستقیم۔

[illegible] مومن وہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی امانت کا جو اس کے پاس ہے خیانت نہیں کرتے اور وہی اللہ تعالیٰ کی [illegible] عبادت کرتے ہیں [illegible] کی عبادت میں سب سے [illegible] ابتلاءات نفسانی کا مرتکب ہوتا ہے۔

ف: [illegible] اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

[illegible] کے [illegible] انسان کے [illegible] امانت میں [illegible] طرح [illegible] کے [illegible] اور [illegible] مثلاً آنکھ کو حرام کے دیکھنے سے بند رکھنا اور [illegible] اور کان کو لغویات اور [illegible] سے بچانا اور [illegible] اور زبان کی امانت غیبت و بدگوئی سے بچا کر [illegible] اور [illegible] کی امانت یہ ہے کہ اسے [illegible] اور [illegible] سے [illegible] کی امانت یہ ہے کہ اسے [illegible] کی طرف [illegible] اور [illegible] قلب کی امانت [illegible] اور [illegible] یہاں تک کہ [illegible] اللہ تعالیٰ کے سوا اور [illegible] اللہ تعالیٰ کے [illegible] سکے۔

تفسیر عالمانہ

والذین هم علیٰ صلاتهم یحافظون اور وہ لوگ اپنی فرض نماز کی پنجگانہ حفاظت کرتے ہیں۔ یعنی انہیں شرائط و آداب کے ساتھ اوقات مقررہ میں ادا کرتے ہیں

تفسیر صوفیانہ

[illegible] ہے کہ نماز کی [illegible] کرتے ہیں [illegible] کرتے ہیں [illegible] ہیں۔

حدیث شریف

[illegible] بائیں جانب ہو اسے [illegible]

[illegible]

ف: [illegible] اول [illegible] کے [illegible] سے زیادہ [illegible] ہیں [illegible] بہ نسبت دوسروں کے [illegible] کرنے والے ہیں [illegible] ثواب بھی زیادہ ہے۔ [illegible]

marfat.ocm

حدیث شریف جو لوگ مسجد میں پہلے زمرہ میں داخل ہوں وہی صفِ اوّل والے ہیں اگرچہ وہ مسجد کے کسی کونے میں نماز پڑھیں۔ (کذا فی خالصۃ الحقائق)

ف : لفظ یحافظون میں تجدد و تکرر ہے۔ اسی لیے صلوات کا صیغہ جمع لایا گیا ہے۔ خشوع کے ذکر کے بعد محافظت سے تکرار لازم نہیں آتا اس لیے کہ محافظت ایک علیحدہ فضیلت ہے۔

نکتہ : حضرت کاشفی نے لکھا کہ لفظ صلوٰۃ کو مضمون ہذا کے اوّل و آخر میں لانے میں نماز کی عظمت کا اظہار ہے۔

تفسیر عالمانہ اُولٰٓئِكَ یہ اشارہ ان مومنوں کی طرف ہے جن کے اوصافِ جلیلہ اوپر مذکور ہوئے۔ یعنی وہ مومن جو ان چھ اوصاف جلیلہ سے موصوف ہیں هُمُ الْوٰرِثُوْنَ وہی اس لائق ہیں کہ صرف انہیں بہشت کا وارث سمجھا جائے۔ ورنہ دوسرے لوگ اگر وارث کہلاتے ہیں تو وہ اچھے مال و اسباب اور ذخائر اور بہترین ترکہ کی وجہ سے۔ الوراثۃ یعنے کسی کو کسی کا مال بلا عقد منتقل کرنا اور عقد کے قائم مقام انتقالِ مال کا موجب ہو۔ جیسے میت کا مال منتقل ہوگا اسے وارث اور جو شے منتقل ہو گی اسے میراث سے تعبیر کیا جائے گا۔ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ یہ لفظ ما کا بیان ہے کہ یعنی وہ لوگ جس شے کے وارث بنیں گے وہ جنۃ الفردوس ہے پہلے وراثت کو مطلقاً اور ابہام کے طور پہ ذکر فرمایا ہے اس کے بعد اس کی تفسیر فرمائی۔ اس سے اس کی عظمت اور بزرگی کا اظہار مطلوب ہے۔

ف : یہ ان کے مستحق ہونے سے استعارہ کیا گیا ہے۔ یعنی وہ جنۃ الفردوس کے مستحق صرف اعمالِ صالحہ کی وجہ سے ہیں۔ جیسا کہ اس کا وعدہ کریمہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو اعمال صالحہ کے بدلے جنۃ الفردوس عطا فرمائے گا اور اسے وراثۃ سے تعبیر کرنے میں مبالغہ مطلوب ہے۔ وہ اس لیے کہ شے کی ملکیت کا اعلیٰ سبب وراثت ہے اور وہ ایسی ملکیت ہے کہ نہ وہ رد ہوسکتی ہے اور نہ فسوخ۔ نہ اس میں اقالہ ہوتا ہے اور نہ اسے توڑا جاسکتا ہے۔

هُمْ فِيْهَا ضمیر ھا کا مرجع فردوس ہے بایں معنیٰ کہ وہ جنت کا نام ہے یا وہ چونکہ طبقۂ علیا ہے اسی بنا پر اس کے لیے مونث کی ضمیر موزوں ہوئی۔ در اصل وہ ایک باغ ہے جو جملہ ثمرات پر مشتمل ہے۔

روایت مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت الفردوس تیار فرمائی تو اس کی ایک اینٹ سونے کی اور دوسری چاندی کی، اور اس کے درمیان میں خالص مشک ڈالی گئی اور اس میں بہترین میوہ جات اور اور اعلیٰ قسم کے پھول بوئے۔

خٰلِدُوْنَ ○ خلود در اصل اس شے کو کہا جاتا ہے جسے فساد عارض نہ ہو اور اس حالت پر قائم ہو جس حالت پر اسے ابتداءً بنایا گیا اور بہشت میں خلود کا مطلب بھی یہی ہے کہ بہشت کی جملہ اشیاء جس حالت میں پیدا کی گئیں وہ اسی حالت پہ ہمیشہ رہیں گی ان میں تغیر و تبدل اور فساد عارض نہ ہو گا۔

marfat.ocm

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ سو برکت والا ہے اللہ تعالیٰ۔ [illegible] ترجمہ ہے۔ [illegible] کے تمام [illegible] اور صنعت والا ہے اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝ احسن الخالقین ہے اس لیے کہ [illegible] کر کے پیدا فرمایا۔ [illegible] حال ہے [illegible] کے لیے [illegible] لفظ [illegible] ہے۔ [illegible] کا [illegible] ہے۔

سوال: [illegible] کا اثبات ہوتا ہے جیسا کہ [illegible] اپنے اصل [illegible] خالق ہے [illegible] اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو احسن الخالقین فرمایا ہے۔

جواب: [illegible] احسن الخالقین [illegible] ہے اس لیے [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] صورت و شکل [illegible] ہے۔ لیکن [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] نہیں پہنچ سکتا اس لیے کہ وہ خالق اس [illegible] خلق

[illegible] ہے لیکن [illegible] کہ [illegible] ہیں [illegible] علم [illegible] ہے۔ [illegible] ہیں [illegible] ہے۔ [illegible] خدا پیدا کر [illegible] صورت ہو [illegible]

لیکن جناب! [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی [illegible] بیان کردہ [illegible] نہیں [illegible] احادیث مبارکہ ملاحظہ ہوں:

۱۔ ہر تصویر پر عذاب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ہر مصور (تصویر بنانے والا) جہنم میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر تصویر کے بدلے جو اس نے بنائی ایک مخلوق پیدا کرے گا، جو اسے جہنم میں عذاب [illegible] (بخاری [illegible]) ([illegible])

marfat.ocm

بمعنے تصویر استعمال ہوا ہے۔ کما قال تعالیٰ، واذ تخلق من الطین کہیئۃ الطیر۔ بمعنے اذ تصوّر، یعنی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

۲۔ سخت سزا

انھیں میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: بے شک نہایت سخت عذاب روزِ قیامت تصویر بنانے والوں پر ہے۔ (بخاری ومسلم)

۳۔ بڑا ظلم

انھیں میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، اللہ عزّوجل فرماتا ہے اس سے بڑھ کر ظالم کون جو میرے بنائے ہُوئے کی طرح بنانے چلے، بھلا کوئی چیونٹی یا گیہوں یا جَو کا دانہ تو بنا دیں۔ (بخاری ومسلم)

۴۔ جان ڈالو

بخاری ومسلم ونسائی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بے شک جو تصویریں بناتے ہیں قیامت کے دن عذاب کیے جائیں گے اُن سے کہا جائے گا یہ صورتیں جو تم نے بنائی تھیں ان میں جان ڈالو۔

۵۔ عذاب اٹھاؤ

مسند امام احمد و صحیحین و سنن ونسائی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو کوئی تصویر بنائے تو بے شک اللہ تعالیٰ اُسے عذاب دے گا یہاں تک کہ وہ اس میں رُوح پھونکے، اور وہ نہ پھُونک سکے گا۔

۶۔ تین فرقے

مسند احمد وجامع ترمذی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، قیامت کے دن جہنم سے ایک گردن نکلے گی جس کی دو آنکھیں ہوں گی، دیکھنے والی۔ اور دو کان سننے والے اور ایک زبان کلام کرتی، وہ کہے گی میں تین فرقوں پر مسلّط کی گئی ہوں۔ جو اللہ کا شریک بنائے اور ظالم ہٹ دھرم اور تصویر بنانے والوں پر۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

marfat.ocm

اے عیسیٰ (علیہ السلام)! جب تم تصویر بناتے تھے گارے سے پرندے کی شکل میں ...... الخ

(بقیہ حاشیہ ص سابقہ)

۷- پانچ مجرم

حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بے شک روزِ قیامت سب دوزخیوں میں زیادہ سخت عذاب اس پر ہے جس[۱] نے کسی نبی کو شہید کیا، یا کسی[۲] نبی نے جہاد میں اسے قتل فرمایا، یا بادشاہ[۳] ظالم، یا جو[۴] شخص بے علم حاصل کیے لوگوں کو بہکانے لگے اور جو[۵] تصویریں بناتا ہے۔

۸- پانچ دیگر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بے شک روزِ قیامت سب سے زیادہ سخت عذاب میں وہ ہے جو[۱] کسی نبی کو شہید کرے، یا کوئی[۲] نبی اسے جہاد میں قتل فرمائے، یا[۳] جو اپنی ماں یا باپ کو قتل کرے، اور[۴] تصویر بنانے والے پر، اور عالم[۵] جو علم پڑھ کر گمراہ ہو۔ (بیہقی شریف)

۹- پردہ کی تصویر

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے (دروازے پر تصویردار) پردہ اتار کر پھینک دیا اور فرمایا: اے عائشہ! اللہ تعالیٰ کے یہاں سخت تر عذاب روزِ قیامت ان مصوروں پر ہے جو خدا کے بنائے ہوئے کی نقل کرتے ہیں۔ ان کو روزِ قیامت کہا جائے گا یہ جو تم نے بنایا ہے اس میں جان ڈالو۔ اور فرمایا کہ جس گھر میں یہ تصویریں ہوتی ہیں اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ (بخاری، ابنِ ماجہ)

۱۰- تصویر کا سر کاٹ دیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میرے پاس جبرائیل علیہ السلام نے حاضر ہو کر عرض کی، حضور مورتوں کے لیے حکم دیں کہ ان کے سر کاٹ دیے جائیں پیڑ کی طرح رہ جائیں۔ اور تصویردار پردے کے لیے حکم فرمائیں کہ کاٹ کر دو مسندیں بنالی جائیں کہ زمین پر ڈال کر پاؤں سے روندی جائیں۔ (ترمذی)

۱۱- ملائکہ رحمت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جبرائیل امین نے عرض کی، تین چیزیں ہیں کہ جب تک ان میں سے ایک بھی

(باقی)

marfat.ocm

تفسیرِ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے ثُمَّ اَنْشَاْنٰہُ خَلْقًا اٰخَرَ یعنی ہم نے تمہیں اس مخلوق سے دوسرے طریقے سے پیدا فرمایا کیونکہ تم احسن تقویم اور استعداد کے لحاظ سے اکمل اور تکریم و تعلیم کے لحاظ سے اعلیٰ اور فضیلت کی وجہ سے مخصوص ترین ہو اس لیے انسانی تخلیق پر اپنی مدح و ثنا فرمائی۔ کما قال:

(بقیہ حاشیہ گذشتہ)

گھر میں ہوگی کوئی فرشتہ رحمت و برکت اس گھر میں داخل نہ ہوگا، ان میں سے ایک کُتا، دُوسرا جنبی، تیسری جان دار کی تصویر ہے۔ (احمد، نسائی، ابنِ ماجہ)

۱۲۔ تصویر توڑ دیں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز میں تصویر (جان دار) ملاحظہ فرماتے اسے بے توڑے نہ چھوڑتے۔ (بخاری و ابو داؤد)

۱۳۔ تصویر مٹادو

حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازے میں تھے، حضور نے ارشاد فرمایا: تم میں سے ایسا کون ہے کہ مدینہ جا کر ہر بُت کو توڑ دے اور ہر قبر کو برابر کردے (جو شرع کے خلاف ہو) اور ہر تصویر کو مٹا دے۔ (امام احمد بسندِ جیّد)

۱۴۔ فوٹو گرافر ملعون

حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے ذی رُوح کی تصویر بنائی وہ لعنتی ہے۔ (جامع صغیر)

۱۵۔ اللہ کی مار

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، اللہ کی مار اس قوم پر جو ان چیزوں کی مصوری کرتی ہے جنھیں بنا نہیں سکتی۔ (جامع صغیر)

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے (احادیث مذکورہ بالا[1]) ذی روح کی تصویر بنانا، بنوانا، اعزازاً اپنے پاس رکھنا سب حرام فرمایا اور اس پر سخت وعیدیں ارشاد کیں اور اُن کو دُور کرنے اور مٹانے کا حکم دیا۔ مسلمان بنظرِ ایمان دیکھے کہ صحیح و صریح حدیثوں میں اس پر کیسی سخت سخت وعیدیں فرمائی گئیں۔ اور یہ تمام (باقی بر صفحہ)

---

[1] یہ احکام عوام کے لیے تھے خواص اس سے مستثنیٰ ہیں۔ (فتاویٰ شامی) تفصیل مطولات میں ہے۔ اویسی غفرلہٗ

فتبٰرك الله احسن الخالقين چونکہ انسان احسن المخلوقین ہے اسی لیے اس کا خالق احسن الخالقین ہے۔ انسان احسن الخالقین اس لیے ہے کہ اسے اپنی معرفت کا سرچشمہ اور محبت و عشق کا مرکز اور عنایت و رحمت کا مخزن بنایا۔

(بقیہ حاشیہ ص ۲۱)

احادیث شامل محیط کامل ہیں جن میں اصلاً کسی تصویر کی کسی طریقہ کی تخصیص نہیں۔ شرع مطہر میں زیادہ شدت عذاب تصویر کی تعظیم ہی پر ہے۔ اور خود ابتداءً بت پرستی انھیں تصویراتِ معظمین سے ہوئی۔ قرآن کریم میں جو پانچ بتوں کا ذکر سورہ نوح (علیہ السلام) میں فرمایا وہ (۱) ود (۲) سواع (۳) یغوث (۴) یعوق (۵) نسر تھے یہ پانچوں بندگانِ صالحین تھے کہ لوگوں نے ان کے انتقال کے بعد باغوائے ابلیس لعین ان کی تصویریں بنا کر مجلسوں میں آویزاں کیں پھر آنے والی نسلوں نے انھیں معبود سمجھ لیا (اور تصویروں کی پوجا شروع کردی)

خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ین خلق

"جب ان میں کوئی نیک بندہ، نبی یا ولی انتقال کرتا تو اس کی قبر پر مسجد بنا کر اس میں (تبرکاً) اس کی تصویر لگاتے یہ لوگ بدترین خلق ہیں"۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

صحیح صریح احادیث کے مطابق تصویر خواہ دستی ہو یا مشینی (کیمرہ وغیرہ) سب کی سب حکمِ حرمت (حرام ہونے) میں برابر ہیں اور کبیرہ گناہ ہیں اور کسی طرح بھی جائز نہیں اور قرآن و حدیث میں ان کے جواز کی کوئی گنجائش موجود نہیں اور اس گھر میں واقعی رحمت کے فرشتے نہیں آتے اور وہ گھر بے برکت ابتلائے مصائب ہوتا ہے۔ بس تقویٰ اور عزیمت اسی میں ہے کہ تمام معاشرتی، معاشی اور اخلاقی برائیوں کے خلاف بھرپور جنگ کی جائے۔ یہ بات خوب سمجھ لینی چاہئے کہ کسی برائی اور گناہ کے عام ہو جانے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ گناہ اور برائی جائز ہوگئی ہے۔ نہیں نہیں وہ گناہ گناہ اور برائی برائی ہی رہتی ہے البتہ گناہگاروں کی تعداد میں اضافہ ضرور ہو جاتا ہے۔ کسی قانونی مجبوری سے بھی شریعت کے احکام کی قلبِ ماہیت نہیں ہوتی۔ شریعت کا ہر حکم ناقابلِ ترمیم ہے۔ لا تبدیل لکلمات اللہ۔ الآیة۔ شریعتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام حکومت اور عوام کے طرزِ عمل کی محتاج نہیں کہ کون کیا کرتا ہے۔ اور معاشرہ ان کے ہمنوا ہے یا نہیں۔ تصویر بہر نوع بہرحال از روئے شریعت حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔ اس گئے گزرے دور میں آرٹ اور تصویروں سے بچنے سے یقیناً حسنات میں اضافہ اور اس کے اجر و ثواب میں برکت ہوگی۔

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ احادیث مبارکہ میں ہاتھ سے بنائی ہوئی تصویر کی ممانعت ہے نہ کہ کیمرہ سے کھینچی ہوئی کی۔

جواب: فوٹوگرافی اور مصوری میں کوئی فرق نہیں کیا جا سکتا۔ اور ممانعت چونکہ جاندار اشیاء کی تصویروں کی ہے

(باقی برصفحہ ۔۔)

marfat.ocm

یوں سمجھیے کہ عرش، کرسی، لوح و قلم اور ملائکہ اور نجوم اور ساتوں زمینوں اور ساتوں آسمانوں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں عزیز ترین انسان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی دوسری تمام مخلوقات کی تخلیق پر فتبارك الله احسن الخالقين نہیں فرمایا۔ یہ صرف انسانی تخلیق پر ارشاد ہوا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان اللہ کی بے نظیر مخلوق ہے ؎

بر ورق روئے لطف الٰہ
آئینۂ حسن کر تحریر کرد

ترجمہ: ہر پتے پر لطفِ الٰہی ہے کہ اس نے اس کے اس کے آئینہ پر حسن کا نقشہ کھینچا ہے۔

اور مثنوی میں ہے؎

۱ اے رخ چوں زہرہ است شمس الضحیٰ
اے گدائے رنگ تو گلگونہا

۲ تاج کرمناست بر فرق سرت
طوق فضلناست آویز برت

ترجمہ: (۱) تیرا چہرہ زہرا کی طرح روشن ہے تیرے رنگ تمام رنگ والے گداگر ہیں۔
(۲) تیرے سر پر کرمنا کا تاج ہے اور تیرے گلے میں فضلنا کا طوق ہے۔

؎

ہیچ کرمنا شنید ایں آسماں
کہ شنید آں آدمیِ پُر غماں

(بقیہ حاشیہ ص ۲۲)

اس لیے تمام تصویریں حرام رہیں گی۔ خواہ وہ فحش ہوں یا غیر فحش، البتہ فحش تصویر میں ایک وجہ حرمت کی اور بڑھ جاتی ہے۔ مشائخ و علماء و لیڈروں کی تصویریں اور جلسوں جلوسوں کی تصویریں کسی طرح بھی جائز نہیں۔ خصوصاً لیڈروں کی تصویریں تو بندگانِ خدا کو اس خطرہ سے بہت ہی قریب پہنچا دیتی ہیں جس کی وجہ سے تصویر کو حرام قرار دیا گیا۔

خلاصہ یہ کہ شریعتِ اسلامیہ میں جاندار کی تصویر بنانا مطلقاً معصیت (گناہ) ہے خواہ کسی کی تصویر ہو خواہ مجسمہ ہو یا غیر مجسمہ شریعت نے تصویر کشی کو حرام قطعی اور اس کے استعمال کو ناجائز قرار دیا ہے۔

اس مسئلہ کی مزید تحقیق فقیر کی کتاب اسوۃ العزیز فی تصویر التصویر میں دیکھیے۔

(اویسی غفرلہٗ)

marfat.ocm

ترجمہ : آسمان نے ایسا کرتا نہیں سنا اگر سنتا ہے تو اس آدمی پر غم کے لیے۔

۱ احسن التقویم در والتین بخواند
که گرامی گوہرست اے دوست جاں
۲ گر بگویم قیمت آں ممتنع
گر بسوزم ھم بسوزد مستمع

ترجمہ : (۱) احسن تقویم سورۂ والتین میں فرمایا اے جانِ من ! یہ گراں قدر جوہر ہے۔
(۲) اگر کوئی قیمت بتاؤں تو ناممکن ہے۔ اگر سناؤں تو سننے والا جل کر راکھ ہوجائے۔

نکتہ : بعض اہلِ وجدان نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسانی تخلیق کے مراتب ودرجات مختلفہ بیان فرمائے، انھیں سُن کر گویا انسان حیران ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی جس کی ترجمانی خود خالقِ کائنات نے فتبارك الله احسن الخالقين سے فرمائی۔

گستاخ اور عاشقِ رسول کے درمیان فرق

مروی ہے کہ عبداللہ بن سرح حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی مبارک لکھتا تھا، اور آیاتِ مذکورہ کے نزول کے وقت وہی کاتبِ وحی تھا، جونہی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا "خلقاً اٰخر" تو اس کے منہ سے نکلا فتبارك الله احسن الخالقين۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛ اے عبداللہ! اسے لکھ دے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے بھی اسی طرح نازل ہوا۔ کاتب کو بدگمانی ہوئی اور کہا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اگر منجانب وحی نازل ہوتی ہے تو مجھ پر بھی ہوتی ہے۔ اسی بدگمانی سے وہ مرتد ہو کر مکہ معظمہ چلا گیا۔ پھر فتح مکہ کے موقع پر دوبارہ اسلام میں داخل ہوا۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ کافر ہو کر مرا[1] (اب ایک عاشقِ رسول کی سُنیئے)

مروی ہے کہ جب یہی آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا فتبارك الله احسن الخالقين۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے رب تعالیٰ سے ایسے ہی وحی آتی ہے۔ اسے سُن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ خوشی سے جھوم اُٹھے اور ہمیشہ فخریہ طور (خوشی سے) کہا کرتے کہ الحمد للہ مجھے وحی ربانی کی موافقت نصیب ہوئی۔

---

[1] اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بدگمانی بے ایمانی کی نشانی ہے۔ تفصیل فقیر کی تصنیف "گستاخوں کا برا انجام" میں ہے۔ اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

سبق یہی واقعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سعادت کا موجب بنا اور بعینہٖ یہی واقعہ عبداللہ بن سرح کی شقاوت کا سبب بنا۔ سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

یضل بہٖ کثیراً ویہدی بہ کثیرا۔

سوال: اس سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ انسان کلامِ الٰہی کی طرح کلام بنا سکتا ہے اور قرآن کا دعویٰ ہے کہ اس جیسا کلام کوئی شخص نہیں لا سکتا۔

جواب: قرآن مجید کا چیلنج چھوٹی سورۃ کی مقدار کلام بنانے کے متعلق ہے اور یہ ایک جملہ ہے۔ اور ایک دو جملوں کو چیلنج کا جواب نہیں کہا جا سکتا۔[1]

تفسیر عالمانہ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ امور مذکورہ عجیبہ کے بعد پھر تم یقیناً لَمَيِّتُوْنَ ۝ موت کی طرف رجوع کرنے والے ہو۔ صیغۂ صفت سے ثبوتِ موت کا اثبات ہوا، ورنہ ظاہر ہے کہ فاعل کے صیغہ میں ثبوت کے بجائے حدوث ہوتا ہے۔ اب مطلب یہ ہُوا کہ اے آدم زادو! تمہارا انجام بکار موت ہی ہے اور تم نے لازماً ساقیِ اجل کے ہاتھ سے فنا کا پیالہ پینا ہے۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ جو دُنیا میں موت کا شکار ہُوا وہ آخرت کی حیات کی طرف لوٹا۔ اور جو آخرت کے تصورات سے بھی فارغ ہو گیا اسے حیاتِ اصلیہ یعنی البقاء مع اللہ نصیب ہُوئی۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ پھر اس کے بعد قیامت میں یعنی نفخۂ ثانیہ کے وقت تُبْعَثُوْنَ ۝ تم اپنی قبروں سے حساب و کتاب اور ثواب و عقاب کے لیے اٹھائے جاؤ گے۔

تفسیر صُوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ انسان رتبۂ انسانیہ پر پہنچنے پر موت کے قابل ہو جاتا ہے۔ جیسے قلب اور نفس پر موت واقع ہوتی ہے ویسے ہی انسانی ڈھانچے پر۔ قلب و نفس دونوں حشر کے قابل ہیں۔ نفس کی حیات سے قلب کی موت ہے اور قلب کی حیات سے نفس کی موت ہے اور نفس کی حیات خواہشِ نفسانی سے منسلک ہے اور انہی خواہشاتِ نفسانیہ سے نفس پر ظلمت چھا جاتی ہے اور قلب کی حیات ذکر و نورِ الٰہی سے ہے۔ کما قال تعالیٰ:

او من کان میتا فاحییناہ وجعلنا لہ نوراً۔

اور یہی ثم انکم یوم القیٰمۃ تبعثون کا حقیقی معنیٰ ہے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

سوال (از پرویزی و کمیونسٹ وغیرہ): الاسئلۃ المتحیرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی تخلیق کا ابتداً سے

---

[1] اویسی کہتا ہے کہ یہ کلام بنایا نہیں گیا بلکہ قلب پر نبوت کی برکت سے آیا ہے۔ تفصیل تفسیر اویسی میں ہے۔ اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

حشر اجساد تک تفصیل سے حال بتایا ہے۔ اس میں قبر، برزخ کا حال مذکور نہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قبر و برزخ کا مسئلہ مولویانہ ہے۔

جواب : کسی شے کا مذکور نہ ہونا اس کے عدمِ وجود کو مستلزم نہیں۔ اس کی ہزاروں مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ یہاں پر چونکہ حیات اولیٰ و حیات ثانیہ کا ذکر مقصود تھا اس لیے کہ حیاتِ اولیٰ اعمال کا سبب ہے، اور حیاتِ ثانیہ جزائے اعمال کا۔ اسی لیے اہتمام سے ان دونوں کو بیان کیا گیا ہے۔

قاعدہ : جو شے موضوعِ بحث ہو اسی کا ذکر کیا جاتا ہے اور جو امور خارج از موضوع ہوں انھیں نہ کرنا اولیٰ ہوتا ہے۔

ف : موت کو صفت سطوات العزۃ اور ظہور انوار عظمت سے تعلق ہے اور حیات کو کشف الجمال ازلی سے اس لیے کہ ارواح و اشباح کو عیش و عشرت حیات وصالیہ سے نصیب ہوتی ہے اس کے بعد موت الفراق کا اجراء نہیں ہوتا۔

ف : حیاۃ و موت دونوں کی شکل و صورت ایک ہے جنھیں تربیتِ الٰہیہ سے حصہ نصیب ہوتا ہے اس لیے کہ موت کے بعد مٹی سے مٹی میں ملنے سے مٹی میں تربیت ثانیہ نصیب ہوتی ہے۔ اسی کو صوفیہ کرام فنا سے تعبیر کرتے ہیں اور حیاۃ میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار ہے کہ اس نے ہمارے اجساد میں حیاتِ ثانیہ داخل فرمائی اور ہماری ارواح کو تربیت ثانیہ کا موقعہ بخشا۔

تفسیرِ عالمانہ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ طرائق، طریقۃ کی جمع ہے اور طریق کی جمع طرق آتی ہے۔ اس سے آسمان کے ہفت طبق مراد ہیں۔ چنانچہ المفردات میں ہے طرائق السماء بمعنے طبقات آسمان یعنی ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان طبق در طبق پیدا فرمائے۔ انھیں طرائق سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ وہ ایک دوسرے پر ایسے ہیں جیسے جوتے کے نچلے حصے کا چمڑا ایک دوسرے کے ساتھ جُڑا ہوتا ہے۔ ایک شے پر جو دوسری شے واقع ہو اسے طریق کہا جاتا ہے۔ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ○ اور ہم اپنی پیدا کردہ ہفت طبق کی مخلوق سے بے خبر نہیں کہ اسے ضائع کر دیں بلکہ ہم اس کی ہر طرح سے حفاظت کرتے ہیں نہ اسے مٹنے دیتے ہیں اور نہ اس میں خلل پڑنے دیتے ہیں بلکہ اس کے جملہ امور کی ہر طرح کی بہتر تدبیر کرتے ہیں یہاں تک کہ اس کے اندر جتنے امور مقدر ہیں وہ اپنے کمال کو اسی طرح پہنچتے ہیں جس طرح ہماری قضاء و قدر و مشیت کا تقاضا ہے۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہم جملہ مخلوق کے امور سے غافل نہیں ان کے خیر و شر اور نفع و ضرر اور شرک و کفر سے ہر وقت باخبر ہیں۔

marfat.ocm

ملفوظ بایزید سیدنا بایزید بسطامی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کا عرفان نہیں لیکن وہ تو جانتا ہے اور تم اس کی طرف واصل نہیں۔ لیکن وہ ہر وقت تمہارے ساتھ ہے اور اگر تم اس سے غائب ہو یا اس سے غافل ہو تو وہ نہ تم سے غائب ہے نہ غافل۔

فائدہ صوفیانہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ ہمارے اوپر ظاہری و باطنی حجابات ہیں۔ ظاہری حجابات یہی ہیں کہ آسمان کے طبقات منازل عالیہ اور عرش و کرسی ہمارے درمیان حائل ہیں اور باطنی حجابات ہمارے قلوب کے پردے ہیں۔ مثلاً مادہ منویہ اور خواہشاتِ نفسانیہ اور ارادات شاغلہ اور غفلات متراکمہ۔ لیکن اللہ تعالےٰ غافلین کی سکنات اور مریدین کی حرکات اور زاہدین کی رغبات اور عارفین کے لحظات سے غافل نہیں۔

وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً من ابتدائیہ اور انزلنا کے متعلق ہے۔ ماء سے بارش کا پانی مراد ہے بِقَدَرٍ یعنی ہم نے بندوں کی صلاحیت کے مطابق آسمان سے پانی اتارا۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ ہم نے آسمان سے پانی اس اندازے سے اتارا کہ لوگ اس کے ضرر سے محفوظ ہیں اور اس سے وہ فوائد و منافع حاصل کرتے ہیں جو ان کے لیے مفید و نافع ہیں۔

فَاَسْكَنّٰهُ فِی الْاَرْضِ ۖ اور ہم نے اسی پانی کو زمین میں ثابت اور برقرار فرمایا۔ وَ اِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۭ بِهٖ اور ہم اس کے لے جانے اور مٹانے یا اُوپر لے جانے یا اسے زمین میں دھنسانے پر کہ جسے وہ حاصل نہ کرسکیں اور وہ اور ان کے جانور پیاس سے مرجائیں لَقٰدِرُوْنَ ۚ ایسی قدرت رکھتے ہیں جیسے اس کے اتارنے میں۔

ف: حضرت عکرمہ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے بہشت سے زمین پر پانچ نہریں جاری فرمائی ہیں:

۱۔ جیحون
۲۔ سیحون
۳۔ دجلہ
۴۔ فرات
۵۔ نیل

یہ سب ایک ہی چشمہ سے آرہی ہیں اور وہ چشمہ بہشت کے سب سے نچلے حصے سے اتر رہا ہے جسے جبریل علیہ السلام کے دو پروں کے ذریعے سے پہاڑوں میں امانت رکھ کر زمین پر جاری فرمایا اور ان میں لوگوں کے منافع پیدا فرمائے۔ اس کی تائید انزلنا من السماء ماء بقدر فاسکناہ فی الارض سے ہوتی ہے۔

یاجوج ماجوج کی نحوست جب یاجوج ماجوج زمین میں پھیلیں گے تو اللہ تعالیٰ جبریل علیہ السلام کو بھیج کر قرآن مجید اور علم اور حجر اسود اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ

marfat.ocm

علیہ السلام کے تابوت کی امانت اور ان پانچوں نہروں کو آسمان پر اُٹھالے گا۔ چنانچہ وانا علیٰ ذھاب بہٖ لقادرون سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ جب یہ تمام اشیاء آسمان پر لے جائی جائیں گی تو اہلِ ارض دین و دُنیا کی بھلائی سے محروم ہوجائیں گے۔ (ہذا حدیث حسن کذا فی بحر العلوم)

فَاَنۡشَاۡنَا لَكُمۡ ہم نے تمہارے لیے پیدا فرمائے بِهٖ اسی آسمان کے پانی کے سبب سے جَنّٰتٍ باغات مِّنۡ نَّخِيۡلٍ کھجوروں کے۔

المفردات میں ہے کہ نخل مشہور درخت ہے۔ یہ لفظ واحد و جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس کی جمع نخیل بھی آتی ہے۔

وَّ اَعۡنَابٍ اور انگوروں کے۔ انگور کے درخت کو عنب کہتے ہیں۔ انگور کے میوے کا واحد عِنَبَةٌ ہے۔ (کذا فی المفردات)

ف : کاشفی نے لکھا کہ نخیل کی تخصیص اہلِ عرب کی وجہ سے اور انگور کی اہلِ طائف کی وجہ سے ہے۔ اور یہ دونوں عرب و طائف میں بہ نسبت دوسرے علاقوں کے بہت زیادہ ہوتے ہیں۔

لَكُمۡ فِيۡهَا تمہارے لیے ان باغات میں فَوَاكِهُ كَثِيۡرَةٌ بہت سے میوے ہیں جنہیں تم کھاتے ہو۔

ف : المفردات میں لکھا ہے کہ فاکھہ بعض کے نزدیک ہر قسم کے ثمرات کو کہا جاتا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ انگور اور انار کے سوا باقی تمام ثمرات کو فاکھہ کہا جاتا ہے۔ اس کے قائل نے ان کی کثرتِ استعمال اور ان کی عظمت کے پیشِ نظر ایسے کہا ہے۔

مسئلہ : امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ فاکھہ نہ کھائے گا تو وہ انگور، کھجور اور انار کے کھانے سے حانث نہ ہوگا اس لیے کہ لغۃً و عرفاً یہ تینوں میوے ہیں لیکن ان میں تفکہ یعنی تلذذ و تنعم کے علاوہ ایک اور شے زائد ہے۔ یعنی غذائیت اور قوامِ بدن۔ اسی زیادتی کی وجہ سے یہ مطلق تفکہ سے مخصوص ہوجائیں گے اور قاعدہ ہے جس میں کچھ زیادتی پائی جائے وہ اطلاق سے نکل جاتا ہے۔ اسی وجہ سے وُہ اپنی عام جنس میں داخل نہ ہوگا۔

اس مسئلہ میں صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے امام صاحب علیہ الرحمۃ کے خلاف کیا ہے۔

وَّمِنۡهَا تَاۡكُلُوۡنَ ۙ‏ اور انہی میں سے تم کھاتے ہو غذا کے طور پر، یا ہر قسم کا رزق دیے جاتے ہو یا تم اس سے اپنی روزی کماتے ہو۔ یہ اہلِ عرب کے اس محاورے سے ہے :

فلان یاکل من حرفتہ۔

چنانچہ حضرت کاشفی نے اس کا ترجمہ لکھا کہ تم انہی سے کماتے ہو جو تمہاری معاش میں ضروری ہے۔

marfat.ocm

تفسیر صُوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جیسے آسمان سے پانی اتار کر اہلِ زمین کو زندگی بخشی۔ ایسے ہی آسمانِ عنایت سے رحمت کا پانی اتار کر قلوب کو زندہ کرتا ہے۔ اسی پانی سے ہی گناہوں کی میل کچیل دھوتا ہے بلکہ اُن کی جملہ غل وغش اسی پانی سے صاف ہوتی ہے اور اسی پانی سے ہی دلوں کے باغات میں بسط کے پھُول اور انوارِ روح کے اصناف اگاتا ہے۔ نیز اس میں اشارہ ہے کہ جیسے آسمان کے پانی سے خشکیوں کو شاداب کرتا اور درختوں کو پھل دیتا اور نہروں کو جاری کرتا ہے ایسے ہی عنایت کے پانی سے عرفان کے درخت کو اگاتا اور کشف وعیان کے میوے عطا فرماتا ہے اور ہم اس کے بیان وشرح سے عاجز ہیں اور نہ ہی اس کے اشارات کی حصر ہو سکتی ہے۔ اسی پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی نعمتیں گنائی ہیں اور ان کی رہبری احسن اسلوب سے فرمائی۔ پھر جو بندہ اس کی نعمتوں سے اس کے وصال سے فائض ہوتا ہے وہی مطلوب حقیقی سے بہرہ ور ہوتا ہے۔

سوال : جب یہ نعمتیں بندوں کے لیے پیدا فرمائی گئی ہیں پھر دُنیا میں زہد کا حکم کیوں ؟

جواب : بندوں کی علو ہمتی کا امتحان لیا جاتا ہے اس لیے کہ یہ دنیا آزمائش خانہ ہے اگر کوئی اس میں دُنیوی اشیاء کے حصول کی جد وجہد کرے تو وہ عند اللہ معیوب انسان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اولیاء کرام نے دنیا کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا اور اپنے آپ کو اس سے کوسوں دُور رکھا اور صرف اپنی ضرورت پُوری کرنے پر دنیا کی قلیل مقدار کو قبول کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے درجات بلند فرمائے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا :

جوعوا انفسکم لولیمۃ الفردوس۔

(جنت الفردوس کے ولیمہ کے لیے اپنے آپ کو بھُوکا رکھو)

ف : مہمان اگر سمجھدار ہوتا ہے تو وہ پیٹ بھر کر نہیں کھاتا تاکہ طبع سکون میں رہے۔

حکایت ایک زاہد عابد کا کسی درخت کے نیچے سے گزر ہوا اس کے میوے کھانے کے لیے اس کے نفس نے خواہش کی۔ اس نے نفس کو کہا کہ سال بھر روزہ رکھو پھر کھلاؤں گا۔ سال گزر جانے کے بعد پھر نفس نے خواہش ظاہر کی تو درخت سے نیچے پڑے ہوئے میوے اپنے نفس کو کھلائے۔ نفس نے کہا اوپر والے میوے اچھے ہیں ان میں سے کھلاؤ۔ نفس سے کہا اگر یہ شرط منظور ہو کہ اس کے اچھے بھلے ہر طرح کے کھائیں گے ورنہ خاموش رہو۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

۱ مرو در پے ہرچہ دل خواہدت
کہ تمکین تن نور جان کاہدت

marfat.ocm

٢ کند مرد را نفس امارہ خوار
اگر ہوشمندی عزیزش مدار
٣ اگر ہر چہ باشد مرادت خوری
ز دوران بسی نامرادی بری

ترجمہ: (١) خواہشاتِ نفس کے تابع نہ ہو کیونکہ یہی وہ ظاہر ہے کہ جس کا کوئی تریاق نہیں۔

(٢) انسان کو نفس امارہ خوار کرتا ہے اگر تُو دانا ہے تو اسے عزّت نہ دے۔

(٣) اگر اس کی ہر مراد پُوری کرو گے تو دُنیا میں بہت بڑی نامرادی اٹھائے گا۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اخروٹ، بادام، پستہ، چلغوزہ، سیتا سپاری، صنوبر، انار، نارنگی، کیلا، خشخاش، کھجور تر، زیتون، خوبانی، آڑو، آلو بخارا، عناب۔ غبیراء (ایک قسم کا پودا بقدر عناب)، دراق (ایک قسم کا میوہ)، نبعود (ایک قسم کا پھل، اس کی گٹھلی گول اور بڑی ہوتی ہے)، بیر، سیب، ناشپاتی، انجیر، انگور، لیموں، خرنوب (ایک قسم کا درخت، اس کے پتے سبز اور چکنے ہوتے ہیں اور اس کے دانے باقلا کے مشابہ ہوتے ہیں)، ککڑی، کھیرا، خربوزہ یہ تمام بہشتی میوے ہیں۔ پہلی دس قسموں پر چھلکا ہوتا ہے اور دوسری دس پر چھلکا نہیں ہوتا اور تیسری قسم پر نہ چھلکا ہوتا ہے نہ گٹھلی۔

تفسیر عالمانہ وَشَجَرَةً منصوب ہے۔ اس کا عطف جنات پر ہے۔ اس کی تخصیص دوسرے اشجار سے اس لیے ہے کہ اس درخت کے منافع بہت زیادہ اور مشہور و معروف ہیں۔ بعض نے کہا کہ طوفان کے بعد سب سے پہلے یہی درخت پیدا ہُوا۔ اس سے زیتون کا درخت مراد ہے۔

المفردات میں ہے کہ الشجر اس درخت کو کہا جاتا ہے جس کی پنڈلی نہ ہو، اسے ثمرة و ثمر کی طرح شجرة و شجر پڑھا جاتا ہے۔

تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ سیناء مصر و ایلہ کے درمیان ایک پہاڑ کا نام ہے۔ یہ وہی پہاڑ ہے جس سے موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل ہُوا۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ہم نے دُوسرا اور درخت تمہارے لیے پیدا کیا جو کہ حسین پہاڑ میں ہے اور وُہ پہاڑ موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہے جو مصر اور ایلہ کے درمیان واقع ہے اسے طور سینین بھی کہتے ہیں۔ سیناء بمعنے حسن یا مبارک ہے۔

ف: اہلِ تفاسیر لکھتے ہیں کہ جبل کا نام طور اور اس مقام کا نام سیناءُ ہے جس کی طرف یہی پہاڑ منسوب ہے، یا دونوں سے مرکب ہو کر ایک نام بن گیا ہے۔ جیسے امرأ القیس دو مرکب اسموں کا ایک شخص کا نام مقرر کیا گیا ہے۔

marfat.ocm

ف : سَیناء بالفتح بروزنِ فعلاء صحراء کی طرح ہے اور غیر منصرف ہے بوجہ تانیث کے، اور اسے بکسر الفاءُ بروزن فیعال، ہچوں دیماس بھی پڑھا گیا ہے۔ السناءُ بالمد سے مشتق ہے بمعنے بلندی، یا بالقصر بمعنے نور ہے اس کا غیر منصرف ہونا عجمہ و تعریف تانیث کی وجہ سے ہے بتاویل بقعہ اور الف مقصورہ وممدودہ کی وجہ سے اسے غیر منصرف نہیں پڑھا گیا۔

ف : باوجودیکہ یہ دوسرے مقامات سے بھی پیدا ہوتا ہے لیکن اس کی اس مقام کی تخصیص میں ان دونوں کی شرافت کا اظہار مطلوب ہے علاوہ ازیں وہی اس کا منشائے اعلیٰ ہے۔

ف : جلالین میں ہے کہ اس جگہ پر سب سے پہلے ہی زیتون پیدا ہوا۔

تَنۡۢبُتُ بِالدُّهۡنِ تیل کے ساتھ اگتا ہے۔ یہ شجرة کی دوسری صفت ہے اور باء کا متعلق محذوف ہے اور منہا سے حال واقع ہوا ہے۔ اصل عبارت تھی : تنبت ملتبسة به و مستصحبة له (کذا قال الراغب) اب معنیٰ یہ ہوا کہ اگتا ہے درانحالیکہ اس میں تیل بالقوہ موجود ہوتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ باء صلہ کی ہے اور تنبت کو متعدی بنانے کے لیے واقع ہوئی ہے جیسے ذهبت بزید میں باء تعدیہ کی ہے اب معنیٰ ہوا تنبته بمعنے تتضمنه و تحصله۔ اس لیے کہ بنات در اصل صفت شجرة کی ہے نہ کہ دھن کی۔ وَصِبۡغٍ لِّلۡاٰكِلِيۡنَ ۝ اور کھانے والوں کے لیے سالن ہے۔ ہم نے اس کا معنیٰ سالن اس لیے کیا ہے کہ اہل عرب کہتے ہیں : اصطبغت بالخل۔ اس کا عطف بالدھن پر ہے اور اس کا اعراب بھی وہی ہے جو الدھن کا ہے اور یہ عطف الصفة علی الصفة الاخری کے قبیل سے ہے۔ یعنی ایک ایسی شے اگتی ہے جو دو صفتوں کی جامع ہے :

(۱) اس سے تیل حاصل کیا جاتا ہے۔

(۲) اسے سالن کے کام بھی لایا جاتا ہے۔ یعنی اس سے (سالن کا) وہی کام لیا جاتا ہے جو سرکہ وغیرہ سے لیا جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے اس سے شجر خفی مراد ہے جو تجلّی انوار صفات کی تاثیر سے روح کے طور سیناء سے پیدا ہوتا ہے اس سے دُھن یعنی وہ استعداد مراد ہے جس سے بلاواسطہ فیض الٰہی کو قبول کیا جاتا ہے اور اس کی قرارگاہ وہی (مقام) خفی ہے جو رُوح کے اوپر ہے اور یہ اللہ تعالیٰ اور انسان کے درمیان ایک راز ہے جس پر مقرب ملائکہ بھی مطلع نہیں ہو سکتے اور یہی سالن ہے دونوں جہانوں کی قوت کو ہمت سے قابو میں لانے والوں کے لیے۔

تفسیر عالمانہ وَاِنَّ لَكُمۡ فِى الۡاَنۡعَامِ اور بے شک تمہارے لیے جانوروں یعنی اونٹ، گائے، بکری وغیرہ میں لَعِبۡرَةً ؕ البتہ عبرت ہے۔ یعنی ان کے حالات سے عبرت پکڑتے ہو اور اپنے رب تعالیٰ کی عظیم قدرت وحکمت پر استدلال کرتے ہو۔ نُسۡقِيۡكُمۡ یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال

marfat.ocm

یہ ہے کہ وہ کیسے ؟ جواب ملا کہ ہم تمھیں پلاتے ہیں مِّمَّا فِی بُطُوْنِهَا ، ما سے یا تو ان کے پستان مراد ہیں اور مِن تبعیضیہ ہوگا اور بطون سے پیٹ مراد ہے یا لفظ ما سے گھاس مراد ہے کہ اسی سے دُودھ بنتا ہے اس معنے پر من ابتدائیہ ہوگا اور بطون اپنے حقیقی معنے پر ہے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ جیسے جانوروں کے پیٹ میں سے خُون و گوبر کے درمیان سے دودھ نکلنا ایک عبرت ہے ایسے ہی صفاتِ انسانیہ کے گوبر اور صفات شیطانیہ کے خون سے خالص توحید اور محبت کے دودھ سے عبرت ہے کہ ایسا دودھ صدیقین کی ارواح کو نصیب ہوتا ہے۔ کسی شاعر نے کہا : ؎

سقانی شربة احیی فؤادی
بکأس الحب من بحر الوداد

ترجمہ ، مجھے صرف ایک گھونٹ نصیب ہُوا تو اس نے میرے دل کو زندہ کر دیا۔ یعنی محبت الٰہی کے دریا کے پیالوں سے ایک گھونٹ نصیب ہُوا۔

تفسیر عالمانہ وَلَكُمْ فِيهَا اور تمھارے لیے ان میں مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ اور بہت سے منافع ہیں۔ (یعنی مذکورہ فوائد کے علاوہ ان میں اور بھی بہت زیادہ فائدے ہیں) یعنی اُون اور بال وغیرہ۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ تمھارے لیے ان میں بے شمار فائدے ہیں مثلاً ان کے بعض پر تم سوار ہوتے ہو اور بعض پر بوجھ لادتے ہو۔

وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۙ اور ان کے بعض سے کھاتے ہو یعنی گوشت یا ان کی کمائی۔

حدیث شریف (حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :) ”گائے کا دُودھ پیو کیونکہ وہ ہر قسم کے درخت جمع کر کے کھاتی ہے۔“

حدیث شریف ”گائے کا دُودھ پیو اور اس کا گھی اور مکھن کھاؤ لیکن اس کے گوشت سے بچو اس لیے کہ اس کے دودھ ، مکھن اور گھی میں شفا ہے اور اس کا گوشت بیماری ہے۔“

گائے کی قربانی: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے عید قربانی پر گائے ذبح فرمائی۔

ف : گائے کے گوشت کو اس لیے بیماری فرمایا کہ اہلِ عرب خشک مزاج ہیں اور گائے کا گوشت بھی خشک ہے اس لیے انہیں اس کے گوشت سے احتراز لازم ہے اور گائے کا دودھ و مکھن (گھی) تر ہے اور خشک مزاجوں

marfat.ocm

کے لیے شفا اسی معنیٰ پر ہے۔

خلاصہ یہ کہ گوشت سب کے لیے بیماری نہیں بلکہ مخصوص لوگوں کے لیے یعنی خشک مزاجوں کے لیے ہے۔ اور یہی تاویل نہایت موزوں ہے کیونکہ اگر مطلقاً گائے کا گوشت بیماری ہوتا تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسے اللہ تعالیٰ کے تقرب کے لیے عید الاضحیٰ کے موقع پر ہرگز ذبح نہ کرتے۔

دوسرا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے گائے کو بیانِ جواز کے لیے ذبح فرمایا ہو نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس وقت آپ کو صرف گائے میسر آئی ہو۔ (کذا فی المقاصد الحسنۃ للامام السخاوی)

وَعَلَيْهَا اس سے یہ نہ سمجھا کہ تمام جانوروں پر بوجھ لادا جاتا ہے بلکہ ان کی جنس مراد ہے۔ یعنی ان میں بعض وہ ہیں جن پر بوجھ لادا جاتا ہے جیسے اُونٹ وغیرہ۔ بعض مفسرین نے کہا کہ یہاں پر صرف اونٹ ہی مراد ہے کیونکہ بوجھ اٹھانے کا رواج عرب میں صرف اونٹ پر ہے اور لفظ الفلك سے بھی یہی معنیٰ مناسب ہے کیونکہ فُلك دریائی اونٹ ہے اور اونٹ جنگلی کشتی۔ وَعَلَى الْفُلْكِ امام راغب نے فرمایا کہ یہ لفظ واحد اور جمع دونوں کے لیے مستعمل ہے لیکن ان دونوں کی اصل علٰحدہ علٰحدہ ہے مثلاً واحد ہو تو اس کا وزن قفل ہوگا۔ اگر جمع ہو تو اس کا وزن حمر آئے گا۔ تُحْمَلُونَ ۝ یعنی خشکی میں اونٹوں پر اور دریاؤں میں کشتی پر بوجھ اٹھاتے ہو۔ یعنی یہ تمہارے تابع ہیں کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ تمہارے بوجھ اٹھا کر لے جاتے ہیں۔

سوال: یہاں پر و فی الفلك کیوں نہیں فرمایا حالانکہ سورۃ ہود میں قلنا احمل فیہا فرمایا ہے۔ یعنی اس کا صلہ فی ہونا چاہیے۔

جواب: (۱) دراصل اس سے ایعاء واستعلاء کا معنیٰ مطلوب ہے اور وہ دونوں صورتوں میں پایا جاتا ہے اس لیے کہ کشتی ہر اس شخص کے لیے بمنزلہ برتن کے ہے کہ وہ اس پر سوار ہو کر اپنا سامان لے جاتا ہے۔ جب دونوں معانی صحیح ہوئے تو دونوں طرح (علیٰ، فی) کا صلہ لانا صحیح ہوا۔

(۲) چونکہ اس کا عطف علیہا پر ہے اس کی مناسبت سے الفلك پر بھی لفظ علیٰ لایا گیا ہے۔ (کذا فی بحر العلوم)

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ دریائی سفر مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے بلا کراہت جائز ہے۔ یہی جمہور کا مذہب ہے۔ لیکن بعض نے عورتوں کے لیے کراہت کا حکم فرمایا ہے۔ وہ دلیل میں کہتے ہیں کہ کشتی میں پردے وغیرہ کی احتیاط نہیں ہو سکتی اور نہ ہی وہ مردوں سے چہرہ وغیرہ چھپا سکتی ہیں اور قضاء حاجت وغیرہ کے لیے مردوں سے کس طرح چھُپ سکیں گی بالخصوص جب کشتی چھوٹی ہو۔ (کذا فی انوار المشارق)

مسئلہ: ذخیرہ میں لکھا ہے کہ کشتی پر برائے ضرورت تجارت وغیرہ سوار ہونے سے اپنے اوپر اعتماد ہو

marfat.ocm

کہ خدانخواستہ اگر کشتی ٹوٹ جائے یا ڈوب جانے کا خطرہ ہو تو وہ تیر کر اپنی جان بچالے گا تو دریائی سفر جائز ہے اگر تیراکی نہیں جانتا تو پھر مکروہ ہے۔

مسئلہ : ذخیرہ کی تقریر سے معلوم ہوا کہ اگر تیرنا نہیں جانتا تو کشتی کا سفر اس کے لیے مکروہ ہے خواہ تجارت کے لئے سفر ہو یا طلبِ علم کے لیے یا دیگر امورِ خیر کے لیے۔ مثلاً حج یا زیارۃ الاقارب و صلۂ رحمی وغیرہ۔ اگرچہ اس میں صحت و سلامت اور سفر با ظفر کی امید غالب ہو یا نہ۔

مسئلہ : ذخیرہ کے برعکس دوسری کتبِ فقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر سفر اطمینان بخش ہو تو غیر تیراک کو بھی بلا کراہت کشتی کا سفر جائز ہے ورنہ ناجائز۔

حکایت شرح حزب البحر میں ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ مجھے دریا کے اوصاف سنائیے۔ اُنھوں نے عرض کی ، وہ ایک عظیم مخلوق ہے جس پر ضعیف ترین مخلوق سوار ہوتی ہے اور وہ بھی ایک کمزور لکڑی پر۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر حج فرض نہ ہوتا اور لوگ اس ذریعہ سے حج ادا نہ کرتے ہوتے تو میں دریائی سفر کرنے والوں کو دُرّے مارتا۔ اس کے بعد آپ نے اس سفر کی ممانعت فرمادی لیکن بعد کو اس رکاوٹ سے رجوع فرمالیا۔ اسی طرح حضرت عثمان و حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کو بھی دریائی سفر کے خطرات محسوس ہوئے تو رکاوٹ ڈالنے کا ارادہ فرمایا لیکن انسانی عام ضروریات کے پیشِ نظر جواز کا فتویٰ دیا۔ اسی پر اُمّت کا اجماع ہے لیکن پھر بھی مشروط طور پر۔

مسئلہ : دریا وغیرہ میں تیرنا نبی علیہ السلام کی سنّت ہے۔

(اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں :)

تیراکی کی سُنّیت کے دلائل

(١) انسان العیون میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی وفات مدینہ طیبہ میں ہوئی لیکن انھیں دار المتابعہ میں دفنایا گیا۔

ف ۔ المتابعہ بالتاء المثناۃ فوق و بالباء الموحدۃ والعین المھملۃ ، یہ ایک مرد کا نام ہے جو بنی عدی بن النجار کے قبیلے سے تھا اور حضرت عبدالمطلب کے ماماؤں سے تھا اور النجار کا نام تیم تھا۔ بعض نے اس کی وجہ تسمیہ یہ بتائی کہ انھوں نے اپنا ختنہ قدوم سے خود کیا۔ اور قدوم نجار کے ایک آلۂ صنعت کا نام ہے۔

جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی تو راستہ میں آپ کا اسی دار سے گزر ہوا تو آپ نے اس جگہ کو پہچان لیا اور فرمایا کہ مجھے اس جگہ پر میری والدہ کر لے آئی تھیں اور میرے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا مزار شریف اسی دار میں ہے۔ اس مختصر تمہید و تعارف کے بعد اب

marfat.ocm

جاننا چاہیے کہ یہ لوگ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار ثابت ہوئے اور یہ لوگ تیراکی میں مشہور و معروف تھے جو بنی عدی بن النجار کے بڑے کنوئیں میں تیرتے تھے۔ (اگر تیراکی ناجائز فعل ہوتا تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کی مدحت کے بجائے مذمت فرماتے)

(۲) حضرت عکرمہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بیان فرمایا کہ حضرت ابن عباس اور آپ کے اصحاب حفنہ کے کنوئیں میں خوب تیرتے تھے۔

(۳) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر شخص اپنے ساتھی کو تیراکی سکھائے۔ جب تمام اصحاب نے ایک دوسرے کو یہ فن سکھا دیا تو خود حضور علیہ السلام اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بچ گئے۔ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گلے میں ہاتھ ڈال کر تیرنا شروع کیا اور ساتھ ساتھ یہ فرماتے جاتے تھے:

انا و صاحبی انا و صاحبی۔

(میں ہوں اور میرا دوست میں ہوں اور میرا دوست)[1]

ایک روایت میں ہے:

انا الی صاحبی و انا الی صاحبی۔

ف: ان روایات سے عدمِ جواز کے قائلین کا رد ہوگیا۔

ف: یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم واقعی تیراکی میں مہارت رکھتے تھے یا نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ تیراکی کا علم فی نفسہٖ تو تھا لیکن تیراکی کی مہارت تو اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب کوئی تیر کر دکھائے۔ حضور علیہ السلام کو نہ کبھی دریائی سفر درپیش ہوا اور نہ ہی حرمین شریفین میں دریا تھا۔

---

[1] یہ تھی شانِ صدیقِ اکبر کی (رضی اللہ عنہ) کسی نے کیا خوب منقبت لکھی ہے: ؎

یہ عظمت یہ شرف یہ مرتبا صدیقِ اکبر کا — نبی صدیق اکبر کے خدا صدیقِ اکبر کا
بڑھا جب نشۂ ذوقِ وفا صدیقِ اکبر کا — مشیّت نے سجایا میکدہ صدیقِ اکبر کا
زمیں نے پھول برسائے جب ان کی نیک نامی پر — فلک نے جھک کے بوسہ لے لیا صدیقِ اکبر کا
فنا کے بعد رسمِ تعزیت رسمِ زمانہ ہے — پڑھیں گے مرثیا جُود و سخا صدیقِ اکبر کا
کدورت لاکھ آجائے صداقت چھپ نہیں سکتی — جلے گا آندھیوں میں بھی دیا صدیقِ اکبر کا
شبِ ہجرت ہم شمس و قمر تھے ایک منزل میں — نبی کی ذات تھی اور دوش تھا صدیقِ اکبر کا
محمد کی اطاعت کا یہ فیضِ خاص ہے اختر — جہاں میں نام روشن ہو گیا صدیقِ اکبر کا

(اویسی غفرلہٗ)

marfat.ocm

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا
اور بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تو اس نے کہا اے میری قوم ! اللہ
اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ أَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿٢٣﴾ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ
کو پوجو اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں تو کیا تمہیں ڈر نہیں تو اس کی قوم کے جن سرداروں نے کفر کیا بولے
قَوْمِهٖ مَا هٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ أَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَأَنْزَلَ
یہ تو نہیں مگر تم جیسا آدمی چاہتا ہے کہ تمہارا بڑا بنے اور اللہ چاہتا تو فرشتے اتارتا
مَلٰٓئِكَةً ۚ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْأَوَّلِيْنَ ﴿٢٤﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ
ہم نے تو یہ اپنے اگلے باپ داداؤں میں نہ سنا وہ تو نہیں مگر ایک دیوانہ مرد تو کچھ
فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿٢٥﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿٢٦﴾ فَأَوْحَيْنَآ إِلَيْهِ
زمانہ تک اس کا انتظار کیے رہو نوح نے عرض کی اے میرے رب میری مدد فرما اس پر کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا تو ہم
أَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَإِذَا جَآءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ
نے اسے وحی بھیجی کہ ہماری نگاہ کے سامنے اور ہمارے حکم سے کشتی بنا پھر جب ہمارا حکم آئے اور تنور ابلے تو اس میں بٹھالے
فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ ١
ہر جوڑے میں سے دو اور اپنے گھر والے مگر ان میں سے وہ جن پر بات پہلے پڑ چکی
وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ إِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿٢٧﴾ فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنْتَ
اور ان ظالموں کے معاملہ میں مجھ سے بات نہ کرنا یہ ضرور ڈبوئے جائیں گے پھر جب ٹھیک بیٹھ لے کشتی پر تو اور
وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٨﴾
تیرے ساتھ والے تو کہہ سب خوبیاں اللہ کو جس نے ہمیں ان ظالموں سے نجات دی
وَقُلْ رَّبِّ أَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّأَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿٢٩﴾ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
اور عرض کر کہ اے میرے رب مجھے برکت والی جگہ اتار اور تو سب سے بہتر اتارنے والا ہے بے شک اس میں ضرور نشانیاں
لَاٰيٰتٍ وَّإِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ﴿٣٠﴾ ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿٣١﴾ فَأَرْسَلْنَا
ہیں اور بے شک ضرور ہم جانچنے والے تھے پھر ان کے بعد ہم نے اور سنگت پیدا کی تو ان میں ایک
فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ أَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿٣٢﴾ ع ٢
رسول انہیں میں سے بھیجا کہ اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں تو کیا تمہیں ڈر نہیں

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖ لام قسم کا جواب ہے اور قصے کو قسم سے شروع کرنے میں اس کی عظمتِ شان کا اظہار مطلوب ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ مضمون نہایت ہی مہتم بالشان ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ بخدا ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ جمال الدین کے قصیدہ میں ہے، ؎

من کثیر الذنب نوحوا　　نوح نوح فی الرسل
انہ عمرا طویلا　　من قلیل النطق ناح

ترجمہ: زیادہ گناہوں سے آنسو بہاؤ۔ نوح علیہ السلام رسولوں میں بہت رونے والے تھے۔ انہوں نے بڑی عمر پائی اور ایک تھوڑی سی بات سے عمر بھر روتے رہے۔

اعجوبہ: حضرت نوح علیہ السلام ایک خارش زدہ کتے کے پاس سے گزرے اور آپ نے اس کو کہہ دیا کہ یہ کیسا گندا کتا ہے۔ اس کے بعد ندامت سے عمر بھر روتے رہے۔

فَقَالَ توحید کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا یٰقَوْمِ اے میری قوم! ۔ دراصل یا قومی تھا۔ اعْبُدُوا اللّٰہَ ایک اللہ کی عبادت کرو۔ توحید کا معنیٰ ہم نے مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ کے قرینہ کی وجہ سے کیا ہے۔ یعنی وجود یا عالم میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں اس معنے پر الٰہ مرفوع ہے اس لیے کہ الٰہ کے محل کے اعتبار سے الٰہ کی صفت ہے اور الٰہ کا محل رفع اس لیے ہے کہ وہ فاعل ہے یا مبتدا ہے اور اس کی خبر لَکُمْ ہے اور مِن زائد ہے۔ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ؀ ہمزہ واقع کے انکار و استقباح کے لیے ہے اور فاء کا معطوف مقدر ہے جیسا کہ محل و مقام کا تقاضا بتاتا ہے کہ یہ در اصل الا تعرفون ذلک یعنی کیا تم ما لکم من الٰہ غیرہ کے مضمون سے واقف نہیں ہو۔ فلا تتقون تو اس کے ساتھ اس کی عبادۃ میں دوسروں کو شریک کرکے اس سے ڈرتے نہیں کہ جو عبادت کا استحقاق نہیں رکھتے کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ پیدا نہ کرتا تو سرے سے عالم وجود میں بھی نہ ہوتے تو پھر وہ عبادت کے مستحق کیسے ہوئے۔ خلاصہ یہ کہ تحقق موجب کے باوجود تقویٰ نہ کرنا برا کام ہے۔ کاشفی نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرو اور اس کے غیر کی عبادت کی طرف مائل نہ ہو۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہم نے نوح یعنی رُوح کو اس کی قوم یعنی قلب، سر، نفس، قالب اور اس کے اعضاء کی طرف بھیجا فقال یا قوم اعبدوا اللہ ما لکم من الٰہ غیرہ تو اس نے انہیں کہا کہ خواہشات اور شیطان کی پرستش مت کرو۔ قلب کی عبادت یہ ہے کہ وہ حق تعالیٰ کی محبت میں مستغرق ہو اور ما سوی اللہ سے تعلقات ختم کرے اور سِر کی عبادت یہ ہے کہ توحید میں گم ہو اور نفس کی عبادت یہ ہے کہ اخلاق مذمومہ کو محمودہ سے تبدیل کرے اور قالب کی عبادت یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے لیے متجرد ہو اور جوارح کی عبادت یہ ہے کہ وہ ارکانِ شریعت کو قائم رکھیں افلا تتقون کیا وہ ان عبادات کی وجہ سے حرمان و خذلان اور عذاب نیران سے

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ فَقَالَ الْمَلَؤُا لیڈروں اور بڑے آدمیوں نے کہا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَوْمِہٖ اس کی قوم کے کافروں میں سے۔ یعنی عوام کو لیڈروں اور بڑے آدمیوں نے کہا اس میں مبالغہ مطلوب ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو رتبہ عالیہ سے گرانے اور منصب نبوت سے ہٹانے میں معمولی لوگوں نے جدوجہد نہیں کی بلکہ قوم کے چودھریوں اور بڑے بڑے لیڈروں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ حضرت کاشفی نے اس کا ترجمہ لکھا کہ جب قوم کے اکابر نے دیکھا کہ ان کے اصاغر حضرت نوح علیہ السلام کی دعوتِ حق کی طرف میلان رکھتے ہیں تو انھوں نے نوح علیہ السلام سے نفرت دلاتے ہوئے انھیں کہا مَا ھٰذَآ نہیں ہے یہ شخص جو تمھیں توحید کی دعوت دیتا ہے اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ مگر ایک بشر جو تمھاری جنس سے اور تمھارے وصفِ بشریت سے موصوف ہے تمھارے اور اس کے مابین کوئی فرق نہیں یعنی وہ اور تم سب برابر ہو (جیسے[1] آج کل وہابی دیوبندی نجدی وغیرہم کہتے ہیں کہ نبی و غیر نبی میں کوئی فرق نہیں، وہ بھی ہمارے جیسے بشر تھے صرف نبوت و غیر نبوت کا فرق ہے، معاذ اللہ۔ ہم کہتے ہیں ان کی بشریت حق ہے لیکن بشریت بشریت کا فرق ہے وہ یہ کہ ان کی بشریت نور بن گئی اور ہماری بشریت گناہوں کی گندگیوں سے آلودہ۔ پھر قاعدہ ہے کہ کفار کے مقولہ سے اہل ایمان کو ممانعت ہے۔ کما قال لا تقولوا راعنا[2] اور یہ بشر بشر کی رٹ ابلیس سے لے کر ابوجہل تک پھر خارجیوں سے لے کر دیوبندیوں وہابیوں تک ایک گستاخی کا کلمہ بن گیا ہے اسی لیے اس کے اطلاق علی الانبیاء سے احتراز ضروری اور لازمی ہے۔ مزید تفصیل تفسیر اویسی میں دیکھیے)

ف : کاشفی نے لکھا کہ کافروں کو لیڈروں نے کہا کہ نوح علیہ السلام تمھارے جیسا انسان ہے دیکھو وہ تمھاری طرح کھاتا پیتا اور شادیاں وغیرہ کرتا ہے (یہی[1] آج وہابی اور ان کے جملہ ہمنوا کہتے ہیں)

یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ عَلَیْکُمْ چاہتا ہے کہ وہ تمھارے اوپر فوقیت حاصل کرے اور نبوت و رسالت کا دعویٰ کر کے تمھارا امیر بن جائے باوجودیکہ وہ تمھارے جیسا انسان ہے۔ الجلالین میں ہے کہ وہ تمھارے اوپر شرافت کا خواہاں ہے اور چاہتا ہے کہ وہ تم سے افضل ہو اور تم اس کے زیرِ فرمان اور وہ تمھارا افسر۔ یہ ایسے ہے جیسے فرعونیوں نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہم السلام کے لیے کہا وتکون لکما الکبریاء فی الارض۔ لیڈروں نے طیش دلانے اور حضرت نوح علیہ السلام کی دشمنی پر اکسانے کی نیت سے کہا وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِکَۃً اور اگر اللہ تعالیٰ تمھارے ہاں رسول بھیجنا چاہتا تو فرشتوں کو رسول بنا کر بھیجتا تاکہ مرسل اور مرسل الیہم کے درمیان امتیاز ہو۔

ف : انزل اس لیے کہا کہ ملائکہ کا بھیجنا اسی طریقۂ انزال سے ہوتا ہے۔ مشیت کا مفعول نفسِ مضمون نہیں بلکہ مطلق

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ [2] ایضاً

marfat.ocm

ارسال ہے جو جواب سے سمجھا جاتا ہے جیسے ولو شاء لہدٰ اکم اور اس جیسی عبارات سے واضح ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس سے بعض باطل پرست سالکوں کے مقالات کی طرف اشارہ ہے مثلاً بعض ان میں طلبِ الٰہی میں سستی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا کہ ہم اس کی طلب میں سعی کریں تو صفاتِ ملکیہ و توفیقِ ربانی سے ہماری تائید ہوتی ہے۔

تفسیر عالمانہ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا ہم نے تو ایسی گفتگو اپنے پہلے بزرگوں میں سے کسی سے نہیں سنی۔ واحد رب تعالیٰ کی عبادت اور اس کی توحید کا کلام ہم نے اپنے اسلاف سے نہیں سنا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ۝ الآیۃ ان کے بعثتِ نوح علیہ السلام سے قبل کے لوگ مراد ہیں۔

ف : بحر العلوم میں ہے کہ بھذا سے ارسال البشر مراد ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا علیٰ رجل منھم۔ لیکن انہیں اس پر اعتماد نہ تھا اس لیے کہہ دیا کہ ہم نے تو کسی سے نہیں سنا کہ آدمی رسولِ خدا بن کر مخلوق کی رہبری کےلیے آتا ہے۔

سوال : نوح علیہ السلام سے پہلے ادریس علیہ السلام بھی نبی گزرے تھے ان کا نام انہوں نے سنا ہوگا، پھر ان کا مطلق انکار کس طرح صحیح ہو سکتا تھا۔

جواب : غلو فی التکذیب میں افراط اور عناد کے طور کہہ دیا جیسے سرکشوں کی عادت ہے یا ادریس علیہ السلام کی مدتِ نبوت کو ایک لمبا عرصہ گزرا جو ان کے اور ان کے درمیان فترت کے دور کو خاصی مدت گزری اس لیے انہیں معلوم نہ ہونا بعید از امکان نہیں۔

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌ ۢ بِهٖ جِنَّةٌ یہ نہیں مگر ایسا مرد جسے جنون ہے ورنہ وہ ایسی بہکی بہکی باتیں نہ کہتا اور نہ ہی بشر کو رسالت کی قابلیت و صلاحیت ہے۔

ف : جنون ایک عارضہ ہے جو نفس و عقل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ ردِ منکرین ولایت : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اربابِ حقیقت کے احوال اصحابِ طبیعت کو جنون محسوس ہوتا ہے ایسے ہی اربابِ حقیقت اصحابِ طبیعت کے احوال کو جنون سے تعبیر کرتے ہیں۔

ف : ترکِ عقل و اختیارِ عشق کے بعد کا جنون اہلِ حق کو نصیب ہوتا ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

در رہ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست درو
شرطِ اوّل قدم آنست کہ مجنون باشی

ترجمہ : لیلیٰ کی منزل کی راہ میں بڑے خطرے ہیں اس کے لیے مجنون بننا شرطِ اول ہے۔

حضرت صائب نے فرمایا : ؎

روزنِ عالمِ غیبست دلِ اہلِ جنون
من و آن شہر کہ دیوانہ فراوان باشد

ترجمہ : اہلِ جنون کا دل عالم غیب کا دریچہ ہے۔ میں اور وہ ایسے شہر میں ہیں جہاں بے شمار دیوانگانِ عشق ہیں۔

تفسیر عالمانہ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ پس صبر کرو اور انتظار کرو۔ امام راغب نے فرمایا کہ التربص بمعنے کسی شے کا چند لمحات اس لیے انتظار کرنا کہ ممکن ہے وہ شے سستی ہو جائے یا اس کے لیے عام رخصت ہو جائے یا اس کے زوال یا حصول کے لیے انتظار کرنا۔

حَتّٰى حِيْنٍ ۝ اس وقت تک کہ اسے جنون سے افاقہ ہو۔ یعنی تھوڑا سا صبر کرو کہ ممکن ہے وہ مر جائے یا جنون سے شفا پا کر ایسی بہکی باتیں نہ کہے فلہٰذا تم اپنے کام میں لگے رہو۔

قَالَ نوح علیہ السلام جب کفار سے مایوس ہوئے تو اللہ تعالیٰ سے کہا رَبِّ اے میرے پروردگار! انْصُرْنِيْ میری مدد فرما ان کی تباہی و ہلاکت پر، بِمَا كَذَّبُوْنِ ۝ اس لیے کہ انہوں نے میری خوب تکذیب کی ہے یا میری تکذیب کے بدلے میں فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اس کے بعد ہم نے ان کے ہاں وحی بھیجی یا انہیں چپکے چپکے سمجھایا اس لیے کہ الوحی اور الایحا بمعنے اعلام فی خفاء یعنی کسی کو چپکے چپکے کچھ بتانا اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ یہ اِن مفسرہ ہے اوحینا کی تفسیر کرتا ہے اس لیے کہ الوحی قول کے معنے کو متضمن ہے۔ الصنع بمعنے کسی کو ٹھیک طور پر کرنا بِاَعْيُنِنَا وہ متلبس ہو ہماری حفاظت کے ساتھ۔ یعنی ہم اس کی نگرانی کریں گے تاکہ اس کی تیاری میں غلطی نہ ہو جائے یا کوئی مفسد نقصان نہ کر ڈالے۔ یہ فلان بعینی کے محاورے سے ہے بمعنے احفظہ و داعیہ۔ اسی طرح ھو منی بمرأی و مسمع بھی یہی معنے دیتا ہے۔

ملفوظ جنید سیدنا جنید بغدادی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جو مشاہدہ سے عمل کرتا ہے اسے اللہ تعالیٰ اپنی رضا کا وارث بناتا ہے۔ کما قال، و اصنع الفلک باعیننا۔

وَوَحْيِنَا بمعنے امرنا و تعلیمنا لکیفیۃ صنعھا۔ یعنی اس کی تیاری کے کوائف ہماری تعلیم اور امر کے مطابق ہوں۔

ف : مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ کشتی کو جُرجُو کی شکل و صورت میں تیار فرمائیں۔ (جُرجُو، ایک پرندہ)

marfat.ocm

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہم نے نوح یعنی روح کو حکم فرمایا کہ وہ ہماری نگرانی میں شریعت پر کاربند ہو اس میں نہ نفس کی خواہش کو دخیل ہونے دے اور نہ عقل کو، کیونکہ فلاسفہ و براہمہ اسی عقل و خواہش نفسانی کی وجہ سے مارے گئے ہیں۔

تفسیر عالمانہ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا جب ہمارا امر برلئے عذاب قریب ہو جائے وَفَارَ التَّنُّوْرُ اور تنور جوش مارے۔ یعنی جب آپ کی عورت روٹی پکا کر فارغ ہو گی تو اس کے بعد تنور سے آگ کا شعلہ نکلے گا۔ (کذا فی تفسیر الفارسی) الفور بمعنے شدت کا شعلہ مارنا۔ یہ آگ کے لیے مستعمل ہے۔ مثلاً، ھاجت النار۔ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب آگ جوش مارے۔ ہانڈی اور غضب اور پانی کے جوش کے وقت بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اور پانی کے جوش کو ہانڈی سے مشابہت کی وجہ سے فور کہا جاتا ہے۔ کبھی الفور الساعۃ (یعنی ابھی ابھی) کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور التنور سے یہی روٹیوں والا تنور مراد ہے۔ خرقِ عادت کے طور پر اس سے پانی کے چشمے بہنے لگے۔ اور یہ تنور مسجد کے مقام پر کوفہ میں تھا۔

ف : نوح علیہ السلام کو حکم تھا کہ جب تنور سے پانی جوش مارے تو آپ اور آپ کے ساتھی کشتی میں بیٹھ جائیں۔ یاد رہے کہ یہ آدم علیہ السلام کا تنور تھا جو نوح علیہ السلام کے زمانے تک بدستور چلا آیا۔ جب پانی نے تنور سے جوش مارا تو نوح علیہ السلام کو ان کی اہلیہ نے خبر دی۔

فَاسْلُكْ فِيْهَا کشتی میں داخل کیجئے۔

حلِ لغات : اہلِ عرب کہتے ہیں، سلك فيه بمعنے دخل اور سلكه فيه اى ادخله یعنی اس نے اسے داخل کیا۔ اسی لغت سے ہے، ما سلككم فى سقر۔ (یعنی تمہیں جہنم میں کس شے نے داخل کیا)

مِنْ كُلٍّ ہر گروہ اور نوع سے زَوْجَيْنِ جوڑا یعنی نر و مادہ اثْنَيْنِ یہ زوجین کی تاکید ہے۔ اس سے نر اور مادہ مراد ہے۔

ف : تیسیر میں لکھا ہے کہ کشتی میں وہ چیزیں داخل کی گئیں جو بچے جنتی یا انڈے دیتی تھیں۔

وَاَهْلَكَ یہ منصوب ہے اس کا فعل مذکور ناصب ہے۔ یعنی اسلك اهلك یہاں پر اھل سے آپ کی زوجہ اور آپ کی اولاد مراد ہے۔ اور اھل کی تاخیر بوجہ تفصیل کے ہے یعنی استثناء وغیرہ سے اس کی تفصیل کی جائے گی۔ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ مگر وہ جس پر قولِ کفر سبقت کر گیا ہے یعنی اہل سے وہ اس کشتی میں داخل نہ ہو جس کے کافروں کے ساتھ تباہ اور ہلاک ہونا ہے۔ اس سے کنعان ابن نوح اور اس کی والدہ واغلہ مراد ہے اور لفظ علیٰ ضرر کے لیے ہے اس لیے سبقت کرنے والی تقدیر اس اھل کے لیے مضر تھی۔ لام نفع کے لیے آتی ہے اسی لیے ان الذین سبقت لھم منا الحسنیٰ میں لام لائی گئی ہے کہ ایسے لوگوں پر

marfat.ocm

تقدیر کی سبقت فائدہ کے لیے تھی۔ وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۚ اور مجھے ان کے بارے میں کچھ نہ کہنا جو جبر اثم و معاصی کا ارتکاب کر کے ظالم ہوئے اور جو جرائم پیشہ میں شفاعت کے قابل نہیں، نہ ہی ان کی سفارش کی جائے۔ اور ان کی شفاعت ہو بھی کیسے جبکہ نجات یافتہ لوگوں کو کشتی میں داخل ہونے والوں کے لیے الحمد پڑھی گئی اگر ان کی نجات بھی ہو جائے تو اس کا معنی یہ ہوا کہ جرائم پیشہ لوگوں کے لیے بھی حمد ہو۔ اور یہ غلط طریقہ ہے۔ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝ اس معنے پر وہ یقیناً غرق ہوں گے کیونکہ وہ کفر و شرک میں مبتلا تھے اور کافر و مشرک کے لیے غرق ہونا ضروری ہو چکا تھا فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ اور جب آپ اور آپ کے اہل و عیال اور آپ کی جماعت کشتی میں سوار ہو جائیں۔

ف: امام راغب نے فرمایا کہ لفظ استواء دو طریقوں سے استعمال ہوتا ہے:

(۱) اس کی طرف دو یا اس سے زاید فعل کا اسناد ہو۔ مثلاً:

استوٰی زید وعمر کذا بمعنے تساویا۔

قرآن مجید میں ہے:

لا یستوون عند اللہ۔ اس میں استواء کا اسناد دو سے زاید فاعلوں کی طرف ہوا ہے۔

(۲) جو شے فی نفسہٖ معتدل ہو اس کے لیے استعمال ہوتا ہے فاذا استویت یعنی آیت ہذا۔

قاعدہ: پھر یہ جب متعدی بعلیٰ ہو تو استعلاء کا معنیٰ دیتا ہے۔ مثلاً الرحمٰن علی العرش استوٰی۔

عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اور جب آپ کشتی پر سوار ہوں تو کہنا جمیع محامد اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہمیں ظالم قوم سے نجات بخشی۔

سوال: کشتی میں اور لوگ بھی تو تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے حمد کا حکم صرف نوح علیہ السلام کو کیوں دیا؟

جواب: ان کی بزرگی اور شرافت کے اظہار کے لیے۔ اور متنبہ کرنا ہے کہ نوح علیہ السلام کی حمد میں وہ خلوص ہے جو دوسروں میں بہت کم ہے۔

وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ اور کہنا اے میرے اللہ تعالیٰ! مجھے اتار کشتی میں یا کشتی سے باہر۔ یعنی یہ دعا دونوں وقتوں کو شامل ہے۔ یعنی کشتی میں داخل ہونے کے لیے بھی اور اس سے فراغت کے بعد بھی۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ دعا صرف کشتی میں داخلے کے لیے ہے۔ لیکن مشہور تر یہ ہے کہ یہ دونوں وقتوں کے لیے ہے۔

مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا منزل بمعنے مصدر ہے یا ظرف ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ ہمیں ایسی جگہ پر اتار، جو خیر کثیر سے بھرپور ہو۔ اسے بفتح المیم بھی پڑھا گیا ہے۔ یعنی موضع نزول۔ اور نزول بمعنے اوپر سے نیچے اترنا۔

marfat.ocm

مثلاً کہا جاتا ہے : نزل عن دابتہ و نزل فی مکان کذا یعنی اس جگہ پر اپنا سامان اتارا اور دوسرے کو اسی جگہ پر ٹھہرایا ۔ وَاَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ٥ الجلالین میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی انہیں حکم فرمایا ، اھبط بسلام منا وبرکات علیسنا ہماری طرف سے سلامتی اور بے شمار برکات کے ساتھ اُتر یئے ۔ چنانچہ کشتی سے اُترنے کے بعد انہیں وہ برکات نصیب ہوئیں کہ زہے نصیب ۔ مثلاً تا حال تمام نسلِ انسانی نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی مرہونِ منت ہے [1] افسوس کہ وہابی نجدی وغیرہ انبیاء علیہم السلام بالخصوص نوح علیہ السلام کی ایسی دعاءِ مستجاب کو بھول جاتے ہیں اور ان کے وہ واقعات بار بار دُہراتے ہیں جن میں بظاہر ان کے خلاف نظر آتے ہیں اگرچہ درحقیقت وہ دُعا نہیں ہوتی اگر ہوتی ہے تو اس میں اسرار و رموز مضمر ہوتے ہیں مثلاً بار بار پیش کرتے ہیں کہ کنعان کے لیے نوح علیہ السلام کی دُعا رد ہوئی (معاذ اللہ) تفصیل ہم نے پارہ نمبر ۱۲ میں لکھ دی ہے مزید تفسیر اویسی میں ملاحظہ ہو)

فائدہ صوفیانہ : حضرت کاشفی نے لکھا کہ سلمی از ابی عطا نقل فرماتے ہیں کہ منزل مبارک سے وہ منزل مراد ہے جو ہواجسِ نفسانی و وساوسِ شیطانی سے محفوظ و مامون ہو اور اس میں آثار قرب از جمال قدس نازل ہوں ۔

۱ ہر کجا پرتو انوار جمال بیشتر
برکت آں منزل از ہر منازل افزون تر
۲ در منزلے کہ یارے روزے رسیدہ باشد
با ذرہ ہائے خاکش داریم مرحبا ئے

ترجمہ : (۱) جہاں انوار جمال کا پرتو (عکس) بہت زیادہ ہو وہ منزل دوسری منازل سے بڑی بابرکت ہو ۔
(۲) کسی منزل میں دوست کی تشریف آوری ہو اس منزل کے ہر ذرہ کو صد ہا مبارک ۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ نوح علیہ السلام اور آپ کی اُمت کے ساتھ جو کچھ ہُوا یہ اشارہ اسی کی طرف ہے لَاٰیٰتٍ بہت بڑی جلیل القدر آیات ہیں انہی سے اولی الابصار استدلال کرتے اور اہلِ اعتبار عبرت پکڑتے ہیں ۔ وَاِنْ کُنَّا لَمُبْتَلِیْنَ ٥ یہ اِنْ مخففہ ہے اور لام فرق بتاتی ہے کہ یہ نافیہ نہیں بلکہ ثقیلہ ہے اور اس کی ضمیر شان محذوف ہے دراصل عبارت یوں ہے وان الشان کنا الخ یعنی شان یہ ہے کہ ہم نے انہی آیات سے اپنے مخصوص بندوں کا امتحان لیا تاکہ ظاہر ہو کہ وہ ان سے نصیحت حاصل کرتے اور عبرت پکڑتے ہیں یا نہیں ۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

قاعدہ لفظ ابتلاء : امام راغب نے فرمایا کہ جب کہا جائے ابتلی فلاں یا ابلاہ، تو وہ دو معانی کو متضمن ہوتا ہے :

(۱) معلوم کیا جائے کہ اس کا معاملہ کیسا ہے، مخلص ہے یا منافق۔

(۲) اس کے کھرے کھوٹے ہونے کو ظاہر کرنا۔

اللہ تعالیٰ کے لیے یہی دوسرا معنی استعمال ہوتا ہے کیونکہ اسے تو پہلے ہی سب کا حال معلوم ہے۔

شانِ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام

آزمایش کو نمک کی طرح سمجھنا چاہیے۔ اکابر انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اگرچہ مصائب و مشکلات کے سامنے پہاڑ کی طرح مضبوط تھے تب بھی اللہ تعالیٰ نے ان کی آزمائش کی تو ان حضرات نے اس پر صبر کیا۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کو ساڑھے نو سو سال آزمائش میں رکھا تو نوح علیہ السلام نے اُف تک نہ کی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قل الحمد للہ الذی نجانا من القوم الظّٰلمین کے خطاب سے نوازا۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

گرت چو نوح نبی صبر ہست بر غم طوفان
بلا بگردد و کام ہزار سالہ بر آید

ترجمہ : اگر تجھے نوح علیہ السلام کی طرح صبر کی طاقت ہے جیسے انہوں نے طوفان کے غم سے صبر کیا تو مراد پوری ہوئی اسی طرح تیری مراد بھی پوری ہوگی۔

ف : نوح علیہ السلام نے ظالم قوم کے لیے بددعا فرمائی یہ بھی اذنِ الٰہی تھا۔ پھر جب قہرِ الٰہی آیا تو لطفِ رحمانی نے ظالمین پر کوئی لطف و کرم نہ فرمایا، اور دعا میں عاجزی و انکساری کا اظہار مطلوب ہے اور اس میں بھی درحقیقت انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی رفعتِ شان کا اظہار مطلوب ہوتا ہے بلکہ یہ طریقہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پیارے بندوں کے لیے نفع بخش ہے۔

ف : حضرت یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عبادت بمنزلہ تالہ کے ہے اس کی کنجی دعا ہے اور اس کنجی کے دندانے اکلِ حلال۔ حضرت نوح علیہ السلام کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ تھی کہ اے اللہ تعالیٰ! جو کچھ میں چاہتا ہوں اگر تیری رضا اس کے خلاف ہے تو مجھے اس پر صبر کی توفیق بخش۔

سبق

آیت میں اشارہ ہے کہ مومن پر لازم ہے کہ وہ اپنے لیے منزل مبارک کی طلب کرے۔ یعنی وہ مبارک منزل جس میں دین و دنیا کی بھلائی ہو ؎

سعدیا حُبِ وطن گرچہ حدیث ست صحیح　　نتوان مرد بسختی کہ من اینجا زادم

marfat.ocm

ترجمہ : اے سعدی! اگرچہ حب الوطن من الایمان صحیح حدیث ہے لیکن وہاں اس ارادہ پر سختی کی موت مرنا کہ وہی میرا مولا ہے۔

ف : اگر غور سے دیکھا جائے تو انبیاء علیہم السلام اور اکابر اولیاء میں سے اکثر نے اپنے وطن اصلی سے ہجرت کی اس لیے کہ ظالم قوم میں زندگی بسر کرنا اچھا نہیں۔

صاحب روح البیان کی اپنی کہانی

(صاحب رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں کہ اس نے مجھے بار بار ہجرت کا موقعہ بخشا اور شکر ہے کہ اب بہتر شہر بروسہ میں مقیم ہونے کا شرف بخشا اور میرے نام نیک فال آئی کہ مجھے اچھے شہر میں رہنے کا موقعہ نصیب ہوا اور جن لوگوں نے میرے ساتھ مخالفت کی اور میرے وعظ و نصیحت سے منہ موڑا وہ تباہ و برباد ہوئے اور میری آزمائش ہوئی اس سے میں نے نجات پائی اور قہر و لطف سے اور جلال جمال سے تبدیل ہوا۔[1]

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قوم نوح کو تباہ و برباد کرنے کے بعد ہم نے پیدا کی قَرْنًا اٰخَرِيْنَ قوم آخرین۔ اس سے قوم عاد وغیرہ مراد ہے۔ کما قال تعالیٰ :

حکایۃ عن ھود علیہ السلام واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد قوم نوح۔

اور قرن سے وہ قوم مراد ہے جو یکے بعد دیگرے آئی۔

فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ پھر ہم نے ان میں بھیجے رَسُوْلًا مِّنْهُمْ رسول علیہ السلام انہی میں سے، یعنی ان کے نسب سے۔ اس سے ہُود کی قوم مراد ہے نہ کہ خود ہُود اور صالح علیہما السلام۔ ہاں اگر قرن سے قوم عاد و ثمود مراد ہو تو رسول سے ہُود و صالح علیہما السلام مراد ہو سکتے ہیں اور رسول بمعنے مرسل پر مقام کی مناسبت سے تثنیہ و جمع ہو سکتا ہے، جیسے انا رسولا ربک۔ اور قرن ارسال کی ظرف ہے جیسے امۃ کا لفظ آیۃ کذالک ارسلناک فی اُمۃ میں ظرف ہے اور یہ لقد ارسلنا نوحًا الیٰ قومہ کی غایت نہیں اس میں اشارہ ہے کہ وہ رسل کرام علیہم السلام غیر ممالک سے نہیں بلکہ ان کے اپنے مولد و منشا اور ان کی اپنی برادری سے تھے اور ان کے سامنے جوان ہوئے اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ ان مفسرہ ہے ارسلنا کی تفسیر کرتا ہے اس لیے کہ ارسال میں قول کا معنیٰ پایا جاتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ

(باقی برصفحہ ۴۷)

---

[1] فقیر اویسی غفرلہ کو بھی ہجرت نصیب ہوئی۔ اگرچہ اپنے اصلی وطن حامد آباد ضلع رحیم یارخاں میں دنیوی لحاظ سے ہر طرح سے آرام تھا لیکن دینی خدمات سرانجام دینے کے لیے سخت دشواریاں تھیں۔ الحمد للہ جب سے بہاول پور شہر میں ہجرت کر کے یہاں پر مستقل اقامت رکھی۔ دینی خدمات میں بہتر مواقع میسر آئے۔ خدا کرے یہ مختصر خدمات قبول ہوں۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین۔

marfat.ocm

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِلِقَاءِ الْآخِرَةِ وَأَتْرَفْنَاهُمْ فِي

اور بولے اس قوم کے سردار جنہوں نے کفر کیا اور آخرت کی حاضری کو جھٹلایا اور ہم نے انہیں دنیا کی زندگی

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مَا هٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ

میں چین دیا کہ یہ تو نہیں مگر تم جیسا آدمی جو تم کھاتے ہو اسی میں سے کھاتا ہے اور جو تم پیتے ہو اسی

مِمَّا تَشْرَبُونَ (٣٣) وَلَئِنْ أَطَعْتُمْ بَشَرًا مِثْلَكُمْ إِنَّكُمْ إِذًا لَخٰسِرُونَ (٣٤) أَيَعِدُكُمْ

میں سے پیتا ہے اور اگر تم کسی اپنے جیسے آدمی کی اطاعت کرو جب تو تم ضرور گھاٹے میں ہو کیا تمہیں یہ وعدہ

أَنَّكُمْ إِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَعِظَامًا أَنَّكُمْ مُخْرَجُونَ (٣٥) هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا

دیتا ہے کہ تم جب مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے اس کے بعد پھر نکالے جاؤ گے کتنی دور ہے جو تمہیں وعدہ دیا

تُوعَدُونَ (٣٦) إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ (٣٧) إِنْ

جاتا ہے وہ تو نہیں مگر ہماری دنیا کی زندگی کہ ہم مرتے جیتے ہیں اور ہمیں اٹھنا نہیں وہ تو

هُوَ إِلَّا رَجُلٌ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَمَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِينَ (٣٨) قَالَ رَبِّ انْصُرْنِي

نہیں مگر ایک مرد جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا اور ہم اسے ماننے کے نہیں عرض کی کہ اے میرے

بِمَا كَذَّبُونِ (٣٩) قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ لَيُصْبِحُنَّ نٰدِمِينَ (٤٠) فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ

رب میری مدد فرما اس پر کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا اللہ نے فرمایا کہ کچھ دیر جاتی ہے کہ یہ صبح کریں گے پچھتاتے ہوئے تو انہیں آلیا سچی چنگھاڑ نے

فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَاءً فَبُعْدًا لِلْقَوْمِ الظّٰلِمِينَ (٤١) ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قُرُونًا اٰخَرِينَ (٤٢)

تو ہم نے انہیں گھاس کوڑا کر دیا تو دور ہوں ظالم لوگ پھر ان کے بعد ہم نے اور سنگتیں پیدا کیں

مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ (٤٣) ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا كُلَّمَا جَاءَ أُمَّةً

کوئی امت اپنی میعاد سے نہ پہلے جائے نہ پیچھے رہے پھر ہم نے اپنے رسول بھیجے ایک پیچھے دوسرا جب کسی

رَسُولُهَا كَذَّبُوهُ فَأَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَجَعَلْنٰهُمْ أَحَادِيثَ فَبُعْدًا لِقَوْمٍ

امت کے پاس اس کا رسول آیا انہوں نے اسے جھٹلایا تو ہم نے اگلوں سے پچھلے ملا دیے اور انہیں کہانیاں کر ڈالا تو دور ہوں

لَا يُؤْمِنُونَ (٤٤) ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسٰى وَأَخَاهُ هٰرُونَ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُبِينٍ (٤٥)

وہ لوگ کہ ایمان نہیں لاتے پھر ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی آیتوں اور روشن سند کے ساتھ بھیجا

إِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا عَالِينَ (٤٦) فَقَالُوا أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ

فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف تو انہوں نے غرور کیا اور وہ لوگ غلبہ پائے ہوئے تھے تو بولے کیا ہم ایمان لے آئیں اپنے

marfat.ocm

مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ۝٤٧ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ۝٤٨ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا
جیسے دو آدمیوں پہ اور ان کی قوم ہماری بندگی کر رہی ہے تو انہوں نے ان دونوں کو جھٹلایا تو ہلاک کئے ہوؤں میں ہو گئے اور بیشک ہم نے
مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝٤٩ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ
موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی کہ ان کو ہدایت ہو اور ہم نے مریم اور اس کے بیٹے کو نشانی کیا اور انہیں ٹھکانا دیا ایک
اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ۝٥٠
بلند زمین جہاں بسنے کا مقام اور نگاہ کے سامنے بہتا پانی

(بقیہ ص)

نے فرمایا، قلنا لهم على لسان الرسول ان اعبدوا الله وحده۔ اس لیے کہ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اس کے سوا تمہارا اور کوئی معبود نہیں اس کا اعراب بیان ہو چکا اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ بحر العلوم میں ہے کہ دراصل عبارت یوں تھی: اتشرکون باللہ کیا تم اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہو۔ کیا تم شرک کر کے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے نہیں ہو؟ شرک کرنا اور تقویٰ نہ کرنا دونوں گناہ ہیں۔

(تفسیر آیات صفحہ گزشتہ)

تفسیر عالمانہ

وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا امام راغب نے فرمایا کہ الملأ بمعنے ایسی جماعت جو جب کسی رائے پر مجتمع ہو تو آنکھوں اور نفوس کو دلالت اور رونق سے بھرپور کر دے۔ یہاں پر نوح علیہ السلام کی کافر برادری کے لیڈر مراد ہیں اور انہیں کفر سے موصوف کرنے میں ان کی مذمت مطلوب ہے اور اس مضمون کو فا کے بجائے واؤ سے بیان کرنے میں اشارہ ہے کہ یہ کلام کلام رسول علیہ السلام سے متصل نہیں کیونکہ قولِ حق و قولِ باطل کا اجتماع محال ہے اور ان کے مابین بہت بڑا فرق ہے۔

ف: برہان القرآن میں لکھا ہے کہ اس آیت میں قومہ کو مقدم اور ماقبل والی آیت میں مؤخر لانے میں حکمت ہے وہ یہ کہ ماقبل والی آیت میں الذین کا صلہ فعل اور فاعلین کی ضمیر پر مقصور ہے پھر اس کے بعد جار و مجرور پھر فاعل و مفعول مذکور ہوا۔ یہاں پر یہ بات نہیں، اس لیے موصول کا صلہ فاعل و مفعول اور اس پر دوبارہ عطف ڈالنے سے طویل ہو گیا ہے اور جار و مجرور کو مقدم کرنے میں ضرورت ہے کہ اس طرح نہ کیا جاتا تو التباس پڑ جاتا اور اسے درمیان میں لانے سے بھی عبارت رکیک ہو جاتی بنا بریں اسے مقدم لانا مناسب ہوا۔ وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ

marfat.ocm

اور انہوں نے آخرت کی طرف رجوع کرنے اور اس میں اٹھنے اور جمع ہونے اور اس کے حساب اور ثواب و عقاب کا انکار کیا وَ اَتۡرَفۡنٰهُمۡ اور ہم نے انھیں نعمت سے نوازا اور ان کے معاملات میں وسعت پیدا فرمائی۔ یہ ترف فلان بمعنی توسع فی النعمۃ واترفتہ النعمۃ اطغتہ سے ہے فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا حیاۃ دنیا میں کثرتِ اموال و اولاد سے، پھر انہوں نے اپنے ماتحت لوگوں سے ہود علیہ السلام سے نفرت دلاتے ہوئے کہا مَا هٰذَاۤ نہیں ہیں ہود علیہ السلام اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ مگر تمہارے جیسے بشر یعنی صفات و احوال میں تمہارے جیسے ہیں یَاۡكُلُ مِمَّا تَاۡكُلُوۡنَ مِنۡهُ وَیَشۡرَبُ مِمَّا تَشۡرَبُوۡنَ ۙ جس سے تم کھاتے پیتے ہو اس سے وہ بھی کھاتا پیتا ہے۔ یہ تاکید ان کے اس دعویٰ کی ہے کہ یہ تمہارے جیسے بشر ہیں وَلَئِنۡ اَطَعۡتُمۡ بَشَرًا مِّثۡلَكُمۡ اگر تم مذکورہ بالا صفات و احوال والے بشر کی اطاعت کرو گے تو بخدا اِنَّكُمۡ اِذًا بے شک تم اس وقت (یعنی جب تم ان کی اطاعت کرو گے) لَّخٰسِرُوۡنَ ۙ خسارہ والے ہو گے یعنی تم بے عقل سمجھے جاؤ گے اور تم فکر و نظر کے لحاظ سے بالکل گرے ہوئے متصور ہو گے۔

حضرت کاشفی رحمہ اللہ نے اس کا ترجمہ لکھا کہ تم بڑا نقصان اٹھاؤ گے اگر تم نے اپنے جیسے بشر کی اطاعت کی۔

سبق: غور کیجئے کہ کفار و مشرکین نے انبیاء علیہم السلام کی اطاعت اور ان کی اتباع (جو سراسر سعادۃ دارین ہے) کو کیسے غلط انداز میں بیان کیا کہ اسے خسارہ اور نقصان سے تعبیر کیا اور بت پرستی جو سراسر نقصان اور گھاٹا ہے اس کے لیے نقصان و خسران کا تصور ہی نہیں رکھتے تھے۔ (اللہ تعالیٰ انھیں ذلیل کرے)

ترکیب: لفظ اِذًا اِنَّ کے اسم اور اس کی خبر کے درمیان واقع ہوا ہے حرف شرط کے مضمون کی تاکید کے لیے، اور جملہ قسم محذوف کا جواب ہے۔

ف: بعض فضلاء نے فرمایا کہ اذًا اسم ظرف مضاف ہے۔ اس کا مضاف الیہ محذوف ہے۔ یہی تنوین

لہ آج بھی ہم اہلسنّت کو وہابی نجدی، دیوبندی انبیاء علیہم السلام بالخصوص آقائے کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہی آیت سناتے ہیں۔ یعنی وہ نبی غذا میں تمہاری طرح محتاج ہے اگر وہ نبی ہوتا تو وہ ملائکہ کے صفات سے موصوف ہو کر نہ کھاتا نہ پیتا۔ ہم اہلسنّت انبیاء علیہم السلام کی بشریت کے منکر نہیں لیکن یہ کہتے ہیں کہ ان کی بشریت ہماری بشریت کی طرح خواہشاتِ نفسانی اور ضروریاتِ زندگانی میں ملوث نہیں بلکہ انھوں نے اپنی بشریت کا تزکیہ و تصفیہ کر کے اسے نورٌ علیٰ نور بنا دیا۔ اس معنے پر ہم ان کو نور اور ان کی بشریت کو نورانی بشریت سے تعبیر کرتے ہیں اور ان پر بشریت کے اطلاق سے اس لیے روکتے ہیں کہ یہ اطلاق ابلیس اور کفار و مشرکین کا تھا۔ قاعدہ ہے کہ گستاخ کی نقل قولی یا فعلی بھی گستاخی ہے۔ اس کی تفصیل فقیر اویسی کی کتاب نور و بشر دیکھیے۔ اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

اسی مضاف الیہ کا عوض ہے۔

ف والعیون میں ہے کہ اذا شرط محذوف کا جواب ہے۔ دراصل عبارت انکم ان اطعتموہ اذن لخاسرون تھی۔

اَیَعِدُکُمۡ کیا تمہیں یہ پیغمبر وعدہ دیتا ہے کہ اَنَّکُمۡ اِذَا مِتُّمۡ بکسر المیم از مَاتَ یَمَاتُ۔ اور بضم المیم بھی پڑھا گیا ہے از مَاتَ یَمُوۡتُ۔ یعنی بے شک تم مرجاؤ گے وَکُنۡتُمۡ اور ہو جاؤ گے تُرَابًا وَّ عِظَامًا مٹی اور ہڈیاں۔ یعنی تمہارے اجسام گوشت سے خالی ہو کر صرف بوسیدہ ہڈیاں رہ جائیں گے۔ یعنی تمہارے اجزأ جی کے بعض حصص گوشت تھے وہ مٹی ہو جائیں گے اور باقی ڈھانچہ بوسیدہ ہڈیاں بچ جائے گا۔ مٹی کی تقدیم اس لیے ہے کہ گوشت کا مٹی ہو جانا عقلاً محال ہے۔ لیکن مرنے کے بعد اس کیفیت کے بغیر اور کیا تصور ہو سکتا ہے یا اس کی تقدیم اس لیے کہ مرنے کے بعد تمہارا اگلا حصہ مٹی اور پچھلا حصہ ہڈیاں رہ جائے گا۔

فقیر (اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ تم پہلے ہڈیوں کی صورت میں پھر مٹی میں مل جاؤ گے۔ کیونکہ واؤ مطلق جمع کے لیے آتی ہے۔[1]

اَنَّکُمۡ یہ پہلے انکم کی تاکید ہے اور دوبارہ اس لیے لایا گیا ہے کہ اِنَّ اور اس کی خبر مُّخۡرَجُوۡنَ ۙ کے درمیان عبارت کا فاصلہ طویل ہو گیا ہے۔ مخرجون بمعنے قبور سے زندہ کر کے اٹھائے ہوئے۔ یعنی جیسے تمام عالم دنیا میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ ایسے ہی دوبارہ پھر تمہیں عالم آخرت میں زندہ اٹھایا جائے گا۔ ھَیۡہَاتَ ھَیۡہَاتَ یہ اسم فعل بمعنے بَعُدَ ہے اور بَعُدَ کی تاکید کے لیے مکرر لایا گیا ہے۔ یعنی اس کا وقوع بعید ہے لِمَا تُوۡعَدُوۡنَ ۙ جس کے لیے تم وعدہ دیے جا رہے ہو۔ یعنی مرنے کے بعد اٹھنا اور حساب و کتاب کے لیے جمع ہونا یہ ہرگز نہ ہوگا۔ یا اس کا معنیٰ ہے کہ بعید ہے جس کا تم وعدہ دئے جا رہے ہو۔ یہ لام مستبعد کے بیان کے لیے ہے گویا جب کلمۂ استبعاد کی آواز ان کے کان میں پڑی تو ان سے پوچھا گیا یہ استبعاد کیسا؟ جواب ملا یہ وہی ہے جس کے لیے تم کو وعدہ دیا جا رہا ہے اِنۡ ھِیَ اِن نافیہ ہے۔ نہیں ہے یہ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنۡیَا مگر ہماری دنیوی زندگی نَمُوۡتُ وَ نَحۡیَا جملہ متقدمہ کی تفسیر ہے۔ یعنی بعض مریں گے

---

[1] مٹی میں مل جانے والا عقیدہ وہابیوں نجدیوں دیوبندیوں کو نصیب ہوا ہے ان کے مولوی اسمٰعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان اور اس سے پہلے محمد بن عبدالوہاب نجدی نے نہ صرف عوام کے لیے بلکہ امام الانبیأ علیہ وعلیہم السلام پر تہمت باندھ کر ایک حدیث حضور علیہ السلام کی طرف منسوب کر دی کہ ایک دن میں مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں۔ حوالہ جات فقیر کی کتابوں "دیوبندی اور بریلوی فرق" اور "از ابلیس تا دیوبند" کا مطالعہ کیجئے۔ اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

اور بعض نئے پیدا ہوں گے یہاں تک کہ زمانہ کا دور ختم ہو جائے گا۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ ہمیں دو امر پہنچیں گے موت یا حیات۔ حیات سے ان کی مراد یہی دنیوی حیات تھی اور موت سے مراد اس کے بعد مرنا، اس کے بعد جی اُٹھنے کے قائل نہ تھے۔

وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝ اور ہم مرنے کے بعد نہیں اٹھائے جائیں گے۔ کفار کی یہ گفتگو حضرت ہود علیہ السلام کے ساتھ تھی اور مرنے کے بعد جی اُٹھنے کے عقیدے کو ہُود علیہ السلام کا ایک وہم و گمان سمجھتے تھے حالانکہ ان بیوقوفوں نے اتنا بھی نہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ پر اُن کا پیدا کرنا مشکل ہے نہ مارنا۔ بظاہر دیکھا جائے تو از سرِ نو پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے لیکن وہ قادر جب ہماری تخلیق پر قدرت رکھتا ہے تو مارنے کے بعد اٹھانا اس کے لیے کون سی مشکل بات ہے۔

اِنْ هُوَ نہیں وہ یعنی ہُود علیہ السلام اِلَّا رَجُلُ ۣافْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا مگر ایک ایسا مرد جو اللہ تعالیٰ پر بہتان تراشتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اور کہتا ہے کہ مرنے کے بعد اٹھنا ہوگا۔

حلِ لغات: امام راغب نے فرمایا کہ الفری بمعنے اصلاح وغیرہ کے لیے چمڑے کو کاٹنا۔ اور الافراء بمعنے الافساد۔ الافتراء دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن افساد کے معنے میں بکثرت استعمال ہوتا ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں کذب و شرک و ظلم کے لیے استعمال ہوا ہے۔

وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ اور جو کچھ ہُود علیہ السلام فرما رہے ہیں ہم ان کی کسی بات کی بھی تصدیق نہیں کرتے

قَالَ حضرت ہود علیہ السلام جب اُن سے ناامید ہوئے تو فرمایا رَبِّ انْصُرْنِيْ اے میرے رب! میری مدد فرما اور ان سے بدلہ لے، یعنی مجھے ان پر غلبہ عطا فرما اور مغلوب کر بِمَا كَذَّبُوْنِ ۝ انھیں ان کی تکذیب اور اس پر اصرار کی وجہ سے۔ قَالَ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کرتے ہوئے فرمایا عَمَّا قَلِيْلٍ بمعنے عن زمان قلیل ہے۔ اس کا ما زائدہ ہے جار و مجرور کے درمیان واقع ہوا ہے قلت کے معنے کی تائید کرتا ہے۔ یعنی ان کی زندگی کے چند لمحات باقی رہ گئے ہیں لَيُصْبِحُنَّ یہی تکذیب کرنے والے کافر ہو جائیں گے نٰدِمِيْنَ ۝ کفر و تکذیب پر ندامت کرنے والے۔ یہ اس وقت ہوگا جب وہ عذاب دیکھیں گے۔ اور ندامۃ بمعنے پشیمانی۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ۔ صیحۃ سے جبریل علیہ السلام کی وہ سخت گرج جسے سُن کر ان کے قلوب پھٹ گئے۔ پھر اسی وقت مر گئے۔ الصیحۃ بمعنے رفع الصوت۔

سوال: اس سے ثابت ہوتا ہے قصہ کے ابتداء میں قرن مذکور سے ثمود یعنی قوم صالح علیہ السلام مراد ہوگی۔ اس لیے کہ وہی صیحۃ سے تباہ و برباد ہوئی اور ہُود علیہ السلام کی قوم تو آندھی سے تباہ ہوئی تھی۔

جواب: پہلے انھیں سخت آندھی نے لپیٹا پھر وہ صیحہ سے مارے گئے اور یہ ہوتا رہتا ہے جیسے قوم لُوط علیہ السلام الٹنے اور صیحہ دونوں سے تباہ و برباد ہوئی۔

marfat.ocm

اعجوبہ مروی ہے کہ شداد بن عاد نے جب ارم کی عمارت مکمل کر لی تو اپنے اہل و عیال سمیت اس میں رہنے سہنے کے لیے آ رہا تھا تو راستے میں سخت آواز سے تباہ و برباد ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صیحہ سے عذاب و موت مراد ہے۔

جلالین میں اس کا ترجمہ صیحۃ العذاب لکھا ہے۔

بِالْحَقِّ یہ فاخذتھم کے متعلق ہے یعنی انھیں چنگھاڑ نے ایسے طریقے سے پکڑا جو طریقہ ثابت تھا، جسے کوئی شے دفع نہ کر سکی اور نہ دفع کر سکتی تھی۔

جلالین میں اس کا معنی بالامر من اللہ لکھا ہے۔

فَجَعَلْنٰهُمْ پس ہم نے انھیں کیا غُثَآءً سیلاب کے اس جھاگ وغیرہ کی طرح جو بیکار ہوتا ہے جسے کسی کام میں نہیں لگایا جاتا۔ در اصل غثاء سیلاب کے پانی کے اوپر والی اشیا جیسے جھاگ، پتے، لکڑیوں وغیرہ کو کہا جاتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

سال بہ الوادی لمن ھلک۔

یہ اس کے لیے بولتے ہیں جب وادی میں کوئی ڈوب کر مر جائے۔

کاشفی نے لکھا غثاء پانی کے وہ خاشاک جسے پانی اپنے اوپر اٹھائے۔ یعنی ہم نے انھیں ایسے ہی تباہ و برباد کر ڈالا جیسے سیلاب کے وہ خس و خاشاک جسے پانی سے باہر پھینکتے ہیں اور وہ سیاہ اور پرانے بیکار پڑے ہوتے ہیں۔

فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اس میں جملہ خبریہ کا بھی احتمال ہے اور ممکن ہے کہ یہ دعائیہ جملہ ہو۔ کاشفی نے اس کا ترجمہ لکھا کہ ظالموں کو رحمتِ پروردگار سے دوری ہو۔ بُعْدًا کا مصدر ہے بَعُدَ کا۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی ہلاک و برباد ہو جاتا ہے۔ اور یہ ان مصادر سے ہے جن کا ناصب اکثر و بیشتر ظاہر نہیں ہوتا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ انتہائی بعید ہوئے یعنی تباہ ہوئے۔ اور لام ان لوگوں کے بیان کے لیے ہے جن کے لیے بعداً کہا گیا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اہلِ دنیا جب بغاوت کرتے ہیں تو رسل کرام علیہم السلام پر طعن و تشنیع کرتے ہیں ؎

چو منعم کند سفلہ را روزگار
نہد بر دل تنگ درویش بار
چو بام بلند بود خود پرست
کند بول و خاشاک بر بام پست

marfat.ocm

ترجمہ: جب کسی کمینے کو اللہ تعالیٰ نعمتِ دنیوی سے نوازتا ہے تو وہ درویش کو تنگ کرتا ہے۔
جب کمینے کی دیوار اونچی ہو تو وہ نچلی چھت پر پیشاب کرتا اور گندگی پھینکتا ہے۔

اور اہلِ دُنیا ہمیشہ رسلِ کرام علیہم السلام کو پُرعیب بتلتے اور انھیں ایذا دیتے ہیں کیونکہ انھیں معلوم ہے کہ انبیاء عظام علیہم السلام اور اولیاءِ کرام وہی کھاتے ہیں جو اہلِ دنیا کھاتے ہیں۔ لیکن اُن کے اور اِن کے کھانے میں فرق ہے۔ اہلِ دُنیا شہوت کی آگ بجھانے کے لیے اور حد سے متجاوز ہو کر کھاتے ہیں اور اہل اللہ رضائے الٰہی کے لیے اور بقدرِ ضرورت کھاتے ہیں۔

حدیث شریف: المومن یاکل فی معی واحد والکافر یاکل فی سبعة امعاء۔ (مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے) ؎

لاجرم کافر خورد در ہفت بطن
دین و دل باریک و لاغر زفت بطن

ترجمہ: بیشک کافر سات پیٹوں میں کھاتا ہے اس لیے اس کا دین و دل ضعیف اور اس کا باطن لاغر ہے۔

بلکہ اہل اللہ کے لیے یُوں کہو کہ وہ دل کے منہ سے وہ کھاتے پیتے ہیں جو ان کا رب انہیں کھلاتا پلاتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں شب باشی کرتے ہیں۔

حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ آفندی قدس سرہٗ نے فرمایا:

کان علیہ السلام یبیت عند ربہ فیطعمہ ویسقیہ من تجلیاتہ المتنوعة وانما اکلہ فی الظاھر لاجل امتہ الضعیفة والافلا احتیاج لہ الی الاکل والشرب۔

(حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب تعالیٰ کے ہاں شب باشی فرماتے ہیں وہی ان کو مختلف تجلیات سے کھلاتا پلاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہری کھانا پینا امتِ ضعیفہ کی تعلیم کے لیے تھا ورنہ آپ کو کھانے پینے کی ضرورت نہ تھی)[1]

---

[1] ردِّ وہابیہ ونجدیہ — ہم اہلسنت کہتے ہیں کہ ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نورٌ علیٰ نور تھے۔ ان کا کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا غرضیکہ ہر ادا نور ہی نور تھی۔

مندرجہ ذیل اشعار عشق و محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی تصویر ہیں: ؎

(برصفحہ آیندہ)

وما روی من انہ کان یشد الحجر فھو لیس من الجوع بل من کمال لطافتہ لئلا یصعد الی الملکوت بل یستقر فی الملك للارشاد ۔

(بقیہ حاشیہ گذشتہ) اسم نور و جسم و جاں نور
ذکر نور و فکر نور عرفان نور
دست نور و پائے نور و قد نور
ولد نور و اب نور و جد نور
موئے نور و رشئے نور و خئے نور
بوئے نور و گوئے نور و شوئے نور
باز گویم آل نور و اصحاب نور
اکل نور شرب نور و خواب نور
اہل نور و بیت نور و بلد نور
جائیکہ آمد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کرد نور
راست گو اے آفتاب جملہ نور
از کجا طلے تو فرمودی ظہور

اعلیحضرت قدس سرہٗ نے فرمایا، ؎

تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور
تو ہی عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا
چاند جھک جاتا ہے جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں
کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا

باقی رہا آپ کا کھانا پینا و دیگر لوازماتِ بشریہ کا پورا کرنا صرف اور صرف امت کی تعلیم کے لیے تھا ۔ چنانچہ صدیوں پہلے اس کا فیصلہ اکابرینِ امت اپنی تصانیف میں کر گئے ۔ منجملہ ان کے اسی تفسیر (روح البیان ، ج ۶ ، ص ۴۳) میں ہے :

وانما اکلہ فی الظاھر لاجل امتہ الضعیفۃ والا فلا احتیاج لہ الی الاکل والشرب ۔

آپ کا ظاہری کھانا امتِ ضعیفہ کی تعلیم کے لیے تھا ورنہ آپ کو کھانے پینے کی ضرورت نہ تھی ۔

(باقی برصفحہ ۵۴

marfat.ocm

(اور وہ جو مروی ہے کہ آپ اپنے شکم مبارک پر پتھر باندھتے تھے وہ بھوک کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اس لیے تھا کہ جب آپ کی کمالِ لطافت کا تقاضا عالمِ ملکوت کی طرف پرواز کرنے کا ہوتا آپ اس کو روکنے کے لیے پتھر باندھتے تاکہ جسمِ اقدس عالمِ دُنیا میں رہے اور خلقِ خدا مستفیض ہو)

[**ف** : یہ جواب نہایت لطیف ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نوری جسم ملکوتی تھا اس لیے وہ دنیا میں رہنا گوارا نہیں کرتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ عالمِ ملکوت سے ہونے کے باوجود عالمِ دنیا میں رہے۔ یہ بھی آپ کا ایک بہت بڑا معجزہ ہے۔ اضافہ از اویسی غفرلہٗ]

ف : اللہ تعالیٰ نے کفار کو بُرے اوصاف سے موصوف فرمایا ہے مثلاً کفر بالخالق اور کفر بیوم القیٰمۃ اور حبِ دنیا میں منغمس ہونا۔ پھر ان پر ظلم کی بھی مُہر ثبت فرمائی اور واضح فرمایا کہ ان کی تباہی و بربادی ان کے ظلم کی وجہ سے ہوئی۔

سے

نماند ستمگار بد روزگار
بماند برو لعنت پائدار

ترجمہ : ظالم دنیا میں ہمیشہ نہیں رہتا، اس پر ہمیشہ کے لیے لعنت برستی رہتی ہے۔

ف : ظلم اہلِ شقاوت اور اہلِ بُعد و فراق کی عادات سے ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں خس و خاشاک سے بھی کمتر ہیں۔ چنانچہ (حدیثِ قدسی میں) کہا گیا ہے کہ وہ جہنم میں ہیں اور مجھے ان کی کوئی پروا نہیں۔

تفسیر عالمانہ

ثُمَّ اَنْشَاْنَا پھر ہم نے قرونِ مذکورہ کی تباہی و بربادی کے بعد پیدا فرمائے۔ ان سے قومِ عاد مراد ہے جیسا کہ مشہور تر قول ہم نے اوپر بیان کیا (**مِنْۢ بَعْدِهِمْ** ان کے بعد) **قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ** ؁ دوسرے اور قرون۔ مثلاً قومِ صالح و لوط و شعیب علیٰ نبینا و علیہم السلام وغیرہم۔ تاکہ قدرت کا اظہار ہو اور ہر اُمت کو معلوم ہو کہ اللہ کو ان کی اور تمہاری ضرورت نہ تھی۔ اگر انھوں نے یا کسی نے انبیاء و

(بقیہ حاشیہ ص ۔ ،

اس سے نتیجہ نکلا کہ بشریتِ انبیاءؑ ہماری طرح نہ تھی ان کی بشریت نوری تھی۔ ہم چونکہ اکل و شرب کے بغیر زندگی نہیں بسر کر سکتے اس لیے ماننا پڑا کہ ہماری بشریت خاکی ہے۔

سوال وہابی : اگر حضور علیہ السلام کو کھانے کی ضرورت نہ تھی تو پھر آپ بھوک سے پیٹ پر پتھر کیوں باندھتے تھے؟

جواب : ہمارے کہنے سے صدیوں پہلے اس سوال کا جواب صاحبِ روح البیان نے اپنی تفسیر جلد ۶ ص ۴۸ میں دے دیا۔ وضاحت کے لیے جلد ہذا کا صفحہ ۵۳ دیکھئے اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

رسل علیہم السلام کی اتباع اور ان کی دعوت قبول کی تو وہ بھی ان کا اپنا فائدہ تھا۔ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا مِن زائدہ استغراق کے لیے ہے یعنی ہر وُہ اُمت جو ہلاک اور برباد ہوتی ہے وُہ اپنے مقررہ وقت سے پہلے تباہ و برباد نہیں ہوتی وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۝ اور نہ ہی گھڑی بھر پہلے ہلاک ہوتی ہے بلکہ عین اسی وقت تباہ و برباد ہوتی ہے جب اس کی تباہی کا مقرر کردہ وقت آ پہنچے۔ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا اس کا عطف انشأنا پر ہے لیکن اس کے یہ معنے نہیں کہ ارسال جمیع قرونِ مذکورہ سے متاخر ہے بلکہ یہ معنٰی ہے کہ ارسال ہر رسول انشا قرن مخصوص سے بعد ہے۔ گویا یُوں کہا گیا ہے کہ ہم نے قرونِ آخرین کے بعد قرن پیدا کئے اور ان کے ہاں ان کا رسول مخصوص بھیجا تَتْرَا ۔ یہ متواترة کا مصدر ہے بمعنے التعاقب، بمعنے حال واقع ہے بمعنے متواترین واحد بعد واحد یعنے یکے بعد دیگرے۔

ف: الارشاد وغیرہ میں ہے کہ یہ الوتر سے ہے بمعنے الفرد۔ اور پہلی تاء واؤ سے بدل کر آئی ہے اور الف تانیث ہے اس لیے کہ رسل بتاویل جماعت کے ہے۔

كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا جب اُمت کے ہاں ان کا رسول مخصوص معجزات لے کر تبلیغ کے لیے تشریف لایا كَذَّبُوْهُ تو انھوں نے اسے کذب کی طرف منسوب کیا یعنی ان کے اکثر نے رسول علیہ السلام کی تکذیب کی۔ اکثر کی قید ہم نے دوسری آیت ولقد ضل قبلهم اکثر الاولین سے سمجھی ہے (کذا فی بحر العلوم) حضرت کاشفی نے لکھا کہ انھوں نے رسول علیہ السلام کی تکذیب کی اور جو کچھ رسول علیہ السلام نے انھیں توحید و نبوت و بعث و نشر و حشر کی تبلیغ کی اسے انھوں نے جھوٹ سمجھا اور عاداتِ ناپسندیدہ اور اپنے آباء کی تقلید میں تصدیق سے محروم ہوئے۔ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بعضا یعنی ہم نے کافروں کو یکے بعد دیگرے تباہ و برباد کیا اس لئے کہ وہ کفر اور معاصی و جرائم کے اسباب مثلاً کفر و تکذیب میں ایک دوسرے کے تابع تھے۔ حضرت کاشفی نے لکھا کہ ہم نے ان میں سے کسی کو بھی مہلت نہ دی پچھلوں کو پہلے لوگوں کی طرح تبلہ و برباد کر ڈالا وَجَعَلْنٰهُمْ اور ہم نے ان کو تباہ و برباد کرنے کے بعد ان کی بنا دیں اَحَادِيْثَ ج کہانیاں بعد والوں کے لیے، یعنی جب نہ وہ خود رہے اور نہ ان کے نشانات تو صرف ان کی کہانیاں رہ گئیں جنھیں بعد والے ایک دوسرے کو سناتے اور ان سے تعجب کرتے اور عبرت حاصل کرنے والے عبرت پکڑتے یعنی اہل سعادت کو ان کہانیوں سے عبرت حاصل ہوتی۔

ف: احادیث' حدیث یا احدوثہ کی جمع ہے۔ یعنی وہ بات جو لہو و لعب یا تعجب کے طور پر بیان کی جائے۔ یہاں پر یہی مراد ہے۔ جیسے اعاجیب' اعجوبہ کی جمع ہے۔ یعنی وُہ شے کہ جس سے تعجب کیا جائے۔ حضرت کاشفی نے لکھا کہ ہم نے ان کی کہانیوں کو لوگوں کے لیے ایک مثال بنا دیا تاکہ وہ ان کے عذاب کو یاد کر کے دوسروں کو

marfat.ocm

مثال دے کر سمجھائیں۔ خلاصہ یہ کہ ان لوگوں کی صرف کہانیاں ہی باقی رہ گئی ہیں جنھیں لوگ افسانے کے طور پر بیان کرتے ہیں اگر ان سے کوئی نیکی کی یادگار ہوتی تو لوگ انھیں اسی رنگ میں یاد کرتے۔ کسی بزرگ نے فرمایا: ؎

تفنی دتبق عنك احدوثة
فاجهد بان تحسن احدوثتك

اس کا ترجمہ فارسی میں بیان کیا گیا ہے: ؎

پس از تو این ہمہ افسانہا کہ می خوانند
دراں بکوش کہ نیکو بماند افسانہ

ترجمہ: تیرے بعد تیری باتیں افسانہ بن کر رہیں گی، نیکی کی کوشش کر تاکہ تیرا نام نیکی سے یاد کیا جائے۔

شرح بیت عربی فقیر (حقی) کہتا ہے کہ شعر میں احدوثۃ کو خیر و شر دونوں کے لیے استعمال کیا گیا ہے لیکن یہ اخفش کی تحقیق کے خلاف ہے انہوں نے فرمایا کہ احدوثۃ خیر میں استعمال نہیں ہوتا۔ چنانچہ قرآن مجید میں جعلنٰھم احادیث میں لفظ حدیث خیر کے لیے استعمال ہوا ہے۔ ممکن ہے شاعر احدوثۃ کو خیر کے معنے میں مشاکلۃ کی وجہ سے لایا ہو۔

فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری ہو اس گروہ کو جو انبیاء علیہم السلام کی تصدیق نہیں کرتے۔ اکثر اہلِ تفاسیر نے لکھا کہ بعداً فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے کہ دراصل بعدوا بعدا بمعنے اھلکوا یعنی وہ تباہ و برباد ہوئے۔ اور لام ان لوگوں کے بیان کے لیے ہے جن کے لیے لفظ بُعداً کہا گیا۔

نکتہ: اسے نکرہ اس لیے لایا گیا کہ قرون مذکورہ نکرہ ہیں اور القوم الظّٰلمین کو معرفہ اس لیے لایا گیا کہ اس سے قبل جن لوگوں کا ذکر تھا وہ معرفہ تھے۔ چنانچہ اس کی تفصیل ہم نے وہاں لکھی ہے۔

مسئلہ: آیت میں اشارہ ہے کہ بے ایمانی تباہی و ہلاکت اور عذابِ الٰہی کا سبب ہے اور جہنم میں داخلے کا ٹکٹ۔ جیسے ایمان و اسلام اور تصدیقِ انبیاء علیہم السلام نجات اور دائمی نعمتوں کے حصول کا موجب اور بہشت کے داخلے کی سند۔

حکایت حضرت یعقوب علیہ السلام کو جب قاصد نے حضرت یوسف علیہ السلام کے عالی مرتبے پر فائز ہونے کی خوشخبری سنائی تو آپ نے اس سے پوچھا کہ وہ کس دین پر ہیں؟ قاصد نے عرض کی کہ وہ دینِ اسلام پر ہیں۔ یہ سن کر حضرت یعقوب علیہ السلام خوش ہوئے اور فرمایا الحمد للہ اب یعقوب و آلِ یعقوب پر نعمت کا اتمام ہوا۔

marfat.ocm

اس لیے کہ ایمان جملہ نعمتوں کا سرتاج ہے یہ نہ ہو تو پھر جملہ نعمتیں نہ ہونے کے برابر۔ اور جب یہ نصیب ہو تو سمجھو کہ جملہ نعمتیں نصیب ہو گئیں۔

حکایت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا، کیا آپ نے اپنے رب تعالیٰ کو دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا، ہم بغیر دیکھے اس کی عبادت نہیں کرتے۔ سائل نے کہا، وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا، اگرچہ ہم اسے ان ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے لیکن حقائقِ ایمان کے ذریعے اسے قلب سے دیکھتے ہیں۔

ف: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

جس نے اللہ کو پہچانا وہ جلیل الشان ہوا اور جس نے نفس کو دیکھا وہ ذلیل ہوا، وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا عرفان عزت بخشتا ہے اور نفس سے ذلت حاصل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کفار و دیگر اہلِ ظلم نے اپنے نفوس کو برگزیدہ سمجھا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذلت کا نشانہ بن کر تباہ و برباد ہوئے۔ اور اہلِ ایمان و دیگر اہلِ سعادت نے اپنے نفوس کو ذلیل سمجھا تو انھیں قربِ حق نصیب ہوا اور ہلاکت و تباہی سے بچ گئے۔ یاد رہے کہ تمام تنزلات جہل کی وجہ سے نصیب ہوتے ہیں ؎

رونقِ کارِ خساں کاسد شود
ہچو میوۂ تازہ زو فاسد شود

ترجمہ: کمینوں کی رونق گھٹ جاتی ہے جیسے میوۂ تازہ کسی وجہ سے خراب ہو جاتا ہے۔

سبق: عاقل وہ ہے جو اللہ والوں کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتا ہے اس لیے کہ ان کی نیازمندی سے عرفان اور شہودِ حق نصیب ہوتا ہے ؎

کے رسانند آں امانت را بتو
تا نباشی پیششاں راکع دوتو

ترجمہ: وہ امانت تجھے کب نصیب ہو سکتی ہے جب تک اللہ والوں کی نیازمندی تجھے نصیب نہ ہو۔

اے اللہ! ہمیں عناد سے بچا اور اپنے محبوبوں کی نیازمندی نصیب فرما۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی وَ اَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰیٰتِنَا پھر ہم نے موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو معجزات دے کر بھیجا وہ معجزات نو عدد مشہور ہیں:

(۱) ید بیضا (۲) عصا
(۳) طوفان (۴) ٹڈی
(۵) جوئیں (۶) مینڈک

marfat.ocm

(۷) خون (۸) نقص ثمرات

(۹) طاعون

سوال : دریا کا چر جانا بھی تو معجزہ تھا اس کا ذکر کیوں نہیں کیا جاتا ہے ؛

جواب : چونکہ یہاں پر تکذیب کا ذکر مقصود ہے اور فرعونیوں نے ان مذکورہ بالا نو معجزات کو ٹھکرایا اس لیے ان کا ذکر کیا جاتا ہے ۔

وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۙ وہ حجتِ واضحہ جو مخالف کو لاجواب کر دے ، اس سے ید بیضا مراد ہے ۔ اسے علٰحدہ ذکر کرنے میں باقی معجزات پر اسس کی شرافت کا اظہار مطلوب ہے یا اس سے بھی وہی نو معجزات مراد ہیں عطف تفسیری ہے ۔ انھیں دو علٰحدہ عنوانوں سے بیان کیا گیا ان کے تغایرِ ذاتی کی وجہ سے انھیں الگ الگ اقسام سے ظاہر کیا گیا ہے اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَاۡئِهٖ مَلَائِہٖ سے قبطیوں کے لیڈر مراد ہیں اور ان کی تخصیص اس لیے ہے کہ بنو اسرائیل کے آراء اُن سے متعلق تھے ان کے چھوٹے لوگوں کی آراء کی کوئی وقعت نہ تھی اس لیے رسل کرام علیہم السلام کا واسطہ انہی بڑوں سے تھا فَاسْتَكْبَرُوْا ایمان اور متابعت سے انکار کرکے تکبر کیا ۔ سب سے بڑا تکبر یہی ہے کہ بندے رب تعالیٰ کے آیات اور ان کے رسل کا انکار کریں باوجودیکہ ان کے سامنے واضح دلائل موجود ہوں اور ہر طرح کے شکوک و شبہات کے ازالے کے اسباب پائے جائیں تب بھی رب تعالیٰ اور اسس کے رسل کرام کے ارشادات کا انکار کریں وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ۚ اور سخت متکبر لوگ کبر سے حد سے تجاوز کرنے والے تھے یعنی وہ ایسے لوگ تھے کہ تکبر و تمرد ان کی عادت ثانوی بن گیا تھا فَقَالُوْٓا اس کا عطف التکبر وا پر ہے ۔ ان کے مابین جملہ معترضہ تھا اور یہ قول ان کے تکبر کی تاکید کرنے والا ہے ۔

اَنُؤْمِنُ ہمزہ انکاری ہے ۔ یعنی ہم ایمان نہیں لائیں گے اور نہ ہی ہماری شان میں ہے کہ ہم تصدیق کریں لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا اپنے جیسے دو بشروں کی ، بشرین تثنیہ کی صفت مثل واحد بایں معنٰی ہے کہ مثل مصدر ہے اور مصدر عام واقع ہوتا ہے یعنی واحد کے لیے واحد تثنیہ کے لیے تثنیہ جمع کے لیے جمع ، مذکر کے لیے مذکر ، مونث کے لیے مؤنث وَقَوْمُهُمَا اس سے بنی اسرائیل مراد ہیں لَنَا اس کا متعلق عٰبِدُوْنَ ۚ ہے ۔ یہ جملہ نؤمن سے حال ہے یعنی بنی اسرائیل جو کہ موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی قوم ہے وہ ہمارے فرمانبردار اور خادم ہیں جیسے عبد اپنے معبود کے تابع حکم ہوتا ہے ایسے وہ ہمارے لیے ہے ۔ اس سے پیغمبروں کی خفت و تحقیر مطلوب ہے پہلے اُنھوں نے موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو اپنے جیسا بشر کہہ کر انھیں منصبِ رسالت سے گھٹایا ۔ پھر یہ دوسرا طعنہ بھی اسی مقصد سے تھا ۔

ف : حضرت کاشفی نے لکھا کہ تمام قوم فرعون کی پرستش کرتی تھی اور وہ خود ایک بُت یا گوسالہ کو پُوجتا تھا ۔

marfat.ocm

ایسے ہی بعض تفاسیر میں ہے۔ اس معنے پر بنو اسرائیل کو عابد کہنا اپنے حقیقی معنے پر ہوگا فَكَذَّبُوْهُمَا فرعونی موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی تکذیب پر ڈٹ گئے یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام ان کی ہدایت سے مایوس ہو گئے فَكَانُوْا پس فرعونی ہو گئے مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ۝ بحرالقلزم میں ڈوب کر تباہ و برباد ہونے والے وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى فرعونیوں کی تباہی و بربادی اور بنی اسرائیل کی نجات کے بعد ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو عنایت فرمائی الْكِتٰبَ توراۃ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝ تاکہ وہ بنی اسرائیل اس کے احکام و شرائع پر عمل کر کے طریقِ حق کی ہدایت حاصل کر سکیں وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً اور ہم نے ابنِ مریم یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو بنایا اپنی عظیم قدرت کی دلیل، کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ یہ درحقیقت ایک امر ہے لیکن بظاہر اسے دونوں کی طرف منسوب کر دیا۔ یا یُوں کہو کہ عیسیٰ علیہ السلام ایک علیحدہ آیت تھے کہ انہوں نے بچپن میں کلام فرمائی، پھر مُردوں کو زندہ کیا۔ اور بی بی مریم دُوسری آیت کہ بغیر شوہر کے بچّہ جنا۔ یہاں پر آیۃ کو محذوف ماننا پڑے گا جبکہ اس پر آیۃً آخر میں ذکر کرنے کو قرینہ بنایا جائے۔

ف : العیون میں ہے کہ یہاں پر اٰیۃ بمعنے عبرت ہے یعنی عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ بنی اسرائیل کے لیے موسیٰ علیہ السلام کے بعد عبرت کا موجب تھے کیونکہ وہ مہد میں کلام فرماتے اور انہوں نے مُردوں کو زندہ کیا۔ اور ان کی والدہ نے بغیر شوہر کے بچّہ جنا۔ اس معنے پر دونوں مستقل اور الگ الگ آیتیں ہیں لیکن ایک ذکر پر اکتفا کیا گیا، اور یہ عام ہے کہ دو کے بجائے ایک کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

ف : یہاں پر عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر کی تقدیم دلالت کرتی ہے کہ وہ مستقل آیۃ تھے جیسے دُوسرے مقام پہ ان کی والدہ کے ذکر کی تقدیم ہے کما قال :

وجعلناها وابنها اٰية للعالمين۔

اس میں بھی یہی مطلوب ہے کہ بی بی مریم بھی مستقل آیۃ ہیں بایں معنیٰ کہ وہ پاکدامن تھیں اور شوہر کے بغیر بچّہ جنا۔

روایت مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن صبح کی نماز پڑھائی جونہی اس مضمون پر پہنچے، بے ساختہ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلے۔ آپ نے رکوع کیا اور آگے نہ پڑھ سکے (بوجہ قدرتِ ایزدی کی ہیبت کے)

وَاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ اور ہم نے ان دونوں ماں بیٹے کو جگہ دی ایک بلند ترین جگہ کی طرف یہ اس وقت ہے جب عیسیٰ علیہ السلام یہود کے خطرہ سے اپنے مسکن سے فرار فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں بیت المقدس کی اسی بہتر جگہ پر رہنے سہنے کا موقعہ بخشا۔ یعنی ہم نے انھیں زمین کے بلند ترین مقام پر انھیں ٹھہرنے کا موقعہ بخشا، اور یہ بیت المقدس کے مقام ایلیاد کی طرف اشارہ ہے اس لیے زمین کا بلند ترین مقام یہی ہے[1]۔ اسی کو

---

[1] اس سے مرزا قادیانی کا رد ہو گیا جبکہ اس نے کہا کہ اس سے کشمیر کے علاقے کا سرینگر شہر مراد ہے۔ تفصیل فقیر اویسی کے رسالہ

زمین کا جگر کہا جاتا ہے اور یہاں سے آسمان کی اونچائی صرف اٹھارہ میل ہے بروایت کعب، واللہ اعلم۔

ف: امام سہیلی نے فرمایا کہ بی بی مریم اپنے صاحبزادہ عیسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں بستی ناصرہ (جو دمشق میں واقع ہے) میں لے آئیں۔ اسی معنی پر نصاریٰ (عیسائی) اپنے آپ کو اسی نام سے موسوم کرتے ہیں گویا نصاریٰ اسی ناصرہ سے مشتق ہے۔

ف: حضرت کاشفی نے لکھا کہ بی بی مریم اپنے چچازاد یوسف بن ماتان اور اپنے صاحبزادے عیسیٰ علیہ السلام کو لے کر اسی بستی میں تشریف لائیں اور عیسیٰ علیہ السلام کی بسر اوقات والدہ کے چرخہ کاتنے پر تھی کیونکہ بی بی صاحبہ سوت کات کر بیچتی تھیں۔ یہاں وہ بارہ سال رہے۔

ف: اس روایت سے معلوم ہوا کہ کپاس کے تاگے اور کتان کا کاروبار نیک لوگوں کا طریقہ ہے اور یہ ریشم کے کاروبار سے افضل ہے۔ اہلِ بروسہ کو عبرت چاہیے کہ وہ ریشم کے کاروبار میں زندگی ضائع کر رہے ہیں کیونکہ ریشم اہلِ دنیا کی زینت ہے اور اس سے اہلِ دنیا کو فخر و ناز ہے۔

ذَاتِ قَرَارٍ وہ زمین صاحبِ قرار ہے۔ یعنی وہاں پہ لوگ قرار پکڑتے ہیں کیونکہ وہاں کھلی فضا ہے لوگ آرام سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ وہ ذات قرار بایں معنی ہے کہ وہاں کھیت اور باغات بکثرت ہیں اس لیے لوگوں کو وہاں سکون اور قرار نصیب ہوتا ہے۔

حل لغات: اہلِ لغت کہتے ہیں:

قرّ فی المکان یقر قرارًا بمعنٰے ثبت ثبوتا۔ اس کا اصل القر بمعنٰے البرد ہے۔ اس لیے کہ سردی سکون کو چاہتی ہے اور الحر (گرمی) حرارت کو۔

وَمَعِيْنٍ ؏ اور چشموں والی۔ بروزن فعیل، از معن الماء بمعنٰے جری الماء۔ بعض نے کہا کہ یہ عین سے ہے۔ اس کا میم زاید ہے۔ اور پانی جاری کو معین سے اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ اس سے پانی جاری ہوتا ہے اور وہ زمین بھی اس وصف سے اس لیے موصوف ہوئی کہ اس میں چشمے بکثرت تھے کہ بلا تکلیف کھیتی باڑی اور جانوروں کو پانی حاصل ہوتا تھا اور اس کی آب و ہوا خوشگوار تھی اور اسی پانی جاری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بہشت کے باغات سے موصوف فرمایا ہے کہ پانی سے ہی بہار ہے اور اسی سے ہی جگہ خوش منظر ہوتی ہے۔

حدیث شریف المقاصد الحسنہ میں ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن کو دیکھ کر آنکھوں کی روشنی میں اضافہ ہوتا ہے:

۱۔ سبزی

۲۔ پانی جاری

۳۔ حسین چہرہ۔ لیکن جس چہرے کو دیکھنا شرعاً جائز ہو، ورنہ حسین چہرہ والے بے ریش لڑکے

(بر صفحہ ۹۲

marfat.ocm

يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا

اے پیغمبرو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اچھا کام کرو

اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ (51) وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ (52)

میں تمہارے کاموں کو جانتا ہوں اور بے شک یہ تمہارا دین ایک ہی دین ہے اور میں تمہارا رب ہوں تو مجھ سے ڈرو

فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ زُبُرًا كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ (53) فَذَرْهُمْ فِیْ

تو ان کی امتوں نے اپنا کام آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر لیا ہر گروہ جو اس کے پاس ہے اس پر خوش ہے تو تم ان کو چھوڑ دو ان

غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِیْنٍ (54) اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِیْنَ (55) نُسَارِعُ لَهُمْ

کے نشہ میں ایک وقت تک کیا یہ خیال کر رہے ہیں کہ وہ جو ہم ان کی مدد کر رہے ہیں مال اور بیٹوں سے یہ جلد جلد ان

فِی الْخَیْرٰتِ بَلْ لَّا یَشْعُرُوْنَ (56) اِنَّ الَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ خَشْیَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ (57)

کو بھلائیاں دیتے ہیں بلکہ انہیں خبر نہیں بے شک وہ جو اپنے رب کے ڈر سے سہمے ہوئے ہیں

وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ (58) وَالَّذِیْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا یُشْرِكُوْنَ (59) وَ

اور وہ جو اپنے رب کی آیتوں پر ایمان لاتے ہیں اور وہ جو اپنے رب کا کوئی شریک نہیں کرتے اور

الَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَاۤ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ (60) اُولٰٓىٕكَ یُسٰرِعُوْنَ

وہ جو دیتے ہیں جو کچھ دیں اور ان کے دل ڈر رہے ہیں یوں کہ ان کو اپنے رب کی طرف پھرنا ہے یہ لوگ بھلائیوں میں

فِی الْخَیْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ (61) وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَیْنَا كِتٰبٌ

جلدی کرتے ہیں اور یہی سب سے پہلے انہیں پہنچے اور ہم کسی جان پر بوجھ نہیں رکھتے مگر اس کی طاقت بھر اور ہمارے پاس

یَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ (62) بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِیْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ

ایک کتاب ہے کہ حق بولتی ہے اور ان پر ظلم نہ ہوگا بلکہ ان کے دل اس سے غفلت میں ہیں اور ان کے کام ان کاموں

اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ (63) حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِیْهِمْ بِالْعَذَابِ

سے جدا ہیں جنہیں وہ کر رہے ہیں یہاں تک کہ جب ہم نے ان کے امیروں کو عذاب میں پکڑا

اِذَا هُمْ یَجْـَٔرُوْنَ (64) لَا تَجْـَٔرُوا الْیَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ (65) قَدْ كَانَتْ

تو جبھی وہ فریاد کرنے لگے آج فریاد نہ کرو ہماری طرف سے تمہاری مدد نہ ہوگی بیشک میری آیتیں

اٰیٰتِیْ تُتْلٰى عَلَیْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ (66) مُسْتَكْبِرِیْنَ بِهٖ

تم پر پڑھی جاتی تھیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل الٹے پلٹتے تھے خدمت حرم پر بڑائی مارتے ہو رات

سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ (67) اَفَلَمْ یَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ یَاْتِ اٰبَآءَهُمُ

کو وہاں بیہودہ کہانیاں بکتے حق کو چھوڑے ہوئے کیا انہوں نے بات کو سوچا نہیں یا ان کے پاس وہ آیا جو ان کے باپ

الْاَوَّلِيْنَ ۝٦٨ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝٦٩ اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ
دادا کے پاس نہ آیا تھا یا انہوں نے اپنے رسول کو نہ پہچانا تو وہ اسے بیگانہ سمجھ رہے ہیں یا کہتے ہیں اسے سودا ہے
بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ۝٧٠ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ
بلکہ وہ تو ان کے پاس حق لائے اور ان میں اکثر کو حق برا لگتا ہے اور اگر حق ان کی خواہشوں کی پیروی کرتا تو ضرور
لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ
آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہیں سب تباہ ہو جاتے بلکہ ہم تو ان کے پاس وہ چیز لائے جس میں ان کی ناموری تھی
فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝٧١ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ
تو وہ اپنی عزت سے ہی منہ پھیرے ہوئے ہیں کیا تم ان سے کچھ اجرت مانگتے ہو تو تمہارے رب کا اجر سب سے بھلا اور وہ
الربع
وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝٧٢ وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝٧٣ وَاِنَّ
سب سے بہتر روزی دینے والا اور بے شک تم انہیں سیدھی راہ کی طرف بلاتے ہو اور بے شک جو
الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ۝٧٤ وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا
آخرت پر ایمان نہیں لاتے ضرور سیدھی راہ سے کترائے ہوئے ہیں اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور جو مصیبت
مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝٧٥ وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ
ان پر پڑی ہے ٹال دیں تو ضرور ہٹ بنا کریں گے اپنی سرکشی میں بہکتے ہوئے اور بے شک ہم نے انہیں عذاب
فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ۝٧٦ حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا
میں پکڑا تو نہ وہ اپنے رب کے حضور میں جھکے اور نہ گڑگڑاتے ہیں یہاں تک کہ جب ہم نے ان پر کھولا کسی سخت
ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ۝٧٧ ع
عذاب کا دروازہ تو وہ اب اس میں ناامید پڑے ہیں

بقیہ ص ٦٩

اور عورت کو دیکھنا ممنوع ہے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے اس شخص کے لیے فرمایا جو نقش کو دیکھ کر نقاش کا تصور کرتا ہے ؎

چو طفل یک روزہ ہوشش نبرد
کہ در صنع دیدن چہ بالغ چہ خرد

marfat.ocm

محتق ہی بیند اندر ابل
کو در خوب رویان چین و چگل

ترجمہ: اس خام عاشق کا دل نوزائیدہ بچے نے کیوں نہ چھینا، اس لیے اللہ تعالیٰ کی صفت جیسے نوجوان میں ہے ایسے ہی بچے میں۔ محقق اونٹ میں وہی دیکھتا ہے جو محبوبانِ چین و چگل میں دیکھتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ وجعلنا ابن مریم و امہ ابنِ مریم میں روح کی طرف اشارہ ہے کہ وہ امر کُن سے بلاواسطہ پیدا ہوئی اور رُوح کے لیے باپ عالم اسباب کا کوئی سبب ہے اور یہ روح اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی آیات میں سے ایک ہے کیونکہ یہ ذات حق تعالیٰ پر دلالت کرتی ہے اور اس کی معرفت پر بھی یہ اعلیٰ دلیل ہے کیونکہ یہ اسی کا خلیفہ اور اس کی رُوح ہے واوینٰھما الی ربوۃ اس میں ربوہ سے قالب (جسم) مراد ہے کیونکہ قالب روح کا ماویٰ ہے بایں معنیٰ کہ اس میں آتے ہی روح اوامر کا مامور اور مناہی سے بچنے کا پابند ہوا ذات قرار ومعین قرار ومعین دونوں روح کی منزل وماویٰ ہیں کیونکہ جسم جب تک باقی ہے رُوح کی قرارگاہ اور ماویٰ ہے اور وہ جسم روح کا ماویٰ ومنزل بایں معنیٰ ہے کہ جب تک روح جسم میں ہے اس وقت تک اس سے تکالیف شرعیہ ساقط نہیں ہوتے اور معین سے حکمت کا وہ چشمہ مراد ہے جو قلب سے زبان پر جاری ہوتا ہے۔

یا معین! ہمیں اہلِ معین سے بنا۔

(تفسیرِ آیات صفحہ ۶۲

تفسیر عالمانہ یٰٓاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ یہ خطاب ہر رسول علیہ السلام کو ہے لیکن بیک وقت نہیں کیونکہ ان کا تشریف لانا مختلف زمانوں میں ہوا بلکہ اس کا خطاب انھیں اس وقت ہوتا رہا جب وہ اپنے زمانے میں تشریف لاتے رہے اور یہ خطاب اس لیے ظاہر کیا گیا تاکہ سامع کو معلوم ہو کہ اکلِ حلال کا حکم ہر زمانے میں رہا اور ہر نبی علیہ السلام اور ان کی اُمت کو اس کی پابندی کا حکم کیا گیا اس لیے ہر سامع پر اس کی پابندی لازمی اور ضروری ہے۔ اس تقریر پر گویا عبارت یوں تھی:

قلنا لکل رسول کل من الطیبات واعمل صالحا۔

اس معنے پر انھیں جو مختلف زمانوں میں حکم ہوتا رہا انھیں یکجا کر کے یوں کہا گیا یایھا الرسل الخ۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے صرف اور صرف ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں کیونکہ اہلِ عرب کا طریقہ ہے کہ مخاطب کی تعظیم کے پیشِ نظر واحد کے صیغہ کے بجائے جمع کا صیغہ لایا جاتا ہے۔ اس سے ثابت

marfat.ocm

ہوتا ہے کہ جتنے فضائل کمالات ان جملہ رسل میں تھے وہ سب کے سب ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود تھے۔

ع وقد جمع الرحمٰن فيك لمعا جزا

(اسے یوں ادا کیا گیا :) ع

آنکہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ف : الطیبات وہ اشیاء ماکل ومشارب وفواکہ جن سے لذت وغیرہ حاصل کی جائے۔

وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اور نیک عمل کرو کیونکہ تمہاری تخلیق کا اصل مقصد یہی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں تیرے لئے یہی نافع ہے۔ یہ امر وجوب ہے اور پہلا اباحت کا۔

جاہل صوفیوں کا رد

اس سے ان جاہل صوفیوں کا رد ہو گیا وہ کہتے ہیں کہ انسان جب عشق ومحبتِ الٰہی میں کمال کو پہنچ جائے اور اس کا دل صاف وشفاف ہو جائے اور اس کے ایمان کو کفر پر غلبہ ہو تو اسے نیک عمل کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ تمام عباداتِ ظاہرہ اس سے ساقط ہو جاتی ہیں اس کے ذمہ صرف ایک عبادت ہوتی ہے وہ ہے تفکر یعنی آیاتِ الٰہی میں غور وفکر کرنا۔ یہ صریح کفر اور مکمل گمراہی ہے اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام سے بڑھ کر عاشقِ خدا اور محبِ کبریا اور کون ہو سکتا ہے بالخصوص امامِ رسل ہادیِ سبل حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم۔ لیکن باوجود اینہمہ ان سے اعمالِ صالحہ اور عبادات کی تکلیف ساقط نہ ہوئی بلکہ وہ خود ان کی ادائیگی میں نہ صرف پیش پیش بلکہ مکمل ترین تھے۔

اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بیشک تمہارے اعمال ظاہری وباطنی سے عَلِیْمٌ ۝ باخبر ہوں، اس لیے میں تمہیں ان کی جزا دوں گا۔

ف : اس میں رہبانیت کا رد ہے کہ وہ لوگ متلذذ ومتطیب اشیاء کا استعمال حرام سمجھتے ہیں۔ بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ دین میں اکلِ طیبات ہے ہی نہیں۔

نکتہ : عمل صالح کو اکلِ حلال کے بعد ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ عمل صالح وہی مقبول ومنظور ہے جو اکل حلال سے ہو۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

١ علم وحکمت زاید از لقمۂ حلال
عشق ورقت آید از لقمۂ حلال

٢ چوں ز لقمہ تو حسد بینی ودام
جہل وغفلت زاید آں را داں حرام

٣ ہیچ گندم کاری وجو بر دھد
دیدۂ اسپی کہ کرۂ خر دھد

marfat.ocm

۴ لقمہ تخمست و برش اندیشہا
لقمہ بحر و گوہرش اندیشہا

۵ زاید از لقمۂ حلال اندر دہان
میل خدمت عزم رفتن آں جہان

ترجمہ: (۱) حلال لقمے سے عقل و حکمت پیدا ہوتی ہے عشق و رقت بھی عشق سے پیدا ہوتی ہے۔

(۲) جب لقمے سے حسد و غلطیاں اور جہالت و غفلت پیدا ہوں تو سمجھنا وہ لقمہ حرام ہے۔

(۳) گندم بونے سے جَو پیدا نہیں ہوتے، کبھی تم نے گھوڑی کو گدھا پیدا کرتے دیکھا ہے!

(۴) لقمہ بیج ہے اس کا پھل غور و فکر، لقمہ دریا ہے اس کے موتی اچھے خیالات۔

(۵) حلال لقمے سے عزمِ خدمت کا میلان اور آخرت کی فکر پیدا ہوتی ہے۔

ف: امام راغب نے فرمایا کہ در اصل الطیب وہ شے ہے جس سے حواس و نفس لذت پائیں اور طعام طیب شرع میں جائز اور حلال کھانے کو کہا جاتا ہے جیسے ہو اور جس طرح سے حاصل ہو۔ اس لیے کہ اس طرح کا طعام خواہ جلدی یا بدیر حاصل ہو خوشگوار ثابت ہوگا ورنہ اگر حرام کی ملاوٹ ہو تو وہ اگرچہ جلدی اور بہتر حاصل ہوگا لیکن بالآخر بدہضمی (عذاب) کا موجب بنے گا۔

حدیث شریف: ان اللہ طیب لا یقبل الا طیبا۔
(اللہ تعالیٰ پاک ہے اور صرف پاک کو قبول کرتا ہے)

صاحبِ روضۃ الاخیار نے فرمایا: ؎

فرمودہ لقمہ کہ در اصل نباشد حلال
زو نفتد مرد مگر در ضلال
قطرۂ باراں تو چوں صاف نیست
گوہر دریاے تو شفاف نیست

ترجمہ: فرمایا گیا ہے کہ لقمہ اگر حلال کا نہ ہو تو اس سے بندہ گمراہ ہو جاتا ہے۔
قطرۂ باران اگر صاف نہ ہو تو اس دریا کا موتی صاف ستھرا نہیں ہوتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کھانا ماں کی کمائی سے اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کھانا بکریوں کی کمائی سے تھا اس لیے ایسا رزق اطیب الطیبات میں شمار ہوتا ہے۔

حکایت: شداد کی بہن نے اپنے زمانے کے رسول علیہ السلام کے پاس سخت گرمی میں بکری کا دودھ

marfat.ocm

بھیجا آپ اگرچہ روزہ دار تھے اور دودھ کی بھی سخت ضرورت تھی لیکن آپ نے قبول نہ کیا۔ اس کے اصرار پر آپ نے اس سے پوچھا: یہ دُودھ کہاں سے لائی ہو؟ اس نے عرض کی: میری اپنی گھریلو بکری کا ہے تب بھی آپ نہ مانے۔ پھر اس نے اصرار کیا۔ آپ نے پُوچھا: یہ بکری کہاں سے آئی؟ اس نے عرض کی: میری اپنی زر خرید ہے۔ جب آپ کو اطمینان ہُوا تب آپ نے دُودھ لے لیا۔ شداد کی بہن نے وجہ پُوچھی تو آپ نے فرمایا کہ رسل کرام کو اکلِ حلال اور اعمالِ صالحہ کا حکم ہے۔

مسئلہ: امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس شخص کا ظاہری حال اچھا ہے تو تم پر لازم نہیں کہ کہو اس کی نماز و روزہ قبول نہیں اور ایسے شخص سے بلا کراہت ہدایا و تحائف وغیرہ قبول کر سکتے ہو اس کے ساتھ بحث و مباحثہ کی ضرورت نہیں۔ اگر تم یہ کہو کہ دَورِ زمانہ بتاتا ہے کہ اکثر لوگوں کی کمائی حرام ہوتی ہے تو یہ بھی محض بدگمانی ہے اور مسلمانوں کو مسلمانوں پر بدگمانی سے روکا گیا ہے بلکہ حکم ہے کہ ان کے ساتھ نیک گمان رکھو۔

ف: حضرت ابو سلیمان دارانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

حلال لقمے سے روزہ افطار کرنا ساری رات کی عبادت سے بہتر ہے، اس لیے کہ قلبِ مسلم کے شمسِ توحید پر حرام کا ایک لقمہ بھی حرام ہے۔

مسئلہ: اکل طیبات اگرچہ مباح ہے لیکن قطعِ شہوات کی نیّت سے نہ کھانا افضل ہے۔

ف: ابو الفرج بن الجوزی علیہ الرحمۃ نے فرمایا:

مباحات کا ذکر بھی قلب پر زنگ پیدا کرتا ہے جب یہ کیفیت ہے تو حرام لقمہ سے دل کا کیا حال ہوتا ہوگا۔

مسئلہ: جس پانی میں بدبو پیدا ہو جائے اس سے وضو ناجائز ہے۔ جب اس معمولی معاملہ سے وضو کے لیے اتنی نزاکت ہے تو اس پانی کا کیا حال ہو گا جس سے کُتا پانی پیئے۔ اس لیے بزرگوں نے فرمایا جو مباحات کے استعمال میں لگا رہتا ہے اسے مناجاتِ الٰہی کی لذت کیسے نصیب ہو گی، بلکہ وہ اس نعمت سے محروم ہو گا۔

اے اللہ! ہمیں اہلِ توجہ و اہلِ مناجات سے بنا۔

وَاِنَّ هٰذِهٖۤ یہ اشارہ ملّتِ اسلام و توحید کی طرف ہے اور لفظ ھٰذا سے اشارہ اس کے کمال ظہور کے لیے متنبہ کرنا مطلوب ہے۔ یعنی شریعتِ اسلامیہ کے امور صحیح سالم اور نہایت سیدھے اور ایسے واضح اور روشن ہیں کہ گویا محسوس مشاہد ہیں۔ اُمَّتُكُمْ یہ خطاب رسل کرام علیہم السلام کو ہے اور اُمّۃ سے ان کی شریعتیں مراد ہیں۔

ف: قرطبی نے فرمایا کہ یہاں پر اُمّۃ سے دین مراد ہے۔ چنانچہ انا وجدنا آباءنا علی اُمّۃ میں اُمّۃ بمعنے دین ہے۔

marfat.ocm

أُمَّةً وَّاحِدَةً یہ ھٰذِہٖ سے حال ہے، یعنی ہر ملت و شریعت اصول شرائع میں متحد ہے تبدیلِ اعصار و ازمان سے تبدیل نہیں ہوتے اور اختلاف فی الفروع کو شرعاً اختلاف فی الدین نہیں کہا جاتا۔ مثلاً حائض اور طاہر عورت کا ایک ہی دین ہے اگرچہ ان کے مکلف ہونے میں فرق ہے۔

ف: بعض نے کہا کہ ھٰذِہٖ کا اشارہ رسل کرام علیہم السلام کی ان امتوں کی طرف ہے جو ان پر ایمان لائیں۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ تم سب کی ایک ہی جماعت ہے ایمان اور توحید فی العبادۃ میں متفق ہو، لیکن وَّاَنَا رَبُّكُمْ اس تفسیر کی موافقت نہیں کرتا یعنی اور میں تمہارا پروردگار ہوں میری ربوبیت میں میرا کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔

فَاتَّقُوْنِ ۝ پس مجھ سے ڈرو، یعنی دین و اسلام اور کلمۂ توحید میں اختلاف نہ کرو۔ اور یہ ضمیر خطاب رسل کرام علیہم السلام اور ان کی امتوں کے لیے ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو تقوٰی و طہارت پر مزید استقامت کے لیے اور امتوں کو تحذیر و ایجاب کے لیے ہے۔

ف: تفسیر کبیر میں ہے کہ اس میں تنبیہ ہے کہ تمام ادیانِ حقہ ایک ہیں اور سب کی اصل غرض معرفتِ الٰہی کا درس دینا اور معاصی سے بچانا مطلوب ہے۔

فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ یعنی دین و ملت اگرچہ ایک تھی لیکن امتوں نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور ادیانِ مختلفہ پر منقسم کر دیا زُبُرًا یہ امرھم سے حال ہے بمعنے قطعا۔ زبور کی جمع ہے بمعنے الفرقۃ یعنی ٹکڑے ٹکڑے یعنی گروہ گروہ ہو گئے اور آپس میں مختلف ہو گئے كُلُّ حِزْبٍ انہی جدا جدا ہونے والوں میں ہر گروہ بِمَا لَدَيْهِمْ اپنے من گھڑت دین سے فَرِحُوْنَ ۝ خوش ہے اور ان کا اعتقاد ہے کہ وہ من گھڑت دین حق ہے۔

تفسیر صوفیانہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ انسان اپنے اعمال حاصل شدہ سے کیونکر خوش ہو سکتا ہے جبکہ اسے انجام کا پتا نہیں اور عارفین کو تو عرش سے لے کر تحت الثرٰی کی کسی شے سے بھی خوشی نہیں ہوتی بس وہ خوش ہوتے ہیں تو حق تعالٰی کے وصال سے اور بس۔ بلکہ محقق یعنی عارف کامل اگر بحرِ معرفت میں جونہی مستغرق تر ہوتا ہے غمگین تر ہوتا ہے جب اسے اپنی سابقہ کوتاہیوں سے سخت ندامت ہوتی ہے۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ کعبۂ جلال کے معتکفین کو اپنی کوتاہی کا اعتراف ہے کہ ہم نے تیری عبادت کا حق ادا نہیں کیا اور اس کے حلیۂ جمال کے واصفین متحیر ہو کر کہتے ہیں کہ ہم نے اس کی معرفت کا حق ادا نہیں کیا۔

س

١ گر کسے وصف او ز من پرسد
بے دل از بے نشان چہ گوید باز

marfat.ocm

۲ عاشقان کشتگان معشوقند
بر نیاید ز کشتگان آواز

ترجمہ : ۱۔ اگر کوئی اس کا وصف مجھ سے پوچھے تو بے دل بے نشان کے متعلق کیا کہہ سکتا ہے۔
۲۔ عاشق معشوق کے مارے ہوئے ہیں مرے ہوؤں سے کیا آواز آئے گی۔

تفسیر عالمانہ فَذَرْهُمْ فِیْ غَمْرَتِهِمْ کفار کی گمراہی و جہالت کو پانی میں غوطہ لگانے کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی ہے کہ جیسے پانی میں غوطہ لگانے والا لہو و لعب میں سرمست ہوتا ہے ایسے ہی کفر و گمراہی میں پھنسنے والے کا حال ہے۔

حلِ لغات : امام راغب نے فرمایا کہ الغمر دراصل ازالۃ اثر الشئی (شے کے اثر کو زائل کرنا) کو کہا جاتا ہے۔ وہ سیلاب جو پانی کے بہنے کی جگہ کو بہا کر لے جائے یہاں تک کہ اس کے نشانات بھی ختم کر دے اس کے لیے کہتے ہیں غمر، اور وہ پانی جو اپنی گہرائی اور کثرت کے لحاظ سے اپنے اندر آنے والے کو چھپا دے اسے المغمرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور جہالت و گمراہی کو بھی اسی معنے پر محمول کیا جاتا ہے کیونکہ وہ گمراہ کو ہر طرف سے گھیر لیتی ہے۔ یہ خطاب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے یعنی اے محبوبِ مدنی صلی اللہ علیہ وسلم! کفار کو ان کے حال پر چھوڑیئے، اپنے قلبِ مبارک کو ان کے متفرق ہونے سے پریشان نہ کیجئے۔

حَتّٰی حِیْنٍ ۝ مقرر وقت تک، اس سے ان کا قتل یا موت علی الکفر یا ان پر وقوعِ عذاب مراد ہے۔ اس میں کافروں کو دنیا و آخرت کے عذاب کی وعید اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی و تشفی ہے اور آپ کو حکم ہے کہ آپ ان کے لیے وقوعِ عذاب کی عجلت نہ کیجئے اور نہ ہی ان پر عذاب کی تاخیر سے گھبرایئے۔ اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ یہ ہمزہ واقع کے انکار اور ان کی قباحت کے اظہار کے لیے ہے اور ما موصولہ ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ کیا کافروں کو گمان ہے کہ ہم نے انھیں جو دنیوی عیش و عشرت دے رکھا ہے یہ ان کو دائمی طور پر ملتا رہے گا اور کیا اسی طرح ہم ان کی ہمیشہ مدد کرتے رہیں گے مِنْ مَّالٍ وَّ بَنِیْنَ ۝ یہ ما موصولہ کا بیان ہے اور بنین (لڑکوں) کی تخصیص ان کے خیال کے مطابق ہے اس لیے کہ انھیں لڑکوں پر بہت زیادہ فخر و ناز تھا۔ نُسَارِعُ لَهُمْ فِی الْخَیْرٰتِ ط ہم ان کے لیے خیرات (بھلائی) میں جلدی کر رہے ہیں۔

ف : حضرت کاشفی نے لکھا کہ کفار اس گمان میں نہ رہیں کہ ہماری امداد از قسم عطیہ اموال و اولاد عجلت کے طور ان کے اعمال کا بدلہ ہے بلکہ انھیں یقین ہونا چاہیے کہ ہم ان کو ان کی نیکیوں کا صلہ دنیا میں دے رہے ہیں۔ بَلْ یعنی ان کا گمان سراسر غلط ہے بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ لَّا یَشْعُرُوْنَ ۝ وہ سمجھ نہیں رہے کہ انھیں مہلت دی جا رہی ہے تو صرف استدراجاً ہے نہ یہ کہ ان کے لیے خیر و بھلائی کے استحقاق کی بنا پر ہے۔

marfat.ocm

اس کا علت فعل مقدر پر ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی، کلا لا نفعل ذٰلك بل هم الخ یعنی ہم ایسا ہرگز نہیں کریں گے بلکہ وہ لاشعور ہیں جیسے جانوروں کو کچھ پتا نہیں ہوتا کہ ان کے ساتھ کیا ہو رہا ہے ایسے ہی یہ بے خبر ہیں نہ غور و فکر کرتے ہیں نہ ہی کچھ سمجھ سکتے ہیں کہ ان کی امداد صرف استدراج کے طور ہے اور انہیں گناہوں میں منہمک ہونے کا مزید موقعہ دیا جا رہا ہے جسے وہ اپنے لیے خیر و بھلائی سمجھ رہے ہیں۔

تنگدستی قربتِ خداوندی

مروی ہے کہ سابق دور میں کسی نبی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ میرا بندہ اپنی دنیوی وسعت سے یہ سمجھتا ہے کہ میں نے اسے مالا مال کر دیا حالانکہ یہ معاملہ تو اسے مجھ سے دُور کرتا ہے۔ اور میرا مومن بندہ اپنی تنگدستی سے نالاں ہوتا ہے حالانکہ اسے خبر نہیں کہ اس طرح وہ میرے قریب تر ہوتا ہے۔

اس کے بعد اس روایت کی تائید اس آیت ایحسبون انما نمدھم الخ سے کی۔

ف : بعض مشایخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دنیوی جاہ و حشم عطا کر کے آزمایا، انہوں نے سمجھا کہ جاہ و حشم، لذتِ دنیا اور مال و اسباب ان کے لیے زیب و زینت ہے اس لیے وہ لوگ اس کی لذت کے چنگل میں پھنسے اور مشاہدۂ رحمٰن سے محجوب رہے۔ وہ غلط خیالی میں مبتلا رہے کہ اس طرح سے وہ بہت بڑے مراتب و درجات کے مالک بن گئے اور مقبولانِ خدا ہو گئے حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ ان فانی اشیأ کے حصول سے کوئی بندہ صاحبِ مرتبہ علیا نہیں بن جاتا۔ انہیں تو اس سے خوف کرنا چاہیے تھا کہ یہ ان کے لیے استدراج تو نہیں جو کہ اہل اللہ کے نزدیک اچھا طریقہ نہیں۔

ف : حضرت عبدالعزیز مکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو شخص زینتِ دُنیا سے مزیّن ہوتا ہے اسے یاد رکھنا چاہئے کہ یہی زینتِ دنیا ایک دن اس کے لیے وبالِ جان ہو گی۔ مگر زینت اس ارادہ سے ہو کر اس طرح نہ کرے تو طاعات و عبادات و مجاہدات میں کامیاب نہیں ہو سکتا تو جائز ہے۔

سبق : یاد رہے کہ سانس فانی اور اموال عاریت کی چیزیں ہیں اور اولاد فتنہ و آزمایش کی۔ جو شخص ان کے حصول اور پھر ان کے جمع کرنے میں کوشاں رہتا ہے وہ آخرت کی بھلائیوں سے محروم ہو جاتا ہے۔

قاعدہ صوفیانہ : مخالفتِ نفس سے بڑھ کر اور کوئی عبادت و اطاعت افضل نہیں ہے۔ اسی طرح دنیاوی سامان کی قلت پر قانع رہنا افضل عبادت ہے۔ اسباب الدنیا سے دل کو دور رکھنا بہتر عبادت ہے۔ اور مسارعۃ فی الخیرات صوفیاءِ کرام کے نزدیک شرور سے اجتناب کا دوسرا نام ہے۔ سب سے بڑا شر حُبِّ دنیا ہے اس لیے کہ دُنیا شیطان کی کھیتی ہے۔ جو شخص دنیا کا طالب ہے یا اس کی آبادی میں کوشاں ہے اسے یُوں سمجھو کہ وہ شیطان کا ساتھی ہے اور اس کا بے دام غلام۔ سب سے شریر وہ شیطان ہے جو شیطان کی کوٹھی تعمیر کرتا ہے

marfat.ocm

یعنی دنیا کے امور میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا ہے۔ سلطان ولد کے نصائح میں ایک یہ ہے: ؎

۱ بگذار جهان را که جهان آن تو نیست
وین دم که همی زنی بفرمان تو نیست
۲ گر مال جهان جمع کنی شاد مشو
ور تکیه بجان کنی جان آن تو نیست

ترجمہ: ۱۔ اس جہان کو چھوڑ، اس لیے کہ تیرا جہان نہیں، یہ سانس جو تیرے اندر باہر آجا رہا ہے یہ بھی تیرے فرمان سے باہر ہے۔

۲۔ اگر تو مال جمع کر رہا ہے تو اس سے خوش نہ ہو۔ اگر تجھے اپنی جان پر بھروسا ہے تو یہ بھی تیری نہیں ہے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ بر مرد ہشیار دنیا خس است
کہ ہر مدتے جائے دیگر کس است
۲ برفتند ہر کس درود آنچہ کشت
نماند بجز نام نیکو و زشت

ترجمہ: (۱) مرد ہشیار کے سامنے دنیا کچھ نہیں کیونکہ ہر روز اس کا نیا مالک ہوتا ہے۔

(۲) جو جو کچھ بوئے گا وہی کاٹے گا، مرنے کے بعد نیک نامی یا بدنامی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ خَشْیَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝ بیشک یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے خوف سے ڈرنے والے ہیں۔

حلِ لغات: الخشیة وہ خوف جس میں تعظیم بھی ہو۔ اور الاشفاق وہ عنایت جس میں خوف کی ملاوٹ ہو، اس لیے کہ مشفق کو مشفق علیہ (جس پر شفقت کی جائے) سے محبت ہوتی ہے، اس کے لیے اس کے دل میں خدشہ ہوتا ہے کہ کہیں اسے کوئی تکلیف نہ پہنچ جائے۔ اس کی تحقیق سورۂ انبیاءؑ میں گزر چکی ہے۔

ف: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا، مومن احسان و خشیت کا جامع ہے اور کافر اساءۃ (برائی کرنا) امن (عذابِ الٰہی سے نڈر رہنا) کا مجموعہ۔ ع

ہر کہ ترسد مرد را ایمن کنند

وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ اور وہ اللہ تعالیٰ کے ان آیات پر جو آفاق میں علی الاطلاق موجود ہیں۔

marfat.ocm

يُؤْمِنُوْنَ ۙ ایمان لاتے ہیں یعنی جس ذات پر یہ آیات دلالت کرتی ہیں اس کو یہ لوگ دل سے مانتے ہیں۔ نہ فعلاً تکذیب کرتے ہیں نہ قولاً۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ۙ اور یہ لوگ اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو نہ ظاہراً شریک ٹھہراتے ہیں نہ خفیاً۔ اس لیے اسے ایمان بالآیات سے تعبیر فرمایا۔

فائدہ صوفیانہ : حضرت جنید قدس سرہٗ نے فرمایا، اگر کسی کا دل چیر کر دیکھا جائے تو اس میں اللہ تعالیٰ سے عظیم تر یا بزرگ تر کوئی اور شے موجود ہو تو وہ ہمارے نزدیک بڑا مشرک ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ سب سے بڑا شرک یہ ہے کہ دل پر مخلوق کے احوال و اقوال کو رد و قبول کرنے کے اثرات ہوں اس لیے کہ اس طرح سے اس کے دل کو غیروں سے خوشی و انکار کا خیال ہے ایسی طرح جو دل اسباب دُنیا میں گرفتار ہو وہ بھی شرک سے خالی نہیں۔ صوفی وُہ ہے جو یقین کرے کہ بیماری کی شفا دوا میں نہیں اور نہ ہی پیٹ کا سیر ہونا طعام کھانے سے ہے۔ قلب پر یقین کا اتنا غلبہ ہو کہ ایسے تصوّر کا دل میں آنے کا امکان تک نہ ہو یعنی کسی معاملہ کو نہ حادثہ سے تعبیر کرے اور نہ تقدیر سے، اس کی پابندی سے شرک سے نجات نصیب ہوتی ہے۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا، ؎

جیب خاص است کہ گنج گہر اخلاص است
نیست این درثمین در بغل ہر دغلے

ترجمہ : جیب خاص اور موتی کا خزانہ صرف اخلاص ہے اور یہ قیمتی موتی ہر کھوٹے آدمی کے پاس نہیں ہو سکتا۔

تفسیر عالمانہ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا اور وُہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دئے ہوئے رزق سے زکوٰۃ و صدقات دیتے ہیں اور دیگر خیرات اور نیکیوں کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے ہیں۔ صیغہ مضارع استمرار اور صیغہ ماضی تحقق پر دلالت کرتا ہے وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ یہ یؤتون کے فاعل سے حال ہے یعنی ان کا حال یہ ہے کہ ان کے قلوب خوفِ خدا سے سرشار ہیں۔

ف : امام راغب نے فرمایا، الوجل بمعنے خوف کو دل میں جگہ دینا۔

اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۙ بیشک وُہ اپنے رب تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ یعنی ان کا رجوع صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہے بایں معنیٰ کہ انھیں دل میں خوف رہتا ہے کہ ان کی نیکی قبول نہ ہو۔ اس کریم کی رضا کے خلاف ہم سے کوئی عمل سرزد ہو تو ہم پکڑے جائیں۔ اس سے صرف رجوع الی اللہ مراد نہیں ہے۔

ف : چاروں اسمائے موصولہ ایک ہی گروہ کے لیے ہیں جو مذکورہ بالا صفات سے موصوف ہیں۔ اس کا یہ

marfat.ocm

معنی نہیں کہ وہ چاروں ان میں سے کسی ایک صفت سے موصوف ہیں۔ گویا عبارت یُوں تھی : ان الذین ھم من خشیۃ ربھم مشفقون و بآیٰت ربھم یؤمنون الخ۔

نکتہ : اسم موصول کا تکرار اشارہ کرتا ہے کہ وُہ ہر ایک مستقل طور علیحدہ علیحدہ فضیلت کاملہ کا حامل ہے۔ چنانچہ ان کے استقلال کے اظہار کے لیے موصول کا تکرار کیا گیا ہے۔

نکتہ : اہل اللہ مخالفتِ احکام سے اتنا خوفزدہ نہیں ہوتے جتنا انھیں طاعتِ الٰہی بجالانے سے خوف ہوتا ہے۔ اس لیے کہ مخالفت حکم توبہ سے معاف ہو سکتی ہے لیکن طاعت کے لیے پہلے تو تصحیح ضروری ہے پھر اس میں اخلاص و صدق واجب ہے۔ اس سے واضح ہُوا کہ نیکی کرنے والا اگر صرف اللہ تعالیٰ سے خوف رکھتا ہے تو پھر اسے غیر سے ڈر کیسا! شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

۱ دران روز کز فعل پرسند و قول
اولو العزم را تن بلرزد ز ہول
۲ بجائے کہ دہشت خورد انبیاء
تو عذر گنہ را چہ داری بیا

ترجمہ : ۱۔ جس دن فعل و قول کی پرسش ہوگی انبیا علیہم السلام خوفِ الٰہی سے کانپ رہے ہوں گے۔
۲۔ جس محفل سے انبیاء علیہم السلام بھی دہشت زدہ ہیں تو بھی گناہوں کا عذر رکھتا ہے آج ہی معذرت یعنی توبہ کرلے۔

اُولٰٓئِکَ وہ لوگ جن کی صفاتِ جلیلہ ابھی بیان کی گئی ہیں یُسٰرِعُوْنَ جلدی کرتے ہیں فِی الْخَیْرٰتِ حصول خیرات میں منجملہ ان کے یہ بھی ہیں جو اعمال صالحہ پر ان کے ساتھ دنیا میں ہی وعدہ کیا گیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

فاٰتاھم اللہ ثواب الدنیا وحسن ثواب الاٰخرۃ۔

اور فرمایا :

واٰتیناہ اجرہ فی الدنیا وانہ فی الاٰخرۃ لمن الصالحین۔

اسی کو مسارعت (جلدی کرنا) سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ انھوں نے اعمال صالحہ کرکے اس کے حصول میں جلدی کی، اس لیے جن امور کی کفار سے نفی کی گئی ان کے لیے لازماً ثابت ہوگئے۔

نکتہ : مسارعۃ کا صلہ الیٰ آتا ہے لیکن یہاں فی لایا گیا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ وُہ لوگ ہر قسم کی خیر و بھلائی میں حصہ لیتے ہیں اور اس سے کبھی دوسرے امر کی طرف سے نہ فارغ ہوتے اور نہ اس کے غیر کی طرف

marfat.ocm

متوجہ ہوتے ہیں بخلاف الی کے صلہ کے کہ اس میں صرف ایک صورت ہوتی ہے یعنی صرف توجہ۔ چنانچہ فرمایا:

وسارعوا الی مغفرۃ من ربکم وجنۃ۔

وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ۝ اور وہ اس کے لیے سبقت کرنے والے، اور ہر خیر و بھلائی میں پیش پیش ہوتے ہیں اور لام فاعل کے عمل کی تقویت کے لیے ہے۔ یعنی انھیں آخرت سے پہلے دنیا میں ہی یہ سعادت نصیب ہوتی ہے اور اس کا نیک صلہ بھی۔

فائدہ صوفیانہ: بعض بزرگوں نے فرمایا: المسارعۃ فی الخیرات سے درجۃ السابقین کے لیے جد و جہد اور مکارم الواصلین کی طلب مراد ہے۔ یعنی وہ لوگ خیرات نہ اسباب کی تکمیل کے منتظر ہوتے ہیں اور نہ الخیس حتی الامکان ترک اور نہ ہی تضییعِ اوقات کرتے ہیں۔

سبق: جو مقاماتِ اعلیٰ تک آداب و ریاضات و مجاہدات کے بغیر پہنچنے کی کوشش کرے گا وہ خسارے اور گھاٹے میں رہے گا۔ یہی نہیں بلکہ منزلِ مقصود سے بالکل محروم رہے گا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اولٰئك يسٰرعون فی الخیرٰت اس سے وہ حضرات مراد ہیں جن کی تقدیر ازل سے نیک ہے وہ قدم صدق اور سعی جمیل سے متوجہ الی اللہ اور غیر اللہ سے روگردان رہتے ہیں وھم لھا سٰبقون اور وہی لوگ تقدیر الٰہی میں سعادت مند لکھے جا چکے ہیں یعنی جن بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے ازل میں اپنے فضل و کرم اور لطف و عنایت سے لکھا کہ انہیں خیر و بھلائی حاصل ہوگی۔ یہ حضرات انہی میں سے ہیں۔ اسی لیے بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی جنۃ النعیم اہلِ علوم کو، اور جنۃ الفردوس اصحابِ فہم کو اور جنۃ الماوٰی اصحابِ تقویٰ کو اور جنۃ عدن قائمین بالوزن کو اور جنۃ الخلد متقیمینِ مودتِ الٰہی کو اور جنۃ المقامہ اہلِ کرامت کو نصیب ہوگی۔ یاد رہے کہ ہر سانس پر یادِ الٰہی اور ہر لمحہ میں مراقبۂ ایزدی اور پھر ظاہراً و باطناً یہ ہر انسان کے بس سے باہر ہے بلکہ یہ ملأ الاعلیٰ کا خاصہ ہے اور ہمارے حضور پُر نور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تو حاصل تھا ہی بلکہ آپ ہی اس مرتبہ میں مسارع فی الخیرات ہیں۔ جمیع احوال میں آپ ہی کو جملہ مخلوق سے سبقت حاصل تھی اس لیے کہ سبقت یا وجوب میں ہوگی یا مندوب میں یا مباح میں۔ ان تینوں امور کی سبقت و مسارعۃ جمیع مراتب سے بلند و بالا ہے کہ اس کے بعد اور کوئی مرتبہ نہیں اور ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اسی مرتبہ کے جامع تھے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں مسارعین الی الخیرات اور ان لوگوں سے بنائے جو ہر حال اور ہر سانس پر اسی کے خیال اور تصور میں زندگی بسر کرتے ہیں اسی کے مطابق فرمایا ہے:

والذین ھم فی صلوٰتھم دائمون۔

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اور ہم کسی تکلف میں نہیں ڈالتے اِلَّا وُسْعَهَا مگر اسی کی طاقت کے مطابق۔ اس سے معلوم ہوا کہ لا الٰہ الا اللہ کا عقیدہ اور احکام شرعیہ انسانی وسعت کے مطابق ہیں۔

مسئلہ : حضرت مقاتل نے فرمایا ، جو کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا وہ بیٹھ کر پڑھے اور جو بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتا وہ اشاروں سے ادا کرے۔

مسئلہ : حضرت حریری نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کے حصول کا حکم بھی انسان کی وسعت کے مطابق فرمایا ہے اگر وہ اس کا حکم اپنی طاقت کے مطابق فرماتا تو کسی کو بھی معرفتِ الٰہی نصیب نہ ہوتی۔ اس لیے کہ جیسا کہ وہ ہے اس کے اپنے سوا اور کسی نے نہیں پہچانا۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

عمرے خرد چو چشمہ ہا چشمہا کشاد
تا بر کمال کنہ الٰہ افگند نگاہ
لیکن کشید عاقبتش در دو دیدہ نیل
شکل الف کہ حرف نخست است از الٰہ

ترجمہ : عمر بھر خرد نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا کہ کہیں اسے اللہ تعالیٰ کے کمال کی کنہ نصیب ہو جائے لیکن بالآخر اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اسے لفظ الٰہ کے الف تک بھی رسائی نہ ہو سکی۔

وَلَدَيْنَا اور ہمارے ہاں كِتٰبٌ اعمال نامہ ہے کہ جس میں ہر ایک کے اعمال ثبت ہیں يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وہ حق بولتا ہے یعنی اس میں ہر عمل صحیح طریق سے لکھا ہوا ہے بال برابر بھی حقیقت کے خلاف نہیں ہے۔ یعنی عملنامہ اصلی بات ظاہر کر دے گا ، گویا جیسے اس کے ساتھ کوئی بولنے والا بول رہا ہو۔ وہاں ہر ایک اعمال کھل کر سامنے آ جائیں گے جن پر ہر ایک کی جزا و سزا مرتّب ہوگی۔ اگر نیکی ہے تو اسے نیک جزا نصیب ہوگی اور بُرائی ہے تو اسے سخت سزا ملے گی۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے ہاں ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ عملنامہ ہے جس میں ہر ایک کے اعمال ثبت ہیں۔ وہی عملنامہ انسان کے عمل کی سچی گواہی دے گا۔

وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ اور ان کی جزا کم نہیں ہوگی۔ یعنی اگر ثواب ہے تو پُورا ملے گا ذرہ بھر بھی کم نہ ہوگا اگر عذاب ہوگا تو بھی پُورا۔ غرضیکہ ہر ایک کو اپنے اپنے اعمال کی پوری پوری جزا ملے گی۔ اور اعمال کے متعلق گواہ ان کے اپنے اعمال نامے ہوں گے۔ بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا بلکہ کافروں کے دل غافل اور پردے میں ہیں یعنی وہ احکام جو قرآن مجید نے بیان کیے ہیں ان سے ان کے قلوب پر پردہ ہے

marfat.ocm

وہ نہیں سمجھتے کہ ان کے اعمال کو اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک کتاب میں جمع کیا جا رہا ہے۔ پھر وہی کتاب قیامت میں حق بولے گی اور ان کے ایک ایک عمل کو ظاہر کر دے گی جسے بر سر میدان ہر ایک دیکھے اور سنے گا۔ اس کے بعد انھیں اعمال کی سزا ملے گی وَلَهُمْ اَعْمَالٌ اور ان کے اعمال خبیثہ ہیں مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ ان مذکورہ غلط اعمال کے سوا یعنی وہ جو ابھی مذکور ہوا کہ ان کے دلوں پر پردے پڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں قیامت کی حاضری سے غافل ہیں اور پھر وہ کفریہ فنون اور معاصی و جرائم میں طرح طرح کے فن دکھاتے ہیں منجملہ ان کے قرآن مجید پر طعن و تشنیع کی تفصیل ابھی آتی ہے هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ۝ وہ ان اعمال کو عادت کے طور پر کرتے ہیں حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ حتٰی ان کے اعمال مذکورہ کی غایت اور مابعد کے مضمون شرط کے لیے ابتدائیہ ہے۔ یعنی وہ اپنے ان غلط امور کے مرتکب ہوتے رہیں گے یہاں تک کہ جب ہم ان کے سرمایہ داروں اور لیڈروں کی گرفت کریں گے بِالْعَذَابِ اُخروی عذاب سے۔ ہم نے اُخروی عذاب کی قید اس لیے لگائی ہے کہ آخرت میں جب انھیں اچانک عذاب گھیرے گا تو دھاڑیں ماریں گے۔ اور ظاہر ہے کہ بدر میں اگرچہ انھیں عذاب میں مبتلا کیا گیا لیکن اس میں انھوں نے دھاڑیں نہیں ماریں۔ کیونکہ قیامت میں نہ انھیں کہیں سے بچنے کی امید ہوگی۔ نہ ہی ان کی بات سنی جائے گی، اور نہ ہی ان کا کوئی فریاد رس ہوگا۔ اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ ۝ ھُم کا مرجع کفار کے سرمایہ دار ہیں یعنی قیامت میں فریاد کے لیے دھاڑیں ماریں گے اور طلب نجات کے لیے گڑگڑائیں گے۔

حل لغات : جؤار بمعنے گڑگڑا کر چیخنا۔ جیسے جأر الرجل الی اللہ تضرع بالدعا۔

امام راغب نے فرمایا کہ جأر اس وقت بولتے ہیں جب کوئی بہت زیادہ دعا و تضرع کرے۔ اسے جانوروں کی چیخ و پکار سے تشبیہ دی گئی ہے جیسے ہرنی وغیرہ کی آواز وغیرہ۔

سوال : آیت میں کیفیت مذکورہ کی تخصیص صرف سرمایہ داروں اور لیڈروں کے لیے کیوں؟ حالانکہ یہی کیفیت ہر کافر کی ہوگی۔

جواب : سرمایہ داروں اور لیڈروں کا حال واضح اور روشن ہوگا، نیز عذاب کی سختی کا بیان واضح اور روشن طریقہ سے کیا گیا ہے کہ قیامت میں جب کافروں کے لیڈروں اور سرداروں کا یہ حال ہوگا تو ان کے معمولی مرتبہ کے لوگوں کا حال کیا ہوگا۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ مترفین سے وہ کافر مراد ہیں جنھیں بدر میں قتل کیا گیا جیسے ابوجہل اور اس کے ساتھی۔ اور ھم یجئرون سے دیگر اہل مکہ مراد ہیں۔ اس معنے پر جن کی طرف مترفیھم کی ضمیر راجع ہوگی انہی کی طرف یہ ضمیر بھی راجع ہوگی۔ یعنی مطلق کفار کی طرف۔

لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ قف یہاں قلنا محذوف ہے یعنی ہم انہیں قیامت کے دن کہیں گے کہ

marfat.ocm

مت چیخو۔ الیوم سے قیامت کے دن کی تخصیص اس لیے ہے کہ وہ دن بہت سخت ہے اور اس سے انھیں متنبہ کرنا ہے کہ معافی کا وقت گزر گیا اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ○ ہماری طرف سے تمھیں مدد نہیں ملے گی جو تمھاری نجات کا سبب بن سکے قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ دنیا میں تمھارے ہاں ہماری آیات پڑھی گئیں اس وقت تمھارے لیے ضروری تھا کہ تم ان آیات سے نفع اٹھاتے فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ○ الاعقاب، عقب کی جمع ہے پاؤں کا پچھلا حصہ یعنی گٹہ۔ اہلِ عرب کہتے ہیں، رجع علٰی عقبه۔ یہ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی اُلٹے پاؤں چلے۔ اور النکوص بمعنے الرجوع القہقری۔ یعنی تھے تم ہماری آیات کے سننے سے سخت روگردان، اور پھر تم سے ان کی تصدیق کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور نہ ہی تم سے اُن پر عمل کی امید ہو سکتی تھی مُسْتَكْبِرِيْنَ ۚ بِهٖ درانحالیکہ تم میری کتاب کو جسے ہم نے اٰیتی سے تعبیر کیا ہے کے ساتھ تکبر کیا ہے اگر کتاب کو آیات سے تعبیر کیا جائے تو استکبار تکذیب کے معنے کو متضمن ہوگا سٰمِرًا یہ دوسرا حال اور حاضر کی طرح اسم جمع ہے۔

ف : امام راغب نے کہا کہ اس کا معنی سمار ہے واحد کو جمع کی جگہ پر لایا گیا ہے۔

بعض نے کہا کہ السامر اندھیری رات کو اور السمر رات کی تاریکی کو کہا جاتا ہے۔ اس لیے رات کی بات چیت کو سمر اللیل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں، سمر فلاں۔ یہ اس شخص کو کہا جاتا ہے جو رات کو باتوں میں مشغول رہے۔ مشرکین کی عادت تھی کہ رات کو ایک جگہ جمع ہو کر قرآن مجید پر طعن و تشنیع کرتے رہتے تھے اور ان کی عام بات چیت قرآن مجید کے متعلق ہوتی کہ وہ سحر ہے اور شعر ہے وغیرہ۔

تَهْجُرُوْنَ ○ یہ حال دیگر ہے۔ یہ الھجر بالفتح بمعنے الہذیان یا الترك ہے۔ یعنی قرآن مجید کے متعلق بکواس کرتے اور اسے چھوڑ دینے کی باتیں کرتے ہیں۔

مسئلہ : اس آیت میں رات کو قصے کہانی اور غیر طاعت کی باتوں کی مذمت کی گئی ہے۔

ف : امام قرطبی رحمہ اللہ رات کے تہائی حصہ تک نماز کو مؤخر کرتے اور نماز سے پہلے نیند کرنے اور نماز کے بعد باتیں کرنے کو مکروہ سمجھتے۔

ف : امام قرطبی نے فرمایا کہ تمام علماء متفق ہیں کہ نماز کے بعد فضول باتیں کرنا مکروہ ہے اس لیے کہ نمازیں گناہوں کا کفارہ ہیں۔ اس لیے لازم ہے کہ انسان نیک عمل کر کے نیند کرے تاکہ کراماً کاتبین نیک عمل پر عمل نامہ کو لپیٹیں۔ اگر نیکی کے بعد فضول باتیں کرے گا تو اس کی نیکی لغو ہو جائے گی اور عمل نامہ بھی لغو اور فضول باتوں پر لپیٹا جائے گا۔

ف : حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نمازِ عشاء کے بعد سختی سے روکتے اور فرماتے کہ چل کر آرام کرو ممکن ہے تمھیں نماز یا تہجد نصیب ہو۔

marfat.ocm

ف : فقیہ ابواللیث نے فرمایا، نمازِ عشاءؒ کے بعد باتیں تین قسم ہیں،

(۱) مذاکرۂ علمی - یہ نیند سے افضل ہے (جیسے طلبۂ مدارس عربیہ اور علماء و مدرسین اور جلسہ ہائے اسلامی) اسی طرح وہ باتیں جو خیر و صلاح اور مبنی بر طاعت ہوں۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ عشاءؒ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر میں بیٹھ کر مسلمانوں کے معاملات میں صلاح و مشورے کیا کرتے تھے۔

(۲) بناوٹی باتیں اور جھوٹے قصے کہانیاں اور ہنسی مذاق وغیرہ مکروہ ہے۔

(۳) آپس میں ایک دوسرے سے انس پیدا کرنے کے لیے گفتگو کرنا بشرطیکہ اس میں جھوٹ اور باطل قول سے احتراز کیا جائے۔ ایسی باتیں اگرچہ مباح ہیں تاہم ان سے احتراز کرنا چاہیے کیونکہ اس کے لیے جو وارد ہوا ہے' وہ عام ہے۔

اگر فضول باتوں کا ارتکاب ہو جائے تو ان کے بعد آخر میں ذکرِ الٰہی، استغفار اور تسبیح و تہلیل یا کوئی اور نیکی کی جائے تاکہ باتوں کا خاتمہ نیکی پر ہو۔

ف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب مجلس برخاست کرتے تو فرماتے :

سبحانك اللهم و بحمدك اشهد ان لا اله الا انت استغفرك و اتوب اليك۔

اور فرمایا کہ مجھے ایسے ہی جبریل علیہ السلام نے سکھایا ہے۔

حدیث شریف : روضۃ الاخیار میں ہے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) کہ جو شخص اپنی مجلس برخاست کرنے سے پہلے کلماتِ مذکورہ پڑھے گا وہ اس کے ان تمام گناہوں کا کفارہ ہو جائیں گے جو اس سے اس مجلس میں سرزد ہوئے۔

ارشادِ عائشہؓ : حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ قصے کہانیاں صرف مسافر اور نمازی کے لیے جائز ہیں، وہ اس لیے کہ مسافر اپنا سفر کاٹنے کے لیے قصے کہانیاں کہے گا تو اس کا سفر آسانی سے کٹ جائے گا۔ بنا بریں اس کے لیے جائز ہے' اس سے اسے ثواب وغیرہ کی امید نہیں رکھنی چاہیے۔ اسی طرح نمازی بھی جب نماز سے پہلے قصے کہانیاں کہے گا تو نماز اس کے قصے کہانیوں کا کفارہ بن جائے گی اور نماز پر اس کی مجلس کا خاتمہ ہوگا اور نماز پڑھ کر فوراً نیند کرے گا تو اس پر کسی طرح غلطی اور فضول باتوں کا جرم نہ ہوگا۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ فضول باتوں اور ان جملہ امور سے احتراز کرے جو اسے حریم قبول سے محروم کرکے دُور پھینک دیں۔ اور ایسا کام نہ کرے جس سے اس کی تمام زندگی ضائع ہو اور آفات و بلیات میں مبتلا ہو۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم ؛ از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

marfat.ocm

ترجمہ : ہم نے قصہ سکندر و دارا پڑھا ہے لیکن ہم سے صرف مہر و وفا کی بات کا سوال کرو۔

کسی اور شاعر نے فرمایا : ؎

جز یادِ دوست ہرچہ کنم جملہ ضائع ست
جز سرِ شوق ہرچہ گویم بطالت ست

ترجمہ : یادِ دوست کے سوا جو کچھ کر رہا ہوں وہ ضائع ہے شوقِ محبوب کے سوا جو کچھ کہتا ہوں باطل ہے۔

اَفَلَمْ یَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ ہمزہ واقع کے انکار اور اس کی قباحت کے لیے ہے اور فا کا عطف فعل مقدر پر ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی :

افعل الکفار ما فعلوا من النکوص والاستکبار والھجر فلم یدبروا الخ

کیا کافروں نے نکوص واستکبار اور ہجر وغیرہ کا ارتکاب کر کے قرآن مجید میں تدبر نہیں کیا تاکہ انہیں معلوم ہوتا کہ اس کی نظم و ترتیب میں کیسا اعجاز ہے اور اس کا بیان کتنا صحیح اور اس کی جملہ خبریں کیسی حق اور مبنی بر صدق ہیں۔ اس سے یقین ہوتا ہے کہ واقعی یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے اس تدبر کے بعد انھیں دولتِ ایمان نصیب ہوتی لیکن ان کی شومیٔ قسمت کہ اُنھوں نے تدبر کی بجائے اس کی تکذیب کی اور اس کے جملہ احکام کو پسِ پشت ڈالا۔

ف : تدبر بمعنے بات سمجھنے کے لیے دل کو حاضر کرنا۔

امام راغب نے فرمایا کہ تدبر بمعنے تفکر ہے۔ یہ دبر الامور سے مشتق ہے۔

اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ یَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِیْنَ ۝ یہ ام منقطعہ ہے اور یہاں لفظ بل اور ہمزہ مقدر ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ اضراب و انتقال کے لیے ہے۔ یعنی کافروں کو ایک توبیخ کے بعد دوسری توبیخ کی۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ان کے ہاں کوئی نئی کتاب آئی ہے کہ جس کا انکار کر رہے ہیں حالانکہ ان کے آبا کے ہاں بھی اس طرح کی کتاب آیا کرتی تھی اور اللہ تعالیٰ کا طریقہ قدیم سے چلا آرہا ہے کہ وہ اپنے رسل کرام علیہم السلام کے ہاں کتاب بھیجا کرتا ہے اسی طریقہ پر ان کے ہاں قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے پھر اس کا کیوں انکار کر رہے ہیں اَمْ لَمْ یَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ اس میں بھی توبیخ ہے مذکورہ توبیخ کے بعد توبیخ میں دوسرا طریقہ اختیار کیا گیا ہے اور ہمزہ انکار الوقوع کے لیے ہے اور عبارت میں اضراب و انتقال ہے یعنی کفار نے میرے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت و امانت اور حسنِ اخلاق کو نہیں دیکھا اور کیا اُنھیں ان کے کمالِ علمی کا اعتراف نہیں کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے برعکس اُنھوں نے کسی سے پڑھا نہ سنا لیکن علوم اولین و آخرین کے بحرِ ذخار ہیں فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝ آپ کی شان کو نہ جاننے سے نتیجہ نکلا کہ وہ آپ کی نبوت سے انکار کر رہے ہیں کیونکہ ان کے انکار کا ترتب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علمی کمالات سے بے خبری کی دلیل ہے۔

marfat.ocm

اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ یہ اور توبیخ کی طرف انتقال ہے یہاں بھی ہمزہ انکار واقع کے لیے ہے ۔ یعنی کیا وہ کافر کہتے ہیں کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جنون ہے (معاذ اللہ) حالانکہ ان بیوقوفوں کو معلوم نہیں ہو رہا کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم عقل و فکر اور علم و عمل میں تمام لوگوں سے فائق اور فکر و فہم میں بلند تر اور قوتِ ارادی میں آپ کا ہم پلہ کوئی نہیں اور آپ کی رائے کا نظیر کوئی ہے نہیں بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ یعنی جیسے انہوں نے سمجھ رکھا ہے ایسا بالکل نہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حق کو لائے ہیں اور ایسا کہ اس سے روگردانی تباہی اور اس میں بطلان کا تو امکان ہی نہیں ۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ حق سے یہاں اسلام یا قرآن مجید مراد ہے ۔

وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ اور ان کے اکثر لوگ حق سے یعنی یہ لوگ ہر حق سے ایسے کرتے ہیں نہ صرف اسی قرآن و اسلام سے كٰرِهُوْنَ ۝ کراہت کرنے والے ہیں اس لیے کہ ان کے عادات میں ہے کھوٹ اور انحراف ۔ اور یہ دونوں باطل کو مستلزم ہیں اسی لیے انہوں نے ایسے روشنی حق اور سیدھے راہ کا انکار کر دیا ۔ اور اکثر کی قید اس لیے نہیں کہ ان کے بعض کو کراہت نہ تھی بلکہ یہ اکثریت حکم الکل کے قبیل سے ہے ۔

فقیر (حقی) کہتا ہے کہ اس اکثر سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے تکذیب کی اور اس کے قلیل سے اہلِ ایمان مراد ہیں وہ اس لیے کہ حکمتِ الٰہیہ کا تقاضا یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے مخالفین اکثر و بیشتر ہوں ۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

گوہر پاک کہ باید کہ شود قابل فیض
ورنہ ہر سنگ و گلے لؤلؤ مرجان نشود

ترجمہ : گوہر کا پاک ہونا ضروری ہے اس لیے کہ فیض کے قابل وہی گوہر ہوتا ہے ورنہ ہر پتھر اور ڈھیلہ لؤلؤ مرجان ہوتا ۔

اس سے معلوم ہوا کہ قلیل سے وہی جواہر نفیسہ اور خوشبودار پھول مراد ہیں اور کافر بیکار پتھروں اور گوڑے کرکٹ کی طرح ہیں ۔

ف : کافروں نے محبوب و مرغوب حق سے عقلاً و طبعاً کراہت کی اگر وہ عقل و طبع کو چھوڑ کر شرع پاک کی اتباع اور اس سے محبت کرتے تو ان کے لیے دنیا و آخرت کی بہتری ہوتی ۔

سوال : جو طاعتِ الٰہی دنیا میں مجبوراً کی جائے کیا آخرت میں اس کا ثواب ملے گا ۔

جواب : نہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی قلوب پر نگاہ ہے اور وہ صرف اخلاص کو پسند کرتا ہے ۔ اس لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا : انما الاعمال بالنیات ۔ اور فرمایا : اخلاص سے نیکی کا کام کرو ، اگرچہ

marfat.ocm

تھوڑا سہی ؎

۱ عبادت با اخلاص نیت نکوست
دگرنہ چہ آید ز بے مغز پوست

۲ اگر جز بحق میرود جادہ ات
در آتش فشانند سجادہ ات

ترجمہ : ۱۔ عبادت میں خلوصِ نیت ضروری ہے ورنہ بے مغز پوست سے کیا حاصل ہوگا۔
۲۔ اگر تمہارا طریقہ حق کے خلاف ہے تو پھر تمہارا مصلّٰی آگ میں ڈالا جائے گا۔

حضرت جامی قدس سرہٗ کے لطائف میں سے ہے : ؎

تہیست سبحۂ زاہد ز گوہر اخلاص
ہزار بار من آنرا شمردہ ام یک یک

ترجمہ : زاہد کی تسبیح اخلاص سے خالی ہے میں نے اسے ہزار بار ایک ایک کر کے گنا ہے۔

ف : آیت سے معلوم ہوا کہ ہر وہ امر جو انسان کے نزدیک مکروہ ہے ضروری نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی مکروہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اگر کوئی بوجھ ڈالتا ہے تو وہ بھی اس لیے کہ وہ آخرت کی دائمی نعمتوں سے بہرہ ور ہو سکے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بندوں کی دارین کی مصلحت اسی میں دیکھی ہے کہ انہیں مشقت میں ڈال کر دارین کی سعادتوں سے مالا مال فرمائے۔ بنا بریں ان پر اپنی طاعت واجب فرمائی اور اسی پر ان کے ثواب و عذاب کو مرتب فرمایا۔ ان میں چونکہ ذاتی اور فطری مروت نہیں تھی اس لیے ان پر ایجاب کے زنجیر ڈالے تاکہ اس کے ذریعے طاعت میں زندگی بسر کریں۔

ازالۂ وہم یاد رہے کہ ایجاب کے زنجیر عوام کے لیے ہیں ورنہ اہلِ وفا اہل اللہ (انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا وعلیہم السلام) تو مروت و محبت کی سچی تصویر ہیں۔ ان کو طاعتِ الٰہی کی بجا آوری سعادت بلکہ شرافت محسوس ہوتی ہے بلکہ وہ اسی کو اپنی زندگی کا بہترین نوالہ سمجھتے ہیں بلکہ ان کی فطرت کا تقاضا تو یہ تھا کہ اگر طاعت کا حکم ربانی نہ بھی ہوتا تب بھی وہ عبودیتِ حق کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتا اور ربوبیت کی خوشنودی میں خوشی محسوس کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایسے حضرات کے سامنے بہشت اور خدمتِ الٰہی کا اختیار پیش کیا گیا تو انہوں نے بہشت سے انکار کر کے خدمتِ حق میں کمر بستگی پر آمادگی کا اظہار کیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ قیامت میں اپنے بعض بندوں پر بہت خوش ہوگا جنہیں پا بہ زنجیر کر کے بہشت میں لایا جائے گا۔

حدیث شریف ، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریف میں ہے ،

marfat.ocm

عجب ربکم من قوم یقادون الی الجنۃ بالسلاسل۔

(اللہ تعالیٰ اس قوم سے بہت خوش ہوگا جسے زنجیروں میں جکڑ کر بہشت میں لایا جائے گا)

حدیث ہذا میں اشارہ ہے کہ کبھی کراہت محبت کی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے جیسے تم نے دیکھا ہوگا کہ بعض قیدیوں کو دارالاسلام میں سخت مجبور کر کے لایا جاتا ہے پھر اسے اسلام کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ تو ایسے لوگ گویا پابہ زنجیر کر کے بہشت میں داخل کیے گئے۔ اس لیے ہر شے میں خاتمہ کا اعتبار ہے۔

ف : جو شخص صرف ثواب و عقاب کو مدِّ نظر رکھ کر اسلام قبول کرتا ہے طوعاً یا کرہاً، تو اس کا اسلام بھی مجبوری میں شمار ہوگا۔ اگر وہ صرف ثواب و عذاب دینے والے کو مدِّ نظر رکھتا ہے اسے نہ ثواب سے غرض نہ عذاب سے واسطہ۔ تو اس کا اسلام مبنی بر معرفت و محبت ہے اس کا اسلام نہایت اعلیٰ درجے کا ہے اور اہل اللہ کے نزدیک یہی ایمان معتبر ہے۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ قرآن مجید میں غور و فکر کرے تاکہ اس کا ایمان مخلصین کی فہرست میں ہو اور عرفان و ایقان بلکہ مشاہدہ و عیان کو پالے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے رسل کرام کو بھیجا اس کے سوا گمراہی کے بغیر چارہ نہیں۔

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اور اگر حق جسے انہوں نے مجبوراً قبول کیا منجملہ اس کے وہ احکام شرعیہ ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا **أَهْوَآءَهُمْ** ان کی خواہشات کی اتباع کرے۔ یعنی ان کی خواہشات جنہیں صرف وہی چاہتے ہیں۔ مثلاً وہ کہتے کہ قرآن پاک ان کے ارادوں کے مطابق نازل ہو۔

ف : ان کی موافقت کو اتباع سے تعبیر کرنا مجاز ہے۔

لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهِنَّ البتہ آسمان و زمین اور ان کے اندر رہنے والے جملہ فرشتے اور انسان و جن وغیرہ میں فساد پھیل جائے اور آسمان و زمین کا نظام درہم برہم ہو جائے اس لیے جملہ عالم کا نظام حق سے مربوط ہے جس کو اسلام و توحید اور عدل وغیرہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

ف : بزرگانِ اسلام نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ نفس کی مخالفت اور اس کے ساتھ عداوت و دشمنی کا حکم نہ فرماتا تو مخلوق اپنی خواہشات و شہوات کے تابع ہو کر گمراہ ہو جاتی اور اس گمراہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے اوامر کے خلاف کرتی اور طاعتِ الٰہی سے روگردانی کر کے مخالفتِ حق پر کمربستہ ہوتی اور خواہشِ نفسانی کی عاشق ہوتی اور ایسا عشق اسے جہنم میں لے جاتا۔

بَلْ اَتَیْنٰهُمْ (**ربط** : پہلے مضمون میں ان کی کراہت حق (کہ جس پر عالم کائنات کی وابستگی) کی مذمت کے بعد اب ان کی دوسری بُری عادت کی مذمت کی جا رہی ہے یعنی یہاں پر انسان کی جبلت میں جو خیر و

marfat.ocm

بھلائی پیدا کی گئی ہے اس سے کفار کی رُوگردانی کی مذمت کا بیان ہے اور یہاں پر ذکر سے قرآن مجید مراد ہے کیونکہ اگر اسے دل وجان سے قبول کرلیں تو دُنیا و آخرت میں ان کی شرافت و فخر کے لیے اور کوئی شے بہتر و برتر نہیں۔ کماقال تعالیٰ :

وانہ لذکرلك ولقومك۔

بے شک وہ قرآن آپ کا اور آپ کی شرافت و بزرگی کا موجب ہے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ہم نے ان کی شرافت اور خیر و بھلائی کا بہتر و برتر ساماں عطا فرمایا ہے اسی لیے ان پر واجب ہے کہ وُہ اسے بدل وجان قبول کریں۔

فائدہ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہم نے انھیں وہ نسخہ کیمیا بخشا ہے جس میں ان کے حال و مآل کی خیر و بھلائی ہے۔

فَهُمْ پس وہ اپنے بُرے اختیار سے عَنْ ذِكْرِهِمْ اپنے حال و مآل کی خیر اور بھلائی سے۔

الارشاد میں ہے کہ ذکر سے صرف شرف و فخر مراد ہے۔

مُّعْرِضُونَ ۝ روگردان ہیں اَمْ تَسْئَلُهُمْ یہ ان کے قول ام یقولون بہ جنۃ سے انتقال ہے۔ اور اس سے ان کی زجر و توبیخ مطلوب ہے۔ یعنی ان بدبختوں کا خیال ہے کہ شاید آپ ان سے ادائے رسالت پر خَرْجًا اجر و انعام وغیرہ کا سوال کریں گے اسی وجہ سے وہ آپ پر ایمان نہیں لاتے فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ قلے آپ کے لیے انعامِ ربانی بہتر ہے انکار مذکور سے جو نفیِ سوال مستفاد ہوتی ہے یہ اس کی تعلیل ہے یعنی آپ ان سے کسی قسم کا سوال کریں گے بھی کیسے، جبکہ آپ کے ہاں دُنیا میں رزقِ الٰہی کی کمی نہیں اور نہ ہی آخرت میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ کے اجر و ثواب میں کوئی کمی بلکہ آپ کو دارین میں خیر و برکت سے مالا مال کیا گیا ہے۔

ف ، اس میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے اپنے حبیبِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے استغناء کو بیان کیا گیا ہے کہ آپ کو ان کافروں کے اجر و انعام کی ضرورت ہی کیا ہے جبکہ آپ کا رب تعالیٰ آپ کا کفیل کار ہے۔ اور یہ معاملہ ان بیوقوفوں کو یا تو معلوم نہیں یا معلوم ہے تو پھر آپ پر ایمان کیوں نہیں لاتے۔

الخراج ، الدخل کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے اور الخراج ہر اس خرچ کو کہتے ہیں جو اپنی جیب سے دوسرے پر خرچ کرنا ضروری ہو اور اس کا استعمال اکثر زمین کے محصولات پر ہوتا ہے اور یہاں پر یہ مقصود ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا سب کچھ ہے اور ان کے ہاں ہر وقت انعاماتِ الٰہی کے خزانے کھُلے ہُوئے ہیں۔ اسی لیے انھیں کسی سے کسی شے کی ضرورت نہیں۔ اس معنے کو

marfat.ocm

مذکورہ بالا طریقہ سے بیان کرنا بلیغ ترین کلام میں شمار ہوا ہے۔ اس لیے اسے عطیۂ ایزدی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر بندے کا رزق اپنے ذمۂ کرم واجب فرمایا ہے کہ جس میں خلاف کا ہونا ممتنع ہے۔ (کذا فی تفسیر المناسبات)

وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ اور وہی ذات تمام ان دینے والوں سے بہتر ہے جو کسی کو کسی کے عمل کا عوض دیتی ہے کیونکہ دوسروں کی عطا میں انقطاع و تکدر ہے اور اللہ تعالیٰ کی عطا میں نہ انقطاع ہے نہ تکدر۔ یہ معنی اس لیے کیا ہے کہ صیغہ خیر افعل التفضیل کا ہے اور افعل التفضیل کے مفہوم کی صحیح تقریر وہی ہے جو ہم نے بیان کی ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ عارف باللہ وہ ہیں جو اپنے قلوب کے چہروں کو دنیوی طمع و لالچ کی گرد و غبار سے آلودہ نہیں کرتے بلکہ وہ اپنے قلوب کے روشن چہروں کو آخرت کی نعمتوں کے لالچ سے بھی ملوث نہیں کرتے بلکہ وہ دعوتِ خلق الی اللہ میں للہ فی اللہ کام کرتے ہیں ؎

زیاں می کند مرد تفسیر دان
کہ علم و ہنر می فروشد بنان

ترجمہ: تفسیر داں مرد نقصان کرتا ہے کیونکہ وہ علم و ہنر کو روٹی کے عوض بیچتا ہے۔

نکتہ عجیبہ حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ فتوحات مکیہ شریف میں لکھتے ہیں کہ واعظ کو اپنے وعظ پر لوگوں سے اجرت لینا جائز ہے[1]۔ بلکہ یہ اس کی بہترین حلال کمائی ہے اگر اس کا ترک اس کے لیے افضل ہے اس لیے کہ ہر نبی علیہ السلام نے خلقِ خدا کو دعوتِ دینِ حق پیش کر کے فرمایا:

ان اجری الا علی اللہ۔

اس جملہ سے انبیاء علیہم السلام نے وعظ یعنی دعوت الی اللہ کے جواز کی طرف اشارہ فرمایا ہے اگرچہ اُنھوں نے اور ان کے عُشاق اولیاء کاملین اور علماء باعمل نے صرف اللہ تعالیٰ سے ہی انعام و اکرام کی امید رکھی۔ اور مخلوق سے اس کا تصور تک منقطع رکھا۔

تفسیر عالمانہ **وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ** اور آپ انہیں بلاتے ہیں **اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ** ۝ صراطِ مستقیم کی طرف، وہ صراطِ مستقیم جس کی استقامت کی گواہی عقول سلیمہ دیتے ہیں اور یقین سے

---

[1] اس سے ہمارے دور کے واعظین اگرچہ اپنا پروگرام صحیح سمجھیں گے لیکن میں ان سے عرض کرتا ہوں کہ بھائیو! بتاؤ تو واعظ بھی ہو، ذرا واعظ بن کر دکھاؤ تو سہی۔ امید ہے سمجھداروں نے یہ فقرہ سمجھ لیا ہوگا۔

اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

سکتے ہیں کہ ایسے راستے میں ٹیڑھے پن کا تصور بھی نہیں ہو سکتا کہ جس سے کسی کو وہم ہو کہ آپ اس ٹیڑھے راستے کی دعوت دیتے ہیں وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ کافروں کو آخرت پر ایمان نہ لانے کے وصف سے موصوف کرنے میں ان کی مذمت مطلوب ہے اس لیے کہ وہ بدبخت دنیوی امور میں ایسے منہمک ہیں کہ وہ اپنا مقصدِ اعلیٰ بھی دنیا کو سمجھتے ہیں ان کے اس انہماک سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان کا عقیدہ ہے کہ دنیوی زندگی کے سوا اور کوئی زندگی ہے ہی نہیں عَنِ الصِّرَاطِ یعنی جس سیدھے راستے کے لیے آپ انہیں دعوت دیتے ہیں اس راستہ سے وہ لوگ لَنٰكِبُوْنَ ۝ روگردان بلکہ اس سے عمداً ہٹ کر چلنے والے ہیں اس لیے کہ آخرت پر ایمان لانا اور ان کے حالات سے ڈرنا سب سے بڑا واعظ ہے۔ یہی عقیدہ انسان کو طلبِ حق اور اس کے راستہ پر چلنے پر مجبور کرتا ہے۔ چونکہ ان بیچاروں کو نہ خوفِ خدا ہے اور نہ ہی آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اسی لیے ان کو سیدھے راستے پر چلنے کی سعادت کیسے نصیب ہو سکتی ہے۔

ف : ایمان نہ لانے کی صفت سے انہیں موصوف کرنے سے ان کے حکم کی علت بھی ظاہر کی گئی ہے جیسے ان کی مذمت سے ان کے حکم کی علت کو ظاہر کیا گیا۔

ف : حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا : جس میں عالمِ آخرت کی طرف لوٹنے اور اس کے لئے سرمایہ جمع کرنے کے علامات نہ پائے جائیں اور نہ ہی ملاء الاعلیٰ اور مسندِ اعظم میں اس کا ذکر ہو اس کے لیے یقین سمجھو کہ وہ صراطِ مستقیم سے بھٹکا ہوا اور راہِ رشد کی اتباع سے محروم ہے اس سے وہی شخص بہتر حال پر ہے جسے گزشتہ زندگی کی غلطی کا احساس ہے۔

ف : آیات میں اشارہ ہے کہ کفار بڑے سرکش اور رسولِ خدا کی اتباع اور ان کے ارشادات قبول کرنے سے ہر طرح سے محجوب و محروم ہیں۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

کسے را کہ پندار در سر بود
مپندار ہرگز کہ حق بشنود
ز علمش ملال آید از وعظ ننگ
شقائق بباران نروید ز سنگ

ترجمہ : ا۔ جسے عجب و کبر سر میں ہو وہ حق کی بات کب سُنے گا ایسے شخص کو علم و وعظ سننا بھی گوارا نہیں اور بارش پتھر سے پھول نہیں اُگاتی۔

marfat.ocm

حکایت بہلول دانا اور ہارون الرشید

منقول ہے کہ جب ہارون الرشید مکہ معظمہ سے حج سے فارغ ہوکر واپس ہُوا تو کوفہ میں چند روز قیام پذیر ہُوا جب وہاں سے بغداد کو روانہ ہُوا تو راستہ میں حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ نے کھڑے ہوکر زور سے تین بار پکارا، اسے ہارون۔ ہارون الرشید نے متعجب ہوکر پُوچھا: کون ہے مجھے پکارنے والا؟ لوگوں نے کہا، بہلول دانا ہیں۔ ہارون نے رُک کر اپنا پردہ ہٹایا۔ اس کی عادت تھی کہ ہر شخص سے پردہ کے اندر بات کرتا تھا۔ حضرت بہلول کو فرمایا، جانتے ہو میں کون ہُوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، آپ وہ ہیں کہ اگر کوئی مشرق میں ظلم کرے اور آپ مغرب میں ہوں تب بھی آپ سے اس کے ظلم کے متعلق قیامت میں بازپرس ہوگی۔ حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ کی اس گفتگو سے ہارون متاثر ہُوا پھر پوچھا آپ کو میرا حال بھی معلوم ہے۔ بہلول رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آپ اپنے حال کو قرآن مجید کے مضمون کے مطابق خود دیکھ لیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ان الابرار لفی نعیم و ان الفجار لفی جحیم۔ (بیشک ابرار بہشت میں اور فاجر دوزخ میں ہوں گے)

پھر ہارون الرشید نے پُوچھا کہ میرے اعمال کا کیا معیار ہے؟ حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھا،

انما یتقبل اللہ من المتقین۔

یعنی اللہ تعالیٰ صرف متقین کو قبول فرماتا ہے۔

پھر ہارون الرشید نے کہا، کیا قیامت میں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرابت کوئی فائدہ نہیں دے گی؟ حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھا،

فاذا نفخ فی الصور فلا انساب بینھم یومئذ ولا یتساءلون۔

(جب صور پھونکا جائے گا تو سب انساب ختم ہوجائیں گے)

اس کے بعد ہارون الرشید نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے بھی کوئی فائدہ پہنچے گا؟ حضرت بہلول نے پڑھا:

یومئذ لا تنفع الشفاعۃ الا من اذن لہ الرحمٰن و رضی لہ قولا۔

(اس دن کسی کو شفاعت نفع نہ دے گی سوائے اس کے جس کی اللہ تعالیٰ اجازت دے گا)

ہارون الرشید نے کہا: آپ کا کوئی کام؟ حضرت بہلول رحمہ اللہ نے فرمایا: میرے گناہ بخشوا کر مجھے بہشت میں داخل کرا دیجئے۔ ہارون الرشید نے کہا، یہ تو میرے بس سے باہر ہے البتہ میں آپ کا قرض اتار سکتا ہُوں، اس لئے کہ میں نے سُنا ہے کہ آپ مقروض ہیں۔ حضرت بہلول نے فرمایا کہ قرضہ اٹھا کر کسی کا قرض اتارنا جائز نہیں پہلے آپ لوگوں کے حقوق ادا کیجئے جبکہ آپ خود مقروض ہیں میرا قرض کیا اتاریں گے۔ ہارون الرشید نے کہا، میرا دل چاہتا ہے

marfat.ocm

کہ میں آپ کے لیے ایسا وظیفہ مقرر کر دوں جو آپ کو تادمِ زیست کام دے۔ حضرت بہلول نے فرمایا: ہم سب اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں جب وہ تم کو رزق کے بارہ میں نہیں بھلاتا تو مجھے کیسے بھلائے گا۔ یہ کہہ کر حضرت بہلول رحمہ اللہ تعالیٰ چل دیے۔

ف: پچھلے مضمون میں حضرت بہلول نے آیت **فخراج ربك خیر** کی طرف اشارہ فرمایا تھا اس لیے کہ جو شے بلا تعیین ملے وہ معین کردہ وظیفہ سے بہتر ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

گنج زر گر نبود گنج قناعت باقیست
آنکہ آن داد بشاہان بگدایان این داد

ترجمہ: اگر زر کا خزانہ کسی کو میسر نہیں تو قناعت کا خزانہ تو باقی ہے جس ذات نے زر کا خزانہ بادشاہوں کو دیا ہے اسی ذات نے گداؤں (درویشوں) کو قناعت کا خزانہ بخشا ہے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

نیرزد عسل جان من زخم نیش
قناعت نکوتر بدوشاب خویش

اگر بادشاہ ست اگر پنبہ دوز
چو خفتند گردد شب ہر دو روز

ترجمہ: نیش کے زخم کے لیے شہد بے کار ہے اپنے لیے قناعت بہتر ہے۔ اگر کوئی بادشاہ ہے یا مزدور، دونوں رات کو سوتے ہیں، دونوں کے لیے دن برابر آتا ہے۔

وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ **شانِ نزول:** مروی ہے کہ جب قبیلہ ثمامہ بن اثال الحنفی مسلمان ہوئے اور یمامہ سے جا ملے اور اہلِ مکہ سے غلہ وغیرہ بھی روک لیا تو اہلِ مکہ قحط سالی میں مبتلا ہو گئے یہاں تک کہ بھوک سے خون کو گوبر سے ملا کر کھایا، حضرت کاشفی نے لکھا کہ اہلِ مکہ نے گوبر اور خون کھایا پیا۔ ابوسفیان (جب مسلمان نہیں ہوئے تھے) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں آپ کو رب تعالیٰ کی قسم اور صلۂ رحمی اور رشتہ داری کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ رحمۃ للعالمین ہونے کے مدعی ہیں۔ آپ نے فرمایا: ہاں۔ پھر عرض کی: تو آپ ہمارے بڑوں کو تلوار سے قتل کر رہے ہیں اور ہمارے چھوٹوں کو بھوک سے۔ آپ اپنے رب کریم سے دعا کیجئے تاکہ ہم سے اس قحط کا عذاب ٹل جائے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تو ان سے عذابِ قحط ٹل گیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر ہم ان پر رحم کرکے **وَكَشَفْنَا** ان سے ٹال دیا **مَا بِهِمْ** وہ جو ان پر

marfat.ocm

عذابِ قحط واقع ہوا ہے مِّنْ ضُرٍّ جو نہایت ہی سخت ضرر رساں ہے یعنی قحط اور بھوک جو ان پر غالب آگئی ہے۔
لَّلَجُّوْا لجاج سے ہے بمعنے عداوت اور دشمنی کی حد کر دینا اور روکے ہوئے فعل کے ارتکاب میں سرکشی کرنا۔
فِیْ طُغْيَانِهِمْ طغیان بمعنے شے کی حد میں تجاوز کرنا اور جو بھی گناہوں میں حد سے متجاوز ہو جائے اسے طاغی کہا جاتا ہے یعنی وہ لوگ کفر و استکبار اور عداوتِ رسول اور اہلِ ایمان کی دشمنی میں حد سے متجاوز ہو کر اپنے پرانے دین کی طرف لوٹ جائیں اور پھر یہ خوشامد جو اب کر رہے ہیں اسے بھول جائیں ؎

ستیزندگی کار دیو و دوست
ستیزندگی دشمنی با خوداست

ترجمہ: لڑائی جھگڑا شیطان اور درندوں کا کام ہے دراصل لڑائی جھگڑا کرنا اپنے ساتھ دشمنی کرنے کے مترادف ہے۔

يَعْمَهُوْنَ ۝ العمہ بمعنے تحیر سے کسی امر میں متردد ہونا یعنی ہدایت کی راہوں سے اندھے اور گمراہی میں حیران ہو کر بھٹک رہے ہیں انہیں معلوم نہیں ہو رہا کہ وہ کدھر جائیں، جیسے کوئی شخص راہ بھول جائے تو اس کی ہوش قائم نہیں رہتی اور اسے راستہ نہیں ملتا۔

ملفوظاتِ صوفیہ

(۱) حضرت ابن عطاءؒ رحمہ اللہ نے فرمایا:
ارواح پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو تو مشاہدہ سے نوازتا ہے اور اسرار پر تو مراقبہ کی نعمت بخشتا ہے اور قلوب پر ہو تو معرفت عطا فرماتا ہے، ابدان پر ہو تو سنّتِ مصطفویہ پر چلنے کے جذبہ کی کرم نوازی فرماتا ہے۔

(۲) حضرت ابوبکر بن طاہر رحمہ اللہ نے فرمایا:
کشف الضر بمعنے نفس کی خواہشات اور طول امل و حُبِ ریاست و حبِ علو و حُبِ دنیا سے نجات بخشتا ہے اور مذکور بالا امور اہلِ ایمان کو ضرر پہنچاتے ہیں۔

(۳) حضرت واسطی رحمہ اللہ نے فرمایا:
علم کا طغیان علم پر ناز کرنا، اور مال کا طغیان بخل اور عبادت کا طغیان ریاء اور نفس کا طغیان اتباعِ شہوات ہے۔

وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لام قسم کا جواب ہے۔ دراصل عبارت یہ تھی:
و باللہ لقد اخذناھم الخ
یعنی بخدا ہم نے اہلِ مکہ کو عذابِ دنیوی میں پکڑا۔ اس سے غزوۂ بدر میں ان کا مقتول ہونا اور قیدی ہونا مراد ہے۔

marfat.ocm

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہم نے انھیں مقدماتِ عذاب میں گرفتار کیا۔ اس سے عذاب کے شدائد مراد نہیں کیونکہ وہ تو انھیں آخرت میں نصیب ہوں گے۔

تفسیر عالمانہ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ۝ یعنی اس کے بعد نہ ان سے عاجزی کا اظہار ہوا اور نہ ہی رب تعالیٰ کے حضور میں گڑگڑائے۔ بلکہ اپنی سرکشی اور استکبار میں مست رہے۔

حلِ لغات : استکانۃ بمعنے خضوع و ذلت اور تضرع بمعنے عاجزی کا اظہار۔ اور استکان بر وزن استفعل از کون، وہ اس لیے کہ عاجز ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہوتا ہے استحال کی طرح بمعنے انتقل من حال الیٰ حال آخر، یا افتعال کا باب ہے از سکون یعنی عین کو مفتوح کر کے، اور یتضرعون (فعل مضارع) رعایۃ فواصل کے لیے ہے۔

الارشاد میں ہے کہ یہ ماقبل کے مضمون کی تاکید کے لیے جملہ معترضہ کے طور پر واقع ہے۔ خلاصہ یہ کہ تضرع ان کے عادات میں داخل بھی نہیں۔

حَتّٰىٓ اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ یہاں تک کہ جب ہم ان پر سخت عذاب یعنی آخرت کے عذاب کے دروازے کھولیں گے اِذَا هُمْ اچانک وہ فِيْهِ عذاب میں مُبْلِسُوْنَ ۝ع حیران اور ہر بھلائی سے نااُمید ہوں گے۔ یعنی ہم انھیں ہر قسم کی محنت و تکلیف اور قتل اور قید اور بھوک وغیرہ میں مبتلا کریں گے اسی وجہ سے نہ ان سے حق کے سامنے سرِ تسلیم خم ہوا اور نہ ہی وہ اسلام کی طرف متوجہ ہوئے۔ مگر ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو اس استکانۃ اور تضرع الی اللہ میں داخل نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ اپنی جملہ طاقتوں سے مایوس ہو کر اسلام میں داخل ہو گئے۔ ان کی کیفیت اس شخص جیسی ہے جو بھوکا ہو تو عاجزی کا اظہار کرے، اگر سیر ہو تو لڑائی پر اُتر آئے۔ [1](لیکن بحمدہٖ تعالیٰ اسلام ایسا عالی ظرف ہے کہ جونہی اس قسم کے لوگ اس میں داخل ہوئے اگرچہ ابتداءً وہ ضعیف الایمان تھے لیکن بعد میں اسلام نے اپنے فیوض و برکات سے ان کو پختہ ایمان دار بنا دیا۔ اس لیے اہلِ اسلام پر لازم ہے کہ وہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادے حضرتِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر کسی قسم کی بدگمانی نہ کریں۔ ان پر بدگمانی اور طعن و تشنیع سخت گناہ ہے۔ مگر یزید کو جتنا بھی ملعون کیا جائے کم ہے)

ف : اکثر کفار اپنی اس بدقسمتی یعنی عجز و نیاز اور تضرع کی محرومی پر ڈٹے رہے یہاں تک کہ جہنم میں داخل ہوئے۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

کما قال :

ویوم تقوم الساعۃ یبلس المجرمون۔

اور فرمایا :

لا یفتر عنہم وھم فیہ مبلسون۔

فائدہ تفسیریہ : حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

آیت میں جس دروازے کا بیان ہے وہ جہنم میں سب سے اوپر ہے جس میں چار ہزار سیاہ چہرے والے داڑھیں نکالے ہوئے فرشتے ہیں جن کے قلوب سے رحمت بالکل نکال لی گئی ہے جب جہنمی وہاں پہنچیں گے تو اس وقت وہی دروازہ کھلے گا، ہم اللہ تعالیٰ سے ایسے عذاب سے عافیت و سلامتی کا سوال کرتے ہیں۔

شبیر و شبر آگ کی لپیٹ میں

وہب بن منبہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ بیت المقدس میں ایک ہزار چراغ جلائے جاتے تھے ان کے لیے طورِ سینا سے اونٹ کی گردن کی طرح نہایت صاف و شفاف تیل ظاہر ہوتا اور ان چراغوں کو جلانے کا کام حضرت ہارون علیہ السلام کے دو صاحبزادوں شبیر و شبر کے سپرد تھا اور انہیں حکم تھا کہ وہ ان چراغوں کو اس دنیوی آگ سے نہ جلائیں بلکہ آسمانی آگ انہیں خود بخود روشن کرے گی۔ ایک دن شبیر و شبر نے عجلت کر کے انہیں دنیوی آگ سے روشن کر دیا۔ پھر یکایک آسمان سے آگ اتری اور ان دونوں کو اپنی لپیٹ میں لے کر جلا کر راکھ کر دیا۔ جونہی اس واقعہ کی اطلاع حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہوئی وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں گڑگڑائے اور آسمانی آگ کے خلاف استغاثہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے ابنِ عمران ! (موسیٰ علیہ السلام) جب میرے دوست کوئی معمولی غلطی کریں تو انہیں ایسے ہی سزا دیتا ہوں۔ اس سے آپ خود سوچیں کہ اپنے مخالفین کو کتنی سزا دوں گا !

ولی اللہ اور یہودی کا مناظرہ

ایک دن حضرت سہل صعلوکی (مسکین درویش) ایک مالدار یہودی کے حمام کے سامنے سے گزرے اور یہودی نے کہا، کیا تمہارا عقیدہ حق ہے جب تم کہتے ہو کہ دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنّت ہے۔ آپ نے فوراً بلا تامّل فرمایا جب تم مرنے کے بعد عذاب آخرت میں گرفتار ہو گے تو تمہیں یہی دنیوی عیش و عشرت بمنزلہ جنّت کے معلوم ہوگا اور جب ہم بہشت کی نعمتوں سے سرشار ہوں گے تو ہمیں یہی دنیوی زندگی بمنزلہ جہنّم کے محسوس ہو گی۔ درویش کی گفتگو سے تمام یہودی ششدر رہ گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آخرت کا عذاب اس دنیوی تکلیف و مصیبت کی طرح نہیں اس کا نرالا رنگ ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہے وہ گناہوں سے کوسوں دور رہتا ہے۔

(صفحہ ۹۱ پر)

marfat.ocm

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ
اور وہی ہے جس نے بنائے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل

قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝٧٨ وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ
تم بہت ہی کم حق مانتے ہو اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلایا اور اسی

وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝٧٩ وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ
کی طرف اٹھنا ہے اور وہی جلائے اور مارے اور اسی کے لیے ہیں رات اور دن کی تبدیلیں

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝٨٠ بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ۝٨١ قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا
تو کیا تمہیں سمجھ نہیں بلکہ انہوں نے وہی کہی جو اگلے کہتے تھے بولے کیا جب ہم مر جائیں اور

تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝٨٢ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ
مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں کیا پھر نکالے جائیں گے بے شک یہ وعدہ ہم کو اور ہم سے پہلے ہمارے باپ دادا کو دیا گیا

اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝٨٣ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ
یہ تو نہیں مگر وہی اگلی داستانیں تم فرماؤ کس کا مال ہے زمین اور جو کچھ اس میں ہے اگر تم جانتے

تَعْلَمُوْنَ ۝٨٤ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝٨٥ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ
ہو اب کہیں گے کہ اللہ کا تم فرماؤ پھر کیوں نہیں سوچتے تم فرماؤ کون ہے مالک ساتوں آسمانوں کا

السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝٨٦ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝٨٧ قُلْ مَنْ
اور مالک بڑے عرش کا اب کہیں گے یہ اللہ ہی کی شان ہے تم فرماؤ پھر کیوں نہیں ڈرتے تم فرماؤ کس

بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝٨٨
کے ہاتھ ہے ہر چیز کا قابو اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے خلاف کوئی پناہ نہیں دے سکتا اگر تمہیں علم

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ۝٨٩ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝٩٠
ہو اب کہیں گے یہ اللہ ہی کی شان ہے تم فرماؤ پھر کس جادو کے فریب میں پڑے ہو بلکہ ہم ان کے پاس حق لائے اور وہ بیشک جھوٹے

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ
ہیں اللہ نے کوئی بچہ اختیار نہ کیا اور نہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا خدا یوں ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق لے جاتا اور ضرور ایک دوسرے پر

وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝٩١ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ
اپنی تعلی چاہتا پاکی ہے اللہ کو ان باتوں سے جو یہ بناتے ہیں جاننے والا ہر نہاں و عیاں کا تو اسے

فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝٩٢
بلندی ہے ان کے شرک سے

ع ٥ ١٥ ٥

(صفحہ ۸۹ سے آگے)

جہنم کا خوف اور ملائکہ مقربین حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ میں نے میکائیل علیہ السلام کو کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی جب سے اللہ تعالیٰ نے جہنم کو پیدا فرمایا ہے اس روز سے میکائیل علیہ السلام نے اس کے ڈر سے ہنسنا بند کیا ہوا ہے۔

فائدہ صوفیانہ ریاضات و مجاہدات نفس امّارہ کے لیے عذابِ الٰہی ہیں ان سے نفس اور اس کی خواہشات اور طبیعت اور اس کے تقاضے مجاہدات و ریاضات سے جل کر راکھ ہو جاتے ہیں پھر وہ اپنی فطرت اصلیہ کی طرف راجع ہوتے ہیں لیکن مجاہدات و ریاضت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں عجز و نیاز اور آہ و زاری کرنا اور چہرے کو زمین پر رگڑنا ضروری ہے اس لیے کہ صرف اعمال صالحہ پر بھروسا کرنے سے کام نہیں چلتا لیکن عجز و نیاز اور انکساری سے قبولِ حق کے دروازے کھلتے ہیں ؎

جز خضوع و بندگی و اضطرار
اندریں حضرت ندارد اعتبار

ترجمہ: خضوع و بندگی و اضطرار کا ہی بارگاہِ حق میں اعتبار ہے۔

حکایت سیدنا بایزید بسطامی قدس سرہٗ فرماتے ہیں، میں تیس سال تک عبادت و ریاضت میں پگھلتا رہا۔ ایک روز غیب سے ندا آئی کہ اے ابا یزید! عبادت سے میرے خزانے پُر ہیں اگر تم میرا وصال چاہتے ہو تو عجز و نیاز اور انکسار و ذلت سے پیش آؤ۔ (یہ حکایت پہلے بھی کئی بار گزری ہے)

سبق اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا وصال صرف عبادت سے نہیں بلکہ اس کے ساتھ عجز و نیاز اور ذلت و انکساری ضروری ہے۔ اور عجز و نیاز ایسا ہو کہ انا کا تصور ختم ہو جائے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہم سے ظلماتِ نفس دور کرے اور ہمیں انس و قدس سے منور فرمائے۔ اسی کے ہاں ہر آرزو پیش کی جاتی ہے اور وہی ہر کام بنانے والا ہے۔

(تفسیر آیات صفحہ ۹۵)

تفسیر عالمانہ وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ وہ اللہ تعالیٰ جس نے پیدا فرمایا لَكُمُ تمہارے منافع کے لئے السَّمْعَ، سمع یعنی وہ قوت جو کانوں میں ہے جس کے ذریعے انسان اصوات کا ادراک کرتا ہے اس کے فعل کو سمع (شنیدن، سننا) سے تعبیر کرتے ہیں اور اسے کبھی گوش (کان) سے بھی تعبیر

marfat.ocm

کرتے ہیں وَالْاَبْصَارَ بصر کی جمع ہے یعنی وہ عضو جس سے دیکھا جاتا ہے اور وہ قوت جس سے شے کا ادراک کیا جاتا ہے جسے فارسی میں دیدہ (آنکھ) سے تعبیر کرتے ہیں وَالْاَفْـِٕدَةَ فواد کی جمع ہے جسے فارسی اور اردو میں دل کہا جاتا ہے۔

امام راغب نے کہا کہ فؤاد قلب کا دوسرا نام ہے لیکن ان دونوں میں فرق ہے۔ وہ یہ کہ اگر اس میں تفؤد یعنی توقد کا معنیٰ معتبر ہو تو اسے فواد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ فادت اللحم سے ہے بمعنے شویتہ (میں نے گوشت کو بھونا) اور کہتے ہیں لحم فئیل بمعنے مشوی یعنی بھونا ہوا گوشت۔

ف : ان تینوں اعضاء کی تخصیص اس لیے ہے کہ اکثر دینی و دنیوی فوائد انہی سے متعلق ہیں۔

قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ٥ ما، قلیلا کے صلہ اور اس کی تاکید کے لیے واقع ہوا ہے۔ اب معنیٰ یوں ہوا کہ اتنی بہت بڑی نعمتوں کا تم بہت کم شکر کرتے ہو وہ اس لیے کہ نعمت کی ادائیگی شکر کا یہ معنیٰ ہے کہ جس شے کو جس کام کے لیے پیدا فرمایا ہے اسے اسی پر استعمال کرنا۔ لیکن تم نے اس کے برعکس معاملہ کر دیا کہ ان کو غیر محل پر استعمال کیا۔

ف : فقیر (حقی) کہتا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں قلت کو عدم کے معنیٰ میں لیا گیا ہے اور قلت عدم کے معنے میں بھی مستعمل ہے اور کفار کے حال کی مناسبت سے یہی معنیٰ موزوں ہے۔ آیت میں تین فوائد کا ذکر ہے:

۱۔ بہت بڑی نعمتوں مثلاً سمع، بصر فواد کا اظہار۔

۲۔ انہی نعمتوں کے لیے بندوں سے ادائیگی شکر کا مطالبہ۔

۳۔ بندوں کے شکر نہ کرنے کی شکایت۔ کیونکہ شکر گزار بندے قلیل ہیں۔ چنانچہ فرمایا،

وقلیل من عبادی الشکور۔

اور ان نعمتوں کی ادائیگی کا معنیٰ یہ ہے کہ انھیں منعم کی طاعت و عبودیت میں استعمال کرنا۔ مثلاً سمع کی طاعت منہیات کے استماع میں استعمال کرنا کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سوا اسے اور کوئی نہ ہو سے

گزرگاہ قرآن و پندست گوش
بہ بہتان و باطل شنیدن مکوش

ترجمہ : کان قرآن و نصیحت کی گذرگاہ ہے باطل و بہتان سننے کی کوشش نہ کر۔

اور بصر کو طاعت میں استعمال کرنا یہ ہے محرمات کو دیکھنے سے اسے بند رکھنا ہر وقت عبرت کے دیکھنے میں لگا رہے سے

دو چشم از پے صنع باری نکوست
ز عیب برادر فرو گیر و دوست

ترجمہ: دو آنکھیں صنعتِ باری تعالیٰ دیکھنے کے لیے ہیں، اے برادر! دوست کا عیب نہ تلاش نہ کر۔

اور قلب کا شکر میں استعمال کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ اسے اخلاقِ ذمیمہ کی گرد و غبار سے پاک و صاف رکھنا اور کونین کے تعلق سے دور رکھنا اسے سوائے اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ اور اس کی محبت و عشق کے سوا اور کوئی کام نہ ہو۔

ترا گوہر دل کردہ اندر امانتدار
ز دزد امانت حق را نگاہ دار و مخسپ

ترجمہ: تیرے دل کو ایک گوہر کا امانتدار بنایا گیا ہے۔ امانتِ حق کو چور سے محفوظ کر اور غافل ہو کر نہ سو۔

وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وہ اللہ تعالیٰ جس نے نسل بڑھانے کے ذریعے تمہیں زمین پر پھیلایا ہے۔ یہ ذرا اللہ الخلق سے ہے یعنی ان کے اشخاص کو پیدا فرمایا وَاِلَيْهِ اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف تُحْشَرُوْنَ ۝ قیامت میں تم جمع کیے جاؤ گے بعد اس کے کہ تمہارے اجسام کو مرنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کیا جائے گا۔ جب تمہارا یہی حال ہے تو پھر تم ایمان کیوں نہیں لاتے اور اس کی نعمتوں کا شکر کیوں نہیں ادا کرتے وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جو تمہیں زندہ کرتا اور مارتا ہے اس میں اس کا کوئی بھی شریک نہیں یعنی وہ قیامت کے دن (بے جان) نطفوں، مٹی، انڈوں اور مُردوں کو حیات بخشنے والا ہے۔ اور زندوں سے زندگی چھینتا ہے۔

نکتہ: یہاں ماضی کے صیغہ (احییٰ و اَمات) کے بجائے مضارع (یحیی و یمیت) کے صیغے لانے میں اشارہ ہے کہ یہ اس کی عادتِ کریمہ ہے جس سے انہیں انکار نہیں کرنا چاہیے۔

وَلَهُ اور خاص اسی کے لیے اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ دن رات کا مختلف ہونا یعنی ان کے تعاقب کا مؤثرِ حقیقی وہی ہے سورج تو صرف ایک سبب ہے، یا اختلاف سے ان کا گھٹنا بڑھنا مراد ہے اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ کیا تم اس سے غافل ہو، اگر نہیں تو پھر نظر و فکر کو استعمال کر کے کیوں نہیں سمجھتے کہ یہ جملہ امور ہماری طرف سے ہیں اور تمام ممکنات پر ہمارا تصرف جاری ہے اور قیامت کا اٹھانا بھی ہمارے تصرفات میں سے ایک ہے۔ بَلْ قَالُوْا اس کا عطف فعل مضمر پر ہے جیسے کہ مقام کا تقاضا یونہی ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ انہیں بجائے سمجھنے کے کہہ دیا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ۝ اسی طرح جیسے ان کے پہلے کافروں نے کہا۔ اب اس قوم مبہم کی تفسیر فرمائی قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا انہوں نے کہا کہ کیا جب ہم مر جائیں گے وَكُنَّا تُرَابًا اور ہو جائیں گے مٹی وَّعِظَامًا اور ہو جائیں گے ہڈیوں کا چورہ چورہ ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝ کیا پھر ہم اٹھائے جائیں گے، یہ استفہام انکاری ہے۔ یعنی بر سبیلِ انکار انہوں نے کہا اور بعید سمجھا، حالانکہ انہوں نے غور و فکر نہیں کیا کہ

marfat.ocm

پہلے بھی تو وہ مٹی تھے۔ اسی مٹی (لاشے) سے انہیں پیدا کیا گیا۔ اذا کا عامل وَاِنَّا کا معنٰی ہے یعنی نبعث۔ یہ اس لیے کہ ان کا ما بعد ما قبل پر عمل نہیں کرتا لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا بیشک ہم اور ہمارے آباء اسی کا وعدہ دئے گئے هٰذَا کا اشارہ مرنے کے بعد جی اُٹھنے کی طرف ہے اور یہ وعدنا کا مفعول ثانی ہے مِنْ قَبْلُ یہ فعل کے متعلق ہے بایں معنٰی کہ اس کا اسناد ان کے آباء کی طرف ہے اس کا اسناد خود کی طرف نہیں یعنی حضور (محمد سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم) کی تشریف آوری سے پہلے ہمارے آباد کو بھی اسی کا وعدہ دیا گیا انھوں نے اسے لاشے سمجھا اور ہم بھی اس کی حقیقت کے منکر ہیں یعنی یہی مرنے کے بعد اُٹھنے کا وعدہ ہمیں اور ہمارے آباد کو سنایا گیا لیکن یہ وعدہ سچا نہیں اور نہ ہی اس میں صداقت کی بُو ہے اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ یہ نہیں مگر پہلے لوگوں کی بناوٹی باتیں۔ اساطیر، اسطورۃ کی جمع ہے یعنی وہ جھوٹ جسے انسان اپنے ہاتھ سے لکھے اور اسے عام پھیلائے اسی لیے اسطورہ، اعاجیب و اضاحیك کی طرح ان لہو و لعب کی باتوں میں استعمال ہوتا ہے جنکی کوئی حقیقت نہ ہو۔

ف: آیت سے معلوم ہوا کہ انسان اپنے آباء کی تقلید (سوء) کا خوگر ہے مگر جسے اللہ تعالیٰ اس کے نورِ ایمان کی برکت سے تصدیق بالتحقیق کی ہدایت بخشے ورنہ عموماً اکثر متاخرین اپنے متقدمین آباء کی تقلید میں انبیاء علیہم السلام کی تکذیب اور مرنے کے بعد قیامت میں اُٹھنے کا انکار کرتے چلے آئے۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

خواہی بصوت کعبۂ تحقیق رہ بری
پے بر پے مقلد گم کردہ رہ مرو

ترجمہ: اگر تم کعبۂ تحقیق کی طرف پہنچنا چاہتے ہو تو راہ گم کردہ مقلد کے نقشِ قدم پر مت چلو۔

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ۔ من ذوی العقول کے لیے آتا ہے اور زمین میں ذوی العقول بہت کم ہیں لیکن ان کی شرافت و بزرگی کے پیشِ نظر تغلیباً من کو لایا گیا یعنی فرمائیے زمین اور زمین پر رہنے والی جملہ مخلوق کس کی ہے اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اگر تم کچھ جانتے ہو تو اس کی مجھے خبر دو۔ یہی جواب بھی ہمارے دعوٰی کے لیے کافی ہے اس میں ان کی جہالت کے واضح ہونے پر مبالغہ کیا گیا ہے سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ وہ کہیں گے یہ سب کچھ اللہ کا ہے یہ اس لیے کہیں گے کہ بداہتہً عقل مجبور کرتی ہے کہ وہ اعتراف کریں کہ ان سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے قُلْ جب وہ اس کا اعتراف کر لیں کہ واقعی سب کچھ اللہ تعالیٰ ہے تو اے محبوب! (صلی اللہ علیہ وسلم) انھیں فرمائیے اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ مانتے ہو تو پھر نصیحت پذیر کیوں نہیں ہوتے ہو کہ جس ذات نے ان تمام اشیاء کو ابتداءً پیدا فرمایا تو وہ قادر ہے کہ انھیں قیامت میں بھی اٹھائے اس لیے کہ اسے نہ ابتداءً پیدا کرنا مشکل ہے

marfat.ocm

نہ ہوتا تھا، ورنہ عقول کا تقاضا یہ ہے کہ ابتداءً پیدا کرنا مشکل ہے۔ عقل نے جب سر جھکا دیا کہ وہی ذات ابتداءً پیدا کرتی ہے، جو ایک مشکل کام ہے، تو اس کے لیے اعادہ مشکل کیوں؟ جبکہ اعادہ ایک آسان کام ہے قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ٥ فرمایئے ساتوں آسمانوں اور عرشِ عظیم کا رب کون ہے اس میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف اور اصغر سے اکبر کی طرف ترقی ہے۔

ازالہ وہم اس سے کوئی یہ گمان نہ کرے کہ آسمان و عرش اعلیٰ و اعظم ہیں اور زمین ادنیٰ، تو ان کے مکینوں کا مرتبہ بھی ایسے ہوگا بلکہ آسمان و عرش کے مکین سب کے سب زمین کے مکینوں سے افضل ہیں، یہ غلط ہے بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام جملہ ملائکہ سے افضل ہیں خواہ وہ عرش کے مکین ہیں یا آسمانوں کے۔

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ط جواب دیں گے اللہ تعالیٰ کے لیے ہے لله کی لام سوال کے معنی پر نظر کر کے، مثلاً کہا جاتا ہے من ربه ولمن هو کا ایک ہی معنیٰ ہے یعنی رب تعالیٰ اور اس کے لیے ہے یعنی جب کہا جائے من رب هذا۔ اس کا معنی ہے لمن هذا یہ کس کے لیے ہے اس کا جواب آئے گا لفلان۔ یعنی فلاں کے لیے ہے۔

قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ٥ یعنی تم اس پر عمل کر کے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے نہیں ہو جب تمہیں معلوم ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیوں کرتے ہو اور قیامت کا انکار کیوں کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت میں اس کا شریک کیوں ٹھہراتے ہو تذکر کو تقویٰ پر مقدم کرنے کی وجہ ظاہر ہے یہ کہ تذکر سے ہی انسان معرفت حاصل کرتا ہے یعنی علم سے ہی انہیں پتا چلے گا کہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچنا لازم ہے۔ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ۔ اَلْيَد ایک مشہور عضو کا نام ہے جو کندھے سے لے کر انگلیوں تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ گوشت اور ہڈیوں اور عصب سے مرکب ہے اور یہ تینوں صفت مخصوص کے ساتھ الگ الگ جسم نہیں ہو سکتا۔ اس اعتبار سے یَد کا معنیٰ مجازی کرنا ضروری ہوگا یعنی یہاں پر یَد بمعنے قدرت ہے۔ یہی معنی ہر اس جگہ پر کرنا ہوگا جہاں اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ یَد کا اطلاق ہوا۔

حدیث شریف : حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"اَن اللہ خمر طینة آدم بیدہٖ"

(اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت قاہرہ سے آدم علیہ السلام کا گارا گوندھا)

وہ اس لیے کہ یَد (ہاتھ) ایک مخصوص عضو ہے جو چند چیزوں سے مرکب ہے، اور ترکیب حدوث کی دلیل ہے اور حدوث قدم اور ازلیت کے منافی ہے اسی طرح اصبعان (دو انگلیوں) کا اطلاق بھی اللہ تعالیٰ کی شان کے منافی ہے۔

حدیث شریف : چنانچہ حدیث شریف میں ہے : ان قلب المؤمن بین اصبعین من اصابع الرحمٰن۔

marfat.ocm

(مومن کا قلب اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے)

اور دو ہاتھوں کا اطلاق آیا ہے۔ کما قال:

لما خلقت بیدی۔

یہ تمام اطلاقات مبنی بر مجاز ہیں کہ ید بمعنے قدرت ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ میں نے آدم (علیہ السلام) کو اپنی قدرت سے پیدا کیا۔

مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہیں ہر شے کے ملکوت۔ یعنی جو کچھ مذکور ہوا اور جو ہوگا، اور ملکوت بمعنے ملك تام، اور تاء مبالغہ کی ہے۔ امام راغب نے کہا کہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہر شے کا ایک ملکوت ہے کہ اسی عالم دنیا کے ہر ایک کی روح اسی عالمِ ملکوت میں ہے عالمِ دنیا کی ہر شے اسی سے قائم ہے اسی سے ہی ہر شے اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتی ہے۔ کما قال:

وان من شئ الا یسبح بحمدہٖ۔

(نہیں کوئی شے مگر حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے)

اور یہی رُوح اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

فقیر (حقی) کہتا ہے کہ یہ گزشتہ آیت کے موافق ہے۔ مثلاً فرمایا جیسے ہر شے کو اللہ تعالیٰ جسم عطا فرماتا ہے اسی طرح اس کی رُوح بھی اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

تفسیر عالمانہ وَهُوَ يُجِيْرُ وہی اللہ تعالیٰ پناہ بخشتا ہے جب چاہتا ہے وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اور اسے کوئی پناہ نہیں دیتا۔ یعنی کوئی اسے کسی کی مدد کرنے سے نہیں روک سکتا۔ نصرت کے معنے کو متضمن ہونے کی وجہ سے اس کا صلہ لفظ علیٰ واقع ہوا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ قیومیت سے تمام اشیاء کو پناہ دیتا ہے اور جس کو وہ تباہ کرنے کا ارادہ فرمائے اسے کوئی روک نہیں سکتا۔

تفسیر عالمانہ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اگر تم اسے جانتے ہو تو اس کا مجھے جواب دو سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ وہ کفار اس کے جواب میں یہی کہیں گے کہ جملہ ملکوت اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ۝ فرمائیے تو پھر کیوں دھوکا و فریب کھا رہے ہو باوجودیکہ تمہیں اپنی گمراہی کا یقین ہے لیکن پھر بھی رشد و ہدایت کی روشنی میں نہیں آتے کیونکہ جو فریب خوردہ اور عقل کا کمزور ہوتا ہے وہ تمہاری طرح نہیں ہوتا۔ انہیں دھوکا میں ڈالنے والا شیطان ہے یا ان کی اپنی خواہش نفسانی سے

marfat.ocm

١ اے کہ پے نفس و ہوٰی می روی
راہ اینست خطا می روی

٢ راہ روان زان رہ دیگر روند
پس تو بدین راہ چرا می روی

٣ منزلِ مقصود ازان جانب است
پس تو ازیں سو بکجا می روی

ترجمہ (١) اے فلاں! تُو نفس و ہوٰی کے پیچھے کیوں جا رہا ہے سیدھی راہ تو اِدھر ہے تُو کہاں جا رہا ہے۔

(٢) تو اس راہ پر مت جا جس پر دوسرے گمراہ جا رہے ہیں۔ میں تجھے کہتا ہوں کہ تُو ان گمراہوں والی راہ پر کیوں جا رہا ہے۔

(٣) منزلِ مقصود تو اِدھر ہے تو اس جانب حق کو ترک کر کے کدھر جا رہا ہے۔

بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ بلکہ ہم نے انہیں توحید اور قیامت میں جی اُٹھنے کا وعدہ دیا ہے وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ اور بے شک وہ جھوٹے ہیں یعنی شرکیہ کلمات اور قیامت میں اُٹھنے کے انکار میں وہ جھوٹے ہیں اور پھر وہ اس غلط طریقے پر مُصِر ہوئے ہیں اور اپنی سرکشی اور حق سے دُوری پر قایم ہیں حالاں کہ ان کے جملہ اعذار اور علل کا ازالہ کیا گیا ہے۔ پھر جب عذاب میں مبتلا ہو گئے تو اس وقت ان کا عذر قابلِ سماعت نہ ہو گا اور نہ ہی انہیں یہ غلط فہمی ہو کہ یہ چند روزہ مہلت ان کے لیے بقا کا موجب ہے بالآخر اللہ تعالیٰ ان سے بدلہ لے گا کیونکہ مہلت دینا اس کی حکمت ہے اور وہ مہلت دینے پر مجبور بھی نہیں اور نہ اسے کوئی مجبور کر سکتا ہے۔

ف: جناب سجاد نے فرمایا کہ اہلِ دنیا کتاب کی سطروں کی طرح ہیں کہ اوراق گردانی سے ایک سطر کھل جاتی ہے تو دوسری بند ہو جاتی ہے۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

قیامت کے جمعات میں سے ایک جمعہ ہے۔ یہ دنیا یعنی اس کی مقدار سات ہزار سال ہے اس سے چھ ہزار سال گزر گئے باقی چند صدیاں رہ گئی ہیں اور اس کی آخری صدی میں اہلِ توحید نہیں ہوں گے یعنی آخری ایام میں تمام سعادت مند فوت ہو جائیں گے اور قیامت بدبختوں پر آئے گی مرنے کے بعد سب کو اٹھایا جائے گا اور ہر ایک سے حساب ہو گا اور ہر ایک کو جزا و سزا دی جائے گی۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

marfat.ocm

۱ خاک را و نطفه را و مضغه را   پیش چشم ما همی دارد خدا
۲ کز کجا آوردمت اے بدنیت   کہ ازان آید ہمی خفریقیت
۳ تو بدان عاشق بدی در دور آن   منکر این فضل بودی آن زمان
۴ این کرم چون دفع آن انکار تست   کہ میان خاک می کردی نخست
۵ حجت انکار شد انشار تو   از دوا بهتر شد این بیمار تو
۶ خاک را تصویر این کار از کجا   نطفه را خصمی و انکار از کجا
۷ چون دران دم بے دل و بے سر بدی   فکرت و انکار را منکر بدی
۸ از جمادے چونکہ انکارت برست   ہم ازین انکار حشرت شد درست
۹ پس مثال تو چو آن حلقه زنیست   کز درونش خواجہ گوید خواجہ نیست
۱۰ حلقه زن زین نیست دریابد کہ ہست   پس ز حلقه برندارد ہیچ دست
۱۱ پس ہم انکارت مبین مے کند   کز جماد او حشر صد فن مے کند
۱۲ چند صنعت رفت از انکار تا   آب و گِل انکار زاد از ھَل اتیٰ
۱۳ آب و گل میگفت خود انکار نیست   بانگ میزد بے خبر کاخبار نیست

ترجمہ: ۱۔ خاک نطفہ و مضغہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے سامنے ہیں۔

۲۔ اے بدنیت انسان! میں تجھے کہاں سے لایا ہُوں کہ اس سے تجھے پناہ کیسے ملی ہے۔

۳۔ اس وقت تو اس پر عاشق تھا اس فضیلت کا تو اس وقت منکر تھا۔

۴۔ یہ کرم تیرے کرم کو دفع کرنے سے ہے جو کہ تُو نے اس سے پہلے خاک میں انکار کیا تھا۔

۵۔ تیرے انکار کی دلیل تیرا دنیا میں آنا ہے تیرے لیے علاج سے یہی بیمار بہتر ہے۔

۶۔ خاک کو تصویر (شکل) مل جانا یہ کس کا کام ہے نطفہ کو خصومت اور انکار کیوں۔

۷۔ جب تو اس وقت بے دل و بے سر تھا تو انکار و فکر کا بھی منکر تھا۔

۸۔ ڈھیلوں سے چونکہ تیرا انکار نجات پا گیا اسی لیے تیرا حشر صحیح اور درست ہو گیا۔

۹۔ تیری مثال عورت کے اس حلقے کی ہے کہ اس کے اندر خواجہ ہو لیکن وُہ کہے کہ خواجہ نہیں۔

۱۰۔ اس طول اور سرسائٹھ میں ظاہری حسن و جمال کے سوا کچھ نہیں۔ پتا تو یہ ہے کہ یہاں کھوٹے سکے بھی نایاب نہیں ہیں۔

۱۱۔ ایسے ہی تیرا انکار واضح ہو جائے گا جو ڈھیلہ ہونے کے باوجود سو کر و فریب کرتا ہے۔

۱۲۔ انکار سے کئی صنعتیں گئیں ھَل اتیٰ کا انکار آب و گِل زادے سے ہوا۔

۱۳۔ آب و گِل کہتا تھا کوئی انکار نہیں بے خبر ہی آوازیں دیتا تھا کہ ہمیں کوئی خبر نہیں۔

marfat.ocm

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ نصاریٰ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے اور ان کے بعض فرقے کہتے ہیں کہ ملائکہ کرام اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں ہیں۔ ان کے ردّ میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی اولاد نہیں بنا رکھی اس لیے کہ اولاد اپنے ماں باپ کی ہم جنس ہوتی ہے اور انہیں ایک دُوسرے سے مماثلت ہوتی ہے اور زن و شوہر کی یک جنسیت سے سلسلۂ توالد و تناسل بڑھتا ہے اور اللہ تعالیٰ جنسیت و مشابہت سے منزّہ اور پاک ہے وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اور اس کے ساتھ کوئی معبود نہیں جو الوہیت میں کوئی شریک ہو یہ بدبخت بت پرستوں کا عقیدہ ہے جو کہا کرتے ہیں کہ بُت وغیرہ اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں اس میں اس بدعقیدہ گروہ کا رُد بھی ہے جو کہا کرتے ہیں کہ نور کا خالق اور ہے اور ظلمت کا خالق اور۔ اِذًا یہ جواب وجزا پر داخل ہوتا ہے اور اس کا جواب وجزا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ ہے یعنی تو اس وقت ہر معبود اپنی پیدا کردہ شے کو لے جائے۔

سوال ، شرط کا مضمون تو ہوا نہیں پھر یہ لذهب كل اله الخ کیسے جزاء و جواب بنا دیا گیا۔

جواب ، وما کان معه الخ میں شرط کا معنی شرط مقدر پر دلالت کرتا ہے دراصل عبارت یوں تھی، لوکان معه الٰهة الخ یعنی ہر معبود اپنے غیر سے ممتاز ہونے کے لحاظ سے اپنی پیدا کردہ مخلوق علٰحدہ کر لے لیکن چونکہ یہ معاملہ ہر کس کے سامنے ہے کہ نہ کسی کی کوئی شے پیدا کردہ ہے نہ اسے علیحدہ لے جا سکتا ہے۔ اس سے نتیجہ نکلا کہ اس واحد لاشریک کے ساتھ اور کوئی خدا نہیں وہی اکیلا عبادت کا مستحق ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ اولاد اور شریک ہونا دونوں اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہیں کیونکہ یہ دونوں خنیت و مماثلت چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ دونوں چیزوں سے منزّہ و مقدس ہے اگر ہم مان بھی لیں کہ اس کے ساتھ اور بھی شریک ہیں تو وُہ بھی خالق ہوں گے اور ہر ایک خالق اپنی پیدا کردہ شے کو اپنے قبضے میں رکھتا اس طرح عالمِ دنیا کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ بداہۃً عالمِ دنیا کا نظام صحیح ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ صرف ایک معبود ہے اور بس ہے

بر وحدتش صحیفۂ لاریب حجتست
اینکِ نوشتہ از شہد اللہ بران گواہ

ترجمہ : اس کی توحید پر صحیفۂ لاریب حجت ہے اور شہد اللہ کی گواہی اس پر گواہ ہے۔

تفسیر عالمانہ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ، اور تو البتہ ان کے بعض بعض پر غالب ہو جائیں گے جیسا کہ دنیا میں بادشاہوں کے درمیان عموماً ہوتا ہے اور وہ واحد لاشریک ہے اس لیے اس کے قبضہ میں ہے ہر شے، اگر اس کے بالمقابل کوئی اور ہوتا تو ضرور اس کا مقابلہ کرتا، وہ مالک مقابلہ کی بات بار بار کرتا ہے لیکن کوئی بھی اس کے مقابلے کے لیے نہیں آتا۔ تو معلوم ہوا کہ اس کا بالمقابل ہے ہی نہیں۔

marfat.ocm

ف : الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ لعلا بمعنے غَلَبَ ہے۔ بعضہم علیٰ بعض سے قوی وضعیف مراد ہیں۔ آیت میں دلیل تمانع ہے وہ یہ کہ اگر دو معبود ہوتے تو ان کے آپس میں علم وقدرت کا امتناع واقع ہوا مثلاً ایک معبود زید کو زندہ رکھنا چاہتا تو دوسرا اسے مٹانا چاہتا۔ اگر ایک دوسرے کی مصالحت سے قدرت برابر ہو یا قوت آزمائی سے ایک غالب ہو جائے تو پھر ایک معبود نہ رہا۔ یہ ایسے ہے جیسے رسّی کو دو شخص کھینچیں تو لا انتہا فعل ہوگا۔ اگر ایک غالب ہو جائے گا تو مغلوب معبود نہ ہوگا۔ بعینہٖ اسی طرح آیت کا مفہوم ہے۔

سُبۡحٰنَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی تنزیہ بیان کرو۔ کاشفی نے ترجمہ کیا کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے۔ اور بحر العلوم میں اس کا معنیٰ تنزیہ وتعجیب لکھا ہے عَمَّا يَصِفُوۡنَ ۙ اس سے جو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اس کی طرف اولاد و شرکاء کا اضافہ کرتے ہیں عٰلِمِ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ یہ جملہ مجرور ہے اس لیے کہ لفظ اللہ سے بدل ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ پوشیدہ وآشکارا کو جانتا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم ملک وملکوت اور اجساد وارواح کو جانتا ہے اور غیب کی نسبت بھی ہماری وجہ سے ہے ورنہ اس کے لیے غیب کیسا۔ کیونکہ اس کریم کے لیے غیب وشہادت برابر ہے[1] یہ بھی اللہ تعالیٰ کے شریک کی نفی کی دلیل دیگر ہے بایں معنیٰ کہ جب وہ ان کی غلطی پر انھیں متنبہ فرمایا ہے تو پھر لازماً اس کی توحید کو ماننا پڑے گا۔

تفسیر عالمانہ

اسی لیے فرمایا فَتَعٰلٰى پس اللہ تعالیٰ بلند اور منزہ ہے عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ۝ اس سے جو اس کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہراتے ہیں جو کچھ نہیں جانتے اور نہ ہی اس کے لائق ہے کہ وہ شہادت کو جانیں اس کا منفرد بالذات والصفات ہونا ثابت کرتا ہے کہ وہ شریک سے منزّہ اور پاک ہے۔

ف : دین میں انسان کا شرک کرنا دو قسم ہے :

(۱) شرکِ عظیم یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات میں کسی کو شریک بنانا۔ مثلاً کہا جاتا ہے :

اشرك فلان باللّٰه۔ (فلاں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک بنایا)

یہی شرکِ اعظم کفر ہے۔

(۲) شرکِ اصغر، وہ یہ ہے کہ بعض امور میں غیر اللہ کی رعایت کرنا، جیسے رعایت، منافقت۔

---

[1] اس سے وہابیہ کا رد ہو گیا وہ کہا کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اگر علمِ غیب ہو گیا تو پھر اسے علمِ غیب کہنا ناجائز ہے۔ اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

حدیث شریف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس امت میں شرک چیونٹی کے صاف پتھر پر چلنے کی آواز سے بھی پوشیدہ ہے۔

؎

مرائی ہر کسے معبود سازد
مرائی را ازاں گفتند مشرک

ترجمہ: ریاکار ہر ایک کو معبود بناتا رہتا ہے اس لیے اسے مشرک کہا جاتا ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

نہ آب زر جان من بر پشیز
کہ صراف دانا نگیرد بچیز

ترجمہ: سونے کا پانی تانبے پر نہ لگا اس لیے کہ صراف اسے کوڑی کے برابر بھی نہ لے گا۔

ف: حضرت یحیٰی بن معاذ نے فرمایا کہ توحید کے لیے نور اور شرک کے لیے نار ہے توحید کا نور موحدین کے سیئات کو جلا کر راکھ بنا دیتا ہے۔ ایسے ہی شرک کی آگ اہلِ ایمان کی نیکیوں کو جلاتی ہے۔

روایت کسی نے حضور علیہ السلام سے پوچھا کہ میری نجات کے لیے کون سا بہتر عمل ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دھوکا نہ کرنا۔ اس نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیسے دھوکا کیا جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دھوکا یہ ہے کہ انسان وہ عمل کرے جو اس کے حکم کے خلاف ہے اور نیکی کے کام غیر اللہ کو خوش کرے۔

؎

زعمرو اے، پسر چشم اُجرت مدار
چو در خانۂ زید باشی بکار

ترجمہ: عمرو سے اُجرت کی امید نہ رکھ جبکہ تُو زید کے گھر کام کرتا ہے۔

ف: جملہ اعمال و عقاید میں بہتر عمل توحید ہے اس لیے کہ اس کی وجہ سے جیسے انسان تو شرکِ جلی سے نجات نصیب ہوتی ہے۔ ایسے ہی شرکِ اصغر سے بھی بچ جاتا ہے۔

سبق انسان پر لازم ہے کہ بقدر استطاعت توحید میں مشغول رہے اور اسی کے لیے جد و جہد کرے تاکہ صدیقین کی طرح اسے توحید کے درجات نصیب ہوں لیکن شریعت سے بال برابر بھی باہر قدم نہ رکھے۔ نفس کے صفات ذمیمہ سے اجتناب کرے اور اخلاقِ الٰہیہ کے حصول میں ہر وقت لگا رہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو ماسوی اللہ سے منقطع ہو چکے ہیں اور ہر کام رضائے الٰہی کے لیے کرتے ہیں۔

marfat.ocm

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ (٩٣) رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ
تم عرض کرو کہ اے میرے رب اگر تو مجھے دکھائے جو انہیں وعدہ دیا جاتا ہے تو اے
فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (٩٤) وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ (٩٥) اِدْفَعْ بِالَّتِيْ
میرے رب مجھے ان ظالموں کے ساتھ نہ کرنا اور بے شک ہم قادر ہیں کہ تمہیں دکھادیں جو انہیں وعدے دے رہے ہیں سب سے اچھی بھلائی
هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ (٩٦) وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ
سے برائی کو دفع کرو ہم خوب جانتے ہیں جو باتیں یہ بناتے ہیں اور تم عرض کرو کہ اے میرے رب تیری پناہ شیاطین
هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ (٩٧) وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ (٩٨) حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ
کے وسوسوں سے اور اے میرے رب تیری پناہ کہ وہ میرے پاس آئیں یہاں تک کہ جب ان میں کسی کو
الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ (٩٩) لَعَلِّيْ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ
موت آئے تو کہتا ہے کہ اے میرے رب مجھے واپس پھیر دیجئے شاید اب میں کچھ بھلائی کماؤں اس میں جو چھوڑ آیا ہوں ہشت یہ تو ایک
قَآئِلُهَا وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ (١٠٠) فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ
بات ہے جو وہ اپنے منہ سے کہتا ہے اور ان کے آگے ایک آڑ ہے اس دن تک جس میں اٹھائے جائیں گے تو جب صور پھونکا جائے گا
بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ (١٠١) فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (١٠٢)
تو نہ ان میں رشتے رہیں گے اور نہ ایک دوسرے کی بات پوچھے تو جن کی تولیں بھاری ہوئیں وہی مراد کو پہنچے
وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ (١٠٣)
اور جن کی تولیں ہلکی پڑیں وہی ہیں جنہوں نے اپنی جانیں گھاٹے میں ڈالیں ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے
تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ (١٠٤) اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ
ان کے منہ پر آگ لپٹ مارے گی اور وہ اس میں منہ چڑائے ہوں گے کیا تم پر میری آیتیں نہ پڑھی جاتی تھیں تو تم
بِهَا تُكَذِّبُوْنَ (١٠٥) قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ (١٠٦) رَبَّنَآ
انہیں جھٹلاتے تھے کہیں گے اے ہمارے رب ہم پر ہماری بدبختی غالب آئی اور ہم گمراہ لوگ تھے اے رب
اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ (١٠٧) قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ (١٠٨) اِنَّهٗ
ہمارے ہم کو دوزخ سے نکال دے پھر اگر ہم ویسے ہی کریں تو ہم ظالم ہیں رب فرمائے گا دھتکارے پڑے رہو اس میں اور مجھ سے بات نہ کرو
كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ
بے شک میرے بندوں کا ایک گروہ کہتا تھا اے ہمارے رب ہم ایمان لائے تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تو سب سے بہتر رحم

marfat.ocm

الرّٰحِمِيْنَ ۝١٠٩ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰۤى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ
کرنے والا ہے تو تم نے انہیں ٹھٹھا بنالیا یہاں تک کہ انہیں بنانے کے شغل میں میری یاد بھول گئے اور تم ان سے ہنسا
تَضْحَكُوْنَ ۝١١٠ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْۤا ۙ اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآىِٕزُوْنَ ۝١١١ قٰلَ
کرتے بے شک آج میں نے ان کے صبر کا انہیں یہ بدلہ دیا کہ وہی کامیاب ہیں فرمایا تم
كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ۝١١٢ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ
زمین میں کتنا ٹھہرے برسوں کی گنتی سے بولے ہم ایک دن رہے یا دن کا حصہ تو گننے والوں
فَسْــَٔلِ الْعَآدِّيْنَ ۝١١٣ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝١١٤
سے دریافت فرما فرمایا تم نہ ٹھہرے مگر تھوڑا اگر تمہیں علم ہوتا
اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۝١١٥ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ
تو کیا یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تمہیں بیکار بنایا اور تمہیں ہماری طرف پھرنا نہیں تو بہت بلندی والا ہے اللہ سچا
الْحَقُّ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ۝١١٦ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا
بادشاہ کوئی معبود نہیں سوا اس کے عزت والے عرش کا مالک اور جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے خدا کو
اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۗ اِنَّهٗ لَا
پوجے جس کی اس کے پاس کوئی سند نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے یہاں
يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ۝١١٧ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ
ہے بے شک کافروں کا چھٹکارا نہیں۔ اور تم عرض کرو اے میرے رب بخش دے اور رحم فرما
خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۝١١٨ ع ٢٦ ٦
اور تو سب سے برتر رحم کرنے والا

تفسیر عالمانہ

قُلْ رَّبِّ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! فرمائیے اے میرے پروردگار! اِمَّا یہ دراصل اِنْ ما تھا اور یہ ما تاکید کے لیے ہے جیسے نون تُرِیَنِّیْ میں تاکید کے لیے ہے اگر تُو مجھے دکھائے اور واقعی یہی امر مقدر ہو چکا ہے مَا یُوْعَدُوْنَ ۝ وہ عذاب جو جڑ سے کاٹنے والا ہے مشرکین کو۔

ف: الوعد خیر و شر دونوں قسم کے وعدہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے: وعدتہ، یعنی میں نے اس سے نفع یا ضرر کا وعدہ کیا۔

رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِیْ فِی الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ اے میرے پروردگار! پس مجھے قوم ظالمین میں نہ بنانا۔

یعنی مجھے ان کے عذاب کا ساتھی نہ بنانا بلکہ مجھے اُن سے صحیح سالم کر کے بچا لینا۔ یہاں پر ظلم سے شرک مراد ہے۔

ف : اس میں تنبیہ ہے کہ کفار کے لیے سخت عذاب مقدر ہے اور خدا ترس انسان کو عذاب الٰہی سے ہر وقت پناہ مانگنی چاہیے اس لیے کہ جب وہ عام ہوتا ہے تو اس سے نہ بُرا بچتا ہے نہ نیک۔ اس میں ان کے عذاب کی عجلت سے مطالبے کا رد ہے اور بتایا گیا ہے کہ ان کا مطالبہ ٹھٹھا مخول کی بنا پر ہے۔

مسئلہ : اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عذابِ الٰہی عام ہو تو اس میں نیک بھی پس جاتے ہیں، اور مالک کی مرضی، وہ جیسے چاہے کرے۔ ایسے وقت نیک کا عذاب میں مبتلا ہو جانا اللہ تعالیٰ کا ظلم نہ ہو گا اور نہ اسے قبیح کہا جائے گا۔

وَ اِنَّا عَلٰٓی اَنْ نُّرِیَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ۝ اور ہم آپ کے ساتھ وعدہ کے مطابق عذاب بھیجنے پر قادر ہیں لیکن ہم اسے موخر اس لیے کر رہے ہیں کہ ہمیں معلوم ہے کہ ان میں یا ان کی آنے والی نسلوں میں ایماندار ہیں یا اس لیے کہ آپ ان میں موجود ہیں اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ آپ انھیں احسن طریق سے دفع کیجئے، یعنی حوصلہ اور درگزر سے کام لیجئے السَّیِّئَةَ ؕ اس سے کفار کا ایذا رسانی اور دکھ تکلیف پہنچانا مراد ہے جو کہ وہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو ناجائز تکالیف اور پریشانیوں میں مبتلا کرتے تھے۔ یہ ادفع کا مفعول بہ ہے السّیئۃ بمعنے قبیح فعل۔ اس کا معنیٰ یہ کیا ہے کہ اے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کفار کے مقابلہ میں وہ اخلاق استعمال فرمائیے جو ہم نے آپ کو عنایت کئے ہیں۔ یعنی ان کے ساتھ رحمت و شفقت سے پیش آئیے اس لیے کہ آپ کریم النفس ہیں وہ جتنا آپ کے ساتھ ظالمانہ رویہ اختیار کریں آپ ان کے ساتھ کریمانہ برتاؤ کریں۔

تفسیرِ صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ برائی کا بدلہ بُرائی جائز ہے۔ لیکن معاف کر دینا احسن و افضل ہے اسی لیے مشائخ فرماتے ہیں کہ ظلم کا جواب وفا سے دو۔

بعض مشائخ نے فرمایا کہ احسن میں قلب کے معافاة اور السیئة میں نفس سے مکافات کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی نفس چاہتا ہے کہ بُرائی کا بدلہ بُرائی ہو اور قلب چاہتا ہے کہ مخالف سے درگزر کیا جائے۔ پھر اللہ والا اسی قلب کے منشور پر عمل کرتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی احسن ہے۔ مشائخ نے فرمایا کہ یہاں پر سالکِ راہِ ہدیٰ کو حکم ہے کہ وہ ظلمت خلائق کو نورِ حقائق سے اور حظوظِ نفس کو حقوقِ خدا سے اور طریقِ معرفت میں حوادث کے جنگلات کو قدم سلوک سے طے کرے ؎

چو طے گشت تیہ حوادث از انجا
بملک قدم زن بیک حملہ محل

marfat.ocm

دراں قلزم نور شو غوطہ زن
فرو شوئے از خویشتن ظلمت ظل
یکے خواں یکے داں یکے گوئے جو
سوی اللہ واللہ زور است و باطل

ترجمہ :۔ جب حوادث کے جنگلات طے ہو جائیں تو اپنا سامان ملک قدم میں رکھ دیجئے۔ اس نورانی دریا میں غوطہ لگاتے رہو اور اپنے سے ظلمتِ ظل دھو ڈالیے۔ پھر ایک ہی ذات تمہارا مطمحِ نظر ہو بجز اللہ کے سوا باقی ہر شے جھوٹ اور باطل ہے۔

تفسیر عالمانہ

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ○ ہم ان کی باتوں کو خوب جانتے ہیں جن کی طرف آپ کو منسوب کرتے ہیں۔ مثلاً کبھی آپ کو جادوگر، کبھی شاعر اور کبھی مجنون کہتے ہیں۔

الوصف بمعنے شے کو اس کی اصلی شکل و صورت کے ساتھ بیان کرنا۔ وہ کبھی حق ہوتی ہے اور کبھی باطل۔

ف : اس میں کفار کو وعید اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے پھر آپ کو سمجھایا گیا ہے کہ آپ اپنا ہر معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا کریں۔

وَقُلْ رَّبِّ اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم فرمایئے : اے میرے پروردگار ! اَعُوْذُ یہ عوذ سے ہے۔ بمعنے التجاء الی الغیر و المتعلق بہ۔ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ○ میں تیرے فضل و کرم کے ساتھ شیاطین کے وساوس سے پناہ مانگتا ہوں۔ یعنی شیاطین کے وساوس گمراہ کنندہ جو ہمیں محاسن سے ہٹا کر برائی کی طرف لے جاتے ہیں۔ منجملہ ان کے یہی ہے جو اوپر مذکور ہوا، یعنی ادفع بالتی ھی احسن الخ

حلِ لغات : الھمز بمعنے النخس اسی لغت سے ہے مھماز الرائض یعنی معلم الدواب۔ الأز کا بھی یہی معنیٰ ہے کما قال :

تؤزھم ازا۔

امام راغب نے فرمایا کہ الھمز، العصر بمعنے نچوڑنا۔ مثلاً کہا جاتا ہے :

ھمزت الشئ فی کفی۔ (میں نے شے کو اپنی ہتھیلی میں نچوڑا)

اور الھمز کا استعمال بھی اسی طرح ہے اور شیطان کے ھمز کو انسان کے جانوروں اور سواریوں کے ہانکنے اور بھگانے سے اس لیے تشبیہ دی ہے کہ جیسے وہ سواریوں اور جانوروں پر ڈنڈا برسا یا چبھا کر انھیں تیز رفتاری اور بھگانے پر اکساتا ہے ایسے ہی شیاطین انسان کو معاصی و جرائم پر اکساتا ہے۔

ف : ھمز کو جمع کے ساتھ لانے میں یا تو شیطانوں کے بار بار اکسانے کی وجہ سے ہے یا وساوس

marfat.ocm

کے مختلف انواع کی وجہ سے یا ہمزات کے مضاف الیہ کے متعدد ہونے کی وجہ سے ہے۔

وَاَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۞ یہ دراصل یحضرونني تھا۔ پہلے ایک نون پھر یاءِ متکلم کو کسرہ پر اکتفاء کی وجہ سے حذف کر دیا گیا۔ یعنی اے میرے پروردگار! تیرے فضل وکرم کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں کہ وہ شیاطین میرے ہاں حاضر ہو کر میرے کسی حال کے گرد گھومیں۔ مثلاً نماز یا تلاوتِ قرآن مجید یا موت وغیرہ کے وقت کوئی شرارت کریں۔

مسئلہ: حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے ابتداء میں پڑھتے لا الٰہ الا اللہ تین بار، اور اللہ اکبر تین بار۔ اللّٰھم انی اعوذبك من ھمزٰت الشیاطین من ھمزھا ونفثھا ونفخھا واعوذبك رب ان یحضرون۔ ہمز سے جنون اور نفث سے شعر اور نفخ سے کبر مراد ہے۔

فسون کا علاج

مروی ہے کہ کسی نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے آسیب وغیرہ کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا، سوتے وقت یہ دعا پڑھا کرو: اعوذ بکلمٰت اللہ التامات من غضبہ وعقابہ و من شر عبادہ ومن ھمزٰت الشیاطین وان یحضرون۔

ف: کلمات اللہ سے وہ کتبِ آسمانی مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام پر نازل کیں۔ یا اللہ تعالیٰ کے صفات مراد ہیں۔ جیسے عزت، قدرت۔ اور انھیں التامات سے موصوف کرنے میں ان کے نقائص وغیرہ سے پاک ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

ف: بعض مشایخ نے فرمایا کہ یہ اس کے لیے ہے جو التفات الی غیر اللہ کے مقام پر ہو اور جو اس مقام سے ترقی کر کے بحرِ توحید میں غوطہ زن ہو کر وہ وجود میں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو نہ دیکھے، تو وہ کہتا ہے اعوذبك منك۔

مسئلہ: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء میں تشریف لے جاتے تو پڑھتے: اللّٰھم انی اعوذبك من الخبث والخبائث۔

ف: خبث و خبائث سے جنات کے وہ عورت و مرد مراد ہیں جو خباثت سے موصوف ہیں۔

عقیدہ: تمام امت کا اجماع ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں یہاں تک کہ آپ کے ساتھ رہنے والا جن بھی مسلمان ہو گیا تھا یا یہ کہ آپ سے شیطان کے وسوسہ ڈالنے کے مقام کو ختم کر دیا گیا۔

مسئلہ: حضور علیہ السلام کا شیطان وغیرہ سے پناہ مانگنا دوسروں کو شیطان وغیرہ سے پناہ مانگنے کا طریقہ سکھانا ہے۔

ف: شیطان کا کام ہے کہ وہ ہر مرد و عورت کے دل میں وسوسہ ڈالے اور انھیں بدعاتِ سیئہ اور خواہشات میں مبتلا کرے۔

marfat.ocm

حدیث شریف مع شرح

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

صنفان من اھل النار لم ارھما۔ (دو قسم کے لوگ جہنمی ہیں جنہیں آج میں نہیں دیکھ رہا)

یعنی وہ لوگ آپ کے زمانۂ اقدس کے بعد پیدا ہوں گے اس لیے کہ آپ کا زمانۂ اقدس مطہر تھا اور ایسے خبیث لوگ آپ کے زمانۂ اقدس کے بعد پیدا ہوں گے۔

۱۔ **قوم معھم سیاط** ۔ ایسے لوگ جن کے ہاتھوں میں چابک ہوں گے۔

سیاط، سوط کی جمع ہے۔ عرب میں سیاط بمعنے مقارع مستعمل ہے۔ اور مقارع، مقرع کی جمع ہے یعنی وہ چابک جس کے اوپر سخت قسم کا چمڑہ درمیانی انگلی کے برابر ہو۔ اس سے چوروں کو ننگا کر کے مارتے تھے۔ بعض نے کہا حدیث شریف کے اس جملہ کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ لوگ ظالموں کے دروازوں پر کتوں کی طرح چکر کاٹیں گے اور دوسرے لوگوں کو ان کے دروازوں سے مار کر اور گالیاں دے کر بھگائیں گے۔

۲۔ **کاذناب البقر یضربون بھا الناس ونساء** ۔ یعنی وہ چابک گائے کے کانوں کی طرح ہوں گے جن کے ساتھ لوگوں کو ماریں گے۔ یعنی دوسری قسم سے عورتیں مراد ہیں جن کے کوائف یہ ہوں گے۔ **کاسیات** بظاہر وہ کپڑے پہنے ہوں گی لیکن درحقیقت **عاریات** ننگی ہوں گی۔ بایں معنیٰ کہ وہ ایسے باریک کپڑے پہنیں گی جن سے ان کے جسم صاف نظر آئیں گے۔ یا یہ معنیٰ ہے کہ وہ تقویٰ کے لباس سے ننگی ہوں گی۔ (اس سے وہ عورتیں مراد ہیں کہ برقعہ پہننے کے باوجود چہرے کھلے رکھیں گی، جیسے آج کل فیشنی رنگ برنگے برقعوں سے عورتیں عام بازاروں، سڑکوں اور شاہراہوں پر پھر رہی ہیں[1]) یا اس کا یہ معنیٰ ہے کہ وہ عورتیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے مالا مال ہوں گی لیکن ان نعمتوں کا شکر ادا نہیں کریں گی۔ اور شکر کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ ان نعمتوں کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت و طاعت سے محروم ہوں گی جس کی سزا انہیں آخرت میں یہ ملے گی کہ انہیں جنّت کی تمام نعمتوں سے محروم کر دیا جائے گا۔ اور یہ پہلا معنیٰ صرف عورتوں سے مخصوص نہیں اگر مرد بھی ایسے ہوں گے تو انہیں بھی وہی سزا ملے گی جو مذکور ہوئی۔ **ممیلات** وہ عورتیں مردوں کو اپنی طرف مائل کریں گی یا وہ اپنے مونڈھوں اور رانوں کو ہلائیں گی جیسے رقاصاؤں کی عادت ہے۔ یا ان سے وہ عورتیں مراد ہیں جو سروں اور چہروں سے کپڑے اتار پھینکیں گی تاکہ مرد ان کی طرف مائل ہوں۔ **مائلات** مردوں کی طرف میلان رکھنے والی۔ **رؤسھن کاسنمۃ البخت** ان کے سر اونٹوں کے کوہان کی طرح ہوں گے۔ یعنی وہ اپنے سروں پر دوپٹے اور کلاہ کچھ ایسے طریق سے رکھیں گی تاکہ ان کے سر کوہان کی طرح نظر آئیں۔ یا سر کو اوپر کر کے چلیں گی تاکہ مرد انہیں دیکھیں۔ ان کے سروں کو کوہان سے تشبیہ دینے کی وجہ ظاہر ہے کہ کوہان اپنے کثرتِ گوشت کی وجہ سے کبھی ادھر ہوتا ہے کبھی ادھر۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

ایسے ہی ان کی چال ڈھال کا حال ہے۔ لا یدخلن الجنۃ ولا یجدن ریحھا وان ریحھا لتوجد من مسیرۃ کذا وکذا۔ ایسی عورتیں بہشت میں داخل نہ ہوں گی اور نہ ہی اس کی خوشبو سونگھیں گی حالانکہ اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے سونگھی جائے گی۔

حَتّٰٓی اِذَا جَآءَ اَحَدَھُمُ الْمَوْتُ۔ حتّٰی یہ وہ لفظ ہے جس سے کلام کی ابتداء کی جاتی ہے جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے۔ اور اس معنے کے ساتھ ماقبل کے لیے غایت ہے اور یصفون کے متعلق ہے۔ یعنی ایسے لوگ بُرے ذکر پر رہتے ہیں یہاں تک کہ ان کے کسی ایک کی موت آتی ہے درانحالیکہ وہ کفر پر ہوتے ہیں اور موت سے بھاگنے کا انہیں کوئی چارہ نہیں ہوگا اور پھر موت کے بعد احوالِ آخرت خود دیکھ لیں گے قَالَ اس کوتاہی پر کہیں گے جو ان سے ایمان وعمل کے متعلق سرزد ہوئی ہے رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۝ اے میرے پروردگار! مجھے دنیا کی طرف لوٹا دو۔ یہ واوٴ تعظیم مخاطب کے لیے ہے اس لیے کہ اہلِ عرب کی عادت ہے کہ معظم الشان شخصیت کو صیغہ جمع سے خطاب کرتے ہوں۔

ف: اس میں رد ہے ان لوگوں کا جنہوں نے لکھا ہے کہ غیر متکلم کے صیغہ پر جمع کا اطلاق غیر فصیح ہے جب وہ کافر پھر دنیا کی طرف لوٹنے کی تمنا کرے گا تو اس سے پُوچھا جائے گا کہ کیا دنیا میں جا کر مال جمع کرے گا یا باغ لگائے گا یا عمارتیں تیار کرے گا یا نہریں کھودے گا۔ اس کے جواب میں کہے گا،

لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَکْتُ امید ہے کہ میں عمل صالح یعنی توحید کی گواہی دوں گا اس میں جسے میں نے چھوڑا ہے یعنی دنیا میں جا کر نیک اور پکا موحد بن جاؤں گا۔ ایمان کے بجائے عمل صالح کا ذکر اس طرف مشیر ہے کہ اعمالِ صالحہ میں تو رجاء وغیرہ کا اظہار کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ایمان میں تو حتمی اور لازمی بات ضروری ہے۔ جلالین میں بھی یہی معنی لکھا ہے جو ہم نے اوپر عرض کیا۔

ف: بعض نے لکھا کہ یہ خطاب ملک الموت اور ان کے خدام کو ہے اور رب تعالیٰ کا ذکر قسم کے لیے ہے (کذا فی تفسیر الکبیر) پہلے اس نے اللہ تعالیٰ سے پھر ملائکہ سے مدد چاہی (کذا فی الاسئلۃ المقحمہ) اور حضرت کاشفی نے لکھا کہ امام ثعلبی اور دیگر جماعتِ مفسرین نے لکھا کہ یہ خطاب ملک الموت اور ان کے خدام کو ہے۔ پہلے اللہ تعالیٰ سے استعانت کی گئی ہے پھر ملائکہ کرام سے۔ اس تفسیر کی تائید حدیث شریف سے ہوتی ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لعلی اعمل صالحا فیما ترکت۔

جب مومن ملائکہ کو دیکھتا ہے تو ملائکہ اسے کہتے ہیں کہ ہم تجھے دنیا کی طرف لوٹاتے ہیں وہ کہتا ہے وہی دنیا جو دار الھم والاحزان ہے بلکہ اگر مجھے کہیں لے جانا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں لے جاؤ۔ اور جب کافر فرشتوں کو دیکھتا ہے تو کہتا ہے

marfat.ocm

مجھے دنیا میں لوٹاؤ۔

ف : بعض نے کہا کہ فیما ترکت سے فیما قصرت مراد ہے۔ یعنی وہ اعمال جن میں سے کوتاہی کی یعنی عباداتِ بدنیہ و مالیہ اور حقوق العباد والیہ۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ یہی معنی اقرب ہے۔ وہ اس لیے کہ انھوں نے دنیا کی طرف لوٹنے کا ارادہ بھی اسی لیے ظاہر کرتا ہے تاکہ وہ اپنی کوتاہیوں کی اصلاح کرسکیں۔

ف : فقیر (صاحبِ روح البیان) کہتا ہے کہ میرے نزدیک عمل صالح سے وہی عمل مراد ہے جو ایمان کے ساتھ ہو کیونکہ ایمان کے بغیر عمل صالح کتنا ہی بہتر کیوں نہ ہو لیکن درحقیقت وہ عمل فاسد اور خبیث ہے کیونکہ عمل صالح کو کفر خراب اور گندا بنا دیتا ہے۔ اسی لیے جب وہ موت کے بعد اپنی کیفیت دیکھے گا تو عرض کرے گا کہ مجھے دنیا کی طرف لوٹاؤ تاکہ میں اپنے اعمالِ صالح ایمان کے دائرے میں حاصل کروں۔

ف : امام قرطبی نے لکھا کہ یہ دُنیا کے رجوع کی آرزو کافر سے مخصوص نہیں بلکہ مومن و کافر دونوں کو شامل ہے۔

تفسیر صُوفیانہ

حقائق البقلی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ قاعدہ بتایا ہے کہ جو شخص بلند مراتب سے گرتا ہے وہ کبھی عالی درجات کو نہیں پہنچ سکتا اور جو اپنی ابتدائی زندگی میں مراقبات سے محروم ہے وہ کبھی غایات میں مشاہدات و معاینات کو حاصل نہیں کرسکتا۔ دُنیوی نقش و نگار کے عشاق اور مال و دولت کے محب موت کے وقت یہی آرزو کریں گے جو اوپر مذکور ہوئی۔ اگر کسی خوش قسمت کے اوقات غفلت عن الطاعات سے بسر نہیں ہوئے اور مخالفاتِ الٰہی میں وقت ضائع نہیں کیا اور نہ ہی دیگر خرابیوں کا شکار ہوا تو اسے اللہ تعالیٰ کی طاعت نصیب ہوگی اور غلط دعووں سے بچ جائے گا اور اس کا قال حال بدل جائے گا۔ یاد رکھیے کہ دنیا ایک عظیم فتنہ ہے اس میں ہزاروں کی تباہی ہوئی کسی خوش قسمت کے معاملات صحیح ہوئے اور قربِ الٰہی نصیب ہوا اور مقام امن حاصل کرسکا جس نے بھی طریقۂ حق چھوڑا وہ تباہ و برباد ہوا بلکہ بہت بڑے خوف میں پڑا۔ پھر بھلائی کی تمنا کرے گا تو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا : ؎

کارے کنیم ورنہ خجالت بر آورد
روزے کہ رخت جاں بجہاں دگر کشیم

ترجمہ : ہمیں کوئی کام کرنا چاہیے ورنہ اس وقت شرمسار ہوں گے جب اس جہاں سے رختِ سفر باندھیں گے۔

اور حضرت جندی نے فرمایا : ؎

علم و تقویٰ سربسر دعویست و معنی دگر است
مرد معنی دیگر و میدان دعویٰ دیگر است

ترجمہ: علم و تقویٰ صرف دعویٰ ہے ورنہ حقیقت کچھ اور ہے۔ مردِ معنیٰ کوئی اور ہے ورنہ دعویٰ کا میدان تو عام ہے۔

تفسیر عالمانہ

كَلَّا ط طلب رجعت سے جھڑکی اور اسے بعید از امکان طبعی بتایا گیا ہے۔ یعنی تم دنیا میں ہرگز ہرگز نہیں لوٹائے جاؤ گے إِنَّهَا بے شک ان کا کلمہ رب ارجعون كَلِمَةٌ کلام کے ایک ٹکڑے کو کلمہ کہا جاتا ہے۔ هُوَ ان کا ایک قَآئِلُهَا ط موت کے وقت کہے گا جبکہ اس پر حزن کا تسلط ہوگا اور اس کی تمنا پوری نہ ہوگی وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ وراء بروزن فعال، اس کا ہمزہ لام کے مقابلہ میں ہے یعنی سیبویہ کے نزدیک یہ ہمزہ اصل ہے۔ اسی طرح ابوعلی فارسی نے کہا ہے۔ اور عام اہلِ نحو کہتے ہیں کہ یہ ہمزہ لام سے مبدل ہے اور یہ ظروف مکان سے ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ان کے پیچھے اور جمع کا صیغہ باعتبار معنیٰ کے ہے اس لیے کہ ان ہر ایک کا ایک حکم ہے اور قال اور دیگر صیغوں میں مفرد کا اس کے لفظ کے اعتبار سے ہے بَرْزَخٌ ان کے اور ان کی رجعت کے درمیان ایک آڑ ہے۔ اس سے قبر مراد ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات النجمیہ میں ہے کہ اس سے ایک اور عالم مراد ہے جسے عالم مثال سے تعبیر کرتے ہیں اور وہ اس دنیا کے عالم اور آخرت کے مابین بمنزلہ برزخ کے ہے۔

تفسیر عالمانہ

إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۝ اس سے قیامت مراد ہے اس میں انہیں رجعتِ دنیا سے کُلّی طور ناامید کیا گیا ہے اس لیے کہ قیامت میں پہنچنے کے بعد دنیا کی طرف لوٹنا بالکل ممتنع ہے البتہ اب کی رجعت الی الآخرۃ ہے اور وہ ہوتی ہے اور ہوگی۔ فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ پس جبکہ قیامت میں نفخ صور ہوگا اس سے نفخ ثانیہ مراد ہے اسی وقت سے تمام بندے قیامت میں حساب و کتاب کے لیے اٹھائے جائیں گے اور نفخ ایک ہوا کا نام ہے جو کسی شے میں پھونکا جاتے اور صور قرن کی طرح ہوگا جس میں اسرافیل علیہ السلام پھونک ماریں گے۔ اسی پھونک کو اللہ تعالیٰ ارواح کو اجسام میں لوٹنے کا سبب بنائے گا۔ فَلَآ أَنسَابَ بَيْنَهُمْ تو اس دن آپس میں ایک دوسرے کی نسبتیں ختم ہو جائیں گی۔ اس لیے کہ وہاں حیرۃ و دہشت سے رحمت و شفقت اُٹھ جائے گی یہاں تک کہ نہ ماں بیٹے کی، نہ بیٹا باپ کا، نہ عورت شوہر کے کام آسکے گی اور نہ اولاد امداد کرے گی۔

ف: نسب دو شخصوں اور اس سے زاید کے درمیان قرابت کا نام ہے وہ یا تو ماں باپ کی جانب سے ہوتی ہے یہ دو قسم ہے:

۱۔ طولاً۔ جیسے آباء اور ابناءٔ کے مابین قرابت۔
۲۔ عرضاً۔ جیسے بھائیوں اور بنو اعمام کے درمیان قرابت داری۔

marfat.ocm

یا اس کا معنی یہ ہے کہ اس وقت وہ نسب ختم ہوگا جس پر تم ایک دوسرے پر فخر کرتے ہو۔

یَوْمَئِذٍ آج کی طرح اس دن یہ رشتہ داریاں نہیں رہیں گی وَّ لَا یَتَسَآءَلُوْنَ ○ ایک دوسرے کے تعلقات نہیں پوچھیں گے۔ مثلاً یہ نہ پوچھا جائے گا من انت (تو کون ہے؟) من ای قبیلہ ونسب انت (تجھے کسی قبیلہ اور نسب سے تعلق ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس لیے کہ ہر ایک نفسی نفسی پکارے گا اور شدتِ ہول کا یہ عالم ہوگا کہ اس وقت ایک دوسرے کو پہچان بھی نہیں سکیں گے پھر ایک دوسرے کا حال کس طرح پوچھیں گے! دُنیا میں یہی ہوتا ہے کہ جب دُکھ اور درد بڑھ جاتا ہے تو آل اولاد کی خبر نہیں رہتی۔

سوال: یہ آیت دوسری آیت فاقبل بعضهم علیٰ بعض یتساءلون کے منافی ہے کیونکہ دوسری آیت میں ایک دوسرے سے سوال کرنے کا بیان ہے۔

جواب: یہ دوسری آیت کا سوال حساب وکتاب کے بعد ہوگا۔ نیز سب کو معلوم ہے کہ قیامت کا دن بہت طویل ہوگا۔ مروی ہے کہ وہاں پچاس مجلسیں ہوں گی اور ہر مجلس ایک ایک ہزار سال کی ہوگی۔ ہر مجلس میں سختی اور شدت بڑھ کر ہوگی۔ بعض مجلسوں کی شدت اور گھبراہٹ سے ایک دوسرے سے بے خبر ہوں گے اور بعض مجلسوں میں افاقہ پائیں گے تو ایک دوسرے سے سوال کریں گے۔

حدیث شریف ۱ شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا قیامت کا دن سخت ہوگا جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا فلا انساب بینهم الخ۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں تین مقامات ایسے ہیں جہاں ہر ایک کے ہوش اُڑ جائیں گے:

۱۔ جب ہر ایک کا عمل نامہ ہاتھ میں دیا جائے گا۔
۲۔ وزنِ اعمال کے وقت۔
۳۔ پُل صراط پر۔

حدیث شریف ۲ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قیامت میں مرد وعورت کا ہاتھ پکڑ کر بر سر میدان ہر ایک کو کہا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں ہے جس کا ان میں سے کسی پر حق ہو تو اسے میدان میں لایا جائے۔ اس سے وہ مرد یا عورت خوش ہوگا کہ میرے والد میری ماں اور میری اولاد اور میری عورت یا مرد اور میرے بھائی بہنوں پر حقوق ہوں گے لیکن اعلان ہوگا کہ آج نسب سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

ف: حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قیامت میں انسان کو مبغوض ترین بات محسوس ہوگی آج کوئی

marfat.ocm

اسے اپنا رشتہ دار ظاہر کرے۔ اس کے بعد یہ آیت یوم یفر المرء الخ پڑھی۔

مسئلہ: حضرت محمد بن علی ترمذی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ قیامت میں تمام انساب ختم ہو جائیں گے۔ صرف وہ نسب باقی رہے گا، اس سے وہ نسبت مراد ہے جو عبودیت الٰہی کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ منسلک ہوگی کیونکہ یہ نسبت کبھی منقطع نہ ہوگی اور اس نسبت پر جتنا فخر کیا جائے کم ہے (یہی نسبت ہم فقیروں قادریوں، چشتیوں، اویسیوں، نقشبندیوں، سہروردیوں کو نصیب ہوئی ہے) لیکن آباء امہات اولاد کی نسبت منقطع ہو جاتے گی (سوائے سادات کے)[1]

حکایت حضرت اصمعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں چاندنی رات میں کعبہ معظمہ کا طواف کر رہا تھا کہ اچانک میں نے ایک نہایت غمگین و حزین آواز سنی۔ میں طواف چھوڑ کر اس آواز کی طرف چلا گیا۔ چل کر دیکھا کہ ایک حسین نوجوان کعبہ معظمہ کے پردوں سے لٹکا ہوا کہہ رہا تھا: یا اللہ! اس وقت لوگ سو گئے اور ستارے اپنی تابانی سے رہ گئے تو ہی مالک حی قیوم ہے دنیا کے بادشاہوں نے دروازے بند کر دیے اور ان کے دروازوں پر نگران پہرے دار کھڑے ہیں اور انہوں نے گداگروں سے ڈرتے ہوئے پردے لٹکا دئے ہیں لیکن تیرا دروازہ ہر سائل کے لیے ہر وقت کھلا ہے اس لیے میں تیرے دروازے کا سائل ہوں اگرچہ گنہگار اور فقیر اور مسکین اور قیدی ہوں تاہم تیری رحمت کا امیدوار ہوں اس لیے کہ تو ارحم الراحمین ہے۔

اس کے بعد یہ اشعار پڑھے ؎

۱ یا من یجیب دعاء المضطر فی الظلم
یا کاشف الضر والبلوی مع القسم

۲ قد نام وفدی حول البیت وانتبهوا
وانت یا حی یا قیوم لم تنم

۳ ادعوك ربی و مولای و مستندی
فارحم بکائی بحق البیت والحرم

۴ انت الغفور فجد لی منك مغفرة
اواعف عنی یاذا الجود والنعم

۵ ان کان عفوك لا یرجوه ذو جرم
فمن یجود علی العاصین بالکرم

ترجمہ: ۱۔ اے وہ ذات جو اندھیروں میں سب کی سنتی ہے، اے دکھ درد ٹالنے والے رب!

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

۲۔ میرے تمام ساتھی میرے گھر اردگرد ہو گئے اور تو حی و قیوم نہیں سوئے گا۔

۳۔ اے پروردگارِ عالم! میں تجھے پکار رہا ہوں تو میرا مولا و سہارا ہے میرے رونے پر رحم فرما تجھے واسطہ ہے بیت اللہ اور حرم کا۔

۴۔ تو غفور ہے مجھ پر مغفرت کی عطا فرما یا مجھے معاف فرما اے سخاوت اور الفت والے!

۵۔ اگر مجرم تیری معافی کی امید نہ رکھے تو فرمائیے تیرا کرم عاصیوں کے سوا اور کن پر ہوگا!

اس کے بعد آسمان کی طرف سر اٹھا کر اس نے عرض کی: یا الٰہی و سیدی و مولائی! اگر میں اطاعت کرتا ہوں تو بھی تیری منت و احسان ہے۔ اگر میں نافرمانی کروں تو وہ میری جہالت ہے اور تیرے لیے مجھ پر حجت اور تیری حجت میرے ہاں موجود۔ میرے حال پر رحم فرما اور میرے گناہ بخش دے اور مجھے میرے دادا میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور اپنے حبیب اور اپنے صفی اور اپنے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مجھے محروم نہ فرما۔

اس کے بعد مندرجہ ذیل اشعار پڑھے: ؎

۱ الا ایها المامول فی کل شدة
الیک شکوت الضر فارحم شکایتی
۲ الا یا رجائی انت کاشف کربتی
فهب لی ذنوبی کلها واقض حاجتی
۳ فزادی قلیل ما اراه مبلغی
علی الزاد ابکی ام لبعد مسافتی
۴ اتیت باعمال قباح ردیئة
وما فی الوری خلق جنی کجنایتی

۱۔ اے وہ ذات جو ہر سختی میں کام آتی ہے، میں نے اپنے دکھ کا تجھ سے شکوہ کیا ہے تو میری شکایت پر رحم فرما۔

۲۔ اے میری امیدگاہ! تو ہی میرے غم ٹالتا ہے میرے تمام گناہ بخش کر میری ضرورت پوری کر دے۔

۳۔ میرا زادِ راہ قلیل ہے اس سے میں منزلِ مقصود پر نہیں پہنچ سکوں گا، اب میں زادِ راہ کو روؤں یا سفر کی طویل مسافت کو۔

۴۔ تیرے ہاں گندے اور ردی گناہ لے کر آیا ہوں اور دنیا میں مجھ جیسے اور کسی کے گناہ نہ ہوں گے۔

یہ اشعار پڑھتے پڑھتے وہ بیہوش ہو کر گر پڑا۔ میں نے قریب جا کر دیکھا تو وہ امام زین العابدین علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب تھے۔ میں نے فوراً انھیں اٹھا کر اپنی گود میں لے لیا اور ان کے رونے پر خوب رویا، یہاں تک کہ میری

marfat.ocm

آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو ان کے چہرۂ اقدس پر پڑے تو انھوں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا اور فرمایا: کون ہے تو؟ مجھے اپنے محبوب مشغلہ سے روکا۔ میں نے عرض کی: یا سیدی! میں آپ کا غلام اصمعی ہوں، اور عرض کی: حضرت! اتنی جزع فزع کیوں، جبکہ آپ خاندانِ نبوت اور معدنِ رسالت سے ہیں۔ آپ حضرات کے بارے میں ہے انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا۔ یہ سن کر سیدھے ہو بیٹھے اور فرمایا: اے اصمعی! یہ کیا کہا، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بہشت اپنے مطیعین کے لیے پیدا فرمائی ہے اگرچہ وہ حبشی غلام ہوں۔ اور دوزخ اپنے نافرمانوں کے لیے پیدا فرمائی ہے اگرچہ وہ بادشاہ اور قریشی ہوں۔ کیا تو نے نہیں سنا: فاذا نفخ فلا انساب بینھم یومئذ ولا یتساءلون۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب نفخہ عنایت ربوبیت قلب کے صور میں پھینکا جاتا ہے تو قیامت قایم ہوجاتی ہے اور جملہ اسباب منقطع ہوجاتے ہیں تو بندہ کسی کی طرف متوجہ نہیں ہوتا، نہ آل کی طرف نہ اولاد کی طرف بلکہ جملہ خاندان اور تمام رشتے ناطے چھوڑ کر حق کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اسے ہر وقت بحرِ محبت میں استغراق رہتا ہے۔ وہ ان کے اسباب دنیا سے بالکل فارغ ہوجاتا ہے۔ نہ وہ اہل و عیال کی خبر رکھتا ہے نہ اوطان و املاک کی۔ اسی طرح جملہ سالکین راہِ ہدا کا حال ہے کہ جب وہ اس حال کو پہنچتے ہیں تو ان کی نرالی شان ہوتی ہے اور وہ اسی میں مستغرق ہوتے ہیں انہیں مطالبہ غیر سے غرض نہیں ہوتی وہ طلبِ حق میں مستغرق رہتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ۔ موازین سے موزونات مراد ہیں یعنی تولی ہوئی نیکیاں۔ عقاید و اعمال دونوں مراد ہیں۔ اب معنی یہ ہوا کہ جس کے عقاید صحیحہ اور اعمال صالحہ ہوں گے، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تُلے ہوئے اور مقدر ہیں۔ اور موازین بمعنے موزونات یعنی ان کے اعمال کا اللہ تعالیٰ کے ہاں وزن و قدر ہے اور وہ قیامت میں حاضر کیے جائیں گے (اس کے متعلق تفصیل سے ہم نے سورۂ اعراف میں لکھا ہے) فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وہی لوگ کامیاب ہوں گے ہر مطلوب پر اور ہر پریشان کن امر سے نجات پانے والے ہوں گے۔

ف : لفظ مَن لفظاً واحد اور معنی جمع ہے اسی لیے اس کے لفظ کا اعتبار کرکے اس کے بعض ضمائر مفرد اور بعض جمع ہیں۔

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ اور جس کے عقاید و اعمال کا اللہ تعالیٰ کے ہاں قدر و وزن ہوگا۔ اس سے کافر مراد ہے۔ چنانچہ اس کا معنیٰ اللہ تعالیٰ نے خود متعین فرمایا:

فلا نقیم لھم یوم القیٰمۃ وزنا۔

marfat.ocm

فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یعنی یہی لوگ وہ ہیں جنہوں نے نفوس کی استکمال کے وقت انہیں ضائع کر دیا اور وہ استعداد جس نے ان کے کمال کو حاصل کرنا تھا اسے انہوں نے باطل کر دیا۔

ف : الخسر والخسران بمعنے سرے سے اصل مال کا نقصان ہو جانا۔ (کذا فی المفردات)

ف : حضرت کاشفی نے لکھا کہ یہ وہ گروہ ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی کا سرمایہ بادِ غفلت سے برباد کر دیا اور حصول کمال کی استعدادات کو نفس کی آرزو اور شہوات کی متابعت سے ضائع کر دیا۔

فِیْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ؕ یہ صلہ سے بدل اور اولٰئک کی دوسری خبر ہے۔

تفسیر صوفیانہ

انسان اس انڈے کی طرح ہے جس میں مرغی کے تصرف کی ولایت اور اس سے بچے پیدا ہونے کی استعداد ہے۔ جب تک مرغی اس میں تصرف نہیں کرے گی اس میں وہ استعداد باقی رہے گی جب اس میں تصرف ہوگا اور وہ اپنی اس حالت سے متغیر ہو جائے گا یعنی وہ کیفیت جس سے انڈے سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کے بعد تصرف منقطع ہو جائے گا۔ یعنی جب انڈے میں فساد آ جائے گا اس کے بعد اس میں نفع بخش نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کی استعداد ختم ہو گئی۔ اسی لیے مشائخ نے فرمایا:

طریقت کا مرتد شریعت کے مرتد سے بدتر ہے۔

فی جہنم خلدون ایسے بے ایمان نفس ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور وہ اپنی فرو ریختہ والی استعداد سے خارج نہیں ہوں گے اور استعداد کے فساد کے بعد اللہ تعالیٰ اصلاح نہیں فرماتا۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا؎

۱ آنرا کہ زمین کشد درون چون قارون
نے موسیش آورد برون ہارون
۲ فاسد شدہ راز روز کار وارون
لا یمکن ان یصلحہ العطاردون

ترجمہ (۱): جسے زمین قارون کی طرح اپنے اندر کھینچ کے لے جائے اسے نہ موسیٰ علیہ السلام باہر کھینچنے میں نہ ہارون علیہ السلام۔

(۲) زمانہ میں فاسد شدہ راز کو عطار بھی درست نہیں کر سکتے۔

تفسیر عالمانہ

تَلْفَحُ فِیْ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ان کے چہروں کو جہنم کی آگ جلائے گی۔ مثلاً کہا جاتا ہے، لفحتہ النار بحرھا بمعنے احرقتہ۔ یعنی آگ نے اسے اپنی گرمی سے جلا دیا۔ (کذا فی القاموس) لفح و نفح ایک شے ہے۔ فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ لفح میں بہت زیادہ تاثیر ہوتی ہے۔ (کذا

marfat.ocm

فی الارشاد وغیرہ) اور چہروں کی تخصیص صرف شرافت کی وجہ سے ہے اور اس لیے کہ انسان ایسے وقت چہرے کے بچاؤ کی زیادہ جد و جہد کرتا ہے۔ اس سے انسان کو تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ معاصی سے کنارہ کش رہے تاکہ جہنم کی آگ کا مستحق نہ بنے اور طریقہ بھی یہی اختیار کیا گیا یعنی چہرے کا ذکر کر کے انسان کو زجر و توبیخ کی گئی اسی لیے فاعل سے مفعول مقدم لایا گیا وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ۝ آگ کی سخت جلن سے وہ اس میں منہ چڑلسنے والے ہوں گے۔ الکلوح بمعنی دانتوں سے ہونٹوں کو علٰحدہ کرنا' جیسے بکری وغیرہ کے سر کو بھوننے کے بعد ہونٹ جل جاتے ہیں تو دانت کھلے رہ جاتے ہیں۔

حکایت حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عتبہ غلام کی توبہ کا یہ سبب ہوا کہ وہ بازار سے گزرا ایک بکری کے بھنے ہوئے سر کو تنور سے باہر نکال کر رکھتے ہوئے دیکھا تو مسلسل تین رات بیہوش رہا۔

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن آگ پہلے ان کے چہروں کو جلائے گی تو ان کے اوپر والے ہونٹ کو جلاتی ہوئی سر کے درمیان پہنچے گی اور نیچے والے ہونٹ جل کر ناف تک لٹک آئیں گے۔

(نعوذ باللہ من النار ولفحها)

پھر انھیں تحقیراً و توبیخاً و تذکیراً کہا جائے گا کہ تم اس عذاب کے مستحق ہو جس میں تمہیں مبتلا کیا جا رہا ہے۔

کما قال تعالیٰ:

اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝ کیا تمہارے ہاں ہمارے آیات نہیں آئے اور تم پر دنیا میں ہمارے یہی آیات پڑھے نہیں گئے تھے جن کی تم تکذیب کرتے تھے قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا کہیں گے اے ہمارے پروردگار! غالب ہو گئی ہمارے اوپر ہماری بدبختی جسے ہم نے اپنے برے اختیار سے اپنایا جس نے ہمیں آج یہی برے دن دکھلائے۔

ف: امام قرطبی نے فرمایا کہ شقوۃ سے یہاں لذات و خواہشاتِ نفسانی مراد ہیں اس لیے کہ یہی لذات و خواہشات ایسی بدبختی کے سبب بنے۔

اور ابوتراب نے فرمایا کہ شقوۃ سے نفس کے ساتھ حسنِ ظن اور خلق سے سوءِ ظن مراد ہے۔

وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ۝ اور اسی سبب سے ہوئے ہم بھٹکے ہوئے، اسی لیے ہم تکذیب و معاصی و جرائم کے مرتکب ہوئے رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ۝ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس سے نکال دے اس کے بعد اگر ہم دوبارہ غلطی کریں تو ہم بڑے ظالم ہوں گے۔ یعنی اپنے نفسوں پر ظلم کر کے حد سے تجاوز کرنے والے ہوں گے۔ قَالَ اللہ تعالیٰ انھیں قہر و جلال سے فرمائے گا اِخْسَئُوْا فِيْهَا جہنم میں خاموشی سے پڑے رہو اور ذلت و خواری تمہارا مقدر ہو چکی ہے تمہارے لیے یہاں سوال کرنے کی گنجائش نہیں رکھی گئی۔ یہ جھڑکی انھیں اس طرح دی گئی جیسے کتوں کو جھڑکا جاتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے،

marfat.ocm

خسأت الکلب۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کتّے کو ذلت کے طور جھڑکا جائے۔ فخسا پس وہ کتا جھڑکی پر ہٹ گیا۔

وَلَا تُكَلِّمُوْنَ ۝ اور جہنم سے نکلنے اور دنیا میں دوبارہ جانے کی مجھ سے بات مت کرو کیونکہ تمہیں ہمیشہ کے لیے جہنم میں ہی رکھا جائے گا اِنَّهٗ یہ زجر اور دعا مذکورہ کی تعلیل ہے یعنی شان یہ ہے كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ میرے بندوں میں سے ایک گروہ تھا یعنی اہلِ ایمان يَقُوْلُوْنَ دنیا میں کہتے تھے رَبَّنَآ اٰمَنَّا اے ہمارے پروردگار ہم نے تیری اور تیرے ہاں سے آئے ہوئے جملہ احکام کی تصدیق کی فَاغْفِرْ لَنَا ہمارے گناہ بخش دے ، وَارْحَمْنَا اور ہمارے حال پر رحم فرما اور ہمیں اپنی جملہ نعمتوں سے نواز، منجملہ ان کے بہشت کا دخول اور جہنم سے نجات بھی ہے وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ تو خیر الراحمین ہے اس لیے کہ تیری رحمت تمام رحمتوں کا سرچشمہ ہے فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا اور اے کافرو! تم ان کے ساتھ ٹھٹھا مخول کرتے تھے۔ فلہٰذا اب دعا مانگنے یعنی ربنا اخرجنا الخ کہنے سے باز آجاؤ اس لیے کہ تم دنیا میں مجھ سے دعا مانگنے والوں (اہلِ ایمان) سے مسخری کرتے تھے۔ جب وہ کہتے ربنا امنا الخ تو تم اپنے مشغلہ میں مشغول رہتے حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ بھلا دیا تمہیں یعنی تمہارا ٹھٹھا مخول اتنا زبردست تھا کہ تم کو اس مشغلہ میں یاد نہ رہا ذِكْرِيْ میرا ذکر اور میرے ہاں یہی حاضری اور میری طاعت اور میرا خوف تمہارے دلوں سے اٹھ گیا جبکہ تم ٹھٹھا مخول میں منہمک رہے وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ۝ اور تم ان پر خوب ہنستے تھے۔ یہ ان کے استہزاء کی انتہا تھی۔

شانِ نزول

حضرت مقاتل نے کہا کہ یہ آیت حضرت بلال و عمار و سلمان و صہیب اور ان جیسے اور غریب لوگوں کے حق میں نازل ہوئی۔ جب کفارِ مکہ جیسے ابوجہل و عتبہ و ابی بن خلف اور ان جیسے اور بڑے دنیادار و سرمایہ دار ہنستے اور ان کے اسلام پر پھبتیاں کستے اور انھیں ایذا دیتے تھے۔

اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا آج میں نے انھیں جزا دی ہے ان کے اس صبر پر جو انھوں نے تمہارے ایذا پہنچانے پر کیا۔ صبر یعنے نفس کو شہوات سے روکنا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ یہ جزیتھم کا مفعول ثانی ہے یعنی میں نے انھیں بہشت میں داخل ہونے کی جزا بخشی اور ان کی جملہ مرادیں پوری کیں اور وہی اس جزا کے ساتھ مخصوص ہیں اور اے کافرو! تم محروم۔

تفسیرِ صوفیانہ

تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ یہ سلوک کے لطائف میں سے ایک لطیفہ ہے کہ اہل اللہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے دیدار پُرانوار اور اس کے مشاہدات سے لذت پائیں گے ایسے ہی کفار دیکھ کر بھی فرحت و سرور محسوس کریں گے اور بدبخت کفار جس طرح جہان میں انھیں دیگر سزاؤں سے دکھ اور تکلیف پہنچے گی ایسے ہی اپنے ناصحین مرشدین کے استہزاء کی سزا کا اضافہ ان کے لیے اور جان لیوا

marfat.ocm

ثابت ہوگا۔

تفسیر عالمانہ

قٰلَ جب اُنھوں نے دنیا کی طرف رجوع کا سوال کیا تو انھیں تذکیر کے طور پر فرمایا جبکہ انھیں پہلے تنبیہ فرمائی کہ دنیا کی طرف لوٹنا محال ہے: کما قال:

• اخسئوا فیہا ولا تکلمون۔

لیکن یہ تو بتاؤ کَمْ لَبِثْتُمْ فِی الْاَرْضِ زمین پر کتنا عرصہ ٹھہرے رہے ہو یعنی جس دن کی طرف لوٹنا چاہتے ہو اس میں پہلے کتنا عرصہ بسر کر آئے ہو۔

حلِ لغات: اہلِ عرب کہتے ہیں: لبث بالمکان۔ یہ اس شخص کے لیے بولتے ہیں جو اس مکان میں کچھ عرصہ لازمی طور پر ٹھہرا ہو۔

عَدَدَ سِنِیْنَ ٥ یہ لفظ کم کی تمیز، یعنی گنتی کے کتنے سال دنیا میں ٹھہرے رہے ہو قَالُوْا لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ عرض کریں گے ہم دنیا میں ایک یوم یا اس کا بعض حصہ ٹھہرے ہیں۔ قلت کا اظہار دوزخ کی لمبی مدت کے مقابلہ کی وجہ سے ہوگا یا اس لیے کہ دنیا میں انہوں نے عیش و عشرت اور سرور و فرحت میں بسر کیا اور سرور و فرحت کے ایام گویا جلدی گزر جاتے ہیں یا اس لیے کہ وہ ایام گزر گئے اور گزرا ہوا وقت قلیل بلکہ کالمعدوم محسوس ہوتا ہے ؎

ہر دم از عمر گرامی ہست گنج بے بدل
میرود گنجے چنین ہر لحظہ برباد آہ آہ

ترجمہ: زندگی کا ہر لمحہ بے بدل خزانہ ہے۔ لیکن افسوس کہ ہمارے لمحات برباد اور ضائع ہو رہے ہیں۔

فَسْئَلِ الْعَآدِّیْنَ ٥ ان سے پوچھ لیجئے جو ایام زندگی کو گنتے رہے۔ یعنی اگر ان لمحات کی گنتی ضروری ہے تو دوسروں سے پوچھیے ہم تو عذاب میں مبتلا ہیں نہ اس سے فرصت ملتی ہے نہ گزشتہ زندگی کے لمحات گنے جا سکتے ہیں۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ کفار عرض کریں گے، یا الٰہ العالمین! ہمارے لمحاتِ زندگی ان ملائکہ کرام سے پوچھیے جو ہمارے ایام و لیالی کے لمحات کی گنتی پر مامور تھے۔

قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا اللہ تعالیٰ ان کے قول کی تصدیق کرتے ہوئے فرمائے گا کہ واقعی تم دنیا میں بہت تھوڑا رہے ہو۔

ف: قلیلا مصدر محذوف یعنی لبثاً کی صفت ہے یا یہاں پر زمانہ محذوف ہے۔

marfat.ocm

لَوْ اَنَّکُمْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ اگر تمہیں علم ہوتا یعنی جیسے دنیا میں گزارا اور اس کے لمحات کو قلیل پایا لیکن نہ اس وقت تم نے کچھ جانا نہ اب تمہیں کچھ علم ہے۔

ف : بحر العلوم میں اس کا معنی لکھا ہے کہ باوجودیکہ تم نے دنیا میں بڑا عرصہ گزارا ہے لیکن اس کا علم نہیں رہا۔ اگر تمہیں اس کا علم ہوتا تو ضرور بتا دیتے لیکن نہ تمہیں یاد ہے اور نہ بتا سکتے ہو۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ وہ اپنے حال کا تدارک اور اس کی اصلاح میں کوشش کرے قبل اس کے کہ اس کی زندگی کے سانس ختم ہو جائیں اور موت آئے اور سارا کھیل ہی ختم ہو جائے۔

کسی نے خوب فرمایا : ؎

الا انما الدنیا کظل سحابۃ

اظلتک یوما ثم عنک اضمحلت

فلا تک فرحانا بہا حین اقبلت

ولا تک جزعانا بہا حین ولت

ترجمہ : خبردار یہ دنیا تو بادل کے سایہ کی مانند ہے کہ کچھ دیر وہ تجھ پر سایہ ڈالتا ہے پھر تجھ سے ہٹ جاتا ہے اس لیے کہ نہ اس کے آنے سے خوشی کرو اور نہ اس کے جانے سے غم کھاؤ۔

پندِ سُودمند اردشیر بن بابک بن ساسان نے فرمایا (یہی آل ساسان کا پہلا بادشاہ ہے) کہ دنیا کا میلان چھوڑ دے اس لیے کہ یہ کسی کے ہاں ہمیشہ نہیں رہتی اور نہ ہی اسے بالکل ترک کر اس لیے آخرت اسی کی وجہ سے سنورتی ہے۔

دیگر از زمخشری زمخشری نے کہا کہ زندگی کے ان چند لمحات کو غنیمت سمجھ کر نیک اعمال میں جد و جہد کیجئے۔ غلط اعذار اور بیکار حیلے ترک کر اس لیے کہ تجھے دنیا میں رہنے کے لیے بہت تھوڑا وقت دیا گیا ہے اور عمر بھی محدود دنوں کی ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا : ؎

۱ کنوں وقت تخمست اگر پروری
گر امیدوار ای کہ خرمن بری

۲ بشہر قیامت مرو تنگدست
کہ وجہی ندارد بغفلت نشست

۳ غنیمت شمر ایں گرامی نفس
کہ بے مرغ قیمت ندارد قفس

۴ مکن عمر ضائع بافسوس وحیف
کہ فرصت عزیز ست والوقت سیف

ترجمہ: ۱۔ ابھی تو بیج بونے کا وقت ہے اگر اس امید میں ہو کر خرمن اٹھاؤ گے۔

۲۔ قیامت کے شہر میں تنگ دست ہو کر نہ جاؤ، غافل (بیکار) بیٹھنے کا کوئی معنیٰ نہیں۔

۳۔ ان لمحات کو غنیمت جان، پرندے کے بغیر پنجرہ کس کام کا!

۴۔ افسوس وحیف کے ساتھ عمر ضائع نہ کر، اس لیے کہ فرصت عزیز ہے اور وقت تلوار ہے۔

سبق: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ وہ عمر جو تجھ سے ضایع ہوگئی اور اس میں کوئی عمل نہ کر سکا تو آنے والے لمحات کے لیے عزم بالجزم کرلے کہ باقی لمحات نیکی میں گزاروں گا تو اس کو بھی غنیمت سمجھ۔ کسی شاعر نے کہا ؎

السباق السباق قولا و فعلا
حذر النفس حسرة المسبوق

ترجمہ: قول وفعل میں اب نیکی کی طرف توجہ دے اور نفس کو سمجھا کہ گزشتہ لمحات بھی ضایع گئے۔

سبق: تمہیں زندگی کے لمحات مفت ملے تو ان قیمتی لمحات کی ادائیگی کا کچھ سوچ۔ اور اسی سوچ میں ممکن ہے تجھے محبوب کا وصال نصیب ہو جائے۔

ف: حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ زندگی کے لمحات جو گزر گئے وہ ضائع گئے لیکن جو باقی ہیں ان کو تو غنیمت سمجھو، اگر ان کو بھی اعمال صالحہ پر صرف کیا جائے تو ضایع شدہ لمحات کی قیمت بھی حاصل ہو سکتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ہر وہ گھڑی جس میں انسان ذکر الٰہی کے بغیر گزار دیتا ہے وہ قیامت میں اس کے لیے حسرت کا سبب بنے گی۔

ف: بعض انسانوں کو لمبی عمریں نصیب ہوتی ہیں لیکن ان کے لمحات کی کوئی قیمت نہیں ہوتی جیسے بعض بنی اسرائیل ہزاروں سال گزار گئے لیکن بہ نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے بعض افراد کہ جن کی عمر تو تھوڑی ہوتی ہے مگر ان کے لمحات قیمتی ہوتے ہیں۔ اسی لیے بنی اسرائیل کی لمبی عمروں والے ان قلیل عمروں والوں پر حسرت کریں گے۔

ایسے ہی بعض ایسے خوش نصیب ہوتے ہیں جنھیں ایک ہی نگاہ سے وصالِ یار نصیب ہو جاتا ہے (اور یہی ہم اہلسنت کہتے ہیں کہ اللہ والوں کا دامن پکڑو پھر دیکھو ان کی نگاہِ کرم سے کیا نصیب ہوتا ہے!)

سبق: افسوس تو اس بدقسمت پر ہے جسے لمحاتِ زندگی بھی وافر در وافر ملے لیکن زندگی ضائع کر دی اور خالی ہاتھ گیا۔ اسی لیے فرمان ہے کہ انسان کی دو نعمتوں پر رشک کرنا چاہیے؛

۱۔ فراغت ۲۔ صحت

marfat.ocm

اس سے بھی یہی مراد ہے کہ صحت و عافیت اور فراغت اوقات میں دین و دنیا سنوار لے پھر بیڑا پار ہے۔

اَفَحَسِبۡتُمۡ اَنَّمَا خَلَقۡنٰكُمۡ عَبَثًا ہمزہ انکاری ہے اور فاء کا عطف فعل مقدر پر ہے اور الحسبان بالکسر بمعنے الظن۔ اور عبثا ' خلقنا کی ضمیر جمع متکلم سے حال ہے۔ یعنی ہم نے تمہاری تخلیق میں کوئی ذاتی غرض ملحوظ نہیں رکھی اور نہ ہی اس تخلیق سے ایسے امر کا ارتکاب مطلوب ہے جس کے فائدہ سے لاعلمی ہو۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ کیا تم غافل ہو اور اپنی بہت بڑی غفلت سے گمان میں ہو کہ ہم نے تمہیں حکمت کے تقاضاؤں کے خلاف پیدا کیا ہے وَّ اَنَّكُمۡ اِلَيۡنَا لَا تُرۡجَعُوۡنَ ۝ اس کا عطف خلقنکم پر ہے۔ یعنی تمہارا گمان ہے کہ تمہارا ہمارے ہاں لوٹنا نہیں۔ یعنی تمہاری تخلیق سے غرض یہ ہے کہ تم نیک عمل کرو، پھر قیامت میں اٹھا کر تمہیں جزا و سزا دی جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کا معنیٰ یہ ہے کہ بندوں نے ایسے مالک و حاکم کے ہاں حاضر ہونا ہے اس کے سوا اور کوئی مالک ہے نہ حاکم۔

ف : ترمذی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تاکہ مخلوق اس کی عبادت کرے اور وہ اپنے بندوں کو عبادت کا ثواب اور ترکِ عبادت پر سزا دے۔ اگر وہ عبادت کریں گے تو عبدیت سے حریت اور عزت و عظمت پائیں گے یعنی دنیا میں عبد تھے تو آخرت میں بادشاہ ہوں گے اگر ترک عبادت کریں گے تو وہ عبد مغرور بلکہ مالک کی نگاہ سے گرے ہوئے اور بدبخت شمار ہوں گے اور قیامت میں اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے ساتھ جہنم کے جیل خانے میں سخت سے سخت سزا پائیں گے۔

تفسیر صُوفیانہ

تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ افحسبتم انما خلقنکم عبثا یعنی تم نے گمان کیا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بلا معنیٰ پیدا فرمایا ہے۔ اور تمہارا یہ بھی خیال ہے کہ تمہارے اندر کوئی معنیٰ نہیں کہ تمہیں فائدہ نہ نقصان دے یہاں تک کہ تم جانوروں کی سی زندگی بسر کرتے رہو اور تمہیں اعمال صالحہ کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب بھی نصیب نہ ہوگا وانکم الینا لا ترجعون اور یہ بھی تمہارا گمان ہے کہ تم نے لطف یا قہر سے ہمارے ہاں حاضر بھی نہیں ہونا۔ لطف سے رجوع کا یہ معنیٰ ہے کہ انسان اضطراری موت سے پہلے اختیاری موت سے مر جائے۔ اور وہ موت یہ ہے کہ انسان قدم شریعت و طریقت پر چل کر اسفل سافلین یعنی طبیعت سے نکل کر اعلیٰ علیین یعنی عالمِ حقیقت میں پہنچ جائے۔ اور رجوع بالقہر کا یہ معنیٰ ہے کہ موت اضطراری سے مرے پھر اسے شہواتِ دنیا اور اس کی زینت کے سلاسل اور صفاتِ ذمیمہ کے اغلال سے جکڑ کر اسے جہنّم کی طرف گھسیٹ کر لے جایا جائے۔

حکایت پُرنصیحت

حضرت بہلول دانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن بصرہ کی سڑک پر گزر رہا تھا ایک میدان میں چند لڑکے اخروٹ اور بادام سے کھیل رہے تھے لیکن ایک لڑکا

marfat.ocm

دور بیٹھا اُنھیں دیکھ کر رو رہا تھا، میں نے سمجھا کہ وہ اس لیے رو رہا ہے کہ اس کے پاس اخروٹ و بادام نہیں۔ میں نے پوچھا، بیٹا! کیوں رو رہا ہے، کیا تیرے پاس اخروٹ و بادام نہیں، کیا میں تجھے اخروٹ اور بادام خرید دوں؟ اس نے مجھے غصّے سے دیکھ کر کہا: اے بے عقل! کیا ہم کھیل و تماشا کے لیے پیدا کئے گئے ہیں؟ میں نے کہا: تو پھر کس لیے؟ اس نے کہا، علم و عمل کے لیے۔ میں نے کہا، اللہ تجھے برکت دے۔ بیٹا! تو دانا معلوم ہوتا ہے مجھے اختصاراً نصیحت کیجئے۔ اس نے یہ اشعار پڑھے ؎

١ ادی الدنیا تجهز بالطلاق
مشمرة علی قدم وساق

٢ فلا الدنیا بباقیة لحی
ولا حی علی الدنیا بباق

٣ کأن الموت والحدثان فیها
الی نفس الفتی فرسا سباق

٤ فیا مغرور بالدنیا رویدا
ومنها خذ لنفسك بالوثاق

ترجمہ: (١) میں دنیا کو دیکھ رہا ہوں کہ پا بہ رکاب ہو کر اپنا سامان اکٹھا کر رہی ہے۔
(٢) نہ کسی زندہ کے لیے باقی رہے گی اور نہ ہی کسی زندہ نے اس میں رہنا ہے۔
(٣) گویا موت اور اس کا حادثہ انسان کے لیے دو گھوڑے تیز دوڑنے والے ہیں۔
(٤) اے دنیا سے دھوکا کھانے والے! ذرا سوچ اور اس سے کنارہ کشی کر۔

اس کے بعد آسمان کی طرف دیکھ کر اس نے دونوں ہاتھوں کا اشارہ کیا، اس کے چہرے پر آنسوؤں کی بارش ہو رہی تھی اور وہ کہتا تھا: ؎

١ یا من الیه المبتهل یا من علیه المتکل
٢ یا من اذا ما آمل یرجوه لم یخط الامل

ترجمہ: (١) اے وہ ذات جس کے ہاں ہماری عاجزی ہے، اے وُہ ذات جس پر ہمارا سہارا ہے۔
(٢) اے وہ ذات جو کوئی تجھ سے امید رکھتا ہے تو وہ اسی کو چھوڑ کر چل بستا ہے۔

حضرت بہلول رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اس بچے نے یہ کہا اور بیہوش ہو کر گر پڑا۔ میں اٹھا، اس کے چہرے سے مٹی جھاڑی اور اسے اپنی گود میں سُلا لیا۔ جب اس نے آنکھ کھولی اور ہوش میں آیا تو میں نے اس سے پوچھا

marfat.ocm

بیٹے! تجھے کیا ہو گیا ہے، اتنا خوف کیوں؟ ابھی تو تُو بچہ ہے، تیرے ذمہ کوئی گناہ بھی نہیں۔ فرمایا: اے بہلول! کیا کہہ رہے ہو، میں اپنی والدہ کو دیکھتا ہوں کہ جب وہ آگ جلاتی ہے تو پہلے چھوٹی لکڑیوں کو آگ لگاتی ہے پھر بڑی لکڑیوں کو۔ میں ڈر رہا ہوں کہ کہیں قیامت میں ہم چھوٹے بچوں سے ہی نہ آگ سلگائی جائے اور خدا نہ کرے میں ان میں سے ہوں۔ میں نے پوچھا، یہ بچہ کون ہے؟ کسی نے کہا: یہ حضرت حسین بن علی بن ابی طالب کی اولاد سے ہیں۔ میں نے کہا: جب درخت باکمال ہیں تو ان کے ثمر کیوں نہ ایسے ذی جوہر ہوں۔ خدا ہمیں اس سے اور اس کے آباء کرام سے نفع بخشے۔

ف : حضرت ابوبکر واسطی رحمہ اللہ تعالیٰ یہ آیت پڑھا کرتے مخلوق کو عبث پیدا نہیں فرمایا بلکہ اس لیے پیدا فرمایا کہ اس کی ذات آشکار اور اس کی صفاتِ کمالیہ کا ظہور اس کی مصنوعات سے ہو تاکہ مخلوق اسی ذریعہ سے اس کا عرفان حاصل کرے۔

باعثِ ایجادِ کون ومکان بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے تمہیں بے سُود پیدا نہیں فرمایا بلکہ تمہیں نورِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے لیے پیدا فرمایا ہے کیونکہ ازل میں یہ بات طے ہو چکی تھی کہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور جنسِ انسان سے ہوگا۔ اس معنے پر آپ کائنات کی اصل اور جملہ موجودات کی فرع ہیں سہ

ہفت و نہ و چار کہ پرداختند
خاص پے موکب او ساختند
اوست شہ و آدمیان جملہ خیل
اصل وے و جملۂ عالم طفیل

ترجمہ: ہفت و نہ و چار صرف محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے لیے بنائے وہی بادشاہ ہیں باقی تمام ان کے غلام۔ اصل آپ ہیں باقی جملہ جہان طفیلی۔

ف : بحر الحقائق میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے تمہیں پیدا فرمایا تاکہ تم مجھ سے نفع حاصل کرو ورنہ مجھے تمہاری تخلیق کی ضرورت نہیں۔

حدیث قدسی : میں نے مخلوق کو پیدا فرمایا تاکہ وہ مجھ سے نفع پائے، نہ یہ کہ میں ان سے نفع پاؤں۔

ف : مشایخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو پیدا فرمایا تاکہ وہ منظرِ قدرت ہوں اور آدمیوں کو پیدا فرمایا تاکہ وہ مخزنِ جوہرِ محبت ہوں۔

کنت کنزاً مخفیاً : بعض روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے فرزندِ آدم! تمام اشیاء میں نے تیرے لیے اور تجھے اپنے لیے پیدا فرمایا۔ کنت کنزاً مخفیاً کا راز یہی ہے۔ مولانا روم قدس سرہٗ نے فرمایا، سہ

اے ظہور تو

۲ گنج مخفی بود ز پر چاک کرد — خاک را تابان تر از افلاک کرد
گنج مخفی بدز پری جوشش کرد — خاک را سلطان با طلس پوشش کرد

۳ خویش را نشناخت مسکین آدمی — از فزودنی آمد و شد در کمی
خویشتن را آدمی ارزاں فروخت — بود اطلس خویش را بردلق دوخت

۴ ای غلامت عقل تدبیرات ہوش — چوں چنینی خویش را ارزاں فروش

ترجمہ : ۱۔ اے کہ تیرا ظہور سربسر نور ہے گنج مخفی تجھ سے ہی ظاہر ہوا۔

۲۔ گنج مخفی کا پردہ چاک ہُوا اس نے مٹی کو افلاک سے زیادہ روشن فرمایا گنج مخفی تھا پردے سے جوش مارا، مٹی کو شاہی اطلس پہنا دیا۔

۳۔ مسکین آدمی نے خود کو نہ پہچانا، ترقی کو چھوڑ کر تنزل میں گرا۔ آدمی نے خود کو سستا بیچ ڈالا اپنی اطلس کو گودڑی پر سی دیا۔

۴۔ عقل و تدبیرات و ہوش تیرے غلام ہیں، جب تو ایسا ہے تو تُو نے خود کو سستا بیچ ڈالا۔

تفسیر عالمانہ

فَتَعٰلَى اللّٰهُ اللہ تعالیٰ کی ذات بلند اور اپنی ذات وصفات وافعال میں مخلوق کی مماثلت سے منزّہ ہے اور اس کے افعال حکمتوں اور مصلحتوں اور غایات جلیلہ کے خلو سے بھی پاک ہے اَلْمَلِكُ الْحَقُّ وہ مالک ہے اور ایجاداً و عدماً بدأً و اعادۃً و احیاءً و اماتۃً و عقاباً و اثابۃً ہر لحاظ سے علی الاطلاق ملک اسی کے لائق اور اسی کے لیے ثابت ہے اور اس کا جملہ ماسوا اس کا مملوک اور ہر شے اس کے ملکِ عظیم کے تابع ہے۔ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ ملک اور ذات وصفات وافعال میں ہر موجود سے مستغنی بلکہ ہر موجود اسی کا محتاج ہے۔

ف : المفردات میں ہے کہ حق وہ ہے جو اپنی حکمت کے تقاضے سے جیسے چاہے پیدا کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس کی ذات وصفات اور اس کی بات سچی ہے اور مخلوق میں کسی کا اس پر کوئی حق نہیں۔ اگر وہ مخلوق پر احسان وکرم کرتا ہے تو وہ بایں معنٰی نہیں کہ مخلوق اس کی مستحق تھی بلکہ یہ اس کا اپنا فضل اور لطف ہے۔

تفسیر عالمانہ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کے ماسوا ہر شے اس کی عبد ہے رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ۝ وہ عرش کریم کا رب ہے وہ جیسے بھی ہے اسی کے ماتحت فرمان ہے اور کائنات کا ذرہ ذرہ اسی کے احاطہ میں ہے اور عرش کو کریم کی صفت میں اشارہ ہے کہ وہ عرش

marfat.ocm

فیض کرم حق کا تقسیم ہے وہاں سے اس کی رحمت لے کر مخلوق کی طرف تقسیم ہو کر آتی ہے وَمَنْ یَّدْعُ وہ عبادت[1] کرتا ہے مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کی افراداً یا اشتراکاً لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ غیر کی عبادت والے کی اللہ تعالیٰ کے سوا کی پرستش کی کوئی دلیل نہیں۔ یہ اِلٰہ کی صفت لازمہ ہے، جیسے تطیر، بجناحیہ کی صفت لازمہ ہے معبودان باطلہ کی پرستش پر کوئی حجت نہیں، کیونکہ باطل معبود پر کوئی ایسی دلیل نہیں ہوتی جس پر کوئی تاکید ہو تاکہ اس پر کسی حکم کو مرتب کیا جا سکے۔ اس میں تنبیہ ہے کہ باطل دین کی کوئی دلیل نہیں ہوتی اور عقل کی بداہت بھی اس کے خلاف گواہی دیتی ہے فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ بے شک اس کا حساب اس کے رب کے ہاں ہے اسے اس کے استحقاق کے مطابق سزا ملے گی۔ یہ من یدع کا جواب ہے اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْکٰفِرُوْنَ ۝ بے شک شان یہ ہے کہ کافروں کو فلاح نصیب نہیں ہوگی۔ یعنی وہ برے حساب اور سخت دن سے نجات نہیں پائیں گے۔ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ اور فرمائیے اے پروردگار مجھے بخشئے اور میرے حال پہ رحم فرمائیے۔ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار اور رحم کی درخواست کا حکم فرمایا ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ دین کے اہم امور سے ہے کہ وہ ذات جس کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دئیے گئے ہیں تب بھی انہیں مغفرت اور رحمت مانگنے کا حکم ہے۔ پھر ما و شما کس قطار میں ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ خطاب حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ وہ محبوب کہ محبوبیت کا کمال ان پر ختم ہے اور جملہ خصوصیات میں ممتاز اور رسالت و نبوت میں اعلیٰ درجے کے مالک ہیں تب بھی انہیں مغفرت و رحمت کی طلب کا حکم ہے پھر وہ جو گناہوں میں ملوث اور کفر و شرک سے بھرپور ہوں وہ کیوں نہ مغفرت و رحمت کی طلب کریں۔

ف: امت پر لازم ہے کہ اس دعا میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرے۔

تفسیر عالمانہ وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ ۝ اور تو خیر الراحمین ہے۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ ہر راحم کی رحمت میں تغیر و تبدل کا احتمال ہے کیونکہ وہ کسی پر رحم کرنے کے بعد بھی اپنے تشدد کا نشانہ بنا سکتا ہے بخلاف اللہ تعالیٰ کے کہ وہ جس پر رحم کرتا ہے پھر اسے اپنے عذاب میں مبتلا نہیں کرتا اس لیے کہ اس کی رحمت ازلیہ ہے اس میں تغیر و تبدل کا احتمال نہیں۔

تفسیر صوفیانہ حقائق البقلی میں ہے اے اللہ تعالیٰ! میری وہ کوتاہی معاف کر دے جو میں نے تیری معرفت میں برتی ہے اور اپنے مشاہدہ کے مقام میرے اوپر کھولنے کے لیے میرے اوپر رحم

---

[1] اس میں دیوبندیوں وہابیوں کو تنبیہ ہے کہ ایسے مقام دعا بمعنے عبادت ہے۔ چنانچہ روح البیان ج ۶ ص ۱۱۲ پر ومن یدع کا ترجمہ یعبد لکھا ہے تفصیل فقیر کی کتاب احسن البیان جلد دوم میں ملاحظہ ہو۔ اویسی غفرلہ

فرما۔ اور تُو خیر الراحمین ہے اس لیے کہ کونین کی رحمت تیری رحمتِ قدیم کے دریا کا ایک قطرہ ہے۔

ہر مرض کا علاج

حضرت عبداللہ بن مسعود ایک سخت بیماری میں مبتلا مریض پر گزرے، اس پر افحسبتم تا اختتام سورۃ اس کے کان میں پڑھا تو وہ فوراً صحت یاب ہوگیا۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پُوچھا کہ تو نے کیا پڑھا ہے؟ عرض کی: یہی آیات پڑھی ہیں۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر ان آیات کو صدق دل سے پہاڑ پر پڑھا جائے تو پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے۔

فضائل سُورۃ و آیات

مروی ہے کہ اس سورۃ کی پہلی اور آخری آیات عرشِ الٰہی کے خزانوں سے ہیں۔ جو شخص اس سُورۃ کی پہلی تین آیات اور آخری چار آیات پر مداومت اختیار کرے گا وہ دارین میں نجات و فلاح پا جائے گا۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تو شہد کی مکھی کی سی آواز سُنائی دیتی۔ ہم نے دیکھا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے اس لیے ہم تھوڑی دیر رک گئے۔ جب آپ فارغ ہُوئے تو قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا مانگی:

> اے اللہ! ہمیں بڑھا اور ہمیں گھٹا مت۔ اور ہم پر اکرام عطا فرما اور ہماری اہانت نہ ہو۔ اور ہمیں عطا فرما، ہمیں محروم نہ رکھ، اور ہمیں پسند فرما اور ہمارے اوپر اوروں کو ناپسند فرما۔ اور ہم سے راضی ہو اور ہمیں راضی فرما۔

اس کے بعد فرمایا:

> اب میرے اوپر دس آیات نازل ہوئیں جو ان پر عمل کرے گا وہ بہشت میں داخل ہوگا۔

اس کے بعد قد افلح المؤمنون تا دس آیات پڑھیں۔

(صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ) اس سورہ مومنین کی تفسیر ۲۲ رجب المرجب ۱۱۰۷ھ میں ختم ہوئی۔

اور

فقیر اویسی غفرلہٗ نے اس سورہ مومنین کے ترجمہ سے ۶ شوال المکرم ۱۳۹۷ھ بروز خمیس تقریباً ۹ بجے شب فراغت پائی۔

والحمد للہ علیٰ ذٰلک وصلی اللہ علیٰ حبیبہ الکریم وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

سُورَةُ النُّورِ مَدَنِيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اٰيَاتُهَا ۶۴ رُكُوعَاتُهَا ۹

سورہ نور مدنی ہے اور اسمیں اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا چونسٹھ آیتیں اور نو رکوع ہیں

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ① اَلزَّانِيَةُ

یہ ایک سورت ہے کہ ہم نے اتاری اور ہم نے اس کے احکام فرض کئے اور ہم نے اس میں روشن آیتیں نازل فرمائیں کہ تم دھیان

وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا

کرو جو عورت بدکار ہو اور جو مرد تو ان میں ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ اور تمہیں ان پر ترس نہ آئے

رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا

اللہ کے دین میں اگر تم ایمان لاتے ہو اللہ اور پچھلے دن پر اور چاہیئے کہ ان کی سزا کے وقت

طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ② اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۫ وَّالزَّانِيَةُ

مسلمانوں کا ایک گروہ حاضر ہو بدکار مرد نکاح نہ کرے مگر بدکار عورت یا شرک والی سے اور بدکار عورت

لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ③ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ

سے نکاح نہ کرے مگر بدکار مرد یا مشرک اور یہ کام ایمان والوں پر حرام ہے اور جو پارسا عورتوں کو

الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً

عیب لگائیں پھر چار گواہ معائنہ کے نہ لائیں تو انہیں اسی کوڑے لگاؤ

وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۙ ④ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا

اور ان کی کوئی گواہی کبھی نہ مانو اور وہی فاسق ہیں مگر جو اس کے بعد توبہ

مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ

کرلیں اور سنور جائیں تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور وہ جو اپنی عورتوں کو عیب لگائیں

وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ

اور ان کے پاس اپنے بیان کے سوا گواہ نہ ہوں تو ایسے کسی کی گواہی یہ ہے کہ چار بار گواہی دے اللہ کے نام سے

لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ⑥ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ⑦

کہ وہ سچا ہے اور پانچویں یہ کہ اللہ کی لعنت ہو اس پر اگر جھوٹا ہو

وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۙ ⑧

اور عورت سے یوں سزا ٹل جائے گی کہ وہ اللہ کا نام لے کر چار بار گواہی دے کہ مرد جھوٹا ہے

marfat.ocm

وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ إِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٩﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ
اور پانچویں یوں کہ عورت پر غضب اللہ کا اگر مرد سچا ہو اور اگر اللہ کا فضل اور
اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَأَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ﴿١٠﴾ ۱ ع ۱۰
اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی اور یہ کہ اللہ توبہ قبول فرماتا حکمت والا ہے تو تمہارا پردہ کھول دیتا

تفسیر عالمانہ

یہ سورہ مدنیہ ہے اس کی چونسٹھ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا، اس سورۃ میں عفت، پاکدامنی اور ستر و حجاب اور پردہ کے احکام بیان کیے گئے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کو لکھا کہ عورتوں کو سورۂ نور پڑھاؤ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کو بالاخانوں پر مت جانے دو اور نہ ہی انھیں لکھنا سکھاؤ۔ انھیں سورۂ نور پڑھاؤ اور چرخہ کاتنا سکھاؤ۔

سُوْرَةٌ سورۃ قرآن کے اس ایک حصے کا نام ہے جو چند آیات و کلمات اور علوم و معارف کو محیط ہوتی ہے یہ سُور المدینہ سے مشتق ہے بمعنے شہر کا احاطہ جو اسی شہر کے اردگرد ہوتا ہے۔ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ در اصل ھذہٖ سورۃ تھا۔ اگرچہ اس کا ذکر پہلے نہیں ہوا لیکن پھر بھی اسے ھٰذا اشارہ سے ذکر کیا گیا اس کی شرافت پر دلالت کرتا ہے کہ گویا یہ حاضر و مشاہد کی طرح ہے اس کی تنکیر بھی اس کی ذات فخامت و عظمت کی دلیل ہے أَنْزَلْنٰهَا یہ بھی اس کی عظمت و فخامت صفاتی کی دلیل ہے یعنی ہم نے اس سورۃ کو عالمِ قدس سے جبریل علیہ السلام کے واسطہ سے نازل فرمائی۔ وَفَرَضْنٰهَا یعنی ہم نے ان کے اندر نازل کردہ احکام تم پر قطعی طور پر واجب فرمائے ہیں الفرض بمعنے کسی سخت شے کو کاٹنا اور اس میں نشان ڈالنا۔ اسی لیے لوہے کے کاٹنے کو الفرض سے تعبیر کرتے ہیں الایجاب والفرض کا اصطلاحاً ایک معنی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ باعتبار وقوع و ثبات کے ایجاب کہا جائے گا اور باعتبار حکم کے قطعی ہونے کے فرض سے تعبیر کیا جائے گا (کذا فی المفردات) وَأَنْزَلْنَا فِيْهَآ اور اس کے اندر ہم نے نازل کیں اٰيٰتٍۭ اس سے وہ آیات مراد ہیں جنہیں احکام فرائض سے تعلق ہے۔ اس سے اس کے جملہ آیات مراد نہیں بَيِّنٰتٍ ایسی آیات کہ ان کے احکام پر واضح اور روشن

marfat.ocm

دلائل موجود ہیں اور انزلنا کا تکرار ان احکام کی عظمت اور اہتمام بالشان کی وجہ سے ہے ورنہ انزال سورۃ میں انزال احکام کا ذکر ہو چکا تھا لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ شاید کہ تم انھیں قبول کرو اور اس کے محارم سے پرہیز کرو۔ یہاں پر ایک تا محذوف ہے اس لیے کہ یہ دراصل تتذکرون تھا۔ یعنی ان آیات سے نصیحت حاصل کرو اور جب حوادث کے دامیہ واقع ہوں تو تم ان کے موجب احکام کا اجراء کر سکو۔ اس میں اشارہ ہے کہ حق یہ ہے کہ جب بھی ان کے سامنے اس طرح کے واقعات سامنے آئیں تو اسی سورۃ کے احکام کو سامنے رکھ کر فیصلے کریں۔

نکتہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ سورۃ ہذا کے اگر اور آیات بھی نہ ہوتے تو جملہ احکام متعلقہ صرف بی بی عائشہ صدیقہ بنت صدیق حبیبۂ حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی براءت میں آیات بھی کافی تھیں کیونکہ اس میں احکام متعلقہ و براہین و دلائل واضحہ موجود ہیں بلکہ اس معاملہ میں یہی آیات جامع ہیں اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ یہاں سے آیات بینات کی تفصیل اور ان کے احکام کا بیان شروع ہے۔ الزنا بمعنے ایسی عورت سے وطی کرنا جس کے ساتھ اس کا عقدِ شرعی نہ ہو۔ الزنا کو بالمد و بالقصر دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔ ہاں بالمد ہو تو اسے مصدر فاعلہ بنانا جائز ہے ایسے وقت بوقت نسبت سے زنوی پڑھا جائے گا۔ (کذا فی المفردات)

الزانیۃ ہر وہ عورت جو زنا کی قدرت رکھتے ہوئے کسی مرد سے وطی کرائے۔ اس کے اس صیغہ کا یہی تقاضا ہے، بخلاف المزنیہ کے، اس لیے کہ مزنیہ اس عورت کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ جبراً زنا کیا جائے۔ الزانیہ کی تقدیم عرب کی لونڈیوں کے کثرتِ زنا کی طرف اشارہ ہے کہ اس وقت وہ لونڈیاں کھلم کھلا زنا کا ارتکاب کرتی تھیں یا اس لیے کہ اس فعل کا زیادہ تر سبب عورت بنتی ہے اور پھر اس کی کثرتِ شہوت کی طرف اشارہ ہے، نیز اگر عورت اس فعل پر راضی نہ ہو تو مرد سے اس کا ارتکاب بہت کم ہوتا ہے۔ یہ مبتداء اور اس کی خبر فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ پر ہے۔ فا شرطیہ ہے اس لیے کہ یہ مبتدا متضمن معنے شرط کا ہے کیونکہ الزانیہ والزانی کی لام موصولہ ہے۔ دراصل عبارت التی زنت والذی زنا تھی۔ الجلد بمعنے ضرب الجلد (بالکسر) چمڑہ چھیلنا۔ کہا جاتا ہے: جلدہ ضرب جلدہ، جیسے بطنہ و ظہرہ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کے پیٹ یا پیٹھ پر مارا جائے۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جلدہ کا ضربہ بالجلد یعنی اسے ڈنڈے وغیرہ سے مارا اور مائۃ منصوب علی المصدریہ ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے شہر والو! اور اے احکام قبول کرنے والو! دونوں کو حکم ہے کہ سو درے مارو۔

مسئلہ: یہ حکم محصن غیر محصن دونوں کو شامل تھا۔ پھر شادی شدہ کے لیے حکم منسوخ ہوا اور ناسخ بھی حکم قطعی ہے اس لئے کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز وغیرہ کو سنگسار فرمایا تھا۔ یہ نسخ الکتاب بالسنۃ المشہورہ کے قاعدہ سے ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ شادی شدہ کی حد سنگساری اور غیر شادی شدہ

marfat.ocm

کی حد سو دُرے مارنا ہے۔

قاعدہ فقہیہ: حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک بابِ رجم میں شادی شدہ ہونے کی چھ شرطیں ہیں:

(۱) اسلام
(۲) حریت
(۳) عقل
(۴) بلوغ
(۵) نکاح صحیح
(۶) دخول

کوئی ایک شرط مفقود ہو تو سنگسار نہیں کیا جائے گا۔

مسئلہ: بابِ قذف میں چار شرطیں پہلی، اور حنفیہ فقہا کرام کی اس قول سے کہ رجم محصن ای مسلم حر عاقل الخ یعنی مسلمان عاقل، آزاد، بالغ، شادی شدہ اور صاحبِ دخول کی یہی مراد ہے جو ہم نے اوپر بیان کی۔ اسی طرح اُنھوں نے کہا قذف محصنا الخ یعنی مسلمان حر عاقل بالغ عفیف کو حد ماری جانے۔ جب ان میں سے کوئی ایک شرط مفقود ہو تو اسے حد وغیرہ نہیں لگائی جائے گی۔

وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ اور تمہیں ان کے بارے میں رافت و شفقت نہ گھیر لے۔ البحر میں ہے کہ الرافۃ بمعنے رقت قلبی بمعنے مہربانی کرنا۔ اس کی تنکیر تقلیل کے لیے ہے۔ یعنی تمہیں ان کے ساتھ تھوڑی بسی مہربانی بھی نہ گھیر لے۔ فِي دِيْنِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کی اطاعت اور اقامتِ حدود میں کہ اسے تم معطل چھوڑ دو یا اسے حد مارتے وقت تھوڑی تکلیف پہنچاؤ اور چشم پوشی کرکے تکمیلِ حد میں کمی کرو۔ اس لیے کہ جسے حد ماری جاتی ہے وہ عجیب وغریب حرکات کا مظاہرہ کرتا ہے اور عجز و انکساری اور فریاد کرتا ہے رحم و کرم کی درخواست کرتا ہے جس پر امامِ وقت یعنی حاکم کو اس کے حال پر رحم آجاتا ہے یا مارنے والا اس پر رحم کرنے لگ جاتا ہے اور حاضرین کو اس کے حال پر ترس آتا ہے بالخصوص جب سزا پانے والا محبوب ترین شخص ہو جیسے اولاد یا بھائی وغیرہ۔ اس طرح حد کی تکمیل نہیں ہو سکے گی اور حقوق الٰہی کی ادائیگی میں کمی ہو گی اور زانی کو سو دُرے نہیں مارے جا سکیں گے۔ بلکہ اس کو ترک کرنے سے حد میں کمی واقع ہو گی۔ یا آہستہ مارنے پڑیں گے۔ ان تمام صورتوں سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو روکا ہے۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ نے جن امور کا حکم فرمایا ہے ان میں رحم و کرم کرنا قبیح ہے۔

marfat.ocm

حدیث شریف قیامت میں ان حکام کو بارگاہِ حق میں لایا جائے گا جنہوں نے حدودِ متعینہ میں ایک دو ضربیں کم ماری ہوں گی اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا کیا تم مجھ سے زیادہ رحیم تھے؟ اس کے بعد حکم ہوگا کہ انہیں جہنم میں ڈال دو۔ پھر ان حکام کو لایا جائے گا جنہوں نے سزا میں زیادتی کی ہوگی یعنی مثلاً سو کوڑوں سے ایک دو زائد مارے ہوں گے۔ تو انہیں حکم ہوگا کہ تم نے حد مارنے میں کیوں زیادتی کی؟ تو عرض کریں گے اس لیے کہ تیرے بندوں کو عبرت ہو اور وہ برائیوں سے باز آجائیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تم مجھ سے بڑھ کر حکومت میں تھے۔ پھر حکم ہوگا کہ اسے جہنم میں لے جاؤ۔

سوال: الاسئلۃ المقحمۃ میں ہے کہ آیت ہذا سے ثابت ہوا کہ کسی کو برائیوں میں مرتکب ہوتا دیکھ کر بربنائے شفقت و رحمت نہ روکنا گناہ ہے اور قیامت میں اس کے متعلق مواخذہ ہوگا۔

جواب: واقعی ایسے ہوگا۔ لیکن اس سے وہ فطری شفقت مراد نہیں اس لیے کہ وہ تکلیف شرعی میں داخل نہیں بلکہ وہ رحمت و شفقت مراد ہے جو حدود شرعیہ کی اقامت سے مانع ہو اور احکام شرع کو معطل کرے۔ ایسی شفقت و رحمت سے باری تعالیٰ نے آیت ہذا میں منع فرمایا ہے۔

مسئلہ: بحر العلوم میں ہے کہ اس میں دلالت ہے کہ مخاطبین پر لازم ہے کہ حدود شرعیہ بالخصوص حدِ زنا میں جد و جہد کریں۔ اس میں ذرہ برابر بھی تخفیف کا خیال نہ کریں بلکہ جتنا ہو سکے زوردار چابک لگائیں اس کے بعد حدِ قذف میں امام زہری اسی طرح فرماتے ہیں البتہ حد شراب میں تخفیف چاہیے۔ حضرت قتادہ نے فرمایا کہ حدِ قذف و شراب میں تخفیف چاہیے لیکن حدِ زنا میں چابک زور زور سے مارے جائیں۔

اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ اگر تم اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان لاتے ہو۔ یہ برانگیختہ کرنے کے باب سے ہے اور غضبِ الٰہی اور عذابِ آخرت سے خوف دلانے کے قبیل سے ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان لانے کا تقاضا یہی ہے کہ اس کی طاعت و عبادت میں جد و جہد کی جائے اور احکامِ الٰہیہ کے اجراء میں ذرہ برابر بھی کمی نہ کی جائے۔

ف: حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مخالفین کے ساتھ شفقت کرنے سے احباب و موافقین سے روگردانی کے مترادف ہے اور آخرت کی تذکیر میں اس کے اندر کے عتاب و عذاب کی طرف اشارہ ہے تاکہ معلوم ہو کہ جو بھی احکامِ الٰہیہ اور حدود شرعیہ سے چشم پوشی کرے گا یا انہیں بروئے کار نہ لائے گا وہ قیامت میں سخت سزا کا مستحق ہوگا۔ قیامت کو یومِ آخرت سے اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ وہی گویا آخری دن ہے کہ اس کے بعد کوئی دن ایسا نہ ہوگا جس میں رات ہو۔ پھر وہی سارے کا سارا گویا ایک ہی دن ہو جائے گا اور ظلمات (تاریکیوں) کا اجتماع ہو کر دوزخ میں رات ہی رات ہوگی۔

marfat.ocm

وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

حلِ لغات: الشہود بمعنے الحضور۔ عذاب بمعنے کسی کو سخت درد پہنچانا۔ بعض مشایخ نے فرمایا کہ تعذیب بمعنے ڈنڈے کے گوشہ سے بہت زیادہ مارنا۔ اس کے علاوہ اور بھی معانی لکھے گئے ہیں اس کا عذاب نام رکھنا بھی سزا پر دلالت کرتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے عذاب اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کا درد گناہ کے دوبارہ ارتکاب سے مانع ہوتا ہے۔ الطائفۃ بمعنے وہ گروہ جو کسی شے کو اردگرد محیط اور حلقہ ہو سکے۔ یہ طوف سے مشتق ہے یہاں پر وہ جماعت مراد ہے جس سے مجرم کی تشہیر اور اس کے لیے زجر کا سبب ہو سکے۔ المؤمنین سے صالحین مراد ہیں اس لیے کہ فاسق تو خود بھی اپنے جرائم و معاصی کی وجہ سے شرمسار ہوگا تو اس کا مجرم کی سزا کے وقت حاضر ہونا بے معنیٰ ہے اور اگرچہ امر وجوب کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن یہاں پر یہ امر استحباب کے لیے ہے۔ کذا قال الفقہاءؒ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ زانی و زانیہ کی سزا کے وقت اہل ایمان کے معتبر اور نیک بخت لوگوں کو موجود ہونا چاہیے۔ خلاصہ یہ کہ زانی اور زانیہ پر حد قایم کرتے وقت معتبر مومنین اور نیک لوگوں کا موجود ہونا اس لیے ضروری ہے کہ بسا اوقات کوڑے مار کر شرمسار کرنا بہت بڑی اور سخت سزا بن جاتا ہے۔ کیونکہ گندی شہرت سے مجرم اپنے جرائم و معاصی سے باز آجاتے ہیں۔

مسئلہ: غیر شادی شدہ زانی و زانیہ کو سو کوڑے مارے جائیں۔ کوڑا درمیانہ ہو جس میں کوئی گرہ نہ ہو۔ مرد کو کھڑا کر کے مارے جائیں سر اور منہ اور فرج کے سوا باقی بدن پر متفرق طور پر کوڑے مارے جائیں اور عورت کو بٹھا کر مارے جائیں، زاید کپڑوں کے سوا اس کا کوئی کپڑا نہ اتارا جائے۔

مسئلہ: عورت کے لیے گڑھا کھودنا جائز ہے، مرد کے لیے گڑھا نہ کھودا جائے۔

مسئلہ: سنگساری اور کوڑے کی سزا کو جمع نہیں کیا جا سکتا۔ نہ ہی ایسے مجرم کو شہر بدر کیا جائے۔ ہاں اگر سیاستہً ایسا کیا جائے تو جائز ہے۔

مسئلہ: زانی مریض ہو تو اسے سنگسار کیا جا سکتا ہے لیکن کوڑے کی سزا صحت یابی تک موقوف رکھی جائے۔

مسئلہ: حاملہ کو وضعِ حمل کے بعد سنگسار کیا جائے۔ اگر کوڑے مارنے ہوں تو نفاس سے فراغت کے بعد مارے جائیں۔

مسئلہ: غلام کو کوڑوں کی آدھی سزا ہے، کوڑوں کی سزا اس کا آقا نہیں قایم کر سکتا مگر حاکمِ وقت کی اجازت سے سزا دے سکتا ہے۔ (خلافاً للشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ)

حدیث شریف: حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس علاقہ میں زنا کی حد قائم ہو وہ بہت بڑی فضیلت والا ہے۔ اقامتِ حدِ زنا چالیس روز کی مسلسل رحمت کی بارش سے بہتر ہے۔

مسئلہ: زنا حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔

marfat.ocm

زنا کی نحوست حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو! زنا سے بچو، اس لیے کہ زنا میں چھ خرابیاں ہیں، تین دنیا میں اور تین آخرت میں۔ تین دنیا میں یہ ہیں:

۱۔ عزت و آبرو ختم ہو جاتی ہے۔
۲۔ تنگدستی پیدا ہوتی ہے۔
۳۔ عمر کم ہو جاتی ہے۔

وہ تین خرابیاں جو آخرت میں ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا۔
۲۔ حساب سخت ہوگا۔
۳۔ جہنم کا عذاب ہوگا۔

مسئلہ: بُری نگاہ سے دیکھنا بھی زنا ہے بلکہ بُری نگاہ شیطان کے زہریلے تیر ہیں۔
مثنوی شریف میں ہے: ؎

این نظر از دور چون تیر است و سم
عشقت افزون می کند صبر تو کم

ترجمہ: بُری نگاہ تیر اور زہر ہے۔ اس سے برا عشق بڑھتا اور صبر کم ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ الزانیۃ والزانی میں اشارہ ہے کہ جب نفسِ امارہ زنا کرتا ہے، اس کا زنا یہ ہے کہ وہ شیطان کے تصرفات کے سامنے سرِ تسلیم خم کرے اور دنیا کے امور میں منہمک ہو جائے اور ان اعمال کا ارتکاب کرے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ نیز روح کے زنا کی طرف اشارہ ہے۔ اور روح کا زنا یہ ہے کہ وہ دنیا اور اس کی شہوات کی طرف جھک جائے اور ان خواہشات کے تصورات میں ڈوب جائے جن سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے فاجلدوا کل واحد منہما مائۃ جلدۃ نفس اور روح کو بھوکا رکھو اور شہوات اور ان کی جملہ تمناؤں سے انہیں دور کر دو۔ اس طرح سے ان کا تزکیہ ہوگا۔ ایسی سزا سے نفس و روح کو دولتِ ادب نصیب ہوتی ہے ولا تاخذکم بہما رأفۃ فی دین اللہ یعنی اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت ہے تو اس کے مخالفین سے بغض رکھو۔ نفس و روح جب احکامِ الٰہیہ کی مخالفت کریں تو ان پر رحم مت کرو اس لیے ان پر رحم کرنا اپنے اوپر ظلم کرنا ہے اور جو نفس و روح پر رحم کرتے ہیں وہ انجامِ کار سے بے خبر ہیں اس لیے کہ نفس و روح کا تزکیہ و تصفیہ نہیں کرتا وہ اس شخص کی طرح ہے جو اپنے بیمار بچے کا علاج نہیں کرتا جیسے اس شخص کی شفقت بچے کے لیے مضر ہے ایسے ہی نفس و روح پر شفقت کرنے والا نقصان کر رہا ہے۔ اس لیے کہ مرض جیسے مریض کو تباہ و برباد کر دیتی ہے اپنے

marfat.ocm

نفس و روح کو اوامرِ حق کی مخالفت تباہ و برباد کر دیتی ہے۔ اس لیے اشارہ ہے جو نفس و روح کے تزکیہ و تصفیہ میں غیر معمولی جدوجہد کرتا ہے ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الاٰخر ولیشھد عذابھما طائفۃ من المؤمنین اس میں اشارہ ہے کہ انسان پر لازم ہے کہ وہ اہلِ شہود کی صحبت اختیار کرے اور ہر وقت نفس کی گوشمالی کرے اور روح کی تادیب میں کوتاہی نہ کرے اور نفس کی گوشمالی اور روح کی تادیب کے لیے شیخ کامل واصل باللہ کی توجہ کرم کا دامن پکڑے تاکہ وہ افراط و تفریط سے بچائے اور صراطِ مستقیم پر چلائے۔ اور یہی اس کی صحیح راہ ہے جس پر چل کر منزلِ مقصود تک پہنچ سکے گا۔

قطع ایں مرحلہ بے ہمرہیِ خضر مکن
ظلماتست بترس از خطرِ گمراہی

ترجمہ: اس منزل کو رہبر کے بغیر طے نہ کرنا اس لیے کہ یہاں بڑی تاریکیاں ہیں اس لیے گمراہی کا خطرہ رکھنا۔

تفسیر عالمانہ

اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً ؗ وَّ الزَّانِیَۃُ لَا یَنْکِحُھَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ ۚ

حلِ لغات: النکاح قرآن مجید میں بمعنے العقد یعنی تزوج مستعمل ہے بمعنے وطی، یہ معنی قرآن مجید میں نہیں کیا۔ امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ النکاح اصل میں بمعنے العقد کے ہے۔ اس کے بعد استعارۃً جماع کے معنی میں آتا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں کہ وہ اصل جماع کے معنیٰ میں ہو، پھر استعارۃً بمعنے العقد آتا ہے اس لیے کہ جماع کے جملہ اسمأ کنایہ کے طور پر آتے ہیں۔ وہ اس لیے کہ اہلِ عرب جیسے اس کے عمل کو ظاہر کرنا قبیح سمجھتے ہیں ایسے ہی اس کے نام لینے کو بھی قبیح جانتے ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ قبیح کو بہتر شے کے لیے استعارہ کیا جائے۔

مسئلہ: یہ حکم اغلب حال کے مطابق ہے اس لیے کہ اہلِ ایمان کو جہاں زنا کے ارتکاب سے روکا ہے وہاں زنا کے مرتکبین کے ساتھ نکاح سے بھی منع فرمایا ہے کیونکہ اکثر دیکھا گیا ہے اور عادت کا تقاضا بھی یونہی ہے کہ زنا کا عادی نیک عورتوں کی بجائے بدکردار عورتوں سے نکاح کا خواہشمند ہوتا ہے یا پھر اسے مشرک عورتوں سے نکاح کی آرزو ہوتی ہے۔ ایسے ہی فاسق و فاجر عورتوں کا حال ہے کہ وہ بھی نیک انسانوں کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے بجائے برے اور مشرک مردوں سے نکاح کی خواہش رکھتی ہیں بلکہ وہ نیک مردوں سے نفرت کرتی ہیں اور یہ بھی ہوتا ہے کہ جنسیت اور مشاکلت کو بھی معاشرہ میں بڑا دخل ہے۔ اور طبیعت کی ناموافقت کو نفرت اور وحشت بلکہ افتراق کی موجب بنتی ہے۔

ف: یہاں پر الزانی کو مقدم کرنے میں اشارہ ہے کہ نکاح میں اصل مرد ہے اس لیے کہ اس کی طلب پہلے اسی سے ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ منگنی کا آغاز مرد کرتا ہے دوسری وجہ اس کی شانِ نزول ہے۔ مروی ہے

marfat.ocm

کہ فقراء مہاجرین نے مدینہ طیبہ کی دولتمند عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی رغبت ظاہر کی صرف اس ارادہ سے کہ ان غریبوں پر وہ دولت مند عورتیں خرچ کریں گی۔ ایسے ہی زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کی عادت تھی۔ چنانچہ کاشفی نے لکھا کہ یہودیوں کے بعض لوگوں نے مدینہ کے مشرکین کی ہمسائیگی میں اپنے گھروں کے سامنے جھنڈے گاڑے ہوئے تھے تاکہ اہلِ اسلام کو ورغلا سکیں اور وہ اس ورغلانے پر مشرکین سے اجر و مزدوری لیتے تھے، بالخصوص غریب و مسکین مسلمان جو روزی سے تنگ تھے وہ ان کے ورغلانے پر ان کے دامِ تزویر میں پھنس جاتے اور پھر اسلام میں کمزور پڑ جاتے جب مشرکین کی دولت مند عورتوں سے نکاح کر لیتے۔ چنانچہ اس معاملہ میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی انھیں اس سے نفرت دلائی گئی اور سمجھایا گیا کہ یہ معاملہ زانیوں اور مشرکوں کا ہے تم اس سے بچو۔ گویا یوں کہا گیا ہے کہ زانی کا کام ہے کہ وہ یا تو زانیہ کے ساتھ نکاح کی رغبت کرے یا مشرکہ عورت کے ساتھ، اسی طرح زانیہ کا کام ہے کہ وہ زانی مرد یا مشرک سے نکاح کرے۔ فلہٰذا تم اے مسلمانو! ان کے گرد نہ گھومو تاکہ تم ان میں شمار نہ ہو جاؤ یا ان کی عادات کی پیروی کرو۔ جملہ اولیٰ صرف تاکید کے لیے لایا گیا ہے ورنہ نفرت دلانے کے لیے جملۂ ثانیہ کی ضرورت ہے اور تاکید سے جانبین کے علاقہ کی تاکید مراد ہے تاکہ تنفیر و زجر میں مبالغہ ہو۔ اس سے صرف شرک سے نفرت دلانی مراد ہے اور اس میں نفرت دلائی گئی ہے کہ گویا زانیہ مشرکہ ہے وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اور زانی کا نکاح حرام ہے مومنین پر، اس لیے کہ زانیوں سے نکاح کا تعلق اچھا نہیں اس لیے کہ وہ فاسق ہیں اور فاسقوں سے تشبیہ ناموزوں ہے اور تہمت میں ملوث ہونا بھی ہے اور نسب میں طعن و تشنیع اور قبیح شہرت بھی ہوگی ان کے علاوہ اور مفاسد اور خرابیاں بھی، جنھیں کمینے اور رذیل لوگ بھی برداشت نہیں کرتے تو پھر اہلِ ایمان کب برداشت کریں گے۔

مسئلہ: کمینے اور رذیل مردوں سے اہلِ ایمان کا نکاح مکروہ تنزیہی ہے اور اسے لفظ حرم سے تعبیر کرنا زجر و توبیخ ہے یا یہ آیت وانکحوا الایامیٰ منکم سے منسوخ ہے اس لیے کہ ایامیٰ کا لفظ زانیہ کو بھی شامل ہے۔ اس کی تائید حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے۔ مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا، اس کا اول زنا تھا لیکن اس کا آخر نکاح ہے اور حرام فعل (زنا) حلال (نکاح) کو حرام نہیں کرتا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ بُری دوستی اور صحبت سے کنارہ کشی ضروری ہے اور فرمایا گیا ہے کہ ان لوگوں سے دوستی اور تعلق ہو جو اللہ والے ہوں کیونکہ طبیعت کا طبیعت پر اثر ہوتا ہے۔ جیسے بعض امراض متعدی ہوتی ہیں ایسے ہی صحبت کا اثر دوسری طبائع پر پڑتا ہے۔

حدیث شریف: نہ مشرکین کے ساتھ ٹھہرو اور نہ ان کے اجتماع میں جاؤ، اس لیے کہ ان کے اجلاسوں

marfat.ocm

میں شرکت کرے گا یا ان کے ساتھ نشست و برخاست کرے گا وہ انھیں سے ہوگا، اس کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ یعنی ایک گھر میں مشرکین کے ساتھ نہ رہو اور نہ ہی ایک مجلس میں اکٹھے ہو تاکہ ان کی عادات و اخلاق تمہارے اندر نہ گھس جائیں اور نہ ہی ان کی سیرت قبیحہ اثرانداز ہو، اس لیے لوگ اپنی مخصوص عادات و اخلاق پر زندگی بسر کرتے ہیں اور ان کے ساتھی اور دوست اسی عادات و اخلاق کے ہوتے ہیں ؎

ہم مرغان کنند با جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز با باز

ترجمہ: تمام پرندے اپنے ہم جنسوں کے ساتھ پرواز کرتے ہیں کبوتر کے ساتھ کبوتر اور باز کے ساتھ باز۔

اور ہر ساتھی اپنے ساتھی کا ہم مثل ہوتا ہے ؎

عن المرء لا تسئل وابصر قرینہ
فان القرین بالمقارن یقتدی

ترجمہ: کسی کی عادات و اخلاق دیکھنے ہوں تو اس کے دوست کو دیکھ لو، اس لیے کہ ہر ساتھی اپنے ساتھی سے پہچانا جاتا ہے۔

اہلِ فساد فسادیوں کے دوست ہوتے ہیں اور دل سے ان کے ساتھ ہوتے ہیں اگرچہ بظاہر ان کے گھر ایک دوسرے سے بہت دُور ہوں، اور نیک لوگ نیکوں کے دوست ہوتے ہیں اگرچہ بظاہر ان کے مکانات میں بہت زیادہ فاصلہ ہو۔ کاشفی نے لکھا کہ جنسیت ملاقات کا سبب ہے اور ہم شکل ہونا الفت کا موجب ہے ؎

ہر کس مناسب گہر خود گرفت یار
بلبل بباغ رفت و زغن سوئے خارزار

ترجمہ: ہر شخص اپنی طبع کے مناسب دوست تلاش کرتا ہے، بلبل باغ کو جاتی ہے اور گدھ جنگلوں میں۔

مسئلہ: اہلِ ایمان پر لازم ہے کہ وہ بُرے دوستوں سے دُور رہیں تاکہ بُرے احوال و اعمال کا ان پر اثر نہ پڑے۔ زمخشری کے بلاغات میں سے ہے کہ اپنی نشست و برخاست اپنے ہم جنس لوگوں سے رکھیے۔ یعنی تمہیں چاہیے کہ ایسے کو دوست بناؤ جو تمہاری طبع کے موافق ہو۔ اس لیے کہ غیر جنس کو دوست بنانا سخت عذاب میں مبتلا ہونا ہے۔

مسئلہ: فقہی مسائل میں ہے کہ نصرانی عورت فربہ کو دیکھ کر یہ تمنا کرنا کہ کاش وہ نصرانی ہوتا اور اس سے نکاح

marfat.ocm

کرتا، تو ایسی تمنا کفر ہے۔ بعض نے کہا وہ اس لیے کہ موٹی عورتیں اہلِ ایمان بھی ہوتی ہیں لیکن چونکہ اس نے جنسیت کی آرزو کی اس لیے کافر ہوگیا۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ بقدرِ امکان اپنے آپ کو بچائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ غیور ہے۔ اس کی غیرت سے ہر وقت ڈرنا چاہیے۔

تفسیر عالمانہ

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ۔ الرمی اعیان میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے پتھر وغیرہا۔ اور کبھی گفتگو میں بھی آتا ہے جس سے گالی مراد ہوتی ہے۔ مثلاً بہتان تراشی وغیرہ۔ اگرچہ اس کا حقیقی معنیٰ مطلقاً پتھر مارنا وغیرہ ہے۔

الارشاد میں ہے کہ ان کی بہتان تراشی کو الرمی سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ جیسے رمی سے مرمی (جسے پتھر، تیر وغیرہ مارا جائے) کو سخت درد پہنچتا ہے ایسے ہی جو پاکدامن عورتوں پر بہتان تراشا ہے انھیں بھی ایسے ہی ذہنی دکھ درد پہنچتا ہے اس لیے کہ زبان کا زخم بہ نسبت پتھر اور تیر کے زخم، گہرا ہوتا ہے۔

المحصنات پاک دامن عورتیں۔ اگر بالفتح ہو تو وہ عورتیں جو اپنی پاکدامنی کی حفاظت خود کریں۔ اگر بالکسر ہو تو ان کی حفاظت دوسروں سے ہوتی ہے۔ الحصن کا معنیٰ معروف ہے۔ اس کے بعد مجازاً اس شے کو کہا جاتا ہے، جو دوسروں کی حفاظت کرے۔ مثلاً کہتے ہیں:

درع حصینة۔ (زرہ مضبوط)

وہ اس لیے کہ زرہ بدن کی حفاظت کرتی ہے۔ اور کہتے ہیں: فرس حصان۔ وہ اس لیے کہ گھوڑا اپنے سوار کی حفاظت کرتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے: امرأۃ حصان۔ پاکدامن عورت کو کہتے ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ لوگ جو پاکدامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں ہم نے محصنات کا معنیٰ زنا سے پاک دامن کا اس لیے کیا ہے کہ اس سے قبل زانی عورتوں کا بیان ہوا ہے۔ اس اعتبار سے یہاں محصنات سے زنا سے پاکدامن عورتیں مراد ہیں۔ یہاں پر محصنات کی تخصیص صرف اس لیے ہے کہ ان پر بہتان تراشی عموماً ہوا کرتی ہے ورنہ اس حکم میں عورتیں اور مرد برابر ہیں۔ اور المحصنات سے بھی اجنبی عورتیں مراد ہیں ورنہ اپنی عورتوں پر بہتان باندھنے کا مسئلہ اور ہے۔ اس کی تفصیل اس کے بعد آئے گی۔

مسئلہ: علماء کرام کا اتفاق ہے کہ احصان القذف کی پانچ شرائط ہیں:

۱۔ حریت
۲۔ بلوغ
۳۔ عقل
۴۔ اسلام
۵۔ عفة عن الزنا۔

marfat.ocm

یہاں تک کہ اگر کسی نے ایک بار اوّل بلوغ میں ایک بار زنا کرکے تائب ہُوا اور پھر ہر طرح کی بُرائی سے محفوظ رہا اگر ایسے شخص پر کسی نے زنا کی تہمت باندھی تو بہتان تراشی پر کوئی حد نہیں۔

مسئلہ : زنا کی تہمت کے الفاظ یہ ہیں :

عاقل محصنہ (جس پر پہلے زنا کی تہمت نہ لگی ہو) کو کہے ،

یا زانیہ یا ابن الزانی یا ابن الزانیہ یا ولد الزنی[1] ۔ یا تُو اپنے باپ کی نہیں۔ یا غصے میں کہے کہ اسے فلاں کی بیٹی۔ اور دوسرے کو قذف یعنی تہمت اور بہتان تراشی میں ہے :

یا فاسق یا شراب الخمر یا آکل الربا یا خبیث یا نصرانی یا یہودی یا مجوسی۔

ان صورتوں میں اسی طرح تعزیر واجب ہے جیسے غیر محصن تہمت و بہتان تراشی سے۔

مسئلہ : تعزیر کی زیادہ سے زیادہ سزا تیس کوڑے اور کم سے کم تین' تاکہ تعزیر کی سزا حد شرعی کے درجہ کو نہ پہنچے اس لیے کہ غلام کی حدِ شرعی چالیس کوڑے ہے جبکہ وہ غیر محصن پر سزا کی یا شراب پئے تو اسے چالیس کوڑے مارے جاتے ہیں۔ لیکن امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انھیں آزاد مرد کی سزا کے برابر اسّی کوڑے مارے جائیں۔ اس سے کم کا قول بھی ہے اور پانچ کوڑے بھی ایک روایت میں مذکور ہیں۔ اور ایک روایت میں سو کوڑا بھی منقول ہے۔

مسئلہ : حد اور تعزیر میں فرق یہ ہے کہ حد کی سزا مقرر ہے اور تعزیر کی کوئی سزا مقرر نہیں وہ حاکم وقت کی رائے اور اس کی صوابدید پر موقوف ہے نیز حد معمولی سے شبہ سے ساقط ہو سکتی ہے لیکن تعزیر ساقط نہیں ہوتی اور حد بچے پر نہیں لگتی، تعزیر جاری ہو سکتی ہے۔ اور حد کا اطلاق ذمی پر ہو گا اگرچہ مقصداً اور تعزیر کا اس پر اطلاق نہ ہو گا ، اس لیے کہ تعزیر تطہیر کے طور جاری کی جاتی ہے اور کافر تطہیر کا اہل نہیں ، ہاں اہلِ ذمہ کی حد جبکہ غیر مقدر ہو کو عقوبت کہا جائے گا اور وقت گزر جانے سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔ لیکن تعزیر ساقط نہ ہو گی۔ اس لیے دوسرے حقوق کی طرح تعزیر میں حق العبد ہے تعزیر میں معافی اور شہادۃ علی الشہادت جائز ہے اور اس میں قسم بھی جاری ہو سکتی ہے بخلاف حد کے کہ اس میں مذکورہ بالا کا اجراء نہیں ہو سکے گا۔

ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ پھر وہ چار گواہ نہیں لا سکتے جو ان کے دعویٰ کی گواہی دیں۔

مسئلہ : حدود میں عورتوں کی گواہی غیر قابلِ قبول ہے اس لیے کہ حدِ زنا میں اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

نکتہ : لفظِ ثُمّ میں اشارہ ہے کہ اس معاملہ میں اگر گواہی دیر سے دی جائے تو بھی جائز ہے۔

مسئلہ : امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک گواہوں کی گواہی بیک وقت فردی ہے اسی لیے لفظ لَمْ لایا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ وہ فرداً فرداً گواہی کے قابل نہیں۔ اسی لیے امام اعظم رضی اللہ عنہ نے گواہی کے لیے اجتماع الشہود کی قید لگائی ہے۔ یعنی گواہی کے وقت گواہوں کا ایک مجلس میں ہونا واجب ہے خواہ اس مجلس میں

marfat.ocm

گواہی فرداً فرداً ادا کریں۔ چاروں گواہوں کی قید سے ظاہر ہے کہ اگر ان میں ایک کم ہو گیا تو بہتان تراشوں پر نصاب کی کمی کی وجہ سے حد قذف ہو گی۔

مسئلہ: اگر تمام گواہ نابینے ہوں یا تمام محدود فی القذف ہوں یا ایک یا کوئی گواہ غلام ہو تو بھی بہتان تراشوں پر حد قذف ہو گی اس لیے کہ یہ لوگ شہادت کے اہل نہیں۔

فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً۔ ثمانین مصادر کی طرح منصوب ہے اور جلدۃ تمیز ہے اسی لیے منصوب ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اگر بہتان تراش آزاد ہو تو اسے اسی کوڑے، اگر غلام ہو تو چالیس کوڑے مارے جائیں کیونکہ ان کا جھوٹ ظاہر ہو گیا اور ان کی بہتان تراشی واضح ہو چکی ہے جبکہ چار گواہ پیش کرنے سے عاجز ہو گئے ہیں۔

مسئلہ: اگر قاذف بہتان تراش زانی ہو تو قاذف پر تعزیر ہے، اس پر حد نہیں۔ مگر مقذوف، جس پر بہتان تراشا ہے، ثابت ہو جائے تو نہ مقذوف معاف کر سکتا ہے اور نہ ہی اس سے معافی کی درخواست کی جا سکتی ہے۔

مسئلہ: ثبوت حد کے بعد اگر قاذف و مقذوف مال لے دے کر صلح کریں تو ایسی صلح ناجائز ہے۔ ہاں قبل از ثبوت حد مال وغیرہ سے صلح ہو سکتی ہے۔

مسئلہ: نابالغ اور مجنون اگر اپنی عورت پر افترا باندھیں یا کوئی اجنبی غیر عورت پر افترا کریں۔ اور گواہ نہ پیش کر سکیں تو ان پر حد نہیں اور نہ ہی لعان کر سکتے ہیں۔ بعد بلوغ اور جنون کے بھی لعان وغیرہ نہیں کر سکتے۔ ہاں ان پر زجراً و تادیباً تعزیر ہے۔

مسئلہ: اگر کسی نے بار بار کسی پر زنا کی تہمت لگائی، اگر ایک ہی سے زنا کا افترا کیا تو گواہ نہ پیش کرنے سے اس پر ایک حد ہے۔ اگر مختلف نام لے کر افترا کیا، مثلاً کہا کہ تو نے زید اور عمرو سے زنا کرایا۔ اگر گواہ نہ ہوں تو متعدد الفاظ کی وجہ سے اس پر متعدد حدیں قائم کی جائیں گی۔ (کذا فی الکبیر)

وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا اس کا عطف اجلدوا پر ہے۔ اس کے حکم میں داخل اور اس کا تتمہ ہے یعنی جیسا اس میں زجر و توبیخ ہے۔ ایسے ہی اس میں ان کی شہادت کا قبول نہ ہونا ان کے قلب کو دکھ درد پہنچے گا جیسے جلد سے بدن کو درد پہنچانا مطلوب تھا۔ ایسے ہی اس میں قلب کو درد پہنچانا مطلوب ہے تاکہ اسے اس درد کی پوری پوری سزا ملے جو اس نے مقذوف کو زبان سے درد پہنچایا۔ لھم میں لام فعل محذوف کے متعلق اور شہادت سے حال ہے اور شہادۃ سے لھم کو مقدم اس لیے کیا گیا کہ وہ نکرہ ہے۔

ف: ان کی شہادت قبول نہ کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ تہمت باندھنے سے ان کی شہادت ان سے سلب ہو گئی جبکہ وہ تہمت نہ باندھنے سے شہادت کے اہل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد کافر محدود فی القذف کی

marfat.ocm

شہادت قبول ہے۔ اس لیے کہ اسلام سے پہلے وہ شہادت کا اہل نہیں تھا۔ جب اسلام قبول کیا تو اب وہ شہادت کے قابل ہوا اور حد قذف کا حکم اس اہلیت سے پہلے کا تھا۔ اب آیت کا معنی یوں ہوا کہ قاذفین کی شہادت کسی حال میں بھی قبول نہ کرو اس لیے کہ قذف سے وہ شہادت کے اہل نہیں رہے۔ اَبَدًا ان کی مدت العمر تک۔ اگرچہ اس گناہ سے توبہ کر کے نیک ہو جائیں وَاُولٰٓئِكَ صرف وہی هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ فسق اور خروج عن الطاعۃ اور تجاوز عن الحد میں کامل ہیں۔ اس معنے پر گویا فاسقون میں لفظ فاسق کا صرف وہی مستحق ہے۔

مسئلہ: تفسیر الکبیر میں ہے کہ قذف کے مرتکب کو فاسق کہنے سے ثابت ہوا کہ بہتان تراشی کبیرہ گناہ ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا یہ الفاسقین سے استثناء ہے مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ مگر وہ لوگ جنہوں نے بہت بڑے گناہ کے ارتکاب کے بعد توبہ کی وَاَصْلَحُوْا اپنے اعمال کی اصلاح کی۔ مثلاً حد قذف کے لیے سر جھکانا اور مقذوف سے معافی طلب کرنا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ جو استثناء سے فوائد حاصل ہوئے ان کی تعلیل ہے کہ وہ اللہ غفور رحیم ہے وہ بموجب فسق مواخذہ نہیں فرماتا اور نہ ہی انھیں فاسقون میں داخل فرماتا ہے اس لیے کہ وہ بہت بڑی مغفرت و رحمت والا ہے۔

ف: آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت بڑا رحیم و کریم ہے کہ ان کی خطاؤں پر پردہ ڈالتا ہے باوجودیکہ ان کے اپنے عزیز و اقارب یا دوست وغیرہم ان کے عیوب و نقائص کو ظاہر کرنے کے درپے رہتے ہیں اور پھر اگر بندوں کا آپس میں کسی معاملہ پر اختلاف ہو جائے تو ان کا صدق و کذب کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ بلکہ ایک ایسا طریقہ ان کے سامنے رکھتا ہے کہ جس سے کسی ایک کو جھوٹا نہیں قرار دیا جا سکتا پھر حدود کا حکم دے کر انھیں ادب سکھایا تاکہ آئندہ ایسی غلطی کا ارتکاب نہ کریں اسی لیے ان کی گواہی ہمیشہ کے لیے رد فرمائی اور ان کا نام فاسق رکھا تاکہ تادیب سے برائی کا ارتکاب نہ کریں نیز انھیں ترغیب دلائی کہ وہ صفاتِ ستاریہ و کریمیہ و رحیمیہ سے موصوف ہوں اپنے بھائیوں کے عیوب و نقائص کو چھپائیں ان کی خطاؤں اور غلطیوں کے افشاء سے احتراز کریں۔

حدیث شریف ۱: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بندے سے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے جو دوسروں کے عیوب و نقائص کا اظہار کرتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

اے زبان سے ایمان قبول کرنے والو، اور دل سے منکرو، یعنی منافقو! مسلمانوں کے عیوب و نقائص کے درپے نہ رہو، اس لیے کہ جو بھی کسی دوسرے بھائی کے عیوب و نقائص کے درپے رہتا ہے اسے اللہ تعالیٰ محشر میں برسرِ میدان عوام کے سامنے رسوا فرمائے گا۔

حدیث شریف ۲: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کسی مسلمان کا عیب و خطا چھپاتا ہے

marfat.ocm

قیامت میں اللہ تعالیٰ اس کے عیب و خطا چھپائے گا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

۱ منہ عیب خلق فرومایہ پیش
کہ چشمت فرودوزد از عیب خویش

۲ گرت زشت خوئے بود در سرشت
نہ بینی ز طاؤس جز پائے زشت

۳ طریق طلب کز عقوبت رہی
نہ حرفے کہ انگشت بروئے نہی

ترجمہ: ۱۔ نالائق مخلوق کے عیب ظاہر نہ کر، اس لیے کہ تیرے عیب سے تیری آنکھ بند ہے۔
۲۔ اگر کوئی بری عادت تجھ میں ہے (تو تجھے نظر نہیں آتی) جیسے مور کو اپنے پاؤں کا عیب۔
۳۔ طریقت کے راہ میں یہی ہے کہ عذاب سے نجات پانا ہے تو کسی کے عیب پر انگشت نمائی نہ کر۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ کمال مہربانی اور نوازش فرماتا ہے کہ گناہوں کے ارتکاب پر ان کی توبہ قبول فرمالیتا ہے اگرچہ وہ کتنے ہی بڑے گناہ ہوں۔ لیکن صرف زبانی توبہ سے قبولیت کی امید نہیں رکھنی چاہیے جب تک انسان اپنے فساد حال کے ازالہ اور اصلاح اعمال کا مظاہرہ نہ کرے۔

بعض مشایخ نے فرمایا کہ اصلاح اعمال و ازالہ فساد حال اور توبہ کی قبولیت کی ایک علامت یہ ہے کہ بندہ اپنے برے عمل سے مکمل طور پر نہ صرف باز آجائے بلکہ اس کی ہر طرح سے مذمت کرے اور اس سے زمانۂ سابق میں جو کچھ ہوا اس پر اظہارِ ندامت کرے اور علم و عمل کی اتباع میں سر کی بازی لگائے۔ جو شخص توبہ کے بعد ایسا طریقہ اختیار نہیں کرتا اسے توبہ کی قبولیت کی امید نہیں رکھنی چاہیے ؎

۱ فراشو چو بینی در صلح باز
کہ ناگہ در توبہ گردد فراز

۲ مرو زیر بار گناہ اے پسر
کہ حمال عاجز بود در سفر

۳ بہشت او ستاند کہ طاعت برد
کرا نقد باید بضاعت برد

marfat.ocm

۴ اگر مرغِ دولت ز قیدت بجست
ہنوزش سر رشتہ داری بدست

ترجمہ: (۱) آگے بڑھ جب صبح کا دروازہ کھلا ہے کہ اچانک توبہ کا دروازہ بند ہوگا۔

(۲) اے عزیز! گناہوں کے بوجھ تلے مت آ، اس لیے کہ بوجھ والا سفر میں عاجز ہو جاتا ہے۔

(۳) بہشت وہ لے گا جو نیکی لائے گا، جس کے پاس نقد پیسہ ہوتا ہے سامان وہی خریدتا ہے۔

(۴) اگر دولت کا مرغ تجھ سے بھاگ گیا۔ اسے مضبوط رکھ کہ ابھی اس کی رسی کا سرا تیرے ہاتھ میں ہے۔

سبق: انسان پر لازم ہے کہ موت سے پہلے اپنے اعمال کی اصلاح کرے ورنہ جب موت آ جائے گی تو پھر اصلاحِ اعمال کا موقع ہاتھ سے نکل جائے گا۔

تفسیر عالمانہ

وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَھُمْ اب ان لوگوں کا بیان ہے جو اپنی عورتوں پر تہمت باندھتے ہیں اس سے قبل ان لوگوں کا بیان تھا جو غیروں پر بہتان تراشی کا ارتکاب کرتے تھے۔ یعنی وہ لوگ جو اپنی عورتوں پر زنا کی تہمت باندھتے ہیں۔ مثلاً کہا:

یا زانیۃ یا زنیتِ۔ تُو نے زنا کیا۔

یا رأیتك تزنی۔ میں نے تجھے زنا کراتے دیکھا۔

مسئلہ: بحر العلوم میں ہے کہ جب کسی نے اپنی عورت سے کہا: یا زانیۃ۔ (حالانکہ وہ دونوں محصن ہیں) عورت نے جواب دیا، لا، بل انت۔ میں تو زانیہ نہیں بلکہ تُو ہے۔ اس صورت میں عورت پر حد ہے کیونکہ اس نے اپنے شوہر پر تہمت باندھی اور مرد پر حد نہیں، بلکہ وہ چاہے تو لعان کرے۔

مسئلہ: قاذف پر بھی جب تک دعویٰ دائر ہو کر حاکم وقت کے ہاں مقدمہ پیش نہ ہو اس وقت تک وہ لعان نہ کرے۔

لعان کا آغاز

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب آیت والذین یرمون المحصنٰت ثم لم یأتوا باربعۃ شہداء نازل ہوئی تو عاصم بن عدی الانصاری نے کہا کہ اگر کوئی اچانک گھر میں داخل ہو اور اپنی عورت کے ساتھ کسی غیر مرد کو برائی کرتا دیکھے اور وہ چار گواہ تلاش کرنے جائے تو اس وقت تک وہ برائی سے فارغ ہو کر نکل جائے گا اور اگر اسے اس حالت میں قتل کر دے تو پھر قاتل قتل کیا جائے گا، اور اگر وہ کہے کہ میں نے اپنی عورت کے ساتھ فلاں کو برائی کرتے دیکھا تو حدِ قذف میں کوڑے کھائے گا۔ اگر خاموش رہے گا تو غیظ و غضب سے رہا نہ جائے گا تو اب کیا کرے؟ اے اللہ تعالیٰ! تُو ہماری اس مشکل کو حل فرما دے۔

اسی عاصم کا چچا عویمر نامی تھا۔ اس کی بیوی خولہ بنت قیس تھی وہ اپنے چچازاد عاصم کے پاس آیا اور

marfat.ocm

کہا کہ میں نے اپنی بیوی کے ساتھ شریک بن سحاء کو بُرائی کرتے دیکھا ہے۔ عاصم نے سُن کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضری دی اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے ابھی ابھی آپ سے جو سوال کیا تھا اس میں میرے خاندان کے لوگ بہت جلد آزمائش میں مبتلا ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ کیسے؟ عرض کی، میرے چچازاد عویمر نے کہا کہ میں نے اپنی عورت خولہ کے ساتھ شریک کو بُرائی کرتے دیکھا ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو بلوایا اور سب سے پہلے عویمر سے مخاطب ہوئے اور فرمایا: اے عویمر! اپنی چچازاد یعنی اپنی زوجہ کے بارے میں خوفِ خداوندی کو سامنے رکھیے اس پر بہتان تراشی نہ کیجئے۔ عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بخدا! میں نے شریک کو اپنی عورت کے پیٹ پر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور چار ماہ سے میں نے اپنی زوجہ سے مجامعت بھی نہیں کی اور اب وہ حاملہ ہے۔ اس سے واضح ہے کہ وہ حمل غیر کا ہے۔ پھر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی زوجہ خولہ سے فرمایا کہ خدا کا خوف کھا کر سچ سچ کہہ دے۔ اس نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! عویمر ایک باغیرت انسان ہے اس نے شریک کو دیکھا کہ وہ میری طرف غور سے دیکھتا اور کبھی کبھی میرے ساتھ گفتگو کرتا۔ محض اتنی سی بات پر میرے شوہر نے مجھ پر تہمت باندھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس جھگڑے پر یہ آیت نازل ہوئی، والذین یرمون ازواجہم۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت پر قذف کے بجائے لعان کیا جائے۔ اس لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت نماز کے اعلان کا حکم فرمایا۔ عصر کی نماز ادا کر کے عویمر کو فرمایا، اُٹھ کھڑا ہو اور کہہ "میں گواہی دیتا ہوں کہ بخدا! خولہ زانیہ ہے اور میں یقیناً سچا ہوں۔" پھر دوبارہ کہلوایا کہ "میں گواہی دیتا ہوں کہ بخدا! میں نے شریک کو اپنی عورت سے زنا کرتے دیکھا۔ اور واقعی میں سچا ہوں۔" تیسری بار فرمایا: کہو "میں گواہی دیتا ہوں کہ بخدا! خولہ میرے غیر سے حاملہ ہوئی ہے اور یقیناً میں سچا ہوں۔" چوتھی بار کہلوایا کہ "میں گواہی دیتا ہوں کہ بخدا! خولہ زانیہ ہے اور میں نے اس کے ساتھ چار ماہ سے جماع نہیں کیا اور میں یقیناً سچا ہوں۔" پانچویں بار کہلوایا کہ "عویمر پر لعنت ہو اگر وہ جھوٹا ہو۔" اس کے بعد عویمر سے فرمایا: بیٹھ جا۔ اور خولہ سے فرمایا: اُٹھ کھڑی ہو۔ جب وہ اُٹھی تو اس سے کہلوایا کہ "میں گواہی دیتی ہوں کہ میں سچی ہوں میرا شوہر جھوٹا ہے۔" دُوسری بار کہلوایا کہ "میں گواہی دیتی ہوں کہ شریک نے میرے ساتھ زنا نہیں کیا میرا شوہر جھوٹ بولتا ہے۔" تیسری بار کہلوایا "میں گواہی دیتی ہوں کہ میں اپنے شوہر عویمر سے حاملہ ہوں وہ جھوٹ بولتا ہے کہ میرا حمل اس کے غیر سے ہے۔" چوتھی بار کہلوایا کہ "میرے شوہر نے مجھے بُرائی کرتے نہیں دیکھا، وہ جو کچھ کہتا ہے جھوٹ بولتا ہے۔" پانچویں بار کہلوایا کہ "خولہ پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو اگر عویمر اپنے دعوے میں سچا ہو۔" ان گواہیوں کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان جُدائی کا حکم صادر فرمایا اور فرمایا کہ جب لڑکا پیدا ہو تو اس کی ماں کے حوالے کر دینا اسے باپ کی طرف منسوب نہ کرنا۔ چنانچہ

marfat.ocm

یہی مضمون قرآن مجید میں یوں ہے :

وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ یَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اور وہ لوگ جو اپنی عورتوں پر تہمت لگاتے اور ان کے پاس گواہ بھی نہیں جو ان کے دعوے پر ان کے لیے گواہی دیں۔ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ یہ شہداءُ سے بدل ہے اور انہیں شہداءُ میں شامل کرنے میں اشارہ ہے کہ ان کی بات دعویٰ کے طور کہنا بھی ایک قسم کی شہادت ہے۔ اس معنے پر ان کی بات کو بھی شہادت میں شامل کیا جائے گا فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ یہ مبتدا ہے اس کی خبر اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ ہے۔ یعنی ان میں سے ہر ایک کی شہادت مشروعہ چار شہادتیں ہوں بِاللّٰهِ شَهٰدٰت کے متعلق ہے اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ○ بخدا وہ جو اپنے دعوے میں سچا ہے۔ یہاں لفظ علیٰ محذوف ہے۔ حرف جارہ کو حذف کر کے ان کو مکسور پڑھا گیا ہے تاکہ مضمون کی تاکید ہو جائے وَالْخَامِسَةُ اور پانچویں شہادت۔ یعنی ان چاروں کے بعد پانچویں شہادت کو ملا کر یہ پانچ شہادتیں ہوں گی۔ اور پانچویں شہادت میں کہے اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَیْهِ اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ لعنت بمعنے طرد و ابعاد ہے۔ اور آخرت میں اس کا اثر عذاب ہے اور دنیا میں اللہ تعالیٰ کے قبولِ فیض و توفیق سے محرومی۔ اور انسان کا اس طرح کہنا اس کی بد دعا پر دلالت کرتا ہے۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ کفار پر لعنت تا قیامت مسلسل رہے گی۔ اور مسلمانوں کی لعنت خیر سے دوری کا نام ہے اور جو بھی معصیت کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ اس وقت خیر و بھلائی سے دور ہو جاتا ہے اور جب معصیت کو چھوڑ کر نیکی کرتا ہے تو وہ خیر و بھلائی کے قریب ہو جاتا ہے۔

اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ○ اگر وہ جھوٹا ہو اس دعویٰ میں جو اس نے زنا کی تہمت لگائی ہے۔

مسئلہ : جب مرد عورت سے لعان کر چکے تو پھر عورت کو قید کیا جائے یہاں تک کہ وہ اپنی غلطی کا اعتراف کرے تو سنگسار کی جائے یا وہ بھی لعان کرے۔

وَیَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ جس عورت پر تہمت باندھی گئی ہے اس سے دنیوی عذاب دفع کرنے کے لیے اور دنیوی عذاب میں ایک سنگساری ہے اور یہی عذاب شدید ترین ہے۔ دَرْءٌ بمعنے دفع۔

حدیث شریف میں ہے :

ادرأوا الحدود بالشبهات۔

(حدود کو شبہات سے دفع کرو)

اس میں اشارہ ہے کہ مجرم کو حد سے بچانے کے لیے جائز حیلہ بنانا جائز ہے۔

اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ لَمِنَ الْكٰذِبِیْنَ ○ یہ کہ عورت چار گواہیوں میں کہے بخدا اس کا

marfat.ocm

شوہر جھوٹا ہے اس دعوٰی میں جو اس نے مجھ پر تہمت باندھی۔ وَالْخَامِسَةُ منصوب ہے اس کا عطف اربع شہادات پر ہے۔ یعنی پانچویں شہادت پر کہے اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَا۔ الغضب بمعنٰی انتقام کے ارادہ پر قلب کے خون کا کھولنا۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غصہ سے بچو اس لیے کہ ابن آدم پر وہ ایک انگارہ ہوتا ہے جو غصہ سے روشن ہوتا ہے۔ کیا تم نے غصہ والے کو نہیں دیکھا کہ غصہ کے وقت اس کی رگیں پھول جاتی ہیں اور آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں۔

مسئلہ: اللہ تعالٰی کی طرف غضب کی نسبت بایں معنی جائز ہے کہ وہاں پر مطلقاً غیر سے بدلہ لینا مراد ہوتی ہے۔

اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ۔ اگر میرا شوہر سچا ہو اس دعوٰی میں جس میں اس نے مجھ پر زنا کی تہمت لگائی ہے۔

نکتہ: عورت کے لیے غضب اور مرد کے لیے لعنت کے استعمال میں عورت پر تغلیظ مطلوب ہے اس لیے کہ عورتوں میں فسق و فجور کا مادہ زیادہ ہے بہ نسبت مردوں کے۔ علاوہ ازیں عورتیں اپنی عام گفتگو میں لعنت کو بہت زیادہ استعمال کرتی ہیں اس لیے انہیں لعنت کے لفظ سے کوئی خطرہ نہیں ہوگا بخلاف لفظ غضب کے کہ اس سے اسے خطرہ ہوگا جبکہ ایک غیر مانوس لفظ اس کے سامنے آئے گا۔

مسئلہ: عورت لعان کے بعد مطلقہ بائنہ ہوگی۔ یہی امام ابو حنیفہ و امام محمد رحمہما اللہ کا مذہب ہے اور اس کا حکم تابیدی بھی نہیں یہاں تک کہ اگر مرد بعد کو کہے کہ میں نے لعان میں جھوٹ کہا ہے میری عورت کا کوئی قصور نہیں۔ ایسا ہے مطلقہ بائنہ نہیں قرار دیا جائے گا بلکہ اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کے ساتھ نکاح کرے۔ لیکن اس جھوٹ کی وجہ سے اس پر حد قذف ہوگی۔ لیکن امام ابو یوسف و زفر و حسن بن زیاد و شافعی رحمہم اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ یہ فرقت دائمی ہوگی اس سے طلاق کو کوئی تعلق نہ ہوگا اور دائمی فرقت کا یہ معنٰی ہے کہ اب کے بعد عورت و مرد آپس میں نکاح نہیں کر سکتے۔

مسئلہ: اگر زوج اہل شہادت سے نہ ہو مثلاً وہ عبد ہو یا کافر اور عورت مسلمان ہو گئی اس وقت اس نے اپنی عورت پر زنا کی تہمت لگائی قبل اس کے کہ شوہر کو اسلام کی دعوت دی جاتی یا محدود فی القذف ہو اور عورت اہل شہادت سے ہے تو مرد پر حد ہے اور لعان نہ ہوگا اس لیے کہ یہاں لعان کا موقعہ معدوم ہے۔ لعان کے تفصیلی مسائل ایسے ہی قذف کے جملہ مسائل کتب فقہ میں تفصیل کے ساتھ موجود ہیں۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۝ لولا کا جواب محذوف ہے اور اختصاص لیے محذوف کیا گیا ہے تاکہ بندے کے خوف و خشیت میں اضافہ ہو۔ نیز معلوم ہو کہ اللہ تعالٰی کے فضل کا

marfat.ocm

احصاء نہیں ہو سکتا۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اے تہمت تراشنے والو! اگر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم نہ ہوتا ایسے ہی اگر تمہارے افعال و اقوال کی کوتاہیوں کی توبہ قبول نہ کرتا اور اس کے احکام شرعیہ کے اجراء میں حکمتِ بالغہ نہ ہوتی منجملہ ان کے ایک لعان کا حکم بھی ہے تو تم پر ایسے عذاب کا نزول ہوتا جس کا بیان تمہارے لیے ناممکن ہے۔ منجملہ اس عذاب کے ایک یہ بھی ہے کہ اگر لعان کا حکم مشروع نہ فرماتا تو زوج پر حدِ قذف لازم ہو جاتی حالانکہ بظاہر اس کی بات ماننی پڑتی اس لیے کہ زوج اپنی زوجہ کے حالات کو خوب جانتا ہے اور نیز یہ بھی ممکن تھا کہ وہ اپنی عورت پر ایسا افتراء نہ کرتا کیونکہ فضاحت و قباحت میں دونوں شریک ہیں۔ لیکن چونکہ لعان وغیرہ سے کسی قسم کی قباحت نہیں اس لیے یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے نیز اگر اس کی شہادات اس کے لیے حدِ قذف کی موجب ہوتیں تو بھی اس کے ساتھ شفقت کیسی! بہر حال جملہ امور حکمتِ ایزدی اور اس کے لطف وکرم پر دلالت کرتے ہیں ان ہر ایک کی شہادت باوجودیکہ ان میں ایک کا جھوٹا ہونا لازمی ہے ایک دوسرے سے دنیوی سزا سے دفع کرنے والی ہے۔ یہ بھی اس کے کریم ہونے پر دلالت کرتا ہے کہ اس نے حکمت سے ایسا حکم جاری فرمایا کہ جس سے بندوں کو دکھ تکلیف نہ ہو۔ اس دعویٰ میں سچے کی تو بات ظاہر ہے جھوٹے کے لیے بھی رحمت ہے بایں معنیٰ کہ اسے مہلت مل گئی۔ اور دنیا میں اس کا پردہ رہ گیا اور اس سے حد دفع ہو گئی اور توبہ کے لیے اسے وقت مل گیا۔ یہ سب اس کی رحمت اور فضل وکرم ہے۔ کتنی ہی بلند شان کا مالک ہے اور بہت بڑی رحمت اور فضل وکرم والا ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ اگر تم پر اللہ کی رحمت اور اس کا فضل وکرم اور بخشش نہ ہوتی اور وہ تمہاری توبہ قبول کرنے والا نہ ہوتا ایسے ہی وہ احکام کے لیے حدود قایم نہ فرماتا تو تم رسوائی میں مبتلا ہوتے اور پھر جھوٹے کو سخت سزا ملتی، ایسے ہی فضلِ خداوندی شامل نہ ہوتا کہ اس نے اپنی سزا میں تاخیر نہ فرمائی ہوتی تو تم ہلاک ہو جاتے یا اگر فضل وکرم نہ ہوتا کہ فواحش سے زواجر ونہی نہ فرماتا تو تمہاری نسلیں منقطع ہو جاتیں اور لوگ ایک دوسرے کو تباہ و برباد کر ڈالتے یا یہ کہ اگر تم پر بخششِ الٰہی نہ ہوتی کہ تمہاری توبہ قبول نہ فرماتا تو تم ناامیدی میں سرگرداں رہتے۔ اس کریم نے تمہیں اپنی مدد اور توفیقِ توبہ عطا فرمائی ورنہ تم منزلِ مقصود تک ہرگز نہ پہنچتے۔

* * *

گر توبہ مددگار گنہگار نبودے   او را کہ بسرحد کرم راہ نمودے
در توبہ نبودے کہ در فیض کشودے   زنگ غم از آئینہ عاصی کہ زدودے

ترجمہ: اگر توبہ گنہگار کی مددگار نہ ہوتی تو اسے سرحدِ کرم تک کون پہنچاتا۔ توبہ کا دروازہ نہ ہوتا تو فیض کا دروازہ کب کھلتا، عاصی کے آئینہ سے غم کا زنگ کون صاف کرتا!

(باقی بر صفحہ ۱۴۹)

marfat.ocm

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُو بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ لَا تَحْسَبُوهُ
بے شک وہ کہ یہ بڑا بہتان لائے ہیں تمہیں میں کی ایک جماعت ہے اسے

شَرًّا لَّكُم بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم
اپنے لیے برا نہ سمجھو بلکہ وہ تمہارے لیے بہتر ہے ان میں ہر شخص کے لیے وہ گناہ

مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ⑪ لَوْلَا إِذْ
ہے جو اس نے کمایا اور ان میں وہ جس نے سب سے بڑا حصہ لیا اس کے لیے بڑا عذاب ہے کیوں نہ ہوا جب

سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَٰذَا إِفْكٌ
تم نے اسے سنا تھا کہ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنوں پر نیک گمان کیا ہوتا اور کہتے یہ کھلا بہتان

مُّبِينٌ ⑫ لَّوْلَا جَاءُو عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَٰئِكَ
ہے اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے تو جب گواہ نہ لائے تو وہی اللہ کے

عِندَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ ⑬ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا
نزدیک جھوٹے ہیں اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر دنیا

وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ⑭ إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ
اور آخرت میں نہ ہوتی تو جس چرچے میں تم پڑے اس پر تمہیں بڑا عذاب پہنچتا جب تم ایسی بات اپنی زبانوں

وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُم مَّا لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَهُوَ عِندَ
پر ایک دوسرے سے سن کر لاتے تھے اور اپنے منہ سے وہ نکالتے تھے جس کا تمہیں علم نہیں اور اسے سہل سمجھتے تھے

اللَّهِ عَظِيمٌ ⑮ وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُم مَّا يَكُونُ لَنَا أَن نَّتَكَلَّمَ بِهَٰذَا
اور وہ اللہ کے نزدیک بڑی بات ہے اور کیوں نہ ہوا جب تم نے سنا تھا کہا ہوتا کہ ہمیں نہیں پہنچتا کہ ایسی بات کہیں

سُبْحَانَكَ هَٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ ⑯ يَعِظُكُمُ اللَّهُ أَن تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا إِن كُنتُم
الٰہی پاکی ہے تجھے یہ بڑا بہتان ہے اللہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ اب کبھی ایسا نہ کہنا اگر ایمان رکھتے

مُّؤْمِنِينَ ⑰ وَيُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ⑱ إِنَّ الَّذِينَ
ہو اور اللہ تمہارے لیے آیتیں صاف بیان فرماتا ہے اور اللہ علم و حکمت والا ہے وہ لوگ جو چاہتے

يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا
ہیں کہ مسلمانوں میں برا چرچا پھیلے ان کے لیے دردناک عذاب ہے دنیا اور آخرت

marfat.ocm

وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۱۹ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ
میں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر

وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۰
نہ ہوتی اور یہ کہ اللہ تم پر نہایت مہربان مہروالا ہے تو تم اس کا مزہ چکھتے

ع ۲

(صوفیانہ)

ف : بعض مشایخ نے فرمایا ولولا فضل الله علیکم ورحمته الله تعالیٰ نے فرمایا وانه ولولا فضل عبادتکم وصلاتکم وجهادکم وحسن قیامکم بامر الله۔ یعنی تمہاری عبادت اور نماز اور اوامر الٰہی کے بجالانے کی فضیلت نہ ہوتی تو تم ہرگز نجات نہ پا سکتے تاکہ ہم ظاہر کریں کہ یہ تمہاری عبادت کا نتیجہ ہے ؎

چو روے بخدمت نہی بر زمین
خدا را ثنا گوے و خود را مبین

ترجمہ : جب تم خدمت کے لیے منہ زمین پر رکھو تو صرف اللہ تعالیٰ کی تعریف کر و خود کو درمیان میں نہ لاؤ۔

اے اللہ! ہمیں اہل فضل وعطا و محبت وولا سے بنا۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ بے شک وہ لوگ جو لائے ہیں افک یعنی بہت بڑا افترا و کذب، جو بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تراشا گیا۔

حل لغات : الافك کا حقیقی معنی ہے القلب یعنی الصرف۔ کیونکہ وہ افترا جو کسی پر تراشا جاتا ہے وہ گویا اپنے طریقے سے ہٹ گیا ہے۔ اس سے وہی بہتان مراد ہے جو بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا پر تراشا گیا۔ مناسبت ظاہر ہے کہ وہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا جو ثناء وستائش کی مستحق تھیں، کیونکہ امانت ودیانت وصداقت اور عفت وشرافت آپ پر ختم تھی لیکن باوجود اینہمہ آپ کو قبیح امر سے متہم کیا گیا اس معنے پر جس نے آپ پر بہتان تراشا اس نے گویا اچھے اوصاف کو گندے اوصاف سے بدل ڈالا۔

واقعۂ افک حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر کو تشریف لے جاتے تو قرعہ ڈالتے۔

ف : القرعه بالضم، مٹی یا آٹا گوندھ کر اس کے اندر ایک کاغذ رکھ دیا جاتا جس پر سفر یا حضر لکھا ہوتا وہ کسی انجان بچے کو دے کر کہا جاتا کہ وہ ازواجِ مطہرات میں سے کسی ایک کو دے دے۔ وہ جسے دیتا اس پر عمل کیا جاتا (کذا فی القہستانی) جس بی بی کے نام قرعہ نکلتا حضور علیہ السلام اسی بی بی کو سفر میں ساتھ لے جاتے۔ چنانچہ ہجرت کے پانچویں سال غزوہ بنی المصطلق کو جاتے ہوئے آپ نے قرعہ ڈالا تو بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے نام نکلا۔ اس غزوہ کا دوسرا نام غزوۂ المریسیع ہے۔ (کذا فی انسان العیون) بنو المصطلق قبیلہ خزاعہ کی

ایک شاخ کا نام ہے۔ المصطلق، الصلق سے مشتق ہے بمعنے رفع الصوت۔ اور المریسیع خزاعہ کے پانی کے ایک چشمہ کا نام ہے۔ یہ وسعت عین الرجل سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کی آنکھ کی خرابی کی وجہ سے آنسو بہائے۔ یہ چشمہ قدید کے ایک کنارے پر واقع تھا۔

ف: القاموس میں ہے کہ المریسیع ایک کنواں ہے یا ایک چشمے کا نام ہے۔ غزوہ بنی المصطلق اسی کی طرف منسوب ہے۔ غزوۂ مذکورہ میں بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تشریف لے گئیں اور یہ آیۃ حجاب کے نزول کے بعد کا واقعہ ہے آیۃ حجاب یاایھا الذین لا تدخلوا بیوت النبی ہے۔ اس لیے کہ یہ آیت ۳ھ میں نازل ہوئی۔ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جنگ سے واپسی پر مجھے ہودج میں بٹھا دیا گیا جب ہم مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے تو ایک جگہ قیام کیا۔ ہودج سے نکل کر قضائے حاجت کے لیے میں قافلہ سے کچھ دور چلی گئی۔ جب میں ضرورت سے فارغ ہوئی اپنے سامان کی طرف لوٹی، اچانک میں نے اپنے سینے پر ہاتھ لگایا تو ہار کو گم پایا جو شہر ظفار کا بنا ہوا تھا۔ ظفار: صنعا کے قریب علاقۂ یمن کا ایک شہر ہے۔ الجزع بالفتح و سکون الزاء المعجمہ بمعنے خرزیمانی، وہ موتی جس میں سیاہی و سپیدی دونوں ہوں اور وہ آنکھ کے مشابہ ہوتا ہے۔ (کذا فی القاموس) اس زمانے میں وہ بارہ درہم کی قیمت کا تھا۔ بی بی صاحبہ فرماتی ہیں اس ہار کو تلاش کرتے مجھے دیر ہو گئی۔ میرے کجاوہ بردار آئے، ان کا سردار ابو مویہبۃ تھا وہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام تھا، نہایت صالح انسان تھا۔ اس کے ساتھ ایک جماعت تھی جو بی بی صاحبہ کا کجاوہ اٹھا کر اونٹ پر رکھتی تھی۔ حسبِ عادت انہوں نے میرا کجاوہ اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا اور چل پڑے، ان کا خیال تھا کہ میں کجاوے میں ہوں۔ اس وقت عورتیں ہلکی پھلکی تھیں کیونکہ گوشت خوری سے موٹاپا پیدا ہوتا ہے اس وقت گوشت خوری نہ تھی (کذا فی انسان العیون) جب وہ کجاوہ اونٹ پر رکھ کر چلے گئے تو مجھے ہار مل گیا، میں اپنے مقام پر پہنچی تو قافلہ وہاں سے روانہ ہو چکا تھا۔ میں اس خیال سے وہیں بیٹھ گئی کہ جب وہ مجھے اونٹ پر ہودج میں نہیں پائیں گے تو وہ میری تلاش میں واپس آئیں گے۔ مجھ پر نیند غالب آگئی تو تھوڑی دیر کے لیے میں سو گئی۔ اندریں اثنا صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ تشریف لائے وہ اس کام پر مامور تھے کہ ہمیشہ لشکر کے پیچھے رہتے تاکہ اگر کوئی چیز پیچھے رہ جائے یا گر پڑے تو وہ اسے اٹھا لائیں۔

قرطبی نے فرمایا کہ انھیں صاحب ساقہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا جاتا۔ اور صحابہ میں یہ برگزیدہ صحابی تھے کما فی الانسان۔

(حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں) جب وہ میرے پاس پہنچے، دیکھا کہ میں سو رہی ہوں، میرے قریب آئے اور مجھے پہچان لیا اور ان کے انا للہ وانا الیہ راجعون کہنے پر میں بیدار ہوئی۔ اور انہوں نے

marfat.ocm

یہ پڑھا بھی اسی لیے کہ میں جنگل میں تنہا تھی۔ یہ بھی ایک بہت بڑی مصیبت ہے۔ میں نے چہرے پر دوپٹہ ڈالا، یہ ایک چھوٹا سا کپڑا تھا جسے مقنعہ کہا جاتا ہے جس کے ساتھ عورتیں سر باندھتی ہیں۔ اُنھوں نے میرے ساتھ کوئی بات نہ کی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون کہنا ان کا ادب تھا۔ انہوں نے اونٹ بٹھایا، میں اس پر بیٹھ گئی اور وہ اونٹ کی مہار پکڑ کر چل دیے۔ یہاں تک کہ ہم دوپہر کے وقت قافلے سے جا ملے۔ وہ بھی اُتر چکے تھے۔

مسئلہ : اسی واقعہ سے فقہاء کرام نے ثابت کیا ہے کہ اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں رہنا جائز ہے جب سفر طویل ہو بلکہ جب عورت کو کسی قسم کا خطرہ ہو تو واجب ہے۔

نکتہ : حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے معانی الآثار میں لکھا کہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا تمام عالمِ اسلام کے لیے محترم تھیں (اس لیے کہ آپ تمام اہلِ ایمان کی ماں تھیں) اور اس وقت دوسری عورت بھی ساتھ نہ تھی اس لیے حضرت صفوان کو مجبوراً بی بی صاحبہ کے ساتھ چلنا پڑا۔

صاحبِ رُوح البیان کی تشریح

فقیر (اسماعیل حقی رحمہ اللہ) کہتا ہے امام صاحب کا مقصد یہ ہے کہ ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم سب کی سب اُمت کی محارم ہیں کما قال تعالیٰ :

وازواجہ امہاتہم۔

اور ان کے ساتھ نکاح بھی حرام ہے۔ کما قال تعالیٰ :

ولا تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا۔

لیکن ان سے افضل بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد حضور علیہ السلام کو قریب تر بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں اس لیے بابِ دین میں جتنا وافر حصہ بی بی خدیجہ کے بعد بی بی عائشہ کو نصیب ہُوا اور کسی بی بی کو نصیب نہیں ہوا، اس لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے میرے دین کی دو تہائیاں حاصل کرو۔ اس معنے پر بھی بی بی صاحبہ کی حُرمت اور مؤکد ہو جاتی ہے۔ اسی لحاظ سے بی بی صاحبہ سے سفر و حضر میں دین حاصل کرنا ضروری ہے (واللہ اعلم) بی بی صاحبہ فرماتی ہیں کہ جب ہم مدینہ طیبہ پہنچ چکے اس کے بعد بہت سے بدقسمت بہتان و افتراء کر کے تباہ و برباد ہُوئے ان سب کا سرِ فہرست اور پہلا افتراء کرنے والا عبداللہ بن ابی بن سلول رئیس المنافقین تھا۔ یہ بدبخت اپنی جماعتِ منافقین کے ساتھ ایک جگہ بیٹھا تھا جب بی بی صاحبہ کو صفوان رضی اللہ عنہ لے کر مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تو اس بدبخت نے قسم کھا کر اعلان کر دیا کہ (معاذ اللہ) ان دونوں سے بُرائی ہو گئی اس کے بعد سارے شہر میں عام شہرت پھیلا دی یہاں تک کہ منافقین ٹولیاں بن بن کر جگہ جگہ یہی گفتگو کرنے لگے۔ بی بی صاحبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں مدینہ طیبہ پہنچتے ہی بیمار پڑ گئی۔ اس بیماری میں مجھے

marfat.ocm

کامل ماہ گزر گیا۔ میرے متعلق یہ خبر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور میرے والدین کو پہنچ گئی لیکن مجھے اس کے متعلق کوئی خبر نہ تھی صرف اتنا محسوس ہوتا تھا کہ حضور علیہ السلام کا میرے ساتھ وہ لطف و کرم نہیں رہا جو پہلے ہوا کرتا تھا میں نے اپنی بیماری کے اثنا میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے میکے چلے جانے کی اجازت چاہی آپ نے بطیبِ خاطر مجھے والدین کے گھر جانے کی اجازت بخشی۔ میں والدین کے گھر پہنچی اور کامل بیس پچیس دنوں سے زاید ایام بیماری میں گزار دیے۔ ایک رات قضائے حاجت کے لیے میں بی بی ام مسطح کے ساتھ باہر جنگل کو جا رہی تھی۔ یہ ام مسطح حضرت ابوبکر کی خالہ زاد تھیں اور ہم قضائے حاجت کے لیے رات کو جاتی تھیں اس لیے کہ اس وقت مدینہ طیبہ میں پاخانہ کی تعمیر کا رواج نہ تھا کیونکہ اسے عجمیوں کا طریقہ سمجھا جاتا تھا۔ بی بی صاحبہ فرماتی ہیں کہ جب ہم اپنی ضرورت سے فارغ ہوئیں تو گھر کو روانہ ہوئیں۔ اس اثنا میں بی بی ام مسطح کا پاؤں ڈگمگا گیا، فرمایا: مسطح برباد ہو۔

ف: تعس مسطح بفتح العین وکسرھا بمعنے ہلاک۔ اس سے بی بی صاحبہ کی مراد اپنے صاحبزادہ سے تھی۔ مسطح خیمہ کی لکڑی کو کہا جاتا ہے۔ ان کا اصلی نام عوف تھا۔ میں نے انھیں کہا کیا آپ ایسے شخص کو گالی دیتی ہیں جو بدر کی جنگ میں حاضر تھا۔ انھوں نے فرمایا: کیا تجھے معلوم نہیں کہ اس نے تیرے متعلق کیا کیا باتیں کی ہیں۔ اس کے بعد مجھے سارا واقعہ سنایا، میں سنتے ہی اور زیادہ بیمار ہو گئی اور اسی رات کو صبح تک میں روتی رہی نہ آنسو بند ہوئے اور نہ ہی مجھے نیند آئی ؎

چشم ز گریہ بر سر آب است روز و شب
جانم ز نالہ در تب و تاب است روز و شب

ترجمہ: میری آنکھ گریہ سے دن رات پانی رواں ہے میری روح رونے سے دن رات گرمی میں ہے۔

اس کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے متعلق رائے لی۔ بعض نے میرے لیے طلاق کا مشورہ دیا اور بعض نے صبر کا۔ ایک ماہ تک میرے متعلق کوئی وحی نہ اتری۔ ایک دن حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے اور میرے والدین میرے پاس بیٹھے تھے حضور علیہ السلام آکر بیٹھے اور کلمہ شہادت پڑھا۔ اس کے بعد فرمایا:

اے عائشہ! مجھے تیرے متعلق ایسی بات پہنچی ہے اگر تو بری الذمہ ہے تو اللہ تعالیٰ تیری براءت کی آیات نازل فرمائے گا اگر تجھ سے غلطی ہو گئی تو تجھے اللہ تعالیٰ سے استغفار اور توبہ کرنی چاہیے اس لیے کہ بندہ جب گناہ کر کے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔ جب حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بیان ختم فرمایا تو میرے آنسو تھم گئے یہاں تک کہ میں اپنی آنکھوں میں ایک قطرہ بھی محسوس نہیں کرتی تھی۔ میں نے اپنے

marfat.ocm

والدگرامی سے عرض کی کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میری طرف سے جواب دیجئے۔ والدگرامی نے فرمایا میں نہیں جانتا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا جواب دوں۔ اس کے بعد میں نے والدہ ماجدہ سے عرض کیا کہ آپ ہی کچھ فرمائیں۔ انہوں نے بھی یہی فرمایا۔ پھر میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ بخدا! مجھے یقین ہے کہ جو کچھ تم لوگوں نے سنا وہ تمہارے دلوں میں جم گیا اور تم نے اس کی تصدیق بھی کرلی اب اگر میں کہوں کہ میں اس قبیح فعل سے بری ہوں تو بھی تم تصدیق نہیں کرو گے اگر میں اس کا کچھ اعتراف کرلوں (خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ میں اس سے بری ہوں) تو تم تصدیق کرو گے بخدا اب میں اپنی اور تمہاری مثال سوائے اس کے اور کوئی نہیں پاتی وہی کہتی ہوں جو حضرت ابو یوسف یعنی یعقوب علیہ السلام نے کہا، فصبر جمیل واللہ المستعان علیٰ ما تصفون۔ ع

صبرے کنیم تا کرم او چہ مے کند

ترجمہ: میں صبر کرتا ہوں تاکہ دیکھوں کہ اس کا کرم کیا کرتا ہے۔

بی بی صاحبہ فرماتی ہیں کہ یہ کہہ کر میں واپس اپنے بستر میں آگئی اور مجھے یقین تھا کہ میں بری ہوں اور یہ بھی خیال گزرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ میری برأت کا اظہار فرمائے گا۔ لیکن یہ بھی خیال تھا کہ میں کہاں کہ وہ بے نیاز مجھ جیسی کے لیے وحی اتارے جس کی تلاوت کی جائے یعنی میں اپنے دل میں اپنی تحقیر کے تصور میں برأت کی آیات کے نزول کو دور از قیاس سمجھتی تھی لیکن مایوس بھی نہیں تھی کہ ممکن ہے کہ میرے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں میری برأت کے متعلق کچھ معلوم فرمالیں یہاں تک کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر پر ہی تھے اور ابھی اس مجلس سے اٹھے بھی نہیں تھے کہ آپ پر وہی کیفیت طاری ہوگئی جو بوقت نزول وحی آپ پر ہوتی تھی آپ کے چہرے پر اسی وقت کپڑا اڑھا دیا گیا اور آپ کے سرہانے چمڑے کا تکیہ رکھ دیا گیا آپ کے چہرے سے بوقت نزول موتیوں کی طرح پسینہ ٹپکتا تھا۔ جب آپ نے وحی سے فراغت پائی تو چہرہ اقدس سے پسینہ پونچھتے ہوئے تبسم فرما کر سب سے پہلا کلمہ آپ کے منہ مبارک سے نکلا کہ اے عائشہ! تمہیں مبارک ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تیری برأت کا اظہار فرمایا ہے۔ میری والدہ نے فرمایا: اے عائشہ! اٹھ اور حضور علیہ السلام کا شکریہ ادا کر۔ میں نے کہا میں صرف اپنے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں گی جس نے آیات برأت انّ الذین جاءو بالافك نازل فرمائیں۔

ف: سہیلی نے فرمایا کہ غزوۂ مذکورہ سے واپسی کے بعد ستائیس راتوں کے بعد مائی عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت کی آیات کا نزول ہوا۔ یہی عام مفسرین نے فرمایا۔

مسئلہ: رافضیوں کی طرح جو بھی بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا پر زنا کی نسبت کرے وہ کافر ہے اس لیے کہ وہ قرآنی نصوص کی تکذیب کرتا ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ قرآنی آیات کا مکذب کافر ہے۔

دعا دافع الکرب: حیاۃ الحیوان میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب لوگ مجھ پر بہتان

marfat.ocm

تراشی رہے تھے تو میں نے خواب میں ایک نوجوان کو دیکھا جو مجھ سے پوچھتا: بی بی! تو کیوں غمگین ہے؟ میں نے سارا ماجرا سنایا۔ اس نے کہا، مندرجہ ذیل کلمات پڑھیے اللہ تعالیٰ تمہارا غم ٹال دے گا۔

یاسابغ النعم ویادافع النقم ویافارج الغمم ویاکاشف الظلم ویا اعدل من حکم و یاحسیب من ظلم ویا اول بلا بدایة ویا اخر بلا نهایة اجعل لی من امری فرجا و مخرجا۔

بی بی صاحبہ فرماتی ہیں میں نے بیدار ہو کر کلمات مذکورہ پڑھے تو اس کے بعد آیاتِ برأت کا نزول ہوا۔

ف: بعض علمائے کرام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے چار شخصوں کی برأت کا اظہار فرمایا:

(۱) یوسف علیہ السلام کی برأت زلیخا کے خاندان کے ایک ننھے بچے سے۔

(۲) موسیٰ علیہ السلام پر یہود کی تہمت کہ انہیں گندی بیماری ہے، جس کی برأت اس پتھر کے ذریعے فرمائی جو موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لے کر بھاگا۔

(۳) بی بی مریم کی برأت ان کے اپنے صاحبزادے عیسیٰ علیہ السلام کی گفتگو سے۔

(۴) بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت آیاتِ مذکورہ نازل فرما کر۔

ف: آیاتِ برأت کے نزول کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ہاں تشریف لے گئے، اور انہیں بی بی رضی اللہ عنہا کی برأت کی آیات پڑھ کر سنائیں اور بہتان تراشوں کو اسی اسی کوڑے لگوائے۔

ف: بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ عبداللہ بن اُبی بن سلول کو دُگنے کوڑے لگوائے گئے۔ یعنی ایک سو ساٹھ۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جو بھی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسری ازواجِ انبیاء علیہم السلام پر تہمت لگائے تو اسے ایسی ہی دُگنی سزا ملنی چاہیے۔

مسئلہ: الخصائص الصغریٰ میں ہے کہ جو شخص حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات پر زنا کی تہمت لگائے اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ ایسے ہی حضرت ابن عباس و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا، بلکہ ایسے بدبخت کو قتل کر دینا چاہیے۔ چنانچہ قاضی وغیرہ سے اسی طرح منقول ہے۔ بعض فقہاء نے فرمایا کہ ایسی تہمت پر قتل کا حکم صرف بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہے کہ جو بھی ان پر زنا کی تہمت لگائے اسے قتل کر دیا جائے۔ اور دوسری ازواج مطہرات پر بہتان تراشی پر دوہری حد ہے۔ (کذا فی انسان العیون)

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہر نبی علیہ السلام کی زوجہ زنا سے پاک ہوتی ہے۔

سوال: نوح و لوط علیہما السلام کی ازواج کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فخانتاھما (ان سے خیانت

marfat.ocm

کا صدور رہوا) اور آیت کا مضمون حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو ٹھکراتا ہے ۔

جواب : یہاں پر خیانت سے ان کا اذیت پہنچانا مراد ہے چنانچہ مروی ہے کہ نوح علیہ السلام کی اہلیہ نے انھیں مجنون کہا اور لوط علیہ السلام کی زوجہ نے اپنی قوم کو لوط علیہ السلام کے مہمانوں کی خبر دی ۔

نکتہ : ہر نبی کی بیوی کافرہ تو ہو سکتی ہے لیکن زانیہ نہیں ہو سکتی وہ اس لیے کہ یہ حضرات کفار کی طرف دعوت حق کے لیے مبعوث ہوتے ہیں تو ان کے خاندان میں ایسے قبیح فعل کا صدور ناموزوں ہے جو ان کی دعوت وارشاد کے لیے نفرت وکراہت کا موجب بنے اور کفر موجب نفرت نہیں ورنہ کافر اس سے باز آجاتے ۔ البتہ فسق وفجور (زنا وغیرہ) نہ صرف نفرت وکراہت کا سبب ہے بلکہ جملہ قبائح کے سرفہرست ہے اسی لیے ہر مذہب کا سنجیدہ و مہذب طبقہ اس کا ارتکاب نہیں کرتا بلکہ اس سے سخت نفرت وکراہت کرتا ہے ۔

جلیل القدر صحابہ اور عائشہ صدیقہ کی برأت

امام فخر الدین کی کتاب الاشارات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دنوں میں اکثر اوقات مکان میں تشریف رکھتے تھے ۔ پس آپ کے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے ۔ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس واقعہ میں مشورہ کیا ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! میں عائشہؓ کی پاکدامنی اور منافقوں کے جھوٹ پر یقین کرتا ہوں اس لیے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے آپ کے جسم مبارک پر مکھیوں کو بیٹھنے سے روک رکھا ہے کیونکہ یہ مکھیاں ناپاکیوں پر بیٹھتی ہیں اور اس میں لتھڑ جاتی ہیں ۔ پس جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس قدر معمولی نجاست سے آپ کو محفوظ رکھا ہے تو کیونکر آپ کو ایسے کی صحبت سے جو کہ اس قسم کے فحش کے ساتھ ملوث ہو محفوظ نہ رکھے گا ۔

اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مشورہ لیا ۔ اُنھوں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا سایہ مبارک زمین پر پڑنے نہیں دیا ۔ اس لحاظ سے کہ شاید کوئی شخص اس پر اپنا قدم رکھ دے یا کہیں زمین ناپاک ہو ۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے اتنی بھی قدرت کسی کو نہیں دی کہ آپ کے سایہ مبارک پر قدم رکھے تو کیونکر کسی کو آپ کی زوجہ مطہرہ سے سوء ظن رکھنے کی قدرت دے سکتا ہے !

اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مشورہ لیا ۔ اُنھوں نے عرض کیا : یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! ہم سب آپ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے ۔ آپ نے اچانک نماز کے درمیان اپنا جوتا مبارک اتار دیا آپ کو دیکھ کر ہم نے بھی اتار دیا ۔ جب آپ نے نماز تمام کی تو آپ نے ہم سے جوتا اتار دینے کا سبب دریافت کیا تو ہم نے جواب میں عرض کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اتباع میں ایسا کیا گیا ۔ یعنی جب آپ نے نعلین مبارک اتاری تو ہم نے بھی آپ کی فرمانبرداری کے لیے اُتار دی ۔ یہ سُن کر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھ کو جبرائیل علیہ السلام نے

marfat.ocm

اُن کے اتارنے کے لیے کہا کہ ان میں کمال نظافت نہیں۔ قدرے گھن کی چیز لگی ہوئی ہے۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے اس امر پر آپ کو خبردار کیا کہ آپ کے جوتا مبارک پر کچھ گھن کی چیز ہے اس لیے ان دونوں کی آلودگی کی وجہ سے انکے اتار دینے کا حکم دیتا ہے تو پھر وہ کس طرح حکم نہ دے گا کہ وہ برائی کی مرتکب ہوئی ہوں۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان حضرات کے مذکورہ بالا جوابات سے مسرور ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان حضرات کی تصدیق فرمائی اور مخالفین یعنی منافقین کو ذلیل اور رسوا فرمایا[1]۔ اور آیت نازل ہوئی کہ ان الذین جاءو بالافک عصبۃ منکم۔ عصبۃ منکم ' ان کی خبر ہے۔ عصبہ اور عصابہ دس سے چالیس افراد کی جماعت کو کہا جاتا ہے۔ یہاں پر عبداللہ بن اُبی بن سلول اور زید بن رفاعہ و مسطح بن اثاثہ و حمنہ بنت جحش اور دیگر وہ لوگ جنہوں نے ان کا ساتھ دیا۔

---

[1] واقعہ افک پر فقیر نے ایک علیحدہ تصنیف[1] سپردِ قلم کی ہے یہاں قارئینِ رُوح البیان کے لیے چند باتیں عرض کی جاتی ہیں۔

واقعہ ہٰذا میں سب سے زیادہ حصہ منافقین کا ہے ایسے ہی آج کل وہابی دیوبندی اس واقعہ کی آڑ میں عظمتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ چنانچہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو گھٹانے کے لیے مندرج سوالات پیش کرتے ہیں لیکن فقیر اویسی غفرلہٗ پہلے اپنے ہم مسلک سُنی بھائیوں سے التماس کرتا ہے کہ واقعہ افک کے لیے بخاری شریف ج ۲ تفسیر سورۃ نور تحت آیت ہٰذا سامنے رکھیے۔ بخاری شریف میں اسی حدیثِ افک میں یہ الفاظ موجود ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

واللہ ما علمت علی اھلی الا خیرا۔

(خدا کی قسم میں نے اپنے اہل پر بجز خیر کے کچھ نہیں جانا)

غور کیجئے اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم قسم ارشاد فرما کر اپنے علم کا اعلان فرما رہے ہیں مگر منکرین کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم پر بھی یقین نہیں۔ تو پھر فقیر اویسی غفرلہٗ کو کہنے دو کہ ان بیچاروں کو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم پر بھی اعتبار نہیں مجھے ان کے ایمان پر اعتبار نہیں۔

سوال: اگر حضور علیہ السلام کو بی بی کی برأت کا علم تھا تو پھر ان سے بے توجہی اور لطف و کرم میں کمی کیوں؟ جیسا کہ خود بی بی نے کہا کہ لا اعرف من رسول اللہ اللطف الذی کنت اری منہ حتی اشتکیت الخ

جواب: (۱) اس واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت صدیقہ کی طرف سے توجہ کو کم کر دینا لاعلمی کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اس تہمت کے بعد غیرتِ محمدیہ کا تقاضا یہ تھا کہ جب تک یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صاف نہ ہو اس

---

[1] بنام شرحِ حدیثِ افک۔ اویسی غفرلہٗ

(باقی بر صفحہ آئندہ)

marfat.ocm

ف : حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے متعلق اختلاف ہے۔ ان کے مندرجہ ذیل اشعار دلالت کرتے ہیں کہ

(بقیہ حاشیہ) وقت تک سرکار توجہ میں کمی فرمائیں تاکہ کسی دشمن کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قسم کی تہمت سے کوئی نفرت نہیں۔

(۲) یہ عموماً فطرتِ انسانی ہے کہ جب کوئی کسی اہم کام میں معروف ہو تو پھر گھر میں چاہے کوئی کتنا ہی محبوب ہو اس کی طرف توجہ کم ہوتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معروفیت کا اندازہ خود ہی کیجئے کہ جہاں اغیار بے پر کی اڑا رہے تھے وہاں حسان رضی اللہ عنہ جیسے عاشق بھی اس مصیبت میں اضافے کا سبب بنے۔ ان سب سے نبٹنا معمولی معروفیت نہیں تھی۔ جب تجربے سے ثابت شدہ امر ہے کہ ایسے امور درپیش ہوں تو کم توجہی ہو ہی جاتی ہے، تو پھر اس سے لاعلمی ثابت کرنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے!

سوال : اگر حضور علیہ السلام کو بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت کا علم تھا تو پھر غمگین کیوں ہوئے؟ آپ کا حزن و ملال بتاتا ہے کہ آپ کو اس معاملہ میں کوئی علم نہیں تھا۔

جواب : حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غمگین ہونا بھی اس وجہ سے تھا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بے گناہی کا یقین رکھتے تھے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا کہ سرکار نے فرمایا واللہ ما علمت الخ۔ صدمہ تو یہی تھا کہ بے گناہ پر تہمت لگی۔ اگر ان کی بے گناہی کا علم نہ ہوتا تو اس قدر صدمہ بھی نہ ہوتا۔ اگر آج ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص کو بے گناہ پھانسی پر لٹکا دیا گیا تو ہمیں ضرور صدمہ ہوگا۔ اگر اس کی بے گناہی کا علم نہ ہو تو اس قدر صدمہ بھی نہ ہوگا۔

بلکہ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تو اپنی تفسیر کبیر میں ایک قاعدہ لکھا کہ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کافروں کے اقوال سے تنگدل اور مغموم ہو جایا کرتے تھے باوجودیکہ حضرت کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ کفار کے یہ اقوال بالکل فاسد ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ولقد نعلم انك يضيق صدرك بما يقولون۔ (سورہ حجر، رکوع ۶)

یعنی ہم جانتے ہیں کہ آپ ان کی بیہودہ باتوں سے تنگدل ہوتے ہیں۔ تو یہ واقعہ بھی ایسا ہی ہے۔ یعنی حضور کا تنگدل ہونا محض کفار کی بیہودہ گوئی پر تھا باوجودیکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی بیہودہ بکواس کا باطل اور جھوٹا ہونا معلوم تھا اور اس کی مثالیں قرآن و احادیث میں بے شمار ہیں۔ چند ایک تفسیر اویسی میں درج ہیں اور شرح حدیث انک میں بھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کافروں کے مفسدانہ اقوال سے تنگدل ہوتے تھے جس کو خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ولقد نعلم انك يضيق الآية۔ اور ان مفسدوں کے اقوال کے فساد کو بھی جانتے تھے۔ اسی طرح اس

(باقی اگلے صفحہ پر)

marfat.ocm

انھوں نے بھی دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی طرح بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برآت کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) موقعہ پر بھی کفار کی جھوٹی تہمت سے مغموم تھے۔ ورنہ جانتے تھے کہ کافر جھوٹے ہیں۔

غرض ہر شخص جس کو زنا وغیرہ کی تہمت سے متہم کریں اور ہر جگہ اسی کا ذکر ہو تو وہ شخص اور نیز اس کے خویش و اقارب باوجود اس کی پاکی کے اعتقاد کے مغموم و پریشان ہوں گے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت کو غم ہوا۔ مگر مخالفین اس بات کو تسلیم کرنے کے بجائے جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر الزام نہ لگائیں انھیں آرام و چین نہیں آتا۔

لطیفہ: تجربہ شاہد ہے کہ مخالف کو کسی مجلس میں تہمت لگائی جائے تو فوراً اس کا چہرہ کالا نیلا ہو جائے گا باوجودیکہ اسے یقین ہوگا کہ وہ اس تہمت سے بری ہے۔ اس کے بعد اب اس سے پوچھیے کہ اب بھی کہو گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق علم تھا یا نہ۔

سوال: اگر حضور علیہ السلام کو بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت کا علم تھا تو پھر تفتیش حال کا کیا معنیٰ، کہ کبھی اس سے پوچھا کبھی اس سے۔

جواب: (۱) اُمّت کے لیے تشریع و تعلیم مقصود تھی کہ آنے والے دور میں اگر کسی کو ایسا واقعہ درپیش ہو تو صفائیِ معاملات ایسے ہو جیسے آپ نے اپنی تجربہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے کیا۔ اور سیرۃ نبوی کا مطالعہ کرنے والے اور علوم حدیث کے واقفین سے پوشیدہ نہیں کہ آپ اپنے ہر معاملہ میں اُمّت کی تعلیم کو مدِّ نظر رکھتے تھے خواہ اس میں کتنی ہی تکالیف و شدائد کا سامنا کرنا پڑے۔

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیقہ کے معاملہ کی تفتیش لاعلمی کی وجہ سے نہیں فرمائی بلکہ حضرت صدیقہ کی پاک دامنی کو ان مسلمانوں کے اذہان میں قائم کرنے کے لیے فرمائی جو مسلمان ہونے کے باوجود تہمت لگانے والوں میں شامل ہو گئے تھے جب ان کے دلوں میں حضرت صدیقہ کی طرف سے بدگمانی راسخ ہو چکی تھی تو بمقتضائے فطرتِ بشریہ یہ بات قرینِ قیاس تھی کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بذاتِ خود صدیقہ کی پاکی پہ زور دیں تو شاید وہ سرکار کے حق میں بھی بدگمان نہ ہو جائیں اور یہ خیال کریں کہ ان کی عزت کا معاملہ ہے اس لیے اس طرح فرما رہے ہیں یہی وجہ تھی کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پہ اس معاملہ میں زور نہیں دیا کہ ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ ہمارے حق میں بدگمان ہو کر کفر و ارتداد تک پہنچ جائیں۔ اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو اپنے سے ایسی بدگمانی سے بچانے کی بہت کوشش کرتے تھے۔

باقی سوالات و جوابات اور مزید تحقیق عجیب فقیر کی کتاب "شرح حدیثِ افک" میں ہے۔

(اویسی غفرلہٗ)

marfat.ocm

اظہار فرمایا سہ

مھذبۃ قد طیب اللہ خیمھا
وطھرھا من کل سوء و باطل
فان کنت قد قلت الذی قد زعمتموا
فلا رفعت سوطی الی انامل
وکیف و ودی ما حییت و نصرتی
لآل رسول اللہ زین المحافل

(کما فی انسان العیون)

ترجمہ ، وہ پاک دامن بی بی جسے اللہ تعالیٰ نے ہر عیب سے پاک فرمایا اور اسے ہر برائی اور باطل سے بری فرمایا ہے ۔

اگر تو بھی منجملہ ان لوگوں کے ہو جنہوں نے بی بی پر تہمت تراشی ، تو کیوں نہ ہو جبکہ میں نے تہیہ کر رکھا ہے کہ جب تک زندہ ہوں آلِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد کرتا رہوں گا ۔

ف : امام سہیلی نے "کتاب التعریف والاعلام میں رقم کیا کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ بہتان تراشوں میں سے نہیں تھے ۔

سوال ، یہ قول ذیل کے شعر سے باطل ہے جبکہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے بارے میں مشہور ہے : سہ

لقد ذاق حسان الذی کان اھلہ
وحمنۃ اذ قالا لھجر و مسطح

ترجمہ : جب بہتان تراشوں کو حد ماری گئی تو حسان نے بھی مزہ چکھ لیا وہ اس لائق تھا کہ اسے حد ماری جائے ۔ ایسے ہی حمنہ اور مسطح نے بھی بہتان تراشا ۔

جواب : اس شعر میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا نام کسی نے غلط لکھا ہے اس لیے کہ یہ شعر دراصل عبداللہ بن ابی بن سلول کے متعلق ہے ۔ دراصل عبارت یوں تھی ، ع

لقد ذاق عبد اللہ ما کان اھلہ

اب آیت کا معنی یوں ہوا کہ بے شک وہ لوگ جنہوں نے بی بی عائشہ پر بہتان تراشا وہ ایک جماعت تھی جو ایمان سے موصوف تھی ۔

سوال ، عبداللہ بن ابی بن سلول تو مومن نہیں تھا اسے کیسے مومن کہہ دیا گیا ۔

marfat.ocm

جواب: چونکہ وہ بظاہر مومن تھا اس لیے ہم نے اسے ایمان سے موصوف کیا اگرچہ پوشیدہ طور پر وہ رئیس المنافقین تھا۔

لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ یہ خطاب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و عائشہ و صفوان رضی اللہ عنہم کو ہے۔ ایسے ہی ان لوگوں کو جو حضور علیہ السلام کی وجہ سے مغموم و محزون ہوئے تاکہ اس خطاب سے انہیں تسلی ہو۔ اور لا تحسبوہ کی ضمیر غائب افک کی طرف راجع ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے بہی خواہو! تم اس بہتان تراشی کو اپنے لیے شر نہ سمجھو۔ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ بلکہ وہ تو تمہارے لیے خیر ہی خیر ہے، اس لیے کہ اس سے تمہیں بہت زیادہ اجر و ثواب حاصل ہو رہا ہے کیونکہ وہ تمہارے لیے آزمائش اور بہت بڑا امتحان ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس سے تمہاری عزت و عظمت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ جب بی بی کی برأت کے متعلق اٹھارہ آیات نازل ہو رہی ہیں ان سے تمہاری شان اور بڑھ گئی کہ تم نے بی بی کے بارے میں معاملہ صاف رکھا اور بدگمانی سے کام نہ لیا اس طرح سے تمہارا اعزاز و اکرام بلند ہو گیا اور مخالفین کو وعید شدید۔ نیز جنہوں نے تمہاری تعریف کی وہ بھی معزز و مکرم ٹھہرے۔ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ امرأ اور مرء بمعنی انسان و رجل (مرد) یعنی اس جماعت میں سے ہر ایک کے لیے وہی ہے مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ جو اس نے برے عمل کا ارتکاب کیا۔ یعنی اس نے جس قدر بی بی کے متعلق بدگمانی اور تہمت تراشی میں غور و خوض کیا اس لیے کہ ان میں بعض نے زور لگا کر بہتان تراشا اور بعض نے خوب ہنسی مذاق کی اور بعض خاموش رہے لیکن اس تہمت تراشی سے لوگوں کو منع نہ کیا۔

ف: تاویلات النجمیہ میں اس کا ترجمہ لکھا کہ جنہوں نے اس تہمت میں جد و جہد کی اور سخت بدگمانی کی اور حرمِ نبی علیہ السلام کی ہتک کی۔

وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ اور وہ جو بہت بڑے افتراء کا مرتکب ہوا۔

مسئلہ: المفردات میں ہے کہ اس میں تنبیہ ہے کہ جو کسی گناہ کی ابتدا کرتا ہے یہاں تک کہ لوگ اس کی اقتدا میں اس برائی کا ارتکاب کرتے ہیں تو اس کا سب سے بڑا گناہ لکھا جائے گا۔

مِنْهُمْ اس جماعت میں سے۔ اس سے ابن ابی مراد ہے اس لیے کہ اس گناہ کا آغاز اس نے کیا اور حضور علیہ السلام کے بغض و عداوت میں اسے خوب پھیلایا، جیسا کہ گزرا لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ اس عبداللہ بن ابی کو ایک خاص قسم کا عذاب ہوگا جس کا درد بہ نسبت دوسرے عذاب کے سخت تر ہوگا اس لیے کہ اس بہت بڑے گناہ کا آغاز اسی نے کیا بنا بریں اسے عذاب بھی سخت تر ہوگا۔ ایسے ہی جس قدر کسی نے اس گناہ میں زیادہ حصہ لیا اسے عذاب بھی اسی قدر زیادہ ہوگا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جس نے برائی کا طریقہ رائج کیا تو اس کے لیے تاقیامت اپنے گناہ کے علاوہ اس پر عمل کرنے والوں کے برابر گناہ لکھا جائے گا۔

marfat.ocm

ف: تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ ایسے شخص کو اس جرم کی وجہ سے مواخذہ ہوگا اور اسے شدید ترین عذاب دیا جائے گا۔ اس سے دنیا و آخرت کا خسارہ مراد ہے ؎

ہر کہ بنہد سنتی بداے فتی

تا در افتد بعد او خلق از عمی

جمع گردد بروے آں جملہ بزہ

گو سرے بودست وایشاں دم غزہ

ترجمہ: جو بھی بُرا طریقہ جاری کرتا ہے تاکہ خلقِ خدا گمراہ ہو، تو تمام گناہ اس کے سر پر رکھے جائیں گے۔ تمام لوگ اس کے لشکری ہوں گے اور وہ ان سب کا سردار۔

لَوْلَآ یہ حرفِ تخضیضہ ہے بمعنے ھلّا (کہاں) ہے۔ یہ جب حرفِ ماضی پر داخل ہو تو بمعنے ترکِ فعل پر توبیخ و ملامت کا معنے دے گا۔ اس لیے کہ اگر اسے اصلی معنی یعنی طلب کے معنی میں رکھا جائے تو ماضی میں طلب کا تصور نہیں ہو سکتا۔ اور جب مضارع پر داخل ہو تو اس وقت کسی فعل کی طلب اور اس پر برانگیختہ کا معنی ہوتا۔ اس معنے پر وہ مضارع بمعنے امر ہوگا۔ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ اے غور و خوض کرنے والو یعنی قولِ باطل میں شروع ہونے والو کیوں نہ ہوا جب تم نے سنا تھا ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا تاکیدِ توبیخ کی وجہ سے غیبتہ کی طرف عدول کیا گیا ہے۔ یعنی ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ مومن پر نیک گمان کرنا ضروری ہے ایسے ہی اہلِ ایمان پر طعن و تشنیع کرنے والے کے طعن و تشنیع کو دور کرنا بھی لازمی ہے۔ جو بھی اہلِ ایمان سے بدگمانی کرتا اور ان سے طعن و تشنیع کو دفع نہیں کرتا تو وہ مقتضائے ایمان پر عمل نہیں کرتا۔ اور انفسھم سے ان کے ابنائے جنس مراد ہیں جو کہ بمنزلہ ایک دوسرے کے نفوس ہوتے ہیں۔ قولہ تعالیٰ:

ولا تلمزوا انفسکم۔

اس سے مراد یہ ہے بعض تمہارا تمہارے بعض کا عیب بیان نہ کرے۔ کیونکہ مومن آپس میں ایک نفس کی طرح ہیں۔ اہلِ ایمان مرد و عورت پر واجب ہے کہ جونہی کسی کے متعلق خود یا بالواسطہ کوئی غلط بات سنیں اگرچہ عام مومن کے متعلق بھی ہو تو بلا تردد و بلا تفکر سنتے ہی حسنِ ظن سے کام لیتے ہوئے وَقَالُوْا اسی کے متعلق اسی وقت کہہ دیں ھٰذَآ یہ باب اِفْكٌ مُّبِيْنٌ کھلا اور واضح بہتان ہے۔ یعنی جب یہ عام اہلِ ایمان کے متعلق ہے تو پھر صدیقہ بنت الصدیق ام المومنین حرمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تو اور زیادہ احتیاط لازمی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی علیہ السلام کی ازواجِ مطہرات کی تعظیم و تکریم کا حکم فرماتا اور انہیں ویسے بُرے افعال سے محفوظ رکھتا ہے لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ یہ غور و خوض کرنے والے اپنے دعویٰ پر

marfat.ocm

چار گواہ کیوں نہیں لائے۔ یہ قول کا تمہ یا من جانب اللہ کلام جدید ہے۔ اس پر وہ چار گواہ کیوں نہ لائے فَاِذْ لَمْ یَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ پس جب وہ چار گواہ نہ لاسکے فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝ تو وہ مفسد اللہ کے ہاں یعنی اس کے حکم اور شرع (جس کے دلائل مضبوط اور ظاہر ہیں) میں وہ مکمل طور پر جھوٹے ہیں جن کے کذب پر شہادت موجود ہے اور علی الاطلاق کذب کی صفت کے وہی مستحق ہیں۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ یہ لوگ ظاہراً و باطناً جھوٹے ہیں اگرچہ وہ اپنی جھوٹی بات پر گواہ بھی لاتے اور ظاہری طور پر وہ سچے ثابت ہو جاتے تب بھی وہ باطناً جھوٹے ہوتے اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کی ازواج پر ایسی قباحت ممتنع ہے۔ پھر اس قانون پر ان کی ظاہری گواہی ان کے منہ پر ماری جاتی۔

ف: امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا بسا اوقات انسان اپنے دعویٰ پر گواہ نہیں پیش کر سکتا تو اسے شرعاً تو جھوٹا کہیں گے لیکن عند اللہ وہ سچا ہوگا لیکن دنیا میں احکام کا دارومدار ظاہر پر ہے اور ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے دنیوی احکام مشروع فرمائے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ احکام کا ترتب انسان کے اپنے علم پر نہیں ہوتا اسی لیے علماء کا اجماع ہے کہ احکام دنیا ظاہر پر مرتب ہوں اور ان کے باطن کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا جائے وَلَوْلَا یہ امتناعیہ ہے لولا امتناعیہ وہ ہے جو دوسری کسی شے کی وجہ سے اس کا وجود ممتنع ہو فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی۔ یہ خطاب تمام مسلمان مردوں عورتوں کو ہے فِی الدُّنْیَا دنیا میں مختلف نعمتوں سے نوازا جانا منجملہ ان کے ایک یہی ہے کہ تمہیں توبہ کی توفیق بخشی وَالْاٰخِرَةِ اور آخرت میں بہترین اور مختلف قسم کی نعمتیں منجملہ ان کے گناہوں کی معافی اور مغفرت جو تمہارے لیے مقدر ہے لَمَسَّكُمْ تو تمہیں بہت جلد پہنچ جاتا فِیْ مَآ اَفَضْتُمْ اس سبب سے جو تم نے حدیثِ افک میں غور و خوض کیا عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ بہت بڑا عذاب جس کے بعد باقی تمام عذاب ہیچ ہیں اور وہ توبیخ و جلد ہیں اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ یہاں ایک تا محذوف ہے اور یہ لمسکم کی ظرف ہے یعنی تمہیں وہ بڑا عذاب اس وقت پہنچتا جب تم ان مخترعین کے ساتھ ملاقی ہوتے، بِاَلْسِنَتِكُمْ اپنی زبانوں کے ساتھ۔ یعنی بہتان تراشی کی باتیں ایک دوسرے سے لیتے۔ اس کی صورت یوں تھی کہ جب بھی ایک دوسرے سے ملتے تو حدیث افک چھیڑ لیتے۔ جھوٹی معلومات سن سنا کر آگے کو بڑھاتے یہاں تک کہ یہ خبر عام پھیل گئی حتیٰ کہ مدینہ طیبہ کا کوئی گھر اور مکان اور کوئی گلی کوچہ ایسا نہ تھا جہاں یہ خبر نہ گونج رہی ہو۔

حل لغات: تلقی الکلام من فلان وتلقنہ وتلقفہ وتلقفہ کا ایک ہی معنیٰ ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کے ملفوظات سے یا اس کے مفہومات سے استفادہ کرے۔ الارشاد میں ہے کہ تلقی و تلقف و تلقن ہم معنی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے میں استقبال، دوسرے میں خطف و اخذ بسرعۃ، تیسرے میں حذق و مہارت کا معنیٰ ملحوظ ہوتا ہے۔

marfat.ocm

وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ اور اپنے منہ سے وہ باتیں کہتے جن کا تمہیں علم بھی نہیں۔

سوال : قول تو منہ سے صادر ہوتا ہے پھر اسے بافواھکم سے مقید کرنے کا کیا معنیٰ؟

جواب : یہ ایک محاورہ ہے اور یہ اس وقت بولتے ہیں جب بات کسی کے دل پر اثر نہ کرے۔ سُن لینے کے بعد اس کا تعلق صرف زبان رہے۔ اور اس افک کی کیفیت بھی یہی تھی کہ وہ صرف زبانوں پر جاری رہا لیکن ان کے قلوب اس کے علم سے بالکل خالی تھے۔

مسئلہ : ایسے امور جن کا علم نہ ہو اور انھیں بیان کرنا حرام ہے۔ کما قال تعالیٰ :

ولا تقف ما لیس لك به علم۔

یعنی ایسی بات مت کہو جو صرف زبان تک محدود ہو اور دل سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔ اسے علم نہیں کہا جا سکتا۔

وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا اور تم اسے آسان سمجھتے ہو اور خیال یہ ہے کہ یہ معمولی معاملہ ہے وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عَظِيْمٌ ۝ بہت بڑے گناہ کا حامل ہے۔

حکایت ایک شخص مرتے وقت رو رہا تھا۔ کسی نے سبب پُوچھا تو جواب دیا کہ میرا کوئی ایسا بُرا عمل ہو گا جسے میں معمولی سمجھتا ہوں۔ لیکن ممکن ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا ہو۔

ف : کسی نے اپنے عزیز کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم اپنے کسی گناہ کو گٹھلی کے برابر مت سمجھو ممکن ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کھجور کے برابر ہو۔

ف : حضرت عبد اللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ یہ ان لوگوں کے حق میں اُتری ہے جو بہت بڑے دعوے کر کے اپنے رب تعالیٰ پر جرأت کرتے ہیں اور اپنے آپ کو انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا وعلیہم السلام کے مقدس درجات تک پہنچا ہوا جانتے ہیں۔ نہ وہ خدا سے ڈرتے ہیں نہ انھیں کچھ حیا ہے۔

ف : امام ترمذی نے فرمایا کہ جو اپنے غلط امور پر جُرأت کر کے انھیں کچھ نہیں سمجھتا تو وہ گویا اللہ تعالیٰ کی عظمت کا منکر ہے۔ اس پر دلیل میں یہی آیت پڑھی ؂

اگر مردی از مردی خود مگوی
نہ ہر شہسواری بدر برد گوی

ترجمہ : اگر تُو جوانمرد ہے تو اپنی جوانمردی ظاہر مت کر اس لیے کہ بہادر اپنی گیند باہر لے جائے۔

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ اور کیوں جب تم نے بہتانیوں اور ان کے تبعیین سے جب سُنا قُلْتُمْ تو ان کی تکذیب کرتے ہوئے اور اسے ایک بہت بڑا بہتان خیال کر کے تم نے کہہ دیا ہوتا مَّا يَكُوْنُ لَنَآ ہمارے لیے ممکن نہیں اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا کہ ہم ایسی بات کہیں۔ اس سے ایسی بات کے بولنے کی نفی ہے اس کے وقوع

marfat.ocm

امکان کی نفی نہیں۔ سُبْحٰنَكَ اس سے تعجب ہے جو ایسی ناپاک گفتگو کی، دراصل یہ کلمہ اس وقت بولا جاتا ہے جب اللہ تعالیٰ کے لیے مصنوعات دیکھا جائے اس کی تنزیہ بیان کرنے کے ارادہ پر کہ اس ذات پر ایسے مصنوعات بنانا مشکل نہیں پھر بکثرت ہر تعجب کرنے والے کے لیے اس کا استعمال ہونے لگا یا اللہ تعالیٰ کی تنزیہ بیان کے لیے کہا گیا ہے کہ وہ ذات مقدس ہے کہ وہ اس کے نبی علیہ السلام کے حرم محترم سے ایسے جرم کا صدور ہو جبکہ ان کی ازواج مطہرات فسق و فجور سے پاک ہوتی ہیں کیونکہ ان کا فسق و فجور عوام کی نفرت کا موجب بنتا ہے۔ ایسے ہی انبیاء علیہم السلام کے ازدواجی مقصد کے لیے بھی مخل ہے اس لیے کہ ان کی ازواج کا فاسق و فاجر ہونا موجب نفرت ہوتا ہے لیکن ان کا کافر ہونا موجبِ نفرت عوام نہیں۔ جیسا کہ بارہا بیان کیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی پاکی ہے کہ وہ اپنے نبی علیہ السلام کے حرم محترم کو ایسے بُرے فعل کا مرتکب ہونے دے هٰذَا وہ بہتان جس کا بیان کرنا بھی حرام ہے۔ بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ○ بہت بڑا بہتان ہے۔

حل لغات: بہتان، بهته کا مصدر ہے۔ یعنی کسی کے متعلق ایسی بات کہنا بہت بڑا گناہ ہے۔ (کما فی التاویلات النجمیہ)

یا یہ بهت و تحیر من عظمتہ سے ہے یعنی وہ جس شخص پر بہتان تراشا گیا اس کی عظمت سے متحیر ہوتا ہے اس لیے کہ اس نے اس پر ایسی بات کہہ دی جو اس کے اندر نہیں تھی گناہوں کی حقارت اور اس کی عظمت میں جیسے مصادر کا اعتبار ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوسعید خراز قدس سرہ نے فرمایا:

حسنات الابرار سیئات المقربین۔

(وہ امور جو ابرار کے نزدیک نیکیاں سمجھی جاتی ہیں وہ مقربین کے نزدیک برائیاں ہوتی ہیں)

ایسے ہی ان کی حقارت و عظمت میں متعلقات کا بھی اعتبار ہوتا يَعِظُكُمُ اللّٰهُ۔ الوعظ النصح والتذکیر ایک معنی ہوتا ہے یعنی انجام سے آگاہ کرنا۔ اب معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے معاملہ میں نصیحت فرماتا ہے۔ اور یہ خطاب بی بی صاحبہ پر بہتان تراشوں کو ہے اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ یہ کہ پھر ایسا بہتان نہ تراشنا نہ ہی ان کے حق میں آئندہ کوئی بدگمانی کرنا اَبَدًا عمر بھر اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ج اگر تم اللہ و رسول (جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم) اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو اس لیے کہ ایمان ایسے بُرے امور سے روکتا ہے۔

مسئلہ: اس میں اشارہ ہے کہ جو بھی آئندہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا پر افترا کرے گا وہ ایمان کے دائرہ سے خارج ہو جائے گا (روافض و شیعہ عبرت حاصل کریں جبکہ بی بی صاحبہ رضی اللہ عنہا پر گندے بہتان تراشتے ہیں)

marfat.ocm

مسئلہ : تفسیر الکبیر میں ہے کہ جو شخص بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے بہتان کو سُن کر روکتا نہیں وہ بہتان تراشی میں شامل ہے اگرچہ اس کا گناہ بہتان تراش کے گناہ سے کم ہوگا۔

وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ اور اللہ تعالیٰ تمہیں ایسی آیات بیان کرتا ہے جو شرائع و محاسن آداب کو واضح کرتی ہیں تاکہ تم ان سے نصیحت حاصل کر سکو اور ان سے اپنے عادات و اخلاق کو درست کر سکو یعنی ایسے طریقے سے نازل فرمایا کہ جن سے مطالب و مقاصد واضح ہو جاتے ہیں۔ اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ وہ پہلے غیر واضح تھے پھر انہیں واضح کیا گیا وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے جملہ چھوٹے بڑے سب احوال کو جانتا ہے حَكِيْمٌ ○ وہ ان کی جملہ تدابیر و افعال میں حکمت سے کام لیتا ہے۔ جب وہ علیم حکیم ہے تو پھر اپنے ایسے رسول علیہ السلام کے حرم میں ایسا بُرا فعل کیسے صادر ہونے دیتا ہے جسے تمام رسولوں سے برگزیدہ بنایا اور انہیں اپنی جملہ مخلوق کے لیے مبعوث فرمایا تاکہ ان کی رہبری فرمائیں اور حق کا راستہ بتائیں اور ان کا تزکیہ کریں اور پاکیزہ بنائیں۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی کو جانتا ہے۔ اسی لیے ہر عیب و عار سے ان کی برأت کا اظہار فرمایا۔

تا گریباں دامنش پاکست از لوث خطا
وز مذمت عیب چو آلودہ از سر تا بپا

ترجمہ : تاکہ لوث خطا سے ان کے دامن کا گریبان پاک ہو ایسے ہی عیب و عار کی مذمت سے بھی منزہ، جبکہ وہ از سر تا پا پاک ہے پھر اسے عیب دار بنایا جا سکتا ہے

کسی نے کیا خُوب فرمایا ہے : ؎

کرا رسد کہ کند عیب دامن پاکت
کہ ہمچو قطرہ کہ بر برگ گل چکد پاکی

ترجمہ : وُہ کون ہے جو تیرے پاک دامن میں عیب ظاہر کرے کہ جس دامن سے پاکی ٹپکتی ہے، جیسے برگِ گل سے پانی ٹپکتا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندوں کے ساتھ جو کچھ کرتا ہے وہ دراصل اس کا لطف و کرم ہے اگرچہ بظاہر وہ غیظ و غضب اور قہر و جبر معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس طرح سے ہی وُہ اپنے پاک بندوں کی تادیب و تہذیب اور رفعت درجات فرماتا ہے بلکہ اس طرح سے ہی انہیں اپنا قرب عطا فرماتا ہے۔ ایسے ہی واقعہ افک اگرچہ بظاہر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور

marfat.ocm

بی بی عائشہ اور ان کے عزیز و اقارب اور جملہ صحابہ کرام کے لیے ایک بہت بڑی آزمائش اور امتحان تھا ۔ اور قاعدہ ہے کہ ابتلاء و آزمائش اللہ تعالیٰ کے ساتھ قرب کی وجہ سے ہوتی ہے، جیسے سونے کے لیے آگ ۔

حدیث شریف ١ حضور علیہ السلام نے فرمایا :
سخت ترین آزمائش انبیاء علیہم السلام کی ہوتی ہے ، اس کے بعد اولیاء کرام ، پھر ان کے قریب تر وغیرہ ۔

حدیث شریف ٢ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
"یبتلی الرجل علی قدر دینہ"
(انسان کی آزمائش اس کے دین کی مقدار پر ہوتی ہے)

ف : اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کے قلوب کے متعلق غیرت رکھتا ہے ۔ جب دیکھتا ہے کسی بندے کے قلب پر غیر کی محبت کا اثر ہے تو اس کو کسی ایسی آزمائش میں مبتلا کرتا ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف لائے ۔

فضائل و مناقب عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

(١) حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ کو کس سے بہت زیادہ محبت ہے ۔
فرمایا ، عائشہؓ اور اس کے ساکن سے ۔

(٢) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا :
یا عائشۃ حبك فی قلبی کالعقدۃ ۔
(اے عائشہ ! تیری محبت میرے دل میں عقدہ کی طرح ہے)

(٣) مروی ہے کہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی ، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! میں آپ سے محبت کرتی ہوں بلکہ میں چاہتی ہوں کہ ہر وقت آپ کے قریب رہوں ۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بی بی صاحبہ پر حدیثِ افک کا اجرا فرمایا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی صاحبہ کے قلب کو پھیر کر اللہ تعالیٰ کی طرف لگا دیا ۔ یعنی اپنی محبت سے اللہ تعالیٰ کی محبت میں مشغول فرما دیا ۔ یہاں تک کہ بی بی صاحبہ کے دل میں محبتِ الٰہی کا اتنا غلبہ ہو گیا کہ نزولِ آیاتِ براءت کے بعد بی بی صاحبہ نے کہا :
نحمد اللہ لا نحمدك ۔
(میں صرف اللہ تعالیٰ کی حمد کرتی ہوں آپ کی حمد نہیں کروں گی)

اللہ تعالیٰ نے بی بی صاحبہ کے قلب سے محبتِ غیر کے پردے ہٹا دیئے اور ان کے شک و شبہات کو زائل فرما کر بی بی صاحبہ کی براءت ظاہر فرمائی اور بہتان تراشوں کی تادیب و تہذیب فرمائی اور بی بی صاحبہ کے

marfat.ocm

موافقین کے مراتب و درجات بلند فرمائے۔

ف : الحکم العطائیہ اور اس کی شرح میں ہے کہ جب بی بی صاحبہ کی برأت کی آیات حضور علیہ السلام نے پڑھ کر سنائیں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بی بی صاحبہ سے فرمایا کہ اُٹھ کر حضور کا شکریہ ادا کیجئے اور یہ حکم اس لیے فرمایا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بی بی صاحبہ کی بلند قدری محسوس ہوئی۔ لیکن بی بی صاحبہ نے عرض کی' میں تو صرف اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں گی۔ اس میں بی بی صاحبہ کا قلب خالص توحید کی طرف مکمل طور پر جھک گیا تھا حتیٰ کہ اس وقت ان کے قلب پر غیریت کو گنجائش ہی نہیں تھی لیکن صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کے قلب کو اکمل مقام کی طرف متوجہ فرمایا یعنی وہ مقام جسے بقا باللہ سے تعبیر کرتے ہیں اور وہی مقام ہے جو اثباتِ آثار و عمارتِ دارین کا متقضی ہے جس میں ہزاروں احکام اور ان گنت حکمتیں ہیں۔ اسی مقام کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ان اشکرلی ولوالدیک۔

آیت میں اپنے شکر کے ساتھ والدین کے شکر کو ملایا، اس لیے کہ والدین انسان کے وجود کی مجازاً بقا کے موجب ہیں اگرچہ حقیقی بقاء کا موجب اللہ تعالیٰ کا فضل و لطف ہے۔ اسی لیے حقیقی شکر اسی کے لیے ہے کیونکہ حقیقی نعمت اسی سے ملتی ہے۔ دوسروں کے لیے اگر شکر کیا جاتا ہے تو مجازاً، ایسے ہی کسی سے نعمت حاصل ہو تو بھی مجاز کا تصور ہو۔

حدیث شریف

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لا یشکر اللہ من لا یشکر الناس۔

(جو لوگوں کا شکر نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر نہیں کرتا)

ف : اللہ تعالیٰ کے شکر کو بندوں کے شکر سے مشروط فرمایا ہے۔ یا اس کا معنٰی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے شکر کا ثواب نہیں ملتا جب تک کہ اس کے بندوں کا شکریہ نہ ادا کیا جائے۔ اور بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس وقت مشغول بخدا تھیں اسی لیے انہیں سوائے باری تعالیٰ کے کسی طرف توجہ نہیں تھی بلکہ ان پر منۃ مولیٰ کا ایسا غلبہ تھا کہ انہیں سوائے اپنے مولیٰ اور کسی کا خیال تک نہ تھا اسی لیے اس وقت اپنے محبوب کے تصور میں ڈوبی ہوئی تھیں اور یہ ان کے لیے اعلیٰ مقام تھا۔ چنانچہ یہی مقام ایک وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی پیش آیا تھا جبکہ نمرود نے انہیں آگ میں ڈالا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ کوئی ضرورت ہو تو فرمایئے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے کوئی سوال نہیں کرنا اس لیے کہ وہ میرے حال کو خوب جانتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ سے ہی اتمامِ نعمت اور حفظ حرمۃ اور آداب لائقہ کے ساتھ مراداتِ حق پہ ثبات کا سوال ہے۔ وہی ہمیں کافی اور اچھا کارساز ہے۔

marfat.ocm

ف : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں جانے کے دو طریقے ہیں ،

١ - اہلِ سلامۃ

٢ - اہلِ ملامۃ

اہلِ سلامت کے طریقے کی انتہا بہشت اور اس کے درجات ہیں اس لیے کہ وہ اپنے وجود کی قید میں محبوس ہیں اور اہلِ ملامت کے طریقے کی انتہا اللہ تعالیٰ ہے اس لیے کہ ملامت حبس وجود کے دروازے کی کنجی ہے ۔ اسی سے ہی وجود ایسے پگھل جاتا ہے جیسے سورج سے برف پگھل جاتی ہے ۔ تاہم جس قدر وجود پگھلتا ہے اسی قدر اللہ تعالیٰ کا وصال نصیب ہوتا ہے ۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کو ملامت میں مبتلا فرمایا تاکہ اسی کی وجہ سے حبسِ وجود سے نکل کر واصل الی اللہ ہوں ۔

اس واقعہ سے بی بی صاحبہ کی ولایت کا ثبوت ملتا ہے اور اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو وجود مخلوق کے ظلمات سے نکال کر نورِ قدم کی طرف لے جاتا ہے ۔ کما قال تعالیٰ :

اللہ ولی الذین اٰمنوا یخرجھم من الظلمات الی النور ۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

وفا کنیم و ملامت کشیم و خوش باشیم
کہ در طریقت ما کافریست رنجیدن

ترجمہ : ہم وفا کرتے ہیں ملامت کھینچتے ہیں اور اس سے خوش ہوتے ہیں اس لیے کہ ہمارے طریقہ میں رنجیدہ ہونا کفر ہے ۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

عشق در ہر دل کہ سازد بہر دردت خانہ
اوّل از سنگِ ملامت افگند بنیاد او

ترجمہ : جس دل میں عشق گھر کرتا ہے اسے سب سے پہلے ملامت کا نشانہ بناتا ہے ۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِیۡنَ ابنِ ابی اور دیگر وہ لوگ جنہوں نے افک کے بارے میں اس کا اتباع کیا یُحِبُّوۡنَ بے شک وہ لوگ ارادہ کرتے ہیں کہ اَنۡ تَشِیۡعَ الۡفَاحِشَۃُ پھیلے اور ظاہر ہو فاحشہ تمام برائیوں سے قبیح تر ہو ۔ برائی کو فاحشہ سے تعبیر کیا جاتا ہے خواہ اس کا تعلق اقوال سے ہو یا افعال سے ۔ یہاں زنا مراد ہے یعنی دشمنانِ رسول چاہتے تھے کہ بی بی عائشہ کے زنا کی خبر دور دور تک پھیلے فِی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا اہلِ ایمان میں ، یعنی ان لوگوں میں جو ایمان کے بارے میں مخلص ہیں لَہُمۡ دشمنانِ رسول

marfat.ocm

کے لیے اسی سبب سے عَذَابٌ اَلِيْمٌ دردناک عذاب ہے۔ یعنی ایک قسم کا عذاب جس میں درد و الم کے سوا اور کچھ نہ ہو فِي الدُّنْيَا دنیا کا عذاب جیسے حد کا اجراء وغیرہ وَالْاٰخِرَةِ جیسے نارِ جہنم اور وہ عذاب جو انھیں جہنم میں ملے گا۔

ف : ابن الشیخ نے فرمایا کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ لوگ اہلِ ایمان میں برائی پھیلانے کا صرف ارادہ نہیں رکھتے تھے بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ ایسی بُرائی کی نشر و اشاعت میں پورا زور لگانا چاہتے تھے کیونکہ صرف برائی پھیلانے کے ارادہ پر ان پر حدِ قذف نہیں لگی بلکہ ایسی بُرائی کی نشر و اشاعت کی وجہ سے سزا پائی۔ اور وہ یہی کہ اُنھوں نے حضرت صفوان اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان تراشا اور اس پر شرعی گواہ پیش نہ کر سکے تو ان پر حدِ قذف جاری ہوئی۔

ف : الارشاد میں ہے کہ لوگ ایسی بُرائی کی اشاعت کے متعلق دلچسپی رکھتے ہوئے اس کی نشر و اشاعت میں سر کی بازی لگاتے ہیں اور اس دوسرے فعل کا پہلے فعل پر اکتفا کی وجہ سے ذکر نہیں کیا گیا اس لیے کہ وہ ایسا جامع فعل ہے کہ وہ دونوں کا معنیٰ پورا کر دیتا ہے۔ اور فی الذین اٰمنوا تشیع کے متعلق ہے۔

سوال : منافقین نے اس خبر کو تمام لوگوں میں پھیلایا لیکن قرآن مجید میں صرف الذین اٰمنوا (اہلِ ایمان) پر اکتفا کیا گیا ہے۔

جواب : چونکہ تمام لوگوں سے اہلِ ایمان عمدہ ہیں اور عمدۃ کے ذکر سے دوسروں کا ذکر ضمناً آ گیا۔ یا فی الذین اٰمنوا فعل مضمر کے متعلق ہے اور وہ الفاحشۃ سے حال ہے اور موصول سے صرف اہلِ ایمان مراد ہیں۔ اب عبارت یوں ہوگی،

یحبون ان تشیع الفاحشۃ کائنۃ فی حق المؤمنین و فی شانھم۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اور جملہ امور بالخصوص وہ باتیں جو بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے معاملہ کی اشاعت کے متعلق جو ان کے دلوں میں پوشیدہ سکیمیں ہیں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اور تم نہیں جانتے فلہٰذا تم صرف ان پر حدِ قذف جاری کرو اور ان کے باطن اللہ تعالیٰ کے سپرد کرو۔ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ لولا کا جواب محذوف ہے۔ یعنی اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور انعام نہ ہوتا تو وہ تمہیں بہت بڑے عذاب میں مبتلا فرماتا لیکن تمہیں عذاب میں مبتلا نہیں فرمایا تمہارے لیے رؤف و رحیم یعنی بہت زیادہ رحمت فرماتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں دو اشارے ہیں،

(۱) جیسے اہلِ افک کو اظہارِ برائی پر سزا ملی ایسے ہی محبۃ اشاعۃ سے انھیں باطنی نقصان بھی ہوا۔ چنانچہ قلوب مومنین کے وجوب سلامتہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ظاہری اعضاء کو برائیوں سے روکنا

marfat.ocm

اور زبان کو کسی کی ضرر رسانی سے بچانا واجب ہے، ایسے ہی قلوب کو بھی۔ کیونکہ جیسے دیگر اعضاء کو آخرت میں سزا ملے گی ایسے ہی قلوب کو بھی۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف ۱ میں ان لوگوں کو جانتا ہوں جن کے سینے پر جب جہنم کے چابک پڑیں گے اس سے جو آواز اُٹھے گی اُسے تمام اہلِ نار سُنیں گے۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو لوگوں کے عیوب بیان کرتے اور ان کی پردہ دری کرتے اور ان کی برائیوں کو پھیلاتے تھے۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف ۲ جو کسی دوسرے مسلمان بھائی کی بُرائی کا صرف ایک کلمہ پھیلاتا ہے حالانکہ وہ اس برائی سے پاک ہے اور وہ چاہتا ہے کہ وہ شخص اس بُرائی کی اشاعت سے دنیا میں رُسوا ہو تو اللہ تعالیٰ چاہے تو ایسے بدبخت کو جہنم کی آگ میں ڈال دے۔ (کافی الکبیر)

خلاصہ یہ کہ اہلِ افک نے جو کچھ کیا اس میں اہلِ ایمان کو ذرہ برابر بھی تعلق نہ تھا کیونکہ اہلِ ایمان کا وہ کام نہیں بلکہ اہلِ ایمان کی شان تو یہ ہے جو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ:

مومن ایک دوسرے کے لیے دیوار کی طرح ہے کہ وہ ایک دوسرے کی وجہ سے مضبوط ہوتے ہیں۔

اور فرمایا: اہلِ ایمان آپس میں محبت اور رحم و کرم میں ایک نفس کی طرح ہیں کہ ایک عضو کو تکلیف ہو تو سارا جسم بخار میں مبتلا ہو کر آنکھوں پر کاٹتا ہے۔

؎

۱ بنی آدم اعضائے یکدیگر اند
که در آفرینش ز یک گوهر اند
۲ چو عضوے بدرد آورد روزگار
دگر عضوہا را نماند قرار
۳ تو کز محنت دیگراں بے غمی
نشاید کہ نامت نہند آدمی

ترجمہ: ۱۔ بنی آدم ایک دوسرے سے اعضاء کی طرح ہیں اس لیے تخلیق ایک ہی جوہر ہیں۔
۲۔ جب ایک عضو کو زمانہ تکلیف پہنچاتا ہے تو دوسرے اعضاء کو قرار نہیں رہتا۔
۳۔ جب تُو دُوسروں کے دُکھ سے بے خبر ہے تو لائق نہیں کہ تیرا نام آدمی ہو۔

(باقی ص ۱۷۱ پر)

marfat.ocm

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ وَمَنْ
اے ایمان والو! شیطان کے قدموں پر نہ چلو اور جو شیطان

يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ
کے قدموں پر چلے تو وہ بے حیائی اور بری ہی بات بتائے گا

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰي مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ
اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم میں کوئی بھی کبھی ستھرا نہ ہو سکتا ہاں اللہ

اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢١﴾ وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ
ستھرا کر دیتا ہے جسے چاہے اور اللہ سنتا جانتا ہے اور قسم نہ کھائیں وہ جو تم میں فضیلت والے اور

وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۠
گنجائش والے ہیں قرابت والوں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے کی

وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۭ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٢﴾
اور چاہیے کہ معاف کریں اور درگزریں کیا تم اسے دوست نہیں رکھتے کہ اللہ تمہاری بخشش کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان

اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۠
ہے بیشک وہ جو عیب لگاتے ہیں انجان پارسا ایمان والیوں کو ان پر لعنت ہے دنیا اور آخرت میں

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٣﴾ يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ
اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے جس دن ان پر گواہی دیں گی ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں

بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٤﴾ يَوْمَىِٕذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ
جو کچھ کرتے تھے اس دن اللہ انہیں ان کی سچی سزا پوری دے گا اور جان لیں گے کہ

اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿٢٥﴾ اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ
اللہ ہی صریح حق ہے گندیاں گندوں کے لیے اور گندے گندیوں کے لیے

وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰۗىِٕكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ۭ
اور ستھریاں ستھروں کے لیے اور ستھرے ستھریوں کے لیے وہ پاک ہیں ان باتوں سے جو یہ کہہ

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿٢٦﴾ ۧ
رہے ہیں ان کے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہے

ع ٣ ۹

marfat.ocm

ف : اہلِ اسلام کی امداد اور ان کا تعاون اور ان کے لیے خیر و بھلائی کا ارادہ کرنا دین کے ارکان سے ہے جو مسلمانوں کو فتنہ میں ڈالنے اور رسوا کرنے کے درپے ہو وہ خناس کی طرح تمام مخلوق سے شریر ترین انسان ہے۔

ف : آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ توبہ کرنے سے عذابِ الٰہی ٹل جاتا ہے۔ نیز ثابت ہوا کہ آخرت کا عذاب اس شخص کو ہوگا جو گناہوں پر اصرار کرے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا : عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دینے والے کو قیامت میں اللہ تعالیٰ عام مخلوق میں سزا دے گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ میرے لیے مہاجرین میں چند برگزیدہ افراد کو منتخب فرمائے گا جن کے ساتھ میں تیرے متعلق مشورہ کروں گا۔

جب بی بی صاحبہ نے حضور علیہ السلام سے یہ حدیث سنی تو رو پڑیں اور کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو برحق نبی بنا کر بھیجا' میں آپ کی راحت اور آپ کے سرور کو اپنی خوشی سے مقدم سمجھتی ہوں۔ یہ سن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام متبسم ہوئے اور فرمایا تو صدیق کی صاحبزادی ہے (اسی وجہ سے جواب وہ دیا جو لاجواب ہے)

ف : اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بڑا رحیم و کریم ہے ان پر بہت زیادہ لطف و کرم فرماتا ہے اور انہیں مذموم اوصاف سے پاک و صاف فرماتا ہے اگرچہ وہ دنیا و آخرت کے عذاب کے بھی مستحق ہوں کیونکہ اس نے مخلوق کو رحمت کرنے کے لیے پیدا فرمایا' اسے عذاب کرنے کے لیے نہیں بنایا۔ اگر ان پر کوئی عذاب نازل فرماتا ہے تو وہ ان کے اعمال کی شامت اور برے اختیار کی وجہ سے ہوتا ہے۔

دعا ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ان اوصافِ ذمیمہ سے بچائے جو دردناک عذاب کے موجب ہیں اور ہمیں ان اخلاقِ حمیدہ سے مشرف فرمائے جو دارِ نعیم میں تنعمات اور درجاتِ علیا کا باعث ہیں۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ۔ خطوات، خطوۃ بضم الخاء بمعنے وہ فاصلہ جو دو قدموں کے درمیان ہے۔ یعنی چلنے والے کے دو قدموں کے درمیان کا فاصلہ (بالفتح بمعنے چلنے کی ایک نوبت۔ اور یہاں پر اتباع الخطوات سے اقتداء مراد ہے۔ اگرچہ یہاں چلنے کا معنیٰ ہی نہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے :

اتبع خطوات فلان ومشی علی عقبہ۔ (اس نے فلاں کی اتباع کی اور اس کے قدم بہ قدم چلا۔)

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کے طریقے کو اپنانے۔ یہاں پر شیطان کی سیرت و طریقہ مراد ہے۔ اب معنیٰ یوں ہوا کہ اے مومنو! شیطان کے اس طریقہ کو نہ اپناؤ جس کی طرف وہ تمہیں بلاتا اور اس کا تمہارے دلوں میں

وسوسہ ڈالتا اور اسے تمہاری آنکھوں میں مزین کر دکھاتا ہے منجملہ اس کے فاحشہ کی اشاعۃ و محبۃ ہے۔ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ اور جو بھی شیطان کی اتباع کر کے فاحش و منکر کا ارتکاب کرتا ہے فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ط یہ جزاء کی علت اور اسی کے قائم مقام ہے فاحشہ و فحشاء وہ برائی جو عقلاً و عرفاً عظیم تر سمجھی جائے قولاً ہو یا فعلاً، اور المنکر وہ برائی جو شرعاً قبیح ہو۔

ف : ابو اللیث رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ امر جسے شرع و سنت قبیح کہے۔ المفردات میں ہے جس کے قبح کا عقول صحیحہ حکم دین یا اس کے قبح پر عقول صحیح کو توقف ہو۔ نیز جسے شریعت میں قبیح سمجھا جائے اسے منکر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ استعارۃً ہر وہ امر جسے شیطان مزین کر کے دکھائے اور بنو آدم کی تحقیر کے پیش نظر انہیں شر پر برانگیختہ کرے اسے منکر سے تعبیر کیا جائے گا۔ یعنی شیطان انہیں فحشاء و منکر کا حکم دیتا ہے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی۔ یعنی مذکورہ بیانات نہ ہوتے اور توفیق نصیب نہ ہوتی جو کہ گناہوں کو مٹانے والی ہے اور حدود شرع نہ مقرر ہوتے جو گناہوں کا کفارہ ہیں مَا زَكٰى تو گناہوں کی میل اور گرد سے پاک وصاف نہ ہو مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ تم میں سے کوئی ایک۔ پہلا مِن بیانیہ اور دوسرا زائدہ۔ محلاً مرفوع علی الفاعلیۃ ہے اَبَدًا ہمیشہ تک یعنی آخر الدہر یعنی غیر منتہی زمانہ تک وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ لیکن اللہ تعالیٰ پاک اور ستھرا کرتا ہے مَنْ يَّشَآءُ ط اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے کہ اس پر فضل و رحمت کی بارش برساتا اور اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔ جیسے اے مومنو! تمہارے ساتھ کیا۔

ف : اس میں قدریہ کا رد ہے وہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے طاعات و عبادات سے ہی نفوس کا تزکیہ و تطہیر کرتا ہے جسے توفیق کو کوئی دخل نہیں۔

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ اللہ خوب سنتا ہے منجملہ ان کے یہ اقوال بھی ہیں جو انہوں نے حدیث افک میں تراشے اور ان کے بعض نے اظہارِ توبہ بھی کیا عَلِيْمٌ ○ جملہ معلومات کو بھی خوب جانتا ہے منجملہ ان کے ان کے یہ بیانات بھی ہیں جو انہوں نے واقعہ افک میں دل میں چھپائیں اس میں بندوں میں توبہ میں اخلاص پیدا کرنے پر انگیختہ کیا گیا ہے ؎

گر نباشد خالص چہ حاصل از عمل

ترجمہ ، اگر نیت خالص نہ ہو تو اس عمل کا کیا فائدہ !

تفسیر صوفیانہ

ان آیات سے چند امور ثابت ہوئے۔

(۱) شیطان کے طریقے ان گنت ہیں یہ وہی ہیں جن پر فحشاء و منکر کا اطلاق ہو سکتا ہے منجملہ ان کے قذف، شتم، کذب اور لوگوں کے عیوب کی تفتیش۔

حدیث شریف ۱ : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

marfat.ocm

بندے کی ہر بات اس کے لیے مضر ہے سوائے امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور ذکرِ الٰہی کے۔

حدیث شریف ۲ : مبارکباد کا مستحق ہے ہر وہ شخص جو اپنے عیوب پر نظر رکھنے میں اتنا مشغول ہے کہ اسے دوسروں کے عیوب پر نظر کرنے کا موقعہ ہی نہیں ملتا۔

ف : نیز وہ بھی مبارکباد کا مستحق ہے جو حلال کی کمائی سے راہِ حق میں خرچ کرتا ہے اور فقہاء کی مجلس میں بیٹھتا ہے اور حکماء کے پاس آمد و رفت رکھتا ہے اور اہلِ معصیت و جہلاء سے کنارہ کش رہتا ہے۔

ف : بعض مشایخ نے فرمایا کہ خطوات الشیطان سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی منت ماننا۔ (کذا فی تفسیر ابی اللیث) طاعتِ الٰہی کی منت ماننا کارِ ثواب ہے۔ مثلاً نماز، روزہ وغیرہا، اس لیے کہ یہ امور فحشاء و منکر سے روکتے ہیں۔

(۲) نفوس کا تزکیہ اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے وہ اپنے بندوں میں جس کے لیے استاد کامل یعنی مرشد کا ہونا ضروری ہے تاکہ وہ اسے راہِ حق پہ لگائے۔ ہم ان امور میں سب سے بڑا وسیلہ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتے ہیں۔ ان کے بعد ان حضرات کو جو ہمیں راہِ حق پہ لگائیں۔

ابوالحسن خرقانی شیخ الاسلام حضرت عبداللہ انصاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ علمِ حدیث و علمِ شریعت کے میرے مشایخ بہت ہیں لیکن طریقت کے میرے مشایخ صرف ابوالحسن خرقانی قدس سرہٗ ہیں۔ اگر مجھے ان کی زیارت نصیب نہ ہوتی تو میں حقیقت سے ناآشنا رہتا۔

ف : اہلِ ارشاد ہی طریقۂ دین کے رہبر اور ابوابِ یقین کی کنجیاں ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ انسان کامل کا وجود غنیمت ہے ان کی صحبت نعمتِ عظمیٰ ہے ؎

زمن اے دوست ایں یک پند بپذیر
برو فتراک صاحب دولتے گیر
کہ قطرہ تا صدف را در نیابد
نگردد گوہر روشن نتابد

ترجمہ : مجھ سے اے دوست یہ ایک نصیحت قبول فرما، وہ یہ کہ صاحبِ دولت کا دامن تھام اس لیے کہ پانی کا قطرہ جب تک صدف کے منہ میں نہیں جاتا اس وقت تک روشن موتی نہیں بن سکتا۔

تصفیۂ قلب کی نشانی حقیقی تزکیہ کی نشانی یہ ہے کہ پہلے دل کو گناہوں اور غلطیوں سے نفرت ہوتی ہے پھر اغیار سے بالکل متنفر ہو جاتا ہے۔

مَنْ یَّشَآءُ میں اشارہ ہے کہ ہر انسان تزکیہ کا اہل نہیں جیسے منافقین اور وہ لوگ جن کے قلوب رعونت و سرکشی کے زنگ میں ہیں۔ نیز اس میں اشارہ ہے کہ جو بھی اہلِ ایمان میں سے حدیثِ افک میں غلطی کا شکار ہوا

marfat.ocm

اس کی مغفرت و معافی ہوگئی۔ جیسے حضرت مسطح رضی اللہ عنہ، جیساکہ آنے والی آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں معظم الشان تھے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کو جھانک کر دیکھا۔ یعنی انھیں نظرِ رحمت و مغفرت سے نوازا اور ان کے حق میں فرمایا:

اے بدریو! جو چاہو کرتے جاؤ، میں نے تمھیں بخش دیا ہے۔

ازالۂ وہم اس حدیث شریف کی مراد یہ ہے کہ اس کریم نے اہلِ بدر کے ساتھ اظہارِ عنایت و شفقت اور ان کے مراتب و درجات کی بلندی کا اظہار فرمایا ہے۔ اس سے یہ مطلب لینا گمراہی ہے کہ (معاذ اللہ) انھیں اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی برائی کے ارتکاب کی رخصت عام فرما دی۔ یہ وہ طرزِ ادا ہے کہ محبوب کو کہا جاتا ہے:

اصنع ماشئت۔

(جو تیرا جی چاہے کرتا جا)

ف: المقاصد الحسنہ میں ہے کہ بعض اہلِ عرب کہتے ہیں:

کانك من اهل البدر۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی قول و فعل سے چشم پوشی کی جائے۔ ہر گناہ کی توبہ کی قبولیت کا اسی سے سوال ہے۔

تفسیرِ عالمانہ وَلَا يَأْتَلِ۔ الأتلا بمعنے القسم یعنی قسم کھانا (کذا فی تاج المصادر) الالیۃ سے ہے بمعنے الیمین۔ ولا یاتل بمعنے ولا یحلف یعنی قسم نہ کھانے۔

شانِ نزول یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی جب انہوں نے قسم کھائی کہ اپنے خالہ زاد مسطح کو خرچہ وغیرہ نہیں دیں گے کیونکہ وہ فقیر مسکین بدری مہاجر تھے۔ قسم اس لیے کھائی کہ اُنہوں نے بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان تراشی میں حصہ لیا تھا۔

أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ دین کی فضیلت والے۔ اور الفضل بمعنے زیادتی۔ وَالسَّعَةِ اور مال کی وسعت والے۔ أَن يُؤْتُوا یہ کہ نہیں دیں گے اور احسان و مروّت نہیں کریں گے۔ یہاں پر حرف علیٰ محذوف ہے اور یہ عام ہے۔ یعنی اکثر طور بعض مقامات پہ حرفِ جر حذف کر دیا جاتا ہے أُولِي الْقُرْبَىٰ رشتہ داروں پر وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ مسکینوں اور مہاجر فی سبیل اللہ پر۔ یہ ایک ہی موصوف کے صفات ہیں اور موصوف لفظ ناس ہے۔ یعنی وہ لوگ جن کے صفات مذکورہ جامع ہوں اس لیے کہ ایسے لوگوں کے بارے میں گفتگو ہو رہی ہے اور حضرت مسطح رضی اللہ عنہ انہی صفات سے موصوف تھے کیونکہ مسطح رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر

marfat.ocm

رضی اللہ عنہ کے قریبی رشتہ دار اور مسکین و مہاجر تھے۔

نکتہ: صفات کو حرفِ علت کے ساتھ لانے میں اشارہ ہے کہ ان کی ہر صفت مستقل طور پر استحقاق انفاق کی علت تھی وَلْیَعْفُوْا چاہیے کہ ان کی غلطیوں سے درگزر فرمائیں وَلْیَصْفَحُوْا اور ان کی ملامت سے اعراض فرمائیں۔

ف: امام راغب نے لکھا کہ الصفح بمعنے ترک ملامت۔ اور یہ عفو سے بلیغ تر ہے۔ اس لیے کہ بارہا کا تجربہ ہے کہ انسان کسی کو معاف تو کر دیتا ہے لیکن اسے اس کی غلطی پر ملامت کرتا رہتا ہے اَلَا تُحِبُّوْنَ کیا تمہیں پسند کہ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ کہ تمہیں اللہ بخش دے یعنی تمہارے عفو اور ترکِ ملامت اور برائی کے بدلہ میں احسان کے عوض تمہیں اللہ تعالیٰ اپنی مغفرت عطا فرمائے وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ باوجودیکہ اللہ تعالیٰ بندوں کے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے مواخذہ کی کامل قدرت ہے لیکن پھر بھی وہ بہت بڑی رحمت و مغفرت کا مالک ہے۔

ف: اس میں ترغیب ہے کہ بندے کو چاہیے کہ عفو و درگزر کرنے کی عادت اپنائے اس کے عوض اللہ تعالیٰ نے بھی عفو اور مغفرت و رحمت کا وعدہ کریمہ فرمایا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو فرماتا ہے کہ کیا تم میری مغفرت کے خواہاں نہیں ہو۔ اگر واقعی میری مغفرت اور عفو و رحمت کے خواہاں ہو تو اس کا موجب یہی ہے کہ تم اس کے بندوں کو معافی دو اور ان کی غلطیوں اور خطاؤں سے درگزر کرو۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایثار

مروی ہے کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آیۃ ہٰذا سنائی تو عرض کی: میں چاہتا ہوں کہ میرا رب تعالیٰ میری مغفرت فرمائے۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کو حسبِ دستور خرچہ دے دیا اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دیا اور فرمایا کہ تادمِ زیست ان سے خرچ بند نہ کروں گا۔

ف: معجم طبرانی کبیر میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد حضرت مسطح کو پہلے سے دُگنا خرچہ دینا فرما دیا۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ جو شخص کسی امر کے کرنے نہ کرنے کی قسم کھائے لیکن پھر محسوس ہو کہ یہ قسم نہ کھانی تھی تو اس پر لازم ہے کہ حانث ہو کر قسم کا کفارہ ادا کرے۔ اس میں اسے تین ثواب نصیب ہوں گے:

۱۔ امرِ الٰہی کی فرمانبرداری
۲۔ احسان و مروّت کا اجر، وہ اس لیے کہ اس نے صلہ رحمی کی۔
۳۔ کفارہ دینے کا اجر و ثواب۔

فضیلتِ صدیق رضی اللہ عنہ

آیت سے چند فوائد مرتب ہوئے:

علمائے کرام نے اس آیت سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

marfat.ocm

فضیلت و شرافت پر استدلال کیا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ایک عیب سے معیوب ہونے سے روکا ہے اور انھیں اولوا الفضل کے نام سے موسوم فرمایا نیز صیغہ جمع کے ساتھ یاد کرنے سے بھی ان کی فضیلت کا ثبوت ملتا ہے کیونکہ صیغہ جمع تعظیم و تکریم کے لیے بولا جاتا ہے۔ چنانچہ قوم کے سردار اور اعلیٰ شخصیت کے لیے کہا جاتاہے لا یفعلوا کیت کیت۔

شیعہ کا رد

منکرین نے کہا کہ یہاں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کے مال و دولت کی وجہ سے اولوا الفضل کہا گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ مال کی وجہ سے انھیں اولوا الفضل کہنا تسلیم کیا جائے تو تکرار لازم آتا ہے اس لیے کہ آیت میں لفظ السعة واقع ہے اور قرآن مجید میں تکرار ناموزوں ہے۔ نتیجہ نکلا کہ آیت میں صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کی تصریح ہے کہ واقعی بعد الانبیاء افضل الخلق ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

علی و صدیق کی آپس میں محبت و عقیدت کا بیان

انسان العیون میں ہے کہ اللہ تعالے نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس لیے اولوا الفضل فرمایا کہ اس کے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے آپ کو اولوا الفضل سے یاد فرمایا۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مقام پہ رونق افروز تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لانے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں جانب بیٹھے تھے جونہی حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جگہ چھوڑ دی اور اپنی جگہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بٹھایا۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیفیت دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا:

لا یعرف الفضل لاھل الفضل الا اولوا الفضل۔

(صاحبِ فضیلت کی فضیلت کو فضیلت والا ہی جانتا ہے)

حکیم سنائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ؎

١ بود چنداں کرامت و فضلش
کہ اولوا الفضل خواند ذو الفضلش

٢ صورت و سیرتش ہمہ جان بود
زاں ز چشم عوان پنہان بود

٣ روز و شب سال و ماہ در ہمہ کار
ثانی اثنین اذھما فی الغار

marfat.ocm

ترجمہ: ۱۔ اس کی کتنی فضیلت و بزرگی ہو گی جسے اہلِ فضیلت ذُوفضل سے یاد فرمائیں۔

۲۔ اس کی صورت و سیرت محبوب ہے وہ عوام کی آنکھ سے پوشیدہ ہے۔

۳۔ روز و شب اور مہ و سال اس کے ثانی اثنین اور رفیقِ غار ہیں۔

(۴) برے کو برائی کے بدلے بجائے احسان و مروت سے نوازا جائے۔

حدیث شریف

مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس میں تشریف فرما تھے کہ اچانک ہنس پڑے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ کے ہنسنے کا سبب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:

"میری اُمت کے دو شخص اللہ تعالیٰ کے حضور میں گھٹنوں کے بل حاضر ہوئے، ایک نے عرض کی کہ یا اللہ! اس سے میرے حقوق ادا کرائیے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھی سے فرمایا: اس کے حقوق ادا کیجئے۔ اس نے عرض کی: یا اللہ! میرے پاس تو ایک نیکی بھی نہیں رہی۔ اس دوسرے نے عرض کی: یا اللہ! میرے گناہ اس پر رکھ دیجئے۔"

اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا:

"وہ بہت بڑا دن ہے اس وقت لوگ آرزو کریں گے کاش! ان کے گناہ سر سے اٹھانے والا کوئی ہو!"

اس کے بعد حضور علیہ السلام نے ان دونوں کا قصہ بیان کرتے ہوئے کہا:

"اللہ تعالیٰ حقوق طلب کرنے والے سے فرمائے گا آنکھ اٹھا کر بہشت میں دیکھیے۔ عرض کرے گا یا اللہ! بہشت میں سونے کے شہر دیکھتا ہوں جس کے محلات سونے سے اور ان پر موتیوں کا جڑاؤ ہے، فرمائیے یہ کسی نبی علیہ السلام یا کسی صدیق یا شہید کے لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، یہ اس کے لیے ہیں جو ان کی قیمت ادا کرے گا۔ عرض کرے گا یا اللہ! اس کی قیمت کون ادا کر سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اس کی قیمت تیرے پاس ہے اگر تو ادا کرے تو یہ تمام محلات تجھے دے دیے جائیں گے۔ عرض کرے گا یا اللہ! وہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا وہ ہے تیرا اپنے بھائی کو معاف کرنا۔ عرض کرے گا: میں نے اسے معاف کر دیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو پھر دیر کیا ہے، لے جا اپنے بھائی کو، اور دونوں بہشت میں داخل ہو جاؤ۔"

من کان یرجو عفو من فوقہ
فلیعف عن ذنب الذی دونہ

ترجمہ: جو اپنے سے بڑے سے معافی کا خواستگار ہے اسے اپنے سے چھوٹے کو معاف کرنا چاہیے۔

marfat.ocm

ع درعفو لذتیست کہ در انتقام نیست

(معافی میں جو لذت ہے وہ انتقام میں نہیں)

۲۔ مشایخ واولیاء واکابر علماء کو نصیحت ہے کہ وُہ اپنے متعلقین کی خطاؤں اور لغزشوں سے چشم پوشی سے کام لیں بلکہ تخلقوا باخلاق اللہ پر عمل کرتے ہوئے ان کی غلطیاں معاف کر دیں اور انھیں یہ بھی سمجھایا ہے کہ ان سے احکامِ طریقت کی تعلیم نہ روکیں اس لیے کہ ہر حال میں اللہ معین و مددگار ہے۔ اور سیئات اعمال کی معافی اسی کے ہاتھ میں ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ، الرمی کا معنٰی سورۃ کے اوائل میں گزرا ہے، بے شک وُہ لوگ جو تہمت لگاتے ہیں الْمُحْصَنٰتِ پاکدامن عورتوں پر کہ جنھیں زنا اور فاحشہ جیسے قبیح افعال سے متہم کیا گیا الْغٰفِلٰتِ جو بے خبر ہیں یعنی ایسے قبائح و فواحش کا ان کو وہم وگمان تک نہیں ہوتا اور نہ ان کے متعلقات یعنی بوس وکنار وغیرہ کو جانتی ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ یہ محصنات سے زیادہ پاکیزہ ہوتی ہیں۔

ف : التعریفات میں ہے کہ غفلت عن الشئ سے مراد ہے کہ اس کا وہم وگمان تک نہ ہو۔

الْمُؤْمِنٰتِ وہ جو ایمان سے موصوف ہیں۔ یعنی ہر وُہ جملہ امور واجبات ہوں یا محظورات، ان سب کو وہ دل سے مانتی اور زبان سے اقرار کرتی ہیں ایسی عورتیں جن کا ایمان حقیقی تفصیلی ہے اسی لیے اسے دوسری صفات سے مؤخر کرکے لایا گیا ہے۔ اس سے بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا مراد ہیں۔ اور صیغۂ جمع اس لیے ہے کہ ان پر بہتان تراشی گویا جملہ امہات المؤمنین کو متہم کرنا ہے کیونکہ عصمت ونزاہت سب کی سب مشترک اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونے میں برابر ہیں۔ اس کی نظیر کذبت قوم نوح المرسلین میں ہے کہ اُنھوں نے نوح علیہ السلام کو جھٹلا کر گویا تمام انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی لُعِنُوْا بسبب اس کے کہ اُنھوں نے بی بی صاحبان کے حق میں کہنے اور ان کی حرمت کی ہتک کی وجہ سے ملعون ہوئے فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ دنیا وآخرت میں اس لیے کہ اہلِ ایمان میں رحمت سے دور ہُوئے یعنی عالمِ دنیا میں مردود وملعون ہیں اور آخرت میں مبغوض ومطرود ہیں۔ لعنت بمعنے کسی کو بطریق غیظ وغضب ہٹانا اور دُور کرنا۔ اللہ تعالٰی کی طرف سے لعنت کا معنٰی یہ ہے کہ وُہ اپنے بندے کو آخرت میں عذاب میں مبتلا کرے اور دنیا میں اسے اپنے فیض کے قبول کرنے اور توفیق سے محروم فرما دے۔ اور بندے سے کسی دوسرے کو لعنت بمعنے بد دعا کرنا وَلَهُمْ ان کے لئے مذکورہ لعنت ہے عَذَابٌ عَظِیْمٌ بہت بڑا عذاب، اس لیے کہ ان کا جُرم عظیم ہے تو انہیں عذاب بھی بڑا ہوگا۔

ف : مقاتل نے فرمایا کہ یہ صرف عبد اللہ بن ابی کے لیے ہوگا۔ اسی طرح حضرت شیخ نجم الدین قدس سرہٗ نے اپنی

marfat.ocm

تاویلات میں اشارہ فرمایا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ جَاءُوْ بِالْاِفْكِ الخ میں سے مستثنیٰ ہیں اسی لیے ہم اس حکم میں حضرت مسطح وغیرہ رضی اللہ عنہم داخل ہیں اہلِ بدر نہیں جیسا کہ ان کی مغفرت کی طرف اشارہ پہلے گزر چکا ہے۔

ف : بعض مشایخ نے فرمایا کہ صحیح یہ ہے کہ یہ حکم ہر بہتان تراشی کو عام ہے بشرطیکہ وہ خلوصِ قلب سے توبہ کرے۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات اعمال تباہ کن ہیں ان سے بچو، وہ سات اعمال یہ ہیں :

۱۔ شرک باللہ
۲۔ سحر
۳۔ اس نفس کو قتل کرنا جس کا قتل کرنا حرام ہے۔
۴۔ سُود کھانا
۵۔ یتامیٰ کا مال کھانا
۶۔ جنگ میں پیٹھ دے کر بھاگنا
۷۔ مومنات غافلات پر زنا وغیرہ کی تہمت لگانا۔

مسئلہ : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات پر بہتان تراشا اس کی توبہ ناقابلِ قبول ہے، ان کے سوا عام مومن عورت پر بہتان باندھنے پر توبہ قبول ہونے کی اُمید ہے۔ اس کی دلیل آپ نے والذین یرمون المحصنٰت الیٰ ان قال الا الذین تابوا واصلحوا آیت میں پڑھی۔

یَوْمَ یہ مذکورہ جار مجرور کے متعلق استقرار کی ظرف ہے تَشْهَدُ الشھادۃ بمعنے[1] وہ قول جو علم سے صادر ہو اور وہ علم جو بصر و بصیرۃ کے مشاہدہ سے حاصل ہو۔ عَلَيْهِمْ اسے فاعل پر اسی لیے مقدم کیا گیا ہے اَلْسِنَتُهُمْ یعنی اسی وقت ان کی زبانیں ان پر بلا اختیار گواہی دیں گی۔ یہ اس وقت سے پہلے کی بات ہے جب ان کی زبانوں پر مُہر لگائی جائے گی اسی لیے اس کے اور آیت الیوم نختم علی افواھھم کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہے وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے کردار کی گواہی دیں گے يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ توفیۃ بمعنے شے کو پُورا فرج کرنا۔

---

[1] اسی لیے ہم شاھداً و شہیداً بمعنے حاضر و ناظر کہتے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

ف : الوافی وہ شے جو اپنی تکمیل کو پہنچے۔ اور دین بمعنے جزاء اور الحق منصوب ہے۔ یہ دین کی صفت ہے۔ اب معنٰی یہ ہُوا کہ جبکہ ان کے اعمالِ قبیحہ کی گواہی دیں گے جس پر انھیں اللہ تعالیٰ مکمل طور پر جزاو سزا دے گا جبکہ وہ اسی سزا کے مستحق ہوں گے۔

وَيَعْلَمُوْنَ جب ہولناک امور دیکھیں گے تو یقین کریں گے کہ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ۝ بے شک اللہ تعالیٰ حق ہے اور اس کی حقانیت ظاہر ہے یعنی انہیں معلوم ہوگا کہ دُنیا میں جس سزا کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا وہ حق ہے۔ بعض نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ وہ فرمان جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا، حق ہے۔

ف : آیت سے چند امور ثابت ہوئے :

(۱) جو لعنت کا مستحق ہو اس پر لعنت کرنا جائز ہے۔

قاعدہ : امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا :

لعنت کے موجب تین امور ہیں :

۱۔ کفر

۲۔ بدعت (سیئہ در بارہ عقاید)

۳۔ فسق

ان ہر ایک کے تین مراتب ہیں :

۱۔ لعنت بالوصف الاعم جیسے لعنۃ اللہ علی الکافرین۔ ایسے ہی کہنا مبتدعہ اور فسقہ پر لعنت وغیرہ۔

۲۔ لعنت بالوصف الاخص۔ مثلاً کہا جائے یہود و نصارٰی اور قدریہ و خوارج و روافض اور زانیوں و ظالموں اور سُود خواروں پر لعنت ہو اور ایسے لوگوں پر مجموعی طور پر لعنت ہے۔

مسئلہ : اہلِ بدعت کے بعض افراد پر لعنت کرنا خطرہ ہے اس لیے کہ بدعت کو سمجھنا مشکل امر ہے جس امر کے لیے لعنت کی احادیث میں تصریح نہیں اس سے عوام کو لعنت سے روکا جائے کیونکہ بوجہ عدم صراحۃ کے عوام کے خیالات میں تصادم ہوگا۔ پھر اس تصادم سے آپس میں دنگا و فساد ہوگا (چنانچہ دورِ حاضرہ میں وہابیہ دیوبندیہ نجدیہ نے عوام سے بدعت کے معاملہ میں دنگا فساد برپا کیا ہوا ہے)

۳۔ شخص معین پر لعنت کرنا، لیکن اسے دیکھنا ہوگا کہ واقعی اس میں شرعی کفر ثابت ہے تو پھر اس پر لعنت کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس شخص معین پر لعنت کرنے سے کسی مسلمان کے دل کو اذیت نہ پہنچے، جیسے نمرود، فرعون، ابوجہل ملعون کہنا جائز ہے اس لیے کہ ان پر لعنت کرنے سے کسی کا دل نہیں دُکھتا اور شرعاً ثابت ہے کہ یہ لوگ کفر پہ مرے ہیں۔

marfat.ocm

مسئلہ: اگر کسی کے خاتمہ کا علم نہ ہو کہ وہ کفر پر مرا ہے یا نہیں، تو اس پر لعنت کرنا نا جائز ہے۔ جیسے کہا جائے کہ زید پر لعنت ہو اور وہ یہودی یا نصرانی ہو، تو ایسے لوگوں پر لعنت کرنا خطرے سے خالی نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ وہ بعد ازاں مسلمان ہو گیا ہو یا توبہ کر کے مرا ہو یا وہ اللہ کے نزدیک اسلام قبول کر چکا ہو۔ اس لیے اسے قطعی طور پر ملعون نہ کہنا چاہیے۔

(۲) قیامت میں اعضا گواہی دیں گے وہ اس لیے کہ انہیں اللہ تعالیٰ بولنے کی طاقت بخشے گا۔

ف: جیسے مجرمین کے اعضا ان کے جرائم و معاصی پر گواہی دیں گے ایسے ہی مطیعین کی اطاعت پر بھی ان کے اعضا نیکی کی گواہی دیں گے۔ مثلاً زبان نیک آدمی کے اقرار کی توحید و قراۃ قرآن کی اور ہاتھ قرآن مجید پکڑنے کی اور پاؤں مسجد کی طرف چلنے کی اور آنکھ رونے کی اور کان کلام الٰہی سننے کی گواہی دیں گے۔

فائدہ صوفیانہ: قیامت کی گواہی تو ہوتی رہے گی لیکن دنیا میں عشاقِ حق کے اعضا ان کے عشقِ الٰہی کی گواہی دیں گے۔ مثلاً:

۱۔ چہرے کا رنگ زرد ہونا
۲۔ جسم کا رنگ متغیر ہونا
۳۔ جسم کا ضعیف و نحیف ہونا
۴۔ آنکھوں سے آنسو کا بہنا
۵۔ دل کی دھڑکن وغیرہ۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

با ضعف و ناتوانی ہمچوں نسیم خوش باش
بیماری اندریں رہ بہتر ز تن درستی

ترجمہ: بادِ نسیم کی طرح اپنے ضعف و ناتوانی پر خوش ہو اس لیے کہ عشق میں تندرستی سے بیماری بہتر ہے۔

(۳) سزا اعمال کی مقدار پر ہو گی۔ مثلاً فساق کو دوزخ کے علاوہ ہجر و فراق میں مبتلا کیا جائے گا اور صالحین کو درجاتِ بلند اور عارفین وصال اور قربتِ الٰہی اور رؤیتِ رحمٰن نصیب ہوں گے۔

اَلْخَبِيثٰتُ وہ عورتیں جو زنا کار ہیں **لِلْخَبِيثِينَ** خبیث مردوں کے لیے جو کہ وہ بھی زانی ہوں گے۔ جیسے عبداللہ بن ابی بن سلول منافق زانی تھا تو اسے عورت بھی زانی ملی یعنی خبیث عورتیں خبیث مردوں کو نصیب ہوں گی، اس لیے کہ ایسی عورتیں دوسروں کے لائق نہیں ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ مقرر فرمایا ہے جو ہر ایک مرد و

marfat.ocm

عورت کو اس طرح کا رشتہ مقرر فرمائے جس طرح کے وہ ہیں۔ اس معنے پر یہ لام اختصاص کی ہوگی۔

وَالْخَبِيْثُوْنَ اور ناپاک مرد لِلْخَبِيْثٰتِ ناپاک عورتوں کے لیے، اس لیے کہ جنسیت کا تقاضا یُونہی ہے، وَالطَّيِّبٰتُ اور پاک دامن عورتیں لِلطَّيِّبِيْنَ پاک دامن مردوں کے لیے وَالطَّيِّبُوْنَ اور پاک مرد لِلطَّيِّبٰتِ پاک عورتوں کے لیے۔ ایسے مردوں کو ایسی عورتیں نصیب ہوں گی جس کا نتیجہ نکلا کہ چُونکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اطیب الطیبین و اولین و آخرین سے اولیٰ و اعلیٰ تھے۔ اسی لیے صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اطیب الطیبات ہونا ضروری ہے۔ اس کلیہ سے واضح ہُوا کہ منافقین جو بکواسات و خرافات کہتے تھے سراسر باطل اور غلط تھے۔

کما قال تعالیٰ : اُولٰٓئِكَ وہ حضرات جو بلند شان کی صفت سے موصوف ہیں ان سے اہلِ بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی ازواجِ مطہرات و آلِ اطہار) مراد ہیں۔

سوال : الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ یہ آیات بی بی عائشہ صدیقہ و حضرت صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حق میں نازل ہُوئیں لیکن اسم اشارہ جمع کے لفظ کے ساتھ کیوں ؟

جواب : چونکہ یہ عیب و نقص اور زنا کی تہمت اگرچہ بظاہر ان دونوں حضرات پر تھی لیکن حقیقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن و تشنیع تھی اس لیے کہ آپ کے حرم محترم پر غلط تہمت لگائی گئی اور ایسے ہی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مطعون کیا گیا کیونکہ آپ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے والدِ گرامی تھے۔ ایسے ہی جملہ اہلِ اسلام پر طعن و تشنیع کی گئی ہے کیونکہ بی بی صاحبہ جملہ اہلِ اسلام کی ماں تھیں۔ اسی بنا پر صیغہ جمع کے ساتھ بیان فرمایا۔

مُبَرَّءُوْنَ بیزار یعنی منزہ و مقدس ہیں مِمَّا يَقُوْلُوْنَ اس سے جو اہلِ افک کہتے ہیں جو لوگ قیامت تک ہر زمانہ میں ان حضرات سے غلط باتیں منسوب کریں گے تو یقین جانئے کہ یہ حضرات ان کے جھوٹے اقوال کی نسبت سے پاک اور منزہ و مبرا ہیں لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ ان کے لیے بہت بڑی مغفرت ہے۔ اس لیے کوئی بشر کسی غلطی سے خالی نہیں۔ (الا من شاء اللہ)

وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ اور بہشت میں ان کے لیے بہت بڑا رزق ہے۔ بعض نے کہا کریم بمعنے حسن ہے۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ ریح بسیار و پایدار یعنی بہشت کی نعمتیں۔

قاعدہ : المفردات میں ہے کہ ہر وہ شے جو اپنی شان میں شرافت والی ہو اسے کرم کی صفت سے موصوف کیا جاتا ہے۔ بعض نے فرمایا : رزقِ کریم وہ ہے جو بقدر کفایت حاصل ہو جس میں کسی قسم کی منت و احسان نہ ہو۔ اس کی دنیا میں کوئی حد نہیں اور آخرت میں اسی کے متعلق سوال نہ ہو۔

marfat.ocm

ف : فقیر (صاحبِ روح البیان) کہتا ہے کہ آیات کا سیاق بالخصوص جملہ ممّا یقولون بتاتا ہے کہ الخبیثات سے وہ خبیث مرد اور خبیث عورتیں اس لائق ہیں کہ ان کے منہ سے خبیث اقوال خارج ہوتے ہیں۔ ایسے ہی خبیث مرد اور خبیث عورتیں اس لائق ہیں کہ ان کے لیے خبیث باتیں کی جائیں یعنی بُرے لوگوں کو بُری شہرت نصیب ہوتی ہے۔ ایسے ہی وہ مرد اور عورتیں طیب (پاکیزہ) ہیں جن کی عالم دنیا میں نیک نامی مشہور ہوتی ہے۔ یہی وہ حضرات ہیں جو خبیث لوگوں کے خبیث اقوال سے پاک اور منزہ ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ان آیات میں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تنزیہ مراد ہے۔

ف : بعض علمأ نے فرمایا کہ خبیث قول خبیث مرد اور عورتیں بیان کرتی ہیں اور خبیث مرد اور عورتیں خبیث اقوال بولنے کے درپے رہتے ہیں۔ جیسے ابی بن سلول اور اس کے دوسرے ساتھی منافقین جنہوں نے بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان تراشا اور یہ قاعدہ ہے کہ برتن سے وہی خارج ہوتا ہے جو اس کے اندر ہوتا ہے۔ اور کلماتِ طیبہ ان لوگوں کے منہ سے نکلتے ہیں جو پاکیزہ ہیں اس لیے کہ وُہ صرف کلمہ طیبہ ہی بولتے ہیں اور وہ ان خبیث کلمات سے مبرا اور پاک ہیں، جو خبیث لوگ بولتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ آیات میں ایسے لوگوں کی تنزیہ بیان کی گئی ہے کیونکہ وُہ کہتے ہیں : سبحانك هٰذا بهتان عظيم۔

ایک شیعہ نے بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی گستاخی کی

حضرت حسن بن زیاد بن یزید رحمۃ اللہ علیہ طبرستان کے ایک بزرگ صوفیانہ لباس میں ملبوس رہتے تھے ان کا کام تھا کہ لوگوں کو امر بالمعروف فرمایا کرتے تھے اور ہر سال بغداد شریف میں بیس ہزار دینار بھیجتے تھے اور حکم فرماتے کہ یہ صرف صحابہ کرام کی اولاد پر تقسیم کیا جائے ان کے سامنے ایک شخص حاضر کیا گیا جو اپنے آپ کو شیعۂ علی کہلواتا تھا لیکن وہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالیاں دیتا تھا۔ حضرت حسن مذکور نے اپنے نوکر کو فرمایا کہ اس کی گردن اڑا دے۔ علوی لوگوں نے درخواست کی حضور! اسے معاف کر دیجئے یہ ہمارا ہم جماعت ہے آپ نے فرمایا : (معاذ اللہ) اس بدبخت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی ہے کیونکہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذمت درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مذمت ہے۔ قرآن مجید کا فیصلہ ہے کہ الطیبات للطیبین الخ۔ چونکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم طیب و طاہر تھے اس لیے آپ کی زوجہ کا بھی طیبہ و طاہرہ ہونا لازمی ہے۔ اس لیے اے میرے غلام! جلدی کیجئے اور اس بدبخت کی گردن تن سے جدا کر دو۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

ذرہ کاندر ہمہ ارض و سما ست
جنس خود را ہمچو کاہ و کہربا ست

ترجمہ: وہ ذرہ جو تمام زمین و آسمان میں ہے وہ اپنی ہم جنس کی طرح خس و خاشاک ہے۔

ناریاں مر ناریاں را جاذبند
نوریاں مر نوریاں را طالبند

ترجمہ: آگ سے پیدا ہونیوالی مخلوق ہمیشہ آگ والی مخلوق کو پسند کرتی ہے نیک لوگ ہمیشہ نیکوں کو پسند کرتے ہیں۔

۱۔ اہلِ باطل باطلاں را می کشند
اہلِ حق از اہلِ حق ہم سرخوشند

۲۔ طیبات آمد ز بہر طیبین
الخبیثات للخبیثین است ہین

ترجمہ: اہلِ باطل باطل کو کھینچتے ہیں، اہلِ حق اہلِ حق سے خوش ہیں۔

۲۔ طیبات طیبین کے لیے آیا ہے، الخبیثات خبیثین کے لیے ہے۔

ف: الراغب نے فرمایا جس سے طبیعت کراہت کرے وہ محسوس ہو یا معقول' یہ اعتقاد باطل اور جھوٹے اقوال اور گندے افعال کو شامل ہے الخبیثات للخبیثین یعنی اعمالِ ردّیہ اور گندے اختیارات ان لوگوں کے نام نامزد ہیں جو خبیث ہیں۔ اور طیب وہ ہے جس سے حواس کو لذت نصیب ہو۔ الطیبات للطیبین میں اشارہ ہے کہ پاکیزہ اعمال پاکیزہ انسانوں کو نصیب ہوتے ہیں۔

حدیث شریف: مومن اپنے اعمال سے طیب تر ہیں۔ اور کافر اپنے اعمال سے خبیث تر ہیں۔

تفسیر صُوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں دنیا اور اس کی شہوات کی خباثت کی طرف اشارہ ہے کہ یہ سب خبیث لوگوں کے لیے ہیں کیونکہ اس کے نفوس متمرد ہیں اور خبیث سے وہ اہلِ دُنیا مراد ہیں جو دنیا سے معلق ہیں۔ للخبیثات سے نفس کو لذت دینے والی اور اس کی خواہش اور پسند کی چیزیں مراد ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ایسے خبیثوں کے لیے وہی خبیث چیزیں ہیں نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ الخبیثات سے اخلاقِ مذمومہ اور اوصافِ ردئیہ مراد ہیں اور خبیثین سے وہ لوگ مراد ہیں جو ان اوصاف سے موصوف ہیں اور الطیبات سے اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ کریمہ اور الطیبین سے صالحین اور اربابِ قلوب مراد ہیں یعنی طیبات طیبین اور طیبین طیبات کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ولذلك خلقهم۔ اسی لیے انھیں پیدا فرمایا۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نیک عمل کرو اس لیے کہ انسان جس کے لیے

marfat.ocm

پیدا کیا گیا ہے اسے اس کے مطابق عمل کی توفیق میسر آتی ہے ۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت و دوزخ پیدا کر کے ان کے لیے ان میں رہنے والے بھی پیدا فرمائے ۔

دوسری تقریر حقائق البقلی میں ہے کہ خبیثات سے نفس کے ہواجس اور شیطان کے وہ وساوس مراد ہیں جو باطل اور ریاکار اور غلط کار لوگوں کے دلوں میں ڈالتے ہیں ۔ اور طیبات سے وہ الہام مراد ہیں جو ملائکہ کرام کے واسطے سے اصحابِ قلوب و ارواح کو نصیب ہوتے ہیں ۔ یعنی وہ اربابِ عقول جنہیں عارفین کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ۔

تیسری تقریر پریشانیاں اور اضطراب شک کرنے والوں اور معارف کے حقائق و دقائق اور کواشف کی شرح عارفین عارفین وعشاق کو نصیب ہوتے ہیں ۔ حضرت مسروق رضی اللہ عنہ جب بھی بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے کوئی روایت کرتے تو کہتے ،

حدثتنی الصدیقۃ بنت الصدیق حبیبۃ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) المبرأۃ من السماء ۔ یعنی صدیقہ بنت الصدیق رضی اللہ عنہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبہ جن کی برأت آسمان سے اُتری ، نے مجھ سے روایت کی ۔

وفاتِ عائشہ رضی اللہ عنہا مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے وقت آپ کے ہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور بی بی صاحبہ کو دیکھا کہ وہ بارگاہِ حق کی حاضری میں جانے سے گھبرا رہی ہیں ۔ آپ نے ان سے فرمایا ، آپ گھبراتی کیوں ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے مغفرت و رزقِ کریم کا وعدہ فرمایا ہے ۔ یہ سُن کر بی بی صاحبہ پر خوشی سے غنودگی طاری ہو گئی ۔

بی بی صاحبہ کے مناقب بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا تحدیثِ نعمت کے طور پر فرمایا کرتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ انعامات بخشے جو اور کسی بی بی کو نصیب نہیں ہوئے ،

۱ ۔ جبریل علیہ السلام میری تصویر لے کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔

۲ ۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھ نکاح فرمایا درانحالیکہ میں باکرہ تھی ۔ میرے سوا کسی اور باکرہ بی بی سے آپ نے نکاح نہیں کیا ۔

۳ ۔ جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو آپ کا سر مبارک میری گود میں تھا ۔

۴ ۔ آپ کا مزار مبارک میرے حجرے میں ہے ۔

(باقی صہ ۱۸۷ پر)

يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں نہ جاؤ

بُيُوتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلٰٓى اَهْلِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ

جب تک اجازت نہ لے لو اور ان کے ساکنوں پر سلام نہ کرلو یہ تمہارے لیے بہتر ہے کہ تم

تَذَكَّرُونَ ٢٧ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوا فِيهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَاِنْ

دھیان کرو پھر اگر ان میں کسی کو نہ پاؤ جب بھی بے مالکوں کی اجازت کے ان میں نہ جاؤ اور اگر تم

قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ٢٨ لَيْسَ عَلَيْكُمْ

سے کہا جائے واپس جاؤ تو واپس ہو یہ تمہارے لیے بہت ستھرا ہے اللہ تمہارے کاموں کو جانتا ہے اس میں تم پر کچھ

جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ

گناہ نہیں کہ ان گھروں میں جاؤ جو خاص کسی کی سکونت کے نہیں اور ان کے برتنے کا تمہیں اختیار ہے اور اللہ جانتا ہے جو تم

وَمَا تَكْتُمُونَ ٢٩ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذٰلِكَ

ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو مسلمان مردوں کو حکم دو اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ

اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ٣٠ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ

ان کے لیے بہت ستھرا ہے بے شک اللہ کو ان کے کاموں کی خبر ہے اور مسلمان عورتوں کو حکم دو اپنی نگاہیں کچھ

مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا

نیچی رکھیں اور اپنی پارسائی کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤ نہ دکھائیں مگر جتنا خود ہی ظاہر ہے

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ

اور دوپٹے اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں اور اپنا سنگار ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہروں پر یا

اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُولَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُولَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ

اپنے باپ یا شوہروں کے باپ یا اپنے بیٹے یا شوہروں کے بیٹے یا اپنے بھائی

اَوْ بَنِيٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ

یا اپنے بھتیجے یا اپنے بھانجے یا اپنے دین کی عورتیں یا اپنی کنیزیں جو اپنے ہاتھ کی ملک

اَوِ التّٰبِعِينَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا

ہوں یا نوکر بشرطیکہ شہوت والے مرد نہ ہوں یا وہ بچے جنہیں عورتوں کی شرم کی چیزوں کی

عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ

خبر نہیں اور زمین پر پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ جانا جائے ان کا چھپا ہوا سنگار

marfat.ocm

وَتُوبُوا إِلَى اللّٰهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝٣١ وَأَنكِحُوا الْأَيَامٰى
اور اللہ کی طرف توبہ کرو اے مسلمانو سب کے سب اس امید پر کہ تم فلاح پاؤ اور نکاح کردو اپنوں
مِنكُمْ وَالصّٰلِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ۚ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ
میں ان کا جو بے نکاح ہوں اور اپنے لائق بندوں اور کنیزوں کا اگر وہ فقیر ہوں تو اللہ انہیں غنی کردے گا
مِن فَضْلِهِ ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝٣٢ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا
اپنے فضل کے سبب اور اللہ وسعت والا علم والا ہے اور چاہیے کہ بچے رہیں وہ جو نکاح کا مقدور نہیں رکھتے یہاں
حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِن فَضْلِهِ ۗ وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ
تک کہ اللہ مقدور والا کردے اپنے فضل سے اور تمہارے ہاتھ کی ملک باندی غلاموں میں سے جو یہ چاہیں کہ کچھ مال کمانے
فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا ۖ وَآتُوهُم مِّن مَّالِ اللّٰهِ الَّذِي آتَاكُمْ ۚ وَلَا
کی شرط پر انہیں آزادی لکھ دو تو لکھ دو اگر ان میں کچھ بھلائی جانو اور اس پر ان کی مدد کرو اللہ کے مال سے جو تم کو دیا اور مجبور نہ کرو
تُكْرِهُوا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ
اپنی کنیزوں کو بدکاری پر جب کہ وہ بچنا چاہیں تاکہ تم دنیوی زندگی کا کچھ مال چاہو
وَمَن يُكْرِههُّنَّ فَإِنَّ اللّٰهَ مِن بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝٣٣ وَلَقَدْ أَنزَلْنَا
اور جو انہیں مجبور کرے گا تو بیشک اللہ بعد اس کے کہ وہ مجبوری ہی کی حالت پر رہیں بخشنے والا مہربان ہے اور بیشک
إِلَيْكُمْ آيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَمَثَلًا مِّنَ الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً
ہم نے اتاریں تمہاری طرف روشن آیتیں اور کچھ ان لوگوں کا بیان جو تم سے پہلے ہو گزرے اور ڈر والوں کے لیے
لِّلْمُتَّقِينَ ۝٣٤ ع
نصیحت

ع ۴ ۱۰

۵۔ جب آپ کے دوسرے گھر والوں کے ہاں وحی اُترتی تو وہ آپ سے جُدا ہوتے لیکن جب آپ نزولِ وحی کے وقت میرے ہاں ہوتے، آپ میرے ساتھ میرے لحاف میں ہوتے تب بھی وحی نازل ہو جاتی۔

۶۔ آپ کے وصال کے بعد میرے والدگرامی خلیفہ منتخب ہوئے۔

۷۔ میرے والدگرامی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدیق تھے۔

۸۔ میری برأت آسمان سے نازل ہوئی۔

۹۔ میں طیبہ و طاہرہ ہو کر پیدا ہوئی۔

۱۰۔ مجھے مغفرت اور رزقِ کریم کا وعدہ دیا گیا۔

تفسیر عالمانہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔

شانِ نزول: حضرت عدی بن ثابت ایک انصاری سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں گھر میں ایک وقت ایسی حالت میں ہوتی ہوں اس وقت میں نہیں چاہتی کہ کوئی مجھے دیکھے لیکن آنے والے اچانک آ ہی جاتے ہیں تو فرمائیے میں کیا کروں؟ آپ نے اسے فرمایا اب چلی جا، (اللہ تعالیٰ کا جو حکم ہوگا اس کی میں تجھے خبر دے دوں گا) تب وہ چلی گئی تو یہ آیت نازل ہوئی کہ اے ایمان والو! لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں نہ چلے جایا کریں۔

مسئلہ: غیر بیوتکم کی قید باعتبار عادت کے ہے ورنہ اجارہ و اعارہ کے مکان بھی تو غیر کے گھر ہیں لیکن وہاں داخل ہونے کے لیے اجازت کا کیا معنیٰ۔

ف: اجارہ وہ مکان جو کرایہ پر لیا جائے اور اعارہ جو کسی کو بلا اُجرت ٹھہرنے کے لیے دیا جائے۔

حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا یہاں تک کہ ان سے اجازت مانگو۔ الاستئناس بمعنے استعلام آنس الشئی سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شے کھل کر آنکھ کے سامنے آ جائے تو پھر اسے معلوم کر لے۔ اجازت مانگنے والے کے لیے اس لیے مستعمل ہے کہ وہ حال کو معلوم کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اسے یقین ہو جائے کہ اسے اجازت مل گئی ہے۔ یہ استیحاش کی نقیض ہے اس لیے کہ اجازت سے پہلے اجازت لینے والے کو یہ خوف ہوتا ہے کہ نہ معلوم اسے اجازت ملے یا نہ ملے۔ جب اسے اجازت مل جاتی ہے تو پھر وہ مانوس ہو جاتا ہے۔ اسی لیے اجازت لے کر آنے والے کو کہا جاتا ہے مرحبا اهلاً وسهلاً۔ یعنی خوش آمدید۔ آئیے تمہارے لیے مکان کھلا ہے اور تم اپنوں کے ہاں آ گئے یہاں غیر کوئی نہیں اور تم ایسے گھر میں اترے ہو جو تمہارے لیے خوشگوار ہے اس میں تمہیں کسی قسم کا حُزن و ملال نہیں ہوگا۔ یہاں پر تمہاری تمام وحشت دُور ہو جائے گی اور یہاں تم آ کر بہت خوش ہو گے لیکن آیت مطلق اجازت کے لیے ہے۔ یہ باب کنایہ سے ہے کہ استئناس یعنی لازم بول کر اجازت یعنی ملزوم مراد لیا گیا ہے۔

مسئلہ: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے استئناس کا معنی پُوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ گھر کے باہر تسبیح یا تکبیر پڑھے یا کھنکارے تاکہ گھر والے اسے اندر آنے کی اجازت دیں۔

مسئلہ: نصاب الاحتساب میں ہے کہ اگر کوئی عورت زوج کے غیر میں بلا اجازت داخل ہو تو کیا اس سے محاسبہ ہوگا یا نہیں؟ تو اس کے جواب میں فقہائے کرام نے فرمایا کہ اگر وہ عورت کے شوہر کے ذی محرم ہوں تو عورت ان کے گھر بلا اجازت جا سکتی ہے۔ یہ فقہاء کے مسائل عجیبہ و غریبہ میں سے ہے۔ اسے محیط میں سرقہ کے باب میں لکھا گیا ہے۔ اس کی صورت یُوں لکھی کہ اگر کسی عورت نے زوج کے ذی محرم کے گھر سے چوری کی ہو تو

marfat.ocm

عورت کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا ۔ یہی امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے ۔

مسئلہ : اگر عورت شوہر کے غیر محرم کے گھر میں داخل ہو تو اس کا محاسبہ ہوگا جیسے مردوں سے غیر کے گھروں میں بلا اجازت داخل ہونے سے محاسبہ ہوتا ہے ۔ اس کی دلیل یہی آیت لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا ، ای تستاذنوا ۔

ف : غیر کے گھر میں داخل ہونے کے لیے اجازت مانگنا اسلام کے بہترین آداب اور پسندیدہ افعال سے ہے ۔ اس میں سعادۃ دارین کا راز مضمر ہے ۔

وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا : اجازت طلب کرتے وقت ان کو السلام علیکم کہہ کر تین بار یوں بولو کہ کیا میں آجاؤں ۔ اگر وہ اجازت دیں تو گھر میں داخل ہو کر دوبارہ کہے السلام علیکم ۔ اگر وہ اجازت نہ دیں تو لوٹ آئے ۔ ذٰلِكُمْ یہ طلب اجازت کے ساتھ السلام علیکم کہنا خَيْرٌ لَّكُمْ تمہارے لیے بہتر ہے اس سے کہ تم کسی کے گھر میں اچانک چلے جاؤ اگرچہ گھر میں سگی ماں بھی کیوں نہ ہو کیونکہ ممکن ہے کہ وہ اس وقت سر سے ننگی بیٹھی ہو ۔

ف : اس میں دور جاہلیت کی رسم مٹانے کی طرف اشارہ ہے کہ وہ دوسروں کے گھروں میں بلا اجازت چلے جاتے تھے بلکہ داخل ہوتے وقت صرف اتنا کہتے : حییتم صباحا ۔ (خدا کرے تم خیر سے صبح کو اٹھو) یہ صبح کے وقت کہتے ، اور شام کو داخل ہوتے وقت کہتے : حییتم مساء (خدا کرے تمہاری شام خیر سے ہو)

مسئلہ : کاشفی نے لکھا کہ اگرچہ اپنے گھروں میں بھی جاؤ تب بھی آوازِ بلند سے کسی کا نام لو یا کھنکار دو یا کھانسو تاکہ گھر والے سنبھل جائیں ممکن ہے کوئی ان میں کپڑے اتارے بیٹھا ہو یا کسی ناشائستہ حالت میں ہو ۔

لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ یہ فعل مضمر کے متعلق ہے یعنی اس کا حکم تمہیں اس لیے ہوا تاکہ تم پند و نصیحت حاصل کرو اور اسی کے مطابق عمل کرو ۔

سلام کے فوائد

١ ۔ مسلمانوں کا نیک طریقہ ہے ۔
٢ ۔ اہلِ جنت باہمی ملاقات کے وقت سب سے پہلے السلام علیکم کہیں گے ۔
٣ ۔ الفت و محبت بڑھتی ہے ۔
٤ ۔ بغض و کینہ دور ہوتا ہے ۔

آدم علیہ السلام پیدائش کے بعد

مروی ہے کہ جب آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور ان کے اندر روح پھونکی گئی تو آپ کو چھینک آئی آپ نے کہا الحمد للہ ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : یرحمك ربك ۔ اے آدم ! ملائکہ کے پاس چلے جاؤ وہاں ان کی جماعت بیٹھی ہوگی انہیں کہو السلام علیکم ۔ آپ نے ایسے ہی کیا جب لوٹے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا : یہی تمہارا اور تمہاری اولاد کا تحیہ ہے ۔

حضور تاجدارِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

حدیث شریف مسلمان کے مسلمان پر چھ حقوق ہیں :

١ ۔ جب اسے ملے تو السلام علیکم کہے ۔

٢ ۔ جب وہ اسے دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کرے ۔

٣ ۔ اس کی غائبانہ خیر خواہی کرے ۔

٤ ۔ جب وہ چھینکے تو اس کی چھینک کا جواب دے ۔

٥ ۔ جب وہ بیمار ہو تو اس کی طبع پرسی کرے ۔

٦ ۔ جب وہ مر جائے تو اس کی نمازِ جنازہ میں شامل ہو ۔

مسئلہ : جس گھر کو آگ لگی ہو یا چور لوٹ رہے ہوں یا ناحق کسی کو قتل کیا جا رہا ہو تو اس گھر میں بلا اجازت جانا واجب ہے جبکہ ان امور کے ازالہ کا ارادہ ہو اس وقت استیذان و استیلام کی ضرورت نہیں ۔

یہ امور آیت کے امور سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ شرع پاک کا قانون ہے کہ الضرورات تبیح المحظورات ۔

ف : کشاف میں لکھا ہے کہ لوگوں نے بعض شرعی مسائل کو ایسے ترک کیا ہوا ہے کہ گویا وہ احکام منسوخ ہو چکے ہیں منجملہ ان کے ایک یہی طلب اجازت ہے ۔

فائدہ صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اجساد کے فانی اور مجازی گھروں میں سکونت بلکہ دخول بھی چھوڑ دو ۔ نہ ہی ان سے مطمئن ہونا چاہیے بلکہ ان سے خلاصی پانے کے لیے ان کو دور سے سلام کرنا ضروری ہے اس لیے کہ جو بھی دارِ فانی یعنی دنیا اور اس کی شہوات کو ترک بلکہ ان سے بالکل روگردانی کرنے سے وطن حقیقی (کہ جس کی محبت عین ایمان ہے) کی طرف پہنچنا نصیب ہوتا ہے ع

اگر خواہی وطن بیرون قدم نہ

(اگر تم وطن اصلی کے طالب ہو تو اس دار دنیا سے باہر قدم رکھو)

فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ پس اگر گھروں میں نہ پاؤ اَحَدًا کسی ایسے شخص کو جو اجازت دینے کا اہل ہو مثلاً گھر پر عورتیں یا چھوٹے بچے ہیں جو کسی کو گھر میں داخل ہونے کی اجازت کے اہل نہیں یا سرے سے گھر پر کوئی نہ ہو فَلَا تَدْخُلُوْهَا تو گھروں میں مت داخل ہو بلکہ صبر کرو حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ یہاں تک کہ تمہیں گھر میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے یعنی وہ شخص گھر میں آ جائے تو اجازت دینے کا اہل ہو کیونکہ گھر میں داخل نہ ہونے میں دو چیزیں مانع ہیں :

١ ۔ جن کا پردہ لازمی ہے ۔ ''

marfat.ocm

۲۔ گھر کا ایسا سامان کہ جسے دوسروں سے پوشیدہ رکھنا مطلوب ہے۔

بنا بریں بلا اجازت کسی کے گھر میں جانے میں غیر کے ملک میں تصرف کرنے کے مترادف ہے۔ نیز غیر کے گھر میں بلا اجازت داخل ہونے میں چوری کے الزام کا خطرہ ہے۔

اعجوبہ فقیر (حقی) کہتا ہے ایک دفعہ ہم کسی کے گھر میں بلا اجازت داخل ہو گئے قدرتی طور پر اس کے گھر سے کچھ سامان چوری ہو گیا تو ہم پر الزام لگایا گیا، ہمیں بہت پریشانی ہوئی کہ ہم سب ایسے تھے کہ جن سے سرقہ کا وہم و گمان تک نہ تھا لیکن آیت کریمہ پر عمل نہ کرنے کی ہمیں سزا ملی کہ عرصہ تک کوئی راز نہ کھلا بالآخر وہ چوری کسی دوسرے کے ہاں سے مل گئی جو ہمارے رفقاء میں سے نہ تھا تب ہماری جان چھوٹی۔

وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا اور اگر تمہیں کہا جائے کہ لوٹ جاؤ فَارْجِعُوْا تو لوٹ جاؤ، ان گھروں کے دروازوں پر ایک لمحہ بھی نہ ٹھہرو۔ یعنی اگر تمہیں گھر والوں سے حکم ہو کہ چلے جاؤ تو وہاں مت ٹھہرو۔ گھر سے روکنے والا اجازت کا اہل ہو یا نہ ہو۔ نہ تو استیذان کے لیے تکرار کرو نہ اصرار اور نہ انتظار، اس خیال پر کہ ممکن ہے اجازت مل جائے اس لیے کہ اگر ایسا کرو گے تو اہل خانہ کے قلوب سے تمہارا وقار اٹھ جائے گا اور ویسے بھی مروت کے خلاف ہے۔ هُوَ تمہارا لوٹنا اَزْكٰى لَكُمْ تمہارے لیے پاکیزہ امر ہے اس لیے کہ اس سے نہ ہی تمہاری خفت ہوگی اور نہ ہی اہل خانہ کا تمہارے متعلق عناد پیدا ہونے کا خطرہ ہوگا ویسے بھی بلا وجہ غیروں کے گھروں کے آگے کھڑا ہونا بری عادت اور نہایت خسیس آدمیوں کا کام ہے۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝ اور اللہ تعالیٰ تمہارے کردار کو خوب جانتا ہے۔ یعنی جن امور پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے یا ان سے رکنے کا، اگر تم اس کے امر و نہی کے مطابق عمل کرتے ہو تو ثواب پاؤ گے ورنہ عذاب۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں صاحب خانہ کے فنا کی طرف اشارہ ہے اور صاحبِ خانہ سے وجودِ انسانیہ مراد ہے اور اس میں عدم دخول کا معنیٰ ہے کہ طبیعت کو تصرف نہ کرنے دیا جائے کیونکہ اس کا تصرف وجودِ انسانیہ کے دعویٰ کا موجب ہے حتی یؤذن لکم میں اشارہ ہے کہ ہاں اگر اس میں استقامت وغیرہ کے لیے بامرِ الٰہی تصرف کیا جائے تو جائز ہے وان قیل لکم ارجعوا اور اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہو فارجعوا تو لوٹ کر ان میں اس طرح تصرف کرو جیسے مطلق لوگ تصرف کرتے ہیں هو ازکیٰ لکم وہی تمہارے لیے بایں معنیٰ پاکیزہ تر ہے کہ انسانیت کے فتنوں میں سے کسی ایک فتنہ میں نہیں پڑو گے اور نہ ہی فنائیت کے بغیر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے وجود کے دعویٰ میں مبتلا ہو گے واللہ بما تعملون اور وہ عمل جو تم کرتے ہو، مثلاً رجوع الی اللہ اور ترک تعلقات بموت جسمانیہ، اسے اللہ تعالیٰ عَلِيْمٌ جانتا ہے اس لیے کہ وہی عمل تمہارے لیے بہتر ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ ۔

تفسیر عالمانہ

حلِ لغات : المفردات میں ہے کہ جنحت السفینۃ ای مالت الی احد جانبیہا۔ کشتی ایک جانب جھکی چونکہ گناہ بندے کو حق سے باطل کی طرف لے جاتے ہیں اس لیے اسے اثم سے تعبیر کرنے لگے۔ پھر مطلقاً ہر گناہ پر اس کا اطلاق عام ہوگیا۔ یعنی تمہیں کوئی گناہ نہیں اَنْ تَدْخُلُوْا یہ کہ بلا اجازت داخل ہو جاؤ بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ ان گھروں میں جو مخصوص لوگوں کی سکونت کے لیے نہیں بلکہ عام سکونت کے لیے ہیں کہ جسے بھی ضرورت پڑے وہ اس میں ٹھہرے، جیسے رباطات، سرائیں، خالی دکانیں، حمام (غسل خانے) (اسٹیشن کے پلیٹ فارم وغیرہ) اس لیے کہ ان کو ہر انسان اپنی ضرورت کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔ جیسا کہ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ سے معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ یہ بیوت کی صفت ہے۔ یعنی ان میں تمہارا بھی حق ہے کہ تم ان سے نفع اٹھاؤ۔ مثلاً گرمی یا سردی میں سر چھپانا، سامان محفوظ رکھنا، خرید و فروخت کرنے کے لیے بیٹھنا، غسل وغیرہ کرنا، یعنی وہ امور جو ان سے فائدہ اٹھایا جا سکے تو ایسے گھروں میں بلا اجازت چلا جانا جائز ہے کیونکہ رباطات اور سرائیں اور حمامات (غسل خانے)، پلیٹ فارم وغیرہا بنائے بھی اسی لیے جاتے ہیں کہ ان سے ہر ایک فائدہ اٹھا سکے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو وَمَا تَكْتُمُوْنَ ۝ اور جو کچھ تم چھپاتے ہو ان جملہ امور کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ یہ اسے وعید ہے کہ ایسی جگہوں پر شر و فساد یا لوگوں کے عیوب وغیرہ دیکھنے کے ارادہ پر جاتا ہے۔

مسئلہ : نصاب الاحتساب میں ہے کہ اگر کوئی درخت کی شاخیں نیچے اور وہ اتنی اونچی ہوں کہ نیچے کے گھروں کے صحن نظر آتے ہوں اور مشتری ان شاخوں پر چڑھ کر نیچے والے گھروں کے اندر جھانکے تو اہلِ خانہ کے لئے جائز ہے کہ وہ مشتری پر مقدمہ چلا کر اسے درخت پر چڑھنے سے روک دے۔

مسئلہ : الصدر الشہید رحمہ اللہ تعالیٰ نے واقعات الختار میں لکھا کہ مشتری کو چاہیے کہ وہ درخت پر چڑھنے سے پہلے ایک دو بار پڑوسے والوں کو پردہ کا اعلان کر دے تو پھر کسی کو اس پر مقدمہ چلانے اور درخت پر چڑھنے سے روکنے کا حق نہیں پہنچتا۔ یوں جانبین کا حق بحال رہتا ہے کیونکہ مشتری کو اپنی ضروریات پوری کرنا ہیں پھر جب وہ پردے کا اعلان کر دے گا تو وہ لوگ بھی ضروری اشیاء کو چھپا سکیں گے، باپردہ عورتیں پردہ کر سکیں گی۔ ہاں اگر مشتری اعلان کیے بغیر درخت پر چڑھ جائے تو اس پر مقدمہ بھی چلایا جا سکتا ہے اور درخت پر چڑھنے سے روکا بھی جا سکتا ہے۔

مسئلہ : اگر کوئی شخص اپنے مکان میں دریچہ کھولتا ہے تو ہمسایہ کی باپردہ عورتوں پر نگاہ پڑتی ہے تو ایسے شخص کو دریچہ کھولنے سے روک دیا جائے گا۔

مسئلہ : البستان میں ہے کہ غیر کے گھر کے اندر جھانکنا ناجائز ہے اگر کوئی قصداً جھانکتا ہے تو برا کرتا ہے اس حالت میں صاحبِ خانہ کو چاہیے کہ اس جھانکنے والے کی آنکھ نکال لے۔ تو فقہاء کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا

marfat.ocm

کہ آنکھ نکالنے والے پر کوئی تاوان نہیں، بعض نے کہا تاوان ہے، اور ہم اسی قول کو لیتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ایک شرابی کی کہانی

ایک رات حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہاں ٹھہرے رات کو ان کے گھر کی دیوار کے سوراخ سے دیکھا کہ بوڑھے ہمسایہ کے سامنے شراب کی بوتلیں پڑی ہیں، ایک گانے والی اس کے سامنے گا رہی ہے۔ دونوں حضرات گھر کی دیوار پھاند کر اس کے گھر چلے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بوڑھے سے فرمایا: افسوس ہے، اگر تجھ جیسے ایسی برائی کا ارتکاب کریں تو پھر عوام کا کیا قصور! وہ بوڑھا جرأت کر کے کھڑا ہو گیا اور کہا کہ اے امیر المومنین! میں آپ کو خدا کی قسم دے کر آپ سے انصاف چاہتا ہوں، اجازت ہو تو عرض کروں۔ آپ نے فرمایا، کہئے۔ اس نے عرض کی: اگرچہ میں اس وقت مجرم ہوں، لیکن اس وقت میرا صرف ایک جرم ہے اور جناب تین جرائم کے مرتکب ہوئے۔ آپ نے فرمایا، وہ کیسے؟ اس نے عرض کی:

(۱) آپ نے میرے قصور کا تجسس کیا اور وہ گناہ ہے کما قال تعالیٰ:

ولا تجسسوا۔

(۲) آپ نے دیوار پھاندی، وہ بھی گناہ ہے۔ کما قال تعالیٰ:

لیس البر بان تاتوا البیوت من ظہورہا۔

الی ان قال:

واتوا البیوت من ابوابہا۔

(۳) آپ میرے گھر میں میری اجازت کے بغیر داخل ہو گئے۔ اور وہ بھی گناہ ہے۔ کما قال تعالیٰ:

لا تدخلوا بیوتاً غیر بیوتکم حتّٰی تستأنسوا وتسلّموا علیٰ اہلہا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم سچ کہتے ہو، میں آپ سے معذرت خواہ ہوں۔ اس نے عرض کی: اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے گھر سے روتے ہوئے باہر نکلے اور کہہ رہے تھے کہ عمر ہلاک ہو گیا اگر اسے اللہ تعالیٰ نے نہ بخشا۔

سوال: اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ محتسب بھی اجازت کے بغیر کسی کے گھر پہ نہ جائے جبکہ شرع پاک کا قاعدہ ہے کہ جس گھر میں بدعات سیئہ اور افعال شنیعہ ہوں اس گھر میں محتسب کو بلا اجازت داخل ہونا جائز ہے۔

جواب: اس گھر میں بلا اجازت داخل ہونا جائز ہے جس گھر میں افعالِ شنیعہ کھلم کھلا ہو رہے ہوں یہاں تو چھپ کر برائی کا ارتکاب کیا جا رہا تھا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ سالک واصل اس جسد میں تصرف کر سکتا ہے جس میں صاحبِ جسد سکونت نہیں رکھتا صاحب گھر سے انسانیت اور اس کی عدمِ سکونت سے اس کا اپنا وجود مٹا کر حق میں فانی ہونا مراد ہے۔ فیہا متاع لکم سے وہ آلات وادوات مراد ہیں جن کے ذریعہ عالمِ الٰہی میں سیر کے وقت استعمال کئے جاتے ہیں ان کے ارواح کو اسفل سافلین یعنی اجساد کی طرف بھی اسی لئے بھیجا گیا ہے تاکہ انسان انہی ادوات و آلات کو حاصل کر سکے۔ واللّٰہ یعلم ما تبدون اور وہ جو تم آلاتِ انسانیہ کے ساتھ کھلم کھلا تصرف کرتے ہو ایسے ہی وُہ جو تم دلوں میں چھپاتے ہو۔ مثلاً تمہارے بعض رضائے الٰہی کے طالب ہیں اور بعض خواہشاتِ نفسانی میں گرفتار، ان سب کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

جیب خاص است کہ گنجِ گہر اخلاص است
نیست ایں دُرِ ثمیں در بغل ہر دغلے

ترجمہ: اخلاص موتیوں کا ایک خزانہ ہے جو خاص جیب میں پایا جاتا ہے ہر کھوٹے کی بغل میں یہ قیمتی موتی نہیں ملے گا۔

تفسیر عالمانہ قُلْ اے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم! فرمایئے لِّلْمُؤْمِنِیْنَ امر کا یعنی قل کا مفعول محذوف کیا گیا ہے اس لیے کہ امر کا جواب اس محذوف پر دلالت کرتا ہے۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ ایمان والوں کو فرمایئے آنکھ ڈھانپنے کا، فرمائیے یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وہ چیزیں جنہیں دیکھنا ان کے لیے حرام ہے ان سے اپنی آنکھیں ڈھانپ لیں یعنی نامحرموں کو نہ دیکھیں کہ ان کا دیکھنا ان کے فتنے میں مبتلا ہونے کا سبب ہے۔ الغض آنکھ کو ایسے ڈھانپنا کہ دیکھنے سے بند ہو جائے۔

ف: چونکہ مبصرات میں جس کا دیکھنا حرام ہے وہ بعض ہیں اسی لیے بصر پر لفظ بعض (من) لایا گیا۔ اس معنے پر بصر کا بعض بوجہ متعلقات کے بعض کے وجہ سے ہے۔ یعنی بصر کو بعض سے ڈھانپنے کا حکم ہے۔

وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ط اور اپنے فروج ان سے محفوظ رکھیں جو ان کے لیے حلال نہیں۔ یا یہ مراد ہے کہ ہمیشہ کے لیے ان کو کھلنے سے محفوظ رکھیں۔

حلِ لغات: الفرج دو چیزوں کے درمیانی سوراخ کو کہتے ہیں، جیسے فرجة الحائط (دیوار کا سوراخ) اور دو پاؤں کے درمیان کے خلا کو فرج کہا جاتا ہے۔ پھر عضو خاص پر اس کا اطلاق ایسا غالب ہوا کہ جونہی یہ لفظ سامنے آتا ہے فوراً عضو خاص کا مفہوم ذہن میں آ جاتا ہے۔

سوال: ابصار میں لفظ من لانے اور لفظ فرج میں نہ لانے میں کیا نکتہ ہے حالانکہ دونوں کو اپنے

marfat.ocm

بعض متعلقات سے حفاظت کا حکم ہے باوجودیکہ دونوں کا ایک حال ہے تو ایک میں لفظ مِن ہے ، دوسرے میں نہیں۔

جواب : چونکہ اس کے متعلقات سے استثناء کثیر اشیاء کا ہوتا ہے۔ مثلاً مرد اپنی عورت اور اپنی کنیز کے جملہ اعضاء کو دیکھ سکتا ہے ایسے ہی اپنی محارم کے بال، سینہ، پستان، اعضاء، پنڈلی اور پاؤں وغیرہ دیکھنا جائز ہے۔ ایسے اسے روا ہے کہ جب کسی سے لونڈی خریدنے کا ارادہ کرے تو اس کی مذکورہ اشیاء دیکھے، اور حرہ اجنبیہ کا چہرہ، اس کی ہتھیلیاں اور دونوں قدم، ایک روایت میں ایک قدم دیکھنا جائز ہے بخلاف فرج کے مستثنیٰ کے کہ نہایت قلیل اور ان کے دیکھنے کا کبھی اتفاق ہوتا ہے۔ مثلاً اپنی عورت اور لونڈی کی فرج۔ اسی لیے فرج کو مطلقاً بلا قید بیان فرمایا بوجہ اس کی قلت کے اور بصر میں لفظ بعض لایا گیا اس کی کثرت کی وجہ سے۔

ذٰلِكَ یہ اشارہ حفظ اور غض مذکور کی طرف ہے۔ اَزْکٰی لَکُمْ تمہارے لیے نہایت پاکیزہ اور ستھرا ہے کہ ہر طرح کے شک و شبہ کی گرد و غبار سے دور ہے اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ۝ جو کچھ وہ کرتے ہیں اس سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے اس سے کوئی شے مخفی نہیں۔ فلہٰذا انھیں چاہیے کہ اپنی ہر حرکت و سکون یعنی ہر آن اللہ تعالیٰ سے پُرحذر رہیں۔

نکتہ : حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ بیگانی عورت وغیرہ کے دیکھنے سے بچو، اس لیے کہ دل میں اس سے شہوت پیدا ہوتی ہے۔

آنکھ شیطان کا تیر ہے

کاشفی نے لکھا کہ ذخیرۃ الملوک میں ہے کہ انسان کے جسم میں شیطان کا سب سے بڑا تیر انسان کی آنکھ ہے اس لیے دوسرے حواس اپنے اپنے مقام پر ساکن ہے انھیں جب تک شے مس نہیں کرتی اس وقت تک حرکت میں نہیں آتے بخلاف آنکھ کے کہ یہ دُور و نزدیک، ہر طرح سے انسان کو کام دیتی ہے اور اسی کے ذریعے سے ہی انسان بہت سی غلطیوں کا شکار ہو جاتا ہے ۝

ایں ہمہ آفت کہ بہ تن می رسد
از نظر توبہ شکن می رسد
دیدہ فرو پوش چو دُر در صدف
تا نشوی تیر بلا را ہدف

ترجمہ : یہ جملہ آفات جو انسان کو پہنچتی ہیں اسی آنکھ توبہ شکن سے ہی پہنچتی ہیں۔ آنکھ کو ایسے بچا کے رکھو جیسے صدف میں موتی چھپا ہوتا ہے تاکہ بلیات کا نشانہ نہ بنو۔

مسئلہ : نصاب میں ہے کہ پہلی بار کسی اجنبی عورت وغیرہ کو دیکھنا معاف ہے اس کے بعد دوبارہ دیکھے گا

وہ عمداً دیکھنے میں داخل ہوگا۔

حدیث شریف ۱: حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے کہ اے ابنِ آدم! پہلی بار دیکھنا تیرے لیے معاف ہے لیکن دوبارہ دیکھنے سے بچنا، ورنہ وہ تیرے لیے ہلاکت کا موجب بنے گا۔

حدیث شریف ۲: حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے میرے اُمتیو! تم چھ چیزوں کی ضمانت دو، میں تمہارے لیے بہشت کا ضامن ہوں۔ وہ چیزیں یہ ہیں:

۱۔ جب بات کرو تو سچ بولو۔
۲۔ جب وعدہ کرو تو اسے پورا کرو۔
۳۔ جب امانت رکھے جاؤ تو اسے ادا کرو۔
۴۔ اپنے فروج کی حفاظت کرو۔
۵۔ اپنی آنکھوں کو غیر محارم سے بچاؤ۔
۶۔ اپنے ہاتھوں کو حرام کاری سے محفوظ رکھو۔

حکایت ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا اس کے آگے سے ایک عورت گزری، اس نے نماز کے دوران ہی اس عورت کو بار بار دیکھا، اُسی وقت سے اس کی بینائی چھین لی گئی۔

تفسیر صُوفیانہ شیخ نجم الدین اپنی تاویلات میں لکھتے ہیں کہ اس میں اشارہ ہے کہ ظواہر کی آنکھ کو محرمات سے اور نفوس کی آنکھ کو دنیا کی شہوات و مالوفاتِ طبع و مستحسنات ہوٰی سے اور قلوب کی آنکھ کو رؤیتِ اعمال اور آخرت کی نعمتوں سے اور اسرار کی آنکھ کو درجات و قربات سے اور ارواح کی آنکھ کو ماسوی اللہ کی طرف التفات سے اور ہم کی آنکھ کو علل سے بند کیا جائے یہاں تک کہ وہ اپنے آپ کو شہودِ حق کا مستحق بھی نہ سمجھیں غیرتِ الٰہی اور اس کی تعظیم و تکریم کا تقاضا یونہی ہے۔

دُوسری تقریر: نیز اس میں اشارہ ہے کہ ظواہر کے فروج کو محرمات سے اور بواطن کے فروج کو تصرف فی الکونین سے محفوظ رکھا جائے، یہاں تک کہ دل میں نہ دنیوی فائدہ کا تصور ہو نہ اُخروی کا۔

ذٰلک ازکیٰ لھم یہ ان کے لیے پاکیزہ ترین طریقہ ہے اس لیے کہ وہ اس طرح سے حدوث کے تلوث سے بچ جائیں گے اور حقوق کی رعایت میں حظوظِ نفسانی کی طاوٹ سے حفاظت نصیب ہوگی **ان اللہ خبیر بما یصنعون** اللہ تعالیٰ انھیں خوب جانتا ہے جو حقوق و حظوظ کے لیے عمل کرتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو اپنے ہر عمل میں حقوق کی رعایت کرتے ہیں۔

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ اور مومن عورتوں کو فرمایئے کہ وہ اپنی آنکھیں چھپائیں ان سے کہ جن کا دیکھنا ان کے لیے ناجائز ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ و امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک چہرہ اور اطراف کا ماسوا مراد ہے۔ اور امام شافعی کے صحیح ترین مذہب میں ہے کہ جیسے مرد کو عورت کے جملہ اعضاء کو دیکھنا حرام ہے ایسے ہی عورت کو وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ اور اپنے آپ کو زنا سے یا مطلقاً پوشیدہ رکھتے ہوئے اپنی فروج کی حفاظت کریں۔

مسئلہ : ستر عورت واجب ہے۔ یہ تمام ائمہ کا مذہب ہے اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔ ہاں اختلاف اس میں ہے کہ عورت ہے کیا۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنوں کے نیچے تک مرد کا ستر ہے اور امام صاحب کے نزدیک گھٹنہ بھی اسی میں شامل ہے۔

مسئلہ : نصاب الاحتساب میں ہے کہ جو شخص گھٹنہ نہیں ڈھانپتا اسے نرمی سے ڈھانپنے کے لیے کہا جائے گا اس لیے اس کے ستر کے بارے میں فقہاء کا اختلاف مشہور ہے اور جو شخص ران نہیں چھپاتا اسے سختی سے ڈھانپنے کے لیے کہا جائے گا لیکن اسے مارا نہ جائے، اس لیے کہ اس کے ستر کے بارے میں بعض محدثین کا اختلاف ہے اور جو شخص عضو مخصوص کو نہیں چھپاتا اسے ڈھانپنے کا کہا جاتے۔ اگر نہیں مانتا تو اسے مارا جا سکتا ہے اس لیے کہ اس کے ستر میں کسی کو اختلاف نہیں۔ (کذا فی الهدایة فی الکراهیة)

مسئلہ : لونڈی مرد کی طرح ہے صرف اس کا پیٹ اور پیٹھ عورت ہیں اس لیے کہ یہی شہوت کا مقام ہیں۔

مسئلہ : مکاتبہ، ام ولد، مدبرہ لونڈی کے حکم میں ہیں۔

مسئلہ : حرہ عورت کا جملہ جسم ہی عورت ہے سوائے چہرہ اور دونوں ہتھیلیوں کے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کے دونوں قدم بھی چہرہ کے حکم میں ہیں۔ یہی ان کے نزدیک صحیح ہے یہ بھی خارج از نماز کے وقت، ورنہ نماز میں قدموں کا چھپانا ضروری ہے۔

ف : امام مالک کے نزدیک مرد کے صرف دونوں فرج اور دونوں رانیں عورت ہیں، ایسے ہی لونڈی بھی۔ اور ایسے ہی مدبرہ اور ایک مدت تک کی آزاد شدہ لونڈی، اور آزاد عورت کا تمام جسم عورت ہے سوائے چہرے اور دونوں ہاتھوں کے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ام ولد کے لیے مستحب ہے کہ وہ اپنے جسم کو اس قدر چھپائے جس قدر آزاد عورت کو جسم چھپانے کا حکم ہے۔ ایسے ہی مکاتبہ کا حکم ہے۔ اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مرد کا ستر ناف اور گھٹنے کا درمیانی حصہ ہے ان کے نزدیک گھٹنے شامل نہیں ان کے نزدیک لونڈی، مکاتبہ، ام ولد، مدبرہ اور وہ عورت جس کا بعض حصہ آزاد ہے۔ ان سب کا حکم ستر عورت میں مرد جیسا ہے۔

مسئلہ: امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آزاد عورت کا تمام جسم عورت ہے سوائے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں کے۔ اور امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا تمام جسم عورت ہے سوائے چہرہ کے، ان کے نزدیک یہی صحیح ہے۔

مسئلہ: ناف بالاتفاق ستر میں شامل نہیں (کذا فی فتح الرحمٰن)

نکتہ: آنکھ چھپانے کے حکم کی تقدیم اس لیے ہے کہ نظر سے ہی زنا کا آغاز ہوتا ہے بلکہ نظر ہی جملہ فسادات کی جڑ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے حفظِ فرج سے پہلے آنکھ کو بند رکھنے کا اسی لیے حکم فرمایا ہے کہ نظر بڑی خطرناک شے ہے اس لیے کہ انسان بُرائی کا ارتکاب اسی نظر کی وجہ سے کرتا ہے۔

حدیث شریف: نظر ابلیس کے تیروں میں سے ایک ہے۔

ف: اسی لیے کہا گیا ہے جس نے کسی پر نگاہ ڈالی تو وہ پھنس گیا۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

گر زنائے چشم حظے می بری
نے کباب از پہلوی خود می خوری
ایں نظر از دُور چوں تیرست وسم
عشقت افزوں می شود صبر تو کم

ترجمہ: اگر تو اپنی آنکھ سے حظ اٹھاتا ہے تو پھر سمجھ لے کہ تُو اپنے جگر کو کباب بنا رہا ہے اس لیے کہ نظر دُور سے ہی تیر کی طرح شکار کرتی ہے پھر جب انسان شکار ہو جاتا ہے تو عشق میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور صبر میں کمی۔

وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اور نہ ہی اپنی زینت ظاہر کریں چہ جائیکہ زینت کے مقامات کو کھولے رکھیں۔

حلِ لغات: اہلِ عرب کہتے ہیں:

بدا الشیٔ بدوا و بدوّاً۔ بمعنے ظھر ظھورا بیناو ابدی بمعنے اظھر۔

اِلَّا مَاظَھَرَ مِنْھَا مگر وہ جگہیں جو ظاہر ہیں۔ یہ زینت سے استثناء ہے یعنی جو کام کے وقت جگہیں ظاہر ہوتی ہیں جیسے انگشتری کی مُہر اور کپڑوں کے اطراف اور آنکھ کا سُرمہ اور ہاتھوں کا رنگ، اس لیے کہ ان کے چھپانے میں بہت بڑا حرج واقع ہوگا۔

ف: ابن الشیخ نے فرمایا: زینت وہ شے جس سے عورت مزین ہو، جیسے زیورات یا سُرمہ اور کپڑے اور رنگ۔ اس میں بعض وہ ہیں جو ظاہر ہوتے ہیں جیسے انگشتری اور اس کی مہر اور سُرمہ اور رنگ شہوت کے فتنے کا خطرہ نہ ہو تو ایسی زینت اجنبی کے سامنے ظاہر کرنا جائز ہے اور بعض زینت ایسی ہے جو پوشیدہ ہوتی ہے

marfat.ocm

جیسے کنگن اور دملج وہ چاندی کا حلقہ جو عورتیں بازو پر باندھتی ہیں اور الوشاح اور القرط ۔ ایسی زینت کو صرف ان لوگوں کے سامنے ظاہر کر سکتی ہیں جن کی اجازت کو آنے والے مضمون میں بیان کیا گیا ہے ۔ کما قال الا لبعولتھن الخ

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ سالکین و عارفین پر لازم ہے کہ اگر ان کے باطن کو اللہ تعالیٰ زینت بخشے تو اسے پوشیدہ رکھیں کیونکہ بسا اوقات اسرار ظاہر کرنے سے سنورے ہوئے معاملات معیوب ہو جاتے ہیں اسی لیے کہ اپنے حالات کی صفائی اور اعمال کے تزکیہ کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں ۔ ہاں وہ ارادات حق سے کوئی شے یا بلا تکلف اور بغیر اس کے اپنے دخل کے کوئی کرامت ظاہر ہو جائے تو وہ مستثنیٰ ہے اس لیے ولی کامل کے اپنے ارادہ و تکلف کے بغیر کوئی فعل صادر ہو تو اس پر اس سے مواخذہ نہ ہوگا ۔

ف : حقائق البقلی میں ہے یہ صوفیاء کی واضح دلیل ہے کہ ان کے نزدیک عارفین کو جائز نہیں کہ وہ اپنی معرفت کے حقائق یا جو ان پر عالم ملکوت اور انوار ذات و صفات کے کشوفات کھلتے ہیں ہر ایک کو بتاتے پھریں یا اپنے مواجید کسی پر ظاہر کریں ۔ ہاں غلبات سے ظاہر ہو جائیں ۔ مثلاً اس غلبہ سے ان سے ٹھنڈے سانس اور گرم آہیں اور پیلا اور سرخ رنگ ہو یا وہ بلا اختیار ان کی زبانوں پر شطحیات و اشارات مشاکلہ ظاہر ہوں تو کوئی حرج نہیں ۔

ف : یہی احوال عارفین کے بہترین سنگار ہیں ۔

ف : عارفین کی سب سے بہتر زینت طاعتِ الٰہی ہے جب وہ اسے ریاء کے ارادہ پر کسی کے سامنے ظاہر کرے تو اس کی زینت چلی جاتی ہے ۔

اعجوبۂ تصوف بعض عرفاء نے فرمایا کہ اہلِ معرفت کے لیے اس آیت میں ایک نکتہ یہ ہے کہ جو اہلِ معرفت اپنے احوال کو ظاہر کرتا ہے بلا قصد کا اظہار اس سے مستثنیٰ ہے تو وہ رؤیت حق سے اس قدر اس کا مرتبہ ساقط ہو جاتا ہے اس لیے کہ جو حصہ اس نے رؤیت خلق میں ضائع کیا اسی قدر رؤیت حق سے محروم ہو گیا ۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

ہماں بہ گر آبستن گوہری
کہ ہچوں صدف سر بجود در بری

ترجمہ : اگر تم موتیوں سے پُر ہو وہی بہتر ہے اس لیے کہ صدف کی طرح بغلوں میں یعنی نیچے رکھو گے ۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

واند و پوشد بامر ذی الجلال　　کہ نباشد کشف را از حق حلال

ترجمہ: اسرار کو جان کر پوشیدہ رکھنا امر حق ہے اس لیے کہ اسے کھولنا مناسب نہیں۔

۵

سر غیب آں را سزد آموختن
کہ ز گفتن لب تواند دوختن

ترجمہ: غیبی اسرار اس شخص کو سکھانے چاہئیں جو بیان کرنے سے اپنے لبوں کو بند رکھے۔

تفسیر عالمانہ

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ضرب' القا' کے معنی کو متضمن ہے اسی لئے اسے علیٰ کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے خمر' خمار کی جمع ہے وہ کپڑا جس سے عورتیں اپنا سر ڈھانپتی ہیں۔ جس سے سر کے ڈھانپنے کا کام نہ لیا جائے اسے خمار نہیں کہا جائے گا۔

المفردات میں ہے خمار کا حقیقی معنیٰ بھی چھپانا ہے۔ جس سے کسی شے کو چھپایا جائے اسے خمار سے تعبیر کرتے ہیں۔ اب عرف عام میں ہر اس شخص کو کہا جانے لگا جس سے عورتیں اپنا سر ڈھانپیں۔ الجیوب جیب کی جمع ہے۔ وہ شے جو قمیص سے اس لیے کاٹی جائے کہ اس میں سر کو داخل کیا جا سکے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ عورتوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے گریبان کو کپڑے سے ڈھانپیں تاکہ اس سے اپنے بال اور بالیں اور گردن غیروں سے چھپا سکیں۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ عورت کا سینہ اور اس کے گرد و نواح کا حصہ عورت ہے اسے غیروں سے چھپانا واجب ہے۔ اور غیروں کو چاہیے کہ ان کے سینے وغیرہ کو نہ دیکھیں۔

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ یہاں پر زینت سے وہ سنگار کی اشیا مراد ہیں جو پوشیدہ ہوتی ہیں، جیسے کنگن، الدملج، الوشاح، القرط وغیرہ۔ جب یہ چیزیں ظاہر کرنا حرام ہے تو ان کے اعضاء کو ظاہر کرنا کیسے روا ہوگا۔

ف: یہ تکرار اس لیے ہے تاکہ معلوم ہو کہ عورتوں کو دیکھنا کس کے لیے جائز ہے اور کس کے لیے ناجائز۔

مسئلہ: ابو اللیث رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عورتوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی زینت کے اعضا کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں۔ وہ اعضا یہ ہیں:

۱۔ سینہ
۲۔ پنڈلی
۳۔ بازو
۴۔ سر

marfat.ocm

۵۔ سینہ، اس لیے کہ وہ ہار پہننے کا مقام ہے اور پنڈلی پازیب کا اور بازو کنگن کا اور سر تاج کا۔

ف : زینت کا ذکر کر کے زینت کے اعضا مراد لیے گئے ہیں۔

اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ۔

حلِ لغات : البعل بمعنے شوہر۔ اس کی جمع بعولة آتی ہے جیسے فحل کی جمع فحولة۔

یعنی مگر وہ اپنے شوہروں کے لیے، کیونکہ وہی زینت کے لیے مقصود ہیں۔

مسئلہ : شوہر کے لیے اپنی عورت کے تمام اعضا کو دیکھنا جائز ہے یہاں تک کہ عضو مخصوص کو بھی۔ جبکہ اس کے اعضاء کو دیکھنے سے شہوت کو تقویت پہنچے۔

مسئلہ : عضو مخصوص کو دیکھنا مکروہ ہے یہاں تک کہ اپنے فرج کو بھی نہیں دیکھنا چاہیے۔ کیونکہ مشہور ہے کہ فرج کو دیکھنے سے طمس اور اندھاپن پیدا ہوتا ہے۔

فرمانِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تازیست میرے عضو مخصوص کو نہیں دیکھا اور نہ ہی میں نے آپ کے عضوِ مخصوص کو دیکھا۔

ف : النصاب میں لکھا ہے کہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ بے شک عورتیں اپنی باطنی زینت اپنے شوہروں کے لیے ظاہر کریں اس لیے کہ شوہروں کی خواہش یونہی ہوتی ہے کہ وہ اپنی عورتوں کے اعضاد باطنہ کو دیکھیں۔ اسی لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلتاء و مرہاء کو لعنت فرمائی۔ سلتاء وہ عورت جو مہندی رنگ وغیرہ نہ لگائے اور مرہاء وہ جو سرمہ نہ لگائے۔

وَ اٰبَآئِهِنَّ اَب حقیقی اور جد اس لیے کہ جد بھی اب کے حکم میں ہوتا ہے اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ یا شوہر کے باپ یعنی خسر، اس لیے کہ یہ بھی باپ کے حکم میں داخل ہیں اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اپنے بیٹے اور بیٹوں کی اولاد اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ شوہروں کی اولاد، یہ بھی عورتوں کے اپنے بیٹوں کے حکم میں ہیں اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اور اپنے بھائیوں کی اولاد، اس لیے کہ وہ بھائیوں کے حکم میں ہیں اَوْ بَنِیْٓ اِخْوَانِهِنَّ اور اپنی بہنوں کی اولاد یعنی بھانجے وغیرہ اس لیے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن سے ان کا نکاح جائز نہیں۔ اور ان کو گھر میں آنے کی اجازت اس لیے ہے کہ گھر میں ہر وقت آنا جانا ہوتا ہے اور ان سے زنا کے ارتکاب کا احتمال بھی بہت کم ہے کیونکہ قریبی رشتہ داری کی وجہ سے ایسے فعل کے ارتکاب سے ان کی طبع نفرت کرتی ہے[1] اور یہ ان کے وہ

---

[1] لیکن یہ ایسے لوگوں کے لیے ہے جن کے طبائع پر حیوانیت وسبعیت (درندگی) وشیطنت سوار نہ ہو، ورنہ خدا معاف کرے بعض ایسے بدنہاد اور بدطینت بھی سنے گئے جو اپنی بہو بیٹیوں بلکہ ماں سے بھی باز نہ آئے۔ (معاذ اللہ)

کی زینت دیکھنا جائز ہے خواہ وہ مالکہ مسلمہ ہو یا کافرہ، اس لیے کہ زینت باطنہ اگر نہ کھولے تو خدمت کس طرح کر سکے گی۔ اسی لیے حرہ کافرہ کا مسئلہ اور ہے اور کافرہ لونڈی کا مسئلہ اور۔

اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ ، الاربة بمعنے الحاجة یعنی ان مردوں سے جو اہل خانہ کے اتباع میں سے ہوں یعنی وہ بوڑھے کمزور، جن سے شہوت اور خیالات انسانی ختم ہو چکے ہوں انھیں عربی میں ممسوخین کہا جاتا ہے بالخاء المعجمہ، یعنی وہ لوگ جن کے اندر سے قوتِ انسانی ختم ہو کر الٹی ایسی قوت پیدا ہو جائے جو شہوت کے منافی ہے یہاں تک کہ انھیں عورت کے ساتھ ہمبستری کا خیال تک نہ ہو۔ بعض نے کہا کہ ممسوخ وہ مرد ہے جسے مخنث کہا جاتا ہے۔ یعنی قوتِ مردمی نہایت کمزور پڑ جائے اور زبان میں بھی رکاوٹ ہو اور یہ کمزوری اصلی و تخلیقی ہوتی ہے اسی لیے وہ عورتوں کے خواہشمند نہیں ہوتے۔

مسئلہ : مجبوب اور خصی کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ان سے پردہ ضروری ہے بعض کے نزدیک اس کے برعکس۔

ف : مجبوب وہ ہے جس کا ذکر اور خصیے دونوں کٹے ہوئے ہوں۔ الجب سے ہے بمعنے القطع۔ اور خصی وہ ہے جس کے صرف دونوں خصیے کٹے ہوئے ہوں۔

مسئلہ : مختار مذہب یہ ہے کہ مخنث، مجبوب، خصی تینوں سے پردہ لازمی ہے اس لیے کہ ان میں شہوت ہوتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ آلۂ تناسل نہ ہونے سے ارتکاب نہیں کر سکتے۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ قل للمؤمنین یغضوا من ابصارهم محکم ہے اور او التابعین الخ مجمل ہے پھر قاعدہ ہے کہ جہاں محکم و مجمل میں تعارض ہو تو محکم پر عمل اولیٰ ہے۔ اس قاعدہ پر خصی، مجبوب، مخنث سے پردہ ضروری ہے اگرچہ ان سے فتنہ کا احتمال نہ بھی ہو۔

مسئلہ : خصی لوگوں کو خدمت پہ رکھنا اور ان کی خرید و فروخت ناجائز ہے۔ نہ ہی ایسا فعل اسلاف سے منقول ہے (کذا فی الکشاف)

لطیفہ : النصاب میں ہے کہ میں نے بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک خصی مجبوب کو لے کر عورتوں کے ہاں تشریف لے گئے۔ ایک عورت نے اس خصی مجبوب سے نفرت کی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے نفرت کیوں، جبکہ یہ عورتوں کی طرح ہے۔ اس بی بی نے جواب دیا کہ اگرچہ اس کا آلۂ تناسل کٹ گیا ہے تو کیا اس کے کٹنے سے عورتوں کا دیکھنا اس کے لیے حلال ہو گیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس بی بی کی فقاہت اور دانائی سے بہت خوش ہوئے۔

ف : انسانوں کے خصی کرنے کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ الٹا نقصان ہے، نہ ہی یہ فعل شرعاً جائز ہے، اور

marfat.ocm

عورتوں کو اس وجہ سے ویسے پردہ ضروری ہے جیسے دوسرے عام مردوں سے بخلاف حیوانات کے خصی کرنے کے کہ ان سے یہ فائدہ ہوگا کہ خصی کا گوشت بہتر ہوتا ہے اور اس کی چربی بھی بڑھ جاتی ہے جیسا کہ بکروں کے خصی کرنے سے تجربہ ہوا ہے۔ ایسے ہی دوسرے حیوانات کا حال ہے۔ کذا فی البستان۔

اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْهَرُوْا عَلٰی عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ص یا وہ بچے جو ابھی عورتوں کی شرم کی چیزوں سے بے خبر ہیں اس لیے کہ انہیں ایسی باتوں کی تمیز نہیں۔ الظهور بمعنے اطلاع یا بمعنے غلبہ اور قدرت۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ وہ تاحال بالغ نہیں ہوئے یعنی شہوت کی حد کو نہیں پہنچے، اسی لیے ان سے پردہ کی ضرورت نہیں۔

ف: الطفل اسم جنس جمع کے قائم مقام واقع ہوا ہے اس لیے اس کی وصف جمع کے معنے پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ فانهم عدو لی میں لفظ عدو اسم جنس بمعنے جمع ہے۔

حل لغات: المفردات میں ہے کہ طفل وہ بچہ جب تک کہ غافل رہے طفیلی ایک مشہور شخص جو بن بلائے دعوتوں پر چلا جاتا تھا۔ تفسیر الفناری میں ہے کہ طفل وہ بچہ جو پیدائش سے لے کر چھ سال کی عمر کو پہنچے اور العورة انسان کے ستر کو کہتے ہیں۔ یہاں پر اسی سے کنایہ ہے۔ یہ العار سے ہے۔ اسے اس لفظ سے اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ اس کے کھلنے سے انسان کو عار محسوس ہوتی ہے۔ عار بمعنے مذمت۔ اسی وجہ سے عورتوں کو عورت کہا جاتا ہے کہ مہذب قوم اس کے بے پردہ ہونے سے عار محسوس کرتی ہے۔ اسی سے ہے العوراء بمعنے الکلمة القبیحه (کذا فی المفردات)۔

ف: فتح القریب میں ہے کہ العورة ہر وہ شے کہ جس کے ظاہر ہونے سے انسان کو حیا و شرم محسوس ہو۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس طرح ستر کے کھلنے سے حیا محسوس ہوتی ہے ایسے ہی اس کی بے پردگی سے باحیا انسان کو حیا اور شرم لاحق ہوتی ہے۔

ف: اہل لغت فرماتے ہیں کہ عورت کو اسی لیے عورت کہا جاتا ہے کہ اس کا ظاہر ہونا قبیح ہے اسی لیے اس سے آنکھ چرانا ضروری ہے۔ یہ العور سے ہے بمعنے النقص والعیب والقبح۔ عور العین اسی سے ہے۔

مسئلہ: فقیر (حقی) کہتا ہے کہ لفظ الطفل سے معلوم ہوا کہ سات سالہ لڑکے کو عورتوں کے ہاں آنے جانے سے روکا جائے۔ اس لیے کہ سات سالہ لڑکا اگرچہ حدِ شہوت کو نہیں پہنچا لیکن سنِ تمیز کو ضرور پہنچا ہے۔ بلکہ بعض بچے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ حدِ بلوغ سے پہلے ہی شہوتی ہوتے ہیں اسی لیے انہیں عورتوں کے ہاں آنے جانے سے روکنا چاہیے۔

مسئلہ: ملتقط الناصری میں ہے کہ جب بچہ بالغ ہو جائے اگر حسین وجمیل نہ ہو تو وہ مردوں کے حکم میں ہے

ورنہ وہ عورتوں کے حکم میں ہے ایسے لڑکے کو شہوت سے سر سے پاؤں تک دیکھنا حرام ہے ۔ ہاں بلا شہوت انہیں السلام علیکم کہنا جائز ہے اسی لیے ایسے لڑکوں کو نقاب اوڑھنے کا حکم نہیں دیا گیا۔

امرد پرست عالم کی سزا منقول ہے کہ ایک عالم دین فوت ہوا تو کسی نے اسے خواب میں دیکھا کہ اس کے چہرے کا ایک حصہ سیاہ ہوگیا ہے اس سے سبب پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا کہ میں نے فلاں مقام پر ایک بے ریش کو شہوت سے دیکھا تو اس کی مجھے یہ سزا ملی کہ میرے چہرے کے ایک حصہ کو جہنم کی آگ سے جلایا گیا ہے۔

اعجوبہ: قاضی نے فرمایا کہ میں نے امام صاحب سے سنا انہوں نے فرمایا کہ ہر عورت کے ساتھ دو شیطان ہوتے ہیں اور ہر بے ریش لڑکے کے ساتھ اٹھارہ۔

مسئلہ: بے ریش لڑکوں، خورد سال بچوں اور پاگلوں کے ساتھ نشست و برخاست سے ہیبت اٹھ جاتی ہے۔ (کذا فی البستان)

مسئلہ: انوار المشارق میں ہے بے ریش کے چہرے کو دیکھنا حرام ہے وہ شہوت سے ہو یا نہ ہو، فتنہ کا اندیشہ ہو یا نہ ہو ہر حال میں اس کا چہرہ دیکھنا حرام ہے۔

مسئلہ، غسل خانے میں اپنے ہاتھوں اور نگاہ وغیرہ کو دوسرے کے ستر سے بچانا ضروری ہے یعنی نہ اپنا ستر کسی کو دیکھنے دے نہ دوسرے کا دیکھے۔ بلکہ ستر کھولنے والے کو ستر ڈھانپنے کو سختی سے تنبیہ کی جائے۔

وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ اور اپنے پاؤں کو زمین پر نہ ماریں تاکہ ان کا پوشیدہ امر معلوم ہو یعنی انھیں اپنے آپ کو چھپانا چاہیے تاکہ انھیں لوگ نہ دیکھیں۔ اسی لیے انھیں حکم ہے کہ وہ آواز دار زیور مت پہنیں۔ اگر پاؤں میں آواز دار پازیب ہو تو زمین پر پاؤں آہستہ رکھیں تاکہ کسی کو معلوم نہ ہو کہ یہ پازیب پہن کر جا رہی ہے اس لیے کہ اس طرح سے عورتوں کی طرف مردوں کی شہوت اُبھرتی ہے یا یہ وہم ہو گا کہ عورتیں برائی کی طرف بلاتی ہیں۔

دورِ حاضرہ کی عورتیں اور شریعت کی نزاکت قرآن مجید میں جب زور دار زیور پہن کر زمین پر چلنے کو مکروہ کہا ہے تو ان کی آواز غیروں کو سنانے میں بطریق اولیٰ مکروہ ہوگی کیونکہ عورت کی آواز بہ نسبت زیور کی آواز کے زیادہ فتنہ انگیز ہے۔

مسئلہ: ـــــــ اسی آیت سے فقہاءُ نے استدلال کیا ہے کہ عورت کو اذان کہنا مکروہ ہے اس لیے کہ اذان میں آواز کو بلند کرنا ہوتا ہے۔

فقیر (حقی) کہتا ہے کہ عورت کو ذکر بالجہر مکروہ ہے کیونکہ جب ان کے لیے جمعہ کی حاضری اور اذان مکروہ ہے

marfat.ocm

تو ذکر بالجہر کیسے ہوگا۔ بعض شہروں میں جو عورتیں ذکر جہر سے کرتی ہیں انھیں اس سے روکا جائے لیکن یہ اس وقت ہے جب آواز غیروں کے کانوں تک پہنچتی ہو۔

مسئلہ: عورت کے ذکر بالجہر کی آواز غیروں کو سنائی دے تو انھیں بجائے ثواب کے بہت زیادہ عذاب ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ان کے لیے جمعہ کی حاضری اور ذکر بالجہر جائز رکھا جائے تو ان کے لیے اذان کہنا اور نماز پڑھانا اور تلبیہ (لبیک) زور سے پکارنا جائز ہو جائے گا۔

مسئلہ: نصاب الاحتساب میں ہے کہ اگر کوئی عورت پازیب پہنے تو اسے سزا دی جائے اس لیے کہ جب چھوٹے بچے کے پاؤں میں پازیب ڈالنا مکروہ ہے تو عورت کے لیے بطریق اولیٰ مکروہ ہے بلکہ اس کے لیے شدید ترین مکروہ ہے اسس لیے عورت کو پردے میں رہنا ضروری ہے۔

وَتُوبُوا إِلَى اللهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ اے مومنو! سب کے سب اللہ تعالیٰ کے ہاں، توبہ کرو اس لیے کہ امر و نہی کے بارے میں بہت تھوڑے ہیں جو کوتاہی نہ کرتے ہوں بالخصوص شہوانی امور سے بچنا تو نہایت مشکل ہے۔

ف: جمیعاً توبوا کے فاعل سے ہے۔ اب عبارت یوں ہوگی:

توبوا الی اللہ مجتمعین۔

اور ایہا المؤمنین ایجاب کی تاکید ہے اور تنبیہ ہے کہ ایمان کا تقاضا ہے کہ ارشادِ باری تعالیٰ کی اتباع کی جائے۔

مسئلہ: ایہا المؤمنون کی تصریح سے ثابت ہوتا ہے کہ گناہِ کبیرہ انسان کو ایمان سے خارج نہیں کرتا، اس لیے کہ ایہا المؤمنون توبہ کے حکم کے بعد فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ توبہ کا حکم گناہ کے ارتکاب کے بعد ہوتا ہے۔

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ تاکہ تم سعادت دارین کی تحصیل میں کامیاب ہو جاؤ۔

ف: اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام اہلِ ایمان بندوں کو توبہ و استغفار کا حکم اس لیے فرمایا ہے کہ انسان فطرۃً کمزور ہے بہت تھوڑے ہیں جو کسی کوتاہی سے محفوظ ہوں ورنہ عموماً کسی نہ کسی غلطی کا ارتکاب ہو ہی جاتا ہے چاہے وہ برائی سے بچنے کی کتنی ہی کوشش کرے۔

ف: امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ توبہ کا سب سے زیادہ محتاج وہ ہے جو اپنے لیے توبہ کی ضرورت محسوس نہ کرے۔

نکتہ: جملہ اہلِ ایمان کو توبہ کا حکم اس لیے ہے تاکہ مجرم رسوا نہ ہو۔ کیونکہ اگر فرماتا کہ اے مجرمو! توبہ کرو۔ تو ان کی رسوائی ہوتی۔ اس سے امید بندھ جاتی ہے کہ جیسے ہمیں دنیا میں رسوا کرنا نہیں چاہتا، ایسے ہی

آخرت میں بھی رسوانہ کرے گا۔ (کذا فی کشف الاسرار)

چو رسوا نکردی بخبدیں خطا

دریں عالم پیش شاہ و گدا

دراں عالم ہم بر خاص و عام

بیامرز و رسوا مکن والسلام

ترجمہ: اے الہ العٰلمین! جب اس دنیا میں شاہ و گدا کے سامنے تُو نے ہمیں رُسوا نہیں کیا، اس عالمِ آخرت میں بھی ہمیں ہر خاص و عام کے سامنے رُسوا نہ کرنا۔ اسی بنا پر ہم عرض کرتے ہیں کہ ہمیں بخش دے اور رُسوا نہ کر۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ جیسے گناہ گاروں کو گناہ سے توبہ لازمی ہے ایسے ہی متوسط اور منتہی پر بھی توبہ لازم ہے اس لیے کہ ابرار کی حسنات مقربین کے ہاں سیئات متصوّر ہوتی ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے،

توبوا الی اللہ جمیعا فانی اتوب الیہ فی کل یوم مائۃ مرۃ۔

(اے اللہ کے بندو! توبہ کرو، میں بھی دن میں سَو بار توبہ کیا کرتا ہُوں)

مبتدی محرمات سے اور متوسط محلات کے زوائد سے اور منتہی ما سوی اللہ سے اعراض کرکے اور متوجہ الی اللہ ہو کر توبہ کرے۔ لعلکم تفلحون مبتدی کی فلاح نار سے نجات اور بہشت کا داخلہ اور متوسط کی ارض جنۃ کو عبور کرکے اعلیٰ علیین مقربین کے مقامات و درجات تک پہنچنے میں اور منتہی کے وجود مجازی کو محبوس کرکے وجود حقیقی کی طرف، ایسے ہی ظلمت خلقیہ سے نکل کر نور ربوبیۃ کی طرف پہنچنے میں ہے۔ مثنوی شریف میں ہے؛ ؎

١ چوں تجلی کرد اوصاف قدیم

پس لبسوزد وصف حادث راکلیم

......

٢ قرب نے بالا و پستی رفتن است

قرب حق از حبس ہستی رستن است

ترجمہ: (١) جب اوصافِ قدیم کے تجلیات نے غلبہ کیا تو کلیم کے وصف حادث کو جلا دیا۔

(٢) بالا و پستی کی طرف جانے کا نام قرب نہیں قرب حق ہستی مجازی کو محبوس کرنے کو کہتے ہیں۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جمیع اہلِ ایمان سے توبہ کا مطالبہ فرمایا ہے اور توبہ یہ ہے کہ

marfat.ocm

بندہ اپنے معبود کو ماننے اور شرک کو ترک کرے اس طرح سے اس کی توبہ قبول ہو جائے گی پھر اسے رجوع الی اللہ ضروری ہے یاد رہے کہ توبہ کے وقت ہزار دل خیالات حائل ہوں تب بھی توبہ کی قبولیت میں رکاوٹ کا سبب نہ بنیں گے۔ بلکہ توبہ کے وقت گناہ کا صدور ہو گیا تب بھی بعد کی توبہ قبول ہوگی۔ عام مومن کی علامت یہ ہے کہ جب اس سے گناہ کا صدور ہو تو اس کا سینہ تنگ، دل مغموم، روح نادم اور جسم راجع الی اللہ ہونے کو چاہتا ہے اس میں اشارہ ہے کہ مخصوص لوگ کبھی بعض امور سے قربتِ الٰہی سے محجوب اور مقاماتِ مخصوصہ و مشاہدات و معرفتِ حق اور توحیدِ الٰہی سے محجوب ہو جاتے ہیں اسی لیے انھیں حکم ہوتا ہے کہ اے ایمان والو! اسی حجب کے مقام میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو اس لیے کہ جو ان مقامات کی طلب یا خیال میں رہتا ہے تو معرفت الٰہی میں بہت شرمناک ہے اس لیے کہ جس کا گمان ہو کہ واصل باللہ ہے تو اسے معرفت وجودِ الٰہی اور کنہ جلال عزت سے کچھ حاصل نہ ہوگا اور جو بھی ہر آن اور ہر لحظہ توبہ پر التزام کرتا ہے تو بحرِ فنا میں فانی ہو کر محبوبِ خدا ہو جاتا ہے۔ اسی مقامِ فنا کے استغراق کی وجہ سے حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انہ لیغان علی قلبی وانی لاستغفر اللہ کل یوم مائۃ مرۃ۔

(بے شک میرے دل میں گرد و غبار بیٹھ جاتا ہے تو دن میں سو بار استغفار کرتا ہوں)

اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر توبہ کے بعد توبہ ضروری ہے یہاں تک کہ توبہ سے بھی توبہ کرنی چاہیے۔ اس کی برکت یہ ہوگی رؤیتِ قدوم و بقا سے بحرِ فنا فانی ہو جائے گا۔

اے اللہ! ہمیں فانی و باقی بنا۔ آمین

تفسیر عالمانہ

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ ایایم، ایامٰی کا مقلوب ہے ایامٰی، ایم کی جمع ہے جیسے یتامٰی، یتایم کا مقلوب، اور یتایم، یتیم کی جمع ہے اسے قلب مکانی کہا جاتا ہے۔ ایامٰی کے میم کی کسرہ کو فتح سے اور یاء کو الف سے تبدیل کیا گیا ہے۔ ایسے ہی یتامٰی کی تعلیل ہے۔ ایم وہ مرد جس کی زوجہ نہ ہو اور وہ عورت جس کا شوہر نہ ہو۔ بکر ہوں یا ثیب۔ ایسے ہی المفردات میں ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اے متولیو! تم اپنی قوم کے مردوں اور عورتوں کا نکاح کرو کیونکہ نکاح نسلِ انسانی کی بقا اور زنا کا محافظ ہے وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ الکواشی میں الصّٰلحین سے بہتر یا ایمان دار لوگ مراد ہیں۔ الوسیط میں الصلاح بمعنے ایمان لکھا ہے۔ المفردات میں لکھا ہے کہ صلاح، فساد کی نقیض ہے۔ ان دونوں کا استعمال صرف افعال میں ہوتا ہے۔

نکتہ: غلاموں کے نکاح کے لیے صلاح کی قید اس لیے ہے کہ وہ غلام جو نیک نہ ہو وہ اس لائق نہیں کہ اس کا آقا اس کے لیے کسی کا اہتمام کرے یا اس پر شفقت کرے بلکہ اس قسم کی ضروریات پوری کرے نہ شرعاً نہ عادتاً۔ بلکہ

ایسے نالائق غلام کو اپنے پاس رکھنا بھی گوارا نہ کرے اور نہ ہی اسے اپنے پاس رکھے۔

سوال: آزاد مرد و عورت کا نام آیت میں نہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ بے شک برائیوں کا ارتکاب کرتے رہیں۔

جواب: چونکہ ان میں عموماً فساد نہیں ہوتا بلکہ ان کے اکثر میں خیر و صلاح ہوتی ہے اس لیے ان کے ذکر کی ضرورت نہیں۔

سوال: آیت میں غلام اور کنیز پر عبد و اُمّۃ کا اطلاق کیا گیا ہے حالانکہ حدیث شریف میں ایسا اطلاق ممنوع ہے۔ چنانچہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ فلاں میرا غلام اور فلاں میری کنیز ہے اس لیے کہ تمام مرد اللہ تعالیٰ کے عبد اور تمام عورتیں اس کی کنیزیں ہیں۔ ہاں یُوں کہہ سکتا ہے کہ فلاں میرا غلام اور فلاں میری لونڈی ہے۔

جواب: حدیث شریف میں ممانعت اس لیے ہے تاکہ انسان میں تکبر اور غرور پیدا نہ ہو جائے کہ متکبرانہ طور تحقیر کرتے ہُوئے کسی کو اپنا عبد اور کنیز کہے۔ اس تقریر سے آیت و حدیث کا تعارض اُٹھ گیا۔

(**ف**: یہی ہم اہلسنت کہتے ہیں کہ عبد الرسول، عبد النبی وغیرہا اسماُ میں ہمارا عبدیت سے حقیقی معنیٰ مراد نہیں ہوتا بلکہ ہم ایسے اسماء میں عبد سے غلام مراد لیتے ہیں اور اس میں کوئی قباحت نہیں جیسا کہ آیت میں عباد و آماُ سے غلام اور کنیزیں مراد لی گئی ہیں۔ اضافہ از اویسی غفرلہٗ)

اِنْ یَّکُوْنُوْا فُقَرَآءَ یہ کہ وہ غلام اور کنیزیں ہُوں، درویش اور تنگ دست یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ انھیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مستغنی فرمائے گا یعنی تم اس ارادہ سے انھیں نکاح سے نہ روکو کہ ناکح یا منکوحہ غریب و مسکین ہیں نان و نفقہ کہاں سے لائیں گے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل وسیع اور لطف عام ہے کہ وہ اپنے بندوں کی غربت اور مسکینی دور کر کے انھیں دولت مند و تونگر بنا دے۔ ویسے دنیاو دولت آنی جانی شے ہے۔ ممکن ہے آج وہ غریب و تنگدست ہیں تو کل وہ غنی اور مالدار ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ ایسے طریق سے رزق پہنچاتا ہے جس کا ہمیں وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔

ف: جو شخص اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا فقیر بنا دے وہ کل کائنات سے مستغنی ہو جائے گا۔

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ اور اللہ تعالیٰ غنی اور ایسی وسعت کا مالک ہے کہ اس کی نعمتیں کہیں بھی ختم نہیں ہوتیں کیونکہ اس کی قدرت کی انتہاُ نہیں ہے۔ عَلِیْمٌ علیم ہے، اسی لیے وہ اپنے منشاُ پر جس کے لیے جیسے چاہتا ہے رزق گھٹاتا بڑھاتا ہے۔ وُہ جو کام کرتا ہے مبنی بر حکمت ہوتا ہے۔

marfat.ocm

مسئلہ : تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ نکاح سنّت ہے ۔

حدیث شریف ۱ : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

من احب فطرتی فلیستن بسنتی و من سنتی النکاح ۔

(جو شخص میری فطرت سے محبّت کرتا ہے اسے میری سنّت پر عمل کرنا چاہیے اور نکاح بھی میری سنّت ہے)

حدیث شریف : حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر و احصن للفرج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء ۔

(اے نوجوانو! تم میں جسے نکاح کی فرصت ہے اسے چاہیے کہ نکاح کرے اس لیے کہ نکاح آنکھوں کو برائی سے اور فرج کو زنا سے روکتا ہے ۔ جسے نکاح کی فرصت نہیں اسے روزہ رکھنا چاہیے ۔ اس لیے کہ روزہ زنا سے بچنے کے لیے ڈھال کا کام دیتا ہے ۔)

مسئلہ : اگر کسی کو وطی کا اتنا سخت میلان ہو کہ اسے زنا کا یقین ہو جائے تو اسے نکاح کرنا واجب ہے ۔ یہی امام ابوحنیفہ و امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے ۔

مسئلہ : امام مالک و امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا جسے نکاح کرنے کی ضرورت ہو اسے اگر نان و نفقہ کی فرصت نہ بھی ہو تو اسے نکاح کرنا مستحب ہے ۔

مسئلہ : جو شخص وطی کی طرف چنداں مائل نہیں اسے نوافل میں مصروف رہنے کے بجائے نکاح کرنا افضل ہے ۔ یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے ۔ امام مالک و امام شافعی اس کے برعکس فرماتے ہیں ۔

مسئلہ : امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دیگر نفلی عبادت سے نکاح کرنا افضل ہے ۔

مسئلہ : کیا کوئی عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر سکتی ہے ۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا یہی مذہب ہے، ان کی دلیل آیت :

فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن ۔

(انھیں نکاح کرنے سے مت روکو)

ہے ۔ آیت میں مردوں کو روکا گیا ہے کہ وہ عورتوں کو نکاح کرنے سے منع نہ کریں ۔ آیت سے ثابت ہُوا کہ عورت اپنے نکاح کی خود مالک ہے ۔ لیکن ائمہ ثلاثہ عورت کا ولی کے بغیر نکاح کرنا ناجائز ٹھہراتے ہیں ۔ اور

وہ بھی اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ آیت میں اولیاء متولیوں کو خطاب ہے جیسے غلاموں اور لونڈیوں کو از خود نکاح کرنے کی اجازت نہیں ایسے ہی آزاد عورتوں کو۔

مسئلہ : ائمہ کا اختلاف ہے کہ کیا آقا غلام کو نکاح کرنے پر مجبور کر سکتا ہے یا نہیں، جبکہ غلام نکاح کا خواہاں ہو۔ امام احمد نے فرمایا کہ جب غلام نکاح کا خواہاں ہو تو آقا پر لازم ہے کہ اس کا نکاح کر دے۔ ہاں لونڈی کا نکاح کر دینے کے بعد اس سے خدمت کرا سکتا ہے۔ اگر آقا غلام کو نکاح سے روکے تو پھر غلام کو مطالبہ کرنا جائز ہے کہ وہ اسے بیچنے پر مجبور کرے اور آقا پر بھی لازم ہے کہ ایسے غلام کو بیچ ڈالے۔ اس میں دوسرے ائمہ ثلاثہ نے اختلاف کیا ہے۔

مسئلہ : الکواشی میں ہے کہ آیت میں امر ندب کا ہے۔

ف : ترجمۃ الفتوحات میں ہے کہ اگر تم نکاح کا ارادہ رکھتے ہو تو قریشیوں میں نکاح کی جد و جہد کیجئے۔ اہل بیت کے خاندان سے نکاح ہو تو بہتر و موزوں تر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"اونٹ سوار عورتوں سے وُہ بہتر عورتیں ہیں جو قریش خاندان سے ہیں۔"

نکاح فقر و تنگ دستی دُور کرتا ہے

زجاج نے فرمایا کہ نکاح کی اللہ تعالیٰ نے اس لیے ترغیب دلائی ہے کہ نکاح فقر و فاقہ اور تنگ دستی کو دُور کرتا ہے۔ غناء دو قسم ہے :

(۱) غناء بالمال ، لیکن یہ ضعیف سبب ہے۔

(۲) غناء بالقناعۃ ، اور یہ اقویٰ سبب ہے۔

نکتہ : نکاح غناء کا سبب اس لیے ہے کہ عقد دینی عقد دنیوی تحصیل کا سبب ہے۔ یا تو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے اسباب تیار ہو جاتے ہیں جن کا فقیر تنگدست کو علم بھی نہیں ہوتا یا اس لیے کہ نکاح کے بعد انسان کاروبار کی فکر کرتا ہے اور کاروبار فقر و فاقہ کو دُور کر دیتا ہے ؎

رزق اگر چند بیگمان برسد
شرط عقلست جستن از درہا

ترجمہ : اگرچہ رزق اللہ تعالیٰ سے پہنچتا ہے لیکن اسے اسباب کے ذریعہ تلاش کرنا ضروری ہے۔

مسئلہ : ائمہ کا اختلاف ہے کہ کیا زوج جب تنگدست ہو جائے یہاں تک کہ اپنی عورت کو نان و نفقہ اور پوشاک اور مکان بھی نہ دے سکے تو کیا عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنا نکاح فسخ کرائے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس معاملہ میں عورت کسی شے کی مالک نہیں۔ البتہ اسے حکم دیا جائے کہ وہ ان امور کے لیے قرضہ اٹھائے

marfat.ocm

اور وقت کا حاکم اسے قرض اٹھانے کا حکم دے پھر بعد کو مرد سے قرض ادا کرائے۔ اگر مر جائے تو اس کے مال سے قرض پورا کرے۔

حکایت : حضرت امام جعفر بن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے کسی نے فقر و فاقہ کی شکایت کی تو آپ نے اسے نکاح کا حکم فرمایا۔ اس نے نکاح کے بعد بھی پہلے کی طرح فقر و فاقہ کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا : طلاق دے دے۔ آپ سے اس کا سبب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا : میں نے نکاح کا حکم اس لیے دیا کہ ممکن ہے کہ وہ اس آیت " ان یکونوا فقراء الخ کا مصداق ہے لیکن جب اس کا فقر بدستور رہا تو پھر میں نے سمجھا کہ وہ اس آیت کے بجائے دوسری آیت کا مصداق ہے وان یتفرقا یغن اللہ کلا من سعتہ۔

مسئلہ : بعض فقہاء نے فرمایا کہ بسا اوقات نکاح نہ کرنا واجب ہوتا ہے جب کہ وہ نکاح الٹا معصیت اور فساد کا موجب بنے۔

حدیث شریف ۱ : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

یأتی علی الناس زمان لا ینال فیہ المعیشۃ الا بالمعصیۃ فاذا کان ذالک الزمان حلت العزوبۃ ۔

(میری اُمت پر ایک ایسا وقت آنے والا ہے کہ اس وقت معیشت کا حصول معصیت اور گناہ کے ارتکاب کے بغیر نہایت مشکل ہو گا جب یہ زمانہ آجائے تو اس وقت نکاح کے بغیر زندگی بسر کرنا بہتر ہو گا)

حدیث شریف ۲ : حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اذا اتی علی اُمتی مائۃ و ثمانون سنۃ فقد حلت لھم العزوبۃ و الترھب علیٰ رؤس الجبال۔ (کذا فی تفسیر الکواشی)

(جب میری اُمت پر ایک سو اسی سال گزر جائیں تو اس کے بعد نکاح کے بغیر زندگی بسر کرنا بہتر ہو گا)

ظہورِ مہدی کا سن

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا :

اذا نفد عدد حروف بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فانہ یکون اوان خروج المھدی من بطن امہ ۔

(جب بسم اللہ شریف کے مطابق صدیاں ختم ہوں (یعنی ۱۹۰۰ھ) تو پھر مہدی موعود پیدا ہو گا) اسے حضرۃ الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر نے یوں نظم فرمایا : ؎

۱ اذا نفد الزمان علی حروف
ببسم اللہ فالمھدی قاما

۲ ودورات الخروج عقیب صوم
الا بلغہ من عندی سلاما

ترجمہ : (۱) جب بسم اللہ کے حروف کے مطابق زمانہ گزر جائے تو امام مہدی ظاہر ہوں گے۔

(۲) اور ظہور کا دور بھی بعد رمضان کے ہوگا۔ جب تشریف لائیں تو انہیں سلام عرض کرنا۔

ف : اگر حسد نہ ہوتا تو عدد کا راز ظاہر ہوتا۔

اسمٰعیل حقی کا بیان فقیر (اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ اگر ہر راء کو مکرر طور مانا جائے، جیسا کہ مشدد حروف کا تقاضا ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا ظہور ایک ہزار ایک سو چھیاسی ۱۱۸۶ سال پر ہوگا (لیکن یہ ان کا اپنا خیال ہے اس لیے کہ مذکورہ مدت میں مہدی کا ظہور نہیں ہوا صحیح وہی ہے جو ہم نے کہا کہ سنہ ۱۹۰۰ھ کے بعد ان کے ظہور کا امکان ہے)

ف : الکواشی کی نقل کردہ روایت کہ "ایک سو اسی سال کے بعد نکاح نہ کرنا بہتر ہوگا" سے بھی یہی مراد ہے کہ ایک ہزار کے بعد جب ایک سو اسی سال گزریں تو نکاح نہ کرنا بہتر ہوگا۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛

خیرکم بعد المائتین خفیف الحاذ۔

(دو سو سال کے بعد بہتر انسان وُہ ہے جس کی عیالداری بہت کم ہو)

حدیث شریف میں خفیف الحاذ کا لفظ ہے۔ اس کی مراد حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پُوچھی گئی تو آپ نے فرمایا:

الذی لا اھل لہ ولا ولد۔

(خفیف الحاذ وہ ہے) جس کا نہ کنبہ ہو نہ اولاد نہ کوئی اور)

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وانکحوا الایامٰی الخ میں ان مریدین طالبین کی طرف اشارہ ہے جو شیخ کامل کی خدمت سے محروم ہیں یعنی ایسے محروموں کو حکم دو کہ وہ شیخ کامل کی خدمت وصحبت میں رہیں تاکہ شیخ ان میں یوں تصرف کرے کہ ان کے قلوب کے ارحام میں صلب ولایت سے نطفہ ڈالے اس لیے کہ کامل اولیاء کی تلاش کے بعد جب ان کی صحبت وخدمت حاصل ہوئی تو گویا عالم غیب میں معناً انھیں ولادت ثانی نصیب ہوگی جیسے عالم شہادت میں صورۃً اس کی ولادت ہوئی ہے

marfat.ocm

ایسے ہی عالمِ غیب میں معنًا ولادت حاصل ہوتی ہے۔ جب شیخ کامل سے ولادت ثانیہ حاصل ہو جائے گی تو عالمِ ملکوت میں داخل ہونا نصیب ہو جائے گا۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا کہ "عالمِ ملکوت السمٰوٰت والارض میں وہ داخل ہو سکتا ہے جسے دوبارہ ولادت حاصل ہوتی ہے"۔ عیسٰی علیہ السلام کی عبارت میں النشاۃ الاخرٰی سے یہی ولادتِ ثانیہ مراد ہے، اور جب بندہ اس مقام کو پا لیتا ہے تو وہ کفر اور موت کی طرف رجوع سے محفوظ و مامون ہو جاتا ہے کفر کی طرف رجوع سے اس کی دلیل آیۃ "کیف تکفرون باللہ وکنتم امواتًا" ہے فاحیاکم یہاں پر احیاء سے ولادت اولیٰ مراد ہے ثم یمیتکم یہاں پر اماتت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے ارادے سے موت دی ثم یحییکم میں احیاء نشاۃ ثانیہ یعنی ولادتِ ثانیہ مراد ہے ثمّ الیہ ترجعون پھر تم اللہ تعالیٰ کے جذبہ سے ہی اس کی طرف رجوع کرو گے۔ کما قال،

ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ۔

اور موت سے اس کی دلیل آیۃ او من کان میتا فاحییناہ کیا تم مُردے نہیں تھے پھر ہم نے تمہیں نورِ ربوبیت سے زندہ کیا وجعلنا لہ نوراً یمشی بہ فی النّاس اور ہم نے اس کے لیے نور پیدا فرمایا۔ یہاں پر نور سے نورِ الٰہی مراد ہے جس سے وُہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے۔ جب بندے کو یہ نور حاصل ہو جاتا ہے تو وہ دائمی زندگی پا لیتا ہے جس سے موت کے خطرے سے محفوظ و مامون ہو جاتا ہے اگرچہ اس دنیا سے رخصت ہو کر دوسرے عالم میں جاتا ہے تب بھی وہ ہمیشہ کے لیے زندہ ہوتا ہے ان یکونوا فقراء سے مراد یہ ہے کہ وہ فیضِ الٰہی کے قبول کرنے کی استعداد سے محروم ہیں یغنھم اللہ من فضلہ انھیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے غنی کر دیتا ہے۔ اس کا معنٰی یہ ہے کہ انھیں فیضِ الٰہی کے قبول کرنے کی استعداد نصیب ہو جاتی ہے، ورنہ بندے کا اللہ تعالیٰ تک پہنچنا ناممکن ہے اس لیے کہ حادثات کے قدیم تک پہنچنے کی جملہ راہیں مسدود ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کھول دے تو پھر راہیں کشادہ ہیں، وہی فتاح ہے اور اسی کے ہاتھ میں ہر شے کے کھولنے کی کنجی ہے واللہ واسعٌ اللہ تعالیٰ ہی ارحامِ قلوب کو کشادہ کرتا ہے جس سے فیضِ الٰہی کے قبول کرنے کی استعداد حاصل کر لیتے ہیں علیمٌ اسے علم ہے کہ کون اس کے فیض تک پہنچنے کی استعداد رکھتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَلْيَسْتَعْفِفِ اس میں ان لوگوں کو جو اسباب و مبادی نکاح سے عاجز ہیں ایسے امر کی طرف رہبری کی جا رہی ہے جو ان کے لیے اولیٰ و افضل ہے اور ان کے لیے زیادہ لائق ہے جبکہ اس سے پہلے فقراء کو نکاح کرنے کے جواز کا طریقہ بتایا ہے۔

حلِ لغات : العفۃ نفس کو ایسی حالت کا حاصل ہونا جو اسے غلبۂ شہوت سے روک سکے المتعفف وہ شخص جسے یہی کیفیت حاصل ہو۔ اور الاستعفاف بمعنے طلب العفۃ۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ عفت اور شہوت کے

قلع قمع کرنے میں جد وجہد کریں اَلَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ نِکَاحًا وہ لوگ جو نکاح کے اسباب مثلاً مہر اور نان و نفقہ وغیرہ کی فرصت نہیں پاتے اس لیے کہ جسے یہ اسباب حاصل نہ ہوں تو اس کے لیے نکاح وغیرہ کرنا الٹا جنجال ہے۔ پھر ایسے لوگوں کے لیے روزہ ضروری ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء۔

(جو شخص نکاح کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اسے چاہیے کہ وہ روزہ رکھے اس لیے کہ روزہ ڈھال ہے)

یعنی روزہ سے شہوتِ نفسانی کمزور پڑ جاتی ہے اور اس سے جماع کی خواہش کا غلبہ ضعیف ہو جاتا ہے اس طرح سے فرج کی عفت و عصمت بطریقِ احسن حاصل ہوتی ہے۔

مسئلہ: جب شہوت کا غلبہ ہو تو اس وقت لیستعفف کے امر کو وجوب پر محمول کیا جائے۔

حَتّٰی یُغْنِیَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ یہاں تک کہ اسے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے غنی کر دے تاکہ اسے وہ اسباب حاصل ہوں جن سے وہ نکاح کر سکے۔

حکایت ترجمۃ الفتوحات میں ہے کہ ایک نیک انسان بظاہر دنیوی اسباب نہیں رکھتا تھا لیکن پھر بھی نکاح کر لیا۔ چند دنوں کے بعد عیال دار ہو گیا۔ جب عیالداری نے تنگ کیا تو لڑکے کو لے کر باہر میدان میں کھڑے ہو کر اعلان کیا یہ اس شخص کی سزا ہے جو فرمانِ الٰہی کے خلاف کرے۔ لوگوں نے کہا کیا آپ نے زنا کیا ہے؟ فرمایا نہیں۔ لوگوں نے کہا تو پھر یہ اعلان کیسا؟ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ولیستعفف الذین لا یجدون نکاحًا الخ

لیکن میں نے عجلت کی باوجودیکہ نکاح کرنے کی فرصت نہیں رکھتا تھا تاہم نکاح کر لیا بالآخر یہ دن دیکھنے پڑے۔ لوگوں نے اس کے حال پر رحم کھا کر اس کی اتنی مالی امداد کی جس سے وہ افلاس و تنگدستی کی پریشانی سے بچ گیا۔

سبق: بہرحال کبھی نکاح کی سنّت ادا کرنے سے غنا اور تونگری حاصل ہو جاتی ہے۔

تفسیرِ صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ ولیستعفف الّذین الخ یعنی جن لوگوں کو شیخ کامل دستیاب نہیں ہوتا ان پر لازم ہے کہ وہ تصرفاتِ دنیا اور خواہشاتِ نفسانی اور امورِ شیطانی سے ارحامِ قلوب کی حفاظت کریں حتّٰی یغنیھم اللہ من فضلہ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے حال پر رحم فرما کر اسے شیخ کامل کی طرف رہبر کرے، جیسے موسٰی علیہ السلام کو خضر کی راہ دکھائی۔ یا اس کے لیے شیخ کامل کو فیض پہنچانے کے لیے بھیج دے۔ جیسا کہ پہلے دستور تھا کہ ہر قوم کی طرف نبی مبعوث ہوتا۔ امتِ محمدیہ میں ولی مقرر ہوتا ہے۔ یا پھر اپنے جذبۂ عنایت سے اسے اپنی طرف کھینچ لے۔ ان تینوں سے

marfat.ocm

کوئی ایک حال ایسے متعفف کو ضرور نصیب ہوگا۔

تفسیر عالمانہ وَالَّذِیْنَ یَبْتَغُوْنَ الْکِتٰبَ

حل لغات :۔ الابتغاء بمعنے طلب میں جدوجہد کرنا۔ الکتب مفاعلہ کے باب کا مصدر ہے بمعنے مکاتبۃ یعنی جو لوگ بھی مکاتبت طلب کرتے ہیں۔

مِمَّا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ اور غلاموں سے یا کنیزوں سے کہ جن کے تم مالک ہو۔ مثلاً مولیٰ اپنے غلام سے کہے کہ تو اتنے عرصے کے اندر اتنی رقم ادا کر دے۔ غلام اسے قبول کر لے تو غلام آزاد ہو جائے گا بشرطیکہ اسی عرصے میں رقم معلوم ادا کر دے۔

حل لغات :۔ کاتب بمعنی مکاتبہ یہ اس وقت بولتے ہیں جب مولیٰ غلام کے ساتھ قسطوں پر رقم کی ادائیگی کی شرط پر اس کی آزادی کا عقد کر لے۔ جب غلام مدت معلومہ تک رقم معلوم ادا کرے گا تو وہ آزاد ہو جائے گا لیکن جب تک رقم ادا نہ کرے گا اس وقت تک وہ بدستور غلام رہے گا۔

نکتہ :۔ مفاعلہ کے صیغے میں یہ نکتہ ہے کہ آقا اپنے اوپر واجب کرتا ہے کہ غلام رقم ادا کرنے کے بعد آزاد ہو جائے گا اور غلام اپنے اوپر واجب کرتا ہے کہ وہ اپنا مال بدل بغیر خلل و نقصان کے مدت معلومہ میں ادا کرے گا۔ نیز اس عقد کا بدل میعادی ہے جسے غلام قسط وار ادا کرے گا اور اس مال مؤجل کے لیے کتاب میں لکھا جائے گا کہ غلام اتنے عرصے میں رقم معلوم ادا کر دے گا۔ اگرچہ نہ لکھیں تب بھی قانون شرع کے مطابق ہے اور اکثر اسی طرح ہوتا ہے اسی لیے اسے مکاتبت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ المفردات میں ہے کہ چونکہ عبد اپنے آقا سے اپنے آپ کو رقم معلومہ کے ساتھ خرید رہا ہے اسی لیے کتاب بمعنے ایجاب سے اس کا مشتق ہونا صحیح ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ الکتب بمعنے النظم باللفظ سے ہے اور چونکہ انسان یہ عقد زبان سے بول کر کرتا ہے اس لیے اسے اس لفظ سے مشتق کیا گیا ہے۔

شانِ نزول :۔ صبیح مولیٰ حویطب بن عبد العزیٰ کے غلام نے اپنے آقا سے مکاتبت کے ساتھ آزادی کا مطالبہ کیا تو اس نے انکار کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی (کذا فی التکملہ)۔

فَکَاتِبُوْهُمْ یہ اسم موصول کی خبر ہے اور وہ چونکہ شرط کے معنے کو متضمن ہے اسی لیے یہ فا جزائیہ ہے اب معنی یہ ہوا کہ تمہارے غلام اگر اپنی آزادی کا مطالبہ کرتے ہیں تو تم ان سے بدلہ لے کر انہیں آزاد کر دو۔

مسئلہ :۔ یہ امر ندب کا ہے اس لیے کہ مکاتبت ایک ایسا عقد ہے جو آقا اور غلام دونوں کے لیے نرمی کو متضمن ہے اس لیے ضروری نہیں کہ آقا غلام کی استدعا پر اسے آزاد کر دے۔ اور نہ ہی غلام پر ضروری ہے کہ وہ خواہ مخواہ مکاتبت کی استدعا کرے۔ اسی لیے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بدل کتابت

یکمشت دینا بھی جائز ہے اور اقساط پر بھی اور میعاداً بھی اور دست بدست بھی۔

اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ اگر تم اس میں خیر اور بھلائی سمجھو یعنی تمہیں یقین ہو کہ واقعی غلام بدل کتابت ادا کر دے گا تو ان کے ساتھ آزادی کا وعدہ کر لو جبکہ وہ حلال کمائی سے ادائیگی کرے تو وہ مال تمہارے لیے حلال طیب بھی ہو گا کہ تم نے اسے اپنے غلام کی حلال کمائی سے حاصل کیا ہے اور ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ تم ان میں یوں خیر اور بھلائی محسوس کرو کہ وہ آزادی کے بعد کسی کو ایذا نہیں دیں گے اور نہ ہی وہ مطلق العنان ہو جائیں گے۔

ف : حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر تم ان میں علم بالحق اور عمل صالح پاؤ تو آزاد کر دو۔ اور یہ شرط امر کے لیے ہے یعنی یہ استحباب عقد کے لیے ہے اور وہ فکاتبوھم سے معلوم ہوتا ہے اس کے انتفاء سے استحباب کا انتفاء ہو گا نہ کہ اس سے جواز کا بھی انتفاء ہو گا۔

وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ۭ یہ آقاؤں کو حکم ہے اور یہ امر بھی ندب کا ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے آقاؤ! اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے مال سے غلاموں کو بھی کچھ دو۔ یعنی مکاتبت کا بدل بالکل انہیں معاف کر دو یا کچھ لو اور کچھ معاف کر دو۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کفی بالمرء من الشح ان یقول آخذ حقی لا اترک منہ شیئا۔

(انسان کے بخل کی دلیل ہے کہ وہ کہے کہ میں اپنا حق لوں گا۔ اس سے ذرہ برابر بھی نہیں چھوڑتا)

حکایت اصمعی لکھتے ہیں کہ ایک اعرابی لوگوں کے پاس آیا تو وہ کہنے لگا کہ حق لیتے ہو یا اس سے بھی اور بہتر شے؟ انہوں نے کہا حق سے کیا شے افضل ہے؟ اس نے کہا کہ دوسروں پر احسان و کرم کرنا اپنا حق لینے سے افضل ہے (کذا فی المقاصد الحسنہ للسخاوی)

حویطب کا عمل بالقرآن کاشفی نے لکھا کہ حویطب نے اپنے غلام صبیح کو صد دینار کے عوض آزاد کیا تھا، لیکن جب آیت ہذا سنی تو اسے بیس دینار معاف کر دیے۔

ف : حویطب غزوۂ حنین میں مارے گئے۔

نکتہ : مال کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنے اور اسے ایتان سے موصوف کرنے میں تعمیل فرمان حق پر برانگیختہ کرنا ہے تاکہ بندے مامور بہ کو رغبت سے ادا کریں اس لیے کہ انہیں خیال آئے گا کہ جب مال کا مالک حقیقی وہی خود ہے اور اس نے ہمیں عطا فرمایا ہے اور اب وہ اسے خرچ کرنے کا فرماتا ہے تو پھر

marfat.ocm

ہم کون ہوتے ہیں کہ اسے اس کی راہ میں خرچ نہ کریں۔

ف: وَاٰتُوْھُمْ کا خطاب عام مسلمانوں کو ہے کہ وہ مکاتبوں کے آزاد کرانے میں ان کی نقد امداد کریں۔ ایسی آزادی کو عربی میں فک رقبہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یعنی گویا وہ ایک عذاب میں مبتلا تھا جو آزادی کے بعد اس عذاب سے نجات پا گیا۔

بشنو از من نکتۂ اے زندہ دل
وز پس مرگم بہ نیکی یاد کن
کہ بلطف آزادۂ بندہ ساز
کہ باحسان بندۂ آزاد کن

ترجمہ: اے زندہ دل! مجھ سے ایک نکتہ یاد رکھو، مرنے کے بعد مجھے یاد کرنا وہ یہ کہ آزاد کو اپنے لطف واحسان سے اپنا بندہ بنا اور احسان وکرم سے غلام کو آزاد کر۔

حدیث شریف میں ہے:

ثلاثۃ حق علی اللّٰہ عونہم المکاتب الذی یرید الاداء والناکح یرید العفاف والمجاھد فی سبیل اللّٰہ۔

(بندے کے لیے اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم تین حقوق ہیں:

۱۔ جن سے وہ اپنے بندوں کی مدد کرے جو غلام آزادی چاہتا ہے۔
۲۔ وہ شخص جو نکاح کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔
۳۔ مجاہد فی سبیل اللہ۔

مسئلہ: اس مکاتب کے متعلق ائمہ کا اختلاف ہے جو مکاتبت کی قسط کی ادائیگی سے پہلے فوت ہو گیا۔ امام اعظم اور امام مالک رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر اتنا مال چھوڑ گیا کہ اس کی قسط ادا کی جا سکے گی تو وہ آزاد ہے اور اگر کچھ مال بچ گیا تو وہ اس کی آزاد اولاد میں تقسیم ہو گا اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ غلام ہو کر مرا لیکن کتابت کی ادائیگی بھی اس سے مرتفع ہو گئی۔ یہ ایسے ہے جیسے مبیع قبضہ سے پہلے ضائع ہو گئی تو بیع ختم۔

وَلَا تُکْرِھُوْا فَتَیٰتِکُمْ اور اپنی لونڈیوں کو مجبور مت کرو۔ لفظ فتیٰ کا غلام اور فتاۃ لونڈی پر عام اطلاق ہوتا ہے ویسے فتی اس مرد کو کہتے ہیں جس پر جوانی کا غلبہ ہو۔ اسی مناسبت سے یہاں پر وہ لونڈی مراد ہے جو نوجوان ہو۔ چنانچہ عَلَی الْبِغَآءِ سے معلوم ہوتا ہے البغاء بمعنے زنا۔ اس لیے اس کا

صدور عموماً نوجوان عورتوں سے ہوتا ہے بخلاف بوڑھیوں اور چھوٹی بچیوں کے کہ ان سے زنا کا صدور نہیں ہوتا۔

حلِ لغات: بغت المرأۃ بغایۃ اس وقت بولتے ہیں جب کسی عورت سے فجور کا صدور ہو اور وہ اس لیے کہ وہ اپنے شرم وحیا سے تجاوز ہو کر ایسے فعل کا ارتکاب کرتی ہے۔ اور الاکراہ کا اطلاق اس وقت ہوتا ہے جب کسی کی ذات یا اس کے کسی عضو کے ضائع ہو جانے کا خطرہ ہو۔ معمولی خطرے پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی نوجوان عورتوں کے علاوہ دوسری عورتوں کے لیے مکرھۃ کہا جائے گا۔

اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا۔ تحصن بمعنے تعفف۔ یعنی اگر وہ زنا سے عفت وعصمت کا ارادہ کریں یعنی اپنے آپ کو حصن (قلعہ) کی طرح محفوظ رکھتی ہے۔

نکتہ ارادہ کی قید اتفاقی ہے۔ یعنی اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ اگر وہ زنا سے بچنے کی خواہشمند ہو تو مجبور نہ کرو۔ بلکہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ایسی حالت میں انہیں زنا پر مجبور نہ کرو۔ زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کی عادت تھی کہ عورتوں کو زنا پر مجبور کرتے تھے حالانکہ ان کی لونڈیاں زنا سے بچنے کی کوشش کرتی تھیں۔

شانِ نزول: منقول ہے کہ عبداللہ بن اُبی بن سلول کی چھ لونڈیاں نہایت حسین وجمیل تھیں جنہیں وہ زنا پر مجبور کرتا تھا۔ اگر وہ انکار کرتیں تو انہیں سخت سزا دی جاتی۔ ان میں سے دو لونڈیوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی، ان کا نام معاذہ ومسکینہ تھا۔ ان کی شکایت پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ف: اس میں جاہلیت کے لوگوں کی قباحت وشناعت کا ذکر ہے کہ وہ اس طرح کے گندے افعال کا ارتکاب کرتے تھے جیسا کہ سب کو معلوم ہے اس لیے کہ جسے تھوڑی سی مروت حاصل ہے وہ کبھی اپنی لونڈیوں سے اس طرح کی برائی نہیں دیکھ سکتا چہ جائیکہ انہیں ایسے گندے فعل کا امر مجبور کرے بالخصوص جب وہ برائی سے بچنے کے درپے ہوں۔

نکتہ: لفظ اذ کے بجائے اِن لانے میں نکتہ ہے ورنہ مورد نص میں ارادہ کا تحقق ہے۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ تنبیہ ہو جائے جس فعل میں شک وتردد ہو اس سے رکنا ضروری ہے تو جس میں تحقق ہے اس سے بطریق اولیٰ رکنا ضروری ہے۔

لِتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا یہ اکراہ کی قید ہے اور عرض ہر وہ شے جس کا کوئی ثبوت نہ ہو اسی کو متکلمین نے ہر اس شے کے لیے استعارۃً استعمال کیا ہے جسے ثبات نہ ہو بلکہ کسی دوسری شے پر قایم ہو جیسے رنگ، ذائقہ وغیرہما۔ اسی لیے مشایخ نے فرمایا: دنیا بھی وہی عرض ہے کہ اسے ثبات نہیں اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے لوگو! متاع سریع الزوال کی طلب میں لونڈیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو یا زنا کے بچے پیدا نہ کراؤ۔

marfat.ocm

ف : کاشفی نے لکھا کہ تبیان میں ہے کہ ایک زانی شخص زناکردہ عورت کے بچے کے لیے سو اونٹ دیتا تھا۔

وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ اور جو شخص عورتوں کو مذکورہ طریقے سے زنا پر مجبور کراتے تھے فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اکراہ کے بعد یہاں اکراہ مصدر مجہول ہے غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ انھیں بخشنے والا اور رحیم۔ ان کے اسم اور ان کی خبر کے درمیان اکراہ لانے میں اشارہ ہے کہ ان کے لیے مغفرت و رحمت کا موجب یہی اکراہ ہے۔

ف : اس میں دلالت ہے کہ اگرچہ انھیں زنا پہ مجبور کیا جائے تب بھی وہ اپنی فطرتِ بشری کے مطابق رغبت بھی کرتی ہیں اسی لیے انھیں مغفرت و رحمت سنائی گئی ہے۔

مسئلہ : الکواشی میں ہے کہ یہاں گناہ نہ کرنے کے باوجود انھیں مغفرت کہا گیا ہے کیونکہ جب انھیں قتل و ضرب کا خطرہ دلا کر ان کو زنا پر مجبور کیا گیا ہے تو پھر مغفرت کیسی!

مسئلہ : مرد کو اگرچہ زنا پہ مجبور بھی کیا جائے تب بھی اس پر لازم ہے کہ زنا نہ کرے۔ اس لیے کہ زنا کے فعل کا صدور مرد سے ہوتا ہے اور وہ اس پر پختہ ارادہ کر کے اس کا ارتکاب کرتا ہے۔ اگر وہ اس پر مارا بھی جائے تب بھی ناحق قتل کیا جائے گا اور قتل ہونا منظور کرے لیکن زنا سے بہر حال بچے۔

تفسیر صوفیانہ

(۱) آیت میں اشارہ ہے کہ بعض صلحا وہ ہوتے ہیں جو طلبِ الٰہی میں منتہی لوگوں کے مراتب تک نہیں پہنچتے لیکن وہ نفسِ امّارہ کی سرکشی پر غالب ہوتے ہیں ایسے لوگ اپنے نفس کو عذاب الٰہی سے آزاد کرانا چاہتے ہیں اور ان کا ارادہ ہوتا ہے کہ وہ عمل اور توبہ و استغفار سے نفس کو آتشِ نار سے بچائیں۔ فکاتبوھم تو اے نیک بختو! تم ایسے لوگوں سے توبہ کراؤ اگر ان میں صدق و صفائی کے آثار پاؤ اور یقین کرو کہ واقعی وہ اس توبہ پہ قائم رہیں گے اور جو وہ معاہدہ اللہ تعالیٰ سے کریں گے اس پر پورے اتریں گے۔ کیونکہ صوفیاء کرام کا قاعدہ ہے کہ وہ ہر ایک کو تلقین نہیں کرتے بلکہ ان لوگوں کو توبہ کراتے ہیں جنھیں اپنی فراست سے دیکھتے ہیں کہ واقعی وہ وفا کریں گے پھر جب ان میں وفا پاتے ہیں تو پھر انھیں ولایت کی سند عطا کرتے ہیں اور انھیں اجازت بخشتے ہیں کہ وہ اپنی قابلیت و صلاحیت سے خلقِ خدا کو دینی امور کا وعظ و نصیحت کریں۔ یاد رہے کہ ہر شے کی زکوٰۃ ہے اور ولایت کی زکوٰۃ علم و معرفت و نصیحت لینے والوں کو نصیحت و طالبین کا ارشاد اور بر و تقویٰ کا تعاون اور متقین سے نرمی و رفق ہے۔ پھر جیسے زکوٰۃ نہ دینے سے مال ضائع اور برباد ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی اس شخص سے ولایت چھن جاتی ہے جو رہبری حاصل کرنے والوں کو دروازے پر نہیں آنے دیتا۔ پھر جیسے سلطنت ظاہری کے لیے ضروری ہے کہ وہ مصالح عوام کے لیے ہر وقت کمربستہ رہے ایسے سلطنت باطنی کے لیے لازم ہے کہ وہ مسترشدین کے ارشاد کے لیے ہر آن تیار ہو

ع

وللارض من کاس الکرام نصیب

ترجمہ : اور سخیوں کے کاسوں سے زمین کو بھی حصہ نصیب ہوتا ہے۔

(۲) آیت میں اشارہ ہے کہ جب نفوس متمردہ بتوفیقِ ایزدی ولطف وکرمِ الٰہی سے توبہ و استغفار کر کے برائیوں سے بچنے کا ارادہ کریں تو شہواتِ نفسانیہ کے لیے انہیں فساد پر نہ اکسایا جائے۔

صُوفیہ کے نزدیک زانی کی تعریف

اہلِ معرفت فرماتے ہیں کہ جس کا نسب معنوی کسی ولی کامل سے نہیں ملتا اور وُہ اپنے کمال و تکمیل کا دعویٰ کرتا ہے تو حقیقت میں زانی وہی ہے اور جو ایسے زانی سے معرفت و حقیقت کی تربیت حاصل کرتے ہیں تو وُہ صوفیہ کے نزدیک بقولِ اہلِ تصوف ولد الزنا ہیں۔ ہم نے اپنے دور میں بہت سے بدقسمت دیکھے کہ وہ طالبانِ حق کو حقیقی اہلِ معرفت سے گمراہ کر کے صرف مدعیانِ معرفت کے ہاں لے جانے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ محض اہل اللہ سے بغض و عداوت اور عناد و سرکشی سے ایسا کرتے ہیں بلکہ اس بُرے عمل پر انھیں خواہشِ نفس اور باطنی مرض ابھارتا ہے، اور وہ طالبانِ حق کو اہلِ باطل کے ہاں بھی اسی لیے لے جاتے ہیں کہ وہ اہلِ باطل سے کھاتے پیتے ہیں۔ اسی معنے پر ایسے طالبانِ حق جو اہلِ باطل کے ہاں چلے گئے وہ ولد الزنا کی طرح ہیں اس لیے کہ اس کی استعداد گندے انڈے کی طرح ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں کافرین کے دھوکا و فریب اور ماکرین کے مکر سے بچائے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ بخدا ہم نے تمہارے ہاں اسی سورۃ کی آیاتِ روشن ان تمام ضروریات کے لیے نازل فرمائیں جن کی تمہیں حاجت ہے مثلاً حدود کے بیان و دیگر احکام اور آداب وغیرہا۔ اگرچہ درحقیقت ہر شے کا بیان کرنے والا خود اللہ تعالیٰ ہے لیکن یہاں پر آیات کی طرف مجازاً منسوب کیا گیا ہے وَّ مَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ اور ہم نے نازل کیں مثالیں ان لوگوں کی جو تم سے پہلے گزرے ہیں۔ مثلاً ان کے عجیب و غریب قصے اور ان کی وہ مثالیں جو کتبِ سابقہ میں بیان کی گئیں۔ ایسے وہ کلماتِ طیبات جو انبیاء علیہم السلام نے بیان فرمائے۔ مثلاً قصۂ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا، بی بی مریم و حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ یاد دلاتا ہے کہ جیسے ان کے قصے عجیب و غریب تھے ایسے ہی یہ جیسے زلیخا نے یوسف علیہ السلام پر تہمت لگائی حالانکہ وُہ اس تہمت سے بری تھے ایسے ہی بی بی عائشہ پر منافقین نے تہمت لگائی اور اس تہمت سے آپ کا دامن پاک تھا۔ ایسے ہی بی بی مریم پر یہود نے تہمت لگائی حالانکہ وہ اس تہمت سے پاک تھیں وَمَوْعِظَةً اور پند و نصیحت ہے کہ اس سے تم

marfat.ocm

عبرت پکڑو اور محرمات و مکروہات و دیگر ان امور سے دور رہنے کی کوشش کرو جو محاسن آداب و مدار لطف کے منافی ہیں لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ پرہیزگاروں کے لیے۔ متقین کی تخصیص صرف اس لیے ہے کہ وہی لوگ ان آیات سے نفع پاتے ہیں اگرچہ ان کا نزول سب کے لیے برابر ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ تاکہ ان سے وہ نصیحت حاصل کرے جو اتقاء کا ارادہ رکھتا ہے وہ بایں طور نصیحت پائے گا کہ جیسے گزشتہ لوگ ان افعالِ قبیحہ سے عذاب کی لپیٹ میں آگئے اگر میں بھی ان کا ارتکاب کروں گا تو میں بھی عذاب میں مبتلا ہوں گا۔ سعادتمند وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

نرود مرغ سوئے دانہ فراز
چو دگر مرغ بیند اندر بند
پند گیر از مصائب دگراں
تا نگیرند دیگراں ز تو پند

ترجمہ، کوئی پرندہ دانے کی طرف نہیں جاتا جب دیکھتا ہے کہ کوئی دوسرا پرندہ قید میں پھنسا ہے دوسروں کے مصائب سے ہی نصیحت حاصل کرو ایسا نہ ہو کہ دوسرے تجھ سے نصیحت پائیں۔

حکایت منقول ہے کہ شیر، لومڑی، بھیڑیا شکار کو نکلے۔ انہوں نے ایک وحشی گدھا، ہرن اور خرگوش شکار کیا۔ شیر نے بھیڑیے سے فرمایا کہ اسے تقسیم کرو۔ بھیڑیے نے کہا کہ حمار وحشی آپ کے لیے اور ہرن میرے لیے اور خرگوش لومڑی کے لیے۔ شیر کو غصہ آیا اس نے بھیڑیے کو ایک تھپڑ رسید کیا جس سے وہ زخمی ہوگیا۔ اس کے بعد شیر نے لومڑی سے تقسیم کے لیے کہا تو لومڑی نے کہا کہ آپ حمار صبح کو کھائیں، ہرن شام کو اور خرگوش درمیان میں۔ شیر نے لومڑی سے پوچھا تُو نے یہ ترکیب کہاں سے حاصل کی؟ لومڑی نے کہا بھیڑیے کو جو تھپڑ رسید ہُوا اس سے میں نے سمجھا۔

ف : نصیحت سے ہی قلوب نرم پڑتے ہیں اور خشک آنکھیں آنسو بہاتی ہیں اور یہ تاثیر تلاوتِ قرآن مجید میں بہت زیادہ ہے بشرطیکہ اسے حضورِ قلبی سے پڑھا جائے۔

حدیث شریف میں ہے:

ان ھذہ القلوب لتصدأ کما یصدأ الحدید۔

(قلوب زنگ آلود ہو جاتے ہیں جیسے لوہے کو زنگ لگ جاتا ہے)

آپ سے پُوچھا گیا کہ ان کا زنگ کیسا اترتا ہے؟

(باقی ص ۲۲۵ پر)

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌؕ
اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا اس کے نور کی مثال ایسی جیسے ایک طاق کہ اس میں
اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ
چراغ ہے وہ چراغ ایک فانوس میں ہے وہ فانوس گویا ایک ستارہ ہے موتی سا چمکتا روشن ہوتا ہے برکت والے
مُّبٰرَكَةٍ زَیْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِیَّةٍ وَّلَا غَرْبِیَّةٍۙ یَّكَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌؕ
پیڑ زیتون سے جو نہ پورب کا نہ پچھم کا قریب ہے کہ اس کا تیل بھڑک اٹھے اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے
نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍؕ یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُؕ وَیَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِؕ وَاللّٰهُ
نور پر نور ہے اللہ اپنے نور کی راہ بتاتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ مثالیں بیان فرماتا ہے لوگوں کے لیے
بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌۙ ﴿۳۵﴾ فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗۙ یُسَبِّحُ لَهٗ
اللہ سب کچھ جانتا ہے ان گھروں میں جنہیں بلند کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور ان میں اس کا نام لیا جاتا ہے اللہ کی
فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِۙ ﴿۳۶﴾ رِجَالٌۙ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ
تسبیح کرتے ہیں ان میں صبح اور شام وہ مرد جنہیں غافل نہیں کرتا کوئی سودا اور نہ خرید و فروخت اللہ کی یاد اور نماز برپا
الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءِ الزَّكٰوةِ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾ لِیَجْزِیَهُمُ
رکھنے اور زکوٰۃ دینے سے ڈرتے ہیں اس دن سے جس میں الٹ جائیں گے دل اور آنکھیں تاکہ اللہ انہیں
اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَیَزِیْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖؕ وَاللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾
بدلہ دے ان کے سب سے بہتر کام کا اور اپنے فضل سے انہیں انعام زیادہ دے اور اللہ روزی دیتا ہے جسے چاہے
وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِیْعَةٍ یَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءًؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ
بے گنتی اور جو کافر ہوئے ان کے کام ایسے ہیں جیسے دھوپ میں چمکتا ریتا کسی جنگل میں کہ پیاسا اسے پانی سمجھے یہاں تک جب
یَجِدْهُ شَیْـٴًـا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗؕ وَاللّٰهُ سَرِیْعُ الْحِسَابِۙ ﴿۳۹﴾ اَوْ
اس کے پاس آیا تو اسے کچھ نہ پایا اور اللہ کو اپنے قریب پایا تو اس نے اس کا حساب پورا بھر دیا اور اللہ جلد حساب کر لیتا ہے
كَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌؕ ظُلُمٰتٌۢ
جیسے اندھیریاں کسی کنڈے کے دریا میں اس کے اوپر موج موج کے اوپر اور موج اس کے اوپر بادل اندھیرے ہیں
بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍؕ اِذَاۤ اَخْرَجَ یَدَهٗ لَمْ یَكَدْ یَرٰىهَاؕ وَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا
ایک پر ایک جب اپنا ہاتھ نکالے تو سوجھائی دیتا معلوم نہ ہو اور جسے اللہ نور نہ دے اس کے
لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿۴۰﴾
لیے کہیں نور نہیں

marfat.ocm

تفسیرِ عالمانہ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ امام غزالی قدس سرہٗ نے نور کی تعریف اسم نور کی شرح میں یوں لکھی ،

هوالظاهر الذی به کل ظهور۔

(نور وہ ہے جس سے ہر شے کا ظہور ہو)

وہ اس لیے کہ ظاہر وہ ہوتا ہے جو خود ظاہر ہو اور دوسروں کو ظاہر کرے (ہم اہلسنت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی لیے نور مانتے ہیں کہ آپ کی وجہ سے کل کائنات ظاہر ہوئی یہاں تک کہ کُن کا ظہور بھی ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرہونِ منت ہے) وجود عدم کا بالمقابل ہے اور ظاہر ہے کہ ظہور وجود کا ہوتا ہے نہ کہ عدم کا اور عدم سے تو اور کوئی شے تاریک تر نہیں ہے اور جو شے عدم کی ظلمات سے کوسوں دُور ہو اس کے لائق ہے کہ اسے نور سے تعبیر کیا جائے اور نور ایسا وجود ہے جو کل کائنات کو فیض پہنچاتا ہے۔ اور یہ ذاتِ الٰہی کا نور ہے۔ اسے نور السمٰوٰت والارض کہا گیا ہے جیسے سورج کے نور کا ذرہ ذرہ سورج کی ذات پر دلالت کرتا ہے۔ ایسے ہی کل کائنات کا ذرہ ذرہ واجب الوجود کے وجود پر دلالت کرتا ہے۔ اسی تقریر کی تائید تاویلاتِ نجمیہ سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ لکھا :

اللہ نور السمٰوٰت والارض۔

اللہ تعالیٰ وُہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کو عدم سے وجود میں ظاہر فرماتا ہے۔ ویسے بھی نور لغت میں ضیاءُ (روشنی)

(ص ۲۲۳ سے آگے)

آپ نے فرمایا :

تلاوۃ القرآن وذکر اللہ تعالیٰ۔

(تلاوتِ قرآن اور ذکرِ الٰہی سے)

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ قرآن کو غور سے سُن کر اس سے نصیحت حاصل کرے اور اس کے اوامر و نواہی کو تہِ دل سے قبول کر کے ان پر عمل کرے تاکہ اس پر ان کے ظواہر و بواطن کے اثرات ہوں ؎

مہتری در قبول فرمانست
ترک فرمان دلیل حرمانست

ترجمہ : سرداری فرمانِ الٰہی کو قبول کرنے میں ہے فرمان کا ترک محرومی کی علامت ہے۔

کو کہا جاتا ہے اور روشنی وہ ہے جو اشیاء کو آنکھوں کے لیے ظاہر کرے ۔ اس سے ثابت ہوا کہ نور میں تشبیہ و استعارہ ہے کہ جیسے نور اشیاء کو ظاہر کرتا ہے ایسے ہی ذاتِ حق اشیاء کو عدم کو وجود سے ظاہر کرتی ہے یعنی عدم سے وجود میں لاتی ہے کیونکہ ظہور عدم کو وجود میں لانے کو کہا جاتا ہے ۔ کیونکہ جملہ اعیانِ ثابتہ ظلمتِ عدم میں علمِ الٰہی میں مخفی تھیں پھر وہ قدرتِ الٰہی کی تاثیر سے ظاہر ہوئیں ۔ کما فی حواشی ابن الشیخ

علامہ اسمٰعیل حقی کی تحقیق فقیر (حقی علیہ الرحمۃ) کہتا ہے کہ یہاں پر تشبیہ و استعارہ کی ضرورت ہی کیا ہے جبکہ نور اسمائے الٰہیہ سے ہے اور یہ اسم اللہ تعالیٰ کے لیے حقیقی معنیٰ میں مستعمل ہے نہ کہ مجازی معنیٰ میں ۔ یعنی نور بمعنے منوّر ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جملہ ماہیات معدومہ کو انوار وجود سے ظاہر فرمایا جبکہ اس نے تمام اشیاء کو کتمِ عدم سے اپنے فیضِ جود سے منور فرمایا۔

حدیث شریف : حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

ان اللّٰہ خلق الخلق فی ظلمۃ ثم رش علیہم من نورہ۔

(اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو ظلمت میں پیدا فرما کر پھر اس پر اپنے نور کا چھینٹا مارا)

ف : حدیث شریف میں خلق بمعنے تقدیر ہے اس لیے کہ تقدیر الٰہی تخلیق و ایجاد سے پہلے ہے۔ اور رش النور (نور کا چھینٹا مارنا) سے افاضۃ الوجود علی الممکنات مراد ہے اور ممکن کو ظلمت سے تعبیر کیا جاتا ہے اس لیے کہ ممکن وجود سے منور ہوتا ہے اور تنویر بمعنے ایجاد ہے۔

اقسامِ نور نور چار قسم ہے :

(۱) وہ جس سے آنکھوں کو اشیاء ظاہر ہوں لیکن وہ خود دیکھنے والا نہیں، جیسے سورج وغیرہ کا نور کہ جس سے پوشیدہ اشیاءُ ظاہر ہوتی ہیں ۔

(۲) آنکھ کا نور کہ جس سے اشیاء کو آنکھیں دیکھتی ہیں یہ پہلے نور سے اشرف ہے ۔

(۳) عقل کا نور، یہ اشیاء معقولہ مخفیہ کو آنکھوں کے لیے ظاہر کرتا ہے۔

(۴) نور الحق ، یہ اشیاءِ معدومہ مخفیہ کو ظاہر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم میں شے کے وجود و عدم کا کوئی فرق نہیں، وجود و عدم کا فرق مخلوق کے لیے ہے۔

اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ ازلیہ سے اشیاء کو عدم سے وجود میں لاتا ہے ؎

در ظلمت عدم ہمہ بودیم بے خبر
نور وجود سر شہود از تو یافتم

marfat.ocm

ترجمہ : ہم سب ظلمتِ عدم میں بے خبر پڑے تھے نورِ وجود سے ہمیں شہود نصیب ہُوا۔

ف : بعض مشایخ نے فرمایا کہ زمانۂ عدم میں کسی ساکن کو متحرک کی خبر نہ تھی اور نہ ہی اسے اونچا نیچا معلوم تھا اور نہ ہی اسے قبیح و صبیح معلوم تھا جب نور نمودار ہُوا تو ظلام عدم نے شکست کھائی اور وجودات و کیفیات ظاہر ہوئیں، پھر معلوم ہُوا کہ صاف و شفاف شے کون سی ہے اور میلی کچیلی کون سی۔ اس ظہور کے بعد ہی واضح ہُوا کہ عرض کیا ہے اور جوہر کیا۔ اور ہر ذی شعور کو معلوم ہے کہ یہ معلومات نور سے حاصل ہوتے ہیں لیکن نور کے ادراک سے تاحال متحیر ہے حالانکہ تمام عالم نور سے منور ہے لیکن خود مخفی ہے اور ظاہر تو ہے لیکن بالذات چھپا ہے۔ یہی کیفیت ذاتِ حق کی سمجھیے کہ ہم نے اسے جانا تو سہی لیکن تاحال اس کی کنہ کے ادراک سے ہم سب بے خبر ہیں۔ اسی معنے پر اسے نور کہنا زیادہ مناسب ہے ؎

ہمہ عالم بنورِ اوست پیدا
کجا او گرد از عالم ہویدا

ترجمہ : تمام عالم اسی کے نور سے ظاہر ہے لیکن وہ خود ظاہر کہاں!

زہے نادان کہ او خورشید تاباں
بنورِ شمع جوید در بیاباں

ترجمہ : اس سے بڑھ کر نادان اور کون ہو سکتا ہے کہ جس کے سامنے سورج چمک رہا ہے لیکن وہ جنگل میں شمع کا متلاشی ہے۔

ف : تبیان میں ہے کہ نور بمعنے مدلول ہے یعنی آسمان و زمین کی ہر شے اس کی ذات پر دلالت کرتی ہے یعنی جسے دیکھو وہی اس کی قدرت کی دلیل اور اس کی حکمت کی نشانی ہے وہ آسمان کی اشیاء ہوں یا زمین کی۔

؎

ففی کل شئٍ لہ اٰیۃ
تدل علی انہ واحد

ترجمہ : ہر شے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پہ دلالت کرتی ہے۔

ع وجود جملہ اشیاءَ دلیلِ قدرتِ او

ترجمہ : ہر شے کا وجود اس کی قدرت کی دلیل ہے۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نور بمعنے ہادی ہے اس لیے کہ جملہ عالم اللہ تعالیٰ کے نور سے

ہدایت پاتا ہے بلکہ حیرۃ ضلالت سے اس کی ہدایت سے ہر ایک نجات پاتا ہے بلکہ یُوں کہو کہ ہر ایک نے اس کی ہدایت سے ہستی پائی اور اسی کے ارشاد سے دین و دنیا کی مصلحتیں سمجھیں چونکہ تمام لوگ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے نورِ ہدایت پاتے ہیں اسی لیے اسے نور سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس لیے عرب کی عادت ہے کہ جو شے کسی دوسری شے سے حاصل ہو تو اس دوسری شے والے نام سے پہلی شے کو موسوم کرتے ہیں، جیسے بارش بادل سے ہوتی ہے تو کبھی بارش کو بادل کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ چونکہ نورِ ایمان و ہدایت اللہ تعالیٰ کی توفیق سے نصیب ہوتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنا نام نور رکھا۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ نور کو ہدایت اور ہدایت کو نور کہا جائے اس لیے کہ یہ ایک دوسرے سے حاصل ہوتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

وبالنجم ھم یھتدون۔

چونکہ لوگ ستاروں سے ہدایت پاتے ہیں اسی لیے ستارے کو ہادی کہا گیا ہے اور لوگوں کو ہدایت یافتہ کہا گیا ہے اس لیے کہ انہوں نے ستاروں سے راہ پائی۔ اس معنے پر قرآن و توراۃ کو بھی نور کہا گیا ہے اس لیے کہ انہی سے ہدایت حاصل ہوتی ہے۔ کما فی الاسئلۃ المقحمہ۔

ف: اس تقریر سے ثابت ہوتا ہے کہ ہدایت کو نُور سے تشبیہ دی گئی ہے اس لیے کہ ہدایت وصول الی المطلوب کا سبب ہے اسی لیے بطور استعارہ ہدایت کو نور کہا گیا ہے اور نور کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق رجل عدل کے قبیل سے ہے۔

نُور بمعنے علم حضرت شیخ الشہیر بافتادہ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ کشف کے طور میرے دل میں کھٹکا ہے کہ آیت میں نور بمعنے علم ہے اور رجل عدل کی طرح علم بمعنے عالم ہے اور وجہ مناسبت یہ ہے کہ جس طرح علم سے معقولات بلکہ جملہ امور منکشف ہوتے ہیں ایسے ہی نور سے جملہ محسوسات منکشف ہوتے ہیں۔ کذا فی الواقعات المحمودیہ۔

نُور بمعنے منوّر بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں پر نور بمعنے منوّر ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو سورج و چاند اور ستاروں سے اور زمین کو انبیاء و اولیا، علماء اور اپنے دیگر نیک بندوں سے منور فرمایا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ عرائس البیان میں ہے کہ آیت میں السمٰوٰت والارض میں انسانوں کی صورت مراد لی گئی ہے۔ اس لیے انسان کا سر السمٰوٰت اور اس کا بدن زمین ہے اللہ تعالیٰ نے

marfat.ocm

اپنی قدرت کاملہ سے اس زمین آسمان کو یوں منور فرمایا کہ سر کو سمع بصر، سونگھنے، چکھنے اور زبان میں بیان کا نور بخشا۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کی آنکھ کا نور سورج اور چاند کے نور کی طرح ہے اور کان میں زہرہ و مشتری کے نور کی طرح اور مریخ و زحل کے نور کی طرح اور زبان کا نور عطارد کے نور کی طرح ہے۔ اور یہ سات بروج انسان کے سر میں سرایت کرتے ہیں ایسے ہی بدن کی زمین کو جوارح و اعضاؔ و عضلات اور لحم و دم و شعرات سے سنگارا اور اس زمین بدن کے پہاڑ اس کی ہڈیاں ہیں۔

ف : امام زاہد نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو نور تو کہہ سکتے ہیں لیکن اسے روشنی کہنا ناجائز ہے اس لیے کہ روشنی تاریکی کی نقیض ہے اور اللہ تعالیٰ ان دونوں نقیضوں کا خالق ہے۔ ہاں وہ نور جو ظلمت کی نقیض ہے وہ حادث ہے اس لیے کہ جو شے کسی حادث کی نقیض ہو وہ بھی حادث ہے۔

اب آیت کا معنیٰ یوں کرنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ اس نور کا خالق ہے جو ظلمت کا بالمقابل ہے۔

نکتہ : اگرچہ اللہ تعالیٰ کا نور کسی اضافت کا محتاج نہیں لیکن اسے السمٰوٰت والارض کی طرف اضافت کرنے میں اشارہ ہے کہ وہ اشیاء کو منور کرنے میں بہت بڑی قدرت رکھتا ہے جیسا کہ اس نے آسمانوں اور زمینوں کو منور فرمایا۔ اور قرآن کا قاعدہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی وسعت کا ذکر فرماتا ہے تو آسمان و زمین کا نام لے کر۔ چنانچہ دوسرے مقام پر جنت کی وسعت میں فرمایا :

وجنة عرضها السمٰوٰت والارض۔

ف : السمٰوٰت والارض سے جملہ عالم مراد لیا جائے۔ جیسا کہ مہاجرین و انصار کا نام لے کر جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد لیے جاتے ہیں۔ کذا فی حواشی سعدی المفتی۔

حدیث قدسی : اس کی نظیر حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا :

لولاك لما خلقت الافلاك۔

(اے محبوب! اگر آپ نہ ہوتے تو میں افلاک (یعنی جملہ عالم) کو پیدا نہ فرماتا)

اور حدیث شریف میں صرف افلاک کا ذکر ان کی عظمت کی وجہ سے ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ مخلوق صرف انھیں کو محسوس کرتی ہے۔ (یہی تقریر موزوں تر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقة الحال)

تفسیر عالمانہ

مَثَلُ نُوْرِہٖ یعنی اللہ تعالیٰ کا وُہ نور جو جملہ اشیاء کو فیض بخش رہا ہے اور جس سے جملہ عالم مستنیر ہے اور اس سے قرآن مجید مراد ہے۔ (کمافی الارشاد)

اور یہ تمثیل مشکوۃ کے ساتھ اس کے جلاؑ اور ہدایت کے ساتھ ہے جو قرآن مجید میں ہے۔ اور مثل سے صفۃ عجیبہ مراد ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے نورعجیب کی صفت یہ ہے اور مثل نورہ کی اللہ تعالیٰ کی طرف اضافۃ میں اشارہ ہے کہ نور اپنے حقیقی معنیٰ میں نہیں ہے۔ کمافی انوار التنزیل۔

کَمِشْکٰوۃٍ مثل اس دریچہ کے جو دیوار میں ہو، جس کی باہر سے کوئی راہ نہ ہو۔ یہ لغت حبشیہ ہے۔

فِیْھَا مِصْبَاحٌ اس میں بہت بڑا چراغ ہے جو بہت زیادہ روشن ہے۔ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ اور وُہ چراغ شیشے میں ہو۔

حل لغات: الزجاجۃ، الزجاج سے ہے بمعنے صاف اور رونق والا۔ چراغ جب شیشے اور پھر کسی دریچے میں رکھا جائے تو بہت زیادہ روشنی دیتا ہے، اس لیے کہ مکان جتنا تنگ ہوتا ہے چراغ اس میں اتنی ہی زیادہ روشنی پھیلاتا ہے بخلاف فراخ مکان کے کہ اس میں اتنی زیادہ روشنی نہیں ہوتی اس لیے کہ چراغ کی روشنی مکان کی مکانیت میں تقسیم ہوتی ہے۔ اور زجاجہ کی تخصیص اس لیے ہے کہ وہ دیگر جواہرات کی بہ نسبت زیادہ صاف و شفاف ہوتا۔

اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ۔ دری بمعنے روشن موتی۔ یعنی وہ شیشہ اپنی صفائی میں ایسے ہے کہ گویا وہ چمکدار ستارہ ہے۔ اس سے زہرہ، مشتری، مریخ مراد ہے۔ اور درادی ان کا لقب ہے کہ عظمت اور رونق اور روشنی میں یہی ستارے دوسروں سے بڑھ کر ہیں۔ اور یہ جملہ محلاً مرفوع ہے اس لیے کہ الزجاجۃ کی صفت ہے یا الف لام زائد ہے۔ اسی لیے الیسی تاویل کی ضرورت نہیں۔ گویا یوں فرمایا گیا ہے:

فیھا مصباح ھو فی زجاجۃ ھی کانھا کوکب دری۔

نکتہ: المصباح و الزجاجۃ کو پہلے نکرہ پھر معرفہ لانے میں ان کی تفخیم شان مطلوب ہے کہ قاعدہ ہے کہ جسے اجمال کے بعد تفسیر سے ذکر کیا جائے وہ شے معظم بالشان سمجھی جاتی ہے۔

یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ یعنی جس چراغ کو روشن کرنے کی زیتون کے درخت سے ابتدا کی جائے، مُّبٰرَکَۃٍ برکت والا، یعنی کثیر المنافع ہے اس لیے کہ جس زیتون سے چراغ جلایا جاتا ہے وہ سالن کا کام بھی دیتا ہے، اس کا تیل بہترین ہوتا ہے، چمڑے کو مل دیا جائے تو اسے مضبوط کرتا ہے اور اس کی لکڑی کو جلا کر اس کی راکھ سے ابریشم کو دھویا جاتا ہے۔ اس کا تیل آسانی سے نکلتا ہے یہاں تک کہ

marfat.ocm

اسے کولھو میں ڈالنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور پھر اس سے چراغ جلایا جاتا ہے تو روشنی تیز ہونے کے باوجود اس سے دھواں نہیں نکلتا۔ اس کی مالش سے پھنسی پھوڑوں سے شفا مل جاتی ہے۔ زَيْتُوْنَةٍ یہ مبارکۃ سے بدل ہے۔ اور یہ وہ بابرکت درخت ہے جس کے لیے ستر انبیاء علیہم السلام نے دعا فرمائی منجملہ ان کے ابراہیم علیہ السلام بھی ہیں انہی حضرات کی دعا سے اس میں بہت زیادہ فوائد مضمر ہیں اور اس کی تخصیص بھی اسی لیے ہے کہ اس کی روشنی بہ نسبت دوسرے درختوں کے تیل کے روشن و صاف تر ہوتی ہے۔

ف: انسان العیون میں ہے کہ زیتون کا درخت تین ہزار سال تک باقی رہ سکتا ہے۔

لَا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ یعنی نہ یہ شرقی ہے کہ صرف بوقتِ طلوع اس پر سورج کی دھوپ پڑتی ہے اور نہ غربی ہے کہ صرف غروب کے وقت اس پر دھوپ پڑتی ہو۔ بلکہ یہ ایسا ہے کہ کسی وقت بھی اس پر سورج کی دھوپ کا اثر نہیں پڑتا جیسے کوئی شے پہاڑ کی غار میں یا جنگل کی اوٹ میں ہو۔ ایسے درخت کے میوے خوب پکتے ہیں اور اس کا تیل صاف و شفاف ہوتا ہے۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ سورج کے طلوع ہونے کے مقام پر نہیں کہ جسے دھوپ کی گرمی جلا دے اور نہ ہی ایسے مقام پہ واقع ہے جہاں سورج کی گرمی کا اثر بھی نہ پڑتا ہو۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ مشرق کے ایسے مقامات پہ ہے جیسے کنذ اور دیارِ چین و خطا، اور نہ مغرب کے ایسے مقامات پہ ہے جیسے طنجہ و طرابلس اور دیارِ قیروان، بلکہ وہ ان کے درمیان کے ممالک میں پیدا ہوتا ہے جیسے علاقۂ شام۔ اس لیے کہ اس ملک کا زیتون اچھا ہوتا ہے۔ مشرق و مغرب کے درمیان خطِ استواء پر واقع ہے جسے قبۃ الارض سے تعبیر کیا جاتا ہے اس لیے کہ یہاں پر نہ مشرق ہے نہ مغرب اور نہ ہی وہاں سورج کی گرمی کا اثر پڑتا ہے نہ سردی کا۔ بعض علماءِ کرام فرماتے ہیں کہ یہ جملہ زمین آباد و غیر آباد کے وسط میں واقع ہے اسی لیے اسے قبۃ الارض کہا جاتا ہے اور یہ ایسی جگہ ہے جہاں ہمیشہ موسم معتدل رہتا ہے اور رات اور دن کے اوقات برابر ہوتے ہیں یعنی اس کا دن بھی بارہ گھنٹے کا ہوتا ہے اور رات بھی بارہ گھنٹے کی۔ حضرت حسن بصری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس درخت کی اصل بہشتی ہے اور چونکہ یہ درخت اس عالمِ دنیا کا نہیں ہے اس لیے تو یہ شرقی ہے نہ غربی يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ قریب ہے کہ اس کا تیل روشنی دے وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ اگرچہ اسے آگ نہ پہنچے۔ یعنی وہ ایسا چمکتا ہے کہ اسے آگ لگانے کی ضرورت ہی نہیں۔ یعنی نور پھیلانے اور صفائی میں کسی شے کا محتاج نہیں اسے آگ لگائی جائے تب بھی روشن، نہ لگائی جائے تب بھی۔ وہ ہر حالت میں روشن اور صاف ہے روشنی کے لیے اس کی شرط پائی جائے یا نہ۔ اس معنے پر یہ جملہ حالیہ ہے تاکہ اس کے جملہ اوقات کے متعلق معلومات حاصل ہوں نُوْرٌ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ دراصل ذٰلك النور الخ تھا۔ یعنی

وہ نور جسے قرآن سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کی مثال صفت عجیبۃ الشان سے بیان کی گئی ہے۔ یعنی وہ نور ایسا ہے جو ہونے والا ہے عَلٰی نُوْرٍ ؕ نور پر یعنی دُہرا نور ہے اس لیے کہ چراغ کے نور میں زیتون کے تیل کی صفائی اور قندیل کی رونق اور ضبط مشکوٰۃ کی وجہ سے اضافہ ہوتا ہے اس سے دو نور مراد نہیں بلکہ اس سے کثرت مطلوب ہے جیسے کہا جاتا ہے :

فلاں یضع درھمًا علٰی درھم۔

اس سے صرف دُو درہم مراد نہیں ہوتے۔ بلکہ اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ بہت زیادہ دراہم رکھتا ہے۔ یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ اپنی ہدایت خاص جو موصل الی المطلوب ہو کی طرف اسی نور کی وجہ سے رہبری فرماتا ہے مَنْ یَّشَآءُ ؕ جس کے لیے چاہتا ہے۔ یعنی اپنے بندوں میں جس کے لیے چاہتا ہے یعنی اسے توفیق بخشتا ہے اس کے دلائل و براہین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔ اور اس کلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنا معجزہ اور غیبی خبریں دینا وغیرہ موجباتِ ایمان سے ہے اور یہی ہدایت خاصہ کے قبیل سے ہے اسی لیے من یشآء فرمایا اس لیے کہ اس ہدایت کا دارومدار مشیتِ ایزدی پر ہے اگرچہ بظاہر اس کے اسباب نہ ہوں تب بھی اس کے مخصوص بندے اپنے مطالب میں کامیاب ہو جاتے ہیں ؎

قرب تو باسباب و علل نتواں یافت
بے سابقۂ فضل ازل نتواں یافت

ترجمہ : تیرا قرب اسباب و علل کے بغیر حاصل نہیں کیا جا سکتا، ہاں جب تک اسے فضل ازل کی تائید نہ ہو۔

وَیَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ مثالوں سے بیان ان کے افہام کے قریب تر ہو اور ادراک کے راستے ان کے لیے آسان ہوں یعنی اللہ تعالیٰ معقولات کو محسوسات کے رنگ میں بیان فرماتا ہے تاکہ لوگ اسے آسانی سے سمجھ کر اپنے مقصود کو حاصل کر سکیں، اور یہ ہدایت عامہ کے قبیل سے ہے اس لیے یہاں للناس فرمایا اور وہاں من یشاء) وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝ اور اللہ تعالیٰ ضرب الامثال و دقائق المعقولات والمحسوسات وحقائق الجلیات والخفیات کو خوب جانتا ہے۔

تفاسیر آیت ہٰذا

(۱) علماء کرام نے فرمایا کہ یہاں پر یہ مثال قرآن مجید کے لیے دی گئی ہے اس لیے کہ مصباح سے قرآن مجید اور زجاجہ سے قلبِ مومن اور مشکوٰۃ سے اس کا منہ اور زبان اور شجرہ مبارکہ سے شجرۃ الوحی مراد ہے اس لیے کہ یہ نہ مخلوقہ ہے اور نہ من گھڑت۔ اور اس کے دلائل و براہین ایسے ہیں کہ اگر ناخواندہ انسان سنے تب بھی اس کے دلائل و براہین واضح ہیں۔ پھر جب

marfat.ocm

وہ دلائل و براہین سمجھنے کے بعد اس کی تلاوت کرے گا تو وہ اس کے لیے نورٌ علیٰ نور ثابت ہوگا۔

سوال : اسے نورِ چراغ سے کیوں تشبیہ دی گئی ہے حالانکہ سورج سے تشبیہ دینی چاہیے تھی اس لیے کہ سورج کا نور چراغ کے نور سے بلیغ تر ہے۔

جواب : اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کا ارادہ ہُوا کہ اسے ایسی ضوءِ کامل سے بیان فرمائے کہ ظلمات کے وسط میں چمکے اور ظاہر ہے کہ عوام کے اوہام ظلمات کی طرح ہوتے ہیں تو پھر قرآن مجید ان کے وسط میں چمک کر ہدایت الٰہی حاصل کر لیتے ہیں اور یہ سورج سے تشبیہ دینے سے حاصل نہیں ہوتا اس لیے کہ جب سورج چمکتا ہے تو جملہ عالم کو نور سے بھر دیتا ہے اور جب وُہ چلا جاتا ہے تو جملہ عالم تاریکی میں ڈوب جاتا ہے۔ اس معنے پر اسے مثال میں بیان کرنا مناسب نہ ہُوا۔

(۲) بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے نورِ ایمان مراد ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مومن کے سینہ کو مشکوٰۃ سے اور دل کو قندیل سے جو مشکوٰۃ میں ہوئے سے تشبیہ دی ہے۔ یعنی ایمان کا چراغ قندیل میں روشن ہے اور قندیل کو چمکدار ستارے سے اور کلمۂ اخلاص کو شجرۂ مبارکہ سے تشبیہ دی ہے۔ یعنی وہ شجرۂ مبارکہ یعنی کلمۂ اخلاص جو خوف کے آفتاب کی تاب اور رجاءُ کے نوال سے بہرہ ور ہے۔ اور وہ کلمہ اگرچہ مومن کی زبان پہ جاری نہ بھی ہو تب بھی وُہ عالم کو منور کرتا ہے۔ جب ایسا کلمہ زبان پر جاری ہوتا ہے پھر تصدیق قلبی اس کی تائید کرتی ہے تو وہ نورٌ علیٰ نور ہو جاتا ہے۔

ف : جواہر دیگر کو چھوڑ کر صرف زجاجہ سے تشبیہ اس لیے دی گئی ہے کہ شیشہ میں روشنی اتنی صاف ہوتی ہے کہ اس کے ظاہر و باطن میں دونوں طرح روشنی صاف نمودار ہوتی ہے۔ ایسے ہی مومن کے ایمان کے نور کا حال ہے کہ وہ قلب سے متجاوز ہو کر تمام بدن میں سرایت کر جاتا ہے۔ دوسرا یہ کہ جیسے شیشہ بہت جلد ٹوٹتا ہے کہ اسے معمولی سی ٹھوکر بھی توڑ دیتی ہے ایسے ہی مومن کا قلب بھی معمولی سی خرابی سے فاسد ہو جاتا ہے۔

(۳) بعض عارفین نے فرمایا کہ اس سے اسرارِ الٰہی کی معرفت مراد ہے یعنی چراغِ معرفت عارف کے زجاجۂ دل اور اس کے سینۂ مشکوٰۃ میں روشن ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقین مبارک کے زیتونی تیل کی وجہ سے وہ نہ شرقی ہے نہ غربی بلکہ وہ مکّی ہے اور مکّہ مکرمہ جملہ عالمِ دنیا کی ناف ہے اور جب عارف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسرارِ معرفت حاصل کرتا ہے تو وہ نورٌ علیٰ نور ہو جاتا ہے۔

وہ دلائل و براہین سمجھنے کے بعد اس کی تلاوت کرے گا تو وہ اس کے لیے نورٌ علیٰ نور ثابت ہو گا۔

سوال : اسے نور چراغ سے کیوں تشبیہ دی گئی ہے حالانکہ سورج سے تشبیہ دینی چاہیے تھی اس لیے کہ سورج کا نور چراغ کے نور سے بلیغ تر ہے۔

جواب : اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کا ارادہ ہُوا کہ اسے ایسی ضؤ کامل سے بیان فرمائے کہ ظلمات کے وسط میں چمکے اور ظاہر ہے کہ عوام کے اوہام ظلمات کی طرح ہوتے ہیں تو پھر قرآن مجید ان کے وسط میں چمک کر ہدایت الٰہی حاصل کر لیتے ہیں اور یہ سورج سے تشبیہ دینے سے حاصل نہیں ہوتا اس لیے کہ جب سورج چمکتا ہے تو جملہ عالم کو نور سے بھر دیتا ہے اور جب وُہ چلا جاتا ہے تو جملہ عالم تاریکی میں ڈوب جاتا ہے۔ اس معنے پر اسے مثال میں بیان کرنا مناسب نہ ہُوا۔

(۲) بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے نورِ ایمان مراد ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مومن کے سینہ کو مشکوٰۃ سے اور دل کو قندیل سے جو مشکوٰۃ میں ہوئے سے تشبیہ دی ہے۔ یعنی ایمان کا چراغ قندیل میں روشن ہے اور قندیل کو چمکدار ستارے سے اور کلمۂ اخلاص کو شجرۂ مبارکہ سے تشبیہ دی ہے۔ یعنی وہ شجرۂ مبارکہ یعنی کلمۂ اخلاص جو خوف کے آفتاب کی تاب اور رجاؑ کے زوال سے بہرہ ور ہے۔ اور وہ کلمہ اگرچہ مومن کی زبان پر جاری نہ بھی ہو تب بھی وُہ عالم کو منور کرتا ہے۔ جب ایسا کلمہ زبان پر جاری ہوتا ہے پھر تصدیق قلبی اس کی تائید کرتی ہے تو وہ نورٌ علیٰ نور ہو جاتا ہے۔

ف : جواہر دیگر کو چھوڑ کر صرف زجاجہ سے تشبیہ اس لیے دی گئی ہے کہ شیشہ میں روشنی اتنی صاف ہوتی ہے کہ اس کے ظاہر و باطن میں دونوں طرح روشنی صاف نمودار ہوتی ہے۔ ایسے ہی مومن کے ایمان کے نور کا حال ہے کہ وہ قلب سے متجاوز ہو کر تمام بدن میں سرایت کر جاتا ہے۔ دوسرا یہ کہ جیسے شیشہ بہت جلد ٹوٹتا ہے کہ اسے معمولی سی ٹھوکر بھی توڑ دیتی ہے ایسے ہی مومن کا قلب بھی معمولی سی خرابی سے فاسد ہو جاتا ہے۔

(۳) بعض عارفین نے فرمایا کہ اس سے اسرارِ الٰہی کی معرفت مراد ہے یعنی چراغِ معرفت عارف کے زجاجۂ دل اور اس کے سینۂ مشکوٰۃ میں روشن ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقین مبارک کے زیتونی تیل کی وجہ سے وہ نہ شرقی ہے نہ غربی بلکہ وہ مکّی ہے اور مکہ مکرمہ جملہ عالم دنیا کی ناف ہے اور جب عارف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسرارِ معرفت حاصل کرتا ہے تو وہ نورٌ علیٰ نور ہو جاتا ہے۔

ف : معرفت الٰہی کو مصباح سے اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ جیسے مصباح بہت جلد بجھ جاتا ہے اور پھر مومن کے قلب کو زجاجہ سے تشبیہ دی گئی ہے کہ وہ جلد ٹوٹتا ہے اور مصباح کو سورج سے تشبیہ نہیں دی گئی جب کہ اس کی روشنی بجھتی نہیں۔ اور قلبِ مومن کو سخت ترین اشیاء سے تشبیہ نہیں دی گئی جبکہ وہ ٹوٹتی نہیں تاکہ تنبیہ ہو کہ معرفت و قلب پرخطر ہیں کہ ان کے نقصان سے ہر وقت آگاہ رہنا ضروری ہے۔ کذافی التیسیر۔

(۴) شانِ مصطفیٰ کی تفسیر روح الارواح میں ہے کہ مثل نورہٖ سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نورِ اقدس مراد ہے جو کہ آدم علیہ السلام کے مشکٰوۃ اور نوح علیہ السلام کے زجاجہ ابراہیم علیہ السلام کے زیتون سے روشن تھے آپ نہ یہودی تھے جو غربی جانب کو قبلہ مانتے ہیں اور نہ نصرانی جو مشرق کو قبلہ سمجھتے ہیں۔

(۵) مصباح سے مراد حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور مشکٰوۃ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام مراد ہیں اور آپ کی زجاجہ دل صافی طاہر اور آپ کی مصباح علم کامل اور آپ کا شجرۂ خلق شامل کہ وہ نہ جانب غلو و افراط میں ہے نہ طرف تقصیر و تفریط میں، بلکہ وہ حدِ اعتدال میں ہے۔ خیرا لاموراوسطہا آپ کے لیے واقع ہے اور آپ کی ذات ہی صراطِ مستقیم ہے۔ اور عین المعانی میں ہے کہ نورِ محبت حبیب نورِ خلت خلیل سے مل کر نورٌ علیٰ نور ہے۔

ﮯ

پدر نور پسر نور یست مشہور
ازینجا فہم کن نورٌ علیٰ نور

ترجمہ : باپ بیٹا دونوں مشہور نور ہیں یہاں سے ہی نورٌ علیٰ نور کا معنیٰ سمجھ لیجئے۔

ف : امام قشیری نے فرمایا کہ نورٌ علیٰ نور میں پہلے نور سے وہ نور مراد ہے جو بندگانِ خدا اپنی جد و جہد اور نظر و استدلال سے حاصل کرتے ہیں۔ اور دُوسرے نور سے وہ نور مراد ہے جو بندگانِ خدا بفضلِ خدا اپنے افعال و اقوال سے پاتے ہیں والذین جاھدو افینا لنھدینھم سبلنا۔

تفسیرِ صُوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے لیے اپنی ذات و صفات کی تعریف کی مثال بیان فرمائی ہے اس لیے کہ عوام و خواص کا فہم خطاب ہیں معرفت کے لیے اپنا اپنا مقام اور حسنِ استعداد ہے۔ عوام تو اس کی معرفت شواہد حق اور اس کے آیات میں دیکھتے ہیں اسی لیے اپنی معرفت ان کے نفوس میں دکھاتا ہے جبکہ ان میں اپنی ذات و صفات کے ساتھ تجلی ہوتا ہے دونوں گروہوں کے بارے میں فرمایا :

سنریھم اٰیاتنا فی الاٰفاق -

marfat.ocm

یہ عوام کے لیے ہے ۔ وفی انفسھم یہ خواص کے لیے ہے ۔ یہاں تک کہ انھیں واضح ہو جاتا ہے کہ یقیناً یہی حق ہے ۔ پھر ہر گروہ اپنے مقام کے مطابق معرفتِ الٰہی سے حظ اٹھاتا ہے ۔ عوام کا معرفت سے حظ اٹھانے کا معنیٰ یہ ہے کہ انھیں خطاب کے معنے کا فہم و نظر عطا فرماتا ہے تاکہ وہ آسمان و زمین کی تخلیق میں غور و فکر کریں، ان کی ظاہری صورت یعنی ان کے اجسام بمنزلہ مشکوٰۃ کے ہیں اور ان میں زجاجہ عرش الٰہی ہے اور مصباح اس کے وہ قندیل ہیں جن میں روشنی کے آلات ہیں وہ بمنزلہ کرسی کے ہیں اور زجاجہ عرش، گویا وہ چمکدار ستارہ ہے جس کی روشنی شجرہ مبارکہ سے حاصل کی گئی ہے اور شجرۂ ملکوت ہے اور یہی آسمان و زمین کا باطن و معنیٰ ہے وہ نہ شرقی ہے یعنی وہ شرقِ ازل سے نہیں جیسے ذات و صفاتِ باری تعالیٰ ۔ اور نہ وہ غربی ہے یعنی وہ غربِ فنا و عدم سے نہیں جیسے عالمِ اجسام اور صورۃ عالم، وہ اگرچہ مخلوق ہے لیکن اس پر فنا نہیں یکاد زیتھا اس زیت سے عالمِ ارواح مراد ہے یضیٔ جو کہ عدم سے عالمِ صور میں غیب و شہادت ازدواج سے طبعاً و خاصیۃً پیدا ہو کر ظاہر ہوتے ہیں ولو تمسسہ نار اگرچہ اسے قدرت الٰہیہ کی نار بھی مس نہ کرے ۔

نورٌ علیٰ نور صفتِ رحمانیہ کا نور عرش پر ہے پھر نور صفۃ رحمانیہ کا عرش سے منقسم ہو کر آسمانوں اور زمینوں میں پہنچتا ہے اس سے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں متولدات ہیں قدرت الٰہیہ سے متولد ہوتے ہیں جیسا کہ اس کی حکمت کا تقاضا اور اس کا ارادہ قدیمہ ہوتا ہے ۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

ان کل من فی السمٰوٰت والارض الا اٰتی الرحمٰن عبدًا۔

اسے اچھی طرح سمجھ لو۔

خواص کا حظ مشاہدۂ انوار و ذات و صفاتِ الٰہی میں یہ ہے کہ انھیں اپنے نفوس کی سیر نصیب ہوتی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے نفسِ انسان کو شہودِ ذات و صفات کا آئینہ بنایا ہے ۔ جب یہ صفاتِ ذمیمہ و اخلاقِ ردیہ کے زنگ سے صاف ہو اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے مصقلہ سے اسے پاک کیا جائے ۔ مثلاً لا الٰہ سے جمیع ماسوی اللہ کے تعلقات ختم کر دیے جائیں اور الا اللہ سے نورِ جلال و جمالِ الٰہی ثابت کیا جائے تو پھر وہ اپنے جسم کو نورِ الٰہی سے مشکوٰۃ کی طرح اور قلب کو زجاجہ کی طرح اور سر کو مصباح کی طرح دیکھتا ہے اور وہ زجاجہ چمکدار ستارہ کی طرح چمکتا ہے جسے شجرۂ مبارکہ سے روشن کیا گیا ہو اور شجرہ سے شجرۂ روحانیہ مراد ہے۔ وہ شجرہ نہ تو شرقی ہے یعنی نہ وہ قدیم ازلی ہے ۔ اور نہ وہ فانی ہے جو کہ سماء وجود عدمی میں گم ہو جائے۔ یکاد زیتھا یہاں پر زیت سے روحِ انسانی مراد ہے یضیٔ جو کہ وہ نورِ عقل جو کہ وہی روح کی ضو اور اس کی صفائی سے روشن ہوتا ہے ۔ یعنی قریب ہے کہ وہ روح کا زیت نورِ عقل سے عرفانِ حق حاصل کر لے ولو تمسسہ نار اگرچہ اسے نورِ عظمتِ الٰہی کی نار مس بھی نہ کرے اس لیے کہ جلال و کبریائی حق کا ادراک

عقول سے نہیں ہوتا ہے کیونکہ عقل سے وہ شے حاصل ہوتی ہے جس میں حدوث کی آلائش ہو۔ ہاں وہ نورِ عقل جو عدم سے خارج ہوا ہے اگر اس پر نورِ قدم کی تجلی نصیب ہو تو پھر وہ عظمت جلال و کبریائی حق کو حاصل کر لیتا ہے۔ کما قال تعالیٰ:

یھدی اللہ لنورہٖ من یشاء۔

یعنی نورِ قدم سے اس کا سِر (مخفی راز) چمکتا ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ پھر ایسے شخص کا زجاجۂ قلب و مشکوٰۃ جسد بھی چمک اٹھتا ہے ایسے شخص کے حواس کے دریچے سے شعاعیں نکلتی ہیں۔ جب اسے ایسی کیفیت نصیب ہو جاتی ہے تو پھر اس کی بشریت کی زمین میں ضیاء اور نورانیت ہی نورانیت ہوتی ہے کما قال:

واشرقت الارض بنور ربھا۔

ایسے خوش نصیب کو مقام کنت لہ سمعاً و بصراً نصیب ہوتا ہے۔

ف: اس میں اشارہ ہے نورِ عقل صرف انسان کو نصیب ہوتا ہے لیکن نورِ الٰہی ہدایتِ حق کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ یہ اس کا اپنا لطف و کرم ہے جسے چاہے عطا فرمائے۔ اس میں بندے کی سعی اور کسب کو دخل نہیں۔

ویضرب اللہ الامثال للناس اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے لیے ایامِ وصال کے عہود کی مثالیں بیان فرماتا ہے جو ازل الآزال میں بندوں کو نصیب ہوئیں و اللہ بکل شیءٍ علیم اللہ تعالیٰ ہر شے کو حالاتِ وجودِ اشیاء اور ان کے عدم کو خوب جانتا ہے۔ نہ اس کی ذات میں تغیر ہے نہ صفات میں۔

صدر الدین قونوی کی تقریر صوفیانہ

حضرت الشیخ صدر الدین قونوی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ نورِ حقیقی کا ادراک ممکن ہے لیکن عینِ ذاتِ حق کا ادراک بالکل ناممکن ہے جبکہ وہ نسب و اضافات سے متجرد ہو۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ

"کیا آپ نے اپنے رب تعالیٰ کو دیکھا؟"

تو آپ نے فرمایا:

"ہاں میں نے نورانی ذات کو دیکھا۔"

یعنی اس نورِ مجرد کو جس کا دیکھنا ناممکن ہے اللہ تعالیٰ نے اسی نور کو اپنی کتاب میں بیان فرمایا جبکہ وہ مظاہر میں ظاہر ہوا۔ کما قال:

اللہ نور السمٰوٰت والارض۔

marfat.ocm

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمثیل کے بعد فرمایا نورٌ علیٰ نور۔ اس میں ایک نور سے روشنی اور دوسرے سے نورِ مطلق اصلی مراد ہے۔ اسی لیے اس مضمون کو یوں مکمل فرمایا: یہدی اللہ لنورہ من یشاء۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس نور کے ذریعے نورِ مطلق کی طرف ہدایت بخشتا ہے جو مظاہر کے یقین میں آچکا ہے۔ یاد رہے کہ نورِ مطلق سے نورِ مطلق احدی مراد ہے۔ (کذا فی الفکوک)

دیگر شیخ صدرالدین قونوی قدس سرہٗ نے اپنی تفسیر الفاتحہ میں لکھا کہ جملہ عالم بجمیع صورِ محسوس و حقائق غیبیہ معقولہ اس نورِ حق کی شعاع ہے۔ اس کی خبر اللہ تعالیٰ نے اللہ نور السمٰوٰت والارض میں دی ہے اس کے بعد اس نے اسے ان امثلہ و تفاصیل سے سمجھایا ہے جو وہ نورِ حق مظاہر کے تعین میں آیا ہے جیسا کہ مظاہر کی استعداد تھی ویسے ہی نورِ حق کا ظہور ہوا۔ چنانچہ آخر میں فرمایا، نورٌ علیٰ نور یہدی اللہ لنورہ من یشاء۔ اس میں نور کو اپنی طرف مضاف فرمایا جو غیریت کا مقتضی ہے حالانکہ نور وہی عین ذات ہے۔ وہ اس لیے کہ اس نور کو عالم اسفل سے نسبت ہے۔ اسی نور سے نورِ مطلق کی ہدایت نصیب ہوتی ہے۔ جیسے مصباح، مشکوٰۃ، شجرہ و دیگر امثال سے نورِ مقید اور مراتب مظاہر کے تعینات میں آئے ہوئے نور کی رہبری حاصل ہوتی ہے۔ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اسی نور کی تعریف یوں ظاہر کرائی کہ وہ نور ہے اور اس کے حجابات بھی نور ہیں۔

صاحبِ رُوح البیان کے پیر و مرشد کی تقریر

میرے شیخ اور پیر و مرشد قدس سرہٗ نے فرمایا: نورٌ علیٰ نور سے نورِ اول مراد ہے۔ یہی اسمأ کے سماوات اور ارض اشیأ پر پھیلا ہوا ہے اور نورِ ثانی سے نورِ حقیقی مراد ہے۔ یہ نور سمٰوٰت السمأ و ارض اشیأ سے مستغنی ہے۔ یاد رہے کہ نورِ اضافی نورِ حقیقی پر دلالت کرتا ہے۔ یوں سمجھو کہ اس نورِ اضافی سے ہی نورِ حقیقی کا ظہور ہے۔ اس کا ظاہر یہی نورِ اضافی ہے اور باطن نورِ مطلق۔

خلاصہ یہ کہ خود دال ہے اور خود مدلول۔ اسی لیے صوفیأ کرام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا عرفان اللہ تعالیٰ سے ہی نصیب ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

فِیْ بُیُوْتٍ اس کا تعلق یسبح سے ہے جو اس کے بعد واقع ہے۔

حلِ لغات: المفردات میں ہے کہ بیت بمعنے انسان کے رات گزارنے کا مقام پھر اس کا اطلاق ہونے لگا کہ جہاں بھی انسان وقت بسر کرے رات گزرے یا نہ۔ اس کی جمع ابیات اور بیوت آتی ہے لیکن لفظ بیوت صرف وقت بسر کرنے کے مقام کے ساتھ مخصوص ہے اور ابیات عام ہے۔ یہ اشعار کے معنے میں بھی مستعمل ہے۔ اور بیت عام ہے۔ اسے پتھر سے بنایا جائے یا مٹی سے۔ اون کا ہو یا بکری اور اونٹ وغیرہا کے بالوں سے۔ اسی مناسبت سے ابیات کو اشعار کہا جاتا ہے۔ اور جو بھی کسی جگہ میں ٹھہرے اسے بیت سے

تعبیر کریں گے۔ یہاں پر بیوت سے جملہ مساجد مراد ہیں۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مساجد زمین میں اللہ تعالیٰ کے گھر ہیں وہ آسمانوں میں ایسے چمکدار نظر آتی ہیں جیسے ہمارے لیے آسمان پر ستارے۔ اَذِنَ اللّٰہُ ۔ اذن بمعنے کسی شے کی اجازت دینے کی خبر دینا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اجازت بخشی ہے اَنْ تُرْفَعَ یہ کہ اُونچا بنایا جائے یا ان کی تعظیم کی جائے یا انھیں رفیع القدر سمجھا جائے۔ امام راغب نے لکھا کہ رفع بمعنے ان اجسام میں استعمال ہوتا ہے جبکہ انہیں اونچا کیا جائے۔ کما قال تعالیٰ :

ورفعنا فوقکم الطور۔

اور کبھی تعمیرات کے لیے استعمال ہوتا ہے جبکہ اسے اونچا بنایا جائے۔ کما قال تعالیٰ :

و اذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت۔

اور کبھی ذکر میں استعمال ہوتا ہے جبکہ اس سے کسی کا چرچا کرنا مطلوب ہو۔ کما قال تعالیٰ :

ورفعنا لك ذکرك۔

کبھی مراتب میں استعمال ہوتا ہے جبکہ ان سے ان کی بزرگی اور شرافت کا اظہار مدِ نظر ہو۔ کما قال تعالیٰ :

ورفعنا بعضکم فوق بعضٍ درجات۔

وَیُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے۔ اسم سے وہ شے مراد ہے جس کا ذاتِ باری تعالیٰ یا اس کی صفات میں سے کسی صفت پر اطلاق کیا جائے یا باعتبار صفات سلبیہ کے، جیسے قدوس یا باعتبار صفات ثبوتیہ کے جیسے علیم یا باعتبار اس کے افعال میں سے کسی فعل کے، جیسے خالق۔

مسئلہ : بعض علماء کے نزدیک اسماءِ الٰہی توقیفیہ ہے۔

مسئلہ : ذکر کا اطلاق عام ہے توحید کا بیان ہو یا تلاوت قرآن یا مذاکرہ علوم شرعیہ یا اذان ہو یا اقامت وغیرہ وغیرہ۔

مسئلہ : مسجد شریف میں ذکر و نماز و دیگر نیک اشغال میں مشغول ہونا چاہیے اس میں دنیوی باتوں سے احتراز لازم ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

حدیث شریف فی المسجد یأکل الحسنات کما تأکل البھیمة الحشیش۔

(مسجد میں دنیوی باتیں نیکی کو ایسے کھا جاتی ہیں جیسے گھاس کو جانور کھا جاتا ہے)

یُسَبِّحُ لَہٗ فِیْھَا یہ بیوت کی تکریر و تاکید کے لیے ہے۔ اور چونکہ درمیان میں ایک غیر فاصل آگیا ہے اس لیے اسے تذکیراً دوبارہ لانا ضروری تھا اور تنبیہ کی گئی ہے کہ بیوت کی تقدیم صرف اہتمام کے لیے ہے

marfat.ocm

قصر کے لیے نہیں، ورنہ یہ معنی ہوتا کہ ذکرِ الٰہی صرف بیوت میں ہو۔ حالانکہ یہ مطلب صحیح ہے۔

ف : تسبیح بمعنے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ بیان کرنا اس لیے یہ دراصل عبادتِ حق میں جلدتر اور تیزی سے ادائیگی کا نام تسبیح ہے۔ اور جو شخص پانی یا ہوا میں تیز چلے اس کے لیے لام کا صلہ لانا چاہیے اور کبھی لام نہیں بھی ہوتی۔ اور تسبیح عام ہے عبادت قولی میں ہو یا فعلی میں، اگر صرف دل میں عبادت کی نیت ہو تو بھی اسے تسبیح سے تعبیر کیا جا سکتا ہے لیکن یہاں پر فرضی نمازیں مراد ہیں جیسا کہ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۙ کے ارشادِ گرامی سے اوقات کی تعیین میں سے معلوم ہوتا ہے۔ غدو سے صبح کا وقت اور اصال سے شام کا وقت مراد ہے۔ اس معنے پر لفظ غدو سے صبح کی اور اصال سے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں مراد ہیں کیونکہ لفظ اصیل ان تمام کا جامع اور سب کو شامل ہے (کذا فی الکواشی وغیرہ) اور الغدو، غدا یغدو۔ غدوا سے ہے یعنی دخل فی وقت الغدوۃ (فلاں صبح کے وقت میں داخل ہوا) اس سے صبح صادق سے طلوعِ شمس کے درمیانی وقت کا نام ہے اس لیے کہ فعل مصدر میں واقع نہیں ہوتا۔ اسی لیے ہم نے یہ معنیٰ مراد لیا ہے جیسا کہ اس کے بعد لفظ اصال دلالت کرتا ہے، اصال، اصیل کی جمع ہے بمعنے عشی یعنی وہ وقت جو زوالِ شمس سے لے کر صبح صادق سے پہلے کا ہے۔ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں مقامِ شہود میں مستغرق ہونے کی وجہ سے غافل نہیں کرتی۔ رجال، یسبح کا فاعل ہے۔

حلِ لغات : یہ عرب کے اس مقولہ سے ہے جو کہتے ہیں :

الھاہ عن کذا۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شے کسی کو اپنے ارادہ سے غافل کرے۔

تِجَارَةٌ یہ تاجر کی صفت ہے یہ بیع و شراء پر بولا جاتا ہے۔ اور تاجر وہ ہے جو بیع و شراء کرے۔ المفردات میں ہے :

تجارۃ نفع کی طلب میں راس المال میں تصرف کرنے کو کہتے ہیں۔

اعجوبہ : عرب میں صرف ایک کلمہ ہے جس میں تا کے بعد جیم واقع ہو۔

ف : یہاں پر تجارۃ کی تخصیص اس لیے ہے کہ عرب میں یہی کاروبار مشغولیت کے لحاظ سے سب سے زیادہ ہے اور پھر بہ نسبت دوسرے امور کے ان کے ہاں یہی مشہور تر ہے۔ یعنی انھیں تجارت کا کوئی کام غفلت میں نہیں ڈالتا۔

وَّلَا بَيْعٌ - بیع بمعنے مثمن دے کر ثمن لینا اور شراء بمعنے ثمن دے کر مثمن لینا۔ یعنی انھیں بیوع کا کوئی ایک فرد بھی غافل نہیں کرتا اگرچہ انھیں اس سے بہت زیادہ منافع کے حصول کی امید ہو۔

ف: اگرچہ بیع تجارۃ میں شامل تھی۔ لیکن چونکہ یہ تجارت کے معاملات میں اہمیت رکھتی ہے اسی لیے اسے علیحدہ بیان فرمایا، اس لیے کہ سودے کی بیع میں نفع کا حصول یقینی اور شراء کا ظنی۔ اس لیے خریدنے کے بعد یقین نہیں ہوتا کہ اس سے نفع حاصل ہو گا یا نہیں بخلاف بیع کے کہ اس میں حصولِ نفع کا یقین ہوتا ہے۔ اس معنے پر جب ان لوگوں کو یقینی نفع کا معاملہ غافل نہیں کرتا تو پھر ظنی نفع کیسے غافل کر سکتا ہے عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے ذکر تسبیح و تحمید وغیرہما سے وَإِقَامِ الصَّلٰوةِ اور نمازیں اپنے اوقات میں بلا تاخیر ادا کرنے سے۔ یہاں پر وہ 'تا' جو اقامۃ میں واؤ کے عوض تھی بوجہ اضافت نہیں لائی گئی۔

ف: ابن الشیخ نے فرمایا کہ نماز کو ان تمام رعایت سے ادا کرنا جن کا شرع پاک نے حکم فرمایا ہے۔ مثلاً تعدیل ارکان و شرائط اور سنن و مستحبات وغیرہ کا نام اقامۃ الصلوٰۃ ہے۔ جو بھی ان میں کسی قسم کا تساہل کرے گا اس کے لیے اقامۃ الصلوٰۃ نہیں ہو گا۔

وَإِيتَاءِ الزَّكٰوةِ اور زکوٰۃ دینا۔ یعنی وہ جسے نکال کر مستحقین کو دینا شرعاً فرض ہے۔

سوال: ایتاء الزکوٰۃ کو بیوت سے کوئی مناسبت نہیں تو پھر اسے یہاں کیوں ذکر کیا گیا ہے؟

جواب: چونکہ نماز کے بعد زکوٰۃ کا ذکر گویا ایک لازمی جزء بن گیا ہے اس مناسبت سے نماز کے بعد زکوٰۃ کا ذکر کیا گیا۔

يَخَافُونَ یہ رجال کی صفت ہے۔ مظنونہ یا معلومہ علامت سے ناپسندیدہ امر کی توقع کو خوف کہتے ہیں۔ اور مظنونہ یا معلومہ علامت سے محبوب امر کی توقع کو طمع و رجاء سے تعبیر کیا جاتا ہے اور خوف کی نقیض امن ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ یہ لوگ باوجود ایسے استغراق و توجہ کے ڈرتے ہیں۔ يَوْمًا یہ یخافون کا مفعول ہے اس کا ظرف نہیں، اور یوم سے یوم قیامت مراد ہے۔ یعنی ڈرتے ہیں قیامت کے دن سے تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ یہ یوماً کی صفت ہے اور تقلب بمعنے تصرف، اور شے کا ایک حال سے دوسرے حال میں تبدیل ہونا۔ اور انسان کے دل کو بھی قلب اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف بکثرت بدلتا ہے اور بصر دیکھنے والا عضو یعنی آنکھ۔ اور اس قوت کو بھی بصر کہا جاتا ہے جس سے دیکھنا حاصل ہوتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ قیامت میں یہ حالت ہو گی کہ نزع اور گھبراہٹ سے دل اور آنکھ کو قرار نہ ہو گا۔ دل کو تو یوں کہ وہ اپنے مرکز کو چھوڑ کر حلق تک پہنچ جائے گا۔ پھر وہ نہ باہر نکلنے کا نہ واپس آنے کا۔ کما قال تعالیٰ:

وبلغت القلوب الحناجر۔

اور آنکھ کو یوں بے قراری کہ وہ اوپر کو کھنچ جائے گی۔ کما قال تعالیٰ:

یوم تشخص فیہ الابصار۔''

marfat.ocm

اور فرمایا:

وَ اِذَا زَاغَتِ الْاَبْصَارُ۔

یا معنیٰ یہ ہے کہ اس دن قلوب نجات کی امید اور تباہی کے خوف کے درمیان پھنسے ہوں گے کہ نا معلوم ہماری نجات کب ہوگی اور گرفت ہوگی تو کب اس کا حکم ہوتا ہے۔

لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ یہ فعل محذوف کے متعلق ہے جیسا کہ ان کے اعمالِ صالحہ کے ذکر سے معلوم ہوتا ہے۔ یعنی ان کے اعمال صالحہ جیسے تسبیح اور ذکر اور اقامۃ الصلوٰۃ و ایتاء الزکوٰۃ، اور خوفِ خدا سے ہر وقت ڈرنے کی وجہ سے انھیں اللہ تعالیٰ جزا عطا فرمائے گا اور جزا بمعنے وہ امر جو عمل کے بعد صلہ یا سزا کے طور پر ملے اگر نیکی ہو نیک صلہ اگر برائی ہے تو سزا۔ اور لفظ اجر صرف نیک جزا کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ کذا فی المفردات۔

اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا ان کے اعمال کی بہترین جزا، جیسا کہ اس کا وعدہ ہے کہ ایک نیکی پر دس بلکہ سات سو گنا زاید اجر ملے گا۔ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اور انھیں اپنے فضل میں اس سے بھی زیادہ دیتا ہے جو کہ عمل صالح کی جزا میں شمار نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی بندوں کو اس کے متعلق کچھ تصور اور خیال تھا۔ یہ ایک خاص عطا ہوگی جسے عمل سے کوئی تعلق نہ ہوگا وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ یہ یزید کی تقریر اور تنبیہ ہے کہ وہ مالک بہت بڑی قدرت کا مالک ہے اور اپنی مشیت پر جو چاہتا ہے کرتا ہے اور اس کے احسان و کرم کی کوئی حد ہی نہیں۔ رزق بمعنے وہ عطا جو روزانہ ہر ایک کو نصیب ہوتی ہے۔ اور حساب بمعنے وہ شے جو گنتی کے لیے استعمال ہو۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے اجر و ثواب دینا چاہتا ہے تو پھر وہ نہ کسی کے شمار میں آ سکتا ہے اور نہ ہی کوئی اس کا اندازہ کر سکتا ہے۔

شانِ نزول بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ارشاد ہے کہ یہ آیت اُن تاجروں کے حق میں نازل ہوئی جو بازار میں خرید و فروخت میں مصروفیت کے باوجود اپنے نیک مشاغل میں غفلت نہیں کرتے۔ مثلاً اذان ہوتی ہے تو فوراً نماز کے لیے مساجد میں حاضر ہو جاتے ہیں۔ دکان پر کتنا ہی گاہکوں کا ہجوم ہو تب بھی تمام کام چھوڑ کر نماز کی حاضری کے لیے جد و جہد کرتے ہیں۔

ازالۂ وہم بعض لوگوں نے کہا کہ یہ آیت اصحابِ صفّہ رضی اللہ عنہم کے حق میں نازل ہوئی۔ لیکن یہ بالکل غلط ہے اس لیے کہ ایتاء الزکوٰۃ کے قرینے سے اصحابِ صفّہ مراد ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ جملہ امور کو ترک کر کے ذکر و فکر میں مصروف رہتے تھے لیکن ادائیگیِ زکوٰۃ ان سے کہاں، جبکہ وہ خود مفلس ترین صحابہ میں شمار ہوتے تھے۔ فلہٰذا انہیں یہاں پر مراد لینا بالکل نادرست ہے۔

مسئلہ: امام راغب نے فرمایا کہ لا تلهيهم الخ میں تجارۃ سے ممانعت ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ اس میں منہمک ہونا

اور بہت زیادہ مشغول ہونا ممنوع ہے کہ پھر نہ نماز پڑھیں اور نہ دوسری عبادات کی طرف توجہ دیں۔

بہاء الحق والدین محمد نقشبند قدس سرہٗ اور شاہِ ہرات

منقول ہے کہ ملک حسین شاہ نے حضرت بہاءُ الحق والدین محمد نقشبند قدس سرہٗ سے عرض کی کہ کیا آپ کے طریقہ میں سماع، ذکرِ جہر اور خلوت جائز ہے؟ آپ نے فرمایا: ہم اس طریق سے فارغ ہیں البتہ ہمارے طریق میں خلوت در انجمن جائز ہے بظاہر مخلوق کے ساتھ اور بباطن حق کے ساتھ ؎

از درون شو آشنا واز بروز بیگانہ وش
ایں چنیں زیبا روش کم می بود اندر جہان

ترجمہ: دل سے اس کا آشنا ہو لیکن بظاہر اس سے بیگانوں کی طرح رہو۔ لیکن ایسی روش والے دنیا میں بہت کم ہیں۔

ف: مندرجہ ذیل قطعہ آیت ہذا کی ترجمانی کرتا ہے: ؎

سررشتۂ دولت اے برادر بکف آر
وین عمر گرامی بخسارت مگذار
دائم ہمہ جا با ہمہ کس در ہمہ کار
میدار نہفت چشم دل جانب یار

ترجمہ: دولت سرمدی ابھی سے حاصل کر لے۔ اس چند روزہ زندگی کو خسارے میں نہ ڈال ہمیشہ اور ہر جگہ ہر ایک کے ساتھ اور جملہ امور میں پوشیدہ دل کا گوشہ یار کی طرف رکھو۔

سوال: اسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ آیت میں صرف مردوں کا ذکر ہے عورتوں کا ذکر کیوں نہیں۔

جواب: (۱) چونکہ عورتوں پر نہ جمعہ فرض ہے نہ نماز کی جماعت میں شرکت ضروری۔ اس لیے ان کا ذکر نہیں کیا گیا۔
(۲) بعض مشایخ نے فرمایا کہ چونکہ صوفیہ کے نزدیک مرد صرف وہ ہے جو اپنے قلب سے غیر اللہ کا تصور ہی مٹا دے جس میں یہ صفت نہ ہو وہ ان کے نزدیک مونث ہے۔ اس لیے آیت میں صرف رجال فرمایا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ مذکورہ بالا اوصاف سے موصوفین کو رجال اس لیے فرمایا کہ ایسے لوگوں پر تجارت اثر انداز نہیں ہوتی۔ تجارت سے درکات نیران سے نجات پانا مراد ہے کما قال تعالیٰ:

هل ادلكم علىٰ تجارة تنجيكم من عذاب اليم۔

اور بیع سے درجات جنان کی کامیابی مراد ہے۔ کما قال تعالیٰ:

marfat.ocm

فاستبشروا ببیعکم الّذی بایعتم بہ ۔

اور اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمایا:

ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم بان لھم الجنۃ ۔

اگر دارین کی کوئی شے ان میں یوں تصرف ڈالے کہ انھیں ذکرِ الٰہی سے غافل کر دے تو وہ مرد نہیں عورت ہے کیونکہ عورتیں تصرف کا محل ہے۔ ایسے لوگوں کو مرد کہنا ناموزوں ہے ۔

وحیِ الٰہی اور داؤد علیہ السلام اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ گھر کو میرے لیے فارغ کیجئے۔ داؤد علیہ السلام نے عرض کیا کہ تُو تو گھروں سے منزّہ ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، تو اپنے قلب کو میرے لیے پاک کیجئے۔ یعنی آیت میں بیوت سے قلوب مراد ہیں اور یہاں اس کی صفائی مراد ہے یعنی باری تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ قلوب کو مکونات کے نقوش سے پاک اور صاف کرو اور تعلقات کونیہ کے زنگ سے انھیں دُور رکھو۔ اور یہ تصفیۂ قلوب و تزکیۂ نفوس ذکرِ الٰہی پہ مداومت کرتا ہے ۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ہر شے کے لیے مصقلہ ضروری ہے اور قلب کا مصقلہ ذکرِ الٰہی ہے ۔

نسخۂ روحانی جب کسی کا قلب صاف و شفاف ہو جاتا ہے تو پھر وہ جلوہ گاہ حق بنتا ہے اور اسی قلب کو اللہ تعالیٰ اپنے جمال کے نور سے منور فرماتا ہے اور آیۃ للذین احسنوا الحسنیٰ وزیادۃ میں زیادۃ سے یہی جلوۂ حق و نور و جمالِ الٰہی مراد ہے اور رزق بے حساب سے مراد یہ ہے کہ اس بندے کو اللہ تعالیٰ ارزاق ارواح اور مواہب خصوصی سے نوازتا ہے اور ایسا رزق بے حساب ہوتا ہے۔ ہاں اجسام سے جو رزق متعلق ہوتا ہے وہ محدود و معدود ہے ۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ اعمالِ شریعت و آدابِ طریقت پر عمل کرنے کی جدوجہد میں رہے اس لیے کہ ان پر عمل کرنا انوارِ حقیقت تک پہنچنے کا ذریعہ ہے ۔

نتیجہ: جس شخص کا باطن دنیا میں منور ہو جاتا ہے آخرت میں اس کا ظاہر و باطن منور ہوگا۔ اور قاعدہ ہے جزا اتنی ہی ملتی ہے جتنی ملنا ہوتی ہے۔ جیسا عمل ہوتا ہے ویسی جزا نصیب ہوتی ہے ۔

اذان سننے کے بعد مروی ہے کہ قیامت میں بعض لوگ جب محشر میں حاضر ہوں گے تو ان کے چہرے چمکدار ستارے کی طرح روشن ہوں گے ملائکہ ان سے سبب پُوچھیں گے، وہ کہیں گے کہ جب ہم اذان سُنتے تو فوراً وضو کی تیاری میں لگ جاتے ہمیں اس کے لیے کوئی شے نہ روک سکتی۔ بعض لوگ ایسے ہوں گے جن کے چہرے چاند کی طرح ہوں گے ان سے پُوچھا جائے گا تو وہ کہیں گے ہم نماز کے

وقت سے بھی پہلے وضو میں مشغول ہوتے۔ بعض ایسے ہوں گے جن کے چہرے سورج کی طرح ہوں گے ان سے پوچھا جائے گا تو وہ کہیں گے ہم اذان سے اتنا پہلے وضو کر لیتے کہ اذان مسجد میں جا کر سنتے تھے۔

حدیث شریف : حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا کان یوم الجمعة کان علی کل باب من ابواب المسجد ملائکة یکتبون الاول فالاول۔

(جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو مسجد کے ہر دروازے پر اللہ تعالیٰ کے فرشتے کھڑے ہو جاتے ہیں، جو ہر آنے والے کا نام رجسٹر میں درج کرتے ہیں، جو پہلے آتا ہے اس کا نام پہلے، پھر دوسرا پھر تیسرا۔

شرح : حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جو پہلے آتا ہے اس کا ثواب سب سے زیادہ لکھا جاتا ہے۔ اس کے بعد دوسرے کا، پھر تیسرے کا۔ اسی طرح چوتھے، پانچویں، چھٹے کا۔

پھر جب امام منبر پر بیٹھتا ہے تو پھر وہ اپنے رجسٹر بند کر کے جمعہ کا خطبہ سننے بیٹھ جاتے ہیں

بقایا حدیث شریف امام کے خطبہ کے شروع کرنے سے بعد کو آنے والے کے لیے وہ ثواب نہیں لکھا جاتا جو خطبہ سے پہلے آنے والوں کے لیے لکھا جاتا ہے۔

مسئلہ : بعض محدثین نے حدیث شریف کا وہی مطلب لکھا ہے جو ہم نے ترجمہ میں لکھا۔ بعض نے فرمایا کہ سرے سے اس کے لیے جمعہ کا ثواب بھی نہیں لکھا جائے گا۔ بعض نے کہا کہ خطبہ سننے کے بعد پھر حاضر جماعت کا ثواب لکھنا شروع کرتے ہیں۔

ف : ان ملائکہ کرام سے وہ فرشتے مراد ہیں جو صرف جمعہ میں حاضر ہونے والوں کا ثواب لکھتے ہیں اور وہ ان کراماً کاتبین کے علاوہ ہیں جو روزانہ انسان کے اعمال لکھنے پر مامور ہیں۔

اے اللہ! ہمیں ان لوگوں سے بنا جو نیکی کے لیے عجلت اور سبقت کرتے ہیں۔ اور قیامت میں ہمیں اہلِ حق و صدق و یقین کے زمرہ میں شامل کر کے اٹھا۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ اور کافروں کے اعمال۔ ان سے اعمالِ صالحہ مراد ہیں جیسے احسان وکرم اور صلہ رحمی اور گردن آزاد کرنا اور مسجد کی تعمیر اور حاجیوں کو پانی پلانا اور مظلوموں کی فریاد رسی اور مہمان نوازی اور راہِ حق میں جانوروں کی قربانی وغیرہ وغیرہ کہ اگر وہ یہ اعمال ایمان قبول کرنے کے بعد کرتا تو ثواب پاتا کَسَرَابٍ سراب ہر وہ شے جو دوپہر کے وقت سورج کی دھوپ سے ایسے محسوس ہو کہ گویا وہ پانی چل رہا ہے حالانکہ وہ درحقیقت کچھ نہیں ہوتا۔ اسے اردو میں دھوپ میں چمکتی ریت کہتے ہیں۔ یہ شراب کی نقیض ہے۔ کیونکہ شراب وہ ہے جس کی کوئی حقیقت ہو۔ بِقِیْعَةٍ اس کا متعلق محذوف اور یہ سراب کی صفت ہے یعنی وہ دھوپ کی چمکتی ریت جو میدان میں نظر آتی ہے اور قیعہ بمعنے فراخ اور برابر

marfat.ocm

زمین والا میدان۔ ایسے میدان میں کہیں کہیں پہاڑ بھی ہوتے ہیں۔ مختار مذہب میں ہے کہ یہ قاع کی طرح واحد ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ جمع کا صیغہ ہے یَّحۡسَبُهُ الظَّمۡاٰنُ مَآءً ؕ یہ سراب کی دوسری صفت ہے یعنی اسے سخت پیاسا سمجھتا ہے کہ واقعی وہ پانی ہے۔ یہ ظمیٔ بالکسر یظمأ اور الظما بالکسر وہ شے جو پانی کے دو گھاٹوں کے درمیان واقع ہو۔ اور الظمأ وہ پیاس جو اس سے پیدا ہو اور حسبان اگرچہ ہر دیکھنے والے کو شامل ہے لیکن ظمأن کی تخصیص حرف تشبیہ کی تکمیل کے لیے ہے اس لیے کہ ان دونوں طرفوں کو وجہ شبہ میں مناسبت ہے کیونکہ اس کی ابتداء میں طمع ہے اور دوسرے کی انتہاء میں ناامیدی ہے۔ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَهٗ یہاں تک کہ وہ اس کے پاس آتا ہے جبکہ اسے پانی سمجھا اور کوشش کر کے وہاں پہنچا تاکہ پانی پی سکے لَمۡ یَجِدۡهُ تو وہ جسے پانی سمجھ کر آیا اسے نہ پایا شَیۡـًٔا کوئی شے۔ نہ تحققاً نہ توہماً۔ جیساکہ اس سے قبل وہ اسے کچھ سمجھتا تھا لیکن جونہی دیکھا تو وہ کوئی شے نہ تھی، تو الٹا اس کی پیاس میں اضافہ ہو گیا وَّ وَجَدَ اللّٰهَ بلکہ پایا اللہ تعالیٰ کا حکم وقضا عِنۡدَهٗ آتے وقت۔ کما قال تعالیٰ :

ان ربك لبالمرصاد۔

یعنی تمہارا رب تعالیٰ مخلوق کے لوٹنے کے انتظار میں ہے۔

فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ تو اللہ تعالیٰ اس کا حساب پورا فرمائے گا۔ یعنی اسے پوری اور مکمل سزا دے گا۔ یعنی بندے کو اپنے برے حال کا علم ہو جائے گا اور اسے مکمل طور ناامیدی ہو جائے گی۔ یہ ایسے ہے جیسے کوئی شخص بادشاہ سے بہت بڑی امید لے کر حاضر ہو تاکہ اس سے بہت بڑا انعام و اکرام پائے۔ لیکن اس کی آرزو کے خلاف اس کی سرکوبی ہو، اور اسے مار مار کر بادشاہ کے دروازے سے ہٹا دیا جائے۔

وَاللّٰهُ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ ۙ اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ حساب لیتے وقت کوئی حساب اس کے حساب میں حائل نہ ہو سکے گا۔

ف : حضرت کاشفی نے لکھا کہ بہت جلد حساب لے گا کہ اس کے ایک حساب میں دوسرا حساب رکاوٹ نہ ڈالے گا۔ آیت میں کفار کے اعمال کو سراب اور کفار کو پیاسے سے تشبیہ دی ہے جیسا کہ پیاسے کی پانی سے ناامیدی کے بعد پیاس اور بڑھ جاتی ہے ایسے ہی کفار کی رحمتِ الٰہی سے مایوسی کے بعد عذاب میں شدت ہوگی۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ یہاں پر کفار سے نعمت کو ٹھکرانے والے لوگ مراد ہیں جو نعمتِ الٰہی کو معاصی و مخالفتِ احکامِ ربانی میں صرف کرتے ہیں اور غفلت میں ڈوب کر اس رسم و رواج میں زندگی بسر کرتے ہیں جس پر ان کے آباؤ اجداد وقت گزار گئے اور وہ علم و عمل سے کورے تھے

انھیں معنیٰ سے دُور کا واسطہ نہ تھا اور ان کا ہر عمل جہالت پر مبنی تھا اور جن اعمال کو وُہ نیکی سمجھتے تھے وہ سراسر باطل تھے ان اعمال کو شیطان نے ان کے سامنے اچھا بنا کر دکھایا۔ ان کے اعمال کی مثال سراب کی ہے انھیں کوئی فائدہ نہ ہوگا اور صاحبِ اعمال اپنی غفلت و جہالت سے سمجھتا ہے کہ اس کے یہ اعمال غضبِ الٰہی کی آگ سے بچا لیں گے یہاں تک کہ اس پر موت آ جاتی ہے۔ تو اعمال کی جس جزا کی امید میں تھا اسے ہرگز نہیں پائے گا بلکہ اپنے اعمال کی جزا اور وزن و حساب کے وقت اللہ تعالیٰ کو ناراض پائے گا، وہ صرف اس لئے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اچھا معاملہ نہیں کیا تھا اسی وجہ سے اسے اللہ تعالیٰ پوری پوری جزا دے گا۔

واللہ سریع الحساب میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جلد حساب لینے کا ایک معنیٰ یہ ہے کہ وُہ بندے کی زندگی میں ہی اپنی ذات و صفات کے آثار اسی طرح سے ظاہر فرمائے گا جیسے اس کے اخلاقِ ذمیمہ و اعمالِ سیّئہ ہوں گے۔

تفسیر عالمانہ

اَوْ کَظُلُمٰتٍ اس کا عطف کسراب پر ہے اَوْ تنویع کا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ ان کے نیک اعمال قیامت میں سراب کی طرح اور اعمال سیّئہ ظلمات کی طرح ہوں گے فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ۔ لجی، لُجٌّ کی طرف منسوب ہے بمعنے عمیق کثیر الماء۔ یعنی دریا کی وُہ گہرائی جہاں پانی بہت زیادہ جمع ہو۔

کاشفی نے لکھا کہ دریا کی گہرائی میں کہ جہاں لحظہ بہ لحظہ یَّغْشٰهُ مَوْجٌ یہ بحر کی دوسری صفت ہے یعنی اسے مکمل طور پر دریا کی لہر ڈھانپ لیتی ہے مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ یہ مبتدا خبر ہیں اور جملہ موجٌ کی صفت ہے مقصد یہ کہ اسے بے شمار دریا کی لہریں ڈھانپ لیں گی اور وہ لہریں بھی ایک دوسری پر تہ بہ تہ ہو کر آئیں گی مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ یہ موج ثانی کی صفت ہے۔ سحب کا حقیقی معنیٰ کھینچنا ہے اور بادل کو سحاب اس لیے کہا جاتا ہے کہ اسے ہوا کھینچ کر لے جاتی ہے یا اس لیے کہ وہ پانی کو کھینچ کر لاتا ہے یعنی موج ثانی پر تاریکی چھا جاتی ہے اس کے اوپر بادل آتا ہے تو وہ ستاروں اور ان کی روشنی کو چھپا دیتا ہے۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ دریا کی بے شمار لہریں ایسی تاریکی پھیلاتی ہیں کہ گویا وہ بادل تک پہنچ جاتی ہیں۔

ظُلُمٰتٌ یہ تاریکیاں بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ گاڑھی اور تہ بہ تہ ہوتی ہیں یہاں تک کہ اِذَآ اَخْرَجَ اس تکلیف میں مبتلا ہونے والا جب ان تاریکیوں سے نکالتا ہے۔

سوال: مبتلی کا ذکر نہیں تم نے اخرج کی ضمیر اس کی طرف کیسے لوٹائی؟

جواب: معنیً اس کا ذکر ہے کیونکہ اسی کا ذکر ہے۔

اس دلالت واضحہ کی وجہ سے ہم نے اسی کی طرف ضمیر لوٹائی ہے۔ یَدَهٗ اپنا ہاتھ۔ اس کی

marfat.ocm

تخصیص اس لیے کہ باقی اعضا کی بہ نسبت یہی اس کو قریب تر ہے اور دیکھنے کے وقت پہلے اسی کو دیکھتا ہے لَمْ یَکَدْ یَرٰىھَا شدتِ ظلمات کی وجہ سے قریب ہے کہ اسے نہ دیکھ سکے، یعنی وہ اسے دیکھ نہیں سکتا وَ مَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰہُ نُوْرًا فَمَا لَہٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝ اور جس کے لیے اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا تو اسے نورِ قرآن نہیں دکھاتا۔ جس کی وجہ سے اسے ایمان کی توفیق نصیب نہیں ہوتی تو ایسے کو کسی سے بھی نور نصیب نہیں ہوتا۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ کفار کے اعمال کی یہ دوسری تمثیل ہے تاریکی سے ان کے اعمال اور بحرِ لجی سے ان کے دل مراد ہیں۔ ان کے اندر شرک و جہل وغیرہما کو موج در موج اور سحاب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ ان کی گفتار اور ان کا ہر عمل تاریک ہے اسی لیے قیامت میں بھی ظلمات میں آئیں گے بخلاف مومنین کے کہ ان کے لیے نور ہی نور ہوگا ؎

مومناں از تیرگی دور آمدند
لاجرم نور علیٰ نور آمدند
کافر تاریک دل را فکر تست
حال کارش ظلمت اندر ظلمتست

ترجمہ: مومنین تاریکی سے دور ہیں اس لیے وہ نورٌ علیٰ نور ہیں۔ کافر کے دل میں فکر تاریک ہے اس لیے وہ ظلمات در ظلمات میں ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

ظلمات میں ان اعمال کی طرف اشارہ ہے جو انسان غفلت سے اور حضورِ قلب کے بغیر کرتا ہے جن میں خلوص نہیں ہوتا کظلمٰت فی بحرٍ لجی حُبِّ دنیا یغشٰہ موج سے ریاکاری مِنْ فَوْقِہٖ موج سے حبِ جاہ و طلبِ ریاست من فوقہ سحاب سے شرکِ خفی ظلمٰت بعضہا فوق بعض سے ظلمت طبعیہ مراد ہے۔ یعنی بندے پر ظلمت غفلت طبعیہ و ظلمتِ حبِ دنیا و ظلمتِ حُبِ جاہ و ظلمتِ شرک چھا جاتی ہے اذا اخرج یدہ جب بندہ جدوجہد کرتا ہے کہ اس کے حال و مآل کی اصلاح ہو اور ان ظلمات سے نجات پائے تو وہ اپنی عقل سے ان ظلمات سے چھٹکارا نہیں پا سکتا، اس لیے کہ روزِ ازل میں جب اللہ تعالیٰ نے نور کی تقسیم کے وقت نورانی چھینٹے مارے تو اس بدبخت کو نور سے کوئی حصہ نہ ملا کہ جس سے وہ ان ظلمات سے نجات پائے کیونکہ عقل کے نور میں ایسی طاقت نہیں جو ان ظلمات سے انسان کو چھٹکارا دے سکے۔ ایسی ظلمات سے نکالنا تو نورِ الٰہی کا کام ہے۔ کما قال تعالیٰ:

اللہ ولی الذین اٰمنوا یخرجھم من الظلمٰت الی النور۔

(باقی ص ۲۴۹ پر)

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ
کیا تم نے نہ دیکھا کہ اللہ کی تسبیح کرتے ہیں جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں اور پرندے پر پھیلائے

كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ (۴۱) وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
سب نے جان رکھی ہے اپنی نماز اور اپنی تسبیح اور اللہ ان کے کاموں کو جانتا ہے اور اللہ ہی کے لیے ہے سلطنت

وَالْأَرْضِ وَإِلَى اللّٰهِ الْمَصِيرُ (۴۲) أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يُزْجِي سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ ثُمَّ
آسمانوں اور زمین کی اور اللہ ہی کی طرف پھر جانا کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نرم نرم چلاتا ہے بادل کو پھر انہیں آپس میں ملاتا ہے

يَجْعَلُهُ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهِ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ
پھر انہیں تہ پر تہ کر دیتا ہے تو تو دیکھے کہ اس کے بیچ میں سے مینہ نکلتا ہے اور اتارتا ہے آسمان سے اس میں جو برف

فِيهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَآءُ وَيَصْرِفُهُ عَنْ مَنْ يَشَآءُ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهِ
کے پہاڑ ہیں ان میں سے کچھ اولے پھر ڈالتا ہے انہیں جس پر چاہے اور پھیر دیتا ہے انہیں جس سے چاہے قریب ہے

يَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ (۴۳) يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِأُولِي الْأَبْصَارِ (۴۴)
کہ اس کی بجلی کی چمک آنکھ لے جائے اللہ بدلی کرتا ہے رات اور دن کی بے شک اس میں سمجھنے کا مقام ہے نگاہ والوں کو

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِنْ مَآءٍ فَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلٰى بَطْنِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي
اور اللہ نے زمین پر ہر چلنے والا پانی سے بنایا تو ان میں کوئی اپنے پیٹ پر چلتا ہے اور ان میں کوئی دو پاؤں پر چلتا ہے

عَلٰى رِجْلَيْنِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلٰى أَرْبَعٍ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
اور ان میں کوئی چار پاؤں پر چلتا ہے اللہ بناتا ہے جو چاہے بے شک اللہ سب کچھ کر سکتا ہے

قَدِيرٌ (۴۵) لَقَدْ أَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُبَيِّنٰتٍ وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَشَآءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (۴۶) وَ
بے شک ہم نے اتاریں صاف بیان کرنے والی آیتیں اور اللہ جسے چاہے سیدھی راہ دکھائے اور

يَقُولُونَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيقٌ مِنْهُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَمَآ
کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ اور رسول پر اور حکم مانا پھر کچھ ان میں کے اس کے بعد پھر جاتے ہیں اور

أُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ (۴۷) وَإِذَا دُعُوٓا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ
وہ مسلمان نہیں اور جب بلائے جائیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف کہ رسول ان میں فیصلہ فرمائے

مُعْرِضُونَ (۴۸) وَإِنْ يَكُنْ لَهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوٓا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ (۴۹) أَفِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ أَمِ
تو جبھی ان کا ایک فریق منہ پھیر جاتا ہے اور اگر ان کی ڈگری ہو تو اس کی طرف آئیں مانتے ہوئے کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے

ارْتَابُوٓا أَمْ يَخَافُونَ أَنْ يَحِيفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولُهُ بَلْ أُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُونَ (۵۰)
یا شک رکھتے ہیں یا یہ ڈرتے ہیں کہ اللہ و رسول ان پر ظلم کریں گے بلکہ وہ خود ہی ظالم ہیں

(صفحہ ۲۴۷ سے آگے)

نکتہ : یخرجھم الخ میں ایک نکتہ ہے وُہ یہ کہ جیسے چشموں سے پانی اور بادل سے بارش اور پتھر سے آگ اور پہاڑوں سے لوہا اور آگ سے دُھواں اور زمین سے انگوری اور اشجار سے پھل سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں نکال سکتا اسی طرح بندے کو جب اللہ تعالیٰ سے نورِ ایمان و یقین و خلاص نصیب ہوتا ہے تو اسے شیاطین و طواغیت کفر و شرک میں نہیں لے جا سکتے۔ واللہ الہادی۔

تفسیر عالمانہ

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ یہ ہمزہ تقریری ہے اور رؤیت سے رویتِ قلبی مراد ہے اس لیے کہ اسے آنکھ سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے مشاہدہ نہیں فرمایا اور آپ کا مشاہدہ چونکہ وحی الٰہی سے ہوا اور وُہ یوں ہوتا ہے گویا آنکھ سے دیکھا گیا یا اسے استدلال سے سمجھ کر رؤیت سے تعبیر کیا گیا ہے جبکہ یہ خطاب عام ہو یعنی دیکھو لوکہ علی الدوام اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس و تنزیہ یہی لوگ کر رہے ہیں جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اور تمام مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر عیب و نقص سے پاک ہے اور جو شے اس کی شان میں نقص و عیب کا شائبہ پیدا کرے وہ اس سے منزہ اور مقدس ہے۔

ف : ذوی العقول کے غلبہ کی وجہ سے لفظ مَن لایا گیا ہے۔

وَالطَّيْرُ مرفوع اور اس کا عطف مَن پر ہے اور یہ طائر کی جمع ہے، جیسے رکب، راکب کی جمع ہے اور طائر وہ پرندہ جو ہوا میں اڑے۔ اس کی تخصیص میں ایک نکتہ ہے ورنہ یہ تو من فی الارض میں داخل تھا۔ وُہ نکتہ یہ ہے کہ اسے زمین پر قرار نہیں ہوتا اور نہ ہی ایک جگہ پر رہتا ہے بلکہ اکثر طور آسمان و زمین کے درمیان میں گھومتا رہتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مصروف ہے صٰٓفّٰتٍ، صف بمعنے بسط اسی لیے گوشت کے خشک ٹکڑوں کو صفیف کہتے ہیں اس لیے کہ اسے زمین پر پھیلایا جاتا ہے تاکہ اس میں بدبو نہ ہو۔ ایسے ہی پرندے پروں کو پھیلا کر اڑتے ہیں۔ یعنی پرندے اپنے پروں کو پھیلا کر اور صف بستہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتے ہیں كُلٌّ آسمان و زمین کے تمام مکین قَدْ عَلِمَ اللہ تعالیٰ کے الہام سے جان لیا ہمارے اس معنے کی تائید اس قرأۃ سے ہوتی ہے جس میں علم کو مشدد پڑھا گیا ہے یعنی ہر ایک نے معلوم کر لیا صَلَاتَهٗ اپنے لیے دعا مانگنا وَتَسْبِيْحَهٗ ط اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تنزیہ

بیان کرنے کا طریقہ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَفْعَلُوْنَ ۝ اور اللہ تعالیٰ ان کی طاعات وصلوٰۃ وتسبیح کو خوب جانتا ہے انھیں اس کی جزا دے گا۔ اس میں جن وانسان کے اس گروہ کو وعید ہے جو اللہ کی تسبیح وتقدیس نہیں کرتا۔ وَلِلّٰہِ اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمین کا ملک۔ اس لیے ان کی ذوات کا صفات وہی خالق ہے ایجاد و اعداماً وابدأو اعادۃً ہر طرح سے ان سب پر اسی کا تعرف ہے۔ وَاِلَی اللّٰہِ الْمَصِیْرُ ۝ اور اسی کی طرف سب کا رجوع ہے۔ یعنی سب کو فنا ہے۔ اور پھر اسی کی طرف قیامت میں اٹھنا ہے۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ اپنے مالک وقوی رب کی عبادت کرے اور ظاہری وباطنی زبان سے اسی کی تسبیح بیان کرے۔

ف : محققین کے نزدیک اس سے تسبیح حقیقی مراد ہے اس لیے کہ ہر ایک کو ان کی شان کے لائق زبان حاصل ہے جس سے وہ حقیقی طور پر اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتقدیس کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ وہ غیر عقلاء کو بھی زبان عطا فرمائے اور وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتقدیس کریں اسے صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے یا وہ لوگ جنھیں اللہ تعالیٰ علم عطا فرماتا ہے۔ جیسے انبیاء واولیاً۔ اس کی مزید تحقیق سورۂ اسرأ میں تحت آیت وان من شیٔ الا یسبح بحمدہٖ ولکن لا تفقھون تسبیحھم الخ میں دیکھئے۔

امام باقر رضی اللہ عنہ کی کرامت حضرت ابو ثابت سے مروی ہے کہ ہم حضرت ابو جعفر امام باقر رضی اللہ عنہم کی خدمت میں بیٹھے تھے مجھے فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ طلوعِ شمس سے پہلے یہ چڑیاں کیا کہتی ہیں، اسی طرح غروبِ شمس کے بعد کیا بولتی ہیں؟ میں نے لاعلمی کا اظہار کیا آپ نے فرمایا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتقدیس بیان کرتی اور اپنے رزق کا سوال کرتی ہیں۔

نجم الدین کبریٰ قدس سرہٗ کی تقریر دلپذیر حضرت ابو الجناب سیدنا نجم الدین کبریٰ قدس سرہٗ نے فواتح الجمال میں فرمایا کہ جملہ حیوانات انسان ہوں یا غیر انسان کے ہر سانس سے ذکرِ الٰہی ہمیشہ جاری ہے وہ اس خیال وتصور میں ہوں یا نہ۔ کیونکہ سانس کے آنے جانے سے لفظ ھُو خارج ہوتا ہے اور وہ ہویت غیب کی طرف اشارہ کرتا ہے اور لفظ اللہ میں بھی حقیقی مراد صرف ھُ ہے باقی الف لام تعریف اور لام مشدد صرف مبالغہ کے لیے ہے اسی لیے ہر دانشمند پر لازم ہے کہ وہ سانس کے اندر باہر آتے جاتے وقت اللہ اور ھُو کا تصور جمائے۔ تاکہ اس کی کوئی سانس ذکرِ الٰہی کے بغیر نہ گزرے۔ اسی لیے نقشبندی سلسلہ کے لوگ کہتے ہیں: ہوش در دم۔

marfat.ocm

(ہوش در دم سے یہی مراد ہے جو اوپر بیان ہوا) ؎

ہا غیبِ ہویت آمد اے حرف شناس
انفاس ترا بود بآں حرف اساس
باش آگہ ازاں حرف در امید و ہراس
حرفے گفتم خشگرف اگر داری پاس

ترجمہ : اے نکتہ شناس! ھا غیبِ ہویت کا راز ہے تیری سانسیں اسے محفوظ رکھنے کے لیے ہیں۔ رنج و راحت کی ہر گھڑی میں اس کی نگرانی کیجئے میں نے تجھے بہترین نکتہ بتایا ہے اگر اس کی حفاظت کرے گا تو منزلِ مقصود نصیب ہوگی۔

صاحبِ رُوح البیان کی خواب اور تقریرِ شیخ

فقیر (حقی) کہتا ہے کہ مجھے خواب میں اپنے پیر و مرشد قدس سرہٗ کی زیارت ہوئی مجھ سے مخاطب ہو کر سوال کیا کہ لفظ اللہ منصوب و مجرور کے بجائے مرفوع کیوں ہے؟ میں نے لاعلمی ظاہر کی تو آپ نے فرمایا : اللہ در اصل ھُوَ ہے ضمہ کی صورت میں دو ہونٹوں کو ملانے میں ممکنات میں نور ذات اور مظاہر میں کمال ساری کے راز کی طرف اشارہ ہے اور یہ اشارہ نصب و جر سے حاصل نہیں ہوتا۔

ف : بعض علماء نے فرمایا کہ حیوانات و جمادات کی تسبیح حالی ہوتی ہے اس لیے کہ ہر شے کا وجود صانع پر دلالت کرتا ہے کہ ان کا صانع صفاتِ کمالیہ سے موصوف اور جو امر اس کی شان کے لائق نہیں اس سے وہ مقدس و منزہ ہے۔

تفسیر صُوفیانہ

تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ تسبیح کے تین طریقے ہیں؛

(۱) تسبیح العقلاء
(۲) تسبیح الحیوانات
(۳) تسبیح الجمادات

عقلاء کی تسبیح نطق و معاملات سے۔ اور حیوانات کی تسبیح لسان حاجات، اور ایسی صورت میں ہونا کہ صانع کے وجود پر دلالت کرے۔ اور جمادات کی تسبیح خلق سے اور عام ہے جو جملہ جمادات کو شامل ہے

اس لیے کہ یہ آیاتِ الٰہی کے مظہر ہیں اور عقلاً کی تسبیح انسان اور ملک سے مخصوص ہے بلکہ ملائکہ کے لیے تو تسبیح بمنزلہ غذا کے ہے کہ اسی کے ذریعے ہی وہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ اگر وہ اس سے ایک لمحہ غافل ہوں تو ان پر موت آجائے اور یہ تسبیح ان کی ترقی کا موجب بھی نہیں کیونکہ یہ تسبیح ان کی طبعی ہے (اور طبعی امر ترقی کا موجب نہیں ہوتا) اور انسان کی تسبیح سے بامرِ الٰہی اس کی تنزیہ بیان کرتا۔ چونکہ یہ طبعی امر نہیں اس لیے یہ اس کی ترقی کا موجب ہے اس لیے کہ اس تسبیح سے انسان اپنی انسانیت کے اوصاف کو فنا کر کے سبوحیت کے وصف سے بقا پاتا ہے پھر بقا پاکر اسی سے ہی بولتا ہے۔

مسئلہ : کل قد علم صلاتہ وتسبیحہ میں اشارہ ہے کہ ہر شے میں اس کی شان کے لائق علم و شعور ہے اور صلاۃ کے علم و شعور کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کی عبودیت کے لیے قائم ہونا اور تسبیح سے ربوبیت کی ثنا کرنا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر شے کا ایک ملکوت ہے اور ہر ملکوت کا قیام قبضۂ قدرتِ حق میں ہے۔

کما قال تعالیٰ :

فسبحٰن الذی بیدہ ملکوت کل شیٔ۔

یاد رہے کہ عالمِ ملکوت حیاۃ محض اور علم ہی علم ہے۔ کما قال تعالیٰ :

وان الدار الاٰخرۃ لھی الحیوان۔

اور ملکوت عالمِ ارواح کا نام ہے اسی سے ہی ہر شے کو روح نصیب ہوتی ہے جتنی اس کی استعداد ہوتی ہے اسی قابلیت کے مطابق روح ملتی ہے۔ چونکہ انسان کو روحِ اعظم کی قابلیت میسر تھی اس لیے اسے احسن تقویم میں پیدا کیا گیا۔ اسی بنا پر تمام مخلوق سے کامل اور افضل المخلوقات اور اکرم الخلق بنایا گیا اور چونکہ اسے عالمِ ملکوت سے حظِ وافر نصیب ہوا اسی لیے یہی صلوٰۃ و تسبیح کی زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل ہیں بلکہ اسے عالمِ ربوبیت سے بہت زیادہ حصہ نصیب ہوا ہے۔ بنابریں صلوٰۃ و تسبیح سے اسی کو زیادہ تعلق ہے۔ ملائکہ کرام صلوٰۃ و تسبیح کی معلومات عالمِ ملکوت سے حاصل ہوئیں۔ جمادات اور حیوانات کو اپنے ملکوت سے صلوٰۃ و تسبیح کا علم بلاشعور حاصل ہوا۔

واللہ علیم بما یفعلون اور اللہ تعالیٰ حقیقتِ حال کو کامل طور جانتا ہے اور اس کی مخلوق کو اس کا علم ان کی استعداد کے مطابق حاصل ہے۔

ازالہ وہم بعض مواقع پر جمادات سے بولنا سنا گیا تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت نے انھیں بلوایا، وہ ازخود نہیں بولے۔ ایسے ہی حیوانات بولتے ہیں جنہیں بولنے کی قدرت نہیں۔ یہ خرقِ عادت کے طور پر ہے یا پھر ان کے کلام کو وہ حضرات سنتے سمجھتے ہیں جو اہلِ کشف و معائنہ ہیں۔ سورۂ اسرائیں

marfat.ocm

ہم نے اس کی بہت سی مثالیں لکھیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جن کی ہر سانس ذکرِ الٰہی میں گزرتی ہے اور ان کا ہر وقت لطف اندوزی سے بسر ہوتا ہے۔ وہی فیاض و وہاب وجواد ہے۔

تفسیر عالمانہ

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا۔

حلِ لغات: الازجاء بمعنے شے کو آرام سے چلانا تاکہ وہ چل پڑے عموماً اس کا استعمال غیر معتدبہ یا نہایت ہی معمولی اشیاء پر ہوتا ہے۔ البضاعة المزجاة (معمولی پونجی) اسی سے ہے اس لیے اسے ہر کس لے جاتا ہے اور معمولی شے سمجھ کر ہر ایک کو دیا جا سکتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ بادل کا چلانا اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے کچھ نہیں۔ اور السحاب کو اس لیے اس نام سے موسوم کیا جاتا ہے کہ اسے ہوا کھینچ کر لے جاتی ہے۔ یہ اسم جنس ہے یہ ایک اور ایک سے زاید بادلوں کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن یہاں پر بادل کا ایک ٹکڑا مراد ہے جیساکہ لفظ بین کی اضافت سے معلوم ہوتا ہے اس لیے ایک سے زاید پر لفظ بین مضاف نہیں ہوتا۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ تم آنکھوں سے نہیں دیکھ رہے ہو کہ اللہ تعالیٰ بادل کو جہاں چاہتا ہے لے جاتا ہے۔
ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ پھر ان کے اجزاء کو آپس میں ملاتا ہے یہاں تک کہ بکھرے ہوئے اجزاء کا ایک ٹکڑا بن جاتا ہے حالانکہ اس سے قبل مختلف ٹکڑے تھا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا پھر اسے تہ بہ تہ کرتا ہے یعنی ان اجزاء کو ایک دوسرے کے اوپر رکھتا ہے۔ اور جسے ایک دوسرے پر تہ بہ تہ رکھا جائے اسے رکوم مجتمع سے تعبیر کرتے ہیں۔ المفردات میں ہے کہ اہلِ عرب کہتے ہیں:

سحاب مرکوم۔

یعنی بادل تہ بہ تہ ہے۔ اور جو ایک دوسرے پر رکھا جائے اسے رکام کہا جاتا ہے۔
فَتَرَى الْوَدْقَ بادل کے گاڑھے ہونے اور تہ بہ تہ ہونے کے بعد بارش کو دیکھتے ہو۔ ابو اللیث نے فرمایا:

الودق بمعنے بارش زیادہ ہو یا کم ہو

المفردات میں ہے کہ وہ شے جو بارش کے درمیان میں غبار کی طرح دکھائی دیتی ہے۔ اسے بھی المطر سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسے آیت میں الودق فرمایا۔

يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ یہ الودق سے حال ہے کیونکہ یہاں پر رؤیت سے رؤیت بصری مراد ہے۔ الخلال، خلل کی جمع ہے جیسے الجبال، الجبل کی جمع ہے بمعنے وہ سوراخ جو چیزوں کے درمیان ہو یہاں پر بارش کے مخارج مراد ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ تم دیکھتے ہو درانحالیکہ وہ ودق بادل کے درمیان سے

نکلتی ہے۔ اور وہ سوراخ بھی تمہیں نظر آتے ہیں جو بادلوں کے تراکم اور ایک دوسرے کے آپس میں ملنے سے ظاہر ہوتے ہیں۔

ف : کعب نے فرمایا کہ سحاب بارش کی چھلنی ہے اگر وہ نہ ہو تو جس پر بارش گرتی اسے فاسد کر دیتی۔ نیز السماء ، اور وہ بادل سے نازل ہوتی ہے۔ یہاں پر السماءُ سے بادل مراد ہے اس لیے کہ جو شے بھی سر کے اوپر ہو اسے اہلِ عرب سماء سے تعبیر کرتے ہیں اسی لیے جو شے کسی شے کے اوپر ہوگی اسے سماء کہا جائے گا۔

مِنْ جِبَالٍ بادلوں کے بہت بڑے ٹکڑوں سے۔ پہاڑوں کی مشابہت کی وجہ سے بادل کے بڑے ٹکڑوں کو جبال سے تعبیر کیا گیا ہے۔ فِیْهَا جو کہ وہ آسمان میں ہیں۔ سماء چونکہ مؤنث سماعی ہیں اس لیے ان کی طرف مونث کی ضمیر راجع کی گئی ہے من برد یہ ینزل کا مفعول ہے اور یہ من تبعیضیہ ہے۔ اس سے پہلے دو من ابتدائیہ تھے باعادۂ جار، دُوسرا من پہلے من سے بدل الاشتمال ہے۔ البرد بالحرکۃ بمعنے منجمد پانی ، یعنی وہ سرد پانی جو ہوا کی وجہ سے منجمد ہو جائے ۔ کذا فی المفردات)

اب معنی یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ ابتداءً ہی اوپر کے بادلوں سے پانی لاتا ہے جس کے بعض میں سردی ہوتی ہے۔

ف : بعض علمائے کرام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کے درمیان میں مختلف قسم کے پہاڑ پیدا فرمائے ہیں جن میں سے بعض سرد اور بعض برف کی مانند، جن پر ملائکہ مقرر ہیں۔ پھر جب اور جہاں اللہ تعالیٰ برد و ثلج برسانے کا ارادہ فرماتا ہے تو مقدار مقرر فرما کر فرشتوں کو حکم دیتا ہے تو ہر قطرہ ایک ایک فرشتہ اٹھا کر زمین پر لاتا ہے۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ زمین کا کوئی چشمہ ایسا نہیں جس کی اصل آسمان کی ثلج و برد سے متعلق نہ ہو۔ اور یہ بھی بعض علماء نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بعض ایسے فرشتے بھی پیدا فرمائے ہیں کہ جن کا نصف ثلج اور نصف آگ ہے۔ اس کی قدرت ہے کہ اس فرشتے کی نہ ثلج آگ کو نقصان دیتی ہے نہ آگ ثلج کو۔ جب اللہ تعالیٰ کسی علاقے میں برفباری کا ارادہ فرماتا ہے تو ان فرشتوں کو حکم دیتا ہے جو اپنے پروں کو ہلاتے ہیں جن کے قطرات زمین پر پڑتے ہیں۔

ف : روایت میں یترفرفوا باجنحتھم ہے۔ یہ رفرف الطائر سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب پرندہ کسی شے کے اردگرد اس لیے پَر ہلائے کہ گویا وہ اس پر گرتا ہے۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ آیت میں السماءُ سے الشئُ المظلۃ یعنی فلک مراد ہے اس لیے کہ افلاک میں سرد پہاڑ ہیں جیسا کہ زمین پر پتھروں کے پہاڑ ہیں اور یہ بات عقل کے بھی منافی نہیں۔

marfat.ocm

بادل اور بارش کیا ہیں

(۱) مشہور یہ ہے کہ جب بخارات زمین سے آسمان پر اُٹھتے ہیں اگر انہیں حرارت تحلیل نہ کرے تو ہوا کے طبقہ باردہ میں پہنچ کر سخت سردی سے مجتمع ہو کر بادل بن جاتے ہیں۔ اگر وہ بخارات سردی سے سخت نہ ہوں تو بارش بن کر نیچے گرتے ہیں۔ اگر سردی سے سخت ہو جائیں اور پھر اجتماع سے اجزاءِ بخاریہ تک پہنچ جائیں تو برد بن کر نیچے گرتے ہیں۔ کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ وہ بخارات ہوا سے بہت زیادہ ٹھنڈے ہو کر ہوا کے انقباض و انعقاد سے بادل بن کر بارش کی صورت میں یا اولے بن کر نیچے گرتے ہیں۔ لیکن یہ تمام اللہ تعالیٰ کے ارادہ و مشیت کے تحت ہوتا ہے۔

(۲) اخوان الصفا میں ہے کہ اجزاء مائیہ و ترابیہ جب ہوا میں بکثرت اور متراکم ہو جاتے ہیں تو بادل بن جاتا ہے۔ اس کے رقیق اجزاء کو غیم اور متراکم اجزاء کو سحاب کہا جاتا ہے اور بارش انہیں اجزاء مائیہ کا نام ہے جبکہ وہ اجزاء ایک دوسرے سے لپٹتے ہیں اور ٹھنڈے اور ثقیل ہو کر زمین پر گرتے ہیں۔ اور البرد وہ قطرات ہیں جو بادل سے نکل کر ہوا میں منجمد ہو جاتے ہیں اور الثلوج وہ چھوٹے قطرات ہیں جو غیم (بادل رقیق) کے درمیان سے نکل کر سحاب (بادل ثقیل) کے ساتھ معمولی طور پر ٹکرا کر زمین پر گرتا ہے۔

ف : زمین کے اجزاء لطیفیہ کو دخان اور مائیہ کو بخار کہا جاتا ہے۔

ف : ابن التجید نے فرمایا کہ جب سورج خشک زمین پر چمکتا ہے تو اس کے اجزاء ناریہ زمین کے اجزاء میں مل جاتے ہیں۔ ان دونوں کی ترکیب سے دخان بنتا ہے۔

ف : شرح القانون میں ہے کہ دخان و بخار میں فرق یہ ہے کہ دخان کی ترکیب اجزاءِ ارضیہ و ناریہ سے اور بخار کی ترکیب اجزاءِ مائیہ و ہوائیہ سے ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے بخار دخان سے لطیف تر ہوتا ہے۔

فَيُصِيبُ بِهٖ پس اس برد وغیرہ سے جو آسمان سے نازل ہوتی ہے پہنچاتا ہے۔ یہ با تعدیہ کی ہے مَنْ يَّشَآءُ جس کے لیے چاہتا ہے کہ اس کی جان و مال اور کھیتی و ثمرات وغیرہ کا نقصان ہو وَيَصْرِفُهٗ عَمَّنْ يَّشَآءُ اور اسے باز رکھتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے کہ اسے اس کا کوئی نقصان نہ پہنچے اور وہ اس کے ضرر سے امن میں رہے يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ قریب ہے کہ بادل کی بجلی کی روشنی۔ السناء (بالقصر) بمعنے الضوء الساطع (و بالمد) بمعنے الرفعۃ والعلو۔ اور البرق بمعنے بادل کی روشنی۔

ف : القاموس میں ہے کہ البرق ' البروق کا واحد ہے یا بادل کے فرشتے کی مار اور اس کا بادل کو متحرک کرنا تاکہ چل پڑے۔

ف : اخوان الصفا میں ہے کہ برق وہ آگ ہے جو اجزاءِ دخانیہ بادل میں جا کر چمکتے ہیں۔

يُذْهِبُ بِالْاَبْصَارِ اور آنکھوں کو لے جاتی ہے۔ یعنی اپنی زیادہ روشنی اور بار بار لوٹنے سے آنکھوں کی روشنی کو چھین لے جاتی ہے۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ وہ شے کو اس کی ضد سے ظاہر کرتا ہے۔ جیسے ابر آبدار سے آگ کے شعلے نکالتا ہے۔

يُقَلِّبُ اللّٰهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے بدلتا ہے یا یہ کہ ایک دوسرے کو گھٹا بڑھا کر بدلتا ہے یا ان کے احوال کو متغیر کرتا ہے۔ مثلاً سردی و گرمی اور ظلمت و روشنی و دیگر وہ امور جو ان میں واقع ہوتے ہیں منجملہ ان کے بادلوں کا چلنا پھرنا، ان سے بارش کا برسنا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

حدیث قدسی یؤذینی ابن آدم بسبب الدھر وانا الدھر بیدی الامر اقلب اللیل والنھار۔

(ابن آدم دہر کو گالی دے کر مجھے ایذا دیتا ہے حالانکہ جملہ امور کا خالق میں ہوں اور رات و دن کو میں ہی بدلتا ہوں) کذا فی المعالم والوسیط۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ بے شک اس میں جس کی تفصیل اوپر گزری مثلاً بادلوں کا چلنا پھرنا اور رات دن کا بدلنا۔ **لَعِبْرَةً** عبرت ہے اس لیے کہ یہ وجود صانع قدیم کے وجود اور اس کی وحدت اور اس کی کمال قدرت اور جمیع اشیاء کو اس کے علم محیط ہونے اور اس کے نفاذ مشیت اور جو امور اس کی شان کے لائق نہیں ان سے تنزہ پر واضح دلالت ہے۔

حل لغات : العبر بمعنے ایک حال سے دوسرے حال کی طرف متجاوز ہونا۔ اور العبرۃ بمعنے وہ حالت جو مشاہد کی معرفت سے غیر مشاہد کی طرف پہنچاسکے۔

لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ان لوگوں کے لیے جنہیں بصر حاصل ہے۔

ف : قلب کی قوتِ مدرکہ کو بصیرت و بصر کہا جاتا ہے اور عضو معروف پر بصیرت کا اطلاق بہت کم ہوتا ہے۔ کذا فی المفردات۔ یعنی جسے بصیرت نصیب ہے وہی ان امور سے مدبر حقیقی کی معرفت حاصل کرتا ہے اور اسے یقین ہوتا ہے کہ وہی قدرتِ کامل کا مالک ہے اور بہت بڑے علم والا ہے۔ ایسے دلائل سے وہ سمجھتا ہے کہ وہ واحد لاشریک ہے۔

ف : حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کون سی عبادت افضل ہے؟ آپ نے فرمایا اس کی مخلوق میں تفکر اور اس کے دین کی سمجھ سب سے بڑی اور افضل عبادت ہے۔

marfat.ocm

ف : عبر اوقار سے اور معتبر اشغال سے ہوتا ہے۔ عاقل وہ ہے جو رات کی گھڑیوں اور دن کی ساعات سے عبرت حاصل کرے۔

ف : رابعہ قیسیہ رحمہا اللہ تعالیٰ فرماتی ہیں کہ میں جب اذان سنتی ہوں تو مجھے قیامت کی پکار یاد آجاتی ہے اور برف کو دیکھتی ہوں تو عملناموں کا ہاتھ میں ملنے کو یاد کرتی ہوں۔ اور ٹڈیوں کو دیکھتی ہوں تو حشر میں اٹھنا یاد آجاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت کریمہ میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ معاصی و اخلاق کے متفرق بادلوں کو جمع کرکے ایک دوسرے پر ڈھیر لگا کر رکھتا ہے تو تم اس کے درمیان میں توبہ کی بارش کو ایسے دیکھتے ہو جیسے بادلوں سے بارشں خارج ہوتی ہے۔ عصیٰ آدم ربہ فغوی کی تعبیر بھی اسی طرح ہے کہ ان کی لغزشں کا ڈھیر توبہ کی بارش سے مٹ گیا۔ کما قال تعالیٰ :

ثم اجتباہ ربہ فتاب علیہ وھدی۔

انسان کا مادہ نسیان سے ہے اور شر بشر کا جزو ہے۔ جب انسان گناہ میں مبتلا ہو جائے اسے طلبِ عفو میں ہمت کرنی چاہیے اور رحمتِ باری تعالیٰ تو گڑگڑا کر مانگنی چاہیے۔ اپنے کسی گناہ کو بڑا نہیں سمجھنا چاہیے، نہ ہی یہ گمان کرنا چاہیے کہ وہ کریم اس کے گناہ نہیں بخشے گا۔ بلکہ یہ یقین کرنا چاہیے کہ وہ کریم تو ازل سے غفار و تواب ہے اور جب بشر نہیں تھا تب بھی وہ غفار و تواب تھا تو اب بھی وہی تواب و غفار ہے بایں معنیٰ کہ انسان سے خطا کا صدور ہوا گرچہ یہ بشر اور خطا حادث ہیں لیکن اس کی غفاریت و توابیت قدیم اور ازلی ہے۔ اس لیے گناہ و خطا کے بعد مایوس نہ ہو بلکہ اس کی رحمت اور عفو و کرم سے پُر امید ہو۔ حضرت حافظ نے فرمایا : ؎

سہو و خطائے بندہ گرش نیست اعتبار
معنیٔ عفو و رحمت آمرزگار چیست

ترجمہ : اگرچہ بندے کے سہو و خطا کا کوئی اعتبار نہیں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ عفو و رحمتِ پروردگار کا معنیٰ کیا ہے!
(وہ یہی کہ بندے کے سہو و خطا کو معاف فرما دے)

سماء القلب سے اور اس کی قساوۃ سے جس میں جمود ہے اور اس سے ہی قہرِ حق کا نزول ہوتا ہے وہ نازل فرماتا ہے جس اہلِ شقاوت کے لیے قہرِ حق کی برد کا نزول چاہتا ہے اور اہلِ سعادت میں سے جس کے لیے چاہتا ہے اسے دور رکھتا ہے قریب ہے کہ برقِ قہرِ الٰہی کی چمک بصائر کو چھین کر لے جائے

جس کے لیے چاہتا ہے تو اس کے قلب کی معصیت کی رات کو نہار طاعت سے بدل دیتا ہے۔ جیسے آدم علیہ السلام کے قلب کو طاعت کی توفیق بخشی اور جس کے لیے چاہتا ہے اس کے نہار طاعت کو معصیت کی رات سے بدل دیتا ہے جیسے ابلیس کے قلب کو معصیت سے تبدیل کر دیا۔ اس تقلیب میں اہلِ بصائر کو عبرت حاصل ہوتی ہے بایں طور کہ وہ اپنے قلوب کے آئینے میں رب تعالیٰ کے لطف و قہر کے آثار کا مشاہدہ کرتا ہے۔ کذا فی التاویلات النجمیہ۔

تفسیر عالمانہ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ الدب والدبیب بمعنے آہستہ چلنا۔ اس کا استعمال حیوانات پر ہوتا ہے اور اکثر و بیشتر حشرات پر۔ کذا فی المفردات۔

یہاں پر ہر زمین پر چلنے والے کے لیے استعمال نہیں ہوا بلکہ اس کا اطلاق اس حیوان پر ہے جو زمین پر چلے اور اس کا مسکن بھی زمین ہو۔ اس سے ملائکہ دور نکل گئے کیونکہ ان کی تخلیق نور سے ہے ایسے ہی جن بھی، کیونکہ ان کی تخلیق نار سے ہے۔

فتح الرحمٰن میں ہے کہ دابۃ ہر اس حیوان کو کہا جاتا ہے جس کا دنیا میں مشاہدہ ہو سکے۔ اس سے ملائکہ اور جن خارج ہو گئے اس لیے کہ ان کا دنیا میں مشاہدہ نہیں ہو سکتا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو پیدا فرمایا جو زمین پر چلتے ہیں۔

مِنْ مَّآءٍ پانی سے۔ اس سے اس کے مادہ کا جز مراد ہے یعنی اربعہ عناصر کا ایک عنصر اس کی تنوین وحدۃ الجنسیۃ کی ہے۔ اس میں آدم علیہ السلام بھی داخل ہیں اگرچہ ان کی تخلیق مٹی سے ہے اور عیسیٰ علیہ السلام بھی، اگرچہ ان کی تخلیق روح سے ہے۔ یا ماء سے مخصوص پانی یعنی نر و مادہ کا نطفہ مراد ہے۔ اس معنے پر یہ تنوین وحدۃ نوعیۃ کی ہو گی اور اکثریت کا اعتبار کر کے ایسے ہی فرمایا ورنہ بہت سے حیوان ایسے ہیں جو نطفہ سے پیدا نہیں ہوتے۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تبیان میں روایت منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک جوہر پیدا فرما کر اس پر نگاہِ ہیبت ڈالی تو وہ جوہر پگھل کر پانی بن گیا پھر جس پر آگ کا غلبہ دیا اس سے جن پیدا فرمائے اور جس پر ہوا کا غلبہ دیا اس سے ملائکہ بنائے اور جس پر مٹی کا غلبہ دیا اس سے آدمی و دیگر حیوانات پیدا کئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہر شے کا اصل مادہ پانی ہے۔

ف : الکواشی میں ہے کہ ماء کی تنکیر بتاتی ہے کہ ہر حیوان مخصوص پانی یعنی نطفے سے پیدا ہوا۔

خلاصہ یہ کہ جن و ملائکہ کے سوا باقی جملہ حیوانات پانی سے پیدا کئے گئے ہیں۔

سوال : یہ معنیٰ تب صحیح ہو سکتا ہے جب ماء تنوین کے ساتھ ہو حالانکہ دوسرے مقام پر اسے الماء

marfat.ocm

کے ساتھ لایا گیا ہے۔ کما قال؛

وجعلنا من الماء کل شئ حی۔

جواب: یہ الف لام جنس کا ہے اس لیے کہ جملہ مخلوق کی تخلیق پانی سے ہے۔

ف: بعض علماء نے فرمایا کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے پانی کو پیدا فرمایا پھر اس کا ایک حصہ ہوا میں تبدیل کر دیا۔ تو اس سے ملائکہ پیدا ہوئے۔ ایک حصہ آگ کا بنایا تو اس سے جنات پیدا ہوئے۔ ایک حصہ مٹی میں تبدیل ہوا تو اس سے آدمی و دیگر حیوانات پیدا ہوئے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ:

ہر شئے محمد کے نور سے (صلی اللہ علیہ وسلم)

یشیر الی ان کل ذی روح خلق من نور محمد علیہ السلام لان روحہ اول شئ تعلقت بہ القدرۃ۔

(اس میں اشارہ ہے کہ ہر ذی روح حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے پیدا کی گئی کیونکہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا تعلق حضور علیہ السلام کی روح سے ہوا)

کما قال،

اول ما خلق اللہ روحی۔

(سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میری روح پیدا کی)

ف: چونکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جملہ موجودات کے صدف کا جوہر ہیں اس لیے آپ کی روح اقدس کو درہ اور جوہرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

لما اراد اللہ ان یخلق العالم خلق درۃ۔

(جب اللہ تعالیٰ نے عالم کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو سب سے پہلے ایک موتی بنایا)

یہاں پر درۃ سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ اقدس مراد ہے۔

ایک روایت میں خلق جوھرۃ وارد ہوا ہے (یہاں بھی جوھرۃ سے حضور علیہ السلام کی روحِ اقدس مراد ہے)

حدیث شریف: ثم نظر الیہا بنظر الھیبۃ فصارت ماء۔ (پھر اس پر ہیبت کی نگاہ ڈالی تو وہ موتی پانی ہوگیا)

پھر تمام ارواح کو اسی پانی سے پیدا فرمایا۔

سوال: جملہ مخلوق کو پانی سے پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: پانی سے عجیب تر اور کوئی مخلوق نہیں، اور پھر یہ جملہ مخلوق سے نرم تر ہے کہ اسے جس طرح چاہو عمل میں لا سکتے ہو یہاں تک کہ اسے ہاتھ پر رکھا جاتا ہے لیکن سرزور بھی ہے کہ اس پر مکان نہیں بنایا جا سکتا اور نہ ہی براہِ راست اس سے کوئی شے بن سکتی ہے جب تک اس کے ساتھ اور کوئی شے نہ ملائی جائے بخلاف دوسری اشیاءؑ کے کہ ان سے ہر طرح کی چیزیں تیار کی جا سکتی ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو بتایا کہ جس پانی سے تم کوئی شے نہیں بنا سکتے اسی سے وہ قادرِ مطلق ہر شے پیدا فرماتا ہے۔ اس لیے مخلوق پر لازم ہے کہ اس کی قدرت پر ایمان لائے۔ کذا فی تفسیر ابی اللیث علیہ الرحمۃ۔

تفسیر عالمانہ

فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِىْ عَلٰى بَطْنِهٖ ان میں بعض ایسے ہیں جو پیٹ پر چلتے ہیں جیسے سانپ مچھلی وغیرہما۔

سوال: مشی تو پاؤں سے چلنے کو کہا جاتا ہے اور سانپ وغیرہ کے تو سرے سے پاؤں ہوتے ہی نہیں، تو پھر ان پر یمشی کا اطلاق کیسا؟

جواب: مجازاً ان پر مشی کا اطلاق ہوا ہے وہ اس لیے کہ ان کا ذکر ان چیزوں کے ساتھ ہوا ہے جو پاؤں پر چلتی ہیں۔ اسی مناسبت سے مجازاً ان پر مشی کا اطلاق ہوا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ سانپ وغیرہ پیٹ کے بل چلتے ہیں اور چونکہ اس طرح سے ان کا مقصد بھی مسافت کو طے کرنا ہے۔ اسی مناسبت سے ان پر مجازاً مشی کا اطلاق ہوا کہ پاؤں سے مسافت طے ہو تو مشی ہے تو وہ حقیقت ہے۔ اگر کسی دوسرے طریق سے مسافت ہو تو وہ مجاز ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِىْ عَلٰى رِجْلَيْنِ اور ان میں بعض وہ ہیں جو دو پاؤں پر چلتے ہیں جیسے انسان اور جن اور پرندے وغیرہ۔ کما فی الجلالین

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِىْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ اور بعض ان میں وہ ہیں جو چار پاؤں پر چلتے ہیں جیسے جانور اور وحشی وغیرہ۔

سوال: بعض حیوانات ایسے بھی ہیں جو چار پاؤں سے زائد سے بھی چلتے ہیں جیسے مکڑی و دیگر حشرات الارض۔

جواب: (۱) یہ قلیل ہیں اور قلیل کالمعدوم ہوتے ہیں۔ کذا فی الارشاد۔

(۲) فتح الرحمٰن میں ہے کہ یہ چار پاؤں پر چلنے والوں میں شامل نہیں اس لیے کہ ان کی ظاہری صورت انہی کی مانند ہوتی ہے کہ گویا وہ چار پاؤں پر چل رہے ہیں کما فی الکواشی۔

marfat.ocm

اور ان میں جمع مذکر عقلاء کی ضمیر محض تغلیباً ہے اور لفظ مِنْ سے مختلف اصناف کا ذکر اس لیے ہے تاکہ اجمال تفصیل کے موافق ہو۔ اور ترتیب بھی عجیب وغریب ہے اس لیے کہ پہلے ان حیوانات کا ذکر ہے جو پاؤں کے بغیر پیٹ کے ذریعے قطعِ مسافت کرتے ہیں، پھر ان کا ذکر ہے جو دو پاؤں پر چلتے ہیں، پھر ان کا جو چار پاؤں پر چلتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ وہ بہت قدرت کا مالک ہے کہ وہ اشیاء پاؤں کے بغیر بھی چلا سکتا ہے اور پاؤں ہوں تو دو سے بھی کام چل سکتا ہے اور دو سے زائد سے بھی۔

یَخْلُقُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ اللہ جسے چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے جیسا کہ مذکور ہوا اور بعض ایسی چیزیں پیدا ہوں گی جن کا ذکر نہیں ہوا۔ اس کی بعض مخلوق بسیط اور بعض مرکب ہے۔ اس نے جیسے چاہا پیدا فرمایا۔ بعض مخلوق کو صورت بخشی اور اعضا عطا فرمائے اور ہیئاتِ عجیبہ سے نوازا، انہیں حرکات عطا فرمائیں۔ طبائع و قوٰی سے نوازا باوجودیکہ عناصر سب کے متحد ہیں۔ صاحبِ حدیقہ نے فرمایا: ؎

اوست قادر بہرچہ خواہد و خواست
کارہا جملہ نزد او پیداست

ترجمہ: وہ قادر ہے جیسے چاہتا ہے کرتا ہے۔ تمام کام اس کے نزدیک ظاہر ہیں۔

کسی نے فرمایا: ؎

نقشبند برون گلہا اوست
نقش دان درون دلہا اوست

ترجمہ: جملہ نقوش ظاہری کا وہی نقشبند ہے۔ لیکن حقیقی نقش وہی ہیں جو دل کے اندر ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ بے شک وہ ہر شئے پر قادر ہے جیسے چاہتا ہے کرتا ہے۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ بے شک ہم نے واضح نشانیاں نازل فرمائیں یعنی احکامِ دینیہ و اسرارِ تکوینیہ میں سے وہ امور جن کا بیان کرنا لائق ہے وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اور اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت فرماتا ہے یعنی اسے نظرِ صحیح کی توفیق اور آیات مبیّنات میں تامّل کرنے کی رہبری فرماتا ہے اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ صراطِ مستقیم سے اسلام مراد ہے کیونکہ یہی اللہ تعالیٰ کا دین ہے اور اسی سے ہی اس کی رضا اور جنت کا راستہ نصیب ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کی سیرت کی خبر دی ہے جو پانی سے پیدا ہوئے چنانچہ فرمایا:

فمنهم من يمشي على بطنه یعنی ان کی سیرت یہ ہے کہ وہ پیٹ کی شہوات کی تحصیل میں عمر برباد کرتے ہیں

ومنهم من يمشي علىٰ رجلين یعنی ان کی سیرت یہ ہے کہ فرج کی شہوات کی تحصیل میں عمر ضائع کرتے ہیں اس لئے کہ ہر حیوان جب شہوت کو پورا کرتا ہے تو مباشرت کے وقت دو پیروں پر چلتا ہے اگرچہ وہ چار پیروں والا ہی ہو۔ ومنهم من يمشي علىٰ اربع یعنی ان کی سیرت یہ ہے کہ مرتبہ اور جاہ وجلال کی طلب پر چار پاؤں والی سواری پر سوار ہو کر چلتا ہے اس لیے کہ عموماً مرتبہ اور جاہ وجلال کی طلب میں ایسے لوگ ایسی سواریوں پر سوار ہو کر چلتے ہیں جو چار پاؤں پر چلتی ہیں جیسے گھوڑا، خچر اور گدھا۔ کما قال تعالیٰ: والخيل والبغال والحمير لتركبوها وزينة يخلق الله ما يشاء۔ یعنی ان کے علاوہ دیگر وہ سواریاں جن کا تمہیں علم نہیں، جن کے متعلق ازل میں لکھا جا چکا تھا اور ان کا پیدا ہونا حکمت ومشیتِ ایزدی کے مطابق ہے اور یہ تخلیق اظہارِ قدرت کے لیے ہے تاکہ معلوم ہو کہ وہ ہر قسم کی مخلوق پیدا کرنے پر قادر ہے۔

حکایت ہارون الرشید نے ایک دن بازی اشہب کو آسمان پر کسی شکار کے پیچھے دوڑایا لیکن وہ خلا میں ایسا گم ہوا کہ ایک عرصہ تک واپس نہ آیا۔ مایوسی کے بعد ایک دن واپس آیا تو مچھلی لایا۔ علماءِ کرام کو بلایا گیا تاکہ اس کا حل بتائیں۔ ان میں مقاتل نے فرمایا آپ کے دادا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ خلائے آسمان میں بھی مختلف قسم کی مخلوق ہے جو انڈے اور بچے دیتی ہے جو مچھلی کی ہیئت پر ہوتی ہے۔ اس کے پر ہوتے ہیں۔ ہارون الرشید مقاتل کے اس جواب سے خوش ہوا اور اسے انعام سے نوازا۔

لقد انزلنا اٰيٰت مبيّنٰت ہم نے قرآن مجید کو نازل کیا جس کی آیات واضح اور روشن ہیں اور ہم نے انسان کی مختلف قسمیں پیدا فرمائیں یعنی ان کے مختلف اوصاف بنائے اگر ہم انھیں ان کی فطرت کے حوالے کر دیتے تو ان میں کوئی بھی ہدایت نہ پاتا اور نہ ہی کوئی اپنی مشیت وارادہ پر ہدایت پا سکتا ہے والله يهدى من يشاء الى صراطٍ مستقيم اور اللہ تعالیٰ اپنے سیدھے راستہ کے لیے جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے پھر وہی مشیتِ ازلیہ الٰہیہ کے مطابق حضرتِ حق کی طرف پہنچتا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سیدھے راستہ کی ہدایت اور جادۂ تحقیق کی توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ اور کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور رسول پر ایمان لاتے ہیں۔

شانِ نزول: بشر منافق کے حق میں نازل ہوئی جس نے یہودی کے ساتھ زمین کے بارے میں جھگڑا کیا تو منافق کہتا کہ کعب بن اشرف یہودیوں کا عالم فیصلہ کرے گا لیکن یہودی کہتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ فرمائیں گے۔

صیغہ جمع میں اشارہ ہے کہ اس کی موافقت کرنے والا ایک گروہ تھا۔ جیسے کہا جاتا ہے:

بنو فلان قتلوا فلاناً۔

marfat.ocm

یہاں جمع کا صیغہ ہے حالانکہ قائل صرف ایک ہوتا ہے۔

وَاَطَعْنَا اور ہم نے اوامر و نواہی میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی۔ الاطاعۃ بمعنے وہ فعل جو کسی کے حکم پر کیا جائے۔ اس لیے کہ اطاعۃ انقیاد کے معنے میں آتی ہے اور انقیاد امر کے بعد ہوتا ہے۔ ہاں عبادت وغیرہ میں امر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ثُمَّ یَتَوَلّٰی پھر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو قبول کرنے سے روگردانی کرتا ہے۔

قاعدہ : امام راغب نے لکھا کہ لفظ تولّٰی جب متعدی بلا واسطہ ہو تو بمعنے ولایت آتا ہے۔ ایسے معانی میں استعمال ہوتا ہے جس کا حصول اقرب المواضع ہو۔ اور جب لفظ عن سے متعدی ہو خواہ وہ لفظوں میں ہو یا مقدر ہو تو اعراض و ترک قرب کے معنی میں مستعمل ہے اور الولی بمعنے القرب ہے۔

(۲) کبھی تولّٰی جسم کے ساتھ ہوتی ہے اور کبھی ترک اصغا و ائتمار سے۔

ف : یہ ثمّ تراخی زمانی کا ہے۔ یا اس لیے کہ ان کا اٰمنّا و اطعنا صرف زبانی ہے۔ حقیقی اٰمنّا و اطعنا کا معنیٰ ان سے کوسوں دور ہے۔

فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ ان قائلین کا ایک گروہ۔

المفردات میں ہے کہ الفرق بمعنے وہ ٹکڑا جو کسی دوسری جماعت سے کٹ کر علیحدہ ہو جائے۔ اس لیے اس جماعت کو فرقہ کہا جاتا ہے جو جمہور سے علیحدہ ہو جائے۔ اور فریق وہ جماعت جو کسی دوسری جماعت کے بالمقابل ہو۔

مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ اس مذکور قول کے بعد وَمَاۤ اُولٰٓئِكَ یہ اشارہ قائلین کی طرف ہے اس لیے کہ ان سے ایمان کی نفی کا تقاضا یہ ہے کہ فریق متولّٰی کی نفی ہو۔ اس کے برعکس اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ لوگ جو ایمان و طاعت کا دعویٰ کرتے ہیں پھر ان کے بعض ہم اعتقاد و عمل منہ پھیرتے ہیں تو ایسے لوگ نہیں ہیں بِالْمُؤْمِنِیْنَ حقیقی مومن جیسا کہ اس پر الف و لام کا دخول دلالت کرتا ہے کیونکہ مؤمن حقیقی وہ ہیں جنہیں ایمان میں اخلاص اور اس پر ثابت قدمی حاصل ہو وَاِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِیَحْكُمَ اور جب وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلائے جاتے ہیں تاکہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ کریں بَیْنَهُمْ ان کے درمیان، اس لیے کہ حقیقی فیصلہ کرنے والا رسولِ خدا ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ اگرچہ حقیقی حاکم اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر حضور علیہ السلام کے ذکر کی تعظیم کے لیے ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ حضور علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا مرتبہ ہے اور حکم کا معنیٰ یہ ہے کہ کسی شے کا فیصلہ اس طرح ہونا چاہیے جیسا کہ اس کا تقاضا ہو، خواہ دوسرا اسے قبول کرے یا نہ کرے اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ اچانک ان

ان لوگوں میں سے ایک گروہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے حکم سے رُوگردانی کرتا ہے۔ وہ اس لیے کہ حضور علیہ السلام کا فیصلہ ان کی خواہشات کے خلاف تھا اور انھیں یقین تھا کہ فیصلۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حق پر ہوتا ہے کیونکہ آپ رشوت تو لیتے نہیں تھے۔ یہ جملہ تولّٰی کی شرح اور اس میں مبالغہ کا بیان ہے مُعْرِضُوْنَ اعرض سے ہے بمعنے اظہر عرض ای ناحیتہ۔ یعنی فلاں نے فلاں کو اپنا کنارہ ظاہر کیا۔ وَاِنْ یَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ اگر حق ان کے لیے ہو یعنی فیصلہ اگر ان کے فائدہ کے لیے ہو یَاْتُوْٓا اِلَیْهِ اِلٰی، یَاْتُوْا کا صلہ ہے اس لیے کہ یاتی اور یجی (فعل مطلق) الی سے متعدی ہوتے ہیں یعنی اس کی طرف آئیں گے مُذْعِنِیْنَ فرمانبردار ہو کر، اس لیے کہ انھیں یقین ہو گا کہ حضور علیہ السلام نے ان کے فائدے کا فیصلہ فرمایا ہے فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ یہ انکار ہے اور ان کے اعراض مذکور کی قباحت کا اظہار اور اس کے اصلی منشا کا بیان ہے یعنی وہ اعراض ان کا قلبی مرض ہے اور وہ کفر و نفاق کی وجہ سے قلب (باطنی) مریض تھے اَمِ ارْتَابُوْٓا یا اس لیے کہ ارْتَابُوْا اُنھوں نے نبوت کے متعلق شک و شبہ کا اظہار کیا حالانکہ نبوت شک و شبہ کا محل نہیں کیونکہ اس کی حقیقت واضح ولائح ہے۔ اَمْ یا اس لیے کہ یَخَافُوْنَ اَنْ یَّحِیْفَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ انھیں خوف ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ کرتے ہوئے ظلم کریں الحیف بمعنے جَور و ظلم۔ اور فیصلہ میں دو جانبوں میں سے ایک جانب کی طرف مائل ہونا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے:

حاف فی قضیتہ۔

یعنی اس نے اپنے فیصلہ میں ظلم کیا۔

اس کے بعد اعراض فرمایا اور بتایا کہ صرف یہی وجہ نہ تھی بلکہ ان کی اصلی منشا کچھ اور تھی اور وہ ان کے جملہ شنیع امور سے بدتر تھی وہ یہ کہ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ بلکہ وہی لوگ ظالم ہیں یعنی مذکورہ بالا دونوں وجوہ سے کوئی ایک وجہ بھی نہیں اس لیے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام سے حق کے لانے کے وقت اعراض نہیں کیا بلکہ ان میں تحقق، نفاق اور شک کی وجہ سے بظاہر حضور علیہ السلام کے سامنے گردنیں جُھکا لیتے تھے۔ اور دوسرا یہ کہ انہیں حضور علیہ السلام سے ظلم کا خطرہ بھی نہیں تھا اور انہیں یقین تھا کہ حضور حق پر ثابت قدم ہیں آپ پر معمولی وہم بھی نہیں کیا جا سکتا کہ آپ کو معمولی لغزش بھی آئے۔ جب یہ باتیں حضور علیہ السلام میں نہیں تو ثابت ہُوا کہ وہ لوگ ظالم ہیں۔ بلکہ ان کا ارادہ تھا کہ اہلِ حق پر ظلم ڈھائیں۔ اور چاہتے تھے کہ حق والوں کا حق کھا جائیں، اسی لیے حضور علیہ السلام سے فیصلہ کرانے سے کتراتے تھے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ حضور علیہ السلام جو فیصلہ کریں گے وہ حق ہو گا۔ خلاصہ یہ کہ دونوں امور مذکورہ سے اعراض سے نتیجہ نکلا کہ ان

(باقی بر صفحہ ۲۶۹)

marfat.ocm

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا
مسلمانوں کی بات تو یہی ہے جب اللہ اور رسول کی طرف بلائے جائیں کہ رسول ان میں فیصلہ فرمائے کہ عرض

وَأَطَعْنَا وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۵۱ وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ
کریں ہم نے سنا اور حکم مانا اور یہی لوگ مراد کو پہنچے اور جو حکم مانے اللہ اور اس کے رسول کا اور اللہ سے ڈرے اور پرہیزگاری

فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُونَ ۵۲ وَأَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ أَمَرْتَهُمْ
کرے تو یہی لوگ کامیاب ہیں اور انہوں نے اللہ کی قسم کھائی اپنے حلف میں حد کی کوشش سے کہ اگر تم انہیں حکم دو گے

لَيَخْرُجُنَّ قُلْ لَا تُقْسِمُوا طَاعَةٌ مَعْرُوفَةٌ إِنَّ اللّٰهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۵۳
تو وہ ضرور جہاد کو نکلیں گے تم فرما دو قسمیں نہ کھاؤ موافق شرع حکم برداری چاہیے اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو

قُلْ أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا
تم فرماؤ حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا پھر اگر تم منہ پھیرو تو رسول کے ذمہ وہی ہے جو اس پر لازم کیا گیا اور تم پر وہ

حُمِّلْتُمْ وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِينُ ۵۴ وَعَدَ اللّٰهُ
ہے جس کا بوجھ تم پر رکھا گیا اور اگر رسول کی فرماں برداری کرو گے راہ پاؤ گے اور رسول کے ذمہ نہیں مگر صاف پہنچا دینا اللہ نے

الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا
وعدہ دیا ان کو جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کیے کہ ضرور انہیں زمین میں خلافت دے گا

اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ
جیسی ان سے پہلوں کو دی اور ضرور ان کے لیے جما دے گا ان کا وہ دین جو ان کے لیے پسند فرمایا ہے

وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا
اور ضرور ان کے اگلے خوف کو امن سے بدل دے گا میری عبادت کریں میرا شریک کسی کو نہ ٹھہرائیں

وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ۵۵ وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ
اور جو اس کے بعد ناشکری کرے تو وہی لوگ بے حکم ہیں اور نماز برپا رکھو اور زکوٰۃ دو

وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۵۶ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مُعْجِزِينَ
اور رسول کی فرمانبرداری کرو اس امید پر کہ تم پر رحم ہو ہرگز کافروں کو خیال نہ کرنا کہ وہ کہیں ہمارے قابو سے

فِي الْأَرْضِ وَمَأْوٰىهُمُ النَّارُ وَلَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۵۷
نکل جائیں زمین میں اور ان کا ٹھکانا آگ ہے اور ضرور کیا ہی برا انجام

ع ۷
۱۳

(ص ٢٦٤ سے آگے) لوگوں میں وہی قبائح موجود تھے اور تیسرا یہ بھی تھا کہ وہ ظالم تھے اور چوتھا یہ کہ یہ جبلّہ ان کی ذات میں راسخ ہو چکے تھے کہ ان سے ان کا باز آ جانا بظاہر مشکل تھا۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ. قول المؤمنین، کانَ کی خبر ہے۔ اسی لیے منصوب ہے اور اس کی خبر ما اپنے مابعد سے مل کر محلاً مرفوع ہو کر ان کا اسم ہے۔ بے شک ہوتا ہے اہلِ ایمان کا قول اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ جب انھیں اللہ جلالہٗ و رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں بلایا جاتا ہے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا فیصلہ فرمائیں بَيْنَهُمْ جو کہ ان کے مخالفوں کے درمیان ہے ان کے مخالف اپنے ہیں یا پرائے اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت ہمیں پہنچی ہم نے اسے سُن کر قبول کیا اور جیسے ان کا حکم ہے ہم اسی طرح تہِ دل سے عمل کریں گے اور یہ لفظ اللہ تعالیٰ اور اس کے غیر کے لیے مستعمل ہے کما فی فتح الرحمٰن۔ وَاُولٰٓئِكَ جن لوگوں کا ابھی ذکر ہُوا وہی لوگ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اپنے ہر مطلب میں کامیاب اور ہر خطرہ سے نجات پانے والے ہیں۔ المفردات میں ہے کہ الفلاح بمعنے الظفر و ادراک البغیہ (یعنی فتحمندی اور مقصد حاصل کرنا) وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کی اطاعت کرتا ہے جیسے ان کا حکم ہوتا ہے احکامِ شرعیہ سے وہ احکام لازمہ ہوں یا متعدیہ ان کے ہر طرح کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر کے اس پر کاربند ہونے کی کوشش کرتے ہیں وَيَخْشَ اللّٰهَ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے کہ کہیں اس کی گزرے ہُوئے گناہوں پر گرفت نہ ہو وَيَتَّقْهِ اور وہ اپنی بقایا عمر کے لیے بھی ڈرتا رہتا ہے۔ دراصل یتقیہ تھا 'یا' کو عامل جازم کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے یتقہ بکسر القاف والہاء ہُوا اس کے بعد علیٰ خلاف القیاس قاف کو ساکن کیا گیا اس لیے کہ اب وُہ فعل کا ہم وزن ہو گیا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ ہر وہ لفظ فعل (وزن) جو صورۃً ایک کلمہ ہو جیسے کتف، تو اس کی عین کو ساکن پڑھا جاتا ہے۔ پھر جو بھی اس کے وزن پر آئے خواہ وہ ایک کلمہ ہو یا علیحدہ علیحدہ، تو اسے بھی کتف پر محمول کرتے ہُوئے اس کی عین کو ساکن پڑھنا جائز ہے جیسے یہی یتقہ (اس کی یاءِ مضارع کو چھوڑ کر) کتف کا ہم وزن ہے اسی بنا پر اس کی عین کو ساکن پڑھا گیا ہے فَاُولٰٓئِكَ یہی لوگ جو طاعت وخشیۃ و اتقاء سے موصوف ہیں هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ وہی ہمیشہ کی نعمتوں پر کامیاب ہیں بخلاف ان کے غیروں کے کہ انہیں دائمی نعمتوں سے نہیں نوازا گیا۔ الفوز بمعنے الظفر مع حصول السلامۃ۔ کما فی المفردات۔

حکایت کشاف میں ہے کہ کسی بادشاہ نے کسی عالمِ دین سے پُوچھا کہ کوئی ایسی بات بتائیے کہ جس پر عمل کرنے سے دوسری آیات پر عمل کرنے کی ضرورت نہ رہے۔ اس عالمِ دین نے یہی آیت پڑھی۔ جب دوسرے علماءِ کرام کے سامنے اس عالمِ دین کا جواب پیش ہُوا تو سب نے مان لیا کہ واقعی اس نے صحیح فرمایا کیونکہ فوز و فلاح فرمانبرداری اور مشیتِ الٰہی و تقویٰ میں ہے ؎

اینک رہ اگر مسجد اقصیٰ طلبی
وینک عمل ار رضائے مولیٰ طلبی

ترجمہ: یہی حقیقی راہ اگر حقیقی مقصد کی طلب رکھتے ہو اور عمل خالص یہی ہے اگر رضائے حق کے طالب ہو۔

مسئلہ: ادائے فرائض و اجتناب محارم میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ جس امر کا حکم فرمائے اس کے لیے سرِ تسلیم خم کر دینا چاہیے۔

چکڑالوی اور پرویزی کا رد (ہمارے دور کے منکرینِ حدیث رسول کی طاعت یا اس کے حکم کے منکر ہیں صاحبِ روح البیان ان کے رد میں پہلے فرما گئے کہ؛)[1]

قال ابن عطاء رحمہ اللہ الدعوۃ الی اللہ بالحقیقۃ والدعوۃ الی الرسول بالنصیحۃ فمن لو یجب داعی الرسول ضل وسبب عدم الاجابۃ المرض۔

ترجمہ: ابن عطاء نے فرمایا کہ دعوتِ الی اللہ دعوتِ الی الرسول ہے کیونکہ جو داعی رسول کو مانتا وہ گمراہ ہے اس کے نہ ماننے کی اصل وجہ اس کی اندرونی بیماری ہے۔

ف: حضرت امام راغب نے فرمایا کہ مرض بمعنے اعتدال خاص کی حد سے نکلنا۔ اور یہ دو قسم ہے:

١۔ جسمانی مرض، جیسے اللہ تعالیٰ نے ولا علی المریض حرج میں بیان فرمایا۔

٢۔ روحانی مرض، اس سے رذائل، جیسے جبن، بخل، نفاق مراد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضا میں بیان فرمایا ہے۔

نکتہ: نفاق و کفر وغیرہما کو مرض سے تشبیہ دینے میں اشارہ ہے کہ جیسے مرض انسان کے بدن کو تصرف کامل سے روکتا ہے ایسے ہی یہی رذائل یعنی کفر و نفاق وغیرہما ادراک خصائل سے مانع ہیں۔ یا اس لیے کہ یہ رذائل تحصیل حیاتِ اخرویہ جسے آیت وان الدار الاٰخرۃ لھی الحیوان میں بیان کیا گیا ہے، سے روکتے ہیں یا اس لیے کہ جیسے ضرررساں اشیائ کے میلان سے انسان کے بدن کو نقصان پہنچتا ہے۔ ایسے ہی نفس انسانی کا ان رذائل کی طرف رغبت کرنے سے اس کا باطنی نقصان ہوتا ہے۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لا یؤمن احدکم حتی یکون ہواہ تابعا لما جئت بہ ۔

(تم میں کوئی ایک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ میرے لائے ہوئے احکام کا پورے طور تابع نہ ہو)

شرح : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا ایمان کامل نہیں ہو سکتا اور نہ ہی وہ کمالِ ایمانی کے درجات کو پہنچ سکتا ہے جب تک کہ اس کی نفسانی خواہشات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے احکام اور آپ کی سیرت و ہدایت کے تابع نہ ہو جائیں۔

تفسیر صوفیانہ حقیقی اطاعت و اجابت یہ ہے کہ انسان ماسوی اللہ کو ترک اور اس سے مکمل طور روگردانی کرے، اس لیے کہ جو بھی غیر اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے وہ بے شمار آفات و بلیات کا شکار ہو جاتا ہے ۔ آفات و بلیات کا شکار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے دل کا مزاج اس فطرت سے پھر جاتا ہے جس پر اسے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا۔ یعنی وہ حُبِ الٰہی و حُبِ آخرت سے محروم ہو کر اہلِ ہوا و متبدعین کے کہنے پر دین میں شک و شبہ کرنے لگ جاتا ہے۔ یعنی فلاسفہ اور دہریوں کی تقلید کا پھندہ اس کے گلے کا ہار بن جاتا ہے۔ پھر وہ ڈرتا ہے کہ کہیں اس سے ترک دنیا کا حکم نہ ہو اور نہ ہی اس کے نفس کو خواہشات سے روکنے کا امر ہو جائے ۔ بلکہ اب اس کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ وہ مجاہدات و ریاضات سے نفس کا تزکیہ اور قلب کا تصفیہ ہوتا ہے اور جب تک تزکیۂ نفس و تصفیۂ قلب نہ ہو روح اخلاق حق کے زیورات اور وصول الی الحضرۃ کا مقام نصیب نہیں ہوتا ۔ اور نہ ہی للذین احسن الحسنیٰ و زیادۃ کے وعدہ سے اسے کچھ نصیب ہوتا ہے اور عدم ادائیگی حقوقِ الٰہی کی وجہ سے ہر وقت سزا پائے گا حالانکہ اللہ تعالٰے اپنے بندوں پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔ کما قال :

ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ ۔

تفسیر عالمانہ وَ اَقْسَمُوْا اور منافقوں نے قسم کھائی ۔ یہ دراصل القسامۃ سے ہے ۔ ان لوگوں کے قسم کھانے کو کہا جاتا ہے جن پر کسی کے قتل کی تہمت ہو۔ پھر ہر قسم پر اس کا اطلاق ہونے لگا جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ الجهد بالفتح بمعنے طاقت ۔ لغت میں بمعنے طاقت اور اصطلاح شرع میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ خبر کی دو طرفوں میں سے ایک طرف کو قوت دینا۔

امام راغب نے کہا حلف میں یمین ید سے مستعار ہے باعتبار اس کے کہ اسے مجاہد و معاہد اپنی طرف سے کرتے ہیں۔

marfat.ocm

الارشاد میں ہے کہ جہد کی نصب مصدر ہونے کی وجہ سے ہے اس لیے کہ وہ اپنے مذکور فعل کی تاکید کرتا ہے اور وہ نصب کے حیز میں ہے کیونکہ وہ اقسموا کے فاعل سے حال ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں درانحالیکہ وہ اپنی قسموں میں جدو جہد کرتے ہیں۔ اور جہد الیمین کا مطلب یہ ہے کہ قسم اپنے انتہا کو پہنچ گئی ہے جہد نفسہ سے استعارہ ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اپنی وسعت و طاقت کی انتہا کو پہنچے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ شدۃ اور سختی میں وہ یمین کے آخری مراتب تک پہنچنے کی جدو جہد کرتے ہیں۔ مثلاً جو شخص کہے، اقسم باللہ۔ تو اس وقت اس کا مطلب یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے قسم میں پُوری جدو جہد کی ہے۔ اور استعارہ کا مطلب یہ ہے کہ جب قسم میں اتنی وسعت و طاقت نہ تھی لیکن منافقین نے اسے طاقت و وسعت کی انتہا تک پہنچایا۔ یہ دراصل یجھدون ایمانہم جہدا فعل کو حذف کر کے مصدر کو مقدم کیا گیا ہے پھر اسے اپنے فعل کے قائم مقام رکھ کر اپنے مفعول کی طرف مضاف کیا گیا ہے جیسے ضرب الرقاب میں مصدر مفعول کی طرف مضاف ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ منافقوں کی اللہ تعالیٰ نے سخت ترین قسم کھائی۔

لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ اگر آپ انھیں جہاد کے لیے گھروں سے نکلنے کا حکم فرمائیں اس لیے کہ انھوں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ ہم ہر وقت آپ کے حکم کے پابند ہیں اور ہر وقت آپکے ساتھ ہیں اگر آپ گھر سے باہر تشریف لے جائیں گے تو ہم بھی آپ کے ساتھ چلیں گے اگر آپ گھر پر رہیں گے تو ہم بھی گھر پر رہیں گے اگر آپ ہمیں جہاد کا حکم فرمائیں گے تو بسرو چشم آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہُوئے ہم جہاد کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ لَيَخْرُجُنَّ یہ اقسموا کا جواب ہے اس لیے لئن امرتھم کی لام قسم پر دلالت کرتی ہے اور قاعدہ ہے جو جملہ شرط کے بعد مذکور ہو گا تو قسم کا جواب نہ ہو گا نہ کہ شرط کی جزا۔ ہاں ایسے مقام پر شرط کی جزا محذوف ہوتی ہے پھر وہی جواب قسم جزا پر دلالت کرتی ہے۔ یہاں پر چونکہ جواب قسم اور جزائے شرط ایک دوسرے کی مماثل ہیں۔ بنا بریں ان میں سے ایک یعنی جوابِ قسم پر اکتفا کیا گیا ہے۔

ف : ان کا یہ مقولہ جھوٹا تھا اور قسم بھی جھُوٹی تھی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ ان کی قسم اور ان کے مقولے کو ان کے مُنہ پر مار دو۔ کما قال :

قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا اپنے دعویٰ طاعت پر قسمیں نہ کھاؤ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ اور جملہ نہی کی تعلیل ہے یعنی تمہاری طاعت مشہور و معروف ہے یعنی تم صرف زبانی جمع کرتے ہو۔ تمہارے اقوال تمہارے قلبی عزائم کے موافق نہیں۔

ف : ان کی طاعت کو معروفہ سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ ان کے عادات و اطوار اتنے عیاں تھے کہ

عرب کا بچہ بچہ جانتا تھا کہ یہ جو کچھ کہتے ہیں منافقت سے کہتے ہیں۔ کمافی الارشاد۔

اور بعض مفسرین نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ طاعت سے اخلاص اور صدق نیت مقصود ہے اور تم زبانی جمع خرچ تو بہت کرتے ہو اور جھوٹی قسمیں بھی کھاتے ہو۔ لیکن اس کے بجائے تمہیں اخلاص و صدقِ نیت ضروری ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا کا معنی یہ ہے کہ تم جھوٹی قسمیں مت کھاؤ بلکہ عملی طور پر طاعت بجالاؤ اس لیے کہ طاعت عمل کا نام ہے زبانی جمع خرچی کسی کام کی نہیں۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے سچے حال اور جھوٹے مقال سے بے خبر ہے یا وہ تمہارے زبانی دعویٰ طاعت اور قلبی طور پر اس کی مخالفت سے آگاہ ہے وہی تمہارے جملہ اعمال کی سزا دے گا۔ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ج فرمایئے کہ فرائض و سنن میں رحمت و قبول کی اُمید پر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو فَاِنْ تَوَلَّوْا یہ در اصل تتولوا تھا اس کی ایک تا گر گئی ہے۔ یعنی تم امرِ الٰہی سُننے کے بعد اگر منہ پھیرو گے فَاِنَّمَا عَلَیْہِ تو یقین کر لو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مَا حُمِّلَ وہی ہے جس کے وہ مکلف ہیں یعنی ان کا کام ہے صرف پیغامِ الٰہی پہنچا دینا وَعَلَیْکُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ اور تم پر وہی ہے جس کے لیے تمہیں حکم ہوا یعنی امرِ الٰہی کو مان کر اس کی اطاعت کرنا۔

ف: اسے حمل سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ حکمِ الٰہی ایک بہت بڑا بوجھ ہے کہ ادا کیے بغیر نہیں اُترتا۔ اور اس وقت تک مامور کے ذمہ رہتا ہے جب تک اسے ادا نہ کرے۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ یہ بوجھ تمہارے سر پر رہے گا اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سُن کر رُوگردانی کرو گے تب بھی اس کے ذمہ سے عہدہ برآ نہیں ہو سکو گے جب تک کہ اسے ادا نہ کرو وَاِنْ تُطِیْعُوْہُ اور اگر تم طاعت کے لیے سرِ تسلیم خم کرو گے تو تَھْتَدُوْا تم ہدایت پا جاؤ گے اور حق کی طرف تمہیں رہبری نصیب ہو گی اور مومن کا اصلی مقصد بھی یہی ہے اور اسی سے تم ہر خیر و برکت کو پا سکو گے اور اسی کی وجہ سے ہر بُرائی سے نجات پاؤ گے۔

نکتہ: اس جملہ کی تاخیر میں راز یہ ہے کہ جس معاملہ میں ترہیب (ڈرانا) کو مقدم کیا جائے تو اس کی ترغیب کی تاکید میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ وَمَا عَلَی الرَّسُوْلِ یہاں پر رسول سے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں مطلقاً ہر رسول مراد نہیں ہو سکتا اس لیے کہ یہ معرف باللام ہے اور مکرر واقع ہوا ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ جب کوئی اسم معرف و مکرر واقع ہو تو دوسرا پہلے کا عین ہوتا ہے۔

اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ○ بمعنے تبلیغ موضح یعنی جن امور کی تبلیغ ضروری ہے وہ ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ

marfat.ocm

واضح اور مکمل طور پر ادا کر چکے ہیں۔ اب تمہارے ذمہ ہے اگر امرِ الٰہی بجا لاؤ گے تو اجر پاؤ گے اگر خلاف ورزی کرو گے تو سزا پاؤ گے۔

ف : حضرت ابو عثمان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو سنتِ رسول پر التزام رکھتا ہے اس کے ہر قول و فعل سے حکمت کا صدور ہو گا:

اور جو نفس کی خواہشات پر عمل کرتا ہے اس سے بدعاتِ سیئہ کا ظہور ہو گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا دارومدار طاعتِ رسول کو بتایا ہے۔ کما قال :

وان تطیعوہ تھتدوا۔

ف : بعض مشائخ نے فرمایا کہ تین آیات ایسی ہیں کہ ان کے دو امر آپس میں ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہیں یہاں تک کہ ان کے ایک پر عمل نہ ہو تو دوسرا بھی ناقابلِ قبول ہے، وہ تین آیات یہ ہیں :

(۱) اقیموا الصلوٰۃ و اٰتوا الزکوٰۃ۔

اس آیت میں نماز اور زکوٰۃ کا حکم ہے۔ اگر کوئی شخص نماز تو پڑھتا ہے لیکن زکوٰۃ کا منکر ہے تو اس کی نماز بھی قبول نہیں ہوتی۔

(۲) اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول۔

اس آیت میں اطاعتِ الٰہی و اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اگر کوئی شخص اطاعتِ الٰہی تو بجا لاتا ہے لیکن اطاعتِ رسول کا منکر ہے تو اطاعتِ الٰہی اس کے منہ پر ماری جائے گی۔

(۳) ان اشکرلی ولوالدیک۔

اس آیت میں شکرِ خداوندی اور شکرِ والدین کا حکم ہے۔ اگر کوئی شکرِ خدا تو کرتا ہے لیکن والدین کی شکرگزاری سے کتراتا ہے تو اس کا شکرِ خداوندی کا عمل قبول نہ ہو گا۔

طاعتِ رسول کا نتیجہ

خلاصہ یہ کہ طاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہایت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں مقبولیت کی کنجی طاعتِ رسول ہے۔ اس کی سب سے بڑی دلیل اصحابِ کہف کے کُتے کی مقبولیت ہے کہ جب اس نے اولیاء کرام کا دامن پکڑا تو اللہ تعالیٰ نے اسے بہشت عطا فرمائی۔ غور کیجئے کہ جب کُتا مطیعین کے طفیل بخشا گیا تو مطیعین اپنا کتنا مرتبہ ہو گا۔

ف : حضرت حاتم الاصم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تین امور کا تین امور کے بغیر دعویٰ کرنا جھوٹ ہے:

۱ - جو شخص بہشتی ہونے کا دعویٰ کرے لیکن راہِ حق میں خرچ نہ کرے تو وہ جھوٹا ہے۔

۲ - اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کا دم بھرے لیکن اس کے حرام کردہ امور سے کنارہ نہ کرے تو وہ کذاب ہے۔

۳۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت وعشق کا مدعی ہو کر فقراء سے محبت نہ کرے تو وہ بھی جھوٹا ہے۔

ع حُبِ درویشاں کلیدِ جنّت است

حکایت حضرت امام احمد حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ حمام میں تشریف لے گئے اگرچہ دُوسرے لوگ ننگے نہا رہے تھے لیکن آپ نے کپڑا باندھ کر غسل کیا۔ اس کے بعد خواب میں دیکھا انھیں کہا جا رہا تھا کہ ہم نے تمھیں لوگوں کا امام اس لیے بنایا ہے کہ تم نے شریعت پر عمل کیا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

رہرو راہِ طریقت ایں بود
کاو باحکام شریعت می رود

ترجمہ: طریقت کی راہ یہی ہے کہ شریعت کے احکام کی پابندی کی جائے۔

(ہم اللہ تعالیٰ سے توفیقِ حق کا سوال کرتے ہیں)

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یہ خطاب کفارِ مکہ کو ہے۔ اور مِن تبعیضیہ ہے یا یہ خطاب حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہے۔ اور مِن بیانیہ ہے۔ ظرف کو درمیان میں لانے میں ظاہر کرنا مطلوب ہے کہ اصل ایمان ہے اور اعمال اس کی فرع ہیں تمہارے مومنوں اور نیک اعمال والوں سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ یہ قسم کا جواب ہے اور قسم محذوف ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی:

وعد اللہ واقسم لیستخلفنہم۔

یعنی قسم سے مؤکد کر کے ان کے ساتھ وعدہ فرمایا ہے کہ وُہ اُنھیں جانشین بنائے گا یا یہ کہ ان کے ساتھ وعدہ قسم کے قائم مقام ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر وعدۂ ایفاء یقینی ہے یعنی انھیں عرب وعجم کے کفار کی جملہ املاک کا جانشین بنائے گا کہ ان کی املاک میں شاہانہ طریقہ سے تصرف فرمائیں گے۔ کاشفی نے کہا فی الارض: در زمین کفار از عرب وعجم۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لیدخلن ھذا الدین علیٰ ما دخل علیہ اللیل۔

(یہ دین ان تمام مقامات پہ پہنچے گا جہاں تک رات داخل ہوئی) (یعنی دنیا کے چپے چپے پہ دین اسلام کا راج ہوگا)

ف: خلیفہ (نائب) اس وقت مقرر کیا جاتا ہے جب اصل مر جائے یا غائب ہو یا اصل کسی کام کی سرانجامی سے عاجز ہو یا پھر اصل کسی کو شرف بخشتے ہوئے اپنا قائم مقام مقرر فرمائے پہلے تینوں معانی اللہ تعالیٰ کے لیے ممتنع ہیں یہاں پر آخری معنیٰ مراد ہے اور اللہ تعالیٰ کے نائب بنانے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ کریم اپنے اولیاء کو زمین پر تصرف

marfat.ocm

کرنے کے لیے مقرر فرماتا ہے۔ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ جیسے ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا، جیساکہ فرعون و جابرہ کے مرنے کے بعد مصر و شام کا خلیفہ بنی اسرائیل کو مقرر فرمایا وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ التمکین بمعنے جعل الشئ مکانا لاٰخر۔ اہلِ عرب کہتے ہیں:

مکن له فی الارض ای جعلها مقرًا له۔

یعنی فلاں کے لیے زمین کو قرارگاہ بنایا گیا۔

تاج المصادر میں ہے کہ تمکین بمعنے دست دادن و جاے دادن۔

مثلاً کہا جاتا ہے:

مکنتك و مکنت لك۔ یہ نصحتك و نصحت لك کی طرح بلا واسطہ اور لام کے واسطہ سے متعدی ہو کر استعمال ہوتا ہے۔

اور ابوعلی نے فرمایا کہ یہاں ردف لکم کی طرح متعدی بہ واسطہ لام استعمال ہوا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے دین کو ایسا مقرر اور ثابت فرمائے گا کہ وہ بلا نزاع اس کے احکام پر عمل کرنے میں مداومت کریں گے الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ ۔ الارتضاء بمعنے پسندیدن (کذا فی التاج)

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ خلفاء کی ہر اس جنس کو اپنی امانت کا بوجھ اٹھانے کی قدرت دے گا جس کے لیے اس کے دینی مراتب کی رضا اور خوشنودی ہوگی، اس لیے کہ وہی لوگ اسلام کے ارکان اور ستون ہیں وہی اللہ تعالیٰ کے بندوں کے صحیح ناصح اور حقیقی رہبر ہوتے ہیں۔ یہ چند قسم ہیں:

(۱) حفاظ القرآن والحدیث، انھیں یوں سمجھو کہ گویا وہ دین کے خزانچی ہیں۔

(۲) وہ علماے اصول جو اصحاب بدعت سیئہ و اہلِ عناد کا (دلائل واضحہ سے) رد کرتے ہیں۔ لیکن یہ اپنے اصول میں فلاسفہ کے علوم کو دخیل نہیں بناتے اس لیے فلاسفہ کے علوم بہت بڑی تباہی ہے اور ان سے صرف علماء راسخین اور اولیاء قائمین بالحق ہی بچ سکتے ہیں اور اسلام کے حقیقی رہبر یہی ہیں بلکہ دین کے شیر یہی حضرات ہیں۔

(۳) فقہاء عبادات و معاملات کے متعلق انہیں سے رہبری حاصل کی جاتی ہے اور دینی امور میں ان کا وہی مرتبہ ہے جو دنیوی امور میں وکلاء اور متصرف فی الملک کا ہوتا ہے

(۴) اہلِ معرفت و اصحابِ حقائق و اربابِ سلوک یعنی اولیاء کاملین درحقیقت اللہ تعالیٰ کے خلفاء یہی حضرات ہیں یہی اقطاب عالم و عمود سماء اور اوتاد الارض ہیں انھیں سے زمین و آسمان کا نظام قایم ہے دین میں ان کی

وہی حیثیت ہے جیسے بادشاہوں کے خواص اور اعیان مجلس سلطان کو حاصل ہوتی ہے اور دینِ الٰہی سے آباد ہے اور تاقیامت یہ لوگ مختلف طبقات کی حیثیت سے موجود رہیں گے [1]

تفسیرِ عالمانہ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ۔ التبدیل بمعنے جعل الشئ مکان آخر۔ (ایک شے کو دوسری شے سے بدلنا)، اور یہ عوض سے عام ہے۔ اس لیے کہ ایک شے دے کر دوسری شے لینے کو عوض کہا جاتا ہے۔ اور تبدیل بمعنے تغیر بھی آتا ہے اگرچہ اس کے عوض کوئی شے بھی نہ دی جائے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ انھیں بدل دے گا مِنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ دشمنوں کے خوف کے بعد اَمْنًا ط طمانیت النفس و زوال الخوف کو امن کہا جاتا ہے۔ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہجرت سے پہلے دس سال کے عرصہ تک کفار سے خائف رہے۔ پھر جب مدینہ طیبہ میں ہجرت کر کے تشریف لائے تب بھی ہتھیار ساتھ رکھتے تھے کہ کہیں دشمن اچانک حملہ نہ کر دے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وعدہ پُورا فرمایا کہ اہلِ اسلام کو نہ صرف اہلِ عرب پر بلکہ عرب وعجم پر فتحیاب فرمایا ؎

دمبدم صیت کمال دولت خدام او
عرصۂ زمیں را سر بسر خواہد گرفت
شاہباز ہمتش چوں برکشاید بال قدر
از ثریا تا ثریٰ در زیر پر خواہد گرفت

ترجمہ: ہر لحظہ اس کے خدام دولت کے آواز دے رہے ہیں کہ وہ زمین کے میدان کو لپیٹے گا۔ جب اس کی ہمت کا باز ہمت کے پر کھولتا ہے تو ثریا تحت الثریٰ تک اپنے پر کی گرفت میں لے لے گا۔

یَعْبُدُوْنَنِیْ یہ الذین اٰمنوا سے حال ہے اور اس لیے لایا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہر انسان کے لیے ہے جو توحید پر ثابت قدمی رکھے لَایُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا ط یہ یعبدوننی کی واؤ جمع سے حال ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ وہ مومن جو میری عبادت کرتے ہیں، درانحالیکہ وہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے وَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ اور جو مرتد ہو جائے وعدہ کے بعد، یا سرے سے کفر پر ڈٹ جائے اور اسلام کی ترغیب و ترہیب پر اثر انداز نہ ہو اور جسے توحید پر دلائل و براہین کا مشاہدہ ہو

---

[1] ہم اسی چوتھے گروہ کو اولیاء، اقطاب، اغواث، ابدال وغیرہم کے القاب سے یاد کرتے ہیں۔ لیکن منکرینِ اولیاء کو انکار ہے۔ اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

تب بھی ایمان نہ لائے تو وہ اصل کفر کے بعد دوسرے کفر کا ارتکاب کر رہا ہے یا اس کفر سے کفرانِ نعمت عظیم مراد ہے فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ تو وہی لوگ کافر کامل و مکمل فاسق ہیں یا حدودِ کفر و طغیان میں مکمل طور پر خارج ہونے والے ہیں [1]

خارجیوں کی ابتدا

حضرات مفسرین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ کفران و طغیان ان لوگوں سے ہوا جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ جب انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تو اللہ تعالیٰ نے اُمّت سے امن اٹھا لیا اور پھر اس پر خوف مسلط کر دیا، یہاں تک کہ یا یہ دور تھا کہ وہ آپس میں بھائی بھائی تھے یا یہ وقت زمانے نے دیکھا کہ مسلمانوں نے مسلمانوں کے خون سے ہاتھ رنگے۔ اور اللہ تعالیٰ کا قاعدہ ہے کہ وہ کسی سے کوئی نعمت نہیں چھینتا جب تک ان سے ایسے امور سرزد نہ ہوں جو نعمت کے چھن جانے کا موجب بنیں۔

حدیث شریف

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا وضع السیف فی اُمتی لا یرفع عنھا الی یوم القیٰمة۔

(میری امت میں جب تلوار اُٹھے گی تو پھر قیامت تک چلتی رہے گی)

مثنوی شریف میں ہے: ؎

ہرچہ با تو آید از ظلمات غم
آں ز بے شرمی و گستاخیست ہم

ترجمہ، تجھ پر جتنے حوادثات و مصائب نازل ہوتے ہیں وہ تیری بدکرداری کا نتیجہ ہے۔

حکایت

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک دفعہ میں کسی کے کھیت سے گزرا تو کسان نے مجھے بیل کہہ کر پکارا، میں نے دل میں سوچا کہ معمولی غلطی سے تو کسان مجھے بیل کہہ رہا ہے اگر غلطیوں کی کثرت ہو تو نہ معلوم اللہ تعالیٰ کی معرفت کا دروازہ بند ہو جاتا ہوگا۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ اس کا عطف مقدرہ جملہ پر ہے جیسا کہ مقام کا تقاضا ہے اصل عبارت یوں تھی:

فآمنوا و آمنوا صالحا و اقیموا الخ

اے لوگو! ایمان لاؤ اور اچھے عمل کرو اور نماز قایم کرو اور زکوٰۃ دو۔

---

[1] اس آیت سے ہم اہلسنت خلفاء اربعہ کی ترتیب اور ان کی حقانیت کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ اویسی غفرلہ

وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو یعنی جتنے احکام وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں ان کی اطاعت کرو۔ یہ جملہ از باب تکمیل ہوگا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ تاکہ تم رحم کیے جاؤ۔ یعنی مذکورہ امور یعنی اقامۃ الصلوٰۃ اور ایتاء الزکوٰۃ اور طاعتِ رسول بجا لا کر امید رکھو کہ تم رحم کیے جاؤ گے۔ اس معنے پر یہ امور ثلاثہ مذکورہ کے متعلق ہوگا لَا تَحْسَبَنَّ یہ خطاب محبوب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ہر اس شخص کو ہے جو اس خطاب کا اہل ہو خواہ کوئی ہو الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یہ لا تحسبن کا دوسرا مفعول ہے۔ کافروں کے لیے خیال مت کیجیے کہ مُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ یہ العجز سے ہے اور یہ قدرت کی نقیض ہے اور اعجزت فلانا بمعنے میں نے اسے عاجز کیا۔ یعنی کافر اللہ تعالیٰ کو ان کے ہلاک اور تباہ و برباد کرنے میں وہ اسے عاجز نہیں کر سکتے باوجودیکہ زمین وسیع ہے جہاں چلے جائیں اور اس کے جس حصہ میں بھاگ کر نکل جائیں تب بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچ سکیں گے۔ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ اس کا عطف جملۂ نہی پر ہے جبکہ ہم اسے جملہ خبریہ سے مؤول کریں گے تب یہ عطف جائز ہوگا وَلَبِئْسَ الْمَصِیْرُ مقدر قسم کا جواب ہے اور اس کا مقسم بہ محذوف ہے یعنی بخدا ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ المصیر بمعنے المرجع۔ اور یہ صار الی کذا کے قبیل سے ہے۔ اسی سے صیر الباب ہے۔ جب کوئی اپنے ترک و تنقل سے فراغت پا کر دروازے تک پہنچے تو کہتے ہیں صیر الباب۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں نعمتِ خداوندی کی ناشکری کرنے والوں کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جو شخص نعمتِ خداوندی کو معاصی پر صرف کرتے اور طاعات کے بجائے معصیات میں منہمک ہو تو اسے ہجر و فراق کی آگ میں داخل کیا جائے گا۔ حضرت علی شیرِ خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

حکمِ خداوندی کا کم مرتبہ یہ ہے کہ بندہ اس کی دی ہوئی نعمت کو معصیت پر صرف نہ کرے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

جب تمہارے دو یوم برابر ہوں تو بھی تم اپنے آپ کو ناقص سمجھو۔

عرض کی گئی: وہ کیسے؟

آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے نعمت سے نوازا تیرا فرض تھا کہ تو اس کا حق ادا کرتا۔ اور جو شے جس کام کے لیے بنائی جائے اگر وہ اس پر پوری نہ اترے تو اسے ناقص سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً گھوڑا سواری اور دوڑانے بھگانے کے لیے اور تلوار کاٹنے کے لیے۔ ایسے ہی اعضاءِ انسانی بالخصوص زبان شکرِ الٰہی کرنے کے لیے۔ جب یہ اشیاء اپنی کارروائی میں پوری نہ اتریں تو ناقص ہوں گی۔ ایسے ہی وہ انسان جو عبادت میں ناقص ہے

(باقی ص ۲۷۸ پر)

marfat.ocm

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِیْنَ

اے ایمان والو چاہیے کہ تم سے اذن

مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ وَ الَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ مِنْ قَبْلِ

لیں تمہارے ہاتھ کے مال غلام اور وہ جو تم میں ابھی جوانی کو نہ پہنچے تین وقت نماز صبح سے

صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَ حِیْنَ تَضَعُوْنَ ثِیَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِیْرَةِ وَ مِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ

پہلے اور جب تم اپنے کپڑے اتار رکھتے ہو دوپہر کو اور نماز عشا کے بعد

ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ لَیْسَ عَلَیْكُمْ وَ لَا عَلَیْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ طَوّٰفُوْنَ عَلَیْكُمْ

یہ تین وقت تمہاری شرم کے ہیں ان تین کے بعد کچھ گناہ نہیں تم پر نہ ان پر آمدورفت رکھتے ہیں

بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۵۸﴾ وَ اِذَا

تمہارے یہاں ایک دوسرے کے پاس اللہ یونہی بیان کرتا ہے تمہارے لیے آیتیں اور اللہ علم و حکمت والا ہے اور جب

بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْیَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

تم میں لڑکے جوانی کو پہنچ جائیں تو وہ بھی اذن مانگیں جیسے ان کے اگلوں نے اذن مانگا

كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۵۹﴾ وَ الْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا

اللہ یونہی بیان فرماتا ہے تم سے اپنی آیتیں اور اللہ علم و حکمت والا ہے اور بوڑھی خانہ نشین عورتیں جنہیں نکاح

یَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ

کی آرزو نہیں ان پر کچھ گناہ نہیں کہ اپنے بالائی کپڑے اتار رکھیں جب کہ سنگار نہ چمکائیں

بِزِیْنَةٍ وَ اَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۶۰﴾ لَیْسَ عَلَى الْاَعْمٰى

اور اس سے بھی بچنا ان کے لیے اور بہتر ہے اور اللہ سنتا جانتا ہے نہ اندھے پر تنگی

حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْمَرِیْضِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا

لنگڑے پر مضائقہ اور نہ بیمار پر روک اور نہ تم میں کسی پر کہ کھاؤ اپنی اولاد

مِنْۢ بُیُوْتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اٰبَآىٕكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ

کے گھر یا اپنے باپ کے گھر یا اپنی ماں کے گھر یا اپنے بھائیوں کے یہاں یا اپنی بہنوں کے گھر یا اپنے

اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ

چچاؤں کے یہاں یا اپنی پھپھیوں کے گھر یا اپنے ماموؤں کے یہاں یا اپنی

خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗۤ اَوْ صَدِیْقِكُمْ لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا

خالاؤں کے گھر یا جہاں کی کنجیاں تمہارے قبضہ میں ہیں یا اپنے دوست کے یہاں تم پر کوئی الزام نہیں کہ مل

جَمِيعًا اَوْ اَشْتَاتًا ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ

کر کھاؤ یا الگ الگ پھر جب کسی گھر میں جاؤ تو اپنوں کو سلام کرو ملتے وقت کی اچھی دعا اللہ کے پاس

اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ۚ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۱﴾

سے مبارک پاکیزہ اللہ یونہی بیان فرماتا ہے تم سے آیتیں کہ تمہیں سمجھ ہو

ع ۲ ۱۲

[illegible]

بجو کہ وہ اس انسان کی طرح ہے جس کے اعضا ٹوٹے ہوئے اور آلاتِ ضروریہ سے عاری ہیں۔

ف : حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو توحید و طاعتِ الٰہی کی دعوت دی جس نے آپ کی دعوت پر لبیک پکاری، اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سعادت عطا ہوئی۔ اس دعوت کو سب سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قبول فرمایا اور جن لوگوں نے آپ کی دعوت سے روگردانی کی وہ بدبخت تھے اور ان سب کے سردار وہ کافر و منافق ہیں جو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں تھے۔ پھر جب یہ کافر و منافق طاعتِ الٰہی و طاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ترک کر کے بابِ حق سے بھاگے اور کفر و عصیان پر اصرار کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں بھی سزا دی۔ مثلاً غزوات میں مارے گئے اور ان کے مال و اسباب لُٹ گئے اور ان کی تمام عمارتیں دوسروں کے قبضہ میں آئیں اور آخرت میں بھی سخت سزا پائیں گے۔ غور کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ذلیل و خوار بھی کیا لیکن وہ اس کے مقابلہ میں کچھ نہ کر سکے تو پھر یہ لوگ اسے کیسے عاجز کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی عصمت کے مضبوط قلعہ میں جگہ دے اور اپنی رحمتِ خاص میں ڈھانپے اور لعین عنک ہماری حفاظت فرمائے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔

تفسیر عالمانہ شان نزول : مروی ہے کہ اسماء بنت ابی مرثد کا غلام ایسے وقت میں ان کے گھر چلا گیا جس کا آنا اس وقت ان کے لیے ناگوار ہوا تو یہی آیت اُتری (خازن میں ہے کہ یہ آیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی تفصیل فقیر کے رسالہ شرح "قطف الثمر" میں ہے اور تفسیر اویسی تحت آیت ہذا میں بھی۔ اویسی) اے ایمان والو یہ خطاب تمام مومن مردوں اور عورتوں کو ہے اس لیے کہ تغلیباً مردوں کا نام ہے ورنہ درحقیقت عورتیں بھی اس میں شامل ہیں۔

[illegible]

marfat.ocm

لِيَسْتَاْذِنْكُمُ یہ امر کی لام ہے الاستیذان بمعنے طلب الاذن ۔ اور الاذن بمعنے کسی شے کی اجازت و رخصت کی خبر دینا یعنی انھیں چاہیے کہ وہ تم سے اجازت مانگیں الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وہ جن کے کہ تمہارے سیدھے ہاتھ مالک ہوئے ہیں یعنی تمہارے غلام اور لونڈیاں وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ اور وہ بچے جو ابھی سِنِ بلوغ کو نہیں پہنچے ۔

نکتہ : بلوغ کے بجائے احتلام کے ذکر میں اشارہ ہے کہ سِنِ بلوغ کی سب سے اہم علامت احتلام ہے بلکہ سِنِ بلوغ اسی سے ظاہر ہوتا ہے ۔

مسئلہ : بچے کے بالغ ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر وہ جماع کرے تو اسے انزال ہو جائے ۔

ف : القاموس میں ہے کہ الحلم بالضم بمعنے احتلام یعنی وہ جماع جو خواب میں ہو احتلام کا اسم الحلم بروزن العنق آتا ہے ۔

سوال : المفردات میں ہے کہ حلم تو عقل کی حقیقت نہیں بلکہ ایک سبب ہے تو پھر اسے علم سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے ؟

جواب : کبھی شے اپنے سبب سے بھی موسوم ہوتی ہے اور سِنِ بلوغ بھی ایک ایسا سِن ہے کہ انسان کے لیے اس وقت لائق ہے کہ اسے عقیل و فہیم کہا جائے ۔

مِنْكُمْ یہ خطاب آزاد لوگوں کو ہے یعنی وہ آزاد جو غلام کی نقیض ہے ثَلٰثَ مَرّٰتٍ تین بار ۔ یہ یستاذن کا ظرف زمان ہے یعنی انھیں چاہیے کہ دن اور رات کے اوقات میں اجازت طلب کریں کیونکہ یہ تین اوقات غِرّة و غفلت کے ہیں ۔ اس کے بعد اب تین اوقات کی تفصیل بتائی مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ فجر کی نماز سے پہلے ، وہ اس لیے کہ یہی بستروں سے اُٹھنے اور نیند کے کپڑے اتار پھینکنے اور بیداری کے بعد کے کپڑوں کے پہننے کا وقت ہے یہ محلاً منصوب ہے اس لیے کہ ثلٰث مرات سے بدل ہے وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ اور کپڑے اتارنے کے وقت ، یعنی ان کپڑوں کے اتارنے کا وقت جو کہ بحالت بیداری پہن رکھے تھے اور یہ عموماً دوپہر کے وقت قیلولہ کے لیے ہوتا ہے کہ گرمی کی وجہ سے یا ویسے ہی عادت کے طور قمیص وغیرہ اتار کر معمولی کپڑوں میں سو یا جاتا ہے ۔ چنانچہ فرمایا مِّنَ الظَّهِيْرَةِ یہ حین تضعون الخ کا بیان ہے یعنی دوپہر کی شدت کی گرمی کی وجہ سے القاموس میں ہے کہ الظہیرۃ یعنی حد انتصاف النہار ۔ اور یہ موسم گرما میں ہو سکتا ہے ۔

سوال : کپڑے تو دوسرے دو اوقات میں بھی اتارے جاتے ہیں یہاں صرف اس وقت یعنی قیلولہ کے ساتھ تخصیص کیوں ؟

جواب : قیلولہ کی تخصیص اس لیے ہے کہ اوّلاً تو اس میں نیند کرنے کا وقت بہ نسبت دوسرے اوقات کے تھوڑا ہوتا ہے۔ ثانیاً یہ کہ یہ نیند دن میں ہوتی ہے اور دن میں عموماً انسانوں کی آمد و رفت بکثرت رہتی ہے۔ ثالثاً یہ کہ چونکہ ان دوسرے اوقات میں عموماً کپڑے اتارے ہی جاتے ہیں۔ اور وہ ایسا معروف طریقہ ہے کہ جس کی تصریح کی ضرورت ہی نہیں۔

وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ اور دوسری عشاء کی نماز کے بعد، اس لیے کہ اس وقت نیند کے لیے کپڑے اتارے جاتے ہیں سردی کی وجہ سے رضائی اوڑھنا یا کم از کم بستر پہ سونا پڑتا ہے۔

ف : عربی میں لحاف ہر اس کپڑے کو کہتے ہیں جو انسان اپنے اوپر اوڑھ لے (ہمارے عرف میں اسے رضائی سے تعبیر کیا جاتا ہے)

ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے دراصل عبارت ھن ثلاثۃ اوقات تھی۔ لَّكُمْ یہ تینوں ایسے وقت ہیں جن میں عموماً تمہیں چھپ کر رہنا پڑتا ہے اور عورت ہر وہ لباس جس سے ستر ڈھانپا جائے۔

سوال : ان اوقات مذکورہ کو عودات سے کیوں تعبیر کیا گیا حالانکہ یہ اوقات عورات تو نہیں۔

جواب : مجازاً اوقات کو عورات کہا گیا ہے۔ وہ اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ شے کو ظرف کے نام سے بھی موسوم کرتے ہیں اس سے مبالغہ مطلوب ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ نہ تمہارے اوپر ہے اور نہ ہی تمہارے غلاموں اور عام بچوں پہ جُنَاحٌ بلا اجازت تمہارے گھروں میں ان کے داخل ہونے میں کوئی گناہ نہیں کیونکہ ان اوقاتِ مذکورہ کے علاوہ دوسرے اوقات میں ان کا داخلہ نہ تو مخالفت امر الٰہی کا موجب ہے اور نہ ہی اطلاع علی العورات کا سبب بَعْدَهُنَّ ان تینوں اوقاتِ مذکورہ کے بعد یہ وہی اوقات ہیں جو مذکورہ اوقات میں سے دو وقتوں کے درمیان کا وقت۔ اس لیے کہ اجازت طلبی صرف ان تینوں وقتوں کے لیے ہے ان اوقات کے بعد ایسے باقی جملہ اوقات میں اجازت طلبی کی ضرورت نہیں ہوگی طَوّٰفُوْنَ وہ غلام اور عام بچے آتے جاتے رہتے ہیں عَلَيْكُمْ تمہارے ہاں یعنی خدمت اور دیگر امور کے لیے ان کی تمہارے ہاں بہت زیادہ آمد و رفت رہتی ہے اس لیے انھیں ان اوقات کے علاوہ اجازت طلبی کی ضرورت نہیں الطواف بمعنے کسی شے کے گرد پھرنا، اسی سے ہے طائف یعنی کعبہ معظمہ کے گرد چکر لگانے والا۔ وہ جن جو کسی پہ خوف ڈالتا ہے اسے بھی طائف اسی معنے پر کہا جاتا ہے ایسے ہی خیال کو بھی اسی معنے پر طائف کہتے ہیں۔ اور حادثہ کو بھی طائف سے تعبیر کیا جاتا ہے (علاوہ ازیں جن پر اس معنے سے مناسبت ہوگی اسے طائف کہا جائے گا۔ بَعْضُكُمْ تمہارے بعض کی عَلٰى بَعْضٍ اور ان کے ہاں آنا جانا ہوتا ہے۔ مثلاً تم ان غلاموں اور عام بچوں کو خدمت کے لیے بلاؤ گے۔ اگر

marfat.ocm

ہر آمدورفت کے لیے اجازت طلبی ضروری ہو تو بہت بڑا حرج ہوگا۔ اسی لیے ان اوقاتِ مذکورہ کے علاوہ دیگر اوقات میں اجازت عام کر دی گئی تاکہ کاروبار کے لیے ہر ایک دوسرے کے ہاں بلا تکلف آجا سکے۔ كَذٰلِكَ یہ اشارہ اس فعل کے مصدر کی طرف ہے جو بعد کو آرہا ہے اور کاف زائدہ ہے۔ یعنی مثل ذلک التبیین۔ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ اللہ تعالیٰ ایسی آیات بیان فرماتا ہے جو احکام پر واضح طور پر دلالت کرتی ہیں۔ یعنی وہ آیات جو اللہ تعالیٰ نازل فرماتا ہے وہ خود بخود واضح دلالت کرنے والی ہیں۔ اس کا معنی یہ نہیں کہ وہ پہلے اتنی واضح نہیں تھیں۔ لیکن پھر جب اللہ تعالیٰ نے انہیں نازل فرمایا تو واضح الدلالات ہوگئیں۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ اور اللہ تعالیٰ جملہ معلومات کو خوب جانتا ہے اسی لیے تمہارے حال سے بھی باخبر ہے حَكِيْمٌ ۝ وہ جملہ امور کی حکمتوں کو جانتا ہے اسی لیے تمہاری معاش و معاد کے متعلق جو امور مفید تھے وہی تمہارے لیے نازل فرماتے۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دو عراقی شخصوں نے اس آیت کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ستّیرٌ ہے اور ستر کو پسند فرماتا ہے۔ اور عرب قدیم کی عادت تھی کہ وہ اپنے ہاں نہ تو دروازوں پر پردہ لٹکاتے تھے اور نہ ہی دروازے پر کوئی رکاوٹ تھی جس سے تکلیف یہ ہوتی کہ اگر کوئی اپنے لڑکے کے گھر ایسے وقت چلا جاتا جو لڑکے کے لیے ناگوار گزرتا ایسے ہی دوسرے اقارب یا خدام یا دوسرے دوست احبا کا حال تھا۔ اس تکلیف کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اجازت طلبی کا حکم نازل فرمایا۔ پھر جب مسلمانوں کو وسعت ہوئی اور رزقِ فراواں نصیب ہوا تو دروازوں پر پردے لٹکائے یا دروازوں کو اونچا اور بہتر بنایا تو پھر یہی امور خود بخود اجازت طلبی کے قائم مقام ہوئے۔ اب مزید اجازت طلبی کی ضرورت نہیں رہی۔

قاعدہ شرعیہ : اس سے معلوم ہوا کہ جب علت ختم ہو جائے تو حکم بھی ختم ہو جاتا ہے جیسے موجودہ دور میں ہر قسم کے لباس و معاشس اور جدید طریق کے مکانات وغیرہ کے استعمال کی اجازت ہے بشرطیکہ اس سے کبر و غرور پیدا نہ ہو۔

ف : حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اذا وسع اللہ علیکم فوسعوا علی انفسکم۔

(جب اللہ تعالیٰ مالی وسعت عطا فرمائے تو بے شک دل کھول کر خرچ کرو)

ف : یہ عموم عورت کے لیے نہیں اس لیے کہ عورت کی عقل پر شہوت نفسانی کا غلبہ ہوتا ہے اسی لیے اس کے لیے اجازت نہیں کہ مالی وسعت پر جیسے چاہے کرے۔

حدیث شریف : حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ یحب ان یری اثر نعمتہ علیٰ عبدہٖ۔

(اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر اپنی دی ہوئی نعمت کا اثر دیکھنا چاہتا ہے)

یعنی جسے اللہ تعالیٰ دنیوی دولت سے نوازے اس کے لیے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ بندہ اس نعمت کو یوں ظاہر کرے کہ اچھے کپڑے پہنے۔

مسئلہ: بہترین لباس وغیرہ پہننے میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کو ظاہر کرنا مطلوب ہو اور یہ ارادہ بھی کر سکتا ہے کہ اس کے ٹھاٹھ کو دیکھ کر فقراء و محتاج اس سے زکوٰۃ و خیرات طلب کر سکیں۔

مسئلہ: فرصت و فراغت ہونے کے باوجود بھی پھٹے پرانے کپڑے پہنے تو اسے تواضع میں شامل نہیں کیا جائے گا۔

مسئلہ: آیت میں اشارہ ہے کہ انسان کو اگر فرصت ہو تو وہ خدمات کے لیے غلام اور کنیزیں رکھ سکتا ہے بشرطیکہ ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے۔

مسئلہ: آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غلام اور کنیز پر اپنے مولیٰ کی خدمت ضروری ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حسنۃ الحر بعشر وحسنۃ المملوک بعشرین۔

(آزاد مرد کی ایک نیکی کا ثواب دس گنا اور غلام کا بیس گنا زاید ثواب ہے)

ف: یہ اس غلام کے لیے ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں بھی کوتاہی نہیں کرتا اور اپنے آقا کی خیر خواہی میں بھی کسر نہیں چھوڑتا بلکہ پُر خلوص ہو کر اس کے جملہ امور نیک اسلوبی سے سرانجام دیتا ہے۔ کذا فی شرح مشارق الانوار۔

مسئلہ: نصاب الاحتساب میں ہے کہ ضروری ہے کہ گھر کے اندرونی امور کے لیے لونڈی خدمت کے لیے مقرر کی جائے اور بالغ غلام کو گھر پر نہ رکھا جائے۔ اس لیے کہ اجنبی لوگوں کی بہ نسبت گھر پہ رہنے والا غلام زیادہ نقصان کا موجب بنتا ہے اس لیے گھر پر آنے جانے سے اس کے دل سے مالک کی ہیبت اُٹھ جائے گی اور غیر محرم ویسے ہے پھر شہوت کا غلبہ خود بخود نقصان کا سبب بنے گا۔ اسی لیے اہلِ عرب نے کہا،

من اتخذ عبد الخل مقداخل البیت فھو کسحان (بالسین المھملہ بمعنی اعرج او مقعد)

یعنی جس نے اندرونی امور کے لیے غلام کو خدمت کے لیے رکھا وہ لنگڑا ہے۔

کسی بزرگ نے غلام خریدا تو اسے کہا گیا بورک لک فیہ (آپ کو غلام خریدنے کی مبارک)۔

حکایت انھوں نے فرمایا: مبارک اسے دی جائے جو اپنی خدمت خود کرے غیر کی خدمت لینے سے

marfat.ocm

بچے، اس طرح سے اس کی ذمہ داری کم اور تکالیف میں تخفیف ہوگی اور گھریلو سیاست بھی صحیح رہے گی۔

نکتہ: ہر مرد اپنے گھر میں بمنزلہ قلب کے ہے اور باقی افراد بمنزلہ اعضائ کے۔ اور ظاہر ہے کہ قلب کی خدمت سے ہی اعضاء کی خدمت ہو سکے گی۔

مسئلہ: آیت سے معلوم ہوا کہ بچہ اگرچہ ابھی بالغ نہ ہُوا ہو لیکن سمجھدار ہو تو اسے شرائع و احکام کی پابندی کا حکم دیا جائے گا اور برائیوں کے ارتکاب سے روکا جائے گا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے بچوں کو بھی اِن اوقات میں کسی کے گھر پر جانے کے لیے اجازت طلبی کا حکم فرمایا ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مروھم بالصلاۃ وھم أبناء سبع واضربوھم علیٰ ترکھا وھم ابناء عشر۔

(بچوں کو نماز کا حکم دو جب وہ دس سال کے ہو جائیں اور اگر وہ نماز ترک کر دیں تو انہیں پیٹو اگر وہ دس سال کے ہوں)

ف: قبل بلوغ نماز کا حکم اس لیے ہے تاکہ اس کی عادت اچھی ہو اور بلوغ کے بعد آسانی سے نیکی کا کام کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے بچپن میں سنہری اور ریشمی لباس پہننا منع ہے تاکہ بلوغ میں اسے ممنوعہ لباس پہننے کی عادت نہ ہو۔ کما فی القہستانی۔

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ؎

بخردی درش زجر و تعلیم کن
بہ نیک و بدش وعدہ و بیم کن

ترجمہ: بچپنے میں ہی اسے زجر و تعلیم کر اسے نیکی اور بُرائی کے وعدہ و خوف کی خبر سنا۔

مسئلہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب بچہ دس سال کا ہو جاتا ہے تو اس کی نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور بُرائیاں نہیں لکھی جاتیں۔ بالغ ہونے تک ایسے ہوتا ہے۔

مسئلہ: الاشباہ میں ہے کہ نابالغ کی عبادت جائز ہے اگرچہ اس پر کوئی شے واجب اور فرض نہیں ہے۔

مسئلہ: اس میں اختلاف ہے کہ اس کی نیکی کا ثواب کسے ملے گا۔ صحیح یہ ہے کہ نیکی کا ثواب اسے خود ملے گا۔ اس کے سکھانے والے کو صرف تعلیم کا ثواب عطا ہوگا۔ ایسے ہی اس کی ہر نیکی کا حکم ہے۔

مسئلہ: اجنبیہ عورت کے لیے وہ بالغ کی طرح نہیں بلکہ وہ قبل بلوغ غیر محرم عورتوں کو دیکھ سکتا ہے اور ان کے ساتھ تنہا بھی بیٹھ سکتا ہے اور ان کے ہاں آمد و رفت رکھ سکتا ہے۔ سنِ بلوغ پندرہ سال ہے۔ کما فی الملتقط۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

پسر چوں زدہ بر گذشتہ سنین
زنا محرماں گو فراتر نشین
بر پنبہ آتش نشاید فروخت
کہ تا چشم برہم زنی خانہ سوخت

ترجمہ: لڑکا جب دس سال سے متجاوز ہو تو اسے حکم دو کہ وہ غیر محرموں کے ساتھ نشست و برخاست بند کر دے ورنہ اس کی مثال یوں ہو گی کہ روئی پر آگ ڈالو تو آنکھ جھپکنے سے پہلے تمام گھر جل کر راکھ ہو جائے گا۔

وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ جب اجنبی اور آزاد بچے بالغ ہو جائیں۔

مسئلہ: اس شرط سے بالغ غلام کا حکم ثابت ہوا کہ اسے اپنی مالکہ کے گھر جاتے وقت اجازت کی ضرورت نہیں لیکن ان اوقاتِ ثلاثہ میں بلا اجازت یہ بھی نہیں جا سکتا۔ چنانچہ التتمہ میں لکھا ہے کہ غلام اپنی مالکہ کے ہاں اس کی اجازت کے بغیر جا سکتا ہے۔ اس پر امت کا اجماع ہے۔

فَلْيَسْتَاْذِنُوْا تو انھیں چاہیے کہ اجازت لیں جب تمہارے ہاں حاضری کا ارادہ کریں كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ ان کی طرح جو سنِ بلوغ کو پہنچے ہیں مِنْ قَبْلِهِمْ جو ان سے پہلے بالغ ہوئے یا وہ جن کا ذکر پہلے گزرا۔ چنانچہ اسی سورۃ میں انہیں لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا میں بیان کیا گیا ہے۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہو گا کہ یہ ان کی طرح اجازت لیں جیسے مذکور لوگ اجازت چاہتے تھے۔ مثلاً جب تمہارے ہاں آئیں تو تم سے اجازت مانگیں۔ پھر اگر انھیں کہا جائے کہ چلے جاؤ تو چلے جائیں۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ ایسے ہی اللہ تعالیٰ اپنی آیات بیان فرماتا ہے اور وہ علیم حکیم ہے تکرار اجازت طلبی کے مسئلہ کو مؤکد کرنے کے لیے اور اس میں مبالغہ مقصود ہے۔

بلوغت کی علامات

بالغ ہونے کی تین علامات ہیں،

(۱) حاملہ کرنا
(۲) انزالِ منی
(۳) احتلام

یہ لڑکے کی بلوغت کی نشانیاں ہیں۔ اور لڑکی کی علامات چار ہیں:

(۱) انزالِ منی

marfat.ocm

(۲) احتلام

(۳) حمل

(۴) حیض

اگر کسی بیماری یا اور وجہ سے حیض کا نہ پایا جانا بلوغت کے منافی نہیں۔ تو پھر سنِ بلوغ پندرہ سال کی مدت ہے اسی پر فتویٰ ہے اس لیے کہ آج کل عمریں بہت کم ہو گئی ہیں۔

اسی سال کے بعد احتلام

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے: پہلے دور میں اسی سال کے بعد انسان کو احتلام ہوتا تھا۔

آدم علیہ السلام کے ننھے بیٹے کی عمر

حضرت وہب سے منقول ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا سب سے چھوٹا بیٹا دو سو سال کی عمر میں فوت ہوا۔

مسئلہ: لڑکے کے سنِ بلوغ کی ادنیٰ مدت بارہ سال ہے۔

اسقاط کا ثبوت

(ہم اہلسنت میت کے لیے اسقاط کرتے ہیں تو وہابی دیوبندی انکار کرتے ہیں حالانکہ اسلام میں یہ مسئلہ رائج ہے۔ چنانچہ صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا:)

ولذا تطرح ہٰذہ المدۃ من سن المیت الذکر ثم یحسب ما بقی من عمرہ فتعطی فدیۃ صلاتہ علی ذٰلک۔

(اسی بنا پر کہ لڑکا بارہ سال کے بعد بالغ ہوتا ہے۔ اسقاط دیتے وقت بارہ سال چھوڑ کر باقی عمر کا فدیہ دیا جاتا ہے)

ف: ایسے ہی لڑکی کی بلوغت کی ادنیٰ مدت نو سال ہے۔ یہی مختار مذہب ہے۔ اسی لیے عورت مر جائے تو نو سال چھوڑ کر باقی عمر کا اسقاط کیا جائے۔ یہ انسان کی ظاہری بلوغت کی علامات ہیں۔

باطنی سنِ بلوغ کیا ہے

باطن کا سنِ بلوغ یہ ہے کہ چالیس سال کی عمر کے بعد اس کے لیے حقیقت کے راز کا پردہ اٹھتا ہے اور بعض کو بچپن میں ہی یہ علامات نصیب ہو جاتی ہیں۔

ارشادِ ایوب علیہ السلام

سیدنا ایوب علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر بڑے اور چھوٹے کے دل میں بیج بوتا ہے اور جسے بچپن سے ہی حکیم بناتا ہے تو بڑے سن والوں کی نظروں میں اس کی قدر و قیمت وہی ہوتی ہے جو کبیر السن حکماء کی۔

حکایت حضرت حسین بن فضل بعض دانشمندوں کے ہاں تشریف لے گئے آپ اس وقت بچے تھے اور

اس دانشمند کے ہاں بہت سے اہلِ علم وفن جمع تھے جب حسین بن فضل نے کچھ کہنا چاہا تو اس دانشمند کو یہ کہہ کر بولنے سے روک دیا کہ ایسے اہلِ علم وفضل کے مجمع میں بچوں کا بولنا اچھا نہیں۔ حسین بن فضل نے فرمایا کہ میں اگرچہ چھوٹا ہوں لیکن ہُدہُد سے کم نہیں۔ اور آپ اگرچہ بڑے ہیں لیکن سلیمان علیہ السلام سے بڑھ کر نہیں (یعنی مجھ سے چھوٹا ہُدہُد اگر بہت بڑی قدر ومنزلت والے سلیمان علیہ السلام کی مجلس میں بول سکتا ہے تو میں بھی تیرے سامنے گفتگو کر سکتا ہوں) چنانچہ ہُدہُد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو کہا احطت بما لم تحط بہ (میں نے اس کا احاطہ کیا جہاں تم نے احاطہ نہیں کیا)

حکماء کی حکمتیں

حکماءُ نے فرمایا کہ تونگری ہُنر سے ہے نہ کہ مال سے، اور بزرگی عقل سے ہے نہ کہ سن سے۔ یعنی انسان کی فضیلت کا دارومدار بڑے چھوٹے پر نہیں بلکہ علم وہُنر پہ ہے۔

حضرت زید بن امام زین العابدین اور ہشام بن عبدالملک

حضرت زید بن علی رضی اللہ عنہما کو ہشام بن عبدالملک نے کہا کہ آپ کا دعویٰ خلافت غلط ہے اس لیے کہ آپ اس کے اہل نہیں کیونکہ آپ کنیز زادے ہیں۔ آپ نے اسے جواب میں فرمایا کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بھی کنیز زادے تھے اگرچہ حضرت اسحٰق علیہ السلام ایک آزاد بی بی سے پیدا ہوئے۔ لیکن کنیز زادے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے وہ ذات پیدا ہوئی جس پر کل کائنات کو فخر ہے یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

چہ غم ز منقصت صورت اہلِ معنی را
چو جان ز روم بود گو تن از حبش می باش

ترجمہ: اہلِ معنی کو ظاہری صورت کے نقص سے غم نہیں ہوتا جب وہ سمجھتے ہیں کہ ان کی روح منوّر ہے تو پھر ظاہری جسم، اگرچہ حبشی ہو تو کوئی حرج نہیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

چو کنعان را طبیعت بے ہُنر بود
پیمبر زادگی قدرش نیفزود
ہنر بنمائے اگر داری نہ گوہر
گل از خارست و ابراہیم از آذر

ترجمہ: چونکہ کنعان بن نوح کی طبیعت ہُنر سے خالی تھی اسی لیے اسے پیغمبر کے بیٹے ہونے نے

marfat.ocm

فائدہ نہ دیا۔ اگر تیرے پاس ہنر ہے تو وہی دکھاؤ گوہر دکھانے کی ضرورت نہیں اس لیے کہ خار سے گل اور آذر[1] سے ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے۔

وَالْقَوَاعِدُ یہ مبتداء اور قاعدہ کی جمع ہے۔

سوال: فاعل کی جمع فواعل نہیں آتی۔

جواب: جب فاعل کو مؤنث کے معنے میں استعمال کیا جائے تو اس کی جمع فواعل آتی ہے۔ یہاں پر یہ صیغہ مؤنث کے لیے استعمال ہوا ہے۔

ف: اگر قعود بمعنے جلوس ہو تو مؤنث کے لیے لفظ قاعدۃ استعمال ہوگا۔ جیسے لفظ حامل کہ اگر اس میں حمل سے حملِ بطن مراد ہو تو حامل استعمال ہوگا۔ اگر اس سے پیٹھ پر بوجھ اٹھانے والی عورت مراد ہو تو حاملۃ استعمال ہوگا۔ ایسے ہی یہاں پر قاعد سے وہ عورت مراد ہے جو بچہ جننے اور حیض سے فارغ ہو۔ یہی معنیٰ قاموس میں ہے۔

مِنَ النِّسَآءِ یہ قواعد کی ضمیر مستتر سے حال ہے۔ یعنی وہ بوڑھی عورتیں جو بچہ جننے اور حیض سے فارغ ہوں۔ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِكَاحًا یہ قواعد کی صفت ہے نہ کہ النساء کی۔ یعنی وہ بوڑھی عورتیں جو بڑھاپے کی وجہ سے اب خواہش نہیں رکھتیں۔ ہم نے بڑھاپے کی قید اسی لیے لگائی ہے کہ بعض عورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ اگرچہ وہ حیض سے فارغ ہوتی ہیں بلکہ نکاح کی رغبت ان میں پائی جاتی ہے۔ (بلکہ فقیر اویسی غفرلہٗ کہتا ہے کہ عورت کو مرتے دم تک یہ رغبت نہیں چھوڑتی۔ ایک حکایت[2] حاشیہ پر پڑھیے اور مزید تفصیل تفسیر اویسی میں دیکھیے) یعنی وہ عورتیں بڑھاپے سے نہیں چاہتیں کہ ان سے کوئی شخص نکاح کرے فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ تو ان پر کوئی گناہ نہیں۔ یہ جملہ مبتدا کی خبر ہے اور جناح بمعنے اثم و وبال ہے اَنْ يَّضَعْنَ اس میں کہ وہ مردوں کے سامنے اتار لیں ثِيَابَهُنَّ فالتو کپڑے، جیسے پردے کی بڑی چادر

---

[1] شعراء عام اقوال کو اپنے اشعار میں لاتے ہیں ورنہ حقیقۃً ان کا وہ مذہب نہیں ہوتا جیسا کہ ہم نے صدائے نوی شرح مثنوی میں تفصیل سے لکھا ہے۔

[2] صاحب نفحۃ الیمن نے لکھا کہ ایک شخص گٹھڑی کاندھے پر رکھ کر طواف کر رہا تھا، کسی نے کہا گٹھڑی اتار کر طواف کیجئے۔ اس نے کہا یہ میری ماں ہے میں اس کا وہ حق ادا کر رہا ہوں جو اس نے مجھے دورانِ حمل اٹھایا۔ اس شخص نے کہا اس کا حق یوں ادا ہوگا کہ اس کا کسی سے نکاح کر دو۔ وہ ناراض ہونے لگا کہ میری بوڑھی ماں کے متعلق ایسے کہتا ہے۔ وہ شخص دیکھ رہا تھا کہ اس کی ماں اسے مُکّے مار رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ وہ تجھے حق بات کہتا ہے اور تو اس سے ناراض ہو رہا ہے۔ اویسی غفرلہٗ

یا وُہ بڑا دوپٹہ جو سر ڈھانکنے کے باوجود بعض بُوڑھی عورتیں اوپر اوڑھتی ہیں غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِیْنَۃٍ ط یہ بعض کی ضمیر سے حال ہے اور وہ چیزیں جن کا چھپانا ضروری ہے ان کے اظہار میں تکلف کا نام تبرج ہے اور یہ عورتوں کو حکم ہے کہ جن اعضاء کا مردوں کے سامنے چھپانا ضروری ہے انہیں ہر حال میں چھپائیں۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ وہ عورتیں زینت خفیہ جیسے کنگن، پازیب اور ہار، کو چھپائیں۔ ہاں بوقتِ ضرورت انھیں ظاہر کریں۔ یا اتارنے کی ضرورت ہو تو اتار دیں اس میں ان کے لیے کوئی حرج نہیں وَ اَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ اور اشیاء مذکورہ کے ترک وضع میں عفت چاہیں۔

ف : نفس کو اس حالت کا حاصل ہونا جو اسے غلبۂ خواہشِ نفس سے روکے اسے عفت کہا جاتا ہے۔

یہ جملہ مبتدا اور خَیْرٌ لَّھُنَّ اس کی خبر ہے یعنی ان کا عفت طلب کرنا ان کے لیے بہتر ہے اس حالت سے کہ وہ فالتو لباس اتاریں کیونکہ عفت میں تہمت اور الزام کی مورد نہیں ہوں گی وَ اللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝ اور اللہ تعالیٰ ہر ایک کی ہر بات سُنتا ہے اور وُہ ان کی وہ باتیں بھی سُنتا ہے جو ان کے اور مردوں کے درمیان واقع ہوتی ہیں علیمٌ، علیم ہے، وہ ان کے جملہ مقاصد کو جانتا ہے۔

ف : اس میں بُری باتوں سے اجتناب کی ترہیب ہے۔

مسئلہ : ایسی بڑھیا کو دیکھنا جائز ہے جس کو دیکھنے سے شہوت نہ ہو۔

ف : اس میں اشارہ ہے کہ جب انسان سے فتنہ میں ڈالنے والے امور دُور ہو جائیں اور آفات و بلیات کا جوش ختم ہو جائے تو اسے ذہنی طور پر سکون مل جاتا ہے اور وہ مشکلات سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس کے لیے سکون ہی سکون ہوتا ہے۔ لیکن یاد رکھو فتویٰ سے تقویٰ اوپر ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وان یستعففن خیر لھن۔

حدیث شریف میں ہے :

لا یبلغ العبد ان یکون من المتقین حتی یدع ما لا بأس به حذرا مما به بأس۔

(بندہ متقین کے مراتب کو اس وقت تک نہیں پہنچتا جب تک کہ وہ امور بھی نہ ترک کر دے جو اس کے لیے جائز ہیں لیکن جواز پر عمل کرنے سے برائی کے ارتکاب کا خطرہ ہے)۔

حکایت حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بفضلہٖ تعالیٰ اُمِّ عبداللہ (یعنی زوجۂ خود) کے سوا میں کسی عورت سے وطی نہیں کی نہ بیداری میں نہ خواب میں۔ یہاں تک کہ خواب میں مجھے خیال گزرتا تھا کہ یہ بیگانی عورت ہے اس کا دیکھنا گناہ ہے خواب میں ہی میں اس عورت سے منہ پھیر لیتا تھا۔

marfat.ocm

جب خواب میں اس کو دیکھنے کو جائز نہیں سمجھا جاتا تو پھر اس سے وطی کیسے ہو سکتی تھی۔ اسی لیے بعض مشائخ نے فرمایا: کاش! مجھے بیداری میں وہی عقل نصیب ہوتی جو حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں نصیب تھی۔

تفسیر صوفیانہ

فتوحات مکیہ میں ہے کہ متقی پر لازم ہے کہ وہ اپنے خیال پر قابو پائے۔ وہ جیسے اپنے ظاہر پر قابو رکھتا ہے کہ اس سے برائی کا ارتکاب نہیں ہونے دیتا ایسے ہی خیال پر قابو پائے کہ اس میں غلط تصور نہ آنے دے۔ کیونکہ خیال حس کے تابع ہے۔ اسی لیے شیخ پر لازم ہے کہ اس مرید کی سرزنش کرے جسے احتلام ہو اس لیے کہ اگرچہ احتلام خواب کی بات ہے لیکن اس کا تصور بیداری میں نہ ہوتا تو اس کا وقوع بھی نہ ہوتا کیونکہ خواب میں وہ شہوت اثر انداز ہوتی ہے جو خیال میں ہو۔ اس سے صاحبِ کمال مستثنیٰ ہے۔ یعنی صاحبِ کمال کو بھی احتلام ہوتا ہے لیکن اس خیال میں مبتلا نہیں ہوتے بلکہ ان کے اعضاء باطنی میں کسی عضو پر مرض کا حملہ ہو گیا یا اس کے مزاج میں کسی بیماری سے خرابی ہو گی جو احتلام کا موجب بنی ہو گی (جیسے بعض آدمیوں کو سونے سے پہلے گرم پانی وغیرہ پینے سے احتلام ہو جاتا ہے) بنا بریں ان کا احتلام نہ اپنی عورت پر ہو گا نہ بیگانی پر۔ بلکہ سوءِ مزاجی کی وجہ سے منی کا اخراج ہوا جسے شرعاً تو احتلام کہا جا سکتا ہے لیکن حقیقۃً نہیں۔

مسئلہ: منہ کھلا رکھنے میں بوڑھی عورت مرد کی طرح ہے۔ لیکن بالکل مردوں کی طرح کھلے منہ بھی نہ رہے۔

حکما کی حکمت کا بیان

کسی حکیم نے فرمایا کہ مرد کی زندگی کا آخری نصف بہتر ہوتا ہے اس لیے کہ پچھلے حصۂ زندگی میں مرد کا جہل چلا جاتا ہے اور حوصلہ بڑھ جاتا ہے اور رائے پختہ ہو جاتی ہے۔ اور عورت کی زندگی کا آخری حصہ برا ہوتا ہے اس لیے کہ پچھلی عمر میں عورت پر بدخلقی کا غلبہ ہوتا ہے اور اس کی زبان میں تیزی آ جاتی ہے اور بچہ جننے کے قابل نہیں رہتی۔

ف: نکاح کی امید کا انقطاع بوڑھے مردوں سے ہوتا ہے نہ کہ بوڑھی عورتوں کی جانب سے۔

حکایت

منقول ہے کہ ایک بڑھیا بیمار ہو گئی اس کا بیٹا اس کے علاج کے لیے طبیب کو لایا۔ طبیب نے دیکھا کہ بڑھیا بہترین لباس میں ملبوس ہے۔ طبیب نے کہا اس کا علاج یہ ہے کہ اس کا کسی سے نکاح کر دو۔ بڑھیا کے بیٹے نے کہا اب اس کے نکاح کا کیا معنی! بڑھیا بولی: بیوقوف! تُو طبیب سے زیادہ سمجھ رکھتا ہے!

حکایت حسن بصری و رابعہ بصریہ

منقول ہے کہ جب رابعہ بصری کا شوہر فوت ہوا تو حضرت حسن بصری اپنے مریدین سمیت اس کے ہاں تشریف لے گئے۔ تو رابعہ بصری رضی اللہ عنہا نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کے سامنے پردہ لٹکا دیا اور پردے کے

پیچھے بیٹھ کر حضرت حسن بصری اور آپ کے مریدین سے ہم کلام ہوئیں۔ حضرت حسن بصری اور آپ کے مریدین نے کہا کہ آپ کا شوہر فوت ہو گیا اب صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ بی بی نے کہا آپ حضرات کا شکریہ، لیکن مجھے یہ بتاؤ کہ تم میں سب سے بڑا عالم کون ہے تاکہ عدت گزارنے کے بعد میں اس سے نکاح کر سکوں۔ سب نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کا نام بتایا۔ آپ نے فرمایا: اگر وہ مجھے چار سوالوں کا جواب دے دیں تو پھر میں ان کی، وہ میرے۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آپ سوالات سنائیں اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق بخشی تو ان کا جواب ضرور عرض کروں گا۔ بی بی صاحبہ نے فرمایا کہ میرا پہلا سوال یہ ہے کہ میرا خاتمہ ایمان پر ہو گا یا کیونکر؟ حضرت حسن بصری نے جواب دیا، یہ غیبی معاملہ ہے یہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔

پھر بی بی صاحبہ نے پوچھا: جب میں قبر میں جاؤں گی اور مجھ سے منکر نکیر سوال کریں گے تو کیا میں ان کا صحیح جواب دے سکوں گی؟

حضرت حسن بصری نے فرمایا: یہ بھی غیبی معاملہ ہے۔

پھر بی بی نے کہا: قیامت میں جب خلقِ خدا کو ایک جگہ پر جمع کیا جائے گا اور اعمال نامے اڑا کر بعض کو دائیں ہاتھ میں اور بعض کو بائیں ہاتھ میں دئے جائیں گے۔ آپ بتائیں کہ میرا اعملنامہ مجھے سیدھے ہاتھ میں دیا جائے گا یا بائیں ہاتھ میں۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، یہ بھی علوم غیبیہ سے ہے۔

پھر بی بی رابعہ بصری رحمہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب قیامت میں خلقِ خدا کو پکارا جائے گا کہ بہشتی بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں جائیں گے، بتائیے میں کس گروہ میں ہوں گی؟

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ بھی منجملہ امورِ غیبیہ سے ہے۔

بی بی رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا: جسے ان چار امور کی ہر وقت فکر ہو وہ نکاح کا خیال کیسے کر سکتا ہے۔ (یعنی میں چونکہ ہر وقت ان چار امور میں متفکر رہتی ہوں اس لیے اب میرے لیے کسی سے نکاح کرنا مشکل ہے)

بی بی رابعہ بصریہ کے دیگر سوالات

مذکورہ بالا سوالات کے علاوہ بی بی رابعہ بصری نے حضرت حسن بصری سے سوال کیا کہ اے حسن! بتائیے اللہ تعالیٰ نے عقل کے کتنے اجزا بنائے؟

حضرت حسن نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے عقل کے دس اجزا بنائے، نو اجزا مردوں کو اور ایک عورتوں کو عطا ہوا۔

پھر پوچھا کہ شہوت کے کتنے اجزا پیدا فرمائے؟

marfat.ocm

حضرت حسن بصری نے فرمایا: دس۔ ان میں سے نو اجزاء عورتوں کو اور ایک مردوں کو۔

اس کے بعد بی بی رابعہ نے فرمایا: اے حسن! میں عورت ہونے کے باوجود شہوت کے نو اجزاء کو عقل کے ایک جز سے قابو میں رکھے ہوئے ہوں۔ تم مرد ہو کر عقل کے نو اجزاء کے ساتھ شہوت کے ایک جز کو قابو کیوں نہیں کرتے؟

حضرت حسن قدس سرہٗ بی بی رابعہ رحمہا اللہ کا یہ سوال سُن کر رو پڑے اور نہایت خاموشی سے اپنے مریدین سمیت وہاں سے چل دیے۔

فرمانِ سلیمان علیہ السلام مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ شہوت پر غالب ہونے والا اس شخص سے بہتر ہے جو تنہا کافروں کے کسی شہر کو فتح کر لیتا ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

مبر طاعت نفس شہوت پرست
کہ ہر ساعتش قبلۂ دیگر ست

ترجمہ: نفسِ شہوت پرست کا کہا مت مان، جس نے ہر گھڑی نیا قبلہ بنایا ہو۔

تفسیرِ عالمانہ لَيْسَ عَلَى الْأَعْمٰى حَرَجٌ نہیں نابینا پر کوئی حرج یعنی گناہ اور وبال وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ اور نہیں لنگڑے پر کوئی حرج۔

حلِ لغات الاعرج، العروج سے ہے بمعنے ذہاب فی صعود یعنی اوپر کو جانا۔ اور عرج بمعنے مشٰی مشی العارج۔ یعنی وہ اوپر کو جانے والے کی طرح چلا از باب دخل۔ اور یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کے پاؤں کو کوئی تکلیف پہنچے تو پھر اس شخص کی طرح چلے جو چڑھائی پر چلتا ہے۔ یعنی لنگڑا ہو کر۔ اور عرج بروزن طرب۔ وہ شخص جس کا لنگڑا پن پیدائشی ہو۔

خلاصہ یہ کہ یہاں اعرج بمعنے لنگڑا ہے خواہ پیدائشی ہو یا بعد میں ہُوا ہو۔

وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ اور نہیں بیمار پر کوئی حرج۔ المرض بمعنے انسان کا حدِ اعتدال سے بڑھ جانا۔

ف: چونکہ عموماً تندرست لوگ ان کے ساتھ اکٹھے کھانا پینا پسند نہیں کرتے بلکہ اکثر ان سے نفرت کرتے ہیں اور بہت سے تو ان کے افعال سے تکلیف محسوس کرتے ہیں اور ان کے بعض اطوار ان کے لئے ایذاء کا موجب بن جاتے ہیں۔ مثلاً نابینا جب اکٹھے کھائے گا تو لاشعوری میں اپنے ساتھی کے آگے سے طعام اٹھائے گا اور لنگڑا بیٹھے گا تو بہ نسبت دوسروں کے زاید جگہ پر قبضہ کرے گا جس سے دُوسرے

بیٹھنے والوں کو جگہ کی تنگی کا شکوہ ہوگا۔ ایسے ہی مریض میں بعض امراض ایسی ہوں گی جن سے ساتھی کو نفرت ہوگی یا کم از کم اس کے اندر بیماری کی وجہ سے بدبُو پیدا ہو جائے یا اسے پھنسی پھوڑا ہو تو اس کی پیپ یا طبیعت کی کمزوری سے بار بار ناک بھوں چڑھانا وغیرہ وغیرہ۔ یہ جملہ امور طعام اکٹھے کھانے والوں کے لیے حرج کا موجب بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لا بأس لھم بان یأکلوا مع الناس ولا مأثم علیھم۔

(ان کے ساتھ اکٹھا کھانے میں کوئی حرج نہیں اور نہ ہی کوئی گناہ کی بات ہے ان پر)

وَلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اور تمہارے ہم مثل اور انسان بالخصوص اہلِ ایمان پر کوئی حرج نہیں اَنْ تَاْكُلُوْا الاکل بمعنے طعام کھانا۔ یہ کہ تم ان کے ساتھ مل کر کھاؤ مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ البیت بمعنے رات کے لیے انسان کی جائے پناہ۔ اب ہر اس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں انسان اوقات بسر کرے۔ اس میں رات کی قید کی ضرورت نہیں لیکن بیوت عموماً ان جگہوں کو کہا جاتا ہے۔ جہاں انسان سکونت اختیار کرے۔ اور لفظ ابیات کا اشعار پر اطلاق ہوتا ہے۔

ازالۂ وہم یہاں یہ معنیٰ نہیں کہ تم ان گھروں سے کھاؤ جن میں تم خود بہ نفس نفیس رہتے ہو اور وہاں پہ تمہارا طعام اور اموال وغیرہ ہے بلکہ یہاں پر بیوت سے ان لوگوں کے گھر مراد ہیں جو ہیں تو دوسروں کے لیکن بوجہ اتصال قریبی کے انھیں اپنا ہی تصور کیا جاتا ہے۔ مثلاً عورت کا گھر، اولاد کا گھر، غلاموں کا گھر، ان سب کو اپنا گھر تصور کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مرد اپنی عورت کے گھر کو اور باپ اپنے بیٹے کے گھر کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف ان اطیب ما اکل الرجل من کسبه وان ولده من کسبه۔

(انسان کے لیے حلال ترین غذا وہ ہے جو اپنے ہاتھ سے کماتا ہے اور انسان کی بہتر کمائی اپنی اولاد ہے)

حدیث شریف کے آخر میں ہے:

انت ومالك لابيك۔

(تُو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے)

ف: جب اولاد کا حکم معلوم ہو گیا تو غلاموں کا حال خود سمجھ لو۔

اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ آب بمعنے والد یعنی وہ حیوان جس کے نطفے سے اور حیوان پیدا ہو۔ اَوْ بُيُوْتِ

marfat.ocm

اُمَّهٰتِكُمْ۔ امہات، ام کی جمع ہے۔ اھراق کی ہا کی طرح اس کی ہا بھی زائدہ ہے اس لیے کہ اھراق بھی دراصل اراق تھا۔ ام چونکہ یہاں اب کے مقابلہ میں ہے فلہذا والدہ کے معنی میں ہے اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ یہ اخ کی جمع ہے بمعنے وہ شخص جو ولادت میں مساہم و شریک ہو۔ اگر ماں باپ ایک ہوں تو وہ اخ عینی ہوگا۔ اگر باپ ایک ہو اور ماں علیحدہ علیحدہ تو اخ علاتی ہوگا ورنہ خیفی کہلائے گا۔ اگر ایک ماں کا دودھ پیا ہے تو وہ اخ رضاعی ہوگا۔ کبھی ایک قبیلہ سے ہونے کی وجہ سے بھی اخ کہا جاتا ہے ایسے ہی دین ایک ہو تو بھی، اور صنعت ایک ہو یا کسی معاملہ میں وحدت ہو تو بھی اخ سے پکارا جاتا ہے بلکہ اگر کسی کو ایک دوسرے سے محبت ہو تو بھی انہیں ایک دوسرے کا بھائی کہا جاتا ہے۔ غرضیکہ جب بھی کسی کو ایک دوسرے کو کسی امر میں مناسبت ہوا سے اخ (بھائی) کہا جائے گا اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اخت، اخ کی تانیث ہے۔ اس کی تا بمنزلہ عوض کے ہے اس کلمہ سے جو اخ میں محذوف ہوا۔ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ عم باپ کے بھائی کو کہا جاتا ہے۔ العمہ اس کی بہن کو۔ یعنی پھوپھی۔ یہ العموم بمعنے الشمول اسی سے العامہ بمعنے کثیر التعداد۔ شہر میں کثرت کی وجہ سے انہیں عامہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور العمامہ بھی اسی سے ہے کہ وہ سر کو شامل ہوتا ہے اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ خواہرانِ پدرِ خود، ماں کے بھائی، ماں کی بہنیں یعنی خالائیں، ان سب کے گھروں سے اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗ مفاتح مفتح کی اور مفاتیح مفتاح کی جمع ہے۔ دونوں فتح (کھلنے) کے آلہ کو کہا جاتا ہے۔ اور فتح بمعنے اغلاق و اشکال کا ازالہ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ان گھروں سے کھاؤ جن کی کنجیوں کے تم مالک ہوگئے ہو یعنی مالکوں نے اپنے گھروں میں تصرف کرنے کی تمہیں اجازت بخشی ہے۔ مثلاً ایک تندرست کسی کام کے لیے یا جنگ پہ چلا جائے اور اپنا گھر ایک بیمار یا مذکورہ کمزوریوں میں سے کسی ایک کے سپرد کر دیا جائے اور گھر کی نہ صرف کنجیاں بلکہ کاروبار اس کے قبضہ اور تصرف میں دے جائے تو یہ بیمار وغیرہ اس کے گھر سے بلا اجازت اور بے خوف و خطر اپنی ضرورت کے مطابق کھا پی سکتے ہیں۔

ف: بعض نے کہا یہاں وہ شے مراد ہے جو اس کے ماتحت اور قبضہ میں ہو، مال ہو یا جانور، بحیثیت وکالت تصرف کرنے کا حق رکھتا ہو یا حفاظت کے طور پر اس معنے پر کنجیوں کے مالک ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ شے اس کے قبضے اور حفاظت میں ہے۔ فلہذا بوقتِ ضرورت اور بقدرِ ضرورت اس سے کھا پی

---

[1] یہی پچھلا معنیٰ مراد ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: والی مدین اخاھم شعیبا وغیرہ۔ ایسے ہی حضور علیہ السلام نے اپنی امت کو بھائی کہا۔ اویسی غفرلہ،

سکتا ہے۔

مسئلہ : وکیل اور محافظ بھی شے کے عین کو ضائع کرنے کے مجاز نہیں بلکہ وہ جو ضرورت پورا کرنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ مثلاً باغ کے پھل اور جانوروں کا دودھ وغیرہ۔

اَوْ صَدِیْقِکُمْ ط یہ صداقت سے ہے بمعنے محبت میں سچّا عقد۔ اور یہ صرف انسان کے لیے ہے۔ اور صدیق اسے کہتے ہیں جو دوستی کا دم بھرنے والے کی دوستی کی تصدیق کرے اسے دوست حقیقی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ف : حضرت ابو عثمان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صدیق وہ ہے جس کا ظاہر و باطن یکساں دوست کی دوستی کا دم بھرے۔ ایسے دوست کے لیے دوست کی ہر شے مباح ہے خواہ وہ دنیوی امر ہو یا دینی۔ اسی لیے مشایخ نے کہا کہ صدیق وہ ہے جس کی صداقت کا تمہیں یقین ہو، نہ یہ کہ وہ کہتا پھرے کہ میں اس کا دوست ہوں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ تم اپنے دوست کے گھر سے بھی کھاؤ خواہ تمہارا اور اس کا رشتہ نسبی نہ بھی ہو۔ اس لیے کہ ایسے دوست کے گھر سے کھانے سے اس کا جی خوش ہوگا بلکہ وہ رشتہ داروں سے بھی زیادہ مسرور ہوگا اور اس کو اپنے لیے فخر و سعادت سمجھے گا بخلاف اقرباء اور رشتہ داروں کے کہ ان میں بہت تھوڑے ایسے ہیں جو رشتہ دار کے کھانے سے خوش ہوتے ہیں (بلکہ آج کے دور میں تو الٹا اس کے کھانے سے دل میں جلن محسوس کرتے ہیں)

قولِ ابنِ عباس حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تمہارا سچّا دوست تمہارے والدین سے بھی بوقت ضرورت زیادہ کام آئے گا۔

روایت اسی لیے مروی ہے کہ قیامت میں جب جہنمی فریاد کریں گے تو جواب میں یہ نہ کہا جائے گا کہ تمہارے اَب و اُم تمہاری فریاد رسی نہیں کرتے بلکہ کہا جائے گا:

فما لنا من شافعین ولا صدیق حمیم۔

(نہ تمہارے سفارشی ہیں اور نہ ہی سچّے پکّے دوست)۔

حکایت حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ ایک دن اپنے گھر تشریف لائے تو دیکھا کہ آپ کے دوستوں نے آپ کے گھر کے اندر سے تمام اشیائے خورد و نوش اٹھا کر کھانا شروع کر دیا۔ آپ انھیں دیکھ کر بہت مسرور ہوئے اور فرمایا ہم نے دیکھا کہ جب اہلِ بدر ایک دوسرے سے ملتے تو ہشاش بشاش ہو کر ملتے جیسے میں نے تمہیں دیکھ کر فرحت محسوس کی ہے۔

حکایت حضرت کاشفی نے لکھا کہ فتح موصلی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی دوست کے گھر تشریف لے گئے تو وہ دوست گھر پر نہ تھا آپ نے اس کی کنیز سے کہا میرے دوست کا وہ تھیلا لاؤ جس میں

marfat.ocm

اس کے دراہم و دنانیر ہیں۔ کنیز وہی تھیلا لائی تو آپ نے اس سے صرف ایک درہم نکال کر اسے لوٹا دیا۔ جب گھر کا مالک لوٹا تو کنیز نے پورا واقعہ سنایا تو وہ شخص بہت خوش ہوا۔ اسی خوشی میں اس کنیز کو نہ صرف آزاد کر دیا بلکہ بہت بڑے انعام واکرام سے نوازا۔ نگارستان میں ہے، ؎

شبے گفتم نہاں فرسودۂ را
کہ بود آسودہ در کنج رباطی
زلذت ہا چہ خوشتر در جہاں گفت
میان دوستداران انبساطی

ترجمہ: میں نے ایک رات پریشان حال کو کہا کہ وہ آدمی بہت خوش قسمت ہے جو گھر کی چار دیواری کے گوشۂ تنہائی میں وقت بسر کرتا ہے دنیا میں اس سے خوشتر اور کونسا وقت ہوگا، اس نے جواباً کہا کہ وہ وقت بڑا خوشتر ہے کہ دوستوں سے ہنسی مذاق میں گزرے۔

سچے دوست کی علامات عوارف المعارف میں ہے کہ جب دوست سے کوئی شے مانگی جائے اور وہ کہے کہ تھوڑی ہے اور اسے اپنے مصرف میں لاؤں گا۔ ایسا جواب دینے والا سچا دوست نہیں۔ سچا دوست وہ ہے کہ جو کچھ اس کے پاس ہے وہ دوست کے آگے پیش کر دے اسے چند وچوں (کتنا اور کیسے) یعنی لیت ولعل اور ٹال مٹول سے کوئی سروکار نہ ہو۔

ف: دوست جانی مال فانی سے بہتر ہے۔ اسی لیے مشایخ نے فرمایا کہ اے عزیز! ایسا دوست خرید کہ پھر وہ کسی دوسرے کو دینے کو جی نہ چاہے اگرچہ ایسے دوست کی خریداری میں ہر شے قربان کرنی پڑے۔ کسی شاعر نے خوب فرمایا: ؎

یاران بجان مضایقہ باہم نمیکنند
آخر کسے بحال جدائی چرا کند
بسیار جد وجہد بباید کرتا کسے
خود را بآدمی صفتے آشنا کند

ترجمہ: دوست ایک دوسرے پر تنگی نہیں کرتے بالآخر جدائی سے اسے کیا فائدہ ہوگا، انسان کو بڑی کوشش کرنی چاہیے تاکہ کسی اور سے اس کی آشنائی ہو جائے۔

مسئلہ: مفسرین نے فرمایا کہ دوست کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے کچھ لینا اس وقت جائز ہے جب یقین ہو کہ وہ دل میں بوجھ محسوس نہیں کرے گا۔ اور وہ قرائن سے ہر ایک کو معلوم ہے کہ بعض رشتہ دار

اور بعض سچے دوست ایسی باتوں سے الٹا خوش ہوتے ہیں بعض دل میں اسے سخت بوجھ محسوس کرتے ہیں۔

ف : اقارب کے بجائے صدیق کا ذکر بھی اس لیے ہے کہ یہ بات عموماً دوستوں میں پائی جاتی ہے اور رشتہ داروں میں کم۔

اب آیت کا معنیٰ ہوا کہ تم ان مذکورہ لوگوں کے گھروں سے ضرورت کے وقت بقدرِ ضرورت ان کی اجازت کے بغیر بیشک کھاؤ پیو اس میں تمہیں کوئی گناہ نہیں ہوگا اگرچہ وہ گھر پر نہ ہوں تب بھی تمہارے لیے کھانا پینا جائز ہے یعنی ایسا نہ ہو کہ گھروں سے کچھ باہر لے جاؤ یا بالکل ہی ان کے گھروں کا صفایا کر دو۔

مسئلہ : امام واحدی نے الوسیط میں فرمایا کہ ان رشتہ داروں اور دوستوں کے گھروں سے ان کی لاعلمی میں کچھ کھا پی لینا ایسے ہے جیسے کوئی بھوکا کسی کے باغ سے باغبان کی اجازت کے بغیر بقدرِ ضرورت پھل توڑ لے یا اس مسافر کی طرح جو بھوکا ہو تو راستے میں مالک کی اجازت کے بغیر بکریوں وغیرہ کا دودھ پی لے یا پیاسا بلا اجازت پانی پی لے۔

ف : یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ اس نے ایسے مواقع پر عام اجازت عطا فرمائی ہے اور اس میں بُرے اخلاق اور گندی عادات سے بچنے کی ترغیب ہے۔

مسئلہ : اسی آیت سے حضرت امام ابوحنیفہ قدس سرہٗ نے استدلال فرمایا ہے کہ اگر کسی نے اپنے قریبی رشتہ دار (ذی رحم محرم) کے گھر سے چوری کی تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اس لیے کہ ایسے رشتہ دار کے لیے مال محفوظ نہیں سمجھا جائے گا اور قطع ید کے لیے مال کا محفوظ ہونا شرط ہے۔ کمافی فتح الرحمٰن

مسئلہ : یہ اس وقت ہے جب تالہ نہ توڑا ہو یا اس کی چھپی ہوئی پیٹی کو نہ کھولا ہو یا کسی اور طریقے سے محفوظ مال کو نہ چرایا ہو۔ اگر مذکورہ صورتوں میں سے کوئی صورت پائی گئی تو قطع ید ہوگی۔

ف : اور پہلی صورت میں اس لیے قطع ید نہیں کہ رشتہ داروں کو گھروں میں آنے کے لیے عام اجازت دی گئی ہے اسی لیے ان کے لیے گھروں میں مال محفوظ نہ ہو سکے گا۔

مسئلہ : اگر کوئی کسی دوست کے گھر سے چوری کرے تو قطع ید ضروری ہے کیونکہ جب چوری کرے گا تو وہ دوست نہ رہے گا بلکہ خائن اور اس کا دشمن متصور ہوگا۔ یوں اس نے اپنے اوپر ظلم کیا اس لیے کہ جب اس نے اپنے دنیوی دوست کا خیال نہ کیا تو پھر سب کے مالک یعنی احکم الحاکمین کا کیا حیا کرے گا۔ اس معنے پر وہ اپنے آپ کو تباہ کرنے والا ہے اور گناہوں پر جسارت کرنے والا ہے۔

سبق : دانا وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے پل بھر بھی غافل نہ ہو اور اسے ہر وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عادات و اخلاق پر نگاہ ہونی چاہیے کہ ان کا آپس میں کیسے بھائی چارہ تھا۔ اسی خلوص اور صدقِ نیت سے

marfat.ocm

وہ بہت بڑے مراتب وکمالات کو پہنچے بلکہ اسی صدق وصفائی کی وجہ سے اکمل واعلیٰ متصور ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے اور ان سے راضی ہو اور ہمیں ان جیسی نیات وخلوص قلبی اور اعمالِ صالحہ نصیب فرمائے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ط تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم مجتمع ہو کر کھاؤ یا تنہا ہو کر۔ اشتات، شت کی جمع ہے بمعنے متفرق بر حق کی طرح صیغہ صفت ہے یا بمعنے تفرق ہے اس معنے پر مصدر ہوگا لیکن مصدر بمعنے صفت ہوگا۔ اس وقت مبالغہ مقصود ہے۔

ف: شتّٰی، شتیت کی جمع ہے جیسے مریض کی جمع مرضٰی ہے بمعنے متفرق۔

شانِ نزول یہ آیت بنی لیث کے حق میں نازل ہوئی۔ بنی لیث کنانہ کے ایک قبیلہ کا نام ہے۔ وہ اکیلے ہو کر کھانے کو ناپسند کرتے تھے بعض ان میں ایسے تھے کہ جب تک ان کے ہاں مہمان نہ آتا وہ طعام نہیں کھاتے تھے۔ بعض ایسے بھی تھے کہ صبح سے شام تک ان کے سامنے طعام پڑا رہتا اسے ہاتھ نہ لگاتے اگر مہمان نہ ہوتا بعض اونٹنیوں کا دودھ نہیں دوہتے تھے اور پیاسے بھوکے رہتے جب تک مہمان تشریف نہ لاتا۔

اس آیت میں رخصت دی گئی کہ تم اکیلے بھی کھاؤ اس لیے کہ بسا اوقات انسان کو مہمان میسر نہیں آتا تو اسے حرج کشی کی ضرورت نہیں کہ وہ مہمان کا انتظار کرے بلکہ اسے لازم ہے کہ وہ مہمان کا انتظار کیے بغیر اکیلا کھالے۔ ہاں اگر کوئی ضرورت مند ہو اور اکیلا کھائے اور اسے اپنے ساتھ نہ ملائے تو گنہگار ہوگا۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من اکل وذو عینین ینظر الیہ ولو یواسہ ابتلی بداء لا دواء لہ۔

(جو کوئی تم میں سے کچھ کھائے اور ضرورت مند اسے دیکھتا رہے اور اسے اپنے ساتھ شریک نہ کرے وہ ایسے مرض میں مبتلا ہوگا جس کا کوئی علاج نہیں۔

ف: امام نسفی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ جمیعا میں اشارہ ہے کہ اگر کوئی سفر پر جائے تو اپنی ضرورت کے علاوہ کسی دوسرے کا حصہ بھی ساتھ لے جائے۔

بعض مفسرین نے فرمایا اس میں اشارہ ہے کہ اپنے طعام کو دوسروں کے طعام سے ملا کر کھاؤ۔

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا جب تم مذکورہ لوگوں کے گھروں میں داخل ہو۔ ہم نے مذکورہ گھروں کی قید قرینہ سے لگائی ہے کہ چونکہ ان کا ذکر ہو رہا ہے اس لیے یہاں پر بیوتًا سے انہی لوگوں کے گھر مراد ہیں۔

ربط: رخصت عام کے مسائل بیان کرنے کے بعد اب گھروں میں داخل ہونے کے آداب بیان فرمائے

فَسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ جب ان کے گھروں پر جاؤ پہلے انھیں السلام علیکم کہو۔ انفسکم اس لیے فرمایا کہ وہ گویا دو جسم یک جان ہیں کیونکہ ان میں یا تو رشتہ داری کا تعلق ہوگا یا دینی مناسبت۔ اور یہ دونوں چیزیں السلام علیکم کا تقاضا کرتی ہیں۔ تَحِیَّۃً مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لیے تحیۃ ہے۔ التسلیم بمعنے مسلّم علیہ کے لیے اللہ تعالیٰ سے سلامتی طلب کرنا اور اس کا منصوب ہونا علی المصدریہ ہے یعنی مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے ہے۔ یہ دراصل فسلموا تسلیماً تھا یعنی اِسلامُ علیکم کا حکم اللہ تعالیٰ کی جانب ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ عند اللہ، تحیۃ کا صلہ ہو۔ اب معنی یہ ہوگا کہ تم مسلّم علیہ کے لیے درازیٔ عمر کی دعا مانگو۔ مُبٰرَکَۃً وہ تحیۃ جو خیر و برکت والی ہے اور اس پر دائمی ثواب ملے طَیِّبَۃً ایسی تحیۃ کہ جس سے سننے والے کا جی خوش ہو۔ کَذٰلِکَ یہ اشارہ اس فعل کی طرف ہے جو اس کے بعد واقع ہے یعنی مثل ذٰلک التبیین بمعنے اس بیان کرنے کی طرح، یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمُ الْاٰیٰتِ اللہ تعالیٰ وہ آیات نازل فرماتا ہے جو احکام پر واضح طور پر دلالت کرتی ہیں لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ تاکہ تم ان کی شرائع و احکام و آداب کو سمجھو اور ان کے موجب عمل کرو اور ان کی برکت سے سعادتِ دارین سے کامیابی پاؤ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی۔ آپ نے مجھے کبھی نہ فرمایا کہ یہ کام تُو نے کیوں نہ کیا اور اگر مجھ سے اتفاقیہ کوئی شے ٹوٹ گئی تو یہ بھی نہ فرمایا کہ یہ تو نے کیوں توڑی۔ ایک دن میں کھڑا ہو کر آپ کے دست ہائے مبارک پر پانی ڈال رہا تھا تو فرمایا: اے انس! میں تمھیں تین کام ایسے نہ بتاؤں کہ اگر تم ان پر کاربند رہو تو نفع پاؤ گے۔ میں نے عرض کی: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یا رسول اللہ! آپ وہ تین کام ضرور بتائیں میں ان پر یقیناً عمل کروں گا۔ آپ نے فرمایا: ایک تو یہ کہ جب تم میرے کسی اُمتی سے ملو تو اسے السلام علیکم کہو اس طرح سے تمہاری عمر دراز ہوگی۔

دوسرا یہ کہ جب گھر میں جاؤ تو بھی انھیں السلام علیکم کہو۔ اس سے تمھیں خیر و برکت نصیب ہوگی۔

تیسرا یہ کہ اشراق کا ناغہ نہ کرو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والوں کی نماز ہے۔

نکتہ از صاحبِ روح البیان

فقیر (حقی)، کہتا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تحیۃ کے خارجی معنیٰ کو معنوی معنیٰ پر ورازیٔ عمر کا مطلب مرتب فرمایا ہے اس لیے کہ بسا اوقات اللہ تعالیٰ سلام کہنے والے کی دُعا قبول فرما لیتا ہے تو مسلّم علیہ کو عمرِ دراز عطا فرماتا ہے۔ یعنی اس کی عمر میں برکت ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی تسلیم داخل یعنی گھر میں داخل ہوتے وقت کے سلام میں خیر و برکت کا معنیٰ مرتب فرمایا ہے اس لیے کہ عموماً گھر کے لیے خیر و برکت کی خواہش ہوتی ہے اور

marfat.ocm

پھر عموماً گھر میں جاتے ہی وضو کر کے نمازِ اشراق پڑھی جاتی ہے۔ اس بنا پر اسے السلام علیکم کے عمل کے بعد اور سلام داخل کے بعد ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ نوافل چھپ کر پڑھنے چاہئیں بالخصوص گھر میں۔

مسئلہ: اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو کہے:

السلام علینا وعلیٰ عباد اللّٰہ الصالحین۔

اس لیے کہ ایسے سلام کا جواب ملائکہ کرام دیتے ہیں۔ ایسے ہی مسجد میں داخل ہونے کا مسئلہ ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا دخلتم بیوتکم فسلّموا علیٰ اھلھا واذا طعم احدکم طعاما فلیذکر اسم اللّٰہ علیہ فان الشیطان اذا اسلم احدکم لم یدخل بیتہ معہ واذا ذکر اللّٰہ علیٰ طعامہ قال لا مبیت لکم ولا عشاء وان لم یسلم حین یدخل بیتہ ولم یذکر اسم اللّٰہ علیٰ طعامہ قال ادرکتم العشاء والمبیت۔

(تم میں سے کوئی ایک جب گھر میں داخل ہو تو اسے چاہیے السلام علیکم کہے اور جب کچھ کھائے تو بسم اللّٰہ پڑھے اس لیے کہ جب تم گھر جا کر السلام علیکم کہتے ہو تو شیطان تمہارے ساتھ گھر میں داخل نہیں ہوتا اور جب تم کھانے سے پہلے بسم اللّٰہ پڑھتے ہو تو شیطان کہتا ہے خدا کرے تیرا گھر میں رہنا نہ ہو اور نہ ہی تمہیں شام کا کھانا نصیب ہو اگر کوئی گھر میں داخل ہونے پر السلام علیکم نہ کہے اور نہ ہی کھانے سے پہلے بسم اللّٰہ پڑھے تو کہتا ہے تمہیں گھر میں رات گزارنا نصیب ہو اور شام کا کھانا بھی)

مسئلہ: سمجھدار بچوں کو السلام علیکم ترک نہ کیا جاتے بلکہ انھیں السلام علیکم افضل ہے۔ کما فی البستان۔

مسئلہ: نوجوان عورتوں کو السلام علیکم نہ کہنا چاہیے تاکہ علیک سلیک سے واقفیت نہ ہو جائے جس سے فتنہ برپا ہو۔

مسئلہ: یہود و نصاریٰ کو السلام علیکم کی ابتداء نہ کی جائے ان کے لیے سلام کی ابتداء کرنا حرام ہے اس لیے السلام علیکم کہنا ایک قسم کا اعزاز ہے اور کفار کا اعزاز ناجائز ہے۔

مسئلہ: اہلِ بدعت (اعتقاداً) کو بھی سلام کہنا حرام ہے۔ اگر ناواقفیت سے ایسے پر السلام علیکم کہہ بھی دیا جائے تو اس کے سامنے ہی انا للّٰہ وانا الیہ راجعون پڑھ لیا جائے تاکہ اسے معلوم ہو کہ اس کی تحقیر ہوتی ہے۔

مسئلہ: اگر اہلِ کتاب یا بدعتی (بدمذہب) کو السلام علیکم کہنا ضروری ہو تو کہا جائے:

السلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

اگر وہ السلام علیکم کہہ دے تو اس کے جواب میں صرف "وعلیکم" کہا جائے۔ سلام کے مسائل تفصیل کے ساتھ ہم نے سورۂ نساء میں و اذا حییتم بتحیۃ کے تحت لکھ دیے ہیں۔

اولیا اللہ کی شانِ اقدس

حقائق البقلی قدس سرہٗ میں ہے کہ جب تم اولیاء اللہ کے گھروں میں داخل ہو تو اعتقادِ صحیح لے کر ان کی تعظیم و تکریم بجا لاؤ۔ اس طرح سے تم بھی اہلِ کرامت سے ہو جاؤ گے۔ وہاں کی حاضری پر اپنی سلامتی کے لیے دعا مانگو اس لیے کہ ان کے آستانے کرامتِ حق و رحمتِ الٰہی کے مرکز ہیں۔

مزارات کی حاضری

(رُوح البیان گیارھویں صدی کے اوائل عشرہ کی تفسیر ہے اور وہابی سُنّی یعنی دیوبندی بریلوی اختلاف بارھویں صدی میں شروع ہوا۔ ہم اہلسنّت بریلوی وہی کہتے ہیں جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اور کیا۔ او۔ آپ کی وراثت میں اولیائے کرام نے ہمیں بتایا، اور اس اختلاف سے پہلے بھی وہی تھا جو ہم اہلسنّت میں ہے۔ چنانچہ روح البیان کی اصل عبارت ملاحظہ ہو):

یقول الفقیر وکذا الحال فی دخول المزارات والمشاھدات المتبرکۃ وان کان العامۃ لا یعرفون ذٰلک ولا یعتقدون۔ (ج ، ص ۱۰۳ ، آیۃ مذکورہ)

ترجمہ: فقیر (اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ یہی حال مزارات و مشاہداتِ مقدسہ میں حاضری کا (کہ وہاں بھی السلام علیکم کہو) اگرچہ اس سے عوام بے خبر ہیں اور نہ ہی ایسا عقیدہ رکھتے ہیں (یعنی اولیائے کرام کا سلام سننا اور جواب دینا)

حضرت کمال خجندی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

صوفیم و معتقد صوفیان
کیست چو من صوفیٔ نیک اعتقاد

ترجمہ: میں صوفی ہوں اور صوفیہ کا معتقد ہوں اور میرے جیسا خوش اعتقاد صوفی ہے کون!

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

بر سر تربت ما چوں گزرے ہمت خواہ
کہ زیارت گہ رنداں جہان خواہد بود

ترجمہ: اے باہمت انسان! جب تم میری قبر پر گزرو اس لیے کہ میری قبر اہلِ دل لوگوں کی زیارت گاہ ہو گی۔

(باقی ص ۳۴۹ پر)

marfat.ocm

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ
والے تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر یقین لائے اور جب رسول کے پاس کسی ایسے کام میں
يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ
حاضر ہوئے ہوں جس کے لیے جمع کیے گئے ہوں تو نہ جائیں جب تک ان سے اجازت نہ لے لیں وہ جو تم سے اجازت
بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَن لِّمَن شِئْتَ مِنْهُمْ
مانگتے ہیں وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں پھر جب وہ تم سے اجازت مانگیں اپنے کسی کام کے لیے تو ان
وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (۶۲) لَّا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ
میں جسے تم چاہو اجازت دے دو اور ان کے لیے اللہ سے معافی مانگو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا
كَدُعَاءِ بَعْضِكُم بَعْضًا ۚ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ
نہ ٹھہرالو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے بے شک اللہ جانتا ہے جو تم میں چپکے نکل جاتے ہیں کسی چیز کی آڑ لے کر تو ڈریں وہ جو رسول کے
الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (۶۳)
حکم کے خلاف کرتے ہیں کہ انہیں کوئی فتنہ پہنچے یا ان پر دردناک عذاب پڑے
أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ قَدْ يَعْلَمُ مَا أَنتُمْ عَلَيْهِ وَ
سن لو بے شک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے بے شک وہ جانتا ہے جس حال پر
يَوْمَ يُرْجَعُونَ إِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ
تم ہو اور اس دن کو جس میں اس کی طرف پھیرے جائیں گے تو وہ انہیں بتادے گا جو کچھ انہوں نے کیا اور اللہ سب
شَيْءٍ عَلِيمٌ (۶۴)
کچھ جانتا ہے۔

۹
ع ۳
۱۵

(ص ۳۰۰ سے آگے)

حضرت جامی قدس سرہ نے فرمایا:

نسیم الصبح زرعنی زبی نجد و قبلها
کہ بوئے دوست می آید ازاں پاکیزہ منزلہا

ترجمہ:

اے اللہ! ہمیں ان لوگوں سے بنا جو ہر آن اور ہر گھڑی یمن سے نفس رحمانی سے خوشبو پاتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ ۔ شانِ نزول: یہ آیہ اس وقت نازل ہوئی جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے متعلق مشورہ کے لیے صحابہ کرام کو جمع فرمایا۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاں زیادہ دیر بیٹھنا ناگوار تھا اس لیے کچھ دیر بیٹھ کر حضور علیہ السلام سے بلا اجازت چلے جاتے۔ یا یہ آیت غزوۂ خندق کی کھدائی کے وقت نازل ہوئی۔ منافقین کی عادت تھی کہ وہ کام سے جی چرا کر حضور علیہ السلام سے اجازت کے بغیر چلے جاتے حالانکہ کھدائی کا کام نہایت اہم تھا تب اس کی کھدائی میں لگے رہے یہاں تک کہ چار نمازیں آپ سے قضا ہوتی ہوتی رہ گئیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بیشک مومن کامل فی الایمان وہ ہیں۔ المؤمنون مبتدا اور الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ اس کی خبر ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر صمیم قلب سے ایمان لائے اور پوشیدہ وعلانیہ ہر لحاظ سے ان کے جملہ احکام میں اطاعت کی وَاِذَا کَانُوْا مَعَہٗ اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے ہیں عَلٰٓی اَمْرٍ جَامِعٍ اس کا عطف اٰمنوا پر ہے اور الذین کا صلہ ہے۔ اور وہ لوگ جملہ اہم امور میں حضور علیہ السلام کا ساتھ دیتے ہیں۔ مثلاً جمعہ وعیدین اور جنگ اور امورِ اسلامیہ کے مشورے اور صلوٰۃ الاستسقاء، ایسے ہی وہ جملہ امور جو اجتماعی حیثیت سے سرانجام ہوتے ہیں اور امر کو جامع سے موصوف کرنے میں مبالغہ مطلوب ہے۔ نیز اشارہ ہے کہ ان لوگوں کے اجتماع کا سبب وہی امر ہے اس لیے کہ وہ اتنا مہتم بالشان تھا کہ لوگوں کا اجتماع ہوا۔ یہ اسناد الفعل الی السبب کے قبیل سے ہے لَمْ یَذْهَبُوْا وہ حضور علیہ السلام سے بالکل جدا نہیں ہوتے حَتّٰی یَسْتَاْذِنُوْہُ یہاں تک کہ آپ سے جانے کے لیے اجازت چاہتے ہیں جب آپ انہیں اجازت عنایت فرماتے ہیں پھر کہیں جاتے ہیں۔ ان کے ایمان کا کمال اسی میں ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کی اجازت کے بغیر نہ جائیں۔ اس لیے کہ یہی صفت مخلص مومن اور منافق کے مابین امتیاز کرتی ہے۔ اس کے بعد مزید تاکید فرمائی کہ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَكَ بے شک وہ لوگ جو آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ صرف وہی لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے ہیں ان کے ماسوا باقی سب منافق ہیں اور ان کی یہی علامت ہے کہ وہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت کے بغیر چلے جاتے ہیں۔

marfat.ocm

شانِ نزول کاشفی نے لکھا کہ آیت ذیل ان منافقین کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے غزوۂ تبوک سے جی کترانے کے لیے بہانے ڈھونڈے اور جنگ پر حاضری نہ دی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں فرمایا انما یستاذنک الذین یؤمنون باللہ ورسولہ الآیۃ بعض اجازت طلب کرنے والوں اور نہ کرنے والوں کے لیے ترہیب ہے۔ وہ اس لیے کہ ان لوگوں کے اغراض فاسد ہیں۔

ف: اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اجازت و عدمِ اجازت کی وجہ سے نہ تھی بلکہ ان کی غرضِ غلط کی وجہ سے تھی ورنہ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی تبوک میں چند دن گزار کر واپس مدینہ طیبہ جانے کی اجازت چاہی آپ نے انھیں بطیبِ خاطر اجازت عطا کر کے فرمایا:

انطلق فواللہ ما انت بمنافق جاؤ آپ منافق نہیں ہیں۔

(صاحب روح البیان کی یہ تحقیق نہایت ہی موزوں ہے)

فَاسْتَأْذَنُوْكَ یعنی یقین ہو گیا کہ کامل فی الایمان وہ لوگ ہیں جو حضور علیہ السلام سے اجازت لے کر جاتے ہیں تو ان کے لیے یہ حکم بھی ہے کہ اگر وہ آپ سے اجازت طلب کریں لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ شأن بمعنے حال و امر۔ اسے ان احوال و امور میں استعمال کرتے ہیں جو نہایت اہم ہوں۔ کما فی المفردات۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ لوگ اس وقت اجازت چاہتے ہیں جب انہیں اہم امور لاحق ہوتے ہیں یا کوئی حادثہ یا تکلیف درپیش ہوتی ہے شئونھم کے بجائے شانھم کہنے میں اور پھر اسے بعض سے مقید کرنے میں ان پر تغلیظ مطلوب ہے تاکہ انہیں معلوم ہو کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک سے چلا جانا نہایت قبیح امر ہے ہاں اہم امور بھی انہیں طے کرنے ہوں تو انہیں اجازت دی جا سکتی ہے فَأْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ تو آپ جن کے لیے چاہیں اجازت عطا فرمائیں کیونکہ ان کے معاملات اور ان کی حکمتیں و مصلحتیں آپ خوب جانتے ہیں اس معاملہ میں آپ پر کسی قسم کا اعتراض نہیں وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ اجازت دینے کے بعد ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب فرمائیے اس لئے کہ اگرچہ اجازت طلب کرنے سے ان پر کوئی گناہ نہیں لیکن پھر بھی یہ شائبہ تو ہے کہ انہوں نے دینی امر پر دنیوی معاملہ کو ترجیح دی۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ انسان پر لازم ہے کہ وہ جانے کا خیال بھی نہ کرے چہ جائیکہ بلا اجازت چلا جائے۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی کوتاہیاں بخشنے والا، ان پر رحمت کرنے میں بہت بڑا مہربان ہے۔

ف: آیت میں حفظِ آداب کا بیان ہے وہ یہ کہ جب امامِ وقت (عالمِ دین، مرشدِ دوراں) کسی اہم امرِ دینی یا مسلمانوں کے کسی معاملہ میں لوگوں کو جمع کرے تو ان پر لازم ہے کہ جب تک امامِ وقت اجازت نہ دے وہ کہیں نہ جائیں اور نہ ہی طے شدہ امر کی مخالفت کریں اگرچہ جنگ کا کام ہو تو امیرِ لشکر کے حکم کی خلاف ورزی نہ کریں اور جنگ سے بھی نہ لوٹیں۔ ہاں شدید ضرورت ہو تو امامِ وقت سے اجازت لے کر واپس آ سکتے ہیں اور امامِ وقت پر بھی لازم ہے کہ وُہ اجازت میں رکاوٹ نہ ڈالے۔ اگر مناسب سمجھے تو اجازت دے اور اجازت لینے والے پر بھی لازم ہے کہ بلا ضرورت اجازت نہ مانگے۔

ف: جو ایسے مواقع سے بلا اجازت چلا جائے وہ نفس پرست اور اہلِ بدعت ہوگا۔

ف: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ کریمہ تھی کہ جمعہ کے دن خطبہ کے لیے آپ منبر پر رونق افروز ہوتے اور کوئی آپ سے جانے کی اجازت چاہتا تو وہ آپ کے سامنے کھڑا ہو جاتا تاکہ آپ دیکھ کر سمجھ جائیں کہ یہ شخص جانا چاہتا ہے۔ آپ اسے دیکھ کر اجازت کا اشارہ فرما دیتے۔

اسی لیے مشایخِ طریقت نے فرمایا کہ مرید جب کسی خاص ضرورتِ شدیدہ کے لیے جانا چاہے تو اس پر لازم ہے کہ شیخ سے اجازت چاہے۔ اگر شیخ مکان میں نہ ہو تو شیخ کے دروازے پر حاضر ہو کر اپنے دل کی طرف متوجہ ہو یہاں تک کہ شیخ کی رُوح اسے اجازت بخشے گی جس کا اسے احساس ہوگا یہاں تک کہ وہاں سے چلے جانے سے یہ بھی محسوس نہیں کرے گا کہ وہ بلا اجازت جا رہا ہے لیکن یہ شغل پے در پے کرنے سے ہوگا اس لیے کہ تصور و خیال میں بھی بہت تاثیر ہے۔

تفسیر صُوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ مرید صادق وُہ ہے جو اپنے شیخ کے تصرفات کے سامنے سرِ تسلیم خم کرے یہاں تک کہ اس کا کوئی سانس شیخ کی اجازت کے بغیر نہ نکلے۔ اگر کوئی اپنے شیخ کی مخالفت کرے سرًا یا جہرًا تو وہ صدق و صفائی کی بُو بھی نہ سونگھے گا۔ اور اس کی سیر الی اللہ بھی بہت دیر کے بعد طے ہوگی۔ اگر اس سے کوئی غلطی ہو جائے تو شیخ سے فوراً معافی مانگے اور اپنی غلطی کا اعتراف کُھلم کُھلا کر دے تاکہ شیخ سے کوئی نصیحت پائے جو اس کی غلطی کا کفارہ بن سکے۔ اس غلطی کے ازالے کے لیے شیخ کا جو حکم ہو اسے بجا لائے۔ ایسے ہی اگر کوئی مرید شیخ کے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف کرکے معافی چاہے تو شیخ پر لازم ہے کہ اسے نہ صرف معاف کر دے بلکہ اسے ایسا عمل بتائے جس سے اس کے نقصان کی تلافی ہو سکے اور خود بھی اس پر خصوصی توجہ ڈالے کیونکہ مریدین اپنے شیخ کا عیال ہیں۔ بایں معنیٰ مشایخ کا فرض ہے کہ وہ اپنے فیوض و برکات سے اپنے مریدین کو نوازیں اور ان کی خامیاں پُوری کریں۔ اور مریدین پر لازم ہے کہ وہ جُملہ امور میں اپنے مشائخ کی

marfat.ocm

موافقت کریں۔ امورِ شریعت ہوں یا امورِ طریقت، ان کے کسی امر کی مخالفت نہ کریں، نہ ہی ان سے دُوری اختیار کریں۔ سفر و حضر میں ان کی صحبت کو سعادتِ عظمٰی سمجھیں اور مجاہدہ و ریاضت سے ان کی نگرانی میں اپنے نفس کا تزکیہ کریں۔

حکایت مریدین نے حضرت ابُو عثمان سے عرض کی کہ آپ ہمیں وصیت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا: دین پر مجتمع رہو، اپنے اکابر کی مخالفت سے پرہیز کرو اور ہر طاعت و عبادت کی ان سے اجازت لو اور ان کے مشورہ پر طاعات کرو اور اوراد و وظائف کرو۔ حسبِ استطاعت محتاجوں، مسکینوں اور ناداروں کی مدد کرو۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری محنت ضائع نہیں کرے گا۔

ف : اگر کسی سے کوئی کوتاہی ہو جائے تو رحمتِ الٰہی سے ناامید نہ ہو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر وقت قبولیت ہی قبولیت ہے۔ حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ بلے نبود دریں رہ نا امیدی
سیاہی را بود رو در سفیدی
۲ ز صد در گر امیدت بر نیاید
بنومیدی جگر خوردن نشاید
۳ در دیگر بباید زد کہ ناگاہ
ازاں در سوئے مقصود آوری راہ

ترجمہ: (۱) ہاں اس راہ میں ناامیدی نہیں کیونکہ سیاہی سے سپیدی ضرور برآمد ہوتی ہے۔

(۲) سو گھروں سے اگر تیری امید پوری نہ ہو تو بھی ناامیدی سے جگر کو پارہ پارہ نہ کر۔

(۳) اس لیے کہ اچانک کوئی ایسا دروازہ تمہیں مل جائے گا جس سے تو اپنی منزل تک پہنچ سکے گا۔

ف : اللہ تعالیٰ ہر بندے کی توبہ و استغفار قبول فرماتا ہے۔

شرح اشعار مذکورہ ان اشعار سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں یعنی انبیاء و اولیاء اور صالحین کی شفاعت قبول فرمائے گا۔ اس کی رحمت بے پایاں ہے ورنہ جسے اللہ تعالیٰ مردود کر دے اسے کوئی نہیں بخش سکتا۔ اور جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دروازے سے دھتکار دیں اسے خلفاءِ راشدین ہی نہیں بلکہ اُمت کا کوئی فرد بھی گلے نہیں لگائے گا۔ جسے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اجازت نہیں بخشیں گے اسے کوئی بھی اجازت نہ دے گا اگر اجازت مل بھی جائے تو اسے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ ایسے ہی حال ہے اولیائے کرام کا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے وارث ہیں

کہ وہ بھی جسے اجازت نہ دیں اسے کوئی بھی اجازت نہ دے گا۔ اگر دے گا بھی تو کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ یہ تصور کہ ایک وارث دھتکار دے تو کوئی دوسرا گلے لگا لے گا۔

(ایں خیال ست و محال ست و جنوں)

اس لیے کہ جملہ اولیاء کرام ایک ہی حلقہ کی کڑیاں ہیں۔ جب کوئی بھی کسی ولی سے منہ موڑے گا اسے کوئی دوسرا ولی منہ نہ لگائے گا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل قبولیت کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ دعا مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے یعنی آپ کی دعوت و امر برائے اعتقاد و عمل کو نہ بناؤ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا اپنے جلیسوں کی دعا کی طرح یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کو اپنی دعوت پر قیاس مت کرو اس سے اعراض اور اجابت میں مساہلت ان کی اجازت کے بغیر رجوع ہرگز نہ کرو اس لیے کہ آپ کی دعوت کی اجابت واجب ہے اور آپ کی اجازت کے بغیر رجوع حرام ہے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ مصدر مفعول کی طرف مضاف ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ ان کی نداء کو اپنی نداء پر قیاس نہ کرو۔ مثلاً یا محمد نہ کہو اور ان کے نام پر اپنا نام نہ رکھو مثلاً محمد بن عبد اللہ وغیرہ۔ ایسے ہی جیسے اپنے ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ ایسے ہی انھیں مت بلاؤ ایسے ہی جب ان کے حجرۂ اقدس پر جاؤ چلا کر انھیں نہ بلاؤ۔ ہاں ان کا نام اور لقب تعظیم و تکریم کے ساتھ لو۔ مثلاً کہو: یا نبی اللہ، یا رسول اللہ۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے خود کہا ہے:

یا ایھا النبی، یا ایھا الرسول۔

ف: حضرت کاشفی نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو عام نداء سے پکارا لیکن اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکرم ترین القاب سے یاد فرمایا؛ ؎

یا آدم ست با پدر انبیاء خطاب
یا ایھا النبی خطاب محمد است

ترجمہ: ابو الانبیاء کو یا آدم سے اور اپنے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یا ایھا النبی کے پیارے لقب سے پکارا۔

مسئلہ: فقیہ ابو اللیث نے فرمایا کہ آیت میں معلم الخیر یعنی استاد کا ادب سکھایا گیا ہے۔ یعنی اشارۃً حکم فرمایا کہ اپنے استاذ کی تعظیم و تکریم کرو۔

marfat.ocm

مسئلہ: آیت سے استاذ کی معرفت کو معرفتِ حق بتایا اور اس سے اہلِ علم و فضل کی علوِ شان و رفعتِ مرتبہ کا پتا چلا۔

ف: حقائق البقلی میں ہے کہ احترامِ رسول احترامِ الٰہی اور معرفتِ نبوی، معرفتِ ایزدی اور ان کی متابعت حق تعالیٰ کی مطابقت ہے۔

تفسیر صوفیانہ التاویلات النجمیہ میں ہے کہ آیت میں مشائخ طریقت کے ادب کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ وقت کا شیخ ایسے ہے جیسے امت میں نبی علیہ السلام۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ خطابات میں مشایخ کی تعظیم کرو اور ان کی خدمات بجالانے میں ادب کو ملحوظِ خاطر رکھو اور ان کی طاعت کرتے وقت ان کی ہیبت و عظمت کو سامنے رکھو۔

تفسیر عالمانہ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ۔ قد تحقیقیہ ہے اگرچہ یہ مضارع پر تحقیق کے لیے نہیں آتا ہے لیکن یہاں استعارہ کے طور تحقیق کے معنیٰ میں ہے جیسے کبھی لفظ رب تکثیر کے لیے آتا ہے۔ اس لیے تحقیقیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وعید یقینی ہے اس میں شک کی گنجائش کہاں۔ اسی تقاضا کو پورا کرنے کے لیے قد کو تحقیقیہ بنایا گیا۔

ف: الکواشی میں ہے کہ لفظ قد خبر دیتا ہے کہ متسللین بہت کم تھے اور واقعی تھا بھی ایسے ہی، کہ اس وقت یہ بہ نسبت دوسروں کے بہت کم تھے۔

حلِ لغات: التسلل بمعنے تدریجاً اور پوشیدہ طور پر درمیان سے نکل جانا۔ مثلاً کہا جاتا ہے: تسلل الرجل یعنی فلاں آدمی لوگوں سے چوری نکل گیا اور ان سے اتنا دُور چلا گیا جس کا کسی کو علم بھی نہ ہو۔

اب معنی یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ اس جماعت کو جانتا ہے جو تھوڑے تھوڑے ہو کر چپکے چپکے نکل جاتے ہیں۔

لِوَاذًا: وہ شخص جو کسی کے خوف سے چھپ جائے کما فی الوسیط۔

القاموس میں ہے: اللوذ بالشیٔ بمعنے الاستتار والاحتصان به کاللواذ۔ یعنی لواذ کی طرح ہے بمعنے کسی شے کے ساتھ چھپنا اور محفوظ ہونا۔ یہاں پر اللواذ بمعنے الملاوذة ہے اس لیے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ چھپ کر نکلتے تھے یا مفاعلہ مجرد کے معنیٰ میں ہے اس لیے کہ ان میں جو اجازت لے کر جاتے تو دوسرے ان کے ساتھ چھپ کر چلے جاتے تھے۔ تا تاثر یہ دیتے تھے کہ یہ چھپنے والے ان سے اجازت لے کر جانے والوں کے اتباع سے ہیں لواذاً اس لیے منصوب ہے کہ وہ یتسللون کی ضمیر سے حال ہے بمعنے ملاوذین یا فعل مضمر سے مصدر (مفعول مطلق) مؤکد ہے۔

یہ عبارت یوں تھی :

یلاوذون لواذا۔

مسئلہ : جماعت سے نکل جانا عام ہے جنگ سے ہو یا جمعہ کے دن مسجد سے، ایسے ہی دوسرے حق کے مجمعوں سے (جیسے وہابی دیوبندی سلام وقیام کے وقت بھاگ جاتے ہیں)۔

شانِ نزول بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ پڑھتے تو منافقین ایک دوسرے کے سہارے یا صحابہ کرام سے پیچھے ہٹ کر مسجد سے نکل جاتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے یہ وعید نازل فرمائی۔

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ چاہیے کہ خوف کریں وہ لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف کرتے ہیں یعنی ان کے حکم کے مقتضیٰ پر عمل نہیں کرتے۔ صحیح سمت کے بجائے مخالف سمت کو چلے جاتے ہیں۔ عن کا لفظ اعراض کے معنے کو متضمن ہے بمعنیٰ روگردانی کرنا۔ اور یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اس لیے حقیقی آمر وہی ہے یا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ مقصود بالذکر آپ ہیں اَنْ تُصِيْبَهُمْ یہ کہ انھیں پہنچے فِتْنَةٌ دنیا کا کوئی دُکھ ان کے بدن یا مال یا اولاد میں مثلاً مریض ہو جائیں یا انھیں قتل کر دیا جائے یا تباہ و برباد ہو جائیں یا ان پر کسی جابر بادشاہ کا تسلط ہو جائے۔

ف : حضرت کاشفی نے لکھا کہ ان کے دلوں پر مُہرِ غفلت لگ جائے یا توبہ کی توفیق نصیب نہ ہو۔

حضرت جنید قدس سرہٗ نے فرمایا کہ فتنۃ سے دل کی سختی اور اس کا معرفتِ الٰہی سے متاثر نہ ہونا مراد ہے۔

اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ یا انھیں آخرت میں دردناک عذاب پہنچے۔

ف : جلالین میں ہے ان تصیبھم فتنۃ یہ کہ انھیں کوئی ایسی مصیبت پہنچے جس سے ان کی منافقت ظاہر ہو جائے او یصیبھم عذابٌ الیمٌ یا انہیں دنیا میں بعجلت دنیا میں دردناک عذاب پہنچے۔ او منع الجمع کا نہیں بلکہ منع الخلو کا ہے فعل کا اعادہ تحذیر کے معنیٰ کے مہتم بالشان ہونے کی وجہ سے ہے اور دو عذابوں کی ترتیب بتاتی ہے کہ یہ امر وجوب کا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ امرہٖ کی ضمیر شیخ یعنی مرشد کامل کی طرف راجع ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ چاہیے ڈریں وہ لوگ جو اپنے مشایخ کے امر کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ ان تصیبھم یہ کہ انھیں سستی یا قبولِ خلق یا بلاوقت نکاح کرنے یا شیخ کی اجازت کے بغیر سفر کرنے اور عورتوں اور لڑکوں میں مبتلا ہونے یا صحبتِ اغنیاء یا بادشاہوں (افسروں کے ہاں خواہ مخواہ) بکثرت آنے جانے یا عہدہ ملازمت و مراتب دنیویہ کی طلب یا کثرتِ عیال سے آزمائش میں مبتلا ہوں وہ اس لیے کہ

marfat.ocm

ماسوی اللہ میں مشغول ہونا صوفیاءِ کرام کے نزدیک بہت بڑا فتنہ ہے او یصیبھم عذاب الیم "یا انہیں اللہ تعالیٰ سے منقطع ہونے کا بہت بڑا عذاب پہنچے۔

ف : حقائق البقلی میں ہے کہ یہاں پر فتنہ سے اپنے غیر جنسوں اور مخالفینِ اسلام اور منکرینِ دین کی صحبت مراد ہے۔ (واللہ اعلم) اس لیے کہ ان کی صحبت سے اولیاءِ کرام کے ساتھ دل میں بدظنی پیدا ہوتی ہے (جیسے وہابیہ و دیگر بدمذاہب کے ساتھ میل جول رکھنے والوں کو ہم نے دیکھا اور آج کل یہ گروہ تبلیغی جماعت کا روپ دھار کر عوام اہلِ اسلام کو اولیاءِ کرام سے منحرف کرنے کی تحریک چلا رہا ہے) یقین جانیے کہ اولیاء اللہ سے بدظنی پھیلانے والے اللہ کے دشمن ہیں[1]

ف : حضرت ابو سعید الخراز رحمہ اللہ نے فرمایا کہ فتنہ بمعنے کسی کو استدراج کے طور نعمتوں سے مالا مال کر دینا حتیٰ کہ اسے معلوم نہ ہو کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔

ف : حضرت رویم نے فرمایا کہ فتنہ عوام کے لیے اور بلاءُ خواص کے لیے ہوتی ہے۔

ف : حضرت ابو بکر بن طاہر نے فرمایا کہ فتنہ پر گرفت ہوتی ہے اور بلاءُ سے معافی مل جاتی ہے بلکہ صاحبِ بلا کو ثواب ملتا ہے۔

تفسیر عالمانہ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (خبردار جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ یعنی جملہ موجودات خلقاً و ملکاً و تصرفاً و ایجاداً و اعداماً بدءاً و اعادۃً ہر طرح سے اللہ تعالیٰ کی ہیں۔ قَدْ یہ بھی تحقیقیہ ہے۔ اس کی وہی تفصیل ہے جو ہم نے اوپر لکھی ہے یَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَیْهِ (یہ خطاب مکلفین بالاحوال والاوضاع کو ہے منجملہ ان کے موافقت و مخالفت اور

---

[1] صاحبِ روح البیان کی اصل عبارت پڑھنے کے قابل ہے۔ فرماتے ہیں کہ :

واعداء اولیائہ یقعون کل وقت فی الحق ویقبحون احوالھم عند العامہ لصرف وجوہ الناس الیھم وھذہ الفتنۃ اعظم الفتن۔ (ج ۷، ص ۱۸۶ تحت آیت مذکورہ)

ہمارے دور میں یہ فتنہ زوروں پر ہے کہ اولیاء اللہ کے دشمن مختلف رنگ و روپ دھار کر عوام اہلِ اسلام کو دھڑا دھڑ گمراہ کر رہے ہیں اور پھر مصیبت یہ ہے کہ بقول علامہ اسمٰعیل حقی دین و اسلام کے ٹھیکیدار بھی بنے پھرتے ہیں یہاں تک کہ عوام اہلِ اسلام کی نظروں میں دین و اسلام کے سچے خادم بھی وہی ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون فالی اللہ المشتکی۔ اس مسئلہ کی تفصیل اور اولیاء اللہ کے اعداء کی علامات فقیر کی کتاب "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی وہابی دیوبندی کی نشانی" میں پڑھیے۔ اویسی غفرلہٗ

اخلاص و نفاق ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں جانتا ہے کہ جس حال میں تم ہو۔ وَيَوْمَ تُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ اس کا عطف ما انتم علیہ پر ہے اور یہ یوم مفعول بہ ہے ظرفیہ نہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس وقت کو تحقیقاً جانتا ہے جبکہ منافقین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کی مخالفت کرنے والوں کو جزاء و عذاب کے لیے حاضر کیا جائیگا یرجعون، الرجع سے ہے جو کہ متعدی ہے الرجوع سے نہیں کیونکہ وہ لازم ہے اور شے کے وقوع کے وقت کو جاننا شے کے وقوع کو مستلزم ہے اور یہ وقوع شے کے علم سے زیادہ بلیغ ہے فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا پھر انھیں ان کے اعمال کی خبر دے گا۔ یعنی ان کے اعمال کو بر سرِ میدان عام ظاہر کرے گا۔ اس وقت انہیں اپنے قبیح ترین اعمال کا پتا چلے گا، اس وقت ان کے اعمال کی سزا مرتب ہوگی۔ چونکہ خبر دینے اور ظاہر ہونے سے آپس میں ملابست ہے اس لیے یظھر کے بجائے ینبئھم فرمایا۔ ان کی آپس میں ملابست ظاہر ہے وہ یہ کہ دونوں علم کے سبب ہیں۔ اس میں تنبیہ ہے کہ یہ لوگ ان کے اعمال کے ارتکاب کے وقت بے خبر اور اس کے انجام سے لاعلم تھے۔ اس لیے کہ ان پر ان کے خلقیہ امکانیہ کے احکام کا غلبہ تھا اور دنیا میں آثار امزجہ طبیعہ حیوانیہ سے مغلوب تھے وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ٥ اور اللہ تعالیٰ ہر شے کو جانتا ہے۔ یعنی اس سے زمین و آسمان کی کوئی شے مخفی نہیں اگرچہ منافقین دنیا میں اپنے اعمال کو مخفی رکھنے کی ہر طرح کی کوشش کرتے رہے۔

آنکس کہ بیافرید پیدا و نہان
چوں نشناسد نہان و پیدا بجہان

ترجمہ: وہ ذات جس نے ہر ظاہر و پوشیدہ کو پیدا فرمایا اس سے جہان کی ظاہری و مخفی شے کیسے پوشیدہ رہ سکتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے الا انّ للّٰہ ما فی السّمٰوٰت والارض دُنیا و آخرت کی نعمتیں اللہ تعالیٰ کی ہیں جو بھی ان میں کسی ایک سے چمٹا اللہ تعالیٰ سے دُور ہو جائیگا۔ بلکہ جس قدر اس کا تعلق کسی نعمت سے ہوگا اسی قدر اس سے مواخذہ ہوگا ویوم یرجعون الیہ اور انہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں متعلقات کی زنجیروں سے جکڑ کر لایا جائے گا فینبئھم بما عملوا جب تو وہ انہیں ان کے اعمال کی جزاء عطا فرمائے گا اگر اعمال اچھے ہوں گے تو جزاء اچھی ہوگی ورنہ سزا پائیں گے واللہ بکل شیء علیم اور اللہ تعالیٰ ہر ایک کے عمل کی مکافات کو جانتا ہے یعنی اگر کھجور کی گٹھلی کے پردے کے برابر نیکی ہے اور اس کی جو جزا ملے گی اور ایسے ہی اس کے بُرے عمل کی جو سزا ملے گی اسے خوب جانتا ہے کوئی شے اس سے مخفی نہیں۔

ف: معلوم ہوا کہ دُنیا و آخرت کی ہر شے اہل اللہ پر حرام ہے انھیں آخرت سے اگر کچھ محبّت ہے تو صرف اس لیے کہ وہاں دیدارِ الٰہی ہوگا۔ یا بایں معنی کہ اسے آخِر بکسر الخاء سے نسبت ہے اور آخر اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔

marfat.ocm

ف: بعض اہل اللہ فرماتے ہیں کہ انسان کو جو شے اللہ تعالیٰ سے غافل کر دے اسی کا نام دنیا ہے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ تعلقات کی رسّی تجرد ذات و صفات کے سرِ مخفی بجید ہ سے توڑ کر امرِ الٰہی میں تفکر کرے یوم جزا و مکافات کے آنے سے پہلے اپنا حساب صحیح کر لے کیونکہ آخر فنا ہے اور اس چند روزہ زندگی کو بقا نہیں، نہ کوئی رہا نہ رہے گا۔

حدیث شریف میں ہے: ما قال الناس لقوم طوبی لکم الا وقد خبأ لھم الدھر یوم سوء۔
(جس قوم نے دنیا میں عیاشی کی تو زمانہ نے اسے بُرے دن دکھائے)

کسی شاعر نے کہا، ؎

ان اللیالی لم تحسن الی احد
الا اساءت الیہ بعد احسان

ترجمہ: زمانہ جس کے ساتھ کچھ نیک سلوک کرتا ہے تو پھر اسی کی بُری طرح خبر لیتا ہے۔

کسی اور نے کہا: ؎ احسنت ظنك بالایام اذ حسنت
ولم تخف شر ما یأتی بہ القدر

ترجمہ: جب تیرے ساتھ زمانہ حسنِ سلوک کرتا ہے تو اس کی بھلائی سمجھتا ہے تو اس کی بُری تقدیر سے نہیں ڈرتا (کہ جب بُری تقدیر لاتا ہے تو ناکوں چنے چبوا دیتا ہے)

کسی اور شاعر نے فرمایا: ؎ لا صحۃ المرء فی الدنیا تؤخرہ
لا یقدم یوما موتہ الوجع

ترجمہ: نہ صحت و عافیت کسی کی عمر میں اضافہ کرتی ہے اور نہ ہی دکھ درد وقت سے پہلے مارتا ہے
واللّٰہ بکل شیٔ علیم اللہ تعالیٰ ہر ایک کی موت اختیاری و اضطراری اور اس کے لوٹنے اور دیگر جملہ امور کو سرًا و جہرًا جانتا ہے وہ شخص مبارکباد کا مستحق ہے جسے اس کا مشاہدہ نصیب ہوا اور جس نے ہر وقت اس کی حاضری کو مدِ نظر رکھ کر تمام زندگی خوف اور مراقبۂ موت پر بسر کی اور اسی پر اس کا خاتمہ ہوا۔

تفسیر سورۃ نور ۲ر رجب ۱۱۰۸ھ بروز ہفتہ ختم ہوئی۔ (اسمٰعیل حقی علیہ الرحمۃ)

فقیر اویسی غفرلہٗ اس کے ترجمہ سے بروز ہفتہ ۲ر رمضان
اور ۱۳۹۸ھ / ۷ر ستمبر ۱۹۷۸ء سوا تین بجے بعد نمازِ ظہر
فارغ ہوا۔

فللہ الحمد علیٰ ذٰلك وصلی اللہ علیٰ حبیبہ الاکرم
الف الف مرّۃ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ کذٰلك۔

سُوْرَةُ الْفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اٰيَاتُهَا ۷۷ رُكُوْعَاتُهَا ۶

سورۂ فرقان مکی ہے اسمیں اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ستتر آیات اور چھ رکوع ہیں

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ① الَّذِيْ

بڑی برکت والا ہے وہ کہ جس نے اتارا قرآن اپنے بندہ پر جو سارے جہاں کو ڈر سنانے والا ہو وہ جس کے

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ

لیے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اور اس نے نہ اختیار فرمایا بچہ اور اس کی سلطنت میں کوئی ساجھی نہیں

كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ② وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ

اس نے ہر چیز پیدا کر کے ٹھیک اندازہ پر رکھی اور لوگوں نے اس کے سوا اور خدا ٹھہرا لیے کہ وہ کچھ نہیں بناتے اور خود

يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً

پیدا کیے گئے ہیں اور خود اپنی جانوں کے برے بھلے کے مالک نہیں اور نہ مرنے کا اختیار نہ جینے کا نہ

وَّلَا نُشُوْرًا ③ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ

اٹھنے کا اور کافر بولے یہ تو نہیں مگر ایک بہتان جو انہوں نے بنا لیا ہے اور اس پر اور لوگوں نے انہیں مدد

قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ④ وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا

دی ہے بیشک وہ ظالم اور جھوٹ پر آئے اور بولے اگلوں کی کہانیاں ہیں جو انہوں نے لکھ لی ہیں تو وہ ان پر

فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ⑤ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ

صبح و شام پڑھی جاتی ہیں تم فرماؤ اسے تو اس نے اتارا ہے جو آسمانوں اور زمین کی چھپی بات

وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ⑥ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ

جانتا ہے بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے اور بولے اس رسول کو کیا ہوا کھانا کھاتا ہے اور بازاروں

وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ⑦

میں چلتا ہے کیوں نہ اتارا گیا ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کہ ان کے ساتھ ڈر سناتا

اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ؕ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ

یا غیب سے انہیں کوئی خزانہ مل جاتا یا ان کا کوئی باغ ہوتا جس میں سے کھاتے اور ظالم بولے تم تو پیروی

marfat.ocm

تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا۝ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا
نہیں کرتے مگر ایک ایسے مرد کی جس پر جادو ہوا اے محبوب دیکھو کیسی کہاوتیں تمہارے لیے بنا رہے ہیں تو گمراہ
يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا۝
ہوئے کہ اب کوئی راہ نہیں پاتے

۱
ع ۹
۱۶

تفسیر عالمانہ سورہ فرقان مکیہ ہے۔ جمہور کے نزدیک اس کی ستتر آیات ہیں۔
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ بہت بڑی خیر و برکت والی ہے وہ ذات۔ یہاں پر مضاف محذوف ہے دراصل عبارت تبارك خير الذي الخ تھی۔ تبارك بمعنے تکاثر ہے اور برکت بمعنے خیر کثیر۔ اور قرآن پاک کے نزول کو خیر و برکت اس لیے فرمایا کہ قرآن مجید میں دینی و دنیوی دونوں برکتیں ہیں۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات ہر شے سے زائد اور برکت والی ہیں وہ اس لیے کہ برکۃ تزاید کے معنے کو متضمن ہے اور اس کی ذات و صفات کا ہر شے سے زاید ہونا ہر شے سے بلند ہونے پر بھی دلالت کرتا ہے۔

حکایت مولانا فناری نے تفسیر الفاتحہ میں لکھا کہ صاحب بن عباد کو رقیم و تبارک و متاع کے لغوی معنیٰ میں تردد تھا۔ عرب کے متعدد قبائل میں سے تحقیق فرمائی لیکن اطمینان نہ ہوا۔ ایک دن کسی عورت سے سُنا کہ وہ اپنے بیٹے سے پُوچھ رہی تھی: این المتاع ؟ (متاع کہاں ہے؟) لڑکے نے جواب دیا،

جاء الرقيم واخذ المتاع وتبارك الجبل (کتا آیا اور وہ مال لے کر پہاڑ پر چڑھ گیا) اس وقت معلوم ہوا کہ الرقیم بمعنے کتا اور المتاع بمعنے وہ مال جسے پانی سے بھگو کر برتن صاف کیے جائیں۔ اور تبارک بمعنے صعد (اوپر کو چڑھا) ہے۔

حلِ لغات: بعض اہلِ لغت نے کہا:

البرکۃ بمعنے خیرِ الٰہی کا کسی شے میں ثابت ہونا۔ اور جہاں ہر وقت پانی ٹھہرا رہے اسے بھی برکۃ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ پانی ایک نعمت ہے اور وہ اس جگہ دائم و ثابت ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ تبارك بمعنے دام دواماً ثابتاً یعنی اس نے ایسا ثبات و دوام کیا کہ وہاں سے ہٹنے کا نام تک نہ لیا۔ اسی لیے اس کا استعمال صیغہ مضارع یعنی یتبارك سے نہیں آیا کیونکہ یہ مضارع میں انتقال (ہٹنے) کا معنیٰ ہوتا ہے۔

ف : برہان القرآن میں لکھا ہے کہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے مستعمل ہے اور وہ بھی محض صیغہ ماضی کے ساتھ۔ اور یہاں پر اسے اس لیے لایا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ اس کے مابعد جو مذکور ہوگا وہ عظیم الشان امر ہے۔ یعنی قرآن مجید ایسی عظیم الشان کتاب ہے جس میں جملہ کتبِ الٰہیہ کے علوم موجود ہیں۔

الفرقان مصدر ہے بمعنے فرق بین الشیئین یعنی فصل۔ اور قرآن مجید کو اس لیے فرقان کہا جاتا ہے کہ حق و باطل کے درمیان بہت زیادہ فرق واضح کرتا ہے اور اس سے مومن و کافر کی علامات کمل کر سامنے آجاتی ہیں۔

عَلٰی عَبْدِہٖ اپنے مخلص ترین عبد، اپنے خاص نبی، اپنے محبوب ترین، صفیہ الاولیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر۔

ف : حضور علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے عبد مطلق فرما کر تشریف و تکریم فرمائی۔ اور ظاہر فرمایا ہے کہ جملہ انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی علیہ السلام کو عبدِ مطلق نہیں کہا اور زکریا علیہ السلام کے لیے فرمایا عبدہ زکریا۔ تو اس میں ایسا اطلاق نہیں جیسا کہ یہاں ہے۔

ف : ثابت ہوا کہ ہر نبی عبدِ الٰہ ہوتا ہے۔ اس میں نصاریٰ کا رد ہے کہ وہ اپنے نبی علیہ السلام کی عبدیت کے منکر ہیں اسی لیے ہم اہلِ اسلام تشہد میں پڑھتے ہیں عبدہٗ و رسولہٗ۔ اور اس میں عبدہٗ کی تقدیم بھی اسی طرف اشارہ کرتی ہے۔

لِيَكُونَ لِلْعٰلَمِينَ نَذِيرًا ؕ یہ تنزیل کی غایت ہے یعنی تاکہ وہ رسول قرآن مجید کے ذریعے اپنے معاصرین اور آنے والے انس و جان کے منذر ہوں۔ یعنی انہیں عذابِ الٰہی اور غضبِ خدا سے ڈرائے۔ نذیر بمعنے منذر ہے۔ انذار ایسی خبر دینا جس میں خوف دلانا بھی ہو۔ ایسے ہی تبشیر۔ ایسی خبر دینا جو خوشخبری پر مشتمل ہو۔

امام راغب نے فرمایا کہ فلک کے جواہر و اعراض کو عالم کہتے ہیں۔ دراصل اس شے کو کہا جاتا ہے جس سے کسی دوسری شے کا علم ہو، جیسے خاتم وہ آلہ ہے جس سے کسی شے کو ختم کیا جائے۔ چونکہ وہ آلہ کی طرح ہے اس لیے یہ صیغہ اسم آلہ کے معنے میں استعمال ہوتا ہے۔ اور عالم کو اس نام سے اس لیے موسوم کرتے ہیں کہ یہ صانع حقیقی پر

marfat.ocm

دلالت کرتا ہے۔ اسے جمع اس لیے لایا گیا ہے کہ کائنات کا ہر نوع ایک مستقل عالم ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے :

عالمِ انسان، عالمِ ماء، عالمِ نار وغیرہ۔

اور چونکہ اس عالم میں انسان اشرف المخلوق ہے اس لیے جب کسی دوسرے غیر ذوی العقول کے کسی معاملہ میں شریک ہوتا ہے تو اس کی شرافت کے پیشِ نظر غیر ذوی العقول کے بجائے ذوی العقول کا صیغہ لایا جاتا ہے اسی لیے یہاں بھی صیغہ جمع سالم لایا گیا۔

ف : ابن الشیخ نے فرمایا کہ جمع سالم یعنی واؤ اور نون کے ساتھ اس صیغہ کو اس لیے لایا گیا تاکہ عقلاء کے جملہ افراد داخل ہوں وہ انسان ہوں یا جن، اگرچہ ملائکہ بھی اجناسِ عالم سے ہیں لیکن حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ و التسلیم رسالتِ عامہ میں شامل نہیں کیونکہ حضور علیہ السلام ملائکہ کے رسول نہیں۔ اس تقریر پر عالمین میں صرف جن و انس شامل ہیں اور آپ صرف انہی کے رسول ہیں اور بس [1]

اس تقریر پر آیت مذکور اور حدیث شریف :

ارسلت للخلق کافۃ۔

(میں تمام مخلوق کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں)

مخصوص عنہ البعض کے قبیل سے ہوں گے۔

قاعدہ : جملہ انبیاء علیہم السلام میں سے ہر ایک نبی علیہ السلام ایک مخصوص قوم کے لیے مبعوث ہوئے۔

سوال : یہ قاعدہ بایں معنیٰ غلط ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام روئے زمین پر رہنے والوں کے نبی تھے۔

جواب : مبعوث تو عام لوگوں کے لیے ہوئے لیکن آپ کی رسالت کا دائرہ محدود رہا۔ اس لیے آپ کی رسالت آپ کے بعد آنے والوں کے لیے نہیں تھی۔

سوال : حضرت سلیمان علیہ السلام کی نبوت بھی عام تھی پھر یہ قاعدہ غلط ہوا۔

جواب : اگرچہ جنات آپ کے تابع فرمان تھے لیکن بحیثیت نبوت نہیں بلکہ بحیثیت بادشاہت۔

مسئلہ : یہ آیت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے لیے حجۃ ہے وہ فرماتے ہیں کہ جنات کو اطاعت کا کوئی ثواب نہیں ملے گا سوائے اس کے کہ انھیں اطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ رسول کی برکت سے عذاب سے نجات نصیب ہو گی اور اگر وہ نافرمانی کریں گے تو سزا پائیں گے۔ اسی لیے صرف نذیرا للعٰلمین فرمایا ہے۔ اگر انھیں ثواب

---

[1] لیکن یہ صرف ابن الشیخ کا نظریہ ہے ورنہ جمہور اہلِ اسلام کا عقیدہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عالمِ کائنات کے ذرہ ذرہ کے رسول ہیں۔ تفصیل فقیر کی تفسیر اویسی میں دیکھئے۔ اویسی غفرلہٗ

ملتا تو اس کے ساتھ بشارت کا ذکر بھی ہوتا (جیسا کہ قرآن مجید کا طریقہ ہے)

مسئلہ : الارشاد میں ہے کہ بشارت کا ذکر اس لیے نہیں ہے کہ یہاں صرف کافروں کے احوال بیان ہوں گے۔ ان کے لیے بشارت نہیں ہوتی۔[1]

الَّذِیْ اللہ وہ ذات ہے لَہٗ جو بالذات و بالاستقلال صرف اسی کے لیے ہے بالاشتراک بالاستقلال اور کسی کے لیے نہیں مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور آسمانوں اور زمینوں کا ملک، اور ملک بمعنے جمہور میں امر و نہی کا تصرف۔ کاشفی نے لکھا کہ آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہی، اس لیے کہ انہیں صرف اسی نے پیدا فرمایا اس لیے ان میں صرف اسی کو تصرف لائق ہے۔

ربط : اس کے بعد نصارٰی کا رد فرمایا کہ :

وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا اس نے کوئی اولاد نہیں بنائی تاکہ اس کا کوئی وارث نہ ہو سکے اس لیے کہ وہ زندہ ہے اس پر موت نہیں اس کا عطف ماقبل کے جملہ ظرفیہ پر ہے۔

حل لغات : المفردات میں ہے کہ اتخذ بمعنے اخذ ہے اور اتخذ اسی کا باب افتعال ہے۔ الولد بمعنے المولود۔ اس کا واحد، جمع، صغیر کبیر، نر، مادہ میں مستعمل ہے۔

ربط : اس کے بعد قریش کا رد فرمایا کہ :

وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ اور آسمانوں اور زمینوں کے ملک میں اس کا کوئی شریک نہیں کہ اس کے ساتھ جھگڑا کرے یا ایجاد میں اس کی معاونت کرے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

۱ واحد اندر ملک او را یار نے
بندگانش را جز او سالار نے

۲ نیست خلقش را دگر کس مالکے
شرکتش دعوت کند جز ہالکے

---

[1] گویا امام ابو حنیفہ قدس سرہٗ کے استدلال کا رد کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن ان کا یہ رد کمزور ہے اس لیے کہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر کفار کا رد ہے۔ اس میں بھی اہل ایمان کا ذکر کر کے بشارت بیان کی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔ اویسی غفرلہٗ

ترجمہ: (۱) وہ شاہی کا واحد مالک ہے اس کا کوئی مددگار نہیں، اس کے بندوں کا کوئی سالار نہیں۔

(۲) اس کی مخلوق کا کوئی دوسرا مالک نہیں اگر کوئی اس کی شرکت کرے تو وہ تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ اس نے مواد مخصوصہ معینہ صورتوں میں جملہ موجودات کو پیدا فرمایا اور اس میں مختلفۃ الاحکام والآثار قوی وخواص مرتب فرمائے فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۝ پھر اس نے ہر شے کو پورے اندازے پر رکھا یعنی جیسے چاہا ہر شے کو تیار کیا اور ہر چیز کے خواص وافعال لائقہ ٹھیک ٹھیک بنائے۔ مثلاً انسان کی ہیئت کو دیکھیے کہ اس میں امورِ معاش ومعاد میں نظر وتدبر وادراک کا مادہ بنایا اسے مختلف صنائع کے استنباط کا طریقہ اور اعمالِ مختلفہ کو عمل میں لانے کی صلاحیت پیدا فرمائی۔ ایسے ہی دیگر انواع کا حال ہے۔ وَاتَّخَذُوْا اور مشرکین نے اپنے لیے مِنْ دُوْنِهٖٓ اللہ تعالیٰ کے ماسوا ٹھہرائے۔ من دونہ حال ہے ای حال کونہم الخ یعنی ان کا حال یہ ہے کہ انھوں نے کہ ان اشیاء کے خالق کی عبادت سے تجاوز کر کے ٹھہرائے اٰلِهَةً معبودانِ باطلہ جیسے بت وغیرہ لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وہ کسی شے کو پیدا نہیں کر سکتے یعنی اُن کے بُت کسی شے کے پیدا کرنے کی قدرت نہیں رکھتے اور نہ ہی کسی شے کو تباہ و برباد کر سکتے ہیں۔ انھیں کسی شے پر قدرت نہیں۔ کما فی تفسیر ابی اللیث

ازالۂ وہم: کفار چونکہ اپنے بُتوں کو ذوی العقول سمجھتے تھے ان کے خیال باطل کے مطابق ان کے بُتوں کے لیے ذوی العقول کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے[1]

وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ اور وہ دوسری مخلوق کی طرح پیدا کئے گئے ہیں وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ اور اپنے لیے بھی مالک نہیں۔ یعنی انھیں طاقت نہیں ہے ضَرًّا ضرر کے دفع کرنے کی۔ ضرر کو اس لیے مقدم کیا گیا ہے کہ یہ نفع سے اہم ہے وَّلَا نَفْعًا اور نہ نفع حاصل کرنے کی (ان میں طاقت ہے) جب وہ اپنے لیے نفع ونقصان کے مالک نہیں تو پھر دوسروں کو کیسے نفع ونقصان پہنچا سکتے ہیں۔ وہ تو جانوروں سے بھی عاجز تر ہیں کیونکہ جانور اپنے سے نقصان کو دفع اور نفع حاصل کر سکتا ہے وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ۝ اور نہ وہ زندوں کو مارنے کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ ہی مُردوں کو زندہ کرنے کی۔ اور نہ ہی ان میں

---

[1] اس سے وہابیوں نجدیوں دیوبندیوں کا وہم ملیامیٹ ہوا، وہ کہتے ہیں ان آیات سے بت مراد نہیں بلکہ اولیاء مراد ہیں اس لیے کہ بت تو جماد محض تھے ان کے لیے ذوی العقول کے صیغے کیوں۔ اویسی غفرلہ

قیامت میں مُردوں کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے کی طاقت ہے ۔ جس کی یہ حالت ہو وہ الوہیت کا استحقاق نہیں رکھتا کیونکہ اس میں الوہیت کے لوازم نہیں بلکہ وہ ان اوصاف سے موصوف ہے جو الوہیت کے منافی ہیں ۔ اس سے ثابت ہوا کہ اِلٰـہ وہ ہے جو قیامت میں مُردوں کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے کی قدرت رکھتا ہو اور اسے مکمل اختیار ہو کہ وہ جسے جس طرح چاہے جزا و سزا دے ۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ ضار ، نافع ، ممیت ، محی ، باعث صرف اللہ تعالیٰ ہے اور وہی معبودِ حقیقی ہے اس کے سوا کوئی بھی معبود نہیں ۔ بلکہ جملہ کائنات کا ہر فرد اس کا عبد ہے ۔ کما قال تعالیٰ:
ان کل من فی السمٰوٰت والارض الا اٰتی الرحمٰن عبدا ۔

تفسیر صوفیانہ

آیت سے ثابت ہوا کہ جھوٹے پیر اور مکار سجادہ نشین ہی درحقیقت اصنامِ باطلہ ہیں کیونکہ کسی بھی غافل دل کو بیدار کرنا نہیں آتا اور نہ ہی کسی نفسِ امارہ کو زیر کرنے کا طریقہ آتا ہے جو لوگ ایسے جھوٹے پیروں اور مکار سجادہ نشینوں کے مُرید ہوتے ہیں یا اُن کی اتباع کرتے ہیں بُت پرست دراصل یہی لوگ ہیں (بخلاف صحیح طریقہ کے مشایخِ عظام کے کہ وہ تو محبوبانِ خدا ہیں اور ان کے ساتھ تعلق مریدی تو بڑی شان ہے صرف منسوب ہونا بھی نجات کے لیے کافی ہے ۔ فافہم ولا تکن من الوھابیین[1]

سبق: عقلمند وہ ہے جو ایسے جھوٹے پیروں اور مکار سجادہ نشینوں سے دور رہتا ہے اس لیے کہ صوفیاءِ کرام کے نزدیک حقیقی موت یہی ہے کہ بندہ حقیقت سے ناآشنا ہو ۔ اور حقیقی حیاۃ علمِ دین ہے جس خوش بخت کو علم کے ذریعے خلقِ خدا کو فائدہ پہنچانے کا موقعہ ملا اور گمراہوں کو راہِ حق دکھانے کی توفیق نصیب ہوئی اور اندھوں کو جہالت کے گڑھے سے نکال کر معرفتِ الٰہی کا راستہ دکھانے کا موقعہ میسر ہوا اور غافلوں کے دل بیدار کر کے تجلیاتِ ربانیہ کی طرف لگائے تو سمجھو ایسے خوش نصیب نے انبیاء علیہم السلام کا کارنامہ سرانجام دیا ۔ اور یہ کارنامہ ان خوش بختوں کو نصیب ہوتا ہے جو انبیاء علیہم السلام کے سچے اور صحیح جانشین ہوتے ہیں ۔ انہیں سابق دور کی اصطلاح میں علمائے عاملین کہا جاتا ہے اور ہم (اہلسنت و جماعت) انہیں اولیاء اللہ اور پیرانِ طریقت اور مشایخِ کرام کے مقدس اسماء سے یاد کرتے ہیں ۔ لیکن افسوس ہمارے عوام بلکہ بعض مولویوں نے بعض جاہلوں اور بدعمل لوگوں کو ایسے القابات دے رکھے ہیں (اعاذنا اللہ تعالیٰ)[2] اور جو اس مرتبہ سے گرا تو اس کی ہر بات کا سننا ایسے ہوگا جیسے بنی اسرائیل نے بچھڑے کی آواز کو آوازِ حق سمجھ رکھا تھا ۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ [2] ایضاً

سبق : جب پیر فقیر کو مندرجہ بالا طریقہ میسر نہ ہو اس مکار، فریبی سے دُور بھاگئے ۔ اس کا مکر و فریب ویسے ہے جیسے بنی اسرائیل کے بچھڑے سے آواز سنائی دیتی تھی ۔

حضرت عارف جامی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

بلاف ناخلفاں زمانہ غرہ مشو
مرد چو سامری ازرہ ببانگ گوسالہ

ترجمہ : زمانہ کے مکاروں کی باتوں سے دھوکا نہ کھانا اور نہ ہی ان کی راہ پہ چلنا، ان کی آواز سامری کے بچھڑے کی آواز کی طرح ہے ۔

سبق : اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

کونوا مع الصادقین ۔

(منجملہ صادقین سے ہو جاؤ)

یعنی ان کی صحبت اختیار کرو تاکہ تمہیں بھی ان کی طرح صادق کہا جائے ۔ اسی لیے مشایخ طریقت نے فرمایا کہ انسان پر لازم ہے کہ اس شخص کی صحبت اختیار کرے جو دینی لحاظ سے احسن ہو یہاں تک کہ اس کی صحبت سے اسے صادقین کی جماعت میں شامل ہونا نصیب ہو ۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نصیحت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پُوچھا گیا کہ ہم کن لوگوں کی صحبت اختیار کریں ۔ آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں کی صحبت میں بیٹھو جن کی گفتگو سے تمہارے علم میں اضافہ اور ان کی زیارت سے بھی یادِ الٰہی اور آخرت کی ترغیب حاصل ہو ۔

حضرت صائب قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

نورے از پیشانیٔ صاحب دلاں دریوزہ کن
شمع خود رامی بری دل مردہ زیں محفل چرا
اے کہ رُوئے عالمے را جانب خود کردۂ
رونمی آری بروئے صائب بیدل چرا

ترجمہ : اہلِ دل لوگوں کی پیشانی کے نور سے کچھ مانگ اپنی شمع ان سے روشن کر، مردہ ہو کر یہاں سے نہ جا ۔ اے برادر ! تمام عالم کو تُو نے اپنی طرف متوجہ کر لیا تو خود بھی تو اپنے دل کا منہ کسی اہلِ دل کی طرف کر دے ۔

اے اللہ ! فرقان کے صدقے ہمیں صادقین کی جماعت کی صحبت فرما ۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اور کافروں نے کہا۔ ان سے نضر بن حارث، عبداللہ بن امیہ، نوفل بن خویلد اور ان کے ساتھی مراد ہیں۔ اِنْ هٰذَآ نہیں یہ قرآن اِلَّآ اِفْكُۨ مگر جھوٹ محض جو اصلی حقیقت سے کوسوں دُور ہے۔ افك وہ بات جو حقیقت کے خلاف بیان کی جائے یعنی بناوٹی۔ اس لیے وہ ہوائیں جو خلافِ موقعہ اپنا رُخ بدل لیں انھیں المؤتفکات کہا جاتا ہے۔ ایسے ہی وہ مرد جو حق سے منہ موڑ کر باطل کی طرف متوجہ ہوا سے رجل مافوك کہتے ہیں۔ افْتَرٰىهُ اسے (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی طرف سے گھڑا ہے۔

افترآ و کذب میں فرق

افترآ اس جھوٹ کو کہا جاتا ہے جو انسان خود گھڑ کر بیان کرے اور کذب عام ہے، اپنا گھڑا ہوا کلام بیان کرے یا کسی دُوسرے کا نقل کر کے۔ کما فی الاسئلۃ المقحمہ۔

وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ اور کلام کے گھڑنے پر مدد کی ہے قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ دُوسرے لوگوں نے۔ اس سے یہود مراد ہیں۔ یعنی یہود (حضرت) محمد (مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم) کو اُمم سابقہ کی خبریں لا کر سناتے ہیں۔ پھر یہ ترمیم و اضافہ اور معمولی سا ردو بدل کر کے قرآن بنا لیتے ہیں فَقَدْ جَآءُوْ بیشک مذکورہ بات کہہ کر انھوں نے کیا ہے۔

قاعدہ : فعل جاء و اتی کبھی فَعَلَ کے معنے میں بھی آتا ہے۔ جیسے یہاں پہ جاءوا بمعنے فعلوا ہے۔ اس معنے پر یہ دونوں فعل متعدی ہوتے ہیں۔

ظُلْمًا کلام معجز کو یہود کی طرف سے اعانت کے طور گھڑا ہوا کلام کہہ کر بہت بڑے ظلم کا ارتکاب کیا کیونکہ انہوں نے افك کو غیر محل میں استعمال کیا ہے۔ وَّزُوْرًا بمعنے بہت بڑا جھوٹ۔ اور ظاہر ہے کہ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر افک کا بہتان باندھ کر بہت بڑے جھوٹ کا ارتکاب کیا اس لیے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم افک سے منزہ تھے۔

امام راغب نے فرمایا کہ کذب کو زُور اس لیے کہا جاتا ہے کہ وُہ اپنی اصلی جہت (صدق) سے ہٹ گیا ہے کیونکہ اصل میں زور کا معنیٰ ہے سینے کے وسط کا ہٹ جانا ازور وہ انسان جس کا سینہ وسط سے ہٹا ہوا ہو۔

وَقَالُوْٓا اور انہوں نے اس قرآن مجید کے بارے میں کہا کہ یہ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ پہلے لوگوں کے من گھڑت افسانے ہیں۔ اساطیر وہ خرافات اور جھوٹے افسانے جنھیں گزشتہ قوموں نے گھڑا۔ جیسے اسفندیار و رستم کے جھوٹے قصّے۔ یعنی یہ قرآن ان پُرانے افسانوں کا مجموعہ ہے جنھیں گزشتہ قوموں نے اپنے ہاں لکھ رکھا تھا۔

marfat.ocm

حل لغات اساطیرُ اسطار کی اور یہ سطر کی جمع ہے۔ یا اساطیر بروزن احادیث۔ اسطورہ بروزن احدوثہ کی جمع ہے۔

القاموس میں ہے کہ السطر بمعنے کسی شے کی صف۔ کتاب ہو یا درخت یا شے دیگر۔ اور بمعنے الخط والکتابۃ والقطع بالسیف ہے۔ اسی لیے قصاب کو ساطر کہا جاتا ہے کیونکہ وہ گوشت کو چھری سے کاٹتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے، اسطرہ بمعنے کتبۃ ہے۔ اور اساطیر وہ باتیں جن کا سر ہو نہ منہ۔

اکْتَتَبَهَا انھیں اس نے لکھنے کا حکم فرمایا۔ خود لکھنے کے بجائے دُوسرے کو حکم فرمانے کا معنیٰ ہم نے اس لیے کیا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم خود نہیں لکھتے تھے کیونکہ آپ اُمّی تھے (اکتتب بروزن احتجم افتصد۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب اسی کام کا دوسروں کو حکم دیا جائے۔

المفردات میں ہے کہ الاکتتاب، الاختلاق (گھڑنا) کے معنیٰ میں مشہور ہے۔

فَهِیَ تُمْلٰی عَلَیْهِ تو من گھڑت افسانے جوڑ بنا کر حضور علیہ السلام کے سامنے پڑھے جاتے ہیں تاکہ آپ انہیں پُورے طور یاد کر سکیں کیونکہ خود تو اُمّی تھے لکھتے نہیں تھے اس لیے دوسروں کے لکھے ہوئے کو سُن کر یاد کر کے قرآن مجید تیار کر سکیں۔ الاملاء بمعنے القاء الکلام علی الغیر لیکتبہ (دوسرے کو بات بتانا تاکہ وہ اسے لکھ لے) **بُکْرَةً وَّاَصِیْلًا ۝** بکرۃ دن کے پہلے حصّے کو اور اصیلا اس کے آخری حصے کو کہا جاتا ہے۔ اس سے ہر وقت مراد ہے یا بکرۃ سے صبح کا وہ وقت مراد ہے جب لوگ خواب سے بیدار ہو کر منتشر نہیں ہوتے اور اصیلا سے وہ وقت مراد ہے جب لوگ کاروبار سے فراغت پا کر گھروں کو لوٹتے ہیں۔

قاعدۂ علمِ میقات خزام السقط میں ہے کہ دن کے پہلے وقت کا نام فجر، اس کے بعد صباح، اس کے بعد غداۃ، اس کے بعد بُکرۃ، اس کے بعد ضُحیٰ، اس کے بعد ضحوۃ، اس کے بعد ھجیرۃ، اس کے بعد ظہر، اس کے بعد رواح، اس کے بعد مساء، اس کے بعد عصر، اس کے بعد اصیل، اس کے بعد عشاء اولیٰ، اس کے بعد عشاء آخرہ اس کا وقت شفق کے غائب ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے۔

قُلْ اے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم! کافروں کی تردید اور حق کی تحقیق میں فرمایئے **اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ** اسے اس ذات نے نازل فرمایا ہے جو غیب کو جانتی ہے **فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** جو کہ آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ کی اس صفت کو یہاں پر لانے کی خصوصیت یہ ہے کہ کفارِ مکہ باوجودیکہ فصاحت و بلاغت

میں مشہور تھے لیکن قرآن مجید کی آیات کی فصاحت و بلاغت کے سامنے ہتھیار ڈال دیے اور پھر اس میں آنے والے مغیبات اور ان پوشیدہ امور کا ذکر ہے جنہیں سوائے غیب دان رب تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا تھا۔ جب وہ قرآن مجید اس کیفیت کا مالک ہے تو پھر اسے اساطیر الاولین کہنے والا احمق ہی ہوگا۔

اِنَّہٗ کَانَ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا۝ بے شک اللہ تعالیٰ ازلاً ابداً دائماً وسیع المغفرۃ والرحمۃ ہے اسی لیے وہ باوجودیکہ تمہیں تباہ و برباد کرنے پر قدرت رکھتا ہے لیکن تمہارے غلط اقوال کی وجہ سے تمہاری سزا و عذاب میں جلدی نہیں کرتا۔ اگرچہ تم اس لائق ہو کر تمہیں جلد تر عذاب میں مبتلا کیا جائے۔

ف : آیت سے ثابت ہوا کہ وہ گمراہ قوم جس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان تراشا کہ آپ نے قرآن مجید اپنی جانب سے گھڑا ہے اگر وہ توبہ کرکے بارگاہِ حق میں گڑگڑاتے تو اللہ تعالیٰ انہیں ضرور بخش دیتا اور ان پر بے پایاں رحمت نازل فرماتا۔ کما قال تعالیٰ :

وانی لغفار لمن تاب۔

(جو میرے ہاں تائب ہوکر آئے میں اسے بخش دیتا ہوں)

ع در توبہ بازست و حق دستگیر

ترجمہ : توبہ کا دروازہ کھلا ہے اور اللہ تعالیٰ بندے کی دستگیری فرماتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی مصلحتوں کی رعایت رکھتے ہوئے اپنی حکمت ازلیہ کے موافق قرآن مجید کو اتارا تاکہ اس سے حضرت الٰہیہ کی طرف اہلِ سعادت ہدایت پائیں اور اہلِ شقاوت گمراہ ہوکر اسے افک کی طرف منسوب کریں۔ کما قال :

واذ لم یھتدوا بہ فسیقولون ھذا افک قدیم۔

(جب وہ اس سے ہدایت نہیں پاتے تو کہیں گے یہ تو پرانا افسانہ ہے)

اور قرآن مجید کا ادراک نورِ ایمان سے ہی ہوسکتا ہے۔ اور کفر ظلمت ہے اور ظلمت سے ظلمت ہی نظر آتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ کفار نے قرآن مجید کو کلام انسانی جیسا ظلمانی کلام سمجھا حالانکہ یہ نورانی اور قدیم اور کلامِ ربانی ہے۔ ایسے اہلِ بدعت (جیسے معتزلہ و کذالک الشیعہ) نے جب ظلمت بدعت سے قرآن مجید کو حدوث کی ظلمت مخلوق اور ظلمانی کلام دیکھا اور کلامِ الٰہی کو انسان کا کلام کہہ کر انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
القرآن کلام اللہ تعالیٰ غیر مخلوق فمن قال بکونہ مخلوقاً فقد کفر بالذی انزلہ۔ (قرآن مجید کلامِ الٰہی ہے غیر مخلوق ہے جو شخص قرآن مجید کو مخلوق کہے وہ کافر ہے اس لیے

marfat.ocm

کہ اس نے نصِ صریح کے خلاف کہا)

ہم سب کو اللہ تعالیٰ الحاد اور سُوءِ اعتقاد سے محفوظ فرمائے۔ (آمین)

ف : جُہلاء کی تعلیم اور ملاحدہ و مبتدعہ یعنی بدمذاہب کا رد واجب ہے اسے یُوں سمجھو جیسے زخم پر مرہم رکھی جائے یا جیسے باغی کو قتل کیا جائے اور بدمذاہب کو ایسے طریقہ سے دندان شکن جوابات دئے جائیں جو شریعت و طریقت کے خلاف نہ ہوں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ وہ کافروں کے غلط خیالات کا رد فرمائیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی کسی بدمذہب نے قرآن مجید اور اسلام پر طعن و تشنیع کی تو اسلاف صالحین نے بڑے مدلل و محقق جوابات لکھے۔ مثلاً جب معتزلہ نے کہا کہ قرآن مجید کو حادث اور مخلوق کہا تو علماء (اہلسنت) نے خوب خوب تردید کی ایسے ہی ہر زمانے میں مخالفینِ اسلام کا ہمارے علماء کرام نے رد فرمایا (جیسے دورِ حاضرہ کے مخالفینِ اسلام (مرزائی، وہابی، نجدی) کو ہمارے علماءِ کرام نے مسکت جوابات لکھے یہاں تک کہ انہیں منہ کھولنے کی جرأت نہ ہوئی)[1]

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من انتهر" ای منع "بکلام غلیظ صاحب بدعة سیئة ماھو علیه من سؤ الاعتقاد والفحش من القول والعمل ملأ الله تعالیٰ قلبه امنا وایمانا ومن اهان صاحب بدعة أمنه الله تعالیٰ یوم القیامة من الفزع الاکبر"۔

(اہلِ بدعت یعنی بدمذاہب کو بدعقیدگی سے زجر و توبیخ کے طور رو کے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو امن و ایمان سے بھر دے گا جو صاحبِ بدعت یعنی بدمذہب کو ذلیل و خوار کرے اسے اللہ تعالیٰ قیامت کی بہت بڑی گھبراہٹ سے امان عطا فرمائے گا)

ف : الفزع الاکبر سے نفخۂ اخیرہ کہ جس سے قیامت میں مخلوق کو سخت گھبراہٹ ہوگی، مراد ہے۔ یا وہ وقت مراد ہے جب کفار کو جہنم کی طرف لے جایا جائے گا۔ یا وہ وقت مراد ہے جب کفار کو جہنم کے طبقات میں ڈال کر اوپر سے دوزخ کو بند کیا جائے گا۔ یا وہ وقت مراد ہے جب موت کو ذبح کیا جائے گا۔

ف : بدمذہب سے جتنی بے مروّتی بلکہ جتنی زیادہ بے حُرمتی اور بے عزّتی کی جاتی ہے انسان کو اتنی ہی قدر و منزلت اور امن و سلامتی و عافیت عطا ہوتی ہے اور جس بدمذہب کی بے عزتی کی جائے گی اس کی جانب کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ جیسا کہ اوپر ارشادِ قرآنی مذکور ہُوا۔ (فقیر اویسی غفرلہٗ نے اس نسخہ کو بہاولپور

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

پہنچنے پر آزمایا۔ لیکن افسوس کہ صلحکلیوں نے اسلام دشمنوں کو بجائے سرزنش و ملامت کے گود میں بٹھایا جس کی وجہ سے خود بھی ذلت کا سامنا کیا اور اسلام کو بھی شدید ترین نقصان پہنچایا۔ قیامت میں اسلام دشمنوں سے کچھ زاید صلحکلیوں سے اس جرم کی سزا ملے گی[1]

ہم اللہ تعالیٰ سے امن و امان اور کامل ایمان اور اوامر کی پابندی اور مواعظ پر کاربند رہنے اور نواہی سے بچنے کا سوال کرتے ہیں۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ

وَقَالُوْا اور قریشِ مکہ کے بڑے لیڈروں یعنی ابوجہل اور عتبہ و امیّہ و عاص وغیرہم نے اس وقت کہا جب کعبہ معظمہ میں جمع ہوئے مَا استفہامیہ بمعنے انکار الوقوع کے ہے اور مبتدا ہے اس کی خبر لِ هٰذَا الرَّسُوْلِ ہے۔ مصحف میں لام هٰذا الرسول سے علیحدہ لکھی ملی ہے اور مصحف کی اتباع سنت ہے۔ اس رسول کو کیا ہو گیا ہے۔ یہ حضور علیہ السلام کی تحقیر کے ارادہ پر کہا تھا اور آپ کو رسول بھی بطورِ استہزاء کہا گیا۔ یعنی کون سا سبب ہے اس شخص کو جو رسالت کا دعویٰ کرتا ہے۔ پھر اس کا حال یہ ہے کہ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وہ ہماری طرح کھاتا ہے۔ اور طعام اس شے کو کہا جاتا ہے جو غذا پر مشتمل ہو وَيَمْشِىْ فِى الْاَسْوَاقِ اور وہ ہماری طرح طلبِ معاش کے لیے بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اسواق 'سوق' کی جمع ہے ہر وہ جگہ جہاں فروخت کے لیے شے کو لایا جائے۔ کفار کو انکار تھا کہ رسول بشر کی صفات سے موصوف ہو۔ خلاصہ یہ کہ کفار کا عقیدہ تھا کہ نبی علیہ السلام اپنے دعوئ نبوت میں سچے نہیں۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ نبی وہ ہو جو کھائے نہ پیئے۔ بعض نے کہا کہ کفار کا خیال تھا کہ نبی بادشاہ ہو یا فرشتہ، اس لیے کہ فرشتے کھاتے پیتے نہیں۔ اور بادشاہ بازار میں خرید و فروخت کے لیے نہیں آتے۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ رسول علیہ السلام کھاتے پیتے اور بازار میں خرید و فروخت کرتے ہیں تو متعجب ہوئے کہ رسول ہماری مثل ہے فلہٰذا یہ رسول نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ رسول کو ہم سے فطرت اور اوصاف میں ممتاز ہونا چاہیے کیونکہ جیسے رسالت ایک اعلیٰ و اجل مرتبہ ہے ایسے ہی صاحبِ رسالت کو بھی اعلیٰ و اجل ہونا ضروری ہے۔ لیکن چونکہ وہ بصیرت سے بھی کورے تھے اور محسوسات پر ان کی نگاہ کی بھی کمی تھی ورنہ ظاہر ہے کہ رسلِ کرام علیہم السلام ظاہری امورِ جسمانیہ سے دوسروں سے ممتاز نہیں تھے بلکہ وہ دوسروں سے اگر ممتاز تھے تو احوالِ نفسانیہ کے لحاظ سے۔ اس لیے کہ بشریت تو صرف صورت کی حامل ہے اور صورت قلب کی سواری ہے اور قلب عقل کی، اور عقل روح کی، اور روح معرفت کی، اور معرفت ایک قدسی قوت ہے جو عین حق کشف سے صادر ہوتی ہے۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

ف : کاشفی نے لکھا کہ انہیں معلوم نہ تھا کہ نبوت بشریت کے منافی نہیں بلکہ نبوت و رسالت کا حقیقی مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ وہ بشریت کے لباس میں ہو تاکہ تناسب و تجانس کی وجہ سے افادہ و استفادہ میں آسانی ہو۔ ع

جنس باید تا آمیزد بہم
(ہم جنس ہو تاکہ ایک دوسرے سے مل کر رہیں)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ کافر بہرے گونگے اور اندھے ہیں اسی لیے وہ کچھ نہیں سمجھتے، اس لیے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حواس حیوانیہ کی نظر سے دیکھا۔ وہ حواسِ روحانیہ ربانیہ سے کوسوں دور تھے۔ انہوں نے وہی دیکھا جیسے عام حیوان کو دیکھا جاتا ہے لیکن ان کے پاس وہ نگاہ نہ تھی جس سے نبوت و رسالت کو دیکھا جاتا ہے اگر وہ اسی نگاہ سے دیکھتے تو یقیناً انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کا علم ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین۔ (نہیں ہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں کسی کے باپ لیکن وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں) اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے فرمایا: وتراھم ینظرون الیک وھم لا یبصرون (اور تو انہیں دیکھ رہا ہے کہ وہ تیری طرف دیکھ رہے ہیں لیکن دیکھ نہیں سکتے)

وہ غریب بھی مجبور تھے کیونکہ ان کے قلوب تو تھے لیکن ان میں نبوت و رسالت کو سمجھنے کا مادہ نہ تھا اور ان کی آنکھیں تو تھیں لیکن وہ ان سے رسول و نبی علیہ السلام کو نہیں دیکھ سکتے تھے، ان کے کان تو تھے لیکن ان سے قرآن مجید نہیں سن سکتے تھے جب علم کے جملہ آلات کی جان ان کے ہاں نہیں تھی تو پھر انہیں کیا معلوم کہ رسول علیہ السلام کون ہیں اور ان کے کمالات و معجزات کیسے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

تفسیر عالمانہ لَوْلَآ یہ حرف تحضیض بمعنے ھلا یعنی کیوں نہیں اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَلَكٌ نازل کیا جاتا فرشتہ، یعنی ان کے ہاں فرشتہ ایسی ہیئت و صورت میں حاضر ہو جو جن و بشر کی ہیئت و صورت سے مختلف ہو فَیَكُوْنَ منصوب ہے اس لیے کہ لولا کا جواب ہے مَعَهٗ ضمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے نَذِیْرًا تو ہو وہ فرشتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفار کے ڈرانے پر معاون۔ پھر ہمیں بھی اس کی تصدیق سے علم ہوگا کہ واقعی یہ رسول ہیں اَوْ یُلْقٰٓی اِلَیْهِ كَنْزٌ یا اس کی طرف آسمان سے مال و خزانہ نازل ہو جس سے وہ رسول دولتمند ہو کر معاش سے بے فکر ہو جائے۔

ف : کنز بمعنے مال مکنوز یعنی جمع کردہ اور محفوظ مال کو کنز کہا جاتا ہے جیسے فارسی میں گنج کہا جاتا ہے اور عام مشہور خزانہ ہے۔

اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ یَّاْكُلُ مِنْهَا ط اگر انہیں خزانہ نہیں ملتا تو کم از کم اتنا تو ہو کہ اس کے

پاس کوئی باغ ہو جس سے اپنی معاش صحیح رکھ سکے، جیسے دولتمندوں اور سرمایہ داروں کے ہاں باغات ہوتے ہیں۔ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اس سے وہ کافر مذکور ہیں جو اوپر مذکور ہوئے۔ اور مضمر کے بجائے مظہر لایا گیا تاکہ ان کے ظلم کی مہر ثبت ہو اور اپنے قول میں حد سے متجاوز ہوئے اسی لیے انھیں ظالمین کہا۔ اور وہ یہ کہ خود تو گمراہ تھے اب اہلِ ایمان کو گمراہ کرنے کے ارادے پر کہا اِنْ تَتَّبِعُوْنَ تم اتباع نہیں کر رہے اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ مگر ایسے مرد کی جس کی عقل پر جادو کا غلبہ ہے۔

ف : بعض اہلِ حقائق نے فرمایا کہ اُنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حال کو اپنے اوپر قیاس کیا۔ اسی لیے اپنے قبیح حال کو ان کی طرف منسوب کیا۔ سحر (جادو) سحر (صبح کی روشنی) سے مشتق ہے جیسے سحر کی حالت ہوتی ہے کہ وہ روشنی اور تاریکی سے مختلط ہوتی ہے ایسے ہی جادو حق و باطل سے مختلط ہوتا ہے مسحور کے متعلق خیال کیا جاتا ہے اس نے کام کیا ہے حالانکہ اس نے وہ فعل نہیں کیا اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ دیکھئے آپ کے لیے کیسی عجیب و غریب مثالیں بیان کیں۔ یعنی آپ کے حق میں ایسے اقوال بیان کرتے ہیں جو عقلی لحاظ سے بھی بعید ہے اور آپ کے لیے ایسے احوال گھڑ لیے جو واقعہ سے کوسوں دور ہیں وہ صرف اس لیے کہ وہ آپ کی حقیقتِ حال سے بے خبر اور آپ کے جمال جہان آرا سے غافل ہیں۔

ف : بعض مفسرین نے کہا کہ کفار نے آپ کو مسحور اور فقیر سے مماثلت دی کہ جیسے مسحور نبوت و رسالت کا اہل نہیں ایسے ہی آپ۔ اور جیسے فقیر ناقص ہوتا ہے کہ وہ اپنے امورِ معاش کو سرانجام نہیں دے سکتا ایسے ہی آپ (معاذ اللہ)۔ اسی لیے ان کا مطالبہ تھا کہ آپ کے ساتھ کوئی اور معاون ہو جو نبوت و رسالت کے امور سرانجام دے سکے۔

فَضَلُّوْا پس وہ کھلم کھلا حق سے بہک گئے۔ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝ اسی لیے وہ سیدھے راستے پہ نہیں چل سکتے بلکہ گمراہی کی وجہ سے راہِ حق سے کوسوں دور چل رہے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

بعض اکابر نے فرمایا :
یہ بدبخت نبوت و رسالت پر طعن و تشنیع کر کے استعداد ازلی کھو بیٹھے، اسی لیے وہ وصول الی اللہ سے محروم ہو گئے۔

marfat.ocm

تَبٰرَكَ الَّذِیْۤ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَیْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ
بڑی برکت والا ہے وہ کہ اگر چاہے تو تمہارے لیے بہت بہتر اس سے کر دے
تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَ یَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ﴿۱۰﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۫ وَ اَعْتَدْنَا
جنتیں جن کے نیچے نہریں بہیں اور کرے گا تمہارے لیے اونچے اونچے محل بلکہ یہ تو قیامت کو جھٹلاتے ہیں اور جو قیامت
لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِیْرًا ﴿۱۱﴾ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَیُّظًا
کو جھٹلائے ہم نے اس کے لیے تیار کر رکھی ہے بھڑکتی ہوئی آگ جب وہ انہیں دور جگہ سے دیکھے گی تو سنیں گے اس کا جوش
وَّ زَفِیْرًا ﴿۱۲﴾ وَ اِذَاۤ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَیِّقًا مُّقَرَّنِیْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿۱۳﴾ لَا
مارنا اور چنگھاڑنا اور جب اس کی کسی تنگ جگہ میں ڈالے جائیں گے زنجیروں میں جکڑے ہوئے تو وہاں موت مانگیں گے فرمایا
تَدْعُوا الْیَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّ ادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِیْرًا ﴿۱۴﴾ قُلْ اَذٰلِكَ خَیْرٌ اَمْ جَنَّةُ
جائے گا آج ایک موت نہ مانگو اور بہت سی موتیں مانگو تم فرماؤ کیا یہ بھلا یا وہ ہمیشگی کے باغ
الْخُلْدِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّ مَصِیْرًا ﴿۱۵﴾ لَهُمْ فِیْهَا مَا یَشَآءُوْنَ
جس کا وعدہ ڈر والوں کو ہے وہ ان کا صلہ اور انجام ہے ان کے لیے وہاں من مانی مرادیں
خٰلِدِیْنَ ؕ كَانَ عَلٰی رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ﴿۱۶﴾ وَ یَوْمَ یَحْشُرُهُمْ وَ مَا یَعْبُدُوْنَ مِنْ
ہیں جن میں ہمیشہ رہیں گے تمہارے رب کے ذمہ وعدہ ہے مانگا ہوا اور جس دن اکٹھا کرے گا انہیں اور جن کو اللہ کے سوا
دُوْنِ اللّٰهِ فَیَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِیْ هٰۤؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِیْلَ ﴿۱۷﴾ قَالُوْا
پوجتے ہیں پھر ان معبودوں سے فرمائے گا کیا تم نے گمراہ کر دیئے یہ میرے بندے یا یہ خود ہی راہ بھولے وہ عرض کریں گے پاکی ہے
سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ یَنْۢبَغِیْ لَنَاۤ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِیَآءَ وَ لٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ
تجھ کو ہمیں سزاوار نہ تھا کہ تیرے سوا کسی اور کو مولیٰ بنائیں لیکن تو نے انہیں اور ان کے باپ دادوں
وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰی نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَ كَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۸﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا
کو برتنے دیا یہاں تک کہ وہ تیری یاد بھول گئے اور یہ لوگ تھے ہی ہلاک ہونے والے تو اب معبودوں نے تمہاری بات
تَسْتَطِیْعُوْنَ صَرْفًا وَّ لَا نَصْرًا ۚ وَ مَنْ یَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِیْرًا ﴿۱۹﴾ وَ مَاۤ
جھٹلادی تو اب تم نہ عذاب پھیر سکو نہ اپنی مدد کر سکو اور تم میں جو ظالم ہے ہم اسے بڑا عذاب چکھائیں گے اور ہم نے
اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّاۤ اِنَّهُمْ لَیَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ یَمْشُوْنَ فِی
تم سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب ایسے ہی تھے کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے
الْاَسْوَاقِ ؕ وَ جَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ؕ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَ كَانَ رَبُّكَ بَصِیْرًا ﴿۲۰﴾
اور ہم نے تم میں ایک کو دوسرے کی جانچ کیا ہے اور اے لوگو کیا تم صبر کرو گے اور اے محبوب تمہارا رب دیکھتا ہے

تفسیر عالمانہ تَبٰرَكَ الَّذِیْٓ خیر و برکت والی ہے وہ ذات اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ اگر چاہے تو آپ کے لیے دُنیا میں کر دے۔ لیکن وُہ چاہتا ہے کہ یہ تمام چیزیں آپ کو آخرت میں عطا فرمائے خَیْرًا مِّنْ ذٰلِكَ اس سے بھی بہتر و برتر جو وہ کہتے ہیں کہ ان کے ہاں خزانے ہوں یا باغات۔ لیکن یہ چیزیں میں نے آپ کی آخرت کے لیے چھوڑ رکھی ہیں اور آخرت دُنیا سے بہتر و برتر اور دائمی بقا والی ہے۔

حدیثِ لولاک دوبارہ تبٰرك اس لیے لایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کے لیے بہت بڑی عظمت الاخطاب بیان فرمایا ہے یعنی اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب کی عظمت کی وجہ سے تبٰرك کا اعادہ فرمایا اور آپ کے خطاب کی عظمت کا اندازہ ذیل کی حدیثِ قدسی سے لگائیے کما قال تعالیٰ:

لولاك یا محمد ما خلقت الکائنات۔[1] اے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ نہ ہوتے تو میں کائنات کو پیدا نہ فرماتا۔ (کذا فی برھان القرآن)

جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وہ باغات کہ جن کے نیچے نہریں چلتی ہوں۔ یہ خیرًا سے بدل ہے جو کچھ انہوں نے کہا ان کے بالمقابل اپنے حبیب علیہ السلام کو جو کچھ دیا جائے گا اس کی بہتری و برتری کی تحقیق مطلوب ہے کیونکہ انہوں نے صرف ایک باغ کہا اور یہاں باغات' اور وہ بھی ایسے جن کے نیچے نہریں چلتی ہوں گی وَیَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا اور چاہے تو آپ کے لیے دنیا میں ایسے مکانات بنا دے جو نہایت مضبوط، اونچے اور رفیع الشان ہوں۔

حلِ لغات: امام راغب نے فرمایا کہ اہلِ عرب کہتے ہیں:

قصرت کذا بمعنے ضممت۔ بعضہ الی بعض۔ اسی لیے القصر ہے بمعنے میں نے شے کے بعض کو بعض سے ملایا اسی لیے القصر سے مشتق ہے اس کا عطف محل جزا پر ہے یعنی جعل پر۔

الفقر فخری حضور نبی اکرم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے رب تعالیٰ نے میرے سامنے بطحائے مکہ رکھ کر فرمایا کہ چاہو تو یہ سب آپ کے لیے سونے کے بنا دیے جائیں۔ میں نے عرض کی، نہیں اے میرے پروردگار! میں تو چاہتا ہوں کہ میں ایک دن بھوکا رہوں اور ایک دن سیر ہو کر کھاؤں۔ جس دن بھوکا

---

[1] **ردِ وہابیہ** حدیثِ لولاک کو وہابی دیوبندی مودودی و جملہ نجدی فرقے موضوع اور نہایت غلط انداز میں اسے ٹھکراتے ہیں حالانکہ یہ حدیث معناً صحیح ہے۔ اس کی تحقیق فقیر کی تفسیر اویسی میں دیکھیے۔ اور فقیر کا رسالہ شرح حدیث لولاک پڑھیے۔ اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

رہوں اُس دن تیرے سامنے گڑگڑاؤں اور دُعائیں مانگوں اور جس دن سیر ہو کر رہوں اس دن تیری حمد و ثنا بیان کروں۔

1 **ردِ وہابیہ** (حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار کی نفی میں وہابی لوگ کہا کرتے ہیں کہ اگر نبی علیہ السلام کو اختیار ہوتا تو وہ پیٹ پر پتھر کیوں باندھتے اور اپنی معاش میں تنگ کیوں رہتے۔ انھیں مذکورہ بالا حدیث کو ٹھنڈے دل سے پڑھنا چاہیے اور ماننا چاہیے کہ آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیٹ مبارک پر پتھر باندھنا یا معاش میں تنگ رہنا اپنے اختیار سے تھا ورنہ اگر آپ چاہتے تو بطحائے مکہ سونا بن جاتا جس سے آپ کل کائنات سے زیادہ دنیا دار سمجھے جاتے۔ لیکن یہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ناپسند تھا)[1]

شانِ نزول کاشفی نے لکھا ہے اسبابِ نزول میں مذکور ہے کہ جب کفارِ مکہ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو فقر و فاقہ کا طعنہ دیا تو وہ رضوان جو بہشت کے باغات کی آرائش و زیبائش پر مامور ہے یہ آیت لے کر حاضر ہوا اور ایک نورانی ڈبیہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں پیش کی اور عرض کی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ساری دنیا کے خزائن کی کنجیاں اسی میں ہیں اور وہ سب میں نے آپ کو دے دی ہیں اور آخرت کی جتنی نعمتیں و کرامتیں میں نے آپ کے لیے مخصوص کر رکھی ہیں ان میں بھی کوئی کمی نہیں کروں گا۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے رضوان! اللہ تعالیٰ سے عرض کیجئے کہ مجھے ان کی ضرورت نہیں میں تو فقر و فاقہ کو ترجیح دیتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ بندۂ صبور و شکور رہوں۔ رضوان نے عرض کی، آپ نے خوب فرمایا اللہ تعالیٰ آپ کو سدا سلامت رکھے۔

ف: یہ بھی حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی عالی ہمتی میں شمار ہوتا ہے کہ باوجودیکہ آپ کو فقر و فاقہ سخت تھا اور معاشی لحاظ سے آپ کو ہر وقت تنگی رہتی تھی لیکن آپ نے روئے زمین کے خزانوں کی طرف کبھی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا، اور شبِ معراج تو آپ نے ماسوی اللہ کی طرف معمولی توجہ بھی نہ کی باوجودیکہ علوی کائنات کے خزانے اور دیگر ملکوتی عجائبات آپ کے سامنے رکھ دیے گئے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ما زاغ البصر وما طغیٰ۔ ۵

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ

۱ ز رنگ آمیزیٔ ریحان آں باغ
نہادہ چشم خود را مہر ما زاغ

۲ نظر چوں برگرفت از نقشِ کونین
قدم زد در حریم قاب قوسین

ترجمہ: اس باغ میں اس کی خوشبو کی ملاوٹ کی طرف ہمارے محبوب نے آنکھ بھی نہ اٹھائی۔ جب آپ نے کونین کے نقش سے آنکھ پھیر لی تو آپ کو قاب قوسین کے حرم میں قدم رنجہ فرمانے کی اجازت عطا ہوئی۔

اختیار بدست مختار

بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ اپنے رب تعالیٰ سے کچھ مانگ لیں تاکہ آپ کو وہ خوشحال فرمائے۔ بی بی فرماتی ہیں کہ میں نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ بھوکے ہیں اور آپ نے شکمِ اطہر پہ پتھر بھی باندھا ہوا ہے میں آپ کی اس کیفیت پر رو پڑی۔ میرے رونے پر آپ نے مجھے فرمایا:

یا عائشة والذی نفسی بیدہ لو سألت ربّی ان یجری معی جبال الدنیا ذهبا لاجراها حیث شئت من الارض ولکن اخترت جوع الدنیا علی شبعها وفقرها علیٰ غناها وحزن الدنیا علی فرحها ۔ یا عائشة ان الدنیا لا تنبغی لمحمد ولا لآل محمد ۔

اے عائشہ! مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر میں اپنے رب سے سوال کروں کہ دنیا کے پہاڑوں کو سونے کا بنا کر میرے ساتھ کر دے تو وہ کر دے گا۔ لیکن میں نے اس سے دنیا میں بھوکا رہنا اور فقر مانگا ہے اور حزن کا سوال کیا ہے۔ اے عائشہ! یہ دنیا محمد اور آلِ محمد کے لائق نہیں۔

مختارِ کل کی ایک بہترین دلیل

فقیر (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے:

عصمه الله القدیر کان علیه السلام من اهل الاکسیر الاعظم والحجر المکرم فان شانه اعلیٰ من شان

اللہ قدیر نے حضور علیہ السلام کو محفوظ رکھا۔ آپ اکسیرِ اعظم اور قیمتی حجر ہیں آپ کی شان دوسرے انبیاء علیہم السلام سے اعلیٰ ہے ہر لحاظ سے

سائر الانبیاء علیہم السلام من کل وجہ وقد اوتوا ذالک العلم الشریف و عمل بہ بعضہم کادریس و موسیٰ و نحوہما علیٰ ما فی کتب الصناعۃ الحجریۃ لکنہ علیہ السلام لم یلتفت الیہ ولم یعمل بہ ولو عمل بہ لجعل مثل الجبال ذھبا و لملک مثل ملک کسری وقیصر لانہ لیس بمناف للحکمۃ بالکلیۃ فان بعض الانبیاء قد اوتوا فی الدنیا مع النبوۃ ملکا عظیما۔

اور دوسرے انبیاء علیہم السلام بھی اکسیر کا علم دیئے گئے ان کے بعض نے اس پر عمل کیا مثلاً ادریس و موسیٰ علیہما السلام جو انہوں نے اپنی کتابوں سے اکسیر کا علم پڑھا اور اسے عمل میں لائے لیکن ہمارے حضور علیہ السلام نے اس کی طرف توجہ تک نہ دی اگر آپ عمل میں لاتے تو بظاہر آپ کے پاس سونے کے پہاڑ ہوتے اور آپ قیصر و کسریٰ کی طرح ظاہری بادشاہ ہوتے کیونکہ یہ نبوت کے بالکل منافی بھی نہیں اس لیے کہ بعض انبیاءؑ علیہم السلام کو نبوت کے ساتھ بہت بڑی بادشاہی عطا ہوئی (جیسے سلیمان علیہ السلام)

فقر فخری کیوں

(صاحبِ روح البیان فرماتے ہیں کہ) حضور علیہ السلام نے اپنے لیے فقر و فاقہ کیوں اختیار فرمایا، اس کے مندرجہ ذیل وجوہ تھے،

(۱) اگر آپ تونگری اختیار فرماتے تو آپ کے ہاں لوگ دنیوی طمع کی خاطر حاضری دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو فقر و فاقہ کا اختیار دیا تاکہ جو بھی آپ کے ہاں حاضر ہو خالص دین و اسلام کے لیے ہی حاضر ہو۔

(۲) اپنے حبیبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فقر و فاقہ کا اختیار دیا تاکہ فقراء و مساکین کے قلوب کو تسکین نصیب ہو کہ جب انہیں تنگ دستی اور فقر و فاقہ ستائے تو وہ حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فقر و فاقہ کو یاد کرکے تسلی

---

[1] یہ عمل وہ ہے جسے آج بھی بعض لوگ حاصل کر لیتے ہیں لیکن جن کی نظر و نگاہ اور زبان و کلام خود کیمیا ہو تو انہیں عمل کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ سیدنا فرید الدین گنج شکر قدس سرہٗ کے ہاں ایک شخص نے مفلسی کی شکایت کی تو آپ نے اسے ڈھیلے پر سورۂ اخلاص پڑھ کر دیا تو وہ ڈھیلا سونا بن گیا پھر وہ احمق گھر جا کر خود وہی عمل کرنے لگا لیکن بے سود۔ واپس حضرت کے ہاں شاکی ہوا کہ آپ نے تو ایک دفعہ سورۃ پڑھی تو ڈھیلا سونا بن گیا میں نے ہزاروں بار پڑھی لیکن کچھ نہ ہوا۔ آپ نے فرمایا: پہلے زبانِ فرید پیدا کر پھر سونا بنانا مشکل نہیں ہے لیکن اس کے باوجود حضور گنج شکرؒ نے عسرت میں زندگی بسر فرمائی۔ اویسی غفرلہٗ

پائیں جیسے دولت مند کو مال و دولت سے سکون حاصل ہوتا ہے۔

(۳) تاکہ لوگوں کو تنبیہ ہو کہ مالِ دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت ذلیل اور بیکار شے ہے ورنہ اگر یہ اچھی شے ہوتی تو اللہ تعالیٰ تو کافر کو مکھی کے پر کے برابر بھی مالِ دنیا عطا نہ کرتا اور نہ ہی اسے اس کا گھونٹ پینے کو دیتا، ورنہ اللہ تعالیٰ قادر تھا کہ جب کفار نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو قلتِ مال کا طعنہ دیا جاتا تو آپ کو دنیوی مال سے مالامال کر دیتا لیکن چونکہ دنیوی مال ایک گندی چیز تھی اس لیے محبوب علیہ السلام کو طعنۂ کفار پر مال و دولت کی بجائے خوشخبری سنائی کہ میں نے جو کچھ آپ کے لیے آخرت کا سرمایہ تیار کیا ہے وہ اس سے کروڑ گنا بہتر و برتر ہے۔

ازالۂ وہم

جن حضرات انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا و علیہم السلام پر مال و دولت کی فراوانی تھی ان پر بھی طعن و تشنیع نہ کی جائے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنے ارادہ و مشیت اور بتقاضائے حکمت و مصلحت مال و دولت عطا فرماتا ہے ورنہ اس قادرِ مطلق کا قانون ہے کہ جس پر معارف و علوم کے دروازے کھولتا ہے اس سے دنیوی مال و دولت کے دروازے بند فرما دیتا ہے۔ دوسروں کو جب مال و دولت عطا فرماتا ہے تو ان پر معارف و علوم کے دروازے بند کر دیتا ہے[1] قصیدہ بردہ شریف میں ہے: ؎

[2]وراودتہ الجبال الشم من ذھب
عن نفسہ فاراھا ایما شمم

ترجمہ: سونے کے بلند پہاڑوں نے حضور علیہ السلام کو پھسلانا چاہا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہایت استغنا ظاہر کیا، کچھ پروا نہ کی۔

---

[1] اسی لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ؎

رضینا قسمۃ الجبار فینا
لنا علم و للجھال مال

فقیر اویسی غفرلہٗ اپنے مسکین سنی علمائے کرام کو یہی شعر سنا کر خدمتِ دین میں منہمک رہنے کی استدعا کرتا رہتا ہے۔

[2] **حل لغات**: راودت ماضی از مراودۃ بمعنے آمد و رفت رکھنا، کسی شے کی تحصیل کے لیے جد و جہد رکھنا۔ کما قال تعالیٰ:

وراودتہ التی عن نفسہ یعنی اسے پھسلانا چاہا۔

جبال جمع جبل (پہاڑ)۔ شم بالضم جمع اشم نہایت بلند۔ الشم، الجبال کی صفت ہے۔ یعنی

(باقی بر صفحہ آئندہ)

marfat.ocm

حل لغات: الشم جمع الاشم واشم بمعنے الارتفاع۔ یعنی میں انہیں بہت بلند سمجھتا ہوں یہاں تک کہ ان کی گرد تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔

واکدت زهده فیها ضرورته
ان الضرورة لا تعدوا علی العصم

ترجمہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ضرورت نے آپ کے زُہد کو زیادہ کر دیا اس لیے کہ احتیاج دنیوی عصمت پر غالب نہیں ہو سکتی۔

(بقیہ حاشیہ ص گزشتہ) الجبال الرفیعة۔ ذھب زر۔ من ذھب صفت ہے جبال کی۔ اراھا فاعل اوی ضمیر راجع بحضور علیہ السلام۔ وضمیرھا راجع بجبال۔ ایما۔ ای کسی چیز کی عظمت پر دلالت کرتا ہے۔ ما زائدہ۔ شمم بفتحتین بلندی یعنی۔ اس سے مراد کمال استغنا ہے۔

ترجمہ: سونے کے بلند پہاڑوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پھسلانا چاہا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہایت استغنا ظاہر کیا، کچھ پروا نہ کی۔

تشریح: اشارہ ہے اس روایت کی طرف:

ان جبریل علیه السلام نزل فقال ان الله یقرئک السلام و یقول لک اتحب ان اجعل هذه الجبال ذهبا وتکون معک اینما کنت فتوقف ساعة فقال یا جبرائیل ان الدنیا دار من لا دار له ومال من لا مال له قد یجمعها من لا عقل له فقال له جبرائیل ثبتک الله یا محمد بالقول الثابت۔

ترجمہ: روایت ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں آئے اور کہا کہ خدا تعالیٰ بعد تحفۂ سلام کے فرماتا ہے کہ اگر آپ کی خواہش ہو تو میں آپ کے لیے پہاڑوں کو سونا کر دوں اور جہاں آپ جائیں یہ آپ کے ساتھ ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بعد از تامل فرمایا کہ اے جبرئیل! دنیا اس شخص کا گھر ہے جس کا اور گھر نہیں ہے اور اس شخص کا مال ہے جس کا اور مال نہیں ہے۔ اس کو بے وقوف آدمی اپنا ذخیرہ سمجھتا ہے۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ خدا آپ کو اس پر ثابت قدم رکھے۔

پانچ پہاڑ تھے جنہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں یہ آرزو پیش کی تھی: جبل ابو قبیس، جبلِ حرا، جبلِ ثور، جبل بطحا، جبلِ عرفات۔ اس قسم کی روایات ہم نے تفسیر میں پہلے لکھ دی ہیں۔

حلِ لغات العصم' العصمۃ کی جمع ہے۔ یعنی آپ کی شدۃ ضرورت آپ کی ازلی عصمۃ پر غلبہ نہیں پا سکتی بلکہ آپ کی ضرورت الٹا آپ کے ترک دنیا دنیہ کو اور مضبوط کرتی تھی۔ نہ ہی آپ کی ہمت نے دنیا کو آنکھ اٹھا کر دیکھا اور نہ ہی آپ کی چشمِ خیال آخرت میں بھٹکی۔

(حاشیہ گذشتہ)
(اضافہ از اویسی غفرلہٗ)

حلِ لغات : اکدت فعل ماضی از تاکید محکم و مضبوط کرنا۔ زھد بے رغبتی، ترکِ دنیا۔ مفعول اکدت۔ فیہا کی ضمیر جبال یا دنیا کی طرف راجع ہے جو ضمناً لفظ ذھب (جو شعر ماسبق میں ہے) سے سمجھی جاتی ہے۔ کیونکہ دنیا زر و مال کا نام ہے۔ ضرورت سخت احتیاج۔ فاعل اکدت، زھدہٗ کی ضمیر حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کی طرف راجع ہے۔ لا تعدو صیغہ واحدہ مونث غائبہ معلوم مضارع منفی از عدوان بمعنے حد سے تجاوز کرنا، غالب آنا۔ عِصَم بکسر اول فتح ثانی جمع عصمۃ بمعنی باز داشتن و نگاہ داشتن از گناہ۔ وھی لطف من اللہ تعالیٰ یحمل العبد علیٰ فعل الخیر و یزجرہ عن الشر (یہ خدا تعالیٰ کی مہربانی ہے جو بندہ کو اچھے کام کی طرف راغب کر دیتی ہے اور بُرے کاموں سے بچاتی ہے)

ترجمہ : حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کی دنیوی حاجت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زُہد کو اور بھی زیادہ مستحکم کر دیا فی الحقیقت احتیاج دنیوی عصمت حقیقی پر غالب نہیں آ سکتی۔

تشریح : لوگوں کی دنیوی احتیاج ان کی پرہیز گاری کو کمزور کرتی ہے برخلاف اس کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جس قدر دنیوی احتیاج زیادہ ہوتی اُسی قدر آپ کا زُہد زیادہ مستحکم ہوتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ما یحتاج الیہ کی پروا تک نہ کرتے تھے کیونکہ آپ دنیا اور اُس کی ضرورتوں کو ایک فریب سمجھتے تھے۔ گویا ضرورتوں کا پیش آنا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ان کے انصرام میں کم توجہی فرمانا باعثِ استحکامِ زہد ہوتا تھا۔

حدیث شریف

روی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان مضطجعاً علیٰ سریر مفروش بشئی خفیف رطب اخضر و تحت رأسہ وسادۃ من ادیم مملوۃ بلیف فدخل علیہ عمرؓ مع جماعۃ من الصحابۃ فانحرف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فرأی عمرؓ اثر الشرائط علیٰ جنبیہ فبکیٰ فقال ما یبکیک یا عمرؓ فقال کیف لا ابکی ان کسریٰ و قیصر ینعمان

(باقی بر صفحہ آئندہ)

marfat.ocm

وکیف تدعو الی الدنیا ضرورة مــن
لولاه ثم تخرج الدنیا من العدم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ٣٣٣)

فیہ من الدنیا وانت علی ھذہ الحالة فقال علیہ السلام یا عمرؓ اما ترضی ان یکون لھم فی الدنیا ولنا فی الاخرة فقال بلیٰ۔ فنزل جبرئیل علیہ السلام وقال سنة اللہ قد جرت علیٰ ان لذة الاخرة تنقص علیٰ کل احد بحسب ازدیاد لذة الدنیا فما کانت لذة الدنیا اکثر کانت لذة الاخرة اقل کما فی قولہ تعالیٰ اذھبتم طیبٰتکم فی حیاتکم الدنیا۔ لکن اللہ یقول قل لمحمد خذ من عظائم الدنیا ما ترید واطلب ما تشاء فانک مجاب لا تنقص من لذاتک فی الاخرة بسبب لذاتک فی الدنیا فقال علیہ الصلوٰة والسلام واللہ خیر و ابقیٰ۔

ترجمہ: روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰة والسلام ایک چارپائی پر (جس پر سبز کھجور کا بوریا بچھا ہوا تھا) لیٹے ہوئے تھے اور سر مبارک کے نیچے چمڑے کا تکیہ تھا جس میں کھجور کی چھال بھری تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک جماعتِ صحابہؓ کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰة والسلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ اتفاقاً حضور علیہ الصلوٰة والسلام نے کروٹ لی تو حضرت عمرؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو پر بوریا کے نشان دیکھتے ہی آبدیدہ ہو گئے۔ حضورؐ نے پوچھا: عمرؓ! کیوں روتے ہو؟ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ میرے رونے کا یہ باعث ہے کہ کسریٰ اور قیصر تو دنیا میں نہایت شان و شوکت اور عشرت سے زندگی بسر کرتے ہیں اور حضور اس حالت میں۔ حضور علیہ الصلوٰة والسلام نے فرمایا: عمرؓ! کیا تو یہ نہیں چاہتا کہ ان کے لیے دنیا ہو اور ہمارے لیے آخرت؟ حضرت عمرؓ نے کہا: بے شک میں یہی چاہتا تھا۔ پس جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا خدا تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ دنیا کی لذتیں جس قدر بڑھتی جائیں اُسی قدر آخرت کی لذتیں کم ہو جاتی ہیں۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اپنی نیکیوں کا بدلہ دنیا میں پا چکے ہو۔ لیکن خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دو کہ تم دنیا کی نعمتوں سے جو تمہارا جی چاہے لے لو آپ اس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں تمہاری لذاتِ آخرت لذاتِ دنیاوی کے حاصل کرنے سے کم نہ ہوں گی۔ حضور علیہ الصلوٰة والسلام نے فرمایا: اللہ بہتر و باقی ہے۔

اویسی غفرلہٗ

حلِ لغات : دعاہ الیہ بمعنے طلبہ الیہ وحملہ علیہ یعنی اسے اس نے طلب کیا اور اس پر اسے ابھارا۔

[اضافہ از اویسی غفرلہٗ

کیف کسی چیز کے حالات دریافت کرنے کے واسطے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں استفہام استبعاد ہے۔ یعنی آپ کی شان سے بعید ہے کہ دنیا کی احتیاج آپ کو اپنی طرف کھینچے۔ تدعو فعل مضارع واحدہ غائبہ مونث۔ دُعا بلانا۔ کیف تدعو استفہام انکاری ہے دنیا مشتق دنو سے بمعنے نزدیک ہونا۔ اِس جہان کو دنیا اس لیے کہتے ہیں کہ یہ باعتبارِ زمان بہ نسبت آخرت کے انسان کی ذات سے قریب ہے۔ یا مشتق ہے دنائیت بمعنی خست وکمینگی سے۔ کیونکہ یہ تقرب الی اللہ کی مانع ہے۔ لولاہ۔ ضمیرہ راجع بحضور علیہ الصلوٰۃ و السلام۔ مبتدا خبر موجود محذوف۔ لم تخرج صیغۂ جحد۔ یا تو یہ صیغہ معلوم ہے از خروج بمعنے نکلنا ہے۔ یا مجہول از اخراج بمعنے نکالنا۔ اِس جگہ دونوں صحیح ہیں۔ عدم نیستی۔

ترجمہ : (کس طرح ممکن ہے) کہ ایسی ذاتِ اقدس کو اس کی ضرورت دنیا کی طرف بلائے کہ اگر آپ پیدا نہ ہوتے تو دنیا ہی عدم سے وجود میں نہ آتی۔

تشریح : پہلے شعر میں جو بظاہر تعجب پیدا ہوا تھا اُس کو رفع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کے حق میں لولاک لما خلقت الافلاک آیا ہے تو پھر ضرورتِ انسانی دنیائے دنی کی طرف کس طرح حضور کی توجہ کو پھیر سکتی ہے۔]

سکونِ عرش نامِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا :

اوحی اللّٰہ تعالیٰ الیٰ عیسیٰ ان صدق محمدا وامر امتك من ادركه منهم ان یؤمنوا به فلولا محمد ما خلقت آدم ولولاہ ما خلقت الجنة والنار ولقد خلقت العرش فاضطرب فكتبت علیہ لا الٰه الا اللّٰه محمد رسول اللّٰه فسكن[1]

اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی اے عیسیٰ! ایمان لا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر، اور تیری امت سے جو لوگ ان کا زمانہ پائیں انہیں حکم دو کہ اس پر ایمان لائیں کیونکہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ ہوتا تو میں نہ آدم کو پیدا کرتا نہ جنت اور دوزخ بناتا جب میں نے عرش سرپانی پر بنایا اس میں جنبش تھی میں نے اس پر لکھا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ، تو وہ ٹھہر گیا۔

---

[1] اس جیسے اور مضامین فقیر کی کتاب "شہد سے میٹھا نام محمد" میں پڑھیے۔ اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

نتیجہ جس کے فیضِ نعمت سے دنیا ایک قطرہ ہو اسے ضروریاتِ دنیا کیسے پریشان کر سکتی ہیں (کذا فی شرح العقیدہ لابن الشیخ)

مثنوی شریف میں ہے : ؎

۱ راہزن ہرگز گدائے را نزد
گرگ گرگ مردہ را ہرگز نگزد

۲ خضر کشتی را برائے آن شکست
تا تواند کشتی از فجار رست

۳ چون شکستہ می رہد اشکستہ شو
امن در فقر ست اندر فقر رو

۴ آنکہ گو داشت از کان نقد چند
گشت پارہ پارہ از زخم کلند

۵ تیغ بہر اوست کو را گردنیست
سایہ افگندست برو ے رحم نیست

ترجمہ : (۱) رہزن کبھی گداگر کو نہیں لوٹتا۔ بھیڑیا مُردہ بھیڑیے کو گزند نہیں پہنچاتا۔

(۲) خضر علیہ السلام نے کشتی اس لیے توڑی تاکہ کشتی نالائقوں سے بچ جائے۔

(۳) جب عاجزی میں نجات ہے تو عاجز ہو۔ امن فقر میں ہے اسی لیے فقیر ہو کر زندگی بسر کر۔

(۴) پھر وُہ جو کچھ نقد اپنے پاس رکھتا ہے وہ کلند کے زخم سے پاش پاش ہو جاتا ہے۔

(۵) تلوار اس کے لیے ہے جس کی گردن ہے سایہ اسی گردن پر ڈالتی ہے پھر اس پر رحم بھی نہیں کرتی۔

سبق : انسان کو تواضع اور فقر و فاقہ لازم ہے۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ بلکہ انہوں نے قیامت کی تکذیب کی۔ الساعۃ سے قیامت اور حشر نشر مراد ہے۔ اور الساعۃ زمانہ کے کسی ایک جزٔ کا نام ہے اور قیامت کو الساعۃ سے اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ وہاں اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لے گا۔ کما قال تعالیٰ :

وھو اسرع الحاسبین۔ (وہ جلد تر حساب لینے والا ہے)

یا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اپنے ارشاد گرامی کانھم یوم یرونھا لم یلبثوا الا ساعۃ من نھار سے متنبہ فرمایا ہے (کذا فی المفردات) ان کی جنایۃ سابقہ کی حکایت سے توبیخ کے اعراض کے

بعد ان کی دوسری جنایۃ کی حکایت سے توبیخ فرمائی تاکہ انہیں یقین ہو کہ قیامت کے عذاب کا موجب ان کے اپنے اعمال سیئہ ہیں وَاَعْتَدْنَا اور ہم نے تیار فرمایا۔ یہ دراصل اَعْتَدْنَا لَهَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ اس کے لیے جس نے قیامت کی تکذیب کی۔ یہاں پر ضمیر کے بجائے مظہر لایا گیا تاکہ انہیں اپنے عمل یعنی تکذیب بالساعۃ کی خرابی پر تنبیہ ہو۔ سَعِيْرًا ۚ بہت بڑے شعلوں والی آگ۔

ف : بعض اہل حقائق نے فرمایا کہ آخرت کی آگ ان دنیوی اعمال یعنی حرص علی الدنیا اور اسے اپنا ماویٰ و ملجا سمجھنے سے سلگائی جائے گی۔

اِذَا رَاَتْهُمْ یہ سعیر کی صفت ہے یعنی جب کفار اس مقام پر پہنچیں گے جہاں انہیں نارِ جہنم دیکھے گی۔

سوال : رؤیۃ کی نسبت نار کی طرف کیوں، جبکہ وہ دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

جواب : یہ نسبت مجازی۔ اور اسی محاورہ سے ہے جو اہلِ عرب کہا کرتے ہیں :

داری تنظر دارك ۔ (میری دار تیری دار کو دیکھتی ہے)

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کی دار دوسرے کی دار کے بالمقابل ہو ملزوم یعنی رؤیت بول کر لازم مراد لیا گیا ہے۔ یعنی وہ جگہ جہاں سے کوئی شے نظر آئے اور ملزوم سے لازم کی طرف منتقل ہونا مجاز ہے۔

مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ دور کی جگہ سے، یعنی انتہائی بعد سے جہاں تک دیکھنا ممکن ہو۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ مشرق سے مغرب کی طرف پانچسو سال کی مسافت سے دوزخ کی آگ دکھائی دے گی۔ اس میں اشارہ ہے کہ دوزخیوں اور دوزخ کے درمیان فاصلہ اس دنیوی فاصلے سے نرالا ہو گا۔ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا سنیں گے اس سے سخت آواز۔ یعنی وہ آواز جو ہنڈیا کے جوش مارنے سے خارج ہوتی ہے اور اس غضب ناک شخص کی آواز کو بھی کہتے ہیں جو غیظ و غضب کے وقت اس کے سینے سے سنائی دیتی ہے وہ بھی جب کسی پر غصہ کرتا ہے تو اس کے سینے سے سخت آواز نکلتی ہے۔ چنانچہ ابن الشیخ نے فرمایا کہ اہلِ عرب کہتے ہیں :

اما رأیت غضب الملك ۔ (کیا تو نے بادشاہ کا غضب نہیں دیکھا)

یہ اس وقت بولتے ہیں جب بادشاہ سے وہ علامات محسوس ہوں جو ان کی ناراضگی پر دلالت کریں ویسے صرف آواز سے کسی کی شدید رنجش کا خیال نہیں گزرتا جب تک کہ اس میں ناراضگی کے سبب سے آواز کی سختی کا تصور نہ ہو اور وہ کبھی آواز سے محسوس ہوتا ہے اور کبھی آواز کے بغیر بھی۔ اور غضب وہ گرمی جو انسان کو قلب کے خون کے جوش سے محسوس ہو۔ وَّزَفِيْرًا زفیر اس آواز کو کہا جاتا ہے جو پیٹ کے اندر سے سنائی دے۔ دراصل یہ اس وقت پیدا ہوتی ہے جب انسان کی سانس بار بار نکلے یہاں تک کہ پسلیاں پھول جائیں۔

marfat.ocm

نفسی نفسی کی آواز عبید بن عمیر نے فرمایا کہ جب جہنم کی آگ جوش مارے گی تو ہر نبی مرسل اور ملک مقرب خوفِ خدا کی وجہ سے سربسجود ہو کر گر جائے گا اور ان پر لرزہ طاری ہو گا یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام گھٹنے کے بل گر کر بارگاہِ ایزدی میں عرض کریں گے :

یا رب یا رب لا اسئلك الا نفسی ۔

(اے میرے پروردگار ! مجھے بخش دے)

اہلسنت کا مذہب : اہل سنّت کے نزدیک نار کی مذکورہ آواز حقیقی ہے اس لیے کہ حیات وغیرہ کیلئے ڈھانچہ ضروری نہیں ۔ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ وہ نار بہ ہیئت کذائیہ میں حیات ، عقل ، رؤیۃ ، نطق پیدا فرما دے [اسی بنا پر ہم اہلسنّت انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے لیے معجزات وکرامات کو بلا تامل تسلیم کر لیتے ہیں لیکن معتزلہ جمادات وغیرہ میں حیات کے قائل نہیں اسی لیے انھیں اشکال ہے تو ان کی ذریات کو بھی معجزات وکرامات سے طرح طرح کے اشکالات پیدا ہوتے ہیں[1]]

علامہ اسمٰعیل حقّی کا استدلال فقیر (حقی) کہتا ہے کہ اہل سنّت کا مذہب حق ہے جیسا کہ[2] وان الدار الآخرة لھی الحیوان اس پر قوی دلیل موجود ہے اسی لیے ایسے مقامات پر کسی قسم کی تاویل کی ضرورت نہیں ۔

وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ۔ مکانا مفعول فیہ دراصل فی مکان تھا اور منھا سابق مضمون کا بیان ہے ۔ اسی معنے پر یہ اس سے حال ہے اور ضمیر سعیر کی طرف راجع ہے ۔ ضیقا ، مکانا کی صفت ہے یعنی اور جب دوزخ کے تنگ مکان میں پھینکے جائیں گے ۔ ضیق کی صفت میں اشارہ ہے کہ وہ دوزخ میں جا کر سخت کرب وبلا میں مبتلا ہوں گے جیسے روح جسم میں باوجود فراخی کے تنگی میں ہے ۔ یہی راز ہے عرضھا السمٰوٰت والارض میں کہ بہشت میں اتنی وسعت ہے کہ یہ چودہ طبق اس کے ایک گوشے میں پڑے رہیں ۔

ف : دوزخ ان کے لیے ایسے تنگ ہو جائے گی جیسے تیر میں تیر کا پھل یا جیسے دیوار میں میخ ۔ اس سے ان کے عذاب میں سخت ترین اضافہ ہو گا جیسے ان کے دلوں میں ایسی تنگی تھی کہ ان میں نہ سما سکا (اعاذنا اللّٰہ)

مُقَرَّنِیْنَ درانحالیکہ ان کے ہاتھوں کو کاندھوں سے ملا کر وہ جکڑ دیے جائیں گے زنجیروں سے ، یا ہر مجرم اپنے ہم جنس کے ساتھ جکڑا ہو گا یعنی اس کا ساتھی شیطان آتشیں زنجیر سے جکڑ کر جہنمی کے ساتھ جکڑ دیا جائے گا ۔ اہلِ عرب کہتے ہیں :

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

[2] اور بیشک دارِ آخرت ہی حقیقی حیوٰۃ ہے ۔

قرنت البعیر بالبعیر۔ بمعنے جمعت بینهما یعنی میں نے دو اونٹوں کو یکجا ملایا۔ و قرنته بالتشدید میں تکثیر مطلوب ہوتی ہے۔

دَعَوْا اپنے لیے پکاریں گے هُنَالِكَ اسی خوفناک مکان اور اندوہناک حالت میں ثُبُوْرًا ۝ ہلاکت کو۔ یہ کلمہ وہ شخص بولتا ہے جو ہلاکت کا آرزومند ہو۔ یعنی اس وقت ہلاکت کی تمنا کرتے ہوئے کہیں گے:

یا ثبوراہ یا ویلاہ یا هلاکاہ تعال فهذا اوانك۔	اے تباہی و ہلاکت آجا اب تیرا آنے کا وقت ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

اول من یکسی یوم القیامة ابلیس حلة من النار یضعها علی حاجبیه فیسحبها من خلفه و ذریته خلفه وهو یقول واثبوراه وهم ینادون یا ثبورهم حتی یقفوا علی النار فینادی یا ثبوراه وینادون یا ثبورهم۔

(قیامت میں جہنم کا لباس سب سے پہلے ابلیس کو پہنایا جائے گا یہاں تک کہ اس کا بعض حصہ اس کے ابرو تک ہوگا اسے پیچھے سے کھینچا جائے گا اس کے پیچھے اس کی اولاد ہوگی۔ وہ پکارے گا واثبوراہ، اور وہ پکاریں گے واثبورهم۔ ایسے ہی کھینچ کر ان سب کو دوزخ میں لایا جائے گا۔ پھر پکارے گا واثبوراہ۔ اس کی اولاد پکارے گی واثبورهم)

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ بلاواسطہ یا ملائکہ کی زبان میں فرمائے گا:

لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا۔ آج ایک ہلاکت کو نہ پکارو (بلکہ بہت ہلاکتیں تمہیں آئیں گی) تاکہ انہیں تنبیہ ہو کہ یہ عذاب ان کے لیے دائمی ہے۔ یعنی آج ایک دفعہ نہیں بلکہ وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ۝ بار بار پکارو یا اس قسم کی کئی دعائیں اور پکاریں پکارو کیونکہ جس سخت عذاب میں تم ہو وہ تمہارے لیے دائمی ہے اور جتنی بار پکارتے جاؤ گے اتنی بار تمہیں عذاب کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔

قُلْ اَذٰلِكَ فرمائیے کیا یہی عذاب خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ط اچھا ہے یا وہ دائمی جنۃ جس کا متقیوں کو وعدہ دیا گیا۔ اس سے مطلق تقویٰ مراد ہے یعنی ایمان تقویٰ کا صرف دوسرا اور تیسرا مرتبہ مراد نہیں اس لیے کہ ہم اہلسنت کے نزدیک ہر ایمان دار متقی ہے اگرچہ عاصی ہو۔ اور دار الخلد سے وہ نعمتیں مراد ہیں جن کا انقطاع نہ ہو اور نہ ہی ان کے اہل سے واپس لے جائیں اور خلد کی طرف جنۃ کی اضافت مدح کے لیے ہے ورنہ جنۃ خود اسی دار کا نام ہے جس میں دوام و بقا ہے اور خلود وہ

marfat.ocm

شے جو فساد کے عارض ہونے سے بری ہو اور اس کی اسی حالت پر بقا ہو جس حالت پر وہ ہے۔ نیز یہ بھی ہے کہ جنۃ مطلقاً ایک اسم ہے جس میں ضروری نہیں کہ اس میں وہ باغات ہوں جو بہجۃ و سرور پر مشتمل ہیں۔ اور نہ ہی خلود کا معنی اس سے حاصل ہوتا ہے اسی لیے اسے خلد کی طرف مضاف کیا گیا تا کہ اس سے خلود کا معنی حاصل ہو۔

سوال: یہاں لفظ شک سے شک پڑتا ہے کہ ان میں اچھا کون ہے پھر اس میں استفہام اور لفظ تردید کا معنی بھی مطابقت نہیں کھاتا۔ دوسرا عقلاً بھی یہ عبارت صحیح معلوم نہیں ہوتی اسی لیے کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ "شکر زیادہ میٹھی ہے یا مصبر"، اور مصبر ایک کڑوی دوائی کا نام ہے۔

جواب: (۱) ایسی عبارت دراصل تقریع و تہکم و تحسیر (حسرت دلانا) کے وقت بولی جاتی ہے جبکہ کسی سے کوئی شے رہ جائے اس کے لیے اس طرح کی عبارت بولتے ہیں۔

(۲) الوسیط میں ہے کہ اس میں دونوں جگہوں (دوزخ و جنۃ) کے مابین فرق ظاہر کرنا مطلوب ہے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ دوزخ بھی ایک اچھا مقام ہے۔

(۳) مجازاً ایسے کہا گیا اگرچہ دوزخ میں خیر و بھلائی کا معنی نہیں یہ ایسے ہے جیسے اہلِ عرب کہتے ہیں؛

العافیۃ خیر من البلاء۔

(بیماری سے عافیت بہتر ہے)

اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ وہ خطاب فرمایا جو ان میں متعارف تھا۔ كَانَتْ تھی وہ جنۃ لَهُمْ اللہ تعالیٰ کے علم میں متقیوں کے لیے جزا، بتقاضائے کرم ان کے اعمال پر جزا۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کا بہشت عطا کرنا اس کا کرم ہے یہ تصور ہرگز نہ کرنا کہ یہ دولت اعمال سے نصیب ہوگی (اعمال اس کے کرم کا نتیجہ ہیں) جَزَآءً بمعنے غنا و کفایت یعنی جزاء وہ ہے جس میں اپنے بالمقابل کی کفایت کرے۔ اگر بالمقابل نیکی ہے تو نیک جزا، اگر برائی ہے تو سزا۔ اور الجزیہ وہ ہے جو اہلِ ذمہ سے وصول کیا جائے وہ اس لیے کہ یہی جزیہ چونکہ ان کی جان کی حفاظت کا موجب بنے گا اسی لیے اسے اس نام سے موسوم کرتے ہیں وَّمَصِيْرًا ۝ لوٹنے کی جگہ، یعنی مرنے کے بعد وہیں پر لوٹیں گے۔

ف: المصیر و المرجع میں فرق ہے اس لیے کہ المصیر میں ضروری ہے کہ وہ پہلی جگہ کے خلاف ہو۔ اور المرجع میں دوسری جگہ کے خلاف ہونا ضروری نہیں۔

لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَآءُوْنَ ان کے لیے اس میں وہی ہوگا جو وہ چاہیں گے جس قسم کی نعمتیں اور لذتیں مطلوب ہوں گی انہیں وہاں میسر ہوں گی لیکن علیٰ حسبِ مراتب، کیونکہ وہاں اپنے مراتب سے

مافوق کی خواہش بھی نہ ہو گی اس لیے ضروری نہیں کہ ہر بہشتی دُوسرے بہشتی کے مرتبہ کے برابر ہو۔

ازالۂ وہم اس سے شرح الاشباہ کی غلطی کا پتا چلا جبکہ اس میں لکھا ہے کہ بہشت میں بھی لواطت کی اگر کوئی خواہش کرے گا تو اس کی خواہش پُوری کر دی جائے گی۔ یہ اس لیے غلط ہے کہ لواطت اخبث الخبائث ہے اس کے لیے حکمتِ ایزدی نے زنا کی طرح کسی زمانہ میں بھی کسی کو اجازت نہیں بخشی جب وہ حکمتِ ایزدی و مشیتِ خداوندی کے خلاف ہے تو پھر وہاں کس طرح کوئی بہشتی اس کی خواہش کر سکتا ہے۔ اس کے جواز کا نظریہ خباثت سے خالی نہیں۔

خلاصہ یہ کہ آیت کا عموم متعارف پر مبنی ہے۔ اسی لیے بعض مفسرین نے فرمایا کہ بہشت میں ضروری نہیں کہ ہر مراد پُوری ہو بلکہ وہ مراد پُوری ہو گی جو مقتضائے حکمتِ ایزدی کے مطابق ہو گی۔ اور لواطت چونکہ پاکیزہ طبائع والوں کے لیے دُنیا میں بھی اخبث محسوس ہوتی ہے پھر آخرت میں کس طرح اس کی خواہش ہو سکتی ہے۔

خٰلِدِیْنَ یہ جار مجرور کی ضمیر مستتر سے حال ہے اور یہ جائز ہے جب اسے کسی پر اعتماد ہو۔ اور یہاں پر جار مجرور کو مبتداء پر اعتماد ہے اسی لیے اس سے اس کا حال واقع ہونا جائز ہوا۔ کَانَ دخول خلود اور وہ جو کچھ چاہیں گے ہو گا عَلٰی رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ۝ تیرے پروردگار سے یہ وعدہ سوال کیا ہوا۔ یعنی اس وقت اس سے ان چیزوں کا سوال عرض کیا جائے گا۔

نکتہ لفظ علٰی جو وجوب پر دلالت کرتا ہے اسی لیے لایا گیا کہ اللہ تعالیٰ سے خلف الوعید ممتنع ہے۔

ف: آخرت میں انسان کی کامیابی کے لیے اتنا کافی ہے کہ اسے بہشت نصیب ہو اور دوزخ سے نجات نصیب ہو۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے فرمایا:

"انی لا اعرف دندنتك ولا دندنة معاذ"

یعنی میں نہیں سمجھ رہا کہ تُو اور معاذ کیا کہہ رہے ہو!

یعنی تم اتنے لمبے اور طویل اذکار و دعوات کیوں بولتے ہو۔ میں تمہیں ان سے بھی مختصر اور جامع ذکر و دعا بتانا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ یُوں کہو:

انی اسأل الجنّة واعوذبه من النار۔ (میں بہشت کا سوال کرتا اور دوزخ سے پناہ مانگتا ہوں)

پھر اسے فرمایا کہ حولها ندندن یعنی حول الجنة والنار۔ یا اس کا معنی ہے ان دونوں کے

marfat.ocm

سوالات کے اردگرد پہلا سوال تھا جنت کے حصول کا، دوسرا دوزخ سے استعاذہ کا۔ (کما فی ابکار الاذکار)
خلاصۂ حدیث یہ ہے کہ انسان کو بہشت کے حصول اور دوزخ سے نجات کی کامیابی کافی ہے (کما فی عقد الدرر و اللآلی)

ف : ریاض الصالحین میں ہے کہ انسان کو یا تو صرف سالم ہونا چاہیے یعنی صرف فرائض ادا کرے اور معاصی سے اجتناب۔ یا رابح ہونا چاہیے کہ نوافل و سنن و مستحبات کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے یا پھر خاسر، کہ نہ فرائض ادا کرتا ہے اور نہ معاصی سے بچتا ہے اسی لیے ہر انسان پر لازم ہے کہ وہ رابح بنے ورنہ کم از کم سالم تو ہو، اسے خاسر نہ بننا چاہیے۔

وظیفۂ نبوی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دن میں ایک سو بار پڑھتا ہے : "لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیءٍ قدیر" تو اسے دس غلاموں کے آزاد کرنے کا ثواب ملے گا اور اس کے عمل نامے میں ایک سو نیکی لکھی جائے گی اور اس کے سو گناہ معاف ہوں گے اور اس دن وہ شیطان سے شام تک محفوظ رہے گا۔ اُس سے افضل عمل والا اور کوئی نہ ہو گا جب تک کہ کوئی اس سے زاید نہ پڑھے۔ (رواہ البخاری وغیرہ)

صُوفیاءِ کرام افضل ہیں حدیث شریف سے ثابت ہُوا کہ صوفیاءِ کرام ہم عوام سے افضل ہیں اس لیے کہ جب ایک سو دفعہ پڑھنے والے کا یہ مرتبہ ہے تو پھر ان حضرات کی کیا شان ہوگی جو ہمہ وقت اس قسم کے وظائف میں لگے رہتے ہیں۔ اور سب کو معلوم ہے کہ صوفیاءِ کرام اپنے ہر ورد اور وظیفہ پر سختی سے پابندی کرتے ہیں اور ان کے حضورِ قلبی کا کیا کہنا! حضور نبی پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہتے اور ہر وقت ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے ؎

ہر آن کو غافل از حق یک زمانست
دراں دم کافرست اما نہانست

ترجمہ : وہ شخص جو حق تعالیٰ سے ایک ساعت بھی غافل ہے وہ سمجھو کہ اسی گھڑی وہ کافر ہے اگرچہ پوشیدہ۔

وَیَوْمَ یَحْشُرُھُمْ اور اے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی اُمت کو یاد دلایئے کہ جب اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جمع فرمائے گا مَا یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو معبود بنا رکھا تھا۔ یحشر بمعنے یجمع ہے۔ فَیَقُوْلُ تو اللہ تعالیٰ ان کے معبودوں کو فرمائے گا ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ کیا تم نے گمراہ کیا تھا عِبَادِیْ ھٰٓؤُلَآءِ میرے انہی بندوں کو۔ یعنی

تم نے انہیں اپنی عبادت کی دعوت دی اور حکم کیا کہ وہ تمہاری عبادت کریں اَمْ ھُمْ ضَلُّوا السَّبِیْلَ ۝ یا وہ خود گمراہ ہوئے جبکہ اُنھوں نے میرے دلائل و براہین کو صحیح نگاہ سے نہ دیکھا اور نہ ہی مرشد اور رہبرِ کامل کا فرمان مانا، ان کے فرمان کو سن کر رُوگردانی کی۔ یہاں پر السبیل سے باءِ جارہ حذف کر کے ضلوا کو بلا واسطہ متعدی بنایا گیا ہے جیسے دھو یھدی السبیل میں حرف جارہ حذف کر کے بلا واسطہ فعل یھدی متعدی ہوا کیونکہ یہ دراصل یھدی الی السبیل یا للسبیل تھا۔

فقیر (حقی) کہتا ہے کہ یہ اپنے نظائر پر محمول ہے معنی یہ ہے کہ وہ سیدھے راستے سے بہک گئے۔ اور لغتِ عرب میں ایسے ہوتا ہے۔

سوال : جب اللہ تعالیٰ مسئول عنہ یعنی کفار کے حال سے ازل سے باخبر تھا تو پھر یہاں پر سوال کرنے کا کیا فائدہ ؟

جواب : بت پرستوں کو مزید تنبیہ کرنا مطلوب ہے تاکہ اپنی خرابی کو ملاحظہ کریں یہ ایسے ہے جیسے عیسیٰ علیہ السلام کو فرمایا گیا :

ءَ انت قلت للناس اتخذونی وامی الٰھین من دون اللہ۔

(کیا تم نے لوگوں کو فرمایا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ تعالیٰ کے سوا معبود بناؤ)

وہ اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ بتوں سے سوال کرے گا تو بت حق بات واضح کر دیں گے اس پر بت پرستوں کی حسرت و حیرت میں اضافہ ہوگا اور اپنے معبودوں کی تکذیب و بیزاری سے گریہ کریں گے اور حسرت کرتے ہوئے کہیں گے کہ کاش اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر کو شریک نہ کرتے۔

قَالُوْا یہ جملہ مستانفہ ہے۔ گویا کسی نے پُوچھا کہ پھر بت اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے ؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ جواب دیں گے ، سُبْحٰنَکَ تیری پاکی ہے یا اللہ ! کفار نے ہمیں معبود بنایا تعجب ہے یا اللہ تعالیٰ کی تنزیہ بیان کی کہ یا اللہ ! تُو تو شرکا سے پاک ہے۔ یہاں پر کفار کے وہی بت مراد ہو سکتے ہیں جن کی اُنھوں نے پرستش کی، اگرچہ وہ پتھر وغیرہ یعنی جمادِ محض تھے اور وہ کسی بات کی قدرت نہیں رکھتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ ان کے اندر حیات پیدا کر کے انھیں خطاب کی صلاحیت دیتا ہے تاکہ وہ سوال و جواب کر سکیں۔ مَاکَانَ یَنْبَغِیْ لَنَآ اور نہ ہی یہ ہمارے لائق ہے اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِکَ یہ کہ تجھ سے متجاوز ہو کر بنائیں مِنْ اَوْلِیَآءَ یہ من زائدہ نفی کی تاکید کرتا ہے اولیاء نتخذ کا مفعول ہے اور یہ صرف ایک مفعول کو چاہتا ہے۔ چنانچہ دُوسرے مقام پہ ہے ؛

قل اغیر اللہ اتخذ ولیا۔

marfat.ocm

یعنی غیروں کو معبود بنائیں، نہ یہ ہمارے لائق ہے اور نہ ہم اس کے قائل ہیں۔ کیونکہ ہم تو یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ کسی دوسرے کو تیرے سوا معبود بنائیں (حاشا وکلا)۔

ف: ابن الشیخ نے فرمایا کہ ما کان ینبغی لنا الخ کو کنایہ بنایا گیا ہے ان کے اس عقیدے کا کہ ہم تو قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو معبود بنانا جرم عظیم ہے بلکہ بعید از عقل ہے۔ یہ ان کے صریح انکار سے زیادہ بلیغ ہے مثلاً انھیں کہا گیا کہ تم نے انہیں گمراہ کیا یا تم نے کہا کہ وہ غیر اللہ کو معبود بنائیں تو صراحۃً یوں کہتے نہ ہم نے انھیں گمراہ کیا اور نہ ہی غیر اللہ کو معبود بنانے کا حکم دیا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ بیان کی کہ اس کا کوئی شریک نہیں اور نہ ہی ہم اس کے قائل ہیں کہ ہم غیر اللہ کو معبود بنائیں۔ لیکن انہوں نے خود اس غلطی کا ارتکاب کیا کہ انہوں نے غیر اللہ کی عبادت کی یعنی خدا تعالیٰ کے احکام پسِ پشت ڈال کر انسانوں کے احکام پر عمل کیا جیسے ہم عوام کی عادت ہے ان کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اولئک ھم شر البریہ۔

(یہ جملہ مخلوق سے بدتر ہیں)

تفسیر عالمانہ

وَلٰکِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ متعتم بمعنے برخورداری دادن۔ یعنی اے اللہ! ہم نے انھیں گمراہ نہیں کیا دراصل بات یہ ہے کہ تو نے انہیں طویل عمریں عطا فرمائیں اور طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا تو وہ بجائے اس کے کہ تیری ذات کی معرفت حاصل کرتے اور تیری دی ہوئی نعمتوں کا شکر کرتے لیکن الٹا شہوات میں پڑ کر غلط کاریوں میں منہمک ہو گئے حَتّٰی نَسُوا الذِّکْرَ یہاں تک کہ وہ ذکر سے غافل ہو گئے اور جتنی انھیں مواعظ و نصائح کیں سب کو پسِ پشت ڈال دیا۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ انھوں نے تیری دی ہوئی نعمتوں کو بھلا کر تیری آیات میں تدبر ترک کر دیا اور وہ اسباب جو انھیں ہدایت کے لیے عنایت ہوئے اپنے غلط اختیار سے گمراہی میں لگا دیے اور اضلال کی نسبت ان کی طرف بوجہ ان کے کسب کے ہے ورنہ حقیقی اضلال تو اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور ان کے معبودوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف اس فعل کا اسناد کیا جو ان کی گمراہی کا سبب بنا۔ اب معنی یہ ہوا کہ ان کے معبود اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے، یا اللہ! ہم انہیں گمراہ نہیں کرتے تھے اور نہ ہم انہیں گمراہی پہ اکساتے تھے، بلکہ وجہ کچھ اور ہے وہ یہ کہ جب تو نے دنیوی منفعتوں سے انہیں مالامال فرمایا تو وہ شہواتِ نفسانیہ سے گمراہی کی طرف مائل ہوئے تو تو نے حسبِ دستور ان کے اندر گمراہی پیدا فرمائی۔

یہی اہلسنت کا مذہب ہے، یہی نظریۂ توحید ہے بلکہ اس میں واضح ثبوت ہے کہ جملہ اسباب کا

سبب اللہ تعالیٰ ہے ؎

دریں چمن نکنم سرزنش بخود روئے
چنانکہ پرورشم میدہند میروم

ترجمہ : اس دنیا کے چمن میں میں خود کو ملامت نہیں کرتا اس لیے کہ میرا عقیدہ ہے کہ جیسے ازل سے میرا مقدر تھا وہ مجھے ملے گا۔

وَكَانُوْا اور وہ تھے تیری قضاء اولیٰ میں قَوْمًا بُوْرًا ایک قوم تباہ و برباد ہونے والی۔ بُور، بائر کی جمع بمعنے ہالک، اور بُور بمعنے ہالکین (کما فی المفردات) یا مصدر ہے بمعنے اسم فاعل بطور مبالغہ لایا گیا اور اس میں واحد و جمع برابر طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

رجل بائر و قوم بُور۔ بُور وہ شے فاسد جس میں خیر اور بھلائی نہ ہو۔

امام راغب نے فرمایا:

البوار بمعنے بہت زیادہ کھوٹ۔ چونکہ کھوٹ شے کو فساد تک پہنچا دیتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا:

کسد حتی فسد۔ (کھوٹا ہوا یہاں تک کہ فاسد ہوا)

بنا بریں ہلاکت کی بجائے بُور سے تعبیر کیا گیا۔

فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ پھر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے فرمائے گا کہ اب تو تمہارے معبود بھی تمہاری تکذیب کر رہے ہیں بِمَا تَقُوْلُوْنَ تمہارے اس عقیدہ کی، کہ تم کہا کرتے تھے کہ بے شک یہ ہمارے معبود ہیں۔ یہاں پر باء بمعنے فی ہے۔ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ پس اب اے میرے ساتھ شریک ٹھہرنے والو! تمہارے لیے ممکن نہیں صَرْفًا اپنے سے میرے عذاب کو دفع کرنا، نہ ذاتی طاقت سے نہ بالواسطہ۔ وَّلَا نَصْرًا اور نہ ہی کوئی مدد کرنا نہ اپنی اور نہ دوسرے سے جن کی تم نے پرستش کی اور تم نے سمجھ رکھا تھا کہ وہ قیامت میں تم پر سے عذاب ٹال دیں گے اب وہ بھی تمہیں جواب دے چکے ہیں وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ اور اے میرے مکلف بندو! تم میں سے جو بھی ظلم یعنی شرک کرے گا۔ ہم نے شرک کا معنی نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ۝ کے قرینہ کی وجہ سے کیا ہے ہم اسے آخرت میں بہت بڑا عذاب چکھائیں گے یعنی اسے ہمیشہ نارِ جہنم میں مبتلا کریں گے۔ اس لیے کہ یہ بہت بڑے ظلم کی وجہ سے ہوگا۔ اور ظلمِ عظیم شرک ہی ہے۔ اس میں مومن فاسق کو بھی وعید ہے۔

ربط : اس کے بعد کفار کے اس سوال کا جواب دیا جو کہ انہوں نے کہا:

مالھذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق۔ (اس رسول کو کیا ہے کہ وہ طعام کھاتا اور بازاروں میں پھرتا ہے)

وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اور ہم نے آپ سے پہلے کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجا اِلَّا اِنَّهُمْ

marfat.ocm

بکسر الہمزہ اس لیے کہ یہ ان صدر جملہ میں واقع ہے اور وہ موصوف محذوف کی صفت ہے یا اس لیے کہ عبارت "الا قیل انھم" تھی اور قاعدہ ہے قال یقول کے بعد (ان بکسر الہمزہ) آتا ہے کما فی اسئلۃ المقحمہ۔ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ ؕ وہ طعام بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی تشریف لے جاتے تھے اور یہ امور ان کی رسالت و نبوت کے منافی نہیں تھی بنا بریں آپ کا کھانا اور بازار میں تشریف لے جانا بھی کوئی نئی بات نہیں وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ اور اے لوگو! ہم نے تمہارے بعض کو لِبَعْضٍ بعض کے لیے فِتْنَةً ؕ آزمائش بنایا ہے مثلاً فقراء اغنیاء کے لیے اور رسل کرام علیہم السلام مرسل الیہم کے لیے آزمائش ہیں کیونکہ یہ انھیں اپنی طبائع کے خلاف آزمائیں گے اور انھیں ایذائیں دیں گے۔ ایسے ہی بیمار تندرستوں کے لیے اور نچلی سطح کے عوام ، اونچے طبقہ والوں کے لیے اور رعایا بادشاہوں کے لیے اور رشتہ دار رشتہ داروں کے لیے اور اندھے آنکھوں والوں کے لیے اور کمزور طاقت وروں کے لیے آزمائش ہیں۔

ف : حضرت واسطی نے فرمایا کہ ہر شے موجود بھی فتنہ ہے اور شے کے حصول کے بعد اس کا گم ہو جانا بھی فتنہ ہے۔

أَتَصْبِرُونَ ۚ یہ جعلنا کی غایت ہے۔ تاکہ ہم ظاہر کریں کہ کیا تم صبر کرتے ہو یا نہیں۔ اس میں آزمائش پر صبر کی ترغیب دی گئی ہے۔

ف : ابو اللیث نے فرمایا کہ یہ بظاہر جملہ استفہامیہ ہے لیکن درحقیقت امر ہے یعنی اتصبرون بمعنے اصبروا یعنی صبر کرو، جیسے افلا یتوبون بمعنے توبوا (توبہ کرو)۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اے انبیاء علیہم السلام! ہم نے امتوں کا رسول بنا کر تمہیں آزمایا ہے مثلاً اُمت کے بعض لوگ بعض انبیاء علیہم السلام کو کہیں گے کہ ہمیں فلاں نبی علیہ السلام جیسا معجزہ دکھاؤ۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اے انبیاء علیہم السلام! کہ کیا تم اُمت کے غلط سلط اقوال پر صبر کرتے ہو یا نہیں، یا اے امتیو! ہم نے تمہیں تمہاری اپنی باتوں سے آزمائش میں ڈالا ہے۔ اس میں کفارِ مکہ کے مختلف اعتراضات اور غلط سلط باتوں سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے۔ گویا یوں کہا " اے محبوب مدنی صلی اللہ علیہ وسلم! کافروں کی بے تکی باتوں اور پریشان کن گفتگو سے غم نہ کیجئے اس لیے کہ ہم نے بعض کو بعض کے لیے امتحان کا سبب بنایا ہے اس لیے کہ سونے کو آگ کی گرمی سے آزمایا جاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا ۝ اور تمہارا پروردگار بصیر ہے اسے معلوم ہے کہ ان میں کون صبر اور کون جزع فزع کرتا ہے۔ حضرت امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ بصیر وہ ہے جسے ہر شے کا مشاہدہ ہو اور کوئی شے اس سے مخفی نہ ہو یہاں تک عرشِ عُلیٰ تا تحت الثریٰ اس کے لیے یکساں ہو۔ لیکن اس ذاتِ باری تعالیٰ کا دیکھنا اس آنکھ کی پتلی اور پلکوں سے پاک اور منزہ ہے اس لیے کہ

اس میں تغیر و تاثر ہے اور یہ حدوث کا مقتضی ہے جب وہ ایسے تغیر سے پاک ہے تو اب معنیٰ یہ ہو گا کہ بصیر اللہ تعالیٰ کی وہ صفت ہے جس سے مبصرات کے تمام نعوت کما لیہ منکشف ہوں اور یہ بصر کے مرئیات کے ادراک سے زیادہ روشن ہے۔ بندے کا بصر کے اس وصف سے حظ با ناظاہر ہے لیکن ہے ضعیف اور قاصر، اس لیے کہ محدود ہے آگے دیکھے تو پیچھے نہیں دیکھ سکتا ایسے ہی برعکس اور نہ ہی اپنے قریب کو دیکھ سکتا ہے اور نہ ہی اس کا باطن پر نظر پڑ سکتی ہے صرف ظاہر کو دیکھ سکتا ہے بواطن و سرائر کے دیکھنے سے محروم ہے اور باطناً یعنی اس کے لحاظ سے عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے بصارت اس لیے بنائی تاکہ اس کے آیات و عجائب الملکوت والسمٰوٰت کو دیکھے اور اس کا یہ دیکھنا بطور عبرت کے ہو۔

حکایت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال ہُوا کہ مخلوق میں آپ جیسا بھی کوئی ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، وہ جس کا دیکھنا عبرت کے طور ہو اور خاموشی غور و فکر سے اور اس کی گفتگو ذکرِ الٰہی سے ہو۔ دوسرا باطناً اس کا دیکھنا یُوں ہو کہ وہ ہر وقت اس تصور میں مستغرق رہے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا اور اس کی باتیں سُن رہا ہے۔ ایسا عمل نہ کرے کہ جس سے اس کی نگاہ سے گر جائے اور ایسا کام اس سے سرزد نہ ہو جس کی اسے اطلاع ہو۔ تو وہ ناراض ہو جائے۔ اگر بندوں سے چُھپ کر کام کرے گا تو اللہ تعالیٰ سے کہاں چھپے گا۔ اس پر لازم ہے کہ وہ ایسا قول و فعل اور عمل نہ کرے جس کی وجہ سے نگاہِ حق سے دور ہو جائے۔ اور یہ تصور ایمان کے نتائج و ثمرات سے ایک ہے۔ جو شخص گناہ کرتے وقت یہ خیال کرے گا کہ مجھے اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے تو پھر وہ گناہ پر کب جرأت کرے گا۔ اگر کرے گا تو اس جیسا خائب و خاسر کون ہوگا۔ اگر یہ خیال کرے گا کہ اللہ کو کیا خبر، تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اسی لیے یہ نکتہ ہر سالک کے یاد رکھنے کا ہے۔ کما فی شرح اسماءُ الحسنیٰ۔

سبق بندے پر لازم ہے کہ وہ ہر وقت قضاؤ قدرِ الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم رکھے۔ راحت و سرور ہو یا تکالیف و مصائب، فقر و فاقہ ہو یا دولتمندی و تونگری۔ کیونکہ بسا اوقات وہ اپنے بندے کو اپنی حکمت سے دکھ دے کر ہی اپنی راہ دکھاتا ہے اور اس کا بندے کو مراد سے باز رکھنا (باوجودیکہ اسے بہت بڑی قدرت ہے) بھی حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ حضرت شیخ عطّار قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ مگر دیوانۂ شوریدہ میخاست   برہنہ بد زحق کرباس میخواست
۲ کہ الٰہی پیرہن در تن ندارم   وگر تو صبر داری من ندارم
۳ خطابی آمد آں بے خویشتن را   کہ کرباست دہم اما کفن را
۴ زبہ بکشاد آں مجنون مضطر   کہ من دانم ترا ای بندہ پرور

marfat.ocm

۵ ، کہ تا اوّل نمیرد مرد عاجز — تو ندہی ہیچ کرپاسیش ہرگز
۶ بباید مرد اوّل مفلس و عور — کہ تا کرپاس پاید از تو در گور

ترجمہ : ۱ ۔ شاید کوئی دیوانہ اللہ تعالیٰ سے کپڑا مانگتا تھا اس لیے کہ وہ بیچارہ ننگا پھر رہا تھا ۔

۲ ۔ الٰہی ! کپڑا میرے جسم پر نہیں تو تو صبر کرتا ہے لیکن مجھ سے نہیں ہو سکتا ۔

۳ ۔ اس بیہوش کو آواز آئی تجھے کفن کا ہی کپڑا ملے گا ۔

۴ ۔ اس پریشان حال مجنون نے زبان کھولی اور کہا کہ اے بندہ پرور ! مجھے معلوم ہے ۔

۵ ۔ کیا مرنے سے پہلے کسی کو بھی کپڑا نہیں دیتا ۔ (جب دوسروں کو دیتا ہے تو مجھے بھی دے)

۶ ۔ بندے کو پہلے مفلس اور کنگال ہونا چاہیے پھر وہ قبر میں ہمیشہ کے لیے کپڑے حاصل کرے ۔

ف : حکایت میں اشارہ ہے کہ مرد مولیٰ وہ ہے جو اپنی جملہ مرادات کو دبا لے اس لیے کہ نفس کی جب تک مرادیں پوری ہوتی رہیں اس وقت تک وہ اوصافِ ذمیمہ و اخلاقِ قبیحہ سے باز نہیں آتا ۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا فیض ہر وقت جاری ہے لیکن جب تک نفس اپنی بُری عادات میں منہمک رہتا ہے اس وقت تک اسے وہ فیض نصیب نہیں ہوتا ۔ نفس کو اس وقت رحمت نصیب ہوتی ہے جب وہ رذائل سے پاک ہو جائے ۔ یہ اہلِ سلوک کے لیے کیمیائی نسخہ ہے ۔ باقی رہے عوام وہ کالانعام ہیں ان کے نفوس امّارہ ہوتے ہیں اسی لیے وہ ہر وقت نفس کی مرادیں پوری کرتے رہتے ہیں ۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی کو نعمتوں سے نوازے اور دولت مند بنائے تو یہ دراصل اس کی حکمتِ عظیمہ ہے لیکن درحقیقت اس طرح سے وہ اپنے بندوں کو آزماتا ہے ۔ بالخصوص طالبانِ راہِ حق کے لیے تو بہت بڑا امتحان ہوتا ہے اس لیے کہ وہ بہت بڑی ذمہ داری کے مالک ہوتے ہیں ۔ ان کے لیے لازمی ہے کہ وہ ایسے مواقع پر صبر و سکون اور حوصلہ اور بُردباری سے کام لیں ۔ وہی سب کا مددگار ہے اور اسی پر ہم سب کا سہارا ہے ۔

وصلی اللہ علی حبیبہ الکریم وعلیٰ آلہٖ واصحابہ اجمعین ۔

فقیر اویسی غفرلہٗ پارہ نمبر ۱۸ کے ترجمہ سے ، ۷ شوال ۱۳۹۸ھ / ۱۱ ستمبر ۱۹۷۸ء سوموار مبارک کو فارغ ہوا ۔ (الحمد للہ علیٰ ذٰلک)

محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ ۔ بہاول پور ۔

پارہ نمبر ۱۹

وَقَالَ الَّذِیْنَ

وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰی رَبَّنَا
اور بولے وہ جو ہمارے ملنے کی امید نہیں رکھتے ہم پر فرشتے کیوں نہ اتارے یا ہم اپنے رب کو دیکھتے
لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِیْرًا (٢١) یَوْمَ یَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا
بے شک اپنے جی میں بہت ہی اونچی کھینچی اور بڑی سرکشی پر آئے جس دن فرشتوں کو دیکھیں گے وہ
بُشْرٰی یَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِیْنَ وَیَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا (٢٢) وَقَدِمْنَآ اِلٰی
دن مجرموں کی کوئی خوشی کا نہ ہوگا اور کہیں گے الٰہی ہم میں ان میں کوئی آڑ کردے رکی ہوئی اور جو کچھ انہوں نے
مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا (٢٣) اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ یَوْمَئِذٍ خَیْرٌ
کام کیے تھے ہم نے قصد فرما کر انہیں باریک باریک غبار کے بکھرے ہوئے ذرے کردیا کہ روزن کی دھوپ میں نظر آتے ہیں جنت والوں
مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِیْلًا (٢٤) وَیَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ
کا اس دن اچھا ٹھکانا اور حساب کے دوپہر کے بعد اچھی آرام کی جگہ اور جس دن پھٹ جائے گا آسمان بادلوں سے اور فرشتے اتارے جائیں گے
تَنْزِیْلًا (٢٥) اَلْمُلْكُ یَوْمَئِذِ ا لْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ وَكَانَ یَوْمًا عَلَی الْكٰفِرِیْنَ عَسِیْرًا (٢٦)
پوری طرح اس دن سچی بادشاہی رحمٰن کی ہے اور وہ دن کافروں پر سخت ہے
وَیَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیْهِ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِی اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلًا (٢٧)
اور جس دن ظالم اپنے ہاتھ چبا چبالے گا کہ ہائے کسی طرح سے میں نے رسول کے ساتھ راہ لی ہوتی

marfat.ocm

يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿۲۸﴾ لَقَدْ اَضَلَّنِىْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِىْ
وائے خرابی میری ہائے کسی طرح میں نے فلانے کو دوست نہ بنایا ہوتا بیشک اس نے مجھے بہکا دیا میرے پاس آئی ہوئی نصیحت
وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِى اتَّخَذُوْا
سے اور شیطان آدمی کو بے مدد چھوڑ دیتا ہے اور رسول نے عرض کی کہ اے میرے رب میری قوم نے اس قرآن کو
هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِىٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ؕ وَكَفٰى
چھوڑنے کے قابل ٹھہرا لیا اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے دشمن بنا دیے تھے مجرم لوگ اور تمہارا
بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴿۳۱﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً
رب کافی ہے ہدایت کرنے اور مدد دینے کو اور کافر بولے قرآن ان پر ایک ساتھ کیوں نہ اتار دیا ہم نے یونہی بتدریج
وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا
اسے اتارا ہے کہ اس سے تمہارا دل مضبوط کریں اور ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھا اور وہ کوئی کہاوت تمہارے پاس نہ لائیں گے
جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿۳۳﴾ اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ
مگر ہم حق اور اس سے بہتر بیان لے آئیں گے وہ جو جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے اپنے منہ کے بل ان کا
اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۳۴﴾
ٹھکانا سب سے برا اور وہ سب سے گمراہ

تفسیر عالمانہ

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ۔ الرجاء وہ ظن جو پوشیدہ امر کے حصول کا تقاضا کرے۔ اللقاء وہ ادراک جو بصر و بصیرت کے متعلق ہے۔

قاعدہ: اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے ذکر سے قرآن مجید میں ہر جگہ قیامت کا دن مراد ہے اور بمعنے رجوع الی اللہ یعنی ایسے حاکم و مالک کی طرف رجوع کرنا جس کے سوا کوئی حاکم ہے نہ مالک۔

اب معنی یہ ہوا کہ اور کہا ان لوگوں نے جنہیں ہمارے ہاں حاضری کی کوئی امید نہیں یعنی وہ لوگ جو بعث و حشر اور حساب و جزا کے منکر ہیں یعنی کفارِ مکہ۔ اور تاج المصادر میں الرجاء بمعنے امید رکھنا اور ڈرنا لکھا ہے۔

اب آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ ہمارے دیکھنے سے نہیں ڈرتے۔ لَوْلَآ یہ حرف تحضیض ہے بمعنے ھلا یعنی کیوں نہیں اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْمَلٰٓئِکَۃُ نازل کیے گئے ہمارے اوپر ملائکہ۔ یعنی ہمارے ہاں فرشتے رسول بن کر نازل ہوتے کیونکہ ان کے عقیدے کے مطابق بشریت رسالت کے لائق نہیں اَوْ نَرٰی رَبَّنَا یا ہم اپنے پروردگار کو کھلم کھلا دیکھیں اور خود رب تعالیٰ ہمیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق و اتباع کا حکم فرمائے کیونکہ یہی طریقہ ایمان و تصدیق کے لیے احسن و اقویٰ ہے اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان دو طریقوں سے کوئی ایک طریقہ اختیار نہیں فرمایا تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسے ہماری تصدیق برائے نبوت کا ارادہ نہیں۔

منکرینِ رؤیۃ باری تعالیٰ کا رد

شیخ نجم الدین نے اپنی تاویلات میں لکھا کہ منکرین آخرت اور کافرین تو رؤیۃِ حق تعالیٰ کی آرزو کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

اَوْ نَرٰی رَبَّھُمْ۔ ترجمہ: یا ہم اپنے پروردگار کو دیکھیں۔

لیکن افسوس کہ ایمان کے مدعی جنہیں آخرت پر ایمان بھی ہے اور حشر میں اُٹھنے کا یقین بھی رکھتے ہیں لیکن اپنے رب تعالیٰ کی رؤیت کے منکر ہیں حالانکہ رویتِ باری تعالیٰ کے متعلق نصوص وارد ہیں ان سے تو وہی منکرینِ آخرت بہتر ہوئے کہ انہوں نے رؤیتِ حق تعالیٰ کا جواز ظاہر کر کے اس کی آرزو پیش کر دی۔ جیسے انہیں انزال الملائکہ کا اقرار ہے ایسے ہی وہ رؤیت باری تعالیٰ کے بھی مُعترف ہیں۔ نتیجہ نکلا کہ منکرینِ قیامت اور منکرینِ رؤیتِ باری تعالیٰ نصوص کے انکار میں اشتراک ہے کیونکہ جیسے روایات سے بعث و نشر اور آخرت ثابت ہے ایسے ہی نصوص سے ثابت ہے کہ اہلِ ایمان کو قیامت میں باری تعالیٰ کی زیارت ہوگی۔

لَقَدِ اسْتَکْبَرُوْا یہ لام قسم محذوف کا جواب ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ بخدا انھوں نے تکبر کیا۔ الاستکبار انسان غلط تصورات سے بھرپور ہو کر اپنے میں وہ مرتبہ ظاہر کرے جو اس میں نہیں۔ اب مطلب یہ ہوا کہ اُنہوں نے باطل کے طور کبر کو ظاہر کیا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ اپنے نفسوں کے متعلق، یعنی انہوں نے اپنے نفسوں کے لیے خیالی مراتب و درجات گھڑ لیے اسی لیے کہہ دیا کہ ان کے ہاں پیغاماتِ الٰہی ملائکہ لے آئیں یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کے لیے خود انہیں اللہ تعالیٰ آکر فرما دے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ بخدا انہوں نے اپنے خیال سے اپنے آپ کو بڑا بنا لیا یعنی اس فیصلے میں انہوں نے تکبر سے کام لیا اور بے جا جرأت کی۔

وَعَتَوْ اور انہوں نے ظلم اور طغیان میں حد سے تجاوز کیا۔ العتو بمعنے الغلو اور طاعت سے دُور ہونا۔ عُتُوًّا کَبِیْرًا ۝ سرکشی کی انتہا کو پہنچ گئے کہ باوجودیکہ معجزات و براہین دیکھے لیکن ان سے

marfat.ocm

روگردانی کی اور خباثتِ طبعی سے اپنے خبیث نفسوں کے لیے ملائکہ کا معائنہ اور باری تعالیٰ کی زیارت کا مطالبہ کر ڈالا حالانکہ ان خبثاء کی خباثت اور غلاظتِ طبعی کو زیارتِ ایزدی کا امکان کسی پاگل دماغ کو ہوگا، ورنہ ظاہر ہے کہ دنیا میں تو سوائے ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی نبی علیہ السلام اور ولی کو زیارت نہیں ہوئی اور نہ کسی کو ہو سکتی ہے اور ہمارے حضور شافع النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دنیا کی حدوں کو عبور کر کے ذاتِ حق تعالیٰ کو بے حجاب دیکھا۔ دنیا کی حد ہفت افلاک تک ہے اور بس۔ اس لیے کہ عالمِ دنیا کون و فساد کا عالم ہے۔

مسئلہ: الوسیط میں ہے کہ رؤیتِ حق کی طلب کو عتو سے اس لیے موصوف کیا گیا کہ انہوں نے دل و جان سے رؤیت کی آرزو نہیں کی بلکہ ان کا مقصد حق سے عناد اور اللہ و رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طاعت سے انکار کے طور آرزو کی اس اعتبار سے اُنہوں نے اپنی گفتگو اور کفر میں غلو کیا۔

سوال: جب اللہ تعالیٰ کا دیدار جائز ہے تو پھر جائز امر پر انہیں زجر و توبیخ کیوں؟

جواب: (۱) انہیں زجر و توبیخ دوسری وجہ سے کی گئی وہ یہ کہ ایسی طلب کی جو ان کے لائق نہیں تھی وہ اس لیے کہ جب انہوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دلائل و براہین دیکھ لیے تھے تو پھر بجائے تسلیم کرنے کے دوسرے مطالبہ کے درپے ہو گئے۔ اور ظاہر ہے کہ جو دلیل دیکھ کر پھر دلیل کا مطالبہ کرے اسے احمق کہا جاتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں سرکشی یعنی عتو و غلو سے تعبیر فرمایا۔

(۲) وہ ایمان بالغیب کے مکلف تھے لیکن جونہی انہوں نے رؤیت (آنکھوں سے دیکھنے) کا سوال کیا تو اصل موجب سے متجاوز ہو گئے اسی لیے انہیں اللہ تعالیٰ نے عتو سے موصوف فرمایا۔

یَوْمَ یَرَوْنَ الْمَلٰٓئِکَةَ اس دن سے کہ وہ ملائکہ کو دیکھیں گے یعنی عذاب کے فرشتوں کو قیامت میں دیکھیں گے۔

سوال: یوم تنزل الملٰئکة الخ کیوں نہیں فرمایا؟

جواب: تاکہ معلوم ہو کہ ملائکہ کی رؤیت ان کے مطالبہ کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی دوسرے طریقہ سے ہے وہ ہے عذاب میں مبتلا ہونا اور یوم کا منصوب ہونا بوجہ ظرفیت کے ہے جیسا کہ اس پر دلالت کرتا ہے۔

لَا بُشْرٰی یَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِیْنَ اس دن مجرموں کو کوئی بشارت نہ ہوگی۔ یہ جملہ بمعنے یبشر کے ہے یعنی قیامت میں انہیں خوشخبری سے نوازا نہیں جائے گا۔ اس کا معنیٰ یہ نہیں کہ نفس بشریٰ ان سے متعلق نہ ہوگی اس لیے کہ بشریٰ مصدر ہے اور مصدر اپنے ماقبل میں عمل نہیں کرتا اسی طرح جو شے ماقبل میں عمل نہیں کرتی وہ مابعد میں بھی عمل نہ کرے۔ المجرم' جرم سے ہے یعنی ثمر کو درخت سے کاٹنا۔ عرفاً ہر مکروہ عمل کے ارتکاب کو جرم

کہا جاتا ہے۔ اور ضمیر کے بجائے المجرمین کی تصریح میں اشارہ ہے کہ ان پر کفر کے علاوہ مجرم ہونے کی مُہر ثبت کرنی ہے اور وہ تاکید (جسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے یعنی انہوں نے فرشتوں کا نزول اور رویتِ باری تعالیٰ کا مطالبہ کیا ہے) کے لیے یومئذٍ کو تکرار کے طور پر لایا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ جو کچھ وہ مانگ رہے ہیں وہ ضرور ہوگا لیکن اس کے موجود ہونے پر انہیں پریشان ہونا پڑے گا کیونکہ اس وقت انہیں خوشخبری تو کوئی سنائی نہیں جائے گی البتہ انہیں ہراساں کیا جائے گا اور ہر وقت عذاب میں مبتلا رکھا جائے گا بخلاف اہلِ ایمان کے کہ ان کے ہاں ملائکہ حاضری دے کر خوشخبریاں سنائیں گے اور اللہ تعالیٰ کا پیغام سناتے ہوئے کہیں گے:

ان لا تخافوا ولا تحزنوا الخ ترجمہ: نہ خوف کھاؤ اور نہ غم کرو۔

خلاصہ یہ کہ کفارِ مکہ کو قیامت میں کسی قسم کی خوشخبری نہیں دی جائے گی۔

وَيَقُوْلُوْنَ ملائکہ کو دیکھ کر کفار مجرمین کہیں گے۔ اس کا عطف فعل منفی مذکور پر ہے حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۝ حجراً، حجرہ کا مصدر ہے بمعنے منع، اور محجور بمعنے ممنوع۔ اور محجورا، حجرا کی صفت ہے۔ یہ تاکید کے طور لایا گیا ہے جیسے یوم میں الیوم اور لیل میں الیل تاکید کے لیے آتے ہیں۔ یہ کلمہ دراصل اس وقت بولتے ہیں جب ان پر سخت ہجوم اور دشمن کا سامنا ہو۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اپنے ہاں ملائکہ کے نزول کا مطالبہ کرتے ہیں حالاں کہ ان کا حال یہ ہوگا کہ جب وہ قیامت میں ملائکہ کرام کے دیکھنے سے کراہت کا اظہار کرتے ہوئے کہیں گے: حجراً محجوراً۔ یہ کلمہ نزولِ بأس کے وقت پناہ کے طور پر کہتے اور اللہ تعالیٰ سے استدعا کرتے ہوئے عرض کرتے کہ ان کے لیے کوئی سبب ہو جس سے وہ اس مکروہ شے کو نہ دیکھیں اور وہ مکروہ شے ان سے دور رکھے تاکہ وہ شے ان تک نہ پہنچ پائے۔

ف: زاد المسیر میں لکھا کہ جب کفار مشعر حرام میں کسی ایسے کو دیکھتے جس سے انہیں خطرہ ہوتا تو اسے کہتے: حجراً محجوراً۔ اس سے ان کا مطلب یہ ہوتا کہ ہم ماہ حرام میں ہیں اور تو بھی اس ماہِ حرام کا خیال کر۔ اس سے ان کا اصل مقصد یہی ہوتا کہ وہ اس مکروہ امر کی شدت سے حفاظت پا جائیں یہاں قیامت میں بھی اسی خیال سے حجراً محجوراً کہیں گے کہ شاید قیامت کے عذاب سے بچ جائیں۔

ف: منقول ہے کہ قریشِ مکہ کو جب کوئی ایسا امر لاحق ہوتا کہ جس سے انہیں خطرہ ہوتا تو کہتے:

حاجورا حاجورا۔ "بچاؤ بچاؤ"

اس سے ان کا یہ واضح کرنا ہوتا کہ وہ حرم شریف میں ہیں اور یہ لفظ سننے والا ان کو تکلیف نہ دیتا۔ اب قیامت میں بھی اسی ارادے سے کہیں گے: حجرا محجورا۔ لیکن اس دن ایسا کلمہ انہیں کوئی فائدہ نہ دے گا۔

وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ۝ القدوم بمعنے مدت کے بعد مسافر کا

marfat.ocm

آنا۔ اور ھباء وہ گرد و غبار جو سورج کی کرنوں سے روشندانوں میں اڑتی ہوئی نظر آتی ہے۔ الھبوۃ سے ہے بمعنے الغبار۔ منثوراً ھباء کی صفت ہے بمعنے پھیلی ہوئی۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے کفار اور ان کے ان اعمال کا حال بتایا ہے جو انہوں نے دنیا میں کیے۔ مثلاً صلہ رحمی، مظلوم کی فریاد رسی اور مہمان نوازی اور قیدی آزاد کرنا، یتیم پروری و دیگر وہ نیکیاں کہ اگر انہیں ایمان کو قبول کرنے کے بعد کرتے تو ان کا بہترین ثواب پاتے ان کی مثال بادشاہ کے ان باغیوں کی ہے جو بادشاہ کے خلاف ہو کر اچھے کام کریں تو بادشاہ حکم فرمائے کہ ان کے مکانات اور زمینیں وغیرہا چھین لی جائیں اور ان کی آبادیوں کو بربادیوں سے بدل دیا جائے حتیٰ کہ ان کے نشانات تک مٹا دیئے جائیں۔

اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے ان کے اعمال کے متعلق ارادہ کیا اور انہیں بالکل باطل قرار دے دیا۔ اس لیے کہ ان کے قبول کرنے کے شرائط نہیں ہیں یعنی ایمان سے خالی ہیں۔ اس تقریر پر قدمنا کا مجازی معنیٰ کیا گیا ہے کیونکہ وہاں قدوم کا تصور کیسا۔ اور یہاں ہیئت کی تشبیہ ہے اور ایسے مقامات پر مفردات اپنے معانی اصلیہ میں مستعمل ہیں اور ان کے ضائع شدہ اعمال کو غبار سے حقارت کی وجہ سے تشبیہ دی گئی ہے، اور بتایا گیا ہے کہ وہ قابلِ اعتبار نہیں۔ اور منثوراً میں اشارہ ہے کہ ان کے اعمال کسی طریقہ سے بھی نظم و ترتیب میں نہیں آسکیں گے۔

فائدہ صوفیانہ: اس میں اشارہ ہے کہ اہلِ بدعت کے اعمال کا حال بھی یونہی ہے کہ وہ اپنے اعمال خواہشِ نفسانی کو مدِّ نظر رکھ کر کرتے ہیں اور ان میں ریاء کی ملاوٹ ہوتی ہے اسی لیے ان کے اعمال باطل ہو کر رہ جائیں گے جن کا نہ کوئی نشان رہے گا اور نہ ہی ان کی کوئی خبر لے گا۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ شنیدم کہ نابالغی روزہ داشت بصد محنت آورد روزی بچاشت
۲ بگفتا پس آں روز سائق نبرد بزرگ آمدش طاعت از طفل خرد
۳ پدر دیدہ بوسید و مادر سرش فشاندند بادام و زر بر سرش
۴ چو بروی گذر کرد یک نیمہ روز فتاد اندر و آتش معدہ سوز
۵ بدل گفت اگر لقمہ چندی خورم چہ داند پدر عیب یا مادرم
۶ چو روی پسر در پدر بود و قوم نہاں خورد و پیدا بسر برد صوم
۷ کہ داند چو در بند حق نیستی اگر بی وضو در نماز ایستی
۸ پس ایں پیر ازاں طفل نادان ترست کہ از بہر مردم بطاعت درست

۹ کلید در دوزخست آں نماز — کہ در چشم مردم گزاری دراز
۱۰ اگر جز بحق میرود جادہ ات — در آتش نشانند سجادہ ات

ترجمہ : ۱۔ میں نے سنا ہے کہ ایک نابالغ نے روزہ رکھ لیا۔ سو مشقتوں سے چاشت تک دن پہنچایا

۲۔ اس دن اس کو مکتب سے خلیفہ نے گیا۔ چھوٹے بچے کی عبادت اسکو بڑی معلوم ہوئی۔

۳۔ باپ نے آنکھیں چومیں ماں نے اس کا سر۔ انھوں نے بادام اور چاندی اسکے سر پر نچھاور کی۔

۴۔ جب اس پر آدھا دن گزرا۔ اس کے اندر معدہ کی آگ سے جلن پیدا ہوگئی۔

۵۔ اس نے دل میں کہا اگر میں چند لقمے کھاؤں میرے باپ یا ماں غیب کو کیا جانیں گے؟

۶۔ جب لڑکے کا رخ باپ اور قوم کی طرف تھا تو چپکے سے کھا لیا بظاہر روزہ پورا کرلیا۔

۷۔ اگر تو خدا کی فکر میں نہیں ہے تو کسی کو کیا معلوم۔ اگر تو بے وضو نماز میں کھڑا ہو جائے۔

۸۔ یہ بوڑھا اس بچہ سے بھی زیادہ نادان ہے جو انسانوں کی خاطر عبادت میں لگا ہے۔

۱۔ وہ نماز دوزخ کے دروازے کی کنجی ہے جو تو لوگوں کی نگاہوں کے سامنے لمبی پڑھے۔

۱۰۔ اگر تیری سڑک اللہ تعالیٰ کی جانب کے سوا ہے تو تیرے مصلیٰ کو آگ میں ڈال دیں گے۔

اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ بہشتی یعنی اہلِ ایمان یَوۡمَئِذٍ اس دن جس دن کفار کا حال وہی ہوگا کہ انھیں خوشخبری نہیں ہوگی اور وہ حجراً محجوراً پکاریں گے اور ان کے اعمال اڑتی ہوئی غبار کی طرح بیکار اور باطل بنا دیے جائیں گے، اور اہلِ ایمان اس کے برعکس خَیۡرٌ مُّسۡتَقَرًّا بہتر قرارگاہ میں ہوں گے۔ مستقر وہ مکان جسے انسان اپنی نشست و برخاست کے لیے مقرر کرے۔ یعنی اہلِ ایمان کی رہائش گاہ ان کافروں دنیاداروں کی دنیوی رہائش گاہ سے بہتر ہوگی۔ یعنی اہلِ ایمان کے مکانات آخرت میں دنیا کے کافروں کے مکانوں اور منزلوں سے بہتر و اعلیٰ ہوں گے یا یہ افضلیت آخرت میں کفار کے مکانات کی وجہ سے ہے۔

سوال : یہ معنیٰ نامناسب ہے اس لیے کہ کافروں کے لیے آخرت میں خیریت کا مفہوم کیسا؟

جواب : تہکم و استہزاء کے طور ہے۔ جیسے قولِ باری تعالیٰ "قل اذٰلك خیرام جنة الخلد" میں تہکم و تقریع ہے یا یہ افضلیت بوجہ زیادہ مطلقہ کے ارادہ پر ہے یعنی وہ اہلِ ایمان خیریت کے انتہائی اعلیٰ مراتب پر ہوں گے۔ یہی تقریر وَّ اَحۡسَنُ مَقِیۡلًا ۝ میں کی جاتی۔ یعنی کافروں کے دنیا کے قیلولہ کرنے کے مکانات سے آخرت میں بہترین مقام میں ہوں گے یا آخرت میں اہلِ ایمان اہلِ کفر سے بہتر قیلولہ گاہ میں ہوں گے یا وہ انتہائی احسن قیلولہ گاہ میں ہوں گے۔ المقیل بمعنے موضع القیلولة یعنی قیلولہ کی جگہ۔ اور قیلولہ بمعنے موسم گرما میں دوپہر کے وقت آرام کرنا۔ مثلاً کہا جاتا ہے :

marfat.ocm

نمت نصف النہار ۔ (میں دوپہر کو سویا)

اس سے یہی قیلولہ مراد ہوتا ہے ۔ لیکن یہاں پر وہ جگہ مراد ہے جہاں اہلِ بہشت اپنی ازواج کے ساتھ آرام کے لیے اور ان سے گفت و شنید اور لہو و لعب کے لیے ٹھہریں گے ۔ ورنہ بہشت میں کہاں دوپہر، کہاں گرمی اور کہاں نیند، بلکہ وہاں مطلق آرام ہوگا جس میں غفلت نہ ہوگی اور نہ کوئی حس ادراک سے خالی ہوگی ۔ اسی طرح جہنم میں کوئی مکان آرام کے لیے نہیں ہوگا اور نہ ہی وہاں کافروں کو نیند کے لیے وقت دیا جائے گا بلکہ وہ ہمیشہ عذاب میں مبتلا ہوں گے ۔

ف : مقیل سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے مروی ہے کہ اہلِ بہشت کے لیے قیامت کے دن اتنی مقدار ہوگی جتنی صبح سے دوپہر کا وقت گزار کر قیلولہ کے لیے اپنے مسکن میں آرام کے لیے جاتا ہے ایسے بہشتی اتنا وقت گزار کر اپنے اپنے مسکن میں چلے جائیں گے اور دوزخی دوزخ میں ۔ اور مجرمیوں کے لیے پیاس کے ساتھ دنیوی پچاس ہزار سال کی مقدار گزرے گی (العیاذ باللہ) ۔

ف : اسے احسن سے موصوف کرنے میں اشارہ ہے کہ بہشتیوں کے مسکن ایسے ہی مختلف مزینات سے مزین ہوں گے جیسے دُنیا میں دُلھن کا گھر سجایا جاتا ہے ۔

تفسیر صُوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جو لوگ حشر و نشر پر ایمان اور رویتِ باری تعالیٰ کا یقین رکھتے ہیں ان اہلِ بہشت کے لیے یومئذ خیر مستقرا بہترین قرارگاہ ہوگی ۔ اس لیے کہ عوام اہلِ بہشت کو بہشت اور خواص کو حضرتِ ربوبیت اور قربِ حق تعالیٰ نصیب ہوگا ۔ کما قال تعالیٰ :

الیٰ ربک یومئذ المستقر ۔

ترجمہ : تیرے رب کے ہاں آج ٹھہرنے کی جگہ ہے ۔

واحسن مقیلا اس لیے کہ دوزخ منکرینِ حشر اور بہشت اہلِ ایمان اور قربِ حق راجعین الی اللہ اور مجذوبین کے ٹھہرنے کی جگہ ہے ۔

سبق : دانا پر لازم ہے کہ وہ مستقر اخروی و مقیل علوی کے حصول کے لیے جد و جہد کرے ۔

حکایت

ایک رات شیخ حجازی آیت :

"وجنۃ عرضہا السموٰت والارض" ترجمہ : اور وہ بہشت جو کہ چوڑائی میں زمین و آسمان ہے ۔

پڑھ پڑھ کر روتے رہے ۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ اس آیت میں تو الٹا بہشت کی وسعت کا بیان ہے پھر آپ کیوں روتے ہیں ؟ آپ نے فرمایا : اگر خدانخواستہ اس میں مجھے قدم رکھنے کی جگہ بھی نہ ملے تو اس کی وسعت کا کیا فائدہ !

حدیث شریف میں ہے :

"من سعادۃ المرء المسکن الواسع والجار الصالح والمرکب الھنیئ" ۔

(انسان کی سعادت کی علامت ہے کہ اسے رہنے کے لیے جگہ فراخ اور ہمسایہ نیک اور سواری طبیعت کے موافق ہو)

ف: کسی سے پوچھا گیا: غنی کون ہے؟ اس نے جواب دیا: مکان فراخ اور رزق فراخ جسے حاصل ہو وہی دنیا میں غنی ہے۔

ف: دنیا کی سعادات آخرت کی سعادات کی یاد تازہ کرتی ہیں۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

افتخار از رنگ و بو و از مکان
ہست شادی و فریب کودکان

ترجمہ: رنگ و بو و مکان پر فخر کرنا بازیچۂ اطفال ہے۔

؎

۱ ہر کجا باشد شہ مارا البساط
ہست صحرا گر بود سم الخیاط
۲ ہر کجا یوسف وحی باشد چو ماہ
جنت است آں چہ کہ باشد قعر جاہ

ترجمہ: جہاں ہمارا محبوب ڈیرہ ڈال لے وہی ہمارے لیے فراخ مکان ہے اگرچہ وہ سوئی کے ناکہ کے برابر ہو، جہاں یوسف قیام پذیر ہو وہاں گہرا کنواں بہشت ہے۔

عارف کی جنّت

عارف باللہ کی جنّت پاک قلب و معرفتِ الٰہی ہے۔ چنانچہ یحییٰ بن معاذ رازی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ دنیا میں ایک ایسی بہشت موجود ہے جو اس میں داخل ہوگا وہ کبھی آخرت کی بہشت کا شوق ظاہر نہیں کرے گا۔ عرض کیا گیا، وہ کون سی بہشت ہے؟ آپ نے فرمایا: معرفتِ الٰہی ؎

چو دادت صورت خوب و صفت ہم
بیا تا بدہدت ایں معرفت ہم
چو خونے مشک گردد از دم پاک
بود ممکن کہ تن جانے شود پاک

ترجمہ: جب تجھے صورت حسین اور بہتر صفت عطا کی ہے تو تم اس کے دروازے پر آؤ تاکہ وہ تمہیں معرفت عطا فرمائے۔ جو خون ایک ہی دم سے مشک ہو جاتا ہے کہ اس دم سے سارا

marfat.ocm

جسم کیوں پاک نہ ہو جائے گا۔

تفسیر عالمانہ

وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءَ اس وقت کو یاد کرو جب کہ پہاڑ پھٹ جائیں گے۔ تاج المصادر میں تشقق میں پھٹنا دراصل تتشقق تھا۔ تلظّی کی طرح ایک تاءٗ محذوف ہوئی ہے بِالْغَمَامِ بادل کے ساتھ۔ اسے اس نام سے اس لیے موسوم کیا گیا ہے کہ اس سے سورج کی روشنی چھپ جاتی ہے۔ الغم بمعنی ستر الشیٔ یعنی آسمانوں سے بادل کے طلوع سے۔ یہ وہی بادل ہے جسے آیت:

ھَل ینظرون الّا ان یاتیھم اللہ فی ظلل من الغمام والملٰئکۃ۔

(نہیں دیکھیں گے مگر یہ کہ ان کے ہاں عذابِ الٰہی بادلوں کے سایوں میں آئیں گے اور فرشتے)

میں بیان کیا گیا ہے۔ بعض نے کہا کہ غمام سائبان کی طرح باریک سفید بادل تھا جو بنی اسرائیل کے لیے ظاہر ہوا یعنی جب وہ جنگل میں حیران و ششدر پھر رہے تھے تو ان پر اس طرح کا بادل چھا گیا تھا۔

ف : حضرت ابو اللیث رحمہ اللہ نے فرمایا:

غمام بادل کی طرح ایک سفید شے جو ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے۔

چنانچہ **حدیث شریف** میں ہے:

دعوۃ المظلوم ترفع فوق الغمام۔

(مظلوم کی دعا ساتوں آسمانوں کے اوپر غمام کے اوپر جاتی ہے)

ف : حضرت امام نسفی رحمہ اللہ نے فرمایا:

غمام ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے اور سفید بادل ہے جس کی موٹائی ساتوں آسمانوں کے برابر ہے، جسے آج تک اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے روکا ہُوا ہے اس کا بوجھ ساتوں آسمانوں کے برابر ہے۔ جب اللہ تعالیٰ آسمانوں کے پھٹنے کا ارادہ فرمائے گا تو اس بادل کا بوجھ ان پر ڈالے گا تو وہ پھٹ جائیں گے۔ یوم تشقق السماء کا یہی مطلب ہے یعنی آسمان پھٹ جائیں گے اس بادل کے بوجھ سے۔ یعنی بادل ظاہر ہو کر آسمانوں سے نکلے گا اور اسی میں ملائکہ کرام ہوں گے۔ کما قال تعالیٰ:

وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ۝ یعنی غیر معہود طریقہ سے اسی بادل سے عجیب طور نازل ہوں گے بعضوں نے کہا کہ اس وقت علیٰحدہ علیٰحدہ آسمان پھٹ جائیں گے تو انہیں آسمانوں سے ملائکہ کرام بندوں کے عملنامے لے کر نکلیں گے۔

تنشق السماء مروی ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے پہلا آسمان پھٹے گا تو اس سے آسمانِ دنیا کے انس وجن کی گنتی میں ملائکہ کرام نکلیں گے انھیں مخلوقِ خدا کہے گی : کیا تم میں ہمارا پروردگار ہے یعنی حساب کے لیے اللہ تعالیٰ کا حکم وارد ہو چکا ہے، وہ فرشتے کہیں گے : نہیں وہ عنقریب آنے والا ہے۔ اس کے بعد دُوسرا آسمان پھٹے گا اس سے دوہرے فرشتے تشریف لائیں گے۔ اسی طرح ہر دوسرا آسمان پہلی مقدار سے دوہری مقدار سے ملائکہ نازل ہوتے رہیں گے یہاں تک کہ ساتوں آسمان پھٹ جائیں گے تو غمام ظاہر ہوگا۔ یعنی وہی سفید بادل جو ساتوں آسمانوں کے اُوپر ہے اس کے بعد حساب کا حکم نازل ہوگا۔ یوم تشقق السماء کا یہی معنیٰ ہے۔

ف : یہ زمین پہلے آسمان کے مقابلہ میں ایسے ہے جیسے زمین کے سامنے ایک رستہ۔ اسی طرح ملائکہ کی گنتی کا حال ہے۔ پھر اسی طرح ہر نچلا آسمان اوپر والے کے مقابلہ میں، اندازہ لگائیے کہ ساتوں آسمانوں کی گنتی پر غور کیا جائے تو ان کے لیے زمین میں وسعت کہاں ! کما فی حواشی الشیخ۔

اعجوبہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو دستر خوان کی طرح دراز کر کے بچھا دے گا۔ اور ظاہر ہے کہ آسمان قبہ جات کی طرح پھیلے ہوئے ہوں گے، جب ان میں سے ایک کو اٹھالیا جائے گا تو زمین اس کی مقدار وسیع ہو جائے گی اسی طرح ساتوں آسمانوں کے قبے اُٹھتے جائیں گے اور زمین وسعت پذیر ہوتی جائے گی۔ اسی طرح ملائکہ کرام اس میں پھیلتے جائیں گے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ملائکہ لطیف اجسام ہیں اس لیے ان کے لیے ایک دُوسرے پر مزاحمت کا تصور نہ کیا جائے۔ یہ مزاحمت انسانوں کے متعلق ہو سکتی ہے اس لیے کہ انسان ثقیل اجسام ہیں۔

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ - الملك مبتدا ہے اور الحق، الرحمٰن کی صفت ہے اور وہ مبتداء کی خبر ہے اور یومئذ خبر کو مبتدا کے ثبوت کے لیے ظرف ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ سلطنت قاہرہ اور استیلاء کلی ظاہری و باطنی بایں معنی کہ اسے ہرگز زوال نہیں۔ وُہ قیامت میں صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہے اور اسے یومئذ سے مقید کرنے میں اشارہ ہے کہ قیامت میں سلطنت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہوگی اور کسی کے لیے مجازاً بھی ملکیت وسلطنت کا تصور نہ ہوگا ؎

چو مدعیان زبان دعوی
از مالکیت در بستہ باشند

ترجمہ : جب مدعیان قیامت میں مالکیت سے زبان بند کیے ہوں گے۔

ف : دنیا میں بھی اگرچہ سلطنت وملکیت اللہ تعالیٰ کی ہے لیکن اس میں مجازاً کسی نہ کسی کا ملک و

marfat.ocm

سلطنت ہے۔

وَكَانَ يَوْمًا اور ہو گا وہ دن عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا کافرین پر سخت یعنی شدتِ ہول کی وجہ سے کفار پر وہ دن بڑا سخت ہو گا۔ عسر یسیر کی نقیض ہے اسی لیے قیامت کا دن اہلِ ایمان پر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نہایت آسان ہو گا۔

حدیث شریف میں ہے،

انه يهون يوم القيامة على المؤمن حتى يكون اخف عليه من صلاة مكتوبة صلاها في الدنيا۔

(قیامت کا دن اہلِ ایمان پر ایسے آسان ہو گا جیسے اس نے دنیا میں خفیف دوگانہ پڑھا ہو گا)

ف: کفار پر وہ دن اس لیے سخت ہو گا کہ وہ جہنم میں داخل ہوں گے اور انہیں بہشت کی محرومی سے حسرت ہو گی حالانکہ دنیا میں نعمتیں حاصل تھیں اُن سے محروم ہو کر طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہوں گے اور اہلِ ایمان کو آسانی بایں معنی ہو گی کہ وہ جنات کی نعمتوں اور دیدارِ الٰہی سے نوازے جائیں گے اور اس سے قبل دنیا میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی تکلیف پر راضی تھے اور انہیں آسانیاں حاصل نہیں تھیں۔ وہ یقین رکھتے تھے کہ اس دُکھ درد کے بعد آرام و سکون نصیب ہو گا۔

حکایت علی سہل صعلوکی کو یہودی کے حمام کی قید سے نکال کر ایک سیاہ پردے کے دُھوئیں میں ڈالا گیا۔ یہودی نے کہا کہ تم کہتے ہو کہ دنیا اہلِ ایمان کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔ اس کا کیا مطلب؟ سہل صعلوکی نے فوراً جواب دیا کہ جب تم جہنم میں جاؤ گے تو تم اس دنیا کو جنت تصور کرو گے اور جب ہم بہشت میں جائیں گے تو ہمیں یہ دنیا قید محسوس ہو گی۔ لوگ ان کے فوری جواب سے متعجب ہوئے۔

نجاتِ اہوالِ آخرت حضرت شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کی گئی، دنیا میں اشتغال اور آخرت میں اہوال ہیں ان سے نجات کیسے حاصل کی جا سکتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ دنیوی مشاغل کو ترک کر دو آخرت کے اہوال سے نجات نصیب ہو جائے گی۔ وہ لوگ مبارکباد کے مستحق ہیں جو دنیا کی طلب سے فارغ اور اس کے شہوات سے دُور اور اس کے فریب سے نہ صرف مجتنب ہیں بلکہ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے ؎

این جہان جیفہ است و مردار و رخیص
بر چنیں مردار چوں باشم حریص

ترجمہ: یہ جہان جیفہ و مردار اور بدبُو دار ہے۔ ایسے مردار پر میں کیسے حریص بن سکتا ہوں۔

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ بہشت کے بنگلے پر لکھا ہے کہ صد حیف اس پر جو دنیا کا خریدار ہے۔

اللہ والوں کی نشانی اولیاء اللہ نے ماسوی اللہ کی محبت کو دل سے کاٹ کر رکھ دیا ہے اور وہ شدائد و مصائب کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے آپ کو ہر وقت تیار رکھتے ہیں یہاں تک کہ وہ منزلِ مقصود کو پہنچے۔

اولیاءؒ کے دشمن کی سزا اہلِ انکار قیامت میں سخت سے سخت دُکھ درد میں مبتلا ہوں گے اس لیے کہ وہ اولیاءؒ کی شان میں گستاخیاں کرتے رہے اور عوام کو ان سے متنفر کرنے میں کوشاں رہے اور چاہتے کہ عوام اولیاء اللہ سے رُوگردانی کریں کہ ان کی طرف متوجہ ہوں اور وہ مال و اسباب وغیرہ ان سے لُوٹ کر کھا جائیں، حالاں کہ مرنے کے بعد جملہ املاک و اسباب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہوں گے۔ اور ایسے لوگ کسی شے کے مالک نہیں ہوں گے، اسی لیے اپنے سے کوئی دُکھ اور درد دُور نہیں کر سکیں گے۔ اس لیے لازم ہے کہ انسان ہر وقت تجدیدِ ایمان اور اقرارٌ باللسان پر کمربستہ رہے۔ کما ورد :

جددوا ایمانکم بقول لا الٰہ الا اللّٰہ۔

(لا الٰہ الا اللہ کی تجدید کرو)

سوال : اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ ایمان بھی پُرانا ہوجاتا ہے۔

جواب : ایمان کے پرانے ہونے کا یہ معنیٰ ہے کہ انسان پر غفلت چھا جائے اور وہ شوقِ الٰہی سے دُور ہو جائے تو ایسے انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ تجدیدِ ایمان سے اپنی دُوری اور غفلت کو ہٹائے تاکہ کلمہ طیبہ کی برکت سے شوقِ حق اور جذبۂ الٰہی اور محبتِ ایزدی اسے حاصل ہو۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ ہر وقت ذکرِ حق میں مشغول رہے یہاں تک کہ اس کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ جائے۔

ؔ جدائی مبادا مرا از خدا
دگر ہر چہ پیش آیدم شایدم

ترجمہ : ایسا نہ ہو کہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے جُدائی ہو، دوسرا کوئی دکھ درد آئے تو ہمیں منظور ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ مرتے دم تک ہم اس کی اطاعت و فرماں برداری سے سرِ مُو نہ ہٹیں۔ (آمین)

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ یوم فعل اذکر مقدر کی وجہ سے منصوب ہے اور العض بمعنے کسی شے کو دانتوں سے چبانا۔ اور عض الیدین سے ندامت مراد ہے۔ کیونکہ لوگوں کی عادت ہے کہ ندامت کے وقت ہاتھ چباتے ہیں۔ اسی طرح اسے کبھی عض الانامل سے اور کبھی اکل البنان اور کبھی حرق الاسنان وغیرہ سے تعبیر کرتے ہیں اور ان الفاظ سے غیظ و غضب اور حسرت مراد لیتے ہیں اور یہ الفاظ مترادفات سے ہیں۔

marfat.ocm

ف : الکواشی میں ہے کہ ممکن ہے کہ لفظ علیٰ زائد ہو اس معنے پر عض اپنے حقیقی معنی پر ہوگا۔ جیسا کہ مروی ہے، کہ قیامت کے دن کافر اپنے دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک چبا جائے گا ابھی کہنیوں تک پہنچے گا تو دونوں ہاتھ پھر مکمل اور صحیح و سالم ہو جائیں گے وہ پھر انہیں کھانے لگ جائے گا۔ اسی طرح وہ کھاتا جائے گا اور ہاتھ از سر نو پیدا ہوتے رہیں گے۔ اس کا یہ ہاتھوں کو چبانے اور کھانے کا عمل اپنی کمی اور کوتاہی سے ندامت کی وجہ سے ہوگا۔

اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ ظالم قیامت میں حسرت سے اپنے دونوں ہاتھوں کو متحیر لوگوں کی طرح چبائے گا۔ الظالم سے ظالموں کی جنس مراد ہے اس میں عقبہ بن ابی معیط بھی داخل ہے۔

گستاخِ رسول کی سزا

عقبہ بن ابی معیط کی عادت تھی کہ جب بھی وہ سفر سے واپس آتا تو طعام پکا کر عام و خاص اہلِ مکہ سب کو مدعو کرتا اور اس کی دعوت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لاتے اور وہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس پاک میں بھی بکثرت حاضری دیتا۔ اس کی باتیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھی لگتیں۔ ایک دن سفر سے واپس آیا اور دعوتِ عام پکائی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مدعو کیا۔ حضرت کاشفی نے لکھا ہے کہ وہ آپ کو آپ کی ہمسائیگی کی وجہ سے مدعو کرتا۔ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اس نے طعام پیش کیا تو آپ نے فرمایا : میں تیرا طعام صرف اس شرط پر کھاؤں گا کہ تُو گواہی دے کہ :

لا الٰہ الا اللہ و انی رسول اللہ۔
اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

اور اہلِ عرب کے ہاں یہ بہت بڑی عار تھی کہ کوئی ان کے گھر آئے اور طعام کھائے بغیر چلا جائے۔ اس نے اس دستور کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی منت سماجت کی لیکن آپ نے ایک نہ مانی۔ عقبہ نے آپ کی شرط منظور کرتے ہوئے کلمۂ شہادت پڑھ لیا۔ اس پر آپ نے اس کا طعام کھایا۔ اس وقت عقبہ کا دوست اُبی بن خلف جمحی موجود نہیں تھا حالانکہ یہ عقبہ کا بہت گہرا اور جاں نثار دوست تھا۔ جونہی واپس آیا اور اسے معلوم ہوا کہ عقبہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دین قبول کر لیا ہے اس نے عقبہ سے کہا کہ : صبوت یا عقبہ۔ (اے عقبہ! تُو اپنے آبا کے دین کو چھوڑ کر ایک نئے دین[1] میں داخل ہو گیا ہے) اس نے کہا بخدا

---

[1] اس پر غور کریں کہ کفارِ مکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو بدعۃ اور آپ کو بدعتی کہتے تھے یہ سنت کہنا کسے نصیب ہے، اور جنہیں کہا جاتا ہے انہیں کس کی سنت نصیب ہے۔ تفصیل فقیر کی کتاب "العصمۃ عن البدعۃ" میں دیکھئے۔ اویسی غفرلہٗ

میں غیر دین میں شامل نہیں ہُوا۔ صرف بات اتنی ہے کہ وہ شخص (حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) میرے گھر آیا اور اس شرط پر کھانا منظور کیا کہ میں اس کا کلمہ پڑھوں۔ میں نے بوجہ مجبوری پڑھ لیا، مجھے شرم آئی کہ کہیں وہ میرے گھر سے طعام کھائے بغیر نہ چلے جائیں۔ میں نے کلمہ پڑھا اور اس نے کھانا کھایا۔ ابی بن خلف نے کہا، میں ایسے تجھ پر راضی ہونے والا نہیں جب تک کہ تم چل کر اس کے چہرے پر نہ تھوکو اور کھلم کھلا گالی نہ دو اور اس کی تکذیب نہ کرو (نعوذ باللہ) عقبہ نے کہا، چلو ان امور کی سرانجام دہی سے مجھے کون سا انکار ہے۔ چنانچہ وہ دونوں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ کو بارگاہ خداوندی میں سربسجود پایا تو اس (عقبہ) نے آپ کے چہرۂ اقدس پر تھوک دیا (العیاذ باللہ)۔

اسباب النزول کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ وہی تھوک ایک آگ جانسوز بن کر (بجائے حضور علیہ السلام پر گرنے کے) عقبہ کے چہرہ پر لوٹی اور اس کے دونوں رخساروں کو جلا ڈالا۔ جب تک وہ زندہ رہا اس کے چہرے پر وہ داغ نمایاں رہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

ہر کہ بر شمع خدا آرد پفو
شمع کے میرد بسوزد پوز او
کے شود دریا ز پوز سگ نجس
کے شود خورشید از پف منطمس

ترجمہ: جو اللہ تعالیٰ کی شمع پر تھوکتا ہے شمع تو نہیں بجھے گی البتہ اس کا منہ جل جائے گا۔ اور گوبر سے دریا پلید نہیں ہوتا اور نہ ہی سورج تھوکنے سے بے نور ہوتا ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عقبہ سے فرمایا کہ تُو نے میرے چہرے پر تھوکا ہے اس سے میرا تو کچھ نہیں بگڑا لیکن یاد رکھ میں تیرا سر تلوار سے مکہ کے باہر لٹکا دُوں گا۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ وہ بدر کے دن جب قیدی ہو کر آیا تو حضور علیہ السلام نے حضرت علی یا حضرت عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ اس خبیث کو قتل کر دیں۔ ابی بن خلف خبیث کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ مبارک سے اُحد کے دن تیر مارا تو وہ مکہ کو لوٹا اور سرف کے مقام پر دم توڑ گیا۔

ف: سرف بفتح السین المهملة وکسر الراء، اور یہی صفت ابی بن خلف کے لیے بھی موزوں ہے اس لیے کہ سرف بمعنے مسرف ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

marfat.ocm

شرالناس رجل قتل نبیا اوقتلہ نبی۔

(بدترین انسان وُہ ہے جو کسی نبی علیہ السلام کو شہید کرے یا نبی علیہ السلام اسے قتل کریں)

ف: پہلا شخص یعنی جس نے کسی نبی علیہ السلام کو شہید کیا تو وہ شریر ترین اس لیے ہے کہ اس نے نبی علیہ السلام کی توہین کی اور انبیاء علیہم السلام بلند درجات کے مالک ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ مقابلہ کرنے والے بھی مراتب کے لحاظ سے بدترین انسان ہوں گے یہی وجہ ہے کہ اعلیٰ مراتب کے لوگوں کا مقابلہ رذیل تر لوگ کرتے ہیں اور جب دشمنی زوروں پر ہوتی ہے تو ان میں ایک مارا جاتا ہے اس لیے کہ ضد اپنی ضد کا ازالہ چاہتی ہے، اور دوسری صورت یعنی جسے نبی علیہ السلام قتل کریں اس کی وجہ بھی ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام شفقت و رحمت علی الخلق سے جبلی طور پر بھرپور رہوتے ہیں وہ کسی کے قتل کا اقدام نہیں کرتے مگر اس وقت جب دیکھتے ہیں کہ اس کے لیے فلاح کے دروازے بند ہیں اور انہیں یقین ہوجاتا ہے اس کا زندہ رہنا مزید شقاوت کا موجب بلکہ ضرر شدید کا سبب ہوگا اسی لیے ان کا ایسے بدبختوں کو قتل کرنا بھی خالی از رحمت نہیں ہوتا۔ مثنوی شریف میں ہے۔

چونکہ دندان تو کرمش در فتاد
نیست دندان برکنش اے اوستاد
تاکہ باقی تن نگردد زار ازو
گرچہ بود آں تو شو بیزار ازو

ترجمہ: جب تمہارے دانتوں میں کیڑا پڑے تو تم اسے دانت نہ سمجھو بلکہ اسے جلد اکھیڑ دو تاکہ دوسرے اعضا اس سے ضرر نہ پائیں۔ اگر سستی کروگے تو پھر اس سے بھی بیزار ہوگے۔

ف: انسان العیون میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے ہاتھ مبارک سے سوائے ابی بن خلف کے اور کسی کو قتل نہیں فرمایا، نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد۔

یَقُوْلُ یہ یعض کے فاعل سے حال ہے۔ کہے گا کافر **یٰا** اے لوگو **لَیْتَنِیْ** کاش کہ میں۔ اس سے معلوم ہوا کہ منادی محذوف ہے یا حرفِ ندا محض تنبیہ کے لیے ہے جس میں منبہ کی کسی تعیین کا قصد نہیں کیا گیا۔ **اتَّخَذْتُ** دنیا میں میں بنالیتا **مَعَ الرَّسُوْلِ** حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ **سَبِیْلًا** ان تکلیفوں سے نجات پانے کا کوئی چارہ۔ یعنی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتا اور آپ کے لائے ہوئے اسلام کو قبول کرلیتا۔ **یٰوَیْلَتٰی** میرے اوپر افسوس ہے۔ لفظ ویل، ویلہ بمعنے ہلاکت ہے اور یا ویلتا جزع و تحسر کا کلمہ ہے۔ دراصل یا ویلتی بکسر التاء تھا۔ کسرہ کو فتح سے اور یاء متکلم کو الف سے تبدیل کیا گیا، تاکہ کسرہ کا یاء کے ساتھ مل کر کسرات کا اجتماع نہ ہو۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اے میری ہلاکت! آجا اور حاضر ہوجا،

اس لیے کہ یہی تیری حاضری کا وقت ہے۔

ف : اصل نداء اس کے لیے ہوتی ہے جس کو اپنی طرف متوجہ کرنا مطلوب ہو اور وہ ذوی العقول ہوتے ہیں لیکن کبھی اہلِ عرب مجازاً غیر ذوی العقول پر نداء استعمال کرتے ہیں اس میں صرف حسرت کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔

لَيۡتَنِيۡ لَمۡ اَتَّخِذۡ فُلَانًا خَلِيۡلًا۔ خلیل بمعنٰے دوست۔ یہ خلۃ سے مشتق ہے بمعنٰے مودت، اس لیے کہ وہ انسان کے نفس کے درمیان گھس جاتی ہے لیکن یہاں پر انسان کے وہ دوست مراد ہیں جنہوں نے اسے گمراہ کیا یعنی شیاطین جن و انس۔ اس معنٰے پر عقبہ کے لیے ابی بن خلف بھی اس میں داخل ہے۔

ف : فلاں و فلاں بول کر ان کے اسماء مراد لیے جاتے ہیں یعنی لفظ فلاں سے مذکر ذوی العقول کا علم اور فلانہ سے مونث ذوی العقول کا علم مراد ہوگا اور جب ان پر الف لام داخل ہو تو اس وقت غیر ذوی العقول مراد ہوں گے۔ اس میں اختلاف ہے کہ اس کے لام کے مقابلہ کا الف یاء سے تبدیل ہوا ہے یا واؤ سے۔

لَقَدۡ اَضَلَّنِيۡ بخدا مجھے گمراہ کیا یا باز رکھا عَنِ الذِّكۡرِ قرآن سے جو ہر مرغوب ذکر کی یاد دہانی کراتا ہے اور ہر تکلیف رساں امر کی خبر دیتا ہے بَعۡدَ اِذۡ جَآءَنِيۡ بعد اس کے کہ وہ میرے ہاں آیا اور باوجودیکہ میں اس پر عمل کرنے کی قدرت بھی رکھتا تھا اور اس کے احکامات سنانے والے سے اس کی باتیں بھی سنتا رہا۔ وَكَانَ الشَّيۡطٰنُ اور شیطان ابلیس مخالفینِ اسلام کے ساتھ تعلق جوڑنے اور رسولِ خدا سے تعلق توڑنے اور قرآن مجید کو چھوڑنے کے لیے لِلۡاِنۡسَانِ انسان کو جو اس کا مطیع ہے خَذُوۡلًا رسوا کرنے والا اور اسے اپنی دوستی میں بہت زیادہ ورغلانے والا یہاں تک کہ وہ اسے تباہی و بربادی کے گڑھے میں ڈال کر خود پیچھے ہٹ جاتا ہے اور بجائے فائدہ پہنچانے کے اسے نقصان میں ڈالتا ہے۔ یہی اس کا انجام ہوتا ہے جو ابلیس کی کارروائی کو صحیح سمجھتا ہے جسے مدد اور نصرت کی امید دلائی جائے۔ اس کی امداد سے پیچھے ہٹ جانے کو الخذلان کہا جاتا ہے اور شیطان کو اس صفت سے موصوف کرنے میں اشارہ ہے کہ شیطان انسان کو طرح طرح کی تمناؤں میں پھنسا کر مختلف وعدوں سے بہلا کر ساتھ چھوڑ جاتا ہے۔ مثلاً اسے دنیا میں کہتا ہے کہ آخرت میں میری طرف سے یہ ہوگا اور وہ ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ یہ جملہ معترضہ ہے اپنے ماقبل کے مضمون کی تائید و تاکید کرتا ہے یا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یا ظالم کے قول کا تتمہ ہے۔

مسئلہ : یہ آیت عام ہے شیطان کے علاوہ ان لوگوں کو بھی شامل ہے جو ظلم و ستم و دیگر معاصی و جرائم میں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔

مسئلہ : حقیقی محبت یہ ہے کہ جس میں نہ کوئی طمع و لالچ ہو اور نہ خوف اور خطرہ، صرف دین کی بھلائی مقصود ہو۔

marfat.ocm

اسی لیے حدیث شریف میں ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے ایک دوسرے کے بھائی بن کر رہو۔ یعنی طریق رحمٰن کی بنا پر دوستی ہو شیطان کے طریق سے نہ ہو۔

حدیث شریف میں ہے

الانسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے اس لیے دیکھ لیا کرے کہ میں کس سے دوستی کر رہا ہوں۔

حدیث شریف میں ہے:

مومن کے سوا کسی دوسرے کو دوست مت بناؤ۔ اور تمہارا طعام بھی صرف متقی کھائے۔ یعنی گھر میں کھانے کے لیے صرف متقی کو بلاؤ۔

ف: حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

متقیوں کی [illegible] اس میں پتھر ہی ڈھونے پڑیں بہتر ہے فاسقوں کی صحبت سے اگرچہ اس میں حلوہ کھانے کو ملے۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ یہاں پر شیطان سے مراد بُرا ساتھی ہے اور اسے شیطان اس لیے کہا ہے کہ وہ خود بھی گمراہ ہے اور دوسرے کو بھی گمراہ کرنے والا ہے۔

فائدہ صوفیانہ: جو شخص اللہ تعالیٰ کی طلب میں نہ ہو وہ شیطان ہے اور حیوانوں کی مانند ہے بلکہ ان سے بھی گیا گزرا ہے کیونکہ جانور دوسروں کو تو گمراہ نہیں کرتے اور شیطان خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔

حضرت ابوبکر محمد بن عبداللہ الحامدی رحمہ اللہ نے فرمایا: ؎

اصحب خیار الناس حین لقیتہم
خیر الصحابہ من یکون عفیفا
والناس مثل دراھم میزتہا
فوجدت فیہم فضۃ وزیوفا

ترجمہ: جب تم کسی سے ملو تو بہترین لوگوں کو ساتھی بناکر۔ اور بہترین ساتھی وہ ہیں جو پاکدامن ہوں۔ اور لوگ دراہم و دنانیر کی طرح ہیں ان میں بعض کھوٹے ہوتے ہیں اور بعض کھرے۔

حدیث شریف میں ہے:

مثل الجلیس الصالح مثل العطار ان لم ینلک من عطرہ یعبق بک من ریحہ و

مثل الجليس السوء مثل الكيران لم يحرقك بناره يعبق بك ريحه۔

(نیک ساتھی کی مثال عطار کی ہے کہ اگرچہ تم ان سے عطر نہیں حاصل کر سکو گے اس کی خوشبو سے تو معطر ہو جاؤ گے۔ اور بُرے ساتھی کی مثال بھٹی کی ہے کہ اگر وہ جلائے گی نہیں تو اس کا دُھواں تو پہنچے گا ہی)

جونہی اہل اسلام مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ پہنچے تو کہا ہم نے دونوں میں تمہارے نیک اور بد پہچان لیے۔ اہل مدینہ نے پوچھا، وہ کیسے؟ اہلِ مکہ مہاجرین نے کہا: وہ اس طرح کہ ہمارے نیک نیکوں کے ساتھی ہو گئے اور بُرے بُروں کے۔ اس سے ثابت ہُوا کہ ہر ایک اپنی فطرت کے مطابق کسی سے دوستی کرتا ہے۔

اضحوکہ

ایک جگہ چوروں کو گرفتار کیا گیا تو ایک گویا بھی ان کے ساتھ پکڑا گیا۔ اس نے کہا کہ میں چور نہیں گویا ہوں۔ گرفتار کرنے والوں نے کہا، ہمیں گا کر دکھایئے۔ چنانچہ اس نے عدی کا یہ شعر پڑھا: ؎

عن المرء لا تسأل وابصر قرينه

فكل قرين بالمقارن يقتدی

ترجمہ: کسی کی کیفیت ایسے مت پوچھ، بلکہ اس کے ساتھی کو دیکھ، اس لیے کہ ہر شخص اپنے دوست کی اقتداء کرتا ہے۔

منقول ہے کہ اس گویے سے کہا گیا کہ تُو نے سچ کہا لیکن چونکہ تُو بھی ان کا ساتھی ہے اس لیے تجھے بھی قتل کیا جائے گا۔ چنانچہ ان کے ساتھ اسے بھی قتل کر دیا گیا۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ حق ذات پاک اللہ الصمد
که بود به مار بد از یار بد

۲ مار بد جانی ستاند از سلیم
یار بد آرد سوی نار جحیم

۳ از قرین بے قول و گفت وگوے او
خو بدزدد دل نہاں از خوے او

ترجمہ: ۱۔ حق ذات اللہ الصمد ہے اس لئے کہ سانپ بُرا یار بُرے سے بہتر ہے۔
۲۔ بُرا سانپ تندرست انسان کی جان لیتا ہے لیکن بُرا دوست جہنم کی طرف لے جاتا ہے۔
۳۔ ساتھی سے بغیر باتوں اور گفتگو کے صرف صحبت سے دل پر اس کی عادت کے اثرات پڑتے ہیں۔

marfat.ocm

۱ اے خنک آں مردہ کز خود رستہ شد
در وجود زندۂ پیوستہ شد

۲ وائے آں زندہ کہ با مردہ نشست
مردہ گشت و زندگی از وے بجست

۳ چوں تو در قرآن حق بگریختے
با روان انبیاء آویختے

۴ ہست قرآن حالہائے انبیاءٔ
ماہیان بحر پاک کبریا

۵ ور بخوانی و نۂ قرآن پذیر
انبیا و اولیا را دیدہ گیر

۶ ور پذیرائی چو بر خوانی قصص
مرغ جانت تنگ آید در قفص

۷ مرغ کو اندر قفص زندانیست
می نجوید رستن از زندانیست

۸ روح ہائے کز قفصہا رستہ اند
انبیاء و رہبر شائستہ اند

۹ از برون آواز شان آید ز دین
کہ رہ رستی ترا این است این

۱۰ ما بدین رستیم زین تنگین قفص
جز کہ این رہ نیست چارہ این قفص

ترجمہ : ۱۔ خوش قسمت ہے وہ مردہ جو دنیا سے نجات پا گیا زندہ کے وجود سے جا ملا۔

۲۔ اس زندہ پر افسوس ہے جو مردہ کے ساتھ بیٹھ کر مردہ ہوا اور اس سے زندگی دور ہو گئی۔

۳۔ جب تم قرآن حق کی طرف متوجہ ہوئے تو ارواح انبیاء علیہم السلام سے اس کا تعلق جڑ گیا۔

۵۔ قرآن پڑھ کر اس پر عمل نہیں کرتے تو انبیاء و اولیاء کو اپنے سے دور سمجھ۔

۴۔ قرآن انبیاء علیہم السلام کے حالات ہیں وہ پاک کبریا کے دریا کی مچھلیاں ہیں۔

۶۔ اگر تم ان کے قصے پڑھ کر اس پر عمل کرتے ہو تو تیری روح تیرے پنجرے میں تنگ آجائیگی۔

۷۔ وہ پرندہ پنجرے میں قیدی ہے وہ اس قید سے چھٹکارا نہیں چاہتی۔

۸۔ وہ ارواح جو پنجروں سے نجات چاہتی ہیں انھیں انبیاء و اولیاء رہبر چاہئیں۔

۹۔ دین کے ذریعے باہر سے ان کی آمد آئے گی کہ اس قید سے چھٹکارے کا یہ طریقہ ہے۔

۱۰۔ ہم نے بھی اس قید سے اسی طرح نجات پائی ہے اس قید سے اسی طرح کے راہ کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے خلاص اور اہلِ اختصاص سے التحاق اور ہر زبان اور ہر حال میں قرآن مجید پر عمل کی توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ

وَقَالَ الرَّسُوْلُ اس کا عطف وقال الذین لا یرجون لقاءنا پر ہے۔ درمیان میں جملہ معترضہ تھا۔ یعنی کافروں نے ایسے ایسے کہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان سے سرکشی دیکھی تو بارگاہِ حق میں عرض کی: یَا رَبِّ اے میرے پروردگار! اِنَّ قَوْمِی بے شک میری قوم قریش اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا انہوں نے قرآن مجید بالکل چھوڑ دیا اور اس پر ایمان نہیں لاتے اور اس سے روگردانی کی۔

مسئلہ: اس میں اشارہ ہے کہ مؤمن پر لازم ہے کہ قرآن مجید سے زیادہ لو لگائے اور دن رات اس کی تلاوت میں لگا رہے تا کہ اس کی وعید ہذا میں مندرج نہ ہو۔

حدیث شریف میں ہے:

من تعلم القرآن وعلق مصحفا لم يتعاهده ولم ينظر فيه جاء يوم القيامة متعلقا به يقول يارب العالمين عبدك هذا اتخذني مهجورًا اقض بيني وبينه۔

(جو قرآن مجید کو پڑھ کر اس کی تلاوت نہ کرے اور اس میں غور و فکر نہ کرے تو قیامت میں قرآن مجید اس کو پکڑ کر بارگاہِ حق میں لائے گا اور عرض کرے گا: تیرے اس بندے نے مجھے چھوڑ دیا تھا فلہذا اس کے اور میرے درمیان فیصلہ فرما)

مسئلہ: قرآن مجید کی کوئی آیت پڑھ کر اسے بھلا دینا گناہِ کبیرہ ہے۔ اور بھلا دینے کا یہ معنیٰ ہے کہ اسے قرآن مجید سے دیکھ کر بھی نہ پڑھ سکے۔ کما فی القنیۃ۔

حدیث شریف میں ہے:

ان هذه القلوب لتصدأ كما يصدأ الحديد۔

(قلوب لوہے کی طرح زنگ آلود ہو جاتے ہیں)

عرض کی گئی تو پھر ان قلوب کو جلا کیسے نصیب ہوگی؟ آپ نے فرمایا:

تلاوة القرآن وذكر الله (تلاوتِ قرآن اور ذکرِ الٰہی سے)

marfat.ocm

سہ

دل پر درد را دوا قرآن

جان مجروح را شفا قرآن

ہر چہ جوئے ز نص قرآن جو سے

کہ بود گنج علمہا قرآن

ترجمہ : دلِ پُردرد کی دوا قرآن مجید ہے اور مجروح جان کی شفا قرآن مجید ہے۔ جو کچھ تلاش کرنا ہو نصِ قرآن سے تلاش کرو کیونکہ علوم کا گنجینہ قرآن مجید ہے۔

مثنوی شریف میں ہے : سہ

۱ شاہنامہ یا کلیلہ پیش تو

ہمچناں باشد کہ قرآن از عتو

۲ فرق آنکہ باشد از حق و مجاز

کہ کند کحل عنایت چشم باز

۳ ور نہ پشک و مشک پیش اخشمی

ہر دو یکسانست چوں نبود شمی

۴ خویشتن مشغول کردن از ملال

باشدش قصد کلامِ ذوالجلال

۵ کاتش وسواس را و غصہ را

زاں سخن بنشاند و سازد دوا

ترجمہ : ۱۔ شاہنامہ یا کلیلہ (قصہ) تجھے سرکشی کے لئے اسی طرح مفید ہیں جیسے قرآن

۲۔ فرق یہ ہے کہ قرآن حق ہے اور وہ قصے مجاز لیکن چشم کشائی کیلئے ہر دونوں سرمہ ہیں۔

۳۔ ورنہ جس کی ناک بند ہو اس کے لئے مینگنی اور مشک یکساں ہیں کیوں کہ اس میں سونگھنے کی قوت نہیں۔

۴۔ خود کو ملال سے دور رکھنا اسے کلام ذوالجلال فائدہ دے گی۔

۵۔ وسواس اور غصہ کی آگ اس کلام سے بجھے گی بلکہ بیماریوں سے دوا و شفا کا کام دے گی۔

وَكَذٰلِكَ جیسے ہم نے آپ کی قوم کے مجرمین جیسے ابوجہل وغیرہ کو آپ کا دشمن بنایا ہے ، ایسے ہی

جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ ہم نے ہر نبی علیہ السلام کے لیے بنایا ہے عَدُوًّا دشمن

لفظ نبی جمع کا

معنیٰ دیتا ہے مِّنَ الْمُجْرِمِیْنَؕ ان کی قوموں کے مجرمین جیسے نمرود ابراہیم علیہ السلام کے لیے اور فرعون موسیٰ علیہ السلام کے لیے اور یہود عیسیٰ علیہ السلام کے لیے۔ اسی لیے آپ صبر کیجئے جیسے انہوں نے صبر کیا، آپ بھی فتحیاب ہوں گے جیسے وہ فتحیاب ہوئے۔

ف : اس میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور سابقہ انبیاء علیہم السلام کی اقتداء کی ترغیب ہے کہ جیسے اُنہوں نے صاحبِ شریعت ہو کر دعوتِ الی اللہ میں تکلیفیں جھیلیں اور کامیاب ہوئے۔ آپ بھی تکالیف برداشت کریں اور فتحیاب ہوں گے۔

وَكَفٰى بِرَبِّكَ اور آپ کو آپ کا رب تعالیٰ کافی ہے۔ باء صلہ کی زائدہ اور تاکید کے لیے ہے **هَادِيًا** یہ تمیز ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی وجہ سے کہ وہی آپ کو اپنے مطالب میں کامیابی کی رہبری فرمائے گا اور اسی سے ہی آپ کی شریعت کی ترویج ہوگی اور اسی سے ہی آپ کی شریعت پر عمل کرنے والوں کی کثرت ہوگی **وَّنَصِيْرًا** اور اس کی نصرت اور مدد سے کہ آپ اپنے جملہ اعداء پر غلبہ پائیں گے فلہذا آپ اپنے دشمنوں کی پرواہ مت کیجئے اور عنقریب زمین کے کونے کونے پر آپ کا حکم نافذ ہوگا اور عالمِ دنیا کے چپہ چپہ پر اسلام کا راج ہوگا۔

ف : آیت کی تصریح اور اس کے اشارہ سے ثابت ہُوا کہ ہر نبی علیہ السلام اور ہر ولی کا دشمن ہُوا کرتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ انہیں آزمائش میں ڈالتا ہے تاکہ ان کی شرافت اور برگزیدگی کا اظہار ہو۔

ف : حضرت ابوبکر بن طاہر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے درجات مخالفین کی مخالفت اور دشمنی سے بلند ہوتے ہیں ؎

از برائے حکمتی روح القدس از طشتِ زر
دستِ موسیٰ را بسوے طشت آذر می برد

ترجمہ : حکمت کی بنا پر روح القدس نے سونے کے تھال سے موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ ہٹا کر انگاروں کے تھال کی طرف پہنچایا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات النجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے سچے دوست اولیا احباء پر اپنی درگاہ سے راندہ شدہ دشمن کو مسلط فرما دیتا ہے پھر اللہ تعالیٰ کا محبوب بندہ مبغوضِ حق کی ایذاؤں پر صبر کرتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ اس کے حوصلے دیکھتا ہے کہ وہ قضاء و قدر پر صبر کرتا ہے اور اس کے دُکھ اور تکلیف کی آزمائش کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتا ہے اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے اور اپنے جملہ امور اسی کے سپرد کرتا ہے اور اس پر توکل کرتا ہے یا اس کے برعکس عمل کرتا ہے تاکہ بندے کو اپنی طرف کی راہ آسان کرے بلکہ اس کے بعد اسے سیرِ الٰہی کے لیے پر نصیب ہوتے ہیں جن کی وجہ سے وہ اڑ کر حضرت الٰہیہ میں

marfat.ocm

پہنچاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام کی تربیت میں اللہ تعالیٰ کا یہی طریقہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے طریقے میں ہرگز تبدیلی نہیں ہوتی۔

حدیث شریف میں ہے: کہ کوئی اللہ کا بندہ پہاڑ کی چوٹی پر اس لیے پہنچتا ہے کہ کوئی منافق اس کے ساتھ دشمنی کر کے اسے ایذا پہنچائے تو اللہ تعالیٰ اسے اجر و ثواب سے نوازتا ہے۔

ف: دشمنِ اولیاءٗ بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچ سکتے بلکہ ولایت کی دشمنی سے انہیں سخت سے سخت عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے۔

حدیث قدسی من عادی لی ولیا فقد بادزنی بالحرب۔

(جس نے میرے کسی محبوب کو ایذا دی اس نے میرے ساتھ اعلانِ جنگ کیا)

(اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،)

حدیث قدسی وانا انتقم لاولیائی کما ینتقم اللیث الجرئی لجروہ۔

(میں اپنے محبوبوں کے دشمنوں پر ایسے حملہ کرتا ہوں جیسے شیرِ نر اپنے چھوٹے بچے کو ایذا دینے والے پر حملہ کرتا ہے)

دشمن ولی اللہ کی حکایت

منقول ہے کہ ایک دانشمند فنِ منطق میں یکتا اور دیگر فنونِ ریاضی و ہندسہ و معقولات میں بے نظیر تھا اپنے زمانے کا متبحر عالم مانا جاتا تھا اس کا نام تھا میر جمال۔ قلندرانہ طریق سے زندگی بسر کرتا تھا واسکٹ پہنتا تھا نماز کے قریب نہیں پھٹکتا تھا ایسی کوئی برائی نہ تھی جس کا اس نے ارتکاب نہ کیا ہو۔ پرلے درجے کا بے غیرت تھا۔ مشایخ و اولیاء کرام کا جانی دشمن تھا ہمیشہ ان کی مذمت و غیبت میں لگا رہتا تھا اور ان کی بے ادبی میں کسر نہیں چھوڑتا تھا ان کے حق میں ہر وقت گستاخانہ باتیں کہتا رہتا تھا ایک دن دو تین طالب علموں کو اپنے ساتھ لے کر حضرت مولانا ناصر الدین اترازی کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کے طالب علم بھی اولیاء کرام کی گستاخی اور بے ادبی میں اس سے کچھ کم نہ تھے۔ میر جمال مذکور نے حضرت مولانا ناصر الدین کے ہاں بیٹھتے ہی اپنی واسکٹ سے بھنگ کی چٹکی لی اور منہ میں ڈالی اور چاہا کہ اسے نگلے۔ لیکن جونہی اسے نگلنے لگا اس کے حلقوم میں پھنس گئی یہاں تک کہ سانس بھی بند ہو گئی، قریب تھا کہ دم توڑ دے مولانا اترازی نے اس کی گدی پر زور سے مُکا رسید کیا، مُکا لگتے ہی بھنگ کی چٹکی منہ سے باہر جا پڑی۔ اس کی اس خراب حالت پر تمام حضارِ مجلس ہنس پڑے اور وہ سخت شرمسار ہو کر مجلس سے بے آبرو ہو کر نکلا اور رسوائی سے علاقہ چھوڑ گیا۔ پھر کسی نے اسے نہ دیکھا۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ چوں خدا خواہد کہ پردۂ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکاں برد
۲ آنکہ می درید جامہ خلق چست
شد دریدہ آں او ایشاں درست
۳ آں دہان کژ کرد و تسخیر بخواند
مر محمد را دہانش کژ بماند
۴ باز آمد کاے محمد عفو کن
اے ترا الطاف و علم من لدن
۵ من ترا افسوس میکردم ز جہل
من بدم افسوس را منسوب اہل

ترجمہ : ۱۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کا پردہ چاک کرنا چاہتا ہے تو اس کا میلان پاک لوگوں (انبیاء و اولیاء) پر طعن و تشنیع کی طرف کرتا ہے۔ ۲۔ جو مخلوق کے پردے چاک کرتا ہے ان کے پردے تو درست ہو جائیں گے لیکن اس کا پردہ چاک رہتا ہے۔ ۳۔ اس نالائق کا منہ بگڑ گیا جب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بددعا کی۔
۴۔ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے معاف فرمائیے۔ آپ کا لطف و کرم تو لدنی (ازلی) ہے۔ ۵۔ میں نے آپکی جہالت سے بے ادبی کی میں برا ہوں اور میرے جیسے بروں کی طرف منسوب ہوتی ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ اور مشرکینِ عرب نے کہا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید کیوں نہیں نازل کیا گیا جُمْلَةً وَّاحِدَةً ج کتب ثلاثہ یعنی توراۃ و انجیل و زبور کی طرح ایک ہی بار۔ یہ القرآن سے حال ہے اس لیے کہ یہ مجتمعاً کے معنی میں ہے :

ف : یہ متحیر اور مبہوت لوگوں کا اعتراض ہے اس کا کوئی فائدہ نہیں اس لیے کہ معجزہ ہونے کی حیثیت سے اس کا کوئی فرق نہیں کہ وہ متفرق ہو کر اُترے یا مجتمع ہو کر حالانکہ انہوں نے ایک سورۃ کا مقابلہ کرنا چاہا تو اس سے بھی عاجز آ گئے اگرچہ انہوں نے اس مقابلہ میں سر تک کی بازی لگا دی بالآخر قرآن مجید کی ایک سورۃ جیسی سورۃ نہ لا سکے۔ ان کا اعتراض بیکار بایں معنی بھی ہے کہ قرآن مجید کے متفرق طور پر اتارنے میں بے شمار فوائد ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے جو قرآن مجید میں بیان فرمایا کہ : كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ کاف محلاً منصوب ہے اس لیے کہ یہ مصدر کی صفت ہے اور وہ مصدر مابعد کا مؤکد ذمعلل ہے اور ذٰلك کا اشارہ ان کے مفہوم کلام کی طرف ہے

marfat.ocm

دراصل عبارت یُوں تھی:

مثل ذلك التنزيل المفرق الذی قدحوا الخ

یعنی ہم نے اسی متفرق تنزیل کو اسی طرح نازل کیا جس پر انہیں اعتراض ہے ہم اس کے مخالف نہیں اتارا، اور ہمارا ایسے اتارنا اسی لیے ہے تاکہ آپ کے قلبِ انور کو تقویت حاصل ہو۔

قرآن کو متفرق طور پر اُتارنے کے فوائد

قرآن مجید کو متفرق طور پر نازل کرنے میں چند فوائد یہ بھی ہیں کہ:

(۱) اس کی عبارت کو یاد کرنا۔

(۲) معنیٰ کا سمجھنا۔

(۳) احکام کا ضبط۔

(۴) اس پر عمل کرنا آسان ہو۔ ورنہ توراۃ جب یکبارگی نازل ہُوئی تو بنی اسرائیل کے لیے عمل کرنا دشوار ہوگیا۔

(۵) جُونہی آپ پر وحی جدید نازل ہوتی تو آپ کی قوتِ قلبی اور بصیرۃ میں اضافہ ہوجاتا۔

خلاصہ یہ کہ قرآن مجید کا متفرق طور پر نزول حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص مبارکہ سے ہیں۔ دوسرے انبیا علیہم السلام کو یہ شرف نصیب نہ ہوا۔

نیز قرآن مجید کے متفرق طور پر نازل کرنے کا اصلی مقصد یہی تھا کہ آپ کا قلبِ انور خلق قرآن سے متخلق اور آپ کی نورانیت کو تقویت حاصل ہو اور آپ اس کے حقائق وعلوم سے استفادہ واستفاضہ فرمائیں اور ان فوائد کی تکمیل قرآن مجید کے متفرق طور پر نازل کرنے سے ہوسکتی تھی۔ مثلاً آسمان سے اگر بارش یکبارگی نازل ہو تو کھیتوں کو بجائے فائدہ کے نقصان ہوگا۔ لیکن سب کو معلوم ہے کہ بارش کا نزول متفرق طور پر ہوتا ہے تو کھیتیاں سرسبز ہوتی اور رنگ لاتی ہیں۔

وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ۝ اس کا عطف فعل مضمر پر ہے۔ ترتیل بمعنے تفریق اور تھوڑا سا وقفہ کرکے حرف کا آنا لیکن سانس نہ ٹوٹے۔ دراصل اسے دانتوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے بمعنے دانتوں کا کھولنا۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ہم آپ پر قرآن اتارا اور تھوڑا تھوڑا کر کے اسے پڑھا کر چنانچہ قرآن مجید کے نزول کی مدت بیس یا تیئس سال ہے۔ وَلَا يَأْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ یہاں پر مثل سے سوال عجیب وغریب کلام مراد ہے اسے باطل امور کی مثال کے وقت بولا جاتا ہے یعنی کفار آپ پر اور قرآن مجید پر طعن وتشنیع کرتے ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! مشرکینِ عرب آپ کی نبوت اور آپ کی کتاب کے متعلق کوئی بری مثال نہیں دیتے اِلَّا جِئْنٰكَ مگر ہم اس کے مقابلہ میں صرف آپ کے لیے لاتے ہیں بِالْحَقِّ حق جواب کو۔ یعنی ہم کفار کے باطل اقوال کے مقابلہ میں ایسا جواب لاتے ہیں جو ان کے بطلان کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکتا ہے

وَ اَحۡسَنَ تَفۡسِیۡرًا ؕ اس کا حق پر عطف ہے۔ تفسیر' فسر سے ہے بمعنے پوشیدہ امر کو کھولنا۔ مطلب یہ ہے کہ ہم ایسا جواب لاتے ہیں جو بیان کے لحاظ سے نہایت احسن اور حق وصواب کی مکمل تفصیل کرنے والا اور حکمت کے تقاضے کے عین مطابق ہوتا ہے۔

ازالہ وہم یاد رہے کہ قرآن مجید کا ہر مضمون فی حد ذاتہ نہایت حسن وکمال پر مبنی ہوتا ہے۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ معاذ اللہ کفار کے مطاعن بھی حسن ہیں لیکن قرآن مجید کے مضامین ان سے احسن ہیں کیونکہ ان کا تو ہر سوال بطلان کا مجموعہ ہوتا ہے تو پھر اسے کیسے کہا جائے کہ وہ حسن ہے ہاں احسن ان کے گمان کی حیثیت سے ہے کہ وہ اپنے ہر سوال کو حسن سمجھتے تھے یا یہ کہا جائے کہ ہمارا جواب ان کے سوال سے احسن ہے۔

ف : یہ استثناءُ مفرغ ہے اور محلاً منصوب علی الحالیۃ ہے۔ اب عبارت یوُں ہوگی :

لا یاتونك بمثل فی حال من الاحوال الاحال اتیانا ایاك الحق الذی لامحید عنه۔

یعنی وہ آپ کے لیے بُری مثال قائم کرتے ہیں تو ہم اس کے جواب میں ایسی تحقیقی بات کرتے ہیں جس سے انھیں انکار کی گنجایش ہی نہیں رہتی۔

ف : اس سے صاف اور واضح طور پر فرمایا کہ کفار و مشرکین کے جملہ سوالات مبنی بر باطل اور اللہ تعالیٰ کے جملہ جوابات مبنی بر حق و صدق ہیں اور اس میں اشارہ ہے کہ ان کا سوال ہذا بھی باطل ہے اور ہمارا جواب صحیح اور حق ہے۔

نکتہ : پہلے انبیاء علیہم السلام کے ہاں دستور رہا کہ ان پر کفار سوالات کرتے تو ان کا جواب وہ خود دیتے اور یہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے کہ آپ پر کفار کے ہر سوال کا جواب خود اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔

اَلَّذِیۡنَ یُحۡشَرُوۡنَ عَلٰی وُجُوۡہِہِمۡ اِلٰی جَہَنَّمَ یہی وہ لوگ ہیں جو اٹھائے جائیں گے درانحالیکہ منہ کے بل گھسیٹ کر انہیں جہنم کی طرف کھینچ کر لے جایا جائے گا۔ یعنی زمین کی طرف منہ کے بل جہنم کی طرف جائیں گے۔

حدیث شریف میں ہے قیامت میں لوگ تین طرح پر محشور ہوں گے :

(۱) جانوروں کی طرح ،

(۲) قدموں پر چل کر۔

(۳) منہ کے بل۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی کہ منہ کے بل کیسے چلیں گے؟ آپ نے فرمایا : وہ ذات جس نے

marfat.ocm

قدموں پر چلنے کی توفیق بخشی ہے منہ کے بل چلنے کی بھی قدرت دے سکتی ہے۔

اُولٰٓئِكَ وہی گروہ شَرٌّ مَّكَانًا بدتر از روئے مکان ہے اس لیے کہ دنیا میں ان کے مکانات اہلِ ایمان کے مکانات سے برتر تھے۔ دراصل یہ لوگ اہلِ ایمان پر طعن و تشنیع کے طور کہا کرتے:

ای الفریقین خیر مقاما و احسن ندیا۔

(دو گروہوں میں سے کون سا گروہ مقام و مجلس کے لحاظ سے احسن ہے)

اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا:

فسیعلمون من ھو شر مکانا۔

(عنقریب جان لیں گے کہ کون مکان کے لحاظ سے بُرا ہے)

یعنی ان دونوں گروہوں میں کون ہے مکان کے لحاظ سے بدتر، کیونکہ قیامت میں جب اپنے اندازے غلط پائیں گے تو کہہ اٹھیں گے ہم ہی مکانات کے لحاظ سے بدتر ہیں۔

وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا اور راہ سے سب سے زیادہ بھٹکے ہُوئے اور خطاکار، یعنی بہت زیادہ ٹیڑھے اور از جہت راہ صواب اور حق سے دُور تر کیونکہ انہیں وہی راستہ جہنم میں لے جائے گا۔

ف : یہ افعل التفضیل مطلق زیادتی کے لیے ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہی طریق مستقیم سے بہت زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں ان کے مکان کو شریر تر کہہ کر ان کی بدترین شرارت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اسی طرح سبیل کو اضل سے موصوف کرنا اسناد مجازی ہے اور اس میں بھی مبالغہ مطلوب ہے۔

ف : چونکہ وہ اہلِ ایمان کو گمراہی کی طرف منسوب کرتے اس لیے کہتے:

وانا او ایاکم لعلی ھدی او فی ضلال مبین۔

(ہم یا تم ہدایت پر ہیں یا کھُلی گمراہی میں)

جب اہلِ ایمان کو بہشت کی طرف جاتا دیکھیں گے اور اپنے آپ کو جہنم کی طرف، تو اس وقت ان کی آنکھ کھُلے گی۔ پھر انھیں معلوم ہوگا کہ گمراہ کون اور ہدایت یافتہ کون! حضرت صائب نے فرمایا: ؎

واقف نمی شوند کہ گم کردہ اند راہ
تا رہروان براہنمائی می رسند

ترجمہ : انھیں واقفیت اس لیے نہیں کہ انہوں نے اپنا راستہ گم کر دیا تاکہ رہرو لوگ رہنمائی نہ پا سکیں۔

ف : قیامت کے دن ایمان وکفر میں امتیاز کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے کما قال : وامتازوا الیوم ایھا المجرمون ۔ (اے مجرمو! آج علیحدہ ہو جاؤ)

نکتہ : منہ کے بل جہنم کی طرف اس لیے لے جانا ہوگا کہ انہوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کے سامنے تکبر کیا اور اپنے آپ کو بہت اونچا تصور کر کے بارگاہِ الٰہی میں نہ جھکے اسی لیے انہیں اللہ تعالیٰ نے اسی طرح کی سزا میں مبتلا فرمایا اور اہلِ ایمان نے چونکہ عجز ونیاز سے سر جھکایا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے درجات بلند فرمائے۔

ف : جو بھی مخالفت سے دور رہے اور موافقت میں سر جھکا دے تو وہ نجات پا جاتا ہے اور جو اس کے برعکس کرتا ہے تباہ وبرباد ہو جاتا ہے۔ اور عاصی اللہ تعالیٰ سے بھاگ کر جائے گا کہاں! بالآخر اس نے اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آنا ہے۔

حکایت حضرت احمد بن ابی الجواری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک دن میں اپنے بالاخانے میں بیٹھا تھا کہ ایک ننھی بچی نے دروازہ کھٹکھٹایا، میں نے پوچھا : تو کون ہے؟ اس نے کہا میں ایک چھوٹی بچی ہوں، آپ سے رہبری لینے آئی ہوں۔ میں نے کہا : نجات کی یا فرار کی؟ اس نے کہا اے بطال! خاموش رہیے، کیا بھاگنے کا بھی کوئی راستہ ہوتا ہے، اور بندہ بھاگے گا بھی تو جائے گا کہاں! کیونکہ جب وہ اپنے آقا کے قبضے میں ہے تو پھر بھاگ کر جائے گا کہاں!

سبق : دانا پر لازم ہے کہ دنیا میں رہ کر کسی اچھے مکان کی طرف بھاگنے کی جدوجہد کرے تاکہ اسے آخرت میں برے مکان سے نجات نصیب ہو۔

مسئلہ : دنیا میں بہترین مکانات مساجد ہیں اور علومِ دینیہ کی مجالس بھی بہترین مجلسیں ہیں اس لیے کہ وہاں نفحاتِ الٰہیہ کی خوشبو آتی ہے۔

حضرت عارف جامی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

ما نداریم مشامی کہ توانیم شنید
ورنہ ہر دم رسد از گلشن وصلت نفحات

ترجمہ : ہمارے ہاں وہ دماغ کہاں کہ ہم نفحاتِ حق سونگھ سکیں ورنہ گلشن وصالِ حق کے نفحات کی خوشبو ہر وقت نصیب ہوتی۔

ہم اللہ تعالیٰ سے روضاتِ توحید کی نفحات اور حدائق التفرید کی خوشبوؤں کا سوال کرتے ہیں۔

marfat.ocm

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ
اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی اور اس کے بھائی
هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ﴿٣٥﴾ فَقُلْنَا اذْهَبَاۤ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ﴿٣٦﴾
ہارون کو وزیر کیا تو ہم نے فرمایا تم دونوں جاؤ اس قوم کی طرف جس نے ہماری آیتیں جھٹلائیں پھر ہم نے انہیں تباہ
وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ
کر کے ہلاک کر دیا اور نوح کی قوم کو جب انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا ہم نے ان کو ڈبو دیا اور انہیں لوگوں کے لیے نشانی کر دیا اور ہم نے ظالموں
عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿٣٧﴾ وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۠ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًاۢ بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿٣٨﴾ وَكُلًّا
کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے اور عاد اور ثمود اور کنوئیں والوں کو اور ان کے بیچ میں بہت سی سنگتیں اور ہم نے
ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ؗ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ﴿٣٩﴾ وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْۤ اُمْطِرَتْ
سب سے مثالیں بیان فرمائیں اور سب کو تباہ کر کے مٹا دیا اور ضرور یہ ہو آئے ہیں اس بستی پر جس پر برا برساؤ برسا
مَطَرَ السَّوْءِ ؕ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ﴿٤٠﴾ وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ
تھا تو کیا یہ اسے دیکھتے نہ تھے بلکہ انہیں جی اٹھنے کی امید تھی ہی نہیں اور جب تمہیں دیکھتے ہیں تو
يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴿٤١﴾ اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ
تمہیں نہیں ٹھہراتے مگر ٹھٹھا کیا یہ ہیں جن کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا قریب تھا کہ یہ ہمیں ہمارے خداؤں
اٰلِهَتِنَا لَوْلَاۤ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ؕ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ
سے بہکا دیں اگر ہم ان پر صبر نہ کرتے اور اب جانا چاہتے ہیں جس دن عذاب دیکھیں گے کہ کون گمراہ تھا
سَبِيْلًا ﴿٤٢﴾ اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ﴿٤٣﴾ اَمْ تَحْسَبُ
کیا تم نے اسے دیکھا جس نے اپنے جی کی خواہش کو اپنا خدا بنا لیا تو کیا تم اس کی نگہبانی کا ذمہ لو گے یا یہ سمجھتے
اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿٤٤﴾ ع
ہو کہ ان میں بہت کچھ سنتے یا سمجھتے ہیں وہ تو نہیں مگر جیسے چوپائے بلکہ ان سے بھی بدتر گمراہ

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ یہ لام قسمیہ ہے اور قسم کا جواب محذوف ہے یعنی یہ ہے کہ بخدا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو توراۃ عنایت فرمائی یعنی فرعون اور اس کی قوم کو غرق کرنے کے

بعد ہم نے موسیٰ علیہ السلام پر توراۃ نازل فرمائی۔

نکتہ : قصے کے آغاز میں کتاب کے انزال کا ذکر فرمایا حالانکہ اس کا نزول فرعون اور اس کی قوم کی تباہی اور ہلاکت کے بعد ہوا اور اسے اس تباہی وہلاکت سے کوئی واسطہ بھی نہیں جیسے دوسرے معجزات کو اس سے کوئی واسطہ نہیں اس میں اشارہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ابتدائی دور سے ہی عروج وترقی کی منزلیں طے کرنے لگے تھے اور نہایت درجہ کے کمالات کو بہت جلد پہنچ گئے تھے مثلاً بنی اسرائیل کو نجات دلانا اور انہیں تورات کے احکام کے مطابق راہِ حق پہ لگانا وغیرہ۔

وَجَعَلْنَا مَعَهٗ یہ ظرف جعلنا کے متعلق ہے **اَخَاهُ** یہ جعلنا کا مفعول اول ہے **هٰرُوْنَ** یہ اخاہ سے بدل ہے اور یہ عجمی اسم ہے اس جیسا کلمہ عربی میں استعمال نہیں ہوا **وَزِيْرًا ○** یہ جعلنا کا مفعول ثانی ہے۔ یعنی ہم نے ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام کا وزیر بنایا بایں معنیٰ کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے معین ومددگار ہو کر ان کا دعوتِ حق اور اعلائے کلمہ میں ہاتھ بٹائیں۔

حل لغات : موازرۃ بمعنے معاونت ہے۔ القاموس میں ہے : الوزر بالکسر بمعنے حمل اور حمل ثقیل اور الوزیر بمعنے بادشاہ کا وہ ساتھی جو اس کے شاہی امور اٹھائے اور اس کی رائے اور جملہ حال میں اعانت کرے الوزارۃ بالکسر، اور اسے مفتوح بھی پڑھا جاتا ہے۔ الوزیر کی جمع وزراء آتی ہے۔

ف : الحباء (محرکۃ) بادشاہ کا ہم نشین اور اس کا خاص آدمی۔ بعض اہلِ لغت کہتے ہیں،

وزیر وہ ہے جو مرجع امور ہو اور اس کی رائے کو کوئی ٹھکرا نہ سکے۔ الوزد بالتحریک سے ہے۔ الوزد وہ شے جسے جائے پناہ بنایا جائے اور مصائب کے وقت اس کا دامن تھاما جائے۔ پہاڑ کو بھی اسی معنی پر الوزد کہا جاتا ہے۔ اور قرآن مجید میں ہے : كَلَّا لَا وَزَرَ بمعنے لا ملجأ يوم القيٰمة۔ یہاں پر وذر بمعنے ملجاء واقع ہوا ہے اور الوزر بالکسر بمعنے الثقل۔ پہاڑ کے ثقل سے مشابہت کی وجہ سے اس معنیٰ میں استعمال ہوا اور کبھی وزر سے گناہ بھی مراد ہوتا ہے، اس لیے کہ گناہ ایک بوجھ ہے۔ چنانچہ گناہ کو ثقل (بوجھ) سے قرآن مجید میں تعبیر کیا گیا ہے۔ کما قال،

لیحملوا اوزارھم۔ (تاکہ اپنے بوجھ اٹھائیں)

اور فرمایا:

لیحملن اثقالھم واثقالاً مع اثقالھم۔ (تاکہ اپنے بوجھ اور دوسروں کے بوجھ بھی اٹھائیں۔)

اور الوزیر فارسی میں بمعنے یار ومددگار اور کارساز۔

سوال : حضرت ہارون علیہ السلام کو وزیر کس طرح کہا گیا حالانکہ وہ تو نبی تھے اس معنے پر وہ موسیٰ علیہ السلام کے نبوت شریک تھے اور شرکت فی النبوۃ وزارت کے منافی ہے۔

marfat.ocm

جواب : مشارکت فی النبوۃ منافی نہیں بلکہ ہمارے مقصد کی مؤید ہے اس لیے کہ شریک فی الامر ایک دوسرے کے بوجھ اٹھانے والے ہوتے ہیں۔

فَقُلْنَا توہم نے انہیں اس وقت فرمایا اذْهَبَآ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا تم دونوں ان لوگوں کے ہاں تشریف لے چلو جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی ہے یعنی فرعون اور اس کی قوم قبطی کے ہاں، اور آیات سے موسیٰ علیہ السلام کے وہ نو معجزات مراد ہیں جو قرآن مجید میں مذکور ہیں اور موسیٰ علیہ السلام سے ظاہر ہوئے۔

سوال : ارسال الی القوم کے جملے میں قوم کو تکذیب کے ساتھ کیوں موصوف نہیں فرمایا اور اس جملہ میں اس صفت سے انہیں موصوف کرنے کا کیا فائدہ؟

جواب : حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ارسال کے وقت تو ان سے تکذیب کا صدور نہیں ہوا بلکہ ان کی تکذیب کا صدور ان معجزات کے ظہور کے بعد ہوا اسی لیے اب رسولِ خدا یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے بتایا گیا کہ وہ تکذیب کرنے والے تھے نیز اب کا اظہار آنے والے جملے کی علت بنے گا یعنی بتایا گیا کہ ان کی تباہی و بربادی کی علت ان کی تکذیب تھی۔ بعض نے کہا کہ آیات سے یہاں پر آیاتِ تکوینیہ مراد ہیں یعنی وہ علامات جنہیں اللہ تعالیٰ نے عالمِ دنیا میں پیدا فرمایا بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں پر آیات سے رسلِ کرام علیہم السلام اور وہ کتابیں آسمانی مراد ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے تشریف لانے سے پہلے نازل ہوئیں۔ چنانچہ نوح علیہ السلام کے واقعہ میں الرسل سے سابقہ رسل مراد ہیں۔ کما قال :

وقوم نوح کذبوا الرسل۔ ترجمہ: اور نوح کی قوم نے تکذیب کی۔

باء ہر لحاظ سے کذبوا کے متعلق ہے اذھبوا کے متعلق بنانا غلط ہے اگرچہ ان کے ہاں بھی معجزات لے کر گئے۔ چنانچہ سورۂ شعراء میں ہے کہ :

فاذھبا بایتنا۔ ترجمہ: تو جاؤ ہمارے معجزات لے کر۔

یاد رہے کہ تکذیب کا تعلق کبھی آیات سے ہو۔ چنانچہ اعراف میں فرمایا :

فظلموا بھا۔ ترجمہ: تو انہوں نے ان کے ساتھ ظلم کیا۔

اور سورۂ طٰہٰ میں فرمایا :

ولقد اریناہ اٰیاتنا۔ ترجمہ: بے شک ہم نے اسے اپنی آیات دکھائیں۔

یہاں دونوں آیتوں میں ھا کا مرجع آیات ہے اور کبھی اس کا تعلق موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے ہوا۔ چنانچہ سورۂ مومنین میں ہے : فکذبوھما۔ (تو انہوں نے ان دونوں کی تکذیب کی)

فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا تو ہم نے انہیں تباہ و برباد کر ڈالا۔

حل لغات : التدمیر بمعنے ہلاکت و تباہی کو کسی شے پر ڈالنا۔ اور الدمار بمعنے ہلاکت کے ذریعے کسی کی جڑ اکھاڑنا۔ الدمور بمعنے مکروہ شے میں داخل ہونا۔ اصل عبارت یوں ہے: پھر وہ دونوں حضرات فرعون اور اس کی قوم کے ہاں تشریف لے گئے اور انہیں ہمارے جملہ آیات دکھائے لیکن انہوں نے ہمیشہ کے لیے انکار کر دیا پھر ہم نے ان کی تکذیب کے بعد مکمل طور ایسے عجیب طریقے سے تباہ و برباد کر ڈالا کہ جس کی کُنہ کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ یعنی ان کی تکذیب کے بعد ہم نے انہیں دریائے قلزم میں ڈبو دیا۔

سوال : قصے کے ابتدائی اور پھر آخری حصے کو بیان کرنے کا کیا معنے؟

جواب : نصیحت و عبرت مقصود تھی اور ان پر الزام حجت مطلوب تھا کہ انہوں نے بعثت رسل کی تکذیب کی۔ ہم نے انہیں تباہ و برباد کر ڈالا۔

یہ فاء تعقیبیہ ہے اس سے تکذیب کا انجام بتانا مطلوب تھا سو وہ ہو گیا یعنی چونکہ ان کی تکذیب میں استمرار تھا اسی لیے وہ تباہ و برباد ہوئے اگرچہ تکذیب و تباہی و بربادی کے درمیان میں لمبا عرصہ گزرا لیکن چونکہ وہ استراری تھی اس لیے فاء تعقیبیہ لانے میں کوئی حرج نہیں۔

وَقَوْمَ نُوْحٍ یہ فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے اور اس محذوف فعل پر فدمرنٰھم دلالت کرتا ہے۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ ہم نے قوم نوح علیہ السلام کو تباہ و برباد کیا لَمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ جبکہ اُنہوں نے رسل کرام یعنی نوح علیہ السلام اور ان سے پہلے حضرات جیسے شیث و ادریس علیہما السلام کی تکذیب کی یا یہاں پر صرف نوح علیہ السلام مراد ہیں، اس لیے کہ ایک نبی علیہ السلام کی تکذیب گویا جملہ انبیاء علیہم السلام کی تکذیب ہے اس لیے کہ ان سب کا توحید و اسلام پر اتفاق تھا۔ بعض مفسرین نے فرمایا چونکہ حضرت نوح علیہ السلام اپنے اور اپنے سے بعد کو آنے والے انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے کی دعوت دیتے تھے۔ پھر جب اُنہوں نے نوح علیہ السلام کی تکذیب کی تو گویا جملہ انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی۔

ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان روایات میں ہے کہ ہر نبی علیہ السلام اپنی اُمت سے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا معاہدہ لیتے تھے اگر وہ ان کے زمانۂ اقدس میں تشریف لائیں۔

اَغْرَقْنٰهُمْ ہم نے ان سب کو طوفان میں غرق کر دیا۔ الاغراق بمعنے غرق کرنا۔ اور الغرق بمعنے پانی میں ڈوبنا الرسوب بمعنے السفول یعنی نیچے کو ہونا یعنی پانی کے نیچے ہونا، جسے ہم ڈوبنے سے تعبیر کرتے ہیں یہ جملہ مستانفہ ہے اور ان کے اغراق کی کیفیت بیان کرنے کے لیے واقع ہوا ہے وَجَعَلْنٰهُمْ اور ہم نے ان کے اغراق اور قصے کو بنایا ہے لِلنَّاسِ اٰيَةً لوگوں کے لیے ایک عظیم علامت جس سے مشاہدہ کرنے اور سننے والا

marfat.ocm

عبرت حاصل کرے۔ ایة بمعنے نشان و داستان ہے اور یہ جعلنا کا مفعول ثانی ہے اور للناس اس کا ظرف لغو ہے۔ وَاَعْتَدْنَا اور ہم نے آخرت میں تیار کیا ہے لِلظّٰلِمِیْنَ ظالمین یعنی غرق ہونے والوں کے لیے۔ یہاں ضمیر کے بجائے اسم ظاہر کو لانے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے ظلم پر مہر ثبت ہو اور معلوم ہو کہ وہ کفر و تکذیب میں حد سے تجاوز کر گئے۔ عَذَابًا اَلِیْمًا ○ دردناک عذاب۔ یہ عذاب اس کے علاوہ ہوگا جو انہیں دنیا میں نصیب ہوا۔ اور الیم بمعنے وجیع یعنی دردناک وَّعَادًا اس کا عطف قوم نوح پر ہے یعنی ہم نے عاد کو ہود علیہ السلام کی تکذیب کی وجہ سے ہلاک و تباہ کیا وَّثَمُوْدَا۟ اور ثمود کی قوم کو صالح علیہ السلام کی تکذیب سے وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ الرس بمعنے کنواں۔ اور ہر وہ گڑھا جو پتھروں اور پکی اینٹوں سے تیار نہ کیا گیا ہو۔ چنانچہ کشاف میں لکھا ہے الرس البئر الغیر المطویة ای المبنیة انتھی۔ اور قاموس میں صحاح کی طرح ہے کہ وہ کنواں جو مٹی وغیرہ ہٹا کر تیار کیا جائے۔ اور اصحاب الرس وہ قوم ہے جو بت پرستی کرتی تھی۔ ان کے ہاں شعیب علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا تو انہوں نے آپ کی تکذیب کی۔ وہ ایک دن کنوئیں کے ارد گرد بیٹھے تھے اور وہ کنواں صرف پانی کا گڑھا تھا اسی سے وہ خود اور جانوروں کو نہریں کھود کر پانی پلاتے تھے وہ سب اسی میں دھنس گئے اور ان کے جانور اور اسباب بھی اسی میں برباد ہو گئے۔ اور قاموس میں ہے الرس وہ کنواں ہے جو قوم ثمود کا بقایا ہے انہوں نے بھی اپنے نبی علیہ السلام کی تکذیب کی پھر اسے بند کر کے بالکل چھپا دیا پھر جو فعلِ بد انہوں نے اپنے نبی علیہ السلام کے ساتھ کیا اسی سے منسوب ہوئے، اس معنے پر رس مصدر ہے اور ان کے نبی علیہ السلام کا نام نامی حضرت حنظلہ بن صفوان تھا جو موسیٰ علیہ السلام سے پہلے گزرے۔ ایسی طرح ابن کثیر نے ذکر کیا ہے۔

اصحاب الرس کو عذاب

مروی ہے کہ جونہی انہوں نے نبی علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈالا تو اس کا پانی نیچے چلا گیا۔ اس سے وہ پیاسے مرنے لگے اور ان کے درخت خشک ہو گئے اور باغات کے پھل ختم ہو گئے حالانکہ اس سے قبل وہ بڑے خوشحال تھے سیر ہو کر پانی پیتے۔ اور ان کی تمام زمینوں اور باغات کے لیے کنوئیں کا پانی مکتفی تھا اس کے بعد وہ وحشی طبیعت ہو گئے حالانکہ اس سے قبل بہت شریف انسان سمجھے جاتے تھے، ان میں افتراق و اختلاف پیدا ہو گیا حالانکہ اس سے قبل بہت بڑے متحد و متفق تھے اگرچہ بت پرست تھے لیکن نبی علیہ السلام کی برکت سے بڑے خوشحال تھے جب نبی علیہ السلام کی گستاخی کی تو ان مصائب و مشکلات میں مبتلا[1] ہو گئے۔

---

[1] یہ پہلے زمانہ کے لوگوں کے لیے تھا اب ہزاروں گستاخیاں کی جا رہی ہیں لیکن کچھ نہیں ہوتا۔ اس کی سزا ایک یہی ہے کہ خاتمہ برباد ہوگا ورنہ پھر مرنے کے بعد سخت عذاب۔ اویسی غفرلہٗ

معجزۂ نبی ان کے ہاں ایک جانور بہت طاقت ور اور عظیم الجثہ پیدا ہو گیا جس کی گردن بھی بہت لمبی تھی۔ اور اس میں ہر قسم کا رنگ پایا جاتا تھا اور وہ ان کے بچوں پر حملہ کر کے ان کے گھروں سے اٹھا کر لے جاتا تھا اور بجانب مغرب کہیں نامعلوم جگہ پر چھپ جاتا۔ اس کی طویل گردن کی وجہ سے اسے عنقاء اور مغرب کی طرف جانے سے عنقاءِ مغرب کہا جاتا۔ اور اسے چھپا اور پوشیدہ کرنے والا جانور کہا جانے لگا۔ ایک دن اس نے ایک قریب البلوغ لڑکی کو اٹھایا اس کی شکایت حضرت حنظلہ بن صفوان علیہ السلام سے کی گئی اور وعدہ کیا کہ اگر انھیں اس موذی جانور کی شرارت سے نجات مل جائے تو ہم آپ پر ایمان لائیں گے۔ آپ نے اس کے لیے بددعا کی تو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے ایک بجلی نازل فرمائی جس سے وہ جل کر راکھ ہو گیا۔ اس کے بعد وہ لوگ محفوظ ہو گئے۔ بعض نے فرمایا کہ اسے خطِ استواء کے نیچے بعض ایسے جزائر میں اللہ تعالیٰ نے پہنچایا جہاں کوئی انسان نہیں پہنچ سکتا اور وہاں ایسے حیوانات بکثرت ہیں مثلاً ہاتھی اور کرکدن (گینڈا)[1] اور دیگر درندے اور موذی پرندے۔

دُعائے نبی کی تاثیر حضرت کاشفی نے لکھا کہ پیغمبر نے دعا مانگی کہ یا اللہ! اس مرغ کو پکڑ لے اور اس کی نسل کو ختم کر دے۔ پیغمبر علیہ السلام کی دُعا قبول ہوئی کہ وہ پرندہ گم ہو گیا اور اس کی نسل آج تک ختم ہے حتی کہ اب اس کا نشان بھی نہیں ملتا۔ ہاں ہم صرف اس کے نام سے واقف ہیں۔ اب نایاب اشیاء کے بارے میں مثال دی جاتی ہے تو عنقا کی۔ چنانچہ کسی نے کہا: ؎

منسوخ شد مروّت و معدوم شد وفا
وز ہر دو نام ماند چو عنقاء و کیمیا

ترجمہ: مروّت مٹ گئی اور وفا ناپید ہو گئی۔ عنقاء و کیمیا کی طرح اب ان دونوں کا محض نام ہی باقی ہے۔

اور صاحبِ لمعات نے عشق کی بے نشانی بھی اسی سے ظاہر فرمائی ؎

عشقم کہ در دو کون و مکانم بدید نیست
عنقائے مغربم کہ نشانم بدید نیست

ترجمہ: میرے عشق کی منزل دیکھنے کے قابل ہے لیکن میں تو عنقائے مغرب ہوں پھر میرا مکان قابلِ دید کیسے!

---

[1] غیاث اللغات

marfat.ocm

عنقاء کا تعارف مزید

عنقاء (بالضم) اسے عنقائے مغرب و مغربہ کہا جاتا ہے۔ یعنی عنقاء کو مغرب کی طرف مضاف کرکے، وہ ایک معروف الاسم پرندہ ہے لیکن اس کا جسم کسی نے کہیں نہیں دیکھا ویسے نایاب اشیاء کے لیے اسے مثال کے طور بولا جاتا ہے یا اس پرندے کو بولتے ہیں جو بہت بڑا ہو اور اڑنے میں بہت جولانیاں دکھائے۔ کما فی القاموس

اصحاب الرس

ان بدبختوں نے نبی علیہ السلام کی شکر گزاری کے بجائے انھیں شہید کرکے کنویں میں پھینک دیا اور پھر اسے چھپا دیا، جیساکہ اوپر گزرا۔

زندہ نبی علیہ السلام

حضرت حنظلہ علیہ السلام کو بہت مدت کے بعد اسی کنویں میں دیکھا گیا کہ آپ نے اپنا ہاتھ زخم کے اوپر رکھا ہوا تھا۔ جونہی لوگوں نے آپ کے جسم اطہر کو دیکھا تو آپ کا ہاتھ زخم سے ہٹا دیا۔ ہاتھ کا ہٹانا ہی تھا کہ آپ کے زخمِ مبارک سے خون بہنے لگا۔ پھر ہاتھ مبارک زخم کے اوپر رکھ دیا گیا تو خون بہنے سے رک گیا۔

اعجوبہ اصحاب الرس

بعض علماء نے کہا کہ اصحاب الرس عورتوں کا گروہ تھا جو اپنے عملِ بد کی شامت سے عذاب میں مبتلا ہوا۔ ان کا واقعہ یوں ہے کہ دلہات بنت ابلیس نے ان عورتوں کے دل میں وسوسہ ڈالا کہ اگر عورت عورت سے بدفعلی کرے تو خوب مزا آتا ہے، پھر انہیں سحق کا طریقہ بتایا، اس سے اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کو یوں عذاب میں مبتلا کیا کہ اول شب کو ایک کڑک ان پر پڑی، صبح کو زمین دھنس گئی، دوپہر دن کو ایک سخت چیز آئی اس کے بعد ان میں ایک بھی باقی نہ رہی، تمام کی تمام تہس نہس ہوگئیں۔

حدیث شریف

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان من اشراط الساعۃ ان تستکفی الرجال بالرجال والنساء بالنساء و ذلك السحق۔

(قیامت کی علامات میں سے ہے کہ مرد مردوں سے شہوت رانی کرکے اور عورتیں عورتوں سے سحق کے طریقہ سے گزارہ کریں گے۔

حدیث شریف میں ہے،

سحاق النساء زنا بینھن۔

(عورت عورت سے سحق کرے تو۔ ان کا یہ فعل زنا میں داخل ہے)

یہ حدیث مرفوع ہے۔

پہلا بہشتی کالا حبشی

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اصحاب الرس نے اپنے نبی علیہ السلام کی تکذیب کی اور اسے ایک تنگ کنویں میں بند کرکے اوپر ایسا بڑا پتھر رکھ دیا کہ جسے کوئی بھی نہ ہٹا سکے اگرچہ مل کر کئی آدمی بھی ہٹانا چاہیں۔ اس نبی علیہ السلام پر صرف ایک حبشی کالا ایمان لایا جو وہی صرف اپنے نبی علیہ السلام کے کام آیا کہ دن کو پہاڑوں سے لکڑیاں جمع کرکے بیچتا اور اسی سے طعام لے جاکر کنویں کے کسی سوراخ سے ڈالتا جسے وہ نبی علیہ السلام تناول فرماتے اور عرصہ کئی سال یہی طریقہ کار رہا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو تباہ و برباد کر ڈالا پھر ایک فرشتے نے وہ پتھر ہٹایا اور وہی نبی علیہ السلام کنویں سے باہر تشریف لائے۔

ف : بعض علماءؔ فرماتے ہیں کہ وہ پتھر اسی کالے حبشی نے ہٹایا جسے اللہ تعالیٰ نے اتنا بھاری پتھر اٹھانے کی قوت بخشی۔ پتھر ہٹا کر اندر رسّی ڈالی جسے پکڑ کر وہ نبی علیہ السلام باہر تشریف لائے۔ اسے انعام یہ ملا کہ اللہ تعالیٰ نے اس نبی علیہ السلام کے ہاں وحی بھیجی کہ وہی کالا حبشی بہشت میں آپ کا رفیق ہوگا۔

حدیث شریف میں ہے :

ان اول الناس دخولا الجنّة لعبد اسود۔

(سب سے پہلے بہشت میں داخل ہونے والا ایک کالا حبشی ہوگا[1])

علی بن حسین بن علی زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تفسیر کا نمونہ

حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص از بنی تمیم حضرت امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کی کہ آپ فرمائیے کہ اصحاب الرس کون لوگ تھے اور کس زمانہ اور کس ولایت میں اور ان کا مسکن کہاں تھا اور کون سے بادشاہ کے زمانہ میں تھے۔ ان کے ہاں کوئی پیغمبر تشریف لایا یا نہ۔ اور وہ کس وجہ سے ہلاک و تباہ ہوئے۔ ہم قرآن میں ان کا نام تو پڑھتے ہیں لیکن ہمیں ان کا ذکر تفصیل سے نہیں ملا۔ سیدنا امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا : اے تمیمی بھائی! تُو نے مجھ سے ایسا سوال کیا ہے کہ تجھ سے پہلے مجھ سے کسی نے پُوچھا تک نہیں اور میرے سوا تم کسی اور سے یہ قصہ نہیں سُنو گے۔ اصحاب الرس بنی اسرائیل کے ہمعصر اور سلیمان علیہ السلام سے پہلے گزرے ہیں۔ وہ صنوبر کے درخت کو پُوجتے تھے اور یہ درخت چشمہ معروف کے کنارے پر یافث بن نوح علیہ السلام نے بویا تھا۔ اس چشمہ سے باہر ایک نہر جاری تھی اور ان کا بارہ حصص پر مشتمل نہر کے کنارے ایک شہر تھا۔ اس شہر کا نام رس تھا۔

---

[1] اس سے یہی کالا حبشی مراد ہے جس نے اپنے نبی علیہ السلام کی غلامی کا حق ادا کیا۔

marfat.ocm

بلادِ مشرق میں اس سے بڑی نہر کوئی نہیں تھی اور نہ ہی اس زمانہ میں اس سے بڑا کوئی اور شہر تھا ان کا دارالخلافہ شہر اسفند آباد میں تھا بادشاہ نمرود بن کنعان کی نسل سے تھا اور وہ بھی اسی شہر میں رہتا تھا اور صنوبر کا درخت بھی اسی شہر میں تھا۔ یہ لوگ اسی درخت کا بیج لے کر اپنے شہر میں گئے تاکہ وہ درخت پیدا ہو اور وہ اس کی پرستش اپنے شہر میں ہی کریں اور وہ چشمہ جو اس درخت کے نیچے تھا اس کا پانی پینے کی کسی کو اجازت نہ تھی اور نہ اس سے پانی لے کر کسی اور ضرورت کے لیے اسے استعمال کرتے۔ بلکہ کہتے،

ھی حیاۃ الہتنا فلا ینبغی لاحد ان ینقص من حیاتہا۔

(یہ پانی ہمارے معبودوں کی زندگی ہے اس لیے کسی کو لائق نہیں کہ ان کی زندگی کو گھٹائے)

ہاں پانی کی اپنی ضروریات اسی نہر سے پوری کرتے ان کا طریقہ تھا کہ ہر ماہ اس درخت صنوبر کے ارد گرد جمع ہوتے اور اسے طرح طرح کے زیورات اور پوشاک سے آراستہ و پیراستہ کرتے اور جانور ذبح کرتے اور بہت بڑی آگ جلا کر قربانیوں کو اسی میں ڈالتے تاکہ گرد اور دھواں زیادہ سے زیادہ ہو جب دھوئیں سے تاریکی چھا جاتی یہاں تک کہ آسمان کے کنارے چھپ جاتے تو پھر سر بسجود ہو جاتے اور نہایت عجز و نیاز سے گڑگڑاتے یہاں تک کہ درخت سے شیطان آواز دیتا؛

انی قد رضیت عنکم فطیبوا انفسا وقروا اعینا۔

(میں تم سے راضی ہوں فلہذا خوشیاں مناؤ اور آنکھیں ٹھنڈی کرو)

وہ شیطانی آواز جب ان کے کان میں پہنچتی سجدہ سے سر اٹھا کر خوش ہو جاتے یہاں تک کہ اسی خوشی میں ایک سالم دن شراب نوشی کی محفل جماتے اور کہتے کہ ہم سے ہمارا معبود راضی ہو گیا۔ اسی طریقے سے زندگی بسر کرتے۔ یوں ان کے کفر و شرک کا بازار گرم ہو گیا اور وہ طغیان و سرکشی میں یکتا ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے ان کے ہاں ایک پیغمبر بھیجا۔ وہ پیغمبر یہود بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔ عرصہ دراز تک انھیں دعوتِ دین دیتے رہے لیکن وہ بدبخت کفر و شرک میں قدم آگے ہی بڑھاتے رہے۔ پیغمبر علیہ السلام نے تنگ آ کر اللہ تعالیٰ سے التجا کی، یا رب

یا رب ان عبادك ابوا الا تكذيبي والكفر بك يعبدون شجرة لا تضر ولا تنفع فارهم قدرتك وسلطانك۔

اے الٰہ العالمین! تیرے بندے میری تکذیب کر رہے ہیں اور تیرے ساتھ کفر کرنے میں کسر اٹھا نہیں رکھ رہے فلہذا انھیں اپنی قدرت کا کرشمہ دکھا۔

جب پیغمبر علیہ السلام نے بددعا کی تو ان کے تمام درخت خشک ہو گئے۔ اصحاب الرس نے کہا یہ نحوست اسی مرد کی ہے جو پیغمبری کا دعویٰ کرتا ہے اور ہمارے معبودوں کی مذمت کرتا ہے۔ ان بدبختوں نے پیغمبر علیہ السلام کو پکڑ کر ایک بڑے کنویں میں پھینک دیا۔ بعض نے کہا کہ نے کی لکڑیوں سے کنواں اس طرح تیار کیا گیا کہ اوپر سے پانی

کھینچتے تھے۔ لیکن وُہ بھی خشک ہو گیا اسی نبی علیہ السلام کو پکڑ کر اسی کنویں میں ڈال دیا اور اوپر ایک بھاری پتھر رکھ دیا۔ پھر خوش ہُوئے کہ اب ہم سے ہمارے معبود راضی ہوں گے اس لیے کہ ہم نے ان کے دشمن کو کنویں میں بند کر دیا ہے پیغمبر علیہ السلام نے اس وحشت گاہ میں اللہ تعالیٰ سے عرض کی:

سیدی و مولائی قد تری ضیق مکانی وشدہ کربی فارحم ضعف رکنی وقلۃ
حیلتی وعجل قبض روحی ولا تؤخر۔

(اے میرے آقا و مولا! تُو میری تنگیٔ مکان اور درد و کرب کی سختی کو دیکھ رہا ہے۔ فلہٰذا میرے حال پر رحم فرما اور میرے قلت حیلے کو دیکھ اب میری گزارش ہے کہ مجھے دُنیا سے اٹھا لے، میری روح قبض کر لے)

اس کے بعد نبی علیہ السلام کا وصال ہو گیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام سے فرمایا: میرے بندوں نے میرے حوصلے سے فائدہ اٹھایا ہے اور وُہ میری مہلت سے دھوکا کھا بیٹھے ہیں اسی لیے میرے غیر کی پرستش کر رہے ہیں اور میرے نبی علیہ السلام کو شہید کر ڈالا اور میں اپنے اس بندے سے بدلہ لیتا ہُوں جو میرا مقابلہ کرتا ہے اور میرے عذاب سے نہیں ڈرتا۔ میں نے قسم کھائی ہے کہ ان کو آنے والی نسلوں کے لیے عبرت بناؤں اور انہیں سخت عذاب میں مبتلا کروں۔ یہ فرمایا اور سخت آندھی کو حکم دیا کہ انہیں تباہ و برباد کر دے۔ چنانچہ آندھی چلی اور وہ تباہ و برباد ہو کر زمین میں دھنس گئے اور اوپر سے زمین کبریت کی طرح سخت ہو گئی اور اوپر سے سیاہ بادل امڈا اور آگ برسائی۔ یوُں وُہ زمین کے اندر ہی پگھل کر فی النار والسقر ہو گئے۔ (کذا فی کشف الاسرار للعالم الربانی الرشید الیزدی)

وَقُرُوْنًا اور ہم نے بہت سے زمانہ کے لوگوں کو تباہ کیا۔ یہ قرن کی جمع ہے وہ قوم جو ایک دوسرے سے ایک زمانہ کو مقترن ہو۔ اور صحیح یہ ہے کہ ایک سو سال کا قرن ہوتا ہے۔

چنانچہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نُومولود بچے کی دُعا میں فرمایا:

عش قرنا۔

تو وہ سو سال زندہ رہا۔ (کذا فی القاموس)

بَیْنَ ذٰلِکَ مذکورہ طائفوں اور امتوں کے درمیان۔

یعنی نوح وعاد کے درمیان اور اصحاب الرس کے درمیان۔

کَثِیْرًا بہت سے گروہ جنہیں صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لا یعلمھم الا اللہ۔ ۔ ترجمہ: انہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اسی لیے مروی ہے کہ کذب النسابون (نسب بیان کرنے والے) جھوٹے ہیں یعنی وہ نسّاب جو انساب بیانی میں صدق اور حق کے مدعی ہیں یہ قرونا کی صفت ہے اور اس کا مفرد ہونا مضر نہیں اس لیے کہ اس میں جمع اور عدد پایا جاتا ہے۔ چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا :

وبث منھما رجالا کثیرا۔ ترجمہ: اور ان سے بہت سے مرد عورتیں پھیلائے۔

وَكُلًّا اس کا منصوب ہونا فعل مضمر کی وجہ سے ہے جس پر اس کا مابعد دلالت کرتا ہے۔ یعنی ذکرنا و انذرنا یعنی ہم نے مذکورہ ہلاک و تباہ شدگان کے ہر ایک گروہ کو نصیحت کی اور خدا تعالیٰ کے خوف سے ڈرایا ضَرَبْنَا لَهُ الْأَمْثَالَ ہم نے انہیں بواسطہ رسل کرام علیہم السلام عجیب و غریب قصّے سنائے جو انہیں معاصی و کفر سے روکنے کا سبب بن سکتے تھے وَكُلًّا تکذیب و اصرار علی المعاصی والجرائم کے بعد ہر ایک گروہ کو تَبَّرْنَا تَتْبِيرًا ۝ عجیب و غریب طریقے سے تباہ و برباد کر ڈالا۔ التبر بالفتح والکسر بمعنے اہلاک یعنی تباہ و برباد کرنا۔ تتبیر بمعنے تکسیر و تقطیع۔ زجاج نے فرمایا جس چیز کو تم توڑو گے اور ٹکڑے ٹکڑے کرو گے تو اہلِ عرب کہیں گے ، تبرتہ۔ اسی لیے التبر توڑنے والی شے کو کہا جاتا ہے اور سونے اور چاندی کے وہ ٹکڑے جنہیں زیورات وغیرہ کے قابل نہ بنایا جائے تو انہیں بھی تبر سے تعبیر کرتے ہیں جب زیورات کے لائق بنائے جائیں گے تو پھر انہیں ذھب و فضۃ کہا جائے گا۔

وَلَقَدْ أَتَوْا اور بخدا قریش اپنی تجارت گاہوں سے علاقہ شام میں آئے اور گزرے عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِي أُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ایسی بستی پر جس پر بُری بارش اُتری یعنی سدوم (بالدال المھملہ) بعض نے بالذال المعجمہ لکھا۔ اور قوم لوط کے ان پانچوں شہروں میں سب سے بڑا شہر یہی تھا اور وہ سب پتھراؤ سے تباہ و برباد ہوئے اور ان کے اہل بہت برا فعل یعنی لواطت کرتے تھے ان پر جو پتھر پڑتا تھا وہ انسان کے برابر ہوتا تھا۔ ان میں سے ایک بھی نہ بچ سکا۔ البتہ ان پانچ شہروں میں ایک شہر کے لوگ بچ گئے کیونکہ وُہ یہ فعلِ بد (لواطت) نہیں کرتے تھے۔ اور سدوم تو سارا ہی تباہ و برباد ہو گیا تھا۔ اس کی تخصیص اس لئے ہے کہ وہی قریش کے تاجروں کی گزرگاہ تھا اور وُہ جب وہاں سے گزرتے تو اسے الٹا پڑا دیکھتے لیکن عبرت حاصل نہیں کرتے تھے۔ اور مطر السوء مصدر مؤکد ہے اور اس کے زوائد کو حذف کیا گیا ہے۔ در اصل امطار السوء تھا۔ اور ایسے زوائد کا حذف عرب میں عام ہے جیسے ؛ انبتہ اللہ نباتا حسنا۔ مطر بالمجہول خیر میں اور امطر شر میں استعمال ہوتا ہے۔ بعض کے نزدیک یہ دونوں مشترک لغتیں ہیں۔ السوء بفتح السین وضمہا ہر وہ شے جس سے انسان پریشان ہو اور غم یا آفت میں مبتلا ہو یا کسی اور آزمائش

اب معنٰی یہ ہوا کہ وہ لوگ اس بستی سے گزرتے ہیں جن پر بُری بارش یعنی پتھر برسائے گئے۔

حدیثِ معراج کا ایک جزُ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے شبِ معراج تیسرے آسمان پر ایک پتھر دکھا دیکھ کر جبرائیل علیہ السلام سے پُوچھا۔ انہوں نے عرض کی کہ یہ قومِ لوط سے ہم نے بچا کر رکھا ہے اور آپ کی ظالم امت کے لیے چھپا رکھا ہے۔ یعنی میں نے اسے چھپایا اور تیار کر رکھا ہے، اور یہ قیامت کے علامات میں سے ہے کہ آسمان سے بعض دانے مثلاً گندم یا جوار وغیرہ برسیں گے۔ فقیر (صاحب رُوح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ ہم نے اپنے زمانے میں ان کو دیکھا اور آنے والے زمانے میں ظالمین پر پتھر وغیرہ برسیں گے۔ (نعوذ باللہ تعالیٰ)

اَفَلَمۡ يَكُوۡنُوۡا يَرَوۡنَهَا کیا انہوں نے انھیں سر کے بل پڑے نہیں دیکھے جب وہ ان سے گزرتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ اس منظر کو دیکھ کر خوف کر کے اور عبرت حاصل کر کے ایمان لائیں بَلۡ كَانُوۡا لَا يَرۡجُوۡنَ نُشُوۡرًا۔ الرجاء دراصل بھلائی کے انتظار کو کہا جاتا ہے اور مسرّت کے حصول کے گمان پر بھی رجاء کا اطلاق ہوتا ہے اور کافر کو تو مرنے کے بعد اُٹھنے کی کوئی خوشی نہیں۔ لیکن اُن کے لیے یہ اطلاق مجازی ہے بمعنے توقّع، اور لفظ توقع خیر و شر دونوں کے لیے مستعمل ہے۔ اس معنے پر کافر اور توقع النشور کے درمیان نسبت جائز ہے۔ اب معنی یہ ہُوا کہ وہ کافر تو نشور کی توقع بھی نہیں رکھتے بلکہ سرے سے قیامت میں اعمال کی سزا کے منکر ہیں اور قیامت میں پل بھر بھی اُٹھنے کے قائل نہیں، حالانکہ اس کا وقوع یقینی اور جُملہ لوگوں کو حاوی ہے اور ہر ایک کا اُٹھنا لازمی امر ہے۔ جب وہ آخرت میں اُٹھنے کے منکر ہیں تو پھر ایک مخصوص گروہ کو دُنیوی عذاب کے کس طرح قائل کر سکتے ہیں۔ جب انہیں اس کا اقرار ہی نہیں تو پھر ان سے نصیحت قبول کرنے کی توقع کیسے ہو سکتی ہے، اگرچہ وہ ایک گروہ کی تباہی و ہلاکت کو آنکھوں سے بھی دیکھتے ہیں۔ ہاں وہ ایسے آثار دیکھ کر صرف اتنا کہتے ہیں کہ یہ اتفاق ہے زمانے کا۔

ف: قیامت میں اُٹھنے کا منکر صرف کافر ہو سکتا ہے اُسے موسم ربیع سے محسوس ہونا چاہیے، کیونکہ یہ بتاتا ہے کہ آخر فنا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

جب تم موسم بہار کو دیکھو تو قیامت میں اُٹھنے کی گھڑی کو یاد کر لیا کرو۔

ف: اس لیے موسم ربیع یوم النشور کی مانند ہے۔ کیونکہ ربیع بیج بونے کے ابتدائی موسم کا نام ہے کہ پھر اس سے کھیتی اُگنے کی اُمید ہوتی ہے اور دل اسی طرف لگا رہتا ہے کہ نہ معلوم کھیتی اُگے یا نہ اُگے۔ ایسے ہی اس مومن کا حال ہے جو طاعتِ الٰہی میں جدّ و جہد کرتا ہے تو پھر اس کا دل قیامت تک خوف و رجاء

marfat.ocm

میں معلق رہتا ہے کہ نجانے اس کی نیکی قبول بھی ہوگی یا نہیں۔ پھر جب کھیتی اُگتی ہے اور پک جاتی ہے اسے کاٹ کر صاف ستھرا کیا جاتا ہے پھر اسے پیس کر آٹا گوندھ کر پکایا جاتا ہے اور جونہی روٹی صحیح سالم پک کر دسترخوان پر آجاتی ہے تب انسان خوش ہوتا ہے کہ اس کی محنت کام آگئی۔ اگر روٹی تنور میں جل جائے تو غمگین ہوتا ہے کہ افسوس محنت رائیگاں گئی۔ ایسے اطاعت گزار انسان کا حال ہے کہ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور دیگر نیک کام بجالاتا ہے یہاں تک کہ ملک الموت آکر اس کی جان لے لیتا ہے گویا اس کی رُوح کو موت کی درانتی سے کاٹ لیا جاتا ہے اور پھر اسے قبر میں دفن کیا جاتا ہے اور وہ قیامت کا انتظار کرتا ہے پھر اسے قبر سے اٹھا کر حساب کے میدان میں لے جایا جاتا ہے اور حکم ہوتا ہے کہ پل صراط سے گزرے جب وہ بندہ پل صراط سے صحیح سالم گزر گیا تو وہ لقائے حق کا مستحق ہوتا ہے ورنہ ہلاک و تباہ ہو گیا۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وُہ اپنے اعمال کو ہر وقت سامنے رکھ کر اپنے انجام کو اچھا بنانے کی کوشش کرے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ فضل مردان بر زن اے حالی پرست
زان بود کہ مرد پایان بین تر ست
۲ مرد کاندر عاقبت بینی خمست
او ز اہل عاقبت از زن کمست
۳ از جہان دو بانگ می آید بضد
تاکدامین را تو باشی مستعد
۴ آن یکی بانگش نشور اتقیاؔ
وین دگر بانگش فریب اشقیاؔ
۵ آن یکے بانگ این کہ اینک حاضرم
بانگ دیگر بنگر اندر آخرم
۶ من شگوفہ خارم اے فخر کبار
گل بریزم من نمایم شاخ خار
۷ بانگ اشگوفہ اش کہ اینک گل فروش
بانگ خارش او کہ سوی ما مکوش
۸ اے خنک آن کو ز اول آن شنید
کش عقول و مستمع مردان شنید

ترجمہ: ۱۔ اے حال پرست اپنے میں برگزیدہ لوگوں کے حالات پیدا کر اس لئے کہ نیک مرد اپنے انجام کا خوب خیال رکھتا ہے۔

۲۔ جو شخص اپنے انجام بینی میں کمزور ہے وہ عاقبت بینوں میں عورت سے بھی کم درجہ ہے۔

۳۔ جہانِ دنیا میں دو مخالف آوازیں آرہی ہیں نامعلوم تو کس آواز کا مستعد ہے۔

۴۔ ایک آواز پرہیزگاروں کے ساتھ اٹھنے کی دوسری آواز بدبختوں کے مکر و فریب کی۔

۵۔ ایک آواز تو نقد صورت میں ہے کہ وہ کہتی ہے میں تیرے سامنے ہوں دوسری آواز کہتی ہے کہ میرا نتیجہ آخرت میں ہوگا۔

۶۔ دوسری کہتی ہے کہ میں کانٹوں کا شگوفہ ہوں شگوفہ آواز دیتا ہے کہ اسے حال کر لے آگے پھول ہے اسے حال کرلے پھر تجھ پر پھول نچھاور کروں گا۔ ۷۔ شگوفے کی یہی آواز ہوتی ہے کہ آجا اور پھول حال کرے لیکن کانٹا آواز دیتا ہے کہ ادھر آنے کی کوشش نہ کر۔ ۸۔ خوش قسمت ہے وہ جس نے عقل سے پہلی آواز سنی اور دوسری حق کی آواز سے نفع اٹھایا

وَاِذَا رَاَوْكَ اور اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو قریش مکہ جب دیکھتے ہیں اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا یہ ان نافیہ ہے یعنی آپ کو نہیں بناتے مگر ٹھٹھا مخول کی جگہ۔ یعنی آپ سے استہزاء کے طور آپ کی تحقیر واہانت کرتے ہوئے کہتے ہیں اَهٰذَا الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ۝ کیا یہ وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاں رسول بنا کر بھیجا ہے تاکہ ہمارے اوپر حجت قائم کرے۔ یعنی ان بدبختوں نے نہ صرف ایمان کا انکار کیا بلکہ شبہات ظاہر کئے۔ جب آپ کو دیکھتے تو آپ کے ساتھ استہزاء کرتے اور آپ کی تحقیر و اہانت کرتے۔ یہی بات ابوجہل نے ابوسفیان کو کہی کہ کیا بنی عبد مناف کا نبی (علیہ السلام) یہی ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ ظاہر بین لوگ تو نبوت کو صرف ظاہری حس سے دیکھتے ہیں حالانکہ اسے نظر بصیرۃ سے دیکھا جاتا ہے وہ بھی نورِ حق کی تائید و توفیق سے، اور یہ بیچارے نگاہِ بصیرت سے محروم اور نورِ الٰہی کی تائید و توفیق سے بے بہرہ ہیں اسی لیے جونہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنیں تو کلامِ نبوت و رسالت کی حقیقت کو نہ پا سکے بلکہ ان سے الٹا استہزاء کرتے ہوئے کہنے لگے:

> اھٰذا الذی بعث اللہ رسولا وھو بشر مثلنا محتاج الی الطعام والشراب۔
>
> (کیا اسی بشر کو ہمارے ہاں اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے وہ تو ہمارے جیسا آدمی اور بشر ہے وہ کھانے پینے کا محتاج ہے)[ل]

[ل] یقین جانئے آج کل اسی طرح کی باتیں وہابی، دیوبندی، نجدی، مودودی وغیرہ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہتے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

مثنوی شریف میں ہے : ؎

۱ کار پاکان را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نبشتن شیر شیر

۲ جملہ عالم زین سبب گمراہ شد
کم کسی ز ابدال حق آگاہ شد

۳ ہمسری با انبیاء برداشتند
اولیاء را ہمچو خود پنداشتند

۴ گفتہ اینک ما بشر ایشاں بشر
ما و ایشاں بستۂ خوابیم و خور

۵ این ندانستند ایشاں از عمی
ہست فرق درمیان بے منتہی

۶ ہر دو گون زنبور خوردند از محل
لیک شد زین نیش وزان دیگر عسل

۷ ہر دو گون آہو گیا خوردند و آب
زین یکے سرگیں شد و زان مشک ناب

۸ ہر دو نے خوردند از یک آبخور
این یکے خالی و ان پُر از شکر

ترجمہ : ۱۔ پاک لوگوں کا قیاس اپنے اوپر نہ کر اگرچہ لکھنے میں شیر و شیر برابر ہیں۔

۲۔ اکثر لوگ اسی لئے گمراہ ہوئے ابدال کے سوا بہت بہت اس راز سے آگاہ ہوئے۔

۳۔ لوگوں (کافروں) نے انبیاء سے برابری کا دم بھرا اور اولیاء کو اپنے جیسا سمجھا۔

۴۔ (اور) کہا وہ بھی بشر ہیں اور ہم بھی بشر ہیں ہم سب خواب اور خوراک کے پابند ہیں۔

۵۔ لیکن اندھے پن سے یہ نہ سمجھا کہ ان کے اور ہمارے درمیان بے انتہا فرق ہے۔

۶۔ دو بھڑ ہیں جو ایک ہی جگہ سے خوراک کھاتے ہیں لیکن ایک میں زہر ہے دوسرے میں شہد

۷۔ دو ہرن ہیں ایک جیسا گھاس کھاتے ہیں اور پانی پیتے ہیں لیکن ایک سے لنگی دوسرے سے مشک حاصل ہوتا ہے۔

۸۔ دو نے ہیں ایک ہی نہر کا پانی پیتے ہیں ایک خالی ہے دوسرا شکر سے پُر ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنْ کَادَ لَیُضِلُّنَا یہ اِن مخففہ از ثقیلہ ہے اور لیضلنا میں لام فارقہ ما بین النافیہ و المثقلہ ہے اور اس کا اسم ضمیر شان محذوف ہے یعنی بیشک شان یہ ہے کہ (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں بہکا دیں گے عَنْ اٰلِهَتِنَا ہمارے معبودوں سے، یعنی وہ ہمیں ہمارے معبودوں کی عبادت سے پھر کر ان سے بالکل دُور کر دیں گے یعنی قریب ہے کہ وہ اپنے میٹھے کلام اور اپنی دعوتِ اسلامی میں بہت جدو جہد کریں گے اور ہمیں ہمارے معبودوں کی پرستش سے روک دیں گے لَوْلَاۤ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ؕ کیوں نہ ہم اپنے معبودوں کی پرستش پر ثابت قدم رہیں اور اسے مضبوطی سے پکڑیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ اور یقیناً معلوم کر لیں گے اگرچہ دیر سے سہی حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ جب اس عذاب کو دیکھیں گے جس کے وہ کفر کی وجہ سے مستحق ہیں، اسے قیامت میں تو کھلم کھلا دیکھیں گے۔ اور نمونہ کے طور پر انھیں بدر میں دکھایا گیا مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝ راستے کے لحاظ سے کون زیادہ گمراہ ہے۔ یہ اس لیے کہا گیا کہ انہوں نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو لیضلنا (گمراہ ہونے) کی طرف منسوب کیا اور ظاہر ہے کہ جو دُوسرے کو گمراہ کرتا ہے وہ پہلے خود گمراہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا۔

ف : اللہ تعالیٰ انہیں مہلت دیتا ہے اسی لیے گمراہی کی رؤیت کو قیامت سے متعلق فرمایا۔ اور گمراہی کی نسبت راستہ کی طرف مجازی ہے کیونکہ گمراہ تو وہ ہوتے ہیں جو گمراہی کے راستہ پر چلتے ہیں۔ اور من اضل سبیلا جملہ استفہامیہ ہے جسے یعلمون سے معلق کیا گیا ہے اور وہ اس کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔

اَرَءَيْتَ کیا تم نے نہیں دیکھا مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ جس نے اپنی خواہشات کو معبود بنا لیا ہے۔

تحقیق اَرَءَيْتَ یہ کلمہ کبھی اعلام کے لیے اور کبھی سوال کے لیے اور یہاں تعجب کے لیے ہے یعنی تم نے ان کے اس صفت سے موصوف ہونے سے تعجب نہیں کیا الٰہہ مفعول ثانی ہے اسے مفعول اول سے مقدم کرنا اس کے مہتم بالشان القبیح ہونے کی وجہ سے ہے اس لیے امر تعجب اس پر گھومتا ہے اور الھوٰی، ھوٰنہ کا مصدر ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی سے محبت اور اس کی خواہش نفسانی کرے پھر محبوب خواہش کردہ شے پر استعمال ہونے لگا وہ محبوب خواہش کردہ شے محمود ہو یا مذموم پھر عموماً غیر محمود استعمال ہونے لگا۔ مثلاً کہا جاتا ہے،

فلان اتبع ھوٰنہ۔ ترجمہ: فلاں نے خواہش کی تابعداری کی۔

یہ کسی کی مذمت کے وقت بولا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ الھوی ہر اس شے پر استعمال ہوتا ہے جس کی طرف طبع کا میلان ہو اور محض شہوت کی بنا پر بغیر سند منقول و دلیل معقول کے جس کی نفس خواہش کرے۔

marfat.ocm

اب معنی یہ ہُوا کہ اسے (محبوب) محمد (عربی صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ نے اس سے تعجب نہیں کیا جس نے خواہش نفسانی کو اپنے لیے معبود بنایا بایں طور کہ اس کی اطاعت کی اور اپنے دینی امر کی اسی پر بنا رکھی کہ وہ حجت و برہان کو سننے سے رُوگردانی کرتا ہے گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے تعجب نہیں کرتے ہو جس نے اپنی خواہشِ نفسانی کو معبود کے قایم مقام بنا لیا کہ اس کی اطاعت پر التزام کرتا اور اس کی مخالفت کو حرام سمجھتا ہے۔ یعنی اسے دیکھ کر تعجب کرد۔ یہ استفہام تقریر و تعجیب کا ہے۔

اعجوبۂ کفار منقول ہے کہ عرب کی ایک قوم پتھروں کی پرستش کرتی تھی۔ جو بھی حسین پتھر دل کو اچھا لگتا اسی کی عبادت کرنے لگ جاتے، اس سے پہلے والے پتھروں کو پھینک دیتے تھے۔ حارث بن قیس اس قوم کا ایک فرد تھا، اس کا ایک پتھر کا بت اونٹ سے گر کر گم ہو گیا۔ اعلان ہوا کہ اے قافلے والو! ٹھہرو، بُت اونٹ سے گر کر کہیں گم ہو گیا ہے جب تک مل نہ جائے آگے نہ بڑھو۔ تھوڑی دیر تک تلاش کے بعد جب پتھر کا بت نہ ملا، تو کسی نے آواز دی: گھبرایئے نہیں، مجھے اس سے حسین تر پتھر مل گیا ہے، اسے چھوڑیئے اب اسی کی پرستش کرتے رہیں گے۔

حدیث شریف میں ہے:

ما عبد اله ابغض علی الله من الهوٰی۔

(معبودانِ باطل میں سب سے مبغوض تر خواہشِ نفسانی ہے)

ف: جو نفس کی خواہش کے مطابق عبادت کرتا ہے وُہ غیر اللہ کا پرستار ہے۔ اسی طرح جو شریعت کے مطابق امور تو سرانجام دیتا ہے لیکن اس میں خواہشِ نفسانی کو دخل دیتا ہے تو وہ بھی حظوظِ نفسانیہ کا پرستار ہے اسے حقوقِ ربانیہ سے کوئی تعلق نہیں (کذا فی التاویلات النجمیہ)

ف: مُلّا کاشفی نے لکھا کہ صاحبِ تاویلات نے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور شے سے محبت کرتا ہے، اسے چاہیے کہ وہ اس سے باز آجائے ورنہ اس کی ہر عبادت غیر اللہ کی پرستش میں شمار ہو گی اس لیے کہ وہ عبادت کے غیر اللہ کی محبت میں مبتلا ہو گا۔

اعجوبۂ دُنیا سید حسینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب آدم علیہ السلام کا نکاح بی بی حوا علیہا السلام سے ہوا تو ابلیس کا عقد دنیا سے کیا گیا، جیسے آدم علیہ السلام کی نسل سے انسان پیدا ہُوئے شیطان سے بذریعہ دنیا ہوا و ہوس اور رسوم و عادات مردودہ اور مذاہب و ادیانِ باطلہ ظاہر ہوئے ؎

غبارے کہ خیزد میان رہ اوست
چہ گویم کہ ہر یوسفے را چہ اوست

(ترجمہ: وہ غبار کہ درمیان راہ سے اٹھتی ہے میں کیا عرض کروں کہ ہر یوسف (نیک نام) کے

آگے ہلاکت کا گڑھا ہے)

شہوتِ نفسانی کا غلبہ اور اسے یہ درجہ حاصل ہے کہ دُنیا میں سب سے پہلا غیر کی پرستش کردہ یعنی معبودِ باطل خواہشِ نفسانی ہے۔ اسی کی شان میں وارد ہے اور قرآن مجید اسی کے متعلق فرماتا ہے:

ارأیت من اتخذ الٰہہ ھواہ۔ ترجمہ: کیا اسے دیکھا ہے جس نے خواہش کی تابعداری کی۔

خلاصہ یہ کہ غیر اللہ کی پرستش کا اصل معبود باطل خواہش نفسانی ہے باقی جملہ معبودانِ باطلہ اسی کی فرع ہیں۔ اسی لئے مشائخ نے فرمایا کہ جو بھی خواہشِ نفسانی سے بچ گیا اسے ایمان کی حقیقت نصیب ہو گئی ؂

سر ز ہوی تافتن از سروریست
ترک ہوی قوتِ پیغمبریست [طرب المجالس]

(ترجمہ، خواہش نفسانی سے مُنہ موڑنا دین کی سرداری ہے اور خواہشِ نفسانی کا ترک پیغمبری قوت ہے)

ف: حضرت ابو سلیمان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو اپنے نفس کی خواہش کا اتباع کرتا ہے وہ اپنے آپ کو قتل کرتا ہے اس لیے کہ انسان کی حقیقی زندگی ذکر میں اور اس کی موت ذکر سے فراموشی اور غفلت ہے جو وہ غفلت کر کے خواہشات کی اتباع کرتا ہے۔ اور جب خواہشات کی اتباع کرتا ہے تو اہلِ اموات میں داخل ہو جاتا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے؂

۱ ایں جہان شہوتے بتخانہ ایست
انبیا و کافراں را لانہ ایست

۲ لیک شہوت بندۂ پاکاں بود
زر نسوزد زانکہ نقد کاں بود

۳ کافراں قلبند و پاکاں ہمچو زر
اندریں بوتہ درند ایں دو نفر

۴ قلب چوں آمد سیہ شد در زماں
زر در آمد شد زری او عیاں

ترجمہ: ۱۔ یہ جہان شہوت سے پُر اور بتخانہ ہے انبیاء علیہم السلام اور کافروں کیلئے امتحان گاہ ہے۔
۲۔ لیکن نیک لوگ شہوت سے پاک ہوتے ہیں سونا نہیں جلتا اس لئے کہ اصلی کان سے ہے۔
۳۔ کافر کھوٹ کی طرح ہیں اور نیک لوگ سونے کی طرح انھی دو مثالوں میں ہیں یہ دو گروہ۔
۴۔ سونے کا کھوٹ اسی وقت سیاہ ہوتا ہے تو سونا کھل کر صاف ظاہر ہوتا ہے۔

marfat.ocm

حکایت کسی نے سمرقند کے ایک شیخ کامل سے سوال کیا کہ کسی نے خواب میں اللہ تعالیٰ کو مُردہ دیکھا، اس کی تعبیر کیا ہے؛ اسی طرح کسی نے نبی علیہ السلام کو مُردہ دیکھا۔ اس شیخ نے فرمایا کہ اس شخص نے کسی شرعی معاملہ میں کوتاہی کی ہوگی، اور مرادِ اصل شریعت کا ہے جسے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے جاری فرمایا؛ اس شخص کو حضورِ حق و حضوریِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نصیب تھی اب وہ کسی غلطی کے باعث اس حضوری سے محروم ہوگیا۔ اسی کو اسے موتِ الٰہی و نبوی میں دکھایا گیا۔

حضرت عارف مولانا نورالدین جامی قدس سرہٗ نے فرمایا، اس کی تاویل آیۃ ارأیت من اتخذ الٰھہ ھواہ سے ظاہر ہے۔ وہ اسی طرح ہے کہ اس شخص نے اپنی خواہشِ نفسانی کو معبود بنایا ہوُا ہے اور خواہش نفسانی کی صورت مُردے کی ہے پھر اسے کسی کامل یا کسی عمل سے اس کے دل سے دُور کیا گیا، تو اس خواہش کا چلاجانا گویا اس کا مُردہ ہوجانا ہے۔ اس کی تعبیر کے بعد اس کی سچائی کی علامت یہ ہے کہ اس شخص کی حق کی حضوری میں اضافہ ہو۔ (کذا فی رشحات علی الصفی بن الحسین الکاشفی)

اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ کیا تم ہو عَلَيْهِ اس شخص پر جس نے خواہشِ نفسانی کو معبود بنایا وَكِيْلًا ۝ نگران جسے تم شرک و معاصی سے بچاؤ اور وہ اسی حال پر قایم ہو۔ یعنی آپ اس کام کے لیے نہیں بھیجے گئے کہ انہیں معاصی و شرک سے بچاتے رہیں بلکہ آپ کو خوفِ حق دلانے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ یہ استفہام انکاری ہے اور اس میں آپ کو روکا نہیں گیا کہ آپ انہیں دعوتِ اسلام بھی پیش نہ کریں۔ بلکہ آپ کو بتایا گیا کہ ان کے متعلق قضا و قدر میں ایسا ہوچکا ہے لیکن آپ انھیں بدستور حق کا ڈر سناتے رہیں۔

ف: بعض نے کہا کہ یہ آیت آیۃ السیف سے منسوخ ہے۔

اَمْ تَحْسَبُ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ کیا تمھیں گمان ہے کہ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ ان کے سامنے جو آیاتِ قرآنی پڑھی جاتی ہیں ان کے اکثر صحیح طور پر سُنتے ہیں اَوْ يَعْقِلُوْنَ ط یا قرآن مجید کے اندر کی نصائح و مواعظ اور وہ امور جو انہیں ان قبائح سے روکنے والے ہیں جو محاسن کے اسباب ہیں کو صحیح طور سمجھتے ہیں اسی لیے آپ ان کے متعلق اہتمام فرماتے اور ان کے ایمان کے لیے طمع رکھتے ہیں۔

ف: اکثر کی قید اس لیے ہے کہ ان کے بعض نے قرآن مجید کو صحیح معنے پر سُنا اور صحیح معنے پر سمجھا، لیکن تکبر اور بغاوت کے طور روگردانی کی یا انہیں خطرہ تھا کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم پر ایمان لائے تو ہم سے جاہ و حشم چھن جائے گا۔

فائدہ صوفیانہ حضرت ابن عطاؒ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ گمان مت کرو کہ تم انھیں سُنا رہے ہو، ہاں تم انھیں سنا سکتے ہو جو ازل سے سُن چکے ہیں۔ ورنہ جو ازل سے محروم ہے اسے کتنی ہی حق کی باتیں سناؤ، اور دعوتِ حق کی کتنی ہی دلیلیں قایم کرو وہ نہیں سُنے گا۔ اور یہ جو آپ کی دعوت قبول کر رہے ہیں اور قرآن کو

صحیح معنے میں سنتے سمجھتے ہیں یہ وہ ہیں جنھوں نے ازل میں سُنا اور سمجھا اور قبول کیا۔ جو مُنہ گردانی اور غفلت کرتا ہے اس کے نصیب میں ازل سے محرومی تھی۔

اِنْ هُمْ نہیں ہیں یہ، یعنی آیاتِ قرآنی وغیرہ جو ان کے کانوں میں گونج رہی ہیں اور توجہ نہیں دیتے اور نہ ہی ان سے نفع پاتے ہیں اور نہ دلائل و معجزات کا مشاہدہ کر کے ان میں تدبر کرتے ہیں اِلَّا كَالْاَنْعَامِ مگر جانوروں کی طرح ہیں یعنی جیسے جانور غفلت میں ہیں اور کچھ نہیں سمجھتے۔ یہ بھی ایسے ہی ہیں۔

ف : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ کھانے پینے اور حظوظِ نفسانیہ پورے کرنے کے ہیں، جیسے جانوروں کو کھانے پینے وغیرہ کے بغیر کام ہے۔

بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيلًا ۝ بلکہ وہ راستہ پر چلنے کے لحاظ سے جانوروں سے زیادہ گمراہ ہیں اس لیے کہ وہ اپنے قائد (کھینچ کر لے جانے والے) کے سامنے سر جھکاتا اور اپنے محسن کی تمیز رکھتا ہے اور وہ صرف ان چیزوں کا متلاشی ہوتا جو اسے نفع دیں اور جو چیزیں اسے نقصان دیں ان سے دُور بھاگتا ہے اور یہ اپنے رب تعالیٰ کے نافرمان اور اس کے احسان فراموش بلکہ اس کے دشمن شیطان کے زیرِ فرمان چلتے ہیں اور ثواب جو ان کے لیے بہت بڑے نفع سے دُور، اور عذاب و سزا جو ان کے لیے عظیم نقصان کے درپے رہتے ہیں اور جانوروں کو حق کے اعتقاد اور خیر و شر کے اکتساب کا پتا نہیں ہوتا اور یہ ان امور کے جاننے کے باوجود بے خبر رہتے ہیں اور جانوروں کی جہالت کسی کو نقصان نہیں پہنچاتی اور ان کی جہالت ہزاروں فتنوں کے دروازے کھولتی ہے بلکہ اوروں کو بھی حق سے روکتی ہے اور جانوروں کو طلبِ کمال کی قدرت ہی نہیں دی گئی اسی لیے نہ ان کی تقصیر سمجھی جاتی ہے اور نہ ہی ان کی مذمت کی جاتی ہے اور انہیں قدرت حاصل ہے لیکن کوتاہی کرتے ہیں اسی لیے یہ سخت سے سخت تر عذاب کے مستحق ہیں۔

نکتہ : اللہ تعالیٰ نے ملائکہ میں صرف عقل پیدا فرمائی اور جانوروں میں صرف شہوت، اور انسان میں عقل اور شہوت دونوں پیدا کیے گئے جس پر شہوت کا غلبہ ہوا اور عقل مغلوب، تو وہ جانوروں سے بدتر ٹھہرا۔ کما قال:

بل هم اضل سبيلا۔ ترجمہ: بلکہ وہ راستہ سے بہت زیادہ بھٹکنے والے ہیں۔

اسی لیے اپنے دونوں قدموں یعنی عقل مغلوب اور شہوت غالب سے درکِ اسفل کی طرف منتقل کیا جاتا ہے اور وہ ایسے نچلے درک میں پہنچتا ہے جہاں جانوروں کا پہنچنا بہت کم ہے اس لیے کہ انسان دو قدموں (عقل مغلوب اور شہوت غالب) سے چل کر گیا اور جانور صرف شہوت سے چلے گا۔ فلہذا اسے اضل سبیلا سے تعبیر کیا گیا۔ یعنی جس کی عقل شہوت پر غالب ہوئی وہ بمنزلہ ملائکہ ہو گیا، اس لیے کہ جیسے وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے پاک ہو گیا۔ اور جو شخص اپنے معاملات پر قابو پا لیتا ہے وہ ملائکہ سے افضل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اولٰئك هم خير البرية۔ ترجمہ: وہی تمام مخلوق سے بہتر ہیں۔

marfat.ocm

چنانچہ مثنوی شریف میں ہے : ۔

۱ در حدیث آمد کہ یزداں مجید   خلق عالم را سہ گونہ آفرید
۲ یک گروہ را جملہ عقل و علم و جود   آں فرشتہ است او نداند جز سجود
۳ نیست اندر عنصرش حرص و ہوا   نور مطلق زندہ از عشق خدا
۴ یک گروہ دیگر از دانش تہی   ہمچو حیوان از علف در فربہی
۵ او نبیند جز کہ اصطبل و علف   از شقاوت غافلست و از شرف
۶ ایں سوم ہست آدمی زاد و بشر   از فرشتہ نیمی و نیمی ز خر
۷ نیم خر خود مائل سفلی بود   نیم دیگر مائل علوی بود
۸ آں دو قسم آسودہ از جنگ و خراب   ویں بشر با دو مخالف در عذاب
۹ وایں بشر ہم ز امتحاں قسمت شدند   آدمی شکلند و سہ امت شدند
۱۰ یک گروہ مستغرق مطلق شدست   ہمچو عیسی با ملک ملحق شدست
۱۱ نقش آدم لیک معنی جبرئیل   رستہ از خشم و ہوا و قال و قیل
۱۲ قسم دیگر با خراں ملحق شدند   خشم محض و شہوت مطلق شدند
۱۳ وصف جبریلی در ایشاں بود رفت   تنگ بود آں خانہ و آں وصف زفت
۱۴ نام "کالانعام" کرد آں قوم را   زانکہ نسبت کو بیقظہ نوم را
۱۵ روح حیوانی ندارد غیر نوم   حسہاے منعکس دارند قوم
۱۶ ماند یک قسمی دگر اندر جہاد   نیم حیوان نیم حی بارشاد
۱۷ روز و شب در جنگ و اندر کش مکش   کردہ چالیشش آخرش با اولش

ترجمہ: ۱۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق تین طرح کی پیدا فرمائی۔

۲۔ ایک تو وہ ہے جو سراپا عقل و علم موجود ہے۔ وہ فرشتے ہیں جو سجدہ کرنے کے سوا کچھ نہیں جانتے۔

۳۔ ان کے عنصر میں حرص و ہوا ہے نہیں نورِ مطلق ہیں عشقِ خدا سے زندہ ہیں۔

۴۔ دوسرا گروہ ہے جو دانش سے بالکل فارغ ہیں جیسے حیوان کہ وہ گھاس کھا کر موٹے ہیں۔

۵۔ انھیں اصطبل اور گھاس کے سوا کسی شئے سے غرض نہیں نہ انھیں شقاوت کا علم نہ شرافت کا۔

۶۔ تیسرا گروہ آدم زادوں کا ہے جو فرشتوں کی طرح بھی اور گدھوں کی طرح بھی۔

۷۔ گدھے کی طرح سفل کی طرف قائل ہیں اور ملائکہ کی طرح علوی طرف بھی مائل ہوں۔

۸۔ پہلے دو گروہ جنگ اور دیگر خرابیوں سے آسودہ ہیں اور یہ انسان دو مخالف وجوہ سے دوزخ میں ہے۔

۹۔ پھر انسان کا امتحان کیوجہ سے تقسیم ہوئی۔ وہ آدمی کی شکل میں ہیں لیکن دراصل تین قسم ہیں۔

۱۰۔ ایک گروہ مطلق مستغرق ہے عیسیٰ علیہ السلام کی طرح فرشتوں سے جاملے۔

۱۱۔ بظاہر آدمی ہیں درحقیقت وہ فرشتے ہیں وہ غصہ اور شہوت اور قیل وقال سے چھٹکارا پاچکے ہیں۔

۱۲۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو گدھوں سے جاملے ہیں ان میں غصہ و شہوت بھرپور ہے۔

۱۳۔ ان میں ملکی صفت تو تھی لیکن اب ان سے نکل گئی کیونکہ انکا اندرونی حال تنگ تھا اسلئے وہ وصف نکل گیا۔

۱۴۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو جانوروں جیسا کہا ہے اسلئے کہ یہ بنسبت بیداری کی نیند میں زیادہ ہیں۔

۱۵۔ کیونکہ روح حیوانی نیند میں ہے ایسے لوگ ہمیشہ حسِ الٹی رکھتے ہیں۔

۱۶۔ ایک گروہ اور ہے جو ہمیشہ جہاد میں ہے وہ حیوان بھی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ رہبری سے سرشار ہے۔

۱۷۔ روز و شب جنگ اور کشمکش میں ہیں انکے آخری حالات کو اول سے ملادیا گیا ہے۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ افعالِ حیوانیہ سے احتراز کرے اس لیے کہ وہ صوری و معنوی جاہ وجلال کے زوال کا سبب ہے۔

برامکہ سے پوچھا گیا کہ تمہاری دولت کے زوال کا سبب کون سا عمل ہوا؟ انہوں نے کہا

زوالِ دولت کا سبب

صبح کی نیند اور شام کو خورد و نوش کی مصروفیت۔

ف : (صاحبِ روح البیان نے فرمایا کہ) صبح کی نماز کے بعد میں سو رہا تھا کہ مجھے کہا گیا کون ہے جو صبح کی نیند نہیں چھوڑتا! اس کا مطلب یہ تھا کہ جو مطلقاً راحتِ ظاہرہ کو نہیں چھوڑتا اور حیوانوں کی طرح آرام طلبی میں وقت بسر کرتا ہے تو وہ غفلت سے خلاص نہیں پائے گا۔

نتیجہ: نکلا کہ خلاص کا دارومدار ترکِ راحت اور مخالفتِ نفس وطبیعت کی راہ پہ چلنے میں ہے۔

marfat.ocm

أَلَمْ تَرَ إِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ

اے محبوب کیا تم نے اپنے رب کو نہ دیکھا کہ کیسا پھیلایا سایہ اور اگر چاہتا تو اسے ٹھہرایا ہوا کر دیتا پھر ہم نے سورج کو اس

عَلَيْهِ دَلِيْلًا ﴿٤٥﴾ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ إِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ﴿٤٦﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا

پر دلیل کیا پھر ہم نے آہستہ آہستہ اسے اپنی طرف سمیٹا اور وہی ہے جس نے رات کو تمہارے لیے پردہ کیا

وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿٤٧﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ أَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ

اور نیند کو آرام اور دن بنایا اٹھنے کے لیے اور وہی ہے جس نے ہوائیں بھیجیں اپنی رحمت کے آگے مژدہ

رَحْمَتِهٖ ۚ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿٤٨﴾ لِّنُحْيِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ أَنْعَامًا

سناتی ہوئی اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا پاک کرنے والا تاکہ ہم اس سے زندہ کریں کسی مردہ شہر کو اور اسے پلائیں اپنے

وَّأَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ﴿٤٩﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ۖ فَأَبٰٓى أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُوْرًا ﴿٥٠﴾

بنائے ہوئے بہت سے چوپائے اور آدمیوں کو اور بے شک ہم نے ان میں پانی کے پھیرے رکھے کہ وہ دھیان کریں تو بہت لوگوں نے نہ مانا مگر

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿٥١﴾ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا

ناشکری کرنا اور ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک ڈر سنانے والا بھیجتے تو کافروں کا کہا نہ مان اور اس قرآن سے ان پر جہاد کر بڑا جہاد

كَبِيْرًا ﴿٥٢﴾ وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا

اور وہی ہے جس نے ملے ہوئے رواں کیے دو سمندر یہ میٹھا ہے نہایت شیریں اور یہ کھاری ہے نہایت تلخ اور ان کے

بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿٥٣﴾ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ۗ

بیچ میں پردہ رکھا اور روکی ہوئی آڑ اور وہی ہے جس نے پانی سے بنایا آدمی پھر اس کے رشتے اور سسرال مقرر کی

وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ﴿٥٤﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۗ وَكَانَ

اور تمہارا رب قدرت والا ہے اور اللہ کے سوا ایسوں کو پوجتے ہیں جو ان کا بھلا برا کچھ نہ کریں اور کافر

الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ﴿٥٥﴾ وَمَآ أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿٥٦﴾ قُلْ مَآ أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ

اپنے رب کے مقابل شیطان کو مدد دیتا ہے اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر خوشی اور ڈر سناتا تم فرماؤ میں اس پر تم سے کچھ

مِنْ أَجْرٍ إِلَّا مَنْ شَآءَ أَنْ يَّتَّخِذَ إِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿٥٧﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا

اجرت نہیں مانگتا مگر جو چاہے کہ اپنے رب کی طرف راہ لے اور بھروسا کرو اس زندہ پر جو کبھی نہ

يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ۚ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ﴿٥٨﴾ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

مرے گا اور اسے سراہتے ہوئے اس کی پاکی بولو اور وہی کافی ہے اپنے بندوں کے گناہوں پر خبردار جس نے آسمان

وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ

زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دن میں بنائے پھر عرش پر استواء فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے وہ بڑی مہر والا تو

بِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۹﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا

کسی جاننے والے سے اسکی تعریف پوچھ اور جب اُنسے کہا جائے رحمٰن کو سجدہ کرو کہتے ہیں رحمٰن کیا ہے کیا ہم سجدہ کرلیں جسے تم کہو اور اس حکم نے

وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ۩ ﴿۶۰﴾

انہیں اور بدکنا بڑھایا

سجدة ع ۵

تفسیر عالمانہ اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور ہمزہ تقریر کا ہے۔ اور رؤیت سے آنکھوں کا حقیقی دیکھنا مراد ہے۔ اس لیے دیکھی ہوئی شے کے لیے ضروری ہے کہ آنکھ کا اس سے تعلق ہو۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ نے اپنے رب تعالیٰ کی عجیب وغریب مصنوعات کو نہیں دیکھا کَیْفَ منصوب ہے اس کا ناصب مَدَّ الظِّلَّ ہے۔

حلِ لغات : المد بمعنے الجز، یعنی المدۃ سے ہے۔ یعنی وُہ مدت جو ممتد وقت کے لیے ہو، اور ظل (سایہ) ہر اس روشن چیز سے حاصل ہوتا ہے جس کی روشنی ذاتی ہو جیسے سورج یا عرضی جیسے چاند۔

المفردات میں ہے کہ الظل ، الضح (بالکسر) کی نقیض ہے۔ الضح بمعنے سورج اور اس کی روشنی (کما فی القاموس) اور وہ الفئ سے عام ہے اسی لیے ظل اللیل و ظل الجنۃ کہا جاتا ہے۔ اور جہاں سورج کی روشنی نہ پہنچے اسے بھی ظل سے تعبیر کیا جاسکتا ہے لیکن فئ کا اطلاق زوالِ شمس کے بعد ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ پہلے سورج سایہ کو تھوڑا تھوڑا کر کے زائل کرتا ہے زوال تک یہی صورت رہتی ہے زوال کے بعد سایہ سورج کی روشنی کو کاٹنا شروع کر دیتا ہے یہاں تک کہ سورج کی روشنی ختم ہوجاتی ہے اور یہ سلسلہ سورج کے زوال سے شروع ہو کر غروب تک جاری رہتا ہے یعنی وُہ ظل جو سورج کی روشنی کا ناسخ ہوتا ہے اسے فئ سے تعبیر کیا جاتا ہے اس لیے کہ الفئ بمعنے الرجوع اور اس لیے بھی کہ مشرق سے مغرب کی طرف رجوع کرتا ہے یعنی زوال سے غروب کو پہنچتا ہے اور الظل کا تعلق صرف زوال تک رہتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے سایہ کو پیدا فرمایا پہاڑوں اور مکانوں اور درختوں سے جب سُورج طلوع کر کے آگے کو بڑھتا ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت کا بیان فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ جملہ امور حادثہ میں اس کی حکمت کو بالذات نسبت ہے اسے درمیان میں کسی سبب کی محتاجی نہیں ہر شے میں بالذات وہی خود مؤثر ہے البتہ اسباب وعلل اس کی قدرت کی دلیلیں ہیں۔

marfat.ocm

وَلَوْ شَآءَ اور تیرا رب تعالیٰ اسی سایہ کو ساکن کرنا چاہے لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا تو اسے ساکن بنا سکتا ہے۔ یعنی شعاع اپنے طول و امتداد میں ثابت اور مقیم ہو۔ یسکن بلد کذا یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی شہر میں ساکن اور مقیم ہو۔ دو معطوفوں کے درمیان یہ جملہ معترضہ ہے اور تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنی مشیئت و حکمت سے اشیاء میں تاثیر پیدا کرتا ہے اسباب عادیہ کو درمیان میں دخل نہیں ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ۝ۙ اس کا عطف مدّ پر ہے یعنی یہ بھی اسی کے حکم میں ہے اور دلیلاً بجائے دالاً اس لیے کہ اس سے ضوءِ شمس مراد ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے سورج کو ایک ایسی علامت بنایا ہے جو اس کے تغیرِ احوال سے سایہ کا پتا چلتا ہے اس میں کسی خارجی سبب کی بھی ضرورت نہیں اور نہ ہی کسی غیر کی تاثیر کی ضرورت ہے جیسا کہ جملہ معترضہ سے معلوم ہوتا ہے۔

ف: صیغۂ غائب کے بعد صیغہ جمع متکلم لانے میں اشارہ ہے کہ واقعی ان امور میں خارجی تاثیر کو کسی قسم کا تعلق نہیں، اور پھر اتنا بڑا کام ایک ذات سے سرانجام ہو رہا ہے تو یہ اس کی عظیم قدرت کی دلیل ہے۔ اس معنے پر صیغہ جمع عظمت و حکمت پر دلالت کرنے کے لیے لایا گیا ہے اور یہی راز ہے لفظ ثُمَّ کے لانے کا، ورنہ یہاں تاخیر زمانی تو نہیں ہو سکتی۔

ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اس کا عطف بھی مَدَّ پر ہے اور یہ بھی اسی کے حکم میں داخل ہے اور یہ ثُمَّ زمانی تراخی کے لئے ہے یعنی ہم نے اسے زائل کیا بعد اس کے کہ ہم نے اسے دراز کر کے پیدا کیا پھر اسے ہم نے مٹایا یہ محض ہماری قدرت اور مشیئت سے ہوا ہے جبکہ سورج اپنی شعاعوں کو معمول کے مطابق پھیلاتا ہے۔ اس میں کسی خارجی تاثیر کو کوئی دخل نہیں۔ یہاں پر اسے قبض سے اشارہ ہے کہ گویا وہ ایک بکھری ہوئی شے کی طرح ہے جسے سمیٹ لیا گیا ایسے ہی اس کی پیدائش کو احداث سے تعبیر فرمایا ہے یہ بھی اس کے بکھرنے کی طرف اشارہ کرنا مطلوب تھا ورنہ دونوں میں اصلی مقصد تخلیق ہے۔ اِلَيْنَا اس میں تصریح ہے کہ جملہ امور کا مرجع ذات باری تعالیٰ ہے جیسے ہر شے کا حدوث اسی سے ہے تو اسی طرح رجوع بھی اسی کی طرف ہے قَبْضًا يَّسِيْرًا ۝ سمیٹنا تھوڑا تھوڑا کر کے، یعنی جونہی سورج اوپر چڑھتا جائے گا سایہ گھٹتا جائے گا، اس لیے کہ سورج سایہ کے گھٹنے اور بڑھنے کی دلیل ہے۔ یعنی سورج جب بلند ہوگا تو مغرب کی جانب سے سایہ گھٹ جائے گا اور یہ کیفیت آہستہ آہستہ ہوتی ہے۔ اور اگر یکبارگی سایہ کو سمیٹ لیا جاتا تو سایہ اور دھوپ سے جو منافع مطلوب ہیں وہ سب کے سب بیکار ہو جاتے اسی لیے سایہ کو بتدریج سمیٹا گیا تاکہ انسان سایہ اور دھوپ سے منافع حاصل کر سکے (کذا قال مولانا ابو السعود فی تفسیرہ) اور دوسرے مفسرین نے فرمایا کہ مدّ بمعنے بسط ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے طلوعِ فجر و طلوعِ شمس کے درمیان سایہ کو بسیط فرمایا۔ اس لیے کہ اس وقت دھوپ نہیں ہوتی اور روشنی تو ہوتی ہے لیکن سایہ تمام روئے زمین پر پھیلا ہوتا ہے سمٹنا اس وقت شروع ہوتا ہے جب سورج طلوع ہوتا ہے۔ اور یہی وقت نہایت خوشگوار ہوتا ہے اس لیے کہ اندھیرا طبیعت میں گھبراہٹ پیدا کرتا ہے اور آنکھوں کو بھی کوئی شے اچھی طرح نظر نہیں آتی۔ اسی طرح جب سورج

طلوع ہوتا ہے تو روشنی آسمانی خلا پہ حائل ہوجاتی ہے اور سورج کی تیز روشنی آنکھوں کی بینائی کے لیے مُضر ہے لیکن طلوعِ فجر اور طلوعِ شمس کے درمیانی وقت میں ان دونوں میں کوئی نہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بہشت کو ایسے سایہ سے موصوف فرمایا۔ کما قال :

وظل ممدود۔ ترجمہ : اور سایہ دراز۔

اس لیے بعض بزرگوں نے اس وقت کو بہشت کی گھڑیوں سے تشبیہ دی ہے صرف فرق اتنا ہے کہ بہشت کی ساعات منور ترین ہوتی ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ظل ضوٴ خالص و ظلمت خالصہ کی درمیانی شئے کو کہا جاتا ہے۔

ولوشاء لجعلہ ساکناً اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اسے ہمیشہ ساکن بناتا کہ اس پر کسی جگہ سے دھوپ نہ پڑتی۔ اسی کا نام ہے سایہ کا استقرار۔ یعنی سورج اس پر دھوپ ڈال کر زائل نہ کرتا۔ مثلاً نہ سورج منقبض ہوتا نہ منبسط بایں طور کر وہ ایک جگہ پر ٹھہرا رہتا۔ اسی کو سکون یعنی عدم الاستقرار کہا جاتا ہے۔ ثم جعلنا الشمس علیہ دلیلا پھر ہم نے سورج کو سایہ کی علامت بنایا اس لیے کہ اگر سورج نہ ہوتا تو سایہ بھی نہ ہوتا اس لیے کہ یہ آپس میں لازم و ملزوم ہیں جیسے نور نہ ہو تو ظلمت نہیں۔ ایسے ہی تمام اضداد کو سمجھئے۔ یہی معنی یعنی تعمیم الظل کا مفہوم زیادہ موزوں ہے لیکن یہ معنی حضرت مولانا ابوالسعود کو ناپسند ہیں، اس لیے کہ جو معنیٰ ہم نے بیان کیا ہے وہ اگرچہ درحقیقت افق شرقی کا سایہ ہے۔ لیکن وہ غیر معہود ہے۔ کیونکہ متعارف میں ہے کہ سایہ ایک مخصوص حالت کا نام ہے جس کا عوام مشاہدہ کرتے ہیں وہ ایک ایسی جگہ پڑتا ہے جو اس کے اور سورج کے درمیان ایک جسم کثیف کا ہونا ضروری ہے[1]

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس

عین المعانی میں لکھا ہے کہ مدالظل ابی زمانہ فترت کی طرف اشارہ ہے جس زمانہ میں کوئی نبی علیہ السلام نہیں تھا اس دور میں لوگ سخت متحیر تھے کہ اچانک سرورِ عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہوئے اگر وہ سایہ (یعنی دورِ فترت) دائمی رہتا تو مخلوق ہمیشہ اندھیرے میں پڑی رہتی ؎

گر نہ خورشید جمال یار گشتی رہنموں
از شبِ تاریک غفلت کس نبردے رہ بروں

(ترجمہ : اگر جمالِ محبوب کا سورج طلوع نہ ہوتا تو اس شبِ تاریک سے کسی کو بھی رہبری نصیب نہ ہوتی)

---

[1] اسی وجہ سے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا سایہ نہیں تھا کہ آپ کا جسم اطہر کثیف نہیں، بلکہ لطیف ترین تھا۔ اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

شانِ نزول اور معجزۂ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

صاحبِ کشف الاسرار نے لکھا کہ یہ آیت ایک معجزہ ہے جو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ظاہر ہوا۔ جسے اہلِ حقیقت سمجھتے ہیں کہ یہی قرب وکرامت کی علامت ہے جو صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوئی۔ معجزہ کا بیان یوں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اثنائے سفر میں قیلولہ کے ارادے سے ایک درخت کے نیچے آرام فرما ہوئے لیکن درخت کا سایہ مکتفی نہ ہوا ، اس لیے کہ آپ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک کثیر تعداد تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر درخت کا سایہ دراز کردیا ، یہاں تک کہ تمام لشکر اسی سایہ کے نیچے آرام فرما ہوا۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت وکرامت کو بھی ظاہر فرمادیا۔ کما قال :

الم تر الٰی ربك كيف مدّ الظّل ۔ ترجمہ: کیا اپنے رب کو نہیں دیکھا کہ کیسے سایہ کو دراز کیا۔

نکتہ موسیٰ علیہ السلام نے جب عرض کی : ارنی ، تو انہیں جواب ملا : لن ترانی ۔ لیکن یہاں بغیر طلب کے کہا : الم ترَ ، یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ! جب آپ مجھے دیکھتے اور میرے دیدار سے سرشار ہیں تو پھر آپ کو اور کیا چاہیے ! ؎

فرقست میان آنکہ یارش در بر
با آنکہ دو چشم انتظارش بر در

(ترجمہ : ان دونوں کے درمیان بڑا فرق ہے ایک کا محبوب بغل میں ہے اور دوسرا دروازے پر محبوب کے انتظار میں ہے)

مثنوی شریف میں ہے : ؎

۱ مرغ بر بالا پران و سایہ اش
می دود بر خاک پران مرغ وش

۲ ابلہی صیاد آن سایہ شود
می دود چندانکہ بے مایہ شود

۳ بے خبر کان عکس آن مرغ ہواست
بے خبر کہ اصل آن سایہ کجاست

۴ تیر اندازد بسوے سایہ او
ترکشش خالی شود از جست و جو

۵ ترکش عمرش تہی شد عمر رفت
از دویدن در شکار سایہ تفت

۶ سایۂ یزدان چو باشد دایہ اش
وارہاند از خیال و سایہ اش

۷ سایۂ یزدان بود بندۂ خدا
مردۂ این عالم و زندہ خدا

۸ دامن او گیر زوتر بے گمان
تا رہی در دامن آخر زمان

۹ "کیف مد الظل" نقشِ اولیا ست
کاو دلیل نور خورشید خدا ست

۱۰ اندر این وادی مرو بے این دلیل
"لا احب الآفلین" گو چون خلیل

۱۱ رو ز سایہ آفتابے را بیاب
دامن شہِ شمس تبریزی بتاب

(ترجمہ ؛ ۱۔ پرندہ اوپر اڑتا ہے لیکن اس کا سایہ زمین پر اسی طرح دوڑتا ہے جیسے مرغ اوپر اڑتا ہے۔

۲۔ بیوقوف ہے وہ جو اس سایہ کا شکاری ہے سو اس کے پیچھے دوڑتا ہے۔

۳۔ اسے خبر نہیں کہ یہ تو اس ہوا پر اڑنے والے پرندے کا سایہ ہے اس سے وہ بے خبر ہے کہ اسکا اصل کہاں ہے؟

۴۔ اس کے سایہ کی طرف تیر پھینکتا ہے جستجو سے اس کی ترکش خالی ہو جاتی ہے۔

۵۔ اسکی عمر کی ترکش خالی ہو گئی اور عمر ختم ہو شکار کے سایہ کے پیچھے دوڑنے میں۔

۶۔ ہاں سایہ یزداں اگر اسکی پرورش کنندہ ہو جائے تو پھر وہ خیال و سایہ سے نجات پالے گا۔

۷۔ بندۂ خدا سایۂ یزداں ہے۔ یہ جہان مردہ ہے اور زندہ صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

۸۔ اس کا دامن جلدی پکڑ پھر یقیناً تو زندگی بھر اسکے دامن رکھکر نجات پائیگا۔

۹۔ کیف مد الظل نقشِ اولیا ہے اسلئے کہ وہ نور خدا کے آفتاب کی دلیل ہے

۱۰۔ اس وادی میں رہبر کے بغیر نہ جا خلیل علیہ السلام کی طرح کہہ۔

۱۱۔ سایہ کو چھوڑ سورج کو تلاش کر شہ شمس تبریزی کا دامن حاصل کر۔

marfat.ocm

تفسیر صوفیانہ المصطلحات میں ہے کہ الظل سے وجودِ اضافی مراد ہے جو اعیانِ ممکنہ کے تعینات سے ظاہر ہوا اور ان کے احکام یہ ہیں کہ وہ تعینات معدوم تھے پھر اللہ تعالیٰ کے اسم نور سے وجودِ خارجی میں ظاہر ہوئے ۔ یہی وجود خارجی انہی تعینات کی طرف منسوب ہے ۔ ان تعینات کی ظلمت عدمیۃ اُس نور سے جو اپنی ظاہری صورتوں میں ہوا چھپ جاتے ہیں ۔ ظہور نور کی وجہ سے یہ ظل ظاہر ہو جاتا ہے ورنہ فی نفسہٖ وہ معدوم ہے ۔ اب معنیٰ یہ ہوا الم تر الی ربك کیف مد الظل کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب تعالیٰ نے ممکنات پر وجود اضافی کو کیسے ظاہر فرمایا ، اسی نور کے مقابلہ میں یہ ظلمت عدم ہے جہاں بھی ظلمت استعمال ہو گی وہاں یہی عدمِ نور مراد ہو گا ، یعنی وہ عدم جس کی شان یہ ہے کہ وہ منور ہو ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؛

اللہ ولی الذین اٰمنوا یخرجھم من الظلمٰت الی النور (الاٰیۃ)

اللہ مومنوں کا ولی ہے وہ انہیں ظلمات سے نور کی طرف نکالتا ہے ۔

اور وہ کامل ولی جسے حضرۃ واحدیہ کا تحقق نصیب ہے اور سلطان عادل کو ظل اللہ کہا جاتا ہے یعنی حقیقتِ الٰہیہ جامعہ کا ظل ۔ انسانِ کامل جسے سلطانِ اعظم کہا جائے کا راز یہی ہے وہی الجامعیۃ والاحاطہ کا مظہر ہے ۔

تفسیر عالمانہ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِبَاسًا اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمہارے لیے رات کو لباس کی طرح بنایا جیسے لباس انسان کو چھپا لیتا ہے ایسے ہی رات انسان کو اپنی اندھیری میں اپنے اندر چھپا لیتی ہے رات کی اندھیری کو لباس سے مشابہت صرف چھپانے کی وجہ سے ہے ۔

حلِ لغات ؛ اللبس بمعنے ستر الشیٔ (کسی شے کو چھپانا) اور اللباس اس شے کا نام ہے جو انسان کے قبیح حصے کو چھپا لے اور عورت و مرد کو ایک دوسرے کا لباس کہا گیا ۔ کما قال :

ھن لباس لکم وانتم لباس لھن (وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا)

وہ بھی اس لیے کہ ایک دوسرے کو برائی سے بچانے سے روکتے ہیں ، اور تقویٰ کو لباس کہا گیا ۔ کما قال ؛

ولباس التقوٰی ۔ ترجمہ : اور تقویٰ کا لباس ۔

اس میں بھی تمثیل و تشبیہ ہے ۔

سوال ؛ جب رات کو انسان کا لباس کہا گیا تو پھر رات کو نماز پڑھنے میں لباس کی ضرورت نہ ہو ، حالانکہ یہ غلط ہے ۔

جواب : نماز کے حقوق کی ادائیگی کے لیے ظلمۃ اللیل کافی نہیں بلکہ اس کے لیے علٰحدہ لباس ضروری ہے اندھیرے میں نماز پڑھی جائے یا اُجالے میں ۔

وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا اور نیند کو آرام بنایا ۔ النوم چڑھنے والے بخار کے رطوبات سے دماغ کے اعصاب کا ڈھیلا ہونا ۔ السبت بمعنے قطع العمل ۔ یوم سبتھم یعنی یوم قطعھم للعمل ۔ ہفتہ کے دن کو بھی اسی لیے اس نام سے موسوم کیا گیا کہ اسی دن ان کا کام منقطع ہو جاتا ہے یا اس لیے کہ ہفتہ بھر کے ایام اسی پر ختم ہوئے ۔ چنانچہ مروی ہے

کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق کا آغاز اتوار کے دن شروع فرما کر چھ دنوں میں مکمل کر دیا، اور ہفتہ کا دن خالی رہ گیا (کذا فی المفردات)

اب معنیٰ یہ ہوا کہ عموماً رات کے وقت جو نیند کی جاتی ہے اس میں تمام کاروبار منقطع ہو جاتے ہیں۔ یعنی وہ کاروبار جو حالتِ بیداری میں انجام پاتے ہیں وہ رات کے وقت منقطع ہو جاتے ہیں۔ یا چونکہ نوم ایک قسم کی موت ہے اسی لیے اسے سبات سے تعبیر کیا گیا، سبات بمعنے منقطع ہونا، اور موت بھی ہر قسم کے تعلقات منقطع کر دیتی ہے اور چونکہ انقطاعِ حیات میں ان دونوں کو آپس میں مشابہت ہے اس لیے اسے سبات سے تعبیر کیا گیا۔ اسی معنے پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وھو الذی یتوفاکم باللیل۔ ترجمہ: اور وہ اللہ جو تمہیں رات میں فوت کرتا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ نیند اور موت ایک شئے ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ موت میں روح کی روشنی جسم کے ظاہر و باطن سے بالکل خارج ہو جاتی ہے اور نوم (نیند) میں انقطاع ناقص ہوتا ہے۔ یعنی نیند میں روح کی روشنی بظاہر تو منقطع ہو جاتی ہے لیکن بباطن باقی رہتی ہے۔ اسی اعتبار سے میّت کو مسبوت کہا گیا کہ اس سے حیات کا انقطاع ہو جاتا ہے۔ وہ مریض جس پر بیہوشی طاری ہو اسے بھی مسبوت کہتے ہیں اس لیے کہ اس سے عقل و تمیز زائل ہو جاتی ہے۔

چنانچہ اسلام کی بعض کتب کی عبارات میں ہے:

مثل المبطون والمفلوج والمسبوت۔ (جیسے مبطون جو پیٹ کی بیماری میں مبتلا ہو اور مفلوج جس پر فالج کا حملہ ہو اور مسبوت بمعنے بیہوش)

مسئلہ: ایسے اہلِ اموات کو دیر سے دفنایا جائے یہاں تک کہ ان پر ایک دن اور ایک رات گزر جائے تاکہ ان کی موت کا یقین ہو جائے۔

وَّجَعَلَ النَّھَارَ نُشُوْرًا ۝ اور بنایا دن کو ایسا وقت کہ اس میں روشنی منتشر ہو۔

مسئلہ: النہار شریعت پاک میں ما بین طلوع الفجر الیٰ غروب الشمس کو کہا جاتا ہے۔ عموماً اس کا اطلاق طلوع الشمس الیٰ غروب الشمس پر ہوتا ہے۔

النشور یا الانتشار سے ہے بمعنے ذو نشور۔ یعنی بنایا دن کو صاحب نشور بایں معنی کہ لوگ اس میں منتشر ہوتے ہیں طلبِ رزق و معاش کے لیے۔ کما قال؛

لتسکنوا فیہ ولتبتغوا من فضلہ (تاکہ تم اس میں سکون کر سکو اور اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کر سکو۔

یا نشور، نشر المیت سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب مُردہ زندہ ہو کر لوٹے اور نہار کو اسی نیند سے اٹھنے کی جاگ مقرر فرمایا اور نیند موتٰی کے قیامت میں اُٹھنے کی طرح ہے۔ یہاں مضاف محذوف ہے اور مضاف الیہ کو مضاف کے قائم مقام کھڑا کیا گیا ہے۔ اس میں مبالغہ مقصود ہے۔ خلاصہ یہ کہ نوم و یقظہ میں موت و نشور کی طرف

marfat.ocm

اشارہ ہے۔ اسی لیے حضرت لقمان علیہ السلام نے فرمایا: "بیٹا! جیسے نیند کے بعد جاگ اُٹھتے ہو ایسے مروگے پھر قیامت میں اُٹھوگے"۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

نوم ما چوں شد اخ الموت اے فلاں
زیں برادر آں برادر را بداں

(ترجمہ: ہماری نیند موت کی بہن سمجھئے، یہ دونوں آپس میں بہن بھائی ہیں)

مسئلہ: آیت سے بقدرِ ضرورت نیند کی اجازت دی گئی ہے۔ ضرورت سے بدن کی سُستی مراد ہے، اور مجاہدات سے بدن تھک جاتا ہے، دراصل نیند سے ظاہری حواس بند ہوجاتے ہیں اور قلب کے حواس کھل جاتے ہیں۔

دنیا کا مسافر نیند میں ایک راز یہ ہے کہ انسان کا روح قدسی یا لطیفہ ربانیہ یا نفس ناطقہ اسی جسم سفلی میں مسافر ہے اور وہ اسی جسم کی اصلاح اور اس کے منافع کی تحصیل اور اس کے نقصانات کو دفع کرنے کے لیے دنیا میں آکر اسی جسم میں مقید ہے جب تک انسان جاگتا رہتا ہے وہ رُوح مقید رہتی ہے۔ جب انسان نیند کرتا ہے تو رُوح اپنے اصلی مکان اور معدن ذاتی کی طرف جاکر ارواح و معرفت معانی کو دیکھ کر راحت پاتی ہے اور ان غیوب کو دیکھتی ہے جو عالمِ ملکوت میں معانی موجود ہیں وہ عالمِ شہادت میں صورِ مثالیہ میں دیکھتی ہے۔ تعبیر رؤیا میں بھی یہی راز ہے جب کوئی مجاہد ربانی نیند نہیں کرتا تو اس کے ارکان اربعہ مٹی، ہوا، نار، پانی پگھل جاتے ہیں اس طرح سے اس کا دل عوارض ظاہری سے خالی ہوجاتا ہے۔ پھر چونکہ اس وقت حجابات ہٹ جاتے ہیں، بنابریں وُہ اپنے دل کی آنکھ سے عالمِ ملکوت کا مشاہدہ کرتا ہے اسی لیے اسے رب تعالیٰ کے وصال کا اشتیاق پیدا ہوجاتا ہے. پھر خوش قسمتی سے بارہا خواب میں دیدار الٰہی سے مشرف ہوتا ہے۔

حکایت شاہ شجاع رحمہ اللہ تعالیٰ نے تیس سال مسلسل نیند نہ کی ایک رات ان کی اچانک آنکھ لگ گئی تو انہوں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا اس کے بعد جہاں بیٹھے ہوتے سوجاتے۔ آپ سے وجہ پُوچھی گئی تو آپ نے اس کا جواب دیا: ؎

رأیت سرور قلبی فی منامی
فاحببت التنعس والمناما

(ترجمہ: مجھے خواب میں محبوب کی زیارت ہُوئی اسی لیے نیند اور اُونگھ مجھے پسند ہے)[لہ]

[لہ] ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ کو بھی سَو بار خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت ہُوئی۔ اویسی غفرلہٗ

شانِ ولایت

یہی اہلِ نہایۃ اولیائے کاملین کا حال ہے کہ ان کی قلبی بصیرت ہر وقت بیدار رہتی ہے اسی لیے ان کی نیند بیداری کا حکم رکھتی ہے[ل]۔ کسی شاعر نے فرمایا: ؎

مشو بمرگ ز امداد اہلِ دل نومید
کہ خواب مردم آگاہ عین بیداریست

(ترجمہ: اولیاء اللہ کے وصال (موت) سے ان کی امداد سے (وہابیوں) کی طرح ناامید نہ ہو اس لیے کہ ان بزرگوں کی نیند بھی بیداری ہے (اسی طرح ان کی موت بھی حیات ہے)

اور ہم جیسوں کا حال یہ ہے: ؎

سر آنگہ ببالیں نہد ہوشمند
کہ خوابش بقہر آورد در کمند

(ترجمہ: جب کوئی دانشمند سرہانے پر سر رکھتا ہے تو قہر و غلبہ سے نیند اسے مقید کر لیتی ہے)

ف: حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عبادت کی تین علامتیں ہیں:

(۱) رات کو سو جانا کہ بیدار ہو کر طاعتِ الٰہی بجا لائے گا۔
(۲) صلوٰۃ کے لیے خلوۃ۔
(۳) دن سے کراہت کرنا کہ ریا کا شائبہ ہے۔

یاد رہے کہ نماز سے غفلت اور اس کے امور کی ادائیگی میں عجلت کرنا فتنہ کا خطرہ ہے۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ رات کی گھڑیاں بعض لوگوں کے لیے سکون کا، اور بعض لوگوں کے لیے بے قرار رہنے کا موجب بنایا مثلاً اہلِ غفلت رات کو سکون سے سوتے ہیں تو اہلِ دل بیدار رہتے ہیں۔ اگر وہ روحِ وصال میں ہوتے ہیں تو ان پہ نیند غلبہ نہیں کرتی بوجہ ان کے کمال انس کے اگر وہ فراق کے دردرسیدہ ہوتے ہیں تو بھی نیند نہیں کرتے بوجہ پریشانی کے۔ خلاصہ یہ کہ بیداری عُشاق کا خاصہ ہے یا بوجہ کمال سرور کے یا بوجہ ہجوم غموم کے۔

ف: بیداری پر اپنے باطن کو اللہ تعالیٰ کی طرف لگا دے اور اپنے فکر کو امورِ الٰہی میں مصروف رکھے ورنہ اس پر ماسوٰی کے فکرات گھیر لیں گے اسی لیے لازم ہے زبان کو ذکرِ الٰہی میں مشغول رکھے۔ سچے عاشقِ الٰہی کی مثال اس ننھے بچّے کی ہے جسے کسی شے سے پیار ہو کہ وہ جاگتے ہی اسی کو یاد کرتا ہے۔ اسی طرح ہر انسان کی کیفیت مرنے کے

[ل] اسی لیے حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کا نیند کرنے سے وضو نہیں ٹوٹتا تھا اسی طرح بعض دیگر عارفین کے متعلق منقول ہے۔ اویسی غفرلہٗ (الیواقیت والجواہر)

marfat.ocm

بعد اُٹھنے کی ہے کہ جس شے سے اسے دُنیا میں پیار ہوگا اسی پر مرنے کے بعد اُٹھے گا۔

سبق : انسان پر لازم ہے کہ بیداری کے بعد غور کرے کہ وہ کس فکر میں ہے تاکہ اسے عبرت حاصل ہو کہ مرنے کے بعد قبر سے اُٹھتے وقت وہی نصیب ہوگا جو اس کا شغل دنیا میں ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ اس کا شغل ذاتِ حق ہے یا غیر اللہ، اب خود سوچ لے کہ کس شغل سے محبت کرتا ہے!

حدیث شریف "جب انسان نیند کرتا ہے تو شیطان اس کے سر میں تین گرہیں ڈالتا ہے پھر اگر اٹھ کر ذکرِ الٰہی کرتا ہے تو اس کی ایک گرہ ٹوٹ جاتی ہے، جب وضو کرتا ہے تو دوسری، جب نماز پڑھتا ہے تو تیسری گرہ بھی ٹوٹ جاتی ہے۔ اس کے بعد خوش و خرم اور ہشاش بشاش ہو کر وقت گزارتا ہے۔"

حدیث کے آخر میں ہے:

"اگر وہ نیند میں ایسا غرق ہو جاتا ہے کہ اس کی نماز بھی چلی جاتی ہے تو شیطان اس کے کان میں پیشاب کر دیتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نفس اور شیطان کے شر سے بچائے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ وَهُوَ الَّذِیْ اور وہ اللہ تعالیٰ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ جس نے ہواؤں کو کھولا۔ کشف الاسرار میں ہے کہ یہاں پر ارسال بمعنے کھولنا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے،

ارسلت الطیر وارسلت الکلب المعلم۔

(میں نے پرندہ اور شکاری کُتا کھول دیا)

المفردات میں ہے کہ کبھی الارسال بمعنے التسخیر آتا ہے۔ جیسے ارسال الریح۔ اور الریح مشہور ہے اور وہ متحرک ہے اور رحمت کے وقت الریاح بولا جاتا ہے۔ یعنی جمع کے صیغہ سے اس لیے کہ وہ ہوا جنوب، شمال، صبا کی جامع ہوتی ہے اور عذاب میں ریح استعمال ہوتا ہے، اس لیے کہ وہ صرف ایک ہے یعنی الدبور یعنی عقیم، جو کسی قسم کا فائدہ نہیں پہنچاتی۔

حدیث شریف میں وارد ہے،

اللھم اجعلھا لنا ریاحا ولا تجعلھا ریحا۔

(اے اللہ! ہمارے لیے ہوا ریاح بنا ریح نہ بنا)

بُشْرًا یہ الریاح سے حال ہے مخفف کر کے بضمتین بشور اور بشیر کی جمع ہے بمعنے مبشر، اس لئے کہ ایسی ہوائیں بارش کی خوشخبری سناتی ہیں بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ بارش سے پہلے اسے استعارۃً رحمت

کہا گیا ہے وہ اس معنے پر کہ پہلے ہوا چلتی ہے پھر بادل آتے ہیں اس کے بعد بارش ہوتی ہے۔ یعنی بارش سے پہلے عموماً ہوائیں چلتی ہیں اسے آسمان کی رحمت سے تعبیر کرتے ہیں اس لیے کہ آسمان رحمت بھیجتا ہے۔ یعنی اسی سے ہی یہ رحمت نازل ہوتی ہے وَاَنْزَلْنَا اور ہم نے اپنی عظمت سے نازل کیا۔ صیغہ غیب سے جمع متکلم کی طرف التفات کیا گیا ہے انزال الرحمۃ کے مہتم بالشان ہونے کی وجہ سے اور نزول رحمت ارسال الریاح کا نتیجہ ہے مِنَ السَّمَآءِ آسمان یعنی اوپر کی جہت سے۔ اس کی بارہا تحقیق گزری ہے۔ مَآءً طَهُوْرًا پاک پانی، طہور، طاہر کا مبالغہ ہے یعنی وُہ پانی جو خود پاک اور دوسروں کو پاک کرنے والا یعنی وُہ پانی جس سے حدث ونجاست دُور کی جائے۔ لفظ طہور جیسے صفت واقع ہوتا ہے جیسے آیت ہذا میں ہے۔ ایسے ہی اسم بھی واقع ہوتا ہے۔ جیسے:

التراب طهور المؤمن۔

(مٹی مومن کو پاک کرنے والی ہے)

اور کبھی بمعنے طہارت بھی آتا ہے، جیسے:

تطهرت طهورا حسنا۔ (یعنی میں نے اچھے طریق سے وضو کیا)

اسی سے ہے حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی:

لاصلوٰة الا بالطهور۔ (یعنی طہارت کے بغیر نماز جائز نہیں)

ف: اصل لفظ طہور ہے کہ یہ پانی کی اصل خلقت پر استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً: ماء المطر، ماء البحر، ماء العیون، ماء الآبار۔ اور پھر پانی جس صفت کو اختیار کرے تب بھی طہور کا استعمال ہوگا۔ مثلاً عذوبة، ملوحة، حرارة، برودة وغیرہ۔ (فتح الرحمٰن)

مسئلہ: اگر پانی میں تغیر آجائے۔ مثلاً ایک مدت تک ٹھہرا رہنا یا کسی ایسی پاک چیز کی اس میں ملاوٹ ہو کہ جس سے بچنا ناممکن ہو، جیسے مٹی، ، درخت کے پتے وغیرہ۔ تو وہ پانی پاک رہے گا اور دوسروں کو بھی پاک کر سکے گا۔ یعنی اس سے رفع احداث اور ازالۃ انجاس جائز ہے۔ (اس پر تمام فقہاء کرام کا اتفاق ہے)

مسئلہ: اگر پانی اپنی خلقت بدل لے تب بھی پاک ہے۔

مسئلہ: جس پانی پر غیر شے کا غلبہ ہو جائے تو وہ پانی پاک تو ہوگا لیکن دوسروں کو پاک نہ کر سکے گا۔ یہی تینوں ائمہ کا مذہب ہے۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے بہنے والی پاک اشیا سے وضو کے لیے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ جیسے سرکہ اور گلاب کا پانی، اور ان کی طرح اور چیزیں۔ اس کے متعلق ائمہ ثلاثہ اور محمد بن حسن اور زفر نے خلاف کیا ہے۔

مسئلہ: امام اعظم رحمہ اللہ نے اس پانی سے ازالہ نجاسات اور وضو وغیرہ کے جواز کا فتویٰ دیا ہے جو پاک شے سے

marfat.ocm

متغیر ہو جائے جیسے زعفران وغیرہ بشرطیکہ پانی کی رقت (رقیق ہونا) باقی ہو۔ باقی تفصیل کتبِ فقہ میں ہے۔

ف : ماء کو طهورا سے موصوف کرنے میں اشارہ ہے کہ پانی ایک عظیم نعمت ہے اور یہ نعمت احیاء وسقیٰ کا تتمہ ہے اور پانی انسان کے لیے ضروری ہونے کے ساتھ ساتھ ایک خوشگوار شے اور نافع ترین چیز ہے کہ جہاں پہنچتا ہے فائدہ پہنچاتا ہے۔ اگرچہ پانی کی طہارت کے بیان کو یہاں بظاہر کوئی مناسبت نہیں۔

نکتہ : اس میں انسان کو تنبیہ ہے کہ جیسے ظاہر کو پاک کرنا ضروری ہے ایسے ہی باطن کو پاک کرنا اور زیادہ ضروری ہے اس لیے کہ باطن کو تلوثات سے پاک رکھنا بہ نسبت ظاہر کے نہایت لازم اور بہت اہم ہے اس لیے کہ حق تعالیٰ کا منظر ظاہر نہیں بلکہ باطن ہے۔

وسعتِ رزق کا آسان طریقہ تطہیر یعنی کپڑے، جسم کا پاک رکھنا اور ہمیشہ باوضو رہنا وسعتِ رزق کا سبب ہے۔ چنانچہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"دم علی الطهارۃ یوسع علیك الرزق"

(طہارت پر مداومت کرو، رزق میں وسعت ہوگی)

اور پانی رزق ظاہری کا سبب ہے اور طاہر و مطہر ہے۔

سبق : طالب سالک پر لازم ہے کہ وہ باوضو ہو یعنی طہارت پر مداومت کرے اس لیے کہ یہ رزق معنوی کے حصول کا سبب ہے۔ رزقِ معنوی سے فیضِ الٰہی مراد ہے جو رُوح کی غذا ہے۔

لِنُحۡیِۦَ بِهٖ یہ پانی کے نازل کرنے کی تعلیل ہے بَلۡدَةً مَّیۡتًا تاکہ ہم آباد کریں ایسے شہروں کو جہاں نہ اشجار نہ اثمار اور نہ چراگاہیں ہیں۔ احیاء سے کھیتیاں اگانا مراد ہے اور بلدۃ سے زمین کا ایک علاقہ مراد ہے آباد ہو یا غیر آباد۔ مطلب یہ کہ ہم بارش کے ذریعے ایسے علاقے آباد کرتے ہیں جو قحط سالی کی وجہ سے خشک تھے یا موسم سرما کی وجہ سے ویران اور غیر آباد ہو چکے تھے۔

سوال : بلدۃ کی صفت میتۃ ہونا چاہیے یہاں مذکر (میتا) کیوں؟

جواب : یہاں بلدۃ سے بلد یا موضع یا مکان مراد ہے۔ علاوہ ازیں میتا کے لفظ کی گردان نہیں ہوتی اس کا صیغہ اسم فاعل یا اسم مفعول وغیرہ نہیں آتا اسے اسمِ جامد کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے۔

وَنُسۡقِیَهٗ اور پانی پاک کے نالوں اور وادیوں وغیرہ میں جاری ہونے یا حوضوں اور چشموں اور کنوؤں میں جمع ہونے کے وقت پلاتے ہیں۔

حل لغات : اسقی اور سقی کا ایک ہی معنی ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے : سقاۃ الغیث واسقی۔ یعنی اسے اللہ تعالیٰ نے بارش کا پانی پلایا۔ اس کا اسم السقیا آتا ہے۔ امام راغب نے فرمایا کہ السقی والسقیا بمعنے کسی کو پانی دینا، تاکہ

وہ اسے پیئے۔ اور الاسقاء بمعنے کسی کو پانی دینا تاکہ وُہ اسے لے کر جہاں چاہے استعمال کرے۔ الاسقاء، السقی سے بلیغ تر ہے کیونکہ الاسقاء کا مطلب یہی ہے کہ دوسرے کو پانی کا گویا مالک بنا دیا جاتا ہے کہ وہ جیسے چاہے کرے یا کسی دوسرے کام میں لگائے۔ مثلاً:

اسقیتہ نہراً۔ (یعنی میں نے نہر کا پانی دیا) جسے وہ ہر مصرف میں لا سکتا ہے، یہی نہیں کہ وہ صرف پئے گا۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ہم نے انھیں پانی پر قدرت دے دی تاکہ وہ اس سے اپنے کاروبار چلائیں، اسی سے خود پئیں اور اپنے جانوروں کو پلائیں، وغیرہ۔

مِمَّا خَلَقْنَاۤ اَنْعَامًا وَّ اَنَاسِیَّ كَثِیْرًا یہ نسقیہ کے متعلق ہے یعنی ہم پلاتے ہیں اپنی بعض مخلوق کو، جو وہ جانور اور انسان ہیں انعاماً و اناسیّ کا منصوب ہو جانا جار و مجرور کے محل سے بدل کی وجہ سے یعنی ممّا خلقنا کے ممّا سے۔ اور یہ بھی ہے کہ نسقیہ کا مفعول ہو اور ممّا خلقنا کا متعلق محذوف ہے اور یہ انعام سے حال ہے الانعام نعم کی جمع ہے وہ مال جو چر کر گزارہ کرے۔ اس کا زیادہ تر اطلاق اونٹوں پر ہوتا ہے۔ "المغرب" میں ہے کہ الانعام ان آٹھ جوڑوں کا نام ہے جن کا ذکر آٹھویں پارے میں گزرا ہے۔ کما قال:

من الابل اثنین و من البقر اثنین و من الضأن اثنین و من المعز اثنین۔

(اُونٹ اور گائے اور بھیڑ بکری کا جوڑا جوڑا)

تحقیق اَنَاسِیَ سیبویہ کے نزدیک یہ انسان کی جمع ہے دراصل اناسین تھا، نون کو یا سے تبدیل کر کے ماقبل والی یا میں ادغام کیا گیا ہے۔ اور فراء و مبرد اور زجاج فرماتے ہیں کہ یہ انسی کی جمع ہے لیکن اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے اس لیے کہ فعالی اس صیغے کی جمع ہوتی ہے جس میں وہ یاء مشدّدہ ہو جو نسب پر دلالت نہ کرے جیسے کرسی کی جمع کراسی آتی ہے اگر کرسی میں یاء نسبی ہوتی تو اس کی جمع کراسی ہرگز نہ آتی، اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ انسی کی یاء نسبی نہیں، اگر انسی کی جمع مانا جائے تو اسے اناسیۃ آنا چاہیے جیسے معالی کی جمع معالیۃ آتی ہے۔ امام راغب نے فرمایا کہ انسی، انس کی طرف منسوب ہے۔ ہر اس شے کو کہا جاتا ہے جس میں انس بہت زیادہ ہو، اور ہر وُہ شے جس کے ساتھ انس کیا جائے، اس کی جمع اناسی آتی ہے۔ اور فرمایا کہ کرسی میں بھی یاء نسبی ہے اس لیے کہ کرس کی طرف منسوب ہے بمعنے تلبد۔ اسی لیے کاغذوں کے یکجا شدہ مجموعہ یعنی متلبد (گتہ) کو کراسہ کہا جاتا ہے۔

كَثِیْرًا یہ اناسی کی صفت ہے کیونکہ یہاں پر اناسی بمعنے بشر ہے اور ان سے وُہ جنگلی لوگ مراد ہیں جن کی بسر اوقات بارش پر ہے۔ اسی لیے انعام و اناسی کو نکرہ لایا گیا ہے۔ یہ تنکیر افراد نوعی ہے اور ان کی تخصیص اس لیے ہے کہ شہری اور دیہاتی لوگ نہروں یا چشموں کے قریب رہتے ہیں اسی لیے انہیں پینے کی ضروریات پُورا کرنے کے لیے آسمانی پانی کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ اسی طرح حیوانات اور وحوش و طیور کا بھی ذکر نہیں کیا اس لیے کہ

marfat.ocm

انھیں بھی پانی کی تلاش نہیں ہوتی۔

ف: اعوزہ الشئ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو اسی شے کی محتاجی ہو لیکن وہ اس کے حصول پر قدرت نہ رکھتا ہو۔ اور انعام کی تخصیص اس لیے ہے کہ ایسے جانوروں کو انسان اپنی ضروریات پورا کرنے کے لیے اکثر اوقات اپنے پاس رکھتا ہے اور اس کے اکثر منافع اور اس کی معیشت کے اکثر معاملات انہی سے متعلق ہیں اسی لیے اناسی سے انعام کا ذکر پہلے فرمایا، یہ ایسے ہے جیسے ان کے ذکر زمین کی آبادی کو پہلے بیان فرمایا کیونکہ زمین کی آبادی جانوروں اور انسانوں کی زندگی اور وجہ معاشش کا سبب ہے۔ قربان اس کی شان پر کہ پہلے انسان کا ذکر، پھر اس کے رزق کا ذکر فرمایا۔ مثلاً انعام کا ذکر پہلے ہے اس لیے کہ وہ انسان کا رزق ہیں، پھر نبات کا' اور وہ جانوروں کا رزق ہیں، پھر بارش کا، کہ وہ نبات کا رزق ہے۔ اس بنا پر بارش کا ذکر پہلے کر کے اسی پر حیات الارض بالنبات کو مرتب فرمایا۔ اس پر انعام کے ذکر کو مرتب فرمایا۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بخدا ہم نے اسے بار بار دہرایا۔ یعنی انشاء السحاب و انزل المطر انھیں قرآن مجید و دیگر کتب سماویہ میں بار بار تکرار کیا ہے بَیْنَهُمْ ان کے مابین' یعنی متقدمین و متاخرین میں لِیَذَّکَّرُوْا تاکہ نصیحت حاصل کریں یعنی تفکر کریں اور کمال قدرت کو پہچانیں اور نعمت کا حق سمجھیں اور پھر اس کی ادائیگی کے لیے تیار ہوں۔ یہ در اصل یتذکروا تھا۔ اور تذکر و تفکر کا ایک معنیٰ ہے فَاَبٰی، الاباء بمعنے سخت انکار کرنا۔ مثلاً کہا جاتا ہے: رجل ابی بمعنے سخت منکر۔ یعنی وہ تکالیف برداشت کرنے سے بچنے والا ہے۔ اس معنے پر یہ نفی کے معنی میں ہے۔ اسی لیے اس کا استثناء جائز ہوتا ہے۔ گویا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ لَمْ یَفْعَلْ یا لَمْ یُرِدْ یا لَمْ یَرْضَ۔ اَکْثَرَ النَّاسِ پہلے اور پچھلے لوگوں میں سے اکثر اِلَّا کُفُوْرًا مگر کفرانِ نعمت' اور ان کی شان میں بہت تھوڑی پروا کرنے والے، ورنہ نعمت کا حق یہ تھا کہ وہ اس میں تفکر کرتا اور اس سے ہی وجود صانع اور اس کی قدرت و احسان پر استدلال کرتا۔ اور کفران یا کفرِ نعمۃ یہ ہے کہ شکر کی ادائیگی نہ کی جائے اور سب سے بڑا کفران یا کفر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور نبی علیہ السلام کی نبوت و شریعت کا انکار کیا جائے لفظ کفران اکثر نعمت کے انکار پر اور لفظِ کفر دین کے انکار پر استعمال ہوتا ہے۔ اور کفور دونوں کے لیے برابر استعمال ہوتا ہے۔ (کذا فی المفردات) اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ صرفنٰہ کی ضمیر پاک پانی کی طرف راجع ہے جس سے آسمان کا پانی مراد لیا گیا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ولقد صرفنٰہ ہم نے بارش کے پانی کو ان کے بعض شہروں اور مکانوں پر مختلف کر کے اتارا، بعض اوقات میں ان پر بارش نازل فرمائی، یعنی انھیں نہ تو تیز بارش برسا کر تکلیف دی جاتی ہے نہ بالکل معمولی بارش سے انھیں قحط سالی میں مبتلا کیا جاتا ہے نہ ہی لگاتار بارش کر کے انھیں تباہ کیا جاتا ہے لیکن ان کے اکثر ایسے ہیں جو صرف کفرانِ نعمت اور کفرِ دین کو پسند کرتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں:

مطرنا بنوء کذا۔

یعنی ہم فلاں ستارے کے سقوط سے بارش دئے گئے، جیسے اہلِ نجوم کہتے ہیں۔ اس عقیدہ والے لوگوں کو کافر کہا گیا ہے

کہ اُنھوں نے ایسی صفت کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے کے بجائے ایسی عظیم نعمت کو افلاک و کواکب کی طرف منسوب کیا۔

مسئلہ : جس کا عقیدہ ہو کہ بارش کا تعلق ستاروں سے ہے تو وہ کافر ہے۔ ہاں اگر یہ عقیدہ ہو کہ ہر شے کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور ستارے تو صرف بارش کی علامت ہیں انھیں اللہ تعالیٰ نے بارش کے لیے نشانیاں بنایا ہے کہ فلاں وقت طلوعِ فجر کے وقت جانبِ مغرب سے ستارا گرے گا اور اس کے مقابلے میں مشرق سے عین اسی وقت ستارہ طلوع ہوگا تو بارش ہوگی۔ یہ عقیدہ صحیح ہے (ہم اہلسنت بحمدہٖ تعالیٰ انبیاء و اولیاؑ کے متعلق اس طرح کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ کام کرتا تو اللہ ہے اور اسی کی تخلیق سے امور سرانجام پاتے ہیں لیکن یہ حضرات ان امور کے وسائل ہیں۔ والتفصیل فی کتب اہلسنت)

عقیدہ : اہلِ عرب (جاہلیت کے لوگوں) کا عقیدہ تھا کہ بارشیں اور ہوائیں، اور گرمی سردی انہی ستاروں کے سقوط یا طلوع کی وجہ سے ہوتی ہے، اس لیے کہ جس ستارے کی تاثیر ہوتی ہے اسی دور میں اس کی شاہی ہوتی ہے۔

حلِ لغات : نؤنا، بہ الحمل بمعنٰے الثقلہ سے ہے۔ اور النوء وہ ستارہ جو غروب کی طرف مائل کرے، اور جو شخص اپنی طلب میں کامیاب نہ ہو اس کے لیے کہا جاتا ہے، اخطاء نوؤک۔

حدیث شریف میں ہے:
ثلاث من امر الجاھلیۃ الطعن فی الانساب والنیاحۃ والانواء۔

(زمانۂ جاہلیت کی تین رسمیں ہیں:

۱۔ انساب پر طعن و تشنیع

۲۔ بین کرنا

۳۔ ستاروں کو اپنے امور میں موثر سمجھنا۔

حدیث شریف : حضرت زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ صبح کی نمازِ حدیبیہ میں بادلوں کے سایہ میں نماز ادا فرمائی۔ فراغت کے بعد آپ نے صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ تمھارے رب تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے؟ انھوں نے عرض کی، اللہ ورسولہ اعلم۔ (اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندے میرے اوپر ایمان بھی لاتے ہیں اور میرے ساتھ کفر بھی کرتے ہیں ان میں جو کہتا ہے ہمیں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی رحمت سے بارش نصیب ہوئی ہے تو ایسا بندہ میرے اوپر ایمان رکھتا ہے اور ستاروں سے کفر کرتا ہے اور ان میں جو یہ کہتا ہے کہ ہمیں بارش ملی ہے تو ستاروں سے، تو ایسا شخص میرے ساتھ کفر کرتا ہے اور ستاروں پر ایمان رکھتا ہے (کذا فی کشف الاسرار)

marfat.ocm

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ برے اعتقاد سے بچے اور عقیدہ رکھے کہ ہر شے کا موثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی کے حکم سے بارش نازل ہوتی ہے اور وہی اسے بعض شہروں میں نازل کرتا ہے اور بعض سے بند رکھتا ہے۔ بعض اوقات میں برساتا ہے اور بعض اوقات روکتا ہے کبھی زور سے برساتا ہے کبھی آہستہ، اس میں اس کی ہزار مصلحتیں اور بے شمار مصلحتیں ہوتی ہیں۔

ف : ملائکہ کرام کو معلوم ہوتا ہے کہ اس سال کتنے قطرے زمین پر برسائے جائیں گے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مقررکردہ مقدار کو نہیں گھٹاتا۔ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ کن کن شہروں میں بارش ہوگی۔

حدیث شریف رات اور دن کی کوئی گھڑی ایسی نہیں ہوتی جس میں آسمان سے بارش نہ برسے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوتی ہے کہ وہ جہاں چاہے بارش برسائے۔ یہ حدیث مرفوع ہے۔

حدیث شریف ہر سال کی بارش کی مقدار برابر ہوتی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ جس علاقہ کے لوگوں کے جرائم و معاصی زیادہ ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہوتا ہے تو ان کے علاقہ کی بارش دوسرے علاقہ میں برسائی جاتی ہے یا پھر جنگلوں اور دریاؤں میں۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

تو بزن یا ربنا آب طہور

تا شود ایں نار عالم جملہ نور

آب دریا جملہ در فرمان تست

آب و آتش اے خداوندان تست

گر تو خواہی آتش آب خوش شود

ور نخواہی آب آتش ہم شود

ایں طلب از ما ہم از ایجاد تست

رستن از بیداد یارب یاد تست

ترجمہ : یارب پاک پانی مار تاکہ اس عالم کی نار نور ہو جائے۔

۲۔ دریا کا پانی تیرے فرمان میں ہے اے اللہ والو! یہ پانی اور آگ تیرے ہیں۔

۳۔ اگر چاہتے ہو کہ آگ پانی ہو جائے اور چاہتا ہے کہ پانی آگ ہو جائے۔

۴۔ یہ طلب بھی تیری ایجاد ہے بیداد سے نجات تیری یاد سے ملے گی۔

وَلَوْ شِئْنَا اگر ہم چاہیں لَبَعَثْنَا تو بھیج دیں۔ المفردات میں ہے کہ البعث بمعنے شے کو برانگیختہ اور کسی شے کی طرف

متوجہ کرنا فِیْ كُلِّ قَرْيَةٍ ہر گاؤں میں۔ دراصل القریہ اس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں لوگ جمع ہوتے ہیں نَذِيْرًا٥ منذر یعنی ڈرانے والا، یہ الانذار سے ہے بمعنے ایسی خبر دینا جس میں خوف ہو اور خبر دینے والا بھی رسول علیہ السلام ہو۔ یعنی آپ کو کل کائنات کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ یہ صرف آپ کی عزت افزائی اور تمام رسل کرام علیہم السلام پر آپ کو فوقیت بخشنے کے لیے ہے ورنہ ہم اگر چاہتے تو ہر بستی کا علٰحدہ علٰحدہ رسول بھیجتے، اس سے آپ سے نبوت ورسالت کے امور کا بوجھ ہلکا ہو جاتا لیکن چونکہ آپ ختم المرسلین ہیں اسی لیے آپ کو تا قیامت کُل کائنات کے ذرّے ذرّے کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وعظمت کا بیان ہے اور خاص بندوں کو اپنے محبوب علیہ السلام کی شانِ اقدس کے متعلق تنبیہ ہے اس کی قدرت کا اظہار تو بایں معنی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے اس سے فلاسفہ کا رد ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بعض امور کا قادر نہیں مانتے۔ اسی طرح طبا تعیہ یعنی جاہل صوفیوں کا رد ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اربابِ نبوت وہ ہو سکتے ہیں جنہیں اتصالِ الٰہی حاصل ہو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ ان کی غلط فہمی ہے اس لیے کہ میں قادر ہوں اپنے بندوں سے نبی بنانے پر، اور اپنی مرضی سے کام کرنے پر۔

فلاسفہ اور جہال صوفیہ کا رد

ایسے جاہلوں کا رد موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ سے واضح ہوتا ہے۔ مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک دفعہ امت کے کثرتِ سوال سے تنگ آ کر اللہ تعالیٰ سے شکایت کی اس پر اللہ تعالیٰ نے آنِ واحد میں بنی اسرائیل سے ایک ہزار آدمیوں کو نبی منتخب فرما دیا اس پر بنی اسرائیل کے باقی لوگ ان انبیاء علیہم السلام کے ہاں چلے گئے اس سے موسیٰ علیہ السلام کو ملال ہوا اور عرض کیا، یا اللہ! میں اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو آنِ وحدت میں موت دے دی اس سے موسیٰ علیہ السلام کی عزت وعظمت کا اندازہ کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کی خاطرداری کتنی مطلوب تھی۔

ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان

جب موسیٰ علیہ السلام کی عزت وعظمت کا یہ حال ہے تو ان سب اور ہم سب کے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم (جو خود موسیٰ علیہ السلام کے بھی آقا ہیں) کی عزت وعظمت کو خود سمجھئے کہ آپ کو نبوت میں منفرد مقام حاصل ہے اور نبوت میں فضیلت کا یہ عالم ہے کہ عالمِ کائنات کے ذرہ ذرہ کے نبی مرسل ہیں۔ آپ کی تشریف آوری سے جملہ سابق شرائع منسوخ ہو گئیں اور آپ کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہو گیا اور آپ کی کتاب (قرآن مجید) ہر طرح کی تغییر وتبدیل سے محفوظ کر لیا گیا اور آپ کی ملت کو تا قیامت جاری وساری رکھا گیا۔

ف: آیت میں اپنے مخصوص بندوں کو بھی ادب سکھایا گیا ہے اس لیے کہ جب اپنے حبیب علیہ السلام سے

marfat.ocm

یوں خطاب فرمایا:

ولو شئنا لنذھبن بالذی اوحینا الیک ۔ ترجمہ: اگر ہم چاہیں تو اسے لیجائیں جو تمہاری طرف وحی کی گئی ۔

تو پھر باقیوں کی کیا مجال کہ دم مار سکیں ۔ اس میں انہیں اشارہ ہے کہ وہ اگرچہ گناہوں سے معصوم و محفوظ سہی لیکن انھیں اپنے اعمال پر نظر نہیں کرنی چاہیے اور نہ ہی ان سے عجب کرنا چاہیے بلکہ انھیں ہر وقت فضلِ الٰہی اور لطفِ حق کو مدِ نظر رکھنا لازمی ہے ۔

ف : اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اپنے مخصوص بندوں کو معصوم و محفوظ رکھے اس لیے انھیں شدید تاکید فرمائی کہ وہ صرف اسی کی طرف متوجہ ہوں یہاں تک کہ درمیان سے دُوئی کو اٹھا دے ۔

تفسیر عالمانہ

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ ان کافروں نے آپ کو اپنے معبودوں کی پرستش کے لیے دعوت دی تو آپ ان کی دعوت قبول نہ کیجئے اور نہ ہی ان کے آباء کے دین کی اتباع کیجئے بلکہ آپ ان کی سخت گرفت فرمایئے ، معمولی جھکاؤ کا بھی اظہار نہ فرمایئے بلکہ اپنی دعوت اسلامی پر مضبوطی کیجئے اور اظہار حق میں مکمل جدو جہد فرمایئے ۔ **وَجَاهِدْهُمْ** اور ان کے ساتھ جہاد فرمایئے اور کوشش کو بڑھایئے ۔ الجہاد و المجاھدہ بمعنے دشمن کی مدافعت میں اپنی جملہ طاقت کو خرچ کر دینا **بِهٖ** قرآن مجید کی تلاوت کے ذریعے یعنی قرآنی مواعظ و امم سابقہ کے مکذبین کے جملہ حالات انھیں سنایئے **جِهَادًا كَبِيْرًا** بہت بڑا جہاد کہ اس میں معمولی سستی و کاہلی بھی نہ ہو اس لیے سفہا کو دلائل و براہین سے سمجھانا اعداء کے ساتھ تلوار کے ذریعے لڑنے سے زیادہ اہم ہے ۔

سوال : تم نے یہاں پر جہاد سے دلائل و براہین قائم کرنا مراد لیا ہے حالانکہ جہاد سے تو علی الاطلاق قتال بالسیف مراد ہوتا ہے ۔

جواب : قتال بالسیف کے جہاد کا حکم ہجرت کے بعد نازل ہوا اور یہ سورۃ مکیہ ہے اس لیے لازماً وہی معنی کرنا پڑے گا جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے ۔

مسئلہ : امام راغب نے فرمایا کہ جہاد جیسے تلوار سے ہوتا ہے ایسے ہی ہاتھ اور زبان سے بھی ہوتا ہے ۔

حدیث شریف میں ہے :

جاھدوا الکفار بایدیکم و السنتکم ۔

(کافروں سے ہاتھ اور زبان سے لڑو)

اور حدیث کے آخر میں ہے :

جاھدوا المشرکین باموالکم و انفسکم و السنتکم ۔

(مشرکین سے مال اور نفوس اور زبانوں سے لڑو)

ف : زبان سے لڑنے کا معنیٰ یہ ہے کہ اُن کی خرابیوں کو اُنھیں زبانی سمجھاؤ اور ان کی ہجو کرو اگر وہ ہجو سے باز آتے ہیں۔ ان کے ساتھ سخت کلامی کرو اگر وہ سخت کلامی سے ہی مانتے ہیں، وغیرہ (کما فی مشارع الاشواق)

ف : فقیر (اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ لفظ مشرکین میں اہلِ ریاء اور اہلِ بدعۃ (سیئہ) کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے اور جاھدوا کا خطاب اہلِ اخلاص اور اہلسنّت کو ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اے مخلصو! اور اے اہلسنت! ہر زمانہ میں اہلِ بطلان کا مقابلہ کرو۔ اور یہ حکم بالخصوص اس وقت ضروری ہو جاتا ہے جب اہلِ بطلان کے غلبے کا خوف ہو (بحمدہٖ تعالیٰ ہم اہلسنت (بریلوی مسلک) کے احناف کو خصوصیت حاصل ہے کہ ہم اپنے دور کے تمام بدمذاہب سے ٹکرا جاتے ہیں اور کسی مصلحت سے ہم بدمذہبوں کی تردید سے نہیں رُکتے۔ فللّٰہ الحمد والمنّۃ)

یہی وجہ ہے کہ سلطان ظالم کے سامنے کلمۂ حق کہنے کو افضل جہاد کہا گیا ہے اور یہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

افضل الجہاد کلمۃ عدل عند سلطان جائر۔ ظالم بادشاہ کو کلمہ حق کہنا افضل جہاد ہے۔

نکتہ : بادشاہ ظلم کو کلمۂ حق کہنے کو افضل جہاد اس لیے کہا گیا ہے کہ عام دشمن کے مقابلہ کے وقت انسان کو جہاں مغلوب ہونے کا خوف ہوتا ہے وہاں پر غالب ہونے کی بھی امید ہوتی ہے لیکن ظالم کے سامنے حق کہنے کے وقت تباہی وہلاکت کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں ہوتا اس لیے کہ ظالم اپنے نفسِ شریر کا بندہ ہوتا ہے، وہ جُونہی اپنے خلاف کوئی بات سنتا ہے تو کہنے والے کو فوراً اپنے ظلم وقہر کا نشانہ بنا دیتا ہے۔ اسی بنا پر ظالم کو حق کہنے والا جان ہتھیلی پر رکھ کر حق بولے گا۔ اس معنے پر اس کے حق بولنے کو افضل الجہاد کہا گیا اس لیے کہ یہ اجل الخوف یعنی بہت بڑے خوف کے مقابلے میں اجرِ عظیم ہو گا (کذا فی ابکار الافکار للسمرقندی)

تفسیرِ صوفیانہ آیت میں نفس اور اس کے صفات کی طرف اشارہ ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اے سالک! تم نفس اور اس کی صفاتِ ذمیمہ کی اتباع نہ کرنا بلکہ اس کی خواہش کی مخالفت میں اس کے ساتھ قانونِ قرآن کے مطابق صدق وسچائی کی تلوار سے جہاد کرنا اور اس کی شہوات کو ہرگز پُورا نہ کرنا بلکہ اس کے تعلقات کو منقطع کرنا ہمارے لیے بہت بڑا جہاد ہے خیال رکھنا کسی وقت بھی اس کی معمولی ضرورت وخواہش میں موافقت نہ کرنا ہر وقت عزم بالجزم کر کے اس کی دشمنی میں سر کی بازی لگا دینا اسی طرح حقوق اللہ کی ادائیگی ہو گی یاد رکھنے کسی وقت بھی اس کی طرف منہ پھیر کر نہ دیکھنا بلکہ جہاں تک ہو سکے ماسوی اللہ کے جملہ خطرات دل سے دُور رکھنا۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ اے شہاں کشتیم ما خصم بروں
ماند خصمی زاں بتر در اندروں

۲ کشتن ایں کار عقل و ہوش نیست
شیر باطن سخرۂ خرگوش نیست

۳ دوزخست ایں نفس و دوزخ اژدہاست
کو بدریاہا نہ گردد کم وکاست

۴ ہفت دریارا در آشامد ہنوز
کم نگردد سوزش آں خلق سوز

۵ قوت از حق خواہم و توفیق و لاف
تا بسوزن برکنم ایں کوہ قاف

۶ سہل شیری دانکہ صفہا بشکند
شیر آنست آنکہ خود را بشکند

ترجمہ
۱۔ اے یارو ہم تو باہر والے دشمن سے لڑ رہے ہیں۔ بد تر دشمن تو ہمارے اندر ہے۔
۲۔ اس کا مارنا عقل و ہوش کا کام نہیں اندر کا شیر خرگوش کے تابع نہیں ہو سکتا۔
۳۔ یہ نفس دوزخ ہے اور دوزخ بھی بڑا اژدہا کی طرح کہ وہ کئی دریاؤں سے بھی کمی نہیں ہو سکتی۔
۴۔ سات دریا پی جائے تو تا ہنوز خلق سوز سوزش کم نہ ہوگی۔
۵۔ حق تعالیٰ سے قوت و توفیق و امداد چاہتا ہوں تاکہ سوئی سے کوہ قاف کو اکھیڑ دوں۔
۶۔ صفوں کو توڑنے والا شیر بننا آسان ہے شیر وہ ہے جو خود کو شکست دے۔

تفسیر عالمانہ وَهُوَ الَّذِىْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ یہ مرج الدابۃ سے ہے بمعنے خلاها وارسلها ترعی۔ اس کو چھوڑ در انحالیکہ وہ چرتی ہے۔ یا مرج امرھم سے ہے بمعنے اختلط۔ البحر اکثر لوگوں کے نزدیک بہت زیادہ پانی کو کہا جاتا ہے وہ میٹھا ہو یا کڑوا۔ در اصل اس مکان واسع کو کہا جاتا ہے جو بہت زیادہ پانی کا جامع ہو۔ (کذا فی المفردات)

اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے دو دریاؤں کو اپنے جاری ہونے کی جگہ ایسے چھوڑ دیا جیسے گھوڑوں کو چراگاہ میں چھوڑا جائے در انحالیکہ وہ آپس میں ایسے مل کر چلنے والے ہیں کہ ایک دوسرے سے نہیں مل سکتے اور نہ ہی ایک دوسرے ملتبس ہوتے ہیں باوجودیکہ آپس میں ایک دوسرے کے بالکل قریب ہیں لیکن ان کا آپس کا بُعد بھی ظاہر ہے۔ ان کے متقارب ہونے کے اشارہ پر حرف قرب مصرح ہے۔ چنانچہ اسے متقید پر محمول کرنا بھی جائز ہے۔ چنانچہ فرمایا: مرج البحرین یلتقیان۔

هٰذَا عَذْبٌ یہ حال ہے یہاں مقولاً محذوف ہے یعنی درانحالیکہ کہا جائے گا کہ یہ میٹھا ہے **فُرَاتٌ** پینے کے لحاظ سے خوشگوار ہے کہ اس کے پینے سے پیاس بجھ جاتی ہے بوجہ اس کے میٹھا ہونے کے۔ یہ عذبٌ کی صفت ہے اور اس کی تاء اصلیہ ہے۔

ف : علامہ طیبی نے فرمایا کہ یہ اس نام سے اس لیے موسوم ہوا ہے کہ یہ پیاس مٹاتا ہے، بمعنٰے الکسر، اسی معنے کے اعتبار سے کہ وہ پیاس کو قلب سے کاٹ دیتا ہے اس کا کسر سے مشتق ہونے کے لیے کافی ہے یہ اشتقاق کبیر میں داخل ہے جیسے جبذ' جذب سے، اشتقاق سے اشتقاق کبیر نہ ہے۔ اسی سے کوفہ کی نہر فرات مشتق ہے یہ ایک بہت بڑی نہر ہے جس کا مخرج ارمینیہ ہے اور اس کا اصل ملکوت ہے۔ وہ جابلقا کی ایک بستی ہے۔ یہی نہر وہاں سے کوفہ میں پہنچتی ہے، اس کا آخر کا ایک حصہ دجلہ میں ہے دوسرا بحر فارس میں ہے۔

وَهٰذَا مِلْحٌ اور یہ دوسرا دریائے شور ہے۔ امام راغب نے فرمایا کہ ملح سے وہ پانی مراد ہے جس کے ذائقہ کا تغیر معروف ہے اور متجمد ہے اہل لغت کہتے ہیں مَلَحَ، یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی شے کا ذائقہ متغیر ہو جائے اگر منجمد نہ ہو تو کہا جائے گا: ماء ملح۔ اہل عرب ماء مالح بہت تھوڑا استعمال کرتے ہیں۔ **اُجَاجٌ** ط بہت زیادہ کڑوا۔ یہ ملح کی صفت ہے۔

اعجوبہ

مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے اسی دریا کو نہایت سخت کڑوا پیدا فرمایا یہاں تک کہ پینا تو درکنار منہ میں ڈالنا تک مشکل تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان سے میٹھا پانی نازل فرمایا۔ یہ نہروں، دریاؤں، کنوؤں، چشموں کا میٹھا پانی وہی آسمانی پانی ہے جب قیامت قریب ہو گی تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو تھال دے کر بھیجے گا اس تھال کی عظمت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے وہ فرشتہ تمام نازل کردہ پانی اسی تھال میں جمع کر کے بہشت میں لے جائے گا۔

ف : ماء البحر کے کڑوے پن کے متعلق اختلاف ہے بعض نے کہا کہ جب وہ کافی دیر ٹھہرتا ہے تو اسے سورج کی گرمی جلاتی ہے تو وہ پانی کڑوا ہو جاتا ہے۔ اس کے لطیف اجزاء کو ہوا جذب کر لیتی ہے اس کے غلیظ اجزاء باقی رہ جاتے ہیں زمین کی رطوبت اس کا بقیہ ہیں۔ بعض نے کہا کہ دریا کے اندر چند جڑیں ہیں جو دریا کے پانی کو متغیر کر دیتی ہیں۔ اس معنے پر وہ سخت کڑوا ہوتا ہے۔

وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا اور ان دو دریاؤں کے درمیان میں بنائی **بَرْزَخًا** اپنی قدرت سے ایک آڑ اور حاجز جو کسی کو نظر نہیں آتا **وَحِجْرًا مَّحْجُوْرًا**، الحجر بمعنٰے المنع اور المحجور بمعنٰے الممنوع، اور یہ الحجر کی صفت تاکیدی ہے جیسے لیل الیل میں الیل لیل کی اور یوم ایوم میں ایوم' یوم کی صفت تاکیدی ہے یہ استعاذہ کا کلمہ ہے جیسے اسی سورت میں پہلے بیان ہو چکا ہے۔ یہاں پر تشبیہ کے طور پر واقع ہوا ہے۔ یعنی اس میں تنافر بلیغ ہے، گویا وہ ہر ایک ایک دوسرے اسی کلمہ سے پناہ مانگتا ہے اور کہتا ہے تجھ پر حرام ہے کہ تو مجھ پر غلبہ

marfat.ocm

کرسکے اور میری صفت وکیفیت کو زائل کرسکے۔

ف: اکثر اہلِ تفاسیر فرماتے ہیں کہ بحرین سے بحرِ فارس و بحرِ روم مراد ہیں اس لیے کہ یہ دونوں بحرِ محیط میں ملتے ہیں۔ یہاں ان دونوں کے ملنے کی جگہ ہے۔ سورۂ کہف میں مجمع البحرین سے یہی جگہ مراد ہے لیکن اس سے لازم ہے کہ ایک میٹھا ہو اور دُوسرا کڑوا۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ اس میں میٹھے دریا کا یہاں وجود ہی نہیں۔ ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ دونوں دریائے محیط کی دو جھیلیں ہیں وُہ یہاں کڑوا ہے اگرچہ اس کا اصل میٹھا ہے۔ (کذا قال فی فتح القریب عند قولہٖ تعالیٰ:

وکان عرشہ علی الماء۔

یہاں پر الماء سے میٹھا دریا مراد لیا ہے۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا فرمایا تو دریائے محیط کو زمین سے علٰحدہ کر دیا اور وہ جملہ زمین کو ایسے محیط ہے جیسے آنکھ میں سیاہ حصے کو سفید حصہ محیط ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تمام نہروں کو ایک میٹھا دریا کہا جائے اس لیے کہ ہر بڑی نہر کو بھی دریا کہا جاسکتا ہے (کذا فی مختار الصحاح) جیسے بغداد کے دجلہ کو نہر کہا جاتا ہے جیسے دریائے فارس میں ملایا جاتا ہے باوجود انیمہ اس کا عمق کئی میلوں تک پھیلا ہُوا ہے اور اس کا ذائقہ کبھی متغیر نہیں ہوتا۔ اسی طرح نہر طبریہ کہ اس کا ایک حصہ ٹھنڈا ہے اور دوسرا گرم۔ لیکن کیا مجال ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے میں مل جائے۔ آیت میں بہتر ہے کہ اسے دریائے نیل اور بحرِ اخضر پر محمول کیا جائے۔ بحر اخضر سے دریائے فارس مراد ہے، اور یہ بحرِ ہند کا ایک شعبہ ہے اور یہ بھی دریائے محیط سے متصل ہے اور بحر فارس کڑوا ہے اور یہ عجائبات کے اظہار میں مشہور ہے اسی میں موتی بنتے ہیں اور موتی دریائے شور میں بن سکتے ہیں اور دریائے زنگ کے ملنے سے پہلے دریائے اخضر میں داخل ہوتا ہے۔ السمر ج کا یہی معنیٰ ہے۔ اگر دریائے نیل اس میں نہ ملتا تو اسے کوئی بھی نہ پی سکتا کیونکہ دریائے اخضر حد سے زیادہ کڑوا ہے (کذا فی انسان العیون)

ف: بعض علماء نے فرمایا کہ دریائے سیحون و جیحون و نیل و فرات جبل عالی سے زبرجد خضرا سے نکل کر بحرِ مظلم پر چلتا ہے اور وہ شہد سے میٹھا اور مشک سے زیادہ خوشبودار ہے لیکن اس کے جاری ہونے کی جگہیں متغیر ہو جاتی ہیں اس پر بحر ملح ہے بحر الملح سے بحرِ ظلمۃ مراد جسے بحرِ محیط غربی کہا جاتا ہے اسے المظلم اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی آواز ہولناک ہے اور اس سے بڑی بڑی موجیں اُٹھتی ہیں جو بڑی سخت ہوتی ہیں اللہ ہی جانے اس کے اگلے کنارے کے بعد کیا ہے۔ بعض نے کہا کہ میٹھا اور کڑوا پانی دریا میں جمع ہوتے ہیں فرق صرف یہ ہے کہ میٹھا پانی اوپر ہوتا ہے اور کڑوا نیچے۔ لیکن یہ دوسرے پر غلبہ نہیں پاسکتے۔ یہی حجراً محجوراً کا معنٰے ہے یہ قول اس کے مخالف ہے جو بعض نے کہا ہر نہر کا ابتدائی کنارہ پہاڑوں سے شروع ہوتا ہے اور پھر وُہ جمع ہو کر دریاؤں میں پہنچتی ہیں ان کی گزرگاہوں میں پتھروں کے ٹکڑے اور جھیلیں واقع ہوتی ہیں جب وُہ نہریں دریائے شور میں گرتی ہیں اور ان پر سورج کی روشنی پڑتی ہے تو آسمانی فضا میں بخار اٹھتا ہے، پھر بادل بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نہروں کے گرنے سے دریاؤں کے پانی میں اضافہ

نہیں ہوتا۔ اس تقریر سے ثابت ہوتا ہے کہ میٹھا پانی دریا کے اُوپر کے حصے میں اور کڑوا نچلے حصے میں ہوتا ہے اس لیے کہ میٹھا پانی خفیف اور کڑوا ثقیل اور بوجھل ہوتا ہے، اور خفیف کا میلان اوپر کو ہوتا ہے۔

ف : وہب نے کہا ہے کہ مچھلی اور بیل دریا کے اس پانی کو پی جاتے ہیں جو زمین کے پانیوں سے زاید پانی دریا میں پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قیامت تک دریاؤں میں پانی اپنی مقدار سے نہیں بڑھتا۔ اور قدرتِ حق کی کوئی انتہا نہیں۔

اعجوبہ علماء فرماتے ہیں کہ بحیرہ تنیس ایک ششماہی میٹھا ہوتا ہے دوسری ششماہی کڑوا۔ اس کا یہ حال ہمیشہ رہا اور رہے گا۔

تفسیر صوفیانہ کاشفی نے لکھا کہ محققین صوفیہ نے فرمایا کہ بحرین سے وہ خوف و رجاء مراد ہے جو مومن کے قلب میں ہے کہ ان دونوں کو ایک دُوسرے پر غلبہ نہیں ہوتا۔ اگر خوف و رجاء کو تولا جائے تو دونوں کا وزن یکساں ہوگا۔

ف : کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ بحر ملوح عذوبۃ نہیں اور نہ ہی ملح میں ملوحت ہے اصلی جوہریۃ میں دونوں برابر ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی دو الگ الگ متغایر صفتیں پیدا فرمائی ہیں اسی طرح انسانی قلوب کا حال ہے کہ ان میں بعض یقین و عرفان کا معدن ہیں اور ان کے بعض شکوک و کفران کا مرکز۔

ف : بعض بزرگوں نے فرمایا کہ دریا صرف دُو ہیں :

۱- بحر المعرفۃ

۲- بحر النکرہ

پہلے کو بحر الصفات کہا جاتا ہے اس سے ارواح و قلوب و عقول پر لطائف کا فیضان ہوتا ہے اور یہ عارفین کا حصہ ہے۔ دوسرا البحر الذات ہے یہ کڑوا بایں معنیٰ ہے کہ اس کو قلوب وارواح و عقول حاصل نہیں کر سکتے، اور نہ ہی اس میں کسی نے قدم رکھا ہے۔ اس معنے پر یہ بحر النکرہ ہے۔ ان کے درمیان مشیتِ الٰہی کی آڑ ہے کہ وہ بحر صفات کو بحر ذات سے ملنے نہیں دیتی اور نہ ہی بحر الذات والے بحرِ صفات والوں کی طرف جا سکتے ہیں نیز یہ بھی ہے کہ اہلِ معرفت قلوب انوار موافقات سے منور ہیں اور بحر اہلِ نکرہ کے قلوب ظلمۃ مخالفات سے تاریک ہیں ان کے درمیان عوام کے قلوب میں انھیں نہ ورود کی خبر، نہ وصول کا پتا، نہ انھیں خطاب نہ جواب۔ مثنوی شریف میں ہے، ؎

۱ ماہیاں را بحر نگزارد بروں
خاکیاں را بحر نگزارد دروں

۲ اصل ماہی زآب و حیواں از گلست
حیلہ و تدبیر ایں جا باطلست

۳ قفل زفتست وکشاینده خدا
دست در تسلیم زن اندر رضا

ترجمہ : ۱۔ مچھلیوں کو دریا باہر نہیں جانے دیتا۔ خاکیوں کو وہ اپنے اندر نہیں رہنے دیتا۔

۲۔ مچھلی کا اصل پانی اور دوسرے بعض حیوان کا اصل گل ہے۔ حیلہ و تدبیر اس جگہ باطل ہے۔

۳۔ تالہ بند ہے اسے خدا کھولے۔ رضا و تسلیم کو ہاتھ میں لے۔

قطرہ با قلزم چہ استیزہ کند
ابلہست او ریش خود برمے کند

ترجمہ : قطرہ دریائے قلزم سے کیا لڑائی کرے ایسا انسان بے وقوف ہے جو اپنے سے زائد طاقت والے کے ساتھ لڑائی کر کے اپنی داڑھی نوچتا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ فیاض وہاب سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے بحر فیض کثیر اور عطائے وفیر میں داخل فرمائے۔ اور وہ اس پر قادر بھی ہے۔

تفسیر عالمانہ وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ اور اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا مِنَ الْمَآءِ اس پانی سے جس سے آدم علیہ السلام کا گارا گوندھا گیا، یا اس سے نطفہ مراد ہے بَشَرًا آدمی کو۔ بشر، بشرۃ سے ہے بمعنے ظاہر الجلد [اس معنے پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بشر ہیں، ہمیں اس سے انکار نہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ حضور علیہ السلام بشر تو ہیں لیکن آپ کی حقیقت نور ہے][1] جیسے لفظ ادمہ (محرکۃ) جلد کے اندر کے اس حصہ کو کہا جاتا ہے جو گوشت سے متصل ہے۔ اور انسان کو بشر بھی اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اس کا چمڑا بالوں سے ظاہر ہے بخلاف دیگر ان حیوانات کے کہ جن کے چمڑے پر اُون یا بال وغیرہ ہیں جیسے بھیڑ بکری، اونٹ وغیرہ۔ اور قرآن مجید میں جہاں بھی لفظ بشر آیا ہے وہاں یہی معنیٰ مراد ہے اس میں واحد و جمع یکساں ہیں۔ فَجَعَلَهٗ یہ ضمیر البشر کی طرف راجع ہیں یا الماء کی طرف۔ نَسَبًا وَّصِهْرًا ط یعنی پھر اس بشر یا پانی کو دو قسم بنایا :

(۱) دو نسب یعنی وہ نرینہ رشتہ، جس کی طرف باقی سب منسوب ہوں۔ مثلاً کہا جائے فلان بن فلان اور فلانۃ بنت فلان سہ

فانما امہات الناس اوعیتہ مستودعات وللآباء ابنا

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ

ترجمہ: لوگوں کی مائیں برتن اور امانت کی جگہ ہیں اور ابناء آباء کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔

(۲) زنانہ رشتہ، کہ جن سے مردوں کے اختلاط سے نسل میں اضافہ ہو۔ کما قال تعالیٰ:

فجعل منہ الزوجین الذکر والانثیٰ۔ ترجمہ: تو بنایا اس سے جوڑا نر اور مادہ۔

ف: امام راغب نے فرمایا کہ نسب ماں باپ کے اشتراک سے ہوتا ہے، یہ دو قسم ہے:

(۱) نسب بالطول جیسے آباء و ابناء کے درمیان اشتراک۔

(۲) نسب بالعرض جیسے اخوۃ و بنی العم کے مابین نسبت کو کہا جاتا ہے۔ نسیب فلان بمعنے فلان اس کا قریبی رشتہ دار ہے۔ الصھر بنت الرجل کے شوہر یعنی داماد کو کہا جاتا ہے، اسی طرح بہن کا شوہر (بہنوئی) بھی الصھر میں شامل ہے (کذا فی القاموس) اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔

ف: تاج المصادر میں ہے کہ المصاھرۃ بمعنی کسی کے ساتھ رشتہ قائم کرنا۔

وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا ○ اور تیرا رب بہت قدرت والا ہے کہ اس نے صرف ایک مادہ سے ان گنت انسان پیدا فرمائے، پھر ان کے اعضا اور طبائع بھی مختلف ہیں اور ان کی دو متقابل اقسام بنائیں، کبھی ایک ہی مادہ سے جوڑا (نر، مادہ) پیدا فرماتا ہے۔

ف: کشف الاسرار میں مرقوم ہے کہ یہ آیت حضور علیہ السلام اور حضرت علی و حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے حق میں نازل ہوئی جب حضور علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمزاد اور داماد تھے۔ یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسباً میں شامل تھے اور صھراً میں بھی۔ یہ ابن سیرین کا قول ہے۔

نکاحِ فاطمہ وعلی رضی اللہ عنہما عرشِ بریں پر

ایک روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لائے۔ آپ کے ہاتھ میں خوشبودار پھول تھا آپ نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے سلمان! جاؤ، علی (رضی اللہ عنہ) کو بلا لاؤ۔ حضرت سلمان نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کی کہ آپ کو حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم بلا رہے ہیں۔ حضرت علی نے پوچھا: کیوں؟ اور آپ کیا فرماتے ہیں؛ اور آپ کس حالت میں ہیں؟ اس نے عرض کی: ہشاش بشاش اور شاداں و فرحاں۔ اس وقت ایسا لگتا تھا جیسے آپ کا چہرۂ منور ماہِ تاباں اور شمعِ فروزاں ہو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے، حضور اکرم نے وہی خوشبودار پھول حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دے دیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس پھول کی بہت اچھی خوشبو ہے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ پھول اُن پھولوں میں سے ایک ہے جو حورانِ بہشتی نے میری لختِ جگر فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے وقت برسائے۔

marfat.ocm

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کا عقد کس کے ساتھ ہوا؟ آپ نے فرمایا: آپ کے ساتھ اے علی! (رضی اللہ عنہ)۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ میں مسجد میں بیٹھا تھا کہ ایک فرشتہ حاضر ہوا جسے میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا میں نے اس کا نام پوچھا تو اس نے اپنا نام "محمود" بتایا۔ اس نے عرض کی میں تیسرے آسمان کے فلاں مقام پہ رہتا ہوں شب کا باقی تہائی حصہ رہتا تھا کہ مجھے آسمان کے طبقات سے ایک آواز سنائی دی جس میں تمام طبقات کے ملائکہ مقربین و روحانیین و کروبیین کو چوتھے آسمان کے ایک خاص مقام پر جمع ہونے کا حکم ہوا، وہ حسب الحکم جمع ہو گئے۔ اسی طرح مقعدِ صدق اور تمام بہشت اور جنۃ الفردوس وغیرہ کے ملائکہ اور جنۃ عدن وغیرہ کے اعلیٰ درجات کے فرشتے جمع ہوئے، حکم ہوا کہ اے مقربانِ بارگاہ! اور اے خاصانِ بادشاہِ حقیقی! سورۂ ھل اتیٰ علی الانسان پڑھو۔ سب نے مل کر نہایت خوش الحانی سے مذکورہ سورت پڑھی۔ پھر شجرِ طوبیٰ کو حکم ہوا کہ وہ اپنے اور بہشت کے خوشبودار پھول برسائے تاکہ فاطمہ و علی رضی اللہ عنہما کا نکاح پڑھا جائے۔ چنانچہ بہشت کے تمام درختوں اور طوبیٰ نے پھول برسائے۔ پہلے بتایا گیا ہے کہ طوبیٰ درخت کا پتہ پتہ بہشت کے تمام مکانات کے چپہ چپہ سے تعلق رکھتا ہے۔ چنانچہ طوبیٰ درخت نے حرکت کی تو بہشت کے مروارید اور موتی اور بہترین زیورات جھڑ پڑے۔ اس کے بعد حکم ہوا کہ ایک منبر لائیے جو کہ طوبیٰ کے درخت کے ایک زبرجد کے موتی کا دانہ تھا، اسے وہاں بچھایا گیا اور ساتویں طبقہ کا ایک حیل نامی فرشتہ بلایا گیا جو تمام ملائکہ سے فصیح ترین اور قادر الکلام فرشتہ ہے وہ اسی منبر پر تشریف لایا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور پیغمبرانِ عظام پر درود بھیجا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جبرائیل و میکائیل علیہما السلام کو بلاواسطہ بلا کر گواہ بنایا اور فرمایا کہ میں نے فاطمۃ الزہرا اور علی رضی اللہ عنہما کا عقد نکاح کیا اور میں ہی ان دونوں کا متولی ہوں۔ پھر اللہ تعالےٰ نے جنات عدن کے نیچے سے ایک بہترین اور روشن ترین بادل کو فرمایا کہ وہ موتیوں کی بارش برسائے۔ اس کے بعد جملہ رضوان و ولدان و حورانِ بہشت نے موتی نچھاور کیے۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے یہی خوشخبری اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھجوائی اور فرمایا کہ میں نے فاطمہ و علی رضی اللہ عنہما کا عقد آسمان پر کر دیا آپ ان کا عقد زمین پہ کیجئے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرشتے کا بیان سن کر تمام مہاجرین و انصار کو بلایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منہ کر کے فرمایا: اے علی (رضی اللہ عنہ)! یہی حکم مجھے آسمان سے پہنچا ہے، میں نے فاطمہ کا نکاح تم سے کر دیا آپ چار درہم مہر ادا کیجئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں نے قبول کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: بارك الله فيكما (اللہ تعالیٰ آپ دونوں کو برکت دے)[1]

ف: انسان العیون میں لکھا ہے کہ یہ نکاح ہجرت کے دوسرے سال ہوا اور ماہِ رمضان میں یہ رسم ادا کی گئی۔

---

[1] انسان العیون۔

اس وقت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک پندرہ سال اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک اکیس برس اور پانچ ماہ تھی۔ ولیمہ میں ایک بکرا ذبح کیا گیا جو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ چند سیر جوار کی روٹیاں پکائی گئیں۔ اس وقت انصار کی ایک بہت بڑی جماعت موجود تھی۔

صحابۂ کرام کے تعلقات کا نمونہ

مروی ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ مانگا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پُوچھا تو بی بی صاحبہ خاموش ہوگئیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور نے فرمایا کہ بیٹی! حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کے ساتھ عقد نکاح کی درخواست کی ہے آپ کی کیا مرضی ہے۔ یہ سُن کر بی بی صاحبہ رو پڑیں اور عرض کی: ابا جان! آپ مجھے قریش کے غریب ترین انسان سے نکاح کے لیے فرماتے ہیں[1]۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیٹی! میں نے خود نہیں فرمایا مجھے تو آسمان سے اللہ تعالیٰ کا حکم ہُوا ہے۔ بی بی صاحبہ نے عرض کیا: تو پھر میں ویسے ہی راضی ہُوں جیسے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہیں۔ اس سے قبل ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے بی بی صاحبہ کے عقد کے لیے عرض کیا تھا تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جیسے حکمِ ربانی ہوگا میں بھی انتظار کرتا ہوں تم بھی انتظار کرو۔ اس کے بعد حضرت علی کو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ نے مشورہ دیا کہ آپ بھی حضور علیہ السلام سے بی بی فاطمہ سے نکاح کی درخواست کیجئے۔ حضرت علی رضی اللہ نے شکریہ ادا کرتے ہُوئے دونوں حضرات سے فرمایا کہ آپ حضرات نے مجھے ایسے امر کا مشورہ دیا جس کا مجھے خیال تک نہ تھا۔ اس کے فوراً بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا عقد نکاح میرے ساتھ کر دیجئے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپ کے پاس مال کتنا ہے؟ عرض کی: ایک گھوڑا اور ایک زِرہ۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: گھوڑے کی تو آپ کو جہاد کے لیے ضرورت پڑے گی البتہ اپنی زِرہ بیچ ڈالیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی زرہ چار سو اسّی درہم میں بیچ ڈالی اور وہ دراہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہُوئے۔ آپ نے وہ دراہم لے کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ بازار سے خوشبو وغیرہ خرید لائیے۔ پھر حضور علیہ السلام نے نکاح کا خطبہ پڑھا جس کے الفاظ مبارک یہ تھے:

الحمد للہ المحمود بنعمتہ المعبود بوحدتہ الذی خلق الخلق بقدرتہ ومیزھم بحکمتہ ثم اُن اللہ تعالیٰ جعل المصاھرۃ نسبا وصھرا وکان ربک قدیرا ثم ان اللہ امرنی ان ازوج فاطمۃ من علی علی اربعمائۃ مثقال فضۃ أرضیت یا علی۔

---

[1] آپ حیران نہ ہوں کہ بی بی صاحبہ نے یہ کیا کہہ دیا، جو کہا صحیح کہا۔ شیعہ کی روایات دیکھیے جن میں انہوں نے کمال کر دیا۔ دیکھئے جلاء العیون۔ اویسی غفرلہٗ۔ تفصیل کے لیے دیکھئے فقیر کی کتاب آئینۂ شیعہ نما اور چشمۂ نور افزا۔

marfat.ocm

(جیسے محامد اللہ محمود کے لیے اس کی نعمت کے ساتھ جو وہ وحدانیت میں واحد معبود ہے اور اس نے مخلوق کو اپنی قدرت سے پیدا فرمایا اور انھیں اپنی حکمت سے جدا کیا پھر اللہ تعالیٰ نے مصاہرہ کو نسب و صہر کا سبب بنایا اور تیرا رب قادر ہے۔ اس کے بعد مجھے حکم دیا کہ میں فاطمہ کا نکاح علی (رضی اللہ عنہا) سے کردوں اور اس سے چار سو مثقال چاندی مہر کے عوض کروں (پھر آپ نے فرمایا) اے علی! تم اس سے راضی ہو)

اس کے بعد حضرت علی نے خطبہ پڑھا:

الحمد لله شكرا لا نعمه و ايا ديه واشهد أن لا اله الّا الله وحدهٗ لا شريك له شهادة تبلغه و ترضيه ۔ اس کی نعمتوں پر شکر و حمد ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں ایسی جو اس کو پہنچائے اور راضی کر دے)

شادی کے بعد حصولِ برکت کا طریقہ

جب عقدِ نکاح کی رسم ادا ہو گئی تو حضور علیہ السلام نے کھجور کا تھال منگوایا اور حاضرین کے سامنے رکھ کر فرمایا کہ لے جا کر تقسیم کر دو یہ علی و فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے ولیمہ کی دعوت ہے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

لا تحدث شيئا حتى تلقانی۔

(میرے حکم کے بغیر کسی سے بات نہ کرنا)

اس کے بعد بی بی اُم ایمن رضی اللہ عنہا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو لائیں اور بی بی صاحبہ کو گھر کے ایک کونے میں بٹھا دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ گھر کے دوسرے کونے میں بیٹھے تھے حتیٰ کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اور بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا:

ائتنی بماء۔ (پانی لائیے)

بی بی شرم و حیا سے کپڑوں میں چھپی چھپی ایک پیالے میں پانی لائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پیالہ لے کر اس میں کلی کی اور بی بی صاحبہ کو فرمایا:

لیجئے اس پانی سے اپنی چھاتیوں اور سر پر چھینٹے ماریئے۔

اور فرمایا:

اللهم انّی اعيذها بك و ذريتها من الشيطن الرجيم۔

(اے اللہ! میں اسے اور اس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں اور ان کے لیے شیطان رجیم سے پناہ چاہتا ہوں)

بعدہٗ پھر فرمایا:

ائتونی بماءً (پانی لائیے)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں سمجھ گیا کہ یہ پانی میرے لیے ہوگا۔ اس لیے میں اُٹھا اور پانی کا پیالہ بھر لایا آپ نے اسے لے کر کُلی کر کے پیالے میں ڈال دی اور میرے لیے وہی حکم فرمایا جو فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کو فرمایا تھا۔ پھر میرے لیے وہی دُعا مانگی جو فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے لیے مانگی تھی۔ اس کے بعد ہمارے لیے مشترک دُعا مانگی،

اللھم بارك فيھما و بارك عليھما و بارك لھما فی شملھما۔

(اے اللہ! ان دونوں میں اور ان دونوں کے لیے اور ان دونوں کے جماع میں برکت عطا فرما)

پھر سورۂ اخلاص اور معوذتین پڑھیں اور مجھے فرمایا:

ادخل باھلك باسم اللہ و البركۃ۔ یعنی اپنی اہلیہ کو اللہ کے نام اور اس کی برکت سے لے جا۔

فاطمۃ الزہرآ و علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کا بستر مبارک

ان دونوں حضرات کا بستر مبارک بکرے کے چمڑے کا تھا، ایک کمبل تھا جسے سر کی طرف کرتے تو پاؤں کی جانب خالی ہو جاتی اور اگر پاؤں کی جانب پورا کرتے تو سر کی جانب خالی۔ ایک روز بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ ہمارا محض بکرے کے چمڑے کا ایک بستر ہے جسے ہم رات کو آرام کرنے کے لیے بچھاتے ہیں اُسی میں دن کو اونٹ کے لیے گھاس لاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

يا بنية اصبرى فان موسٰى بن عمران عليه السلام اقام مع امرأته عشر سنين لھما فراش الاعباءة قطوانية۔

(بیٹی! صبر کیجئے حضرت موسٰی بن عمران علیہ السلام کا بستر دس سال تک صرف ایک قطوانیہ کی عبا تھی اور بس)

ف: قطوانیہ کوفہ کی بستی قطوان کی طرف منسوب ہے۔

ولادت و وصالِ فاطمۃ الزہرآ رضی اللہ عنہا

نبوت سے پانچ سال پہلے بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطنِ اطہر سے بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے چھ ماہ بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا۔ آپ کی کل عمر مبارک اٹھائیس سال تھی۔ آپ کے بے شمار مناقب ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کوفہ میں ہوئی اور آپ کی عمر مبارک ترسیٹھ سال تھی۔ آپ کی نمازِ جنازہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور آپ کو رات کے وقت اندھیرے میں دفن کر کے بنو امیہ کے دور میں آپ کی قبر انور کو پوشیدہ رکھا گیا۔ خلافت بنی العباس کے شروع تک آپ کا مزار پوشیدہ رہا۔ پھر حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ

marfat.ocm

نے بتایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مزار انور فلاں جگہ ہے۔

ف : حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ان کی حسبِ وصیت پڑھائی تھی۔

حدیث شریف

حضور علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا :

یھلك فیك رجلان محب مطر و کذاب مفتر۔

(دو گروہ آپ کی وجہ سے تباہ و برباد ہوں گے :

۱۔ حد سے زائد محبت کرنے والے۔

۲۔ آپ پر جھوٹ باندھنے والے (مفتری) [یعنی شیعہ اور خارجی وغیرہ] کذا فی انسان العیون۔

تفسیر صُوفیانہ

تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ انسان دو مختلف جنسوں سے مرکب ہے ؛ اس کی ظاہری صورت عالم خلق سے اور اس کی روح عالمِ امر سے ہے ان کے درمیان نسب و صہر کا رشتہ قائم کیا گیا اس کی نسبت رُوح کی طرف ہے اور روح اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہونے کی دلیل آیت و نفخت فیہ من روحی ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے :

انا من اللہ والمؤمنون منّی۔

(میں اللہ سے ہوں اور مومن مجھ سے ہیں)

اہل اللہ اسی خاص نسب کی طرف منسوب ہیں اور ان کی صہری رشتہ داری ان کی بشریت ہے جسے پانی سے پیدا کیا گیا۔ کما قال :

انی خالق بشرا من طین فاذا سویتہ و نفخت فیہ من روحی۔

(بے شک میں نے بشر کو گارے سے بنا کر اسے برابر کیا پھر اس میں اپنی رُوح پھونکی)

اس میں اللہ تعالیٰ نے دو امر جمع فرمائے۔ عوام انسانوں کو اسی صہری رشتہ داری سے بنایا۔ اسی وجہ سے ان پر خواص بشریت غالب ہے۔ مثلاً حرص و شہوت اور ہویٰ و غضب، انہی وجوہ سے عوام درکات سفلیہ کی طرف دھکیلے جاتے ہیں اور اہل نسب پر روحانیت کے خواص غالب ہوتے ہیں۔ مثلاً شوق، محبت (عشق)، طلب، علم، کرم۔ انہی اسباب سے یہ حضرات درجات علیا پر فائز ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ وُہ ان دو گروہوں کو دو مختلف طریقوں سے بنائے۔ حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

قرب تو با اسباب و علل نتواں یافت
بے سابقۂ فضل ازل نتواں یافت

ترجمہ: تیرا قرب اسباب وعلل سے نصیب نہیں ہوتا۔ سابقہ ازل کے بغیر اس کا ملنا محال ہے۔ ہر مقصود کا سوال اور اس کی اُمید اللہ تعالیٰ سے ہی ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَيَعْبُدُوْنَ اور مشرک عبادت کرتے ہیں درانحالیکہ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تجاوز کرنے والے ہیں مَا لَا يَنْفَعُهُمْ ایسی چیزوں کی عبادت کرنے میں جو انہیں کسی قسم کا نفع نہیں دیتیں۔ النفع بمعنے ایسی شے کہ جس سے بھلائی تک پہنچنے میں مدد حاصل کی جائے اور اسی کے ذریعہ خیر تک پہنچا جا سکے۔ یہاں پر خیر مراد ہے۔ اس کی نقیض ضُرٌّ آتی ہے وَلَا يَضُرُّهُمْ اور نہ ہی انہیں وہ ضرر پہنچاتے ہیں یعنی اگر ان کی عبادت نہ کی جائے تو انہیں ان سے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچتا۔ اس سے اصنام مراد ہیں۔ اسی طرح مخلوق میں دیگر وُہ چیزیں جو ان کے حکم میں ہیں اس لیے مخلوق میں کوئی شے مستقل بالذات نہ کسی کو نفع دیتی ہے نہ نقصان[1] اور نہ ظاہر ہے کہ جو مستقل بالذات کسی کو نفع ونقصان نہ پہنچائے تو اس کی عبادت سے کوئی فائدہ نہیں۔ اس پر کسی معاملہ کا اعتماد نہ ہونا چاہیے اور نہ ہی اس کی اتباع کرنی چاہیے وَكَانَ الْكَافِرُ اور کافر کفر اور حق سے عداوت کی وجہ سے ہے عَلٰى رَبِّهٖ اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ، یعنی وُہ کریم جو نعمتوں سے اپنے بندوں کی تربیت فرماتا ہے یہ ظَهِيْرًا کے متعلق ہے، شیطان کا مددگار۔ یہاں پر ظہیر بمعنے مظاہر یعنی معین ومددگار ہے اور کافر سے جنس کافر یا ابوجہل مراد ہے اس لیے کہ اس نے رحمان تعالیٰ کی نافرمانی اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں اصرار پر شیطان کی اعانت کی اور لوگوں کو نبی علیہ السلام کے ساتھ جنگ لڑنے پر ابھارنا وغیرہ بھی شیطان کی اعانت میں شامل ہے وَمَا اَرْسَلْنٰكَ ہم نے آپ کو کسی حال میں نہیں بھیجا اِلَّا مگر اس حال میں کہ آپ مُبَشِّرًا اہل ایمان کو جنت و رحمت کی خوشخبری سنانے والے۔ التبشیر سے مراد ہے ایسی خبر سنانا جس میں سرور وفرحت ہو وَّنَذِيْرًا اور کافروں کو نار وغضبِ الٰہی سے ڈرانے والے۔ الانذار ایسی خبر سنانا جس میں ڈر اور خوف ہو قُلْ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ انہیں فرمائیے مَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ میں تم سے تبلیغِ رسالت پر کچھ نہیں مانگتا—

---

[1] یہی قاعدہ ہے جس سے دیوبندی، نجدی، مودودی وغیرہم عمداً چشم پوشی کرتے ہیں یا واقعی جہالت کے شکار ہیں ورنہ ہم اہلسنت کسی نبی ولی کو مستقل بالذات نفع ونقصان کا مالک نہیں بناتے بلکہ مستقل بالذات ماننے والے کو ہم بھی مشرک اور بے دین کہتے ہیں۔ بحمدہٖ تعالیٰ ہم اہلسنت میں کوئی ایک فرد بھی ایسا نہیں۔ یہ ان لوگوں کا ہمارے اوپر بہتان و افترا ہے کہ بریلوی انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کو مستقل بالذات نفع ونقصان کا مالک مانتے ہیں۔ ہاں ہم بفضلہٖ تعالیٰ انہیں اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے مان کر انہیں اللہ تعالیٰ کے اذن وعطا سے نفع ونقصان کا سبب اور وسیلہ مانتے ہیں اور یہی اسلام کا ضابطہ ہے، ولکن الوہابیۃ قوم لا یعقلون۔ اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

تبلیغِ رسالت کا اضافہ ہم نے سابقہ جملہ وما اسئلک الخ کی وجہ سے کیا ہے مِنْ اَجْرٍ اجر اور مزدوری جو تمھاری طرف سے مجھے حاصل ہو جس کی وجہ سے تم کہو کہ نبی علیہ السلام چونکہ تبلیغ احکام پر ہم سے مال طلب کرتے ہیں اسی لیے ہم ان کی اتباع نہیں کرتے۔

ف : ہر وُہ فائدہ جو انسان کو عمل کرنے پر حاصل ہو اسے اجر کہتے ہیں وہ دنیوی ہو یا اُخروی۔

اِلَّا مَنْ شَآءَ مگر وُہ جو ارادہ کرے اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۝ اپنے رب تعالیٰ کی طرف راہ بنائے، یعنی اس کا مقرب ہو یا اس کے تقرب کا متلاشی ہو اس پر ایمان لا کر یا اس کی اطاعت کر کے، جیسا کہ میں تمہیں اس کی دعوت دیتا ہوں، یعنی میں تم سے صرف یہی چاہتا ہوں کہ تم ایمان قبول کرو اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اگر تم میں سے مجھے کوئی اس کی مزدوری دینا چاہتا ہے تو میری مزدوری یہی ہے کہ میری دعوت قبول کر لے، ورنہ مجھے تمہارے اجر و مال کی ضرورت نہیں اس لیے کہ میرے رب تعالیٰ نے جو کچھ مجھے عطا فرمایا ہے وہ بہت ہے اور میرا اجر و ثواب ان کے ہاں مقرر ہے کیونکہ قیامت میں جہاں وُہ اپنے نیک بندوں کو اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔ پیغمبروں کو بھی اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔

ف : یہاں استثناء منقطع ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ میں تم سے اپنے لیے مال کا سوال نہیں کرتا، ہاں تم سے کوئی محض رضائے الٰہی کی طلب پر جتنا چاہے مجھے دے تو میں اس سے منع نہیں کرتا۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے الا من شاء ان یتخذ ہاں جو اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت اور اس پر خرچ کر کے یا اس کی تعلیم کر کے اِلٰى رَبِّهٖ اپنے پروردگار کی قُرب و منزلت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اسی لیے مشائخ کرام نے فرمایا کہ سالک کو اطاعت سے جنت اور بزرگوں کی تعظیم و تکریم سے قُربِ الٰہی نصیب ہوتا ہے۔

مسئلہ : فتوحاتِ مکیہ میں فرمایا کہ واعظ کو وعظ و تقریر سے اُجرت لینا ہمارے نزدیک جائز ہے اور حلال روزی کے طالب کو یہ اجر حلال ہے اگرچہ اس کا ترک افضل ہے۔

مزید توضیح وعظ و تقریر پر اُجر و قیمت لینے کی حکمت یہ ہے کہ دعوت الی الحق اجارہ کی مقتضی ہے، اسی لیے ہر نبی علیہ السلام نے دعوتِ حق کے وقت بار بار فرمایا،

ان اجری الا علی اللہ۔

(میرا اجر و ثواب اللہ کے ہاں ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ ہر نبی علیہ السلام نے دعوت کا اجر و مزدوری ظاہر فرمایا، اگرچہ مخلوق سے نہیں بلکہ خالق سے سہی۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ اذان و اقامت، تعلیم و تدریس، فقہ و قرآن اور اس کے پڑھنے اور حج اور جنگ اور وعظ و تقریر پر اُجرت، تنخواہ، نذرانہ وغیرہ لینا جائز ہے کیونکہ آج کے زمانہ میں دینی امور میں رغبت گھٹ گئی ہے اگر اجر و مزدوری تنخواہ کو منع کیا جائے تو دین و اسلام کا کام رک جائے گا۔

مسئلہ: اگرچہ شرعی امور کو ظاہر کرنا واجب ہے لیکن وہ اجر و تنخواہ اور نذرانے کے بغیر نہ بتائے تو بھی جائز ہے۔ مثلاً مفتی، معلم (مدرس)، امام (پیش امام) وغیرہم کو اپنی ڈیوٹی کی ادائیگی واجب ہے لیکن اگر وہ اپنی ڈیوٹی پر تنخواہ وغیرہ لیں تو بھی کوئی حرج نہیں۔ کما فی الکرمانی وغیرہ (شرح بخاری) وغیرہ۔

مسئلہ: غُسّال (میت کو نہلانے والا) اگر کسی بستی میں سوائے اس کے اور کوئی نہ ہو تو وہی غسل (میت) کے لیے متعین ہو جاتا ہے تو اسے اجر و مزدوری نہیں لینی چاہیے۔

تفسیر عالمانہ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ اور اس ذات پر توکل کیجئے جو ہمیشہ زندہ ہے اور اس پر موت طاری نہیں ہوتی، وہی سب کو شرور سے بچاتا ہے اور وہی ہر ایک کا کارساز ہے اسی لیے لائق ہے کہ اسی پر توکل کیا جائے کیونکہ دوسرے مجازاً حیّ ہیں لیکن پھر بھی ان پر موت واقع ہوتی ہے پھر جب ان پر موت واقع ہوگی تو پھر ان پر توکل (بھروسا) منقطع ہو جائے گا۔ توکل کا معنیٰ یہ ہے کہ انسان یہ یقین کرے کہ جملہ حوادث اللہ تعالیٰ سے صادر ہوتے ہیں اس کے سوا کسی حادثہ کی کوئی ایجاد نہیں کرتا۔ اسی لیے اپنی جملہ ضروریات اسی کے سپرد کی جائیں گی۔

مسئلہ: مذکورہ بالا عقیدہ فرض ہے اور یہ ایمان کی شرائط سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

وعلی اللہ فتوکلوا ان کنتم مؤمنین۔

(اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرو اگر تم مؤمن ہو)

مسئلہ: اس کے علاوہ جو قلب کو سکون اور اضطراب و پریشانی سے دُوری حاصل ہوتی ہے وہ توکل کے کمالات سے ہے (کذا فی التاویلات النجمیہ)

مسئلہ: واسطی نے فرمایا جو غیر اللہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے تو اس کا توکل خدا پر نہیں بلکہ غیر اللہ پر ہے۔

نکتہ: ہم صرف توکل پر عمل کرنے سے سُنّت کے عامل ہو سکتے ہیں یا کسبِ معاش سے؟ یہ سوال حضرت ابن سالم رحمہ اللہ سے ہوا، آپ نے جواباً فرمایا کہ حقیقی توکل تو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہوا اس مرتبہ کو حاصل کرنا معمولی بات نہ تھی اگر حضور علیہ السلام کی طرح ہر کوئی مامور ہوتا تو کوئی بھی پُورا نہ اُترتا کیونکہ ضعفِ حال سے ان کے حقیقی توکل کی تاب نہ تھی جب وہ توکل کے مرتبہ سے گر گئے تو پھر اُنہیں کسبِ معاش کا حکم بھی ہوا تاکہ رسالت پناہی

marfat.ocm

(صلی اللہ علیہ وسلم) کی دوسری سنت سے محروم نہ رہ جائیں۔ اگر یہ دوسرا حکم نہ ہوتا تو سب کے سب حکم الٰہی کی نافرمانی کے گڑھے میں گر جاتے۔

ف : عوام کا توکل یہ ہے کہ جب کچھ ملے تو شکر کریں اور جب نہ ملے تو صبر کریں۔ اور خواص کا توکل یہ ہے کہ جب کچھ ملے تو دے دیں اور جب نہ ملے تو شکر کریں۔

لطیفہ اولیائے کرام کے لیے اللہ تعالیٰ ایسے اسباب آسان فرماتا ہے جہاں ان کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا، اگرچہ بعض اوقات ان کے اسباب تیار کردہ ہوتے ہیں لیکن ان کو بھی اللہ تعالیٰ آسان فرماتا ہے۔

لطیفہ خالص اصفیاء کا توکل یہ ہے کہ پہلے وہ اپنی آرزوئیں ختم کرتے ہیں، اس کے بعد وہ اس کی طلب کرتے ہیں (مل جائے تو سبحان اللہ ورنہ ان کے قلب پر کسی قسم کا بوجھ نہیں ہوتا)

نکتہ کامل توکل کی علامت اس شیرخوار بچے کی ہے کہ اسے اپنی ماں کے سوا کوئی جائے پناہ نظر نہیں آتی۔ ایسے ہی سالک کا کام ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو ملجا و ماویٰ نہیں سمجھتا۔ مثنوی شریف میں ہے :

۱ نیست کسبے از توکل خوب تر
چیست از تسلیم خود محبوب تر

۲ طفل تا گیرا و تا پویا نبود
مرکبش جز گردن بابا نبود

۳ چوں فضولی گشت و دست و پا نمود
در عنا افتاد و در کور و کبود

۴ ما عیال حضرتیم و شیر خواه
گفت "الخلق عیال للالٰہ"

۵ آنکہ او از آسمان باران دہد
ہم تواند کو ز رحمت نان دہد

ترجمہ : ۱۔ توکل سے بہتر کوئی عمل نہیں۔ تسلیم و رضا سے بھی خوب تر کوئی کام نہیں۔

۲۔ بچے کو کیا پرواہ کچھ ہو نہ ہو اس کے سوائے باپ کی گردن کے اور کوئی سواری نہیں۔

۳۔ جب بڑا ہوا اور ہاتھ پاؤں پالئے تو تکلیف میں پڑا اور پریشانیوں میں مبتلا ہوا۔

۴۔ ہم حضرت کے عیال اور شیر چاہنے والے فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خلق اللہ تعالیٰ کا عیال ہے۔

۵۔ وہ ذات جو اپنے فضل سے آسمان سے بارش بخشتی ہے، رحمت سے روٹی دے گی۔

تفسیر عالمانہ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ؕ اس کی حمد کرتے ہوئے اس کے ہر نقصان اور ہر وہم و گمان سے تنزیہ بیان کیجئے اور جتنے کمالات بیان ہو سکتے ہیں اس کی نعمتوں کی شکر گزاری کیجئے۔

حدیث شریف میں ہے:

من قال کل یوم سبحان اللہ وبحمدہ مائة مرة غفرت ذنوبه ولو کانت مثل زبد البحر۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص دن میں سو بار حمد و تسبیح کا ورد کرتا ہے اس کے جملہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔ (کذا فی فتح الرحمٰن)

وَكَفٰى بِهٖ باء زائدہ تاکید کے لیے ہے یعنی وہ ذات جو ہمیشہ زندہ ہے اس پر کبھی موت نہیں آئے گی بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ ؕ اپنے بندوں کے ظاہری و باطنی گناہوں کے لیے کافی ہے خَبِيْرًا ؕ مطلق خبیر ہے۔ اسی لیے وہ پوری جزا عطا فرمائے گا۔ وہ اجر و ثواب عطا فرمانے میں کسی کا محتاج نہیں ۨ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا۔ یہ جملہ محلاً مجرور اور الحی کی دوسری صفت ہے وَمَا بَيْنَهُمَا اور ان کے درمیان جتنے موالید و ارکان ہیں سب کا خالق وہی ہے فِیْ سِتَّةِ اَيَّامٍ چھ دنوں میں۔ یعنی یہی دنیوی چھ ایام، کیونکہ وہاں نہ سورج تھا نہ چاند۔ باوجودیکہ وہ ان کو ایک لمحہ میں پیدا فرما سکتا تھا لیکن پھر بھی چھ دن لگائے۔ اس میں اپنے بندوں کو بتانا تھا کہ کاروبار میں عجلت نہ کرنا مستحب ہے ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ عرش اور اس کے ماسوا اسی کا تصرف ہے۔

حل لغات الاستواء بمعنے استقرار و تساوی اور بالذات شے کا معتدل ہونا۔ جب یہ لفظ علیٰ سے متعدی ہو تو استیلاء و غلبہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ (کذا فی المفردات)

یہاں یہی معنیٰ مراد ہے ملک و سلطان سے کنایہ ہے یعنی وہی عرش اور اس کے ماسوا کا مالک ہے۔ عرش کی تخصیص اس لیے کہ وہ تمام اجسام سے عظیم ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ خبر ہے، اس کا مبتدا محذوف ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے اجرام علویہ و سفلیہ اور آسمان و زمین کے درمیان ہر شے کو پیدا فرمایا۔ یہ آنے والے مضمون کی تمہید ہے۔ واذا قیل لهم اسجدوا للرحمٰن (اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ رحمان کو سجدہ کرو) میں اشارہ ہے کہ استواء مذکور میں مرتبۂ رحمانیہ کی تعیین ہے۔ فَسْئَلْ بِهٖ یہ مابعد کے متعلق ہے یعنی خَبِيْرًا سے، جیسے انہٗ بهم رؤف رحیم میں بهم، رؤف رحیم کے متعلق ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی مثالیں ہیں یعنی خلق و استواء کے معانی خبیر سے پوچھیے کیونکہ وہ صفات و افعال کو خوب جانتا ہے۔ کما قال:

ولا ینبئك مثل خبیر (خبیر جیسا تمہیں کوئی خبر نہ دے سکا)

marfat.ocm

اور فرمایا:

وما یعلم تاویلہ الا اللہ۔

(اس کی تاویل صرف اللہ ہی جانتا ہے)

ف: بعض نے اس کا عطف والراسخون بنایا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ وہ معنی راسخین ہی جانتے ہیں۔ فلہٰذا ان سے سوال کیجئے۔ استواء علی العرش کی تحقیق ہم نے سورۂ اعراف، یونس، طٰہٰ میں تفصیل سے لکھی ہے۔

تفسیر صوفیانہ

فتوحات مکیہ میں ہے کہ جب مسلّم ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی سلطانِ اعظم ہے اور سلطان کا کوئی مکان ضروری نہیں جہاں جا کر رعایا اپنی ضروریات وحاجات پیش کر سکے، وہ مکان سے منزّہ ہے، لیکن یہ اس کی مہربانی اور لطف وکرم ہے کہ اس نے اپنے ملنے کا ایک ایسا مرتبہ بتایا جسے عرش سے تعبیر کیا جاتا ہے اسی لئے فرمایا استوی علی العرش تاکہ بندے اس کی طرف اپنی ضروریات لے جائیں۔ اس میں بندوں پر رحمت کا اظہار ہے نیز یہ بندوں کے عقول کے مطابق بھی ہے ورنہ وہ ہمیشہ حیران وششدر رہتے۔ اور پھر بندوں میں قلب کو ذوجہۃ پیدا فرمایا کہ وہ ہر اس شے کو قبول کرتی ہے جو جہت والی ہو، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے جہتیں بیان فرمائی ہیں، کبھی فوقیت یعنی عرش وسما اور کبھی احاطہ۔ کما قال:

اینما تولوا فثم وجہ اللہ۔ ترجمہ: جہاں منہ پھیرو وہاں اللہ ہے۔

اور فرمایا:

ینزل ربنا الی سماء الدنیا۔ ترجمہ: اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کی طرف ہمارا رب ہے۔

اور حضور علیہ السلام نے فرمایا:

ان اللہ فی قبلۃ احدکم۔ ترجمہ: بے شک اللہ تعالےٰ تمہارے قبلہ میں ہے۔

(بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے قبلہ کی جانب میں ہوتا ہے)

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جملہ امور کو احیان کے لیے نہیں بلکہ مراتب کے لیے پیدا فرمایا۔

تفسیر عالمانہ

وَاِذَا قِیْلَ لَھُمُ اور جب اہلِ شرک کو کہا جاتا ہے اسْجُدُوْا نماز پڑھو۔ نماز کو سجدہ سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ سجدہ نماز کے عظیم ترین ارکان سے ہے لِلرَّحْمٰنِ رحمٰن کے لیے، یعنی وہ ذات جس نے اپنی رحمت سے موجودات کو پیدا فرمایا قَالُوْا مشرکین نے کہا وَمَا الرَّحْمٰنُ رحمان کیا شے ہے یا وہ کون ہے؟ کیونکہ لفظ ما کے وضع عام ہے یا ذوی العقول اور غیر ذوی العقول دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں پر اس مسمّی سے سوال ہے جو اس نام سے موسوم ہے اور سوال اس لیے کیا کہ وہ مشرکین اللہ تعالےٰ کا یہ نام نہیں جانتے تھے اگرچہ کتب سابقہ میں موجود تھا کہ رحمٰن بھی اللہ تعالیٰ کا نام ہے یا وہ اس نام کو جانتے تو تھے لیکن

ان کا خیال تھا کہ اس کا اطلاق غیر اللہ پر بھی ہوتا ہے جیسے مسیلمۃ الکذاب کو "رحمان الیمامہ" کہتے ہیں اور مشرکین اس کی بھی تکذیب کرتے تھے اسی لیے غلطی کھا گئے ہیں اور ہر غیر اللہ یعنی "رحمان الیمامہ" کی عبادت کا بھی۔ اور یہ استہزاءً کہتے تھے، جیسے منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استہزاء کرتے تھے۔ کما قال تعالیٰ:

ولئن سألتہم لیقولن انما کنا نخوض ونلعب۔

منافقین نے سوال کے جواب میں دو غلطیاں کھائیں اور دعویٰ کیا کہ وہ اپنے قول میں سچے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب فرمائی۔ کما قال تعالیٰ:

قل اباللہ وآیاتہ کنتم تستہزءون۔

(فرمائیے کیا تم اللہ اور اس کے آیات کے ساتھ استہزاء کرتے ہو)

مغالطہ کا موجب متکلم کے کلام سے معلوم ہوا کیونکہ ہر کلام کی شکل اور نقیض بھی ہوتی ہے، اور یہاں نقیض موجود ہے کہ اے منافقو! تم استہزاء کر رہے ہو اور استہزاء سے ہی تمہاری صداقت کی بجائے تکذیب ٹپکتی ہے (کذا فی العقد المفرید للعلامہ ابن طلحہ)

اَنَسۡجُدُ لِمَا تَاۡمُرُنَا کیا ہم سجدہ کریں اس کے لیے جس کا تو ہمیں حکم فرماتا ہے وہ تو اسے جانتے ہی نہیں۔ ماذا استفہام انکاری ہے۔

خلاصہ یہ کہ ہم رحمان کو سجدہ ہرگز نہیں کریں گے **وَزَادَهُمۡ نُفُوۡرًا ۤ** اور رحمان کے سجدے کا حکم بڑھاتا ہے ان کے ایمان کی نفرت سے۔ نفور بمعنے انزعاج عن الشیئ والتباعد یعنی ایک شے کا دوسری شے سے دور ہونا۔ اس کی نظیر آیہ فلم یزدھم دعائی الا فرارا ہے۔

مسئلہ: جو سرے سے رحمٰن سے ناواقف ہے یا اسے جانتا ہے لیکن اس سے ایسا قول و فعل صادر ہوتا ہے جو کافروں کے افعال و اقوال کے مشابہ ہے، تو وہ بھی بالاتفاق کافر ہے۔ (کذا فی فتح الرحمٰن)

مسئلہ: اس کی مثال صنم (بُت) کو سجدہ کرنا یا قرآن مجید کو گندگی میں ڈالنا یا کفریہ کلمات بکنا، یہ بھی بالاتفاق کفر ہے۔ کیونکہ یہ بھی تکذیب کی علامت ہے۔

ف: حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ جب یہی آیت پڑھتے تھے تو آسمان کی طرف سر اٹھا کر عرض کرتے:

الٰہی زادنی خضوعا ما زاد اعداك نفورا۔

(یا الٰہی! میرے خشوع و خضوع میں اتنا اضافہ کر، جتنا دشمنوں کو دین سے نفرت ہے)

حدیث شریف ایک شخص نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ آپ دعا فرمائیے کہ جنت میں مجھے آپ کی رفاقت نصیب ہو۔ آپ نے اسے فرمایا:

marfat.ocm

اعنی بکثرۃ السجود۔

(کثرتِ سجود سے میری معاونت کیجئے)

مسئلہ : فتح الرحمٰن میں ہے کہ سجداتِ تلاوت میں ایک سجدہ اسی آیت پر ہے۔

ف : جناب کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا، سجداتِ تلاوتِ قرآن کا یہ ساتواں سجدہ ہے۔ یہی امام اعظم رحمہ اللہ کا مذہب ہے لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ آٹھواں سجدہ ہے۔

ف : فتوحات میں اس سجدہ کا نام سجدۂ نفور وانکار ہے اس لیے تلاوتِ قرآن مجید کے بعد سجدہ کرنے سے مومن کافروں سے ممتاز ہو جاتا ہے اس لیے اسے سجدۂ امتیاز بھی کہا جا سکتا ہے۔

مسئلہ : سجدہ کے وقت اللہ اکبر کہنا سنّت ہے (کذا فی النہایہ) اور کافی میں یہاں اللہ اکبر کہنا مستحب ہے۔ اس میں دوسری بار، اللہ اکبر کہنا رکن ہے (کذا فی الزاہدی) لیکن یہ کہیں سے نہیں ملا کہ دونوں رکن ہیں۔

مسئلہ : اگر تلاوت کے وقت سجدہ نہ کیا جائے تو یہ قضا ہو گی جیسا کہ قاضی ابویوسف رحمہ اللہ نے فرمایا لیکن اس کی قضا فی الفور ضروری ہے اور اسے قضا بھی نہیں سمجھا جائے گا، اس کی تاخیر مکروہ نہیں۔ (کذا فی کتب الاصول والفروع) امام طحاوی رحمہ اللہ نے فرمایا، اس کی تاخیر مکروہ ہے وہی صحیح تر ہے (کذا فی التجنیس) امام قہستانی رحمہ اللہ نے اپنی شرح میں ذکر کیا اسجدوا للرحمٰن یہ حکم دلالت کرتا ہے کہ سجدہ صرف رحمان کے لیے ہے اگر غیر اللہ کے لیے سجدہ روا ہوتا تو عورت کو حکم ہوتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

مسئلہ : شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ نے فرمایا:

تعظیم کے طور غیر اللہ کو سجدہ (عبادت) کفر ہے۔

مسئلہ : یہ جو عموماً علماً کے آگے جھک کر زمین کو چوما جاتا ہے حرام ہے [اُن کے ہاتھ پاؤں چومنا جائز ہے]

حضرت صدر الشہید رحمہ اللہ نے فرمایا:

سجدۂ تعظیمی حرام نہیں (مکروہ ہے) کیونکہ اسے سجدۂ تحیۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور تحیۃ کے طور سجدہ بمنزلہ سلام کے ہوتا ہے۔ لیکن اس سے لازم نہیں کہ اسے لزوماً عمل میں لایا جائے کیونکہ سجدۂ تحیہ منسوخ ہو چکا ہے اور یہ یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں ہے ان کی شریعت میں سجدہ تحیۃ 'السلام علیکم' کے قائم مقام تھا جیسے تعظیماً کھڑا ہونا اور مصافحہ اور ہاتھ چومنا وغیرہ لوگوں کی عادات میں شامل ہے اور وہ انہیں تعظیم وتکریم کے طور کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا واقعہ دلالت کرتا ہے۔ کما قال تعالیٰ : وخرّوا لهٗ سجّدًا۔

مسئلہ : بادشاہ وغیرہ کے لیے سر جھکانا مکروہ ہے کیونکہ اس طرح یہود سے مشابہت ہوتی ہے جیسے ملاقات کے مصافحہ کے بعد اپنے ہاتھ چومنا مکروہ ہے کیونکہ مجوس کے ساتھ مشابہت ہے۔

مسئلہ : تجددِ نعم یعنی حصولِ نعمت کے وقت شکر کے سجدہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: سجدۂ شکر مکروہ ہے۔ زبان کے ساتھ حمد و شکر کہنا کافی ہے لیکن امام ابُویوسف و محمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ میں امام اعظم رحمہ اللہ سے اختلاف کرتے ہُوئے فرمایا ہے کہ یہ سجدۂ شکر قربتِ الٰہی کا موجب ہے فلہٰذا اس پر سجدہ کرنے والے کو ثواب نصیب ہوتا ہے۔ اور امام شافعی و احمد رحمہما اللہ کے نزدیک سجدۂ شکر سنّت ہے۔ اس کا وہی طریقہ ہے جو سجدۂ تلاوت کا ہے لیکن اسے نماز میں نہیں کیا جاتا۔ (کذا فی فتح الرحمٰن)

مسئلہ : امام زاہدی نے شرح قدوری میں ذکر فرمایا ہے، سجدے پانچ ہیں:

۱۔ سجدۂ صلاتیہ، یہ فرض ہے۔

۲۔ سجدۂ سہو اور

۳۔ سجدۂ تلاوت، یہ دونوں واجب ہیں۔

۴۔ سجدۂ نذر، یہ بھی واجب ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ کہے: للہ علیّ سجدۃ تلاوۃ (اللہ کے لیے مجھ پر سجدۂ تلاوت ہے) اگر اسے تلاوت سے مقید نہیں کیا جائے گا تو سجدہ واجب نہیں ہوگا۔ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کا اس میں اختلاف ہے۔

۵۔ سجدۂ شکر، امام طحاوی فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ میرے (ابوحنیفہؒ) کے نزدیک یہ سجدہ کچھ نہیں۔ حضرت ابوبکر رازی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ سجدہ نہ واجب ہے نہ سنّت، ہاں مباح ہے لیکن بدعت نہیں۔ امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ سجدہ مکروہ ہے لیکن حصولِ نعمت کے وقت اور تکالیف کے دفع ہو جانے کے بعد سجدہ کرنا مستحب ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سجدۂ شکر کا طریقہ یہ ہے کہ قبلہ رُخ ہو کر سجدہ ریز ہو جائے اور شکر کرتے ہُوئے تسبیح پڑھے اس کے بعد اللہ اکبر کہتے ہوئے سر اٹھائے۔ لیکن بغیر سبب ایسا سجدۂ شکر قربتِ الٰہی کا موجب نہیں۔ تاہم مکروہ بھی نہیں۔ ہاں نماز کی فراغت پر سجدہ کرنا مکروہ ہے کیونکہ جہال اسے سنّت یا واجب سمجھیں گے، اور ہر وہ مباح جس سے سنّت یا وجوب کا احتمال پیدا ہو جائے وُہ فعل مکروہ قرار دیا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ سجدۂ شکر جائز بلکہ مستحب ہے، واجب بھی نہیں اور مکروہ بھی نہیں۔ (کما فی شرح المنیۃ) ؎

بشکر عشق بنہ جبہہ دائما بر خاک
کہ نعمتست نخوردست ساکن افلاک

ترجمہ: عشق کی نعمت پر شکرانہ کے طور پر ہمیشہ مٹی پر ماتھا رگڑ، کیونکہ یہ وُہ نعمت ہے جو اہلِ افلاک کو نصیب نہیں۔
اے اللہ! ہمیں اندھیرے اور روشنی میں اپنے دربار کا متواضع بنا۔ (آمین)

marfat.ocm

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا
بڑی برکت والا ہے وہ جس نے آسمان میں برج بنائے اور ان میں چراغ رکھا اور چمکتا
مُّنِيْرًا ﴿٦١﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ
چاند اور وہی ہے جس نے رات اور دن کی بدلی رکھی اس کے لیے جو دھیان کرنا چاہے یا شکر کا ارادہ
شُكُوْرًا ﴿٦٢﴾ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ
کرے اور رحمان کے وہ بندے کہ زمین پر آہستہ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے بات
الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿٦٣﴾ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿٦٤﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ
کرتے ہیں تو کہتے ہیں بس سلام اور وہ جو رات کاٹتے ہیں اپنے رب کے لیے سجدے اور قیام میں اور وہ جو عرض کرتے
رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿٦٥﴾ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ
ہیں اے ہمارے رب ہم سے پھیر دے جہنم کا عذاب بیشک اس کا عذاب گلے کا غل ہے بیشک وہ بہت ہی بری ٹھہرنے
مُقَامًا ﴿٦٦﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿٦٧﴾
کی جگہ ہے اور وہ کہ جب خرچ کرتے ہیں نہ حد سے بڑھیں اور نہ تنگی کریں اور ان دونوں کے بیچ اعتدال پر رہیں
وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا
اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پوجتے اور اس جان کو جس کی اللہ نے حرمت رکھی
بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ
ناحق نہیں مارتے اور بدکاری نہیں کرتے اور جو یہ کام کرے وہ سزا پائے گا بڑھایا جائے گا اس پر عذاب قیامت
الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ
کے دن اور ہمیشہ اس میں ذلت سے رہے گا مگر جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور اچھا کام کرے تو ایسوں کی برائیوں
يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٧٠﴾ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا
کو اللہ بھلائیوں سے بدل دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور جو توبہ کرے اور اچھا کام کرے تو
فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿٧١﴾ وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا
وہ اللہ کی طرف رجوع لایا جیسی چاہیے تھی اور جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب بیہودہ پر گزرتے ہیں اپنی عزت
كِرَامًا ﴿٧٢﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿٧٣﴾ وَالَّذِيْنَ
سنبھالے گزر جاتے ہیں اور وہ کہ جب انہیں ان کے رب کی آیتیں یاد دلائی جائیں تو ان پر بہرے اندھے ہو کر نہیں گرتے اور وہ جو

يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ
عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں دے ہماری بی بیوں اور ہماری اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک اور ہمیں پرہیزگاروں کا
اِمَامًا ﴿۷۴﴾ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَ يُلَقَّوْنَ فِيْهَا
پیشوا بنا ان کو جنت کا سب سے اونچا بالاخانہ انعام ملے گا بدلہ ان کے صبر کا اور وہاں مجرے اور سلام کے ساتھ ان کی
تَحِيَّةً وَّ سَلٰمًا ﴿۷۵﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ﴿۷۶﴾
پیشوائی ہوگی ہمیشہ اس میں رہیں گے کیا ہی اچھی ٹھہرنے اور بسنے کی جگہ تم فرماؤ
قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ
تمہاری کچھ قدر نہیں میرے رب کے یہاں اگر تم اسے نہ پوجو تو تم نے تو جھٹلایا تو اب ہوگا وہ عذاب
يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿۷۷﴾
کہ لپٹ رہے گا

تفسیر عالمانہ

تَبٰرَكَ بکثرت خیر و برکت والا ہے، فیاض ہے، اس لفظ کی تحقیق ہم نے سورہ کے شروع میں لکھ دی ہے۔

نکتہ: اس مقام پہ تبارك لانے کی حکمت یہ ہے کہ اس سورت میں بہت بڑے امور کا ذکر ہے مثلاً بروج و سیارات، شمس و قمر، لیل و نہار۔ اگر یہ نہ ہوتے تو زمین پر نہ کوئی حیوان ہوتا، نہ کھیتیاں ہوتیں اور نہ کوئی اور شئے۔ اَلَّذِيْ جَعَلَ جس نے اپنی قدرت کاملہ سے بنائے فِي السَّمَآءِ آسمان میں بُرُوْجًا بارہ بروج ہر برج میں دو منزلیں ہیں اور چاند کی تین منزلیں ہیں اور یہی کواکب سبعہ (سات ستاروں) کی منزلیں ہیں اور سورج کے تیس درجے۔

بروج کے اسماء

۱۔ حمل
۲۔ ثور
۳۔ جوزا
۴۔ سرطان
۵۔ اسد
۶۔ سنبلہ
۷۔ میزان
۸۔ عقرب
۹۔ قوس
۱۰۔ جدی
۱۱۔ دلو
۱۲۔ حوت

حمل و عقرب مریخ کے اور ثور و میزان زہرہ کے اور جوزا و سنبلہ عطارد کے اور سرطان قمر کے اور اسد سورج کے اور قوس و حوت مشتری کے اور جدی و دلو زحل کے مراکز ہیں اور یہ تمام بروج طبائع اربعہ پر منقسم ہیں ان میں ہر ایک کے تین تین ستارے ہیں؛

marfat.ocm

(۱) حمل ، (۲) اسد ، (۳) قوس ناریہ ؛
(۱) ثور ، (۲) سنبلہ ، (۳) جدی ارضیہ ؛
(۱) جوزا ، (۲) میزان ، (۳) دلو ہوائیہ ؛
(۱) سرطان ، (۲) عقرب ، (۳) حوت مائیہ ۔

ف : ہر منزل کو برج سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ بروج بمعنے قصور (محلات) ۔ چونکہ جملہ ستارگان کے لیے ہر ایک کی منازل اونچی اونچی ہیں جیسے مکین مقیم میں اور اس کا اشتقاق تبرج سے ہے بمعنے ظہور ۔

ف : حضرت حسن و مجاہد و قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بروج بڑے ستارگان کو کہا جاتا ہے ۔ جیسے زہرہ ، سہیل ، مشتری ، سماک ، عیوق وغیرہ ۔ ان کی نورانیت اور حسن اور روشنی کی وجہ سے انھیں مذکورہ ناموں سے پکارا جاتا ہے ۔ الابرج بمعنے دو ابرووں کے درمیان کی وسعت ۔ ہم نے بروج اور ان کے اسماء سورہ یونس کے اوائل میں بیان کیے ہیں ۔

وَّجَعَلَ فِيْهَا اور ہم نے بنائے بروج میں نہ کہ آسمان میں ، کیونکہ بروج قریب تر ہیں ۔ فلہذا ضمیر اس کی طرف لوٹانا زیادہ موزوں ہے اگرچہ السماء کی طرف بھی لوٹایا جا سکتا ہے ۔ **سِرٰجًا** چراغ یعنی سورج ۔

حلِ لغات امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ السراج دراصل وہ جسے فتیلہ کے ذریعے روشن کیا جائے ۔ پھر ہر روشنی والی شے کو سراج سے تعبیر کیا جانے لگا ۔ یہاں پر سورج مراد ہے ۔ چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا :

وجعل الشمس سراجا ۔ (اور بنایا سورج کو سراج)

اور سورج اور بڑے ستاروں کو سرج و مصابیح سے تشبیہ دی جاتی ہے ۔ کما قال تعالیٰ :

ولقد زینّا السماء الدنیا بمصابیح ۔
(اور ہم نے آسمان کو مصابیح سے مزیّن فرمایا)

وجہ تشبیہ انارۃ و اشراق ہے ۔ **وَّقَمَرًا** اور چاند جسے فارسی میں ماہ کہا جاتا ہے اور تین راتوں کے چاند کو الہلال اور اس کے بعد کے چاند کو قمر کہا جاتا ہے بوجہ اس کی سپیدی کے (کذا فی المختار) یا اس لیے کہ اس سے زمین سفید نظر آتی ہے اور الاقمر بمعنے الابیض (سفید تر) کذا فی کشف الاسرار ۔ **مُّنِيْرًا** ۝ رات کو روشن کرنے والا ۔

صوفیانہ معنیٰ بعض اہلِ دل نے فرمایا کہ اس سے آسمانِ قرآن مراد ہے کیونکہ جملہ اہلِ ایمان اس کے بیان کے زیرِ سایہ ہیں اور اس کی ہر سورۃ بمنزلہ برج کے ہے جیسے سات آسمانوں میں برج کی کیفیت ہے ویسے ہی سورتوں میں سورۃ فاتحہ بمنزلہ برج کے ہے جو کوئی رات کے وقت ستارہ کو دیکھ کر زمین کی راہ طے کرتا ہے

تو اسے کسی قسم کی کمی نہیں آئے گی ایسے ہی جو فتنے کی شب شک و شبہ کے خوف سے دل کی چشم قرآن پاک کی کسی آیت کے ستارے پر ڈالتا ہے تو اس کے دین کی منزل میں بھی کمی نہیں آئے گی۔

ف : نفائس المجالس میں ہے کہ یہ کمال قدرت الٰہی کی دلیل ہے کہ اس قدر روشن ستارے انسان کی خدمت پر لگا دئے (لیکن افسوس کہ انسان ایک چھوٹی سی مخلوق ہونے کے باوجود اللہ کی اطاعت سے دُور ہے)

تفسیر صُوفیانہ ۱

جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے نفوس میں حواس کے بروج بنائے اور ان میں رُوح کا چراغ رکھا اور قلب کا روشن قمر جو انوارِ روحانیت سے منور ہے، اس لیے انسان پر لازم ہے کہ وہ وجود کو منور بنائے اور قلب کو ظلماتِ نفسانیہ سے خالص مخلص بنائے تاکہ انوارِ تجلیات کی استعداد لو اور تاریکیوں اور ظلمات سے چھٹکارا نصیب ہو۔ اس کے بعد ہی کہیں منزلِ مقصود اور اصلی مطلوب حاصل ہو سکتا ہے۔ یعنی فنا بعد البقاء کا مقام اور فقر کے بعد کمال غنا یعنی مشاہدۂ تام نصیب ہوگا۔ پھر قادر مالک کی قدرتِ کاملہ معلوم ہوگی۔

ف : عرائس القرآن میں ہے کہ آسمان کے بروج چاند اور سورج کی شاہراہ ہیں اور وہ بروج یہ ہیں، حمل ثور وغیرہ۔

فائدہ صُوفیانہ

قلب کے بروج یہ ہیں :

(۱) برج الایمان
(۲) برج المعرفۃ
(۳) برج العقل
(۴) برج الیقین
(۵) برج الاسلام
(۶) برج الاحسان
(۷) برج التوکل
(۸) برج الخوف
(۹) برج الرجاء
(۱۰) برج الشوق
(۱۱) برج المحبۃ
(۱۲) برج الولہ

ان بارہ بروج سے قلب کی دائمی اصلاح یونہی ہوتی ہے جیسے بارہ برجوں حمل وغیرہ سے دار فانی اور اس کے مکینوں کی۔ آسمان میں سراج الشمس و نور القمر ہیں تو قلب میں سراج الایمان والاقرار اور قمر المعرفۃ ہیں کہ ان سے ایمان و معرفۃ کا نور چمک اٹھتا ہے زبان سے ذکر کے ساتھ اور آنکھوں میں عبرت کے ساتھ اور دیگر اعضاء میں طاقت و خدمت کے ساتھ۔

تفسیر صُوفیانہ ۲

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں سماء القلوب و بروج المنازل والمقامات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ بھی بارہ ہیں :

(۱) توبہ
(۲) زہد
(۳) خوف
(۴) رجاء
(۵) توکل
(۶) صبر
(۷) شکر
(۸) یقین
(۹) اخلاص
(۱۰) تسلیم
(۱۱) تفویض
(۱۲) رضا

سیارگانِ احوال کی یہی منزلیں ہیں ان میں شمس تجلی و قمرِ مشاہدہ و زہرۂ شوق و مشتری محبۃ و عطارد کشوف و مریخ فنا

marfat.ocm

و زملِ بقا ہیں سے

۱ ہر کہ خواہد بجان سیر بروج
آسمان راکند چو عیسی عروج

۲ آسمان را طریق معراجست
دل بمعراج فلک محتاجست

۳ چوں گزر میکند ز برج فنا
یابد آخر تجلیات بقا

۴ ایں تجلی زسوے عرشی نہ
ایں تسلی زسمت فرشی نہ

۵ ایں تجلی خالق الابراج
بسراجش ندیدہ چشم سراج

ترجمہ ۱ جو بروج کی روحانی سیر چاہتا ہے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آسمان پر عروج کرے۔

۲ آسمان تو معراج کا راستہ ہے دل معراجِ فلک کی محتاج ہے۔

۳ جب بندہ برجِ فنا سے گزرتا ہے بالآخر وہ تجلیاتِ بقا حاصل کر لیتا ہے۔

۴ اس تجلی کو عرش کی طرف لیجا لیکن اسے فرش سے تسلی دی۔

۵ یہ خالق بروج کی تجلی ہے اس کے چراغ سے چراغ کی آنکھ نہیں دیکھی جا سکتی۔

تفسیر عالمانہ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ وہی وہ ہے جس نے اپنی حکمتِ تامہ سے بنایا ہے اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا۔

حلِ لغات خِلفۃ مصدرِ نوعی ہے اس معنی پر یہ جعل کے مفعولِ ثانی کی صلاحیت نہیں رکھتا اور نہ ہی اس کا حال بن سکتا ہے۔ لازماً یہاں پر مضاف ذو مقدر کرنا ہوگا اور بمعنے خلیفہ بھی مستعمل ہے۔ اور ہر وہ جو کسی کے بعد آئے، کے معنی میں بھی آتا ہے۔ پہلے کے اعتبار سے معنیٰ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں خلیفہ بنایا ہے کہ ہر ایک اپنے دوسرے کا خلیفہ و جانشین بنتا ہے کہ ایک کا عمل اگر رہ گیا تو اسے دوسرے میں ادا کیا جا سکتا ہے اس میں بندوں کے لیے توسیع ہے کہ وہ عبادات و طاعات آسانی سے ادا کر سکیں۔ اس کی تائید ذیل کی حدیث شریف سے ہوتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک دفعہ رات کے وقت تلاوتِ قرآن کا وظیفہ رہ گیا تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، آپ نے فرمایا:

> ”اے ابن الخطاب! اللہ تعالیٰ نے اس سوال کا جواب اس آیت وھوالذی جعل الّیل و النھار الخ میں نازل فرمایا ہے۔ تم سے اگر رات کے نوافل قضا ہوں تو انہیں دن میں ادا کرو، اور اگر دن کو کوئی وظیفہ رہ جائے تو اسے رات میں ادا کر لیا کرو۔“

دوسرے معنی پر تقریر یُوں ہوگی کہ رات اور دن کو ایک دوسرے کے بعد کو آنے والا بنایا ہے رات جائے تو دن آئے، ایسے دن جائے تو رات آئے۔ ایسے کبھی نہ ہوگا کہ دن ہو تو رات نہ ہو اور رات ہو تو پھر دن نہ ہو۔ یہ اس لئے ہے تاکہ لوگ سنین اور دیگر حساب و کتاب معلوم کر سکیں اور معاش کے لیے وقت معلوم میں آ جا سکیں اور انہیں معلوم ہو کہ اس وقت آرام و سکون کرنا ہے اور اس وقت کاروبار کرنا ہے۔

ف : آیۃ میں ایک اور نعمت کی تذکیر ہے اور اس کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ تامہ پر تنبیہ بھی۔

لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّکَّرَ اس کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی تذکیر اور اس کی صنعت میں تفکر کرنا چاہتا ہے تاکہ اسے یقین ہو کہ صانع حکیم اور واجب بالذات اور رحیم بالعباد ذات کا ہونا ضروری اور لازم ہے۔ یہ تنبیہ دراصل کافر کے لیے ہے۔ اب مومن کے لیے فرمایا، **اَوْ اَرَادَ شُکُوْرًا ۝** بضم الشین شکر کا مصدر ہے یعنی اس کی دی ہوئی نعمتوں پر اطاعت کر کے اس کا شکر کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس تقریر پر لفظ اَوْ اپنے حقیقی معنی پر ہو گا۔ اور اگر بمعنی واوٗ ہو تو معنی ہو گا کہ انہیں ہم ایک دوسرے کا جانشین بنائیں گے تاکہ وہ دونوں شاکرینؔ ذاکرین کے لیے اوقات ہو جائیں تاکہ ان کے اوراد و وظائف اگر فوت ہو جائیں تو وہ اسے پُورا کر سکیں۔ پھر اسے اَوْ کے ساتھ لانے میں تنبیہ ہے کہ یہ دونوں جَعل کے مستقل طور پر مطلوب ہیں۔ اگر واوٗ کے ساتھ عطف کیا جاتا تو معنی یہ ہوتا کہ دونوں مل کر جعل کے مطلوب ہیں۔

حلِ لغات : امام راغب نے فرمایا کہ شکر بمعنے نعمت کا تصوّر و اظہار۔ بعض نے کہا کہ یہ کشر کا مقلوب ہے بمعنے الکشف۔ اس کی نقیض کفر ہے بمعنے نعمت کا ستر و نسیان۔ بعض نے کہا یہ عین کشری (بمعنے بھرپور یعنی وُہ چشمہ جو پانی سے پُر ہو) سے ماخوذ ہے۔ اور شکر کو بھی اسی لیے شکر کہا جاتا ہے کہ وہ منعم علیہ کے ذکر سے بھرپور ہوتا ہے۔

شکر کی قسمیں

شکر تین قسم ہے :

(۱) زبان سے، یعنی نعمت پر کسی کی ثنا کرنا۔

(۲) قلب سے، یعنی نعمت کا دل میں تصوّر اور اعتراف ہو۔

(۳) جملہ اعضأ سے، وُہ یہ کہ بقدر استحقاق نعمت کا بدلہ اتارنا۔

marfat.ocm

؎

عطائیست ہر موئے از و بر تنم
چگونہ بہر موئے شکرے کنم

(ترجمہ ، میرا ہر بال اس کی عطا ہے تو پھر میں اس کی ہر نعمت کا شکر کس طرح ادا کر سکتا ہوں)

مسئلہ : آیت میں اوراد و وظائف ایسے ہی جملہ نفلی عبادات کی قضا علی سبیل الاستحباب کا اشارہ ہے۔ اس سے ان کا وجوب ثابت نہیں ہوتا۔

صوفیانہ نکتہ اوراد و وظائف وغیرہا کی مداومت وارد کی مداومت کا موجب ہے اور وارد کی مداومت وصالِ یار سے ہمکنار کرتی ہے۔ مثلاً وہ دریا سمندر تک پہنچتا ہے جسے پہاڑوں سے مسلسل بذریعہ بارش پانی وغیرہ ملتا رہے۔ اگر درمیان میں کئی روز یہ سلسلہ منقطع ہو جائے تو وہ دریا کبھی سمندر تک نہیں پہنچ سکے گا۔

حضرت صائب نے فرمایا ، ؎

از زاہداں خشک رسائی طمع مدار
سیل ضعیف واصل دریا نمی شود

(ترجمہ ، زاہدانِ خشک سے رسائی کی طمع مت رکھو اس لیے کہ دھیمی بارش کبھی دریا تک نہیں پہنچا سکتی)

وہابیوں کا رد (وہابی لوگ اوراد اولیاء و وظائف مشائخ کے مخالف ہیں کہتے ہیں کہ یہ صاحبان اپنے مشاغل کی سختی سے پابندی کیوں کرتے کراتے ہیں۔ اس کا جواب صاحبِ روح البیان نے لکھا کہ)

ولذا اکب العباد والسلاك على
الاوراد فى الليل والنهار وجعلوها
على انفسهم بمنزلة الواجبات
ولذا لوفات عنهم ورد الليل قضوه
فى النهار ولوفات عنهم ورد
النهار قضوه فى الليل يعنى
اتوا ببدله ماكان مثلاً له حتى

اسی لیے سالکین صوفیہ کرام اوراد و ظائف
میں شب و روز منہمک رہتے ہیں اور انہیں
اپنے لیے لازم بنا رکھے ہیں اگر کوئی ورد رات
کو رہ جاتا ہے تو پھر دن کو پورا کرتے ہیں
اگر دن کا رہ جائے تو رات کو مکمل کرتے ہیں
اسے اس کا بدل سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے
کہ یہی ہمارا سلوک کا راستہ ہے تو یہ ا

لا ینقطعوا دون السبیل فمن عرف
الطریق الی اللہ لا یرجع ابدا
ولو رجع عذب فی الدارین لم
یعذب بہ احدا من العالمین
فعلیك بالورد صباحاً و مساءً فانہ
من دیدن السلف الصالحین و ایاك
والغفلۃ عنہ فانہا من دأب من بال
علیٰ اذنہ الشیطان من الفاسقین۔
(ج ۶ ص ۲۳۹)

کیوں ترک کیا جائے جو اللہ تعالیٰ کا راستہ جانتا ہے تو وہ اسے کبھی نہیں چھوڑتا اور نہ ہی اس سے پیچھے ہٹتا ہے اگر کوئی ہٹ جاتا ہے تو دارین کے عذاب میں ایسا مبتلا ہو جاتا ہے کہ کسی کو اس جیسا عذاب نہ ملے اے سالک اپنے صبح و شام کے اوراد کو لازم پکڑو کیونکہ یہی اسلاف کا طریقہ ہے غفلت کو چھوڑ اس لیے کہ یہ ان غافلین کا طریقہ ہے جن پر شیطان کا تسلط ہے۔

حکایت

شیخ ابوبکر ضریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا ہمسایہ ایک نوجوان حسین وجمیل، جو صائم الدہر اور قائم اللیل تھا ایک دن اس نے آکر مجھے کہا کہ ایک رات میں اپنے وظیفے قضا کر بیٹھا، خواب میں دیکھا کہ میری عبادت گاہ کی دیوار پھٹ گئی ہے اس سے کئی حسین وجمیل لڑکیاں نکلی ہیں ان میں سے ایک ایسی نہایت قبیح صورت تھی میں نے کبھی ایسی قبیح شکل نہیں دیکھی۔ میرے پوچھنے پر سب نے کہا کہ ہم تیری ان راتوں کی عبادتیں ہیں جنہیں تو ہر رات ادا کرتا تھا اور یہ قبیح شکل والی تیری اس غفلت کا نتیجہ ہے جو تو ایک رات سو گیا تھا۔ اگر تو اسی رات کو مرجاتا تو یہی قبیح شکل والی لڑکی حصے میں آتی۔ پھر اس قبیح شکل والی نے مندرجہ ذیل اشعار پڑھے،

اسئل لمولاك وارددنی الی حالی
فانت قبحتنی من بین اشکالی

لا ترقدن اللیالی ما حییت فان
نمت اللیالی فهن الدهر امثالی

(ترجمہ: اپنے مالک سے سوال کیجئے اور مجھے اپنے حال پہ لوٹائیے کیونکہ تو نے ہی مجھے اپنی ہمجولیوں میں بدشکل بنایا ہے۔ جب تک تو زندہ ہے نیند نہ کر اس لیے کہ اگر تو راتوں کو سوئے گا تو تیری تمام زندگی میں تیرا حال ایسے ہی ہوگا)

حسین وجمیل لونڈیوں میں سے ایک نے جواباً کہا: ؎

نحن اللیالی اللواتی کنت تسهرها
تتلوا القران بترجیم ورنات

marfat.ocm

نحن اللیان اللواتی کنت تخطبنا
جوف الظلام بانات و نغمات

(ترجمہ : ہم ہیں وہ راتیں جنہیں تو زندہ رکھتا تھا، نہایت اچھے لہجوں سے قرآن کی تلاوت کرتا تھا
ہم ہیں وہ حسین راتیں جو تو ہم سے مخاطب ہوتا تھا آہ و زاریوں سے آدھی رات کے وقت۔)

اس پر وہ نوجوان چیخ کر گرا اور وہیں ڈھیر ہو گیا۔ (ذکرہ الامام الیافعی فی ریاض الریاحین)

ابلیس کی کہانی اس کی اپنی زبانی

حضرت یحییٰ علیہ السلام نے ابلیس کو دیکھا کہ اس کا جسم چھوٹے چھوٹے زنجیروں سے جکڑا ہوا ہے۔ یحییٰ علیہ السلام نے پوچھا: یہ کیا؟ اس نے عرض کی: یہ وہ شہوات ہیں جن کے ذریعے میں اولادِ آدم سے غلطیاں کراتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: کچھ میرے لیے بھی ہیں یا نہیں؟ اس نے کہا: ہاں، ہیں۔ جب آپ کھانا زیادہ کھاتے ہیں تو پھر میں آپ کو نماز اور ذکرِ الٰہی سے سستی کراتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: کچھ اور؟ اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: بخدا آئندہ میں پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاؤں گا۔ ابلیس نے کہا: بخدا آئندہ میں بھی اپنا راز کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ (کذا فی آکام المرجان)

حکایت

ایک عابد مر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ مجھے دنیا اور اس میں خطایا و ذنوب پر کوئی افسوس نہیں۔ ہاں مجھے افسوس ان راتوں کا ہے جن میں سویا رہا اور ان دنوں کا جن کا میں روزہ نہ رکھ سکا اور اس گھڑی کا جو میں نے غفلت سے گزار دی۔

۱ اے کہ پنجاہ رفت و در خوابے
مگر ایں پنج روز دریابے
۲ خواب نوشیں بامداد رحیل
باز دارد پیادہ را ز سبیل

(ترجمہ (۱): اے وہ کہ تیری عمر کے پچاس سال خوابِ غفلت میں گزر گئے شاید ان پانچ دنوں کو پالے تو ان میں کچھ بندگی کرے۔
(۲) اس نے سامان بھی درست نہیں کیا میٹھی نیند کوچ کی رات میں پیدل چلنے والے کو راستہ چلنے سے روک دیتی ہے۔)

ف : علماء مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فلک کو پیدا فرما کر اس میں دو طرح کے دَور بنائے:
(۱) اندھیری رات کہ اس میں زمین کالی سیاہ نظر آتی ہے۔

(۲) روشن دن کہ جس سے زمین کافور کی طرح سپید محسوس ہوتی ہے۔

اس میں اشارہ کیا کہ اے دن کی روشنی میں دولت کما کر آرام سے زندگی بسر کرنے والو! تیار رہو ابھی رات کی تاریکی اس کے پیچھے آ رہی ہے۔ اور اے رات کی تاریکی میں ایڑیاں رگڑنے والو! غم نہ کھاؤ ابھی دن کی روشنی اس کے بعد آنے والی ہے ؎

اے دل صبور باش و مخور غم کہ عاقبت
ایں شام صبح گردد و ایں شب سحر شود

(ترجمہ: اے دل! صبر کیجئے اور مت گھبرائیے اس لیے کہ انجام بکار اسی صبح کی شام ہوگی اور اس شب کی سحر لازماً ہوگی)

اللہ تعالیٰ سے سوال ہے کہ وہ ہمیں بیدار اور ہر مشہود میں مطالعۂ جمال کے واصلین کا مشاہدہ نصیب فرمائے اور دائمی ظلمت الوجود اور فیض الجود کی محرومی سے پناہ مانگتے ہیں۔ وہی رحیم اور ودود ہے۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ رحمٰن کے بندے نہ کہ دنیا اور شیطان اور نفس اور خواہشات کے بندے کیونکہ اگرچہ وہ بھی ایجاد کے لحاظ سے اسی کے بندے ہیں۔ لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف ہو کر شرافت اور بزرگی کے مستحق نہیں ہیں اس لیے کہ وہ آنے والے اوصاف سے موصوف نہیں ہیں کیونکہ وہ اوصاف رحمتِ الٰہی کے آثار سے ہیں اور وہ مخصوص بندوں کے ساتھ مختص ہیں۔ اب مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے وہ مقبول بندے اور یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ ہے۔ وہ لوگ ہیں جو چلتے ہیں۔ المشی بمعنے ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف اپنے ارادہ سے منتقل ہونا عَلَی الْاَرْضِ زمین پر جو کہ نہایت طمانیتُ سکون و تحمل کی حامل ہے هَوْنًا درانحالیکہ وہ پرسکون اور پُروقار ہوتے ہیں۔

ف: ھَون بمعنے سکینہ و وقار ہے (کذا فی القاموس) هَوْنٌ انسان کی وہ کیفیت کہ اسے کسی وجہ سے طبع پر بوجھ محسوس نہ ہو (کذا فی المفردات)۔ ھیّن بمعنے لیّن۔ کبھی ان دونوں کو مخفف بھی پڑھا جاتا ہے یعنی وہ انسان جو پرسکون اور نرم اور ملائم اور رقیق القلب ہو۔ یعنی وہ لوگ ہر لحاظ سے نرم اور پرسکون رہتے ہیں اور زمین پر چلتے ہیں تو بھی نہایت مسکین صورت اور متواضع اور منکسر ہو کر۔ ان سے تکبر اور فخر و ریاء کا ذرہ برابر بھی نشان نہیں ہوتا کیونکہ انھیں عظمتِ حق و ہیبتِ ذات مدِ نظر اور کبریائی و جلال کا مشاہدہ ہو تو اس سے سر اٹھانے کی سکت نہیں رکھتے اس لیے کہ ان کی ارواح کو خشوع اور ان کے نفوس و ابدان کو خضوع نصیب ہو چکا ہے۔

marfat.ocm

حدیث شریف میں ہے:

المومن ھینون لینون کالجمل الانف ان قید انقاد و ان انیخ علی صخرة استناخ۔

(مومن نہایت نرم اور رقیق ہیں جیسے اونٹ کی ناک میں نکیل ہو کر اسے پکڑ کر باندھ لیا جائے تو سر جھکائے اور اگر بٹھایا جائے تو بیٹھ جائے)

حلِ لغات: صحاح میں ہے: انف البعیر یعنی سوئی کے چبھونے سے اونٹ کی ناک کو تکلیف ہوئی۔ انف بروزنِ کتف۔

حدیث شریف میں ہے:

المومن کالجمل ان قید انقاد و ان استنیخ علی صخرة استناخ۔

(مومن اونٹ کی طرح ہے اگر اسے پکڑ کر لے جایا جائے تو سرِ تسلیم خم کرے اگر اسے پتھر پر بٹھایا جائے تو اس پر بیٹھ جائے)

وہ اس لیے کہ اگرچہ اس سے اسے تکلیف ہوتی ہے لیکن فرمانبرداری میں کمی نہیں کرتا اور قید بصیغہ مجہول از قاد والقود، السوق کی نقیض ہے فرق صرف یہ ہے کہ قود آگے چل کر اپنے پیچھے لگایا جانا ہے اور سوق اس کو آگے کر کے پیچھے سے ہانکا جانا ہے۔ انقیاد بمعنے کھینچنا۔ اور گردن نہادن بمعنے فرماں برداری کرنا۔ اہلِ لغت کہتے ہیں:

انخت الجمل فاستناخ۔

(میں نے اونٹ کو بٹھایا تو وہ بیٹھ گیا)

حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ نے فرمایا: ؎

۱ فروتن بود ہوشمند گزیں
نہد شاخ پُر میوہ سر بر زمیں

۲ چو سیل اندر آمد بہول و نہیب
فتاد از بلندی بسر در نشیب

۳ چو شبنم بیفتاد مسکین و خرد
بمہر آسمانش بعیوق برد

ترجمہ : (۱) تواضع دانا کو پسند ہے وہ شاخ سرزمین پر رکھتی ہے جو میووں سے پُر ہوتی ہے۔

(۲) جب سیلاب زوروں پر ہوتا ہے تو قطرات (بارش) سر کے بل زمین پر گرتے ہیں۔

(۳) چونکہ شبنم عاجزی سے نیچے گرتی ہے اسی لیے سُورج اسے آسمان کی بلندیوں تک پہنچاتا ہے۔

وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ اور جب انھیں جاہل خطاب کرتے ہیں۔

حلِ لغات : الجھل علم سے خالی ہونا اور کسی شے کو واقع کے خلاف اعتقاد رکھنا اور کسی کام کو اس کی اصلی صورت کے خلاف کرنا۔ اعتقاد (صحیح ہو یا فاسد اس) کے برعکس کا نام جہالت ہے، جیسے نماز کو عمداً ترک کرنا، یہ اعتقادِ فاسد کی دلیل ہے اسی سے ہے:

اتتخذنا ھزوا قال اعوذ باللہ ان اکون من الجٰھلین۔

(یہودیوں نے کہا: کیا آپ ہمارے ساتھ مذاق کر رہے ہیں۔ موسٰی علیہ السلام نے فرمایا میں اللہ کی پناہ چاہتا ہُوں کہ میں ہو جاؤں جاہلوں سے)

یہاں پر مذاق ٹھٹھا مخول کو جہل سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ جب اللہ تعالیٰ کے بندوں سے جہال بالمشافہ قبیح بات کرتے ہیں تو **قَالُوْا سَلٰمًا ۝** اللہ والے انہیں سلامتی کا جواب دیتے ہیں۔ یعنی انھیں کہتے ہیں کہ ہم تمہارے لیے سلامتی کے طالب ہیں۔ سلاماً فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے (کذا فی المفردات) یعنی کہتے ہیں کہ خدا کرے ہم تمہارے شر سے محفوظ رہیں اور تم ہمارے شر سے (کذا فی احیاء العلوم)

ف : بعض کے نزدیک سلاماً فعل محذوف کا مصدر ہے اور تسلّم کے قائم مقام ہے۔ اب معنی یوُں ہوگا کہ ہم تم سے سلامتی چاہتے ہیں یعنی تمہیں جاہل کہنے سے کنارہ کش ہیں۔ المجاھلۃ بمعنی کسی کے ساتھ سفاہت کرنا یعنی ہم تمہارے کسی معاملہ میں خلط ملط نہیں کرتے۔ اس سے وُہ جہل مراد ہے جو انہوں نے اللہ والوں کو کہا، کیونکہ یہ خفت کی علامت ہے یعنی خیر و شر میں ہم تم ایک دوسرے سے دُور ہیں نہ تمہیں ہمارے ساتھ کوئی تعلق ہے۔ نہ ہمیں تمہارے ساتھ۔

ف : اکثر مفسرین کے نزدیک سلام سے اس کا معروف معنی مراد نہیں بلکہ یہ صفت ہے اس کا مصدر محذوف ہے دراصل عبارت یُوں ہے : قالوا قولا سلاما۔ یعنی وہ ایسی بات کہتے ہیں جس سے وہ ان کے ایذاء و اثم سے سالم ہوتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اللہ والے سفہاءُ و جہلاءُ کے درپے نہیں ہوتے اور نہ ہی ان سے کوئی بات کرتے ہیں اور نہ جھگڑتے ہیں۔

حضرت محقق رومی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

marfat.ocm

۱ اگر گویند زراقی و سالوس
بگو ہستم دو صد چنداں و میرو

۲ وگر از خشم دشنامی دہندت
دعا کن خوش دل و خنداں و میرو

ترجمہ: (۱) اگر تجھے کہیں کہ تو مکار اور چاپلوس ہے تو تم کہو کہ میں تو اس سے کئی گنا بڑھ کر ہوں۔

(۲) اگر تجھے کوئی غصے سے گالی دے تو تو اسے خوش دلی سے دعا دے اور ہنستا ہوا چلا جا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ یکے بربطی در بغل داشت مست
بشب در سر پارسائی شکست

۲ چو روز آمد آں نیک مرد سلیم
بر سنگ دل برد یک مشت سیم

۳ کہ دوشینہ معذور بودی و مست
ترا و مرا بربط و سر شکست

۴ مرا بہ شد آں زخم و برخاست بیم
ترا بہ نخواہد شد الا بسیم

۵ ازاں دوستاں خدا بر سرند
کہ از خلق بسیار بر خر خورند

ترجمہ: ۱۔ ایک آدمی سارنگی بغل میں دبا کر مست رہتا تھا۔ ایک رات کسی نیک آدمی کے سر پر مار کر اسے توڑ دیا۔

۲۔ دن کو وہ نیک آدمی اس سنگدل کیلئے چند ٹکے تحفہ کے طور پر لے گیا۔

۳۔ اور کہا کہ تو گذشتہ شب معذور و مست تھا تیری سرنگی ٹوٹی اور میرا سر۔

۴۔ میرا سر تو اچھا ہو گیا اور درد بھی ختم ہے لیکن تیری سرنگی سوائے پیسوں کے درست نہ ہوگی (لہٰذا یہ پیسے لے لے)

۵۔ اس لئے بندگانِ خدا سب سے اونچے ہیں کہ وہ خلقِ خدا سے بہت زیادہ تکلیفیں اٹھاتے ہیں۔

ربط: یہاں سے اللہ والوں کے حال کے بیان کے بعد ان کا وہ حال بیان کیا گیا ہے کہ وہ دوسروں سے کیسے پیش آتے ہیں۔

مسئلہ: اکثر کے نزدیک یہ آیت محکم ہے کیونکہ بیوقوف کی کڑوی بات سننا مندوب ہے اور جاہل کی جاہلانہ بات سے چشم پوشی۔ ادب و مروت و شریعت کے لحاظ سے امر مستحسن ہے اور یہی عزت بچانے کا بہترین

طریقہ اور پرہیزگاری کے لیے زیادہ موافق ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ قیامت میں مخلوق کو جمع کرے گا تو منادی ندا دے گا کہ اہلِ فضل کہاں ہیں؟ ان میں بہت تھوڑے لوگ اُٹھ کھڑے ہوں گے ان سے پوچھ جائے گا تمہیں کون سی فضیلت حاصل ہوئی؟ وہ جواب دیں گے کہ جب ہم پر ظلم ہوتا تو ہم صبر کرتے اور جب ہمارے ساتھ کوئی بُرائی کرتا تو ہم بخش دیتے، اور جب ہمارے ساتھ زیادتی کی جاتی تو ہم حوصلہ کرتے۔ اس پر انہیں کہا جائے گا بہشت میں چلے جاؤ اس لیے کہ عمل والوں کا یہی بہتر عمل ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں نے اپنی امت کے چند ایسے افراد دیکھے ہیں جو ابھی پیدا نہیں ہوئے عنقریب پیدا ہونے والے ہیں میں ان سے محبت کرتا ہوں اور وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ آپس میں ایک دوسرے سے خیر خواہی کریں گے اور راہِ خدا میں مال لٹا دیں گے اور لوگوں میں نورِ الٰہی کے ساتھ وقار و آرام سے چلیں گے اور خوفِ خدا سے بھرپور ہوں گے۔ وہ لوگوں کو تکلیف نہیں دیں گے اور ان کے حوصلہ و صبر کی وجہ سے لوگ ان سے آرام پائیں گے۔ ذکرِ الٰہی سے ان کے قلوب مطمئن ہوں گے اور ان کی نمازوں سے ان کی مساجد آباد ہوں گی اور وہ چھوٹوں پر رحم کریں گے اور بڑوں کی عزت کریں گے اور آپس میں متفق ہوں گے ان کا دولت مند فقیر مسکین کی بیمار پُرسی کرے گا۔ اور وہ ایک دوسرے کے جنازے میں شامل ہوں گے۔"

اس کے بعد آپ نے یہی آیت وعباد الرحمٰن الذین یمشون الخ پڑھی۔

لطائف بعض مشائخ نے فرمایا کہ عباد الرحمٰن کی عبادت ان کا زیور ہے اور فقر ان کی کرامت، اور طاعتِ الٰہی ان کی حلاوت اور محبتِ الٰہی ان کی لذّت اور اللہ تعالیٰ کی طرف ان کی حاجت اور ان کا تقویٰ ان کا زادِ راہ ہوگا اور ہدایت ان کی سواری ہوگی اور ان کی گفتگو قرآن ہوگی اور ذکر ان کی زینت ہوگی اور قناعت ان کا مال ہوگا اور ان کا کسب عبادت ہوگی اور شیطان ان کا دشمن ہوگا اور حق ان کا نگہبان ہوگا اور دن ان کی عبرت گاہ ہوگی اور غور و فکر کر کے رات گزارتے ہیں۔ اور حیات ان کا مرحلہ اور موت ان کی منزل اور قبر ان کا قلعہ ہے اور فردوس ان کا مسکن ہے اور ان کی آرزو زیارتِ الٰہی ہوگی۔

عبد اللہ اللہ تعالیٰ کے بندے مختلف اسماء رکھتے ہیں، (۱) عبدالرزاق (۲) عبدالوہاب وغیرہ لیکن صرف نام سے اللہ تعالیٰ کی عبودیت حاصل نہیں جب تک کہ اس میں اسم کی تجلیات کی جھلک نہ ہو۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ عبداللہ وہ ہے جس میں

marfat.ocm

اللہ تعالیٰ اپنے جمیع تجلیات صفاتیہ سے متجلی ہو۔ اور حقیقۃً عبداللہ یہی ہوتا ہے اور اس سے بڑھ کر اور کوئی مرتبہ نہیں اور نہ ہی اس سے اعلیٰ شان والا کوئی اور بندہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ایسے خوش قسمت انسان کو اسمِ اعظم نصیب ہوتا ہے۔ اور وہ جمیع صفاتِ الٰہیہ سے موصوف ہوتا ہے۔ اسی لیے یہ اسم صرف ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے (کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کی جملہ صفات سے موصوف ہیں۔ ولکن الوہابیہ قوم لا یعقلون) اسی تقریر پر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فرمایا ہے،

وانہ لما قام عبد اللہ یدعوہ۔

اور بے شک جب اللہ تعالیٰ کا بندہ کھڑا ہو کر
اسے پکارتا ہے (عبادت کرتا ہے)

اس معنی پر عبداللہ کا نام حضور علیہ السلام کے لیے حقیقۃً اور آپ کے تابعداروں (اقطاب، اغواث وغیرہ) کے لیے مجازاً۔ (کیونکہ جنہیں بھی صفاتِ الٰہیہ سے کچھ نصیب ہوا ہے وہ نبی علیہ السلام کی اتباع کے طفیل ملا ہے)

عبد الرحمٰن وہ جو اسم رحمٰن کا مظہر ہو۔ اسی معنی پر وہ جملہ عالمین کے لیے رحمت ہوتا ہے۔ کسی بھی عالم کا کوئی ایک فرد بھی اس کی رحمت سے خارج نہیں ہوتا ہے جتنی کسی کی قابلیت و استعداد ہوتی ہے اتنی ہی اسے رحمت نصیب ہوتی ہے۔

عبد الرحیم وہ جو اسم رحیم کا مظہر ہو۔ یہ رحمت خاصہ ہے۔ یہ اسے نصیب ہوتا ہے جو متقی صالح ہو اور جس پر اللہ تعالیٰ راضی ہو اور اس میں غیرت ہو کہ اس سے انتقام لے جو اللہ تعالیٰ کا مغضوب ہے۔

عبد الرزاق وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ وسیع رزق عطا فرمائے اور وہ رزق کو اپنے بجائے خلقِ خدا پر صرف کرے۔

عبد الوہاب وہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ اسم جود کے ساتھ جلوہ فرمائے جو مستحق کو اس کے استحقاق پر بلا عوض اور بغیر کسی طمع و لالچ اور امید کے اللہ تعالیٰ کے دئے ہوئے عطا کرے اور امدادِ الٰہی سے اہلِ عنایت کی مدد کرے۔ (اے اللہ! ہم سب کو ان حضرات سے بنا جو اسمائے حسنیٰ کی تحقیق رکھنے والے ہیں کیونکہ وہی مطلب اعلیٰ اور مقصد اسنیٰ ہے۔

وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ اس کا عطف موصوف اول پر ہے۔ یبیتونۃ، ظلال کی نقیض ہے بمعنی رات گزارنا، نیند ہو یا نہ ہو۔ اہلِ عرب کہتے ہیں:

بات فلان قلقا۔

(فلاں نے اضطراب میں شب گزاری)

اب آیت کا معنی یہ ہو گا کہ عبادِ رحمٰن وُہ لوگ ہیں جو رات گزارتے ہیں لِرَبِّهِمْ اپنے رب (پروردگار) کے لیے، انہیں اپنے نفس کے حظ کا کوئی خیال نہیں۔ اور یہ اپنے مابعد سے متعلق ہے اور تقدیم تخصیص کے لیے ہے چونکہ فاصلہ مطلوب ہے اسی لیے جار مجرور کو مقدم کیا گیا ہے سُجَّدًا ساجد کی جمع ہے یعنی درانحالیکہ وُہ لوگ اپنے چہروں پر گر کر سجدہ کرتے ہیں وَّقِيَامًا یہ قایم کی جمع ہے جیسے نائم نیام کی جمع ہے یا مصدر ہے اور جمع کے صیغہ کے قائم مقام واقع ہے۔ یعنی درانحالیکہ وہ اپنے قدموں پہ کھڑے ہوتے ہیں اور تقدیم سجود علی القیام فواصل کی رعایت سے ہے تاکہ یقین ہو کہ نماز میں قیام سجدہ سے پہلے ہوتا ہے حالانکہ سجدہ کی اہمیت کا تقاضا یہ تھا کہ سجدہ ہر عمل سے پہلے ہو۔

حدیث شریف اقرب مایکون العبد من ربہ وھو ساجد۔

(بندہ سجدہ کے وقت اللہ تعالیٰ کے بہت زیادہ قریب ہوتا ہے)

اور کفار سجدہ سے نہ صرف کتراتے بلکہ اس سے تکبر کرتے ہیں یہاں تک کہ کافروں کے بعض بیوقوفوں سے سُنا گیا وُہ کہتے تھے کہ ہم دُبروں کو سر سے اوپر نہیں کرتے۔

اب معنی یہ ہُوا کہ وہ اپنے پروردگار کو سجدہ کرتے اور قائم ہیں۔ یعنی وہ ساری رات یا رات کا اکثر حصہ زندہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ متقین کے متعلق فرماتا ہے:

کانوا قلیلا من اللیل ما یھجعون۔

(وہ رات کے تھوڑے حصے میں سوتے ہیں)

نکتہ: عبادت کے لیے رات کی تخصیص اس لیے ہے کہ رات کو عبادت کرنا نفس کے لیے سخت کام اور ریا سے بعید تر ہے۔ اور ان کے اس معاملہ کا بیان ہے جو اپنے پروردگار کے ساتھ کرتے ہیں کہ دن کو ان کا کیا کام ہوتا ہے اور رات کو کیا۔

ف: بہت سے بزرگوں کی سوانح میں ہم نے پڑھا ہے کہ وہ رات کو عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھا کرتے جیسے حضرت سعید بن المسیب، فضیل بن عیاض، ابو سلیمان دارانی، حبیب عجمی، مالک بن دینار اور رابعہ عدویہ وغیرہم رضی اللہ عنہم۔ غوثِ اعظم و امام اعظم و دیگران جیسے محبوبانِ خدا رحمہم اللہ)

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے وہ اپنے رب کے لیے سجدہ کرتے ہوئے رات گزارتے ہیں تو صبح ہوتے ہی اپنے رب کو پا لیتے ہیں گویا انھیں رات کے سجدوں کا نتیجہ صبح کو مل جاتا ہے۔

marfat.ocm

حدیث شریف میں ہے:

من کثر صلاتہ باللیل حسن وجھہ بالنہار۔

(جو رات کو سجدے بکثرت کرتا ہے دن کو اس کا چہرہ نورانی ہوتا ہے)

یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی عزت و عظمت بڑھ جاتی ہے اشیاء کے ظاہر میں بہتر شے سجدہ ہے اور باطن انسان کا اسی سے مزین ہوتا ہے۔

حکایت بی بی حفصہ بنت سیرین یعنی محمد بن سیرین کی بہن ہر رات پندرہ پارے نوافل میں کھڑے ہو کر پڑھتی تھیں جب دیا بجھ جاتا تو صبح تک قدرتی طور پر اس کا گھر نور سے روشن رہتا اور یہ بی بی بصرہ کی بہترین عابدات میں سے تھیں یہاں تک ابن سیرین رضی اللہ عنہ کو اگر قرآن مجید میں التباس پڑ جاتا تو فرماتے حفصہ سے جا کر سنو وہ اسے کیسے پڑھتی ہیں اور وہ فرمایا کرتی تھیں اے نوجوانو! جوانی میں ہی کچھ کر لو کیونکہ میں نے سب کچھ جوانی میں پایا ہے۔

حکایت بی بی رابعہ رضی اللہ عنہا ساری رات عبادت میں گزارتی تھیں۔ جب سحر قریب ہوتی تو تھوڑی دیر سو جاتیں اور پھر اپنے آپ کو کہتیں کہ اے نفس! کتنی دیر سوئے گا اور کتنی دیر ٹھہرے گا ابھی تیری نیند کا وقت آ رہا ہے تو ایسا سوئے گا کہ پھر اٹھے گا نہیں۔

حدیث شریف میں ہے:

قم من اللیل ولو قدر حلب شاۃ۔

(رات کو عبادت کے لیے اٹھو اگرچہ بکری دوہنے کی دیر)

ف: جو بوجہ سستی اور غفلت یا اسے معمولی عمل سمجھ کر یا کسی اور خیال سے دھوکا کھا کر رات کو عبادت کے لئے نہیں اٹھتا وہ اپنی محرومی کا ماتم کرے کیونکہ اس نے اپنا بہت بڑا نقصان کیا ہے۔

ف: جو شخص امورِ دنیا کے مشاغل، دیگر کاروبار کے اہتمام، اعضاء کی تھکان، بسیار خوری، دیر تک باتوں میں لگے رہنے، لہو و لعب میں وقت گزارنے اور دن کو قیلولہ نہ کرنے کی وجہ سے رات کو عبادت کے لیے نہیں اٹھتا اس جیسا اور کون محروم ہوگا۔

ف: اے منجانب اللہ توفیق دیا ہوا سمجھ جو اپنے وقت کو غنیمت جانتا ہے اور اپنی بیماری اور اس کا علاج جانتا ہے اور اپنے اوقات کو ضائع نہیں کرتا۔

سوال: فقیر[1] اسے اللہ تعالیٰ فعلِ خیر کی قوت بخشے، کہتا ہے کہ اگر تجھ سے کوئی سوال کرے کہ اس حدیث شریف کا جواب کیا ہے جبکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص عشاء کی نماز باجماعت

---

[1] صاحب روح البیان قدس سرہ ۱۲۔

پڑھتا ہے گویا وہ ساری رات جاگتا رہا اور جو صبح کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرتا ہے گویا وہ ساری رات عبادت میں رہا۔" اس حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ دو نمازوں کو با جماعت ادا کرنے پر ساری رات کی مشقت سے بھی بچ گیا اور ثواب بھی ساری رات کا پا گیا۔

جواب: حدیث شریف میں نماز با جماعت ادا کرنے کی ترغیب اور پھر رات کو آرام کرنے کی رخصت اور تاثیر نیت کا بیان ہے۔ مثلاً جو شخص رات کو عشاء کی نماز پڑھ کر سوتا ہے اور دل میں نیت رکھتا ہے کہ صبح کی نماز با جماعت ادا کرے گا تو وہ اگرچہ بستر پر سو رہا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک گویا وہ مسجد میں نماز کا انتظار کر رہا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ بہت سی نیک نیتیں نیک عمل کرنے سے اعلیٰ مرتبہ رکھتی ہیں اگرچہ نیت مع عمل افضل ہے اور رخصت سے عزیمت کو فوقیت حاصل ہے۔

ف: حضرت عبداللہ بن سہل تستری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سنن مؤکدہ فرائض کی اور نوافل سنن کی اور مستحبات نوافل کی تکمیل کے لیے ہوتے ہیں اور ترک دنیا بھی مستحبات میں سے ایک ہے۔

مسئلہ: فقہاءُ کا اختلاف ہے کہ کیا نماز میں قیام طویل افضل ہے یا کثرتِ سجود و رکوع۔ (درر کتاب فقہ) میں لکھا ہے کہ،

طول القیام اولیٰ من کثرت السجود۔

(کثرتِ سجود سے طویل قیام افضل ہے)

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا، افضل الصلوات طول القنوت۔

(نمازوں میں وہ نماز افضل ہے جس میں قیام طویل ہو)

القنوت بمعنی القیام ہے اس لیے کہ قرأت میں طول قیام میں قرأت کی کثرت ہوتی ہے اور رکوع و سجود کی طوالت میں تسبیحات کی کثرت حاصل ہوگی۔ اور ظاہر ہے کہ قرأت کی کثرت تسبیح کی کثرت سے افضل ہے۔ بعض فقہاءُ نے کثرتِ سجود کو افضل کہا ہے۔

حکایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کسی کو نماز میں طویل قیام کرتے دیکھ کر فرمایا کہ اگر میں اسے جانتا ہوتا تو اسے کہتا کہ رکوع و سجود کی کثرت کیجئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا، فرمایا کہ بندہ جب نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو گناہ اس کے سر اور کاندھوں پر رکھے جاتے ہیں۔ جب وہ رکوع و سجود کرتا ہے تو وہ تمام گناہ اس سے گر جاتے ہیں۔

marfat.ocm

حکایت حضرت معدان بن طلحہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ثوبان غلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا اور عرض کی کہ مجھے ایسا عمل بتائیے جس سے بہشت کا داخلہ نصیب ہو۔ فرمایا کہ میں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق عرض کیا تھا تو آپؐ نے فرمایا:

علیك بكثرة السجود للہ فانك لا تسجد للہ سجدة الا رفعك اللہ بھا درجة وحط عنك بھا خطیئة۔

(کثرتِ سجود پر التزام کیجئے اس لیے کہ تیرے ایک سجدے سے تیرا ایک مرتبہ بلند ہوتا ہے اور ایک گناہ معاف ہوتا ہے)

مسئلہ: ہر نیک کام میں اچھی نیت اور خلوصِ کامل ضروری ہے۔

؎

۱ مشایخ ہمہ شب دعا خواندہ اند
سحر گہ مصلی بر افشاندہ اند

۲ کسے کو بتابد ز محراب روے
بکفرش گواہی دہند اہل کوے

۳ تو ہم پشت بر قبلہ در نماز
گرت در خدا نیست روئے نیاز

(ترجمہ: (۱) مشایخ تمام رات دعا میں مشغول رہ کر صبح کو مصلے وغیرہ لپیٹ لیتے ہیں تاکہ ریاء کا شائبہ نہ ہو۔

(۲) وہ شخص جو محراب یعنی عبادتِ الٰہی کا انکار کرتا ہے اس کے کفر کی اس کے ہمسائے گواہی دیتے ہیں۔

(۳) تیری پیٹھ بھی نماز کے وقت قبلہ کی طرف ہے اگر تیری نیت نیاز درگاہ خداوندی کی نہیں تو۔

ہم سب کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف متوجہ ہونے کی توفیق بخشے۔

تفسیر عالمانہ وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کے بعد یا عام اوقات میں کہتے ہیں رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا اے ہمارے پروردگار! پھیر دے ہمیں عَذَابَ جَهَنَّمَ جہنم کے عذاب سے۔ العذاب بمعنے الایجاع الشدید (سخت درد پہنچانا)۔ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝ قلے بے شک اس کا عذاب گلے کا طوق یعنی دائمی شر اور ہلاکت لازمی ہے یعنی

کافروں کو جو عذاب پہنچے گا اس سے ان کو فراغت نہ ملے گی۔

حلِ لغات : راغب رحمہ اللہ مفردات میں لکھتے ہیں کہ غوام ، مغرمًا بالنساء سے ہے۔ یعنی وُہ شخص جو عورتوں کا فریفتہ ہے ان کے پیچھے قرضدار کی طرح لگا رہتا ہے۔ الغریم وہ شخص جس پر قرض ہو۔

ف : حضرت محمد بن کعب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کفار سے اپنی نعمتوں کا ثمن مانگا وہ نہ ادا کر سکے تو انھیں اللہ تعالیٰ نے غرق کر دیا۔

اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ۝ بے شک وُہ بُرا ٹھکانا اور بُری آرام گاہ ہے۔ پہلے ان کے بُرے کردار کی بری جزا کا ذکر تھا اب ان کے بُرے ٹھکانے کا بیان ہے۔ یہ کلام کا تتمہ ہے اور ساءت کی ضمیر تو ان کے اسم کی طرف راجع ہے نہ ہی کسی دوسرے معین اسم کی طرف۔ بلکہ یہ ایک مبہم ضمیر ہے جس کی تفسیر اس کے مابعد کی تمیز کرتی ہے۔ یعنی مستقرا و مقاما ، اس لیے کہ افعال ذم کے فاعل کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ معرف باللام ہوتا ہے یا مضاف بہ معرف باللام ۔۔ یا مضمر ممیز بنکرۂ منصوبہ ہوتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ بُرا ہے وُہ مقام جو ان کے ٹھہرنے اور رہنے کی جگہ ہے یعنی جہنم۔ آیت میں اشارہ ہے کہ یہ لوگ خلق کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آتے ہیں اور حق تعالیٰ کی عبادت میں بھی مشغول رہتے ہیں لیکن باوجود ایں ہمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں زاری و انکساری کرتے ہوئے ڈرتے رہتے ہیں اور آرزو کرتے ہیں کہ ان سے دوزخ کا عذاب پھیر دیا جائے۔ یعنی جدّوجہد کرتے ہیں اور امکانی صورت تک کوشاں رہتے ہیں۔ اور سوال و دُعا کے وقت اپنے آپ کو بہت بڑا مجرم اور گنہ گار سمجھتے ہیں اور نہایت ہی عذر کے ساتھ لسان تذلّل سے بارگاہِ حق میں عرض کرتے ہیں جیسا کہ کہا گیا ہے ؎

وما رمت الدخول علیه حتی
حللت محلة العبد الذلیل

(ترجمہ : میں نے اس کے ہاں حاضری کی کوشش نہیں کی۔ ہاں جب بھی گیا ہوں تو عبد ذلیل کی طرح حاضر ہوا ہوں)

ف : اس کی وجہ وہی ہے کہ انہوں نے اپنے اعمال کا کوئی اعتبار نہیں کیا اور نہ ہی اپنے احوال پہ بھروسا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا حال بیان فرمایا ہے :

والذین یؤتون ما آتوا وقلوبھم وجلة۔

(اور وہ لوگ جن کو ہم نے مال و دولت دی ہے وہ راہِ حق میں خرچ کرتے ہیں تو ان کے دل خوفِ خدا سے ڈرتے ہیں)

marfat.ocm

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

طریقت ہمینست کاہل یقین
نکوکار بودند و تقصیر بین

(ترجمہ: طریقت یہی ہے کہ اہل طریقت وہ ہیں جو نیکی بھی کرتے ہیں لیکن پھر بھی اپنی کوتاہی کا اعتراف کرتے ہیں)

اور فرمایا: ؎

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش
عذر بدرگاہ خدائے آورد
ورنہ سزاوار خداوندیش
کس نتواند کہ بجائے آورد

(ترجمہ: وہی بندہ بہتر ہے جو اپنی کوتاہیوں کا عذر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لائے۔ ورنہ اس کے خداوند ہونے کی حیثیت سے کوئی بھی اس کا شکر نہیں بجا لاسکتا)

مسئلہ: اس بندۂ خدا کو عبودیت سے ذرہ برابر بھی حصہ نصیب نہیں جو عبادت کرتا ہے تو ریاء کی، اور زبانی جمع خرچ کے سوا اور کچھ اس کے پاس ہے نہیں۔

ف: نہرجوری رحمہ اللہ نے فرمایا اس بندے کے متعلق محبتِ حق کی علامت سمجھو جو اپنی ہر عبادت میں کوتاہی اور اخلاص میں کمی تصور کرے اور خیال رکھے کہ میں نے کبھی اللہ تعالیٰ کو یاد کیا ہی نہیں اور صداقت سے مجھے حصہ نصیب نہیں ہوا اور مجاہدہ میں کوتاہی ہی کوتاہی رکھتا ہوں اور فقر کی میں نے کچھ رعایت نہیں کی غرضیکہ وہ اپنے احوال اللہ تعالیٰ کے ہاں غیر پسندیدہ سمجھتا ہے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کے فقر اور محتاجی کے اظہار میں بڑھتا رہتا ہے اور سیر الی اللہ میں بڑھتے بڑھتے فنا کے مقام کو پہنچ جاتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا تمام کو فانی دیکھتا ہے۔

دُعا مانگنا آیت سے ثابت ہوا کہ مطلقاً دعا مانگنا ہر وقت جائز ہے بالخصوص نمازوں کے بعد، کیونکہ دُعا عبادت کا مغز ہے اور نمازی کو چاہیے کہ نماز کے بعد دعا ضرور مانگے خواہ وہ اکیلا ہو یا جماعت کے ساتھ۔ امام ہو یا مقتدی۔

دعا کے الفاظ اللھم صلّ علیٰ (سیدنا) محمد وعلیٰ اٰل (سیدنا) محمد
اللھم انی اسئلك الجنّة وما قرب الیھا من قول وعمل واعوذبك

من النار و ما قرب الیھا من قول و عمل اللھم استر عورات و امن روعاتی واقل عثراتی اللھم انی اسئلک ایمانا لا یرتد و نعیما لا ینفد وقرة عین الابد ومرافقة نبیک محمد اللھم البس وجوھنا منک الحیاء واملاء قلوبنا بک فرحا واسکن فی نفوسنا عظمتک و ذلل جوارحنا لخدمتک واجعلک احب الینا مما سواک اللھم افعل بنا ما انت اھلہ ولا تفعل بنا ما نحن اھلہ اللھم اغفر لی ولوالدی وارحمھما کما ربیانی صغیرا واغفر لاعمامنا وعماتنا واخوالنا وخالاتنا وازواجنا وذریاتنا ولجمیع المؤمنین والمؤمنات والمسلمین و المسلمات الاحیاء منھم والاموات یا ارحم الراحمین و یا خیر الغافرین۔

(ترجمہ: اے اللہ! اپنے حبیب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر رحمت بھیج۔ اے اللہ! میں تجھ سے جنت کا اور اس قول و عمل کا سوال کرتا ہوں جو جنت کے قریب کرے اور پناہ مانگتا ہوں دوزخ سے اور اس قول و عمل سے جو دوزخ کے قریب کرے اے اللہ! میرے عیوب ڈھانپ دے اور گھبراہٹوں سے مجھے محفوظ فرما اور میری لغزشیں معاف فرما اے اللہ! میں تجھ سے ایمان کا سوال کرتا ہوں کہ وہ رد نہ ہو اور نعمتیں کہ ختم نہ ہوں اور آنکھوں کی دائمی ٹھنڈک اور تیرے پیارے نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنت کی رفاقت مانگتا ہوں اے اللہ! اپنی طرف سے ہمارے چہروں پر حیاء کا لباس پہنا اور ہمارے دلوں کو اپنی طرف سے خوشی سے بھر دے اور ہمارے نفوس کو اپنی عظمت کی تسکین بخش اور اپنی خدمت کے لیے ہمارے نفوس کو اپنا فرمانبردار بنا دے اور ما سوا اپنے تو اپنی ذات ہمیں زیادہ محبوب بنا دے اے اللہ! ہمارے ساتھ وہی کر جس کا تو لائق ہے نہ کہ جس طرح ہم لیاقت رکھتے ہیں اے اللہ! مجھے بخش دے اور میرے والدین کو بھی اور ان دونوں پر رحم فرما جس طرح انہوں نے ہماری تربیت فرمائی جبکہ میں چھوٹا تھا اور ہمارے چچاؤں کو بخش اور ہماری پھوپھیوں کو اور ہماری خالاؤں کو اور ہماری عورتوں کو اور ہماری اولاد کو اور تمام مرد و زن اہلِ ایمان و اہلِ اسلام کو بخش دے ان میں جو زندہ ہیں یا مر گئے ہیں، اے تمام رحم کرنے والوں سے زیادہ رحیم اور تمام بخشنے والوں سے اعلیٰ)

ف: ان کے علاوہ اور دُعائیں عوارف المعارف میں قوت القلوب للامام المکی میں ہیں وغیرہ۔

marfat.ocm

وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا اور وہ لوگ جنہوں نے خرچ کیا۔

حلِ لغات : نفق الشئی یہ اس وقت بولتے ہیں جب شے چل جائے اور ختم ہو جائے بیع کے ذریعے۔ مثلاً کہتے ہیں :

نفق المبیع نفاقا۔

یا موت سے جیسے : نفقت الدابۃ نفوقا۔

یا فنا سے، جیسے : نفقت الدراھم وانفقتھا۔

لَمْ یُسْرِفُوْا اور حد سے نہیں بڑھے یعنی احسان وکرم کی حد سے متجاوز نہیں ہوئے **وَلَمْ یَقْتُرُوْا** اور تنگی نہیں کی یعنی بخیل کی طرح مال کو چھپا کر رکھ نہیں دیا۔

حلِ لغات : قتر، اقتار، تقتیر بمعنے وہ تنگی جو اسراف کی نقیض ہے اور اسراف بمعنے خرچ کرنے کی حد سے بڑھ جانا۔

وَکَانَ اور ہے انفاق وہ جس پر انفقوا دلالت کرتا ہے **بَیْنَ ذٰلِكَ** تنگی اور انفاق مذکور کے درمیان۔ یہ کان کی خبر ہے۔ **قَوَامًا ○** یہ دوسری خبر ہے۔ یا یہ خبر ہے اور بین ذٰلك ظرف لغو ہے کان کی یہ اس مذہب پر ہے جو کان کو ظرف کا عامل مانتا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ خرچ کرو جو تنگی اور اسراف کے درمیان ہے یعنی دونوں طرفوں کو مدِنظر رکھ کر خرچ کیا جائے ان میں کسی کو بلا وجہ ترجیح نہ دی جائے یہ ایسے ہے جیسے دائرہ کا مرکز ہوتا ہے کہ وہ اپنی ہر طرف کو برابر رکھتا ہے۔ قوام اور سواء ایک دوسرے کی نظیر ہیں چونکہ ان کی دونوں طرفیں برابر ہوتی ہیں اس لیے سواء سے موسوم ہے۔ یہ آیت :

ولا تجعل یدك مغلولۃ الیٰ عنقك
ولا تبسطھا کل البسط فتقعد ملوما
محسورا۔

اور نہ کر اپنے ہاتھ کو گردن سے بندھا
ہوا اور نہ ہی اسے پورا کھول دے
سو تو بیٹھ جائے گا ملامت کیا ہوا اور
حسرت خوردہ۔

کی نظیر ہے ؎

وسط را مکن ہرگز از کف رہا
کہ خیر الامور ست اوساطہا

(ترجمہ : درمیانی رفتار کو ہاتھ سے نہ جانے دے اس لیے کہ درمیانے امور بہتر ہیں۔)

انفاق کی قسمیں

انفاق دو قسم ہے:

(۱) محمود

(۲) مذموم

محمود وہ ہے جس کا مرتکب عدالت (برابری) کو مدِ نظر رکھے۔ یعنی شرع کے احکام کے مطابق خرچ کرے جیسے صدقۂ فرضیہ اور اپنے عیال پر خرچ کرنا۔ اسی لیے حضرت حسن رحمہ اللہ نے فرمایا: انسان جو کچھ اپنے عیال پر خرچ کرتا ہے اس میں نہ اسراف کرتا ہے نہ فساد نہ تنگی، تو وہ راہِ خدا میں لٹانے کے معنی میں ہے۔ اور ایسے جو خرچ ثواب کی خاطر کیا جائے اور وہ وہی ہے جس کا خرچ کرنا شریعت نے بتایا ہے۔ اور وہ خرچ بھی محمود ہے جو انسان کی مروت پر دال ہو۔ یعنی وہ خرچ جسے شرع نے مندوب قرار دیا ہے۔ یعنی خلقِ خدا سے مروت کر کے ان کو شکریے کا موقع دینا۔ اور نعمت کے مالک یعنی اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب حاصل کرنا۔

انفاق مذموم بھی دو قسم ہے:

(۱) افراط یعنی تبذیر و اسراف یعنی فضول خرچی۔

(۲) امساک و التقصیر یعنی تنگی سے خرچ کرنا۔

ان میں کیفیت و کمیت کی رعایت ضروری ہے۔ تبذیر کیفیت کے لحاظ سے یوں ہے کہ اپنے حال سے بڑھ کر کوئی شے خرچ کرے۔ اور کیفیت کے لحاظ سے یوں ہے کہ اسے غیر محل میں خرچ کیا جائے۔ اس میں کمیت کے لحاظ سے کمیت کا اعتبار زیادہ ہے بہت سے تھوڑا خرچ کرنے والے مسرف اور ظالم و مفسد کہلاتے ہیں جیسے فاجرہ عورت کو کچھ دینا اگرچہ معمولی سہی یا شراب خریدنا اگرچہ تھوڑی سی قیمت میں۔ ہاں ہزاروں روپے خرچ کر دینا یہاں تک کہ گھر کا گھر راہِ خدا میں خرچ کر دینا اسراف میں داخل نہیں بلکہ وہ میانہ روی ہے اور ان کا خرچ کرنا محمود ہی محمود ہے جیسے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ نے غزوۂ تبوک میں اپنے گھر کا تمام اثاثہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لا کر رکھ دیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ماذا ابقيت لاهلك يا ابا بكر۔

(اے ابوبکر! تم نے اپنے بچوں کے لیے کیا چھوڑا)

عرض کی:

اللہ و رسولہ۔ یعنی اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ آیا ہوں)

(یہ ہے اہلسنت کا مذہب، جو ہر وقت عقیدت سے کہا کرتے ہیں کہ ہمیں اللہ و رسول (جل جلالہٗ و

marfat.ocm

صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کافی ہیں اور اسی سے حاضر و ناظر کے مسئلہ کی بھی دلیل ملتی ہے۔[1]

لطیفہ کسی دانا سے پوچھا گیا کہ وہ کون سا قلیل ہے جس کا خرچ اسراف سمجھا جائے اور جس کا کثیر حق۔ فرمایا جو باطل میں خرچ ہو اگرچہ کتنا ہی تھوڑا ہو وہ اسراف ہے اور راہِ حق میں جتنا کثیر ہو تو وہ اسراف نہیں بلکہ حق ہی حق ہے۔

مجاہد مفسر کا قول امام مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر کسی کے پاس ابو قبیس (پہاڑ) کے برابر سونا ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لٹا دے تو وہ اسراف نہیں لیکن جسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں خرچ کیا جائے وہ اسراف ہے اگرچہ ایک درم ہی ہو۔

اور تقتیر از جہۃ کمیت یہ ہے کہ اپنی وسعتِ حال کے باوجود بہت کم خرچ کرے اور کیفیت یہ ہے کہ خرچ کرنے کی جگہ پر خرچ نہ کرے اور جہاں خرچ نہیں کرنا وہاں خرچ کر دے۔

ف: بعض لوگوں کے نزدیک فضول خرچی اچھی ہے۔ لیکن چونکہ عند الشرع ضرورت سے زائد ہے اسی لئے وہ تبذیر ہے اور بخل اگرچہ لوگوں کی نظروں میں مذموم ہے لیکن اگر ضرورت کے مطابق ہو تو تبذیر نہیں ویسے سخاوت فی نفسہٖ ہر حال میں اچھی شے اور بخل بُرا ہے اس لیے کہ فضول خرچی سے سخاوت کی طرف رجوع کرنا آسان ہے لیکن بخل سے سخی بننا مشکل ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ فضول خرچ انسان کسی وقت نفع دیتا ہے اگرچہ فی نفسہٖ تبذیر مذموم ہے لیکن جب نفع دے گا تو وہ مذموم محمود ہو جائے گا۔ کنجوس نہ اپنے آپ کو فائدہ دیتا ہے نہ دوسروں کو۔ فضول خرچی درحقیقت من وجہ قبیح ترین ہے اس لیے کہ اسراف میں حق کو ضائع کرنا ہے اور اسراف مسرف کو ظلم کی طرف کھینچ لاتا ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ بخیل ظالم کی بہ نسبت زیادہ معذور ہے اس لیے کہ اسے مال کی قدر و قیمت معلوم نہیں کیونکہ مال تو بقائے نفس کا سبب ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جہالت ہر شے کی سر ہے اور مال ضائع کرنے والا ظالم ہے۔ اس کی دو وجہیں ہیں:

۱۔ مال کا لینا غیر محل میں ہے۔

۲۔ مال کو خرچ کرنا بھی۔

فضیلتِ صحابہ حضرت یزید بن حبیب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت کا بیان ہے کہ ان کا کھانا پینا دنیاداری کی حیثیت سے نہیں تھا اور نہ ہی ان کا لباس سنگار کے لیے تھا۔ بلکہ اس قدر کھاتے پیتے کہ بھوک پیاس رفع ہو جائے اور عبادت میں مدد دے۔ اور

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ

اور پہننے اس قدر کہ جس سے ستر پوشی ہو سکے اور گرمی و سردی سے بچا جا سکے۔

حدیث شریف میں ہے:
لیس لابن آدم حق فیما سوی ھذہ الخصال بیت یکنہ وثوب یواری عورتہ وجرف الخبز والماء۔

(ابنِ آدم کا حق ذیل کے امور میں صرف اتنا ہے کہ گھر بنائے تو سر چھپانے کے لیے، کپڑے پہنے تو ستر ڈھانپنے کے لیے، روٹی کے ٹکڑے جینے کے لیے، پانی پینے اور نہانے دھونے کے لیے)

ف: جرف بمعنے روٹی کے ٹکڑے۔ جرفة بالکسر کی جمع ہے۔

مسئلہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ بھی فضول خرچی ہے کہ نفس کسی چیز کی خواہش کرے تو فوراً اسے خرید کر دے دی جائے۔ ؎

اگرچہ باشد مرادت خوری
ز دوران بسی نامرادی بری
دریغ آدمی زادۂ پر محل
کہ باشد چو انعام بل ہم اضل

(ترجمہ: اگر تیرا مقصد صرف کھانا پینا ہے تو تجھے زندگی میں نامرادی حاصل ہوگی۔ اس آدمی زادے شہوت پرست پر افسوس ہے جو جانوروں سے بھی گیا گزرا ہے)

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

خواب و خورت ز مرتبۂ خویش دور کرد
آنگہ رسی بخویش کہ بے خواب و خور شوے

(ترجمہ: اپنے سے خواب و خوراک دور کر دے۔ خودی کو اس وقت پائے گا جب تو خواب و خوراک کو دور کر دے گا)

فائدہ علمی اسراف صرف مال میں نہیں بلکہ ہر وہ امر اسراف میں داخل ہے جسے غیر محل میں رکھا جائے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کو مسرفین فرمایا ہے جبکہ انہوں نے بیج کھیتی کی جگہ میں نہ رکھا۔

چنانچہ فرمایا:

ائنکم لتاتون الرجال شھوة من دون النساء بل انتم قوم مسرفون۔

(بے شک تم مردوں کے پاس عورتوں کی بجائے شہوت رانی کرتے ہو بلکہ تم ہو حد سے بڑھنے والی قوم)

marfat.ocm

اور فرعون کو بھی مسرف فرمایا۔ کما قال :

انہ کان عالیا من المسرفین۔

(بے شک وہ متکبر حد سے بڑھنے والوں میں سے تھا)

اس لیے کہ غیر متکبر سے تکبر اسراف مذموم ہے اور متکبر کو میانہ روی اچھی ہے۔ اسی طرح باقی امور کا قیاس کیجئے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ وہ خرچ کرنے والے اہل اللہ ہیں جو اپنے وجود کو اللہ کی ذات و صفات میں خرچ کرتے ہیں اور وہ مجاہدہ و ریاضت میں حد سے نہیں بڑھتے کہ وہ اپنے آپ کو بالکل تباہ و برباد کر دیں۔ چنانچہ خود فرمایا :

ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ۔

(اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو)

ولم یقتروا اور تنگی نہیں کرتے یعنی وجود کے خرچ کرنے میں خواہشات و شہوات کے ترک کرنے میں نفس سے جہاد نہ کریں جیسا کہ اللہ تعالٰی نے داؤد علیہ السلام کو وحی بھیجی :

انذر قومك من اکل الشھوات فان القلوب المتعلقۃ بالشھوات محجوبۃ عنی۔

(اپنی قوم کو شہوانی اشیأ کے کھانے سے ڈرائیے اس لیے کہ وہ قلوب جو شہوات سے متعلق ہیں وہ مجھ سے محجوب ہیں۔)

وکان بین ذلك قواما اور وہ میانہ رو ہیں کہ نہ تو وہ زیادہ مجاہدہ کر کے ہلاکت کے گڑھے میں پڑتے ہیں اور نہ ہی مجاہدہ کے ترک سے شہوات کے پیچھے لگ کر قلب کو خراب کرتے ہیں۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ۔ لا یدعون بمعنے لا یعبدون یعنی وہ لوگ جو اللہ تعالٰی کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی عبادت نہیں کرتے۔ جیسے بُت۔ یعنی اللہ تعالٰی کے ساتھ دوسرا شریک نہیں ٹھہراتے۔ (اس سے ہمارے دور کے وہابیوں دیو بندیوں کا رد ہو گیا یہاں دُعاٗ بمعنے عبادت ہے۔ اور اس سے مراد اللہ تعالٰی کے علاوہ کسی کو معبود ماننا ہے۔ اور وہابی لوگ دُعا کا معنی پکارنا کر کے انبیاء و اولیاءؑ کو وسیلہ کے طور پکارنے کو شرک اور انبیاء و اولیاء کو شریک قرار دے کر ہم اہل السنت والجماعت کو مشرک کہتے ہیں)[1]

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

شرک کے اقسام کہا جاتا ہے شرک تین قسم ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کی عبادت کرنا۔

(۲) گناہ کرنے میں کسی دوسرے کا حکم ماننا۔

(۳) غیر اللہ کے لیے کوئی نیک عمل کرنا۔

پہلی قسم کفر اور دوسری دونوں معصیت ہیں۔

تفسیر صوفیانہ وُہ لوگ اپنی حوائج ہر دکھ اور شکوہ غیر اللہ کے ہاں نہیں لے جاتے (دنیا داری کی حیثیت سے، اور یہ توکل کا انتہائی درجہ ہے نہ کہ جو انبیاء و اولیاء کے لیے وسیلہ کے طور نفع ونقصان کا عرض کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ آگے والی عبارت بتاتی ہے[1]) اور نہ ہی اپنے اعمال میں ریاء و سمعہ کو دخل دیتے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا مطلوب تلاش کرتے اور نہ اس کے سوا کسی دوسرے کو محبوب سمجھتے ہیں بلکہ صرف اسی کو چاہتے اور اسی سے محبت کرتے ہیں۔

جناب صائب نے فرمایا: ؎

غیر حق را می دہی رہ در حریم دل چرا
میکشی بر صفحۂ ہستی خط باطل چرا

(ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے ماسوا کو حریم دل میں کیوں جگہ دیتا ہے اور صفحۂ ہستی پر باطل کی لکیر کیوں کھینچتا ہے)

تفسیر عالمانہ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اور انہیں قتل کرتے اس نفس کو جسے اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے۔ حرّم بمعنے حرّم قتلها ہے مضاف حذف کر کے مضاف الیہ کھڑا کرنا تحریم کے معاملہ میں مبالغہ ہے اس سے نفس مومن مراد ہے یا جس سے معاہدہ ہوا ہو اِلَّا بِالْحَقِّ مگر حق سے یعنی جس کا قتل کرنا شرعاً مباح ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ نفس کو کسی ایک سبب سے قتل نہیں کرتے سوائے اس حق کے سبب کے جو اس کی حرمت و عصمت کو زائل کرنے والا ہے۔ جیسے کسی کو قتل کر دیا تو اس کے قصاص میں قتل کرنا یا شادی شدہ ہو کر زنا کرے تو اسے سنگسار کر کے مار دینا، یا مرتد ہو جائے یا زمین پر فتنہ و فساد برپا کرے تو ان تمام صورتوں میں قتل کرنا حق ہے وَلَا يَزْنُوْنَ اور نہ ہی زنا کرتے ہیں۔

زنا کی تعریف: عقدِ شرعی کے بغیر کسی عورت سے وطی کرنے کو شرعاً زنا کہا جاتا ہے۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ

marfat.ocm

ربط : خواص عباد کے اصول طاعات تواضع ومقابلہ القبیح بالجمیل واحیاء اللیل والدعا والانفاق العدل کے بعد امہات المعاصی عبادۃ الغیر وقتل النفس المحرمہ والزنا کا ذکر فرمایا۔ یہ ان کے کمال کا اظہار ہے کیونکہ انسان کا کمال اس میں ہے کہ جہاں وہ فضائل سے آراستہ ہو وہاں رذائل سے بھی پاک وصاف ہو۔ نیز اس میں اشارہ ہے کہ اجر کامل وثواب مکمل ایسی صورت میں نصیب ہوگا جب انسان ان دونوں کا جامع ہو۔ اور اشارہ ہے کہ یہ بُرے کام کافروں کے علامات میں سے ہیں۔ گویا یوں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے وہی ہیں جو ان کبائر کے مرتکب نہیں ہوتے جن کے عامل کفار ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں بھی وہی شریک کرتے ہیں اور نفوس محرمہ کے قتل کرنے والے بھی یہی ہیں منجملہ ان کے زندہ درگور کرنا بھی ہے۔ اور زنا کے خوگر بھی یہی ہیں جبکہ یہ اسے مباح سمجھتے ہیں۔

حدیث شریف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ سب سے بڑے (کبیرہ) گناہ کون سے ہیں ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

ان تجعل للہ ندا وھو خلقك۔

(اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا کیونکہ وہ سب کا خالق ہے)

میں نے پھر عرض کیا ، آپ نے فرمایا :

ان تقتل ولدك مخافۃ ان یطعم معك۔

(بچوں کو اس ارادہ پر قتل کر دینا (زندہ درگور کر دینا) کہ یہ بڑے ہوں گے تو ان کی معاش کا کیا بنے گا)

(جیسے آج کل برتھ کنٹرول کی وبا پھیلی ہے۔ ایسے لوگوں کا توہم بھی انہی لوگوں جیسا ہے۔ یہ بھی سمجھتے ہیں اولاد زیادہ ہوگی تو ان کی معاش کا کیا بنے گا)[1]

پھر سوال کیا کہ (اس کے بعد کونسا بڑا گناہ ہے ؟) فرمایا :

ان تزنی بحلیلۃ جارك

(اپنے ہمسایہ کی عورت سے زنا کرنا)

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے ولا یزنون وہ لوگ بوڑھی دنیا میں شہوات نفسانیہ حیوانیہ کو مدِنظر رکھ کر تصرف نہیں کرتے بلکہ اس میں ان کا تصرف اللہ کے لیے اللہ کے حکم کے مطابق اللہ تعالیٰ کی وجہ سے ہے بخلاف عوام کے کہ وہ اس میں بیجا تصرف کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ اور وہ ان مذکورہ امور میں سے کسی امر کا ارتکاب کرتا ہے جیسے کفار کا طریقہ ہے يَلْقَ اَثَامًاۙ گناہوں کا مرتکب ہو رہا ہے تو اسے سزا ملے گی اور وُہ عذاب میں مبتلا ہوگا۔

حلِ لغات ، اثام نکال و بال کے وزن اور معنیٰ میں ہے۔ یعنی اپنے گناہوں کی سزا پائے گا۔ اہلِ عرب کہتے ہیں ، اثم (بالکسر) الرجل واثمہ یعنی اس نے گناہ کیا تو اس کی سزا پائی۔ قاموس میں ہے؛ اثام جہنم کی ایک وادی کا نام ہے بروزن سحاب۔ اور عقوبت کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے؛

الغی والاثام بئران یسیل فیہما صدید اھل النار۔

(غی اور اثام دونوں کنوئیں ہیں جن میں اہلِ نار کی پیپ جمع ہوتی ہے) (پناہ بخدا)

يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اس کے لیے قیامت میں عذاب دُگنا کیا جائے گا۔

حلِ لغات ، المضاعفۃ بمعنے زیادہ کرنا اور ایک سے دو کرنا یعنی دُگنا کرنا۔ جیسا کہ امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ضعف بمعنے ایک کے ساتھ اس جیسا دوسرا ملانا۔ کہا جاتا ہے ، اضعفت الشیٔ وضعفتہ وضاعفتہ (میں نے اس کے ساتھ اس جیسا دوسرا یا اس سے زاید کو ملایا) یہ جملہ یلق اثاما سے بدل ہے اس لیے کہ دونوں کا معنیٰ ایک ہے۔

اب مطلب یہ ہُوا کہ ان کا عذاب ہر وقت بڑھتا رہے گا وُہ اس لیے کہ وُہ بھی زندگی بھر کفر کے بعد گناہوں پر گناہ کرتے چلے جاتے تھے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ان کو عذاب کے اضافہ کا یہ معنی ہے کہ ایک طرف ان کے لیے درکات جہنم کا اضافہ دوسری طرف درجاتِ جنان سے محرومی کا غم تیسری طرف دیدارِ الٰہی کے قربات کی بدنصیبی۔

تفسیر عالمانہ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًاۗ ۖ اور وہ اس عذاب میں ہمیشہ رہے گا درانحالیکہ وہ ذلیل وخوار ہوگا اور جسمانی و روحانی دونوں عذابوں میں ایسا مبتلا رہے گا کہ اس کی نجات کی بات تک نہ ہوگی۔

marfat.ocm

ف : مُہان بمعنے ذلیل وخوار اور حقیر و بیکار و بے اعتبار۔

قاعدہ تجوید ابن کثیر و حفص نے فِیہِی پڑھا ہے یعنی ھِی کی کسرہ کے اشباع کے ساتھ اسے بحالت وصل یاء سے پڑھنا تاکہ تنبیہ ہو کہ ایسے عذاب کے اسباب سے دُور بھاگنا اور بچنا ضروری اور لازمی ہے۔

اِلَّا مَنْ تَابَ مگر وہ جو شرک وقتل وزنا سے توبہ کرے وَ اٰمَنَ اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی تصدیق کرے وعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا اور ایمان کی تکمیل کے لیے نیک عمل کرے۔

سوال : عمل موصوف کے اضافہ کی کیا ضرورت تھی جبکہ صالح کا لفظ بھی اسماً نیک عمل پر دلالت کرتا ہے۔

جواب : عمل کو مہتم بالشان ظاہر کرنے کے لیے اس سے اہلسنت کے مذہب کی تائید ہوتی ہے کہ عمل ایمان کے مغایر ہے اور استثناء میں مستقل ہے لیکن ہے ہی مستثنیٰ یعنی توبہ و ایمان کی جنس سے (کہ اگر وہ نہ ہو تو ایمان و توبہ میں خلل واقع نہ ہوگا) کیونکہ اس وقت بتانا یہ ہے کہ امور مذکورہ بالا کا مرتکب عذاب میں مبتلا ہوگا مگر یہ کہ توبہ کرے۔ آیت میں واضح کرنا ہے کہ استثناء کے بعد یہی تین امور مطلوب ہیں :

۱۔ ایمان ۲۔ توبہ ۳۔ عمل

اس میں عذاب کے تعرض وعدمِ تعرض کو کوئی تعلق نہیں۔

فَاُولٰٓئِكَ پس وہ لوگ جو ایمان و توبہ وعمل صالح سے موصوف ہیں یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ تو اللہ تعالیٰ ان کے لیے سیّاٰت (برائیوں) کو تبدیل فرمائے گا یعنی وُہ برائیاں جو اس نے دنیا میں کیں تو اللہ تعالیٰ ان کو بدل دے گا حَسَنٰتٍ نیکیوں سے قیامت میں بایں طور کہ اس کی ہر بُرائی کے عوض نیکی عطا فرمائے گا اور ہر سزا کے بدلے جزا بخشے گا۔

حلِ لغات : امام راغب مرحوم نے فرمایا کہ تبدیل بمعنے ایک شے کے بدلے دوسری شے رکھنا۔ اور بدل ' عوض سے اعم ہے۔ عوض یہ ہے کہ ایک دو' دوسرا لو۔ لیکن تبدیل میں یہ نہیں بلکہ اس میں تغییر ہوتی ہے وُہ بھی کہ دوسرا عوض میں دو یا نہ دو۔

کریم کا کرم سیّدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں کسی ایک بندے کو لایا جائے گا پھر حکم ہوگا کہ اسے اس کے صغیرہ گناہ پیش کرو جب وہ اپنے صغائر پر نگاہ ڈالے گا تو اقرار کرے گا کہ یہ واقعی میری ہی غلطیاں ہیں لیکن دل ہی دل میں خوفزدہ ہوگا کہ نامعلوم میرے کبائر (بڑے گناہوں) کا کیا بنے گا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ملائکہ کو فرمائے گا کہ اسے ہر برائی کے بدلے میں نیکی دو۔ پھر وہ شخص کہے گا کہ میرے تو اور بھی بڑے بڑے گناہ تھے لیکن اب وُہ مجھے نظر

نہیں آرہے (اس حرص پر کہ اسے برائیوں کے بدلے نیکیاں مل رہی ہیں) حضور علیہ السلام اس کی اس کاروائی سے ایسے ہنسیں گے کہ آپ کی داڑھ مبارک کھل جائیں گی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیۃ فاولٰٓئك یبدل اللہ (الآیۃ) پڑھی۔ (آپ نے گویا اپنے ارشادِ گرامی کی تائید میں قرآن مجید سے دلیل بیان فرمائی)

اقوالِ مشایخ فی تفسیر ہٰذہ الآیۃ

(۱) زجاج نے فرمایا اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہی بُرائی نیکی بن جاتی ہے بلکہ اس کی تاویل یہ ہے کہ بُرائی تو توبہ سے مٹ جاتی ہے۔ پھر ہر بُرائی پر توبہ نیکی بن جاتی ہے۔

(۲) مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہر بُرائی نیکی کے حکم میں آجاتی ہے کیونکہ اعیان کا تبدل نہیں ہوتا بلکہ ان کے احکام کا تبدل ہوتا ہے۔ (شرح فصوص الحکم)

(۳) حضرت الشیخ صدر الدین قنوی قدس سرہٗ اپنی اربعین (چہل حدیث) میں فرماتے ہیں کہ طاعات سب کی سب مطہرات (پاک کرنے والی ہیں) پھر کبھی تو گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔ جیسے اسی آیت میں ہے۔ اور حضور علیہ السلام نے فرمایا:

اتبع الحسنۃ تمحہا۔

(برائی کے بعد نیکی کیجئے)

تاکہ وہی نیکیاں برائیوں کو ختم کر ڈالیں کبھی تبدیل کی جاتی ہیں۔ اسی کی طرف الا من تاب و اٰمن الخ میں اشارہ ہے۔ یہ محو مذکور حقیقی عفو اور تبدیل مقام مغفرت ہی ہے۔ میری مذکور تقریر کو غور سے پڑھو گے تو تمہیں عفو و مغفرت کا فرق معلوم ہو جائے گا۔

تفسیر صُوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ الا من تاب مگر وہ جو دنیا کی عبادت و ہوائے نفس سے توبہ کرتا ہے و اٰمن اور ان کمالات وکرامات پر ایمان لاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے لیے تیار فرمائی ہیں کہ جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی قلب بشر پر اس کا تصور آسکتا ہے وعمل عملاً صالحًا اور وہ نیک عمل کئے جو اسے انہی کمالات کی طرف پہنچانے والے ہیں اور وہ عمل یہ ہے کہ ماسوی اللہ سے بالکل روگردانی ہو اور کلی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف اس امید پر متوجہ ہو کہ اس کے احسان وکرم کا مستحق ہو جائے۔

نکتہ: کسی کامل کو کسی نے کہا کہ آپ کا آج کل مشغول ہے۔ انہوں نے فرمایا بلکہ میرا کل اسی پہ فدا ہے بخدا ابھی ایک ایسا اکسیرِ اعظم ہے کہ اگر اس کا ایک ہی ذرہ زمین پر ڈالا جائے تو اس کے گناہوں کا

marfat.ocm

تانبہ خالص حسنات کے سونے سے تبدیل ہو جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے اکسیر اعظم والوں کی طرف سے خبر دی ہے فاولٰئک یبدل اللہ سیاٰتھم حسنات یعنی توبہ وغیرہ سیئات کو حسنات سے ایسے تبدیل کر دیتی ہے جیسے اکسیر تانبے کو سونا بناتی ہے۔

عقلی دلیل فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ انقلاب الاعیان اور ان کا ایک دوسرے کی شکل و صورت اختیار کرنا اہل اللہ کے نزدیک محال نہیں کیا عالم صناعی میں تم نے نہیں دیکھا کہ بہت سی چیزیں اپنے مادہ اصلیہ سے اپنے غیر میں حلول کر جاتی ہیں جب ایک مزاج حلول کرتا ہے اور مادہ صورت ہیولانیہ میں داخل ہوتا ہے تو صورت ہیولانیہ میں صلاحیت ہوتی ہے کہ اس سے فلسفی انسان پیدا ہو۔

ف: امام جلدکی نے فرمایا کہ زمین پانی بن جاتی ہے اور پانی ہوا بن کر اڑتا ہے اور ہوا آگ بن جاتی ہے۔ ایسے ہی برعکس یعنی آگ ہوا بن جاتی ہے اور ہوا پانی اور پانی مٹی ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی اربعہ عناصر ایک دوسرے میں حلول کر جاتے ہیں باوجودیکہ وہ آپس میں طبیعت کے لحاظ سے دو علیحدہ مزاج رکھتے ہیں ان میں بعض فاعلہ بعض منفعلہ اصول کا یہی قاعدہ مشہور ہے کہ ایک مزاج دوسرے میں حلول کرتا ہے۔

دلیل دوم فصول میں یہ قاعدہ موجود ہے۔ مثلاً زمین انگوری بن جاتی ہے اور انگوری حیوان بنتی ہے۔ اس دوسرے کلیہ میں ابن سینا نے توقف فرمایا ہے وہ فرماتے ہیں کہ انگوری تو حیوان میں حلول کر جاتی ہے لیکن حیوان کسی میں حلول نہیں کرتا۔ مگر فاسد ہو کر عناصر کی طرف لوٹتا ہو طبائع میں حلول کرتا ہے۔ اسی پر ہم کہتے ہیں کہ اگر زمین یا پانی کی صورت اپنی ہیئت سے نہ بدل جاتے تو پھر انگوری کیسے ہو سکتے تھے ایسے ہی نبات اپنی ہیئت نہ بدل جاتی تو حیوان میں کیسے حلول کر ابن سینا پر یہ امر پوشیدہ رہا کہ نبات و حیوان کو مطبوخ کرنے سے فاسد ہو کر انسانی غذا بنتے ہیں اور ان کا مزاج کیموس غذائی میں حلول کر کے انسان کے پیٹ میں خون بن جاتے ہیں اور یہی خون مرد اور عورت کی حرکت شوقیہ سے منی بن جاتا ہے اس کے بعد یہی خون بچہ کا ڈھانچہ بنتا ہے۔ پھر چند روز کے بعد کامل انسانی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ یوں ہی انسان کے جسم کے متعلق سمجھئے کہ بعد فساد ممکن ہے کہ وہ انگوری بن جائے اور پھر وہ مختلف حیوانوں کی غذا بن کر ان میں حلول کر جائے اور ان میں ایسے ہو جیسے مختلف کیڑوں اور حیوانات وغیرہ میں ہوتے ہیں۔ اسی معنی پر اس کا جسم حلول کرتا ہے۔ یہاں تک کہ ہڈیوں کے متعلق بھی یہی تقریر کی جا سکتی ہے کہ وہ ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو کر بے حس پڑی ہوں لیکن جب ان پر آب حیات کا چھینٹا پڑ جائے تو وہ جان دار ہو جائیں گی۔ مگر انسانی ڈھانچے کے اجزاء اللہ تعالیٰ کے ہاں محفوظ و معلوم ہیں اگر وہ ایک صفت سے کسی دوسری صفت میں حلول کر جائے یا ایک حالت سے دوسری حالت میں بدل جائے بلکہ اس کے کل اجزاء کسی دوسری شے میں کالجزء ہو جائیں۔

انسان کے اجزا کی بقا

انسانی ڈھانچہ اگرچہ گل سڑ کر کیسے ہی کہیں چلا جائے لیکن اس کی روح ، عقل ، نفس ، ذات باطنی برزخ میں باقی رہتی ہیں ان کو فنا نہیں ۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

دمت از مس وجود چو مردان رہ بشوی
تاکیمیاے عشق بیابی زر شوی

(ترجمہ : تم مردانِ راہِ ہدیٰ کی طرح تانبے سے ہو جاؤ گے جب عشق کے کیمیا سے کچھ ملے گا تو زر ہو جاؤ گے)

تفسیر عالمانہ

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا اور اللہ تعالیٰ غفور ہے اسی لیے وہ برائیوں کو نیکیوں سے تبدیل فرماتا ہے رَّحِيْمًا ○ مہربان ہے اسی لیے وہ نیکیوں پر اجر و ثواب بخشتا ہے وَمَنْ تَابَ اور وہ تائب ہوتا ہے یعنی تمام گناہوں کے ترک کرنے پر مطلقاً رجوع کر لیتا ہے اور ان کے ارتکاب پر نادم ہوتا ہے وَعَمِلَ صَالِحًا اور نیک عمل کرتا ہے یعنی اپنی گزشتہ کوتاہی کا تدارک کرتا ہے یا گناہوں سے نکل کر طاعات میں داخل ہوتا ہے فَاِنَّهٗ پس بے شک وہ جو عمل کئے يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مرنے کے بعد ان اعمال کے ساتھ لوٹے گا اللہ تعالیٰ کی طرف ۔

ف : امام راغب نے فرمایا کہ لفظ الیٰ میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ضرور جانا ہے ۔

مَتَابًا ○ عظیم الشان رجوع اور پسندیدہ اللہ کے ہاں کہ وہ عذاب الٰہی کو مٹائے گا اور اجر و ثواب کو حاصل کرے گا ۔ اس سے واضح ہو گیا کہ اس عبارت میں شرط و جزا میں اتحاد لازم نہیں آیا اس لیے کہ جزاء میں ایک زائد معنی ہے اس لیے کہ توبہ یعنی شرط میں ہے رجوع عن المعاصی فقط اور جزا میں ہے ایسا رجوع الی اللہ جو اسے پسندیدہ ہے ۔

ف : امام راغب نے فرمایا کہ متابًا بمعنے التوبۃ التامۃ یعنی ترک القبیح و تحری الجمیل ، برائیوں کو مکمل طور پر چھوڑنا اور نیکیوں کو مکمل طور حاصل کرنا ۔

ف : اس میں تخصیص کے بعد تعمیم ہے اس لیے کہ آیت اولیٰ میں توبہ کا تعلق صرف شرک و قتل و زنا سے تھا اور اس آیت میں مطلقاً جمیع معاصی سے ہے ۔

توبہ کا شرعی معنی

شریعت میں توبہ چار امور کے اجتماع کا نام ہے ؛

(۱) گناہ کو قبیح سمجھ کر چھوڑنا ۔

(۲) سابقہ کوتاہی اور زیادتی پر ندامت ۔

marfat.ocm

(۳) دوبارہ اس فعل کے ارتکاب کے ترک پر پختہ ارادہ کر لینا۔

(۴) سابقہ خامیوں کے عوض نیکیوں کا تدارک۔

جب یہ چار شرائط پائی جائیں تو توبہ کامل کہی جائے گی۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

با خلق لاف توبہ و دل بر گنہ مصر
کس پے نمی برد کہ بدیں گونہ گمرہم

(ترجمہ: مخلوق کے ساتھ تو توبہ کا دعویٰ لیکن گناہوں پر بدستور اصرار ہے۔ پھر کون ہے جو مجھے اس کے باوجود گمراہ تصور نہ کرے گا)

اقوالِ مشائخ (۱) حضرت ابن عطاؒ نے فرمایا کہ توبہ یعنی ہر مذموم عادت سے باز آجانا اور نیک عادت کی عادت بنا لینا، لیکن یہ خواص کی توبہ ہے۔

(۲) بعض مشائخ نے فرمایا کہ توبہ یہ ہے کہ ماسوی اللہ کی ہر شے سے توبہ کرے لیکن یہ اخص الخواص کی توبہ ہے۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ وہ ہر وقت توبہ و استغفار کو اپنائے اس لیے کہ یہ گناہوں کا صابن ہے۔

(اللہ تعالیٰ فرماتا ہے)

حدیثِ قدسی انین المذنبین احب الی من زجل المسبحین۔

(گنہگار کی مغموم آواز مجھے زیادہ محبوب ہے تسبیح پڑھنے والوں کی سریلی آواز سے)

ف: زجل یعنی تسبیح پڑھتے وقت کی آواز۔

انتباہ: گناہ بار بار کرنا شرک و کفر اور غیر ملتِ اسلامیہ کی طرف کھینچ کر لے جاتا ہے۔

حکایت حضرت ابو اسحاق رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ ہر وقت اپنے چہرے کا آدھا حصہ چھپائے رکھتا تھا، میں نے سبب پوچھا تو کہا کہ میں قبر کھود کر کفن چرانے کا عادی مجرم تھا ایک دن ایک بی بی کی قبر کھودی اور کفن کو پکڑا تو اس بی بی نے میرے منہ پر طمانچہ مارا جس کا نقش تاحال میرے چہرے پر موجود ہے۔ میں نے امام اوزاعی رضی اللہ عنہ کے ہاں یہی واقعہ لکھا تو انہوں نے فرمایا اس سے سوال کیجیے کہ اس نے مُردوں کو کس حال میں پایا۔ دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ اکثر کے چہرے قبروں میں قبلہ سے پھرے ہوئے تھے۔ امام اوزاعی رضی اللہ عنہ کو واپس لکھا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ لوگ وہی ہوں گے جن کی موت غیر ملتِ اسلامیہ پر واقع ہوئی (العیاذ باللہ) کیونکہ وہ لوگ گناہ کا بار بار ارتکاب کرتے رہے تو پھر خاتمہ خطرہ میں پڑ گیا۔

قاعدہ: مامور بہ کے ترک کی بہ نسبت منہی عنہ یعنی جس فعل کے نہ کرنے کا حکم ہو، اس کے ارتکاب میں زیادہ گناہ ہے اسی لیے شیطان ابلیس مردود ہوا۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ توبہ را از جانب مغرب دری
باز باشد تا قیامت بر دری

۲ تا ز مغرب بر زند سر آفتاب
باز باشد آں در ازوی رو متاب

۳ ہشت جنت را ز رحمت ہشت در
یک در توبہ است زاں ہشت اے پسر

۴ آں ہمہ گہ باز باشد گہ فراز
واں در توبہ نباشد جز کہ باز

۵ ہین غنیمت دار در باز ست زود
رخت آنجا کش بکوریٔ حسود

(ترجمہ: (۱) توبہ کا دروازہ از جانبِ مغرب بند ہے۔ وہ قرب قیامت تک کھلا رہے گا

(۲) جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا۔ پھر وہ دروازہ بند ہو جائے گا۔ اس کا انکار نہ کرنا۔

(۳) بہشت کے آٹھ دروازے رحمت کے آٹھ دروازوں کے مطابق ہیں اسی لیے یہ توبہ کا دروازہ انہی آٹھوں سے ہے۔

(۴) وہ آٹھوں دروازے جب تک کھلے ہیں یہ بھی کھلا ہے۔ جب وہ بند ہوں گے تو پھر یہ کیسے کھلا رہ سکتا ہے۔

(۵) اب یہ دروازہ کھلا ہے اسے غنیمت سمجھ۔ وہاں پر سامان باندھ کر جا بیٹھ تاکہ تیرے دشمنوں کے دل جلیں)

ہم اللہ تعالیٰ سے خالص توبہ کا سوال کرتے ہیں اور اس کے آثار رحمت سے فیض اور نعمت و فتوح مانگتے ہیں۔ (آمین ثم آمین)

وَالَّذِیْنَ لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ اور وہ جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔

حلِ لغات: الشہادۃ مشاہدہ وعیان ہے، کسی شے کی صحیح خبر دینا (اسی سے حاضر و ناظر کا مسئلہ ثابت کیا جاتا ہے کیونکہ شاہد و شہید اسی سے مشتق ہیں[له]) الزور بمعنے الکذب، اصل میں کسی شے کو ایسے رنگ میں

[له] اضافہ از اویسی غفرلہ

marfat.ocm

ظاہر کرنا کہ گویا وہ حق ہے، کو کہا جاتا ہے۔

امام راغب نے فرمایا کہ الازور بمعنے مائل الزود یعنی سینے کو ٹیڑھا کرنے والا۔ اور زور کو جھوٹ سے اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ وہ سچائی کی جانب سے ہٹا ہوا ہے۔

ترکیب: الزور کا منصوب ہونا علی المصدیۃ ہے۔ در اصل لا یشہدون شہادۃ الزود تھا باضافۃ العام الی الخاص مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ اس کے قائم مقام کیا گیا ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ وہ لوگ جھوٹی گواہی قائم نہیں کرتے یعنی جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔

مسئلہ: امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جھوٹے گواہ کی سزا یہ ہے کہ اسے اپنی برادری میں کھڑا کر کے کہا جائے کہ یہ جھوٹا گواہ ہے۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ نے فرمایا کہ اسے سزا دے کر برادری میں کھڑا کر کے کہا جائے اس نے جھوٹی گواہی دی ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کی جامع مساجد اور بازاروں اور مجمعوں میں تشہیر کی جائے کہ یہ جھوٹا گواہ ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اسے ان مقامات پر پھرایا جائے اور اعلان کیا جائے کہ اس کو ہم نے جھوٹا گواہ پایا ہے۔ فلہذا آئندہ اس سے بچ کر رہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسے چالیس کوڑے مارے جائیں اور اس کا منہ کالا کر کے بازاروں میں پھرایا جائے۔ (کذا فی کشف الاسرار)

ف: حضرت ابن عطا رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس سے وہ گواہی مراد ہے جو مشاہدہ قلب کے بغیر صرف زبان سے ہو۔

حاضر و ناظر کا ثبوت ممکن ہے کہ یہ یشہدون از شہود ہو بمعنے حضور[1] (ہم اہل السنت و الجماعت شاھد و شہید کا مادہ شہود سے لیتے ہیں بمعنے حاضر۔ دلائل ہماری کتاب "تسکین الخواطر المعروف بہ دلوں کا چین" میں دیکھئے[2]) اور اس معنی پر الزود کا منصوب ہونا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ اصل میں تھا، لا یشہدون مجالس الزور (وہ لوگ جھوٹی مجلسوں میں حاضر نہیں ہوتے مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کیا گیا ہے۔

---

[1] روح البیان ج ۶ ص ۲۴۹

[2] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

اب معنیٰ یہ ہوا کہ وُہ لوگ مجالس کذب و محافلِ فحش میں شریک نہیں ہوتے۔ باطل محافل میں صرف شریک ہونا اس میں شامل ہونے کے مترادف ہے کیونکہ شرکت اس فعل سے رضا کی نشانی ہے جیسے کوئی شرابیوں کے ساتھ بلاضرورت بیٹھے تو وہ بھی گناہ میں ان کے ساتھ شریک سمجھا جائے گا۔

ملامیہ فرقہ ملامیہ فرقہ (اولیاء اللہ کے ایک گروہ کا نام ہے) وہ ایسے حضرات ہیں جو نیکی کو چھپاتے اور برائی کو ظاہر کرتے ہیں وہ مستثنیٰ ہیں اس لیے کہ ان کا دل صرف اللہ تعالےٰ کے ساتھ لگا رہتا ہے اسی لیے وہ بازاروں کا چکر بھی لگاتے ہیں۔ عوام میں گھل مل کر رہتے ہیں بلکہ بعض شرور کی مجالس میں بھی شریک ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ ہر قضا و قدر کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں اسی لیے وہ عوام کے ساتھ صرف ظاہراً شر کی موافقت کرتے ہیں ورنہ حقیقی اولیاء الرحمٰن وہی ہیں۔

حدیث شریف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اولیائی تحت قبائی لا یعرفہم سوائی۔

(میرے اولیاء میری قبا میں چھپے رہتے ہیں انہیں میرے سوا اور کوئی نہیں پہچانتا)

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

مکن بنامہ سیاہی ملامت من مست
کہ آگہت کہ تقدیر بر سرش چہ نوشت

(ترجمہ: مست کو نامۂ سیاہی سے ملامت نہ کر اس لیے کہ وہ اس سے باخبر ہے کہ اس کی تقدیر کا لکھا ہوا کیا ہے)

حضرت خجندی رحمہ اللہ نے فرمایا: ؎

برخیز کمال از سر ناموس کہ رندان
کردند اقامت بسر کوئے ملامت

(ترجمہ: اے کمال از سر ناموس رندان اٹھ جا، اس لیے کہ انہوں نے ملامت کی گلی میں اقامت رکھی ہوئی ہے)

ف: بعض علماء نے فرمایا کہ الزور سے اعیاد المشرکین والیہود والنصاریٰ یعنی مشرکین اور یہود و نصاریٰ کی عیدیں مراد ہیں یعنی ان کی کھیل کود کے مقام۔ (کذا فی تفسیر الکاشفی)

فتوحات مکیہ فتوحات کے ترجمہ میں ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اہلِ ذمہ (مشرکین)، شرک کا فریب دیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تیری ہلاکت و تباہی اسی میں ہو۔ حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس کا

marfat.ocm

ہم نے دمشق میں مشاہدہ کیا کہ مسلمان اپنے بچوں کو نصاریٰ کے گرجے میں لے جا کر معمودیہ کے پانی سے تبرک لیتے اور ان کو ان کے گرجوں سے نہ روکتے جس کا نتیجہ خراب نکلا ایسا کام کفر کے قریب ہے۔ اسے عین کفر کہا جائے تو بجا ہے اسے کوئی مسلمان پسند نہیں کرتا۔

مسئلہ: قاضی خان میں ہے کہ اگر کوئی شخص نیروز (نصاریٰ کی عید میں) میں کوئی شے خریدے اور سوائے اس دن کے وہ شے کہیں سے نہیں خریدتا اور اس کی تعظیم و تکریم کے طور خریدتا ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے کفار اس کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔ تو ایسا کرنا کفر ہے۔ مگر اسی نیروز میں اگر کھانے پینے اور تعیش کے لیے کچھ خریدتا ہے تو کفر نہیں۔

ف: نیروز سے نصاریٰ کا نیروز مراد ہے اس سے عجم کا نیروز مراد نہیں، جیسا کہ قاضیخان کے کلام سے معلوم ہوتا ہے۔

مسئلہ: مجلس زُور میں لہو و لعب اور کذب اور نوحہ اور غنا داخل ہیں۔

ف: محمد بن المنکدر رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ وہ لوگ کہاں ہیں جو اپنے کانوں کو لہو اور مزامیر شیطان سے بچاتے تھے، انھیں مشک کے باغات میں لے جاؤ۔ پھر ملائکہ کو حکم ہوگا کہ میرے بندوں کو میری تحمید و ثنا و تمجید سناؤ اور انہیں خبر دو کہ انہیں آج نہ کوئی غم ہے نہ خوف۔ (کذا فی کشف الاسرار)

مسئلہ: روزے کی سنتوں میں سے ایک یہ ہے کہ روزہ میں کذب و غیبت اور فضول کلامی، گالی گلوچ، چغلخوری، مزاح، بے جا مدح اور غلط شعر گوئی سے زبان کو روکا جائے۔

ف: غنا سے غناء باطل مراد ہے اور وہ یہ ہے کہ ایسا غنا جو شیطان کی مراد و مقصد کو قلب میں حرکت پیدا کر دے یعنی شہوت اور مخلوق کی محبت کا سبب بنے۔ ہاں وہ غنا جو شوق الی اللہ کا متحرک ہو تو وہ غنا حق ہے۔ (کذا فی الاحیاء)

مسئلہ: الحان کے ساتھ قرآن کی تلاوت میں اختلاف ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ اور جمہور اسے مکروہ سمجھتے ہیں اس لیے کہ قرآنی حقوق کے لحاظ سے خشوع نہیں ہو سکتا اور نہ ہی قرآنی مفہوم سمجھ میں آتا ہے اسی لیے قاضیخان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تراویح میں خوش خوان بلکہ درست خوان کو کھڑا کیا جائے اس لیے کہ خوش خوان خشوع اور تدبر و تفکر سے باز رکھتا ہے۔ اور حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور اسلاف رحمہم اللہ کی ایک جماعت اسے مباح سمجھتی ہے کیونکہ اس کے متعلق احادیث وارد ہیں اور اس طرح رقت اور خشیت الٰہی پیدا ہوتی ہے۔ (کذا فی فتح القریب)

مسئلہ ؛ اصولِ حدیث میں ہے کہ محدّث جب احادیث کا درس شروع کرے تو لازم ہے کہ وہ اس محفل ومجلس کا آغاز تلاوتِ کلام اللہ سے کرائے اور قاری بھی خوش الحان ہو۔

مسئلہ ؛ خوش الحانی سے پڑھنے میں یہ ضروری ہے کہ حدِ قرأت سے بڑھ نہ جائے اور نہ کم ہو۔ یعنی خوش الحانی کے اصول کی ادائیگی میں قرآن مجید کے کلمات میں کسی حرف کی کمی وبیشی نہ ہو اس لیے کہ ایسا کرنا حرام ہے۔ (کذا فی ابکار الافکار)

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

بہ از روے زیباست آواز خوش
کہ ایں حظ نفسست و آں قوت روح

(توجمہ : حسین چہرے سے اچھی آواز بہتر ہے اس لیے کہ یہ لذتِ نفس ہے اور وہ روح کی غذا)

شبِ معراج حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شبِ معراج ایک فرشتہ دیکھا جس کو آپؐ نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا وُہ جب سبحان اللہ کہتا تو اس کے حُسنِ صوت کی وجہ سے عرشِ الٰہی ہل جاتا اس کے آگے نور کے دو بڑے بڑے صندوق پڑے تھے اس میں روزہ داروں کی برأت لکھی ہوئی تھی۔ اس کی تفصیل مجالس النفائس میں ہے جو حضرت الھدائی قدس سرہٗ کی تصنیف ہے۔

ف ؛ حضرت سہل قدس سرہٗ نے فرمایا ، الزود سے مجالس المبتدعین مراد ہیں۔ اور حضرت ابو عثمان قدس سرہٗ نے فرمایا؛ اس سے مجالس المدعین مراد ہیں۔

قاعدہ شرعیہ ؛ ہر وُہ مجلس جس میں انسان کے دین کا نقصان اور فساد ہو وہ مجلسِ زُور میں داخل ہے۔

وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ اور جب اتفاقیہ طور کہیں کسی راستہ سے گزرتے ہیں باللغو ایسی باتوں سے جو لغو ہیں اور ایسی بیکار کہ انہیں چھوڑنا لازمی ہو۔ یعنی لغو سے مراد وُہ شے ہے جو ناپسندیدہ ہو۔

ف ؛ فتح الرحمٰن میں لکھا ہے کہ اس میں کل معاصی مراد ہیں اور ہر وُہ قول وفعل جو نظروں سے گرا ہوا ہے۔

اور امام راغب قدس سرہٗ نے فرمایا : لغو سے وہ کلام مراد ہے جس کا کوئی اعتبار نہ ہو اور ذوق اسے ردی اور بیکار اور فکری طور بالکل غیر معتبر ہو دراصل چڑیوں اور دوسرے پرندوں کی بیکار آواز کو کہا جاتا ہے۔

کِرَامًا ۝ درانحالیکہ وہ باعزت ہو کر گزرتے ہیں۔

حلِ لغات : کرام ، کریم کی جمع ہے۔ اہلِ عرب کہتے ہیں ؛

تکرم فلان عما یشینہ ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب انسان ایسے کلام سے احتراز کرے

marfat.ocm

جو اس کی خفت و حقارت کا موجب ہو۔ امام راغب نے فرمایا: لفظ کرم جب اللہ تعالیٰ کی صفت واقع ہو تو مراد ہو گی اس کی صفت احسان و انعام جو اس کی طرف سے اس کی مخلوق کو نصیب ہوتا ہے۔ اگر انسان کی صفت ہو تو اس سے اس کے وہ اخلاق و افعال حمیدہ مراد ہوں گے جو اس سے صادر ہوتے ہیں اور ایسے ہی ہر ایک کو کریم نہیں کہا جائے گا جب تک کسی سے اخلاق و افعال کا صدور نہ ہو۔ اب معنی یہ ہوا کہ وہ بندگانِ خدا برائیوں سے اجتناب کرتے اور ایسے افعال سے کنارہ کش ہوتے ہیں جو ان کی حقارت و خفت کا سبب بنیں۔ فواحش سے بچنا، ذنوب سے رُوگردانی اور ایسے افعال سے بھی بچنا جن سے طبع گھبراہٹ محسوس کرے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ جب نکاح وغیرہ اور فرج وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں تو تصریح کے بجائے اشارہ و کنایہ سے بات کرتے ہیں۔ اس معنی پر یہاں کرم بمعنے کنایہ و تعریض ہے جیسے:

کانا یاکلان الطعام۔

اس سے بول و براز کنایہ ہے۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے جماع کے لیے غشیان، نکاح، سِتر، اتیان، افضا، لمس، مس اور دخول و مباشرت و مقاربۃ کے الفاظ سے کنایہ فرمایا ہے۔ چنانچہ دو آیتیں ملاحظہ ہوں۔

فرمایا: ولا تقربوھن۔

اور فرمایا: لم یطمثھن۔

اور عربیت میں یہ باب وسعت رکھتا ہے۔

ف: امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ فحش کی حد حقیقت یہ ہے کہ جس لفظ کو زبان پر لانا قبیح سمجھا جاتا ہو جیسے جماع یا اس جیسے اور الفاظ۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے بندے ان الفاظ کو زبان پر لانے سے احتراز کرتے ہیں ان کے بجائے ایسے الفاظ لاتے ہیں جو ان سے کنایہ ہوں اور رمزاً ان پر دلالت کرتے ہوں جیسے ابھی گزرا کہ جماع کی بجائے مس یا دخول یا صحبت اور پیشاب کی بجائے قضائے حاجت بولا جائے ایسے ہی یوں نہیں کہا جاتا کہ تیری جورو نے کہا، بلکہ کہتے ہیں گھر سے یہ بات ہوئی یا پردہ والی نے کہا یا بچوں کی ماں نے کہا وغیرہ وغیرہ۔ ایسے ہی دیگر وہ امراض جن کا ذکر اچھا نہ ہو مثلاً برص، قرع اور بواسیر۔ ایسے ہی وہ بیماریاں جو انسان کو لاحق ہوں لیکن ان کے صریح الفاظ ننگ و عار ہوں تو ایسے وہ امور جن کا چھپانا ضروری ہے اور بیان کرنے سے شرم و حیا آئے، تو یہ بندگانِ خدا ان کو بیان نہیں کرتے کیونکہ یہ فحش ہے اور فاحش کو قیامت میں کُتّے کی شکل میں اٹھایا جائے گا۔

حکایت سعدی شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ مجھے ایک زخم ہو گیا جو کپڑے کے اندر تھا۔ روزانہ مجھ سے شیخ صاحب فرماتے کہ زخم کا کیا حال ہے؟ لیکن یہ کبھی نہ پُوچھتے کہ زخم ہے کہاں! اس سے میں سمجھا کہ آپ اس کے ذکر سے احتراز فرما رہے ہیں کیونکہ ایسے اعضاء کا ذکر اچھا نہیں۔ اسی لیے بزرگوں نے فرمایا کہ جس سخن سے کسی کو رنج پہنچے اس کا بیان کرنا اچھا نہیں ؎

تا نیک ندانی کہ سخن عین صوابست
باید کہ بگفتن دہن از ہم نکشائی
گر راست سخن گوئی و در بند بمانی
بہ زانکہ دروغت دہد از بند رہائی

(ترجمہ: جب تک تمہیں یقین نہ ہو کہ یہ سخن اچھا ہے اسے منہ سے باہر نہ نکالیے۔ اگر سچا کلام کہنے سے قید میں جانا پڑے تو اس سے وہی جھوٹ بہتر ہے جس سے تجھے قید سے چھٹکارا نصیب ہو)

شرح بیت مذکور اس سے مراد یہ ہے کہ سچائی ہر لحاظ سے بہتر ہے اگرچہ اس سے قائل کو کیسا دُکھ اٹھانا پڑے سچائی کا دامن نہ چھوڑے اور جُھوٹ سے نجات اپنی نجات مراد نہیں بلکہ دوسرے کو نجات دلانا مراد ہے اور ایسا فتنہ دُور کرانا جس میں عام لوگ مبتلا ہوں ایسے ہی "دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز" سے بھی یہی مراد ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہیں کہ وُہ ہمیں صادقین مخلصین بلکہ صدیقین مخلصین سے بنائے بروزِ قیامت کرماء، حلماء، علماءٗ، ادباٗ سے اٹھائے وہی اقوالِ حسنہ و افعالِ مستحسنہ کی توفیق بخشنے والا ہے۔

وَالَّذِیْنَ اِذَا ذُکِّرُوْا اور وُہ لوگ جو نصیحت کیے جاتے ہیں بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ ایسی آیات کے ساتھ جو پند و نصیحت پر مشتمل ہیں لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْهَا نہیں گرتے۔

حلِ لغات: خر بمعنے سقط سقوطا یسمع منہ خریر ایسا بُری طرح گرا کہ اس سے خریر کی آواز۔

ف: خریر پانی اور ہوا اور ان اشیاء کی آواز کو کہا جاتا ہے جو اوپر سے نیچے کو گریں۔ صُمًّا اصم کی جمع ہے وہ شخص جس کی سمع کی حس مفقود ہو ایسے ہی اس سے اس شخص کی تشبیہ دی جاتی ہے جو حق کی طرف متوجہ نہ ہو اور نہ ہی اسے قبول کرے۔

وَّعُمْیَانًا ○ اعمٰی کی جمع ہے وہ شخص جس کی بصارت کی حس مفقود ہو۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ

marfat.ocm

بندگانِ خدا وہ ہیں جو آیات پر ایسے حال میں نہیں ٹھہرتے کہ وہ گونگے اور اندھے ہوں بلکہ وہ قرآن پر گرویدہ ہو جاتے ہیں درانحالیکہ وہ کان لگا کر سنتے اور نگاہِ تیز سے دیکھتے ہیں اور مکمل طور پر ان سے بہرہ یاب ہوتے ہیں۔

ف : جناب کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ وہ سنتے ہیں تو باہوش ہو کر اور دیکھتے ہیں تو جلوات دلبر کے جلووں سے۔ خلاصہ یہ کہ وہ آیاتِ الٰہی سے غفلت نہیں کرتے۔

نکتہ : ان کے سننے کو اس طرح تعبیر کرنا کفار و منافقین پر تعریض ہے کہ وہ لوگ گویا گونگے و اندھے ہیں کہ ان آیات کو سننے اور دیکھنے کے بعد کور رہ گئے۔ اس معنی پر ان سے گونگے اور اندھے کی نفی مراد ہے نہ کہ خرور کی۔ اگرچہ حرفِ نفی خرور پر ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا اور وہ لوگ جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہمیں عطا فرما۔

حلِ لغات : ھب وھب یھبُ کا امر ہے وھبًا وھِبۃً اس کا مصدر آتا ہے کسی کو اپنی شے کا بلا عوض مالک کر دینا۔ اللہ تعالیٰ کو واھب و وھاب اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ ہر ایک کو اس کے استحقاق پر عطا فرماتا ہے۔

مِنْ اَزْوَاجِنَا ہماری عورتوں میں سے۔

حلِ لغات : ازواج ' زوج کی جمع ہے ہر وہ جو دوسرے کو مقترن ہو اس کا مماثل ہو یا نقیض۔ زوج و زوجہ دونوں طرح، لیکن زوجہ کی لغت ردیئہ ہے۔ (کما فی المفردات)

وَذُرِّيّٰتِنَا اور ہماری اولاد میں سے۔

حلِ لغات : ذریّات ذریّۃ کی جمع ہے۔ دراصل چھوٹی اولاد کو کہا جاتا ہے پھر عُرف میں بڑی اولاد میں بھی استعمال ہونے لگا۔ قاموس میں ہے، ذراء الشیئ بمعنے کثرۃ (اسے زیادہ کیا) اسی سے ہے الذریۃ (مثلثہ) جن وانس کی انس کو کہا جاتا ہے۔

قُرَّةَ اَعْيُنٍ آنکھوں کی ٹھنڈک کہ جن سے آنکھیں ٹھنڈی ہوں یعنی ان کی معاونت سے طاعتِ الٰہی و فضائل کے جمع کرنے پر ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں کیونکہ مومن کو جب اس کے اہل و عیال طاعتِ الٰہی میں مدد دیں تو اس کا دل خوش ہوتا ہے اور آنکھوں کو ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے۔ جب دیکھتا ہے کہ اس کے اہل و عیال دین میں اس کے موافق ہیں پھر[1] اس سے پُر امید ہوتا ہے کہ وہ جنت میں ان کے ساتھ ہوں گے

---

[1] اس آیت سے وافر حصہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوا کہ آپ نے اپنی آنکھوں سے اپنے والدین اور اولاد تمام ذکور و اناث پھر پوتوں اور نواسوں کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں پایا اور انہیں درجۂ صحابیت نصیب ہوا اس مرتبہ میں حضرت ابوبکر جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہاں تک کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ممتاز ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

جیسے اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا:

الحقنا بھم ذریاتھم۔

(اور ہم ان کے ساتھ ملا دیں گے ان کی اولاد)

اس معنے پر یہاں قرور (آنکھوں کی ٹھنڈک) سے ان کا فضائل دینیہ سے مزین ہونا مراد ہے مال و جاہ و جمال وغیرہ سے نہیں۔

ترکیب: قرۃ اعین کا منصوب ہونا ھَبْ کی مفعولیۃ کی وجہ سے ہے۔

ف: قرۃ یا تو قرار سے ہے بمعنے قلب کو ایسے امر کا حاصل ہونا جس سے وہ خوش ہو کہ اس کے دیکھنے سے آنکھ دوسری طرف نہ اُٹھے گی اور نہ ہی اس سے اونچی شے ہوگی جو اس طرف اوپر کو اٹھے۔ یا القُر (بالضم) سے ہے بمعنے البرد (ٹھنڈک) چونکہ عربی گرمی سے تکلیف محسوس کرتے ہوئے ٹھنڈک تلاش کرتے ہیں۔ اس معنی پر قرۃ العین سے مراد فرح و سرور ہے۔

دمع العین عند السرور بارد و عند الحزن حار۔

اعجوبہ (سرور و فرح کے آنسو ٹھنڈے اور حُزن و ملال کے آنسو گرم ہوتے ہیں)

ترکیب: مِن ابتدائیہ ہے اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ہماری آنکھیں ان کی جہت سے ہوں کہ وہ طاعت و عبادت کریں گے اور نیکیوں کے خوگر ہوں گے تو ان سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ یا مِن بیانیہ ہے اس وقت وہ جملہ حالیہ ہے گویا کہا گیا کہ اے پروردگارِ عالم! ہماری آنکھوں کو ٹھنڈک عطا فرما۔ اس کے بعد اس کی تفسیر میں کہا گیا کہ من ازواجنا و ذریاتنا (ہماری ازواج و اولاد کو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنادے۔

یہ ایسے ہے جیسے:

رأیتُ منك اسدا (میں نے تجھ سے شیر دیکھا)

یعنی تُو بعینہٖ شیر ہے۔ کسی شاعر نے خوب فرمایا: ؎

نعم الالٰہ علی العباد کثیرۃ
واجلھن نجابۃ الاولاد

(ترجمہ: ویسے تو بندوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کوئی شمار نہیں لیکن سب سے بڑی نعمت اولاد کا نیک ہونا ہے)

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

زن خوب فرمان بر پارسا
کند مرد درویش را پادشا

marfat.ocm

چو مستور باشد خوب رُوئے
بدیدار وے در بہشت است شوے

(ترجمہ ، عورت حسین فرمانبردار نیک ہو تو وہ مرد درویش کو بادشاہ بنا دے گی ۔ عورت اگر پردہ دار حسین ہو تو اس کے دیکھنے سے مرد دنیا میں ہی بہشت میں ہے)

وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا۝ اور ہمیں متقیوں کا امام بنا دے ۔

حلِ لغات ، الامام[1] ہر وہ جس کے قول و فعل کی اقتداء کی جائے وہ انسان ہو یا کتاب یا کوئی اور شے ، وہ حق پر ہو یا بطلان پر ۔ (کذا فی المفردات)

---

[1] شیعوں میں امام کا وہی تصور ہے جو اہلسنت کے نزدیک نبی کا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ۔ جیسا کہ فقیر اویسی غفرلہ نے اپنی کتاب " آئینۂ مذہب شیعہ " میں تفصیل سے لکھا ہے یہاں بقدرِ ضرورت لکھا جاتا ہے ۔

جس امام کا تصوّر شیعہ نے ظاہر کیا ہے اسے اہلسنت غلط اور بے بنیاد سمجھتے ہیں کیونکہ جس امام کا تصوّر شیعہ نے کیا ہے اس کا ثبوت نہ قرآن مجید میں ہے نہ احادیثِ مبارکہ میں ۔ یہ ابنِ سبا کی پارٹی کا من گھڑت عقیدہ ہے ورنہ جب اس عقیدہ کا مرتبہ عقیدۂ نبوت سے بھی فزوں تر ہے تو اس کا تقدس بھی اتنا ہی لازمی ہے ، پھر جس طرح نبوّت کی صفت کا سوائے نبی کریم کے کسی دوسرے پر اطلاق حرام ہے جیسے کہ مرزا قادیانی کے اطلاقِ نبوت پر اسے کافر قرار دے دیا گیا ہے اسی طرح امامت کی صفت کا اطلاق بھی سوائے امام معصوم کے کسی دوسرے پر حرام ہوگا ۔ حالانکہ آیت ہٰذا میں امام کا اطلاق ہر نیک نمازی پر ہے اور آیۃ ائمۃ الکفر میں کفار کے لیڈروں پر ۔ اب سُنیئے شیعوں کا عقیدہ ۔

عقیدۂ شیعہ

شیعہ کہتے ہیں کہ مسئلہ امامت اصولِ دین میں ہے اور اس مسئلہ کی ایجاد پر ان کو اس قدر ناز ہے کہ اگر ان کو امامیہ کہا جائے تو بہت خوش ہوتے ہیں ۔

سُنّی عقیدہ

اہلسنّت کہتے ہیں کہ شیعوں کا مفروضہ مسئلۂ امامت دینِ الٰہی کی سخت ترین بغاوت ہے کیونکہ اس کا

(باقی ص ۴۹۶ پر)

اب معنی یہ ہوا کہ اے اللہ! ہمیں ایسا بنا دے کہ اہل تقوٰی مراسمِ دین کی اقامت اور افاضۂ علم و توفیق عمل

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۸۵) کوئی ثبوت نہیں۔ ہاں جن دلائل سے یہ لوگ امامت کا عقیدہ ثابت کرتے ہیں وہ ہے خلافت۔ اور خلافت ہمارے نزدیک حق ہے لیکن اس کے وہ شرائط نہیں جو شیعوں نے گھڑے ہیں کیونکہ شیعہ کی بیان کردہ شرائط کا کوئی وجود نہیں۔

شرائط

شیعہ کہتے ہیں کہ رسول کے دنیا سے چلے جانے کے بعد اگر انہی کا مثل کوئی معصوم دُنیا میں موجود نہ ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اس کی اطاعت لوگوں پر فرض نہ ہو۔ تو لوگوں کو ہدایت کس سے حاصل ہوگی۔ غیر معصوم کی اتباع میں سوا گمراہی کے اور کیا حاصل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ غیر معصوم سے ہر وقت خطا کا صادر ہونا ممکن ہے۔ لہٰذا ضروری ہُوا کہ رسول کے بعد ہر زمانے میں قیامت تک ایک معصوم مفترض الطاعۃ دنیا میں موجود رہے تاکہ سعادت مند لوگ اس سے دین حاصل کریں اور خدا کی حجت بندوں پر قائم رہے۔ اسی معصوم مفترض الطاعۃ کو جو ہر صفت میں رسول کا مثل اور مانند ہے امام کہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک کے لیے خدا کی طرف سے بارہ امام مقرر ہو چکے ہیں اور بارھویں امام پر دنیا کا خاتمہ ہے۔

اہلسنت کا موقف

اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ہدایت خلق اور بندوں پر حجتِ خداوندی قایم رکھنے کے لیے جو چیزیں کافی ہیں اور جو قیامت تک موجود رہیں گی قرآن اور سنت یہی دو ثقلین ہیں جن کے اتباع کا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم حکم دے گئے اور فرما گئے کہ ان کا اتباع کرنے سے تم میں ہرگز گمراہی نہ آئے گی۔ یہ بھی فرما گئے کہ دونوں چیزیں قیامت تک موجود رہیں گی۔ لہٰذا آپ کے بعد نہ کسی کو آپ کا مثل اور معصوم مفترض الطاعۃ ماننے کی ضرورت اور نہ کسی غیر معصوم کے اتباع کی حاجت۔

قیامِ خلافت اور سُنّی شرائط

ہاں یہ ضرور ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جو شاہانہ اقتدار کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب بن کر دین کے ان مہمات کو انجام دیتا رہے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

marfat.ocm

میں ہماری پیروی کریں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۸۶) جن کی انجام دہی بغیر شاہانہ اقتدار کے نہیں ہوسکتی۔ مگر اس شخص کے معصوم ہونے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ رسول کی طرح دین کا ماخذ نہیں۔ قرآن وسنّت کی پیروی جس طرح اور مسلمانوں پر فرض ہے بالکل اسی طرح اس شخص پر بھی۔ دین میں ذرہ برابر تغیر و تبدل کرنے کا اس شخص کو اختیار نہیں۔ نہ حرام کو حلال کرسکتا ہے نہ حلال کو حرام۔ اس شخص کی اطاعت بھی صرف انہیں باتوں میں ضروری ہے جو قرآن وسنّت کے خلاف نہ ہوں۔ جیسا کہ آیت اولی الامر میں اس کو صاف ارشاد فرمایا ہے۔ اسی شخص کو خلیفہ یا امام کہتے ہیں۔

سُنّی وشیعہ کی اختلافی نوعیت

• خلیفہ یا امام کا انتخاب بھی اُمت کے ذمہ ہے بالکل اسی طرح جیسے امامِ نماز کا تقرر مقتدیوں کے ذمّہ ہے اگر اُمت کسی نالائق شخص کو خلافت کے لیے منتخب کرے گی تو گنہگار ہوگی جس طرح مقتدی کسی نالائق شخص کو امام بنالینے سے گنہگار ہوتے ہیں۔

سوال: قرآن وسنّت ہدایت کے لیے کافی نہیں ہیں اس لیے کہ بہت لوگ ایسے ہوں گے جو قرآن وسنّت کے مطالب معلوم کرنے کے لیے کسی بیان کرنے والے کے محتاج ہوں گے اور وہ غیر معصوم ہوگا تو لامحالہ ان کو غیر معصوم کی اتباع کرنی پڑے گی اور وہی سب خرابیاں لازم آئیں گی جو غیر معصوم کے اتباع میں ہوتی ہیں۔

جواب: اس چیز کو اگر غیر معصوم کا اتباع قرار دیا جائے تو اس سے کسی حال میں مفر نہیں ہوسکتا۔ معصوم کی موجودگی میں بھی یہ کام کرنا پڑتا ہے کیونکہ معصوم کسی ایک مقام میں ہوں گے۔ اس مقام کے بھی سب لوگ ہر ہر بات میں معصوم کی طرف رجوع نہیں کرسکتے۔ اور دوسرے مقامات کے لوگوں کا تو ذکر ہی کیا لامحالہ ان کو کسی غیر معصوم سے معصوم کے احکام معلوم کرنا پڑیں گے، خواہ وہ معصوم کا نائب ہی کیوں نہ ہو۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو خلافت بھی حاصل ہوئی پھر بھی وہ کوئی ایسا انتظام نہ کرسکے کہ ہر معاملہ میں لوگ ان سے ہدایت حاصل کرتے بلکہ خاص کوفہ میں اُن کی طرف سے ایک غیر معصوم قاضی مقرر تھا جو مقدمات کے فیصلے کرتا تھا۔

شیعہ مذہب میں اختلافاتِ ائمہ

شیعہ نے ایک عذر کیا تھا کہ نبی علیہ السلام کے بعد غیر معصوم لوگوں کا اختلاف ہوگا ہم کہتے ہیں کہ ائمہ کی موجودگی میں بھی اصحاب ائمہ میں باہم دینی مسائل میں اختلاف ہوتا تھا اور وہ اختلاف نزاع کی (باقی ص ۱۴۱ پر)

ف : الارشاد میں ہے کہ گویا یہ دُعا ہر ایک سے فرداً فرداً علیحدہ علیحدہ صادر ہوتی ہے اوران کا ہر ایک دعا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۸۷) اس حد تک پہنچتا تھا کہ باہم ترکِ کلام وسلام کی نوبت آجاتی تھی اور کسی طرح اس کا تصفیہ نہ ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ مجتہدین شیعہ کہتے ہیں کہ اصحاب ائمہ پر واجب نہ تھا کہ ائمہ سے یقین حاصل کریں۔ ائمہ کی موجودگی ہی میں غیر معصوم کا اتباع برابر جاری تھا اور اب تو کسی شیعہ کو کچھ کہنے کی گنجائش ہی نہیں کیونکہ قدرت نے اس طرح ان کے خانہ ساز مسئلۂ امامت کو خاک میں ملایا ہے۔

شیعہ کے دُوسرے مفروضہ کا جواب ؛ شیعہ کہتے ہیں کہ ہر زمانے میں ایک معصوم کا موجود ہونا ضروری ہے تاکہ لوگ اس سے ہدایت حاصل کریں۔ مگر جناب حسن عسکری کے بعد جن کی وفات ۲۶۰ھ میں ہوئی آج تک کہ گیارہ سو پینتالیس اُوپر کئی سال ہوئے کوئی امام معصوم نہیں ہے اور شیعہ بھی غیر معصومین ہی کا اتباع کر رہے ہیں اور روایات ہی پر ان کا بھی عمل ہے اب کوئی پُوچھے کہ غیر معصوم کا اتباع کر کے تم گمراہ ہُوئے یا نہیں۔ اور جب روایات ہی پر عمل کرنا ٹھہرا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات نے کیا قصور کیا ہے کہ ان کو چھوڑ کر کسی دوسرے غیر نبی کی باتوں پر عمل کیا جائے۔

شیعہ کی بڑ

شیعہ کہتے ہیں کہ امام معصوم موجود تو ہیں مگر وہ نظروں سے پوشیدہ ایک غار کے اندر تشریف فرما ہیں ان کو کوئی دیکھ نہیں سکتا اور نہ اُن سے ہدایت حاصل کر سکتا ہے۔

ہم اہلسنت کہتے ہیں کہ جب انھیں کوئی دیکھ بھی نہیں سکتا اور ان سے ہدایت بھی حاصل نہیں کر سکتا۔ تو پھر ان کا وجود عدم کے برابر ہے۔ اور پھر اگر ایسا موجود ہونا کافی ہے تو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی قبر انور میں زندہ موجود ہیں اور ایسی زندگی کے ساتھ کہ اس عالم کی کروڑوں زندگیاں اس پر قربان ہیں یعنی حقیقی حیات کے ساتھ زندہ ہیں جس میں شیعہ کو بھی اختلاف نہیں اگر بالواسطہ احکام کا اجراء شرعاً جائز ہے تو پھر اس کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام زیادہ حقدار ہیں کیونکہ آپ ہی اپنے احکام کے ذمہ دار ہیں۔ پھر یہ کہاں کا اصول ہے کہ نبی علیہ السلام کا در چھوڑ کر سر من غار غیر معروف مقام کے لیے امام مہدی کو تلاش کرتے پھریں جبکہ شیعہ مذہب میں ان کے وجود کا اقرار ہے باقی فرقے ان کی موجودگی کے قائل ہی نہیں۔

اصل حقیقت بانیانِ مذہب شیعہ کا مقصود اصلی دینِ اسلام کو خراب کرنا تھا اور وہ اسی لیے مسلمانوں کے لباس میں آکر اپنی کارروائیاں کر رہے تھے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

marfat.ocm

کے وقت عرض کرتا ہے ، واجعلنی للمتقین اماما (اے اللہ ! مجھے متقیوں کا امام بنا)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۸۸) لہذا انہوں نے ایک طرف تو قرآن کو محرف کہنا شروع کر دیا ، دو ہزار سے زیادہ روایتیں قرآن میں ہر قسم کی تحریف کی تصنیف کر لیں ، اور دُوسری طرف قرآن کو معمّہ اور چیستان مشہور کیا ۔ تیسری طرف تمام صحابہ کرام کو کاذب قرار دیا تاکہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور تعلیمات جو انہیں صحابہ کرام سے منقول ہیں قابلِ اعتبار نہ رہیں ۔ اور چوتھی طرف یہ کارروائی کی کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بارہ شخص آپ کے مثل معصوم اور مفترض الطاعۃ تجویز کیے اور ان کے اختیارات یہ بیان کیے کہ ؛

فھم یحلون ما یشاءون و یحرمون ما یشاءون ..... (اصول کافی ص ۲۷۰)

یعنی یہ ائمہ جس چیز کو چاہیں حلال کر دیں اور جس چیز کو چاہیں حرام کر دیں تاکہ مسلمانوں کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے استغنا ہو جائے ۔

یہ وُہ باتیں ہیں کہ بانیانِ مذہب شیعہ کے اصلی مقصود کو عالم آشکارا کر رہی ہیں ۔ غضب خدا کا کہا تو یہ جائے کہ ہم غیر معصوم کے اتباع سے بچنے کے لیے دوازدہ اماموں کو مانتے ہیں اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں چونکہ غیر معصومین سے منقول ہیں اس لیے نہیں لیتے اور پھر غیر معصومین کا اتباع بھی کیا جائے اور غیر معصومین کی نقل کی ہوئی روایات بھی لی جائیں مگر رسول کی نہیں بلکہ ائمہ کی ۔

فقیر کی بیان کردہ باتوں پر غور فرمائیں ۔ اب دلائل پڑھیے ؛

قرآن اور امامت

قرآن مجید کو شروع سے اخیر تک کوئی پڑھے تو اس کو سینکڑوں آیتیں اس مضمون کی ملیں گی کہ رسول کی اطاعت نجات کے لیے کافی ہے اور رسول ہی کے مبعوث ہونے سے خدا کی حجت قایم ہوتی ہے ۔ خدا کی طرف سے رسول ہی کی اطاعت مخلوق پر فرض کی گئی ہے ۔ قرآن مجید میں سوائے رسول کے اور کسی کی اطاعت کو خدا نے اپنی اطاعت نہیں فرمایا ۔ نمونہ کے طور پر چند آیتیں حاضر ہیں باقی آیات مجموعی طور پر فقیر کی کتاب "مرآۃ الدلائل" میں ہیں ۔

(۱) قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ و یغفر لکم ذنوبکم ۔	کہہ دیجئے اے نبی ! اگر تم دوست رکھتے ہو اللہ کو تو میری پیروی کرو محبت کرے گا تم سے اللہ اور تمہارے گناہ بخش دے گا ۔

(باقی برصفحہ)

نکتہ: اس طرح سے جملہ لانا یعنی صیغۂ متکلم لا کر اس سے فرداً فرداً مراد لیا جانا ایجاز کے طور پر ہے۔ جیسے

(بقیہ حاشیہ ص ۴۸۹)

(۲) قل اطیعوا اللّٰہ والرسول فان تولوا فان اللّٰہ لا یحب الکافرین۔ (پارہ ۱۸۵)	فرمائیے اطاعت کرو اللّٰہ اور اس کے رسول کی پھر اگر منہ پھیریں یہ لوگ تو اللّٰہ نہیں پسند کرتا کافروں کو۔
(۳) من یطع اللّٰہ ورسولہ یدخلہ جنّٰت تجری من تحتہا الانھر خالدین فیہا و ذٰلک الفوز العظیم۔ (پارہ ۴)	جو شخص اطاعت کرے اللّٰہ کی اور اس کے رسول کی تو داخل کرے گا اللّٰہ باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ہمیشہ رہیں گے ان میں اور یہ بڑی کامیابی ہے۔
(۴) وما ارسلنا رسول الا لیطاع باذن اللّٰہ۔ (پارہ ۵)	جو رسول ہم نے بھیجا وہ اسی لیے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللّٰہ کے حکم سے۔
(۵) من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ۔ (پارہ ۵)	جس نے رسول کی اطاعت کی تحقیق اس نے اللّٰہ کی اطاعت کی۔
(۶) رسلا مبشرین و منذرین لئلا یکون للناس علی اللّٰہ حجۃ بعد الرسل۔ (پارہ ۶)	رسول خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے تاکہ نہ رہے کوئی حجت لوگوں کی اللّٰہ پر رسول کے بھیجنے کے بعد۔
(۷) واطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول و احذروا۔ (پارہ ۱۸)	اطاعت کرو اللّٰہ کی اور اطاعت کرو رسول کی نافرمانی سے بچتے رہو۔
(۸) یا معشر الجن والانس لم یاتکم رسل منکم یقصون علیکم ایاتی۔ وینذرونکم لقاء یومکم ھٰذا۔ (پارہ ۸)	اے گروہ جن و انس! کیا نہیں آئے تمہارے پاس رسول تم میں سے کہ بیان کرتے میرے احکام اور ڈراتے تم کو اس دن کے ملنے سے۔
(۹) یا بنی اٰدم اِمّا یاتینکم رسل منکم یقصون علیکم اٰیاتی فمن اتقٰی و	اے بنی آدم! آئیں گے تمہارے پاس رسول جو تمہی میں سے ہوں گے بیان کریں گے تم سے میرے احکام پھر جو لوگ پرہیزگاری

(باقی ص ۴۹۱ پر)

marfat.ocm

یا ایہا الرسل کلوا من الطیبات میں فرداً فرداً ہر ایک نبی علیہ السلام کو حکم ہوتا رہا اور اب آخر

(بقیہ حاشیہ ص ۴۹۰)

اصلح فلا خوف علیہم ولا ہم یحزنون۔ (پارہ ۸)	کریں گے اور اچھے کام کریں گے ان پر نہ کچھ خوف ہوگا نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔
(۱۰) یا ایہا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ و رسولہ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ (پارہ ۲۱)	اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی۔ تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ کی ذات میں اچھی پیروی ہے۔
(۱۱) ومن یطیع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزاً عظیما۔ (پارہ ۲۲)	جو اطاعت کرے گا اللہ کی اور اس کے رسول کی، تو بہ تحقیق وہ بڑی کامیابی کو پہنچ گیا۔
(۱۲) وقال لہم خزنتہا الم یاتکم رسل منکم۔ (پارہ ۲۴)	اور کہیں گے ان سے داروغہ جہنم کے کہ کیا نہیں آئے تھے تمہارے پاس رسول تم میں سے۔
(۱۳) ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا۔ (پارہ ۲۸)	جو حکم دیں تم کو رسول اس پر عمل کرو اور جو منع کریں اس سے باز رہو۔

قاعدہ کلیہ

قرآن مجید میں ہر جگہ رسول ہی کی اطاعت کا حکم ہے انہی کی اوامر نواہی کو واجب الاتباع قرار دیا گیا ہے انہی کی اطاعت پر فوزِ عظیم اور جنت کا وعدہ ہے۔ قبر سے لے کر حشر تک انہی کی اطاعت کا سوال ہوگا انہی کی اطاعت بعینہٖ خدا کی اطاعت قرار دی گئی ہے۔

مسئلہ امامت کی تاریخی حیثیت

شیعہ مذہب کے عقاید و مسائل کو غور سے دیکھا جائے تو ۹۰ فیصد ایجاد بندہ ثابت ہوں گے۔ چنانچہ فقیر نے "آئینۂ شیعہ مذہب" میں ان کے ہر عقیدہ و مسئلہ پر واضح ثبوت لکھے ہیں۔ سو یہ عقیدہ امامت بھی انہی ایجادات سے ہے جہاں تک فقیر اویسی غفرلہ نے کتبِ شیعہ کے مطالعہ سے (باقی ص ۴۹۲ پر)

میں ہمارے رسول علیہ السلام کو حکم ہُوا تو گویا جمع سے فردِ واحد مراد ہے (نہ کہ جمع جس طرح مرزائیوں نے سمجھا ہے)۔

سوال : امام کو واحد کیوں لایا گیا بقاعدۂ نحو ائمۃ ہونا چاہیے۔

جواب : اسی مذکورہ بالا مقصد کے پیشِ نظر۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۹۱) نتیجہ نکالا ہے کہ امامت کا عقیدہ شیعوں نے تیسری صدی ہجری میں ایجاد کیا ہے اس کے اخفاء میں انہوں نے اور زیادہ کوشش کی اور اس بارے میں تقیہ سے کام لیتے رہے۔ اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ سُنّی اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصانیف میں ائمہ پر لفظ علیہ السلام کا اطلاق کرتے تھے اور ان کو دوسرے بزرگوں کی طرح لفظ امام سے یاد کرتے تھے ان کو اس کا خیال بھی نہ ہُوا کہ ان بزرگوں کے نام کے ساتھ امام اور علیہ السلام کے الفاظ استعمال کرنے سے شیعوں کا باطل عقیدۂ امامت اہلسنت میں جگہ حاصل کرے گا۔ شیعہ کے اسلاف اہلسنت سے اپنے دین کو چھپاتے تھے اور ناواقف سُنّیوں میں تدریجاً اپنے عقاید و اعمال پھیلاتے تھے۔

سوال : اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کے بعد بھی یہ استعمال پایا جاتا ہے۔

جواب : بعد والوں میں اختلاف ہو گیا ان میں جو حضرات بلا تکلف یہ الفاظ استعمال کرتے رہے تو انہوں نے بھی اپنے پیشرو اکابر علماء کی پیروی کی اور ان الفاظ کا رواج بڑھ گیا مگر ان حضرات کے حاشیہ خیال میں بھی امامت کے مذکورہ مخصوص معنی نہ تھے بلکہ یہ امام بمعنی مقتدا اور پیشوا استعمال کرتے تھے۔ علیہ السلام بھی محض تبعاً لکھ دیتے تھے جس میں اس لفظ کے لغوی معنی ملحوظ ہوتے تھے جیسے ہر مسلمان کو السلام علیکم کہتے ہیں۔ اس کا ثبوت ان بزرگوں کے حالات ہیں جن پر نظر کرنے کے بعد کوئی بھی فہیم آدمی ان حضرات کے بارے میں اس قسم کا وہم نہیں کر سکتا۔ یہ حضرات اس معاملے میں معذور تھے ان پر کوئی اعتراض نہیں مگر اس معاملے میں ان کی پیروی نہ کی جائے گی کیونکہ اب یہ واقعہ بالکل واضح ہو چکا ہے کہ ان الفاظ کے استعمال سے شیعوں کے عقیدۂ امامت کو تقویت پہنچتی ہے یعنی اہلسنت میں اس عقیدۂ باطلہ کی اشاعت ہوتی ہے اور اہلسنت میں جو لوگ اس سے متاثر ہیں ان کے فاسد عقیدہ کو اس سے قوت حاصل ہوتی ہے اب اس روش کو ترک کرنا لازم ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ حضرت علی، حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ عنہم کے اسماءِ گرامی کے ساتھ حضرت یا سیدنا اور رضی اللہ عنہ لکھنا اور بولنا چاہیے کیونکہ یہ سب حضرات صحابی ہیں۔ بزرگانِ مذکورہ میں سے باقی حضرات مثلاً حضرت زین العابدین حضرت باقر رحمہم اللہ کے اسماءِ گرامی کے ساتھ رضی اللہ عنہ یا رحمہ اللہ لکھنا پڑھنا چاہیے تاکہ سنّی و شیعہ کے درمیان فرق ہو۔ مزید تفصیل فقیر کے رسالہ "علیہ السلام" میں پڑھئے۔ اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

سوال: اسم موصول کو بار بار کیوں لایا جا رہا ہے؟

جواب: تاکہ معلوم ہو کہ ہر موصول کے بعد کا مضمون مستقل طور پر علیحدہ علیحدہ مہتم بالشان ہے اور وہ ایسے اوصافِ جلیلہ ہیں کہ ان کے لیے موصوف کا ذکر بار بار ہو اور معلوم ہو کہ ہر ایک صفت کسی دوسری صفت کا تتمہ یا طفیل نہیں اور واو حرف عاطفہ بھی اسی لیے بار بار ہے کہ ہر وصف اپنی دوسری صفت کے مغایر ہے۔ یہ اختلاف عنوانی بمنزلہ اختلاف ذاتی کے ہے۔

حکومت و جاہ طلبی واجب ہے قفال و دیگر مفسرین کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ طلب ریاست دینی یعنی دینی حکومت اور جاہ و مرتبت کی طلب واجب ہے۔

ف: ریاست و حکومت اور جاہ و مرتبت کی طلب سے مراد اسلامی ریاست و حکومت اور جاہ و مرتبت کی طلب ہے نہ کہ دنیوی۔

دعاءِ مستجاب حضرت عروہ رضی اللہ عنہ ہمیشہ دعا مانگتے تھے کہ "اے اللہ! ان لوگوں سے بنا جن کے علم کی اشاعت بہت زیادہ ہو۔"[1] اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا مستجاب فرمائی۔

دنیوی حکومت طلبی کی تحقیق ہماری مراد حکومتِ دنیوی نہیں اس لیے کہ اس میں سنت یہ ہے کہ دنیوی لحاظ سے کسی قسم کی سرکاری ملازمت قبول نہ کی جائے نہ قضاء نہ افسری نہ فتویٰ نہ دیگر دنیوی عہدے۔ دلی طور پر انہیں اپنے لیے زہرِ قاتل سمجھنا چاہیے۔ ایسے عہدوں پر رضامندی کی بجائے نفرت کا اظہار کرنا چاہیے۔ ہاں اگر کوئی جبر و اکراہ اور سخت وعیدوں یعنی دھمکیوں میں آ جائے تو الگ بات ہے۔ کیونکہ جب ہمارے اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے دل سے قبول نہیں کیا تو ہم کون ہیں قبول کرنے والے۔[2]

بوحنیفہ قضا نکرد و بمرد
تو بمیری اگر قضا نکنی

---

[1] فقیر اویسی ہمیشہ اس دعا کو نماز کی ماثورہ دعا کے بعد پڑھا کرتا ہے مجھے امید ہے کہ فقیر کی اولاد تا قیامت دینِ اسلام کی خادم، نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی غلام اور آپ کے صحابہ کرام و اہلبیت عظام اور اولیاءِ امت و علماءِ اہلسنت کی نیاز مند رہے گی۔

[2] بحمدہٖ تعالیٰ فقیر اویسی اسی کھاتے کا ایک فرد ہے خدا کرے میری اولاد اور میرے احباب و متعلقین کو بھی حکومت اور سرکاری تعلق سے حفاظت نصیب ہو۔ آمین اویسی غفرلہٗ

(ترجمہ: امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے قضا قبول نہ فرمائی اور اسی میں فوت ہوئے تو بھی مرے گا اگر قضا قبول نہ کرے گا)

سوال: حضرت شیخ ابو مدین قدس سرہٗ نے فرمایا:

آخر ما یخرج من رءوس الصدیقین حب الجاہ۔

یہاں یخرج سے یظہر مراد ہے۔ معنی یہ ہے کہ صدیق وہ ہے جس کا انتہائی مرتبہ یہ ہے کہ اس سے جاہ و مرتبت کی محبت کا اظہار ہوگا۔

جواب: جب صدیقین اسم باطن کی تکمیل کر لیتے ہیں تو پھر خواہش کرتے ہیں کہ وہ اسم ظاہر کے مرتبہ کو بھی ظاہر کریں تاکہ تمام اسماءِ الٰہیہ کے کمالات سے کلی طور پر انہیں حصہ نصیب ہو۔ اس طرح سے ابناء الدنیا (دنیا داروں) پر ان کا قیاس نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی وہ دنیا داروں کی طرح دنیاوی مراتب پر فائز ہونا چاہتے ہیں بلکہ وہ دنیا کے انتظامات میں دخیل بننا چاہتے ہیں جس طرح بھی ان سے بن پڑتا ہے۔

صاحبِ روح البیان کے پیر و مرشد قدس سرہٗ کا کارنامہ

ہمارے شیخ اجل و کامل و اکمل قدس سرہٗ نے اپنے بعض مکاشفات میں دیکھا کہ وہ عنقریب بادشاہ بنا دیے جائیں گے تھوڑا عرصہ گزرا کہ باغیوں نے قسطنطنیہ پر قبضہ کر کے بادشاہ کو، اس کے ارکانِ دولت اور قریبی رشتہ داروں کو قید کر دیا۔ پھر یہ فتنہ ہمارے شیخ قدس سرہٗ کی حسنِ تدبیر سے فرو ہوا اور بادشاہ اور جملہ اہلِ اسلام کو نجات ملی اور باغیوں کی بنیاد جڑ سے کٹ گئی۔ اس طرح سے ہمارے شیخ کو اسم ظاہر کی تکمیل کا موقع میسر آیا۔ اس کی تفصیل ہماری کتاب "تمام الفیض" میں ہے۔

شانِ نزول و فضیلتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

کشف الاسرار میں ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی: اے امیر المؤمنین! یہ آیت کہاں اور کس کے حق میں نازل ہوئی۔ عباد الرحمٰن سے کون لوگ مراد ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے جابر! تمہیں معلوم ہے یہ لوگ کون ہیں اور یہ آیت کہاں اُتری؟ میں نے عرض کی: یا حضرت! یہ آیت مدینہ طیبہ میں اُتری۔ آپ نے فرمایا: نہیں یہ آیت مکہ شریف میں اُتری اور الذین یمشون علی الارض ھونا سے حضرت ابو بکر ابن ابی قحافہ رضی اللہ عنہ مراد ہیں کیونکہ آپ کو ہی حلیم قریش کہا جاتا تھا۔

marfat.ocm

صدیقِ اکبر اور عشقِ نبوی

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ جب اللہ تعالےٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اسلام کی دولت سے نوازا تو میں نے انہیں ایک دن دیکھا کہ وہ مسجد حرام میں بیہوش پڑے ہیں اس کی وجہ یہ ہوئی کہ انھیں بنی مخزوم و بنو امیہ کے کفار نے زدوکوب کیا تھا۔ میں انہیں ان کے گھر لے گیا۔ جب ہوش میں آئے تو والدہ (جو ان کے سرہانے بیٹھی تھی) سے پوچھنے لگے کہ اماں! میرے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہاں ہیں اور ان کا کیا حال ہے۔ ان کے والد ابو قحافہ نے فرمایا، بیٹا! تو بار بار محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں کیوں پوچھتا ہے جبکہ تم انہی کی وجہ سے زخم خوردہ ہو۔ اور تم ان کو ایسے دل دے چکے ہو کہ اب اپنی پروا تک نہیں، ہر وقت انہی کا خیال رکھتے ہو حالانکہ تمہاری اس روش سے ہمارے ساتھ بنی مخزوم بائیکاٹ کر گئے ہیں اور کہہ گئے ہیں کہ یہ اپنے باپ دادا کے دین میں جب تک واپس نہ آئے گا ہمارا تم سے بائیکاٹ ہی رہے گا۔ اب بھی اگر تم ہمارے دین میں لوٹ آؤ تو ہم ان سے تمہارا بدلہ لے سکتے ہیں ایسا بدلہ کہ تم اس سے خوش ہو جاؤ گے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بہت بڑے حلیم اور بُردبار تھے اور متواضع بھی، سر اٹھا کر دعا کی:

"اے اللہ! بنو مخزوم کو ہدایت سے نواز، وہ بے خبر ہیں، الٹا مجھے حق سے موڑ کر باطل کی طرف لے جانا چاہتے ہیں"

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی ہے اور انہیں حلیم کی صفت سے نوازا ہے۔ انہی کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

الذین یمشون علی الارض هونا واذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاما.

(وہ لوگ جو زمین پر منکسر و متواضع ہو کر چلتے ہیں اور جب ان سے جُہّال غلط باتوں سے مخاطب ہوتے ہیں تو وہ ان کو دعائیں دیتے ہیں۔)

حضرت سالم رضی اللہ عنہ کی فضیلت

اے جابر! والذین یبیتون لربهم سجدا و قیاما (اور وہ لوگ جو رات اپنے رب کے ہاں سجود و قیام میں گزارتے ہیں) حضرت سالم جو حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہما کے غلام ہیں، کے حق میں ہے کہ وہ ہمیشہ رات کو عبادت کرتے اور تہجد پڑھتے گزارتے تھے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی فضیلت

اے جابر! والذین یقولون ربنا اصرف عنا عذاب جهنم (اور وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم سے جہنم کا عذاب پھیر دے) یہ آیت حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے حق میں ہے کہ آپ ہمیشہ

حزن وغم میں گزارتے اور دوزخ کے عذاب سے ڈرتے رہتے تھے یہاں تک کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوذر! یہ جبریل ہیں اور مجھے اللہ تعالیٰ سے خبر دے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں دوزخ کے عذاب سے پناہ دے دی ہے۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت

والذین اذا انفقوا و لم یسرفوا الخ (اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے اور حد سے نہیں بڑھتے) یہ آیت حضرت ابوعبیدہ کے حق میں ہے کہ انہوں نے اپنا بہت سا مال اپنے لیے اور اپنے اقرباؑ کے لیے خرچ کیا اللہ نے ان سے راضی ہو کر یہی فرمایا جو اُوپر مذکور ہُوا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت

والذین لا یدعون مع اللہ الٰہا آخر (اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کی عبادت نہیں کرتے) یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں ہے کہ آپ نے کبھی بُت پرستی نہ کی اور نہ ہی زنا کیا اور نہ کبھی قتلِ ناحق کا ارتکاب فرمایا۔

سعید بن زید بن عمر بن نفیل رضی اللہ عنہ کی فضیلت

خطاب بن نفیل نے ایک زِرہ بیچ ڈالی، پھر پشیمانی ہُوئی خطاب نے حضرت سعید رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ تم یہ دعویٰ کرو کہ یہ زرہ میرے دادا کی ہے خطاب کو اسے بیچنے کا حق نہ تھا فلہذا مجھے واپس دی جائے۔ اگر تم ایسا کرو گے تو میں تمہیں معقول رشوت دُوں گا۔ آپ نے فرمایا: مجھے تیری رشوت کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہی مجھے جھُوٹ بولنا آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے راضی ہو کر اس آیت میں ان کی تعریف کی: والذین لا یشھدون الزور۔

سعید بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی فضیلت

والذین اذا ذکروا الخ میں حضرت سعید رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا بیان ہے (کہ وہ اسی آیت کے مصداق تھے)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی فضیلت

والذین یقولون ربنا ھب لنا الخ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا بیان ہے (کیونکہ آپ اسی آیت کے صحیح مصداق تھے)

ربط: مذکورہ بالا اوصافِ مبارکہ بیان کرنے کے بعد اب ان کی جزاء کا ذکر فرمایا۔
اُولٰٓئِكَ یہی وہ لوگ ہیں جو ابھی آٹھ صفات کے موصوف بیان ہوئے اپنے ان صفات سے

marfat.ocm

موصوف ہونے کی وجہ سے یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر یُجْزَوْنَ الْغُرْفَۃَ ہے یعنی جزا دیئے جائیں گے بالاخانوں سے۔ جزاء بمعنے غناء و کفایۃ ہے یعنی عمل کے مقابلہ کی کفایۃ کرنے والی شے۔ اگر خیر ہے تو جزا بھی بھلی، اگر برائی ہے تو جزا بھی بری۔

حلِ لغات: الغرف بمعنے شے کو اٹھانا اور کسی شے سے کچھ لینا۔ کہا جاتا ہے:

غرفت السماء والمرق۔ (میں نے پانی اور شوربہ لیا)

اور منازل عالیہ سے ایک بلند منزل بھی مراد ہوتی ہے (یہاں یہی مراد ہے) یعنی وہ جنت کے بلند و بالا منازل میں سے جزا دیئے جائیں گے۔ یہ اسم جنس ہے اس سے جمع مراد ہے۔ جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا:

وھم فی الغرفات آمنون۔

(وہی لوگ بالاخانوں میں امن وچین کے ساتھ ہوں گے)

ف: فصول عبدالوہاب میں ہے کہ وہ چار کونوں والے محلات ہوں گے جو زر و سیم اور لؤلؤ و مرجان سے تیار کیے گئے ہیں۔

بِمَا صَبَرُوْا [1] بسبب اس کے کہ انہوں نے صبر کیا۔ ما مصدریہ ہے اور صبر کو کسی عمل سے متعلق نہیں فرمایا بلکہ مطلق رکھا گیا تاکہ مصبر علیہ (جس امر پر صبر کیا گیا) کو شامل ہو۔ اب معنی یہ ہوا بوجہ ان کے صبر کرنے کے طاعات کی تکالیف اور ترکِ شہوات کی پریشانیوں کے اور مجاہدات کے برداشت کے منجملہ ان کے روزہ بھی ہے۔

فضیلتِ روزہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الصوم نصف الصبر والصبر نصف الایمان۔

(روزہ نصف صبر ہے اور صبر نصف ایمان ہے)

---

[1] جیسا کہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ کا ایک واقعۂ صبر یوں ہے کہ ایک دفعہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے پاس ایک شخص آیا اور پوچھنے لگا: "کیا آپ کے والد کا انتقال ہو چکا ہے؟" آپ نے فرمایا: "ہاں"۔ اس نے پھر پوچھا: "آپ کی والدہ زندہ ہیں؟" آپ نے فرمایا: "ہاں"۔ وہ کہنے لگا: "میں نے سنا ہے آپ کی والدہ بڑی حسینہ و جمیلہ ہیں میں ان سے نکاح کرنے آیا ہوں آپ میرے ساتھ اُن کا نکاح کر دیں۔" آپ نے فرمایا: "وہ عاقل و بالغ ہیں انہیں نکاح کا اختیار ہے میں جبر نہیں کر سکتا البتہ ان سے پوچھ سکتا ہوں۔" آپ پوچھنے جا رہے تھے اتفاق سے آپ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ شخص تڑپ کر جان دے رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: "ابوحنیفہ کے صبر نے اس کی جان لے لی۔" اویسی غفرلہٗ

شرح الحدیث حدیث شریف کے حکم پر روزہ ایمان کا ایک چوتھائی ہے کیونکہ یہ دشمنِ خدا کے لیے قہر ہے اس لیے کہ شہوات شیطان کا وسیلہ ہیں اور شہوات کو خورد و نوش سے تقویت ملتی ہے

اسی لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الشیطان لیجری من ابن آدم مجری الدم فضیقوا مجاریہ بالجوع۔

(شیطان ابنِ آدم میں خون کی طرح چلتا پھرتا ہے اس کے راستے بھوک سے روکو)

۱ جوع باشد غذاے اہلِ صفا
محنت و ابتلاے اہلِ ہوا

۲ جوع تنویرِ خانۂ دل تست
اکل تعمیرِ خانۂ گِل تست

۳ خانۂ دل گذاشتی بے نور
خانۂ گل چہ میکنی معمور

(ترجمہ: (۱) بھوک صوفیہ کرام کی غذا ہے لیکن شہوت پرستوں کو محنت اور دکھ محسوس ہوتی ہے۔

(۲) بھوک دل کو نورانی بناتی ہے، کھانا مٹی کے گھر یعنی جسم کی تعمیر ہے۔

(۳) دل کی روشنی کو چھوڑ کر مٹی کے گھر (جسم) کو کیوں آباد کر رہا ہے)

حدیث شریف میں ہے:
ان فی الجنۃ لغرفا مبنیۃ فی الھواء لاعلاقۃ من فوقھا ولا عماد لھا من تحتھا لا یأتیھا اھلھا الا شبہ الطیر لا ینا لھا الا اھل البلاء۔

(بہشت میں ایسے بالاخانے بھی ہیں جو ہوا پر تیار کیے گئے ہیں انہیں نہ اوپر سے کوئی تعلق ہے اور نہ ان کے نیچے کوئی ستون ہے اس میں آنے والے پرندوں کی طرح ہی جائیں گے لیکن اہلِ شہوت کو ان میں داخلہ نہ ملے گا۔ بلکہ یہ دکھ درد والوں کو نصیب ہوں گے)

تفسیر صوفیانہ اولٰئک یجزون الغرفۃ یہ وہ لوگ ہیں جن کو مالک قادر کے ہاں (جو قیام گا مقام عندیہ میں ہے) ٹھہرایا جائے گا بما صبروا بسبب ان کے صبر کرنے ک ابتداے سلوک میں بوجہ ادائیگی اوامر و ترکِ نواہی کے اور وسطانی دور میں اخلاقِ ذمیمہ کو اخلاقِ حمیدہ سے تبدیل کرنے میں اور انتہا میں وجودِ انسانی کو وجودِ ربانی میں فنا کرنے میں۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

marfat.ocm

صبر بمعنے ترک شکوٰی ازالم البلوی لغیر اللہ لا الی اللہ۔

ف : بعض اکابر نے فرمایا : سالک کے آداب میں سے ایک یہ ہے کہ دکھ درد کا شکوہ اللہ تعالیٰ کی طرف اسی طرح لے جائے جیسے ایوب علیہ السلام نے عرض کی تھی تاکہ ادب الٰہی بھی نصیب ہو اور اظہارِ عجز بھی، نہ یہ کہ قہرِ الٰہی کا مقابلہ کرنے لگ جائے۔ جیسے جاہل صُوفی کرتے ہیں پھر مدعی بنتے ہیں کہ ہم ہی اہلِ تسلیم و تفویض ہیں۔ یوُں وہ دو جہالتوں کو جمع کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ

وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا اور انہی بالاخانوں میں ملتے ہیں ملائکہ کی طرف سے تَحِيَّةً

حلِ لغات : تلقیۃ ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جو کسی کو پیش کی جائے۔ یہ دوسرے مفعول کی طرح بواسطہ باء و بلا واسطہ متعدی ہوتا ہے۔ جیسے : لقیتہ کذا و بکذا۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کو آگے چل کر ملے۔ (کما فی المفردات)

اب معنی یہ ہوا کہ ملائکہ کرام ان کا تحیۃ سے استقبال کرتے ہیں وَسَلٰمًا۝ اور سلام سے۔ یعنی ملائکہ کرام ان کے پاس آکر السلامُ علیکم کہتے ہیں اور ان کی درازیِ عمر کی دُعا بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا کرے کہ تم ہر بلاء و آفت سے محفوظ رہو اس لئے تحیۃ و سلام میں درازیِ عمر اور سلامتی از آفات کی دعا ہوتی ہے۔

حلِ لغات : المفردات میں ہے کہ التحیہ یہ ہے کہ کسی کو کہا جائے : حیّاکَ اللہ (اللہ تجھے تادیر زندہ رکھے) یہ اصل میں اخبار ہے لیکن دعاء کے معنی میں مجازاً (انشاء) مستعمل ہے جیسے کہا جاتا ہے :

حیّٰ فلان فلانا تحیۃ۔ (فلاں نے فلاں کے لیے درازیِ عمر کی دعا کی)

اور تحیۃ دراصل حیاۃ سے ہے پھر ہر دُعا (مطلق) کو تحیہ سے تعبیر کیا گیا ہے اس لیے کہ ہر دعا حیوٰۃ سے متعلق ہے، یا دعا حیوٰۃ کا سبب ہے یا دنیا میں یا آخرت میں۔ اسی سے ہے : التحیات للہ۔ اور السلام و السلامۃ بمعنے آفات ظاہرہ و باطنہ سے خالی ہونا۔ اور حقیقی سلامتی جنت میں ہی ہے اس لیے کہ اس میں بقا، بلا فنا اور غناء بلا فقر اور عزت بلا ذلت اور صحت بلا مرض ہے۔

تفسیر صُوفیانہ

بعض مشایخ نے فرمایا کہ تحیۃ و سلام میں یہ فرق ہے کہ سلام بمعنے سلامۃ العارفین فی الوصال عن الفرقۃ (عارفین کا وصال فرقت و جدائی کے خطرہ سے سلامتی) اور تحیہ بمعنے روح تجلی حیاۃ الحق الازلی علی ارواحهم و اشباحهم فیحیون حیاۃ ابدیۃ (حیاۃ حق کی تجلی ازلی ان کے ارواح و اجسام پر جس سے وہ ابدی حیات پاتے ہیں) اور بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگ بہشت میں حیاتِ الٰہی اور سلامِ ربانی پاتے ہیں جس سے وہ زندہ رہیں گے

اور استہلاک کلی سے نجات پائیں گے جیسے ابراہیم علیہ السلام آفت برد سے سلام ربانی سے محفوظ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

کونی برداً و سلاما علی ابراھیم۔

(ٹھنڈی ہوجا اور سلامتی والی ہو ابراہیم پر) ؎

سلامت من دلخستہ در سلام تو باشد
زہے سعادت اگر دولت سلام تو یابم

(ترجمہ، مجھ دل خستہ کی سلامتی آپ کے سلام علیکم کہنے میں ہے۔ میری خوش بختی کا کیا کہنا اگر آپ سے مجھے ایک بار سلام علیکم نصیب ہو)

تفسیر عالمانہ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا یجزون کے فاعل سے ہے کہ حال یعنی ان کا حال یہ ہوگا کہ وہ نہ تو مریں گے اور نہ ہی بالاخانوں سے نکالے جائیں گے حَسُنَتْ بہترین ہیں وہ بالاخانے مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا۝ وہ ٹھہرنے کی جگہ اور قیام گاہ ہونے کے لحاظ سے۔ یعنی ان کی قرارگاہ اور قیامگاہ بہتر سے بہتر ہوگی۔ یہ ساءت مستقرا کے بالمقابل لایا گیا ہے اسی لیے معنی و اعراب کے لحاظ سے اسی کی طرح ہوگا۔

سبق؛ عاقل پر لازم ہے کہ وہ ایسے بلند قدر اور اعلیٰ بالاخانوں کے حصول کے لیے آج ہی سے اعمالِ صالحہ کے ذریعے کوشش جاری کردے صرف خیالی تصور اور آرزومند رہنے سے کام نہ بنے گا کیونکہ خیالی تصورات موت کی طرح ہیں اور بس۔ کیونکہ ؎

و بقدر الکدّ و التعب تکتسب المعالی
و من طلب العلی جدّ فی الایام و اللیالی

(ترجمہ، دکھ اور تکلیف کے مطابق ہی انسان کو ترقی نصیب ہوتی ہے جو بلند مرتبے کا خواہشمند ہے وہ دن رات اس کے حصول کے لیے کوشاں رہتا ہے)

محبت الٰہی کی علامات بعض مشایخ نے فرمایا کہ جو شخص چاہے کہ اسے زندگی میں ہی معلوم ہوجائے کہ اس سے اللہ تعالیٰ راضی ہے۔ اور وہ اس کا سچا محب ہے تو اپنے اندر جھانکے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے سچے جانشینوں، صحابہ کرام و ائمہ مجتہدین کی اتباع میں ہے یا نہیں، اور ان کے عادات و اخلاق، سیرۃ و اعمال مثلاً زہد، تقویٰ اور شب بیداری اور جمیع مامورات شرعیہ اور جمیع منہیات پر کس قدر کاربند ہے اور وہ بلا و مصیبت اور دکھ درد اور تنگیٔ معاش

کے ورود سے قلبی طور پر خوش ہے اور دُنیا کی گُوناگُوں رنگینیوں اور اس کی چہل پہل سے رُوگردان ہے یا نہیں۔ اگر اس کا حال ان کے عین مطابق ہے تو یقین کر لے کر اس پر اس کا خدا راضی ہے ورنہ سمجھے کہ اس سے اس کا خدا ناراض ہے۔ (اب اختیار بدستِ مختار)

نوافل اور دوگانے ، حدیثِ قدسی

نفلی عبادات بکثرت کرنا محبت الٰہی کی تمہید ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ سے بیان کرتے ہیں:

ما تقرب المتقربون الیّ بمثل اداء ما فرضت علیھم و لا یزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتی احبہ۔

(میرے قرب کے متلاشی میرے فرائض کی ادائیگی اور نوافل کی کثرت کرتے ہیں تو میں ان سے محبت کرتا ہُوں)

آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ جس سے محبت کرتا ہوگا اسی کو بہشت کے بالاخانوں میں جگہ دے گا۔ اور اسی پر ہی تجلّیِ الٰہی کا ورود ہوگا ایسے حضرات اللہ تعالیٰ کے قُرب میں خلوت نشین ہوں گے ان میں سب سے اعلیٰ منبروں پر انبیا علیہم السلام جلوہ افروز ہوں گے۔ ان کے بعد اولیاءِ کرام تختوں پر، پھر علماءِ ربانیین کرسیوں پر، ان کے بعد ان کے ماننے والے اور ان کی تقلید میں زندگی بسر کرنے والے اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے والے اہلِ ایمان حسبِ مراتب بیٹھے ہوں گے۔ اور یہ نشست جنت عدن کے کثیب ابیض کے قریب ہوگی۔

ف: جس نے توحید کا اقرار صرف دلائل کی روشنی میں کیا ہوگا وہ زمین پر بغیر کسی اونچے مرتبے کے بیٹھے گا۔ مقلد فی التوحید سے بھی اس محقق براہِ راست کا مرتبہ بہت ہوگا (ثابت ہُوا کہ محبوبانِ خدا کا وسیلہ فائدہ دیتا ہے)

نکتہ: محقق کا مقلد[1] سے مرتبہ اس لیے گھٹایا گیا ہے کہ محقق اپنے طور اگرچہ منزلِ مقصود پر پہنچ بھی جائے تب بھی ہزاروں ٹھوکریں کھانے کے بعد بخلاف مقلد کے کہ وہ شارع کے قدموں پر چل رہا ہے۔ اسی لیے اسے کسی قسم کی دقت نہ ہوگی کیونکہ محقق ذات وصفاتِ باری تعالیٰ میں اپنی عقلی دلیلوں کے بل بوتے کم وبیش گر جائے گا بخلاف مقلد کے کہ وہ نبی علیہ السّلام کے بتائے ہُوئے اصولوں کے مطابق ذات وصفات

---

[1] یہاں مقلد سے لغوی معنیٰ مراد ہے۔ اویسی غفرلہٗ

میں عقیدہ رکھتا ہے اس لیے اس کا ایمان ویقین زیادہ پختہ اور مضبوط ہوگا۔

تفسیر صُوفیانہ غرفہ (بالاخانوں) کا ذکر محض لالچیوں اور نفس کے بندوں کے لیے ہے ورنہ خواص کو تو سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے کسی قسم کا طمع ولالچ نہ ہوگا۔ اسی لیے وہ اور بالاخانوں جوان کے اوپر ہوں گے ان جیسی نعمتوں سے نوازے جائیں گے جن کا اشارہ تحیۃ وسلام میں ہے یہ اس وقت ہوگا جب تحیہ وسلام منجانب اللہ ہو کیونکہ عاشق تو صرف جمالِ یار کے دیدار سے ہی لذت پاتا ہے اور بس یا پھر اس کی گفتگو سے۔

حکایت ایک نصرانی کا ہمسایہ مسلمان تھا۔ مسلمان نے نصرانی کو اسلام کی دعوت دی۔ نصرانی نے پوچھا اسلام پر مجھے ملے گا کیا؟ مسلمان نے کہا: بہشت۔ نصرانی نے کہا: بہشت تو مخلوق ہے اس کے ملنے سے مجھے کیا فائدہ! پھر مسلمان نے کہا: حُور عطا ہوگی۔ نصرانی نے کہا: میں اس سے بھی اعلیٰ انعام چاہتا ہوں ع

صحبتِ حُور نخواہم کہ بود عین قصور

(ترجمہ: میں حور کی صحبت نہیں چاہتا اس لیے کہ یہ تو سراپا نقصان ہے)

مسلمان نے کہا: تو پھر تجھے دیدارِ الٰہی نصیب ہوگا۔ اس پر نصرانی نے کہا: اب تم نے میرے مقصد کو پالیا کیونکہ دیدارِ یار سے بڑھ کر ہمیں کوئی انعام نہیں چاہیے۔ نصرانی اسلام لے آیا۔ پھر چند دنوں کے بعد فوت ہوگیا۔ اسے خواب میں دیکھا گیا کہ وہ بہشت میں گھوڑا دوڑا رہا ہے اس سے پُوچھا گیا تم فلاں نصرانیت سے اسلام لانے والے تو نہیں ہو؟ اس نے کہا: وہی ہُوں۔ پُوچھا گیا: تیرے ساتھ اللہ نے کیا کیا؟ کہا: جب میری رُوح نے پرواز کی تو مجھے عرش پر پہنچایا گیا۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے بندے! تُو نے میرے اشتیاقِ دیدار میں اسلام قبول کیا ہے فلہذا جا تیرے لیے دائمی خوشنودی اور بقا ہے۔

تفسیر عالمانہ قُلْ اے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تمام لوگوں سے فرمایئے مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ۔

ربط: مذکورہ اہل ایمان کا حال بیان کرنا ہے۔

ترکیب: وما استفہامیہ محلاً منصوب علی المصدریہ یا نافیہ [illegible] ما عبأ ما یبالی ولا یعتد بہ کذا فی القاموس)

حلِ لغات: ما اعباء بفلان ما ابالی، لولا کا جواب محذوف ہے۔ اس کا ماقبل اس پر دلالت کرتا ہے اور دعاءکم مبتداء اور اس کی خبر موجودٌ یا واقعٌ ہے اور یہ مصدر مضاف

بسورتے فاعل ہے بمعنے عبادت[1]۔ دُعا بمعنے عبادت کی نظیر آیۃ والذین لا یدعون مع اللہ الٰھا آخر (یعنی وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے کی عبادت نہیں کرتے) ہے۔ اور اس جیسی اور آیات جن میں دعا بمعنے عبادت ہے بکثرت ہیں۔

ما استفہامیہ ہو تو معنی ہوگا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! فرمائیے کہ میرے پروردگار کے ہاں تمہاری کیا قدر و قیمت ہے اگر تم اسے نہ پوجو اور اس کی اطاعت نہ کرو کیونکہ بندے کی قدر و منزلت عبادت سے ہی ہوتی ہے ورنہ عبادت نہ کرنے والا انسان اور جانور برابر ہیں۔

ف : زجاج نے فرمایا، اس کا معنی یہ ہے کہ اے مومنو! اللہ کے ہاں تمہاری کوئی قدر اور وزن نہیں اگر تم اس کی عبادت نہ کرو۔ دراصل عبءٌ بالکسر و بالفتح بمعنے الثقل والحمل (بوجھ) ہے جس حیثیت کا ہو۔ ما اعباء بہ بمعنے ما ادری لہ وزنا میں اسے وزنی نہیں سمجھتا اور نہ ہی میرے نزدیک اس کی قدر و منزلت ہے۔ آیۃ میں امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ کا رجوح بھی اسی معنی کی طرف ہے۔ آیت کے اور معانی بھی ہیں لیکن محققین کے نزدیک یہی معنی بہتر ہے[2]۔

فَقَدْ كَذَّبْتُمْ ۔

ربط : یہاں سے کافروں کا حال بیان کرتا ہے[3]۔ یعنی اے کافرو! میری بتائی ہوئی خبر کو تم نے جھٹلایا اور تم اس حد سے گزر گئے ہیں کہ جس سے تمہیں اللہ تعالیٰ قدر و منزلت بخشے یا تمہاری قدر اور وزن کا اعتبار فرماتے۔

---

[1] یہ معنی صاحبِ رُوح البیان نے بیان فرمایا ہے جو نہ بریلوی ہیں نہ بریلویت سے انہیں کوئی تعلق ہے لیکن افسوس کہ وہابیوں دیوبندیوں نے دُعاء بمعنے عبادت کا الزام لگا کر بریلوی ترجمہ کہہ کر حق کو دبانے کی کوشش کی ہے یہ ان کی خام خیالی ہے۔

[2] صاحبِ روح البیان کے ایک مضمون کو ناظرین غور سے پڑھیں کہ یہ ترجمہ اُس وقت کر رہے ہیں جب بریلویت و وہابیت و دیوبندیت کا نام و نشان تک نہ تھا۔ اب اسی ترجمہ کو اعلیٰحضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے کنز الایمان میں اپنایا تو وہابی دیوبندی چیخ پڑے کہ یہ معنی ایجاد بندہ ہے حالانکہ وہ لوگ دعاء بمعنے پکارنا کر کے مطلقاً شرک کا فتوٰی دیتے ہیں انہیں تحریف قرآنی کا خوف نہیں ہوتا۔ اب فیصلہ ناظرین فرمائیں کہ صدیوں پہلے جو مفسرین لکھ گئے ہیں وہی ہم اور ہمارے امام اعلیٰحضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ لکھتے ہیں۔ اس پر ہمیں ناز ہے کہ ہم اپنے اسلاف صالحین کے نقش قدم پر ہیں۔

[3] اعلیٰحضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے کنز الایمان میں یہی ترجمہ کیا ہے۔ اویسی غفرلہٗ

فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ۝ قتال کے وزن پر مصدر ہے۔ عدل کی طرح فاعل کے قائم مقام آتا ہے یعنی جیسے عدل بمعنے عادل ہے۔ ایسے ہی یہ الزام بمعنے ملازم ہے۔ یعنی تمہاری تکذیب پر جو بھی سزا مقرر ہوگی وہ تم پر ایسی لازم ہوگی کہ تمہیں ایسے گھیر لے گی کہ جس سے تمہارا نجات پانا مشکل ہو جائے گا اور وہی سزا تمہیں جہنم میں جھونک دے گی۔ یہ معنیٰ ہم نے فاء کی وجہ سے کیا ہے کہ اس کو ماقبل کا مابعد کا لزوم چاہیے اور اسے چھپایا اس لیے گیا ہے کہ گویا وہ اتنا ظاہر ہے کہ اس کے اظہار کی ضرورت ہی نہیں اور تاکہ اس کے ہولناک ہونے پر دلالت کرے۔ یعنی یہ ایک ایسی سزا ہے کہ جس کی کنہ حقیقت کو کوئی نہیں پا سکتا۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے دنیوی سزا مراد ہے اور وہ ہے بدر کے جنگ کا موقعہ کہ اس میں بعض بری طرح مارے گئے اور بعض قیدی بنائے گئے یعنی ستر آدمی قیدی بنے۔ پھر اس کے ساتھ انہیں آخرت کا عذاب متصلاً لازم ہوگیا۔ حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ نے فرمایا: ؎

رطب ناورد چوب خر زهره بار
چه تخم افگنی بر همان چشم دار

(ترجمہ: جھاؤ کی لکڑی سبز کھجور کا پھل نہ دے گی۔ جیسا بیج ڈالو گے اس سے ویسا ہی پھل پاؤ گے۔)

تفسیر صوفیانہ

کفار نے استعداد فطری ضائع کر دی تھی اور قویٰ کو بیکار کر دیا تھا۔ ان کا حال گٹھلی کی طرح ہو گیا تھا کیونکہ اس سے اب سیب نہیں اگایا جا سکتا تھا۔ قاعدہ ہے کہ شے کی اصل تخلیق و قوت مفقود نہیں ہوتی مثلاً گٹھلی سے کھجور تو پیدا ہو سکتی ہے اس کے لوازمات پورے کیے جائیں تو۔ اگر اسے بیکار اور لاوارث چھوڑ دیا جائے تو کچھ نہ اُگے گا۔ ایسے ہی انسان کا حال ہے کہ اس میں فساد و صلاح دونوں مادے ہیں اگر دونوں مادے نہ ہوتے تو مواعظ و وصایا کا کوئی فائدہ نہ ہوتا حالانکہ وعد و وعید اور اوامر و نواہی اسی صلاح و فساد کے لیے مقرر ہوئے ہیں اور نہ ہی عقل کا تقاضا ہے کہ ان دونوں مادوں کے نہ ہونے پر اسے زجر و توبیخ ہوگی اور پھر یہ انسان کے لیے کیسے ممکن نہ مانا جائے جبکہ ہم بعض جانوروں میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ مثلاً وحشی جانور مانوس ہونے سے عادت بدل لیتا ہے اور رذیل جانور سلامتی قبول کر لیتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ توحید و تصدیق و طاعت انسان میں ممکن ہے اور وہ قدرت رکھتا ہے کہ اپنے سے شرک و تکذیب و عصیان دور کرے۔ اور اس کی تخلیق بھی اسی توحید و تصدیق و طاعت کے لیے ہوئی ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ما یعبأ بخلقکم ربی لولا عبادتکم وطاعتکم ایاہ۔

marfat.ocm

(میرے پروردگار کو تمہارے پیدا کرنے کی ضرورت نہیں اگر تم اس کی عبادت و طاعت نہ کرو)

یعنی اس نے تمہیں محض عبادت کے لیے ہی پیدا کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وما خلقت الجن والانس الّا لیعبدون۔

(اور میں نے جن و انس کو محض اس لیے پیدا کیا کہ وہ عبادت کریں)

نتیجہ نکلا کہ انسان کی تخلیق میں حکمتِ الٰہیہ و مصلحتِ ربانیہ یہی ہے کہ وہ طاعت و عبادت کرے۔ اگرچہ اشاعرہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے افعال معلل بالاغراض نہیں لیکن غایات جلیلہ کے ساتھ متعلق تو ہیں۔

ملفوظِ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

امام راغب فرماتے ہیں کہ انسان اس دنیا میں مسافر ہے جیسا کہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

الناس سفر والدار دار ممرّ لا دار مقر۔

(لوگ مسافر ہیں اور یہ دنیا گزرگاہ ہے قیام گاہ نہیں)

انسان کے سفر کی ابتدا ماں کے پیٹ سے ہے اور اس کی اصل منزل آخرت ہے اور اس کی زندگی اس کے سفر کی مسافت ہے اور اس کی عمر کے مہ و سال فراسخ اور اس کے ایام میل (کلومیٹر) اور سانس چلنے کی رفتار۔ اور ایسے چل رہا ہے جیسے کشتی اپنے سوار لے کر چلتی ہے۔ کسی شاعر نے فرمایا: ؎

رأیت اخا الدنیا وان کان ثاویا
اخا سفر یسری بہ وھو لا یدری

(ترجمہ: میں نے دنیا کے مقیم کو سفری دیکھا ہے اگرچہ وہ مقیم ہے لیکن رات دن چل رہا ہے اگرچہ وہ اسے نہیں جانتا)

اصلی غرض

انسان کو دراصل اللہ تعالیٰ نے اپنے دارالسلام میں پہنچنے کی دعوت دی ہے لیکن چونکہ راستہ پُر ظلمات اور مشکلات سے بھرپور ہے اسی لیے انسان کو عقل کا نور بمنزلہ رہبر کے بنایا ہے تاکہ وہ اس کے ذریعہ یا اس پر سوار ہو کر راستہ طے کرے اور عبادات کو بمنزلہ مضبوط قلعوں کے بنایا ہے تاکہ ان کے ذریعے باحفاظت اور امن و سلامتی کے ساتھ منزلِ مقصود تک پہنچ سکے[1]۔

---

[1] عموماً انسان عبادتِ الٰہی سے گھبراتا ہے حالانکہ سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت کے جتنے طریقے بتائے ہیں وہ سب کے سب انسان کی تندرستی (باقی اگلے صفحہ پر)

مسئلہ: جو شخص کہے کہ یہ عبادات تو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے عذاب مقرر فرمایا ہے تو وہ کافر ہو گیا بشرطیکہ وہ اپنے قول میں تاویل نہ کرتا ہو۔

ف: ایک تاویل یہ ہے کہ وہ کہے عذاب سے میری مراد دکھ اور تکلیف ہے۔

مسئلہ: اگر کہے کہ کاش اللہ تعالیٰ ہم پر کوئی امر فرض نہ کرتا۔ اور اس کی تاویل کرتا ہو تو کافر ہو جائے گا۔ یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ بھی کرتا ہے وہ ہمارے لیے بہتر ہے۔ ہاں اگر وہ شخص تاویل کرتا ہو کہ خیر سے آسانی مراد ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ باطن و ظاہر اور اول و آخر میں ہمیں آسانی و سہولت سے نوازے۔ (آمین ثم آمین) صاحب روح البیان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ

(سورۂ فرقان کا اختتام ہفتہ کے دن ۶ رمضان ۱۱۰۹ھ کو ہوا۔

فقیر اویسی غفرلہٗ نے اس کے ترجمہ سے ۲۶ ذیقعدہ ۱۴۰۳ھ شب منگل عند الاذان العشاء فراغت پائی۔ فصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الکریم وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) صحت کے لیے ہیں۔ مثلاً قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر نماز فرض کی ہے اور حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ادا کرنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے انہوں نے یہاں تک کہا ہے کہ "اگر مجھے عورتوں اور بچوں کا خیال نہ ہوتا تو جو مسلمان پانچ وقت کی نماز با جماعت ادا نہیں کرتے ہیں ان کے مکانوں کو نذرِ آتش کر دینے کا حکم دیتا۔" اب چودہ سو سال کے بعد حال ہی میں امریکہ میں ہارورڈ میڈیکل سکول کے ایک پروفیسر ہربرٹ ولسن نے لندن میں طب کے متعلق ایک کانفرنس میں خطاب کرتے ہوئے انکشاف کیا ہے کہ جدید طبی تحقیق کے مطابق دل کے دورے روکنے، ہائی بلڈ پریشر کو نارمل رکھنے، شدید درد اور کینسر کو ختم کرنے میں عبادات انتہائی اہم کردار ادا کرتی ہیں اب ذرا ملاحظہ کیجیے کہ مسلمانوں میں تو عیسائیوں کی نسبت بہت زیادہ عبادت کرنی پڑتی ہے۔ پانچ وقت کی نماز تو فرض ہے لیکن اس کے علاوہ تین نفلی نمازیں یعنی تہجد، اشراق اور چاشت بھی ہیں۔ اس طرح سے مسلمانوں کو عبادات میں زیادہ مشقت کرنی پڑتی ہے۔ اس کے علاوہ سال کے بعد رمضان شریف کے تیس روزے اور حج کے ایام میں کئی روز تک نمازِ طواف اور سعی میں مشغول رہنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے بدن کی شریانوں میں کولسٹرول کی کمی واقع ہو جاتی ہے اور بلڈ پریشر نارمل ہو جاتا ہے اس لیے مسلمانوں کے لیے فرائضِ خداوندی ادا کرنے کے علاوہ طبی فوائد کے لیے بھی عبادات ضروری ہیں۔ میرا ذاتی مشاہدہ بھی یہی ہے کہ حج کے ایام میں زیادہ ریاضت کی وجہ سے بغیر دوائی لیے بلڈ پریشر نارمل ہو جاتا ہے اور دل کی تکلیف عارضی طور پر دور ہو جاتی ہے۔ ہم پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل اور احسان ہے کہ اس نے ہمیں مسلمان پیدا کیا اور دین اسلام پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائی۔ مزید تفصیل فقیر کی کتاب "طب اور اسلام" میں ہے۔ اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

سُوْرَۃُ الشُّعَرَاۗءِ مَكِّيَّۃٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اٰيَاتُهَا ۲۲۷ رُكُوْعَاتُهَا ۱۱

سورہ شعراء مکی ہے اس میں دو سو اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ستائیس آیات اور گیارہ رکوع ہیں

طٰسٓمّٓ ۝۱ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۲ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝۳

یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی کہیں تم اپنی جان پر کھیل جاؤ گے ان کے غم میں کہ وہ ایمان نہیں

اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ۝۴ وَمَا

لائے اگر ہم چاہیں تو آسمان سے ان پر کوئی نشانی اتاریں کہ ان کے اونچے اونچے اس کے حضور جھکے رہ جائیں اور

يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ۝۵ فَقَدْ كَذَّبُوْا

نہیں آتی ان کے پاس رحمٰن کی طرف سے کوئی نئی نصیحت مگر اس سے منہ پھیر لیتے ہیں تو بے شک انہوں نے

فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰۗؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۶ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا

جھٹلایا تو اب ان پر آیا چاہتی ہیں خبریں ان کے ٹھٹھے کی کیا انہوں نے زمین کو نہ دیکھا ہم نے اس میں کتنے

فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝۷ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۸

عزت والے جوڑے اگائے بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان کے اکثر ایمان لانے والے نہیں

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝۹

اور بے شک تمہارا رب ضرور وہی عزت والا مہربان ہے

سورۃ شعراء مکیہ ہے اور اس کی ایک سو بائیس یا ستائیس آیتیں ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

تفسیر عالمانہ

طٰسٓمّٓ ۝ حروفِ مقطعہ جو سورتوں کے اول میں ہیں۔ ان کا مجموعہ ہے:

سر حصین قطع کلامہ۔

ان حروف کے متعلق وہی قول موزوں تر ہے جو جمہور مفسرین نے اختیار فرمایا کہ،

اللہ اعلم بمرادہ۔ (اللہ تعالیٰ اپنی مراد کو خود خوب جانتا ہے)

اس لیے کہ یہ مخفی اسرار سے ہیں۔

قولِ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ان لکل کتاب سرا و سر القراٰن فی المقطعات۔ (ہر کتاب میں اسرار ہوتے ہیں اور قرآن مجید کے اسرار مقطعات ہیں) (ریاض الاذکار)

(صاحب روح البیان صدیوں پیشتر اپنا عقیدہ لکھ گئے، وہ فرماتے ہیں:)

المعانی المتعلقۃ بالاسرار والحقایق لا یعلمہا الا اللہ ومن اطلعہ اللہ علیہا من الراسخین فی العلم[1]۔

(وہ معانی جو اسرار و حقائق سے متعلق ہیں انہیں اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا یا وہ اولیاءِ کرام و علماے راسخین جانتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے علوم سے نوازا)

تنبیہ ان علوم پر بحث فضول ہے جن پر نہ زبان کو رسائی اور نہ قلم کو امکانِ بیان۔ ہاں وہ لوازم جن کے ذریعہ حقایق کی طرف راستہ ملتا ہے انہیں ظاہر کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ یہ بھی حقایق سے ہے اور مرتبۂ فہم کے قریب تر ہے۔ ہماری تقریر اول کی طرف سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول اشارہ کرتا ہے کہ

طٰسم، عجزت العلماء عن تفسیرھا۔ (طٰسم کی تفسیر سے علماً عاجز ہیں) (کذا فی فتح الرحمٰن)

روایتِ علی رضی اللہ عنہ اور ہماری تقریر ثانی کی طرف کشف الاسرار کی بیان کردہ روایتِ علی (رضی اللہ عنہ) اشارہ کرتی ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب طٰسم کا نزول ہوا تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"طاٗ سے طورِ سینا، سین سے سکندریہ اور میم سے مکّہ (معظمہ) مراد ہے۔"

اس کی حقیقی مراد تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مقامات کی قسم یاد فرمائی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

لا اقسم بھٰذا البلد۔

جبلِ طور طُورِ سینا شام و مدینؑ کے درمیان واقع ہے اور یہی موسیٰ علیہ السلام کی مناجات کی جگہ ہے۔ اسی مقام پر موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتے اور یہیں پر انہیں جلوۂ حق نصیب ہوا۔ کما قال تعالیٰ:

فلمّا تجلّٰی ربّہ للجبل۔

العجوبہ اس پہاڑ (طورِ سیناؑ) کے پتھر کو توڑا جائے تو اس کے درمیان سے عوسج (درخت) کی صورت کا ایک ڈھیلا نکل آتا ہے اور ہر ایک پتھر میں دائمی طور پر ہے۔ اسی لیے یہودی عوسج درخت کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں اسی لیے یہ درخت شجرۃ الیہود کے نام سے مشہور ہے۔

اسکندریہ یہ مغربی ممالک کا آخری شہر ہے اور رُوئے زمین پر اس جیسا کوئی اور شہر نہیں تھا ایک وقت اس شہر کی مساجد بیس ہزار تھیں۔ منقول ہے کہ اس کے مسلسل سات قصبے ایک دوسرے سے متصل تھے پھر دریا میں ڈوبا تو باقی صرف ایک قصبہ رہ گیا اور آئینہ سکندری جو ایک مینار پر نصب تھا وہ دریا میں غرق ہو گیا تھا اب آئینۂ سکندری کا کوئی وجود نہیں۔

---

[1] الحمد للہ یہی عقیدہ ہمارا ہے جو ہمیں اسلاف صالحین کے توسط سے نصیب ہوا۔ ولکن الوہابیۃ قوم لا یعقلون۔ اویسی غفر

آئینہ سکندری

سکندر نے اسی شہر میں ایک مینار بنوایا جس کا طول تین سو گز تھا اس کے اوپر ایک قبہ تھا جس میں یہی آئینہ رکھا گیا اس دور کے حکمأ (سائنسدانوں) نے سکندریہ کے لیے تیار کیا تھا جس سے ایک ماہ کی مسافت تک سے جہاز وغیرہ دیکھ لیے جا سکتے تھے۔ آئینہ میں عجائب غرائب رکھے گئے تھے۔ مثلاً جب دشمن کا جہاز دور سے دکھائی دیتا تو اس کے شیشے کی تاثیر سے جہاز کو آگ لگ جاتی۔

آئینہ کی بربادی

رومی بادشاہ نے مصر کے بادشاہ کو چکما دیا کہ سکندر نے اس شیشے میں بہت بڑے خزینے چھپا رکھے تھے۔ اگر تجھے میری بات کی تصدیق ہو جائے تو آئینہ سکندری سے خزانوں کو ابھی قبضہ میں لے لے ورنہ اس کے عوض میرا سونے چاندی اور جواہرات سے لدا ایک جہاز قبول کر کے مجھے اجازت دے تاکہ وہ خزانے میں نکال لوں۔ ان خزانوں میں تیرا بھی حصہ ہوگا۔ مصری بادشاہ رومی بادشاہ کے جھانسے میں آگیا اور آئینۂ سکندری کا قبہ توڑ دیا۔ اس میں سے شے تو کوئی برآمد نہ ہوئی بلکہ الٹا نقصان یہ ہوا کہ آئینے کا طلسم ٹوٹ گیا۔

مکہ معظمہ

مکہ معظمہ کے تعارف کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ قدیم الایام سے موجود چلا آرہا ہے۔ اسی میں مسلمانوں کا قبلہ ہے۔ اسلام کے ارکان کا ایک رکن حج یہیں پر ادا کیا جاتا ہے۔

طسم کی دوسری تفسیر

بعض مفسرین نے فرمایا کہ طٰسم کی "طاء" سے طول یعنی قدرتِ ایزدی اور "سین" سے سنا یعنی رفعتِ حق اور "میم" سے ملک ومجد الٰہی مراد ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی ان شانوں کی قسم یاد فرمائی ہے۔

تفسیر نمبر ۳

"طاء" سے طائرین باللہ کا طیران اور "سین" سے سائرین الی اللہ کی سیر اور "میم" سے ماشین للہ کی مشی مراد ہے۔ پہلا مرتبہ اہلِ نہایہ کا، دوسرا اہلِ توسط کا اور تیسرا اہلِ بدایہ کا ہے۔ ہر سالک کا اپنا مقام اور ہر ایک کی اپنی پرواز ہے۔

تفسیر نمبر ۴

"طاء" میں اہلِ توحید کے اسرار کی طہارت اور "سین" میں ان کے قلوب کی سلامتی، اور "میم" میں خالق کی منۃ علی المخلوق کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر از جنید بغدادی رضی اللہ عنہ

سیدالطائفہ سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "طاء" سے میدان الرحمٰن میں تائبین کی طرب اور "سین" سے وصلۃ کے میدان میں عارفین کا سرور اور "میم" سے میدانِ قربۃ میں مقامِ محبین مراد ہے۔

تفسیر صوفیانہ

حضرت مولانا نجم الدین قدس سرہٗ نے فرمایا کہ "طاء" سے حضور علیہ السلام کے قلب مبارک کا تعلقاتِ کونین سے طاہر ہونا اور "سین" سے حضور نبی پاک علیہ السلام کی جملہ انبیأ ومرسلین پر سیادت اور "میم" سے رب العالمین کے جمال کا مشاہدہ مراد ہے۔

تفسیر از امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ طٰسم میں اللہ تعالیٰ نے شجرۂ طوبیٰ کی "طا" اور سدرۃ المنتہیٰ کے "سین" اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے "میم" کی قسم یاد فرمائی ہے۔ اس معنی پر "طا" سے طوبیٰ کا درخت اور "سین" سے سدرۃ المنتہیٰ اور "میم" سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مراد ہیں۔

طوبیٰ کے فضائل

اللہ تعالیٰ نے طوبیٰ کو اس لیے برگزیدہ بنایا ہے کہ جب جنۃ عدن کو بلا واسطہ پیدا فرمایا تو اس میں ایک ایسا قلعہ تیار کیا جو بادشاہوں کے لیے ہوتا ہے اور اس میں ایک ایسا ٹیلہ رکھا جو تجلی گاہِ حق ہے۔ اسی میں ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مقامِ وسیلہ ہے۔ اسی جنتِ عدن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے طوبیٰ کا درخت بویا اور اسے ایسا لمبا بنایا کہ اس کی ٹہنیاں جنت عدن کی دیواروں تک پھیلی ہوئی تھیں اور اس کا سایہ جنت عدن کے جملہ باغات پر سایہ فگن تھا اور اس کی ٹہنیوں پر سوائے سنہری حلوں کے اور کوئی ثمرہ نہ تھا اور یہی اہلِ جنت کا لباس اور زیب و زینت بنیں گے۔ اور طوبیٰ کو اسی لیے فضیلت حاصل ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ پیدا فرمایا۔ یہی تمام بہشتوں کی جملہ نعمتوں کی جامع الحقائق اور برکت کے لحاظ سے تمام نعمتوں کو اعم ہے۔ اور طوبیٰ اشجارِ جنت کے لیے ایسے ہے جیسے آدم علیہ السلام اپنی تمام اولاد کے لیے اصل ہیں اور بہشت کی ہر نہر کی اصل طوبیٰ ہے، گویا یہ محمدیۃ المقام ہے۔

سدرۃ المنتہیٰ کے فضائل

سدرۃ المنتہیٰ کو برگزیدہ بنانے میں یہ نکتہ ہے کہ یہ وہ مقام ہے جو کرسی اور ساتویں آسمان کے درمیان واقع ہے۔ اس کی ٹہنیوں میں تسبیح و تحمید و ترجیع کی ایسی خوش کن آواز ہے جس سے ارواح و قلوب کو وجد آجاتا ہے دارین کے درمیان یہ برزخی حد ہے اور اسے منتہیٰ اس لیے کہا جاتا ہے کہ ارواح یہاں تک پہنچتے ہیں اور زمین میں رہنے والے سعادت مندوں کے اعمال یہاں سے اوپر کو جاتے ہیں اور احکامِ شرعیہ کا نزول اولاً یہیں پر ہوتا ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ملائکہ کی امامت فرمائی

اسی مقام (سدرۃ المنتہیٰ) پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ملائکہ آسمانی کی نمازِ وتر کی امامت فرمائی۔

ف: بیت المقدس میں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم انبیاء علیہم السلام کے امام بنے اور سدرۃ المنتہیٰ پر ملائکہ کرام کے۔ اس سے ہمارے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ عالم (آسمان و زمین) والوں پر فضیلت ثابت ہوئی۔ (کذا فی تفسیر التیسیر)

سدرۃ المنتہیٰ کی چوٹی پر جبریل علیہ السلام کا مسکن ہے جیسے وسطِ دماغ

مقامِ جبریل علیہ السلام عقل کا مسکن ہے اور اس لیے کہ جبریل علیہ السلام عقل کی سدرہ د مقام ہیں اس میں عقل کے مقام کی طرف اشارہ ہے اور عقل کا مقام دماغ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا اس نے گویا عقل کی صورت دیکھا کیونکہ جبریل علیہ السلام اپنے مقامِ تعین میں سوائے انبیاء علیہم السلام کے اور کسی کو نہیں دیکھتے۔

نکتہ : طٰسٓمٓ میں میم کو مؤخر کرنے میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ختم المرسلین ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبوت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کیا جیسے حروف ہجا کو یا (وہ جو میم کے درمیان واقع ہے) پر ختم فرمایا۔

نکتہ : طٰسٓمٓ قسم ہے اور اس میں جملہ تین اصول حقایق جمع فرمائے :

(۱) حقیقت جنانیہ نعیمیہ جامعہ۔ اور یہ شجرۂ طوبیٰ ہے اسی لیے اسے مقامِ محمدی میں امانت رکھا کیونکہ مقامِ محمدی جمیع نعم جنانیہ کا جامع ہے اور یہ مقام یہی شجرۂ طوبیٰ ہے۔ اسی لیے اسے اللہ تعالےٰ نے مقامِ محمدی میں امانت کے طور پر رکھا کیونکہ یہ نعم جنانیہ کا جامع ہے اور یہاں سے ہی ایسی تمام نعمتیں تقسیم ہوتی ہیں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام علوم و معارف و انواع کمالات تقسیم ہوتے ہیں۔

(۲) حقیقتِ برزخیہ۔ یہ حقائقِ دارین کی جامع ہے اور یہی شجرۂ سدرۃ المنتہیٰ ہے اس کی شاخیں تمام اہلِ جنت کی نعمتیں ہیں اور اس کی جڑیں اہلِ نار کے لیے زقوم ہیں کیونکہ فلک البروج یعنی فلک اعظم کا مقعر یہی ہے اور فلک اعظم کو فلک الافلاک بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ جمیع افلاک کا جامع ہے۔ اسے فلک اطلس بھی کہتے ہیں کیونکہ اس پر ستارے نہیں ہیں۔ یہ اس کپڑے کی طرح ہے جو سادہ یعنی نقش و نگار سے خالی ہو۔ اور فلک اعظم کی دونوں سطحیں فلک ثوابت کے محدب کو مس کرتی ہیں لیکن اس کے محدب کی کوئی شے مس نہیں کرتی کیونکہ اس کے آگے اور کوئی شے نہیں ہے نہ خلا نہ ملا، بلکہ اس محدب پر عالم کے امتدادات منقطع ہو جاتے ہیں۔

ف : بعض نے کہا اس کے آگے نورانی افلاک غیر متناہیہ ہیں اور فلک اعظم کے ماتحت میں خلا کا کوئی قائل نہیں۔ ہاں اس کے تحت ملا ہے۔ (کذا فی کتب الہیہ)

ف : صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ وہ مقام جہاں نہ خلا ہے نہ ملا۔ وہ عالمِ ارواح کے اوپر ہے نہ کہ عرشِ الٰہی کے آگے۔

ف : شرح التقویم میں ہے کہ چونکہ کتبِ الٰہیہ میں مذکور ہے کہ آسمان سات ہیں اسی لیے اسلامی حکماؒ نے سمجھا کہ آٹھواں آسمان کرسی اور نواں عرشِ الٰہی ہے اور انہی کے اس قول کی تائید وسع کرسیہ السمٰوٰت والارض سے ہوتی ہے۔

(۳) حقیقۃ الحقائق الکلیہ۔ یہی حقیقت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ اللہ تعالیٰ نے طٰسٓمٓ میں

جامع حقائق کی قسم یاد فرمائی ہے کیونکہ اسے جمیع حقائق پر فضیلت حاصل ہے اس لیے حقیقتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہ التحیۃ والثناء) جمیع حقائق کی حقیقت (جامعہ) ہے، دنیوی ہوں یا برزخی یا اُخروی۔ اسی لیے آپ کو جمیع حقائق کا خاتم بنایا ؎

ہر دو عالم بستۂ فتراک او
عرش و کرسی کردہ قبلہ خاک او
پیشوائے ایں جہاں و آں جہاں
مقتدائے آشکارا و نہاں

(ترجمہ: تمام عالم آپ کی فتراک سے وابستہ ہے۔ عرش و کرسی کا قبلہ آپ ہی ہیں۔ آپ ہی اس جہان اور اُس جہان کے پیشوا ہیں۔ آشکارا و نہاں کے مقتدا ہیں (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم))

ف: بعض مشایخ اہلِ مکاشفہ نے فرمایا کہ اوائل سور کے حروفِ مقطعہ کے حقایق صرف اہلِ کشف و وجد جانتے ہیں کیونکہ یہ ملائکہ ہیں اور ان کے نام ان حروف کے نام پر ہیں اور وُہ چودہ ہیں اور حروفِ مقطعہ بھی بلا تکرار چودہ ہیں جن کا آخری حرف نٓ والقلم ہے۔

ف: یہ منازل قرآن پر وجوہِ مختلفہ سے ظاہر ہُوئے۔ بعض منازل تو ایسے ہیں جن میں ایک فرشتہ ظاہر ہُوا، جیسے نٓ و صٓ۔ اور بعض وُہ ہیں جن میں دو ظاہر ہُوئے۔ جیسے طٰسٓ و یٰسٓ و حٰمٓ۔ اور بعض وہ ہیں جن میں تین ظاہر ہوئے، جیسے الٓمٓ و طٰسٓمٓ اور بعض وہ ہیں جن میں چار ظاہر ہوئے جیسے، الٓمٓصٓ بعض وہ ہیں جن میں پانچ ظاہر ہوئے جیسے کٓھٰیٰعٓصٓ و حٰمٓعٓسٓقٓ۔ اور ان کی صورتیں مع التکرار ننانوے ملائکہ ہیں اور ہر فرشتے کے ہاتھ میں ایمان کے شعبوں میں ایک شعبہ ہے اور ایمان بھی بضع وسبعون ہے اور بضع کا اطلاق تین سے نو تک آتا ہے اور یہاں بضع آخری مرحلہ میں استعمال ہوا یعنی نو اور نوّے۔ کُل ننانوے ایمان کے شعبے ہوئے۔ پھر جب کوئی ان مقطعات میں سے کسی ایک کو پڑھتا ہے، مثلاً کہتا ہے، الٓمٓ تو تینوں فرشتے بول اُٹھتے ہیں اور کہتے ہیں اے قاری کیا کہتے ہو! تو قاری ان حروف کے بعد والا مضمون عرض کرتا ہے۔ پھر اسے کہا جاتا ہے تیرے لیے ابوابِ عجائبات کھول دیے گئے ہیں اور تو ان سے عجائب و غرائب دیکھے گا۔ ارواحِ ملکیہ (جن کے اجسام یہی حروف ہیں جو قرآن مجید کے تحت تسخیر ہیں اور انہی ارواح کے قبضے میں ایمان کے شعبے ہیں) اس کی مدد اور اس کے ایمان کی حفاظت کرتی ہیں۔

ایمان کے شعبے: وصایا الفتوحات کے ترجمہ میں ہے کہ ایمان کے شعبوں میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ توحید کی شہادت
۲۔ نماز ادا کرنا

marfat.ocm

۳۔ زکوٰۃ دینا
۴۔ روزہ رکھنا
۵۔ حج کرنا
۶۔ وضو کرنا
۷۔ جنابت کا غسل
۸۔ جمعہ کا غسل
۹۔ صبر
۱۰۔ شکر
۱۱۔ پرہیزگاری
۱۲۔ حیا
۱۳۔ امان
۱۴۔ نصیحت
۱۵۔ اولوالامر کی طاعت
۱۶۔ ذکرِ حق
۱۷۔ خلقِ خدا سے دُکھ درد ٹالنا
۱۸۔ امانت ادا کرنا
۱۹۔ مظلوم کی مدد کرنا
۲۰۔ ظلم کا ترک
۲۱۔ کسی کی تذلیل نہ کرنا
۲۲۔ ترکِ غیبت
۲۳۔ ترکِ نمیمت (چغلخوری)
۲۴۔ ترکِ تجسس یعنی کھوٹ نہ کرنا
۲۵۔ کسی کے گھر میں جانا ہو تو اس کے طریقۂ کار کو مدِنظر رکھنا
۲۶۔ خشم پینا
۲۷۔ عبرت حاصل کرنا
۲۸۔ اچھی بات کو غور سے سننا اور اس پر عمل کرنا
۲۹۔ بُری بات کو نہ اچھالنا
۳۰۔ اچھی بات بولنا
۳۱۔ حفظِ فرج (زنا سے بچنا)
۳۲۔ حفظِ زبان (بُری باتوں سے زبان کو روکنا)
۳۳۔ توبہ
۳۴۔ توکل
۳۵۔ خشوع
۳۶۔ ترکِ لغو یعنی بیہودہ باتوں کو چھوڑنا
۳۷۔ لایعنی گفتار کا ترک
۳۸۔ حفظِ عہد (وعدہ پورا کرنا)
۳۹۔ تقوٰی پر مداومت
۴۰۔ گناہ پر مدد نہ کرنا
۴۱۔ ظلم کی مدد نہ کرنا
۴۲۔ نیکی اور پرہیزگاری کے لیے مدد کرنا
۴۳۔ سچائی اپنانا
۴۴۔ امر بالمعروف کرنا
۴۵۔ برائی سے روکنا
۴۶۔ دو مسلمانوں کے درمیان صلح و صفائی کرنا
۴۷۔ خلقِ خدا کے لیے دعا و رحمت طلب کرنا
۴۸۔ بڑوں اور بزرگوں کی تعظیم و تکریم
۴۹۔ حدود اللہ کی پابندی
۵۰۔ جاہلیت کی رسوم کا ترک
۵۱۔ پیٹھ کے پیچھے کسی کو بُرا نہ کہنا
۵۲۔ آپس میں دشمنی نہ رکھنا

۵۳ - جھوٹی گواہی سے احتراز

۵۴ - جھوٹ سے پرہیز

۵۵ - منہ پر کسی کو برا کہنے سے اجتناب

۵۶ - منہ پر عیب بیان کرنے سے بچنا

۵۷ - برے اشاروں سے بچنا

۵۸ - غائبانہ اور منہ پر کسی کو برا نہ کہنا

۵۹ - آنکھوں سے برے اشارے نہ کرنا

۶۰ - کسی کی غلط بات دوسرے سے نہ کہنا

۶۱ - نماز باجماعت ادا کرنا

۶۲ - نیک اجتماعات میں حاضر ہونا

۶۳ - ایک دوسرے کو ہدیہ دینا

۶۴ - السلام علیکم کہنے کی عادت ڈالنا

۶۵ - حسنِ خلق

۶۶ - حسنِ عہد

۶۷ - راز کی نگہداشت کرنا

۶۸ - نکاح دینا (یعنی اپنی بچیوں اور رشتہ داروں کا بیاہ کرنا)

۶۹ - نکاح لینا

۷۰ - حُبِ اہلبیتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)

۷۱ - اپنی عورت سے محبت

۷۲ - خوشبو سے محبت

۷۳ - حُبِ انصار

۷۴ - تعظیمِ شعائر

۷۵ - ترکِ عیش

۷۶ - اہلِ ایمان پر حملہ نہ کرنا

۷۷ - میت کی تجہیز و تکفین

۷۸ - اہلِ اسلام کی نمازِ جنازہ پڑھنا

۷۹ - بیمار پرسی

۸۰ - راستہ سے وہ چیز ہٹانا جو مسلمانوں کو ایذا دے

۸۱ - جو شے اپنے لیے پسند کریں وہی اہلِ اسلام کیلئے پسند کرنا

۸۲ - خدا و رسول جل جلالہٗ و صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر شے سے محبوب جاننا

۸۳ - کفر و زنا کے مرتکب کو قتل کرنا

۸۴ - ملائکہ اور ان کتب پر ایمان لانا (جو انبیاؑ لائے ہیں)

اور دیگر وہ جملہ امور جو قرآن و سنت میں موجود ہیں اور یہ ان گنت ہیں۔

حدیث شریف میں ہے:

الایمان بضع وسبعون شعبة افضلها قول لا اله الا الله وادناها اماطة الاذى عن الطريق والحياء شعبة من الایمان۔

(ایمان کے کئی شعبے ہیں ان کا افضل شعبہ لا الٰہ الّا اللہ کی گواہی اور ادنیٰ شعبہ راستے سے ایذا دینے والی چیز ہٹانا، اور حیاء بھی ایمان کا شعبہ ہے)

ف: ایمان کے شعبوں پر عمل کرنا ایمانداروں کا کام ہے۔

مسئلہ: ایمان کے شعبوں کی مخصوص تعداد کسی ایک روایت میں نہیں۔ ہاں اہلِ علم نے اس کی گنتی بتائی ہے زیادہ سے زیادہ ایک حدیث سے اس کے ننانوے شعبے ثابت ہیں۔

marfat.ocm

امام نسفی کا قول

حضرت امام نسفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر تیسیر میں لکھا ہے کہ میں ان شعبوں کو لکھتا ہوں اور یہ میرا اپنا پسندیدہ قول و اجتہاد ہے وہ شعبے یہ ہیں :

۱ - تہلیل (یعنی لا الٰہ الا اللہ کی گواہی)
۲ - تکبیر (یعنی اللہ اکبر کہنا)
۳ - تسبیح (یعنی سبحان اللہ کہنا)
۴ - تحمید (یعنی الحمد للہ کہنا)
۵ - تمجید (یعنی اللہ تعالیٰ کی بزرگی بیان کرنا)
۶ - تجرید
۷ - تفرید
۸ - توبہ
۹ - انابت (یعنی رجوع الی اللہ)
۱۰ - نظافت (صفائی و ستھرائی)
۱۱ - طہارت
۱۲ - صلوٰۃ
۱۳ - زکوٰۃ
۱۴ - روزہ
۱۵ - قیام برائے نماز
۱۶ - اعتکاف
۱۷ - حج
۱۸ - عمرہ
۱۹ - قربانی
۲۰ - صدقہ
۲۱ - غزوہ
۲۲ - عتق (غلام آزاد کرنا)
۲۳ - تلاوتِ قرآن
۲۴ - احسان
۲۵ - گناہوں سے اجتناب
۲۶ - ترکِ طغیان
۲۷ - کسی سے بول چال چھوڑنا
۲۸ - ترکِ عداوت
۲۹ - قلب کا تقوٰی
۳۰ - حفظِ لسان
۳۱ - ثناء
۳۲ - دُعاء
۳۳ - خوف
۳۴ - رجاء
۳۵ - حیاءً
۳۶ - صدق
۳۷ - صفا
۳۸ - نصیحت
۳۹ - وفا
۴۰ - ندامت
۴۱ - بکاء (گریہ و زاری)
۴۲ - اخلاص
۴۳ - ذکاء
۴۴ - حلم
۴۵ - سخاء
۴۶ - عطائے الٰہی پر شکر

۴۷ - بلیات و مصائب پر صبر

۴۸ - تقدیر پر رضا

۴۹ - نیک نیتی کی استعداد

۵۰ - اتباعِ سنت

۵۱ - موافقتِ صحابہ بہ عقاید و اعمال

۵۲ - بڑوں، بزرگوں اور بوڑھوں کی تعظیم

۵۳ - صغار (چھوٹوں) سے محبت

۵۴ - علمائے امت کی اقتداء

۵۵ - عوام الناس پر شفقت

۵۶ - خواص کا احترام

۵۷ - اہلسنت کی تعظیم و تکریم

۵۸ - ادائے امانت

۵۹ - اظہارِ صیانت

۶۰ - بھوکوں کو کھانا کھلانا

۶۱ - غرباء و مساکین پر انعام

۶۲ - یتیم پروری

۶۳ - صلہ رحمی

۶۴ - افشاء السلام یعنی السلام علیکم کہنا

۶۵ - تسلیم و رضا

۶۶ - برائیوں سے بچنے کی تدابیر

۶۷ - زہد

۶۸ - رغبۃ الی العقبیٰ

۶۹ - راضی بہ رضائے آقا

۷۰ - مخالفت خواہشاتِ نفسانی

۷۱ - جہنم کی آگ سے بچنے کا خوف

۷۲ - جنۃ الماوٰی یعنی بہشت کی طلب

۷۳ - جُود و کرم عام رکھنا

۷۴ - حفظ الحرم یعنی محرمات سے بچنا

۷۵ - خدام (نوکر چاکر) کے ساتھ نیک برتاؤ۔

۷۶ - توفیقِ خیر کی طلب

۷۷ - حفظ التحقیق

۷۸ - ہمسایہ کے حقوق کی پاسداری

۷۹ - دوستوں کے حقوق کی پاسداری

۸۰ - غلاموں کے ساتھ نیک سلوک

۸۱ - راستہ سے موذی چیزوں کو ہٹانا اور یہ ان کا درجۂ اُولیٰ ہے۔

ف : جو بھی ایمان کے شعبوں کی تکمیل کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے وعدۂ کرم کو پائے گا بلکہ اس سے کمال ارکان حاصل کرے گا جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

الذین اٰمنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولٰئك لھم الامن وھم مھتدون۔

(وہ لوگ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان کو برائیوں سے نہ ملایا تو ان لوگوں کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں)۔

تفسیر عالمانہ وَ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۝ تلك مبتدأ ہے اس کی خبر اس کا مابعد ہے یہی وہ سورۃ ہے جو قرآنی آیات ہیں جن کا اعجاز ظاہر ہے اور صحیح یہ ہے کہ

marfat.ocm

یہ کلامِ الٰہی ہے۔ اگر یہ کلامِ الٰہی نہ ہوتا تو کفارِ عرب اس جیسا کلام لانے کی قدرت رکھتے اور اس کے معارضہ سے عجز کا اظہار نہ کرتے۔

حلِ لغات: المبین، ابان سے ہے بمعنے بان یا اظھر۔ یا اس کا معنٰی یہ ہے کہ احکامِ شرعیہ اور ان کے متعلقات کو ظاہر کرنے والا ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ حروفِ مقطعہ اسی سورت کے ہوں یا دوسری سورتوں کے، یہ از قبیل حروف مخلوقہ نہیں بلکہ یہ قدیم کتاب مبین کی آیات سے ہیں اس لیے کہ ان کا ہر حرف آیاتِ قرآنیہ کی طرح کثیر معانی پر دلالت کرتا ہے۔

تفسیر عالمانہ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ یہاں پر لفظ لعل اشفاق یعنی اظہارِ خوف کے لیے ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ اس صفت سے منزّہ ہے اس لیے اس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوگی۔

حلِ لغات: اہلِ لغت بخع نفسہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی غم کی وجہ سے اپنے آپ کو ختم کر ڈالے۔

حدیث شریف چنانچہ حدیث شریف میں ہے،

اتاھم اھل الیمن ھم ارق قلوبا و ابخع طاعۃ۔

یعنی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اہلِ یمن حاضر ہوئے ان کا حال یہ تھا کہ وہ رقیق القلب اور طاعت میں جان پر کھیل جانے والے تھے (یعنی طاعتِ خداوندی میں اپنے نفوس پر اتنی سختی کرتے تھے کہ اپنی جان کی بھی پروا نہیں کرتے تھے)۔

بخع کی تحقیق دراصل بخع ذبح کے اس مقام کو کہتے ہیں جو چھری پھیرنے کا آخری حصّہ ہے، یعنی بخاع تک چھری کا پہنچ جانا۔ اور بخاع بالکسر نخاع کے علاوہ پیٹھ کی ایک رگ کا نام ہے، نخاع (بالنون) ایک دھاگا نما رگ ہے جو فقار کے جوف میں واقع ہے۔ وہ دماغ سے نیچے اُترتی ہے پھر اس سے جسم میں رگیں پھیلتی ہیں۔

اب معنٰی یہ ہوا کہ اے حبیبِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! آپ اپنے اوپر شفقت کیجئے اور بلا وجہ حزن سے اپنے آپ کو نہ ماریئے۔

ف: اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ترکِ تاسف کی ترغیب، صبر کی تلقین اور تسلّی ہے۔

کاشفی کا بیان جناب کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ جب قریش نے قرآن کو ٹھکرایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی انتہائی خواہش تھی کہ یہ لوگ ایمان لے آئیں اور ان کا انکار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ناگوار تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ تسلی کیجئے جان کی بازی نہ لگائیے۔

اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ یہ کہ وُہ ایمان نہیں لاتے۔ یہ مفعول لہ ہے اور اس کا مضاف محذوف ہے۔ دراصل عبارت یُوں تھی:

خیفۃ ان لا یؤمن قریش۔ یعنی آپ اس خوف سے جان کی بازی لگا رہے ہیں کہ قریش ایمان نہیں لا رہے۔ ایسے موقعہ پر خوف وحُزن غیر مفید ہوتا ہے جب کہ ان کے لیے مقدر ہو چکا ہے کہ وُہ ایمان نہیں لائیں گے یہ ایسے ہے جیسے تم آزما چکے ہو کہ ان کو قرآن مجید کی نصیحتیں کوئی فائدہ نہیں دیتیں فلہٰذا آپ غم نہ کھائیے۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے فرمایا کہ اے محبوب! یہ لوگ بیگانے اور میرے قہر وغضب کے مارے ہوئے اور راندۂ درگاہ ہیں فلہذا آپ ان کے ساتھ دل نہ لگائیے اور نہ ہی ان کے انکار پر تشویش کیجئے انہیں ہمارے حکم کے سپرد کر دیجئے اور خود میرے ساتھ مشغول ہو جائیے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ادب سکھایا ہے کہ آپ اپنی اُمت پر شفقت ورحمت میں اس حد تک نہ بڑھ جائیے جس سے آپ مشقت میں پڑ جائیں اور پھر اس طرح سے آپ زیادہ تر انہی کے ساتھ منسلک ہو جائیں گے۔ اور یہ آپ کے شایانِ شان نہیں نیز اس میں تفریط سے بھی روکا گیا ہے آپ اپنی امت کے لیے سخت دل بھی نہ ہوں۔ بہرحال اعتدال کا درس دیا گیا ہے تاکہ آپ خالق سے بھی واصل رہیں اور مخلوق میں بھی شاغل ہو

۱ ترا مہر حق بس ز جملہ جہاں
برو از نقوش سوے سادہ باش

۲ بہار و خزاں را ہمہ در گزر
چو سرو سہی دائم آزادہ باش

(ترجمہ: (۱) تجھے لطفِ حق جملہ جہان سے کافی ہے ماسوی اللہ کے نقوش سے فارغ ہو جا۔

(۲) بہار و خزاں دونوں سے گزر جا، سرو سہی کی طرح ہمیشہ آزاد رہ۔

ربط : اب بیان فرماتے ہیں کہ ان کے ایمان کو مشیتِ ایزدی سے کوئی تعلق نہیں۔

تفسیر عالمانہ اِنْ نَّشَاْ اگر ہم چاہیں نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً ان پر آسمان سے کوئی آیۃ نازل فرمائیں جو دلیل بن کر انہیں ایمان پر مجبور کرے۔ جیسے

marfat.ocm

ملائکہ کا نزول یا آفت جو انھیں تباہ و برباد کر ڈالے۔ جیسے آثارِ قیامت کا کوئی نشان۔ فَظَلَّتْ تو ہو جائیں اور ڈھلک جائیں پھر تم سمجھو گے اَعْنَاقُهُمْ ان کی گردنیں ہو جائیں لَهَا ان آیات کے لیے خٰضِعِيْنَ۝ جھکنے والی۔ پھر ان میں کوئی ایک ایسا نہ ہو گا جس کا قلب معصیت کی طرف مائل ہو۔ لیکن ہم ایسا نہیں کرتے کیونکہ اس ایمان کا کوئی اعتبار نہیں جو قہر و غلبہ سے مجبور کر کے منوایا جائے۔ جیسے قیامت کے دن ان کا ایمان لانا[1]

ف : یہ عبارت دراصل فظلوا لها خٰضعین تھی اس لیے کہ خضوع درحقیقت اصحاب اعناق کی صفت ہے۔ لیکن اسے اعناق کی صفت بنایا گیا ہے تاکہ بات زیادہ سے زیادہ ذہن نشین ہو کہ جب محل خضوع کا حال ہے تو صاحبِ حال اس کا زیادہ مستحق ہے۔

ف : ظلیت کی خبر حال یعنی خاضعین کی وجہ سے کی گئی ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ ایمان و معرفت عطائے خاص ہے جس میں درحقیقت کسب مخلوق کو کسی قسم کا دخل نہیں۔ جب عطائے الٰہی دستگیری فرماتی ہے تو پھر انذار و بشارت نفع بخشتی ہے ورنہ وہ اپنی بدبختی پر ماتم کرے جسے شقاوۃ نے گھیر لیا ہے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

چوں حسن عاقبت نہ برندی و زاہدیست
آں بہ کہ کار خود بعنایت رہا کنند

(ترجمہ : جب کسی کو حسنِ عاقبت اور زہد نصیب نہ ہو تو اسے چاہیئے کہ وہ اپنا کام عنایتِ الٰہی کے سپرد کرے)

تفسیر عالمانہ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ اور ان کے ہاں قرآنی نصائح میں سے کوئی نصیحت نہیں آئی یا قرآن مجید کا کوئی حصہ نہیں آیا جو انہیں مکمل طور پر نصیحت کرتا اور کامل وجہ سے متنبہ کرتا۔

سوال : قرآن کی نصیحت اور اس کے حصہ کو ذکر سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے ؟

---

[1] اسی لیے اعلیٰحضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

آج لے اُن کی پناہ آج مدد مانگ اُن سے
پھر نہ مانیں گے کبھی قیامت میں اگر مان گیا

جواب : مبالغہ کے طور پر کہ قرآن کی ہر آیت اور اس کا ہر مضمون مجسّم ذکر ہے۔

مِنَ الرَّحْمٰنِ رحم والے خدا تعالیٰ سے بذریعہ وحی، جو اپنے نبی علیہ السلام کے ہاں بھیجتا ہے۔

ف : صفت رحمٰن لانے میں اشارہ فرمایا کہ قرآنی نصائح بھیجنا اس کی رحمت کی دلیل ہے جو وہ اپنے بندوں پر فرماتا ہے۔

مُحْدَثٍ (نیا)۔

سوال : یہ لفظ دلالت کرتا ہے کہ قرآن حادث مخلوق ہے۔

جواب : چونکہ اس کا نزول تکرار تذکیر اور عجیب طرز سے ذہنوں میں بٹھانے کے لیے ہوتا ہے اس لیے اس کا یہ نزول حدوث پر دلالت نہیں کرتا۔

اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ۝ مگر ہیں یہ رُوگردانی کرنے والے۔ یعنی ہر نزول پر اس ذکر سے روگردانی کرتے اور ایمان سے منہ موڑتے اور اپنے طرز کفر پر دائماً اصرار کرتے رہتے ہیں۔

ف : یہ استثنا مفرغ اعم الاحوال سے ہے اور اس کا منصوب ہونا علی الحالیۃ ہے یعنی ما یأتیھم کے مفعول کا حال ہے۔ اس میں قد محذوف ہے اور کبھی اس کے برعکس بھی ہوتا ہے جیسا کہ نحویوں کا علاقہ مشہور ہے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ان کے ہاں جس وقت بھی ذکر آتا ہے ان کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ اس سے روگردانی کرتے ہیں فَقَدْ كَذَّبُوْا اعراض کے بعد پھر وہ اس ذکر کی تکذیب کرتے ہیں۔ فاء تعقیب کے لیے ہے یعنی کبھی اسے سحر سے تعبیر کرتے ہیں کبھی شعر سے، اور کبھی اسے بناوٹی باتیں بتاتے ہیں فَسَيَاْتِيْهِمْ سو عنقریب ان کے ہاں بلاخلاف اور یقیناً آئیں گی۔ یہ فاء سببیہ ہے یعنی بسبب ان کے اعراض کے بعد تکذیب کے جو ان سے استہزاء کا سبب بنتا ہے اَنْبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ قرآن کی وہ خبریں جن کے ساتھ یہ استہزاء کرتے ہیں یعنی وہ عاجلہ یا آجلہ سزاؤں میں مبتلا ہوں گے جن کا انہیں مشاہدہ ہوگا اور یقین کریں گے کہ قرآن مجید نے جو کچھ بتایا تھا وہ حق اور سچ ہے، اور ہم جو کچھ کہتے تھے وہ سراسر باطل ہے اور قرآن مجید اس لائق تھا کہ ہم اس کی تصدیق کرتے، اس کی تعظیم بجا لاتے اور اس کی قدر و منزلت کو مانتے۔ اس کی تکذیب کرنے اور احترام نہ کرنے کے باعث ہمیں یہ وقت دیکھنا پڑا۔ لیکن اب یہ اس کی خبروں پر کان نہیں دھرتے۔

ف : اس میں انہیں سخت ترین عذاب سے ڈرسنایا گیا ہے۔ اسی لیے نبأ ہر اس خبر کو کہا جاتا ہے جو عظیم الشان ہو اور اس میں کوئی بڑا واقعہ رُونما ہونے والا ہو۔

ف : کاشفی مرحوم نے فرمایا تکذیب کے نتائج کے ظہور کے بعد پشیمانی مفید نہیں ہوتی ابھی سے انسان کو کچھ فا

marfat.ocm

چاہیے ورنہ کل پریشانی ہوگی جس سے کوئی فائدہ مرتب نہ ہوگا۔

أَوَلَمْ يَرَوْا ہمزہ استفہام انکار توبیخی اور واؤ عاطفہ ہے اس کا عطف فعل مقدر پر ہے جیسا کہ مقام کا تقاضا ہے کہ دراصل افعل المکذبون من قریش ہے یعنی مکذبینِ قریش نے جو کچھ تکذیب و اعراض استہزاء کا ارتکاب کیا انہوں نے نہ دیکھا إِلَى الْأَرْضِ زمین کے ان عجائبات سے جو انہیں ان کے غلط کردار سے روکنے والے ہیں اور ان کے وہ کردار جنہوں نے انہیں اعراض و روگردانی وغیرہ پر ابھارا كَمْ أَنْبَتْنَا فِيهَا ہم نے اس میں کس قدر (پھل پھول اور نباتات وغیرہ) اگائے ہیں جبکہ وہ بالکل ویران اور بیکار ہے مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ ○ ہر قسم کے اچھے اچھے گھاس و انگوری اور پھول، گل نسرین، بنفشہ، یاسمین، رنگارنگ شگوفے، عجیب و غریب نباتات نافعہ جسے لوگ اور جانور کھاتے ہیں۔

ف: اہلِ تفاسیر فرماتے ہیں کہ لفظ کم خبریہ منصوبہ بمابعدہا علی المفعولیۃ، محاط بہ کی کثرت پر دلالت کرتا ہے کہ نباتات وغیرہ کے جوڑے بکثرت ہیں۔ اور لفظ کل اگرچہ محیط ہر شے ہے لیکن یہاں اس سے مطلق کثرت مراد ہے۔

ف: زوج بمعنے صنف قسم مراد ہے اور یہ کم کی تمیز ہے اور کریم بمعنے پسندیدہ اور محمود شے۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

وجہ کریم" یعنی وہ چہرہ جس کا حسن و جمال مرغوب ہو۔

اور کہتے ہیں:

کتاب کریم" یعنی وہ کتاب جس کے معانی و فوائد محبوب ہوں۔

اور فارس کریم یعنی وہ جس کی شجاعت اور جنگجوئی پسندیدہ ہو۔

اب معنی یہ ہوا کہ زمین کی نباتات وغیرہ کثیر ہیں جن کے فوائد کثیر اور مرغوب ہیں جنہیں ہم نے اگایا۔

سوال: نباتات نافعہ کے ذکر کی تخصیص کیوں، حالانکہ نباتاتِ ضرر رساں بھی تو اسی زمین سے پیدا ہوتی ہیں۔

جواب: اگرچہ ہر نبات اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے لیکن انسان کو نافع نعمت محسوس ہوتی ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا اظہار اپنے نباتات نافعہ سے فرماتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ جیسے اللہ تعالیٰ نے ظاہری زمین میں نباتات نافعہ پیدا فرماتا ہے ایسے ہی قلوب عارفین کی زمین میں عجیب و غریب نباتات وغیرہ پیدا فرماتا ہے جیسے ایمان، توکل، یقین، اخلاص، اخلاقِ کریمانہ۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لا الٰہ الا اللہ ینبت الایمان کما ینبت البقل۔

(لا الٰہ الا اللہ ایمان کو ایسے اگاتا ہے جیسے پانی سبزی کو)

ف: حضرت ابوبکر بن طاہر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ زمین کی نباتات میں سے مکرم تر جوڑا آدم و حوّا علیٰ نبینا و علیہما السلام ہیں کیونکہ یہ دونوں انبیاء و رسلؑ اور اولیاء و عارفین علیٰ نبینا و علیہم السلام کے ظہور کے سبب ہیں۔

ف: شعبی نے فرمایا کہ زمین کی انگوری میں سے جو بہشت میں داخل ہوئی وہ کریم ہے اور جو دوزخ میں داخل ہوئی وُہ لئیم ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ بے شک اس انبات مذکور میں یعنی ان کی ہر ایک قسم میں لَاٰیَۃً ط عظیم نشانی ہے جو اگانے والے کی کمال قدرت اور اس کے وفور اور اس کی وسعتِ رحمت پر دلالت کرتی ہے وہ ایمان کی موجب کفر سے روکنے والی ہے وَمَا کَانَ اَکْثَرُھُمْ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کے اکثر لوگ ایسے ہیں مُّؤْمِنِیْنَ ۝ جو ایمان لانے والے نہیں باوجودیکہ ان کے سامنے دلائل روشن اور واضح موجود ہیں اس لیے کہ وہ کفر و ضلالت کی انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں۔ اور گمراہیٔ جہالت میں منہمک ہیں۔

ف: سیبویہ کے نزدیک لفظ کان صلہ ہے کیونکہ اگر اسے اپنے معنیٰ پر باقی رکھا جائے تو معنی ہوگا کہ ان کے اکثر اللہ تعالیٰ کے علم و قضا میں مومن نہیں تھے تو اس سے وہم پیدا ہوگا کہ وُہ لوگ ایمان نہ لانے سے معذور تھے، کیونکہ ظاہری معنیٰ کا تقاضا یہی ہے اور یہ مذہبِ حق کے خلاف ہے۔ اور اگر ایسی بات ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے ایمان کے موجبات کا بیان کرنا عبث ہوگا۔

صاحبِ روح البیان کی تحقیق فقیر (اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ ان نشأ ننزل الخ اور اس قسم کی دوسری آیات دوسرے معنی کی تائید کرتی ہیں اور اس سے ان کی معذوریت لازم نہیں آتی کیونکہ انہوں نے اپنے اختیار کو معصیت میں صرف کر دیا اور ازل میں اللہ تعالیٰ کے علم میں ان کا کافر ہونا ان کے اختیار کی وجہ سے تھا۔

ف: عدمِ ایمان کی نسبت ان کے اکثر کی طرف اس لیے کی گئی ہے کہ ان کے بعض کے متعلق ایمان مقدر تھا جو بعد کو مسلمان ہوئے۔

وَاِنَّ رَبَّکَ لَھُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ع اور بے شک وُہ پروردگار عزیز یعنی کافروں سے انتقام لینے پر قادر اور غالب ہے۔ الرحیم بہت بڑا رحم والا ہے اسی لیے انہیں مہلت دیتا ہے اور جرائم پر اچانک ان کی گرفت نہیں فرماتا۔

نکتہ: کشف الاسرار میں ہے کہ اہلِ ایمان پر رحم فرماتا ہے کیونکہ وہ قلیل ہیں جو ان کی کثرت سے جدا ہوئے۔

marfat.ocm

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ اپنے غلبہ و قدرت سے سرکش دشمنوں کے لیے قہر اور اپنے لطف و رحمت سے جذباتِ عنایت کے ساتھ اپنے اولیاء کی دستگیری فرماتا ہے۔

حکایت حضرت سری سقطی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں اپنے شہر کی جامع مسجد میں وعظ کر رہا تھا کہ دورانِ تقریر ایک حسین و جمیل نوجوان بہترین لباس پہنے آیا اس کی معیت میں اور نوجوان بھی تھے۔ میں اس وقت کہہ رہا تھا تعجب ہے کہ بندہ ضعیف ہو کر اپنے مالکِ قوی کی نافرمانی کرتا ہے۔ میرے ان الفاظ سے اس نوجوان کا چہرہ متغیر ہو گیا اور پیچھے کو ہٹ گیا۔ دوسرے روز پھر وہی نوجوان دورانِ تقریر آیا اور السلام علیکم کہہ کر دوگانہ پڑھنے لگا۔ فراغت کے بعد مجھے کہنے لگا، اے سری سقطی! میں نے کل آپ سے سُنا تھا کہ اس ضعیف پر تعجب ہے جو قوی کی نافرمانی کرتا ہے، اس کا کیا معنیٰ ہے؟ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے قوی تر اور بندے سے ضعیف تر اور کون ہے، جبکہ بندہ اپنے پروردگار کی نافرمانی کرتا ہے۔ یہ سُن کر وہ نوجوان اُٹھ کر چلا گیا۔ پھر تیسرے روز حاضر ہوا اس پر دو سفید کپڑے تھے لیکن آج تھا اکیلا۔ اور آ کر مجھ سے پُوچھا، اے سری سقطی! بتائیے اللہ تعالیٰ کے ملنے کا راستہ کون سا ہے؟ میں نے اسے کہا: اگر تو عبادت کرنا چاہتا ہے تو کثرت سے روزے رکھ اور رات کو نوافل پڑھا کر۔ اگر اللہ تعالیٰ کو ملنا چاہتا ہے تو ماسوی اللہ کو ترک کر، امید ہے واصل باللہ ہو جائے گا، اور یہ وصول مساجد و محاریب و مقابر سے ہی حاصل ہوگا۔ یہ سُن کر وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور کہتا جا رہا تھا: بخدا! میں سخت ترین راہ طے کرنے جا رہا ہوں۔ چند دنوں کے بعد بہت سے نوجوان میرے ہاں آئے اور پُوچھا: احمد بن یزید الکاتب کا کیا بنا؟ میں نے کہا: میں اسے تو نہیں جانتا، ہاں البتہ چند روز پہلے ایک وجیہ نوجوان آیا تھا اور میرے اور اس کے درمیان فلاں فلاں باتیں ہوئیں لیکن مجھے یہ علم نہیں کہ وہ گیا کہاں۔ انہوں نے کہا: آپ کو اپنے پیدا کرنے والے کی قسم! اگر آپ کو اس کا کوئی سراغ مل جائے تو ہمیں ضرور مطلع کیجئے۔ چند سال یوں ہی بیت گئے۔ ایک رات اسی نوجوان نے عشاء کی نماز کے بعد میرا دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے کہا، آ جائیے۔ جب وہ اندر آیا تو میں نے دیکھا کہ ایک پھٹی پرانی کملی اس کے جسم سے لپٹی ہوئی ہے اور دوسری چادر کی طرح بندھی ہوئی ہے اور ایک گدڑی اس کے پاس ہے جس میں کھجور کی گٹھلیاں تھیں۔ آتے ہی میری دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دے کر مجھے کہا: اے سری سقطی! اللہ تعالیٰ آپ کو جہنم کی آگ سے دُور رکھے آپ نے مجھ پر احسان کیا کہ مجھے دنیا کی قید سے آزاد کیا۔ میں نے اپنے ساتھی کے ذریعہ اس کے گھر والوں کو مطلع کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کی بیوی چھوٹا بچہ اٹھائے وہاں پہنچ گئی اس کے ساتھ اور بھی بہت سے نوجوان تھے۔ عورت نے آتے ہی بچہ اس نوجوان کی گود میں پھینک دیا جو بہترین کپڑوں میں ملبوس اور زیورات سے لدا ہوا تھا۔ وہ عورت کہتی تھی، تو نے جیتے جی مجھے بے شوہر اور بیٹے کو یتیم

بنا دیا۔ یہ سُن کر اس نوجوان نے میری طرف دیکھ کر کہا: اے سری سقطی! اس کا کیا جواب دوں؟ پھر اپنی عورت کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا: بخدا تُو میرے دل کا ثمرہ اور جگر کی محبوبہ ہے اور یہ بچہ بھی میری عزیز ترین متاع ہے۔ لیکن مجھے اسی بزرگ (سری سقطی) نے بتایا کہ جب تک ماسوا کو ترک نہ کرو گے اللہ تعالیٰ کو نہیں مل سکتے۔ اس کے بعد بچے کے کپڑے اور زیورات اتار کر عورت کو دیکھ کر کہا کہ یہ غریبوں مسکینوں اور بھوکوں میں بانٹ دو۔ پھر اپنی کملی سے تھوڑا سا کپڑا پھاڑ کر بچے کو لپیٹا۔ عورت نے کہا، میں بچے کو ایسی حالت میں نہیں دیکھنا چاہتی۔ فوراً بچے کو شوہر سے لے لیا۔ نوجوان نے دیکھا کہ عورت بچے کے پیار میں مشغول ہے، وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا اور کہا، آج رات کی عبادت تم نے ضائع کر دی۔ چلتے ہوئے کہنے لگا، اللہ حافظ۔ عورت اپنے شوہر کے فراق میں دھاڑیں مار کر رونے لگی اور جاتے وقت کہا: اے سری سقطی! پھر اگر آپ کو اس کے متعلق کبھی علم ہو تو مجھے ضرور آگاہ کرنا۔ میں نے کہا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ چند دنوں کے بعد ایک بڑھیا میرے پاس آئی اور کہا اے سری سقطی! شونیزیہ میں ایک نوجوان آپ کو یاد کر رہا ہے۔ میں وہاں گیا، دیکھا کہ وہی نوجوان اینٹ سرہانے رکھ کر لیٹا ہوا ہے۔ میں نے کہا: السلام علیکم۔ اُس نے سلام کا جواب دیتے ہوئے آنکھیں کھول کر کہا، میرے پچھلے گناہ بخشے گئے یا نہیں؟ میں نے کہا: ضرور بخشے گئے ہوں گے۔ کہا: مجھ جیسے مجرم کے گناہ بخشے گئے ہوں گے! حالانکہ میں سرتاپا گناہوں میں غرق ہوں۔ میں نے کہا: گناہوں میں غرق ہونے والوں ہی کو تو وہ نجات دینے والا ہے۔ اس نے کہا، مجھ پر لوگوں کے حقوق ہیں۔ میں نے کہا: حدیث شریف میں ہے:

انه یؤتی بالتائب یوم القیامة ومعه خصومه فیقال لهم خلوا عنه فان الله تعالیٰ یعوضکم۔

(اللہ تعالیٰ نے جس کی توبہ قبول کر لی ہوتی ہے تو قیامت میں جب اسے لایا جائے گا اور اس سے حقوق کا مطالبہ کرنے والے بھی ہوں گے، تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا اسے چھوڑ دو اس کے جملہ حقوق میں خود ادا کرتا ہوں)

پھر مجھے کہا: اے سری سقطی! میرے پاس چند دراہم ہیں جو میں نے گٹھلیاں بیچ کر جمع کئے ہیں آپ پر لازم ہے کہ ان سے میری تجہیز و تکفین کریں، اور میرے گھر والوں کو خبر نہ دینا تاکہ وہ حرام کے مال سے میری تجہیز و تکفین نہ کر ڈالیں۔ میں تھوڑی سی دیر اس کے پاس بیٹھا پھر آنکھ کھول کر کہا، لمثل هذا فلیعمل العاملون یعنی اس جیسے عمل کرنے والوں کو چاہیے کہ وُہ عمل کریں۔ یہ کہہ کر وہ فوت ہو گیا۔ میں نے اس کے دراہم لے کر بازار سے اس کی تجہیز و تکفین کا سامان خریدا، لَوٹا تو لوگ جوق در جوق آ رہے تھے اور کہہ رہے تھے، اللہ کا ولی فوت ہو گیا، جلدی چلو، اس کی نمازِ جنازہ میں شرکت کرو۔ میں نے اُسے غسل دیا پھر کفن دے کر نمازِ جنازہ

(باقی ص ۵۳۱ پر)

marfat.ocm

وَإِذْ نَادَىٰ رَبُّكَ مُوسَىٰٓ أَنِ ٱئْتِ ٱلْقَوْمَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿١٠﴾

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے موسیٰ کو ندا فرمائی کہ ظالم لوگوں کے

قَوْمَ فِرْعَوْنَ ۚ أَلَا يَتَّقُونَ ﴿١١﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّىٓ أَخَافُ أَن يُكَذِّبُونِ ﴿١٢﴾ وَيَضِيقُ

پاس جا جو فرعون کی قوم ہے کیا وہ نہ ڈریں گے عرض کی اے میرے رب میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے اور میرا سینہ تنگی کرتا

صَدْرِى وَلَا يَنطَلِقُ لِسَانِى فَأَرْسِلْ إِلَىٰ هَٰرُونَ ﴿١٣﴾ وَلَهُمْ عَلَىَّ ذَنۢبٌ فَأَخَافُ

ہے اور میری زبان نہیں چلتی تو تو ہارون کو بھی رسول کر اور ان کا مجھ پر ایک الزام ہے تو میں ڈرتا

أَن يَقْتُلُونِ ﴿١٤﴾ قَالَ كَلَّا ۖ فَٱذْهَبَا بِـَٔايَٰتِنَآ ۖ إِنَّا مَعَكُم مُّسْتَمِعُونَ ﴿١٥﴾ فَأْتِيَا فِرْعَوْنَ

ہوں کہیں مجھے قتل کردیں فرمایا یوں نہیں تم دونوں میری آیتیں لے کر جاؤ ہم تمہارے ساتھ سنتے ہیں تو فرعون کے پاس

فَقُولَآ إِنَّا رَسُولُ رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿١٦﴾ أَنْ أَرْسِلْ مَعَنَا بَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ ﴿١٧﴾ قَالَ أَلَمْ

جاؤ پھر اس سے کہو ہم دونوں اس کے رسول ہیں جو رب ہے سارے جہان کا کہ تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو چھوڑ دے بولا

نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيدًا وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ ﴿١٨﴾ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ ٱلَّتِى

کیا ہم نے تمہیں اپنے یہاں بچپن میں نہ پالا اور تم نے ہمارے یہاں اپنی عمر کے کئی برس گزارے اور تم نے کیا اپنا وہ کام جو تم نے کیا

فَعَلْتَ وَأَنتَ مِنَ ٱلْكَٰفِرِينَ ﴿١٩﴾ قَالَ فَعَلْتُهَآ إِذًا وَأَنَا۠ مِنَ ٱلضَّآلِّينَ ﴿٢٠﴾ فَفَرَرْتُ

اور تم ناشکرے تھے
موسیٰ نے فرمایا میں نے وہ کام کیا جب کہ مجھے راہ کی خبر نہ تھی تو میں تمہارے

مِنكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِى رَبِّى حُكْمًا وَجَعَلَنِى مِنَ ٱلْمُرْسَلِينَ ﴿٢١﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ

یہاں سے نکل گیا جب کہ تم سے ڈرا تو میرے رب نے مجھے حکم عطا فرمایا اور مجھے پیغمبروں سے کیا اور یہ کوئی نعمت ہے

تَمُنُّهَا عَلَىَّ أَنْ عَبَّدتَّ بَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ ﴿٢٢﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٢٣﴾ قَالَ

جس کا تو مجھ پر احسان جتاتا ہے کہ تو نے غلام بناکر رکھے بنی اسرائیل فرعون بولا اور سارے جہان کا رب کیا ہے موسیٰ نے

رَبُّ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَآ ۖ إِن كُنتُم مُّوقِنِينَ ﴿٢٤﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُۥٓ أَلَا تَسْتَمِعُونَ ﴿٢٥﴾

فرمایا رب آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے اگر تمہیں یقین ہو اپنے آس پاس والوں سے بولا کیا تم غور سے

قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ ءَابَآئِكُمُ ٱلْأَوَّلِينَ ﴿٢٦﴾ قَالَ إِنَّ رَسُولَكُمُ ٱلَّذِىٓ أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ ﴿٢٧﴾

سنتے نہیں موسیٰ نے فرمایا رب تمہارا اور تمہارے اگلے باپ داداؤں کا بولا تمہارے یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں ضرور

قَالَ رَبُّ ٱلْمَشْرِقِ وَٱلْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَآ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٢٨﴾ قَالَ لَئِنِ ٱتَّخَذْتَ

عقل نہیں رکھتے موسیٰ نے فرمایا رب پورب اور پچھم کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اگر تمہیں عقل ہو بولا اگر تم نے میرے سوا کسی

اِلٰهًا غَيْرِىْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿٢٩﴾ قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَىْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٠﴾ قَالَ

اور کو خدا ٹھہرایا تو میں ضرور تمہیں قید کر دوں گا فرمایا کیا اگرچہ میں تیرے پاس کوئی روشن چیز لاؤں کہا تو

فَاْتِ بِهٖۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٣١﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿٣٢﴾

لاؤ اگر سچے ہو تو موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا جبھی وہ صریح اژدہا ہو گیا

وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِىَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿٣٣﴾

اور اپنا ہاتھ نکالا تو جبھی وہ دیکھنے والوں کی نگاہ میں جگمگانے لگا

(بقیہ صفحہ ٥٢٢) پڑھا کر دفن کر دیا تھوڑی دیر کے بعد اس کے گھر والے پہنچ گئے اور پوچھا کہ ہمارے نوجوان کا کوئی اتا پتا دیجئے۔ میں نے کہا وہ اللہ کو پیارا ہو گیا۔ یہ سن کر اس کی بیوی آٹھ آٹھ آنسو روئی۔ پھر میں نے اس کا حال سنایا۔ مجھ سے اس کی قبر کے بارے میں پوچھا۔ میں نے کہا مجھے خطرہ ہے کہ تم اس کی قبر کھود کر اس کو نیا کفن دو گے۔ عورت نے وعدہ کیا کہ وہ ایسا ہرگز نہ ہونے دے گی۔ میں نے اس کی قبر دکھائی۔ وہ دھاڑیں مار کر روئی اور کہا دو گواہ لاؤ۔ دو گواہ لائے گئے۔ اس نے گواہوں کے سامنے کہا گواہ ہو جاؤ کہ میں نے اس کی تمام کنیزیں آزاد کر دیں اور اس کا جملہ مال راہِ خدا میں تقسیم کر دیا۔ یہ کہہ کر اس کی قبر سے چمٹ گئی اور وہیں جان دے دی۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں پر رحم فرمائے ؎

چوں کند کحل عنایت دیدہ باز
ایں چنیں باشد بدنیا اہل راز

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ کی عنایت کا سُرمہ کسی آنکھ کو بینائی بخشتا ہے تو وہ دنیا میں اس طرح اس کا اہلِ راز بن جاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰى اور یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام کو تمہارے رب نے ندا دی اِذ اذکر محذوف کی وجہ سے منصوب ہے۔

حلِ لغات المناداۃ والنداء بمعنے آواز بلند کرنا۔ یہ الندی سے ہے بمعنے رطوبت۔ آواز کے لیے استعارہ کیا گیا ہے اس لیے کہ جس کے منہ میں رطوبت بہت زیادہ ہوتی ہے اس کے

marfat.ocm

کلام میں حسن و حلاوت پائی جاتی ہے۔ اسی لیے وہ شخص فصیح ہوتا ہے۔

اب معنی یہ ہوا اے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ! اپنی قوم کو وہ وقت یاد دلایئے جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کو شجرہ کی شب نار دیکھنے پر گفتگو فرمائی جب وہ مدین سے گھر لوٹ رہے تھے۔ یا انہیں موسیٰ علیہ السلام کا وہ دور یاد دلایئے جب فرعون کی قوم نے تکذیب کی، اور ڈرایئے کہ کہیں ان کے ساتھ بھی وہی نہ ہو جو ان کے ساتھ ہوا۔ اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ یہ کہ تشریف لے جایئے اس قوم کے ہاں جنہوں نے کفر و معاصی کے ارتکاب سے اور بنی اسرائیل کو غلام بنا کر اور ان کے بچوں کو قتل کر کے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ القوم الظالمین سے بدل ہے۔

سوال : قوم ظالم تھی اور فرعون اظلم تھا۔ پھر صرف قوم کے ذکر کا کیا معنی ؟

جواب : چونکہ اس فعل میں وہ سب سے پیش پیش ہونے کی وجہ سے مشہور تھا اسی لیے اس کے ذکر کی ضرورت نہیں کیونکہ جسے جس فعل پر شہرت حاصل ہو بوجہ شہرت اس فعل کے ذکر کی ضرورت نہیں ہوتی۔

ف : ان ائت میں ان مفسرہ ہے جو نادٰی کی تفسیر کے لیے آیا ہے بمعنے ای یعنی الاتیان بمعنے آرام سے آنا۔

اب مطلب یہ ہوا کہ اے موسیٰؑ ! آپ آرام سے ظالم قوم کے ہاں تشریف لے جایئے اَلَا یَتَّقُوْنَ ۝ یہ جملہ مستانفہ ہے جس کا اعراب میں کوئی محل نہیں۔ الا تحضیض کے لیے ہے جو اس فعل پر برانگیختہ کرتا ہے جس کے لیے موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا گیا تاکہ وہ لوگ ڈریں۔ انھیں تعجب دلانا بھی مطلوب ہے کہ تم لوگ کتنے ظالم اور حد سے متجاوز ہو۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کیوں خوف نہیں کھاتے اور اس پر ایمان لا کر اور اس کی اطاعت کر کے اپنے نفوس سے عذاب و عقابِ خداوندی کو کیوں نہیں ہٹاتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ لوگ کیوں نہیں ڈرتے، یعنی انہیں لازم ہے کہ وہ عذابِ الٰہی سے ڈریں اور کفر سے کنارہ کش ہو جائیں اور بنی اسرائیل کو بھی آزاد کر دیں قَالَ یہ جملہ مستانفہ ہے اور سوال مقدر کا جواب ہے گویا کسی نے سوال کیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کیا عرض کیا ؟ اس کے جواب میں فرمایا ، موسیٰ علیہ السلام نے گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کی رَبِّ اے میرے پروردگار ! اِنِّیْٓ اَخَافُ الخوف معلوم یا مظنون علامات پا کر کسی فعل سے ناگواری کرنا طمع و رجاء کی نقیض ہے یعنی طمع و رجاء بمعنے معلوم یا مظنون علامات پا کر کسی فعل سے محبت کرنا۔ بے شک مجھے خوف ہے اَنْ یُّکَذِّبُوْنَ ۝ کہ وہ میری نبوت کی تکذیب اور میری بات کی سماعت سے انکار کر دیں گے۔

سوال : انبیاء علیہم السلام تو سوائے خدا کے اور کسی سے ڈرتے ہی نہیں لیکن یہاں موسیٰ علیہ السلام قوم فرعون کے پاس جانے سے گھبرا رہے ہیں۔

جواب: بعض کبار نے فرمایا کہ وہ اپنے لیے نہیں بلکہ قوم فرعون پر شفقت کرتے ہوئے گھبرا رہے تھے کہ اگر میں ان کے ہاں چلا گیا اور انہوں نے میری نبوت کا انکار کر دیا تو ان پر عذاب الٰہی نازل ہو جائے گا جیسے سابقہ امتوں میں ہوا تو پھر کیوں نہ اللہ تعالیٰ سے معذرت کروں۔ اس معنی پر موسیٰ علیہ السلام کا ڈرنا اپنے لیے نہیں بلکہ قوم کے لیے تھا۔ اور یہ ان کے رحیم ہونے کی دلیل ہے)[1]

ف: یکذبون در اصل یکذبونی تھا۔ یاءِ متکلم حذف کر دی گئی ہے اس لیے کہ ما قبل کی کسرہ اس کے محذوف ہونے پر دلالت کرے گی اور اس کی ضرورت بھی پوری کرے گی کیونکہ کسرہ یاء سے مستغنی کر دیتی ہے۔

وَيَضِيقُ صَدْرِي اور ان کی تکذیب نبوت اور احکامِ شریعت کے انکار سے میرا سینہ تنگ ہو گا (یعنی مجھے غم لاحق ہو گا) اور موسیٰ علیہ السلام میں فطرۃً تیزی بھی تھی۔

ف: اس کا عطف اخاف پر ہے۔

وَلَا يَنطَلِقُ لِسَانِي اور میری زبان بھی نہ چلے گی بلکہ اس پر جو ثقالت ہے اور بڑھ جائے گی۔ الانطلاق بمعنے کھلنا اور چلنا ہے یہاں پہلا معنیٰ مراد ہے اور لسان عضوِ مخصوص کو کہا جاتا ہے اور اس کی قوت کو بھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

واحلل عقدۃ من لسانی۔ بمعنے من قوۃ لسانی۔ (یعنی میری زبان کی قوت کھول دے) اس لئے کہ ثقالت زبان پر نہ تھی بلکہ اس کی قوت پر تھی (یعنی بولنے پر) (کذا فی المفردات)

ف: اس کا عطف اَخَافُ پر ہے۔

فَأَرْسِلْ سو جبریل علیہ السلام کو بھیجئے إِلَىٰ هَارُونَ ۝ ہارون کے ہاں تاکہ وہ تبلیغ میں میرا ہاتھ بٹائیں کیونکہ میری نسبت وہ مجھ سے زیادہ فصیح ہیں۔

ف: ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بھائی تھے۔

یعنی ہارون علیہ السلام کو تبلیغ کے کام میں میرا حامی بنا تاکہ میں اس کو ساتھ لے کر قوم فرعون کے ہاں جاؤں۔

نکتہ: کسی کی بات نہ ماننا اس کے تنگ دل ہونے کا سبب ہے اور تنگ دلی بولنے پر اثر انداز ہوتی ہے کہ ایسی حالت میں گفتگو کرنا بوجھل ہو جاتا ہے بالخصوص اس کے لیے جس کی زبان میں ثقالت ہو۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ قلب کی تنگی پر روح و حرارت عزیزیہ قلب کے باطن میں منقبض ہو جاتے ہیں۔ جب یہ دونوں

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ

marfat.ocm

منقبض ہو جاتیں تو زبان کی ثقالت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اسی لیے موسیٰ علیہ السلام نے پہلے خوفِ تکذیب کا اظہار فرمایا پھر تنگیٔ لسان کا عذر کیا۔ آخر میں زبان نہ چلنے کی عرض کر کے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو تبلیغی امور میں شریک کرنے کی تمنا کی۔

ف: اگر موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کو تبلیغی امور میں شریکِ کار نہ رکھتے تو ان کی بعثت کا مقصد فوت ہو جاتا۔

ف: موسیٰ علیہ السلام کی زبان کی ثقالت کا موجب وہی انگارہ تھا جو آپ نے فرعون کے امتحان کے وقت خود اپنی زبان پر رکھ لیا تھا۔ حضرت عطار قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

ہمچو موسیٰ این زمان در طشتِ آتش ماندہ ایم
طفل فرعونیم ما کان و دہان پر اخگر ست

ترجمہ: ہم اس وقت موسیٰ علیہ السلام کی طرح آگ کے طشت میں ہیں اور ہم فرعون کے طفل ہیں ہماری زبان اور منہ میں انگارے ہی انگارے ہیں۔

معجزہ موسیٰ علیہ السلام

انگارے سے ہاتھ نہ جل سکا۔ یہ بھی معجزہ اور زبان کا جلنا بھی معجزہ، باوجودیکہ وہ جل گئی۔ لیکن جب فرعون کے ہاں تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے تو فصاحت میں کوئی فرق نہ آیا (فرعون کا یہ سوچنا ہی تھا کہ جس کی زبان جل گئی اور بولنے کے قابل نہ تھی اب وہ بلا تکلف گفتگو فرماتے ہیں بدقسمتی نے اسے سوچنے کا موقعہ نہ دیا۔ ایسے ہی منکرینِ ولایت کا حال ہے اور ایسے ہی پہلے منکرینِ نبوت کا حال رہا) [1]

عظمتِ نبوت

بعض واعظین کہہ دیتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اعلانِ نبوت کے بعد بھی توتلے تھے (یعنی اس انگارے کے جلانے کا اثر موجود تھا)۔ ایسے کہنے والا خطاکار ہے۔

(انتباہ

ہمارے دور میں بے ادب اور گستاخ لوگ ادّعائے علم و فہم اور دین و اسلام کی علمبرداری کے باوجود نبوت کے عظمت و احترام میں کوتاہی کرتے ہیں ان کو انتباہ کیا جائے تو اسے غلو سے تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن صدیوں پہلے صاحبِ روح البیان ہماری تائید اس طرح فرما گئے :) [2]

قال بعض الکبار ینبغی للواعظ ان	بعض مشایخ نے فرمایا کہ واعظ کو لازم ہے
یراقب اللہ فی وعظہ و یجتنب	کہ وعظ و تقریر میں خدا کا خوف نگاہ میں رکھے

---

[1] و [2] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

عن تکلم ما یشین بجمال الانبیاء و بھتك حرماتھم ویطلق السنة العامة فی حقھم و یسئ الظن بھم والامقتہ اللہ و ملائکتہ۔

(روح البیان ج ۶ ص ۲۶۶)

کہ اپنے وعظ و تقریر میں ایسی بات منہ سے نہ نکالے جو انبیاء علیہم السلام کے حُسن و جمال میں نقص و عیب کا شائبہ پیدا کر دے یا جس سے ان کی ہتک اور گستاخی کا پہلو نکلتا ہو۔ اس طرح عوام کی زبانیں انبیاء علیہم السلام کے بارے میں نہ رک سکیں گی اور وہ ان (انبیاءؑ) متقین اور ملائکہ کے متعلق بدگمانی کا شکار ہو جائیں گے۔[1]

---

[1] الحمد للہ یہی ہمارا منشور ہے۔ ہم نجدیوں، وہابیوں، دیو بندیوں، مودودیوں اور دیگر مذاہب باطلہ سے اسی لیے اختلاف رکھتے ہیں کہ ان کی تقریر و تحریر میں انبیاء علیہم السلام کی گستاخی پر نہ صرف اشارہ و کنایہ ہوتا ہے بلکہ واضح توہین اور بے ادبی ہوتی ہے جس کو پڑھ سن کر ادنیٰ سمجھ رکھنے والا بھی خدا سے پناہ مانگتا ہے۔

رہا یہ سوال کہ وہ لوگ دین کا دم بھرتے ہیں، اس کی تردید قرآن مجید میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ منافقین کے متعلق فرماتا ہے:

و من الناس من یقول اٰمنّا باللہ و بالیوم الاٰخر و ما ھم بمؤمنین۔

اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے حالانکہ وہ مومن نہیں۔

منہ سے تو یہ سبھی لوگ ایمان دار ہونے کے مدعی ہیں لیکن ان کی عباراتِ ذیل ان کے ایمان کی تصدیق نہیں کرتیں:

باری تعالیٰ کی طرف جھوٹ کی نسبت

"امکانِ کذب سے مراد دخولِ کذب تحت قدرت باری تعالیٰ ہے۔" (فتاویٰ رشیدیہ، ص ۱۹ - براہین قاطعہ ص ۲۷۵)

افعالِ قبیحہ

"افعالِ قبیحہ کو مثل دیگر ممکنات ذاتیہ مقدور باری جملہ اہلِ حق (علماءِ دیو بند) تسلیم فرماتے ہیں۔"

(جہد المقل، ج ۱، ص ۴۱)

(باقی بر صفحہ آئندہ)

marfat.ocm

وَلَهُمْ اور ان لوگوں یعنی فرعونیوں کا عَلَیَّ میرے ذمہ ذَنْبٌ ایک جرم کی سزا اور اس کا موجب

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳۰) "چوری، شراب خوری، جہل، ظلم سے معارضہ کم فہمی معلوم ہوتا ہے، حالانکہ یہ کلیہ ہے جو مقدور العبد ہے مقدور اللہ ہے۔" (مولوی محمود حسن، اخبار نظام الملک ۲۵ اگست ۱۸۸۹ء)

علم نبی کی تنقیص

"شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے۔ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کی وسعتِ علم کی کون سی نصِ قطعی ہے۔" (براہینِ قاطعہ مؤلفہ مولوی خلیل احمد مصدقہ مولوی رشید احمد گنگوہی ص ۵۱)

علم کے بعد عمل کی تنقیص

"انبیاء اپنی اُمت سے اگر ممتاز ہوتے ہیں تو علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں، باقی رہا عمل، اس میں بسا اوقات بظاہر اُمتی مساوی ہو جاتے بلکہ بڑھ جاتے ہیں۔" (تحذیر الناس، مولوی محمد قاسم نانوتوی ص ۴)

انکارِ ختم نبوت

"عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم ہونا بایں معنیٰ ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانے کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہلِ فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخرِ زمانہ میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔" (تحذیر الناس ص ۳)

"اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیتِ محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا، چہ جائیکہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجئے اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے۔" (تحذیر الناس ص ۲۴)

نوٹ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا آپ کی عظیم الشان فضیلت اور بہت بڑا اعزاز ہے۔ اور خاتم النبیین کا معنیٰ باجماعِ اُمت آخری نبی ہے۔ خود حضورؐ کا مشہور ارشاد ہے:
انا خاتم النبیین لا نبی بعدی۔ (میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں)

(باقی برصفحہ آئندہ)

یہاں مضاف محذوف ہے اور اس کے قائم مقام مضاف الیہ کو رکھا گیا ہے اس سے قبلی کا قتل مراد ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳۱) مگر اس کے سراسر برعکس تحذیر الناس کی پہلی عبارت میں اس اجماعی معنٰی کو "عوام کا خیال" قرار دے کر ختم نبوت کی اہمیت کو ختم کیا ہے اور پھر "بالذات کچھ فضیلت نہیں" کہہ کر اس کی فضیلت ہی کا انکار کر دیا ہے۔ اور مزید ستم ظریفی یہ کہ دوسری عبارت میں:

"خاتمیتِ محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا"

لکھ کر ختم نبوت کی بنیاد ہی ختم کر دی کہ چونکہ بقول نانوتوی "خاتم النبیین بمعنٰی آخری نبی نہیں ہیں اس لیے اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیتِ محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا" الخ۔ ولاحولَ ولاقوۃ اِلاّ باللہ۔

نیا کلمہ اور درود

دیوبندی حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی کے ایک مرید نے لکھا کہ "مَیں پہلے خواب میں اور پھر بیداری میں لا الٰہ الاّ اللہ اشرف علی رسول اللہ اور اللّٰھم صلّ علٰی سیّدنا ونبیّنا ومولانا اشرف علی پڑھتا ہُوں حالانکہ اب بیدار ہُوں خواب میں نہیں۔"

اس پر تھانوی صاحب نے اس بدنصیب کو تجدیدِ ایمان و توبہ کی تلقین کی بجائے یہ کہہ کر تسلّی دی کہ "جس کی طرف تم رجوع کرتے (اور اس کا کلمہ و درود پڑھتے) ہو وہ متبع سنّت ہے۔" (رسالہ الامداد ص ۳۵ صفر المظفر ۱۳۳۶ھ)

نبی کی استادی

"مدرسہ دیوبند کی عظمت حق تعالٰی کی درگاہِ پاک میں بہت ہے۔ صدہا عالم یہاں سے پڑھ کر گئے۔ اور خلقِ کثیر کو ظلماتِ ضلالت سے نکالا۔ یہی سبب ہے کہ ایک صالح (دیوبندی) فخرِ عالم علیہ السلام کی زیارت سے خواب میں مشرف ہُوئے تو آپ کو اردو میں کلام کرتے دیکھ کر پُوچھا آپ کو یہ کلام کہاں سے آ گئی، آپ تو عربی ہیں؟ فرمایا کہ جب سے علماءِ مدرسۂ دیوبند سے ہمارا معاملہ ہُوا ہم کو یہ زبان آ گئی۔ سبحان اللہ! اس سے رتبہ اس مدرسہ کا معلوم ہوا۔" (براہینِ قاطعہ ص ۲۶)

(باقی برصفحہ ۵۳۳)

marfat.ocm

جبکہ موسیٰ علیہ السلام نے سبطی اپنے قومی فرد کے لیے قتل کر دیا تھا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۱۴)

رحمۃ للعالمین سے انکار

"استفتاء: رحمۃ للعالمین مخصوص آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا ہر شخص کو کہہ سکتے ہیں؟

الجواب: لفظ رحمۃ للعالمین صفت خاصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں ہے بلکہ دیگر اولیاء و انبیاء اور علمائے ربانیین بھی موجب رحمتِ عالم ہوتے ہیں اگرچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے اعلیٰ ہیں۔ لہٰذا اگر دوسرے پر اس لفظ کو بتاویل بول دیوے تو جائز ہے۔" (فتاویٰ رشیدیہ ج ۲ ص ۹)

⊙ "حضرت گنگوہی صاحب کو حضرت حاجی (امداد اللہ) صاحب کی وفات کی خبر ملی تو بظاہر یہ معلوم نہ تھا کہ اس قدر محبت حضرت کے ساتھ ہوگی۔ حضرت گنگوہی صاحب کی نسبت بار بار رحمۃ للعالمین فرماتے تھے۔" (افاضات الیومیہ، تھانوی، ج ۱ ص ۱۰۵)

⊙ "آج نمازِ جمعہ کے موقع پر خبرِ جانکاہ سُن کر دلِ حزیں پر بے حد چوٹ لگی کہ حضرت قبلہ (مفتی محمد حسین) رحمۃ للعالمین دُنیا سے سفرِ آخرت فرما گئے۔" (عزیز الرحمٰن مہتمم مدرسہ امداد العلوم ایبٹ آباد تذکرہ حسن ص ۲۰۶)

رسول کا حال

"میرے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے میں محض رسول ہوں۔"

"رسول عاجز بندے ہیں رسولوں کے ہاتھ میں کوئی اختیار نہیں ہے۔" (بلغۃ الحیران، مولوی حسین علی، ص ۱۰۲ - ۲۸۴)

رسول کا کمال

"لائقِ عبادت ایک اللہ تعالیٰ ہے اور رسولوں کا کمال عذابِ الٰہی سے نجات پا لینی ہے۔" (بلغہ ص ۲۴۳)

ذرّۂ ناچیز سے کمتر

"سب انبیاؑ و اولیاؒ اس (اللہ) کے رُوبرو ایک ذرّۂ ناچیز سے بھی کمتر ہیں۔" (بلغہ ص ۶۸)

(باقی برصفحہ)

سوال: انبیاء علیہم السلام تو گناہوں سے معصوم ہیں پھر یہاں ذنب (گناہ) کو موسیٰ علیہ السلام کی طرف کیوں منسوب کیا گیا ہے؟

جواب: چونکہ فرعونیوں کے نزدیک یہ گناہ تھا ان کے گمان کے مطابق ذنب (گناہ) سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ف: کاشفی مرحوم نے لکھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: ان کا مجھ پر قتل کا دعویٰ ہے یعنی قبطی کے قتل کا، اور وہ ان کے گمان پر میرے ذمہ ایک جرم ہے۔

فَاَخَافُ سو مجھے خوف ہے کہ اگر میں ان کے ہاں اکیلا چلا گیا اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ۚ تو وہ مجھے قتل کر دیں گے قبل اس کے کہ میں انہیں تیرا پیغام پہنچاؤں، اور ہارون کے متعلق ان کا کوئی دعویٰ نہیں۔ (فلہٰذا یہ ڈیوٹی انہی کے ذمہ لگائیے)

سوال: اولیاء بھی خوف و حزن سے مامون ہوتے ہیں چہ جائیکہ انبیاء علیہم السلام، لیکن یہاں پر موسیٰ علیہ السلام خوف ظاہر کر رہے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳۳)

چُوہڑے چمار

"ہمارا جب خالق اللہ ہے اور اس نے ہم کو پیدا کیا تو ہم کو بھی چاہیے کہ اپنے تمام کاموں پر اسی کو پکاریں اور کسی سے ہم کو کیا کام؟ جیسے جو کوئی ایک بادشاہ کا غلام ہو چکا ہے تو وہ اپنے ہر کام کا علاقہ اسی سے رکھتا ہے دوسرے بادشاہ سے بھی نہیں رکھتا۔ چمار کا تو ذکر ہی کیا ہے" (بلغہ ص ۲۱)

لرزہ خیز تشبیہ

"آپ کی ذاتِ مقدسہ پر علمِ غیب کا حکم کیا جانا اگر بقولِ زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کُل غیب۔ اگر بعض علومِ غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہی کیا تخصیص ہے ایسا علمِ غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم (چوپایوں) کے لیے بھی حاصل ہے" (حفظ الایمان اشرف علی تھانوی ص ۸)

نوٹ: مذکورہ عبارت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ غیب کو زید و عمرو، بچہ و پاگل اور حیوانات و بہائم کے ساتھ تشبیہ دے کر جس شقاوت و جسارت کا مظاہرہ کیا گیا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

جواب : جملہ امور کا دار و مدار قلب پر ہوتا ہے اگرچہ بشری تقاضا پر ، اور انسانی طبیعت کے مطابق کسی فعل کا صدور ہو تو حرج نہیں۔ بنا بریں ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا قلب بالکل مطمئن تھا اگر بتقاضائے بشریت خوف کا اظہار فرمایا تو کیا حرج ہے ۔

سوال : انبیاء علیہم السلام کو فرمانِ الٰہی پر پس و پیش نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کے احکام کی ادائیگی میں حیلہ و حجت پیش کرتے ہیں لیکن موسیٰ علیہ السلام نے حکمِ الٰہی پر کچھ اعذار پیش کئے ۔ یہ ان کی شانِ نبوت کے خلاف ہے ۔

جواب : موسیٰ علیہ السلام عذر نہیں کر رہے بلکہ آنے والے واقعات و حوادث کے لیے دفاع کے اسباب ظاہر فرما رہے ہیں اور اپنے مالک سے ان اسباب کو عمل میں لانے کا سوال کر رہے ہیں اور یہ کوئی قباحت نہیں ۔

(علامہ اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ فرماتے ہیں) دراصل بات یہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی تلوین کا اظہار فرمایا تاکہ انہیں اپنے مالک سے تمکین نصیب ہو ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ہر طرح کی آسائش بخشی اور ان کے تمام خدشات زائل کر دیئے ۔ چنانچہ فرمایا : قَالَ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کَلَّا کوئی بات نہیں تم اپنے ان امور کو خیال میں نہ لائیے تو وہ آپ کو شہید نہیں کر سکیں گے میں ان کو تم پر مسلط نہیں ہونے دوں گا بلکہ الٹا تم ہی ان پر غالب رہو گے فَاذْهَبَا سو دونوں بھائی جائیے ، جیسا کہ تم ہارون کا ساتھ چاہتے ہو ۔ اسے ساتھ لے لو اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر چل پڑو ۔

سوال : اس مکالمہ میں ہارون علیہ السلام تو موجود نہ تھے پھر ان کو خطاب میں کیسے شامل کیا جا سکتا ہے ۔

جواب : تغلیب الحاضر علی الغائب کے قبیل سے ہے ۔

بِاٰيٰتِنَآ جائیے اور ہماری آیات یعنی نو معجزات بھی ساتھ رکھئے کیونکہ یہی میری قدرت کے دلائل قاہرہ اور حجت نبوت سے ہے اس میں ان آنے والے حوادث کے دفعیہ کی طرف اشارہ ہے اِنَّا مَعَكُمْ یہ اسی موعودہ دفعیہ کی علت ہے اور مزید تسلی بھی کہ اے پیارے کلیم ! گھبراتے کیوں ہو جبکہ تم میری حفاظت میں ہو ۔ ہر وقت میری مدد تمہارے شاملِ حال ہو گی ۔

سوال : خطاب تو تھا موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو ، لیکن یہاں صیغہ جمع کا ہے ۔

جواب : یہاں فرعون کو بھی خطاب میں شامل کیا گیا ہے بایں معنیٰ کہ میں تمہارے ساتھ ہوں مدد کے لیے ۔ اور فرعون کے ساتھ ہوں اس پر قہر و جبر کے لیے ۔

انا معکم مبتدا ہے ، خبر ہے مُّسْتَمِعُوْنَ ۝ اس مبتدا کی دوسری خبر ہے یا مستمعون ' انا کی خبر ہے اور معکم ظرف لغو ہے ۔

حلِ لغات : الاستماع بمعنے کان لگا کر کسی بات کو سننے کی طلب ۔ یعنی کان لگانا ۔

سوال : اللہ تعالیٰ کے لیے ایسا اطلاق ناجائز ہے اور وہ منزہ ہے کہ کوئی بات اعضائے سے سُنے۔

جواب : یہاں پر استماع سمع کے معنی میں استعارہ کیا گیا ہے یعنی کان لگاتے بغیر حروف و اصوات کا ادراک یعنی میں تمہارے اور فرعون کے درمیان میں جو کچھ واقعات ہوں گے میں انہیں سنوں گا۔ موسیٰ علیہ السلام کے لئے تسلی دی گئی ہے کہ جیسے کوئی کسی مہم کو سر کرنے جائے اور اس کے ساتھ بہت بڑی طاقت خفیہ طور پر مدد کے لئے ہو اور عین موقع پر اس کی اعانت کرے۔

مسئلہ : اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کی خفیہ طور پر مدد فرماتا ہے جس کے متعلق کسی کو خبر تک نہیں ہوتی اور ان کے مخالفین و اعدا نابود ہو جاتے ہیں۔

مسئلہ : اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کی مدد کا وعدہ فرمایا ہے۔

ف : یہ استعارہ تمثیلیہ ہے اس میں وجہ شبہ چند امور سے ہیئۃ منتزعہ ہے۔

فَأْتِيَا فِرْعَوْنَ پس فرعون کے پاس آؤ۔

فرعون کا تعارف

فرعون کا نام ولید بن مصعب اور کنیت ابو العباس ہے۔ اور بعض کے نزدیک اس کا نام مغیث اور کنیت ابو مرہ ہے۔ چار سو سال زندگی پائی تھی۔

فَقُولَآ إِنَّآ اسے جا کر فرمایئے کہ ہم سب کے سب **رَسُولُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ** o پروردگارِ عالم کے پیغمبر ہیں۔

سوال : بعض نے کہا کہ صرف رسول کیوں نہ کہا۔

جواب : حضرت موسیٰ علیہ السلام مستقل رسول تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام ان کے امدادی تھے جو ان کی رسالت کی تائید و تصدیق کے لیے ساتھ چلے جاتے تھے۔

أَنْ أَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيٓ إِسْرَآءِيْلَ اَن مفسرہ ہے۔

سوال : تفسیر اس وقت ہو جب پہلے ارسال مذکور ہو۔

جواب : لفظ رسول پہلے مذکور ہے اور وہ ارسال کو متضمن ہے۔

سوال : اَن مفسرہ کے لیے باب قال یقول کا ہونا ضروری ہے۔

جواب : اِرسال قول کے معنی کو متضمن ہے کیونکہ یہاں تخلیہ و اطلاق کا معنی ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے : ارسلت الکلب الی الصید بمعنے خلھم و شأنھم۔ انہیں اور ان کے شان کو راہ دو تاکہ وہ شام کے علاقہ کو جا سکیں اور وہ ان کے آباء کا مسکن ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیجئے اور ان سے ہاتھ اٹھایئے تاکہ ہم انہیں علاقہ شام کو لے جا سکیں کیونکہ وہ ان کا آبائی مسکن ہے۔

marfat.ocm

ف : فرعون نے بنی اسرائیل کو چار سو سال تک غلام بنائے رکھا اور وہ اس وقت چھ لاکھ تیس ہزار افراد تھے۔

بہرحال یہ حکم سن کر حضرت موسٰی و ہارون علٰی نبینا و علیہما السلام مصر کی طرف چل پڑے اور فرعون کے دروازے پر جاکر دستک دی۔ رات کا وقت تھا موسٰی علیہ السلام نے اپنے عصا مبارک سے دروازہ کھٹکھٹایا تو فرعون کے دربان گھبرا گئے اور پوچھا آپ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا، میں پروردگارِ عالم کا رسول ہوں۔ دربانوں نے جاکر فرعون سے کہا کہ ایک مجنون دروازے پر کھڑا ہے اور کہتا ہے کہ میں پروردگارِ عالم کا رسول ہوں۔ فرعون نے آپ کو اندر آنے کی اجازت دے دی جیسا کہ سدی نے کہا ہے، یا یہ ہوا کہ صبح تک نہ آنے دیا۔ صبح ہوتے ہی اپنے پاس بلایا۔ جب وہ دونوں فرعون کے پاس پہنچے تو فرعون نے موسٰی علیہ السلام کو پہچان لیا اور گالی دی قَالَ فرعون نے موسٰی علیہ السلام کو کہا۔

ف : حضرت قتادہ نے فرمایا کہ فرعون نے موسٰی و ہارون علٰی نبینا و علیہما السلام کو سال تک اندر آنے کی اجازت نہ دی۔ ایک دن دربان نے فرعون سے جاکر کہا کہ ایک شخص دروازے پر آیا ہے وہ کہتا ہے کہ میں پروردگارِ عالم کا رسول ہوں۔ فرعون نے کہا اسے لے آؤ تاکہ اس سے ہنسی مذاق کریں۔ دربان موسٰی و ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس لے گیا۔ فرعون نے موسٰی کو پہچان لیا، اسے اپنے پچھلے احسانات جتاتے ہوئے کہا اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا ہم نے تجھے بچپن میں اپنے گھر میں نہیں پالا تھا؟ حضرت کاشفی نے اس کا ترجمہ یوں کیا کہ کیا ہم نے اپنے گھر میں تیری پرورش نہیں کی؟ ولیدًا حال ہے یعنی تمہاری پرورش تمہارے بچپن میں ہم نے کی وَلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ۝ اور تم نے ہمارے گھروں میں اپنی زندگی کے کافی سال بسر کئے۔ من عمرك، سنین سے حال ہے۔

حلِ لغات

عمر (بضمتین) عمر سے ہے بمعنے عاش جیی یعنی بسر کیا اور زندگی گزاری۔

امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا، عمر اس مدت کا نام ہے جس میں حیات بدن میں رہ کر بدن کو معمور رکھے، وہ مدت قلیل ہو یا کثیر۔

ف : بعض کہتے ہیں کہ حضرت موسٰی علیہ السلام فرعون کے ہاں تیس سال کا عرصہ رہ کر مدین کو چلے گئے۔ وہاں دس سال گزار کر واپس فرعون کے ہاں تشریف لاتے اور دعوتِ اسلام کے لیے اس کے ہاں تیس سال بسر کیے۔ فرعون کے غرق ہونے کے بعد پچاس سال زندہ رہے۔ اس لحاظ سے آپ کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔

وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ الفعلۃ (بالفتح) ایک بار کام کرنا، یعنی قبطی کا قتل کرنا جو فرعون کا باورچی تھا۔ اس کا نام فاتون تھا۔

ربط: اپنی نعمتوں کو گننے کے بعد اب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو تنبیہ کی کہ اے موسیٰ! میں نے تجھے پالا پوسا اور جوان کیا لیکن تُو نے میرے باورچی کو قتل کر ڈالا۔ یہ تیرے لیے اچھا نہ تھا۔

سوال: تم نے اس فعل کو بڑا مبہم بتایا کہ فرعون کی تنبیہ کا ذکر کر دیا یہ تم نے کہاں سے سمجھا؟

جواب: جس فعل کی تصریح کے بجائے اسے مبہم طور پر ذکر کیا جائے وہ اس کی عظمت پر دلالت کرتا ہے۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ تنکیر کبھی تعظیم کا فائدہ دیتی ہے۔ (کذا قال الشیخ)

وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ یہ انت ضمیر فعل سے حال ہے۔ یعنی اے موسیٰ! تم میری نعمت کو ٹھکرانے والے اور میری تربیت کے حق کے منکر ہو کہ تم نے میرے باورچی کو قتل کر ڈالا۔ **قَالَ مُوْسٰے** علیہ السلام نے فرمایا **فَعَلْتُهَآ** وہ کام کیا **اِذًا** جبکہ میں نے قبطی کو قتل کیا اذ حرفِ جواب ہے فقط۔ یہاں جزا کا تصور بعید ہے **وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝**

حلِ لغات ضل فلان الطریق سے ہے بمعنے فلاں سیدھے راستے سے ہٹ گیا۔ یعنی میں صواب کے راہ سے ہٹ گیا، میں نے بلا قصد خطا کی۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جس نے تیر تو کسی پرندے کو مارا لیکن جا لگا آدمی کو۔ کیونکہ اس وقت موسیٰ علیہ السلام کا قبطی کو ادب سکھلانا مطلوب تھا قتل کرنا مقصد نہ تھا۔

خلاصہ یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: مجھے کیا خبر تھی کہ میرے مُکّے سے یہ قبطی مر جائے گا **فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ** تو میں اس خوف سے مدین چلا گیا کہ کہیں اس کے بدلے میں مَیں نہ قتل کر دیا جاؤں **لَمَّا خِفْتُكُمْ** جب مجھے خوف ہُوا کہ تم مجھے ضرر پہنچاؤ گے اور جس کا میں نے ارتکاب بھی نہیں کیا تم اس پر میرا مواخذہ کرو گے **فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ** جب میں مدین سے لَوٹا تو مجھے میرے پروردگار نے عطا فرمایا ہے **حُكْمًا** علم اور حکمت **وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝** اور مجھے تمہاری طرف رسول بنا دیا ہے۔

ف: فتح الرحمٰن میں ہے کہ حُکمًا سے مراد نبوت ہے وجعلنی من المرسلین نبوت کے دوسرے درجہ یعنی رسالت کی طرف اشارہ ہے، اس لیے کہ ضروری نہیں کہ ہر نبی رسول بھی ہو۔

تفسیر صُوفیانہ بعض اکابر مشایخ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کو اعلیٰ مقام عطا فرمانا چاہتا ہے تو اس کے دل میں ایک رُعب ڈالتا ہے جس سے وہ مخلوق سے ہٹ کر اس کی طرف رجوع کرتا ہے جس سے اس پر خصوصی اسرار و رموز منکشف ہو جاتے ہیں جیسے موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہُوا۔

marfat.ocm

منکرینِ عصمتِ انبیاء علیہم السلام کا رد (بعض لوگ انبیاء علیہم السلام کے لیے کہہ دیتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام سے بھی ہماری طرح غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں ان کے استدلال میں ایک یہی واقعۂ موسیٰ علیہ السلام بھی ہے۔ ان کے رد میں صاحب روح البیان قدس سرہٗ جلد ۶ ص ۲۶۰ میں تحت آیت ہذا لکھتے ہیں۔)

و معاصی الخواص کمعاصی غیرھم فانھم لا یقعون فیھا بحکم الشھوۃ الطبیعیۃ بل بحسب الخطا و ذٰلک مرفوع۔

خواص لوگوں کی غلطیاں ہماری غلطیوں جیسی نہیں ہوتیں کیونکہ ان کا ایسے امور کا ارتکاب خواہشِ نفسانی سے نہیں ہوتا بلکہ خطاً ہوتا ہے اور وہ مرفوع ہے۔

تفسیر عالمانہ وَتِلْكَ یہ اس تربیت کی طرف اشارہ ہے جو الم نربك میں ہے نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ وہ نعمت جو تم نے مجھے ظاہری طور پر عطا کی جو در اصل اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۞ بنی اسرائیل کو تیرا عبادت کرانا اور ان کے بچوں کو ذبح کرنا تھا۔ یعنی میرا تیرے پاس پہنچنا اور تیری تربیت کا حاصل ہونا ایک سبب تھا۔ یعنی اگر وہ کام فرعون نہ کرتا یعنی بنی اسرائیل پر قہر و غضب نہ کرتا اور ان کے بچوں کو قتل نہ کرتا تو موسیٰ علیہ السلام کی والدہ خود ان کی کفالت کرتی اور انھیں دریا کے سپرد نہ کرتی۔ نہ موسیٰ فرعون کے ہاں پہنچتے اور نہ وہ ان کی تربیت کرتا۔ پھر اس کا احسان جتلانا کیسا جبکہ وہی امر اس کے لیے ایک عظیم مصیبت کا سبب بن گیا۔

ترکیب : تلك مبتدا ہے اور نعمۃ اس کی خبر ہے تمنّھا علیّ ، نعمۃ کی صفت ہے اور ان عبدت مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ یعنی یہ درحقیقت میری قوم کی عبادت کرانا ہے۔

حلِ لغات : تعبید بمعنے قید کرنا اور بندگی میں لینا۔ اہلِ عرب کہتے ہیں عَبَّدْتُّهٗ یعنی میں نے اسے اپنا بندہ بنایا اور اس پر غلبہ پایا اور اسے ذلیل کیا۔

ربط : پہلے موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کا رد فرمایا جب اس نے آپ کی نبوت پر جرح و قدح کی اور آپ کو جھڑکا پھر جب اس نے اپنا احسان جتلایا تو اس کو کھری کھری سنائیں لیکن کھل کر اس کی تردید نہیں کی کیونکہ من وجہ فرعون کی بات سچی تھی، اسے آپ کی نبوت سے معرفہ نہ تھا۔ اس کا وہی منت و احسان اس کے لیے نقصان کا سبب بنا۔ جس پر موسیٰ علیہ السلام نے صرف اسے متنبہ فرمایا۔

ف : بعض علماء نے فرمایا کہ فرعون نے گھٹیا رویہ اختیار کیا اور موسیٰ علیہ السلام کو اپنی منت و احسان جتلایا جس پر اسے امید تھی کہ موسیٰ علیہ السلام انہیں خدائی دعویٰ سے نہیں روکیں گے۔

منت بھاری نعمت کو کہا جاتا ہے اور یہ دو قسم ہے :

منت کی وضاحت

(۱) فعل سے ۔ جیسے کہا جاتا ہے : منّ فلان علی فلان ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کو بھاری احسان سے نوازے ۔ اسی سے ہے قولِ باری تعالیٰ :

لقد منّ اللہ علی المؤمنین۔

(اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان پر بھاری احسان فرمایا)

اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہو سکتا ہے ۔

(۲) قول سے ۔ یہ عوام لوگوں کے لیے ظاہر کرنا قبیح ہے ۔ ہاں اس وقت جائز ہے جب دوسرا کفرانِ نعمت کرے ۔ اسی قباحت پر اہلِ عرب کہتے ہیں :

المنّۃ تھدم الصنیعۃ ۔

(احسان جتلانا کئے کرائے پر پانی پھیر دیتا ہے)

مگر کفرانِ نعمت پر اظہار جائز ہے اسی لیے کہا گیا ہے :

اذا کفرت النعمۃ حسنت المنّۃ۔

(جب نعمت کی ناشکری ہو تو منت جتلانا اچھا ہے)

ف : حضرت محمد بن علی ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ جوانمردی نہیں کہ کسی پر احسان کر کے منت جتلائی جائے ۔ کیا نہیں دیکھتے ہو کہ فرعون میں جواں مردی کا فقدان ہوا تو اس نے اپنے احسانات موسیٰ علیہ السلام کو جتلائے ۔

س

از ناکساں دہر ثبوت طمع مدار
از طبع دیر خاصیت آدمی مجوی

ترجمہ : کمینے لوگوں سے ثبوت طمع نہ رکھ ۔ گندی طبیعت والوں سے آدمی کی خاصیت طلب نہ کر ۔

تفسیر صوفیانہ

موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت لطف کا مظہر بنایا کہ انھیں نبی مرسل بنایا، اور یہ ایسا مرتبہ ہے کہ اسے تربیت اور انتہائی تکالیف کے بعد حاصل کیا جاتا ہے ۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے تکالیف و شدائد دیکھے فرعون کو وہ تمرد و تکبر تھا جو ابلیس سے بھی بازی لے گیا ۔ اس سے ظاہر کرنا مطلوب تھا کہ انسان ایسے مراتب یونہی پاتا ہے جو ملائکہ کو بہت نصیب نہ ہو ۔ اسی لیے انسان مسجود بنا اور ملائکہ ساجد ۔ اگر موسیٰ علیہ السلام فرعون کے لیے داعی الی نہ ہوتے تو فرعون کبھی ایسی

marfat.ocm

سرکشی و تجبر کو پہنچا کیونکہ قہر و غضب کی صفت الٰہی کا مظہر تھا (کذا فی التاویلات النجمیہ) ایسے ہی ہر زمانہ کے موسیٰ و فرعون کا قیامت تک قیاس کرتے جائیے اس لیے ہر شے اپنی ضد سے اپنے کمال تک پہنچتی ہے۔

تفسیر عالمانہ

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

حلِ لغات: ما استفہامیہ ہے بمعنے ای شئ۔ یعنی وہ کون سی شے ہے۔ الرب بمعنے المربی والمتکفل یعنی مصلحت موجودات کا تربیت کنندہ اور کفیل کار۔ العالم نام ہے ما سوی اللہ کا۔ وہ جواہر ہوں یا اعراض۔

اب معنی یہ ہُوا کہ وہ رب العالمین کیا شے ہے جس کی طرف سے تم اے موسیٰ علیہ السلام! مدعی ہو کہ میں اس کا رسول ہُوں۔ اس کا ماہیہ کیا ہے اور وہ کون سی جنس سے ہے۔ فرعون اس کا منکر تھا کہ اس کے سوا کوئی اور رب العالمین ہو۔

ف: جناب کاشفی مرحوم نے لکھا کہ جب فرعون نے سُنا کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں رب العالمین کا رسول ہُوں تو اس نے اپنے سخن کا اسلوب بدلا اور بطورِ امتحان کہا کہ پروردگارِ عالم کیا شے ہے۔ گویا اس نے رب العالمین کی ماہیت کے بارے میں سوال کیا۔

ربط: پھر چونکہ اللہ کی تعریف صرف لوازم خارجیہ سے ہو سکتی ہے اس لیے جنس و فصل سے اس کی ذات کی ترکیب محال ہے۔

اسی لیے قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو اسی طرح جواب دیا جو ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے کہا جائے رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا آسمانوں، زمینوں اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے۔

ف: موسیٰ علیہ السلام نے بعینہٖ وہی ارادہ کیا جو عالمین کا معنیٰ ہے تاکہ وہ لعین اس پر محمول نہ کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ اس کی مملکت کے ماتحت ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِیْنَ ۝ اگر تم اشیاء کا یقین رکھتے ہو اور نظر صحیح سے تمہیں تحقیق ہو کہ واقعی یہ اشیاء ہیں اور ان کا کوئی رب ہے یعنی بلا شک و گمان تم جانتے ہو کہ عالم وہ ہے جس سے معلوم ہو کہ ان آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی جملہ اشیاء کا کوئی صانع ہے اور میرا رب تعالیٰ وہی ہے جس نے انہیں پیدا کیا اور جو ان کے اندر ہیں ان کو رزق دیتا ہے اور ان کے جملہ امور کی تدبیر کرتا ہے۔ یہی اس کی تعریف ہے اور یہی تمہارے سوال کا جواب ہے۔

ف: کُم کے مخاطب فرعون اور اس کے ساتھی حاضرینِ مجلس ہیں۔

ف : جناب کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ کسی کو حق کی ذات کی آگاہی نہیں اور نہ ممکن ہے جو کچھ عقل وفہم و وہم و حواس و قیاس میں آتا ہے ان تمام سے ذاتِ خداوندی منزّہ و مقدس ہے کیونکہ یہ جملہ اشیاء محدث (نئی ایجاد) اور محدث (نو ایجاد) صرف محدث (نو ایجاد) کو معلوم کر سکتا ہے اور بس ؎

آنکہ او از حدث بر آرد دم
چہ شناسد کہ چیست سر قدم
علم را سوئے حرمتش رہ نیست
عقل نیز از کمالش آگہ نیست

ترجمہ : وہ جو حدوث کا دم مارتا ہے اسے کیا معلوم کہ قِدم (قدیم ذات) کیا ہے۔ علم کو ذاتِ حق کی بارگاہ تک رسائی نہیں۔ عقل بھی اس کے کمال سے بے خبر ہے۔

ف : علمِ باللہ کا بھی یہی معنی ہے کہ اس حیثیت سے کہ بین الخلق والخالق ایک رابطہ ہے اور جہان کو اس نے پھیلایا ہے۔ یہ علم بطاقت بشریہ ہے کیونکہ جیسے کہ وہ ہے طاقتِ بشریہ کا کو کب ممکن کہ اسے پورے طور سمجھ سکے بہت بڑے باکمال لوگ اس دریا کی گہرائی میں حیران و سرگردان اور اپنے عجز کے معترف کہ ہم کون ہیں کہ اس کی کُلّی معرفت کے عارف ہوں۔

قَالَ فرعون بولا جب موسیٰ علیہ السلام کا جواب سنا تو اسے خطرہ لاحق ہوا کہ اس کی قوم میں موسیٰ علیہ السلام کی تقریر کی تاثیر پیدا ہو گئی ہے ممکن ہے کہ اس کی قوم موسیٰ علیہ السلام کی مطیع و فرمانبردار ہو جائے لِمَنْ حَوْلَهٗ جو اس کے ارد گرد بیٹھے تھے۔ اس کے سردارانِ قوم یعنی قبطی۔ یہ پانچسو تھے جو زیوروں سے آراستہ و پیراستہ سنہری کرسیوں پر براجمان تھے۔

حلِ لغات : حول الشئ شے کا وہ کنارہ جہاں اسے پھرنا اور بدلنا ممکن ہو۔

اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ۝ کیا نہیں سن رہے یہ کیا کہہ رہے ہیں سنو اور تعجب کرو اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ میری ربوبیت کے علاوہ دوسرے کی ربوبیت کی بات کیوں ہو رہی ہے۔ قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے بیان کو آگے بڑھاتے ہوئے اور فرعون کو مرتبۂ ربوبیت سے اتار کر مرتبۂ مربوبیت میں ظاہر کر کے فرمایا۔ جناب کاشفی نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان آیات سے عدول فرمایا جو بعید تھیں اور ان آیات کو ظاہر فرمایا جو ان کے قریب تر تھیں تاکہ وہ ان میں غور و فکر کریں اگر غور و فکر کرنا چاہیں۔ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۔ تمہارا اور تمہارے پچھلے آباؤ اجداد کا رب ہے۔

ف : فرعون صرف موجودہ لوگوں کے لیے ربوبیت کا مدعی تھا اس سے پہلے گزشتہ لوگوں کے لیے اس کا دعویٰ

marfat.ocm

نہ تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے اس بیان سے آیت میں بتایا گیا ہے کہ ربوبیت کا مستحق ہے جو ہر زمانے والوں کے لیے رب ہو۔

قَالَ فرعون نے اپنی بیوقوفی اور اپنی قوم کو قبولِ حق سے پھیرنے کے ارادے پر کہا اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِیْٓ اُرْسِلَ اِلَیْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ۝ بے شک تمہارا رسول جو تمہارے ہاں بھیجا گیا ہے مجنوں ہے ایسی باتیں کہتا ہے جو کوئی عقلمند نہیں کہہ سکتا۔

سوال: جب فرعون موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا منکر تھا تو پھر انہیں رسول کی صفت سے کیوں موصوف کیا؟

جواب: فرعون کا موسیٰ علیہ السلام کو رسول کہنا ازراہِ تمسخر و مذاق تھا۔

سوال: جب وہ موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا قائل ہی نہ تھا تو پھر مخاطبین کو رسولکم کے لفظ سے کیوں مخاطب کیا۔

جواب: ازراہِ تکبر۔ تاکہ انہیں معلوم ہو کہ بفرضِ محال تم نے انہیں رسول مان بھی لیا تب بھی ہیں اسے رسول ماننے کے لیے قطعاً تیار نہیں۔

حلِ لغات: نفس و عقل کے درمیان جو شے حائل ہو اسے جنون کہا جاتا ہے۔ (کذا فی المفردات)

قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کی تعریف میں مزید فرمایا اس کی سفاہت و بیوقوفی کی طرف دھیان نہ کیا اور نہ ہی اس کا جواب دینا مناسب سمجھا۔ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَیْنَهُمَا وہ مشرق اور مغرب اور جو ان کے درمیان ہے کا پروردگار ہے۔

سوال: جب پہلے آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی اشیاء کے لیے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا ذکر ہو چکا ہے تو اب مشرق و مغرب و ما بینہما کی تصریح کی کیا ضرورت ہے جب کہ ضمناً ان کا ذکر ہو چکا ہے۔

جواب: چونکہ مشرق و مغرب سے نور و ظلمات کا آنکھوں سے مشاہدہ ہوتا رہتا ہے اور مخالف کو جب تصریح نہ کی جائے وہ سمجھتا نہیں اسی لیے ان کے لیے دوبارہ تصریح کی گئی تاکہ ان پر واضح کیا جا سکے کہ جب تم ان چیزوں کے قائل ہو تو لازماً ماننا پڑے گا کہ ان کا کوئی بنانے والا ہے وہ ان کو جانتا اور ان کے متعلق حکمتیں بھی رکھتا ہے، لہٰذا لازماً ماننا پڑے گا وہی مستحق عبادت و ربوبیت ہے اور بس۔

تفسیر صوفیانہ ابنِ عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہی اپنے دوستوں کے قلوب کو ایمان کی روشنی سے نور بخشنے والا اور ان کے ظواہر کو روشن کرنے والا اور اپنے دشمنوں کے قلوب کو کفر کی تاریکیوں سے تاریک کرنے والا اور آثار ظلمت ان کی شکلوں اور صورتوں پر ظاہر کرنے والا ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنْ کُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ○ اگر تم کچھ سمجھتے ہو یا منجملہ ان لوگوں سے ہو جن کو عقل و تمیز نصیب ہے۔ پھر جان جاؤ گے کہ حق وہی ہے جو میں نے کہا ہے اور استدلال کر سکو گے کہ ان جملہ امور کا کوئی مؤثر (خالق) ضرور ہے۔

ف : اس میں اشارہ ہے کہ وہ لوگ دائرہ عقل سے کوسوں دُور تھے وہ خود جنون کی صفت سے موصوف تھے تبھی تو موسٰی علیہ السلام کو مجنون کہہ دیا۔

تفسیر صُوفیانہ جیسے موسٰی علیہ السلام و فرعون آپس میں ایک دوسرے کی نقیض تھے ایسے ہی قلب و نفس بھی آپس میں نقیضین ہیں۔ یہ ہر ایک اپنے دوسرے کے صادر ہونے والے ہر فعل کو جنون سے تعبیر کرتے ہیں ایسے ہی عاشق و زاہد کی مثال ہے کہ عشق کا جنون کچھ اور ہے اور زہد کا جنون کچھ اور ہے

زد شیخ نارسیدہ بعشق تو طعنہ ام
دیوانہ را ز سرزنش کودکاں چہ باک

ترجمہ : عشق سے محروم شیخ نے تیرے عشق پر مجھے ملعون کیا بچّوں کی ملامت سے دیوانہ کب گھبراتا ہے!

تفسیر عالمانہ قَالَ فرعون نے کمال تمرد اور سزا دینے کے گھمنڈ میں کہا جیسا کہ ظالم و جابر حکمرانوں کی عادت ہے۔ موسٰی علیہ السلام کے دلائل کے جواب دینے کی بجائے سزا سنانے پر اُتر آیا ہے ایسے ہی تصوف کی باریکیوں سے محجوب انسان کی عادت ہوتی ہے (جبکہ وہ صوفیہ کرام کے دلائل سے عاجز ہوتا ہے تو ان کی تنقیص و تحقیر پر اُتر آتا ہے) فرعون کو اپنی ربوبیت کے علاوہ دوسرے کی ربوبیت کے ادّعا پر غصّہ آ گیا۔

(صاحب رُوح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا)

فرعون دہریہ تھا لعلہ کان دھریا اعتقد ان من ملك قطرا و تولی امرہ بقوۃ طالعہ استحق العبادۃ من اھلہ۔

شاید وُہ دہریہ تھا اور اس کا اعتقاد تھا کہ جو بھی کسی علاقے پر اپنے زورِ بازو سے قابض ہو جائے اسے حق ہے کہ اس علاقے کے لوگوں سے اپنی عبادت کرائے۔

فرعون بد مذہب تھا بعض علمأ نے فرمایا کہ وہ فرقہ مشبّہ سے تعلق رکھتا تھا جبکہ اس ملعون نے وما رب العالمین کہا یعنی ربّ العالمین کون سی شے ہے کہ جسے ہم اپنے وہم و خیال سے کچھ سمجھ سکیں۔

marfat.ocm

لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَیْرِیْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِیْنَ ○ لام عہدی ہے یعنی میں تمہیں یقیناً ان لوگوں کے ساتھ قید خانے میں شامل کر دوں گا جو میری قید میں ہیں جن کا حال تمہیں معلوم ہے۔ اور وہ یوں کیا کرتا تھا کہ قیدیوں کو گہرے گڑھے میں پھینک دیتا تھا پھر اس وقت نکالتا جب وہ مر جاتے۔ اسی لیے لاسجننك نہیں کہا تاکہ اس سے جدید قید کا وہم نہ ہو۔

ف: حضرت کاشفی مرحوم نے ترجمہ لکھا کہ "میں تمہیں اپنے قیدیوں میں شامل کر دوں گا۔ اس کی قید کے متعلق مشہور ہے کہ وہ قیدیوں کو ایسے گہرے گڑھے میں پھینک دیتا تھا کہ جہاں نہ کچھ نظر آئے اور نہ کچھ سنائی دے۔ انھیں وہ اس وقت باہر نکالتا تھا جب اسے یقین ہو جاتا کہ اب وہ مر چکے ہوں گے۔ یہ سزا قتل سے بھی بدتر تھی۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ حُبِّ دنیا پر بھی اسی طرح کی سزا ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور صرف اس کی طلب اس کا مطمحِ نظر ہو نفس اور اس کی شہوات سے کوسوں دور ہو تو پھر نفس قلب کو پھنساتا ہے۔ حُبِّ جاہ و مرتبہ کے جال میں۔ یہی آخری بدقسمت ہوتا ہے جیسے حبِ جاہ و مرتبہ کی وجہ سے صدیقین کے زمرہ سے علیٰحدہ کر دیا جاتا ہے ؎

باشد اہلِ آخرت را حبِ جاہ
ہمچو یوسف دراں شہراہ جاہ

ترجمہ: اہلِ آخرت کے لیے حبِ جاہ ایسے ہے جیسے یوسف علیہ السلام کے لیے۔

تفسیر عالمانہ قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اَوَلَوْ جِئْتُكَ اگرچہ میں تیرے سامنے لاؤں بِشَیْءٍ مُّبِیْنٍ ○ کوئی شے واضح۔ یعنی اے فرعون! کیا میرے لیے قید لائے گا، جب میں تیرے ہاں ایسی چیز لاؤں جو میرے دعویٰ کی سچائی پر روشن دلیل ہو۔ یعنی ایسا معجزہ لاؤں جو میرے رب تعالیٰ کے وجود کی جامع دلیل اور میری نبوت کی واضح برہان ہو۔ اس معنی پر واو حالیہ ہے جس پر ہمزہ استفہام انکاری داخل ہے جس میں فعل محذوف ہے یعنی درانحالیکہ میں روشن دلیل لانے والا ہوں۔ بعض مفسرین نے اسے واو عاطفہ بنایا ہے۔ دراصل عبارت یوں ہے:

اتفعل بی ای ان قال ولو جئتك الخ

یعنی میرے لیے قید کا حکم صادر کرے گا اگر میں تیرے ہاں کوئی دلیل نہ لاؤں۔ تاہم تو یہ تہیہ کر چکا ہے کہ تو مجھے قید ہی کرے گا چاہے میں کوئی دلیل لاؤں یا نہ لاؤں۔ قَالَ فرعون نے کہا فَاْتِ بِهٖ تو لائیے اسے اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ○ اگر تو سچے لوگوں میں سے ہے۔ اس وقت موسیٰ علیہ السلام کے

ہاتھ میں جنت مورد درخت کا عصا تھا جسے آدم علیہ السلام بہشت سے لائے تھے۔ جب ان کا وصال ہوا تو اسے جبرئیل علیہ السلام اٹھا کر لے گئے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نبی مبعوث ہوئے تو انہیں دے دیا گیا۔ اسی عصا کے متعلق فرعون نے پوچھا، یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: عصا ہے۔ **فَاَلْقٰی** تو موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ سے چھوڑ کر زمین پر ڈال دیا **عَصَاہُ** اپنا عصا (ڈنڈا)۔

حل لغات: الالقاء بمعنے شے کو ایسی جگہ پھینکنا جہاں اسے دیکھا جا سکے۔ لیکن عرف میں مطلقاً پھینکنے کو کہتے ہیں۔

فَاِذَا ھِیَ پس پھینکنے کے بعد اچانک اسی جگہ پر وہی عصا تھا **ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ** ○ اژدہا کھلم کھلا۔ یعنی وہ شے جو اژدہا کے مشابہ تھی جادو کے ذریعے یا کسی اور عمل سے۔

حلِ لغات: ثعبان دراصل تمام سانپوں سے بڑے سانپ کو کہا جاتا ہے جسے اژدہا سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ ثعبت الماء فانثعب سے ہے بمعنے میں نے پانی بہایا تو وہ بہ نکلا۔

ف: حضرت کاشفی نے فرمایا کہ جب فرعون نے اس (اژدہے) کو دیکھا تو ڈر گیا، اس کے ساتھی بھاگ کھڑے ہوئے یہاں تک کہ اس بھگدڑ میں پچیس ہزار افراد ہلاک ہو گئے۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا میں تمہیں اس ذات کا واسطہ دیتا ہوں جس نے تمہیں رسول بنا کر بھیجا ہے اس اژدہے کو پکڑ لے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اسے پکڑا تو وہی ڈنڈا تھا جو پہلے ان کے ہاتھ میں تھا، اس میں معمولی تغیر و تبدل بھی نہ تھا۔

سوال: اس آیت میں ثعبان ہے۔ لیکن دوسری آیت میں کانّھا جانّ ہے۔ دونوں آیتوں میں تغایر ہے اس لیے کہ بقول شما ثعبان بڑے سانپ کو کہا جاتا ہے اور جانّ چھوٹے سانپ کو۔

جواب: اس کی ظاہری شکل و صورت تو اژدہا جیسی تھی لیکن اس کی چال اور حرکت چھوٹے سانپ جیسی تھی۔ (کذا فی کشف الاسرار)

(اس معنی پر اب تناقض نہیں رہا کہ ایک مقام پر اسے شکل و صورت کی وجہ سے ثعبان کہا گیا ہے اور دوسرے مقام پر اس کی حرکت اور چال کی وجہ سے جانّ کہا گیا ہے۔ ایسے اطلاقات قرآن مجید میں بہت ہیں تفصیل فقیر کی کتاب احسن البیان حصّہ دوم میں دیکھئے)[لہ]

تفسیر صُوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ جب قلب ذکر الٰہی کا سانپ نفس پر چھوڑتا ہے تو لا اللہ کی نفی سے ماسوی اللہ کو لقمہ بنا لیتا ہے۔

[لہ] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

تفسیر عالمانہ

وَّ نَزَعَ یَدَہٗ اور اپنے ہاتھ کو گریبان سے نکالا فَاِذَا ھِیَ پس اسی جگہ پر وہ ہاتھ تھا بَیْضَآءُ نورانی اور سفید، جس پر برص کے مرض کا شائبہ تک نہ تھا، یعنی نورانی سفید تھا لیکن اس کے اصلی گندم گوں رنگ میں سرِمو فرق نہ تھا لِلنّٰظِرِیْنَ ۝ع دیکھنے والوں کے لیے۔

نبی علیہ السلام کے حِسّی نور ہونے پر استدلال

(صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ اسی مقام پر رقمطراز ہیں کہ) موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ کا، نُور، سورج کی روشنی کی طرح تھا، جیسے سورج کی روشنی سے آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں ایسے ہی موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ کی روشنی سے آنکھیں چُندھیا گئیں[1]

ف : مروی ہے کہ جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کا پہلا معجزہ دیکھا تو سوال کیا کہ کچھ اور بھی ہے؟ تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنا سیدھا ہاتھ دکھا کر فرمایا : یہ کیا ہے؟ فرعون نے کہا، یہ تمہارا ہاتھ ہے۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں بغل میں دبا کر ظاہر فرمایا تو وہ ایسا چمکدار تھا کہ اس کی آنکھیں چندھیا گئیں اور اس کا نور افق میں پھیل گیا۔

تفسیر صُوفیانہ

تاویلاتِ نجمیہ میں ہے :

ونزع یدہٗ اور موسیٰ علیہ السلام نے قدرت کا ہاتھ ظاہر فرمایا فاذا ھی بیضاء تو اس جگہ پر وہ تائیدِ الٰہی سے نورِ ربّی سے منور تھا اور اس سے شعلے بھڑک اُٹھے للناظرین ان اہلِ نظر کے لیے جو نورِ الٰہی سے دیکھتے ہیں کیونکہ نور، نور سے دیکھا جا سکتا ہے۔

---

[1] اسی معنے پر ہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حِسّی نور بھی ہیں اگر وہ اسے ظاہر فرماتے تو۔ اگر موسیٰ علیہ السلام کا معجزۂ یدِ بیضا پر ایمان ہے تو اسے حِسّی نور ماننا بھی ضروری ہے اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حسی نور کو کبھی کبھار ظاہر بھی فرمایا لیکن معمولی۔ ورنہ اگر پورے طور نورانیت کا اظہار فرماتے تو کسی کو دیکھنے کی ہمت نہ ہوتی۔ اویسی غفرلہٗ

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ ۳۴

بولا اپنے گرد کے سرداروں سے کہ بے شک یہ دانا جادوگر

یُّرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖۗ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ۳۵ قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَ اَخَاهُ وَ

ہیں چاہتے ہیں کہ تمہیں تمہارے ملک سے نکال دیں اپنے جادو کے زور سے تب تمہارا کیا مشورہ ہے وہ بولے انہیں اور

ابْعَثْ فِی الْمَدَآىِٕنِ حٰشِرِیْنَ ۳۶ یَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِیْمٍ ۳۷ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِیْقَاتِ

ان کے بھائی کو ٹھہرائے رہو اور شہروں میں جمع کرنے والے بھیجو کہ وہ تیرے پاس لے آئیں ہر بڑے جادوگر دانا کو تو جمع کیے گئے جادوگر ایک

یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۳۸ وَّ قِیْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ۳۹ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ

مقرر دن کے وعدہ پر اور لوگوں سے کہا گیا کیا تم جمع ہو گے شاید ہم ان جادوگروں ہی کی پیروی کریں

كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِیْنَ ۴۰ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَىِٕنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ

اگر یہ غالب آئیں پھر جب جادوگر آئے فرعون سے بولے کیا ہمیں کچھ مزدوری ملے گی اگر ہم

الْغٰلِبِیْنَ ۴۱ قَالَ نَعَمْ وَ اِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ۴۲ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ

غالب آئے . بولا ہاں اور اس وقت تم میرے مقرب ہو جاؤ گے موسیٰ نے ان سے فرمایا ڈالو جو تمہیں ڈالنا ہے

مُّلْقُوْنَ ۴۳ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَ عِصِیَّهُمْ وَ قَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ۴۴

تو انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں اور بولے فرعون کی عزت کی قسم بیشک ہماری ہی جیت ہے

فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفِكُوْنَ ۴۵ فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سٰجِدِیْنَ ۴۶

تو موسیٰ نے اپنا عصا ڈالا جبھی وہ ان کی بناوٹوں کو نگلنے لگا اب سجدہ میں گرے

قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۴۷ رَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ۴۸ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ

جادوگر بولے ہم ایمان لائے اس پر جو سارے جہان کا رب ہے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے فرعون بولا کیا تم اس پر ایمان

اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ؕ لَاُقَطِّعَنَّ

لائے قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں بے شک وہ تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا تو اب جانا چاہتے ہو مجھے قسم

اَیْدِیَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِیْنَ ۴۹ قَالُوْا لَا ضَیْرَ ۖ اِنَّاۤ

ہے بے شک میں تمہارے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا اور تم سب کو سولی دوں گا وہ بولے کچھ نقصان نہیں

اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۵۰ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰیٰنَاۤ اَنْ كُنَّاۤ اَوَّلَ

ہم اپنے رب کی طرف پلٹنے والے ہیں ہمیں طمع ہے کہ ہمارا رب ہماری خطائیں بخش دے اس پر کہ ہم سب سے پہلے

marfat.ocm

الْمُؤْمِنِيْنَ ۵۱
ایمان لائے

تفسیر عالمانہ قَالَ فرعون نے کہا لِلْمَلَاِ اپنی قوم کے سرداروں سے، جو اس کے ساتھ بیٹھے تھے حَوْلَهٗ یہ ظرف ہے حال کے قائم مقام ہے اس کی تحقیق پہلے گزری ہے۔

حلِ لغات : الملا دراصل اس جماعت (جو ایک رائے پر متفق ہو) کو کہتے ہیں جو لوگوں کی آنکھوں اور نفوس کو جلالت اور رونق کے لحاظ سے سیر کر دے۔

اِنَّ هٰذَا بے شک یہ (موسیٰ علیہ السلام) لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ۝ علم سحر میں بہت سمجھدار ہے یعنی دانا جادوگر، اور اس فن کا استاد ہے۔ اس سے اسے خطرہ ہوا کہ لوگ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں گے اس لئے کہا کہ یہ جادوگر ہے اور اس فن کا بہت بڑا ماہر ہے۔

حلِ لغات : وہ تخیلات جن کی کوئی حقیقت نہ ہو اسے السحر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ساحر بھی حیلہ گری اور ایسے تخیلات سے کام لیتا ہے جن کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔

سوال : یہاں مقولہ فرعون کا ہے دوسری آیت میں یعنی سورۂ اعراف میں یہی مقولہ قومِ فرعون کی طرف منسوب ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب : دراصل یہ مقولہ ہے تو فرعون کا، جو اس نے حاضرین سے کہا۔ پھر اسے قومِ فرعون کی طرف اس لیے منسوب کیا کہ انہوں نے غیر موجود لوگوں تک اسے پہنچایا۔ (کذا فی الاسرار)[1]

يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ اس کا ارادہ ہے کہ وہ تمہیں تمہارے ملک سے نکال دے اور غلبہ پا کر اپنی قوم کو یہاں بسائے بِسِحْرِهٖ اپنے جادو کے بل بوتے پر فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ۝ تو بتاؤ تم اس کے بارے میں کیا مشورہ دیتے ہو۔

سوال : بڑا چھوٹے کو مشورہ دیتا ہے نہ کہ چھوٹا بڑے کو۔ یہاں فرعون نے انہیں تأمرون کیوں کہا؟

جواب : (۱) یہ تامرون، امرٌ کے محاورہ سے نہیں بلکہ مؤامرہ سے ہے بمعنی مشورہ دینا۔

---

[1] اس قسم کے مضامین قرآن مجید میں بکثرت ہیں جن کی تفصیل فقیر نے احسن البیان جلد دوم میں بیان کی ہے۔
اویسی غفرلہٗ

(۲) بعض نے کہا مجلسِ مشاورت میں ایک دُوسرے کے مشورہ کو قبول کر کے ثابت کیا جاتا ہے کہ گویا اس نے دوسرے کا حکم مانا ہے۔ (کما فی کشف الاسرار)

خلاصہ یہ کہ فرعون نے اپنے شورٰی کے اراکین سے کہا کہ تم مجھے موسٰی علیہ السلام کے بارے میں کیا مشورہ دیتے ہو۔

سوال: جب وہ ان سب کا رب تھا تو پھر ان سے مشورہ لینے کی کیا ضرورت تھی، یہ تو اس کے عجز کی دلیل ہے۔

جواب: دراصل موسٰی علیہ السلام کے معجزات کے اظہار کے بعد فرعون کا حوصلہ پست ہوگیا اور اپنے ربوبیت کے دعوٰی کو غلط محسوس کرنے لگا۔ یہی وجہ ہے کہ اس سے قبل وہ کسی کے مشورہ و رائے کو جَو بھر اہمیت نہ دیتا۔ اب یہ حال ہے کہ اپنے غلاموں اور ماتحتوں کو مشورہ میں شریک کر رہا ہے۔ اسے اپنی سلطنت اور شاہی میں ضُعف پیدا ہوتا نظر آنے لگا۔

سوال: جب وہ خدا بنا بیٹھا تھا تو اس آیت میں قوم کو نکالنے کی نسبت موسٰی علیہ السلام کی طرف کیوں کر دی!

جواب: تاکہ قوم کو موسٰی علیہ السلام سے نفرت ہو کہ یہ کون ہے ہمیں ہمارے ملک سے نکالنے والا!

اسی نفرت کی وجہ سے قَالُوْٓا قبطیوں کے لیڈروں (اراکینِ شورٰی) نے کہا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ

حلِ لغات: ارجہ بمعنے معاملہ کو اپنے وقت سے پیچھے ہٹا دینا (کذا فی القاموس)

یعنی مُوسٰی علیہ السلام اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کے معاملہ میں سوچ بچار سے کام لے ان کے قتل میں عُجلت نہ کر جب تک کہ ان کا جھُوٹ واضح نہ ہو جائے تاکہ تیرے عبادت گزاروں کو تجھ سے بدگمانی نہ ہو اور تجھے ان کے قتل پر ان سے معذرت نہ کرنی پڑے۔ وَابْعَثْ اور بھیج دے فِي الْمَدَآئِنِ شہروں میں اور اپنی مملکت کے چھوٹے بڑے قصبوں میں۔ یعنی اپنی مملکت کے مختلف مقامات پر۔ فتح الرحمٰن میں ہے مدائن سے ایک قصبہ مراد ہے جو حدودِ مصر کے آخری حصہ میں آباد تھا حٰشِرِيْنَ ۝ بہت زیادہ ارکان کو جمع کیا جائے۔ اس معنٰی پر حاشرِ موصوف محذوف کی صفت ہوگی اور وہ ابعث کا مفعول بہ ہے۔

حلِ لغات: شرط جمع شرطا بالضم وسکون الراء وفتحہا۔ وُہ جماعت جو اراکینِ سلطنت کی وجہ سے مشہور و معروف ہو۔ (کذا فی القاموس)

الشرط بالفتح بمعنے علامت، اسی سے شرط ماخوذ ہے کیونکہ اسی سے لوگ اپنے لیے علامت معتمد کرتے ہیں جس سے وُہ پہچانے جاتے ہیں۔

يَاْتُوْكَ لائیں تمہارے پاس بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ۝ ہر جگہ سے اچھے اچھے جادُوگر جو اپنے فن میں مہارت تامہ رکھتے ہوں پھر وہ موسٰی علیہ السلام کا اپنے جادو کے ساتھ معارضہ کریں بلکہ اس سے بڑھ جائیں تاکہ عوام پر

marfat.ocm

موسٰی علیہ السلام کا کذب واضح ہو۔ اس کے بعد موسٰی علیہ السلام کو قتل کر ڈالو۔

تفسیر صُوفیانہ

یہی نفس اور القائے شیطانی کی تدبیر ہے جب وہ حق صریح کو دفع کرنے پہ آتے ہیں، ان کی جملہ تدابیر یُونہی ہوتی ہیں بلکہ ہر دور میں ہر کوئی اپنے مخالف کی مخالفت میں یُونہی تدبیر کرتا ہے اور خبث قول و فعلِ نفس سے ہی سرزد ہوتا ہے کیونکہ برتن سے وہی چیز ٹپکتی ہے جو اس میں ہو۔ اگر فرعون اور اس کی قوم موسٰی علیہ السلام کے متعلق اپنی جملہ تدابیر کرکے ان کے ارشاد پر عمل کرتے تو تمام آفات و بلیات سے بچ جاتے۔ لیکن اسے حُبِ جاہ و مرتبۂ دنیوی نے ایسی سوچ سے محروم رکھا۔ اور قاعدہ ہے کہ جسے جس سے محبت ہوتی ہے وہ اس کے خلاف سے اندھا اور بہرہ ہو جاتا ہے۔ وہ زمین کو یعنی دنیوی مراتب کو چمٹ گئے اور ایمان و اتباع بموسٰی علیہ السلام سے ان پر غفلت کے بادل چھا گئے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ تخت بندست آنکہ تختش خواندہٗ
صدر پنداری و بر در ماندہٗ
۲ پادشاہان جہان از بدرگی
بو نبردند از شراب بندگی
۳ ورنہ ادہم وار سرگردان و دنگ
ملک را برہم زدندی بے درنگ
۴ لیک حق بہر ثبات این جہان
مہرشان بنہاد بر چشم و دہان
۵ تا شود شیرین بریشان تخت و تاج
کہ ستانیم از جہانداران خراج
۶ از خراج ار جمع آری زر چو ریگ
آخر آن از تو بماند مردہ ریگ
۷ ہمرہ جانت نگردد ملک و زر
زر بدہ سرمہ ستان بہر نظر
۸ تا بہ بینی کین جہان چاہیست تنگ
یوسفانہ آن رسن آری بچنگ
۹ ہست درچاہ انعکاسات نظر
کمترین آنکہ نماید سنگ زر

۱۰ وقت بازیٔ کودکاں را ز اختلال
می نماید این خزفہا زر و مال

ترجمہ : (۱) جسے تم تخت کہتے ہو وہ تمہاری جیل ہے ، جسے تم صدارت کی کرسی کہتے ہو وہ تمہارے لیے وبالِ جان ہے۔

(۲) دنیا کے بادشاہ اپنے امور میں منہمک رہنے کی وجہ سے شرابِ بندگی کا ایک قطرہ بھی اپنے ساتھ نہیں لے گئے۔

(۳) ورنہ حضرت ادھم رحمہ اللہ کی طرح سرگردان وحیران ہو کر ملک کو یک لخت خیرباد کہہ دیتے۔

(۴) لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے انہماک کو دیکھ کر اس جہان کے تصورات یوں ڈال دئے کہ ہم نے یہاں ہمیشہ رہنا ہے اسی لیے پھر ان کی آنکھوں اور مُنہ پر مہر لگا دی۔

(۵) یہاں تک کہ ان کو تخت و تاج میٹھے لگے اور سوچا کہ دوسرے بادشاہوں سے خراج لیں گے۔

(۶) خراج کو اگرچہ ریت کے ذرات کے برابر بھی جمع کروگے تب بھی یہی نتیجہ نکلے گا کہ وہ تم سے چھن جائے گا اور وہ تمہارے لیے بیکار ریت کی طرح رہ جائے گا۔

(۷) ملک و زر تیرے ساتھ نہیں جائیں گے۔ زر اور دولت راہِ خدا میں لٹا دے ، یہ تیری نگاہ کا سُرمہ ثابت ہوگا۔

(۸) خبردار ! یقین کرلے کہ یہ دُنیا تیرے لیے اندھے کنُویں کی مانند ہے یُوسفی رسّی ہاتھ میں لے (تب نجات ملے گی)

(۹) اس دُنیا کے اندھے کنُویں میں نظریں اُلٹی ہوجاتی ہیں ہر ذرّہ اس کا سونا اور زر نظر آتا ہے۔

(۱۰) بچّوں کو دیکھئے کہ وہ کھیل کُود میں مٹّی کے تودوں کو بہترین زر و مال سمجھتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ

فَجُمِعَ السَّحَرَةُ تو فرعون نے شہروں میں آدمی بھیج کر شاہی نوکروں کو حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے علاقہ کے بہترین جادوگر لے کر حاضر ہوں۔ اس حکم پر شاہی نوکروں نے بہتر یا ستر ہزار جادوگر جمع کئے۔ جیسا کہ آیت میں لفظ حبال وعصی (رسّیاں اور ڈنڈے) دلالت کرتے ہیں جنہیں انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں میدان میں ڈالا جن کو لوگوں نے سانپ سمجھا اور یہ اجتماع (مناظرہ) شہر اسکندریہ میں ہوا۔ (رواہ الطبری) لِمِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ۝

حلِ لغات : میقات وہ وقت جو کسی خاص امر کے لیے مقرر کیا جائے۔

یعنی فرعون نے ان کے لیے معیّن دن کی گھڑی مقرر کی اور وہ فرعون کی قوم کا دن تھا اور چاشت کا دن مقرر ہوا

marfat.ocm

اس دن وہ سنگار کر کے ہر سال جمع ہوتے ہیں۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ سال کے پہلے دن پروگرام بنا تھا اور وہ ہفتہ کا دن تھا۔ اسے یوم النیروز سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہی فرودین ماہ کا پہلا دن ہے جسے لغتِ قبط میں "طلم الماء" کہا جاتا ہے۔ یعنی دریائے نیل کا پانی چڑھ گیا۔ اور لغتِ عجم میں اسے نوروز یعنی یومِ جدید سے تعبیر کرتے ہیں اور وہ ان کے نزدیک نئے سال کے پہلے دن کا نام ہے۔

نکتہ : موسیٰ علیہ السلام نے اسی وقتِ چاشت کو یومِ عید مقرر فرمایا۔ کما قال تعالیٰ :

موعدکم یوم الزینۃ وان یحشر الناس ضحی۔

(تمہارا وعدہ عید کے دن کا ہے اور یہ کہ لوگوں کو چاشت کے وقت جمع کیا جائے)

تاکہ بر سر میدان حق غالب ہو اور باطل مٹ کر رہ جائے۔ اور فرعون نے بھی اسی وقت کو اس لیے پسند کیا تاکہ موسیٰ علیہ السلام کا کذب مکمل کر عوام کے سامنے آجائے۔ لیکن ہوا وہی جو خدا کو منظور تھا۔

وَقِيْلَ اور فرعون کی طرف سے اعلان ہوا **لِلنَّاسِ** اہلِ مصر کو اور دیگران لوگوں کو جو اس اجتماع (مناظرہ) میں آسانی سے پہنچ سکیں۔ **هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ** ۝ کیا تم جمع ہو گے یا نہیں۔

ف : یہ استفہام اس لیے نہیں کہ فرعون ان کو اجتماع کے لیے اختیار دے رہا ہے بلکہ جلد تر پہنچنے کے لیے برانگیختہ کر رہا ہے۔

لَعَلَّنَا شاید ہم تمام بالاتفاق **نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ** ۝ جادوگروں کا اتباع کریں اگر وہ غلبہ پا جائیں نہ کہ موسیٰ علیہ السلام کا۔

ف : اس سے فرعون کے نوکر شاہیوں کی یہ مراد نہیں کہ وہ جادوگروں کے دین پر آجائیں گے۔ بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ اس طرح سے وہ موسیٰ علیہ السلام کی اتباع سے بچ جائیں گے۔ کلام کو اس اسلوب سے ذکر کرنے میں ان جادوگروں کے غلبہ پا جانے کی طرف اشارہ ہے اور **لَعَلَّ** کا لفظ بھی باعتبار غلبہ کے ترجی کے طور پر استعمال کیا جائے جو کہ ان کی مذکورہ اتباع کا مقتضی ہے نہ کہ ان کے مذہب کا اتباع۔

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ پس جب جادوگر فرعون کے دربار میں حاضر ہوئے، فرعون نے ان کی خوب آؤ بھگت کی اور انھیں اپنے قرب میں بٹھایا لیکن انہوں نے فرعون کے دربار کی گستاخی کرتے ہوئے **قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ** فرعون سے کہہ دیا **اَئِنَّ لَنَا** کیا ہمارے لیے **لَاَجْرًا** بہت بڑا انعام مقرر ہے یا نہیں **اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ** ۝ اگر ہم غلبہ پا جائیں یعنی یقیناً ہم غلبہ پا جائیں گے اور موسیٰ علیہ السلام کو شکست فاش ہو گی تو ہمیں کتنا انعام ملے گا **قَالَ نَعَمْ** ہاں تمہیں بہت بڑا انعام ملے گا **وَاِنَّكُمْ** اور باوجود اینہمہ بے شک تم

اِذًا جب تم غالب ہو جاؤ گے لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ○ تو تم میرے ہاں ان مقربین سے ہو گے جو میری بارگاہ میں سب سے پہلے حاضر ہوتے ہیں اور کچہری برخاست ہونے کے بعد سب سے آخر میں جاتے ہیں۔ اور یہی مرتبہ فرعون کے ہاں سب سے بڑے مراتب سے تھا۔ اور یہی طریقہ دنیاداروں کا ہے جو حُبِّ دنیا میں غرق ہو جاتے ہیں ایسے لوگ دنیا والوں کا قُرب چاہتے ہیں۔ اللّٰہ والوں کے نزدیک یہ سب سے بڑی مصیبت ہے۔

ف : اس معاہدہ پختہ کے بعد جادوگروں کو میدان میں لایا گیا اور وہ موسیٰ علیہ السلام کے بالمقابل صف بستہ ہو کر کھڑے ہو گئے اور موسیٰ علیہ السلام سے کہا: آپ پہلے جادو چھوڑیں گے یا ہم چھوڑیں؟

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ڈالو مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ○ جو تم ڈالتے ہو۔

سوال : ساحروں نے جب جادو چھوڑنے کا کہا تو موسیٰ علیہ السلام نے ان کی تردید کی بجائے اجازت کیوں دے دی؟

جواب : (۱) اس سے سحر کی اجازت کا پہلو نہیں نکلتا بلکہ اجازت سے صرف اظہارِ حق کی تمہید مطلوب تھی اور وہ سوائے اس طریقہ کے نہیں ہو سکتا کیونکہ بالمقابل مخالف صرف جادو کے ذریعے سے ہی بات ماننے کو تیار ہُوا تھا اور ناچار موسیٰ علیہ السلام نے باطل کو مٹانے اور حق کو ظاہر کرنے کے لیے اجازت دے دی۔

(۲) کشف الاسرار میں ہے کہ اگرچہ بظاہر اس میں جادو کی اجازت کا امر ہے لیکن درحقیقت اس سے ان کی ذلت و رُسوائی کا حکم ہے اور موسیٰ علیہ السلام نے لاپروا ہو کر ایسے فرمایا کہ جب یہ میرا کچھ بگاڑ ہی نہیں سکتے تو پھر مرعوب ہونے کا کیا معنیٰ! گویا اسی لیے کہہ دیا: کرو جو چاہو۔

فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ حبل کی جمع ہے۔ پس انہوں نے پھینک دیں اپنی رسّیاں وَعِصِيَّهُمْ عصا کی جمع ہے۔ اور پھینک دیئے ڈنڈے، اور وہ سیماب سے تیار کردہ اور اندر سے کھوکھلے تھے ستر ہزار رسّیاں اور ستر ہزار ڈنڈے تھے وَقَالُوْا رسّیاں اور ڈنڈے چونکہ سیمابی تھے اس لیے سورج کی حرارت سے حرکت میں آ گئے۔ اس سے لوگوں میں شور برپا ہُوا۔ رسّیاں اور ڈنڈے ڈالتے وقت ساحروں نے قسم کھا کر کہا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ قسم ہے فرعون کی بزرگی اور قوّت اور غالبیت کی اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ○ بیشک ہم ہیں موسیٰ و ہارون (علیٰ نبینا وعلیہما السلام) پر غلبہ پانے والے۔

ف : انہوں نے قسم اس لیے کھائی کہ انہیں یقین تھا کہ وہ ضرور غلبہ پا جائیں گے کیونکہ وہ سحر کے ذریعے اپنی پُوری قوّت صرف کر کے آخری وار کر رہے تھے۔

مسئلہ : غیر اللّٰہ کی قسم جاہلیت کی قسموں سے تھی۔

حدیث شریف میں ہے : اپنے آباء و اُمّہات اور بُتوں کی قسمیں مت کھاؤ، قسم صرف اللّٰہ تعالیٰ

marfat.ocm

کی ہی ہے اور قسم اس وقت کھاؤ جب تمہیں اپنی سچائی کا یقین ہو۔

لطیفہ جادوگر اپنے ڈنڈوں اور رسیوں کی کثرت پر بہت اترلئے اور موسیٰ علیہ السلام کے تنہا ہونے اور ہاتھ میں صرف ایک ڈنڈا لیے ہوئے کھڑے ہونے پر ان کو حقارت سے دیکھا لیکن انہیں معلوم نہ تھا کہ حق اگرچہ قلیل ہو باطل کثیر پر غالب آجاتا ہے، جیسے نور تھوڑا سا بھی ہو تب بھی ظلمات کو مٹا دیتا ہے۔
حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

تیغے کہ آسمانش از فیض خود دہد آب
تنہا جہان بگیرد بے منت سپاہی

ترجمہ، جس تلوار کو آسمانی فیض نصیب ہو تو صرف ایک سپاہی تمام جہان کو مٹا سکتا ہے۔

فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ پھر موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنا ڈنڈا ڈالا **فَاِذَا هِيَ** پس اس وقت وہ ڈنڈا **تَلْقَفُ** تیزی سے انہیں نگلتا تھا۔

حلِ لغات: لقفہ بروزن سمعہ سے ہے بمعنے تناولہ بسرعۃ یعنی اس نے جلدی سے لیا۔ (کما فی القاموس)

مَا يَاْفِكُوْنَ ۝ جنہیں وہ دھوکا سے بناتے اور سانپ کی شکل و صورت میں گھڑتے تھے۔

تفسیرِ صوفیانہ بعض اکابر مکاشفین سے ہے جادوگروں کی دھوکا سازی سے ان کی رسیاں اور ڈنڈے سانپوں کی صورتوں میں تھے اور لوگوں کو وہ رسیاں اور ڈنڈے ہی دکھائی دئے جیسے وہ اصلی شکلوں میں تھے۔ جیسے جب اہلِ حق باطل کے بطلان کو توڑتے ہیں تو بطلان اصل صورت میں ظاہر ہوجاتا ہے۔ اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ رسیاں اور ڈنڈے ہی باطل تھے جیسے جمہور کے نزدیک ہے ورنہ موسٰی علیہ السلام کے ڈنڈے کو دیکھ کر جادوگروں پر بھی یہی تصوّر گزرتا اور ان کے آگے بھی یہی التباس پڑتا تو وہ اس پر ایمان نہ لاتے جو احکام موسیٰ علیہ السلام لائے اگر وہ بھی اسی طرح کا جادو ہوتا جو ساحروں کا تھا یا یہ کہ وہ ان کے جادو سے قوی تر جادو سمجھا جاتا، پھر بات وہی ہے جو ہم نے کہی **تلقف ما یافکون** نگلتا تھا اسے جو گھڑ کر لاتے اور جو انہوں نے رسیوں اور ڈنڈوں کو جادو سے سانپ بنا کر دکھایا اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ جادوگروں نے جادو سے لوگوں کی نظروں میں سانپ بنا کر دکھائے جنہیں عصائے موسٰی (علیہ السلام) نے لقمہ بنا لیا۔ اسے حضرت امام شعرانی قدس سرہٗ نے اپنی کتاب "الکبریت الاحمر" میں ذکر کیا ہے۔

فَاُلۡقِیَ السَّحَرَةُ تو جادوگر منہ کے بل گر کر سٰجِدِیۡنَ ۝ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے لگے

تفسیر عالمانہ جب انہوں نے یقین کر لیا کہ عصا کا ثعبان (اژدہا) ان کی رسیوں اور ڈنڈوں کو ہڑپ کر گیا ہے تو وہ جان گئے کہ یہ جادو نہیں۔ یہ معجزہ دیکھنے کے بعد وہ سجدہ میں گرے۔ اس میں انہیں کسی قسم کا شک اور تردد نہ تھا۔ اس سجدے میں وہ اپنی قوت و طاقت کھو بیٹھے۔ گویا انہیں کسی دوسری طاقت نے سجدے میں گرایا ہے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ کرشمے جادو کے قوانین سے باہر ہیں۔ ایسا سوائے امر الٰہی کے اور کسی سبب سے ہو ہی نہیں سکتا۔ اسی وجہ سے وہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ ہر فن میں مہارت نافع ہے۔ جادوگروں کا موسیٰ علیہ السلام کے سامنے ہتھیار ڈال دینا اسی مہارت فی فن السحر کی وجہ سے تھا۔ انھیں ان کے فن کے کمال نے بتایا کہ یہ امر فنی نہیں بلکہ امر ربی ہے نیز اس لیے کہ منتہائے سحر یہ ہے کہ مکر و فریب اور دھوکا سے دوسروں کے خیالات بدل دیے جائیں جن کی دراصل کوئی حقیقت ہی نہیں۔

سوال : تم نے یہ اضافہ بار بار کیا ہے کہ جادو ایک خیالی امر ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ تم نے یہ اضافہ کہاں سے سمجھا؟

جواب : جادوگر اپنے فن میں کامل تھے۔ حقیقۃ الشیٔ اگر دوسری حقیقت سے بدل جائے تو وہ کمالِ فنِ سحر ہے۔ اگر وہ عاجز نہ ہوتے تو عصائے موسیٰ کو سانپ بن جانے کو معجزہ تصور نہ کرتے، کیونکہ یہ بات فنِ سحر کے قاعدہ سے خارج ہے۔ نہ اسے دیکھ کر ایمان لاتے نہ ہی بارگاہِ الٰہی میں سربسجود ہوتے۔ سورۂ طٰہٰ میں جادو کے متعلق تفصیل گزر چکی ہے۔

ف : بعض مشایخ نے فرمایا، سحر، السحر سے ماخوذ ہے۔ یعنی وہ وقت جو فجر اول و فجر ثانی کے درمیان ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اس میں روشنی اور تاریکی کا اختلاط نہیں ہوتا۔ نہ تو اسے رات سے تعبیر کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس میں صبح کی روشنی کی ملاوٹ ہوتی ہے اور نہ ہی اسے دن کہا جا سکتا ہے کہ آنکھوں کے سامنے طلوع شمس کے آثار مفقود ہوتے ہیں۔ ایسے ہی جو کام جادوگر دکھلاتے ہیں اس میں حق و باطل کی ملاوٹ ہوتی ہے کیونکہ وہ باطل محض بھی نہیں ہوتا۔ اس لیے اس وقت آنکھ کو جو ادراک ہوتا ہے آنکھ اسے حقیقت سمجھتی ہے حالانکہ وہ حقیقت نہیں ہوتا۔

ف ، حضرت امام شعرانی قدس سرہٗ یہ تقریر لکھ کر فرماتے ہیں کہ یہ وہ کلام نفس ہے جسے ہم نے پہلے کبھی نہیں سنا۔

قَالُوۡۤا جادوگروں نے صدق دلی سے کہا اٰمَنَّا بِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝ ہم رب العالمین پر ایمان لائے۔ یہ القی سے بدل الاشتمال ہے اس لیے کہ ان کے درمیان حرف عاطف نہیں ہے۔

marfat.ocm

سبق: غور کیجئے کہ ان خوش قسمتوں کی قسمت کیسے بدلی کہ صبح کو جادوگر (کافر) تھے اور شام کو مومن۔ اس سے اس شخص کو خصوصیت سے نصیحت حاصل کرنی چاہیے جو اپنے اقوال و اعمال و احوال پر نازاں ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

بر عمل تکیہ مکن زانکہ دران روز ازل
تو چہ دانی قلم صنع بنامت چہ نوشت

ترجمہ: عمل پر بھروسا نہ کر اس لیے کہ نجانے ازل میں تیرے نام پر قلم لم یزل تعالیٰ نے کیا لکھا۔

اور فرمایا: ؎

مکن بنامہ سیاہے ملامت من مست
کہ آگہست کہ تقدیر بر سرش چہ نوشت

ترجمہ: مجھ مست پر میری نامہ سیاہی پر ملامت نہ کر، کسے کیا خبر کہ اس کی تقدیر نے میرے لیے کیا لکھا ہے۔

رَبِّ مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ ۝ یہ رب العالمین سے بدل ہے۔

سوال: اس اضافہ کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

جواب: فرعون کی قوم جاہل تھی۔ وہ اپنے آپ کو رب کہلواتا تھا۔ جب جادوگروں نے اٰمنّا برب العٰلمین کہا تو فرعون نے قوم سے کہا کہ یہ مجھ پر ایمان لا رہے ہیں پھر انہوں نے رب موسٰی و ھٰرون کا اضافہ کیا کہ ہم اس رب العالمین پر ایمان لائے ہیں جو مُوسٰی و ہارون (علٰی نبینا وعلیہما السلام) کا رب ہے۔

قَالَ فرعون نے جادوگروں سے کہا **اٰمَنْتُمْ** بصیغۂ خبر یا ہمزۂ استفہام محذوف ہے **لَهٗ** موسٰی علیہ السلام پر ایمان لاتے ہو **قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ** اس سے پہلے کہ میں تم کو موسٰی علیہ السلام پر ایمان لانے کی اجازت دیتا۔ یعنی تم میری اجازت کے بغیر ایمان لاتے ہو۔ یہ لنفد البحران تنفد کلمات ربی کے محاورہ پر ہے کیونکہ اس سے نہ ایمان کا اذن ممکن تھا اور نہ متوقع۔ **اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ** تمہارا بڑا (استاذ) ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا تمہیں اس پٹڑی پہ لے آیا، جو کچھ تم نے کر دکھایا اور اس کے ساتھ موافقت کر لی۔ یعنی تم نے مل کر میرے ملک پر قبضہ کرنے اور مجھے ہلاک کرنے کا منصوبہ بنا لیا ہے۔

جیسا کہ سورۃ اعراف میں ہے:

ان ھذا المکر مکرتموہ فی المدینۃ۔

(یہ ایک مکر اور فریب ہے جو تم نے شہر میں پھیلایا)

اس سے پہلے کہ تم اس سے نکل جاتے۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام تمہارا استاد ہے کہ اس نے تمہیں کچھ سکھایا اور کچھ اپنے پاس محفوظ رکھا جس کی وجہ وہ آج تم پر غالب آگیا ہے۔

ف : یہ تقریر بھی فرعون نے اپنی قوم کو طفل تسلی کے طور پر سنائی تا کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ جادوگروں نے ایمان قبول کیا ہے تو کسی دانشمندی اور حق کے ظہور سے۔

فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ؕ پس عنقریب تم اپنے کیے کا مزہ چکھ لوگے۔ یہ لام تاکیدی ہے حالیہ نہیں اسی لیے یہ حرف استقبال کے ساتھ جمع ہوگئی ہے۔

ربط : اب فرعون جادوگروں کو بتاتا ہے کہ ان کے ساتھ وہ کیا کرے گا۔

چنانچہ کہا لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ البتہ میں تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹوں گا۔

ف : تفصیل کا باب ایدی (ہاتھ) و ارجل (پاؤں) کی کثرت کی وجہ سے ہے ورنہ قطع و تقطیع میں کوئی خاص فرق نہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے:

فتحت الباب (بصیغۂ مجرد) و فتحت الابواب بصیغۂ مزید بوجہ کثرت افراد کے۔

مِّنْ خِلَافٍ خلاف سے یعنی ہر طرف سے، اس کی دوسری جانب سے۔ مثلاً یہ کہ سیدھا ہاتھ کاٹوں گا اور اس کے ساتھ بایاں پاؤں۔ اس طرح سے تمام بدن بے طاقت ہو جاتا ہے۔ (کذا فی کشف الاسرار)

ف : یہی فعل سب سے پہلے فرعون نے کیا۔ اس سے پہلے ایسا کسی ظالم و جابر یا عادل حکمران نے نہیں کیا تھا۔ (کذا فی فتح الرحمٰن)

ف : بعض نے فرمایا کہ یہ من تعلیلیہ ہے۔ یعنی یہ کام میں اس لیے کروں گا کہ تم نے میرے خلاف کیا ہے۔ یہ قطع مذکور ایک معمولی سزا ہے۔ اور کسی کو کاروبار سے محروم کر دینا فرعون جیسے جابر بادشاہ کے لیے بھی جائز نہیں کہ اپنے مخالف کو ایسی سزا دے۔ اسے اس کی حماقت پر محمول کیا جائے گا کہ سخت غلط عمل پر ایک معمولی سزا سے ڈرایا۔ لیکن یہ قول وہم پر مبنی ہے کیونکہ اس نے اپنی مخالفت کی سزا کو آگے یوں بیان کیا:

وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ میں تم سب کو دریا کے کنارے پر سولی پر لٹکا دوں گا اور تم تڑپ تڑپ کر مرجاؤ گے۔ اس سے دوسروں کو عبرت حاصل ہوگی۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ ان دونوں سزاؤں کو جمع کروں گا (یعنی قطع کرنا اور سولی پہ لٹکانا)

ف : مروی ہے کہ فرعون نے انہیں کھجور کے تنوں پر لٹکایا یہاں تک کہ وہ مر گئے۔ سورۂ اعراف میں ثم لاصلبنکم ہے۔ اس سے مہلت دے کر ان کے عذاب میں اضافہ مطلوب ہے کہ قطع ید کے بعد سولی پہ لٹکائے جانے پر مغموم و محزون رہیں گے"۔

marfat.ocm

قَالُوْا ان جادوگروں نے کہا جو بعد میں مسلمان ہوگئے تھے **لَاضَیْرَ** یہ ضاد یضیر ضیرا کا مصدر ہے بمعنی ضرر یعنی تمہاری اس تہدید سے ہمیں کوئی خطرہ نہیں اور نہ ہی ہم موت سے ڈرتے ہیں **اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ٥** بے شک ہم اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ وہی ہمیں تیرے عذاب پر صبر کا اور توحید پر ثابت قدم رہنے کا ثواب عطا فرمائے گا۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان پر لازم ہے کہ وہ حق کو ظاہر کر دے اگرچہ قتل ہونا پڑے۔

فائدہ صوفیانہ حضرت عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جسے حقیقت کا مشاہدہ نصیب ہوتا ہے اس پر لازم ہے کہ ہر دکھ سکھ اٹھائے۔ دیکھئے جادوگروں کو جب مشاہدہ نصیب ہوا تو فرعون کو بے دھڑک کہہ دیا: لاضیر۔

حضرت شیخ قدس سرہٗ اہل اللہ کے بارے میں کہتے ہیں: ؎

دما دم شراب الم درکشند
وگر تلخ بینند دم درکشند
نہ تلخست صبریکہ بر یاد اوست
کہ تلخی شکر باشد از دست دوست

ترجمہ: ہر دم دکھ درد اٹھاتے ہیں تلخی دیکھنے کے باوجود قدم آگے بڑھاتے ہیں۔ اس کی یاد میں صبر تلخ نہیں بلکہ ایسی تلخی شکر سے میٹھی ہے جو دوست کے ہاتھ سے حاصل ہو۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

عاشقاں را گر در آتش می پسند لطف یار
تنگ چشم گر نظر در چشمۂ کوثر کنم

ترجمہ: اگر لطف دوست عشاق کو آگ میں چھلانگ لگانے کے لیے کہے مجھے اندھا کہنا اگر میں اس کے بعد چشمۂ کوثر کی طرف نگاہ کروں۔

اور فرمایا: ؎

اگر بلطف بخوانی مزید الطافست
وگر بقہر برانی درون ما صافست

ترجمہ: اگر لطف سے بلاؤ تو مزید لطف و کرم ہے اور اگر قہر سے ہٹاؤ تو بھی کوئی فرق نہ پڑے گا اس لیے کہ میرا دل صاف ہے۔

اِنَّا نَطۡمَعُ بے شک ہم پُرامید ہیں۔

حلِ لغات : المفردات میں ہے ، الطمع بمعنے خواہشِ نفسانی پرنفس کا کسی شے کی طرف مائل ہونا۔

اَنۡ یَّغۡفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰیٰنَاۤ یہ کہ ہمارے سابقہ جرائم مثلاً شرک وغیرہ بخش دے۔ اَنۡ کُنَّاۤ یہ کہ ہم ہیں اَوَّلَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۝ اتباعِ فرعون پر سب سے پہلے ایمان لانے والے۔ یا ہم سب سے پہلے اہلِ مشہد ہیں۔

ف : حضرت کاشفی مرحوم لکھتے ہیں ، منقول ہے کہ فرعون نے حکم دیا کہ ان اہلِ ایمان کو گرفتار کر کے ان کے ہاتھ پاؤں بصورتِ مذکورہ کاٹ کر پھانسی پر لٹکایا جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کی گرفتاری سے خوب رُوئے اور پریشان ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیانی پردے اٹھا دئے یہاں تک کہ مقاماتِ انس و منازلِ قرب کا آنکھوں سے مشاہدہ کیا تو خوش ہو گئے ؎

۱ جادواں کاں دست و پا در باختند
در فضائے قرب مولیٰ تاختند

۲ گر برفت آں دست و پا بر جاے آں
رحمت از حق بالہاے جاوداں

۳ تا بداں پرہا بپرواز آمدند
در ہواے عشق شہباز آمدند

ترجمہ : (۱) وہ جادوگر جنہوں نے ہاتھ پاؤں راہِ حق میں کٹوا دئے فضائے قربِ الٰہی میں خوب دوڑے۔

(۲) اگر ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے تو کیا ہوا جبکہ انہیں اللہ تعالیٰ سے دائمی قوت و طاقت نصیب ہوئی۔

(۳) انہی پروں سے پرواز میں آ گئے۔ عشق کی قوت سے شہباز بن گئے۔

تفسیر صُوفیانہ یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ ظاہری زندگی میں جتنی تکلیف راہِ حق میں پہنچتی ہے اتنی ہی اسے روحانیت اور مشاہدۂ حق میں اضافہ نصیب ہوتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ ہے کہ وُہ اپنے بندوں سے فانی چیزیں لے کر باقی چیزیں بخشتا ہے۔

حکایت سیدنا جعفر ابن عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعض غزوات میں لڑ رہے تھے اور اسلام کا جھنڈا سیدھے ہاتھ میں لیے کھڑے تھے۔ جب وُہ کٹ گیا تو آپ نے جھنڈا بائیں ہاتھ میں لے لیا۔ وُہ

marfat.ocm

بھی کٹ گیا تو دونوں بازوؤں میں تھام لیا حتیٰ کہ شہید ہو گئے۔ اس وقت ان کی عمر تینتیس ۳۳ سال کی تھی اللہ تعالیٰ نے اس کے عوض انہیں بہشت میں دو پر عطا فرمائے جن کے ذریعے وہ اڑتے ہیں جہاں جانا چاہتے ہیں جاتے ہیں اسی لیے ان کا نام جعفر طیار بھی ہے۔

ف: یہی کیفیت ہر اس خوش بخت کی ہے جو اپنے دعویٰ میں سچا ہو۔

سبق جس پر کوئی مصیبت آئے وہ اسے راحت سمجھے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو آزماتا ہے لیکن یہ دولت اسے نصیب ہوتی ہے جو ازلی خوش بخت ہوتا ہے۔ دیکھیے جادوگروں کو کس طرح مصیبت میں ڈالا گیا۔ لیکن چونکہ مشاہدۂ حق ان کی قسمت میں تھا اس لیے اسے وہ اپنے لیے راحت و رحمت سمجھ رہے تھے لیکن ایسے مرتبے والے بہت کم ہوتے ہیں کیونکہ یہ مرتبہ انجذابی ہے اور وہ سالکین کو بیک وقت نہیں بلکہ تدریجاً نصیب ہوتا ہے۔

ف: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حال اسلام لاتے وقت جادوگروں کی طرح تھا۔

قاعدۂ تصوف: اسلام احسان یعنی مشاہدۂ حق کا وسیلہ ہے۔

سبق: جو شخص بھی اصلاح حال بذریعہ اعمال کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے وہی احوال عطا فرماتا ہے جو صاحبانِ حال کو نصیب ہوتا ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من عمل بما علم ورثه الله علم ما لم يعلم۔

(جو اپنے پڑھے پر عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے وہ عمل عطا کرتا ہے جسے وہ پہلے نہیں جانتا تھا)

ف: حضرت شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر فرماتے ہیں تم ایسے عبادت کرو جیسے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے اظہار سے پہلے شریعتِ ابراہیمی پر کرتے تھے۔ یہ بھی آپ پر منجملہ عنایاتِ الٰہیہ سے تھا کہ اس عبادت کی ادائیگی کے بعد آپ کو رسالت و نبوت نصیب ہوئی (اگرچہ نبوت حقیقۃً آپ کو پہلے حاصل تھی لیکن ظاہر کرنے کا موقعہ اب ملا تاکہ امت کو تعلیم ہو کہ عبادت کی برکات یوں ہوتی ہیں)

ولایت کا حصول ایسے ہی ولی اللہ کا حال ہے کہ جب وہ شریعتِ مطہرہ پر مکمل طور پر عمل کرتا ہے تو اس کے قلب پر واردات الٰہیہ کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اسے قرآن مجید کے معانی الہام ہوتے ہیں یہاں تک کہ محدثین (بفتح الدال) کے زمرہ سے ہو جاتا ہے پھر اسے اللہ تعالیٰ ارشاد خلق کے لیے مقرر فرماتا ہے جیسے رسل کرام علیہم السلام کے لیے رسالت دے کر مبعوث فرماتا رہا (چونکہ اب نبوت ختم ہے اس لیے وہ طریقہ جو پہلے عبادت کا تھا اگر اب کسی خوش نصیب کو حاصل ہو تو پھر اسے رسول بنا کر تو

(باقی صفحہ پر)

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾ فَاَرْسَلَ
اور ہم نے موسیٰ کو وحی بھیجی کہ راتوں رات میرے بندوں کو لے نکل بیشک تمہارا پیچھا ہونا ہے اب

فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِنَّهُمْ لَنَا
فرعون نے شہروں میں جمع کرنے والے بھیجے کہ یہ لوگ ایک تھوڑی جماعت ہیں اور بے شک وہ ہم

لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّكُنُوْزٍ
سب کا دل جلاتے ہیں اور بے شک ہم سب چوکنے ہیں تو ہم نے انہیں باہر نکالا باغوں اور چشموں اور خزانوں

وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾ فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿۶۰﴾
اور عمدہ مکانوں سے ہم نے ایسا ہی کیا اور ان کا وارث کر دیا بنی اسرائیل کو تو فرعونیوں نے انکا تعاقب کیا دن نکلے

فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ
پھر جب آمنا سامنا ہوا دونوں گروہوں کا موسیٰ والوں نے کہا ہم کو انہوں نے آ لیا موسیٰ نے فرمایا یوں نہیں بیشک

رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۶۲﴾ فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ
میرا رب میرے ساتھ ہے وہ مجھے اب راہ دیتا ہے تو ہم نے موسیٰ کو وحی فرمائی کہ دریا پر اپنا عصا مار تو جبھی دریا

فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿۶۳﴾ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى
پھٹ گیا تو ہر حصہ ہو گیا جیسے بڑا پہاڑ اور وہاں قریب لائے ہم دوسروں کو اور ہم نے بچا لیا موسیٰ

وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۶۵﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۶﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ
اور اس کے سب ساتھ والوں کو پھر دوسروں کو ڈبو دیا بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں

اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۶۷﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۶۸﴾
اکثر مسلمان نہ تھے اور بیشک تمہارا رب وہی عزت والا

(بقیہ حاشیہ صفحہ) نہیں بھیجا جاتا البتہ ولایتِ کاملہ سے نوازا جاتا ہے) جب تمہیں راستہ معلوم ہوا تو لازم ہے کہ اہل اللہ کا طریقہ اختیار کرو کیونکہ حقیقی بادشاہ یہی لوگ ہیں۔ اور یہ مرتبہ اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک انسان اپنی آل و اولاد اور اموال و اسبابِ دنیویہ سے مکمل طور پر انقطاع نہ کرے اور صرف اللہ تعالیٰ کا نہ ہو جائے۔ جیسے جادوگروں نے فرعون کو جواباً کہا انا الی ربنا منقلبون۔

سبق: یہ مسئلہ اس طرح سمجھ میں آئے گا کہ تم دیکھتے ہو کہ کوئی بندہ کسی سفر پر جائے تو سب چیزیں چھوڑ کر جاتا ہے تب سفر ہوتا ہے ورنہ مشکل ہوتا ہے کیونکہ بندہ ضعیف ہے اور ضعیف زیادہ بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے تیسیر و تسہیل کا سوال کرتے ہیں۔

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ

حلِ لغات : الایحاء بمعنے اعلام فی خفاء۔ چپکے سے کسی کو کچھ بتانا۔

سریٰ (بالکسر)، و سریٰ (بالضم)، و سریٰ (بالفتح) بمعنے رات کو جانا۔ ایسے ہی اسریٰ بمعنے رات کو جانا۔

اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی فرمایا کہ اے موسیٰ (علیہ السلام)! بنی اسرائیل کو رات کے وقت بحرِ قلزم تک لے جائیے وہاں پر میرا جو حکم پہنچے اس پر عمل کرنا۔ یہ حکم اس لیے ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کئی سال فرعون کے ہاں رہے اسے اور اس کی قوم کو بہت سمجھایا لیکن وہ بجائے حق کو قبول کرنے کے سرکشی اور شر و فساد میں بڑھتے گئے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ (علیہ السلام)! اپنی قوم کو رات کے وقت بحرِ قلزم کی طرف لے جائیے وہیں پر کافروں کو تباہ و برباد کروں گا۔

ف : حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بحرِ قلزم تک چلے جانے کا حکم بذریعہ وحی ہوا۔ وہ بظاہر یہ نہ جانتے تھے کہ رات کو جانا کہاں ہے اور ہماری منزلِ مقصود کیا ہے۔ پھر ان کو جبریل علیہ السلام کا وہ وعدہ بھی یاد تھا جو آخری الوداع پر انہوں نے کیا تھا کہ اب میں، آپ اور فرعون کا لشکر بحرِ قلزم کے کنارے پر ملیں گے۔

اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ۝ بے شک تمہارے پیچھے فرعون چلا آئے گا اور اس کے ساتھ اس کا لشکر بھی ہوگا۔ یہ رات کو چلے جانے کی علت ہے۔ وہ یہ کہ اے موسیٰ (علیہ السلام)! تم اپنی برادری کو لے کر چلو پھر فرعون بمعہ لشکر تمہارا تعاقب کرے گا لیکن وہ آپ تک پہنچ نہ سکے گا۔ یہاں تک کہ تم دریا کو عبور کر و گے اور وہ تمہارے تعاقب میں بمعہ لشکر اور قوم دریا میں ڈوب کر مر جائے گا۔ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ جب فرعون کو موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کی روانگی کا علم ہوا تو فرعون نے بھیج دئے فِي الْمَدَآئِنِ ان شہروں میں جو اس کے دار الحکومت کے قرب و جوار میں تھے حٰشِرِيْنَ۝ جمع کرنے والے، تاکہ تمام لوگ اکٹھے ہو کر موسیٰ علیہ السلام کا پیچھا کریں۔

ف : کاشفی مرحوم نے لکھا کہ قبطیوں کو شام کے وقت علم ہوا کہ بنی اسرائیل رات کے وقت یہاں سے نکل گئے ہیں۔ صبح کو اس لیے علم نہ ہو سکا کہ ان کا خیال تھا کہ شاید بنی اسرائیل عید کی تیاری میں مصروف ہیں لیکن شام تک ان کے نہ ملنے پر انہیں یقین ہو گیا کہ وہ یہاں سے کُوچ کر گئے ہیں۔ دوسرے روز ان کا پیچھا کرنا چاہا تو ہر قبطی گھرانے کا ایک ایک عزیز فوت ہو گیا وہ ان کی تدفین وغیرہ میں لگے رہے۔ اسی دن فرعون نے شہروں سے بہت بہادر و دلاور

لوگ بلوائے۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ جس رات موسٰی علیہ السلام قوم کو لے کر چلے، صبح کو اتوار کا دن تھا۔ اسی دن قبطیوں کے اعزّہ فوت ہوئے وہ ان کی تدفین میں مصروف ہو گئے تو فرعون نے موسٰی علیہ السلام اور بنی اسرائیل کی گرفتاری کا حکم جاری کیا۔ دوسرے دن یعنی سوموار کو لشکر جمع کر کے موسٰی علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے تعاقب کے لیے شورٰی کا اجلاس ہوا۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ یعنی جب فرعون نے شہروں سے امراء اور بھاری لشکر بلوایا تو مجلس شورٰی کے اراکین نے کہا لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ۝ بنی اسرائیل گنتی کے چند افراد ہیں۔

سوال : مجلسِ شورٰی کے اراکین نے بنی اسرائیل کو گنتی کے افراد (یعنی معمولی اور نہایت قلیل) بتایا حالانکہ وہ اس وقت چھ لاکھ ستّر ہزار افراد تھے اور یہ کوئی معمولی تعداد نہیں۔

جواب : یہ بہ نسبت لشکرِ فرعون کے معمولی گنتی ہے اس لیے کہ فرعون کا لشکر شمار سے باہر تھا۔

ف : التکملہ میں ہے کہ فرعون نے بنی اسرائیل کا پیچھا کیا تو اس وقت اس کے ساتھ دس لاکھ گھوڑے تھے اور اس کا مقدمۃ الجیش ستّر لاکھ افراد پر مشتمل تھا۔

حلِ لغات : الشرذمۃ مختصر سے گروہ کو کہتے ہیں۔ اس کے بعد قلیلون لایا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ وہ بہت ہی تھوڑے تھے۔ وہ بایں طور کہ بنی اسرائیل کا ہر قبیلہ بہ نسبت دوسرے کے قلیل تھا۔

وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ۝ اور بے شک وُہ ہمیں بڑے غصّے میں ڈالنے والے ہیں۔

حلِ لغات : الغیظ شدید ترین غصّہ کو کہا جاتا ہے اور غضب و غیظ ایک حرارت کا نام ہے جو قلب کے خون کھولنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اب معنٰی یہ ہُوا کہ وُہ ہمارے دین کی مخالفت کر کے ہمیں غیظ و غضب پر مجبور کر رہے ہیں اور مزید برآں یہ کہ انہوں نے ہم سے عاریت کے طور کچھ زیورات و اموال لیے۔ وہ بھی ساتھ لے گئے۔ اس وجہ سے اب ہمارا خون ان کے لیے کھول رہا ہے کہ وہ جہاں بھی مل جائیں ہم ان کو کھا جائیں۔

ف : زیورات اور اموال اس لیے کہ بنی اسرائیل مفلس تو تھے ہی، اور ان دنوں عید منانے کے لیے گھروں میں کچھ نہ تھا اس لیے قبطیوں سے کچھ نقدی ادھار لی اور بنی اسرائیل کی عورتوں نے قبطی عورتوں سے سنگار کے لیے زیورات لیے۔ جب وہ اسی شب یعنی عید گزارنے کے بعد چلے گئے تو بنی اسرائیل کی عورتیں زیورات بھی ساتھ لے گئیں۔ اور بنی اسرائیل چونکہ قبطیوں کے نوکر اور غلام تھے قبل ازیں باہر جاتے تھے تو قبطیوں سے اجازت لے کر جاتے تھے اس دفعہ ان سے اجازت لیے بغیر چلے گئے۔ قبطیوں کو ان کے مال اور زیورات ساتھ لے جانے کے علاوہ ان کے بلا اجازت چلے جانے پر بھی بہت غصہ آیا۔

وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ۝ "

حلِ لغات : شے کے مجموعہ کو جمیع و جمع و جماعۃ کہا جاتا ہے۔ الحذر بمعنے الاحتراز عن مخیف (ڈراؤنی شے سے بچنا)۔

marfat.ocm

اب معنی یہ ہوا کہ ہم ان کے لیے ایک ایسی خطرناک ترین جماعت ہیں کہ جس سے وہ ہر وقت گھبرائے رہتے تھے اس کی وجہ ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل اقلیت میں تھے اور فرعون کے متبعین لا تعداد۔ اسی لیے قبطی ان کو بہ نظرِ حقارت دیکھتے اور ان کو کسی گنتی میں نہیں لاتے تھے۔ اور پھر ان کے وہم و گمان میں نہ تھا کہ بنی اسرائیل کبھی اقتدار پر آسکیں گے۔ اور قبطیوں پر ان کا غلبہ ممکن ہی نہیں تھا۔ لیکن اب ایسا کام کر دکھلایا جس سے قبطیوں کے غصہ کی آگ اور بھڑکی۔ وہ کہتے ہم ایک عظیم قوم ہیں اور غیظ و غضب ہمارا شیوہ ہے اور جب بڑے سے بڑے کام کا ارادہ کرتے ہیں اسے کر گزرتے ہیں۔ کوئی ہمیں چھیڑتا ہے تو پھر ہم اسے ہرگز نہیں چھوڑتے۔ یہ تقریر فرعون کی ہے جسے اہلِ مدائن کے سامنے بیان کیا تاکہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ وہ بنی اسرائیل سے خوف زدہ ہے۔

ف : بعض علماء نے فرمایا کہ حاذرون بمعنے ہتھیاروں والے اور جنگی ساز و سامان اور امورِ جنگ کو بخوبی جاننے والے، بخلاف قومِ موسیٰ کے کہ وہ نہ تو ہتھیار رکھتی اور نہ جنگی امور سے واقف۔ اس معنی پر حاذر بمعنی جنگ کے لیے تیار رہنے والا۔ (کذا فی الصحاح)

فَاَخْرَجْنٰهُمْ پس ہم نے فرعون اور اس کی قوم کو نکالا بایں طور کہ ان کے دل میں خیال ڈالا کہ وہ بنی اسرائیل کو پکڑنے کے لیے یہاں سے نکلیں۔

سوال : فرعون اور اس کی قوم نکلی تو تھی اپنے اختیار سے لیکن یہاں اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف منسوب فرمادیا۔

جواب : یا تو اس لیے کہ ہر فعل کا خالق وہی ہے یا یہ اسناد مجازی ہے۔

مِّنْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ۝ باغات سے جو دریائے نیل کے دونوں کنارے پر پھیلے ہوئے تھے اور پانی کے چشموں سے۔

حلِ لغات : المفردات میں ہے کہ پانی کے چشمے کو آنکھ سے تشبیہ دی گئی ہے اور وجہِ تشبیہ جریان الماء ہے۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ یہاں عیون سے نہریں مراد ہیں۔ کاشفی نے مطلقاً بہنے والا پانی مراد لیا ہے۔

وَّكُنُوْزٍ اور خزانوں یعنی ظاہری مال، سونا چاندی وغیرہ۔ اسے کنز اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس سے حقوقِ الٰہی ادا کئے جاتے ہیں اگرچہ وہ زمین کے اوپر بھی پڑے ہوں۔ جس سے اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا نہ کیے جائیں وہ کنز نہیں خواہ وہ ساتوں زمینوں کے نیچے ہو۔ دراصل مالِ مجموع و محفوظ کو کنز کہا جاتا ہے۔

کنوز و دکوز میں فرق رکاز وہ مال جو زمین میں ہو۔ پیدائشی طور یا کسی نے خزانہ بنا رکھا ہو۔ معدن وہ مال جو زمین میں پیدائشی طور پر ہو۔ کنز وہ مال جو کسی نے خزانے کے طور جمع کر رکھا ہو۔

مصر کے خزانے خریدۃ العجائب میں ہے کہ مصر کی زمین میں بکثرت خزینے ہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے اس کی زمین کے اکثر حصوں میں سونا مدفون ہے۔ یہاں تک کہ یہ بھی مشہور ہے کہ اس کا کوئی حصہ ایسا نہیں

جو دفینوں سے خالی ہو۔

وَّ مَقَامٍ كَرِيْمٍ ○ اور حسین منزلیں اور بہترین مجلسیں۔

ف : سہیلی نے کتاب التعریف والاعلام میں لکھا کہ اس سے ارضِ مصر کا فیوم مراد ہے، جیسا کہ مفسرین نے فرمایا ہے۔ الفیوم بمعنے الف یوم (ہزار دن) (کذا فی التکملہ) اور یہ ایک بہت بڑا شہر ہے جسے حضرت یوسف صدیق علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے بنایا اور اس کی ایک ایسی نہر تھی جو عجائبِ دنیا میں سے ایک تھی وہ دریائے نیل سے متصل ہوتی تھی اور سردیوں میں منقطع ہو جاتی تھی۔ اس شہر سے تین سو ساٹھ بستیاں ملی تھیں جو سب کی سب سرسبز و شاداب تھیں۔ اس نہر کا زیادہ تر پانی انہی بستیوں میں کھپ جاتا اور یوسف علیہ السلام نے اسے سال کے دنوں کے برابر تیار کرایا تھا۔ جب قحط پڑتا تو ہر بستی مصر کی تمام آبادی کے اخراجات کی کفیل ہوتی۔ ارض الفیوم میں بہت بڑے باغات اور درخت اور میوہ جات نہایت لذیذ تھے۔ اس میں کماد بکثرت پیدا ہوتا تھا۔

كَذٰلِكَ ؕ جیسے فرعون اور اس کی قوم کا مصر سے نکلنا عجیب و غریب تھا ایسے ہی یہ اخرجنا کا مصدر تشبیہی ہے۔

ف : حضرت ابو اللیث نے اس کا ترجمہ یوں کیا کہ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم یونہی کرتے ہیں اس کے ساتھ جو ہماری نافرمانی کرے۔

وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ؕ○ اور ہم نے ان باغات اور چشمہ جات اور خزائن اور مقام کریم کا مالک بنا دیا بنی اسرائیل کو، جیسے وارث مورث کی جائداد کا کامل مکمل مالک ہوتا ہے ایسے ہی بنی اسرائیل فرعون اور اس کی قوم کے مالک بنے۔ گویا یہ اس وقت سے مالک بن گئے جب سے فرعون اور اس کی قوم گھروں سے نکلی، اگرچہ اس پر قابض بعد میں ہوئے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے بنی اسرائیل کو فرعون اور اس کی قوم کے باغات، چشمہ جات اور خزائن اور مکانات کا وارث بنایا۔ مروی ہے کہ قبطیوں کی تباہی کے بعد بنی اسرائیل مصر میں آکر ان کی تمام جائداد پر قابض ہو گئے۔ لیکن صحیح تر یہ ہے کہ داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ہی بنی اسرائیل کو مصر کا کامل طور پر قبضہ میسر آیا جیسا کہ طبری نے لکھا کہ وہ اگرچہ قبطیوں کی جائداد کے مالک ہوئے لیکن مصر میں واپس نہ آئے بلکہ ملک شام میں سکونت پذیر ہوئے تھے۔

فرعون کی دریائے نیل کی طرف روانگی

جب فرعون نے لشکر کو آراستہ و پیراستہ کر لیا تو ساٹھ ہزار افراد مقدمۃ الجیش مقرر کیے ساٹھ ہزار میمنہ اور ساٹھ ہزار میسرہ اور ساٹھ ہزار ساقہ پر مقرر کر کے خود گھنے لشکر کے درمیان چلا گیا اور لشکر سر تا پا لوہے کے لباس سے ملبوس اور دریا کی

marfat.ocm

موج کی طرح تیز رفتار تھا ان کا خیال تھا کہ وہ بنی اسرائیل کے خون سے ہولی کھیلیں گے۔

فَاَتْبَعُوْهُمْ (پس فرعونیوں نے ان کا پیچھا کیا)

حلِ لغات : ہمزہ قطعی ہے، جیسے کہا جاتا ہے : اتبعہ اتباعا۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کے ساتھ ملنے کی طلب میں ہو۔ وتبعہ تبعا یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کے پاس سے گزرے۔

اب معنٰی یہ ہوا کہ ہم نے فرعون اور اس کے لشکر کے نکالنے اور ان کے ملک کو بنی اسرائیل کے قبضہ میں دینے کا ارادہ کیا تو وہ قبطی گھروں سے نکل پڑے اور موسٰی علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو جا ملے مُّشْرِقِيْنَ ۝

حلِ لغات : یہ اشرق واصبح و امسی و اظہر کے قبیل سے ہے بمعنے شروق وصبح و مسا، و ظہیرہ میں داخل ہوا یعنی وہ صبح اشراق کے وقت داخل ہوئے۔ یہ فاعل یا مفعول دونوں سے حال ہے کیونکہ دخول مذکور ہر ایک سے متعلق ہے۔

ف : وہ قبطی بنی اسرائیل کو صبح کے وقت جا ملے اس وقت بنی اسرائیل دریائے قلزم کے کنارے تک پہنچ چکے تھے اور ارادہ کر رہے تھے کہ اب دریائے قلزم کو کیسے عبور کریں عین اس وقت ان کے پیچھے فرعون بھی لشکر لے کر دریائے قلزم تک پہنچ گیا۔

فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ پس جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے قریب ہوئے یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ اس سے موسٰی علیہ السلام اور فرعون کا لشکر مراد ہے۔

حلِ لغات : ترٰی باب تفاعل بمعنے ایک دوسرے کو دیکھنا اور ایک دوسرے کے برابر میں گرنا۔ (کذا فی التاج)

قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ۝ج موسٰی علیہ السلام کے ساتھیوں نے کہا کہ دشمن ہمارے پیچھے آ چکا ہے، وہ ہمیں خوب ستائے گا، اس سے مقابلہ کی ہمیں طاقت بھی نہیں اور بھاگنے سے بھی رہے، کیونکہ آگے دریا ہے۔ قَالَ موسٰی علیہ السلام نے فرمایا، كَلَّا ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ ایسی باتیں چھوڑو اور تسلی رکھو کہ دشمن تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا کیونکہ میرے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ تمہیں نجات بخشے گا۔

اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ بے شک میرا پروردگار مدد کرنے، حفاظت کرنے اور مہربانی کرنے میں میرے ساتھ ہے۔

فائدہ صوفیانہ : حضرت جنید رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ انسان پر اللہ تعالٰی کی عنایت پہلے ہوئی یا رعایت۔ فرمایا کہ عنایت اس وقت ہوئی تھی جب انسان کا گارہ بھی تیار نہ ہوا تھا (اور رعایت بعد کو)۔

سَيَهْدِيْنِ ۝ مجھے نجات کے راستہ کی رہبری عطا فرمائے گا۔

حبیب وکلیم میں فرق

محققین نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کلام میں معیت کو پہلے بیان کیا[۱] کما قال: ان معی ربی (بے شک میرے ساتھ میرا پروردگار ہے) اور ہمارے حضور نبی پاک شہِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کلام میں اللہ تعالیٰ کا نام پہلے اور اپنی معیت بعد کو بیان کی۔ چنانچہ فرمایا:

ان اللہ معنا۔ (بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے)

تاکہ عارفین کے قلوب روشن ہوں کہ کلیم اللہ علیہ السلام نے پہلے اپنے آپ کو پھر اللہ تعالیٰ کو دیکھا اور یہ مرید کا مقام ہے اور حبیب علیہ السلام نے پہلے حق کو پھر اپنے آپ کو دیکھا اور یہ مقامِ مراد ہے۔ مُرید وہ ہوتا ہے جس کے ہر حکم کی پابندی لازمی ہے اور مراد وہ ہے کہ جو اس کے منہ سے نکلے اسے پُورا کیا جائے ؎

ایں یکی را روے او در رخے دوست
و آں دگر را روے او خود رخے اوست

ترجمہ: ایک وہ جس کا منہ دوست کی جانب ہے دوسرا وہ ہے کہ اس کے منہ کی جانب ہی دوست کی توجہ ہو۔

نکات

(۱) کشف الاسرار میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے آپ کو اکیلا پاکر کہا: معی ربی۔ ورنہ انہیں ان اللہ معنا کہنا چاہیے تھا۔ اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ اس وقت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی خودی کو پیشِ نظر رکھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ جانتے تھے (جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کے لیے ہمارا عقیدہ ہے، کہ انہیں بعطائے الٰہی علمِ غیب حاصل ہوتا ہے) کہ بعد کو ان کی قوم گوسالہ پرستی کرے گی اس لیے صرف اپنے آپ کو مقدم فرمایا اور ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے یارِ غار سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ ملایا چنانچہ فرمایا:

ان اللہ معنا۔ (بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے)

(۲) موسیٰ علیہ السلام نے اپنے لیے اپنے رب کی معیت کا دعویٰ کیا۔ کما قال:

ان معی ربی سیھدین۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت کے لیے اپنی معیت کا اظہار فرمایا، کما قال تعالیٰ:

---

[۱] جیسے اس کلام میں محققین کو فخر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اللہ کا نام لیا اسی لیے افضل الرسل ہیں ہمیں اعلحضرت امام اہل سنت فاضل بریلوی کے ترجمۂ قرآن پر فخر ہے کہ بسم اللہ جیسی اور ترکیب قرآنی میں پہلے اللہ کا نام لکھا بعد میں مفہوم بخلاف دوسرے تراجم کے کہ ان میں اللہ کا نام بعد میں ہے اور مفہوم پہلے۔ اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

ان اللہ مع الذین اتقوا۔

(۳) موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ کہا اللہ تعالیٰ نے اسے پورا فرمایا کہ انھیں نجات بخشی اور دشمن کے مکر و فریب سے بچایا لیکن ادھر امتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خود وعدہ فرمایا اور پھر اسے پورا کر دکھلایا اور انھیں گناہوں کے غم سے نجات بخشی اور انہیں اپنی رحمت و مغفرت تک پہنچایا۔

حکایت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر خفیہ ایمان لانے والا راستے میں موسیٰ علیہ السلام کے آگے آگے تھا، پوچھا، کہاں جا رہے ہو آگے دریا ہے پیچھے فرعون، کیسے نجات پاؤ گے؟ آپ نے فرمایا میں کیا کر سکتا ہوں مجھے جیسے حکم ہوا ہے اسی طرح کر رہا ہوں، آگے اس کی مرضی جو چاہے کرے۔

دعائے موسیٰ علیہ السلام حضرت عبداللہ بن سلام سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام دریائے نیل کے کنارے پر پہنچے تو دعا مانگی:

یا من کان قبل کل شئ والمکون لکل شئ والکائن بعد کل شئ اجعل لنا مخرجا۔

(اے وہ ذات جو سب سے پہلے تھی اور ہر شے کو پیدا کرنے والی اور ہر شے کے بعد بھی باقی رہے گی، ہمارے لیے راستہ کھول دے)

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

آلا اعلمك الکلمات التی قالھن موسیٰ حین انفلق البحر۔

(میں تمہیں وہ دعا نہ سکھاؤں جو موسیٰ علیہ السلام نے دریا عبور کرتے وقت پڑھی تھی)

میں نے عرض کی: ہاں جی (ضرور سکھائیے)!

آپ نے یہ دعا پڑھی،

اللھم لك الحمد والیك المشتکی وبك المستغاث وانت المستعان ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

(اے اللہ! تیرے لیے حمد اور تیری طرف شکوہ اور تجھی سے فریاد ہے اور تو ہی مددگار ہے اور نہ ہی تکلیف سے بچنے کی ہماری ہمت ہے اور نہ ہماری کوئی طاقت ہے سوائے تیرے)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جب سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ دعا سیکھی ہے اسے کبھی ترک نہیں کیا۔

فَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ پس ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو وحی کی کہ اے موسیٰ! مار دے دریا پر عصا۔ اس دریا سے دریائے قلزم مراد ہے۔ اور دریا کو بحر اس کی وسعت و فراخی کی وجہ سے کہا جاتا ہے اور بحر القلزم بحر فارس کا ایک حصہ ہے۔ القلزم بضم القاف

وبسلون اللام وضم الزاء مصر کی طرف ایک چھوٹا سا شہر تھا۔ وہاں سے مصر تک تین روز کا سفر تھا۔ یہ شہر بعد میں ویران ہوگیا۔ اس جگہ کو آج کل (بزمانۂ صاحب روح البیان) سویس کے نام سے پکارتے ہیں جو کہ عجرود (شہر) کے بالمقابل واقع ہے مکہ مکرمہ کے لیے مصر سے جانے والے حجاج وہاں جا کر اترتے تھے۔ اسی کے قریب ہی فرعون اور اس کی قوم بحر قلزم میں غرق ہوئی تھی۔ بحر القلزم سیاہ اور نہایت ہی پُر وحشت دریا ہے اس میں ظاہراً و باطناً کوئی خیر و بھلائی نہیں رکھی گئی۔ اسی دریا کے کنارے شہر مدین آباد ہے۔ یہ بھی ویران ہوگیا ہے۔ اسی میں وہ کنواں ہے جس سے موسٰی علیہ السلام نے شعیب علیہ السلام کی بکریوں کو پانی پلایا تھا لیکن اب یہ بھی ویران ہے۔

ف : کاشفی مرحوم نے فرمایا موسٰی علیہ السلام نے دریا کے کنارے پر پہنچ کر عصا مارا اور دریا کو فرمایا : اے ابوخالد ! ہمیں راستہ دے۔

فَانْفَلَقَ فا فصیحیہ ہے یعنی اس کے بعد موسٰی علیہ السلام نے عصا مارا۔ فانفلق تو دریا کا پانی پھٹ گیا یعنی دریا چر گیا تو اس میں موسٰی علیہ السلام کے بارہ گروہوں کی گنتی کے برابر بارہ راستے بن گئے۔ **فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ** تو اس میں ٹکڑا متفرق ہوگیا۔

ف : المفردات میں ہے الفرق و الفلق کا تقریباً ایک ہی معنٰی ہے لیکن الفلق شے کے چر جانے پر اور الفرق شے کے جدا ہونے پر بولا جاتا ہے۔ اب الفرق کا معنٰی ہوا ایک ٹکڑا جدا کیا ہوا۔

قاعدۂ تجوید : کل فرق کو تفخیم و ترقیق دونوں طرح پڑھنا جائز ہے لیکن تفخیم اولٰی ہے۔

كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ ○ اونچے پہاڑ کی طرح، یعنی وہ پہاڑ جو آسمان کی جانب اونچا اور اپنے ٹھہرنے کے مقام پہ ثابت اور قائم ہو۔

حل لغات : امام راغب رحمہ اللہ تعالٰی نے المفردات میں لکھا ہے الطود عظیم پہاڑ کو کہا جاتا ہے اسے العظیم سے موصوف کرنے میں اشارہ ہے کہ اس کا ہر حصہ باعظمت تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے بالمقابل کوئی پہاڑ تھا اسی لیے اسے العظیم سے موصوف کیا گیا۔ جب دریا میں راستے بنے تو ہر قبیلہ اپنے لیے ایک راستہ منتخب کر کے چل پڑا۔

ف : کاشفی مرحوم نے لکھا کہ دریا میں آندھی چلی جس سے دریا کے راستے نہایت خشک ہوگئے جس پر بنی اسرائیل آسانی سے گزرتے چلے گئے۔ چنانچہ اللہ تعالٰی نے بھی فرمایا :

فاضرب لہم طریقا فی البحر یبسا۔

(تو ان کے لیے دریا میں ایک خشک راستہ مقرر کیجئے)

وَاَزْلَفْنَا اور ہم نے بنی اسرائیل کے قریب کر دیا۔

marfat.ocm

حلِ لغات: تاج المصادر میں ہے کہ الازلاف بمعنے نزدیک اور جمع کرنا۔ ان دونوں کی تائید اسی آیت سے کی گئی ہے لیکن پہلا معنیٰ احسن ہے۔

ثَمَّ وہاں پر، یعنی جہاں سے دریا پھٹ گیا۔ اس میں اشارہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم دُور چلی گئی تو پھر فرعون کی قوم دریا میں پہنچی الْاٰخَرِیْنَ ۝ دوسروں کو یعنی فرعون اور اس کی قوم کو بنی اسرائیل جہاں سے دریا میں داخل ہوئے وہ بھی دریا کو خشک دیکھ کر اس میں داخل ہو گئے وَاَنْجَیْنَا مُوْسٰی وَمَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ۝ اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کے سب ساتھیوں سمیت نجات دے دی یعنی وہ سب کے سب دریا میں غرق ہونے سے بچ نکلے جیسے داخل ہوئے تھے ویسے ہی صحیح وسالم سب کے سب بلاکم وکاست باہر نکلے ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ ۝ پھر ہم نے دوسروں کو دریا جاری کر کے ڈبو دیا یعنی جب بنی اسرائیل صحیح سالم دریا سے باہر نکل آئے تو موسیٰ علیہ السلام نے چاہا کہ اب دریا اپنی حالت پہ آجائے کیونکہ انھیں خدشہ تھا کہ قبطی اور فرعون اگر دریا کے ان راستوں سے چلے آئے تو پھر ان کی خیر نہیں۔ اس لیے کہ موسیٰ علیہ السلام کو حکم تھا اترك البحر رهوا (دریا کو اسی صاف حالت میں چھوڑ دے) کیونکہ فرعون اور اس کی قوم غرق ہونے والی ہے۔ اسی لیے موسیٰ علیہ السلام نے دریا کو اسی حالت میں چھوڑ دیا، یہاں تک کہ فرعون اور اس کی قوم کو اللہ تعالیٰ نے غرق کر دیا، جیسا کہ متعدد مقامات پر یہ واقعہ بیان ہوا ہے۔

دن دسواں اور رات گیارھویں

مروی ہے کہ جس دن فرعون لشکر سمیت غرق ہوا اور موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو نجات کی راہ پر لے گئے پیر کا دن تھا اور محرم کی دس تاریخ تھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس نعمت پر شکرانے کا روزہ رکھا۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً بے شک ان تمام تفاصیل مذکورہ بالخصوص نجاتِ موسیٰؑ اور غرقِ فرعون میں البتہ بہت بڑی عبرت ہے عبرت گیروں کے لیے وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ اور نہ تھے ان کے اکثر یعنی اہلِ مصر۔ اس سے فرعون اور اس کی قوم مراد ہے مُّؤْمِنِیْنَ ۝ ایمان لانے والے۔ منقول ہے کہ ان میں سوائے بی بی آسیہ کے ایک بھی اہلِ ایمان نہ تھا ہاں خربیل تو تھا ہی کیونکہ اس کا ذکر قرآن مجید میں مصرح ہے تیسری وہ بی بی مریم بنت ناموشا جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کے مزار کا پتا دیا تھا جب موسیٰ علیہ السلام مصر سے ہجرت کر رہے تھے وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ اور بیشک تیرا پروردگار البتہ وُہ غالب اپنے اعدا سے بدلہ لے سکتا ہے جیسے فرعون اور اس کی قوم سے بدلہ لیا الرَّحِیْمُ ۝ مہربان ہے اپنے دوستوں کے لیے، جیسے موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل پر مہربانی فرمائی۔

قاعدہ عجیبہ فقیر (علامہ اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ ان فی ذٰلک الخ اس سورہ میں آٹھ بار آیا ہے،
(۱) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی قوم کا ذکر ہے۔

(سوال: تم نے کیسے سمجھا کہ اس میں حضور علیہ السلام کا ذکر ہے؟

جواب: اگرچہ حضور علیہ السلام کا ذکر صراحۃً نہیں البتہ کنایۃً تو ضرور ہے۔

(۲) موسیٰ علیہ السلام کا ذکر
(۳) ابراہیم علیہ السلام کا ذکر
(۴) نوح علیہ السلام کا ذکر
(۵) ہُود علیہ السلام کا ذکر
(۶) صالح علیہ السلام کا ذکر
(۷) لُوط علیہ السلام کا ذکر
(۸) شعیب علیہ السلام کا ذکر

ف: ان اذکار میں جتنے واقعات گزرے ہیں ان میں لفظ اکثر سے کافر مراد ہیں۔

ف: ان مقامات کے علاوہ اور جگہوں پر بھی وما کان اکثرھم مؤمنین سے کفار مراد ہیں اور عبرت کا حکم ان لوگوں کو ہے جو واقعہ میں موجود تھے یا جو لوگ بعد کو (قیامت میں) آنے والے ہیں۔ اس سے قریش مراد ہیں کیوں کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون اور دیگر کفار اور حضرات انبیاءؑ علیہم السلام کے قصے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنے اسی لیے ان کے لیے عبرت کا حکم زیادہ موزوں ہے کیونکہ انھیں یقین تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے سُنے بغیر بیان فرمائے ہیں تو یہ ان کا معجزہ ہے فلہٰذا اس اعتبار سے یہ ان کے لیے ایمان لانے کا موجب قوی تھا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان کرنا یقیناً بذریعہ وحی صادق ہے اور یہ سوائے نبی (علیہ السلام) کے اور کوئی نہیں بیان کر سکتا۔

ف: ان فی ذٰلک لاٰیۃ کے جملہ واقعات ان لوگوں کے لیے بھی عبرت ہیں جو غرق ہُوئے پھر ان کے لیے جنھوں نے انہیں دیکھا اور ایسے ہی بعد کو آنے والوں کے لیے بھی عبرت ہے۔

ف: بعض مفسرین نے لکھا کہ وما کان اکثرھم کی ضمیر ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم زمان کافروں کی طرف راجع ہے۔ اب معنیٰ یُوں ہُوا کہ اس قصہ سے پہلے کا بیان بھی ان کے لیے عبرت ہے لیکن ان کے اکثر ایمان لانے والے نہیں یعنی وُہ کافر جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ سُنا۔ ان سے اہلِ مکہ مراد ہیں کیونکہ انہوں نے نہ تدبیر سے کام لیا اور نہ ہی عبرت حاصل کی۔

سبق: اہلِ حق پر لازم ہے کہ وُہ فرعون اور دیگر اقوام کے حالات سے عبرت حاصل کریں تاکہ ان کی طرح

بقیہ ص ۵۷۳

marfat.ocm

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ (۶۹) إِذْ قَالَ
مہربان ہے اور ان پر پڑھو خبر ابراہیم کی جب اس نے

لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ (۷۰) قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِينَ (۷۱)
اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا تم کیا پوجتے ہو بولے ہم بتوں کو پوجتے ہیں پھر ان کے سامنے آسن مارے رہتے

قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ (۷۲) أَوْ يَنْفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ (۷۳) قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا
ہیں فرمایا کیا وہ تمہاری سنتے ہیں جب تم پکارو یا تمہارا کچھ بھلا برا کرتے ہیں بولے بلکہ ہم نے اپنے

آبَاءَنَا كَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ (۷۴) قَالَ أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ (۷۵) أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمُ
باپ دادا کو ایسا ہی کرتے پایا فرمایا تو کیا تم دیکھتے ہو یہ جنہیں پوج رہے ہو تم اور تمہارے اگلے باپ

الْأَقْدَمُونَ (۷۶) فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ (۷۷) الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ (۷۸)
دادا بے شک وہ سب میرے دشمن ہیں مگر پروردگار عالم وہ جس نے مجھے پیدا کیا تو وہ مجھے راہ دے گا

وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ (۷۹) وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ (۸۰) وَالَّذِي
اور وہ جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے اور وہ مجھے وفات

يُمِيتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ (۸۱) وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ (۸۲) رَبِّ
دے گا پھر مجھے زندہ کرے گا اور وہ جس کی مجھے آس لگی ہے کہ میری خطائیں قیامت کے دن بخشے گا اے میرے

هَبْ لِي حُكْمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ (۸۳) وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ (۸۴)
رب مجھے حکم عطا کر اور مجھے ان سے ملا دے جو تیرے قرب خاص کے سزاوار ہیں اور میری سچی ناموری رکھ پچھلوں میں

وَاجْعَلْنِي مِنْ وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ (۸۵) وَاغْفِرْ لِأَبِي إِنَّهُ كَانَ مِنَ الضَّالِّينَ (۸۶)
اور مجھے ان میں کر جو چین کے باغوں کے وارث ہیں اور میرے باپ کو بخش دے بے شک وہ گمراہ ہے

وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ (۸۷) يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ (۸۸) إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ
اور مجھے رسوا نہ کرنا جس دن سب اٹھائے جائیں گے جس دن نہ مال کام آئے گا نہ بیٹے مگر وہ جو اللہ کے حضور حاضر ہوا سلامت

سَلِيمٍ (۸۹) وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ (۹۰) وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِلْغَاوِينَ (۹۱) وَقِيلَ لَهُمْ أَيْنَمَا
دل لے کر اور قریب لائی جائے گی جنت پرہیزگاروں کے لیے اور ظاہر کی جائے گی دوزخ گمراہوں کے لیے اور ان سے کہا جائے گا

كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ (۹۲) مِنْ دُونِ اللَّهِ هَلْ يَنْصُرُونَكُمْ أَوْ يَنْتَصِرُونَ (۹۳) فَكُبْكِبُوا فِيهَا
کہاں ہیں وہ جن کو تم پوجتے تھے اللہ کے سوا کیا وہ تمہاری مدد کریں گے یا بدلہ لیں گے تو اوندھا دیے گئے

هُمْ وَالْغَاوُونَ (۹۴) وَجُنُودُ إِبْلِيسَ أَجْمَعُونَ (۹۵) قَالُوا وَهُمْ فِيهَا يَخْتَصِمُونَ (۹۶) تَاللَّهِ
جہنم میں وہ اور سب گمراہ اور ابلیس کے لشکر سارے کہیں گے اور وہ اس میں باہم جھگڑتے ہوں گے خدا کی

إِنْ كُنَّا لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۹۷ إِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۹۸ وَمَآ أَضَلَّنَآ إِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ۝۹۹

قسم بے شک ہم کھلی گمراہی میں تھے جب کہ تمہیں رب العالمین کے برابر ٹھہراتے تھے اور ہمیں نہ بہکایا مگر مجرموں نے

فَمَا لَنَا مِنْ شٰفِعِيْنَ ۝۱۰۰ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ۝۱۰۱ فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ

تو اب ہمارا کوئی سفارشی نہیں اور نہ کوئی غمخوار دوست تو کسی طرح ہمیں پھر جانا ہوتا کہ ہم

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۰۲ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۰۳ وَإِنَّ

مسلمان ہو جاتے بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں بہت ایمان والے نہ تھے اور بے شک

رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝۱۰۴

تمہارا رب وہی عزت والا مہربان ہے

عذاب میں مبتلا نہ ہوں۔

تفسیر صوفیانہ

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ بے شک تمہارا رب ان لوگوں سے بدلہ لینے پر غالب ہے جنہوں نے اس کی تکذیب کی الرَّحِيْمُ بہت بڑا مہربان ہے اسی لیے انہیں مہلت دیتا ہے اور ان کے عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا باوجودیکہ وہ لوگ بڑی بڑی آیات کا مشاہدہ کرتے ہیں لیکن پھر بھی منکر ہو کر عذاب کے مستحق ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرتے ہوئے ان کو عذاب میں مبتلا نہیں کرتا۔

ف : اس میں نبی علیہ السلام کے لیے تسلی ہے کیونکہ کفار کی تکذیب پر آپ کا قلب مبارک محزون و مغموم ہو جاتا باوجودیکہ معجزات دیکھتے پھر بھی نہ مانتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو سابقہ امم کے مختلف قصے سنائے تاکہ آپ کو تسلی ہو اور آپ ان امور میں سابقہ انبیاء علیہم السلام کی اقتدا کریں یعنی صبر فرمائیں جب آپ کی قوم ضد و عناد پر اڑ گئی پھر آپ کو کشادگی کا انتظار ہو یعنی دکھ اور تکلیف دفع ہو اور آپ خوش اور راضی ہوں۔ جیسا کہ مشہور ہے،

اصبروا تظفروا کما ظفروا۔

(صبر کرو فتح پاؤ گے جیسے اگلے لوگوں نے فتح پائی)

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

سروش عالم غیبم بشارتے خوش داد
کہ کس ہمیشہ بگیتی دژم نخواہد ماند

ترجمہ : عالم غیب کے فرشتے نے مجھے خوشخبری دی ہے کہ کوئی شخص اس دنیا میں ہمیشہ نہیں رہے گا۔

marfat.ocm

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ تلاوت سے ہے بمعنے پے در پے پڑھنا اور لفظ قرأت عام ہے۔ یعنی لفظ قراۃ سے پڑھنا مراد ہوتا ہے اس میں تتابع یعنی پے در پے کی قید نہیں یعنی آپ مشرکین کے سامنے پڑھیے اور اہلِ مکہ کو خبر دیجیے نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ۝ ابراہیم علیہ السلام کی عظیم الشان خبر۔ کاشفی نے لکھا کہ ابراہیم علیہ السلام کی خبر کی خصوصیت اس لیے ہے کہ اہلِ مکہ، حضرت ابراہیم کی اولاد ہونے کی وجہ سے ان کی بات کو خوشی سے سنتے، بلکہ اپنی اس نسبت پر فخر کرنے کی بنا پر ان کی خبر سے متاثر ہوتے۔

اِذْ یہ نبا، کا ظرف ہے قَالَ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا لِاَبِيْهِ اپنے اَب یعنی چچا آذر کو۔ اس کا قصہ پہلے گزرا ہے۔ اس کا نام تارخ تھا وَقَوْمِهٖ اور اپنی قوم یعنی اہلِ بابل بروزن صاحب عراق میں ایک جگہ کا نام ہے اسی طرف سحر منسوب ہے قوم دراصل صرف مردوں کی جماعت کو کہا جاتا ہے جس میں عورتیں شامل نہیں ہوتیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

الرجال قوامون علی النساء۔

اور قرآن مجید میں عام طور پر مرد و عورت دونوں مراد ہوتے ہیں۔ (کذا فی المفردات)

مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ وہ کیا شے ہے جس کی تم پرستش کرتے ہو۔

سوال: ابراہیم علیہ السلام کو تو علم تھا کہ یہ بتوں کے پجاری ہیں پھر سوال کیوں کیا؟

جواب: تاکہ انھیں تنبیہ ہو جائے کہ جن کی تم عبادت کرتے ہو وہ عبادت کے مستحق نہیں ہیں۔

قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا انہوں نے کہا ہم بتوں کی پرستش کرتے ہیں اور یہ ہیں پیتل، سونے، چاندی، تانبے، لکڑی اور لوہے کے۔ یہ بہتر بت تھے۔ (کشف الاسرار)

ف: صنم وہ ہے جو پتھر وغیرہ سے آدمی کی صورت میں تیار کیا جائے۔ (فتح الرحمٰن)

مفردات میں فرمایا کہ صنم وہ مجسمہ جو سونے یا پیتل سے بنا کر پوجا جائے۔ اور وثن وہ ہے جو پتھر سے تیار کر کے پوجا جائے۔

کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ یہاں پر مطلقاً بت مراد ہیں انہوں نے مختلف صورتوں پر مختلف اشیاء سے تیار کر کے ان کی پرستش پر مداومت اختیار کی۔

چنانچہ فرمایا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ۝ پس ہم ان کے لیے بیٹھے رہیں گے۔

سوال: جواب کے لیے کفار کا اصناماً کہنا کافی تھا اگلی عبارات بڑھانے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ طویل عبارت سے فصاحت و بلاغت کو نقصان پہنچتا ہے۔

جواب: فعل کے اظہار سے اور فعل دوام کی تصریح سے اپنے عمل پر فخر و ناز سے کہہ رہے ہیں اور بتا رہے ہیں کہ ہم اس عمل سے خوش و خرم ہیں۔

۴، لغات: ظللت (بالکسر) اعمل کذا ظلولا یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی دن کو

عمل کرے۔ اس عمل میں رات کے وقت کو دخل نہیں ہوتا۔

سوال: یہ تو ان کی عبادت کے خلاف ہے کیونکہ ان کی پرستش صرف دن کو نہیں بلکہ ہر وقت (دن رات) جاری رہتی۔

جواب: یہاں پر ظلول سے دوام مراد ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ ہم اپنے بتوں کی پرستش پر مداومت و ملازمت رکھیں گے۔

حل لغات: العکوف بمعنی اللزوم۔ اسی سے المعتکف ہے۔ کیونکہ اعتکاف والا قربتِ الٰہی کی نیت سے مسجد میں بیٹھنے پر ملازمت و مداومت کرتا ہے۔

سوال: عکوف کا صلہ علیٰ ہوتا ہے لیکن لام کیوں لائی گئی ہے؟

جواب: اس میں ایک زائد معنیٰ کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے گویا یوں کہا گیا ہے کہ پس ہم ان بتوں کے لیے ان کی عبادت کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کے گرد چکر لگاتے ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام نے ماں سے پوچھا

حضرت ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کو ماں نے غار میں جنا اور وہیں آپ کی تربیت ہوتی رہی۔ جب آپ جوان ہوئے، غار سے نکل کر شہر میں آئے اور ماں سے پوچھا: ان شہر والوں کا کیا مذہب ہے؟

ف: اسی لیے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ مسافر جس شہر میں جائے اس کو چاہیے کہ وہ اس شہر والوں کے مذہب کے متعلق سوال کرے اگر وہ بد مذہب ہوں تو ان کو صحیح اور حق مذہب کی تلقین کرے۔

ربط: جب ابراہیم علیہ السلام نے ان شہر والوں سے بتوں کے متعلق سوال کیا اور انہوں نے ان کی پرستش کا دم بھرا تو آپ نے انہیں بتوں کے عیوب بتلائے۔

چنانچہ فرمایا: قَالَ یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کیا وہ تمہاری دعا کو سنتے ہیں۔ یہاں مضاف محذوف ہے۔

سوال: تم نے مضاف کا محذوف ہونا کہاں سے سمجھا؟

جواب: کُم تو سننے کی شے نہیں اس لیے سننے کے لائق دعا ہوتی ہے اور وہی ہم نے کہا۔

سوال: یسمعون کا صیغہ ذوی العقول کے لیے مستعمل ہے اور بت تو غیر ذوی العقول تھے۔

جواب: چونکہ بت پرست انہیں ذوی العقول سمجھتے تھے اسی لیے ان کے گمان پر ان پر ذوی العقول کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔

(اور یہ قاعدہ ہر جگہ استعمال ہوگا اس سے مخالفین یعنی وہابیہ و دیوبندیہ اور دیگر گمراہ کن فرقوں کا

marfat.ocm

رد ہے کہ وہ ایسے صیغے انبیاءِ عظام و اولیاءِ کرام کے لیے استعمال کر کے عوام کو یُوں دھوکا دیتے ہیں کہ ایسی آیات میں بُت مراد نہیں کیونکہ وہ غیر ذوی العقول ہیں، اور صیغے ذوی العقول کے ہیں۔ تفصیل فقیر کی کتاب "احسن التعزیر" و "احسن التحریر" و "تفسیر اویسی" میں دیکھئے)[1]

اِذْ تَدْعُوْنَ جب تم انہیں پکارتے ہو یعنی جب تم اپنی ضروریات ان سے مانگتے ہو تو کیا وہ تمہیں ان کا جواب دیتے ہیں یا تمہاری ضروریات پُوری کرتے ہیں اَوْ یَنْفَعُوْنَكُمْ یا وہ تمہاری عبادت پر تمہیں نفع پہنچاتے ہیں (اس سے معلوم ہوا کہ تدعون میں دعا بمعنے عبادت ہے جیسا کہ اہلسنت کا مسلک ہے بخلاف وہابیہ دیوبندیہ کے کہ وہ ایسی آیات میں دُعا بمعنی عبادت کا انکار کر کے تحریف کے مرتکب ہوتے ہیں تفصیل کتبِ مذکورہ میں دیکھئے)[2] اَوْ یَضُرُّوْنَ یا وہ تمہیں کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں جب تم ان کی پرستش چھوڑ دو کیونکہ عبادت کے لیے نفع کا حصول اور ضرر کا دفع ضروری ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کے سوال کا جواب نہ دے سکے تو تقلیدِ آباد کا سہارا لیتے ہوئے جواب میں کہا قَالُوْا بت پرستوں نے کہا ہم نے بتوں سے اپنے سوالات کے جوابات تو نہیں سُنے اور نہ ہی ان سے کبھی نفع پایا نہ نقصان بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ بلکہ ہم نے آباؤ اجداد کو ایسے کرتے دیکھا ہے کذٰلک فعل یَفْعَلُوْنَ ○ کی وجہ سے منصوب ہے اور یہ وجدنا کا مفعول ثانی ہے یعنی چونکہ ہمارے آباؤ اجداد بتوں کی پُوجا کرتے تھے اسی لیے ان کی اقتدا میں ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ یُوں انہوں نے اقرار کر لیا کہ وہ نہ تو بتوں سے کوئی بات سنتے ہیں نہ ان سے نفع پاتے ہیں نہ نقصان۔ بلکہ مجبوراً کہہ بیٹھے کہ ان کے پاس بُت پرستی پر کوئی دلیل نہیں سوائے تقلیدِ آبا کے ؎

خواہی بسوئے کعبہ تحقیق رہ بری
پے بر پے مقلد گم کردہ رہ مرد

ترجمہ: تم چاہتے ہو کہ کعبۂ تحقیق کی طرف راہ پا جاؤ تو مقلد گم کردہ رہ کے پیچھے نہ چلو۔

قَالَ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا اَفَرَءَیْتُمْ تو کیا تم نے دیکھا اور غور بھی کیا، یا کیا تم نے تامل کر کے کچھ سوچا بھی مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ○ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ○ کہ کس کی پُوجا کرتے ہو، تم اور تمہارے پہلے آباؤ اجداد یعنی تم نے صحیح طریقہ سے سوچا اور غور کیا کہ کبھی باطل بھی حق ہو سکتا ہے! اگرچہ باطل کے پجاری بہت بڑی تعداد میں ہی کیوں نہ ہوں اور عرصہ دراز سے ان کی عبادت کی جا رہی ہو۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ [2] ایضاً

ف : ما موصولہ میں بُت مراد ہیں۔

فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ جب انہیں تنبیہ کی گئی کہ ان کو ان بُتوں کی پرستش کا کوئی علم نہیں۔ اب ان کا حال بتاتے ہو جن کی تم پرستش کرتے ہو۔ ان کا حال یہ ہے کہ وہ تو میرے دشمن ہیں۔ یعنی اگر تم بتوں کی حقیقت کو نہیں سمجھتے اور نہ ہی تم اس پر غور کر سکتے ہو تو تم یقین کر لو کہ بُت نہ صرف میرے دشمن ہیں بلکہ اپنے پجاریوں کے بھی دشمن ہیں کیونکہ ان کی وجہ سے ایسا نقصان پہنچے گا جیسا کسی اور وجہ سے نہیں پہنچ سکتا۔ یعنی ان کی وجہ سے انہیں جہنم میں جانا ہوگا اور یہی سب سے بڑا نقصان ہے۔

سوال : بُت تو پتھر محض تھے، دشمنی تو وہ کر سکتا ہے جس میں عقل و شعور ہو۔

جواب : استعارۃً کہا گیا ہے جس کی مختصر تقریر اوپر گزری ہے۔

سوال : بتوں کو صرف ان کا دشمن ہی کیوں بتایا حالانکہ وہ ان (ابراہیم علیہ السلام) کے بھی دشمن تھے؟

جواب : کنایۃً ان کا نام بھی اس مضمون میں شامل ہے۔ کیونکہ قاعدہ ہے جس مضمون کو تعریضاً وکنایۃً ذکر کیا جائے وہ نصیحت کے متعلق زیادہ نافع ہوتا ہے۔ دوسرا یہ کہ انسان جب خیر میں اپنا نام پہلے پیش کرے تو اس کی نصیحت زیادہ قابلِ قبول ہوتی ہے۔

ف : فراء نے فرمایا کہ از قبیل مقلوب ہے اس لیے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ میں ان کا دشمن ہوں۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جس کا تو دشمن ہوگا لازماً وہ بھی تیرا دشمن ہوگا۔

سوال : بُت تو بہت تھے، ھُمْ کی ضمیر بھی بتاتی ہے لیکن عدو کا صیغہ واحد کیوں؟

جواب : یہ مصدر ہے اور مصدر کا صیغہ واحد اور جمع دونوں طرح جائز ہے یا یہ صیغہ نسبتی ہے یعنی وہ بت ذی عداوت ہیں۔ یہ ایسے ہے جیسے تامر یعنی ذو تمر، اب اشکال نہ رہا۔

اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ یہ استثناء منقطع ہے الّا بمعنے لکن ہے۔ یعنی لیکن رب العالمین ایسا نہیں ہے وہ میرا دشمن نہیں بلکہ دنیا و آخرت میں میرا مہربان ہے ان دونوں کے منافع سے ہر لحظہ مجھ پر فضل و کرم فرماتا رہتا ہے۔

ف : بعض بزرگوں نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام اس وقت اپنے آپ کو مقامِ خلّت میں دیکھ رہے تھے۔ یہ ایسا مقام ہے کہ خلیل تمام مخلوق سے علیحدہ ہو کر اس کو اپنا دشمن اور اپنے پروردگار محبوب کو دیکھ رہے تھے۔

سبق : یہ ابراہیم علیہ السلام کی کمال محبت کی دلیل ہے کیونکہ انسان پر لازم ہے کہ سوائے حق کے کسی سے محبت نہ کرے۔

marfat.ocm

نسخۂ روحانی حضرت سمنون رحمہ اللہ فرماتے ہیں جسے عالم اکوان میں دیکھا نہیں جا سکتا اس سے محبت لائق نہیں۔ اپنی آنکھوں سے دیکھے تاکہ اسے محبوب حقیقی کی محبت اور جملہ عالم سے انقطاع اور وصالِ محبوب حقیقی نصیب ہو۔ دیکھیے ابراہیم علیہ السلام کے متعلق کیا فرماتا ہے فانھم عدو لی الا رب العالمین ؎

هجرت الخلق فیک حتی صح لی الاتصال

ہجر ماسوی باید طلب کردن وصال او

کن من الخلق جانبا وارض اللہ صاحبا

قلب الخلق کیف شئت تجدہم عقاربا

ترجمہ: تیرے لیے میں نے سب کچھ چھوڑ دیا تاکہ مجھے تیرا وصال نصیب ہو۔ ماسوی کا ترک لازم ہے اس کے وصال کی طلب میں۔ مخلوق سے علیحدگی اختیار کر، اللہ تعالیٰ کی مصاحبت سے راضی ہو جا۔ مخلوق کا تصور الٹ دے کیونکہ تو اسے ہر لحاظ سے بچھو پائے گا۔

صاحبِ روح البیان کی تقریر فقیر (صاحب رُوح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ دشمن دشمن کو آنکھ چرا کر دیکھتا ہے بلکہ دیکھتا ہی نہیں کیونکہ دشمن کی طرف قلبی میلان کا فقدان ہے اس سے لازم ہے کہ ماسوی اللہ سالک کا دشمن ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ غیر کو بالکل نہ دیکھے اگر دیکھے تو عبرت کی نگاہ سے۔

لطیفہ انسان میں اللہ تعالیٰ نے دو آنکھیں بنائی ہیں۔ دائیں آنکھ میں ملکوت کی طرف اشارہ ہے اور بائیں میں ملک کی طرف۔ جب بائیں آنکھ ملک کی طرف کھلی رہے گی تو دائیں آنکھ ملکوت سے محجوب رہے گی اور جب ملکوت کی طرف آنکھ دیکھتی رہے گی تو سالک جبروت و لاہوت سے محجوب رہے گا۔ بنابریں سالک پر لازم ہے کہ وہ دونوں آنکھوں کو ملک و ملکوت کی طرف بند رکھے اس معنیٰ کو ملحوظ رکھنے پر انسان کو جبروت و لاہوت تک پہنچنے کا موقع نصیب ہوگا کیونکہ انسان کا مقصودِ اعظم اور اصلی مطمحِ نظر یہی ہے۔

دعا: اللھم اشغلنا بک عمن سواک۔

(اے اللہ! ہمیں ماسوی اللہ سے دور کرکے اپنی ذات کا شغل نصیب فرما)

یہ دعا اسی طرف اشارہ کرتی ہے۔

سوال: اگر کوئی کہے کہ ماسوی اللہ میں تجلیات کے آثار بھی شامل ہیں پھر بقولِ شما آثارِ تجلیات بھی دشمن اور غیر ہوں حالانکہ یہ بالکل مقصد کے خلاف ہے۔

جواب: واقعی آثارِ تجلیات غیر ہیں لیکن ان میں مراتب کا اشارہ ہے اور سالک پر لازم ہے کہ وہ مراتب سے

بھی عبور کرے کیونکہ مراتب سالک کا مقصد نہیں بلکہ مقصد ذاتِ حق ہے۔ اور چونکہ یہ مراتب بھی ایک عارضی توجہ کا مرکز ہیں اور صنم بھی ایک توجہ کا مرکز ہے اسی لیے اس غیریت کی بنا پر سالک کی دشمن اور تعلق ما سوی اللہ ہے۔ اسی لیے ان کا ترک لازم ہے لیکن سالک تو ہر شے میں حق تعالیٰ کا مشاہدہ کرتا ہے اور غیر اللہ سے تعلق توڑتا ہے۔ اس معنی پر اس کا ہر دشمن بھی صدیق ہے ؎

جہان مرآت حسن شاہد ماست
فشاہد وجہہ فی کل ذرات

ترجمہ: یہ تمام جہان ہمارے محبوب کے حسن کا آئینہ ہے اس لیے ہر ذرہ میں محبوب کی ذات کا مشاہدہ کیجئے۔

الَّذِىْ خَلَقَنِىْ وہ جس نے جملہ مخلوق کو پیدا کیا۔ یہ رب العالمین کی صفت ہے۔ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ۝ مجھے صلاحِ دارین کی طرف اپنی ہدایت سے راستہ دکھاتا ہے یعنی اس کی وُہ ہدایت جو مخلوق سے متصل ہے نفخ صور کے بعد استمراراً جاری ہے جیساکہ فاء عاطفہ تعقیبیہ اور مضارع دلالت کرتا ہے اور انسان کی ہدایت کے مبدأ پیدائش سے پہلے پیٹ میں سے یُوں جاری ہُوئی کہ پیٹ میں ماہواری کا خون چوسنا شروع کر دیا اور اس کا انتہاء طریق جنت اور اس کی نعمتوں کو حاصل کرنے تک ہے۔

تفسیر صُوفیانہ

فھو یھدین میں اسی طرف اشارہ ہے کہ سالک پر لازم ہے کہ جملہ اسباب ظاہرہ کو منقطع کرے اور نبوت و ولایت و خلت کے کمالات حاصل کرے۔ بلکہ اس ین ازلی برگزیدگی کی طرف اشارہ ہے۔ اس سے معلوم ہُوا کہ جملہ مقامات اختصاصہ عطائیہ غیر کسبیہ ہیں جو فیض اقدس اور اس کے ظہور سے محصول شرائط و اسباب عین ثابتہ کو حاصل ہوتے ہیں لیکن یہ اسباب محجوب ہیں جن سے گمان ہوتا ہے کہ یہ مراتب کسبی ہیں جو شاید عمل کرنے سے نصیب ہوں۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا؎

قومے بجد و جہد نہادند وصل دوست
قومے دگر حوالہ بتقدیر مے کنند

ترجمہ: ایک گروہ تو جد و جہد سے وصالِ دوست کو حاصل کرنے کا قائل ہے دوسرا گروہ کہتا ہے کہ یہ (وصالِ دوست) تقدیر پر موقوف ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَالَّذِىْ الخ کا عطف صفت اولیٰ پر ہے اور تینوں مقام پر الذی (اسم موصول) کا تکرار دلالت کرتا ہے کہ ہر جملہ اقتضائے حکم میں مستقل ہے هُوَ يُطْعِمُنِىْ وہی مجھے طعام کھلاتا ہے یعنی ایسی غذا جو قوام بدن کے لیے نافع ہوتی ہے مجھے کھلاتا ہے وَيَسْقِيْنِ ۝ اور وہ جو

marfat.ocm

پلاتا ہے مجھے پلاتا ہے یعنی وُہ چیز مجھے پلاتا ہے جو پیاس بجھانے اور تربیتِ اعضا کا سبب ہے۔ یعنی وہی میرا رزاق ہے اسی لیے تو اسی کے پاس میرا طعام و شراب ہے۔

ف : طعام و سقی سے صرف خلق الطعام والسقی اور ان کی تملیک مراد نہیں بلکہ ان میں وہ جملہ امور داخل ہوں گے جن سے طعام و سقی کے لیے نفع اٹھایا جاتا ہے جیسے کھانے پینے کی خواہش ان کے نگلنے اور چبنے سے حاصل ہوتی ہے اور ہضم اور دفع وغیرہ۔

ف : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دُعا مشہور ہے :

اللهم اجعل لی ضرسا طحونا و معدة هضوما و دبرا بشورا۔

(اے اللہ! ڈاڑھ چبانے والی اور معدہ ہضم کرنے والا اور دُبر فضلات کو باہر نکالنے والی عطا فرما)

تفسیرِ صُوفیانہ اس آیت میں توکّل و رضا و تسلیم و تفویض و قطع اسباب اور صرف اسی طرف متوجہ رہنے اور ماسوا سے رُوگردانی کے مقام کی طرف اشارہ ہے۔

ف : صاحبِ بحر الحقائق نے فرمایا : طعام سے وہ ابدیت مراد ہے جس سے دل زندہ رہتا ہے اور شراب صفتِ ربوبیت کی وہ تجلّی ہے جس سے ارواح کو تازگی نصیب ہوتی ہے۔ حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ طعام سے طعامِ معرفت اور شراب سے شرابِ محبّت مراد ہے۔ پھر آپ نے یہ شعر پڑھا : ؎

شراب المحبة خیر الشراب
وکل شراب سواه سراب

ترجمہ : محبۃ کا شراب سب سے بہتر شراب ہے۔ بلکہ اس کے ماسوا جتنے بھی شراب ہیں وہ تمام سراب ہیں۔

حدیث شریف : نیز حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلّم کے پُراسرار کلام :

ابیت عند ربّی یطعمنی ویسقینی۔

(میں اپنے رب تعالیٰ کے ہاں شب باش ہوتا ہوں وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے)

میں اسی طرف اشارہ ہے۔

؎

ترا نوال دمادم ز خانہ یطعمنی
ترا پیالہ مدام از شراب یسقینی

مرا تو قبلۂ دینی ازاں سبب گفتم
بردماں کہ "لکم دینکم ولی دینی"

ترجمہ : تجھے یطعمنی کے گھر سے ہر لحظہ لقمے پہنچتے ہیں تجھے یسقینی کے شراب سے پیالے بھر بھر کر پلائے جاتے ہیں چونکہ تُو میرے دین کا قبلہ ہے اس لیے میں لوگوں سے کہا کرتا ہوں تمہارا دین تمہارے لیے میرا دین میرے لیے۔

شرح الحدیث حدیث شریف میں یطعمنی ویسقینی کے طعام وشراب میں علما کے دو قول ہیں :

(۱) اس سے ظاہری طعام اور پانی مراد ہیں جنہیں منہ کے ذریعے پیٹ کے اندر پہنچایا جاتا ہے کیونکہ طعام وشراب کا حقیقی معنی یہی ہے اور حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی لینا مناسب نہیں۔ پھر اس معنی پر کہ یہ طعام وغیرہ بہشتی تھا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا جاتا تھا۔

(۲) اس سے مراد وہ غذا ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو اپنے معارف عطا فرمائے۔ مثلاً مناجات کے وقت کی لذت اور قُرب سے آنکھوں کی ٹھنڈک اور محبت کی نعمت اور دیگر وہ احوال جو قلوب کی غذا میں داخل ہیں۔ ایسے ہی رُوح کی نعمتیں اور آنکھ کی ٹھنڈک اور نفوس کی رونق سب اسی تقریر میں شامل ہیں۔

اہلسنت کی تائید دربارہ مسئلہ نور و بشر (ہم اہلسنت کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری مثل نہیں بلکہ آپ سراسر نور ہیں آپ کی بشریت نمونۂ بشریت ہے نہ کہ ان کی حقیقت ، اس کی دلیل حضرت اسماعیل حقی قدس سرہٗ اپنی تفسیر روح البیان ج ۶ ص ۲۸۴ میں اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں :

قال الشیخ الشہیر بافتادہ آفندی قدس سرہٗ انما اکل نبینا علیہ السلام فی الظاہر لاجل امتہ الضعیفۃ والا فلا احتیاج لہ الی الاکل والشرب۔

حضرت شیخ شہیر بافتادہ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہری طور پر امتِ کمزور کی خاطر کھایا ورنہ آپ کو نہ کھانے کی ضرورت تھی نہ پینے کی حاجت تھی۔

(**سوال کا جواب** : اگر محتاجی نہ تھی تو پھر بھوک سے پیٹ پر پتھر کیوں باندھے، اس کا جواب بھی صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے دیا :)

وما روی من انہ کان یشد الحجر علی بطنہ فہو لیس من الجوع بل من کمال لطافتہ لئلا یصعد الی الملکوت

اور وہ جو کہ مروی ہے کہ آپ پیٹ پر پتھر باندھتے تھے تو وہ بھی بھوک کی وجہ سے نہ تھا بلکہ آپ کی کمال لطافت کی وجہ سے تھا تاکہ

marfat.ocm

بل یبقٰی فی عالم الملک و یحصل لہ
الاستقرار فی عالم الارشاد۔
(روح البیان ج ٦ ص ۲۸۳)

آپ کا جسم اطہر ملکوت کی طرف نہ چلا جائے بلکہ
آپ کا جسم اطہر عالم ملک میں باقی رہے۔ اور
تاکہ آپ کو عالم ارشاد میں استقرار ہو۔

اعجوبہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں بہت سے بزرگوں کے متعلق مشہور ہے کہ انہوں نے سالہا سال تک نہ کھایا نہ پیا۔ جب اتنیوں کو یہ کمال حاصل ہے تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کمال حاصل ہونا بطریق اولیٰ ہے۔

دلیل : اور ہمارے دعویٰ کی یہی بہت بڑی دلیل قوی ہے کیونکہ ایسے لوگوں کے لیے بشریت کی جملہ آلائش مٹ کر رہ جاتی ہے پھر ان کو عالم قدس کی طرف کشش رہتی ہے۔ اسی لیے وہ عالم بشریت کے عوارض اور ضروریات سے فارغ ہو جاتے ہیں۔

حکایت حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں ایک سقا تھا جسے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں تین دن نصیب ہوئے۔ اور وہ یہ آیت پڑھتا رہا :

وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقہا۔

اس کا اثر یہ ہوا کہ اس نے اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے ڈال دیا اور بیہوش ہو گیا۔ اسے خواب میں ایک پیالہ جنت کے شراباً طہورا سے نصیب ہوا جسے اس نے پی لیا۔ اس کے بعد وہ بیس سال سے زیادہ زندہ رہا۔ لیکن اس دوران اس نے خواہش سے نہ کبھی کچھ کھایا نہ پیا۔ (کذا فی کشف الاسرار)

تفسیر عالمانہ وَاِذَا مَرِضْتُ اور جب میں بیمار ہوتا ہوں فَهُوَ يَشْفِيْنِ ○ تو وہی مجھے بیماری سے شفا بخشتا ہے نہ کہ اطباء۔

نکتہ : یہ اس لیے فرمایا کہ ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ بیماری اوقات کے اثرات سے ہوتی ہے یا پھر مختلف غذاؤں کے استعمال سے، اور شفا اطباء سے ملتی ہے یا پھر ادویہ سے۔ ابراہیم علیہ السلام نے انھیں سمجھایا کہ بیماری دینے والا بھی وہی ہے اور شفا دینے والا بھی وہی۔

سوال : ابراہیم علیہ السلام نے مرض کو اپنی طرف منسوب کیا ہے لیکن باقی افعال اللہ کی طرف۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب : یہ از راہِ ادب فرمایا۔ جیسے خضر علیہ السلام نے بھی یہی ادب ملحوظ رکھ کر کہا،

فاردت ان اعیبہا۔

اس میں عیب کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے لیکن کار خیر میں۔ فرمایا،

فاراد ان یبلغا اشدّ ھما ویستخرجا کنزھما۔

یہ فعل خیر ہے اسی لیے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب فرمایا ہے۔ ایسے ہی جنّات نے بھی ادب کا لحاظ رکھا۔ چنانچہ،

وانا لا ندری أشر ارید بمن فی الارض ام اراد بھم ربھم رشدا۔

آیت میں شر کی نسبت میں فعل مجہول ہے لیکن خیر میں اللہ تعالیٰ کے نام کی تصریح کی ہے۔

ف : واذا مرضت الخ کا عطف یطعمنی ویسقینِ پر ہے۔

سوال : مرض کو اطعام وسقاُ کے ساتھ کیوں لایا گیا ہے ؟

جواب ، چونکہ بیماری عموماً زیادہ کھانے سے پیدا ہوتی ہے اسی لیے اس کے ساتھ لایا گیا ہے۔ قاعدہ مشہور ہے کہ بسیار خوری بیماری لاتی ہے اور بھوک راحت وسرود پیدا کرتی ہے۔

لطیفہ ، حکما کہتے ہیں کہ اگر مُردوں سے بات چیت ہوتی تو ان میں سے اکثر یہی کہتے کہ ان کی موت کا سبب زیادہ کھانا ہے۔

ف ؛ حکمت میں ہے کہ پیٹ بھر کر کھانے میں بھلائی نہیں اگرچہ بھوک کے بعد بھی کھایا جائے۔

ملفوظِ امام جعفر رضی اللہ عنہ حضرت ابو جعفر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب میں گناہ کی بیماری سے بیمار پڑتا ہوں تو مجھے توبہ سے شفاُ نصیب ہوتی ہے۔

ف ؛ حضرت سلمی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اغیار کو دیکھنے سے مرض بڑھتا ہے۔ واحد قہار کے مشاہدہ سے شفاُ نصیب ہوتی ہے۔

ف : بحر الحقائق میں ہے کہ تعلقاتِ کونین بیماری ہے شفاُ قطعِ تعلق سے ہوتی ہے۔ لیکن یہ جذبہ عنایت الٰہی سے وابستہ ہے کہ جب کسی سالک کو نصیب ہوتا ہے تو وہ تمام کائنات سے منقطع ہو کر ایک ذات سے وابستہ ہو جاتا ہے یعنی شربتِ تجرید سے دُنیوی تعلق کے مرض سے نجات نصیب ہو سکتی ہے ؎

چہ گویمت کہ چہ خوش آمدی مسیح صفت
بیکنفس ہمہ درد مرا دوا گردد

ترجمہ ، میں تجھے کیا کہوں کہ تو مسیح کی طرح کیسے تشریف لایا کہ بیک لحظہ میرے تمام دردوں کا علاج ہوگیا۔

فائدہ صُوفیانہ بعض مشایخ نے فرمایا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جب میں محبوب کی محبت اور اس کے وصال اور دیدار کے شوق میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے اپنے حسن وصال وکشفِ جمال سے شفا بخشتا ہے ؎

marfat.ocm

بمقدمك المبارك زال دائی
وفی لقياك عجل لی شفائی

ترجمہ: تیری مبارک تشریف آوری سے میری بیماری ٹل گئی اور تیرے دیدار سے مجھے جلدی شفا نصیب ہو گئی۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ رفع الرجوع الی الغیر اور دوا سے سکون اور کسی شے سے علاج کرانا بھی کمال تسلیم و رضا کی نشانی ہے۔

ف: کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ یہ وہ مرض نہیں جسے مرض کہا جائے بلکہ یہ ان مرضوں سے ہے کہ جن سے محبوب کا طبع پرسی کے لیے تشریف لانے کی طمع میں اپنے آپ کو بیمار بنا لینا ہے ؎

یود بان یمسی سقیما لعلها
اذا سمعت عنه سلیمی تراسله
ان کان یمنعک الوشاة زیارتی
فادخل الی بعلة العوّاد

ترجمہ: وہ چاہتا ہے کہ وہ بیمار پڑ جائے کیونکہ جب محبوبہ سنے گی تو کچھ تو پیغام بھیجے گی۔ اگر میرے ملنے کے لیے تمہیں چغلخوروں کا خطرہ ہے تو میری طبع پرسی کے بہانے تشریف لایا کرو۔

لطیفہ حضرت خلیل کی شفاء مرض میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس گاہے گاہے حاضر ہو کر عرض کرتے کہ آپ کو آپ کا مالک و مولا فرماتا ہے:

کیف انت البارحة۔

(اے خلیل (علیہ السلام)! رات کیسے گزری)

حضرت ابراہیم علیہ السلام جواب میں گویا یوں کہتے: ؎

خرسندم شدم بدانکہ گوئی یکبار
کاے خستۂ روزگار دوشت چوں بود

ترجمہ: میں اس سے خوش ہوں کہ اگر تو ایک بار فرما دے کہ اے خستۂ روزگار! تیری رات کیسے گزری۔

حکایت کسی بزرگ کا واقعہ ہے کہ وہ بیمار ہو کر کمزور ہو گئے اور ان کا رنگ پیلا ہو گیا۔ ان سے کہا گیا اجازت ہو تو آپ کے لیے طبیب بلایا جائے تاکہ آپ کا علاج کرے۔ انہوں نے جواب دیا:

طبیب نے تو مجھے بیمار کیا ہے ؎

کیف اشکو الی طبیبی مابی
والذی بی اصابنی من طبیبی

ترجمہ: میں طبیب سے کیا شکوہ کروں کہ میں فلاں مرض میں مبتلا ہوں کیونکہ مجھے جو بیماری ملی ہے اسی طبیب سے ملی ہے۔

تفسیر عالمانہ وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ اور وہ ذات مجھے دنیا کے اجل کے ختم ہونے پر موت دے گی ثُمَّ یُحْیِیْنِ ۝ پھر آخرت میں مجھے اعمال کی جزا کے لیے زندہ فرمائے گی۔

ف: ان دونوں جملوں کے درمیان ثُمَّ کا لفظ لایا گیا ہے اس لیے کہ اماتت و احیا کے درمیان ایک عرصہ گزرے گا۔

نکتہ: اماتہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے سے اس کی نعمت کا اظہار اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ موت بھی ایک بڑی نعمت ہے کہ اس سے ہی اہلِ کمال کو وصالِ یار اور حیاتِ ابدیہ اور تکالیفِ دنیویہ و مصائبِ شاقہ سے نجات نصیب ہوتی ہے ؎

پس رجال از نقل عالم شادمان
وز بقائش شادمان ایں کودکاں
چونکہ آب خوش ندید آں مرغ کور
پیش او کوثر نماید آب شور

ترجمہ: مردانِ خدا دنیا سے کوچ کرنے سے خوش ہوتے ہیں۔ ہاں البتہ بچے زندہ رہنے پر خوش ہوتے ہیں۔ اس اندھے پرندے کو کڑوا پانی میٹھا لگتا ہے جس نے آبِ کوثر کی چاشنی نہیں چکھی۔

تفسیر صوفیانہ امام ثعلبی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں کو موت دینا عدل اور زندہ رکھنا فضل ہے۔ بعض نے فرمایا کہ اماتت سے معصیت اور احیاءً سے طاعت میں معروف رکھنا مراد ہے۔ یا اماتت سے جہل اور احیاءً سے عقل کی عطا مراد ہے یا اماتت سے طمع اور احیاءً سے تقویٰ و پرہیزگاری کی زندگی بسر کرانا مراد ہے۔ اور اماتت میں فراق کی طرف اور احیاء میں وصال کی طرف اشارہ ہے۔ اور حقائق سلمی میں لکھا کہ روحانیت کی نشانیوں سے محروم رکھتا ہے اور صفاتِ ربانیت سے زندہ فرماتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اماتت کا معنیٰ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ مجھے میری انانیت سے مٹاتا اور اپنی ہدایت سے مجھے زندہ کرتا ہے۔ اسی معنیٰ پر

marfat.ocm

کہا گیا ہے ؎

نجویم عمرِ فانی را توئی عمرِ عزیز من
نخواہم جان پرغم را توئی جانم بجان تو

ترجمہ: میں تجھ سے عمرِ فانی نہیں چاہتا کیونکہ تُو ہی تو میری جانِ عزیز ہے اور تجھ سے جانِ پُرغم نہیں چاہتا اس لیے کہ تیری جان میں ہی میری جان ہے۔

اور بعض بزرگوں نے یوں کہا ؎

غم کے خورد آنکہ شادمانیش توئی
با کے برد آنکہ زندگانیش توئی
در نسیئہ آں جہان کجا دل بندد
آنکس کہ بنقد ایں جہانیش توئی

ترجمہ: اسے کاہے کا غم جس کی خوشی تم ہو۔ وہ کس کے ہاں جائے جس کی زندگی کا سرمایہ تم ہو ادھارے سودے پر اس جہان میں کون دل لگائے جس کا اس آخرت میں نقد سودا تم ہو۔

تفسیر عالمانہ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اور وہ ذات جس سے میں طمع اور اُمید رکھتا ہوں اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۝ یہ کہ قیامت میں وہ گناہ بخش دے۔

سوال: جیسے سابقہ مضامین عزم بالجزم سے کہتے چلے آئے اس مقام پہ طمع یعنی صرف امید کے ساتھ مضمون کو ظاہر فرمایا۔

جواب: ادب کو ملحوظ رکھا ہے یا یہ سبق سکھایا ہے کہ انسان پر لازم ہے کہ وہ از خود ایسے احکام صادر نہ کرے بلکہ انھیں اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے خوف و رجا کے درمیان زندگی بسر کرے نیز اس طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ بڑا کریم ہے اس سے امید کی جائے تو کرم فرماتا ہے۔ اور خطا کو اپنی طرف منسوب فرمایا یہ آپ کی کسرِ نفسی اور تواضع ہے اور امت کو تعلیم ہے تاکہ گناہوں سے اجتناب کرے اور ہر وقت خوفِ الٰہی میں رہے اور اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی مغفرت کی طلب گاری میں گزارے اور آئندہ ہر صغیرہ و کبیرہ گناہ سے بچنے کی توفیق مانگے اور نیز اپنے ان خلافِ اولیٰ امور کی مغفرت چاہے جو اگر ہم جیسوں سے سرزد ہوں تو معمولی جرائم سمجھے جائیں لیکن وُہ اپنے لیے ہزاروں کبائر سے بھی بڑا جُرم سمجھتے ہیں۔ جیسے مشہور ہے،

حسنات الابرار سیئات المقربین۔

اور یہ بھی مشہور ہے،

درجاتھم درکات المقربین۔

یعنی ان (ابرار) کے درجات مقربین کے گرے ہوئے مراتب کی مانند ہیں۔

نکتہ: آیۃ میں خطیئۃ سے ابراہیم علیہ السلام کی اپنی خطا مراد نہیں بلکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کی خطا مراد ہے۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام نے حضور نبی پاک شہِ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کی خطاؤں کی مغفرت کی دعا فرمائی۔ (کذا فی التلخیص)

سوال: گناہ کی بخشش تو ہر وقت ضروری ہے خواہ دنیا میں ہو یا آخرت میں۔ لیکن ابراہیم علیہ السلام نے یوم الدین (قیامت) کے ساتھ معلق فرمایا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: چونکہ گناہوں کے اثرات اور ان کی جزا کا ترتب آخرت میں ہوگا اسی لیے یومِ آخرت سے خطرہ اور ڈر رہتا ہے اور یہی مطلب ہے ان کے اس قول کا:

ربّ اغفرلی ولوالدی وللمؤمنین یوم یقوم الحساب۔

(اے میرے پروردگار! مجھے بخش دے اور میرے والدین کو اور مومنین کو حساب کے دن)

حدیث شریف بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ابنِ جدعان زندگی بھر جاہلیت میں صلہ رحمی کرتا تھا اور غرباء و مساکین کو کھانا کھلاتا تھا کیا اسے یہ نیک عمل فائدہ دیگے؟

آپ نے فرمایا:

لا انہ لم یقل یوما رب اغفرلی خطیئتی یوم الدین۔

(نہیں اس لیے کہ اس نے زندگی میں ایسا لفظ (منہ سے) نہیں نکالا جس سے بخشش کی طلب کا مفہوم نکلتا ہو (یعنی کہتا) اے اللہ! حساب کے دن میرے گناہ بخش دے)

یعنی وہ کافر تھا اسے یومِ آخرت پر ایمان نہ تھا کیونکہ جو بھی یومِ آخرت کا اقرار کرتا ہے وُہ اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتا ہے، اسی لیے اسے ایمان کے بغیر عمل صالح کوئی فائدہ نہیں دے گا۔

ف: ابنِ جدعان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا چچا زاد تھا ابتدائی زندگی میں غریب اور مسکین تھا پھر اسے کہیں سے خزانہ مل گیا جس کی وجہ سے وُہ خوشحال ہوگیا اور غرباء و مساکین پر اسی خزانے سے خرچ کرتا تھا اور دوسرے امورِ خیر میں وافر حصہ لیتا تھا۔

نکتہ: ان امور میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم پر حجت قایم کی اور واضح فرمایا کہ جو یہ امور نہیں بجالاسکتا وہ الوہیتہ کے لائق نہیں۔

ربط: آیاتِ مذکورہ میں ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے الطاف و انعامات کا ذکر فرمانے کے بعد

marfat.ocm

اب اپنے مالک کے آگے مناجات کرتے ہیں۔ چنانچہ کہا:

رَبِّ اے میرے پروردگار! ھَبْ لِیْ حُکْمًا مجھے علم و عمل کا کمال عطا فرما تاکہ اس کی وجہ سے خلافت حق و ریاست خلق کی استعداد حاصل کر سکوں اس لیے کہ اگر کوئی علم تو رکھتا ہے لیکن اس پر عمل نہیں کرتا تو اسے حکیم نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اسے حکم حاصل ہے نہ حکمت وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ○ اور مجھے صالحین سے ملا دے اور ایسے علوم و اعمال و اخلاق کی دولت عطا فرما جس سے مجھے زمرۂ کاملین راسخین فی الصلاح میں داخل ہونا نصیب ہو اور کبائر و صغائر سے حاصل ہو یا یہ کہ مجھے اور انہیں بہشت میں جمع فرما۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی یہ دُعا قبول فرمائی۔ چنانچہ خود فرمایا:

و انه فی الآخرة من الصالحین۔

(اور بیشک وہ آخرت میں صالحین میں سے ہوں گے)

اور باقی ایسی بحث سورۂ کہف کے اواخر میں گزر گئی۔

وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ ○ اور آخر میں آنے والے لوگوں کے ہاں میری سچی شہرت بنا۔ یعنی ان کے ہاں دنیا میں میری اچھی شہرت اور قیامت میں چرچا ہو۔

قبولیتِ دُعا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دُعا یوں قبول ہوئی کہ ہر نبی علیہ السلام کی ہر امت کا ہر فرد اس کا ثناخوان اور محب رہا۔ مثلاً یہی تادمِ زیست آپ ذی جاہ رہے اور بعد میں آپ کا ذکر حسنِ ثنا سے ہوتا رہا۔

خلاصہ یہ کہ آپ نے دُعا مانگی کہ آنے والے لوگوں کی زبانوں پر میرا ذکر خیر سے ہو۔ یعنی ان کی زبانوں پر میری تعریف جاری فرما اور ان کی آپس کی گفتگو میں میری مدح و ثنا جاری ہو۔

ف: فی الآخرین سے آپ کے بعد آنے والی امتیں مراد ہیں۔

سوال: حسنِ ثناء اور قبولِ عام کو زبان سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے؟

جواب: چونکہ حسنِ ثنا اور قبول کا اظہار و انتشار زبان سے ہوتا ہے اسی لیے زبان سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ف: کسی کام کرنے کے بعد اچھا چرچا اور حسنِ قبول بھی ایک عظیم دولت ہے اور یہ بھی منجملہ رضائے الٰہی اور قبولیت عنداللہ کی دلیل ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جس بندے سے محبت کرتا ہے زمین و آسمان والوں کے دلوں میں اس کی محبت القاء فرماتا ہے اسی لیے اس بندۂ خدا کے ساتھ تمام مخلوق پیار کرتی ہے یہاں تک کہ مچھلیاں پانی میں اور پرندے ہوا میں اس سے پیار کرتے ہیں۔

(یہی ہمارے مسلک اہلِ سنت کی روشن دلیل ہے کہ ہم نے اہلِ مزارات کے ساتھ محبت میں خلقِ خدا کا

دیوانہ پایا، روکنے کے باوجود رکنے کو نہیں آتی۔ ہم نے مزارات پر حاضری دینے والے نہ صرف انسانوں بلکہ حیوانوں کو سر جھکاتے دیکھا اور درندوں اور پرندوں کو وارفتہ پایا۔ ایسا بھی دیکھا کہ سیلاب کے پانی نے بڑی بڑی عمارات کو منہدم کر ڈالا لیکن مزارات جُوں کے توں کھڑے رہے[1]

اُمتِ محمدیہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم حضرت ابن عطأ رحمہ اللّٰہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ اے پروردگار! میرا ذکر اور مدح و ثنا امتِ محمدیہ کی زبانوں پر جاری فرما اور امتِ محمدیہ کو میری نیک نامی کا گواہ بنا کیونکہ تُو نے اسے اپنا مقبول گواہ مقرر فرمایا ہے۔

ف : حضرت سہل رضی اللّٰہ عنہ نے کہا،

"اے اللّٰہ! مجھے تمام اُمتوں اور تمام ملّتوں کی نیک نامی کی ثنا کیا ہوا بنا۔" وہ اس لیے کہ بات فعلِ جمیل اور خلقِ حسن اور نرمی برتنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اور یہی لسانِ صدق کے اسباب ہیں اور اسی کی ہی آنے والی نسلیں اتباع کریں گی پھر ان کے عمل پر بوجہِ اقتدار اسے بھی اجر و ثواب حاصل ہوگا۔

وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ ۝ اور مجھے جنت نعیم کے ورثا سے بنا۔

نکتہ : بہشت کو مالِ موروث سے تشبیہ دینے میں اشارہ ہے کہ جس طرح مورث کے مرنے کے بعد وارث کو مال ملتا ہے ایسے ہی عامل اپنے عمل کو مٹا لیتا ہے یعنی نہ ہونے کے برابر سمجھ کر محض فضلِ ربانی سے بہشت کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ اب یہ معنی ہوا کہ اے اللّٰہ! مجھے بہشت کے مستحقین اور متمتعین سے بنا جیسے وارث مورث کے مال کا مالک بن کر مال سے نفع اٹھاتا ہے۔ جنت النعیم یعنے وُہ باغ جو ہر قسم کی نعمتوں سے بھرپور ہو۔

مسئلہ : اس میں اشارہ ہے کہ جنت کی طلب طلبِ حق کے منافی نہیں بلکہ ترکِ طلب ربوبیت کے ساتھ بغاوت ہے۔

نکتہ : بعض اکابر فرماتے ہیں کہ اللّٰہ تعالیٰ محبوب لنفسہٖ ہے اور اس کی عطا محبوب لغیرہٖ کہ ہم اس لیے اس سے محبت کرتے ہیں کہ وُہ محبوب کی عطا ہے۔ اس معنی پر ہمیں دو قسم کی محبت نصیب ہُوئی براہِ راست ذاتِ حق سے اور بالواسطہ اس کی عطا سے اور یہ دونوں بھی اسی کی ذات کی وجہ سے نہ کہ اس کے غیر کی وجہ سے۔ کیونکہ اس سے محبت ہے تو اس کی ذات کی وجہ اور عطأ سے بایں معنی کہ یہ اس کی ایک صفت اور یہ بھی حبِ ذاتی ہوئی۔ اس اعتبار سے یہ ایک محبت ہُوئی نہ کہ دو۔ ہاں اگر اسے متعدد کہا جائے تو یُوں کہا جائے گا کہ تعدد اس کے فروع سے ہے جیسا کہ جمع اور وحدت کا تقاضا اور فرق و کثرت کا موجب ہے۔ اس لحاظ سے ہمارا ان سے محبت کرنا جمیع انبیاء کے

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

مقام میں ہوگا کیونکہ یہ مقام اعتدال ہے نہ کہ فقط مرتبۂ فرق وجمع میں۔ (یہی تقریر انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی محبت کے متعلق ہوگی)

وَاغْفِرْ لِاَبِیْٓ اور میرے چچا کو بخش دے۔ مغفرت ایمان سے مشروط ہے۔ مشروط کی طلب شرط طلب کو متضمن ہے۔ اس تقریر پر زندہ مشرکین کے لیے مغفرت سے ان کے لیے توفیق اور ہدایت ایمان کی طلب مراد ہے۔ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ ۝ اس لیے کہ گمراہوں سے ہے یعنی طریقِ حق سے بھٹکا ہوا ہے۔

ازالۂ وہم : یہ دعا اس سے پہلے کی ہے جب ظاہر ہو گیا کہ یہ اللہ کا دشمن ہے (پھر ابراہیم علیہ السلام نے اس کے لیے دُعا نہیں مانگی) جیسا کہ سورۃ توبہ میں گزرا۔

حدیث شریف حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بھی گھر سے کامل وضو کر کے مسجد کو روانہ ہو اور گھر سے نکلتے وقت کہا،

بسم الله الذی خلقنی فهو یهدین الا هداه الله لصواب الاعمال والذی هو یطعمنی ویسقین الا اطعمه الله من طعام الجنة وسقاه من شرابها واذا مرضت فهو یشفین الا شفاه الله تعالیٰ والذی یمیتنی ثم یحیین الا احیاه الله حیاة الشهداء و اماته میتة الشهداء والذی اطمع ان یغفر لی خطیئتی یوم الدین الا غفر الله خطایاه ولو کانت اکثر من زبد البحر رب هب لی حکما والحقنی بالصالحین الا وهب له حکما والحقه بصالح من مضی وصالح من بقی واجعل لی لسان صدق فی الآخرین الا کتب عند الله صدیقا واجعلنی من ورثة جنة النعیم الا جعل الله له القصور والمنازل فی الجنة۔

(اس اللہ کے نام سے جس نے مجھے پیدا کیا اسے (مندرج) فوائد نصیب ہوں گے :

(۱) صواب اعمال کی ہدایت

(۲) جنت کا طعام و شرابِ طہورا

(۳) بیماریوں سے شفاء

(۴) شہداء کی زندگی اور موت

(۵) گناہوں کی بخشش ، خواہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔

(۶) حکمرانی نصیب ہوگی اور گزشتہ نیکوں اور صالحین کی رفاقت نصیب ہوگی۔

(۷) اللہ تعالیٰ کے ہاں صدیق لکھا جائے گا۔

(۸) جنّت میں اونچی منازل اور بہترین عمارت حاصل ہوگی۔)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ ان الفاظ پر ذیل کے الفاظ کا اضافہ کرتے :

واغفر لوالدی کما ربیانی صغیرا۔ (کذا فی کشف الاسرار)

(اور میرے ماں باپ کو بخش جیسے انہوں نے مجھے بچپن میں پالا)

وَلَا تُخْزِنِیْ (اور مجھے رسوا نہ کرنا)

حلِ لغات : الخزی بمعنے ذلّت وخواری۔

یعنی اور مجھے رُسوا نہ کرنا اور نہ ہی میری پردہ دری کرنا اور نہ مجھے میری کوتاہی پر عتاب کرنا۔

سوال : ابراہیم علیہ السلام کو جب معلوم تھا کہ ان کی قیامت میں رُسوائی نہیں ہوگی تو پھر ایسی دعا کیوں مانگی ؟

جواب : انبیاء علیہم السلام کی عادت ہے کہ اپنی عبودیت کے اظہار کے لیے ایسی دُعائیں مانگتے ہیں اور دوسروں کو سکھاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں یُونہی عجز و انکساری کا اظہار کیا جاتا ہے جیسا کہ کاشفی مرحوم نے لکھا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اُمتوں کی تعلیم کے لیے ایسی دُعا مانگی تھی ورنہ انبیاء علیہم السلام کی رسوائی نہیں ہوگی۔

ف : اس سے شوم بختوں کو حیاء و شرم کرنی چاہیے جو انبیاء علیہم السلام کے ایسے مقامات کو دیکھ کر اپنے اوپر قیاس کر کے کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام سے بھی غلطیاں سرزد ہوتی ہیں جن کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی کوتاہی کا اعتراف کر کے دُعائیں مانگتے ہیں وغیرہ۔

نکتہ : انبیاء علیہم السلام سوءِ خاتمہ سے محفوظ ہوتے ہیں اسی لیے ہم نے یہ تقریر لکھی ہے (لیکن بعض بدبختوں نے اپنی کتابوں براہین قاطعہ اور تقویۃ الایمان میں لکھ دیا کہ نبی علیہ السلام کو اپنے خاتمے کا علم نہ تھا۔ معاذاللہ)[1]

ف : جبکہ خطاؤں کی مغفرت والذی اطمع میں ترک معاتبہ کو مستلزم نہیں اسی لیے دُعا میں ترک معاتبہ کا ذکر علیحدہ کیا۔

یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ ۝ اس دن کہ قبور سے تمام لوگوں کو اٹھایا جائے گا۔

سوال : تم نے تمام لوگوں کا معنی کہاں سے نکال لیا ؟

جواب : اس کے عموم کا تقاضا یہی ہے کہ اس میں لفظ کافۃ مقدر ہو۔

سوال : قیامت میں رسوائی کے اظہار کی تخصیص کیوں ؟

جواب : چونکہ دنیا ستر پوشی کا مقام ہے اسی لیے صرف قیامت کے ساتھ اظہار خزی مخصوص ہوگیا۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

ربط: ابو اللیث رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہاں پر ابراہیم علیہ السلام کی گفتگو کے اختتام کے بعد قیامت کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں۔

چنانچہ فرمایا یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۝ اس دن نہ مال نفع دے گا نہ اولاد۔ یہ یوم یبعثون سے بدل اور فعل محذوف کا مفعول ہے۔ اصل عبارت یوں ہے: لاینفع مال احدا الخ کسی کو مال نفع نہ دے گا اگرچہ اسے نیکی اور خیرات میں خرچ کیا ہوگا اور ایسے ہی اولاد سے بھی کچھ حاصل نہ ہوگا اگرچہ وہ سب کے سب نیک اور واقی شفاعت ہوں گے اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ۝ یہ مفعول محذوف سے بدل ہے۔ دراصل عبارت یوں ہے: الا مخلص سلیم القلب من مرض الکفر و النفاق ضرورۃ اشتراط نفع کل منہما بالایمان۔ (مگر وہ جس کا قلب کفر و نفاق کے مرض سے مخلص ہوگا، کیونکہ ہر نفع مشروط بالایمان ہے)

ف: کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ یہاں پر قلب بمعنے نفس ہے یعنی وہ نفس جو کفر و معاصی سے صحیح و سالم ہے۔

سوال: گناہوں کا تعلق تو اعضا سے ہوتا ہے لیکن یہاں پر ان کا تعلق قلب کے ساتھ بتایا گیا ہے۔

جواب: چونکہ تمام اعضا قلب کے تابع ہیں یہی وجہ ہے کہ اگر قلب صحیح ہو تو اعضا بھی برائی نہیں کرتے اور اگر قلب میں فساد ہو تو اعضاء برائیوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے:

ان فی جسد ابن آدم لمضغۃ اذا اصلحت صلح لہا سائر الجسد و اذا فسدت فسد لہا سائر الجسد الا وھی القلب۔

(ابنِ آدم کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے اگر وہ صحیح ہو تو تمام جسم صحیح ہوگا اگر وہ فاسد ہوگا تو تمام جسم میں فساد ہوگا، خبردار وہ ٹکڑا قلب ہے)

ازالۂ وہم وہابیہ (اس آیت سے وہابیہ نے عدمِ شفاعت کا استدلال کیا ہے لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ)

یہ آیت کفار و مشرکین کے رد میں ہے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ چونکہ ان کا مال اور اولاد بکثرت ہے قیامت کے روز ان کے کام آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں فرمایا کہ نہ انھیں مال نفع دے گا نہ اولاد۔ اہلِ ایمان و اسلام کو قیامت میں ان کی نیکی اور خیرات فائدہ دے گی۔ ان کا خیال تھا کہ ایسے ہی ان کی اولاد بھی انھیں نفع پہنچائے گی۔

استدلالِ اہلسنت قیامت میں مال و اولاد کا فائدہ پہنچنا ظاہر ہے کیونکہ خیرات و صدقات راہِ خدا میں مال لٹانے کا نام ہے اور اس کا اجر و ثواب ملے گا اور اس کے عوض بہشت

ملے گی۔ اس معنی پر بندے کو مال نے نفع دیا اور اولاد کا نفع دینا حدیث شریف کے مضمون ذیل سے واضح ہے۔ وہ یہ کہ جو اولاد اس کی موجودگی میں مرجاتی ہے وہ اس کے لیے اجر اور ذخیرۂ عقبیٰ بن جاتی ہے اور اگر وہ خود مرجائے اور اپنے پیچھے اولاد چھوڑ جائے تو اس کی اولاد اگر اسے نیک دعاؤں سے یاد کرتی ہے تو اس سے بھی اس کی شفاعت متوقع ہوتی ہے۔

قلبِ سلیم کے معانی

○ حضرت ابوالقاسم حکیم رحمہ اللہ سے قلبِ سلیم کے متعلق سوال ہوا تو فرمایا قلبِ سلیم کی تین نشانیاں ہیں:

(۱) کسی کو ایذا نہ دے۔

(۲) کسی سے ایذا محسوس نہ کرے۔

(۳) جس کے ساتھ احسان کرے اس سے مکافاتِ عمل کی توقع نہ رکھے۔

اس لیے ایذا نہ دینا ورع اور پرہیزگاری کا موجب بنے گا اور کسی سے ایذا نہ پانا وفا لائے گا۔ احسان کرنے پر بدلہ کی امید نہ رکھنا اخلاص لاتا ہے۔

○ کاشفی مرحوم نے لکھا کہ اہلِ تصوّف نے فرمایا کہ سلامت قلب کا مطلب یہ ہے کہ مومن کلمۂ اسلام لا اِلٰہ اِلّا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دینے میں مخلص ہو۔

○ بعض نے کہا کہ قلبِ سلیم کا معنیٰ یہ ہے کہ دل حُبِ دنیا سے خالی ہو۔

○ بعض نے کہا کہ اسے حسد و خیانت سے دُور رکھا جائے۔

اہلِ بیت وازواج واصحاب رضی اللہ عنہم اجمعین

○ تیسیر (تفسیر) میں ہے کہ قلبِ سلیم یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اہلبیت و ازواجِ مطہرات واصحابِ کرام سے بغض سے دل کو پاک وصاف رکھا جائے۔

○ امام قشیری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ قلبِ سلیم یہ ہے کہ دل از غیرِ خدا یعنی طمعِ دنیا و رجائے عقبیٰ سے خالی ہو یا بدعت سے خالی اور سنّتِ رسول سے مطمئن ہو۔

○ حضرت سید الطائفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سلیم اس شخص کو کہتے ہیں کہ جسے ایسا سانپ ڈسے کہ جس کے ڈسنے سے ایسی بیقراری اور اضطراب پیدا ہو کہ اسے لمحہ بھر بھی قرار نہ ملے۔ ایسے ہی سلیم وہ قلب ہے جو دائماً جزع و فزع اور تضرع وزاری میں ہو اور اس سے بیقرار ہو کہ شاید وصال کی گھڑی سے ہجر و فراق دُور ہو جائے۔

زشوقِ وصل می نالم وگر دستم دہد روزے
زبیم ہجر می گریم کہ ناگہ در کمیں باشد

marfat.ocm

ہمام از گریۂ خونیں و سوزِ دل مکن چندیں
ندانستی کہ حال عشقبازاں ایں چنیں باشد

ترجمہ ، شوق وصال سے اس لیے روتا ہوں کہ شاید کبھی نصیب ہو تو پھر ہجر و فراق نہ آجائے خون کے آنسو اور سوزِ دل کا غم مت کھا اس لیے کہ عاشقوں کا یہی حال ہوتا ہے ۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

محنت قرب ز بعد افزونست
جگر از محنت مرہم خونست
ہست در قرب ہمہ بیم زوال
نیست در بعد جز امید وصال

ترجمہ ، قرب و بُعد کا درد بہت ہے جگر ہر قسم کے درد سے پُر ہے قرب میں زوال کا خوف ہے اور بُعد و فراق میں امیدِ وصال کے سوا کیا ہے ۔

تفسیر صوفیانہ بحر (تفسیر) میں ہے کہ قبول فیض الٰہی کے لیے حضرت حق کے وصول کے لیے نہ مال نفع دیتا ہے نہ اولاد ۔ مگر اس کو ، جو مراقبہ کے وقت اللہ تعالیٰ کے ہاں قلب سلیم لائے ۔ اور قلبِ سلیم وہ ہے جو مزاج اصلی کے انحراف سے سالم ہو ۔ مزاج اصلی سے وہ فطرتِ انسانی مراد ہے جس پر انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا کیونکہ وہ کیفیت شیشے کی طرح ہے جسے اللہ تعالیٰ نے انسان میں تجلی صفات جمال و جلال کے قابل بنایا ہے ۔ جیسے آدم علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے اول فطرت میں قبل از تعلق کونین سے پیدا فرمایا تھا ۔ الا من اتی الخ تخلق باللہ و اتصاف بصفۃ الٰہیہ کی طرف اشارہ ہے ۔ جب قلبِ سلیم بلا عیب نہ ہو تو نقصان ہے فائدہ اس وقت ہے جب وہ قلب متصف بطہارۃ قدس الحق ہو کہ اس کی نظر خلق پر بالکل نہ رہے ۔

قلبِ سلیم کے مزید معانی ○ حضرت ابن عطاؒ رحمہ اللہ نے فرمایا ، قلبِ سلیم وہ ہے جسے آفات کی کوئی شے تشویش میں نہ ڈالے ۔

○ کسی سے سلامت صدر کے متعلق سوال ہوا تو انہوں نے فرمایا ، قلبِ سلیم یہ ہے کہ انسان حد یقین پر ہو اور اس کے دل سے تلوین و تمکین کے ارادے اور خیالات بالکل مٹ جائیں ۔

○ حضرت ابو یزید رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں مفاوز یعنی جنگلات طے کر کے بوادی تک پہنچا پھر ان کو طے کرتا ہوا ملکوت تک پہنچا ملکوت کو طے کر کے ملک (بفتح المیم وکسر اللام) کے ہاں حاضر ہو کر عرض کی اس کا مجھے انعام عطا ہو ۔ فرمایا جتنی منازل طے کر لی ہیں یہ سب میں نے تجھے انعام میں دیں ۔ میں نے عرض کی : میں نے

ان کو دیکھا تک نہیں۔ فرمایا تو پھر کیا چاہتا ہے۔
کہا میں چاہتا ہوں کہ میرا کوئی ارادہ نہ ہو۔ یعنی فنا چاہتا ہوں۔ فرمایا: میں نے وہی تمہیں بخشا۔

تفسیر عالمانہ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ○ اس کا عطف لا ینفع پر ہے۔
سوال: ماضی کا مضارع پر عطف کیوں؟

جواب: تاکہ تحقق وقوع پر دال ہو جیسے مضارع میں استمرار نفع مال و اولاد کی دلالت ہے۔ یعنی جو لوگ کفر و معاصی سے دنیا میں محفوظ رہے بہشت ان کے اتنی قریب لائی جائے گی کہ وہ اسے موقف (محشر کے میدان) میں دیکھیں گے اور ان کے اندر نعمتوں اور لذتوں سے خوش ہوں گے کہ ابھی ہم اس میں داخل ہونے والے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ البحر (تفسیر) میں ہے کہ بہشت ان کے قریب لائی جائے گی کیونکہ وہ قبل ازیں اس سے دور تھے۔ اس لیے کہ اس مقام پر انہیں قربِ الٰہی نصیب ہوگا۔

تفسیر عالمانہ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ○ اور جہنم ان گمراہوں کے سامنے لائی جائے گی جو طریقِ حق سے بھٹک گئے اور طریقِ حق سے ایمان اور تقویٰ مراد ہے۔ یعنی دوزخ ان کی نظروں کے سامنے آئے گی اس کے اندر جو عذاب کے سامان ہیں وہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے اور انہیں یقین ہوگا کہ ابھی وہ اس میں ڈالے جائیں گے اور بچنا مشکل ہے اس سے غم زدہ ہو جائیں گے۔

نکتہ: دو مختلف فعل لائے گئے تاکہ جانب وعد کو ترجیح ہو اس لیے کہ تبریز تقریب کو مستلزم نہیں۔

نکتہ: بہشت کی تقدیم میں سبقت رحمت بر غضب کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ البحر میں ہے دوزخ اس لیے ظاہر کی گئی کہ دنیا میں ان کی توجہ اس طرف تھی کیونکہ وہ ہمیشہ شہوات کی طلب میں مبتلا رہے اور دوزخ کو شہوات نے گھیرا ہوا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

حفت الجنة بمکروها تنا
حفت النیران من شهوا تنا

ترجمہ: بہشت کو تکالیف نے گھیرا ہوا ہے تو دوزخ کو شہوات نے۔

یعنی بہشت کے ارد گرد وہ امور ہیں جو ہمارے نزدیک مکروہ ہیں اور دوزخ وہ امور گھیرے ہوئے ہیں جو ہمیں مرغوب ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَقِيْلَ لَهُمْ اور قیامت میں گمراہوں کو زجر و توبیخ کے طور کہا جائے گا اور انہیں کہنے والے فرشتے ہوں گے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کے حکم سے کہیں گے اَيْنَمَا كُنْتُمْ دنیا میں تَعْبُدُوْنَ ○ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے سوا تم کس کی عبادت کرتے تھے

marfat.ocm

یعنی اب وہ تمہارے معبود کہاں ہیں جن کی تم دنیا میں اس لیے پرستش کرتے تھے کہ وہ قیامت میں تمہاری سفارش کریں گے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہیں مقرب بنائیں گے۔ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ کیا تم سے عذابِ الٰہی دفع کر کے وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ○ یا اپنے سے عذاب دفع کر سکیں گے۔

ف: افتعال کا باب یہاں پر فعل کے تابع ہے۔

حلِ لغات: کشف الاسرار میں ہے کہ غیر سے شر و سوء دفع کرنے پر مدد کا نام نصر ہے اور اپنے سے شر و سوء دفع کرنے کو انتصار کہا جاتا ہے۔

سوال: ینصرون کے بعد ینتصرون کیوں؟

جواب: انتصار کا رتبہ نصر کے بعد ہے اس لیے کہ جو دوسرے کی مدد کر سکتا ہے وہ بطریقِ اولیٰ اپنی بھی کر سکتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے جو دوسروں کی مدد نہیں کرتا اس کی مدد کی جاتی ہے۔

ف: ابراہیم علیہ السلام کا سوال تقریع و تبکیت کا ہے اسی لیے اس سوال کے جواب کی ضرورت ہے۔ اسی لیے کہا گیا فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا۔

حلِ لغات: کبکبہ بمعنے عاجز کر کے اوندھا کرنا۔ کسی شے کا نیچے کی طرف گرنا۔ الکب کا تکرار ہے، بمعنے نیچے کو گرنا یا گرانا۔ تکرارِ لفظ تکرارِ معنیٰ پر دلالت کرتا ہے۔ یہ کبّ کا تکرار ہے اسے تفعیل کے باب میں لایا گیا۔ یعنی عین کو مکرر کیا گیا ہے۔ گویا کبکبوا دراصل کببوا تھا تین باآت کے اجتماع سے ثقالت پیدا ہو گئی تو دوسری باء کو کاف سے تبدیل کیا گیا جیسے زحزح دراصل زحح تھا۔ زحہ یزحہ سے ہے بمعنے کسی کو اپنی جگہ سے ہٹانا۔ پھر اسے باب تفعیل پر لایا گیا پھر دوسری حاء کو زاء سے تبدیل کیا گیا زحزحہ ہوا بمعنے باعدہ یعنی اس نے دور کیا۔

اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ وہ جہنم میں بار بار سر کے بل اوندھے گرائے جائیں گے یہاں تک کہ جہنم کے گہرے گڑھے میں جا پہنچیں گے۔ هُمْ ان کے معبود وَالْغَاوٗنَ ○ اور تمام گمراہ جو ان کی پرستش کرتے تھے۔ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اور ابلیس کا لشکر اور اس کی ذریت جو انہیں گمراہ کرتی اور ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالتی اور انہیں بت پرستی پر ابھارتی اور ان سے کفر کے جملہ طریقوں اور جرائم و معاصی کا ارتکاب کراتی تو وہ سب کے سب جہنم میں اکٹھے جائیں گے جیسے وہ دنیا میں ان برائیوں میں اکٹھے تھے اَجْمَعُوْنَ ○ ان کے ضمائر ان کے معطوف علیہ کی تاکید ہے قَالُوْا یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے یعنی جب بت کے پجاریوں کو سزا مذکور میں مبتلا کیا جائے گا تو وہ اپنے جرائم کا اعتراف کرتے ہوئے کہیں گے وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ○ حالانکہ وہ جہنم میں جھگڑیں گے یعنی جہنم میں اپنے معبودوں سے گفتگو کریں گے بایں معنی کہ انہیں اللہ تعالیٰ گفتگو کی

طاقت پیدا فرمائے گا اور سمجھ بھی دے گا کہ انہیں کفار کیا کہہ رہے ہیں تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ ان مخففہ ہے لام فرق بتانے والا ہے کہ ان ثقیلہ ہے نافیہ نہیں یعنی بخدا شان یہ ہے کہ ایسی روشن گمراہی میں تھے جس میں کسی قسم کا خفا نہ تھا اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ظرف ہے اس لیے کہ وہ روشن گمراہی میں تھے اور مضارع کا صیغہ اس لیے ہے تاکہ ماضی کا واقعہ سامنے آجائے۔ اب معنی یہ ہوا کہ ہم نہایت فاحش گمراہی میں تھے جبکہ ہم تمہیں عبادت کے استحقاق میں رب العالمین کے برابر سمجھتے تھے حالانکہ تم اس کی ادنیٰ اور ذلیل اور عاجز ترین مخلوق تھے وَمَآ اَضَلَّنَآ اور ہمیں گمراہی کی دعوت نہیں دی اِلَّا الْمُجْرِمِيْنَ ۝ مگر مجرموں نے یعنی ہمارے بڑے سرداروں اور لیڈروں نے، جیسا کہ دوسری آیت میں ہے،

ربنا انا اطعنا سادتنا وکبراءنا۔

(اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی اطاعت کی)

حلِ لغات: جرم کا اصل معنی ہے درخت سے پھل کاٹنا۔ اور الجرامۃ بمعنے ردی کھجور۔ اور اجرم بمعنے صار ذا جرم۔ جیسے اُتمر و اُلبن بمعنے صار ذا تمر و لبن یعنی صاحب تمر و لبن ہوگیا ایسے ہی اجرم بمعنے صاحبِ جرم ہوگیا۔ اب استعارۃً اس شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے جو ناپسند کام کا مرتکب ہوا ہے اچھے کام کے لیے کبھی استعمال نہیں کیا جائے گا۔

فَمَا لَنَا تو نہیں ہیں ہمارے لیے مِنْ شَافِعِيْنَ ۝ کوئی سفارش کرنے والے، جیسا کہ اہلِ ایمان سفارش کرنے والے ملائکہ و انبیاء علیہم السلام ہیں وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ۝ اور نہ کوئی شفیق دوست ہے جیسے اہلِ ایمان ایک دوسرے کے سچے دوست ہیں۔

حلِ لغات : الصدیق وہ ہے جو کسی کے ساتھ سچائی رکھتا ہو۔ اور حمیم انسان کے خاص قریبی عزیز کو کہا جاتا ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں: حامۃ الرجل بمعنے خاصتہ۔ (کذا فی فتح الرحمٰن)

امام راغب فرماتے ہیں، حمیم بمعنے القریب المشفق، اس لیے کہ جو اپنے عزیزوں کے لیے حمایت یقینی کا دم بھرے وہی درحقیقت دوستی کا حقدار ہے اسی لیے خواص لوگوں کو حامہ کہا جاتا ہے۔

بعض نے کہا کہ الحامہ بمعنے العامہ ہے۔ جیسا کہ ہم نے لکھا کہ اہلِ عرب کہتے ہیں، احتم فلان لفلان (فلاں نے فلاں کے لیے پختہ ارادہ کیا) یہی وجہ ہے کہ یہ اُھتم سے بلیغ تر ہے، کیونکہ اھتمام احتمام میں پایا جاتا ہے۔

ف : جناب کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ قوت القلوب میں ہے کہ حمیم دراصل ھمیم تھا۔ ہاء کو حاء کے ساتھ تبدیل کیا گیا ہے اسی لیے ان کو آپس میں مخرج کا قرب ہے اور ھمیم از اھتمام مشتق ہے۔ چونکہ

marfat.ocm

حمیم کافروں کے مقابلہ میں اہتمام کرتا ہے اسی لیے اسے حمیم کہا جاتا ہے اور اس میں دوستی کا حق ادا کیا جاتا ہے۔

ف : شافعین، شافع کی جمع ہے۔ صیغہ جمع اس لیے لایا گیا ہے کہ عموماً سفارش کے لیے زیادہ آدمی جمع ہوتے ہیں جیسا کہ بادشاہوں کے غیظ و غضب کے وقت سفارشیوں کو دیکھا جاتا ہے۔ لیکن چونکہ سچے اور پکے دوست بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔ بلکہ اگر کہا جائے کہ وہ نہ ہونے کے برابر ہیں تو بجا ہے۔ چنانچہ صائب نے فرمایا : ؎

دریں قحط ہوا دری عجب دارم کہ خاکستر
کہ در ہنگام مردن چشم می پوشاند آتش را

ترجمہ : اس قحط سالی میں مجھے تعجب ہے کہ تو چاہتا ہے کہ آگ کی چنگاری ملے جبکہ راکھ پڑی ہے اور راکھ سے آگ خاک حاصل ہو گی !

کوئی کام نہ آئے گا سوائے ولی اللہ کے

بعض اخبار میں ہے کہ قیامت میں ایک بندے کو حساب کے لیے لایا جائے گا حساب کے بعد اس کا عملنامہ نیکی و برائی میں برابر ہو گا اسے صرف ایک نیکی کی ضرورت ہو گی، اگر مل جائے گی تو اس کی نجات ہو سکے گی، اسے حکم ہو گا ایک نیکی لائیے تاکہ تمہیں بخشش نصیب ہو کیونکہ تیرے حقوق مانگنے والوں کو راضی کر دیا گیا ہے۔ ایک نیکی کی خاطر وہ شخص صفوں میں گھس کر اپنے ماں باپ سے ایک نیکی طلب کرے گا وہ جواب دے دیں گے۔ اس کے بعد دوستوں کے پاس جائے گا وہ بھی انکار کر دیں گے بلکہ کہیں گے کہ ہم خود ایک نیکی کے محتاج ہیں۔ واپس آئے گا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا : اے میرے بندے ! نیکی لایا ہے ؟ عرض کرے گا : یارب العالمین ! سب نے جواب دے دیا ہے۔ اللہ فرمائے گا : اگر انہوں نے جواب دے دیا ہے تو یاد کر کوئی میرا دوست بھی تیرا دوست تھا۔ عرض کرے گا : ہاں رب العالمین ! تیرے فلاں محبوب سے میرا تعلق تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا : اس کے پاس جاؤ۔ وہ بندہ اس محبوبِ خدا کے پاس جا کر ایک نیکی کا سوال کرے گا تو وہ بندۂ خدا اسے نیکی عطا فرمائے گا۔ وہ بندہ اللہ تعالیٰ کے ہاں واپس آ کر عرض کرے گا، یا اللہ ! میں نیکی لایا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا : میں اس کے اعمال میں کمی نہیں کرتا۔ جاؤ میں نے تمہیں اور اس نیکی دینے والے محبوب کو بخش دیا۔

ف : اس روایت سے ثابت ہوا کہ اللہ والوں کی محبت اور دوستی سے بہت زیادہ فوائد نصیب ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی دوستی اور محبت کا بہت بڑا مرتبہ ہے۔

نیک کا پیار فائدہ دے گا

حدیث شریف میں ہے :

ان الرجل لیقول فی الجنۃ ما فعل بصدیقی فلانٌ وصدیقہ فی الجحیم فیقول اللہ اخرجوا لہ صدیقہ الی الجنۃ۔

(بہشت میں پہنچ کر نیک آدمی پُوچھے گا میرا فلاں دوست کہاں ہے؟ وہ اس وقت دوزخ میں ہوگا۔ نیک آدمی کی وجہ سے اسے دوزخ سے نکالنے کا حکم ہوگا۔ چنانچہ اس نیک آدمی کے پیار کی وجہ سے اسے دوزخ سے نکال کر بہشت میں لایا جائے گا (اللہ تعالیٰ بہشت میں بھیجتے وقت نیک آدمی کو فرمائے گا) میں نے اسے تجھے ہبہ کیا۔

اللہ والوں سے تعلق اور نسبت پیدا کرنے کا حکم

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اہل ایمان اور نیک لوگوں کو زیادہ سے زیادہ دوست بناؤ کیونکہ قیامت میں انھیں شفاعت کی عام اجازت ہوگی۔

شفاعت کنندگان

حدیث شریف میں ہے:

ان الناس یمرون یوم القیامة علی الصراط والصراط دخص مزلة یتکفأ باھلہ والنار تاخذ منھم وان جھنم لتنطف علیھم۔

(لوگ پل صراط سے گزریں گے، پلصراط چونکہ ڈگمگانے کا مقام ہے اس لیے بعض لوگ جہنم کے اندر ہی گریں گے لیکن دوزخ بجائے جلانے کے ان پر برف برسائے گی)

یعنی اس وقت دوزخ آوازیں دے گی۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے پُوچھے گا، تم کس کی عبادت کرتے تھے؟ عرض کریں گے: یا اللہ! تمہیں زیادہ معلوم ہے کہ ہم سوائے تیرے اور کسی کو نہیں پُوجتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ایسی آواز دے گا کہ اس طرح کی آواز پہلے کسی نے نہیں سُنی ہوگی کہ آج میں تمہیں کسی کے سپرد نہیں کروں گا، سُن لو میں نے تمہیں بخش دیا اور تم سے راضی ہوں۔ اس وقت ملائکہ ان کی شفاعت کریں گے اور وہ وہاں سے نجات پاکر بہشت میں چلے جائیں گے ان کے دوسرے دوزخی ساتھی اسی جگہ کہیں گے فما لنا من شافعین الخ ہمارے سفارشی کوئی نہیں اور نہ ہی کوئی ہمارا سچا اور پکا دوست ہے۔

فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً۔ لو تمنائیہ ہے لیت کے قایم مقام ہے۔ کیونکہ یہ تقدیر کے معنی کے لیے آتا ہے گویا کہا گیا ہے کاش! ہمیں دنیا کی طرف لوٹنا ہوتا فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۝ تو ہم ہوتے اہل ایمان سے۔ نکون منصوب ہے اس لیے کہ تمنا کا جواب ہے اور یہ کلام ان سے افسوس اور حیرت سے ظاہر ہوگا۔ اور انھیں بالفرض دنیا کی طرف بھیجا بھی جاتا تب بھی وہ وہی عمل کرتے جن سے انھیں روکا گیا اس لیے کہ جسے خود اللہ تعالیٰ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ وہ اگرچہ دُنیا میں بار بار لوٹائے جاتے تب بھی وہ وہی برائیاں کرتے جو وہ پہلے دنیا میں کرتے تھے۔ دیکھیے دُنیا میں انہیں کئی بار دُکھ اور بیماریوں میں مبتلا کیا جاتا ہے نجات پانے کے بعد پھر اُسی طرح برائیوں کا ارتکاب کرتے ہیں جیسے پہلے کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں سے

marfat.ocm

بنائے ہوئے ہیں کہ جبرت حاصل کرتے ہیں۔ اُن سے نہ بنائے ہوئے ہیں کہ رُوگردانی کرتے اور غافل رہتے ہیں۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ بے شک ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی قوم کے مذکورہ قصہ میں لَاٰیَةً ؕ عبرت ہے اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی پرستش کرتا ہے تاکہ معلوم کر کے غیر اللہ سے بیزاری ہو اور آخرت کی طرف توجہ ہو۔ کیونکہ اسے غیر اللہ کی پرستش نفع نہ دے گی، بالخصوص وُہ اہلِ مکہ جو ملتِ ابراہیمی کے مدعی ہو کر غیر اللہ کی پرستش کرتے تھے وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ ابراہیم علیہ السلام کی اکثر قوم نہ تھی مُّؤْمِنِیْنَ ۝ قریش کی طرح اہلِ ایمان۔

الحجوبہ: مروی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام پر ماسوائے لُوط علیہ السلام اور نمرود کی لڑکی کے اور کوئی ایمان نہ لایا۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ اور بے شک وہ اللہ تعالیٰ مشرکین پر ایسا غالب ہے کہ اس کا غلبہ رد نہیں ہو سکتا الرَّحِیْمُ ۝ بخشنے والا ایسا کہ جو بندہ توبہ کرے اس کی توبہ رد نہیں فرماتا اور وُہ بلاوجہ کسی کو عذاب میں مبتلا نہیں فرماتا بلکہ مہلت دیتا ہے جیسے قریش کو بہت مہلت بخشی۔ کیونکہ اس کی رحمتِ واسعہ کا یہی تقاضا ہے صرف اس لیے کہ وُہ خود یا ان کی اولاد میں سے کوئی ایمان لائے۔ لیکن عمل کی جزا و سزا ضرور دے گا کیونکہ ہر عمل کی جزا و سزا ضروری ہے۔ اگر عمل نیک ہُوا تو نیک جزا نصیب ہو گی اگر عمل بُرا ہوا تو سزا پائے گا۔

ف: ممکن ہے کہ اکثرھم کی ضمیر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کی طرف راجع ہو اس لیے کہ یہ آیات ان کے سامنے پڑھی جاتیں تاکہ وُہ عبرت پکڑ کر ایمان لائیں۔ اسے تفصیل کے ساتھ پہلے بیان کیا گیا ہے۔

تفسیرِ صُوفیانہ بحر العلوم (تفسیر) میں ہے کہ نفس کی تخلیق صرف امّارۃ بالسوء کے لیے ہُوئی ہے یعنی اس کی فطرت کفر ہے اگر وہ ایمان لائے تو امّارہ کے بجائے مامورہ ہو جائے گا جو کہ وہ اس کی عادت ہے۔ ہماری اس تقریر پر وان النفس لامارۃ بالسوء الخ دلالت کرتا ہے یعنی ہے تو وُہ امّارہ لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل و کرم سے مامورہ و مومنہ ہو جائے گا جو اس کی طبع کے خلاف ہے، اسی لیے فرمایا وماکان اکثرھم مؤمنین یعنی اکثر اصحاب نفوس مومن نہیں وان ربك لھو العزیز اور بے شک تیرا رب اکثر مخلوق کو ایمان کی ہدایت نہیں دیتا چہ جائیکہ وُہ اپنی درگاہ تک پہنچائے الرحیم وُہ اپنی رحمت سے ہی سبیل الرشاد کی راہ دکھاتا ہے ان لوگوں کو جو اس کے لیے جد و جہد کرتے ہیں بلکہ اپنی بارگاہِ جلال تک ان کو بھی پہنچاتا ہے جو طالب صادق ہیں۔ اس سے ثابت ہُوا کہ اگرچہ ہدایت اس کی عنایت سے ہوتی ہے لیکن اسباب کا دامن پکڑنا ضروری ہے تاکہ رحمت کے دروازے مفتوح ہوں اور نفس کی امرِ الٰہی کی مخالفت پر ملامت کی جائے اور دُنیا میں ہی ایسے آداب بجا لانے چاہئیں جو کل آخرت میں فائدہ دیں۔ ورنہ آخرت میں تو کفار بھی اپنے آپ کو ملامت کریں گے کہ وہ ایمان نہ لائے

(باقی برصفحہ ۶۰۲)

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحِ ﹰالْمُرْسَلِينَ ﴿۱۰۵﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ
نوح کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا جب کہ ان سے ان

أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿۱۰۶﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿۱۰۷﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ ﴿۱۰۸﴾
کے ہم قوم نوح نے کہا کیا تم ڈرتے نہیں بے شک میں تمہارے لیے اللہ کا بھیجا ہوا امین ہوں تو اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو

وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّقُوا
اور میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہان کا رب ہے تو اللہ سے ڈرو

اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوا أَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْأَرْذَلُونَ ﴿۱۱۱﴾ قَالَ وَمَا عِلْمِي
اور میرا حکم مانو بولے کیا ہم تم پر ایمان لے آئیں اور تمہارے ساتھ کمینے ہوئے ہیں فرمایا مجھے کیا خبر ان کے

بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۱۲﴾ إِنْ حِسَابُهُمْ إِلَّا عَلٰى رَبِّي لَوْ تَشْعُرُونَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَا أَنَا
کام کیا ہیں ان کا حساب تو میرے رب ہی پر ہے اگر تمہیں حس ہو اور میں مسلمانوں

بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۴﴾ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿۱۱۵﴾ قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يٰنُوحُ
کو دور کرنے والا نہیں میں تو نہیں مگر صاف ڈر سنانے والا بولے اے نوح اگر تم باز نہ آئے تو ضرور

لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ ﴿۱۱۶﴾ قَالَ رَبِّ إِنَّ قَوْمِي كَذَّبُونِ ﴿۱۱۷﴾ فَافْتَحْ
سنگسار کیے جاؤ گے عرض کی اے میرے رب میری قوم نے مجھے جھٹلایا تو مجھ میں اور ان

بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَنَجِّنِي وَمَنْ مَعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۸﴾ فَأَنْجَيْنٰهُ
میں پورا فیصلہ کردے اور مجھے اور میرے ساتھ والے مسلمانوں کو نجات دے تو ہم نے بچا لیا اسے

وَمَنْ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ﴿۱۱۹﴾ ثُمَّ أَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبَاقِينَ ﴿۱۲۰﴾ إِنَّ فِي
اور اس کے ساتھ والوں کو بھری ہوئی کشتی میں پھر اس کے بعد ہم نے باقیوں کو ڈبو دیا بے شک اس

ذٰلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۲۱﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۱۲۲﴾
میں ضرور نشانی ہے اور ان میں اکثر مسلمان نہ تھے اور بے شک تمہارا رب ہی عزت والا مہربان ہے

(بقیہ صفحہ ۶۰۱) بلکہ اس وقت آرزو کریں گے کہ کاش انھیں پھر دنیا میں بھیج دیا جائے تاکہ ایمان لائیں اور

marfat.ocm

وہ اعمال کریں جو ان کے لیے مفید ہوں ؎

امروز قدر پند عـزیزان شناختیم
یارب روان ناصح ما از تو شاد باد

ترجمہ : آج ہی ہمیں عزیزوں کی نصیحت کا پتا چلا ہے اے رب میرے ناصح کی روح شاد باد ہو۔

دُعا : اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے غلبہ و قہر سے محفوظ رکھے اور اپنی رحمت میں جگہ دے اور دنیا و آخرت میں ہمیں اہلِ قبور سے بنائے کیونکہ وہی خیر کے امورِ باطنہ و ظاہرہ کی توفیق بخشنے والا ہے۔

(تفسیر آیات صفحہ گزشتہ)

تفسیر عالمانہ كَذَّبَتْ ہمیشہ تکذیب کی یعنی عمر بھر، جب سے نوح علیہ السلام کی دعوت کا پیام سُنا قَوْمُ نُوْحِ قوم مردوں اور عورتوں کی ملی جلی جماعت کو کہا جاتا ہے یا صرف مردوں کی جماعت کو قوم کہتے ہیں اور عورتیں اس میں تبعاً شامل ہوتی ہیں اور یہ صیغہ مونث ہے بدلیل تصغیر کے کہ وہ قویمۃ آتی ہے الْمُرْسَلِيْنَ ۝ صرف نوح علیہ السلام کی تکذیب کی، لیکن جمع کا صیغہ اس لیے ہے کہ ایک رسول کی تکذیب سے گویا سب کی تکذیب ہوئی کیونکہ اصول شرائع اور توحید پر سب کا اتفاق تھا، یا اس لیے کہ ایک رسول باقی تمام رسل علیہ السلام کی تصدیق کا حکم فرماتا ہے اِذْ قَالَ لَهُمْ۔ اذ تکذیب کی ظرف ہے اس لیے کہ زمان طویل کے لیے مستعمل ہے اَخُوْهُمْ اُن کے بھائی نے فرمایا اور نوح علیہ السلام ان کے نسباً بھائی تھے۔ یہ اس لیے ظاہر کیا گیا تاکہ یقین ہو کہ ان کا معاملہ کوئی ڈھکا چھپا تو ہے نہیں اسی لیے ان کے معاملۂ صدق و دیانت میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ اور دوسرا یہ کہ وہ اس کی زبان کو بھی جانتے تھے اس طرح سے ان کو دعوت کو قبول کرنا قریب الفہم تھا نُوْحٌ یہ اخوھم کا عطف بیان ہے اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ کیا تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے نہیں ہو کہ اس کی عبادت چھوڑ کر اس کے غیر کی پرستش میں لگے ہوئے ہو اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ بے شک میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول ہوں اَمِیْنٌ ۝ امانت دار مشہور ہوں، تمہیں میری امانت کا پورا یقین ہے اور جو دنیوی امور میں دیانت و امانت میں کمی نہیں کرتا تو پھر وحی و رسالت میں کس طرح کمی کر سکتا ہے فَاتَّقُوا اللّٰهَ تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو وَاَطِيْعُوْنِ ۝ اور میری اطاعت کرو اس بارہ میں کہ میں تمہیں توحید اور طاعتِ الٰہی کے متعلق حکم دیتا ہوں اس میں خیانت نہیں کرتا اور نہ ہی میرا کسی بُرائی کا ارادہ ہے۔ فاء ما بعد کو

امانت کے ساتھ ترتیب کے لیے ہے وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اور میں تم سے پیغام رسانی پر سوال نہیں کرتا مِنْ اَجْرٍ ۚ کسی مزدوری اور انعام کا۔ وہ اس لیے کہ جب رسل کرام علیہم السلام کا پیغام رسانیِ حق پر مزدوری و اجر نہ مانگنا ان کی تصدیق کے لیے پُر اثر ثابت ہوتا ہے تو دنیوی لالچ کی تہمت سے بھی ان کو بیزاری حاصل ہوتی ہے، اِنْ اَجْرِيَ میں جو عمل کرتا ہوں اس پر مجھے کوئی ثواب نہیں اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ مگر رب العلمین کے ہاں، کیونکہ جو بھی محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر عمل کرتا ہے وہ غیر اللہ سے اجر طلب نہیں کرتا۔

اہلِ علم کو سبق اس سے وُہ اہلِ علم سبق سیکھیں جو انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں وہ جو عمل اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لیے کریں اس پر اجر اور مزدوری انسانوں کی بجائے اللہ تعالیٰ سے طلب کریں، جیسے انبیاء علیہم السلام کا طریقہ تھا۔ انھیں ان کے طریقے اپنانے لازم ہیں۔ اشاعتِ علومِ اسلامیہ میں کسی سے کچھ نہ مانگیں وعظ و نصیحت کا فریضہ فی سبیل اللہ سر انجام دیں۔ جو عالمِ دین مسلمان سامعین سے علم کی اشاعت اور اپنی وعظ و نصیحت پر کسی قسم کا اجر اور انعام یا مفاد اٹھانا چاہتا ہے اس کے وعظ و نصیحت اور علم میں برکت نہیں ہوتی۔ ایسے عالم کو نہ کوئی اخروی فائدہ ہوگا نہ سامعین کو برکت نصیب ہوگی۔ بلکہ یوں سمجھو کہ یہ ایک قسم کی بیع و شرا ہے، تھوڑی سی قیمت پر بہت سے دینی سرمایہ کو ضائع کر دیا ہے۔

زیاں می کند مرد تفسیر دان
کہ علم و ادب می فروشد بنان

ترجمہ: وُہ تفسیر دان عالمِ دین بہت نقصان کر رہا ہے جو علم و ادب کو روٹی کے عوض بیچ رہا ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ تو اللہ تعالیٰ سے ڈر کر میری اطاعت کرو۔ فا ما بعد کو ان کے تنزہ عن الطمع کی ترتیب کے لیے لایا گیا ہے اور تکرار تاکید اور تنبیہ کے لیے ہے کہ دونوں یعنی امانت و قطعِ طمع ایجاب تقویٰ و طاعت میں ایک الگ مستقل باب ہے۔ پھر جب دونوں کا اجتماع ہو جائے تو اور فوقیت حاصل ہو جاتی ہے قَالُوْٓا نوح علیہ السلام کی قوم نے کہا اَنُؤْمِنُ لَكَ یہ استفہام انکاری ہے یعنی کیا ہم ایمان لائیں وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ۝ حالانکہ تیرے فرمانبردار تو وُہ ہیں جو نہایت ہی ادنیٰ مرتبہ رکھنے والے ہیں نہ ان کے ہاں مال و دولت ہے نہ عوام کی نظروں میں ان کی عزت۔ یہی تمہارا حال ہے جیسے تم کہتے ہو تو پھر ہم تمہاری کیا صحبت حاصل کریں۔ ارذلون ارذل کی جمع ہے اور رذالہ خساست اور دناوت اور ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جو طبع کو ناگوار ہو۔ کفار کی مراد یہ تھی کہ جب تک تیرے ہاں یہ رذیل لوگ ہوں گے ہم تیرے ہاں نہیں آ سکتے۔ کیونکہ ان لوگوں کا کوئی اعتبار نہیں اس لیے کہ نہ تو عقل کی طاقت رکھتے ہیں، نہ ہی فکر و سوچ کے لحاظ سے اچھے ہیں بلکہ یہ عامی فکر کے لوگ ہیں۔ یہ ان کافروں کی کم عقلی اور دنیاوی انہماک کا نتیجہ تھا اس لیے

marfat.ocm

کہ وہ برگزیدہ اسے سمجھتے تھے جو دنیاوی اسباب رکھتا تھا۔ جو دنیا و دولت نہ رکھتا وہ اسے رذیل خیال کرتے تھے حالانکہ یہ سراسر غلط ہے۔ ان احمقوں کو یہ خبر نہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا کی قدر و قیمت مکھی کے پر کے برابر بھی نہیں۔ ایسے ہی قریش کہا کرتے تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں غریب و مسکین حاضر ہونے لگے۔ حالانکہ ان کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ لوگ آخرت کی نعمتوں سے مالا مال ہیں اگرچہ دنیوی اسباب سے خالی ہیں۔ اسی طرح ہر نبی علیہ السلام کے متبعین کا حال رہا کہ اکثر مسکین و فقیر اور غریب لوگ ان کی اتباع کرتے رہے۔

ف : اولیاء اللہ (اور علمائے حق) کے متبعین کا بھی یہی حال ہے کہ چونکہ انھیں انبیاء علیہم السلام کی وراثت نصیب ہے اسی لیے ان کے متبعین کی طرح ان کے تابعدار بھی اکثر غریب و مسکین لوگ ہوتے ہیں۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ارباب جاہ و مال و اسباب بہت کم حقیقت شناس ہوتے ہیں ؎

دراں سرست بزرگی کہ نیست فکر بزرگی

ترجمہ : اسی سر کو بزرگی نصیب ہو گی جسے بزرگی کا تصور نہ ہو۔

قَالَ نوح علیہ السلام نے جواب میں فرمایا جب کافروں نے کہا کہ یہ لوگ نظر و بصیرت کے تحت ایمان نہیں لاتے **وَمَا عِلْمِیْ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ** ۝ اور وہ جو عمل کر رہے ہیں اس کا مجھے علم نہیں کہ وہ اخلاص سے عمل کر رہے ہیں یا منافقت سے۔ میرا کام تو یہ ہے کہ میں ان کے ظاہر کا اعتبار کروں اور ان کے باطن کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کروں مجھے ان کی تفتیش حال کا حکم نہیں اور ان کا دل چیرنا میرے ذمہ ہے۔

ف : ظاہر یہ ہے کہ ما استفہامیہ ہے بمعنے ای شئی ہے محلاً مرفوع علی الابتداء ہے اور علمی اس کی خبر ہے اور یہ نافیہ بھی ہو سکتا ہے اور باء کا تعلق علمی ہے یہ تقدیر اول پر ہے اور تقدیر ثانی پر خبر محذوف ہو گی تاکہ کلام مکمل ہو۔ جناب کاشفی مرحوم نے اس کا معنی یہ کیا کہ میرا علم وہاں نہیں پہنچا جو یہ عمل کر رہے ہیں **اِنْ حِسَابُهُمْ** ان کے باطن کا محاسبہ نہیں **اِلَّا عَلٰی رَبِّیْ** مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں، کیونکہ دل کی بات وہی جانتا ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

فاذا شہدوا ان لا الٰہ الا اللہ عصموا منی دماءھم واموالھم الا بحقہا وحسابہم علی اللہ۔

(جنہوں نے لا الٰہ الا اللہ (محمد رسول اللہ) کی گواہی دی انہوں نے اپنی جان اور مال کو محفوظ کر لیا اب ان کا حساب صرف اللہ تعالیٰ پر ہے) (وہ جیسے چاہے کرے)

ف : حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : ہم نہ زندوں کا محاسبہ کر سکتے ہیں اور نہ مُردوں کا کوئی فیصلہ کر سکتے ہیں۔

لَوْ تَشْعُرُوْنَ ○ اگر وہ اہلِ شعور وادراک سے ہیں تو وہ خود سمجھ جائیں گے۔ لیکن اے کافرو! تم جاہل ہو کہ ایسی باتیں کر رہے ہو جن کا تمہیں کوئی علم نہیں اور یہ باب اوّل سے ہے۔ اگر شعر بمعنے نظم ہو تو باب خامس سے ہے۔ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ میں اہلِ ایمان کو اپنے ہاں سے نہیں ہٹا سکتا الطرد بمعنے ازعاج والابعاد علیٰ سبیل الاستخلاف یعنی میں مومنوں کو ہٹانے والا نہیں ہوں۔ یہ انؤمن لک سے جو وہم پیدا ہوتا تھا اس کا جواب ہے یعنی کافرو! جو تم کہتے تھے کہ ہم اس وقت ایمان لائیں گے جب غریب لوگ تمہارے ہاں نہیں آئیں جائیں گے۔ نوح علیہ السلام نے ان کے جواب میں فرمایا: میں اہلِ ایمان کو اپنے سے دُور نہیں کر سکتا۔

ف: ابنِ عطاءؒ نے فرمایا کہ نوح علیہ السلام نے فرمایا: میں اس سے کیسے رُوگردانی کروں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف متوجہ ہے۔

اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ○ میں نہیں ہوں مگر ڈرسنانے والا یعنی میں نہیں مگر رسول یہ کہ لوگوں کو ڈرسناؤں اور انھیں کفر و معاصی سے روکوں خواہ وہ دنیادار ہوں یا غرباء، زیادہ عزت والے ہوں یا کم عزت والے۔ پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ دنیاداروں کی تابعداری کے خیال پر غریب تابعداروں کو اپنے سے ہٹادوں قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ کافروں نے کہا کہ اے نوح (علیہ السلام) اگر تم اس سے باز نہیں آتے جس کی ہمیں دعوت دیتے ہو اور خدا تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے ہو۔ الانتہاء بمعنے پیچھے ہٹنا۔

لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ○ تو ہو جاؤ گے مار کھانے والوں میں سے۔

حلِ لغات: المفردات میں ہے الرجام بمعنے پتھر۔ الرمی بمعنے پتھر مارنا۔ اہلِ عرب کہتے ہیں،

رجم فهو مرجوم۔

جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لتکونن من المرجومین۔ المرجومین یعنی المقتولین۔ یعنی وہ مقتول جسے نہایت قبیح کیفیت سے قتل کیا جائے، جسے ہمارے عرف میں سنگساری کہا جاتا ہے۔

ف: جب انہوں نے نُوح علیہ السلام کو یہ دھمکی دی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ذلیل وخوار کر کے تباہ وبرباد کر ڈالا۔ چنانچہ نوح علیہ السلام نے بارگاہِ حق میں عرض کی،

قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ ○ کہا اے میرے پروردگار! میری قوم نے مجھے جھٹلایا ہے۔ یعنی بہت عرصہ میں نے انہیں دعوتِ حق دی اس کے باوجود انہوں نے میری تکذیب کی ہے۔ یہی نہیں بلکہ مجھ سے دُور بھاگتے چلے جا رہے ہیں۔ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا اور ان کے مابین وہی فیصلہ فرما جس کے میں اور وہ مستحق ہیں۔

marfat.ocm

تفسیر صوفیانہ تاویلات میں لکھا ہے کہ ان کے اور میرے اوپر اپنے فضل و کرم سے ایک ایسا دروازہ کھول دے جس سے ہر ایک مستحق کو اس کا حق ملے، اور عدل و انصاف سے ہمارا فیصلہ فرما۔

حل لغات : افتح، الفتاحۃ سے ہے بمعنے الحکومۃ۔ الفتاح بمعنے الحاکم۔ اللہ تعالیٰ کو الفتاح اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ بڑی سے بڑی مشکل کو کھولتا ہے۔ جیسے الفصیل اسے کہا جاتا ہے جو ہر طرح کے فیصلے کرے۔

ف : ابن الشیخ نے لکھا کہ الحکم سے ان پر عذاب نازل کرنا مراد ہے۔ جیساکہ ان کے بعد کے قول سے معلوم ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ چنانچہ کہا وَنَجِّنِیْ اور مجھے نجات بخش وَمَنْ مَّعِیَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ اور انہیں جو میرے ساتھی اہلِ ایمان ہیں یعنی ہم سب کو عذاب اور کفار کے ایذأ سے نجات بخش دے فَاَنْجَیْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ تو پھر ہم نے انھیں اور ان کے ساتھیوں کو نجات دے دی، جیسا کہ انہوں نے دعا کی فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝ بھری ہوئی کشتی میں۔ یعنی ان کے ساتھی اہلِ ایمان اور دیگر وہ حیوانات جو ان کے ساتھ تھے اور ضرورت کے سامان اور کھانے پینے کی اشیأ سے کشتی بھری ہوئی تھی۔

حلِ لغات : الشحنأ بمعنے عداوت اسی سے ہے کہ وہ بھی غصہ والے انسان کے دل کو بھر دیتی ہے۔

ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ پھر ان کو نجات دینے کے بعد ہم نے غرق کر دیا الْبٰقِیْنَ ۝ نوح علیہ السلام کی وہ باقی قوم جو کشتی پر سوار نہ ہو سکی۔

ف : اس سے معلوم ہوا کہ نوح علیہ السلام تمام روئے زمین کے لوگوں کے لیے مبعوث ہوئے، اس لیے کہ ان کے لیے الباقین فرمایا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کے لیے فرمایا :

ثم اغرقنا الاٰخرین۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً بے شک اس میں آنے والی نسلوں کے لیے عبرت ہے یعنی نوح علیہ السلام کی قوم کی قبولِ حق سے روگردانی اور فقراء و مسلمین کی تحقیر کرنے والے لوگ عبرت حاصل کریں گے وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ اور نوح علیہ السلام کی قوم سے اکثر لوگ ایمان نہ لائے۔ مروی ہے کہ صرف اسی مرد اور عورتیں ایمان سے بہرہ ور ہوئے۔

کاشفی مرحوم نے لکھا کہ وہ کل اناسی تھے۔

ف : یا یہ حضور علیہ السلام کی قوم کے لیے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اے محبوب محمد صلی اللہ

علیہ وآلہٖ وسلم! آپ کی قوم قریش سے اکثر لوگ ایمان نہیں لائے۔ لہٰذا آپ نوح علیہ السلام کی طرح اپنی قوم کی ایذا و تکلیف سے صبر کیجئے۔ وہ بھی فتح یاب ہوئے آپ بھی فتحیاب ہوں گے ؂

کار تو از صبر نکو تر شود
ہر کہ شکیبا ست مظفر شود

ترجمہ: صبر سے تمہارا کام بہتر ہوگا کیونکہ جو صبر کرتا ہے وہ فتحیاب ہوتا ہے۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ اور بے شک تیرا پروردگار جن کافروں پر عذاب نازل کرنے کا ارادہ کرتا ہے وہ ایسا قادر غالب ہے کہ اپنے ارادہ کے مطابق کام کر گزرتا ہے الرَّحِيْمُ ۝ اور جو گناہوں سے توبہ کرے تو اس کے لیے رحیم ہے یا یہ کہ عذاب میں تاخیر کرنے میں رحیم ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہر قصہ میں ان فی ذلك لاٰیة ماکان اکثرھم مکرر لایا گیا ہے اس میں اشارہ ہے کہ اللہ کے نزدیک عزت واکرام کا مستحق وہی ہے جو ایمان کی دولت رکھتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم۔

(بے شک تمہارے خدا کے نزدیک مکرم تر وہ ہے جو پرہیزگار ہے)

اور اس میں شک نہیں کہ کمینے لوگ کثیر تعداد میں ہیں اور اہلِ کرم نہایت قلیل۔ کسی شاعر نے فرمایا: ؂

تعیرنا انا قلیل عدادنا
فقلت لہاان الکرام قلیل

ترجمہ: مجھے میری محبوبہ نے عار دلاتے ہوئے کہا کہ تم تو معدودے چند ہو۔ میں نے کہا اہلِ کرم ہمیشہ تھوڑے ہوتے ہیں۔

اسی لیے اس کے بعد فرمایا، ان ربك لعزیز یعنی اس کی طرف اربابِ نفوس کے ذلیل لوگ ہدایت نہیں پا سکتے بوجہ ان کی خساست کے، اور اللہ تعالیٰ کے عزیز ہونے کے بعد یعنی ان کے مابین تضاد ہے پھر ہدایت کیسی۔ الرحیم وہ اپنی رحمت سے اربابِ قلوب میں سے جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے ان کی علوِ ہمت اور اپنی رحمت کی وفرت کی وجہ سے۔ ع

آفریں بر جان درویشے کہ صاحبِ ہمت است

ترجمہ: آفرین اس درویش پر جو صاحبِ ہمت ہے۔

(باقی صفحہ ۶۰۶ پر)

marfat.ocm

كَذَّبَتْ عَادٌ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٢٣﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ هُودٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٢٤﴾ إِنِّي لَكُمْ
عاد نے رسولوں کو جھٹلایا جب کہ ان سے ان کے ہم قوم ہود نے فرمایا کیا تم ڈرتے نہیں بے شک میں
رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٢٥﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٢٦﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ
تمہارے لیے اللہ کا امانت دار رسول ہوں تو اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو اور میں تم سے اس پر کچھ اجرت نہیں مانگتا میرا اجر تو
أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٢٧﴾ أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ ﴿١٢٨﴾
اسی پر ہے جو سارے جہان کا رب کیا ہر بلندی پر ایک نشان بناتے ہو راہ گیروں سے ہنسنے کو
وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ ﴿١٢٩﴾ وَإِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ ﴿١٣٠﴾ فَاتَّقُوا
اور مضبوط محل چنتے ہو اس امید پر کہ تم ہمیشہ رہو گے اور جب کسی پر گرفت کرتے ہو تو بڑی بیدردی سے گرفت کرتے ہو
اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٣١﴾ وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ ﴿١٣٢﴾ أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ ﴿١٣٣﴾
تو اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو اور اس سے ڈرو جس نے تمہاری مدد کی ان چیزوں سے کہ تمہیں معلوم ہیں تمہاری مدد کی چوپایوں اور بیٹوں ا
وَجَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿١٣٤﴾ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٣٥﴾ قَالُوا سَوَاءٌ عَلَيْنَا
اور باغوں اور چشموں سے بیشک مجھے تم پر ڈر ہے ایک بڑے دن کے عذاب کا بولے ہمیں برابر ہے
أَوَعَظْتَ أَمْ لَمْ تَكُنْ مِنَ الْوَاعِظِينَ ﴿١٣٦﴾ إِنْ هَٰذَا إِلَّا خُلُقُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٣٧﴾ وَمَا
چاہے تم نصیحت کرو یا ناصحوں میں نہ ہو یہ تو نہیں مگر وہی اگلوں کی ریت اور ہمیں عذاب
نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ﴿١٣٨﴾ فَكَذَّبُوهُ فَأَهْلَكْنَاهُمْ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ
ہونا نہیں تو انہوں نے اسے جھٹلایا تو ہم نے انہیں ہلاک کیا بیشک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں
مُؤْمِنِينَ ﴿١٣٩﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٤٠﴾
بہت مسلمان نہ تھے اور بے شک تمہارا رب ہی عزت والا مہربان ہے

(بقیہ صفحہ ۶۰۸)

تفسیر صوفیانہ دیگر

نوح میں قلب کی طرف اور قوم میں نفس اور اس کی صفات کی طرف اور مومنین میں جسد وجملہ اعضاء کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ یہ بموافق شرع نیک عمل کرتے ہیں اور اس میں نفس کے بعض صفات کی طرف بھی اشارہ ہے جبکہ انھیں غلط راستے سے صحیح راستے پر لگایا جائے۔

الفلک سے شریعت کی کشتی مراد ہے اس لیے کہ وہ اوامر و نواہی اور حکمتوں اور مواعظ و اسرار و حقائق و معانی سے پر ہے جو اس پر سوار ہوا وہ نجات پا گیا، اور جو اس پر سوار نہ ہو سکا وہ نفس کے اخلاقِ ذمیمہ کے طوفان کے غلبہ اور مال و جاہ و زینت و شہوات، جو کہ دنیا کمینی کے آفات سے ہیں، کے ابتلاء میں غرق ہو گا۔ اور کشتی

کے لیے ملاح ضروری ہے۔ اور شرع کا ملاح وہ استاذ اور پیر و مرشد ہے جو اعمالِ خیر پہ لگاتا ہے کہ ان کی صحبت سے نجات نصیب ہوتی ہے۔ جیسا کہ حضرت حافظ نے فرمایا، ؎

یار مردان خدا باش کہ در کشتی نوح
ہست خاکی کہ بآبی نخرد طوفان را

ترجمہ: مردانِ خدا کا دوست ہو جا اس لیے کہ نوح کی کشتی میں کوئی ایسی بات نہیں کہ وہ طوفان کے پانی کو اپنے اندر آنے دے۔

اس میں اشارہ ہے کہ وہ کام جو مشکل ہو مرشد کے اشارے سے آسان ہو جاتا ہے اور وہ کام جو غافل سے ہونا ناممکن ہو وہ واصل سے بآسانی ہو جاتا ہے۔

(تفسیر آیات صفحہ ٦٠٩)

تفسیر عالمانہ

كَذَّبَتْ عَادُ ۨالْمُرْسَلِيْنَ ○ عاد نے رسل کرام علیہم السلام کی تکذیب کی۔

سوال: عاد تو مذکر تھا پھر صیغہ مؤنث کا کیوں؟

جواب: یہاں چونکہ قبیلہ مراد ہے اور لفظ قبیلہ مونث ہے اس لیے صیغہ مونث لایا گیا ہے اور وہ اس قبیلہ کا مورثِ اعلیٰ تھا۔

ف: مقاتل نے لکھا عاد و ثمود ایک دوسرے کے چچازاد تھے۔ عاد ہود علیہ السلام کی قوم تھی۔ صالح علیہ السلام کی قوم کا نام ثمود تھا۔ عاد و ثمود کی ہلاکت کے درمیان پانچسو سال کا فاصلہ تھا۔ مورخین فرماتے ہیں کہ عاد و ثمود دونوں بھائی تھے۔ ارم بن سام ابنِ نوح علیہ السلام کے فرزندوں سے تھے کیونکہ سام بن نوح علیہ السلام کے پانچ بیٹے تھے:

۱۔ ارم
۲۔ ارفخشہ
۳۔ عالم
۴۔ الیغر
۵۔ الاسود

ارم ان پانچوں سے کمزور اور بالکل ناکارہ متصور ہوتا تھا اس کے سات بیٹے تھے:

۱۔ عاد
۲۔ ثمود
۳۔ صحار
۴۔ طسم
۵۔ جدیس
۶۔ جاسم
۷۔ وبار

عاد اور اس کی اولاد کا مسکن یمن تھا اور ثمود اور اس کے فرزندوں کا مسکن حجاز و شام کے درمیان میں۔ اور طسم کا

marfat.ocm

مسکن عمان و بحران اور جدیس کا مسکن تہامہ اور صحار کا مسکن مابین طائف سے جبال طی تک اور جاسم کا مسکن مابین الحرم سفوان تک اور وبار کا مسکن ارضِ وبار تھا جو اسی کے نام سے مشہور ہے۔ ان سب کی بولی عربی تھی اور یہ سب کے سب نیست و نابود ہو گئے ان کی نسل میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہا۔

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ یہ تکذیب کی ظرف ہے یعنی جب ان کے نسب کے بھائی نے فرمایا هُوْدٌ یعنی ہُود علیہ السلام بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام نے فرمایا۔

تعارفِ ہود علیہ السلام بعض نے کہا ہُود علیہ السلام کا نام عابر تھا لیکن چونکہ با وقار شخصیت تھے اسی لیے اسی نام (ہود) سے مشہور ہوئے۔ آپ نے ڈیڑھ سو سال عمر پائی۔ چالیس سال کی عمر میں آپ کو عاد کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔ انہیں جا کر فرمایا:

اَلَا تَتَّقُوْنَ ○ کیا تم شرک سے کنارہ کش نہیں ہوتے اور خدا کا خوف نہیں کرتے اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ بے شک تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے لیے رسول بن کر آیا ہوں اَمِیْنٌ ○ تمہارے ہاں میں امانتدار مشہور ہوں فَاتَّقُوا اللّٰهَ سو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرو وَ اَطِیْعُوْنِ ○ اور جن حق باتوں کا میں تمہیں حکم دوں ان میں تم میری اطاعت کرو وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اور پیغام حق پہنچانے پر میں تم سے نہیں مانگتا مِنْ اَجْرٍ کوئی مزدوری، جیسے بعض قصہ گو لوگ قصے سنانے کے بعد تم سے اجر یا انعام مانگتے ہیں اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ میرا اجر نہیں مگر پروردگارِ عالم پر، کیونکہ اسی نے مجھے بھیجا ہے تو میرا اجر یا انعام وہی عطا فرمائے گا۔ اس میں ہُود علیہ السلام وضاحت فرما رہے ہیں کہ میرا پیغام پہنچانا دنیوی یا دینی کوئی غرض نہیں۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن
کہ دوست خود روش بندہ پروری داند

ترجمہ، گداگروں کی طرح کسی اجر و ثواب کی شرط پر تم عبادت نہ کرو کیونکہ وہ کریم خود ہی بندہ پروری کی روش جانتا ہے۔

اَتَبْنُوْنَ ہمزہ استفہام انکاری ہے۔ کیا تم بناتے ہو بِكُلِّ رِیْعٍ ہر اونچے مقام کو۔

حلِ لغات : الریع بکسر الراء اور بالفتح بھی۔ ریعۃ کی جمع ہے یعنی بلند مکان۔ اسی سے ریع الارض (اونچی زمین) کا استعارہ ہے بوجہ زیادتی وارتفاع کے۔

اٰیَةً نشانی بلند یعنی ایسے اونچے مکانات جو باقی تمام مکانوں سے ممتاز اور نمایاں ہیں تَعْبَثُوْنَ ○ اور تمہارا حال یہ ہے کہ تم ان عمارات سے کھیل رہے ہو کیونکہ جو عمارت بلا ضرورت بنائی جائے وہ عبث (فضول) ہے۔

حدیث شریف ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم گھر سے باہر نکلے اور ایک بہت بڑی عمارت کو دیکھ کر فرمایا: ماھٰذہٖ (یہ کیا ہے؟) عرض کی گئی یہ فلاں انصاری کی بلڈنگ ہے۔ اس سے آپ کبیدہ خاطر ہو کر واپس گھر تشریف لائے کچھ دیر کے بعد وہی انصاری حاضر درگاہ ہوا۔ اس نے سلام عرض کیا تو آپ نے اس سے منہ پھیر لیا۔ پھر اس نے متعدد بار سلام عرض کیا لیکن بارگاہِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جواب نہ پا کر سمجھا کہ آپ مجھ سے ناراض ہیں۔ مغموم ہو کر اپنے دوستوں سے عرض کی کہ آج مجھ سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ناراض محسوس ہو رہے ہیں لیکن سمجھ نہیں آرہا کہ مجھ سے کیا غلطی سرزد ہوئی ہے۔ دوستوں نے کہا آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے تو آپ کی اونچی بلڈنگ دیکھ کر کبیدہ خاطر ہوئے۔ یہی وجہِ ناراضگی معلوم ہوتی ہے۔ یہ سن کر وہ صحابی گھر لوٹے اور بلڈنگ مسمار کر دی۔ دوسرے روز حضور علیہ السلام گھر سے باہر نکلے اور اس اونچی بلڈنگ کو نہ پا کر پوچھا تو عرض کی گئی کہ حضور! آپ کی ناراضگی دیکھ کر صاحبِ مکان نے اسے گرا دیا ہے۔ اس پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان کل بناء یبنی وبال علیٰ صاحبہ یوم القیٰمۃ الا مالابد منہ۔

ہر تعمیر جو بلا ضرورت تعمیر کی جائے وہ صاحبِ تعمیر پر قیامت میں وبال ہوگی۔

ف: یہ امام راغب اور صاحبِ کشف الاسرار وغیرہما کا خیال ہے۔ اور جلالین میں فرمایا کہ آیۃ سے کبوتروں کے لیے عمارات اور بڑے بڑے بروج مراد ہیں۔ اور یہاں بروج سے کبوتر خانے مراد ہیں۔

ہود علیہ السلام کی تقریر کا موضوع حضرت ہود علیہ السلام نے ان کے بڑے بڑے کبوتر خانے (جو فضول عمارتیں تھیں) دیکھ کر انہیں روکا اور فرمایا: بچوں کی طرح کبوتروں سے مت کھیلو۔

ف: نصاب الاحتساب میں ہے کہ جس کھیل پر قیامت میں حساب ہوگا وہ لہو و لعب اور کبوتر بازی ہے۔

ف: حضرت امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا: بیوقوف ہے وہ جو کبوتر بازی اور جوا کھیلتا ہے۔

مسئلہ: شرح القہستانی میں ہے کہ پرندوں اور مرغیوں کو پنجروں وغیرہ میں بند رکھ کر انہیں دانہ دنکا ڈالنا اور پانی پلانا اور ان کے دیگر لوازمات پورے کرنا اور ان کی خوب خدمت کرنا ان کو عام بازاروں میں چھوڑنے سے افضل ہے۔

مسئلہ: کبوتروں کو مکانات میں بند رکھنا مکروہ ہے جبکہ لوگوں کو ان سے ضرر پہنچتا ہو۔ ابن مقاتل نے فرمایا: اگرچہ بلا وجہ انہیں قید میں رکھا جاتا ہے تاہم ان کو دانہ پانی ڈالنا نہایت ضروری ہے۔

- ⊙ تتارخانیہ میں ہے کہ بلبل، طوطی، قمری وغیرہا کو پنجروں میں لہو و لعب کی خاطر رکھنا جائز نہیں۔
- ⊙ کسی اور غرض سے بند رکھنا جائز ہے۔ مثلاً بطخ اور مرغابی وغیرہ کو اس لیے قید رکھا جائے کہ انہیں

marfat.ocm

کھلا پلا کر موٹا بنایا جاتے یا یہ ہمسائیگان کو ضرر نہ پہنچائیں تو کوئی ہرج نہیں۔

○ درندے پرندوں کو شکار کے لیے قید کرنا جائز ہے۔

○ فتاوٰی قاری الہدایہ میں ہے کہ کیا پرندوں (جو خوش الحانی سے آواز نکالتے ہیں) کو بند رکھنا جائز ہے یا انہیں چھوڑ دینا؟ اس میں کون سے فعل میں ثواب ہے؟ اور کون سے عمل میں گناہ؟ ایسے ہی چمگادڑ کو مارنا جائز ہے یا نہیں جبکہ یہ مساجد کی چٹائیوں وغیرہ کو ملوث کر دیتا ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ خوشنوا پرندوں کو ان کی خوش نوائی سے انس پانے کی نیت پر قید رکھنا جائز ہے جبکہ اس پرندے کو کھلانے پلانے میں کمی نہ کی جائے۔

○ موذی جانوروں اور پرندوں وغیرہ کو قتل کرنا جائز ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

لا تحضر الملائكة شيئًا من الملاهى سوى النضال والرهان۔

(ملائکہ کرام کسی بھی لہو ولعب کی جگہ پر نہیں آتے سوائے تیراندازی اور گھڑ دوڑ کے) جو کہ جنگ وجہاد کے لیے کی جائے، ایسے اونٹوں اور پہلوانوں کی لڑائی جبکہ جنگ وجہاد کے لیے دیکھی جائے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ تعبثون کا مطلب یہ ہے کہ کیا ان لوگوں سے ٹھٹھا مخول کرتے ہو جو تمہارے ہاں سے گزرتے ہیں کیونکہ وہ بہت اونچے مکان بناتے تھے پھر اوپر بیٹھ کر نیچے سے ہر راہ گیر سے ہنسی مذاق کرتے تھے۔

ف: بعض بہت بڑے مفسرین نے لکھا کہ آیۃ سے وہ علامتی اونچے مکانات مراد ہیں جو دور سے دکھائی دیں اور انہیں دیکھ کر منزل مقصود پر پہنچا جا سکے۔ باوجودیکہ آگے ان کی نیت اچھی تھی۔ لیکن چونکہ یہ عمارتیں بلا ضرورت تھیں اس لیے انہیں عبث سے تعبیر کیا گیا ان کی اس لیے ضرورت نہ تھی کہ منزلِ مقصود تک لوگوں کا پہنچنا تو ستاروں کے ذریعے ہو سکتا تھا پھر اونچی منازل بنانے کا کیا فائدہ!

ف: مفتی سعدی مرحوم نے فرمایا کہ اس سے انہیں بے فائدہ کہنا نامناسب ہے اس لیے کہ رات کو تو ستاروں کے ذریعے منازل تک پہنچنے کی معلومات حاصل کر سکتے ہیں لیکن دن کو ستارے نہیں ہوتے یا پھر کبھی رات کو ستارے بادلوں میں چھپ جاتے ہیں۔

ف: فقیر (علامہ اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ ایسے علامات یعنی تعمیرات کی بلندی (راستہ بتلانے کے لیے) کو عبث کہنا نامناسب ہے اگرچہ اس کے بالمقابل اس کا بدل موجود ہو۔ جیسے بغداد و مکّہ کے راستوں پر میل نصب کیے گئے ہیں انہیں کوئی بھی عبث نہیں کہتا حالانکہ ان کے بالمقابل ستارے بھی موجود ہیں اور ان کو دوسرے طریقوں

سے راستہ مل سکتا ہے اور مٹی کو سونگھ کر اور دیکھ کر بھی علاقوں میں منازل طے کیے جا سکتے ہیں۔ جیسے روح البیان کی جلد اوّل میں گزرا ہے۔

وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ اور بہترین جگہیں بناتے ہو۔ مفردات میں مصانع سے امکنہ شریفہ مراد لیے ہیں اور صحاح میں لکھا ہے کہ ان سے زمین کے نیچے کے پانی کے مآخذ مراد ہیں (کذا فی القاموس)

حلِ لغات: المصنع بفتح المیم وضم النون وفتحہا، حوض کی طرح بارش کے پانی کے جمع ہونے کی جگہ ہوتی ہے۔ اس کی جمع مصانع ہے یعنی بڑے حوض۔

لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ○ تاکہ تم اس دنیا میں ایسے اعمال کر کے امید میں رہو کہ تمہیں اس میں مداومت نصیب ہو یعنی یہ تعمیرات اس نیت پر کرتے ہو کہ تمہیں اس دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے۔ یہ لعل تشبیہ کے لیے ہے یعنی گویا تم نے اس میں ہمیشہ رہنا ہے۔

ف: پہلے ان کی مذمت کی ہے کہ بلا فائدہ مال ضائع کر دیا۔ (۲) مضبوط بلڈنگیں بنا کر اس امید میں پڑ گئے کہ ہم تا دیر زندہ رہیں گے۔

حضرت صائب نے فرمایا: ؎

در سرِ ایں غافلاں طولِ امل دانی کہ چیست
آشیانِ گردِ ستِ ماری در کبوتر خانۂ

ترجمہ: غافلوں کے ذہن میں لمبی لمبی امیدیں جانتے ہو کیا ہیں یہ کبوتر خانہ اور گرد کے بڑے بڑے سانپ ہیں۔

وَاِذَا بَطَشْتُمْ اور جب تم ڈنڈے یا تلوار سے پکڑتے ہو۔

حلِ لغات: البطش بمعنے شے کو حملہ یا قہر و جبر اور غلبہ سے پکڑنا۔

بَطَشْتُمْ پکڑتے ہو اس وقت تمہارا حال ہوتا ہے جَبَّارِیْنَ ○ سرکش یعنی متسلط اور ظالم کا کہ اس میں نہ تمہارا قصد ہوتا ہے کہ کسی پر رحم کیا جائے یا ادب سکھایا جائے اور نہ ہی تمہاری انجام پر نظر ہوتی ہے۔ نہ ہی تم حق و عدل کو مدِ نظر رکھتے ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ بطش کی ایک قسم جائز بھی ہوتی ہے اور جبار وہ ہوتا ہے جو غضب میں کسی کو مار دے یا قتل کر دے فَاتَّقُوا اللّٰهَ یہ امور یعنی اونچے اونچے مکانات بنانا اور بہترین سے بہترین تعمیرات تیار کرنا اور بڑے بڑے حوضوں کی تیاری میں مال خرچ کرنا اور ناحق گرفت کرنا چھوڑ دو اللہ تعالیٰ کے ڈر سے وَاَطِیْعُوْنِ ○ اور میری اطاعت کرو جس کی میں تمہیں دعوت دیتا ہوں، یعنی توحید و عدل و انصاف و ترک الامل وغیرہ پر میرا کہا مانو اس میں تمہاری بھلائی ہے وَاتَّقُوا الَّذِیْٓ اَمَدَّكُمْ اور اس ذات سے ڈرو جس نے تمہاری مدد کی۔ الامداد بمعنے دوسرے کا پہلے کے پیچھے لگنا انتظام میں یا کسی اور معاملہ میں۔

marfat.ocm

اس کا اکثر استعمال محبوب اشیاء میں اور مدّ کا مکروہ اشیاء میں ہوتا ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ کے قول والبحر یمدہ من بعدہ سبعۃ ابحر میں تو تمہارا قانون نہیں چلتا۔

جواب: یہ مددت الدواۃ امدھا سے ماخوذ ہے اسے قاعدہ مذکور کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

بِمَا تَعْلَمُوْنَ ○ بسبب اس کے کہ جو تم جانتے ہو کہ اس کی تم پر بہت بڑی نعمتیں ہیں اور طرح طرح کے انعامات عطا فرمائے ہیں۔ پہلے اسے اجمالاً پھر تفصیلاً بیان فرماتا ہے کہ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ اس نے تمہاری مدد کی جانوروں سے۔ جیسے اونٹ، گائے اور بکریاں وغیرہ تاکہ تم ان سے نفع حاصل کرو وَّبَنِيْنَ ○ اور اولاد سے، کہ ہر حال میں وہ تمہارے مددگار ہیں۔ وَجَنّٰتٍ اور باغات سے، تاکہ تم ان کے میوہ جات سے مستفید ہو وَّعُيُوْنٍ ○ اور چشمے جاری کہ پیاس بجھانے اور سبزیاں اگانے اور کھیتیاں پکانے کا کام ان کے بغیر مشکل ہے اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ اگر تم ان نعمتوں کا حق ادا نہ کرو گے تو مجھے خطرہ ہے عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ○ تم پر بڑے دن کے بڑے عذاب کے نزول کا یعنی دنیا و آخرت میں مجھے تمہارے عذاب میں مبتلا ہو جانے کا خوف ہے کیونکہ کفرانِ نعمت اپنے پیچھے عذاب لاتا ہے جیسے شکرِ نعمت زیادتیِ انعامات کا موجب ہے اور یوم کو عظیم موصوف کرنے میں اشارہ ہے کہ وہ دن بہت بڑے خطروں کا مجموعہ ہے کہ اس دن سب سے بڑی آندھی چلے گی۔ قَالُوْا ہود علیہ السلام کو عاد کی قوم نے جواب میں کہا سَوَآءٌ عَلَيْنَا ہمارے لیے یکساں ہے اَوَعَظْتَ نصیحت کرو اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ○ یا نصیحت نہ کرو کیونکہ ہم ان امور سے باز نہیں آئیں گے جن پر ہم زندگی بسر کر رہے ہیں۔ الوعظ وہ زجر و توبیخ جو خوف دلانے پر مشتمل ہو اور وہ کلام جو دل کو نرم کرے وعد یا وعید سے۔

ف: خلیل نے کہا وہ خبر جو دل کو نرم کرے۔ اور عظۃٌ و موعظۃ ایک شے ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ الموعظۃ ' عظۃ کا اسم ہے۔

اِنْ هٰذَآ نہیں ہے یہ جو تم ہمارے ہاں لائے ہو اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ○ مگر پہلے لوگوں کی عادتیں کہ وہ بھی یہی کہتے کہ ہم پیغمبر ہیں اور (معاذ اللہ) جھوٹ بولتے رہے۔ وہ بھی تمہاری طرح جھوٹ گھڑتے اور اپنی لکھی ہوئی تحریر سے ہم لوگوں کو ورغلاتے، اور جس حال میں ہم ہیں وہ بھی پہلے لوگوں کا طریقہ ہے جیسے ہم دوسرے لوگوں پر غلبہ رکھتے ہیں وہ بھی ایسے ہی تھے اور وہ بھی گزار گئے ہم بھی گزار رہے ہیں وہ بھی کھا پی کر مر گئے ہم نے بھی مرنا ہے اس کے بعد نہ اٹھنا اور نہ کوئی حساب وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ○ اور نہ ہم عذاب دئے جائیں گے یعنی جن اعمال و عادات کو ہم اپنا رہے ہیں ان پر ہمیں کوئی عذاب بھی نہ ہو گا۔

فَكَذَّبُوْهُ پھر قوم عاد نے تکذیب پر اصرار کیا فَاَهْلَكْنٰهُمْ تو ہم نے قوم عاد کو تباہ کر ڈالا بسبب تکذیب کے سخت آندھی سے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ ہود علیہ السلام نے انہیں وعظ و نصیحت کی لیکن قومِ عاد نہ مانی جس پر وہ تباہ و برباد ہوئے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً بے شک اس میں البتہ نشانی ہے جو دلالت کرتی ہے کہ عاد کی قوم تباہ و برباد ہوگی وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ اور عاد کی قوم میں اکثر ایسے تھے مُّؤْمِنِیْنَ ۝ جو ایمان لانے والے نہ تھے اس لیے کچھ لوگ ہود علیہ السلام پر ایمان لائے وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ اور بے شک تیرا پروردگار وہ غالب ہے جو بدلہ لے سکتا ہے ان لوگوں سے جو تکبر کرتے ہیں اور وعظ و نصیحت کو نہیں مانتے الرَّحِیْمُ ۝ وہ مہربان ہے کہ اہلِ ایمان کو سزا کی تباہی سے باہر لاکر نجات دیتا ہے۔ اس میں اس امت کو ڈرایا گیا ہے کہ وہ قومِ عاد کے طریقہ پر نہ چلے۔

ف : حکماء فرماتے ہیں انسان کو سب سے بہتر شے جو عطا ہوئی ہے وہ عقل ہے جو اسے برائیوں سے روک لیتی ہے وہ نہ ہو تو حیاء، یہ نہ ہو تو خوف، یہ نہ ہو تو مال اس کے جملہ عیوب ڈھانپ لیتا ہے۔ یہ نہ ہو تو جلانے والی آگ آئے گی جو اسے جلاکر راکھ بنا دے گی جس سے بندگانِ خدا کو آرام ملے گا اور شہر کے لوگ خوش ہوں گے یہ ایسے ہے جیسے زمین پر کانٹے بچھے ہوں تو انہیں زمین سے ہٹانا یا جلانا پڑتا ہے تاکہ زمین صاف ستھری ہو کر کام میں آ سکے۔

سبق : دانا پر لازم ہے کہ وہ عبرت حاصل کرے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرے اور عادات و شہوات کو ترک کرے مخالفات و منہیات پر اصرار نہ کرے ؎

مگر کہ عادت شوم از جنود ابلیس است
کہ سدِ راہ عبادت شدہ است عادت ما

ترجمہ : بری عادت ابلیس کے لشکر سے ہے جبکہ ہماری عادت عبادت کرنے سے سدِ راہ ہوگئی ہے۔

سبق : جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے لطف ہو یا قہر، یہ سب کچھ عقل والوں کے لیے نصیحت و عبرت ہے۔

؎

عاقلاں را گوش بر آواز طبل رحلتست
ہر طپیدن قاصدے باشد دل آگاہ را

ترجمہ : دانا ہر وقت نقارۂ موت کی آواز پر کان لگائے بیٹھے ہیں کیونکہ ہر سخت آواز انسان کے دل کو آگاہ کرنے کے لیے ہے۔

ف : باوجودیکہ قومِ عاد کو طاقت و قوت حاصل تھی لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے اسے تباہ و برباد کو دیا۔ اور وہ

بقیہ صفحہ ۶۱۸

marfat.ocm

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٤١﴾ إِذْ قَالَ
ثمود نے رسولوں کو جھٹلایا جب کہ ان سے

لَهُمْ أَخُوْهُمْ صٰلِحٌ أَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٤٢﴾ إِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ أَمِيْنٌ ﴿١٤٣﴾
ان کے ہم قوم صالح نے فرمایا کیا ڈرتے نہیں بے شک میں تمہارے لیے اللہ کا امانت دار رسول

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْنِ ﴿١٤٤﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلٰى
ہوں تو اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو اور میں تم سے کچھ اس پر اجرت نہیں مانگتا میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہان

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٤٥﴾ أَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَا آمِنِيْنَ ﴿١٤٦﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَعُيُوْنٍ ﴿١٤٧﴾ وَ
کا رب ہے کیا تم یہاں کی نعمتوں میں چین سے چھوڑ دیئے جاؤ گے باغوں اور چشموں اور

زُرُوْعٍ وَنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴿١٤٨﴾ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ﴿١٤٩﴾
کھیتوں اور کھجوروں میں جن کا شگوفہ نرم نازک اور پہاڑوں میں سے گھر تراشتے ہو استادی سے

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْنِ ﴿١٥٠﴾ وَلَا تُطِيْعُوْا أَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿١٥١﴾ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ
تو اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو اور حد سے بڑھنے والوں کے کہنے پر نہ چلو وہ جو زمین میں فساد پھیلاتے

فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿١٥٢﴾ قَالُوْا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿١٥٣﴾ مَا أَنْتَ
ہیں اور بناؤ نہیں کرتے بولے تم پر تو جادو ہوا ہے تم تو ہمیں

إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَأْتِ بِآيَةٍ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١٥٤﴾ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ
جیسے آدمی ہو تو کوئی نشانی لاؤ اگر سچے ہو فرمایا یہ ناقہ ہے ایک

لَهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿١٥٥﴾ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَأْخُذَكُمْ
دن اس کے پینے کی باری اور ایک معین دن تمہاری باری اور اسے برائی کے ساتھ نہ چھوؤ کہ تمہیں

عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٥٦﴾ فَعَقَرُوْهَا فَأَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿١٥٧﴾ فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۗ
بڑے دن کا عذاب آلے گا اس پر انہوں نے اس کی کوچیں کاٹ دیں پھر صبح کو پچھتاتے رہ گئے تو انہیں عذاب نے آلیا

إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٥٨﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ
بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں بہت مسلمان نہ تھے اور بے شک تمہارا رب ہی عزت والا

الرَّحِيْمُ ﴿١٥٩﴾

بقیہ صفحہ ۶۱۹

بھی نہایت کمزور شے سے یعنی ہوا سے۔ اور جب چاہتا ہے کہ ضعیف کو قوی بنا دے تو کر دکھلاتا ہے جیسے مچھر سے نمرود کو مروا دیا۔ اس معنے پر ہوا اللہ والوں کے لیے ضعیف ہے لیکن دشمنانِ خدا کے لیے بڑی طاقت ور ہے اس لیے اللہ والوں کو اللہ تعالیٰ کی مختلف شانوں کی معرفت نصیب ہے۔ اسی لیے وہ ہر وقت مراقبہ میں رہ کر خوفِ خدا سے بھرپور رہتے ہیں جیسے جاہل لوگ خدا کے خوف سے غافل ہو کر امن میں رہتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے میں ان کی سرزنش کی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حقائقِ اشیاء سے تقویت بخشے اور ہر وقت ہمیں اہلِ مراقبہ سے بنائے۔ آمین

تفسیر عالمانہ

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ قبیلہ کی تاویل پر صیغہ مؤنث لایا گیا ہے اور ثمود اس قبیلہ کا جدِ اعلیٰ تھا اس کا نسب نامہ یوں ہے:

ثمود بن عبید بن عوص بن عاد بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام۔

اس کے علاوہ اور وجوہ بھی ہیں جن کا ذکر مجلسِ اوّل میں آگیا ہے الْمُرْسَلِيْنَ ۝ ثمود نے رسلِ کرام علیہم السلام کی تکذیب کی۔ اس سے حضرت صالح علیہ السلام اور آپ سے پہلے پیغمبرانِ عظام علیہم السلام یا صرف صالح علیہ السلام مراد ہیں کیونکہ ایک رسول علیہ السلام کی تکذیب کرنا گویا تمام رسل علیہم السلام کو جھٹلانا ہے بوجہ توحید اور اصول شرائع پر متفق ہونے کے۔ اب بتایا کہ انہوں نے کس وقت اپنے رسول علیہ السلام کی تکذیب کی۔ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ جب ان کے نسبی بھائی نے فرمایا۔ یہاں دینی برادر مراد نہیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام نبوت سے پہلے گناہوں سے محفوظ اور نبوت کے بعد معصوم ہوتے ہیں۔ اس نسبت کے اظہار کا فائدہ یہ ہے کہ معلوم ہو کہ صالح علیہ السلام ان کی برادری کے اور ان کے ہم زبان تھے تاکہ وہ دینی باتوں کو سمجھیں اور انکار نہ کر سکیں کہ ہمیں پیغمبر سے شناسائی نہ تھی اور نہ ہی ہم ان کی بولی سمجھتے تھے صٰلِحٌ صالح ابن عبید بن آسف بن کاشح بن حاذر بن ثمود اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا کہ کیا تم خدا کے عذاب سے نہیں ڈرتے کہ کہیں وہ تمہیں تباہ کر ڈالے جبکہ تم اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہو اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ۝ میں تمہارا رسول ہوں اور میری امانت داری تم میں مشہور و معروف ہے۔ اسی لیے میری بات پر تمہیں اعتماد ہے۔ فلہذا میں کہتا ہوں کہ تم خوفِ خدا کو دل میں جگہ دو اور میری اطاعت کرو ان جملہ امور میں کہ جن کی میں تمہیں دعوت دیتا ہوں وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اس وعظ و نصیحت اور دعوت و تبلیغ پر میں تم سے نہیں مانگتا مِنْ اَجْرٍ مزدوری اور انعام کیونکہ اہلِ عفت اور پاکدامن لوگوں پر اس سے دھبہ لگتا ہے اِنْ اَجْرِیَ میری مزدوری اور انعام نہیں اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ مگر پروردگارِ عالم پر، کیونکہ مجھے اسی نے ہی تمہارے ہاں بھیجا ہے تو اس کی مزدوری بھی وہی دے گا بلکہ وہ اپنے مخلص بندوں کو بہتر مزدوری عطا فرماتا ہے۔

marfat.ocm

حدیثِ قدسی جیسا کہ حدیثِ قدسی میں اس کا اپنا فرمان ہے:

من قتلتہ فانا دیتہ۔

(جسے میں قتل کر ڈالوں اس کی دیت میں خود ہوں)

شریف میں ہے:ـ

عاشقاں را شادمانی و غم او ست
دست مزد و اجرت خدمت ہم او ست

ترجمہ: عشاق کی خوشی اور غم وہی ہے مزدوری اور اجرت بھی وہ خود ہی ادا کرے گا۔

اَتُتْرَكُوْنَ ○ استفہام انکار و توبیخ کا ہے یعنی کیا تمہارا گمان ہے کہ تم چھوڑ دئے جاؤ گے **فِیْ مَا هٰهُنَا** یہاں کی سرزمین پر ان نعمتوں میں جو یہاں پر دنیا میں موجود ہیں اور یہ دنیا دار الجزاء نہیں **اٰمِنِیْنَ ○** تترکون سے حال ہے یعنی درانحالیکہ تم آفات اور نعمتوں کے فوات سے امن و سکون میں ہو۔ نعیم کی تفسیر فرمائی۔ **فِیْ جَنّٰتٍ** باغات میں **وَّعُیُوْنٍ ○** اور چشموں اور نہروں میں۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ صالح علیہ السلام کی قوم کے ہاں کوئی نہریں نہیں تھیں۔ اس معنیٰ پر یہاں عیون سے کنوئیں مراد ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ گرمیوں میں نہریں چلتی تھیں اور سردیوں میں کنووں سے کام لیتے تھے کیونکہ گرمیوں میں محلات میں اور باغات میں گزر اوقات کرتے اور ان ضروریات کو نہروں سے پورا کرتے۔

وَّزُرُوْعٍ اور کھیتیاں **وَّنَخْلٍ** اور کھجوریں۔

ف: کھجوریں اگرچہ باغات میں شامل تھیں لیکن چونکہ یہ تمام اشجار پر فضیلت رکھتی ہیں اس لیے ان کا علیحدہ ذکر کیا گیا ہے اس لیے کہ یہ آدم علیہ السلام کی بقایا مٹی سے پیدا کی گئی ہے۔

طَلْعُهَا نخل کا طلع وہ ہوتا ہے جو تلوار کے نصل کی طرح ہوتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ کھجور کا طلع باہر نکلتا ہے اور تلوار کا نصل اس کے اندر۔ گابھا کہ جس پر کھجور کے دانے لپٹے ہوتے ہیں۔ طلوع شمس سے تشبیہ ہے۔ شماریخ شمراخ کی جمع ہے بالکسر بمعنے عثکال یعنی عذق۔ اور کھجور کی ہر شاخ شمراخ ہے۔ یعنی وہ کہ جس پر کھجور کے دانے تر یا کچے پکے لپٹے ہوئے ہوں۔ قنو، عذق، کباسہ بالکسر ثمر میں اسی طرح ہیں جیسے عنقود گچھے انگور ہیں۔ **هَضِیْمٌ ○** یعنی اپنے جسم میں لطیف اور نرم جسم والا یعنی اس کھجور کا خوشہ اور شگوفہ نرم اور نازک ہوتا ہے کیونکہ اس کے اندر جو ثمر ہوتا ہے وہ نرم ہوتا ہے اس وجہ سے اسے هضیم (نرم) کہا گیا۔

حل لغات: الھضم (بفتحتین) بمعنے رقیق اور کمزور ہونا۔ یعنی وہ گابھا نرم اور لطیف ہے۔ اسی سے ھضیم الکشح والحشی (نازک کمر اور نازک بھرتی والا) ہے۔ اسی سے ھضم الطعام ہے

بمعنے طعام پیٹ میں نرم ہوکر جسم میں حلول کرگیا ہے (کذا فی کشف الاسرار) یا لطیف اس لیے کہ نخیل مؤنث ہے جیسا کہ اس کے لیے ضمیر کی تانیث دلالت کرتی ہے۔ اور نرم گابھا مادہ کھجور کا اور نرم کھجور کا گابھا گاڑھا اور سخت ہوتا ہے۔

ف : ابن الشیخ نے فرمایا کہ برنی کھجور کا گابھا لون سے لطیف تر ہوتا ہے کیونکہ برنی عرب کی بہترین کھجور سمجھی جاتی ہے اور یہ معرب ہے اس لیے کہ یہ دراصل "بَرنیك" تھا یعنی اچھا پھل۔ اور لون دقل ہوتی ہے اور تمام کھجوروں سے ردی قسم ہے۔

ف : اہلِ عرب برنی اور عجوہ کے سوا باقی تمام کھجوروں کو لون کہتے ہیں اور جب تک وہ غلاف میں ہیں انہیں ہضیم سے موصوف کرتے ہیں کیونکہ ان کے بعض حصے بعض میں داخل اور ایک دوسرے سے چمٹے ہوتے ہیں اور جب غلاف سے باہر نکل آئیں گی ہضیم نہیں کہلائیں گی۔

ف : الکفری بضم الکاف والفاء وتشدید الراء کھجور کا غلاف۔ کیونکہ یہ کھجور کے ابتدائی گچھوں کو اپنے اندر چھپائے رکھتا ہے۔

ف : امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا : الھضم کھجور کا وہ گابھا جو نرم نرم ہوتا ہے، جیسے ونخل طلعھا ھضیم یعنی وہ گچھے جو ایک دوسرے میں داخل ہیں، گویا وہ چھپے ہوئے ہیں یا ھضیم بمعنے لٹکنے والے اور ٹوٹنے والے۔ گویا وہ بوجھ کی وجہ سے لٹکے ہوئے اور ٹوٹے ہوئے ہیں۔ کیونکہ ھضم بمعنے الکسر یعنی ٹوٹنا، اور تدلی بمعنے لٹکنا اور اپنی جگہ سے نیچے کی طرف ہونا۔

المختار میں ہے کہ الہاضوم ایک جوارش کا نام ہے جو طعام کو ہضم کرتا ہے۔ یعنی توڑتا۔ طعام اس کی وجہ سے بہت جلد ہضم ہو جاتا ہے۔

وَتَنۡحِتُوۡنَ اور تم گھڑتے ہو گھر بنانے کے لیے مِنَ الۡجِبَالِ پہاڑوں سے بُيُوۡتًا مکانات۔

ف : منقول ہے کہ پہاڑوں میں ان لوگوں نے پتھروں سے دو ہزار بار دو ہزار ستر مکانات تیار کیے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں کاریگری کی صنعت سے موصوف فرمایا۔ کما قال :

فٰرِهِیۡنَ ۝ درانحالیکہ سنگ تراشی کے ماہر تھے، جیسا کہ امام راغب نے اس کا معنی کیا ہے حاذقین بمعنے ماہرین۔ یہ الفراھة سے مشتق ہے بمعنے نشاط۔ چونکہ سنگ تراش اپنی مہارت پہ خوش ہوتا ہے اسی لیے اس صفت سے موصوف کیا گیا اور جس نے اسے فرھین پڑھا ہے اس نے اس کا معنی مرحین لکھا ہے یعنی سرکش اور متکبر۔ پہلا معنی از فَرُہَ (بالضم) اور دوسرا از فرہ (بالکسر) ہے۔

ف : آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قومِ ہُود خیالی لذات کی خوگر تھی یعنی استعلاء و بقا اور تفرد و تجبر کے طالب تھے اور قومِ صالح حسی لذات میں منہمک تھی مثلاً کھانے پینے اور تعمیرات وغیرہ میں۔ اور یہ تمام امورِ دنیوی ہیں۔ اور غافلوں کا خاصہ ہے۔ لیکن اس سے بڑھ کر اہلِ عقبیٰ کی لذات ہیں وہ بیدار قلب لوگوں کا کام ہے اور یہ لذات

marfat.ocm

لذات علوم و معارف اور اس کے لوازمات، جیسے تواضع، وقار، تجرد اور صبر وغیرہ۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ اور حد سے بڑھنے والوں کے امر کی اطاعت نہ کرو۔ عبادت کا مقتضیٰ یہ تھا کہ ولا تطیعوا المسرفین ہونا چاہیے درمیان میں لفظ امر زائد لانا نہیں چاہیے اس لیے کہ اطاعت آمر (بصیغہ اسم فاعل) کی ہوتی ہے اور امتثال یعنی فرمانبرداری امر (مصدر) کی ہوتی ہے لیکن یہاں پر امتثال کو امر سے تشبیہ دی اس لیے کہ طاعت و امر دونوں وجود اور مامور بہ کو چاہتی ہیں۔ اس تقریر پر مشبہ بہ یعنی طاعت بول کر امتثال مراد لیا گیا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ ان کے امر کی فرمانبرداری نہ کرو الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وہ جو زمین پہ فساد برپا کرتے ہیں یعنی یہاں پر کفر و ظلم کرتے ہیں۔ یہ المسرفین کی صفت موضحہ ہے۔ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ۝ اور ایمان و عدل سے اصلاح نہیں کرتے۔ اس کا عطف یفسدون پر ہے۔ اس سے ظاہر کرنا ہے کہ ان کا افساد اصلاح سے یکسر خالی تھا۔

ف: لیکن معدودے چند لوگ تھے جنہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس کی تفصیل سورۂ نمل میں آئے گی (ان شاء اللہ)

قَالُوْٓا صالح علیہ السلام کے جواب میں قوم ثمود نے کہا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۝ بیشک تم بار بار جادو کیے گئے ہیں یہاں تک کہ اب تمہارے عقل و خیال میں خلل پیدا ہو گیا ہے اور تمہارا انداز فکر بگڑ گیا ہے۔ تفعیل کا باب محض تکثیر کے لیے ہے مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا اور تم نہیں مگر بشر مثل ہمارے۔ تم ہماری طرح کھاتے پیتے ہو، تم فرشتے تو نہیں ہو۔

ف: کاشفی مرحوم نے لکھا کہ بوجہ شکل بشری حضرت صالح علیہ السلام کی حقیقت کفار کے سامنے پوشیدہ رہی انہیں معلوم نہ ہو سکا کہ انسان اس ظاہری صورت کے علاوہ کچھ اور بھی تو ہوتا ہے ؎

چند صورت بینی اے صورت پرست
جان بے معنیست کز صورت ترست
درگزر از صورت و معنی نگر
زانکہ مقصود از صدف باشد گہر

ترجمہ: اے صورت پرست! کب تک صورت بینی میں پھنسے رہو گے وہ جان بے معنی ہے جو صرف صورت پر مبنی ہے صورت سے گزر کر معنی کو دیکھو کیونکہ صدف سے موتی مقصود ہوتا ہے (نہ کہ صرف صدف کی ظاہری شکل)

چونکہ قومِ ثمود نے صالح علیہ السلام کی ظاہری شکل سے غلطی کھائی اور اپنے جیسا سمجھ کر کہہ دیا کہ اے صالح (علیہ السلام) ! تم تو ہم جیسے بشر ہو پھر دعوئے رسالت کیسا ! اور اگر اس دعوٰی کو ترک نہیں کرتے بلکہ اصرار کرتے ہو فَأْتِ بِاٰيَةٍ تو لائیے دلیل، یعنی اپنا کوئی کارنامہ دکھائیے جو خرقِ عادت پر مشتمل ہو اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ اگر تم اپنے دین میں سچے ہو۔ صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ اس سخت پتھر سے ایسی ایسی اونٹنی نکال دے۔ صالح علیہ السلام نے دُعا مانگی تو ان کا مدعا پورا ہوگیا، جیسا کہ سورۂ اعراف و سورۂ ہود میں تفصیل گزری) قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ لو یہ ہے وہی اونٹنی جس کی تم نے فرمائش کی لَّهَا شِرْبٌ اس کے لیے پانی کی باری ہوگی وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ اور مقرر دن میں تمہارے لیے پانی کی باری ہوگی یعنی کنوئیں کا پانی ایک سالم دن اُونٹنی کے لیے چھوڑ دو اور ایک سالم دن تم پانی لیا کرو، لیکن جب اونٹنی کی باری ہو تو اُسے نہ روکنا۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہُوا کہ بکم شوب معلوم میں مہایاۃ کی صورت پیدا ہوگئی اور یہ مفاعلہ کا باب از ھیئۃ ہے بمعنے وہ حالتِ ظاہرہ جو کسی شے کے لیے تیار کی گئی ہو۔ التہائی اسی سے ہے از باب تفاعل۔ ہر وہ کام جسے متفق ہو کر تیار کیا جائے۔ گویا وہ سب ایک ہیئت پر راضی ہوگئے اور شریعت میں ہر اس منافقت کو کہا جاتا ہے جسے لوگ باری باری عمل میں لائیں۔ مثلاً ایک مشترکہ دار میں دو شریک آپس میں طے کریں کہ تم دار کے فلاں حصے میں اور ہم فلاں حصے میں یا تم اُوپری حصے میں اور ہم نچلے حصے میں یا تم ایک ماہ یا سال اس دار میں ٹھہرو گے اور ہم ایک ماہ یا سال وغیرہ وغیرہ یا دو دار ہیں ایک میں تم ایک میں ہم۔ یا مشترک غلام ہو، اور آپس میں طے کریں کہ وہ ایک دن تمہاری خدمت کرے گا ایک دن ہماری۔ یا دو مشترک غلام ہیں ان کے متعلق طے کرلیں کہ یہ تمہاری خدمت کرے گا اور وہ ہماری، وغیرہ۔ یہ تمام صورتیں التہائی کی ہیں اور سب کی سب شرعاً جائز ہیں۔ اس میں کسی امام کا اختلاف نہیں بلکہ اجماع ہے کیونکہ ایسی صورتوں میں انسان کو عام ضرورت پڑتی ہے فلہذا استحساناً جائز ہیں۔ اس لیے کہ ظاہر ہے کہ بیک وقت تمام شرکاء تو مشترکہ اشیاء سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے اسی لیے ایسی تقسیم بوجہ مجبوری جائز قرار دی گئی ورنہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ناجائز ہو کیونکہ مبادلۃ المنافع بجنسہا ہے اور ایسا مبادلہ شرعاً حرام ہے۔ لیکن کتاب وسنت کے حکم سے قیاس کو ترک کردیا گیا کتاب کی دلیل تو آیت مذکورہ ہے اور روایت ذیل کا حکم بھی یہی ہے۔

روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر میں ایک اونٹ تین آدمیوں میں تقسیم فرمایا تو راستہ طے کرنے میں تینوں باری باری اُونٹ پر سوار ہوتے۔ ایسی صورت کے جواز میں امت کا اجماع ہے۔

marfat.ocm

ف : فتح الرحمٰن میں ہے کہ مہایاۃ کے جواز و عدمِ جواز میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ باری سے رُکنے والے کو اپنی باری پر مجبور کیا جائے گا جب کہ مطالبہ کرنے والا ضد سے نہ کہہ رہا ہو۔ لیکن ائمہ ثلاثہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ جائز ہے جب سب راضی ہوں ان میں کسی کو مجبور نہ کیا جائے گا۔

وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ اور اسے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچانا۔ یعنی اسے نہ قتل کرو اور نہ مارو۔ اگر تم انکار کرو گے فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ تو تمہیں بڑے دن کا عذاب پکڑ لے گا اسے عظیم اس لیے کہا گیا تو اس میں عذابِ شدید کا نزول ہوگا۔ مثلاً جبریل علیہ السلام کی سخت آواز سے سب کو تباہ و برباد کر دینا فَعَقَرُوْهَا عقرت البعیر سے ہے بمعنے نحرتہ۔ یعنی انہوں نے اسے ذبح کیا۔ دراصل العقر بمعنے تلوار سے پنڈلی کاٹ دینا۔ (کذا فی کشف الاسرار)

یعنی کافروں نے اُونٹنی کا پیچھا کر کے اسے قتل کر دیا، وہ بدھ کا دن تھا۔ اونٹنی اس وقت مر گئی اور عقر کی نسبت تمام کافروں کی طرف ہے حالانکہ اُونٹنی کو صرف ایک نے مارا تھا کیونکہ وہ سب اُونٹنی کے مارنے پر راضی تھے۔ اسی لیے تمام کافر عذاب میں مبتلا کیے گئے۔

ف : حضرت ابُو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اُونٹنی کے رہنے کی جگہ دیکھی وہ ٦٠ × ٦٠ گز میں پھیلی ہُوئی تھی۔ اس کے مارنے کے بعد ان کافروں پر عذاب نازل ہوگیا۔

فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ۝ پس وہ اونٹنی کو مارنے کے بعد نادم ہو گئے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ اب عذاب آئے گا اور توبہ بھی قبول نہ ہوگی یا ان کو ندامت اس وقت ہُوئی جب اُنہوں نے عذاب کو نازل ہوتے دیکھا۔ اسی لیے اس وقت انہیں ندامت نے فائدہ نہ دیا اگرچہ ان کی یہ ندامت توبہ کی مانند تھی جیسے فرعون نے پانی میں ڈوبتے وقت توبہ کی کوشش کی مگر کوئی فائدہ نہ ہُوا۔

حلِ لغات : الندم والندامۃ التحسر یعنی اس رائے پر ندامت ہُوئی کہ جب انہوں نے صالح علیہ السلام کو چیلنج کے طور پر کہا فاْت بہا۔

فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ تو انہیں اس عذاب نے گھیر لیا جس کے آنے کی خبر انھیں پہلے سنائی گئی تھی وہ تھا جبریل علیہ السلام کا چنگھاڑنا اور وہ ہفتہ کا دن تھا اس میں سب کے سب تباہ و برباد ہو گئے اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً اس عذاب نازل ہونے والے میں عبرت ہے جو دلالت کرتی ہے کہ ظہورِ آیات کے بعد کفر کرنا عذاب کے نزول کا موجب ہے۔

سبق : اس سے عقلمندوں بالخصوص قریش کو عبرت کرنی چاہئے۔

وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اور نہ تھے قومِ ثمود یا قریش کے اکثر ایمان لانے والے

ف : ثمود کی قوم میں سے صرف چار ہزار اشخاص ایمان لائے۔

ف : حضرت صالح علیہ السلام پر بعد بلوغ وحی کا نزول ہُوا اور ہُود علیہ السلام کے بعد آپ ایک لاکھ افراد کی طرف نبی مبعوث ہُوئے اور ان میں ایک سو بیس سال گزارے۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ اور بے شک تیرا پروردگار غالب ہے اس پر جو اس نے قوم ثمود سے انتقام لینے کا ارادہ فرمایا جبکہ انہوں نے صالح علیہ السلام کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی جڑ کاٹ دی۔

سبق : اللہ تعالیٰ کے احکامات کی مخالفت کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ وہ بھی ایسے ہی امم سابقہ کی طرح عذاب میں مبتلا ہو جائیں۔

الرَّحِيْمُ○ وُہ بڑا مہربان ہے کہ استحقاق کے بغیر کسی پر عذاب نازل نہیں فرماتا۔

ف : چونکہ اونٹنی صالح علیہ السلام کی نبوت کی دلیل تھی اس لیے انہوں نے اسے قتل کر دیا، پھر نادم ہوئے مگر اس وقت ندامت سے کوئی فائدہ نہ ہُوا۔

سبق : قرآن مجید ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نبوت کی علامت ہے سو جو اسے چھوڑ دے گا یعنی نہ اس پر عمل کرے گا اور نہ اس کی عظمت کو مانے گا تو وہ بھی ایک دن نادم ہوگا اور اس پر عذاب نازل ہوگا۔ اس کی عظمت ماننے کا یہ معنیٰ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔

سبق : جتنا ہو سکے قرآن پاک پر عمل کیا جائے۔ یہی عقول و فہوم کا تقاضا ہے صرف زبانی جمع خرچ اچھا نہیں۔ کیونکہ عمل ہی حقیقتِ حال کا شاہد ہے۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

۱ حفظ لفظ اندر گواه قولی است
حفظ عهد اندر گواه فعلی است

۲ گر گواه قول کژ گوید رد است
ور گواه فعل کژ پوید بدست

۳ قول و فعل بے تناقض بایدت
تا قبول اندر زمان پیش آیدت

۴ چون ترازوے تو کژ بود و دغا
راست چون جوے ترازوے جزا

۵ چونکہ پاے چپ بدی در غدر و کاست
نامہ چون آید ترا در دست راست

marfat.ocm

۶ چوں جزا سایہ است اے قد تو خم
سایۂ تو کژ فتد درپیش ھم

---

۷ کافراں را بیم کرد ایزد زنار
کافراں گفتند نار اولٰے زعار

---

۸ لاجرم افتند در نار ابد
الاماں یا رب از کردار بد

ترجمہ (۱) لفظوں کی نگرانی صرف قول کی گواہی ہے اس کے عہد کی حفاظت فعلی گواہی ہے۔
(۲) اگر کوئی لفظی گواہی ٹیڑھی دے تو وہ مردود ہے ایسے ہی اگر فعل کی گواہی غلط ہے تو تمام معاملہ خراب ہو گا۔
(۳) قول و فعل میں کوئی تناقض نہیں ہونا چاہیے اس سے عدمِ قبولیت پیش آئے گی۔
(۴) جب تمہارا ترازو ٹیڑھا ہو تو اس سے سچائی طلب کرنا کیسا!
(۵) جب تم دھوکے اور فریب کا کام کرتے ہو تو پھر تمہارے ہاں سچائی کہاں سے آئے گی!
(۶) اے ٹیڑھے قد والے! تیرا سایہ تیری جزا ہے، تو ٹیڑھا تو تیرا سایہ بھی ٹیڑھا ہو گا۔
(۷) اللہ تعالیٰ نے کافروں کو آگ سے ڈرایا تو انہوں نے کہا کہ ہم کو عار کی بجائے نار بہتر ہے۔
(۸) اسی لیے وہ ہمیشہ آگ میں رہے اے اللہ! ہم بُرے عمل سے امان و پناہ مانگتے ہیں۔

سبق: اے بھائی! اہلِ عار سے نہ ہو اہلِ نار سے ہو جاؤ گے جس کے کان سننے والے اور دل یاد رکھنے والا ہے وہی آیاتِ الٰہی کی طرف متوجہ ہو گا اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرے گا اور ہر گھڑی یعنی رات دن اپنے اوقات کی نگہداشت کرے گا اور خلوت و جلوت میں ذکرِ الٰہی کی کثرت کرے گا۔

حکایت حضرت شیخ شبلی قدس سرہٗ نے سیاحت کے دوران ایک نوجوان کو کثرت سے ذکر کرتے دیکھا آپ نے اسے فرمایا صرف اللہ اللہ کی رٹ لگانے سے کام نہ بنے گا جب تک شرع مطہرہ کے حکم کی پابندی نہ کرو گے کیونکہ یہود و نصاریٰ اس ذکر میں تیرے ساتھ ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے؛

ولئن سألتھم من خلقھم لیقولن اللہ۔
(اور اگر ان سے پوچھو کہ انہیں کس نے پیدا کیا تو وہ کہیں گے اللہ نے)

(باقی برصفحہ ۶۲۶)

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٦٠﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا

لوط کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا جب کہ ان سے ان کے ہم قوم لوط نے فرمایا کیا تم

تَتَّقُوْنَ ﴿١٦١﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٦٢﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٦٣﴾ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ

ڈرتے نہیں بیشک میں تمہارے لیے اللہ کا امانت دار رسول ہوں تو اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو اور میں اس پر تم سے

عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦٤﴾ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ

کچھ اجرت نہیں مانگتا میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہان کا رب ہے کیا مخلوق میں مردوں سے بدفعلی کرتے

الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦٥﴾ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ

ہو اور چھوڑتے ہو وہ جو تمہارے لیے تمہارے رب نے جوروئیں بنائیں بلکہ تم لوگ حد سے بڑھنے

عٰدُوْنَ ﴿١٦٦﴾ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿١٦٧﴾ قَالَ اِنِّيْ

والے ہو بولے اے لوط اگر تم باز نہ آئے تو ضرور نکال دیے جاؤ گے فرمایا میں تمہارے

لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿١٦٨﴾ رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٦٩﴾ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ

کام سے بیزار ہوں اے میرے رب مجھے اور میرے گھر والوں کو ان کے کام سے بچا تو ہم نے اسے اور اس کے

اَجْمَعِيْنَ ﴿١٧٠﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿١٧١﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿١٧٢﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ

سب گھر والوں کو نجات بخشی مگر ایک بڑھیا کہ پیچھے رہ گئی پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر دیا اور ہم نے ان پر ایک برساؤ

مَّطَرًا ۚ فَسَاۗءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿١٧٣﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

برسایا تو کیا ہی برا برساؤ تھا ڈرائے گیوں کا بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں بہت مسلمان نہ

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٧٤﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٧٥﴾

تھے اور بے شک تمہارا رب ہی عزت والا مہربان ہے

(صفحہ ٦٢٥ سے آگے) نوجوان یہ سن کر دس بار اللہ اللہ کہہ کر بیہوش ہو گیا اور وہیں ڈھیر ہو گیا۔ شیخ شبلی قدس سرہٗ تشریف لائے اور دیکھا کہ اس کا سینہ پھٹ چکا تھا اور اس کے سینے پر لکھا تھا "اللہ"۔ اس پر ایک پکارنے والے نے پکار کر کہا: اے شبلی! یہ اللہ تعالیٰ کے محبوبوں میں سے تھا اور وہ بہت تھوڑے ہیں

marfat.ocm

اللہ تعالیٰ نے عارفین کے قلوب کو پیدا کر کے انہیں اپنی معرفت سے سنوارا اور یقین سے مزین کیا انہیں طریق ذکر حقانی کے ذریعے روحانی نعمتوں میں داخل فرمایا جیسے غافلوں کو نسیان اور گناہوں پر اصرار کی وجہ سے جسمانی و روحانی عذاب میں مبتلا فرماتا ہے پہلا آثار رحمتِ الٰہی ہے اور دوسرا علاماتِ عزت سے۔ اس کی طرف وہی راہ پاتے ہیں جو اس کے قُرب و وصال کے اہل ہیں۔ اس کی راہ سے وہی بھٹکتے ہیں جو اس کے قہر و عذاب کے مستعد ہیں۔ ہم اس کریم و رحیم سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں بڑے دن کے بڑے عذاب سے بچائے جس دن نہ اولاد نفع دے گی نہ مال سوائے اس کے کہ جو اللہ تعالیٰ کے ہاں قلبِ سلیم لایا۔

(تفسیر آیاتِ صفحہ گزشتہ)

تفسیر عالمانہ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِۨ قومِ لوط نے جھٹلایا یعنی اہلِ سدوم اور اس کے ملحقات الْمُرْسَلِيْنَ ۝ رسل کرام علیہم السلام کو یعنی لوط و ابراہیم علیٰ نبینا و علیہما السلام اور وہ رسل علیہم السلام جو ان سے پہلے گزرے اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ جب انہیں ان کے شفیق نبی لوط علیہ السلام نے فرمایا۔

ف: کاشفی مرحوم نے لکھا کہ یہاں اخوت سے لوط کی شفقت مراد ہے اس لیے کہ لوط علیہ السلام اس قوم کے نسب سے نہیں بلکہ اجنبی تھے کیونکہ انہوں نے جب اپنے چچا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ملک شام کی طرف ہجرت فرمائی تو ابراہیم علیہ السلام نے انہیں اُردن میں اتار کر سدوم والوں کی طرف رسول مقرر فرمایا۔

تعارفِ لوط علیہ السلام (تعارفِ لوط علیہ السلام حسب ذیل ہے:) لوط بن ہاران اور ہاران تارخ ابی ابراہیم کا بھائی تھا۔

اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ کیا تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے نہیں ہو کہ شرک و معاصی کے مرتکب ہو رہے ہو اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ بے شک میں تمہارے لیے رسول ہوں یعنی تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، اَمِيْنٌ ۝ امانت دار مشہور ہوں اور ہر ایک کو میرے اُوپر پورا اعتماد ہے فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اس لیے معتمد کی ہر بات پر اعتماد ہونا چاہیے وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اور میں تم سے تبلیغ و تعلیم کی مزدوری کا سوال نہیں کرتا مِنْ اَجْرٍ انعام اور بدلہ دنیوی کیونکہ احکامِ الٰہیہ کے مبلّغ کو کسی سے اجر اور مزدوری اور انعام لینا بُرا عمل ہے اِنْ اَجْرِیَ میرا اجر و ثواب نہیں اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ مگر پروردگارِ عالم پر بلکہ میری اس طلب کا تعلق بھی سوائے خدا کے اور کسی سے نہیں ہے

خلاف طریقت بود کا ولیا
تمنا کنند از خدا جز خدا

ترجمہ: یہ طریقت کے خلاف ہے کہ اولیاء کرام اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے سے کسی شے کی آرزو کریں۔

اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ○ استفہام انکاری ہے فاحش عمل پر اتیان کا اطلاق ایسے ہے جیسے حلال فعل پر اس کا اطلاق آیا ہے۔ کما قال:

فأتوا حرثکم۔ (آؤ اپنی کھیتیوں میں)

حلِ لغات: ذکران — ذکور ذکر کی جمع اور اُنثیٰ کی نقیض ہے۔ لیکن یہاں پر عضوِ مخصوص مراد ہے یعنی دُبر۔ (کذا فی المفردات) من العالمین — تأتون سے حال ہے۔ اس سے حیوانات سے وطی کرنے والے مراد ہیں۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ کیا تم عالمین میں حیوانات کے ذکور پر آتے اور ان سے جماع کرتے ہو اور یہ ایسا عمل ہے کہ اس میں تمہارے ساتھ اور کوئی شریک نہیں یعنی یہ ایک ایسا برا عمل ہے جس کا تمہیں علم بھی ہے اور تمہارے پاس اس کے جواز کا کوئی معقول عذر نہیں۔

ف: نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ الذکران سے حال ہو اور اس سے صرف انسان مراد ہوں۔
اب معنیٰ یہ ہُوا کہ تم اولادِ آدم کے ذکور سے وطی کرتے ہو حالانکہ تمہارے ہاں عورتوں کی بہتات ہے گویا وہ عورتیں تم کو معدوم سمجھتی ہیں۔

ف: مروی ہے کہ یہ بُرا عمل انہیں ابلیس نے سکھایا۔

وَتَذَرُوْنَ اور تم چھوڑتے ہو۔

حلِ لغات: تذرون — فلان یذر الشئ سے ہے۔ یعنی فلاں فلاں شے کو نامعتبر سمجھ کر چھوڑتا ہے۔ اس کی ماضی مستعمل نہیں۔

مَا خَلَقَ لَكُمْ اسے جو تمہارے نفع کے لیے پیدا فرمائی ہے مِنْ اَزْوَاجِكُمْ تمہاری عورتوں میں سے۔ من بیانیہ ہے اگر ازواج سے عورتوں کی جنس مراد ہو، اور اگر عضو مخصوص مراد ہو جس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے یعنی رحم، تو یہ من تبعیضیہ ہے اس میں تعریض ہے کہ وہ ایسے پاگل تھے کہ یہ لواطت اپنی عورتوں سے بھی کرتے تھے۔ یہی پچھلا معنی دلیل بن رہا ہے کہ اپنی عورتوں اور لونڈیوں سے بھی لواطت حرام ہے۔

marfat.ocm

مذمتِ لواطت حدیث شریف میں ہے،

من أتى امرأة في دبرها فهو بريئ مما انزل على محمد ولا ينظر الله اليه۔

(جو شخص اپنی عورت سے بیزار ہے تو وہ اس سے بیزار ہے جو اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل فرمایا، (قیامت میں) اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظرِ عنایت نہیں فرمائے گا)

مسئلہ : بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تو اپنی عورت کے ساتھ لواطت کو کفر کہا ہے۔

بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ○ بلکہ تم ہو جمیع معاصی میں حد سے بڑھنے والے، اور منجملہ ان کے یہ بھی ہے۔

مسئلہ : لوطی کی سزا میں اختلاف ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اس پر حد نہیں (سخت تعزیر ہے)۔

صاحبین رضی اللہ عنہما اس کے برعکس حد کی سزا کا حکم فرماتے ہیں اس کی تفصیل سورۂ ہود میں گزری ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا، فاعل و مفعول دونوں رجم کے حقدار ہیں وہ شادی شدہ ہوں یا نہ۔ اور امام شافعی و امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کی سزا زنا کے مطابق ہے۔

قَالُوْا جنہیں لوط علیہ السلام نے لواطت سے روکا انہوں نے کہا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ یٰلُوْطُ اے لوط (علیہ السلام) اگر تم ہماری قباحت بیان کرنے اور ہمیں لواطت سے روکنے سے باز نہ آؤ گے لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِیْنَ ○ تو تم شہر بدر ہونے والوں سے ہو گے اور نہایت ذلت و خواری کے ساتھ ہم تمہیں اپنے شہر سے نکال دیں گے قَالَ اِنِّیْ لِعَمَلِكُمْ فرمایا بے شک میں تمہارے عمل یعنی لواطت سے مِّنَ الْقَالِیْنَ ○ بیزاروں سے ہوں۔ یعنی ان حضرات سے ہوں جو ایسے فعل کے مرتکبین کے ساتھ سخت بغض و عداوت رکھتے ہیں گویا وہ اس سے غیظ و غضب کی وجہ سے اپنے دل اور جگر کو جلا لیتے ہیں۔ بہر حال میں تمہاری دھمکیوں اور ہراساں کرنے سے مرعوب ہو کر ایسے بُرے فعل سے منع کرنے سے باز نہیں آؤں گا۔

حلِ لغات : یہ قلی کا فاعل ہے بمعنے البغض الشدید محذوف سے متعلق ہے یہ دراصل لقال من القالین و مبغض من المبغضین ہے یعنی اس کا محذوف قال ہے اور وہ انّ کی خبر ہے اور من القالین اس کی صفت ہے اور لعملکم خبر محذوف کے متعلق ہے اور اگر ہم من القالین کو ان کی خبر اور قالین کو لعملکم کے متعلق بنائیں تو موصول کی صلہ پر تقدیم لازم آئے گی۔

ف : غالباً اس سے لُوط علیہ السلام نے ان کے ساتھ سکونت رکھنے سے کراہت کا اظہار فرمایا اور واضح فرمایا کہ خدا کرے مجھے تم سے چھٹکارا مل جائے۔ اسی لیے اب ان سے گفتگو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے :

رَبِّ اے میرے پروردگار ! نَجِّنِیْ مجھے نجات دے وَاَهْلِیْ مِمَّا یَعْمَلُوْنَ ○ اور میرے کنبہ کو اس سے جو وہ عمل کرتے ہیں یعنی ان کے خبیث عمل کی شامت اور عذاب سے فَنَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ○ تو ہم نے اسے اور اس کے سارے کنبے کو نجات بخشی یعنی ان کے رشتہ داروں کے علاوہ ان لوگوں کو بھی نجات دی جنہوں نے دُنیا میں لُوط علیہ السلام کی اتباع کی کہ پہلے انہیں اس بستی سے باہر نکالا پھر ان بستی والوں پہ عذاب نازل کیا اِلَّا عَجُوْزًا مگر ایک بڑھیا جو لُوط علیہ السلام کی اہلیہ تھی اس کا نام والھہ تھا جسے اھلہ سے مستثنیٰ کیا گیا۔

ازالۂ وہم نبی علیہ السّلام کی اہلیہ کا کافر ہونا حرج کی بات نہیں کیونکہ اس وقت کافرہ عورتوں سے نکاح جائز تھا اور وہ اس وقت لُوط علیہ السلام کے کنبہ میں شامل تھی اسی لیے اسے مستثنیٰ کیا گیا۔

حلِ لغات : امام راغب نے فرمایا کہ عجوز (عجز) کی وجہ سے اس نام سے موسوم ہوئی کہ وہ بہت سے امور میں عاجز ہوا کرتی ہے ۔

فِی الْغٰبِرِیْنَ ○ درانحالیکہ وہ ان لوگوں میں پیچھے رہنے والوں میں سے تھی جن پہ عذاب نازل ہونا تھا کیونکہ وُہ ان غلط کار لوگوں کی طرف مائل بلکہ ان کے ایسے قبیح افعال پہ خوش تھی اسے لوط علیہ السلام کے ساتھ جانا پڑا۔ لیکن راستہ میں اس کے سر پہ پتھر پڑا تو وہیں ڈھیر ہو گئی۔

اعجوبہ مروی ہے کہ لُوط علیہ السّلام کی اسی اہلیہ مذکورہ نے جب عذاب کا دھماکہ سُنا اور پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ پتھر کی شکل میں مسخ ہو گئی۔ اب وہ پتھر ہر ماہ کے اول میں حیض کرتا ہے۔ (کذا فی کتاب التعریف للامام السہیلی)

حلِ لغات : المفردات میں ہے کہ الغابر بمعنے الماکث یعنی وُہ شخص جو کسی کے ساتھ ہو اور وہ چل دے اور یہ پیچھے رہ جائے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

اِلَّا عجوزاً فی الغابرین۔

یعنی ان پیچھے رہنے والوں میں سے جن میں اس نے زندگی گزاری۔ بعض نے کہا ان کے ساتھ جو لوط علیہ السلام کے جانے کے بعد پیچھے رہ گئے تھے بعض نے کہا وہ جو عذاب کے لیے بچ رہے اور لوط علیہ السلام کے ساتھ نہ گئے۔

marfat.ocm

ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ○ پھر ہم نے دوسروں کو شدت سے تباہ کر ڈالا کر ان کے شہروں کو اُلٹ دیا۔

حلِ لغات: التدمیر بمعنے کسی کو ہلاکت میں ڈالنا۔ الدمار بمعنے عجیب طریقے سے تباہ کرنا، جو نہایت ہی ہولناک ہو۔

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا اور ہم نے ایسی بارش برسادی جو کسی کے وہم وگمان میں نہ تھی یعنی پتھر برسادیے **فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ** ○ تو بہت بری تھی بارش ان کی جنہیں ڈرایا گیا تھا اور وہ ایمان کی دولت سے محروم رہے۔

ف: اس سے کوئی مخصوص قوم مراد نہیں کیونکہ افعال مدح وذم کا قانون ہے کہ ان کا فاعل معرف بلام الجنس ہو یا معرف بلام الجنس کی طرف مضاف ہو یا مضمر ممیز بنکرہ ہو اور اس کا مخصوص بالذم محذوف ہے اور وہ مطرھم ہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً جو قوم لوط (علیہ السلام) کے ساتھ کیا گیا البتہ عبرت ہے آنے والی نسلوں کے لیے۔ پس انہیں چاہیے کہ وہ ایسے قبیح فعل سے اجتناب کریں تاکہ کہیں ان پر بھی قوم لوط کی طرح عذاب نازل نہ ہو جائے **وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ** ○ اور ان کے اکثر مومن نہ ہوئے۔

مروی ہے کہ لوط علیہ السلام پر صرف اس کی دو لڑکیاں اور دو داماد ایمان لائے۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ اور بے شک تیرا پروردگار البتہ دشمنوں پر قہر کرنے پر غالب ہے **الرَّحِيْمُ** ○ اپنے اولیاء کو مدد دینے میں مہربان ہے یا یہ معنی ہے کہ وہ تنبیہ وارشاد سے پہلے کسی پر عذاب نہیں بھیجتا اور عذاب کے مستحق کو عذاب دینا بھی اس کی کمال رحمت ہے اور اہلِ ثواب کو ثواب دینا بھی۔ کیونکہ تم نے دیکھا ہوگا کہ کسی کو آکلہ کا مرض ہو تو بھلائی اسی میں ہے کہ وہ عضو کاٹ دیا جائے ورنہ مریض کا تمام جسم تباہ ہو جائے گا۔ اس معنی پر فسادی تمام جہان کے لیے اسی مرض آکلہ کی طرح ہے کہ جس طرح آکلہ کے مریض کا متاثرہ عضو کاٹنے میں بھلا ہے ایسے ہی اہلِ عذاب کو عذاب دینے سے تمام اہلِ ثواب کی بھلائی ہوگی کیونکہ اہلِ فساد کے دفع کرنے سے اہلِ صلاح کو راحت وفرحت نصیب ہوتی ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

چونکہ دندان تو کرمش در فتاد
نیست دنداں برکنش ای اوستاد
باقیٔ تن تا نگردد زار ازو
گرچہ بود آں تو شو بیزار ازو

(باقی برصفحہ ۲۳۲)

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۶﴾

بن والوں نے رسولوں کو جھٹلایا

اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۷۹﴾

جب ان سے شعیب نے فرمایا کیا ڈرتے نہیں بیشک میں تمہارے لیے اللہ کا امانتدار رسول ہوں تو اللہ سے ڈرو اور میرا

وَمَا اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۰﴾ اَوْفُوا الْكَيْلَ

حکم مانو اور میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہان کا رب ہے ناپ پورا کرو

وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ﴿۱۸۲﴾ وَلَا تَبْخَسُوا

اور گھٹانے والوں میں نہ ہو اور سیدھی ترازو سے تولو اور لوگوں کی چیزیں

النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۱۸۳﴾ وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ

کم کر کے نہ دو اور زمین میں فساد پھیلاتے نہ پھرو اور اس سے ڈرو جس نے تم کو پیدا

وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۸۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۸۵﴾ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ

کیا اور اگلی مخلوق کو بولے تم پر جادو ہوا ہے تم تو نہیں مگر ہم جیسے آدمی

مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۱۸۶﴾ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ

اور بے شک ہم تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرادو اگر

اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۷﴾ قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ

تم سچے ہو فرمایا میرا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے کوتک ہیں تو انہوں نے

فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِيْ

اسے جھٹلایا تو انہیں شامیانے والے دن کے عذاب نے آلیا بیشک وہ بڑے دن کا عذاب تھا بے شک اس

ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۹۱﴾

میں ضرور نشانی ہے اور ان میں بہت مسلمان نہ تھے اور بے شک تمہارا رب ہی عزت والا مہربان ہے

(صفحہ ۶۳۱ سے آگے)

ترجمہ : جب تیرے دانت میں کیڑا پڑ جائے تو دانت کو اکھیڑ دے ورنہ باقی جسم

marfat.ocm

درد سے کراہے گا۔ اگر ایسا نہیں کروگے تو سارے جسم کو پریشان رکھو گے اور اس سے بیزار رہو گے۔

نکتہ :- اگر قہر و غلبہ بر اعداء کا کوئی فائدہ نہ ہوتا تو جرائم کی سزائیں ہرگز مقرر نہ کی جاتیں اسی لیے عرب کا مقولہ مشہور ہے؛

اقامة الحدود خير من خصب الزمان۔

(حدود قایم کرنا خوشحالی زمانہ سے بہتر ہے)

شہری زندگی کے فوائد حضرت ادریس علیہ السلام نے فرمایا جو ایسی جگہ سکونت پذیر ہو جہاں نہ سلطان قاہر ہے اور نہ قاضی عادل، نہ ہی طبیب عادل، نہ ہی بازار قائم، نہ ہی نہر جاری، تو اس نے اپنے آپ کو، اپنے اہل وعیال، مال اور آل واولاد کو ضائع کیا۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ شہوات سے احتراز کرے اور غلط عادات کو چھوڑے اور اپنے نفس کے ساتھ سختی و نرمی سے ہر حالت میں جہاد کرے۔

(تفسیر آیات صفحہ گزشتہ)

تفسیر عالمانہ كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ بن والوں نے رسل کرام علیہم السلام کی تکذیب کی یعنی شعیب علیہ السلام اور ان سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی۔ الایکہ وہ بن جہاں نرم پتوں والے درخت پیدا ہوتے ہیں جیسے بیری اور پیلو وغیرہ۔ یہ بن مدین کے قریب واقع تھا جہاں ایک قوم قیام پذیر تھی ان کی طرف شعیب علیہ السلام مبعوث ہوئے جبکہ پہلے آپ کو مدین میں بھیجا گیا تھا چونکہ وہ مدین والوں کے رشتہ دار تھے اسی لیے فرمایا؛

والی مدین اخاھم شعیبا۔ (اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب علیہ السلام کو بھیجا گیا)

اور بن والے آپ کے رشتہ دار نہ تھے اسی لیے ان کے لیے فرمایا: اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ جبکہ انھیں شعیب علیہ السلام نے فرمایا۔ یہاں اخوھم شعیب نہیں فرمایا۔

شعیب علیہ السلام کا نسب نامہ شعیب بن تویب بن مدین بن ابراہیم (علیہ السلام) یا ابن میکیل بن یشجر بن مدین ابن ابراہیم (علیہ السلام) اور شعیب علیہ السلام کی والدہ لوط علیہ السلام کی صاحبزادی تھیں۔

اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ کیا تم پروردگار کے عذاب سے ڈرتے نہیں کہ اس کے ساتھ شرک کرتے ہو۔

اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۝ بے شک میں تمہارے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، تمہارے معاملات میں بھی امین ہوں اور اللہ تعالیٰ کی پیغام رسانی میں بھی۔ میں صرف تمہاری اصلاح چاہتا ہوں فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ ۝ پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جس کا میں تمہیں حکم دیتا ہوں اس میں میری اطاعت کرو کیونکہ میرا حکم اللہ کا حکم ہے اور میری اطاعت درحقیقت اللہ کی اطاعت ہے وَمَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اور میں تم سے اس کے متعلق نہیں مانگتا مِنْ اَجْرٍ کوئی مزدوری اور بدلہ یعنی اللہ تعالیٰ کی پیغام رسانی میں تم سے میرا عوض اور بدلے کا کوئی سوال نہیں اور نہ ہی تعلیمِ دین میں تم سے انعام چاہتا ہوں۔

سوال : تم نے تعلیمِ دین کہاں سے نکال لیا؟

جواب : لفظِ رسول سے یہ معنی خود بخود ظاہر ہوا۔

اِنْ اَجْرِیَ میری مزدوری اور انعام نہیں اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ مگر پروردگارِ عالم کے ہاں، کیونکہ تربیت کے فیض اور تعلیم دین کا تمام ثواب اس کے ہاں ہے خصوصاً وہ حضرات جو اس کی طرف سے اس کام پر مامور ہیں اَوْفُوا الْکَیْلَ پیمانہ کو مکمل کرو، وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِیْنَ ۝ اور لوگوں کے حقوق کو کم تول کر نقصان کرنے والے نہ بنو۔

حلِ لغات : یہ خسرتہ واخسرتہ سے ہے بمعنے نقصتہ یعنی میں نے اسے کم کیا۔

وَزِنُوْا اور موزنات کا صحیح وزن کرو۔

حلِ لغات : یہ وزن یزن وزنا وزنۃ کا امر ہے۔ الوزن بمعنے شے کی مقدار کی پہچان۔

بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ۝ برابر اور صحیح ترازو کے ساتھ۔

حلِ لغات : القاموس میں ہے القسطاس بالضم وبالکسر (ترازو) یا بمعنے اقوم الموازین یعنے وہ میزان جو قسطاس کی طرح ہے یا معرب اور رومی لفظ ہے۔

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَھُمْ ۔ ان کے حقوق میں کمی نہ کرو۔

حلِ لغات : بخس حقہ سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کا حق کم کر دے۔ یہ تخصیص کے بعد تعمیم ہے۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ اعم الالفاظ سے اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ ان الفاظ سے قافلہ اور وزان اور نخاس اور محصی اور صیرفی کو مخاطب کیا جاتا ہے۔ یعنی لوگوں کے حقوق میں کسی قسم کی کمی نہ کرو، مثلاً گنتی کی کمی، کھیتی کے معاملہ کا نقص، ایسے کھوٹا سکہ وغیرہ دینا، غصب، سرقہ، مالک کی اجازت کے بغیر تصرف وغیرہ۔

وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ۝ قتل وغارت اور ڈاکہ زنی کر کے زمین میں فسادی ہو کر

marfat.ocm

نہ پھیلو۔

حلِ لغات: العثی سخت قسم کا فساد جو کسی طریق سے محسوس نہ ہونے دیا جائے۔ المفسدین حال مقیدہ ہے یعنی حد سے نہ بڑھو درانحالیکہ تم فساد کرنے والے ہو۔

سوال: عثی میں فساد کا مادہ تو موجود ہے پھر اسے فساد سے مقید کرنے کا کیا معنی؟

جواب: کبھی فساد تو ہوتا ہے لیکن اسے فساد نہیں کہا جاتا۔ جیسے وہ ظالم جو اپنے ظلم میں حد سے بڑھ رہا ہو۔ اس کا مقابلہ کرنا بظاہر تو فساد ہے لیکن غور سے دیکھا جائے تو فساد نہیں ایسے ہی کبھی اس فساد سے اصلاح مطلوب ہوتی ہے۔ جیسے خضر علیہ السلام کا غلام کو قتل کرنا اور کشتی میں سوراخ کرنا۔

وَاتَّقُوا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِیْنَ ○ جس نے تمہیں اور تم سے پہلی مخلوق کو پیدا فرمایا۔

حلِ لغات: الجبلۃ کا مادہ جبل ہے۔ اہلِ عرب کہتے ہیں، جبل یعنی خلق۔ لیکن یہ لفظ خلق سے متعلق نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے ساتھ مضاف نہ بولا جائے۔ مثلاً کہا جائے گا:

خلق ذی الجبلۃ الاوّلین۔ یعنی وہ مخلوق جو ان سے پہلے گزری۔

قَالُوْا اِنَّمَا اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ ○ انہوں نے کہا تم بار بار جادو کیے ہوئے ہیں یہاں تک کہ آپ حدِ عقل سے خارج ہیں وَمَا اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا اور تم نہیں مگر بشر ہمارے جیسا۔ یعنی صفاتِ بشریہ میں تم ہم جیسے ہو پھر تمہیں ہم پر فوقیت کیسی اور تمہارا دعویٰ رسالت کیسا۔ دو جملوں میں واؤ عاطفہ دلالت کرتی ہے کہ دونوں یعنی تسحیر اور بشریت رسالت کے منافی ہیں اس طرح سے تکذیب میں مبالغہ ہوگا بخلاف قصۂ ثمود کے کہ اس میں واؤ نہیں کیونکہ وہاں صرف ایک فعل (تسحیر) کا اثبات مقصود ہے وَاِنْ نَّظُنُّکَ لَمِنَ الْکٰذِبِیْنَ ○ ہم تمہیں دعویٰ نبوت میں جھوٹا سمجھتے ہیں فَاَسْقِطْ عَلَیْنَا تو گرا دے ہم پر۔ یعنی تم اپنے خدا کو کہو کہ وہ ہم پر گرا دے کِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ آسمان کا ایک حصہ جس میں عذاب ہو۔

حلِ لغات: کسفا۔ کسفۃ بالکسر کی جمع ہے بمعنی قطعۃ (ٹکڑا) اور السماء سے بادل یا سایہ دار شے مراد ہے۔ یہ لنا کا جواب ہے۔ ڈر سنا کر اس سے تقویٰ کا درس دیا گیا ہے۔

اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ○ اگر تم سچے ہو اس دعویٰ میں کہ عذاب آئے گا۔ یہ انہوں نے استہزاء و تکذیب کے طور پر کہا ہے قَالَ شعیب علیہ السلام نے فرمایا رَبِّیْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○ میرا رب خوب جانتا ہے جو تم عمل کرتے ہو کفر و معاصی اور ایسے اعمال جن کے سبب سے تم عذاب کے مستحق ہوئے پھر وہ اپنے وقت مقدر پر ضرور نازل ہوگا ۵

مہلت دہ روزہ ظالم ببیں ۔
فتنہ ببیں دم بدمش درکمیں
اول حالش ہمہ عیش است وناز
آخر کارش ہمہ سوز و گداز

ترجمہ ، ظالم کو دس روز کی مہلت دے کر دیکھو کہ اسے چپکے سے عذاب کیسے پکڑتا ہے ، پہلے اس کا حال عیش وناز ہے اس کا انجام سوز وگداز ہے ۔

نزولِ عذاب بر قومِ شعیب علیہ السلام

منقول ہے کہ جب قومِ شعیب علیہ السلام انکار کر کے حد سے گزر گئی تو اللہ تعالیٰ نے سات دن رات سخت گرمی ان پر مسلط کر دی یہاں تک کہ ان کے چشموں اور کنوؤں کا پانی بھی گرم ہو گیا ۔ گرمی سے ان کا دم گھٹنے لگا ۔ گھروں سے باہر نکلے تو گرمی اور بڑھ گئی ۔ جنگلوں میں جا کر درختوں سے چمٹ گئے ۔ اچانک ہوا میں ابر سیاہ اڑتا ہوا ان کے سروں پر آ پہنچا اور بھینی بھینی ہوا آنے لگی ۔ قومِ شعیب خوش ہوئی اور ایک دوسرے کو بلایا کہ آؤ اس بادل کے نیچے قرار پکڑیں ۔ جونہی سب کے سب اس بادل کے نیچے پہنچے تو اچانک بادل سے آگ کا شعلہ نکلا جس نے سب کو جلا کر بھسم کر ڈالا ۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ، فَكَذَّبُوهُ سو انہوں نے شعیب علیہ السلام کی تکذیب پر اصرار کیا باوجودیکہ ان کے سامنے حجت واضح ہو گئی اور تمام شبہات دُور ہو گئے ۔ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ، تو انہیں چھتری کے عذاب نے پکڑ لیا جیسا کہ انہوں نے طلب کیا تھا ۔

ف : اگر آسمان سے سحاب مراد ہو تو ظاہر ہے اگر آسمان سے ظُلّۃ (چھتری) مراد ہے تو چونکہ عذاب اسی جہت سے ہُوا اسی لیے اسے اس سے تعبیر کیا گیا اور بادل بھی چھتری کی طرح سایہ کرتا ہے اسی لیے اسے ظلّۃ سے تعبیر کیا گیا ہے ۔

ف : کاشفی مرحوم نے لکھا کہ ظُلّہ لغت میں سائبان کو کہا جاتا ہے اور چونکہ وہ سیاہ بادل سائبان کی طرح تھا اسی لیے اسے ظلّہ کا عذاب کہا گیا ہے ۔ اور عذاب کو یوم کی طرف اضافہ کرنے میں اشارہ ہے کہ ان کے عذاب کے ایام اس دن سے شروع ہُوئے اور راتیں ان میں ضمناً مذکور ہوئیں اسی دن سے حرارت شدیدہ تھی جس سے انھیں یقین ہو گیا کہ اب وہ عذاب میں مبتلا ہوں گے ۔

اِنَّهٗ بے شک وُہ سائبان کے عذاب کا دن كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ وہ تھا بڑے دن کا بڑا عذاب ۔

marfat.ocm

ف : اس کی عظمت اسی لیے تھی کہ اس دن ان پر بہت بڑا عذاب آیا۔

ف : مروی ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام دو اُمتوں کی طرف مبعوث ہوئے، پہلے اصحابِ مدین کی طرف، پھر اصحابِ ایکہ کی طرف۔ اصحابِ مدین صیحہ و رجفہ میں مارے گئے؛ اور اصحابِ ایکہ ایک سائبان کے دن کے عذاب سے۔

ف : حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو بیان کرے کہ عذابِ یوم الظلہ کیا تھا تو وہ گویا اس کی تکذیب کرتا ہے۔ ان کی مراد یہ ہے کہ اس وقت وہ تمام تباہ و برباد ہو گئے پھر اس کی خبر کون دیتا ہے۔ (کذا فی کشف الاسرار) (یعنی انسانی خبر کا اعتبار نہیں جبکہ اس وقت کوئی انسان نہیں بچا تھا، ہاں منجانب اللہ جو خبر مل رہی ہے اس کی تصدیق کرنی چاہیے)

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ بے شک قومِ شعیب کے قصے میں جو مذکور ہوا اس میں لَاٰیَۃً البتہ عقلاً کے لیے عبرت ہے وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اور نہ تھے اصحابِ ایکہ کے اکثر ایمان لانے والے، بلکہ سارے کے سارے ایمان نہ لائے کیونکہ اصحابِ ایکہ میں کسی ایک کا بھی ایمان لانا منقول نہیں بخلاف اصحابِ مدین کے کہ وہ سبکے سب ایمان لے آئے وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ اور بے شک تیرا پروردگار ہر شے پر قادر و غالب ہے۔ اس کے غلبہ و قدرت کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ انبیاء و اولیاء کو ان کے دشمنوں پر غالب کرتا ہے الرَّحِيْمُ ۝ کفار کو مہلت دیتا ہے اس لیے کہ وہ مہربان ہے۔

ف : یہ ان سات قصوں کا آخری قصہ ہے۔ ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ کو قریش ستاتے ہیں تو یہی طریقہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کی قوموں کا رہا کہ وہ انبیاء کو ستاتی تھیں۔ اس میں ان قریش کو تہدید ہے جو رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو ستاتے تھے تاکہ انہیں معلوم ہو کہ جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ستاتا اور ان کی تکذیب کرتا ہے اس کا انجام یوں ہی ہوگا کہ عذاب میں مبتلا ہوں گے جیسے ان قصوں میں پڑھا کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی تو ایسے عذابوں میں مبتلا ہوئے۔

سوال : اگر کوئی کہے کہ عاد و ثمود اور قوم لوط وغیرہم پر کفر و عناد و تکذیب کی وجہ سے عذاب نازل نہیں ہوا بلکہ ان کے دور میں ستاروں کی گردش کچھ ایسے ہی تھی جب یہ احتمال بھی ہے تو قصص قطعی نہیں رہے نیز یہ بھی ہے کہ کبھی اللہ تعالیٰ عذاب اس لیے نازل فرماتا کہ مکلفین کی تکلیف و مشقت و محنت ان کے مراتب و کمالات کے اضافہ کا سبب بنے اور کبھی ان سے آزمائش بھی مطلوب ہوتی ہے جیسے اہلِ ایمان کو بارہا ایسے آزمایا گیا اس سے واضح نہ ہوا کہ مذکورہ بالا اقوام کا عذاب ان کے کفر و تکذیب کی وجہ سے تھا۔

ف : ہمیشہ دستور رہا کہ جس قوم نے کسی نبی علیہ السلام کی تکذیب کی تو وہ لازماً عذاب میں مبتلا ہوئے اسے

ستاروں کی گردش پر محمول کرنا حماقت ہے کیونکہ ستاروں کی گردش انہی واقعات کی پابند نہ تھی اور نہ ہی آزمائش و ابتلاء کا پروگرام ان واقعات کے ساتھ کوئی مناسبت رکھتا ہے۔

ف : عذابِ ماضی تو مذکور ہوا لیکن اس میں عذابِ مستقبل کا اشارہ بھی ہے۔

تفسیر صوفیانہ

زمانہ حال کا عذاب یہ ہے کہ انسان دل کو غیر اللہ سے متعلق کرلے اور اس کی توجہ ہر وقت اسی کی طرف ہو جیسے ان کا دل کو خالی رکھنا اور عزم علی العصیان سے دُور کرنا ضروری ہے ایسے ہی اسے تصدیق و ایمان کے زیور سے آراستہ کرنا ضروری ہے۔ ایسے ہی لازم ہے کہ دل کو علائق دنیویہ سے دُور رکھا جائے۔ اور شئون رب الخلائق کے مشاہدہ میں مستغرق کیا جائے کیونکہ یہی امور عذابِ فراق سے چھٹکارا بخشتے ہیں اور قہر خلائق سے نجات دیتے ہیں لیکن یہ عمل بو شریعت سے حاصل ہوتا ہے کہ اس کے احکام کی پابندی کی جائے اور اس کے ارشادات کو تہِ دل سے مانا جائے اور طریقت کو اپنانے سے بھی نجات مل جاتی ہے جبکہ اس کے جملہ آداب ملحوظ ہوں جو شخص اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد ان کے تبعین اور ائمہ مجتہدین کے ارشادات کا پابند بناتا ہے اور زہد و ورع اور دائمی شب خیزی اور ماموراتِ شرعیہ کی پابندی اور منہیات کا ترک کرتا ہے یہاں تک کہ مصائب اور تکالیف راحت بن جائیں اور تنگیِ معاش فرحت محسوس ہو اور دنیا کی پریشانیاں اور اس کی تکلیفیں اور شہوات تبدیل ہو کر اُخروی امور کے لیے سرور بن جائیں تو پھر یقین کرلو کہ وہ اللہ تعالیٰ کا محب بھی ہے اور محبوب بھی۔ اور اب اس کے دل پر رحمت کے دھارے چلیں گے اور اس کی زندگی کا مشغلہ احکامِ الٰہی کی پابندی ہوگا ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کا مبغوض ہے جس پر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا غضب ہوگا اور اسم عزیز کے قہر و غلبہ کے ماتحت ہمیشہ سزائیں پائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اہلِ رحمت سے بنائے اور ہم سب کو اپنے عذاب سے بچائے اور ہم سے ہر بری علت و ذلت دُور فرمائے۔ کسی نے کیا خوب فرمایا : ؎

محیط از چہرۂ سیلاب گرد راہ می شود
چہ اندیشد کسے با عفو حق از گرد ذلتہا

ترجمہ : وہی چہرے سے گردِ راہ دھوئے گا عفو حق
جسے نصیب ہو وہ ذلتوں کی گرد سے کیا فکر کرے گا وہی
معاف کرنے والا بخشنے والا ہے اسی سے وافر اجر کا
فیض ہے۔

marfat.ocm

وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٩٢﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ﴿١٩٣﴾ عَلَىٰ قَلْبِكَ
اور بے شک یہ قرآن رب العالمین کا اتارا ہوا ہے اسے روح الامین لے کر اترا تمہارے دل پر

لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴿١٩٤﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ﴿١٩٥﴾ وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ ﴿١٩٦﴾
کہ تم ڈر سناؤ روشن عربی زبان میں اور بے شک اس کا چرچا اگلی کتابوں میں ہے

أَوَلَمْ يَكُن لَّهُمْ آيَةً أَن يَعْلَمَهُ عُلَمَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿١٩٧﴾ وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلَىٰ
اور کیا یہ ان کے لیے نشانی نہ تھی کہ اس نبی کو جانتے ہیں بنی اسرائیل کے عالم اور اگر ہم اسے کسی غیر عربی شخص

بَعْضِ الْأَعْجَمِينَ ﴿١٩٨﴾ فَقَرَأَهُ عَلَيْهِم مَّا كَانُوا بِهِ مُؤْمِنِينَ ﴿١٩٩﴾ كَذَٰلِكَ سَلَكْنَاهُ
پر اتارتے کہ وہ انہیں پڑھ کر سناتا جب بھی اس پر ایمان نہ لاتے ہم نے یونہی جھٹلانا پیرا دیا ہے

فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ﴿٢٠٠﴾ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿٢٠١﴾
مجرموں کے دلوں میں وہ اس پر ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ دیکھیں دردناک عذاب

فَيَأْتِيَهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٠٢﴾ فَيَقُولُوا هَلْ نَحْنُ مُنظَرُونَ ﴿٢٠٣﴾ أَفَبِعَذَابِنَا
تو وہ اچانک ان پر آجائے گا اور انہیں خبر نہ ہوگی تو کہیں گے کیا ہمیں کچھ مہلت ملے گی تو کیا ہمارے

يَسْتَعْجِلُونَ ﴿٢٠٤﴾ أَفَرَأَيْتَ إِن مَّتَّعْنَاهُمْ سِنِينَ ﴿٢٠٥﴾ ثُمَّ جَاءَهُم مَّا كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿٢٠٦﴾
عذاب کی جلدی کرتے ہیں بھلا دیکھو تو اگر کچھ برس ہم انہیں برتنے دیں پھر آئے ان پر جس کا وہ وعدہ دیئے جاتے ہیں

مَا أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا يُمَتَّعُونَ ﴿٢٠٧﴾ وَمَا أَهْلَكْنَا مِن قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنذِرُونَ ﴿٢٠٨﴾
تو کیا کام آئے گا ان کے وہ جو برتتے تھے اور ہم نے کوئی بستی ہلاک نہ کی جسے ڈر سنانے والے نہ ہوں

ع ذِكْرَىٰ وَمَا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿٢٠٩﴾ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيَاطِينُ ﴿٢١٠﴾ وَمَا يَنبَغِي لَهُمْ وَمَا
نصیحت کے لیے اور ہم ظلم نہیں کرتے اور اس قرآن کو لے کر شیطان نہ اترے اور وہ اس قابل نہیں اور نہ وہ ایسا کرسکتے

يَسْتَطِيعُونَ ﴿٢١١﴾ إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُولُونَ ﴿٢١٢﴾ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَتَكُونَ
ہیں وہ تو سننے کی جگہ سے دور کردیئے گئے ہیں تو تو اللہ کے سوا دوسرا خدا نہ پوج کہ تجھ پر

مِنَ الْمُعَذَّبِينَ ﴿٢١٣﴾ وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴿٢١٤﴾ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ
عذاب ہوگا اور اے محبوب اپنے قریب تر رشتہ داروں کو ڈراؤ اور اپنی رحمت کا بازو بچھاؤ

اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢١٥﴾ فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٢١٦﴾
اپنے پیرو مسلمانوں کے لیے تو اگر وہ تمہارا حکم نہ مانیں تو فرمادو میں تمہارے کاموں سے بے علاقہ ہوں

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ﴿٢١٧﴾ الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ ﴿٢١٨﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِي
اور اس پر بھروسا کرو جو عزت والا مہر والا ہے جو تمہیں دیکھتا ہے جب تم کھڑے ہوتے ہو اور نمازیوں میں تمہارے دورے

السَّاجِدِينَ ﴿٢١٩﴾ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٢٢٠﴾ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ ﴿٢٢١﴾
کو بے شک وہی سنتا جانتا ہے کیا میں تمہیں بتادوں کہ کس پر اترتے ہیں شیطان

تَنَزَّلُ عَلَى كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ﴿٢٢٢﴾ يُلْقُونَ السَّمْعَ وَأَكْثَرُهُمْ كَاذِبُونَ ﴿٢٢٣﴾ وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ
اترتے ہیں ہر بڑے بہتان والے گنہگار پر شیطان اپنی سنی ہوئی ان پر ڈالتے ہیں اور ان میں اکثر جھوٹے ہیں اور شاعروں کی پیروی

الْغَاوُونَ ﴿٢٢٤﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ﴿٢٢٥﴾ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا
گمراہ کرتے ہیں کیا تم نے نہ دیکھا کہ وہ ہر نالے میں سرگرداں پھرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں جو نہیں کرتے

يَفْعَلُونَ ﴿٢٢٦﴾ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَ
مگر وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے اور بکثرت اللہ کی یاد کی اور

انْتَصَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا ۗ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ
بدلہ لیا بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہوا اور اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر

مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ﴿٢٢٧﴾
پلٹا کھائیں گے

تفسیر عالمانہ وَاِنَّهٗ یہ ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے اگرچہ اس سے پہلے اس کا ذکر نہیں لیکن چونکہ اس کا تصور اذہان میں سمایا ہوا ہے اسی لیے گویا مذکور ہے لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ تفعیل کا باب بتاتا ہے کہ یہ قرآن مجید آیاتِ مختلف ہو کر تئیس سال میں نازل ہوا۔ تنزیل مصدر بمعنے مفعول ہے۔ مصدر کے ساتھ لانے میں مبالغہ مطلوب ہے اور رب العالمین کی صفت میں اشارہ ہے کہ قرآن مجید کے نزول سے بندوں کی تربیت اور ان سے شفقت و رافت مطلوب ہے۔ اب معنیٰ یہ ہے کہ قرآن مجید کے جتنے قصص (سبعہ) مذکور ہوئے تمام کے تمام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں ورنہ تم اسے بیان نہ کر سکتے اور نہ ہی اس طرح سے تمہاری رسالت کی صداقت ظاہر ہوتی کیونکہ یہ تمام بطریقِ وحی تو معلوم ہو سکتے ہیں اپنی طرف سے ایسے کوئی نہیں

marfat.ocm

معلوم کر سکتا۔ نَزَلَ بِہٖ باء تعدیہ کی ہے یعنی اس نے نازل کیا، یا ملابست کی ہے یعنی قرآن کے ساتھ آیا الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ○ جبریل علیہ السلام کیونکہ وحی کے امین اور رسل کرام علیہم السلام کے ہاں پہنچانے والے ہیں اور روح اس لیے ہیں کہ وہ قلوب مکلفین کی حیات کے سبب ہیں کہ نورِ معرفت و طاعت سے قلوب کو حیات نصیب ہوتی ہے تو وحی سے، اور وحی میں معرفت کی حیات اور جہالت کی موت ہے تو یہ سب کچھ جبریل علیہ السلام کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ پہ فرمایا؛

یلقی الروح من امرہ علیٰ من یشاء من عبادہ۔

(اور روح وہی اللہ تعالیٰ کے حکم سے بندوں پر ڈالتا ہے جو وہی چاہتا ہے)

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ جبریل علیہ السلام کو رُوح اس لیے کہا گیا کہ ان کا جسم رُوح کی طرح لطیف ہے ایسے ہی روحانی ملائکہ رُوح سے پیدا کئے گئے اور رُوح ایک ہوا ہے۔

ف : فقیر (صاحبِ روح البیان) کہتا ہے کہ اس میں شک نہیں کہ ملائکہ اجسام لطیف ہیں اور ان کی اس لطافت کی وجہ سے ان پر روحانی احکام غالب ہوتے ہیں۔ اسی معنی پر ان کا نام ارواح ہے اور جبریل علیہ السلام کے ساتھ خصوصیت اس لیے ہے کہ وہ تمام ملائکہ پر ایسے ہیں جیسے کسی امت کا رسول ہو۔

ف : قرآن کلامِ الٰہی ہے اور اس کی صفت ہے جو اس کے ساتھ قائم ہے اسے الفاظ عربیہ کا جامہ پہنا کر پہلے جبریل علیہ السلام پر نازل کیا اس کے بعد انہیں امین بنایا تاکہ وہ اس کے حقائق میں کسی قسم کا تصرف نہ کر سکیں پھر اسے اس کے ذریعہ حضور سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر پر نازل فرمایا۔ جیساکہ فرمایا؛

عَلٰی قَلْبِكَ جبریل علیہ السلام نے آپ کے ہاں حبیب علیہ السلام پڑھا یہاں تک کہ آپ نے اسے یاد کر لیا اور نزول کے لیے قلب کی تخصیص اس لیے کہ وحی کی حفاظت و تثبیت اور الہام کا محل و معدن قلب ہے اور انسان کے وجود میں سوائے قلب کے اور کوئی شے خطاب و فیض الٰہی کے قابل نہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی اس مرتبہ عالیہ اور کرامت قدسیہ کے اہل ہیں کیونکہ باقی انبیاء علیہم السلام کی کتابیں الواح و صحیفوں میں یکبارگی نازل ہوئیں اور وہ ان کی صورتوں اور ظاہری شکلوں کے آگے، نہ کہ قلوب پر۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر صوفیانہ

کشف الاسرار میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی ہے تو سب سے پہلے آپ کے قلب پر، کیونکہ آپ کے دل کو وحی کی پیاس تھی اور آپ ہر وقت باری تعالیٰ کی ذات میں مستغرق رہتے۔ دل پہ نزول کے بعد پھر فہم و سمع پر نازل ہوتا ہے اسے نزول من العلو الی السفل کہا جاتا ہے اور یہ خواص کا مرتبہ ہے اور عوام کا یہ حال ہے کہ وہ پہلے وحی کو سنتے ہیں اسی لیے وحی پہلے ان کی سمع پر پھر فہم پر پھر قلب پر نازل ہوتی ہے یہ اسفل سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے یہی مریدین اور اہلِ سلوک کا مرتبہ ہے

(اس سے سمجھ لیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر خواص اور عوام کے درمیان کتنا فرق ہے)

ف : جبریل علیہ السلام وحی لاتے وقت کبھی بصورتِ ملک ہوتے اور کبھی بصورتِ بشر۔ اگر آیات احکامِ شرعیہ ذکرِ حلال وحرام سے متعلق ہوتیں تو بشری شکل میں ہوتے۔ چنانچہ فرمایا:

وھوالذی انزل علیک الکتاب۔

اس میں قلب کے درمیان میں ذکر نہ ہوتا اور جب حدیثِ عشق ومحبت ہوتی اور عارفانہ اسرار ورموز کا بیان ہوتا تو بصورتِ ملک حاضر ہوتے یعنی روحانی اور لطیف شکل میں حاضری دیتے تاکہ صرف آپ کے قلبِ اطہر پر ہی آیات کا نزول ہو ان سے اغیار مطلع نہ ہوں۔ جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

نزل بہ الروح الامین علیٰ قلبک۔

جب جبریل علیہ السلام چلے جاتے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے، جبریل علیہ السلام مجھ سے جدا ہو گئے اور میں نے ان کا بیان کردہ مضمون یاد کر لیا۔

ف : الفتاویٰ الزینیۃ میں ہے کہ سید (مفتی زمان) سے پوچھا گیا کہ حضرت جبریل علیہ السلام حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر کتنی بار نازل ہوئے؟ انہوں نے فرمایا کہ چوبیس ہزار بار۔

مشکاۃ الانوار میں ستائیس ہزار بار لکھا ہے۔ اور دیگر جملہ انبیاء علیہم السلام پر صرف تین ہزار بار۔

تفسیر عالمانہ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ۝ تاکہ آپ ہوں ڈرانے والوں میں سے، یعنی انہیں امر ونہی کے ذریعہ عذابِ الٰہی سے ڈرائیں۔ اس میں نزول اور تنزیل کی حکمت ومصلحت کا بیان ہے یہ اس قبیل سے ہے کہ اس کی ایک طرف مذکور ہو تو دوسری طرف محذوف۔ کیونکہ مذکور محذوف پر دلالت کرتی ہے یہ اس لیے کہ نزولِ قرآن صرف انذار کے لیے نہیں بلکہ تبشیر کے لیے بھی ہے۔

نکتہ : فقیر (علامہ اسمٰعیل حقی علیہ الرحمۃ) کہتا ہے کہ اصل انذار ہے اور اس کی تقدیم بھی اسی لیے ہے کہ یہ بمنزلہ تخلیہ (شے کو صاف وستھرا کرنا) کے ہے اسی لیے قرآن مجید کے اکثر مقامات پر صرف اسی پر اکتفا کیا گیا ہے۔

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ۝ یہ بھی نزل کے متعلق ہے۔ اسے مؤخر اس لیے کیا گیا کہ انذار اس سے زیادہ مہتم بالشان ہے۔

حل لغات : اللسان بمعنے لغت یعنی بولی۔ کیونکہ زبان بولنے کا آلہ ہے فعل کو آلہ سے موسوم کرنا جائز ہے۔ یعنی قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے تاکہ اظہارِ معنیٰ میں مخفانہ ہو اور مقصد پہ دلالت کرنے میں واضح ہو تاکہ کفار کو قیامت میں کسی قسم کا عذر نہ ہو، یہ نہ کہہ سکیں کہ نازل کردہ کلام کو ہم سمجھتے نہیں تھے۔

marfat.ocm

جاہل صوفیوں کا رد

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا اس میں باطنیہ (جاہل صوفیہ) کا رد ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن قلبِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی لغت و زبان پر وارد ہوا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی عربی بولی میں ظاہر فرمایا۔ یہ ان کا خیال فاسد ہے اور نص و اجماع کے مخالف و منافی ہے۔ اگر ان کی بات تسلیم کرلی جائے تو قرآن اور حدیثِ قدسی کا کوئی فرق نہیں رہے گا۔

لغتِ عربیہ کے فضائل

آیت سے ثابت ہوا کہ عربی زبان باقی تمام زبانوں سے افضل ہے کیونکہ قرآن اسی زبان میں نازل ہوا۔ اگر کوئی اور زبان زیادہ فضیلت رکھتی تو قرآن اُسی میں نازل ہوتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اسے مبین سے تعبیر فرمایا ہے۔

جنت کی بولی

یہی وجہ ہے کہ جنت میں عربی بولی جائے گی، اور دوزخیوں کی بولی عجمی ہوگی۔ حضرت سفیان نے فرمایا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ بہشت میں داخلے سے پہلے سریانی بولی بولی جائے گی اس کے بعد عربی۔

سوال: یہ کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ قرآن عربی زبان میں ہے حالانکہ اس میں بہت سے الفاظ غیر عربی ہیں مثلاً سجّیل فارسی لفظ ہے بمعنے پتھر اور مٹی۔ صُرھُنّ رومی لفظ ہے بمعنے اقطعھن (انہیں ٹکڑے ٹکڑے کرو) اور فی جیدھا ارمینیہ بولی ہے۔ اور ولات حین مناص میں لات بمعنے لیس سریانی لفظ ہے۔ اور کفلین بمعنے ضعفین حبشی زبان ہے۔

جواب: چونکہ یہ الفاظ اہلِ عرب میں معروف تھے اور آپس میں استعمال کرتے تھے۔ اس لیے یہ الفاظ گویا عربی ہی ہیں۔

عربی پڑھنا سیکھنا ثواب ہے

حضرت فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چونکہ عربیت کو دوسری تمام زبانوں پر فضیلت حاصل ہے اس لیے اس کا پڑھنا اور پڑھانا اجر و ثواب ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو عربی زبان میں نازل فرمایا ہے۔

فاروق اعظم کا ارشاد

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس نے صرف فارسی سیکھی وہ خسارہ میں رہا اور خسارہ کی وجہ سے اس سے مروت بھی جاتی رہے گی، یعنی جس نے صرف فارسی سیکھنے پر ہی اکتفا کیا اور عربی نہ سیکھی تو وہ عجمی ہی رہے گا اور عربوں کے ساتھ گفتگو نہ کرسکے گا تو ان کی نظروں سے گر جائے گا۔ یوں اس سے مروت چلی جائے گی (صرف فارسی مراد نہیں بلکہ ہر زبان مثلاً انگریزی، اردو، سرائیکی، سندھی، پنجابی، بروہی، بلوچی وغیرہ بحیثیت دین کے امور ترک کرنے کے)

مسئلہ: جو غیر عربی سیکھے یا بولے جائز ہے اس پر کوئی گناہ نہیں۔

الجوبہ : مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فارسی میں گفتگو فرمائی۔

ف : میں (صاحب روح البیان) کہتا ہوں کہ فارسی لسانِ عجم کا ایک شعبہ اور عربی زبان کے بالمقابل ہے لیکن اسے باقی تمام لغات پر فضیلت حاصل ہے (اس لیے اسلام میں عربی کے بعد فارسی زبان زیادہ رائج ہے لیکن آج کل کا مہذب مسلمان انگریزی کو ترجیح دیتا ہے اسے کیا کہا جائے!)

حدیث شریف میں ہے کہ :

لسان اهل الجنة العربية والفارسية الدرية۔

(اہلِ جنت کی زبان عربی اور بولی فارسی ہوگی)

ف : الدرية بتشديد الراء كذا فی الكرمانی وغيره۔

اور ایسے ہی صاحب الکافی والقہستانی وابن الکمال وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ نے ذکر فرما کر اس کی تصیح فرمائی ہے۔

فضیلت لغتِ عربی

سوال : اگر کوئی کہے کہ حدیث شریف میں ہے کہ :

احب العرب لثلاث لأنی عربی والقرآن عربی ولسان اهل الجنة فی الجنة عربی۔

(عربی سے محبت کرو تین وجوہ سے : میں عربی، قرآن عربی اور اہلِ جنت کی جنت میں زبان عربی)

اس میں تو بہشت کی بولی صرف عربی کو کہا گیا ہے۔

جواب : یہ تخصیص حصری نہیں کہ اس سے دوسری کوئی بولی مراد نہ ہو۔ یہ درست ہے کہ اہل جنت کی بولی عربی ہوگی اور فارسی بھی، جیسے دوزخیوں کی بولی فارسی بھی ہوگی۔ فارسی کو دُنیا میں بہت سے عارفین نے استعمال فرمایا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

فارسی گو گرچہ تازی خوشتر ست
عشق را خود صد زبان دیگر ست

ترجمہ : فارسی میں بول اگرچہ عربی زبان خوشتر ہے لیکن عشق کی سو زبانیں اور بھی ہیں۔

ف : اس میں عربی زبان کو سیکھنے کے بعد فارسی زبان کی تحصیل کی ترغیب ہے۔ یہاں پر مزید تفصیل ہے جسے ہم نے "تمام الفیض" کتاب میں لکھ دیا ہے۔

marfat.ocm

وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ ۝ زُبُر، زبور کی جمع ہے بمعنی کتاب۔ جیسے رسل رسول کی جمع ہے اب معنی یہ ہوا کہ پہلے انبیاء علیہم السلام کی کتابوں میں مذکور ہے۔ یعنی ہم نے ان کتابوں میں قرآن مجید کے نزول کا ذکر کیا تھا کہ یہ قرآن نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوگا اَوَلَمْ یَکُنْ لَّهُمْ اٰیَةً اَنْ یَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۝

ترکیب: ہمزہ انکار نفی کے لیے ہے واؤ کا عطف فعل مقدر پر ہے لھم، آیۃ سے حال ہے اور لھم کی ضمیر مشرکین عرب کی طرف راجع ہے اور آیۃ فعل ناقص یعنی لم یکن کی خبر ہے اپنے اسم یعنی ان یعلمہ پر مقدم ہے اس لیے کہ اس کی تقدیم کی اور اسم کی تاخیر کی ضرورت ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ یہ لوگ غافل ہیں کیا ان کے ہاں کوئی ایسی دلیل نہیں جو بتائے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے اور وہ پہلی کتب میں بھی مذکور ہے اسے بنی اسرائیل کے علماء، جیسے عبداللہ بن سلام وغیرہ، بھی جانتے ہیں کہ ان کی کتب میں قرآن مجید کے اوصاف مذکور ہیں اور ان میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوگا اور یہ علماء کرام قرآن مجید کے نزول اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کو خوب جانتے ہیں اور اہل علم کی شہادت عوام کے لیے تسکین و اطمینانِ قلبی کا موجب ہے۔

ف: مروی ہے کہ اہل مکہ نے مدینہ کے یہود سے معلومات حاصل کیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت و رسالت حق ہے یا نہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم ان کی نعت اور صفات پڑھ چکے ہیں اب ان کے ظہور کا وقت ہے (لہذا اگر تشریف لا چکے ہیں تو مان لو)

وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ اور اگر اس کی تکلم عجیب و معجز و غریب کے ساتھ ہم اسے نازل کرتے عَلٰی بَعْضِ الْاَعْجَمِیْنَ ۝ بعض ان عجمیوں پر جو عربی میں گفتگو نہیں کر سکتے۔

ف: اعجمین، اعجمی کی جمع ہے (بالتخفیف)۔ یعنی اعجمی کی یاء مشدد نہیں اسی لیے اس کی جمع سالم لائی گئی ورنہ اگر اعجم کی جمع ہو تو اسے جمع سالم پر نہیں لائی جائے گی اس لیے کہ اعجم کی جمع عجماء آتی ہے اور ایسے افعل و فعلاء کی جمع سالم مذکر نہیں لائی جاتی۔

فَقَرَاَهٗ عَلَیْهِمْ تو وہ ان کے ہاں صحیح قرأت پڑھے خرقاً للعادۃ کے طور۔ یعنی وہ سمجھتے ہوں کہ یہ عجمی ہو کر صحیح عربی پڑھ رہا ہے باوجودیکہ وہ عربی نہ جانتا تھا لیکن صحیح پڑھتا ہے تو یہ اس کا معجزہ ہے۔ اور معجزہ نبی علیہ السلام کا ہوتا ہے فلہذا ماننا چاہیے لیکن ان کی اس وقت بھی یہ کیفیت ہوگی کہ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِیْنَ ۝ وہ ایمان لانے والے نہیں باوجودیکہ وہ یقین رکھتے ہیں کہ پڑھنے والا بھی معجزہ کے طور پڑھ رہا ہے اور جسے پڑھا جا رہا ہے بھی ایک معجزہ ہے لیکن ان میں اتنا شدید عناد اور ضد اور ہٹ دھرمی ہے کہ وہ اسے ماننے کو تیار نہیں۔

ف : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت اور اعلیٰ حکمت کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ قدرتوں والا ہے کہ اگر یہ قرآن عربی ایسے عجمی پر نازل فرماتا جسے عربی زبان نہیں آتی تھی تو وہ بعد نزول قرآن بقدرت الٰہی قرآن کو اور اس کے احکام و حکم کو سمجھنے لگ جائے تو ہو سکتا ہے کیونکہ آدم علیہ السلام کو تمام اسماء اور عربی بولی سکھا دی، جیسے اس شخص پر فضلِ الٰہی ہوا جو کہہ رہا تھا :

امسیت کردیا و اصبحت عربیا۔

(شام کو کُردی تھا تو صبح کو عربی ہو گیا)

لیکن چونکہ منکرین ماننے والے نہ تھے باوجودیکہ ان کے سامنے قرآن معجزہ در معجزہ تھا كَذٰلِكَ ایسے طریق عجیب کی طرح اس کا اشارہ مصدر کی طرف ہے سَلَكْنٰهُ ہم نے داخل کیا قرآن کو فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ۝ مجرمین یعنی مشرکین عرب کے قلوب میں۔ تو انہوں نے قرآن کے معانی اور اس کے اعجاز کو مکمل طور پر جان لیا۔ چنانچہ فرمایا : لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ایمان نہ لائے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے بوجہ عناد کے حَتّٰى یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ۝ یہاں تک کہ عذاب دردناک کو دیکھتے جو انہیں ایمان لانے پر مجبور کرتا لیکن اس وقت ان کا ماننا ان کے لیے مفید نہ ہوا، فَیَاْتِیَهُمْ سو ان کے ہاں عذاب آجائے گا بَغْتَةً اچانک۔ یعنی دنیا و آخرت کا عذاب اچانک آئے گا۔ اس کا عطف یروا پر ہے وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ۝ اور وہ اس اچانک عذاب کے آنے کو جانتے سمجھتے نہ تھے یعنی انہیں اس کا اچانک آنا معلوم نہ تھا فَیَقُوْلُوْا تو حسرت سے کہیں گے کہ افسوس ہم ایمان نہ لا سکے، کاش! ہمیں مہلت مل جاتی تاکہ ہم سے جو بات چُوک گئی اس کی تلافی کر لیتے۔ اس کا عطف یاتیھم پر ہے هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ۝

حلِ لغات : الانظار بمعنے تاخیر و امہال۔ یعنی کیا ہمیں مہلت مل جائے گی تاکہ ایمان لائیں۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں عذابِ الٰہی سے ڈرایا تو کہنے لگے کہ ہمیں کب تک اس عذاب سے ڈراتے رہو گے اور وہ عذاب آئے گا کب۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اَفَبِعَذَابِنَا یَسْتَعْجِلُوْنَ۝ کیا وہ ہمارے عذاب کو بعجلت مانگ رہے ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ ہمارے اوپر آسمان سے پتھر برسا دو، کبھی کہتے کہ جس عذاب سے ڈراتے ہو اسے لاؤ اور یہ عذاب کب آئے گا۔ لیکن جب عذاب آگیا تو ان کا حال یہ ہے کہ وہ مہلت مانگتے ہیں۔ فا کا فعل مقدر پر عطف ہے۔ یعنی ان کا یہ حال ہے کہ ادھر تو عذاب مانگتے ہیں، جب آگیا تو مہلت چاہتے ہیں۔ ان کے دونوں طریقوں میں منافات ہے جیسا کہ مخفی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ ان کا عذاب بعجلت مانگنا عذاب بھیجنے کا سبب ہے اگر وہ عذاب کے مستحق نہ ہوتے تو وہ بعجلت عذاب کا مطالبہ نہ کرتے۔

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ اَفَرَءَیْتَ هل نحن منظرون سے متعلق ہے ان کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔ اس میں انہیں زجر و توبیخ کی گئی ہے جیسے کہ وہ اس کے مستحق تھے اسی استحقاق پر انھیں ڈانٹ پلائی گئی۔

ف : چونکہ رؤیت اخبار بالشیٔ کے متعلق اقویٰ و اظہر اسباب سے ہے۔ اسی لیے اس کا عام استعمال اخبار کے معنی میں آتا ہے۔

اب معنیٰ یہ ہے کہ مجھے خبر دے اے وہ مخاطب جو اس خطاب کی اہلیت رکھتا ہے اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ اگر ہم مشرکین کو تمتع و نفع اٹھانے والا بنا دیں سِنِیْنَ ۝ کئی سال یعنی دنیا میں ایک عرصہ تک انھیں اچھے عیش دیں اور مہلت دے کر انھیں عذاب میں مبتلا نہ کریں۔

ف : کلبی نے کہا اس سے ان کی تمام عمر مراد ہے۔ عطاؔ نے کہا اس سے دنیا کی ابتداء تا انتہاء مراد ہے۔

ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ۝ پھر ان کے ہاں وہ آئے جس سے وہ ڈرائے جاتے تھے یعنی عذاب۔ الایعاد بمعنے تخویف یعنی ڈرانا۔ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یُمَتَّعُوْنَ ۝ تو انہیں اس عذاب سے نہ بچائے گا وہ جو نفع پاتے تھے۔ یعنی ان کی طویل عمر تک دنیوی عیش و عشرت انھیں عذابِ الٰہی سے نہ بچا سکے گا نہ ہی اس میں تخفیف ہو سکے گی۔

ف : اغنیٰ کا مفعول محذوف ہے اس کا فاعل ما کانوا یمتعون ہے۔ یا دراصل ای شیٔ اغنیٰ عنہم کونہم ممتعین ذٰلك التمتیع علی المؤبد تھا۔ یعنی کون سی شے ہے جو انہیں طویل مدت عیش و عشرت میں زندگی بسر کرنے کے باوجود عذابِ الٰہی سے بچاتے۔

ف : ما کانوا یمتعون میں ما مصدریہ یا متاع سے دنیوی عیش و عشرت مراد ہو اس وقت ما موصولہ ہوگا اس کا عائد محذوف ہے اور اغنیٰ کا مفعول مقدم ہے اور استفہام نفی کا ہے اور ما کانوا اس کا فاعل ہے۔ یہی پہلے معنیٰ سے اولیٰ ہے کیونکہ استخبار (طلب خبر) کے موافق ہے۔ اور بلیغ ترین وجہ سے انتفاء اغناء پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اس طرح سے ہر مخاطب خبر دے سکتا ہے کہ ان کو طویل مدت تک دنیوی منافع حاصل کرنا عذابِ الٰہی سے نہ بچا سکا اور کوئی شے بھی فائدہ مند نہ ہوئی ان کے سوا کوئی اس طرح کی خبر دینے پہ قدرت نہیں رکھتا۔

حکایت میمون بن مہران حضرت حسن بصری (رحمہ اللہ تعالیٰ) کو طواف کرتے وقت ملے عرض کی مجھے نصیحت فرمایئے آپ نے یہی آیت پڑھی۔ اس نے کہا آپ نے خوب فرمایا بہترین نصیحت ہے۔

حکایت حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تخت پر بیٹھتے وقت روزانہ یہی آیت پڑھتے تھے ؎

١ جہاں بے وفائیست مردم فریب
کہ ازل دل رباید قد او شکیب

٢ نگر تا بجاہش نگردی اسیر
نگردی بپے مالش اندر زحیر

٣ کہ آندم کہ مرگ اندر آید ز راہ
نہ مالت کند دستگیری نہ جاہ

ترجمہ : (١) جہان بے وفا اور فریب دینے والا ہے دل سے صبر وغیرہ چھین لیتا ہے۔

(٢) خبردار اس کے ظاہری مرتبہ سے قیدی نہ ہو جانا اس کے مال کی وجہ سے دل کو خیر و بھلائی سے نہ پھیر لینا۔

(٣) جب تیرے سر پر موت آئے گی نہ تیرا مال تیری مدد کرے گا نہ مرتبہ۔

سبق حضرت یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ نے فرمایا : وہ بدترین غفلت میں مبتلا ہے جو اپنی حیاتِ فانی کے دھوکا میں ہے اور زندگی کے عیش و عشرت کی لذت میں پھنسا ہے۔

حکایت ہارون الرشید نے کسی کو قید کر دیا ایک دن قیدی نے پیغام بھجوایا تیرے لذت کے ایام اور میرے دکھ کے دن گزرتے جا رہے ہیں ابھی قیامت آئے گی اور پل صراط سے گزرنا ہے وہاں حاکم صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ سن کر ہارون الرشید بے ہوش ہو کر گر پڑا، جب ہوش آیا تو فرمایا : اس قیدی کو چھوڑ دو۔

وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اور ہم تباہ شدہ شہروں میں سے کوئی شہر تباہ نہیں کیا اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ۝ مگر اس کے لیے ڈرانے والے بھیجے جنھوں نے انھیں خدا تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا۔

ف : منذرون جمع کے صیغے سے اس علاقہ کے نبی علیہ السلام اور ان کے معاونین مراد ہیں (کما فی کشف الاسرار)

ذِكْرٰى نصیحت و پند اور اتمامِ حجت کے لیے یہ محلاً منصوب علی العلۃ ہے وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ اور ہم ظالم نہیں کہ ہم غیر ظالمین کو تباہ کر ڈالیں۔

ف : قبل از انذار تباہ نہ کرنے سے ظلم کی نفی کی گئی ہے حالانکہ یہ ظلم نہیں، جیسا کہ اہلسنت کا مذہب ہے صرف تنزیہ و تقدیس پر کہ اس ذات سے ظلم کا تصور بھی محال ہے۔

marfat.ocm

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وما اھلکنا من قریۃ میں قریہ سے اہلِ قریہ مراد ہیں اس سے جسدِ انسانی اور اس کے اہل سے نفس وقلب وروح۔ اور اھلاک ان کا مامورات کے ترک و اتیان المنہیات سے استعداد فطری کو ضائع کرنا مراد ہے۔ الا لھا منذ رون ہم کسی بستی کو تباہ نہیں کرتے مگر ان کے الہاماتِ ربانیہ کے ساتھ ڈرانے والے ذکریٰ اپنے پروردگار کو یاد کرنے کے لیے۔ کما قال تعالیٰ:

ونفس وما سواھا فالھمھا فجورھا وتقواھا

(قسم ہے نفس اور اس ذات کی جس نے انہیں برابر بنایا اور اسے فجور و تقویٰ الہام کیا)

وما کنا ظلمین اور ہم ظلم کرنے والے نہیں کہ عذاب کو غیر محل میں نہیں رکھتے یا رحمت کو غیر محل میں نازل فرمائیں۔

تفسیر عالمانہ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِينُ ۝ تنزل بمعنے شے کا جستہ جستہ نازل ہونا، اور باء تعدیہ کی ہے۔ اب معنٰی یہ ہُوا کہ قرآن مجید کو شیاطین نازل نہیں کرتے یا باء ملابست کی ہے اب معنٰی یہ ہُوا کہ قرآن کو شیاطین لے کر نہیں آتے۔

شانِ نزول مقاتل نے کہا کہ مشرکینِ قریش نے کہا کہ رسول خدا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کاہن ہیں اور ان کے ہاں جن آتا ہے اور جس قرآن کے متعلق وُہ مدعی ہیں کہ وُہ کلامِ خدا ہے یہ اسی جن کا بتایا ہُوا کلام ہے جو انہیں آکر سناتا ہے جیسے کاہن کو جن آکر بتاتے تھے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہر کاہن کے ساتھ ایک جن ہوتا تھا جسے وُہ آسمان کی خبریں اور دوزخ کی باتیں بتاتا سکھاتا تھا مشرکین نے سمجھا کہ شاید قرآن مجید بھی اسی قسم سے ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے اس غلط اور جھُوٹے تصوّر کا رد فرمایا کہ وما تنزلت بہ الشیاطین اور اسے شیاطین نہیں بلکہ رُوح الامین لے کر آیا ہے۔

وَمَا يَنۢبَغِي لَهُمْ اور ان کے لیے کوئی جواز نہیں کہ وہ آسمان سے قرآن لائیں وَمَا يَسْتَطِيعُونَ ۝ اور نہ وہ اس قسم کی کوئی طاقت و قدرت رکھتے ہیں اِنَّهُمْ بیشک رسولِ اکرم حبیبِ محتشم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پاک کے بعد عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُولُونَ ۝ وہ ملائکہ کے کلام کو سننے سے روکے گئے ہیں جبکہ اس سے قبل انہیں کچھ نہ کچھ ممکن تھا کیونکہ اب انہیں چنگاریوں سے رجم کیا جاتا ہے اور انہیں آسمان پر چڑھنے نہیں دیا جاتا۔

ف: بعض اہلِ تفاسیر نے فرمایا کہ انہیں ملائکہ کا کلام سننے سے اس لیے روکا گیا کہ ان میں صفات ذات کی مشارکت بہ ملائکہ نہیں ہے یعنی یہ ملائکہ کی طرح انوارِ حق کے فیضان قبول کرنے اور صور علوم ربانیہ و معارف نورانیہ کو دلوں پر منقش کرنے کی استعداد نہیں رکھتے اور یہ صفات ہوں بھی کیوں جبکہ ان کے نفوس خبیثہ ظلمانیہ شریرہ بالذات ہیں انہیں فیضانِ حق کے قبول کرنے کا کیا معنیٰ، بلکہ ان میں تو ان امور کو قبول کرنے کی استعداد رکھی گئی ہے جن میں بر و بھلائی کا نشان تک نہ ہو بلکہ وہ سراسر شر ہی شر ہیں والقرآن مشتمل علیٰ حقایق و مغیبات (اور قرآن حقایق و

مغیبات پر مشتمل ہے) اور یہ امور ملائکہ کرام سے ہی حاصل ہو سکتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ شیاطین کو قرآن پاک نازل کرنے کی استعداد نہیں اور نہ اسے اٹھانے کی قوت ہے اور نہ سمجھنے کی "اس لیے کہ وہ آگ سے پیدا کئے گئے اور قرآن نور قدیم ہے اس معنیٰ پر آگ کو نور قدیم کو اٹھانے کا کیا معنیٰ"۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ دوزخ اہل ایمان کے ورود پر فریادی ہوگی۔

جزیامومن فقد اطفأ نورك لهبي۔

(اے مومن! جلدی سے گزر جا اس لیے کہ تیرا نور میری آگ بجھا رہا ہے)

جب ان کو قرآن کو اٹھانے اور سننے کی استعداد نہیں تو پھر وہ اسے نازل کیسے کر سکتے ہیں اگرچہ وہ اسے سن بھی لیں لیکن ان میں ایسا ادراک فہم نہیں جو وہ دعوتِ اسلام کو قبول کر لیں اسی لیے وہ عذاب کے مستحق ٹھہرے

ف: بعض اکابر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے محروم لوگوں کے متعلق فرمایا ہے کہ ان کے کانوں اور آنکھوں اور قلوب پر غفلت کا پردہ ہے کہ وہ قرآن کو نہیں سن سکتے ورنہ حقیقۃً سمع قلبی عقلی غیبی روحی جسے نصیب ہے وہ اکوان میں ہر صوت و ہر حرکت سے ہر لمحہ خطاب حق سبحانہ، و تعالیٰ سنتا ہے پھر اس کا دل و دماغ اور روح اس کی طرف مشتاق رہتا ہے۔ خوش بخت ہیں وہ لوگ جو قرآن فہمی اللہ تعالیٰ سے پاتے ہیں اور شریعۃً و حقیقۃً عمل امانت حق تعالیٰ کی استعداد رکھتے ہیں وہی توفیق بخشتا ہے اور وہی توفیق سے محروم رکھنے والا ہے۔ اے سننے والو! سمجھو۔ اے ادراک رکھنے والو! اس پہ مضبوط رہو، اس لیے کہ علم صدور و قلوب میں ہے نہ کہ حواس کے کناروں اور تخمین و قیاس سے۔

تفسیر عالمانہ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ جب تم نے اے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم! کفار کا حال معلوم کر لیا تو تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی عبادت نہ کیجئے، فَتَكُوْنَ اگر تم (بفرضِ محال) غیر اللہ کی پرستش کرو گے تو ہو جاؤ گے مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ۝ معذب قوم سے۔

سوال: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تو معصوم ہیں تو پھر ان کو غیر اللہ کی پرستش سے منع کرنے کا کیا معنیٰ؟

جواب (۱): آپ کی عزیمت پر مزید پختگی اور اخلاص میں مزید استحکام۔

(۲) مکلفین پر لطف و کرم کرتے ہوئے نصیحت فرمائی کہ جب ایسی ذات کو غیر اللہ کی پرستش سے روکا جا رہا ہے کہ ان سے ایسے قبیح فعل کا صدور محال ہے تو پھر تم کون لگتے ہو کہ تم کو نہ روکا جانے اور پھر اگر ایسی ذات بفرضِ محال ایسا فعل سرزد ہو تو بھی ہم عذاب دینے سے نہیں ٹلتے تو پھر تم خود سوچو کہ تمہارا کیا حال ہوگا۔

marfat.ocm

وحیِ نبی علیہ السلام کا حال

مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے کسی نبی یعنی ارمیا علیہ السلام کے ہاں وحی بھیجی کہ وہ اپنی قوم کو کہہ دیں کہ وہ گناہوں سے باز آجائیں ورنہ میں انہیں عذاب میں مبتلا کر دوں گا۔ نبی علیہ السلام نے عرض کی یا اللہ! وہ تو تیرے پیغمبروں ابراہیم، اسحٰق، یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہیں کیا ان پر بھی عذاب بھیجے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے انبیاء علیہم السلام کو اسی لیے مکرم بنایا کہ انہوں نے میری اطاعت کی۔ اگر وہ بھی میری نافرمانی کرتے تو میں انہیں بھی عذاب میں مبتلا کر دیتا خواہ میرے خلیل بھی ہوں۔

تفسیرِ صُوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ دنیا و آخرت میں غیر اللہ کی پرستش اور توجہ قلب سے غیر اللہ کی طلب عذابِ الٰہی کو دعوت دینا ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے بعید ہونے کا سبب ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے غیر کا طالب ہے اسے سخت ترین عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ اس لیے کہ جو کسی کا طالب ہوتا ہے وہ اپنے مطلوب کے قریب اور ماسوا سے بعید کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ طالبِ دنیا دنیا کے قریب اور آخرت سے دُور ہوتا ہے اور آخرت کا طالب آخرت کے قریب اور اللہ تعالیٰ سے بعید ہوتا ہے۔ اسی لیے حضرت ابوسعید الخراز نے فرمایا:

حسنات الابرار سیأت المقربین فالابرار اهل الجنة وحسناتهم طلب الجنة والمقربون اهل الله وحسناتهم طلب الله وحدهٗ لاشریك له۔

(ابرار کی حسنات مقربین کی سیئات ہیں اس معنی پر ابرار اہلِ جنہ۔ اور ان کی حسنات طلب الجنہ ہیں اور مقربین اہل اللہ ہیں اور ان کی حسنات طلب اللہ وحدہٗ لاشریک ہیں)

تفسیرِ عالمانہ

وَاَنْذِرْ اور اس عذاب سے ڈرائیے جو شرک و کفر کی وجہ سے ہوگا عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ۞ اپنے زیادہ قریبی رشتہ داروں کو۔

حلِ لغات

عشیرۃ انسان کے وہ رشتہ دار جن سے وہ کسی شمار میں آسکے یعنی ان کی وجہ سے وہ بمنزلہ کامل عدد کے ہو جائے وہ اس لیے کہ عشرہ کامل عدد ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ عشیرہ سے انسان کا وہ قبیلہ مراد ہے جو انسان کے قریبی رشتہ دار ہوں اور وہ ان کی وجہ سے کثیر التعداد سمجھا جائے۔ اور العشیرہ وہ لوگ جو کسی معاشرہ کے شریک ہوں وہ قریبی رشتہ دار ہوں یا بعیدی۔ (کذا فی المفردات) یہاں پر بنو ہاشم و بنو عبد المطلب مراد ہیں۔

ف: ان کے ڈرانے کا حکم اس لیے ہے کہ معاشرہ میں انسان کے لیے یہی لوگ مہتم بالشان متصور ہوتے ہیں تو پھر انذار میں بھی ان سے ابتداء بہتر ہے۔ جیسے احسان و مروّت اور صلہ رحمی میں یہی سب سے اولیٰ و اوّل

ہوتے ہیں۔

ف : اس آیت کی نظیر آیت یا ایہا الذین اٰمنوا قاتلوا الذین یلونکم ہے۔ یعنی اے ایمان والو! ان سے جنگ کرو جو تمہارے قریب ہیں حالانکہ اہلِ اسلام کو جنگ کرنے کا حکم تو تمام کافروں کے لیے تھا لیکن ان میں سب سے پہلے ان کے قریبی رشتہ داروں کو اولیت دی گئی۔ ایسے ہی انذار کو سمجھیے (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انذار کا حکم تو سب کے لیے ہے۔ لیکن سب سے پہلے رشتہ داروں کو انذار فرمائیں۔ تبلیغی جماعت دیوبندی کے سربراہوں کو آنکھ کھولنی چاہیے کہ وہ جن کو پھانس کر چلّے کرا رہے ہیں اور تبلیغ کے پھیرے لگوا رہے ہیں ان کی اپنی حالت یہ ہے کہ میاں تبلیغ پر ہیں تو بیوی سینما کی زینت۔ بیٹا تبلیغ پر ہے تو بوڑھے ماں باپ گھر میں پیاس کے مارے ایڑیاں رگڑ رہے ہیں۔ بہرحال تبلیغِ دین کے تقاضے کچھ اور ہیں۔ اُن کی تبلیغ دینی تو ہے نہیں بلکہ اندرونِ خانہ عزائم کچھ اور ہیں۔ پھر وہ اصولِ تبلیغ کو کیا جانیں۔ افسوس تو عوام الناس پر ہے جو ان کی چکنی چپڑی باتوں کے جال میں پھنستے چلے جا رہے ہیں۔ عوام سے التجا ہے کہ وہ تبلیغی جماعت (دیوبندی) کے چکر میں نہ آئیں)[1]

نکتہ : جب قریبی لوگوں کو انذار ضروری ہے تو پھر بعیدی اور رشتہ داروں کے علاوہ اور لوگ بطریقِ اولیٰ انذار کے مستحق ہیں۔

روایت مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا پہاڑی پر چڑھ کر اپنی قوم کے ہر قبیلہ کا علٰحدہ علٰحدہ نام پکارا تمام لوگ اکٹھے ہو گئے آپ نے انہیں فرمایا کہ اگر میں تمہیں کہوں کہ اس پہاڑ کی اوٹ میں بہت بڑی جماعت ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ سب نے کہا، ہاں۔ آپ نے فرمایا: میں تمہیں آنے والے عذاب سے ڈراتا ہوں۔

روایت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا: اے بنی ہاشم، اے بنی عبد مناف!! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ میں تمہارے کام نہ آؤں گا۔

پھر فرمایا: اے عائشہ بنت ابی بکر، اے حفصہ بنت عمر، اے فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اے صفیہ عمۃ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ میں تمہارے کسی کام نہیں آؤں گا۔

خبر میں ہے کہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رو کر عرض کیا کہ "آپ

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

قیامت میں ہمارے کام نہیں آئیں گے ؟ آپ نے فرمایا ، ہاں۔

اس کے بعد فرمایا ،

" اے عائشہ ! تین مقامات ایسے ہیں جہاں میں تمہارے کام نہیں آؤں گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ،

(۱) ونضع الموازین القسط لیوم القیامة۔

(ہم قیامت میں انصاف کا ترازو رکھیں گے)

(۲) جب اللہ تعالیٰ نور روشن فرمائے گا جسے چاہے گا اس وقت نور عطا فرمائے گا جسے چاہے گا ظلمات میں اوندھا کر دے گا۔

(۳) پلصراط' جسے چاہے گا صحیح وسالم اس پل سے گزار دے گا جسے چاہے گا اوندھا لٹکا دے گا۔

سبق اس سے اہلِ ایمان کو نصیحت ہے کہ شرافتِ انساب سے کوئی دھوکا نہ کھائے کیونکہ ایمان کے بغیر نسب کوئی فائدہ نہ دے گا۔ کنعان بن نوح علیہ السلام کو دیکھئے یا آزر ابراہیم علیہ السلام کے اب یعنی چچا کو دیکھیے۔ عبرت کے لیے یہ دو مثالیں کافی ہیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

چوں کنعان را طبیعت بے ہنر بود
پیمبر زادگی قدرش نیفزود
ہنر بنمائے اگر داری نہ گوہر
گل از خارست و ابراہیم از آزر

ترجمہ ، جیسے کنعان کہ اس کی طبیعت بے ہنر تھی پیغمبر کی اولاد ہونا اس کی قدر بڑھا نہ سکا۔ ہنر دکھا اگر تیرے پاس ہے گوہر کی ضرورت نہیں ورنہ گل کانٹوں سے اور ابراہیم آزر سے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ فلا انساب بینھم یومئذ کی طرف اشارہ کرتا ہے اور حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا ؛

کل حسب ونسب ینقطع الا حسبی ونسبی۔

(ہر حسب ونسب منقطع ہو جائے گا سوائے میرے حسب ونسب کے)

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو ایمان وتقویٰ لازم ہے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ،

آلی کل مومن تقی۔

(ہر متقی مومن میری آل ہے)

نیز اس میں اشارہ ہے کہ اگر کسی کے دل کا دیا ایمان سے روشن ہے تو ضروری نہیں کہ اس کے قریبی رشتہ دار کے دل کا دیا بھی روشن ہو جب تک کہ وہ روشن دل والے دئیے سے نور حاصل نہ کرے۔ اسی لیے نبی علیہ السلام کی اتباع اور ولی کی اقتدا ضروری ہے۔ اور حضور علیہ السلام نے بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا،

اے فاطمہ بنتِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اپنے آپ کو آگ سے بچائیں تجھے کوئی فائدہ نہ دوں گا۔

وہ بھی اسی معنیٰ کی طرف اشارہ کرتا ہے یہ ایسے ہے جیسے کوئی پیٹ میں نہ جائے گا جب تک وہ خود نہ کھائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرابت اور رشتہ داری مفید نہیں اور نہ ہی ان کی ان کے متعلق شفاعت ہوگی (اگر وہ کافر و مشرک ہوں) کیونکہ اصل میں ایمان ضروری ہے اور اعمال بمنزلہ شاخوں کے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے وانذر عشیرتک الاقربین کے بعد فرمایا:

تفسیرِ عالمانہ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۝ ان کے لیے نرمی کیجئے اور انہیں اپنی صحبت میں لائیے اور ان کی غلطیوں سے درگزر فرمائیے ان کے بُرے احوال سے چشم پوشی فرما کر ان کے ساتھ اچھے اخلاق کا برتاؤ کیجئے۔ اگر وہ محروم رکھیں تو انہیں عطیات سے نوازیں اگر وہ تم پر ظلم کریں تجاوز کریں اگر وہ تمہارے حقوق میں کوتاہی کریں تو انہیں معاف کر دیجئے بلکہ ان کے لیے بخشش مانگئے۔ اور رشتہ داروں کے ساتھ عاجزی و تواضع اور انکساری سے پیش آئیے یعنی مہربان بن جائیے اور زیادہ سے زیادہ ان کی عزت و تکریم کیجئے۔

حلِ لغات: الخفض رفع کی نقیض اور اونٹ کی نرم سیر کو بھی کہتے ہیں اس میں نرمیٔ قلب اور انقیاد کی ترغیب ہے۔ (المفردات) و جناح العسکر بمعنے لشکر کی دو جانبیں۔ یہ خفض الطائر جناحہ سے مستعار ہے یعنی پرندے نے پر نرم کیے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب اوپر سے نیچے کا ارادہ کیا جائے۔ اقارب و اجانب (اپنے پرائے) کے ملتے وقت نرمی اور تواضع و انکساری کو پروں کے نرم کرنے سے تشبیہ دی گئی ہے۔

ف: منافق و فاسق کے ساتھ نرمی اور تواضع کی ضرورت نہیں ہاں بعض اوقات و احوال میں جائز ہے کیونکہ نرم و سختی کا بھی وقت ہوتا ہے جیسا کہ قرآن دلالت کرتا ہے اسی لیے لازم ہے کہ دونوں کے اوقات کی رعایت کی جائے مِن تبیینہ ہے کیونکہ مطلق اتباع اور ہے دین اور اسلام کی اتباع اور یا من تبعیضیہ ہے۔ اس وقت مؤمن سے وہ لوگ مراد ہیں جو ایمان کی طرف متوجہ ہوں اور صرف زبان سے تصدیق کرتے ہیں۔

تفسیرِ صُوفیانہ واخفض جناحك لمن اتبعك الخ میں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ ہر تابعدار مومن ہے لیکن ضروری نہیں کہ ہر مومن تابعدار ہو تا کہ مومن ایمان لا کر دھوکا نہ کھائے اس لئے مومن حقیقت سے ناآشنا رہتا ہے جب تک اتباع نہ کرے۔

marfat.ocm

سبق عاقل پر لازم ہے کہ وہ بزرگوں کی صحبت اختیار کرے اور ان کے اعمال و کردار کی اتباع کرے ان کے اخلاق و احوال کی تحصیل میں سعی کرے کیا دیکھتے نہیں ہو کہ نیک لوگوں کی صحبت میں حیوانات تک بہشت کے مستحق بن گئے۔ اصحابِ کہف کے کتے کا حال دیکھئے۔ شاعر کا بھلا ہو کیا خوب فرمایا: ؎

سگِ اصحابِ کہف روزے چند
پے نیکاں گرفت مردم شد

ترجمہ: اصحابِ کہف کے کتے کو دیکھئے کہ چند روز نیک لوگوں کے قدموں پر گرا تو آدمی ہو گیا۔

ف: اصحابِ کہف کا کتا مینڈھے کی شکل میں بہشت میں جائے گا۔[1]

فَاِنْ عَصَوْكَ۔

تفسیر عالمانہ

شانِ نزول: کشف الاسرار میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں نے جب آپ سے عداوت و مخالفت اور زبان درازی کی تو نازل ہوئی فان عصوك پس اگر وہ تمہاری نافرمانی کریں یعنی تمہاری برادری کے لوگ اگر تمہاری طاعت سے نکل جائیں اور مخالفت کر کے تمہاری اتباع نہ کریں فَقُلْ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ۝ تو فرمائیے میں بیزار ہوں اس سے جو عمل تم کرتے ہو یعنی تمہاری بت پرستی جیسے بدعمل سے میں بیزار ہوں۔ تاہم ان سے علیحدگی اختیار نہ کیجئے بلکہ آپ انہیں وعظ و نصیحت کے طور اچھی اچھی باتیں سنائیں پھر امید کریں کہ شاید وہ تمہاری طاعت کی طرف آجائیں اور تمہاری دعوت قبول کر لیں۔

ف: فقیر (صاحبِ روح البیان) کہتا ہے کہ میں نے اپنے شیخ و مرشد قدس سرہٗ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میرا اور میرے خلفاء کا ہر طرح کا تعلق ختم ہے سوائے وصیت کے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر۔

وصیت بالحق تو ہو چکی اب مجھے صبر سے کام لینا ہے کہ ان سب کے حق میں صبر کروں۔

وَتَوَكَّلْ اور تم اپنے جملہ حالات میں بھروسا کرو عَلَى الْعَزِيْزِ اس غالب ذات پر جو کسی کے ذلیل کرنے سے کمزور ہوتی ہے اور نہ کسی کی دشمنی سے اسے کمی ہوتی ہے بلکہ وہ اپنے دشمنوں پر قہر و جبر پر قدرت رکھتا ہے الرَّحِيْمِ۝ رحیم ہے ان لوگوں پر جو اس پر بھروسا کرتے ہیں اور جو اپنے جملہ امور اسی کے سپرد کرتے ہیں ان کی فتح و نصرت فرماتا ہے کیونکہ اپنے اولیاء کی ہمیشہ مدد فرماتا رہتا ہے۔ وہ خود کسی پر بھروسا نہیں کرتا صرف وہی دشمنوں کے سر کچلنے والا ہے اور کسی کو اس جیسی قدرت نہیں اسی لیے جملہ امور میں صرف اسی پر

---

[1] روح البیان ج ۶ ص ۳۱۲

بھروسا کیجئے اور غیروں کا سہارا ترک کیجئے اور جملہ عالم سے رُوگردانی فرمائیے سوائے اس کے خاص محبوبوں کے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو انھیں کے ساتھیوں سے بنائے (آمین)۔

اَلَّذِیْ یَرٰكَ وہ ذات جو تجھے دیکھتی ہے کیونکہ اس کا دیکھنا اس کی رحمت کے لیے بمنزلہ سبب کے ہے یعنی اس پر توکل کیجئے جو تمہیں دیکھتا ہے حِیْنَ تَقُوْمُ ۝ جب تم آدھی رات کے وقت تہجد[1] کے لیے اُٹھتے ہو

سوال: تم نے تقوم کے عموم سے خاص نمازِ تہجد کا معنیٰ کہاں سے نکال لیا؟

جواب: قاعدہ ہے عرف شرع میں قیام کا اطلاق اس نماز پر ہوتا ہے جو رات کو اٹھ کر ادا کی جائے اور وہ تہجد ہے۔

تہجد کے فضائل مندرجہ ذیل ہیں؛

فضائلِ تہجد (۱) حدیث شریف میں ہے:

افضل الصلاۃ بعد الفریضۃ صلاۃ اللیل۔

(فرائض کے بعد افضل نماز تہجد ہے)

(۲) بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی تہجد قضا نہیں فرماتے تھے۔ بیماری

---

[1] تہجد بہترین عبادت ہے۔ کسی شاعر نے اشعار میں اس کے فضائل بیان کئے ہیں؛ ؎

پائے ساقی پہ گرا دیتی ہے   رُوح کو نشہ پلا دیتی ہے
تن کے آنگن میں تڑپنے والی   جاں کو جامِ شفا دیتی ہے
خاک پر جھکتے ہوئے ماتھے کو   طلعتِ عرشِ عُلا دیتی ہے
شکر مستوں کو بہ ہنگامِ سجود   جھوم کر حُسنِ رضا دیتی ہے
سانولی رات کے آواروں کو   کوئے جاناں کا پتا دیتی ہے
چند اُکھڑی ہوئی سانسوں کے عوض   عمرِ یاراں کو بقا دیتی ہے
دل کی دُنیا کو حسیں رحمت کی   پاک مہندی میں رچا دیتی ہے
دے کے البیلی دُعاؤں کا نور   ہاتھ کو چاند بنا دیتی ہے
گدگداتی ہے مشیّت کو بھی   شاہِ خوباں کو ہنسا دیتی ہے
ریشمیں نیند کے متوالوں کی
آنکھ یزداں سے لڑا دیتی ہے

اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

اور دیگر عارضہ کے وقت بیٹھ کر ادا فرماتے تھے۔

(۳) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بیماری کی تکلیف وغیرہ سے اگر رات کو تہجد نہ پڑھ سکتے تو دن کو بارہ رکعت قضا کے طور پڑھا کرتے (تاکہ امت کو قضاء تہجد کا طریقہ معلوم ہو جائے) رواہ مسلم۔

ف : فقیر (صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ تہجد کا دن کو قضا کرنا اس کی فضیلت پر دلالت کرتا ہے کہ یہ دیگر تمام نوافل سے افضل ہے کیونکہ نوافل کی قضا نہیں۔

● وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ اور تمہارا سجدہ گزار لوگوں میں چلنا پھرنا یعنی تمہارا پروردگار تمہیں اس وقت دیکھتا ہے جب تم تہجد گزار لوگوں کے تفحصِ احوال کے لیے چلتے پھرتے ہو تاکہ معلوم کر سکو کہ کون تہجد پڑھتا ہے اور کون نہیں۔

تہجد کا حکم منسوخ یہ اس وقت ہے جب آپ پر تہجد فرض تھی ایسے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر، پھر بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ یہی اصح ہے (لیکن اس کا استحباب باقی ہے)

تہجد کی فرضیت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام پر تہجد فرض ہے اسی لیے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) رات کے وقت اُٹھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے گھروں میں پہنچ جاتے تاکہ معلوم کر سکیں کہ کس نے تہجد پڑھی اور کس نے نہیں۔ پھر یہ حکم شبِ معراج پانچ نمازوں سے منسوخ ہُوا۔

نکتہ : آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تشریف لے جا کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات سے آگاہی حاصل کرنا دلالت کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُمت کے لیے عبادت کے متعلق کتنا ذوق رکھتے تھے۔

لطیفہ مروی ہے کہ تہجد کی ادائیگی میں صحابہ کرام کے ذکرِ الٰہی اور تلاوتِ کلامِ الٰہی کی آواز سے ایسے معلوم ہوتا کہ گویا ان کے گھروں میں بھڑ شور کر رہے ہیں۔

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری گفتگو اور اپنے تمام بندوں کی دُعاؤں کو اور مناجاۃ اور اسرار کو سُنتا ہے الْعَلِيْمُ ○ اور تمہاری نیات اور مصالح ضمائر کے اسرار کو جانتا ہے۔

● بعض مفسرین نے کہا اس سے وُہ پھرنا مراد ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازیوں میں امامت کے وقت بحالتِ سجود و رکوع و قعود متحرک ہوتے تھے۔ اس تقریر پر الساجدین بمعنی المصلین مع الجماعۃ ہے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ وُہ ذات تمہیں دیکھتی ہے جب اکیلے نماز پڑھ رہے ہوتے اور اس وقت جب تم نمازیوں کی امامت کرا رہے ہوتے ہو۔

تفسیرِ صُوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ الذی یرٰلك حین تقوم وہ ذات تمہارے اس قصد اور نیت اور عزیمت کو دیکھتی ہے جب تم اپنے جملہ امور کے لیے اُٹھ کھڑے ہوتے ہو شہود الخلق کا مسئلہ اس آیت سے ثابت کیا گیا ہے کہ جب انسان تصور کرے گا کہ وُہ کریم مجھے ہر وقت دیکھتا ہے تو پھر میں گناہ کیوں کروں اور وہ خیال کرے گا کہ میں ہر معاملہ میں اس ذات کے سامنے ہوں تو پھر عبادت بھی آسان ہو جائے گی کیونکہ محبوب کے سامنے بہت بڑے مشقت بھرے امور بھی آسان ہو جاتے ہیں بلکہ اس وقت پہاڑ سر پر رکھ دیے جائیں تب بھی محسوس نہ ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نگاہِ حق میں اور کب سے

بعض مفسرین نے فرمایا کہ اللہ تعالے فرماتا ہے،

کنت بمرأی منا حین تقلبك فی عالم الارواح فی الساجدین بان خلقنا روح کل ساجد من روحك انه هو السمیع فی الازل مقالتك انا سید ولد آدم ولا فخر لان ارواحهم خلقت من روحك العلیم باستحقاقك لهذه الکرامة انتهی۔

(روح البیان ج ۶ ص ۳۱۳)

(عالمِ ارواح میں تم ساجدین میرے سامنے ہو کیونکہ ہم نے ہر روح کو تمہاری روح سے پیدا کیا وُہ اللہ تیری بات ازل میں سُن رہا تھا جب تم کہو گے کہ جملہ اولادِ آدم کا سردار ہُوں اور اس پر میں فخر نہیں کرتا، وہ اس لیے کہ جملہ ارواح تیری رُوح سے پیدا کی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم ہی اس بزرگی و شرافت کے مستحق ہو)

انبیاءؑ زادہ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیت کا معنٰی یہ ہے کہ میں تمہیں دیکھ رہا تھا کہ تم ایک نبی علیہ السلام سے منتقل ہو کر دوسرے نبی علیہ السلام کی پشت میں تشریف لے جاتے۔ یعنی ساجدین سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں کہ آدم علیہ السلام سے لے کر ابراہیم علیہ السلام پھر ان سے منتقل ہوتے یہاں تک کہ انہیں اُمّی نے جنا۔

سوال: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نسب میں تمام حضرات تو نبی نہ تھے پھر یہ تفسیر کیسے صحیح ہوگی!

جواب، علی الاطلاق انبیاء کا ہونا مراد ہے نہ یہ کہ جملہ نسب کے لوگ۔

رافضیوں کا استدلال

اس آیت سے رافضہ نے استدلال کیا ہے کہ نبی علیہ السلام کے جملہ آباء مومن تھے اس لیے کہ ساجد ہوتا ہی مومن ہے گویا ساجدین بول کر مؤمنین مراد لیا گیا ہے۔"

ف: یہ استدلال سرسری ہے یعنی تحقیقی نہیں۔

marfat.ocm

حدیث شریف سے استدلال حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لم ازل انتقل من اصلاب الطاهرین الی ارحام الطاهرات۔

(میں اصلابِ طاہرین سے منتقل ہو کر ارحام طاہرات سے تشریف لایا ہوں)

ف : اس حدیث سے بھی استدلال درست نہیں کیونکہ طہارت ایمان پر دلالت نہیں کرتی بلکہ اس سے تو یہ ثابت ہو رہا ہے کہ میں نکاحِ صحیح کے ذریعے دُنیا میں آیا ہُوں اگرچہ وہ نکاح جاہلیت کے تھے۔ (یعنی زنا سے نہیں بلکہ نکاح سے، حلال اولاد کی حیثیت سے)[1]

ف : (اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعتِ علمی کے کمال کا اظہار ہے کہ تا آدم اپنے نسب کی صفائی بیان فرما دی اور تم اپنی بھی صفائی نہیں دے سکتے کہ حلالی ہو یا حرامی پھر بھی مقابلے پہ ہو کہ نبوت ہے کیا، بس وہ بڑے بھائی ہیں)[2]

مزید تائید (روافض کے جواب میں ہمارے قول کی تائید اس حدیث شریف سے ہوتی ہے) حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

حتی اخرجنی من بین ابوی لم یلتقیا علی سفاح قط۔

(یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر زمانے میں ان والدین سے ظاہر فرمایا جن سے زنا کا ارتکاب نہ ہوا)

ف : اس کے متعلق مختصراً ہم نے پہلے بھی گفتگو کی ہے۔ سورۂ ابراہیم کے آخر میں یہ بحث پڑھ لیں۔

انتباہ : مسلمان پر فرض ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب شریف کے متعلق معمولی سی تفتیش بھی نہ کرے۔ بلکہ جس بات سے عوام کے بہکنے کا خیال ہو اس سے بھی احتراز کرے۔

سوال : تو پھر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء کے متعلق کیسا عقیدہ ہو۔

جواب : یہ مسئلہ اعتقادیات[3] سے نہیں (بلکہ حسنِ عقیدت سے متعلق ہے۔ عقیدہ اور عقیدت میں فرق ہے)

عقیدہ و عقیدت میں فرق عقیدہ نص قطعی سے ثابت ہوتا ہے اس کا منکر کافر ہوتا ہے۔ اور عقیدت روایات ضعیفہ بلکہ آیاتِ قرآنیہ و احادیثِ نبویہ کے (باقی بر صفحہ آئندہ)

---

[1] و [2] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

[3] اس سے وہابیہ کا اہلسنت پر اعتراض اُٹھ گیا کہ سُنّی لوگ حضور علیہ السلام کے آباء کے بارے میں وہی عقیدہ رکھتے ہیں جو روافض کا ہے۔ وہابیہ کہتے ہیں کہ سُنّی رافضی بھائی بھائی۔ لیکن وہابی کو اگر عقل ہے تو سمجھ لیا ہوگا کہ یہ عقیدہ رافضیوں کا ہے سُنّیوں کا نہیں۔

اس سے قلب یعنی عقیدہ کا کوئی تعلق ہے البتہ زبان سے عقیدت کا اظہار احسن طریقے سے ہو۔ جیسے ہم پہلے بیان

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٦٥٩) معمولی اشارات سے بھی ثابت ہو جاتی ہے۔ اس فرق کو نہ سمجھتے ہوئے جاہل وہابی، دیوبندی بلکہ ان کے پڑھے لکھے عالمِ دین کہلوانے والے اہلسنت کے ہر چھوٹے بڑے مسئلے پر کہہ اُٹھتے ہیں کس آیت میں ہے یا کس حدیث میں ہے۔ تجربہ کرلو یہ ان میں عام مرض ہے۔ تو یہ مسئلہ ایمانِ آباءِ نبی علیہ السلام بھی منجملہ انہی عقاید یعنی عقیدتوں سے ہے۔ فلہٰذا اب ہمارا اور روافض کا اتحاد صرف نفسِ مسئلہ میں ہے اور نفس مسئلہ کے اتحاد سے بھائی بھائی نہیں بن جاتا۔ اس موضوع پر فقیر نے علیحدہ کتاب لکھی ہے اور اسی تفسیر میں پہلے بھی لکھا ہے اور اب بھی لکھتا ہے۔

مسئلہ: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء و اُمّہات حضرت عبداللہ تا حضرت آدم علیہ السلام۔ اور از حضرت حوا تا حضرت آمنہ رضی اللہ عنہن سب ہی موحد مومن تھے۔ آپ کے سلسلۂ نسب میں کوئی مشرک یا کافر نہیں۔

دلائل از قرآن و حدیث

(١) ولعبدٌ مومن خیر من مشرك۔ (القرآن)

(بیشک مومن غلام بہتر ہے مشرک سے)

یہ مسئلہ قطعی ہے کہ مسلمان چاہے حسب و نسب میں کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو وہ مشرک اعلیٰ قوم و اولیٰ نسب سے بدرجہا بہتر ہے۔

حدیث شریف: حضور نبی کریم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

بعثت من خیر قرون بنی آدم قرناً فقرناً حتی کنت من القرن الذی کنت منه۔

(رواہ البخاری عن ابوہریرۃ)

(ہر قرن و طبقہ میں تمام قرون کے آدم سے بہتر بھیجا گیا ہوں یہاں تک کہ اس قرن میں ہوا جس سے پیدا ہوا)

اب اس حدیث کو آیۃ مذکورہ سے ملا دیا جائے تو دعویٰ بالکل واضح ہو جائے گا کیونکہ آیت میں فرمایا گیا ہے کہ "مشرک سے مومن غلام بہتر ہے"۔ اور حضور علیہ السلام کے ارشاد سے پتا چلا ہے کہ "میں خیر قرون سے ہوں"۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ میں (حضور علیہ السلام) ایمان والوں کی پشت سے ہوں۔

حدیث شریف: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لم یزل علیٰ وجه الدھر (الارض) سبعة مسلمین فصاعدا فلولا ذٰلك ھلکت الارض و من علیھا۔ (اخرجہ عبدالرزاق و ابنِ منذر بسند صحیح علیٰ شرط الشیخین)

(باقی بر صفحہ آئندہ)

marfat.ocm

کر چکے ہیں (حاشیہ بھی ملاحظہ ہو)۔ حضرت حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٦٦٠)

(رُوئے زمین پر ہر زمانے میں کم سے کم سات مسلمان رہے ہیں۔ ایسا نہ ہوتا تو زمین و اہلِ زمین سب ہلاک ہو جاتے)

اب ان دونوں حدیثوں کو صغریٰ کبریٰ کے طریق پر ملایا جائے تو نتیجہ (مطلوب) برآمد ہوگا اس لیے کہ اول حدیث میں صاف طور پر فرمایا گیا کہ "میں خیر قرون سے ہوں۔"

دُوسری حدیث نے بتایا کہ رُوئے زمین پر ہمیشہ کم از کم سات مسلمان رہے ہیں۔ اور بمقتضائے آیہ مذکورہ مومن خیر من مشرک سے یہ نتیجہ نکلا کہ حضور علیہ السلام کا نور ہمیشہ خیر سے خیر کی طرف منتقل ہوتا رہا اور چونکہ خیر مومن ہے مشرک و کافر نہیں اس لیے حضور علیہ السلام کا سلسلۂ نسب مومنین سے ہے مشرکین سے نہیں۔

کبریٰ واضح ہے صغریٰ پر دلیل، جس کی طرف امام جلیل جلال الدین سیوطی نے اشارہ فرمایا کہ والمعنیٰ ان الکافر لا یستاھل شرعاً ان یطلق انہ من خیر القرون۔ یعنی شرعاً کافر ہرگز اس کا اہل نہیں ہو سکتا کہ وہ خیر قرون سے ہو۔ خیر قرون مومن ہی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصول سب مومن ہی قرار پائے۔

(۲) انما المشرکون نجسٌ۔ (القرآن)۔

(کافر تو ناپاک ہی ہیں)

حدیث شریف: حضور نبی کریم علیہ السلام کا ارشاد ہے:

لم ازل انقل من اصلاب الطاھرین الی ارحام الطاھرات۔ (رواہ ابو نعیم فی دلائل النبوۃ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما)

(میں ہمیشہ پاک مردوں کی پشتوں سے پاک بیبیوں کے پیٹوں کی طرف منتقل ہوتا رہا)

اب مندرجہ بالا آیت و حدیث کو آپس میں ملایا جائے تو مطلب بالکل واضح ہو جائے گا کیونکہ قرآن عظیم الشان نے بلا شبہ مشرکین کے نجس ہونے کا فیصلہ فرمایا اور حدیث پاک میں حضور علیہ السلام نے اپنے آباء و امہات کو طیب و طاہر فرمایا۔ مشرکین نجس ہیں کبھی طاہر نہیں ہو سکتے اور حضور کے اصول طاہر ہیں کبھی نجس نہیں ہو سکتے تو لازمی نتیجہ نکلا کہ

(باقی برصفحہ ٦٦٢)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٦٦١)
حضور علیہ السلام کے آبأ و اجداد، امہات و جدات مومن موحد تھے۔ کبھی مشرک و کافر نہیں ہو سکتے۔

(٣) وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین ولکن المنافقین لا یعلمون۔ (القرآن)

(عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مؤمنین ہی کے لیے ہے مگر منافقین کو علم نہیں)

اس آیت کریمہ میں عزت و اکرام کا حصر اللہ جل وعلا نے مومنین میں فرمایا۔ اور کافر چاہے کیسا ہی اونچی قوم کا کیوں نہ ہو ذلیل و لئیم ٹھہرا۔ نبی کا کسی ذلیل و لئیم کی پشت اور نسب سے ہونا کوئی مدح نہیں۔ حالانکہ اس آیت کریمہ کو اللہ تعالیٰ نے حضور کے مقامِ مدح میں نازل فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کے آبأ و اجداد اشراف تھے اور اشرف کافر و مشرک نہیں ہو سکتا بلکہ مومن و موحد ہی اشرف و اکرم ہو سکتا ہے۔

عقلی دلیل: کسی ذلیل و رذیل شخص پر نسب میں فخر کرنا عقلاً و عرفاً باطل ہے۔

تائید: لیکن نبی کریم علیہ السلام نے اپنے فضائل کریمہ کے بیان میں رجز اور مدح کے متعدد دفعہ اپنے آبائے کرام و امہات طیبات کا ذکر فرمایا۔ جنگِ حنین میں جب کچھ دیر کے لیے کفار نے غلبہ پا لیا اور چند لوگ پناہ رسالت میں باقی رہے اللہ کے پیارے رسول پر جلالیت طاری ہو گئی۔ فرمایا:

انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب۔ (رواہ احمد والبخاری، مسلم و نسائی عن براء ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

(میں نبی ہوں کچھ جھوٹ نہیں، میں بیٹا ہوں عبد المطلب کا)

حضور علیہ السلام نے یہ رجز پڑھتے ہوئے سواری سے نزول فرمایا۔ ایک مٹھی خاک دستِ مبارک میں لے کر کافروں کی طرف پھینکی اور فرمایا:

شاھت الوجوہ۔ (بگڑ گئے چہرے)

وہ خاک سب کفار کی آنکھوں میں پہنچی اور سب کے منہ پھر گئے۔

بعض روایات میں رجز کا آخر ہے:

انا ابن العواتک من بنی سلیم۔

یعنی میں بنی سلیم سے ان چند خواتین کا بیٹا ہوں جن کا نام عاتکہ تھا۔

بعض علمأ کے نزدیک حضور علیہ السلام کے جدات میں نو بیبیوں کا نام عاتکہ تھا، بعض کے نزدیک (باقی بر صفحہ ٦٦٣)

marfat.ocm

ملتی ہے اور اقوالِ سلف صالحین رحمہ اللہ تعالیٰ میں بھی صراحت ہے صرف چار پشتیں از مرہ تا عبد المطلب رضی اللہ عنہما

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٦٦٢)

بارہ کا۔

بعض روایات میں حضور علیہ السلام نے اپنا نسب نامہ اپنے فضائل کریمہ میں اکیس پشتوں تک بیان فرمایا کہ میں سب سے نسب میں افضل باپ میں افضل ہوں اور کسی مشرک یا کافر باپ دادا پر فخر کرنا نہ تو عقلاً جائز ہے اور نہ ہی عرفاً۔

تو یہ حضور علیہ السلام کے لیے کیونکر ممکن ہے کہ معاذ اللہ آپ مشرک یا کافر باپ دادا کے نسب پر فخر فرمائیں توبحکم نصوص ثابت ہوا کہ حضور کے آباؤ امہات مسلمین و مسلمات تھے۔ (وہو المطلوب)

(۴) انہ لیس من اھلک انہ عملٌ غیر صالح۔ (القرآن)

(اے نوح! یہ کنعان تیرے اہل سے نہیں یہ تو عمل غیر صالح ہے (تیرا نافرمان ہے))

آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مومن و کافر کا نسب قطع فرمایا۔ اور حدیث میں ہے،

نحن بنو نضر بن کنانہ لا ننتفی من ابینا۔ (رواہ احمد و ابن ماجہ والطبرانی)

(ہم نضر بن کنانہ کے بیٹے ہیں ہم اپنے باپ سے اپنا نسب جدا نہیں کرتے)

اگر معاذ اللہ حضور علیہ السلام کے سلسلۂ نسب میں کوئی کافر تھا یا مشرک تو باقی رکھنے یا ان پر فخر کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ امہات سب موحد مومن تھے لہٰذا ان پر فخر کرنا ان کا نسب باقی رکھنا اپنی جگہ بالکل درست اور بجا ہے اس میں کوئی قباحت نہیں۔

(۵) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ بنا کر دعا کی تھی،

ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک۔ (القرآن)

(اے اللہ! ہماری اولاد میں ایک مسلمان جماعت رکھنا)

پھر فرمایا:

وابعث فیھم رسولا منھم۔

(اور اسی مسلمان جماعت میں آخری نبی بھیجنا)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا حضور علیہ السلام سے پوری ہوئی۔

(باقی بر صفحہ ٦٦٤)

جن کے متعلق مجھے تصریح نہیں ملتی۔ ہاں حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے لیے بھی قوی گمان یہ ہے کہ وہ بھی مؤمن تھے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۶۳)

اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام مسلم جماعت سے پیدا ہوئے اور یہی ہمارا مقصود ہے۔

(٦) لقد جاءکم رسولٌ من انفسکم۔ (القرآن)

(بے شک آئے تمہارے پاس عظیم رسول جو تم میں سے ہیں)

ایک قرأت میں ف کی فتحہ کے ساتھ ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ تمہارے پاس یہ عظمت والے رسول نفیس ترین جماعت میں سے تشریف لائے۔ اور کافر چونکہ نفیس نہیں بلکہ خسیس ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کے اجداد ماجدین و جدات طاہرات اعلیٰ قسم کے مومن موحد تھے۔ وہ کفر و شرک کے تمام انواع سے پاک و مبرا تھے۔

(٧) وتوکل علی العزیز الرحیم الذی یراك حین تقوم وتقلبك فی الساجدین۔ (القرآن)

(بھروسا کر غالب مہربان پر جو تجھے دیکھتا ہے جب تو کھڑا ہو اور تیرا کروٹیں بدلنا سجدہ کرنے والوں میں)

امام رازی فرماتے ہیں آیت شریف کا معنی یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کا نورِ پاک ساجدوں سے ساجدین کی طرف منتقل ہوتا رہا، تو یہ آیت اس پر دلیل ہے کہ سب آباد کرام مسلمین تھے۔ امام سیوطی و ابن حجر و علامہ زرقانی نے اس تقریر کی تائید و توثیق فرمائی۔

(٨) ولسوف یعطیك فترضیٰ۔ (القرآن)

(البتہ عنقریب تجھے تیرا رب اتنا دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا)

نبی کریم علیہ السلام کی وجاہت اجابت کا تو یہ عالم ہے کہ ان کے حق میں رب فرماتا ہے:

سنرضیك فی امتك ولا نسوءك بہ۔ (رواہ مسلم)

(قریب ہے کہ ہم تجھے تیری اُمت کے بارے میں راضی کر دیں گے اور تیرا دل بُرا نہ کریں گے)

امت کے معاملے میں تو حضور علیہ السلام کی شفاعت رد نہ فرمائے تو کیا والدین کے بارے میں حضور علیہ السلام کو یہ گوارہ ہو گا کہ وہ معاذ اللہ جہنم میں رہیں۔

حدیث شریف: صحیح حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب کے بارے میں فرمایا:

وجدتہ فی غمرات من النار فاخرجتُہٗ الی ضحضاح۔ (رواہ البخاری ومسلم عن العباس ابن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

(میں نے ابو طالب کو سراپا آگ میں ڈوبا پایا تو کھینچ کر ٹخنوں تک آگ سے نکال دیا)

(باقی بر صفحہ ۶۶۵)

marfat.ocm

اگرچہ ان کو دعوتِ اسلام نہیں پہنچی کیونکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کی عمر مبارک آٹھ سال تھی جب حضرت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٦٦٤)

حدیث شریف : دوسری روایت ہے کہ صحابہ نے پوچھا،

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ابو طالب نے آپ کی بہت خدمت کی، کیا آپ سے ان کو کوئی فائدہ ہوا؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں۔

ولولا انا لکان فی الدرک الاسفل من النار۔

(اگر میں نہ ہوتا تو ابو طالب جہنم کے سب سے نیچے طبقے میں ہوتا)

دوسری حدیث میں ہے:

اھون اھل النار عذاباً ابو طالب۔

(دوزخیوں میں سب سے ہلکا عذاب ابو طالب پر ہے)

ظاہر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جو قرب والدین کریمین کو حاصل ہے ابو طالب کو اس سے کوئی نسبت نہیں پھر والدین کریمین کا عذر بھی معقول کہ نہ تو انہیں دعوتِ اسلام پہنچی اور نہ ہی انہوں نے زمانۂ نبوت پایا وہ دینِ فطرت پر تھے ان کے لیے عقیدۂ توحید ہی کافی ہے۔ کسی ضعیف حدیث یا تاریخ سے ان کی طرف شرک کی نسبت ثابت نہیں۔ اور اللہ عزّ وجل فرماتا ہے:

ماکنا معذبین حتی نبعث رسولا۔

(ہم کسی قوم کو بغیر ان میں رسول بھیجے ہوئے عذاب نہیں دیتے)

معلوم ہُوا کہ جب والدین کریمین کو دعوت ہی نہیں پہنچی تو عذاب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بلکہ وہ حضرات دین ابراہیمی پر تھے۔ حضور علیہ السلام کی والدہ ماجدہ نے جو اشعار بوقتِ رحلت ارشاد فرمائے ان سے ان کے ایمان کی دلیل ملتی ہے جب والدہ ماجدہ نے اپنے فرزند جلیل سید المرسلین کے چہرۂ انور پر حسرت بھری نظر کی اور ان کی یتیمی کا خیال آیا تو فرمایا: ؎

بارک الله فیک من غلام   یا ابن الذی من حومة الحمام
کالعون الملک المنعام   فودی غداة الضرب بالسهام
بمائة من الابل السوام   وان صح ما ابصرت فی المنام
فانت مبعوث الی الانام   تبعث فی الحل والحرام

(باقی بر صفحہ)

عبد المطلب رضی اللہ عنہ کا وصال ہُوا۔

(بقیہ حاشیہ ص ٦٦٥)

تبعث فی التحقیق والاسلام   دین ابیک البر ابراهام
فاللہ انہاك عن الاصنام   ان لا توالیها مع الاقوام

(اے ستھرے لڑکے! اللہ تجھ میں برکت رکھے۔ اے بیٹے ان کے جنہوں نے موت کے گھر سے نجات پائی۔ بڑے انعام والے بادشاہ۔ اللہ عزوجل کی مدد سے جس صبح کو قرعہ ڈالا گیا سو بلند اونٹ ان کے فدیہ میں قربان کیے گئے۔ اگر وہ ٹھیک ٹھہرا جو میں نے خواب میں دیکھا ہے تو تو سارے جہان کی طرف پیغمبر بنایا جائے گا جو تیرے نکوکار باپ ابراہیم کا دین ہے میں اللہ کی قسم دے کر تجھے بتوں سے منع کرتی ہوں کہ قوموں کے ساتھ ان کی دوستی نہ کرنا)

حضرت آمنہ خاتون کی اس مبارک وصیت میں جو فراقِ دنیا کے وقت اپنے ابن کریم علیہ السلام کو کی، توحید و ردِ شرک آفتاب سے زیادہ روشن ہے، اور اس کے ساتھ ملتِ ابراہیمی کا بھی پورا اقرار و ایمان ہے اور وہ بھی بیانِ بعثتِ عامہ کے ساتھ۔ (الحمد للہ علیٰ ذالک)

(۹) اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ۔ (القرآن)

(خدا خوب جانتا ہے جہاں رکھے اپنی پیغمبری کو)

رب العزت سب سے زیادہ معزز و محترم جگہ وضع رسالت کے لیے انتخاب فرماتا ہے۔ لہٰذا کبھی کم قوموں رذیلوں میں رسالت نہیں رکھی پھر کفر و شرک سے زیادہ رذیل کون سی چیز ہو سکتی ہے وہ کیونکر اس قابل ہو کہ اللہ عزوجل نورِ رسالت اس میں ودیعت رکھے کفار محلِ غضب و لعنت ہیں اور نورِ رسالت کے وضع کو محلِ رضا رحمت درکار ہے تو معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کا نور اصلابِ طیبہ سے ارحامِ طاہرہ کی طرف گردش کرتا ہوا حضرت عبد اللہ اور آمنہ خاتون کے درمیان ظاہر ہوا۔ وہ سب کے سب کفر و شرک اور الحاد و بے دینی کی آلودگیوں سے پاک و منزہ تھے۔

(۱۰) ان الذین کفروا من اهل الکتاب والمشرکین فی نار جهنم خالدین فیها اولئك هم شر البریة ان الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات اولئك هم خیر البریة۔

(بے شک سب کافر کتابی اور مشرک جہنم کی آگ میں ہمیشہ رہیں گے وہ سارے جہان سے بدتر ہیں، بے شک جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے وہ سارے جہان سے بہتر ہیں)

حدیث شریف: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

(باقی بر صفحہ)

marfat.ocm

عبد المطلب رضی اللہ عنہ کا ایمان مشہور تر یہ ہے کہ حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ ملتِ ابراہیمی پر تھے، انہوں نے بُت پرستی نہیں کی جیسا کہ سورۃ براۃ میں گزرا ہے۔

(بقیہ حاشیہ ص ٦٦٦)

انا محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ھاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فھر بن مالک بن نضر بن کنانۃ بن خزیمہ بن مدرکۃ بن الیاس بن نزار بن معد بن عدنان ما فترقت الناس فرقتین الا جعلنی اللہ فی خیرھما فاخرجت من بین ابوی فلم یصبنی شئ من عھد الجاھلیۃ وخرجت من نکاح ولم اخرج من سفاح من لدن آدم حتی انتھیت الی ابی وامی فانا خیرکم نسبًا وخیرکم ابًا۔

(میں ہوں محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن نزار بن معد بن عدنان۔ لوگ دو گروہ نہ ہوئے مگر یہ کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بہتر گروہ میں کیا تو میں اپنے ماں باپ سے اس طرح پیدا ہوا کہ زمانہ جاہلیت کی کوئی بات مجھ تک نہ پہنچی اور میں خالص نکاح سے پیدا ہوا آدم سے لے کر اپنے ابوین تک تو میرا نفس کریم سب سے افضل اور میرے باپ تم سب کے آبا سے بہتر)

آیتِ مندرجہ بالا میں رب العزت نے کفار اور مشرکین کو شر البریہ فرمایا اور حضور نے فرمایا:

انا خیرکم ابًا ونفسًا۔

(میں تم میں سے ذات اور باپ کے اعتبار سے اچھا ہوں)

جس سے آفتاب نیم روز سے مطلوب زیادہ روشن ہوا کہ سلسلۂ نبوی میں کوئی کافر مشرک داخل نہیں ورنہ حضور علیہ السلام کا خیر اَب ہونا کس طرح ثابت ہو سکتا ہے!

اقوال علماء

(١) حضرت علامہ جلال الدین سیوطی و دیگر محدثین فرماتے ہیں:

(باقی بر صفحہ ٦٦٨)

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ یہ خطاب مکہ کے کفار کو ہے۔

شانِ نزول: کفار کہتے تھے کہ (معاذ اللہ) رسول اللہ صلی اللہ کے ہاں شیطان حاضر ہو کر باتیں بتاتے ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٦٦٧)

ان آباء النبی صلی اللہ علیہ وسلم غیر الانبیاء و امہاتہ الی آدم و حوا لیس فیھم کافر لانہ یقال فی حقہ انہ مختار ولا کریم ولا طاھر بل نجس و قد صرحت الاحادیث بانھم مختارون وان الآباء کرام والامھات طاھرات و ایضاً قال تعالیٰ وتقلبك فی الساجدین علیٰ احد التفاسیر فیہ ان المراد تنقل نورہ من ساجد الی ساجد۔ الخ

یعنی نبی کریم کے سلسلۂ نسب میں جتنے انبیاء ہیں وہ تو انبیاء ہی ہیں۔ ان کے سوا حضور علیہ السلام کے جس قدر آباؤ امہات آدم و حوا تک ہیں ان میں کوئی کافر نہ تھا کہ کافر کو پسندیدہ یا کریم یا پاک نہیں کہا جا سکتا اور حضور علیہ السلام کے آباؤ امہات کی نسبت حدیثوں میں تصریح کی گئی ہے کہ وہ سب پسندیدۂ بارگاہِ الٰہی ہیں آبا سب کرام ہیں مائیں سب پاکیزہ ہیں اور آیۂ کریمہ وتقلبك فی الساجدین کی بھی ایک تفسیر یہی ہے کہ نبی علیہ السلام کا نور ایک ساجد سے دوسرے ساجد کی طرف منتقل ہوتا آیا۔

اب اس سے صاف ثابت ہو رہا ہے کہ حضور علیہ السلام کے والدین ماجدین اہلِ جنت ہیں کیونکہ ساجد مشرک و کافر نہیں ہوتے مومن و موحد ہی ہوتے ہیں۔

سوال: قرآنِ کریم نے آزر کو ابراہیم علیہ السلام کا باپ بتایا حالانکہ وہ بت تراش تھے اور مشرک بھی۔ تو حضور علیہ السلام کے سلسلۂ نسب میں مشرک آ گیا۔

جواب: مفسرین و اہلِ تاریخ کا اس پر اتفاق ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا باپ نہیں تھا۔ ترمذی میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے حدیث موجود ہے کہ:

عم الرجل صنو ابیہ۔

(آدمی کا چچا اس کے باپ کی بجائے ہوتا ہے)

نیز قرآن کریم میں صریح آیت موجود ہے جس میں چچا کو باپ کہا گیا ہے۔

سوال: روایات سے ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام کے والدین کو زندہ کیا گیا اور وہ حضور علیہ السلام پر ایمان لائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ کے والدین کفر کی حالت میں مرے۔

(باقی بر صفحہ ٦٦٩)

marfat.ocm

اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٦٦٩)

جواب: اوّلاً تو اس حدیث سے حضور علیہ السلام کے والدین کا ایمان ثابت ہے۔ جو لوگ اب بھی ایمان کے قائل نہیں جواب تو ان کو دینا ہے۔ یہ حدیث ہمارے مقصد کے خلاف نہیں۔ نیز حضور علیہ السلام کے والدین کا دوبارہ زندہ کیا جانا اور ایمان لانا معاذ اللہ اس لیے نہیں تھا کہ وُہ کافر تھے۔ اُن کا کفر تو کسی ضعیف روایت سے بھی ثابت نہیں۔ بلکہ ان کو اس لیے زندہ کیا گیا کہ وہ حضور علیہ السلام پر ایمان لاکر حضور اکرم کے شرفِ صحابیت سے مشرف ہو کر خیر الامۃ میں داخل ہو جائیں۔ ان کا زندہ کرنا اور حضور علیہ السلام پر ایمان لانا مزید انعام و اکرام کے لیے تھا ورنہ وُہ تو پہلے ہی ملتِ ابراہیمی پر تھے جس طرح گذشتہ قصیدہ میں ثابت ہو چکا ہے۔

ثانیاً ایمان سے تجدید مراد ہے اس لیے کہ ان کا اہلِ توحید سے ہونا ہی ان کی نجات کے لیے کافی ہے۔ اس لیے کہ وُہ تو احکام کے مکلف ہی نہیں تھے۔ جس طرح کہ پہلے گزر چکا ہے۔

سوال: حضور علیہ السلام نے ایک صحابی سے فرمایا:

ابی و اباك هما فی النار۔

(میرا باپ اور تمہارا باپ دوزخ میں ہیں)

جواب: (۱) باپ سے مراد ابو طالب آپ کا چچا ہی ہے۔ ورنہ اس حدیث کے مقابلے میں جو آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبوی ہیں ان کا کیا جواب ہوگا۔

(۲) حضور علیہ السلام کو استغفار سے بھی رب العزت نے اسی لیے منع فرمایا کہ آپ کے والدین گنہ گار تھے ہی نہیں۔ استغفار تو گنہ گاروں کے لیے ہوتا ہے، اور گنہ گار وُہ مجرم ہے جس کو نبی یا رسول دعوتِ توحیدؐ احکام دے اور وہ شخص اعراض کرے۔ حضور علیہ السلام کے والدین کے لیے یہ دونوں امر ثابت نہیں۔

سوال: فقہ اکبر میں ہے کہ ماتا علی الکفر۔ یعنی ان کی موت کفر پر ہُوئی۔ (معاذ اللہ)

جواب: اوّل تو یہ مسئلہ اجتہادی نہیں کہ ہم اس میں کسی امام کی پیروی یا تقلید کریں۔

دوم فقہ اکبر کی عبارت ماوّل ہے۔ یعنی ماتا علیٰ عہد الکفر۔ (حضور علیہ السلام کے والدین کا انتقال عہدِ کفر میں ہُوا) اور یہ مسلّم ہے اس سے انکار نہیں۔

سوم یہ عبارت ماماتا علی الکفر تھی جیسا کہ اصل کتاب میں ہے۔

چہارم یہ عبارت بعض نسخوں میں سرے سے موجود ہی نہیں۔ تو ہمیں اس عبارت کا جواب دینے کی ضرورت

(باقی بر صفحہ ٦٧٠)

ربط : پہلے یہ بتایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں شیاطین کا قرآن لانا ممتنع ہے، اب بتایا کر ان کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ہی نہیں۔

انتباہ : یہ مسئلہ اس قدر نازک ہے کہ اگر احتیاط ہاتھ سے نکل جائے تو ایمان سے محروم ہونے کا خطرہ ہے۔ کیا حضور علیہ السلام کے والدین ماجدین کے کفر کے متعلق بات کرنا کوئی آسان کام ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :

والذین یؤذون رسول اللہ لہم عذابٌ الیم۔

(جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچاتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے)

آخری گزارش

عقلمند کو چاہیے کہ ایسی پُر خطر جگہ احتیاط سے کام لے۔

○ حجۃ الاسلام امام غزالی نور اللہ مرقدہ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں " کسی مسلمان کی طرف گناہ کبیرہ کی نسبت جائز نہیں جب تک یہ یقین سے ثابت نہ ہو" کفر کی نسبت کا معاملہ تو بہت ہی دشوار ہے۔

○ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول سے سبق لیا جائے۔ فرماتے ہیں " اگر کسی میں ننانوے احتمالات کفر کے ہوں اور ایک ایمان کا، تو اس کے لیے بھی کفر کی نسبت کرنا جائز نہیں "۔

خود ساختہ متقدین کے پاس امام کے اس ارشاد کا کیا جواب ہے ؛

ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔

(اگر تمہارے پاس کوئی برہان ہے اور تم سچے ہو تو وہ برہان لاؤ)

کیا تمہارا ایمان گوارہ کرتا ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادنیٰ غلاموں کے ساتھ سگانِ درگاہ جنّاتِ نعیم میں داخل ہوں اور جن کے نعلین کے تصدق جنت بنی ان کے ماں باپ دوسری جگہ معاذ اللہ غضب و عذاب میں مبتلا ہوں؟ کیا آمنہ خاتون حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ سے بھی کم ہیں۔ کیا یہ آپ کو پسند ہوگا کہ حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام اپنی والداؤں کو جنت میں دیکھیں اور محبوب کی والدہ وہاں نظر نہ آئیں۔

زندہ معجزہ اور اہلسنت کی تائید

مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کی توسیع کے سلسلے میں کی جانے والی کھدائی کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

(باقی برصفحہ ٦٧١)

marfat.ocm

حاضر ہوکر کر باتیں سکھانا بھی محال ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ اے مشرکو! کیا میں تمہیں خبر دوں عَلٰی مَنْ تَنَزَّلُ الشَّیٰطِیْنُ ۝ شیاطین کس پر نازل ہوتے ہیں۔

ف: تنزل در اصل تتنزل تھا، ایک تا حذف کر دی گئی ہے من استفہام کو متضمن ہے۔

سوال: اگر من استفہام کو متضمن ہے تو استفہام کا قاعدہ ہے کہ وہ ابتدائے کلام میں آتا ہے مثلاً، اعلی تمہید صورت ہوگا علی ازید صورت نہیں ہوگا، اور یہاں مَن ابتدائے کلام میں نہیں۔

جواب: اس کا مطلب یہ نہیں کہ من اسم ہے اور اس میں حرف کا معنی ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ یہ دراصل اَمَنْ تھا حرفِ استفہام یعنی ہمزہ حذف کر کے مَن اسم کو اس کے قائم مقام کیا گیا ہے جیسے هَل دراصل اَهَل تھا بمعنے اَقَدْ ماسی قاعدہ پر جب حرفِ جر مَنْ پر داخل ہوگا تو حرفِ جر سے پہلے ہمزہ استفہام مقدر ماننا ہوگا گویا اصل میں یہ عبارت اعلی من تنزل الخ تھی۔

تَنَزَّلُ عَلٰی کُلِّ اَفَّاكٍ افاک۔ کثیرالافک والکذب بہت بڑا بہتانی اور جھوٹا۔

حلِ لغات: امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا افک ہر وہ بات جس کو اپنے مقام سے پھیر کر دوسری طرف لایا جائے۔ جس کے لیے حق یہ تھا کہ اس طرف سے نہ لائی جاتی۔

اَثِیْمٍ ۝ کثیر الاثم ہر وہ اسم جو ثواب کی راہ سے ہٹا ہوا ہو یعنی شیاطین ان لوگوں پر اترتے ہیں جو پرلے درجے کے بہتانی اور جھوٹے اور گناہوں میں بکثرت مبتلا ہونے والے ہیں جیسے کاہن اور جھوٹے نبی جیسے مسیلمۃ الکذاب و طلیحۃ۔ کیونکہ یہ لوگ شیاطین کے عملی ہم جنس ہیں اور کذب و افتراء میں ان کو آپس میں مناسبت بھی ہے اور اضلال میں برابر کی شرکت بھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے قبائح سے بالکل منزہ و

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٦٧٠)

کے والد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کا جسدِ مبارک جس کو دفن کیے چودہ سو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے بالکل صحیح و سالم حالت میں برآمد ہوا، علاوہ ازیں صحابیِ رسول حضرت مالک بن سنانؓ کے علاوہ دیگر چھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجساد مبارک بھی اصل حالت میں پائے گئے جنہیں جنت البقیع میں نہایت عزت و احترام کے ساتھ دفنا دیا گیا ان لوگوں نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ان کا کہنا ہے کہ مذکورہ صحابہ کے جسم نہایت تر و تازہ اور اصلی حالت میں تھے۔ (روزنامہ ٢٠ر جنوری

نوٹ: فقیر نے اس خبر کو تفصیل کے ساتھ صدائے نوی شرح مثنوی میں لکھ دیا ہے۔ اویسی غفرلہٗ

مقدس ہیں۔ اسی لیے شیاطین کا ان کے ہاں حاضر ہونا محال ہی نہیں بلکہ ممتنع ہے یُلْقُوْنَ السَّمْعَ جملہ محلاً مجرور ہے اور کل افاك اثیم کی صفت ہے اس لیے کہ کل افاك اثیم جمع کے معنی میں ہے یعنی افاک و اثیم شیاطین کی طرف کان لگاتے ہیں تو ان سے اوہام اور علامات پاتے ہیں کیونکہ ان کی علمی کمی ہے اسی لیے اپنی طرف سے چند باتیں گھڑ کر سناتے ہیں جن کے اکثر کو واقع کے ساتھ مطابقت نہیں ہوتی۔

خلاصہ یہ کہ یہ لوگ شیاطین کی طرف کان لگا کر سنتے ہیں پھر کچھ باتیں اپنی طرف سے گھڑ لیتے ہیں۔

وَاَكْثَرُهُمْ اور ان بہتانیوں کے اکثر كٰذِبُوْنَ ۝ ان باتوں میں جھوٹے ہیں جو اپنی طرف سے گھڑتے ہیں۔ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ایسے نہیں کیونکہ وہ صادق فی جمیع ما اخبر من المغیبات[1] ہیں یعنی غیب کی باتوں کی خبر دینے میں سچے ہیں۔

ف : (اس سے وہابیہ کا بھی رد ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب کیا جانیں[2] اور ان کے علم غیب کو ماننا شرک ہے۔ ان بھلے مانسوں کو کون سمجھائے کہ جو غیب کی باتیں جانتا نہیں وہ غیب کی خبر کیسے دے سکتا ہے)[2]

سوال : اکثر کے اطلاق سے معلوم ہوا کہ ان کے بعض کاہن وغیرہ جھوٹے نہ تھے۔

جواب : (۱) کبھی اکثر بمعنے کل آتا ہے یعنی ان کے سارے جھوٹے ہیں۔ بلکہ بعض کا لفظ بھی کبھی کل کے معنی میں آتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

ولاحل لکم بعض الذی حرم علیکم۔

(اور تاکہ تمہارے لیے وہ بعض یعنی کل اشیاء حرام کی گئی تھیں

اب حلال کی گئیں۔ بلکہ بکثرت قلت کا اطلاق عدم پر بکثرت آیا ہے۔

(۲) بعض مشایخ نے فرمایا کہ یہ اکثریت باعتبار اقوال کے ہے نہ کہ بہ اعتبار ذوات۔ یعنی ان کی اکثر باتیں جھوٹی تھیں وغیرہ۔ اس سے لازم نہیں آتا کہ ان کے بعض سچے تھے بلکہ یہ لازم آتا ہے کہ ان کی بعض باتیں سچی تھیں جیسا کہ معلوم ہوا۔ اور افاک کا معنیٰ بھی یہی ہے کہ اس سے اکثر باتیں من گھڑت صادر ہوتی ہیں۔ اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ وہ ہر وقت من گھڑت باتیں کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس سے سچ کا صدور ناممکن ہو گیا ہے بلکہ وہ اکثر تو جھوٹ بولتا ہے اور کبھی کبھار سچ بھی بول لیتا ہے۔

(جیسے عربی مقولہ ہے :
الکذوب قد یصدق یعنی کاذب کبھی سچ بول لیتا ہے)[3]

---

[1] روح البیان ج ۶ ص ۳۱۴

[2] اضافہ از مترجم غفرلہٗ

[3] اضافہ از مترجم غفرلہٗ

marfat.ocm

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت کی گواہی وتصدیق کے صدقے

کشف الاسرار میں ہے کہ اکثر ھم میں سطیح وشق وسواد بن قارب کو مستثنیٰ کیا گیا ہے کہ وہ اپنے دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکرِ پاک سے سرشار رہتے، آپ کی تصدیق کرتے اور آپ کی نبوت کی گواہی دیتے اور لوگوں کو آپ کے دین کی دعوت دیتے رہتے تھے[1]

دو اعجوبے

حیوٰۃ الحیوان میں ہے کہ،

(۱) شق کو شق اس لیے کہا جاتا تھا کہ اس کے جسم کا ایک ایک حصہ کم تھا، مثلاً ہاتھ ایک، پاؤں ایک، آنکھ ایک۔

(۲) سطیح کے ڈھانچے میں نہ ہڈیاں تھیں نہ رگیں اور نہ پٹھے (صرف گوشت پوست تھا) وہ چٹائی کی طرح لپیٹ لیا جاتا۔

یہ دونوں (شق وسطیح) کاہن تھے، زمانۂ بعثت کو نہیں پایا بلکہ یہ کسریٰ یعنی ساسان کے زمانے میں تھے۔[2]

وَالشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ○ اور شعراء کی اتباع گمراہ لوگ کرتے ہیں۔ یعنی نہ قرآن شعر ہے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شاعر ہیں کیونکہ شاعر تو وہ ہے جن کی اتباع گمراہ اور بیوقوف ہی کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابعدار ایسے نہیں بلکہ وہ دانائے روزگار ہیں، ان کی باتیں عوام کے نزدیک وقیع اور ان کی دانائی خلقِ خدا میں مسلّم ہے۔

شرارتی شعرا

کفار کے چند شعرا تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کی ہجو اور اسلام کی بدگوئی کرتے۔ ان کی اتباع میں بیوقوف اور پاگل قسم کے لوگ ہوتے، تاکہ وہی ہجو یاد کریں۔ پھر وہ اپنے علاقوں میں جاکر مجالس قائم کرکے ہجو کرکے ہنستے ہنساتے۔ (جیسے آج کل وہابیہ اور روافض کے شعراء کا حال ہے کہ وہابیہ نبی علیہ السلام کے علم غیب واختیار و نور وغیرہ کی نفی میں اشعار پڑھتے ہیں اور اولیاء و مزارات کی تنقیص وتحقیر میں ابیات سناتے ہیں۔ اور روافض صحابہ کرام کی ہجو بکتے اور مجالس قائم کرکے اشعار میں گالیاں دیتے ہیں)[3]

حکایت واضحوکہ

خلیفۂ وقت کے ہاں شعراء کی جماعت حاضر ہوئی ان کے پیچھے ایک طفیلی (جسے آج ہم مفت خورہ کہتے ہیں) چلا گیا۔ شعرا نے خلیفہ کو قصائد سنا کر انعامات حاصل کئے

---

[1] و [2] ایسے واقعات فقیر کی کتاب "آدم تا ایندم" میں دیکھئے۔ اویسی غفرلہٗ

[3] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

اور طفیلی اداس بیٹھا تھا۔ بادشاہ نے کہا: تم بھی کچھ کہو تاکہ تمہیں بھی انعام ملے۔ طفیلی نے کہا: میں شاعر نہیں بلکہ ایک گمراہ آدمی ہوں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

والشعراء یتبعھم الغاؤن۔

اس پر بادشاہ بہت ہنسا اور طفیلی کو بھی انعام سے نوازا۔ (کذا فی الروضہ لابن الخطیب)

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ کافروں کے شعراء وہ ہیں جو ان کے طریقے پر چلتے ہیں وہ گمراہ ہیں اور راہِ حق سے کوسوں دور ہیں۔ اس سے اہلِ حق شعراء مراد نہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے اس میں اشارہ ہے کہ شعراء جب اپنے حسب مقامات و بموافق مطامع نظر و منشاء قصد و نیات کے مطابق اقدام تفکر، معاوز تذکر پر طلب معانی و نظم و ترتیب عروض و قوافی و تدبیر تجنیس و اسالیب میں چلتے ہیں تو شیاطین اغواء و اضلال کے لیے ان کے پیچھے پڑجاتے ہیں اور انہیں اباطیل و اکاذیب میں واقع کرنے کے درپے ہو جاتے ہیں۔

شعر کی لغوی تحقیق المفردات میں ہے، شعرت بمعنی اصبت الشعر۔ اسی سے استعارہ کیا گیا ہے شعرت کذا۔ یعنی میں نے اسے وقت میں بالوں کی طرح پایا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ شاعر کو بھی اسی لیے شاعر کہا جاتا ہے کہ وہ اچھی ذہانت اور دقیق معرفت کا حامل ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دراصل شعر بمعنے علم الدقیق کو کہا جاتا ہے۔ اسی سے لیت شعری کا مقولہ مشہور ہے۔

عرف میں شعر کی تعریف عرف میں شعر ہر مقفّٰی اور مسجع اور موزوں کلام کو کہتے ہیں۔ اور شاعر اس کو کہا جاتا ہے جو فنِ شعر کا ماہر ہو۔ کما قال تعالیٰ:

بل افتراہ بل ھو شاعر۔ ترجمہ: بلکہ اسے گھڑا ہے بلکہ وہ شاعر (جھوٹا) ہے، معاذ اللہ۔

بل افتراہ بل ھو شاعر کی تفسیر اس آیت میں بھی کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر اسی معنیٰ پر کہا کہ آپ کا قرآن شعر ہے کہ اس میں مقفّٰی و مسجع و موزوں کلام ہے۔ مثلاً:

وجفان کالجواب وقدور راسیات۔ ترجمہ: اور بڑے حوضوں کے برابر لگن اور لنگر دار دیگیں۔

(

یہ[1] مطلب صحیح نہیں کیونکہ کفارِ عرب کا مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر بمعنے معروف اور شعر معروف کی تہمت

---

[1] یہی مطلب وہابیہ دیوبندیہ لیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علمِ کلی حاصل نہیں۔ (باقی بر صفحہ ۳۳۱)

marfat.ocm

نہیں لگائی اسی لیے کہ عجمی جاہل بھی سمجھتے ہیں کہ قرآنی آیات اور جملے شعر معروف کی صنعت پر نہیں چہ جائیکہ اہل عرب، اور وہ بھی فصحاء و بلغاء اس سے یہی مراد لیں۔ بلکہ اس سے ان کی مراد شعر سے کذب ہے۔ (یہی معنیٰ ہم اہلسنت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وما علمناہ الشعر میں شعر سے مراد کذب ہے۔ اب معنی و مطلب واضح ہے۔ دلائل تفسیر اویسی کی کتاب احسن التقریر میں ہیں)[1] آیت مذکورہ میں شاعر بمعنے کاذب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک قوم (منطق) ادلہ کاذبہ کو شعر سے تعبیر کرتی ہے۔ (چنانچہ منطقیوں نے شعر کی یوں تعریف کی ہے:

الشعر ھو قیاس مؤلف من مقدمات تنبسط منھا النفس او تنقبض۔ یعنی شعر وہ قیاس ہے جو ایسے مقدمات سے مرکب ہو جس سے جی خوش ہو جائے یا مغموم و منقبض ہو جائے خواہ اس سے غلط اور جھوٹے جملے ملانے پڑیں۔ اس کی مثال الخمر یاقوتیۃ سیالۃ اور العسل مرۃ مھوعۃ ہے)[2] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے شعرا کے وصف میں فرمایا:

والشعراء یتبعھم الغاوٗن۔ ترجمہ: شاعر وہ ہیں جن کی گمراہ لوگ اتباع کرتے ہیں۔

ف: امام مرزوق شارح حماسہ نے فرمایا کہ درجۂ اول پر بلغاء ہیں دوسرے نمبر پر شعراء۔ وہ اس لیے کہ عرب میں منظوم کی بجائے نثری کلام کو ترجیح ہے اسی لیے ملوک عرب اسلام سے قبل اور اسلام کے بعد خطابت پر نازاں تھے اور اپنی بادشاہی کی مضبوطی کے لیے اسے قوی ترین اسباب سے شمار کرتے لیکن شعر گوئی کو ردی اور بیکار سمجھتے کیونکہ شعر گوئی میں کسب کو دخل ہوتا ہے اور یہ ایک تجارتی عمل متصور ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ طمع کے وقت لئیم اپنے داتا کو کریم سے یاد کرتا ہے اور کریم اگر صلہ و انعام کی داد و دہش سے پیچھے ہٹے تو اسے لئیم کہا جاتا۔ دوسری دلیل برائے ترجیح نثر بر نظم اعجاز بھی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں فصاحت کا زور تھا۔ (اسی لیے فاتوا بسورۃ من مثلہ کا چیلنج کیا گیا)

تفسیر عالمانہ

اَلَمْ تَرَ اے وہ شخص جس کی شان رؤیت ہے کیا تُو نے نہیں دیکھا یعنی بیشک تُو نے دیکھا اور معلوم کیا ہے اَنَّھُمْ بے شک وہ شعراء فِیْ کُلِّ وَادٍ ہر وادی میں۔ یعنی مدح و ذم اور ہجو و کذب اور فحش و شتم اور لعن و افتراء اور دعاوی و تکبر اور مفاخرہ و تحاسد اور ریاء کاری اور عجب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) دلیل میں وما علمناہ الشعر الخ پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضور شعر (معروف) نہیں جانتے تھے اور اسی شعر (معروف) کی اللہ تعالیٰ نے آپ سے نفی کی ہے حالانکہ یہاں بلکہ جملہ قرآن میں شعر سے شعر معروف مراد نہیں بلکہ شعر سے کذب مراد ہے جیسا کہ روح البیان میں لکھا گیا ہے۔

[1] و [2] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

اور اظہار فضل و دنائت وخست اور طمع و لالچ اور ذلت وخواری و دیگر قسم قسم کے اخلاقِ رذیلہ وطعن علی الانساب و الاعراض (عزتوں اور نسبوں پر حملہ کرنا) و دیگر ایسی آفات وبلیات کے چکر میں ہیں، جیسا کہ فنِ شعرگوئی میں عموماً ہوتا ہے یَهِيْمُوْنَ ۝

حلِ لغات : هام يهيم علیٰ وجهه هيمانا (بفتحتين) از باب باع يبيع بمعنی ذهب فی العشق وغیرہ یعنی وہ عشق وغیرہ میں ڈوب گیا (کذا فی المختار) یعنی وُہ اپنے چہروں پر گرتے پھرتے ہیں اور کوئی صحیح راہ نہیں پاتے بلکہ وُہ فضول باتوں کی وادی میں بھٹکتے اور وہم وخیال اور گمراہی میں گم رہتے ہیں۔

امام راغب نے فرمایا کہ وادی دراصل اس جگہ کو کہا جاتا ہے جس میں پانی بہتا ہو اور دو پہاڑوں کے درمیان کے کھلے راستہ کو بھی وادی سے تعبیر کرتے ہیں۔ استعارۃً طریقہ مثلاً مذہب واسلوب پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے :

فلان فی واد غیر وادیك۔

(فلاں تیرے طریقے (مذہب) کے غیر پر ہے)

اور اب الم تر انهم فی كل واد يهيمون کا معنی یہ ہُوا کہ وُہ کلام کے اسالیب مدح، ہجو، غزل، جدل میں بھٹکتے رہتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ کلام کے ہر طریقے میں غلو کرتے ہیں۔

ف : وسیط میں ہے کہ وادی فنونِ کلام کی کہاوت اور اس میں سرگردان پھرنے کی کہاوت ہے کیونکہ وُہ اپنی باتوں میں ہر قسم کی لغویات اور باطل گفتگو اور مدح وذم میں غلو کرتے ہیں۔

وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اور وُہ اپنے اشعار میں ڈینگیں مارتے اور غلط دعاوی کرتے اور ایسی باتیں کہتے ہیں مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ۝ وہ جو نہیں کرتے یعنی ناکردہ فسق کا اقرار کر لیتے ہیں اور بلا وجہ ایسے پیغامات دیتے ہیں جن سے انہیں کسی قسم کا تعلق نہیں ہوتا۔ سخاوت کی ڈینگیں مارتے ہیں لیکن اس سے کوسوں دُور ہوتے ہیں اور بخل کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں لیکن ہوتے ہیں پرلے درجے کے بخیل، اور کسی سے انہیں معمولی پرخاش ہو تو اس پر مذمت کا انبار لگا دیتے ہیں اور سوائے فواحش ومعاصی کے ان کا کوئی کام نہیں ہوتا۔ اور یہ تمام کی تمام غوایۃ وضلالۃ ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان جملہ امور سے منزہ اور پاک ہیں۔ اور آپ تو بفضلہٖ تعالیٰ جملہ محاسن جمیلہ واوصافِ حمیدہ ومکارمِ اخلاق سے موصوف بلکہ سرچشمہ ہیں اور منہاج قویم بہتر راستہ پر قایم اور صراطِ مستقیم پر گامزن ہیں۔ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ شعراء صالحین مؤمنین کا استثناء ہے۔ یعنی مگر وُہ جو ایمان لاتے اور نیک عمل کیے وَذَكَرُوا اللّٰهَ اور اللہ تعالیٰ کی یاد كَثِيْرًا بکثرت، اس لیے کہ ان کے اشعار مبنی بر توحید وثناء علی اللہ ہیں اور طاعت کی ترغیب پر مشتمل ہیں

marfat.ocm

اور ان میں حکمت و موعظت اور زہد فی الدنیا و ترغیب فی الآخرت کا ذکر ہے۔ یا یہ معنیٰ ہے کہ شعر گوئی انہیں ذکرِ الٰہی سے باز نہیں رکھتی اور نہ ہی انہوں نے شعر گوئی اپنی عادت و مشغلہ بنا رکھا ہے۔

نسخہ روحانی ذکر کی کثرت سے گنتی مراد نہیں بلکہ وہ ذکر جس میں حضورِ قلبی ہو وہ ذکرِ کثیر ہے (جیساکہ ابُو یزید قدس سرہٗ نے فرمایا)

وَّانْتَصَرُوْا اور مشرکین سے بدلہ لیا۔

حلِ لغات: تاج المصادر میں ہے الانتصاد بمعنے انصاف لینا (بدلہ لینا)۔

مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہُوا کہ ان کی مشرکین نے ہجو کی جیساکہ حضرت حسان بن ثابت اور کعب بن مالک اور عبد اللہ بن رواحہ وغیرہم رضی اللہ عنہم حضرات رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کفار و مشرکین کی ہجو کا جواب دیتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وارد کردہ اعتراضات کے جوابات لکھتے اور پڑھتے تھے۔

حضرت حسان حضوری نعت خوان رضی اللہ عنہ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو مسجد میں منبر بچھا دیتے جس پر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کا جواب دیتے حضرت کمالِ اصفہانی نے فرمایا ؎

ہجا گفتن اگرچہ پسندیدہ نیست
مبادا کسے کالت آں ندارد
چو آں شاعرے کو ہجا گو نباشد
چو شیرے کہ چنگال و دنداں ندارد

ترجمہ، ہجو اگرچہ اچھی نہیں ہوتی۔ خدا کرے وہ شاعر نہ ہو جو ہجو کی طاقت نہیں رکھتا۔ ایسا شاعر جو ہجو نہیں جانتا اس کی مثال اس شیر کی ہے جو پنجہ اور دانت نہیں رکھتا۔

شعر گوئی کے فضائل

حدیث شریف ۱ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں فرمایا:

"اے کعب! کافروں کی ہجو کر اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے شعر گوئی ان پر تیر سے بھی زیادہ سخت ہے۔"

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف ۲ "کافروں سے اموال ونفوس اور زبانوں سے جہاد کرو۔"

یعنی انہیں ایسی باتیں سناؤ جو ان کو سخت لگیں اور جن سے وہ چڑتے ہوں۔ جیسے ہجو اور سخت کلامی وغیرہ۔[1]

نکتہ: استثناءً عمومی لایا گیا ہے تاکہ مخصوص لوگوں اور خاص شاعروں کے لیے مدح مقصود نہ ہو بلکہ ہر وہ شاعر اس مدح کا مستحق ہو جو شعرائے رسول کی پیروی اور اقتدا کرتا ہو، خواہ وہ شاعر ہو یا خطیب یا کوئی اور۔[2]

(کذا قال الامام السہیلی)

ف: الکواشی (تفسیر) میں ہے کہ شعر ایک کلام کا نام ہے۔ کلام اچھا تو شعر اچھا۔ کلام قبیح تو شعر بھی قبیح۔

مسئلہ: وہ شعر جس میں توحیدِ الٰہی اور مکارم الاخلاق جیسے جہاد و عبادت و حفظ از زنا، بری نگاہ سے بچاؤ، صلہ رحمی وغیرہ، مدحتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مناقبِ اولیاء کرام ہوں، درست ہے۔[3]

تفسیرِ صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اشعار میں اربابِ قلوب کے لیے نورِ ایمان کے ساتھ اقدامِ تفکر میں سلوک اور قوت عمل صالح اور تائید الذکر الکثیر ہے تاکہ وہ قرب کے اعلیٰ درجات کو پہنچیں پھر دقائق معانی کے ساتھ، ان کی ملائکہ تائید کرتے ہیں بلکہ حقایق کو حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالےٰ انھیں توفیق بخشتا اور الفاظ دقایق کے ساتھ ان کو الہام فرماتا ہے۔ پھر وہ الہام کے ذریعہ مواعظِ حسنہ اور حکمتِ بالغہ اور ذمِ دنیا اور اس کے ترک وتزیین الآخرۃ اور اس کی طلب وتشویق العبادۃ اور اللہ تعالیٰ کی محبت

---

[1] جیسے اعلحضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے وہابیوں دیوبندیوں نجدیوں کے متعلق فرمایا: ؎

دشمنِ احمد پہ شدت کیجئے
ملحدوں کی کیا مروّت کیجئے

اور فرمایا: ؎

غیظ سے جل جائیں بے دینوں کے دل
یا رسول اللہ کی کثرت کیجئے

[2] الحمدللہ اس تفسیر پر ہم اہلسنت خوش نصیب ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تنقیص وتحقیر کرنے والوں کو دنداں شکن جواب دیتے ہیں شعرگوئی سے بھی، تحریر سے بھی، تقریر سے بھی۔

[3] الحمدللہ ہم اہلسنت کو یہ تمام امور شعرگوئی کے لحاظ سے نصیب ہیں۔ ہمارے دور کے خوارج کو باقی اشعار سے تو انکار نہیں البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت سے ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔

marfat.ocm

پیدا کرنے و شرح المعارف و بیان الوصل اور سیر الی اللہ پر برانگیختہ کرنے و ذکر و ثنائے الٰہی و مدح النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و مناقب صحابہ رضی اللہ عنہم و بدلہ لینے کی نیت پر ہجو کفار کی وادی میں پھرتے رہتے ہیں۔

نعت خوانی کی فضیلت حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

اھج المشرکین فان جبریل معك۔

(کافروں کی ہجو کرو بے شک جبریل تمہارے ساتھ ہیں)

مسئلہ: جمہور کے نزدیک شعر گوئی مباح ہے بشرطیکہ اس میں کذب و قبح نہ ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اگر شعر گوئی کا مشغلہ اتنا غالب آجائے کہ اسے ذکر الٰہی و تلاوت قرآن کا وقت بھی نہ ملے تو یہ مذموم فعل ہے اسی لیے بجا کہا جس نے کہا: ؎

در قیامت نرسد شعر بفریاد کسے
کہ سراسر سخنش حکمت یونان گردد

ترجمہ: قیام میں اس کا شعر اسے کوئی فائدہ نہ دے گا جس کا سخن سراسر حکمت یونان پر مبنی ہو۔

ف: اگر مذکورہ بالا شرائط شعر میں پائی جائیں تو شعر گوئی مذموم ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

ان من الشعر لحکمة۔

(بعض اشعار میں حکمت ہوتی ہے)

یعنی وہ کلام ایسا نافع ہوتا ہے کہ جہل و حماقت و سفاہت سے بچاتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شعر گوئی: سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم تمام خلفاء سے زیادہ شعر گو تھے۔

بی بی عائشہ رضی اللہ عنہ کی بلاغت: اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سب سے بڑی فصیحہ و بلیغہ تھیں۔

حضرت کاشفی مرحوم کی تقریر جناب کاشفی مرحوم فرماتے ہیں کہ: حقائق پناہ لیتے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے دیوان کے دیباچہ میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ در حکیم جل ذکرہ نے آیت والشعراء یتبعھم العاوون لی ان شعرا۔ (جو بحر شعر کے تیراک ہوتے ہیں) جمع کرکے ذکر فرمایا اور دام استغراق کا کمند ان کی گردن میں ڈال کر کبھی تو انہیں گمراہی کی حد میں گراتا ہے کبھی تشنہ لب کرکے وادی حیرت و ضلالت میں حیران کرتا ہے ان کے بہت خوش قسمت اصلاح عمل و صدق ایمان کی وجہ الا الذین آمنوا الخ کی کشتی میں بیٹھ کر (وذکروا اللہ) کی برکت سے کنارے لگتے ہیں اور نجات پاتے۔

کسی شاعر نے کہا:

ہست ما را [illegible] استثنائے

ترجمہ: (اگرچہ قرآن میں شاعروں کو اللہ تعالیٰ نے گمراہ کہا ہے

لیکن الا الذین آمنوا الخ میں ہمیں مستثنیٰ فرمایا ہے)

حضور علیہ السلام کی شاعری چونکہ شعر گوئی انبیاء علیہم السلام کے شایانِ شان نہیں اس لیے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شعر بنائے نہیں پڑھے ضرور ہیں اور بے قصد شعر بھی بن گئے۔ اور یہ دونوں آپ کے باکمال ہونے کی بشری دلیل ہے کیونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے علم جامع عطا فرمایا۔ آپ ہر فصیح وبلیغ وشاعر بلکہ اشعر کو اس کی لیاقت پر جواب سے نوازتے اور ہر قبیلہ کی لغت، عبارت اور لہجہ کے مطابق جواب بخشتے اور کاتبین کو کتابت بتاتے اور ہر صاحبِ صنعت کو ہر قسم کی صنعت سمجھاتے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوٓا اور عنقریب ظالم لوگ جان لیں گے کہ جس شعر گوئی سے انہیں روکا گیا تھا اس سے نہ رُکے۔ یہ عام ہے ہر ظالم کو۔ سین استقبالیہ تاکید کے لیے ہے أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ ۝

ترکیب: ای منقلب۔ ینقلبون کی وجہ سے منصوب علی المصدریہ ہے سیعلم کا مفعول وغیرہ ہے اس لیے کہ ای اور اس جیسے اور اسماء استفہامیہ کا ماقبل عمل نہیں کرتا اور یہ اپنے عامل پر مقدم اس لیے ہے کہ ای استفہام کے معنی کو متضمن ہے اور استفہام کے لیے تقدیم چاہیے اور یہ جملہ سیعلم کے متعلق اور دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔ المنقلب بمعنے الانقلاب ہے بمعنے الرجوع۔

اب معنی یہ ہوگا کہ کون سی کروٹ بدلیں گے اور مرنے کے بعد کہاں لوٹیں گے یعنی بُری سزا کی طرف ان کا رجوع ہوگا اور یہ بہت بُرا لوٹنا ہے کیونکہ اس کا انجام جہنم ہے۔ کاشفی نے کہا کہ ظالموں کو معلوم

ہوگا کہ وہ کون سے مکان میں واپس ہوں گے ۔ وہ یہ کہ ان کی واپسی جہنم میں ہوگی ۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وصیت نامہ

جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنی زندگی سے مایوس ہوئے تو سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بلا کر لکھوایا :

وھو ھذا ما عھد ابن ابی قحافۃ الی المؤمنین فی الحال التی یومن فیھا الکافر ۔

یہ وہ عہد نامہ ہے جو ابن ابی قحافہ نے اہل ایمان کی طرف ایسے وقت میں لکھا جب کافر ایمان لاتا ہے (یعنی موت کے وقت)

اس کے بعد آپ پر غشی طاری ہوگئی افاقہ ہوا تو لکھوایا :

انی استخلف علیکم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فانہ عدل فذالک ظنی فیہ وان لم یعدل سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون ۔

میں تم پر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بناتا ہوں کیونکہ وہ عادل ہیں اور یہ میرا گمان ہے اگر وہ عدل نہ کریں گے تو انہیں معلوم ہے کہ ظالمین کون سی کروٹ لوٹیں گے ۔

ف : الظلم بمعنے انحراف عن العدالۃ اور عدول عن الحق یعنی اس حق سے روگردانی جو دائرہ میں بمنزلہ نقطہ کے ہے ۔

ظالم کی اقسام

ظالم تین قسم ہیں :

(۱) ظالم الاعظم ۔ وہ جو اللہ تعالیٰ کی شریعت سے خارج ہو ۔ اور اللہ تعالیٰ کے قول ؛ ان الشرک لظلم عظیم (شرک بہت بڑا ظلم ہے) سے یہی مراد ہے ۔

(۲) ظالم الاوسط ۔ وہ جو احکام سلطانی کو اپنے اوپر لازم نہ جانے ۔

(۳) ظالم الاصغر ۔ وہ جو کاروبار سے بیکار رہ کر لوگوں کے منافع کھا جائے اور انہیں منافع سے محروم رکھے ۔

عدالت کی فضیلت

عدالت کی ایک فضیلت یہ ہے کہ ظلم اس کی نقیض ہے اور ظلم کی توبہ نامکمل ہے جب تک عدالت قائم نہ ہوگی ۔ مثلاً چند چور آپس میں چوری کے مال کی شرط لگائیں پھر اس پر اگر کوئی پورا نہ اترے تو ان کا کام بھی بگڑ جائے گا ۔ جب ایک غلط کام عدالت کے بغیر نہیں چل سکتا تو پھر امورِ سلطنت کیسے عدالت کے بغیر چل سکتے ہیں ۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ وہ وعد و وعید کو ہر وقت مدِ نظر رکھے اور جور و ستم سے باز آجائے اگرچہ عادل ہو تب بھی اس کا خیال ضروری ہے۔

ہم پناہ مانگتے ہیں ترقی کے بعد تنزل سے۔ اللہ تعالیٰ ہر سالک کا معین اور راستوں کی ہلاکت سے نجات دینے والا ہے۔

تاریخ اختتام سورۂ شعرا از صاحبِ روح البیان (صاحبِ روح البیان قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:)

سورہ شعراء کا اختتام بروز خمیس ۹ر ذیقعدہ ۱۱۰۴ھ میں ہوا۔

فقیر اویسی اس کے ترجمہ سے ۲۸ صفر المظفر ۱۴۰۳ھ

شبِ بدھ بعد نمازِ عشاء

فارغ ہوا۔

فللہ الحمد علیٰ ذٰلک

انتباہ کل شب منگل قبل عشاء ۲ صفر ۱۴۰۳ھ کو سورۂ فرقان کی تفسیر کے ترجمہ سے فراغت پائی۔ اس سے کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو کہ اتنی بڑی سورۃ شعراء کی تفسیر ایک شب میں کیسے مکمل ہو گئی۔ اس کا ازالہ ضروری سمجھتے ہوئے فقیر اویسی غفرلہٗ عرضگذاشت ہے کہ فقیر تفسیر کے ترجمہ میں ترتیب ملحوظ نہیں رکھتا تھا بلکہ سفر و حضر میں جہاں سے جیسے ہی موقع ملتا لکھ لیتا۔ آج سے چند برس پہلے فقیر نے ان دونوں سورتوں کا ترجمہ کر لیا تھا۔ نظرِ ثانی کے وقت ان کے باقی ماندہ مضامین کو لکھا تو حسنِ اتفاق سے سورۂ فرقان کا بقایا بھی ایک شب و روز میں ختم ہوا اور سورہ شعراء کی تفسیر بھی شب و روز میں ختم ہوئی۔ ہذا آخر ما رقمہ قلم الفقیر محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ۔ وصلی اللہ علیٰ حبیبہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

۲۸ر صفر المظفر ۱۴۰۳ھ

---

marfat.ocm

سورۃ النمل

سُوْرَةُ النَّمْلِ مَكِّيَّةٌ (۲۷) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اٰيَاتُهَا ۹۳ رُكُوْعَاتُهَا ۷
سورۂ نمل مکی ہے اس میں ترانوے اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا آیات اور سات رکوع ہیں

طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ (۱) هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ (۲)
یہ آیتیں ہیں قرآن اور روشن کتاب کی ہدایت اور خوشخبری ایمان والوں کو

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ (۳)
وہ جو نماز برپا رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ (۴) اُولٰٓئِكَ
جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے ان کے کوتک ان کی نگاہ میں بھلے کر دکھائے ہیں تو وہ بھٹک

الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ (۵) وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى
ہے ہیں یہ وہ ہیں جن کے لیے برا عذاب ہے اور یہی آخرت میں سب سے بڑھ کر نقصان میں اور بیشک تم قرآن

الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ (۶) اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا
سکھائے جاتے ہو حکمت والے علم والے کی طرف سے جب کہ موسیٰ نے اپنی گھر والی سے کہا مجھے ایک آگ نظر پڑی ہے

سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ (۷) فَلَمَّا جَآءَهَا
عنقریب میں تمہارے پاس اس کی کوئی خبر لاتا ہوں یا اس میں سے کوئی چمکتی چنگاری لاؤں گا کہ تم تاپو پھر جب آگ کے پاس

نُوْدِيَ اَنْ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۸)
ندا کی گئی کہ برکت دیا گیا وہ جو اس آگ کی جلوہ گاہ میں ہے یعنی موسیٰ اور جو اس کے آس پاس ہیں یعنی فرشتے اور پاکی ہے اللہ

يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (۹) وَاَلْقِ عَصَاكَ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا
کو جو رب ہے سارے جہان کا اے موسیٰ بات یہ ہے کہ میں ہی ہوں اللہ عزت والا حکمت والا اور اپنا عصا ڈال دے پھر موسیٰ نے
اسے

جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ اِنِّىْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿١٠﴾
دیکھا لہراتا ہوا گویا سانپ ہے پیٹھ پھیر کر چلا اور مڑ کر نہ دیکھا ہم نے فرمایا اے موسیٰ ڈر نہیں بے شک میرے حضور رسولوں کو خوف نہیں

اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْۗءٍ فَاِنِّىْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١١﴾ وَاَدْخِلْ يَدَكَ
ہوتا ہاں جو کوئی زیادتی کرے پھر برائی کے بعد بھلائی سے بدلے تو بیشک میں بخشنے والا مہربان ہوں اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان

فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاۗءَ مِنْ غَيْرِ سُوْۗءٍ فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ اِنَّهُمْ
میں ڈال نکلے گا سفید چمکتا بے عیب نو نشانیوں میں فرعون اور اس کی قوم کی طرف بیشک

كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿١٢﴾ فَلَمَّا جَاۗءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٣﴾ وَجَحَدُوْا
وہ بے حکم لوگ ہیں پھر جب ہماری نشانیاں آنکھیں کھولتی ان کے پاس آئیں بولے یہ تو صریح جادو ہے اور ان

بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿١٤﴾
کے منکر ہوئے اور ان کے دلوں میں انکا یقین تھا ظلم اور تکبر سے تو دیکھو کیسا انجام ہوا فسادیوں کا

تفسیر عالمانہ سورۃ النمل مکیہ ہے اس کی ترانوے یا چورانوے آیات ہیں۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع وہ مہربان اور رحیم ہے۔ طٰسٓ یہ دراصل ھذہ طٰسٓ تھا یعنی یہ وہ سورت ہے جس کا نام طٰسٓ ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ طاء میں عُشّاق کے قلوب کی پاکیزگی کی طرف اور سین میں اس سر (راز و رموز) کی طرف اشارہ ہے جو اس کے اور اس کے بندوں کے درمیان ہے کہ جہاں نہ کوئی فرشتہ دم مار سکتا ہے اور نہ کوئی نبی مرسل۔ (اس سے مرسل و انبیاء کی نفی بظاہر مبالغہ ہے ورنہ وہ مقام تو انہی خواص کا ہی تو ہے)۔

٢۔ ان دونوں لفظوں میں قسم مطلوب ہے یعنی قسم ہے طالبین یعنی عُشّاق کے قلوب کی اور قسم ہے ان کے قلوب کی سلامتی کی کہ وہ ماسوائے حق تعالیٰ کے بے نیاز ہیں۔

٣۔ کشف الاسرار میں ہے کہ طاء میں طہارۃ قدس کی طرف اور سین میں اس کی عزت کی سنا یعنی چمک کی طرف اشارہ ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے اپنے قدس کی طہارۃ اور عزت کی چمک کی قسم کہ میں کسی آرزومند کی آرزو کو نہیں ٹھکراتا۔

٤۔ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ طاء میں طول یعنی اس کے فضل کی طرف اور سین اس کے سنا یعنی اس کی بلندی کی طرف اشارہ ہے۔

marfat.ocm

ف: طٰسٓمٓ میں اس قسم کی کافی بحث بیان کی گئی ہے وہاں دیکھ لیجئے۔

ہمدانی قدس سرہٗ کا مقالہ حضرت عین القضاۃ الہمدانی قدس سرہٗ کے مقالات میں ہے کہ اگر قرآن مجید میں حروف مقطعات نہ ہوتے تو میں ہرگز ایمان نہ لاتا۔

کفر کا فتویٰ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ موصوف کے اس کلمہ پر ان کے ہم عصر کثیر علماء نے آپ پر کفر کا فتویٰ صادر فرمایا یہ ان علماء کرام کی عجلت کا نتیجہ تھا ورنہ اہل علم پر اس مقولہ کا سمجھنا آسان ہے وہ یہ کہ ان کا مطلب یہ ہے کہ ان حروف کے باطنی معانی پر آگاہی سے ہمیں ایمان کا موقعہ نصیب ہوا ہے جیسا کہ ارباب حقائق کا طریقہ ہے کہ وہ ایسے دقیق امور سے معرفت الٰہی پاتے ہیں جس سے ان کے ایمان عیانی کے انوار میں اضافہ کا سبب بنتے ہیں۔

تِلۡكَ یہ عظیم الشان سورۃ یا وہ آیات جو اس سورۃ میں ہیں **"اٰیٰتُ الۡقُرۡاٰنِ"** قرآن کی آیات یعنی وہ قرآن جو اعلیٰ شان والا معروف و مشہور ہے یعنی ان کی بعض آیات جو مخصوص نام سے موسوم ہیں لیکن قرآن مجید سے جملہ قرآن مراد ہے جو اس سورۃ کے نزول کے وقت نازل ہو چکا تھا کیونکہ جب بھی یہی لفظ بولا جاتا ہے تو فوراً فہم میں یہی نازل کردہ کلام الٰہی آجاتا ہے۔ **وَكِتَابٍ** اور عظیم الشان کتاب **مُّبِيۡنٍ ۝** حکمتوں اور حکموں اور آخرت کے امور کو ظاہر کرنے والی ہیں۔ منجملہ اس کے ثواب و عذاب ہے یا یہ کہ اس کا اعجاز اور اس کی صحت ظاہر ہے۔

حل لغات یہ ابان سے ہے بمعنے بان یعنی ظہر اس کا عطف کتاب پر عطف الصفۃ علی الصفۃ کے قبیل سے ہے جیسے غافر الذنب و قابل التوب "گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا۔" یعنی یہ اس کلام کی آیات ہیں جو قرآنیہ و کتابیہ کا جامع ہے یعنی بایں معنی کہ اسے پڑھا اور لکھا جاتا ہے قرآنیہ کی صفت کی تقدیم اس لیے ہے کہ پڑھنا پہلے ہے اور لکھنا بعد میں۔

سوال: سورۃ حجر میں قرآنیہ کیوں مؤخر ہے؟

جواب: اس میں یہ اشارہ مطلوب ہے کہ یہ تمام کتاب کتب الٰہیہ سے ممتاز ہے بلکہ ان تمام کی جامع ہے گویا کہ ان تمام کتب کی یہی ایک ہے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ قرآن و کتاب ہر دونوں اس کلام الٰہی کے علم ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے اور دونوں وصف بھی ہیں بایں معنی کہ اسے پڑھا لکھا جاتا ہے۔

ف: جب ان پر الف لام تعریف داخل ہو تو وہ علمیت پر دلالت کرتا ہے کہ اگر نکرہ ہوں تو ان کی وصفیت مراد ہوگی۔

هُدًى وَّبُشۡرٰى لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۝ وہ آیات اہل ایمان کی ہدایت دینے والی اور خوشخبری سنانے والی ہیں۔ مصدر فاعل کی جگہ قائم مقام ہے مبالغہ کے لیے گویا کہ وہ سراسر ہدایت و بشارت ہے۔

سوال: اہل علم تو ہدایت یافتہ ہیں پھر ان کو ہدایت دینے کے کیا معنی؟

جواب: ان کی ہدایت میں اضافہ فرماتی ہیں جیسا کہ اللہ نے فرمایا "فزادھم ایمانا" ان کے ایمان کو بڑھایا۔ تفسیر کا مطلب ظاہر ہے کہ آیات اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل کی ان کو خوشخبری سناتی ہیں۔

سوال: ایمان والوں کی تخصیص کیوں حالانکہ یہ سب کے لیے ہدایت ہے؟

جواب: چونکہ یہی لوگ ان آیات سے نفع پاتے ہیں اسی لیے ان کی تخصیص کی گئی۔

اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ ۔ یہ مومنین کی صفت مادحہ ہے۔

سوال: اہل ایمان کی یہ دو صفتیں کیوں مذکور ہوئیں؟

جواب: ایمان کی یہی دو صفتیں قرین اور عبادات بدنیہ و مالیہ کے دو اہم شعبے بلکہ باقی جملہ عبادات ان کے تابع اسی لیے ان کی تخصیص کی گئی۔

اب معنی یہ ہوا کہ وہ لوگ نماز کو اس کے شرائط و ارکان کے ساتھ اوقات میں ادا کرتے ہیں اور صدقہ مفروضہ مستحقین کو دیتے ہیں۔

وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ ۝ اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ یہ صلہ کا تتمہ ہے اور واو حالیہ ہے یعنی ان کا حال یہ ہے کہ وہ تصدیق کرتے ہیں کہ قیامت یقینا آئے گی اور ان کا اس پر علم یقینی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان کا یقین ہے کہ وہ بیشک دوسری دار میں ضرور جائیں گے اور ضمیر کا تکرار اشارہ کرتا ہے کہ آخرت کے آنے کا صرف انہیں یقین ہے یا یہ جملہ معترضہ ہے گویا کہا گیا ہے کہ یہ لوگ ایمان لاتے اور نیک عمل کرتے ہیں اور صرف ان کو یقین کامل ہے کہ آخرت آئے گی نہ ان کے ماسوا کو اس لیے کہ مشقات اور تکالیف کی برداشت انجام کے خوف سے ہوتا ہے اور ڈرتے ہیں کہ نامعلوم ان کا حساب کس طرح ہوگا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ بیشک وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے یعنی مرنے کے بعد اٹھنے کی تصدیق نہیں کرتے۔ زَیَّنَّا لَھُمْ ہم نے ان کے کردار سنگارے یعنی ان کے قبیح اعمال جو سراسر شہوت ہیں انہیں اچھے اور بغض کو ان سے پیار ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا شہوات نے جہنم کو گھیرے میں لیا ہوا یعنی جہنم کو ایسے امور نے گھیرا ہوا ہے جو نفس کی لذت اور محبت پر مشتمل ہیں۔

معتزلہ و قدریہ کا رد ہر مشیت اور تزیین و اضلال اور اس جیسی آیات اللہ تعالیٰ کی طرف حقیقتاً دوسروں کی طرف بالتبع مجازاً منسوب ہیں ایسی آیات معتزلہ اور قدریہ کا رد ہیں کہ وہ ایسے افعال کی طرف اللہ تعالیٰ کی نسبت کرنا حرام سمجھتے ہیں۔

فَھُمْ یَعْمَھُوْنَ ۝ تو وہ ایسے قبیح امور میں ہمیشہ متحیر و منہمک رہتے ہیں انہیں ان کے قبائح معز کا تصور اور خیال

marfat.ocm

نہیں گذرتا۔ فاء مسبب کی ترتیب علی السبب کے لیے ہے۔ خلاصہ یہ کہ لوگ ہمیشہ سرگرداں پھرتے رہتے ہیں العمہ بمعنی کسی معاملہ میں تحیر کے ساتھ متردد ہونا۔ "اُولٰٓئِکَ" وہی لوگ جو کفر و عمہ سے موصوف ہیں۔ "الَّذِیْنَ لَھُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ" یہ وہ لوگ ہیں جس کے لیے دنیا میں برا عذاب ہوگا جیسے بدر میں قتل اور قید۔

حل لغات: السوء بمعنی ہر وہ فعل جو انسان کو برا لگے اور مغموم کرے۔

وَھُمْ فِی الْاٰخِرَةِ ھُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ○ اور وہ آخرت میں بہت بڑے خسارے والے ہیں وہ تمام لوگوں سے بہت گھاٹے میں ہیں۔ اس وجہ سے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدنے سے وہ بہشت اور ان کی نعمتوں اور دوزخ کی نجات سے محروم ہو گئے۔

ف: اہل دنیا جنت کے خسارہ میں ہیں اور طالب جنت مولیٰ کے دیدار سے محروم ہیں جس نے کونین کی طرف توجہ نہیں کی وہ مولیٰ کے دیدار سے مشرف ہوگا۔

حکایت: سیدنا ابو یزید بسطامی قدس سرہٗ نے جنگل میں ایک کھوپڑی پائی جس پر لکھا تھا خسر الدنیا و الاخرۃ یہ دنیا اور آخرت میں گھاٹے میں رہا۔ حضرت بایزید۔ دیکھ کر رو پڑے اور کھوپڑی کو چومنے لگے اور فرمایا یہ کھوپڑی کسی صوفی کی ہے اسی لیے اس کا خسارہ صرف اسی کو ہے جس نے مولیٰ کو پالیا اس نے سب کچھ پالیا اور جو کل کو مولیٰ کے سوا پالیتا ہے سمجھو کہ اس نے کچھ فائدہ نہ پایا۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا:

اوقات خوش آن بود کہ با دوست بسر رفت
باقی ہمہ بی حاصل و بے خبری بود

ترجمہ: اس کے جملہ اوقات خوش ہیں جو زندگی اپنے محبوب کے ساتھ بسر کی اس کے سوا باقی تمام بے حاصل اور بے خبری ہے۔

حکایت: بعض عارفین کو چالیس حوریں آسمان پر جلدی سے اڑتی ہوئی نظر آئیں جن کا لباس سونے اور چاندی کا اور موتیوں سے بھرپور تھا۔ فرمایا' میں نے ان کی طرف نظر اٹھائی' تو مجھے چالیس دن تک سزا میں رکھا گیا۔ اس کے بعد ی ہی اور حوریں دکھائی گئیں جو حسن و جمال میں ان سے بھی بڑھ کر تھیں مجھے حکم ہوا کہ میں نظر اٹھا کر ان کی طرف دیکھوں ں سنتے ہی سجدہ میں گر گیا اور آنکھیں بند کر کے کہا کہ میں تیرے سے پناہ مانگتا ہوں مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں میں روتا رہتا گڑگڑاتا رہا یہاں تک کہ حوریں میری آنکھوں سے اوجھل ہو گئیں۔

ف: عارفین کا یہی حال ہے کہ وہ ماسوا اللہ کی طرف التفات نہیں کرتے بلکہ وہ عالم ملک و ملکوت سے بے نیاز ہوتے ہیں اہل جہال کو ماسوی اللہ سے محبت ہوتی ہے اسی لیے ان کے دل کی آنکھیں اندھی اور کان بہرے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عالم معنیٰ میں بہرے گونگے ہوتے ہیں۔ اسی طرف اشارہ فرمایا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

نے "حبك الشئ يعمي ويصم" تجھے کسی کی محبت اس کے عیوب دیکھنے سُننے سے اندھا و بہرہ کر دیتی ہے بخلاف ظاہری اندھے کے کہ اس کی سمع بحال رہتی ہے کہ وہ دعوت کو سُنتا اور قبول کرتا ہے۔

سبق ؛ عاقل پر لازم ہے کہ ان اعمال قبیحہ سے اجتناب کرے جو اسے دل کی سیاہی اور ہلاکت کی طرف لے جانے والے ہیں اور ان اخلاق رذیلہ سے دور رہے جو دل کو اندھا کرنے والے ہیں بلکہ عمل بالقرآن کے لیے جد و جہد کرے جو واصل باللہ بناتا ہے اور ہر گھاٹے سے محفوظ فرماتا ہے۔ لہٰذا ہر عاقل کو چاہیئے کہ وہ ایسے ہی عمل صالح اور نماز پڑھنے میں کوشاں رہے۔

نکتہ ؛ قیام نماز اس لیے ہے کہ اس حالت میں بندہ اپنے مولا سے مناجات کرتا ہے بخلاف اس کی دوسری ہیئت کے ان میں یہ کیفیت نہیں ہوتی اور قیام قیومیت سے مشابہت رکھتا ہے اور بڑوں کے ساتھ گفتگو کرنے کے آداب سے ایک یہ بھی ہے کہ بحالت قیام عرض و معروض کیا جائے مثلاً بادشاہوں کے ساتھ جب کوئی رعایا بات کرتا ہے تو سامنے کھڑے ہو کر بیٹھ کر بات کرنا بے ادبی سمجھا جاتا ہے۔ شرع نے عرف کا تبع کرتے ہوئے نماز میں قیام کا حکم فرمایا۔

ف ؛ عارفین کے آداب سے ہے کہ ہر نماز میں خواہ فرض ہو یا نفل معین کر کے کسی خاص سورۃ کی تلاوت کرے نہ ہی کسی خاص آیت کا تعین کرے کیونکہ اسے کیا معلوم کہ اس کا مولیٰ کس طریقہ سے اسے مناجات کا موقع بخشتا ہے۔ پس عارف کو وہی کافی ہے جو وہ اپنے مولا سے ہمکلامی کرتا ہے یا اپنے دل میں اس کا تصور لاتا ہے اس لیے کہ حضور قلب کے بغیر جو نماز ادا کی جائے وہ مردے کی طرح بلا روح ہے اور جس میں روح نہ ہو تو وہ اپنے مولا کے حضور قیامت میں حاضر نہ ہو سکے گا۔ اعمال صالحہ میں (مذکورہ) زکوٰۃ و صدقہ بھی ہے افضل وہ ہے جو بحالت صحت و تندرستی کی حالت میں ہے۔

ف ؛ مرتے وقت اگر صدقہ و زکوٰۃ دینا چاہے تو نیت کرے گا کہ میں امانت والے کی امانت دے رہا ہوں اس طرح سے وہ قیامت میں ان امانت دار کے ساتھ اٹھے گا جو مرتے وقت دیتے ہیں کیونکہ اس میں کسی قسم کی فضیلت نہیں۔ یہ حیلہ ہے اپنی صدقہ کی فضیلت حاصل کرنے کا کہ خرچ بھی ہو اور نفع کم ہو تو گھاٹے کا سودا ہوتا ہے اب ایسے حیلہ سے اس صدقہ کی مثال اس دانے کی ہوگی جو زمین میں ڈالا جائے تو چند دنوں کے بعد وہ ایک کے بجائے سینکڑوں دانے بنا ڈالتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ اور اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بے شک تم حاصل کرتے ہو قرآن کو۔

حل لغات ؛ تلقی الکلام من فلان ولقنہ سے ہے بمعنی فلاں نے فلاں کلام پایا اس وقت بولتے ہیں

marfat.ocm

جب کوئی اس کے منہ کی بات بلا واسطہ حاصل کرے اور اس سے براہ راست سمجھے (تاج المصادر) میں ہے کہ التلقیة چیزی پیش کسی آوردن کسی کے آگے کوئی شے لانا۔ تلقی و تلقن و تلقف کا فرق سورۃ نور میں بیان ہو چکا ہے۔

مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ۝ بواسطہ جبریل علیہ السلام حکیم علیم سے نہ کہ اپنی طرف سے اور نہ ہی کسی اور سے جیسے کافروں کی بدگمانی ہے۔

حل لغات: لدن بمعنی عند لیکن لدن عند سے زیادہ بلیغ اور زیادہ خاص ہے اور حکیم علیم کی تنوین تفخیم و تعظیم کے لیے ہے یعنی بہت بڑی حکمت والا اور بہت بڑا علم والا ان کی تفخیم قرآن پاک کی عظمت کی طرف اشارہ ہے اور بتاتا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی قرآن پاک کو پورے طور سمجھتے اور مکمل طور پر اس کے علم کا احاطہ رکھتے ہیں اور آپ کو ہی اس کے جملہ جلائل و دقائق کا علم ہے کیونکہ جو ذات ایسے حکیم و علیم سے علم و حکمت براہ راست حاصل کرتی ہے پھر اس کے علم و حکمت کا کیا کہنا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ ہر رسول علیہ السلام کے ہر کمال کی حد سے آگے نکل گئے ہیں اس لیے کہ وہ کتاب جبریل علیہ السلام کے ہاتھوں سے لیتے اور پیغامات جبریل علیہ السلام کے لفظوں سے حاصل کرتے لیکن آپ ہیں کہ آپ قرآن مجید اگرچہ جبریل علیہ السلام کے نازل کرنے سے حاصل کرتے ہیں لیکن قرآن کے حقائق حکیم و علیم سے پاتے ہیں کہ وہ آپ کے قلب مبارک پر براہ راست تجلی ڈالتا ہے جس سے آپ کا قلب مبارک قرآنی حکمتوں سے لبریز ہو جاتا ہے اور یہ خاص صفت ہے جو اللہ کے ساتھ قائم ہے۔ اس معنی پر آپ کا علم حقائق القرآن پر مشتمل ہے اور اللہ نے آپ کو بلا واسطہ فیض قرآن کے قبول کرنے کی استعداد بخشی ہے اسے علم لدنی کہا جاتا ہے اور وہ اللہ بہت بڑا علم والا ہے جسے رسالت کا اہل جانتا ہے تو اسے ہی رسالت سے نوازتا ہے۔

نکتہ: حکیم و علیم دونوں اسموں کو یکجا لانے میں اشارہ ہے کہ قرآن کے علوم عقائد و شمائل پر مشتمل ہیں یا پھر ان میں قصص و اخبار غیبیہ ہیں۔

تفسیر عالمانہ

(ربط) اب ان علوم کے بعض کا ذکر فرمایا کہ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یاد دلایئے اپنی قوم کو وہ وقت جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی اہلیہ اور دیگر اپنے ان ساتھیوں کو فرمایا جو وادی طور میں ان کے ساتھ تھے۔ اهل الانسان کے مخصوص گھر والے (اس میں شیعہ کا رد ہے جو اہلبیت کا اطلاق صرف اولاد فاطمہ و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر کرتے ہیں حالانکہ اس کا اصل اطلاق ازواج پر ہے اور مجازاً ان مذکورہ بالا حضرات پر۔

واقعہ روانگی موسیٰ علیہ السلام

حضرت موسیٰ و شعیب علیہما السلام کے ہاں دس سال

گذار کر شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی یعنی اپنی اہلیہ کو ساتھ لے کر مصر روانہ ہوئے۔ اس ارادہ پر کہ اپنی والدہ اور اپنی دوستوں سے ملاقات کریں۔

ف ؛ آپ کی ایک ہمشیرہ قارون کی منکوحہ تھیں اور دوسری یوشع بن نون کی۔ راستہ طے کرتے ہوئے راہ بھول گئے رات اندھیری اور سخت سردی تھی آپ کی اہلیہ کو وضع حمل ہونے لگا موسیٰ علیہ السلام نے دیا سلائی جلائی اس روشنی سے آپ کو طور (پہاڑ) کی جانب آگ محسوس ہوئی۔ اسی لیے اپنے اہل وعیال کو فرمایا ٹھہرو "اِنِّیۡۤ اٰنَسۡتُ نَارًا" بے شک میں نے آگ محسوس کی ہے یعنی مجھے آگ نظر آئی ہے۔

حل لغات ؛ الایناس بمعنی دیکھنا (تاج المصادر) یہ باب ظہور الشئ پر دلالت کرتا ہے اور ہر وہ شے جو طریقہ توحش کے منافی ہو۔

ف ؛ مقاتل نے فرمایا کہ نار بھی دراصل نور تھا اور وہ رب العزۃ کا نور تھا۔ یہ جمعہ کی رات تھی ارض مقدسہ میں پہاڑ کے دائیں جانب یہ واقع ہوا۔

ف ؛ تجلیٔ نور کا نار کی صورت میں ظاہر ہونے کا راز ہم سورۃ طٰہٰ میں بیان کر آئے ہیں۔

"سَاٰتِیۡکُمۡ مِّنۡهَا بِخَبَرٍ" عنقریب میں تمہارے ہاں خبر لاؤں گا۔ یعنی راستہ کی تحقیق کر کے لاؤں گا کہ وہ کہاں ہے سین بُعد مسافت پر دلالت کرتا ہے یا خبر لانے کی یا وعدہ پورا کروں گا۔ اگرچہ دیر بایں اس معنی پر یہ سین تاکیدیہ ہو گا یعنی بہت جلدی میں آپ کو آگ سے خبر لاؤں گا یا جو بھی وہاں موجود ہو گا اس سے پوچھ کر حال چال کی خبر لاؤں گا۔

"اَوۡ اٰتِیۡکُمۡ بِشِهَابٍ قَبَسٍ" یا لاؤں گا میں تمہارے ہاں آگ سے چنگاری۔

ف ؛ قبس بڑی سی آگ سے چھوٹی سی چنگاری کو کہا جاتا ہے بہر حال وہاں اور کچھ بھی نہ ہو گا تو کم از کم کوئی راہ بتانے والا تو ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے دو محرومیوں کا باعث نہیں بنتا۔

حل لغات ؛ اقبست منہ نارا وعلما بمعنی استفدتہ منہ یعنی میں نے اس سے استفادہ کیا۔ المفردات میں ہے الشہاب بمعنے وہ نورانی شعلہ جو جلنے والی آگ سے چمک اٹھے اور قبس وہ روشنی جو اس شعلہ سے حاصل ہو اور اقتباس بمعنے اس شعلہ کے طلب اب اس کا استعارہ علم وہدایت کے لیے ہے۔

سوال ؛ سورۃ طٰہٰ میں فرمایا "لعلی آتیکم" امید ہے لاؤں گا تمہارے ہاں۔ اور یہاں فرمایا ساٰتیکم جملہ خبریہ یقینی طور اور ان دونوں میں تضاد اور کلام الٰہی تضاد و اختلاف سے پاک ہے؟

جواب ؛ کوئی تضاد نہیں کیونکہ عرفاً جس بندے کو کسی کام پر امید غالب ہو جاتی ہے تو اس طرح کہتا ہے "سافعل کذا" اگرچہ وہ سمجھتا ہے کہ اس کے خلاف بھی ممکن ہے یہاں بھی اسی عرف کے مطابق کہا گیا ہے۔ لَعَلَّكُمۡ تَصۡطَلُوۡنَ امید ہے کہ تم اس گرمی سے ٹھنڈک حاصل کرو گے۔ الصلاء بمعنے بڑی آگ اور الاصطلاء بمعنے آگ سے

marfat.ocm

گرم ہوتا۔

فائدہ طبیہ: آگ سینکنا دل کو سخت کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آگ سینکنا مروی نہیں۔

"**فَلَمَّا جَآءَهَا**" پس موسیٰ علیہ السلام آگ کے قریب گئے تو وہاں نور ہی نور تھا جو درخت سے نکل رہا تھا اور اس میں جلانے کا نام تک نہ تھا حالانکہ آگ کا کام جلانا ہے لیکن وہ آگ ایسی نہ تھی۔ اور جس درخت سے روشنی نکل رہی تھی وہ کیکر کا درخت تھا۔ "**نُوْدِيَ**" "ندا دیئے گئے" یعنی موسیٰ علیہ السلام کو ندا سنائی دی اور وہ کلام طور کی جانب سے سنائی دیتا تھا۔

تفسیر صوفیانہ

عرائس البیان میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ابتدائی دور میں مقام عشق و محبت میں تھے اور آپ کے مکاشفات کے اکثر احوال میں التباس رہتا تھا اسی لیے اللہ نے ان کے لیے ایسے مکاشفات پر درخت اور آگ بمنزلہ آئینہ ضلیہ کے مقرر کیا پھر اپنی ذات کے جلال و جمال کے تجلیات موسیٰ علیہ السلام کو نوازا اور انہیں رسوم انسانیت میں لایا گیا تاکہ وہ گھبراہٹ میں نہ آئیں۔ پھر جب آگ اور درخت کے قریب ہوئے تو پھر اللہ نے انہیں پکارا جب کہ انہیں پہلے جلال کے مشاہدہ سے نواز چکے تھے اگر ایسے نہ ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام اللہ کی عظمت و عزت کے سطوات سے فنا پا جاتے۔

"**اَنْ**" مفسرہ ہے اس لیے کہ النداء میں قول کا معنیٰ ہے یعنی **بُوْرِكَ** یا یہاں باء محذوف ہے دراصل "بان بورك" تھا اس وقت ان مصدریہ ہوگا۔ باء حذف کر کے ان کو اس کے قائم مقام کھڑا کیا گیا ہے جیسا کہ قاعدہ ہے "بُوْرِكَ" بَارَكَ کا صیغہ مجہول ہے اور یہ جملہ خبریہ ہے دعائیہ نہیں یعنی بابرکت بنایا گیا۔

"**مَنْ فِي النَّارِ**" بورك کا نائب فاعل ہے یعنی برکت والا ہے وہ جو آگ کی جگہ میں ہے اس سے مراد وہ مبارک جگہ ہے جو "نودی من شاطئ الوادی الایمن فی البقعة المبارکة" میں مذکور ہے

"**وَمَنْ حَوْلَهَا**" اور وہ جو ان کے اردگرد ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اس میں مبارک عام ہے ہر اس کے لیے جو اس جگہ میں ہیں۔ اردگرد کے مقامات یعنی شام کے علاقے کیونکہ یہ انبیاء علیہم السلام کے مبعوث ہونے کا مرکز ہے اور یہ برکت ان کی زندگی اور موت ہر لحاظ سے ہے بالخصوص وہ جگہ جہاں موسیٰ علیہ السلام اللہ سے ہم کلام ہوئے۔

ف: موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ابتدائی کلام میں بشارت تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کے لیے ایک بہت بڑا کام مقرر ہونا ہے۔ کہ جس کے برکات زمین کے اقطار میں پھیلیں گے اور وہ بڑا کام یہی کلام بر ذات اقدس اور نبوت کا حامل ہونا اور اظہار معجزات وغیرہ اور ظاہر ہے کہ جس جگہ مشاہدہ حق اور کلام الٰہی نصیب ہو تو وہ جگہ یقیناً مبارک ہوگی۔ کسی قائل نے فرمایا۔

اذا نزلت سلمی بواد فماؤہ
زلال وسلسال وجثاثہ ورد

ترجمہ: جب سلمیٰ کسی وادی میں اترتی ہے تو اس کا پانی صاف ستھرا ہو جاتا ہے۔

ف: اللہ والوں کے جہاں قدم جمتے ہیں وہ جنگل ہوں یا پہاڑ تو وہ سرسبز و شاداب ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کے حالات میں اللہ کے فضل و کرم سے برکات و فیوضات ہوتے ہیں۔

ف: بعض مفسرین نے بورک کو دعا پر محمول کیا ہے جیسا کہ کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ خدا کرے برکت دی جائے

ف: بعض مفسرین نے فرمایا "من فی النار" سے ملائکہ مراد ہیں۔ اب معنی یہ ہوگا کہ اللہ نے برکت دی اس جگہ سے جو نور ظاہر ہوا اور ان ملائکہ کو جو اسی نور میں تھے۔

صوفیانہ تقریر بعض عارفین نے فرمایا "من فی النار" سے خود ذات باری تعالیٰ ہے یعنی وہ ذات حق جس نے موسیٰ علیہ السلام کو برکت مشاہدہ سے فیض یاب فرمایا۔ کیونکہ اللہ مالک ہے چاہے تو وصف نور میں تجلی فرمائے یا نار میں یا شجر میں یا طور میں یا کسی اور شے میں جو اس کے عاشق کے حال کے لائق ہو باوجودیکہ اس کی ذات و صفات جہت وغیرہ سے منزہ ہے۔

حدیث شریف ان اللہ یری ھیئۃ ذاتہ کیف یشاء۔

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ اپنی ذات کو جس ہیئت میں چاہے دکھائے۔

"وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" اور اللہ پروردگار کے لیے پاکی اس تمام کلام سے جس کے ساتھ نداء دے دی گئی تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کا کلام کسی شے کے مشابہ ہے اور تعجب دلانے کے لیے فرمایا گیا ہے کہ وہ بہت بڑی عزت و عظمت والا ہے خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر تشبہ سے پاک و منزہ ہے۔

ف: منقول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب ندا سُنی تو کہا کہ پکارنے والا کون ہے اس کے بعد دوسری ندا آئی کہ

"يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗ" اے موسیٰ علیہ السلام بے شک شان یہ ہے کہ "اَنَا اللّٰهُ" یہ شان کے لیے جملہ مفسرہ ہے یعنی میں اللہ تعالیٰ۔ "الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝" عزیز حکیم ہوں قوی ہوں اپنی قدرتوں کا مالک ہوں کہ جو امور وہم و خیال سے بالاتر ہوتے ہیں میں انہیں کر دکھاتا ہوں اور بڑی حکمت اور نہایت تدبیر سے وہ کام سرانجام دیتا ہوں

سوال: الاسئلۃ المقحمۃ میں ہے کہ "انہ انا اللہ" کا کلمہ موسیٰ علیہ السلام نے درخت سے سنا اور یہ تو حدوث پر دلالت کرتا ہے کیونکہ جو آواز کسی جہت سے سنی جائے وہ حادث ہوتی ہے۔

جواب: ہم اللہ کے کلام کو جہت و مکان سے منزہ سمجھتے ہیں۔ ایسے ہی اس کی ذات کو ایسے ہی اس کے کلام کو اصوات و حروف سے بھی منزہ سمجھتے ہیں۔ ہاں موسیٰ علیہ السلام کو کلام الٰہی کا سماع درخت سے نصیب ہوا اس معنی پر یہ جہت بجائے سماع موسیٰ علیہ السلام ہے نہ کہ کلام الٰہی کے لیے۔

marfat.ocm

سوال : موسیٰ علیہ السلام نے کلام الٰہی کو صورت و حرف و جہت کے بغیر کیسے سُنا ہوگا۔

جواب : اگر یہ سوال ہے کیفیت کلام تو سرے سے یہ سوال ہی غلط ہے کیونکہ ذات وصفات الٰہی میں کیفیت کا سوال محال ہے مثلاً یوں کہا جاتا کہ اس کی ذات جسم وجوہر و عرض کے بغیر کیسے ہے یا کہا جائے کہ کسب وضرورت کے بغیر اس کا علم کیسے ہے ایسے ہی بلا صلابۃ اس کی قدرت کیسی ہے ایسے ہی بغیر شہوۃ و امنیۃ کے اس کا ارادہ کیسا ہے ایسے صوت و حرف کے بغیر اس کا کلام کیسا ہے۔ اور اگر سماع موسیٰ علیہ السلام کی کیفیت کے متعلق سوال ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام میں علم ضروری پیدا فرمایا جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معلوم گیا کہ یہ جو میں نے سُنا ہے یہ کلام الٰہی ہے اور وہ ازلی ہے قدیم ہے اور وہ کلام حرف و صورت کے بغیر ہے اور جہت سے بھی نہیں ویسے انہوں نے یہ کلام جہات ستہ سے سنا اور آپ کا تمام جسم بمنزلہ کان کے ہوگیا۔ اور ان شاء اللہ آخرت میں بھی ایسے ہی ہوگا۔ اور دنیا میں کامل واصل آخرت کے حکم میں ہے۔

(لہ۔ یہی قاعدہ وہابیہ اور ہمارے درمیان اختلافی ہے کہ ہم اللہ والوں کے عادات و اطوار آخرت کے حکم کی طرح مانتے ہیں اور وہ اپنی مثل دنیوی حکم میں سمجھتے ہیں)۔

وَاَلْقِ عَصَاكَ عطف بورک پر ہے اب معنی یہ ہوا کہ ان بورک من فی النار وان الق عصاک ۔ یہ کہ مبارک ہے وہ جو آگ میں ہے اور یہ کہ ڈال دے اپنا عصا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ جو اللہ کا کلام سُن لیتا ہے اور اس کے انوار کا مشاہدہ کر لیتا ہے تو اپنی ہمت کے ساتھ سے سوائے اللہ تعالیٰ کے توکل کے باقی تمام سہاروں کے ڈنڈے پھینک دیتا ہے پھر وہ صرف اور صرف اللہ کے فضل وکرم پر بھروسہ رکھتا ہے اور بس ؎

تکیہ بر غیر خدا کفر ست از کفر طریق
جز بفضل حق مکن تکیہ درین رہ ای رفیق

ترجمہ : طریقت کے قانون پر غیر خدا پر تکیہ کرنا کفر ہے۔ اس راہ میں اے دوست سوائے اللہ کے کسی اور کا سہارا نہ لے۔

فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ فاء فصیحہ جملۃ محذوفۃ کی وضاحت کرتی ہے گویا کہا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام عصا زمین پر ڈالتا تو دوڑتا ہوا سانپ بن جاتا۔ پھر جب موسیٰ علیہ السلام نے اسے دیکھا تو بہت شدید حرکت کرتا اور ہر طرف دوڑتا تھا۔ **كَاَنَّهَا جَآنٌّ** گویا وہ اژدھا تھا۔

لہ۔ اضافہ از اویسی غفرلہٗ۔

ف ; جانؔ وہ سانپ جو ہلکا ہو لیکن تیز رفتار۔

سوال : اتنے بڑے اژدہا کو جانؔ سے کیوں تشبیہ دی گئی ہے ؟

جواب ; سرعۃ حرکۃ اور التواء میں مشابہت ہے اور جانؔ سانپوں کی قسم ہے جو عموماً جنگلوں میں رہتا ہے اور ایذا نہیں دیتا۔ (کما فی القاموس)۔

ف : ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا صحیح یہ ہے کہ ثعبان فرعون کے پاس اور جانؔ طور کے نزدیک رہتے تھے۔

ف : اس میں اشارہ ہے کہ جو بھی غیر اللہ پر سہارا کرتا ہے اس کے پاس معنوی ثعبان ہوتا ہے جیسا کہ مثنوی شریف میں ہے۔

ہر خیالے کو کند در دل وطن
روز محشر صورتے خواہد شدن

ترجمہ ; ہر وہ خیال جو دل میں جاگزیں ہو جاتا ہے وہ قیامت میں کسی ایک صورت میں ظاہر ہوگا۔

تفسیر عالمانہ وَلّٰی بمعنی لوٹا۔ پیچھے ہٹا حضرت موسیٰ علیہ السلام مُدْبِرًا درآنحالیکہ پیٹھ پھیرنے والے تھے خوف سے۔

ف : کشف الاسرار میں ہے "ادبر عنها وجعلها تلی ظهرة" اس سے منہ پھیرے رہنے سے دوسرے کو پیٹھ دی۔

وَلَمْ يُعَقِّبْ ط اور مڑ کے نہ دیکھا یعنی عقب المقاتل جنگی نے پیٹھ پھیری یہ اس وقت بولتے ہیں جب بھاگنے کے بعد دوبارہ پھرے۔

ف : حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چونکہ خوف طاری ہوا تھا اس خیال سے کہ شاید اس سے ان کی ہلاکت کا ارادہ کیا گیا ہے

يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ قف دلالت کرتا ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام کو کہا گیا کہ خوف نہ کیجیے میرے سوا اور کسی پر بھروسہ نہ کیجیے۔ اِنِّیْ لَا يَخَافُ لَدَیَّ بے شک میرے ہاں خوف نہیں کرتے۔ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ پیغمبران علیہم السلام یہ جملہ دلالت کرتا ہے کہ نفی الخوف مطلقاً ہے نہ یہ کہ جمیع الاوقات ان کو خوف نہیں ہوتا بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ بوقت خطاب کسی سے خوفزدہ نہیں ہوتے کیونکہ اس وقت شوءون الٰہی میں مستغرق ہوتے ہیں اور ماسوا اللہ کا ان کو التفات نہیں ہوتا اس لیے اس وقت کسی سے خوفزدہ ہونے کا خطرہ تک نہیں گذرتا ورنہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے تمام لوگوں سے زیادہ خوف رکھنے والے ہوتے ہیں یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کو سوء خاتمہ ہی کا خوف نہیں ہوتا۔

تفسیر صوفیانہ جو اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے اور ماسوی اللہ سے روگردانی ہے ایسے کو اللہ ماسوی اللہ سے مامون و محفوظ فرماتا ہے اور اسے فرماتا ہے لا تخف خوف نہ کیجیے (فانک) اسی لیے تو میرے ہاں ہے اور وہ نورانی قلوب جن پر الہام ربانی ہوتا ہے اور ان کے ہاں ہدایا و تحائف بھیجے جاتے ہیں وہ کسی سے نہیں ڈرتے اور عرائس البیان

marfat.ocm

میں ہے لاتخف اژدہا سے نہ ڈریئے اس لیے کہ تم میری عظمت کی تجلی کو دیکھ رہے ہو اور مقام التباس میں مجھ سے میرے جلال وعظمت کے مشاہدہ میں انبیاء السلام نہیں ڈرتے اس لیئے کہ وہ میری ربوبیت کے اسرار کو جانتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ (ربط) جب اللہ نے چاہا کہ موسیٰ علیہ السلام اس شخص کے بارے میں پوچھنا چاہیئے یعنی جس نے قبطی کو قتل فرمایا اس لیے تعریضاً فرماتے۔

اِلَّا مَنْ ظَلَمَ مگر جس نے ظلم کیا یہ استثنا منقطع ہے ہاں وہ انبیاء علیہم السلام جن سے کوئی لغزش ہوئی جیسے آدم ویونس وداوٗد وموسیٰ علیہم السلام۔

ازالۂ وہم ظلم کا اطلاق ان کے اپنے اعتراف کی مناسبت سے ہے چنانچہ آدم علیہ السلام نے کہا "ربنا ظلمنا انفسنا" اور یونس علیہ السلام نے کہا رب انی ظلمت نفسی، ثم بدل حسنا بعد سوء پھر جس رائی کے بعد نیکی کی یعنی بدی کے بعد نیکی کرتا ہے لغزش کے بعد توبہ کی،

فَاِنِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ اس لیے کہ میں غفور رحیم ہوں۔ یعنی توبہ کرنے والوں کی مغفرت فرماتا ہے اور ان پر شفیق وکریم ہے۔

عصمت انبیاء علیہم السلام کی تحقیق اہل علم نے اختلاف کیا ہے کہ کیا انبیاء علیہم السلام سے گناہ کا صدور ہوتا ہے یا نہیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مختار مذہب اہلسنت کے نزدیک یہ ہے کہ ان سے بحالت نبوت گناہ کا صدور نہیں ہوتا نہ صغیرہ کا نہ کبیرہ کا اور ان کا ترک اولیٰ ایسے ہی ہے یسے ہمارے لیے گناہ صغیرہ ہے کیونکہ قاعدہ ہے حسنات الابرار سیاٰت المقربین۔ ابرار کی حسنات مقربین کی یات ہوتی ہے

توحات مکیہ کی تقریر فتوحات مکیہ میں ہے کہ خواص کے معاصی عوام کے معاصی کی طرح نہیں ہوتے کیونکہ عوام سے گناہ کا صدور شہوت طبیعیہ سے ہوتا ہے۔ بخلاف خواص کے کہ ان میں شہوات یعہ کا تقاضا نہیں ہوتا اور خواص کے معاصی حظ پر محمول کی جاتی ہیں اور ان میں تاویل ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ب اللہ کسی خاص بندے سے کوئی لغزش ظاہر کرنا چاہتا ہے تو اس کے سامنے وہ گناہ بتاویل نیکی ظاہر فرماتا ہے جس سے الے خلا حق محسوس ہوتی اس لیے کہ عارف باللہ کو معرفت حق عصیاں سے مانع ہو جاتی ہے لیکن تاویل مانع نہیں ہوتی وجہ ہے کہ عارف باللہ کبھی بھی حرمات الٰہی کی ہتک نہیں کرتا پھر جب وہ تاویل کے مطابق عمل کر لیتا ہے اس کے بد اس فعل کی حقیقت سامنے ظاہر ہوتی ہے تو پھر اسے غلطی محسوس فرما کر توبہ کرتا ہے جیسے آدم علیہ السلام سے زش ہوئی تو تاویل سے۔ عارف باللہ اپنی ایسی لغزش کو عصیاں سے تعبیر کرتا ہے کیونکہ اس کو شریعت کی اصطلاح عصیاں کہا جاتا ہے اور وہ شرعی اصطلاح میں استعمال کرتے ہیں جسے عوام نہیں سمجھتے ورنہ وہ اس تاویل سے قبل عصیاں پاک ہیں ایسے ہی تاویل کے بعد بھی۔

ایک عجیب استدلال

مجتہد جب اجتہاد کرتا ہے تو اس وقت اس کا اعتقاد عصیاں کی طرف نہیں ہوتا بلکہ اس کا ارادہ حق اظہار ہوتا ہے مجتہد کا یہ اجتہاد اگرچہ خطا پر ہو تب بھی اسے گناہ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ وہ اپنے اجتہاد میں مشروع امر کا مرتکب ہو رہا ہے پھر جب اسے اپنے اجتہاد کی خطا محسوس ہوگی تو یہ سمجھے گا کہ یہ خطا ہے۔ اس پر وہ اظہار توبہ کرے گا اس معنی پر اُسے گنہگار نہیں کہا جائے گا۔ اس سے واضح ہوا کہ بندہ غلطی کرتا ہے تو تاویل و تزئین سے یا نسیان سے اور ایسی غلطی کو شرعی غلطی نہیں کہا جا سکتا۔ جب ایسی غلطی کو غلطی نہیں کہا جا سکتا تو پھر ان کو گنہگار کہنا کیسا۔ ہاں اسے اصطلاحی خطا سے تعبیر کیا جائے تو حرج نہیں اور وہ بھی ان خواص کے لیے وہ جیسے چاہیں کہیں۔

بایزید بسطامی قدس سرہٗ کی تقریر

سیدنا بایزید بسطامی قدس سرہٗ سے یہ سوال ہوا کہ کیا عارف باللہ اور اہل کشف سے بھی عصیاں کا صدور ہو سکتا ہے آپ نے فرمایا ہاں اور وہ ان کی شان اعلیٰ کے منافی نہیں اس لیے کہ جسے ہم عصیاں کہتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہے جو ان کے لیے مقدر ہوئی تھی جس کا ظاہر ہونا ضروری تھا۔ اور یہ بھی عارف کے ادب بدرگاہ الٰہی کی دلیل ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ جب یہ تقدیر ربانی ہے تو پھر سرتابی کیوں اس لیے ان کے آگے تاویل حجاب بن جاتی ہے اس حجاب میں تقدیر ربانی کا اجراء ہو جاتا ہے اس طریق سے ان کی کون خطا۔ اسے اچھی طرح سمجھ لو۔

تفسیر عالمانہ

وَ اَدۡخِلۡ یَدَكَ فِیۡ جَیۡبِكَ

اور اپنے گریبان میں ہاتھ ڈالیے۔

سوال: فی جیبک کی بجائے فی کمک کیوں نہیں فرمایا؟

جواب: اس وقت موسیٰ علیہ السلام اون کا پیرہن پہنے ہوئے تھے اور ایسے پیرہن کی نہ آستین ہوتی ہے نہ بٹن۔ آپ کے پیرہن سے ہاتھ کھلے ہوئے تھے اسی لیے اللہ نے فرمایا پیرہن میں ہاتھ ڈالیے۔

ف: مدرعۃ وہ چھوٹا سا جبہ ہوتا ہے جو قمیص کے بجائے پہنا جاتا ہے۔

تَخۡرُجۡ وہ نکلے گا۔ بَیۡضَآءَ سفید نورانی اس کی سورج جیسی روشنی ہوگی یعنی اگر تم اپنے پیرہن میں ہاتھ ڈالو گے تو پھر تمہارا ہاتھ روشن ہو کر ظاہر ہوگا مِنۡ غَیۡرِ سُوۡٓءٍ بغیر کسی بیماری کے یعنی وہ برص جیسی بیماری کی طرح نہ ہوگا۔ فِیۡ تِسۡعِ اٰیٰتٍ نو نشانیوں میں، یہ خبر ہے اس کا مبتدا محذوف ہے دراصل عبارت ’ھہ دلخلتان فی تسع آیات‘ یعنی یہ معجزے بھی ان نو معجزوں میں داخل ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کے نو معجزے

موسیٰ علیہ السلام کے نو معجزے یہ تھے۔ ۱۔ عصا۔ ۲۔ ید بیضا، ۳۔ جنگلوں میں سرسبزی و شادابی ۴۔ کافروں کے لیے قحط۔

marfat.ocm

۵۔ طوفان ۶۔ ٹڈی ۷۔ جوئیں ۸۔ مینڈک ۹۔ خون۔

اِلٰی فِرْعَوْنَ فرعون کی طرف کا۔ درآنحالیکہ تم فرعون کی طرف مبعوث ہو۔ وَقَوْمِہٖ اور اس کی قوم کی طرف یعنی قبطی قوم۔ اِنَّھُمْ کَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ۝ بے شک وہ فاسق قوم ہے یہ بعثت کی تعلیل ہے یعنی فرعون اور اس کی قوم کفران و عدوان میں حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

تفسیر عالمانہ

فَلَمَّا جَآءَتْھُمْ اٰیٰتُنَا پس جس وقت ان کے ہاں ہماری آیات آئیں یعنی وہ نو معجزات جو موسیٰ علیہ السلام لائے اور آپ کے ہاتھ سے ظاہر ہوئے۔ مُبْصِرَۃً درآنحالیکہ واضح اور روشن ہیں۔ اسم فاعل کا اسم مفعول پر اطلاق کیا گیا ہے اس میں اشارہ ہے کہ وہ اتنا روشن اور واضح تھیں کہ دیکھنے والے کو ایسے محسوس ہوتی تھیں کہ گویا یہی خود واضح اور روشن ہیں۔ قَالُوْا ھٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ کہا کہ یہ جادو گر ظاہر ہے اس کا جادو ہونا یعنی تمام لوگ جانتے ہیں کہ یہ جادو ہے۔ وَجَحَدُوْا بِھَا کذبوا بھا زبانوں سے ان کی تکذیب کی اور ان کے معجزات ہونے کا انکار کیا۔

حل لغات : الجحود جاننے اور یقین کرکے سرکشی سے انکار کرنا یہاں پر صرف تکذیب مراد ہے تاکہ استدراک لازم نہ آئے۔ چنانچہ فرمایا وَاسْتَیْقَنَتْھَآ اَنْفُسُھُمْ واو حالیہ ہے اور استیقان بمعنے بے گمان ہونا یعنی درآنحالیکہ ان کے قلوب کو یقین ہو گیا تھا کہ واقعی یہ اللہ کی نشانیاں ہیں اور یہ جادو نہیں ہو سکتیں۔

ف : جناب ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہر مصیبت میں پھنسنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کرتے تو مشکل حل ہو جاتی تو ان کو یقین ہو گیا کہ یقیناً یہ اللہ کی جانب سے ہیں۔

ظُلْمًا ظلم نفسانی سے جحود (انکار) کی علت ہے۔ وَّعُلُوًّا انکار اور شیطانی تکبر سے فَانْظُرْ کَیْفَ پس اے محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دیکھئے کیسے ہے عَاقِبَۃُ الْمُفْسِدِیْنَ ۝ مفسدین کا انجام، مثلاً ان کا دنیا میں دریا میں ڈوب کر مرنا اور آخرت میں دوزخ میں جانا۔ یعنی دنیا میں ان کا انجام برباد ہوا کہ وہ دریا میں ڈوب کر مرے۔ اور آخرت میں دوزخ میں جلیں گے۔

ہم حالتِ مفسدان خوش است
سر انجام اہل فساد آتش است

ترجمہ : مفسدوں کی حالت برباد ہے اہل فساد کا انجام دوزخ ہے۔

ف : اس میں کفار قریش کی تمثیل ہے کہ تم مفسد اور سرکش ہو تو جو ذات فرعون کو تباہ کرنے پر قادر ہی ذات تمہیں بھی تباہ کرنے کی قدرت رکھتی ہے کیونکہ وہ اپنی اس صفت سے دائمی طور موصوف ہے کیونکہ کہ دشمنوں پر اس کا جلال دائمی ہے جیسے اس کا جمال اپنے محبوبوں کے لیے دائمی اور ہر زمانہ میں ہے اور ایسے ہی تا قیامت اپنی جگہ

ذات سے موصوف ہے۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ وہ دوسروں سے نصیحت حاصل کرے اور وہ اسباب بالکل ترک کردے جو تباہی اور ہلاکت کی ڈالنے والے ہیں جیسے ظلم اور سرکشی جو کہ نفس امارہ کے عادات ہیں اور چاہیئے کہ اپنے جملہ احوال کو سنوارے جیسے عدل و تواضع وغیرہ کیونکہ یہ قلوب کے صفات عالیہ سے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے وہ استعداد ضائع کردیں جو انہیں بلاواسطہ فیض الٰہی سے نصیب کرنے والی ہیں ان کا انجام یہ ہے کہ وہ جانوروں اور درندوں کے مرتبہ کو پہنچ جاتے ہیں اور شیطان کے ساتھی بن جاتے ہیں۔ اور جہنم کے گڑھے میں داخل ہوں گے اس سے معلوم ہوا کہ بلند مراتب پر پہنچنا مشکل ہے لیکن برے انجام کے گڑھے میں گرنا آسان ہے کیونکہ نفس اور اس کی طبیعت اس پتھر کی مانند ہے جسے اوپر سے نیچے پھینکا جائے وہ اس طرح نیچے کو بہت جلد گرے گا اگر کوئی بندۂ خدا مجاہدات و ریاضیات سے اسے نرم کرے تو ان مراتب عُلیا کا پہنچنا آسان ہے اور کم درجات میں گرنے سے بچاؤ ہو جاتا ہے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

بال بکشاؤ صفیر از شجر طوبیٰ زن
حیف باشد چو تو مرغے کہ اسیر قفس

ترجمہ: بال کھول اور شجرۂ طوبیٰ سے آواز دے۔ بڑا افسوس ہوگا کہ تیرے جیسا پرندہ پنجرے میں پھنسا رہے۔

انتباہ کیا قبیح ترین ہے وہ شخص جو اپنے آپ کو ظاہری طور۔ سنگارتا ہے اس کی مثال اس سرسبز و شاداب باغ کی ہے جس کا نگران الو ہو یا بکریوں کے اس ریوڑ کی ہے جس کا چرواہا بھیڑیا ہے اور اس کے مال و اسباب اور ظاہری ٹھاٹھ باٹھ کی مثال اس بیل کی ہے جس کو زیورات سے سنگار دیا جائے۔ بہ فضیلت وہ انسان ہے جو اپنی عالی ہمتی اور اتباع بالحق اور ادب و عقل سے ارتکاب منہیات سے بچ کر برے انجام سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے ارشاد کے قابل اور اپنی کتاب کا عامل اور اپنے عذاب سے محفوظ ہونے والوں اور جن کے مراتب پر رشک ہوگا سے بنائے۔ (آمین)

marfat.ocm

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰی كَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ

بیشک ہم نے داؤد اور سلیمان کو بڑا علم عطا فرمایا اور دونوں نے کہا سب خوبیاں اللہ کو جس نے ہمیں اپنے بہت سے ایمان

الْمُؤْمِنِیْنَ ⑮ وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ

والے بندوں پر فضیلت بخشی اور سلیمان داؤد کا جانشین ہوا اور کہا اے لوگو ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی

وَاُوْتِیْنَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِیْنُ ⑯ وَحُشِرَ لِسُلَیْمٰنَ جُنُوْدُهٗ

اور ہر چیز میں سے ہم کو عطا ہوا بیشک یہی ظاہر فضل ہے اور جمع کیے گئے سلیمان کے لیے

مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّیْرِ فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ ⑰ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰی وَادِ النَّمْلِ ۙ

اس کے لشکر جنوں اور آدمیوں اور پرندوں سے تو وہ روکے جاتے تھے یہاں تک کہ جب چیونٹیوں کے نالے پر آئے

قَالَتْ نَمْلَةٌ یّٰۤاَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا یَحْطِمَنَّكُمْ سُلَیْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا

ایک چیونٹی بولی اے چیونٹیو اپنے گھروں میں چلی جاؤ تمہیں کچل نہ ڈالیں سلیمان اور ان کے لشکر بے خبری

یَشْعُرُوْنَ ⑱ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ

میں تو اس کی بات سے مسکرا کر ہنسا اور عرض کی اے میرے رب مجھے توفیق دے کہ میں شکر کروں

الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ

تیرے احسان کا جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کیے اور یہ کہ میں وہ بھلا کام کروں جو تجھے پسند آئے اور مجھے اپنی

فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ ⑲ وَتَفَقَّدَ الطَّیْرَ فَقَالَ مَا لِیَ لَاۤ اَرَی الْهُدْهُدَ ۖ٘ اَمْ كَانَ

رحمت سے اپنے ان بندوں میں شامل کر جو تیرے قرب خاص کے سزاوار ہیں اور پرندوں کا جائزہ لیا تو بولا مجھے کیا ہوا کہ میں ہدہد کو نہیں

مِنَ الْغَآىِٕبِیْنَ ⑳ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِیْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗۤ اَوْ لَیَاْتِیَنِّیْ بِسُلْطٰنٍ

دیکھتا یا وہ واقعی حاضر نہیں ضرور میں اسے سخت عذاب کروں گا یا ذبح کردوں گا یا کوئی روشن سند میرے پاس

مُّبِیْنٍ ㉑ فَمَكَثَ غَیْرَ بَعِیْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ

لائے تو ہدہد کچھ زیادہ دیر نہ ٹھہرا اور آکر عرض کی کہ میں وہ بات دیکھ کر آیا ہوں جو حضور نے نہ دیکھی اور میں شہر سبا سے حضور

یَّقِیْنٍ ㉒ اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِیَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِیْمٌ ㉓

کے پاس ایک یقینی خبر لایا ہوں میں نے ایک عورت دیکھی کہ ان پر بادشاہی کررہی ہے اور اسے ہر چیز میں سے ملا ہے اور

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ
اس کا بڑا تخت ہے میں نے اسے اور اس کی قوم کو پایا کہ اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کے اعمال ان کی نگاہ

فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ (۲۴) اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ
میں سنوار کر ان کو سیدھی راہ سے روک دیا تو وہ راہ نہیں پاتے کیوں نہیں سجدہ کرتے اللہ کو جو نکالتا ہے آسمانوں اور

فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ (۲۵) اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ
زمین کی چھپی چیزیں اور جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور ظاہر کرتے ہو۔ اللہ ہے کہ اس کے سوا کوئی سچا

الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ (۲۶) قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ (۲۷) اِذْهَبْ
معبود نہیں وہ بڑے عرش کا مالک ہے سلیمان نے فرمایا اب ہم دیکھیں گے کہ تو نے سچ کہا یا تو جھوٹوں میں ہے میرا یہ فرمان لے جا کر

بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ (۲۸) قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا
ان پر ڈال پھر ان سے الگ ہٹ کر دیکھ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں وہ عورت بولی اے سردارو

اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ (۲۹) اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (۳۰)
بیشک میری طرف ایک عزت والا خط ڈالا گیا بے شک وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور بیشک وہ اللہ کے نام سے ہے نہایت

اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ (۳۱)
مہربان رحم والا یہ کہ مجھ پر بلندی نہ چاہو اور گردن رکھتے میرے حضور حاضر ہو

تفسیر عالمانہ

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بخدا بے شک ہم نے عطا فرمایا **دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ** داود و سلیمان علی نبینا وعلیہم السلام، دونوں کو۔

ف : مشکاۃ الانوار میں ہے کہ سلیمان علیہ السلام کو چیونٹی نے عرض کی حضور آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے والد گرامی کا نام داؤد اور آپ کا نام سلیمان کیوں رکھا گیا آپ نے فرمایا تو ہی بتا دے عرض کی اس لیے کہ آپ کے والد گرامی نے اپنے قلب کو التفات من الغیر سے پاک کر کے اللہ سے محبت کی اور آپ چونکہ سلیم (بہ تصغیر) ہیں اس لیے آپ کو آپ کے والد گرامی کے ساتھ لاحق کیا گیا۔ گویا "داود" داوی قلبہ الخ کا مخفف اور سلیمان (سلیم آن الخ کا مرکب ہے)

عِلْمًا علم کا ایک حصہ یعنی شرائع و احکام اور دیگر وہ علوم جو ان کے لائق اور ان کے لیے خاص تھے جیسے لدہ

marfat.ocm

بنانا و پہاڑوں کی تسبیح اور پرندوں اور جانوروں کی بولی ۔ ۱

سات علوم سات اشخاص کو

۱۔ آدم علیہ السلام کو اسماء کے علوم عطا فرمائے جو ان کو سجدۂ تحیہ کا سبب بنے۔ ۲۔ خضر علیہ السلام کو علم الفراستہ عطا فرمایا جس کی وجہ سے موسیٰ و یوشع جیسے پیغمبر ان کے شاگرد بنے ۳۔ یوسف علیہ السلام کو تو علم تعبیر بخشا جس کی وجہ سے آپ نے کامل مملکت کو پایا۔ ۴۔ داؤد علیہ السلام کو زرہ بننے کا علم سکھایا جس کی وجہ سے آپ کو ریاست و درجات بلند عطا ہوئے۔ ۵۔ سلیمان علیہ السلام کو پرندوں کی بولی سکھائی جس کی وجہ سے آپ نے بلقیس کا تخت حاصل کیا۔ ۶۔ عیسیٰ علیہ السلام کو کتاب و حکمت و تورات و انجیل کا علم عطا فرمایا جس کی وجہ سے تہمت کی شر سے بچ گئے۔ ۷۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شرع و توحید کا علم عطا فرمایا جس کی وجہ سے آپ کو شفاعت کل کا اختیار نصیب ہوا۔

علم کیمیا

حضرت الماوردی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہاں علمنا سے مراد علم الکیمیا ہے اس لیے کہ یہ علم علوم انبیاء و مرسلین اور اولیاء عارفین سے ہے حضرت مولانا روم قدس سرہٗ الاعلیٰ نے فرمایا ؎

از کرامات بلند اولیاء
اولا شعر است و آخر کیمیا

ترجمہ : اولیاء کی بلند کرامات سے پہلی کرامت شعر گوئی اور آخری کیمیا ہے ۔

کیمیا کا صوفیانہ معنی

الکیمیا اصل میں یہ ہے کہ جو مل جائے اس پر قناعت کرنا جو نہ مل سکے اس پر پریشان نہ ہونا ؎

کیمیائے ترا کنم تعلیم
کہ در اکسیر در صناعت نیست
رو قناعت گزیں کہ در عالم
کیمیائے بہ از قناعت نیست

ترجمہ : میں تجھے بتاؤں کہ وہ اکسیر اور دوسری کسی صنعت میں نہیں یا قناعت کو قبول کیجیے دنیا میں قناعت سے بہتر اور کوئی کیمیا نہیں ۔

داؤد علیہ السلام کا تعارف

کشف الاسرار میں ہے کہ داؤد علیہ السلام بنی اسرائیل کے نبی ہیں جو یہودا ابن یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔ آپ موسیٰ علیہ السلام سے ایک سو اکہتر سال کے بعد اس دنیا میں تشریف لائے اور آپکی شاہی طالوت کے بعد ہے ۔ آپ کی سلطنت میں تمام بنی اسرائیل متفق ہوگئے تھے اس لیے آپ کی سلطنت میں آرام و عیش تھا۔ اللہ نے فرمایا وشددنا ملکہ اور ہم نے

داؤد علیہ السلام کی شاہی کو مضبوط کیا۔

ف : مروی ہے کہ ہر شب کو بنی اسرائیل کے تیس ہزار سردار آپ کی پہرہ داری پر مقرر تھے آپ کو علم و ملک دونوں عطا ہوئے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "واتینا داؤد و سلیمان علماً" اور ہم نے داؤد و سلیمان علیہما السلام کو علم عطا فرمایا۔

اجوبہ داؤد و سلیمان علیہما السلام کے احکام کا اجراء اور اعمال صالحہ کی تلقین توراۃ سے تھی اسی لیے آپ کی کتاب زبور صرف مواعظ پر مشتمل تھی اس میں احکام اور اوامر و نواہی نہیں تھے۔

فائدۂ صوفیانہ حضرت عطا قدس سرہٗ فرمایا کہ علم سے علم بالرب و علم بالنفس مراد ہے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں (داؤد و سلیمان علیہما السلام) کے لیے علم بالرب اور علم بالنفس ثابت فرمایا اور علم بالنفس درحقیقت علم باللہ ہے چنانچہ سیدنا امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہا سے فرمان ہے۔

من عرف نفسہٗ فقد عرف ربہٗ

ترجمہ : جس نے اپنے نفس کو پہچانا تو یقیناً اس نے اپنے رب کو پہچان لیا ؎

بر وجود خدائے عزوجل
ہست نفس تو حجت قاطع

چون بدانی تو نفس را دانی
کوست مصنوع وایزدش صانع

ترجمہ : خدا عزوجل کے وجود پر تیرا نفس ہی حجت قاطع ہے جب تو نفس کو معلوم کر لے گا تو تجھے حق کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ اس لیے کہ وہ مصنوع ہے اور اس صانع اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔

ف : علم دو قسم کا ہے، ا۔ علم البیان، یہ وہ علم ہے جو مسائل شرعیہ سے حاصل ہو۔ (۲) علم العیان، یہ علم وہ ہے جو کشوفات غیبیہ سے مستفاد ہو۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: سائل العلماء وخالط الحکما وجالس الکبراء۔

ترجمہ : علماء سے سوالات کر اور حکماء کے پاس آمدورفت رکھ اور مشائخ (بزرگان دین) کی صحبت اختیار کر۔

شرح الحدیث علماء سے صرف علم البیان کا سوال کر کیونکہ مسائل شرعیہ کا حل ان سے ہی ہوتا ہے اور حکماء کے پاس آنا جانا علم العیان کی وجہ سے ہوتا ہے اور مشائخ کی صحبت

marfat.ocm

میں بیان بھی ہوتا ہے اور احکام شرعیہ بھی اور علم المکاشفہ والاسرار بھی اور ان کی صحبت کا حکم اس لیے ہے کہ ان کی صحبت کے دارین دنیا اور آخرت کے بے شمار منافع حاصل ہوتے ہیں۔ ؎

تو خود بہتری جوی و فرصت شمار
کہ با چون خودی گم کنی روزگار

ترجمہ: تو خود بہتر ہے اسے تلاش کر اور فرصت کو غنیمت سمجھ ورنہ اپنی طرح روزگار کو ضائع کر دے۔

تفسیر عالمانہ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا اور ان ہر دونوں نے ہر ایک نے اس علم کا شکریہ ادا کیا جو انہیں نصیب ہوا کہا کہ جملہ تعریفیں اللہ کے لیے جس نے ہمیں فضیلت بخشی یعنی علم عطا فرمایا۔ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ۝ بہت سے اپنے ایماندار بندوں پر۔

سوال عرب کے دستور کے مطابق یہاں عبارت کل منہما فضلنی ہوتی اسلوب عرب کے خلاف جمع متکلم کے صیغہ کے ساتھ کیوں لایا گیا ہے۔

جواب: اختصار و ایجاز کو مدنظر رکھ کر اس سے حرف واو عاطفہ کو بجائے فاء کے لانے کا حسن اسلوب بھی معلوم ہو گیا اس لیے کہ واؤ عطف اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ علم ہر دونوں (باپ بیٹے) کو ملنے پر حمد کر رہے ہیں صرف علم کے ملنے پر حمد نہیں کی گئی فاء عاطفہ ہوتی تو یہی دوسرا معنی بن جاتا اور اس میں اتنی لطافت نہیں جو پہلے معنی یعنی واؤ عاطفہ لانے میں ہے۔

ف: بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ واؤ عاطفہ لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ عطائے الٰہی کے مقابلہ میں ان کا حمد و شکر کرنا ایک معمولی شکرانہ ہے کیونکہ اس کی صرف ایک نعمت کا شکرانہ ہمارے لاکھوں بار حمد و شکر کرنے سے ادا نہیں ہو سکتا۔ گویا انہوں نے اپنے فعل کا شکریہ ادا کیا اور کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ الخ

ف: الکثیر سے وہ لوگ مراد ہیں جو ان کی طرح علوم سے نہ نوازے گئے نہ وہ جنہیں سرے سے دولت علم نصیب بھی نہ ہوئی۔ کثیر کو مؤمنین سے مقید کیا ہے اور ظاہر ہے کہ غیر مومنین جب ایمان سے محروم ہیں تو پھر ان کو علم سے بطریق اولیٰ محرومی ہوئی۔ کیونکہ ایمان سے خالی انسان نرا جاہل ہے اگرچہ وہ خود اپنے آپ کو اہل علم سمجھے یا لوگ اسے علامہ یا کوئی اور دیگر اوصاف دیں۔ کیا تم ابوجہل سے نہیں سمجھے کہ وہ باوجودیکہ اپنی پارٹی میں بہت بڑا دانشور سمجھا جاتا تھا بلکہ اس کی ان کے نزدیک ابوالحکم (حکمتوں کا سرچشمہ) تھا۔ اسی لیے حکماء نے فرمایا کہ بدمذہب کو عالم یا کوئی بڑا عہدہ دے کر بلانا وغیرہ مکروہ ہے۔

ف: کثیر کے لفظ میں اشارہ ہے کہ بعض دیگر حضرات ان پر علمی فضیلت رکھتے ہیں۔

فضیلت علم وعلماء آیت میں علم وعلماء کی فضیلت اور بزرگی پر واضح ترین دلیل ہے کہ سلیمان وداؤد علیہما السلام نے اسی علم پر شکریہ ورنہ علم کے علاوہ ان کے ہاں ملک ومال کی کمی نہ تھی اور نہ ہی مال ودولت میں ان کا ثانی تھا۔ اور اس میں علماء کرام کو بھی تحریص دلائی گئی ہے کہ وہ اپنی اس علمی دولت پر خدا تعالیٰ کا شکر کریں کہ ایسی بڑی دولت انہیں اللہ نے عطا فرمائی پھر اس دولت کے حصول کے بعد متواضع ومتخاشع رہیں یہ ضروری نہیں کہ اس دولت میں ان کے برابر کوئی نہیں بلکہ ان سے بہت بڑے اہل علم موجود ہوں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وفوق کل ذی علم علیم" ہر اہل علم پر اور زیادہ علم والا ہوتا ہے۔

مقولہ عمر رضی اللہ عنہ حضرت فاروق اعظم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کیا خوب فرمایا کل الناس افقہ من عمر" تمام لوگ عمر سے فقیہ تر ہیں۔
(یہ ان کی تواضع ہے لیکن شیعہ لوگ ان کی تواضع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تاثر دیتے ہیں کہ معاذ اللہ آپ جاہل اور غیر فقیہ تھے تفصیل فقیر اویسی غفرلہ کی تصنیف "رد الکذاب" میں ہے) [1]

تفسیر صوفیانہ آیت میں داؤد سے روح اور سلیمان سے قلب اور ان کے اہل علم سے الہام ربانی اور وہ علم الاسماء مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو عطا فرمایا اور ان کا حمد کرنا ان اعضاء وجوارح کی وجہ سے ہے جو انہیں عبودیت کی ادائیگی میں کام کرتے تھے۔ اس لیے کہ اعضا کا کام ہے عبودیت وعمل اور روح وقلب کا کام ہے علم ومعرفت جو کہ عمل کا اصل وبنیاد ہیں۔

حدیث شریف حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کسی نے سوال کیا کہ افضل الاعمال کیا ہیں تو آپ نے فرمایا العلم باللہ والفقہ فی دینہ معرفت الٰہی اور دین کی فقہ سمجھ اور اسے بار بار دہرایا پھر اس نے عرض کی یا رسول اللہ میں آپ سے عمل کا سوال کرتا ہوں اور مجھے عمل کی خبر دیتے ہیں آپ نے فرمایا:

العلم ینفعک معہ قلیل العمل وان الجہل لا ینفعک معہ کثیر العمل۔

ترجمہ: عمل اگرچہ قلیل ہو لیکن علم کے ساتھ ہو تو وہ فائدہ دے گا اور جہل سے علم کتنا ہی کثیر کیوں نہ ہو تب بھی کوئی فائدہ نہیں۔

ف: علم کے بغیر عمل ایسے ہے جیسے گدھا چکی کے اردگرد پھر رہا ہو۔ اس طرح سے وہ سفر طے نہیں کر سکے گا۔

نسخہ نمبر(۱) روحانی: فتح الموصلی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ مریض کو جب طعام اور پانی اور دوا نہ ملے تو مر جائے گا۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ۔

نسخہ روحانی نمبر (۲) : ظاہری غذا پیٹ بھر کر کھائی جائے تو پھر قلب میں باطنی غذا داخل نہ ہو سکے گی۔

حکایت حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ایک شخص دس سیر غذا کھا کر ساری رات عبادت میں گذار دیتا تھا کسی ولی اللہ نے سنا تو فرمایا کہ یہ شخص اگر آدھی روٹی کھا کر ساری رات سوتا رہتا تو اس پیٹ بھر کر عبادت گذاری سے افضل ہوتا۔ ؎

اندرون از طعام خالی دار
تا درو نور و معرفت بینی
تہی از حکمتی بعلت آن
کہ پُری از طعام تا بینی

ترجمہ : پیٹ کو طعام سے خالی رکھ تاکہ اس میں نور و معرفت پاؤ، حکمت سے تم اس لیے خالی ہو کر تم طعام سے ناک تک پُر ہو۔

نسخہ روحانی نمبر (۳) : عجب و کبر نورِ صفائی کو روکتے ہیں ؎

تُرا کی بود چون چراغ التہاب
کہ از خود پری ہمچو قندیل از آب

ترجمہ : تیرے چراغ میں روشنی کہاں سے آئے جبکہ تیرا چراغ پانی سے پُر ہے۔

نسخہ روحانی نمبر (۴) : جب انسان کا ظاہر شریعت سے اور باطن طریقت سے آراستہ ہو تو وہ اس فیض الٰہی کی استعداد پالے گا جو انبیاء و اولیاء کو نصیب ہوا اسی وجہ سے وہ لوگ دوسرے اہل ایمان پر فضیلت پا گئے ہیں اور یہی فضیلت ہی ان کے حمد و شکر بجالانے کا سبب ہے اسی لیے تو انسان کو موہبہ و عطیۂ الٰہی کے مطابق شکر و حمد الٰہی کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ ان کا انعامات و عطیات پر حمد و شکر ادا کرتے ہیں جو اس نے ہمیں نصیب فرمائے اور علم و قطرات فیض کو سوال کرتے ہیں اور طریق تحقیق اور ثبات علی العمل بعلم النافع کی التماس ہے کیونکہ شہوات نفسانی کو علم نافع توڑتا ہے اور خواہشات کو یہی ختم کرتا ہے وہی فضل کرنے والا بہت بڑا ہے اور عطا فرمانے والا فیاض اور رحیم ہے۔

تفسیر عالمانہ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ یعنی داؤد علیہ السلام کے وصال کے بعد علم و نبوت اور ملک صرف سلیمان علیہ السلام کی طرف منتقل ہوا ان کے دوسرے بھائیوں کو یہ وراثت نہیں ملی تھی اور اسے لفظ وراثت سے تعبیر کرنا مجازاً ہے۔

اس سے مسئلہ فدک کے لیے شیعہ کا اعتراض رفع ہو گیا۔ ؎

؎ - اضافہ از اویسی غفرلہٗ۔

اس لیے کہ یہاں مالی وراثت مراد نہیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام کمالات نفسانیہ کے وارث ہوتے ہیں مال و اسباب دنیویہ کی ان کی نظروں میں کوئی قدر و قیمت نہیں۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا تم میرے بھائی اور وارث ہو حضرت علی نے عرض کی کہ میں آپ کی کون سی وراثت کا وارث ہوں آپ نے فرمایا مجھ سے پہلے انبیاء علیہ السلام کتاب و سنت کے وارث ہوئے تم میرے وارث ہو۔

(لہ اس سے شیعہ یہ نہ سمجھیں کہ خلافت بلافصل ثابت ہو گئی اس لیے کہ علمی وراثت آپ کے ہر صحابی کو نصیب ہوئی کیونکہ آپ کے کمالات محدود نہ تھے کہ حضرت علی ہی پا لیتے تو باقی محروم ہو جاتے۔)

حکایت عجیبہ کسی قطب وقت نے عرض کی یا اللہ میرے بیٹے کو بھی میرے مقام ولایت کا وارث بنا دے۔ اللہ نے فرمایا پیارے یہ مرتبہ یعنی مقام خلافت وراثت نسبی پر نہیں کیونکہ وراثت یا علمی ہوتی ہے یا مالی۔ علمی وراثت صرف اس مرید صادق کو نصیب ہوتی ہے جو مخلص ہو وہی اپنے شیخ کے علوم حقائق کا وارث ہوتا ہے۔ جبکہ اس میں ان کی استعداد ہو تو پھر وہی مقامات انہیں نصیب ہوتے ہیں اسی لیے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "العلماء ورثۃ الانبیاء" علماء انبیاء کے وارث ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے سلیمان قلب داؤد روح کا وارث ہے اس لیے کہ ہر وارد و الہام و اشارہ، وحی و فیض ربانی حضرت الٰہیہ سے صادر ہوتے ہیں تو ان کا روح پھر اپنے کمال لطافت سے آگے بڑھ کر قلب پر وارد ہوتا ہے کیونکہ قلب اس کی صفات سے موصوف ہے اسی لیے اسے قبول کر لیتا ہے چونکہ قلب میں کثافت و صلابت بھی ہے اسی وجہ سے وہ ان کمالات کو اپنے اندر محفوظ کر لیتا ہے۔ قلب روح پر فضیلت رکھتی ہے اسی لیے مشہور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام داؤد علیہ السلام سے قضاء و افتاء میں فوقیت رکھتے تھے حدیث شریف بھی اس کی تائید کرتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یا وابصۃ استفت قلبک اے وابصہ اپنے دل سے فتویٰ پوچھو ورنہ استفت روحک فرماتے۔

داؤد علیہ السلام کی اولاد کی تفصیل جناب کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے انیس صاحبزادے تھے ہر ایک نے شاہی کی وراثت کا مطالبہ کیا اللہ نے آسمان سے ایک مکتوب مہر شدہ داؤد علیہ السلام کو بھجوایا اس میں چند مسائل تھے اور لکھا تھا کہ تمہاری اولاد میں سے جو بھی صحیح جواب دے وہی تمہارے ملک کا وارث ہے۔ داؤد علیہ السلام نے تمام صاحبزادوں اور اپنی شاہی کے تمام علماء و مشائخ کو بلایا اور وہ مسائل اپنے صاحبزادوں کے آگے رکھ دیئے وہ سوالات یہ تھے

لہ اضافہ از اویسی غفرلہٗ۔

۱۔ سب سے نزدیک تر کون سی شے ہے اور سب سے دور تر کون سی شے اور سب سے وحشت ناک تر کون سی شے ہے اور کس شے سے اسے انس زیادہ ہے ؟

۲۔ وہ کون سے دو ہیں جو قائم ہیں اور دیگر دو مختلف اور دیگر دو دشمن ہیں ؟

۳۔ وہ کونسا کلام ہے جس کے آخر میں اس کی تعریف کی گئی ہے ؟

۴۔ وہ کون سا کلام ہے جس کا انجام مذموم ہے ؟

حضرت داؤد علیہ السلام کے تمام صاحبزادوں نے معذرت کی حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا اگر اجازت ہو تو ان کا جواب میں عرض کروں داؤد علیہ السلام نے اجازت بخشی تو سلیمان علیہ السلام نے کہا پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ انسان کو قریب تر موت ہے اور سب سے بعید تر اس کا وہ ترکہ ہے جو وہ مرنے کے بعد چھوڑتا ہے اور اس کے لیے زیادہ وحشت والا وہ جسم ہے جو روح سے خالی ہو جائے جس سے اسے بہت زیادہ انس ہے وہ روح ہے۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ وہ جو دو قائم ہیں وہ آسمان اور زمین ہیں اور دو مختلف سے مراد دن اور رات ہے اور ایک دوسرے کے دشمن موت و حیات ہیں۔

تیسرے کا جواب یہ ہے کہ وہ کلام جس کا انجام محمود ہے وہ ہے جو صلہ بوقت غصہ۔

چوتھے کا جواب یہ ہے کہ وہ کلام جس کا انجام مذموم ہے وہ ہے تیزی جو بوقت غصہ آئے۔

جب اکابر علماء و مشائخ نے کتاب منزل کے موافق جواب پایا تو فرمایا ان تمام صاحبزادوں پر حضرت سلیمان علیہ السلام کو فضیلت حاصل ہے لہٰذا شاہی انہی کے سپرد کی جائے اس کے دوسرے دن حضرت داؤد علیہ السلام کا وصال ہو گیا تو سلیمان علیہ السلام آپ کے جانشین ہوئے۔

تفسیر عالمانہ

وَقَالَ نعمت الٰہی کی تشہیر اور ان لوگوں کو اپنی طرف بلانے اور اپنی تصدیق کے لیے ان معجزات باہرہ کا ذکر فرمایا جو انہیں اللہ کی طرف سے عطا ہوئے یہ ذکر نہ تو بطور فخر تھا نہ از راہ تکبر۔

ف : جناب بقلی نے فرمایا کہ سلیمان علیہ السلام نے عطا کردہ معجزات کا ذکر اس لیے فرمایا کہ قانون ہے کہ متمکن جو درجہ تمکین کو پہنچ جائے جائز ہوتا ہے کہ وہ اپنے لیے عطایائے الٰہی کی خبر دے تاکہ اہل ایمان کے ایمان میں اضافہ اور منکرین پر حجت قائم ہو۔ چنانچہ اللہ نے فرمایا واما بنعمۃ ربک فحدث اور اپنے اوپر نعمت حق کو بیان کیجیے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ اے لوگو مجھے پرندوں کی بولیاں سکھائی گئی ہیں۔

سوال : سلیمان علیہ السلام کو ہی یہ نعمت ملی تھی تو پھر آپ نے جمع کے صیغہ کو استعمال فرمایا اس سے تو تکبر کی بو آتی ہے ؟

جواب (۱) : سیاست کے طور ایسے مواقع پر جمع کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے اس سے تکبر و تفخر کا کوئی تعلق

نہیں ہوتا یہی اوتینا کے متعلق سوال و جواب ہوگا ۔

جواب (۲) : سلیمان علیہ السلام نے جمع کا صیغہ بول کر اپنے والدگرامی کو بھی مراد لیا ہے اس سے یہ ثابت ہوگا کہ پرندوں کی بولی ہر دونوں جانتے تھے یہ معجزہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ مخصوص نہ تھا جیسا کہ عام مشہور ہو گیا ہے ۔

حل لغات

منطق نطق عرف میں ہر وہ مافی الضمیر جو زبان پر لایا جائے مفرد ہو یا مرکب اور کبھی اس کلام پر بولا جاتا ہے جو منہ سے نکلے خواہ مفرد ہو یا مرکب مفید ہو یا غیر مفید جیسے کہا جاتا ہے نطقت الحمامۃ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کبوتر اپنی بولی بولے ۔ امام راغب اصفہانی نے فرمایا کہ نطق عرف میں وہ کلمات ہیں جو انسان منہ سے بولے اور جنہیں دل محفوظ کر سکے یہی وجہ ہے کہ یہ صرف انسان کے لیے مستعمل ہوتا ہے ۔ غیر انسان پر بالتبع مستعمل ہوتا ہے اسی لیے کہا جاتا ہے ناطق و صامت ناطق وہ کلام جس میں آواز ہو اور صامت وہ جس میں آواز نہ ہو اسی لیے حیوانات کو ناطق نہیں کہا جاتا سوائے مقید کے یا بطریق تشبیہ کے ۔

سوال : حیوانات کے لیے یہاں منطق کیوں کہا گیا ؟

جواب : سلیمان علیہ السلام کی وجہ سے کہ وہ ان کی بولیاں سمجھتے تھے جو بھی کسی کی بولی سمجھے تو اس کی وجہ سے بالاضافہ بولنے والے حیوان کو ناطق کہہ سکتے ہیں اگرچہ وہ فی نفسہٖ صامت ہو اور ناطق نہ سمجھنے کی وجہ سے صامت ہے اگرچہ وہ فی نفسہٖ ناطق ہو ۔

الطیر طائر کی جمع ہے جیسے راکب کی جمع رکب آتا ہے اور وہ حیوان جو پر رکھتا ہو اور اڑتا ہو ۔

ف : سلیمان علیہ السلام پرندوں کے علاوہ دوسرے جانوروں کی بولیاں بھی جانتے تھے جیسا کہ آپ نے چیونٹی کی بات سن کر تبسم فرمایا اس کا مفصل مضمون آگے آتا ہے ۔ اور دوسرے جانوروں کی بولی جاننے کو واوتینا من کل شیء (اور ہم کو ہر شے عطا کی گئیں ہیں) سے تعبیر کیا گیا ہے ۔

نکتہ : الطیر کی تخصیص اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ پرندوں کو دوسرے جانوروں پر فضیلت ہے ۔ آیت کا معنی یہ ہوگا کہ ہم پرندوں کی بولی سکھائے گئے ہیں جب وہ بولتے ہیں ہم ان کی مراد کو سمجھ جاتے ہیں ۔ اور پرندوں کی ہر جماعت کی الگ الگ بولی ہے جسے صرف ہم سمجھتے ہیں دوسرے لوگوں کو معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیا کہتے ہیں ۔

ف : حضرت سلیمان علیہ السلام نہ صرف ان کی بولی سمجھتے تھے بلکہ ان کی مراد و مقصد بھی معلوم کر لیتے تھے ۔

صاحب انسان العیون فرماتے ہیں اس سے مراد وہ پرندے ہیں جو اپنی بولی صاف لفظوں میں نہیں بتا سکتے ورنہ بہت سے پرندے ایسے بھی ہیں کہ جو ان کی بولی سے مطلب صاف معلوم ہوتا ہے ۔ چنانچہ بعض کو دں

marfat.ocm

سے سنا جاتا ہے وہ کہتے ہیں (اللہ حق)۔

عجیب کوا

ایک شیخ کامل فرماتے ہیں کہ میں نے ایک کوّے کو سورۃ سجدہ تلاوت کرتے ہوئے سُنا۔ آیت سجدہ پر میں نے اس کوّے کو سجدہ کرتے بھی دیکھا۔ اور سجدے میں کہتا تھا:

سجدلك سوادي وامن بك فؤادي۔

ترجمہ: تیرے لیے میرے جسم نے سجدہ کیا اور تجھ پر میرا دل ایمان لایا۔

صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ کبھی الدرہ بھی صاف گفتگو کرتی ہے چنانچہ شیخ بکری ایک دوست کے گھر گئے فرماتے ہیں کہ مجھے الدرہ نظر نہیں آتا تھا لیکن اس سے صاف لفظوں میں سنا وہ کہہ رہا تھا مرحبا بالشیخ البکری اے شیخ بکری قدس سرہٗ خوش آمدید اور وہ اس کلمہ کو بار بار دہراتا رہا میں اس کی فصاحت پر متعجب ہوا۔

ابوزریق پرندے کا قصہ

ایک شخص بغداد سے باہر کہیں جا رہا تھا اس کے پاس چار سو درہم تھے۔ راستہ میں ابوزریق کو بکتے دیکھ کر ان دراہم سے وہ تمام خرید لیے واپس لوٹ کر ان کو پنجرہ ں بند کرکے دوکان میں رکھ دیئے رات کو ٹھنڈی ہوا سے وہ تمام مر گئے ان میں صرف ایک کمزور بچ رہا۔ میں اپنی اس غلی پر خوب رو رو کر اللہ کو عرض کرتا تھا یاغیاث المستغیثین اغثنی اے فریادیوں کے فریادرس میری مدد فرمایئے۔ ابوزریق کا چھوٹا بچہ میرے ساتھ ۔ یاغیاث المستغیثین اغثنی پڑھتا رہا۔ لوگ اس کی آواز سن کر جمع ہو گئے اور اس کے ایسے فصیح الفاظ سن کر تعجب کرتے تھے اور پھر تو وہ ایک تماشہ بن گیا۔ ایک دفعہ خلیفۂ وقت کی لونڈی وہاں سے گذری اس کا یہ تماشہ دیکھ کر اس نے ایک ہزار درہم دے کر خرید لیا (کذا فی حیوۃ الحیوان)۔

ف: علامہ امام دمیری نے فرمایا ابوزریق قیق کو کہتے ہیں۔ یہ ایک پرندہ ہے جو کبوتر جتنا ہوتا ہے اسے شامی لوگ ملی کہتے ہیں اور وہ انسان سے بہت زیادہ مانوس ہوتا ہے اور تعلیم کو قبول کرتا ہے اور جو کچھ کہا جائے وہ سمجھ جاتا ہے۔

کایت بلبل

سیدنا سلیمان علیہ السلام بُلبل کے قریب سے گذرے جو درخت پر بیٹھ کر چہچہاتی ہوئی ذکر کرتی اور دم بھی ہلاتی تھی آپ نے اپنے صحابیوں سے فرمایا کہ یہ کیا کہہ رہی ہے عرض کی اللہ اعلم نبیہٗ نے اللہ تعالیٰ اور اس کا نبی جانے فرمایا کہتی ہے اذا اکلت نصف تمرۃ فعلی الدنیا العفاء یعنی میں جب کھجور کا آدھا حصہ کھاؤں تو دنیا کے سر پر مٹی۔ شاید بلبل اس وقت کچھ کھا کر فارغ ہوئی تھی پھر یہی کلمہ پڑھا۔

اختہ کی بولی

اس کے بعد فاختہ کی آواز سنی گئی آپ نے فرمایا یہ کہہ رہی ہے لیت ذا الخلق لم یخلقوا! کاش مخلوق پیدا نہ ہوتی۔ شاید وہ اس وقت کسی مصیبت میں گرفتار تھی۔

روح البیان ص ۲۲۹، ج ۶۔ معلوم ہوا کہ یہی عقیدہ قدیم دین حق والوں کا ہے الحمد للہ یہی عقیدہ اہلسنت کو نصیب ہے۔ اور احادیث پڑھنے والے جانتے کہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام کا بھی یہی طریقہ تھا۔

طاؤس (مور) کی گفتگو اس کے بعد مور بولا اور کہہ رہا تھا کما تدین تدان"۔ اس کے معنی یہ ہوئے جیسی کرنی ویسی بھرنی۔

ہُدہُد کی بولی: اس کے بعد ہدہد بولا اور کہہ رہا تھا استغفر اللہ یا مذنبون۔ اے مجرمو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو۔

چڑیا کی بولی چڑیا بھی مذکورہ بالا نصیحت کرتی ہے اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چڑیا کو قتل کرنے سے روکا ہے۔ لیکن اس سے ایک خاص چڑیا مراد ہے جو عام طور پر باقی چڑیوں سے بڑا اور چھوٹی چڑیوں کا شکار کرتا ہے اس کا طریقۂ شکار یہ ہے کہ ہر پرندے کی بولی بولتا ہے تو وہ پرندہ اس کے قریب ہو جاتا ہے جب اسے اپنے قریب پاتا ہے تو اسے جھپٹ لگا کر کھا لیتا ہے۔

ہُدہُد کی دوسری بولی: ایک روایت میں یہ ہے کہ ہدہد کہتا ہے من لا یرحم لا یرحم۔ جو کسی پر رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔ ان دو مختلف قولوں میں تطبیق یوں دی جا سکتی ہے کہ وہ کبھی پہلی بولی بولتا کبھی دوسری۔

طیطوی اور طوطے کی بولی طیطوی کہتا رہتا ہے کل حی میت و کل جدید بال ہر زندہ نے مرنا ہے اور ہر نئے نے پرانا ہونا ہے۔ کشف الاسرار میں یہ کلمات طوطے کی طرف منسوب کیے ہیں۔

چمگادڑ کی بولی چمگادڑ بولتا ہے قدموا خیرا تجدوہ نیکی کرو اس کا پھل پاؤ گے اور الکشف میں ہے کہ چمگادڑ کہتا ہے الحمد للہ رب العالمین اور سورۃ کے آخر میں ولا الضالین کو لمبے کھینچ کر پڑھتا ہے جیسے ہمارے قاری پڑھتے ہیں۔

ف: خطاف (بضم الخاء المعجمة) بروزن رُمّان اس کی جمع خطاطیف ہے اسے زوار الہند کہا جاتا ہے یہ ان پرندوں میں سے ہے جو انسانوں کی طرف بہت کھنچ کر آتے ہیں۔ اور بہت طویل سفر کرتے ہیں اسی وجہ سے اسے انسانوں سے بہت انس ہے اسے عموماً لوگ عصفور الجنة یعنی بہشت کی چڑیا کہتے ہیں کیونکہ یہ لوگوں کے ہاں رکھی ہوئی چیز کی لالچ نہیں کرتا اسی لیے لوگ اس سے اُنس کرتے ہیں یہ مچھر اور مکھیوں پر گزارا کرتا ہے۔

قمری کی آواز: قمری کہتی ہے سبحان ربی الاعلی پاکی ہے بلند مرتبہ خدا تعالیٰ کے لیے۔

رخمہ یا کبوتر کی بولی کبوتر کے متعلق حضرت سلیمان علیہ السلام نے خبر دی ہے کہ وہ کہتا ہے سبحان ربی الاعلی ملء سمائه وارضه اللہ تعالیٰ کی پاکی زمین و آسمان کے برابر ہے۔

ف: رخمہ ایک گونگا بہرہ پرندہ ہے جو نہ سنتا ہے نہ بولتا ہے۔

نکتہ: اسی لیے حکماء کہتے ہیں کہ رخمہ طویل العمر اسی لیے ہے کہ وہ بولتا نہیں۔ کم بولنے سے سلامتی عمر اور برکت نصیب ہوتی ہے۔

چیل کی بولی: چیل کہتی ہے کل شیئٍ لک الا اللہ اللہ کے سوا سب کو فنا ہے۔

ف : الحدأۃ کو فارسی میں زغن اور غلیواج اردو میں ۔

حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

بہر ایں مردار چندت کاہ زاری کاہ ند
چون غلیواجی کہ شش مہ مادہ و شش مہ زست

ترجمہ: (اس مردار (دنیا) پر کب تک فریفتہ رہے گا کہ کبھی کیسے اور کبھی کیسے جیسے چیل کہ چھ ماہ مادہ رہتی ہے اور چھ ماہ نر ۔)

قطاہ کی بولی: قطاہ کہتا ہے من سکت سلم جو خاموش رہا سلامتی میں رہا ۔

ف : قطاہ بولا رہتا ہے چونکہ وہ اس کی بولی بولتا ہے اس کو اسی وجہ سے اس نام سے موسوم کیا گیا ہے ۔ اس لیے وہ جب بولتا ہے تو محسوس ہوتا ہے کہ کہہ رہا ہے قطا، قطا) ۔

ف : ابن ظفر نے فرمایا کہ یہ پرندہ اپنے بچے گھونسلے میں چھوڑ کر دس یا اس سے زائد دنوں تک پانی کی تلاش میں رہتا ہے اور پانی صبح سے طلوع شمس کے درمیان لیتا ہے اس کے بعد اپنے گھونسلے میں لوٹتا ہے تو بھولتا نہیں اس لیے اس پر عرب کی مثال مشہور ہے ۔ "اھدی من قطاۃ" قطاہ پرندے سے زیادہ راہ جانتا ہے ۔

طوطے کی بولی: ببغا کہتا ہے ویل لمن کانت الدنیا خرابی ہو اسے جس کی مراد صرف دنیا ہی ہے ۔ ببغا سے مراد طوطی ہے ۔

ف : حیوۃ الحیوان میں ہے ببغا وہ سبز پرندہ ۔ یعنی طوطا ۔

باز کی بولی: کاشفی مرحوم نے لکھا کہ باز کہتا ہے "سبحان ربی العظیم وبحمدہٖ" عظیم الشان پروردگار کی پاکی اس کی حمد کے ساتھ ۔

ف : حیوۃ الحیوان میں لکھا ہے کہ بازی ہمیشہ مؤنث ہی ہے اس کا نر گدھ کے ایک قسم اور شاہین سے ہوتا ہے اسی لیے یہ مختلف شکلوں میں ہوتا ہے یہ تمام جانوروں سے متکبر ہے اور اس میں نرمی بہت کم ہے ۔

ہزار داستان کی بولی: ہزار داستان کہتا ہے اذکروا اللہ یا غافلون اے غافلو خدا تعالیٰ کو یاد کرو ۔ ؎

دلا بر خیز و طاعت کن کہ طاعت بہ ز ہر کارست
سعادت آن کسی دارد کہ وقت صبح بیدارست

ترجمہ: اے دل اٹھ عبادت کر اس لیے کہ عبادت سے بہتر اور کوئی کام نہیں وہی سعادت مند ہے جو صبح بہت جلد اٹھتا ہے ۔

مرغ کی بولی: مرغ کہتا ہے قم یا ایہا الغافل اے غافل اٹھ کھڑا ہو ۔ ؎

خروسان در سحر گویند قم یا ایہا الغافل
تو از مستی نمی دانی کسی داند کہ ہشیارست

ترجمہ : اے غافل اٹھ کھڑا ہو صبح ہو گئی ہے تو مستی سے نہیں جاگتا اسے خبر ہے جو ہشیار ہے۔

سلیمان علیہ السلام کا مرغ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک سفید مرغ تھا۔ حدیث شریف میں ہے کہ وہ سفید مرغ میرے دوستوں کا دوست اور میرے دشمنوں کا دشمن ہے (کذا فی الوسیط) یہی مرغا فرشتے کو دیکھ کر آواز دیتا ہے اور گدھا شیطان کو دیکھ کر ڈھینچوں ڈھینچوں کرتا ہے۔

گدھے کی بولی ؛ گدھا کی اپنی بولی میں کہتی ہے یا ابن آدم عش ماشئت اخرک الموت۔ اے آدم زادے جتنا چاہو زندگی بسر کرو آخر تم نے مرنا ہے۔

ف : اس وجہ مناسبت سے گدھ کو طویل عمر نصیب ہوئی ہے یہاں تک کہ یہ ایک ہزار سال تک رہ سکتی ہے اور اڑنے میں بہت تیز اور اس کے پر بھی بہت بڑے مضبوط ہیں۔ یہاں تک کہ وہ دن میں مشرق و مغرب کی درمیانی مسافت طے کر لیتی ہے اور عام پرندوں میں سے سب سے بڑا پرندہ ہے۔ اسے تمام پرندوں میں سے عجوبہ کہا گیا ہے۔ (کذافی حیوٰۃ الحیوان)۔

عقاب کی بولی ؛ عقاب کہتا ہے فی البعد عن الناس انس۔ لوگوں سے دور رہنا اچھا ہے۔

مینڈک کی بولی مینڈک کہتا ہے سبحان ربی القدوس پاکی ہے پروردگار اقدس کو۔ یا کہتا ہے سبحان المعبود فی لجج البحار۔ معبود کی پاکی دریا کی گہرائیوں میں۔

حکایت داؤد علیہ السلام سیدنا داؤد علیہ السلام کو گمان تھا کہ ان جیسی اللہ تعالیٰ کی مدح و ثنا اور کوئی نہیں کرتا ہو گا اور نہ ہی ان سے بڑھ کر اور کوئی حمد گو ہو سکتا ہے اللہ نے فرشتہ بھیجا جب کہ آپ حجرے میں محو ذکرِ خدا تھے اور آپ کے قریب ایک پانی کا گڑھا تھا۔ فرشتے نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے داؤد اس گڑھے والے مینڈک سے سنیئے وہ کیا کہہ رہا ہے آپ نے خاموشی سے اس کی طرف کان لگائے تو وہ کہہ رہا تھا: سبحانک وبحمدک منتھی علمك یا اللہ تیری پاکی اور تیری حمد تیرے منتہائے علم کے مطابق۔

فرشتے نے پوچھا اے داؤد علیہ السلام اب آپ کا کیا خیال ہے آپ نے فرمایا بخدا اس جیسی میں نے کبھی حمد نہیں کہی۔

مینڈک نہ مارو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مینڈک کو نہ مارو اس لیے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا گیا تو یہ منہ میں پانی لے کر آگ بجھاتا تھا۔ اسے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا۔

پانچ جانوروں کو نہ مارو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانچ جانوروں کے قتل سے روکا ہے:
۱۔ چیونٹی ۲۔ شہد کی مکھی ۳۔ مینڈک ۴۔ خاص چڑیا ۵۔ ہُد ہُد۔

marfat.ocm

ورشان کی بولی ورشان کہتا ہے لدوا للموت وابنوا للخراب موت کے لیے تیار رہو اور ویرانی کے لیے مکان بناؤ۔ یعنی فنا ہی فنا ہے۔

ف: یہ وہم عاقبت کی ہے۔

اعجوبہ: الورشان فاختہ وحمامہ کے درمیان کا ایک پرندہ ہے جسے اولاد سے بہت پیار ہوتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے بچوں کو کوئی اٹھالے تو اپنے آپ کو مار دیتا ہے۔

تیتر کی بولی: تیتر کہتا ہے الرحمٰن علی العرش استوٰی رحمٰن الٰہی اپنی شان کے لائق مستوی ہے۔

محمد وآل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بغض رکھنے والوں پر لعنت فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے اللھم العن مبغضی محمد وآل محمد۔ محمد اور آپ کی آل سے بغض رکھنے والوں پر خدا کی لعنت۔ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم)

گدھا کی بولی: گدھا بولتا ہے اللھم العن العشار۔ (اے اللہ عشار پر لعنت بھیج)

ف: بعض نے یہ کلمات کتے کی طرف منسوب کیے ہیں۔

گھوڑے کی بولی گھوڑا کہتا ہے جب جنگ کی دو صفیں آمنے سامنے ہوتی ہیں سبوح قدوس رب الملائکۃ والروح۔ پاکی والا تقدیس والا وہ ملائکہ اور روح کا پروردگار ہے۔

زرزور کی بولی: زرزور کہتا ہے اللھم انی اسئلک قوت یوم بیوم یا رازق۔ اے روزی رسان میں صرف تجھ سے روزی مانگتا ہوں۔

ف: زرزور ایک (بالضم) باریک آواز والا پرندہ ہے۔ یہ ایک چڑیا کی قسم ہے اس کی اپنی آواز پر اس کا نام زرزور ہے۔ زرزور یعنے (مخصوص آواز)۔ حضرت مولانا روم قدس سرہ نے اپنے اشعار میں فرمایا:

شیخ مرغانست لک لک کش دانی کہ چیست
الحمد لک والامر لک والملک لک یا مستعان

ترجمہ: تمہیں معلوم ہے کہ تمام پرندوں کا مرشد کون ہے وہ ہے جو تین بار لک بولتا ہے مثلاً کہتا ہے الحمد لک، حمد تیرے لیے۔ امر تیرے لیے۔ ملک تیرے لیے اے مستعان۔

بوم کا وعظ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ تمام پرندوں سے بنی آدم سے بڑھ کر ناصح اور مشفق الو سے اور کوئی جانور نہیں جب وہ ان کو آپس میں جھگڑتا دیکھتا ہے تو کہتا ہے: این الذین یتنعمون فی الدنیا ویسعون فیھا ویل لبنی آدم کیف ینامون وامامھم الشدائد۔ کہاں ہیں وہ جو دنیا فانی سے مستمتع رہے اور اس کے جمع کرنے کی کوشش میں رہے۔ بنو آدم کے لیے افسوس ہے کہ وہ سوتے کیوں ہیں جب جانتے

ہیں کہ آگے شدید تکالیف ہیں۔ آخر میں کہتا ہے: تزودوا یا غافلون وتاھبوا لسفرکم۔ اے غافلو زادِ راہ تیار کرلو۔ اور سفر کی خوب تیاری کرو۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا۔ ؎

درع التکاسل تغنم فقد جری مثل
کہ زادِ راہرواں چستیت و چالاکی

ترجمہ: سستی چھوڑ غنیمت سمجھ وقت کو اس لیے کہ یہ مثل مشہور ہے کہ سفر کا زادِ راہ چستی و چالاکی ہے۔

پرندے کی سلیمان علیہ السلام کی کچہری میں حاضری

ایک پرندہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کچھ عرض کی آپ نے اپنے ہم نشینوں سے پوچھا کہ یہ کیا کہہ رہا ہے سب نے عرض کی آپ خوب جانتے ہیں آپ نے فرمایا یہ کہتا ہے کہ اے بنی اسرائیل پر مسلّط بادشاہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کرامت بخشی ہے اور دشمنوں پر آپ کو غلبہ بخشا ہے میں اب اپنے بچوں کے ہاں جا رہا ہوں عنقریب واپس آؤں گا۔ سلیمان علیہ السلام سے انتظار کیا چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد پھر حاضر ہو گیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو سلام عرض کر کے کہا اجازت ہو تو میں اپنے بچوں کے لیے دانہ لاؤں بلکہ ان کو کھلا پلا کر حاضری دوں پھر جو حکم ہوگا بجالاؤں گا۔ آپ نے اسے کلی اجازت بخش کر حاضرین کو اس کا سارا ماجرا سنا دیا۔ (کذا قال المقاتل)

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کا کمال

عرائس البیان میں ہے کہ پرندوں اور وحشیوں کی آوازیں اور تمام اکوان کے حرکات اللہ تعالیٰ کے خطابات ہیں جو اس نے اپنے پیارے محبوبوں، انبیاء، مرسلین و اولیاء، عارفین سے خطاب فرمایا۔ یہی حضرات ان کی بولیوں کو سمجھتے ہیں اس لیے کہ یہ ان کے احوال و مقامات ہیں۔ انبیاء و مرسلین علیہ السلام تو ان کی بعینہٖ بولیاں اور معانی کو سمجھتے ہیں۔ اور اولیاء کرام ان کی بولیوں سے ان کے مفہوم کو سمجھ جاتے ہیں یہ بھی سمجھنا الہام ربانی کے اعتبار سے ہوتا ہے جو ان کے قلوب میں وارد ہوتا ہے یہ نہیں کہ وہ بعینہٖ ان کی بولیوں کو جانتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ طیور ارواح ناطقہ اشباح میں حق کی بولی بولتے ہیں۔ لغت انوار کے ساتھ رموز و اسرار ظاہر کرتے ہیں لیکن انہیں صرف وہی سنتا ہے جسے فراستِ صادقہ نصیب ہو۔ جس کی عقل و قلب شہادتِ دین پر ہے اور لطیف ترین اشارہ یہ ہے کہ ہم صفات کے پرندوں کی بولی جانتے ہیں جو کہ وہ ذات کے علوم سے بولتے ہیں اور اس کے افعال کے پرندوں کا کلام سمجھتے ہیں جو حکم ازلیات باطنی اسرار کی خبر دیتے ہیں۔

ف: ابو عثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ اپنے جمیع احوال میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ صدق و صفائی کرے

marfat.ocm

تو اس کی بات کو ہر شے سمجھتی ہے اور وہ بھی ہر شے کی بات کو سمجھتا ہے جیسے طبل بجنے پہ ہر ایک کو کوچ اور نزول کا علم ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو (مخصوص) سماع اصوات و شہود احوال مرئیات کے فنون کا علم عطا فرماتا ہے۔ اگرچہ کتنا ہی مختلف ہیں۔

جیسا کہ کہا گیا ہے: ؎

اذا المرء کان لہ فکرۃ
ففی کل شیئ لہ عبرۃ

ترجمہ: ہر مرد کو فکر کرنی چاہیئے اس لیے کہ ہر شے میں عبرت و موعظہ ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَاُوْتِیْنَا مِنْ کُلِّ شَیْءٍ اور ہم ہر شے دیئے گئے ہیں۔ یہاں پر کل شے سے کثرت مراد ہے جیسے کہا جاتا ہے فلان یقصدہ کل شی ویعلم کل شی۔ اس سے کل قصد سے اور کل علم سے کثرت و وفرت مراد ہے۔

[1]۔ اس سے وہابیہ دیوبندیہ کے سوال کا رد ہو گیا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تبیانا کل شیئ میں علم کلی مراد ہے تو پھر سلیمان و داؤد علیہما السلام کے لیے بھی کائنات کی ہر شے مانو۔

ف: کاشفی مرحوم نے اس آیت کے جملہ کا ترجمہ لکھا کہ ہم کو ہر وہ چیزیں عطا ہوئی ہیں جن کی ہمیں ضرورت تھی یہ وہابیہ کے لیے دوسرا جواب ہے[2]۔

اور کشف الاسرار میں ہے کل شیئ سے ملک و نبوت و کتاب ریاح (ہوائیں) جن و شیاطین کی تسخیر، جانوروں اور پرندوں کی بولی، محرابیں، تماثیل، لگن، دیگیں کالے تیل کا چشمہ (عین العقر) اور دیگر کئی قسم کی نعمتیں۔

اِنَّ ھٰذَا بے شک یہ مذکور یعنی اعطائے الٰہی و تعلیم لَھُوَ الْفَضْلُ البتہ وہ فضل اور احسان والا ہے الْمُبِیْنُ کھلم کھلا یعنی ایسا واضح اور روشن جو کسی سے پوشیدہ نہیں۔

ف: الوسیط میں ہے کہ یہاں پر زیادتی سے ظاہر وہ نعمتیں مراد ہیں جو اور لوگوں سے ان کو زائد نصیب ہوئیں۔ یہ ایسے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا انا سید ولد آدم ولا فخر میں اولادِ آدم کا سردار ہوں اور یہ کوئی فخر سے نہیں کہہ رہا۔ یعنی یہ میں بطریق شکر و حمد کے کہہ رہا ہوں فخر سے یا تکبر سے نہیں کہتا۔ سلیمان علیہ السلام نے بھی فخر سے نہیں بلکہ شکراً کہا۔

اعجوبہ: حضرت سلیمان علیہ السلام کو داؤد علیہ السلام کی نعمتوں کے علاوہ زائد یہ انعامات عطا ہوئے:

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ۔ [2] ایضاً

۱۔ تسخیر الجن ۲۔ تسخیر الریح ۳۔ پرندوں کی بولیوں کا سمجھنا ۴۔ آپ کے زمانے میں ایسی عجیب مصنوعات ایجاد ہوئیں جن سے خلق خدا نے بہت فائدہ اٹھایا اور سلیمان علیہ السلام نے ساڑھے سات سو سال تک شاہی کی۔

چیونٹی کی دانائی

جب حضرت سلیمان علیہ السلام تخت نشین ہوئے تو تمام حیوانات نے مبارکباد دی اور خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے سوائے چیونٹی کے۔ یہ آپ کو مبارک باد دینے کی بجائے تعزیت کر رہی تھی۔ سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کو جھڑکا اس نے کہا میں آپ کو کیسے مبارک باد دوں جب کہ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اس سے دنیا سمیٹ لیتا ہے اور آخرت کی طرف اسے لگا دیتا ہے لیکن سلیمان علیہ السلام رات دن دنیا میں مستغرق ہیں تو پھر یہ مبارک باد کی بجائے تعزیت کے زیادہ حق دار ہیں۔ (ذکرہ السیوطی فی قتادہ)

ف : حضرت عمر رضی اللہ عنہ، نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ وہ کون سا بادشاہ ہے جس کے لیے گردنیں جھکیں اور جسم و جان قربان ہوں۔ آپ نے فرمایا ایسا بادشاہ تو زمین پر اللہ تعالیٰ کا سایہ ہوتا ہے جب وہ نیکی کرتا ہے تو اجر پاتا ہے اور رعایا کو اس کا شکر لازم اور جب وہ برائی کرے تو اس کو گناہ اور رعایا پر صبر ضروری ہوتا ہے۔

ف : یزدجر نے ایک دانا سے پوچھا کہ ملک کس عمل سے ابھارہ سکتا ہے اس نے جواب دیا رعایا سے نرمی کرنے سے اور ان سے نرمی کر کے حق طلب کرنا اور ان سے عدل و انصاف کے ساتھ پیار کرنا اور ان کے لیے سفری آسانیاں پیدا کرنا تاکہ امن و سلامتی کے ساتھ سفر کر سکیں۔ علاوہ ازیں مظلوم کے لیے انصاف کرنا ؎

رعیت نشاید بہ بیداد کشت
کہ مر سلطنت را پناہند و پشت
مراعات دہقان کن از بہر خویش
کہ مزدور خوش دل کند کار بیش

ترجمہ : رعیت کو ظلم سے ذبح نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ رعایا سلطنت کے لیے پناہ و پشت ہیں۔ جاٹ (عام آدمی) کی رعایت اپنے لیے کیجیے اس لیے کہ خوش دل مزدور بہت کام آتا ہے۔

وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ اور سلیمان علیہ السلام کے لیے لشکر جمع کیا گیا۔

حل لغات : الحشر بمعنے اخراج الجماعۃ الخ جماعت کو اپنی قرار گاہ سے نکال کر جنگ وغیرہ کے لیے باہر لے جانا اور یہ جماعت کے اخراج کے سوا فرد واحد کے لیے مستعمل نہیں ہوتا۔ (کذا فی المفردات)

الحشر کا حقیقی معنی ہے جمع کرنا (کذا فی التاج)۔ الجنود جند کی جمع ہے۔ لشکر کو جُند کہا جاتا ہے۔ دراصل اس سخت زمین کو کہتے ہیں جس میں پتھر وغیرہ ہوں۔ پھر ہر مجتمع کو جُند کہتے ہیں۔ جیسے حدیث شریف میں ہے: الارواح جند مجندۃ ارواح ایک لشکر تھے لشکر ایک مجتمع کے طور پر ہوتا ہے۔ اسی مناسبت سے لشکر کو جُند کہا

جاتا ہے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ الجند کی جمع نہیں ہاں جنود جمع واقع ہوئی ہے تو لشکر کی مختلف اجناس کی وجہ سے مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ جنّ وانس اور پرندوں سے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مخلوق کی ہر علیحدہ جنس کو جند کہا جاتا ہے اللہ فرماتا ہے وما یعلم جنود ربک الا ھو اللہ تعالیٰ کے جنود کو اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ پس بعوض (مزدو کا مچھر) لشکر ہے اور ابابیل (اصحاب فیل کے) پرندے لشکر ہے ہدہد (عسکر فوج) لشکر ہے۔ عنکبوت (مکڑی) لشکر ہے۔ حمامۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لشکر ہے وغیرہ وغیرہ۔

اب معنی یہ ہوا کہ سلیمان علیہ السلام کے لیے شام کی طرف سیر وسفر میں لشکر جمع کئے گئے۔

ف: فتح الرحمٰن میں ہے اصطخر سے یمن تک۔ اصطخر (بکسر الھمزۃ وفتح الطاء) فارس کے شہروں کا ایک شہر ہے اور یہی شہر سلیمان علیہ السلام کا دارالخلافہ تھا۔ وہیں پر جنّ وانس اور پرندوں کے چیدہ چیدہ جمع ہوتے آپ جب سفر کرتے تو ان لوگوں سے مشورہ کرکے روانہ ہوتے۔ (جن کا ذکر پہلے ان کی تیز رفتاری کی وجہ سے ہے) کیونکہ تیز رفتاری اور قوت وطاقت میں دیگر اجناس سے یہ گروہ بظاہر زائد ہے۔

فَهُمْ يُوزَعُونَ ۝ پھر جماعتیں بنائی جاتیں۔

حل لغات الوزع بمعنے الکف والمنع یعنی تفرق وانتشار سے روکنا اور الوزّاع بمعنے تفرق وانتشار سے روکنے والا اور وہ شخص جو تظالم وفساد رعایا اور عام ظلم وفساد سے روکے۔ اس کی جمع وزعۃ آتی ہے

اب معنی یہ ہوا کہ آپ کے لشکر کے اگلے پچھلے سارے ایک جگہ روکے جاتے تھے تاکہ تمام لشکر ایک جگہ جمع ہو جائیں اور مجتمع ہو کر چلیں اور انتشار سے بچیں جیسے کثیر لشکر عموماً انتشار کا شکار ہو جاتا ہے۔

ف: سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں ہر جنس کو علحدہ علحدہ الگ روکنے والا تھا جو انہیں منتشر ہونے سے روکتا تھا۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ لشکر سلیمانی اگرچہ بکثرت تھا لیکن مجال ہے کہ وہ منتشر ومتفرق ہوں۔ ایسے نظم وضبط سے چلتے تھے اور رہتے تھے کہ گویا تسبیح کا دانہ ہیں ان میں سے ایک بھی اپنے مرتبے سے آگے پیچھے نہ ہوتا تھا۔ ممکن ہے کہ یہ ترتیب صفوف کی ہو جیسا کہ المختار (کتاب لغت) میں ہے کہ الوزاع ہر وہ شخص جو صف کے آگے ہو اور اس کی اصلاح کرے، آگے اور پیچھے والوں کی نگہداشت رکھے۔

سوال: آگے والوں کو روکنے کی تخصیص کیوں حالانکہ لشکر والے پچھلے حصے سے بھی غلطی کر لیتے ہیں مثلاً پیچھے ہٹ جائیں یا رہ جائیں۔

جواب: تیزی میں جتنا پہلے حصے والے سبقت کر سکتے ہیں وہ پچھلوں کو حاصل نہیں۔ ہوا کی سیر میں بالخصوص اس کا لحاظ ضروری ہوتا ہے۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ فھم یوزعون وہ انہیں خروج اطاعت سے روکتے تھے اور اسی سے ہے ومن یزغ منھم عن امرنا نذقہ من عذاب السعیر ۔ اور جو ان سے ہمارے حکم سے روگردانی کرے گا۔ ہم اسے دوزخ کا عذاب چکھائیں گے۔

لشکر سلیمانی کی تعداد

حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر تین سو میل لمبا اور تین سو میل چوڑا تھا۔ پچہتر میل پر انسان پچہتر میل پر جنات اور پچہتر میل پر پرندے اور پچہتر میل پر وحشی جانور پھیلے ہوتے تھے اور آپ کے ایک ہزار شیشے کے بنگلے تھے جو لکڑیوں پر تیار کیے گئے تھے اس میں آپ کی تین سو منکوحات اور سات سو کنیزیں رہائش پذیر تھیں آپ کے لیے جنات نے تین میل لمبا اور تین میل چوڑا سونے اور ریشم کا قالین (فرش) تیار کیا۔ اس کے درمیان میں آپ کا سونے کا منبر بچھایا جاتا اس پر آپ رونق افروز ہوتے اس کے اردگرد سات لاکھ سونے اور چاندی کی کرسیاں بچھائی جاتیں سونے کی کرسیوں پر آپ کے نائبین اور چاندی کی کرسیوں پر علماء بیٹھتے۔ ان کے اردگرد انسان اور ان کے اردگرد جنات و شیاطین بیٹھتے اور اس نوری جماعت پر پرندے پر بچھاتے کہ ذرہ بھر بھی سورج کی کرن ان پر نہیں پڑتی تھی۔ اس پورے لشکر کو ہوا اٹھا کر چلتی جو ایک ماہ کے برابر سفر کرتی رہتی تھی۔

ہوا پر شاہی اور ہر آواز کا سننا

حضرت سلیمان علیہ السلام کا تیز ہوا کو حکم تھا کہ وہ آپ کے تخت کو اٹھائے اور نرم ہوا کو حکم تھا کہ وہ اسے چلائے اللہ نے فرمایا اے سلیمان علیہ السلام آپ زمین و آسمان کے درمیان چلتے وقت زمین کی آوازیں سن سکتے ہیں اس کا حکم ہم نے ہوا کو فرمایا ہے [1]

---

[1] اس سے ہمارا استدلال ہے کہ محبوبان خدا بعد اللہ کی دی ہوئی قوت سے سن سکتے ہیں۔ اس کے تفصیلی دلائل تو فقیر نے اپنی کتاب التحقیق السعید فی السماع عن البعید میں لکھی ہے۔ یہاں صرف ایک حوالہ پہ اکتفا کیا جاتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تین چیزوں کو قوت سماعت دی گئی ہے۔ ایک یہ کہ جنت سنتی ہے اور دوزخ سنتی ہے اور وہ فرشتہ جو کہ میرے پاس مقرر ہو چکا ہے وہ سنتا ہے۔ جب میری امت کا کوئی بندہ جہاں کہیں ہو۔ جب بندہ کہتا ہے (اللھم انی اسئلک الجنۃ) اے اللہ مجھے جنت عطا فرما تو جنت اس کی آواز سن لیتی ہے اور کہتی ہے یا اللہ اس کو مجھ میں داخل فرمائے اور جب میری امت کا کوئی بندہ یہ دعا کرتا ہے (اللّٰھم اَجِرنِی مِن النّار) یا اللہ مجھے دوزخ سے بچا، تو دوزخ سن لیتی ہے) اور کہتی ہے یا اللہ اس کو مجھ سے بچا۔ اور جب میری امت کا کوئی بندہ میرے اوپر سلام بھیجتا ہے وہ فرشتہ مذکورہ سنکر عرض کرتا ہے یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یہ فلاں ہے کہ سلام عرض خدمت کر رہا ہے۔ اس کو سلام کا جواب دیا جاتا ہے۔ افادہ اویسی

marfat.ocm

کھیتی باڑی والے کسان کی آرزو منقول ہے کہ ایک وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت آسمان کے نیچے اڑ رہا تھا کہ تخت ایک کسان کے اوپر سے گذرا وہ کہہ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی اولاد کو کتنا بڑا ملک عطا فرمایا ہے (کاش یہی ملک مجھے بھی عطا فرماتا) یہ آواز حضرت سلیمان علیہ السلام نے سن لی تھی۔ اسی وقت آپ نے تخت کو نیچے اتارنے کا حکم دیا آپ نیچے اترتے ہی اسی کسان کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا کہ میں تمہیں حکم دیتا ہوں تاکہ تم آئندہ ایسی آرزو نہ کیا کرو جو تمہارے بس یا تمہارے لائق نہ ہو۔ پھر فرمایا تمہارا ایک بار سبحان اللہ کہنا داؤد علیہ السلام کی آل کی نعمتوں سے بہتر ہے۔

مدینہ منورہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی حاضری صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ ص ۳۴۳ ج ۹ مطبوعہ استمبول جدید میں لکھتے ہیں سلیمان علیہ السلام مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال ھذہ دار ھجرۃ نبی آخر الزمان طوبی لمن آمن بہ وطوبی لمن اتبعہ وطوبی لمن اقتدی بہ۔ سلیمان علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ پاک سے گذرے تو فرمایا یہی نبی آخر الزمان علیہ السلام کی ہجرت گاہ ہے اُسے مبارک ہو جو آپ پر ایمان لائے۔ اور اسے جو آپ کی فرمانبرداری کرے یا اسے جو آپ کی اقتداء کرے۔

حَتّٰۤی اِذَاۤ یہاں تک کہ گذرے **اَتَوْا عَلٰی وَادِ النَّمْلِ ۙ** چیونٹیوں کی وادی کے اوپر سے۔

ف: بعض نے کہا کہ اتی کا صلہ علیٰ ہے کہ یہاں اتیان بمعنی قطع مسافت ہے جیسے کہا جاتا ہے اتی علی الشئ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شے کو پورا کرلے اور منزل مقصود کو مکمل کرلے ان قائلین کا یہ خیال اس لیے ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر سے اس وقت خطرہ ہوتا تھا جب وہ کہیں جاکر اترتے ورنہ ہولکے اڑتے ہوئے کسی کو ان سے خطرہ نہ ہوتا تھا۔ (کذا فی الارشاد) اس سے مزید آگے چل کر بیان کیا جائے گا۔

حل لغات وادی ہر وہ جگہ جہاں سے پانی بہ نکلے النملۃ نمل کا واحد ہے بمعنے چیونٹی یہ نمل سے مشتق ہے بمعنے حرکت کرنا چونکہ یہ بکثرت حرکت کرتی رہتی ہے۔ باوجودیکہ اس کے ہاتھ پاؤں قلیل ہیں۔ اس لیے اسی نام سے موسوم ہے اور وادالنمل اس لیے موسوم ہے ان کی کثرت کی وجہ سے یہ ایسے ہے جیسے کہا جاتا ہے بلاد الثلج برفانی شہر ہے یہاں پر شام کے علاقہ کی ایک وادی ہے یا طائف میں یہ وادی واقع ہے کیونکہ وہاں چیونٹیاں بکثرت ہیں اور مشہور یہ ہے کہ یہاں چھوٹی چیونٹیاں مراد ہیں۔ بعض نے کہا کہ وہاں کی چیونٹیاں بھیڑیے اور عربی اونٹوں جتنا موٹی تھیں بعض نے کہا وہاں کی وادی میں جن رہتے تھے جن پر چیونٹیاں سواری کرتی تھیں۔

تفسیر عالمانہ **قَالَتْ نَمْلَةٌ یّٰۤاَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ** چیونٹی نے کہا اے چیونٹیو گھس جاؤ اپنے بلوں میں یہ اذا کا جواب ہے گویا جب چیونٹی نے انہیں دیکھا کہ سلیمان علیہ السلام

لشکر سمیت ان کی وادی کی طرف متوجہ ہیں تو چیونٹی بھاگی اور وہ تمام موجودہ چیونٹیاں بھی متنبہ ہو گئیں۔ اس کے پیچھے تمام چیونٹیاں دوڑیں۔

سوال: یہ خطابات تو عقلاء کے ہوتے ہیں اور چیونٹی تو غیر ذوالعقول میں سے تھی؟

جواب ۱: یہ عموماً ہوتا ہے غیر ذوی العقول کو ذوی العقول قرار دے کر ان پر ذوی العقول کے احکام جاری کرتے ہیں۔

جواب ۲: اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں عقل پیدا کر دی اور وہ قادر ہے کہ غیر ذوی العقول کو عقل بخشے اور پھر ان پر ذوی العقول کے طریقہ پر اعمال و افعال صادر ہوتے ہیں۔

یہ چیونٹی لنگڑی تھی اس کے دو پَر تھے جو مرغ یا شتر مرغ کے پروں کے برابر تھے۔ یا بھیڑیے کے قد کے برابر الجوبہ اور وہ چیونٹیوں کی ملکہ یعنی سردار تھی۔ اس کا نام منذرہ یا طاخیہ یا جرمی تھا۔ اس کا یہ نام توراۃ یا انجیل یا کسی صحیفہ میں لکھا ملتا ہے اور اس کا یہ نام اللہ نے رکھا یا سلیمان علیہ السلام سے پہلے انبیاء علیہم السلام اسے اس نام سے موسوم کرتے چلے آئے۔ اس کا نام اس کے بولنے کی وجہ سے مشہور ہوا ورنہ چیونٹی کے علمیہ اسماء کیسے اور نہ ہی چیونٹیاں اپنی ایک دوسری کو خاص نام سے موسوم کرتی ہیں اور نہ ہی انسانوں کو ان کی شکلوں سے پہچان ہوتی ہے کہ یہ فلاں ہے اور وہ فلاں اور نہ ہی ابنائے آدم کے ماتحت ہیں کہ وہ انہیں اپنے گھوڑوں اور کتوں وغیرہ کی طرح نام سے یاد کریں (کذا فی التعریف والاعلام للسہیلی رحمۃ اللہ علیہ)

ف: نملہ مؤنث حقیقی ہے اس لیے کہ اس کے فعل میں تاء تانیث ہے اگر فعل میں تاء ہوتی تو نملہ کو مذکر سمجھا جاتا۔ کیونکہ لفظ نملہ کا اطلاق مؤنث و مذکر ہر دونوں کے لیے برابر طور مستعمل ہوتا ہے جب ان میں امتیاز معارب ہوتا ہے تو کسی خارجی امر سے فرق کیا جاتا ہے مثلاً کہا جائے گا۔

نملۃ انثی و نملۃ ذکر ایسے ہی حمامۃ و یمامۃ و دیگر مؤنث لفظیہ کا حالی ہے۔

حاشیہ الجوبہ: عربی میں ہر انڈے کو بیض لکھیں گے سوائے چیونٹی کے کہ اس کے انڈے کو بیظ (ظاء) کے ساتھ لکھتے ہیں۔ (کنز مدفون)

ف: اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں ولاالضآلین یعنی ضاء کو ظاء کے مخرج میں نہ پڑھنا چاہیے کہ اس سے نماز فاسد ہو جاتی اور عمداً پڑھنے سے کفر لازم آتا ہے کیونکہ بسا اوقات معنی میں تغییر فاحش ہو جاتا ہے۔ تفصیل فقیر کے رسالہ میں موجود ہے۔ رسالے کا نام یہ ہے: "رفع الفساد فی الظاء والضاد"۔

marfat.ocm

حکایت امام (فخرالدین) نے کہا کہ حضرت قتادہ کوفہ میں تشریف لائے آپ نے اعلان کیا کہ مجھ سے جو چاہو پوچھو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ابھی بچے تھے آپ نے لوگوں سے فرمایا ان سے سوال کرو کہ سلیمان علیہ السلام کی چیونٹی نر تھی یا مادہ۔ حضرت قتادہ سے سوال کیا گیا تو جواب دے سکے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ نے فرمایا وہ مادہ تھی اس لیے کہ اس کا فعل قالت (مؤنث) ہے اگر نر ہوتی تو قال نملۃ کہا جاتا۔

ف: نملۃ حمامۃ و شاۃ کہ یہ مذکر و مؤنث ہر دونوں کی طرح مستعمل ہوتے ہیں۔ امتیاز کے لیے خارجی قرینہ کی ضرورت پڑتی ہے مثلاً کہا جاتا ہے حمامۃ ذکر و حمامۃ انثی اور فائدہ ہوا ورنہ ہر دونوں (مؤنث و مذکر) راجح ہوتے ہیں ورنہ قامت طلحۃ و حمزۃ نہیں کہا جاتا۔

لَا یَحۡطِمَنَّکُمۡ تمہیں نہ روندیں۔

حل لغات: حطم بمعنی توڑنا۔ کعبہ کے حلیم کو بھی اسی لیے حلیم کہا جاتا ہے اس کا ایک حصہ اس سے علیحدہ کیا گیا ہے[1]

سُلَیۡمٰنُ وَ جُنُوۡدُہٗ یہ جملہ مستانفہ ہے یا امر (لا یحطمنکم) سے بدل ہے لیکن یہ امر وہ ہے جسے جواب کی ضرورت نہیں۔ قاعدہ ہے کہ امر میں نون تاکید (ثقیلہ و خفیفہ) وسعت کلام کے وقت میں داخل نہیں ہوتا اور یہی جواب کے مطالبہ سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

ف: یہاں امر سے معنوی امر مراد ہے ورنہ لا یحطمنکم تو صیغہ نہی کا ہے۔ یاد رہے کہ چیونٹی نے حطم سے روکا ہے اس سے مراد ٹھہرنا اور پیچھے ہٹنا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ لشکر تمہارے بلوں کو روند نہ دے اس لیے ان کے پہنچنے سے پہلے ہی بلوں میں گھس جاؤ۔

سوال: چیونٹی کو کیسے معلوم ہوا کہ یہ لشکر سلیمانی ہے اور اس میں حضرت سلیمان علیہ السلام بھی ہیں؟

جواب: سب کو معلوم ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی فرمانبرداری کا حکم جیسے انسانوں کو تھا ایسے ہی

---

[1] حلیم ایک قوس نما سنگ مرمر کی دیوار ہے۔ بلندی ڈیڑھ گز ہے۔ یہ دیوار کعبہ کے ساتھ واقع ہے۔ دیوار کعبہ اور حلیم کے درمیان ایک راستہ ہے۔ یہ بھی نوافل اور اجابت دعا کا مقام ہے اس کا اندرونی حصہ ۴ فٹ ہے۔ اس کا طول دیوار کعبہ اندرونی حصہ ۴ فٹ پانچ انچ ہے۔

مسئلہ: اس کے باہر سے طواف کرنا افضل ہے۔ اگرچہ اندر سے گزر کر طواف کرنا بھی جائز ہے۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ یہاں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور سیدہ بی بی ہاجرہ کے مزارات ہیں جو لوگ مزارات کی حاضری کو شرک کہتے ہیں وہ طواف جیسی عبادت میں ان مزارات کے گرد گھومنے پر کیا فتویٰ دیتے ہیں؟ (تفصیل فقیر کے سفرنامہ "مدینہ کے راہی" میں پڑھیے)۔

جملہ حیوانات اور پرندوں کو بھی تھا اور یہ چیونٹی بھی منجملہ انہی میں سے تھی اور قاعدہ ہے کہ جو کسی کی اطاعت پر مامور ہوتا ہے اور اسے جانتا بھی ہے۔

چیونٹی کے فہم و ذکا کا بیان

چیونٹی دوسرے جانوروں سے زائد فہم رکھتی ہے۔ مثلاً اسے معلوم ہے کہ سردیوں کے لیے اناج جمع کرکے رکھنا ہے کہ وہ دانوں کو دو ٹوٹے کر دیتی ہے کیونکہ اسے دو ٹکڑے نہ کیا جائے تو وہ اُگ آتا ہے یہ سوائے اس کے اور کوئی نہیں جانتا ایسے وہ کزبرہ کے دانہ کے چار ٹکڑے کر دیتی ہے کیونکہ اسے چار حصے نہ کیا جائے تو وہ پھر دوبارہ اُگ آتا ہے۔ یہ بھی چیونٹی کے فہم کی اعلیٰ دلیل ہے۔ اس کے باوجود اگر دانے پر پانی کی تری پڑ جائے تو اسے باہر لے جاکر دھوپ میں سکھاتی (خشک کرتی ہے) ہے تاکہ یہ دانہ دوبارہ اُگنے کے لائق نہ رہے کیونکہ خشک دانہ پر پانی پڑ جائے تو وہ اُگنے کے لائق بن جاتا ہے۔

چیونٹی کے انڈے

حیوٰۃ الحیوان میں ہے کہ چیونٹی دوسرے جانوروں نر، مادہ کی طرح جفتی نہیں ہوتی اور نہ ہی اس میں نر مادہ کی کیفیت ہوتی ہے۔ ان کے توالد و تناسل کا قصہ یوں ہوتا ہے کہ ہر چیونٹی سے معمولی سی کوئی شئے زمین پر گرتی ہے تو وہ شئے پھر بڑھنے لگتی ہے یہاں تک کہ وہ انڈے کی شکل اختیار کر لیتی ہے پھر اسی سے ہی چیونٹی کے بچگان پیدا ہوتے ہیں۔

ف: ہر انڈہ کو عربی میں بیض (بالضاد) کہا جائے گا سوائے چیونٹی کے کہ اس کے انڈے مذکور کو بیظ بالظاء سے تعبیر کیا جائے گا۔

وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ

یہ لا یحطمنکم سے حال ہے یعنی ان کا یہ حال بمعنی روندنا ان سے لاشعوری سے ہو سکتا ہے کیونکہ جب وہ معلوم کر لیں گے تو اسے ہرگز نہیں کریں گے اس لیے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اور آپ کے لشکر کے عدل و فضل کا تقاضا یہ ہے کہ نہ وہ چیونٹی کو روند سکتے ہیں نہ اس سے بڑے جانوروں کو روندتے ہیں نہ اس سے چھوٹے کو۔

چیونٹی کا پاک عقیدہ

گویا چیونٹی کا عقیدہ تھا کہ انبیاء السلام ظلم و ایذاء سے معصوم ہوتے ہیں سوائے اس کے کہ یہ عمل ان سے سہواً ہو۔ چیونٹی کے اس عقیدہ کی نظر لشکر حبیب محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا عمل ہے کہ اس کے لیے بھی اللہ نے فرمایا: فتصیبکم منہم معرۃ بغیر علم تو تمہیں ان کی لاعلمی سے تمہیں ضرر پہنچے کیونکہ ان کا یہ شیوہ نہیں کہ وہ کسی اہل ایمان کو ضرر پہنچائیں۔

لشکرِ سلیمانی اور لشکرِ محمدی کا فرق

لشکرِ سلیمانی کے لیے اس فعل کا استثناء چیونٹی نے کیا ہے لیکن نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لشکر کا استثناء خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اس سے فرق خود ہی معلوم کیجیے کہ لشکرِ محمدی کو لشکرِ سلیمانی پر کتنی فضیلت حاصل ہے۔ ایسے ہی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

marfat.ocm

کو جملہ انبیاء علیہ السلام پر فضیلت ہے ۔

سلیمان علیہ السلام کا دور سے سُننا مروی ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کا یہ مقولہ تین میل سے سن لیا تھا جسے ہوا نے آپ تک یہ آواز پہنچائی ۔

ف : ہوا ہر آواز کو ہر ایک کان میں پہنچاتی ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے تخصیص یوں ہوئی کہ آپ کو ہر آواز مطلب کے مطابق پہنچنے کے بعد سمجھ آجاتی تھی اور بہت بڑی دوری کے لیے حائل نہ تھی بخلاف ہمارے کہ آواز ہم کو تو پہنچ رہی ہے لیکن ۔۔۔۔۔۔۔۔

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا پس سلیمان علیہ السلام چیونٹی کی بات سے ہنسنے لگے ۔ اس سے سلیمان علیہ السلام کے ہنسنے کا مبالغہ کا بیان ہے کہ ان کے ہنسنے کا انتہائی مرتبہ یہی تھا دوسرے عوام جیسا ہنسنا نہ تھا کہ ان کے ہنسنے کا انتہا قہقہہ ہوتا ہے اور انبیاء علیہ السلام سے قہقہہ نہیں ہوتا یہ ان کی شان کے خلاف ہے اور انبیاء علیہ السلام کی ہنسی کا انتہا یہی تبسم ہے اور ضاحکاً حال مقدرہ یا مؤکدہ ہے اب معنی یہ ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام چیونٹی کے ڈرنے ڈرانے سے تعجب کرتے ہوئے ہنسے ۔

حل لغات التبسم بمعنے وہ ہنسنا جس سے آواز صادر نہ ہو اب آیت کے معنی یہ ہوا کہ وہ ہنسے ۔ درآنحالیکہ وہ ضاحک تھے لیکن یہاں ضحک سے ہنسنے میں شروع ہونا مراد ہے جیسا کہ اوپر گذرا ہے اور سلیمان علیہ السلام کو چیونٹی کی ہوشیاری پر ہنسی آئی کہ وہ کیسے اپنی برادری کو ڈراتے ہوئے رہبری کر رہی ہے اور انہیں ان کی مصلحتوں سے آگاہ فرما رہی ہے ۔

مسئلہ : یاد رہے کہ انبیاء علیہ السلام کا ہنسنا تبسم تک محدود ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ جب کوئی نئی چیز دیکھتا ہے یا عجوبہ سنتا ہے تو متعجب ہو کر ہنستا ہے ۔

فائدہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ سلیمان علیہ السلام کا ظاہراً تو چیونٹی کی کیفیت عجیبہ سے ہنسنا تھا لیکن درحقیقت اپنی حاصل کردہ قوت پر خوشی کر رہے تھے کہ اس کریم نے مجھے چیونٹی کی بات سمجھنے اور دُور سے سننے کی توفیق بخشی اور اظہار فرحت مطلوب تھا کہ اس مالک نے مجھے بہترین لشکر عطا فرمایا ہے کہ جس کے تقویٰ و شفقت کا اعتراف چیونٹیوں تک ہے ۔

نکتہ : ہم نے یہ تقریر اسلام کے اس قاعدہ سے سمجھا ہے کہ ہر نبی علیہ السلام دنیوی امور کے لیے نہیں ہوتے بلکہ انہیں دینی امور سے فرحت اور خوشی ہوتی ہے ۔

سلیمان علیہ السلام کے راکٹ کا بریک مروی ہے کہ چیونٹی نے صرف لشکر کی صرف آواز سنی اسے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ لشکر آسمان پر ہے یا زمین پر اس لیے اس نے عمومی حیثیت سے کہہ دیا شاید لشکر زمین پر ہے اے چیونٹیو بلوں میں گھس جاؤ ۔ حضرت سلیمان علیہ السلام

نے ہوا کو حکم فرمایا کہ تخت کو روک لے یہاں تک کہ چیونٹیاں بلوں میں داخل ہو جائیں چنانچہ آپ کا راکٹ وہیں تین میل دور رُک گیا پھر جب تک تمام چیونٹیاں بلوں میں داخل نہ ہو گئیں راکٹ روانہ نہ ہوا۔

لشکر زمین پر چل رہا تھا الوسیط میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر سے بعض سواریوں پر تھے اور بعض پیدل چل رہے تھے اسی لیے چیونٹی کو اپنے لشکر کے روندے جانے کا خطرہ ہوا اس تقریر پر یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب سلیمان علیہ العلام کو ہوا کی تسخیر کا معجزہ عطا نہیں ہوا تھا کیونکہ لشکر اگر آسمان پر ہوتا تو چیونٹی خوف نہ کھاتی۔

مکالمہ سلیمان علیہ السلام بہ نمل مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ چیونٹی کو میرے ہاں لاؤ چنانچہ چیونٹی حاضر کی گئی تو ذیل کا مکالمہ (گفتگو) ہوئی۔

سلیمان علیہ السلام: اے چیونٹی کیا تجھے معلوم نہ تھا کہ میرا لشکر کسی پر ظلم و ستم نہیں کرتا۔

چیونٹی بے شک میرا عقیدہ یہی ہے کہ آپ کا لشکر ظلم و ستم نہیں کرتا لیکن چونکہ میں ان سب کی سردار ہوں اسی لیے میرا فرض منصبی تھا کہ میں انہیں ہر نشیب و فراز سے آگاہ کروں۔

سلیمان علیہ السلام: کیا تمہیں معلوم نہ تھا کہ لشکر تو آسمان پر تھا تو پھر ان سے روندنے کا خطرہ کیسا۔

چیونٹی: معلوم تھا لیکن میں نے سمجھا کہ میرا لشکر آپ کے لشکر کی شوکت کو دیکھ کر دنیوی مشاغل میں مشغول ہو جائیں گے اس طرح ذکر الٰہی سے محروم ہو جائیں گے۔ ان کے روندے جانے سے ظاہری معنی مراد نہ تھا بلکہ باطنی معنی مراد ہے کہ ذکر الٰہی سے محرومی باطنی طور تباہی و بربادی ہی بربادی ہے۔

سلیمان علیہ السلام: اے چیونٹی تیری اس تقریر سے تیری قدر و قیمت میرے دل میں بڑھ گئی ہے فلہذا میرا جی چاہتا ہے تو مجھے کوئی پند و نصیحت سنا دے۔

چیونٹی: آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے والد گرامی کا نام داؤد علیہ السلام کیوں رکھا گیا۔

سلیمان علیہ السلام: نہیں۔

چیونٹی: آپ کے والد کا اسم گرامی داؤد علیہ السلام اس لیے تھا کہ انہوں نے زخمی دل کا دوا (علاج) کیا۔ گویا ان کا نام داوی جراحۃ قلبہ کا مخفف ہے۔ پھر چیونٹی نے سوال کیا کہ اے سلیمان علیہ السلام کیا آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ آپ کا نام سلیمان علیہ السلام کیوں ہے۔

سلیمان علیہ السلام: نہیں۔

چیونٹی: اس لیے کہ آپ سلیم الصدر والقلب ہیں۔ گویا سلیمان علیہ السلام انہی الفاظ کا مخفف ہے۔

چیونٹی کے لشکر اور اس کی سلطنت کا حدود اربعہ: کشف الاسرار میں ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے

marfat.ocm

چیونٹی سے پوچھا کہ تمہاری سلطنت کا حدود اربعہ اور تمہارے لشکر کی تعداد کتنی ہے؟ چیونٹی نے عرض کی کہ لشکر کی نگرانی کے لیے میں چار ہزار کوتوال رکھتی ہوں اور ان میں سے ہر ایک کے ماتحت چہل ہزار نقیب ہیں پھر ہر ایک نقیب کے تحت چہل ہزار چیونٹیاں رہتی ہیں۔

چیونٹیاں زیر زمین کیوں حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی سے فرمایا کہ تو اپنے لشکر سے باہر کیوں نہیں جاتی چیونٹی نے عرض کی اے پیارے نبی علیہ السلام مجھے روئے زمین کا اختیار دیا گیا لیکن میں نے ٹھکرا دیا صرف اس لیے کہ مجھے اپنے لشکر رعیت کو چھوڑ کر کہیں جانا گوارہ نہیں بلکہ عرض کی کہ اے پروردگار عالم ہمیں زیر زمین رکھنا تاکہ تیرے سوا ہمیں کوئی نہ جانے اور ہم بھی تیرے سوا کسی کو نہ جانیں۔

سلیمان علیہ السلام کا چیونٹی سے نصیحت پذیر ہونا سیدنا سلیمان علیہ السلام سے چیونٹی نے کہا کہ آپ بھی تو مجھے بتا دیں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے سب سے بڑی کون سی نعمت عطا فرمائی ہے۔ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ نے ہوا کو میرے تابع کر دیا ہے۔ میں صبح کو مشرق میں ہوتا ہوں اور شام کو مغرب میں۔ چیونٹی نے کہا یہ تو کوئی بڑا کمال نہیں بلکہ اس میں تو اشارہ ہے کہ آپ کی شاہی اس کی مثال یہی ہے کہ گویا وہ ہوا پر سہارا کر رہا ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

نہ بر باد رفتی سحرگاہ و شام
سریر سلیمان علیہ السلام
بآخر ندیدی کہ بر باد رفت
خنک آنکہ با دانش و داد رفت

ترجمہ: کیا سلیمان علیہ السلام کا تخت صبح و شام ہوا پر نہیں چلتا تھا لیکن انجام کیا ہوا یہی کہ وہ مٹ کر رہ گیا فلہذا خوش قسمت ہے وہ انسان جو دانائی اور انصاف سے زندگی گذار گیا۔

یہ سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا مانگی **قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْٓ** کہا اے میرے پروردگار مجھے توفیق دے تاکہ میں تیری نعمتوں کا شکر ادا کر دوں۔

حل لغات اوزع کا ہمزہ تعدیہ ہے الوزع بمعنے تفرق و انتشار سے روکنا جیسا کہ پہلے گذرا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اے پروردگار مجھے توفیق دے کہ میں جمع کروں تیری نعمت کو اور اسے ایسا مضبوط کر لوں کہ وہ مجھ سے دور نہ ہو۔ یہاں تک کہ میں تیرے شکر کو نہ بھولوں۔ خلاصہ یہ کہ سلیمان علیہ السلام نے دعا مانگی کہ مجھے اپنے شکر کو جمع کرنے والا بنا دے۔

ف ؛ شکر کو جماعت نافرے تشبیہ دینا استعارہ مکنیہ ہے اور اثبات الوزع والربط تخیل اور اس تشبیہ کا قرینہ ہے۔

حدیث شریف شکر ایک وحشی جانور ہے اسے شکر سے قید کرو۔ شکر کیا جائے تو نعمت قرار پکڑتی ہے نہ کرو تو بھاگ جاتی ہے۔

ملفوظ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہٗ سیّدنا امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ جب تمہارے ہاں نعمت کے اطراف تو تنگ جائیں تو قلت شکر سے انہیں دور نہ بھگاؤ۔ یعنی جو شخص نعمت حاصلہ کا شکر ادا نہیں کرتا وہ نعمت غیر حاصلہ کو خاک پائے گا۔

چون بیابی تو نعمتی ورچند
خرد باشد چو نقطۂ موہوم
شکر آن یافتہ فرو مگذار
کہ زنا یافتہ شوی محروم

ترجمہ : جب تمہیں نعمت نصیب ہو اگرچہ تھوڑی سہی تو تجھے وہ ایک نقطۂ موہوم کی طرح معمولی محسوس ہوگی لیکن تیرے لیے لازم ہے کہ اس حاصل کردہ نعمت کو شکر کے بغیر نہ چھوڑ ورنہ غیر حاصل شدہ نعمت سے بھی محروم ہو جاؤ گے۔

اَنۡعَمۡتَ عَلَیَّ وہ جو کہ تو نے مجھے نعمت عطا فرمائی۔ علم و نبوت اور ملک و عدل اور پرندوں وغیرہ کی بولیوں کا سمجھنا وغیرہ وغیرہ۔ **وَعَلٰی وَالِدَیَّ** اور میرے والدین پر میرے باپ داؤد بن ایشاء کو نبوت۔ پہاڑوں اور پرندوں کا ان کے ساتھ تسبیح پڑھنا اور زرہ بننا اور لوہے کا موم ہو جانا وغیرہ وغیرہ اور میری والدہ پر یوں کہ :

یہ دراصل اوریا کی بیوی تھی اسی بی بی سے حضرت داؤد علیہ السلام کی آزمائش ہوئی تھی۔ یہ بی بی مسلمان پاکیزہ صفت اور طیبہ و طاہرہ تھی یہی وہ بی بی ہے جس نے نصیحت فرمائی کہ اے بیٹے رات کو کم سویا کرو کیونکہ رات کو زیادہ نیند کرنا انسان کو قیامت میں زیادہ تنگ دست بنا دے گی۔ (کذافی کشف الاسرار)

نکتہ ماں باپ کا ذکر درمیان میں اس لیے لائے ہیں کہ ماں باپ پر عطا کردہ نعمتیں گویا اولاد کی نعمتوں سے نوازا گیا ہے۔ اسی لیے اولاد پر شکر کا اظہار ضروری ہے کیونکہ اعلیٰ اور شریف باپ کی طرف منسوب ہونا بھی ایک بہت بڑی نعمت ہے تو بیٹے کو اس نعمت کا بھی شکر کرنا چاہیئے۔

تفسیر صوفیانہ سلیمان قلب نے کہا کہ اے پروردگار تو نے میرے باپ روح کو اپنے فیض سے فیض یاب فرمایا۔ اور میری ماں جسم کو ارکان شریعت میں استعمال فرمانے کی نعمت سے نوازا اور انہی دونوں امروں سے نعمت مکمل ہوتی ہے اے اللہ ہمیں نعمت والوں اور شکر گزاروں سے بنا۔ آمین

marfat.ocm

تفسیرِ عالمانہ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ اور مجھے ان اعمال کی توفیق بخش جن سے تو راضی ہو۔ ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایسے اعمال کی توفیق عطا فرما جنہیں تو قبول کرے۔ وَاَدْخِلْنِیْ اور مجھے بہشت میں داخل فرما۔ بِرَحْمَتِكَ اپنی رحمت سے۔ اسی لیے کہ تیری رحمت و فضل کے سوا کوئی بھی بہشت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اعمال کا کوئی بھروسہ نہیں۔ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ اپنے نیک بندوں کے ساتھ یعنی مجھے انہی کے ساتھ کر دے یہاں عباد صالحون سے انبیاء اور ان کے وہ تابعدار جو نیکیوں میں ان کی اقتدا کرتے ہیں۔

ف: اللہ تعالیٰ کی اصلاح دو قسم ہے: ۱۔ پیدائشی نیک ۲۔ ازالہ فساد کے بعد پہلا دوسرے سے زیادہ برگزیدہ اور ایسے انسان نادر الوجود ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگوں کے اوائل احوال متکدرہ اور برائیوں سے مخلوط اور حُجُبِ کثیرہ میں محجوب ہوتے ہیں۔

ف: ابن الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ الصلاح الکامل سے نیکی مراد ہے جس میں کسی قسم کے عصیاں کی ملاوٹ نہ ہو اور نہ ہی وہ کسی برائی کا ارادہ کرے۔ یہ وہ بلند مرتبہ ہے جس کا طلب گار ہر نبی و ولی ہے۔

تفسیرِ صوفیانہ کبر الحقائق میں ہے کہ وادی نمل سے نفسِ حریص کی خواہشات برائے دنیا اور نمل منذرہ سے نفس لوامہ اور سلیمان سے قلب اور مساکن سے حواس خمسہ مراد ہیں۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ وہ سلیمان علیہ السلام کے مرتبہ عالی کے حصول کے بعد ان کے مشرب کا کاربند ہو کر ہمت بلند رکھے۔ جیسا کہ ان کا آسمانوں پر اڑنے کی ہمت دلالت کرتی ہے کیونکہ وہ زمین کی گہرائیوں سے ہٹ کر آسمان کی بلندی پر اڑتے تھے اور وہ بھی بہت بڑے ٹھاٹھ باٹھ سے کوئی معمولی بات نہیں۔ ہاں آپ کا چیونٹی سے گفتگو کرنا اور اس کی باتوں کو اپنے لیے لائحہ عمل کرنا تواضعاً تھا ورنہ کہاں نبوت کا اعلیٰ مرتبہ اور کہاں چیونٹی۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

نظر کردن بدرویشاں منافیِ بزرگی نیست
سلیمان با چنیں حشمت نظر ہا بود با مورش

ترجمہ: فقیروں مسکینوں پر نظر کرنا بزرگی امیری کے خلاف نہیں سلیمان علیہ السلام باوجود اونچے مرتبہ کے چیونٹی پر نظر کرم فرمائی۔

اور جسے عشق کے پرندوں سے کچھ حاصل نہیں وہ پرندوں کی بولی خاک سمجھے گا۔ اور جو سلیمانِ وقت کو نہیں پا سکا وہ صورت کا معنی خاک سمجھے گا ؎

چون ندیدی دمے سلیمان را
تو چہ دانی زبان مرغان را

توجمہ : جب تو نے دم سلیمان کو نہیں دیکھا تو تجھے پرندوں کی بولی کی کیا خبر۔

سلیمان سے وہ مرشد کامل مراد ہے جس کے ہاتھ میں حقیقت کی انگشتری ہو اور اسی کے ذریعے ہی اقالیم

فائدہ صوفیانہ قلوب کی حفاظت ہوتی ہے اور وہی اسرار غیب پر مطلع ہوتا ہے۔ ایسے مرشد کامل کے ساتھ ہر شے بات کرتی ہے۔ کوئی خود بخود کوئی بالاجبار والاکراہ اور بالاجبار والاکراہ اس کی تابعداری ہے وہ شیاطین ہیں یا ان جیسے دیگر اور (جو اولیاء کرام کے تفرقات کے قائل نہیں وہ سوچیں کیا وہ اس ارشاد گرامی کے مصداق نہیں اگر نہیں تو تصرفات اولیاء کا اقرار کریں ورنہ . . . .) اسی لیے لازم ہے کہ امام وقت کی معرفت حاصل کی جائے۔ (جیسے مرشد کامل)

حدیث شریف : جو امام وقت کو نہیں پہچانتا وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

ف : حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنت کی دعا مانگ کر شکر پر ثابت قدمی، اصلاح و بھلائی اور خاتمہ بالخیر کی دعا مانگی ہے جیسے آپ کے آباء کرام علیہم السلام کا طریقہ تھا کہ وہ بھی اسی طرح کی دعائیں مانگتے چلے آئے اور یہ ان کی عظمت ہے اور سوء خاتمہ سے کوئی محفوظ نہیں۔ (سوائے انبیاء علیہم السلام کے)

سبق اس میں امت کو سبق دیا گیا ہے کہ وہ ہمیشہ شریعت کی اچھی حالت اور طریقت کے پسندیدہ مرتبہ اور معرفت کے برگزیدہ مقام اور حقیقت کے بلند درجہ پہ زندگی بسر کریں۔ کیونکہ جو شخص معرفت اور معاملہ عبودیت کو شریعت کے ساتھ نہیں ملاتا وہ تباہ و برباد ہو گا [ل] بلکہ دنیا و آخرت میں فاسقین و ہالکین کے ساتھ ہو گا اسے ذرہ برابر بھی امور باطنہ و ظاہرہ میں صالحین کا ساتھ نصیب نہ ہو گا۔ ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اعمال حسنہ و احوال پسندیدہ کی توفیق بخشے اور زہد و تقویٰ کے علاوہ ہر اچھے اور نیک امر سے سنوارے وہی اجابت کے لائق اور ہر شے پر قادر ہے۔

تفسیر عالمانہ وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ اور خبر لی اڑتے جانوروں کی۔

التفقد القاموس میں ہے کہ التفقد بمعنے طلب الشیئ من غیبۃ کوئی شے غائب ہونے پر اس کی تلاش

حل لغات کرنا اور کشف الاسرار میں ہے بمعنے طلب المفقود یعنی گم شدہ شے کی تلاش اور گم شدہ شے پر تفقد کا اطلاق اس لیے ہوتا ہے کہ اس کے طالب کو اس کے حال کا کچھ ادراک ہوتا ہے اور کچھ اس سے بے خبر ہوتا ہے۔ المفردات میں ہے التفقد بمعنے التعہد۔ فرق اتنا ہے کہ تفقد فقدان الشیئ کے تعرف کو کہتے ہیں اور تعہد عہد متقدم کے تعرف کو کہا جاتا ہے۔ الطیر (پرندوں) کا جامع اسم ہے۔ (کذا فی الوسیط)

[ل] اس صوفی جاہل کو کون سمجھائے جو شریعت کو کچھ نہیں سمجھتا ۱۲۰

marfat.ocm

اب معنی یہ ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کا حال معلوم کیا تو ان میں ہُدہُد کو گم پایا اور وہی تمام پرندوں کا سردار تھا اس کا نام یعفور تھا۔

فَقَالَ مَالِيَ تو فرمایا مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میرا حال یہ ہے کہ **لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ** میں ہُدہُد کو نہیں دیکھ رہا۔ کسی پردے کی آڑ میں ہے یا کوئی اور سبب ہے جب واضح ہو گیا کہ وہ غیر موجود ہے تو سابق گفتگو سے ہٹ کر فرمایا: **اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ** کیا وہ غائبین ہے بلکہ بات یہ ہے کہ کیا وہ غائب ہے اس تقدیر پر ام منقطعہ جس کا لفظ بل اور ہمزہ محذوف ہے اب معنی یہ ہوا کہ میں ہُدہُد کو پرندوں کی ٹولی میں نہیں دیکھ رہا۔ یا یہ ہے کہ میری آنکھ سے اوجھل ہے یا ہماری جماعت سے غائب ہو گیا ہے۔

ف: الوسیط میں ہے کہ **مالی لااری الھدھد** کا معنی ہے **مالھدھد لم ارہ** ہدہد کو کیا ہے کہ میں اسے نہیں دیکھ رہا اس لیے کہ اہل عرب کہتے ہیں مالی اراک کئیبا اور اس کا معنی کرتے ہیں مجھے کیا ہے کہ میں تجھے غمگین دیکھتا ہوں لیکن یہ قلب اس عبارت سے ہے جس کا معنی وضاحت کرتا ہے اگر اس کا معنی وضاحت نہ کر سکے وہ کلام مہمل ہو جاتا ہے۔

اصول شاہانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ بادشاہوں پر واجب ہے کہ وہ اپنی مملکت میں ہوشیاری رکھیں اور قیام امور کا سلیقہ درست کریں اور رعایا کے جملہ امور پر کڑی نگرانی ہو اور محبت کے معمولی سے معمولی فرد کے حالات سے بھی بے خبری نہ ہو۔ بادشاہ وقت پر جیسے بڑوں کی خبرگیری ضروری ہے اس سے کہیں بڑھ کر چھوٹوں کے حالات آگاہی ہو یہاں تک کہ ہر چھوٹا بڑا اس کی معلومات سے اوجھل نہ ہو جیسے سیدنا سلیمان علیہ السلام کا طریقہ کریہ تھا کہ آپ پرندوں تک کے چھوٹے نے چھوٹے پرندوں کے حال سے بے خبر نہیں رہتے تھے اور پلک بھر بھی کوئی شے آپ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی ان کی شفقت کی کیفیت بھی قابل ستائش ہے باوجودیکہ یہ کوتاہی ہُدہُد سے سرزد ہوئی لیکن سلیمان علیہ السلام نے شفقت کے طور پر اپنی طرف منسوب فرمایا کما قال مالی اری الھدہد ورنہ فرماتے مالھدہد لم ارہ رعایا کی تادیب بھی ضروری ہے۔ چنانچہ تادیبا فرمایا: ام کان من الغائبین۔ یعنی یہ بھی منجملہ ان سے ہو گیا ہے جو میری اجازت کے بغیر غائب ہو جاتے ہیں۔

ف: حیوۃ الحیوان میں ہے کہ ہُدہُد میں بدبو ہوتی ہے اس لیے یہ اپنا گھونسلہ گندگی کے ڈھیر میں بناتا ہے۔

جنون کا علاج ہدہد کے گوشت کی دھونی سونگھنے سے جنون چلا جاتا ہے۔

بندش کا علاج: عورت کے جماع سے قادر نہ ہونے والے کو ہدہد کا گوشت سونگھایا جائے تو اس کی بندش رفع ہو جائے گی۔

جادو کا علاج: اگر کسی پر جادو ہو تو ہدہد کے گوشت کو سونگھنے سے جادو رفع ہو جائے گا۔

مسئلہ : فتاویٰ زینیہ میں ہے کہ ہدہد کا گوشت حلال ہے۔

ربط : حضرت سلیمان علیہ السلام نے رعایا کی تادیب وغیرہ کے بعد اب قانون کی خلاف ورزی پر تہدید سنائی۔

اور فرمایا لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِیۡدًا البتہ ضرور سخت سزا دوں گا۔

حل لغات العذاب بمعنے الایجاع الشدید کسی کو سخت درد پہنچانا اور کہا جاتا ہے۔ عذبہ تعذیبًا یہ اس وقت ہے جب کسی کو کوئی عذاب کی صورت میں زیادہ دیر قید رکھے۔ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ میں ہدہد کو سخت عذاب کروں گا۔ یہ کہ اس کے بال نوچ کر اسے دھوپ میں ڈال دوں گا یا چیونٹیوں کو حکم دوں گا وہ اسے کھا جائیں گی یا اسے اس کے دشمنوں کے ساتھ پنجرے میں مقید کر دوں گا کیونکہ مشہور یہی ہے کہ کسی کو سخت سزا دینی ہو تو اسے اس کے مخالف کے ساتھ مقید کر دیا اسے اپنے پیاروں سے علیحدہ کر دو۔

ف : الف بمعنے جفت (زوجہ) یا اسے کسی غلط کار کی خدمت کرنے پر لگا دوں گا۔

ف : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ میں ہدہد کو اپنے سے دور کر دوں گا اور اپنے سے ایسا علیحدہ کر دوں گا کہ پھر کبھی منہ نہ لگاؤں گا یا اس کا کسی بڑھیا سے نکاح کر دوں گا۔ (انسان العیون)

یا اسے اس کے ہم جولیوں کی خدمت پر لگا دوں گا یا اسے اپنی خدمت سے محروم کر دوں گا۔

سوال : الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ اتنی بہت بڑی سزا ایسی شے کے لیے جو غیر مکلف ہے؟

جواب (۱) : یہ تادیبی کاروائی ہے جو سنائی کسی کے لیے جاتی ہے اور عمل درآمد کسی اور کے لیے ہوتا ہے

جواب (۲) : جانوروں اور بچوں پر بھی تادیبی کاروائی کی جاتی ہے اور وہ بھی غیر مکلف ہیں اور یہ بھی ضروری نہیں کہ غیر مکلف پر تادیبی کاروائی نہ ہو بالخصوص وہ غیر مکلف جیسے کسی کی اطاعت لازم ہو اور وہ کوتاہی کرے تو پھر وہ ایسی سزاؤں کا مستحق ہوتا ہے۔

معجزۂ سلیمانی حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں ہُدہُد کے علاوہ ہر پرندہ بلکہ تمام جن وانسان اور شیاطین اور جملہ حیوانات سلیمان علیہ السلام کے تابع فرمان تھے اور ان کے مناسب احوال پر وہ مکلف بھی تھے اور اس کا انہیں فہم وادراک بھی تھا اور ان کے احوال اس وقت ایسے تھے جیسے تکلیف میں انسان کے حالات ہوتے ہیں یعنی وہ اوامر و نواہی کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ تھا (کذافی التاویلات النجمیہ)

اَوۡ لَاَ۠اذۡبَحَنَّهٗۤ یا اسے ذبح کر ڈالوں گا کہ آئندہ اس کی نسل بھی ختم ہو جائے یا اس کے ابنائے جنس اس سے عبرت پکڑیں۔

اور تاویلات نجمیہ میں ہے کہ میں اس سخت عذاب میں ذبح کر ڈالوں۔

marfat.ocm

حل لغات: الذبح بمعنے انسان وغیرہ کا حلق چیرنا۔

اَوْ لَيَأْتِيَنِّي یہ دراصل تین نونات سے تھا یا متکلم سے پہلے والے نون کو حذف کر لیا گیا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ یعنی دلیل ظاہر یعنی ایسی حجت کہ جس سے اس کا عذر ظاہر ہو۔ یعنی کوئی ایسی دلیل لائے کہ جس سے اس کی گمشدگی کا قابل قبول عذر ہو پھر یہ میری سزا سے بچ جائے گا۔

ملک چلانے کا گر شاہی سیاست کے بغیر نہیں چل سکتی اور نہ ہی عدل و انصاف کے بغیر چلنا اس کا ممکن ہو سکتا ہے اسی لیے ضروری ہے کہ مجرمین کے جرائم سے زائد سزا نہ ہو اور نہ ہی واضح عذر کے باوجود کسی کو سزا دی جائے عذر کا قبول کرنا بھی بحث و تحیص کے بعد ہو۔

ف: قسم اٹھانا پہلے دو میں سے ایک کے ہونے پر اور لفظ او پہلے دو میں تخییر کے لیے اور تیسرے میں تردید کے لیے ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی مکہ میں آمد و رفت مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جب بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو مکہ معظمہ کی طرف حج کے ارادہ سے روانہ ہوئے اور حرم شریف میں جی بھر کر اقامت پذیر رہے اور اپنی اقامت گاہ پر روزانہ پانچ ہزار اونٹنیاں اور پانچ ہزار گائیں اور بیس ہزار بکریاں خیرات کرتے۔ پھر یمن کی طرف روانگی فرمائی صبح کو مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے سہیل تک جانے کا پروگرام تھا۔ دوپہر کے وقت تک صنعاء یمن پہنچ گئے۔ مکہ سے صنعاء یمن تک ایک ماہ کا سفر تھا۔ صنعاء یمن کی زمین اچھی لگی کیونکہ یہاں دیکھا کہ یہ سرسبز علاقہ تھا لیکن اترتے ہی پانی نہ پایا چونکہ پانی کی تلاش پر ہدہد مامور تھا اس لیے کہ وہ زمین کے اندر سے پانی کو دیکھ لیتا تھا جیسے ہم کسی شے کو شیشے کے اندر سے دیکھ لیتے ہیں اور وہ پانی کی ناپ جان لیتا تھا کہ یہاں نیچے پانی کتنا ہے۔ پانی کی جگہ پر چونچ رکھتا تھا تو شیاطین اگر اس زمین کے ٹکڑے کو ایسے دور پھینک دیتے تھے جیسے جانور کا چمڑا ادھیڑا جاتا ہے اس طرح سے پانی آسانی سے میسر آجاتا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلایا تو وہ غیر موجود تھا۔

ہدہد سلیمانی کو بلقیس کے ہدہد کی دعوت تقدیر ربانی جب آتی ہے تو اسے کوئی شے نہیں روک سکتی۔ بہت سے بندگان خدا دوسروں کے لیے تو گڑھا کھودتے ہیں لیکن خود اس میں گر کر مر جاتے ہیں۔ ہدہد پر تقدیر واقع ہوئی۔ ہوا یوں کہ ہدہد جب دیکھتا کہ سلیمان علیہ السلام اقامت گاہ میں آرام فرما ہیں تو وہ اونچا اڑ کر زمین پر نگاہ ڈالتا یعنی آزادی سے سیر و سیاحت میں مصروف ہو جاتا۔ یہاں یمن میں اونچائی سے دیکھا تو اسے ایک اور ہدہد نظر آیا جس کا نام عنفیر تھا جو ایک جگہ پر وہ ٹھہرا ہوا تھا تو اسے دیکھ کر وہ نیچے اتر آیا دونوں گلے ملے۔ سلیمانی ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے اوصاف کریمہ بتائے اور اس کی شاہی کے حالات بتائے اور بلقیس کے ہدہد نے اپنی ملکہ کی باتیں سنائیں اور کہا کہ اس کے ماتحت ایک لاکھ لیڈر ہے اور ہر لیڈر کے ماتحت ایک ایک لاکھ افراد رہتے ہیں۔ سلیمانی ہدہد کو بلقیس کی شاہی کے دیکھنے کا شوق ہوا تو چلا گیا اور بلقیس کی شاہی کی سیر

کرتے عصر ہو گئی۔

اس کو اللہ نے فرمایا **فَمَكَثَ**۔ تو ٹھہرا۔

حل لغات : المکث بمعنے انتظار کے بعد کسی جگہ ٹھہرنا یعنی ہدہد ٹھہرا۔

غَیْرَ بَعِیْدٍ تھوڑی سی دیر۔ اس میں اشارہ ہے کہ اس کی غیر موجودگی اگرچہ عذاب شدید یعنے سلیمان علیہ السلام کی حاضری سے محرومی و دیگر منافع کا نقصان لیکن درحقیقت وہ سعادت ہی تھی کہ واپسی کے لیے تیز رفتاری اور جبر نقصان کی تدبیر کی۔

ہدہد کی واپسی اور اس سے باز پرس

حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہدہد کی غیر موجودگی پر احساس ہوا کہ چونکہ دھوپ سے بچنے کے لیے پرندوں کو مقرر کیا ہوا تھا اور جب ہدہد اپنی جگہ چھوڑ گیا تو دھوپ محسوس ہوئی تو پوچھا کہ ہدہد کہاں ہے نہ پانے پر گدھ کو بلایا اور فرمایا دیکھ کہاں گیا۔ گدھ نے اڑ کر دیکھا تو اسے نظر نہ آیا اس کے بعد عقاب کو حکم ملا۔ عقاب نے اڑ کر دیکھا تو واپس آ رہا تھا آگے جا کر ملا ہدہد ڈر گیا۔ عقاب کو کہا تمہیں اس رب کی قسم جس نے تجھے قدرت و قوت بخشی مجھے کچھ نہ کہنا بلکہ بتائیے سلیمان علیہ السلام میرے متعلق کیا فرماتے ہیں۔ عقاب نے کہا کہ وہ قسم اٹھا چکے ہیں کہ ہدہد واپس آیا تو اسے ضرور سزا دوں گا۔ ہدہد نے کہا قسم مطلق ہے یا اس سے استثنا بھی فرمایا تھا۔ عقاب نے کہا ہاں ساتھ ہی فرمایا تھا کہ اگر کوئی معقول عذر لایا تو معاف کر دوں گا۔ ہدہد نے کہا اب خیر ہے چنانچہ ہدہد جونہی حضرت سلیمان علیہ السلام کی بارگاہ میں پہنچا تو پر پھیلائے اور گردن نیچی کر کے نہایت عجز و انکسار کے ساتھ سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضری دی تو سلیمان علیہ السلام نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اپنی طرف کھینچا تو ہدہد نے کہا اے پیارے نبی آپ اپنی حاضری بارگاہ حق کی یاد کیجیے یہ سن کر سلیمان علیہ السلام تھرا گئے۔ مروی ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے ہدہد سے فرمایا اگر تو چاہے تو تیرے پر و بال اڑا کر تجھے دھوپ میں پھینک دوں ہدہد نے کہا آپ ایسا ہرگز نہیں کر سکتے کیونکہ یہ تو شکاری کرتے ہیں اور آپ تو پیغمبر ہیں۔ پھر سلیمان علیہ السلام نے کہا میرا جی چاہتا ہے کہ میں تیرے گلے پر چھری چلا دوں۔ ہدہد نے کہا یہ بھی آپ نہیں کر سکتے کیونکہ یہ قصابوں کا کام ہے اور آپ تو نبی ہیں۔ پھر سلیمان علیہ السلام نے فرمایا میں چاہتا ہوں تجھے ناجنسوں کے ساتھ قید کر دوں عرض کی کہ آپ یہ بھی نہیں کر سکتے کیونکہ یہ کام خسیس لوگوں کا ہے اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے شان پیغمبری سے نوازا ہے۔ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا تو پھر کیا کروں عرض کی معاف فرما دیں کیونکہ معاف کرنا انبیاء علیہ السلام کی شان ہے۔ اس پر آپ نے اسے معاف فرما دیا پھر حالات پوچھے؛

تو ہدہد نے کہا **فَقَالَ اَحَطْتُّ** الاحاطة العلم بالشی من جمیع جہاتہ شے کو اس کی جمیع جہات سے جاننے کو احاطہ کہا جاتا ہے [1]۔ (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

marfat.ocm

بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ میں نے اس کا گھیرا کیا ہے جس کا تم نے گھیرا نہیں کیا یعنی علم و معرفت اور اس کی جمیع جہات سے حفظ نہیں کیا کیونکہ اسے سلیمان علیہ السلام نے مشاہدہ نہیں فرمایا تھا اور نہ ہی کسی جن و انس نے آپ کو اس کی خبر دی تھی اس میں اشارہ ہے کہ اللہ کا کرم وسیع ہے کہ وہ ایک پرندے کو کسی شے کا علم دے دے جس سے اس وقت تک نبی مرسل کو معلوم نہ ہوا ہو اور یہ نبوت کے شان کے خلاف بھی نہیں کیونکہ نبی و رسول کو نبوت کے سوا کسی اور غیر نافع باتوں کا جاننا ان کے لیے ضروری نہیں ہوتا۔ بلکہ ایسے غیر نافع علوم سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پناہ مانگتے تھے۔ کما قال علیہ السلام اعوذ بك من علم لا ینفع میں پناہ مانگتا ہوں غیر نافع علم سے۔

خلاصہ یہ کہ ظاہری طور ہدہد کا احاطہ سلیمان علیہ السلام کے شان اعلیٰ سے بڑھ جانے کا توہم غلط ہے کیونکہ ہدہد کا امور حسیہ کا احاطہ اور سلیمان علیہ السلام کا عدم احاطہ یا اس سے بے خبر رہنا آپ کی شان کی کمی کی وجہ سے نہیں۔ اس لیے کہ امور محسوسہ کے ادراک و عدم ادراک میں عقلاء و غیر عقلاء برابر ہیں۔ اس میں فوقیت کا کوئی اعتبار نہیں۔

سوال الاسئلۃ المقحمۃ میں ہے کہ ایسا خطاب یعنی ادنیٰ اعلیٰ کو کہے کہ میں نے احاطہ کیا ہے لیکن تو نے احاطہ نہیں کیا تو سوءِ ادب ہے کہ جو ادنیٰ ہر وقت اعلیٰ کے ساتھ رہتا ہے۔ اسے تو ایسا کہنا ہی بہت بڑی گستاخی ہے۔؟

جواب: چونکہ اصل مقصد کو بعد میں بیان کیا گیا ہے جب ایسے فوائد کا ذکر فوراً بیان کر دیا جائے ایسے خطابات اکابر برداشت کر لیتے ہیں۔

ربط: ہدہد نے حقیقت واضح کرتے ہوئے کہہ دیا کہ میں اگرچہ گم رہا لیکن وہاں بھی آپ کی خدمت کے لیے گیا تھا۔ چنانچہ سن لیجیے اگر غلط ہو تو پھر سزا دیں۔

وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍ اور میں آپ کے ہاں حاضر ہوا ہوں سبا کے شہر سے جسے مآرب بھی کہتے ہیں۔ **بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ** یعنی خبر ایسی بھی بہت بڑی عظیم القدر اور اس میں بالکل شک نہیں اس میں اشارہ ہے کہ مخبر پر لازم ہے کہ وہ خبر سنائے جس میں سولہ آنے یقین ہو بالخصوص بادشاہوں کی بارگاہ میں۔

ف: سبا منصرف ہے اور یمن کے ایک قبیلے کا نام ہے اور اپنے جد اکبر کی وجہ سے اس نام سے موسوم ہوئے۔

نسب نامہ سبا اور اس کا تعارف

سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان۔ بعض نے کہا اس کا نام عبدالشمس اور سبا اس کا لقب تھا اس لیے یہی سب سے پہلا تھا اس کے بعد

ل (حاشیہ صفحہ گزشتہ) اس سے رد ہو گیا دیوبندی وہابی فرقہ کا جب کہ وہ اسی آیت سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے علم کی نفی کرتا ہے۔

مآرب کے شہر کا نام پڑ گیا۔ صنعاء اور اس کے درمیان تین دنوں کا فاصلہ ہے بعض نے کہا سبا یہی وہ بادشاہ ہے جس نے سب سے پہلے شاہی تاج سر پر رکھا۔ اس کے دس لڑکے تھے چھ یمن میں رہتے تھے اور چار شام میں۔ جو شام میں رہتے تھے ان کے نام یہ ہیں : ۱۔ لخم ۲۔ جذام ۳۔ عاملہ ۴۔ غسان۔

اور وہ جو چھ یمن میں رہتے تھے ان کے نام یہ ہیں : ۱۔ کندہ ۲۔ اشعر ۳۔ ازد ۴۔ مذحج ۵۔ انمار ۶۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی گئی یا رسول اللہ انمار کون تھا آپ نے فرمایا خشعم و بجیلہ کا باپ تھا۔

ف : المفردات میں ہے کہ سبا مکان کا نام ہے جہاں سے متفرق قبیلے دوسرے علاقوں میں پھیلے جیسا کہ کہا جاتا ہے ذھبوا ایادی سبا یعنی اس جگہ کے لوگ دوسری جگہوں میں متفرق ہوئے۔

سوال : جب بلقیس اتنی بڑی ملکہ تھی تو پھر سلیمان علیہ السلام سے اس کے حالات مخفی کیوں رہے؟

جواب : جیساکہ کو پہلے بتایا گیا ہے کہ سلیمان علیہ السلام صنعاء میں نازل ہوئے اور وہ مآرب میں رہتی تھی جس کا درمیانی فاصلہ تین ایام کا تھا یا تین میل یا تین فرسخ یعنی نو میل کا فاصلہ پر تھی آج کے دور میں اگرچہ اتنا بڑا فاصلہ نہیں لیکن اس دور کے لحاظ سے بہت بڑا فاصلہ ہے پھر اس میں اللہ کی حکمت کا تقاضا یہی تھا جیسے یعقوب علیہ السلام کے متعلق ہے کہ یوسف علیہ السلام باوجودیکہ اول دنوں میں قریب کے فاصلہ پر تھے لیکن یعقوب علیہ السلام کی توجہ وہاں سے ہٹا لی گئی اور یہ اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں ؎

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم
گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

ترجمہ : کبھی تو ہم عرش اعلیٰ پر بیٹھتے ہیں اور کبھی اپنے پاؤں کی پشت بھی نہیں دیکھتے۔

اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَۃً تَمْلِکُھُمْ بے شک میں نے ایک عورت کو دیکھا جو ان پر شاہی کر رہی ہے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے جو ہدہد خبر لایا ہے اس کا بیان ہے۔

ف : رایتُ کو وجدتُ اس لیے کہا گیا کہ ہدہد حضرت سلیمان علیہ السلام کو یقین دلانا چاہتا ہے کہ وہ اس عرصہ میں ان کی خدمت کے لیے باہر رہا ہے۔ اگرچہ ان سے دور رہا تب بھی ان کے کام میں لگا رہا کہ ایک ایسی عورت کے حالات کے متعلق واقفیت حاصل کی جو گویا سلیمان علیہ السلام کے لیے ضرورت کی شے تھی جسے وہ حاصل کر کے آپ کے سام پیش کر رہا ہے۔

ف : ھُمْ کا مرجع یا تو اس لیے ہے کہ وہ قبیلہ کا نام ہے یا اس لیے کہ اس کے اہل مراد ہیں جس پر ان کے شہر کا ذکر دلالت کرتا ہے۔

marfat.ocm

بلقیس کا تعارف اور اس کی شاہی سبا کے لوگوں پر شاہی کرنے والی عورت تھی۔ یہاں پر ان کے ملک ہونے ان کی گردن کی ملکیت مراد نہیں بلکہ شاہی مراد ہے۔ اور وہ یعرب بن قحطان کی اولاد سے تھی اس کا باپ یمن کا بادشاہ تھا۔ دراصل اس سے بلقیس بنت شرجیل بن مالک بن ریان مراد ہے۔ اور یہی یعرب بن قحطان کی اولاد تھی۔ ان کی شاہی چالیس پشتوں سے بطور وراثت چلی آ رہی تھی۔ اسی بلقیس کے اور کوئی اولاد نہ تھی اور وہ باپ کی وراثت پر یمن کی ملکہ تھی اور تمام لوگ اس کے زیر فرمان رہتے تھے۔ وہ خود اور اس کی قوم آتش پرست تھی۔

بلقیس کی ماں جنیہ تھی بلقیس کے باپ کو شاہان وقت نے نکاح کی پیش کش کی تو وہ کہتا میری کفو کا کوئی نہیں اسی لیے میں نے شادی نہیں کی۔ اسی لیے جنیہ عورت سے اس کا نکاح کیا گیا جس کا نام فارعہ تھا یا ریحانہ بنت السکن تھا اس سے یہی بلقیس پیدا ہوئی جس کا نام بلقہ یا بلقیس (بالکسر) رکھا گیا۔ (کذا فی القاموس)

فائدہ: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جن وانس میں سے ایک دوسرے کا نطفہ ٹھہرنا ممکن ہے۔ اس لیے کہ اگرچہ جنات آگ سے پیدا کیے گئے ہیں لیکن وہ اپنے عنصر ناری پر باقی نہیں رہتے۔ جیسے انسان اپنے عنصر ترابی پر باقی نہیں تو اس معنی پر ان کا آپس میں نکاح ممکن ہے (مزید تحقیق آکام المرجان میں ہے)

بعد وفات بلقیس کی کہانی عجیب مروان الحمار نے حکم فرمایا کہ تدمر (بروزن تنصر) شہر کو تباہ و برباد کر دو۔ جب شہر پر ہلا بولا گیا اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجائی گئی تو اس میں ایک مکان پایا گیا جس میں ایک مُردہ عورت ملی جس کا جسم ادویہ (معبر وغیرہ) سے صحیح رکھا گیا تھا۔ اس کی شکل و صورت سورج کو شرما رہی تھی۔ اس کے پاس ایک تختی پڑی تھی جس پر لکھا تھا:

انا بلقیس صاحبة سلیمان بن داؤد علیهما السلام خرب اللّٰه ملک من یخرب بیتی۔

ترجمہ: میں بلقیس زوجۂ سلیمان بن داؤد علیہما السلام ہوں اللہ تعالیٰ اس کے ملک کو تباہ و برباد کرے جو میرے اس گھر کو خراب کرے گا۔ (روح البیان ص ۳۳۹ ج ۶ مطبوعہ استنبول جدید)

وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ اور وہ دی گئی ہے ہر وہ اشیاء جن کی بادشاہوں کو ضرورت پڑتی ہے۔ (اس سے وہابیہ کا رد ہو گیا کہ اگر حضور علیہ السلام کے لیے کل شے سے کلی علم ثابت ہے تو پھر بلقیس کے لیے بھی کل شے ہے)[1] جیسے گھوڑے، لشکر اور پھر بکثرت سیاست اور ہیبت و حشمت اور مال و نعمت۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ۔

نکتہ: اس کے حسن و جمال کا ذکر ادب کے خلاف تھا اس لیے کہ انبیاء علیہ السلام کے سامنے غیر عورت کا حسن و جمال سنانا سوء ادب ہے۔

حدیث شریف: بہترین حسن تین چیزیں ہیں ۱۔ حسین چہرہ ۲۔ اچھی آواز ۳۔ خوش خلقی۔

ف: حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو اللہ سے محبت کرتا ہے اسے ہر ملیح شے سے انس و محبت ہوتی ہے اس لیے کہ ہر اچھا حسن حسن ازل کے معدن سے ظاہر ہوا ہے اور جو اللہ سے محبت نہیں کرتا اور پھر بھی اچھی شے سے محبت کرتا ہے تو وہ مجاز کا عاشق ہے

وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ اور اس کا بہت بڑا تخت یہ عظمت بلقیس اپنے حال کی بہ نسبت ہے یا بہ نسبت دیگر بادشاہوں کے ہے۔

تحقیق عرش عرش دراصل چھت والی شے کو کہا جاتا ہے لیکن اکثر بڑے تخت پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور بلقیس کا تخت ۸۰ × ۸۰ گز تھا اور اونچا بھی ۸۰ گز تھا۔ اس کا اگلا حصہ سونے کا تھا یاقوت احمر و زبرجد اخضر سے جڑا گیا تھا اور اس کا پچھلا حصہ چاندی کے مختلف جواہر سے تیار کیا گیا تھا اس کے چار پائے تھے۔ ۱۔ یاقوت احمر ۲۔ یاقوت اخضر ۳۔ زبرجد ۴۔ موتی۔ اور اس کے کناروں پر سونا ہی سونا تھا۔ اس کے سات دروازے تھے اور ہر دروازہ مقفل تھا اور ہر جگہ بہترین قالین بچھی ہوئی تھیں۔

وَجَدْتُهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُونِ اللَّهِ میں نے اسے اور اس کی قوم کو سورج کا پجاری پایا ہے یعنی اللہ کی عبادت کو چھوڑ کر سورج پرستی کرتے ہیں۔ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ شیطان نے ان کے کردار اچھے بنا کر دکھائے ہیں۔ یعنی سورج پرستی اور دیگر ان کے قبیح کردار مثلاً کفر و معاصی بھلے بنا کر دکھائے۔ فَصَدَّهُمْ تو شیطان نے ان کو اپنے گندے کرداروں کی وجہ سے منع کیا ہے۔ عَنِ السَّبِيلِ راہ حق و صواب سے۔ السبیل وہ راستہ جس پر عادتاً عام طور پر چلیں۔ فَهُمْ اسی سبب مذکور سے لَا يَهْتَدُونَ وہ راہ نہیں پاتے۔ أَلَّا يَسْجُدُوا یہ صد کا مفعول ہے یہاں لام محذوف ہے دراصل عبارت لان لا یسجدوا تھی یہ ان کی مذمت ہے کہ انہوں نے ذات حق تعالیٰ کا سجدہ ترک کیا اسی لیے ان آیات کے اتمام پر سجدہ واجب ہے۔ لِلَّهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ یہ کہ سجدہ کریں اللہ تعالیٰ کے لیے وہ جو آسمانوں اور زمینوں سے چھپی چیزیں نکالتا ہے یہاں پر الخباء سے مخفی ذخائر مراد ہیں یعنی وہ چیزیں جو چھپی ہوئی ہیں کسی کے ظاہر کرنے سے ظاہر نہیں ہوتیں سوائے اللہ تعالیٰ کے جیسے تلج، معدنیات پانی وغیرہ۔ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ اور وہ جو تم دلوں میں چھپائے ہو انہیں وہی جانتا ہے وَمَا تُعْلِنُونَ اور انہیں جو تم زبانوں پر لاتے ہو اور اعضاء سے ظاہر کرتے ہو۔

نکتہ: وما تعلنون کے ذکر سے اس کے دائرۂ علم کی وسعت کا اظہار مطلوب ہے اور متنبہ کرنا ہے کہ اس کا علم ہر

marfat.ocm

طرح برابر ہے۔[1]

بر و علم یک ذرہ پوشیدہ نیست
کہ پنہاں و پیدا بنزدش یکیست

ترجمہ: اس کے علم کے سامنے کوئی شے مخفی نہیں اس لیے کہ ظاہر و باطن اس کے لیے برابر ہے۔ اَللّٰہُ مبتدا ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یہ مبتدا کی خبر ہے رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ وہی بہت بڑے عرش کا رب ہے۔ یہ مبتدا کی دوسری خبر ہے اور عرش عظیم کو عظیم اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ جمیع مخلوق سے بڑا ہے اس سے ثابت ہوا کہ بلقیس کے تخت کی عظمت بہ نسبت دوسرے بادشاہوں کے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے عرش کی عظمت اللہ اللہ کہ اس کے آگے تمام زمین و آسمان یعنی چودہ طبق یک ذرہ بے مقدار ہیں[1]

بہر حال ان دونوں عرشوں کے مابین زمین و آسمان کا فرق ہے۔ لیکن اس پر بھی عظیم کا اطلاق آیا ہے فلہذا شرک کیسا[2]

ع چہ نسبت سہا را با آفتاب درخشاں۔

عرش الٰہی کی تحقیق

المفردات میں ہے کہ عرش الٰہی ان امور سے ہے جن کی حقیقت کوئی فرد بشر نہیں جانتا سوائے اللہ کے عوام صرف اس کے نام سے واقف ہوتے ہیں اور بس یہی تصور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے ہوتا ہے جبکہ آپ کو بھی فرد بشر مانا جاتا ہے جبکہ ہم سب مانتے ہیں کہ:

---

[1] اور ہمارے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اللہ، اللہ ؎

عرش است کمین پایہ زایوان محمد صلی اللہ علیہ وسلم
جبریل امین خادم دربان محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اعلیٰحضرت قدس سرہ نے فرمایا ؎

ذہے عزت و اعتلائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کہ عرش حق ہے زیر پائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

[2] اسی لیے ہم اہلسنت کہتے ہیں کہ وہ صفات جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں سوائے چند مخصوص صفات کے تمام کا اطلاق رسول اللہ و دیگر انبیاء علیہ السلام اور اولیاء کرام و دیگر عوام پر جائز ہے کیونکہ فرق معنوی سے شرک کا شائبہ نہیں رہتا ——— ولکن الوھابیۃ قوم لا یعقلون۔ اویسی غفرلہ۔

ئلا : عرش حق ہے مسند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی۔ سو جیسے یہی حکم عوام کے لیے ہے تو ایسے ہی دیگر امور عامہ کو سمجھیے کہ جس طرح اس عام حکم سے حضور علیہ السلام مستثنیٰ ہیں ایسے ہی دیگر امور عامہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ کو ماننا ہوگا۔

ف : اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ حکایت از ہدہد احطتُ کے حکم میں الذی یخرج الخباء داخل نہ ہوگا کیونکہ یہ وہ علوم و معارف ہیں جیسے ہدہد کو سلیمان علیہ السلام کے صدقے نصیب ہوئے اس کے ذکر میں اس لیے بیان ہوئے تاکہ معلوم ہو کہ ہدہد اس عقیدہ کا مالک تھا اور وہ اپنے عقیدہ و دین میں متصلب تھا اور یہ سب کچھ اسی لیے بیان کیا گیا ہے تاکہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہدہد کا عذر معقول تہ دل سے قبول فرمائیں اور بلقیس کے مقابلہ کے لیے مکمل طور تیاری کر کے اسے قابو میں لاسکیں۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں تمہیں ہدہد کے قتل کرنے سے روکتا ہوں اس لیے کہ وہ سلیمان علیہ السلام کے لیے پانی کی رہبری کرتا اور بتاتا ہے کہ پانی قریب ہے یا بعید۔ اور محبوب رکھتا تھا کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے اور کہتا تھا اے سلیمان علیہ السلام میں آپ کے ہاں یقینی خبر لایا ہوں وغیرہ وغیرہ"

ابوقلابہ کی ماں کا خواب اور عجیب تعبیر

حضرت ابوقلابہ حافظ امام عالم عبد الملک بن محمد رقاش رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ حاملہ تھیں خواب دیکھا کہ انہوں نے ہدہد جنا ہے تعبیر پوچھی گئی تو کہا گیا کہ تو اگر سچی ہے تو بچہ جنے گی جو بڑا نیک نمازی ہوگا۔ امام مذکور اس بی بی سے پیدا ہوئے جب جوان ہوئے تو نماز بکثرت پڑھتے تھے یہاں تک کہ دن میں چار سو رکعت پڑھا کرتے اور ساٹھ ہزار حدیث کے حافظ تھے۔ آپ نے ۲۷۶ھ ہجری میں وصال فرمایا۔

مسئلہ : رب العرش العظیم پر سجدۂ تلاوت کیا جائے اور بقول امام اعظم رضی اللہ عنہ آٹھواں اور بقول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نواں سجدہ ہے۔

ف : فتوحات میں اس سجدے کو سجدۂ تخفیف لکھا ہے اور سجدہ کی جگہ میں بھی اختلاف ہے بعض کے نزدیک وما تعلنون کے بعد اور بعض کے نزدیک رب العرش العظیم کے بعد لکھا ہے۔ ؎

سرت بسجدہ در آرار چو ای حق داری
کہ سجدہ شد سبب قرب حضرت باری

ترجمہ : سر سجدہ میں لا اگر حق پرستی کی خواہش رکھتے ہو تو اس لیے کہ سجدہ قرب حق تعالیٰ کے قرب کا سبب ہے۔

قَالَ یہ جملہ مستانفہ ہے اور سوال کا جواب ہے گویا کہا گیا ہے کہ ہدہد کے عذر پیش کرنے پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے کیا فرمایا۔ تو اس کے جواب میں یوں فرمایا کہ سَنَنْظُرُ ہم غور فرمائیں گے۔ اس امر میں جس کی تو خبر دے رہا ہے۔

marfat.ocm

النظر بمعنی التامل ہے اور سین تاکید کا ہے۔ یعنی تجربہ کریں گے تیری سنائی ہوئی خبر کا۔ اور حضرت کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ ہم تیری سنائی ہوئی خبر پر ابھی غور و فکر کرتے ہیں کہ اَصَدَقْتَ جو بات تو نے کہی ہے اس میں تو سچا ہے۔ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ یا جھوٹے لوگوں سے ہے۔

قاعدہ اصولیہ اس سے معلوم ہوا کہ خبر احد یعنی وہ خبر جسے ایک یا دو یا اس سے زائد خبر دیں جو درجۂ شہرت و تواتر کو نہ پہنچے تو وہ موجب علم نہیں بلکہ اس میں توقف ضروری ہے۔ البتہ اس پر عمل کرنا جائز ہوگا۔ نیز اس میں دلیل ہے کہ ایسی خبر کو ضائع نہ چھوڑا جائے بلکہ تحقیق کی جائے اگر اس میں صداقت کا پہلو نمایاں ہو تو اس پر عمل کیا جائے ورنہ چھوڑ دیا جائے۔

لطیفہ جب ہدہد نے بلقیس کے مال و دولت اور حسن و جمال کا ذکر کیا تو سلیمان علیہ السلام نے کچھ توجہ نہ دی لیکن جب اس نے اس کے دین کی بات چھیڑی کہ وہ سورج پرست ہے تو پھر متوجہ ہوئے اور اس کے دین (غلط دین) کی پرستاری پر اظہار ناراضگی فرماتے ہوئے کاغذ، قلم اور دوات منگوائی تاکہ اسے خط لکھ کر دین حق کی دعوت دیں۔

مکتوب گرامی سلیمان علیہ السلام برائے بلقیس

اسی وقت یا بعد کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے درج ذیل گرامی نامہ لکھا کہ:

من عبد اللہ سلیمان بن داؤد (علیہما السلام) الی ملکۃ بلقیس بسم اللہ الرحمٰن الرحیم السلام علی من اتبع الہدی اما بعد فلا تعلوا علی واتونی مسلمین۔

ترجمہ: یہ خط اللہ کے بندے سلیمان بن داؤد علیہما السلام سے ملکہ بلقیس کی طرف۔ شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کی تابعداری کرتا ہے بعد حمد کے اے بلقیس میرے سامنے تکبر نہ کر بلکہ میرے ہاں لشکر سمیت مسلمان ہو کر آ جا۔

اس کو خوشبو سے معطر کر کے سربمہر کیا۔ آپ کی انگشتری پر اسم (اللہ) اعظم لکھا تھا۔ خط کو ہدہد کے حوالہ کیا اس نے خط کو چونچ میں رکھا یا دھاگہ باندھ کر گلے میں ڈالا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کو خط مبارک دے کر فرمایا اِذْهَبْ بِّكِتٰبِیْ هٰذَا میرا یہی خط لے جا۔ یہ باء تعدیہ کی ہے۔

سوال: خط دے کر بھیجنے کی تخصیص کیوں (ہدہد کو) جب کہ آپ کی خدمت میں بہت بڑے زور آور اور طاقت ور جنات وغیرہ تھے انہیں بھیجا جاتا۔

جواب: چونکہ ہدہد فہم و فراست اور علم و حکمت میں دوسروں سے زائد تھا اور بلقیس کے طور و اطوار سے بھی زیادہ واقف تھا اسے بھیجا گیا تھا تاکہ اس کا عذر معقول مزید مضبوط ہو جائے۔

فائدہ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ چونکہ ہدہد نے سچ کہا اور اپنے مالک کی خیرخواہی کا حق ادا کیا۔ اور جانب حق کی رعایت کی اسی لیے مستحق ہوگیا کہ وہ خدا کے پیغمبر کا سفیر مقرر ہو۔ ورنہ وہ اپنی شکل وصورت ظاہری و باطنی کے لحاظ سے اس کا اہل نہ تھا کہ وہ اتنا بہت بڑا عہدہ سنبھالے۔

فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ تو اسے بلقیس اور اس کی قوم کو پہنچا دے۔ قوم کا نام اس لیے لایا گیا کہ سورج پرستی میں وہ بھی بلقیس کے ہم مذہب تھے۔

ف: الارشاد میں ہے کہ جمع کی ضمیر اس لیے ہے کہ دعوت اسلام میں سب شامل ہوں۔

سوال: القہ کی ہا ساکن کیوں؟

جواب: لغت صحیحہ میں تخفیفاً پڑھنا جائز ہے۔ نیز وقف کی نیت پر بھی اسے ساکن پڑھا جانا صحیح ہے یعنی اگرچہ یہ ضمیر مذکر غائب کی کتاب کی طرف راجع ہے اور القِ مفعول بہ ہے اگرچہ ضمائر ساکن نہیں ہوتیں لیکن یہاں جائز ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔

ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ خط ڈال کر پھر ان سے علیحدہ ہو جا یعنی ان کے قریب ہونے سے ہٹ جا اور کسی دور علیحدہ جگہ پر چھپ کر بیٹھ جانا اور کان لگا کر ان کا جواب سننا کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ فَانْظُرْ پھر غور وفکر کر کے دیکھنا اور سمجھنا مَاذَا يَرْجِعُوْنَ کیا ایک دوسرے کو کہتے ہیں اور کیا نتیجہ نکالتے ہیں۔

ترکیب ابن الشیخ نے فرمایا کہ ماذا اسم واحد استفہامیہ اور منصوب ہے۔ یرجعون کا مفعول ہے یا مبتدا اور ذا بمعنے الذی اور یرجعون اس کا صلہ ہے اور اس کا عائد محذوف ہے دراصل عبارت ای شیٔ الذی یرجونہ تھی یعنی وہ کون سی شے لوٹاتے ہیں۔

مکتوب سلیمانی پہنچنے پر ایوانِ بلقیس میں کھلبلی مچ گئی مروی ہے کہ ہدہد خط لے کر بلقیس کے ہاں پہنچا وہ آرام فرما رہی تھی اس کا طریقہ تھا کہ جب آرام کرتی تھی تو دروازے بند کر کے شاہی چابیاں سرہانے کے نیچے رکھ دیتی تھی ہدہد شاہی محل کے روشن دان سے داخل ہو کر خط کو بلقیس کے سینہ پر ڈال دیا کیونکہ وہ چت لیٹی تھی یعنی خط ڈال کر ہدہد محل کے کونے میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ جاگی تو گھبرائی چونکہ خود پڑھی لکھی تھی۔ عربی النسل حمیری تبع کی نسل سے تھی۔ جس وقت سلیمانی مہر دیکھی تو کانپ گئی۔ لیکن خط کے سامنے سر کو جھکا دیا کیونکہ جب مہر کو دیکھا کہ یہ کسی عظیم بادشاہ کی ہے اور مہر کا نقشہ کچھ ایسا تھا کہ اس میں ملک سلیمانی کا حدود اربعہ منقش تھا اور ساتھ ہی اس میں اشارہ تھا کہ اس عظیم کی اطاعت میں جملہ پرند وغیرہ میں۔

اسی لیے کہا قَالَتْ اپنی مجلس شوریٰ کے اراکین سے کہا اور وہ تین سو تیرہ یا بارہ ہزار تھے يٰاَيُّهَا الْمَلَؤُا

marfat.ocm

اے ممبران!

ف: الملأ قوم کے ان لیڈروں کو کہا جاتا ہے جن کی ہیبت سے عوام ان سے آنکھ نہ ملا سکیں اور ان کے دلوں پر ان کا رعب ہو۔ اس کی جمع املاء ہے جیسے نبأ کی جمع انباء ہے۔

اِنِّیْٓ اُلْقِیَ اِلَیَّ كِتٰبٌ كَرِیْمٌ ○ بے شک میرے ہاں ایک مکرم و معظم خط پہنچایا گیا ہے۔ اسے مکرم و معظم اس لیے کہا کہ اس پر ایک عجیب طرح کی مُہر ثبت تھی کہ اس جیسی مہر دیکھی نہ سنی گئی تھی۔ جیسا کہ اسئلۃ الحکم ہے کہ یہ سلیمان علیہ السلام کا معجزہ تھا جو آپ کی مُہر سے ظاہر ہوا۔ اس لیے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خط پر وہی مُہر لگائی جس پر آپ کے ملک کا تمام نقشہ منقش تھا۔ اس سے بلقیس مرعوب ہوئی۔ یوں سلیمان علیہ السلام کے معجزے کا ظہور ہوا۔

ف: یہاں سے ثابت ہوا کہ کریم بمعنی مختوم ہے جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

کرم الکتاب ختمہ۔

(وہ تحریر مکرم ہے جس پر مُہر ہو)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس روایت کو آیت انی القی الیّ کتٰب کریم سے مؤید فرمایا ہے (کما فی المقاصد الحسنۃ للسخاوی)

مُہر کی وجہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی کہ عجمیوں کی عادت ہے کہ وہ اس خط کو قبول نہیں کرتے جس پر مُہر نہ ہو۔ فلہذا آپ عجمیوں کی طرف خط لکھتے ہیں تو اس پر مہر لگائیے۔ اس لیے آپ نے اپنی ایک مُہر بنوائی جس پر منقوش تھا: محمد رسول اللہ۔ جسے آپ نے انگشتری میں کندہ کرا کر بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی مبارک میں پہنے رکھا، جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

ف: ہر وہ خط جس پر مُہر نہ ہو وہ مغلوب ہے۔ تفسیر جلالین میں اس کا ترجمہ لکھا ہے: حسن ما فیہ۔

ابن الشیخ نے سورۃ شعراء کے اوائل میں لکھا کہ کتاب کریم بمعنے لفظاً و معناً پسندیدہ یا کریم بمعنے شریف یعنے شرافت والا خط کیونکہ اس کی ابتداء بسم اللہ شریف سے تھی جیسا کہ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جس خط کے آغاز میں اللہ تعالیٰ کا نام ہو وہ تمام خطوط سے زیادہ بزرگی والا ہوتا ہے ؎

اے نام تو بہترین سر آغاز
بے نام تو نامہ چوں کنم باز
آرائش نامہاست نامت
آسائش سینہا کلامت

ترجمہ: تیرا نام بہترین آغاز ہے تیرے نام کے بغیر خط کو کیسے کھولوں۔ تیرا نام تمام ناموں کا سنگار ہے اور تیرا کلام سینوں کی آسودگی ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ چونکہ خط سلیمانی بلقیس کی ہدایت کا سبب اور اس کے ایمان لانے کا موجب تھا اسی لیے اس کا نام کریم رکھا اسی لیے اس خط کی کرامت و برکت سے اسے دولتِ ایمان نصیب ہوئی۔

باادب بانصیب بعض مشائخ نے فرمایا چونکہ بلقیس نے سلیمانی مکتوب گرامی کا ادب کرتے ہوئے اسے کریم کے نام سے یاد کیا تو اللہ تعالیٰ نے ادبِ نبوت کی برکت سے اسے دولتِ ایمان سے نوازا۔ جیسے جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام کا ادب کیا اور کہا، اما ان تلقی الخ۔ اسی لیے ایمان سے نوازے گئے۔[1]

بے ادب بے نصیب چونکہ کسریٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوبِ گرامی پھاڑا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور اس کا انجام بھی برباد کیا کہ وہ کفر و عناد پہ مرا۔[2]

تفسیر عالمانہ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ یہ سوال کا جواب ہے گویا بلقیس سے پوچھا گیا کہ یہ خط کیسا ہے، کس نے لکھا ہے، اس میں کیا لکھا ہے۔ اس کے جواب میں کہا کہ بے شک یہ خط سلیمان علیہ السلام سے آیا ہے وَاِنَّهٗ اور اس کا مضمون یہ ہے یا اس میں یہ لکھا ہے کہ بے شک شان یہ ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع وہ بڑے رحم والا رحیم ہے۔

صوفیانہ تحقیق با میں اس کے بقا کی طرف اور سین میں اس کی روشنی کی طرف اور میم میں اس کے ملک کی طرف اور الف میں اس کی احدیت کی طرف اور دونوں لام جمال و جلال کی طرف اور ہاءُ اس کی ہویت کی طرف اور رحمان دارین میں عوام پر رحمت کی طرف اور رحیم آخرت میں خواص پر رحمت کی طرف اشارہ ہے۔

نکتہ: بعض مشائخ نے فرمایا در اصل بسم اللہ شریف میں برات کا بیان ہے اور چونکہ دنیا سے حیوانات کو بیزاری حاصل ہے اسی لیے ان کو توفیق ملی کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام پر ایمان لائے۔

نکتہ: بسم اللہ میں الف کے محذوف ہونے کے بعد بار پر اس لیے اکتفا کیا گیا کہ وجود کونی میں ہر شے کو رحمتِ عامہ خاصہ کی محتاجی ہے اور بس۔

مسئلہ: یہ بسم اللہ شریف بسم اللہ مجرھا و مرسٰھا کی طرح آیت کاملہ نہیں بخلاف اس بسملہ کے جو اوائل سورۃ میں ہے کہ وہ آیت کاملہ ہے کہ وہ ایک سو چودہ بار ہر سورۃ کے ساتھ نازل ہوئی۔ (لیکن سورۃ مخصوصہ کا جزو نہیں)

---

[1] مزید تفصیل فقیر کی کتاب "باادب بانصیب" میں پڑھیے۔ [2] تفصیل کے لیے فقیر کی کتاب "بے ادب بے نصیب" پڑھیے۔
اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

لطیفہ بسم اللہ شریف کا ہر حرف شرابِ رحیق کا ایک مستقل اور بہت بڑا ظرف ہے اور اس کا ہر کلمہ درۂ تحقیق کا ایک مستقل صدف ہے اور اس کا ہر نقطہ آسمانِ ہدایت کا ایک مستقل ستارہ ہے اور گمراہ کے لیے ہر ستارہ ایک جلانے والا رجم ہے۔

حضرت عارف جامی قدس سرہٗ نے بسم اللہ شریف کے بارے میں لکھا ہے، ؎

نوزدہ حرفست کہ ہژدہ ھزار
عالم ازو یافتہ فیض عمیم

ترجمہ: بسم اللہ کے انیس حروف سے اٹھارہ ہزار عالم فیض عمیم پا رہا ہے۔

اَنْ مفسرہ ہے لَا تَعْلُوْا عَلَیَّ مجھ پر بڑائی نہ کرو جیسے متکبر بادشاہوں کو تکبر ہوتا ہے وَ اْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ ۝ اور میرے پاس آؤ درانحالیکہ تم ایمان لانے والے ہو اس لیے کہ ایمان اسلام و انقیاد کو مستلزم نہیں۔ بخلاف اسلام و انقیاد کے انہیں ایمان لازم ہے۔

لطیفہ یہی انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے کہ وہ اپنے مکتوباتِ گرامی میں طوالت نہیں کرتے۔ یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کا مکتوب گرامی صرف اتنا ہی تھا جتنا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر فرمایا ہے۔

سوال: سلیمان علیہ السلام نے اسلام کی دعوت پہلے کیوں پیش فرما دی حالانکہ آپ پر لازم تھا کہ پہلے وہ اپنی رسالت کی حجت قایم فرماتے۔ اس طرح سے تو ایمان تقلیدی ہو گا! اور ایمان تقلیدی قابلِ قبول نہیں ہوتا۔

جواب: (۱) چونکہ آپ کے مکتوب گرامی میں آپ کا معجزہ واضح تھا جیسا کہ پہلے مذکور ہوا تو یہی دعوائے رسالت کے لیے کافی ہے اسی لیے انہیں رسالت کے دعویٰ اور اس کی حجت قایم کرنے کی ضرورت نہ تھی اس معنی پر یہ ایمان تقلیدی نہ ہو گا۔

(۲) فقیر (صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ ایمان کے بارے میں علم ضروری ہے کہ کسی طریق سے کسی رسول علیہ السلام کی رسالت کا یقین ہو جائے۔ وہ بلقیس کو حاصل ہو گیا ورنہ صرف خط کے پہنچنے سے اسے یہ وہم بھی ہو سکتا تھا کہ یہ جنات کا تصرف ہو۔ جنات اس قسم کے خوارق ظاہر کرتے رہتے تھے جیسے اس نے اپنے عظیم تخت کی ساخت سے سمجھا ہوا تھا۔ علاوہ ازیں اس کی ماں بھی جنیہ تھی اسی لیے اسے خرق (معجزہ) سے سلیمان علیہ السلام کی رسالت پر یقین ہو گیا۔

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ ۚ مَا كُنْتُ

بولی اے سردارو! میرے اس معاملہ میں مجھے رائے دو۔ میں کسی معاملہ

قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ۝۳۲ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ وَّ

میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں کرتی جب تک تم میرے پاس حاضر نہ ہو وہ بولے ہم زور والے اور بڑی سخت لڑائی والے ہیں اور

الْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ۝۳۳ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا

اختیار تیرا ہے تو نظر کر کہ کیا حکم دیتی ہے۔ بولی بے شک بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں اسے تباہ

وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ۝۳۴ وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ

کر دیتے ہیں اور اس کے عزت والوں کو ذلیل اور ایسا ہی کرتے ہیں اور میں ان کی طرف ایک تحفہ بھیجنے والی ہوں

فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ۝۳۵ فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ ۡ فَمَآ

پھر دیکھوں گی کہ ایلچی کیا جواب لے پلٹے پھر جب وہ سلیمٰن کے پاس آیا فرمایا کیا مال سے میری مدد کرتے ہو تو جو

اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ۝۳۶ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ

مجھے اللہ نے دیا وہ بہتر ہے اس سے جو تمہیں دیا بلکہ تم ہی اپنے تحفہ پر خوش ہوتے ہو پلٹ جا ان کی طرف

فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝۳۷

تو ضرور ہم ان پر وہ لشکر لائیں گے جن کی انہیں طاقت نہ ہوگی اور ضرور ہم ان کو اس شہر سے ذلیل کر کے نکال دیں گے یوں

قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ۝۳۸ قَالَ

کہ وہ پست ہونگے سلیمٰن نے فرمایا اے درباریو تم میں کون ہے کہ وہ اس کا تخت میرے پاس لے آئے قبل اس کے کہ وہ میرے حضور مطیع ہو کر حاضر ہوں

عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ

ایک بڑا خبیث جن بولا کہ میں وہ تخت حضور میں حاضر کر دوں گا قبل اس کے کہ حضور اجلاس برخاست کریں اور میں بیشک اس پر قوت

اَمِيْنٌ ۝۳۹ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ

والا امانتدار ہوں اس نے عرض کی جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اسے حضور میں حاضر کر دوں گا ایک پل مارنے سے پہلے

طَرْفُكَ ۚ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۣ لِيَبْلُوَنِيْٓ

پھر جب سلیمٰن نے تخت کو اپنے پاس رکھا دیکھا کہا یہ میرے رب کے فضل سے ہے تاکہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا

ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ۭ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ۝۴۰

ناشکری اور جو شکر کرے وہ اپنے بھلے کو شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو میرا رب بے پروا ہے سب خوبیوں

marfat.ocm

قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِیْۤ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِیْنَ لَا یَهْتَدُوْنَ (۴۱)
سلیمان نے حکم دیا عورت کا تخت اس کے سامنے وضع بدل کر بیگانہ کر دو کہ ہم دیکھیں کہ وہ راہ پاتی ہے یا ان میں ہوتی ہے جو ناواقف
فَلَمَّا جَآءَتْ قِیْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ وَ اُوْتِیْنَا الْعِلْمَ مِنْ
رہے پھر جب وہ آئی اس سے کہا گیا کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے بولی گویا یہ وہی ہے اور ہم کو اس واقعہ سے پہلے خبر مل چکی اور
قَبْلِهَا وَ كُنَّا مُسْلِمِیْنَ (۴۲) وَ صَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنَّهَا كَانَتْ
ہم فرمانبردار ہوئے اور اسے روکا اس چیز نے جسے وہ اللہ کے سوا پوجتی تھی بے شک وہ
مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ (۴۳) قِیْلَ لَهَا ادْخُلِی الصَّرْحَ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّ
کافر لوگوں میں سے تھی اس سے کہا گیا صحن میں آ پھر جب اس نے اسے دیکھا اسے گہرا پانی
كَشَفَتْ عَنْ سَاقَیْهَا قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِیْرَ قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ
سمجھی اور اپنی ساقیں کھولیں سلیمان نے فرمایا یہ تو ایک چکنا صحن ہے شیشوں جڑا عورت نے عرض کی
ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَ اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (۴۴)
اے میرے رب میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور اب سلیمان کے ساتھ اللہ کے حضور گردن رکھتی ہوں جو رب سارے جہان کا

تفسیر عالمانہ

قَالَتْ یہ قال مکرر اس لیے ہوا کہ جماعت کو تنبیہ ہو جائے کہ بلقیس کو کوئی اہم اور سخت مہم درپیش ہے یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِیْ فِیْۤ اَمْرِیْ اے میرے مشیرو! مجھے سوچ کر اس کا جواب دو جو میں تم سے پوچھوں پھر نہایت غور و فکر کے بعد اس کا حل بتاؤ۔

نکتہ: ان کے جواب کو فتوٰی سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ جیسے فتوی کا مشکل امور کے جواب پر استعمال ہوتا ہے ایسے ہی میرے سوال کو سمجھو۔ یعنی میری مشکل حل کرنے میں بہت غور و خوض کی ضرورت ہے۔ جب تمہیں صحیح سوچ ذہن میں آ سکے تو بتاؤ۔

نکتہ: بعض نے کہا کہ فتوٰی کا اشتقاق فتی سے ہے بمعنے نوجوان طاقت ور۔ اور چونکہ مفتی یعنی جو فتوٰی کا جواب دیتا ہے وہ اپنے فیصلہ سے سائل کے سوال کو دلائل سے پختہ اور مضبوط کرتا ہے۔ اسی لیے اسکے فعل کو فتوٰی کہا جاتا ہے۔

مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا میں کسی معاملہ کا قطعی فیصلہ نہیں کرتی اور نہ ہی کسی حکم کو نافذ کرتی ہوں حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ۝ یہاں تک کہ تم میرے سامنے ہوتے ہو۔ یعنی جب بھی میں فیصلہ کرتی ہوں تو تمہارے مشورہ سے ہی کرتی ہوں اور تمہاری موجودگی میں ہی۔ یہ ان کے دل موہ لینے کے لیے ہے تاکہ وہ اس کی مخالفت نہ کر سکیں۔

سبق: اس میں اشارہ ہے کہ ہر شخص اپنی من مانی نہ کرے بلکہ اپنے رفقائے کار سے مشورہ لے اور جائز مشوروں کو قبول کرے بالخصوص وہ لوگ جو امور سلطنت سے متعلق ہوں یا خود بادشاہ ہوں ان کو یہ طریقہ اختیار کرنا بطریق اولیٰ ضروری ہے اور مشیر بھی ایسے ہوں جو صاحب الرائے اور صاحب بصیرت ہوں۔ اچھے

مشیروں کے بغیر کوئی بھی فیصلہ نہ کیا جائے ؎

مشورت رہبر صواب آمد
در ہمہ کار مشورت باید
کار آنکس کہ مشورت نکند
غایتش غالباً خطا آید

ترجمہ : مشورہ تیرا اچھا رہبر ثابت ہوگا اس لیے تجھے ہر کام میں مشورہ ضروری ہے وہ شخص جو مشورہ نہیں کرتا اس کا نتیجہ اکثر غلط نکلتا ہے۔

قَالُوْا سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ گویا کسی نے پُوچھا کہ بلقیس کو مشیروں نے کیا مشورہ دیا، جواب میں فرمایا کہ انہوں نے کہا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ ہم بڑے طاقتور ہیں ساز و سامان کی کوئی کمی نہیں ہتھیار تو ویسے بھی ہمارے ہاں بہت ہیں وَّ اُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ۬ اور جنگجو تو ہم ہیں ہی، اور ہماری شجاعت اور بہادری چار دانگِ عالم میں مشہور ہے۔ اس سے اپنی ملکہ کو تسلی دلائی کہ جنگ سے نہ گھبرانا اگر تیرا حکم ہو تو ہم سر بکف ہیں وَّ الْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ اور معاملہ تیرے سپرد ہے تُو خود ہی فیصلہ کر، جیسے جی چاہے مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ۝ جو حکم کرے گی ہم ہر طرح حاضر ہیں۔ صلح یا جنگ کا حکم دینا تیرا کام اور اس پر عمل کرنا ہمارا کام۔ (کذا قال الکاشفی رحمہ اللہ)

اگر جنگ خواہی بزاد آوریم
دلِ دشمناں را بدرد آوریم
دگر صلح جوئی ترا بندہ ایم
بتسلیم حکمت سر افگندہ ایم

ترجمہ : اگر جنگ چاہتی ہے تو ہم حاضر ہیں، دشمنوں کا دل چکنا چور کر دیں گے اور اگر صلح کرے گی تو بھی ہم خادم ہیں تیرے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم ہے۔

مسئلہ : اس میں اشارہ ہے کہ مشیر کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ اپنی رائے صواب کا اظہار کر دے اس پر ضروری نہیں کہ مستشار کو مجبور کرے کیونکہ ممکن ہے مستشار مشیر سے معاملہ شناسی میں زیادہ ہو ؎

خلاف رائے سلطاں رائے جستن
بخون خویش باشد دست شستن

ترجمہ : اپنے بادشاہ کی رائے کے خلاف رائے زنی کرنا اپنے خون سے ہاتھ رنگنا ہے۔

ربط : جب بلقیس نے محسوس کیا کہ مشیر لڑائی اور جنگ پر تُلے ہُوئے ہیں اور ان کی یہ رائے مبنی بر خطا ہے تو خود اپنے قوائے ذاتیہ کی رائے قوی کو ظاہر کرنے پر مجبور ہو کر سلیمان علیہ السلام کے فضائل و مناقب بیان

marfat.ocm

کر دیے تاکہ سلیمانی کمالات وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں۔ اسی لیے کہا کہ میرا خیال تو یہ ہے کہ صلح کی جائے کیونکہ جنگ میں دونوں پہلو ہوتے ہیں، فتح یا شکست۔ ہماری فتح ممکن ہے تو شکست کا بھی احتمال ہے اگر وہ فتحیاب ہوئے تو پھر بادشاہوں کا کام ہے کہ وہ دوسرے بادشاہ کی آبادی کو برباد کر دیں یا چھوڑ دیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے قول کی حکایت بیان فرمائی کہ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً بلقیس نے کہا کہ جب بادشاہ کسی بستی یا شہر یعنی کسی علاقے میں داخل ہوتے ہیں اور جنگ و جدال کا پروگرام بناتے ہیں اَفْسَدُوْهَا تو اسے خراب اور ویران کر ڈالتے ہیں وَجَعَلُوْا اَعِزَّةَ اَهْلِهَا اَذِلَّةً اور اس کے معززین کو ذلیل و خوار کرتے ہیں اعزۃ، عزیز کی جمع ہے بمعنے غالب و قاہر اور بہت شریف۔ یہ عزۃ سے ہے انسان کی وہ حالت جو اسے مغلوب ہونے سے روکے۔ اذلۃ، ذلیل کی جمع ہے یعنی خوار و بے مقدار۔ یعنی قتل اور قید اور جلا وطن کر کے اور دیگر اور ذلتوں اور خواریوں سے۔ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ○ اور ایسے ہی گزارتے ہیں۔ اور یہ ماقبل کی تاکید و تقریر ہے۔ یعنی ایسے زبردست بادشاہوں کی ایسی عادت عام ہوتی ہے۔ اس معنی پر یہ بلقیس کا بقایا کلام ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بلقیس کے نظریہ کی تصدیق کے لیے فرمایا ہو جیسے وہ کہہ رہی ہے واقعی ایسے ہی ہے۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ عاقل وہ ہے کہ اسے جیسے ہی مخالف کا دفعیہ آسانی سے میسر آتا ہے وہ اپنے آپ کو ہلاکت کے گڑھے میں نہیں پھینکتا اپنے اختیار و ارادہ سے جنگ اور لڑائی نہیں کرتا جب تک اسے مجبور نہ کیا جائے۔

ف: سردار وہ ہے جو صلح و صفائی کا مادہ رکھتا ہو اور اس میں غیرت کی بھی کمی نہ ہو۔

تفسیر صوفیانہ

اس میں اشارہ دیگر بھی ہے وہ یہ کہ جب صفاتِ ربانیہ کے ملوک شخص انسانی کے علاقہ میں اپنی تجلی کے ساتھ داخل ہوتے ہیں تو اسے طبیعۃ انسانیہ حیوانیہ کے افساد سے تباہ و برباد کر ڈالتے ہیں وجعلوا اعزۃ اہلہا میں اہل سے نفسِ امّارہ اور اس کے صفات مراد ہیں اذلۃ انہیں تجلی حق کے سطوات سے ذلیل کر دیتے ہیں وکذٰلک یفعلون اور وہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کے ساتھ کرتے ہیں کیونکہ وہ انہی صفات کے لیے آئینے کی حیثیت سے پیدا ہوئے ہیں تاکہ وہ کنزِ مخفی کو ظاہر کریں۔ اس معنی پر وکذٰلک یفعلون الخ عارف باللہ کی صفت ہو گی (کذا قال ابو یزید البسطامی قدس سرہٗ)۔

سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی تقریر صوفیانہ

سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ نے فرمایا کہ اس میں اہلِ ایمان کے قلوب کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جب معرفت قلوب میں داخل ہوتی ہے تو پھر اس سے تمام آرزوئیں اور مرادیں ختم ہو جاتی ہیں پھر وہ دل اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے نہیں رہتے۔

حضرت ابن عطاؒ کی صوفیانہ تقریر

حضرت ابنِ عطاؒ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب غلبۂ حق کا ظہور ہوتا ہے اور قلب میں اس کی عظمت جاگزیں ہوتی ہے تو غفلتیں مٹ کر رہ جاتی ہیں اور اس پر ہیبت و اجلال چھا جاتا ہے پھر اس میں سوائے حق کے کسی کی عظمت نہیں رہتی اسی لئے وہ اپنے اعضاء کو سوائے طاعتِ الٰہی کے کسی کام میں نہیں لگاتا اور نہ ہی زبان کو ذکرِ الٰہی کے بغیر کھولتا ہے اور دل کو صرف اسی کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

ف : بزرگ فرماتے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کے اسم ملک کے بالمقابل اپنے قلب کو لاتا ہے تو پھر وہ سوائے اس کے قبضے کے اور کسی کا تصور ہی نہیں لاتا اس کے ملک میں سلامتی و عافیت ہی ہوتی ہے اور وہ اپنے مالک کے حقوق میں لگ جاتا ہے۔

الفتوحات المکیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر غلطی معاف فرما دیتا ہے سوائے تین کے :

(۱) اس کے حرم کی ہتک

(۲) اس کے راز کا افشاء

(۳) اس کے ملک میں دست اندازی

دعا : طریقِ طلب میں ہم اللہ تعالیٰ سے ادب کی توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ

وَاِنِّیْ مُرْسِلَۃٌ اِلَیْھِمْ اور میں اس کے اور اس کی قوم کے ہاں بھیجتی ہوں بِھَدِیَّۃٍ بہت بڑا ہدیہ و تحفہ۔ ہر وہ شے جو محبت و پیار سے کسی کو بھیجی جائے اسے عربی میں ھدیہ کہتے ہیں۔

المفردات میں لکھا ہے کہ ہر وہ شئے جو ہم ایک دوسرے کو محبت اور پیار سے بھیجتے ہیں وہی ہدیہ ہے۔

فَنٰظِرَۃٌۢ پھر دیکھتی ہوں۔ کشف الاسرار میں ہے کہ ناظرۃ یہاں پر بمعنے المنتظرہ ہے۔ کاشفی مرحوم نے لکھا ہے : دیکھتی ہوں کہ وہاں سے بِمَ دراصل بما تھا (الف گر گیا ہے) ما استفہامیہ ہے کون سا جواب لے کر یَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ قاصد جو وہاں گئے ہوئے ہیں کون سا جواب لے کر لوٹتے ہیں۔ اس کے بعد جو مناسب ہوگا کارروائی کریں گے۔

ہدایائے بلقیس

مروی ہے کہ بلقیس نے پانچ سو غلاموں کو لونڈیوں کا لباس پہنایا اور انہیں زیورات سے آراستہ کیا (جیسے کنگن اور بالیاں وغیرہ) اور ان کے ہاتھ مہندی سے رنگے اور ایسے گھوڑوں پر سوار کیا جو ریشم کے کپڑوں سے آراستہ کیے گئے اور سونے کی لگاموں اور جواہرات سے مرصع زینوں سے پیراستہ کئے گئے اور پانچسو لونڈیاں بھیجیں جن کے ہاتھ میں تیر تھے اور ان کا لباس مردانہ تھا اور ہدیہ کے طور ایک ہزار سونے اور چاندی کی اینٹیں بھیجیں۔

حضرت مولانا روم قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

marfat.ocm

ہدیہ بلقیس چہل اشتر بدست
بار آنہا جملہ خشت زر بدست

ترجمہ: بلقیس نے چالیس اونٹ بھیجے جن پر سونے کی اینٹیں تھیں۔

اور ان لڑکیوں (جنہیں مردانہ لباس پہنایا تھا) کے سروں پر قیمتی جواہر و موتیوں کے جڑاؤ سے بہترین تاج رکھے اور بیش قیمت عطر و مشک اور عنبر اور قیمتی موتیوں سے بھرے ہوئے متعدد ڈبے اور کئی قسم کے اعلیٰ ترین تحفے بھیجے۔ مثلاً چند کوڑیاں سوراخ کر کے ایک بڑے ڈبے میں ڈال دیں۔ اور ایک خط بھی لکھا جس میں ان تحائف و ہدایا کی تفصیل تھی اور سب سے اعلیٰ اور بڑے افسر منذر بن عمرو کو سربراہ بنایا اور اس کے ماتحت دیگر کئی سمجھدار اور عقیل و فہیم نمائندے روانہ کئے۔

نبی کے لیے غیب دانی من جانب الٰہی کا عقیدہ ہی نبوت کو ماننے کی دلیل ہے

اس تمام کارروائی سے اس کا مطلب یہ تھا جیسے اس نے خود کہا:

ان کان نبیا میز بین الغلمان والجواری واخبر بما فی الحقۃ قبل فتحها وثقب الدرۃ ثقبا مستویا و سلك فی الخرزۃ خیطا۔	اگر وُہ نبی ہیں تو انہیں غلاموں اور کنیزوں کا امتیاز ہو جائے گا اور ڈبے کھولنے سے پہلے بتا دیں گے کہ ان میں کیا ہے اور کوڑیوں کو سوراخ کئے گئے ہیں وہ انھیں اٹھا کر تاگہ ڈالنے کا حکم دیں گے۔

پھر منذر بن عمرو (سربراہ) سے کہا کہ اگر تجھے پہلی ملاقات میں وہ غصہ آلود نگاہوں سے ملیں تو سمجھنا بادشاہ ہے پھر گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ اگر وہ خندہ پیشانی سے بولیں تو سمجھنا کہ وُہ نبی ہیں۔

سلیمان علیہ السلام کی جوابی کارروائی

ہُدہُد تمام کارروائی سُن کر سلیمان علیہ السلام کے ہاں پہنچ گیا اور تمام ماجرا عرض کر دیا۔ آپ نے حکم رمایا کہ ایک میدان میں اٹھارہ میل کا ایک احاطہ تیار کرو جس کا فرش سونے چاندی کا ہو۔ اور اس میدان کے دگرد دیوار کھینچو جس پر صرف سونا چاندی ہو اور حسین ترین دریائی اور جنگلی جانور لائے جائیں۔ کشف الاسرار ل ہے کہ دریائی جانور منقش پلنگ مختلف رنگ کے لائے گئے اور میدان کے دائیں بائیں باندھنے کا حکم اگیا۔ جنات نے آناً فاناً یہ کام سرانجام دیا۔ اس میدان کے درمیان میں آپ نے اپنا تخت بچھایا۔ پ کے ارد گرد کرسیاں بچھائی گئیں۔ چار ہزار کرسیاں آپ کے دائیں اور چار ہزار بائیں بچھائی گئیں۔ ہر کئی میلوں تک جنات صف بستہ کھڑے ہوئے۔ ایسے ہی انسانوں، جانوروں، درندوں اور شیوں وغیرہ کی صفیں کھڑی کی گئیں اور پرندے اوپر سے سایہ کئے ہوئے تھے اور یہ ایسی مجلس قائم ہوئی

maarfat.com

کہ آسمان نے ہزاروں سال میں نہ دیکھی ہوگی۔

بلقیس کے نمائندے مبہوت ہو گئے

جب بلقیس کے نمائندے اس میدان میں پہنچے تو مبہوت ہو گئے کہ یہاں تو سونے اور چاندی پر سلیمان (علیہ السلام) کے جانور پیشاب کر رہے ہیں۔ مثنوی شریف میں ہے :

۱ چوں بصحرائے سلیمانی رسید
فرش آنرا جملہ زر پختہ دید

۲ بارہا گفتند زر را وا بریم
سوئے مخزن ما چہ کار اندریم

۳ عرصۂ کش خاک زر دہ دہیست
زر بہدیہ بردن آنجا ابلہیست

ترجمہ : (۱) جب بلقیس کا نمائندہ صحرائے سلیمانی میں پہنچا تو دیکھا کہ وہاں سونے کا فرش بچھا ہوا ہے۔

(۲) بارہا انہیں خیال گزرا کہ وہ اس معمولی پونجی کو واپس لے جائیں کیونکہ اتنے بڑے خزانے کے سامنے ان کی پونجی کس کام کی !

(۳) جن کا میدان ہی سونے سے پُر ہے ان کے ہاں سونا ہدیہ لے جانا حماقت ہے۔

حکایت

ان کا حال اس اعرابی کا تھا جو خلیفۂ بغداد کے ہاں پانی کا گھڑا ہدیہ کے طور پر لے گیا پھر جب خلیفہ کے باغ کے سامنے دجلہ بہتا ہوا دیکھا تو شرمسار ہو کر گھڑے کو توڑ ڈالا۔

نمائندگانِ بلقیس

بلقیس کے نمائندگان کا باقی حال مولانا روم قدس سرہٗ نے بیان فرمایا : ؎

(۱) باز گفتند از کساد وار روا
چیست بر ما بندۂ فرمانیم ما

(۲) گر زر و گر خاک ما را بردنیست
امر فرمانده بجا آوردنیست

(۳) گر بفرمایند کہ کین واپس برید
ہم بفرمان تحفہ را باز آورید

ترجمہ : (۱) پھر کہا کہ ہمیں اس تھوڑی سی پونجی سے شرمساری کا ہے کی، ہمیں تو اپنی ملکہ کا حکم پورا کرنا ہے۔

(۲) سونا ہو یا مٹی ہمیں اس سے کیا غرض ! ہمیں تو اپنی مالکہ کی فرمانبرداری ضروری ہے۔

(۳) اگر سلیمان علیہ السلام فرمائیں گے کہ اسے واپس لے جاؤ تو پھر انہی کے فرمان سے ہی واپس لے جاؤ۔

جب نمائندگان نے جنات و شیاطین کی ڈراؤنی شکلوں اور ان کی کثرت کو دیکھا تو گھبرا گئے۔ جنات و شیاطین نے کہا بلا خوف و خطر چلے چلو۔ جب سلیمان علیہ السلام کے دربار میں پہنچے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرتپاک خیر مقدم کیا اور کہا کہ کیا لائے ہو؟ منذر نے آگے بڑھ کر بلقیس کا پیام سنایا اور ساتھ ہی اس کا مکتوب بھی سلیمان علیہ السلام کو پیش کر دیا۔ جب خط پڑھا تو فرمایا: موتیوں کا ڈبہ لاؤ۔ ڈبہ پیش کیا گیا تو فرمایا، اس میں بیش بہا اور قیمتی موتی ہیں جن کا سوراخ نہیں نکالا گیا اور کوڑیاں ہیں جن کے سوراخ ٹیڑھے نکالے گئے ہیں۔

ف: ممکن ہے آپ کو اس کا علم جبریل علیہ السلام کے خبر دینے سے ہوا ہو یا ہدہد کے ذریعہ۔ جیسا کہ قصے کا سیاق بتاتا ہے۔

ہدایا کی تفتیش اور دیمک اور کیڑے کی خدمات کا بیان

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات اور انسانوں کو بلا کر پوچھا کہ موتیوں اور کوڑیوں کے ساتھ کیا کیا جائے۔ انہوں نے لاعلمی ظاہر کی۔ پھر شیاطین کو بلایا، وہ بھی اس سے بے خبر تھے۔ صرف یہ بتایا کہ دیمک کو بلاؤ وہ کچھ خبر رکھتی ہے۔ آپ نے دیمک سے پوچھا تو اس نے بال منہ میں لیا اور موتی میں سوراخ کر کے دوسری طرف نکل گئی۔ آپ نے اس سے کہا تو منہ مانگا انعام مانگ۔ عرض کی کہ میرا رزق درختوں میں مقرر فرما دیجئے۔ اسی روز سے اس کا رزق درختوں میں مقرر ہو گیا۔ اس کے بعد کوڑیوں کے سوراخ کے متعلق پوچھا تو عرض کی مجھے اس کے متعلق معلوم نہیں۔ سفید کیڑے نے اٹھ کر عرض کی: یہ ڈیوٹی میرے ذمہ لگا دیجئے آپ کی اجازت سے سفید کیڑے نے تاگہ منہ میں لیا اور کوڑی میں داخل ہو کر دوسری طرف سے نکل آیا۔ آپ نے اس سے بھی فرمایا۔ تم کیا چاہتے ہو؟ عرض کی: یا نبی اللہ! میرا رزق پھلوں میں مقرر فرما دیجئے۔ اس روز سے اس کا رزق پھلوں میں مقرر ہو گیا۔ اس کے بعد آپ نے تاگے کے دونوں سروں کو پکڑ کر مہر لگا کر نمائندگان کو واپس کر دیا۔

غلاموں اور کنیزوں کے امتیاز کا قصہ

اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے پانی طلب کیا اور غلاموں اور کنیزوں کو حکم فرمایا کہ گرد و غبار سے اپنے چہرے پانی سے صاف کر لو۔ اس طرح سے آپ اپنی پرکھ بتانا چاہتے تھے کہ ان میں غلام کون ہیں اور کنیزیں کون۔ چنانچہ کنیزوں نے برتن سے پانی لے کر ہاتھ پر رکھا پھر منہ دھویا اور غلاموں نے برتن سے ہی پانی لے کر منہ دھویا۔ (اس سے واضح ہو گیا کہ کنیزیں کون ہیں اور غلام کون) پھر ہدیہ واپس کر دیا۔ یہ بھی اس لیے کہ بلقیس نے کہا تھا کہ اگر ہدیہ لے لیں گے تو بادشاہ ہیں پھر ہمیں کوئی خطرہ نہیں بادشاہ سے ہم نمٹ لیں گے۔ اگر ہدیہ واپس کر دیں تو پھر نبی ہیں (علیہ السلام)۔ اسی لیے فرمایا:

فَلَمَّا جَآءَ پس جب وہ نمائندہ جو بلقیس کی طرف سے آیا تھا سُلَیْمٰنَ سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں ہدایا لایا قَالَ سلیمان علیہ السلام مخاطب ہوئے قاصد سے یا جس کی طرف بھیجا گیا تھا کیونکہ عرف میں غائب کو حاضر تصور کر کے خطاب کیا جاتا ہے۔ ڈبّے کے کھولنے و دیگر ہدایا کی تفتیش کا معاملہ ختم ہوا تو فرمایا۔ یہ گفتگو ان کے آتے ہی نہیں ہوئی جیسا کہ عبارت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے۔ اَتُمِدُّوْنَنِ (کیا تم میری مدد کرتے ہو)

ترکیب : دراصل اتمدوننی تھا۔ یاء کو حذف کر دیا گیا ہے بوجہ یا پر اکتفا کرنے کے کیونکہ کسرہ یاء کے محذوف ہونے پر دلالت کرتی ہے اور ہمزہ استفہام انکاری ہے۔

حلِ لغات : الامداد بمعنے مدد کرنا۔ دوسرے مفعول کی طرف با کے ساتھ متعدی ہوتا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ کیا تم میری مدد کرتے ہو بِمَالٍ معمولی سے مال کے ساتھ۔ مال کو اس لیے مال کہا جاتا ہے کہ اس کی طرف ہمیشہ میلان طبعی ہوتا ہے۔ اسی لیے اسے عرض بھی کہا جاتا ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے مال کنجری کی مانند ہے کبھی عطار کے گھر ہے تو کبھی تیلی کے گھر میں۔ (کذا فی المفردات)

ربط : ہدیہ قبول نہ کرنے کی علت بتائی کہ فَمَآ موصولہ ہے اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ پس وہ جو مجھے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے یعنی یہ جو تم دیکھ رہے ہو کہ میرا ٹھاٹھ شاہی کتنا ہے اور مجھے اللہ تعالیٰ نے نبوت سے بھی نوازا ہے اور شاہی ایسی کہ اس کی مثال ناپید ہے خَیْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ اس سے بہتر ہے جو تم مجھے ہدیہ کے طور پر مال و متاعِ دنیا پیش کر رہے ہو۔ اسی لیے مجھے تمہارے ہدیہ و تحفہ کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ مجھے اس کا کوئی خیال ہے ؎

آنکہ پرواز کند جانب علوی چو ہمائے
دنی اندر نظر ہمت او مردار است

ترجمہ : جو بھی بلندیوں کی طرف ہما کی طرح پرواز کرتا ہے کم ہمت ہے اور مردار اور خسیس ہے۔

(کیونکہ کہاں ہما اور کہاں یہ)

مثنوی شریف میں ہے : ؎

۱ من سلیماں می نخواہم ملکتان
بلکہ من برہانم از ہر ملکتان

۲ از شما کے کدیۂ زر می کنیم
ما شما را کیمیا گر می کنیم

۳ ترک ایں گیرید گر ملکِ سباست
کہ بروں از آب و گل بس ملکہاست

۴ تختہ بند است آنکہ تختش خواندۂ

marfat.ocm

۷۵۳ صدر پنداری و بر در ماندۂ

ترجمہ (۱) میں سلیمان ملکِ دُنیا نہیں چاہتا بلکہ میں تو ہر دنیا دار کے لیے برہان ہُوں۔

(۲) ہم تم سے زر لے کر کیا کریں گے بلکہ ہم تو تمہیں بھی کیمیاگر بنائیں گے۔

(۳) یہ خیال ترک دو کہ ملک صرف سبا کا ہے بلکہ اس آب و گِل کے ملک کے علاوہ اور بھی بہت ملک ہیں۔

(۴) وہ تختہ قید ہے جسے تم تخت سمجھتے ہو۔ جسے تم صدر مانتے ہو وہ تو ایک لاشئے ہے۔

ملفوظ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دنیا اللہ تعالیٰ اور انبیاءؑ اولیاءؑ کے نزدیک کچھ قدر و قیمت نہیں رکھتی۔ یہ حضرات نہ دنیا کے ہونے سے خوش ہوتے ہیں اور نہ ہونے سے مغموم ہوتے ہیں۔

سبق : علماء اور عقلمندوں پر لازم ہے کہ وُہ دنیا کے اسباب سے خوش نہ ہوں ؎

مالِ دنیا دام مرغانِ ضعیف
ملکِ عقبیٰ دام مرغانِ شریف

ترجمہ: مالِ دنیا کمزوروں کی پھانسی ہے ملکِ عقبیٰ شریفوں کی پھانسی ہے۔

بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ۝ بلکہ تم ہی ہدایا سے خوش ہوتے ہو۔ مضاف الیہ وہ ہے جس کی طرف ہدیہ بھیجا جائے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ بلکہ تم وہ ہو کہ جب تمہارے ہاں ہدایا و تحائف وغیرہ بھیجے جاتے ہیں تو تم خوش ہوتے ہو اس لیے کہ تم دنیا دار ہو اور تمہیں دنیا سے پیار ہے کیونکہ دنیا کے ظاہر کو دیکھتے ہو۔ یہی قصہ کے سیاق و سباق کے مناسب ہے۔

ف : اور ارشاد میں ہے انکار از امداد سے اعراض کر کے زجر و توبیخ شروع فرما دی کہ تمہیں لوگ ہدایا و تحائف سے خوش ہوتے ہو بلکہ اسے اپنے لیے فخر اور شکریہ کے طور دینے والے کو ممنون بناتے ہو۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ باتیں ہیں ان کی کارروائی سے معلوم ہُوئیں کہ موتیوں کا ڈبہ کھلوایا۔ پھر لونڈیوں اور غلاموں کے متعلق پرکھ ظاہر کر دی جو کہ انہوں نے بطور ہدایا و تحائف پیش کیے جو ان کا ایک فخریہ انداز تھا۔

ف : (صاحبِ روح البیان لکھتے ہیں کہ) فقیر کہتا ہے کہ جب انہوں نے سلیمان علیہ السلام کی شاہی کا ٹھاٹھ باٹھ دیکھا تو اپنی لائی ہوئی چیزوں کو نہایت حقیر و زبوں سمجھ کر سونے چاندی کی اینٹیں پھینک دینے کا ارادہ کر لیا۔ لیکن چونکہ وہ اس وقت امین بن کر آئے تھے اس لیے رُک گئے پھر ان کا منت و احسان جتلانے کا معنیٰ کیسا یا وُہ اپنی لائی ہوئی اشیاء پر کیسے فاخر و نازاں ہو سکتے تھے۔ ہاں کہا جا سکتا ہے کہ ان کا غلمان و کنیزیں اور ڈبے کا پیش کرنا امتحان و آزمائش کے طور تھا جیسا کہ مضمون کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے۔

تفسیرِ صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ ہدیہ وتحفہ دلوں میں الفت پیدا کرنے کا موجب ہے لیکن دین کے عشاق کا طریقہ ہے کہ جب دیکھتے ہیں کہ ان ہدایا وتحائف میں دُنیوی فوائد تو بکثرت ہیں لیکن دینی نقصان ہے تو پھر وہ ہدایا وتحائف کو قبول کرنے کی بجائے انہیں ٹھکرا دیتے ہیں پھر دنیوی منافع اگرچہ کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو وُہ اسے کچھ نہیں سمجھتے کیونکہ وُہ فانی ہے اور امورِ دینیہ اگرچہ کتنے ہی قلیل ہوں وُہ انہیں ترجیح دیتے ہیں اور اسے کثیر سمجھتے ہیں کیونکہ وہ باقی ہیں۔ جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے کیا کہ جب آپ کے ہاں بلقیس کا قاصد آیا تو اس کے بیش بہا تحائف وہدایا کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا اور فرمایا وہ نعمتیں اور کمالات و قربات و درجات اخرویہ جو مجھے اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمائے ہیں وہ تم کو عطا کردہ نعمتوں سے بہتر ہیں اور تم جیسے دُنیادار دنیوی ہدایا فانیہ سے خوش ہوتے ہیں کیونکہ تمہارے نفوس خسیس ہیں اور تم اُخروی سعاداتِ باقیہ سے بے خبر ہو۔

اِرۡجِعۡ اے قاصد! لوٹ جائیے۔

تفسیر عالمانہ سوال: پہلے ضمائر خمسہ تو جمع تھے اب واحد کی ضمیر کیوں؟

جواب: یہ ضمیر صرف نمائندگان کے سربراہ اور اس کی مخصوص امداد وغیرہ کی طرف لوٹتی ہے (اور یہ قاعدہ عام ہے)

اِلَيۡهِمۡ بلقیس اور اس کی قوم کی طرف ان کے ہدایا وتحائف لے کر واپس جائیے تاکہ انہیں معلوم ہو کہ دین کے عشاق دنیوی لالچوں میں نہیں پھنستے ان کا ارادہ صرف اور صرف یہی ہے کہ تم اسلام قبول کرلو اور ایمان دار ہوجاؤ فَلَنَاۡتِيَنَّهُمۡ بِجُنُوۡدٍ ورنہ ہم ان کے ہاں جنات وانسانوں کا ایسا لشکر لائیں گے اور تائیدِ الٰہی بھی ہمارے شاملِ حال ہوگی لَّا قِبَلَ لَهُمۡ بِهَا ان کا مقابلہ کرنا مشکل ہوجائے گا اور نہ ہی ان کے ہاں ان کے مقابلہ کی کوئی طاقت وقدرت ہے۔

حلِ لغات: المختار میں ہے کہ قَبَلٌ (بفتحتین) قُبُلٌ (بضمتین) قِبل بکسر الاول وفتح الثانی بمعنے مقابلہ اور آگے کی شے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

او یاتیھم العذاب قبلا۔ (یا ان کے ہاں عذاب سامنے آجائے)

اہلِ عرب کہتے ہیں:

ولی قبل فلان حق۔ (اور میرے لیے فلاں کے ہاں حق ہے)

اور کہتے ہیں:

ومالی بہ قبل یعنی مجھے ان کے مقابلہ کی کوئی طاقت نہیں۔

marfat.ocm

اور المفردات میں یوں سمجھا جاتا ہے کہ یہ اصل میں بمعنے عنل ہے۔ پھر قوت و طاقت علی المقابلہ کے لیے استعارہ کیا گیا ہے بمعنے مجازاۃ۔ مثلاً کہا جاتا ہے ،

لا قبل لی بکذا یعنی مجھے قدرت نہیں کہ میں اس کا مقابلہ کر سکوں۔

اور لا قبل لھم بھا کا معنی ہے کہ ہمارے لشکر کے دفاع کی انہیں کوئی طاقت نہیں وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ اس کا عطف جواب قسم پر ہے مِنْهَآ اور ہم انہیں سبا کے علاقے سے نکال دیں گے اَذِلَّةً درانحالیکہ وہ ذلیل و خوار اور بے عزت ہوں گے جبکہ اب وہ عزت اور شان و شوکت کے مالک ہیں۔

سوال : اذلۃ ترجمہ قلت ہے جو دس عدد سے زائد پر نہیں بولی جاتی حالانکہ وہ ان گنت تھے۔

جواب : اس سے ان کی ذلت و خواری پر مزید حقارت کا اظہار مطلوب ہے اگرچہ وہ کتنے ہی ہیں لیکن سلیمان علیہ السلام کی نظروں میں وہ مٹھی بھر ہیں۔

ذلۃ بمعنے عزت و ملک کا چھن جانا وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝ اور قیدی ہو کر مزید ذلت و خواری کا شکار ہوں گے یہ دوسرا حال ہے اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ انہیں ہم اپنے علاقہ سے شہر بدر کر دیں گے۔

حل لغات : اہل عرب کہتے ہیں صغر صغرا (بالکسر) کبر کی نقیض اور صغار (بالفتح) ذلۃ کے معنی میں آتا ہے اور صاغر وہ شخص جو خسیس مرتبہ پر خوش ہو۔

ف : ہر طرح کی ذلت و خواری مبنی علی الانکار والاصرار ہے ایسے ہی ہر طرح کی عزت و شرافت مبنی علی التصدیق والاقرار ہے۔ چونکہ مخالف کو نقصان پہنچانے سے پہلے اطلاع ضروری ہے اسی لیے سلیمان علیہ السلام کو قاصد کو لوٹنے کا حکم فرما کر اس کو اطلاع پہنچانے پر مامور فرمایا۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

۱ بازگردید اے رسولان خجل　　زر شما را دل بمن آرید دل
۲ کہ نظرگاہ خداوندست آں　　کز نظر انداز خورشیدست کاں
۳ کہ نظرگاہ شعاع آفتاب　　کو نظرگاہ خداوند لباب

۴ اے رسولان میفرستمتان رسول　　رد من بہتر شما را از قبول
۵ پیش بلقیس آنچہ دیدید از عجب　　باز گوئید از بیابان ذہب
۶ تا بداند کہ بزر طامع نہ ایم　　ما زر از زر آفریں آوردہ ایم

۷ ہین بیا بلقیس ورنہ بد شود　　لشکرت خصمت شود مرتد شود

۸ پرده وارت پرده‌ات را برکند   جان تو با تو بجان خصمی کند

۹ ملک برہم زن تو ادھم وار زود   تا بیابی ہمچو او ملک خلود

۱۰ ہین بیا کہ من رسولم دعوتی   چون اجل شہوت کشم من شہوتی
۱۱ ور بود شہوت امیر شہوتم   نے اسیر شہوت و رشوے بتم
۱۲ بت شکن بودست اصل اصل ما   چون خلیل حق و جملہ انبیا

۱۳ خیز بلقیسا بیا و ملک بین   برلب دریاے یزداں در بچین
۱۴ خواہرانت ساکن چرخ سنی   تو بمرداری چہ سلطانی کنی
۱۵ خواہرانت راز بخششہاے داد   ہیچ می دانی کہ آں سلطان چہ داد
۱۶ تو ز شادی چون گرفتے طبل زن   کہ منم شاہ و رئیس گولخن

۱۷ آں سگ در کو گدائے کور دید   حملہ می آورد و دلقش می درید
۱۸ کور گفتش آخر آں یارانِ تو   بر کہ اند ایں دم شکاری صید جو
۱۹ قوم تو در کوہ می گیرند گور   درمیان کوے می گیری تو کور
۲۰ ترک ایں تزویر گو شیخ نفور   آب شوری جمع کردہ چند کور
۲۱ کایں مریدان من و من آب شور   می خورند از من ہمی گردند کور
۲۲ آب خود شیریں کن از بحر لدن   آب بد را دام ایں کوران مکن
۲۳ خیز شیران خدا بین گور گیر   تو چو سگ چونی بزرقی کور گیر

ترجمہ :(۱) اے قاصدو! رسوا ہو کر لوٹ جاؤ۔ اپنے زر کا دل ہماری طرف متوجہ کرو۔
(۲) اس لیے کہ نظر صرف اس کے مالک پر لازم ہے اس لیے کہ نظر انداز سورج ہی ہے اور بس۔
(۳) کہاں سورج کی کرنوں کو دیکھنا اور کہاں خود سورج پر نظر رکھنا (زمین و آسمان کا فرق ہے)
(۴) اے قاصدو! تم میرے قاصد بن کر واپس جاؤ مجھے تمہارے تحائف قبول کرنے کے بجائے رد کرنا بہتر ہے۔

marfat.ocm

(۵) بلقیس کو اگر عجب کرتا دیکھو تو پھر میرے سونے چاندی کے ڈھیروں کا بھی اسے بتانا۔

(۶) تاکہ اسے معلوم ہو کہ ہم زر کے لالچی نہیں ہم نے زر آفریں سے بہت زر پایا ہے۔

(۷) خبردار اے بلقیس! مطیع ہو کر آجا ورنہ انجام برا ہوگا تیرا لشکر اُلٹا تیرا دشمن اور باغی ہو جائے گا۔

(۸) تیرا اپنا پردار ہی تیری پردہ دری کرے گا بلکہ تیری اپنی جان بھی تیری دشمن بن جائے گی۔

(۹) (ابراہیم بن) ادھم کی طرح ملک کو جلد ترچھوڑ دے تاکہ ان کی طرح تمہیں دائمی شاہی نصیب ہو۔

(۱۰) ابھی آجا کہ میں رسولِ برحق ہوں اور دعوتِ حق دیتا ہوں موت کی طرح شہوت کش ہوں، میں بڑا طاقتور ہوں۔

(۱۱) اگر کسی کو کوئی طاقت حاصل ہے تو میں تمام طاقتوں کا امیر ہوں، نہ شہوت کا اسیر ہوں اور نہ ہی بتوں کے چہرے کا۔

(۱۲) بُت شکنی ہمارا کام ہے خلیل علیہ السلام و دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح۔

(۱۳) اے بلقیس! اُٹھ کھڑی ہو۔ آجا میری شاہی دیکھ۔ اللہ تعالیٰ کے دریا سے موتی چُن لے۔

(۱۴) تجھ جیسی تو آسمان نشین ہیں تو مردار ہے خاک پہ بادشاہی کر رہی ہے۔

(۱۵) تیری جیسوں کو جو بخششیں نصیب ہوئی ہیں کیا تجھے معلوم ہے کہ انھیں کیا نصیب ہوا۔

(۱۶) جب تُو خوشی سے ہمارے ہاں آنے کا طبل بجائے گی تو آرام پائے گی اس لیے کہ میں شاہ ہوں، رئیس ہوں، بہادر ہوں۔

(۱۷) ایک کُتّے نے اندھے گداگر کو دیکھا تو اس پر حملہ کر کے اس کی گدڑی پھاڑ ڈالی۔

(۱۸) اندھے نے کہا تیرے دوسرے ساتھی کہاں ہیں وہ بھی شکار کی تلاش میں ہیں۔

(۱۹) تیری قوم تو پہاڑوں میں اندھوں سے گدڑی چھینتی ہے اور تُو گلی کا شیر بنا ہوا ہے۔

(۲۰) اس مکر کو ترک کر اے شیخ آبِ شور پر چند اندھوں کو اکٹھا کئے ہوئے ہے۔

(۲۱) تو کہتا ہے کہ یہ اندھے میرے مرید ہیں اور میں آب (شور) ہوں اور یہ اندھے میرے پانی سے سیراب ہو رہے ہیں۔

(۲۲) بحرِ لدن سے پہلے اپنے شور آب کو میٹھا کر اور گندے پانی سے ان اندھوں اور مریدوں کو شکار نہ کر۔

(۲۳) اُٹھ اور خدا کے شیروں کو دیکھ اور کتے کی طرح مکر و فریب سے اندھے کو پکڑ رہا ہے۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ وہ قیل و قال کو چھوڑ کر مالک متعال کی طرف گڑگڑائے کہ وہ اسے مقامات عالیہ اور بلند درجات تک پہنچا دے کیونکہ وہ کریم اور بہترین آقا ہے۔

نمائندگانِ بلقیس کی واپسی جب نمائندے بلقیس کے ہاں پہنچے اور جا کر سلیمان علیہ السلام کے حالات

سنائے تو کہا میں تو پہلے سمجھ گئی تھی کہ وہ بادشاہ نہیں بلکہ نبی ہیں اور ہم سے ان کا مقابلہ نہیں ہو سکے گا۔ یہ کہہ کر سلیمان علیہ السلام کی طرف ایک قاصد بھیج دیا اور عرض کی کہ اپنے سرداروں کو لے کر حاضر ہو رہی ہوں جو آپ کا حکم ہوگا اسے ہم بجا لائیں گے اور آپ کا دین قبول کریں گے۔

تختِ بلقیس بلقیس نے تخت کو ایک مکان میں چھپایا۔ حفاظت کے لیے چند نگہبان مقرر فرمائے۔ تالہ لگا کر چابی جیب میں ڈالی اور سلیمان علیہ السلام کی طرف روانہ ہوئی۔ بلقیس کے تحت بارہ ہزار بہت بڑے بادشاہ تھے انہیں قیل (بفتح القاف) کہا جاتا تھا اور ہر بادشاہ کے تحت کئی ہزار رعایا تھی۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام بھی بارعب تھے۔ آپ سے بات میں کوئی بھی پہل نہیں کرتا تھا، جب تک آپ خود اس سے نہیں پوچھتے تھے۔ ایک دن تخت پر رونق افروز تھے کئی میلوں تک ایک بہت بڑا لشکر دیکھا، پوچھا یہ کیا ہے؟ عرض کی گئی بلقیس اپنے بادشاہوں اور لشکر سمیت آرہی ہے اس وقت آپ اپنے مشیروں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا، یا یہ اس وقت فرمایا جب معلوم کیا کہ اس نے ہمارے ہاں آنے تک کتنے میلوں کا فاصلہ ہے قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا فرمایا اے میرے مشیرو! اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا تم میں کون ہے جو اس کا تخت لے آئے قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ اس سے پہلے کہ میرے ہاں آئیں مُسْلِمِيْنَ ۝ مسلمان ہو کر۔ اس لیے کہ آپ کو بذریعہ وحی معلوم ہوا کہ وہ مسلمان ہو کر آرہی ہے لیکن وہ عجائبات دیکھنا چاہتی ہے، جو سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں اور وہ عجائب اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت اور سلیمان علیہ السلام کی نبوت کی صداقت پر دلالت کرتے ہیں۔ سلیمان علیہ السلام نے حکم فرمایا کہ بلقیس کا وہ تخت لاؤ جس کی حفاظت کے لیے وہ بہت بڑی وصیتیں کر کے آئی ہے اور وہ ابھی میرے ہاں نہ پہنچ پائے کہ تخت یہاں آجائے۔ مثنوی شریف میں ہے؛ ؎

۱ چونکہ بلقیس از دل و جان عزم کرد
بر زمان رفتہ ہم افسوس خورد
۲ ترک مال و ملک کرد او آنچناں
کہ بترک نام و ننگ آں عاشقاں
۳ ہیچ مال و ہیچ مخزن ہیچ رخت
میدریغش نامہ الا جز کہ تخت
۴ پس سلیمان از دلش آگاہ شد
کز دل او تا دل او راہ شد

marfat.ocm

۵ دید از دورش کہ آں تسلیم کیش
تلخش آمد فرقت آں تخت خویش

۶ از بزرگی تخت کز حد می فزود
نقل کردن تخت را امکان نبود

۷ خردہ کاری بود و تفریقش خطر
ہمچو اوصال بدن با یکدیگر

۸ پس سلیمان گفت گرچہ فی الاخیر
سرد خواہد شد برو تاج و سریر

۹ لیک خود با ایں ہمہ بر نقد حال
جست باید تخت او را انتقال

۱۰ تا نگردد خستہ ہنگام لقا
کودکانہ حاجتش گردد روا

ترجمہ : (۱) جب بلقیس نے تہِ دل سے حاضری کا ارادہ کیا اور وہ زمانہ گزشتہ پر افسوس کرتی تھی۔

(۲) ملک و مال کو ترک کر دیا جیسے عشاقانِ خدا کا طریقہ ہے۔

(۳) کوئی مال کوئی خزانہ کوئی اسباب یاد نہ رہا صرف تخت یاد رہا کہ وہی اس کی پونجی تھی۔

(۴) سلیمان علیہ السلام بھی اس کے دل کے راز سے آگاہ ہو گئے کیونکہ اس کے دل تک انہیں راہ ملی۔

(۵) دُور سے دیکھا کہ اس تسلیم کے طریقہ والی کو ہر شے بھول گئی ہے لیکن تخت کی جُدائی سے پریشان ہے۔

(۶) تخت کی پہنائی ایسی تھی کہ اسے اتنی دُور لے جانا نہایت مشکل بلکہ ناممکن تھا۔

(۷) سلیمان علیہ السلام کے لیے اگرچہ یہ بھی ناموزونیت تھی لیکن بلقیس کے لیے اس کی جُدائی موجبِ پریشانی تھی ایسے کہ جسم سے جوڑ کاٹ لئے جائیں۔

(۸) پھر سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اگرچہ آخر میں تخت و تاج کے خیالات بھی بلقیس کے لیے سرد پڑ جائیں گے۔

(۹) لیکن اب اسے خواہش ہے تو فوراً ہی اس کا تخت وہاں سے اٹھایا جائے۔

(۱۰) تاکہ ملاقات کے وقت اسے پریشانی میں نہ دیکھوں بچوں کی خواہش کے مطابق اس کا تخت اٹھا کر اس کی خواہش پوری کر دی جائے۔

منکرینِ کرامت اور سلیمان علیہ السلام

تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ جب سلیمان علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کی امت میں بعض اہلِ کرامت ہیں۔ اسی لیے چاہا کہ ان کی کرامت کا ظہور ہو تاکہ منکرین کو معلوم ہو کہ انبیاء علیہم السلام کی امتوں میں صاحبانِ کرامات ہوا کرتے ہیں اسی لیے اہلِ ایمان کراماتِ اولیاء کا انکار نہیں کرتا (اور بے ایمان انکار کرے تو وہ معذور ہے)

انکارِ معتزلہ از کراماتِ اولیاءٌ

معتزلہ نے اولیاء کی کرامات کا انکار کیا اور ان کے انکار کا ادنیٰ نقصان یہ ہے کہ وہ درجۂ کرامت سے محرومی ہے جیسے بدعتی از اہلِ ہوا کے لیے کرامات کا حال ہے (جیسا کہ ہم نے وہابیوں، دیوبندیوں اور مرزائیوں کو آزمایا ہے)

ازالۂ وہم

کسی جاہل کو یہ گمان نہ ہو کہ خود سلیمان علیہ السلام تخت لانے کی قدرت نہ رکھتے تھے اور نہ ہی ان کو ایسی کرامت حاصل تھی ورنہ وہ خود تخت لاتے کسی دوسرے کو نہ کہتے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت مقصد یہ تھا کہ انبیاء علیہم السلام کی اُمت میں اہلِ کرامات ہوتے ہیں کیونکہ کرامات منجملہ معجزات انبیاءٌ سے ہوتی ہیں اس لیے کہ وہ بھی ان کی نبوت کی تصدیق اور ان کے دین کی حقانیت پر دال ہیں۔

حضرت شیخ داؤد قیصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خوارق عادات اقطاب و خلفاءٌ سے بہت کم صادر ہوتے ہیں البتہ ان کے وزراءٌ و خلفاءٌ سے زیادہ۔ اس لیے کہ وہ خود قیام عبودیت تامہ اور فقر کلی میں مشغول ہوتے ہیں اور وہ خود اپنے لیے تصرف نہیں کرتے۔ ان کی سب سے بڑی کرامات یہی ہیں کہ وہ جہلاءٌ کی صحبت میں مبتلا نہ ہوں بلکہ انھیں علماءٌ و صلحاءٌ کی صحبتوں سے نوازا جاتا ہے اور ان سے ان کا بوجھ ہلکا کیا جاتا ہے اور ان کے احکام و اقوال نافذ کرتے ہیں جیسے آصف و سلیمان علیہ السلام کا حال ہے۔

ف: بعض عارفین فرماتے ہیں کہ ضروری نہیں کہ کامل زمان اپنے ہم زمان لوگوں سے ہر حیثیت سے اور ہر مرتبہ میں اعلیٰ ہو جیسے حضور علیہ السلام نے تابیر نخل میں فرمایا:

انتم اعلم بامور دنیاکم۔

(تم ہی اپنے دنیوی امور کو خوب جانتے ہو)

اور یہ کامل کے لیے کوئی نقص بھی نہیں کیونکہ ہر طرح کا کمال حضرت الوہیتہ وربوبیت کے ساتھ مخصوص ہے اور اللہ تعالیٰ کے ماسوا تمام عاجز بندے اور کسی نہ کسی معاملہ میں ناقص۔ ہاں کسی کو کسی خاص کمال کی خصوصیت ہو تو وہ الگ بات ہے جیسے موسیٰ و خضر علیہما السلام کہ موسیٰ علیہ السلام اگرچہ کلیم زمانہ تھے لیکن خضر علیہ السلام ان سے علم لدنی

marfat.ocm

میں اکمل تھے ؛ ایسے ہی سلیمان علیہ السلام اگرچہ باکمال تھے لیکن عرش اُٹھانے کی خصوصیت آصف کو نصیب تھی، ہماری اس تقریر کی دلیل ہے :

ففہمناها سلیمان (وہ ماجرا ہم نے سلیمان علیہ السلام کو سمجھا دیا)

باوجودیکہ اس وقت خلیفۂ حق حضرت داؤد علیہ السلام تھے لیکن اس وقت معاملہ فہمی کی قوت سلیمان علیہ السلام کو زائد نصیب ہُوئی۔

قصہ حیض میں جماع کرنے والے کا

حضرت سلیمان علیہ السلام و داؤد علیہ السلام کے سامنے ایک عورت نے دعوٰی کیا کہ میرا شوہر میرے بطن سے پیدا شدہ لڑکے کو اپنا بچہ نہیں مانتا فیصلہ فرمائیے۔ مرد سے پُوچھا گیا تو اس نے کہا کہ لڑکے کی شکل و صورت مجھ سے نہیں ملتی اس لیے کہ میں سفید رنگ ہُوں اور یہ سیاہ فام۔ لہٰذا میری عورت نے کسی سے زنا کرایا ہوگا۔ عورت زنا سے انکار کرتی تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس مرد سے پوچھا، کیا تُو نے اپنی بیوی کے ساتھ بحالتِ حیض جماع کیا تھا؟ اس نے اقرار کیا تو فرمایا، یہ لڑکا تیرا ہے اور اس کی سیاہ رُوئی تیرے لیے سزا ہے (آیندہ ایسا نہ کرنا) یہ خصوصیت سلیمان علیہ السلام کو نصیب ہوئی۔

قَالَ عِفْرِيْتٌ ایک خبیث و سرکش مِّنَ الْجِنِّ جن نے کہا۔ یہ مِنْ بیانیہ ہے یعنی سرکش و خبیث جن، اس لیے کہ عفریت ہر اس انسان کو کہا جاتا ہے جو خبیث اور اپنے ہم زمان لوگوں کو ناخوش کرتا اور نہایت قبیح اور گرد آلود ہو۔ اور المفردات میں ہے کہ عفریت سرکش خبیث جن، لیکن لفظ شیطان کی طرح استعارۃً انسان کے لیے بولا جاتا ہے۔

حلِ لغات : العفر (بفتحتین و بسکون الوسط) سے ماخوذ ہے یعنی ہر وہ شخص جو مٹی میں مٹی ہوا پھرے گویا وہ مٹی کاندھے پر ڈالے اور مٹی میں ہی لیٹ کر جسم کو مٹی آلود کرلے۔ یہ دراصل عفر تھا پھر تاً مبالغۃً زاید لائی گئی ہے۔

عفریت کا اصلی نام کیا تھا

عفریت کا اصلی نام ذکوان تھا اور فتح الرحمٰن میں اس کا نام کوذی یا اصطخر لکھا ہے یہ تمام جنات کا سردار تھا چونکہ یہ پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ سرکشی کر چکا تھا (بعد کو تابع ہوا) اصطخر فارس اسی کے نام سے مشہور ہے اور یہ بہت بڑا قد آور تھا دور سے معلوم ہوتا کہ گویا ایک بہت بڑا پہاڑ ہے تا حدِ نگاہ قدم رکھتا تھا۔

اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ میں ہی آپ کی خدمت میں وہ تخت لاؤں گا قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ اس سے پہلے کہ آپ اپنی کچہری برخاست کریں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی عدالت کا وقت صرف بارہ بجے تک تھا۔
سلیمانی عدالت کا ٹائم ٹیبل (یعنی آپ خود اس وقت تک تشریف فرما رہتے تھے)

ف : آتِ تو صیغہ مضارع ہے یا صیغۂ اسم فاعل ہے اور یہی زیادہ موزوں ہے کہ وہ عرش کے لانے کا دعویٰ کر رہا تھا تنہا خود لائے گا۔ سے کسی دوسرے معاون کی ضرورت نہ ہوگی اور جملہ اسمیہ پر علت ڈالنے کے موافق ہے یعنی وہ سلیمان علیہ السلام سے عرض کر رہا تھا کہ میں ابھی ابھی اکیلا ہی وہ تخت لانے والا ہوں۔

وَاِنِّیْ عَلَیْہِ اور بے شک میں اس کے لانے پر لَقَوِیٌّ قوت رکھتا ہوں اس کا بوجھ اٹھانا میرے لیے مشکل نہیں اَمِیْنٌ ○ امانت دار ہوں اس میں جتنے جواہر اور نفیس چیزیں ہیں چراؤں گا نہیں، اور نہ ہی تبدیل کروں گا۔ قَالَ جب سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے تو اس سے بھی زیادہ جلدی چاہیے۔ تو کہا اَلَّذِیْ عِنْدَہٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتٰبِ وہ جس کے پاس کتاب کا کچھ علم تھا اس سے آصف بن برخیا مراد ہے۔

آصف کا تعارف آصف (رضی اللہ عنہ) بن برخیا حضرت سلیمان علیہ السلام کا خالہ زاد اور آپ کا وزیر اور کاتب تھا بلکہ بچپن میں سلیمان علیہ السلام کی تربیت بھی اس کے سپرد تھی۔ بہت سچا اور تعلیم یافتہ تھا۔ سابقہ کتبِ الٰہیہ لکھا کرتا تھا اور وہ اسم اعظم جانتا تھا جس کے ذریعہ وہ جو دعا مانگتا قبول ہو جاتی اسے اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی مدد و نصرت کے لیے ہی پیدا کیا تھا تاکہ وہ ان کے ساتھ مل کر کتاب (احکام) کا نفاذ کریں۔

ف : الکتاب جنس ہے یعنی ان کتابوں میں سے جو موسیٰ و ابراہیم علیہما السلام وغیرہما پر نازل ہونے والی کتابوں میں سے کوئی ایک کتاب مراد ہے یا اس سے لوحِ محفوظ اور اس کے اسرارِ مکتومہ مراد ہیں۔ معتزلہ نے کہا اس سے حضرت جبریل علیہ السلام مراد ہیں۔ وہ چونکہ کراماتِ اولیاءؒ کے منکر ہیں اسی لیے وہ آصف کی بجائے جبریل علیہ السلام مراد لیتے ہیں۔

اَنَا اٰتِیْکَ بِہٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ۔

حلِ لغات : الارتداد بمعنے الرجوع (لوٹنا)۔ **الطرف** کسی شے کے دیکھنے کے لیے پلکوں کا ہلانا اور کھولنا۔ یہاں ارتداد سے انضمام (ملانا) مراد ہے۔

نکتہ : رد کی بجائے ارتداد کا لفظ لایا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہاں پر طبعی آنکھ جھپکنا مراد ہے اور طرف بمعنے نظر عام آتا ہے جبکہ پلک جھپکانے کو دیکھنا لازم ہے اور یہی تیز رفتاری کی آخری قوت ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی شے انسان کے لیے تیز رفتار نہیں اور تیز رفتاری میں اسی کی مثال دی جاتی ہے کیونکہ آنکھ جھپکنے میں کوئی دیر نہیں لگتی۔

marfat.ocm

آصف کا وظیفہ جناب کاشفی مرحوم نے لکھا کہ جونہی سلیمان علیہ السلام نے آصف رضی اللہ عنہ کو اجازت بخشی تو آصف نے سر سجدہ میں رکھ کر کہا: یا حیُّ یا قیوم۔ جسے عبرانی زبان میں آھیا شراھیا کہا جاتا ہے۔ بعض نے کہا کہ آصف نے کہا: یا ذالجلال والاکرام۔ بہرحال آصف نے دُعا مانگی تو آنکھ جھپکنے سے پہلے بلقیس کا تخت سلیمان علیہ السلام کے سامنے آگیا۔

دلیل عجیب یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید نہیں کہ آصف کی قبولیت دعا پر تختِ بلقیس وہاں سے مٹا دیا اور یہاں بعینہٖ اسی طرح کا تخت پیدا کر دیا تاکہ ولی کی کرامت اور نبی کا معجزہ ظاہر ہو۔

مسئلہ: فقیر (اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ یہ مسئلہ ایجاد و اعدام کے قبیل سے ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان:

الدنیا ساعة وقل من یفهمها۔

(دنیا ایک پلک بھر ہے بہت سے لوگ اسے نہیں سمجھتے)

کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اس کے طور اطوار کو عقل نہیں سمجھتی۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ پس ترا ہر لحظہ موت و رجعتیست
مصطفیٰ فرمود دنیا ساعتیست
۲ ہر نفس نو می شود دنیا و ما
بے خبر از نو شدن اندر بقا
۳ عمر ہمچوں جوی نو نو مے رسد
مستمری می نماید در جسد
۴ آں ز تیزی مستمر شکل آمدست
چوں شرر کش تیز جنبانی بدست
۵ شاخ آتش را بجنبانی بساز
در نظر آتش نماید بس دراز
۶ ایں درازی مدت از تیزیِ صنع
می نماید سرعت انگیزی صنع

ترجمہ: (۱) تجھے ہر آن موت اور رجعت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دُنیا ایک

ساعت ہے۔

(۲) ہر سانس جدید پر دنیا ختم ہو جاتی ہے اور ہم بقا میں اس تجدید کو نہیں جانتے۔

(۳) زندگی جو جدید کی طرح ختم ہو رہی ہے لیکن جسم میں، ہمیشگی نظر آتی ہے۔

(۴) وہ زندگی گزارنے کی تیزی دائمی سے ایک شکل نظر آتی ہے جیسے انگارہ کہ تیزی سے ہاتھ پر ہو۔

(۵) آگ کو تیز حرکت دو تو وہ بہت لمبی معلوم ہوتی ہے۔

(۶) اس کی یہ درازی تمہاری حرکت کی وجہ سے ہے جو کہ تیز تیز چلانے سے دراز معلوم ہو رہی ہے۔

فَلَمَّا رَاٰهُ پس جب تخت سلیمان علیہ السلام کے ہاں پہنچ گیا اور آپ نے دیکھا مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ اپنے ہاں ٹھہرا ہوا۔ یعنی تخت آپ کے سامنے موجود تھا جو صرف آنکھ جھپکنے میں آ گیا اور اسے منتقل کرنے میں کسی قسم کا خلل بھی نہیں آیا قَالَ سلیمان علیہ السلام نے حصولِ نعمت پر شکر کے طور پر کہا هٰذَا میری مراد کا حصول کہ تھوڑی سی مدت میں تخت پہنچ گیا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ یہ میرے پروردگار کے فضل سے ہے جو اس نے مجھے عطا فرمایا باوجودیکہ میں اس کا مستحق بھی نہیں لِیَبْلُوَنِیْ تاکہ وہ مجھے آزمائے۔

حلِ لغات : المفردات میں ہے کہ یہ بلیٰ الثوب (کپڑا پرانا ہوا) سے ہے۔ بلوتہ میں نے اسے آزمایا۔ گویا میں نے اسے بار بار آزما کر پُرانا کیا۔ اور جب کہا جائے :

ابتلا فلان بکذا و بلاہ۔

تو وہ دو معنوں کو متضمن ہوتا ہے :

(۱) اس کے حال کو معلوم کرنا اور اس کے معاملات غیر معلومہ سے واقف ہونا۔

(۲) اس کے کھرے کھوٹے ہونے کا ظاہر ہونا۔

کبھی دونوں معانی مراد ہوتے ہیں کبھی ایک، مگر جب اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو۔ مثلاً کہا جاتے بلاہ و ابتلاہ۔ تو اس وقت صرف کھرے کھوٹے ہونے کا ظہور مراد ہو گا اس کے حال سے واقف ہونا مراد نہ ہو گا اور نہ ہی اس کے غیر معلومہ معاملہ کا حال معلوم کرنا مراد ہو گا کیونکہ وہ تو علام الغیوب ہے اس کے لیے یہ دوسرا معنیٰ اس کی شان کے خلاف ہے۔

ءَ أَشْكُرُ کیا میں اس کا شکر کرتا ہوں کہ یہ سمجھوں کہ اسی کا فضل ہے اور بس، اس میں میری تدبیر یا طاقت و قوت کو کوئی دخل نہیں اَمْ اَكْفُرُ یا ناشکری کرتا ہوں کہ یہ سمجھوں کہ اس میں میرا کوئی دخل ہے اور پھر اس کے شکر کی ادائیگی میں کوتاہی کروں۔

marfat.ocm

فائدہ علیہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ جن کو اگرچہ لطافتِ جسمانیہ حاصل ہے لیکن وہ قوائے ملکوتیہ تک محدود ہے لیکن انسان اگرچہ کثیف جسمانیت والا ہے لیکن جب اسے کتابِ الٰہی نصیب ہو تو اسے قوتِ ربانیہ نصیب ہوتی ہے کہ اس نے کتاب پر عمل کرنے سے یہ قوت حاصل کی ہے۔ وہ جن تھوڑے سے وقت میں اتنا بڑا تخت لا سکتا ہے تو انسان کو اس سے بڑھ کر قوت حاصل ہے۔

ربط : چونکہ کرامتِ ولی حضرت سلیمان علیہ السلام کے معجزہ کی مؤید تھی اسی لیے فرمایا : ھذا من فضل ربی لیبلونی ءاشکر ام اکفر۔

ف : حضرت قتادہ نے فرمایا کہ جب سلیمان علیہ السلام نے سر اٹھا کر دیکھا تو تخت سامنے تلا دیکھ کر کہا : الحمد للّٰہ الذی جعل فی اھلی من یدعوہ فیستجب لہ (شکر ہے اللّٰہ تعالیٰ کا کہ اس نے میری امت میں ایسے لوگ بنائے جو اس سے دعا مانگتے ہیں وہ ان کی دعا قبول کر لیتا ہے) ؎

گفت حمد اللہ بریں صد چنیں
کہ بدیدستم ز رب العالمیں

ترجمہ : کہا اللہ تعالیٰ کی حمد ہے کہ اس کو ہزاروں حمد کہ یہ قوت و طاقت ہمیں ربّ العالمین سے ملی۔

وَمَنْ اور جو بھی **شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ** شکر کرتا ہے تو وہ اپنے فائدے کے لیے ہی کرتا ہے کیونکہ نعمتِ موجودہ کے لیے شکر قید اور نعمتِ غیر موجودہ کے لیے شکار ہے **وَمَنْ كَفَرَ** اور وہ دی ہوئی نعمتوں کا شکر نہیں کرتا اور نہ ہی اس عطیہ کے حقوق ادا کرتا ہے تو اس کا اپنا نقصان ہے ، **فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ** اس لیے کہ میرا پروردگار شکر سے مستغنی ہے **كَرِيْمٌ** ۝ کوئی شکر نہ بھی کرے تب بھی وہ نعمت بند نہیں کرتا اور نہ ہی اسے بعجلت سزا دیتا ہے۔

ف : المفردات میں ہے کہ نعمت و محنت دونوں آزمائشیں ہیں اس لیے کہ محنت صبر طلب کرتی ہے اور نعمت شکر کی مقتضی ہے۔ صبر کی ادائیگی آسان ہے بہ نسبت شکر گزاری کے۔ اس معنی پر محنت سے نعمت کی زیادہ آزمائش ہے۔

ملفوظ سیدنا فاروق اعظم رضی اللّٰہ عنہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللّٰہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم مصائب میں مبتلا ہوئے تو صبر کیا اور نعمتوں میں مبتلا ہوئے تو صبر نہ کر سکے۔ اور فرمایا کہ جسے دنیا کی فراوانی نصیب ہو اور وہ اپنے لیے آزمائش

نہیں سمجھتا تو اسے عقل نے دھوکا دیا ہے۔

ملفوظ حضرت واسطی قدس سرہٗ

حضرت واسطی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ شکر فضل الٰہی کا کب مقابلہ کرسکتا ہے، کہاں شاکرین کا شکر اور کہاں اس کا فضل! کیونکہ اس کا فضل قدیم ہے، اور شاکرین کا شکر حادث۔ تو یُوں سمجھیے کہ جو شکر کرتا ہے تو وہ اپنے لیے ہی کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کے شکر سے مستغنی ہے۔

ملفوظ حضرت شبلی قدس سرہٗ

حضرت شبلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نعمتِ الٰہی کے مقابلہ میں شکر ایک بُجھی ہوئی چنگاری ہے۔

اثبات کرامت اولیاءؒ

اسئلۃ المفحمہ میں ہے کہ آیت میں کرامت کا اثبات دو وجہوں سے ہے؛ (۱) جب جِن (عفریت) نے تخت لانے کا یُوں دعویٰ کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی نشست گاہ سے اُٹھنے بھی نہیں پائیں گے کہ میں تخت لادوں گا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: مجھے تو اس سے بھی زیادہ جلدی چاہیے۔ جب یہ کام ایک جِن (عفریت) کے لیے ممکن ہے تو پھر اولیاءؒ کے لیے غیر ممکن کیوں۔

(۲) جس کے پاس کتاب کا علم تھا وہ تھے حضرت آصف سلیمان علیہ السلام کے وزیر۔ اور وہ نبی نہ تھے۔ اور وہ آنکھ جھپکنے سے پہلے تخت لے آئے جیسا کہ قرآن نے شہادت دی ہے۔ اس سے ثابت ہُوا کہ خرقاً للعادة اولیاء اللہ کے لیے جائز ہے؛ خلافاً للقدریۃ؛ یعنی قدریہ نے اولیاءِ کرام کی کرامت کا انکار کیا ہے۔

کرامت واستدراج اور معجزہ کی تعریف

ایسے مومن متقی سے خرق للعادات کا صدور ہو جو مدعیِ نبوت نہیں ہے تو وہ کرامت ہے۔ اگر مدعیِ نبوت سے صادر ہو تو وہ معجزہ ہے اگر غیر مومن اور فاسق سے صادر ہو تو وہ استدراج ہے۔ بعض نے کہا کہ کرامت معجزہ کا نتیجہ اور اس کی مؤید ہے۔ لیکن حقیقی کرامت انسان کے علم وعمل وحسنِ خلق سے ہی ہوتی ہے جس میں علم صحیح اور عمل صالح نہ ہوں اور اس سے کرامت کا صدور ہو وہ کرامت نہیں استدراج ہے۔ بہرحال اس بندۂ خدا سے طی الارض ممکن ہے جو اپنے جسم کو مجاہدات اور قسم قسم کی عبادات میں مشغول رکھے اور کئی کئی راتیں بیدار رہ کر مناجات میں گزار دے تو پانی پر تیرنا بھی اس بندۂ خدا کے لیے ممکن ہے، جو بھوکوں کو طعام کھلائے اور ننگوں کو کپڑے پہنائے اگر اس کے پاس دنیا ودولت ہے تو اپنی دولت سے، ورنہ دوسروں سے کہہ کر یا اَن پڑھ کو علم پڑھائے اور گمراہ کو راہِ راست دکھائے کیونکہ یہ دونوں صفتیں حیاتِ حسیہ وعلمیہ کی حیات کا سبب ہیں اور ان کو پانی سے مناسبت ہے جو اسے مضبوط کرتا ہے تو پانی اس کے حکم پر چلے گا اور وُہ پانی پر تیرتا چلا جائے گا چاہے تو اس پر تیرے چاہے زُہد اختیار کرے اور بوقتِ ضرورت کام میں لائے۔ اور عارف کے لیے زیادہ

marfat.ocm

مناسب بھی یہی ہے کہ وہ کرامات حسیہ ملکیہ کے اظہار سے کنارہ کشی کرے کیونکہ یہ اظہار کرامات آفات و بلیات سے ہے عارف کے لیے جائز ہے کہ اپنے لباس و خوراک وغیرہ کے لیے جن و ملک سے خدمت کرائے۔

ردِ وہابیہ دیوبندیہ (اہل سنّت کا عقیدہ ہے کہ اولیاء اللہ جب چاہیں کرامت کا اظہار کریں وہ اس امر میں مختار ہیں مگر اس فعل کی تخلیق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اسے ان کا غیر اختیاری کہا جاتا ہے چنانچہ اسی مسلک کو صاحب روح البیان نے بیان فرمایا۔ اس سے پتا چلا کہ یہی عقیدہ صدیوں پہلے تھا وہابیہ نے اپنے نوایجاد مذہب میں توحید کی آڑ میں کہہ دیا کہ " نبی و ولی کچھ اختیار نہیں رکھتے نہ کسباً نہ تخلیقاً۔ روح البیان ج ۶ ص ۳۵۰ پر یوں مرقوم ہے کہ ،)[1]

قال فی کشف الاسرار قد تحصل	کشف الاسرار میں ہے کہ کرامت کبھی ولی اللہ
الکرامة باختیار الولی و دعائہ و	کے اختیار سے صادر ہوتی ہے اور کبھی اس
قد تکون بغیر اختیارہ۔	کے اختیار کے بغیر۔

ف : پچھلے جملے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کرامت ان سے صادر ہو جاتی ہے جس کا ان کو اس کے صادر کرنے کا ارادہ نہ تھا۔

حدیث شریف میں ہے :

کم من اشعث اغبر ذی طمرین لا یؤبہ لہ لو اقسم علی اللہ لابرہ۔

(بہت سے غبار آلود اور پھٹے پرانے کپڑوں والے جن کا کوئی اعتبار نہ کیا جائے گا لیکن وہ اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں قسم کھائیں تو اللہ تعالیٰ انہیں قسم میں سچا کر دکھلائے)

زمین کی خوش بختی آثار میں وارد ہے کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وصال ہوا تو زمین رو پڑی اور عرض کی :

بقیت لا یمشی علیّ نبی الی یوم القیامة۔

(اب قیامت تک میرے اوپر کوئی نبی نہیں چلے گا)[2]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا : میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں ایسے لوگ پیدا کروں گا جن کے قلوب انبیاء علیہم السلام جیسے ہوں گے اور ان سے کرامات کا صدور ہوگا۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

[2] کیونکہ آپ آخر الانبیاء تھے اور وہ بھی دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اویسی غفرلہٗ

مسئلہ: کراماتِ اولیاؑ معجزاتِ اولیاؑ سے ملحق ہیں کیونکہ اگر نبی سچا نہ ہوتا تو اس کے امتی سے کرامت صادر نہ ہوتی۔

وہابی دیوبندی کی نشانی

اولیاء کی کرامات کا منکر صرف محروم القسمۃ ہی ہو سکتا ہے ورنہ خوش قسمت لوگ کبھی کسی کرامت کا انکار نہیں کرتے۔ ایسے خوش قسمت لوگوں کی علامت یہ ہے کہ وہ مطلقاً ہر کرامت کا اقرار کر لیتے ہیں خواہ ان کے اپنے زمانے کے اولیاؑ ہوں یا ان سے پہلے۔ بخلاف بد قسمت محروموں کے۔ یعنی منکرین اولیاؑ کے کہ وہ اپنے ہم عصر اولیاؑ کی کرامات کے قائل تو ہوتے ہیں لیکن اپنے سے پہلے اولیاء کی کرامات کا انکار کر جاتے ہیں جیسے معروف کرخی و سہل و جنید [اور ان جیسے دیگر اولیاؑ جیسے غوث صمدانی قطب یزدانی سیدنا عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہم کی کرامات کا انکار کر جاتے ہیں۔ مثلاً کہا جائے کہ محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ نے مُردے زندہ کئے، بے اولادوں کو اولاد دلائی اور بڑھیا کا بیڑا ترایا اور بارہ سال کے بعد مُردہ بارات صحیح و سالم باہر آئی تو منکرینِ کراماتِ اولیاؑ سیخ پا ہو جاتے ہیں آزما کر دیکھئے۔ ایسے لوگوں کو صاحبِ روح البیان نے محروم القسمۃ کہا ہے اور ہمارے زمانے میں ان کا نام وہابی دیوبندی ہے۔ اور پھر اس کے بعد ایک عجیب مثال قائم فرماتے ہیں کہ] ان منکرین کی مثال ان یہودیوں کی سی ہے کہ وہ اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام کو تو مانتے ہیں لیکن انہیں حضور علیہ السلام کی نبوت کا انکار ہے اور یہ بُری عادت یہودیانہ ہے اللہ تعالیٰ سے ہم توفیق اور اپنے انجام پر حُسنِ خاتمہ مانگتے ہیں اپنے لیے بھی اور جملہ اہلِ اسلام کے لیے بھی۔ اور گڑگڑا کر عرض کرتے ہیں کہ قیامت میں ہمیں اہلِ کرامات کے ساتھ اٹھائے (آمین)

قَالَ سلیمان علیہ السلام نے کہا۔ قال کا تکرار اس لیے ہے کہ پہلے اور آنے والے مضمون میں فرق ہے اس لیے کہ پہلے مضمون میں شکر کا بیان ہے دوسرے میں خدام پر امر ہے وہ یہ کہ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا تنکیر بمعنے شے کی ہیئت کو ایسا بدلنا کہ اسے پہچانا نہ جا سکے۔ اور تعریف وہ شے کہ اسے مکمل طور پر پہچانا جائے۔ تاج المصادر میں ہے بمعنے ناشناسا کرنا۔ اب معنی یہ ہُوا کہ اس تخت کی ہیئت کو ایسے تبدیل کر دو کہ پہچانا نہ جائے۔ سلیمان علیہ السلام کا یہ حکم سُن کر شیاطین نے بلقیس کے تخت کو الٹا دیا اور اس کے اوپر عجیب و غریب قبّے بنا دیے، جہاں سبز موتی تھے وہاں سرخ اور جہاں سُرخ تھے وہاں سبز موتی لگا دیے۔ نَنْظُرْ اس کا مجزوم ہونا امر کے جواب کی وجہ سے ہے تاکہ ہم دیکھیں کہ بعد از سوال أَتَهْتَدِيْ کیا وہ اس کے پہچاننے میں راہ پاتی ہے تو پھر اس سے اس کی عقل کی وسعت ظاہر ہو جائے گی أَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ۝ یا وہ ان سے ہے کہ انہیں اس کے پہچاننے کی راہ نہیں ملتی تو پھر اس کی عقل کی کمزوری واضح ہو جائے گی۔

marfat.ocm

ربط : شیاطین کو گمان ہوا کہ بلقیس سلیمان علیہ السلام کو جنات کے پوشیدہ اسرار سے آگاہ کرے گی کیونکہ وہ جنیہ کی لڑکی تھی اور پھر اگر سلیمان علیہ السلام سے اس کا نکاح ہو گیا اور کوئی لڑکا پیدا ہو گیا تو وہ ہم پر ہمیشہ کے لیے مسلط رہے گا کیونکہ اس میں جن و انس دونوں طاقتیں ہوں گی۔ اس طرح سے ہم تاقیامت ان کے پنجے سے نہ چھوٹ سکیں گے اور ہماری زندگی ہمیشہ کے لیے ذلت و خواری کا شکار ہو جائے گی اسی لیے سلیمان علیہ السلام سے کہہ دیا کہ وہ تو عقل سے بے بہرہ ہے دوسرے یہ کہ اس کے پاؤں گدھے کے کھروں جیسے ہیں، تیسرے اس کی پنڈلیوں پر بال ہیں۔ اور یہ تمام امور نہایت ہی قبیح ہیں۔ سلیمان علیہ السلام نے اس کی عقل کی پہچان کے متعلق تو پہلے فرما دیا اور اس کی پنڈلیوں وغیرہ کا افشا آگے چل کر کریں گے۔

فَلَمَّا جَآءَتْ پس جب وہ (بلقیس) سلیمان علیہ السلام کے ہاں حاضر ہوئی تو تخت وہاں پڑا دیکھا قِيْلَ سلیمان علیہ السلام کی طرف سے براہ راست کہا گیا یا بالواسطہ، بہرحال یہ بطور امتحان کے تھا تاکہ اس کی عقل کے متعلق معلوم ہو جائے أَهٰكَذَا عَرْشُكِ کیا تیرا تخت ایسا ہے۔ یہ نہ فرمایا کہ کیا یہی تیرا تخت ہے تاکہ اس سے ان کا بتانا امتحان کے خلاف نہ ہو جائے جبکہ اس وقت اس سے امتحان مطلوب ہے قَالَتْ کہا۔ اس وقت بلقیس نے اپنا تخت نہ ہونے کا نہیں کہا اور نہ ہی کہا کہ وہی ہے بلکہ جس طرح انہوں نے بلقیس پر ایک شکل تبدیل کر کے شبہ میں ڈال دیا اس نے بھی جواب اسی طرح کا دیا حالانکہ حقیقتِ حال اس پر منکشف ہو گئی تھی كَأَنَّهُ هُوَ گویا یہ وہی ہے، اس طرح ظاہر کیا کہ اس کی صفات میں تغیر ضرور ہے لیکن ذاتی طور پر تو یہ میرا تخت ہی معلوم ہوتا ہے۔ اس طرح سے اس کی عقل کی فراوانی کا امتحان ہو گیا اور وہ خود بھی سمجھ گئی تھی کہ اس طرح سے سلیمان علیہ السلام اس کا امتحان لینا چاہتے ہیں اور ساتھ دکھانا چاہتے ہیں کہ وہ (سلیمان علیہ السلام) صاحبِ معجزہ نبی ہیں کہ اس (بلقیس) کے پہنچنے سے پہلے ہی انہوں (سلیمان) نے اس کا تخت اٹھوا لیا وَأُوتِينَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا اور اس سے پہلے ہی معلوم کر چکے تھے یعنی آیاتِ الٰہ سے پہلے۔ وَكُنَّا مُسْلِمِينَ ۝ درانحالیکہ ہم اس وقت مسلمان تھے وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَعْبُدُ مِنْ دُونِ اللّٰهِ (اور اسے غیر اللہ کی پرستش نے روکے رکھا)

ربط : یہ بیان اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کہ اظہارِ اسلام سے تاحال اسے سورج پرستی نے روک رکھا تھا غیر اللہ کی عبادت میں مشغول رہی۔

إِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِينَ ۝ بیشک تھی وہ کافر لوگوں سے۔ یہ اس کی عبادت غیر اللہ کی علت ہے کہ وہ کافروں میں رہتی تھی یہاں تک کہ سلیمان علیہ السلام کے قبضہ میں آگئی اب وہ دائرۂ ایمان

میں ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

چوں سلیماں سوئے مرغانِ سبا
یک صفیری کرد بست آں جملہ را
جز مگر مرغے کہ بد بیجان و پر
یا چو ماہی گنگ بد از اصل و کر

ترجمہ : سلیمان علیہ السلام نے سبا کے مرغوں (پرندوں) کو ایک آواز دی تو پھر تمام کو اپنی قید میں کر لیا سوائے اس مرغ (پرندے) کے جو بے جان و پر تھا یا وہ مچھلی جو گونگی اور بہری تھی۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں دلیل ہے کہ کسی کام میں مشغول ہونا اسے اس کی ضد سے مانع رکھتا ہے۔ جیسے بلقیس کو سورج پرستی نے عبادتِ الٰہی سے محروم رکھا۔ اس لیے انسان پر لازم ہے کہ وہ کسی دنیوی کام میں مستغرق نہ ہو بلکہ وہ صرف اور صرف عبادتِ الٰہی اور محبت ایزدی کو اپنائے اس لیے کہ جب اس پر ماسوی اللہ کی حُبّ غالب ہوگی اور اسے اس سے کوئی شے روکنے والی بھی نہ ہوگی نہ عقل سے نہ دین سے تو وہی محبت اسے ماسوی اللہ سے اندھا اور بہرہ بنا دے گی۔

جیسا کہ حدیث شریف میں ہے :

حدیث شریف

حُبُّكَ الشَّیْءَ یُعْمِی وَیُصِمّ۔

(تجھے کسی شے کی محبت اندھا و بہرہ بنا دے گی)

عجیب محل کی تیاری

مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے پہنچنے سے پہلے حکم فرمایا کہ ایسا محل تیار کیا جائے جس کا صحن سفید شیشوں کا ہو اور اس کے نیچے پانی جاری کیا جائے اور اس میں مچھلیاں وغیرہ ڈال دی جائیں اور سلیمان علیہ السلام کا تخت اس کے درمیان میں رکھا جائے۔ یہ سب کچھ کر کے سلیمان علیہ السلام تخت پر بیٹھ گئے اور آپ کے ارد گرد پرندے اور جن و انس کھڑے ہو گئے۔

تفسیر عالمانہ

جب بلقیس محل کے قریب پہنچی قِیْلَ لَهَا ادْخُلِی الصَّرْحَ تو اسے کہا گیا کہ اس محل میں داخل ہو جا

حلِ لغات : الصرح بمعنے محل اور وہ عمارت جو اونچی ہو۔ اسے اس نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ وہ ہر قسم کی ملاوٹ سے خالص ہوتا ہے۔ اور صرح (بفتحتین) بمعنے خالص عن کل شئ۔

marfat.ocm

فَلَمَّا رَاَتْهُ پس جب بلقیس نے اسے دیکھا کہ اس میں سورج چمک رہا ہے اور پانی خالص ہے اور اس میں مچھلیاں تیر رہی ہیں حَسِبَتْهُ لُجَّةً لُجّة بمعنے دریا کی گہرائی، جس کا پانی موجیں مار رہا ہو۔ (کذا فی المفردات)

کشف الاسرار میں لجّة بمعنے پانی کی گہرائی اور وہ تھوڑا سا پانی مراد ہے جو زیادہ سے زیادہ گٹوں یا پنڈلیوں تک ہو یا جس میں انسان ڈوب نہ سکے۔ (کذا فی القاموس)

اب معنٰی یہ ہوا کہ بلقیس نے خیال کیا کہ سلیمان علیہ السلام کے آگے گہرا پانی ہے اسے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ پانی شیشے کے نیچے بہہ رہا ہے۔ ارادہ کیا کہ وہ اس میں داخل ہو وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا اور اپنی دونوں پنڈلیوں کو کھولا۔ ساقین ساق کا تثنیہ ہے اور دو گھٹنوں کے درمیان والی جگہ کو ساق کہا جاتا ہے دو گٹوں سے ایک جگہ گھٹنوں کا دوسرا قدم کا گھٹنا مراد ہے یعنی پنڈلیوں سے کپڑا اٹھایا تاکہ پانی میں بھیگ نہ جاتے۔ جب پنڈلی کھولی تو دیکھنے والوں نے دیکھا کہ وہ پنڈلی اس قدر حسین تھی کہ ایسی پنڈلی کسی نے کبھی دیکھی نہ سنی اور اس پر بالوں کا نام ونشان تک نہ تھا۔ قَالَ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا پنڈلی سے کپڑا اٹھانے کی ضرورت نہیں اِنَّهٗ اس لیے کہ بے شک وہ جسے پانی گمان کر رہی ہے صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ محل ہے چکنا، سیدھا، ہموار، صاف ستھرا شیشہ اور تلوار کی طرح۔ اسی سے امرد (بے ریش) ہے کہ اس کی داڑھی کے بال نہیں ہوتے، چہرہ صاف ستھرا ہوتا ہے اور نہایت ہی نرم ونازک ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے: شجرة مرداء (وہ درخت جس کے پتے نہ ہوں) مِّنْ قَوَارِيْرَ شیشوں سے۔

حلِ لغات: القاموس میں ہے القواریر، قارورۃ کی جمع ہے۔ وہ شے جس میں پانی وغیرہ قرار پکڑے یا مطلق شیشہ۔

یعنی یہ خالص شیشوں سے تیار کیا گیا ہے اس میں پانی نہیں ہے قَالَتْ جب بلقیس نے یہ حال دیکھا کہ سلیمان علیہ السلام صاحبِ معجزہ ہیں کہا رَبِّ اے میرے پروردگار! اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ بے شک میں نے سورج پرستی کر کے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اب میں اسلام لاتی ہوں سلیمان علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لیے، وہ پروردگارِ عالم ہے۔

نکتہ: بلقیس نے رب العالمین کی صفت کا اضافہ کر کے ظاہر کیا ہے کہ مجھے اس کی الوہیت کی مکمل معرفت نصیب ہو گئی ہے اور اب میں سمجھ گئی کہ صرف وہی عبادت کا مستحق ہے کیونکہ وہ جملہ عالم کا پروردگار ہے منجملہ ان کے یہی سورج بھی ہے جس کی میں پرستش کرتی رہی۔

اب معنٰی یہ ہوا کہ اس نے کہا کہ اب میں توحید خالص کی اقراری ہوں اور سلیمان علیہ السلام کی فرمانبردار

ہوں اور ان کی اقتدا میں عبادتِ الٰہی بجالاؤں گی۔

ف: قیصری نے کہا کہ (بلقیس نے کہا) میں سلیمان علیہ السلام جیسا اسلام قبول کر چکی ہوں۔

یہ لفظ مع اس مع کی طرح ہے جو آیت:

یوم لا یخزی اللہ النبی والذین اٰمنوا معہ۔

(اس دن اللہ تعالیٰ اپنے رسول علیہ السلام کے ساتھ اہلِ ایمان کو رُسوا نہ کرے گا)

میں ہے۔ یہ اس لیے کہ اہلِ ایمان عوام کا ایمان رسل کرام علیہم السلام کے ایمان کے مقارن نہیں ہوتا۔ ایسے ہی بلقیس کا ایمان سلیمان علیہ السلام کے ایمان کے مقارن نہ تھا۔ مطلب یہ کہ بلقیس نے کہا، میں اللہ اور آخرت پر اسی طرح ایمان لاتی ہُوں جیسے سلیمان علیہ السلام ایمان لائے ہیں۔ جیسے وہ اللہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں میں بھی اسی طرح سرِ تسلیم خم کرتی ہُوں۔

ف: یہ مع بمعنے بعد ہے، جیسے ان مع العسر یسراً میں مع بمعنے بعد ہے۔

نکاحِ بلقیس

بلقیس کے نکاح کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کا نکاح یمن کے امراء کے ایک صاحبزادے سے کر دیا یعنی ذو تبع کے ساتھ جو ہمدان کا بادشاہ تھا۔ اور تبع یمن کی لغت میں اس بادشاہ کو کہا جاتا ہے جس کی تابعداری کی جائے۔ وہ اس لیے کہ بلقیس کو جب سلیمان علیہ السلام نے اپنے ساتھ نکاح کے لیے کہا تو اس نے انکار کر دیا اور کہا مجھ جیسی مردوں سے نکاح نہیں کر سکتی۔ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ نکاح بھی ہمارے دین کا ایک حکم ہے۔ کہا تو پھر میرا نکاح ذو تبع سے کر دیجئے۔ اس پر آپ نے اس کا نکاح ذو تبع سے کر کے واپس یمن بھیج دیا اور یمن کی شاہی اس ذو تبع کے سپرد فرمائی۔ اس کے بعد آپ نے زوبعہ امیرِ جناتِ یمن کو بلا کر فرمایا کہ تمہارے ذمہ ذو تبع کی خدمت ضروری ہے وہ جو چاہے تم سے خدمت لے تم ان کی خدمات سرانجام دو۔ اسی لیے ذو تبع نے یمن میں بہترین صنعتیں تیار کرائیں اور مضبوط قلعے تیار کرائے جیسے صرواح و مرواح و ہندۃ و ہنیدۃ و فلتوم۔ یہ وہ قلعے ہیں جنھیں یمن میں جنّات نے تیار کیا تھا لیکن آج وہ ویران و برباد ہو کر ناپید ہو چکے ہیں اور ذو تبع و بلقیس کی شاہی سلیمان علیہ السلام کے وصال کے بعد ختم ہو گئی۔ اس لیے کہ جب سلیمان علیہ السلام کا وصال ہُوا تو زوبعہ جنّات کے بادشاہ نے اعلان کیا کہ سلیمان علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں اب جہاں چاہو چلے جاؤ۔ اس اعلان کے بعد جنّات ذو تبع کے حکم سے علٰحدہ ہو کر منتشر ہو گئے۔

بلقیس کا نکاح سلیمان علیہ السلام کے ساتھ

بعض علماء فرماتے ہیں کہ بلقیس کو سلیمان علیہ السلام خود اپنے نکاح میں لائے تھے۔ صاحبِ تاویلاتِ نجمیہ اس پر دلیل قائم فرماتے ہیں کہ شیاطین نے بلقیس کے متعلق شُبہ ڈالا تھا کہ وہ جنیہ ہے اور اس کی پنڈلی پر بال ہیں

marfat.ocm

اسی لیے آپ نے اس کی پنڈلی کھلوانے کا سبب بنایا اور اس کی پنڈلی کو دیکھا اگر نکاح کا ارادہ نہ ہوتا تو آپ کبھی اس کی پنڈلی کو نہ دیکھتے کیونکہ شرعاً عورت کے اجزاء کا دیکھنا ناجائز ہے اور نبی ہر ناجائز فعل کے ارتکاب سے معصوم ہوتا ہے۔

بال صفا دوائی کی ایجاد

فتح الرحمٰن میں ہے کہ بلقیس کی پنڈلی پر واقعی بال تھے سلیمان علیہ السلام نے ان کے مونڈنے کا مشورہ انسانوں سے لیا تو انہوں نے کہا کہ اُسترے سے مونڈ لیے جائیں۔ آپ نے فرمایا، استرے سے خوالش کا خطرہ ہے کوئی اور تجویز چاہیے۔ اس پر جنّات کو بلایا گیا جنّات نے نورہ (بال صفا دوائی) تیار کی اور کہا کہ حمام میں داخل ہو کر اسے پنڈلی پر لگائیں بال جھڑ جائیں گے۔ اس روز سے نورہ اور حمام ایجاد ہوئے۔

ف : بعض نے کہا، حمام خود حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کے اردگرد تیار کرائے تھے جو باب اسباط کے باہر واقع تھے۔ روئے زمین پر سب سے پہلے آپ نے ہی حمام بنوائے۔

نکاحِ سلیمان بہ بلقیس اور محبت کی کہانی

روضۃ الاخبار میں ہے کہ جب سلیمان علیہ السلام نے بلقیس سے نکاح کیا تو جنّات نے کہا کہ ہم آپ کو ایسا مکان تیار کر دیتے ہیں جو چاروں موسموں کے موافق ہو۔ ایسا مکان تیار کیا گیا اور اس میں حمام بھی تیار ہوا۔ سلیمان علیہ السلام کے نکاح کے بعد اس سے محبت شدید پیدا ہو گئی لیکن اسے اپنے ملک یمن (سبا) میں قیام رکھنے کا حکم فرمایا لیکن جنّات سے تین قلعے تیار کرائے:

۱۔ سلجین

۲۔ غمدان

۳۔ بینون

وہ اتنے اُونچے تھے کہ مضبوطی اور حُسن وجمال میں دنیا بھر میں ان کی مثال نہ تھی لیکن آج بالکل ویران ہیں اور ان کے نشانات بھی نہیں ملتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ ہُود میں ان کے متعلق فرمایا، حصید (یعنی ریزہ ریزہ ہو کر ملیامیٹ ہو گئے) حضرت سلیمان علیہ السلام بلقیس کے پاس مہینہ میں ایک دفعہ تشریف لے جاتے اور تین دن اس کے ہاں ٹھہرتے۔ بلقیس سے آپ کا ایک بیٹا داؤد بن سلیمان بن داؤد پیدا ہوا لیکن سلیمان علیہ السلام کی زندگی میں ہی اللہ کو پیارا ہو گیا۔

سلیمانی شاہی کی مدت

سیدنا سلیمان علیہ السلام تیرہ سال کی عمر میں مسند نشین ہوئے اور ترپن سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ اس معنی پر آپ نے چالیس سال سلطنت سنبھالی۔ بعد وفات موسیٰ علیہ السلام ۵۷۵؁ کے اواخر میں وفات پائی۔ آپ کی وفات اور ہجرت شریفہ اسلامیہ کے

درمیان ۴، ۷، اسال گزرے۔ آپ کی قبر مبارک بیت المقدس میں جیسمانیہ کے نزدیک ہے اور آپ کے والد گرامی کا مزار بھی یہیں ہے۔ بلقیس بھی سلیمان علیہ السلام کے وصال کے صرف ایک ماہ بعد فوت ہو گئی۔

جب تدمر کی دیوار توڑی گئی تو اس پر بہتر (۷۲) حلہ جات پائے گئے جو صبر اور مصطگی (دواؤں) سے الجوبہ باقی رکھے گئے تھے، پھر ان کے حسن وجمال کا کیا کہنا۔ اور پھر لطف یہ کہ وہ ہلانے سے ہلتے تھے۔ بلقیس کی قبر کے سرہانے لکھا تھا:

"انا بلقیس صاحبة سلیمان بن داؤد خرب اللہ من یخرب بیتی۔"

(میں سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی زوجہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس کے ملک کو برباد کرے جو میرے گھر کو اجاڑے)

یہ واقعہ مروان الحمار کے دور میں ہوا۔

۱ ہمہ تخت وملکے پذیرد زوال
بجز ملک فرماندہ لایزال

۲ جہان اے پسر ملک جاوید نیست
ز دنیا وفاداری امید نیست

۳ مکن تکیہ بر ملک وجاہ وحشم
کہ پیش از تو بودست وبعد از تو ہم

۴ نہ لایق بود عشق با دلبرے
کہ ہر بامدادش بود شوہرے

۵ دریغا کہ بے ما بسے روزگار
بروید گل وبشگفد نوبہار

۶ مکن عمر ضایع بافسوس وحیف
کہ فرصت عزیز است والوقت سیف

۷ عروسے بود نوبت ماتمت
گرت نیک روزے بود خاتمت

ترجمہ: (۱) ہمہ ملک وتخت زوال پذیر ہیں سوائے لایزال حاکم (اللہ تعالیٰ) کے۔

(۲) اے بیٹے! ملک دائمی نہیں، دنیا سے وفاداری کی امید نہیں۔

(باقی برصفحہ)

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ فَإِذَا هُمْ فَرِيقَانِ يَخْتَصِمُونَ ۴۵
اور بیشک ہم نے ثمود کی طرف ان کے ہم قوم صالح کو بھیجا کہ اللہ کو پوجو تو جبھی وہ دو گروہ ہو گئے جھگڑا کرتے۔ صالح نے

قَالَ يَا قَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُونَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۖ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُونَ اللَّهَ
فرمایا اے میری قوم کیوں برائی کی جلدی کرتے ہو بھلائی سے پہلے اللہ سے بخشش کیوں نہیں مانگتے شاید تم پر

لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۴۶ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَعَكَ ۚ قَالَ طَائِرُكُمْ عِنْدَ اللَّهِ
رحم ہو
بولے ہم نے برا شگون لیا تم سے اور تمہارے ساتھیوں سے فرمایا تمہاری بدشگونی اللہ کے پاس

بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُونَ ۴۷ وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُفْسِدُونَ فِي
ہے بلکہ تم لوگ فتنے میں پڑے ہو اور شہر میں نو شخص تھے کہ زمین میں فساد کرتے اور

الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ۴۸ قَالُوا تَقَاسَمُوا بِاللَّهِ لَنُبَيِّتَنَّهُ وَأَهْلَهُ ثُمَّ لَنَقُولَنَّ
سنوار نہ چاہتے آپس میں اللہ کی قسمیں کھا کر بولے ہم ضرور رات کو چھاپا ماریں گے صالح اور اس کے گھر

لِوَلِيِّهِ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ أَهْلِهِ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ۴۹ وَمَكَرُوا مَكْرًا وَمَكَرْنَا
والوں پر پھر اس کے وارث سے کہیں گے اس گھر والوں کے قتل کے وقت ہم حاضر نہ تھے اور بیشک ہم سچے ہیں اور انہوں نے

مَكْرًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۵۰ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ أَنَّا دَمَّرْنَاهُمْ
اپنا سا مکر کیا اور ہم نے اپنی خفیہ تدبیر فرمائی اور وہ غافل رہے تو دیکھو کیسا انجام ہوا ان کے مکر کا ہم نے ہلاک کر دیا انہیں اور ان کی

وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِينَ ۵۱ فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوا ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً
ساری قوم کو تو یہ ہیں ان کے گھر ڈھے پڑے بدلہ ان کے ظلم کا بے شک اس میں نشانی

لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۵۲ وَأَنْجَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۵۳ وَلُوطًا إِذْ قَالَ
ہے جاننے والوں کے لیے اور ہم نے ان کو بچا لیا جو ایمان لائے اور ڈرتے تھے اور لوط کو جب اس نے

لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ وَأَنْتُمْ تُبْصِرُونَ ۵۴ أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ
اپنی قوم سے کہا کیا بے حیائی پر آتے ہو اور تم سوجھ رہے ہو کیا تم مردوں کے پاس مستی سے

شَهْوَةً مِنْ دُونِ النِّسَاءِ ۚ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ۵۵ فَمَا كَانَ جَوَابَ
جاتے ہو عورتیں چھوڑ کر بلکہ تم جاہل لوگ ہو تو اس کی قوم کا کچھ

قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوا آلَ لُوطٍ مِنْ قَرْيَتِكُمْ ۖ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ ۵۶
جواب نہ تھا مگر یہ کہ بولے لوط کے گھرانے کو اپنی بستی سے نکال دو یہ لوگ تو ستھرا پن چاہتے

فَاَنْجَیْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِیْنَ (۵۷) وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا
پس کو ہم نے اُسے اور اس کے گھر والوں کو نجات دی مگر اس کی عورت کو ہم نے ٹھہرا دیا تھا کہ وہ رہ جانیوالوں میں ہے اور
فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِیْنَ (۵۸) قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ
ہم نے ان پر ایک برساؤ برسایا تو کیا ہی برا برساؤ تھا ڈرائے ہوؤں کا تم کہو سب خوبیاں اللہ کو اور سلام اس کے چنے ہوئے بندوں پر
اصْطَفٰی آٰللّٰهُ خَیْرٌ اَمَّا یُشْرِكُوْنَ (۵۹)
کیا اللہ بہتر یا ان کے ساختہ شریک

(بقیہ صفحہ)

(۳) ملک و جاہ و حشم پر بھروسا مت کر اس لیے کہ تجھ سے پہلے بھی بہت ہوئے اور بعد کو بھی بہت آئیں گے۔

(۴) اس محبوب سے محبت اچھی نہیں جس کا ہر صبح نیا شوہر ہو۔

(۵) افسوس ہے کہ ہمارے بغیر زمانے میں بہت سے پھول اُگیں گے اور نئی بہاریں آئیں گی۔

(۶) عمر ضائع نہ کیجئے افسوس و حیف ہے کہ فرصت عزیز ہے اور وقت تلوار ہے۔

(۷) مرتے وقت تیرا خاتمہ اچھا ہو گیا تو تجھے ایسی موت پر مبارک ہو۔

تفسیر عالمانہ

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰی ثَمُوْدَ اور ہم نے ثمود کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ یہ عرب کا ایک قبیلہ تھا جو بُت پرستی میں مبتلا تھا اَخَاهُمْ ان کے اس نسب سے صدق و امانت میں معروف تھا صٰلِحًا صالح علیہ السلام کو ان کا ترجمہ و تعارف پہلے بیان ہو چکا ہے اَنِ یہ مصدریہ ہے یہ در اصل بِاَنْ تھا۔ یہ کہ اعْبُدُوا اللّٰهَ اللہ کی عبادت کرو اس کا کوئی شریک نہیں فَاِذَا هُمْ فَرِیْقٰنِ پس اس پہ ان کے دو گروہ ہو گئے یَخْتَصِمُوْنَ ○ آپس میں لڑتے جھگڑتے تھے اختصام بمعنی ایک دوسرے سے دست بگریبان ہونا یعنی ایک گروہ بدستور کافر رہا یعنی صالح علیہ السلام کے اعلانِ نبوت پر ثمود کے دو گروہ ہو گئے ایک مسلمان ہو گیا دوسرا کافر۔

marfat.ocm

ف: کاشفی مرحوم نے لکھا کہ ان کے جھگڑے کی تفصیل سورۂ اعراف میں بیان ہو چکی ہے۔ مثلاً:

قال الملأ الذی استکبروا من قومه للذین استضعفوا۔ (قوم کے لیڈروں نے کمزوروں سے کہا الخ)

قَالَ صالح علیہ السلام نے کافروں سے فرمایا **يٰقَوْمِ** اے میری قوم! **لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ** کیوں سزا کی جلدی کرتے ہو۔ مثلاً وہ کہتے تھے:

ائتنا بما تعدنا (لاؤ وہ جس سے تم ڈراتے ہو)

حلِ لغات: الاستعجال بمعنے وقت سے پہلے کسی شے کا مطالبہ کرنا۔ لِمَ دراصل لِمَا (استفہام) ہے **قَبْلَ الْحَسَنَةِ** توبہ سے پہلے۔ تم توبہ کو نزولِ عذاب سے موخر کر رہے ہو۔ وہ اپنی جہالت و غوایت کی وجہ سے کہتے تھے کہ جب عذاب آئے گا تو ہم توبہ کر لیں گے ورنہ جس حال میں ہیں یہی اچھا ہے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ قبل میں تقدم زمانی مراد نہیں بلکہ تقدم رتبی و آزمائشی مراد ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے کوئی کہے:

صحة البدن قبل کثرة المال۔

(کثرتِ مال سے قبل صحة البدن ضروری ہے)

لَوْلَا یہ حرف تخصیص بمعنے هلّا ہے **تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ** تم نزولِ عذاب سے پہلے اللہ تعالیٰ سے بخشش کیوں نہیں مانگتے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں توبہ کیوں نہیں کرتے **لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ** ۝ امید کرو کہ تم پر رحم کیا جائے اور تمہاری توبہ قبول ہو جائے تو عذاب سے بچ جاؤ گے کیونکہ نزولِ عذاب کے وقت قبولِ توبہ کا امکان نہیں رہتا ؎

تو پیش از عقوبت در عفو کوب
کہ سودے ندارد فغاں زیر چوب

ترجمہ: سزا سے پہلے ہی معافی کا دروازہ کھٹکھٹا اس لیے کہ جب ڈنڈا سر پر برسا تو اس وقت فریاد کام نہ آئے گی۔

قَالُوا اطَّيَّرْنَا انہوں نے کہا ہم نے بری فال لی ہے۔ یہ دراصل تطیّرنا تھا تطیّر بمعنے بدفال لینا۔

طریقۂ فال ان کے فال لینے کا ایک طریقہ تھا کہ اگر سفر کو جاتے وقت کسی پرندے کو دائیں جانب اڑتا دیکھتے تو سمجھتے اس سے ان کا فائدہ ہے اگر وہ بائیں طرف گزر جائے تو سمجھتے کہ اس سے نقصان ہو گا۔ یوں انہوں نے تقدیر ربانی کی بجائے نفع و نقصان کی نسبت پرندے کی طرف کر رکھی تھی۔ جو فعل کسی شے کے سبب

سے ہوتا یا کسی بندے سے ہوتا تو وہ اس سے نیک و بد فالی پکڑتے۔

ف: فتح الرحمٰن اور الکواشی میں ہے کہ سانح وہ پرندہ جو دائیں جانب اُڑے تو اسے تیر مار کر گرایا جا سکتا ہے اسی سہولت کی بنا پر اس سے نیک فالی لیتے تھے۔ اور البارح وہ پرندہ جو بائیں جانب اڑتا چونکہ اسے تیر مار کر گرانا مشکل ہو جاتا ہے اس لیے اس سے بدفال پکڑتے اس کے بعد ہر بدفالی کو تطیّر کہنے لگے۔

القاموس میں البارح وہ پرندہ جو کسی کی دائیں جانب سے بائیں جانب کو جاتے۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

برح الظبی بروحاً یعنی ہرنی پیٹھ پھیر کر تیری بائیں جانب سے نکل گئی۔

اور سنح سنوحا، برح کی نقیض ہے اور کہا جاتا ہے:

لی بالسنح بعد البارح۔ یعنی مجھے منحوس کے بعد مبارک ملا۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ یہ عرب کے اعتقادات تھے جو بعض وحوش و طیور میں ایسی فالیں پاتے تھے مثلاً جب کوئی پرندہ ایک جانب سے بولے اور دوسری جانب کو چھوڑ دے تو کہتے ہم بلاؤں اور مصیبتوں میں مبتلا ہوں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی باتوں سے روکا ہے، فرمایا:

حدیث شریف اقروا الطیر علی مکناتها۔

(پرندوں کو اپنے گھونسلوں میں رہنے دو)

کیونکہ یہ صرف اوہام ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں۔

ف: المکنات بمعنے ضبہ کا انڈا۔ اس کا واحد مکنۃ ہے۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں

قول ابنِ عباس بیٹھے تھے کہ ایک پرندہ بولا۔ کسی نے کہا خیر ہوگی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لاخیر ولا شر (اس میں نہ خیر ہے نہ شر) ؎

لا تنطقن بما کرهت فربما
نطق اللسان بحادث فیکون

ترجمہ: مکروہ کلمہ منہ سے نہ نکالو اس لیے کہ کبھی زبان سے ایسا کلمہ نکل جاتا ہے جو ہو کر رہتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے: ان اللہ یحب الفال ویکرہ الطیرۃ۔

marfat.ocm

(بے شک اللہ تعالیٰ فال کو پسند فرماتا اور بدفالی کو ناپسند فرماتا ہے)

شرح الحدیث ابن الملک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اہلِ جاہلیت کی عادت تھی کہ جب کوئی کسی کے ہاں کسی کام کے لیے جانا چاہتا اور بوقتِ روانگی اس کی بائیں جانب پرندہ یا کوئی شے گزرتی تو وہ اسے نحوست سمجھ کر لوٹ آتا اسے وہ طیرہ سے تعبیر کرتے۔

بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ ہم نے تمہیں اور تیرے دین کے ساتھیوں کو منحوس سمجھا ہے کیونکہ تمہاری وجہ سے ہم پر مسلسل مصائب آ رہے ہیں وہ اس لیے کہ جب سے تم نے دعوت و ارشاد کا سلسلہ شروع کیا ہے ہم اس روز سے مصائب و شدائد میں مبتلا ہیں۔

ف : جب وہ قحط کے شکار ہوتے تو کہتے اے صالح (علیہ السلام)! یہ تیری اور تیرے ساتھیوں کی نحوست ہے (معاذ اللہ) ایسے ہی قومِ موسیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اور اہلِ انطاکیہ نے اپنے رسل کرام علیٰ نبینا و علیہم السلام کو کہا تھا۔

قَالَ طٰٓئِرُكُمْ صالح علیہ السلام نے فرمایا جس سبب سے تمہارے ہاں شر آیا ہے **عِنْدَ اللّٰهِ** وہ اللہ تعالیٰ سے ہے یعنی اس کی تقدیر سے ہے یا تمہارے ان اعمال کی شامت ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں لکھے ہوئے ہیں۔

نکتہ : تقدیر کو طائر سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ جس طرح پرندہ تیز اڑتا ہے ویسے ہی تقدیر تیزی سے گھیرتی ہے اسی لئے مشہور ہے کہ:

لا شئ اسرع من قضاء محتوم۔

(تقدیر مبرم سے کوئی شے تیز تر نہیں) کما فی فتح الرحمٰن۔

یعنی یہ خیر و شر منجانب اللہ ہیں ان کا سبب تو تمہارے گناہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں لکھے ہوئے ہیں اور اس کا حکم ازلی ابدی ہے میری وجہ سے تبدیل نہیں ہوگا ؎

قلم بہ نیک و بد خلق در ازل رفتست
بگفت و گوے خلائق گر نخواہد شد

ترجمہ : مخلوق کی نیک و بری تقدیر ازل سے لکھی جا چکی ہے اب مخلوق کی باتوں سے تبدیل نہ ہوگی۔

بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ○ بلکہ تم خیر و شر کے نزول سے آزمائش کیے جا رہے ہو تاکہ کبھی دولت دے تو کبھی غربت اور کبھی سہولت دے تو کبھی مشقت۔ یا تفتنون بمعنے تعذبون ہے یعنی عذاب دیے جاؤ گے اور اعراض ان کی بدفالی کے قول سے ہے کہ واقعی یہ جو تم مصائب میں گھر گئے ہو یہ بدفالی سے نہیں بلکہ تمہارے

اعمال کی شامت ہے۔ اس کی مثال وہ ہے جو اہلِ عرب کہتے ہیں:

فتنت الذھب بالنار۔

(میں نے سونے کو آگ سے پرکھا) (تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ سونا کھرا ہے یا کھوٹا)

ازالۂ وہم اللہ تعالیٰ کا امتحان لینا بایں معنیٰ ہے کہ ظاہر ہو جائے ان میں کون کھرا ہے اور کون کھوٹا۔ بفضلہ تعالیٰ انبیاء و اولیاء و صلحاء کا کھرا پن واضح ہے۔ مثلاً ایوب علیہ السلام کو آزمایا گیا تو خلقِ خدا کے سامنے ان کے درجات اور قربِ الٰہی کے حالات واضح ہو گئے اور کفار و منافقین اور فاسقین کا کھوٹا ہونا بھی واضح ہے۔

حکایت ایک عورت کی بیماری نے طول پکڑا۔ صبر نہ کر سکی۔ بالآخر کافر ہو گئی۔ اسی لیے کہا جاتا ہے:

عند الامتحان یکرم الرجل او یھان۔

(امتحان سے یا تو انسان کی عزت افزائی ہوتی ہے یا ذلت و خواری) ؎

خوش بود گر محک تجربہ آید بمیان
تا سیہ روئے شود ہر کہ درو غش باشد

ترجمہ: اچھا ہے اگر کسوٹی پر پرکھا جائے تاکہ جھوٹے کا منہ کالا ہو۔

ف: ہر آزمائش بصورت مرغوب ہو یا مکروہ رحمتِ الٰہی ہے اس لیے کہ اس طرح سے اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو قریب لانا چاہتا ہے اگر بندہ اسے نہ چاہے تو اس سے ناراض ہو جاتا ہے پھر اس کی نہ دنیا میں خیر ہے نہ آخرت میں۔ جیسا کہ یہ طریقہ امم سابقہ سے تاقیامت چلتا جائے گا۔

اولیاء اللہ کی نشانی اللہ والوں کے لیے نعمت و مشقت دونوں برابر ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں یہ دونوں اللہ تعالیٰ سے آتی ہیں اسی لیے ان کا ہر لمحہ خوشی سے گزرتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہیں بدفالی نہیں کرتے۔ وہ ہر وقت حمدِ الٰہی میں لگے رہتے ہیں اور وہ کسی بھی دکھ تکلیف پر جزع فزع نہیں کرتے۔

گناہ کی مصیبت گناہ کی مصیبت تمام مصائب کا سر ہے۔ ایسے ہی باطنی مصیبت ظاہری مصیبت سے سخت تر ہے۔ حضرت فارض رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ؏

وکل بلا ایوب بعض بلیتی

ترجمہ: ایوب علیہ السلام کی تمام مصیبت میری مصیبت کا ایک حصہ ہے۔

حلِ اشکال (چونکہ بظاہر یہ مصرع نبی علیہ السلام کی بے ادبی پر دلالت کرتا ہے اسی لیے اس کی توضیح فرمائی کہ) اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ میرا مرض روحانی ہے اور ایوب علیہ السلام جسمانی مریض تھے پھر انہیں تو نبوت کی برکت بھی حاصل تھی اور میں بیچارہ کون۔ اس لیے میرا مرض ان کی بیماری سے

marfat.ocm

شدید تر ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے توفیق و عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ اور تھے شہر میں نو شخص۔ المدینۃ سے یہاں پر الحجر (بکسر الحاء المہملۃ) مراد ہے۔ یہی ثمود کے علاقے تھے۔ اور وہ حجاز و شام کے درمیان واقع ہے۔ اور رھط سے اشخاص مراد ہیں اسی لیے یہ تسعة کی تمیز واقع ہے لفظاً بلکہ معنیً، کیونکہ تین سے نو عدد تک کی تمیز جمع اور مجرور ہوتی ہے۔ اور رھط لفظاً مفرد ہے لیکن معنیً جمع ۔

رھط و نفر کا فرق رھط تین یا سات سے دس تک، لیکن ان میں عورت نہ ہو۔ اور نفر تین سے نو تک (مطلقاً) ۔

نو اشخاص کے اسماء : بقول وہب رضی اللہ عنہ اُن نو اشخاص کے اسماء یہ ہیں :

(۱) ہذیل بن عبد الرب

(۲) غنم بن غنم

(۳) یاب بن مہرج

(۴) مصدع بن مہرج

(۵) عمیر بن کردیہ

(۶) عاصم بن مخزمہ

(۷) سبیط بن صدقہ

(۸) سمعان بن صفی

(۹) قدار بن سالف

اور کشف الاسرار میں ہے کہ ان کے نام یہ ہیں :

(۱) قدار بن سالف

(۲) مصدع بن دہر

(۳) اسلم

(۴) رھمی

(۵) رھیم

(۶) دعمی

(۷) دعیم
(۸) قبال
(۹) صداف

یہی وہ نو بدبخت ہیں جنہوں نے اونٹنی کو مارنے کی کوشش کی اور جو قوم صالح میں بڑے سرکش انسان تھے حالانکہ ان کے اسلاف قوم کے برگزیدہ لوگ تھے۔

ربط: اب ان نو اشخاص کے اوصاف بتاتے ہیں کہ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وہ حجر کے علاقے میں جرائم کے ارتکاب سے فساد پھیلاتے تھے۔

ف: ارشاد میں ہے کہ المدینۃ کی بجائے الارض فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ ان کا فساد صرف اسی شہر تک محدود نہ تھا بلکہ تمام علاقہ ان کے شر و فساد کی لپیٹ میں تھا اس سے معلوم ہوا کہ یہاں الارض سے مطلقاً زمین مراد نہیں بلکہ ایک مخصوص علاقہ مراد ہے۔

وَلَا يُصْلِحُوْنَ ○ اور وہ کسی قسم کی اصلاح کے روادار نہ تھے حرف عطف سے اشارہ کر دیا کہ ان کا فساد ہی فساد تھا اصلاح کا نام و نشان اس میں نہیں تھا قَالُوْا یہ جملہ مستانفہ ہے ان کے فساد کے بعض کارناموں کا بیان ہے یہ اس وقت انہوں نے کہا جب صالح علیہ السلام نے انہیں عذاب الٰہی سنایا کہ اگر تم نے اللہ تعالیٰ کی اونٹنی کو قتل کیا تو تم پر تین دنوں کے اندر عذاب آجائے گا اور تمہاری شکلیں بھی بدل جائیں گی اس پر ان کی مجلس شوریٰ کے بعض ممبروں نے کہا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ اللہ کی قسمیں کھاؤ۔ اہل عرب کہتے ہیں: اقسم ای حلف۔ یعنی قسم کھائی۔ یہ دراصل القسامہ سے ہے۔ القسامہ وہ قسمیں ہیں جو متہمین پر خون کی دیت میں تقسیم کی جاتی ہیں پھر ہر قسم کو قسم کو کہا جانے لگا۔ یہ امر ہے اور قالوا کا مقولہ ہے یا ماضی کا صیغہ ہے واؤ سے حال ہے بشرط حذف قد اب معنی یہ ہوا کہ درانحالیکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھائیں لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ہم صالح علیہ السلام اور اس کے گھر والوں کے ہاں رات کے وقت اچانک دھاوا بول کر اسے اور اس کے گھر والوں کو قتل کر دیں گے۔ ان میں ہے کہ التبییت بمعنے رات کو اچانک دشمن پر دھاوا بولنا ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ پھر صالح علیہ السلام کے متولیوں کو کہیں گے اگر وہ ہم سے صالح علیہ السلام کے قتل کے بارے میں پوچھیں گے تو پھر ہم کہیں گے مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ ہم تو ان کی اور ان کے اہل کی ہلاکت میں موجود بھی نہ تھے پھر ہم سے سوال کیوں۔ اس معنی پر مہلک مصدر ہے یا معنیٰ یہ ہے کہ ان کی ہلاکت کے وقت موجود نہ تھے اس وقت یہ ظرف زمان ہوگا۔ یا معنیٰ یہ ہے ان کی ہلاکت کی جگہ پر موجود نہ تھے اس معنی پر یہ ظرف مکان ہوگا وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ○ اور یقیناً ہم سچے ہیں مقولہ کا آخری حصہ ہے یعنی ہم کہیں گے کہ ہم اپنے دعویٰ میں سچے ہیں یہ ایسے ہے جیسے یعقوب علیہ السلام

marfat.ocm

بیٹوں نے کہا،

وما انت بمؤمن لنا ولو کنا صادقین۔

(اور تم نہیں مانو گے اگرچہ ہم سچے ہیں)

وَمَكَرُوْا مَكْرًا اور انہوں نے اسی طریقہ سے مکر کیا۔ المکر کسی کو حیلہ سے مقصد سے پھیرنا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا اور ہم نے ان کے اسی طریق سے ہی انہیں تباہ کر ڈالا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ اور انھیں خبر تک نہ ہوئی ۔

ہر آنکہ تخم بدی کشت و چشم نیکی داشت

دماغ بیہدہ پخت و خیال باطل بست

ترجمہ ، جو بُرائی کا بیج ڈال کر نیکی کی امید رکھتا ہے اس نے بیہودگی اور باطل خیالی کی۔

فَانْظُرْ پس اے حبیب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) غور و فکر فرمائیے اس میں کہ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ان کے مکر کا انجام کیا ہوا یعنی ان کا انجام کس حال پر واقع ہوا۔ وہ یوں ہوا کہ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ بے شک ہم نے انہیں تباہ کر ڈالا۔

حلِ لغات : التدمیر بمعنے جڑ اکھاڑ کر کسی کو تباہ کر ڈالنا۔

وَقَوْمَهُمْ اور ان کی وہ قوم جو ان کے ساتھ رات کے وقت صالح علیہ السلام پر حملہ آور ہوئی اَجْمَعِيْنَ ۝ سب کو یہاں تک ان کا ایک فرد بھی ہمارے عذاب سے نہ بچ سکا۔

ثمود کی تباہی کا واقعہ جب صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو کافروں نے قتل کر ڈالا تو آپ نے انہیں فرمایا اب صرف تین دن تک تم زندہ رہ سکو گے اس کے بعد عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے اور صالح علیہ السلام کی مسجد حجر (شہر) کے ایک کونے میں تھی جس میں آپ نماز وغیرہ ادا کرتے۔ کافروں نے کہا رات کو مل کر صالح علیہ السلام کو قتل کر دیں اس کے بعد اس کی ماننے والی برادری کو، معلوم ہو کہ تین ایام کے اندر اندر ہم تباہ ہوئے یا وہ۔ چنانچہ یہ طے کر کے رات کے وقت وہ لوگ صالح علیہ السلام کو شہید کرنے کے لیے آ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بھاری پتھر کھڑا کیا یہ لوگ غار میں چھپے تو وہ پتھر غار کے منہ پر آ گرا وہ غار میں بند ہو گئے اس طرح وہ یہاں تباہ ہوئے۔ قوم پریشان رہی کہ وہ کہاں گئے۔ ان تین ایام کے اندر ان کو بھی چنگھاڑ نے تباہ و برباد کر دیا۔

ف : فقیر (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ ان کی تباہی و بربادی کی خبر کی تطبیق یوں ہوگی کہ ان کا ارادہ ہوا کہ وہ صالح علیہ السلام کو تباہ و برباد کریں اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوا ان کو تباہ و برباد کرنے کا۔ ان کی قوم کو چنگھاڑ نے تباہ و برباد کر دیا کیونکہ وہ فساد برپا کرتے وقت کرخت آوازے کستے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اسی

جنس کی سزا میں مبتلا فرمایا۔

فَتِلْكَ بُیُوْتُهُمْ پس یہ ان کے گھر ہیں خَاوِیَةً گرے پڑے ہیں اور اپنے مکینوں سے خالی ہیں۔

حلِ لغات : یہ خوی البطن سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب پیٹ خالی ہو جائے۔ یا خوی النجم سے ہے بمعنے ستارہ گرا۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ آج کل حجر (علاقہ) کے محلات دیکھو تو خالی اور خراب ہوئے پڑے ہیں بِمَا ظَلَمُوْا بسبب ان کے ظلم مذکورہ و دیگر گندے کرتوتوں کے جیسے شرک وغیرہ۔

تفسیر صُوفیانہ حضرت سہل (تستری) رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت میں بیوت سے قلوب مراد ہیں کہ یہ بعض ذکرِ الٰہی سے معمور ہوتے ہیں اور بعض غفلت کی وجہ سے تباہ و برباد۔ جس دل میں اللہ تعالیٰ نے اپنا ذکر القاءُ فرمایا وہ ظلم سے بچ گیا۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ بیشک بیان مذکور مثلاً ان کے ظلم کی وجہ سے ان کی عجیب وغریب تباہی لَاٰیَةً البتہ عبرت عظیم ہے لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ○ ایسے لوگوں کے لیے جو علم سے موصوف ہیں اور اس سے نصیحت پاتے ہیں یعنی اے محبوب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں تیری قوم سے بھی یہی کر سکتا ہوں لیکن ان کے لیے ایک وقت مقرر ہے جب وہ وقت آ گیا تو پھر ان کی خیر نہیں۔ (کذا فی کشف الاسرار) وَاَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اور ہم نے ایمان والوں کو نجات دی۔ یعنی صالح علیہ السلام اور ان کے دیگر اہلِ ایمان ساتھیوں کو وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ ○ اور وہ کفر و معاصی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بچتے تھے اسی لیے وہ دائمی نجات کے لیے مخصوص ہُوئے اور کل چار ہزار افراد تھے انہیں صالح علیہ السلام حضرموت کی طرف لے گئے۔

ف : یمن میں ایک شہر کا نام حضرموت ہے۔ اس نام سے اس لیے موصوف ہے کہ صالح علیہ السلام اس میں داخل ہوتے ہی فوت ہو گئے۔ اس مناسبت سے اس کا نام حضرموت پڑ گیا۔

ف : اس میں اشارہ ہے کہ ظلم کے علاقہ سے عدل کے علاقہ کی طرف ہجرت کرنا واجب ہے بالخصوص ان ظالموں سے دامن بچا کر چلا جانا ضروری ہے جو بلا وجہ مار دھاڑ کرتے رہتے ہیں۔ اسی لیے کہ جہاں ظلم ہوتا ہے وہ علاقہ تاریکی کی لپیٹ میں آ جاتا ہے وہاں عبادت کو کبھی نور نصیب نہ ہوگا جہاں ظلم ہوتا ہو وہاں سے ہجرت کر کے ایسی جگہ چلا جانا ضروری ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ ہوتی ہو۔

تفسیر صُوفیانہ قالب انسانی یعنی عناصر اربعہ اور حواسِ خمسہ کل نو ہُوئے۔ جب یہ ظالم مفسد فساد ڈالنے لگیں اور صالح قلب پر غلبہ کا ارادہ رکھیں کیونکہ قلب اور ان نو اشخاص (اعضائے انسانی) کو آپس میں ضد ہے کیونکہ قلب انہیں عبودیت اور ترکِ شہوات کی دعوت دیتا ہے اور یہ اسے نظارۂ دنیا اور عقبیٰ

marfat.ocm

سے اعراض اور خدمت مولیٰ سے بالکل فارغ بیٹھنے کی دعوت دیتے ہیں جب کسی کا قلب الہام ربانی سے مؤید ہو تو وہ کبھی حظوظ ظاہرہ و باطنہ کی طرف مائل نہ ہوگا بلکہ وہ دل تمام اعضاءُ پر غالب رہے گا اس کے بعد اسے نجات حاصل ہوتی اور وہ جو اس کے خواشخاص بالمقابل تھے وہ تباہ و برباد ہو جائیں گے اور ان کی جملہ آفات و بلیات بھی ملیامیٹ ہو جائیں گی اس کے بعد دل اور وہ اعضاءُ جو ان حواس خمسہ کے رہنے کی جگہ سے خالی ہو جائیں گے۔ پھر اس میں نہ وہ خواص نہ وہ آفات۔ فنا کے بعد پھر کبھی زندہ نہ ہو سکیں گے۔ خوب کہا جس نے کہا،

الفانی لا یرد الی اوصافہ ۔

(فانی اپنے بقا والے اوصاف کی طرف نہیں لوٹ سکے گا)

یہی وجہ ہے کہ اولیاء اللہ کو ظہور طبیعت کا خوف نہیں ہوتا اس لیے کہ طبیعت نفس اور شیطان دونوں دشمن ہیں اور دشمن کا کام بھی یہی ہے کہ وہ دھوکا اور مکر و فریب کرے لیکن ان کی عداوت محبت سے تبدیل ہو جائے تو پھر کاہے کا بغض اور کاہے کی عداوت۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں نفس و شیطان کے مکر و فریب سے بچائے اور ہر دشمن کی جملہ حوادثؔ تکالیف مطلقاً سے نجات بخشے۔

تفسیر عالمانہ وَلُوْطًا اور ہم نے لوط بن ہاران علیہ السلام کو بھیجا اِذْ قَالَ لِقَوْمِہٖٓ جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا یہ ارسال کی ظرف ہے اس سے وہ امر ممتد مراد ہے جو ارسال اور اس کے درمیان افعال و اقوال گزرے۔ بعض نے کہا کہ لوطاً کا منصوب ہونا اذکر فعل محذوف کے مفعول ہونے کی وجہ سے ہے اور اذ اسی سے بدل ہے۔ یعنی اے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! یاد کیجئے جب قوم لوط علیہ السلام کو علی وجہ الانکار فرمایا اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ کیا تم فاحش فعل کرتے ہو؟

حلِ لغات: فاحشہ تمام قبائح و شنائع اقوال و افعال کا سرتاج۔ یہاں پر لواطت مراد ہے یعنی دبر میں وطی کرنا۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے خدا کے بندو! کیا انتہائی قبیح کام کرتے ہو وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝ حالانکہ تم بڑے باسمجھ ہو۔ یہ بصر القلب سے ہے بمعنے علم یعنی وہ قوتِ مدرکہ جو قلب کو حاصل ہے جسے بصیرت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کبھی اس پر بصر کا بھی اطلاق ہوتا ہے لیکن عام اعضاءُ کے لیے بصیرت کا اطلاق نہیں ہوتا۔

(**لطیفہ**: اندھے کو بصیر کہا جاتا ہے یہ ع

برعکس زنگی نام نہند کافور

کے قبیل سے ہے یا بصیرت اہلِ قوت کو کہا جاتا ہے)

ایسی قوت قلب کو حاصل ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ تم یقیناً جانتے ہو کہ لواطت بہت برا فعل ہے اور جان بوجھ کر قبیح فعل کا ارتکاب انتہائی برا ہے۔ اسی لیے ایک عربی مقولہ مشہور ہے:

فساد كبير جاهل متنسك و عالم متهتك۔

(یہ ایک بہت بڑا فتنہ ہے کہ جاہل عابد ہو اور عالم بے عمل)

یا یہ نظر العین سے ہے یعنی اس قبیح فعل کو دیکھ کر کرتے ہو کہ ایک دوسرے کے سامنے ایسے قبیح فعل کا ارتکاب کرتے ہو اور یہ قبیح ترین عمل ہے اَئِنَّكُمْ کیا تم لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ البتہ آتے ہو مردوں کے پاس، یہ ان کے فحش کے ارتکاب کا بیان ہے شَهْوَةً بطور شہوت کے۔ یہ اس فعل کی مزید قباحت کے ظاہر کرنے کے لیے ہے کہ جماع اولاد بڑھانے کے لیے ہوتا ہے نہ کہ آتشِ شہوت بڑھانے کے لیے۔ شہوۃ کا اصل معنی یہ ہے کہ نفس کا اپنی خواہش کی طرف مائل ہونا مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ عورتوں کے سوا، یعنی تمہارا یہ حال ہے کہ تم اس فعل میں عورتوں سے تجاوز کرتے ہو حالانکہ شہوت کا محل تو یہی ہیں بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۞ بلکہ تم جاہل لوگ ہو کہ اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کر رہے ہو اس لیے کہ جو اپنے پڑھے کے مطابق عمل نہ کرے بلکہ جاہلانہ عمل کرے تو اس میں اور جاہل میں کوئی فرق نہیں۔ اور تجهلون ' قوم کی صفت ہے اور چونکہ قوم بمنزلہ مخاطب کے ہے اسی لیے اس کی صفت بھی صیغہ مخاطب کے ساتھ لائی گئی ہے۔

تم الجزء التاسع عشر بمن الله وكرمه (اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انیسواں پارہ ختم ہو گیا)

انتباہ (صاحبِ روح البیان علامہ اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ کے ہاں یہاں انیسواں پارہ ختم ہو گیا لیکن ہمارے یہاں پاک و ہند میں ابھی انیسواں پارہ ختم نہیں ہوا بلکہ ابھی کچھ آیات باقی ہیں جو یہ ہیں:)

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ تو نہ تھا ان کی قوم کا جواب۔ الجواب کا منصوب ہونا کان کی خبر ہونے کی وجہ سے ہے۔ اس کا اسم اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا ہے، مگر ان کا ایک دوسرے کو کہنا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ لوط اور اس کے تابعداروں کو نکالو مِّنْ قَرْيَتِكُمْ اپنے شہر سے۔ اس سے سدوم مراد ہے اِنَّهُمْ اُنَاسٌ انس کی جمع ہے اور الناس اسی کا مخفف ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ یہ ایسے لوگ ہیں يَّتَطَهَّرُوْنَ ۞ ہمارے افعال سے بچ بچاؤ کرتے ہیں یا پلیدیوں سے، یا ہمارے افعال کو پلیدیوں سے تعبیر کرتے ہیں۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں انہوں نے بطریق استہزاء کہا تھا یہ ان کا وہ جواب ہے جو لوط علیہ السلام نے آخری مواعظ و نصائح فرمائے اس کے بعد پھر کوئی وعظ و نصیحت نہ فرمائی۔ اور یہ جواب بھی ان کا آخری تھا کہ اس کے بعد انہوں نے اور کوئی جواب نہ دیا۔

فَاَنْجَيْنٰهُ پس ہم نے لوط علیہ السلام کو نجات دی وَاَهْلَهٗٓ اور اس کے گھر والوں کو۔

marfat.ocm

یعنی اس کے اپنے رشتہ دار اور دوسرے لوگ اس کو ماننے والے تھے بایں طور کہ ہم نے حکم دیا کہ اس شہر سے ہجرت کر جاؤ۔ اِلَّا امْرَاَتَهٗ مگر اس کی عورت جو کافرہ تھی جس کا نام بواہلہ تھا اسے نجات نصیب نہ ہوئی قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ○ ہم نے اسے پیچھے رہنے والوں میں مقدر کر دیا کہ وہ بھی ان کی طرح عذاب میں مبتلا ہو۔ اسی لیے وہ اس شہر سے لوط علیہ السلام کے ساتھ نہ گئی یا ہجرت کر کے چلی لیکن راستہ میں پتھر سے مسخ ہو گئی جیسا کہ گزرا ہے۔

حلِ لغات: غبر غبورا بمعنے بقی۔ اس کا مفصل بیان سورۂ شعراء کے اواخر میں ہے۔

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ ہم نے ان کے شہروں کو اُلٹنے کے بعد ان کو اوپر سے نیچے کر کے بارش برسائی یا ان کے اکے دُکے اور جو سفروں میں تھے ان پر غیر معہود بارش ہوئی یعنی ان پر پتھر برسائے گئے فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ○ پس بُری تھی وہ بارش جس سے ان کو ڈرایا گیا جیسا کہ مخفی نہیں ہے اس کا مخصوم بالذم الحجارة ہے۔

مسئلہ: ابنِ عطیہ نے کہا کہ بعض فقہاء کرام نے اس آیت سے لوطی کو سنگسار کرنے کا استنباط کیا ہے یعنی لواطت کو انہوں نے زنا کا حکم دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود انہیں اس فعلِ بد کی یہی سزا دی۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں فاعل و مفعول دونوں کو سنگسار کیا جائے وہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ۔

امام احمد و امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا، لواطت کا حکم زنا جیسا ہے۔ اگر شادی شدہ ہوں تو سنگسار کرو ورنہ کوڑے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے تعزیر کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ لوطی پر حد نہیں۔

صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے خلاف کرتے ہوئے فرمایا کہ لوطی کا حکم زنا سے ملحق ہے۔

نکتہ حنفیہ: شرح الاکمل میں ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب میں اس فعل کے استعظام کی طرف اشارہ ہے کہ اگرچہ وہ کتنا ہی قبیح سہی لیکن قتل و زنا جیسا نہیں اسے سختی سے دبایا جائے اور اس کا علاج تعزیر کافی ہے جیسے یمین غموس کا قصہ ہے کہ اس میں کفارہ نہیں کیونکہ یہ عظیم گناہ ہے اس لیے صرف کفارہ سے اس کی کمی پوری نہیں ہو سکے گی۔

نکتہ از صاحبِ روح البیان فقیر (صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے وہ لوگ رجم (سنگسار ہونے) سے اس لیے معذب ہوئے کہ ان کا فعل بہت بُرا تھا کیونکہ لواطت منہیات میں فاحش ترین فعل ہے۔ ان کے شہر کو اس لیے الٹا کیا گیا کیونکہ وہ لواطت کے وقت لڑکوں کو الٹا کرتے تھے۔ اس مناسبت سے انہیں مناسب سزا ملی ؎

نہ ہرگز شنیدیم در عمر خویش
که بد مرد را نیک آمد به پیش

ترجمہ: ہم نے زندگی بھر یہ نہیں سُنا کہ بُرے مرد کو بھلائی حاصل ہُوئی۔

تفسیر صُوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ بُرائی سیدھے راستے سے بھٹکا دیتی ہے۔ اس کی ظاہری علامت ایک تو یہ ہے کہ انسان موافق طبع منہیات شرع کا ارتکاب کرنے لگ جاتا ہے۔ طبع سے یہاں نفس امّارہ مراد ہے اور باطنی علامات سے دوسری علامت یہ ہے کہ ایسے شخص کو حُبِ دنیا و شہوات اور ان سے لذّات پانے کا مرض ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے، تم ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہتے ہو جب تک تم سے دو نشے ظاہر نہ ہوں:

(۱) نشۂ جہل

(۲) نشۂ حُبِ دنیا

رُوحانی نسخے بعض اکابر اولیاءؒ نے فرمایا کہ صدق اور وصول الیٰ مقامات الانبیاء کی تین علامتیں ہیں:

(۱) مال و دولت کی محبت دل سے ایسے نکل جائے کہ سونا چاندی مٹی کے برابر محسوس ہو۔ ۱

(۲) تصورِ خلقِ خدا کو دل سے ایسے نکالا جائے کہ نہ کسی کی مدح سے خوشی ہو اور نہ کسی کی مذمت سے ملال۲۔ گویا یُوں سمجھے کہ وہ مردہ ہیں اور میں اکیلا زندگی بسر کر رہا ہُوں۔

(۳) سیاستِ نفس اپنے قابو میں ہو، یہاں تک کہ بھُوک اور ترکِ شہوات پر اتنی خوشی ہو جتنی دنیاداروں کو پیٹ بھر کر کھانے اور شہوات کی تکمیل سے ہوتی ہے۔

لطیفہ حسین و جمیل عورت شہوات کے قبیل سے نہیں بلکہ تصفیہ کے اسباب اور اس کی موافقت دنیا کی بہترین سعادات سے ہے۔

ملفوظ علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انسان کے لیے پانچ امور سعادت کے

---

۱ جیسے سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حال تھا کہ ایک دفعہ آپ کے ایک کارندے نے کہا کہ آپ کا مال سے لدا ہوا جہاز غرق ہو گیا ہے آپ نے فرمایا: الحمدُ للہ۔ کارندے نے پھر تھوڑی دیر کے بعد حاضر ہو کر عرض کی کہ وہ جہاز ڈوبنے سے بچ گیا۔ آپ نے فرمایا: الحمدُ للہ۔

۲ اعلیٰحضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیں: ؎

نہ مرا نوش ز تحسین نہ مرا نیش ز طعن　　نہ مرا گوش بمدحے نہ مرا ذمے
منم و کنجِ خمولی کہ نگنجد در وے　　جز من و چند کتابے و دوات قلمے

(حدائقِ بخشش ص ۱۲۸ مطبوعہ کراچی، باہتمام ظفر علی نعمانی)

اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

اسباب ہیں ،

(۱) زوجہ موافق

(۲) اولاد نیک

(۳) بھائی پرہیزگار

(۴) ہمسائیگان نیک بخت

(۵) اس کا رزق اس کے اپنے شہر میں ہو۔

بے ریش لڑکے فتنے ہیں بے ریش لڑکا دنیا کے عظیم فتنوں سے ہے کیونکہ نہ تو اس سے عورت کی طرح نکاح ہو سکتا ہے (اور نہ ہی اس کی وطی سے کوئی فائدہ بلکہ ہزاروں بیماریوں اور ذلتوں اور خواریوں کے سوا کچھ حاصل نہیں)

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ بے ریش لڑکے کو دیکھنے سے بھی بچے اور پھر لواطت تو بہت برا فعل ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ بندے کو اپنے روکے ہوئے فعل کا مرتکب دیکھتا ہے تو اسے غیرت آتی ہے اس پر وہ اس بندے کی سرزنش کرتا ہے یا اسے سزا دیتا ہے۔ ہم اس کی پکڑ سے پناہ مانگتے ہیں اور اس کے غصے اور رنج سے بچنے کی التجا کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ فرمائیے اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ! جملہ تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں ان جملہ نعمتوں پر جو اللہ نے ہمیں عطا فرمائیں منجملہ ان کے ایک یہ کہ انبیاء و مرسلین اور ان کے سچے جانشینوں اولیاء کرام کے اعداء کو تباہ و برباد کیا۔ وہ اس لیے کہ لوط علیہ السلام کے ساتھیوں کو جو نعمت عطا ہوئی وہ گویا ان کو عطا ہوئی وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اور سلامتی و نجات اللہ تعالیٰ نے ان پاکباز بندوں پر جنہیں اس نے برگزیدہ فرمایا اور ان کی تخلیق ازل سے ہی نہایت اعلیٰ فرمائی اور انھیں ہدایت بخشی اور انہیں ہمیشہ کے لیے نبوت و رسالت و ولایت کے لیے چنا ان سے انبیاء و رسل علیٰ نبینا وعلیہم السلام اور ان کے خواص مقرب بندے مراد ہیں جو آفات اور عقوبات سے مطلقاً محفوظ رہے۔

فائدہ عالمانہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ والوں کے اعداء ضرور تباہ و برباد ہوتے ہیں اگرچہ دیر کے بعد سہی۔ اور آگاہ کرنا ہے کہ انبیاء خود اور ان کے اصحاب کو سلامت و نجات نصیب ہوتی ہے اور یہی طریقہ ان کے وارثین کاملین اولیاء کے لیے جاری ہے ان کے اعداء تباہ و برباد ہوتے رہیں گے اور یہ ہر زمانہ میں ہوا اور ہوگا۔ اس مقام پر یہی بات واضح اور سابقہ آیات کے مضامین کے عین مطابق ہے۔

فائدہ صوفیانہ بزرگ فرماتے ہیں کہ اہلِ اسلام وہ ہیں جو تعلقات کی آلائش سے پاک اور ان کا سر فکر

خلائق سے خالی ہے آج وہ بالواسطہ سلام کی صدائیں سنتے ہیں کل وہ بلاواسطہ سنیں گے جبکہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

سلامٌ قولاً من رب رحیم (یہ سلام رب رحیم سے ہے) ؎

ہر بندہ کہ او گشت مشرف بسلامت

البتہ شود خاص بتشریف سلامت

لطفے کن و بنواز دلم را بسلامت

زیرا کہ سلامت ہمہ لطفست کرامت

ترجمہ: جو بندۂ خدا سلامتی سے مشرف ہوا وہ تشریفِ خداوندی سے مخصوص ہو گیا، لطف فرما اور میرے دل کو سلامتی سے نواز اس لیے کہ سلامتی تمام کی تمام لطف و کرامت ہے۔

آٰللّٰہُ دو الفوں کی مقدار کھینچیں۔ دراصل ءَ اَللّٰہُ تھا۔ پہلا ہمزہ استفہامیہ ہے دوسرا وصلی تخفیف کے طور، پہلے پر مد لائی گئی۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ کیا خدائے برحق خَیۡرٌ بہتر ہے اپنے بندوں کو زیادہ نفع پہنچاتا ہے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ خدا کو لائق ہے بہتری۔

اَمَّا دراصل امّ الذی تھا۔ ام متصلہ اور ما موصولہ ہے یُشۡرِکُوۡنَ ۝ یا وہ جن کو وہ شریک بناتے ہیں یعنی بت اپنے پرستاروں کو زیادہ نفع پہنچاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ بت خاک نفع پہنچاتے ہیں نفع تو اللہ تعالیٰ ہی پہنچاتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ ہی بہتر عبادت کے لائق ہے۔

مسئلہ: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب یہ آیت ختم کرتے تو پڑھتے:

بل اللہ خیر و ابقی۔

(بلکہ اللہ ہی بہتر اور باقی رہنے والا ہے)

سوال: لفظ خیر کا اطلاق ان دو چیزوں پر ہوتا ہے جن میں ایک بہ نسبت دوسری کے اچھی ہو۔ اور یہاں اللہ تعالیٰ پر خیر کے اطلاق سے بتوں کے لیے خیریت ثابت ہوئی ہے حالاں کہ وہ کسی بھی بھلائی کے لائق نہیں۔

جواب: یہاں مشرکین پر الزام، ان پر تہدید و تشدید اور ان پر تہکم مراد ہے یا اس لیے کہ وہ لوگ اپنے بتوں کے لیے بھلائی کا عقیدہ رکھتے تھے۔

ف: یہ استفہام اور دوسرے وہ استفہامات جو بیسویں پارہ کے پہلے رکوع میں آنے والے ہیں سب کے سب تقریر و توبیخ کے استرشاد کے لیے نہیں۔

marfat.ocm

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ
یا وہ جس نے آسمان و زمین بنائے اور تمہارے لیے آسمان سے پانی اتارا تو ہم نے اس
حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ
سے باغ اگائے رونق والے تمہاری طاقت نہ تھی کہ ان کے پیڑ اگاتے کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے
بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَاۤ
بلکہ وہ لوگ راہ سے کتراتے ہیں یا وہ جس نے زمین بسنے کو بنائی اور اس کے بیچ میں نہریں نکالیں
اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ
اور اس کے لیے لنگر بنائے اور دونوں سمندروں میں آڑ رکھی کیا اللہ کے ساتھ اور
اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ
خدا ہے بلکہ ان میں اکثر جاہل ہیں یا وہ جو لاچار کی سنتا ہے جب اسے پکارے اور دور کر
السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَمَّنْ
دیتا ہے برائی اور تمہیں زمین کا وارث کرتا ہے کیا اللہ کے ساتھ اور خدا ہے بہت ہی کم دھیان کرتے
يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ
ہو یا وہ جو تمہیں راہ دکھاتا ہے اندھیریوں میں خشکی اور تری کی اور وہ کہ ہوائیں بھیجتا ہے اپنی رحمت کے آگے خوشخبری سناتی
رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۳﴾ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ
کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے برتر ہے اللہ ان کے شرک سے یا وہ جو خلق کی ابتدا فرماتا ہے پھر اسے
ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ
دوبارہ بنائے گا اور وہ جو تمہیں آسمانوں اور زمین سے روزی دیتا ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے تم فرماؤ
هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۶۴﴾ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
کہ اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو تم فرماؤ غیب نہیں جانتے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں
الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۟
مگر اللہ اور انہیں خبر نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے کیا ان کے علم کا سلسلہ آخرت کے جاننے
بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۫ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿۶۶﴾
تک پہنچ گیا کوئی نہیں وہ اس کی طرف سے شک میں ہیں بلکہ وہ اس سے اندھے ہیں

ربط: آنے والے بیان میں تثبیت سے تصریح کی طرف انتقال ہے اور مزید تشدید ہے۔

الحمد للہ فقیر قادری نے پارہ نمبر ۱۹ کے ترجمہ سے ۲۳ ربیع الآخر ۱۴۰۳ھ بروز ایمان افروز پیر مبارک پونے دس بجے دار العلوم جامعہ اویسیہ رضویہ بہاول پور کے صحن میں فراغت پائی

فللہ الحمد علیٰ ذٰلک والصلوٰۃ والسلام علیٰ
حبیبہ الکریم وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ واحبابہٖ
اجمعین۔

فقط

محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ
۷ر فروری ۱۹۸۳ء بہاولپور، پاکستان

تفسیر عالمانہ: ام مقدرہ بل وہمزہ ہے۔ مَنْ موصولہ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔ اور ایسے ہی باقی نظائر کو سمجھئے۔ کیا وہ جس نے خلق السمٰوٰت والارض آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا۔ اور یہی کائنات کے اصول اور منافع کے مبادی ہیں۔ یہی وہ خالق بہتر ہے یا وہ جس کو یہ شریک ٹھہراتے ہیں۔ یعنی سب پر وہی اجسام علویہ وسفلیہ کا خالق اپنے بندوں کے لیے بہتر ہے یا وہ وانزل لکم اور اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تمہارے منافع کے لیے من السماء آسمان سے پانی اس سے بارش مراد ہے۔ غیبۃ سے تکلم کی طرف عدول فرمانے میں تاکید ہے کہ یہ امور صرف اور صرف اسی کی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں۔ چنانچہ فرمایا فانبتنا بہٖ تو ہم نے پانی کے ذریعے سے اُگائے۔ حدائق باغات گھنے جن کے ارد گرد بڑی لمبی لمبی دیواریں ہوں۔ الاحداق سے بمعنی الاحاطہ المفردات میں ہے کہ یہ الحدیقۃ کی جمع ہے۔ زمین کا وہ ٹکڑا جس میں پانی ہو۔ حدقۃ العین سے تشبیہ فی الھیئۃ وحصول الماء دے کر کہا جاتا ہے۔ احدقوا بمعنی احاطوا بہ۔ آنکھ کے حدقہ کو پھیرنے سے تشبیہ دے کر ذات بہجۃ۔ البہجہ بمعنی اچھے رنگ والی شے اور وہ جس میں سرور وفرحت ظاہر ہو۔ یعنی حسن اور رونق والے کہ جنہیں دیکھ کر جی خوش ہو جائے اور وہ ہر جگہ جہاں ثمر دار درخت ہوں اور اس کے ارد گرد دیوار ہو وہ حدیقہ اور جس کا منظر دلوں کو فرحت بخشے وہ ذات بہجۃ ہے۔ ما کان لکم اور تمہیں ممکن ہی نہیں کہ ان تنبتوا شجرھا اُن باغات کے درخت اُگا سکو۔ چہ جائیکہ اُن کے ثمرات ءَاِلٰہ کیا کوئی ہے معبود مع اللہ اللہ کے ساتھ جس کی صفات

marfat.ocm

انگریاں کی گئی ہیں۔ جو سوائے اس کے اور کسی کو لائق نہیں اور نہ ہی کوئی اس جیسی کسی کو قدرت حاصل ہے۔ پھر اس کے ساتھ وہ کس طرح شریک ہو سکتا ہے۔ **بَلْ هُمْ** بلکہ وہ مشرکین **قوم یعدلون** ایسے لوگ ہیں جن کا کام ہی حق سے ہٹ جانا ہے —— اس سے مراد توحید سے ہٹ کر بطلان یعنی اشراک سے وابستہ ہونا مراد ہے۔ یا اس کا معنٰی ہے **یجعلون عدیلاً** یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو خدا تعالیٰ کے برابر شریک بناتے اور اس کا ہم مثل ثابت کرتے ہیں۔ المفردات میں ہے کہ اس کا معنٰی یہ ہے کہ یہ لوگ ظالم ہیں۔ **عدل عن الحق** یعنی جار عدولاً سے ہے یعنی انھوں نے ظلم بایں معنٰی کیا کہ کفر کو ایمان کی جگہ اور شرک کو توحید کی جگہ پر رکھا یہ بطریق خطاب کے جنکیت سے اضراب و انتقال کر کے ان کے برے حالات بتلائے۔ اب پھر جنکیت کی طرف اضراب و انتقال کر کے الزام دیگر کو داخل کر کے فرمایا۔ **ام** منقطعہ ہے **من** موصولہ ہے جیسے پہلے گزرا ہے۔ **جعل الارض قرارًا** بنایا ہے زمین کو قرار یہ قرفی مکانہ یقر قرارًا سے ہے بمعنی ثبت ثبوتا جامدًا۔ اس کا اصل القر ہے بمعنی برد اس لیے کہ برد سکون چاہتی ہے اور حرد گرمی حرکت کی مقتضی ہے۔ یہاں قرار بمعنی المستقر یعنی قرارگاہ ہے اب معنی یہ ہوا کہ وہ جس نے اس زمین کو ایسا بنایا کہ اس پر انسان اور دیگر جانور قرار پکڑتے ہیں کہ پانی سے اسے اونچا اور برابر رکھا ہے تاکہ اس سے منافع پا سکیں۔ اب بتائیں یہی ذات بہتر یا وہ بت جن کی یہ پرستش کرتے ہیں۔

فائدہ: ان آیات میں بعض جگہ ماضی اور بعض جگہ مضارع آیا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ ان کے بعض افعال ایسے ہیں جو پیدا ہوں گے اور یہ ہر دونوں اللہ تعالیٰ کے اختیار و قدرت میں ہیں۔ **وجعل خللها** اور ان کے درمیان میں بنائی ہیں۔

حل لغات: خلال خلل کی جمع ہے بمعنی وہ سوراخ جو دو چیزوں کے درمیان ہو جیسے **خلل الدار** (دار کا سوراخ) اور **خلل السحاب** بادل میں سوراخ وغیرہ وغیرہ۔ یہی اوساط کا معنٰی ہے۔ **انہارًا** نہریں جاری جن سے یہ لوگ منافع پاتے ہیں۔ یہ **جعل** کا مفعول اوّل اور مفعول ثانی اس لیے مقدم ہے کہ وہ ظرف

---

[1] یہی تفسیر دوسرے مفسرین نے بھی کی اور یہی مفہوم اہل سنت وہابیہ کے اعتراض میں پیش کرتے ہیں۔ جب کہ وہ بتوں کی آیات انبیاء و اولیاء پر چسپاں کرتے ہیں کہ بت پرستوں کا بھی یہی طریقہ تھا کہ وہ اپنے بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بھی مانتے اور وسیلہ بھی ہم کہتے ہیں۔ کہ وہ شریک مانتے اللہ تعالیٰ کے برابر کا معبود مان کر اور ہم انھیں خدا کے بندے اور محبوب مان کر اور محبوب بندوں کا وسیلہ خود اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ **وَلَوْ انّهم اذ ظلموا انفسهم جاؤكَ** الخ مزید تفصیل فقیر کی تفسیر اویسی میں ملاحظہ ہو۔

ہے۔ یہی تقریر آنے والے دو فعلوں کے مفاعیل کے لیے ہوگی۔ **وَجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ** ۔ اور بنائے ہیں اس کے لیے لنگر۔

حل لغات: رواسی رسا الشئ یرسو سے ہے بمعنی ثبت۔ کشف الاسرار میں ہے کہ رواسی جمع الجمع ہے اہل عرب کہتے ہیں جبل راس وجبال راسیۃ۔ پھر اس کی جمع رواسی آتی ہے بمعنی ثوابت یعنی بنائے ہیں زمین پر ایسے مضبوط ثابت رہنے والے اور ان کے اندر معادن (کانیں) اور ان کے ڈھلانوں میں چشمے ہوتے ہیں جو وہ سب ان کے منافع ہیں۔ جن سے ان کی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: بعض عارفین نے فرمایا کہ اس کا معنٰی یہ ہے کہ اللہ نے عابدین کے نفوس کو طاعت کا اور عارفین کے قلوب کو معرفت کا اور واجدین کے ارواح کو محبت کا اور موحدین کے اسرار کو مشاہدہ کا قرارگاہ بنایا اور ان کے اسرار میں وصل وصال کی نہریں اور قربت کے چشمے بہائے جن سے ان کے اشتیاق اور پیاس اور ان کی جلن کا ہیجان بجھتا ہے۔ اور ان کے اندر خوف ورجاء اور رغبت وہیبت کے پہاڑ کھڑے کر دیئے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زمین کو ابدال و اولیاء و اوتاد سے مضبوط فرمایا کہ ان کے فیوض سے زمین سے رزق پہنچتا ہے اور ان کی برکتوں سے بلائیں رد ہوتی ہیں جیسے پہاڑوں کی تخصیص اسلامی ممالک کے لیے نہیں۔ ایسے ہی باطنی پہاڑ یعنی اولیاء اللہ بھی اسلامی ممالک کے ساتھ مخصوص نہیں۔ وہ اسلامی ملکوں میں بھی ہوتے ہیں اور کافروں کے علاقوں میں بھی (لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا کہ وہ کافروں سے ہوتے ہیں (معاذ اللہ) بلکہ کافروں کے ملکوں کے باشی ہوتے ہیں) اس لیے کہ وجود کو تو بقاء کا سبب چاہیئے (وہ کافروں کے ملک میں ہو یا مسلمانوں کے ملک میں) پاکی ہے اس کے لیے جو اولیاء و اعداء ہر دونوں پر مہربان اور فیض رسان ہے۔

وجعل بین البحرین حاجزا ۔ اور بنائی درمیان دو دریاؤں کے آڑ" بحرین میٹھا اور کڑوا پانی یا وہ دو خلیجیں مراد ہیں جو فارس و روم کے درمیان واقع ہیں حاجز وہ جو ان دونوں کو آپس میں ملنے سے روکتی ہے جیسے سورۂ فرقان میں گزرا۔ المفردات میں ہے الحجز بمعنی دو چیزوں کے درمیان رکاوٹ اور حجاز کو اسی لیے حجاز کہا گیا ہے کہ وہ شام اور بادیہ کے درمیان حاجز ہے **أ اله مع اللہ** ۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے یعنی کوئی ہے اس جیسا واجب الوجود اور کوئی ہے اس جیسا ایسی عجیب وغریب مصنوعات بنانے والا یعنی اس جیسا کوئی نہیں ہے۔ **بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ** ۔ بلکہ ان کے اکثر نہیں جانتے اسی لیے یہ اپنے شرک کے بطلان کو نہیں سمجھ رہے باوجودیکہ اس کا بطلان اظہر من الشمس ہے۔ **امن یجیب المضطر اذا دعاہ** ضمیر منصوب مبتدا کی طرف راجع ہے یعنی من موصولہ کی طرف اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات مراد ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ کیا ہے کوئی جو پریشان کی تنگیٔ وقت کے وقت مشکلکشائی کرے۔ جب وہ پریشان حال اسے پکارے و **یکشف السوء** اور ہٹا دے تکالیف کو یعنی انسان سے دور کر دے وہ امور جو تکلیف میں ڈالتے اور

marfat.ocm

اسے رسوا کرتے ہیں۔ وہی بہتر ہے یا وہ تمہارے بت جنہیں تم اللہ تعالیٰ کا شریک بنا رہے ہو۔

حل لغات: الاضطرار باب افتعال از باب ضرر وہ یہ وہ حالت ہے جو انسانوں کو پریشان حالی کے لیے مجبور کر دیتی ہے اور مضطر وہ جو اس حالت میں ہو اور وہ مجبور ہو کر اللہ تعالیٰ کے ہاں گڑگڑاتے جیسے مرض فقر قرض غرق حبس۔ جور۔ ظلم و دیگر حوادث زمانہ پھر اللہ تعالیٰ انہیں دفع فرماتا ہے شفاء و غنا و انجاء و اطلاق تخلیص وغیرہ سے۔

حکایت: حضرت داؤد رمانی رحمۃ اللہ علیہ کسی بیمار کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ عرض کی دعا فرمایئے تاکہ صحت یاب ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ اس وقت تم مضطر ہو اور مضطر کی دعا جلد قبول ہوتی ہے اس لیے کہ تندرست کی بہ نسبت پریشان حال زیادہ عجز و انکسار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو عجز و انکسار کو پسند کرتا ہے۔

۱۔ ایں نیاز مریمی بود ست و درد ٭ کان چنان طفلی سخن آغاز کرد
۲۔ ہر کجا دردی دوا آنجا بود ٭ ہر کجا فقری نوا آنجا رود
۳۔ ہر کجا مشکل جواب آنجا رود ٭ ہر کجا پستیست آب آنجا رود
۴۔ پیش حق یک نالہ از روی نیاز ٭ بہ کہ عمری در سجود و در نماز
۵۔ زور را بگذار زاری را بگیر ٭ رحم سوی زاری آید ای فقیر

ترجمہ: یہ بی بی مریم کی نیاز اور درد کا نتیجہ ہے کہ ان کے صاحبزادہ نے بچپن میں بولنا شروع کیا۔

(۲) جہاں درد ہو وہاں دوا بھی ہے جہاں فقر ہو وہاں دولت بھی ہوتی ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کے سامنے عجز و نیاز ظاہر کرنا زندگی بھر کے سجدوں سے بہتر ہے۔

(۴) جہاں مشکل ہو وہاں اس کا حل بھی ہوتا ہے جہاں پستی ہو پانی وہاں آتا ہے۔

(۵) زور کو چھوڑ کر زاری دکھا اس لیے رحم زاری کی طرف آتا ہے۔

نکتہ: اجابت اور کشف السوء کو علیحدہ علیحدہ فاصلہ سے ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ اجابت قول سے متعلق ہے اور کشف السوء عمل سے اور اجابت کلام سے ہے۔ کشف السوء انعام کا نام ہے۔

فائدہ: مجبور کی دعا رد نہیں ہوتی اور نہ ہی مظلوم کی۔ لیکن ہر ایک کی تقدیر لکھی ہوئی ہے۔

ازالۂ وہم: بعض مفسرین نے فرمایا کہ المضطر کی الف لام جنس کی ہے استغراق کی نہیں اس سے ان لوگوں کا اعتراض رفع ہو گیا جو کہتے ہیں کہ بہت سے مجبور لوگ دعائیں کرتے ہیں لیکن ان کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ تو اوپر اس کا جواب مذکور ہوا کہ یہاں المضطر سے کل مراد نہیں بلکہ جنس مراد ہے جس کا مطلب یہ ہے

کہ کسی ایک کی بھی دُعا قبول ہو گئی تو پھر اجابت کا تقاضا پورا ہو گیا اور وہ کریم ہے کہ کسی کی اجابت بالقول فرماتا ہے اور کسی کی بالفعل جیسے اُس کی حکمت و مصلحت ہوتی ہے اُس طرح کرتا ہے۔

حدیث شریف۔ نفائس المجالس میں ہے کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ مجھے تمہاری دنیا سے تین چیزیں پسند ہیں۔

۱۔ خوشبو۔ ۲۔ نمازوں میں آنکھوں کی ٹھنڈک ۳۔ عورتیں

جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سُنا تو اُنہوں نے عرض کی یا رسول اللہ مجھے بھی دنیا کی تین چیزیں محبوب ہیں:

۱۔ آپ کے چہرہ پر ہر وقت نگاہ ہو۔
۲۔ اپنا تمام مال آپ پر نثار کر دوں۔
۳۔ ہر وقت آپ کے سامنے بیٹھا رہوں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ مجھے بھی دنیا کی تین چیزیں پسند ہیں:

۱۔ اولیاء اللہ کا دیدار۔
۲۔ قہر علی اعداء اللہ الاشرار۔
۳۔ حدود اللہ کی نگرانی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کی مجھے بھی دنیا کی تین چیزیں مرغوب ہیں:

۱۔ افشاء السلام (ترویج السلام علیکم)
۲۔ اطعام الطعام۔ طعام کھلانا۔
۳۔ رات کی نماز جب لوگ سو جائیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی مجھے بھی دنیا کی تین چیزیں مرغوب ہیں:

۱۔ تلوار کی ضرب۔
۲۔ گرمی کے روزے۔
۳۔ مہمان نوازی۔

اسی اثناء میں حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی یا سیدی مجھے بھی تمہاری دنیا کی تین چیزیں پسند ہیں:

۱۔ گمراہوں کو راہ دکھانا۔

marfat.ocm

۲۔ مساکین کی مدد کرنا۔

۳۔ رب العالمین کے کلام سے موانست (مانوس ہونا۔)

یہ کہہ کر حضرت جبرائیل علیہ السلام چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کے بعد فرماتا ہے کہ مجھے بھی تمہاری دنیا کی تین چیزیں پسند ہیں؛

۱۔ گنہگاروں کے آنسو۔

۲۔ نہ توبہ کرنے والے گنہ گاروں کی سزا۔

۳۔ مضطرب کی دعا کی اجابت۔

عارف کی علامت

بعض مشائخ نے فرمایا کہ عارفین ہمیشہ مضطر رہتے ہیں۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ عوام کا اضطرار اسباب کا محتاج ہوتا ہے۔ جب اسباب زائل ہو جاتے ہیں تو ان کا اضطرار بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اور یہ بھی غلبہ جنس پر ہے بوجہ شہود کے اس لیے خواص کا مشاہدہ یہ ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا ہر معاملہ اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے اس معنیٰ پر وہ گویا ہر وقت ہی مضطر ہیں کیونکہ اضطرار کی شرط موجود ہے نہ وہ زائل ہوتی ہے اور نہ ہی ان کا اضطرار ختم ہوتا ہے۔ ہاں ویسے ان کی ہر دعا مستجاب ہوتی ہے۔

قبول دعا کے شرائط

دعا میں خلوص نیت ہو۔ شکوک و شبہات سے اعتماد کا پاک ہونا اور توسل الی اللہ توبہ خالص سے اعضاء کا پاک وصاف ہونا تاکہ دعا مستجاب ہو مثلاً

مسواک کرنا۔

خوشبو لگانا۔

وضو کرنا۔

استقبال قبلہ تقدیم ذکر والثناء اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام۔

ہر دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا۔

عجز و نیاز اور آہ و زاری کرنا۔

ہاتھ کاندھوں کے برابر کھڑے کیے جاہ۔

بایزید بسطامی کا خواب: حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں نے دعا کے وقت ایک ہاتھ اُٹھایا۔ دوسرا سردی کی وجہ سے چھپائے رکھا اور خواب میں دیکھا کہ ایک ہاتھ نور سے پُر ہے اور دوسرا خالی ہے۔ میں نے عرض کیا الٰہی یہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو نے مجھ سے دعا مانگتے وقت ایک ہاتھ پھیلایا تو اسے میں نے نور سے بھر دیا۔ دوسرا تو نے چھپائے رکھا تو اسے میں نے بھی محروم رکھا۔

مسئلہ: سردی یا کوئی اور عذر ہو تو مسبحہ (شہادت کی اُنگلی) کا اشارہ بھی ہاتھ پھیلانے کے قائم مقام ہو سکتا ہے۔ (کذا فی القنیہ)

وَ یجعلکم خلفاء الارض اور تمہیں زمین کا جانشین بنایا باِیں معنی کہ تمہیں گزشتہ لوگوں کا وارث بنایا کہ اس زمین پر ٹھہرو اور اس پر تصرف کرو ایسے ہی قرناً بعد قرن ہوتا چلا آیا اور تا قیامت ہوتا رہے گا۔

أالٰہ کیا کوئی دوسرا معبود ہے۔ **مع اللہ**۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو تمام لوگوں کو اس طرح کی نعمتوں سے نوازے **قلیلا ما تذکرون**۔ بہت تھوڑی دیر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرتے ہو۔ ما زائدہ ہے۔ قلت کے معنیٰ کی تاکید کرتا ہے۔ اس قلت سے عدم مراد ہے یا حقارت اور لاپرواہی مراد ہے اس میں اشارہ ہے کہ مضمون تو ایسا واضح ہے کہ ہر ذکی و غبی سمجھ سکتا ہے لیکن توجہ و تذکر کی ضرورت ہے اور وہ ان میں مفقود ہے۔ ام یا وہ **من ھو یھدیکم**۔ مقاصد کی طرف تمہاری رہبری کرتا ہے۔ **فی ظلمات البر والبحر** جنگلوں اور دریاؤں اور راتوں کی اندھیروں اور زمین کے نشانات سے یہ اضافہ ملابست کی ہے یا رہبری کرتا ہے ملے جلے راستوں سے۔

حل لغات: اہل عرب کہتے ہیں **طریقۃ ظلماء یا عمیاء** وہ راستے جن کے کوئی علامات و نشانات نہ ہوں۔ یعنی اللہ تعالیٰ بہتر ہے یا یہ بت۔ **ومن** موصول ہے جیسا کہ گزرا۔ **یرسل الریاح** اور وہ ذات جو ہواؤں کو چھوڑتی ہے۔ درآنحالیکہ وہ **بشرا** خوشی دینے والی ہوتی ہیں **بین**

یدی رحمتہ۔ اس کی رحمت سے یعنی بارش **أالٰہ مع اللہ** اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود جو ایسی قدرتیں رکھتا ہو۔ **تعالی اللہ عما یشرکون** بلند ہے اس سے کہ اس کے ساتھ شریک کریں۔ وہ خالق قادر ہے۔ ایسا بلند مقام رکھتا ہے کہ اس کا کوئی شریک ہو کیونکہ اس کے آگے تمام عاجز ہیں اور اس کے پیدا کردہ ہیں **ام من یبدأ الخلق** کیا وہ جو مخلوق پہلی بار پیدا کرتا ہے۔ **ثم یعیدہٗ** پھر مرنے کے بعد قیامت میں لوٹا سکے گا۔ موت دینے کے بعد زندہ کرے گا۔ ام اور **من** کا اعراب بیان ہو چکا۔

فائدہ: الکواشی میں ہے کہ کفار نے اپنی ابتدائی تخلیق کے بارے میں باوجودیکہ انہیں قیامت میں زندہ اُٹھانے سے انکار تھا حالانکہ اس سے قبل ان کو براہین قاطعہ سنائے گئے کہ وہی پانی سے انجمد

marfat.ocm

اُگاتا ہے۔ پھر انہیں خشک کر دیتا ہے پھر انہیں سرسبز بنا دیتا ہے اور عقل کو بھی یقین ہے کہ مرنے کے بعد اُٹھنا حق ہے اور انہیں یہ بھی یقین ہے کہ وہ نہیں تھے تو انہیں پیدا فرمایا تو پھر اس کا لوٹانا تو اس سے آسان تر ہے۔ و من یرزقکم من السماء والارض اور کون تمہیں آسمان اور زمین سے روزی دیتا ہے۔ اسباب سماویہ وارضیہ سے أاله مع الله۔ کیا کوئی معبود ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو اس طرح کر سکے۔ قل ھاتوا

حل لغات: الحریر نے فرمایا کہ اہل عرب واحد مذکر کے لیے کہتے ہیں۔ ھات بکسر التاء اور جمع کے لیے ھاتوا اور مونث کے لیے ھاتی اور جمع مونث کے لیے ھاتین اور مونث و مذکر تثنیہ کے لیے ھاتیا نہ کہ ھاتا۔ ان دونوں صیغوں میں امر کے باب مذکر و مونث تثنیہ کا کوئی فرق نہیں جیسے ضمیر تثنیہ غلامهما وضربهما میں کوئی فرق نہیں۔ نہ یدان ہند میں علامت تثنیہ (مونث) کی بھی ضرورت نہیں۔ ھات دراصل آت تما آتی سے ہے بمعنی اعطی ہمزہ ہا سے تبدیل کیا گیا جیسا ارقت الماء و ایاك میں ہمزہ ہا سے تبدیل کیا گیا ہے۔ انہیں ھرقت وھیاك پڑھا جاتا ہے اور ملح العرب میں ہے کہ ایک شخص نے کسی اعرابی سے کہا ھات۔ اس نے اس کے جواب میں کہا واللہ ما اھاتیك ای ما اعطیك۔ بخدا میں تجھے نہیں دوں گا۔ برھانکم لاؤ اپنی دلیل عقلی یا نقلی جو دلالت کرے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے اور برہان مؤکد ترین دلیل کو کہا جاتا ہے کہ جس میں صدق ہی صدق ہو ان کنتم صٰدقین۔ اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو۔

ربط: اب بتانا چاہتے ہیں کہ غیب کا (بالذات) جاننا اللہ تعالیٰ سے خاص ہے وہ اس صفت میں اسی طرح منفرد ہے جیسے مذکورہ بالا صفات میں تنہا ہے۔ —— چنانچہ فرمایا قل لا یعلم من فی السمٰوٰت۔ فرمائیے نہیں جانتے وہ جو آسمانوں میں ہیں ان سے ملائکہ مراد ہے والارض اور جو زمین میں ہیں۔ انسان و جن۔ الغیب۔ غیب سے مراد وہ ہے جو عام بندوں سے غائب ہو جیسے قیامت وغیرہ۔ اس کی تحقیق آتی ہے اِلَّا اللہ۔ اللہ تعالیٰ کے سوا یعنی لیکن اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک لہٗ ایسے غیب کو جانتا ہے۔

ترکیب

استثناء منقطع ہے اور مستثنیٰ مرفوع ہے۔ من سے بدل ہے یہ لغت بنو تمیم کے مطابق ہے اور حجازی اسے منصوب پڑھتے ہیں۔ وما یشعرون اور کوئی بشر اسے نہیں جانتا۔ ایان یبعثون کہ کب قبروں سے اُٹھائے جائیں گے۔ ایان ای اور آن سے مرکب ہے ای استفہام اور آن اسم ظرف

زماں ہے جب دونوں مرکب ہو کر ایک جان ہوئے تو بعلبک کی طرح مبنی علی الفتح ہو گیا۔

علم غیب کی انوکھی تحقیق

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ غیب کی کئی قسمیں ہیں:

۱۔ اہل ارض کا زمین میں غیب۔

۲۔ اہل ارض کا آسمان میں غیب۔

ایسے علوم کو انسان حاصل کر سکتا ہے۔ پھر یہ ہر دونوں کی دو قسم ہیں،

۱۔ ارضِ ظاہری اور آسمانِ ظاہری میں ہر انسان سے غائب ہونا جیسے کوئی شخص کسی سے زمین پر پوشیدہ ہو کر چلا جائے یا کوئی اور امر ان پر ایک کو حاصل کرنا ممکن ہے مثلاً وہ گم شدہ انسان کہیں مل جائے یا کوئی امر جو غیر معلوم تھا وہ کسی طرح معلوم ہو جائے ایسے ہی آسمانی امر ہو تو وہ بھی معلوم کیا جا سکتا ہے مثلاً علم النجوم الہیئۃ کہ انھیں پڑھنے سے معلوم کیا جا سکتا ہے اگرچہ بظاہر غائب ہیں۔

۲۔ ایسے ہی ارض معنوی کا غیب اس سے نفس مراد ہے کہ اس میں کئی اوصاف و اخلاق پوشیدہ ہیں جن کی کیفیت و کمیت انسان سے مخفی ہے لیکن ان پر مجاہدہ اور ریاضت اور ذکر و فکر سے واقفیت حاصل کی جا سکتی ہے اور ایسے ہی معنوی کا غیب اس سے قلب مراد ہے کہ اس میں کئی علوم و حکمتیں اور معانی مخفی ہیں جو انسان سے اوجھل ہیں انھیں مقاماتِ نفس کی سیر اور مقاماتِ قلب کے سلوک سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ اہل ارض کے لئے زمین و آسمان کا غیب۔ اس کی طرف پہنچنا انسان کے لیے ناممکن ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ نہ ہو جیسا کہ فرمایا: سنریھم ایاتنا فی الآفاق و فی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق۔ ہم انھیں اپنی آیات آفاق اور اُن کے نفوس میں دکھاتے ہیں تاکہ ظاہر ہو کہ بیشک وہ حق ہے۔

۴۔ اہل آسمان کا آسمان و زمین میں غیب اسے تعلیم حق کے بغیر حاصل کرنا ناممکن ہے جیسے اسماء جس کی تعلیم سیدنا آدم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دی گئی۔ کما قال اللہ تعالیٰ و علم آدم الاسماء کلھا۔ اسی تعلیم کے زور پر آدم علیہ السلام نے ملائکہ کو فرمایا انبئونی باسماء ھٰؤلاء ان کنتم صٰدقین قالوا سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا۔ مجھے خبر دو ان اسماء کی اگر تم سچے ہو تو ملائکہ نے کہا اے اللہ تیری پاکی ہمیں تو کوئی علم نہیں سوائے اس کے کہ جو تو نے ہمیں سکھایا۔ اس سے واضح ہو گیا کہ آدم علیہ السلام کو ایسی بزرگی بخشی جو ملائکہ کو بھی نصیب نہ تھی یعنی اطلاعہ علی مغیبات لم یطلع علیھا الملائکۃ۔ (روح البیان ص ۳۶ ج ۱) یعنی ایسے مغیبات پر آگاہی جن سے ملائکہ آگاہ نہ تھے۔ یہی وہ علم غیب ہے جو اللہ تعالیٰ

marfat.ocm

کی تعلیم سے نصیب ہوتا ہے (لکن الوهابية قوم لا يعقلون) کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو کل اسماء کی تعلیم سے نوازا۔

۵۔ وہ غیب جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اس پر آگاہی نہ آسمانوں والوں کو ہو سکتی ہے نہ زمین والوں کو ہاں جن رسولوں (علیہم السلام) کو وہ خود اس علم کے لیے منتخب فرمائے جیسا کہ خود فرمایا فلا یظهر علی غیبه احدًا الا من ارتضی من رسول (اپنا غیب کسی کو ظاہر نہیں فرماتا سوائے اپنے ان رسولوں کے جن کو وہ خود منتخب فرمائے۔

استدلال سُنّی برائے تردید معتزلی

صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وبهذا استدل علی فضيلة الرسل على الملائكة لان الله استخصهم باظهارهم علی غیبه الملائکة ولهذا اسجدهم لادم لانه كان مخصوصًا باظهار الله اياه على غيبه ولذلك قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ان الله خلق آدم فتجلى فيه[2]۔ اس سے اپنے خاص علم غیب کے اظہار کے لیے رسل علیہم السلام کو مخصوص فرمایا ہے نہ کہ ملائکہ کو اسی لیے انہیں حکم ہوا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں کیونکہ اسی کو اللہ تعالیٰ نے اپنے مخصوص غیب کے اظہار کے لیے منتخب فرمایا اسی لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرما کر اسے اپنے مخصوص جلوہ سے نوازا۔

---

[1] یہی ہمارا موقف ہے کہ غیب کا جاننا خاصۂ خداوندی سہی لیکن وہ کریم اپنے پسندیدہ انبیاء علیہم السلام کو اس سے نوازتا ہے۔ اصل عبارت روح البیان کی یوں ہے۔ والغيب وهو مخصوص بالحضرة ولا سبيل لاهل السموت والارض الى علمه الا لمن ارتضى له كما قال الله تعالیٰ فلا يظهر على غيبه الخ ص ۲۶۲ ج ۶

عہ روح البیان ص ۲۶۲ ج ۶

[2] جیسا کہ ہمارے اسلاف نے معتزلہ کے رد میں اسی آیت سے استدلال فرمایا کہ ملائکہ کرام سے انبیاء علیہم السلام اسی سبب سے افضل ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ کا خاص علم غیب عطا ہوا۔ اسی طرح ہم اپنے زمانہ کے معتزلیوں کو کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کا علم غیب خاص سہی لیکن وہ کریم اپنے انبیاء و اولیاء کو عطا فرماتا ہے۔ یہی مسلک حق اور مذہب اہلسنت کا ہے۔ اور معتزلہ کی پیروی میں نبوت و ولایت کے لیے علم غیب کی عطا کا انکار کر کے اپنی معتزلیت پر مہر ثبت کر رہے ہیں۔

انتباہ: فقیر اویسی غفرلہ نے ایک ضخیم کتاب لکھی ہے۔ **ابلیس تا دیوبند**۔ اس میں ثابت کیا ہے کہ ہمارے دور کے وہابی۔ دیوبندی معتزلہ کی شاخ ہیں۔ دلائل میں ایک دلیل یہ بھی عرض کی ہے کہ معتزلہ تفضیل الرسل

۶۔ ایک وہ علم غیب ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے خاص فرمایا ہے وہ ہے علم قیام قیامت۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا جیسا کہ فرمایا وما یشعرون ایان یبعثون۔ اور وہ جانتے کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے[1]

حاشیہ بقیہ، علی الملائکہ کے قائل نہیں اور یہ زبان سے قائل ہیں لیکن جن دلائل کو اہل سنت نے معتزلہ کا رد کر کے تفضیل ثابت کی تھی یہ سرے سے انہی دلائل کا نہ صرف انکار بلکہ ماننے والے کو مشرک کہتے ہیں۔ قاعدہ یہ ہے کہ دلیل کمزور کرنے پر دعویٰ کمزور پڑے گا۔ جب اہل سنت قدیم کا دعویٰ کمزور پڑ گیا تو لامحالہ معتزلہ کے موقف کی تصدیق ہو جائے گی۔ (اویسی غفرلہٗ)

[1] اس مضمون سے مخالفین کہہ سکتے ہیں کہ روح البیان میں بھی علم ساعۃ کی نفی از رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ثابت ہے اس کا جواب مختصراً عرض کیے دیتا ہوں۔

یاد رہے کہ سابقہ دور میں اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف رہا یہی وجہ علم ساعۃ کو کافر تو بڑی بات ہے فاسق بھی نہیں کہا جا سکتا اور جن علماء کرام نے اختلاف کیا وہ ہمارے دور کے بے ادب و گستاخ نہ تھے بلکہ وہ دوسرے مسائل کی طرح اجتہاد جو از قبیلہ مبنی بر خطا تھا اور بس۔ اور ہمارے دور کے بے ادب لوگوں کا اختلاف مبنی بر اجتہاد نہیں بلکہ مبنی بر تنقیص رسالت ہے۔ کیونکہ ان مجتہدین کو اگر اپنے اجتہاد کے برعکس تحقیق ہو جاتی تو ضرور مان جاتے بخلاف ہمارے دور کے بے ادب لوگوں کے کہ ان کو ہزاروں دلائل اور پھر تصریحات دکھائی جائیں نہیں مانیں گے۔ اس لیے کہ یہ ضد کا شکار ہیں اور لاعلاج بیماری ہے۔ منصف مزاج کے لیے چند دلائل حاضر ہیں۔ تفصیل دیکھنی ہے تو فقیر کی کتاب "طلوع الشمس فی علوم الخمس" کا مطالعہ کیجئے۔ (اس مختصر کو بھی اگر رسالہ کی صورت میں شائع کیا جائے تو بھی مناسب ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ علم ساعۃ چونکہ علم غیب سے متعلق ہے۔ اسی لیے فقیر اویسی غفرلہٗ نے مقدمہ لکھ کر اثبات علم غیب مطلق پھر علم ساعۃ کے لیے لکھے گا۔ انشاء اللہ۔

مقدمہ

نبوّت سے علم غیب کا ثبوت

کئی مقام پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ کہہ کر خطاب فرمایا ہے جس کے معنی یہ ہیں۔ اے غیب کی خبر دینے والے۔ اگر اس خبر سے صرف دین کی خبر مراد ہو تو ہر مولوی معاذ اللہ نبی ہوا۔ اور اگر دنیا کے واقعات مراد

marfat.ocm

ہوں تو ہر اخبار ریڈیو خبر دینے والا نبی ہو جائے۔ معاذ اللہ! اس سے لازماً ثابت ہوا کہ نبی کا معنی غیب کی خبریں دینے والا ہے جیسا کہ صاحب مواہب لدنیہ فرماتے ہیں۔

النبوة ماخوذة من النباء بمعنى الخبر أى اطلعه الله على الغيب

یعنی نبوت اطلاع علی الغیب کا عین ہے یا لازم نبی بروزن شریف صیغہ صفت مشبہ کا ہے جس کا معنی ہے ہمیشہ غیب کی خبر دینے والا۔ خلاصہ یہ کہ پیغمبر اللہ تعالیٰ کی رضا اور عدم رضا کا مخبر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ رضا و عدم رضائی الامور اعلیٰ درجہ کا غیب ہے۔ کیونکہ پیغمبر اس لیے تشریف لائے کہ لوگوں کو بتلا دیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور اس میں نہیں۔ یہ دونوں باتیں غیب ہیں۔ جس چیز کا علم اوروں کو نہ ہو وہ نبی کو ہوتا ہے اور نبی وہ ہے جو غیب کی خبر دے۔ تو ثابت ہوا کہ علمِ غیب نبی کے لیے لازم ہے۔ ورنہ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ کہ نبی کو علم نہ ہو تو تسلیم کرنا پڑے کہ نبی لوگوں کو بھی خبر دے سکتے ہیں کہ انہیں علم غیب ہو۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ (پ۳۰ سورہ تکویر)

اور وہ نبی غیب بتلانے میں بخیل نہیں۔

حوالہ جات تفاسیر

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین فرماتے ہیں:

۱۔ حضرت محی السنۃ علامہ بغوی رحمۃ اللہ تفسیر معالم التنزیل میں اسی آیت شریفہ کے تحت فرماتے ہیں:

على الغيب وخبر السماء وما اطلع عليه من الاخبار والقصص بضنين • اى بخيل يقول انه يأتيه علم الغيب فلا يبخل به عليكم ويخبركم ولا يكتمه كما يكتم الكاهن۔ (معالم التنزیل ص۲۱۶ ج۴ مطبوعہ مصر)

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم غیب پر اور آسمانی خبروں پر اور ان خبروں و قصوں پر بخیل نہیں ہیں۔ مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس علم غیب آتا ہے۔ پس وہ تم پر بخل نہیں فرماتے بلکہ تم کو سکھاتے ہیں اور تم کو خبر دیتے ہیں۔ جیسے کہ کاہن چھپاتے ہیں ویسے یہ نہیں چھپاتے۔"

فائدہ: صاحب معالم التنزیل کے کلام سے واضح ہو گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علمِ غیب ہے۔ جبھی تو وہ لوگوں کو مطلع فرماتے ہیں۔

۲۔ علامہ علاء الدین صاحب تفسیر خازن اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں۔

یقول انہ علیہ السلام یاتیہ عِلمُ الغیب فلا یبخل بہٖ علیکم بل یعلمکم۔ (الخازن جزء السابع ص ۲۲۵)

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس علمِ غیب آتا ہے تو تم پر اس میں بخل نہیں فرماتے بلکہ تم کو سکھاتے ہیں۔"

فائدہ۔ ثابت ہو گیا کہ علم غیب پر مطلع ہونا یہ اصل نبوت کی دلیل ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ جس کو مقام نبوت پر پسند فرما لیتا ہے انہیں علم غیب عطا فرما دیتا ہے۔

۳۔ یہی علامہ خازن دوسرے مقام پر آیت وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ کے ماتحت فرماتے ہیں:

یعنی ان یطلعھم علیہ وھم من الانبیاء والرسل ولیکون ما یطلعھم علیہ من عِلم غیبہ دلیلاً علیٰ نُبوّتِھِمْ کما قال اللہ تعالیٰ فلا یظھر علی غیبہ احدًا الا من ارتضٰی من رسول۔

(خازن ص ۲۷ ج ۱ مطبوعہ مصر)

اللہ تعالیٰ اُن کو اپنے علم پر اطلاع دیتا ہے اور وہ انبیاء و رسل ہیں۔ تاکہ ان کا علم غیب پر مطلع ہونا اُن کی نبوت کی دلیل ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نہیں ظاہر کرتا اپنے خاص غیب پر کسی کو مگر اُس رسول سے کہ جس سے راضی ہو جائے۔

۴۔ یہی علامہ موصوف تفسیر خازن میں تیسرے مقام پر آیت عالم الغیب فلا یظھر کے ماتحت فرماتے ہیں

الا من یصطفیہ لرسالتہ ونبوّتہٖ فیظھر علیٰ ما یشآء من الغیب حتیٰ یستدل علی نبوتہ بما یخبر بہ من المغیبات فیکون ذٰلک معجزۃ لہٗ

(الخازن ص ۱۶۳ ج ۷ مصر)

"مگر جس کو اپنی نبوت اور رسالت پر چن لے۔ پس ظاہر فرماتا ہے جس پر چاہتا ہے غیب تاکہ اُن کی نبوت پر دلیل پکڑی جائے۔ اُن غیب چیزوں سے جس کی وہ خبر دیتے ہیں۔ پس یہ اُن کا معجزہ ہے۔"

فائدہ: ان دلائل سے ثابت ہو گیا کہ نبوت کا امور غیبیہ کی خبر دینا یہ اُن کا معجزہ اور نبوت کی دلیل ہے۔

فیصلہ کن حوالہ: ذیل میں فقیر ایک ایسی کتاب کا حوالہ لکھتا ہے جو مخالفین کو مسلّم ہے وہ ہے شرح عقائد نسفی۔ یہ وہ کتاب ہے جو حنفیہ کے عقائد میں درس نظامی کے نصاب میں داخل ہے۔ علامہ تفتازانی قدس سرہ فرماتے ہیں:۔

marfat.ocm

وبالجملة العلم بالغيب امر تفرد به الله تعالى لاسبيل اليه لعباد الاعلام او الهام بطريق المعجزة اوالكرامة اوارشاد الى الاستدلال بالامارات فيما يمكن فيه ذالك ولهذا ذكر في الفتوى ان قول القائل عند رؤية هالة القمر يكون مطراً مدعيا علم الغيب لا بعلامة كفر (شرح عقائد نسفی)

ترجمہ

حاصل کلام یہ ہے کہ علم غیب ایک ایسا امر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس سے متفرد ہے۔ بندوں کو اس کے حصول کا کوئی طریقہ نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ بطریق وحی یا الہام بتلائے یا بطریق معجزہ یا کرامت کے ہو۔ اسی لیے فتاویٰ میں ذکر کیا ہے کہ چاند کے ہالہ کو دیکھ کر کوئی غیب کا مدعی بن کر کہے کہ پانی برسے گا۔ یہ کفر ہے۔

(ف) اس عبارت سے ثابت ہوا کہ بندوں کا علم بالغیب کے حصول کا کوئی ذریعہ نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کی تعلیم اور وحی والہام کے ذریعہ سے بطور معجزہ اور کرامت کے ہوتا ہے۔ کیونکہ علم غیب ہی نبوت کی دلیل اور معجزہ ہے۔

ازالہ وہم: آپ پر یا کسی اور نبی یا ولی پر علم الغیب کا اطلاق حرام ہے یہ اُن کی تغلیط عام اور دفع وقتی ہے ورنہ اسلاف نے اس کا اطلاق مانا ہے جیسا کہ اوپر کی عبارت میں گزرا اور پھر قرآن مجید میں اسکا لطیف اشارہ موجود ہے چنانچہ ملاحظہ ہو۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَتِلْكَ مِنْ اَنْبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۰ (پ۱۲ ۳٤ سورۃ الھود)

"اور یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے رہتے ہیں۔

فائدہ: اس آیت شریف میں اَنْبَاۗءِ جمع کا صیغہ ہے اور مضاف ہے لفظ غیب کی طرف اور صیغہ جمع مضاف مقتضی ہے استغراق کا۔ جو علم نحو ومعانی واصول میں ثابت ہے۔

لهذا آیت شریف نص ہوگی اس معنی پر کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مغیبات پر اطلاع فرمادی۔ بعض بذریعہ وحی جلی اور بعض بذریعہ وحی خفی اور نُوْحِيْهَا کی ضمیر اَنْبَاۗءِ الْغَيْبِ کی طرف راجع ہوگی۔ اسی لیے یہی قریبی مرجع ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَاۗفَّةً لِّلنَّاسِ اور لیکون حضور صلی اللہ علیہ وسلم للعالمین نذیرا سارے عالمین کے نبی ہیں اور نبوت بھی دائمی ہوتی ہے۔ بالفرض اگر کسی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ وقت کے لیے معاذ اللہ اُس خبر سے بے علم سمجھا۔ تو اس اعتقاد کی بنا پر وہ اتنی دیر

تک منکر نبوت رہے گا۔

یہی وجہ ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ غیب شریف پر ایمان ہونا ضروری ہے۔ جیسا کہ اس کی تصریح آئی ہے لیکن اس کا اطلاق علم الغیب علی النبی کا مسئلہ واضح ہوا وہ اس طرح کہ نُوْحِیْ از اِیْحَاءٌ بمعنی الاعلام بالخفاء (العینی شرح بخاری) اب معنیٰ ہوا کہ ہم غیب کا علم عطا فرماتے ہیں نبی کو۔

حضرت حافظ الحدیث شیخ احمد مالکی وخازن وجمل وصاوی نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جمیع علم غیب پر ایمان رکھنا واجب ہے ان کی اصل عبارت ملاحظہ ہو:

وَالَّذِیْ یَجِبُ بِهِ الْاِیْمَانُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمْ یَنْتَقِلْ مِنَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ فَهُوَ یَعْلَمُهَا کَمَا هِیَ عَیْنُ یَقِیْنٍ کَمَا وَرَدَ رُفِعَتْ لِیَ الدُّنْیَا فَاَنَا اَنْظُرُ اِلَیْهَا وَاِلٰی مَا هُوَ کَائِنٌ فِیْهَا کَمَا اَنْظُرُ اِلٰی کَفِّیْ هٰذِهٖ وَوَرَدَ اَنَّهٗ اِطَّلَعَ عَلَی الْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَغَیْرُ ذٰلِکَ مِمَّا تَوَارَدَتْ بِهِ الْاَخْبَارُ لٰکِنْ اُمِرَ بِکِتْمَانِ الْبَعْضِ (خازن۔ جمل صاوی وغیرہا)

ترجمہ

"جن باتوں کے ساتھ مسلمان کے لیے ایمان لانا لازم ہے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے اتنے تک انتقال نہیں فرمایا۔ جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا و آخرت کے تمام مغیبات پر مطلع نہیں فرمایا۔ وہ انہیں اس طرح جانتے ہیں جس طرح یقینی اور آنکھوں دیکھی بات ہوتی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ میرے لیے دنیا بلند فرمائی گئی ہے۔ میں اس کی طرف ایسے دیکھ رہا ہوں جس طرح میں ہاتھ کی ہتھیلی کی طرف دیکھ رہا ہوں اور یہ بھی حدیث میں وارد ہے کہ بہشت و دوزخ اور وما فیہما پر مطلع ہوں۔ اور ان باتوں کے متعلق احادیث تواتر کے درجہ تک پہنچ چکی ہیں۔ اور بعض چیزوں کو پوشیدہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔"

فائدہ ثابت ہوا کہ اس بات پر ایمان رکھنا واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع علوم غیبیہ پر مطلع فرما دیا ہے۔ قیامت تک کی کوئی شے آپ سے مخفی نہیں ہے۔

باب دوم

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے جن آیات و احادیث میں علم غیب کی نفی ہے وہ سب آپ کی مکی زندگی کے متعلق ہیں اور اصول تفسیر و حدیث کا قاعدہ ہے کہ مدنی زندگی کی آیات مبارکہ و احادیث مقدسہ مکی زندگی کے

marfat.ocm

مضامین کی ناسخ ہیں یا اُن کے اجمال کی تفصیل ہیں ان قواعد کی تفصیل فقیر کی کتاب "احسن البیانؒ" میں مطالعہ کیجئے۔ اور رُوح المعانی میں لکھا ہے کہ ساعۃ دنیا کی آخری یا آخرت کی پہلی گھڑی کا نام ہے۔ ہم نے اپنے رسالہ "طلوع الشمس فی علوم الخمس" میں انہیں مفصل طور پر لکھا ہے۔ چند احادیث ملاحظہ ہوں۔

حدیث نمبر (۱)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَاَوَّلُ مَنْ یَنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ وَاَوَّلُ شَافِعٍ وَاَوَّلُ مُشَفَّعٍ ۝ (رواہ مسلم المشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین ص۵۱۱)

ترجمہ

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے دن میں اولاد آدم کا سردار ہوں گا۔ اور سب سے پہلے قبر سے میں اٹھوں گا اور سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا۔ اور میری شفاعت قبول ہوگی۔"

حدیث نمبر (۲)

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا فَخْرَ وَبِیَدِیْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ وَمَا مِنْ نَّبِیٍّ یَوْمَئِذٍ اٰدَمُ فَمَنْ سِوَاهُ اِلَّا تَحْتَ لِوَائِیْ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ وَلَا فَخْرَ۔ رواه الترمذی ۝

(المشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین ص۵۱۱)

"حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے دن میں آدم کی اولاد کا سردار ہوں گا۔ اور یہ بات میں فخر کے طور پر نہیں کہتا اور میرے ہاتھ میں قیامت کے دن حمد کا جھنڈا ہوگا اور اس کو فخر سے نہیں کہتا اور قیامت کے دن آدم اور ان کے سوا تمام دوسرے پیغمبر میرے جھنڈے تلے ہوں گے اور قیامت کے دن سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی اور میں قبر سے سب سے پہلے اٹھوں گا اور اس پر مجھ کو فخر نہیں۔"

حدیث نمبر (۳)

عَنْ اَنَسٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَكْثَرُ الْاَنْبِیَاءِ تَبَعًا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ یَسْتَفْتِحُ بَابَ الْجَنَّةِ فَیَقُوْلُ الْخَازِنُ مَنْ اَنْتَ فَاَقُوْلُ مُحَمَّدٌ فَیَقُوْلُ بِكَ اُمِرْتُ اَنْ لَّا اَفْتَحَ لِاَحَدٍ قَبْلَكَ ۝ (المشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین ص۵۱۱)

ترجمہ

" حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزِ قیامت میرے متبع تمام انبیاء کے متبعین سے زیادہ ہوں گے اور پہلا وہ شخص میں ہوں گا جو جنت کا دروازہ کھلواؤں گا خازن پوچھے گا آپ کون ہیں تو میں کہوں گا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ عرض کرے گا مجھے آپ کے لیے ہی حکم دیا گیا ہے کہ آپ سے پہلے کسی کے لیے دروازہ نہ کھولوں۔

فائدہ، ان روایات پر غور کیجیے کہ مزار سے اٹھنا یہ ساعت کی پہلی گھڑی ہے اس کے بعد سارے حالات کا ذکر ہمارے دلائل کی تائید ہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر خود ساعت کے متعلق ارشاد فرمایا۔

حدیث نمبر (۴)

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعثت انا والساعۃ کھاتین۔ رواہ البخاری فی صحیحہ (کذا فی المشکوٰۃ المصابیح) باب قرب القیامۃ۔

ترجمہ

" حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (انگشت شہادت اور بیچ کی انگلی کو ملا کر) فرمایا کہ میں اور قیامت دونوں اس طرح ملے ہوئے بھیجے گئے ہیں جس طرح یہ دونوں انگلیاں ملی ہوئی ہیں۔

فائدہ: باتفاق علمائے حدیث اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کے اور قیامت کے درمیان کوئی جدید نبی پیدا نہ ہوگا۔ اور قیامت آپ کے ساتھ آنے سے یہی مراد ہو سکتی ہے۔ ورنہ حدیث کا خلاف واقعہ ہونا لازم آتا ہے۔

حدیث نمبر (۵)

عن زیاد بن زیاد مولی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم قَالَ اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یقول بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَۃُ کَھَاتَیْنِ وَ مَدَّ اِصْبَعَیْہِ السَّبَّابَۃَ وَالْوُسْطٰی۔

" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام زیاد بن ابی زیاد سے مروی ہے۔ فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ میں بھیجا گیا ہوں میرے اور قیامت کے درمیان کا واسطہ ان دو انگلیوں کی طرح ہے۔ اور آپ نے انگوٹھے والی انگلی اور درمیان کی بڑی انگلی دونوں کو باہر نکالا

marfat.ocm

اور لمبا کیا۔

(ف) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سبابہ اور وسطیٰ کو لمبا کرنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جیسے وسطیٰ کو لمبا کرنے سے کوئی چیز حاجز نہیں۔ کیا آپ کے اس فرمان سے

حاجز نہیں ایسے ہی میرے اور قیامت کے درمیان کوئی تیسری چیز حائل نہیں۔ کیا آپ کے اس فرمان سے کسی مومن کو انکار ہو سکتا ہے کہ آپ نے سبابہ اور وسطیٰ کو اکٹھا اور لمبا کر کے فرمایا تاکہ یہ بھی ثابت ہو جائے جیسے کہ ان دونوں انگلیوں کا تعلق مرکزی ایک ہاتھ ہی ہے ایسے ہی میرا قیامت کے ساتھ تعلق ہے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنی ذات اور قیامت کو ملا کر واحد ہی فرمایا۔ اب آپ کے اور قیامت کے درمیان انفصال کرنے والا اور آپ کو قیامت سے بے خبر کہنے والا صادق ہو سکتا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ آپ نے اتصال میں اشارہ فرمایا کہ میں آیا ہوں اُب میرے سے متصل ہو کر قیامت آ رہی ہے۔ اسی لیے آپ نے اپنے سبابہ اور وسطیٰ کو لمبا کر کے اپنا اور قیامت کا تعلق ظاہر فرمایا۔ اگر تم کہو کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے قیامت کے تعین کا امر ہمیں کیوں نہیں ارشاد فرمایا تو آپ کا ظاہر نہ فرمانا آپ کے عدم علم پر دلالت نہیں کرتا۔

حدیث نمبر (۶)

مسلم شریف صفحہ ۲۹۷ ج ۱ میں ہے:

عن جابر بن عبد اللہ انہٗ عُرِضَ عَلَیَّ کُلُّ شَیْءٍ تولجونہٗ۔

"حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ میرے سامنے ہر شے پیش کی گئی جس میں تم داخل ہو گے۔"

فائدہ: اب بتائیے کہ ہم قیامت یعنی ساعت اُولیٰ (یوم آخرت) میں داخل ہوں گے یا نہ اور وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے ہے۔ بلکہ روایات میں تو یہاں تک ہے کہ ساعۃ نے خود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناقہ کی صورت میں اسے سواری کے طور پر استعمال فرمایا۔ یہ ایک حدیث ہے جس کے چند جملے یہ ہیں۔

حدیث نمبر (۷)

واما الناقۃ التی رأیتھا ورأیت ابعثھا فھی الساعۃ علینا تقوم لا نبی بعدی ولا امۃ بعد اُمتی۔ (ابن کثیر ص ۳۶۹ جلد ۹)

"وہ ناقہ جس کو تم نے خواب میں دیکھا اور یہ کہ میں اس کو چلا رہا ہوں وہ قیامت ہے جو ہم پر قائم ہو گی کیونکہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہو گا اور نہ میری اُمت کے بعد کوئی اُمت۔"

فائدہ: اس سے مزید اور کیا چاہیئے لیکن ضدی کو دفتر پڑھ کر سُنا دو تو پھر بھی نہیں مانے گا اور

ع دانا را اشارہ کافیست

اور غبی سر بے سے سمجھتا ہی کچھ نہیں۔

حدیث نمبر (۸)

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَةُ کَهَاتَیْنِ وَجَمَعَ بَیْنَ اَصَابِعِہٖ۔ (ابن ماجہ ص۳۰۲ ابو داؤد طیالسی ص۳۰٦)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں اور قیامت ان دو اُنگلیوں کی طرح ہیں اور آپ نے اپنی اُنگلیوں کو جمع فرمایا۔ اِنَّهُمْ یَرَوْنَهٗ بَعِیْدًا وَّنَرَاهُ قَرِیْبًا کے ساتھ اس کی مطابقت ہوگی۔"

حدیث نمبر (۹)

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ یَوْمَ الْجُمُعَةِ سَیِّدُ الْاَیَّامِ وَاَعْظَمُهَا عِنْدَ اللّٰہِ مِنْ یَوْمِ الْاَضْحٰی وَیَوْمِ الْفِطْرِ فِیْهِ خَمْسُ خِلَالٍ خَلَقَ اللّٰہُ فِیْهِ اٰدَمَ وَاَهْبَطَ اللّٰہُ فِیْهِ اٰدَمَ اِلَی الْاَرْضِ وَفِیْهِ تَوَفَّی اللّٰہُ اٰدَمَ وَفِیْهِ سَاعَةٌ لَا یَسْاَلُ اللّٰہَ فِیْهَا الْعَبْدُ شَیْئًا اِلَّا اَعْطَاهُ مَا لَمْ یَسْئَلْ حَرَامًا وَفِیْهِ تَقُوْمُ السَّاعَةُ مَا مِنْ مَلَكٍ مُقَرَّبٍ وَلَا سَمَاءٍ وَلَا اَرْضٍ وَلَا رِیَاحٍ وَلَا جِبَالٍ وَلَا بَحْرٍ اِلَّا وَهُنَّ یُشْفِقْنَ مِنْ یَوْمِ الْجُمُعَةِ۔ (ابن ماجہ ص۷۷)

ترجمہ

"نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کا دن تمام دنوں کا سردار ہے اور اللہ کے نزدیک بہت بزرگی والا ہے۔ اور وہ اللہ کے نزدیک عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے دنوں سے بھی زیادہ بزرگ ہے۔ اس میں پانچ بڑی چیزیں ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور اسی میں زمین پر اُتارا۔

۲۔ اور اسی میں اللہ تعالیٰ نے اُن کا وصال کیا۔

۳۔ اور اسی میں ایک ایسا وقت ہے جس میں بندہ اللہ سے کوئی بھی سوال کرے اللہ اس کو عطا کرتے ہیں جب تک کہ حرام کا سوال نہ کرے۔

۴۔ اور اسی میں قیامت قائم ہوگی۔

۵۔ کوئی مقرب فرشتہ اور آسمان اور زمین اور ہوائیں اور پہاڑ اور سمندر نہیں ڈرتے مگر وہ جمعہ کے دن سے

marfat.ocm

ڈرتے ہیں:

فوائد الحدیث

(۱) حضور نبی کریم رؤف ورحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے جمعہ کے فضائل بیان فرماتے ہوئے ابتداء سے قیامت تک کا تمام واقعہ بیان فرمادیا خلاء،

۱۔ حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش کی اطلاع دی۔ یہ زمانہ ماضی کے غیب کا علم ہے۔

۲۔ حضرت آدم علیہ السلام کا مقررہ پیدائشی دن ظاہر فرمایا۔

۳۔ حضرت آدم علیہ السلام کے نزول الی الارض کے مقررہ دن کی خبر دی۔

۴۔ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت وصال کی خبر دی۔

۵۔ ایک ایسی گھڑی کی خبر دی جس میں اللہ تعالیٰ بندے کے سوال کو رد نہیں فرماتا۔ وہ ساعت کسی کو معلوم نہیں سوائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جیسا کہ بین الخطبتین ساعت کا تقرر ظاہر فرمایا حالانکہ خطبتین کا وقت بھی ہر جگہ کا مختلف ہے۔ لیکن جس ساعت کا آپ نے ذکر فرمایا وہ آپ کے خطبتین کے مابین ہو سکتی ہے۔ جس ساعت کا اندازہ کرنا دوسرے کے واسطے مشکل ہے لیکن آپ نے جب اس ساعت کو وقتِ اجابت فرمایا تو اس کی صفتِ اجابت بیان کرنے سے معلوم ہوا کہ اس ساعت کی حقیقت کا بھی آپ کو علم ہے۔

۶۔ اس ساعت بلا محیط کے بیان کرنے سے آپ نے صاف ثبوت دے دیا کہ جیسے میں اس ساعت کو جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔

۷۔ اسی جمعہ کے دن میں اس قیامت کا قیام ہوگا۔

حدیث نمبر (۱۰)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَیْرُ یَوْمٍ طَلَعَتْ
فِیْهِ الشَّمْسُ یَوْمُ الْجُمُعَةِ فِیْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِیْهِ اُهْبِطَ وَفِیْهِ تِیْبَ عَلَیْهِ
وَفِیْهِ مَاتَ وَفِیْهِ تَقُوْمُ السَّاعَةُ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ اِلَّا وَهِیَ مُسِیْخَةٌ یَوْمَ الْجُمُعَةِ
مِنْ حِیْنَ تُصْبِحُ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ شَفَقًا مِنَ السَّاعَةِ اِلَّا الْجِنَّ وَالْاِنْسَ وَفِیْهَا
سَاعَةٌ لَا یُصَادِفُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ یُصَلِّیْ یَسْأَلُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ حَاجَةً
اِلَّا اَعْطَاهُ اِیَّاهَا (ابوداؤد ص ۱۵۱ ج ۱)

ترجمہ

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام دنوں سے بہتر دن جمعہ کا ہے۔ اسی میں آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے اور اسی میں اُتارے گئے اور اسی میں آپ کی توبہ منظور کی گئی اور اسی میں آپ کا وصال ہوا اور اسی میں قیامت قائم ہوگی اور اسی دن صبح سے ہر زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں مگر وہ سننے والا ہے قیامت کی آواز کو سوائے جن اور انسان کے اور اسی میں ایک گھڑی ہے جس بندے مسلمان کو نماز پڑھنے کی حالت میں اُسے ملے وہ اللہ سے جو بھی حاجت طلب کرے اُس کو اللہ تعالیٰ عنایت کرتے ہیں)۔

(ف) اس حدیث پاک میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہر عظیم الشان مرحلے کو معین وقت میں بیان فرماتے ہوئے قیامت کے دن کا تعین بھی فرما دیا۔ کیا عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو یاد نہ تھا یا آپ نے اس کا مطلب نہ سمجھا جو تم نے سمجھا ہے یا نعوذ باللہ آپ نے جھوٹ بولا ہے سوائے اس کے کہ تم اُس آیت کو اس فرمان مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی تطبیق دو کہ اس حدیث پاک کے مطابق نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یومِ قیامت کے تقرر کا علم ہے جیسا کہ آپ نے اس حدیث میں ارشاد فرمایا اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے علمِ ذاتی کی غیر سے نفی فرمائی ہے۔ دوسرے کو عطا کرنے کی نفی نہیں فرمائی۔ جیسا کہ کوئی کارخانے کا مالک یہ دعویٰ کرے کہ یہ چیز میرے پاس ہے ہی کیونکہ میری خود ساختہ ہے اور کسی کے پاس نہیں تو اس کا یہ مطلب کہ اور کوئی دکاندار اُس چیز کو اُس سے لے بھی نہیں سکتا۔ حالانکہ جس کو وہ پسند کرے اُسے بھی دے سکتا ہے۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے علمِ قیامت کی تخصیص اپنی طرف فرمائی لیکن اپنی مرضی کے مطابق اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی کے قانون سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی عطا فرمایا۔ جیسا کہ اس حدیث میں مذکور ہے پھر آپ نے اس حدیث میں روئے زمین کے تمام جانداروں کے حرکات اور خشیت کا پورا علم ارشاد فرمایا۔ اور جمعہ کے دن کی خصوصیت میں اُن کے قلوب کی خشیت کا علم کُلی ظاہر فرماتے ہوئے اپنے حاضر و ناظر ہونے کا ثبوت دے دیا۔ اگر حاضر و ناظر نہیں تو علم کیسے ہو سکتا ہے اور اگر علم نہ ہو تو تمام روئے زمین کے جانداروں کی خشیت اور جن و انسان کا اس خشیت سے بھی غفلت کا اظہار فرمانا نعوذ باللہ آپ پر کذب لازم آتا ہے اور آپ کا یہ فرمانا کہ سوائے جنوں اور انسانوں کے تمام روئے زمین کی جاندار چیزیں قیامت کی خشیت سے خاموش ہوتی ہیں اور اُن پر ایک سناٹا ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آپ کے اس فرمان سے ثابت ہوتا ہے کہ سوائے جن و انسان کے ہر ذی رُوح چیز کو قیامت تک کا علم ہے جس سے وہ خائفین ہیں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل قبور کا حال بھی سوائے جن و انسان کے ہر ذی رُوح جانتے ہیں۔

marfat.ocm

يَضْرِبُهُ بِهَا ضَرْبَةً يَسْمَعُهَا مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ إِلَّا الثَّقَلَيْنِ

(ابوداؤد شریف صہ ۳۰۶)

تو فرشتہ اُس میت کو خوب مارتا ہے۔ اور اُس کی چیخ و پکار کا بھی علم آپ کو حاصل ہے جو آپ ظالمین اور مظلومین کے تمام حالات کو بیان فرما رہے ہیں۔ جب ہر ذی رُوح چیز سوائے جن و انس کے عالمِ برزخ کے حالات کو دیکھ رہے ہیں۔ اور اُن کے حالات کو آپ بیان فرما رہے ہیں۔ ایسے ہی اُن کو قیامت بھی نظر آ رہی ہے اور سوائے جنّ و انسان کے اس کو ہر ذی رُوح دیکھ کر خائف ہو رہا ہے۔ جن کے علم کا اظہار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں۔ تو ثابت ہُوا کہ سوائے جنّ و انسان کے ہر ذی رُوح چیز کو قیامت کا علم ہے۔ اور اُن تمام کا علم مع قیامت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حاصل ہے۔ جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنے علمِ قیامت کا اظہار اس حدیثِ پاک میں فرمایا ہے۔

حدیث نمبر (۱۱)

عَنْ أَوْسِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ أَفْضَلِ أَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيْهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِيْهِ قُبِضَ وَفِيْهِ النَّفْخَةُ وَفِيْهِ الصَّعْقَةُ (ابوداؤد صہ ۱۵۰ ج ۱)

ترجمہ

”حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمام دنوں سے جمعہ کا دن افضل ہے۔ اسی میں آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے اور اسی میں قبض کیے گئے اور اسی میں اسرافیل قرنا پھونکیں گے اور اسی میں قیامت ہو گی۔“

صحابہ کرام کا عقیدہ

حدیث نمبر (۱۲)

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیامت کا بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

أَتَدْرُوْنَ أَيُّ يَوْمٍ ذٰلِكَ قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ۔ (مستدرک صہ ۵۶۷ ج ۴)

”کیا تم جانتے ہو کہ یہ دن کون سا ہے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کی کہ اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔“

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ آپ کو علمِ قیامت ہے۔

اقوالِ بزرگانِ دین

۱۔ وَالَّذِیْ یَجِبُ الْاِیْمَانُ بِہٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ یَنْتَقِلْ مِنَ الدُّنْیَا حَتّٰی اَعْلَمَہُ اللّٰہُ بِجَمِیْعِ الْمُغَیَّبَاتِ (صاوی ص ۱۱۱/۲۲)

ترجمہ

"اور جس کے ساتھ ایمان واجب ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے نہیں منتقل ہوئے یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو جمیع مغیبات کا علم سکھایا۔"

۲۔ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا اَیْ مِنْ حَیْثُ ذَاتِہَا وَاَمَّا بِالْاِعْلَامِ اللّٰہِ تَعَالٰی لِلْعَبْدِ فَلَا مَانِعَ مِنْہُ کَالْاَنْبِیَآءِ وَبَعْضِ الْاَوْلِیَآءِ قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَقَالَ تَعَالٰی عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْہِرُ عَلٰی غَیْبِہٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ۔ (صاوی ص ۳۱/۲۲)

ترجمہ

یعنی باعتبار ذات کے کسی نفس کو کل کی خبر نہیں۔ لیکن اللہ کے جتانے سے بندے کو کوئی رکاوٹ بھی نہیں۔ جیسا کہ تمام انبیاء اور بعض اولیاء کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ کے علم سے کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ مگر جو اللہ چاہے۔ اور فرمایا کہ اللہ غیب کو جاننے والا ہے۔ سوائے اللہ کے کسی کو اس کے غیب کی اطلاع نہیں۔ سوائے اُس رسول کے کہ جس کو اللہ برگزیدہ کرے۔"

۳۔ اَلْحَقُّ اَنَّہٗ لَمْ یَخْرُجْ نَبِیُّنَا مِنَ الدُّنْیَا حَتّٰی اَطْلَعَہُ اللّٰہُ عَلٰی تِلْکَ الْخَمْسِ وَلٰکِنَّہٗ اُمِرَ بِکِتْمِہَا (ایضاً)

ترجمہ

"سچی بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے نہیں منتقل ہوئے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان خمسۂ امور کے علم پر آپ کو مطلع فرمایا۔ اور لیکن اُن کے چھپانے کا بھی حکم فرمایا۔"

(ف) اس سے صاف ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پانچ چیزوں کا علم عطا کیا گیا۔

۴۔ ذَھَبَ بَعْضُھُمْ اِلٰی اَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُوْتِیَ عِلْمَ الْخَمْسِ اَیْضًا

marfat.ocm

وَعِلْمُ وَقْتِ السَّاعَةِ وَالرُّوْحِ وَاَنَّهٗ اُمِرَ بِكَتْمِ (خصائص کبریٰ جلد ۲ صـ۱۹۵) ذٰلِكَ ۔

"بعض اس طرف گئے ہیں کہ نبی صلی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پانچ چیزوں کا بھی علم دیا گیا ہے ۔ قیامت کے وقت کا بھی اور رُوح کا بھی اور آپ کو اُن کے چھپانے کا حکم دیا گیا ۔"

۵۔ وَقَالَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ وَعَنْ سَادَاتِنَا الْعُلَمَاءِ وَكَيْفَ يَخْفٰى مِنْ اُمَّتِهِ الشَّرِيْفَةِ لَا يُمْكِنُهُ التَّصَرُّفُ اِلَّا بِمَعْرِفَتِهٖ هٰذِهِ الْخَمْسَ ۔ (ابریز صـ۱۶۶)

"فرمایا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور ہمارے بڑے بڑے علماء سے کہ پانچوں اُمور کا علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کیسے مخفی ہو سکتا ہے حالانکہ آپ کی اُمت شریفہ کے اہل تصرف سے کسی ایک کو تصرف کی قدرت نہیں ہوتی جب تک کہ ان پانچ اشیاء کا اُس کو علم نہ ہو ۔"

۶۔ وَاُوْتِيَ عِلْمَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى الرُّوْحِ وَالْخَمْسِ الَّتِيْ فِيْ اٰيَةِ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ (کشف الغمہ صـ۴۳ ج۲) ۔

اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کل شے کا علم دیا گیا ۔ حتیٰ کہ رُوح کا اور اُن پانچ کا بھی جو اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۔

۷۔ علم حق در علم صوفی گم شود (تفہیمات الٰہیہ شاہ ولی اللہ صـ۱۸ ج۱)

"اللہ کا علم صوفی کے علم میں گم ہو جاتا ہے ۔"

جوابات: آیت مذکورہ یعنی قُلْ لَا یعلم من فی السمٰوٰت مخالفین کے دلائل میں سے ایک قوی دلیل ہے حالانکہ اُن کے مذہب کے بھی خلاف ہے چنانچہ فقیر کے جواب سے اندازہ لگائیے ۔

۱۔ آیت میں ہر قسم کا غیب منفی ہے حالانکہ مخالفین بعض غیب للنبی علیہ السلام کے قائل ہیں ۔ فما ہو جوابہم فہو جوابنا ۔ جو ان کا جواب ہوگا وہی میرا جواب ہے ۔

۲۔ آیت مکیہ ہے اور قاعدہ ہے کہ مکیہ آیات یا منسوخہ ہوتی ہیں یا مجملہ یہ آیت منسوخہ نہ سہی مجملہ ہے جس کے اثبات کے لیے آیات مدنیہ کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے ۔

۳۔ مظہری تفسیر مخالفین کے نزدیک مستند ہے اس میں پارہ نمبر ۳ زیر آیت وما یعلم تاویلہ الا اللہ الخ لکھا کہ آیت میں حصر اضافی ہے حقیقی نہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عطا سے غیب جانتے ہیں ۔

۴۔ اس آیت شریفہ میں یہ کہاں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم غیب نہیں عطا فرمایا یا آپ کو باعلام خداوندی بھی علم غیب حاصل نہیں ہو سکتا ۔

۵۔ اس آیت شریفہ میں ذاتی علم غیب مراد ہے کہ خدا کے سوا ذاتی علم غیب کوئی نہیں جانتا جو تعلیم خداوندی سے ہے اس کی نفی نہیں ہے۔ چنانچہ مفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہی مراد لی ہے۔

۱۔ علامہ علاؤالدینؒ اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں؛

نَزَلَتْ فِی الْمُشْرِکِیْنَ حِیْنَ سَاَلُوْا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ وَقْتِ السَّاعَۃِ۔

"یہ آیت نازل ہوئی اُس وقت جب کہ مشرکین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وقت قیامت دریافت کیا"

فائدہ؛ قیامت ایک غیبی خبر ہے جس کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خبر دی تھی کہ تم پر قیامت آئے گی۔ تو مشرکین نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کا وقت دریافت کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت شریفہ کو نازل فرما کر ان مشرکین کا رد فرمایا۔

قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ ؕ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ۰ بَلِ ادّٰرَکَ عِلْمُھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ بَلْ ھُمْ فِیْ شَکٍّ مِّنْھَا بَلْ ھُمْ مِّنْھَا عَمُوْنَ ۰ (پ ۲۰ ع ۱ سورۃ النمل)

ترجمہ

"آپ فرما دیجئے ان کو کہ خود کوئی غیب نہیں جانتے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر اللہ اور انہیں خبر نہیں۔ کب اُٹھائے جائیں گے۔ کیا ان کے علم کا سلسلہ آخرت تک پہنچ گیا ہے۔ بلکہ وہ اس کی طرف سے شک میں ہیں۔ بلکہ وہ اس سے اندھے ہیں"

(ف) اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ جن مشرکین نے وقتِ قیامت دریافت کیا تھا۔ اُن کا ردّ فرما دیا گیا کیونکہ اگر وقت قیامت بتا دیا جائے تو مقصدِ قیامت ہی نہ رہے۔

۲۔ صاحب تفسیر نیشاپوری اسی آیت کے ماتحت فرماتے ہیں:

لا اعلم الغیب تکون فیہ دلالۃ علی ان الغیب بالاستقلال لا یعلمہ الا اللہ ۰ (التفسیر گیشاپوری)

"آیت کے معنی یہ ہیں کہ علم غیب جو بذاتِ خود ہو وہ خدا کے ساتھ خاص ہے۔" اسے میں نہیں جانتا۔ نیز محدثین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی بھی یہی رائے ہے۔

marfat.ocm

۳۔ امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ حدیثیہ میں اسی آیت قل لا یعلم کے متعلق فرماتے ہیں۔

وَمَاذَکرناہ فی الاٰیۃ صرح بہ النووی رحمہ اللہ تعالیٰ فی فتاواہ فقال معناھا لا یعلم ذالک استقلالاً و علم احاطۃ بکل المعلومات اللہ تعالیٰ۔

"یعنی ہم نے جو آیات کی تفسیر کی امام نوویؒ نے اپنے فتاویٰ میں اس کی تصریح کی۔ فرماتے ہیں آیت کے معنیٰ یہ ہیں کہ غیب کا ایسا علم صرف خدا کو ہے جو بذاتِ خود ہو۔ اور جمیع معلوماتِ الٰہیہ کو محیط ہو۔"

۴۔ علامہ خفاجی شرح شفا میں اسی آیت کے متعلق فرماتے ہیں:۔

ھذا لاینافی الاٰیات الدالۃ علی انہ لا یعلم الغیب الا اللہ تعالیٰ فالمنفی علمہ من غیر واسطۃ واما اطاعہ علیہ باعلام اللہ تعالیٰ فامر متحقق بقولہ فلا یظھر علیٰ غیبہ احدا۔

"جن آیات میں یہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔ مگر اللہ تعالیٰ۔ یہ نفی ہے بے واسطہ علم کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے جاننا ثابت ہے جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

فلا یظھر علیٰ غیبہ احدًا ○ الا من ارتضیٰ من رسول ○

"اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا۔ سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔"

(ف) مندرجہ بالا عبارات سے آفتاب کی طرح روشن ہے کہ اس آیت شریفہ میں علم بذاتہٖ من دابۃٍ کی نفی کی گئی ہے۔ اور جو تعلیم الٰہی سے ہو اس کی نفی نہیں۔

اگر آیت کے ظاہر پر اکتفا ہے تو پھر ایک اور آیت میں خود اللہ تعالیٰ کے علم کی بھی نفی کی جا سکتی ہے۔ مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰہَ بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ سُبْحٰنَہٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ۔ (پ ۱۱ ع ۶ سورہ یونس)

"فرما دیجئے۔ کیا خبر دیتے ہو اللہ کو جو اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین میں نہیں جانتا پاک ہے وہ اور بلند ہے اُس چیز سے جو تم شرک کرتے ہو۔"

(ف) اس آیت شریفہ سے اگر مخالفین کے کہنے کے مطابق لَا یَعْلَمُ سے وہ معنیٰ لیے جاویں تو معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ کو بھی علم غیب ہونا تسلیم نہیں کرتے ہوں گے۔ کیونکہ لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم غیب کی نفی ہونا مراد لیتے ہیں وہ بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا

فی الارض سے بھی۔

بہر کیف ثابت ہو گیا کہ قل لا یعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا اللّٰہ سے ذاتی علم غیب کسی غیر کو ہونے کی نفی کی جا رہی ہے۔ اور عطائی علم غیب کا ثبوت ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا فرمان

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جو گمان کرتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کل کی بات جانتے ہیں وہ اللہ پر بہت بڑا افترا کرتا ہے۔[1]

---

[1] اس روایت کو مخالفین خوب اچھی طرح اچھالتے ہیں اور اپنے دعویٰ کی بہت بڑی دلیل سمجھتے ہیں۔ یہ اُن کی غلط کارروائیوں میں ایک یہ بھی ہے جوابات تفصیلیہ تو فقیر نے کتاب علم غیب فی الحدیث میں لکھے ہیں۔ اجمالی جواب حاضر ہیں۔

(۱) فن اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ راوی کے عقیدہ اور طریقہ کے خلاف روایت کی تاویل واجب ہے۔ یہ جملہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اپنے عقیدے کے خلاف ہے چنانچہ فرماتی ہیں؛

قَالَتْ بَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجْرِيْ فِيْ لَيْلَةٍ ضَاحِيَةٍ اِذْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ يَكُوْنُ لِاَحَدٍ مِنَ الْحَسَنَاتِ عَدَدَ نُجُوْمِ السَّمَآءِ قَالَ نَعَمْ عُمَرُ قُلْتُ وَاَيْنَ حَسَنَاتُ اَبِيْ بَكْرٍ قَالَ اِنَّمَا جَمِيْعُ حَسَنَاتِ عُمَرَ كَحَسَنَةٍ وَاحِدَةٍ مِنْ حَسَنَاتِ اَبِيْ بَكْرٍ۔ (مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ

"حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک چاندنی رات میں جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک میری گود میں تھا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ۔ کیا کسی کی اتنی نیکیاں بھی ہیں جتنے آسمان پر ستارے ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نیکیاں اتنی ہیں۔ پھر میں نے پوچھا اور ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی نیکیوں کا کیا حال ہے۔ آپ نے فرمایا۔ حضرت عمر کی نیکیاں ساری عمر کی اور ابوبکر کی ایک نیکی کے برابر ہیں۔"

عقیدہ عائشہ گر نہ ہوتا تو سوال کیوں کیا جاتا۔ اُم المومنین کا عقیدہ تھا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو تمام ستاروں کی تعداد کا بھی علم ہے اور دنیاداروں کی نیکیوں کا بھی۔ پھر حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے واضح فرما دیا کہ مجھے عمر رضی اللہ عنہ کی تمام نیکیوں کا بھی علم ہے کیونکہ آپ نے دونوں چیزوں کو ملاحظہ فرما کر جواب دیا کہ

marfat.ocm

ردّ وہابیہ از صاحب رُوح البیان رحمۃ اللہ علیہ

منکرین علم غیب رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ردّ میں صدیوں پہلے صاحب رُوح البیان صفحہ ۳۶۵ ج ۶ میں تحریر فرماتے ہیں:

واما ما قیل ان من قال ان نبی اللّٰہ لایعلم الغیب فقد اخطأ فیما اصاب فھو بالنسبۃ الی الاستثناء الوارد فی قولہ تعالیٰ فلا یظھر علی غیبہ احدًا الا من ارتضٰی من رسول فان بعض الغیب قد اظھرہ اللّٰہ علی رسولہ کما سبق من التأویلات.

ترجمہ

"بہر حال جس نے کہا کہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب نہیں جانتے وہ اپنے بیان میں خطا کار ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے قول۔ فلا یظھر علی غیبہ" الخ میں استثنار وارد ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بعض غیب ظاہر فرمائے ہیں جیسا کہ التاویلات النجمیہ کی تقریر ابھی گزری ہے۔"

حکایت: نجومی حجاج بن یوسف کے ہاں آیا اور حجاج نے چند سنگریزے گن کر پوچھا۔ نجومی نے حساب لگا کر بتایا تو جواب صحیح آیا۔ پھر اور چند سنگریزے اُٹھائے اُن کی گنتی نہ کی۔ اُن کے متعلق نجومی سے پوچھا تو وہ غیب نہ بتا سکا تو نے شمار کے بغیر پوچھا تو یہ غیب سے ہو گیا اور غیب سوائے اللہ کے کوئی اور نہیں جانتا۔

حکایت: گلستان کتاب میں ہے کہ ایک نجومی گھر واپس لوٹا تو دیکھا کہ اُس کی عورت کے ساتھ کوئی اجنبی بیٹھا تھا اُسے گالی دے کر باہر نکالا۔ کسی صاحب کو معلوم ہوا تو فرمایا۔

تو بر اوج فلک چہ دانی چیست
چو ندانی کہ در سرائے تو کیست

ترجمہ "تو آسمانوں کی بلندیوں کو کیا جانے جبکہ تجھے معلوم نہیں کہ تیرے گھر میں کون ہے۔"

عمر رضی اللہ عنہ کی نیکیاں تاروں کے برابر ہیں۔ دو چیزوں کی برابری و کمی و بیشی وہی بتا سکتا ہے جسے دونوں چیزوں کا علم بھی ہو اور مقدار بھی معلوم ہو۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک کے لوگوں کے تمام ظاہری اور پوشیدہ اعمال کا بھی علم ہے اور آسمانوں کے بھی تمام ظاہر و پوشیدہ ستاروں کا بھی تفصیلی علم ہے جس میں وہ ہیں۔ (حاشیہ ختم)

بل ادراك علمھم فی الاخرة۔ ادراک دراصل تدارک تھا۔ تاء کو دال سے تبدیل کیا گیا ہے۔ بمعنی تلاحق و تدارک۔ بلکہ پہنچا ہے ان کا علم آخرت میں۔ القاموس میں ہے کہ۔ اس کے علم سے جاہل ہیں اور نہ ہی اس کے معاملات کا انہیں علم ہے یہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے یعنی ان کا علم لحوق آخرت کو پہنچا ہے بلکہ وہ اس سے بے خبر ہو چکے ہیں (کذا فی المفردات) اور بعض نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تدارک بمعنی تتابع یعنی ان کا علم آخرت کے درپے ہوا یہاں تک کہ ان کے علم کی انتہا ہو گئی کہ اس کے بعد وہ ہے ہی نہیں یہ ایسے ہے جیسے کہا جاتا ہے۔ **تتابع بنو فلاں**۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جب وہ لوگ ایک ایک ہو کر مرتے جائیں یہاں تک کہ ایک بھی انہیں باقی نہ رہے اس میں ان کے آخرت سے بے خبر ہونے کا بیان ہے باوجودیکہ اس کے اسباب واضح ہیں لیکن یہ ایسے غبی ہیں کہ اسے جانتے تک نہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوُا کہ ان کا علم آخرت کے بارے میں چلتا چلتا ختم ہو گیا۔ یہاں تک آنے والے حالات کے لیے ان کا علم مٹ چکا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ پہلے تو انہیں اس کا علم تھا لیکن پھر آہستہ آہستہ ان سے ختم ہو گیا بلکہ مجازاً یوں کہا گیا ہے کہ علم کے اسباب و مبادی یعنی دلائل عقلیہ و نقلیہ سے انتفاء کے علم کیا گیا ہے اسی لیے اسباب کے انتفاء پر ان کا علم بھی ساقط الاعتبار ہو گیا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے اور بُرے حال کو بیان فرمایا وہ یہ کہ **بل ھم فی شك منھا** بلکہ وہ اس کے متعلق شک میں ہے کہ اس کا وقوع ہو گا یا نہ یا اس شخص کی طرح متحیر ہیں جو حقیقت حال پر کوئی دلیل نہ رکھتا ہو اس کے بعد ان کا مزید بُرا حال بتایا کہ **بل ھم منھا عمون**۔ بلکہ وہ اس کے بارے میں ایسے اندھے ہیں کہ کسی طریق سے ہی دلیل کا ادراک نہیں رکھتے کیونکہ ان کی بصارت کے بجائے بصیرت ختم ہے۔ **عمون** عم کی جمع یعنی دل کا اندھا المفردات میں ہے۔ عمی دل اور آنکھ کے اندھے کو کہتے ہیں فرق کرتے ہوئے پہلے کو اعمی دوسرے کو عمی و عم کہا جاتا ہے آنکھ کے اندھے سے قلب کا اندھا زیادہ بُرا ہوتا ہے بلکہ قلب کے نابینا کے بالمقابل آنکھ کا نابینا کچھ نہیں۔ کیونکہ ہم نے بہت سے نابینا دیکھے ہیں جو بصیرت میں تیز واقع ہوئے بخلاف دل کے اندھوں کے کہ بظاہر بینا تو نظر آتے ہیں لیکن درحقیقت ان جیسا اندھا دنیا و آخرت میں اور کوئی نہیں جیسے کفار و منافقین اور غافلین وغیرہ۔

دل کے اندھے کا علاج: جس دل کی بینائی نہ ہو وہ علاج بعند کرے یعنی وہ علم حاصل کرے جو آخرت پر یقین لائے اور ایسے اُمور کے معلومات حاصل کرے جو اس کے مؤید ہیں۔

---

[1] یاد رہے کہ بعض سے بعض علوم الٰہی جو ہمارے لیے کلی ہیں اسی لفظ بعض نے بہت سے لوگ دھوکہ کھاتے اور دیتے ہیں۔ (اویسی غفرلہٗ)

marfat.ocm

جہل بڑی بلا: حضرت سہل بن عبداللہ التستری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں سب سے بڑی نافرمانی جہل ہے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ جہل سے بھی بدتر اور کوئی شے ہے تو آپ نے فرمایا ہاں وہ ہے جہل الجہل۔ یعنی جہل دو قسم ہے۔

۱۔ جہل بسیط یعنی سلب العلم۔

۲۔ جہل مرکب وہ اس کے برعکس ہے۔ پہلا ضعیف ہے۔ دوسرا قوی۔ یہ سوائے فضل ربانی کی تائید کے نہیں ہٹتا۔

سقام الحرص لیس لہٗ شفاء
و داء الجہل لیس لہٗ طبیب

ترجمہ: "حرص کے امراض کی کوئی شفا نہیں اور نہ ہی جہل کی بیماری کا کوئی طبیب ہے۔"

بعض نے یوں کہا۔

و فی الجہل قبل الموت موت لاہلہٖ
و اجسامہم حین النشور نشور
و ان امر ألم یحیی بالعلم میت
ولیس لہٗ حین النشور نشور

ترجمہ: اور جہل میں موت سے پہلے ہی جاہل کی موت ہے اور ایسے لوگوں کے لیے قبروں میں جانے سے پہلے ان کے اپنے اجسام قبریں ہیں۔

جس نے اپنے آپ کو علم سے زندہ نہ کیا تو وہ مردہ ہے اس کا مر اُٹھنے پر اُٹھنا ہی نہ ہوگا۔

اے کہ داری ہنر نداری مال
مکن از کردگار خود گلہ
نعمت جہل را مخورہ کہ ہست
روضۂ درمیان مزبلۂ

ترجمہ: اے فلاں تو اگر ہنرمند ہے لیکن تیرے پاس مال نہ ہو تو اللہ تعالیٰ سے شکایت نہ کر۔ نعمت جہل نہ مانگ اس لیے کہ یہ ایسے ہے جیسے گندگیوں کے درمیان ذیشان بنگلہ۔

اے اللہ ہمیں ان علماء سے بنا جو انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔ (آمین)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا

اور کافر بولے کیا جب ہم اور ہمارے باپ دادا مٹی ہو

وَّ اٰبَآؤُنَآ اَىِٕنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿٦٧﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ

جائیں گے کیا ہم پھر نکالے جائیں گے بے شک اس کا وعدہ دیا گیا ہم کو اور ہم سے پہلے ہمارے باپ دادا

اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٦٨﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ

کو یہ تو نہیں مگر اگلوں کی کہانیاں تم فرماؤ زمین میں چل کر دیکھو کیسا ہوا

كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٦٩﴾ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِىْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿٧٠﴾

انجام مجرموں کا اور تم ان پر غم نہ کھاؤ اور ان کے مکر سے دل تنگ نہ ہو

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٧١﴾ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ

اور کہتے ہیں کب آئے گا یہ وعدہ اگر تم سچے ہو تم فرماؤ قریب ہے کہ تمہارے پیچھے آ لگی ہو

لَكُمْ بَعْضُ الَّذِىْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ

بعض وہ چیز جس کی تم جلدی مچا رہے ہو اور بیشک تیرا رب فضل والا ہے آدمیوں پر لیکن

اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٧٣﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٧٤﴾

اکثر آدمی حق نہیں مانتے اور بیشک تمہارا رب جانتا ہے جو ان کے سینوں میں چھپی ہے اور جو وہ ظاہر کرتے

وَمَا مِنْ غَآىِٕبَةٍ فِى السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٧٥﴾ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ

ہیں اور جتنے غیب ہیں آسمانوں اور زمین کے سب ایک بتانے والی کتاب میں ہیں بے شک یہ قرآن ذکر فرماتا

يَقُصُّ عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِىْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿٧٦﴾ وَاِنَّهٗ لَهُدًى

ہے بنی اسرائیل سے اکثر وہ باتیں جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور بیشک وہ

وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٧﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِىْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿٧٨﴾

ہدایت اور رحمت ہے مسلمانوں کے لیے بے شک تمہارا رب ان کے آپس میں فیصلہ فرماتا ہے اپنے حکم سے اور وہی ہے

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ﴿٧٩﴾ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ

عزت والا علم والا۔ تو تم اللہ پر بھروسا کرو بے شک تم روشن حق پر ہو بے شک تمہارے سنائے نہیں سنتے مردے اور نہ تمہارے

الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿٨٠﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِى الْعُمْىِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ اِنْ

سنائے بہرے پکار سنیں جب پھریں پیٹھ دے کر اور اندھوں کو گمراہی سے تم ہدایت کرنے والے نہیں تمہارے سنائے تو وہی

marfat.ocm

تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿٨١﴾ وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْهِمْ اَخْرَجْنَا
سنتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں اور وہ مسلمان ہیں اور جب بات ان پر آپڑے گی ہم زمین سے ان

لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا لَا یُوْقِنُوْنَ ﴿٨٢﴾ ع
کے لیے ایک چوپایہ نکالیں گے جو لوگوں سے کلام کرے گا اس لیے کہ لوگ ہماری آیتوں پر ایمان نہ لاتے تھے۔

تفسیر عالمانہ: **وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا** ۔ اور کافروں۔ یعنی مشرکین مکہ نے کہا **ائذا کنا ترابا** ۔ کیا جب ہم ہو جائیں گے مٹی[1]۔ **وابآءنا** ۔ اور ہمارے باپ دادا بھی مٹی ہو گئے۔ اس کا عطف کُنّا کی ضمیر پر ہے۔ تاکید کی ضرورت نہیں اس لیے کہ درمیان میں لفظ ترابا فاصل واقع ہے۔ **ائنا لمخرجون** ۔ کیا یقیناً ہم قبروں سے زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔ ضمیر **ائنا** کفار اور اُن کے آباؤ اجداد کے لیے ہے کیونکہ ترابا کا تعلق ان ہر دونوں سے ہے اور **ائذا** کا عامل وہی ہے جس پر لمخرجون دلالت کرتا ہے یعنی نخرج نہ خود مخرجون کیونکہ مخرجون کے ماقبل ہمزہ استفہام اور ان اور لام تاکید عمل سے مانع ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ کیا جب[1] ہم مٹی ہو جائیں گے تو پھر اُٹھائے جائیں گے یہ نہیں ہو سکتا اور ہمزہ کا تکرار انکار کی تاکید اور مبالغہ کے لیے ہے اور انکار کو بحالت تراب سے مقید کرنے میں ان کے اُٹھائے جانے کی کیفیت کی تقویت کے لیے ہے کہ باوجودیکہ نہ اُٹھنے کے منافی حالت میں ہوں گے لیکن قادرِ مطلق کی قدرت سے اُٹھائے جائیں گے ورنہ وہ مرنے کے بعد زندہ اُٹھنے کے مطلقاً قائل ہی نہ تھے خواہ وہ مٹی ہو جائیں یا نہ۔ **لقد وعدنا ھذا** ۔ بیشک اسے اُٹھائے جانے پر ہمیں وعدہ دیا گیا **نحن** ۔

سوال ۔ یہاں نَحْنُ کی تقدیم کیوں حالانکہ سورۂ مومنین میں تو اسے مؤخر کر دیا گیا ہے۔

جواب ۔ یہاں ان کی ذلت مقصود ہے اور سورۂ مومنین میں مبعوث مراد ہے اور یہ قاعدہ ہے جو موضوع مطلوب ہوتا ہے اسی کی تقدیم ہوتی ہے۔ **واٰبآءنا من قبل** اور اس سے پہلے ہمارے آباء کو مرنے کے بعد اُٹھنے کا وعدہ کیا گیا لیکن وہ نہ اُٹھے اور نہ ہی قیامت تک اُٹھیں گے۔ **ان ھذا** ۔ نہیں یہ وعدہ۔ **الا اساطیر الاولین** ۔ مگر بناوٹی باتیں کہ اپنی طرف سے گھڑ لی گئیں۔ اور پھر انہیں کہہ کر لوگوں کو سنائی گئیں جیسے رستم اور اسفندیار کے قصے کہانیاں یعنی جیسے اُن کی کہانیاں محض افسانے ہی افسانے تھے ایسے ہی یہ۔

---

[1] مر کر مٹی ہو جانا در حقیقت انہی کفار و مشرکین کا عقیدہ ہے جس کی ترجمانی میں اسمٰعیل دہلوی نے حضور علیہ السلام پر بہتان تراشی کر کے لکھا کہ میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں اور تمام مردوں اور اولیاء کرام کے لیے تو ان دہلویوں اور اکثر دیوبندیوں کا یہی عقیدہ ہے حالانکہ اسلام اس کا رد کرتا ہے ۱۲

حل لغات: اساطیر۔ وہ افسانہ جس کی کوئی حقیقت نہ ہو اساطر و اسطیر بالکسر و اسطو (بالضم) جمع سطر ہے۔

قل سیروا فرمائیے اے حبیب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) **سیروا**۔ اے منکرو مکذبوا۔ یہ سیر سے ہے بمعنی چلنا۔ **فی الارض**۔ زمین پر جہاں تمہارے سے پہلے مکذبین رہتے تھے جیسے۔ حجر۔ احقاف المؤتفکات وغیرہ وغیرہ۔ **فانظروا**۔ تو فکر کرو اور دیکھ کر سوچو۔ **کیف کان عاقبۃ المجرمین** کیسے ہوا مجرمین کا انجام کہ تکذیب کے سبب سے وہ کیسے برباد ہوئے اور کس طرح کے عذاب میں مبتلا کئے گئے۔ اس میں تکذیب پر انھیں ڈرایا جا رہا ہے اور تہدید کی گئی ہے کہ تم پر بھی تکذیب کی وجہ سے اس طرح کا عذاب آسکتا ہے۔

حل لغات: جرم دراصل درخت سے ثمر کاٹنے کو کہا جاتا ہے اور الجرامۃ بھنے کٹے ہوئے ثمر کا ردی حصہ اب استعارۃً مکروہ کام کرنے کو کہتے ہیں۔ **ولا تحزن علیہم**۔ اور آپ ان کی تکذیب اور برائیوں پر اصرار پر غم نہ کھایئے کیونکہ ان کی تخلیق بھی اسی لیے ہوئی ہے اور یہ نہی تحصیل الحزن سے نہیں اس لیے کہ حزن انسان کے اختیار میں نہیں۔ ہاں ان امور سے نہی ہے جو حزن کے موجبات و اسباب ہیں۔

حل لغات: حزن دراصل زمین کی خشونت کو کہا جاتا ہے۔ ایسے ہی نفس کی خشونت کو بھی حزن کہتے ہیں۔ اس کی ضد فرح ہے۔ **ولا تکن فی ضیق** اور نہ ہو جاؤ تنگی میں یہ سعۃ (وسعت) کی ضد ہے۔ اس کا عموماً استعمال فقر اور غم وغیرہ میں ہوتا ہے۔ **مما یمکرون** ان کے مکر اور فریب سے یعنی اُن کی وہ فریب کاریاں جو آپ کے ہلاک کرنے اور آپ کے دین سے لوگوں کو پھیرنے کی تدبیریں کرتے ہیں۔ اس لیے کہ بُرے کو بُرا فریب خود تباہ کر دے گا اور اللہ تعالیٰ ہی آپ کا حافظ و ناصر اور آپ کے دین کا نگران ہے۔

٥ غم مخور زاں روکہ غمخوارت منم
و ز ہمہ بد ہا نگہدارت منم
از تو گر اغیار بر تابند رو
ایں جہاں و آں جہاں یارت منم

ترجمہ: غم مت کھا اس لیے کہ میں تیرا غم خوار ہوں تمام دشمنوں سے تیرا نگہبان میں ہوں۔ تجھ سے اگر اغیار منہ پھیر جائیں تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اس جہاں اور اُس جہاں میں تیرا یار و مددگار ہوں۔

ویقولون اور کافر کہتے ہیں۔ **متیٰ** کب ہے۔ **ھٰذا الوعد** یہ جلد تر آنے والا عذاب موعود۔ **ان کنتم صادقین**۔ اگر تم اپنی خبروں میں سچے ہو۔

سوال:۔ خبر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی اور وہ واحد تھے فلہذا واحد کا صیغہ لانا تھا جمع کا صیغہ کیوں۔

marfat.ocm

جواب: اس میں اہلِ ایمان کو شامل کیا گیا ہے کیونکہ مؤیدین بھی بمنزلہ اصل کے ہوتے ہیں قل عسیٰ ان یکون لکم فرمایئے قریب ہے کہ وہ تمہارے پیچھے ہے بعض الذین تستعجلون عذاب کا بعض حصہ جس کی تم جلدی کر رہے ہو۔ چنانچہ کچھ عذاب کا حصہ ان پر بدر میں واقع ہوا اور باقی آخرت کے دن پائیں گے۔ بعض نے کہا موت میں بھی عذاب کا بعض حصہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے جو مر گیا تو اس کے لیے قیام قائم ہو گئی۔

فائدہ: وہ اس لیے کہ موت دنیا کے آخری اور آخرت کے ابتدائی لمحات کا نام ہے۔ پس جو شخص قیام قیامت سے پہلے مر گیا تو اس کی موت سے آخرت کے لمحات کی ابتداء ہو گئی یہ ایسے ہی جیسے دنیا کے لمحات ایک دوسرے کے متصل ہیں۔

قاعدہ: لعل۔ سوف۔ عسیٰ ایسے حروف ہیں کہ بادشاہ جب بولے تو اس میں یقین مراد ہوتا ہے۔ اپنے وقار کے اظہار کے لیے اور اشارہ ہوتا ہے کہ ہمارے صرف اشارات دوسروں کی تصریحات کے ہم پلہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے وعدہ وعید عموماً تو یونہی مستعمل ہوتے ہیں۔ وان ربک لذو فضل اور بیشک تمہارا پروردگار بہت بڑے فضل و انعام والا ہے۔ علی الناس۔ تمام لوگوں پر اس کے منجملہ انعامات کے ایک یہ بھی ہے کہ یہ لوگ باوجودیکہ کفر و معاصی کے مرتکب ہو کر جلد تر عذاب کے مستحق ہیں لیکن ان سے عذاب موخر کر دیا ہے ولکن اکثرھم لا یشکرون لیکن ان کے اکثر ناشکرے ہیں کہ نعمت کے حق کو نہیں پہچانتے بلکہ سابقہ کافروں کی طرح اپنی جہالت کی وجہ سے عذاب کے وقوع کی عجلت چاہتے ہیں۔

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ منکرین قیامت کا عذاب کی عجلت چاہنا ان کی جہالت کی دلیل ہے حالانکہ ان کو دلائل کے حقائق سے واضح کیا گیا ہے کہ ان پر ضرور اور لازماً عذاب واقع ہوگا اور پھر وعدہ کے مطابق بہت بڑے عذاب سے پہلے انہیں تھوڑے تھوڑے عذاب میں پے در پے مبتلا کیا جا رہا ہے مثلاً کبھی بلیات کا شکار تو کبھی مصائب کا وغیرہ وغیرہ۔

تفسیر صوفیانہ: وان ربک لذو فضل علی الناس۔ اور بیشک تیرا پروردگار لوگوں کے لیے بہت بڑے فضل والا ہے کہ انہیں بڑے عذاب کے بجائے چھوٹے چھوٹے عذاب میں مبتلا کرتا ہے تاکہ وہ خوف و خشیت سے اپنے پروردگار کے حضور میں حاضر ہوں اور دنیا کو ترک کر دیں اور اس کی زینت کو نہ دیکھیں بلکہ آخرت اور اس کے درجات کی طرف راغب ہوں ولکن اکثرھم لا یشکرون۔ لیکن اُن کے اکثر نعمت و زحمت کو نہیں پہچانتے کیونکہ ایسے لوگ بہت کم ہیں کہ انہیں نعمت و فضل الٰہی کا علم ہوتا ہو اور یہ سمجھ سکیں کہ اس کی نعمت کیا ہے اور اس کا عذاب کیا۔ جب بندے کا یہ حال ہو تو پھر وہ اپنی سمجھ پر بہت سی چیزوں سے محبت کر کے اپنے لیے انہیں بہتر سمجھے گا حالانکہ بھلائی اس کے خلاف ہوگی۔ ایسے ہی بہت سی چیزوں کو بُرا مانے گا حالانکہ وہی اس کے لیے خیر ہوں گی ایسے ہی بہت سی نعمتوں کو نعمتِ الٰہی سمجھ کر شکر گزاری میں لگا رہے گا حالانکہ وہ اس کے لیے آزمائش ہوں گی جب پر اُس نے خواہ مخواہ شکر پر زندگی ضائع کی ایسے ہی بہت سے اُمور کو دکھ درد سمجھے گا حالانکہ وہ اس کے لیے راحت و آرام ہوگا۔ غرضیکہ

اپنی غلط خیالی کا شکار ہو کر ہزاروں مصائب و مشکلات میں مبتلا رہے گا۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ: ان ربك ليعلم ما تكن صدورهم اور بیشک تیرا پروردگار جانتا ہے جو وہ اپنے سینوں میں چھپاتے ہیں۔ یہ اکن سے ہے بمعنی اخفی (چھپایا) الاکنان سے ہے بمعنی کسی شے کو حفاظت کی شے میں چھپانا الکن بمعنی پوشیدہ رکھنا کہا جاتا ہے۔ كننت الشئ و اكننت فی الکن و النفس یعنی کسی شے کو کن اور نفس میں چھپایا یعنی کن اور نفس کا اطلاق برابر طور ہوتا ہے۔ بعض نے ان میں فرق کیا ہے وہ یہ کہ کننت فی الکن اُس وقت بولتے ہیں جب شے مستور نہ ہو اور اكننت فی النفس۔ اس کے برعکس۔ بہرحال یہ باب ستر و جنون پر دلالت کرتا ہے۔ وما يعلنون اور وہ اقوال و افعال جو ظاہر کرتے ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہی ہے جو وہ عذاب کی عجلت چاہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے علاوہ اور بھی بہت بڑے افعال اور تھے جنھیں وہ ظاہر نہیں کرتے تھے جن پر قیامت میں اللہ تعالیٰ انھیں سزا دے گا۔ الاعلان بمعنی ظاہر کرنا۔

فائدہ: سیدنا جنید قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ما تكن صدورهم سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور وما يعلنون سے اس کی خدمت مراد ہے۔

تفسیر عالمانہ: وما من غائبة في السماء ولا في الارض الا في كتاب مبين۔ اور نہیں کوئی پوشیدہ آسمان میں نہ زمین میں مگر لکھا ہوا ہے روشن کتاب میں اس سے لوح محفوظ مراد ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کا علم محیط ہے۔

فائدہ: الغائبة ان صفات سے ہے جو شدت و غلبہ پر دلالت کرتی ہیں اور تاء مبالغہ کی ہے گویا یوں کہا گیا کہ کوئی شے کتنا ہی پوشیدہ کیوں نہ ہو اسے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور اس کا علم اسے محیط ہے غیب و شہادت اس کے آگے برابر ہیں اسی لیے بحر الرائق میں ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ مغیبات کی موجود و معدوم جملہ اشیاء اس کے علم میں برابر ہیں۔ شے کے وجود و عدم سے اس کے علم میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ معدوم سے موجود ہو جانے تو شے کی حالت کا متغیر ہوا نہ کہ علم الٰہی میں۔ واضح ہوا کہ تغیر معلوم میں ہوتا ہے نہ کہ علم میں۔

سبق: انسان پر لازم ہے کہ عصیان و نسیان ہر دونوں کو ترک کر دے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر بندے کے ہر فعل و عمل پر مطلع ہے خواہ وہ کتنا ہی چھپائے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ بوستان میں لکھتے ہیں:

۱۔ یکے متفق بود بر منکرے   گزر کرد بروے نکو محضرے
۲۔ نشست از خجالت عرق کردہ روئے   کہ آیا خجل از شیخ کوئے
۳۔ شنید ایں سخن شیخ روشن رواں   برو بشورید و گفت اے جواں

marfat.ocm

۴۔ نیاید ہمی شرمت از خویشتن !!! کہ حق حاضر و شرم داری ز من
۵۔ چناں شرم دار از خداوند خویش کہ شرمت ز بیگانگانست و خویش
۶۔ نیاسائی از جانب ہیچ کس برو جانب حق نگہدار و بس
۷۔ بترس از گناہان خویش از نفس کہ روز قیامت نترسی ز کس
۸۔ نریزد خدا آبروئے کسے !! کہ ریزد گناہ آب چشمش بسے

ترجمہ

۱۔ ایک منکر کو ایک واقعہ اتفاقی ہوا اس پر نیک آدمی کا گزر ہوا۔

۲۔ کہ وہ شرمساری سے چہرہ پر پسینہ تھا کہ افسوس کہ میں اپنے ہمسایہ بزرگ سے شرمسار ہوا۔

۳۔ یہ بات شیخ نے سنی تو اس پر ناراض ہو کر فرمایا۔

۴۔ تجھے شرم نہیں آتی کہ حق تعالیٰ کی موجودگی سے مجھ سے شرم آرہی ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ سے ایسے شرم کھا جیسے تجھے اپنوں اور بیگانوں سے۔

ی سے تجھے کوئی آسودگی بھی نصیب نہ ہوگی۔ تجھے اللہ تعالیٰ کے حقوق کی نگہبانی ضروری ہے۔

۷۔ نفس سے اپنے گناہوں کے متعلق خطرہ کر۔ پھر قیامت میں تجھے کسی کا ڈر نہ ہوگا۔

۸۔ اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کی عزت غرلب نہ کرے گا جس کے گناہوں کے خطرہ سے آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں۔

سبق۔ مومن پر لازم ہے کہ وہ سینہ کو صاف رکھے اس میں نہ کسی کے حق میں بغض ہو نہ ہی کینہ اور نہ ہی عداوت۔

حدیث شریف میں ہے جو اس دروازے سے سب سے پہلے داخل ہوگا وہ بہشتی ہوگا۔ دیکھا گیا کہ سب سے پہلے وہاں سے حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ گزرے۔ صحابہ کرام اُٹھے اور انھیں مذکورہ بالا خوشخبری سنائی اور ساتھ ہی پوچھا کہ تم کونسا نیک عمل کرتے ہو انھوں نے کہا کہ میں تو ایک کمزور انسان ہوں۔ میں نے کیا نیک عمل کرنا ہے صرف اتنی اُمید رکھتا ہوں کہ میں کسی کے لیے دل میں کینہ اور بغض نہیں رکھتا اور نہ ہی لایعنی بات میرے دل میں رہتی ہے۔

ردّ وہابیہ یا دیوبندیہ

صاحب روح البیان قدس سرہٗ مذکورہ بالا حدیث لکھ کر نتیجہ نکالتے ہیں کہ:

ففی ھذا الخبر شیئان احدھما اخبارہ علیہ السلام عن الغیب

ولکن بواسطة الوحی وتعلیم اللہ تعالیٰ فان الغیب بالذات مختص باللہ ۔ (روح البیان ص۳۶۸ ج۶)

" اسی حدیث شریف سے دو امر ثابت ہوئے ایک تو یہ کہ حضور علیہ السلام نے غیب کی خبر دی ہے لیکن بواسطہ وحی و تعلیم الٰہی کے اس لیے کہ غیب[1] ذاتی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔"

دوسرا یہ کہ سینہ کی صفائی بہشت کے داخلہ کے اسباب میں سے ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے میرے اصحاب کے بارے میں کوئی بری بات نہ پہنچائے کیونکہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں جب تمہارے ہاں آؤں تو تمہارے متعلق میرا سینہ صاف ہو۔

شرح الحدیث: وہ اس لیے کہ جب کوئی کسی کی ہر بات تعریفی سنے تو اس کا سینہ اس کے حق میں صاف ہوتا ہے جب بھی غلط یا صحیح کوئی اس کے بارے میں برائی سنے تو اس سے دل پر کچھ اثر آ جاتا ہے۔

بدی در قفا عیب من کرد و خفت
بتر زو قرینے کہ آورد و گفت

ترجمہ: " وہ برائی ہے جو میرے پس پشت میرا عیب کہتا ہے لیکن اس سے وہ زیادہ برا ہے جو مجھے آکر سناتا ہے۔"

یکے تیر افگند و در رہ فتاد
وجودم نیازرد و رنجم نداد
تو برداشتی و آمدے سوئے من
ہمہ در سپلوزی بہ پہلوئے من

ترجمہ: کسی نے میری طرف تیر پھینکا لیکن راستہ میں رہ گیا میرا کچھ نہ بگاڑا لیکن تو نے اٹھا کر میرے جسم میں چبھو دیا۔ (فلہٰذا اس سے تو زیادہ برا ہے)۔

سبق: عقلاء پر لازم ہے کہ چغلخور۔ نمام۔ غیبت گو اور عیب جو سے دُور رہیں۔ اس لیے کہ مؤمن کی عزت اس کے خون کی طرح ہے۔ تھوڑے سے سبب سے کسی پر بدگمانی نہیں چاہیئے اسی لیے وارد ہے۔ فتنہ سوئے ہوئے کی طرح ہے ملعون ہے جو اسے جگاتا ہے۔

---

[1] ناظرین غور فرمایئے کہ صاحب روح البیان بریلوی تھے یا فاضل بریلوی قدس سرہٗ کے طرفدار پھر کیوں نہ کہا جائے کہ فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے جو کچھ کہا ہے وہ اپنی طرف سے نہیں بلکہ اسلاف صالحین کے عقائد و مسائل کی ترجمانی فرمائی ہے۔

۱. ازاں ہم نشین تا توانی بگریز   کہ مر فتنہ خفتہ را گفت خیز
۲. کسے را کہ نام آمد درمیان   بہ نیکو ترین نام و نقش بخوان
۳. چوں ہموارہ گوئی کہ مردم خرند   مبر ظن کہ نامت چو مردم برند
۴. کسے پیش من جہاں عاقلست   کہ مشغول خود در جہاں غافلست
۵. کسانے کہ پیغام دشمن برند   ز دشمن ہماناں کہ دشمن ترند
۶. کسے قول دشمن نیارد بدوست   مگر آنگھے دشمن یار اوست
۷. مریز آبروے برادر بگوئے   کہ دہرت نریزد بشہر آبروئے
۸. بد گفتن خلق چوں دم زدی   اگر راست گوئی سخن ہم بدی

ترجمہ

۱. اس ہم نشین سے جہاں تک ہو سکے دور رہو جو سوئے ہوئے فتنہ کو کہتا ہے اُٹھ کھڑا ہو۔

۲. جس کا نام تیرے سامنے لیا جائے اُس کا اچھا نام لے کر اس کی تعریف کہہ۔

۳. جب ہمیشہ کہا کرو گے کہ لوگ تو گدھے ہیں پھر اس خیال میں نہ رہ کہ تیرا نام انسانوں جیسا لیا جائے گا۔

۴. میرے نزدیک وہ شخص دانا ہے جو اپنے میں مشغول لیکن دوسروں سے غافل ہے۔

۵. جو دشمن کا پیغام دوسروں کو سناتے ہیں یہی دشمن سے زیادہ دشمن ہیں۔

۶. وہ جو دشمن کا قول دوسرے کے ہاں نہیں لاتا۔ تو پھر دشمن بھی اس کا دوست ہوگا۔

۷. اے بھائی کسی کی بے عزتی نہ کر کہ شہر بہ شہر زمانہ تیری بے عزتی نہ کرے گا۔

۸. جب تم خلق خدا کی بُرائی میں دم مارے گا تو پھر سچی بات کہو گے تب بھی بُرے سمجھے جاؤ گے۔

تفسیر عالمانہ: ان ھذا القرآن۔ بے شک یہ قرآن جو رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پہ نازل ہوا۔ یقص بیان کرتا ہے علی بنی اسرائیل اکثر الذی ھم فیہ۔ بنی اسرائیل کو اکثر اس کا جو اس میں اپنی جہالت سے۔ یختلفون۔ اختلاف کرتے ہیں جیسے مسیح علیہ السلام وعزیر علیہ السلام کے بارے میں اور معاد جسمانی و روحانی میں اور صفات جنت و نار میں ان کا اختلاف ہے ایسے ہی تشبیہ و تنزیہ میں ان کا اختلاف ہے ایسے ہی بہت سے اُمور میں مختلف ہونا یہاں تک کہ ان کا آپس میں ایک دوسرے کو لعنتی کہنا۔ اگر وہ انصاف سے کام لیتے اور اسلام قبول کر کے قرآن پر عمل کرتے تو بچ جاتے۔ وانہ اور بے شک وہ قرآن۔ لھدی۔ البتہ ہدایت دینے والا۔ ورحمۃ اور رحمت ہے۔ للمؤمنین اہل ایمان کے لیے۔ وہ بنی اسرائیل سے ہوں یا کوئی اور اہل ایمان کا ذکر صرف ان کے انتفاع کی وجہ سے ہے۔ ان ربک یقضی بینھم بے شک تمہارا پروردگار ان اختلاف کرنے والوں کے درمیان قیامت میں فیصلہ فرمائے گا۔ بحکمہ اپنے حکم کے ساتھ وہ حق فیصلہ فرماتا ہے یعنی انصاف و عدل سے ان کا فیصلہ ہوگا۔ محکوم بہ کو حکم کہنا مجاز ہے وَھُوَ

العزیز ۔ اور وہ غالب و قادر ہے اس کا کوئی فیصلہ رد نہیں ہو سکتا۔ **العلیم** وہ جمیع اشیاء کو جانتا ہے۔ منجملہ ان کے وہ بھی جو فیصلہ فرمائے گا۔ جب وہ ذات ایسی عظیم الشان سے موصوف ہے۔ **فتوکل علی اللہ** تو اللہ پر توکل کیجئے ان کی دشمنی کا تصور تک نہ لائیے۔ **التوکل بمعنی التبتل الی اللہ** ۔ اللہ تعالیٰ کا ہو کر رہنا یعنی جملہ امور اسی کی طرف سپرد کیجئے اور غیروں کی پرواہ نہ کیجئے اس کا معنی سکون القلب الی اللہ اور جب مصائب کا سامنا ہو تو اسی کی طرف مائل ہونا اب توکل کی علت بتلاتے ہیں وہ یہ کہ **انک علی الحق المبین** ۔ بیشک تم راہ راست پر ہو اور تمہارا کام بالکل صحیح ہے جو صاحب حق ہوتا ہے اسے حفاظتِ الٰہی پر پورا بھروسہ ہوتا ہے اور صرف اسی کی مدد کا طالب ہوتا ہے دوسری طرف توکل یہ ہے کہ **انک لا تسمع الموتیٰ** ۔ بیشک تم مردوں کو نہیں سناتے اور یہ گویا مردے ہی ہیں تو ان سے ہر طرح کی امید ختم ہونی چاہیئے نہ یہ مدد کرنے کے نہ دشمنی کرنے کے اس طرح سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اعتقاد پختہ ہو کہ بس وہی ہے حامی و ناصر اور اسی کا نام ہے توکل۔

فائدہ : معقول پر اسماع کے اطلاق میں اشارہ ہے اُن کے عام سماع کی طرف اور انہیں موتیٰ کی طرف سے تشبیہ اس لیے دی گئی کہ ان پر جتنا قرآنی آیات پڑھی جاتی ہیں۔ یہ ان سے بالکل نفع نہیں پائیں گے اور ان سے وہ کفار مراد ہیں جن کی قسمت سے ایمان کا قبول کرنا ختم ہو چکا اور ان کو کبھی بھی دولتِ ایمان نصیب نہ ہو گی۔

سوال ۔ انہیں مردوں سے تشبیہ دینے سے ان کو اعمی و ابکم (اندھا بہرہ) کہنا بے سود ہو گا۔ پھر انہیں اعمی و ابکم کیوں کہا جاتا ہے۔

جواب :۔ ان کے قلوب کو ہی موتیٰ سے تشبیہ دی گئی ہے نہ کہ اُن کے نفوس کو اس لیے کہ انسان کے دل کو کفر و نفاق وحب دنیا سے موت آجاتی ہے فلہذا وہ قلب کے لحاظ سے مردہ ہوتے ہیں۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ مردہ دلوں کو تمہاری باتوں کی سمجھ نہیں ہو سکتی۔

فائدہ وہابی کش

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عارف باللہ (اولیاء اللہ) زندہ ہیں۔ ان کے ماسوا مردے کیونکہ رُوح کی زندگی معرفتِ حقیقیہ سے ہوتی ہے۔

فائدہ : کشف الاسرار میں ہے کہ حقیقی زندگی تین چیزوں سے ہوتی ہے۔ جو دل ان چیزوں سے خالی ہے وہ مردہ ہے۔

۱۔ زندگانی بیم با عمل۔

۲۔ زندگانی ایمان با عمل۔

۳۔ زندگانی دوستی با عمل۔

marfat.ocm

(۱) زندگانی بیم علم سے دامن پاک اور چشم بیدار ہوتی ہے اور اسی کو راہِ راست نصیب ہوتا ہے۔

(۲) زندگانی اُمید باعمل کی سواری تیز زادِ راہ مکمل اور سفر قریب ہوتا ہے۔

(۳) زندگانی دوستی باعمل سے قدر و قیمت میں اضافہ اور دل شادمان ہوتا ہے اور بیم بے علم خارجیوں کو نصیب ہوا اُمید بے علم فرقہ مرجیئہ کو اور دوستی بے علم فرقہ اباحیہ (جاہل صوفیہ) کو۔ جسے مذکورہ بالا ۳ خصلت نصیب ہوئیں وہ پاکبازوں کی زندگانی پاگیا اور بدبختی سے نجات نصیب ہوگی۔

ولا تسمع الصم الدعاء۔ اور تم بہرے کو کسی قسم کی دعوت نہیں دے سکتے۔ الصم اصم کی جمع ہے وہ شخص جس سے سمع کی حاسہ ختم کر دی جائے یہ اس سے تشبیہ دی گئی ہے جو حق کی طرف توجہ نہ دے اور نہ ہی وہ اسے قبول کرے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے تم ان لوگوں کو راہِ راست پر نہیں لا سکتے جن کے دل حُبِّ شہوات میں پھنس گئے ہیں کیونکہ جو کسی شے کی محبت میں پھنستا ہے تو وہ دوسری باتوں سے اندھا اور بہرہ ہو جاتا ہے۔ پس یہ بھی حق کی راہ کے دیکھنے سے اندھا اور اس کے سننے سے بہرہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ: اذا ولوا۔ جب وہ پیٹھ پھیریں یعنی روگردانی کریں اور قرب سے دُور ہو جائیں مدبرین درانحالیکہ وہ حق سے منہ پھیرنے والے اور حق کو چھوڑنے والے ہوں۔ ادبر اعرض و ولی دبرہ۔ ان سب کا ایک ہی معنیٰ ہے نفی کو اذا سے مقید کرنے میں تاکید اور تشبیہ کی تکمیل مراد ہے کہ انکار سماع ایسی حالت میں ناممکن ہے یعنی یہ بہرہ کچھ نہیں کر سکے گا۔ اگرچہ بولنے والا اس کے کتنا ہی قریب کیوں نہ ہو۔ پھر جب وہ بہت دُور اور ہو بھی بولنے والا اس کے پیچھے تو پھر نہ سننا یقینی ہے۔ اب انہیں اندھے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ وما انت بھدی العمی عن ضلالتھم اور تم اُن کے اندھے پن سے انہیں گمراہی سے ہدایت دینے والے نہیں۔ یہاں ہدایت سے وہ ہدایت مراد ہے جو موصل الی المطلوب ہو اس لیے کہ ایسی ہدایت کے لیے بصر کا ہونا ضروری ہے اور عن ہدایت کے متعلق ہے اس لیے کہ صرف کے معنیٰ کو متضمن ہے اور عمی اعمی کی جمع ہے اور عمی بمعنی قوت بینائی کا نہ ہونا عدم ہدایت کی وجہ سے بصیرت کے اندھے کو بصارت کے اندھے سے تشبیہ دی گئی ہے۔

المفردات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دل کے اندھے کے بالمقابل آنکھ کے اندھے کا کچھ اعتبار نہیں فرمایا چنانچہ فرمایا والعمی الابصار ولکن تعمی القلوب فی الصدود۔ اُن کی نہ صرف آنکھیں اندھی ہیں بلکہ ان کے قلوب بھی اندھے ہیں جو ان کے سینوں میں ہیں۔ ان تسمع تم ان کو ایسا نہیں سناتے ہو جو ان کو نافع ہو۔ الا من یؤمن بایٰتنا مگر وہ جو کہ ہماری آیات پر ایمان لائے یعنی وہ جو علم الٰہی ہے۔ اس کی قسمت میں

ایمان لکھا ہے چونکہ ہدایت کا طریقہ اسماع الآیات التنزیلیہ ہے اسی لیے اسماع کی نفی کی گئی ورنہ لا تھدی کہا جاتا باوجودیکہ ہدایت کا ذکر پہلے ہوا ہے۔ **فھم مسلمون**۔ پس وہی ماننے والے ہیں یہ اُن کے ایمان لانے کی تعلیل ہے۔ یعنی ایسے لوگ گردن جھکا سکتے ہیں اور یہی لوگ مخلص اور ہمارے مقدر کردہ ایمان سے خاص ہیں۔

گوش باطن نہادہ بر قرآن	دیدۂ دل کشادہ بہ عرفان
زندہ از نفحہای گلشن قدس	معتکف در فضای عالم انس
بردہ اند از مضائق لا شئ	بہ "قل اللہ ثم ذرھم" پی

ترجمہ:

۱۔ باطنی کان قرآن کے سننے کی طرف لگا ہوا ہے اور دیدۂ دل عرفان کے لیے کھلا ہوا ہے۔
۲۔ گلشن قدس کو ٹھنڈے جھونکوں کے دل زندہ اور عالم انس کی فضا میں اعتکاف بیٹھنے والے۔
۳۔ لاشئ کی تنگیوں سے نکل کر قل اللہ ثم ذرھم کے مقام تک پہنچے ہیں۔

سبق۔ یہ عنایت ازلیہ پر موقوف ہے سعادۃ وشقاوۃ علم الٰہی میں ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک روز منبر شریف پر رونق افروز ہوئے اور اپنی دائیں ہتھیلی بند کر کے فرمایا،

"یہ کتاب ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے بہشتیوں کے اسماء اور ان کے انساب لکھ کر آخر تک بیان فرما دیا ہے اب ان سے نہ بڑھ سکتے ہیں نہ کم۔"

اس کے بعد بائیں ہتھیلی بند کر کے فرمایا کہ،

"یہ کتاب ہے اس میں دوزخیوں اور اُن کے آباؤ اجداد کے اسماء ہیں۔ آخر تک سب مذکور ہیں۔ اب تک بڑھ سکتے ہیں اور نہ کم۔

اہل شقاوت وسعادت کا عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ لوگوں میں مشہور ہو جاتا ہے کہ یہ اہل شقاوۃ سے ہے لیکن موت سے پہلے اونٹنی کے دودھ دوہنے کی دیر میں ایسا کام کرتا ہے جس کی وجہ سے اسے اللہ تعالیٰ اہل شقاوۃ سے نکال کر اہل سعادت میں داخل فرما لیتا ہے۔

فائدہ، حلبہ بضم الفاء وتخفیف الواو آخر میں قاف جوہری وغیرہ فرمایا کہ اونٹنی کے دودھ دوہنے کے دو وقتوں کے درمیان کا وقفہ دراصل صورت یہ ہے کہ اُونٹنی کے دودھ دوہتے وقت پہلے دودھ دوہ کر وقفہ کرتے ہیں اور اونٹنی کے بچے کے لیے پستان چھوڑتے ہیں تاکہ اونٹنی دودھ تھنوں میں لائے اس وقفہ کے بعد دوبارہ دوہنا شروع کرتے ہیں اسے فواق ناقہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

marfat.ocm

بقایا حدیث و۔ اہل شقاوہ و سعادت کے کام کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ عوام میں وہ اہل سعادۃ مشہور ہوتا ہے لیکن مرنے سے پہلے اس سے کوئی بُرا عمل ہو جاتا ہے جسے اہلِ شقاوۃ میں داخل کر دیا جاتا ہے اس معنی پر سعید وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور شقی بھی اسی لیے دار و مدار خاتمہ پر ہے ۔

ازلی بدبخت کا قصہ

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کا ایک زاہد دو سو سال عبادت میں بسر کرتا رہا۔ ایک دن اُس کے دل میں شوق جاگا کہ کاش ابلیس مجھے دکھائی دیتا میں اُسے کہتا کہ دو سو سال میں نے عبادت میں گزار دیئے تو میرا کچھ بگاڑ نہیں سکا۔ اس کے اس شوق پر اس کے حجرۂ عبادت سے ابلیس سامنے آگیا اور کہا میں بھی تیرے دیدار کا مشتاق تھا آج مجھے موقعہ مل گیا کہ تیرے یاد کرنے پر میں حاضر ہو گیا ہوں لیکن تجھے میرے ملنے کا کیا فائدہ کہ تو بڑا ناداں ہے۔ دو سو سال عبادت میں گزار دی لیکن ابھی تیرے دو سو سال زندگی کے باقی ہیں۔ یہ کہہ کر غائب ہو گیا لیکن اس کے دل میں گھس گیا اور وسوسہ ڈالا کہ دو سو سال خواہ مخواہ قید میں گزار دیئے۔ ابھی بھی دو سو سال باقی ہیں ایک سو سال عیش و عشرت میں گزاروں۔ ایک سو سال آخری پھر عبادت میں گزاروں گا۔ اسی اثناء میں توبہ کر لوں گا۔ یہ کہہ کر اٹھا اور شراب خانے میں چلا گیا۔ زہد و عبادت چھوڑ کر گناہ و لذت و عیش میں زندگی بسر کرنی شروع کر دی۔ ملک الموت اپنے وقت پر تشریف لائے اور رُوح لے کر چلتے بنے۔ وہ بدبخت اسی بدبختی میں مرا اور دو سو سال کی عبادت اور زہد ضائع اور برباد گیا ہم بدبختی اور بُری قضا سے پناہ مانگتے ہیں۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا۔

در عمل تکیہ مکن زانکہ دوران روزِ ازل
تو چہ دانی قلمِ صنع بنامت چہ نوشت

ترجمہ۔ اعمال پر سہارا نہ کر اس لیے روزِ اول میں تمھیں کیا خبر کہ قضاؤ قدر نے تیرے لیے کیا لکھا۔

پھر فرمایا۔

زاہد ایمن مشو از بازیٔ غیرت زنہار
کہ رہ از صومعہ تا دیرِ مغاں ایں ہمہ نیست

ترجمہ:۔ غیرت الٰہی کی بازی سے اے زاہد بے غم نہ ہو۔ عبادت خانے سے شراب خانے کی راہ میں فرق نہیں۔

پھر فرمایا۔

حکم مستوری و مستی ہمہ برخاتمت است
کس ندانست کہ آخر بچہ حالت برود

ترجمہ۔ مستوری و مستی کا حکم خاتمہ پر ہے کسی کو کیا علم کہ بالآخر وہ کس حالت میں مرے گا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا

گرت صورت حال بد یا نکوست !
نگاریدۂ دست تقدیر اوست
بکوشش نروید گل از شاخ بید
نہ زنگی بگرمابہ گردد سفید

ترجمہ: اگر تیری صورت حال اچھی ہے یا بری وہ تقدیر الٰہی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ بید سے گلاب کا پھول کوشش سے نہیں اُگتا۔ نہ ہی زنگی حمام کے غسل سے سفید ہوسکتا ہے۔

اے اللہ ہمیں سعادت مندوں سے بنا۔ (امین۔ ثم امین)

تفسیر عالمانہ: واذا وقع القول۔ اور جب ان پر قول کے ہوگا۔ وقوع سے قرب واقتراب مراد ہے جیسے قول الٰہی اتیٰ امر اللہ میں اتیان بمعنی قریب مراد ہے۔ القول سے قیامت اور اس کے وہ اُمور ہائلہ (ہولناک) مراد ہیں جن کی کفار ومشرکین یہ عجلت چاہتے۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ جب قیامت اور اُس کے وہ ہولناک اُمور قریب ہوجائیں گے۔

فائدہ: قرآن مجید میں وقع کا لفظ اکثر عذاب وشدائد میں آیا ہے۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ جب قیامت کی وہ نشانیاں شروع ہوگئیں جن کا ذکر پہلے ہوا ہے۔

اخرجنا لہم دابۃ من الارض۔ اور ہم نے اُن کے لیے ظاہر کیا زمین کا ایک جانور جس کا نام جاسۃ ہے کیونکہ وہ دجال کی خبر دینے والا ہے اور دجال ایک دیر میں بحر الشام کے جزیرہ میں مقید پڑا ہے اور جاسہ بھی اسی جزیرہ میں رہتا ہے جیسا کہ مشارق باب ثامن کی حدیث میں ہے تکلمہم ان الناس لا یوقنون۔ وہ بولتا تھا کہ لوگ ہماری آیات پر یقین نہیں رکھیں گے یعنی کافروں کو فصیح عربی میں کہتا تھا یا عرب کو عربی میں اور عجم کو عجمی میں کہتا کہ وہ لوگ ان آیات پر ایمان نہیں لائیں گے جو قیامت کے آنے پر دلالت کرتی ہیں۔ یعنی جب قیامت قریب ہوگی تو اللہ تعالیٰ دابۃ الارض کو کھڑا کرے گا جیسے صالح علیہ السلام کی اونٹنی پتھر سے باہر لاکر معجزہ دکھایا گیا۔

اعجوبہ: بعض نے کہا وہ جانور تمام مخلوق کی صورت پر پیدا کیا جائے گا چنانچہ اس کا چہرہ آدمیوں جیسا چمکدار ہوگا اور اس کا سر بادلوں کو چھوئے گا۔ جسے تمام اہل مشرق ومغرب دیکھیں گے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اس کا قد ستر گز لمبا ہوگا۔ اس کے پکڑنے والے اسے پکڑ نہ سکیں گے اور نہ ہی کوئی بھاگنے والا اس سے بھاگ سکے گا۔

صفا پہاڑی سے دابۃ کا خروج: حدیث شریف میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کعبہ معظمہ کا طواف کررہے ہوں گے اور آپ کے ساتھ دیگر

marfat.ocm

مسلمان بھی طواف میں ہوں گے کہ ان کے نیچے سے زمین متحرک ہو گی ایسے جیسے قندیل حرکت کرتا ہے مسعیٰ کی طرف سے صفا پہاڑی پھٹے گی۔ اس سے دابہ نکلنا شروع ہو گا تین دن تک نکلتا رہے گا۔ چند لوگ اسے دیکھنے میں مصروف ہو جائیں گے اور بعض خوفزدہ ہو کر نماز پڑھنے لگ جائیں گے وہ دابہ نمازی سے کہے گا جتنا لمبا ہونا چاہیئے تھا میں تمہیں ضرور روندوں گا اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کے عصا اور سلیمان علیہ السلام کی انگشتری لے کر نکلے گا۔ مسلمان کو سجدہ کی جگہ یعنی پیشانی پر عصا مارے گا اسی سے نقطہ کا نشان پڑ جائے گا جس سے اس کا نور اس کے چہرے پر پھیل جائے گا پھر اس کے ماتھے پر لکھے گا **ھو مؤمن** (یہ مومن ہے) اور انگشتری سے کافر کے ناک پر مہر لگائے گا اس سے ایک سیاہ نکتہ کا داغ پڑ جائے گا جو پھیلتے ہوئے اس کا منہ سیاہ بنا ڈالے گا۔ پھر وہ اس کی پیشانی پر لکھے گا **ھو کافر** (یہ کافر ہے) پھر سب کو مخاطب ہو گا اے فلاں تو اہل جنت ہے اور اے فلاں تو اہل نار ہے۔ اس کے بعد دنیا میں سوائے سفید چہروں والوں کے کوئی نہ بچے گا اور لوگ اس وقت ایک دوسرے کو نام اور لقب سے نہیں بلکہ سفید چہروں والے اور بہشتی کہہ کر پکاریں گے اور سیاہ منہ والوں کو دوزخی کہہ کر پکاریں گے۔ پھر وہ دابۃ زمین کی گشت کرے گا جہاں سے گزرے گا کھیتی اور درخت خشک ہو جائیں گے یہاں تک کہ زمین پر کوئی سرسبز درخت اور سرسبز کھیتی نہیں رہے گی سوائے ایک پیدورخت کے کہ وہ خشک نہ ہو سکے گا اس لیے اس پر ستر انبیاء علیہم السلام کی برکات ہوں گی۔

حدیث شریف میں ہے کہ خروج دابۃ و طلوع شمس از مغرب ایک دوسرے کے قریب ہوں گے ان میں جو بھی پہلے آئیگا دوسرا اس کے قریب ہی آجائے گا۔

فائدہ: بعض ائمہ کی کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کی علامات میں سب سے پہلے طلوع شمس از مغرب اور اور زمین میں دابۃ الارض ظاہر ہو گا۔

فائدہ: حیوٰۃ الحیوان میں ہے کہ ظاہر احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ طلوع شمس از مغرب قیامت کے علامات میں سے آخری علامت ہے جیسا کہ وارد ہے کہ دجال صدی کے اول میں آئے گا اس پر عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے زمین پر تشریف لائیں گے اور دجال کو قتل کریں گے پھر زمین پر چالیس سال بسر فرمائیں گے اور طلوع شمس از مغرب کے بعد لوگ صرف ایک سو بیس سال رہیں گے پھر فنا ہی فنا۔

خلاصہ یہ کہ بنی الاصفر یعنی افرنگی جب نکلیں گے اور زمین کے کناروں پر پھیل جائیں گے جیسا کہ محدثین نے فرمایا ہے۔ یہ چھ سال تک ہو گا پھر مہدی ساتویں سال تشریف لائیں گے۔ اس کے بعد دجال ظاہر ہو گا۔ اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے پھر دابۃ الارض ظاہر ہو گا۔ پھر سورج از مغرب طلوع ہو گا۔

فائدہ: نیز یہ بھی ہے کہ جب دابہ نکلے گا تو نگران فرشتے زمین پر آنے سے رک جائیں گے اور قلمیں اٹھ جائیں گی اور اجسام اعمال پر گواہی دیں گے اور خروج کے قرب کمال کی دلیل ہو گی اور طلوع شمس بھی اسی دوران ہو گا۔ کیونکہ توبہ کا دروازہ طلوع

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ (۸۳)
اور جس دن اٹھائیں گے ہم ہر گروہ میں سے ایک فوج جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتی ہے تو ان کے اگلے روکے جائیں گے کہ پچھلے ان
حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِىْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّاذَا كُنْتُمْ
سے آملیں یہاں تک کہ سب کے حاضر ہو لیں گے فرمائیگا کیا تم نے میری آیتیں جھٹلائیں حالانکہ تمہارا علم ان تک نہ پہنچتا تھا یا کیا کام کرتے
تَعْمَلُوْنَ (۸۴) وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ (۸۵) اَلَمْ يَرَوْا
تھے اور بات پڑ چکی ان پر ان کے ظلم کے سبب تو وہ اب کچھ نہیں بولتے کیا انہوں نے نہ
اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ
دیکھا کہ ہم نے رات بنائی کہ اس میں آرام کریں اور دن کو بنایا سوجھانے والا بیشک اس میں ضرور نشانیاں ہیں ان
لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (۸۶) وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ
لوگوں کے لیے کہ ایمان رکھتے ہیں اور جس دن پھونکا جائے گا صور تو گھبرائے جائیں گے جتنے آسمانوں میں ہیں
وَمَنْ فِى الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ (۸۷) وَتَرَى
اور جتنے زمین میں ہیں مگر جسے خدا چاہے اور سب اس کے حضور حاضر ہوئے عاجزی کرتے اور تو دیکھے گا پہاڑوں
الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِىَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِىْٓ
کو خیال کرے گا کہ وہ جمے ہوئے ہیں اور وہ چلتے ہوں گے بادل کی چال یہ کام ہے اللہ کا جس نے حکمت سے بنائی
اَتْقَنَ كُلَّ شَىْءٍ ؕ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ (۸۸) مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ
ہر چیز بے شک اسے خبر ہے تمہارے کاموں کی جو نیکی لائے اس کے لیے اس سے بہتر
خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ (۸۹) وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ
صلہ ہے اور ان کو اس دن کی گھبراہٹ سے امان ہے اور جو بدی لائے تو ان کے منہ اوندھائے
فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِى النَّارِ ؕ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۹۰) اِنَّمَآ
گئے آگ میں تمہیں کیا بدلہ ملے گا مگر اسی کا جو کرتے تھے مجھے تو یہی
اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِىْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَىْءٍ ؗ وَّاُمِرْتُ
حکم ہوا ہے کہ پوجوں اس شہر کے رب کو جس نے اسے حرمت والا کیا ہے اور سب کچھ اسی کا ہے اور

marfat.ocm

أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٩١﴾ وَأَنْ أَتْلُوَ الْقُرْآنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا

مجھے حکم ہوا ہے کہ فرمانبرداروں میں ہوں اور یہ کہ قرآن کی تلاوت کروں تو جس نے راہ پائی اس نے

يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ إِنَّمَا أَنَا مِنَ الْمُنْذِرِينَ ﴿٩٢﴾ وَقُلِ

اپنے بھلے کو راہ پائی اور جو بہکے تو فرما دو کہ میں تو یہی ڈر سنانے والا ہوں اور فرماؤ کہ سب

الْحَمْدُ لِلَّهِ سَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَتَعْرِفُونَهَا ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ

خوبیاں اللہ کے لیے ہیں عنقریب وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے گا تو انہیں پہچان لوگے اور اے محبوب تمہارا رب غافل نہیں

عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٩٣﴾

اے لوگو تمہارے اعمال سے

(بقیہ مضمون سابق)

شمس کے بعد ہوگا۔ (والعلم عند اللہ)

تفسیر صوفیانہ: بعض عارفین نے فرمایا کہ صورۃ دابہ اور اس میں سے ظہور جمعیۃ کا اشارہ ہے کہ دابۃ سے صورۃ استعداد کونی شہادی حیوانی اور مثال طبع کلی حیوانی اور حامل جمعیۃ الحقائق الدینویہ مراد ہے اور یہ بھی برزخ کی عنصری کا راز ہے جس سے اسرار حقائق متضادہ ظاہر ہوتے ہیں جیسے کفر و ایمان اور طاعۃ و عصیان اور انسانیۃ و حیوانیۃ اور یہ آیۃ جامع ہے کہ عقل والوں کے لیے معانی و اسرار ہیں (کذافی کشف الکنوز)

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ آیات الٰہی کی طرف رجوع کرے اور ان کے وعدہ و وعید سے نصیحت حاصل کرے اور ان کی تقدیر پر ایمان لائے اور قیامت اور موت کے لیے ہر وقت تیار رہے زندگی میں ہی خوب تیاری کر لی جائے نہ اس وقت کہ وقت ختم ہو جائے۔ بھلائی ہاتھ سے چلی جائے اور نظام دنیا درہم برہم ہو جائے اور وہ وقت بالکل قریب ہے

یارب از ابر ہدایت برساں بارانے
پیشتر از انکہ چو گردی زمیان برخیزم

ترجمہ: اے اللہ ہدایت کی بارش برسا اس سے قبل کہ میرے کوچ کرنے کا وقت آجائے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں خیر اور نیک اعمال کی توفیق بخشے اس سے پہلے کہ عمر ختم ہو جائے اور موت کی گھڑی سر پر آجائے۔

تفسیر عالمانہ: ویوم نحشر من کل امۃ فوجا اور اس دن ہم ہر امت سے ایک ایسے گروہ کو اٹھائیں گے یوم اذکر کی وجہ سے منصوب ہے الحشر بمعنی الجمع یہاں پر

قیامت کے دن انھیں عذاب کے لیے جمع کرنا مراد ہے۔ اگرچہ اُس وقت سب کو جمع کیا جائے گا لیکن چونکہ عذاب سے ڈرانا مطلوب ہے اسی لیے اُنھیں خصوصی طور پر ذکر کیا گیا ہے **امۃ** وہ گروہ جس کی طرف رسول علیہ السلام مبعوث ہوں (کذا فی القاموس) **فوج** زمرہ کی طرح انسانوں کی ایک جماعت (کذا فی الوسیط) الجماعۃ بمعنی تیزی سے چلنے والا گروہ (کذا فی المفردات) اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کو فرمایئے کہ اُس وقت کہ ہم اُمم انبیاء علیہم السلام میں سے ایسے گروہ کو جمع فرمائیں گے ہر زمانے میں سے ایک گروہ کو جمع فرمائیں گے۔ **من** تبعیضیہ ہے کیونکہ ہر زمانے میں ہر اُمت دو قسم رہی نبی علیہ السلام کی تصدیق کرنے والی اور تکذیب کرنے والی۔ **فمن یکذب اٰیاتنا** اس میں سے جو ہماری آیات کی تکذیب کرتا تھا۔ یہ فوج کا بیان ہے اس لیے کہ ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے والے ضرور ہوئے ہیں اور آیات سے وہ آیات مراد ہیں جو ان کے نبی علیہ السلام پر کلام الٰہی اُترا وہ اُن کے لیے ایسے تھا جیسے ہمارے لیے قرآنی آیات **فھم یوزعون**، اس کی تشریح سورۂ نمل میں سلیمان علیہ السلام کے قصے میں ہو چکی ہے۔ یوزعون یعنی سب کے سب روکے جائیں گے تاکہ سب کے سب عذاب کی جگہ پر جمع ہو جائیں جو پیچھے رہ گئے ہیں۔ وہ بھی مل جائیں۔ اس میں ان کی کثرت اور دُور دور تک پھیلاؤ کی طرف اشارہ ہے۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ **فوج** سے کفار کے رؤسا مراد ہیں یعنی لیڈروں کو عوام کے سامنے جہنم کی طرف کر کے لایا جائے گا مثلاً ابوجہل۔ شیبہ بن ربیعہ۔ ولید بن مغیرہ اہل مکہ کے سامنے روانہ ہوں گے۔ پھر ہر لیڈر کے اپنے عوام پیچھے کر دیئے جائیں گے کذا قال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ بڑے بڑے لیڈروں کو روکا جائے گا تاکہ ان کے عوام پیچھے سے لگائے جائیں گے۔ پھر یہ ہر دونوں تابع و متبوع اکٹھے جہنم میں جائیں گے۔

فائدہ: شاعروں کا جھنڈا امراء القیس کے ہاتھ میں ہوگا وہ آگے آگے اور دوسرے شعراء اُس کے پیچھے ہوں گے (یعنی کفار شعراء اور وہ جو بک بک کرتے رہتے ہیں اہل ایمان اور بنی بر نعت و حمد اور مناقب اولیاء اور نصیحت آمیز گو شعراء بہشتی ہیں (جیسا کہ سورۂ شعراء میں تفصیل گزری ہے)

حتی اذا جآءو یہاں تک سوال و جواب اور مناقشہ و حساب کے موقف پر جب آ جائیں گے۔ **قال** تو اللہ تعالیٰ اُن کو جھڑکتے ہوئے فرمائے گا **اکذبتم** کیا تم نے جھٹلایا تھا۔ **اٰیاتی** میری آیات کو **ولم تحیطوا بھا علمًا** اور حالیہ اور علمًا منصوب علی التمیز ہے حالانکہ تم ان کو علم سے محیط نہیں ہوئے یعنی سرسری طور پر دیکھا تھا اگر حقیقت بین نگاہ سے دیکھتے تو تمھیں ان کی کنہ تک پہنچنا نصیب ہو جاتا بالضرور تصدیق کرتے۔ **اماذا کنتم تعملون**۔ کیا عمل کرو گے یعنی جب اللہ تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ و

marfat.ocm

آلہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے تو پھر کیا کام کروگے یعنی ان کا کام سوائے جہل و تکذیب و کفر و معاصی کے اور کوئی کام نہ تھا گویا وہ انہی امور کے لیے پیدا کیے گئے حالانکہ ان کی تخلیق تو علم و تصدیق و ایمان و طاعت کے لیے تھی صرف ان کو کمینیا اسی طرح کا خطاب ہوگا اس کا کوئی جواب نہ دے سکیں گے اسی لیے حکم ہوگا کہ انھیں اوندھا کر کے جہنم میں ڈالا جائے چنانچہ فرمایا **ووقع القول علیهم** اور ان پر عذاب نازل ہو جائے گا۔ **بما ظلموا** بسبب ان کے ظلم کرنے کے یعنی وہ ظلم جو انھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔ **فهم لا ينطقون** تو وہ بول نہ سکیں گے یعنی عذاب میں مبتلا ہونے کی وجہ سے کوئی عذر پیش نہ کر سکیں گے یا ان کی زبانوں پر مہر لگا دی جائے گی اب کفار مکہ کو وعظ کے طور پر کہا یا ان پر حجت قائم کی گئی۔ **الم يروا**۔ رویت قلبی مراد ہے یعنی کیا انھیں معلوم نہ تھا **انا جعلنا الليل**۔ بیشک ہم نے رات کو نہیں بنایا یعنی اس میں اندھیری نہیں تھی۔ **ليسكنوا فيه** تاکہ وہ اس میں نیند و قرار سے سکون پکڑیں۔ **والنهار مبصرا**۔ اور دن کو تاکہ وہ اس کی روشنی میں دیکھیں اور معاش کے امور میں مختلف طریقوں پر چلیں۔

نکتہ: دن کو راہ دکھانے والا کہہ کر مبالغہ کیا گیا ہے گویا وہ حال جو لوگوں کے متعلق تھا وہ دن نے کر دکھلایا اور جو صفت لوگوں کی تھی وہ دن کو دی گئی وہ اس لیے کہ سورج کے نور میں اس طرح کی تاثیر ہے بخلاف رات کے کہ اس میں یہ مبالغہ نہیں کیا گیا کہ اس میں لوگوں کا فعل ان کو اپنی طرف ہے۔ **ان فی ذالك الآيات**" بیشک اس میں نشانیاں ہیں بہت بڑے یعنی دن کی روشنی اور رات کی تاریکی میں **لقوم يومنون** ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں کیونکہ یہ صحت بعثت اور صدق آیات پر واضح طور پر دلالت کرتی ہیں کیوں نہ ہو اگر کوئی ان میں غور و فکر کرے کہ رات اور دن ایک دوسرے کے تعاقب میں ہیں اور نظام بھی صحیح ہے۔ پھر غور فرمائیے کہ یہ رات کی تاریکی موت پر اور دن کی روشنی حیات پر ایسے ہی نیند موت پر اور بیداری حیات پر دلالت کرتی ہیں اور ان سے واضح ہوگا کہ قیامت ضرور آئے گی اور بیشک قبور سے اٹھنا ہوگا اور سمجھنے والا سمجھتا ہے کہ یہ امور اسی کا ایک نمونہ اور دلیل ہے جس سے اس کے تحقق کا یقین ہوتا ہے اور ایسے رات و دن کے تبدل کے علاوہ دوسرے جملہ دلائل دلالت کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

فائدہ: دانا لوگ کہتے ہیں کہ انسان کی زندگی حیات و وفات پر تقسیم کی گئی ہے۔ حیات بیداری کا نام ہے اور وفات نیند ہے۔ کامیاب وہ ہے جس نے اپنی وفات کو حیات میں شامل کیا یعنی نیند کو بھی بیداری سے بدل دیا۔ اس میں اشارہ ہے کہ دن کی درازی رات کی درازی سے بہتر ہے۔ ہاں خوش قسمت وہ ہے جس نے رات کی گھڑیوں کو مناجات الٰہی میں گزار دیا۔

حکایت: محمد بن نصر حارثی نے زندگی کے آخری لمحات میں کئی سال بیداری میں بسر کر دی سوائے قیلولہ کے پھر قیلولہ بھی ترک کر دیا تھا۔

شیخ سعدی کی باتیں

درویشوں کا طریقہ ذکر و شکر اور خدمت و طاعت اور ایثار و قناعت اور توحید و توکل اور تسلیم و تحمل ہے جو ان صفات سے موصوف ہے وہ حقیقی درویش ہے اگرچہ امیرانہ زندگی بسر کرتا ہو اور ظاہری خرقہ بھی نہیں۔ بتونی اور بے نماز اور ہوا پرست اور ہوس باز ہو جو منہ میں آئے کہتا جائے راتیں شہوات میں بسر کرے اور دن نیند میں گزار دے وہ بے دین رند ہے اگرچہ گدڑی پوش ہو ؎

اے درونت برہنہ از تقوی
وز بروں جامۂ ریا داری!
پردۂ ہفت رنگ در بگزار
تو کہ در خانہ بوریا داری!

ترجمہ: اے اندر تیرا تقوی سے خالی اور باہر سے ریا کے کپڑے پہنے ہوئے۔ سات رنگوں والا کپڑا چھوڑ جبکہ گھر پر بوریا رکھتا ہے۔

دو شاگردوں کا جھگڑا اور اُستاد کا فیصلہ

دو شاگردوں نے اختلاف کیا ایک کہتا تھا کہ نیند بہتر ہے کہ اس میں انسان اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچا رہتا ہے اور دوسرا کہتا تھا کہ بیداری بہتر ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا عرفان ہوتا ہے یہ فیصلہ استاد کے ہاں لے گئے اُستاد نے فرمایا جو نیند کو جس نیت سے بہتر کہتا ہے اس کے لیے اسی طرح ہے نیند بہتر ہے اور جو بیداری کو جس ارادہ سے بہتر کہتا ہے اس کے لیے بیداری بہتر ہے لیکن جس نے نیند کو ترجیح دی اس کے لیے موت بہتر ہے اور جس نے بیداری کو ترجیح دی اس کے لیے حیات بہتر ہے کیونکہ موت کے بعد بندے کو نہ ترقی نصیب ہوتی ہے نہ ثواب میں اضافہ (کذا قال الامام القشیری)

سبق: انسان پر لازم ہے کہ وصول الی اللہ کے لیے جد و جہد کرے تاکہ وہ اہل وصال سے ہو اور ہمیشہ کے عذاب سے نجات پائے کیونکہ آخر مرنا ہے اور موت کے بعد محشر کے میدان میں حاضر ہونا ہے۔ محشر کا نتیجہ یا بہشت یا دوزخ۔ دوزخ میں مؤمن کو گناہ کی سزا ہے تو دیتا ہے اور کافر کو بطور عذاب کے لیے اور یہ دائمی ہوگا۔ دنیا میں جیسے جرائم آخرت میں ویسی سزا قیامت میں مومن کو عذاب ہوگا چند مدت کے لیے

marfat.ocm

بدرہائی نصیب ہوگی اور بعض کو حدود کی سی سزا ہوگی اور حدود مختلف طریقہ سے ہوتی ہیں ہاں وہ سزا امیری ہو جو کفر سے ہو کیونکہ کفار کے لیے کوئی رحمت و شفقت نہ ہوگی۔ اس لیے کہ دنیا تو اللہ تعالیٰ نے رحمت و شفقت فرمائی کہ ان کے لیے رسل کرام بھیجے کتابیں نازل فرمائیں لیکن انہوں نے اس کی رحمت کے بجائے غضب خریدا کہ ان کے رسل و کتب کو جھٹلایا اور ان کے ساتھ عناد رکھا اسی لیے انہیں دائمی عذاب ہوگا۔ ان کی معافی کا امکان بھی نہیں کیونکہ اس دنیا میں اندھا ہے اور وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ کے عرفان سے یہاں محروم تو وہاں بھی محروم۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہماری آنکھیں غفلتوں سے کھول دے۔ ہمیں مکاشفین مشاہدین اور معائنہ والوں سے بنادے اور ہماری یہ حالت دائمی ہو وہی قاضی الحاجات اور مرادیں پوری کرنے والا ہے۔

تفسیر عالمانہ: ویوم ینفخ فی الصور

حل لغات: النفخ بمعنی کسی شے میں پھونکنا و نفخ بفمہ۔ یعنی منہ سے ہوا نکالی۔ **الصور** وہ قرن جس میں اسرافیل موت و حشر کے لیے پھونک ماریں گے۔ آپ کے معاونین اس وقت قرن کو پکڑے ہوئے ہیں جو مخلوق کو قیامت میں اٹھانے کے لیے تیار کھڑے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے فارغ ہوا تو صور کو بنا کر اسرافیل علیہ السلام کے حوالے کر دیا۔ اب وہ صور منہ میں لیے منتظر کھڑے عرش کو دیکھ رہے ہیں کہ کس وقت اس کے پھونکنے کے لیے حکم ربانی ہوتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صور کیا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ قرن ہے میں نے عرض کی قرن کیا ہے آپ نے فرمایا وہ ایک بہت بڑی شے ہے قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس میں ایک حصہ چودہ طبق کے برابر ہے۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو پھونکنے کا حکم ہوگا جب وہ اسے پھونکیں گے تو اس وقت کوئی ایک بھی زندہ نہ رہے گا سوائے اس کے کہ جسے اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **و نفخ فیہ اُخریٰ الی قولہ تعالیٰ الا من شاء اللہ**۔ پھر دوبارہ اسے پھونکنے کا حکم ہوگا تو کوئی مردہ بھی باقی نہ رہے گا جو زندہ ہو کر نہ اُٹھے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **ونفخ فیہ اخریٰ**۔ سورہ کہف میں اس کے متعلق کچھ تفصیل گزری ہے۔ اس آیت میں نفخ سے دوسرا نفخہ مراد ہے یعنی قیامت میں اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کو یاد دلایئے کہ قیامت میں اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے پھر کہیں گے تو تمام ارواح اپنے اجسام کی طرف لوٹ آئیں گی۔ **ففزع من فی السموٰت ومن فی الارض** تو گھبرا جائیں گے وہ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں۔ ماضی سے تعبیر کر کے اشارہ ہے کہ وہ اتنا یقینی ہے

کہ گویا وہ واقع ہو چکا کیونکہ اللہ کا فعل یقینی الوقوع ہے خواہ وہ مستقبل میں ہو کیونکہ اس کا خبر دینا ہمارے لیے یقین کرنا ضروری ہے الفزع بمعنی انقباض وہ کیفیت ڈراونی شے کی وجہ سے انسان کو طاری ہو اسی لیے فزعت من اللہ نہیں کہا جاتا جیسے خفت من اللہ کہا جاتا ہے۔ الفزع سے یہاں ہر ایک کی گھبراہٹ مراد ہے وہ مومن ہو یا کافر یعنی قیامت کی بعث و نشور سے جو امور مشاہدہ میں آئیں گے تو وہ اتنے ہولناک کہ یہ منظر ہوں گے جن سے طبائع پر رعب اور ہیبت چھا جائے گی جن سے لوگ گھبرا جائیں گے الا من شاء اللہ مگر وہ جنھیں اللہ تعالیٰ چاہے تو وہ نہیں گھبرائیں گے کیونکہ ان کے قلوب کو اطمینان ہوگا جیسے انبیاء و اولیاء اور شہداء کہ وہ نہ خوفزدہ ہوں گے اور نہ غمگین ہوں گے۔ ایسے ہی چار فرشتے ہیں حاملین عرش اور خازمین فرشتے اور حوریں وغیرہ ہم وغیرہ۔

اگر فزع سے صعقہ مراد ہو تو اس سے وہ مستثنیٰ ہوں گے جو پہلے صعقہ دیکھ چکے ہیں جیسے موسیٰ علیہ السلام دکذا فی التفسیر) کیونکہ وہ کوہ طور کے موقعہ بیہوش ہوئے اب دوبارہ اُن کے لیے صعقہ نہ ہوگا۔ **وکل اتوہ** اور تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کے ہاں آئے گی۔ یعنی سوال و جواب اور حساب و کتاب کے لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گے۔ **داخرین** ذلیل اور عاجز ہو کر۔

ادخرتہ فدخر۔ میں نے اسے ذلیل کیا تو وہ ذلیل ہو گیا **وتری الجبال**

حل لغات: اور تم پہاڑوں کو دیکھو گے اس کا عطف نفخ پر ہے۔ یہ بھی تذکیر کے حکم میں ہے **تحسبہا** حالانکہ انھیں گمان کرتے ہو۔ **جامدۃ** اپنی جگہوں میں مضبوط کھڑے ہوئے۔ یہ جملہ **الماء و کل سائل** سے ہے یعنی پانی اور ہر بہنے والے شے کھڑی ہوگی۔ **داب** کی ضد ہے یعنی ہر شے کا جم جانا۔ **وھی** حالانکہ یہ پہاڑ اُس وقت۔ **تمد** چلتے ہوں گے۔ **مر السحاب**۔ بادلوں کی طرح تیز چلنے والے یعنی آج تو ساکن نظر آتے ہیں لیکن اُس دن بادلوں کی طرح تیز چلنے والے کہ انہیں ہوا تیز چلائے گی۔ وہ اس لیے کہ ہر بڑی شے اور ہر کثیر آنکھوں میں کھڑی معلوم ہوتی ہے کیونکہ دیکھنے والے کی نگاہ اس کا احاطہ نہیں کر سکتی حالانکہ وہ گھوم رہی ہوتی ہے لیکن قیامت میں یعنی نفخ ثانی پر اللہ تعالیٰ زمین کی ہیئت بدل دے گا اور پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹنے لگ جائے گا۔ بہت ہولناک منظر ہوگا جسے اہل محشر دیکھ کر گھبرائیں گے اور یہ کیفیت اگرچہ پہلے نفخ سے شروع ہو جائے گی کہ زمین پھٹ جائے گی پہاڑ ٹوٹ جائیں گے لیکن نفخ ثانیہ پر یہ تمام منظر سامنے آ جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

یوم نسیر الجبال وتری الارض بارزۃ وحشرناھم۔ اس دن کہ ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور زمین کو دیکھو گے صاف ستھری نظر آئے گی۔

marfat.ocm

ماضی کا عطف مستقبل پر ہے اس میں اشارہ ہے کہ سیر و رؤیۃ حشر کے بعد ہوں گے۔ گویا یوں کہا گیا کہ ان کو ہم جمع کریں گے پھر دیکھو گے۔

حکایت: حضرت جعفر خلدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت جنید مجلس سماع میں شامل ہوئے۔ آپ کے ساتھی بھی تھے دوسرے لوگ تو سماع سے خوب اچھلے کودے لیکن آپ اطمینان و سکون سے بیٹھے رہے۔ آپ کے ساتھیوں نے پوچھا کہ آپ دوسروں کی طرح سماع سے وجد میں کیوں نہیں آئے تو آپ نے پڑھا و تری الجبال تحسبها جامدة وهی تمر مر السحاب اور بعض نے کہا کہ اصحاب تمکین بظاہر ساکن نظر آتے ہیں لیکن درحقیقت وہ ملکوت میں سیر کرنے والے ہیں۔

فائدہ: کسی محقق نے فرمایا کہ اولیاء مخلوق میں پہاڑوں کی طرح ہیں لیکن درحقیقت سیر س ہیں کہ ایک لحظہ میں ہزاروں عالم کو گھوم لیتے ہیں لیکن کسی کو خبر تک نہیں ہوتی۔

۱. تو مبین این پایہا را بر زمین — زانکہ بر دل میرود عاشق یقین
۲. از رہ و منزل زکوتاہ و دراز — دل چہ داند کوست مست دلنواز
۳. آں دراز و کوتہ اوصاف تنست — رفتن ارواح دیگر رفتن است
۴. دست نی و پای نی سرتا قدم — آنچنانکہ تاخت جانہا از قدم

ترجمہ

۱. تم ان پاؤں کو نہ دیکھو کہ یہ زمین پر ہیں اس لیے کہ عاشق کی سیر دل سے ہوتی ہے۔
۲. راہ و منزل سے کوتاہ و دراز نظر آتے ہیں دل کو کیا خبر یہ تو مست دار ہے۔
۳. دراز و کوتاہ جسم کی صفت ہے لیکن روح کی سیر کسی دوسرے طریق سے ہے۔
۴. نہ اُس کے ہاتھ نہ پاؤں بلکہ اس کا جسم نہیں لیکن اُس کی دوڑ نرالی ہے۔

فائدہ: حضرت ابن عطار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایمان بھی دل میں مضبوط پہاڑ کی طرح ہے کہ اس کے انوار حجاب اعلیٰ کو پھاڑ ڈالتے ہیں۔

فائدہ: حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نفس رُوح کے نکلنے کے وقت پڑا رہتا ہے لیکن رُوح پرواز کر کے عرش الٰہی کے نیچے پہنچ جاتی ہے۔

صنع اللہ۔ الصنع بمعنی کسی کام سنوار کے کرنا ہر صنع فعل ہے لیکن ہر فعل صنع نہیں۔ اور نہ ہی اس فعل نسبت حیوانات کی طرف ہوتی ہے (کذا فی المفردات) یہ مصدر ہے اور ماقبل کے مضمون کی تائید کرتا ہے۔ اب معنیٰ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا کام اس سے مذکورہ امور مراد ہیں جیسے نفخ صور اور جو دیگر افعال اسی پر مرتب ہوئے الذی اتقن

کل شی۔ اس نے ہر شے کو مضبوط بنایا۔

حل لغات: المختار میں ہے اتقان الشی بمعنی احکامہ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شے کو مضبوط کر کے بنایا اور اسے اسی طرح سنگارا جیسے اسے سنگارنا چاہیئے۔

فائدہ: الارشاد میں ہے کہ اس میں ان افعال کے عظم شان پر تنبیہہ کی گئی ہے اور تاکید ہے کہ اس کے نظام میں کسی قسم کا خلل نہیں بلکہ اس کا ہر معاملہ مضبوط ہے اور نہ ہی اس کے فساد اور خراب ہونے کا امکان ہے ہر شے جو اس کی تیار کردہ ہے بہتر ہے اور مضبوط ہے کیونکہ اعلیٰ کاریگر کی تیار کردہ ہیں لہٰذا ان میں خلل و فساد کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ انہ خبیر بما تفعلون۔ اور وہ کام جو تم کرتے ہو انہیں وہ جانتا ہے کیونکہ وہ تمہارے ظواہر و بواطن جملہ امور سے باخبر ہے اسی لیے نفخ صور و دیگر افعال صرف تمہارے اعمال کی جزا کے لیے کئے ہوں گے چنانچہ فرمایا من جاء بالحسنۃ جو ایک نیکی لائے گا یعنی کلمۂ شہادت و اخلاص ایک بار کہے گا کیونکہ یہی مطلقاً نیکیاں ہیں اور بہترین نیکی ہیں فلہ خیر منہا تو ان سے بھی بہتر اجر و ثواب ملے گا اس سے جنت مراد ہے۔ خیر مطلق بھلائی مراد ہے کسی کی افضلیت کی طرف اشارہ نہیں کیونکہ بہشت لا الہ الا اللہ سے بہتر نہیں۔ اگر خیر میں افضلیت مراد ہے تو کلمۂ شہادت کے علاوہ کوئی اور نیکیاں مراد ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ بندہ نیکی کرے گا تو اسے بہتر جزا ملے گی کہ خسیس سے اعلیٰ نعمت اور فانی سے باقی نصیب ہوگی اور ایک کے بجائے دس بلکہ سات سو ملیں گی۔ وھم اور وہ جو نیکی لائے۔ من فزع ایسی بڑی گھبراہٹ میں ہوں گے کہ جس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ یہ محاسبہ کے بعد وقت ہوگا کہ لوگوں کی نیکیاں اور برائیاں ظاہر ہوں گی تو گھبرائیں گے اسی طرف اشارہ ہے لا یحزنہم الفزع الاکبر اور انہیں بہت بڑی گھبراہٹ پریشان نہ کرے گی۔

فائدہ: حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ گھبراہٹ اس وقت ہوگی جب بندے کو جہنم کی طرف لے جائیں گے۔

فائدہ: حضرت ابن جریج نے فرمایا یہ گھبراہٹ اس وقت ہوگی جب موت کو ذبح کر کے اعلان کیا جائے گا کہ اے بہشتیو! ہمیشہ بہشت میں رہو اب موت نہیں آئے گی۔ ایسے ہی دوزخیوں کو اعلان ہوگا۔ یومئذ اس دن جبکہ نفخ صور ہوگا۔ امنون امن والے ہوں گے وہ ہولناک گھبراہٹ ان کا کچھ نہیں کر سکے گی اور نہ ہی انہیں کوئی نقصان پہنچے گا۔ ہاں وہ گھبراہٹ جو تمام زمین و آسمان والوں کو (باستثنائے مخصوص حضرات) ہوگی تو وہ طبعی طور پر ہوتی ہے کیونکہ جب ایسے ڈراؤنے اور ہولناک واقعات ہوں گے تو انسان فطرۃً گھبراتا ہے۔ لیکن انہیں ہوگا کچھ نہیں۔

marfat.ocm

ومن جاءَ بالسیئۃ اور وہ جو برائی لائے گا یعنی شرک جو تمام برائیوں کا سر ہے **فکبت وجوھھم فی النار۔** تو اوندھے منہ جہنم میں پھینکا جائے گا۔ **الکبت** بمعنی شے منہ کے بل گرانا اور وہ جہنم میں اوندھے منہ کے بل گرائے جائیں گے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وجوہ سے ان کے نفوس مراد ہیں جیسے آیت **ولا تلقو بایدیکم الی التھلکۃ** میں ہاتھوں سے نفوس مراد ہیں کیونکہ اہل عرب ہاتھ۔ پاؤں۔ گردن۔ چہرہ۔ سر بول کر تمام بدن مراد لیتے ہیں۔ **ھل تجزون** یہ التفات ہے یا یہاں قول محذوف ہے۔ یعنی انہیں کہا جائے گا کہ کیا تم جزا نہیں دیئے جا رہے۔ **الا ما کنتم تعملون۔** مگر وہ جو تم عمل کرتے رہے یعنی یہ شرک وغیرہ کی سزا ہے۔

حدیث شریف نمبر (۱)

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت میں ایمان اور شرک دونوں اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ایمان کو فرمائے گا تم اپنوں کو بہشت میں لے جا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا **من جاء بالحسنۃ الی قولہ تعالیٰ "فی النار"**

حدیث شریف نمبر (۲)

حدیث شریف میں ہے کہ **لا الٰہ الا اللہ** بہشت کی چابی ہے لیکن چابی کے لیے دندانے ضروری ہیں تاکہ دروازہ کھولا جائے۔ اس کے دندانے زبان ذکر کرنے والی جھوٹ اور غیبت سے پاک ہو اور اعضاء جو عبادتِ الٰہی میں مشغول اور گناہوں سے پاک ہوں۔ اور پیٹ جو حرام اور شبہات سے پاک ہو

حکایت:۔ حضرت ابو عبداللہ جدلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا اے ابو عبداللہ میں تمہیں نیکی کی خبر نہ دوں جو بہشت کے داخلے کا موجب ہو اور برائی کی خبر نہ دوں جو دوزخ میں لے جائے میں نے عرض کی ضرور بتایئے۔ آپ نے فرمایا نیکی ہماری محبت اور برائی ہمارا بغض ہے۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو نیکی کی طلب کی آیت **ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ الخ** میں رہبری فرمائی ہے۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اعضاء کو عبادتِ الٰہی و شرع کے احکام کا پابند کرے جیسے طریقت کے آداب ہیں لیکن اربابِ حقیقت کی تربیت سے یہ دنیا کی حسنہ ہے اور آخرت کی حسنہ یہ ہے کہ عالم حقیقیہ سے ہر اور پورے طور منتفع یہی لوگ ہیں انہیں گھبراہٹ نہ ہو گی اور انہیں دنیا میں حب کی فزع نصیب

ہوگی۔ فزعِ عقبیٰ میں ان کا محاسبہ ہوگا اور جو حب دنیا لائے گا تو اسے نار قطیعت میں اوندھا ڈالا جائے گا اور کہا جائے گا **ھل تجزون الا ما کنتم تعملون**۔ یعنی یہ سزا تمہیں دنیا کی طلب کی وجہ سے ہے کیونکہ حب دنیا ہی جہنم میں اوندھے ڈالے جانے کا سبب ہے جو اس کے پیچھے پڑا وہ دوزخ میں گرے گا۔

اگر خواہی خلاص از نار فرقت
مدہ دل را بجز عشق و محبت

ترجمہ: اگر تم نارِ فرقت سے چھٹکارا چاہتے ہو تو سوائے عشق و محبت کے دل کسی کو نہ دو۔

تفسیر عالمانہ: **انما امرت ان اعبد رب ھذا البلدۃ التی حرمھا**۔ بیشک میں حکم دیا گیا ہوں کہ میں اسی شہر والے رب کی عبادت کروں جس نے اسے حرمت بخشی ہے۔

حل لغات: العبادۃ بمعنی انتہائی عاجزی اور **البلدۃ** وہ جگہ جس کے حدود اور مختلف کنارے ہوں اور اس میں لوگ اقامت رکھتے ہوں اس میں باعتبار اکثر کے اسے **بلدۃ** کہا جاتا ہے یہاں پر **بلدہ** سے مکہ معظمہ مراد ہے۔ اپنی طرف مضاف کرنے میں اس کی شرافت کا اظہار مطلوب ہے اور تعظیم و تکریم ایسی اضافت سے ہوتی ہے جیسے کہا جاتا ہے ناقۃ اللہ و بیت اللہ اور شہر اللہ (ایسے ہی کہہ سکتے ہو (**محمد نور اللہ** صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم۔

نکتہ: مکہ معظمہ کو اپنی طرف منسوب کیا حالانکہ تمام بلاد (شہر) اسی کے ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ مشرکین سمجھیں کہ واقعی اس شہر کی سکونت ہمارے لیے بڑی نعمت ہے تو پھر ہم پر لازم ہے کہ ہم اس کے مالک کی عبادت کریں۔

ترکیب: رب موصوف الذی اس کی صفت ہے۔ التحریم بمعنی کسی شے کو حرام یعنی ممنوع قرار دینا اور حکم دینا کہ اس کی تعظیم و تکریم چاہیئے۔ یہ اس کی بار بار بزرگی کے اظہار کے قبیل سے ہے یعنی یہ وہ شہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی ہتک کرنے سے روکتا ہے اور حکم فرماتا ہے کہ نہ ہی اس کا گھاس کاٹا جائے اور نہ کانٹے اور نہ کھیتی اور نہ ہی اس کے شکار کو بھگایا جائے۔ اور نہ ہی اس میں کسی قسم کی بے دینی پھیلائی جائے۔

حدیث شریف: مکہ معظمہ وہ حرم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ہی حرام فرمایا ہے لوگوں نے حرام نہیں کیا، یعنی اس کی تحریم حکم سماوی شرعی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ ہے۔ لوگوں کے اس میں اجتہاد شرعی کو کوئی دخل نہیں۔

ازالۂ وہم: ابراہیم علیہ السلام کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ بیشک مکہ معظمہ کو ابراہیم علیہ السلام نے حرم بنایا ہے الخ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کی حرمت کا اظہار ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا ہے یا انہوں نے اس کے حرم ہونے کی دعا فرمائی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسے دائمی حرم بنا دیا۔ اب

marfat.ocm

آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنی قوم کو فرمایئے کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوں کہ عبادت کے لیے صرف اللہ تعالیٰ کو خاص کروں اس میں کسی کو شریک بناؤں۔ فلہٰذا تم بھی اسی کو پوجو۔ اسی میں تمہاری عزت و شرافت ہے غیروں کی پرستش چھوڑ دو اور نہ ہی کسی کو اس کا شریک بناؤ دیکھو تمہیں اس نے اپنے شہر مکہ میں ٹھہرا کر عزت بخشی ہے اس سے بڑھ کر اور بڑی نعمت کیا ہو گی۔

فائدہ: بعض نے فرمایا کہ عبادت انبیاء و اولیاء کے لیے بمنزلہ لباس کے ہے۔ **وله** اور اسی پروردگار اور اسی شہر کے مالک کی ہے۔ **کل شیء** ہر شے از روئے تخلیق و ملک و تصرف کے اس کا کوئی شریک نہیں اس میں تنبیہ ہے کہ صرف کعبہ کو اپنی طرف منسوب کرنا تفخیم شان کے لیے ہے ورنہ اس کی ربوبیت تو جملہ کائنات و موجودات کے لیے ہے۔

ع

صنعتش که همه جہاں بیار است

اس کی کاریگری ہے کہ اس نے تمام جہان کو سنگارا ہے۔

وامرت ان اکون من المسلمین۔ اور مامور ہوں کہ میں ہوں مسلمین میں۔ یعنی توبہ کر کے ملتِ اسلام و توحید میں زندگی گزارنے والوں سے یا ہو جاؤں ان لوگوں سے جنہوں نے اپنے چہرے اللہ تعالیٰ کی طرف پھیر لیے۔

فائدہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ حقیقی مسلمان وہ ہے جو اسلام کو شریعت میں استعمال کرے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ظاہر کو شریعت پر ڈھالا اور مسلمان کا کمال اسی میں ہے اسی لیے ان کو **ان اکون من المسلمین** فرمایا۔ اگر اس کے بجائے **ان اکون من المومنین** فرماتے تو پھر کس کی مجال تھی کہ اس کا ایمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کرتا۔ یہ ایسے ہے جیسے **انا اول المسلمین** اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا **صلو کما رأیتمونی اصلی**۔ ایسے نماز پڑھو جیسے تم مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو۔ یعنی تمہاری ظاہری نماز کا یہی طریقہ ہو جیسے میرا ہے اگر فرماتے کہ اسی طرح نماز پڑھو جیسے میں پڑھتا ہوں تو پھر کس کی مجال تھی کہ رسول اللہ علیہ و آلہ وسلم جیسی نماز پڑھ سکے اس لیے کہ آپ جب نماز پڑھتے تو آپ کے سینہ مبارک سے رونے کی آواز آتی ہے جیسے ہانڈی اُبلتی ہے اور نماز میں آپ جیسے آگے دیکھتے تھے ایسے ہی پیچھے **و ان اتلوا القراٰن**۔ اور یہ کہ میں قرآن کی تلاوت کروں۔ **التلاوۃ** بمعنی پے در پے قرآن پڑھنا جیسے دراستہً اور مقرر کردہ وظائف پڑھنا اور القرأۃ التلاوۃ سے اعم ہے مثلاً کہا جاتا ہے **تلاہ** بمعنی تبعہ متابعۃ۔ یعنی اس کے پیچھے چلا ہے درمیان میں کوئی نہیں آیا جو اس کی جنس ہو۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ میں مامور ہوں کہ قرآن کی تلاوت پر مواظبت کروں تاکہ اس کی تلاوت سے رفتہ رفتہ حقائق منکشف ہوں۔ اب یہ تجربہ شاہد ہے کہ عالمِ دین جب اس کی تلاوت میں غور و

خوض کرے تو اسے قرآن مجید سے نئے انکشاف ہوتے ہیں اور ایسے عجیب وغریب معانی ذہن پر اترتے ہیں جو اسے اس سے پہلے پوشیدہ اور مخفی تھے یہی وجہ ہے علماء حکماء اس کی تلاوت سے سیر نہیں ہوتے یہی راز ہے کہ علماء و حکماء کا آخری ورد قرآن مجید ہے اور عارفین کو سب سے پہلے متعلق الآفاق منکشف ہوتے ہیں اس کے بعد حقائق الانفس اس کے بعد حقائق القرآن۔

سبق:۔ سالک پر لازم ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت میں ناغہ نہ کرے اس کی تلاوت میں طالبعلموں کی طرح دلچسپی لے۔

جاہل صوفیوں کا ردّ

بعض جہال صوفیہ کہتے ہیں کہ ہمیں تلاوتِ قرآن مجید کی ضرورت نہیں اس لیے کہ ہم ایسے ورد میں مشغول ہیں جو اس سے اہم ہے۔ یہ ان کا جھوٹ ہے کیونکہ قرآن مجید تو دنیا میں ہر علم کا اصل اور مادہ ہے۔

مسئلہ: پڑھنے والے کو چاہیئے کہ تلاوت قرآن مجید جہر سے کرے اور جس آیت کو پڑھے اس پر انگلی رکھے اس کے بعد زبان پر لائے تاکہ زبان سے اور ہاتھ سے اور آنکھ سے حظ پائے۔ (اور ہر ایک شے کی علیحدہ علیحدہ عبادت نصیب ہو)۔

نکتہ: قرآن مجید کا سننا سیاح ملائکہ کا بہترین رزق ہے بلکہ ان کا بلند و بالا رزق یہی سماع القرآن ہے۔

مسئلہ:۔ جو شخص اسے پڑھ نہیں سکتا تو اسے چاہیئے کہ علم والوں کی مجلس میں بیٹھے کیونکہ ارواح کی بہترین غذا علم ہے۔ علم سے قرآن مراد ہے نہ کہ فلسفہ منطق یا دیگر فنون دنیویہ۔

مسئلہ:۔ کان کی طہارت باطنہ جو قول حسن کے سننے سے نصیب ہوتی ہے وہ یہی ذکر اللہ ہے لیکن ذکر اللہ کا اعلیٰ درجہ قرآن مجید کا سننا ہے کہ اس میں دونوں مقاصد موجود ہیں۔ ایک کلام اللہ کے الفاظ دوسرا اس میں تذکیر و موعظت اور وہ واقعات اور قصص جو اس میں مذکور ہیں اور ان کے حالات اور کفر کے بیانات اور ان کی عبرت ناک سزائیں۔

مسئلہ:۔ قاری جب پڑھتا ہے تو حروف جو اس کے منہ سے نکلتے ہیں وہ ذکر الٰہی میں داخل ہیں اس لیے کہ قرآن سے ہی پڑھ رہا ہے بخلاف اس کے کہ وہی اقوال اگر کافروں سے سن کر نقل کرے تو وہ ذکر الٰہی نہیں۔ اگرچہ مضمون بھی ایک ہے اور الفاظ بھی ایک (کذا فی الفتوحات)

marfat.ocm

نکتہ: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن مجید ہے۔ تلاوت کے وقت غور کرو تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی صفت بیان فرمائی ہے تو پھر تمہارے لیے لازم ہے کہ تم بھی وہی صفت اپناؤ اور اس پر مداومت کرو اور ہر وہ صفت جس کی اللہ تعالیٰ نے مذمت فرمائی ہے اس سے بچو اور پختہ ارادہ کر لو کہ اسے ہرگز عمل میں نہیں لائیں گے اس لیے کہ جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نازل فرمایا ہے وہ یہی ہے کہ یا اس پر عمل کرو اور جو نہ کرنے والے اعمال ہیں انہیں چھوڑ دو۔ جب تم قرآن مجید کو اسی نیت پر پڑھو کہ اس پر عمل کریں گے تو کامل انسان ہو۔

فمن اھتدی ۔ پس جو اس کی اتباع میں ہدایت پاتا یعنی نیکی کرتا اور اسلام لاتا اور تلاوت کرتا ہے۔ **فانما یھتدی لنفسہٖ** تو وہ اپنے لیے ہدایت پاتا ہے اس لیے کہ اس کے منافع اسی کی طرف عائد ہوں گے نہ کسی دوسرے کو۔ **ومن ضل** اور وہ جو گمراہ ہے یعنی میری مخالفت کر کے گمراہ ہوتا ہے **فقل** تو اسے فرمایئے **انما انا من المنذرین** ۔ بیشک میں ڈرانے والوں میں سے ہوں۔ اس کے بعد آپ اپنے عہدہ سے سبکدوش ہوں یعنی اس کا مجھ پر کوئی مواخذہ نہیں۔

فائدہ: ۔ مذکورہ بالا مضمون کا مطلب یہ ہے کہ آپ تلاوتِ قرآن اور ذکر الٰہی بہ تکرار دعوت کے طور پر کرو تو جو ہدایت پاتا ہے یعنی ایمان لاتا ہے اور شرک سے بچتا ہے تو اس کا اپنا فائدہ ہے وہ جو گمراہ ہوتا ہے یعنی کفر میں مبتلا ہوتا ہے اور قرآن سے اعراض کرتا ہے تو اس کا اپنا نقصان ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ نور ایمان کو معدن قلب انسانی میں ہدایت وضلالت کی تربیت کرتا ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے سورج کی روشنی سونے و چاندی اور لوہے کے معادن کی تربیت کرتی ہے۔ قال اللہ تعالیٰ **یضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرا** ۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ لوگ سونے و چاندی کے معادن کی طرح ہیں۔

تفسیر عالمانہ: **وقل الحمد للّٰہ** ۔ اور فرمایئے جملہ محامد اللہ تعالیٰ کو اس کی ان نعمتوں پر جو اس نے ہمیں عطا فرمائیں اور سب سے بڑی اس کی نعمت نبوت و قرآن ہے **سیریکم اٰیاتہ فتعرفونھا** ۔ عنقریب تمہیں اپنی نشانیاں دکھلائے گا تو پھر تم انہیں پہچانو گے کہ واقعی یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں اور مقاتل نے فرمایا کہ چند دنوں میں تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے گا۔ خوش قسمت ہے وہ انسان جو مرنے سے پہلے گناہوں سے توبہ کر کے اس کی نشانیوں کے دیکھنے کا اہل ہوا اور بدقسمت ہے وہ جو وقت نکل جانے پر بھی نہ سدھر سکا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا۔

۱. کنوں باید اے خفتہ بیدار بود   چو مرگ اندر آرد ز خوابت چہ سود
۲. تو غافل در اندیشۂ سود و مال   کہ سرمایۂ عمر شد پائمال
۳. گرت چشم عقلست و تدبیر گور   کنوں کن. کہ چشمت نخورد دست مور
۴. کنوں گوش کاب از کمر درگزشت   نہ وقتیکہ سیلاب از سر گزشت
۵. سکندر کہ بر عالمے حکم داشت   دراں دم کہ بگذشت عالم گزاشت
۶. میسر نہ بودش کزد عالمے   ستانند و مہلت دہندش دمے

ترجمہ

۱. اے سونے والو ابھی بیداری چاہیئے۔ جب موت آئے گی تو پھر بیداری از خواب کا کیا فائدہ۔
۲. تو نفع اور مال اندوزی کے فکر میں غافل ہے یہاں تک کہ عمر کا سرمایہ ضائع ہو گیا۔
۳. اگر تجھے عقل کی چشم اور قبر کی تدبیر نصیب ہے۔ ابھی سے تیار ہو جا نہ اُس وقت جبکہ تیری آنکھیں چیونٹیاں کھائیں۔
۴. ابھی سے تیاری کر کہ ابھی پانی کمر تک پہنچا ہے نہ اُس وقت کہ سر سے اُوپر پانی آجائے۔
۵. وہ سکندر کہ تمام دنیا پر حکومت کرتا تھا۔ جب دنیا سے گیا تو سب کچھ چھوڑ کر چلا گیا۔
۶. اسے کچھ بھی حاصل نہ ہوا کہ اسے کچھ نصیب ہوتا یا اسے مہلت ملتی۔

وما ربك بغافل عمّا تعملون۔ اور نہیں تمہارا پروردگار غافل اس سے جو تم عمل کرتے ہو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان جاری ہوا ہے تاکہ پیچھے بیان کردہ وعدہ وعید کی تاکید ہو جائے جیسا کہ اضافت رب الی النبی اور پہلے خطاب خاص پھر خطاب عام سے معلوم ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے نبی علیہ السلام جو تم نیکیاں کرتے ہو اور اے کافرو تم برائیاں کرتے ہو اس سے اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں کیونکہ غفلت سہو سے ہوتی ہے اور سہو قلت حفظ کی وجہ سے اور قلت حفظ کمزوری کی علامت ہے اور اللہ تعالیٰ ان تمام عجزوں اور کمزوریوں سے منزہ اور پاک ہے بہر حال وہ تمہارے کردار کی جزا و سزا ضرور دے گا اور اسے غفلت ہو تو کیوں جبکہ اس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال بھی اسی کے پیدا کردہ ہیں۔ یہ ایسے ہے جیسے درخت پیدا کر کے اس کے ثمرات اس میں پیدا فرمائے تو پھر اس سے اہل سعادت و شقاوۃ کا حال کیسے مخفی ہو ہاں مہلت دینا مبنی برحکمت ہے اسے غفلت پر محمول نہ کرو اور نہ ہی نسیان سمجھو کیونکہ غفلت تو اسے ہوتی ہے جو کسی وجہ سے متنبہ نہیں ہوتا اور اس کی نافرمانی کرتا اور شرک میں مبتلا ہوتا اور بڑے بڑے اعمال کا مرتکب ہوتا ہے اور امراض قلبیہ میں سے بڑا مرض نسیان ہے جو اللہ تعالیٰ کو بھلا دیتا ہے اور علاج بالضد اچھا ہے اور وہ ذکر الٰہی ہے۔

حکایت: حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ ایک دن اپنی سلطنت سے بہت خوش ہوا۔ تو خواب میں دیکھا کہ کسی

marfat.ocm

سُوْرَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اٰيَاتُهَا ٨٨ رُكُوْعُهَا ٩

سورۂ قصص مکی ہے اور اس میں اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا اٹھاسی آیتیں اور نو رکوع ہیں

طٰسٓمّٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى
یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی ہم تم پر پڑھیں موسیٰ

وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ③ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ
اور فرعون کی سچی خبر ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں بے شک فرعون نے زمین میں غلبہ پایا تھا

وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ
اور اس کے لوگوں کو اپنا تابع بنایا ان میں ایک گروہ کو کمزور دیکھتا ان کے بیٹوں کو ذبح کرتا

وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ④ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى
اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھتا بے شک وہ فسادی تھا اور ہم چاہتے تھے کہ ان کمزوروں

الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ⑤
پر احسان فرمائیں اور ان کو پیشوا بنائیں اور ان کے ملک و مال کا انہیں کو وارث بنائیں

وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ
اور انہیں زمین میں قبضہ دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو وہی دکھادیں

مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ⑥ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ
جس کا انہیں ان کی طرف سے خطرہ ہے اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو الہام فرمایا کہ اسے دودھ پلا پھر جب تجھے اس سے

عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ
اندیشہ ہو تو اسے دریا میں ڈال دے اور نہ ڈر اور نہ غم کر بے شک ہم اسے تیری طرف پھیر لائیں گے اور اسے

مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ⑦ فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ۭ
رسول بنائیں گے تو اسے اٹھالیا فرعون کے گھر والوں نے کہ وہ ان کا دشمن اور ان پر غم ہو

اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـــِٕيْنَ ⑧ وَقَالَتِ امْرَاَتُ
بے شک فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر خطا کار تھے اور فرعون کی بی بی نے

فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ۭ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ
کہا یہ بچہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اسے قتل نہ کرو شاید یہ ہمیں نفع دے یا ہم اسے بیٹا

وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ⑨ وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ۭ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ
بنالیں اور وہ بے خبر تھے اور صبح کو موسیٰ کی ماں کا دل بے صبر ہو گیا ضرور قریب تھا کہ وہ اس کا حال

بِهٖ لَوْلَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰی قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑩ وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ
کھول دیتی اگر ہم نہ ڈھارس بندھاتے اس کے دل پر کہ اسے ہمارے وعدہ پر یقین رہے اور اس کی ماں نے اس کی
قُصِّيْهِ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ⑪ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ
بہن سے کہا اس کے پیچھے چلی جا تو وہ اسے دور سے دیکھتی رہی اور ان کو خبر نہ تھی اور ہم نے پہلے ہی سب دائیاں
الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤی اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ
اس پر حرام کردی تھیں تو بولی کیا میں تمہیں بتادوں ایسے گھر والے کہ تمہارے اس بچہ کو پال دیں اور وہ
وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ⑫ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤی اُمِّهٖ كَیْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ
اس کے خیر خواہ ہیں تو ہم نے اسے اس کی ماں کی طرف پھیرا کہ ماں کی آنکھ ٹھنڈی ہو اور غم نہ کھائے اور جان
اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ⑬
لے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے

نے لت ایک خط دیا جس پر لکھا تھا۔ فانی کو باقی پر ترجیح نہ دو اور نہ ہی اپنی شاہی سے دھوکہ کھاؤ جس شاہی میں گزار رہے ہو تو بہتر ہے لیکن ہے مٹنے والی تمہیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو۔ کیونکہ اس کا حکم ہے وسارعوا الی مغفرۃ من ربکم وجنۃ۔ اور اپنے رب کی مغفرت وجنت کی طرف چلا کرو۔ یہ خواب دیکھ کر گھبرایا ہوا اٹھا اور سمجھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے پند ونصیحت ہے۔ اس پر تائب ہوئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھر اعمال کی طرف متوجہ ہوئے اور گزشتہ زندگی کی غلطیوں کی معافی چاہی اور جو کچھ برے کام سرزد ہوئے اس کی تلافی چاہی اور سستی وغفلت پر ندامت کا اظہار کیا ؎

براحتے نرسد آنکہ زحمت نکشید

”وہ راحت ہرگز نہ پائے گا جب تک دکھ نہ اٹھائے گا“

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں دین کے جہد جہد کرنے والوں سے بنائے یہاں تک کہ یقین کی دولت نصیب ہو اور ان کوشش کرنے والوں سے بنائے جو رسول حق کے راستہ کے متلاشی ہیں اور اس کی خاص توفیق کی دعا ہے۔

صاحب روح البیان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سورہ نمل کی تفسیر منگل کے روز ۴ محرم الحرام ۱۰۱۹ھ میں ختم ہوئی

فقیر اویسی غفرلہ نے اس کے ترجمہ سے بروز ایمان افروز سوموار مبارک ۲۹ ربیع الآخر ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۹ فروری ۱۹۸۳ء میں فراغت پائی۔

فللہ الحمد علیٰ ذٰلک وصلی اللہ علیٰ حبیبہ الکریم الرؤف الامین وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ واہل بیتہ وعترتہ واولیاء امتہ اجمعین

انا الفقیر القادری ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ

مورخہ ۲/۲۹ ۱۹۸۳ء
۲/۲۹ ۱۴۰۳ھ

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ

سورہ قصص مکیہ ہے تمام تفاسیر معتبرہ مطولہ ومختصرہ میں اس کی اٹھاسی آیات لکھی ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طٰسٓمٓ ۔ اس میں قسم کی طرف اشارہ ہے **طا** سے اللہ تعالیٰ کی طویل بقا۔ اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی طہارت قلبی کی قسم مراد ہے کہ اس کے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی سے لو نہیں لگائی۔ اور اپنے محبوب اولیاء کے اسرار کی طہارت کی قسم کہ انھوں نے سوائے اس کے اور کسی کو نہیں دیکھا۔ **سین** سے اس کے اس سر (راز) کی قسم مراد ہے جو کہ اس کے اور اس کے محبوبوں کے درمیان ہے اور **میم** سے اس کی وہ منت واحسان جو اس نے اپنی مخلوق کی حاجات کی کفایت کی ضمانت اپنے ذمہ کرم لی۔ (التاویلات النجمیہ)

تفسیر صوفیانہ:

طآء میں طہارت نفوس عابدان از عبادت اغیار اور طہارت قلوب عارفان از تعظیم غیر جبار اور طہارت ارواح محبان از محبت ماسویٰ اور طہارت اسرار موحدان از شہود غیر خدا مراد ہے۔

فائدہ: حضرت سلمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ **سین رموزِ الٰہی سے ایک رمز ہے** جو اس نے عاصیوں کے لیے نجات کا اور مطیعون کے لیے درجات کا اور محبوں کے لیے دوامِ مناجات ومراعات کا راز مخفی رکھا ہے۔

فائدہ: امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان حروف کو قرآن مجید کی محافظت کا سبب بنایا ہے کہ ان کی وجہ سے قرآن مجید میں نہ زیادتی ہو سکتی ہے نہ نقصان اس کا اشارہ **"وانا لہ لحافظون"** میں ہے۔ (کذا فی تفسیر الکاشفی)

ان کے علاوہ اور بھی بکثرت اشارات سورۂ شعراء کے اول میں بیان ہوئے وہاں دیکھئے اور ان سے زائد اور کہیں نہیں ملیں گے اور اس کے مطالعہ کو غنیمت جانتے۔

تلك یہ سورۃ آیات الکتاب المبین۔ کتاب مبین کے آیات ہیں یعنی قرآن مجید کے مخصوص آیات جن کا اعجاز ظاہر ہے **نتلو علیك** تلاوت بمعنی پڑھنے میں پہلے حرف کے بعد دوسرے کو لانا یعنی ہم بواسطۂ جبریل علیہ السلام مسلسل قرأت کرتے ہیں اور جبریل علیہ السلام کا واسطہ اس لیے کہ پڑھتے وہی تھے **من نباء موسیٰ وفرعون** یہ نتلو کا مفعول ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی بعض خبریں جن کا شان یہ ہے کہ **بالحق** حق ہے یہ۔ **نتلوا** کے فاعل سے حال ہے بمعنی محققین ومتلبسین بالحق" یعنی درآنحالیکہ تم حق وصدق سے متلبس ہو کہ اس میں کسی قسم کا جھوٹ نہیں ہے۔ **لقوم یؤمنون** ایسی قوم کے لیے جو ایمان دار ہے۔ یہ **نتلوا** کے متعلق ہے اور اہل ایمان کی تخصیص اس لیے ہے کہ وہی اس سے نفع پاتے ہیں۔ اگرچہ اس سے انتفاع ہر ایک پاتا ہے اور یہ ہر ایک کے لیے بیان ہے۔ اگلا جملہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا حال کیسا تھا اس کے جواب میں فرمایا کہ **ان فرعون علا فی الارض** یہ جملہ مستانفہ ہے جو موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی بعض خبر کو بیان کرتا ہے اور حرف تحقیق یعنی لفظ ان سے شروع کرنے میں مابعد کے مضمون کو موکد

کرنا مطلوب ہے اور **العلو** بمعنی الارتفاع ہے یعنی بلند ہونا اور سرکشی کرنا۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ فرعون نے ملک مصر میں سرکشی کی اور ظلم و عدوان کی حد میں تجاوز کیا۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ فرعون اپنے مرتبہ و عہدہ سے آگے بڑھا اور حضرت جنید قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس نے ایسا دعویٰ کیا جس کے وہ لائق نہیں تھا **وجعل اھلھا** اور بنایا اس کے اہل کو یعنی **قبطیون** اور **سبطیون** کو بنایا۔ **شیعا** گروہ مختلف۔

فائدہ: **شیعًا شیعۃٌ** کی جمع ہے اور شیعہ اس گروہ کو کہا جاتا ہے جس سے انسان کو تقویت پہنچے اور وہ اس کی اعانت کے لیے علاقوں میں پھیل جائیں اس لیے **شیاع** بمعنی انتشار اور تقویت آتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے۔ **شاع الحدیث** بمعنی کثر و قوی اور کہا جاتا ہے **شاع القوم** بمعنی **انتشروا**[1] **و کثروا**۔ اب معنی یہ ہُوا کہ وہ لوگ فرعون کے لیے مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے اور ہر بُرائی و بھلائی میں اسی کا اتباع کرتے اور مختلف مختلف گروہ ہو کر اس کے مختلف اُمور میں لگے ہوئے تھے مثلاً کوئی کھیتی باڑی کوئی تعمیرات میں کوئی کنوئیں کھودنے میں وغیرہ وغیرہ غرضیکہ بڑے بڑے اُمور شاقہ فرعون کی خاطر سرانجام دیتے اور جو اس کا کام نہ کرتا اسے جزیہ ادا کرنا لازم ہوتا۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ قبطی اس کے مکرم ترین گروہ میں سے تھے **یستضعف** الاستضعاف بمعنی کسی کو ضعیف اور ناکارہ سمجھنا یعنی فرعون نے انھیں ذلیل کیا اور مغلوب بنایا۔ **طائفۃ منھم** ان میں سے ایک گروہ کو اور یہ **جعل** کے فاعل سے حال ہے اور **طائفۃ** سے بنی اسرائیل مراد ہے اب معنی یہ ہوا کہ وہ فرعون کی ایذاؤں و تکلیفوں کو دفع کرنے سے ضعیف اور عاجز تھے۔ **یذبح ابناءھم و یستحی نساءھم** یہ جملہ مذکورہ سے بدل ہے **الذبح** بمعنی حیوان کا گلا چیرنا اور باب تفعیل تکثیر کے لیے ہے۔ **استحیاء** بمعنی استبقاء ہے یعنی وہ بنی اسرائیل کو مسلسل یکے بعد دیگرے قتل کرتا تھا یہاں تک کہ اس نے بنی اسرائیل کے نوّے ہزار بچے قتل کرائے اور لڑکیوں کو قتل نہیں کراتا تھا تاکہ وہ اس کی خدمتگاری کے لیے زندہ رہیں۔

قتل اَبنَاء کی وجہ

منقول ہے کہ فرعون کو کسی کاہن نے کہا کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو تیرا ملک چھین لے گا در اصل یہ اُس کی حماقت تھی اس لیے کہ اگر کاہن کا قول سچا تھا تو وہ ہو کر رہتا اگر جھوٹا تھا تو اس کا کچھ نہ بگڑتا۔

ابنِ صیاد کا واقعہ

---

[1] بمعنی پھیل گئے اور بہت ہو گئے

marfat.ocm

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے چند لڑکوں کے ساتھ ہمارا گزر ہُوا ان میں ابن صیاد بھی تھا اور اُس وقت وہ قریب البلوغ معلوم ہوتا تھا اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں اُس نے کہا نہیں بلکہ آپ گواہی دیں کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اجازت ہو تو میں اسے قتل کر دُوں اس لیے کہ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ یہی دجال ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر واقعی یہ ابن صیاد وہی دجال ہے تو تُو اُس پر مسلط نہیں ہو سکتا اور تجھے اس کے قتل کرنے کی قدرت نہیں۔ اس لیے کہ اُسے عیسیٰ علیہ السلام تشریف لا کر قتل کریں گے۔ اگر یہ وہی دجال نہیں تو تجھے اس کے قتل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ **انه کان من المفسدین**۔ بیشک تھا وہ فساد ڈالنے والوں میں سے یعنی فساد ڈالنے میں وہ بڑا راسخ تھا اسی لیے اس نے بہت سے بے گناہ مخلوق کو قتل کرنے کی جرأت کی۔ **ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض** اور ہم نے ارادہ کیا کہ زمین کے رہنے والے کمزور لوگوں پر منت لگائیں یعنی انھیں اس کی ایذاء سے نجات دے کر ان لوگوں پر احسان کریں یہ مضارع ماضی کی حال حکایت اور اس کا **ان فرعون علا** پر عطف ہے۔ کیونکہ ان دونوں کو آپس میں مناسبت ہے اور وجہ مناسبت یہی ہے کہ یہ ہر دونوں موسیٰ علیہ السلام و فرعون کی خبر کی تفسیر واقع ہوئے ہیں۔

فائدہ: نمن منّ سے مشتق ہے بمعنی کسی کو کوئی شے عطا کرنا اور اللہ تعالیٰ **المنّان** اسی معنی پر ہے کہ وہ بلا عوض اور بلا طلب ابتداءً ہر ایک کو عطا فرماتا ہے **ونجعلهم ائمة** یہ امام کی جمع ہے جس کی اقتداء کی جائے اسے امام کہتے ہیں یعنی ہم انھیں دینی اُمور میں مقتدا بنائیں۔ اگرچہ اس وقت وہ دوسروں کے تابع اور اُن کے زیرِ حکم تھے۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ یہاں پر **ائمة** بمعنی انبیاء ہے اس لیے کہ حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان بنی اسرائیل کا ایک ہزار انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں **ونجعلهم الوارثین** اور ہم انھیں فرعون اور اس کی قوم کا وارث بنائیں۔

سوال: وراثت کو امامت سے کیوں مؤخر کیا گیا ہے حالانکہ انہیں وراثت امامت سے پہلے حاصل ہوئی۔

جواب: چونکہ وراثت امامت سے درجہ میں بہت کم ہے اسی لیے پہلے اعلیٰ کا ذکر ہُوا بعد ازاں ادنیٰ کا۔ **ونمکن لهم فی الارض** کسی شے کے لیے ایسا مکان مقرر کرنا جس میں اسے ہر طرح کی قدرت حاصل ہو پھر اسے مطلقاً تسلیط کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اب معنی یہ ہُوا کہ ہم نے مصر و شام کے علاقوں پر انھیں مسلط کیا تاکہ وہ اس میں جس طرح چاہیں تصرف کریں۔ **ونری فرعون وهامان** اور ہم دکھائیں فرعون و ہامان کو اس سے **هامان** فرعون کا وزیر مراد

ہے۔ **وجنودھما** اور ان دونوں کا لشکر **منھم** ان کمزوروں میں سے **ما کانوا یحذرون** وہ جو ڈر کھاتے اور کوشش کرتے تھے کہ کسی طرح فرعون کے ہاتھ سے ملک نکل جائے اور وہ انہی کے نومولود لڑکے سے تباہ و برباد ہو۔

الحذر خطرے بھری شے سے ڈرنا (کذا فی المفردات)

فائدہ: حضرت کاشفی نے فرمایا یہ اُس وقت کی بات ہے جب اُنہوں نے فرعون کی دریا میں غرق ہونے کی علامت دیکھی تو بنی اسرائیل بغلیں بجاتے ہوئے دریا کے کنارے فرعون کے غرق ہونے کی کیفیت دیکھنے آتے جب اُنہیں فرعون اور اُس کے لشکر کے غرق ہو جانے کا یقین ہو گیا تو کہا کہ ظلم و تعدی کا یہی انجام ہے اور بیچارگان اور مظلوموں کی آہ کام کر گئی اور ظالم مقہور و مغلوب ہوا اور مظلوم غالب اور سرفراز ہوئے اور **یوما لمظلوم علی الظالم اشد من یوم الظالم** یعنی ظالم سے مظلوم پر ظلم کرنے کی جزا کا دن ظالم کا مظلوم پر ظلم کرنے کے ایام سے زیادہ سخت ہوتا ہے) کا راز ظاہر ہوا۔ ؎

اے ستمگار بر اندیش ازاں روز سیاہ
کہ ترا شومئ ظلم افگند از چاہ بچاہ
آنکہ اکنوں بحقارت نگری جانب وے
بشماتت کند آنروز بسوئے تو نگاہ

ترجمہ: اے ظالم اس سیاہ دن کا فکر کر۔ جبکہ تجھے ظلم کی نحوست اندھے کنوئیں میں لے جائے گی جسے تو آج حقارت سے دیکھتا ہے۔ اس دن وہ گالی دیتا ہوا تجھے دیکھے گا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

(۱) خبر یافت گردن کشی در عراق که می گفت مسکینے زیر طاق
(۲) تو ہم بر درے ہستی اُمیدوار پس اُمید بر درنشینان بر آر
(۳) نخواہی کہ باشد دلت دردمند دل دردمندان بر آور زبند
(۴) پریشانئ خاطر دادخواہ براندازد از مملکت پادشاہ
(۵) تحمل کن اے ناتواں از قوی کہ روزے توانا ترازوے شوی
(۶) لب خشک مظلوم را گو بخند کہ دندان ظالم بخواہند کند

ترجمہ: ایک ظالم نے عراق میں کسی مسکین سے سنا طاق کے نیچے کہہ رہا تھا
(۲) تو بھی کسی کے دروازہ کا اُمیدوار ہے اسی لیے در پہ آنے والوں کی اُمیدیں پوری کر۔
(۳) اگر تو چاہتا ہے کہ تیرا دل دردمند نہ ہو تو دردمندوں کے دل قید سے یعنی دُکھ سے باہر لا۔

marfat.ocm

(۴) انصاف چاہنے والے کے دل کی پریشانی بادشاہ کو بادشاہی سے دور پھینکتی ہے۔

(۵) قوی سے اے ضعیف مت گھبرا بلکہ حوصلہ کر کیونکہ ایک دن ایسا ہوگا کہ تو اس سے بھی زیادہ طاقتور ہوگا۔

(۶) مظلوم کے خشک لبوں کو کہو کہ ہنسو کہ انشاء اللہ عنقریب ظالم کے دانت اکھڑ جائیں گے یعنی وہ تباہ و برباد ہوگا۔

لطیفہ: ظلم کا انجام یہ ہے کہ وہ ظالم سے بدلہ بھی لیتا ہے اور اس سے نعمتیں بھی چھین لیتا ہے۔

فائدہ: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ دو دعائیں ہیں جن میں سے ایک کی اُمید قبولیت رکھتا ہوں اور دوسری سے سخت خوف۔

(۱) وہ دُعا جو مظلوم کی اعانت کے بعد نصیب ہو۔
(۲) وہ دُعا جو کمزور پر ظلم کروں اور میرے پیچھے بد دُعا کرے ؎

۱. نخفتہ است مظلوم از آہش بترس
ز دود دل صبح گاہش بترس
۲. نترسی کہ پاک اندرونے شبے
بر آرد ز سوز جگر یار بے

حدیث شریف: نیکیوں میں سے صلہ رحمی کا ثواب جلد تر حاصل ہوتا ہے اور برائیوں میں سے بغاوت کی سزا زود تر پہنچتی ہے۔

فائدہ: صفات نفس کا صفات رُوح پر غلبہ پانا بھی بغاوت میں شامل ہے جس نے نفس کی اعانت کی تو وہ مقہور و مغلوب ہوگا اگرچہ ایک مدت کے بعد سہی اسی طرح جو رُوح کی اعانت کرتا ہے تو وہ اہل تمکین اور دین کے آئمہ میں سے ہو کر رہے گا۔

واوحینا الی ام موسیٰ اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کی طرف وحی بھیجی موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا نام یارخا اور بعض کے نزدیک ایارخت (کذا فی التعریف للسہیلی) اور بعض کے نزدیک ان کا نام یوحانذ۔ (بالنون) و یوحایذ (بالیاء) (کذا فی عین المعانی) یہ بی بی حضرت یعقوب علیہ السلام کے صاحبزادے لاوی کی اولاد سے تھیں۔

لفظ وحی کی تحقیق: دراصل وحی اشارۂ سریعہ کو کہا جاتا ہے اور وہ کلمات جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی نبی علیہ السلام کو القا کئے جائیں وہ وحی ہے (کذا قال الامام الراغب) اس کی

کئی صورتیں ہیں :۔

(۱) اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول کو دیکھ کر اس کا کلام سُن کر پیغامِ الٰہی سُنا جائے جیسے جبرائیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک معین صورت میں حاضر ہوتے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کا کلام براہِ راست سُننا لیکن ذاتِ حق کو دیکھا نہ جا سکے جیسے موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا کلام بلا واسطہ سُنا کرتے تھے۔

(۳) کلامِ الٰہی خیال میں ڈالا جائے جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روح القدس نفث فی روحی کبھی لفظ وحی بمعنی الہام مستعمل ہوتا ہے جیسے واوحینا الی اُم موسیٰ اور کبھی تسخیر کے معنی میں آتا ہے کما قال تعالیٰ : واوحیٰ ربك الی النحل اور وحی کبھی اچھے خواب کے ذریعے بھی حاصل ہوتی ہے جسے الہام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے : انقطع الوحی وبقیت المبشرات رؤیا المؤمن وحی منقطع ہوگئی لیکن مبشرات بمعنی اہل ایمان کے خواب باقی نہیں۔ آیت ہذا میں وحی بمعنی الہام ہے (کذا ذکرہ الراغب) اب معنٰی یہ ہوا کہ ہم نے ام موسیٰ کے دل میں ڈالا اور انہیں بتایا۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں وحی سے اچھا خواب یا ہدایت مُراد ہے۔ نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بی بی صاحبہ کے ہاں کوئی اللہ تعالیٰ کا فرشتہ تشریف لایا ہو جیسے بی بی مریم کے ہاں جبریل علیہ السلام تشریف لائے تھے۔

مسئلہ ؛ وحی نزول ملائکہ غیر نبی کے لیے ہوتا ہے چنانچہ بی بی مریم کے لیے فرشتے کی حاضری پر فرمایا و اذ قالت الملائکۃ یامریم (الایۃ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا عجوبہ

مروی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام والدہ ماجدہ کے بطنِ اطہر میں تشریف لائے تو بی بی صاحبہ سے حمل کے آثار محسوس نہیں ہوئے مثلاً نہ پیٹ پھولا اور نہ ہی رنگ بدلا اور نہ ہی دودھ ظاہر ہوا۔ یہ ایک راز تھا جسے اللہ تعالیٰ نے پوشیدہ رکھا اور وجہ وہی تھی کہ فرعون کو بنی اسرائیل کے بچوں کے مروانے کا خبط تھا اور اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے وہ تباہ و برباد ہو اور اس کے بعد بنی اسرائیل اس کی شاہی و سلطنت پر قابض ہوں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے وقت مذکورہ بالا معجزات کے علاوہ یہ بھی تھا کہ جب وقت آپ پیدا ہوئے آپ کی والدہ ماجدہ کے ساتھ نہ کوئی نگران تھا اور نہ ہی دایہ اور نہ ہی ان عورتوں کو معلوم ہو سکا جو بنی اسرائیل کے بچوں کی پیدائش کی خبر گیری پر مامور تھیں۔ غرضیکہ تمام لوگ اسی راز سے بے خبر تھے سوائے آپ کی اپنی بہن مریم نامی کے۔

marfat.ocm

ان یہ مضروب ہے بمعنی **ای ارضعیه** یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلائیے اور ان کی پرورش کرتی رہئیے اور جتنا ہو سکے ان کا راز پوشیدہ رکھیے۔ کشف الاسرار میں ہے کہ جب تک اس پر مطالبہ فرعون کا خوف نہ ہو **فاذا خفت علیه** جب تم اس پر خوف محسوس کرو مثلاً جب ہمسایگان کے رونے کو محسوس کرو۔ یعنی جب تم سمجھو کہ لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کی ولادت معلوم کر لی اور وہ اس کی خبر فرعون تک پہنچانے کا ارادہ کرتے ہیں۔ **فالقیه فا الیم** تو اسے دریا میں ڈال دینا اس سے دریائے نیل مراد ہے۔

فائدہ: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ جب موسیٰ علیہ السلام کی حفاظت کا خوف کرو اور اس کی تربیت اور پرورش نہ کر سکو تو پھر انھیں ہمارے ہاں سپرد کر دینا ہم خود ہی ان کی حفاظت اور تربیت کریں گے **ولا تخافی** پھر ان کے کے لیے تنگی اور شدت کا خوف نہ کرنا **ولا تحزنی** اور نہ ہی ان کی جدائی سے غم کرنا **انا رادوہ الیك** بیشک ہم انھیں عنقریب لطیف طریقہ سے تمہارے ہاں واپس کر دیں گے اور لطیف طریقہ کا معنیٰ یہ ہے کہ تم ان کی جدائی تک ان کے متعلق مطمئن رہو گے۔ **وجاعلوہ من المرسلین** اور اسے ہم مرسلین سے بنانے والے ہیں یعنی ہم اسے نبوت سے مشرف فرمائیں گے۔ چنانچہ والدہ نے موسیٰ علیہ السلام کو کم و بیش تین ماہ دودھ پلایا اور اس کے بعد فرعون کا اعلان ہوا کہ بنی اسرائیل کے بچوں کو چن چن کر قتل کر ڈالو۔ چنانچہ فرعون کے ملازمین نے بچوں کو تلاش کرنا شروع کیا تو بی بی صاحبہ نے موسیٰ علیہ السلام کو ہو کالے تیل کی روغن کردہ لکڑی کے صندوق میں چھپا کر اسے کو بند کر کے رات کے وقت دریائے نیل میں ڈال دیا۔

فائدہ: کاشفی نے لکھا کہ ایک درکھان حضرت عمران کا واقف کار تھا آپ نے حکم فرمایا کہ پانچ انگل کے برابر کا صندوق بنا دے اور وہ درکھان فرعون کا چچا زاد بھائی تھا اُس نے صندوق تیار کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بچپن کا معجزہ

اس کے بعد اسے خیال گزرا کہ اگر اس بچے کا علم فرعون کو ہوا اور اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ صندوق میں نے بنایا ہے تو مجھے سخت نقصان پہنچے گا اس لیے چاہا کہ موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرعون کو اطلاع دے۔ لیکن اس کی زبان بولنے سے بند ہو گئی یہاں تک کہ گھر واپس لوٹا

پھر ارادہ ہوا کہ فرعون کو مطلع کرے۔ اس سے اس کی آنکھیں اندھی ہو گئیں اس سے سمجھا کہ یہ بچہ وہی ہے جس کے متعلق جادوگروں نے خبر دی ہے اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھے بغیر ایمان لے آیا جس مومن کا ذکر قصہ فرعون و موسیٰ علیہ السلام میں قرآن مجید میں ہوا وہ یہی شخص ہے۔ والدہ موسیٰ علیہ السلام نے صندوق کو کالے تیل کا روغن لگا کر موسیٰ علیہ السلام کو سلا کر صندوق کو مضبوط کر کے دریائے نیل میں ڈال دیا۔

فائدہ: اگرچہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو دریا میں ڈالے بغیر بھی ان کی حفاظت فرما سکتا تھا لیکن شان موسوی کا اظہار مطلوب تھا کہ دشمن کے ذریعے ان کی تربیت اور پرورش کرائی تاکہ معلوم ہو کہ اللہ کی قضاؤ قدر غالب ہے اور فرعون اپنے دعویٰ میں کاذب ہے ؎

جہد فرعون چو بے توفیق بود
ہر چہ اومی دوخت آں تفتیق بود

ترجمہ: فرعون کی جدوجہد بے توفیق تھی جو کچھ وہ تجویز کرتا تھا بیکار تھی۔

عجوبۂ قدرت

فرعون کی اُس وقت صرف ایک لڑکی تھی اور وہی اسے تمام رعایا سے مکرم ترین تھی اور اسے برص کی بیماری تھی جس کے علاج سے تمام اطباء عاجز آ گئے۔ اسے کاہنوں نے کہا تھا کہ فلاں روز دریائے نیل میں ایک بچہ ملے گا اسی کے لعابِ دہن سے تیری بچی کو شفا ہو گی اُسی وقت مقرر پر فرعون اور اُس کی اہلیہ اور جملہ اعیان و دولت دریا کے کنارے پر منتظر تھے کہ اچانک ایک صندوق نمودار ہوا۔ فرعون نے اُس کے پکڑنے کا حکم فرمایا کما قال **فالتقطہ اٰل فرعون** فاء فصیحیہ ہے اس کا عطف جملہ محذوفہ ہے **التقاط** بمعنی کسی شے کو بلا طلب حاصل کرنا یعنی وہ جس کا کوئی محافظ نہ ہو پھر اس کے مالک کے لیے اعلان کرایا جائے اور **لقیط** وہ بچہ جس کا نسب معلوم نہ ہو اور عام راستوں اور بے حفاظت مقاموں میں پڑا مل جائے جسے فقر و فاقہ یا زنا کی وجہ سے عام راستوں پر گرا دیا جائے۔

مسئلہ: ایسے بچے کو اُٹھا لینا واجب ہے تاکہ ضائع نہ ہو جائے خواہ پانی سے ملے یا درندے کے آگے پڑا ہو مزید تفصیل کتب فقہ میں ہے اور آل الرجل انسان کے وہ مخصوص لوگ جن کے ہاں اس کے اُمور پہنچا، وہ رشتہ دار ہوں یا صحبت کے ساتھی یا دینی دوست۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ بی بی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دریائے نیل میں ڈالا تو اسے فرعون والوں نے اُٹھایا یعنی فرعون والوں نے اپنی ضرورت اور اسے ضائع ہونے سے بچانے کے ارادہ پر اُٹھایا **لیکون لھم عدوا وحزنا**۔ یہ لام علۃ و ارادہ کی نہیں بلکہ غایۃ و صیرورۃ کی ہے یعنی اُنھوں نے اس لیے نہیں اُٹھایا تھا کہ وہی موسیٰ علیہ السلام ان کے دشمن یا حزن کا سبب ہوں گے لیکن انجام بکار یہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام ان کے دشمن اور غم و حزن کا سبب ثابت ہوئے۔ اسی معنیٰ پر وہ علت کی جگہ پر واقعہ ہوئی اور چونکہ اُنھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو اُٹھایا تو یہی اُٹھانا علت کے مشابہ ہو گیا کیونکہ دشمنی اور حزن کی غرض اسی سے مرتب ہوئی کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ فرعون کے گھر والوں کی محبت اور بیٹا بنانا

marfat.ocm

بنی اسرائیل کی ایک فرد تھی۔ بعض نے کہا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کی پھوپھی تھی (حکاہ الشبلی) اور اپنے ہم زمان عہد قوں سے بہتر عورت تھی یعنی آسیہ نے فرعون سے اُس وقت کہا جب موسیٰ علیہ السلام کو صندوق سے نکالا گیا۔ قرۃ عین لی ولک یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک بنے گا۔ یہ اس لیے کہا کہ جونہی اُنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو صندوق سے نکالا تو دیکھتے ہی ان دونوں یعنی فرعون اور آسیہ کا ان کے ساتھ پیار ہو گیا۔

فائدہ: کاشفی نے کہا کہ یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک بنے گا اس لیے کہ اسی سے ہماری لڑکی نے شفا پائی ہے۔ لفظ قرۃ کا کئی بار معنی گزرا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جیسے آسیہ نے اپنے لیے قرۃ عین لی کہا اگر وہ فرعون کے لیے بھی کہتی تو جیسے اُسے دولت ایمان نصیب ہوئی ایسے ہی فرعون کو بھی نصیب ہوتی۔

لا تقتلوہ اسے قتل مت کرو جمع کا صیغہ تعظیم کے لیے استعمال کیا تاکہ فرعون بی بی صاحبہ کے ارادہ کی موافقت کرے۔ عسٰی ان ینفعنا شاید کہ وہ ہمیں نفع پہنچائے اس لیے کہ یمن و برکت کی علامات اُن کے چہرے سے ٹپک رہی ہیں۔ وہ اس لیے کہ بی بی نے دیکھا کہ اُن کے لعاب دہن سے اُس کی بچی برص کی لا علاج بیماری سے شفا پا گئی ہے اور اُن کے انگوٹھے سے دودھ بہہ رہا ہے جسے وہ چوس رہے تھے اور اُن کی دونوں آنکھوں کے درمیان نور چمک رہا ہے جسے بی بی کے سوا کسی نے نہ دیکھا۔

انبیاء اور اولیاء کی عظمت

بعض مشائخ نے فرمایا کہ انبیاء اور اولیاء کے چہروں سے ذات و صفات کے انوار چمکتے رہتے ہیں جن سے مومن و کافر نفع پاتے ہیں اس لیے اُن کے ساتھ لذت حالیہ اور نقد ہوتی ہے لیکن اُن کے حقائق سے بے خبر ہوتے ہیں۔

سبق: عاشق انبیاء اور اولیاء پر لازم ہے کہ وہ محبوبانِ خدا کے چہروں کے انوار کو یقین و ایمان سے دیکھے جیسے بی بی آسیہ نے دیکھا انہی حضرات کے لیے وارد ہے کہ من راٰھم ذکر اللہ جو انھیں دیکھتا ہے اسے اللہ تعالیٰ یاد آجاتا ہے۔ او نتخذہ ولدا یا ہم اسے منہ بولا بیٹا بنا لیں کیونکہ وہ اس کا اہل ہے اور ان کی اولاد نرینہ بھی نہیں تھی۔ وھم لا یشعرون یہ آل فرعون سے حال ہے اصل عبارت یوں تھی فالتقطہ آل فرعون لیکون لھم عدوا وحزنا الخ پھر فرعون کی اہلیہ نے کہا جو کچھ کہا وھم لا یشعرون درآنحالیکہ وہ نہیں سمجھتے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام کو لقطہ کے طور لے جا کر اور اُن سے نفع کی اُمید رکھنے اور انھیں منہ بولا بیٹا بنانے میں عظیم خطاء کے مرتکب ہوئے۔

marfat.ocm

فائدہ: وان فرعون الخ جملہ معترضہ ہے جو دو معطوفوں کے درمیان میں اُن کی خطار کی تاکید کے لیے واقع ہوا ہے۔

عجوبہ برائے وہابیہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اگر فرعون بدبخت بھی بی بی آسیہ کی طرح عسی ان ینفعنا کہتا تو اللہ تعالیٰ اسے بھی نفع سے نوازتا لیکن اس بدبخت نے اپنی بدبختی سے ایسا کہنے سے انکار کر دیا۔ معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام سے نفع باذنہ تعالیٰ کا عقیدہ اہل ایمان کا ہے اور اس سے انکار فرعون جیسے بدبختوں کا طریقہ کار ہے۔ "فافہم ولا تکن من الوہابیین"۔

فائدہ ۸: مروی ہے کہ فرعون کے حاشیہ برداروں نے فرعون سے کہا یہی بچہ وہی معلوم ہوتا ہے جس کی تمہیں کاہنوں نے خبر دی ہے تیرے قتل کے خوف سے اسے دریا میں ڈالا گیا ہے یہ سن کر فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا چاہا لیکن بی بی آسیہ نے فرمایا یہ غلط ہے اس لیے کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو بچوں کو بہت زیادہ پیار ہے وہ اپنے بچوں کو چھپا تو سکتی ہیں لیکن دریا میں ڈالنا نہیں جانتیں علاوہ ان کے مامتا کب گوارہ کرتی ہے کہ وہ جیتے جاگتے بچے کو دریا میں ڈال دے اور پھر یہ بچہ بڑا ہے جو تیرے کاہنوں ی خبر دینے سے پہلے کا معلوم ہوتا ہے اگر اس سے تجھے کوئی خطرہ ہے تو مجھے عطا کر دے میں خود اس کی تربیت روں گی یہ اس لیے کہا کہ بچے میں نجات کے دلائل موجود ہیں۔ فرعون بی بی آسیہ کی اپیل پر موسیٰ علیہ السلام قتل کرنے سے باز آگیا۔

فظ موسیٰ کی وجہ تسمیہ

حضرت آسیہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام موسیٰ رکھا وہ اس لیے کہ آپ کا صندوق پانی اور درخت ے درمیان میں پایا گیا اور ان کی لغت میں مو پانی کو کہا جاتا ہے اور شا شجر کو کثرت استعمال ے موشی کے بجائے موسیٰ پڑھا جانے لگا اور الف بصورت یاء لکھنا تخفیفاً ہے)

وفیانہ جامع تقریر

بحر الحقائق میں ہے کہ چونکہ قرآن ہادی اور رشد و ہدایت کا مرکز، تصفیہ قلب اور توجہ الی اللہ و تزکیہ نفس اور نفس اہشات سے روکنا اس کا اصل موضوع ہے فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کا قصہ احوال قلب و نفس کے مناسب ہے

اس لیے کہ موسیٰ (قلب) عصائے (ذکر) سے فرعون (نفس) اور اس کے لشکر کی کثرت کے باوجود غالب ہوا اسی لیے ان کا قصہ قرآن مجید میں بار بار ہوا۔ علاوہ ازیں اس سے تفخیم شان بھی مطلوب ہے اور علم بیان کے قواعد کے مطابق بلاغت کا اظہار بھی اور جہاں تکرار ہوتا ہے وہاں چند زائد مضامین بھی شامل کیے جاتے ہیں۔ تاکہ خالص تکرار کا الزام نہ ہو۔

شان محمدی در شان موسوی

دراصل موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کا تکرار اور ان کا بار بار ذکر ان کی عظمت شان پر دلالت کرتا ہے اور واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ نہایت عظیم المرتبت بزرگ تھے لیکن یہ عظمت اور قدر و منزلت اسی لیے نصیب ہوئی کہ وہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر تھے اگر ان کو ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع نصیب نہ ہوتی تو اتنا عظیم الشان مرتبہ حاصل نہ کرتے چنانچہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے لو کان موسیٰ حیا لما وسعہ الا اتباعی اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انھیں میری اتباع کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔ اور ہمارے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور قدر و منزلت اور شان و شوکت موسیٰ سے پہلے تھی چنانچہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کنت نبیا و ادم بین الماء والطین[1]۔ میں نبی تھا در آنحالیکہ آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کے درمیان میں تھے۔ باوجود ایں ہمہ انکسار اور تواضع کے طور پر فرماتے ہے انما انا بشر مثلکم اور موسیٰ علیہ السلام نے ایک بلند مرتبہ ملنے کے بعد اپنے مقام سے آگے بڑھنے کی کوشش کی کما قال ارنی انظر الیک انہیں جواب ملا: لن ترانی لیکن ہمارے نبی مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے تواضع کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی شان کو اور اونچا کیا اور فرمایا الم تر الی ربک لولاک لما خلقت الافلاک[2]۔ کیا آپ نے اپنے رب تعالیٰ کو نہیں دیکھا اگر آپ نہ ہوتے تو میں افلاک کو پیدا بھی نہ کرتا۔

لطیفہ: عام عادت بھی ہے کہ جب کوئی تواضع و انکسار سے نہایت ہی کم مرتبہ کو اختیار کرے مثلاً جوتے اتارنے کی جگہ پر بیٹھے تو اسے اٹھا کر نہایت بلند و بالا مقام پر بٹھاتے ہیں۔

---

[1] اس حدیث کو بعض ناعاقبت اندیش موضوع کہہ دیتے ہیں اس کی توثیق میں فقیر اویسی غفرلہٗ نے ایک رسالہ لکھا بنام الحبل المتین فی توثیق کنت نبیا و ادم بین الماء والطین۔ (اویسی غفرلہٗ)

[2] اس مقدس روایت سے بھی بعض لوگوں کو انکار ہے اس پر تبصرہ و تنقید فقیر اویسی غفرلہٗ نے تفسیر اویسی میں لکھی ہے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ مکمل تواضع کرے تاکہ اس تواضع سے رب تعالیٰ کے دیدار سے سرشار ہو۔ ؎

فروتن بود ہوش مند گزیں   نہد شاخ بر میوہ سر بر زمین

(ترجمہ) دانا کو عاجزی مرغوب ہے اس لیے میوہ سے بھری ہوئی شاخ ہی کو زمین پر رکھتی ہے۔

تفسیر عالمانہ: **و اصبح موسیٰ فواد اُم موسیٰ۔** اصبح بمعنی صار اور الفؤاد بمعنی القلب ہے لیکن اسے فؤاد اس وقت کہا جائے گا جب اس کے تفؤد یعنی تحرق و توقد مطلوب ہو۔ (کذا فی المفردات) اس سے معلوم ہوا کہ فواد قلب کے لیے ایسے ہے جیسے قلب سینہ کے لیے یعنی فواد قلب کے وسط میں واقع ہے یعنی قلب کا وہ اندرونی حصہ جو عشق الٰہی وغیرہ سے جل کر راکھ ہو جائے بعض مشائخ نے فرمایا کہ سینہ نور الاسلام کا اور قلب نور الایقان کا اور فواد نور البرہان کا اور نفس معدن القہر والامتحان کا اور روح معدن الکشف والعیان کا اور سر لطائف العیان کا معدن ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا دل ہو گیا۔ **فارغاً۔** الفراغ شغل کی نقیض ہے بمعنی خالی از عقل اور خالی از فہم اس لیے کہ اسے خوف اور حیرت چھا گئی جب سُنا کہ موسیٰ علیہ السلام فرعون کے ہاتھ لگ گئے ہیں اور یہ معنیٰ ہم نے اس لیے کیا کہ لفظ ربط جو آگے آ رہا ہے اس پر دلالت کرتا ہے۔ چنانچہ غزوہ بدر میں صحابہ کرام کے لیے ربط قلب بھی اسی معنی پر کہا گیا ہے کما قال۔ **و یربط علیٰ قلوبکم** اسی طرح فتح مکہ کے موقع پر فرمایا **ھو الذی انزل السکینۃ فی قلوب المومنین** الخ یہاں بھی ایسے ہوا کہ صحابہ کرام حیرت کی وجہ سے ان کے قلوب خالی الفہم والعقل ہونے لگے تھے **ان کادت۔ ان** تحقیقیہ ہے یعنی بیشک قصہ یہ ہے کہ ضعف بشریت اور فرط اضطراب سے قریب تھی کہ **لتبدی بہ** موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہہ بیٹھتیں کہ یہ میرا بیٹا ہے اس طرح ان کا راز فاش ہو جاتا ...... اور اعتراف کرتیں کہ انھیں خود ہی صندوق میں چھپا کر دریائے نیل میں ڈالا تھا۔ **لتبدی بہ۔ بدأ الشیٔ بدوًا و بدواً** سے ہے بمعنی ظہر ظہوراً بینا۔ یعنی کسی شے کا کھل کر ظاہر ہونا اور کہا جاتا ہے **ابداہ** بمعنی **اظہرہ اظہاراً بینا** یعنی اس شے کو کھول کر بیان کیا۔ کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ **بہ** کی با زائدہ ہے یعنی دراصل **تبدیہ** تھا اور اس کا مفعول محذوف ہے یعنی دراصل عبارت **تبدی القول بہ** تھا یعنی بات کو موسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے ظاہر کر دیتی۔

فائدہ: عرائس البیان میں ہے کہ بی بی سارہ کو جو انوار حق اسماعیل علیہ السلام کے چہرۂ انور سے نظر آتے وہی انوار آپ کی والدہ ماجدہ کو بھی نظر آنے اسی لیے ان کے قلب میں صبر نہ رہا اور قریب تھا

کہ وہ اس راز کو ظاہر فرماتی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا شوقِ دیدار درحقیقت دیدار الٰہی کا شوق تھا لولا ان ربطنا علیٰ قلبھا اگر ہم ان کے قلب کو مضبوط نہ کرتے یعنی اگر دوبارہ یاد نہ دلاتے کہ فرعون کے ہاتھ میں چلے جانے سے کیوں گھبراتی ہو جبکہ ہم نے وعدہ کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام واپس تیرے ہاں آئیں گے اور پھر وہ بڑے ہو کر رسول اور پیغمبر بنیں گے لتکون من المؤمنین اور ہم مذکورہ لطف و کرم کیا تاکہ وہ بی بی وعدۂ الٰہی پر یقین کرنے والوں سے ہو۔ وعدۂ الٰہی سے۔ انا رادوہ الیک الخ مراد ہے اور مؤمنات کے بجائے مومنین کہنا تغلیباً ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ ایمان بھی عطیۂ الٰہی ہے اس لیے کہ انہیں وحی (الہام) کے ذریعے اوّلاً اور ربط قلب بانتہ کر ثانیاً نوازنا عطیۂ ایزدی نہیں تو اور کیا ہے۔ وقالت اور موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے کہا لاختہ موسیٰ علیہ السلام کی بہن کو لا بستنہانہ کہا تاکہ اسے محسوس ہو کہ اخوۃ کا تقاضا یہی ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے متعلق جان کی بازی لگائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کا نام

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کا نام مریم بن عمران تھا۔ یہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام تھا اور ان کے والد کا نام بھی عمران تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کے شوہر کا نام غالب بنی یوشا تھا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ صحیح تر یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کا نام کلثوم تھا اس کا نام مریم بتانا غلط ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نکاح ہمارے نبی پاک علیہ السلام کیساتھ

حضرت الزبیر بن بکار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لائے جبکہ وہ بیمار تھیں اور آپ نے فرمایا! اے خدیجہ تمہیں معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے بہشت میں میرا نکاح مریم بنت عمران سے اور اُم کلثوم اخت موسیٰ علیہ السلام اور آسیہ زوجہ فرعون سے کر دیا ہے اور تم بھی ان کے ساتھ ہو گی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کیا اس کی خبر آپ کو اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں مجھے اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا بالرفاء و البنین یعنی مبارک باد۔

فائدہ: کلثوم وہی بی بی ہے جس نے اپنے چچازاد قارون کو علم کیمیا سکھایا یہ الفاظ بھی مذکورہ حدیث شریف کے ہیں اور اُس وقت حضرت خدیجہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہشتی انگور بھی کھلایا۔

marfat.ocm

تحقیق الرفاء والبنین

الرفاء والبنین سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مقصد یہی تھا کہ آپ نے دولہن لے لی ورآنحالیکہ آپ التئام واتفاق سے متلبس ہیں یہ زمانۂ جہالت میں ایک دُعا تھی جونہی دولہن کے حصول کے بعد دولہا کو کہی جاتی اس سے موافقت وملائمت مراد ہے یہ دراصل رفأت الثوب سے ہے یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی ایک کپڑے کو دوسرے کپڑے سے ملاتے۔

مسئلہ: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے یہ کلمات زمانۂ جاہلیت کے ورود نہی سے پہلے کہے تھے۔

دکذا فی انسان العیون)

فائدہ: نیز انسان العیون میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں عورتوں کو محفوظ رکھا کہ کوئی بھی ان کے ساتھ جماع نہ کر سکا چنانچہ آسیہ کے لیے مشہور یہی ہے کہ جب آسیہ کو کہا گیا کہ تیرا نکاح فرعون کے ساتھ ہوتا ہے تو اُس نے کراہت کا اظہار کیا اور والد کو صاف جواب دیا لیکن مجبوراً نکاح ہو گیا اور فرعون نے اس نکاح میں بہت زیادہ مال خرچ کیا لیکن جب پہلی شب فرعون کے ہاں بھجوائی گئیں فرعون نے جماع کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے قادر نہ ہونے دیا۔ اسی طرح اس کے ساتھ بارہا ایسے ہُوا بالآخر اس بات پہ راضی ہُوا کہ حضرت آسیہ کو صرف گاہے گاہے دیکھ لیا کرے گا اور حضرت مریم کے لیے بھی منقول ہے کہ ان کا چچازاد یوسف نجار سے نکاح ہوا لیکن وہ بی بی سے مجامعت نہ کر سکا اور بی بی نے یہ نکاح بھی اسی مجبوری سے کیا کہ بی بی صاحبہ نے مصر جانا تھا تو اکیلے جانے کے بجائے یوسف نجار سے نکاح کر کے صاحبزادے کو مصر لے گئیں اور وہاں بارہ سال بسر کر کے واپس شام کے ملک میں گئیں اور وہیں پر ناصرہ میں قیام کیا اور بی بی کلثوم اخت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کوئی ذکر نہیں ہوا۔

فائدہ: اس سے مسئلہ واضح ہو گیا کہ بی بی زلیخا کا نکاح واقعی حضرت یوسف علیہ السلام سے ہُوا یہ علیحدہ بات ہے کہ مخالفین یہاں بھی یہی کہہ کر ٹھکرا دیں کہ ہم رُوح البیان کی روایت کو نہیں مانتے۔[1]

قصیہ یہ قص اثرہ قصا وقصصا کا امر بمعنی تتبعہ ہے یعنی اس کے پیچھے لگ کر اس کی خبر گیری کر۔ چنانچہ والدہ کے کہنے پر کلثوم فرعون کے گھر آئی۔ **فبصرت بہ** تو اپنے بھائی کو دیکھا۔ **عن جنب** دُور سے یہ جنبتہ واجنبتہ سے ہے بمعنی **ذہبت عن ناحیۃ** وجنبہ اسی سے الجنب ہے اور وہ اس سے اس لیے موسوم ہے کہ جنب میں بندہ نماز اور قرآن مجید کے ہاتھ لگانے

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ تفصیل کے لئے دیکھئے فقیر کی تصنیف "نکاح زلیخا"

سے دُور ہوتا ہے اسی سے ہے **الجاد الجنب** بمعنی بعید ہی ہمسایہ اور **الجاد الجنب** اس قریب کو بھی کہا جاتا ہے جو کسی کی کروٹ کے قریب ہو۔ **وهم لا يشعرون** اور وہ اسے نہیں سمجھتے تھے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو دیکھنے اور اُن کے حالات معلوم کرنے آئی ہے یا انہیں معلوم نہیں تھا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کی بہن ہے۔ **وحرمنا عليه المراضع**۔ یہاں تحریم بمعنی منع ہے اس لیے کہ چھوٹے بچوں اور غیر مکلف پر تحریم کا اطلاق نہیں ہوتا اور تحریم بمعنی منع قرآن مجید میں آیا ہے کما قال۔ **وحرم الله عليه الجنه**۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ہم نے دودھ پلانے والی عورتوں کے دودھ سے موسیٰ علیہ السلام کو روک دیا اور فرمادیا کہ آپ نے صرف ماں کا دودھ پینا ہے اس کی صورت یہ ہوئی کہ یعنی ہم نے ان کے دل میں تمام عورتوں کے پستانوں سے کراہت و نفرت پیدا کردی۔ **من قبل** یعنی اس کی بہن کے تفحص حال سے یا انہیں والدہ کے ہاں واپس لوٹانے سے پہلے کذا فی الجلالین یا ماں کے ہاں آنے سے پہلے کذا قال ابو اللیث یا اس سے قضا سابق مراد ہے اس لیے کہ ہم نے تقدیر میں لکھ دیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو ماں کے ہاں واپس لوٹایا جائے گا (کذا فی کشف الاسرار) **المراضع** مرضع کی جمع ہے یعنی وہ عورت جس کا یہ حال ہے کہ وہ دودھ پلائے اگرچہ اس صفت سے موصوف ہونے کے باوجود کسی کو دودھ بھی نہ پلاسکے اور **المرضعه** وہ عورت جو واقعی بچے کو دودھ پلائے اور مرضع میں تار نہیں لائی جاتی جبکہ اس سے صفت ثابتہ مراد ہو۔

حدیث شریف نمبر (۱)

بچّے کو کسی عورت کا دودھ بہتر نہیں جب تک کہ اسے صالحہ کریمۃ الاصل عورت دودھ نہ پلائے اس لیے کہ پاگل عورت کا دودھ سرایت کر جاتا ہے یا کم از کم ایک دن اس کا اثر ضرور ظاہر ہو گا۔

حدیث شریف نمبر (۲)

دودھ طبائع کو بدل دیتا ہے۔

حکایت: حضرت الشیخ ابو محمد الجوینی رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھر میں تشریف لائے اور دیکھا کہ آپ کے صاحبزادے امام ابو المعالی رحمۃ اللہ علیہ کو کوئی اجنبی عورت دودھ پلا رہی ہے تو آپ نے جھٹکا دے کر اپنے صاحبزادے کو اُٹھا کر اوندھا کر دیا اور منہ میں اُنگلی دبائی یہاں تک کہ صاحبزادے کے پیٹ سے دودھ خارج ہُوا اور فرمایا کہ بچے کا مرنا مجھے منظور ہے اس سے کہ اسے کوئی اجنبی عورت دودھ پلائے۔ اس لیے کہ اجنبی عورت کا دودھ بچوں کی طبیعت پر اثر ڈالتا ہے چنانچہ حضرت امام

marfat.ocm

ابوالمعالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب جوان ہوئے تو مناظرہ کے درمیان میں آپ کو کبھی گھبراہٹ ہو جاتی فرماتے یہ اس دودھ کا اثر ہے۔ جو میں نے بچپن میں اجنبی عورت کا پی لیا تھا۔

فائدہ: اسی لیے بزرگوں نے فرمایا کہ انسان میں دودھ کے اثر سے ہی بھلائی اور برائی کا اثر پیدا ہوتا ہے (کذا فی المقاصد الحسنہ) اس پر ہمارے دور کے نئی تہذیب کے دلدادگان کو غور فرمانا چاہیے کہ اپنی اولاد کو ڈبے یا جانوروں کے دودھ پلا کر اپنے بچوں کو کس گندے گڑھے میں ڈال رہے ہیں[ط]

فقالت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے جب دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام کسی عورت کے پستان کو قبول نہیں کرتے اور دیکھا کہ بڑی جدوجہد ہیں کہ کسی طرح وہ کسی دوسری عورت کا دودھ پی لیں تو کہا **ھل ادلکم** کیا میں تمہاری رہبری کروں **علیٰ اھل بیتہ** ایسے گھرانے کی **یکفلونہ**۔ الکفالۃ بمعنی ضمانت و عیالۃ کہا جاتا ہے **کفل بہ کفالۃ فھو کفیل بہ** اس وقت بولتے ہیں کوئی کسی کو عیال داری میں شامل کرلے یعنی وہ گھرانہ موسیٰ علیہ السلام کی تربیت کرے اور تمہارے لیے انھیں دودھ پلائے اور اُن کی تربیت کرے **وھم لہ ناصحون** اُن کے معاملہ میں خلوص کریں گے اور ان کے دودھ پلانے اور ان کی پرورش میں کوتاہی نہیں کریں گے۔

حل لغات

النصح ضد الغش بمعنی فساد کے شوائب سے عمل کو صاف رکھنا۔ المفردات میں ہے کہ قول و فعل میں ایسی جدوجہد کرنا جس میں دوسرے کی بہتری ہو۔

فائدہ: مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی بہن کو فرعون والوں نے کہا کہ کون ان کی پرورش کرے گا اُس نے کہا میری والدہ اُنہوں نے کہا کیا تیری ماں کے پستانوں میں دودھ ہے اُس نے کہا ہاں ہارون علیہ السلام کی وجہ سے ان کا دودھ ہے اس لیے کہ ہارون علیہ السلام اس پہلے سال پیدا ہوئے جس سال میں فرعون بچوں کو قتل نہیں کراتا تھا۔

فائدہ: فتح الرحمٰن میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے کہا کہ وہ ایک ایسی عورت ہے جس کا بچہ قتل کیا جا چکا ہے اور عورتوں کی عادت ہے کہ بچہ مر جائے تو انھیں خواہش ہوتی ہے کہ کوئی بچہ مل جائے جسے وہ دودھ پلائے۔

فائدہ: صاحب روح البیان نے فرمایا کہ میرے نزدیک پہلا قول صواب کے قریب تر ہے ہاں اگر قتل کو

[ط] اضافہ از فقیر اویسی غفرلہٗ

دریائے نیل میں ڈالنے کے معنی میں لیا جائے تو پھر اخت موسیٰ علیہ السلام کا جھوٹ ثابت نہیں ہوتا ورنہ انہیں جھوٹ کی طرف منسوب کرنا پڑتا ہے اور وہ ان کے لیے لائق نہیں ۔

فائدہ: مروی ہے کہ جب ہامان نے سُنا تو کہا کہ اس لڑکی کو گرفتار کرو یہاں تک کہ ان لوگوں کا نام ونشان بتائے اور یہ ظاہر کرے کہ وہ گھرانہ کس کا خیر خواہ ہے اخت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ وہ گھرانہ فرعون کا خیر خواہ ہے۔ ضمیر مبہم سے ہامان کو شک گزرا کہ کہیں وہ گھرانہ فرعون کا دشمن نہ ہو۔ جب اخت موسیٰ علیہ السلام نے وضاحت کی کہ لہٗ کی ضمیر کا مرجع فرعون ہے تو اس کی جان رہائی ہوئی اور واقعی وہ گھرانہ فرعون کا بھی خیر خواہ تھا اور اخت موسیٰ علیہ السلام کا مقصد بھی یہی تھا کہ کسی طرح موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پنجہ سے نکال کر لے جائے۔ ہامان نے کہا لڑکی نے سچ کہا ہے اَب فرعون نے کہا اس بی بی کو لاؤ جو اس بچہ کو دودھ پلائے اخت موسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کو لائیں۔ اُس وقت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے ہاتھ میں تھے اور رو رہے تھے اور فرعون انھیں بہلا رہا تھا یا موسیٰ علیہ السلام اُس وقت آسیہ کے ہاتھ میں تھے اُس نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے سپرد کیا۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے ان کو دیکھا تو فوراً اُن کے پستانوں کو چمٹ گئے۔[1]

؎ بوئے خوش تو ہر کہ زباد صبا شنید
از یار آشنا سخن آشنا شنید

ترجمہ: تیری اچھی خوشبو جس نے بھی بادِ صبا سے سونگھی۔ یار سے سخن یار کے محسوس کیے ۔

فرعون نے یہ حال دیکھ کر پوچھا تو کون ہے کہ بچے نے صرف تیرے دودھ کو قبول کیا ہے بی بی صاحبہ نے کہا کہ میں پاک خوشبو اور پاک دودھ والی ہوں یہی وجہ ہے کہ میرے دُودھ کو ہر چھوٹا قبول کرتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے سپرد کر کے ان کا وظیفہ مقرر کر دیا اور کہا ہفتہ میں صرف دو دفعہ ہمیں بچہ کی زیارت کرا جایا کریں۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اپنے صاحبزادہ کو خوش خوش گھر لے آئی اور فرعون روزانہ بی بی کو ایک دینار وظیفہ بھجواتا تھا اور بی بی صاحبہ بھی مال حربی سمجھ کر لے لیتی تھیں اور یہ مزدوری نہیں تھی بلکہ ہدیہ نذرانہ تھا (کذا فی فتح الرحمٰن)

صاحب رُوح البیان نے فرمایا کہ بی بی صاحبہ کو موسیٰ علیہ السلام کا دودھ پلانا غیر ضروری ہو گیا تھا اس لیے کہ اَب وہ حکماً فرعون کے بیٹے ہو گئے اور حکمی بیٹے کی تربیت باپ کے ذمّہ ہوتی ہے۔ اس معنی پر بی بی صاحبہ کو اُجرت لینا بھی جائز ہو گیا۔

---

[1] یہ بھی ہمارے دلائل میں شامل ہے کہ انبیاء علیہم السلام ازلی عالم ہوتے ہیں کیونکہ:

ع یہ اُمّی لقب ہیں پڑھائے نہیں جاتے ۔ اُویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

سوال

والدۂ موسیٰ علیہ السّلام کو اُجرت لینا کیسے جائز ہوگیا حالانکہ فرعون تو مجبور محض ہوگیا تھا کہ موسیٰ علیہ السّلام کسی عورت کا دودھ نہیں قبول کرتے تھے اس معنیٰ پر تو گویا بی بی نے جبراً مزدوری لی ۔

جواب نمبر(۱)

اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل اُنہوں نے یہ مزدوری کے طور پر وظیفہ نہیں دیا تھا بلکہ بطور ہدیہ وندرانہ دیا تھا اور بی بی صاحبہ نے یہ ہرگز نہیں فرمایا کہ جب تک یہ وظیفہ مقرر نہیں کرو گے میں دودھ نہیں پلاتی ۔

جواب نمبر(۲)

نیز ممکن ہے کہ ان کی شریعت میں دودھ پلانے پر ماں کو مزدوری لینا جائز ہو اور ظاہر ہے کہ ہر شریعت کے فروعی احکام مختلف ہوتے ہیں ۔

فائدہ 8 : کشف الاسرار میں ہے کہ موسیٰ علیہ السّلام والدہ سے اتنی دیر جدا ہوئے جتنی دیر چھوٹا بچہ ماں کے بغیر گزار سکتا ہے اور وہ قول نہایت غیر معتبر ہے جس میں لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السّلام آٹھ شب و روز ماں کے دودھ کے بغیر رہے فرددنٰہ الی امہ پس ہم نے موسیٰ علیہ السّلام کو اُن کی اپنی والدہ کے ہاں واپس لوٹایا کی تقر عینھا تا کہ اپنے صاحبزادے کی واپسی سے آنکھیں ٹھنڈی کریں ولا تحزن اور اس کی جدائی سے غم نہ کھائے ولتعلم ان وعد اللہ تا کہ یقین کرے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام وعدے مثلاً فرمایا تھا کہ تیرا بچہ واپس ہوگا اور اسے بعد کو رسول بنایا جائے گا ۔

حق ۔ حق ہے کہ اس میں شک کو گنجائش ہی نہیں کیونکہ وہ ان کے بعض کا مشاہدہ کر چکی تھیں اور باقی کو ان پر قیاس کرے ۔ ولکن اکثرھم نہ لیکن ان کے اکثر یعنی فرعون والے لا یعلمون نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے ۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السّلام اپنی والدہ ماجدہ کے ہاں دودھ پینے کی مدت تک رہے بعد ازاں آپ کی والدہ نے انھیں فرعون اور آسیہ کے ہاں پہنچادیا اور جوانی تک فرعون اور آسیہ کے ہاں پرورش پائی اور ان دونوں نے موسیٰ علیہ السّلام کی پرورش کی کسر نہ چھوڑی اور انھیں بیٹے کی طرح پالا ۔

انگارے کھالیے : بچپن میں حضرت موسیٰ علیہ السّلام فرعون کے سامنے کھیل رہے تھے آپ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی وہی اُٹھا کر فرعون کے سر پر دے ماری ۔ فرعون غضبناک ہو کر آپ

کے شہید کرنے کی ٹھانی۔ آسیہ نے فرمایا بادشاہ سلامت! ابھی یہ بچہ ہے اور بچوں کو یہ امتیاز کہاں کہ بادشاہوں کے آداب کیا ہوتے ہیں نہ انھیں معلوم ہوتا ہے کہ مارنا کیا ہوتا ہے وہ دوسروں کے متعلق کیا خبر رکھیں انھیں یہ خیر وشر کا پتہ نہیں ہوتا اگر آزمانا ہو تو تھال میں انگارے اور سونا رکھ دیجئے پھر دیکھئے کہ یہ کسے اٹھاتا ہے چنانچہ فرعون نے تھال انگاروں اور سونے کا ملا کر موسیٰ علیہ السلام کے سامنے رکھ دیا۔ موسیٰ علیہ السلام سونے کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا۔ تو فرشتے نے آپ کا ہاتھ انگاروں میں لگا دیا۔ آپ نے انگارے اٹھا کر منہ میں ڈال لیے جب جلن منہ کو لگی تو آسیہ نے فرعون سے کہا میں نے نہیں کہا تھا کہ بچے بے سمجھ ہوتے ہیں۔ فرعون یہ حال دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام کو شہید کرنے سے باز آیا۔

فائدہ: وہ جو موسیٰ علیہ السلام کا لکنت کا امر مشہور ہے وہ انھی انگاروں کی تاثیر سے تھا اس کے بعد اس کا اثر زائل ہو گیا۔ جب آپ نے دعا مانگی **واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی** سورہ طٰہٰ میں اس کی تفصیل گزری ہے۔

حضرت شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

ہمچو موسیٰ ایں زماں در آتش ماندہ ایم
طفل فرعونیم ما کام و دہاں پر اخگر است

ترجمہ: ہم اپنے زمانہ میں موسیٰ علیہ السلام کی طرح ہیں ہمارا حال انھی کی طرح ہے کہ ہمارا منہ انگاروں سے پُر ہے۔

فائدہ: اس میں شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ہم زمانہ لوگوں کی شکایت کی ہے اور ہر زمانہ میں ہر وہ ولی جو موسیٰ علیہ السلام پر طبع پر ہو تو اس کا امتحان لیا جاتا ہے اس لیے اس کا ہم زمانہ فرعون اس کے پیچھے لگا دیا جاتا ہے تاکہ اس کی آزمائش ہو سکے۔ لیکن یاد رہے کہ یہ راحت کے لیے محنت و مشقت مقدمۃ الجیش کی حیثیت رکھتی ہے۔

حضرت صائب نے فرمایا ؎

لہ یہ ہوتی ہے انبیاء علیہم السلام کی دعا اور اس کی استجابت لیکن وہابیہ نے وہی دیکھا اور سنا سنایا جن میں سے عوام کو شکوک و شبہات پیدا ہوں کہ انبیاء علیہم السلام کی دعائیں رد ہو جاتی ہیں۔ (معاذ اللہ)

لہ یہ بھی ہمارے استدلال میں شامل ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام ازلی عالم ہوتے ہیں۔

6 یہ اُمّی لقب ہیں کہ پڑھائے نہیں جاتے۔ اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ
اور جب اپنی جوانی کو پہنچا اور پورے زور پر آیا ہم نے اسے
عِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۴ وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى
حکم اور علم عطا فرمایا اور ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو اور اس شہر میں داخل ہوا جس وقت
حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۗ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ
شہر والے دوپہر کے خواب میں بے خبر تھے تو اس میں دو مرد لڑتے پائے ایک موسیٰ کے گروہ سے تھا
وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِىْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِىْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ
اور دوسرا اس کے دشمنوں سے تو وہ جو اس کے گروہ سے تھا اس نے موسیٰ سے مدد مانگی اس پر جو اس کے دشمنوں سے
فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۖ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ
تھا تو موسیٰ نے اس کے گھونسا مارا تو اس کا کام تمام کردیا کہا یہ کام شیطان کی طرف سے ہوا بے شک وہ دشمن ہے کھلا
مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ۝۱۵ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِىْ فَاغْفِرْ لِىْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ
گمراہ کرنے والا عرض کی اے میرے رب میں نے اپنی جان پر زیادتی کی تو مجھے بخش دے تو رب نے اسے بخش دیا بے شک
الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۱۶ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَنْعَمْتَ عَلَىَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ۝۱۷
وہی بخشنے والا مہربان ہے عرض کی اے میرے رب جیسا تو نے مجھ پر احسان کیا تو اب ہرگز میں مجرموں کا مددگار نہ ہوں گا
فَاَصْبَحَ فِى الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِى اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ
تو صبح کی اس شہر میں ڈرتے ہوئے اس انتظار میں کہ کیا ہوتا ہے جبھی دیکھا کہ وہ جس نے کل ان سے مدد چاہی تھی
يَسْتَصْرِخُهٗ ؕ قَالَ لَهٗ مُوْسٰۤى اِنَّكَ لَغَوِىٌّ مُّبِيْنٌ ۝۱۸ فَلَمَّاۤ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ
فریاد کررہا ہے موسیٰ نے اس سے فرمایا بے شک تو کھلا گمراہ ہے تو جب موسیٰ نے چاہا کہ اس پر گرفت
بِالَّذِىْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوْسٰۤى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِىْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا
کرے جو ان دونوں کا دشمن ہے وہ بولا اے موسیٰ کیا تم مجھے ویسا ہی قتل کرنا چاہتے ہو جیسا تم نے کل ایک شخص کو قتل
بِالْاَمْسِ ۖ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِى الْاَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ
کردیا تم تو یہی چاہتے ہو کہ زمین میں سخت گیر بنو اور اصلاح کرنا نہیں چاہتے

مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾ وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى قَالَ يٰمُوْسٰٓى
اور شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا آیا کہا اے موسیٰ بے شک
اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّىْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۰﴾ فَخَرَجَ
دربار والے آپ کے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں تو نکل جائیے میں آپ کا خیرخواہ ہوں تو اس شہر
مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِىْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۱﴾ ع ۲
سے نکلا ڈرتا ہوا اس انتظار میں کہ اب کیا ہوتا ہے عرض کی اے میرے رب مجھے ستمگاروں سے بچا لے

(بقیہ سابق:)

ہر محنتی مقدمۂ راحتے بود
شد ہم زبان چوں زبان کلیم سوخت

ترجمہ: ہر محنت و مشقت و راحت کا مقدمہ ہوتی ہے جب موسیٰ علیہ السلام کی زبان جل گئی تب حق تعالیٰ سے ہمکلام ہوئے۔

سبق: ہر دکھ اور درد پر صبر ضروری ہے اس لیے کھٹا میوہ ہی میٹھا میوہ بنتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ماں کو گم پایا تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اس کی برکت سے ماں کو پا لیا ایسے ہی سالک کا حال ہے کہ اس کا دل اس سے گم ہو جاتا ہے اسے چاہیئے کہ وہ اسے تلاش کرے اور اس کے پیچھے لگے رہے۔ ایک دن اسے پائیگا اس لیے کہ وہ باقی فانی نہیں وہی زمین پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے جو اسے پہچانتا اور اس کے فراق میں صبر و سکون کرتا ہے تو اسے اپنے ذلیل نفس کو اس پر قربان آسان ہو جاتا ہے۔ پھر منزل مقصود تک پہنچاتا ہی پہنچاتا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے قبول فیض کی استعداد کی دعا کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ: ولما بلغ اور جب موسیٰ علیہ السلام پہنچے **اشدہ** اپنی قوت کو یہ اٹھارہ سال سے تیس سال تک کو کہا جاتا ہے۔ صیغہ واحد ہے بروزن جمع جیسا کہ سورۂ یوسف میں گزرا۔

marfat.ocm

واستوی الاستواء یعنی شئ کا فی ذاتہ معتدل ہونا یعنی جب ان کی عقل معتدل اور مکمل ہوئی یعنی چالیس سال کے ہوئے چنانچہ فرمایا و بلغ اربعین سنۃ یہ جملہ حتی بلغ اشدہ کے بعد ہے۔

سوال، یوسف علیہ السلام کے قصہ میں صرف ولما بلغ اشدہ ہے وہاں پر واستوی کی قید نہیں۔

جواب: چونکہ یوسف علیہ السلام کو بچپن میں جبکہ کنوئیں میں تھے وحی بھیجی گئی تھی اور موسیٰ علیہ السلام کے ہاں چالیس سال کے بعد وحی آئی کما قال و آتیناہ حکما اور ہم نے انھیں حکم یعنی نبوت عطا فرمائی و علما اور علم یعنی دین۔ کاشفی نے کہا کہ یہاں پر نبوت کا ذکر فرمایا حالانکہ آپ کو نبوت ہجرت کے بعد حاصل ہوئی یعنی جب مدین سے مصر کی طرف لوٹے۔ وہ اس لیے کہ ان کے ساتھ وعدہ کے صدق کا اظہار ہو یعنی ان کی والدہ کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تیرے صاحبزادے کو تیرے ہاں لوٹا دیں گے اور پھر انھیں نبوت سے سرفراز فرمائیں گے۔

مسئلہ: جمہور کا مذہب ہے کہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح بعض انبیاء علیہم السلام کو چالیس سال کے بعد نبوت کے اظہار کا حکم ہوا تھا۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ ہر نبی علیہ السلام کو چالیس سال کے بعد نبوت ملتی ہے۔

فائدہ: بعض علماء نے فرمایا کہ ہر نبی علیہ السلام کے لیے چالیس سال کی قید صحیح نہیں اس لیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت چالیس سال سے پہلے ملی اس لیے کہ آپ کو پینتیس سال کی عمر میں آسمان پر اٹھایا گیا۔ اسی طرح یوسف علیہ السلام کو اٹھارہ سال کی عمر میں نبوت سے نوازا گیا۔ ایسے ہی یحییٰ علیہ السلام کو جب نبوت عطا ہوئی تو اس وقت آپ نابالغ تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ صرف دو یا تین سال کے تھے اور انھیں عیسیٰ علیہ السلام سے ڈیڑھ سال پہلے شہید کر دیا گیا۔

احوالِ اولیاء: یہی حال بعض دفعہ اولیاء کرام کا ہے مثلاً حضرت سہیل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ کو بچپن میں ہی مکاشفات و مشاہدات ہونے لگے یعنی ابھی نابالغ ہی تھے کہ تاج ولایت سے نوازے گئے۔

فائدہ: آیت میں تنبیہ ہے کہ عطیۂ الٰہی جسے نصیب ہوتا ہے تو وقت کو نہیں دیکھا جاتا۔ کسی کو دیر سے کسی کو جلد تر۔ طالب حق کو احسانِ الٰہی کا انتظار کرنا چاہیئے اُس سے نااُمیدی غلط ہے کیونکہ اس کریم کا قانون ہے کہ کسی کی نیکی ضائع نہیں کرتا۔ کما قال۔ وکذلک نجزی المحسنین اور اسی طرح ہم نیکی والوں کی نیکی پر جزا دیتے ہیں جیسے ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور اُن کی والدہ ماجدہ کو نیکی کی جزا دی۔

فائدہ: اس میں تنبیہ ہے کہ یہ دونوں اپنے اعمال میں مخلص اور اپنی جوانی میں خدا ترس اور متقی تھے جو بھی اپنے آپ کو اہل احسان کے زمرہ میں داخل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اجر و ثواب سے

نوازتا ہے۔

حکایت: ایک عورت رات کو کھانا کھانے بیٹھی تو سائل نے دروازہ کھٹکھٹایا اور طعام مانگا۔ اسی نیک عورت نے اپنا کھانا اُٹھا کر سائل کو دے دیا۔ ایک دن اُس کے بچے کو بھیڑیا اُٹھا کر لے گیا اُس نے بارگاہِ الٰہی میں التجا کی تو منظور ہو گئی کہ بھیڑیئے کو کسی نے وار کر کے اس کی گردن اُڑا دی اور آسانی سے اس کے بچے کو بھیڑیئے کے منہ سے نکال لیا اور نیک عورت کے ہاں پہنچا دیا عورت نے کہا کہ یہ اسی طعام کا بدلہ ہے جو میں نے اپنے منہ سے نکال کر سائل کو دے دیا۔

احسان کی اقسام

احسان کی چند اقسام ہیں:

(۱) مرتبہ طبعیہ شریعت کے ساتھ اور مرتبہ نفس طریقت اور اصلاح نفس کے ساتھ اور یہ حظ نفس کو ترک کرنے سے حاصل ہوتا ہے اس لیے کہ نفس کے حظوظ بہت بڑا حجاب ہیں اور مرتبہ روح معرفۃ کے ساتھ اور مرتبہ سر حقیقۃ کے ساتھ حاصل ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: بندے کے احسان کا معنیٰ یہ ہے کہ بندہ بالکل فانی فی اللہ ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے احسان کا معنیٰ یہ ہے کہ بندے کو باقی باللہ بنا دے لیکن یہ مرتبہ فنا کے بعد نصیب ہوتا ہے اور فنائیت بھی توفیق ایزدی و تائید ربانی سے حاصل ہوتی ہے یعنی جب تک اللہ تعالیٰ ہدایت نہ بخشے اور انوارِ توحید سے قلب منور نہ ہو ایسا مرتبہ حاصل ہونا مشکل ہے اس لیے کہ توحید سعادت کی چابی ہے۔

سبق: طالب حق پر لازم ہے کہ مقام نفس میں خوف و رجاء کے درمیان رہے تاکہ وعدہ وعید سے نفس کا تزکیہ ہو سکے اور اسے چاہیئے کہ مقام قلب میں نورِ توحید کے ساتھ باطن کو منور اور صاف رکھے تاکہ تجلیات صفات کے لیے تیار ہو سکے اور مقام رواح میں ہدایت طلب کرے تاکہ تجلی ذات کا مشاہدہ کر سکے یاس و ناامیدی میں نہ رہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے پُرامید رہے اس لیے کہ ایک دن ضرور کامیابی ہو گی۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اللہ تعالیٰ کے وعدے کے بعد پُرامید رہی اور اسے اس کے فضل و کرم پر بڑا بھروسہ تھا اسی لیے اپنے صاحبزادے کو بھی پالیا اور نبوت کو گود میں پالنے سے بھی شرفیاب ہوئی یعنی موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر کی پرورش کے لیے منتخب ہوئیں۔

مسئلہ: نعمتِ الٰہی کے حصول کے بعد شکر بجا لانا ضروری ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی زیادہ سے زیادہ حمد و ثنا کرے اور اپنے پیر و مرشد کا بھی شکر ادا کرے کہ جس نے اسے اس طرح کی تربیت

marfat.ocm

کی کہ جس سے وہ اس کا اہل ہوا کہ وہ فانی فی اللہ اور باقی باللہ جیسے مرتبہ کو حاصل کریا اور یہ قاعدہ ہے کہ جیسی نعمت ہوتی ہے ویسے ہی ادائیگی شکر بلکہ اس کے عطیات کے مقابلہ میں ہمارا شکر اور حمد و ثنا تو کچھ بھی نہیں۔

(۱) یکے گوش کودک بمالید سخت
کہ اے بوالعجب رائے گشتہ بخت
(۲) ترا تیشہ دادم کہ ہیزم شکن
نگفتم کہ دیوار مسجد بکن
(۳) زباں آمد از بہر شکر و سپاس
بغیبت نگرداندش حق شناس
(۴) گزرگاہ قرآن و پندست گوش
بہ بہتان و باطل شنیدن مکوش
(۵) دو چشم از پئے صنع باری نکوست
زعیب برادر فرو گیر و دوست
(۶) برو شکر کن چوں بنعمت دری
کہ محرومی آید ز مستکبری
(۷) گر از حق نہ توفیق خیرے رسد
کہ از بندہ خیرے بغیرے رسد
(۸) ببخش اے پسر کادمی زادہ صید
باحسان تواں کرد و وحشی بقید
(۹) مکن بد کہ بدبینی از یار نیک
نیاید ز تخم بدی بار نیک

ترجمہ

(۱) کسی نے بچے کے کان کھینچ کر کہا کہ اے کمبخت (۲) میں نے تجھے تیشہ دیا کہ لکڑیاں کاٹ نہ یہ کہا کہ مسجد کی دیوار کھود (۳) زبان شکر وسپاس کے لئے ہے اے حق شناس اسے غیبت میں ملوث نہ کر (۴) کان قرآن ونصیحت کی گزرگاہ ہے اسے بہتان اور باطل کے سُننے میں نہ لگا (۵) دو آنکھیں اللہ کی صنعت دیکھنے کے لئے ہیں اے بھائی دوست کی عیب جوئی سے انہیں بند کر (۶) جب نعمت حاصل ہو تو اس کا شکر کر تکبر سے محرومی آتی ہے۔ (۷) اگر اللہ توفیق خیر نہ پہنچے تو کون ہے جو دوسروں پر بھلائی کر سکے (۸) اے عزیز عطا کرنے کی عادت بنا اس لئے آدمی زادہ شکار کی طرح احسان سے مقید ہو سکتا ہے (۹) یار نیک سے کچھ تکلیف پہنچے تو اسے برائی نہ پہنچا اس لئے بُرے بیج سے اچھا پھل نہیں آتا۔

فائدہ: خیر وبھلائی کا ثمرہ خیر وبھلائی کے شجر کے مطابق نصیب ہوتا ہے جیسے حنظل کے بیج سے حنظل ہی پیدا ہوگا ایسے نہیں کہ حنظل سے گندم پیدا ہو جسے بہترین کھجور چاہیئے اسے اچھی کھجور کا بیج بونا چاہیئے۔

حکایت: ایک عورت مہمان نواز تھی اور تھی مفلس غریب صرف بکری اور اُس کے بچوں کی وجہ سے اس کی معاش پوری ہوتی تھی۔ ایک دن اُس کے ہاں ایک مہمان حاضر ہُوا اُس وقت اُس کے پاس کھانے کی کوئی شے نہیں تھی اُس نے مہمان کی خاطر بکری ذبح کر ڈالی اس کے بعد اسے اللہ تعالیٰ نے ایک اور ایسی بابرکت بکری عطا فرمائی جس کے پستانوں سے دودھ اور شہد اُترتا تھا اُس عورت کی یہ کرامت عوام میں مشہور ہو گئی۔ چند لوگوں نے اس کا مشاہدہ کرنے سے اس بی بی سے وجہ پوچھی تو اُس نے کہا کہ میں نے مہمان کی خاطر بکری ذبح کی اللہ تعالیٰ نے اس کی جزا میں ایسی ہی بکری عطا فرمائی ہے۔

فائدہ: چونکہ اس بی بی کا دل صاف تھا اور صرف رضائے الٰہی کی طالبہ تھی اللہ تعالیٰ نے بھی اسے احسن جزا عطا فرمائی یعنی بکری کے پستانوں میں بہترین دودھ اور شہد پیدا فرما دیا اور قاعدہ ہے کہ احسان کا بدلہ احسان ہوتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کا فرمانا تو اس کا ایک خاص عطیہ ہوتا ہے جسے اہل اللہ ہی جانتے ہیں۔

فائدہ: بخل وامساک یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ نہ دینا محرومی کے سوا اور کچھ نہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو طلب وارادے سے اپنے اُوپر احسان کرتے ہیں بلکہ سعادت کے حصول اور وصالِ الٰہی کے اشتیاق اور اس کی سیر میں سر کی بازی لگاتے ہیں۔

ودخل المدینۃ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے شاہی محل سے باہر تشریف لا کر شہر میں داخل ہوئے اور فرعون کا شاہی محل شہر کے ایک کونے پر تھا چنانچہ اس کی تفصیل وجاء رجل من اقصی المدینۃ میں آئے گی۔ بعض علماء نے فرمایا کہ یہ شہر خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمزبان فرعون نے تعمیر کر دیا تھا جس میں وہ خود رہتا تھا۔ اس کے اندر نہریں جاری ہوتی تھیں اور اس کا تخت شاہی اس میں

marfat.ocm

تھا۔ دریائے نیل سے بارہ میل غربی جانب تھا یعنی وہ پرانے شہر میں واقع تھا۔ طوفان نوح علیہ السلام کے بعد ملک مصر میں یہی پہلا شہر تعمیر ہوا۔

علی حین غفلۃ من اھلھا درآنحالیکہ وہ موسیٰ علیہ السلام شہر میں ایسے وقت میں داخل ہوئے جسے بے ہنگام داخلہ کہا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آپ دوپہر کے وقت داخل ہوئے یہ وقت قیلولہ کا تھا جس میں عام راستے خالی پڑے تھے۔ **فوجد فیھا رجلین یقتتلان** یہ رجلین کی صفت ہے اور اقتتال بمعنی ایک دوسرے کے ساتھ لڑنا یعنے پایا موسیٰ علیہ السلام نے دو مردوں کو آپس میں لڑتا جھگڑتا ہوا۔ **ھذا**۔ ان کا ایک **من شیعتہ** آپ کی جماعت کا فرد تھا۔ یہ **شایعہ** سے ہے بمعنی **تابعہ علیٰ دینہ** یعنی فلاں فلاں کے دین کے تابع ہے اور موسیٰ علیہ السلام کے تابع بنو اسرائیل تھے یعنی وہ بنی اسرائیل کا ایک فرد تھا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ وہ سامری تھا۔ (کذا فی فتح الرحمٰن) یہ اشارہ بطور حکایت ہے ورنہ جس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ واقعہ بیان فرمایا نہ اُس وقت موسیٰ علیہ السلام موجود تھے اور نہ ہی وہ دونوں لڑنے جھگڑنے والے۔

وھذا من عدوہ اور وہ دوسرا آپ کے دشمنوں میں سے تھا۔ العدو واحد اور جمع ہر دونوں کے لیے مستعمل ہوتا ہے اور یہاں پر آپ کا دینی دشمن مراد ہے یعنی قبطی قوم کا ایک فرد اس کا نام فاتون تھا۔ (کذا فی کشف الاسرار) اور یہ فرعون کا خباز (روٹی پکانے والا) تھا اور وہ اُس وقت بنی اسرائیل کو مجبور کر رہا تھا کہ لکڑیاں اُٹھا کر فرعون کے باورچی خانہ میں پہنچا دے۔

فاستغاثہ الذی من شیعتہ علی الذی من عدوہ تو اس نے موسیٰ علیہ السلام کو فریاد کی کہ وہ اُس کی مدد فرمائیں۔ اسی وجہ سے یہ مِنْ سے متعدی ہوا ہے اور **استغثتُ** بمعنی **طلبتُ الغوث ای النصرۃ** یعنی میں نے مدد چاہی اور موسیٰ علیہ السلام کے سبطی نے قبطی کے ظلم و تشدد پر مدد چاہی اور موسیٰ علیہ السلام بہت بڑی قوت اور طاقت کے مالک تھے۔ آپ نے قبطی کو فرمایا کہ اسے چھوڑ دے لیکن اُس نے موسیٰ علیہ السلام کا حکم مسترد کر دیا۔ **فوکزہ موسیٰ**۔ **الوکز** ہمچون **الوعد بمعنی الدفع والطعن والضرب بجمع الکف** یعنی بالضم و بالکسر انگلیوں کو ہتھیلی سے ملا کر مارنا یعنی موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کو مکا مارا۔ **فقضی علیہ** تو وہ مر گیا۔ اس پر آپ کو ندامت ہوئی لیکن کیا ہو سکتا تھا آپ نے اسے ریت میں دفن کر دیا **قضی** شے کے اتمام اور اسی سے خارج ہونے کو کہا جاتا ہے۔

المفردات میں ہے کہ القضاء بمعنی موت بھی آتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے **قضی نحبہ**۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی مر جائے وہ اسی لیے کہ اس نے وہ امر جو اس کے ساتھ دنیا میں مخصوص تھا اسے اس نے

پورا کیا ۔ **القضاء** دراصل ۔ فصل الامر کہا جاتا ہے ۔ **قال** موسیٰ علیہ السلام نے کہا **ھذا** ۔ یہ قتل **من عمل الشیطان** یہ اس شخص کا عمل ہے جسے شیطان نے بہکایا ہو ۔ اس کا معنیٰ یہ نہیں کہ ہمارے جیسوں کا عمل شیطان کا عمل ہے (معاذ اللہ)

فائدہ : اس عمل کو شیطان کی طرف اس لیے منسوب کیا گیا ہے کہ بُرے اعمال وہی کراتا اور دل میں وسوسہ ڈالتا ہے کیونکہ اُس وقت موسیٰ علیہ السلام کفارہ کے قتل کے مامور نہیں تھے یا اس لیے کہ اس سے قبل فرعون کی قوم میں موسیٰ علیہ السلام کو ظاہری امن حاصل تھا اور نہ ہی آپ کو ان سے کوئی خطرہ تھا ۔

ازالہ وہم : اس سے موسیٰ علیہ السلام کی عصمت پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا اس لیے کہ یہ فعل موسیٰ علیہ السلام سے بلا ارادہ صادر ہوا ۔ باقی رہا آپ نے اسے عمل شیطان کہنا اور اپنے آپ کو ظالم گردانا پھر اس سے استغفار کرنا یہ مقربین کی عادات سے ہے کہ اُن سے معمولی سی بات ظاہر ہو تو بھی اسے بہت بڑا امر تصور کرتے ہیں ۔ اگرچہ وہ عام لوگوں کے لیے نہایت سے نہایت صغیرہ گناہ ہو علاوہ ازیں یہ قتل خطأً تھا اور وہ بھی قبل از اظہار نبوت **انہ** بے شک شیطان **عدو** ابن آدم کا دشمن ہے ۔ **مضل مبین** ۔ گمراہ کرنے والا ظاہری دشمنی والا ہے ۔ **قال** ۔ دو کلاموں کے درمیان **قال** لانے میں اشارہ ہے کہ یہ دو کلاموں میں آپس میں مخالف نہیں یعنی دوسرا کلام دعاء و مناجات ہے ۔ اور پہلا کلام ایسا نہیں ۔ **رب** ۔ اے میرے پروردگار ۔ **انی ظلمت نفسی** بغیر امر الٰہی کے قبطی کو قتل کر کے بیشک میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے ۔ **فاغفرلی** پس مجھے بخش دے ۔ **فغفرلہ** تو اس کے رب نے اس کی استغفار سے اسے بخش دیا ۔ **انی ھو الغفور الرحیم** ۔ بیشک میں وہی غفور رحیم ہوں ۔ یعنی اپنے بندوں کے گناہوں کو بخشنے والا اور ان پر بہت بڑی رحمت کرنے والا ۔ **قال رب بما انعمت علیّ** یا یہ قسم ہے اور اس کا جواب محذوف ہے ۔ اے پروردگار میں تجھے تیرے اس انعام کی قسم دیتا ہوں جو تو نے میرے اُوپر کی اور میرے ذنوب کی مغفرت فرمائی ۔ میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں **فلن اکون** پس میں اس کے بعد ہمیشہ ہمیشہ ہرگز ہرگز نہیں ہوں گا ۔ **ظھیرا للمجرمین** مجرموں کا معین و مددگار ۔ یہ **ظاہرتہ** بمعنی قوّیت ظھرہ بکونی معہ ۔ میں نے اس کی پشت پناہی کی جبکہ میں نے اسے اپنی حامی بھری یا یہ استعطاف ہے ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ تجھے اس احسان کی قسم جو تو نے میرے اُوپر فرمایا مجھے بچائیے تاکہ میں اس کی مدد نہ کروں کہ جس اعانت سے وہ شخص جرم کا ارتکاب کرے ۔

ولی اللہ کا احترام : حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اللہ کی نعمتوں کا عارف وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ ولی کامل کی مخالفت پر توفیق نہیں دیتا اور منعم کا عارف وہ ہے جو کسی وقت

marfat.ocm

بھی اس کے احکام کی مخالفت نہیں کرتا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا جو نعمت کے حصول پر شکر الٰہی نہیں بجا لاتا وہ کسی وقت مجرم کے جرم پر اعانت میں مبتلا ہوتا ہے اس کا بیان آئے گا۔

فائدہ: صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہاں پر مجرم سے وہ شخص مراد ہے جو کسی مذموم فعل کا ارتکاب کرتا ہے۔ ضروری نہیں کہ وہ بنی اسرائیل کا فرد ہو جیسا کہ لفظ **من شیعتہ** سے معلوم ہوتا ہے۔

ھو عدو لھما اس لیے فرمایا کہ بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام سے پہلے یعقوب علیہ السلام کے دین پر تھے اسی لیے فرعون نے انھیں عبودیت و دیگر اُمور شاقہ میں مبتلا کر رکھا تھا۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا **ظھیرا للمجرمین** کا کافرین معنیٰ بتانا اس لیے کہ مومن کو فاسق کو تغلیظاً و تشدیداً ایسے ہی کہہ دیا جاتا ہے۔

فائدہ، موسیٰ علیہ السلام کی دُعا **رب بما انعمت علی الخ** سے معلوم ہوا کہ جب لوگوں میں اختلاف پیدا ہوتا ہے اور وہ دین میں مختلف فرقے ہو جائیں یا شاہی میں جھگڑے اُٹھ جائیں تو ایسی دُعا کرنا مستحب ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضرت علی و حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے اختلاف کے وقت بھی اس طرح دُعا کرتے تھے۔ (کذا فی کشف الاسرار)

تفسیر صوفیانہ، آیت میں اشارہ ہے کہ مجرم وہ نہیں جو کفار (صفات نفس) کے ساتھ جہاد کرتے ہیں اور اُن کی ہوا و ہوس میں مٹاتے ہیں لیکن شریعت کی مخالفت میں اور اتباعِ ممدوحہ سے دُور ہو کر جیسے فلاسفہ و براہمہ اور راہبین وغیرہ ایسے لوگوں کا ایسا جہاد بھی عمل شیطان میں داخل ہے۔

تفسیر عالمانہ: **فاصبح** موسیٰ علیہ السلام صبح کے وقت داخل ہوئے **فی المدینۃ** شہر میں اس میں اشارہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا شہر میں داخل ہونا اور قبطی کو مارنا دو عشاؤں کے درمیان واقع ہوا۔ جب لوگ اپنے کھانے پینے وغیرہ میں مشغول تھے۔ ایسے ہی بعض علماء نے فرمایا یترقب قبطی کے بدلہ کا انتظار کرتے تھے اور سوچتے تھے کہ ان کے حق میں قبطی کے قتل پر کیا کہا جا رہا ہے اور اس کے قاتل کے بارے میں تفتیش ہوتی ہے یا نہ۔

الترقب بمعنی اس امر کا انتظار کرنا جو طبیعت کو ناپسند ہو۔ المفردات میں ہے کہ ترقب بمعنی احترز راقبا ای حافظ۔ یہ یا مراعاۃ رقبۃ المحفوظ سے ہے **یا رفعۃ رقبۃ** سے **فاذا۔ اذا** مفاجاتیہ ہے بمعنی اچانک **الذی استنصرہ بالامس** پس اچانک وہی اسرائیلی جس نے کل قبطی مقتول کے جھگڑے پر موسیٰ علیہ السلام سے مدد چاہی آج بھی اُسی نے مدد چاہی۔

یستصرخہ۔ الاستصراخ بمعنی فریاد کو پہنچنا اور فریاد چاہنا۔ یعنی وہ موسیٰ علیہ السلام سے دھاڑیں مار کر مدد چاہتا تھا **الصراخ** سے ہے بمعنی دھاڑ مارنا۔ (کذا فی القاموس) یعنی وہ شخص ایک دوسرے

قبطی کے لیے دھاڑیں مار کر موسیٰ علیہ السلام سے مدد چاہتا تھا۔ **قال لہ موسیٰ** اسی فریاد چاہنے والے
(جو فرعونی کے جھگڑے پر فریاد چاہتا تھا) کو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا **انک لغوی** بیشک تو گمراہ مرد ہے غوی
بروزن فعیل بمعنی غادی) **مبین۔ بین الغوایۃ والضلالۃ** یعنی کھلی گمراہی اور ضلالۃ والا اس
لیے کہ کل بھی تو ہی قبطی کے قتل کا سبب بنا تھا اور آج بھی تو دوسرے کے خلاف مدد چاہتا ہے یعنی کل بھی میں
نے تیری وجہ سے قبطی کو قتل کر دیا تھا آج تو یہی چاہتا ہے کہ میں دوسرے کو قتل کر دوں۔ **فلما ان اراد**
جب موسیٰ علیہ السلام نے چاہا **ان یبطش۔** البطش بمعنی شے کو مضبوط پکڑنا **بالذی ھو عدو لھما**
یہ کہ پکڑیں موسیٰ علیہ السلام اس قبطی کو جو موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا دشمن تھا وہ اس لیے کہ وہ ان کے دین
پر نہ تھا کیونکہ قبطی علی الاطلاق بنی اسرائیل کا دشمن تھے۔ **قال۔** بنی اسرائیلی نے جب دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام قبطی
کو پکڑنا چاہتے ہیں اور جانتا تھا کہ ان کی گرفت سخت ہے کہ پکڑنے سے اس کا کام تمام کر دیں گے اور ان کے انک
لغوی مبین اور آپ کے غصہ اور غضب سے سمجھ کر کہا۔ یا اس کا قائل وہی قبطی ہے اور اس نے بھی اس
لیے کہا کہ مشہور ہو گیا تھا کہ جس نے کل قبطی کو مارا اور وہ یہی تھا اسی لیے کہا **یاموسیٰ اترید ان**
تقتلنی کما قتلت نفسا بالامس اے موسیٰ علیہ السلام کیا تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو جیسے تم
نے ایک شخص کو قتل کر دیا۔ **ان ترید** تم نہیں ارادہ کرتے **الا ان تکون جبارًا فی الارض**
مگر یہ کہ تم دنیا میں جابر و غالب مشہور ہو جاؤ اس لیے کہ جو بھی ایسے بے تحاشا قتل و غارت کرے اور انجام پر نگاہ
نہ رکھے تو وہ ایسے ہی مشہور ہو جاتا ہے۔ **وما ترید ان تکون من المصلحین** اور تم ارادہ نہیں
رکھتے کہ تم قولاً و فعلاً لوگوں میں اصلاح کنندہ ہو جاؤ اور لوگوں کے جھگڑے مٹاؤ۔

ربط: ان کی اس گفتگو سے قبطی کے قتل کا راز کھل گیا اور فرعون تک بات پہنچ گئی اور اس کے ارکان
دولت کو بھی معلوم ہوا کہ کل جو قبطی قتل کیا گیا ہے اس کا قاتل موسیٰ علیہ السلام ہے حالانکہ اس
سے قبل سوائے اس اسرائیلی اور موسیٰ علیہ السلام کے اور کسی کو معلوم نہ تھا۔ اس کے بعد فرعون کے ارکان دولت
نے ارادہ کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو اس کے بدلہ میں شہید کریں۔ آل فرعون سے ایک شخص مومن تھا بعض نے کہا
کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد (تھا) نے موسیٰ علیہ السلام کو خبر دینا چاہی **کما قال تعالیٰ وجاء رجل** اور آیا ایک مرد یعنی
حزبیل **من اقصی المدینۃ** شہر کے کنارے سے یعنی شہر کے آخری حصے سے یعنی شہر سے دور کی جگہ
سے جہاں فرعون کا شاہی محل تھا۔ وہ شخص آیا۔ **اقصی۔** قصوت عنہ سے ہے اور **اقصیت** بمعنی اَبعدتُ اور
اقصی بمعنی **البعید** یعنی وہ شخص آیا **قال یٰموسیٰ ان الملا** کہا اے موسیٰ علیہ السلام بیشک فرعون کے ارکان
دولت۔ **یأتمرون بک۔** آپ کے سبب سے مشورہ کر رہے ہیں اور مشورہ کو ائتماد سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے

marfat.ocm

کہ وہ ہر ایک دوسرے کو حکم کرتا اور دوسرا اس کو بجا لانے کی حامی بھرتا تھا **یقتلوك** تاکہ آپ کو شہید کر دیں۔ **فاخرج** اسی لیے آپ شہر سے نکل جائیے۔ **انی لك من النٰصحین** بیشک میں آپ کے معاملہ یعنی شہر سے نکلنے کے مشورہ دینے میں خیر خواہ ہوں یعنی آپ کا مہربان اور بہی خواہ ہوں۔ یہ لام بیانیہ ہے یعنی یہ نصیحت آپ کو ہی بیان کرتا ہوں اور یہ لام ناصحین کے متعلق نہیں اس لیے کہ صلہ کا معمول موصول سے مقدم نہیں ہوا کرتا اور لک من الناصحین سے مقدم ہے **فخرج منھا** پس اسی وقت بغیر زاد راہ اور بغیر ساتھی کے موسیٰ علیہ السلام شہر سے نکل پڑے۔ **خائفًا** در آنحالیکہ اپنے لیے ڈرنے والے تھے **یترقب** گرفتار کرنے والوں کا۔ انتظار اور خیال کرتے ہیں کہ وہ مجھے اس راستہ میں ہی گرفتار کر لیں گے ——— یعنی آپ کا پیچھا کریں گے **قال رب نجنی من القوم الظّٰلمین** کہا اے پروردگار مجھے ظالم قوم سے نجات دے اور مجھے ان سے خلاصی عطا فرما اور ان کے پیچھے کرنے سے مجھے محفوظ فرما۔ یعنی اے پروردگار مجھے نجات دے اور ظالمین یعنی فرعون اور اس کے ارکان دولت کے ظلم سے بچا اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور آپ نے ظالموں سے نجات پائی۔

فائدہ: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے متعلق ارادہ فرماتا ہے کہ اسے **من دون اللہ** سے نجات دے کر صرف اپنا بنانا چاہے تو اس سے کوئی فعل مکروہ سرزد ہوتا ہے تاکہ وہ صرف اسی کا ہو جائے جب بندہ امتحان کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو جمال رحمٰن کو پاتا ہے اس سے اسے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ اس سے فعل مکروہ کا صدور ہوا تھا وہ اسی وصول الٰہی کا سبب تھا۔

مثنوی شریف میں ہے:۔

(۱) یک جوانے بر زنے مجنوں بدست
روز و شب بے خواب و بے خور آمد است

(۲) بے دل و شوریدہ و مجنوں و مست
می ندادش روزگار وصل دست

(۳) پس شکنجہ کرد عشقش بر زمین
خود چرا دارد ز اول عشق کین

(۴) عشق اول چرا خونے بود
تا گریزد ہر کہ بیرونی بود

چوں فرستادے رسولے پیش زن
(۵) آں رسول از رشک کردے راہزن
ور صبا را پیک کردے در وفا
(۶) از غبارے تیرہ گشتی آں صبا

(۷) راہ ہائے چارہ را غیرت ببست
لشکر اندیشہ را رایت شکست
کوشش ہائے فکرتش بے گاہ شد
(۸) شب رواں را رہنما چوں ماہ شد

(۹) جست از بیم عسس و شب بباغ
یار خود را یافت چوں شمع و چراغ
بود اندر باغ آں صاحب جمال
(۱۰) کز غمش ایں در عنا بد ہشت سال

(۱۱) سایۂ او را بتوں امکان دید
ہمچو عنقا وصف او را می شنید
جز یکے لقیہ کہ اوّل از قضا
(۱۲) بر وے افتاد و شد، او را دل ربا

(۱۳) چوں در آمد خوش در آں باغ آں جوان
خود فرو شد یا بگنجش در ناگہاں
مر عسس ز ساختہ یزداں سبب
(۱۴) تا ز بیم او دود در باغ شب

(۱۵) گفت سازندہ سبب را آں نفس
اے خدا تو رحمتی کن بر عسس
بہر ایں کردی سبب ایں کار را
(۱۶) تا ندارم خار من یک خار را

marfat.ocm

(۱۷) پس ید مطلق نباشد در جہان
بد بہ نسبت باشد ایں را ہم بداں

(۱۸) زہر ماراں مار را باشد حیات
نسبتش با آدمی باشد ممات

خلق ہ آبے را بود دریا چوں باغ
(۱۹) خلق خاکی را بود آں مرگ و داغ

(۲۰) ہر چہ مکروہ ہست چوں شد او دلیل
سوئے محبوب حبیب است و خلیل

در حقیقت ہر عدو داروئے تست
(۲۱) کیمیائے نافع و دل جوئے تست

(۲۲) کہ ازو اندر گریزی در خلا!
استعانت جوئے از لطف خدا

در حقیقت دوستانت دشمن اند
(۲۳) کہ ز حضرت دور و مشغولت کنند

ترجمہ

(۱) ایک نوجوان کسی عورت پر عاشق ہوگیا۔ رات دن نیند اور کھانے کے بغیر گزارنے لگا۔

(۲) بے ہوشی اور پریشان اور مجنون اور مست رہنے لگا لیکن زمانہ اسے وصال کا موقعہ نہ دیتا تھا۔

(۳) اسے عشق نے زمین پر شکنجہ کھینچا اول سے ہی عشق کا یہی طریقہ ہے۔

(۴) عشق اول سے ہی خونی ہے وہ اسی سے گریز کرتا ہے جو اس سے باہر ہے۔

(۵) جب عورت کے پاس قاصد بھیجتا تھا الٹا وہی قاصد اس کا رہزن بن جاتا

(۶) اگر وفا کے لئے صبا کو پیام بھیجتا تو وہ صبا غبار بن کر اس کے لئے اندھیر کر دیتی۔

(۷) غیرت نے اس کے تمام راہ بند کر دیئے۔ اندیشہ کے لشکر نے اس کے جھنڈے توڑ دیئے۔

(۸) اس کے اچھے فکر بے گاہ ہو گئے رات کو جانے والے رہنما چاند کی طرح ہو گئے۔

(۹) کوتوال کے خطرہ سے رات کے وقت باغ میں چلا گیا۔ شمع و چراغ کی طرح معشوق کو باغ میں پایا۔

(۱۰) وہ صاحب جمال باغ میں ہی تھا جس کے غم سے وہ آٹھ سال مغموم رہا۔

(۱۱) اس کا سایہ امکان سے باہر دیکھا۔ عنقا کی طرح اسکی تعریف سنتا تھا۔

(۱۲) سوائے اسی پہلے دیدار کے کہ قدرتی ہوا اس پر پہلی نگاہ پڑی ۔

(۱۳) جب وہ نوجوان اس باغ میں خوشی سے آیا تو اچانک ہاں خزانہ پالیا۔

(۱۴) کوتوال کو ہی اللہ نے اس کے وصال کا سبب بنا دیا تاکہ رات کو اس کے خوف سے باغ میں چلا جائے ۔

(۱۵) اس وقت دعا کی کہ اے اللہ تو نے ہی کوتوال کو وصال کا سبب بنا دیا تاکہ رات کو

(۱۶) اسی لئے تو نے اس کو سبب بنایا تاکہ میرے اندر یہ کانٹا (فراق کا) چبھتا نہ رہے ۔

(۱۷) مطلق بُرا کوئی نہیں جہاں میں۔ اگر کوئی بُرا ہے تو بہ نسبت دوسرے بُروں کے کم یا بیش۔

(۱۸) سانپوں کا زہر سانپ کے لئے تریاق ہے جو انسان کے لئے موت ہے ۔

(۱۹) آبی مخلوق کے لئے دریا کا پانی باغ کی طرح ہے لیکن خاکی مخلوق کے لئے مرگ و داغ ہے۔

(۲۰) جو محبوب کی طرف لے جائے وہ بھی محبوب اور دوست ہے ۔

(۲۱) درحقیقت ہر دشمن تیرا دوا ہے۔ وہ نافع کیمیا اور تیرا دلجُو ہے ۔

(۲۲) خلا میں جس سے تو بھاگتا ہے اللہ سے استعانت چاہتا ہے ۔

(۲۳) درحقیقت تیرے دوست دشمن ہے جو تجھے بارگاہِ الہیٰ سے دُور اور مشغول کرتے ہیں ۔

سبق: جب عاشق الہی امتحان حق کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو وہ خوف زدہ ہوتا ہے اور دوڑتا ہے تو اسے کوئی گمراہ گمراہی میں نہ ڈال دے کہ وہ وصولِ الہیٰ سے محروم نہ ہو جائے وہ اسی طرح خوف زدہ رہ جاتا ہے جب تک کہ وہ راہِ سلوک طے کرتا ہے ہم اللہ تعالیٰ سے وصول حق کا سوال کرتے ہیں اس لیے کہ اسی سے ہر مقصد کا سوال کیا جاتا ہے۔

* * *

marfat.ocm

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ
اور جب مدین کی طرف متوجہ ہوا کہا قریب ہے کہ میرا رب مجھے سیدھی راہ بتائے اور جب مدین کے

مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۬ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ
پانی پر آیا وہاں لوگوں کے ایک گروہ کو دیکھا کہ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں اور ان سے اس طرف دو عورتیں دیکھیں کہ اپنے

تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۭ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ۫ وَاَبُوْنَا
جانوروں کو روک رہی ہیں موسیٰ نے فرمایا تم دونوں کا کیا حال ہے وہ بولیں ہم پانی نہیں پلاتے جب تک سب چرواہے پلا کر پھیر نہ لے جائیں

شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ
اور ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیں تو موسیٰ نے ان دونوں کے جانوروں کو پانی پلا دیا پھر سایہ کی طرف پھرا عرض کی اے میرے رب

اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿۲۴﴾ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ۡ قَالَتْ اِنَّ
میں اس کھانے کا جو تو میرے لیے اتارے محتاج ہوں تو ان دونوں میں سے ایک اس کے پاس آئی شرم سے چلتی ہوئی بولی میرا باپ

اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ۭ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ
تمہیں بلاتا ہے کہ تمہیں مزدوری دے اس کی جو تم نے ہمارے جانوروں کو پانی پلایا ہے جب موسیٰ اس کے پاس آیا اور اسے باتیں کہہ

قَالَ لَا تَخَفْ ۣ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ
سنائیں اس نے کہا ڈریے نہیں آپ بچ گئے ظالموں سے ان میں کی ایک بولی اے میرے باپ ان کو نوکر رکھ لو

اسْتَاْجِرْهُ ۡ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ
بے شک بہتر نوکر وہ جو طاقتور امانت دار ہو کہا میں چاہتا ہوں کہ اپنی دونوں بیٹیوں

اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰٓي اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ
میں سے ایک تمہیں بیاہ دوں اس مہر پر کہ تم آٹھ برس میری ملازمت کرو پھر اگر پورے دس برس کر لو تو تمہاری

عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ۭ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ
طرف سے ہے اور میں تمہیں مشقت میں ڈالنا نہیں چاہتا قریب ہے ان شاء اللہ تم مجھے نیکوں میں پاؤ گے

الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ۭ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ
موسیٰ نے کہا یہ میرے اور آپ کے درمیان اقرار ہو چکا میں ان دونوں میں جو میعاد پوری کر دوں تو مجھ پر کوئی مطالبہ نہیں

عَلَيَّ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۲۸﴾ ع
اور ہمارے اس کہے پر اللہ کا ذمہ ہے

تفسیر عالمانہ: **ولما توجہ تلقاء مدین** ۔ التوجہ بمعنی بھلائی کی طرف منہ کرنا اور تلقاء بروزن تفعال لقیت سے اور مصدر ہے اس میں وسعت رکھی گئی ہے ۔ اس اعتبار سے اسے ظرف میں استعمال کیا جاتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے **جلس تلقائہ** بمعنی حذائہ و مقابلتہ اور **مدین** شعیب علیہ السلام کے شہر کا نام ہے اور بحر القلزم کے کنارے پر واقع ہے اس شہر کا نام ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے کے نام پر ہے آپ کی اہلیہ قنطورا سے پیدا ہوئے تھے ۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی رہائش گاہ اسی شہر میں رکھی ہوئی تھی اس لیے ان کے نام سے وہ شہر مشہور ہوا اور وہ شہر فرعون کی حکومت میں شامل نہیں تھا مصر اور اس کے درمیان آٹھ دن کا فاصلہ تھا یعنی ایسا فاصلہ تھا جیسے کوفہ و بصرہ کے درمیان ہے متوجہ ہوئے **قال** اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اور اس پر حسن ظن کر کے اپنے دل میں کہا اگرچہ راستہ نہیں جانتے **عسیٰ ربی** شاید میرا رب تعالیٰ **ان یھدینی** یعنی میری رہبری فرمائے ۔ **سواء السبیل** سیدھے راستے کی **السبیل** شارع عام کو کہا جاتا ہے یعنی وہ راستہ جس پر ہر ایک چل سکے یعنی شہر سے باہر جاتے وقت آپ کو تین راستے نظر آئے آپ نے ان میں درمیانے کو اختیار فرمایا آپ کی تلاش کرنے والے آپ ۔ کے پیچھے آئے تو درمیانی راستہ کو تلاش نہ کیا اس خیال پر کہ بھاگنے والا سیدھا راستہ نہیں چلتا کہ کہیں پکڑا نہ جاؤں بلکہ اِدھر اُدھر کے معمولی اختیار کرتا اسی لیے انہی دونوں راستوں میں تلاش کرتے رہے اسی لیے موسیٰ علیہ السلام کو نہ پا سکے اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام آٹھ دن بلا زاد چلتے رہے کھانا نہ کھایا ایسے ہی پیدل چلتے رہے درختوں کے پتوں پر گزارہ کرتے رہے یہاں تک کہ مدین میں پہنچ گئے ۔

سلمی نے فرمایا کہ اگرچہ موسیٰ علیہ السلام مدین کی طرف جا رہے تھے لیکن آپ کا دل حضرت ذو المدین یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ تھا ۔ مدین کے راستہ کو غم و شوق لقائے حق سے طے کرتے رہے ۔

غمت تا یار من شد رُونے دراہ عدم کردم
خوش است آودگی آزا کہ ہمراہی حسین باشد

ترجمہ: محبوب کا غم میرا ساتھی ہوا تو میں نے عدم کا راہ اختیار کیا ایسے آوارگی نہایت مبارک ہے کہ جس کا ایسا ساتھی ہو ۔

تفسیر صوفیانہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ یہاں پر مدین سے عالم ازل و ابد مراد ہے ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نے حقیقت کی خوشبو شہر مدین سے پائی اس لیے کہ وہاں پر شعیب علیہ السلام مقیم تھے اس لیے موسیٰ علیہ السلام اس طرح مشاہدہ و لقائے یار کے لیے تشریف لے گئے ۔ یہ ایسے ہے جیسے حضور

marfat.ocm

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا انی لاجد نفس الرحمٰن من قبل الیمن بے شک میں رحمٰن کی خوشبو یمن سے پاتا ہوں۔ اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے قلبِ اطہر کے باغ سے نسیم حق کی خوشبو کی خبر دی۔ اس سے ثابت ہوا کہ اولیاء کرام کے قدسی نفوس میں نفحات رحمانی اور ان کے دیدار پُر انوار سے برکات جاودانی نصیب ہوتے ہیں۔

بعض مشائخ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ موسیٰ علیہ السلام کو تاج نبوت سے نوازیں تو انھیں ایک نبی علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا لیکن اس سے قبل انھیں تکالیف و مصائب کا نشانہ بنایا تاکہ اس طرح سے وہ پختہ اور مضبوط ہو جائیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے حق میں فرمایا وفتناك فتونا اور ہم نے آپ کو پورے طور پر آزمایا یعنی ہم نے آپ کو ابتلاؤ آزمائش کی بھٹی میں ڈالا تاکہ آپ انوار و تجلیات کے حصول کے لیے صاف و شفاف ہو جائیں۔ اسی لیے موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکل کر بارگاہ میں گریہ وزاری کی اللہ تعالیٰ نے ان کی گریہ وزاری کو دیکھ کر ان کی دُعا مستجاب فرمائی کہ دشمن کے خطرے سے بے خوف ہو کر قلب کو سکون و اطمینان بخشا اور فرمایا کہ اے موسیٰ علیہ السلام اب گھبراتے کیوں ہو وہ وقت یاد نہیں جبکہ آپ دشمن کے گھر میں پرورش پا رہے تھے اور پھر اسی کی گود میں بیٹھ کر اس کے چہرہ پر تھپڑ مار دیتے تھے تب بھی اُس نے آپ کا کچھ نہیں بگاڑا اُس وقت بھی ہم نے آپ کی حفاظت کی اب تو آپ جوان ہیں اور دشمن کے شہر سے دور ہیں تو پھر ڈر کاہے کا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کیلئے اللہ تعالیٰ نے ہی مدین جانے کا ارادہ فرمایا وہ از خود نہیں گئے وہ اس لیے کہ وہاں اس کا ایک پیغمبر علیہ السلام موجود تھا اس نے چاہا کہ وہ ان کی خدمت میں پہنچ کر ان کے برکات قدسی صفات سے آراستہ و پیراستہ ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام پر تمام راستے مسدود ہو گئے سوائے مدین کے۔ ان کا وہ حال تھا جو خلیل علیہ السلام کا تھا کہ اُنھوں نے بھی اپنے سے تمام راستے مسدود دیکھے تو کہا انی وجہت وجھی للذی فطر السمٰوٰتِ والارض۔ اس سے معلوم ہوا کہ جواں مرد وہ نہیں جو سواری پر سوار ہو کر کھلی سڑک کا سفر کرکے مقصد کو حاصل کرے بلکہ مرد وہ ہے جو اندھیری رات میں رہبر کے بغیر یار کی گلی تک پہنچ جائے۔ چنانچہ یہی حال اکثر انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کا رہا۔

حضرت حافظ نے فرمایا ؎

شب تاریک دگردابے چنیں ہائل
کجا دانند حال ما بکبار ان ساحلہا

ترجمہ: اندھیری رات اور گرداب بھی سخت ہے اور پھر میرے جیسے کیسے ساحل تک پہنچ سکتے ہیں۔

شرح شعر حافظ قدس سرہٗ از صاحب روح البیان

شبِ تاریک سے جلال الذات مُراد ہے کہ رات سے عالم ذات جلالۃ الغالب کی ظلمت کی طرف اشارہ ہے اور بیم موج سے صفات قہر وجلال کا خوف مراد ہے۔ گرد ابے چنیں ہائل سے امتحانات مراد ہیں جو ہلاک وتباہ کرنے میں دریا کی موج کی طرح ہیں۔ اس معنٰی پر یہ مصرعہ مبتدی سالک کے لیے ہے یا ارباب احوال کے متوسط درجہ کے خطرات مراد ہیں اس لیے کہ یہ حضرات عشق کے دریا میں جب قدم رکھتے ہیں تو ان کو بہت بڑی خطرناک بلاؤں اور مصیبتوں میں مبتلا کیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ ساحل پر جب تک نہیں پہنچتے وہ ایسی مصیبتوں اور تکلیفوں میں مبتلا رہتے ہیں اور "سبکساران ساحلہا" سے وہ لوگ مراد ہیں جو امانت کبریٰ کو نہیں اُٹھا سکتے اور امانت کبریٰ سے عشق مراد ہے۔ جب وہ بار امانت نہیں اُٹھاتے تو بشریت کے جنگل میں بھٹکتے رہتے ہیں۔ ان سے عام عبادت گزار اور خشک زاہد مراد ہیں دراصل یہ بشریت و حجاب میں گرفتار لوگ ہیں اِنھیں عُشاق (اولیاء) اور ان کے درجات وکمالات اور مشاہدات وکمالات کی خبر نہیں (جیسے وہابی اور اُس کے جملہ ہم نوا فرقے مودودی وغیرہ کا حال ہے اسی لیے ان کی طعن وتشنیع کا سلسلہ اکابر اولیاء پر جاری رہتا ہے) اس لیے کہ ظاہر و باطن میں بہت بڑا فرق ہے۔ یوں سمجھئے کہ ظاہر مکان کا دروازہ ہے اور علوم باطن و اسرار مخفیہ بمنزلہ گھر کے اندر کے حصے ہیں یا یوں کہو کہ جیسے مبتدی اور منزل مقصود تک پہنچنے والے کے درمیان فرق ہے ایسے ہی ظاہر بین اور باطن کے واقف وعارف کا فرق ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عشق اور اس کے جملہ حالات اور الفاظ و مقامات سے گزر کر حقائق ومعانی تک پہنچنے کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ، ولما ورد۔ الورود بمعنی اتیان الماء اس کی ضد اور نقیض صدور ہے یعنی کسی شے کی طرف رجوع کرنا۔

المفردات میں ہے الورود بمعنی پانی کا ارادہ کرنا پھر اس کا غیر پانی میں بھی استعمال ہونے لگا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ جب موسیٰ علیہ السلام پہنچے یعنی تشریف لائے۔ ماء مدین۔ مدین کے کنوئیں پر اور یہ کنواں مدین کے کنارے پر شہر سے تین میل دُور تھا یا اس سے کچھ کم اس سے شہر کے لوگ خود بھی پانی کے کنارے پر جانوروں کو بھی پلاتے تھے۔

عجوبہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب اس کنوئیں تک پہنچے تو سبز پتے کھانے کی وجہ سے آپ کے پیٹ مبارک سے سبز پتوں کے آثار محسوس ہوتے تھے وجد علیہ آپ نے پایا کنوئیں کے کنارہ یعنی کنوئیں کے پانی نکالنے کے اُوپر والے حصے پر أمة من الناس لوگوں کا ایک بہت بڑا گروہ یسقون پلاتے تھے اپنے جانوروں کو۔ ووجد منهم اور پایا اُن کے ہاں دوسری جگہ میں۔ امرأتین دو عورتیں بی بی صفوریا اور بی بی لیا وہ دونوں یثرون یعنی شعیب علیہ السلام کی صاحبزادیاں تھیں۔

marfat.ocm

(کذا فی کتاب التعریف التسہیل)

تذودان - الذود بمعنی روکنا اور ہٹانا۔ دفع کرنا یعنی وہ دونوں اپنی بکریوں کو کنوئیں پر جانے سے روکتی تھیں۔

ربط؛ کاشفی نے لکھا کہ چونکہ انبیاء علیہم السلام ذاتی طور پر شفیق ہوتے ہیں اسی لیے موسیٰ علیہ السلام نے آگے بڑھ کر شفقت کرتے ہوئے فرمایا **ماخطبکما** الخطب بمعنی وہ امر عظیم جس میں تخاطب بکثرت ہو یعنی موسیٰ علیہ السلام نے بہنوں سے فرمایا تمہارا کیا معاملہ ہے کہ تم اپنی بکریوں کو آگے نہیں بڑھنے دیتیں دوسروں کی طرح اپنی بکریوں کو پانی کے لیے کیوں نہیں چھوڑتیں۔

سوال؛ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اجنبی عورتوں سے کیوں گفتگو کی حالانکہ اجنبی عورت سے گفتگو کی عام آدمی کو بھی اجازت نہیں اور متقی نبی علیہ السلام تھے۔

جواب؛ انہیں چونکہ اپنی عصمت پر پورا بھروسہ تھا اور عام آدمیوں کی طرح فتنہ میں پڑنے سے اپنے آپ کو معصوم سمجھتے تھے اسی لیے گفتگو کر لی۔

نکتہ اور ردّ وہابیہ

یہی وجہ ہے کہ نبی علیہ السلام کسی عورت سے گواہوں کے بغیر نکاح کر لیں تو اُن کے لیے جائز ہے کیونکہ گواہ اس لیے ہوتے ہیں کہ ناکح کے نکاح سے انکار کا خطرہ ہوتا ہے اور ان سے انکار ناممکن۔ یا گواہ اس لیے ہوتے ہیں کہ دوسرے لوگ زن و شوہر کے نکاح سے انکار نہ کریں۔ اور اُمت کے ہر افراد اپنے نبی علیہ السلام سے بدگمانی نہیں کر سکتے اور نہ ہی اُن کے کسی فعل پہ انکار کر سکتے ہیں (اس سے انبیاء علیہم السلام کی خصوصیت کا پتہ چلا لیکن وہابیہ تو اپنے ہر فعل و عمل کو انبیاء علیہم السلام جیسا کہہ کر ان کو ہر بات میں اپنی مثل بنانے کی کوشش کرتے ہیں)۔

قالتا لا نسقی حتی یصدر الرعاء الاصدار بمعنی باز رکھنا الرعاء بالکسر راع کی جمع ہے جیسے قیام قائم کی جمع ہے۔ الرعی اصل میں جانور کی نگرانی کو کہا جاتا ہے۔ اس کی ایسی غذا حاصل کر کے جو اس کی زندگی کی محافظ ہو یا اس کے دشمن کو اسے دور رکھ کر اور الرعی بالکسر وہ شے جو غذا بن سکے چارہ وغیرہ اور المرعی بمعنی چراگاہ۔ اسی طرح ہر وہ شخص جو اپنی یا کسی دوسرے کی نگرانی کرے۔ اسے بھی راعی کہا جاتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے "تم سب کے سب اپنی رعایا کے بارے میں سوال کیے جاؤ گے"!

بعض نے کہا ہے کہ الدعاء وہ لوگ جو جانوروں کو چرائیں یعنی چرواہے اور الدعاۃ وہ جو لوگوں کی نگرانی کریں یعنی حکّام وغیرہ۔

اب آیت کا معنی یہ ہُوا کہ ہمارا طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنے جانوروں کو اُس وقت پانی پلائیں گی جب دوسرے لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا کر یہاں سے ہٹا لے جائیں گے کیونکہ ہمیں ان سے پہلے پانی پلانے کی طاقت نہیں اور وہ چونکہ غیر محرم ہیں اس لیے ہمارا ان کے ساتھ مل کر جانوروں کو پانی پلانا بھی ناجائز ہے ہاں جب وہ بالکل فارغ ہو کر اپنے جانوروں کو یہاں سے ہٹا لیں گے پھر ہم اُن کے جانوروں کا بچا ہوا پانی اپنے جانوروں کو پلائیں گی۔

فائدہ: یہاں سقی۔ ذود اور اصدار کا مفعول محذوف ہے اس لیے کہ یہاں پر اُنہی افعال کا اظہار ضروری ہے اور موسیٰ علیہ السلام نے بھی انہی افعال کی وجہ سے شفقت فرمائی کہ وہ بیبیاں تو جانوروں کو دُور رکھے ہوئی ہیں اور عاجزی سے دور کھڑی ہیں اور اپنی عفت و عصمت سے کنوئیں پر نہیں جاتیں دوسرے اُن کے حال کی کوئی پرواہ نہیں کرتے اور نہ ہی ان پر رحم کرتے ہیں کہ وہ بیچاری اپنے جانوروں کو پانی سے روکے ہوئی ہیں اور پانی کی جگہ پر اُن کے جانور نہیں پہنچ رہے۔ **وابونا** اور ہمارے والد گرامی یعنی شعیب علیہ السلام شیخ بوڑھے۔ **کبیر**۔ کبیر السن یا کبیر القدر والشرف ہیں اسی لیے وہ یہاں تشریف نہیں لا سکتے اسی لیے ہمیں بکریوں کے چرانے اور پانی پلانے کے لیے بھیجتے ہیں ہم بنا بر ضرورت بکریاں چراتی اور یہاں پانی پلانے کے لئے آتی ہیں۔

سبق: اس میں اہل زمانہ عبرت حاصل کریں کہ ایک نبی زمانہ کی بکریاں تھیں اور انکی عوام نے پرواہ یعنی تعظیم و تکریم نہ کی —— اس لیے کہ ہم عصر لوگ جوہر نبوت و ولایت کو نہیں پہچانتے۔ ایسے ہی ہمارے دور کے جہال کی حالت ہے کہ وہ شریعت کے جوہر سے بے خبر ہیں اور یہ طریقہ ہر دور میں رہا کہ اہل اللہ بہت تھوڑے اور ان کی قدر و منزلت سمجھنے والے بھی قلیل ہوتے ہیں۔ **فسقی لھما** حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان پر رحم کھایا اور اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا کو پیش نظر رکھ کر ان کی بکریوں کو پانی پلایا۔

نبی علیہ السلام کی قوت اور ہمارے نبی علیہ السلام کی ظاہری قوّت

مروی ہے کہ کنوئیں پر بہت بڑا بھاری پتھر ڈال دیتے تھے جسے سات یا دس یا چالیس آدمی مل کر ہٹاتے تھے لیکن موسیٰ علیہ السّلام نے اکیلے ہی ہٹا کر رکھ دیا باوجودیکہ آپ بھوکے اور سفر کر کے تھکے ہوئے اور پاؤں میں چھالے تھے اسی لیے کہا گیا ہے کہ ہر نبی علیہ السّلام کو چالیس مردوں کی طاقت و قوت دی جاتی

marfat.ocm

ہے اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس پیغمبروں کے برابر طاقت دی گئی تھی۔ یہ بھی ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے ان بیبیوں کے لیے ان لوگوں کو ہٹا کر کنوئیں سے پانی کھینچنے کا ارادہ فرمایا تو ان لوگوں نے بھاری پتھر کنوئیں پر ڈال دیا تاکہ موسیٰ علیہ السلام پانی نہ لے سکیں لیکن آپ نے اسے فوراً ہٹا لیا۔ کلام کے سیاق سباق کا یہی تقاضا ہے۔ **ثم**۔ فراغت کے بعد **تولیٰ** اپنی پیٹھ اس طرف پھیر دی جو کنوئیں کے قریب تھی یعنی کنوئیں سے منہ پھیر کر چلے **الی الظل** سایہ کی طرف **الظل** سے وہ جگہ مراد ہے جہاں دھوپ نہ ہو اور وہاں پر ایک درخت تھا۔ دھوپ سے بچنے کے لیے آپ اس کے نیچے چلے گئے اور چونکہ آپ کو بھوک تھی اسی لیے **فقال** کہا **رب انی لما انزلت الی**۔ اے میرے پروردگار تو نے جو کچھ بھی میرے لیے اتارا **من خیر** سے خیر قلیل ہو کثیر ۔ اسے بعض علماء نے طعام پر محمول کیا ہے۔ **فقیر** محتاج اور سائل ہوں۔ اسی معنیٰ الکلام سے متعدی ہونا دلالت کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ، اس میں اشارہ ہے کہ سالک جب عالم روحانیت میں پہنچے تو اسے چاہیے کہ معارف کے حصول پر قانع نہ رہے بلکہ وہ بلا واسطہ فیض الٰہی کی طلب کرتا ہے۔

فائدہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ جب موسیٰ علیہ السلام تربیت حق میں بچے تھے تو بچوں کی طرح اپنی حد سے آگے نہ بڑھے بلکہ کہا **رب انی لما انزلت** الخ اور جب وہ جوان ہوئے تو بچوں کے طعام پر اکتفا نہ کیا۔ **ارنی انظر الیک** الخ کہا

خلاصہ یہ کہ ابتداء میں آپ نے طعام وغیرہ کی طلب کی لیکن انتہا میں رفع حجاب اور مشاہدہ رب الارباب کا مطالبہ کیا۔ حضرت ابن عطار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے عبودیت سے ربوبیت کو دیکھا تو نہایت خضوع وخشوع اور محتاجی و عاجزی سے گفتگو کی اس لیے کہ آپ کے سر خفی پر انوار ربوبیت کی بارش ہو گئی۔ بنا بریں اسی طرح سوال کیا جیسے بندہ اپنے مولیٰ سے کچھ مانگتا ہے۔ آپ کا یہ سوال **من حیث السوال** اور **من حیث الطلب** تھا۔

فائدہ: حضرت سہل سے پوچھا گیا کہ فقیر صادق کسے کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا وہ جو کسی سے سوال نہ کرے اور جو کچھ ملے اسے رد نہ کرے اور جو مل جائے اسے بند کر کے نہ رکھے۔

حکایت: فارس نے فرمایا کہ میں نے ایک فقیر پر بھوک کے آثار دیکھے میں نے پوچھا کہ آپ کسی سے کچھ مانگتے کیوں نہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر میں کسی سے کچھ مانگوں اور وہ نہ دیں تو فلاح نہ پا سکیں گے۔

ربط: چونکہ موسیٰ علیہ السلام نے بھوکا رہ کر بھی لوگوں سے کچھ نہ مانگا بلکہ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تو شعیب علیہ السلام کی صاحبزادیوں نے آپ کی بھوک کو محسوس کر کے والد گرامی کے پاس پہنچیں حالانکہ ابھی لوگ اپنے جانور واپس نہیں لا سکے اور نہ ہی بیبیوں نے اپنی بکریاں ساتھ لیں۔ شعیب علیہ السلام ان کی جلدی سے سمجھ گئے کہ کوئی نیا معاملہ ہے۔ اسی لیے فرمایا بیٹیو! کیوں جلدی آ گئی ہو؟ انھوں نے کہا کہ آج ہم نے ایک نیک انسان دیکھا ہے جس نے ہمارے حال پر رحم کر کے ہماری بکریوں کو پانی پلایا لیکن فراغت کے بعد درخت کے سایہ تلے گیا تو کہا رب انی لما انزلت الخ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ نیک انسان بھوکا معلوم ہوتا ہے لہٰذا تم میں سے ایک جا کر اسے میرے ہاں لے آئے **فجاءته احداهما** والد گرامی کے ہاں پہنچنے کے بعد ان میں ایک موسیٰ علیہ السلام کے ہاں آئی۔ علماء فرماتے ہیں اس سے بڑی صاحبزادی یعنی بی بی صفورا مراد ہے۔

سوال: (وہابیہ) شعیب علیہ السلام کو کیسے جائز تھا کہ اپنی لڑکی کو ایک اجنبی کے ہاں بھیج دیا۔

جواب (۱) آپ کے ہاں کوئی ایسا مرد نہیں تھا جو آپ کے معاملات کو سمیٹ سکے۔

جواب (۲) قرینۂ حال سے آپ کو موسیٰ علیہ السلام کی صلاحیت و اہلیت اور عفت اور پاکدامنی محسوس ہو گئی تھی۔

جواب (۳) نورِ وحی سے آپ کو علم ہوا۔ اسی تیسرے جواب کے مطابق ہم انبیاء علیہم السلام کے متعلق عقیدہ رکھتے ہیں کہ انھیں اللہ سے علم غیب عطا ہوتا ہے جسے وہابیہ شرک سے تعبیر کرتے ہیں[۱]۔

تمشی یہ **جاءته** کے فاعل سے حال ہے یعنی درآنحالیکہ وہ بی بی صفورا چلتی تھی۔ **علی استحیاء** شرمیلی ہو کر جیسے باکرہ لڑکیوں کی عادت ہوتی ہے۔ **الاستحیاء** بمعنی شرم و حیا کرنا۔

فائدہ: حضرت ابوبکر بن طاہر نے فرمایا کہ کامل ایمان اور شرافت جوہر اور مکرم ترین نسب ہونے کی وجہ سے حیاء و شرم کے طریقہ سے موسیٰ علیہ السلام کے ہاں آئیں۔

حدیث شریف

حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے۔

فائدہ: اعرابی نے کہا انسان ہمیشہ باعزت رہتا ہے جب تک اس میں حیاء و شرم ہو اور ٹہنی اس وقت تک بارونق رہتی ہے جب تک اس پر پتے ہوں **قالت**۔ یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے کہا بی بی صاحبہ نے **ان ابی یدعوک لیجزیک** میرے والد گرامی آپ کو بلاتے ہیں تاکہ آپ کو

---

[۱] اضافہ از اویسی

marfat.ocm

بدلہ دیں۔ **اجر ما سقیت لنا۔** آپ کی وہ مزدوری جو آپ نے ہماری بکریوں کو پانی پلایا۔

فائدہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبول کر لیا لیکن کسی طمع و لالچ کی بناء پر نہیں بلکہ شعیب علیہ السلام کے ہاں تقرب اور آپ کی زیارت کے ارادہ پر تشریف لے گئے اور پہاڑی علاقہ کی وجہ سے گھبرائے ہوئے بھی تھے اسی لیے کہیں آبادی میں ٹھہرنا چاہتے تھے جونہی آپ کو شعیب علیہ السلام کا پیغام پہنچا تو آپ نے فوراً مان لیا اور چل پڑے چونکہ آپ راستہ سے ناواقف تھے اس لیے بی بی صفورا آگے چل پڑیں اور آپ اُن کے پیچھے ہو لیے لیکن چونکہ ہوا کے جھونکوں سے بی بی صفورا کی پنڈلی سے کبھی کپڑا کھل جاتا تھا اسی لیے آپ نے بی بی صاحبہ سے فرمایا کہ آپ میرے پیچھے ہو کر مجھے راستہ بتاتی چلو۔ چنانچہ بی بی صفورا موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے چل پڑیں اور راستہ بتاتی رہیں یہاں تک کہ شعیب علیہ السلام کے ہاں پہنچ گئے۔ بی بی صفورا نے آگے ہو کر والد گرامی کو موسیٰ علیہ السلام کو لانے کی خبر سنائی۔ آپ نے موسیٰ علیہ السلام کو اندر آنے کی اجازت مرحمت فرمائی اُس وقت شعیب علیہ السلام سخت بوڑھے ہو چکے تھے اور آنکھوں کی بینائی بھی بڑھاپے سے متاثر تھی۔ موسیٰ نے السلام علیکم کہا کہا شعیب علیہ السلام نے سلام کا جواب دیا اور گلے لگا کر اپنے سامنے بٹھا کر طعام پیش کیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے انکار کر دیا اور کہا کہ میں نے تو آپ کی بچیوں کی فی سبیل اللہ امداد کی تھی۔ آپ مجھے کھانا کھلا رہے ہیں۔ چونکہ میں خاندانِ نبوت یعنی یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے ہوں اسی لیے مجھے خطرہ ہے کہ کہیں یہ اس کا معاوضہ نہ ہو جائے جو میں نے آپ کی بکریوں کو پانی پلایا تھا۔ شعیب علیہ السلام نے فرمایا نہیں عزیز یہ تو ہماری عادت ہے کہ جو بھی ہمارے ہاں آتا ہے ہم اُسے کھانا کھلاتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے شعیب علیہ السلام کی تسلی دلانے سے کھانا کھایا۔

مسئلہ: جو بھی کسی کے ساتھ احسان کرے اگر اسے کوئی شے ہدیہ کے طور پر دی جائے تو اُسے لینا حرام نہیں۔

فلما جاءہ جب موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کے ہاں آئے **وقص علیہ القصص** اور بیان کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا وہ ماجرا جو آپ پر گزرا **القصص** مصدر بمعنی مفعول ہے جیسے علل بمعنی معلول آتا ہے۔ **قال** شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا **لا تخف نجوت من القوم الظالمین** آپ نے ظالم قوم یعنی فرعون اور اُس کی قوم سے نجات پائی اس لیے کہ اس کا یہاں ہمارے ہاں کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی ہم اس کے زیرِ حکم ہیں۔

تفسیر صُوفیانہ: اس میں اشارہ ہے کہ قلب پر ایسا مقام بھی آتا ہے جہاں اسے نفس کے ہر وقت خطرات لاحق ہوتے ہیں بلکہ اس کے صفات کے ظلم سے قلب

کو سخت گھبراہٹ ہوتی ہے۔ جب قلب بذریعہ سر خفی مقام روح تک پہنچ جاتی ہے تو پھر وہ نجات پا جاتی ہے پھر اسے نہ نفس کے ظلمات کا خطرہ ہوتا ہے اور نہ ہی اس کی صفات کے ظلم کا ڈر اس لیے کہ جب تک مجاہد دار الحرب میں ہوتا ہے اسے ہر وقت دشمن کا خوف رہتا ہے جونہی اسلام کی حدود میں داخل ہوتا تو اس سے ہر طرح کے خطرات ٹل جاتے ہیں۔ نیز اس میں اشارہ ہے کہ جسے کوئی خوف اور خطرہ لاحق ہوتا ہے تو اُسے لا تخف سے تسلی دیتے ہیں اور جو نڈر اور بے باک ہو جائے اسے خف (ڈر) بولتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

لا تخافوا ہست نزل خائفاں
ہست در خور از برائے خائف آں
ہر کہ ترسد مر اورا ایمن کنند
مر دل ترسندہ را ساکن کنند
آنکہ خوفش گوئی مترس
درس چہ دہی نیست او محتاج درس

ترجمہ: لا تخافوا (نہ خوف کرو) خائفین کی مہمانی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے کے لائق یہی ہے۔ جو کوئی ڈرتا ہے اسے تسلّی دلاتے ہیں۔ خوف زدہ دل کو سکون و اطمینان سے نوازتے ہیں۔ جسے خوف ہو اُسے کہتے ہیں مت ڈر۔ اسے کیا سبق پڑھاتے ہو درس کا محتاج نہیں۔

ملفوظ سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ: محبوب کبریا عاشق مصطفےٰ سیدنا حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں ایسے رہو کہ گویا تم نے تمام لوگوں کو قتل کر ڈالا ہے یعنی ہر وقت خوف زدہ اور مغموم رہو۔

فائدہ: حضرت شعیب بن حرب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں جب حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھتا ہوں ایسے معلوم ہوتے ہیں گویا وہ کسی منڈی و درندوں کے جنگل میں رہتے ہیں یعنی خوف اور ڈر سے گھبرائے ہوئے ہوتے ہیں اور جب حضرت عبد العزیز بن ابرواد رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھتا ہوں گویا وہ قیامت کے دریچے کو جھانک کر دیکھ رہے ہیں۔

فائدہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے ہاں نعمت ظاہری سے پرورش پائی لیکن جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت کی اور سفر اور غیر علاقہ کی مشقتیں اٹھائیں تو اللہ تعالیٰ نے انھیں شعیب علیہ السلام کے ہاں ظاہری اور باطنی نعمتوں سے نوازا۔[1]

[1] اگلے صفحہ پر

marfat.ocm

سافر تجد عوضا عمن تفارقه
وانصب فان اکتساب الجد فی النصب
فالاسد لولا فراق الخیس ما افترست
والسهم لولا فراق القوس لم یصب

ترجمہ (۱) سفر کرو اس میں وطن کی جدائی کا بہترین عوض پاؤ گے۔ دکھ اُٹھاؤ اس لیے کہ بزرگی دکھ درد اُٹھانے میں ہے۔
(۲) شیر کو جنگل چھوڑ کر باہر جانا نہ ہو تو کب حملہ کرتا ایسے ہی تیر جب تک کمان کو نہ چھوڑے گا شکار خاک کرے گا۔

کسی اور بزرگ نے فرمایا ؎

بلاد اللہ واسعة فضاء ورزق اللہ فی الدنیا فسیح
فقل للقاعدین علی هوان اذا ضاقت بکم ارض فسیحوا

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے شہروں کی وسیع فضا ہے اور اللہ تعالیٰ کا رزق دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔
گھر میں بیٹھنے والوں کو فرما دو کہ ذلت و خواری اُٹھالو۔ جب تمہیں علاقہ کے لوگ تنگ کریں تو ہجرت کرو۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

سعدیا حب وطن گرچہ حدیث است صحیح
نتواں مرد بسختی کہ من اینجا زادم

ترجمہ: اے سعدی اگرچہ حب الوطن من الایمان (وطن کی محبت ایمان کی علامت ہے) اگرچہ حدیث صحیح ہے۔ لیکن سختی سے مرنا اچھی صرف اس خیال سے کہ میں یہاں پیدا ہوا تھا۔ (درست نہیں۔)

فائدہ: دیکھیے کہ موسیٰ علیہ السلام اگرچہ مصر میں پیدا ہوئے لیکن جب آپ پر مصر میں تکلیف و پریشانی کا حملہ ہوا تو مدین کی طرف ہجرت کر گئے تو وہاں ظاہری باطنی نعمت سے مالا مال ہوئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ولی کامل نہ زمانی ہے نہ مکانی بلکہ وہ وہاں چل پڑتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے اور پھر وہ پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھتا اگرچہ اسے ترک وطن کو چھوڑنا پڑے اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہے تو مسافری بھی اسی کا وطن ہے اور ہر تنگی اس کے لیے وسعت ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

ہر کجا باشد شہ مارا بساط ہست صحرا اگر بود سم الخیاط

ل کسی نے فرمایا: اگر آجائے کوئی شعیب میسر تو شبانی سے کلیمی دو قدم ہے۔

ہر کجا یوسف رخی باشد چو ماہ   جنت است آن اگرچہ باشد قعرچاہ

ترجمہ: جہاں محبوب کا قیام ہو وہ وسیع علاقہ متصور ہوتا ہے اگرچہ وہ جگہ سوئی کے ناکہ کے برابر ہو۔

جہاں محبوب یوسف چاند کے چہرے والا ہو وہ اگرچہ اندھا کنواں ہو تب بھی عاشق کے لیے جنت ہے۔

تفسیر عالمانہ: **قالت احدٰھما۔** کہاں ان کی ایک نے۔ مفسرین نے فرمایا اس سے شیعب علیہ السلام کی بڑی صاحبزادی یعنی بی بی صفورا تے اپنے والد گرامی سے عرض کی یاد رہے کہ اسی بی بی صفورا کے عقد نکاح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا۔

یا ابت اباجی۔ استاجرہ اسے یعنی موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ہاں خادم رکھ لیں تاکہ بکریاں بھی چرائیں اور آپ کے دیگر گھریلو معاملات بھی سمیٹیں **ان خیر من استاجرت القوی الامین** یہ لام عہدی نہیں بلکہ جنسی ہے اس معنی پر موسیٰ علیہ السلام بھی اس میں داخل ہوں گے۔ **القوی** بمعنی طاقت ور **الامین** بمعنی استوار مضبوط۔

اس میں اشارہ کیا کہ موسیٰ علیہ السلام صاحب قوت اور امین ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی قوت اور امانت کی دلیل

مروی ہے کہ جب صاحبزادی نے شعیب علیہ السلام سے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ہاں خادم رکھنے کی استدعا کی تو آپ نے صاحبزادی سے پوچھا کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ طاقت ور اور امین ہے۔ صاحبزادی نے عرض کی کہ جب کنوئیں کو چرواہوں نے بھاری پتھر سے بند کر دیا تو اس نوجوان اکیلے نے پتھر کو ہٹا دیا اور بہت بڑے ڈول کو پانی سے بھر کر پھرتی سے بکریوں کو تھوڑی دیر میں سیر کر دیا اور جب میں آپ کے حکم سے اسے بلانے کے لیے لے گئی تو پھر میری طرف آنکھ بھی نہ اٹھائی اور تقویٰ و تورع کا یہ عالم تھا کہ جونہی میں اسے آپ تک لے آئی۔ مجھے دیکھا تک نہیں بلکہ جب میں آگے چلی تو مجھے پیچھے چلنے کا فرمایا کہ کہیں میرا جسم کا کوئی حصہ دیکھا نہ جا سکے۔

فائدہ: صرف ان دو عادتوں کا ذکر اس لیے خصوصی طور پر ہوا کہ اس وقت صرف دو خصلتوں کی ضرورت تھی:۔

(۱) قوت و طاقت تو اس لیے کہ کنوئیں سے پانی لینا سخت دشوار امر تھا۔

(۲) امانت اس لیے کہ آنکھ کو بچانا اور نفس کو محفوظ رکھنا بھی معمولی معاملہ نہیں۔

اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے سامنے بھی اپنی یہی دو صفات ظاہر فرمائیں کما قال انی حفیظ علیم اس لیے کہ حفظ و علم یہ دونوں صفتیں اس وقت بادشاہ کو ضروری تھیں۔

marfat.ocm

(۱) حفظ تو اس کے لیے کہ خزانہ شاہی کی نگرانی معمولی بات نہیں تھی۔
(۲) اس خزانہ کے آمد و خرچ کی معرفت بھی مشکل امر تھا۔

حکایت: حضرت شریح صرف ان تین آیات کی تفسیر بیان فرماتے تھے:۔

(۱) الذی بیدہ عقدۃ النکاح فرمایا کہ یہاں الذی بیدہ الخ سے شوہر مراد ہے۔

(۲) واٰتیناہ الحکمۃ وفصل الخطاب۔ فرمایا حکمۃ سے فقہ و علم اور فصل الخطاب سے بینہ اور ایمان مراد ہے۔

(۳) ان خیر من استأجرت القوی الامین اس کی وہی تفسیر بتائی جو ہم نے پہلے لکھی ہے یعنی رفع الحجر وغض البصر؎ (قال) حضرت شعیب علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام کی قوت و امانت کا علم ہوا تو فرمایا انی ارید بیشک میں چاہتا ہوں۔ ان انکحک میں آپ کا عقد نکاح کروں۔ احدی ابنتی ھاتین یعنی ان دو لڑکیوں میں سے ایک کے ساتھ۔ اس سے بی بی صفورا رضی اللہ عنہا مراد ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ اذ قال لاھلہ امکثوا الخ میں ہے۔ علی ان تاجرنی۔ یہ انکحک کے مفعول سے حال ہے۔ یہ اس محاورہ سے ہے کہ کہا جاتا ہے۔ اَجَرْتُہٗ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کا مزدور ہو جائے جیسے کہا جاتا ہے۔ ابوتہ۔ یہ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی شے کا باپ ہو تو وہ اس کے لیے یہ لفظ کہے۔ (کشاف) اب معنیٰ یہ ہوا کہ آپ کے لئے ضروری ہوگا کہ آپ ہمارے مزدور رہیں گے۔ ثمانی حجج آٹھ سال تک۔ یہ ظرف حجۃ (بالکسر بمعنی السنۃ (سال کی جمع ہے)

فائدہ: یہ شرط شعیب علیہ السلام نے اپنے لیے لگائی ورنہ حق مہر کا مطالبہ ہوتا تو فرماتے ان تاجرھا اسی لیے اعتراض وارد نہیں ہوگا کہ حق مہر میں آٹھ سال کی مزدوری کی شرط کیسی۔ یا اس کا یہ جواب ہوگا کہ ان کی شریعت میں حق مہر میں شوہر سے مزدوری کی شرط جائز تھی اور عورت کے متولی کو ایسی شرط لگانا جائز تھا اور ہماری شریعت میں بھی ابتدائے اسلام میں جائز تھا کہ شوہر سے مدت معلومہ تک حق مہر کے عوض بکریاں چرانے کی شرط لگائی جائے۔

فائدہ: عین المعانی میں ہے کہ پہلی میں متولی کو جائز تھا کہ وہ اپنی لڑکیوں کے حق مہر میں ان کو شوہروں سے مدت معلومہ تک مزدوری کرائیں لیکن ہمارے اسلام میں یہ حکم واٰتوا النساء صدقاتھن نحلۃ سے منسوخ ہو گیا۔

مسئلہ: ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک حق مہر کے عوض سے منافع حاصل کرنا ممنوع ہے اور

؎ کنوئیں سے پتھر ہٹانا اور غیر محرم سے آنکھ پھیرانا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک جائز ہے۔

مسئلہ: مہر میں مال متقوم ضروری ہے یہی ہماری شریعت کا حکم ہے کما قال اللہ تعالیٰ: ان تبتغوا باموالکم اور یہ بھی ضروری ہے کہ مہر عورت کو دیا جائے نہ کہ اس کے متولی کو کما قال۔ واٰتوا النساء صدقاتهن۔ (اور یہ کہ عورتوں کو ان کے مہر دو)۔

مسئلہ: اگر کسی نے کسی عورت سے نکاح کیا کہ مہر کے عوض اپنی عورت کو میں تعلیم قرآن دوں گا، یا اپنی عورت کی ایک سال تک خدمت کرے گا تو نکاح ہو جائے گا لیکن شوہر کو مہر مثلی ادا کرنی ہوگی اسی لیے تعلیم القرآن اور خدمت مال متقوم نہیں۔ ہاں اگر شوہر غلام ہو تو خدمت ایک سال تک کی شرط جائز ہے اس لیے خدمت غلام کے حق میں بمنزلہ مال متقوم ہے لیکن آزاد کے لیے خدمت مال متقوم نہیں۔

خلاصہ یہ کہ آیت میں ثمانی حجج کو مہر پر محمول کیا جائے یا شرط پر یہ شعیب علیہ السلام کی شریعت کا مسئلہ ہے۔ ہماری شریعت سے اسے کوئی تعلق نہیں اس لیے کہ مہر کا عوض باپ کا حق نہیں بلکہ عورت کا حق ہے ایسے ہی شرط لگانا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے لیکن ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ بھی تحصیل منافع میں داخل ہے اسی لیے ناجائز ہے۔

فائدہ: بعض علماء نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ہاں رکھنے کے لیے ایک شرط لگائی جس پر دونوں متفق ہو گئے اسے عقد نکاح سے کوئی تعلق نہیں اسی لیے یہاں یہ بحث بے سود ہے کہ ایسی شرط یا مہر میں خدمت جائز ہے یا نہ اور وہ شعیب علیہ السلام کی شریعت میں جائز تھی اور ہماری شریعت میں ناجائز وغیرہ وغیرہ۔

فان اتممت عشراً۔ پس اگر آپ خدمت و عمل کے دس سال مکمل کریں گے فمن عندك تو یہ اتمام آپ کی طرف سے احسان و مروت ہوگی۔ میری طرف سے آپ پر ضروری نہ ہوگا۔ وما ارید ان اشق علیك اور میں نہیں چاہتا کہ میں آپ کو مشقت میں ڈالوں یعنی میں ایسا ارادہ نہیں رکھتا کہ آپ پر دس سال کی خدمت لے کر آپ کو دکھ اور تکلیف کا نشانہ بناؤں اور اندریں اثنا آپ کو آسان سے آسان کام بتاؤں گا ایسا کام میری طرف سے آپ کے ذمہ نہ ہوگا جس سے آپ کو تکلیف ہو۔

حل لغات: المشقۃ شق سے ہے ہر وہ شے کہ جس سے آپ کو خیال ہو کہ اس کی برداشت مشکل ہوگی پھر اس کے متعلق رائے مضمحل ہو کر نامعلوم کیا بنتا ہے۔

علم غیب نبی: بعض عرفاء نے فرمایا کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے نورِ نبوت سے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آٹھ سال میں درجۂ کمال کو پہنچ جائیں گے بعد ازاں انھیں کسی تربیت کی ضرورت نہیں رہے گی اور چونکہ ان کا مکمل ترین درجہ پہنچنا دس سال سے منسلک تھا۔ اس لیے انھیں دس سال کا بھی

marfat.ocm

فرما دیا۔ یہ بھی نور نبوت سے دیکھا اور ساتھ ہی انہیں نور نبوت سے معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام دس سال تک مقام ارادہ تک پہنچیں گے۔ اس کے بعد ان کا مقام استقلال و استقامت شروع ہو جائے گا اس کے بعد استقلال و استقامت مقام ارادہ کا حاصل نہ ہوگا۔ اسی لیے فرمایا انی ارید الخ (یہی ہم اہلسنت کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو علم غیب عطا ہوتا ہے جسے اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ نور نبوت سے تعبیر کرتے ہیں اور ہم علم غیب سے تعبیر کرتے ہیں لیکن مار کہ اُسے شرک کہتے ہیں ناظرین خود ہی سوچیں کہ یہ شرک کا فتویٰ کہاں کی بلا ہے[1])

صاحب روح البیان کی صوفیانہ تقریر

صاحب رُوح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس تاویل سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر مبارک تیس سال تھی کیونکہ آپ مدین سے دس سال گزار کر جب مصر کو روانہ ہوئے تو راستہ میں آپ کو نبوت کا پیغام بذریعہ وحی پہنچا اور پہلے تحقیق کی جا چکی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی اور یہی طریقہ کار ہر زمانہ میں اولیاء اللہ کا ہے کہ ان حضرات کو سلوک کی اٹھتیں یا چالیس سال کی عمر میں درجۂ فنا و بقا ملتا ہے اور یہیں پر دنیا کے رزق (نفسانی) کو ختم کر کے عالم ملکوت کی غذا حاصل کرتے ہیں (اسے اچھی طرح سمجھ لو) ورنہ وہابی ہو جاؤ گے) اویسی

ستجدنی انشاء اللہ من الصالحین آپ مجھے معاملہ سنجی اور خیر خواہی اور وفاداری میں صلاحیت و اہلیت کا مالک پائیں گے اور انشاء اللہ کہنا محض تبرک کے طور ہے علاوہ ازیں اپنے اُمور اللہ تعالیٰ کی توفیق پر چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ امور مذکورہ بالا میں جد و جہد چھوڑ کر صرف اسی پر بھروسہ کریں گے۔

فائدہ: حضرت شعیب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی محبت میں روتے ہوئے آنکھیں دے بیٹھے پھر اللہ تعالیٰ نے آنکھیں لوٹا دیں اور فرمایا کہ اے شعیب کیوں روتے ہو بہشت کے شوق سے یا دوزخ کے خوف سے عرض کی اے اللہ تو ہی خوب جانتا ہے کہ مجھے نہ بہشت کی لالچ ہے نہ دوزخ کا خوف لیکن چونکہ میں تیرے ساتھ محبت کا اعتقاد رکھتا ہوں لیکن تیری لاپرواہی کو دیکھ کر ڈر لگتا ہے کہ نامعلوم تو میرے ساتھ کیا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاں وحی بھیجی کہ اے شعیب اگر تم واقعی میری محبت رکھتے ہو تو اس سے تمہیں بہت بڑا فائدہ ہوگا۔ اسی تیری محبت سے ہی۔ میں نے موسیٰ علیہ السلام یعنی اپنے کلیم کو تیری خدمت میں

---

[1] اضافہ اویسی

[2] یعنی وہابی

بھیجا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے بھاگنا اس طرف اشارہ ہے کہ طالب حق پر لازم ہے کہ مقام نفس امارہ سے کوچ کر کے عالم قلب کی طرف سفر کرے اور فرعون جیسے بُرے دوست سے بھاگ کر شعیب علیہ السلام جیسے حبیب خدا کے ساتھ تعلق پیدا کرے اور اپنے پیر و مرشد کی صدق و ثبات کے ساتھ خدمت کرے۔

مروی ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادہم نے ستر سال لکڑیاں سر پر اٹھا کر نفس کی سرکوبی کی اور **علی ان تاجرنی ثمانی حجج** میں صوفیاء کرام کے طریقہ کی طرف اشارہ ہے یعنی ان کا مریدین سے خدمت لینا انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے۔

حضرت حافظ نے فرمایا ؎

شبان وادی ایمن گہی رسد بمراد
کہ چند سال بجان خدمت شعیب کند

ترجمہ: مرید اُس وقت مراد کو پہنچتا ہے جب کہ وہ چند سال اپنے مرشد کی خدمت کرے۔

تفسیر عالمانہ: **قال** موسیٰ علیہ السلام نے کہا **ذٰلك** جیسے آپ فرما رہے ہیں اور شرطیں لگا رہے ہیں وہ مجھے منظور نہیں اور میں ان پر قائم اور ثابت قدم ہوں **بینی و بینك** میرے اور آپ کے درمیان ہے یعنی میں اپنی شرط سے باہر نہ جاؤں گا اور نہ آپ اپنے معاہدہ کی خلاف ورزی کریں گے **ایما الاجلین قضیت** ایّ شرطیہ ہے اور قضیت کی وجہ سے منصوب ہے اور زائدہ اور ایّ کے ابہام کی تاکید کرتا ہے اور **اَجَلُ** شے کی مدت کو کہا جاتا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اے شعیب علیہ السلام آپ مدت کو بڑھائیں یا گھٹائیں میں آپ کی خدمت میں کوتاہی نہیں کروں گا۔

شرط کا جواب۔ **فلا عدوان علیّ** ہے تو مجھ پر تعدی اور تجاوز نہ ہوگا یعنی نہ دس سے زائد مدت ہوگی اور نہ آٹھ سے کم **واللہ علی ما نقول** جتنا شرائط ہم بیان کر رہے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ **وکیل** شاہد اور حفیظ ہے ہم کسی ایک شرط کی خلاف ورزی نہیں کریں گے۔ اس معاہدہ کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام کے گھر میں موسیٰ علیہ السلام داخل ہوئے اور دس سال تک بکریاں چراتے رہے۔

(کذا فی فتح الرحمٰن)۔

فائدہ: مروی ہے کہ جب عقد نکاح کی رسم مکمل ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام سے شعیب علیہ السلام

marfat.ocm

نے فرمایا کہ میرے گھر میں داخل ہو کر ایک عصا اُٹھا لیجئے اس لیے کہ شعیب علیہ السلام کے ہاں انبیاء علیہم السلام کے عصا مبارک تھے۔ حضرت موسیٰ علیہم السلام نے وہی عصا اُٹھایا جو آدم علیہ السلام بہشت سے اُٹھا کر لائے تھے انبیاء علیہم السلام کو وراثۃً ملتا رہا یہاں تک کہ شعیب علیہ السلام کو وراثت میں ملا چونکہ وہ کپڑوں سے لپیٹا ہوا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہ اُٹھایا اسی خوف سے کہ شاید کہ وہ اس کے لائق نہ ہوں لیکن جونہی آپ کوئی عصا اُٹھاتے تو آپ کے ہاتھ میں وہی عصا آجاتا یہاں تک کہ سات بار ایسے ہی ہوا اسی سے شعیب علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ یہ عصا موسیٰ علیہ السلام کے لائق ہے۔

معجزہ موسیٰ علیہ السلام

مروی ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام بکریاں چرانے کے لیے گھر سے باہر نکلنے تو شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ عزیز جب آپ چوک میں پہنچیں تو دائیں جانب کے راستہ پر ہرگز نہ جانا اگرچہ وہاں گھاس بہت ہے لیکن وہاں ایک اژدہا ہے جس سے مجھے آپ کی جان اور بکریوں کا خطرہ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام جب چوک پر پہنچے تو بکریاں بھاگ کر دائیں جانب کو چلی گئیں موسیٰ علیہ السلام نے روکنے کی کوشش کی لیکن نہ روک سکے آپ بھی اُن کے پیچھے ہوئے لیکن وہاں تو بکریوں کے لیے بہترین گھاس تھا۔ موسیٰ علیہ السلام ایک جگہ ہو گئے تو اژدہا نکل آیا۔ عصا نے اس کا مقابلہ کیا یہاں تک کہ اسے مار دیا اور خون آلود ہو کر واپس موسیٰ علیہ السلام کے کنارے پر گیا موسیٰ علیہ السلام اُٹھے دیکھا کہ عصا خون آلود ہے اور اژدھا مرا پڑا ہے اس سے خوش ہو کر شعیب علیہ السلام کے ہاں واپس لوٹے اور تمام ماجرا سنایا۔ اس سے شعیب علیہ السلام کو مزید یقین ہوا کہ واقعی موسیٰ علیہ السلام اور عصا کی شان ارفع و اعلیٰ ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کا دوسرا معجزہ

حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا اس سال جتنا بکریوں کے بچے درع و درعاء پیدا ہوں گے وہ سب آپ کے۔

فائدہ: درعا و درعا ہر وہ بکری اور بکرا جس کے سینے سفید اور ران سیاہ ہو (کذا فی القاموس) اسی معاہدہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو خواب میں حکم فرمایا کہ اپنا عصا اس میں ماریں جہاں سے بکریاں پانی پیتی ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے ایسے ہی کیا تو وہاں سے بکریوں نے پانی پیا۔ اسی سال تمام بکریوں نے اسی طرح بچے جنے جیسے شعیب علیہ السلام نے شرط لگائی تھی اس سے شعیب علیہ السلام نے سمجھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے

بقیہ صفحہ ٩٠٥

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ

پھر جب موسیٰ نے اپنی میعاد پوری کر دی اور اپنی بی بی کو

اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا

لے کر چلا طور کی طرف سے ایک آگ دیکھی اپنی گھر والی سے کہا تم ٹھہرو مجھے طور کی طرف سے ایک آگ

لَعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا

نظر پڑی ہے شاید میں وہاں سے کچھ خبر لاؤں یا تمہارے لیے کوئی آگ کی چنگاری لاؤں کہ تم تاپو پھر جب آگ کے

نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ

پاس حاضر ہوا ندا کی گئی میدان کے دہنے کنارے سے برکت والے مقام میں پیڑ سے

اَنْ یّٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۰﴾ وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا

کہ اے موسیٰ بیشک میں ہی ہوں اللہ رب سارے جہان کا اور یہ کہ ڈال دے اپنا عصا پھر جب موسیٰ

تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ ؕ یٰمُوْسٰۤى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۫ قف

نے اسے دیکھا لہراتا ہوا گویا سانپ ہے پیٹھ پھیر کر چلا اور مڑ کر نہ دیکھا اے موسیٰ سامنے آ اور ڈر نہیں

اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ ﴿۳۱﴾ اُسْلُكْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ

بیشک تجھے امان ہے اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال نکلے گا سفید چمکتا بے عیب

سُوْٓءٍ ؗ وَّاضْمُمْ اِلَیْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ

اور اپنا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ لے خوف دور کرنے کو تو یہ دو حجتیں ہیں تیرے رب کی

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ

فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بے شک وہ بے حکم لوگ ہیں عرض کی اے میرے رب میں نے ان میں

مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾ وَاَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا

ایک جان مار ڈالی ہے تو ڈرتا ہوں کہ مجھے قتل کر دیں اور میرا بھائی ہارون اس کی زبان مجھ سے زیادہ صاف ہے تو اسے

فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْۤ ٘ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾ قَالَ سَنَشُدُّ

میری مدد کے لیے رسول بنا کہ میری تصدیق کرے مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے فرمایا قریب ہے کہ ہم تیرے

عَضُدَكَ بِاَخِیْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا یَصِلُوْنَ اِلَیْكُمَا ۚۛ بِاٰیٰتِنَاۤ ۚۛ

بازو کو تیرے بھائی سے قوت دیں گے اور تم دونوں کو غلبہ عطا فرمائیں گے تو وہ تم دونوں کا کچھ نقصان نہ کر سکیں گے ہماری نشانیوں

marfat.ocm

اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿٣٥﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ

کے سبب تم دونوں اور جو تمہاری پیروی کریں گے غالب آؤ گے پھر جب موسیٰ ان کے پاس ہماری روشن نشانیاں لایا

قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿٣٦﴾ وَقَالَ

بولے یہ تو نہیں مگر بناوٹ کا جادو اور ہم نے اپنے اگلے باپ داداؤں میں ایسا نہ سنا اور

مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ

موسیٰ نے فرمایا میرا رب خوب جانتا ہے جو اس کے پاس سے ہدایت لایا اور جس کے لیے آخرت کا گھر

عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٣٧﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا

ہوگا بے شک ظالم مراد کو نہیں پہنچتے اور فرعون بولا اے درباریو میں تمہارے

عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ

لیے اپنے سوا کوئی خدا نہیں جانتا تو اے ہامان میرے لیے گارا پکا کر ایک محل بنا

لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٣٨﴾

کہ شاید میں موسیٰ کے خدا کو جھانک آؤں اور بے شک میرے گمان میں تو وہ جھوٹا ہے

وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ﴿٣٩﴾

اور اس نے اور اس کے لشکروں نے زمین میں بے جا بڑائی چاہی اور سمجھے کہ انہیں ہماری طرف پھرنا نہیں

فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٤٠﴾

تو ہم نے اسے اور اس کے لشکر کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا تو دیکھو کیسا انجام ہوا ستمگاروں کا

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿٤١﴾ وَاَتْبَعْنٰهُمْ

اور انہیں ہم نے دوزخیوں کا پیشوا بنایا کہ آگ کی طرف بلاتے ہیں اور قیامت کے دن ان کی مدد نہ ہوگی اور اس دنیا میں

فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴿٤٢﴾ ع

ہم نے ان کے پیچھے لعنت لگائی اور قیامت کے دن ان کا برا ہے

(بقیہ مضمون سابق)

جو اس نے موسیٰ علیہ السلام کو دے دیں۔

مسئلہ: ہماری شریعت میں اس طرح کی شرط غیر واجب ہے لیکن چونکہ انبیاء علیہم السلام وعدہ کے پکے ہوتے ہیں اسی لیے ایفاء عہد فرمایا۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

جرعہ بر خاک وفا آنکس کہ ریخت   کے تواند صید دولت زو گریخت
پس پیمبر گفت بہر ایں طریق   باوفا تر از عمل بنی رفیق

گر بود نیکو ابد یارت شود در بود بد در لحد یارت شود

ترجمہ: جس نے وفا کا گھونٹ زمین پر گرایا پھر اس سے دولت کا شکار کب بھاگ سکتا ہے۔

پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ وفا سے بہتر اور کوئی عمل نہیں۔

اگر نیکی ہے تو وہ ہمیشہ تیرا ساتھی ہوگا اگر وہ بُرا ہے تب بھی وہ تجھے قبر میں نہ چھوڑے گا۔

تفسیر عالمانہ : فلما قضی موسی الاجل۔ فاء فصیحیہ ہے یعنی عقد مکمل ہوگیا اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ذمہ داری کو خوب نبھایا بالآخر شرط کے مطابق صحیح اُترے اور میعاد مقررہ پوری ہوئی۔

مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے دس سال کے بعد کی تکمیل کی یعنی دس سال شعیب علیہ السلام کی بکریاں چرائیں۔ پھر آپ کو وطن کی محبت نے ستایا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی جوانی لوٹ آئی: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب وطن جانے کی تیاری کی تو شعیب علیہ السلام رو پڑے اور موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا آپ وطن جا رہے ہیں لیکن میرا حال یہ ہے کہ کمزوری حد سے بڑھ گئی ہے اور بڑھاپا سر چڑھ گیا ہے (بہتر تھا آپ نہ جاتے) موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ مجھے گھر سے آئے طویل عرصہ ہو چلا ہے۔ میری ماں میری بہن بھائی ہارون بڑے سخت غمگین ہوں گے اور میری ایک بہن فرعون کے قبضہ میں تھی اس لیے بھی مجھے ہر وقت پریشانی رہتی ہے۔ شعیب علیہ السلام اُٹھے اور کھڑے کھڑے دُعا مانگی۔ آپ کی دعا کے الفاظ یہ ہیں:

یارب بحرمة ابراهیم الخلیل واسماعیل الصفی واسحاق الذبیح و یعقوب الکظیم و یوسف الصدیق۔ اے اللہ ابراہیم و اسماعیل و اسحاق و یعقوب و یوسف علیہم السلام کے طفیل میری قوت اور میری بصارت (بینائی) واپس لوٹا دے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام (آمین) کہتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے شعیب علیہ السلام کی قوت لوٹا دی اور آپ کی بینائی بھی بحال ہوگئی۔ اس کے بعد اپنی صاحبزادی صفوراء موسیٰ علیہ السلام کے سپرد کی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **وسار** اور موسیٰ علیہ السلام شعیب علیہ السلام سے اجازت لے کر مدین سے مصر کو روانہ ہوئے۔ **السیر** بمعنی زمین پر چلنا تھا۔ **باھلہ**۔ اپنی اہلیہ یعنی بی بی صفورا رضی اللہ عنہا کے ساتھ اُس وقت ایک بچہ بھی پیدا ہو چکا تھا جو کہ وہ روانگی کے وقت ساتھ تھا کذا فی کشف الاسرار اسی لیے کاشفی نے اس کا ترجمہ لکھا کہ لے چلے موسیٰ علیہ السلام لوگوں کو۔ اس موقع پر باء تعدیہ کی ہوگی۔

تفسیر صوفیانہ: حضرت ابن عطا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب محبت و عشق کی میعاد پوری ہوئی اور قربت اور نزدیکی کے ایام قریب ہوئے اور موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے انوار کے

ل یہی الفاظ قدیم سے اہل حق استعمال کرتے چلے آتے ہیں لیکن وہابیہ کی بدبختی کہ وہ اس طرح کے الفاظ دعا میں کہنے کو ناجائز کہتے ہیں بلکہ بعض تو اسے کفر کے دائرہ میں شامل کرتے ہیں۔

آثار ظاہر ہوئے تو اپنی اہلیہ کو بھی ساتھ لے گئے تاکہ ہر دو صنعت باری تعالیٰ کے معائنہ و مشاہدہ میں مشترک ہوں۔

ربط: کشف الاسرار میں ہے کہ ظہر کی نماز پڑھ کر روانہ ہوئے۔ جب رات ہوئی تو جنگل میں پہنچے رات اندھیری تھی۔ ایک وادی کے کنارے خیمہ لگایا اور اہلیہ کو اس میں بٹھایا لیکن جونہی رات ہوئی تو موسلادھار بارش و باراں سے تربتر ہو گئیں یعنی وہی بکریاں جو شعیب علیہ السلام نے ساتھ بھیجی تھیں اور انہوں نے بھی انھیں ساتھ لے لیا اور اس وقت بی بی صفوریا رضی اللہ عنہ حاملہ تھیں۔ بی بی صاحبہ کو درد زہ شروع ہوا۔ دیا سلائی جلائی لیکن پانی پڑنے کی وجہ سے دیا سلائی سے آگ ہاتھ نہ لگی۔ اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سخت غم لاحق ہوا۔ اسی وقت **انس من جانب الطور نارا**۔ طور کی جہت کے مستقبل موسیٰ علیہ السلام نے آگ محسوس کی۔ **الطور** ایک مخصوص پہاڑ کا نام ہے اور **النار** وہ شعلہ جو آگ سے محسوس ہوتا ہے اور حرارت خالصہ کو بھی نار کہا جاتا ہے اور جہنم کو بھی نار کہتے ہیں۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسی نار دیکھی جو انوار پر دلالت کرتی تھی اس لیے کہ انھوں نے نور کو نار کے رنگ میں دیکھا وہ اس لیے کہ ان کا مقصد ہی نار تھا تو ان کے گمان کے مطابق ہی نار کے رنگ میں نور نظر آیا اور یہ قاعدہ ہے کہ انسان اپنے تخیلات کو اشیاء معہودہ مانوسہ میں دیکھتا ہے اور آگ بھی انسان کی مانوسہ اشیاء میں داخل ہے بالخصوص سردیوں میں اس کے ساتھ بہت زیادہ انس ہوتا ہے اور وہ موسم بھی سرمائی تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے نار کے لباس میں موسیٰ علیہ السلام کے تقاضا کے مطابق اللہ تعالیٰ نے نار کے لباس میں نور کے ساتھ متجلی ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہی طریقہ ہے جیسے جبریل علیہ السلام حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں محبوب انسان یعنی حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کی صورت میں حاضر ہوتے تھے اور اکثر اُن کی حاضری اسی صورت میں ہوتی تھی۔

تفسیر عالمانہ: **قال**۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا **لاھلہ امکثوا**۔ المکث انتظار کے ساتھ کسی جگہ ٹھہرنا یعنی اپنے اہل کو فرمایا یہاں پر ٹھہرو **انی انست نارا لعلی** میں نے آگ کو محسوس کیا ہے شاید کہ **اتیکم** میں لاؤں تمہارے لیے **منہا** آگ سے **بخبر** آگ کے قریب بیٹھنے والے لوگوں سے یا مصر کی طرف راستہ کی کوئی خبر لاؤں وہ اس لیے کہ رات اندھیری اور جنگل کی وجہ سے راستہ بھول گئے تھے **او جذوۃ** جذوہ سخت لکڑی کو کہا جاتا ہے اس پر چنگاری ہو یا نہ اسی لیے **من النار** کی قید لگائی ہے۔ اور المفردات میں ہے کہ وہ لکڑی جو آگ جلانے کے بعد بچ جاتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ سالک پر ظاہر کی تجرید باطن کی تفرید اور تجرید ظاہری یہ ہے کہ انسان اپنے اہل و عیال اور دنیا سے بالکل فارغ ہو جائے جتنا قدر تعلقات سے دور ہو جس پر سالک کے کچھ درہم بچ جائیں اور باطن کی تفرید یہ ہے۔ کہ یہ انسان کونین

کے تعلقات سے دُور ہو جائے جتنا قدر تعلقات سے دُور ہو گا اتنا قدر توحید کے شواہد کا مشاہدہ کرے گا۔ سب سے پہلا مشاہدہ شعلۂ نار سے محسوس ہو گا جیسے موسیٰ علیہ السلام کو ہوا ایسے ہی ستارہ کی صورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہوا۔ لوامع اور طوالع و سواطع اور شموس و اقمار کا سالک کو مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ یہاں کہ مطلع الوہیت سے نور ربوبیت کے تجلیات متجلی ہوتے ہیں۔

حل لغات : **لعلکم تصطلون**۔ الاصطلاء بمعنیٰ آگ سے گرم ہونا اور کشف الاسرار میں ہے کہ الاصطلاء التدفؤ بالصلاء بفتح الصاد و کسرہا بالفتح ہو تو الصلا کو بالقصر اگر بالکسر ہو تو بالمد پڑھا جائے بمعنی آگ سے گرمی حاصل کرنا۔

تفسیر صوفیانہ : اس میں اشارہ ہے کہ اوصافِ انسانیۃ برودۃ طبیعۃ سے جامد ہیں۔ یہ صرف نار محبۃ و عشق بلکہ جذبۂ الٰہیہ کی نار سے ہی گرم ہو کر پگھلتے ہیں۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

حضرت کمال خجندی نے فرمایا ؎

بچشم اہل نظر کم بوذر پروانہ
دلے کہ سوختۂ آتش محبت نیست

ترجمہ : اہل نظر کی نگاہ میں وہ دل پروانہ سے بھی کم ہے جو عشق کی آگ سے نہیں جلی۔

خلاصہ یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اہل کو جنگل میں چھوڑا اور چل پڑے۔

تفسیر عالمانہ : **فلما اتاھا** پس جب موسیٰ علیہ السلام اس آگ کے قریب پہنچے جسے دور سے محسوس کیا تھا۔ نودی من شاطئ الایمن۔ موسیٰ علیہ السلام کو ندا آئی اس جانب سے جو ان کے دائیں جانب تھی۔

اس معنی پر لفظ **الایمن** مجرور ہو گا اس لیے کہ وہ شاطی کی صفت ہو گی اور **الشاطی** بمعنی الجانب اور **الشط** بمعنی نہر کا کنارا اور **الوادی** وہ جگہ جس میں پانی رواں ہو اسی معنی پر دو پہاڑوں کے درمیانی مفرج (راہ) کو بھی وادی کہا جاتا ہے۔ **فی البقعۃ المبارکۃ** اس مبارک جگہ سے جو وادی کے متصل تھی۔ یا یہ نودی کا صلہ ہے اور **البقعۃ** زمین کا وہ ٹکڑا جس میں درخت نہ ہو۔ اور اس جگہ کو مبارک اس لیے کہا گیا کہ یہاں سے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت یا موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلامی کی شرافت کا آغاز ہوا۔ اور تجلیات اولیاء کا حال بھی ایسے ہوتا ہے۔ (قدس اللہ اسرارہم)

من الشجرۃ یہ شاطئ سے بدل الاشتمال ہے اس لیے کہ وہ درخت اسی کنارہ پر تھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے دور تک وہ درخت موجود رہا۔ (کذا فی کشف الاسرار)

فائدہ : وہ درخت یا عناب تھا یا کیکر یا بیری یا زیتون یا عوسج یعنی وہ درخت کہ جب بڑا ہوتا ہے تو اسے عرقد (الغین) کہا جاتا ہے۔

marfat.ocm

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ یہود کا درخت ہے کہ وہ ہرگز نہیں بولے گا۔

شرح الحدیث: یعنی جب عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے زمین پہ تشریف لائیں گے اور یہودیوں کو قتل کریں گے تو جو یہودی بھی بھاگ کر کسی درخت کے نیچے چھپے گا تو وہی درخت بولے گا کہ اے مسلم یہ ہے یہودی اسے قتل کر دے سوائے غرقد کے اس لیے کہ یہ ان کا درخت ہے اس لیے یہ نہیں بولے گا۔ (کذا فی التعریف والاعلام للامام السہیلی)

اَن مفسرہ ہے یعنی ان بمعنی ای ہے۔ **یاموسٰی انی انا اللہ رب العلمین۔** اے موسیٰ علیہ السلام میں اللہ رب العالمین ہوں یعنی میں ہوں جس نے تجھے ندا دی اور جس نے تیرا نام لے کر تجھے بلایا میں اللہ تعالیٰ اور تمام مخلوق کا پالنے والا ہوں یہی وہ پہلا کلام ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو نوازا۔

سوال: اللہ تعالیٰ کے کلام مخالفت کیوں؟ مثلاً طٰہٰ میں ایسے اور قصص میں یہ اور نمل میں دیگر۔

جواب: چونکہ مقصود سب کا ایک ہے اسی لیے اختلاف الفاظ سے مقصد میں فرق نہیں پڑتا۔

فائدہ: کاشفی نے لکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب درخت میں دیکھا کہ اس سے ایک ایسی آگ نمودار ہو رہی ہے جس کا رنگ سفید ہے لیکن شوق دیدار الٰہی اسی ظاہری آگ سے پیدا ہوا اس سے گویا آپ کا ظاہری وجود جل گیا۔ ؎

ہست در من آتش روشن نمی دانم
ایں قدر دانم کہ ہم چوں شمع می کاہم دگر

ترجمہ: میرے اندر آگ روشن ہے جسے میں نہیں جانتا کہ شمع کی طرح پگھل رہا ہوں۔

موسیٰ علیہ السلام (ان یاموسٰی) کی ندا سے عشق الٰہی میں گم اور ذات حق میں فانی ہو گئے اور موسیٰ علیہ السلام (ان یاموسٰی علیہ السلام) کی ندا سے عشق الٰہی سے جل گئے اور شوق حق سے پگھل کر درخت کے سامنے کھڑے ہو گئے وہاں سے یہ آواز آتی تھی۔ **انی انا اللہ رب العلمین**

تفسیر عالمانہ: **فائدہ:** کشف الاسرار میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اسی درخت کے نیچے صفات الٰہی میں گم اور ذات حق میں فانی ہو گئے اسی لیے سمع (کان) ہو گئے۔ جب ندائے الٰہی انہیں پہنچی تو قربت حق کی خلعت پہنی اور شربت الفت نوش فرمائی اس سے آپ وصال حق سے سرفراز ہوئے اور رحمت الٰہی کی خوشبو سونگھی۔ ؎

اے عاشق دل سوختہ اندوہ مدار روزے بمراد عاشقاں گردد کار

ترجمہ: اے دل سوختہ عاشق غم نہ کھا۔ ایک دن تو بھی عاشقوں کی طرح مراد پا لے گا۔

فائدہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ جب موسیٰ علیہ السلام درخت کے قریب پہنچے تو نار جل گئی اور نور آگیا پھر موسیٰ علیہ السلام کی خودی گم ہوئی۔ شجرہ ذات کی صفات سے آواز سنائی دی اور پہلی تجلی اور کلامِ حق سے عقیق ہوگیا اور موسیٰ علیہ السلام پر غشی طاری ہوگئی اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کرام کو موسیٰ علیہ السلام کو انس کا پنکھا ہلایا اور کہا اے موسیٰ علیہ السلام آپ تھک گئے ہیں اب آرام کیجیے اور آپ فنائیت سے بقا پا گئے ہیں اور آپ کو مبارک ہو کہ آپ بہت بڑی اونچی شان سے نوازے گئے ہیں یعنی اب آپ کا مقدر چمکا ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی ہم کلامی کا شرف نصیب ہوا ہے یہ آپ کا ابتدائی مقام تھا انتہائی مقام اس سے اور بلند تھا۔ اس کے بعد دوسری بار پھر بیہوش ہوئے اور غشی کھائی تو ملائکہ نے کہا اے حیض والی عورتوں کے بیٹے تیرے جیسے کس منہ سے دیدار کی آرزو کریں۔ کاش ملائکہ کو موسیٰ علیہ السلام کی شان معلوم ہوتی تو انہیں عار نہ دلاتے اس لیے کہ اگرچہ وہ ابتداءً مرید اور طالب تھے لیکن آخر میں مراد و مطلوب حق تھے اسی لیے کہ بعد کو انہیں اللہ تعالیٰ نے طلب فرما کر اپنے لیے چن لیا اسی لیے کہا گیا ہے کہ شجرۂ موسیٰ علیہ السلام اور شجرۂ آدم علیہ السلام میں بہت بڑا فرق ہے اس لیے کہ آدم علیہ السلام نے شجرہ سے انہیں محنت اٹھانی پڑی اور آزمائش میں مبتلا ہوئے اور موسیٰ علیہ السلام نے شجرہ سے نبوت و رسالت پائی لیکن یہ قول بھی حقیقت سے بے خبری کی دلیل ہے ورنہ ظاہر ہے کہ شجرۂ آدم علیہ السلام میں شجرۂ ربوبیت کی طرف اشارہ تھا اسی لیے تو فرمایا کہ ولا تقربا ھذہ الشجرۃ۔” کیونکہ آدم علیہ السلام صفاتِ حق سے متصف تو تھے ہی اسی لیے چاہا کہ وہ ان کی حقیقت سے دائمی زندگی بسر کریں تو اس سے اللہ تعالیٰ نے انہیں منع کر کے فرمایا کہ یہ ایسی حقیقت ہے جو آپ کے لائق نہیں کیونکہ حقیقت ازلیہ و صفات محدثہ کا اتحاد ممتنع ہے۔ پھر ہوا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تجلیٔ ازلیہ کو شجرہ سے ظاہر فرمایا تو آدم علیہ السلام بیہوش ہوئے۔ اور بے صبری سے اسے اس کی تحصیل کے درپے ہوئے چنانچہ اس سے ربوبیت کے ایک جلوہ سے کچھ حاصل کر لیا اس کے بعد وہ حضرت حق میں نہ رہ سکے اور بہشت میں رہنے کے بجائے عشاق کے علاقہ میں بھیج دیئے گئے تاکہ ان مشتاقان غمزدہ کے ساتھ رہ کر جلوہ ہائے ربانی کی یاد میں آنسو بہائیں۔

خلاصہ یہ کہ آدم علیہ السلام کا شجرہ شجرۂ اسرار تھا اور موسیٰ علیہ السلام کا شجرۂ انوار اور ظاہر ہے کہ شجرۂ انوار ابرار کو نصیب ہوتا ہے اور شجرۂ اسرار اخیار کو۔

ردّ وہابیہ: جب شجرہ سے تجلیات کا ظہور اور بے کیف اور بلا جہت شجرہ سے کلامِ حق کا صدور ہو سکتا ہے تو شجرہ انسانیہ سے اس کا ظہور و صدور تو بطریق اولیٰ ہے۔ اس لیے مشائخ نے

marfat.ocm

توحید کے تین مراتب بتائے۔

١۔ مرتبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوْ۔

٢۔ مرتبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ۔

٣۔ مرتبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ انا۔

ایسے کلام کا متکلم درحقیقت اللہ تعالیٰ ہوتا ہے جس نے کلام ازلی سے جیسے چاہا کلام فرمایا۔

سبق: اگر تم اہلیت و صلاحیت رکھتے ہو تو ایسے کلام کا ذوق حاصل کرو ورنہ کم ازکم اس پر ایمان تو لاؤ۔ انکار کروگے تو بے ایمان ہو کر مروگے۔ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور پسندیدہ اور ابرار پر لاکھوں سلام ہوں اور ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ ہمیں اشیاء کی حقیقت کا مشاہدہ نصیب فرمائے اس لیے کہ کل کائنات صرف وہم و خیال ہے اور جو کچھ ہے وہ درحقیقت حق ہے اس لیے کہ موجود ہے تو وہی اور مشہود ہے تو وہی۔

اے عزیز اسے پورے طور پہ سمجھ اور میری اس تقریر کو غنیمت جان۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے عاشق کی زبان میں فرمایا ؎

مرا باوجود تو ہستی نماند　　بیاد توام خود پرستی نماند
گرم جرم بینی مکن عیب من　　توئی سر بر آوردہ از جیب من

ترجمہ: تیرے سامنے میری ہستی ہے ہی نہیں۔ میں تو صرف تیری یاد میں ہوں۔ مجھے اپنی بھی خبر نہیں۔

اگر میرا کوئی جرم و قصور ہے تو اسے مت دیکھئے کیونکہ مجھ سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ تو ہی ہے۔

اور فرمایا ؎

سمندر نۂ گرد آتش مگرد　　کہ مردانگی باید آنگہ نبرد

ل حضرت مولانا محمد یار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

بجاتے تھے جو اِنِّیْ عبدہٗ کی بانسری ہر دم
وہ عرش حق پہ اِنِّیْ انا اللّٰہ بن کے نکلیں گے

اسی طرح کے اور عارفانہ کلام اور حضرت منصور رحمۃ اللہ علیہ کا انا الحق اور حضرت بایزید قدس سرہ کا سبحان ما اعظم شانی فرمانا اسی قاعدہ کے مطابق ہے۔ اویسی غفرلہٗ

ترجمہ: آتشی چوب ہے نہیں ہو اسی لیے آگ کے گرد: گھومے اس کے لیے تو جوانمردی لازم ہے۔ ایسے پہلے جوانمردی پیدا کرو اور پھر مقابلہ۔

سبق اس میں اشارہ ہے کہ چونکہ ہم مرتبۂ موسیٰ علیہ السلام نہیں اسی لیے تم اپنے جلوؤں کے حصول کی جد و جہد مت کرو۔ ہم انشاء اللہ نارِ عشق میں جلنے اور سر فنا کلی تک پہنچنے کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ: وان الق عصاك۔ اس کا عطف یا موسیٰ پر ہے اور ہر دونوں نودی کے مفسر ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے موسیٰ علیہ السلام اپنا عصا ہاتھ سے چھوڑ کر نیچے گرا دیجئے چنانچہ جب اُنھوں نے عصا نیچے ڈالا تو وہ اژدہا بن کر ادھر اُدھر چلنے لگا فلما راٰها تهتز۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ سخت تیز دوڑتا جا رہا ہے۔

اہتزاز بمعنی تحریک شدید كانها جان گویا وہ سرعۃ حرکہ یا ہیئۃ وجثہ میں اژدہا ہے اور وہ فرعون کے ہاں بہت بڑا اژدہا دکھائی دیا۔ الجان۔ ہر وہ سانپ جس کی آنکھیں سرمیلی اور بہت زیادہ چکر کاٹنے والا لیکن ایذا نہ دینے والا۔ ولٰى مدبرا تو موسیٰ علیہ السلام پیچھے ہٹے در آنحالیکہ خوف زدہ تھے ولم يعقب اور نہ لوٹے، خلیل نے کہا عقب بمعنی رَجَعَ علیٰ عقبہ۔ عقب موخر القدم کو کہا جاتا ہے۔ ان کے مڑنے پر ندا آئی یا موسىٰ اقبل اے موسیٰ علیہ السلام آگے بڑھئے ولا تخف اور اس سانپ سے خوف نہ کیجئے انك من الاٰمنين بے شک آپ تمام ڈراؤنے اُمور سے امن اور قرار میں ہیں اور رسل کرام کو میرے ہاں بالکل خوف و حزن ہے نہیں جیسا کہ سورۂ نمل میں گزرا۔

سوال: عصا کو زمین پر گرانے کا کیا فائدہ۔

جواب: تجربہ مطلوب تھا تاکہ فرعون کے ہاں پہنچ کر انھیں ایسا معجزہ دکھانے سے خوف نہ ہو اور اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمایا تھا کہ فرعون کے ساتھ مناظرہ کے وقت عصا کو سانپ بنا کر دکھائیں گے۔ اگرچہ ان کے علاوہ معجزات بھی دکھائے جائیں گے۔ لیکن اسے مناظرہ کے ساتھ خصوصیت تھی۔ (کذا فی الاسئلۃ المقحمۃ)

تفسیر صوفیانہ: اس میں اشارہ ہے کہ سالک پر لازم ہے کہ غیر اللہ کے جملہ سہارے منقطع کر دے اس لیے کہ جو بھی صرف اللہ تعالیٰ پر سہارا کرتا ہے وہ کامیاب ہوتا ہے اور جو غیر پر بھروسہ کرتا ہے وہ ہزاروں خوفوں میں مبتلا ہوتا ہے۔ اور کشف الاسرار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو دوسرے مقام پر فرمایا خذها ولا تخف يا موسىٰ۔ اے موسیٰ علیہ السلام عصا کو لیجئے لیکن عصا سے محبت نہ کرنا اور نہ ہی اسے اپنی پناہ سمجھ کر اس پر بھروسہ کرنا۔ اس لیے کہ دنیا کی محبت جملہ گناہوں کی اصل ہے۔

معجزۂ محمدی و معجزۂ موسوی میں فرق

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضور سرورِ انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ان دو معجزوں میں بہت بڑا فرق ہے

marfat.ocm

وہ اس لیے کہ موسیٰ علیہ السلام کو خطاب الٰہی سے نوازے جانے کے بعد اژدہا کو دشمن پر مسلط کر دیا اور ہمارے آقا و مولا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم شبِ معراج قربِ خاص سے نوازے جانے اور اسرار و رموز سے مشرف ہونے کے بعد اُمت کو نماز جیسی دولت سے نوازا جو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک قسم کی مناجات ہے اور اگرچہ اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو **السلام علیك ایھا النبی و رحمة اللہ و برکاته** سے نوازا۔ لیکن آپ نے اپنی اُمت کو بھی شامل فرمایا **السلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین۔**

تفسیر عالمانہ: **اسلك یدك فی جیبك** اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال دیجئے جیب یہ اونی کپڑا ہوتا ہے جو بجائے قمیص کے پہنا جاتا ہے اور اس کی آستین صرف کہنیوں تک ہوتی ہیں۔

تخرج بیضاء ظاہر ہوگا آپ کا ہاتھ مبارک درآنحالیکہ چمکیلا اور روشن ہوگا اور سورج کی طرح اس کی شعاعیں ہوں گی۔ **من غیر سوء** بغیر عیب کے مثلاً برص کی بیماری کی وجہ سے یعنی اس کی سفیدی (روشنی) مکروہ اور نفرت دلانے والی برص کی سفیدی کی طرح نہ ہوگی۔ **واضمم الیك جناحك** انسان کے لیے لفظ جناح کا استعمال اس کے بازو کے لیے ہوتا ہے یہاں دونوں ہاتھ مراد ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ آپ اپنے دونوں ہاتھ جو کہ آپ نے خائف اور گھبراہٹ والے سانپ سے بچنے کے لیے پھیلائے ہوئے ہیں سمیٹ لیجئے اور خوف زدہ اپنے ہاتھ یوں سمیٹتا ہے کہ اس کا دایاں ہاتھ بائیں پر یا اس کے برعکس یا پھر وہ انہیں گریبان میں ڈال دیتا ہے۔

اس تقریر پر **اسلك** کا تکرار ہوا لیکن غرض ہر دونوں سے علیحدہ علیحدہ ہے اسی لیے فصاحت کے خلاف نہیں۔ مثلاً دوسرے سے دشمن کے سامنے اظہار جرأت مراد ہے اور یہی آپ کے معجزہ کے ظہور کا مبدا ہے یا یوں کہا جائے کہ **اضمم** سے عصا کے سانپ بننے کے وقت **اضمم** سے تجلد و ثبات مراد ہے۔ یہ پرندہ کے پر سے استعارہ کہا گیا ہے اس لیے کہ پرندے کی عادت ہے کہ جب وہ کسی شے سے ڈرتا ہے تو وہ اپنے پر پھیلاتا ہے جب خوف زائل ہو جاتا ہے اور وہ پورے طور پر مطمئن ہو کر قرار پاتا ہے تو وہ اپنے دونوں پر سمیٹ لیتا ہے اس معنیٰ پر یہ **انك من الآمنین** کی تتمہ ہوگی۔ اس تقریر سے تکرار کا سوال ختم ہو گیا۔

من الرھب۔ الرہب بمعنی تحزن و اضطراب کے ساتھ خوف زدہ ہونا اور من سببیہ ہے یعنی جب آپ کو کوئی خوف طاری ہو تو اپنے آپ کو قابو کر کے ثابت قدمی سے ایسا کرنا۔ **فذانك** یہ عصا اور ہاتھ کی طرف اشارہ ہے۔ **برھانان** دو روشن دلیلیں اور واضح معجزے ہیں۔

حل لغات: برهان بروزن فعلان یہ ابرہ الرجل سے ہے۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی شخص دلیل لائے یا برہ الرجل سے ہے یہ اُس وقت کہا جاتا ہے جب وہ سفید ہو جائے اس سے لفظ برهاءً و بَرْهَةٌ ہے بمعنی سفید عورت۔ اس کی لفظ سلطان بمعنی سلطان ہے سے سلیط سے لیا گیا ہے بمعنی زیت (زیتون) اس لیے کہ اسے جلا کر روشنی حاصل کی جاتی ہے بعض نے اس کا وزن فعلال ہے یہ "بُرْهَنَ" سے ہے۔ **من ربك برهانان** کی صفت ہے۔ یہ کائنانان کے متعلق ہے یعنی وہ دو معجزے پہنچنے والے ہیں۔ تیرے رب تعالیٰ سے **الی فرعون وملأه**۔ فرعون اور اس کے لشکر کی طرف اور وہ دونوں معجزے ان کے ہاں پہنچے لیکن **انهم كانوا قوما فاسقين**۔ بیشک وہ حدود ظلم وعدوان سے خارج ہونے والے تھے اور وہ اس لائق تھے کہ ہم یہی دونوں معجزے دے کر ہم آپ کو ان کے ہاں رسول بنا کر بھیجیں۔

قال موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی **انی قتلت نفسا**۔ بیشک میں ایک قبطی قاعون فرعون کے باورچی کو قتل کیا تھا **فاخاف ان یقتلون** مجھے خوف ہے کہ وہ مجھے اس بدلہ میں قتل نہ کر دیں **واخی هارون هوافصح منی لسانا** اور میرا بھائی ہارون علیہ السلام گفتگو میں مجھ سے فصیح تر ہے۔

فائدہ: موسیٰ علیہ السلام نے گفتگو کے بجائے زبان کا نام اس لیے لیا کہ آپ کی زبان مبارک میں لکنت بھی بوجہ اس انگارے کے تھا جو آپ نے بچپن میں منہ میں ڈالا تھا اسی لیے اچھے سلیقے سے گفتگو نہیں فرما سکتے تھے اسی لیے فرعون نے آپ کے حق میں کہا **ولا یکاد یبین**۔

تفسیر صوفیانہ: بعض عارفین نے فرمایا کہ دراصل مقام فصاحت مقام صحو وتمکین کا دوسرا نام ہے اور یہ مرتبہ ایسا ہے کہ صاحبِ مقام اس مرتبہ میں حق واسرار حق سے ایسے طریقے سے خبر دے کہ علمی لحاظ سے عوام کو ثقالت محسوس نہ ہو اور یہ مرتبہ بطریق اتم واکمل سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا **کما قال علیہ السلام "انا افصح العرب"**، میں عرب کا فصیح ترین انسان ہوں اور فرمایا **بعثت بجوامع الکلم**۔ جوامع کلم کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں۔

دراصل یہ قدرتِ کلامی کی کیفیت کا نام ہے اس سے وہ عارف متمکن موصوف ہوتا ہے جسے مشاہدۂ خالص اور مخاطبۂ خواص کی دولت نصیب ہو۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام اس وقت مقامِ سکر میں تھے اس لیے اپنے حال کو اچھی طرح بیان نہیں کر سکتے تھے جیسے وہ اس سے ماقبل گفتگو کرتے تھے اس لیے کہ اگر وہ اپنے اسی حال موجودہ کے مطابق گفتگو فرماتے تو آپ سے شطحیاتی کلام کا اظہار ہوتا اور ایسے کلام کے عوام حامل نہیں ہوتے بلکہ سنتے ہی فتنہ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے مقام صحو وتمکین

marfat.ocm

کا سوال کیا کما قال: واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی۔ اس لیے کہ آپ کا کلام مواجہۂ خاص میں تمام نہیں ہوتا تھا ایسا ردءًا چاہا تھا جو صرف آپ کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کی رسول بنا کر بھیجے ردءًا در آنحالیکہ وہ میرا معین و مددگار ہوگا۔ ردء اصل وردءٌ کی طرح ہر اُس شے کو کہا جاتا ہے کہ جس سے کسی معاملہ میں مدد لی جائے لیکن یہاں پر دلیل (راہ دکھانے والے) کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ **یصدقنی** مرفوع اور ردءًا کی صفت ہے یعنی وہ ہارون علیہ السلام حق بیان کرنے اور حجت قائم کرنے اور دلائل واضح کرنے اور مخالف کے شبہات رد کرنے اور اُس کے دلائل کے ابطال میں میری تصدیق کریں گے مثلاً کہے **صدقت** یا جماعت کہے۔ **صدقوہ** چنانچہ **ھو افصح منی لسانا** اس لیے کہ ایسی باتیں کرنے پر فصیح غیر فصیح بھی کر سکتا ہے۔ (کذا فی فتح الرحمٰن)

انی اخاف ان یکذبون مجھے خوف ہے کہ وہ میری تکذیب کریں بایں طور کہ میری بات کا رد کریں یا میری دعوت قبول نہ کریں اور پھر میری زبان گفتگو کے وقت صحیح طور پر کام نہیں کرتی۔

تفسیر صوفیانہ: اس میں اشارہ ہے کہ فرعون اور نمرود نفس والوں کو ہمیشہ حق بولنے والوں سے عناد اور تکذیب رہی اور ہارون عقل ہمیشہ ناطق بالحق کی تصدیق کرتا ہے۔ **قال** اللہ تعالیٰ نے فرمایا **سنشد عضدک باخیک العضد** کہنی اور مونڈھے کے درمیانی حصے کو کہا جاتا ہے بمعنی بازو یعنی میں آپ کو آپ کے بھائی کی وجہ سے تقویت بخشوں گا وہ اس لیے کہ بھائی بھائی کا ہاتھ پکڑتا ہے اسی محاورہ پر موسیٰ علیہ السلام کے بازو کی قوت کا سبب ہارون علیہ السلام کو بنایا گیا اور اُس وقت ہارون علیہ السلام مصر میں تھے۔ **ونجعل لکما سلطانا** اور میں تمہیں تسلط اور غلبہ بخشوں گا۔ یہاں پر **سلطان** بمعنی تسلط و غلبہ ہے اور حضرت جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سلطان بمعنی ہیبت و محبۃ ہے یعنی دشمنوں کے دلوں میں آپ کی ہیبت اور دوستوں کے دلوں میں محبت ڈال دوں گا۔ اور حضرت ابن عطاء نے فرمایا کہ اخلاق نبوت کے ساتھ سیاست خلافت مراد ہے۔ **فلا یصلون الیکما** پس وہ تمہارے اُوپر استیلاء و غلبہ نہیں پا سکیں گے **بایتنا** اس کا متعلق محذوف ہے چنانچہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اس محذوف کے متعلق تصریح کی گئی ہے مثلاً فرمایا **اذھبا بایتنا** یا یہ **نجعل** کے متعلق ہے اب معنیٰ یہ ہوگا کہ ہم دونوں آیات بمعنی معجزات کے ذریعے ان پر غلبہ بخشیں گے یا **لا یصلون** کے متعلق ہے یعنی آپ ان سے آیات و معجزات کی وجہ سے مامون محفوظ رہیں گے اس لیے وہ آپ کو قتل نہ کر سکیں گے اور نہ کوئی اور تکلیف پہنچا سکیں گے۔ (کذا فی فتح الرحمٰن)

انتما ومن اتبعکما الغالبون آپ کو اور آپ کے متبعین کو فرعون اور اس کی قوم پر غلبہ

اور تسلط ہو گیا اس لیے کہ ہمارے رایات، آیات عالی ہیں اور ہم ہمیشہ صرف اپنے دوستوں کی مدد کرتے ہیں اور ہماری یہ مدد مسلسل پے در پے ہوتی ہے۔ (واللہ الغالب والمتعالی)

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کی یہ مناجات مکمل ہوئی تو انہیں اللہ تعالیٰ نے واپسی کا حکم فرمایا۔ پھر علماء کا اختلاف ہے کہ موسیٰ علیہ السلام مدین سے سیدھے فرعون کے پاس چلے گئے یا پہلے اہل وعیال کے پاس گئے پھر فرعون کے ہاں تشریف لائے۔

ایک روایت میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اہل وعیال کو جنگل میں چھوڑ کر سیدھے فرعون کے ہاں چلے گئے اور آپ کے عیال میں شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی اور موسیٰ علیہ السلام کا ایک چھوٹا صاحبزادہ مدین ومصر کے درمیان ایک جنگل میں تین دن اکیلے رہے اور وہاں اُن کی بکریاں بھی تھیں جو شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو عنایت فرمائی تھیں۔ ان تین دنوں کے بعد ایک چرواہا اس جنگل سے گزرا تو اس نے شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی کو پہچان لیا۔ دیکھا کہ بی بی اداس وغمگین بیٹھی ہیں۔ انہیں وہ چرواہا مدین میں شعیب علیہ السلام کے سپرد کر گیا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام مناجات سے فارغ ہوئے تو اسی رات اپنے اہل وعیال کے ہاں واپس تشریف لے گئے تو اہل وعیال نے پوچھا کیا آپ آگ نہیں لائے آپ نے فرمایا میں نے آگ کے بجائے نور کو حاصل کیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت نصیب ہوئی اور کرامات ومعجزات سے نوازا گیا ہوں۔ اس کے بعد اہل وعیال کو مصر میں لے آئے۔ جب مصر میں وارد ہوئے تو رات کا وقت تھا۔ اس اثناء میں آپ کی بہن اور بھائی موجود تھے لیکن آپ کے والد گرامی کا وصال ہو چکا تھا موسیٰ علیہ السلام نے ایک سرائے کے باہر نوافل پڑھنے شروع کر دیئے۔ ایک گھر میں دیکھا کہ وہ لوگ کھانا وغیرہ کھا رہے ہیں آپ نے آواز دی کہ گھر والو ہم بھی آپ کے مہمان ہیں ہماری مہمانی آپ کے ذمہ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ نے آواز سن کر ہارون علیہ السلام کو فرمایا کہ اس مسافر کو مہمانی دینی چاہیئے ممکن ہے میرے مسافر بچے (موسیٰ علیہ السلام) کو کوئی ایسا واقعہ پیش آئے تو اس کی بھی کوئی مہمان نوازی کر سکے) ہارون علیہ السلام والدہ کے حکم کے مطابق موسیٰ علیہ السلام کو اندر سے گھر پر لے آئے اور طعام پیش کیا آپ کو کسی نے نہ پہچانا لیکن جونہی گفتگو شروع فرمائی تو والدہ نے پہچان لیا۔ اور اپنے پاس بلا کر گلے لگایا اور خوب روئیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت ورسالت سے نوازا ہے اور حکم فرمایا کہ ہم دونوں فرعون کو جا کر احکام الٰہی کی دعوت دیں۔ ہارون علیہ السلام نے بسر وچشم کہا مجھے کون سا انکار ہے ماں نے فرمایا کہ مجھے خطرہ ہے کہ وہ دونوں کو شہید نہ کر دے اس لیے کہ وہ بڑا سرکش اور طاغی ہے۔ ہارون

marfat.ocm

علیہ السلام نے فرمایا کہ جب ہمیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے تو وہی ہماری حفاظت فرمائے گا اس میں ہمیں خوف کیوں؟ اس کے بعد دوسرے روز موسیٰ و ہارون علیہما السلام فرعون کے پاس تشریف لے گئے اور فرعون کے شاہی محل کے باہر ایک بہت بڑا لشکر جمع تھا انھیں کہا کہ ہماری آمد کی اطلاع فرعون کو پہنچا دو چنانچہ فوراً فرعون کے ہاں پہنچ کر پیغام الٰہی سنا دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ فرعون نے انھیں ایک سال تک اپنے ہاں تک آنے کی اجازت نہ دی۔

یہ دوسری روایت اگر صحیح ہو تو اس میں بھی موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی بھلائی تھی کہ انھوں نے اندریں اثنا فرعون کے ساتھ گفتگو کرنے کی تجاویز سوچ لیں اور دیگر غیبی امداد سے نوازے گئے۔ اس طرح سے دونوں کو فرعون کے ہاں دعوت دینے کی سہولت ہو گئی۔ بہر حال پہلی یا دوسری روایت کے مطابق موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے فرعون کو دعوتِ حق پہنچا دی۔ کما قال اللہ۔ **فلما جاءھم موسیٰ**۔ جب ان کے ہاں موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے۔ درآنحالیکہ وہ متلبس تھے۔ **بایاتنا**۔ ہمارے آیات کے ساتھ اور ان آیات کا حال یہ تھا کہ **بینت** وہ موسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت کی واضح دلیلیں تھیں اس سے وہ معجزات مراد ہے یعنی عصا موسیٰ علیہ السلام کے پاس موجود تھے جیسے عصا اور ید بیضا یا آئندہ حاصل ہوں گے یعنی عصا و ید بیضا کے علاوہ دیگر معجزات جیسے طوفان وغیرہ یعنی وہ نو معجزات جو مشہور ہیں ہم نے دونوں قسم کے معجزات اس لیے مراد لیے ہیں کہ لفظ مجیٔ میں وسعت ہے کہ اس میں موجود اور مستقبل ہر طرح کے زمانے شامل ہوتے ہیں۔ **قالوا ماھذا**۔ فرعون اور اس کی قوم نے کہا کہ نہیں ہے یہ جو آپ لائے ہیں۔ **الا سحر مفتری** مگر جادو من گھڑت اس سے قبل ہم نے آپ کے لائے ہوئے جیسے جادو نہیں دیکھے۔

صوفیانہ تقریر

نفس کو عالم ملکوت کے اسفل حصہ سے الٹا پیدا کیا گیا ہے اور قلب کو عالم ملکوت کے وسط سے متوجہ الی اللہ کر کے یہی وجہ ہے کہ قلب جسے دیکھتا ہے اسے نہیں جھٹلاتا بخلاف نفس کے کہ وہ جسے دیکھتا ہے اس کی تصدیق نہیں کرتا۔ اسی لیے جو قلب امراض و علل سے باصحت و عافیت ہو تو وہ حق کو حق اور باطل کو باطل دیکھتا ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اپنی دعا میں عرض کیا کرتے **اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ** اے اللہ ہمیں حق کے مشاہدہ سے نواز کر اس کی اتباع کی توفیق بخش اور باطل سے باخبر کر کے ہمیں اس سے بچا۔

فائدہ؛ اس دعا سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم قلب کے امراض وعلل کی سلامتی اور نفس کی ہلاکت اور اس کی خواہشات کا قلع قمع اور نفسانی حملوں کی تباہی چاہتے تھے (کذا فی التاویلات النجمیہ)

وماسمعنا بھٰذا اور ہم نے ایسے جادو کے متعلق نہیں سنا۔ **فی اٰبائنا الاولین** اپنے آباؤ اجداد سے کہ ایسا جادو ان کے دور میں پایا گیا ہو۔ **وقال موسٰی** اور موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا **ربی اعلم بمن جاء بالھدیٰ من عندہ**۔ میرا رب تعالیٰ خوب جانتا ہے جو اس کی طرف سے اس کا بندہ ہدایت لایا ہے۔

فائدہ؛ اس سے موسیٰ علیہ السلام کی اپنی ذات مراد ہے یعنی میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور وہی جانتا ہے کہ میں حق پر ہوں اور تم باطل پر۔ **ومن تکون لہ عاقبۃ الدار** اور اسے معلوم ہے کہ دارِ دنیا کا انجام یعنی آخرت کس کے لیے اچھی ہے اور ہم نے آخرت اس لیے مراد لی ہے کہ دنیا اسی کی گزرگاہ ہے کہ یہاں کے منازل کے اختتام کے بعد آخرت کی سرحد شروع ہوتی ہے اور یہی دنیا و آخرت کی کھیتی ہے۔ اور مقصود بالذات اجر و ثواب ہے اور عذاب تو مجرموں کے بد اعمال اور اُن کی برائیوں کا نتیجہ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کی عاقبت مطلقہ سے عاقبت محمودہ مراد ہے نہ کہ عاقبت مذمومہ۔ **انہ** بیشک شان یہ ہے کہ **لا یفلح الظالمون** اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے کامیاب نہیں ہوں گے اس لیے کہ اُنھوں نے خود کو کفر و تکذیب سے تباہ و برباد کر ڈالا یعنی اپنے مطلوب کو ہرگز نہیں پاسکیں گے اور نہ ہی کسی خطرہ سے بچ سکیں گے اور منجملہ ان خطرات کے دنیوی عذاب بھی ہے۔

اس میں اشارہ ہے کہ مومن پر لازم ہے کہ وہ نجات کے لیے جدوجہد کرے۔ اگر اس کا غیر کفر کی وجہ سے تباہی پائے تو اسے کسی قسم کا نقصان نہ ہوگا۔

وقال اور فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ معارضہ کا ارادہ کر کے جادوگروں کو کہا **یاایھا الملا**۔ اے میرے ارکان دولت۔ **ما علمت لکم من الٰہ غیری** مجھے معلوم ہے کہ میرے سوا تمہارا اور کوئی معبود نہیں۔ بعض علماء نے فرمایا کہ اس دعویٰ اور **انا ربکم الاعلیٰ** کے دعویٰ کے درمیان چالیس سال کا عرصہ گزرا یعنی اس کا پہلا دعویٰ یہ تھا کہ (موسیٰ علیہ السلام) کہتا ہے کہ زمین و آسمان کا کوئی اور معبود نہیں ہے۔ **کما قال رب السمٰوات والارض** اور مجھے معلوم ہے کہ زمین پر میرے سوا اور کوئی معبود نہیں اور (موسیٰ علیہ السلام) غلط کہتا ہے۔ اسی لیے **فاوقد لی** لا یقاد بمعنی آگ جلانا۔ پس میرے حکم سے آگ جلائیے۔ **یاھامان** یہ فرعون کا وزیر تھا۔ **علی الطین** پانی اور مٹی کو ملایا جائے تو وہ طین (گارا) ہو جاتا ہے۔ اس سے آپ کی اینٹ تیار کرنا مراد ہے۔ اب

marfat.ocm

مطلب یہ ہوا کہ اے ہامان کچی اینٹوں کو پکائیے تاکہ جو تعمیر کروں وہ پختہ اور مضبوط ہو۔

فائدہ: پکی اینٹ کی ایجاد فرعون نے کی[1] اور چونکہ اس میں صنعت کی تعلیم کا اظہار مطلوب تھا اسی لیے اطبخ نہیں کہا بلکہ **فاوقد لی** اے **فاجعل لی** پھر اس سے میرے لیے بنا **صرحا** بہت بڑا اونچا محل یعنی ایسا منارا کہ جس میں سیڑھیاں ہوں جس پر میں چڑھ اور اتر سکوں **لعلی اطلع الی الہ موسیٰ** تاکہ میں موسیٰ علیہ السلام کے خدا کو جھانک کر دیکھوں اور اس سے واقف ہو سکوں کہ وہ کیسا ہے **وانی لاظنہ** اور بیشک میں اسے گمان کرتا ہوں کہ وہ **من الکاذبین** جھوٹے لوگوں سے ہے یعنی وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے جبکہ کہتا ہے کہ اس کا میرے سوا کوئی اور معبود اور وہ اس کا رسول ہے۔ اس نے اپنی قوم کے سامنے بناوٹی باتیں کیں اس کا یہ دعویٰ ہر لحاظ سے تحقیقی نہیں ہے چنانچہ **وجحدوا بہا واستیقنتہا انفسہم** سے معلوم ہوتا ہے۔

فائدہ: **الاسئلۃ المقحمہ** میں ہے کہ اس میں شک نہیں کہ فرعون اپنے دعویٰ استحقاق الوہیت میں شکی تھا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ خود ہزاروں حاجات کا حاجت مند اور بے شمار بلیات میں مبتلا ہے لیکن چونکہ دعویٰ کر چکا تھا اس لیے سرکشی اور طغیان سے اپنے دعویٰ سے باز نہ آیا اور نہ وہ اپنے دل میں معترف تھا کہ وہ ہرگز الوہیت کا مستحق نہیں۔

فائدہ: کاشفی نے لکھا کہ فرعون کا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ کا جسم ہے اور جسمانیت کے لحاظ سے آسمان پر مکان بنا رکھا ہے اسی لیے وہاں تک پہنچنا ممکن ہے وہ بدبخت ذیل کے مضمون سے بے خبر تھا۔

کہ مکاں آفریں مکان چہ کند
آسماں گر بر آسماں چہ کند

نہ مکاں رہ برد بر و نہ زمان
نہ بیان زو خبر دہد نہ عیاں

ترجمہ: مکان پیدا کرنے والے کو مکان کی کیا ضرورت۔ آسمان کا خالق آسمان کو کیا کرے گا۔
نہ مکان کو وہاں گنجائش نہ زمان کو۔ نہ بیان اس کی خبر دے سکتا ہے نہ عیاں۔

فائدہ: صاحب کشاف نے لکھا کہ ہامان نے پچاس ہزار مستری بلوائے اور بے شمار مزدور اکٹھے کیے تاکہ اسی منارہ کی تیاری کے لیے اینٹیں بنائیں اور پکائیں پھر اس کے بعد اینٹیں اور گارہ اور سیمنٹ وغیرہ مینارہ پر لگائیں اس کے اس کام سے موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو سخت تکلیف پہنچی کیونکہ بنی اسرائیل کو اس کام میں بہت زیادہ لگایا گیا۔

فائدہ: حضرت ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس مینارہ کا شیشہ کہیں سے میسر کیا گیا اور اس کے اُوپر

---

[1] اس سے یہ قاعدہ واضح ہوا کہ فعل کے استحسان کو دیکھا جاتا ہے نہ کہ موجد کو۔ اس سے وہابیہ دیوبندیہ کو اپنے غلط اعتراض پر نظر ثانی کرنی چاہیے کہ چونکہ بہشت کذائیہ محفل میلاد شریف کا موجد فلاں بادشاہ تھا لہٰذا ناجائز ہے۔ حالانکہ جب محفل میلاد ایک مقدس عمل ہے تو موجد کا بہانہ لے کر رد کرنے کی سعی نامشکور کیوں؟

کے حصّہ پر کوئی شخص کھڑا نہیں ہو سکتا تھا اس خطرہ سے کہ کہیں نیچے نہ گر جائے اور اس کی لمبائی پانچ ہزار اور چوڑائی تین ہزار گز تھی اور اتنا مضبوط اور اونچا تھا کہ اس سے قبل نہ پہلے کسی نے بنایا اور نہ ہی اس وقت اس جیسی عمارت کسی نے دیکھی اور سُنی

چناں بلند بنائے کہ عقل نتوانست
کمند فکر فگندن بگوشہ بامش

ترجمہ، وہ بنا اتنا بلند تھی کہ اس کی چھت پر کمند فکر نہیں پہنچ سکتا تھا۔

حکایت حضرت بہلول نے ہارون الرشید کے شاہی محل کی دیوار پر لکھا کہ ارے ہارون تو نے مٹی کو اونچا کیا اور دین کو نیچا اور گچ کو بلند کیا اور نص کو نیچا۔ اگر تو نے اپنے مال سے بنایا ہے تو تُو نے اسراف کیا اور اللہ تعالیٰ مسرفین کو پسند نہیں فرماتا اگر تو نے غیر کا مال لگایا تو تُو نے ظلم کیا اور اللہ تعالیٰ ظالمین سے بھی محبت نہیں کرتا۔

فرعون نے آسمان کی طرف تیر پھینکا زاد المسیر میں ہے کہ جب وہ مینار تیار ہو گیا تو فرعون اس کے اُوپر چڑھ گیا لیکن آسمان کو ویسا ہی اُونچا پایا جیسے زمین سے دیکھا کرتا تھا۔ پریشان ہوا لیکن پھر بھی تیر انداز کو کہا کہ تیر آسمان کی طرف پھینکے چنانچہ تیر انداز نے آسمان کی طرف تیر پھینکا تو وہ تیر خون آلود ہو کر واپس لوٹا اس سے فرعون خوش ہو گیا اور کہا کہ میں نے موسیٰ علیہ السلام کے خدا کو قتل کر دیا۔ (معاذ اللہ)

اعجوبہ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ فرعون کے مینارہ پر اپنا پَر ماریں چنانچہ جبریل علیہ السلام نے پر مارا تو مینارہ تین حصّے ہو گیا۔ ایک حصہ قبطیوں پر گرا جس سے ہزارہا قبطی مر گئے۔ ایک حصّہ دریا میں گرا۔ تیسرا حصّہ فرعون کے سنتریوں اور مزدوروں پر پڑا جنہیں ملیامیٹ کر گیا۔

فائدہ فتح الرحمٰن میں ہے کہ جس نے بھی اس مینار کی تعمیر میں حصّہ لیا باقی نہ رہا۔ تمام اسی مینار سے تباہ و برباد ہوئے صرف وہ جو فرعون کے دین پر تھا اور فرعون اس سے بھی متنبہ نہ ہوا بلکہ غرور اور سرکشی میں اور بڑھا۔

واستکبرھو وجنودہ ۔ فرعون اور اس کے لشکر نے تکبر کیا یعنی ایمان سے روگردانی کی **الاستکبار** ۔ باطل بڑائی کا اظہار کرنا اور اس کا اطلاق باطل پر آتا ہے بخلاف تکبیر کے کہ وہ عام ہے اور کبریہ ہے کہ خیال [illegible] سے اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا سمجھے **فی الارض** مصر اور اس کے گرد و نواح میں **بغیر حق** ۔ بغیر استحقاق کے **وظنوا انھم الینا لا یرجعون** اور ان کا گمان تھا کہ وہ قیامت میں ہمارے ہاں نہیں

marfat.ocm

لوٹائے جائیں گے اور ہمارا دستور ہے کہ جو ہم سے روگردانی کرتا ہے ہم بھی اس سے روگردانی کرتے ہیں چنانچہ فرعون اور اس کا لشکر روگرداں ہوا **فاخذناہ وجنودہ** تو ہم نے اسے اور اس کے لشکر کو پکڑ لیا جب وہ کفر و کبر کے انتہا کو پہنچا تو ہم نے بھی ان کی گرفت کی **فنبذناھم** اور انہیں پھینک دیا۔

فائدہ: الراغب میں ہے کہ النبذ بمعنی شے کو بیکار سمجھ کر پھینک دینا **فی الیم** دریا میں اس سے بحر قلزم مراد ہے یعنی ان کا انجام برباد کیا کہ انہیں دریا میں ڈبو دیا۔ اس میں گرفت کرنے والے کے شان کی عظمت اور گرفت کردہ شدہ کا حال تحقیر ہے بایں طور کہ باوجودیکہ بہت بڑی تعداد میں تھے لیکن انہیں گویا مٹی میں لے کر دریا میں ایسے پھینک دیا گیا جیسے کنکریوں کو مٹھی میں ڈال کر دریا میں پھینکا جاتا ہے۔

فانظر پس دیکھئے اے (محبوب) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قلب کی آنکھ سے **کیف عاقبۃ الظالمین** ظالمین کا کیسا انجام ہے اس سے اپنی قوم کو ڈرائیے **وجعلناھم ائمۃ یدعون الی النار** اور ہم نے انہیں مقتدا بنایا کہ وہ انہیں جہنم کی طرف بلاتے تھے یعنی انکو کفر و معاصی کے ارتکاب کرانے کا سردار بنایا تاکہ اس سبب سے وہ جہنم میں جائیں اور وہ دوسروں کو گناہ کرانے کے سردار بنائے گئے تاکہ انہیں اپنے گناہ اور دوسروں کے جرائم سے دوہرا عذاب ہو۔ **ویوم القیمۃ لاینصرون** اور قیامت میں ان سے کسی طرح سے بھی دفعیہ عذاب کی کسی قسم کی مدد نہیں دی جائے گی **واتبعناھم فی ھذہ الدنیا لعنۃ** اور ہم نے دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگائی یعنی انہیں اپنی رحمت سے دور کر دیا یا اس کا معنی یہ ہے کہ لعنت کرنے والوں (ملائکہ اور مومنین) کو ان پر لعنت کرنے پر لگا دیا کہ ان پر اس دنیا میں آگے پیچھے سب لعنتیں بھیجیں **ویوم القیمۃ من المقبوحین** یوم القیمۃ المقبوحین کے متعلق ہے یہ اس وقت ہے جب المقبوحین کا الف لام تعریف کا ہو اور اسے لام موصولہ نہ بنایا جائے۔ المقبوحین معنی المطرودین المبعدین مثلاً کہا جاتا ہے **قبح اللہ فلانا قبحا وقبوحا** یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو ہر طرح کی خیر و برکت سے دور رکھا جائے۔ **فھو مقبوح** بمعنی خیر و برکت سے محروم۔ (کذا فی القاموس وغیرہ)

تاج المصادر میں ہے کہ **القبح والقباحۃ والقبوحۃ** بمعنی زشت شدن اسی معنی کو لے کر امام راغب نے المفردات میں لکھا ہے کہ **المقبوحین** بمعنی **الموسومین** یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کی حالت نہایت درجہ قبیح ہو جیسے سیاہ روئی۔ نیل چشمی اور اغلال و سلاسل سے کھینچ کر لے جانا وغیرہ وغیرہ۔

الوسیط میں ہے کہ المقبوحین بمعنی المقبحین ہے۔ معنی یہ ہے کہ وہ فرعون اور اس کے لشکری ذلیل و خوار لوگوں سے ہو گئے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ قبیح اس لیے ہوئے کہ ان کا معاملہ قبیح تھا جیسے ہم محسن کو اس کے معاملہ کی وجہ سے حسن اور جہ کہتے ہیں۔ صحیح ہے کہ احسان کی جزا احسان اور برائی کی سزا برائی ہوتی ہے۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہُوا کہ تکبر انہی قبائح سے ہے جو موجب لعنت اور محرومی از رحمت حق ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے بیان فرمایا کہ کبریائی میری چادر اور عظمت میرا ازار ہے جو دونوں مجھ سے چھیننا چاہے تو میں اسے دوزخ میں ڈالوں گا۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت رداء وازار بتائی قمیص وشلوار کا نام اس لیے نہیں لیا کہ قمیص وشلوار انسان کو محیط نہیں۔ دوسرے قمیص وشلوار میں ترکیب ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے ایسے صفات لائق نہیں جو غیر محیط اور مرکب ہوں کیونکہ ایسے اوصاف جسمانیات سے متعلق ہیں۔

فائدہ: کبر اعجاب اور اعجاب جہل سے پیدا ہوتا ہے جو انسان کے محاسن کو نقصان پہنچاتا ہے اور جہل انسان کو انسانیت کے دائرہ سے باہر پھینکتا ہے اور کبر قبول حق کے امتناع کا موجب ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان قبائح کو راس القبائح کہا ہے۔ **کما قال۔ الیوم تجزون عذاب الھون بما کنتم تستکبرون فی الارض بغیر الحق**[۹]

مسئلہ: سب سے برا انسان وہ ہے جس میں کبر کے ساتھ بخل بھی ہو۔ اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: دو عادتیں مومن میں نہیں ہوتیں:

۱۔ بخل

۲۔ کبر

فائدہ: جو شخص حکومت۔ افسری۔ شاہی ملنے کے بعد تکبر کرتا ہے تو یہ اس کے ردی جوہر کی دلیل ہے۔

تکبر کے زائل کرنے کا علاج: جس نے اپنے لیے یقین کیا کہ وہ چند بیکار اُمور سے مرکب ہے اور سمجھتا ہے کہ اس کی ابتداء وانتہا اور اوسط کیا ہے تو اپنے اندر ہزار نقائص وعیوب پائے گا اس طرح سے اس کا کبر اس کے دل سے زائل ہو جائے گا اور جس کا تکبر دنیا و دولت سے ہو تو اسے سمجھنا چاہیئے کہ یہ عارضی شے چندروز کے بعد اس سے ختم ہو کر مٹ جائے گی۔

مسئلہ: آیت میں **بغیر الحق** کے لفظ میں اشارہ ہے کہ تکبر مذموم نہیں بلکہ بعض مواقع تکبر سے ثواب ملتا ہے مثلاً دشمن کے مقابلہ کے وقت تکبر کرنا بہت بڑا ثواب ہے اسی لیے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو دجانہ کو صف جنگ میں تکبر سے چلتا ہوا دیکھ کر فرمایا ایسی چال اللہ تعالیٰ کو مبغوض ہے لیکن اگر جنگ کے موقع پر ہو تو محبوب ہے۔

---

[۹] آج تم زمین پر ناحق تکبر کی وجہ سے سخت عذاب دیئے جاؤ گے۔

بقیہ صفحہ ۹۲۳

marfat.ocm

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ

اور بیشک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی بعد اس کے کہ اگلی سنگتیں ہلاک فرمادیں جس میں لوگوں کے دل کی آنکھیں

لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝۴۳ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ

کھولنے والی باتیں اور ہدایت اور رحمت تاکہ وہ نصیحت مانیں اور تم طور کی جانب مغرب میں نہ تھے

اِذْ قَضَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝۴۴ وَلٰكِنَّاۤ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا

جب کہ ہم نے موسیٰ کو رسالت کا حکم بھیجا اور اس وقت تم حاضر نہ تھے مگر ہوا یہ کہ ہم نے سنگتیں پیدا کیں

فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْۤ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ

کہ ان پر زمانہ دراز گزرا اور نہ تم اہل مدین میں مقیم تھے ان پر ہماری آیتیں پڑھتے ہوئے

اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۝۴۵ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ

ہاں ہم رسول بنانے والے ہوئے اور نہ تم طور کے کنارے تھے جب ہم نے ندا فرمائی ہاں تمہارے

رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ

رب کی مہر ہے کہ تمہیں غیب کے علم دیئے کہ تم ایسی قوم کو ڈر سناؤ جس کے پاس تم سے پہلے کوئی ڈر سنانے والا نہ آیا یہ

يَتَذَكَّرُوْنَ ۝۴۶ وَلَوْلَاۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا

امید کرتے ہوئے کہ ان کو نصیحت ہو اور اگر نہ ہوتا کہ کبھی پہنچتی انہیں کوئی مصیبت اس کے سبب جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا

رَبَّنَا لَوْلَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۴۷

تو کہتے اے ہمارے رب تو نے کیوں نہ بھیجا ہماری طرف کوئی رسول کہ ہم تیری آیتوں کی پیروی کرتے اور ایمان لاتے

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَاۤ اُوْتِيَ مِثْلَ مَاۤ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ

پھر جب ان کے پاس حق آیا ہماری طرف سے بولے انہیں کیوں نہ دیا گیا جو موسیٰ کو دیا گیا کیا اس

اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَاۤ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۫ وَقَالُوْۤا اِنَّا

کے منکر نہ ہوئے تھے جو پہلے موسیٰ کو دیا گیا بولے دو جادو ہیں ایک دوسرے کی پشتی پر اور بولے ہم

بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ۝۴۸ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَاۤ

ان دونوں کے منکر ہیں تم فرماؤ تو اللہ کے پاس سے کوئی کتاب لے آؤ جو ان دونوں کتابوں سے زیادہ ہدایت کی

اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۴۹ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا

ہو میں اس کی پیروی کروں گا اگر تم سچے ہو پھر اگر وہ یہ تمہارا فرمانا قبول نہ کریں تو جان لو کہ بس وہ اپنی

يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى

خواہشوں ہی کے پیچھے ہیں اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون جو اپنی خواہش کی پیروی کرے اللہ کی ہدایت سے جدا

مِّنَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵۰

بے شک اللہ ہدایت نہیں فرماتا ظالم لوگوں کو

مضمون سابقہ بقیہ صفحہ ٩٢٤

مسئلہ: اغنیاء کے سامنے بھی تکبر (استغناء) جائز ہے اس لیے کہ یہ تکبر (استغنا) اپنی عزت ہے اور یہ مذموم نہیں چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا لا ینبغی للمؤمن ان یذل نفسہ۔ مومن کو لائق نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل رکھے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ قبولِ حق تواضع والوں سے تواضع اور بقدر دانوں کی قدر بڑھا کر اپنے آپ کو معزز بنائے اور اللہ تعالیٰ کے احکام منزلہ کی پابندی کرے ان شاء اللہ دنیا و آخرت سے کامیاب و کامران رہے گا اور منجملہ ان لوگوں سے ہو جائے گا جن کے ظاہری و باطنی معاملات پر عوام و خواص کی زبان سے مدح سرائی ہوتی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے نعمتِ متواخرہ کا سوال کرتے ہیں:

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

بزرگان نکردند در خود نگاہ
خدا بینی از خویشتن مخواہ
بزرگی بناموس و گفتار نیست
بلندی بدعویٰ و پندار نیست
بریں آستان عجز و مسکینیت
بہ از طاعات و خویشتن بینیت
بلندیت باید تواضع گزیں
کہ آں بام را نیست سلم جز ایں

ترجمہ: بزرگوں نے اپنے آپ کو نہیں دیکھا جس نے اپنے آپ کو دیکھا اس سے خدا بینی مشکل ہے۔
ناموس و گفتار کا نام بزرگی نہیں دعویٰ اور گمان کا نام بلندی نہیں۔
لیکن عجز و مسکینی ضروری ہے اور اپنے آپ کو دیکھنے سے طاعتِ الٰہی بہتر ہے۔
تجھے بلندی کی ضرورت ہے تو تواضع کیجئے اس لیے کہ اس بلندی کی سیڑھی یہی ہے۔

ولقد اٰتینا موسی الکتٰب: بیشک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب تورات دی۔ **من بعد اھلکنا القرون الاولٰی۔** قرون قرن کی جمع ہے وہ لوگ جو زمانۂ واحد کو مقترن ہوں یعنی اس کے بعد کہ ہم

marfat.ocm

نے دنیا میں کئی قوموں کو جیسے قوم نوح و ہود و صالح و لوط علیہم السلام کو ہلاک و تباہ کر دیا۔ یعنی جب انھیں تباہ کرنے کی حاجت محسوس ہوئی۔

فائدہ: الراغب نے لکھا ہے کہ الھلاک بمعنی موت اور اسے اللہ تعالیٰ نے ذکر نہیں فرمایا سوائے چند مقامات کے، شلاً: حتیٰ اذا ھلك۔ ان امرؤ ھلك اور فرمایا وما یھلکنا الا الدھر اور فرمایا حتیٰ اذا ھلك قلتم لن یبعث اللہ من بعدہ رسولا۔ بصائر للناس۔ یہ الکتاب سے حال ہے اگرچہ کتاب خود بصائر ہے۔ اسی طرح اس کا مابعد کا معاملہ ہے۔ البصائر والبصیرۃ کی جمع ہے۔ یہ دراصل قلب کے ایک نور کا نام ہے جس سے باطنی امور کو دیکھا جاتا ہے جیسے بصر آنکھ کا نور جس سے ظاہری اشیاء کو دیکھا جاتا ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ کتاب بنی اسرائیل کے قلوب کا نور تھی کہ جس سے وہ حقائق اشیاء کو دیکھتے اور حق و باطل کی تمیز کرتے تھے جبکہ اس سے قبل ان کے قلوب ادراک و فہم سے بالکل اندھی تھیں۔ وھدی اور وہ شرائع و احکام (جنھیں ماءِ حق سے تعبیر کیا جاتا ہے) کی طرف ہدایت دینے والی تھی۔

فائدہ: انسان العیون میں لکھا ہے کہ تورات پہلی آسمانی کتاب تھی جو احکام و شرائع پر مشتمل تھی بخلاف کتب سابقہ کے کہ وہ ایسی نہیں تھیں بلکہ انمیں صرف ایمان باللہ اور توحید کا بیان تھا اس لیے انھیں صحف کہا جاتا اور ان پر لفظ کتاب کا اطلاق مجازاً تھا ورحمۃ اور وہ کتاب رحمت تھی یعنی ہر اس شخص کے لیے رحمت ہوتی جو اس پر عمل کرتا لعلھم یتذکرون تاکہ وہ ایسے حال پہ ہو جائیں کہ ان سے مواعظ سے نصیحت حاصل کرنے کی امید کی جا سکے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تورات کے نزول کے بعد کسی قوم کو آسمانی عذاب سے تباہ و برباد نہ کیا گیا سوائے اس قوم کے جو خنزیر اور بندر ہو گئے۔ اس کا استدلال آیت مذکورہ سے ہے۔ وماکنت اور اے حبیب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نہیں تھے بجانب الغربی غربی جانب سے یعنی اس پہاڑ یا مکان غربی میں جہاں موسیٰ علیہ السلام کا میقات مقرب تھا اور وہاں پر اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتے تھے یہاں موصوف محذوف اور صفت اپنے موصوف کے قائم مقام ہے یا الجانب الغربی مسجد الجامع کی طرح اضافۃ الصفۃ الی الموصوف کے قبیل سے ہے ہر دونوں اعتبار سے اس سے کوہ طور مراد ہے اذ قضینا الی موسی الامر جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے عہد لیا اور انہیں وحی کے ذریعے نبوت کے اعلان کا حکم فرمایا اور تورات عطا فرمائی وما

کنت من الشاھدین۔ آپ ان مشاہدہ کرنے والوں سے نہیں[1] جو اس وقت وحی میں موجود تھے یعنی ان ستر آدمیوں جنہیں میقات موسیٰ میں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جانے کے لیے بنی اسرائیل نے منتخب کر کے بھیجا تھا یہاں تک کہ آپ اُن کی طرح موسیٰ علیہ السلام کے حالات میقات کا مشاہدہ فرماتے اور تورات کی کتابت کے وقت کو آنکھوں سے ملاحظہ فرما کر لوگوں کو بتاتے۔ نیز یہاں یہ ثابت کرنا مطلوب ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ غیوب و احوال ماضی کی خبر دیئے ہیں وہ وحی الٰہی کے ذریعے سے ہے جو آپ کی نبوت کی واضح دلیل[2] ہے۔ اس کے بعد استدراک کے طور پر فرمایا ولکنا انشاء نا قرونا لیکن ہم نے آپ کے اور موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے درمیان میں بہت بڑے گروہ در گروہ پیدا فرمائے۔ فتطاول علیھم العمر۔ تطاول بمعنی طال ہے بمعنی دراز ہوئی۔

حل لغات: العمر بالفتح وبالضم وبضمتین بمعنی الحیاۃ۔ امام راغب نے فرمایا کہ بدن کی حیات کے ذریعے عمارت کی مدت کو عمر کہا جاتا ہے۔

اَب یہ معنیٰ ہُوا کہ ان پر طویل زندگیاں اور عرصے دراز اور بڑے برس گزر گئے اور پھر شرائع و احکام بدلتے رہے اس تغیر و تبدل سے ان کے اصلی حالات و اخبار اوجل ہو گئے اسی لیے اَب ضرورت تھی انھیں ایسی نئی شریعت سے نوازا جائے جو ان کے حالات کو آراستہ و پیراستہ کرے اسی لیے ہم نے آپ کو وحی سے نوازا۔ یہاں پر مستدرک کے موجب کی وجہ مستدرک کو حذف کر دیا گیا ہے وما کنت ثاویا یہ نفی اس احتمال کے لیے ہے کہ کوئی یہ نہ کہے کہ آپ نے یہ قصہ اس سے سُنا ہوگا جو واقعہ کے وقت موجود تھا۔ الثواء بمعنی الاقامۃ والاستقرار یعنی آپ موسیٰ و شعیب علیہما السلام کی طرح اہل مدین میں مقیم نہیں تھے۔

---

[1] یہ دیوبندیوں اور وہابیوں کے ایک سوال کا پہلا جواب ہے۔ سوال یہ ہے اہلسنت وجماعت حضور علیہ الصلوٰۃ کو اولین و آخرین کے ذرہ ذرہ کے حالات پر حاضر و ناظر ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے صریح نفی کیوں فرمائی صاحب روح البیان نے فرمایا کہ یہاں پر الشاھدین سے مراد مخصوص چند افراد مراد ہیں اور ان کی ایک خاص کیفیت کے اعتبار سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے نفی کی گئی ہے تو یہ ہمارے مدعا کے خلاف نہیں کیونکہ معانی اور مناظرہ وغیرہما کا قاعدہ ہے کہ خصوص کی نفی سے عموم کی نفی نہیں ہوتی۔

[2] یہ وہابیہ دیوبندیہ کے سوال مذکور کا دوسرا جواب ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کے منکر تھے لیکن ان کی کتب تورات میں بار بار واضح کیا گیا کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان ان کی وحی ربانی ہے اور آیت کی نفی مذکور غیر وحی کے لیے ہے ورنہ وحی سے تو آپ نے حالات بتائے جن سے مخالفین کو بھی انکار نہیں اور یہی ہمارا مطلوب ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے دعوت نبوت کے اثبات میں کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ سے اس طرح گفتگو فرماتے جس طرح کہ وہ اہل تھے یہ آپ کے فضائل و کمالات اپنے مقام پر حق ہیں۔

marfat.ocm

درآنحالیکہ آپ **تتلوا علیهم** آپ ان سے قصہ پڑھتے ہیں جیسے شاگرد استاد سے پڑھتا ہے یہ **ثاویا** کی ضمیر مستکن سے حال ہے یا **کنت** کی خبر ثانی ہے **ایاتنا** ہماری آیات جو قصہ بیان کرتی ہیں۔ **ولکنا کنا مرسلین** اور لیکن ہم آپ کو رسول بنا کر بھیجتے اور آپ کے ہاں ان آیات اور ان کی طرح دیگر وحی کرتے ہیں۔ **وما کنت بجانب الطور اذ نادینا** اور آپ اس وقت نہیں تھے جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام طور کے قریب ندا دی کہ **انی انا اللہ رب العلمین** اور انہیں نبوت کی خبر دی اور انہیں فرعون کی طرف رسول بنا کر بھیجنے کا حکم فرمایا۔

نکتہ در شان مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

اس نکتے میں **الیمن** کا اضافہ اس لیے نہیں کیا کہ کہیں محبوب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں مذمت کا پہلو نہ نکل سکے اسی لیے کہ آپ تو ازل تا ابد جانب الیمن میں ہیں۔ اس نکتہ کو شان مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے خبر لوگ (مثلاً وہابی نجدی) غور سے پڑھیں کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا بھی گوارا نہیں کہ ایسے الفاظ ان کے حق میں لکھے جائیں جس میں ان کی بے ادبی و گستاخی کا ایہام ہو لیکن یہ لوگ جس طرح کی گستاخانہ و بے ادبانہ عبارات و کلمات حضور علیہ السلام کے حق میں استعمال کرتے ہیں تو الایمان و الحفیظ کہ جن پر یہود و نصاریٰ اور ہنود و دیگر دشمنان اسلام بھی جرأت نہ کر سکیں تفصیل کے لیے فقیر کی کتاب التحقیق الکامل فی تمیز الحق والباطل وغیرہ دیکھئے) **ولکن رحمة من ربک** اور لیکن ہم نے آپ کو قرآن ناطق دے کر رسول بنا کر بھیجا کہ اس میں ہماری اس عظیم رحمت کا بیان ہے جس سے ہم لوگوں کو نوازتے ہیں۔ **لتنذر قوما** یہ فعل معلل بالرحمۃ کے ساتھ متعلق ہے تاکہ آپ قوم کو ڈر سنائیں۔ **ما اتاهم من نذیر من قبلک**۔ یہ جملہ قوما کی صفت ہے۔ یعنی ان سے پہلے کوئی نبی نہیں آیا اس لیے کہ وہ فترت کا دور تھا اس سے عیسیٰ علیہ السلام اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ مراد ہے۔ یہ پانچ سو پچپن سال کا عرصہ تھا یا اس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے درمیان کا زمانہ مراد ہے اس لیے کہ موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کی دعوت صرف بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص تھی **لعلهم یتذکرون**۔ شاید وہ آپ کی تبلیغ سے نصیحت حاصل کریں۔ قضاء الامر اور اہل مدین کے قیام اور ندا کی تغیر و توعی میں تنبیہ ہے کہ یہ ہر ایک مستقل برہان اور روشن دلیل ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہر ایک واقعہ تفصیل سے بیان کرنا وحی ربانی سے ہے۔ اگر ان واقعات کو ترتیب سے ذکر کیا جاتا مثلاً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اہل مدین میں نفی پھر قضاء الامر کے وقت موجود ہونے کی نفی جیسا کہ واقعات کی ترتیب ہے تو اس سے یہ سمجھا جاتا کہ یہ تمام واقعات نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کی صرف ایک دلیل ہے حالانکہ وہ علیحدہ علیحدہ مستقل دلیل نبوت مصطفےٰ ہیں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) (کذا فی الارشاد)

فائدہ: تذکر (نصیحت کرنا اس ازلی عہد کی تجدید مطلوب ہے اور وہ کلمۂ شہادت سے ہوتی ہے اور کلمہ شہادت ہی دارین کی نجات کا موجب ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس کا بیان

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل آس (درخت) کے پتے پر لکھوا کر عرش معلیٰ پر رکھوا کر اعلان کرایا کہ یا امۃ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان رحمتی سبقت غضبی اعطیتم قبل ان تسئلونی وغفرت لکم قبل ان تستغفرونی من لقینی منکم یشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وان محمدا عبدی ورسولی ادخلۃ الجنۃ وقد اخذ اللّٰہ المیثاق من موسیٰ ان یؤمن بانی رسول اللّٰہ فی غیبتی۔

ترجمہ: اے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سن لو میرے غضب سے میری رحمت سبقت لے گئی ہے۔ میں نے تمہیں بے مانگے دے دیا اور میں نے تمہیں بخش دیا جو بھی میرے ہاں حاضر ہوا اور اسے میری توحید اور میرے محبوب کی رسالت کا اقرار اور یقین ہے تو میں اسے بہشت میں داخل کروں گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے میری رسالت کے متعلق غائبانہ عہد لیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تمنّا،

حدیث شریف میں ہے کہ ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کہیں جا رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ سے آواز آئی اے موسیٰ علیہ السلام۔ آواز کو سن کر موسیٰ علیہ السلام دائیں بائیں دیکھا کچھ نظر نہ آیا۔ ایسے ہی تین بار آواز آئی اور آپ نے ہر بار دائیں بائیں دیکھا مگر کچھ نظر نہ آیا۔ تیسری بار گھبرائے۔ آواز میں اللہ تعالیٰ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا یا موسیٰ بن عمران انی انا اللّٰہ لا الٰہ الا انا موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی لبّیک یہ کہہ کر سجدہ ریز ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام سر اٹھا لیجئے اور یاد رکھئے کہ اگر آپ قیامت میں میرے عرش کے نیچے سکون حاصل کرنا چاہتے ہو تو یتیم کے ساتھ اتنا احسان کیجئے کہ اسے باپ کا خیال تک نہ آئے اور بیوہ عورت کے ساتھ احسان و مروت کیجئے تاکہ اسے شوہر یاد نہ آئے اور اے موسیٰ علیہ السلام دنیا والوں پر رحم کیجئے آخرت میں آپ پر رحم کیا جائے گا اور جیسے کرو گے ویسے بھرو گے اور یاد رکھو کہ قیامت میں میرے ہاں جو بھی میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر آئے گا میں اسے جہنم میں داخل کروں گا وہ میرا خلیل ابراہیم ہو یا موسیٰ کلیم علیٰ نبینا وعلیہما السلام۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اے الٰہ العالمین تیرا محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یموسیٰ وعزتی وجلالی ماخلقت خلقا اکرم علی منہ کتبت اسمہ مع اسمی فی العرش قبل ان اخلق السمٰوات والارض والشمس والقمر بالفی سنۃ وعزتی وجلالی ان الجنۃ محرّمۃ علی الناس حتی یدخلھا محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم وامتہ (روح البیان ج۶ صـــ)

marfat.ocm

ترجمہ: اے موسیٰ (علیہ السلام) مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم میں نے ان سے مکرم تر کوئی نہیں پیدا کیا۔ عرش پر ان کا نام میں نے اپنے نام کے ساتھ لکھا جبکہ دو ہزار سال پہلے ابھی میں نے آسمان و زمین اور سورج و چاند پیدا بھی نہیں کیے۔ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم میں نے بہشت لوگوں پر حرام کر دی ہے جب کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اُمت اس میں داخل نہ ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ ہر وقت میری حمد و ثنا کریں گے اور ہر وقت چوکس رہیں گے اور اپنے اجسام کو پاک رکھیں گے اور دن کو روزے رکھیں گے اور رات کو بیدار رہیں گے۔ ان کی معمولی سے معمولی نیکی بھی قبول کروں گا اور کلمہ لا الہ الا اللہ کی سچی گواہی پر انہیں بہشت میں داخل کروں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی یا الہ العالمین مجھے اسی اُمت کا نبی بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام اسی اُمت کے نبی میرے محبوب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔ عرض کی تو مجھے اسی نبی (پیارے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کا اُمتی بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے آپ کو پہلے پیدا فرمایا اور اُن کی پیدائش میں سینکڑوں سال دیر ہے لیکن دار الجلال میں آپ کو ان کی ملاقات کراؤں گا۔

اُمتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آوازیں موسیٰ علیہ السلام نے سنیں

حضرت وہب بن منبہ نے فرمایا کہ جب موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمکلام ہوئے تو عرض کی یا اللہ میں نے تورات میں ایک اُمت کا ذکر پڑھا کہ وہ تمام اُمتوں سے بہترین اُمت ہے۔ وہ لوگوں کو نیکی کا حکم دے گی اور برائیوں سے روکے گی۔ انہیں صدقات کا کھانا روا ہوگا اور ان کی ہر نیکی قبول اور ہر دُعا مستجاب ہوگی۔ اے اللہ تعالیٰ مجھے اس اُمت کا نبی بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ میرے محبوب احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی تو میری اُن کے ساتھ ملاقات کرا دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ اُس وقت پیدا بھی نہیں ہوئی اور نہ ہی اُن کے ظہور کا اب وقت ہے اگر آپ چاہیں تو آپ کو اُس کی گفتگو سنا دیں عرض کی یہی سہی۔ اللہ تعالیٰ نے آواز دی اے اُمتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ آواز سن کر تمام ارواح نے اپنے آباء کی پشتوں سے لبیک پکاری۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان سب کی آواز سن لی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُمتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ تمہاری لبیک پہ میں ایک تحفہ عطا فرماتا ہوں۔ وہ یہ کہ ہم نے تمہاری دُعائیں قبول فرمالیں قبل اس کے کہ تم دعا مانگو اور میں نے تمہیں بخشش دیا قبل اس کے کہ تم مجھ سے بخشش مانگو اور میں نے تم پر رحم فرمایا قبل اس کے کہ تم مجھ سے رحم کی درخوست کرو۔

فائدہ، اُمت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش بختی کا کیا کہنا کہ انہیں اعلیٰ اور بہتر مراتب و درجات عنایت ہوئے جن کی گواہی قرآن مجید اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی۔

؏ حق لطف کردہ بما ہر چہ بہتر است

ترجمہ: حق تعالیٰ نے لطف و کرم سے ہمیں وہ درجات و مراتب بخشے جو ہمارے لیے بہتر تھے۔

تفسیر عالمانہ : ولولا ان تصیبھم مصیبۃ ، یہ ضمیر اہل مکہ کی طرف راجع ہے اور مصیبۃ بمعنی عقوبتہ ہے امام راغب نے فرمایا کہ دراصل مصیبۃ اس تکلیف کو کہا جاتا ہے جو بچھے پہنچے لیکن پھر مطلق سزا وغیرہ سے مخصوص ہو گئی ۔ اب یہ معنی ہوا کہ اگر انہیں کوئی مصیبت نہ پہنچتی ۔ **بما قدمت ایدیھم** بسبب اس کے کہ جو انہوں نے جرائم و معاصی کا ارتکاب کیا

فائدہ : تقدیم کا اسناد ایدی (ہاتھوں) کی طرف اس لیے کہ عمل میں اعضاء سے یہی عضو قوی تر ہے اور عموماً افعال میں اسی سے زیادہ تر مدد لی جاتی ہے ۔ **فیقولوا** اس کا عطف تصیبھم پر ہے اور لولا امتناعیہ کے حیز میں داخل ہے اس لیے کہ ما بجاب کا امتناع اسی پر ہے ۔ ربنا ہمارے پروردگار ۔ لولا ارسلت الینا تو نے ہمارے ہاں کیوں نہ بھیجا یہ لولا تحضیضیہ ہے بمعنی ھلا رسولا کسی ایسے رسول کو جو تیری طرف معجزات کے ساتھ موید ہوتا فنتبع ایاتک تو ہم تیرے انہی آیات کی اتباع کرتے جو اسی رسول کے ہاتھ سے ظاہر ہوتے ۔ یہ لولا ثانیہ کا جواب ہے ۔ ونکون من المؤمنین اور ہوتے ہم ان پر ایمان لانے والے اور پہلے لولا کا جواب محذوف ہے بوجہ دلالت حال کے ۔

خلاصہ آیت کا یہ ہے کہ اگر وہ اپنے کردار پر عذاب کے نزول کے وقت عذر مذکور نہ کرتے تو آپ کو رسول بنا کر نہ بھیجتے لیکن چونکہ ان کا قول مذکور محقق ہے جس سے وہ کسی قسم کا انکار نہیں کر سکتے ۔ اسی لیے ہم نے آپ کو قطعی طور ان کا رسول بنایا تاکہ پھر قیامت میں کسی قسم کا عذر نہ کر سکیں اس لیے کہ ہم نے اپنی حجت قویہ قائم کر دی ہے ۔ **فلما جاءھم** پھر اہل مکہ اور کفار عرب کے ہاں تشریف لایا ۔ **الحق** اس سے قرآن مجید مراد ہے چونکہ دوسرے مقام پر اس کی تصریح فرمائی ہے ۔ کما قال ؛ فلما جاء الحق ورسول مبین من عندنا ۔ ہمارے امر وحی سے (کذا فی کشف الاسرار)

فائدہ : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہاں پر حق سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس مراد ہے ۔

انا الحق کی حقیقت : حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انانیت کو فنا کر کے ہویت حق کی بقا سے مشرف ہو چکے تھے ۔ اس مرتبہ پہ فائز ہونے کی بنا پر اگر آپ انا الحق کہتے تو آپ کو روا تھا لیکن آپ کا انا الحق نہ کہنا آپ کی عالی ظرفی کی دلیل ہے لیکن آپ کے غلاموں (اولیاء اللہ) میں اگر کسی (منصور رحمۃ اللہ علیہ) نے کہہ دیا تو ان کو جائز تھا اس لیے کہ اولیاء کرام کے قلوب ایسے روشن و متجلی ہوتے ہیں ۔ کہ ان کے قلوب قلب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے آمنے سامنے ہو کر نبوت کی ولایت کے انوار سے بہرہ ور ہوتے ہیں اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب انور اس حقیقت کا سرچشمہ اور حق کے ظہور کا مظہر اتم کرنہ ہے اس لیے اگر آپ کا فرمانبردار بحکم لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ آپ کی اتباع میں اسی حقیقت

کو ظاہر کر دے تو کون سا حرج ہے۔ (کذا فی التاویلات نجمیہ)

مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت حق کی تحقیق

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر سے یہ بھی واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجنے سے پہلے آپ کو مقام عندیت سے مشرف فرمایا اور آپ کو استحقاق بخشا کہ آپ کا اسم گرامی بھی حق ہو حالانکہ حق اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ سے ہے (ہم اہل سنت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اسی مقام فناء و بقا کی وجہ سے صفات الٰہیہ سے موصوف کرتے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ رحیم ہے تو آپ بھی رحیم۔ اللہ تعالیٰ کریم ہے تو آپ بھی کریم۔ اللہ تعالیٰ کی صفت علم غیب اور حاضر و ناظر اور نور تو ایسے ہی آپ بھی لیکن جتنا صفات اللہ تعالیٰ کے لیے ہوں گے وہ بحیثیت الوہیت کے اور نبی علیہ السلام کی وہی صفات بحیثیت نبوت کے ہوں گے جیسے اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہے اور قرآن مجید میں بندوں کو سمیع و بصیر کہا ہے تو وہاں بھی یہی کہنا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہے بحیثیت خالق ہونے کے اور بندوں کی یہ صفات بحیثیت مخلوق کے (فافہم ولا تکن من الوہابین)[1]

تفسیر عالمانہ: **قالوا۔** بطور سرکشی مطالبہ کرتے ہوئے کہا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ مقولہ قریش کا ہے جو انہوں نے یہود کے سمجھانے پر کہا **لولا۔** کیوں نہیں۔ **اوتی** دیئے گئے (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) **مثل ما اوتی موسیٰ۔** مثل اس کے جو موسیٰ علیہ السلام کو دیا گیا یعنی جیسے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب یکبارگی نازل ہوئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر قرآن مجید یکبارگی کیوں نازل ہوا ان پر متفرق طور پہ کیوں نازل ہوا۔

فائدہ: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ کفار اپنے کفر کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کے کمالات کو نہ دیکھ سکے ورنہ اس کے بجائے کہتے کہ موسیٰ علیہ السلام کو وہ کمالات کیوں نہ دیئے گئے جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عنایت ہوئے۔ **اولم یکفروا بما اوتی موسیٰ من قبل۔** کیا انہوں نے میرے محبوب علیہ السلام کے ساتھ کفر کی طرح موسیٰ علیہ السلام کے کمالات عطا کردہ کا انکار نہیں کیا تھا۔

ربط: ان کے کفر و انکار کی کیفیت بتاتے ہوئے فرمایا **قالوا۔** انہوں نے کہا کہ وہ دونوں یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور موسیٰ علیہ السلام کے کمالات **سحران تظاہرا** جادوگر ہیں۔ جنہوں نے ایک دوسرے کی مدد کی ہے یعنی ایک دوسرے کی تصدیق کر کے آپس میں ایک دوسرے کے معین و مددگار ہیں۔

شان نزول: مروی ہے کہ کفار مکہ یعنی قریش نے یہودیوں کی عید کے دن یہودیوں کے لیڈروں کے ہاں وفد بھیج کر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سوال کیا کہ تمھاری،

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ ۱۲

کتاب میں ان کے متعلق کیا لکھا ہے تو یہودیوں کے لیڈروں نے صاف کہہ دیا کہ ہماری کتاب تورات میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مدائح اور فضائل و کمالات اور آپ کے اوصافِ کریمہ و خصائل جمیلہ مذکور ہیں۔ جب قریش مکہ کا وفد واپس لوٹا اور یہودیوں کے لیڈروں کا بیان سنایا تو کافروں نے مذکورہ بالا بکواس کی وقالوا انا بکل اور کہا کہا کہ ہم ہر دونوں کتابوں (قرآن مجید اور تورات) کافروں کو نہیں مانتے۔ بعض بزرگوں نے لکھا کہ یہاں پر قائلین سے ابناء جنس الکفار فی الرای والمذھب یعنی قبطی مراد ہیں اور من قبل سے قرآن اور سحران بمعنی ساحوان اور ان سے موسیٰ و ہارون علیہما السلام مراد ہیں۔ اب معنی یہ ہوا کہ قریش کے ابناء جنس یعنی قبطیوں نے قرآن مجید کے نزول سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کے عطا کردہ کمالات کا انکار نہیں کیا تھا اور انہوں نے کہا تھا کہ موسیٰ و ہارون علیہما السلام دونوں جادوگر ہیں اور انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کی معاونت اور تصدیق کی اور کہا کہ ہم ہر دونوں کے منکر ہیں۔

تردید از صاحب روح البیان : صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ مذکورہ بالا تقریر یعنی کفر کا اسناد ابنائے جنس کی طرف کرنا اگرچہ صحیح ہے اس لیے کفر کی جملہ ملتیں ایک ہیں۔ ایک ملت کا کسی حقیقت کا انکار جملہ ملتوں کے کفر کو مستلزم ہے جیسے آباء کے افعال کا اسناد ابناء کی طرف کیا گیا ہے اس لیے کہ وہ ابناء اپنے آباء کے افعال قبیحہ سے راضی تھے لیکن اس تقریر میں یہ خرابی ہے کہ یہاں پر قبطیوں سے مراد لی جائے تو موسیٰ علیہ السلام کے عطا کردہ کمالات کو صرف خوارق مخصوصہ تک محدود ماننا پڑ گیا اور کتاب تورات کا عطیۂ کمال اس سے خارج ہو گا اس لیے کہ آپ کو تورات قبطیوں کی تباہی اور ہلاکت کے بعد ملا دوسری خرابی یہ ہے کہ قرآن مجید جو عطیۂ حق کا ذکر ہے اس کے بالمقابل موسیٰ علیہ السلام کے دوسرے کمالات تو ہوں گے لیکن تورات کو اس وقت بالمقابل نہیں مانا جائے گا اور یہ بھی فصاحت و بلاغت کے خلاف ہے۔ تیسری خرابی یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا کمال علی الاطلاق عطیۂ تورات ہی ہے باقی عطیات اگرچہ کمالات میں داخل ہیں لیکن تورات کا عطیہ خصوصیت حاصل ہے۔ ان وجوہ سے ضروری ہوا کہ تقریر پہلی ہی بہتر ہے اس لیے کہ نظم کلام اور اس کی فصاحت و بلاغت کا تقاضا یونہی ہے چنانچہ اگلا مضمون صراحۃً ہماری تقریر کا مؤید ہے۔ قُلْ اے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم جو کفار آپ پر مذکورہ بالا الزام لگاتے ہیں آپ انہیں فرمایئے فَأْتُوا تو لاؤ بِكِتَابٍ مِّنْ عِندِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَا اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایسی کتاب جو ان دونوں کتابوں سے زیادہ ہدایت دینے والی ہو یعنی وہ دونوں کتابیں جو موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئیں جنہیں تم جادو کہتے ہو ان سے طریقۂ حق کے مطابق بہت زیادہ راہ دکھانے والی ہو۔ اتبعه یہ امر کا جواب ہے یعنی مذکورہ بالا صفت کی کتاب لاؤ میں بھی اسی کی اتباع کروں گا

marfat.ocm

یعنی شرط یہی ہے کہ ایسی کتاب لائی جائے جو حجت کے لحاظ سے واضح تر اور دلائل کے اعتبار سے روشن تر ہو یہ اس لیے کہ ایسی کتاب لائی جائے جو کہ دونوں (قرآن مجید اور تورات) سے زیادہ روشن اور واضح ہونا ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسی لیے ایسا امر فرمایا ہے جو ان سے محال ہو اور یہ تبکیت و افحام کے طور ہے **ان کنتم صٰدقین** اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو جب کہتے ہو کہ یہ دونوں کتابیں مختلف طرح کے جادو ہیں اور لفظ ان شرطیہ سے تہکم مطلوب ہے ورنہ کفار کے دعویٰ کا صدق تو ممتنع ہے **فان لم یستجیبوا لک** پس اگر وہ آپ کے سوال کو پورا نہ دے سکیں نہ ہی مذکورہ بالا اوصاف سے کتاب لا سکیں اور یقین کیجئے کہ وہ ہرگز نہیں لا سکیں گے۔ یہ آیت **وان لم تفعلوا و لن تفعلوا** کی طرح ہے اور اس کا مفعول بہ یعنی **دعائک به** محذوف ہے اس لیے وہ قرینہ سے معلوم ہے۔ علاوہ ازیں ایک اور قاعدہ سے بھی معلوم ہوا کہ فعل استجابۃ دعا کی طرف خود بخود متعدی ہوتا ہے۔ اگر داعی کی طرف متعدی ہو تو لام کے ساتھ اور پھر قاعدہ ہے کہ داعی کی طرف متعدی ہو گا تو دعا کو اکثر حذف کر دیا جاتا ہے بنائے قاعدہ ہذا یہاں بھی **دعائک** کو محذوف کیا گیا۔ **فاعلم انما یتبعون اھوائھم** تو جان لو کہ یقیناً وہ اپنی غلط خواہشات کی اتباع کرتے ہیں ان کے ہاں کوئی مضبوط اور پختہ سند نہیں کہ جس سے وہ اپنے دعویٰ کو صحیح کر سکیں۔ اگر ان کے ہاں کوئی ایسی سند ہوتی تو لازماً پیش کرتے **ومن اضل ممن اتبع ھواہ** اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہو گا جو خواہشاتِ نفسانی کا اتباع کرتا ہے۔ یہ استفہام انکاری ہے یعنی خواہشاتِ نفسانی کرنے والا بہت بڑا گمراہ ہے۔ سب تمام گمراہوں سے بڑھ کر گمراہ ہے **بغیر ھدی من اللہ**۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے بغیر۔ یہ بیان وجحت ہے اور اگر تقریر کو پختہ کرنے اور شناعت وضلالت کے اظہار کے لیے اتباع ہویٰ کو ہدایت الٰہی کے بغیر مقید کیا گیا ہے۔ اس لیے جو خواہش ہدایت الٰہی سے مقارن ہو تو اس کا گمراہ ہونا محال ہے اسی لیے بعض بزرگوں نے فرمایا کہ کبھی نفسانی خواہش حق کے موافق ہوتی ہے اسی لیے اتباع ہوائے نفس کو بغیر ہدی من اللہ سے مقید فرمایا ہے اس معنی پر **بغیر ھدی من اللہ** محلاً حال ہے **ان اللہ لا یھدی القوم الظالمین**۔ بیشک اللہ تعالیٰ ظالمین یعنی اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والوں کو اپنے دین کا راستہ نہیں دکھاتا اس لیے کہ وہ ہوائے نفس اور اعراض عن الآیات میں بہت زیادہ منہمک ہوتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ:

آیت میں چند لطائف دو طریق پر ہیں:

١۔ صرف پڑھنا۔ پڑھانا۔ سماع مطالعہ۔

٢۔ ریاضت مجاہدہ۔ تزکیہ یہی راستہ حضرت احدیت تک بہت جلد پہنچانے والا ہے چنانچہ حدیث قدسی میں ہے کہ **من تقرب الی شبراً** جو میرے ہاں انجذاب روحانی سے بالشت بھی قریب ہوتا ہے

تقربت الیہ ذراعًا تو میں فیض و فتح و الہام و کشف سے اسکے ایک ہاتھ قریب ہوجاتا ہوں۔

اس سے ثابت ہوا کہ کتابوں کے پڑھنے پڑھانے اور سننے سنانے اور مطالعہ سے جو گتھی نہیں سلجھتی وہ سلوک راہ حق سے منٹوں میں حل ہوجاتی ہے اسی لیے ہم (اہلسنت) اولیاء اللہ سے اس راہ کی تلاش کرتے ہیں کیونکہ ان حضرات کو وراثۃ حق سے یہ راستہ حاصل ہوتا ہے اور مخلوق و خالق کی راہ دکھانے میں زمین و آسمان کا فرق ہے ؎

فیضی کہ جامی از دو سر پیمانہ کہ یافت
مشکل کہ شیخ شہر بیابد بصد چلہ

ترجمہ: وہ فیض جو شیخ کی نگاہ کرم سے نصیب ہو وہ سینکڑوں چلوں سے بھی بصد مشکل ہوتا ہے۔

(۲) اگر کسی مرشد حاذق اور طالب صادق کو شیخ کامل کی صحبت نصیب ہوجائے اور وہ اس کی اقتدا میں ہدایات پاتا ہے بشرطیکہ وہ واقعی شیخ کامل اور اللہ والا ہو تو مرید پر لازم ہے کہ وہ ایسے کامل شیخ کی خدمت کے لیے ہر وقت مستعد ہے کیونکہ وہی اسے اللہ تعالیٰ سے ملا سکتا ہے تو مرید کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسے شیخ کامل کی اتباع کرے اور اس کی ارادت کے دامن کو مضبوط پکڑے یہاں تک کہ تکمیل کو پہنچے۔ اگر اثنائے سلوک اسے اور کامل شیخ میسر ہو جو اس پہلے شیخ سے مکمل ترین ہے تو پھر اس کی خدمت میں جان نچھاور کرے۔ اسی طرح اگر اس دوسرے سے بھی اور کامل تر شیخ کی صحبت نصیب ہو تو اسی کے ساتھ ہوجائے ایسے ہی کامل سے کامل تر کی خدمت بدلتا جائے یہاں تک کہ منزل مقصود کو پہنچ جائے یعنی وصول الی اللہ بالاتصال بلا انفصال جو انسان کا حقیقی مطلوب ہے (لیکن دور حاضرہ میں پہلے تو شیخ کامل کا ملنا مشکل ہے پھر اگر کسی خوش بخت کو کوئی بزرگ میسر آجائے تو خواہ مخواہ توہم کا شکار ہو کر کسی دوسرے بزرگ کی طرف رجوع کرنے کی کوشش نہ کرے جب تک شیخ خود حکم نہ فرمائے ورنہ "دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا" والا معاملہ ہوجائے گا۔[1]

(۳) فریب خوردہ عقلیات کے گرفتار و فلاسفہ کا خیال ہے کہ نفس کا جہاد عقل سے بھی کیا جاسکتا ہے ہدایت الٰہی اور توفیق ایزدی یعنی اتباع انبیاء علیہم السلام کی ضرورت نہیں یہ ان کی خام خیالی بلکہ حماقت و سفاہت ہے اس لیے کہ عقل کو رہبر ماننا اور انبیاء علیہم السلام کی اتباع کو عبث سمجھنا دراصل خواہشات نفسانی کا شکار بننا ہے اور ایسے لوگ نفسانی خواہشات کے پنجے سے کبھی نجات نہیں پاسکتے بلکہ ایسے لوگوں کی عبادت ان کے منہ پر ماری جاتی ہے جو صرف عقل کے زور سے عبادت الٰہی بجالاتے ہیں لیکن انبیاء علیہم السلام کی اتباع کو کچھ نہیں سمجھتے (ہمارے دور میں ماڈرن مسلمان اور نئی تہذیب کے دلدادگان کچھ اس قسم کی ذہنیت رکھتے ہیں اور نیچری طبیعت کے مولوی اور ماڈرن ملاں ان کی ایسی غلط ذہنیت کی نہ صرف تائید بلکہ دین کی حقیقی تلقین کی تردید کرتے ہیں[2]۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ، [2] ایضا

marfat.ocm

یاد رکھئے کہ ایسے اذہان دراصل ہوائے نفس کے شکار ہیں اور ان کی عبادت بجائے عبادت میں لکھے جانے کے جہنم کی آگ میں لے جانے والی ہے کیونکہ عبادت کو ہدایت الٰہی کی تائید نصیب نہیں۔

فائدہ: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعتِ شان کو کون نہیں مانتا لیکن پھر بھی انہیں حکم ہوا کہ آپ بھی انبیاء علیہم السلام کی اقتداء کریں۔ کما قال اللہ تعالیٰ **فبھداھم اقتدہ** اس سے خام خیال مذہب کا جواب بھی ہو گیا کہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نبی الانبیاء ہیں تو پھر وہ اُن کی اتباع کے لیے مامور کیوں۔

اُوپر بتایا گیا ہے کہ عقل والوں کو بتایا تھا کہ اتباعِ انبیاء ضروری ہے اور قرآن کا قاعدہ ہے کہ اہم معاملہ میں خطاب محبوب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوتا ہے لیکن مقصود عوام ہوتے ہیں۔ کما قال: **یا ایھا النبی اتق اللہ** اور فرمایا **وثیابك فطھر** وغیرہ وغیرہ[1]

پیری اور مریدی کا راز: بعثت انبیاء علیہم السلام کا ایک راز یہی ہے اور اسی لیے مرید کو شیخ کامل کی اتباع ضروری ہے۔ کیونکہ شیخ کامل کو ہدایت الٰہی نصیب ہوتی ہے وہ اسی کی برکت سے مرید کو منزلِ مقصود تک پہنچاتا ہے۔

(۴) ظالمین وہ ہیں جو متابعت ہوائے نفس میں متابعت انبیاء علیہم السلام کو ضائع کر دیتا ہے اور ہدایت ایسے محل سے تلاش کی جہاں گمراہی ہی گمراہی تھی یعنی عقل بلا تائید ایزدی گمراہی کا سرچشمہ ہے۔

فائدہ: انسان ہوائے نفس کے اعتبار سے تین قسم ہے:

(۱) انسان پر خواہش نفسانی کا ایسا غلبہ ہو کہ انسان خواہش نفسانی کے سامنے گھٹنے ٹیک دے کما قال اللہ تعالیٰ **افرأیت من اتخذ الٰہ ھواہ۔** کیا تو نے اسے نہیں دیکھا جس نے اپنی خواہش کی اتباع کی ۱۲۔

(۲) اس کا خواہش نفسانی کے ساتھ ہر وقت مقابلہ رہے کسی وقت ہوائے نفس پر غالب ہو جائے اور کسی وقت مغلوب ایسے لوگ بھی قابل مدح ہیں اور ایسے لوگوں کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا **جاھدوا اھوائکم کما تجاھدون اعدائکم**۔ اپنی خواہشاتِ نفسانی کا مقابلہ کرو جیسے دشمنوں سے مقابلہ کیا کرتے ہو۔

(۳) ہوائے نفس پر ہر وقت غلبہ حاصل ہو اور یہ مقام صرف انبیاء علیہم السلام یا اُونچے درجے کے اولیاء کرام کو حاصل ہے۔ انہی حضرات کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا **واما من خاف مقام ربہٖ ونھی النفس عن الھوٰی** اور ایسے ہی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر غلبہ بخشا ہے اسی لیے وہ میرے حکم پر چلتا ہے۔

یاد رہے کہ انسان شیطان پر اس کی خواہش نفسانی کے مطابق حملہ کرتا ہے۔

---

[1] اضافہ اویسی غفرلہٗ

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (۵۱) اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ
اور بیشک ہم نے انکے لیئے بات مسلسل اتاری کہ وہ دھیان کریں جنکو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی وہ اس پر ایمان

بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ (۵۲) وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ
لاتے ہیں اور جب ان پر یہ آیتیں پڑھی جاتی ہیں کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے بے شک یہی حق ہے

اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ (۵۳) اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا
ہمارے رب کے پاس سے ہم اس سے پہلے ہی گردن رکھ چکے تھے ان کو ان کا اجر دوبالا دیا جائے گا بدلہ ان کے

صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (۵۴) وَاِذَا
صبر کا اور وہ بھلائی سے برائی کو ٹالتے ہیں اور ہمارے دیئے سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں اور جب

سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ
بیہودہ بات سنتے ہیں اس سے تغافل کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے لیے ہمارے عمل اور تمہارے لیے تمہارے عمل بس تم

لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ (۵۵) اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ
پر سلام ہم جاہلوں کے غرضی نہیں بے شک یہ نہیں کہ تم جسے اپنی طرف سے چاہو ہدایت کر دو ہاں اللہ ہدایت فرماتا ہے

يَّشَآءُ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ (۵۶) وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ
جسے چاہے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت والوں کو اور کہتے ہیں اگر ہم تمہارے ساتھ ہدایت کی پیروی کریں تو لوگ ہمارے

مِنْ اَرْضِنَا ۭ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ
ملک سے ہمیں اچک لے جائیں گے کیا ہم نے انہیں جگہ نہ دی امان والی حرم میں جس کی طرف ہر چیز کے پھل لائے جاتے ہیں

رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (۵۷) وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ
ہمارے پاس کی روزی لیکن ان میں اکثر کو علم نہیں اور کتنے شہر ہم نے ہلاک کر دیئے جو اپنے

بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۭ وَكُنَّا
عیش پر اترا گئے تھے تو یہ ہیں ان کے مکان کہ ان کے بعد ان میں سکونت نہ ہوئی مگر کم اور ہمیں

نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ (۵۸) وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا
وارث ہیں اور تمہارا رب شہروں کو ہلاک نہیں کرتا جب تک ان کے اصل مرجع میں رسول نہ

رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ (۵۹) وَمَآ
بھیجے جو ان پر ہماری آیتیں پڑھے اور ہم شہروں کو ہلاک نہیں کرتے مگر جب کہ ان کے ساکن ستمگار ہوں اور جو

marfat.ocm

أُوتِيتُم مِّن شَىْءٍ فَمَتَاعُ ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا وَزِينَتُهَا ۚ وَمَا عِندَ ٱللَّهِ خَيْرٌ

کچھ چیز تمہیں دی گئی ہے وہ دنیوی زندگی کا برتاوا اور اس کا سنگار ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر

وَأَبْقَىٰٓ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۶۰﴾

اور زیادہ باقی رہنے والا تو کیا تمہیں عقل نہیں

بقیہ سابقہ مضمون:

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ اہل ہدیٰ میں شمولیت کی جدوجہد کرے اور اہل ہویٰ سے کوسوں دور بھاگے جب اسے دو مختلف امر درپیش ہوں اور اسے معلوم نہیں ہوتا کہ ان میں بہتر اور صواب تر کون سا امر ہے تو اس پر لازم ہے کہ اس پر عمل کرے جو اس کے نفس پر شاق ہو اس پر عمل نہ کرے جو اس کی نفسانی خواہش کے مطابق ہو اس لیے کہ نفس کی خواہش کے خلاف عمل کرنا بھی جہاد ہے ویسے نفس کے ہر ناگوار امر میں خیر و برکت ہے ہاں جسے عقل سلیم اور فکر فہیم حاصل ہو وہ اس کے موافق عمل کرے تو بھی روا ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ فرماتے ہیں ؎

ہوا و ہوس را نماند ستیز
چو بیند سر پنجۂ عقل تیز

ترجمہ: ہوا و ہوس کو جنگ کی تاب نہیں رہتی جب اس کے مقابلہ میں عقل سلیم نبرد آزما ہو۔

تفسیر عالمانہ: **ولقد وصلنا لھم القول**، التوصیل الوصل کا مبالغہ ہے بمعنی دو چیزوں کے درمیانی حائل کو ہٹانا۔ اب معنی یہ ہُوا کہ ہم نے قریش کو پے در پے اور بہت زیادہ باتیں پہنچائیں یعنی قرآن پاک کی آیات در آیات اور سورۃ در سورۃ پے در پے نازل فرمائیں جیسا کہ ہماری حکمت کا تقاضا تھا تاکہ ہر وقت ان کے سامنے پند و نصیحت کا دروازہ کھلا رہے اور اُن کے دلوں پر قرآنی آیات کے اثرات وارد ہوتے رہیں۔ **لعلھم یتذکرون** تاکہ نصیحت حاصل کر کے ایمان لائیں اور طاعت گزار ہوں۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم نے ان پر مسلسل مواعظ و زواجر اُتارے اور سابقہ اُمم کے گروہوں کے حالات سنائے کہ فلاں گروہ فلاں غلط کاری سے فلاں وقت تباہ ہوا وغیرہ مثلاً ہم نے کہا کہ قوم نوح فلاں عمل سے غرق ہوئی اور قوم ہود برباد ہوئی تو فلاں کردار سے اور قوم صالح فلاں غلطی سے تاکہ وہ نصیحت پذیر ہو کر ڈر جائیں کہ کہیں ان پر بھی اسی طرح کا عذاب نازل نہ ہو جیسے سابقہ امم پہ نازل ہوا۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ قول ظاہر پے در پے ملنے سے باطن پر اثر مرتب ہوتا ہے۔ یعنی ہم نے انھیں قرآن مجید کی تفہیم کی نعمت بخشی تاکہ عہد میثاق کو یاد کریں جبکہ **بلیٰ** کہہ کر دولتِ ایمان سے نوازے گئے اور توحید کا اقرار کر لیا تھا اور ظاہر ہے کہ دولت ایمان سماع قرآن سے ہی نصیب ہوتی ہے۔

تفسیر عالمانہ: **الذین اٰتینا ھم الکتٰب**: یہ مبتدا ہے اور اس سے اہل کتاب ایمان لانے والے لوگ مراد ہیں۔ **من قبلہ** نزول قرآن سے پہلے جنھیں ہم نے کتاب عطا فرمائی۔ **ھم بہ یومنون** وہ قرآن مجید پر بھی ایمان لاتے ہیں۔ یہ جملہ مبتدا مذکورہ کی خبر ہے۔

ربط: اب وہ مضمون فرمایا جو ان کے ایمان بالقرآن کا موجب بنا۔ کما قال: **واذا یتلی علیھم** اور جب ان کے سامنے قرآن مجید پڑھا جاتا ہے۔ **قالوا اٰمنا بہ** تو کہتے ہیں کہ واقعی قرآن مجید کلام الٰہی ہے۔ **انہ الحق من ربنا**۔ بیشک وہ حق ہے اس کی حقیقت کو ہم پہلے سے ہی جانتے تھے کہ اسے ہمارے پروردگار نے اتارنا ہے اور ہمیں پختہ یقین تھا کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے نازل ہونا ہے۔ **انا کنا من قبلہ**۔ بیشک ہم نزول قرآن سے پہلے سے ہی **مسلمین** مانتے تھے واضح کیا گیا ہے کہ ایمان کوئی نیا مسئلہ نہیں کہ ان لوگوں نے اپنی طرف سے گھڑا ہو بلکہ یہ مسئلہ تو قدیم الایام جملہ اقوام کا متفق ہے۔ اس لیے کہ ان کی جملہ کتب متقدمہ میں مذکور ہے اور یہ لوگ نزول قرآن سے قبل بھی دین اسلام کے قائل تھے **اولٰئك یؤتون اجرھم** وہی لوگ جن کے صفات اُوپر مذکور ہوئے وہ ہیں جنہیں آخرت میں اجر و ثواب عطا ہو گا۔ **مرتین** دو بار ایک بوجہ تورات پر دوسرا بوجہ قرآن پر ایمان لانے کی وجہ سے۔ لفظ **مرۃ** کی تحقیق سورہ طٰہٰ میں تحت آیت **ولقد مننا علیك مرۃ اخری**۔ **بما صبروا**۔ ان کے صبر اور دو ایمانوں پر ثابت قدمی اور دو شریعتوں پر عمل کرنے کی وجہ سے۔

marfat.ocm

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ انہیں دوہرا اجر و ثواب اس لیے نصیب ہوا کہ انہوں نے خواہشات نفسانی کی مخالفت اور اوامر و نواہی شرع کی موافقت کی۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین ایسے شخص ہیں جنہیں دوہرا ثواب نصیب ہوتا ہے ایک وہ کہ جس کی لونڈی ہو اور وہ اسے اچھی طرح تعلیم دے اور اسے آداب سکھلائے۔ پھر اس سے نکاح کرے۔

دوسرا وہ شخص جو اپنے آقا کی خدمت کرے اور حقوق الٰہی بھی صحیح طور پر بجالائے۔

تیسرا وہ شخص جو کتاب اول (تورات یا انجیل یا زبور) پر بھی ایمان لائے اور قرآن مجید پر بھی۔ (کذا فی کشف الاسرار)

تفسیر عالمانہ: ویدرؤن بالحسنة السیئة اور وہ لوگ طاعت و عبادت سے برائی کو اور قول حسن سے برے قول کو دفع کرتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ وہ اعمالِ صالحہ ادا کر کے اعمالِ سیئہ کی ظلمات دفع کرتے ہیں اور اعمالِ سیئہ سے شروع کی مخالفت مراد ہے۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ برائی کے رتکاب کے بعد فوراً نیکی کرو۔ نیکی کی برکت سے برائیاں معاف ہو جائیں گی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان الحسنات یذھبن سیئات اور یہ حکم عوام اہلِ ایمان کے لیے ہے اور خواص کے لیے حکم یہ ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کی نیکی کے ساتھ قلوب سے ب دنیا و نفس کی شہوات و خواہشات کی زنگ دور کریں۔ اور اخص الخواص کے لیے یہ ہے کہ لا الٰہ کی نفی سے تعلق قلب ے ساتھ وجود موجودات کے شرک کی برائی کو ختم کریں بلکہ بصیرۃ کی آنکھ کو الا اللہ سے اثباتِ وجود کے ساتھ ماسوی اللہ کے یکھنے والی آنکھ کو بند کر دے۔ بس یہی تصور راسخ ہو کہ کان اللہ ولم یکن معه شئی۔ اللہ کی ذات کے سوا کوئی شے ہے ہی نہیں۔

تفسیر عالمانہ: ومما رزقنھم ینفقون۔ اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: اس میں اشارہ ہے کہ وجود مجازی کو وجود حقیقی کی طلب میں خرچ کرنا ضروری ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

تفسیر عالمانہ: واذا سمعوا اللغو۔ اور جب وہ لغویات والوں سے لغویات سنتے ہیں حد سے گری ہوئی بات یعنی بیہودہ کلام کو لغو سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اعرضوا عنه تو وہ یات سے منہ پھیرتے ہیں۔

ان نزول: اہلِ کتاب کو کفار و مشرکین گالیاں دیتے تھے کہ تم نے بھی آباؤ اجداد کا قدیمی دین ترک کر دیا ہے حالانکہ تمہیں تو آباؤ اجداد کے دین کو محفوظ رکھنے کے لیے نبی علیہ السلام کے ساتھ مقابلہ کرنا ضروری تھا۔

وقالوا۔ اور وہ بکواسیوں کو کہتے ہیں لنا اعمالنا ہمارے لیے ہمارے عمل حوصلہ اور درگزر وغیرہا ولکم اعمالکم اور تمہارے لیے تمہارے عمل یعنی نکمی باتیں اور سفاہت وغیرہا۔ ہر ایک اپنا کام کیے جاتے۔ سلام علیکم یہ سلام معروف نہیں جسے تحیہ اور کسی کو اپنی موافقت کی وجہ سے دعا کے طور کہا جاتا ہے بلکہ ان سے اظہار برأت اور ان سے دور ہونے کے طور پر کہا گیا ہے یعنی ہم نے تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دیا کہ جو چاہو کرو (لا نبتغی الجاہلین الابتغاء بمعنی طلب اور جہل شے کو اس کی حقیقت کے برعکس سمجھنا یعنی ناسمجھوں کی صحبت نہیں چاہتے اور نہ ہی ہم اُن کے ساتھ میل جول کا ارادہ رکھتے ہیں بلکہ ہمیں ان سے گفتگو کرنے سے بھی نفرت ہے اور اُن کے اخلاق و عادات کو اپنانا تو ہمارے مقاصد سے خارج ہے اس لیے کہ شریروں کی صحبت دنیا میں بدنامی ہے بلکہ آخرت کی بدانجامی کا سبب ہے

؎ از بداں بگریز با نیکاں نشین
یار بد زہرے بود بے انگبیں

ترجمہ: بُروں سے دور بھاگو اور نیک لوگوں کے ہاں بیٹھو۔ یار بد کو زہر قاتل سمجھو۔

مسئلہ: اگرچہ آیت مذکورہ آیت سیف سے منسوخ ہے لیکن مکارم اخلاق کی ترغیب و تحریص کا حکم باقی ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین خصلتیں جس میں نہیں اُس کے علم کا کوئی اعتبار نہیں۔

۱۔ حوصلہ کہ جس سے جاہل کے جہل کو دفع کرے۔
۲۔ اتقاء کہ جس سے معاصی و جرائم سے بچے۔
۳۔ حسنِ اخلاق کہ جس سے عوام میں زندگی بسر کرے۔

حکایت: حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جالینوس نے ایک بیوقوف کو دیکھا کہ وہ ایک دانش مند کے دست بگریباں ہے اور اسے منہ پھاڑ پھاڑ کر گالی دے رہا ہے۔ جالینوس نے کہا کہ اگر یہ دانشمند ہوتا تو سرے سے ایسے بیوقوف کے ساتھ بات نہ کرتا اور نہ نوبت یہاں تک پہنچتی۔ ؎

۱۔ دو عاقل را نباشد کیں و پیکار   نہ دانائے ستیزد با سبکسار
۲۔ اگر نادان بوحشت سخت گوید   خردمندش برحمت دل بجوید
۳۔ دو صاحب دل نگہ دارند موئے   ہمیں دوں سرکشی و آزرم جوئے
۴۔ اگر بر ہر دو جانب جاہلانند   اگر زنجیر باشد بگسلانند
۵۔ یکے را زشت خوی دادو دشنام   تحمل کرد و گفت ای نیک فرجام
۶۔ بتر زانم کہ خواہی گفتن آنی   کہ دانم عیب من چوں من ندانی

ترجمہ: (۱) دو سمجھداروں کے درمیان جھگڑا نہیں ہوتا اور نہ دانا بیوقوف سے جھگڑتا ہے۔

marfat.ocm

(۲) اگر کوئی نادان بیوقوفی سے برا کہتا ہے۔ سمجھدار آدمی اس کی نرمی سے دلجوئی کرتا ہے۔

(۳) دو صاحب دل اپنے بال بچا لیتے ہیں کہ ایک طرف سرکش ہو تو دوسرا صلح جو ہو۔

(۴) اگر ہر دونوں طرف سے جاہل ہیں۔ زنجیر ہو گا تب بھی توڑ دیں گے۔

(۵) کسی نالائق نے کسی کو گالی دی تو اس نے صبر کر کے کہا اے نیک بخت

(۶) بہتر برائی وہ ہے جو میں بتاؤں کیونکہ میں خود اپنی برائیوں کو خوب جانتا ہوں۔

حکایت: ایک شخص مستی سے سر راہ سو رہا تھا اور اتنا بے اختیار کہ اسے اپنی بھی خبر نہ تھی۔ ایک عابد کا وہاں سے گزر ہوا تو اس نے اسے ترچھی نگاہ سے دیکھا۔ اس مست نوجوان نے سر اٹھا کر قرآنی آیت پڑھی واذا مروا باللغو مروا کراما۔ اور جب وہ بیہودہ امر سے گزرتے ہیں تو کریم ہو کر گزرتے ہیں۔

- اذا رأیت اثیما کن ساترا و حلیما
یا من یقبح لغوی لم لا تمر کریما

ترجمہ: جب تم کسی گنہ گار کو دیکھو تو اس کی عیب پوشی اور حوصلہ کرو۔ اے فلاں جو تو نے میری غلطیوں کو قبیح سمجھتا ہے کیوں کریم ہو کر نہیں گزرتے۔

- متاب اے پارسا روئے از گنہ گار بخشایندگی در وے نظر کن
اگر من ناجواں مردم بکردار تو بر من چوں جواں مرداں گزر کن

ترجمہ: اے نیک انسان گنہگار سے روگردان نہ ہو بلکہ اسے عفو و مغفرت سے دیکھئے۔ اگر میں اپنی غلط کاری سے نالائق ہوں تو تم مجھے اپنی لیاقت و اہلیت کے مطابق دیکھئے۔

تفسیر صوفیانہ: اہل حقیقت کے نزدیک لغو وہ قول و فعل ہے جو انسان کو عبادت و ذکر الٰہی سے روکے اور ہر وہ کلام جس میں حال و واقعہ کا خطاب اور اس میں ماسوی اللہ کی طلب ہو۔ اسے بھی محققین صوفیہ لغو سے تعبیر کرتے ہیں۔ واذا سمعوا اللغو۔ اور جب یہ حضرات ایسی لغو کو سنتے ہیں۔ اعرضوا عنہ تو اس سے روگردانی کرتے ہوئے قالوا کہتے ہیں لنا اعمالنا ہمارے لیے ہمارے عمل وہ یہ کہ وجود حقیقی کے حصول کے لیے وجود مجازی کو فنا کرنا۔ و لکم اعمالکم اور تمہارے لیے تمہارے وہ عمل یہ تم وجود مجازی کی خواہشات کو پورا کرنے اور شہوات کو حاصل کرنے اور وجود حقیقی کی طلب سے روگردانی اور اس کے منافع سے انتفاع کی سعادت سے محرومی ہو۔ سلام علیکم لا نبتغی الجاھلین۔ یہاں پر جاہلین سے غافل عن اللہ اور وہ لوگ مراد ہیں جو محجوب عن اللہ اور ماسوی اللہ کے طالب ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو ماسوی اللہ کا طالب ہے وہ حقیقت سے بے خبر ہے ورنہ اگر وہ حقیقت کے محاسن کا عارف ہوتا وہ صرف حقیقت کا طالب ہوتا اسے غیر حقیقت سے کسی قسم کا واسطہ

نہ ہوتا۔

سبق۔ سالکین راہِ ہدیٰ پر لازم ہے کہ جہال کی صحبت سے دُور بھاگے کیونکہ آپس میں کسی قسم کا واسطہ اور تعلق نہیں بلکہ ان کے معاشرہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے بلکہ سالک جاہل کی صحبت میں قید خانہ میں رہنے سے بھی زیادہ تنگی محسوس کرے گا۔ علاوہ ازیں سالک ابھی راہ طے کر رہا ہے تو وہ خود بھی ابھی اتنا ضعیف ہے کہ وہ جاہلوں کی صحبت کے بُرے اثرات کا حامل نہیں بلکہ اسے ایسی صحبت سے اپنے حال کے تغیر کا خطرہ ہے بلکہ اس پر جاہلوں کی صحبت اثرات اپنی لپیٹ میں لے لیں گے پھر وہ بجائے منزل مقصود تک پہنچنے کے اُلٹے پاؤں گمراہی کے گڑھے میں گر جائے گا اور وہ نہ صرف مجرم و خطا کار ہوگا بلکہ دائرۂ اسلام سے بھی نکل جائے گا۔ ہم ترقی کے بعد تنزل کی خرابیوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اور ہم اس سے ثبات و توفیق اور طریق التحقیق کی موت کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ: **انک**۔ اے محبوب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بیشک ہم آپ **لا تھدی** الیسی ہدایت پر مامور نہیں جو ضروری اور لازماً منزل مقصود تک پہنچا دے۔ **من احببت** لوگوں میں سے جنہیں آپ چاہیں اور آپ کو ذاتی طور پر قدرت نہیں کہ آپ کسی کو اسلام میں داخل فرمائیں۔ اگرچہ اپنی تمام طاقت صرف کریں اور حد درجہ کی جدوجہد کریں **و لکن اللہ یھدی من یشاء**۔ لیکن اللہ تعالیٰ جسے اسلام میں داخل کرنا چاہتا ہے تو اسے ہدایت دیتا ہے **وھو اعلم بالمھتدین** اور وہ انھیں خوب جانتا ہے کہ جو ہدایت ازلی کی استعداد سے سرشار ہے ؎

ہدایت ہر کہ اوراز ہدایت   بدو ہمراہ باشد تا نہایت

ترجمہ: جسے ازل سے ہدایت سے نوازا وہی ابداً ہدایت یافتہ ہیں۔

فائدہ: جمہور کا مذہب ہے کہ آیت میں **من احببت** سے ابو طالب بن عبد المطلب یعنی حضرت صلی اللہ علیہ
(آگے دیکھیں صـ۱۸۱)

حاشیہ اویسی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم ۔ الجواب منہ الھدایۃ والصواب

علماء و مشائخ اہلسنت کے عقائد میں حبیب رب غفار سرکار ابد قرار علیہ السلام والتسلیم کو امور تکوینیہ ہوں یا تشریعیہ کا باذنہ تعالےٰ اختیار حاصل ہے جن کے دلائل باہرہ بے حد و حساب ہیں یہاں چند آیات مبارکہ اور احادیث نبویہ مقدسہ اور تصریحات علماء و مشائخ

---

[1] اس آیت کے متعلق فقیر اویسی غفرلہ، سے محمدی شریف ضلع جھنگ کے مولانا صاحبزادہ محمد امین سیالوی نے سوا لکھ کر تفصیلی جواب کا حکم فرمایا۔ چنانچہ فقیر نے ایسے ہی انہی کے سوال کے متعلق لکھا جسے موصوف نے احسن تر سے شائع فرمایا چونکہ وہ مضمون اس آیت کے متعلق ہے۔

marfat.ocm

اہلسنت کا رد جواب تحریر کرتا ہوں سردست مخالفین کی پیش کردہ آیت کا جواب ملاحظہ ہو۔

(۱) مسلمات سے ہے کہ قرآن عظیم کی آیات میں تضاد و تناقض ممتنع ہے۔ بلکہ ہر آیت جملہ دوسری آیات بینات کی مؤید و مصدق ہے چنانچہ باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ۔ حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے متشابہا کا ترجمہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے فَلِاَنَّهٗ يُشْبِهُ بَعْضُهٗ بَعْضًا فِي الْحُسْنِ وَالصِّدْقِ (اتقان ص۱۰۵ جلد ۱ مصر)

اسی بنا پر حق حقیقت یہ ہے کہ قرآنی آیات میں ایک دوسرے کے ساتھ نہ تضاد ہے نہ تناقض۔ جس آیت کو مخالفین پیش کرتے ہیں اس کے بالمقابل قرآن پاک میں سورۃ شوریٰ شریف میں ہے۔ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ۔ میرے حبیب پاک بیشک آپ ہی صراط مستقیم کی ہدایت فرماتے ہیں۔

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ جہاں مخالف پہلی آیت پیش کرتے ہیں انہیں یہ دوسری آیت بھی سامنے رکھنی چاہیے کہ مولیٰ تعالیٰ جل مجدہٗ تو اپنے پیارے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ہادی کل دانائے سبل ارشاد فرما رہے ہیں، منکرین کا اظہار خیال بعید و نگر ہے کیونکہ اس کا عقیدہ نئے نبی کے امکان سے وابستہ ہے، یا یہی وجہ ہماری پیش کردہ آیات و تصریحات اور مشائخ اہلسنت کے عقیدہ و ارشادات کے انکار میں مسلمانوں کو تاریکی میں رکھنے کے لئے بالعموم ارشاد ربانی کی غلط ترجمانی کرتے ہوئے مخالف کہتا ہے اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ (الخ) کہ حضور منزل ہدایت تک پہنچانے سے قاصر ہیں (معاذ اللہ) پیش کردہ آیت میں عموم ہے حضرات فن تفسیر کا قاعدہ یہ ہے کہ خصوص کی نفی سے عموم کی نفی نہیں ہوتی (تفسیر اتقان) ملاحظہ ہو۔

نمبر۳ - اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ (الخ) مخالف کا یہ اعتراض صورتِ قصص کی ایک آیت ہے جو کہ صورت شوریٰ سے پہلے اتری ہے چنانچہ علامہ سیوطی اپنی تفسیر اتقان کے صفحہ ۲۵ جلد اول میں صورتوں کی ترتیب کے فوائد مرتب کرتے ہوئے رقم طراز ہیں (پچھلی آیات) کہ پچھلے ارشادات پہلے فرمودات کیلئے یا تو ناسخ ہے یا ان کے اجمال کی تفصیل یا پھر ذاتی و عطائی کا فرق واضح مطلوب ہے۔ تاہم ایسے ہی اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ ارشاد ربانی میں ذاتی تصرفات کی نفی ہے اور اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ الی صراط المستقیم۔ میں عطائی ہدایت کا اثبات موجود ہے اور یہ طریقہ قرآن کریم میں عام ہے ان تمام قوانین کی تفصیل فقیر نے اپنی تفسیر احسن البیان میں عرض کر دی ہے۔

نمبر۴: اہلسنت کے نزدیک ہدایت بمعنی خلق الہدایت ہے۔

شرح عقائد :۔ چنانچہ علم عقائد کی مشہور و معروف درسی کتاب میں تصریح موجود ہے کہ مخالفین کی پیش کردہ آیت میں تخلیق ہدایت کی نفی ہے نا کہ ہدایت کی یہ ہمارے مسلک کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ ہم حضورؐ کو خالقِ ہدایت تو قرار نہیں دیتے اور جہاں غیر اللہ کی طرف منسوب ہو تو وہاں ہدایت مجاز بمعنی راہ نمودن ہوتا ہے (راستہ دکھانا)

نمبر۵ :۔ ہم نے بارہا مخالفین کی مخالفت کا لبادہ چاک کیا مگر عدم اختیارِ سرکارِ ابد قرار کا کوئی ثبوت پیش نہ کر سکے چنانچہ مواقف و شرح مواقف کتب میں مذکور ہے کہ معتزلہ کہتے ہیں کہ ہدایت بمعنی ایصال الی المطلوب اور مشائخ اہلسنت کہتے ہیں کہ ہدایت بمعنی ارادۃ الطریق کے ہیں ہم عاجز ہے کہ ہدایت کے معنیٰ و مطلوب کے متعلق متون۔ شروح۔ اصول منطق و علم کلام میں بہت لمبی چوڑی بحثیں کی گئی ہیں۔ اس کے متعلق تمام سوالات و جوابات کو فنونِ مذکورہ میں تفصیل کے ساتھ لکھا گیا ہے۔

نمبر۶ :۔ آیت اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ (الآیت) میں منفی اور مثبت آیت اِنَّکَ لَاتَھْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ میں مثبت پہلو اور اصول کا مسلم قاعدہ ہے کہ اثبات و نفی کے تعارض میں اثبات کو ترجیح دی جاتی ہے۔

نمبر۷ :۔ شاہ محمد عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قسم کی آیات کو آیاتِ متشابہات میں داخل فرمایا ہے۔

ان تمام دلائل کا خلاصہ یہ ہوا کہ آیت اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ میں خلق ہدایت ذاتی اور بلا استقلال کی نفی ہے نا کہ معاذ اللہ سرے سرکارِ ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو ہدایت دے ہی نہیں سکتے۔ اگر ایسا ہے تو پھر ارسال رسل سے کیا فائدہ؟ اور اِنَّکَ لَتَھْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔ کی صریح اور نص قطعی الدلالت سے انکار لازم آتا ہے اور یہ فی الواقع کفر ہے۔

ایک غلطی کا ازالہ

برائے برادری (چچاؤں) اعزہ و اقربا کو راہِ راست پر گامزن کرنے کی جدوجہد کرنے یا ان سے میل ملاپ محبت کرنا از خود سرکار نہیں تھا۔ بلکہ من حیث الوجوہ ارشاداتِ ربانیہ پر عمل کرنا مطلوب تھا۔

اگر آپ ایسا نہ فرماتے تو ارشاداتِ باری تعالیٰ کے خلاف ہوتا جو کہ منصبِ نبوت کے خلاف اور عہدِ رسالت کے شایانِ شان نہ تھا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ آپ حکمِ الٰہی بجا نہ لاتے فقیر کی اس گذارش سے ثابت ہوا کہ معترض کا اعتراض نبوت پر نہیں بلکہ الوہیت پر ہے۔

marfat.ocm

کیونکہ مولیٰ تعالیٰ جل مجدہٗ نے اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا اَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ۔ اس عمومی حکم کے تحت آپ نے اپنے تمام اعزہ واقربا کو تبلیغ فرمائی اور حق یہ ہے کہ منعم حقیقی کا حق ادا فرمایا۔ اور برادری کیلئے خصوصی طور پر یوں ارشاد ہوا۔ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاھِیْمَ حَنِیْفًا۔ اس حکم کے مطابق آپ کو سیدنا حضور ابراہیم علیہ السلام کے طور طریق کو اپنانا فرض ہو گیا آپ اسی اقتدار میں اپنی برادری سے وہی طریقہ استعمال فرماتے جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آذر کیلئے کیا۔ کہ انہوں نے چچا کیلئے دعا فرمائی کیونکہ وہ بھی بجائے دعا مامور من اللہ تھے کہ چچا سے بچپن میں وعدہ فرما چکے تھے ارشاد ربانی: سَاَسْتَغْفِرُ لَکَ اِنَّہٗ کَانَ بِیْ حَفِیًّا۔ سورت مریم

کما قال۔ الا قول ابراھیم لابیہ لاستغفرن لک وما املک لک من اللہ من شیء (الخ) (ممتحنہ) اس بنا پر روحِ حیات، جانِ کائنات بجائے چچا و برادری دعا کی اور ان کی ہدایت کیلئے سرگرم کوشش کرنے پر مامور من اللہ تھے اب اس منزہ من کل عیب پر اعتراض کیا۔ اِنّ کا معترض اُسی کا معترض ہے کیونکہ اسے معلوم تھا کہ ایمان لانے والوں کا جواب منفی ہی ہوگا۔

جبکہ ہم نے ان کے لیے ہدایت تخلیق ہی نہیں فرمائی تو پھر اپنے پیارے محبوب ومطلوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی تبلیغ اور ان کی دعا اور ان کی ہدایت کیلئے جدوجہد کرنے کا حکم کیوں نازل فرمایا۔ ما ھو جوابکم للہ تعالیٰ فھو جواب للنبی صلی اللہ علیہ وسلم، پھر دیکھیے مدہ ایجاد خلقت صلی اللہ علیہ وسلم۔ اپنے دادا سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اقتدار میں کتنے پختہ کار ثابت ہوتے حضرت ابراہیم علیہ السلام تو خود بخود رک گئے۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔ وما کان استغفار لابیہ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَھَا اِیَّاہُ فلما تبین لہٗ اَنَّہٗ عَدُوٌّ للہ تبرأ منہ (سورہ توبہ) لیکن جانِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب تک اللہ تعالیٰ نے خود نہیں روکا وہ بدستور سرگرم عمل رہے۔

کما قال اللہ تعالیٰ۔ ما کان لِلنَّبِیِّ والذین آمنوا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا للمشرکین ولو کانوا اُولی قربیٰ من بعد ما تبین لھم اَنَّھُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِیْم۔ سورۃ توبہ نیز خود فرماتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ اپنے چچے کے بارے میں جب تک مجھے ممانعت نہ فرما دی گئی بدستور وعدہ پورا کرتا رہتا تھا۔ تو جب حکم خداوندی نازل ہوا اور ممانعت فرما دی گئی تو اسکے بعد کبھی اظہارِ تمنا نہیں ہوا، ثابت ہوا۔ امورِ مذکورہ از خود نہیں تھا بلکہ مامور من اللہ ہونے کی حیثیت سے تھا۔ اس مختصر تمہید کے بعد فقیر چند ایک وہ احادیثِ صحیحہ پیش کرتا ہے جن سے ثابت ہوگا کہ صرف جانِ دو عالم کے چاہنے پر ان حضرات کو دولت اسلام ایمان نصیب ہوئی۔

(مالک کونین) حضرات، حضور سیدنا مولا نے فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایمان لانا مسلمان ہونا

اویسی
محبوبِ کونین کی تمنا تھی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ کا اسلام دعائے مصطفےٰ کا رہین منت ہے ورنہ راہِ راست پر نہ تھی۔ (بخاری وغیرہ)

سیدنا مولائے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے والد گرامی ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کو ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر نوازی سے دولت اسلام نصیب ہوئی (شرح شفا للملا علی القاری والخفاجی صفحہ ۳۵۲ ج سوم وغیرہا)

نجات دہندہ کائنات کی دعا شریف کے بارے میں اعلیٰ حضرت کا ارشاد ہے

اجابت نے جھک کر گلے سے لگایا   بڑھی جب ناز سے دعائے محمدؐ
منظور ہیں ابرو کے اشارے سے دعائیں   کیوں تیر کماندارِ نبوت کا خطا ہے

باغی سراقہ کو مصیبت میں مبتلا کرکے پھر اسی نگلنے والی زمین کو اُگلنے کا حکم نافذ کرنا۔

کوئی قتل کو آتا ہے تو اندھا ہو جاتا ہے اور بُت دیکھ کر اندھے ہو جاتے ہیں۔ یہی ابولہب دعائے نبوی سے شفایاب ہو جاتے ہیں۔ سورج کو چمکا دیتے ہیں۔ تختِ قبولیت پر بیٹھے ہوئے اور تاجِ عنایت تقسیم کرتے ہوئے اقلیم چاند کو درہم برہم فرما دیتے ہیں جیسا کہ نظامِ کفر آپ نے روئے عالم سے بے نام و نشاں کر دیا۔ علی المرتضیٰ کی والدہ کو فردوسی بہاروں کا وارث بنا دیا۔ اعلیٰحضرت کا ارشاد گرامی ہے

سورج الٹے پاؤں پلٹے چاند اشارے سے ہو چاک
ارے اندھے نجدی دیکھ لے قدرت رسول اللہ کی

خاتم النبیین کی شہادت گوہ نے دی، ہرنی نے کلمہ پڑھا، بھیڑیا ایمان لایا، اُونٹ کی دادرسی فرمائی، قلیل طعام کو پوری قوم —— کے لیے کافی کر دیا، ابوہریرہ کے توشہ دان کو چشمہ فراواں کر دیا جو عرصہ دراز ۱۲ سال جاری رہا شہادتِ عثمانی کے دن باغیوں نے دندناتے ہوئے لوٹا۔ کس قدر قبضہ ہے سرکار کا کون و مکان پر خونخوار شیر نے اور جنگل کے موذی وحشی جانور بھیڑیئے تک نے بلا خوف دلوں کی گہرائیوں سے آقائے کونین کے اختیارات کو تسلیم کیا۔

دیکھئے حضرات! موذی جانوروں سے انکارِ نبوت اور اقتدارِ رسالت کا انکار نہیں ہو سکا۔ مگر جو بلا دریغ خبثِ باطن ظاہر کرتے ہوئے دلوں میں وسوسہ بن کر دوڑ جاتے ہیں اس لئے کہ ان کے دل سے دین و ایمان کوچ کر چکا ہے۔

اِنّی جاعلٌ فی الارض خلیفۃً کی سربلندی کا شاید غیر شعوری کو علم ہی نہیں ورنہ مہر منیر کی روئے عالم کو رخشاں کرنے والی رو پہلی کرنوں سے کون واقف نہیں۔

تباہی کارواں در کارواں ہے

marfat.ocm

امورِ تشریعی

ـــ جدھر دیکھا ہجوم رہبراں ہے کدھر ڈھونڈھوں مرا رہزن کہاں ہے ۔

قارئین با تمکین! بس یہ کسی خبطی کا خبط ہے، اسوائے مخبوط الحواس کے امورِ شریعیہ میں کسی قسم کا اختیار نہیں رکھتے،

اس عالم کی تشریف آوری اور بعثتِ مقدسہ کی علت غائیہ ہی تشریعی امور کیلئے ہے کرودانی تصریحات، ہزاروں احادیثِ مقدسہ میں موجود ہے نمونہ کے طور پر مشت از خروار ۔

(۱) ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے ششماہا بکرا برائے قربانی جائز قرار دیا۔ بخاری شریف ص۸۳۲ ج۔ دوم

(۲) حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کی ایک گواہی کو دو مردانِ حق آگاہ کی گواہی کے قائم مقام فرما دیا۔ ابوداؤد شریف ص۱۵۲ ج دوم

حالانکہ قرآن کریم کا فیصلہ ہے۔ واشھدوا ذوی عدلٍ منکم اور وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۔

(۳) ایک اعرابی شخص کیلئے روزے کا کفارہ معاف فرما دیا بلکہ اپنی فیاضانہ عطا اور کرم بخشی سے ایک ٹوکرا کھجور حضور نے مرحمت فرمائی ۔ (بخاری وغیرہا)

نعمتیں بانٹتا جس سمت وہ ذیشان گیا
ساتھ ہی منشیِ رحمت کا قلمدان گیا

(۴) مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو بحالتِ جنابت مسجد اقدس میں قیام پذیر ہونا مباح فرمایا۔ زرقانی صفحہ ۳۲۸ ج ۔ ۵ حالانکہ بحالت جنابت مسجد میں از شریعت طاہرہ بالعموم داخلہ ممنوع ہے ۔ بلکہ گناہ ہے ۔

(۵) ایک شخص سے اس شرط پر اسلام قبول فرما لیا گیا کہ وہ دو نمازوں سے زائد نماز نہیں پڑھیگا ۔ جہاں قرآن پانچ نمازیں فرض قرار دیتا ہے اگر کوئی عمداً ایک نماز ترک کر دے تو سخت مجرم بارگاہ قرار دیا گیا ہے ثابت ہوا جملہ فرائض فروع؛ اصل الاصول بندگی اُس تاجور کی ہے ۔

زرقانی شریف صفحہ ۳۲۸ ج ۵

(۶) تین طلاقوں کے بعد بغیر حلالہ کے حضرت ابو رکانہ کو بیوی واپس پھیر دی ۔ زرقانی شریف ص۳۲۸ ج ۵ حالانکہ قرآنی فیصلہ ہے، ربانی ارشاد ہوتا ہے ۔ حتّٰی تنکح زوجاً غیرہٗ

(۷) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سورج نکلنے کے وقت روزہ کھولنے کی اجازت بخشی ۔

زرقانی شریف ج ۔ ۲

چشم ایمانی کو انکار نہیں ہے اختیارات و تصرفاتِ نبوی میں مگر دیدے بے عقلوں انکارِ نبوت

کرنے والے اپنی مثل بے اختیار دیکھتے ہیں۔ کیا کیجئے علاج اس مرض لا علاج کا۔

چشمِ بینا موجود ہو تو تشریعی اختیارات اس سے بڑھ کر اور کون سا ہو سکتا ہے، جہاں فیصلہ احکم الحاکمین موجود ہو (واتموا الصیام الی الیل) بدنصیبی روسیاہی کا علاج کلکِ رضاؔ کے سوا نہ ہو سکا۔ جو پھر گمراہی سر اٹھانے لگی۔ (تعذیرِ رخِ بیدینی)۔

سائل ہوں تیرا مانگتا ہوں تجھ سے تجھی کو
معلوم ہے اقرار کی عادت تیری مجھ کو

اُمورِ تکوینیہ:

محترم حضرات۔ جمہور اہل اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہادیٔ عالم مردِ کائنات اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے مظہرِ اتم ہیں۔ جیسا کہ آپ سے ہزاروں مواقع پر اُمورِ تکوینیہ کا ظہور ہوا۔ ان کے شواہدات بھی احادیثِ صحیحہ میں موجود ہیں: وہی ھذا -

(۱) حضرت عمار بن یاسرؓ کو آگ میں ڈالا گیا تو مختارِ دو عالم کا ان پر گزر ہوا تو آپ نے عمار کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا۔ یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰی عَمَّارٍ الخ کذا فی الخصائص الکبریٰ للسیوطی ص ۱۸ ج ۲ آگ کی مجال نہ رہی وہیں دم توڑ گئی۔ حضرتِ عمار کو گویا گلکدۂ فردوس میں احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم نے بٹھا دیا کیوں نہیں کائنات کو فردوس نشین انہی کے دم قدم سے ملیگا۔

(۲) حکم بن ابی العاص ہادیٔ کل صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا جب احمد مختار گفتگو فرماتے تو وہ اپنا چہرہ بگاڑتا کچھ چبگاڑتا۔ قادرِ مطلق کے نائب اکبرؐ نے ارشاد فرمایا کن کذالک فلم یزل یختلج حتی مات یعنی مرتے دم تک اس کا حسن و جمال آپ نے بے نام و نشان کر دیا۔ جو گلزارِ حسن شعلے کی طرح سے بھڑکتا ہے وہ شعلے نہ رہے انگاروں میں شکل ہی آپ نے تبدیل فرما دی، بدصورت ہو گیا، خصائص کبریٰ شریف ص ۷۹ ج ۲

حکم نافذ ہے تیرا خامہ تیرا سیف تیری
دم میں جو چاہو کرو دور ہے شاہا تیرا

(۳) ہادیٔ عالم رہبرِ کون و مکانؐ نے ایک دن خطبہ فرمایا۔ ایک منکرِ عظمتِ مصطفیٰ نے آپ کے خطابِ لاجواب کی نقل اتارنی شروع کر دی تو حبیبِ کبریاؐ نے عتابِ باری کو للکارا اور فرمایا کذالک فکن (خصائص کبریٰ شریف) اسے لینے کے دینے پڑ گئے، بے ہوش و حواس زمین پر دھڑام گرا۔ یہاں تک کہ دو ماہ بعد اس کا منہ ویسے کا ویسا ٹیڑھا تھا۔ جیسا بوقت نقل ہوا تھا۔

(۴) حکم بن العاص کو بوجہ استہزاء رعشہ میں مبتلا کر دیا گیا کیونکہ چلنے میں سرکار ابد قرار کو نٹ نہ بنا رہا تھا۔ جلال یار عتاب میں آگیا آقائے کونین نے غصہ میں فرمایا کُن کذالک تو ایسا ہی مریگا۔ انہیں بے اختیار جاننے والے۔ (جواہر البحار ص ۱۹ ج ۳)

(۵) احمد مختار راہنمائے کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا۔ اسکے

والدہ نے مرض کی ہاں ہاں کہے برص کا مرض ہے حالانکہ وہ اس موذی مرض میں مبتلا نہ تھی گویا آپ نے خاطر اقدس کو جلال میں لاکے آفت الٰہی کو دعوت دے دی حضور نے خلاف ورزی کرنے والے کے بارے میں ارشاد فرمایا فلتکن کذلک (از جواہر البحار ص ۱۱ ج ۳)

بس پھر تیرِ نبوت کا شکار ہو گئی اسی مرض میں مبتلا ہو گئی۔

اعرابی کو فرمایا کن زیدا۔ پس وہ زید ہو گیا حالانکہ وہ زید نہ تھا۔ (جواہر البحار شریف) مظہر کامل کی شانِ جلالت ملاحظہ ہو۔

ع۔ قدرت ہے آپ سے عیاں اُس لایزال کی

(۶) ایک سوار کو دور سے دیکھ کر فرمایا "کن یا اباذر" تو وہ ابوذر بن گیا۔ معلوم ہوا نوعیت تبدیل فرما دیتے ہیں۔ (جواہر البحار ج ۱ ص ۲۶)

(۷) آپ نے ایک شخص کو فرمایا "کن ابا خیثمہ" تو گویا وہ ابو خیثمہ ہی تھا یہ اختیارات بے حد و حساب ہیں کارکنان قضا و قدر اشاروں کا انتظار کرتے ہیں۔

: بِلُوھا بَیِّنٌ فِی قُلُوْبِھِم مَّرَضٌ اَیْ مِنَ الْجَھْلِ وَالسُّوْءِ الْعَقِیْدَۃِ وَعَدَاوَۃُ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ اجمعین کثیرا "کثیرا" (تفسیر ابو سعود)

حرفِ آخر:۔ آیت اِنَّکَ لَا تَھْدِی مَنْ اَحْبَبْتَ الخ میں نہ تو جناب ابو طالب وغیرہ کے ایمان کی نفی ہے اور نہ ہی حضور منبع نور علیہ السلام کی ہدایت نہ دینے کا اثبات موجود ہے چنانچہ امام فخر الدین والملت رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق تفسیر کبیر میں اسی آیت کی تصریح فرماتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ کا ارشاد اقدس ہے کہ اِنَّکَ لَتَھْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (سورۃ شوریٰ پ ۲۵) اور فرمایا لکل قوم ھاد۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں ان ھذا القرآن یھدی للتی ھی اقوم اور فرمایا وجعلنا منھم ائمۃ یھدون بامرنا۔ ان آیات طیبہ میں نص ہے کہ پروردگار کے نیک بندے اور قرآن حکیم ——— ہادی ہیں اور کار ہدایت کے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ دشمنِ رسول کے منہ میں انگارے ہوں کس جرأت سے کہتے ہیں کہ نبی الانبیاء حبیب علیہ التحیۃ والثناء ہدایت نہیں دے سکتے، خاک بدہن سے پوچھتا ہوں کہیں کوئی اور در کوئی اور چوکھٹ کوئی اور دروازہ کہ جس کے لنگر سے کون و مکان سیراب ہوں

؎ فیض ہے یا شاہ تسنیم نرالا تیرا
کہ اک پیاسوں کے تجسس میں ہے دریا تیرا

انہی کے لنگر سے دو عالم پلتے ہیں معطی وہ ہے قاسم یہ ہیں۔ کس زبان میں یہ یارا ہے کہ وہ کہے

کہ آپ ہدایت نہیں دے سکتے، ہم نے پہلے بھی عرض کیا ہے آیت متذکرہ بالا میں خلق ہدایت کی نفی مراد ہے نہ یہ کہ ہدایت دینے میں آپ کو اختیار نہیں۔ پیشوائے اہلسنت حضرت تقی الدین سبکی قدس سرہٗ نے تشریح فرماتے ہوئے فرمایا ہے کہ **انک لا تہدی** ولیس علیک ھدایتہ شفاء السقام ص۱۴۸ کے ثمرات بڑے مفید ہیں۔

غلطی کا ازالہ: اِنَّكَ لَا تَهْدِی الخ آیت کریمہ میں ہدایت نہ دے سکنے پہ بے اختیار دکھانے کا معنیٰ کرنا قرآنی تحریف ہے وجہ یہ ہے کہ ہدایت کا معنیٰ ہدایت نہ دے سکنا نہ کسی لغت میں ہے نہ ہی کسی معتبر تفسیر میں، عداوتِ نبوی اور سکرِ بغضِ رسالت میں یہ معنیٰ کرنا دینِ مصطفوی سے دشمنی کے مترادف ہے۔

علمی نکتہ: آیت کریمہ میں بالفعل ہدایت کی نفی ہے نا کہ بالقوۃ کی، یاد رہے بالفعل کی نفی سے اصل کی نفی نہیں ہوتی مثلاً ایک شخص بیٹھا ہے تو آپ اسے یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ تم کھڑے نہیں، نہیں کہہ سکتے کہ تم کھڑے ہو ہی نہیں سکتے۔ اسی طرح خاموشی اختیار کئے ہوئے ہو تو آپ اسے یوں کہہ سکتے ہو کہ تم بول ہی نہیں سکتے؟ حالانکہ وہ کھڑا ہو سکتا ہے اور یہ گفتگو پر قادر ہے۔ اسی طرح کوئی شخص کھانے سے ہاتھ کھینچ لے تو اس کے بارے میں آپ کا کیا فتویٰ ہوگا کہ اسے حاجت ہی نہیں ہے کہ وہ کھا ہی نہیں سکتا۔ (حالانکہ اس کی شکل و صورت دیکھ کر دیگ کا جگر دھڑکتا ہے)

فتویٰ مطلوب ہے کہ آپ تقریر کا اعلان کر دیا گیا لیکن بر وقت کسی مجبوری کی بنا پر مولانا معذرت پیش کر کے چلے جائیں تو کوئی بیوقوف دوبارہ منادی کرا سکتا ہے کہ حضرت مولانا علامہ فلاں صاحب سحر بیان تقریر نہیں فرما سکتے؟ امید واثق ہے کہ جواب نفی میں ہوگا۔

ایسی لاتعداد مثالوں سے سمجھا سکتے ہیں لیکن بدقسمت غبی الدماغ بدقسمتی کا شکار ہے۔

قرآنی آیات سے استدلال: (۱) اللہ کریم ارشاد فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ۔

(۲) اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ وغیرہ صدہا آیات میں یہی کہا جائیگا کہ اللہ نے ظالموں، منکروں، فاسقوں کے لئے ہدایت مقرر ہی نہیں فرمائی نہ یہ کہ یہی کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت ہی نہیں دے سکتا تو یہاں بھی جواب منکرِ رسول کا گوشہ عدم میں پہنچ گیا، یہاں یہی جواب مناسب ہے جو دشمنانِ رسول کو ہمارے مشائخ دیا کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں (سوائے اس کے) کوئی صورت ہی نہیں

آخری اور علمی نکتہ،

شریعت اسلامیہ کا مسلمہ ضابطہ اور قاعدہ ہے اور کلیہ لازمہ ہے کہ ہدایت دینا ارادہ و مشیت

marfat.ocm

پر موقوف ہے (یہاں محبوبیتِ مطلقہ اور وقار و اقتدارِ مصطفےٰ کی نفی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا)

دیکھیے مقامِ رضا میں مولا تعالیٰ جل مجدہٗ معترف ہیں کیونکہ ایمان و اسلام سے محبت و پسندیدگی و رضا تو ہے لیکن ارادہ مشیت نہیں کیونکہ یہ منزلِ ثانی ہے۔ کما قال۔ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَہٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَکَرَّہَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ۔ نیز ارشاد فرماتا ہے اِنْ تَکْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنْکُمْ وَلَا یَرْضٰی لِعِبَادِہِ الْکُفْرَ، پہلی آیت سے [illegible]۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سب کے ایمان کیلئے محبت ہے لیکن اس محبت کے باوجود کافر کافر ہی رہے اور ہادیٔ عالم، صاحبِ لولاک نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مخالفین مثلاً ابو طالب وغیرہ کے ایمان نہ لانے سے حضور جانِ سرور صلی اللہ علیہ وسلم کے بغض و عداوت میں بغلیں بجا رہے ہیں اگر کوئی خداوند قدوس کا مخالف یہی آیت پیش کر دے کہ مولا تعالیٰ جل مجدہٗ کے عجز و عدم قدرت کا اعتراض کرے تو اس سائل کو قائل کرنا ہمارے کے بس کا روگ نہیں۔ کہا جائیگا مگر یہی کہا جائے گا جو ہم نے عرض کیا کہ منزلِ محبت مقامِ رضا پر ایمان و کفر کا دار و مدار نہیں بلکہ ارادہ و مشیت پر موقوف ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی کہ فلو شاء لھدٰکم اجمعین۔ نیز ارشاد ہوتا ہے ولو شاء ربک لجعل الناس امۃً واحدۃً،

متذکرہ بالا آیت کریمہ اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ سے رفیع شان کا ثبوت

ہمارے بیان کردہ دلائل سے نجات دہندۂ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعتِ شان کا ثبوت دستیاب ہوا مولا کریم نے منکرِ اختیارِ نبوت کا اعتراض آیت کریمہ میں ہدایت کو مشیت سے اور محبوبیت و حبیبیت کے لا تہدی کو من احببت کی شکل میں بیان فرمایا اس میں کچھ رازداری تو مقصود ہے ورنہ عبارت کا تقاضا یوں تھا کہ آیت کے الفاظ یوں ہوتے اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ من احببت ولکن اللہ یھدی مَنْ یُّحِبُّ سو اس میں اشارہ ہے کہ میرے محبوب و مقصود صلی اللہ علیہ وسلم کی مشیت میری مشیت میں گم ہے، یہی مقام فنا ہے اسی طرح دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمٰی ۝ محبوبیت کی منزلِ ارفع کا حسن و جمال ظہور پذیر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا اور ہم ان جانوں کو سمجھایا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ ۝ فخرِ کائنات کا مقام فنا فی اللہ پر فائز ہونا واشگاف الفاظ میں بیان ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے یکجہتی و یگانگت اور اتحاد فی المشیت والارادہ کو کتنے انوکھے اعزاز نکھرے ہوئے انداز میں بیان فرما کر غیریت فی المقصود کا وہم تک بھی گوشۂ عدم میں پہنچا دیا۔ لیکن یار لوگوں نے کچھ کا کچھ بنا دیا۔ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْہُ کو بھلا دیا۔ یوں ہی اللہ تعالیٰ کی الوہیت کا یار لوگوں کے دا ہیں

خطرناک نفاق واضح ہو رہا ہے کیونکہ پالنہار کائنات محبوب اعزاز واختیار واقتدار کو منوانا چاہتا ہے لیکن چمگادڑ آفتاب کی ضیاء بہز کر غصہ سے زخمی ناگن کی طرح پھڑکتی ہے۔

ہزاروں تیر لگتے ہیں مخالف کے کلیجے پر ۔ جو کہتا ہے کبھی کوئی مسلماں یا رسول اللہ

(۲) ابوطالب کے ایمان کا مسئلہ

مسئلہ: معترض کا اعتراض آیت کریمہ سے ہے مگر ابوطالب کے ایمان کے متعلق ہے تو یہاں کوئی علاقہ نہیں جبکہ خود علماء اہلسنت اس مختلف مسئلے میں متفق نہیں مثبت انداز میں جواب دینے والے مشائخ اور ان کے ایمان و اسلام کے قائلین آئمہ حضرت امام شعرانی مختصر تذکرہ میں شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں حاشیہ نبراس بر خوردار ملتانی پھر اس پر مستقل کتاب تصنیف فرمائی۔ مزید تحقیق تفسیر اویسی میں ملاحظہ فرمائیں۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ امام الانبیاء وسید المرسلین وخاتم النبیین وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔

۱۳۹۲ھ؛ ۲۳، محرم الحرام، شب اتوار، بعد از صلوٰۃ المغرب متصلاً

الفقیر القادری ابوصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ بہاولپور

نوٹ: محمدی شریف سے یہی سوال حضرت علامہ کاظمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھیجا گیا ان کا جواب بھی اسی رسالہ کے ساتھ شائع ہوا، تبرکاً اسے بھی شامل تفسیر کیا جاتا ہے۔

* * *

نہایت اضطراب کی حالت میں آپ کو تکلیف دے رہا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ دینی خدمت کے رشتے سے یہ تکلیف آپ کے لئے بار خاطر نہ ہوگی۔

سوال: ہدایت دینی کسی رسول کی ذمہ داری نہیں ہے، یہ اللہ کا کام ہے رسول کا کام تو صرف تبلیغ تھا۔
(صفحہ ۱۱ تحریک جامعہ محمدی)

یہ دبے لفظوں نبوت کا انکار کرنیوالے اس طرح وہ عظمت مصطفیٰ کو ہیچ اور سلطنت حبیب خدا سے روگردانی کرتے ہوئے اختیارات و تصرفات آقائے دو عالم میں خندہ جبینی سے عجز پیش کرتے ہیں آیت قرآنی دلیل راہ بتلاتے ہیں۔ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ (الآیت) اور معتبر تفاسیر سے ثابت کرتے ہیں کہ وہ اپنے چچا کے چراغ کو بھی رسول کبریا عذاب

marfat.ocm

دوزخ سے محفوظ کرنے کا اختیار نہیں رکھتے تھے لہٰذا آپ کو امور تکوینی اور تشریعی میں کوئی اختیار نہیں ۔ کیا یہ جناب والا سے توقع کی جا سکتی ہے کہ اس کا معتبر اور مختصر جواب جلد تحریر فرما کر اطمینان بخشیں گے ۔

والسلام ، محتاج کرم

ایس کے رازی (ایم ۔ اے) صدر انجمن ہذا ۔ ۱۰ / ذوالحج ۱۹۷۲ء

نوٹ : بعد عزیز نوازی سے جس طرح آپ نے مشرف فرمایا اس اعزاز کو شائع کئے بغیر آپ کا بیان سراپا عرفان ہی شائع کیا جاتا ہے (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین

ج : اما بعد لفظ ہدایت "جو کتاب وسنت میں وارد ہوا ہے اس کے شرعی حقیقی معانی معتزلہ کے نزدیک بیان طریق الصواب ہیں ۔ اور مشائخ اہلسنت اس کے شرعی حقیقی معنی خلق الاہتداء مانتے ہیں ہر ایک فریق اپنے دعویٰ کے ثبوت میں کتاب وسنت کی آیات پیش کرتا ہے مثلاً معتزلہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّکَ لَتَھْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۔ اس آیت کریمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت سے مراد بیان طریق الصواب ہے ۔

مشائخ اہل سنت فرماتے ہیں کہ اگر لفظ ہدایت کا معنی صرف بیان طریق الصواب ہوں تو

اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ

کے کیا معنی ہوں گے ؟ رسول اللہ تو ہر ایک کیلئے بیان طریق الصواب فرماتے ہیں اس کی نفی کیونکر درست ہوگی ؟ لہٰذا تسلیم کرنا ہوگا "ہدایت کے اصل معنی خلق الاہتداء ہیں" اور انہی معانی کی نفی آیت کریمہ اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ میں کی گئی ہے کیونکہ خلق الاہتداء منصب رسالت نہیں یہ شان خالقیت ہے ۔ ہم رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو خالق نہیں مانتے تو ہم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ کی طرف ہدایت کی اسناد بھی وہاں اسناد مجازی ہے اور جہاں ہدایت کے بعد [illegible] کا ذکر موجود ہے وہاں لفظ "ہدایت" لغوی معنی میں مستعمل ہے جیسے اَمَّا ثَمُوْدُ فَھَدَیْنٰھُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰی عَلَی الْھُدٰی یہاں ہدایت شرعیہ مراد نہیں ۔ رہا یہ امر کہ ہدایت کے معنی اراءۃ الطریق عند المعتزلہ اور ایصال الی المطلوب عند اہل سنت ۔ کتب فن میں بیان کئے گئے ہیں تو یاد رکھیں حضرات قارئین باتمکین یہ اختلاف بھی معنی لغویہ کی طرف راجع ہے خلاصہ کلام یہ ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جگہ ہدایت نہیں فرمائی اس کا مطلب یہ ہے کہ خلق اہتداء حضور نے نہیں کیا کیونکہ یہ حضور کا منصب ہی نہیں بلکہ ان کے لئے تو اللہ تعالیٰ نے خلق الاہتداء فرمایا ہی نہیں یہ عدم ہدایت اگر کسی نسبت

حاشیہ

کا موجب ہے تو معاذ اللہ ذاتِ باری کے لئے اثباتِ نقص لازم آئے گا۔

تعالی اللہ عن ذالک علوًّا کبیرًا

مسئلہ سمجھنے کیلئے بالتمثیل یوں کہیئے کہ ٹکسال میں جو سکہ ڈھلا ہی نہیں۔ اگر وہ کسی دولتمند کے پاس نہ ہو تو اسکی دولت مندی میں کمی نہیں آتی جن لوگوں کیلئے خلقِ اھتدا ہوا ہی نہیں انہیں ہدایت نصیب نہ ہونا آقاء کونین کے خزانۂ دولت میں ہرگز کمی کا موجب نہیں بلکہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس تو یہ ہے۔ اللہ یعطی وانا قاسم۔ کفر پر مرنے والوں کیلئے ہدایت تو خزانہ خداوندی میں تھی ہی نہیں کیونکہ ایسے لوگوں کیلئے خلق اھتدا حکمت کے منافی تھا تو جو چیز اگر وہاں نہیں تو یہاں بھی نہ ہو تو کونسی خرابی لازم آتی ہے؟ بلکہ آیت کریمہ اِنَّکَ لَا تَھْدِی میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالٰے نے اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ والتسلیم کو دشمنوں کے الزام سے محفوظ رکھنے کے لئے خلق اھتدا کی بصورتِ نفی فرماتے ہوئے اپنی ذات مقدسہ کیلئے اسکا اختصاص ظاہر فرمایا۔ کیونکہ جن کے لیے خلقِ اھتدا ہوا ہی نہیں وہ اپنی محرومی کا الزام اللہ کے رسول پر نہ لگا سکیں گویا رب تعالی نے فرمایا کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی محرومی کا الزام نہ لگاؤ خلقِ اھتدا تو میرا کام ہے ان کا کام ہی نہیں پھر وہ مورد کیسے ہو سکتے ہیں اور اگر مجھ پر الزام لگاؤ تو تمہاری جہالت ہوگی کیونکہ میرا کام حکمت کے عین مطابق ہے، نادانو! میں ہر عیب سے پاک ہوں۔

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین ٥

سید احمد سعید کاظمی ١٦ مارچ ١٩٧٤ء

حاشیہ ختم

★ ★ ★ ★ ★

(بقیہ صہ ۱۹۶)

کے چچا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا والد مراد ہے اور یہ آیت اسی کے حق میں نازل ہوئی۔

ابوطالب کی سکرات الموت کا واقعہ، مروی ہے کہ جب ابوطالب پر نزع طاری ہوئی تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ کی تمنا تھی کہ وہ کسی طرح ایمان لائے اسی لیے فرمایا اے چچا پڑھو لا الٰہ الا اللہ الخ تاکہ میں تمہارے لیے قیامت کے دن شاہد ہوں اس نے عرض کی بھتیجے اگر مجھے قریش کے عار دینے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ضرور ایمان لاتا اور آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کرتا۔

شرح الحدیث، حدیث شریف میں ہے کہ ابوطالب نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کی اکرہ ان یقال خرع عند الموت۔ خرع بالخاء المعجمۃ والراء المہملہ علم کی طرح بمعنی ضعف وجبن۔ یعنی اگر میں کلمۂ اسلام پڑھوں تو قریش عار دیں گے کہ وہ موت کے وقت کمزور پڑ گیا اور بزدل ہو گیا اور موت کی بزدلی کی عار سے ان لوگوں کو اچھی نہیں لگتی تھی۔ اور ابوطالب نے یہ بھی کہا لولا ان یکون علیک وعلی بنی ابیک غضاضہ بعدی۔ غضاضہ بمعنی ذلۃ ومنقصۃ یعنی اگر میرے مرنے کے بعد مجھے قریش کی طرف سے آپ اور آپ کے خاندان پر ذلت ونقص وعیب گوئی کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں آپ کا کلمۂ اسلام پڑھ لیتا اور آپ کی آنکھیں بھی ٹھنڈی کرتا جبکہ میں آپ کو فراق سے غمگین اور حزن میں دیکھتا ہوں اور آپ نے میرے کلمہ پڑھانے کے لیے جدوجہد کی لیکن میں نہ مانا تو آپ ملول ہوئے لیکن آپ کو عرض کیے دیتا ہوں کہ میں اپنے مشائخ عبد المطلب وہاشم وعبد مناف کے دین پر مروں گا۔

مسلم شریف میں ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مذکورہ بالا کے مطابق روایت نقل کرکے لکھا کہ اس کے بعد انہوں نے یہ شعر پڑھے ؎

وَ لَقَدْ عَلِمْتُ بِاَنَّ دِیْنَ مُحَمَّدٍ
مِنْ خَیْرِ اَدْیَانِ الْبَرِیَّۃِ دِیْنًا
لَوْلَا الْمَلَامَۃُ اَوْ حِذَارُ مَسَبَّۃٍ
لَوَجَدْتَنِیْ سَمْحًا بِذَاكَ مُبِیْنًا

ترجمہ: میں یقین سے جانتا ہوں کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دین تمام جہانوں کے دینوں سے بہتر ہے۔ اگر ملامت گردن کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں نہایت صفائی کے ساتھ اس دین کو قبول کرتا اس کے بعد ابوطالب کا انتقال ہو گیا۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

حدیث شریف: حدیث شریف میں ہے کہ جب ابوطالب نے کلمۂ توحید سے انکار کیا تو اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جب تک تیری بخشش کی دعا سے روکا نہ جاؤں گا تیرے لیے مغفرت کی دعا مانگتا ہوں گا۔ آپ کو ابوطالب کی دعا سے رکاوٹ پر آیت ما کان للنبی والذین آمنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی قربی من بعد ما تبین لہم انہم اصحاب الجحیم۔ نبی علیہ السلام اور مومنین کے لئے لائق نہیں کہ وہ مشرکین کے لئے استغفار کریں۔

اسلام ابوطالب اور معجزہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم: بعض روایات میں آیا ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے واپس تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے والدین اور آپ کے چچا کو زندہ کیا تو یہ سب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان ایمان لائے جیسا کہ سورۃ توبہ میں گزرا۔

لیکن[ف] چونکہ یہ روایت بلاسند اور غیر معتبر ہے۔ اسی لیے قابل اعتماد وہی احادیث صحیحہ ہیں جو کتب صحاح میں موجود ہیں جنھیں اعلیحضرت قدس سرہ نے اپنی تصنیف میں لکھا ہے لیکن یاد رہے کہ تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے کہ ابوطالب کے ایمان و کفر کے مقابلے میں بے ضرورت گفتگو اور بحث و مباحثہ اور ان کو برا کہنے سے اجتناب کرنا چاہیے کہ اس سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبعی ایذاء کا احتمال[ف] ہے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہدایۃ دراصل ربوبیت کی طرف عبودیت کے دروازے کھلنے کا نام ہے اور یہ خصائص قدرت حق سبحانہ سے ہے کیونکہ بندے کے دل کے دو دروازے ہیں۔ ایک دروازہ نفس وجد کی طرف ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔ دوسرا دروازہ روح اور حضرت کی طرف ہے اور وہ ہمیشہ بند رہتا ہے اسے سوائے رب فتاح (کہ اسی کے قبضۂ قدرت میں ہر شے کی کنجی ہے) کے اور کوئی نہیں کھولتا جیسا کہ اپنے حبیب علیہ السلام کو فرمایا انا فتحنا لک فتحا مبینا۔۔

[ف] فقیر اسی کو ترجیح دیتا ہے۔ اعلیحضرت قدس سرہٗ سے پہلے مفتی دحلان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسنی المطالب میں اور مولوی برخوردار ملتانی محشی نبراس نے رسالہ ایمان ابوطالب پر لکھا اور ہمارے معاصرین میں سے ایک نام چشتی شاعر نے بھی کچھ لکھ مارا لیکن کہاں اعلیحضرت امام اہلسنت اور کہاں یہ غریب شاعر۔ بہرحال اس گفتگو میں خاموشی بہتر ہے۔

marfat.ocm

لیستغفرلك ما تقدم من ذنبك وما تاخر ویتم نعمته علیك ویهدیك صراطاً مستقیما۔ یہاں صراط مستقیم سے حضرت حق کی جانب کا راستہ مراد ہے جیسا کہ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ معراج فکان قاب قوسین او ادنیٰ کے قرب کی طرف راستہ دکھایا اور جن لوگوں کے قلوب کے دروازے بند ہیں ان کے متعلق فرمایا ام علی قلوب اقفالها۔ کیا ان قلوب پر تالے لگے ہوئے ہیں۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کا قلب رب رحمٰن کے قدرت کی انگلیوں کے درمیان میں ہے وہ اسے جیسے چاہتا ہے پھیرتا ہے۔ چاہے تو اسے سیدھا رکھے چاہے تو ٹیڑھا کر دے۔

فائدہ : حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام باوجودیکہ رفیع الشان تھے اور آپ کو اپنے قلب انور کے متعلق کسی قسم کا ٹیڑھا پن کا خطرہ نہ تھا لیکن اکثر یوں دعا مانگتے تھے :

یا مقلب القلوب ثبت قلب عبدك علی دینك وطاعتك

"اے دلوں کے پھیرنے والے اپنے بندے کے دل کو اپنے دین اور اپنی طاعت پر ثابت قدم رکھ۔"

اس سے ثابت ہوا کہ ہدایت کا معنی ہے قلب کو باطل سے حق کی طرف پھیرنا اور باطل سے ماسوی اللہ اور حق سے حضرت ربوبیت مراد ہے۔ جب ہدایہ کا یہی معنیٰ ہے تو یہ شان صرف اللہ تعالیٰ کی ہے،

فائدہ : عرائس البیان میں ہے کہ ہدایہ ارادہ ازلی سے مقرون ہے اس لیے ابوطالب کے ایمان کا مسئلہ واضح ہوا کہ صاحب روح البیان کے نزدیک بھی ابوطالب کا خاتمہ کفر پر ہوا چنانچہ لکھا ہے کہ

ولو کانت ارادة نبینا علیه السلام فی حق ابی طالب مقرونة بارادته حقه من جهة القرابة

الاذل لکان مهتدیا ولکن کان محبته وارادته فی حقه من جهة القرابة الاتری انه اذ قال اللّٰهم اعز الاسلام بعمر کیف اجابه۔ روح البیان ص ۳۱۶ پ ۲۶

ترجمہ: اگر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ مبارک ارادۂ ازل کے موافق ہو جاتا تو ابوطالب کو لازماً ہدایت نصیب ہوتی لیکن آپ کی محبت ابوطالب کے ساتھ بوجہ قرابت کے تھی۔ اگر دینی لحاظ سے محبت ہوتی تو کچھ ہو جاتا جیسے حضرت عمر کے لیے دعا مانگی۔ (اے اللہ عمر کے ذریعے اسلام کو عزت دے) تو دعا قبول ہو گئی۔ یہاں بھی اسی طرح ہوگا۔

فائدہ : اس سے ان لوگوں کی غلط فہمی دور ہو گئی جنہوں نے گزشتہ روایات نقل کر کے ثابت کیا۔ روح البیان

میں بھی ابوطالب کا ایمان ثابت ہے حالانکہ وہ تو صرف روایت نقل کی ہے اس میں فیصلہ تو نہیں لکھا۔ (اضافہ اویسی)

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ انك لاتهدی من احببت یعنی جسے ہم چاہیں تحیر کے جنگلوں میں حیران رکھیں اور جسے ہم چاہیں ہم سلسلہ قہر میں گرفتار رکھیں اور ازل میں جن کے سروں پر ہم نے تاج سعادت رکھ دیا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ وھؤلاء فی الجنة ولا ابالی اور یہ بہشتی ہیں مجھے اس کی پرواہ بھی نہیں۔

سبق: اے عزیز اللہ تعالیٰ کی صفات سے لا ابالی جیسی اور کوئی صفت سخت نہیں اسی لیے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قول کاش میں ایک کٹا ہوا درخت ہوتا۔ وہ بھی اسی خطرہ سے تھا ویسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قول ہر سالک راہ کے لیے مشعل راہ ہے تاکہ عبادت وطاعت میں سستی و غفلت نہ ہو۔ اور نہ ہی عبادت وطاعت میں غرور وتکبر پیدا ہو جیسا کہ ابلیس لعین کیسا ہی بہتر عبادتگذار اور فرمان بردار تھا لیکن چونکہ ازلی بدبخت تھا اس لیے اس کی بدقسمتی کی سیاہی کوئی نہ دھو سکا اور ازل سے ہی وہ قسمت کا مارا تھا۔ کما قال اللہ۔ وکان من الکافرین۔

حضرت حافظ نے فرمایا ؎

آب زمزم و کوثر سفید نتواں کرد
گلیم بخت کسے را کہ بافتند سیاہ

ترجمہ: جس کی ازل سے سیاہ اوڑھنی تیار ہوئی اسے کوثر و زمزم کے پانی سے سفید نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

گرت صورت حال بد یا نکوست
نگاریدۂ دست تقدیر اوست

ترجمہ: اگر تیری صورت بری ہے یا اچھی وہ تقدیر کے ہاتھ سے لکھی ہوئی۔

قضائے الٰہی جہاں چاہے کشتی کو لے جائے اگرچہ ملاح فریاد و زاری سے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔

حضرت صائب نے فرمایا ؎

با اختیار حق نبود اختیار ما
با نور آفتاب چہ باشد شرار ما

ترجمہ: حق کے اختیار کے بالمقابل ہمارا اختیار کیسا۔ آفتاب کے نور کے سامنے ہماری چنگاری کی کیا وقعت۔

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ: وقالوا ان نتبع الھدیٰ معک نتخطف من ارضنا۔ یہاں پر اتباع الھدیٰ سے اقتداء فی الدین اور سلوک الی طریق الرشاد ہے یعنی اُنہوں نے کہا کہ اگر ہم آپ کے لائے ہوئے پیغام کو مانیں اور آپ کے دین کی اتباع کریں تو ہمیں خطرہ ہے کہ ہم اچک لیے جائیں۔ التخطف بمعنی الاختلاس بسرعۃ۔ اچک لے جانا۔

شانِ نزول: یہ آیت حارث بن عثمان بن نوفل بن عبد مناف کے حق میں نازل ہوئی۔ مروی ہے کہ وہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ ہمیں یقین ہے کہ ہم حق پر ہیں ؎

قول تو حق و سخن راستست
و آنچہ می فرمائی سبب دولت ماست

ترجمہ: آپ کا قول حق اور بات صحیح ہے اور جو کچھ آپ فرماتے ہیں وہ ہماری دولت کا سبب ہے۔

لیکن اگر ہم آپ کے دین کا اتباع کریں تو ہمیں ڈر ہے کہ عرب کے لوگ ہمیں شہر بدر کر دیں گے کیونکہ اُنھوں نے ہمارے خلاف محاذ قائم کیا ہوا ہے اور وہ کثیر تعداد میں ہیں اور ہم نہایت قلیل ہیں اور ہمیں اُن کے مقابلہ کی بھی تاب نہیں۔ اس کے رد میں یہ آیت اُتری اور فرمایا اولم نمکن لھم حرما آمنا۔ کیا ہم نے انھیں امن والے حرم شریف میں جگہ نہیں دی یعنی کیا ہم نے اُن کی آپس میں جنگ اور خونریزی کے باوجود اُن کے رہنے کی جگہ کی دشمنوں سے حفاظت نہیں کی اور اُن کے رہنے کی جگہ کو ہم نے معظم و محترم بنایا ہے اور ایسی عزت و عظمت کہ عرب کے لوگ آپس میں جنگ اور خونریزی کرتے ہیں لیکن اُن کے رہنے کی جگہ محفوظ ہے اور وہ خود مامون ہیں بلکہ نہ صرف انسان بلکہ حیوانات کو بھی یہاں امان نصیب ہے یہاں تک کہ پرندے انسانوں سے مانوس اور چرندے یہاں پر مطمئن بلکہ ہر بے قرار یہاں آکر قرار پاتا ہے۔ جب جملہ عرب اس کی حرمت کے قائل ہیں تو پھر کب یہاں قتل و غارت روا رکھیں گے۔ یجبیٰ الیہ اس حرم شریف کی طرف کھینچے چلے آتے ہیں اور اُٹھا کر لائے جاتے ہیں اور اس میں جمع کیے جاتے ہیں۔ ثمرات کل شیٔ ہر شے کے ثمرات رنگا رنگ میوہ جات ہر جانب سے مثلاً مصر، شام، یمن، عراق سے اور تم مکہ معظمہ میں جا کر دیکھو تو ہر علاقہ کے پھل، فروٹ ترکاری، اجناس غلہ وغیرہ ہر وقت آسانی سے ملتے ہیں یہ ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کی روشن دلیل۔ چنانچہ انہوں نے مکہ معظمہ کی تعمیر کے بعد عرض کیا تھا "وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ" اور کاشفی نے لکھا کہ ہر قسم کے منافع اور ہر طرح کی نادر و غریب اشیاء مکہ معظمہ میں پہنچی ہیں۔ (افائدہ) یہاں پر کُلّ ثمرات کی کلیۃ سے کثرت مراد ہے اور جملہ حرماً کی دوسری صفت ہے اور آنے والے مضمون سے پیدا شدہ توہم کو دُور کرتی ہے وہ توہم یہ ہے کہ چونکہ مکہ معظمہ میں دوسرے شہروں سے اناج وغیرہ آتا ہے خدانخواستہ اگر اسی علاقہ سے اناج آنا بند ہو جائے یا مرے

وہاں پیدا ہی نہ ہو تو پھر مکہ کے لوگ فاقہ کا شکار ہو جائیں گے اس کے ازالہ میں اللہ تعالیٰ نے اس جملہ کا اضافہ فرمایا تاکہ کوئی متوہم وہم کا شکار نہ ہو جائے "رزقا من لدنا" یہ رزق ہے ہماری طرف سے اسی سے مخلوق کو کسی قسم کا واسطہ اور تعلق نہیں۔ جب ہم نے انہیں بت پرستی کے باوجود بھی حرم شریف میں پُر امن اور رزق سے بہرور فرمایا تو پھر جب وہ توحید سے سرشار ہو کر ہمارے عبادت گزار بندے بن جائیں گے تو پھر ہم انہیں کس طرح بھلائیں گے۔ اور انہیں ہمارے دشمن کیسے اُچک لیجا سکتے ہیں۔ صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

حرم خاص الہٰست توحید ٭ جملہ را جائے پناہست توحید
باعث امن و امانست ایماں ٭ کان دل را شہ راہست توحید

ترجمہ: توحید اللہ تعالیٰ کی حریم خاص ہے اور جملہ عالم کی جاہ پناہ توحید ہے اور امن و امان کا باعث ایمان ہے اس لئے کہ دل کی شاہراہ توحید ہے رزقا کا منصوب ہونا علی المصدریۃ ہے جو کہ یجبیٰ الیہ کے معنی کی تاکید کرتا ہے اس لئے کہ اس میں بھی یُرْزَقُ کا معنی ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ ہماری طرف سے رزق عطا کئے جاتے ہیں

(ف) حضرت کاشفی نے لکھا کہ ہم نے انہیں ایسی وادی سے روزی دی جہاں کھیتی کا نام و نشان تک نہیں اور پھر ان کی روزی ہم نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے انہیں کسی کا محتاج نہیں بنایا اور نہ ہم روزی دیکر منت و احسان جتلاتے ہیں۔ "ولکن اکثرھم لا یعلمون" لیکن اکثر جاہل قسم کے اہل مکہ نہ کچھ جانتے ہیں اور نہ کچھ سمجھتے ہیں بلکہ غور و فکر بھی نہیں کرتے تاکہ انہیں کچھ معلوم ہو سکے۔

قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم عالم قدس کا کعبہ ہے

عرائس البیان میں لکھا ہے کہ اہل کعبہ کا در حقیقت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب انور ہے اور یہی عالم قدس کا کعبہ اور عالم انس کا حرم ہے اسی کعبہ کی جانب اشجار ذات و صفات کے جملہ میوہ جات جمع ہوتے ہیں جو بھی اس حرم مکرم میں بشرط محبت و موافقت داخل ہوتا ہے تو وہ کونین کی آفات سے محفوظ اور جملہ عالم میں سے اللہ تعالیٰ کا وہ منظور نظر ہوتا ہے ایسے ہی اس شخص کی شان بن جاتی ہے جو کسی ولی کامل کی قلب میں محبت و عشق سے داخل ہوتا ہے۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

کلید گنج سعادت قبول اہل دلست ٭ مبارک کر دریں نکتہ شک و ریب کند

ترجمہ: اہلِ دل کے ہاں مقبول ہونا سعادتمندی کی کنجی ہے خدا کرے اس نکتہ سے کسی کو شک و شبہ نہ ہو۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ نفس کو ارضِ انانیت میں جذبات الوہیت کے اچک لے جانے کا خطرہ رہتا ہے، اگر وہ حمد قلب کی تابعداری کرے تو حرم ہُویت میں ہر قسم کی حقیقت روحانیہ و جسمانیہ کے ثمرات کو پالے گا۔ بلکہ اسے ہر خواہش پر ہزاروں لذات نصیب ہوں گی۔ لیکن

marfat.ocm

اسے رزق لدنی کے ذوق کے کمال کی کیا خبر ایسے بعض ظاہر بین اور خشک زاہد مولوی ایسی حقیقت سے بے خبر ہوتے ہیں ۔ اور جسے اس کا ذوق نصیب ہو وہ اسکی حقیقت کو کیا جانے ۔ حضرت کمال خجندی نے فرمایا ؎

زاہد ز عجب گر کشد از عشق تو پرہیز ٭ لیکن لذت بادہ چہ داند کہ نخوادست

ترجمہ : زاہد کو اگر تیرے عشق کی حقیقت معلوم نہیں تو اس سے دُور ہو اس لئے کہ ایسی شراب کی لذت کی اسے کیا خبر جس نے اسے چکھا ہی نہیں ۔

تفسیر عالمانہ

(ربط) اب بیان فرمایا کہ امر برعکس ہوگیا کہ کفار مکہ لوگوں سے تو خوفزدہ تھے لیکن اللہ تعالیٰ سے بے خوف کر دیا حالانکہ ان پر لازم تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے اور لوگوں سے بے خوف خطر ، چنانچہ قرآن میں ہے وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا (کتنی بستیاں ہم نے ہلاک کیں جو اپنی معاش پر اتراتی تھیں ۔ (حل لغات) اَلْبَطَرُ بمعنے نعمت میں سرکشی بعض نے کہا ہے کہ بطر اور اَشَرٌ کا ایک معنے ہے یعنے وہ دہشت جو انسان کو نعمت کو غلط طریقہ سے حاصل کرنے اور اس کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے اسے بیجا صرف کرنے سے طاری ہوتی ہے تقریباً طَرَبٌ کا بھی یہی مفہوم ہے لیکن یہ بطر و اشر سے خفیف اور اکثر سُرور و فرحت کی وجہ سے عارضی ہوتی ہے اور معیشتہا کا منصوب ہونا نزع الخافض سے ہے کہ یہ دراصل فی معیشتہا تھا (کذا فی الوسیط) اب معنے یہ ہوا کہ بہت سے علاقے زمانہ سابق میں گزرے جن کا اہل مکہ کی طرح حال تھا مگر وسعت عیش میں وہ ان سے بہت زیادہ تھے یہاں تک کہ نعم دینویہ کی فراوانی کی وجہ سے ناشکری کا شکار ہوئے تو ہم نے انہیں تباہ و برباد کر ڈالا اور ان کے علاقوں کو ویران "فتلک" یہ وہی نہیں "مساکنہم" جن کے مکانات گرے پڑے ہیں یہ ان کے ظلم کی سزا ہے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اپنے نفسوں پر کیا اور تم ان کی اُجڑی ہوئی بستیوں کو روزانہ اپنے تجارتی سفروں میں آتے جاتے وقت دیکھتے ہو "لم تسکن" نہ ٹھہرے "من بعدہم" انکی تباہی و بربادی کے بعد "الا قلیلا" مگر تھوڑی دیر اس لئے کہ یہاں پر صرف گھومنے جانے والے مسافر خانہ کی طرح ہے کہ یہاں جو بھی آیا چند روز ٹھہر کر پھر چلتا بنا ۔ یا "الا قلیلا" کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے ان مکانات میں ایسی نحوست چھوڑی کہ ان کے بعد وہاں جو بھی مقیم ہوتا تو وہ طرح طرح کے مصائب و مشکلات کا شکار ہو کر چند روز کے اندر تباہ و برباد ہو جاتا یا وہاں سے بھاگ کر خالی مکان چھوڑ جاتا یا مر جاتا اس لئے کہ منحوس مکانات میں ٹھہرنے میں کوئی برکت نہیں ہوتی ۔ بعض نے کہا کہ وہ مکانات تو اور دیگر منحوس جانوروں کے ٹھہرنے کا مرکز بن گئے تھے اسی لئے وہاں کی زمین کی تسبیح یوں پڑھتی تھی ۔ "سبحان الحی الذی لا یموت" (اس ذات کی پاکی بیان کی جاتی ہے جو زندہ ہے اور اسے موت نہیں) ؎

پردہ داری می کند در طاق کسریٰ عنکبوت ٭ بُوم نوبت می زند در قلعۂ افراسیاب

ترجمہ: کسریٰ جیسے بادشاہوں کے شاہی   کی مکڑی تانا تنتی ہے اُلّو افراسیاب قلعوں میں بسیرہ کرتا ہے وکنا نحن الوارثین ۔ اور ہم ہی سب کے وارث ہیں یعنے انکے اپنی مکانات پر ہمارا قبضہ ہے اس لئے کہ ان کے تباہ و برباد ہو جانے کے بعد کوئی ایسا نہیں تھا جو وہاں ٹھہرتا یا کوئی اور تصرف کرتا یعنی اللہ تعالیٰ نے اسی ارشاد میں اپنی بقاء دائمی کی طرف اشارہ فرمایا ہے اس میں مخاطبین کو وعید ہے۔ وما کان ربک مھلک القریٰ۔ اور تمہارا رب نہیں ہلاک کرتا کسی علاقہ کو ——————— حتی یبعث فی امہا" یہاں تک بھیجتا ہے ان بستیوں کے اصل یعنے مرکز میں" یہاں "ام" بمعنے اصل اور ان تمام بستیوں میں سے بڑی بستی جس میں پبلک بکثرت اور اس کے ملحقات بہت زیادہ ہوں جسے ہم نے مرکز سے تعبیر کیا ہے اور ایسے مرکز یعنی اصل اور اعظم سے بھی اسی لئے تعبیر کیا جاتا ہے کہ وہاں کے لوگ سمجھدار پڑھے لکھے اور معزز سمجھے جاتے ہیں اور رسل کرام علیہم السلام ہمیشہ معزز لوگوں کے ہاں بھیجے جاتے ہیں اور معزز لوگوں کا عام بسیرہ شہر یا بڑے قصبوں میں ہوتا ہے۔ رسولا یتلوعلیہم آیاتنا رسول علیہ السلام انہیں ہماری آیات ناطقہ پڑھ کر سناتے ہیں اور انہیں اسلام کی طرف ترغیب و ترہیب دے کر بلاتے ہیں رسل کرام علیہم السلام کو اسی لئے بھیجا تاکہ ان پر حجۃ قائم ہو اور بعد کو عذر نہ کریں کہ ہمارے ہاں تو کوئی رسول علیہ السلام نہیں آیا اے پروردگار تو ہمارے ہاں کوئی رسول بھیجتا تو ہم تیری آیات کی اتباع کرتے۔

شان مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہار

التکملہ میں ہے کہ الام سے مکہ معظمہ اور الرسول سے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اور مکہ معظمہ کا یمعنیٰ ام القریٰ ہے کہ تمام زمین کے بچھانے کا آغاز یہیں سے ہوا۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ اے محبوب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ کے ارد گرد جتنے شہر اور قصبات واقع ہیں آپ کی برکت سے آخر زمانے تک ہم انہیں تباہ و برباد نہ کریں گے یہاں تک کہ میں رسول تشریف لائے اور وہ تشریف لانے والے ہمارے رسول علیہ السلام ہیں ——————— وما کنا مھلکی القریٰ کسی مرکزی شہر میں رسول علیہ السلام بھیجنے کے بعد انہیں دعوتِ حق دیتے اور راہ حق دکھاتے ہیں تو ہم کسی وقت بھی ان لوگوں کو تباہ و برباد نہیں کرتے الا واھلھا ظالمون۔ درآنحالیکہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آیات سے کفر کریں ——— اس سے معلوم ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تشریف لانا بموجب سنت الٰہیہ عدم صحت اہلاک کی نمایتہ ہے۔ ان کا تشریف لانا عدم وقوع اہلاک کے لیے نہیں۔ اسی لیے سوال پیدا ہی نہیں ہوتا کہ انبیاء علیہم السلام کے تشریف لانے سے ضروری ہو جائے کہ وہاں کے لوگ تباہ و برباد ہوں۔

مسئلہ:۔ آیت سے معلوم ہوا کہ ظلم ہلاکت و تباہی کا سبب ہے اسی لیے بزرگوں نے فرمایا کہ ظلم قاطع الحیاۃ و

marfat.ocm

دفع النبات اگر پایا تو اسی طرح ناشکری بھی۔ بزرگوں نے فرمایا کہ نعمتیں کفو کو چاہتی ہیں جیسے خاندانی عورتوں کے نکاح میں کفو ضروری ہے اور سرکش کفو نہیں جیسے رذیل و خسیس کمینے لوگ خاندانی عورتوں کے کفو نہیں ہو سکتے۔

فائدہ: تفسیر میں لفظ عقائل الحرام واقع ہے اور عقائل عقیلہ کی جمع ہے بمعنی اکرام مکرم ترین شئے اور حرم الرجل سے اس کی اہلیہ مراد ہے۔ اب معنی معزز اور خاندانی عورت خسیس اور کمینے لوگوں کی کفو نہیں ہو سکتی بلکہ اگر ان کا نکاح ہو جائے تو عورت کا متولی نکاح فسخ کر سکتا ہے اس لیے کہ دو خاندانوں کا برابر ہونا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سادات لڑکیوں کا نکاح عام اقوام میں جائز نہیں۔ اسی قاعدہ پر ہم اہل سنت کہا کرتے ہیں کہ سیدزادی کا نکاح غیر سید سے نہیں ہو سکتا لیکن ہاشمی۔ قریشی خاندان کی سادات لڑکیوں سے نکاح ہو سکتا ہے اسی لیے کہ سید کوئی قوم نہیں بلکہ ایک لقب ہے ان کی اصل قوم بھی قریشی ہے۔ مگر ہم وثوق سے نہیں کہہ سکتے کہ عجم میں انسان محفوظ ہو سکتا ہے۔ مزید تحقیق فقیر اویسی غفرلہ کا رسالہ سیدزادی کی شادی کا مطالعہ کیجئے۔ اگر دو خاندانوں میں مساوات نہ ہو تو عار و ننگ کا شکار ہو جائے گی اور اسلام عورت کو ذلیل و خوار کرنا نہیں چاہتا۔ اسلام کا عورتوں پر ایک عظیم احسان ہے لیکن افسوس کہ دورِ حاضرہ کی عورت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کو بھول گئی —— اور اپنے دشمن مغرب کی گندی ذہنیت کو اپنی فلاح سمجھ بیٹھی۔

مسئلہ: اہل بطر و فخر و غرور سے بوجہ ناشکری کے کبھی نعمت چھین لی جاتی ہے۔ ہاں اہل شکر کی سعی ضائع نہیں ہوتی بلکہ ان کے حال کا حسن بڑھتا ہے۔ رزق تو وسیع تر ہے۔ وہ ہر جگہ ہر ایک کو فراخی سے نصیب ہوتا ہے۔ وہ نہیں دیکھتا کہ بندہ شکر کرتا ہے یا ناشکری شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے۔

ادیم زمین سفرۂ عام اوست
برین خوان یغما چہ دشمن چہ دوست

ترجمہ: اس کی زمین کا دسترخوان عام بچھا ہوا اس دسترخوان پر دوست دشمن برابر ہیں۔

حکایت: حضرت شیخ عبد الواحد قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہم نے ایک جزیرہ میں ایک بت پرست کو دیکھ کر کہا کہ تم ایسے بت کی پرستش کر رہے ہو جو نہ نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔ تجھے تو اللہ تعالےٰ کی عبادت کرنی چاہیئے اس نے پوچھا اللہ کون ہے ہم نے کہا وہ ذات جس کا عرش آسمان پر ہے اور اس کی تعریفات زمین پر ہیں۔ اس نے کہا تم نے کیسے سمجھا ہم نے کہا ہمارے ہاں اس کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لایا جب انہوں نے رسالت و نبوت کے حقوق پورے کیے تو پھر انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاں بلا لیا لیکن ہمارے ہاں اس کی کتاب چھوڑ گئے ہیں۔ چنانچہ ہم نے نمونہ کے طور پر اس بت پرست کو قرآن مجید کی ایک سورت پڑھ کر سنائی۔ وہ قرآن مجید سن کر بہت رویا بالآخر مسلمان ہو گیا۔ ہم نے قرآن مجید کی چند سورتیں پڑھائیں جب رات ہوئی تو ہم نے عشاء

پہلو کر بستر سے سیدھے کر لیے لیکن وہ ساری رات عبادت کرتا رہا۔ ہم اسے اسی حالت میں چھوڑ کر چلے گئے چند دنوں بعد ہمارا وہاں سے گزر ہوا ہم نے چندہ کر کے اس کے لیے کھانے پینے کی کچھ چیزیں خرید لیں اور اس کے ہاں پیش کیں تو اُس نے کہا کہ میں ایک پتھر کو پوجتا تھا تو بھی اُس نے مجھے روزی دی۔ اب جبکہ میں اسی کا ہو گیا ہوں تو پھر کب چھوڑے گا اب مجھے اس کا عرفان بھی نصیب ہوا ہے اور عارف اس کا محبوب ہوتا ہے اور محبوب کو دشمن میں نہیں چھوڑا جاتا اور فقر و فاقہ بھی انسان کا ایک دشمن ہے۔ اس اعتبار سے نہ اب مجھے فقر و فاقہ کا خطرہ ہے اور نہ درد و الم کا اندیشہ ہے۔

محالست چو دوست دارد ترا
دست دشمن گزارد ترا

ترجمہ: محال ہے کہ جب وہ تمہیں دوست رکھتا ہے تو پھر تجھے دشمن کے ہاتھ میں کس طرح گرفتار کرے گا۔

سبق۔ عاقل پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو پہچانے اور اس کی نعمتوں کی قدر کرے بلکہ انہیں شکر کی قید سے مقید رکھے شکر کے بجائے ناشکری کر کے نعمتوں کو ضائع نہ کرے۔ اس لیے کہ نعمتوں کی ناشکری صریحاً ظلم ہے اسی لیے تباہی و بربادی کا انسان شکار ہو جاتا ہے کہ نعمتوں کا شکرانہ ادا نہیں کرتا اور انسان کے قلب کی تباہی اللہ تعالیٰ سے روگردانی کی وجہ سے ہوتی ہے اور اسے یاد نہیں رہتا کہ اس کریم نے اس پر کتنا عظیم احسانات فرمائے ہیں اور کبھی انسان کو اللہ تعالیٰ پیاس شدید میں مبتلا کر دیتا ہے ویسے ہم نے بہت سے لوگوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا جو پہلے قلب کی تباہی کا شکار ہوئے پھر اُن کے ظاہری مکانات اور گھر تباہ و برباد ہوئے اور مرنے کے بعد سیدھے جہنم رسید ہوئے۔ ہاں انسان نسیان کا مارا ہوا ہے وہ کسی بات سے عبرت نہیں پکڑتا بلکہ زندگی غفلت میں ضائع کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو غفلت کی نیند سے بیدار فرمائے اور ہر لحظہ ہم اس کی یاد میں زندگی بسر کریں بلکہ ہمار زندگی کے جملہ ساعات کامل بیداری میں بسر ہوں۔ (آمین)

وَمَا مبتدا ہے متضمن بمعنی شرط ہے اس لیے کہ اس شرط پر **فاء** داخل ہے بخلاف دوسرے **مَا** کے کہ وہ متضمن معنی بشرط کو نہیں۔ اُوْتِیْتُمْ اور ہر وہ شے جو تمہیں عطا ہوتی ہے۔ یہ خطاب کفارِ مکہ کو ہے۔ (کذا فی الوسیط)

مِن شَیءٍ۔ اسباب دنیا سے **فَمَتَاعُ الحیوٰۃ الدنیا وزینتہا** تو یہ دنیا اور اُس کی زینت کا ساز و سامان ہے۔ یعنی وہ ایک ایسی شے ہے جس سے دنیا میں چند دنوں میں رہ کر نفع اٹھایا جائے اور سنگ کیا جائے اس کے بعد تمہیں اور دنیا میں تمام ساز و سامان کو فنا ہی فنا ہے۔

فائدہ: دنیا میں منافع کو متاع اس لیے کہا گیا ہے کہ ہر متاع کو فنا ہوتی ہے اور دنیا کا تمام ساز و سامان کو فنا

marfat.ocm

أَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ
تو کیا وہ جسے ہم نے اچھا وعدہ دیا تو وہ اس سے ملے گا اس جیسا ہے جسے
مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿٦١﴾ وَيَوْمَ
ہم نے دنیوی زندگی کا برتاؤ برتنے دیا پھر وہ قیامت کے دن گرفتار کر کے حاضر لایا جائے گا اور جس
يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ أَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿٦٢﴾ قَالَ الَّذِيْنَ
دن انہیں ندا کرے گا تو فرمائے گا کہاں ہیں میرے وہ شریک جنہیں تم گمان کرتے تھے کہیں گے وہ جن پر بات
حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ أَغْوَيْنَا أَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا
ثابت ہو چکی اے ہمارے رب یہ ہیں وہ جنہیں ہم نے گمراہ کیا ہم نے انہیں گمراہ کیا جیسے خود گمراہ ہوئے تھے ہم ان سے
تَبَرَّأْنَآ إِلَيْكَ مَا كَانُوْٓا إِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ﴿٦٣﴾ وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ
بیزار ہو کر تیری طرف رجوع لاتے ہیں وہ ہم کو نہ پوجتے تھے اور ان سے فرمایا جائے گا اپنے شریکوں کو تو وہ
فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ لَوْ أَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ﴿٦٤﴾
پکاریں گے تو وہ ان کی نہ سنیں گے اور دیکھیں گے عذاب کیا اچھا ہوتا اگر وہ راہ پاتے
وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٦٥﴾ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْأَنْبَآءُ
اور جس دن انہیں ندا کرے گا تو فرمائے گا تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا تو اس دن ان پر خبریں اندھی
يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿٦٦﴾ فَأَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا
ہو جائیں گی تو وہ کچھ پوچھ گچھ نہ کریں گے تو وہ جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھا کام کیا
فَعَسٰٓى أَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ﴿٦٧﴾ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ مَا
قریب ہے کہ وہ راہ یاب ہو اور تمہارا رب پیدا کرتا ہے جو چاہے اور پسند فرماتا ہے ان کا
كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٨﴾ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ
کچھ اختیار نہیں پاکی اور برتری ہے اللہ کو ان کے شرک سے اور تمہارا رب جانتا ہے جو ان کے
صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٦٩﴾ وَهُوَ اللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُوْلٰى وَ
سینوں میں چھپا ہے اور جو ظاہر کرتے ہیں اور وہی ہے اللہ کہ کوئی خدا نہیں اس کے سوا اسی کی تعریف ہے دنیا اور
الْاٰخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٧٠﴾ قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ
آخرت میں اور اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف پھر جاؤ گے تم فرماؤ بھلا دیکھو تو اگر اللہ ہمیشہ تم پر
الَّيْلَ سَرْمَدًا إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ إِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَأْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ أَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿٧١﴾
قیامت تک رات رکھے تو اللہ کے سوا کون خدا ہے جو تمہیں روشنی لا دے تو کیا تم سنتے نہیں

قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ إِلٰهٌ
تم فرماؤ بھلا دیکھو تو اگر اللہ قیامت تک ہمیشہ دن رکھے تو اللہ کے سوا کون
غَيْرُ اللّٰهِ يَأْتِيكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُونَ فِيهِ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿٧٢﴾ وَمِنْ رَّحْمَتِهِ جَعَلَ
خدا ہے جو تمہیں رات لا دے جس میں آرام کرو تو کیا تمہیں سوجھتا نہیں اور اس نے اپنی مہر سے
لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٧٣﴾
تمہارے لیے رات اور دن بنائے کہ رات میں آرام کرو اور دن میں اس کا فضل ڈھونڈو اور اس لیے کہ تم حق مانو
وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٧٤﴾ وَنَزَعْنَا
اور جس دن انہیں ندا کرے گا تو فرمائے گا کہاں ہیں میرے وہ شریک جو تم بکتے تھے اور ہر گروہ میں
مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا فَقُلْنَا هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوا أَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَضَلَّ
سے ہم ایک گواہ نکال کر فرمائیں گے اپنی دلیل لاؤ تو جان لیں گے کہ حق اللہ کا ہے اور ان سے کھوئی
عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٧٥﴾
جائیں گی جو بناوٹیں کرتے تھے

ہو گی اور اس کی مثال گھر میں سامان کی ہے کہ وہ کتنا ہی ان گنت کیوں نہ ہو تب بھی وہ فنا ہو جائے گا۔ وما یہ موصولہ ہے بمعنی عند اللہ اور وہ اجر و ثواب جو اللہ تعالیٰ سے حاصل ہو خیر لکم وہی تمہارے لیے اس عالم میں بہتر ہیں اور دنیا کا سامان بڑا پُر رونق ہے۔ اس میں بے شمار غم اور حزن مخفی کر دیا ہے۔ یہ ساز و سامان انہی مخفی غم و حزن کی صورت میں ہیں۔ و ابقی اور اللہ تعالیٰ کا اجر و ثواب ہمیشہ رہنے والا ہے اس لیے کہ وہ ابدی ہے۔ **افلا تعقلون** تو کیا تم غور و فکر کر کے سمجھتے نہیں اس لیے کہ یہ امر واضح ہے بہتر امر کو ترک کر کے ادنیٰ کو لیتے ہو، اور کفر و معاصی کا ارتکاب سے اس سعادۃ پر شقاوۃ کو ترجیح دیتے ہو اور ایمان و طاعات سے تمہیں سعادت نصیب ہوتی۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو فرمایا کہ تم سمجھتے نہیں کہ فانی کو باقی پر اور محبوب کو مرغوب پر ترجیح دے رہے ہو۔

حیف باشد لعل و زر دادن ز چنگ
پس گرفتن در برابر خاک و سنگ

ترجمہ۔ "افسوس ہے کہ لعل و زر کو چھوڑ کر ان کے عوض مٹی اور پتھر حاصل کر رہے ہو۔"

marfat.ocm

أَفَمَنْ۔ من موصولہ مبتدا ہے **وعدناہ**۔ تو کیا جسے ہم نے ایمان وطاعت پر وعدہ دیا۔ اچھا وعدہ اس سے بہشت اور اس کا ثواب مراد ہے اس لیے کہ وعدہ حسن موعود کے حسن کی وجہ سے ہوتا ہے۔

کاشفی نے لکھا ہے ہم نے آخرت میں بہشت کا اور دنیا میں فتح ونصرت کا وعدہ دیا۔ **فھو** پس وہ موعود لہٗ۔ **لاقیہ** اسے وہ وعدۂ حسن ضرور حاصل ہوگا اس لیے کہ وعدہ الٰہی کا خلاف محال ہے۔ **کمن** یہ مَنْ موصولہ اور پہلے مَن کی خبر ہے۔ اس کی طرح ہو سکتا ہے جسے ہم نے فائدہ دیا۔ **متاع الحیٰوۃ الدنیا**۔ دنیوی زندگی کے ساز وسامان کا کہ جس کی محنت سراپا محنت اور اس کی دولت بے شمار تکالیف کا موجب اور ان کا مال مضمحل ہے اور جس کا جاہ وجلال دوسروں کی طرف منتقل ہونے والا ہے اور جس کی شیرینی میں زہر قاتل۔ **ثم ھو یوم القیٰمۃ من المحضرین** پھر وہ قیامت میں حساب یا جہنم یا عذاب کے لیے حاضر کیے ہوئے لوگوں سے ہوگا۔ لفظ ثُمَّ تراخی فی الزمان کے لیے ہے یعنی پہلے وہ دنیا کے ساز وسامان کا زمانہ تھا پھر دوسرے دور میں حال احضار میں ہوگا یہ تراخی رتبہ کے لیے ہے اور فاء افمن الخ کی فا ماسبق ترتیب کے لیے ہے اس میں اہل دنیا و اہل آخرت کے تشابہ کا انکار کیا گیا ہے کہ کہاں دنیا کا مال ومتاع اور کہاں آخرت میں اللہ تعالیٰ کا انعام واکرام اس میں بہت بڑا فرق ہے اس لیے جسے اپنا آقا بہترین انعامات سے نوازے گا اس کی شان ارفع واعلیٰ ہے اور وہ مومن ہے اور جسے وعیدیں سنا کر ذلیل کیا گیا اور پھر آخرت میں جہنم رسید کیا جائے گا اس سے ذلیل تر اور کون ہوگا اور یہ کافر ہے اور یہ ذلت وخواری اسی ایک ساعت کے عیش اڑانے سے نصیب ہوئی۔ اس نے دنیا میں چند روزہ زندگی بسر کی۔

بھیڑ اور چیونٹی کا قصہ:۔ ایک دفعہ بھیڑ نے چیونٹی کو دیکھا کہ بہر حال ایک دن ایک دانہ اٹھا کر اپنی بل میں جا رہی تھی اور صرف ایک دانہ اٹھانے سے جو اس نے مشقت اٹھائی اس کی تفصیل سب کو معلوم ہو گئی۔ بھیڑ نے دیکھ کر کہا کہ چیونٹی بیچاری تو کیوں اتنا دکھ درد اٹھا رہی ہے اور خواہ مخواہ ذلیل وخوار ہو رہی ہے۔ میرے ہاں چل کر دیکھ کہ میرے ہاں خورد ونوش کا کتنا بڑا انتظام ہے۔ ہمارے ہاں پُرلطف اور لذیذ کھانے ایسے ہیں جو بادشاہوں کو بھی نصیب نہ ہوں ہم جہاں چاہتے ہیں بیٹھ جاتے ہیں اور جو چاہتے ہیں کھاتے ہیں۔ ہمیں کسی قسم کی روک ٹوک نہیں۔ یہ کہہ کر چیونٹی کو اپنی بڑائی دکھلانے کے لیے قصاب کی دکان پر چلا گیا۔ اس کے گوشت کو مزے لے کر کھانے لگا۔ قصاب نے چھری سے بھیڑ کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ گندی نالی میں پھینک دی۔ چیونٹی نے اس کے غرور کو خاک میں ملا ہوا دیکھا اور دو چل کر اس کی ایک ٹانگ توڑ کر چلتی بنی اور کہا۔

ایک منٹ کی شہوت رانی ہزاروں غم وحزن اور طویل دکھ درد کا نشانہ بناتی ہے۔

حدیث شریف:۔ جس کی خواہشات دنیا کے متعلق ہوں تو فقر وفاقہ اس کی آنکھوں کے سامنے کر دیا جاتا ہے حالانکہ دنیا میں اسے وہی نصیب ہوگا جو اس کا مقدر ہے اور جس کی خواہش آخرت کے متعلق ہو تو استغنا اس پر رکھ دیا جاتا ہے اور دنیا بے شمار ہر طرف سے سمٹ کر بلا تکلف شمار سے باہر اس کے ہاں جمع ہو جاتی ہے۔

حکایت:۔ ایک بزرگ حج پر جا رہے تھے تو اس کے ہاں کھانا بلا تکلف پہنچ جایا کرتا تھا۔ پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا مجھے ایک بڑھیا دے جاتی ہے۔ بڑھیا سے مراد دنیا ہے۔

فائدہ: جسے دین کا غم ہو لیکن دنیوی اُمور میں کمزور ہو تو اس دنیا دار مال والے بہتر ہے کہ جو کافر ہو۔

حدیث شریف نمبر (۱)

دنیا دار مالدار جہنمی کو جب جہنم میں ڈالا جائے گا تو اُس سے پوچھا جائے گا کہ تجھے دنیا کی کوئی عیش یاد آتی ہے تو جواب دے گا کہ دنیا میں میں نے ذرہ برابر بھی عیش نہیں پایا یعنی اسے عذاب کی شدت دنیا کی عیش و عشرت بھلا دے گی ایسے ہی دنیا میں دکھ درد کے ستائے ہوئے کو بہشت میں لایا جائے گا تو پھر اس سے سوال ہو گا کہ دنیا کی تکالیف سے یاد آتا ہے تو وہ کہے گا کہ مجھے تو کوئی دکھ درد ہوا ہی نہیں۔

حدیث شریف نمبر (۲)

جسے دولتِ اسلام اور رزق بقدر ضرورت نصیب ہو وہ کامیاب ہے۔

فائدہ: حدیث شریف میں لفظ کفاف واقع ہوا ہے یعنی وہ روزی جو انسانی ضروریات کی کفایت کرے۔ بعض نے لکھا ہے کہ جو صبح و شام پیٹ بھر کر کھانے کو کفاف کہا جاتا ہے اور اس پر قناعت کرے۔ جو اسے موصوف ہو وہ دنیا اور آخرت میں کامیاب ہوا۔

تفسیر صوفیانہ: عام مومنین کو بہشت کا اور خواص کو روایت سے اخص الخواص کو وصال و وجدان کا وعدہ دیا گیا ہے۔ کما قال تعالٰی فی الحدیث القدسی۔ الامن طلبی وجدنی۔ جو مجھے تلاش کرتا ہے اسے میرا وصال ضرور نصیب ہو گا۔

فائدہ: اللہ تعالٰی نے حضرت عیسٰی علیہ السلام پر وحی بھیج کر فرمایا کہ بھوکے رہو اور تنہائی اختیار کرو۔ میرا وصال پاؤ گے۔

جوع تنویر خانۂ دل تست
اکل تعمیر خانۂ گل تست

ترجمہ: بھوک سے دل کا گھر آباد ہوتا کھانے سے جسم موٹا ہوتا ہے۔

غوث جیلانی کی بھوک سہانی

سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ کے حجرہ سے آواز سنائی دیتی تھی۔ الجوع الجوع۔ اس کے صوفیہ کرام نے کئی مفہوم بتائے ہیں۔

(۱) الزوا الجوع: یعنی بھوک پر التزام کرو اس لیے کہ بھوک سے خدا ملتا ہے۔

(۲) اور بعض نے یہ بتایا ہے کہ آپ قدس سرہٗ کے نفس زکیہ کے شان کے خلاف ہے فلہذا یہ دوسرا مفہوم بیان کرنا غوث

marfat.ocm

اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بے ادبی و گستاخی کے مترادف ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے وصول نعمت اور شرف بالرویہ کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ: (ویوم ینادیھم) یوم اذکر مقدر کی وجہ سے منصوب ہے اور اس سے قیامت کا دن مراد ہے اور ضمیر ھم کا مرجع کفار ہیں۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کی اس گھڑی کو یاد کیجیے جبکہ تیرا پروردگار قیامت میں کافروں کو غضبناک عذاب دے کر رہے گا۔ **فیقول**۔ یہ ندا کی تفسیر ہے فرمائے گا۔ این شرکائی الذین کنتم تزعمون۔ کہاں ہے وہ میرے شرکاء جن کے متعلق تم گمان کرتے تھے یہ میرے شریک ہیں اور تم انہیں برابر شریک مان کر ان کی اس طرح پرستش کرتے تھے جیسے تم میری عبادت کرتے ہو۔

فائدہ: دلالت کلام کی وجہ سے دونوں مفعولوں کو حذف کیا گیا ہے۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ قیامت کے دن سوال بھی اللہ کے عذابوں میں سے ایک عذاب ہے کیونکہ ان کے ہاں اس کا کوئی جواب نہ ہوگا اور کسی سوال کا جواب نہ ہو سکنا بھی ہزاروں رسوائیوں پر مشتمل ہے اور اپنی جہالت کا اعتراف انسان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ قال یہ جملہ مستانفہ ہے مبنی بر حکایت سوال ہے گویا کسی سائل نے سوال کیا کہ اس وقت کافر کیا جواب دیں گے اس کے جواب میں فرمایا کہ اَلَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْھِمُ الْقَوْلُ (وہ لوگ جن پر ازل سے ہی لکھا جا چکا ہے انہوں نے جہنم میں داخل ہونا ہے چنانچہ اس کی تائید وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا کل نفس ھدٰھا ولکن حق القول منّی (اگر ہم چاہتے تو ہم سب کو ہدایت دیتے) سے بھی ہوتی ہے (التاویلات النجمیہ)

بعض اہل تفاسیر نے فرمایا کہ حق علیھم القول کا معنٰی یہ ہے کہ ان پر وہی ثابت ہوا جو حق کا تقاضا اور اصل مدعا تھا اور وہ مدعا اس بیان میں بیان کیا گیا ہے لَاَمْلَئَنَّ جَھَنَّمَ مِنَ الْجِنَّۃِ وَالنَّاسِ اجمعین۔ اس آیت کے علاوہ اور دیگر آیات جو وعید لعنت پر مشتمل ہیں۔

فائدہ: ان کے شرکاء سے شیاطین یا اُن کے وہ لیڈر مراد ہیں جنہیں کافروں نے اللہ کے سوا اپنا ماویٰ و ملجا بنا رکھا تھا اور جس کام کے لیے وہ کہتے سر تسلیم خم کرتے اور جس سے وہ روکتے فوراً رک جاتے۔

فائدہ: لیڈروں کی تخصیص صرف اس لیے کی گئی کہ کفر کے ارتکاب کے یہی اصل ہیں اور دوسرے عوام ان کی اتباع میں کفر و شرک کرتے اور عذاب جہنم میں لیڈر اور ان کے اتباع برابر کے شریک ہوں گے اور سوال کے جواب کی طرف یہی عجلت کریں گے۔ اگرچہ سوال میں ہر دونوں برابر ہوں گے اور سوال کے جواب کی طرف سے سمجھیں گے کہ یہ سوال گویا صرف انہی سے ہو رہا ہے اور صرف وہی ایسے سوالات کے مستحق ہیں اور پھر عوام کو ہم نے گمراہ کیا تھا فلھذا ایسی زجر و توبیخ صرف ہمیں ہو سکتی ہے نیز انہیں یقین ہوگا کہ ان کے اتباع بھی یہی جواب دیں گے کہ انہیں ان لیڈروں نے گمراہ کیا تھا۔

رَبَّنَا اے ہمارے پروردگار **ھٰؤُلَاءِ** اگر شرکاء سے شیاطین مراد ہیں تو معنٰی یہ ہوا کہ شیاطین کہیں گے یا رب یہی آدم علیہ السلام کے کافر بیٹے ہیں۔ اگر شرکاء سے کافروں کے لیڈر مراد ہیں تو معنٰی یہ ہوا کہ کافروں کے لیڈر عرض کریں گے اے پروردگار یہ عوام ہیں۔ اَلَّذِیْنَ اَغْوَیْنَا یہاں موصول کی ضمیر راجع محذوف ہے یعنی یہ وہی ہیں جنہیں

ہم نے گمراہ کیا اور ھٰؤلاءِ اشارہ سے ان کا مقصد یہ ہوگا کہ وہ جو چاہتے انھیں منوالیتے اور ان کے سامنے جیسی کہیں بناتے وہ سرِ تسلیم خم کرکے خاموش رہتے بلکہ انھیں ان کی سرمو کبھی گنجائش نہیں تھی۔ اَغْوَیْنٰهُمْ كَمَا غَوَیْنَا انھیں ہم نے بہکایا جیسے ہم بہکے۔

دراصل کفار کا جواب یہی ہے۔ اور پہلا مضمون مبنی بر تمہید تھا یعنی ہم انھیں گمراہ کرنے پر مجبور تھے اس لیے کہ جیسے تیری تقدیر نے ہمارے نام لکھ رکھا تھا ہم نے وہی کیا اور اُنھوں نے گمراہ ہونا تھا اس لیے کہ ان کے لیے گمراہی تقدیر میں لکھی جاچکی تھی۔

اَدب کی نشانی: بنی آدم کی مسکینی قابلِ غور ہے کہ اُنھوں نے اپنے دادا کے جواب کے مطابق جواب دیا یعنی غلطی کا اعتراف کرلیا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْۤ اٰدَمَ وہ صرف اس لیے بنو آدم اَدب کا دامن نہیں چھوڑتے اور بالخصوص اپنے آقا کے سامنے انتہائی اَدب کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ اسی اَدب کی بدولت اولیاءِ کرام بہت بڑے اُونچے مراتب کو پہنچتے اور قربِ الٰہی سے سرشار ہوتے ہیں

بے اَدب کون: اس کے برعکس ابلیس نے (اَدب کو ملحوظ نہ رکھتے ہوئے) کہہ دیا تھا ربّ بما اغویتنی لاقعدن لهم (اے اللہ جن کی وجہ سے تو نے مجھے گمراہ کیا میں ان کے لیے بیٹھوں گا۔) اس سے معلوم ہوا کہ ہم اہلسنت خوش بخت ہیں کہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کا اَدب کرتے ہیں بلکہ اس کے جملہ مظاہر (انبیاء علیہم السلام و صحابہ کرام و اہل بیت عظام اور اولیاء کرام و علماء کرام وغیرہم) کا اَدب ملحوظ رکھتے ہوئے یہاں تک کہ ہمارے مخالفین کو بھی اعتراف ہے بلکہ وہ خود اپنی بے ادبی و گستاخی کا بھی اعتراف کرتے ہیں۔ (اضافہ فقیر اویسی غفرلہٗ)

تَبَرَّاْنَاۤ اِلَیْكَ۔ ہم ان سے تیرے ہاں بیزاری کا اظہار کرتے ہیں کہ اُنھوں نے از خود نفسانی خواہشات پر کفر و معاصی کا ارتکاب کیا۔ یہ ماقبل کی تقریر و تاکید ہے اس لیے ان کے درمیان میں وہ صرف عطف نہیں لایا گیا مَا كَانُوْۤا اِیَّانَا میں لفظ مَا یَعْبُدُوْنَ کا مفعول ہے یعنی وہ ہماری پرستش نہیں بلکہ اپنی خواہشات نفسانی کی عبادت کرتے ہیں۔

وَ قِیْلَ۔ غیر اللہ کی پرستش کرنے والے کو کہا جائے گا اور کہنے والے دوزخ کے خازن کے فرشتے ہوں گے ادعوا شرکاءکم اپنے بتوں وغیرہم کو بلاؤ تاکہ وہ تمھیں عذاب سے چھڑالیں۔ شرکاء کی کی طرف اضافت اس لیے کی گئی ہے کہ وہ ان کے لیے شرکاء ہونے کے مدعی تھے۔ فَدَعَوْهُمْ۔ شدید حیرت سے ان کو وہ پکاریں گے۔ فَلَمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَهُمْ تو وہ اُن کو جواب نہیں دیں گے کیونکہ انھیں جواب دینے کی ضرورت نہ ہوگی اور نہ ہی وہ ان کی مدد کرسکیں گے۔ وَرَاَوُا الْعَذَابَ اور وہ موجودہ عذاب دیکھ کر کہیں گے لو انهم كانوا يهتدون کسی سبب سے دنیا میں وہ ہدایت پالیتے ہیں جس سے اب وہ اس عذاب کو رفع کرسکتے یا دنیا میں حق کہہ پالیتے تو آج یہ دن دیکھنے نہ ہوتے۔

فائدہ: بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں پر لَوْ تمنائیہ ہے یعنی کافر آخرت میں آواز کریں گے کہ کاش انھیں

marfat.ocm

ہدایت نصیب ہوتی تو آج وہ گمراہوں کے ساتھ جہنم میں نہ ہوتے۔

ویوم ینادیھم اور یاد کرو اس دن کو جب اللہ تعالیٰ کافروں کو زجر و توبیخ فرمائے گا۔ **فیقول ماذا اجبتم المرسلین**۔ تو اللہ تعالیٰ انھیں فرمائے گا کہ تم نے ان رسل کرام علیہم السلام کو کیا جواب دیا جو تمہارے ہاں تشریف لائے اور تمھیں میری توحید و عبادت کی دعوت دی اور تمھیں شرک سے روکا۔ **انباء یومئذ** تو اس دن ان پر یہ خبریں پوشیدہ ہو جائیں گی یعنی قیامت میں پیغمبران عظام علیہم السلام کو اپنے دیئے ہوئے جوابات یاد نہیں رہیں گے۔

فائدہ: اہل تفاسیر فرماتے ہیں کہ قیامت میں ان پر اندھاپن چھائے گا اسی لیے وہ ان کی خبریں بتانے سے عاجز ہو جائیں گے

یہ عبارت دراصل **فعموا عن الانباء بمعنی الاخبار** یعنی خبر دینے سے اندھے ہو جائیں گے۔ یہاں پر عمی کو اخبار کی طرف اسناد میں مبالغہ مطلوب ہے اور اسے **علیٰ** سے متعدی کرنا خفاء و اشتباہ کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے ہے۔

فائدہ: جب اسی جانکاہ وقت میں حضرات انبیاء علیہم السلام اپنے علوم اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض فرمائیں گے حالانکہ وہ غلط بیانی سے منزہ و مقدس ہیں۔ اگر گمراہ لوگ اس وقت حیرت و دہشت میں ہوں تو کیا حرج ہے۔

؎
بجائیکہ دہشت برد انبیاء
تو عذر گنہ را چہ داری بیا

ترجمہ: جہاں انبیاء علیہم السلام پر دہشت طاری ہوگی فلہٰذا تم پر لازم ہے کہ تم اپنے مالک کے حضور تائب ہو کر حاضری دو۔

فَھُمۡ لَا یَتَسَآءَلُوۡنَ۔ بہت زیادہ دہشت اور حیرت کے غلبہ سے ایک دوسرے سے پوچھ گچھ نہ کر سکیں گے یا ان کا ایک دوسرے سے سوال نہ کرنا اس لیے ہوگا کہ انھیں یقین تھا کہ وہ سب جہالت کا شکار ہیں یعنی وہ سمجھیں گے کہ جب ہم سب جاہل ہیں تو پھر پوچھیں کس سے۔ **فَاَمَّا مَنۡ تَابَ** تو وہ شخص کہ جس نے شرک سے توبہ کی تو وہ **اٰمن وعمل صالحاً**۔ اور ایمان لایا اور اچھے عمل کیے۔ **فعسیٰ ان یکون من المفلحین** یعنی ایمان و عمل صالح کا جامع عنقریب اللہ تعالیٰ کے ہاں مطلوب کو پانے والوں اور عذاب سے نجات حاصل کرنے والوں سے ہوگا۔

نبی علیہ السلام کی توجہ کریمانہ کے بغیر نجات ناممکن ہے

ایمان و اعمال صالحہ کا جامع تب کامیاب ہوگا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں اس کا ایمان و عمل قبول ہو۔ ؎

مزن بے رضا محمد نفس
رہ رستگاری ہمیں است و بس
خلافِ پیغمبر کسے رہ گزید

ہرگز بمنزل نخواہد رسید

ترجمہ: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے بغیر دم نہ مار۔ نجات کی صرف یہی صورت ہے اور بس۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بغیر جس نے کوئی راہ لی تو وہ منزل مقصود تک ہرگز نہ پہنچے گا۔

قاعدہ عسیٰ اس کی نسبت اگر اللہ تعالیٰ اور اُس کے پیارے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام یا بزرگانِ اسلام کی طرف ہو تو اس میں تحقیق کا معنیٰ ہے۔ اگر اس کی نسبت تائب کی طرف ہو تو ترجی کا معنیٰ دیتا ہے۔ اس دوسرے معنیٰ پر مطلب یہ ہوگا کہ تائب کو فلاح کی اُمید رکھنی چاہیے۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ آیت ہذا میں لفظ عسیٰ میں اشارہ ہے کہ تائب کو ایمان و عمل صالح پر مداومت ضروری ہے۔ اگر درمیان میں سلسلہ منقطع ہو گیا تو پھر فلاح وفوز نصیب نہ ہوگی دہم اللہ تعالیٰ سے ترقی کے بعد تنزل سے پناہ مانگتے ہیں۔

سبق: آخرت کے طالب پر لازم ہے کہ اعمال صالحہ اور اوراد و وظائف پر مداومت کرے اس لیے کہ اعمال صالحہ اوراد و وظائف کو تحصیل درجات و جلب منافع و برکات میں بڑا دخل ہے بلکہ بہت بڑی تاثیر ہے۔ اہل سعادت دارین میں نفع پاتے ہیں اور اہل شقاوت کو دنیوی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اہلِ شقاوت دنیا میں صرف مراتب و مناصب اور احوال و اسباب سے نوازے جائیں گے۔ اَبلیس کو دیکھئے کہ اس نے بہت بڑی عبادت کی لیکن اسے دنیا میں ہی مراتب و کمالات سے نوازا گیا کہ اسے عمر طویل عطا ہوئی اور بھی جو اس نے چاہا اسے نصیب ہوا۔ اس لیے عاقل پر لازم ہے کہ وہ ایمان اور عمل صالح کے لیئے بھرپور جدوجہد کرے۔

حکایت: حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو حمام سے روکا گیا تو رو پڑے اور فرمایا کہ شیطان کے گھر میں بغیر اُجرت کے کوئی نہیں جا سکتا تو رحمٰن کے گھر میں ایمان اور عمل صالح کے بغیر کوئی نہیں جائے گا۔

مسئلہ، افضل الاعمال توحید اور ذکر الٰہی ہے اس لیے کہ اگر کوئی مشرق سے مغرب تک پہنچنے تک راہِ حق میں مال لٹاتا جائے اور دوسرا مغرب سے مشرق تک کفار پر تلوار چلاتا جائے تو بھی ذکر الٰہی کے عامل کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکیں گے۔

حدیث شریف، ذکر الٰہی ایمان کی علامت ہے۔

شرح:۔ اس لیے کہ جب کوئی بھی **لا الٰہ الا اللہ** کہے گا تو ہم اس کے اسلام کی گواہی دیں گے۔ (کیونکہ یہ کلمہ منافقت سے برات اور اسلام کو مضبوط کرتا ہے (فرمایا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے) اور کلمہ شیطان سے محفوظ رکھتا اور نار جہنم سے بچاتا ہے (جیسے) حدیث قدسی میں ہے کہ **لا الٰہ الا اللہ** میرا قلعہ ہے جو اس میں داخل ہوا وہ عذاب سے محفوظ و مامون رہا۔

marfat.ocm

تفسیر صوفیانہ: فاما من تاب۔ وہ جو محبت کے قدموں اور سچی طلب سے اللہ تعالیٰ کے حضور رجوع کرتا ہے۔ و اٰمن اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تمام لائی ہوئی دعوت پر ایمان لاتا ہے۔ و عمل صالحًا اور رہبر کامل اور واصل باللہ اور صاحب قدرت کی متابعت و رہبری میں جو بھی نیک عمل کرے گا اسے اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچائیں گے۔ فعسٰی ان یکون من المفلحین (تاویلات نجمیہ) امید ہے کہ ایسے لوگ نفس کی قید سے کامیاب اور انانیت کی خرابی سے بچ کر قضاؤ قدر لھویت کے وسیع میدان میں پہنچ جائیں گے۔

تفسیر عالمانہ:

وربک یخلق ما یشاء و یختار۔ اور تیرا رب پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور برگزیدہ بناتا ہے۔

شان نزول: یہ آیت مشرکین کے جواب میں نازل ہوئی جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت کے لیے کیوں منتخب کیا۔ یہ قرآن مکہ و طائف کے کسی بڑے شخص پر کیوں نہ اُتارا گیا اس کلام کا قائل ولید بن مغیرہ تھا اور بڑے آدمی سے وہ خود کو اور عروہ بن مسعود ثقفی کو مراد لیتا تھا۔ اس کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ چنانچہ اس نے کہا لولا انزل ھٰذا القراٰن علٰی رجل من القریتین عظیم ان کے رد میں فرمایا۔ وربک یخلق ما یشاء۔ فرمائیے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم میرا پروردگار جو کچھ پیدا کرنا چاہتا ہے وَ یختارُ اپنی مخلوق میں مختار و برگزیدہ بنانا چاہتا ہے منتخب کرتا ہے جیسے جملہ اشیاء کی تخلیق میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ ایسے ہی اس کے اختیار میں بھی ما نافیہ ہے۔ کان لھم الخیرۃ؟ مشرکین کو کوئی اختیار نہیں جسے اللہ تعالیٰ پسند کرے اس کے اختیار پر کفار اپنے اختیار کو غالب نہیں کر سکتے جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت کے لیے پسند فرمایا تو کافروں نے ولید بن مغیرہ اور عروہ کو نبوت کے لیے چنا اور ان کا چناؤ کسی کام نہ آیا ؎

العبد ذو ضجر و الرب ذو قدر
والدھر ذو دول والرزق مقسوم
والخیر اجمع فیما اختیار خالقنا
و اختیار سواہ اللوم والشوم !!

ترجمہ: بندہ ضعیف اور رب بڑی طاقت والا ہے۔ زمانہ صاحب دولت ہے لیکن رزق ازل سے تقسیم شدہ ہے جملہ خیر و بھلائی ہمارے خالق و مالک کے اختیار میں ہے۔ اس کے ماسوا کا اختیار ملامت و نحوست کے سوا کچھ نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: حضرت جنید قدس سرہٗ نے فرمایا بندے کو اختیار کیسا جب جملہ اختیارات اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں۔

بعض عرفاء نے فرمایا کہ جب اہل معرفت احکام الٰہیہ کو اچھی نگاہ سے دیکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انھیں بہتر نگاہ

سے نوازتا ہے۔ کہ ان میں رضا و تسلیم کا مادہ پیدا فرما دیتا ہے ؎

در دائرہ قسمت ما نقطۂ تسلیم
لطف آنچہ تو اندیشی حکم آنکہ تو فرمائی

ترجمہ: "ہمارے لیے ضروری ہے کہ تیرے سامنے سر تسلیم خم کریں اس لیے کہ جو کچھ تو نے ہمارے لیے ارادہ فرمایا ہے وہ ہمارے لیے بہتر ہے اور تیرا ہر حکم ہمارے لیے ہزاروں فوائد پر مشتمل ہے۔"

حل لغات: الخیرۃ بمعنی تخییر یعنی برگزیدہ کرنا۔ جیسے طیرہ۔ یعنی وہ حالت جو متخیر کو عارض ہوتی ہے اور الوسیط میں ہے کہ الخیرۃ الاختیار کا اسم ہے جو مصدر کے قائم مقام ہوتا ہے اور المختار کا اسم ہو کر بھی مستعمل ہوتا جیسے کہا جاتا ہے محمد خیرۃ اللہ من خلقہ (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی جملہ مخلوق سے برگزیدہ ہیں)

تفسیر عالمانہ: سبحان اللہ پاکی صرف اللہ کا خاصہ ہے: اس سے نہ کوئی چھین سکتا ہے اور نہ اُسکے اختیار کے ساتھ کسی کا اختیار مزاحمت کر سکتا ہے۔ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔ اور وہ ان کے شرک کرنے سے بلند و بالا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلاتِ نجمیہ میں ہے اس میں تخلیق و اختیار ازلی کی طرف اشارہ ہے کہ وہ فاعل و مختار ہے جسے جیسے جس سے اور جس کے لیے جب چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ اسے خلق اشیاء میں ہر طرح کا اختیار ہے۔ وہ بعض اشیاء کو عدم میں اختیار کرتا ہے تو اس کو عدم میں رکھتا ہے۔ اسے عالم وجود میں نہیں لاتا اس کا اختیار ہے کہ بعض اشیاء کو جماد بعض کو نبات اور بعض کو حیوان اور بعض کو انسان۔ ان میں بعض کو کافر اور بعض کو مومن اور ان میں بعض کو ولی اور بعض کو نبی اور بعض کو رسول بناتا ہے۔ اور وہ چاہتا ہے کہ بعض کو کروبی اور بعض کو روحانی پیدا کرتا ہے اور چاہتا ہے تو بعض کو مقبول اور بعض کو مردود بناتا ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سات آسمان بنائے اور انھیں بلند کر کے ساکن کیا اور تمام آسمانوں پر اپنی مخلوق میں جنھیں چاہا ان میں ٹھہرایا اس کے بعد اور مخلوق پیدا فرمائی۔ ان میں بنی آدم کو برگزیدہ بنایا اور بنی آدم میں عرب کو، اور عرب سے قبیلہ مضر کو اور قبیلہ مضر سے قریش کو اور قریش سے بنو ہاشم کو، بنو ہاشم سے مجھے برگزیدہ بنایا۔ یاد رکھو میں تمام برگزیدوں سے برگزیدہ ہوں۔ تم میں جو عرب سے محبت کرتا ہے تو گویا وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے تو وہ گویا مجھ سے بغض رکھتا ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے صحابہ کرام کو سوائے

marfat.ocm

انبیاء و مرسلین کے تمام مخلوق پر برگزیدہ بنایا۔ پھر میرے صحابہ میں سے میرے لیے چار یاروں (ابوبکر و عمر، عثمان و علی رضی اللہ عنہم) کو پسند فرمایا میرے صحابہ کو تمام انسانوں سے (سوائے انبیاء و مرسلین) برگزیدہ فرمایا ان میں تین قرون مسلسل ہیں اور ایک تنہا یعنی صدیوں میں ایک صدی (غالباً اس سے وہی صدی مراد ہو گی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور امام مہدی رضی اللہ عنہ تشریف لائیں گے)

فائدہ: انسان کو ذاتی طور پر کوئی اختیار نہیں اس لیے کہ اختیار اس کو ہوتا ہے جو صاحب ملک ہو۔ اور انسان عبد ہے اور عبد کی کوئی شے ملک نہیں ہوتی جو املاک شرع پاک نے انسان کے لیے ثابت فرمائی ہیں وہ اس کے لیے مجازی اور عارضی ہیں جو عنقریب اس سے چھین لے جائیں گی اور حقیقی ملک کو زوال نہیں ہوتا اور ایسا ملک اللہ تعالیٰ کو ہے اور وہی ہر شے کا کامل و مکمل مالک ہے نہ اس کے ملک کو زوال ہے نہ اس کی نعمت کو انقطاع ہے

ہمہ تخت و ملکے پذیرد زوال
بجز ملک فرماندہ لایزال

ترجمہ: تمام تخت شاہی اور ملک املاک کو زوال ہے سوائے مالک حقیقی لم یزل کے۔

افضل ترین مخلوق کی تفصیل

اللہ تعالیٰ نے جملہ عالم کو پیدا فرما کر ہر جنس سے افضل ترین مخلوق کو برگزیدہ بنا دیا مثلاً جبریل، میکائیل، اسرافیل و عزرائیل علیہ السلام کو فرشتوں سے اور آدمیوں سے پیغمبروں کو پیغمبروں سے خلیل و کلیم اور عیسیٰ و حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور صحابہ کرام سے ابوبکر تیمی و عمر عدوی و عثمان اُموی علی ہاشمی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اور زمین میں مکہ معظمہ کو جو ولادت گاہِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور مدینہ طیبہ کو جو ہجرت گاہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور بیت المقدس کو جو مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیر گاہ ہے اور ایام میں سے یوم جمعہ کو جو اجابۃ الدعوۃ کا دن ہے۔ یوم عرفہ کو کہ وہ یوم المباہات ہے اور یوم عید کو کہ وہ انعامات کا دن ہے اور یوم عاشورہ کو کہ وہ یوم الخلقۃ ہے اور راتوں میں شب برات کو کہ اسی رات اللہ تعالیٰ بذاتِ خود نزول فرما کر تمام رات اپنے بندوں کو لطف و کرم کی نداء سے نوازتا ہے اور شب قدر کو کہ اسی رات میں زمین کے سنگریزوں کے برابر آسمان سے ملائکہ کرام آسمان سے زمین پر اُترتے ہیں اور بیدار لوگوں پر رحمت کے پھول برساتے ہیں اور شب عید کو کہ اس رات میں رحمت و مغفرت کے دروازے کھول دیتا ہے اور بے شمار گنہگاروں کے گناہ بخشتا ہے۔ پہاڑوں سے کوہِ طور کو وہاں موسیٰ علیہ السلام کو مناجات کا موقعہ نصیب ہوا اور جودی پہاڑ کو کہ وہاں نوح علیہ السلام کو نجات ملی اور کوہِ حرا کو کہ وہاں سے آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور انسان کے جسم میں دل اور زبان کو اس لیے کہ دل نورِ معرفت کا اور زبان کلمہ شہادت کا مرکز ہے اور آسمانی کتابوں میں سے چار کتابوں (تورات، انجیل، زبور، قرآن پاک) کو کلمات میں سے سُبحَانَ

اللّٰہِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کو برگزیدہ بنایا۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب ترین کلام سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ ہے تمہاری مرضی پر ہے کہ ان میں سے جسے چاہو پہلے پڑھو۔ (کشف الاسرار)

فائدہ: زہرۃ الریاض میں ہے مَا کَانَ لَھُمُ الْخِیَرَۃُ یعنی کفار کو کسی قسم کا اختیار نہیں جملہ کیونکہ اختیارات اللہ تعالیٰ واحد قہار کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اختیار صرف اسے ہے نہ جبرائیل میکائیل عزرائیل اسرافیل کو نہ آدم و نوح نہ ابراہیم، یعقوب، موسیٰ و عیسیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس لیے کہ اگر جبرائیل و میکائیل کو اختیار ہوتا تو وہ ہاروت و ماروت کو دوسرے فرشتوں میں شامل کر لیتے اگر اسرافیل کو اختیار ہوتا وہ ابلیس کو لعنت سے بچا لیتا اگر عزرائیل کو اختیار ہوتا تو وہ شداد کو عذاب سے نجات دلاتا۔ اگر آدم کو اختیار ہوتا تو قابیل کو نیک بنا لیتا اگر نوح کو اختیار ہوتا تو کنعان کو غرقِ طوفان سے بچا لیتا۔ اگر ابراہیم کو اختیار ہوتا تو آذر کو ایمان کی دولت سے نواز لیتا اگر یعقوب کو اختیار ہوتا تو عمالیق کو اپنی دعوت منوا لیتا اگر موسیٰ کو اختیار ہوتا تو فرعون کو اپنے دین میں شامل فرما لیتا اگر عیسیٰ علیہ السلام کو اختیار ہوتا تو اپنے حواریوں کو اپنے موافق بنا لیتا۔ اگر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار ہوتا تو ابوجہل کو دولتِ ایمان سے نوازتے لیکن جملہ اختیارات میرے ہاتھ میں ہیں البتہ میں نے آپ کو برگزیدہ بنایا تاکہ تم میرا شکر ادا کرو۔ کیونکہ اللہ کو خوب علم ہے کہ وہ جسے چاہتا ہے رسالت و ولایت سے نوازتا ہے۔

فائدہ: حضرت یحییٰ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا الٰہی تو میرے عیوب کو خوب جانتا ہے جب تیرا اختیار واسع ہے تو اگر تُو میری مغفرت فرما دے تو اس میں کون سی کمی آئے گی۔

فائدہ: حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانہ مانگا تو انھیں عرصہ تک دکھ درد کا نشانہ بنایا اور حضرت اصحاب کہف نے غار کو پسند فرمایا تو انھیں حسن و جمال سے نوازا۔ انسان جس عورت سے نکاح کرتا ہے تو وہ اس کی عیب پوشی کرتا ہے تاکہ کوئی اعتراض نہ کرے کہ تو نے خود اسے پسند فرمایا تو اب اعتراض کیوں بلاتمثیل اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو ازل سے بے اختیار پیدا فرمایا تو اس کی عیب پوشی کیوں نہ فرمائے گا بلکہ بندے کو اس کی ستار العیوبی پر بہت زیادہ بھروسہ ہونا چاہیئے۔

اٹھارہ ہزار عالم انسان کے خُدّام ہیں

اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ ہزار عالم میں اربعہ عناصر۔ آب۔ آگ۔ مٹی۔ ہوا کو برگزیدہ بنایا اور انھیں انسان کی خدمات پر مامور فرمایا۔ مثلاً پانی کو طہارت کے لیے۔ مٹی کو سجدہ ریزی کے لیے اور آگ کو کھانا پکانے کے لیے اور ہوا کو پکھا ہلانے

marfat.ocm

کے لیے اور چار فرشتوں کو عثمانی خصوصی خدمات پر مامور فرمایا مثلاً جبریل علیہ السلام کو وحی لانے والے اور میکائیل علیہ السلام نعمت کے خازن اور اسرافیل علیہ السلام اور عزرائیل کو قابض ارواح اور شرائع میں سے بھی چار امور معین فرمائے

۱. نماز عمل صالح

۲. وضو امانت

۳. روزہ ڈھال

۴. زکوٰۃ طہارت

اور قبلے چار ہیں ؛

۱. عرش انسان کی دُعا کا

۲. کرسی رحمت الٰہی کا مرکز

۳. بیت المعمور عمل صالح کا مرکز

۴. قبلہ و کعبہ (مطلق)

اور اوقات بھی چار مقرر فرمائے :

۱. مغرب کھانے کے لیے

۲. عشاء نیند کے لیے

۳. سحر مناجات کے لیے

۴. صبح تلاوتِ قرآن کے لیے

فائدہ : وہ پانی کا چشمہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے جاری ہوا ۔ وہ آب زمزم کوثر بلکہ زمین و آسمان کے تمام پانیوں سے افضل و برتر ہے ۔ زمین پر سب سے افضل وہ جگہ ہے جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر آرام فرما ہے ۔ یہاں تک کہ زمین میں کعبہ و بیت المقدس سے اور آسمان پر عرش معلی اور لوح و قلم سے اور آخرت میں جنت الفردوس وغیرہ سے افضل ہے اور وہ گھڑی افضل ہے جس گھڑی دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظہور پذیر ہوئے ۔ اسی لیے محدثین نے فرمایا کہ ربیع الاول شعبان کے مہینے کی طرح تمام مہینوں سے افضل ہے ۔ کیونکہ ربیع الاول و شعبان ہر دو مہینے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہیں ۔ عالم دنیا کے بادشاہوں سے دولت عثمانیہ کے بادشاہ افضل ہیں ۔

صاحب روح البیان نے عثمانیہ خاندان کی علمی خدمات کے پیش نظر فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ان کی دولت کا اتصال حضرت امام مہدی کی دولت سے ہوگا ۔

اور اس اُمت میں ان اکابر علماء و مشائخ شریعت و طریقت کو برگزیدہ بنایا جو دونوں علوم ظاہر و باطن کے جامع ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے طریق تحقیق کا سوال کرتے ہیں اور وہی توفیق کا مالک ہے۔

تفسیر عالمانہ: وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ۔ اور تمہارا رب جانتا ہے ان کے دلوں کی چھپی ہوئی بات اور ان کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عداوت اور اہل ایمان کے ساتھ بغض و حسد سے ان کے دل بھرپور ہیں۔ اُن کا یہ معاملہ اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں۔

حل لغات: اہل عرب کہتے ہیں اکننت الشیٔ بمعنی اخفیتہ، فی نفسك یعنی تم نے فلاں بات دل میں چھپائی اور کہا جاتا ہے وَکننتہ، بمعنی سترتہ فی بیت او ثوب او غیر ذالك من الاجسام یعنی میں نے اُسے گھر، کپڑے یا جسم میں چھپایا۔ وَمَا يُعْلِنُوْنَ۔ اور جو اپنی زبان یا اعضاء سے ظاہر کرتے ہیں مثلاً گالی دینا، طعن و تشنیع کرنا مار پٹائی وغیرہ یعنی نبوت پر اعتراض کرنا اور قرآن مجید کی تکذیب اِعْلَانٌ بمعنی آشکارا کرنا وھو اللّٰہ اور اللہ تعالیٰ ہی عبادت کا مستحق ہے۔

لا الٰہ الا اللّٰہ اس کے سوا پرستش کا کوئی حق دار نہیں ہے۔

فائدہ: تاویلات نجمیہ میں ہے ھو اللّٰہ لا الٰہ الا ھو۔ کوئی بھی الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ الا ھو۔ سوائے اس کے کہ وہی عزت و عظمت کے لحاظ سے متوحد ہے اور جلالِ ربوبیت کے لحاظ سے منفرد ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ اس کے برابر کا کوئی نہیں اس کی کوئی نظیر نہیں اور نعمتوں کا مستوجب وہی ہے فلہٰذا صرف اُسی کا شکر ہے۔ فی الاولیٰ دنیا میں والاخرۃ اور آخرت میں اس لیے کہ وہی جملہ نعمتوں کا مالک ہے وہ نعمتیں عاجلہ ہوں یا آجلہ۔ جملہ مخلوق اس کی نعمتوں کی ممنون ہے۔ اہلِ ایمان آخرت میں اس کی اسی طرح حمد کریں گے جیسے دنیا میں اس کی حمد کیا کرتے ہیں۔ آخرت میں اہلِ حمد کی حمد یہ ہو گی۔ الحمد للّٰہ الذی اذھب عنا الحزن اور الحمد للّٰہ الذی صدقنا وعدہ یعنی اس کی حمد و ثناء اور فضل و کرم کو دیکھ کر خوشی سے اور حمد و ثنا سے لذت پا کر بلا تکلف محامد بیان کریں گے ولہ الحکم اور تخلیق و اختیار و اعزاز و اذلال (ذلیل کرنا) احیاء و اماتت میں صرف اسی کا حکم چلتا ہے اور دنیا و آخرت میں صرف اُسی کا حکم جاری ہے نفاذ حکم میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ اس کا دنیا و آخرت میں صرف اسی کا حکم چلتا ہے۔ اور دنیا و آخرت میں جملہ

حاشیہ گزشتہ صفحے کا: شیعوں والا امام مہدی مراد نہیں بلکہ وہی امام مہدی جس کی تحقیق ہم نے گزشتہ اوراق میں لکھی ہے۔

marfat.ocm

اُمور کے عواقب کے لیے جملہ مخلوق اسی کی طرف رجوع کرتی ہے اور کرے گی۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اہل طاعت کو مغفرت اور اہل معصیت کو شفاعت اور اعزاز کا حکم فرمانا صرف اسی کو لائق ہے۔ و الیہ ترجعون اور قیامت میں صرف اسی کی طرف رجوع ہوگا۔

فائدہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اختیاراً یا اضطراراً صرف اسی کی طرف رجوع ہے۔ اور اختیاراً یہ کہ حضرت حق تعالیٰ کی طرف بطریق سیر و سلوک اور متابعت و وصول کے اور یہ صرف انسان کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس کے سوا یہ دولت کسی کو نصیب نہیں ہوگی اور اضطراراً یہ کہ انسان کی رُوح قبض ہوگی اس کے بعد حشر نشر اور حساب و جزا و ثواب ہوگا اور بُرے کو سزا دے کر جہنم رسید کیا جائے گا۔

فائدہ: آٹھ اُمور ایسے ہیں جن میں مخلوق کے ہر فرد کو مبتلا ہونا ہے۔

۱۔ موت

۲۔ حشر

۳۔ عمل نامہ مرنے کے بعد پڑھنا۔

۴۔ اعمال نامے کا وزن۔

۵۔ حساب اعمال

۶۔ پل صراط پر گزرنا۔

۷۔ سوال نکیرین

۸۔ جزائے اعمال۔

وحی موسیٰ علیہ السلام، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ اے موسیٰ اس جگہ مجھ سے یہ سوال نہ کر کہ مخلوق میں غنی کون ہے اس لیے کہ میں نے مخلوق میں کسی کو غنی بنایا ہی ہیں بلکہ سب کے سب میرے محتاج ہیں اور غنی صرف میں ہی ہوں اور مجھ سے علم غیب کے متعلق نہ پوچھ اس لیے کہ یرے سوا غیب کوئی نہیں جانتا[1]۔

---

[1] اس سے ذاتی علم غیب مراد ہے ورنہ پہلے جملہ میں غنی کی نفی ہے حالانکہ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے بے شمار غنی پیدا فرمائے تو جیسے وہاں ذاتی غنا مراد ہے تو یہاں بھی ذاتی علم غیب مراد ہوگا ورنہ سینکڑوں آیات اور بے شمار احادیث کے خلاف لازم آتا ہے۔ تفصیل اہلسنت کی تصانیف میں دیکھئے۔ (اویسی غفرلہٗ)

اے موسیٰ علیہ السلام مجھ سے یہ سوال نہ کر کہ مخلوق میرا گلہ شکوہ نہ کریں اس لیے کہ بعض بندے ایسے نالائق ہیں کہ باوجودیکہ میں نے انھیں پیدا فرمایا انھیں روزی بخشی اور ان کی موت اور حیات کا مالک ہوں لیکن میری ہی بُرائی کرتے ہیں۔ جب میں اپنے متعلق ان کی زبان نہیں روکتا تو آپ کے لیے ان کی زبان کیوں روکوں اور مجھ سے بقا کا سوال نہ کرنا۔ کیونکہ باقی و دائم صرف میں ہوں۔

وحی محمد صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی فرمائی کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ جس سے بست چاہیں کرلیں میں اُسے آپ سے جدا کر دوں گا اور جو عمل چاہیں کرلیں موت کے بعد وہی ملے گا جو آج عمل کرو گے اور زندگی جیسے چاہو گزارو بالآخر موت نہیں چھوڑے گی۔

فائدہ: اس سے ثابت ہُوا کہ نفاذِ حکم پر صرف اللہ تعالیٰ کا قبضہ ہے۔ اگر کوئی شے کسی کے قبضہ میں ہوتی تو وہ اپنے اُوپر موت کو آنے نہ دیتا اور آخرت میں اعمال کی ملاقات کو روک لیتا

فائدہ: تسلیم و رضا اپنے اختیار سے رُجوع الی اللہ میں ہے اس لیے کہ جب بندہ اپنے اختیار سے اللہ تعالیٰ کی طرف رُجوع کرتا ہے تو کوئی تکلیف نہیں پائے گا بخلاف اس کے کہ جب اضطراراً رجوع کرے گا تو اُسے دُکھ ہوگا۔ ؎

تو پیش از عقوبت در عفو کوب
کہ سودے ندارد فغاں زیرِ چوب

ترجمہ: سزا سے پہلے معافی کا دروازہ کھٹکھٹاؤ۔ جب ڈنڈا سر پر پڑے تو اس وقت آہ و فغاں کام نہ دے گی۔"

فائدہ: رجوع الی اللہ کی علامت یہ ہے کہ بندہ ظاہر و باطن میں فلاح و صلاح و خیر کے ساتھ رہے اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرے اس لیے کہ مبدأ لامر کو جزع و اضطراب کا اظہار جہالت کی علامت ہے۔ بلا و مصیبت کا درد ہلکا ہو جاتا ہے جب یہ علم ہے کہ دینے والا تو وہی ہے کیونکہ بلا و مصیبت دینے والا حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہے اور لا الٰہ الا اللّٰہ انسان کو مصائب و مشکلات میں کام آتا ہے اور توحید افضل الطاعات و خیر الاذکار والحسنات ہے۔ جب اُس کے الفاظ نجات کا موجب بنتے ہیں تو اس کا معنیٰ کیوں نہ نجات بخشے گا۔

حکایت: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص فوت ہُوا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میرے بندے کے اعمال نامے میں دیکھو کہ اس کی کوئی ایسی نیکی ہے جس کی وجہ سے میں اُسے بہشت دوں۔ وہ عرض کریں گے یا الٰہ العالمین صرف اس کی ایک ہی نیکی ہے کہ اس کی انگشتری پر منقوش ہے لا الٰہ الا اللّٰہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے بندے کو بہشت میں داخل کر دو میں نے اُسے بخش دیا ہے

حضرت مغربی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

marfat.ocm

اگرچہ آئینہ داری از برائے حسن
ولے چہ سود کہ داری ہمیشہ آئینہ تار
بصیقل توحید ز آئینہ بزدالے
غبار شرک کہ پاک گردد از زنگار

ترجمہ: اگرچہ تو نے شیشہ اپنے چہرہ کے دیکھنے کے لیے رکھا ہوا ہے تو کیا فائدہ جب کہ تیرے دل کا شیشہ سیاہ ہے:

"توحید کے صیقل سے دل کے آئینہ کو صاف کر شرک غبار کو دل کے آئینے سے دھو ڈال۔"

ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں حقیقتِ توحید سے آگاہ کرے اور ہمیں تقلید سوء سے محفوظ فرمائے اور اُن مکاشفین سے بنائے جنہیں انوار صفات اور اسرار ذات سے نوازا ہے۔

تفسیر عالمانہ: قُلْ اَرَءَیْتُمْ (اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ کو فرمائیے کہ مجھے خبر دو ہم نے اخبار کا معنٰی اس لیے کیا ہے کہ رؤیت اخبار کا موجب ہے، ان جعل اللہ لکم اللیل سرمدًا۔ اگر اللہ تمہارے لیے ہمیشہ رات بنا دے کہ اس کے بعد دن نہ ہو سَرْمَدًا سَرْد سے ہے بمعنی متابعۃ و اطراد ہے اس کا میم زائد ہے۔

نکتہ: دن کو رات پر مقدم کرنے کا راز یہ ہے کہ طلوعِ شمس سے پہلے رات کے چلے جانے کے بعد دن کے فوائد بہت زیادہ ہیں۔ (برہان القرآن)

اِلٰی یوم القیٰمۃ۔ قیامت تک سورج کو زمین کے نیچے چھپا کر یا ساکن کر کے یا اسے اس اُفق کے اِردگرد متحرک رکھا جائے اور اس جگہ پر ساکن ہو۔ من الٰہ غیر اللہ۔ اللہ کے سوا معبود کون ہے کہ اس کی قسمت کی طرح قدرت رکھتا ہو۔ یأتیکم بضیاء۔ یہ الٰہ کی دوسری صفت ہے اس پر تبکیت و الزام وارد ہے اس لیے کہ موصوف کے انعقاد سے صفت کا انتفاء لازمی امر ہے۔

فائدہ، هَلْ اِلٰهٌ الخ اس لیے نہیں فرمایا کہ اُن کے گمان پر الزام کا ایراد مطلوب ہے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود بھی ہیں۔ اگر مَا اِلٰهٌ الخ کہا جاتا تو یہ الزام وارد نہ ہوتا۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ وہ غیر اللہ روشنی لائے تاکہ دن روشن ہو تو وہ کسب معاش کریں اور بضیاء کی باء تعدیہ کی ہے۔ افلا کیا تم سنتے نہیں ہو یعنی اس سچے کلام کو سُن کر تدبر و تفکر کرو تاکہ فرمانبردار ہو جاؤ اور اس کے موجب پر عمل کرو اور توحید پر ایمان لاؤ۔

نکتہ: ضیاء پر آیت کا اختتام ہوا تاکہ مضمون کا خاتمہ روشنی پر ہو۔

فائدہ: بعض مفسرین نے فرمایا کہ ضیاء کو سمع سے اس لیے ملایا ہے کہ جس قدر سمع سے ادراک کیا جا سکتا ہے بصر سے نہیں وہ اس لیے کہ عقل بہ نسبت بصر کے سمع سے زیادہ استفادہ کرتی ہے۔ قل ارأیتم ان جعل اللہ علیکم النہار سرمدا۔ فرمایئے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اگر اللہ تعالیٰ تمہارے اُوپر دائمی طور پر دن بنائے کہ اس میں رات نہ ہو مثلاً دن کو وسط سماء میں ساکن کر دے یا اسے زمین کے اُوپر متحرک رکھے اور اسے زمین پر نہ آنے دے من الہٰ غیر اللہ یاتیکم بلیل تسکنون فیہ۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور ہے جو رات کو لائے جس میں تم سفر کی تھکان اُتار سکو۔

نکتہ: ضیاء کے منافع ذکر نہیں کیے گئے مثلاً کہا جاتا تم روشنی میں فلاں فلاں تصرف کرتے ہو وغیرہ وہ اس لیے کہ ضیاء مقصود بالذات ہے اور اس کے فوائد ظاہر و باہر ہیں۔ ان کے ذکر کی ضرورت نہیں لیکن رات کے فوائد اتنا واضح نہیں اس لیے کہ ان کے فوائد و منافع بیان کئے گئے ہیں۔ افلا تبصرون تو کیا تم دیکھتے نہیں ہو اس کے منافع پر رکھنے والے سے مخفی نہیں۔ اللّیل کے ذکر کے بجائے النہار پر اس مضمون کو اس لیے ختم کیا گیا ہے کہ بصارت دن میں کام کرتی ہے۔ رات کی اندھیری میں اس کا کام نہیں چلتا۔

فائدہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ سکون لیل تو ہے بصر سے اس لیے متعلق کیا گیا ہے کہ رات میں انسان سے اس کا غیر اس سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے خود رات کو تاریکی میں کوئی فائدہ نہیں پا سکتا۔

فائدہ: بعض ایسے مقامات ہیں جہاں سورج چکی کی طرح گھومتا ہے وہاں ہمیشہ دن ہی دن رہتا ہے ایسے مقام پر سورج کی حرارت سے نہ کوئی حیوان زندہ رہ سکتا ہے نہ کھیتی اُگ سکتی ہے۔ اسی طرح زمین کے اندر سورج کا دورہ نہیں وہاں ہمیشہ رات ہی رات ہے اس لیے وہاں بھی کوئی حیوان زندہ نہیں رہ سکتا اور نہ ہی وہاں پر کھیتی اُگ سکتی ہے اسی لیے فرمایا ومن رحمتہ جعل لکم اللیل والنہار۔ یہ اس کی رحمت ہے کہ اس نے تمہارے لیے رات اور دن بنائے۔ لتسکنوا فیہ تاکہ سکون حاصل ہو۔ ولتبتغوا من فضلہ اور دن کو اپنی معیشت کے اسباب حاصل کر سکو۔ ولعلکم تشکرون تاکہ باری تعالیٰ کے عطیات کا شکر کرو۔

چرخ را دو اشبا نروزی دہد
شب بر ہد روز آورد روزی دہد
خلوت شب بہر آں تا جان ریش
راز دل گوید بر جانان خویش
اوز ہا از غوغائے عوام
تا ابد ایشاں کار تن گیرد نظام

marfat.ocm

ترجمہ

۱. آسمان کو شب و روز کا دور بخشتا ہے۔ رات کے بعد دن لاتا ہے تاکہ تمھیں روزی بخشے۔

۲. رات اس لیے بنائی تاکہ عاشق نثار اپنے محبوب سے اپنا راز دل بیان کر سکے۔

۳. دن بنایا کہ عوام کا غوغا ہو اور اپنے معاملات کا انتظام کر سکیں گے۔

فائدہ: امام الحرمین وغیرہ نے فرمایا کہ ظاہر ہے کہ بعض لوگوں کے ہاں سورج طلوع کرتا ہے تو بعض کے ہاں راتیں طویل ہوتی ہیں اور بعض کے ہاں چھوٹی اور خط استوا میں رات دن برابر ہوتے ہیں یہ اس کی قدرت کاملہ کا کرشمہ ہے۔

مسئلہ: حضرت شیخ ابو حامد سے بلغار کے بلاد کے متعلق سوال ہوا کہ وہاں کے لوگ نمازیں کیسے ادا کریں جبکہ وہاں سورج کا غروب صرف اتنا ہوتا ہے جیسے مغرب و عشاء کا درمیانی وقت ہے اس کے بعد پھر فوراً سورج نکل آتا ہے انہوں نے فرمایا وہ اپنے قریب ترین بلاد کے مطابق نمازیں ادا کریں لیکن اکثر فقہاء فرماتے ہیں کہ صحیح تر یہ ہے کہ وہ اپنی نمازیں اور روزے اندازے کے ساتھ ادا کریں اور گھڑیوں کے مطابق ان پر نمازوں اور روزوں کا حکم ہے۔ چنانچہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دجال کے دور میں اس کا ایک یوم سال کا اور ایک یوم مہینے کا اور ایک یوم ہفتہ کا ہوگا

فائدہ: اس دور میں نماز اور روزہ اندازے پر ادا ہوگا۔

(حدیث شریف کا ایسے ہی حکم ہے)

فائدہ: القاموس میں ہے کہ بلغر بروزن قرطق جسے عوام بلغار سے تعبیر کرتے ہیں وہ ایک سرد علاقہ کا شہر ہے وہ شمال و مغرب کی جانب میں واقع ہے جہاں سخت سردی ہوتی ہے۔ وہاں پر چھوٹی راتوں میں غیبوبت شفق سے پہلے ہی صبح صادق ہو جاتی ہے۔ ان لوگوں پر سرے سے عشاء کی نماز فرض ہے ہی نہیں اور نہ ہی ان پر وتر واجب ہیں اس لیے کہ ان پر نماز کے وجوب کا سبب ہی مفقود ہے۔ اس لیے کہ نماز کے وجوب کا سبب وقت ہے چنانچہ اصول فقہ کا قاعدہ ہے کہ نماز کی ادائیگی کا وجوب وقت پر موقوف ہے۔ اگر کسی کو وقت میسر ہی نہیں تو اس پر نماز کا وجوب کیسا۔ اسی طرح ان پر عشاء کے فرض اور وتر واجب نہیں جس کے ہاں غروب شمس کے ہوتے ہی فوراً صبح صادق ہو جاتی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی کے دونوں ہاتھ کہنیوں تک کٹ جائیں اور اس پر وضو کے صرف تین فرض ہیں وہ اسی لیے کہ ہاتھوں کو اس وقت دھونا فرض ہے جب ہاتھ ہوں جب سرے سے ہاتھ ہی نہ ہوں تو وجوب کیسا۔ ایسے ہی پاؤں کٹ جانے کا مسئلہ ہے خلاصہ یہ کہ ہاتھ یا پاؤں کے کٹ جانے سے انسان پر وضوء کے صرف تین فرض ہیں (کذا فی الفقہ)

تفسیر صوفیانہ: شان محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ آیت میں نہار سے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تجلی نور اور لیل سے البشریہ مراد ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ اگر تجلی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دن ہمیشہ رہتا تو ان تجلیات کے انوار کو متجلّی (اُمتی) متحمل نہ ہو سکتے اسی لیے اُسے اللہ تعالیٰ نے بشریت کا سایہ سے ڈھانپ دیا تاکہ (اُمتی) سطوات انوار و تجلیات محمدی کی وجہ سے دیدار محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محروم نہ ہو۔ خود حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس طرف اشارہ فرمایا چنانچہ ایک دن بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا کلمینی یا حمیراء اور یہ ستر شریف بھی از قبیل حجاب نہیں اس لیے کہ یہ ستر تجلی کے بعد ہوتا ہے جسے حجاب الرحمۃ والمنحۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے حجاب نہیں ہے یہ حجاب الزحمۃ والمحنۃ نہیں ہے۔ بہر حال حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت خلق کے خدا سے اُوجھل رہی۔ اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہر عیب و نقص سے محفوظ و معصوم تھے اسی لیے آپ نے فرمایا انہ لیغان علی قلبی وانّی لاستغفر اللہ فی کل یوم سبعین مرۃ بیشک میرے قلب پر ستر آجاتا ہے اس وجہ سے میں دن میں ستر بار استغفار کرتا ہوں۔

منجملہ لطف و کرم سے ہے ورنہ آپ کا اللہ تعالیٰ سے محجوب ہونا کمالات سے ہے کیونکہ محجوب من الحق ہوتا ہے وہ مقہور و مغضوب ہوتا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ کلا انھم عن ربھم یومئذٍ لمحجوبون اور حضور علیہ السلام کے لیے ایسا تصور کسی بدقسمت کے ذہن میں آئے گا۔

فائدہ: صرف صفت ربوبیت کی ایک معمولی تجلی وہ بھی معمولی دیر میں کوہ طور پر پڑی تو راکھ ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام جلیل الشان نبی (علیہ السلام) کے ہونے کے باوجود بیہوش ہو کر گرے اگر وہ تجلی دائمی رہتی تو پھر عالم دنیا سارا فنا ہو جاتا

تفسیر عالمانہ: ویوم ینادیھم، یوم اُذکر محذوف کی وجہ سے منصوب ہے۔ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم یاد کیجئے اس دن کو کہ اللہ تعالیٰ مشرکین کو پکارے گا فیقول تو انھیں زجر و توبیخ کے طور پر فرمائے گا اَینَ تَزعُمُونَ کہاں ہیں شرکائی الذینَ کنتم تَزعُمُونَ میرے وہ شرکاء جن کیلئے تم گمان میں تھے کہ وہ میرے شریک ہیں۔ تنبیہ در تنبیہ ہے۔ تاکہ معلوم ہو کہ جب شرک کرنے پر ناراض ہوتا ہے تو اس کے غضب سے کوئی شے نہیں چھڑا سکتی۔ ایسے ہی اس کی توحید پر اس کی رضا سے کوئی شے رکاوٹ نہیں پیدا کر سکتی (ونزعنا من کل اُمّۃ) نزع الشیٔ۔ شے کو اپنی قرارگاہ سے ہٹانا جیسے قوس کو کمان سے علیٰحدہ کرنے پر لفظ نزع بولا جاتا ہے اس کا عطف ینادیھم پر ہے۔ اور صیغۂ ماضی تحقیق کے لیے ہے اور نزع کے معاملہ کی اہمیت کے اظہار کمال کے لیے غیب سے تکلم کی طرف التفات ہے۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم ہر اُمت کا جدا جدا کریں گے۔ شھیدا۔ گواہ اس سے اسی

marfat.ocm

اُمت کے نبی علیہ السلام مراد ہیں جو اپنی اُمت کی ہر نیکی اور بُرائی کی گواہی دیں گے ۔

مسئلہ : بعض مفسرین نے فرمایا کہ ہر نبی علیہ السلام اپنی اُمت اور پھر جملہ آنے والے لوگوں کی گواہی دیں گے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُمت کے اعمال نبی علیہ السلام کے سامنے ہر خمیس اور ہر سوموار کی رات کو پیش کیے جاتے ہیں ۔

مسئلہ : بعض مفسرین نے فرمایا کہ شہید سے ہر اُمت کا نیک انسان مراد ہے اسی لیے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے کسی زمانہ کو بھی ولایت سے خالی نہیں رکھا ۔ یعنی ہر زمانہ میں ولی اللہ پیدا ہوئے اور قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے (لیکن افسوس کہ وہابی نجدی اس مسئلہ کی حقیقت کا منکر ہے) ۔

ولی اللہ کی علامت

ولی اللہ سے مراد یہ ہے کہ وہ اُمورِ دینیہ کا مرجع ہو کہ لوگ اپنے دینی اُمور میں اس کی طرف رجوع کریں اور وہ لوگوں میں حجۃ الٰہیہ ہوتے ہیں اور انھیں دعوتِ اسلام دیتے ہیں اسی لیے وہ قیامت میں لوگوں کے متعلق نیکی و بُرائی کی گواہی دیں گے ۔

(افسوس ہے کہ دورِ حاضرہ میں لوگوں نے ولایت کا مفہوم چھوڑ کر اُن لوگوں کو ولی بنا رکھا ہے جو کسی پیر فقیر کی اولاد یا کسی صاحبِ مزار سے قرابت (رشتہ داری) رکھتا ہو اگرچہ وہ بدعملی میں شیطان کا کھلونا ہو ۔)

فقلنا ۔ ہم پر اُمت کو **ھاتوا** ۔ یہ دراصل **ائتو** تھا ہمزہ کو ہاء سے تبدیل کیا گیا ہے اس کی تحقیق گزری ہے **برھانکم** اپنے دعویٰ کی دلیل لاؤ جبکہ تم دعویٰ کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک ہے **فَعَلِمُوْٓا** اُس وقت انھیں یقین ہوگا کہ **اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ** ۔ بیشک الٰہیہ کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے ۔ اس میں اس کا کوئی شریک نہیں **وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ** اور ان سے غائب ہو جائے گا وہ جو دنیا میں جھوٹی باتیں بناتے تھے ۔ یعنی بتوں کی الوہیت کا دعویٰ کرتے تھے وہ ان سے غائب ہو جائیں گے ۔

تفسیر صوفیانہ : یاد رہے کہ غیر اللہ کی عبادت صرف بتوں میں منحصر نہیں بلکہ لوگوں نے بتوں کے سوا اور بھی بے شمار خدا شریک بنا رکھے ہیں کچھ ظاہر سے متعلق ہیں اور کچھ باطن سے بعض لوگ وہ ہیں جنھوں نے اپنے نفس کو معبود بنا رکھا ہے بعض وہ ہیں جن کا گویا معبود اس کی عورت ہے کہ اس سے خدا تعالیٰ جیسی محبت کرتا ہے اور اس کی اطاعت ضروری سمجھ کر عبادت الٰہی ترک کر دیتا ہے یہ وہ ہیں جنھیں قیامت میں کسی قسم کا فائدہ نہیں دیگی ۔

حکایت: منقول ہے کہ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ جب نماز میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ پڑھتے تو بیہوش ہو جاتے۔ جب ہوش میں آتے تو فرماتے ادھر تو ہم کہتے ہیں اِیَّاکَ نَعْبُدُ لیکن اطاعت کرتے ہیں ہم نفس کی اور نماز میں ہم کہتے ہیں اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ لیکن ضروریات کے وقت غیر اللہ کے دروازے کھٹکھٹاتے ہیں۔

حکایت: مروی ہے کہ جب حضرت یحییٰ علیہ السلام کو اور ان کے جملہ متعلقین کو یہود نے شہید کر دیا تو زکریا علیہ السلام یہود کے ڈر سے گھر سے باہر نکل کھڑے ہوئے راستہ میں آپ کو شیطان چرواہے کی شکل میں ملا اور اشارہ کیا کہ درخت میں چھپ جایئے۔ آپ نے درخت کو فرمایا کہ مجھے چھپا لے۔ درخت چر گیا اور آپ کو اپنے اندر چھپا لیا لیکن شیطان نے درخت سے آپ کی چادر کے کونہ کو باہر کھلا رکھا اور یہود کو بتایا کہ زکریا علیہ السلام اسی درخت میں چھپے بیٹھے ہیں۔ چنانچہ یہودیوں نے درخت کو آرے سے دو حصہ کر دیا۔

فائدہ: حضرت زکریا علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے محبوبانہ عتاب سے نوازا جب انہوں نے درخت کی پناہ لی اور یہ محبوبوں کے لیے شرک سے کمتر نہیں اور شرک جملہ سیئات سے قبیح تر ہے جیسے توحید جملہ حسین سے حسین ترین ہے۔

مسئلہ: جہاں ذکر الٰہی ہوتا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کے فرشتے نازل ہوتے ہیں صرف ذکر الٰہی کی شرافت سے چنانچہ مروی ہے کہ جب یوسف علیہ السلام کنوئیں میں ڈالے گئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جسے جبریل علیہ السلام نے سن کر عرض کی یا اللہ میں اس کنوئیں سے تیرا پیارا ذکر سنتا ہوں مجھے اجازت بخشئے تاکہ میں کنوئیں میں جا کر تیرا ذکر سنوں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم نے نہیں کہا تھا اتجعل فیہا من یفسد۔ کیا انہیں پیدا کرتا ہے جو زمین پر فساد کریں گے۔

اعجوبہ: جب اہل ایمان ظاہری و باطنی آداب شریعت و طریقت یعنی ظاہری و باطنی شرائط بجا لا کر ذکر الٰہی کرتے ہیں تو فرشتے اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں یا الٰہ العالمین ہمیں مہلت دے تاکہ ہم تیرے ان ذکر کرنے والے بندوں کے ساتھ جا کر بیٹھیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ وہی ہیں جن کے متعلق تم نے کہا تھا اتجعل فیہا من یفسد فیہا۔ اب کہتے ہو کہ اجازت دو تاکہ ہم ان کی مجلس میں بیٹھیں۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سب بہشت میں داخل ہو گئے سوائے منکر کے عرض کی گئی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منکر کون ہے آپ نے فرمایا منکر وہ ہے جس نے لا الٰہ الا اللہ کو نہیں مانا۔

سبق: ہمیں لازم ہے کہ ہم موت سے پہلے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے ورد پر مداومت کریں۔ یہی اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے اور بہشت کا ثمن ہے یہی وہ کلمہ ہے جس کی کائنات کا ذرہ ذرہ گواہی دیتا ہے

بقیہ صفحہ ٩٨٨

marfat.ocm

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ

بے شک قارون موسیٰ کی قوم سے تھا پھر اس

وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ إِذْ

نے ان پر زیادتی کی اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دیے جن کی کنجیاں ایک زور آور جماعت پر بھاری تھیں

قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ﴿٧٦﴾ وَابْتَغِ فِيمَا

جب اس سے اس کی قوم نے کہا اترا نہیں بے شک اللہ اترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا اور جو مال تجھے اللہ

آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ ۖ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا ۖ وَأَحْسِنْ كَمَا

نے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر طلب کر اور دنیا میں اپنا حصہ نہ بھول اور احسان کر

أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ ۖ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ

جیسا اللہ نے تجھ پر احسان کیا اور زمین میں فساد نہ چاہ بے شک اللہ فسادیوں کو دوست

الْمُفْسِدِينَ ﴿٧٧﴾ قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي ۚ أَوَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ

نہیں رکھتا بولا یہ تو مجھے ایک علم سے ملا ہے جو میرے پاس ہے اور کیا اسے یہ نہیں معلوم

قَدْ أَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً

کہ اللہ نے اس سے پہلے وہ سنگتیں ہلاک فرما دیں جن کی قوتیں اس سے سخت تھیں اور جمع اس

وَأَكْثَرُ جَمْعًا ۚ وَلَا يُسْأَلُ عَنْ ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ ﴿٧٨﴾ فَخَرَجَ عَلَىٰ

سے زیادہ اور مجرموں سے ان کے گناہوں کی پوچھ نہیں تو اپنی قوم پر نکلا

قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ ۖ قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا يَا لَيْتَ لَنَا

اپنی آرائش میں بولے وہ جو دنیا کی زندگی چاہتے ہیں کسی طرح ہم کو بھی ایسا ملتا جیسا

مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ﴿٧٩﴾ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا

قارون کو ملا بے شک اس کا بڑا نصیب ہے اور بولے وہ جنہیں علم دیا گیا

الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ لِمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقَّاهَا

خرابی ہو تمہاری اللہ کا ثواب بہتر ہے اس کے لیے جو ایمان لائے اور اچھے کام کرے اور یہ انہیں کو

إِلَّا الصَّابِرُونَ ﴿٨٠﴾ فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ فَمَا كَانَ لَهُ مِنْ فِئَةٍ

ملتا ہے جو صبر والے ہیں تو ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا تو اس کے پاس کوئی جماعت نہ تھی کہ اللہ سے

يَنْصُرُونَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِينَ ﴿٨١﴾ وَأَصْبَحَ الَّذِينَ

بچانے میں اس کی مدد کرتی اور نہ وہ بدلہ لے سکا اور کل جس نے اس کے مرتبہ

تمنّوا مكانه بالامس يقولون ويكانّ الله يبسط الرزق لمن يشاء
کی آرزو کی تھی صبح کہنے لگے عجب بات ہے اللہ رزق وسیع کرتا ہے اپنے بندوں میں جس کے لیے چاہے
من عباده ويقدر لولا ان منّ الله علينا لخسف بنا ويكانه
اور تنگی فرماتا ہے اگر اللہ ہم پر احسان نہ فرماتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا اے عجب
لا يفلح الكفرون ﴿٨٢﴾
کافروں کا بھلا نہیں

بقیہ صفحہ ٩٨٦

ہشت ہر ذرہ بوحدت خویش
پیش عارف گواہ وحدت او
پاک کن جامہ از غبار دوئی
لوح خاطر کہ حق یکیست نہ دو

ترجمہ: ہر ذرہ علیحدہ علیحدہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے تم بھی دوئی کے غبار دل کو پاک کرو اور دل پر لکھ دو کہ اللہ دو نہیں ایک ہے:

فائدہ: اس شہود اور توحید حقیقی تک پہنچنا رات دن میں ذکر الٰہی کے ذریعے سے میسر ہو سکتا ہے ورنہ مشکل ہے۔

نخست دیدہ طلب کن پس آنگہے دیدار
ذانکہ یار کند جلوہ بر اولوالابصار

ترجمہ: "پہلے نگاہ طلب کر پھر دیدار اس لیے کہ محبوب کا جلوہ صرف اولوالابصار پر ہوتا ہے۔"

تفسیر عالمانہ: ان قارون۔ ہارون کی طرح عجمی ہے اسی لیے غیر منصرف ہے۔ کان من قوم موسیٰ بیشک قارون موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے تھا۔

قارون کا نسب نامہ

قارون موسیٰ علیہ السلام کا ہم زاد بھائی تھا اس لیے کہ اُس کا والد یصہر بن قاہث بن لاوی بن یعقوب علیہ السلام تھا

اور موسیٰ علیہ السلام کے والد حضرت عمران بھی قاہث بن لاوی بن یعقوب علیہ السلام کے صاحبزادے تھے۔ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا اور تورات بھی پڑھی اور اس کے حسن و جمال کی وجہ سے اسے منور کہا جاتا ہے۔ پھر دنیا کی محبت میں ایسا پھنسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا چہرہ بدل دیا اور وہ سامری کی طرح منافق تھا۔ فبغی علیھم ۔ المفردات میں امام راغب نے لکھا کہ البغی بمعنی جس شے میں تجاوز کرنے کا ارادہ ہو اس کی حد سے تجاوز کرنے کی طلب کرنا۔ تجاوز کر سکے یا نہ اور یہاں پر بغی بمعنی تکبر ہے اور قارون نے بھی ایسے ہی کیا کہ وہ اپنی قدر و منزلت سے تجاوز کر گیا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ قارون نے ان پر اپنی بڑائی کا اظہار کیا اور چاہا کہ وہ سارے بنی اسرائیل اس کے تحت ہوں اور اس سے ایسے ہونا کچھ بعید بھی نہیں اس لیے کہ اب وہ مالدار ہو گیا تھا اور دنیا و دولت کا غرور ایسے کر گزرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا و اٰتینا ہ من الکنوز یہی مال و دولت اس کی بغاوت کے سبب بنی اور اس کی بغاوت ظاہر ہے کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کے احکام تشریعی ماننے سے انکار کر دیا اور استکبار و عجب میں مبتلا تھا اسی لیے موسیٰ علیہ السلام کی نصیحت قبول کرنے سے روگردانی کی بلکہ تکبر سے چادر کو ٹخنوں سے نیچے لٹکا کر کے نہایت تکبرانہ طریق سے چلتا تھا۔

حدیث شریف، حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ اس بندے کو نظر لطف و کرم سے نہیں نوازے گا جو تکبر سے اپنی چادر کھینچ کر چلتا ہے اور قارون فقراء پر پھبتیاں اڑاتا تھا اور ان کے حقوق سے انھیں محروم رکھتا تھا۔

حدیث شریف۔۔ اس سے پہلے فقراء کی امداد کرو جبکہ ان کے ہاں دولت کی فراوانی ہو۔

فائدہ: یعنی قیامت میں فقراء کو دنیا و دولت سے بھرپور کیا جائے گا یہاں تک کہ ان کی دولت ان لوگوں پر اثر ڈالے گی جنھوں نے انہیں دنیا میں ایک دو لقموں سے مدد کی ہوگی یا پانی ایک دو گھونٹ پلائے ہوں گے اور نئی پوشاک کی تو بات ہی کیا انہیں اگرچہ پھٹے کپڑے دیئے ہوں گے وغیرہ وغیرہ۔ تو وہ فقراء اپنے معاونین کے ہاتھ پکڑ کر انھیں بہشت میں لے جائیں گے۔

قارون کی بغاوت کا آغاز

احادیث میں ہے کہ قارون کی سب سے پہلی بغاوت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف حکم نازل فرمایا کہ آپ بنی اسرائیل کو حکم فرمائیں کہ وہ اپنی چادروں میں چار چار سبز تاگے باندھیں اور ہر تاگے کے آخری حصہ کو آسمانی رنگ سے رنگا جائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی یا الٰہ العالمین اس میں کیا حکمت ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب یہ نیلے تاگے دیکھیں گے تو انہیں میرے کلام کے نزول اور آسمان کی بات یاد آ جائے گی پھر وہ اسے میرا کلام سمجھ کر اس پر عمل بھی کریں گے

موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی آپ انہیں تو یوں نہیں حکم فرماتے کہ وہ اپنی چادروں کے رنگ سبز تیار کریں اس لیے کہ وہ چادروں میں دھاگے باندھنے سے نفرت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام میرا چھوٹا حکم بھی بڑا ہے۔ اگر وہ چھوٹے حکم پر عمل نہیں کریں گے تو پھر وہ بڑے حکم کو بھی نہیں مانیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا حکم مذکور تمام بنی اسرائیل کو سنایا تو سب نے سر تسلیم خم کیا لیکن قارون نے انکار کر دیا اور کہا یہ تو آقا اپنے غلاموں سے چادروں میں دھاگے بندھواتے ہیں تاکہ غلام و غیر غلام میں امتیاز ہو اور میں کسی کا غلام تو نہیں ہوں اور نہ ہی مجھے کسی کی غلامی منظور ہے۔ قارون کی یہی پہلی بغاوت ہے۔

قارون نے حضرت ہارون علیہ السلام پر حسد کیا

مروی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریا کو عبور کر لیا تو حبورۃ القربان کی ڈیوٹی حضرت ہارون علیہ السلام کے سپرد کی اور حبورۃ القربان سے مذبح کی ریاست مراد ہے اور مذبح کی ریاست یوں تھی کہ بنی اسرائیل جتنی قربانیاں پیش کرتے تھے وہ پہلے ہارون علیہ السلام کی خدمت میں حاضر کرتے تاکہ وہ پہاڑ پر رکھیں اور انہیں آگ آسمانی جلا جائے (کذا فی کشف الاسرار) اس پر قارون بگڑ گیا اور حسد کے طور پر کہا کہ اے موسیٰ علیہ السلام رسالت آپ نے سنبھال رکھی ہے اور ریاست المذبح اپنے بھائی ہارون کو دے دی اور میں ویسے کا ویسا رہ گیا حالانکہ بنی اسرائیل میں تورات کا سب سے بڑا قاری ہوں۔ اور میں اس پر صبر نہیں کروں گا ورنہ مجھے بھی کوئی عہدہ دیجئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں نے ہارون علیہ السلام کو از خود تو کوئی عہدہ نہیں دیا یہ اللہ تعالیٰ کی دین ہے جسے وہ چاہے عطا فرمائے قارون نے کہا میں آپ کی بات نہیں مانتا یہاں تک کہ آپ مجھے کوئی آیت ربانی دکھائیں جس سے مجھے یقین ہو کہ واقعی ہارون علیہ السلام کی ڈیوٹی منجانب اللہ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے تمام سرداروں کو فرمایا کہ آپ لوگ اپنے عصا (ڈنڈے) اس قبے میں رکھو جہاں مجھ پر وحی کا نزول ہوتا ہے۔ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کا فرمان مانا اور ساری رات انتظار کی ————— سویرے دیکھا تو صرف ہارون علیہ السلام کا عصا مبارک سبز رنگ کا تھا یعنی اس کی سبزی سبز پتے کی طرح تھی اور وہ ان کا عصا شجرۂ لوز کا تھا۔ قارون نے یہ عجوبہ دیکھ کر کہا کہ اس سے بڑھ کر جادو اور کیا ہو سکتا ہے۔ قارون کی بات سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام مع اپنے جملہ متبعین قارون سے علیحدہ ہو گئے اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جدا ہو گیا اس کے ساتھ چند اور بنی اسرائیل بھی تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رشتہ داری کی وجہ سے اس کے لیے بڑی جدوجہد کی لیکن وہ الٹا تجبر و تکبر اور عناد و بغاوت اور بغض و عداوت میں اور بڑھتا گیا بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی ایذا رسانی کے درپے ہو گیا۔

وَاٰتَیْنٰہُ مِنَ الْکُنُوْزِ اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو خزانے دیئے اور ذخیرۂ اموال اسے حاصل ہوا۔

marfat.ocm

فائدہ: امام راغب نے فرمایا کہ الکنز بمعنی بکثرت مال کو ڈھیروں کے ڈھیر اوپر تلے مال ہی ہو) کو جمع کر کے رکھنا۔ یہ کنزت التمر فی الوعاء سے ہے۔ یعنی میں نے کھجور کو برتن میں جمع کر کے رکھ دیا۔

فائدہ: الرکاز وہ مال جو زمین میں مرکوز ہو پیدائشی طور یا اسے انسان جو زمین میں چھپا کر رکھ دے۔ **المعدن** وہ جو پیدائشی طور پر زمین میں ہو۔ **الکنز** وہ جو انسان چھپا کر رکھے۔ مَا موصولہ ہے بمعنی **الذی** - **ان مفاتحہ**۔ المفتح بالکسر کی جمع ہے وہ شے کہ جس سے کوئی شے کھولی جائے یعنی قارون کے وہ خزانے کہ جس کی صندوق کی چابیاں لتنوء بالعصبۃ اولی القوۃ یہ ان کی خبر اور مَا موصولہ کا صلہ اور آتینا کا مفعول ثانی ہے۔

حل لغات:

ناء بہ الحمل۔ یہ اہل عرب اس وقت بولتے ہیں بوجھل شے کو جب کوئی اٹھائے تو جھکاؤ کے بغیر نہ اٹھا سکے۔

العصبۃ والعصابۃ بمعنی جماعت کثیرہ۔ المفردات میں ہے کہ اہل عرب کہتے ہیں **جماعۃ متعصبۃ** یہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ ایک دوسرے کے معین و مددگار ہوں۔

قارون کے خزانے

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ **عصبہ** سے قارون کے وہ چالیس نوجوان مراد ہیں جو قارون کے خزانوں کی چابیوں کو محفوظ رکھتے تھے اور اس کے کل خزانے چار لاکھ تھے اور ہر محافظ کے ہاں دس ہزار چابیاں ہوتی تھیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ چابیاں اتنا بوجھل تھیں کہ محافظ کو اٹھاتے وقت ٹیڑھا کر دیتی تھیں یعنی ان کا اٹھانا محافظین کے لیے بار گراں تھا باوجودیکہ وہ محافظین بہت بڑے طاقتور تھے۔

انجیل میں لکھا ہے کہ قارون کے خزانوں کی چابیاں ساٹھ خچر اٹھاتے تھے اور ہر چابی انگل سے بڑی نہ ہوتی تھی اور ایک چابی مستقل طور پر ایک خزانہ کے لیے تھی اور یہ بھی ہے کہ قارون جہاں جاتا تھا اپنی چابیاں ساتھ لے جاتا تھا پہلے لوہے کی تھیں جب بوجھ محسوس کیا تو پھر لکڑی کی بنوائیں ان سے بوجھ محسوس کیا تو پھر نیل گائے کے چمڑے کی بنوائیں۔ لیکن ان کا طول بھی انگل سے زائد نہیں تھا۔

اذ قال لہ قومہ۔ یہ تنوء سے منصوب ہے یعنی جب اسے موسیٰ علیہ السلام اور دیگر بنی اسرائیل نے بطور نصیحت کہا۔ بعض نے لکھا کہ ان سے صرف موسیٰ علیہ السلام مراد ہیں۔ **لا تفرح**۔ مال دنیا سے خوشی نہ کر۔ **الفرح** بمعنی لذت عاجلہ سے سینہ کا انشراح اور اس کا اکثر استعمال لذات دنیویہ بدنیہ میں ہوتا ہے۔

مسئلہ: دنیا میں مطلقاً خوشی مذموم ہے اس لیے کہ اس سے نتیجہ نکلے گا کہ انسان کو دنیا سے محبت ہے اور وہ صرف اسی کو پسند کرتا ہے اور اسے اس سے کوچ کرنے کا تصور دل سے اٹھ گیا ہے۔ اور پھر جب اسے معلوم

ہوگا کہ یہ راحت و فرحت تو مجھ سے جدا ہو گئی تو اسے لازماً غم و الم لاحق ہوگا۔ اسی لیے باری تعالیٰ نے فرمایا لکی لا تأسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما اٰتاکم۔ اس لیے کہ غم نہ کھاؤ اس پر جو ہاتھ سے جائے اور خوش نہ ہو اس پر جو تمہیں عطا ہوا۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ نے صرف دو مقام پر خوش ہونے کی اجازت بخشی ہے۔

۱۔ قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذلک فلیفرحوا۔ فرمایئے اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت سے ہی خوش ہو۔

۲۔ ویومئذ یفرح المومنون بنصر اللہ۔ اور اس دن اللہ کی فتح و نصرت سے اہلِ ایمان خوش ہوں گے۔ (اس کی تفسیر سورۂ روم میں آتی ہے (انشاء اللہ تعالیٰ)

ربط: قارون کو خوشی نہ کرنے کی نہی کی علت بتائی کہ اس سے اللہ تعالیٰ ناخوش ہوتا ہے۔ کما قال ان اللہ لا یحب الفرحین۔ بیشک اللہ تعالیٰ دنیا کے نقش و نگار پر اترانے والوں سے خوش نہیں۔ اس لیے کہ دنیا اللہ تعالیٰ کی مبغوض و مقہور ہے۔ ؎

دنیائے دنی چیست سرائے ستمے
افگندہ ہزار کشتہ در ہر قدمے
گر دست دہد گدائے شادی کند
ور فوت شود نیز بمیرد ز غمے

ترجمہ: "دنیا کمینی کیا ہے یہ ظلم و ستم کا گھر ہے اپنے ہر قدم ہزاروں کو قتل کر کے رکھ دیتی ہے۔ اگر کسی گدا کو مل جاتی ہے تو وہ اس سے خوش ہوتی ہے۔ اگر اس سے کم ہو جائے تو اس کا غم بڑھا کر جاتی ہے"۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ اس بندے سے خوش ہوتا ہے جو عبودیت پر قائم رہے اور سعادتِ اُخرویہ کا طالب ہو۔

وابتغ فیما اٰتاک اللہ اور جو مال و دولت تمہیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا اس سے طلب کر فیما اٰتاک الخ کے بجائے بما اٰتاک اللہ اس لیے نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو بندے کے مال کی ضرورت نہیں بلکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ جب بندے کو مال حاصل ہو تو وہ اس سے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوشش کرے۔ (کذا فی کشف الاسرار)

الدار الاخرۃ دار آخرت سے ثواب مراد ہے یعنی مال و دولت کو ایسی جگہ خرچ کرے جو اس کی نجات کا موجب ہے۔ مثلاً فقراء کی امداد اور صلہ رحمی اور غلام آزاد کرانا۔ اسی طرح جملہ کارِ خیر ؎

شعر اگلے صفحہ پر

لہ اس سے ذکرِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مراد ہے تفصیل فقیر کے رسالہ "غوث العباد فی اثبات المیلاد" میں ہے۔ اویسی غفرلہٗ۔

marfat.ocm

بدنیا توانی کہ عقبی خری
بخر جان من ورنہ حسرت خوری

ترجمہ: "دنیا سے آخرت خریدی جا سکتی ہے اور تم خرید لو ورنہ حسرت کرو گے۔"

ولا تنس۔ اور بھولی بھلائی شے کی طرح نہ چھوڑیئے۔ المفردات میں ہے کہ النسیان بمعنی وہ شے جو اس کے ذہن میں ہے اس کے ضبط کو ترک کرنا ضعف قلبی سے یا غفلت سے یا قصد سے یہاں تک کہ قلب سے اس کا ذکر ختم ہو جائے نصیبک من الدنیا اپنا حصہ دنیا سے یعنی اس سے آخرت حاصل کر دیا دنیا کو بقدر کفایت استعمال کر کے باقی کو چھوڑ دو۔

فائدہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اپنی صحت و قوت اور شباب و غنا کو مت بھولو۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو۔

۱۔ شباب کو بڑھاپے سے۔
۲۔ تندرستی کو بیماری سے۔
۳۔ دولت مندی کو غریبی سے۔
۴۔ فراغت کو مشغولی سے۔
۵۔ حیات کو موت سے۔

فائدہ: حضرت کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ مال دنیا سے اپنے حصہ کو مت بھلاؤ یعنی دنیا سے رخصتی کے وقت تجھے صرف ایک کفن نصیب ہو گا اس کے بعد کی زندگی کا فکر کرو۔ اس دنیوی مال و منال اور اسباب و رجاہ پہ مغرور نہ ہو۔

گر ملک تو شام تا یمن خواہد بود
واز سرحد روم تا ختن خواہد بود
آں روز کزیں جہاں کنی عزم سفر
ہمراہ تو چند گز کفن خواہد بود

ترجمہ: اگر تیرے قبضہ میں شام و یمن کا ملک ہو اور سرحد روم تک تیری سلطنت ہو۔ جب اس دنیا سے تم رخصت ہوگے تو صرف تیرے ساتھ چند گز کفن ہو گا (وہ بھی قسمت میں لکھا ہے ورنہ ہزاروں انسان بے گور و کفن دنیا سے رخصت ہوئے۔)

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

اگر پہلوانی اگر تیغ زن
نخواہی بدر بردن الا کفن

ترجمہ: "اگر تم پہلوان ہو یا تلوار سے لڑنے والے مجاہد اس دنیا سے صرف ایک کفن لے جاؤ گے۔"

فائدہ: بعض عارفین نے فرمایا کہ انسان کا دنیا سے وہی حصہ ہے جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مجھے تمہاری دنیا سے صرف تین چیزوں کی محبت کا حکم ہے:

۱۔ خوشبو ۲۔ عورتیں ۳۔ نماز سے آنکھوں کی ٹھنڈک

فائدہ: خوشبو اور عورتوں اور نماز سے فرحت قلبی کی وجہ پہلے ہم نے بیان کی ہے۔

واحسن ۔ اور اللہ تعالیٰ کے بندوں سے احسان کرو۔ **احسن اللہ الیک** ۔ جیسے تجھ پر اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا ہے کہ بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

توانگری چو دل دوست کامرانت ہست
بخور ببخش کہ دنیا و آخرت بردی

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ نے تجھے دولت مندی سے نوازا ہے تو خود کھاؤ اوروں کو کھلاؤ اس طرح سے تم دنیا و آخرت ہر دونوں میں کامیاب رہو گے۔"

اور فرمایا ؎

اگر گنج قارون بچنگ آوری
نماند مگر آنکہ بخشی بری

ترجمہ: "اگر تیرے ہاتھ میں قارون کا خزانہ بھی آجائے تو بھی تیرے قبضہ سے نکل جائے گا۔" تو مرنے کے بعد وہی ساتھ لے جائے گا جو تو نے اللہ تعالیٰ کے راہ میں لٹایا ہے۔"

تفسیر عالمانہ: **ولا تبغ الفساد فی الارض** ۔ اور نہ ہی دنیا میں فساد چاہ اس میں قارون کو اس ظلم و بغاوت سے روکا گیا ہے جو اس نے موسیٰ علیہ السلام کے خلاف شروع کر رکھا تھا۔

marfat.ocm

تفسیر صوفیانہ: یہاں پر زمین سے وہ روحانیت مراد ہے جو ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے استعدادِ انسانی سے نوازا ہے اور حکم فرمایا ہے کہ اس کے ذریعے سے مخالفاتِ شریعت و موافقاتِ طبیعت سے بچو کیونکہ مخالفت شریعت و موافقت طبیعت استعداد انسانی روحانی کو فاسد کر دیتی ہیں۔

تفسیر عالمانہ: ان اللہ لا یحب المفسدین۔ بیشک اللہ تعالیٰ مفسدوں کو دوست نہیں رکھتا ان کے برے افعال کی وجہ سے اور اللہ تعالیٰ کو مصلحین سے محبت ہے صرف ان کے اعمال صالحہ کی وجہ سے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کو اہل اللہ سے محبت ہے کہ وہ حضرات جہل پر علم کو اور بخل پر سخاوت کو۔ حرص و ہوا پر عصمت کو اور ظلم پر عدالت کو اور گرفت پر نرمی کو اور فساد پر صلاح کو ترجیح دیتے ہیں۔

سبق:۔ انسان جب اعمال کے درجات میں تکمیل پاتا ہے تو پھر احباب کے درجات کو طے کرنے لگتا ہے۔

قال۔ قارون نے نصیحت گروں کو جواب دیتے ہوئے کہا **انما اُوتیتہٗ**۔ بیشک مجھے یہ مال عطا ہوا ہے۔

علیٰ علم عندی۔ یہ اُوتیتہ کی ضمیر مرفوع سے حال ہے یا اوتیتہ کے متعلق ہے اور عندی اس کی صفت ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ مجھے مال عطا ہوا ہے۔ در آنحالیکہ میں اس کا مستحق تھا اس علم کی وجہ سے جو میں نے تورات کو سمجھا اور واقعی وہ بنی اسرائیل میں تورات کا بہت بڑا عالم تھا لیکن اس بدبخت نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور منت و احسان کو نہ دیکھا اسی لیے تباہ و برباد ہوا۔ اسی طرح ہر وہ شخص جو اپنے علم و فضل پر تکبر کرے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اُس کے لطف و کرم کو مدنظر نہ رکھے تو وہ بھی قارون کی طرح تباہ و برباد ہوگا۔ ورنہ قارون کا اور کیا جرم تھا سوائے اس کے کہ وہ علم کے باوجود تکبر و غرور میں مبتلا ہوا۔

حضرت حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

مباش غرہ بعلم و عمل فقیہ مدام
کہ ہیچکس ز قضائے خدا جان نبرد

ترجمہ: اے فقیہ اپنے علم و عمل سے دھوکہ مت کھائیے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی قضاؤ قدر سے کوئی نجات نہیں پا سکتا۔

حضرت صائب نے فرمایا:

بفکر نیستی ہرگز نمی افتند مغروراں
اگرچہ صورت مقراض لا دارد گریباں !

ترجمہ۔ دھوکہ خوردہ لوگوں کو نیستی کا فکر نہ ہوا ورنہ مقراض کو دیکھئے کہ اس کی صورت لا کی طرح ہے لیکن کپڑوں کی جان کا دشمن ہے۔

فائدہ: بعض مفسرین نے فرمایا کہ علم سے اس کی تجارت اور زراعت و دیگر کاروبار مراد ہے۔

قارون بڑا عابد و زاہد تھا

منقول ہے کہ قارون چالیس سال پہاڑوں پر عبادت میں معروف رہا اور تمام بنی اسرائیل سے زہد و عبادت میں بے عدیل تھا۔ ابلیس نے اپنے لشکر کو بھیجا تا کہ اس کے دل میں وسوسہ ڈالیں اور اسے دنیا کی طرف راغب کریں۔ شیطانوں نے بڑی جد و جہد کی لیکن کسی کے قابو میں نہ آسکا بالآخر خود ابلیس کو میدان میں کودنا پڑا۔ ابلیس نے بوڑھے کی شکل اور نہایت عابد و زاہدانہ صورت میں اس کے بالمقابل عبادت میں مشغول ہو گیا۔ ابلیس نے قارون کے سامنے عبادتِ الٰہی کچھ ایسے طریقہ سے کی جس سے قارون نے اپنی عبادت گزاری کو لاشے تصور کیا ابلیس کو اپنے سے بڑا عابد و زاہد سمجھ کر اُٹھا اور اس کے سامنے عجز و نیاز سے پیش آیا اور اپنے آپ کو اس کا خادم تصور کر دیا اور اس کے ہر حکم کی بجا آوری اپنے لیے سعادت عظمیٰ سمجھتا تھا اور ہر معاملہ میں اس کے اشاروں پر چلتا تھا اس کی رضا کو ایک نعمت تصور کرتا تھا۔ ایک دن ابلیس نے قارون سے کہا کہ ہم نماز با جماعت اور جمعہ کی ادائیگی سے محروم ہیں اور نہ ہی بزرگوں کی زیارت کے لیے کہیں جاتے ہیں اور جنازۂ اہل ایمان کی حاضری بھی نہیں ہوتی۔ اگر ہم گوشۂ تنہائی کو چھوڑ کر عوام میں رہیں تو بہتر ہے۔

ابلیس قارون کو ایسی ٹھنڈی میٹھی باتیں سنا کر پہاڑ سے اُتار کر ایک عبادت خانے میں لے آیا اور عبادت کے لیے ایک جگہ مقرر کر لی۔ جب عوام کو ان دونوں عابدوں کا علم ہوا تو ہر طرف سے عقیدت مند آنے شروع ہو گئے اور نذر و نیاز اور لذیذ کھانے و دیگر لوازمات کے ڈھیر لگا دیئے۔ ابلیس نے ایک دن قارون سے کہا کہ اگر ہم ہفتہ میں ایک دن مزدوری کر لیا کریں تو عوام کی دست نگری کی ضرورت نہ رہے گی اور وہ لوگ بھی ہماری خدمات سے نہیں گھبرائیں گے۔ قارون سر تسلیم خم کر کے مزدوری کے لیے بھی تیار ہو گیا چنانچہ جمعہ کے دن مزدوری کر کے اور باقی چھ دن عبادت میں لگے رہتے چند روز کے بعد پھر ابلیس نے قارون سے کہا کہ ہم صدقہ و خیرات کی نیکی سے محروم ہیں۔ اسی لیے چاہیئے کہ ہم ایک دن عبادت کریں اور ایک دن مزدوری۔ پھر ضروریاتِ زندگی پوری کرنے کے لیے باقی تمام مال اللہ تعالیٰ کے نام خرچ کر دیں۔ جب مزدوری سے آمدنی بڑھی تو قارون کے دل میں دنیا و دولت کی محبت گھر کر گئی۔ ابلیس نے جب دیکھا کہ قارون دنیا کی محبت میں گھر گیا ہے تو فوراً اُس سے علیحدگی اختیار کر لی اور کہا کہ میں نے قارون کو پھنسا لیا ہے۔ فلہٰذا اب وہ جانے اور اس کا کام۔ چنانچہ ایسے ہی قارون دولت کمانے میں معروف ہو گیا اور مال کی فراوانی سے سرکشی و طغیانی میں گرفتار ہو گیا اور دعویٰ کیا کہ میں نے اپنی علمی تجربہ اور ہنر اور فن تجارت سے مال کمایا ہے۔ اسی لیے تم مجھے نصیحت

marfat.ocm

مت کرو۔

علمِ کیمیا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے علمِ کیمیا مراد ہے اس لیے کہ یہ علم موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تو انہوں نے اس کا ایک حصہ یوشع بن نون کو اور ایک حصہ کالب بن یوقنا کو اور ایک حصہ قارون کو سکھایا پھر قارون نے چالاکی سے ان دونوں حضرات کو کیمیا کے علم کے دونوں حصے سیکھ لیے۔ اور اس کے ذریعے سے بہت سا مال کمایا یا علم کیمیا قارون نے موسیٰ علیہ السلام کی بہن کلثوم سے سیکھا اسی سے اس نے دولت کمائی اور اس کی دولت کی مثال تا قیامت قائم رہے گی۔ وہ قلعی۔ تانبا اور سونا چاندی بنا لیتا تھا۔

فائدہ: وہ زجاج نے کہا کہ کیمیا کی کوئی حقیقت نہیں اور کواشی نے لکھا ہے کہ اس علم میں بہت زیادہ جھوٹ کی ملاوٹ ہوتی ہے۔ اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی جائے۔

صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ زجاج کے قول سے یہی مراد معقول تر ہے اس لیے کہ اس میں اس کی اصل حقیقت کا اعتراف ثابت ہوتا ہے اور واقعی علم کیمیا کی حقیقت حق ہے اس پر بعض انبیاء علیہم السلام اور کاملین اولیاء عمل کرتے رہے اور یہ کوئی محال بھی نہیں اور اجساد کا ایک حقیقت سے دوسری حقیقت کی طرف متبدل ہونا بھی ایک حقیقت ہے اور ہم نے اسے دوسری جگہ پر محقق طور پر لکھا ہے اور میں نے بھی ایسے لوگ دیکھے ہیں جنہوں نے اس فن کو آزمایا ہ

ذ کرامات بلنه اولیاء
اولا شعر ست و آخر کیمیا

ترجمہ۔ اولیاء کرام کی اعلیٰ کرامات سے پہلی شعر دوسری کیمیا ہے۔

اولم یعلم۔ کیا قارون کو معلوم نہیں۔ ان اللہ قد اھلك من قبلہ من القرون۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے بے شمار کافر گروہ تباہ و برباد کیے ہیں۔ القرن وہ لوگ جو ایک دوسرے سے زندگیوں میں مقترن ہوں۔ من ھو اشد منہ قوۃ جو اس سے ساز و سامان اور گنتی کے لحاظ سے قوی اور سخت تر تھے۔ و اکثر جمعا اور مال جمع کے لحاظ سے زیادہ تھے جیسے نمرود وغیرہ۔

بعض نے کہا کہ اس سے علم و طاعت مراد ہے جیسے ابلیس۔

فائدہ: بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اسے زجر و توبیخ فرمائی ہے اور بتایا ہے کہ قارون کا دنیا و دولت اور علم و طاعت پر اترانا اور غرور و کبر بے سود ہے اس لیے کہ اس نے تورات میں خود پڑھا ہے کہ اس سے قبل دنیا و دولت اور علم و طاعت میں بڑے لوگ گزرے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے سر مو روگردانی کی تو تباہ و برباد ہوئے فلہذا اسے دھوکہ نہ کھانا چاہیئے ہ

مکن تکیہ بر ملک و جاہ و حشم
کہ پیش از تو بودست و بعد از تو ہم
بگیر عبرت از ما سوائے قرون
خورد ضرب ہر اسپ کہ باشد حرون

ترجمہ: ملک و جاہ و حشم پر تکیہ نہ کر کہ تیرے سے پہلے بھی گزرے ہیں اور تیرے کے بعد بھی گزریں گے۔ دوسرے گروہوں سے ہی تم عبرت حاصل کرو۔ وہی گھوڑا چابک کھاتا ہے جو سرکش ہوتا ہے۔

لا یسئل عن ذنوبھم المجرمون۔ اور مجرموں سے ان کی تباہی کے وقت ان کے گناہوں کے متعلق کوئی سوال نہیں ہوتا کہ وہ معذرت وغیرہ میں مشغول نہ ہو جائیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔ **ولا یؤذن لھم فیعتذرون** (کذا فی التاویلات النجمیہ)

فائدہ: حضرت حسن نے فرمایا قیامت کا یہ سوال معلومات کے حصول کے لیے نہیں ہوگا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تو ہر شے پہ مطلع ہے بلکہ یہ سوال زجر و توبیخ کے طور ہوگا۔

بعض علماء نے فرمایا کہ ان سے یہ سوال ہوگا ہی نہیں بلکہ وہ لوگ فوراً بلا حساب عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے۔ یا یہ معنی ہوگا کہ ان کے متعلق ملائکہ کسی سے سوال نہیں کریں گے کیونکہ فرشتے ان لوگوں کی علامات سے خود بخود پہچان لیں گے۔

فخرج علی قومہ: اس کا عطف قال پر ہے درمیان میں جملہ معترضہ تھا۔

فی زینتہ: یہ خرج کے متعلق ہے یا اس کا متعلق محذوف ہے اور وہ **مخرج** کے فاعل حال ہے۔ یعنی قارون اپنی قوم میں درنحالیکہ وہ زینت میں تھا اس سے دنیوی زینت مراد ہے جیسے مال۔ اسباب لورہ و منال وغیرہ۔

حل لغات: اہل عرب کہتے ہیں **ذانہ کذا و زینہ**۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی فعل یا قول سے اپنا حسن ظاہر کرے۔

قارون کا آخری ہار سنگار

منقول ہے کہ قارون ہفتہ کے دن اپنی قوم کے ہاں آیا اور اس کا یہ زندگی کا آخری ہار سنگار تھا۔ اشہب خچر پر سوار تھا اور اس پر ریشمی دو شالہ ڈالا ہوا تھا اور اس کی زینت وغیرہ سونے کی تھی اور ایسے ہی چار ہزار ساتھی تھے بعض نے کہا کہ نوے ہزار ساتھی تھے جو سُرخ رنگ کے لباس پہنے ہوئے تھے اور اس سے پہلے کبھی ایسا لباس نہیں دیکھا گیا تھا۔

marfat.ocm

مسئلہ: معصفر یعنی سُرخ رنگ کا لباس مردوں کو پہننا ممنوع ہے۔ اس لیے کہ یہ زینت اور تکبر کا لباس ہے اور اس سے ایسی خوشبو مہکتی ہے جو مردوں کے لائق نہیں۔

فائدہ: عارفین فرماتے ہیں کہ اصل زینت یہ ہے کہ اللہ کی یاد اور اس کے عشق و محبت میں گریہ وزاری اور سجدہ ریزی اور شب خیزی سے چہرہ نورانی ہو جائے۔

فائدہ: حضرت ابن عطا نے فرمایا کہ میں وہ زینت چاہتا ہوں جو معرفت الٰہی سے انسان مزین ہو جاتا ہے اور مجھے وہ زینت مطلوب نہیں جو عارفین کے درجات سے گرا دے اور عارفین کے درجات طاعت الٰہی سے نصیب ہوتے ہیں اور جو دنیا کے اسباب سے مزین ہونا چاہتا ہے وہ فریب خوردہ ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

قلندران حقیقت بہ نیم جو نخرند
قبائے اطلس آنکس کہ از ہنر عاریست

ترجمہ: حقیقت شناس لوگ آدھے جو سے بھی نہیں خریدتے اس شخص کی قبا جو ہنر (عارفاں) سے خالی ہو۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

افتخار از رنگ و بو واز مکان
ہست شادی و فریب کودکان

ترجمہ: رنگ و بو اور مکان پر فخر کرنا یہ بچوں کی شادی اور فریب ہے۔

حضرت شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

ہمچو طفلاں منگر اندر سرخ و زرد
چون زنان مغرور رنگ و بو نگرد

ترجمہ: بچوں کی طرح سرخ و زرد کو نہ دیکھ۔ عورتوں کی طرح رنگ و بو کا فریب خوردہ نہ ہو۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

کرا جامہ پاکست و سیرۃ پلید
در دوزخش را نباید کلید

ترجمہ: جس کا کپڑا تو پاک ہے لیکن اس کی عادت پلید ہے اسے دوزخ کے لیے چابی کی ضرورت نہیں۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

وصلش مجو در اطلس شاہی کہ دوخت عشق
ایں جامہ بر تنے کہ نہاں زیر زندہ بود

ترجمہ: "عشق الٰہی اور پھر اطلس شاہی اس سے وصالِ الٰہی مشکل ہے۔ اسے یوں سمجھو کہ زندہ آدمی نے اپنے نیچے کپڑے پہنے ہوں۔"

قال الذین یریدون الحیوٰۃ الدنیا کہا ان لوگوں نے جو حیوٰۃ دنیا کا ارادہ رکھتے تھے جیسا کہ انسانی فطرت ہے کہ انسان اپنی بشریت کے تقاضا پر دنیا کی فراوانی اور وسعت چاہتا ہے۔ **یالیت لنا مثل ما اوتی قارون** ۔ کاش ہمارا بھی ایسا مال ہوتا جیسے قارون کو دیا گیا ہے۔ بعض نے اس کا معنیٰ کیا کہ اے میری آرزو آجا یہی تیرے آنے کا وقت ہے۔

نکتہ: اس کی مثل دنیا کی تمنا کی تاکہ حسد کا ایہام نہ ہو اس لیے کہ وہ مومن تھے اور مومن کسی پر حسد نہیں کرتا۔ **انہ لذو حظ عظیم**۔ بیشک وہ دنیا میں وافر حصہ والا تھا۔

حل لغات: راغب حظ اس نصیب کو کہتے ہیں جو انسان کے مقدور میں ہو یہی اُن کی تمنا کا خلاصہ اور ان کے نصیب کی تاکید ہے۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ اس آیت کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مومن کو لازم ہے کہ وہ ایسی آرزو نہ کرے جو اس کی گمراہی کا سبب بنے اور کثرت مال واسباب گمراہی کا بہت بڑا سبب ہے۔ کما قال **ان الانسان لیطغیٰ ان راٰہ استغنیٰ**۔ یعنی انسان سرکشی کرتا ہے جبکہ غنا پاتا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ بندے کو اتنا مال دیا جائے جو اس کی کفایت کرے اور زندگی بسر کر سکے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اے اللہ آلِ محمد کا رزق اتنا مقرر فرما جو اُن کی زندگی کو کفایت کرے۔

دوسری حدیث شریف میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا مانگی۔ اے اللہ جو مجھ سے محبت کرتا ہے اسے پاک دامنی اور بہ کفایت مال عطا فرما اور جو مجھ سے بغض رکھتا ہے اسے بکثرت مال واولاد دے۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ: "مبارک ہو اسے جو اسلام سے نوازا گیا اور اس کی زندگی کفایت شعار اور اسے دولت قناعت نصیب ہو۔"

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

گنج زر گر نبود گنج قناعت باقیست
آنکہ آں زر داد بشاہاں بگدایاں ایں داد

ترجمہ: اگر زر کا خزانہ نہ ہو قناعت کا خزانہ تو ہے۔ اس کریم نے بادشاہوں کو زر دی اور گداؤں کو قناعت بخشی۔

اور فرمایا ؎

marfat.ocm

ہمائے چون تو عالی قدر حرص استخوان حیفست
دریغا سایۂ ہمت کہ برنا اہل افگندی

ترجمہ۔ اے ہما تیرے جیسا عالی قدر کون لیکن جب تجھے حرص ہو تو افسوس اور ہما پر افسوس ہے کہ اُس نے اپنا سایہ نا اہل پر ڈالا۔

دریں بازار اگر سودیست با درویش خرسندست
الٰہی منعم گردان بدرویشی وخرسندی

ترجمہ۔ اس بازار کا نفع اور خوشی صرف درویش کو ہے اے اللہ منعم بنا اور درویشی و خرسندی بھی عطا فرما۔

مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا۔

ہر سفلہ پے بگنج قناعت کجا برد
ایں نقد در خزینۂ ارباب ہمتست

ترجمہ۔ نا اہل قناعت کو کب اختیار کرتا ہے یہ نقد تو درویشوں کے خزانے میں ہے۔
شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا۔

نیرزد عسل جان من زخم نیش
قناعت نکوتر بدو شاب خویش

ترجمہ۔ زخم نیش کھا کر شہد حاصل کرنا اچھا نہیں قناعت اچھی شے ہے اسے اپنے کاندھوں پر ڈال دے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ بنی اسرائیل نے دنیا کی زینت کو نہ دیکھا لیکن اس کے کمینہ پن اور اس کی خساست کو نہ دیکھا اور وہ ذلیل ہونے کے علاوہ قلیل متاع والی بھی ہے وہ اس لیے کہ اُنھوں نے ظلمات صفات نفس کے پیدا شدہ دنیا اور اس کی زینت کے نیچے کے لذیذ گوشت کی غذا ہوئی تھی۔ اسی لیے اُنھوں نے دنیا اور اُس کی زینت کو صفات ظلمات نفس دیکھتے تھے حالانکہ اس سے قبل وہ نور صفات قلب سے دیکھتے تھے اور ان کی نظروں میں آخرت کی عزت زیادہ تھی اور اس کی عظمت کے قائل تھے اور دنیا کی خستہ و ذلت سے بھی واقف تھے۔ اور قاعدہ ہے کہ رضاع طبائع کو تبدیل کر دیتا ہے۔

تفسیر عالمانہ: وقال الذین اوتوا العلم: اور وہ لوگ جو آخرت کا علم رکھتے تھے اور دنیا کی ذلت و خساست سے واقف تھے۔ اُنھوں نے آرزو کرتے ہوئے کہا ویلکم اے دنیا کے طالبو! تم پر خرابی ہو یہ ہلاکت کی دعا کے وقت بولتے ہیں یعنی تم پر اللہ تعالیٰ عذاب

لازم کرے۔ اس لفظ کو پسندیدہ امور سے روکنے کے لیے زجر و توبیخ کے طور پر بولتے ہیں۔ اس کی تحقیق سورۃ طٰہٰ میں گزری ہے۔ **ثواب اللہ** ۔ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا ثواب ۔ **خیر** ۔ تمہاری آرزو سے بہتر ہے۔ **لمن امن و عمل صالحا** اس کے لیے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے ۔ فلہذا تمہارے لیے لائق نہیں کہ تم ایسی آرزو کرو جو ثواب و نعمت الٰہی کو کفایت نہ کرے۔ **ولا یلقاھا** ۔ اور اس کی توفیق نہیں دیا جائے گا۔ (کذا فی الجلالین) اور کرامت سے ثواب وجنۃ مراد ہے۔ بنی اسرائیل کے علماء کی عبارت کو اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر **ولقاھم نضرۃ وسرورا** سے تعبیر فرمایا ہے اور **لا یلقا** بمعنی لایعطی ہے۔ لقی بمعنی اعطی ہے۔ اس کا معنیٰ استقبال بھی آیا ہے جیسے کہا جاتا ہے لقیتہ بمعنی استقبلتہ اور تلقیہ بمعنی تلقین بھی آیا ہے یعنی دل اور زبان سے دنیا کی نفرت اور کسی کو نہیں ۔ **الا الصابرون** ۔ مگر ان لوگوں کو طاعات پر اور زینت و شہوت سے صبر کرتے ہیں۔ ؎

اہل صبر از جملہ عالم برتراند
صابراں اوج گردوں بگزرند
ہر کہ کارد تخم صبر اندر جہان
بدرود محصول عیش صابران

ترجمہ:۔ اہل صبر جملہ عالم سے برتر نہیں صابر لوگ گردش آسمان سے دور ہیں وہ جو کچھ صبر کا بیج بوتا ہے وہی آخرت میں بہتر عیش حاصل کرے گا۔

تفسیر عالمانہ:۔ فخسفنا بہ وبدارہ الارض

حل لغات :۔ اہل عرب کہتے ہیں **خسف المکان یخسف خسوفا** ۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی زمین میں دھنس جائے ۔ (کذا فی القاموس) اور کہتے ہیں **خسف القمر** یعنی چاند کی روشنی زائل ہو گئی اور کہا جاتا ہے **عین فاسفۃ** یہ اُس وقت کہتے ہیں جب اس کی تیزی غائب ہو جائے۔ اور یہ بار تعدیہ کی ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے قارون اور اُس کی بلڈنگ کو زمین میں دھنسا دیا۔

قارون زمین میں دھنس گیا

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جب زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قارون کو فرمایا کہ ایک ہزار دینار سے ایک دینار اور ایک ہزار درہم سے ایک درہم اور ایک ہزار بکری سے

marfat.ocm

ایک بکری زکوٰۃ حصہ دے اور یہی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اس وقت زکوٰۃ کا دسواں حصہ ادا کرنا واجب تھا۔ مال کی چوتھائی زکوٰۃ دینے والا قول غلط ہے۔ قارون نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زکوٰۃ کا حکم سنا تو اپنی جائیداد کا حساب کیا تو بہت سا مال زکوٰۃ میں ادا کرنا پڑتا۔ بخل و حرص وہوا نے قارون کو ادائیگی زکوٰۃ سے روکا۔ اس پر قارون نے بنی اسرائیل کو بلا کر کہا کہ تم نے موسیٰ علیہ السلام کے ہر حکم کی اطاعت کی تو اب وہ تمہارے مال پر ہاتھ صاف کرنا چاہتا ہے۔ انہوں نے کہا تو ہمارا بڑا ہے تو جو حکم دے گا ہم پورا کریں گے۔ قارون نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام کو برسر اجلاس رسوا کیا جائے پھر رسوائی سے نہ وہ کسی سے بات کر سکیں گے نہ ہی اسے کوئی منہ لگائے گا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ فلاں رنڈی کو میری طرف سے بہت بڑے انعام کا لالچ دو تاکہ وہ برسر اجلاس حضرت موسیٰ علیہ السلام پر زنا کی تہمت لگا دے۔ جب وہ مان جائے اور ایسے ہی کہہ دے جیسے میرا خیال ہے تو موسیٰ علیہ السلام کو تمام لوگ چھوڑ دیں گے اور وہ اکیلے رہ جائیں گے۔ اس رنڈی کو بلایا گیا اور اسے ایک ہزار دینار اور سونے کے تھال کا لالچ دیا گیا اور کہا گیا کہ کل جب بنی اسرائیل عید کے اجتماع میں جمع ہوں تو ایسے ہی کہہ دینا بات طے ہو گئی۔ چنانچہ کل عید کا دن تھا۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام اجتماع میں تقریر فرما رہے تھے اور فرمایا کہ جو چوری کرے گا ہم اس کے ہاتھ کاٹیں گے اور جو زنا کرے گا اور اگر شادی شدہ ہو تو ہم اسے درے ماریں گے اور اگر غیر شادی شدہ زنا کرے تو ہم اسے سنگسار کریں گے۔ اس پر قارون بولا کہ اگر آپ بھی زنا کریں (معاذ اللہ) تب بھی موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اگرچہ میں خود بھی۔ اس نے کہا بنی اسرائیل کا خیال ہے کہ آپ نے (معاذ اللہ) فلاں رنڈی سے زنا کیا ہے۔ آپ نے فرمایا اسے لاؤ۔ رنڈی کو بلایا گیا۔ آپ نے اسے فرمایا کہ تجھے قسم ہے اس ذات کی جس نے دریا کو چیرا اور تورات نازل فرمائی یہاں بھرے مجمع میں سچی بات کہہ دے۔ اللہ تعالیٰ نے رنڈی کے دل پر ہیبت ڈال دی اور اسے سچ بولنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اس نے کہا اے کلیم اللہ (علیہ السلام) قارون نے مجھے لالچ دے کر کہا کہ میں آپ پر بہتان لگاؤں اور جھوٹا دعویٰ کروں۔ اگرچہ میں گنہگار ہوں لیکن میں کون ہوتی ہوں کہ آپ پر افترا کروں۔ یقیناً آپ زنا سے پاک ہیں۔ یہ سن کر حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے شکرانے کا سجدہ کیا۔ روتے ہوئے بارگاہِ حق میں قارون کا شکوہ کیا اور فرمایا کہ اے اللہ اگر میں تیرا رسول ہوں تو میری وجہ سے قارون کو گرفت فرما۔ اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی اور فرمایا اے موسیٰ (علیہ السلام) میں نے زمین کو حکم فرمایا ہے کہ وہ آپ کا فرمان مانے۔ آپ اسے جو کچھ فرمائیں گے وہ آپ کی اطاعت کرے گی۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے بنی اسرائیل جیسے مجھے اللہ تعالیٰ نے فرعون کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ اب تم نے قارون کی شرارت آنکھوں سے ملاحظہ کی۔ چاہو تو میرے ساتھ چلے جاؤ۔ سب کے سب موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہو گئے۔ صرف دو مرد قارون کے ساتھ رہے۔ آپ نے قارون کو فرمایا اے بدبخت تو نے میری رسوائی کے لیے مجمع عام میں ایک عورت کو غلط بیانی پر مجبور کیا۔ اب دیکھ لے تیرا کیا حشر ہوتا ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے زمین کو فرمایا کہ اے زمین قارون اور اس کے ساتھیوں کو پکڑ لے۔ چنانچہ زمین نے انہیں گھٹنوں تک دھنسا دیا۔ قارون اور

اُس کے ساتھیوں نے عجز و زاری کی اور امان چاہی لیکن موسیٰ علیہ السلام نے کوئی توجہ نہ دی۔ پھر فرمایا اے زمین انھیں پکڑ لے۔ زمین نے گھٹنوں تک دھنسا دیا۔ قارون اور اس کے ساتھی روئے لیکن موسیٰ علیہ السلام سخت غضب ناک تھے پھر فرمایا اے زمین انھیں پکڑ لے۔ پھر زمین نے انھیں سینہ تک پھر گردن تک۔ اُس وقت قارون نے کہا اے موسیٰ (علیہ السلام) آپ کو اللہ تعالیٰ اور رشتہ داری کا واسطہ دیتا ہوں مجھے معاف کیجئے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک نہ سنی۔ بالآخر زمین نے ان تینوں کو نگل لیا۔

آں را کہ زمین کشد چوں قارون
نے موسیٰ آورد بروں نے هارون
فاسد شدہ را روز گار داروں!!
لا یمکن ان یصلحہ العطارون

ترجمہ:۔ جسے زمین قارون کی طرح دھنسائے اسے: موسیٰ علیہ السلام باہر نکال سکتے ہیں نہ ہارون علیہ السلام۔ اور وہ تیل جو خراب ہو جائے اسے عطار اچھا نہیں کر سکتے۔

مہربان رب

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا جب آپ سے قارون فریاد کر رہا تھا تو آپ نے اس پر رحم فرمایا مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم اگر وہ مجھ سے فریاد کرتا تو میں اُس کی ضرور امداد کرتا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا یا الٰہ العالمین میں نے تیرے غضب کی وجہ سے اس کے ساتھ ایسا کیا۔

قارون قیامت تک دھنسا جا رہا ہے

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب سے وہ زمین دھنسایا گیا۔ روزانہ انسانی قامت کے برابر نیچے دھنسایا جاتا ہے اور قیامت تک دھنستا ہوا آخری سطح تک پہنچے گا۔ صاحب لباب نے لکھا کہ انسانی قامت کے برابر روزانہ دھنسا جاتا ہے۔ نفخ صور کے وقت آخری زمین کی آخری سطح کر پہنچے گا۔

موسیٰ علیہ السّلام کے اَدب سے قارون کو ایک عذاب سے نجات ملی

کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ قارون روزانہ ایک قد کے برابر روزانہ زمین میں دھنسایا جاتا ہے حسن اتفاق سے جب یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں دریا کی نچلی سطح پر پہنچے تو قارون اسی سطح پر موجود تھا تو حضرت یونس علیہ السلام سے پوچھا کہ میرے بھائی موسیٰ علیہ السلام کا کیا حال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس روز سے قارون کو دھنسانے سے

marfat.ocm

روک دیا صرف اسی لیے کہ اُس نے موسیٰ علیہ السلام کی عزت و حرمت کا اظہار اور صلہ رحمی کا ثبوت دیا۔

قارون کے خزانے

جب قارون زمین میں دھنسایا گیا تو بنی اسرائیل کے چند نالائقوں نے کہا کہ قارون کو زمین میں دھنسا کر موسیٰ علیہ السلام قارون کی جائداد پر قابض ہونا چاہتے ہیں اور سب مزے اڑائیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگی کہ قارون کے خزانے اور اس کی جملہ جائیداد دھنس جائے چنانچہ ایسے ہی ہوا۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا۔

گنج قارون که فرد میرود از قهر هنوز
خوانده باشی که هم از غیرت درویشانست

ترجمہ۔ قارون کا خزانہ تاحال زمین میں دھنسا جارہا ہے تم نے کتابوں میں پڑھا ہوگا قہر بھی اللہ والوں کی ناراضگی کا نتیجہ ہے۔

اور فرمایا۔

احوال گنج قارون کایام داد برباد
با غنچه باز گوئید تازر نهان ندارد

ترجمہ۔ قارون کے خزانے برباد ہوئے غنچے کو کہہ دو کہ وہ اپنی دولت چھپائے نہ رکھے۔

اور فرمایا۔

توانگرا دل درویش خود بدست آورد
که مخزون زر و گنج درم نخواهد ماند

ترجمہ۔ اے دولت مند درویش کا دل خوش رکھ اس لیے کہ زر دولت اور خزانے ہمیشہ ساتھ نہیں رہیں گے۔

اولیاء کرام کے گستاخ کی سزا

بعض مفسرین نے فرمایا کہ قارون نے فضل الٰہی کو بھلا کر اپنے لیے علم و فضل کا دعویٰ کیا۔ اسی لیے اسے اللہ تعالیٰ نے زمین میں دھنسا دیا۔ ایسے ہی انسان سے کسی کوتاہی کی وجہ سے اسرار و رموز چھن جاتے ہیں جن کا اسے علم نہیں ہوتا اور خسف الاسرار کا معنیٰ یہ ہے کہ بندے سے عصمتِ الٰہی چھین لی جاتی ہے اور اسے اس کے اپنے نفس کے حوالے کیا جاتا ہے اور وہ اپنے فرضی دعاوی میں لاف گزاف مارتا ہے اور فضل الٰہی پر اس کی نگاہ نہیں پڑتی اور شکرِ خدا کی بجا آوری سے محروم ہو جاتا ہے۔ اس وقت سے اس کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ قارون نے ایسے ہی کیا تو مارا گیا

ایسے ہی وہ تباہ و برباد ہوا جو اولیاء اللہ سے بغاوت اور اُن کے بالمقابل تباہ و برباد ہوا جو ان کا مقابلہ کرتا ہے اور تکبر اور غرور کی شیخیاں بکھیرتا ہے۔ تو وہ اولیاء کی نگاہ و قلب سے گر جاتا ہے جب اولیاء کرام کی نگاہ و قلب سے گرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی نظر و کرم کے لائق نہیں رہتا اور ایسے گستاخ اور بے ادب کے قلوب سے انوار و اسرار چھین لیے جاتے ہیں اسی لیے وہ بدبخت نہ ادھر کا رہتا ہے نہ ادھر کا۔ (نعوذ باللہ سبحانہٗ)

فما کان لہ۔ تو قارون کے ہاں نہ تھی۔ **من فئۃ**۔ کوئی جماعت۔ امام راغب نے کہا **الفئۃ** وہ جماعت جو ایک دوسری کی معین و مددگار ہو جو بوقت ضرورت ایک دوسرے کی طرف رجوع کریں۔ یہ "**فاء**" سے ہے بمعنی رجع۔ **ینصرونہ**۔ جو اسے دشمنے اور دفع عذاب کی مدد کرتی۔ **من دون اللہ**۔ درآنحالیکہ وہ نصرت الٰہی سے تجاوز کرنے والے ہوں۔ **وما کان من المنتصرین** اور وہ کسی وجہ سے بھی بدلہ لینے والوں میں سے نہ تھے۔ یہ **نصرہ من عدوہ فانتصر** سے ہے بمعنی منعہ فامتنع۔ (**واصبح**) اور ہو گئے وہ **الذین تمنوا**۔ جنہوں نے آرزو کی تھی۔ تمنی بمعنی کسی شے کا دل میں تصور جمانا اور مقدر کرنا۔ اکثر اس کی استعمال ایسی آرزو پر ہوتی ہے جس کی کوئی حقیقت نہ ہو اور **الامنیۃ** بمعنی وہ صورتیں جو دل میں ہوں یہ تمنی الشئ سے ہے۔ **مکانہ** اس کے مرتبہ و جاہ کی۔ **بالامس**۔ وہ وقت جو حالیہ زمانہ سے پہلے گزرا ہو۔ یہاں کل گزشتہ کا دن مراد نہیں۔ بطریق استعمال قریب کا گزرا ہوا زمانہ مراد لیا جاتا ہے۔ اگرچہ اس کا حقیقی معنی (کل گزشتہ دن) ہے۔ **یقولون ویکان اللہ یبسط الرزق لمن یشاء من عبادہ ویقدر** کہتے تھے۔ تعجب ہے اللہ تعالیٰ رزق بڑھاتا ہے اپنے بندوں میں جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگ فرماتا ہے۔

حل لغات: یقدر بمعنی یضیق اہل عرب کہتے ہیں **قدر علی عیالہ** (بالتخفیف) بمعنی قتر یعنی فلاں نے اپنے اہل و عیال کو روزی کی تنگی دی یعنی بندوں کے رزق کی وسعت اور تنگی محض اس کی مشیت و حکمت پر مبنی ہے نہ کسی کرامت سے رزق میں وسعت ہوتی ہے نہ کسی کی ذلت سے۔

تحقیق ویکأنّ

بصریون کے نزدیک یہ لفظ **وَیْ** اور **کَأَنَّ** سے مرکب ہے لفظ **وَیْ** تعجب کا ہے۔ کسی سے تعجب اور اس پر ترحم کے طور پر بولا جاتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے **وَیْ لِمَ فَعلتَ ذٰلِکَ**۔ اے فلاں یہ تو نے کیا کیا چنانچہ راغب نے فرمایا کہ یہ کلمہ تحسر و تندم و تعجب کے وقت مستعمل ہوتا ہے۔ **وَیْ لِعَبْدِ اللہ** اور **کَأَنَّ** تشبیہ کے لیے ہے اور کیسا ہی عجب امر ہے کہ اللہ تعالیٰ رزق وسیع اور تنگ کرتا ہے اور **کوفیوں** کے نزدیک **ویکأن ویك** سے بمعنی **ویلك** ہے اور اس کے ساتھ **اَنَّ** ملایا گیا ہے۔ **ویلك** کے بعد لفظ **اَعْلَمْ** محذوف

marfat.ocm

مطلب عبارت یوں ہوگی۔ ویک اعلم ان اللہ الخ جان لے کہ بیشک اللہ تعالیٰ الخ اور اس کا استعمال تنبیہ علی الخطاء اور تندم پر بھی آتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ اپنی آرزو پر متنبہ ہو کر نادم ہوئے۔ **لو ان من اللہ علینا۔** اگر اللہ تعالیٰ ہم پر احسان و انعام نہ فرماتا یعنی وہ ہماری آرزو پوری کرتا اور جو کچھ ہم نے دنیا کی آرزو کی تھی اس کے مطابق عمل در آمد فرماتا **لخسف بنا** تو وہ ہمیں بھی زمین میں دھنسا دیتا جیسے قارون کو دھنسا دیا کیونکہ وہ کبر و غرور و بغاوت و دیگر تباہی و ہلاکت کے اسباب جو قارون میں تھے وہی ہم میں بھی ہیں۔ **ویکانہ لا یفلح الکفرون** اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ناشکری کرنے والوں کو کوئی کامیابی نہیں اور نہ ہی وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات پاسکیں گے یا **الکافرون** سے رسل کرام اور ان کے لائے ہوئے احکام کی تکذیب کرنے والے اور احکام پر عمل کرنے کے ثواب سے انکار کرنے والے مراد ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ دنیا کی محبت نے قارون کو مال جمع کرنے پر اکسایا اور مال جمع کرنے اور اسے بغاوت پر برانگیختہ کیا اور کثرت مال و منال اس کی ہلاکت و تباہی کا موجب بنی۔ حدیث شریف میں ہے حب دنیا ہر برائی کی جڑ ہے۔

فائدہ: بلکہ ہر فتنہ و فساد حب دنیا سے جنم لیتا ہے اس لیے کہ جو اللہ تعالیٰ کا محب ہے وہ دنیا کی محبت میں گرفتار نہیں ہوتا اور ظاہر ہے کہ دنیا آنی جانی شے ہے بلکہ اس کا بچھونا بہت جلد لپیٹ لیا جائے گا اور اس کی چراگاہ آوارہ لوگوں کی لاف گاہ ہے بلکہ خطرے سے بے خوف و خطر لوگوں کی جلسہ گاہ اور دولت سمیٹنے والوں کا سرمایہ اور بدبختوں کی معشوق اور نااہلوں کی نظر کا مرکز اور خسیس لوگوں کا قبلہ اور دوست بے وفا اور دایہ بے مہر و محبت اور جمال بے نقاب دنیا کے چند دوستوں اور عاشقوں کو اس نے خاک میں ملا کر رکھ دیا۔ نقش و نگار کو دیکھو تو آنکھ جھپکنے سے پہلے پھنسا لے اور شکار کرنے کو آئے تو گھر بیٹھے دام کے بغیر گرفتار کرے تمہیں کہے گی میں صرف تمہاری ہوں۔ حالانکہ اس کی آن میں ہزاروں عشاق اس کے مد نظر ہوں گے اور کہے گی میں بے ضرر ہوں لیکن لاکھوں کے خون پیس کر انہیں بے جان بنا رکھا ہوگا۔

حدیث شریف: حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر کس دنیا میں مہمان ہے اور اس کے ہاتھ میں جو کچھ ہے وہ عاریۃ کا مال ہے مہمان چلے جاتے ہیں اور عاریۃ کی شے واپس مالک کو لوٹائی جاتی ہے۔

شرح حدیث شریف: حدیث مذکور بالا میں دنیا کو مسافر خانہ اور ہر آنے والے کو مہمان قرار دیا گیا ہے اور اس مسافر خانہ میں مہمان کو ایک سے ڈرایا گیا ہے اور پھر مہمان کو سمجھایا گیا ہے کہ یہاں سنبھل کے رہو کہ بالآخر تم نے یہاں سے کوچ کرنا ہے اور ہوشیاری سے کام لو اور

یقین کرو کہ مسافر خانہ ٹھہرنے کے لیے نہیں ہوتا بلکہ کوچ کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ اگر کوئی اسے اپنی اقامت گاہ کا تصور کرے تو وہ بے وقوف ہے پھر ایسا بیوقوف نہ گھر کا نہ گھاٹ کا نہ منزل مقصود کو پہنچے گا نہ ہی اُس کی کوئی آرزو پوری ہو گی۔ اسی لیے اے مہمان تم یہاں سے ایسے گزرو جیسے پُل سے گزرنا ہوتا ہے ورنہ تم پر شیطان مسلط ہو جائے گا۔ پھر دیکھنا ہو کا بھیڑیا ان بکریوں کا اتنا نقصان نہ کرے گا جتنا کہ تیرا نقصان شیطان سے ہو گا۔ اسی لیے اللہ تعالٰی نے فرمایا ان الشیطٰن لکم عدو فاتخذوا عدوا۔ یعنی شیطان تمہارا دشمن ہے اسے دشمن بناؤ۔ بلکہ سو شیطان اپنا نقصان نہیں پہنچاتے جتنا انسان کو اپنا نفس نقصان دیتا ہے۔

حدیث شریف: "سب سے تمہارا بڑا دشمن نفس ہے جو تمہارے دونوں پہلوؤں میں ہے"۔

فائدہ: قارون کو دیکھیے کہ اسے نفس اور شیطان نے مل کر کیسے دامِ تیز و تر میں پھنسایا کہ پہلے اسے دین سے پھیرا۔ پھر اسے دنیا میں منہ دکھانے کا نہ رکھا۔ اس بدبخت کی ازل سے قسمت بری تھی اسی لیے اگرچہ چند روز اس نے عیش اُڑائے اور ظاہری علم سے بھی اسے حصہ ملا لیکن شیطان و نفس نے اسے بری طرح ذلیل و خوار کیا۔ گویا وہ زبانِ حال سے کہتا ہو گا ؎

من پندارم کہ ہستم اندر کارے
اے بر سرِ پندار چون من بسیارے
اکنوں کہ نماند با قوم بازاری
در دیدہ پنداشت زدم مسمارے

ترجمہ: میرا گمان تھا کہ میں بھی کوئی کام کر رہا ہوں اسی طرح سے میرے جیسے ہزاروں۔ اب جبکہ قوم کے سامنے میری کوئی عزت نہ رہی اسی لیے میں نے اپنی آنکھوں میں میخ گاڑ دی۔

مسئلہ: دنیا کی آرزو مذموم ہے ہاں اگر اس سے صحیح مقصد مدِنظر ہو مثلاً اسے کسی کارِ خیر میں خرچ کرنا جیسے صدقہ اور خیرات۔ تو جائز ہے۔

حدیث شریف: حضرت کبشہ انماری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے تھے کہ تین باتوں کو قسم کھا کر کہتا ہوں اور ایک کی صرف خبر دیتا ہوں۔ وہ تین یہ ہیں:۔

۱۔ صدقہ دینے سے مال میں کمی نہیں آتی۔

۲۔ کسی کے ظلم کرنے پر مظلوم صبر کرے تو مظلوم کی عزت میں اضافہ ہوتا ہے۔

۳۔ بے ضرورت سوال کرنے سے فقر و فاقہ بڑھ جاتا ہے اور وہ ایک بات یہ ہے کہ دنیا ایک گھر ہے جو اللہ تعالٰی نے اپنے بندے کو وہی گھر بخشا پھر وہ بندے علم و مال سے نوازا جائے تو اس پر لازم ہے کہ

لمعہ محمہ: ۱۰۰٦۰

marfat.ocm

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ
یہ آخرت کا گھر ہم ان کے لیے کرتے ہیں جو زمین میں تکبر نہیں

عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿٨٣﴾ مَنْ جَاۗءَ بِالْحَسَنَةِ
چاہتے اور نہ فساد اور عاقبت پرہیزگاروں ہی کی ہے جو نیکی لائے اس کیلئے اس سے

فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَاۗءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا
بہتر ہے اور جو بدی لائے بدکام والوں کو بدلہ نہ ملے گا مگر

مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٨٤﴾ اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَاۗدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ
جتنا کیا تھا بے شک جس نے تم پر قرآن فرض کیا وہ تمہیں پھیر لے جائے گا جہاں پھرنا چاہتے ہو

قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَاۗءَ بِالْهُدٰى وَمَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٨٥﴾
تم فرماؤ میرا رب خوب جانتا ہے اسے جو ہدایت لایا اور جو کھلی گمراہی میں ہے

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ
اور تم امید نہ رکھتے تھے کہ کتاب تم پر بھیجی جائے گی ہاں تمہارے رب نے رحمت

فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٨٦﴾ وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ
فرمائی تو تم ہرگز کافروں کی پشتی نہ کرنا اور ہرگز وہ تمہیں اللہ کی آیتوں سے نہ روکیں بعد

بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٨٧﴾
اس کے کہ وہ تمہاری طرف اتاری گئیں اور اپنے رب کی طرف بلاؤ اور ہرگز شرک والوں میں نہ ہونا

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۣ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ
اور اللہ کے ساتھ دوسرے خدا کو نہ پوج اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہر چیز فانی ہے

وقف لازم

اِلَّا وَجْهَهٗ ۭ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٨٨﴾
سوا اس کی ذات کے اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف پھر جاؤ گے

بقیہ صفحہ ۱۰۰۸

تقویٰ وطہارت سے اور صلہ رحمی اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی میں اعمال صالحہ میں زندگی بسر کرے ایسے شخص کے لیے دنیا افضل المنازل ہے۔ دوسرا وہ بندہ جسے علم تو نصیب ہو لیکن مال و دولت سے خالی ہو لیکن اس کی نیت نیک ہو مثلاً کہے کہ میں مالدار ہوتا تو فلاں فلاں کام کرتا تو ایسی نیت کا ثواب نصیب ہو گا بلکہ جس قدر خرچ کرنے والے مالدار کو ثواب ملے گا اسی قدر ایسے نیک عالم نیک نیت والے کو نصیب ہو گا۔ اور ایک ایسا بندہ کہ جس کی دولت تو ہے لیکن اسے علم نصیب نہیں ہے تو وہ نہ تو پرہیزگاری کرتا ہے اور نہ ہی صلہ رحمی اور نیکی نہ ہی نیک عمل۔ اسی طرح وہ بندہ جسے نہ تو علم نصیب ہے نہ ہی دنیا کی دولت لیکن وہ آرزو کرتا ہے کہ کاش میرا مال ہوتا تو میں بھی فلاں فلاں کار خیر میں حصہ لیتا یا فلاں برائی کا ارتکاب کرتا تو ایسے شخص کو نیت کے لحاظ سے اجر و ثواب اور گناہ و عذاب عمل کرنے والے کے برابر ملے گا۔ (المصابیح)

تفسیر عالمانہ: تلك الدار الاخرة - یہ اشارہ تعظیمی ہے یعنی وہ بہشت جس کی تم نے خبر سنی اور اس کے اوصاف تمہارے ہاں پہنچے ہیں۔ الدار - تلک کی صفت ہے اور وہ اپنی صفت سے مل کر مبتدا اور اس کی خبر نجعلها للذین لا یریدون علوا فی الارض. علو بمعنی ارتفاع و غلبہ و تسلط جیسا کہ فرعون نے کیا جس کا ذکر سورۃ ہذا کے اول میں مفصل طور پر ہوا ہے۔ کما قال۔ ان فرعون لعال فی الارض ولا فسادا بمعنی ظلم و لوگوں پر زیادتی کرنا جیسے قارون نے کیا چنانچہ ابھی ناصح کی زبان سے گزرا کہ ولا تبغ الفساد فی الارض۔ آیت میں ترک ارادہ میں مبالغہ مطلوب ہے یعنی وہ ان کے علو و فساد کے ارادہ کو بھی گوارہ نہیں کرتا چہ جائیکہ ان کا ارتکاب کرے آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم ان کے لیے کرتے ہیں جو زمین پر تکبر اور فساد کا ارادہ بھی نہیں کرتے۔ والعاقبة نیک انجام للمتقین ان لوگوں کے لیے جو تکبر اور فساد اور ایسے اقوال و افعال سے بچتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں۔

سبق: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس کے دل میں تصور ہو کہ میرے جوتے کا تسمہ فلاں شخص کے تسمہ سے بہتر ہے تو یہ بھی تکبر میں داخل ہے یعنی جو شخص اپنے لباس کو دیکھ کر اپنے اوپر تعجب کرے تو وہ بھی متکبر ہے۔

سیرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ

سیدنا علی رضی اللہ عنہ بازار میں اکیلے چلتے پھرتے تھے حالانکہ آپ اس وقت خلیفۂ وقت تھے بازار میں گمراہ کو حق کی تلقین فرماتے اور ضعیف و ناتوان کی امداد کرتے اور سبزی فروش و دیگر دکان داروں کو فرماتے یاد رکھو

marfat.ocm

تلک الدار الاخرۃ ۔ (وہ دارِ آخرت)

شانِ نزول:- مروی ہے کہ یہ آیت ان حکام کے حق میں نازل ہوئی جو اہلِ عدل و تواضع تھے ۔ اسی طرح ان لوگوں کے حق میں جو لوگوں سے زیادہ دولت اور شان و شوکت کے مالک تھے ۔

فائدہ: حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ اس آیت کو بار بار پڑھتے یہاں تک کہ آپ کا وصال ہوا ۔

سیرت رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تواضعاً بکری کو خود دوہتے اور گدھے پر سوار ہوتے اور آزاد لوگوں کے علاوہ غلاموں کی دعوت قبول فرماتے اور مساکین و فقراء کے ساتھ نشست و برخاست فرماتے ۔

نسخۂ روحانی:- بزرگوں نے فرمایا کہ تکبر سے بچو اور اپنے اندر ذلت و انکساری اور عاجزی پیدا کرو اگرچہ تم دنیا میں بہت بڑا مرتبہ پا جاؤ تو پھر کیا ہوا اور حق سے بلند تر اور کیا ہے ۔ اس کی علامت یہ ہے کہ خلقِ خدا میں حق کی وجہ سے تمہارا سکہ بیٹھا ہوا ہے اور خود سوچو کہ تم مٹی سے پیدا کیے گئے ہو ۔ پھر تم اپنی ماں (زمین) پر اکڑ کر چلو یہ نہایت نامناسب ہے ۔

عابد بنو زاہد بنو لیکن کیا فائدہ جب تمہارے اندر تکبر ہو ۔ ہاں اپنے ہمجولیوں سے تواضع اور انکساری میں بلند مرتبہ بنو تو پھر تمہارا کمال ہے ۔ بہر حال تکبر ہر حالت میں قبیح ہے اس لیے کہ ہم نے آنکھوں سے دیکھا کہ مخلوق پر جتنا بڑائی کرو گے اتنا ہی خدا تعالیٰ سے محجوب ہو گے ۔ اگر تمہیں اس کا علم ہو جائے تو تم کبھی تکبر نہ کرو بلکہ ہر وقت خاضع و خاشع رہو ۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ کل قیامت میں ایک گروہ مقعد صدق میں مقیم اور مقربین حضرت جبروت ہو گا ۔ تو انہوں نے دنیا میں اپنی برتری و سرداری کیا تھا اور تمام لوگوں سے اپنے آپ کو کمتر و کہتر بنا رکھا تھا اور کبھی اپنے آپ کو اچھا نہ دیکھا ۔

حکایت:- ایک بزرگ وفات سے فارغ ہو کر لوٹا تو اس سے پوچھا گیا کہ آپ نے اہلِ موقف کو کیسے پایا فرمایا کہ اگر میں ان میں نہ ہوتا تو یقیناً ان کی بخشش ہو جاتی ۔
شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

بزرگے کہ خود را از خرداں شمرد
بدنیا و عقبیٰ بزرگی ببرد
تو آنکہ شوی پیش مردم عزیز
کہ مر خویشتن را نگیری بچیز

ترجمہ:۔ وہ شخص بزرگ ہے جس نے اپنے آپ کو کتروں میں دیکھا سمجھو اس نے دارین کی بزرگی حاصل کی۔ تم اپنے آپ کو لوگوں سے معزز سمجھتے ہو پھر کیا حاصل کرو گے۔

حکایت ابلیس:۔ ابلیس لعین کو کسی نے دیکھ کر فرمایا اے ابلیس مجھے نصیحت کیجئے۔ ابلیس نے کہا کہ انا (میں) نہ کہنا ورنہ میرے جیسے ہو جاؤ گے۔ میں کہنا شریعت میں زندیقی اور طریقت میں شرک ہے جب شریعت کے مقام پر ہو تو یہی سمجھنا کہ سب کچھ اسی سے ہے شریعت قال ہے اور طریقت حقیقت حال۔ اقوال و افعال کو تم صحیح کر لو احوال وہی خود پیدا فرما دے گا۔

تفسیر صوفیانہ:۔ بعض مشائخ نے فرمایا کہ نفس کو دیکھنا علو فی الارض ہے اور دنیا کو دیکھنا فساد فی الارض ہے اور دنیا شیطان کی بنائی شراب ہے جس نے اس سے ایک گھونٹ پیا وہ قیامت تک بیہوش رہے گا۔

بعض مشائخ نے فرمایا کہ خطرات فی القلب کا تمام علو اور اعضاء کو بے راہ رو بنانا فساد فی الارض ہے جس کے قلب میں حب ریاست وجاہ و حظوظ النفس اور اس کے اعمال میں ریاء و سمعہ ہو وہ کبھی مقام قرب کو نہیں پہنچے گا۔ اسی طرح جس کے قلب میں برا عقیدہ اور اعضاء میں عبادت غیر اللہ اور دعوت غیر اور اموال و اسباب کے حرص اور دوسروں کی عزت پر حملہ اور گناہوں کو شیر مادر سمجھنے کی عادت ہو وہ کبھی بھی بہشت میں داخل نہ ہو گا۔ اس لیے کہ وہ شیطان کا ساتھی ہے اور شیطان کے تمام دوست و احباب جہنم میں جائیں گے۔

بعض مشائخ نے فرمایا کہ جس میں فراعنہ و جبابرہ و اکاسرہ والا تکبر ہو سمجھو اس کی بشریت کی زمین میں علو ہے اور جس روحانیت میں ابلیسی دماغ ہو وہ بھی اسی زمرہ میں شامل ہے اور بعض ارواح میں ہاروت و ماروت کی ملکیت ہوتی ہے اور یہ دونوں قسم کی روحیں مذموم ہیں اور فساد فی الارض بھی یہی ہے کہ نظر الی غیر اللہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی اس بندے کو عالم ملکوت و غیب کی شاہی بخشتا ہے جس کا دل طلب علو سے پاک ہو اور بنظر محبت غیر کو نہ دیکھے بلکہ اپنے جملہ امور مالک حقیقی کو سپرد کر دے اور اپنے آپ کو درمیان سے خارج کر دے۔ پھر یہ حال ہو گا کہ

ع ہر کہ خواہی بکن کہ ملک تر است

جو چاہو سو کرو کیونکہ یہ سارا ملک تمہارا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو حقیقت تقویٰ کے دامن کو پکڑتے اور اعتراض و انقباض و دعویٰ سے محفوظ و مصون ہیں۔

تفسیر عالمانہ: من جاء بالحسنة جو قیامت میں نیکی لائے گا۔ فلہ ترجمہ: اس کے مقابلہ میں خیر منہا ذاتاً اور وصفاً و قدراً اس سے بہتر حاصل کرے گا۔ یہ بہتری اعمال کے لحاظ

marfat.ocm

جنت اس لیے کہ اعمال اعراض ہیں اور اس کا صلہ جواہر ہوں گے اوصاف کے لحاظ سے اس لیے کہ مال دنیا کے اگرچہ ہمشون متاع سے نہ تب بھی آخرت کی نعمتوں سے اسے مناسبت نہیں اور وصف کے لحاظ سے اس لیے کہ آخرت کی نعمتیں باقی اور ہر درد و الم اور ہر کمی اور عیب سے پاک ہیں اور مقدار کے لحاظ سے اس لیے کہ ہر نیکی کا بدلہ میں دس اجر ملیں گے۔ ایک اس کے عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے زائد عطا فرمائے گا اور ظاہر ہے کہ دس ایک سے بہتر ہے۔ بعض صوفیہ کرام نے فرمایا کہ حسنہ سے معرفت مراد ہے اور اس کے بدلے دیدار الٰہی نصیب ہوگا اور یہ معرفت سے بہتر ہے۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے اعراض عما سوی اللہ مراد ہے اور اس کی جزا عطائے الٰہیہ مراد ہے اور وہ اعراض عن غیر اللہ سے بہتر ہے اس لیے کہ اعراض کو مخلوق سے تعلق ہے اور مخلوق اور اس کا تعلق فانی ہے اور عطائے الٰہیہ کو حق سے تعلق ہے اور حق اور اس کا تعلق باقی اور قدیم ہے۔

ومن جاء بالسیئۃ۔ اور وہ جو برائی لائے گا مثلاً شرک ریا و جہل وغیرہا۔ فلا یجزی الذین عملوا السیئٰت۔ یہاں پر ضمیر کے بجائے اسم ظاہر اس لیے لایا گیا ہے تاکہ برائی کرنے والوں کی مذمت ہو کر ان کی برائی کو بار بار ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ عقل مند انسان برائی کے ارتکاب سے باز رہتا ہے۔ ؎

ہر چہ در شرع و عقل بد باشد
نکند ہر کہ با خرد باشد

ترجمہ۔ جو عمل شرعاً و عقلاً برا ہے۔ عقل مند اس کا ارتکاب نہیں کرتا۔

الا ما یعملون۔ یعنی جو وہ برائی کا ارتکاب کرتے ہیں انہیں اتنا قدر جزا ملے گی جتنا وہ عمل کرتے ہیں۔ مثل کا لفظ حذف کر کے اس کے عوض ما کانوا یعملون لایا گیا ہے تاکہ مماثلت میں مبالغہ ہو۔

مسئلہ: اس میں اللہ تعالیٰ نے بندوں کو خبر دی ہے کہ برائی کی سزا دوگنی نہیں ہوتی یہ اس کا فضل اور رحمت ہے اور عدل و انصاف ہے کہ سزا برے عمل کے مطابق دی جاتی ہے۔

سبق۔ عاقل پر لازم ہے کہ جو قول و فعل سے فتویٰ و تقویٰ مانع ہوں اس سے احتراز کرے اس لیے کہ ہر حکم شرعی (فتویٰ و تقویٰ) کی جزا و سزا ضروری ہے۔ دنیا میں جلدی سے یا بدیر یا پھر آخرت میں۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

ہر چہ بر تو آید از ظلمات و غم
آں ز بے خوفی و گستاخیست ہم

ترجمہ: جو کچھ تجھے تکالیف اور غم پہنچتے ہیں وہ تیری بے خوفی اور گستاخی کی وجہ سے ہیں۔

حکایت۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دکاندار سے ایک کھجور خریدی جب اپنی قیام گاہ میں پہنچے

اور کھول کر دیکھا تو وہ دو تھیں سمجھا کہ یہ اس دکان سے میری اپنی خرید شدہ ہیں۔ انھیں کھا لیا۔ اس کے بعد بیت المقدس میں تشریف لے گئے۔ وہاں ایک قبہ ہے جسے صخرہ سے موسوم کرتے ہیں اس کے اندر داخل ہوئے اور پورا دن وہیں پر گزارا۔ وہاں کی رسم تھی کہ مغرب کے بعد وہاں سے سب کو نکال دیتے تھے اس خیال پر کہ یہاں رات کو ملائکہ تشریف لاتے ہیں۔ چنانچہ سب کو وہاں سے نکالا گیا لیکن حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے نہ دیکھا اسی لیے وہ اندر رہ گئے رات کے وقت فرشتے آئے۔ ایک فرشتے نے کہا کہ یہاں کسی آدم زادے کی بُو آتی ہے دوسرے نے کہا یہ ابراہیم بن ادہم خراسان کے زاہد ہیں دوسرے نے کہا کہ وہی ابراہیم ہیں جن کی ہر روز نیکیاں آسمان پر جاتی ہیں اور فوراً قبول ہو جاتی ہیں۔ پہلے نے کہا ہاں یہ وہی ہیں لیکن افسوس کہ ایک سال سے اس کی نیکی قبول نہیں رہی صرف اسی کھجور کھانے سے جو اس نے دکاندار سے لی اور اس کے ساتھ دکاندار کی کھجور اس کے ساتھ مل گئی اور اس نے کھا لی بلکہ نہ صرف نیکی قبول نہیں ہوتی اس کی دُعا بھی مستجاب نہیں رہی۔ اس کے بعد فرشتے عبادت میں مشغول ہو گئے۔ صبح ہوئی تو صخرہ کے خادم نے دروازہ کھولا اور حضرت ابراہیم بن ادہم صخرہ سے نکل کر مکہ معظمہ کو روانہ ہوئے اور اسی دکاندار کے ہاں پہنچے وہاں ایک نوجوان دکاندار کو دیکھا جو کھجوریں بیچ رہا تھا۔ اسے السلام علیکم کے بعد فرمایا کہ گزشتہ سال یہاں پر ایک بزرگ کھجوریں بیچتے تھے وہ کہاں گئے۔ اُس نے عرض کیا کہ وہ میرے والد بزرگ تھے ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کھجوروں والا واقعہ بیان فرمایا۔ نوجوان نے کہا کہ میں نے اپنا حصہ آپ کو بخش دیا لیکن میری والدہ اور بہن بھی ہیں کا اس میں حصہ ہے ان سے اگر معاف کرانا چاہیں تو وہ گھر پر ہیں۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے گھر پر جا کر دروازہ کھٹکھٹایا تو ایک بڑھیا باہر آئی جو عصا کے سہارا پر چلتی تھی۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اپنا کھجوروں کا حال سنایا۔ بڑھیا نے کہا میں اور میری لڑکی نے آپ کو معاف کیا۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ بیت المقدس کو روانہ ہو گئے اور اسی قبہ میں داخل ہوئے اور ملائکہ رات کو تشریف لائے اور کہنے لگے کہ وہی ابراہیم بن ادہم جن کی ایک سال سے دُعا مستجاب نہ ہوتی تھی اب عبادت بھی منظور کر لی ہے اور دُعا بھی مستجاب ہے اور اس کے درجات بھی بلند فرما دیئے۔ اس پر حضرت ابراہیم خوشی سے رو پڑے۔ اس کے بعد آپ ہفتہ کے بعد صرف اس طعام سے افطار کرتے جس کے متعلق یقین ہوتا کہ واقعی وہ طعام حلال کمائی سے حاصل ہوا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ برائیوں کی سزا برائیوں کے مطابق ہو گی اور بُرائی از قسم شرک ہے تو اس کی سزا جہنم میں ہمیشہ رہنا ہو گا۔ اگر اور گناہ نہیں تو معاصی کی مقدار پر عذاب حاصل ہو گا اگر اور گناہ نہیں۔ اگر حب دنیا اور اس کی شہوات میں مبتلا رہا تو اس کی سزا حبِ دنیا کی مقدار میں جنت کی نعمتوں سے محرومی ہو گی۔ اگر طلب جاہ و ریاست و سلطنت دنیویہ کا گناہ ہے تو اس کی سزا ذلت و خواری اور جہنم کے

marfat.ocm

ظلمات میں جاتا۔ اگر آخرت کی نعمتوں اور رفع درجات کی خواہش تھی تو کمالات اور کشف شواہد حق سے محرومی کی سزا ہوگی اور معقولات وعلوم وفنون ظاہری کی لذت کا حصول مطلوب ہوگا تو کشوف علوم و معارف ربانیہ سے محرومی ہوگی۔ اگر بقاء وجود مطلوب تھی تو تجلی صفات جمال وجلال میں فنافی اللہ وبقاء باللہ کی نعمت سے محرومی نصیب ہوگی۔

تفسیر عالمانہ ان الذی فرض علیک القرآن۔ بیشک اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے آپ پر قرآن کی تلاوت وتبلیغ اور اس پر عمل کرنا واجب فرمایا لرادك مرنے کے بعد لوٹانے والا ہے الرد بمعنی الصرف والارجاع۔ الی معاد۔ مرجع عظیم کی طرف کہ جسے دیکھ کر اولین وآخرین رشک کریں گے اسی سے مقام محمود مراد ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اعمال اور تبلیغ احکام میں مشقت اور تکلیف برداشت کرنے پر وعدہ فرمایا ہے کہ آپ کو قیامت میں مقام محمود سے نوازوں گا۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اس سے بہشت مراد ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی وجہ سے بالقوہ ہم سب پہلے بہشت میں تھے۔ اس معنیٰ پر معاد کا معنیٰ صحیح ہوا ورنہ **معاد** تو اس مقام کو کہتے ہیں جہاں پہلے قیام ہو تو پھر کسی وجہ سے وہاں سے دوسری جگہ چلے جانے کے بعد لوٹنا پڑے۔ ہماری اوپر والی تقریر سے معاد کا معنیٰ ہم سب کے لیے صحیح ہوا۔ امام راغب نے فرمایا کہ یہی معنی صحیح ہے اس لیے کہ اسے امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا اور اس بالقوہ کے اعتبار سے ضروری نہیں ہوتا کہ بالفعل بھی ہو تو لفظ معاد مستعمل ہو ورنہ نہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں پر لفظ معاد مکہ مکرمہ مراد ہے جیسے اہل عرب کہتے ہیں۔ رد فلان الی معادہ فلاں مکہ کو لوٹایا گیا وہ اس لیے کہ انسان دوسرے علاقوں سے کاروبار کرنے کے بعد بالآخر اپنے شہر (گھر) لوٹتا ہے اور یہ آیت جحفہ میں نازل ہوئی (جحفہ بتقدیم الجیم المضمومہ علی الحاء الساکنہ) یہ ایک مقام کا نام ہے جو مکہ معظمہ ومدینہ منورہ کے درمیان میں واقع ہے۔ یہی شام والوں کا میقات ہے (کذا فی التفسیر الفاتحہ للفناری رحمہ اللہ الباری) اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ کو اس مکان پہ واپس لوٹائیں گے جو عظمت کا مرکز ہے اور جو اس سے نکل جائے گا اس سے مکہ معظمہ مراد ہے جو آپ کا دنیوی وطن ہے۔

شان نزول کا واقعہ

جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم غار ثور سے نکل کر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کے لیے تشریف لے جا رہے تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ راستہ سے ہٹ کر چل رہے تھے اس ارادہ پر کہ دشمن پیچھا کر رہے تھے کہیں گزند نہ پہنچادیں۔ جب تسلی ہوئی کہ دشمن سے امن ہوا تو آپ سیدھے راہ پر تشریف لائے اور چلتے چلتے جحفہ کے مقام پر نزول اجلال فرمایا اور یہ ایک بستی تھی مکہ معظمہ سے بائیس میل کے فاصلہ پر اسے مہیعہ بھی کہا جاتا تھا

یہ غلاموں نے آباد کیا تھا اور یہ عاد کے بھائی تھے جنہیں عمالقہ نے یثرب سے نکالا۔ پھر ان پر سیلاب کا حملہ ہوا تو وہ انہیں بہا کر لے گئی۔ یہ اجحاف سے بمعنی اذہاب اس لیے اس بستی کا نام جحفہ پڑ گیا۔ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہیں پہ نزول اجلال فرمایا تو آپ کو مکہ معظمہ یاد آ گیا کیونکہ یہ آپ کا اور آپ کے آباء کا مولد اور وطن تھا اور اس میں آپ کا تمام قبیلہ آباد تھا اور حرم ابراہیم علیہ السلام ہونے کا شرف بھی حاصل تھا ؎

مشتاب ساربان کہ مرا پائے در گلست
بیرون شدن ز منزل اصحاب مشکلست
چوں عاقبت ز صحبت یاران بریدنیست
پیوند با کسی نکند ہر کہ عاقلست

ترجمہ: "اے شتربان جلدی نہ کیجئے اس لیے کہ میرے پاؤں کیچڑ میں پھنسے ہوئے ہیں اس لیے دوستوں کے گھروں سے باہر جانا مشکل ہے جبکہ دوستوں سے جدا ہونا ہے تو عاقل وہ ہے جو کسی سے تعلق نہیں جوڑتا۔"

اور کسی نے فرمایا ؎

فتنہا در انجمن پیدا شود از شور من
چوں مرا در خاطر آید مسکن و ماوائی دوست

ترجمہ: میری وجہ سے انجمن میں فتنے ہیں ہیں جبکہ مجھے دوست کا مسکن اور ٹھکانا یاد کرتا ہے۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ معظمہ کے لیے اشتیاق دیکھ کر حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی کیا آپ کو مکہ معظمہ کا اشتیاق ہے گویا آپ نے جبریل علیہ السلام سے فرمایا ؎

ع ممکن نہ شد شرح وہم اشتیاق را

ترجمہ: ممکن نہیں کہ میں اپنا اشتیاق بیان کروں۔

اللہ تعالیٰ نے یہی آیت نازل فرمائی اور آپ کو تسلی دی کہ آپ کو اس پر غلبہ اور فتح و نصرت دوں گا بلکہ پھر آپ اسی شہر میں بلا خوف و خطر تشریف لائیں گے۔ آپ سے وہ نہ ہوگا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوا کہ حران بلدۂ کفر سے ہجرت کر کے ارض مقدسہ کی طرف تشریف لے گئے تو پھر واپس وطن کو نہ ہوئے۔ اسی طرح اسمٰعیل علیہ السلام ارض مقدسہ سے ہجرت کر کے مکہ معظمہ میں آئے تو پھر واپس نہ جا سکے۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

سروش عالم غیبم بشارتے خوش داد
کہ کس ہمیشہ بگیتی دژم نخواہد ماند

marfat.ocm

ترجمہ: یعنی فرشتہ ہر وقت آواز دے رہا ہے کہ دنیا کی کھیتی میں کسی نے ہمیشہ نہیں رہنا۔

تفسیر صوفیانہ: حضرت ابن عطاء نے کہا ہے کہ وہ ذات جس نے آپ پر قرآن کا پڑھنا آسان کیا وہی ذات آپ کو اپنے اصلی وطن کو پہنچائے گی یہاں تک کہ پھر ہر وقت اسرار و رموز کا مشاہدہ کرتے رہو گے۔ چنانچہ تاویلات الکاشفی میں ہے کہ معاد کا معنی ہے احدیت ذات فنافی اللہ اور جمیع صفات کے ساتھ مقام تحقیق میں باقی باللہ ہونا۔ اس کے سبب ہو الیہ تعود کا راز منکشف ہوتا ہے ؎

چوں روز بد ایں و آں را ابتداء
ہم بود باید کہ باشد وتنہا
نورہائے را کہ کرد از حق طلوع
جملہ را ہم سوئے او باشد رجوع

ترجمہ: جب کہ اسی سے ہے ہر شے کی ابتداء تو اسی کی طرف ہے ہر شے کی انتہا اس لیے کہ جملہ انوار کا طلوع اس ذات سے ہے اس معنیٰ پر سب کا رجوع اسی کی طرف ہے۔

ربط: آنے والے مضمون کو وعدہ سابق کو پختہ ظاہر کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔

تفسیر عالمانہ: قل ربی اعلم۔ فرمائیے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم میرا رب خوب جانتا ہے۔ من جاء بالھدی۔ اسے جو ہدایت لایا اور اسے جو آخرت میں ثواب دنیا میں فتح و نصرت کا مستحق ہے۔ ومن ھو فی ضلال مبین۔ اور اسے جو کھلی گمراہی میں ہے اس سے مشرکین مراد ہیں۔

فائدہ: آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہدایت والوں کو فتح و نصرت سے نوازتا ہے اور گمراہ کو مقہور و مغلوب کرتا ہے اور ہر دکھ کے بعد سکھ ہے اور جو صبر کرتا ہے اس کا انجام عنقریب سامنے آجائے گا۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔

حکایت: کوئی شخص کشتی پر سوار تھا طغیانی سے کشتی پاش پاش ہوگئی تو وہ کسی ایک جزیرے میں جا پڑا اس میں تین دن تک رہا۔ کوئی انسان وہاں دکھائی دیا اور نہ کچھ کھایا تو اس نے مثال دیتے ہوئے کہا ؎

اذا شاب الغراب اتیت اھلی
وصار القیر کاللبن الحلیب
وصار البر مسکن کل حوت
وصار البحر مرتع کل ذیب

ترجمہ: جب کوا بوڑھا ہو گا اور جب کالا تیل دودھ کی طرح سفید ہو گا اور جب جنگل مچھلیوں کا گھر بنے گا اور جب دریا بھیڑیوں کی چراگاہ بنے گا تو میں گھر آؤں گا۔

اس کے یہ اشعار سن کر ہاتف نے جواب دیا

عسی الکرب الذی امسیت فیہ
یکون وراءہٗ فرج قریب
فیأمن خالف ویفك عان
و یأتی اھلہٗ الرجل الغریب

ترجمہ: جو جس دکھ درد میں ہے وہ عنقریب بہت بڑی کشادگی دیکھے گا۔ خوف زدہ امن پائے گا اور قیدی قید سے آزاد ہوگا اور مسافر غریب اپنے اہل و عیال میں واپس لوٹے گا۔

وہ شخص کہتا ہے کہ تھوڑی دیر گزری میرے تمام دکھ درد کافور ہو گئے۔

حُبِ وطن کے کرشمے

آیت میں حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ (وطن کی محبت ایمان کی علامت ہے) کی طرف اشارہ ہے حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکثر اوقات الوطن الوطن کہا کرتے یعنی وطن کو بہت یاد فرماتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کی آرزو پوری فرمائی (یعنی آپ کو شبِ معراج اپنے اصلی وطن کی سیر کرائی گئی)

اہلِ عرب کے مقولے: اہلِ عرب کہتے ہیں نحن الی اوطاننا وان کان عہدھا بعید۔ ہم وطن میں ہیں اگرچہ وہ بظاہر کتنا دور سہی۔ والطیر الی وکرہ وان کان موضعہ مجدبا۔ پرندے اپنے گھونسلے میں خوش رہتے ہیں اگرچہ وہ معاش کے لحاظ سے تنگی میں ہوں۔ والانسان الی وطنہ و ان کان غیرہ اکثر لہ نفعا۔ انسان اپنے وطن میں خوش ہوتا ہے اگرچہ اس کے غیر نفع میں اس سے زیادہ ہوں۔

حکایت: مروی ہے کہ حضرت اصیل الغفاری رضی اللہ عنہ آیت حجاب کے نزول سے پہلے مدینہ طیبہ میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوئے تو اس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا مکہ معظمہ کا حال سنایئے۔ انہوں نے فرمایا کہ اس کی کھیتی ہری بھری اور اس کی وادیاں سفید ترین اور اس کی گھاس تر و تازہ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اصیل بس کیجئے مجھے زیادہ محزون نہ کیجئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر وطن کی محبت دل میں نہ رکھی جاتی تو ویران مقامات ویران اور غیر آباد رہ جاتے وطن کی

marfat.ocm

محبت سے ہی شہر آباد ہوتے ہیں۔

سبق: یہ صحیح ہے کہ وطن کی محبت انسان کی فطرت میں داخل ہے لیکن اس پر لازم ہے کہ اسے ایسے مقام کو وطن بنانا چاہیئے جہاں دینداری بلکہ دین پروری کا جذبہ ہو اور وہ لوگ دینی معاملات میں اس کا تعاون کریں۔

صحبت کا گر: حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ صحبت کیسی ہونی چاہیئے۔ آپ نے فرمایا کہ صحبت ایسے شخص سے ہونی چاہیئے جس سے گفتگو کے ساتھ علمی اضافہ ہو اور جس کی دوستی سے دیدارِ الٰہی کی طلب کا جذبہ اور آخرت کے اعمال میں رغبت ہو۔

حضرت شیخ قدس سرہٗ نے فرمایا۔

سعدیا حب وطن گرچہ حدیث است صحیح
نتواں مرد بسختی کہ من ایں جا زادم

ترجمہ: اے سعدی وطن کی محبت اگرچہ صحیح حدیث ہے لیکن سختی کی زندگی بسر کرنا بھی اچھا نہیں۔"

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا۔

دیا ریار مردم را مقید می کند ورنہ
چہ جائے فارسی کیں محنت جہاں یکسر نمی ارزد

ترجمہ: لوگ اپنے گھروں میں مقید رہتے ہیں اور وہاں رہنا ہی کیا جہاں انسان کی کوئی عزت نہ ہو۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ دوستوں اور وطن سے جدائی برداشت کرے لیکن مالکِ حقیقی سے جدائی کی نہ سوچے۔

لکل شیٔ اذا فارقتہ عوض
و لیس للہ ان فارقت من عوض

ترجمہ: ہر شے کی جدائی کا بدل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی جدائی پر بدل نہیں ملے گا۔

سبق: ماسوی اللہ کی محبت دل سے ہٹا دو قبل اس سے کہ تمہیں اضطراراً دنیا سے رخصت ہونا پڑے۔

الفت مگیر ہم چو الف ہیچ با کسے
تا بستہ الم نشوی وقت انقطاع

ترجمہ: الف کی طرح کسی سے الفت مت کر تا کہ جدائی کے وقت دکھ درد نہ ہو۔

حکایت: حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں سفر کرتے کرتے ایک شہر میں پہنچا۔ شہر کے اندر چلا گیا وہاں ایک بلڈنگ دیکھی اس کے ساتھ ایک نہر جاری تھی اس سے جا کر وضو کیا بلڈنگ کے اوپر دیکھا تو ایک نوجوان نہایت حسین وجمیل لڑکی کھڑی تھی۔ اس نے کہا کہ اے ذوالنون میں نے تجھے دور

سے دیکھ کر سمجھا کہ تم مجنوں ہو۔ جب آپ نے وضو کیا تو خیال کیا کہ آپ عالم دین ہیں۔ جب آپ وضو سے فارغ ہوئے تو یقین ہو گیا کہ آپ عارف ہیں لیکن اب معلوم ہوا کہ آپ نہ مجنوں ہیں نہ عالم ہیں نہ عارف۔ میں نے کہا وہ کیسے اُس نے کہا اگر مجنوں ہوتے تو آپ وضو نہ کرتے اور اگر آپ عالم ہوتے تو آپ بیگانے مکان کو نہ دیکھتے اور نا ہی عورت کی طرف دیکھتے۔ اگر آپ عارف ہوتے تو ماسوی اللہ کے تصورات میں نہ ڈوبے ہوتے۔ (کذا فی مجلس الخلوۃ و انیس الوحدہ)

تفسیر عالمانہ: وماکنت۔ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ نہیں تھے۔ ترجوان یلقی الیک الکتاب۔ آپ اُمید نہیں رکھتے تھے کہ آپ پر بھیجی جائے گی۔ یلقی بمعنی یرسل وینزل۔ یہ عجمیوں کے محاورہ کے مطابق ہے چنانچہ وہ ارسال وغیرہ کے لیے القاء (ڈالنا افگندن) وغیرہ استعمال کرتے ہیں (کذا فی کشف الاسرار)

اب معنیٰ یہ ہوا کہ آپ کو اپنے وطن کو واپس لوٹایا جائے گا اور یہ وعدہ پورا ہو کر رہے گا چنانچہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ باوجودیکہ آپ اپنے لیے قرآن مجید کے نزول کے اُمیدوار نہیں تھے لیکن ہم نے اپنے فضل و کرم سے نازل فرما دیا تو جیسے یہ وعدہ پورا ہوا وہ بھی پورا ہو گا گویا یہ وعدۂ سابق کی تاکید و تقریر ہے۔ الا رحمۃ من ربك۔ مگر رحمت ہے تیرے رب تعالیٰ سے یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور کرم نوازی ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے دولت قرآن سے نوازا ہے اب آپ پر لازم ہے کہ اس پر عمل کریں۔ یہ استثناء منقطع ہے۔

یہی آیت لے کر بد مذاہب بالخصوص دیوبندی۔ وہابی۔ مودودی۔ نجدی وغیرہم نبوت کا شان کم بتانے کے لیے عوام کو بہکاتے ہیں ہم اس کا جواب مندرجہ ذیل میں عرض کیے دیتے ہیں تاکہ نبوت و رسالت کے عاشق رہو۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ظاہر میں یہ خطاب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن اس سے اہل ایمان مراد ہیں اس لیے اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا نے ترجمہ میں عام خطاب لکھا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خطاب میں آپ کی قدر و منزلت کا اظہار مطلوب ہے کہ اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین کے خطاب کے اہل صرف محبوب ہی ہیں اگرچہ خود مراد نہ ہوں بلا تمثیل یوں سمجھیے کہ بادشاہ وقت شہر کا دورہ کرے لیکن صفائی کی حالت سے ناخوش ہو کر خواص سے گفتگو کرے گا اس قاعدہ پر تمام اس طرح کے خطابات کی ایک تقریر یہی ہو گی۔ قواعد کی تقریر فقیر کی کتاب احسن البیان میں اور آیات کی تفسیر فقیر کی کتاب "احسن التحریر" میں پڑھیے۔ فقیر اویسی غفرلہٗ

marfat.ocm

تفسیر صوفیانہ: تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ وما کنت ترجوا ان یلقی الیك الکتاب۔ الکتاب سے قرآن مجید مراد ہے الالقاء میں اشارہ ہے کہ جیسے اکسیر تانبے کو سونا بناتی ہے ایسے ہی قرآن مجید سے انسانیت کا جوہر اکسیر ہویت سے محرومیت نصیب نہیں ہوتی۔

الا رحمۃ من ربك۔ جب تک کہ تیرے رب تعالیٰ کی رحمت نہ ہو اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خصوصیت حاصل ہے کہ دوسرے انبیاء کرام علیہما السلام الواح و صحف میں ظاہری طور پر نازل ہوتے اور ہمارے آقا و مولیٰ کے قلبِ اطہر پر قرآن مجید القاء کیا جس نے اکسیر کی سی صورت پیدا کی۔ فلا تکونن ظهیرا للكفرین تو کافروں کی پشت پناہی نہ کیجئے جب تک کہ وہ کفر کا ارتکاب کرتے رہیں بلکہ آپ اہلِ ایمان کی مدد فرمایئے ولا یصدنك اور کافر ہی آپ کو روکیں۔ عن اٰیاتِ اللہ۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کی قرأت اور ان پر عمل کرنے سے۔ بعد اذ انزلت الیك بعد اس کے کہ آپ پر وہ آیات اتریں اور آپ کے ہاں پڑھی گئیں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ کو کفار نے اپنے آباؤ اجداد کے دین کی دعوت دی اور کہا کہ آپ ہمارے معبودوں کی پرستش اور ہمارے دین کی موافقت کریں۔

وادع الی ربك۔ اور آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت و توحید کی طرف بلائیں۔ ولا تکونن من المشرکین اور مشرکین کی موافقت کرکے منجملہ ان سے نہ ہو جایئے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اور دعوت دیتے وقت مشرکین سے نہ ہو جایئے کہ طلب حق و عشاق الٰہی کو جنت اور اس کی نعمتوں کو دعوت دیں کیونکہ اہلِ حق کے نزدیک بہشت کے لالچ میں عبادت کرنا بھی شرک ہے بلکہ انہیں صرف اور صرف خالصتاً اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دیں اس میں جنت اور اس کی نعمتوں کا ذکر تک نہ ہو۔

فائدہ: فتح الرحمٰن میں ہے کہ آیت موادعۃ و مهادنۃ کو متضمن ہے اور یہ آیت سیف سے منسوخ ہے۔

تفسیر عالمانہ: ولا تدع مع اللہ الٰها اٰخر۔ کاشفی نے لکھا کہ ان آیات کے مخاطب حضور تاجدار انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں لیکن اس سے امت مراد ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خطاب کرنے کفار و مشرکین کی امیدوں پر پانی پھیرنا کہ کبھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی موافقت فرمائیں گے۔

نکتہ: نیز اس میں اشارہ بھی ہے کہ امور بالا ایسے قبیح ترین کہ باوجودیکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا صدور ناممکن بلکہ ممتنع ہے لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں روکا ہے۔ لا الٰہ الا اللہ۔ اللہ واحد کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ کل شیءٍ ہر شے وہ انسان ہو یا حوریں جن ہو یا شیطان اور فرشتے ہوں یا حوریں، جنت ہو یا دوزخ اور عرش ہو یا کرسی وغیرہ۔ هالك یہاں پر ہلاک بمعنی یعنی ہر شے فانی باطل و معدوم ہوگی۔ اگرچہ بعض اشیاء کا ایک لحظہ ہی سہی الا وجهه

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

شہود یار در اغیار مشرب جامست
کدام غیر کہ لاشے فی الوجود سواہ

ترجمہ: یار کا مشاہدہ اغیار میں ہے اور اغیار ہے کون جب اس کے سوا اور کوئی ہے نہیں۔

لہ الحکم۔ اسی کا حکم اور مخلوق میں اس کی قضا و قدر نافذ ہے **والیہ** اور صرف اسی کی طرف ہے۔ **ترجعون** جزار بالحق والعدل کے ساتھ قیامت میں لوٹائے جاؤ گے۔ جو اضطراراً لوٹایا گیا وہ اللہ تعالیٰ کو قہار و جبار پائے گا اور اسے اس کا پورا حساب کیا جائے گا اور جو اختیاراً لوٹایا جائے گا وہ اللہ تعالیٰ معافی دینے والا اور بخشنے والا پائے گا۔ اسے اللہ تعالیٰ اجر و ثواب سے نوازے گا اور فنا سے پہلے فنا ہونے کو اختیاری موت کہا جاتا ہے اور یہ فنار یوں نصیب ہوتی ہے کہ تعینات کے حجابات ہٹ جاتے ہیں اور انانیت کا وجود مٹ جاتا ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

اے برادر چو عاقبت خاکست
خاک شو پیش از آنکہ خاک شوے

ترجمہ: اے بھائی جب بالآخر مٹنا ہے تو پھر مٹنے سے پہلے ہی مٹ جا۔

فائدہ: شرح عوارف میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے **فہلك** نہیں فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ کل اشیاء کا وجود اسی کے وجود میں آج بھی فانی ہے۔ اسے کل قیامت تمام لوگ آنکھوں سے دیکھیں گے اگرچہ خواص آج بھی اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں اور عوام جسے بعید دیکھ رہے ہیں وہ کل قیامت میں اسے قریب دیکھیں گے۔

ع باوجود تو زمن راست نیاید کہ منم

ترجمہ: تیرے وجود کے بالمقابل مجھے کتنا نامناسب سا ہے کہ کہوں میں بھی ہوں۔

سوائے ذات الٰہی کے کہ وہ واجب الوجود ہے اور اس کا ماسوا ممکن الوجود اور مٹنے کے لیے بنایا گیا ہے اور الوجہ یہاں پر ذات الٰہی مراد ہے۔

فائدہ: ابو العالیہ نے فرمایا کہ ہر شے فانی ہے سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا اعمال سے۔ **حدیث شریف** میں ہے کہ ہر عمل قیامت میں لایا جائے گا اور فرمان ہوگا کہ اس میں امتیاز کرو کہ کونسا عمل خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اس کے ماسوا کو دوزخ میں پھینک دو۔

فائدہ: بعض عارفین نے فرمایا **وجہہ** کی ضمیر شے کی طرف راجع ہے۔ اب معنیٰ یہ ہے کہ ہر شے فانی ہے مگر وہ شے جس کی جہت اللہ تعالیٰ سے متعلق ہو اس کی تقریر یوں ہے کہ ہر ممکن کا وجود اور عاریت وہ ہے جو وجود باری تعالیٰ کو عارض ہے

marfat.ocm

اگرچہ ممکن کا وجود امر اعتباری اور خارج میں معدوم ہے من حیث ہو ہو وجود کے قابل نہیں جیسے باری تعالیٰ کا وجود من حیث ہو ہو عدم کے قابل نہیں۔ چنانچہ بعض عارفین نے فرمایا کہ اعیان من حیث تعینات عدمیہ جیسے حدوث امکان یہ راجع ہے عدم کی طرف اگرچہ باعتبار حقیقت و تعینات وجود کے وجود باری تعالیٰ کے عین ہیں۔ اسی لیے عارفین فرماتے ہیں کہ مخلوق عدم ہے اور وجود کل کا کل اللہ تعالیٰ ہے اور اس قول سے کسی فرد بشر کو انکار نہیں اور عرفاء اسی معنیٰ پر کہتے ہیں کہ وجود صرف اللہ تعالیٰ کا ہے اور بس۔

حضرت مغربی نے فرمایا ۔

غیر تو نیست اما ہستی ہمی نماید
چوں پیش چشم تشنہ در بادیہ سرابے

ترجمہ: تیرا غیر ہے ہی نہیں اگر کوئی ہستی کسی کو نظر آتی ہے تو وہ ایسے ہے جیسے پیاسے کے سامنے سراب پانی نظر آتا ہے یعنی تمام صورتیں خیال ہیں۔

فائدہ: حضرت شیخ ابوالحسن بکری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ماسوا اللہ سے ہر وقت پناہ مانگتا ہوں اس لیے کہ فانی پر لازم ہے کہ وہ اپنی انانیت کے وجود کے اثبات پر پناہ مانگے اور عارف تو وجود موہوم کا قائل ہے ہی نہیں بلکہ وہ حقائق توحید میں وجود موہوم کو فنا کر دیتا ہے بلکہ سر وحدۃ ذاتیہ و ہویۃ الٰہیہ کی تحقیق کے درپے رہتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: کشف الاسرار میں کہا ہے کہ ھُوَ ایک اکیلا حرف ہے اس میں اشارہ ہے کہ اللہ اکیلا ہے۔ ذات میں نہ کوئی اس کا شریک ہے نہ صفت میں۔ نیز اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ اس کا وجود بھی ہے اور صفات بھی۔ ھُوَ کا اصل ھاء ہے اور واو زائدہ ہے اور یہی نفس کی قرارگاہ ہے اسی لیے اس کا تثنیہ ھُمَا آتا ہے ورنہ قیاس کا تقاضا تھا کہ ھُوَا ہو۔ تاکہ معلوم ہو کہ وہ اپنی ذات و صفات کے اعتبار سے تنہا و یگانہ ہے اس لیے انسان پر لازم ہے کہ اسے تنہا و یگانہ جیسے زبان سے مانے ایسے ہی دل سے تصدیق کرے بلکہ دل میں اس عقیدہ کو راسخ کرے کہ اس کی ذات کے تصور باندھنے کے وقت زبان کو محسوس تک نہ ہو اور نہایت پختگی کے ساتھ اس تصور کو سامنے رکھے یہاں تک کہ عین الیقین کا مرتبہ نصیب ہو اور ایسے لوگ اپنے دل غیریت سے پاک و صاف رکھتے ہیں جن کے سینوں میں صرف ذاتِ حق کا تصور پختہ ہے۔

حکایت: ایک شخص جا رہا تھا تو اس سے کسی نے سوال کیا کہ کہاں سے آ رہے ہو اس نے کہا ھُوَ پھر سوال کیا کہاں جاؤ گے جواب دیا ھُوَ۔ پھر پوچھا یہ کس کام کو جا رہے ہو کہا ھُوَ۔ سائل جو سوال کرتا اس کے جواب میں ھُوَ بولتا۔ کسی نے ایسے مرتبہ والے لوگوں کے لیے کہا ہے۔ ؎

از بس کہ دو دیدہ در خیالت دارم
در ہر چہ نگہ کنم توئی پندارم

ترجمہ: میں دونوں آنکھیں تیرے خیال میں رکھتا ہوں۔ نگاہ کرو گے تو میں اسی کو تیری ذات پر گمان کروں گا۔

عابدین کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور عاشقین کے نزدیک مقصود صرف وہی اور مکاشفین وواجدین کے نزدیک موجود اس کے سوا اور کوئی نہیں۔

صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے سورہ قصص کو سنہ ۱۱۰۱ھ ربیع الاول کے اواخر میں ختم کی۔

فقیر اویسی غفرلہٗ نے سنہ ۱۳۹۰ھ بتاریخ ۲۸ ذوالحجہ بروز سوموار صبح آٹھ بجے اس کے ترجمے سے فراغت پائی۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

وصلی اللہ علی حبیبہٖ خیر خلقہ سید الانبیاء وامام المرسلین رحمۃ للعلمین سیدنا ومولانا وماوانا وملجانا محمد وعلی الہٖ واصحابہٖ وازواجہٖ وذریاتہٖ واہلِ بیتہٖ واحبائہٖ واولیاء اُمتہٖ وعلماء ملتہٖ وبارک وسلم اجمعین۔

حررہٗ الفقیر القادری ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ

غرتبکدہ بہاولپور ۲۸/۱۲/۹۰ء

سُورَةُ الْعَنْكَبُوتِ مَكِّيَّةٌ ٢٩ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ آيَاتُهَا ٦٩ رُكُوعَاتُهَا ٧

سورہ عنکبوت مکی ہے اور اس میں اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا انہتر آیتیں اور سات رکوع ہیں

الٓمّٓ ① اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْۤا اَنْ یَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ②

کیا لوگ اس گھمنڈ میں ہیں کہ اتنی بات پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ کہیں ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ

وَ لَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا

ہوگی اور بے شک ہم نے ان سے اگلوں کو جانچا تو ضرور اللہ سچوں کو دیکھے گا

وَ لَیَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِیْنَ ③ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ اَنْ

اور ضرور جھوٹوں کو دیکھے گا یا یہ سمجھے ہوئے ہیں وہ جو برے کام کرتے ہیں کہ ہم سے

یَّسْبِقُوْنَا سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ④ مَنْ كَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ

کہیں نکل جائیں گے کیا ہی برا حکم لگاتے ہیں جسے اللہ سے ملنے کی امید ہو تو بے شک اللہ کی میعاد ضرور

اللّٰهِ لَاٰتٍ وَ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ⑤ وَ مَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا یُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ

آنے والی ہے اور وہی سنتا جانتا ہے اور جو اللہ کی راہ میں کوشش کرے تو اپنے ہی بھلے کو کوشش کرتا

اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ⑥ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

ہے بے شک اللہ بے پرواہ ہے سارے جہان سے اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے ہم

لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَ لَنَجْزِیَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِیْ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ⑦

ضرور ان کی برائیاں اتار دیں گے اور ضرور انہیں اس کام پر بدلہ دیں گے جو ان کے سب کاموں میں اچھا تھا

وَ وَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ حُسْنًا وَ اِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ

اور ہم نے آدمی کو تاکید کی اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کی اور اگر وہ تجھ سے کوشش کریں کہ تو میرا شریک ٹھہرائے

لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑧

جس کا تجھے علم نہیں تو ان کا کہا نہ مان میری ہی طرف تمہارا پھرنا ہے تو میں بتا دوں گا تمہیں جو تم کرتے تھے

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِی الصّٰلِحِیْنَ ⑨

اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے ضرور ہم انہیں نیکوں میں شامل کریں گے

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَاۤ اُوْذِیَ فِی اللّٰهِ جَعَلَ

اور بعض آدمی کہتے ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے پھر جب اللہ کی راہ میں انہیں کوئی تکلیف دی جاتی ہے تو لوگوں کے

فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ وَ لَىِٕنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَیَقُوْلُنَّ

فتنہ کو اللہ کے عذاب کے برابر سمجھتے ہیں اور اگر تمہارے رب کے پاس سے مدد آئے تو ضرور کہیں گے

إِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۚ أَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِأَعْلَمَ بِمَا فِي صُدُورِ الْعٰلَمِيْنَ ⑩
ہم تو تمہارے ہی ساتھ تھے کیا اللہ خوب نہیں جانتا جو کچھ جہان بھر کے دلوں میں ہے
وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ⑪ وَقَالَ
اور ضرور اللہ ظاہر کردے گا ایمان والوں کو اور ضرور ظاہر کردے گا منافقوں کو اور کافر
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ؕ
مسلمانوں سے بولے ہماری راہ پر چلو اور ہم تمہارے گناہ اٹھالیں گے حالانکہ
وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ إِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ⑫
وہ ان کے گناہوں میں سے کچھ نہ اٹھائیں گے بے شک وہ جھوٹے ہیں
وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَّعَ أَثْقَالِهِمْ ز وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
اور بے شک ضرور اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور بوجھ اور ضرور قیامت کے دن پوچھے

عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ⑬ ع
جائیں گے جو کچھ بہتان اٹھاتے تھے

سورۃ العنکبوت مکیہ ہے اور اس کی چھیاسٹھ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع وہ بڑا مہربان رحم کرنے والا ہے۔

تفسیر عالمانہ: **الٓمٓ**۔ کاشفی نے لکھا ہے کہ حروف مقطعات مخلوق کو عاجز کرنے کے لیے نازل ہوئے ہیں تاکہ انہیں معلوم ہو وہ کتاب کے حقائق کی کنہ سے عاجز ہیں۔ کسی کامل کو اس کی آگاہی نہیں۔ ع

خرد عاجز و فہم دروے کم است

عقل عاجز اور فہم اس کے ادراک سے بے خبر ہے

اس سورۃ کے پہلے حرف الف میں اسم اللہ اور لام میں لطیف اور م مجید کی طرف اشارہ ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے فرماتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ ہوں فلہذا صرف میری اطاعت کیجئے اور میں لطیف ہوں تو میری عبادت میں خلوص کیجئے اور میں مجید ہوں اس لیے کسی دوسرے کی بزرگی کو تسلیم نہ کیجئے۔

فائدہ: صاحب روح البیان نے فرمایا کہ کسی مصیبت میں گرفتار کرنا بھی منجملہ الطاف سے ہے اس لیے کہ اس میں اس کا ارادہ ہوتا ہے کہ بندے کے جوہر کو کدورت کونیہ سے پاک اور اس کے باطن کو علائق امکانیہ سے صاف کرے اور یہ بھی اس کی مجد و عظمت ہے کہ ہر شے اس کے سامنے عجز و نیاز کا اظہار کرتی ہے۔ اس کی تسخیر و قدرت سے کوئی شے باہر نہیں ہو سکتی اور نہ ہی اس کے ابتلاء کے قبول سے روگردانی کر سکتی ہے۔

marfat.ocm

دوسری تقریر: الف میں اشارہ ہے کہ وہ ہر شے سے مستغنی ہے بلکہ ہر شے اسی کی محتاج ہے چنانچہ الف کا طریقہ بتاتا ہے کہ وہ کسی حرف کا محتاج نہیں بایں معنی کہ کسی کے ساتھ اتصال کا محتاج نہیں بلکہ دوسرے حروف ہی اسی سے متصل ہونے کے لحاظ سے محتاج ہیں۔

احسب الناس۔ الحسبان بالکسر بمعنی الظن (قاموس) المفردات میں ہے الحسبان بمعنی نقیضین میں سے ایک کا دوسرے پر حکم لگانا ہے۔

شانِ نزول: یہ ان اہل ایمان کے حق میں نازل ہوئی جو مکہ معظمہ میں مقیم تھے جنہیں کفار مکہ اسلام کی وجہ سے ایذا دیتے اور طرح طرح کی سختیاں ڈالتے۔ اہلِ اسلام ان سے بہت سخت پریشان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تسلی کے لیے آیت ہذا نازل فرمائی۔

مسئلہ: آیت ہذا اگرچہ ایک مخصوص گروہ کے لیے نازل ہوئی لیکن اس کا حکم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رہتی دنیا تک باقی ہے۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ لوگوں نے گمان کیا ہے یعنی یہ گمان اچھا نہیں۔ **ان یترکوا۔** یہ کہ چھوڑ دیئے جائیں گے۔ یہ حسب کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے اس لیے کہ یہ مسند و مسند الیہ پر مشتمل ہے۔ ان دراصل لِاَنْ تھا۔ **یقولوا آمنا وھم** اس لیے کہ کہیں ایمان لائے حالانکہ **لا یفتنون** آزمائش نہ ہوگی ان کے اپنے اس دعوٰی میں جو ظاہر کرتے ہیں یعنی ان کا خیال ہے کہ ایمان کے اظہار کے بعد ان کا امتحان اور آزمائش نہ ہوگی حالانکہ اللہ تعالیٰ تو ان کو سخت تکلیفوں اور مشقتوں میں مبتلا کر کے ان کا امتحان لے گا۔ مثلاً کبھی ہجرت کا حکم دے گا تو کبھی جہاد کا امر فرمائے گا اور شہواتِ نفسانیہ کے ترک اور طاعات کی بجا آوری کا فرمان کرے گا۔ علاوہ ازیں دیگر مصائب و تکالیف جو نفوس و اموال سے متعلق ہوں گی تاکہ مخلص و منافق اور راسخ فی الدین اور مضطرب کا امتیاز ہو تاکہ صبر کر کے بلند مراتب و درجات کو حاصل کر سکیں خالی ایمان لانا اگرچہ خلوص سے ہو تب بھی دائمی عذاب جہنم سے نجات کا موجب نہیں بن سکے گا۔

عاشقاں را درد دل بسیار می باید کشید
جور یار و طعنۂ اغیار می باید کشید

ترجمہ: عاشقوں کو درد دل اٹھانا ضروری ہے۔ یار کا ظلم اور اغیار کی طعن و تشنیع بھی۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ **احسب الناس۔** وہ فراموشی شعار لوگ جو غفلت و بطالت کا شکار ہیں۔ **ان یترکوا ان یقولوا آمنا۔** کیا ان غافلوں کا خیال ہے کہ وہ ایسے ہی چھوڑے جائیں گے جو کہ کہتے ہیں کہ ہم تقلید اور جہالۃً ایمان لائے اور ان کا ایمان صرف دعوٰی ہی دعوٰی ہو اور ان سے کسی قسم کی آزمائی و ابتلاء نہ ہو۔ **وھم لا یفتنون** اور وہ دوستی میں خلوص کی بنا پر ان کو آزمائش نہ ہوگی۔ ورنہ ظاہر ہے کہ دوستی کے لیے آزمائش کسوٹی ہے جیسے سونا کسوٹی سے پرکھا جاتا ہے ایسے ہی دوستی آزمائش سے پرکھی جاتی ہے۔ یوں سمجھو کہ محبت و محنت جڑواں ہیں۔ ان میں صرف ایک نقطے کا فرق ہے اس میں اشارہ ہے کہ عشاق یار کے

نقطے کی طرح محض رضائے الٰہی کے پیش نظر اپنے آپ کو نیچا کر دیں اور تواضع و انکساری کو اپنا شعار بنالیں تو اللہ تعالیٰ انھیں محنت کے نون کے نقطے کی طرح بلند و ارفع کر دے گا اور جو شخص تکبر و غرور کرتا ہے اور دنیا میں محنت کے نقطے کی طرح اپنے لیے رفعت و بلندی چاہتا ہے تو اسے بار کے نقطے کی طرح نیچے کر کے ذلیل و خوار کر دیتا ہے۔ اسی لیے عرب کا قول مشہور ہے۔

عند الامتحان یکرم الرجل او یہان۔ امتحان کے وقت یا تو انسان کی عزت بڑھ جاتی ہے یا پھر ذلیل و خوار ہوتا ہے۔ اور صوفیہ کرام کا قاعدہ بھی مشہور ہے کہ **من زاد قدر معناہ زاد قدر بلواہ** جو معنیً بلند قدر رہتا ہے تو اس کی آزمائش میں اضافہ ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان کی آزمائش اس کے دین کے مقدار پر ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں فرمایا، انبیاء علیہم السلام بلاء و محنت میں مبتلا کیے جاتے ہیں بحیثیت نبوت کے پھر اولیاء بحیثیت ولایت کے اسی طرح دوسرے وہ لوگ جن کے مراتب اُن کے متصل پھر اسی طرح درجہ بدرجہ۔

فائدہ: عافیت چاہتا ہے جو ابتلاء آزمائش کی قدر و منزلت نہیں جانتا اور وہ اسے ایک عظیم مصیبت سمجھتا ہے ایسے ہی جسے اس کی قدر و منزلت معلوم ہے وہ اس ست ایسے راحت و فرحت محسوس کرتا ہے جیسے بیمار دوا اور علاج سے۔

صوفیانہ تقریر: نفوس کو آزمائش و ابتلاء میں اس لیے مبتلا کیا جاتا ہے کہ اس سے نفوس کی سستی و کاہلی دُور ہوتی اور احسن عمل کی رغبت پیدا ہوتی ہے اور قلوب کو اس لیے کہ قبول نقوش غیب کے لیے رنگ و آلائش سے صفائی نصیب ہوتی ہے اور ارواح کو اس لیے کہ علائق و عوائق سے نجات پاتے ہیں۔ اور اسرار کو اس لیے کہ انھیں شاہد کشف کے حجرے میں مبتلا کر کے آثار تجلی پر صبر کرنے کا اہل بنایا جاتا ہے یہاں تک کہ ذاتِ حق میں فنا پا کر بقا حاصل کرے۔

انسان کو سب سے بڑی آزمائش حفظ وجود توحید کے متعلق ہوتی ہے وہ اس طرح کہ بعض مواقع انسان کو شواہد حق کا مشاہدہ ہوتا ہے تو اس سے وہ دھوکہ کھا جاتا ہے کہ یہی حق کی ذات ہے حالانکہ اسے یہ کہتا تھا کہ یہ حق سے ہے اور ایسے مواقع پر بہت بڑے بڑے اُونچے مراتب والے مار کھا جاتے ہیں۔ بہت تھوڑے خوش قسمت اس امتحان میں کامیاب ہوتے ہیں۔

فائدہ: حضرت ابن العطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ خلق خدا کا خیال ہے کہ دعاوی محبت کے بعد انھیں ایسے ہی چھوڑا جائے گا۔ ان سے کسی قسم کی آزمائش نہ ہو گی اور نہ ہی حقائق محبت کا ان سے کسی قسم کا مطالبہ ہو گا اور حقائق محبت کا یہ معنیٰ ہے کہ عاشق کو بلاؤ محنت اور مشکلات و مصائب سے گھیرا دیا جاتا ہے۔ پھر وہ ہر بلاؤ محنت سے لذت محسوس کرتا ہے ایسے عاشق کو جسمانی محنت اور قلبی مصیبت اور مسری

marfat.ocm

مشقت اور روحانی کلفت میں مبتلا کیا جاتا ہے اور نفس کا امتحان ظاہراً امراض و محن سے ہوتا ہے اور حقیقۃً اس کا امتحان یہ ہے کہ وہ جب سے سن چکا ہے کہ **وماخلقت الجن والانس الا لیعبدون** تو اس پر لازم تھا کہ وہ عبادت و طاعت الٰہی میں زندگی بسر کرتا جب اُس نے اسی سے تکاہل و تساہل برتا تو سمجھو کہ ایسا نفس امتحان میں مبتلا ہے اور قلب کی آزمائش اس میں ہے کہ شوق الٰہی کے ہجوم و اژدہام میں گرفتار ہو اور وقتاً فوقتاً ذاتِ حق سے واردات وارد ہوں تو اُن کی حفاظت کرے اور ان کی حرمت و ہیبت سے اپنے اقوال پر کنٹرول کرے اور سر کی آزمائش کا ایک ایسا مقام ہے جہاں مخلوق کی رسائی نہیں اور جو وہاں پہنچا اس کا لوٹنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اور نہ ہی مخلوق کو وہاں تک رسائی ہوسکتی ہے اور رُوح کی آزمائش حصول کائنات اور اس پر قبضہ اور مشاہدات ربانی سے اور اس امتحان کی کسی کو قوت و طاقت نہیں۔ بوستان عشاق کے حق میں حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

دمادم شراب الم درکشند
وگر تلخ بینند دم درکشند
بلائے خمار ست در عیش مُل
سلحدار خارست باشاہ گل

ترجمہ: ہر آن شراب حقیقی کا ورد کھینچتے ہیں اگرچہ اس سے تلخی دیکھتے ہیں تو پھر صبر کرتے ہیں۔ شراب میں خمار کا خطرہ ہے جیسے گلاب کے ساتھ کانٹے کی تکلیف۔

نیز فرمایا ؎

نہ تلخست صبرے کہ بریاد اوست
کہ تلخی شکر باشد از دست دوست
اسیرش نخواہد رہائی ز بند
شکارش نجوید خلاص از کمند

ترجمہ: اس کی یاد میں صبر کڑوی نہیں ہوتی اس لیے کہ دوست کے ہاتھ سے کڑوی شے شیر و شکر ہوتی ہے۔ اس کا قیدی قید سے رہائی نہیں چاہتا نہ ہی اس کا شکار اس کی دام سے نجات چاہتا ہے۔

تفسیر عالمانہ: **ولقد فتنا** اور بیشک ہم نے امتحان لیا اور آزمائش میں ڈالا۔ **الذین من قبلھم** ان لوگوں کو جو ان سے پہلے گزرے اس سے انبیاء علیہم السلام اور ان کی اُمت کے نیک لوگ مراد ہیں۔ یعنی اللہ کا قدیم سے یہ طریقہ چلا آرہا ہے کہ بنا بر حکمت و مصلحت اس نے اپنے پیارے دوستوں محبوبوں سے ایسے ہی طریقہ جاری رکھا ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ اس کے خلاف توقع نہیں ہوسکتی۔ اسی لیے اہل اسلام کو ایسی

آزمائشوں اور امتحانوں سے گھبرانا نہیں چاہیئے بلکہ اگر غور سے دیکھیں تو سابقہ انبیاء علیہم السلام اور اُن کی اُمتوں کو سخت سے سخت آزمائش اور امتحان میں مبتلا کیا گیا اور اُنہوں نے صبر سے کام لیا۔ کما قال اللہ تعالیٰ وکاین من نبی قاتل معہ ربیون کثیر فما وہنوا لما اصابہم فی سبیل اللہ وما ضعفوا وما استکانوا۔ یعنی صورت مذکورہ ہر ایک نبی علیہ السلام اور ہر ایک اُمت کے نیک لوگوں سے ہوئی اور تم بھی یقین کرو کہ ایمان کی تکمیل آزمائش اور امتحان سے ہوگی۔ اس کسوٹی کے بغیر ایمان نامکمل ہوگا۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے پہلے لوگوں کو پکڑ کر ان کے سروں پر آرا پھیرا جاتا تھا جس سے وہ دو ٹکڑے ہو جاتے باوجود ایں ہمہ وہ اپنے دین حق سے ذرہ برابر ادھر اُدھر نہ ہوتے بلکہ بعض کو تو ہڈیوں اور گوشت میں لوہے کی کنگھی چبھو دی جاتی۔ تب بھی وہ اپنے دین حق پر مضبوط رہتے۔

فلیعلمن اللہ الذین صدقوا ولیعلمن الکاذبین۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ان تمام اشیاء کو قدیم سے جانتا ہے بلکہ یہ اشیاء پیدا بھی نہیں ہوئی تھیں تو انہیں جانتا تھا تو پھر اب انہیں جاننے کا کیا معنیٰ۔

جواب: یہاں علم سے ان کا اشیاء کا تعلق مراد ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ بعد اللہ تعالیٰ کے علم کا تعلق ان کے امتحان و آزمائش کے وقت موجود ہوا جیسے ان کے وجود سے پہلے اس کے علم میں تھا کہ وہ عنقریب ایسے ہوگا کہ ان میں بعض ایسے ہوں گے۔ ایمان باللہ میں صادق ہوں گے اور بعض ان میں اپنے کذب میں ہمیشہ کاذب رہیں گے۔ اسی صدق و کذب پر جزا و سزا مرتب ہوگی۔ اس لیے بعض مفسرین نے لیعلمن بمعنی لیمیزن یا لیجازین لکھا ہے یعنی اُنہوں نے علم بمعنی تمیز و مجازاۃ کہا یعنی یہاں پر سبب بول مراد ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ علم بمعنی تعلق حالی مراد ہے جو کہ وہ تمیز و مجازاۃ کا سبب ہے۔

صادق و کاذب

جو ایام راحت و فراخی میں شکر اور تکالیف پر صبر کرے وہ صادق ہے اور جو بوقت فراخی فخر و غرور کرے اور ایام مصیبت میں جزع و فزع کرے وہ کاذب ہے ؎

در محبت ہر کہ او دعویٰ کند
صد ہزاراں امتحاں بر وے زنند
گر بود صادق کشد بار جفا
ور بود کاذب گریزد از بلا

ترجمہ: محبت کے دم بھرنے والے کو ہزاروں مصیبتوں میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ اگر محبت میں سچا ہے تو تکالیف

marfat.ocm

برداشت کرتا ہے اگر جھوٹا ہے تو وہ مصائب سے بھاگتا ہے۔

آں بود دل کہ وقت پیچا پیچ
اندرو جز خدا نیابی ہیچ

ترجمہ: وہ دل جو مصیبت کے وقت اس میں سوائے خدا کی یاد کے اور کچھ نہ ہو۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں صادقین کے صدق اور کاذبین کے کذب کی طرف اشارہ ہے ان کی پرکھ مصائب و مشکلات میں مبتلا ہونے کے وقت ہوتی ہے جس سے مصائب و مشکلات کے وقت صبر کا اظہار ہو وہ سمجھو سچا جوہر ہے۔ اگر اس کے برعکس جزع و فزع اور کفرانِ نعمت کے وقت شکر و زاری کا صدور ہو تو یقین کرو کہ وہ جھوٹا جوہر ہے۔ ان کے کئی اقسام ہیں:۔

۱. بعض حضرات نزولِ بلا کے وقت صبر اور ورودِ نعمت کے وقت شکر کرتے ہیں وہ صادق کہلاتے ہیں (۲) جو لوگ نزولِ مصائب و ورودِ مشکلات کے وقت جزع فزع کرتے اور نعمتوں کے حصول کے وقت شکر نہیں کرتے انہیں کاذبین کہا جاتا ہے۔ بعض وہ ہیں جو نعمتوں اور خوش حالیوں سے خوشی کا اظہار نہیں کرتے اور نہ ہی عطائے الٰہی سے نفع اندوز ہوتے ہیں بلکہ وہ دکھ درد سے خوشی محسوس کرتے اور مصائب و مشکلات کے وقت سینہ تان کر کھڑے ہو جاتے ہیں وہ صدق میں منتہی کہلاتے ہیں۔

بلا و رنج کے فوائد

بلا و رنج انسان کے لیے ایسے ہیں جیسے طعام کے لیے نمک۔ انہی مصائب و بلیات کے نزول سے اللہ تعالیٰ کے اذن سے انسان کا وجود اصلاح پذیر ہوتا ہے جیسے طعام کی اصلاح نمک کے بغیر ناممکن ہے ایسے ہی انسانی وجود کی اصلاح بلیات و مصائب کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے بلیات و مصائب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ ہر مصیبت و تکلیف راحت و خوشی کے لیے بمنزلہ مقدمہ کے ہے۔

حکایت: منقول ہے کہ امیر نصر احمد سامانی کو اُستادِ محترم بچپن میں خوب مارتا تھا۔ امیر نصر احمد سامانی نے تہیہ کیا کہ جب بڑا ہوں گا اور تختِ شاہی پر بیٹھوں گا تو اُستاد سے بدلہ لوں گا۔ جب تختِ شاہی پر بیٹھا تو اسے اُستاد کی مار پٹائی یاد آئی تو خادم کو فرمایا اُستاد صاحب کو بلایئے چنانچہ خادم اُستاد صاحب کے ہاں پہنچا اور اُسے بلا کر لایا۔ اُستاد نے راستہ میں سے ایک سوکھی لکڑی اُٹھائی اور بادشاہ کے ہاں حاضر ہو گیا۔ بادشاہ نے حال دریافت کیا تو اُستاد نے ایک میوہ اُٹھا کر پیش کیا اور فرمایا خدا تعالیٰ آپ

کی عمر دراز فرمائے یہ میوہ فقیر (استاد) کی اس بار پٹائی کا نتیجہ ہے کہ آج آپ شاہی تخت پر بیٹھے ہیں یہ میوہ حاضر ہے اور آپ فقیر (استاذ) کی خدمت سے نفع اٹھائے بغیر مراتب و کمالات کو نہ پہنچتے۔ بادشاہ کو استاد کی بات پسند آئی اعزاز سے اپنے ساتھ بٹھایا اور انعام واکرام سے نوازا۔

تفسیر عالمانہ: ام حسب الذین یعملون السیّئات۔ کیا وہ لوگ جو کفر و معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں انہیں خیال ہے کہ ہم نے کفر و معاصی ہر دونوں کو سیئات میں اس لیے شامل کیا ہے کہ لفظ عمل ہر دونوں افعال جوارح و قلوب کے لیے مستعمل ہوتا ہے۔ ان یسبقونا لفظ سبق بمعنی تقدم فی السیر آتا ہے یعنی چلنے میں آگے ہو جانا پھر مجازاً ہر قسم کے آگے ہو جانے کے لیے مستعمل ہونے لگا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ ہم سے نکل جائیں گے یا ہمیں عاجز کر دیں گے کہ ہم انہیں اعمال کی سزا نہیں دے سکیں گے۔ یہ حسب کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے اس لیے کہ یہ مسند و مسند الیہ پر مشتمل ہے اور ام منقطعہ ہے بمعنی بل و ہمزہ اور بل سابق مضمون کے ابطال کے لیے ہے۔ لیکن یہاں پر یہ معنیٰ نہیں کیونکہ یہ پہلے حسبان کو باطل نہیں کر رہا ہے بلکہ یہاں پر بل انتقالیہ ہے بایں معنی کہ پہلے انہیں ان کے گمان پر توبیخ کی گئی کہ تم جس خیال میں ہو کہ ہم ایسے بیکار چھوڑے جائیں گے اور ہم سے کسی قسم کا امتحان و آزمائش نہ ہوگا۔ یہ خیال تمہارا غلط ہے۔

اب دوسرے مضمون کی طرف منتقل ہو کر دوبارہ زجر و توبیخ کی گئی کہ یہ بھی تمہارا خیال غلط ہے۔ اور ان کا یہ دوسرا خیال تھا کہ گناہوں کے متعلق ہم سے کسی قسم کی باز پرس نہ ہوگی۔

سوال: یہ گفتگو اہلِ اسلام سے ہے اور اہلِ اسلام کا یہ گمان تو نہ تھا کہ ان سے گناہوں کی باز پرس نہ ہوگی پھر انہیں زجر و توبیخ کیوں۔

جواب: چونکہ بعض لوگ ان میں معاصی کا ارتکاب خوب کر رہے تھے اور پھر انہیں فکر آخرت بھی نہیں تھی ان کے اس طور طریق کو یحسب سے تعبیر کیا چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا! ایحسب ان مالہٗ اخلدہ ساء ما یحکمون) کیا ہی برا ہے وہ امر جس کا وہ حکم لگاتے ہیں۔ یہاں پر مخصوص بالذم محذوف ہے۔

فائدہ: کاشفی نے لکھا کہ فتوحات میں لکھا ہے کہ ان گنہ گاروں کا خیال ہے کہ برائیوں کو معاف کر دیا جائے گا ایسے غضب پر رحمت سبقت کرے گی اور وہ ایسے ہی بخش دیئے جائیں گے۔ ان کا یہ خیال ناپسندیدہ اور غلط ہے اس لیے کہ رحمت کی سبقت کا مطلب یہ ہے کہ میں نے ان کے گناہوں پر غضب کرنا تھا لیکن رحمت نے انہیں میرے غضب سے بچا لیا ورنہ جو ان کے گناہ ہیں ان کی انہیں ضرور سزا ملے گی ؎

گر گناہ تو از عدد بیش است
سبقت رحمتم از اں بیش است

marfat.ocm

ترجمہ: اگرچہ تیرے گناہ گنتی سے باہر ہیں لیکن میری رحمت اس سے اور زیادہ ہے۔

تفسیر عالمانہ: من کان یرجوا لقاء اللہ جو اللہ تعالیٰ کے ملنے کے امیدوار ہیں۔ الرجاء ایسے ظن کو کہا جاتا ہے جو شے کے حصول پر مسرت و فرحت کا مقتضی ہو اس کی نقیض خوف آتی ہے اور یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں اور لقاء اللہ سے قیامت مراد ہے یعنی جہاں انسان کا انجام کار ہے وہیں پر اللہ تعالیٰ کا ملنا ہوگا اس لیے اسے لقاء اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی جزا و سزا کی امید رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ اس مدت سے پہلے تیاری کرے یعنی ایسے اعمال کی پابندی کرے جو اجر و ثواب کے موجب ہیں اور ایسے اعمال و کردار سے اجتناب کرے جو عذاب الٰہی کا مستحق بنائیں۔ فان اجل اللہ لآت بیشک اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ وعدہ ضرور آئے گا۔ الاجل بمعنی مدت زمانہ کی غایت جسے کسی امر کے لیے متعین کیا جائے۔ کبھی اسے کل زمانہ کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ استعمالاً پہلا معنیٰ زیادہ مشہور ہے یعنی وہ وقت جسے اللہ تعالیٰ نے حساب کے لیے مقرر فرمایا ہے اور وہ زمانہ اس لیے ضروری ہے۔ زمانہ کے اجزا کا انصرام و انقطاع لازمی امر ہے اور وہ انقطاع و انصرام اسی یوم ہوگا۔ جبکہ بندے اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوں گے اور انہیں جزا و سزا ملے گی۔ وھو السمیع العلیم اور وہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اقوال خوب سنتا۔ العلیم انسان کے اعمال ظاہرہ اور باطنہ کو جانتا ہے۔ اس لئے اس سے کوئی شے چھپ سکے گی۔ بنا بریں بندوں پر لازم ہے کہ وہ موت و فوت سے پہلے اعمال صالحہ میں جد و جہد کریں۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ جو شخص بھی اجر و ثواب کی امید رکھتا ہے وہ ایسے اعمال و کردار سے دور بھاگتا ہے جو عذاب کا موجب نہیں بلکہ وہ مجاہدات میں لگا رہتا ہے اس لیے کہ مجاہدات مشاہدات کا وارث بناتے ہیں اور جس کی زندگی ہمارے دیدار کے حصول کے لیے بسر ہوئی ہے اسے مبارک ہو کہ وہ عنقریب ہمارے جمال سے مشرف ہوگا۔

عظمت ہمت عینی طمعت فی ان ترا کا
او ما یکفی لعینی ان تری من قدر آکا

ترجمہ: وہ آنکھ پر ہمت و عظمت ہے جو تیرے دیدار کا طمع رکھتی ہے۔ کیا آنکھ کو اتنا شرف کم ہے کہ وہ اس ذات کو دیکھے جس نے تجھے دیکھا۔

وھو السمیع۔ وہ مشتاقانِ غمزدہ کے گریہ کو سنتا۔ العلیم اور عشاقانِ نادیدہ اور صدق و صفا کے پیکروں کے عجز و نیاز کو جانتا ہے۔ ومن جاھد اور وہ جو اپنے نفس سے طاعت الٰہی اور کفار سے تلوار کے ساتھ اور شیطان سے دفع وساوس کے ساتھ مجاہدہ کرتا ہے۔ المجاھدہ اپنی جہد جہد کو صرف کرنا۔ الجہد (بالضم) یعنی دشمن کی مدافعت میں

قوت صرف کرنا۔ فانما یجاهد لنفسه۔ بیشک وہ اپنے لیے ہی کوشش کرتا ہے اس لیے کہ اس کا نفع اسی کی طرف عود کرے گا۔ ان الله لغنی عن العالمین۔ بیشک اللہ تعالیٰ جملہ عالمین سے بے نیاز ہے اسے نہ کسی کی طاعت کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی کے مجاہدہ کی حاجت اور طاعت و مجاہدہ کا حکم بھی اپنے بندوں پر رحمت و شفقت کی بنا پر ہے تاکہ طاعت و مجاہدہ سے اَجرِ عظیم پائیں۔ کما قال خلقت الخلق الخ میں نے مخلوق کو اسی لیے پیدا فرمایا تاکہ میرے سے نفع پائیں ورنہ مجھے ان سے منفعت کی حاجت نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ کل کائنات اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے بلکہ دونوں جہانوں میں ہر ایک اسی کی محتاجی میں ہے اور وہ ہر ایک سے بے نیاز ہے ؎

بری ذاتش از تہمت ضد و جنس
غنی ملکشی از طاعت جنّ و اِنس
مر اورا سزد کبریا و منے
کہ ملکش قدیمست و ذاتش غنے
نہ مستغنی از طاعتش پشت کس
نہ بر حرف او جائے انگشت کس

ترجمہ:۔ اس کی ذات ضد اور جنس سے پاک ہے۔ اس کا ملک جنّ اور آدمی کی بندگی سے بے پرواہ ہے۔ اسی کو بڑائی اور خودی زیبا ہے۔ اس واسطے کہ اس کا ملک قدیم ہے اور اس کی ذات بے پرواہ ہے۔ نہ اس کی بندگی سے کسی کی پیٹھ بے پرواہ ہے نہ اُس کے حرف پر کسی کو اُنگلی کی جگہ ہے۔

حضرت ابو العباس جو شیخ زندق کے نام سے مشہور ہیں اُنھوں نے شرح الاسماء الحسنیٰ میں لکھا ہے کہ غنی وہ ہے جو ذات و صفات اور افعال میں کسی کا محتاج نہیں اس لیے کہ نہ اسے نقص واقع ہوتا ہے اور نہ ہی عارض لاحق ہوتا جو اللہ تعالیٰ کے غنی ہونے کا قائل ہے وہ ہر شے سے مستغنی اور ہر شے میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہے اور اسے صرف اُس کی محتاجی ہوتی ہے بس۔ اسی اسم کے متعلق ہر فقر و فاقہ ظاہر فرماتا ہے۔ حضرت ابو حفص سے پوچھا گیا کہ مولا اپنے فقیر کو کیا عطا فرماتا ہے اُنھوں نے فرمایا کہ وہ اپنے فقیر کو فقر و فاقہ کی دولت سے نوازتا ہے۔ میں نے کہا کہ پھر اس کا معنیٰ یہ ہوا کہ مولیٰ اپنے بندے کو اپنے فقر خاص سے نوازتا ہے اور یہی وہ اپنے بندوں سے چاہتا ہے۔ اسی لیے حضرت ابن مشیش رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ ابو الحسن کو فرمایا کہ جب اُنھوں نے ان سے اسم اعظم پوچھا تو فرمایا کہ مولیٰ تعالیٰ کے ہاں فقر و عاجزی سے حاضری دو جب وہ تمھیں فقر اور عجز و نیاز میں کامل پائے گا تو تمھیں ہر دو عالم سے غنی بنا دے گا۔

صحت مندی کا گر: اسی اسم کی خاصیت یہ ہے کہ جو شخص اسے کسی مرض یا بلا و مصیبت میں یاد کرے تو اس سے بلا و مصیبت اور مرض سے نجات ملے گی۔ اسم غنی کا اصلی راز یہی ہے اور اسم اعظم

marfat.ocm

بھی اسی کو نصیب ہوتا ہے جو اس کا اہل ہو۔

دَولت مندی کا وظیفہ

الاحیاء میں ہے کہ مندرجہ ذیل دعا جمعہ کی نماز کے بعد پڑھنا مستحب ہے۔ وہ دُعا یہ ہے:۔

اَللّٰھُمَّ یَا غَنِیُّ یَا حَمِیْدُ یَا مُبْدِئُ یَا مُعِیْدُ یَا رَحِیْمُ یَا وَدُوْدُ اَغْنِنِیْ بِحَلَالِکَ عَنْ حَرَامِکَ وَبِفَضْلِکَ عَمَّنْ سِوَاکَ۔

اور یہ بھی لکھا ہے کہ جو اس دُعا پر مداومت کرتا ہے اسے اللہ تعالیٰ مخلوق سے مستغنی بناتا ہے اور اسے غیب سے رزق نصیب ہوگا جس کا اسے تصور تک نہ ہوگا۔

تفسیر عالمانہ:۔ والذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت اور ایمان دار اور اعمال صالح والوں کے لنکفرن ہم ضرور ان سے اتاریں گے ان کے کفر بالایمان اور معاصی کو انہیں طاعات و عبادات کی توفیق سے اور تکفیر بمعنی چھپانا اور ڈھانپنا اور گناہوں کو ایسا نیست و نابود کرنا گویا انہوں نے گناہ کیا ہی نہیں۔ بعض لوگوں نے اس کا معنیٰ لکھا ہے یعنی گناہ کو مٹا کر اس کے بجائے نیکی کو ثابت کرنا اور ان گناہوں کو معاف کر کے سزا نہ دینا۔

ولنجزینھم احسن الذی کانوا یعملون اور ہم انہیں اس عمل کی جو وہ دنیا میں نیک کام کرتے تھے بہتر جزا دیں گے مثلاً ایک نیکی پر دس نیکیاں یا اس سے بھی زائد اجر و ثواب عطا فرمائیں گے اور وہ بھی ان کے اعمال کی جزا نہ ہوگی بلکہ ہمارا لطف و کرم ہوگا۔

رسم باشد کہ غنی چیزے رسد محتاج را
طریقہ ہے کہ غنی سے محتاج کو عطیات نصیب ہوتے ہیں

عمل صالح کیا ہے:۔ ہمارے نزدیک ہر وہ حکم جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے وہ عمل صالح ہے اور اس کا صالح ہونا اللہ تعالیٰ کے حکم سے منسوب ہونے کی وجہ سے ہے اور جس فعل سے منع فرمایا ہے اس سے بچ جانا بھی ہمارے نزدیک عمل صالح میں داخل ہے اس لیے کہ یہ بھی اس کا ایک قسم کا حکم ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ فعل کی فی نفسہ صلاح و فساد کی کوئی حیثیت نہیں اس کی صلاح و فساد نسبت کی وجہ سے ہے۔

عقیدۂ معتزلہ:۔ معتزلہ نے کہا کہ فعل فی نفسہ صلاح و فساد کا حامل ہے۔ امر و نہی اسی کے ذاتی صلاح و فساد پر مرتب ہوتے ہیں مثلاً صدق ذاتی طور پر ایک صالح عمل ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اس کی ذاتی صلاحیت کے پیش نظر امر فرمایا ہے اور ہمارے (اہلسنت) کے نزدیک صلاح و فساد اور حسن و قبح امر و نہی پر مرتب ہوتے ہیں لیکن وہ اس کے برعکس کہتے ہیں۔

مسئلہ:۔ انسان جو بھی نیکی کا کام کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی جزا عطا فرمائے گا اور انسان اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں پائے گا جب قیامت میں اس کے ہاں حاضر ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ اس کی نیکی کا نفع انسان خود پائے گا اگرچہ بظاہر اس کی نیکی سے دوسرے بھی نفع پاتے ہیں۔

حدیث شریف:۔ صحیح مسلم شریف میں ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے فرمائے گا کہ میں بیمار ہوا تھا تو میری طبع پرسی پر کیوں نہ آیا۔ بندہ عرض کرے گا یا اللہ تیری طبع پرسی کا کیا معنیٰ جبکہ تو ایسے عوارض سے منزہ اور پاک ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے میرے بندہ تمہیں معلوم تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار تو اس کی طبع پرسی کے لیے نہیں گیا اگر تو اُس کے ہاں چلا جاتا تو تو مجھے وہاں ضرور پا لیتا پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے ابن آدم میں نے تیرے سے طعام مانگا تھا تو نے اِنکار کر دیا تھا یہ کیوں؟ بندہ عرض کرے گا یا الٰہ العالمین تو کھانے سے پاک ہے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا تجھے یاد ہوگا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے طعام مانگا تھا لیکن تو نے اِنکار کر دیا اگر تو اسے طعام کھلاتا تو آج اس کا صلہ میرے ہاں پاتا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے ابن آدم میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا لیکن تو نے نہ دیا۔ بندہ عرض کرے گا یا اللہ العالمین تو پینے سے منزہ ہے تو پھر پانی کا سوال کیسا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تجھے یاد ہوگا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا لیکن تو نے اِنکار کر دیا اگر تو اسے پانی پلاتا تو آج تو اس کا ثواب مجھ سے پاتا۔

جزا کا بدلہ

ایک بزرگ نے فرمایا کہ میں ایک سال حج کے لیے گھر سے روانہ ہوا تو راستہ میں ایک بڑا سیاہ سانپ پڑا دیکھا جس نے تمام راہ گیروں کا راستہ روک رکھا تھا اور شاید پیاس سے منہ کھول رکھا تھا لیکن لوگ اس کی اصلی غرض کو سمجھ نہیں رہے تھے۔ میرے ہاں پانی کا مشکیزہ تھا میں نے اس کا منہ کھول کر اس کے آگے رکھ دیا۔ وہ میرا پانی پی کر چلا گیا اور بالکل آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ ہم تمام لوگ حج کو چلے گئے اور فراغت کے بعد اسی راستہ سے واپسی ہوئی۔ جب اسی مقام پر پہنچے تو مجھے نیند آگئی اور قافلہ اُٹھ کر چلا گیا۔ جب میں نیند سے اُٹھا تو حیران ہو کر رہ گیا۔ لیکن مزید حیران کن یہ بات تھی کہ میری اُونٹنی کے ساتھ ایک اور اجنبی اونٹنی کھڑی تھی اور مجھے کہہ رہی تھی کہ میرے اُوپر سوار ہو جایئے میں اس پر سوار ہو گیا اور اپنی اونٹنی کو پیچھے لگا لیا یہاں تک کہ ہم صبح صادق قافلے سے جا ملے۔ قافلے تک پہنچا تو اُونٹنی بولی کہ آپ اُتریں اور مجھے رخصت عطا فرمایئے۔ میں نے نیچے اُتر کر اونٹنی سے پوچھا یہ کیا ماجرا ہے۔ اس نے کہا میں وہی سانپ ہوں جسے آپ نے پانی پلایا اور میں بدلہ اُتارنے آیا تھا کیونکہ هل جزاء الاحسان الا الاحسان۔

marfat.ocm

باحسانے آسودہ کردن دلے
بہ از الف رکعت بہر منزلے
گر از حق نہ توفیق خیرے رسد
کے از بندہ خیرے بغیرے رسد
غم و شادمانی نماند ولیک
جزائے عمل ماند و نام نیک

ترجمہ۔ احسان سے کسی کے دل کو آسودہ کرنا ہو تو ہر منزل تک ہزار رکعت ادا کر کے پہنچنے سے بہتر ہے۔

۲۔ اگر اللہ تعالیٰ سے تجھے بھلائی کی توفیق نہ ہو تو کسی کو کسی تک بھلائی نہ پہنچے گی۔

۳۔ غم و خوشی نہ رہے گی لیکن عمل کی جزا اور نیک نام باقی رہے گا۔

تفسیر عالمانہ: ووصینا الانسان بوالدیه حسنا۔ اور ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ بھلائی کرنے کی تاکید فرمائی کہ ماں اور باپ کو بہتر سے بہتر خدمات پیش کرے اور اسے حکم فرمایا کہ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے اور لفظ توصیۃ بمعنی امر اور تصرف کے معنیٰ میں مستعمل ہوتا ہے۔ یہ وہ توصیہ ہے کہ جس کا استعمال مامور بہ کے اس نفع میں مستعمل ہوتا ہے جو مامور اور غیر مامور کی طرف لوٹے اور توصیۃ بمعنی وصیت کرنا۔

امام راغب نے لکھا ہے کہ اپنے غیر کو ایسا کلمہ پیش کرنا جو وعظ پر مشتمل ہو تاکہ وہ اس پر عمل کرے۔ اسے عربی میں وصیۃ کہا جاتا ہے۔ اسی سے توصیہ ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے وصیت زید العمرو بمعنی امرتہ معهده ومراعاته (وان جاهداك) اور ہم نے اسے کہا کہ اگر تیرے والدین کوشش کریں اور تیرے ساتھ جنگ و جدائی کریں تو یہاں پر قلنا محذوف ہے لیکن اگر وصینا بمعنی قلنا کہا جائے تو پھر لفظ قلنا محذوف ماننے کی ضرورت ہی نہیں لتشرك تاکہ تو میرے ساتھ شریک بنائے۔ ما لیس لك به علم اسے کہ جس کی الٰہیہ کا تجھے علم نہیں۔ یہاں مضاف محذوف ہے یعنی به دراصل بالٰهیته تھا۔ مضاف کو محذوف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کھڑا کیا گیا ہے۔ الٰهیة کی نفی کے بجائے اس سے علم کی نفی میں اشارہ ہے۔ جس شے کے وجود کا ہی علم نہیں تو پھر اس کی اتباع کا کیا معنیٰ اور پھر جس کے بطلان کا علم نہ ہو اس کی بھی اتباع کرنا جہالت ہے۔ اس سے مزید جہالت بلکہ حماقت ہے کہ جس کے بطلان کے علم کے باوجود اس کی اتباع کی جائے فلا تطعهما تو شرک کرنے میں ان کا کہنا نہ مان کیونکہ خالق کی نافرمانی کر کے مخلوق کی اطاعت نہیں کرنی چاہیئے۔ (کما ورد فی الحدیث)

مسئلہ: ایسے ہی استاذ اور حاکم وقت کا حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں ان کا فرمان نہیں ماننا چاہیئے یعنی کسی برائی کے ارتکاب کا حکم فرمائیں یا شرع کے خلاف کا حکم دیں تو ان کا کہنا نہ مانو۔ الی مرجعکم تم سب کا یعنی مومن۔ کافر، مشرک اور ماں باپ کے خدمت گار اور ان کے نافرمان کا میرے ہاں پھرنا ہے۔ فانبئکم بما کنتم تعملون تو میں تمہیں

بتادوں گا جو تم عمل کرتے تھے۔ اظہار کو تنبئۃ سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ یہ ہر دونوں علم کے اسباب ہیں اب معنیٰ یہ ہوا کہ قیامت میں برسرِ میدان تمہارے کردار کو ظاہر فرمائے گا اور تمہیں بتادے گا کہ تم دنیا میں ہمیشہ کن اعمال کا ارتکاب کرتے تھے اس کے بعد تمہارے کردار کے لائق جزا و سزا مرتب کروں گا۔

والذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت لندخلنہم فی الصّالحین۔ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک کام کیے اور ہم ضرور انہیں نیک لوگوں میں داخل کریں گے یعنی اس سے راسخین فی الصلاح کے زمرہ مراد ہیں یعنی قیامت میں یہ لوگ ان حضرات کے ساتھ ہوں گے اور راسخین فی الصلاح انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام ہیں اسی طرح وہ لوگ جن کا باطن اللہ تعالیٰ کے لیے صاف اور صلاحیت میں کمال درجہ کے اہل ایمان بھی اس میں شامل ہیں اور صلاح و کمال اہل ایمان کا انتہائی مقام اور انبیاء و مرسلین کے اولین مقاصد میں سے ہے۔

حکایت۔ سعد بن مالک جو سعد بن ابی وقاص کے نام سے مشہور ہیں (رضی اللہ عنہ) آپ سابقین اولین میں سے ہیں۔ جب انہوں نے اسلام قبول کیا یا جب ہجرت کی (کذا فی التکملہ) تو انہیں ان کی والدہ حمنہ بنت ابی سفیان بن امیہ نے کہا اے سعد یہ تو نے کیا کیا کہ اپنے آباؤ اجداد کا دین چھوڑ کر نیا دین اختیار کر لیا۔ روشنی کو چھوڑ کر تو اندھیرے میں چلا گیا جب تک تو اپنے نئے دین کو چھوڑ کر اپنے آباؤ اجداد کے دین میں واپس نہیں آئے گا میں نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی یہاں تک کہ مر جاؤں گی۔ اگر میں مر گئی تو پھر تجھے لوگ پکاریں گے یا قاتل اُمہ۔ اے ماں کے قاتل۔ اسی طرح حمنہ نے اپنی قسم پر تین دن گزارا اور ضعف و نقاہت سے نہایت کمزور پڑ گئی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے امی اگر تیری جان اسی طرح دکھ اور درد جھیل کر نکل جائے تب بھی مجھے کوئی پروا نہیں میں اپنے پیارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دین کو نہیں چھوڑ سکتا تم کھاؤ یا نہ کھاؤ۔ جب حمنہ نے دیکھا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنے قول میں پختہ اور مضبوط ہے تو حمنہ نے کھانا پینا شروع کر دیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے خصوصاً اور باقی جملہ اہل اسلام کو تاکید فرمائی کہ ماں باپ کے ساتھ احسان و مروت کرو اور ان کی خدمات میں کوتاہی نہ کرو اور شرک اور نافرمانی شرع کے سوا باقی جن امور میں وہ راضی ہوں انہیں راضی کریں۔ ہاں جب وہ شرک یا حکم شرع کے خلاف فرمائیں تو ان کا کہنا نہ مانیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

چوں نبود خویش را دیانت و تقویٰ
قطع رحم بہتر از مودت قربیٰ

ترجمہ۔ "جب رشتہ داران میں دیانت و تقویٰ نہ ہو۔ ایسے رشتہ داروں سے قطع رحمی ہوتی ہے تو کوئی حرج نہیں۔"

marfat.ocm

مسئلہ:۔ ہدیۃ المہدیین میں ہے کہ ماں باپ کا نان نفقہ اور اُن کی خدمت و زیارت واجب ہے اگرچہ کافر ہوں۔ ہاں اگر وہ کفر پر مصد کریں تو اُن کے ہاں آنا جانا ترک کر دے۔

مسئلہ:۔ اگر ماں باپ نابینا ہوں تو اپنی عورت کو حکم دے سکتا ہے کہ وہ انہیں گرجا وغیرہ سے گھر میں لائے اس کے برعکس کا حکم نہ دے کیونکہ بت خانہ و گرجا وغیرہما کی طرف لے جانے میں معصیت ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اگر ذمی کافر بت خانہ وغیرہ کا راستہ پوچھے تو نہ بتائے تاکہ دلالت الی الشر میں داخل نہ ہو۔

حکایت:۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے بادشاہ کے گھر کا راستہ پوچھا تو آپ نے اسے گورستان کا راستہ دکھایا۔ بادشاہ کے لشکری کو معلوم ہوا تو آپ کو اُس نے خوب مارا جب لشکری کو آپ کی شخصیت کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا میں نے پہلی مار سے تجھے معاف کر دیا تھا بلکہ میں تجھے دعائیں دیتا تھا کہ تو نے میرے ظالم نفس کو خوب سیدھا کیا (کذا فی البزازیہ)

مسئلہ:۔ شبہات میں والدین کی اطاعت واجب ہے۔ حرام محض کے ارتکاب کا حکم فرمائیں تو اس میں ان کی نافرمانی بھلی۔ اسی طرح امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اکثر علماء کا یہی مذہب ہے اس لیے کہ ترک شبہات اتقاء ہے اور والدین کی خوشنودی ضروری ہے۔ اور ظاہر ہے کہ واجبات کی ادائیگی ضروری ہے۔

مسئلہ:۔ نوافل توڑ کر ماں کے بلاوے کا جواب ضروری ہے بخلاف والد کے کہ اس کے بلاوے کا جواب ضروری نہیں۔

مسئلہ:۔ طحاوی شریف میں ہے کہ اگر ماں باپ کو علم نہ ہو کہ بیٹا نوافل پڑھ رہا ہے اور بلائیں تو جواب دینا ضروری ہے اگر انہیں علم ہے کہ بیٹا نماز میں ہے تو نوافل سے فراغت کے بعد جواب دینا چاہیئے۔

مسئلہ:۔ فرائض میں والدین کے پکارنے پر جواب نہ دے ہاں اگر مصیبت میں مبتلا ہو کر بلائیں تو جواب دینا چاہیئے کیونکہ ضرورت کے وقت نماز توڑنا جائز ہے۔

مسئلہ:۔ جب کسی کو دیکھے کہ وہ چھت سے گرتا ہے یا آگ میں جلتا ہے یا پانی میں ڈوبتا ہے تو نماز توڑنا واجب ہے اگرچہ نماز فرض ادا کر رہا ہو۔

مسئلہ:۔ نماز پڑھ رہا ہے تو کسی کافر نے کہا کہ مجھے اسلام کی تلقین کیجیئے یا ایک درم یعنی چار آنے کی مقدار کوئی نقصان ہو رہا ہے یا اپنے بچے وغیرہ کی جان کا خطرہ ہے تو نماز توڑ سکتا ہے۔ فرض پڑھ رہا ہے یا نفل۔ (کذا فی البزازیہ)

مسئلہ:۔ شرح التحفہ میں ہے کہ نفلی روزہ زوال کے بعد نہ توڑے۔ ہاں اگر روزہ رکھنے سے والدین کی نافرمانی لازم آتی ہے تو روزہ نفلی زوال کے بعد توڑ سکتا ہے۔

مسئلہ:۔ والدین کو خدمت کی ضرورت ہو اور ان کا کفیل اور کوئی نہ ہو تو جنگ پر نہ جائے اور نہ ہی حج پڑھے اور نہ ہی علم (نفلی) پڑھنے کے لیے جائے اس لیے کہ والدین کی خدمت ان اعمال مذکورہ سے افضل ہے۔

حدیث شریف:۔ قیامت میں سب سے پہلے انسان سے نماز کے متعلق سوال ہوگا پھر والدین کے حقوق کے متعلق ایسے ہی عورت سے سب سے پہلے نماز کا سوال ہوگا۔ پھر آقا کے حقوق کے متعلق اگر ایک موقف میں جواب صحیح دے دیگا تو پھر دوسرے موقف پر سوال ہوگا ایسے ہی پچاس مواقف طے کرنے کے بعد کامیاب ہوا تو ورنہ عذاب جہنم میں مبتلا ہوگا۔ یاد رہے کہ ہر موقف ایک ہزار سال کا ہوگا۔

ماں باپ کی دُعا:۔ حدیث شریف میں ہے کہ اولاد کے حق میں والدین کی دُعا مسترد نہیں ہوتی۔ حدیث شریف میں ہے کہ مجبوب پر بددُعا جلد تاثر کرتی ہے بالخصوص والدین کی بددعا اولاد کو۔ (کذا فی المقاصد الحسنۃ)

حکایت:۔ علامہ زمخشری سے کسی عالمِ دین نے پوچھا کہ آپ کا پاؤں کیسے کٹ گیا تھا اس نے کہا کہ میں نے بچپن میں ایک چڑیا کو پکڑ کر دھاگے سے اس کے پاؤں کو جکڑا اور پھر اپنی طرف کھینچا تو اس کا پاؤں کٹ گیا، میری والدہ نے اس کی حالت زار سے سخت مغموم ہوئیں اور مجھے فرمایا بیٹا جیسے تو نے چڑیا کا پاؤں کاٹا ہے خدا کرے تیرا پاؤں بھی ایسے ہی کٹ جائے۔ جب میں علم کی تحصیل کے لیے بخارا کو گیا تو راستہ میں سواری سے گرا تو میرا پاؤں ٹوٹ گیا بعض نے کہا کہ راستہ میں پاؤں سردی سے سوکھ گیا جسے پھر کاٹنا پڑا۔ اسی لیے زمخشری لکڑی کے سہارے چلتا تھا۔ (کذا فی روضۃ الاخیار)

حقوقِ اولاد علی الوالدین

ماں باپ پر واجب ہے کہ وہ اولاد کی نافرمانی کا موجب نہ بنیں یعنی انھیں ایسے عمل پر مامور نہ کریں جس سے انہیں نافرمان ہونا پڑے بلکہ ان کے لیے ایسے اُمور کا سوچیں جو ان کے لیے فرمانبرداری پر معاونت کر سکیں۔

مسئلہ:۔ ان کے مرنے کے بعد ان کے لیے صدقہ وخیرات یعنی ایصال ثواب کرنا اور ہر جمعہ اُن کی قبور کی زیارت کرنا اور ان کے لیے ہر نماز کا کے بعد دُعائے خیر کرنا اور اُن کے معاہدوں اور وصیتوں کو پورا کرنا بھی برّ الوالدین میں داخل ہے اور یہ اُمور اُن کے مرنے کے بعد کے ہیں اور ان کی زندگی میں اُن کے حقوق یہ ہیں حسبِ استطاعت انہیں نان ونفقہ دے اور اُمور شرعیہ میں اُن کے حکم کی تعمیل کرے اور اُن کے ہر معاملہ کو ترجیح دے۔

تفسیر صُوفیانہ:۔ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ ووصینا الانسان الخ میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کی شان کی عظمت اور انبیاء علیہم السلام کی عزت وعظمت اور ان کے اعزاز اولیاء ومشائخ کے

marfat.ocm

منزلت اور اُن کے اکرام کا بیان ہے وہ اس لیے کہ والدین کے حقوق کی رعایت کے دو سبب ہو سکتے ہیں اس لیے کہ والدین اولاد کے وجود کا سبب ہیں۔ دوسرے یہ کہ والدین اولاد کی تربیت کرتے ہیں اور یہ دونوں انعامات والدین کے ذریعے نصیب ہوئے لیکن چونکہ والدین کو ان دونوں کے سبب بننے میں نفسانی حظ بھی اور اللہ تعالیٰ ہر ضرورت و حاجت سے منزہ اور پاک ہے اور والدین اگرچہ اولاد کے وجود کے اباب نہیں لیکن مستقل بالبینۃ نہیں انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے ارادہ کی محتاجی ہے اس لیے کہ جب تک مشیت و ارادۂ الٰہی نہ ہو وہ اولاد کے وجود کے اسباب نہیں بن سکتے یہی وجہ ہے کہ اولاد محض تزوج و نکاح اور جماع وغیرہ سے پیدا نہیں ہوتی جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادہ نہ ہو اسی لیے فرمایا یہب لمن یشاء اناثا و یہب لمن یشاء الذکور (الآیۃ) اس سے ثابت ہوا کہ ایجاد اولاد کا حقیقی سبب اللہ تعالیٰ ہے اور والدین محض اسباب ہیں اور اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ وہ اسباب کے بغیر بھی انسان پیدا کر سکتا ہے جیسے آدم علیہ السلام کو ماں باپ کے بغیر پیدا فرمایا۔

فائدہ: اسی طرح تربیت بھی حقیقۃً اللہ تعالیٰ کرتا ہے اسی لیے کہ وہی ہر شے کا رب اور مُربی ہے اور والدین اولاد کے مجازی مُربی ہیں۔ ظاہری تربیت اللہ تعالیٰ نے اُن کے سپرد فرمائی ہے ورنہ حقیقۃً تربیت وہی کرتا ہے مثلاً نطفہ رحم میں ٹھہرا تو اُس کی تربیت فرمائی جس سے وہ علقہ (خون کی پھٹک) بنا اس کے بعد بوٹی اس کے بعد ہڈیاں بنیں پھر انہیں گوشت پہنایا۔ اس کے بعد اور صورت میں اُٹھان دی۔ اس سے واضح ہوا کہ رعایت حقوق میں اللہ تعالیٰ ہی زیادہ حقدار ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور اس کے سامنے اظہارِ عبودیت کیا جائے اور والدین کے حقوق میں بھی کوتاہی نہ برتی جائے۔

سبق: انسان پر لازم ہے کہ وہ سب سے پہلے حقوق اللہ میں پھر حقوق والدین میں جدوجہد کرے۔ کما قال اللہ تعالیٰ و قضیٰ ربك ان لا تعبدوا الا ایاہ و بالوالدین احسانا۔

نبی اور ولی کی تربیت

نبی علیہ السلام اور ولی اللہ روحانیت کے اسباب ہیں کہ وہ انوارِ نبوت و ولایت اُمت اور مرید کے قلب میں ڈالتے ہیں پھر وہ اُن کی تربیت کرتے ہیں یہاں تک کہ عالمِ ملکوت میں قلب میں ایک راز پیدا ہوتا ہے چنانچہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسیٰ علیہ السلام سے خبر دی کہ ملکوت السمٰوٰت والارض میں وہ ہر شخص داخل ہو سکتا ہے جو دوبارہ پیدا ہو۔

اس سے ثابت ہوا کہ نبی علیہ السلام اور ولی کامل عالم ارواح و اعلیٰ علیین اور مقام قرب کے اسباب ہیں اور والدین انسانی اجساد اور عالم اشباح و اسفل سافلین بھی مقام بعد کے اسباب ہیں۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہارے

لیے ایسے ہوں جیسے والد اپنی اولاد کے لیے ہوتا ہے۔ اسی معنیٰ پر نبی علیہ السلام کی ازواج مطہرات اُمت کی مائیں ہیں اور حضور علیہ السلام نے فرمایا الشیخ فی قومه کالنبی فی اُمته۔ شیخ کامل ولی اپنی قوم میں سے ایسے ہوتا ہے جیسے نبی علیہ السلام اپنی اُمت میں۔ اور جبکہ اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں پر احسان عمیم اور امتنانِ قدیم ہیں۔ اسی لیے حقوق کے بیان میں پہلے اپنا پھر والدین کے حقوق کا ذکر فرمایا۔

وان جاهداك لتشرك بي ما ليس لك به علم فلا تطعهما۔ اس میں اشارہ ہے کہ مرید صادق اور طالبِ عاشق جب کسی شیخ کامل کا ارادۃً دامن پکڑتا ہے لیکن اس میں صداقت و طلب میں عشق اور خلوص ضروری ہے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ دنیا کے جمیع تعلقات سے آزاد ہو جائے نہ اسے جاہ و مرتبہ کی خواہش ہو اور نہ ہی مال و منال کی حب امکان طاقت بشری دنیا سے بچنے کی کوشش کرے اور مضبوط لوگوں کی طرح پختہ ارادہ کرے۔ حضرت حق میں واصل ہونے کے لیے ہر وقت متوجہ رہے۔ اگر کسی کے والدین اپنی جہالت اور بیوقوفی سے اپنی اولاد کو شیخ کامل کی صحبت اور اس کے صدق ارادت اور طلب حق کے روکنے اور دنیا کی طرف رغبت دیتے اور طلب جاہ و اسباب اور مال و منال کا حکم دیتے ہیں اور بے وقت انھیں نکاح کرنے پر مجبور کرتے ہیں

اس لیے کہ ان کا یہ حکم طاغوتانہ ہے اور طاغوت سے کفر کرنا ضروری ہے بلکہ اسے چاہیئے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس کی رسی کو مضبوط پکڑے۔ اگر وہ شرک کرنے پر مجبور کرتے ہیں تو وہ جاہل ہیں نہ انھیں اپنا پتہ ہے نہ اپنی اولاد کے مراتب کا۔ سالک پر لازم ہے کہ وہ عبادتِ غیر سے اپنے آپ کو دور رکھے اور ایسے نفسانی خواہشات اور دنیوی تعلقات سے بھی دور ہو کیونکہ صوفیہ کرام کے نزدیک خواہشاتِ نفسانی اور دنیوی تعلقات میں پھنسنا بھی شرک ہے۔ اگر والدین ایسے اُمور پر مجبور کریں تو بھی ان کا فرمان نہ مانے بلکہ نرمی و ملاطفت سے انہیں سمجھائے انہیں نہ جھڑکے نہ گالی دے تاکہ وقضیٰ ربك ان لا تعبدوا الا فرمان ایزدی پر پورا اُتر سکے۔ ہاں جتنا ہو سکے ان کے ساتھ احسان کرے اور اُن کی بات کو غور سے سن کر ان کی فرمانبرداری کرے لیکن ایسا حکم نہ مانے جو اللہ تعالیٰ سے دور کرنے کا سبب بنے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سب کو اپنی طرف لوٹنے کا وعدہ یاد دلاتا ہے کہ الی مرجعکم فأنبئكم پھر اے لوگو خواہ تم کسی کے والد ہو یا اولاد میری طرف سب کا رجوع ہے تو میں جزا دوں گا۔ بما کنتم تعملون اس کی جو تم عمل کرتے ہو عبادتِ خالصہ اللہ تعالیٰ یا خواہشاتِ نفسانی کی اس وقت تمھیں معلوم ہوگا کہ تم اپنی سزا کس عمل سے پا رہے ہو۔ والذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت اور اہل ایمان جنہوں نے محبت حق کی طلب کی ہو اور ایسے کام کیے جو اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچانے والے ہیں اور حضرت حق کے لیے واصل ہیں۔ لندخلنهم فی الصالحین ہم انھیں جذباتِ عنائیتہ سے مقام انبیاء و اولیاء کے مقام پر فائز المرام فرمائیں گے۔ اسے تم انشاء اللہ سمجھ جاؤ گے اور امن میں رہو گے

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ: ومن الناس ۔ اپنے مضمون کے لحاظ سے یہ مبتدا ہے یعنی بعض لوگ اس کی خبر (من یقول اٰمنا باللہ فاذا الذی فی اللہ) وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے جب انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایذاء پہنچتی ہے یعنی انہیں کفار ایمان کی وجہ سے دکھ درد پہنچاتے ہیں ۔

اوذی صیغہ مجہول اس کی ماضی اذیٰ اور مضارع یوذی آتا ہے اذی اذیۃ سے ہے بمعنی ہر وہ شے جو انسان کے دل یا جسم یا اُس کی اولاد یا اُس کے دنیوی یا اخروی معاملہ میں ضرر پہنچائے (کذا فی القاموس)

جعل فتنۃ الناس ۔ لوگوں کی طرف جو اسے اذیت پہنچتی ہے تو وہ اسے بناتا ہے ۔ فتنہ بمعنی (آزمائش و امتحان و اختبار) اہل عرب کہتے ہیں ۔ فتنۃ الذھب ۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جب سونے کو آگ میں ڈالا جائے تاکہ اُس کے کھوٹے کھرے کا امتیاز ہو اور اس کا محنت پر بھی اطلاق ہوتا ہے ۔ اس لیے کہ محنت و مشقت سے قلب کے کھرے کھوٹے ہونے کا پتہ چلتا ہے کعذاب اللہ آخرت میں عذاب الٰہی کی طرح کہ جیسے وہاں شدت و ہول ہوگا وہ کافر کی اذیت کو اسی درجہ میں سمجھتا ہے ۔ ظاہر ہے کہ جسے خوفِ الٰہی کی حمایت حاصل نہ ہو تو وہ خوفِ حق اور خوفِ باطل یعنی کافروں کی اذیت کو برابر سمجھتا ہے پھر چونکہ کفار کی اذیت کا خوف دنیا میں ہے اسی لیے اسے ترجیح دے کر دین سے منحرف ہو جاتا ہے ۔ اگر اسے خوف الٰہی کی شدت کا علم ہوتا اور اسے معلوم ہوتا کہ لوگوں کی اذیتیں عذاب الٰہی کے بالمقابل کچھ نہیں تو پھر وہ لوگوں کے عذاب سے ڈرتا ہی نہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اپنی آرزو کو مٹا ڈالتا اور صرف اسی کی رضا کا طالب ہوتا تو نہ اسے لوگوں کا خوف ہوتا اور نہ اُن کے عذاب سے ۔

حدیث شریف ۔ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کی ہیبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے اور جو اس سے نہیں ڈرتا تو وہ اسے ہر شئے سے ڈراتا ہے ۔ فرمایا :

بعض لوگوں نے اس کا معنیٰ یہ کیا ہے کہ جو ایمان سے پھر جانے کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرح بناتا ہے یعنی کفر میں لوٹنے سے ڈرتا ہے یا یہ کہ لوگوں کے ڈر سے ایمان پر کفر کو ترجیح دیتا ہے ۔ ولئن جاء نصر من ربک اور بخدا اگر آجائے آپ کے رب تعالیٰ سے فتح و نصرت اور اہل ایمان کے لیے غنیمت ۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ آیت مدنیہ ہے ۔

لیقولن ۔ بضم اللام من کے معنی کی وجہ سے جمع کا صیغہ لایا گیا ہے اور جآء کو مفرد لایا گیا ہے ۔ اس کے لفظ کا اعتبار کر کے چنانچہ قاعدہ اس کا بارہا گزرا ہے ۔ انا کنا معکم تو کہتے ہیں کہ بے شک ہم تمہارے دین کی اتباع کرنے والے ہیں اسی لیے ہمیں بھی مال غنیمت میں شامل کیجئے ۔ یہ ان ضعیف مسلمانوں کے لیے ہے جب انہیں کفار سے اذیت پہنچتی تو کفار کے ساتھ ہو جاتے اور اپنی اس موافقت کو اہلِ اسلام سے مخفی رکھتے تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں فرمایا اولیس اللہ باعلم بما فی صدور العالمین کیا اللہ تعالیٰ نہیں جانتا جو لوگوں کے دلوں میں ہے یعنی اسے معلوم ہے کہ ان میں مخلص کون ہے اور منافق کون یہاں تک کہ بعد کو ان سے جو فعل صادر ہوگا یعنی مرتد ہوں گے اسے جانتا ہے اور اسے اب کا حال بھی معلوم ہے کہ اب وہ صرف مالِ غنیمت کے ہاں ہیں ۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کو مخلص کے اخلاص کا اور منافق کی منافقت کا علم ہے ۔ ولیعلمن اللہ اٰمنوا ۔ اور اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے خلوص کو ولیعلمن المنافقین اور اہل نفاق کی منافقت کو ظاہر فرمائے گا ۔ ان کی منافقت ذاتی ہو یا کفار کی اذیت کی وجہ سے یعنی اہل ایمان کو جزا اور اہل منافقت کو سزا دے گا ۔ ہم

نے یہاں پر حسبِ دستورِ علم بمعنی تعلق یا نشئے کا معنی کیا ہے یعنی ظاہر کرنا جس پر کہ اُن کی جزا کا ترتب ہوگا اور ایمان کا جوہر اور منافقت کی گندگی قلب میں ہوتی ہے وہ امتحان اور آزمائش کے وقت ظاہر ہوتی ہے۔ اگر محنت و بلا پر صبر کرے گا تو ایماندار ہوگا۔ اگر جزع فزع کرے گا تو منافق ہوگا جیسے کھوٹے کھرے سونے کا پتہ آگ پر رکھنے سے ہوتا ہے۔

؎ بشکل وہیأت انسان زرہ مروز نہار
تو ان یصبر و تحمل شناخت جوہر مرد

ترجمہ:۔ انسانی ڈھانچے سے انسان کا جوہر معلوم نہ ہوگا اسے صبر و تحمل سے پہچانا جا سکتا ہے۔

؎ اگر ناپاک بود از بلا نخواہد جست
وگر در اصل بود پاک صبر خواہد کرد

ترجمہ:۔ اگر ناپاک ہوگا تو صبر و کے وقت شور و غل کرے گا۔ اگر پاک ہوگا تو صبر و تحمل سے کام لے گا۔

تفسیر صوفیانہ:- آیت میں ہر مسلم کو تنبیہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی میں صبر اور حوصلہ کرے اور ایمان کی حقیقت ایک نور ہے جب کسی مومن کے قلب میں داخل ہوتا ہے تو اس سے خارج نہیں ہوتا نہ ہی خلق خدا کی اذیت میں اور تکلیفیں اس کے نورِ ایمان کو اس کے قلب سے نکال سکتی ہیں بلکہ توکل علی اللہ کرکے تکالیف وغیرہ برداشت کے متعلق اس کا حوصلہ بڑھتا رہتا ہے اس لیے کہ اس کا نور حقیقی ہے عارضی شے نہیں کہ عوارض سے زائل ہو جائے جیسے سورج و چاند کا نور ذاتی ہے کہ جب طلوع کرتے ہیں تو اُن کے نور میں اضافہ ہوتا ہے کسی کو کیا مجال کہ ان کے نور کو بجھا سکے یا گھٹا سکے یا نورِ ایمانی کو اس پتھر کی طرح بموجود نہایت صاف و شفاف ہوتا ہے اور رات کے وقت چمکتا رہتا ہے۔ اس کا نور کبھی کسی عارضہ سے نہیں بجھتا اور نہ ہی گھٹتا ہے بخلاف شمع کے کہ اس کا نور عارضی ہے وہ معمولی سے عارضہ سے بجھ جاتی ہے۔

فائدہ: بہت سے لوگوں کی مصیبت دنیوی اور نفسانی ہوتی ہے۔ مثلاً قریبی رشتہ دار مر جائے یا پیاری شے گم ہو جائے تو ایسی مصیبت کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی قدر و منزلت نہیں اگرچہ لوگ اسے بہت بڑی مصیبت سے تعبیر کرتے ہیں۔ ہاں جس کی مصیبت و محنت اللہ تعالیٰ کے لیے ہو تو اس کی قدر و منزلت کا کیا کہنا لیکن ایسے مصائب والے لوگ بہت تھوڑے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کفارِ مکہ بہت بڑی اذیتیں پہنچاتے تھے لیکن آپ اس پر صبر فرماتے اور فرمایا جتنی مجھے ایذائیں پہنچائی گئیں ایسے کسی نبی علیہ السلام کو کفار نے ایذائیں نہیں پہنچائیں اس کا صوفیانہ ترجمہ یہ ہے کہ جتنی میری صفائی قلب منجانب اللہ ہوئی ایسے کسی نبی علیہ السلام کو صفائی قلب نصیب نہیں ہوئی وہ اس لیے کہ ایذائیں تصفیۂ قلب کی موجب ہیں بلکہ بقدرِ تکالیف اولیاء اور محبوبانِ خدا کی قدر و منزلت کا پتہ چلتا ہے وہ اس لیے کہ ایذاؤں اور تکلیفوں سے انسان کے قلوب کی میل اور کچیل دُور ہوتی ہے مثلاً یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ کے رہنے کی مدت میں کتنی صفائی قلب نصیب ہوئی کہ ان

marfat.ocm

کا غم البدل کا جوہر معدنِ انسانیت سے انہی ایام میں صاف و شفاف ہوا وہ صرف اسی لیے کہ ان پر بلیات کے پہاڑ ڈھائے گئے لیکن آپ نے اُف تک نہ کی بلکہ صبر و تحمل سے کام لیا۔ اسی طرح حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا حال تھا کہ ہر قبیلہ کا صحابی اپنے قبیلہ کے جملہ افراد سے تکالیف اور اذیتوں کا نشانہ بنتا بلکہ وہ لوگ اسے دینِ اسلام سے پھیرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے مثلاً قید کرتے لاٹھیاں اور پتھر مارتے بھوکا پیاسا رکھتے وغیرہ وغیرہ۔ یہاں تک کہ جب کسی صحابی سے اپنے قبیلہ سے سخت مار پڑتی تو مار پٹائی کی شدت سے اس صحابی سے سیدھا ہو کر بھی نہیں بیٹھا جا سکتا تھا۔ ابوجہل اور اُس کی پارٹی کا کام بھی یہی تھا کہ وہ اپنے متعلقین اہلِ اسلام کو سخت سے سخت سزائیں دیتے اور ہر طرح کی اذیتیں پہنچاتے۔ اگر اسلام لانے والا کوئی صاحب شریف ہوتا تو اس کے ہاں جا کر ڈراتا دھمکاتا اور کہتا تیری شرافت میں کمی آجائے گی اور تیرا وقار پھیکا پڑ جائے گا۔ تیری بات کوئی بھی نہیں سنے گا۔ اگر اسلام لانے والا تجارت پیشہ ہوتا تو اسے جا کر کہتا کہ تیرا کاروبار کم ہو جائے گا اور تیرا مال ضائع ہو جائے گا۔ اگر وہ کمزور ہوتا تو اس کے ایذاء دینے میں کسی قسم کی کمی نہ کرتا اور لوگوں کو اکساتا یہاں تک کہ بہت سے غریب لوگ اس کی کارروائی سے دینِ اسلام سے منحرف ہوئے اور پھر شرک کی گندگی میں پھنسے۔ (نعوذ باللہ) حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جب ڈنڈے برستے اور آپ کو سخت سے سخت ایذائیں دی جاتیں تو کہتے۔ احد احد یعنی اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی طرح دوسرے بہت سے سعادت مند بزرگوں کو دین میں تکلیفیں پہنچیں لیکن اُنہوں نے اس دنیوی عذاب کو سر پر اُٹھایا اور دنیا کی رُسوائی کو راحت سمجھا لیکن آخرت کے عذاب سے بچ گئے۔ اس لیے کہ آخرت کا عذاب دنیا کے عذاب سے کئی گنا زیادہ ہے۔ اس سے کئی گنا زائد اس دنیوی نار کو دیکھ لیجیے کہ یہ نار آخرت کی نار سے ستر گنا گرمی میں کم ہے۔ باوجودیکہ اسے بارہا بہشت کے پانی میں سے دھویا گیا لیکن اس کی گرمی کا حال سب کو معلوم ہے۔

فائدہ ۴: حضرت واسطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ دنیا میں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اور خواص بندوں کو مصائب و تکالیف پہنچی ہیں اس لیے سالک پر لازم ہے کہ تکالیف اور ملامت میں صبر کرے۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

عاشق ثابت قدم آنکس بود کز کوئے دوست
او نگرداند اگر شمشیر بارد بر سرش

ترجمہ: عاشق ثابت قدم وہ ہے جو دوست کی گلی میں سے منہ نہیں موڑتا اگرچہ اس کے سر پر تلواریں چلتی رہیں۔

تفسیر عالمانہ: وقال الذین کفروا للذین اٰمنوا۔ لام تبلیغ کی ہے یعنی کفار مکہ نے اہل ایمان سے مخاطب ہو کر کہا تاکہ وہ ان کی طرف مائل ہو کر دینِ حق سے منحرف ہوں۔ اتبعوا سبیلنا دین کے جس طریقے پر ہم چلتے ہیں تم اسی طرح کرو۔

اتباع بمعنی کسی کا کسی کے پیچھے چلنا۔ انہوں نے دین کو ایک راستہ قرار دے کر اہل اسلام کو اپنے پیچھے چلنے سے تعبیر کیا۔ ولنحمل خطایاکم اور اگر تمہارے کوئی گناہ ہیں جن کا تمہیں مؤاخذہ کا خطرہ ہے۔ تو اگر قیامت میں اٹھنا اور مؤاخذہ ہوا تو ہم سر پر اٹھالیں گے۔

خطایا خطیئۃ کی جمع اور خطا سے مشتق ہے بمعنی عدول عن الجہۃ (صحیح جہت سے پھر جانا) اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دعویٰ کا رد فرمایا کہ وماھم بحاملین من خطایاھم من شئ۔ حالانکہ وہ گناہوں سے کچھ نہیں اٹھائیں گے جبکہ انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ ہم لازماً اہل اسلام کے گناہ سر پر اٹھالیں گے۔ پہلا من تبیینی کے لیے اور دوسرا زائدہ استغراق کے لیے ہے۔ انھم لکاذبون۔ بیشک وہ اپنے اس دعویٰ میں کہ ہم اہل اسلام کے گناہوں کے بوجھ اٹھانے کے وعدہ کو پورا کرنے پر قادر ہیں۔ ولیحملن اور یہی کفار جو بوجھ اٹھانے کے قائل ہیں۔ اٹھائیں گے۔ اثقالھم۔ اپنے ان گناہوں کے بوجھ جن کے وہ خود مرتکب ہوئے تھے اور یہ قیامت کے دن ہوگا اور اثقال ثقل بالکسر وسکون القاف کی جمع ہے جیسے حمل کی احمال آتی ہے۔ ثقل کا بالمقابل خفۃ یا ثقل ہر اس شے کو کہا جاتا ہے جو وزن کرتے وقت ترجیح پا جاتے ہیں یا اس کے ساتھ کسی شے کا اندازہ کیا جائے یہ دراصل اجسام میں مستعمل ہوتا ہے۔ مجازاً معانی میں استعمال کیا جاتا ہے اثقلہ الغرم والوزر اسے تاوان اور گناہوں نے بوجھل کر دیا۔ واثقالا مع اثقالھم اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور بوجھ اس سے ان کا دوسروں کو گمراہ کرنا مراد ہے یعنی ایک تو ان کی اپنی گمراہی کے گناہ ہوں گے اور ساتھ دوسروں کو گمراہ کرنے کے گناہ بھی ان کے سر پر رکھے جائیں گے لیکن جنہیں گمراہ کیا ہوگا ان کے گناہوں میں بھی کمی کی جائے گی۔ اس سے ثابت ہوا کہ ضالین سے مضلین کے گناہوں کا بوجھ زیادہ ہوگا کیونکہ جو کسی کے کہنے پر گمراہ ہوا تھا تو اس کی اتباع کے گناہ گمراہی کی دعوت دینے والے کے سر پر ڈالے جائیں گے۔ ایسے ہی جو شخص برائی کا آغاز کرتا ہے تو جو بھی اس کی ایجاد کردہ برائی پر عمل کرتا ہے اس کا گناہ بھی ایجاد کرنے والے پر ڈالا جائے گا۔ کما ورد فی الحدیث۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

ہر کہ بنہد سنت بد اے فتی
تا در افتد بعد او خلق از عمی

بقیہ صفحہ ۱۰۴۹

marfat.ocm

جمع گردد بر وے آن جملہ بزہ
کہ سرے بودست وایشاں دم عزہ

ترجمہ، جس نے برائی کے طریقے کی بنیاد رکھی کہ اس کے بعد خلق خدا گمراہ ہو تمام گناہ جمع ہو کر اس کے سر پر رکھے جائیں گے اس لیے کہ وہ ان تمام مجرموں کا سرخیل تھا اور یہ دوسرے اس کا لشکر۔

ولیسالن یوم القیمۃ۔ ان سے قیامت میں تقریع وتبکیت کا سوال ہو گا کہ وہ برائی کیوں کی اور اور کس وجہ اس کا ارتکاب کیا تھا۔ **عما کانوا یفترون۔** جو کچھ وہ دنیا میں جھوٹی اور باطل باتیں گھڑ کر لوگوں کو گمراہ کرتے تھے منجملہ ان کے جھوٹ کے ایک یہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔

مسئلہ، گناہوں کو اثقال سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ گناہ ایک عظیم بوجھ ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ۔

مرو زیر بار گناہ اے پسر
کہ حمال عاجز بود در سفر

ترجمہ، اے عزیز گناہوں کے بوجھ تلے مت جا اس لیے کہ سفر میں بوجھ اٹھا کر چلنا دشوار ہوتا ہے۔

شرح بیت، اس کی وجہ ظاہر ہے کہ سفر میں بوجھ اٹھا کر چلنا بہت بڑی سخت تکلیف محسوس ہوتی ہے بالخصوص جبکہ سفر لمبا اور راستہ بھی پرخطر ہو۔

فائدہ، گناہ بوجھ کے اعتبار سے مختلف ہیں۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پاک دامن کو تہمت لگانے کا بوجھ چودہ طبقات آسمان وزمین سے زیادہ بوجھل ہے بلکہ جملہ موجودات سے بھی اور جبل الوجود اور انانیات کا بوجھ ان سے اور ثقیل تر ہے جیسا کہ وارد ہے کہ

تیرا وجود ایسا بھاری ہے کہ اس کے برابر کا اور کوئی گناہ نہیں۔

جمعست خیرہا ہمہ در خانۂ دینت
آن خانہ را کلید بنیر از فروتنی
شرع بد قیاس بیک خانہ جمع داشت
و آنرا کلید نیست بجز مائی و منی

ترجمہ، تمام بھلائی تیرے اندر ہے اور اس کی چابی عاجزی وانکساری ہے اور برائیاں سبھی تیرے اندر ہیں ان کی چابی اور تکبر اور غرور ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ
اور بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تو وہ ان میں پچاس سال
اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝۱۴
کم ہزار برس رہا تو انہیں طوفان نے آلیا اور وہ ظالم تھے
فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝۱۵ وَاِبْرٰهِيْمَ
تو ہم نے اسے اور کشتی والوں کو بچا لیا اور اس کشتی کو سارے جہان کے لیے نشانی کیا اور ابراہیم کو جب
اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
اس نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ کو پوجو اور اس سے ڈرو اس میں تمہارا بھلا ہے اگر تم
تَعْلَمُوْنَ ۝۱۶ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ؕ اِنَّ
جانتے تم تو اللہ کے سوا بتوں کو پوجتے ہو اور نرا جھوٹ گڑھتے ہو بے شک
الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ
وہ جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو تمہاری روزی کے کچھ مالک نہیں تو اللہ کے پاس
اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۱۷ وَاِنْ تُكَذِّبُوْا
رزق ڈھونڈو اور اس کی بندگی کرو اور اس کا احسان مانو تمہیں اسی کی طرف پھرنا ہے اور اگر تم جھٹلاؤ تو تم سے
فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝۱۸
پہلے کتنے ہی گروہ جھٹلا چکے ہیں اور رسول کے ذمہ نہیں مگر صاف پہنچا دینا
اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى
اور کیا انہوں نے نہ دیکھا اللہ کیونکر خلق کی ابتدا فرماتا ہے پھر اسے دوبارہ بنائے گا بے شک یہ اللہ کو
اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝۱۹ قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ
آسان ہے تم فرماؤ زمین میں سفر کرکے دیکھو اللہ کیونکر پہلے بناتا ہے پھر
اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ۝۲۰ يُعَذِّبُ
اللہ دوسری اٹھان اٹھاتا ہے بے شک اللہ سب کچھ کر سکتا ہے عذاب
مَنْ يَّشَآءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ۝۲۱ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ
دیتا ہے جسے چاہے اور رحم فرماتا ہے جس پر چاہے اور تمہیں اسی کی طرف پھرنا ہے اور نہ تم زمین میں

marfat.ocm

فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۖ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۲۲﴾

قابو سے نکل سکو اور نہ آسمان میں اور تمہارے لیے اللہ کے سوا نہ کوئی کام بنانے والا اور نہ مددگار

بقیہ صفحہ ۱۰۴۶

(بقیہ مضمون سابقہ)

تفسیر صوفیانہ۔

جیسے اضلال اور کفر و معاصی پر برانگیختہ کرنا عظیم جرم اور اس کا عذاب بھی سخت تر ہے ایسے ہی غیر کی استعداد کو ضائع کرنا اور اسے طریق حق پر چلنے سے روکنا اور راہِ سلوک کا انکار کرنا سخت حرام اور اس کا عذاب شدید ہے اور یہ جرم زنا سے بھی زیادہ سخت ہے اس لیے کہ زنا میں بچہ کی پیدائش اور اس کی بقاء والد کے بغیر ہو گی لیکن افساد سے معنوی اولاد فیض کے بغیر باقی رہے گی اور ظاہر ہے کہ فسادِ معنی فسادِ صورت سے زیادہ برا ہے نیز آیت میں ارباب الالحاد و ہوی کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اپنے جرائم کے ساتھ ان لوگوں کے بھی مجرم ہیں جنہیں وہ اپنی اتباع کا درس دیتے ہیں اور انہیں فساد و صلاح کا امتیاز نہیں کرنے دیتے اور نہ ہی انہیں ہلاک و بقاء کی خبر رکھنے دیتے ہیں۔ اے اللہ ہمیں طریق مستقیم پر چلنے والوں سے بنا۔ آمین۔

تفسیر عالمانہ۔

ولقد ارسلنا اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے پہلے ہم نے دعوتِ توحید کے لیے بھیجا نوحًا نوح علیہ السلام کو جن کا اسم گرامی عبد الغفار تھا۔ (کما ذکرہ السہیلی فی کتاب التعریف) اور ابو اللیث نے البستان میں لکھا کہ ان کا اسم گرامی الشاکر تھا اور آپ چونکہ خوفِ الٰہی سے بکثرت گریہ زاری کرتے تھے اسی لیے اس نام سے موسوم ہوئے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے زمین پر تشریف لانے کے بعد ایک ہزار چھ سو بیالیس سال میں پیدا ہوئے اور چالیس

سال کی عمر میں آپ کو نبوت ملی۔ الی قومہ۔ ان کی قوم کی طرف یعنی اُس وقت جتنے لوگ دنیا میں موجود تھے۔

سوال:۔ اس سے تو ہمارے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت عامہ کے برابر ہو گئی حالانکہ آپ کے مرتبے کے مطابق اور کسی کو درجہ نصیب نہ ہوا۔

جواب:۔ چونکہ نوح علیہ السلام کی نبوت صرف ان کی زندگی تک اور صرف اہل ارض اور وہ بھی چند محدود انسانوں کے لیے تھی اسی لیے انہیں سرکارِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کا درجہ نہیں دیا جا سکتا کیونکہ آپ کی نبوت کل کائنات علوی سفلی اور پھر آپ کے وصال کے بعد جاری وساری ہے اسی لیے برابری کیسی۔ (کذا فی انسان العیون)

فائدہ:۔ حضرت نوح علیہ السلام سب سے پہلے نبی ہیں جو بتوں کے پجاریوں کی طرف مبعوث ہوئے اس لیے کہ بت پرستی کا آغاز آپ کی اُمت میں شروع ہوا۔ آپ تشریف لائے اور انہیں اس شرک سے بچنے کی تلقین فرمائی نیز یہی پہلے نبی علیہ السلام ہیں جو اقارب وغیر اقارب کے لیے مبعوث ہوئے ورنہ حضرت آدم علیہ السلام تو صرف اپنی اولاد کے نبی تھے۔ اُنہوں نے اپنی اولاد کو ایمان باللہ اور شرائع دین کی دعوت دی۔ اس معنی پر نوح علیہ السلام ہمارے لئے اب اصغر اور آدم علیہ السلام اب اکبر ہیں۔

مزار نوح علیہ السلام

علاقہ شام کرک (بالفتح) میں ہے (کذا فی فتح الرحمٰن) تو وہ اپنی اُمت میں ٹھہرے یعنی مبعوث ہونے کے بعد۔ بعث بالمکان اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی جگہ پر ہمیشہ کے لیے ٹھہرے۔ الف سنۃ۔ الف ایک مخصوص عدد کا نام ہے اور اس نام سے اس لیے موسوم ہوا کہ تمام اعداد اس میں جمع ہیں کیونکہ اصولی اعداد چار ہیں:۔

۱۔ احاد ۲۔ عشرات ۳۔ مآت ۴۔ اُلوف

جب ایک ہزار کی گنتی پوری ہوئی تو گویا اس میں پہلے اور پچھلے اعداد جمع ہوئے۔ بعض علماء کرام نے فرمایا الف اسی سے ماخوذ ہے کیونکہ نظام دنیا کا مبدا یہی ہے اور السنۃ دراصل سنھۃ تھا مثلاً کہتے ہیں سانھت فلاناً میں اس کے ساتھ سال بسال معاملہ کیا اور بعض نے کہا اس کا اصل سنو تھا چنانچہ اس کی جمع سنوات آتی ہے اور ہا وقف کی ہے۔ الا خمسین عاماً مگر پچاس سال لفظ عام سنۃ کی طرح ہے صرف فرق اتنا ہے کہ لفظ سنۃ کا استعمال اس سال کے لیے ہوتا ہے جس میں قحط اور تکالیف ہوں اس لیے قحط کے وقت لفظ سنۃ استعمال کرتا ہے اور العام

marfat.ocm

اُس وقت بوتے ہیں جب خوشحالی ہو۔

فائدہ: استثناء کے بعد لفظ عام لانے میں بھی اسی لطیف اشارہ کی طرف اشارہ ہے کہ قوم کے طوفان میں غرق ہونے کے بعد نوح علیہ السلام نے ساٹھ سال نہایت خوشحالی اور راحت و سرور کے ساتھ بسر کیا۔

فائدہ: بعض علماء نے فرمایا کہ سنۃ کو عام کر اس لیے کہا جاتا ہے کہ سورج اپنے جملہ بروج میں عوم میں رہتا ہے اور عوم بمعنی تیرنا آتا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ **کل فی فلک یسبحون**۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ نوح علیہ السلام اپنی اُمت میں ساڑھے نو سو سال بسر کیے اور اسی اثناء میں اپنی اُمت کو خوفِ الٰہی سناتے رہے لیکن وہ بھی ڈھیٹ تھے کہ معمولی طور پر بھی توبہ نہ کرتے۔

فائدہ: لفظ الف مذکور میں طویل مدت کے اظہار کے لیے ہے تاکہ سامع کو اس کی درازیٔ مدت کا احساس ہو۔ اس کے بعد خمسین کے استثناء سے اصل مدت بتائی۔ اس میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا مطلوب ہے کہ نوح علیہ السلام بھی تکالیف و شدائد کفار پر صبر کرتے رہے۔ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم قوم کی اذیتوں اور تکلیفوں پر صبر کیجئے یعنی اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال قوم کو دعوت دی اور باوجود سخت تکلیفوں اور اذیتوں کے آپ نے دعوتِ دین سنانے میں کمی نہ کی اور قوم بھی راہِ راست پر نہ آئی سوائے چند ایک کے۔ کما قال اللہ تعالیٰ **وما اٰمن معہ الا قلیل**۔ جب قوم سے ناامید ہوئے تو ان پر بددعا کی تو ان کے لیے تباہی و ہلاکت کا حکم نازل ہوا۔ کما قال **فاخذھم الطوفان** تو انہیں طوفان نے پکڑا۔ یعنی جب مدت مذکور ختم ہوئی تو اس وقت جملہ کفار جو زمین پر رہتے تھے طوفان میں غرق ہو گئے۔ **طوفان** ہر وہ شے جو کثرت و شدت و غلبہ کی وجہ سے دوسری شے کے ارد گرد چکر لگائے اور اسے گھیر لے جیسے سیلاب۔ ہوا۔ تاریکی۔ قتل۔ موت طاعون۔ چیچک۔ چھوٹے پھنسی پھوڑے۔ بھوک وغیرہ اور قوم نوح علیہ السلام کو پانی کے طوفان میں ڈبویا اور اس وقت تمام رُوئے زمین پر پانی ہی پانی تھا۔ **وھم ظالمون** حالانکہ وہ ظالم تھے اس لیے کہ وہ ظلم و کفر پر ڈٹے ہوئے تھے۔ اُنہوں نے اتنا عرصہ دراز تک داعیٔ حق کی ایک نہ مانی۔ **فانجیناہ** پس ہم نے نوح علیہ السلام کو غرق اور کافروں کی اذیتوں اور تکلیفوں سے نجات بخشی **واصحاب السفینۃ** اور کشتی والوں کو یعنی آپ کی اولاد اور آپ کے متبعین جو آپ کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے وہ کل اسّی مرد اور چند عورتیں تھیں۔ کاشفی نے لکھا ہے کہ کشتی میں مرد مومنین، مومنات کے علاوہ جانور بھی تھے۔ **السفینۃ** سفن یسفن سے ہے بمعنی قشر و تحتہ یعنی اسے چھیلا اور اسے اس معنیٰ پر اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ گویا وہ کشتیاں پانی کو چھیلتی ہوئی آگے کو نکل جاتی ہیں۔ اس معنیٰ پر سفینہ فعیلہ بمعنی فاعلۃ کے ہے **وجعلناھا** اور سفینہ یا قصہ کو بنایا۔ **اٰیۃ للعلمین**۔ عالمین آنے والی نسلوں کے لیے عبرت تاکہ اس سے نصیحت حاصل کریں یا دلالۃ

تاکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت پر استدلال کریں۔

فائدہ : ابو اللیث نے اپنی تفسیر میں لکھا کہ کشتی مذکور جودی پہاڑ پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہورِ اقدس کے قریب زمانہ تک موجود رہی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور طوفان کے درمیان تین ہزار نو سو چوہتر (۳۹۷۴) سال گزرے (فتح الرحمٰن) اور وہ کشتی عبرت و نصیحت تھی اس کے لیے جس نے اسے دیکھا اسے اس کی خبر پہنچی تو اس نے بھی عبرت حاصل کی۔ کما قال ولقد ترکناھا آیۃ ۔ بیشک ہم نے کشتی کو نشانی کے طور پر چھوڑا۔

فائدہ : مروی ہے کہ نوح علیہ السلام نے چالیس سال کی عمر میں نبوت کے لیے مبعوث ہوئے ساڑھے نو سو سال امت کی تبلیغ میں گزارا اور ساٹھ سال طوفان کے بعد عیش و راحت سے زندگی بسر فرمائی یہاں تک کہ آپ کی اولاد عالمِ دنیا میں پھیلی یعنی آپ کے تین صاحبزادوں

۱۔ حام ۲۔ سام ۳۔ یافث

کی اولاد دنیا میں پھیلی۔ اس لیے کہ جب کشتی سے باہر نکلے تو باقی تمام لوگ مر گئے صرف نوح علیہ السلام کی اولاد زندہ بچ گئی (کذا فی البستان) اس معنیٰ پر حضرت نوح علیہ السلام کی عمر ڈیڑھ ہزار سال ہوئی اور آپ ہی تمام انبیاء علیہم السلام سے طویل العمر پیغمبر گزرے ہیں۔ آپ ہی کا شیخ المرسلین کا لقب بجتا ہے اور قیامت میں ہمارے نبی علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے آپ ہی اپنی قبر انور سے نمودار ہوں گے۔

فائدہ : کاشفی نے لکھا ہے کہ بوقت موت نوح علیہ السلام سے عزرائیل علیہ السلام نے پوچھا کہ آپ چونکہ تمام انبیاء علیہ السلام سے دراز عرصہ دنیا میں بسر کر کے دنیا سے تشریف لے جا رہے ہیں آپ نے دنیا کو کیسا پایا۔ آپ نے فرمایا کہ دنیا کو ایک کمرے کی طرح پایا کہ جس میں دو دروازے ہوں میں ایک کمرے میں داخل ہوا تو دوسرے دروازے سے نکالا گیا ہوں ؎

گر عمر تو عمر نوح و لقمان باشد
آخر بروے چنانکہ فرمان باشد
در بودن دنیا و برون رفتن ازو
یک روز و ہزار سال یکساں باشد

ترجمہ۔ اگر تیری عمر نوح و لقمان کی طرح ہو لیکن جب حکم الٰہی پہنچے گا تو تمہیں یہاں دنیا سے جانا پڑے گا دنیا میں آنا اور جانا ہے ہزار سال اور ایک دن یہاں کے لیے برابر ہے۔

کسی اور نے کہا ؎

marfat.ocm

الا انما الدنیا کظل سحابة
اظلتك یومًا ثم عنك اضمحلت
فلاتك فرحانا بها حین اقبلت
و لاتك جزعانا بها حین ولت

ترجمہ۔ دنیا بادل کا سایہ ہے ایک دن تیرے سر پر سایہ ڈال کر چلی جائے گی۔ اس کے نہ آنے کی خوشی مناؤ اور نہ جانے کا غم کرو۔

مسئلہ: حضرت حسنؓ نے فرمایا کہ قیامت میں وہ بوڑھا مومن لوگوں سے افضل ہو گا جسنے دنیا میں زندگی بسر کی تو بہت زیادہ ثواب حاصل کیا یعنی نیک عمل کرتا رہا۔

حکایت: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مردوں کا آپس میں بھائی چارہ مقرر فرمایا۔ ایک ان میں راہِ حق میں شہید ہوا۔ دوسرا جمعہ یا اس سے کم و بیش مدت میں فوت ہوا۔ اس دوسرے کی نمازِ جنازہ کے بعد آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ تم نے اس کے بارے میں کیا کہا۔ عرض کی کہ ہم نے اس کے لیے دعا کی وہ کریم اس کے گناہ بخش دے اور اس کے حال پر رحم فرمائے اور اسے اپنے ساتھی کے ساتھ ملائے۔ آپ نے فرمایا کہ کہاں اس کی نماز و دیگر اعمال صالحہ اور کہاں اس کے ساتھی کے روزے اور اعمال صالحہ یا فرمایا اس کے روزے کہاں اور اس کے ساتھی کے روزے کہاں کہ اُن کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جیسے زمین و آسمان کے درمیان کا ہے اس شخص کو مبارک ہو جس کی عمر دراز اور اعمالِ صالحہ ہوں۔

فائدہ: جو ہزاروں سال کے بعد پہلی اُمتوں کو فیض حاصل ہوتا تھا وہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو تھوڑے عرصہ میں حاصل ہو جاتا ہے اس لیے کہ ان میں استعداد فطری بہ نسبت ان کے مکمل اور بہت زیادہ ہے۔

سبق: انسان پر لازم ہے کہ سابقہ اُمتوں کے مراتب و اعمال کی آرزو نہ کرے۔ اگرچہ ستر یا سو سال ہمیں عمریں ملی ہیں لیکن مراتب و اعمال کی قبولیت میں بہ نسبت ان کے ہم بہتر ہیں۔ ہاں نفس امارہ کی دست درازی سے پناہ اور خلوص فی الاعمال کی تمنا ضرور کرے اس لیے اگر عمر طویل نصیب ہو لیکن نفس امارہ کی اصلاح نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب کا نشانہ بننا ہے اس لیے درازیٔ عمر قہر ایزدی سے نہیں بچا سکتی۔

نسخۂ روحانی: نفس کو احکامِ شرعیہ میں لگائے رکھنے سے نفس کی اصلاح ہوتی ہے۔ صوفیہ کرام نے سفینہ سے احکامِ شرعیہ مراد لی ہے اس لیے کہ جیسے کشتی کا سوار نجات پا جاتا ہے ایسے ہی شریعت پاک کا عامل نفس امارہ سے نجات حاصل کر سکتا ہے اس لیے کہ شریعت قیامت تک ایسا شارع عام ہے

کہ اس پر چلنے والا سیدھا بہشت میں پہنچتا ہے اور باطنی طور قربِ الٰہی و وصالِ حق سے مشرف ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کا ظاہر نور اور اس کے اشارات میں سرور ہے اور اہل اشارہ ہی مقربانِ خداوندی کہلاتے ہیں اور جو ان کے ساتھ لگتا ہے وہ چھٹکارا پا جاتا ہے۔

حضرت حافظ نے فرمایا ؎

یار مردان خدا باش کہ در کشتیٔ نوح
ہست خاکے کہ بآبے نخرد طوفان را

ترجمہ۔ مردانِ راہِ خدا کا دوست ہو اس لیے کہ کشتیٔ نوح ہیں۔ اور وہ خاک ہے کہ اسے طوفان نقصان نہیں پہنچاتا۔

سبق: جو نفس امارہ کا گرفتار ہو وہ اس سے بچنے کے لیے جد و جہد کرے تاکہ اُس کی شرارت سے نجات پا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہی ملجاؤ ماویٰ ہے سب کا۔

وابراھیم ۔ اس کا عطف **نوحًا** پر ہے۔ دراصل عبارت یوں ہے۔ **ولقد ارسلنا ابراھیم** یعنی آپ کے تشریف لانے سے پہلے ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو بھی رسول بنا کر بھیجا۔ **اذ قال**۔ یہ اذکر مقدر سے منصوب ہے۔ اسی طرح مجھے الہام ہوا یعنی اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کو یاد دلائیے جبکہ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا **لقومہ** اپنی قوم سے اس سے اہل بابل مراد ہیں جن میں نمرود بھی تھا **اعبدوا اللہ** اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرو۔ **واتقوہ** اور اس کے ساتھ شریک ٹھہرانے سے ڈرو۔ **ذالکم** یہ جو تقویٰ اور عبادتِ الٰہی کا ذکر ہوا۔ **خیر لکم** تم جس کفر و معاصی میں ہو اس سے توحید و عبادت بہتر ہے۔ یہاں پر تفضیل مطلق بہتری کا معنی دے رہی ہے یعنی تمہارے شرک اور معاصی میں کسی قسم کی بھلائی نہیں۔ اگر اس کے لیے کچھ اچھا ہونے کا پہلو ہے تو اُن کے عقیدہ کے مطابق کیا گیا ہے کہ وہ اپنے فعل کفر و معاصی کو اچھا سمجھتے تھے۔ **ان کنتم تعلمون**۔ اگر تم بھلائی و بُرائی کو جانتے ہو اور ان کے مابین حق و باطل کے درمیان امتیاز کرتے ہو۔ **انما تعبدون من دون اللہ اوثانًا**۔ بیشک اللہ کے غیروں یعنی بتوں کی پرستش کرتے ہو اور وہ صرف تصویریں ہیں اور تمہاری اپنی بنائی ہوئی ہیں جنہیں سوائے اسی ظاہری تصویری شکل کے اور کوئی صفت نہیں۔ **اوثان**۔ وثن کی جمع ہے۔ مفسرین نے فرمایا کہ صنم وہ ہوتا ہے جسے انسانی شکل میں درخت اور سونے سے گھڑ کر بنایا جائے اور **وثن** وہ ہے جو اس طرح نہ ہو بلکہ اس کی صفت پتھر سے ہو اور صورتِ انسانی میں بھی نہ ہو **وتخلقون افکا**۔ اور امام راغب نے لکھا ہے کہ **الخلق** خدا کے لیے صرف دو معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔

۱۔ التقدیر   **۲۔ الکذب**

یہاں دوسرا معنی مراد ہے مثلاً کہا جاتا ہے **خلق واختلق** بمعنی زبان یا ہاتھ سے افترا کرنا ایسے ہی

marfat.ocm

جاتا ہے۔ **نحت الاصنام**۔ یہ اصنام کی دستی صنعت پر بولا جاتا ہے (کذا فی کشف الاسرار)

الافک بمعنی اسوء الکذب اور افک کو اس لیے کذب سے تعبیر کرتے ہیں کہ یہ ما فوک عن وجہہ سے ہے یعنی اپنی اصلی حالت سے پھرا ہوا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ تم ایسے جھوٹے ہو کہ بتوں کو اپنے ہاتھ سے گھڑ کر انھیں معبود عبادت کا مستحق سمجھتے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنا سفارشی مانتے ہو۔ اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ یہ ان کی شرارت ہے کہ ایک جھوٹی اور بناوٹی بات کو عبادت جیسی مقدس شے کا درجہ دیتے ہیں اس کے بعد ان کی شرارت پر یوں استدلال کیا ہے کہ باطل امور کے ساتھ معارضہ و مقابلہ بے سود ہے۔ کما قال **ان الذین تعبدون من دون اللہ لا یملکون لکم رزقاً**۔ بیشک جنکی تم پرستش کرتے ہو وہ تمہارے رزق کے کفیل نہیں۔ یہ **ملکت الشیٔ** سے ہے یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی شے پر قدرت رکھتا ہو جیسے موسیٰ علیہ السلام نے کہا **لا املک الا نفسی و اخی** میں صرف اپنے اور اپنے بھائی کا مالک ہوں۔ **رزقاً**۔ مصدر ہے اور اس کی تنکیر تقلیل کے لیے ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ انھیں کسی قسم کی قدرت نہیں کہ وہ تمہارے رزق میں سے کسی شے کے مالک ہوں۔ **فابتغوا**۔ پس طلب کرو۔ **عند اللہ الرزق**۔ تمام رزق اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے وہ ہر ایک کے رزق پہنچانے پر قادر ہے۔ **واعبدوہ**۔ ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ **واشکروا لہٗ** اس کی نعمتوں کا شکر کرو اور انہیں اپنے مقاصد کا وسیلہ بناؤ۔ نعمت کو شکر سے اس لیے مقید کیا گیا ہے کہ شکر سے نعمت میں اضافہ ہوتا ہے۔

فائدہ: ابن عطاء نے فرمایا کہ رزق تو طاعت میں ہے فلہذا طاعت میں پوری جد وجہد کر کے طلب کرو۔ اور حضرت سہل نے فرمایا کہ رزق توکل میں طلب کرو۔ کسب کو صرف سبب سمجھو کیونکہ رزق کسب میں نہیں اور کسب بھی صرف عوام کے لیے ہے۔ **الیہ ترجعون** صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو گے یعنی مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر اٹھو گے بس وہی کرو جس کا میں نے تمہیں حکم فرمایا ہے۔ **وان تکذبوا**۔ اور اگر تم میری تکذیب کرو ان امور میں جن کی میں نے تمہیں خبر دی ہے کہ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے ہاں اٹھائے جاؤ گے۔ **فقد کذب امم من قبلکم**۔ پس تحقیق تکذیب کی اُن امتوں نے جو تم سے پہلے گزری ہیں۔ یہ جواب کی تعلیل ہے ان کا معنی یہ ہوا کہ تم لوگ میری تکذیب کر کے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اس لیے کہ مجھ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام جیسے شیث و ادریس و نوح علیہم السلام کو ان کی قوموں نے جھٹلایا تو ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے بلکہ انہوں نے اپنا نقصان کیا اس لیے کہ ان کی تکذیب ان پر نزول عذاب کا سبب بنی۔ اسی طرح اگر تم میری تکذیب کرو گے تو تمہارا اپنا نقصان ہو گا۔ **وما علی الرسول الا البلاغ المبین**۔ ابلاغ بمعنی تبلیغ ہے یعنی رسول کی تبلیغ میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہوتا اور ان کے ذمہ بھی یہی ہوتا کہ وہ احکام الٰہیہ امت کو پہنچا دیں۔ کوئی تصدیق کرے گا تو فائدہ پائے گا۔ اگر کوئی تکذیب کرے گا تو اس کا اپنا نقصان ہو گا۔ اس میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ

علیہ وسلم کا کچھ نہ بگڑے گا۔ اب گویا محبوب مدنی صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار سے فرمایا کہ میں نے احکام الٰہیہ تمھیں پہنچا دیے اور میں اپنی ذمہ داری سے عہدہ برا ہو چکا ہوں اسی لیے تمھاری تکذیب مجھے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتی اور نہ ہی بعد کو میرا کچھ بگڑے گا اور نہ ہی قیامت میں مجھ سے مواخذہ ہوگا بلکہ تم ہی اپنے غلط کردار کی سزا پاؤ گے۔

فائدہ: الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ ابلاغ بمعنی القاء المعنی الی النفس علی سبیل الافہام سمجھانے کے لیے کسی کے دل میں معنی و مفہوم ڈالنا اگرچہ اسے سامع سمجھنے کی کوشش کرے یا سرے سے سمجھے ہی نہ۔ گویا حضور علیہ السلام نے کفار سے فرمایا کہ میں نے تو تمھیں اللہ تعالیٰ کے احکام کھول کر سمجھا دیے ہیں اب تم سمجھو یا نہ۔ توفیق و ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ چاہے تو تمھیں سمجھنے کی توفیق بخشے اور راہِ ہدایت عطا فرمائے ؎

پیش وحی حق اگر کر سر نہد
کبریا از فضل خود سمعش دہد
جز مگر جانے کہ شد بے نور و فر
ہمچو ماہی گنگ مُد از اصل کر

ترجمہ: جو شخص خلوص قلبی سے وحی الٰہی کے سامنے سر جھکاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اسے حق کو قبول کرنے کی توفیق بخشتا ہے اور وہ قلب جو ازل سے بدنصیب ہے تو اس کی مثال اس گونگی مچھلی کی ہے جو قدرتی طور سننے کا مادہ ہی نہیں رکھتی۔

فائدہ: آیت میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور آپ کو صبر کی تلقین کی گئی ہے اور کفار کو زجر و توبیخ ہے اور ان بدبختوں کو فرمایا کہ تکذیب و انکار الٹا تمھیں نقصان دے گا۔ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ نہیں بگڑے گا۔

سبق: مومن پر لازم ہے کہ وہ طاعت و تقویٰ پر التزام کرے اور اپنے مالک خالق کے احکام پر پابند ہو۔ اس لیے کہ تقویٰ انسان کے لیے آخرت کا بہترین زادِ راہ ہے بلکہ نجات کا موجب ہے اور تقویٰ سے رزق میں وسعت ہوتی ہے اور تقویٰ کی بنیاد توحید ہے اس لیے کہ توحید ایمان کی بنیاد اور بہشت کی چابی اور دوزخ کا دروازہ بند کرنے والی ہے۔

حکایت: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دفعہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں سے گزرے اور السلام علیکم کہا لیکن حضرت عثمان نے سلام کا جواب نہ دیا۔ یہ شکایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کی تو حضرت کو بلایا گیا اور آپ سے سلام کے جواب نہ دینے کا سوال ہوا تو اُنھوں نے کہا میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سلام سُنی ہی نہیں۔ اس لیے کہ میں اُس وقت کسی خاص کام میں معروف تھا

marfat.ocm

لیکن ایک مرتبہ آپ سے عرض کرتا ہوں وہ یہ کہ ہم حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اقدس میں عرصہ دراز تک رہے لیکن ہم نے کبھی یہ نہ پوچھا کہ بہشت کی کنجی اور دوزخ کے دروازوں کے بند کرنے کا کونسا عمل ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اس کے متعلق حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا کہ بہشت کی کنجی اور دوزخ کے دروازوں کے بند کرنے کا وہی کلمہ ہے جو آپ نے اپنے چچا ابوطالب کو پیش کیا یعنی لا اِلٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ لیکن اُس نے اس سے انکار کیا۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کے ذکر میں ایسی تاثیر ہے جو کسی اور شے میں نہیں۔

حکایت: حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ میں نے ایک جنگل میں ایک زنگی کو دیکھا کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا تھا تو اس کا رنگ تبدیل ہو جاتا تھا یہاں تک کہ اس کی سیاہی سفیدی سے بدل جاتی۔ میں نے اسے پوچھا کہ حضرت یہ کیا ماجرا ہے اُنہوں نے فرمایا کہ بھائی اگر اللہ تعالیٰ کا ذکر اوصاف ذمیمہ بدل دیتا ہے تو وہ شکل بھی بدل سکتا ہے۔

روحانی نکتہ

حضرت حکیم ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ذکر الٰہی زبان کو تر کرتا ہے جب زبان ذکر الٰہی سے فارغ ہو تو نفس کی حرارت اور نارِ شہوت کا اس پر اثر پڑتا ہے تو زبان خشک اور بیکار ہو کر خود بھی طاعت سے محروم ہوتی ہے اور دوسرے اعضاء کو بھی طاعت سے روکتی ہے پھر جیسے خشک درخت کو کاٹنا پڑتا ہے۔ کیونکہ وہ پھر صرف ایندھن کا کام دیتا ہے ایسے ہی وہ زبان اور اعضاء بھی خشک لکڑی کی طرح جہنم کی آگ کا ایندھن بن جاتے ہیں (اعاذنا اللہ تعالیٰ)

رُوحانی نسخہ

توحید سے ہی شرک اور نفس کی شرارت کی میل کچیل سے طہارت کاملہ نصیب ہوتی ہے۔ نفس شیطان سے مل کر اسفل السافلین کی طرف لے جانا چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کے ذریعے اپنے بندوں کو اعلیٰ علیین کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اسی لیے انبیاء علیہم السلام نے ہم سب کو دعوتِ حق دی اور بتوں اور دنیا اور شرک کی مذمت کی اور عبادت و طاعت و توحید اور آخرت کی تحسین فرمائی اور دنیا جو کہ صرف ایک گھڑی بلکہ آنکھ جھپکنے سے بھی کم مدت رکھتی ہے۔ شکر الٰہی بجا لانے کی ترغیب دی اور یاد رہے کہ دنیا صرف ایک گھڑی بلکہ آنکھ جھپکنے کی مدت سے بھی کم ہے۔ ایک وقت ایسی مٹ جائے گی جس کا نام و نشان تک نہ رہے گا اور اس سے بھلائی کی اُمید رکھنا بے سود ہے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ داعئ حق کی بات کو غور سے سنے اور اسے دل سے قبول کرے۔ اس کی سچی خبر کی ایک لمحہ کے لیے بھی تکذیب نہ کرے بلکہ اس کی ہر بات کی تصدیق کرے اور اس کے سامنے سرِ تسلیم خم رکھے اور اس کی ہر بات کے سامنے خوشنودی کا اظہار کرے۔ اس طرح سے بہت بڑے مراتب و درجات اور راحتِ عظمیٰ کو حاصل کرے گا۔

بدہ براحت فانی حیات باقی را
بمحنت دو سہ روزہ از غم ابد بگریز

ترجمہ: حیات باقی کو حیات فانی پر ضائع نہ کر۔ دو تین دن کی محنت سے ڈر کر دائمی غم کو سر پر مت رکھ۔

تفسیر عالمانہ: اولم یروا کیف یبدئ اللہ الخلق۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی تخلیق میں کیسے ابتداء کرتا ہے۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے کے درمیان جملہ معترضہ کے طور پر لایا گیا ہے تاکہ اہل مکہ کو نصیحت حاصل ہو اور انہیں تنبیہ ہو کہ باوجودیکہ قیامت میں اُٹھنے کے لیے بے شمار دلائل ہیں لیکن وہ اتنا جنبی اور بے وقوف ہیں کہ وہ اس کی طرف ذرہ برابر بھی دھیان نہیں کرتے اور ہمزہ اس انکار کے لیے ہے جو کہ ان کے برہان رؤیت کے موجب موجود ہیں لیکن وہ انہیں استعمال نہیں کرتے اور واو عاطفہ ہے اس کا معطوف علیہ محذوف ہے اور ابداء الخلق بمعنی مخلوق کو عدم سے وجود میں ظاہر کرنا یا یوں کہ وجودِ غیبی سے وجودِ عینی میں لانا۔

فائدہ: امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر شے کی پہلے کوئی مثل نہ ہو تو اس کی تخلیق کو ابداء سے اگر اس کی مثل پہلے ہو تو اسے اعادہ سے تعبیر کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا اس کے مرنے کے بعد پھر اسے قیامت میں اُٹھائے گا۔ یعنی اسے عدم کے بعد وجود بخش کر اسے قیامت میں اُٹھائے گا۔ ہر شے کا ابتداء اسی سے ہُوا اور ہر شے اسی کی طرف لوٹ جائے گی۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ کیا کفارِ قریش مکہ نے نہیں دیکھا اور انھیں معلوم نہیں ہوا علم کو رؤیت سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق مادہ اور بلا مادّہ کی کیفیت اتنا واضح اور روشن ہے کہ گویا وہ اُسے آنکھوں سے ملاحظہ کر رہے ہیں اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اُنھوں نے اس کیفیت کو خوب جانا۔ ثم یعیدہٗ۔ پھر وہ اسے وجود کی طرف لوٹائے گا اس کا عطف اَوَلَمْ یَرَوْا پر ہے۔ یبدؤُ پر عطف ڈالنا غلط ہے اس لیے کہ رؤیت کا وقوع اس پر نہیں۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ وہ خلق کو قیامت میں لوٹائے گا جیسے اس نے ابتداءً اس کی تخلیق فرمائی ہاں یبدأُ پر عطف ڈالا جائے تو اس کا معنیٰ یہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی انشاء کا اعادہ ہر سال

marfat.ocm

ایسے ہوتا ہے جیسے سال سابق میں تھا مثلاً اس نے جیسے پہلے سال انگوریاں اور ثمار وغیرہ ہما میں پیدا فرمائیں اور اس سے استدلال کیا جائے کہ وہ کریم ایسے ہی قیامت میں سب کو اٹھانے گا جس میں کسی قسم کے شک وشبہ کو گنجائش نہیں۔
شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

بامرش وجود از عدم نقش بست
کہ داند جز او کردن از نیست ہست
دگر رہ بکتم عدم در برد
و ازانجا بصحرای محشر برد

ترجمہ: اس کے حکم سے عدم سے وجود ملا اس کے سوا کسی کو نیست سے ہست بنانے کا کیا پتہ۔ پھر دوبارہ عدم میں سب کو لے جائے گا وہاں سے قیامت قائم ہوگی اور سب کو وہاں اٹھائے گا۔

ان ذالك وہ جو اعادہ کا ذکر ہوا علی اللہ یسیر۔ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے کہ اس میں کسی سبب کی تکلیف نہیں ہوگی اس لیے کہ اسے اعادہ میں کسی سبب کی محتاجی نہیں۔

تفسیر عالمانہ۔ قل۔ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم منکرین قیامت سے فرمایئے سیروا فی الارض زمین کے مختلف علاقوں کا سفر کیجئے۔ فانظروا کیف بدأ الخلق پھر دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی کثرت اور اختلاف اشکال و افعال و احوال کے باوجود اسے کیسے ابتداءً پیدا فرمایا ثم اللہ ینشئ النشاۃ الاخرۃ۔ پھر اللہ تعالیٰ آخرت میں اٹھائے گا۔

حل لغات۔ نشأ نشأۃً سے ہے بمعنی حیی و ربا و شب زندہ ہوا۔ بڑھا اور جوان ہوا۔ امام راغب نے فرمایا کہ الانشاء بمعنی ایجاد الشئ و تربیتہ شے کو پیدا کرنا اور اس کی تربیت کرنا اس کا اکثر استعمال حیوانات میں ہوتا ہے اور النشاۃ ینشئ کا مصدر مؤکد ہے اس سے زوائد حذف کر دیئے گئے ہیں۔ اس لیے کہ یہ دراصل الانشاءۃ تھا یا اس کا عامل محذوف ہے دراصل ینشئ فینشاؤن النشاۃ الآخرۃ تھا جیسے النشاۃ الاخرۃ سے نشاۃ ثانیہ یعنی قبور سے قیامت کے میدان کا قیام مراد ہے۔ اس جملہ کا سیروا فی الارض پر عطف ہے اور یہ بھی قل کا مقولہ ہے اور عطف الاخبار علی الانشاء جائز ہے جبکہ انشاء کو محلاً معرب بنایا جا سکے اور اس کا عطف بدأ الخلق پر اس لیے نہیں ہو سکتا کہ نظر کا وقوع۔ نشاۃ آخرۃ پر نہیں ہو سکتا اس لیے نظر و فکر نتیجہ کے لیے نہیں بلکہ دلیل کے لیے ہوتا ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ جب تم نے اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی ابتداء کا مشاہدہ کیا ہے اور تمہیں یقین ہوا کہ جملہ مخلوق کا خالق وہی اللہ ہے تو اس طرح تمہیں یقین کرنا چاہیئے کہ وہی اللہ تعالیٰ ایجاد آخر اور حیات دیگر فرمائے گا۔ جس میں شک و

شبہ کی گنجائش نہیں۔

خلاصہ یہ کہ جب تم کو یقین ہو گا کہ ابتدا میں سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے پھر تم پر رجعت لازم آئے گی۔ جب وہ تمہیں واپس لوٹائے گا اس وقت تمہیں پورا یقین آئے گا کہ جس طرح ابتدا میں خالق وہی لوٹانے والا بھی وہی ہے ان اللہ علیٰ کل شیٔ قدیر۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے کیونکہ اس کی قدرت ذاتی ہے وہ تمام ممکنات پر بڑی طور قدرت رکھتا ہے۔ وہ جس طرح پہلی تخلیق کر سکتا ہے تو اسے لوٹا بھی سکتا ہے۔ یعذب اٹھانے کے بعد عذاب دے گا من یشاء جسے چاہے گا اس سے آخرت کے منکرین مراد ہیں۔ و یرحم من یشاء اور جس پر رحم کرنا چاہے رحم فرمائے گا اس سے آخرت کے ماننے والے مراد ہیں۔ عذاب کی تقدیم مقام کے لائق ہے کیونکہ ترہیب ترغیب پہ ترجیح رکھتی ہے والیہ اور صرف اسی کی طرف تعقلون لوٹائے جاؤ گے یعنی قیامت میں تمہیں اٹھایا جائے گا جو وہ چاہے گا کہ مجرم کو سزا اور نیک اعمال والے کو نیک جزا دے گا۔

فائدہ:۔ کاشفی مرحوم نے لکھا کہ کشف الاسرار میں ہے کہ عذاب اس کا عدل اور رحمت اس کا فضل ہے جس سے عدل کرے گا اسے دور ہٹا دے گا جس پر فضل فرمائے گا اسے اپنے پاس بلائے گا۔ ؎

اگر رانی ز راہ عدل رانی
وگر خوانی ز روئے فضل خوانی
مرا با راندن و خواندن چہ کار
اگر خوانی و گردانی تو دانی

ترجمہ:۔ اگر ہٹاتے ہو تو ہٹاتے ہو عدل سے اگر بلاتے ہو تو فضل سے بلاتے ہو۔ مجھے ہٹانے اور بلانے سے کیا کام ہٹاؤ یا بلاؤ تم خود خوب جانتے ہو۔

روحانی نسخہ:۔

(۱) زاد المسیر میں ہے کہ عذاب بد خلقی سے اور رحمت خوش خلقی سے نصیب ہوتی ہے

(۲) بعض کے نزدیک عذاب و رحمت حب دنیا و ترک دنیا پر موقوف ہے۔

(۳) حرص و قناعت سے بھی عذاب و رحمت نصیب ہوتی ہے۔

(۴) بدعت (سیئہ) و سنت کی وجہ سے بھی عذاب و رحمت حاصل ہوتی ہے۔

(۵) دل کے تفرقہ و جمعیت بھی عذاب و رحمت کے سبب بنتے ہیں۔

(۶) امام قشیری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عذاب اس کو ہو گا جو بندہ نفس کے سپرد ہو گیا اور رحمت اسے نصیب ہو گی جس

بندے کے اُمور کا اللہ تعالیٰ خود کفیل ہو جائے۔

ع تا تو نباشی یارا رونق نیابد کار ما

ترجمہ: تم نہ ہو گے تو ہمارے کام میں رونق نہیں آئے گی

وما انتم بمعجزین۔ اور تم اللہ تعالیٰ کو عاجز کرنے والے نہیں کہ وہ حکم و قضاء کا اجراء کر سکے۔ اگرچہ تم کہیں بھی بھاگو تب وہ اپنے احکام کا اجراء کرے گا۔ **فی الارض** زمین کی وسعتوں میں چھپ جاؤ یعنی زمین کے اندر چلے جاؤ۔ **ولا فی السماء** یا آسمانوں کے قلعوں میں محفوظ ہو جاؤ جو کہ یہ زمین سے وسیع تر ہیں یعنی جتنا اوپر کو ترقی کر کے چلے جاؤ تب بھی اس کے حکم و قضاء سے بھاگ نہیں سکتے وہ تمہیں پکڑے گا اور جو چاہے گا حکم جاری کرے گا **وما لکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر** اور نہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کارساز اور نہ کوئی حمایتی اور مددگار یعنی کوئی نہیں اس کے سوا جو تمہیں بچائے ان بلاؤں سے جو زمین پر ظاہر ہوتی ہیں یا آسمان سے مصائب آئیں اگر وہ چاہے تو پھر ان کو کوئی نہیں ہٹا سکتا۔

فائدہ۔ ولی وہ ہے جو دوست سے ناگوار امر کو دفع کرے۔ نصیر ہے جو ایسے امر کے دفع کرنے کا حکم دے۔ ولی نصیر سے اخص ہے کیونکہ غیر ولی بھی مدد کرتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖۤ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰٓئِكَ
اور وہ جنہوں نے میری آیتوں اور میرے ملنے کو نہ مانا وہ ہیں جنہیں میری رحمت کی آس نہیں اور ان کے
لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۳﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ
لیے دردناک عذاب ہے تو اس کی قوم کو کچھ جواب بن نہ آیا مگر یہ بولے انہیں قتل کر دو یا
حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۴﴾
جلا دو تو اللہ نے اُسے آگ سے بچا لیا بے شک اس میں ضرور نشانیاں ہیں ایمان والوں کے
وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ
لیے اور ابراہیم نے فرمایا تم نے تو اللہ کے سوا یہ بت بنا لیے ہیں جن سے تمہاری دوستی یہی دنیا کی زندگی تک ہے
الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۫
پھر قیامت کے دن تم میں ایک دوسرے کے ساتھ کفر کرے گا اور ایک دوسرے پر لعنت ڈالے گا
وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّيْ وقف لازم
اور تم سب کا ٹھکانا جہنم ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں تو لوط اس پر ایمان لایا اور ابراہیم نے کہا
مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۶﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ
میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرتا ہوں بے شک وہی عزت و حکمت والا ہے اور ہم نے اُسے اسحٰق اور یعقوب عطا
وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ
فرمائے اور ہم نے اس کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھی اور ہم نے دنیا میں اس کا ثواب اسے عطا فرمایا
فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ
اور بے شک آخرت میں وہ ہمارے قرب خاص کے سزاواروں میں ہے اور لوط کو نجات دی جب اس نے اپنی قوم سے فرمایا تم
الْفَاحِشَةَ ۫ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اَئِنَّكُمْ
بے شک بے حیائی کا کام کرتے ہو کہ تم سے پہلے دنیا بھر میں کسی نے نہ کیا کیا تم مردوں
لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ
سے بدفعلی کرتے ہو اور راہ مارتے ہو اور اپنی مجلس میں بری بات کرتے ہو
فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ
تو اس کی قوم کا کچھ جواب نہ ہوا مگر یہ کہ بولے ہم پر اللہ کا عذاب لاؤ اگر تم
مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۳۰﴾
سچے ہو عرض کی اے میرے رب میری مدد کر ان فسادی لوگوں پر

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ: والذین کفروا بایٰتنا۔ اور جنہوں نے ہماری آیات کا انکار کیا جن پر دلائل تکوینیہ والتنزیلیہ دلالت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات وافعال ہیں اس میں نشأۃ اولیٰ بھی شامل ہے جو تحقیق بعث پر دلالت کرتی ہے اور آیات ناطقہ تو اس میں بطریق اولیٰ شامل ہیں۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ کفر آیات اللہ کا یہ معنی ہے کہ ان سے اللہ تعالیٰ کی ذات پر استدلال نہ کیا جائے بلکہ اس کے غیر کی طرف منسوب کیا جائے اور اس سے اس کی نعمتوں کا انکار کیا جائے۔ ولقائہٖ اور جنہوں نے اس کی حاضری کا انکار کیا جبکہ اس پر بھی یہی آیات دلالت کرتی ہیں ولقاء اللہ کے انکار کا یہی مطلب ہے کہ حاضری نہیں ہوگی اور اٹھنا نہیں ہوگا۔ قیامت نہیں آئے گی اور نہ حساب ہوگا اور نہ کوئی جنت ہے نہ دوزخ۔ اولٰئک وہ لوگ جو کفر آیات کی صفت سے موصوف ہیں۔ یئسوا من رحمتی میری رحمت سے ناامید ہیں۔ ایاس بمعنی طمع کا انقطاع (کذا فی المفردات) یعنی ناامید ہونا (کذا فی تاج المصادر) یعنی وہ قیامت میں ناامید ہو جائیں گے۔ ماضی بوجہ تحقیق ہے یا دنیا میں ناامید ہیں کہ انہیں قیامت میں اٹھنے اور اس کی جزا کے منکر ہیں۔ واولٰئک اور یہی لوگ با کفر بالآیات اللقاء والیاس سے موصوف ہیں وہ دوسرے کافروں سے امتیازی صورت میں ہوں گے۔ لہم ان ہی اوصاف قبیحہ کی وجہ سے ان کے لیے عذاب الیم دردناک عذاب ہوگا کہ اس کی شدت وایلام کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ تاثیر رحمت الٰہی بندوں کے حق تاثیر عذاب سے زیادہ ہے اور قرآن مجید میں صفات رحمت کا بیان غضب کے صفات سے زیادہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے سبقت رحمتی غضبی۔ میری رحمت میرے غضب پر سبقت کر گئی ہے۔ یہ دونوں صفتیں رحمت وغضب اللہ تعالیٰ کے ہیں ہمارے لیے جائز نہیں کہ ہم کہیں کہ اس کی فلاں صفت زائد اور فلاں کم اس طرح سے اس کی صفت کا نقص لازم آئے گا اور اس کی ہر صفت کا حادث ہونا لازم آئے گا اور اس کی ہر صفت نقص اور کمی سے منزہ ہے یا کمی وبیشی قرار دینے پر اس کی کسی صفت کا حادث ہونا لازم آئے گا اور اس کی ہر صفت حدوث سے پاک ہے اسی لیے ہم نے رحمت وغضب میں لفظ تاثیر کا اضافہ کیا ہے کہ اس کی رحمت کی تاثیر نے غضب کی تاثیر پر سبقت کی ہے چونکہ کافر اس کی رحمت سے ناامید ہیں اس لیے ان کے لیے فرمایا اولٰئک یرجون رحمۃ اللہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔

سبق: اہلِ ایمان پر لازم ہے کہ وہ اس کی رحمت سے نااُمید نہ ہوں اور نہ ہی اس کے عذاب سے بے پرواہ رہنا بھی کفر ہے بلکہ اُمیدلد رہے اس کی رحمت سے اور پُرخوف رہے اُس کے عذاب سے۔

فائدہ: کافر کو تو خوف و رجاء دل پر آتا ہی نہیں۔

صُوفیانہ قاعدہ

جب بندہ خوف و رجاء سے ترقی کرتا ہے تو اُسے قبض و بسط کی منزل پر پہنچنا ہوتا ہے۔ قبض عارف کے لیے ایسے ہے جیسے مبتدی کے لیے خوف اور اس کے لیے بسط ایسے ہی جو مبتدی کے لیے رجا۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ خوف و رجا مستقبل میں امر مکروہ و محبوب کا خوف و رجاء رہتا ہے اور عارف کو حاضر وقت میں وارد غیبی کی وجہ قبض و بسط رہتا ہے مثلاً جس وقت عارف پر قبض کا غلبہ ہوتا ہے تو کہتا ہے میں یہود سے بھی ذلیل ترین ہوں اور جب اس پر بسط کا غلبہ ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ کہاں ہیں ساتوں زمین و آسمان میں انہیں آنکھ کے بال کی نوک پر اُٹھالوں۔ آیت کا اول اس کے قبض کی طرف اشارہ ہے دوسری میں اس کے بسط کی طرف۔

تواضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے بھی یہ واردات ہوتے تھے آپ پر جب قبض کا ورود ہوتا تو فرماتے لیت رب محمد لم یخلق محمد۔ کاش محمد کا رب محمد کو پیدا نہ کرتا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور جب آپ پر بسط کا ورود ہوتا تو فرماتے انا سید ولد اٰدم۔ میں ہی تمام اولاد کا سردار ہوں۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

تفسیر صوفیانہ: اولم یروا (رکوع سابق میں) میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو عدم سے وجود کی طرف نکالا پھر انہیں عالم ارواح کی طرف اس کے بعد انہیں عالمِ ارواح سے عالمِ اشباح کی طرف اُتارا جبکہ اُس وقت یہ ملکوت و نفوس سماویہ و افلاک و انجم و فلک الاثیر و الہواء و ابحار اور کرۂ ارض کو عبور کر کے آئے۔ اس کے بعد مرکبات و معادن و حیوانات کو عبور کر کے انہیں موجودات کے اسفل سافلین کی طرف لے گیا۔ اس سے قالب انسانی مراد ہے چنانچہ فرمایا ثم رددناہ اسفل سافلین یعنی ہم اسے تدبیر نفخۂ خاصہ سے اسفل سافلین کی طرف لوٹایا۔ کما قال ونفخت فیہ (میں نے اس میں پھونکا) اس کے بعد جذبات عنایت سے اسے حضرت الٰہیہ کی طرف لوٹائے گا کہ جہاں سے اُترا تھا وہیں سے منازل و مقامات طے کرے گا کہ اگلی منزل کے لیے پچھلے مقامات کو ترک کرے گا اور ان سے انتفاع کا تصور ختم کرے گا۔ اس حالت کو عبور کے وقت ان کے خواص اور بعض اجزاء استعارہ لے گا تاکہ وجود انسانی کی روحانی و جسمانی تکمیل ہو۔ اسی لیے اس کے بغیر وہ حضرت الٰہیہ سے محجوب رہتا ہے ہاں جب

marfat.ocm

ادھی کے جذبے سے واپس لوٹنا چاہتا ہے تو تمام مستعار سامان لوٹانے پڑیں گے اور ان تمام مقامات کو طے کرتا ہوا انانیت کے بغیر عدم میں پہنچے گا یہ سب کچھ جذبۂ عنایت سے نصیب ہوتا ہے اور یہی فنافی اللہ کا مقام ہے ۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

طے کن بساط کون کہ ایں کعبۂ مراد
باشد ورائے کون و مکاں چند مرحلہ

ترجمہ : اس وجود کی چٹائی کو لپیٹ دے اس لیے کہ کعبہ مراد کون و مکاں کے آگے ہی چند مرحلہ پر ہے ۔

اور حضرت شیخ مغربی نے فرمایا ؎

ز تنگنائے جسد چوں بروں نہی قدم
بجز خطیرۂ قدسیٔ پادشاہ مپرس

ترجمہ : اس جسم کی تنگ گلی ہے جب قدم باہر رکھو گے ۔ بجز خطیرہ قدسیٔ بادشاہ کے کچھ نہ پوچھ ۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

از جمادی مردم نامی شدم
وز نما مردم بحیواں برزدم
مردم از حیوانی و آدم شدم
پس چہ ترسم کے ز مردن کم شدم
جملۂ دیگر بمیرم از بشر
تا بر آرم از ملائک پاؤ سر
و ز ملک ہم بایدم جستن زجو
کل شئی ہالک الا وجہہ
بار دیگر از ملک قربان شوم
آنچہ اندر وہم ناید آں شوم
پس عدم گردم عدم چوں ارغنون
گویدم کانا الیہ راجعون

ترجمہ : (۱) ڈھیلے سے ہی میں آدمی بنا ۔ نشو و نما پاکر میں حیوان ہوا ۔

(۲) حیوان سے نشو و نمائی پاکر آدم بنا پھر کیا خوف ہے کہ مجھ پر موت آئے گی ۔

(۳) میں پھر دوسروں کی طرح مروں گا۔ ملائکہ کے ساتھ جاکر اپنا سر پاؤں ملاؤں گا۔

(۴) ملائکہ سے مجھے جستجو چاہیئے کیونکہ ہر شئے مٹ جائے گی سوائے اللہ کے۔

(۵) پھر ملائکہ سے آگے گزروں گا جس کا وہم وگمان بھی نہیں کہ وہ کیا ہے۔

(۶) وجود سے عدم میں چلا جاؤں گا، پھر کہوں گا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آیت ہذا کی تفسیر صوفیانہ: والذین کفروا الخ میں اشارہ ہے ارباب طلب واصحاب سلوک کے ایک گروہ کی طرف کہ ان کو مقامات کے عبور کرنے پر شواہد حق کے کچھ آثار نظر آتے ہیں اور ان پر بعض اسرار بھی منکشف ہو جاتے ہیں لیکن غیرت ایزدی کا حجاب ان کے آگے آجاتا ہے پھر وہ غیر کی طرف توجہ کرنے لگ جاتے ہیں۔ وہ مکشوفات ان سے محجوب ہو جاتے ہیں ان کو جو مرتبہ ملتا تھا اس سے گر جاتے ہیں اور قرب کے بعد انہیں بُعد نصیب ہوتا ہے۔ بلانے کے بعد ان کو مردود بنایا جاتا ہے۔ بلند مراتب کے بعد نقصان میں پڑ جاتے ہیں۔ ہم ترقی کے بعد نقصان سے پناہ مانگتے ہیں (کذافی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ: فما کان جواب قومه۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو تو ان کی قوم کا جواب نہ تھا۔ جواب کا منصوب ہونا کان کی خبر کی وجہ سے ہے اور اس کا اسم الا ان قالوا ہے مگر کہتا تھا بعض کا بعض کو۔ اقتلوہ اسے قتل کر دو۔

حل لغات: القتل بمعنی موت یعنی جسم کا روح سے علیحدہ کرنا جب اس کا کوئی سبب بنے تو اسے قتل سے تعبیر کرتے ہیں اور جب روح جسم سے دوسرے طریق سے خارج ہو تو اسے موت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ او حرقوا یا اسے جلا دو۔

حل لغات: التحریق بمعنی اچھی طرح جلانا۔ تحریق۔ احراق و حرق میں فرق یہ ہے کہ احراق و تحریق بمعنی شعلہ دار آگ میں شے کو واقع کرنا اسی لیے بطور مجاز کہا جاتا ہے احرقنی بلومه۔ فلاں نے مجھے ملامت دے کر جلا دیا۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کو ملامت سے سخت ایذائیں دے اور حرق بمعنی کسی شے کو آگ کی گرمی پہنچانا جس میں شعلہ نہ ہو جیسے کپڑے کو ٹھو کنے سے جلانا (کذافی المفردات) اس میں ان کی بیوقوفی کا اظہار ہے کہ بجائے ابراہیم علیہ السلام کے صحیح جواب دینے جلانے اور قتل کرنے کی دھمکی دے دی۔ ایسے ہی ہر بے حجت مغلوب کی عادت[1] ہے۔ فانجاه الله من النار تو اسے اللہ تعالیٰ نے آگ سے نجات بخشی فافصیحیه یعنی اُنہوں نے

---

[1] فقیر نے آزمایا کہ جونہی فقیر نے اپنے دور کے بدمذاہب کے خلاف دلائل قائم کیے تو بجائے دلائل کے جواب دینے کے مقدمات کی بوچھاڑ کر دی لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے فقیر ایک دن بھی کچہری نہ گیا۔ الحمد علیٰ ذالک۔

ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ نے آگ کے جلانے سے انھیں بچایا کہ ان پر ٹھنڈی اور سلامتی والی بنا دی۔

اعجوبہ:۔ اسی دن آگ ٹھنڈی پڑ گئی کہ اس نے اپنی گرمی کو ضبط کر لیا تھا۔ **ان فی ذالک** ۔ بیشک اس میں یعنی ابراہیم کے تمام جسم کو آگ سے نجات دیتے ہیں۔ **الاٰیات** ۔ البتہ آیاتِ محکمہ ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے بچایا اور ان پر آگ ٹھنڈی کر دی۔ باوجودیکہ وہ اپنی گرمی میں زوروں پر تھی اور تھی بھی بہت بڑی لیکن ایک ہی لمحہ میں بجھ گئی بلکہ صرف وہی دھاگہ جلا تھا جس سے ابراہیم علیہ السلام کو باندھا گیا تھا۔ اس کے بعد تمام آگ گل و ریحان بن گئی۔ **لقوم یومنون** ۔ اس قوم کے لیے ہے جو ایمان لائے کیونکہ وہ اس سے نفع پانے والے ہیں اور اس میں تامل کرتے ہیں اور کافر تو محروم ہیں اس سے کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

تفسیر صوفیانہ:۔ اس میں اشارہ ہے کہ دعوت ابراہیم سے رُوح اور نمرود سے نفس اور اس کے صفات مراد ہیں کہ رُوح کو نفس کو شہوات دنیا اور ماسوی اللہ سے روکتا ہے اور ان کا جواب نفس کی بدبختی اور اس کی سفاہت کی دلیل ہے کہ نفس اپنی برادری سے کہتا ہے کہ رُوح کو کفر و شرک کی تلوار سے قتل کر دو یا نار شہوات و اخلاق ذمیمہ کی آگ میں جلا دو لیکن اللہ تعالیٰ اسے شہوات و اخلاق ذمیمہ کی آگ سے بچا کر اس کے لیے وہی آگ جوہر روحانی بنا دیتا ہے بلکہ اسے ان خصائل سے نفع دیتا ہے جو اس کے اندر امانت کے طور پوشیدہ ہیں جو رُوح کی جبلت میں نہ تھے اور وہ سیر الی اللہ کے لیے ان کا ضرورت مند تھا۔ اسی استفادہ کے لیے اسے اسفل سافلین قالب میں بھیجا گیا تھا۔

تفسیر عالمانہ:۔ **وقال** اور ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو مخاطب ہو کر فرمایا۔ **انما اتخذتم من دون اللہ اوثانا** ۔ اللہ کے سوا تم نے بتوں کو معبود بنا رکھا ہے جس پر تمہارے ہاں کوئی دلیل بھی نہیں۔ **مودة تنبكم** ۔ بلکہ تمہاری آپس کی محبت کی وجہ سے ہے کہ تم اکٹھے ہو جاتے ہو **فی الحیوٰة الدنیا** ۔ دنیوی زندگی میں یعنی تا دمِ زیست تمہاری یہ محبت و عبادت رہے گی اس کے بعد ختم ہے۔ **ثم یوم القیمة** پھر دنیا سے خروج کے بعد قیامت میں معاملات بدل جائیں گے اور تمہاری آپس کی محبت عداوت سے بدل جائے گی اور تم ایک دوسرے کے دشمن بن جاؤ گے۔ **یکفر بعضکم ببعض** تم یعنی عبادت کرنے والے بعض یعنی معبودان باللہ کے ساتھ کفر کریں گے۔ **و یلعن بعضکم بعضًا** اور تمہارے بعض دوسروں پر لعنت کریں گے اور ایک دوسرے کو گالی دیں گے یعنی قیامت میں اللہ تعالیٰ بتوں کو بولنے کی طاقت دے گا اور وہ اپنے پجاریوں پر لعن طعن کریں گے اور اپنے سے دور ہٹائیں گے ایسے ہی بت کے پجاری بتوں کو گالی دیں گے وغیرہ۔ یہ کلمات دراصل بددعا کے لیے بولے جاتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ:۔ جب نفس شہوات دنیا کے وبال اور اس کے استعمال کی خرابیاں دیکھے گا تو ان کی بیزاری کا اظہار کرے گا اور دنیا پر لعنتیں بھیجے گا کیونکہ وہی اس کے بدبخت ہونے کا سبب بنے

تجھے ایسے ہی دنیا نفس پرستیں بھیجے گی۔

حدیث شریف میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمہارا کوئی دنیا کو ملعون کہتا ہے تو دنیا کہتی ہے کہ تو لعنتی ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کا بے فرمان ہے۔

تفسیر عالمانہ: وماوٰکم۔ اے بت کے پجاریو تمہارا ٹھکانا النار جہنم ہے یعنی یہی تمہاری منزل ہے جہاں تم پناہ پاؤ گے اور اس سے کہیں نہیں جاؤ گے **وما لکم من ناصرین** اور تمہارا کوئی پروردگار نہیں جو تمہاری جان چھڑائے جیسے میرے پروردگار نے مجھے اس آگ سے بچایا ہے جس میں تم نے مجھے جلانے کے لیے پھینکا تھا۔ ناصر کی جمع ہے اور جمع اس لیے لائی گئی کہ کوئی بھی کسی ایک کا حامی و مددگار نہ ہوگا۔

چوں بت سنگین شما را قبلہ شد
لعنت و کوری شما را ظاہر شد
نیست ہرگز از خدا نفرت شما
شد محرم جنت و رحمت شما

ترجمہ: جب پتھر کا بت تمہارا قبلہ ٹھہرا تو تمہارا اندھاپن اور تم پر لعنت ظاہر ہوئی تمہیں اپنے بتوں سے نفرت نہیں اسی لیے تم پر جنت و رحمت حرام ہو گئی۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ **انہ العزیز** یعنی وہ عزیز تر ہے اس سے کہ کوئی اس کے ہاں پہنچ سکے سوائے کہ پہلے وہ اس کے ماسوا سے تعلق توڑ دے **الحکیم** وہ ایسا حکیم ہے کہ بمقتضائے حکمت سوائے پاک کے کسی اور شے کو قبول نہیں کرتا بالخصوص اسے تو منہ نہیں لگاتا جو انانیت سے ملوث ہو جیسا کہ حدیث شریف میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ،

"بیشک اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ صرف پاک کو ہی قبول کرتا ہے۔"

پہلا مہاجر: مروی ہے کہ دنیا میں سب سے پہلے مہاجر حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو لے چلے آپ دو ہجرتوں کے مامور ہوئے۔ پہلے حکم ہوا کہ آپ لوط علیہ السلام اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو لے کر بستی سے (جو کہ کوفہ کے سواد میں ہے) حران کی طرف چلے جائیں پھر وہاں سے شام کے علاقہ کی طرف یہاں آپ نے فلسطین میں قیام فرمایا اور لوط علیہ السلام سدوم کی طرف چلے گئے۔

فائدہ: صاحب کشاف نے لکھا ہے کہ بوقت ہجرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر پچھتر سال تھی اور اسی سال حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے بی بی ہاجرہ کے بطن سے جو بی بی سارہ کی کنیز تھیں۔ پھر جب آپ کی عمر ایک سو بیس سال تک پہنچی تو آپ کو بوڑھی بی بی سارہ سے اسحٰق علیہ السلام عطا ہوا۔ چنانچہ فرمایا **ووھبنا** اور ہم نے اسے

marfat.ocm

دی بی بی یعنی سارہ سے عطا فرمایا اسحٰق۔ اسحاق علیہ السلام یعنی ہاجرہ سے اسمٰعیل پیدا ہوئے تو ان کے بعد سارہ سے اسحٰق علیہ السلام متولد ہوئے۔ و یعقوب اور یعقوب علیہ السلام زائد عطیہ یہ ابراہیم علیہ السلام کے پوتے ہیں یہ اُس وقت ہوا جب آپ اولاد سے ناامید ہو چکے تھے۔ یہاں اسمٰعیل کا ذکر نہیں کیونکہ احسان جتلانے کا موقع ہے اور یہ اسحٰق علیہ السلام کی ولادت سے ہوا۔ (کذا قال القاضی)

فائدہ: ابراہیم علیہ السلام کے آٹھ صاحبزادے تھے۔

١۔ اسمٰعیل علیہ السلام بی بی ہاجرہ سے۔
٢۔ اسحٰق علیہ السلام بی بی سارہ سے۔

٣۔ یقشان
٤۔ زمران
٥۔ مدان
٦ مدیان
٧۔ اسباق
٨ سوخ

یہ چھ بیٹے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تیسری بیوی قطورہ رضی اللہ سے پیدا ہوئے۔[1]

وجعلنا فی ذریتہ اور ہم نے بنائی اُن کی نسل میں یعنی بنی اسماعیل و بنی اسرائیل کی اولاد میں۔ **النبوۃ** نبوت اس لیے کہ نبوت کے حاملین انہیں میں زیادہ ہوئے۔ منقول ہے کہ ان کی اولاد سے ایک ہزار انبیاء علیہم السلام پیدا ہوئے۔ آپ گویا شجرۃ الانبیاء تھے (علیٰ نبینا و علیہم السلام) **والکتاب** اس سے جنس کتب مراد ہے تاکہ کتب اربعہ کو یہ حکم عام ہو یعنی تورات۔ انجیل۔ زبور۔ قرآن۔ **و اٰتیناہ اجرہ** اور ہم نے ہجرت کے مقابلہ میں اسے اجرِ عظیم عطا کیا **فی الدنیا** دنیا میں اولاد عطا کر کے حالانکہ اُن کے لیے اولاد کا موسم نہ تھا اور مال عطا فرمایا اور اولاد پاکیزہ کے علاوہ ان میں دائمی نبوت اور ملل حقہ کی نشوونما ان سے ہوئی اور بہترین حمد و ثنا اور تاقیامت ان پر صلوٰۃ و سلام۔

تفسیر عالمانہ

فاٰمن لہ لوط۔ اٰمن لہ و اٰمن بہٖ کا تقریباً ایک ہی معنیٰ ہوتا ہے اور حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھانجے تھے۔ بعض اقوال میں آپ کے بھتیجے تھے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ حضرت لوط علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تمام باتوں کی تصدیق کی اس سے ان کی تصدیق نبوت مراد نہیں۔ کیونکہ ابراہیم علیہ السلام نے تو نبوت کا دعویٰ بعد کو کیا اور دعوت دینی بھی بعد کو دی تو کیا اس سے قبل لوط علیہ السلام کفر کرتے رہتے (معاذ اللہ) وہ تو نبی تھے اور قبل از اظہار نبوت بھی نبی کفر سے منزہ ہوتا ہے۔ بعض نے کہا کہ حضرت لوط علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام پر اُس وقت ایمان لائے جب دیکھا کہ انہیں آگ کا کوئی اثر نہیں ہوا تو اسے بھی اسی معنیٰ پر محمول کیا جائے گا کہ ابراہیم علیہ السلام کی ہر بات کے وہ مصدق رہے صرف نبوت کی تصدیق اسی معنیٰ پر ہوگی کہ جب بھی اُنہوں نے نبوت کا اعلان کیا تو بلا تاخیر لوط علیہ السلام نے تصدیق کر دی یا ایمان سے مراد کوئی مرتبہ علیا مراد ہو اور یہ وہ مرتبہ ہو کہ اسے اہم شخصیات کو نصیب

---

[1] مدیان اہل مدین کا جد بزرگ تھا جن کا قرآن میں ذکر آیا ہے۔ اور جن کی ہدایت کے لئے حضرت شعیب مبعوث ہوئے۔ مدین کے علاوہ اصحاب الایکہ بھی جن کا قرآن میں ذکر آیا ہے۔ جو قطورہ ہی میں سے تھے۔ (اضافہ از مصحح [illegible] محمد خاں)

ہوا اور ان میں سے اولیت حضرت لوط علیہ السلام کو نصیب ہوئی۔ و قال اور ابراہیم علیہ السلام نے لوط و سارہ علیٰ نبینا علیہما السلام کو فرمایا اور بی بی سارہ آپ کی عمزادہ تھیں۔ آپ پر ایمان لائیں اور آپ کے نکاح میں بھی تھیں۔ انی مہاجر۔ بیشک میں اپنی قوم کو چھوڑ کر جانے والا ہوں۔ الی ربی اپنے پروردگار کی طرف جہاں وہ مجھے حکم فرمائے گا چلا جاؤں گا۔ المہاجرۃ بمعنی ایک جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلا جانا یا کسی سے قطع تعلق کر لینا۔

حدیث شریف میں ہے اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتا مگر مہاجر ہو کر یعنی اس کی زبان دل کے مطابق ذاکر نہیں ہے۔

المفردات میں ہے الهجر والهجران بمعنی کسی سے بدن یا زبان یا دل سے قطع تعلق کر لینا۔

صوفیانہ معنی

بعض عارفین نے کہا کہ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اپنے نفس سے رجوع کرتا ہوں اور دنیا سے بھی یعنی نفس اور دنیا کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کا ہوتا ہوں اس لیے کہ جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے تو پھر وہ دنیا کی کسی شے کا نہیں رہتا بلکہ تمام کائنات سے کٹ جاتا ہے۔

حضرت کمال خجندی نے فرمایا ؎

وصل میسر نشود جز بقطع
قطع نخست از ہمہ ببرید نست

ترجمہ:۔ انقطاع کے بغیر وصال مشکل ہے پہلے تمام سے انقطاع ضروری اور لازم ہے۔

انه هو العزیز۔ بیشک وہ جملہ اُمور پر غالب ہے اسی لیے۔ مجھے دشمنوں سے بچائے گا۔ الحکیم وہ دانا ہے کہ اس کا ہر کام فعل از حکمت و مصلحت نہیں مجھے جو بھی حکم فرمائے گا اس میں میری بھلائی ہوگی۔

مسئلہ:۔ کسی کو اگر کسی علاقہ میں طاعت الٰہی کا موقعہ نہیں ملتا تو اسے چاہیے کہ اس علاقے میں چلا جائے جہاں اسے طاعت الٰہی آسانی سے میسر ہو۔

اعجوبہ:۔ جیسے ان کی زندگی میں مہمانی کا سلسلہ تھا تا حال اور تا قیامت اُن کی مہمانی جاری ہے کہ لوگ ان کے مہمان خانے سے پل رہے ہیں۔

سفرۂ اش مبسوط بر اہلِ جہان
نعمتش مبذول شد بے امتنان

ترجمہ:۔ ان کا دسترخوان اہل جہان کے آگے بچھا ہے اور بغیر احسان جتلائے ان کی نعمت خرچ ہو رہی ہے۔

marfat.ocm

وانہ فی الاخرۃ من الصالحین۔ اور بیشک وہ آخرت صالحین میں سے ہیں۔ ان میں انبیاء اور ان اتباع کرنے والے مراد ہیں (علی نبینا وعلیہم السلام)

فائدہ:۔ ابن عطاء نے اس کا معنی یہ کیا ہے کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں معرفت و توکل عطا فرمایا اور وہ آخرت میں مقام عارفین کی طرف رجوع کرنے والے ہیں اس لیے کہ دنیا و آخرت عارفین کے نصیبہ میں ہیں۔ یہ اس لیے کہ وہ لوگ ظاہری و باطنی تکالیف و مصائب کو برداشت کرنے والے ہیں مثلاً ہجرت وغیرہ۔

فائدہ:۔ ہجرت دو قسم ہے۔

۱۔ ظاہری اور وہ فتح مکہ شریف کے بعد ختم ہو گئی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا لا ھجرۃ بعد الفتح فتح مکہ کے بعد کوئی ہجرت نہیں۔

۲۔ معنوی اور وہ نفس کو قلب کا۔ بلکہ کو رخ کرکے اور اسے شرک اور خواہشات سے چھڑا کر اللہ تعالیٰ کی طرف لگا دینا اور یہ ہجرت تا قیامت جاری رہے گی۔

فائدہ:۔ جب انسان نفس کے علاقہ سے ہجرت کرکے قلب کے علاقہ میں پہنچتا ہے تو پھر جو وہ چاہتا ہے اسے اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے اور یہ دنیوی اجر ہے۔

حکایت باکرامت

حضرت ابو سعید خزاز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم مکہ معظمہ میں تین دن تک رہے لیکن کھانا کہیں سے نہ ملا ہمارے بالمقابل ایک درویش بیٹھا تھا اس کا لوٹا گھاس سے چھپا رہتا تھا ہم نے اسے بارہا دیکھا کہ وہ اسی لوٹے سے روٹی نکال کر کھا لیتا ہے۔ ایک دن میں نے اسے کہا کہ ہم بھی آپ کے مہمان ہیں اس نے کہا بہت اچھا۔ جب عشاء کا وقت ہوا تو اس نے ایسے ہی ہاتھ اٹھا کر مجھے دو درہم تھما دیئے اور ہم نے اس سے کھانا خریدا اور پھر آکر اس سے پوچھا کہ آپ کو یہ کرامت کہاں سے ملی۔ اس نے فرمایا کہ اے ابو سعید دل سے مخلوق کا تصور ہٹا دو پھر جو چاہو مل جائے گا۔

فائدہ:۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایسی اولاد سے نوازا جو بمنزلہ صدقہ جاریہ کے ہے جو اپنے والدین کے لیے دعائے خیر کرتے رہتے ہیں اور یہ ان صدقات سے ہیں جو دائمی ہیں جیسے اوقاف جاریہ اور مصاحف (قرآن مجید اور دینی کتب) جن کی تلاوت اور زیر مطالعہ رہتی ہیں۔ اور وہ درخت جن سے نفع اٹھایا جاتا ہے اور ایسے ہی ابراہیم علیہ السلام پر احسان فرمایا کہ ان کی اولاد میں نبوت جاری ہے۔

تفسیر صوفیانہ:۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ انسان کی بہت بڑی سعادت یہ ہے کہ اس کی اولاد میں وارثین انبیاء یعنی کاملین اولیاء پیدا ہوں کیونکہ انہی اولیاء کے صدقے دنیا قائم ہے اور

دین انہی کی بدولت زندہ ہے اور انہی کے طفیل اہل اسلام کو ظاہری و باطنی ترقیاں نصیب ہوتی ہیں اور انہی کی وجہ سے وہ عروج مقربین کو انوار اور اعلیٰ علیین کی طرف رہبری حاصل ہوتی ہے۔ ایسی اولاد سے ہی انسان فخر تام اور شرف عام اور انتفاع کامل کا مستحق ہے اگرچہ ایسے لوگ نسبًا ہیچ و رذیل ہوں تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ در اصل نسب دینی اعلیٰ ہونا چاہیئے۔ خلاصہ یہ کہ اولاد طیب اور نسب طاہر مطلقًا اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمتوں میں سے ایک ہے۔

نعم الاله على العباد كثيرة

واجلهن نجابة اولاد

ترجمہ:۔ بندوں پر اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمتیں ہیں لیکن ان سب سے بڑی اور بزرگ نعمت اولاد نیک ہے۔

اے پروردگار ہمیں اولاد و ازواج نیک صالح اور طیب و طاہر عطا فرما (آمین)

تفسیر عالمانہ:۔ ولوطًا۔ بیشک ہم نے لوط علیہ السلام کو اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے پہلے بھیجا فلہذا آپ اپنی قوم کو یاد دلایئے۔ اذقال لقومہٖ جبکہ انہوں نے اپنی قوم کو فرمایا وہ جو کہ الٹی ہوئی بستیوں والے تھے۔ انکم۔ بیشک تم۔ لتاتون الفاحشۃ ہو۔ برے فعل کو وہ خصلت جو قباحت میں انتہائی ہے گویا کسی نے پوچھا کہ وہ خصلت کیسے قبیح تر ہے تو اس کے جواب میں فرمایا ماسبقکم اس سے پہلے کسی نے ایسا فعل قبیح نہیں کیا من احد من العالمین۔ عالمین میں سے کسی ایک نے (ایسا برا کام نہیں کیا) یعنی جس طرح کی قباحت تم نے پھیلائی ہے اس سے پہلے ایسا کام کسی نے نہیں کیا تم ایسے فعل کے مرتکب ہونے ہو کہ جس سے لوگوں کو حد سے زیادہ نفرت ہے لیکن چونکہ تم خبیث طبیعت ہو اسی لیے ایسے گندے فعل کا ارتکاب کرتے ہو۔

اعجوبہ:۔ لوط علیہ السلام کی قوم سے پہلے ایسا گندا فعل (کہ مرد مرد پر چڑھ کر وطی کرے) کسی نے نہیں کیا تھا باوجودیکہ اس سے پہلے بہت بڑا وقت گزرا اور بہت بڑے جرائم کے ارتکاب والے گزرے لیکن ایسا گندا عمل کسی سے سرزد نہ ہوا۔ ائنکم لتاتون الرجال کیا بیشک تم مردوں کے ہاں آتے ہو یعنی ان سے مباشرت کرتے ہو بہت برا کرتے ہو۔ وتقطعون السبیل اور تم راستہ آسانی سے طے کرتے ہو جیسا کہ عادۃً راستہ طے کیا جاتا ہے۔

فائدہ:۔ قطع الطریق دو معنوں میں آتا ہے:۔

۱۔ عادۃً راستہ طے کرنا۔

۲۔ ڈاکہ زنی کرنا۔ یہ اس لیے کہ جب لوگوں کے مال غصب کیے جاتے ہیں تو لوگ وہ راستہ چھوڑ جاتے ہیں اس معنیٰ پر اسے قطع الطریق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

مروی ہے کہ یہ لوگ عوام راہ گیروں سے مال چھین لیتے تھے ——— تاکہ عوام ان کے شہروں میں آ کر

marfat.ocm

ان کے پھل نہ توڑیں اور نہ ہی ان کی کھیتیوں کو خراب کریں یا اس کا معنی یہ ہے کہ تم نسل کو قطع کرتے ہو کیونکہ لواطت حرث نہیں بلکہ خباثت ہے۔ و تاتون اور آتے ہو تم اور بے پرواہ ہو کر عمل کرتے ہو۔ المنکر: برائی کا۔ المفردات میں ہے کہ ہر فعل کو عقل سلیم برا سمجھے وہ منکر ہے یا عقل کو تو اس کی قباحت میں توقف ہو لیکن شرع اسے قبیح کہے۔

لوطیوں کے قبائح

(۱) مجلس میں اعلانیہ جماع۔

(۲) لواطت۔

(۳) ڈینگ مارنا۔

فائدہ: دبر سے زور دار ہوا خارج کو ضراط کہا جاتا ہے۔

فائدہ: اہل ہند پیٹ کی ہوا کو روکنے کو بیماری اور اس کے خارج کرنے کو علاج کہتے ہیں اسی لیے وہ بھری مجلس میں ہوا خارج کر دیتے ہیں اور وہ اسے عیب بھی نہیں سمجھتے۔

حکایت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ منبر پر وعظ کر رہے تھے تو اچانک آپ نے ہوا خارج کر کے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے انسان میں عوارض رکھے ہیں منجملہ ان کے پیٹ کی ہوا ہے اسے کوئی بھی نہیں روک سکتا (اس سے آپ گویا معذرت چاہتے تھے) آپ کی تقریر سن کر صعصعہ بن صوحان نے کہا آپ ٹھیک فرماتے ہیں لیکن پیٹ کی ہوا وضوء کی جگہ پر تو خارج کی جا سکتی ہے اور اسے سنت بھی کہا جا سکتا ہے لیکن منبر پر ہوا کا خارج کرنا بدعت ہے میں اپنے اور تمہارے لیے مغفرت چاہتا ہوں۔

(۴) بٹن کھلے رکھنا۔

(۵) سارنگیاں بجانا۔

(۶) مزامیر۔

(۷) مذاق کرنا۔

فائدہ: اس میں تنبیہ ہے کہ ایسے اُمورِ معاشرہ میں داخل نہیں کرنے چاہئیں کیونکہ یہ قبیح اُمور ہیں۔

ملفوظ جنید قدس سرہٗ

سیدنا جنید قدس سرہٗ سے پوچھا گیا کہ اس آیت کا مطلب کیا ہے آپ نے فرمایا ہر مجلس بُری ہے سوائے اس کے کہ اس میں ذکر و فکر ہو۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کنکریاں پھینکنا بھی منکر (برا) ہے یعنی انگلیوں میں کنکریاں رکھ کر لوگوں پر پھینکنا برا عمل ہے۔

(۸) ان لوطیوں کی عادت تھی کہ ایک پیالے میں کنکریاں رکھ لیتے تھے جو بھی ان کے سامنے گزرتا اس پر کنکری پھینکتے جس کو کنکری لگتی ہے اس کے یعنے کہتے کہ جو کچھ اس وقت میرے پاس ہے وہ تیرا ہے اور اس کا نکاح کرتے اور تین دراہم تک اسے چٹی ادا کرتے اس معاملہ کے لیے قاضی بھی رکھے ہوئے تھے جو ان کا اس قسم کا فیصلہ کرتے ان میں ہوابوز سدوم کا قاضی بھی تھا۔

(۹) ان کی عادات میں تھا کہ بندوق سے کنکریاں پھینکے جاتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ کنکریاں پھینکو اس لیے کہ یہ کسی کو قتل بھی کر سکتی ہیں اور نہ شکار مار سکتی ہیں البتہ آنکھ نکلنے کا خطرہ ہے اور دانت ٹوٹنے کا بھی۔

(۱۰) سیٹی بجانا۔

(۱۱) انگلیوں کو کھینچ کر آواز نکالنا۔

(۱۲) ہاتھوں کو مہندی لگانا۔

مسئلہ: نماز میں انگلیوں کو کھینچ کر آواز نکالنا مکروہ ہے ویسے خارج از صلوٰۃ بھی یہ عمل نہیں چاہیئے تاکہ لوطیوں سے مشابہت نہ ہو۔

marfat.ocm

(۱۳) ساگ ملنا لیکن عورتوں کو مکروہ نہیں اگر روزہ دار نہ ہو یہ ان کے لیے بمنزلہ مسواک کے ہے کیونکہ ان کے دانت بہ نسبت مردوں کے کمزور ہیں جیسے ان کے دوسرے اعضاء بہ نسبت مردوں کے کمزور ہیں اسی لیے مسواک سے ان کے دانتوں کے گرنے کا خطرہ ہے اس لیے وہ ساگ ملیں تاکہ ان کے دانت اور مسوڑے مضبوط ہوں جیسے مردوں کو مسواک فائدہ دیتا ہے لیکن ساگ مردوں کو مکروہ ہے ہاں بیماری کی وجہ سے مثلاً منہ کی بدبو دور کرنے کے لیے ہو تو جائز ہے لیکن بچنا چاہیئے تاکہ عورتوں سے مشابہت نہ ہو۔

(۱۴) لوطیوں کی عادات میں گالی دینا تھا۔

(۱۵) ان کی عادات میں تھا مزاح میں گالی دینا۔ بزرگ کہتے ہیں کہ مزاح میں گالی دینا شرکِ صغیر اور حرب کبیر کا موجب ہے۔

(۱۶) ان کی عادات میں تھا کبوتر بازی۔

کبوتر بازی سے تنگیٔ رزق[1]

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کبوتر بازی لوطیوں کے عادات میں سے ہے اور کبوتر باز نہیں مرے گا جب تک کہ فقر و فاقہ کا منہ نہ دیکھ لے (کذا فی حیوۃ الحیوان)

فما كان جواب قومه تو نہ تھا جواب ان کی قوم کا۔ یعنی جب لوط علیہ السلام نے انہیں مذکورہ بالا قبائح سے روکا **الا ان قالوا** تو ان کا جواب تھا مگر یہ کہ انہوں نے استہزاءً کہا کہ ہم ان امور کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتے **ائتنا** لائیے ہمارے ہاں وہ جو تو ہمیں نزولِ عذابِ الٰہی سے ڈراتا ہے۔ **ان كنت من الصادقين** اگر تم سچے لوگوں سے ہو کہ یہ امور قبیح ہیں اور ان کی وجہ سے عذاب نازل ہوگا تو لائیے عذاب۔

فائدہ: الارشاد میں ہے کہ جتنی بار لوط علیہ السلام نے انہیں عذابِ الٰہی سے ڈرایا تو ان کا کوئی جواب نہ تھا سوائے اسی کے۔

فائدہ: سورۂ اعراف میں بھی یونہی ہے فما کان الخ پھر سورہ نمل میں بھی تھا فما کان الخ لیکن یہ آخری مقولہ ہے کہ اس کے بعد پھر کوئی بات نہ ہوئی **قال** لوط علیہ السلام بطور مناجات کہا۔ **رب انصرني** اے میرے پروردگار میری مدد فرما کہ ان پر موعودہ عذاب نازل فرمائیے۔ **على القوم المفسدين** ان مفسد لوگوں پر کہ انہوں نے ایسے برے عمل کی ابتدا کی کہ جس کی پہلے کوئی مثل نہیں انہوں نے آنے والی نسلوں کے لیے طریقہ

---

[1] فقیر کے مشاہدہ میں ہے کہ کبوتر باز عموماً روزی سے تنگ ہوتے ہیں۔

وَلَمَّا جَآءَتۡ رُسُلُنَاۤ اِبۡرٰهِيۡمَ بِالۡبُشۡرٰىۙ قَالُوۡۤا اِنَّا مُهۡلِكُوۡۤا اَهۡلِ هٰذِهِ
اور جب ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس مژدہ لے کر آئے بولے ہم ضرور اس شہر والوں کو ہلاک کریں گے
الۡقَرۡيَةِ ۚ اِنَّ اَهۡلَهَا كَانُوۡا ظٰلِمِيۡنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ اِنَّ فِيۡهَا لُوۡطًا ؕ قَالُوۡا
بے شک اس کے بسنے والے ستمگار ہیں کہا اس میں تو لوط ہے فرشتے بولے
نَحۡنُ اَعۡلَمُ بِمَنۡ فِيۡهَا لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهۡلَهٗۤ اِلَّا امۡرَاَتَهٗ كَانَتۡ
ہمیں خوب معلوم ہے جو کچھ اس میں ہے ضرور ہم اسے اور اس کے گھر والوں کو نجات دیں گے مگر اس کی عورت
مِنَ الۡغٰبِرِيۡنَ ﴿۳۲﴾ وَلَمَّاۤ اَنۡ جَآءَتۡ رُسُلُنَا لُوۡطًا سِىۡٓءَ بِهِمۡ وَضَاقَ
کو وہ رہ جانیوالوں میں ہے اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس آئے ان کا آنا اسے ناگوار ہوا اور ان
بِهِمۡ ذَرۡعًا وَّقَالُوۡا لَا تَخَفۡ وَلَا تَحۡزَنۡ اِنَّا مُنَجُّوۡكَ وَاَهۡلَكَ اِلَّا
کے سبب دل تنگ ہوا اور انہوں نے کہا نہ ڈریئے اور نہ غم کیجئے بیشک ہم آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو
امۡرَاَتَكَ كَانَتۡ مِنَ الۡغٰبِرِيۡنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّا مُنۡزِلُوۡنَ عَلٰٓى اَهۡلِ هٰذِهِ الۡقَرۡيَةِ
نجات دیں گے مگر آپ کی عورت وہ رہ جانیوالوں میں ہے بے شک ہم اس شہر والوں پر آسمان سے عذاب
رِجۡزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوۡا يَفۡسُقُوۡنَ ﴿۳۴﴾ وَلَقَدۡ تَّرَكۡنَا مِنۡهَاۤ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً
اتارنے والے ہیں بدلہ ان کی نافرمانیوں کا اور بے شک ہم نے اس سے روشن نشانی باقی
لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۳۵﴾ وَاِلٰى مَدۡيَنَ اَخَاهُمۡ شُعَيۡبًا ۙ فَقَالَ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا
رکھی عقل والوں کے لیے مدین کی طرف ان کے ہم قوم شعیب کو بھیجا تو اس نے فرمایا اے میری قوم اللہ
اللّٰهَ وَارۡجُوا الۡيَوۡمَ الۡاٰخِرَ وَلَا تَعۡثَوۡا فِى الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ ﴿۳۶﴾ فَكَذَّبُوۡهُ
کی بندگی کرو اور پچھلے دن کی امید رکھو اور زمین میں فساد پھیلاتے نہ پھرو تو انہوں نے
فَاَخَذَتۡهُمُ الرَّجۡفَةُ فَاَصۡبَحُوۡا فِىۡ دَارِهِمۡ جٰثِمِيۡنَ ﴿۳۷﴾ وَعَادًا وَّثَمُوۡدَا۟
اسے جھٹلایا تو انہیں زلزلے نے آلیا تو صبح اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل پڑے رہ گئے اور عاد اور ثمود کو
وَقَدۡ تَّبَيَّنَ لَكُمۡ مِّنۡ مَّسٰكِنِهِمۡ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيۡطٰنُ
ہلاک فرمایا اور تمہیں ان کی بستیاں معلوم ہو چکی ہیں اور شیطان نے ان کے کوتک ان کی نگاہ
اَعۡمَالَهُمۡ فَصَدَّهُمۡ عَنِ السَّبِيۡلِ وَكَانُوۡا مُسۡتَبۡصِرِيۡنَ ﴿۳۸﴾ وَقَارُوۡنَ
میں بھلے کر دکھائے اور انہیں راہ سے روکا اور انہیں سوجھتا تھا اور قارون
وَفِرۡعَوۡنَ وَهَامٰنَ وَلَقَدۡ جَآءَهُمۡ مُّوۡسٰى بِالۡبَيِّنٰتِ فَاسۡتَكۡبَرُوۡا
اور فرعون اور ہامان کو اور بے شک ان کے پاس موسیٰ روشن نشانیاں لے کر آیا تو انہوں

marfat.ocm

فِى الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ﴿٣٩﴾ فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ
نے زمین میں تکبر کیا اور وہ ہم سے نکل کر جانے والے نہ تھے تو ان میں ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ پر پکڑا تو
اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ
ان میں کسی پر ہم نے پتھراؤ بھیجا اور ان میں کسی کو چنگھاڑ نے آلیا اور ان میں کسی کو
خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ
زمین میں دھنسا دیا اور ان میں کسی کو ڈبو دیا اور اللہ کی شان نہ تھی کہ ان پر ظلم کرے ہاں وہ
وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٤٠﴾ مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ
خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے ان کی مثال جنہوں نے اللہ کے سوا اور مالک بنا
اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۚ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ
لیے ہیں مکڑی کی طرح ہے اس نے جالے کا گھر بنایا اور بے شک سب گھروں میں کمزور گھر
لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤١﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ
مکڑی کا گھر کیا اچھا ہوتا اگر جانتے اللہ جانتا ہے جس چیز کی اس کے سوا پوجا
دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٤٢﴾ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا
کرتے ہیں اور وہی عزت و حکمت والا ہے اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان
لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿٤٣﴾ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
فرماتے ہیں اور انہیں نہیں سمجھتے مگر علم والے اللہ نے آسمان اور زمین
بِالْحَقِّ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٤٤﴾
حق بنائے بے شک اس میں نشانی ہے مسلمانوں کے لیے

تفسیر عالمانہ **ولما جاءت** اور جب آئے **رسلنا** ہمارے فرشتے یعنی جبریل علیہ السلام اور ان کے دوسرے ساتھی۔ **ابراهیم بالبشری** ابراہیم علیہ السلام کے ہاں خوشخبری

بقیہ صفحہ ۳۰۲

جاری کر دیا اور اس بُرے فعل پر اصرار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور فرمایا کہ تم ابراہیم علیہ السلام کے ہاں چلے جاؤ اور ان کو جا کر خوشخبری سناؤ۔ خوشخبری کا بیان اگلے رکوع میں ہے۔

فائدہ: انہیں مفسدین سے موصوف کیا **علیہم یا علی قومی** تاکہ معلوم ہو کہ وہ اس عذاب کے مستحق اسی افساد کی وجہ سے ہوئے اور اس لائق تھے کہ ان پر فوراً عذاب نازل ہو۔

قاعدہ: علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب کافر کو فسق و افساد سے موصوف کیا جائے تو وہاں اس کا کفر میں غلو مراد ہوتا ہے۔ اویسی غفرلہٗ۔

ے کر یعنی صاحبزادہ کی ولادت کا مژدہ **قالوا** ابراہیم علیہ السلام کو مزید یہ بھی سُنایا کہ **انا مھلکوا اھل ھذہ القریۃ** اس بستی والوں کو ہم تباہ و برباد کرنے کے لیے آئے ہیں اس سے سدوم کا علاقہ مراد ہے اور یہ اضافہ لفظی ہے کیونکہ اس میں استقبال کا معنٰی ہے۔ **ان اھلھا کانوا من الظالمین**۔ بیشک ان کے لوگ ظالم ہیں کفر کرتے اور جھٹلاتے اور دیگر کئی قسم کی برائیوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔ **قال**۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے اہل ایمان پر شفقت کرتے ہوئے اور ان سے حجت کر کے فرمایا **ان فیھا لوطًا**۔ بیشک اس میں لوط علیہ السلام بھی ہیں۔ پھر اس شہر کو کس طرح تباہ کیا جائے گا۔

لُوط کی وجہ تسمیّہ

لوط علیہ السلام کا یہ نام اس لیے ہوُا کہ لوط بمعنی کسی کا اس سے دل لگ جانا چونکہ ابراہیم علیہ السلام کا دل ان سے چمٹا رہتا تھا کیونکہ وہ آپ سے محبت رکھتے تھے اسی لیے اس نام سے موسوم ہوئے۔ **قالوا**۔ ملائکہ نے کہا **نحن اعلم** ہم آپ سے بہت زیادہ جانتے ہیں **بمن فیھا**۔ ان کو جو اس میں ہیں اور نہ ہم لوط علیہ السلام کے حالات سے بے خبر ہیں اور آپ کو اس کا خوف نہ ہو کہ اہل ایمان پر ظلم ہوگا **لننجینہ**۔ البتہ ہم لوط علیہ السلام کو نجات دیں گے۔ **واھلہ** اور اس کے اہل کو یعنی ان کے تابعداروں کو جو اہل ایمان ہیں یعنی ان کی صاحبزادیاں **الا امراتہ** مگر اس کی عورت **کانت من الغابرین**۔ جو پیچھے رہنے والوں میں ہے یعنی عذاب والوں یا بستی والوں میں سے ہے یعنی ہم لوط اور ان کے ماننے والوں کو کہیں گے کہ یہاں بستی سے نکل جاؤ تو پھر وہ چلے جائیں گے اور ان کی اہلیہ بستی میں رہ جائے گی اور ان کے ساتھ عذاب میں مبتلا ہو گی۔ **ولما ان** یہ ان دونوں کا صلہ ہے۔ **جاءت رسلنا**۔ آئے ہمارے مذکورہ بالا فرشتے ابراہیم علیہ السلام سے فراغت کے بعد **لوطًا سیئ بھم** لوط علیہ السلام کے ہاں لوط علیہ السلام کو ملال لاحق ہوئی۔ اس خوف سے کہ کہیں انھیں میری قوم سے نقصان نہ پہنچے یعنی اپنی عادت کے مطابق ان کے ساتھ بُرائی نہ کریں کیونکہ وہ مسافرین کو ستاتے تھے اور لوط علیہ السلام اُس طرف متوجہ نہ ہوئے کہ یہ فرشتے ہیں کیونکہ وہ اس وقت بے ریش حسین لڑکے تھے ان پر لباس فاخرہ تھا اور خوشبو سے مہکتے ہوئے آئے تو سمجھا یہ اجنبی انسان اور بے ریش ہیں۔ **وضاق بھم ذرعًا**۔ ان کے معاملہ میں تنگی محسوس کی اور سوچ میں پڑ گئے کہ ان کے بچنے کی تدبیر کس طرح ہو گی اور اس کشمکش میں پڑ گئے کہ کیا انھیں روانہ کر دیا جائے یا اپنے ہاں ٹھہرایا جائے **ضاقت یدہ** اس کا ہاتھ تنگ ہو گیا اس کے بالمقابل بولتے ہیں **رحب ذرعہ بکذا** جب اس کو اس کام کی طاقت ہو اور اس کے پورا کرنے پر قدرت رکھتا ہو کیونکہ لمبے ہاتھ والا جو کام کر سکتا

---

[1] یہ عقیدہ حق ہے کہ جہاں اللہ والے ہوتے ہیں وہاں تباہی و بربادی نہیں ہوتی یہی ابراہیم علیہ السلام کا عقیدہ ہم اہل سنت کو نصیب ہوا۔ (اویسی غفرلہٗ)

marfat.ocm

ہے وہ چھوٹے ہاتھ والا نہیں کر سکتا۔ **وقالوا** اور جب فرشتوں نے لوط علیہ السلام کو غم گین دیکھا گیا تو انہیں تسلی کے طور پر کہا **لا تخف** خوف نہ کیجئے کہ آپ کی قوم ہمیں کچھ کہے گی **ولا تحزن** اور غم نہ کیجئے **انا منجوك واهلك** ہم تمہاری قوم کو تہس نہس کر دیں گے لیکن آپ کو اور آپ کے اہل کو نجات دیں گے **الا امرأتك كانت من الغابرين** مگر آپ کی زوجہ جو کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں سے ہے۔ **انا منزلون على اهل هذه القرية** ہم اسی سدوم بستی والوں پر (جو سات ہزار نفوس پر مشتمل تھی (کذا کشف الاسرار) **رجزا من السماء**۔ آسمان سے عذاب اتارنے والے ہیں یعنی ان کو زمین میں دھنسا دیں گے پھر ان کی شکلیں تبدیل ہو جائیں گی۔

فائدہ: رجز وہ عذاب جو سبب کو پریشان و ذلیل کرے۔ یہ ارتجز سے بمعنے ارتعش واضطرب **بما كانوا يفسقون** بسبب اس کے کہ وہ فسق کرتے تھے اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام نے اپنے ایک پر سے شہر کو پھر ان پر پتھر برسائے بعد اس کے کہ لوط علیہ السلام اپنی بچیوں کو ساتھ لے کر باہر تشریف لے گئے۔ خلاصہ یہ کہ لوط علیہ السلام اپنے ماننے والوں سمیت بچ گئے۔ اور وہاں سے چلے گئے اور مجرمین تباہ و برباد ہو گئے پھر شہر ویران پڑ گیا اور آنے والوں کے لیے عبرت بن چنانچہ فرمایا **ولقد تركنا منها** یہ من تبیین کا ہے تبعیضیہ نہیں کیونکہ بقایا وہ بستی کا بعض حصہ نہیں بلکہ کل کا بقایا تھا یعنی بیشک ہم نے اس بستی سے چھوڑی آیۃ بینۃ نشانی ظاہر اس سے اس کا قصہ عجیبہ مراد ہے اور اس کی وہ حکایت جو آج زبان زد ہے اور ان کے گھروں کے نشانات جو تباہ و برباد پڑے ہیں یا وہ پتھر جو ان پر برسے جو ہر ایک کے لیے علیحدہ علیحدہ نامزد ہو کر آسمان سے اترے کیونکہ وہ عرصہ دراز تک پڑے رہے جسے ان کے بعد آنے والے لوگوں نے آنکھوں سے دیکھا یا اس سے وہ کالا پانی مراد ہے جو ان کے زمین کے دھنسنے وقت روئے زمین پر ظاہر ہوا ایسا بدبودار کہ لوگ اس کی بدبوئی دور دور سے سونگھتے اور پریشان ہو جاتے **لقوم يعقلون** ایسی قوم کے لیے جو اپنی عقلوں میں عبرت پکڑنے میں استعمال کرتے ہیں یا یہ ترکنا کے متعلق ہے یا بینۃ کے۔

فائدہ: اس میں عقل کی شرافت کی طرف اشارہ ہے لیکن وہ جو انسان کو عبرت دلائے اور گناہوں اور خطرات میں گرنے سے بچائے۔

مثنوی شریف میں ہے:

(۱) عقل ایمانی چو شحنہ عادلست   پاسبان حاکم شہر دلست
(۲) ہمچو گربہ باشد او بیدار ہوش   دزد در سوراخ ماند ہمچو موش
(۳) در ہر آنجا بر آرد موش دست   نیست گربہ یا کہ نقش گربہ است
(۴) گربہ چوں شیر شیر افگن بود   عقل ایمانی کہ اندر تن بود

(۵) غمزۂ او حاکم درماندگان!! نعرۂ او مانع چرندگان

(۶) شہر پر دزد است و بر جامہ کنی خواہ شحنہ باش گرو خواہ نی

ترجمہ

(۱) ایمان دار کی عقل کوتوال کی طرح ہے وہ دل کے شہر کا پاسبان اور حاکم ہے۔

(۲) وہ بلی کی مانند بیدار و ہوشیار ہے چور چوہے کی طرح سوراخ میں رہتے ہیں۔

(۳) وہاں سے چوہا ہاتھ باہر نکالتا ہے جہاں بلی یا اس کی تصویر نہ ہو۔

(۴) بلی شیر کی طرح گرنے والی ہوتی ہے ایماندار کی عقل بھی ایسے ہے۔

(۵) اس کی چمک درندوں کی حاکم ہے اس کا شور چرندوں کا مانع ہے۔

(۶) شہر چوروں سے پڑ ہے ہوشیاری سے کام لے اس میں کوتوال ہو یا نہ۔

حدیث شریف:- حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص کی نیکی بہت بڑی تعریف کی گئی آپ نے فرمایا وہ عقل کتنا رکھتا ہے صحابہ کرام نے عرض کی حضور ہم آپ کو اس کی نیکی کی تعریف کرتے ہیں آپ اُس کی عقل پوچھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ احمق بہت بڑے فاجر سے بھی زیادہ بدبخت ہے[1] کل قیامت میں لوگ اپنی عقل سے ہی بہت بڑے درجات پا سکیں گے۔

لطیفہ:- ہر شے جتنی زیادہ ہو وہ چلی جاتی ہے عقل جتنی زیادہ ہو قیمتی ہوتی ہے۔

---

[1] سچ فرمایا محبوبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس لیے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بعض عورتوں کو اپنی زوجیت سے شرف بخشا لیکن بے چاری بے عقلی کا شکار ہو کر ایسے بہت بلند مراتب سے محروم ہو گئیں جن کا بعد کو انہوں نے اظہار تحسر کیا لیکن کیا فائدہ۔ ناظرین کے افادہ کے لیے چند ایک کے حالات حاضر ہیں شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس میں عجیب نکتہ ہے جو مفید و نافع ہے بیان کرتے ہیں اگرچہ اس حیثیت سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال شریف کا ذکر ہے اور اس بارگاہ کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں سب ہی مفید و نافع اور موجب ذوق و لذت ہیں۔ ان عورتوں میں سے ایک عورت ضحاک کی بیٹی کلابیہ تھی جس نے دنیا کو اختیار کر رکھا تھا۔ آخر کار اس کا حال اس حد تک پہنچا کہ کھجوروں کی گٹھلیاں اور ایک روایت میں ہے کہ مینگنیاں چنتی تھی ایک شخص نے اُسے دیکھا تو پوچھا تو کون ہے اس نے سر اُٹھا کر کہا "انا الشقیۃ التی اختارت الدنیا علی اللہ و رسولہ" میں وہ بدبخت عورت ہوں جس نے اللہ اور اس کے رسول پر دنیا کو اختیار کیا تھا۔ دوسری عورت اسماء کندیہ ہے جسے جامع الاصول میں

marfat.ocm

لطیفہ: ایک اعرابی نے کہا کہ اگر عقل اپنی صورت میں باہر آجائے تو سورج اس کے نور سے بے نور ہو جائے اور اگر حماقت اپنی اصلی شکل میں ظاہر ہو تو رات بھی اس سے زیادہ روشن ہو یعنی وہ اتنا سیاہ ہے کہ کالی رات اس کی نسبت پھر بھی روشن ہے حالانکہ اس میں روشنی ہے ہی نہیں اسی لیے تو اس کا نام لیل (کالی) ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ۔

(۱) گفت پیغمبر کہ احمق ہر کہ ہست   او عدوِ ماست غول و رہزن است
(۲) ہر کہ عاقل بود از جان ماست   روح او وریح او ریحان ماست
(۳) مادہ عقلیست نے نان و شوی   نور عقلیست اے پسر جان را غذی
(۴) نیست غیر نور آدم را خورش   از جز نباید پرورش!
(۵) زیں خورشہا اندک اندک باز بر   زیں غذائے خر بود نے آن حر

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ :

جیسے کہا ہے۔ مواہب لدنیہ میں ہے اسماء بنت النعمان بن ابی الجون الکندیہ الجونیہ نام بتایا گیا ہے اور کہا کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نکاح فرمایا البتہ اس کو اپنے سے علیحدہ کرنے کے بارے میں اتفاق ہے چنانچہ قتادہ اور ابو عبیدہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے قرب سے نوازنا چاہا اور اس سے فرمایا کہ قریب آؤ تو اس عورت نے انکار کیا اور سرکشی کی۔ بعض کہتے ہیں کہ اس عورت نے کہا کہ میں آپ سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پناہ تلاش کرتی ہے اور بہت بڑی پناہ مانگتی ہے بلاشبہ حق تعالیٰ نے تجھے پناہ دے دی۔ الحقی باہلک۔ جا تو اپنے گھر والوں سے مل جا یہ کلمہ ایسا ہے جو طلاق کی نیت سے بولا جاتا ہے۔ جامع الاصول میں اسی بنت الجون کے قصہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں جیسے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ابنۃ الجون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اس نے کہا اعوذ باللہ منک اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے بہت بڑی پناہ تلاش کی ہے جا اپنے اہل کے ساتھ مل جا۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔ نسائی میں اس طرح مروی ہے کہ کلابیہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تو (الحدیث) سیدہ صدیقہ سے اتنا ہی روایت کرتے ہیں کہ اس نے کہا مطلب یہ کہ کسی دوسرے نے اس کو سکھایا بلکہ اس نے اپنی طرف کہا اور کسی دوسرے کو کیا ضرورت تھی کہ وہ سکھائے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تو ایسا گمان ہی کرنا نہیں چاہیئے کہ انہوں نے اسے سکھایا ہو اور وہ اس قصہ میں داخل نہ ہوں حسن ظن لازم ہے (واللہ اعلم) مزید تحقیق فقیر کی کتاب باادب بانصیب اور بے ادب بے نصیب میں پڑھیئے۔ (اویسی غفرلہ)۔

(۶) تا غذائے اصل را قابل شوے   لقمہائے نور را آکل شوی

ترجمہ

(۱) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ وہ جو احمق ہے وہ ہمارا دشمن اور الّو اور راہزن ہے۔

(۲) وہ جو عاقل ہے وہ ہماری جان ہے وہ ہماری روح اور ریحان و راحت ہیں۔

(۳) عقل ایک دسترخوان ہے وہ روٹی وغیرہ کی طرح لقمہ نہیں عقل نور ہے اے عزیز وہ جان کی غذا ہے۔

(۴) آدمی کی غذا سوائے اس نور کے اور کوئی شے نہیں اسی رُوح کی پرورش اسی سے ہے۔

(۵) ایسی خوراک سے تھوڑا تھوڑا حاصل کر لیا کرو اس غذا سے اچھے لوگ فائدہ پاتے ہیں نہ کہ بیوقوف۔

(۶) ایسا ہو جا کہ اس غذا کے لائق سمجھا جائے۔ نور کا لقمہ کھانے والا تجھے تصور کیا جائے۔

فائدہ: آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ نجات دینے پر اور دشمنوں کو تباہ کرنے پر قدرت رکھتا ہے اور وہ جملہ اُمور پر غالب ہے اور اس کا گروہ کامیاب ہے۔ اس کا گروہ انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا و علیہم السلام ہیں اور وہ لوگ جو ان کے قریب ہوتے ہیں اور نجات پانے والے بھی اور اہل حشر بھی وہی ہیں اور وہ لوگ جو ان کے قریب ہوتے ہیں تابعداری لیکن اتصال معنوی بھی ضروری ہے کیونکہ اتصال ظاہری کوئی فائدہ نہیں دیتا جیسے لوط علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کی عورتیں اگرچہ بظاہر تو ان کے ساتھ تھیں لیکن اتصال معنوی نصیب نہ تھا اسی لیے ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے خیانت کا اظہار فرمایا ہے اور انہیں جہنم میں داخل کیا جائے گا بوجہ ان کی خیانت کے اور عدم اطاعت کے حالانکہ لوط علیہ السلام کی صاحبزادیاں نجات پا گئیں کیونکہ انھیں اپنے والد گرامی سے اتصال معنوی اور ایمان حاصل تھا۔ پاکی ہے اُس ذات کے لیے جو زندوں کو مردوں سے نکالتا ہے یعنی کافروں میں ایمان دار پیدا فرماتا ہے۔

والیٰ مدین اخاہم شعیبا۔ اور ہم نے مدین کی طرف اُن کی برادری کے شعیب علیہ السلام کو بھیجا اخ اس لیے کہا گیا کہ آپ ان کے نسب سے تھے۔ اس آیت کی تفسیر بار بار گزری ہے۔ **فقال** تو شعیب علیہ السلام نے بطریق دعوت فرمایا۔ **یا قوم**۔ اے میری برادری **اعبدوا اللہ** اللہ کی عبادت کرو یعنی اسے واحد لا شریک مانو **وارجوا الیوم الاخر** اور قیامت کے دن کے لیے نیک اُمید رکھو اور قیامت کو یوم آخر سے اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ وہ آخری دن ہے کیونکہ اس دن بہت بڑی سختیاں ہوں گی۔ فلہذا اس دن کے لیے ایسے نیک کام کرو جن سے تم فائدے پاسکو اور عذابِ الٰہی سے بچ سکو۔ بعض نے کہا اس سے موت کا آخری دن ہے کیونکہ اس دن میں زندگی کے لمحات ختم ہوں گے۔ **ولا تعثوا**۔ اعثار سے ہے بمعنی افسد اول باب سے ہے اور نہ پھیلو **فی الارض** زمین پر یعنی مدین میں درآنحالیکہ **مفسدین** تم فساد ڈالنے والے ہو۔ کیل و وزن کم کر کے۔

سوال۔ اسے افساد سے کیوں مقید کیا گیا ہے حالانکہ عثا میں ہوتا بھی فساد ہے۔

marfat.ocm

جواب: کبھی اس میں فساد نہیں ہوتا مثلاً ظالم کے ظلم کو روکنے کے لیے بھی ہوتا ہے اور کبھی اس میں اصلاح بھی مطلوب ہوتی ہے جیسے خضر علیہ السلام نے نوجوان کو قتل اور کشتی کو چیر ڈالا تھا۔ **فکذبوہ** پس انہوں نے اسے جھٹلایا یعنی شعیب علیہ السلام کے روکنے پر فساد سے نہ رکے۔ **فاخذتہم الرجفۃ** تو انہیں جھٹکے نے پکڑا۔ رجفہ سے زلزلہ شدیدہ مراد ہے اور وہ ایسا جھٹکا تھا کہ دیواریں ان پر گر پڑیں اور سورۃ ہود میں ہے **فاخذت الذین ظلموا الصیحۃ** تو انہیں صیحہ نے پکڑا۔ یہ صیحہ چیخنا جبریل علیہ السلام کا تھا جو وہی رجفہ کا سبب بنا کہ وہی آواز ہوا میں گھوم کر ان کی تہہ میں داخل ہوئی تو دیواریں گر گئیں **فاصبحوا فی دارہم** پس ہو گئے اپنے گھروں میں۔ دار کے بجائے دیار نہیں کہا گیا اس لیے کہ یہاں پر التباس کا خطرہ ہے۔ **جاثمین** گھٹنوں کے بل مرے ہوئے یعنی اندھے گر پڑے تھے وہ اس لیے کہ انہوں نے نبی علیہ السلام کی بات نہ مانی تو اس کی سزا یونہی پائی کیونکہ سزائیں بوجہ بدعملی کے ہوتی ہیں۔

اس کا منصوب ہونا فعل محذوف ہے جس پر اس کا ماقبل دلالت کرتا ہے کہ دراصل **واھلکنا عادا** اور ہم نے ہلاک کیا عاد یعنی ہود علیہ السلام کی قوم کو **و ثمود** اور صالح علیہ السلام کی قوم ثمود کو یہ غیر منصرف علی تاویل القبیلہ کے۔ **وقد تبین لکم** اور بیشک تمہارے لیے اے اہل مکہ ظاہر ہو گیا ان کا ہلاک کرنا اس لیے کہ یمن میں ان کی بقایا منزلیں بتاتی ہیں یعنی عاد کی منزلیں اور حجر میں ثمود کی منزلیں نظر آتی ہیں جب وہاں سے تم لوگ گزرتے ہو **وزین لہم الشیطٰن اعمالہم** اور جب انہیں ان کے اعمال شیاطین نے سنگارے یعنی کفر و معاصی ان کی نظروں میں اچھے نظر آئے۔ **فصدہم عن السبیل** تو شیطان نے انہیں اس راستے سے روکا جس پر انہوں نے چلنا تھا یعنی وہ سیدھا راستہ جو توحید اور حق تک پہنچانے والا تھا۔ **وکانوا مستبصرین** اور تھے وہ دیکھنے والے۔

حل لغات: یہ **استبصر فی امرہ** سے ہے۔ یہ اس کے لیے بولتے ہیں جو صاحب بصیرۃ ہو یعنی باوجودیکہ وہ لوگ صاحب بصیرت اور عقل مند تھے اور پورے طور ان امور کو سمجھتے تھے اور استدلال کرنے کی بھی طاقت رکھتے تھے لیکن نہ کر سکے بوجہ شیطان کی اتباع کے اسی لیے وہ حق و باطل کے امتیاز میں اپنے عقول سے فائدہ نہ اٹھا سکے گویا وہ جانوروں کی طرح بے عقل رہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

مہر حق بر چشم و بر گوش خرد
گر فلاطونست حیوانش کند

ترجمہ: حق کی مہر اگر آنکھ اور عقل کے کان پر لگ جائے تو افلاطون بھی ہو تب بھی وہ اسے حیوان بنا دے گی۔

وقارون وفرعون وھامان۔ اس کا عطف عاد پر ہے اور ان تینوں میں سے قارون کی تقدیم اس کی نسبی شرافت کی وجہ سے ہے (موسیٰ علیہ السلام کا رشتہ دار تھا) جیسا کہ گزرا ہے۔ اس میں قریش مکہ کو تنبیہ ہے کہ تم اپنی نسبی شرافت پر ناز کر رہے ہو اس سے تمہیں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ **ولقد جاءھم موسیٰ بالبینات** اور بیشک انکے پاس موسیٰ علیہ السلام روشن دلائل اور اس کے بہترین معجزات لائے۔ **فاستکبروا** تو قبول حق سے تکبر کرکے محروم ہو گئے **فی الارض** مصر کی زمین میں **وما کانوا سابقین** اور نہ تھے وہ ہم سے چوکنے والے یعنی ہم نے انہیں پکڑ لیا اور تباہ و برباد ہو گئے۔

حل لغات:۔ سبق بمعنی طالب سے ہے یہ اُس وقت ہے جب کسی سے کوئی چوک جائے۔ امام راغب کی مفردات میں ہے کہ دراصل السبق بمعنی **استقدام فی السیر** (چلنے میں آگے ہونا) ہے پھر مجازاً ہر سبقت کے لیے مستعمل ہونے لگا۔ اسی لیے بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر بندے سے جزائے عمل کی سبقت فرمائی ہے اگر نیک عمل ہیں تو نیک جزا ہو گی اگر بُرے اعمال ہوں گے تو سزا **فکلا** یہ سابق مضمون (عدم سبق) مجمل کی تفسیر ہے یعنی مذکورین میں سے ہر ایک کو **اخذنا بذنبہ** ہم نے اُس کے گناہ کے بدلے میں پکڑا یعنی ہر ایک کو اپنے کیے کی سزا ملی یہ نہیں ان میں بعض کو سزا ملی ہو اور بعض کو چھوڑ دیا گیا ہو جیسا کہ تقدیم مفعول سے معلوم ہوتا ہے۔

اخذ کی تحقیق

بعض نے کہا کہ اخذ دراصل ہاتھ سے پکڑنے کو کہا جاتا ہے پھر مجازاً چند معانی میں مستعمل ہوا۔

(۱) بمعنی القبول کما قال تعالیٰ **واخذتم علیٰ ذلکم اصری ای قبلتم** الخ یعنی تم نے میرا معاہدہ قبول کر لیا۔

(۲) بمعنی تعذیب جیسے اس مقام میں مستعمل ہوا ہے۔ المفردات میں ہے کہ اخذ بمعنی شے کو اکٹھا کرنا اور حاصل کرنا پھر یہ کبھی ہاتھ سے لینے سے ہوتا ہے جیسے **معاذ اللہ ان ناخذ الا من وجدنا متاعنا عندہٗ** پناہ خدا کی کہ ہم حاصل کریں مگر اسے جس کے پاس ہمارا سامان ہے۔ بمعنی قہر جیسے **لا تاخذہٗ سنۃ ولا نوم** (اس پر اونگھ اور نیند غلبہ نہیں کرتی) کہا جاتا ہے **اخذتہ الحمی** (اس پر بخار کا حملہ ہوا ہے) قیدی کو ماخوذ اور اخیذ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

سوال:۔ **الاسئلۃ القحمہ** میں ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ گناہ کے بغیر کسی کو سزا نہیں دیتا حالانکہ اہلسنت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اگر کسی کو گناہ کے بغیر بھی سزا دے تو دے سکتا ہے۔

جواب:۔ اس کا قانون یہ ہے کہ جرم کے بغیر کسی کو سزا نہ دی جائے اور اگر وہ کسی کو اپنی حکمت سے کوئی سزا دے تو مالک ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے **فمنھم من ارسلنا علیھم حاصبا** تو ان میں بعض وہ ہیں جن پر ہم نے پتھراؤ کیا۔ فذ کی تفصیل ہے یعنی انہی بعض وہ بھی تھے جن پر سخت آندھی کے ذریعے ان پر پتھراؤ ہوا۔

marfat.ocm

حاصبًا چھوٹی کنکریوں کو کہا جاتا ہے اور یہ عذاب عاد کی قوم پر ہوا یا حاصبا سے وہ فرشتہ مراد ہے جس نے ان پر کنکریاں پھینکیں اور وہ لوط علیہ السلام کی قوم تھی یعنی جن پر ملائکہ نے پتھر برسائے اور جن پر ہوا کے ذریعہ پتھراؤ ہوا اور وہ عاد کی قوم تھی **ومنہم من اخذتہ الصیحۃ** اور ان میں بعض وہ تھے جن کو چنگھاڑ نے پکڑا یعنی ان پر جبریل علیہ السلام نے چیخ ماری تو ان کے دل پھٹ گئے اور دہشت سے ان کی روح پرواز کر گئی **ومنہم من خسفنا بہ الارض** اور ان میں بعض وہ ہیں جنہیں ہم نے زمین میں دھنسا دیا جیسے قارون اور اس کے ساتھی یہ باء تعدیہ کی ہے اس سے ان کے اعمال کی پوری جزا مراد ہے اس لیے کہ مال کثیر تو زمین کے نیچے رکھا جاتا ہے لیکن یہاں ان کے سروں پر رکھا گیا **ومنہم من اغرقنا** اور ان میں بعض وہ ہیں جنہیں ہم نے غرق کر دیا جیسے قوم نوح اور فرعون اور اس کی قوم الاغراق بمعنی غرق کرنا (کذا فی التاج) الغرق بمعنی پانی کے اندر چلا جانا **وما کان اللہ لیظلمہم** اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ ان پر ظلم کرے یعنی فعل کو غیر محل میں رکھے کیونکہ یہ اس کے حق میں محال ہے اسی لیے اس نے پہلے رسل کرام علیہم السلام بھیجے **ولکن کانوا انفسہم یظلمون** لیکن وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرتے رہے یعنی ایسے عمل کرتے رہے جن کی وجہ سے ایسی سزائیں پائیں۔ ؎

(۱) اے کہ حکم شرع را رد می کنی
راہ باطل می روی بد می کنی
(۲) چوں تو بد کردی بدی یابی جزا
پس بدیہا جملہ با خود می کنی

ترجمہ

(۱) اے فلاں تو شرع کا حکم رد کرتا ہے باطل راہ پر چل کر برا کرتا ہے۔
(۲) تو برائی کرتا ہے تو تجھے سزا بھی بری ملے گی اس سے ثابت ہوا کہ تو تمام برائی تو خود کرتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

پس ترا ہر غم کہ پیش آید ز درد
بر کسے تہمت منہ بر خویش کرد

ترجمہ: تجھے درد کی وجہ سے جو غم بھی آتا ہے کسی دوسرے پر تہمت نہ کر یہ تیرا اپنا کیا ہوا ہے۔

روحانی نسخے: حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے بعض کتب میں پڑھا ہے کہ

(۱) دنیا کی حلاوت آخرت کے کڑوے پن کا

(۲) دنیا کا کڑواپن آخرت کی حلاوت کا سبب ہے

(۳) دنیا کی پیاس آخرت کی سیرابی

(۴) دنیا کی سیرابی آخرت کی پیاس کا موجب ہے۔

(۵) دنیا کی خوشی آخرت کے حزن کا

(۶) دنیا کا حزن آخرت کی خوشی کا سبب ہے۔

(۷) جس نے آخرت کے لیے نیکی یا بُرائی بھیجی وہ اُسے آخرت میں ضرور پائے گا۔

سبق: کفار سابقین کا حال تم نے پڑھا کہ جب تم نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی تو سخت سے سخت عذاب میں مبتلا ہوئے اگر تصدیق کرتے تو اُن کے سابقہ گناہوں کی معافی ممکن تھی۔ خلاصہ یہ کہ جب اُنھوں نے اپنی غلطیوں پر اصرار کیا تو عذاب میں مبتلا ہوئے اور ایسی حالت پر قیامت میں اُٹھیں گے۔ اسی لیے وارد ہے کہ قبروں سے ہائے ہائے کرتے ہوئے اُٹھیں گے۔

فائدہ: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ اور آنے والے لوگوں کو عبرت دلائی ہے تاکہ عبرت پکڑ کر اپنے عقول کو استعمال کر کے نفع حاصل کریں ظلم و ایذاء اور تکبر و افساد سے اجتناب کریں اسی میں ان کی بہتری اور نجات اور کامیابی ہے لیکن تربیت و ارشادات انہیں مؤثر ہو سکتے ہیں جس میں استعداد ازلی ہو۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

چوں بود اصل جوہرے قابل
تربیت را درو اثر باشد
ہیچ صیقل نکو نداند کرد
آہنے را کہ بد گہر باشد

ترجمہ: جب جوہر کا اصل قابل ہی نہ ہو تو اس میں تربیت اثر نہ کرے گی۔
وہ صیقل لوہے کو صحیح نہ کر سکے گا جس کا اصل بُرا ہو۔

فائدہ: قرآن دریا کی مانند ہے اس سے وہی پاک ہو سکتا ہے جس کے اندر پاک ہونے کی استعداد ہو جیسے انسان ورنہ کتا ہزار بار دریا میں غوطے لگائے ناپاک ہی رہے گا۔ ؎

خر عیسیٰ اگر بمکہ برند
چوں بیاید ہنوز خر باشد

marfat.ocm

سگ بدریائے ہفت گانہ مشوی
کہ چوں تر باشد پلید تر باشد

ترجمہ۔ عیسیٰ علیہ السلام کے گدھے کو اگرچہ مکہ معظمہ میں لے جائیں گے جب واپس لوٹے گا تو گدھا ہی ہو گا۔ کتے کو دریا میں بار بار نہ نہلا۔ اس لیے کہ وہ جونہی تر ہوگا اور زیادہ پلید ہو جائے گا۔

لطیفہ وحکایت

ایک شخص نے اپنی بزرگی کا دعویٰ کیا محض اس گمان پر کہ اس نے فلاں بزرگ کی چالیس سال خدمت کی ہے کسی بزرگ نے اس کا دعویٰ سن کر فرمایا کہ وہ بزرگ چالیس سال خچر پر سواری کرتے رہے تو کیا وہ بھی بزرگ ہو گیا ہے جب وہ خچر استعداد کی کمی سے بزرگ کے سوار ہونے کے باوجود بزرگ نہیں بن سکا تو بھی اپنی استعداد کی کمی کی وجہ سے بزرگ نہیں ہو گیا مدعی سن کر شرمسار ہوا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے نفس کی شرارت سے خروج اور خطیرۂ قدس میں اقامت کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ: قل الذین اتخذوا من دون اللہ اولیاء۔ مثال ان لوگوں کی جنہوں نے ماسوی اللہ کو حقیقی کارساز بنایا۔

حل لغات: مثل بفتحتین بمعنی شے کی صفت (کذا فی المختار) اتخاذ افتعال اخذ سے ہے۔ اولیا سے اصنام (معبودان باطلہ) مراد نہیں (روح البیان ص۴۲ ج۶)

(وہابی دیوبندی فرقہ کا واضح رد ہے جبکہ وہ یہاں پر اولیاء سے اولیاء اللہ مراد لیتے ہیں۔ اس طرح سے وہ قرآن مجید کی تحریف کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک) (اویسی غفرلہ)

اب معنیٰ یہ ہوا کہ مشرکین کا عجیب طریقہ ہے کہ انھوں نے بتوں کو اپنا حقیقی کارساز بنا لیا۔ (کمثل العنکبوت)

حل لغات: عنکبوت کا واحد۔ جمع۔ مذکر۔ مؤنث پر آتا ہے اکثر اس کا استعمال مؤنث کے لیے ہوتا ہے۔ طاغوت کی تاء کی طرح یہ تاء زائدہ ہے مؤنث کی نہیں یعنی ان کا طریقہ مکڑی جیسا ہے کہ اتخذت وہ اپنے لیے بناتی ہے۔ بیتا گھر یعنی جیسے وہ کمزور سے کمزور تر تانا تن کر گھر بناتی ہے اور اس سے صرف وہی نفع اٹھا سکتی ہے۔

فائدہ: بیتہ کی ہیئت سے تشبیہ ہے۔ بتوں کو حقیقی کارساز اور معبود بنا رکھا ہے اور ان سے منافع اور شفاعت کی امید وابستہ کرتے ہیں۔ ان کا حال مکڑی جیسا ہے کہ اس نے اپنے منافع کو اپنے گھر پر موقوف رکھا ہوا ہے کہ گرما و سردی میں اس میں رہنے کا پروگرام بناتی ہے حالانکہ اس کا گھر نہ اسے گرمی سے بچا سکتا ہے اور نہ سردی سے

اور نہ ہی بارش سے روک سکتا ہے اور نہ ہی دوسری تکلیفوں سے تھوڑی سی ہوا سے اُڑ جاتا ہے ایسے ہی بت اپنے پرستاروں کو نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتے اور نہ ہی خیر دے سکتے ہیں اور نہ ہی شر دفع کر سکتے ہیں۔

؎ پیش چوب و پیش سنگ نقش کند
کہ بسا کولان سرہا می نہند

ترجمہ: لکڑی اور پتھر کے آگے کوئی نقش کرے، تو تھوڑے عرصہ کے بعد وہ نقش مٹ جائے گا۔

سبق: جو بھی سراب کو پانی تصور کرتا ہے وہ زیادہ دیر نہیں ٹھہرے گا۔ بالآخر اُسے معلوم ہو جائے گا۔

ع غلط بود آنچہ پنداشتم

ایسے ہی جو بھی ماسوی اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو اسے کچھ حاصل نہ ہوگا اور نفس پر اعتماد کرنے والا مار کھاتا ہے ایسے ہی جو بھی اپنے نفس کو حامی و مددگار سمجھتا ہے اسی سے اللہ تعالیٰ کی حفاظت منہ پھیر لیتی ہے اسے اپنے نفس کے ہاتھ میں دے دیا جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے اور صرف اسی پر سہارا کرتے ہیں وہی مومن ہیں ان کی مثال اس گھر کی ہے جو پتھروں سے تیار کیا جائے اور اس کے اردگرد ایسی دیوار بھی ہو کہ اس میں شرور کے گھسنے کا امکان تک نہ ہو اس کی چھت ایسی مضبوط کہ اس میں سردی اور بارش کے پہنچنے تک کا تصور بھی نہ ہو۔ ؎

دوستیہائے ہمہ عالم بروب از دل کمال
پاک باید داشتن خلوت سرائے دوست را

ترجمہ: تمام عالم کی دوستی کے خیالات دل سے صاف کرے کیونکہ دل دوست کی خلوت سرا ہے اسے صاف رکھنا ضروری ہے۔

تفسیر عالمانہ: وان اوھن البیوت اور بے شک ضعیف ترین گھروں کا (لبیت العنکبوت) مکڑی کا گھر ہے جتنا ہی حشرات الارض اپنے لیے گھر بناتے ہیں مکڑی کے گھر سے زیادہ کمزور کوئی گھر نہیں ہے اس لیے کہ نہ تو اس کی کوئی بنیاد ہے نہ دیوار اور نہ چھت اور نہ گرمی نے بچا سکتا ہے نہ سردی سے اسی لیے جلد تر مٹ جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اس میں اشارہ ہے کہ ماسوی اللہ کی دوستی کی بھی کوئی حقیقت نہیں کیونکہ اس کی کوئی بنیاد نہیں۔

فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے۔

marfat.ocm

؎ تکیہ کم کن صوفی بہ دیوار غیر
غیر او دیار سنے خلاق دیر

ترجمہ: اے صوفی غیر کی دیوار پر سہارا نہ کر۔ غیر کی دار تا دیر نہ رہے گی۔

لو کانوا یعلمون۔ اگر جانتے ہوتے تو وہ یقین کر لیتے کہ یہ بت تو ان جیسے ہیں تو پھر وہ ان سے دوری ہی اختیار کرتے۔

عجوبہ: حضرت کاشفی مرحوم نے لکھا کہ بحر الرائق میں ہے کہ مکڑی جتنا تانا تنتی ہے اپنے لیے قید خانہ بناتی ہے کیونکہ وہی گھر اس کی موت کا سبب بن جاتا ہے تو وہ اس کا گھر نہ ہوا بلکہ قید خانہ۔ ایسے ہی جو لوگ غیر خدا کو پوجتے ہیں تو ان کی یہ پوجا الٹا ان کے لیے وبال جان بن جائے گی کیونکہ ان کی یہ پرستش خواہش پرستی اور دنیا پروری اور شیطان کی تابعداری پر مبنی ہے۔ اس کی سزا سے وہ پابند سلاسل ہو کر جہنم میں گھسیٹے جائیں گے جس سے چھٹکارا کبھی نہ ہوگا اور جہنم میں تباہ و برباد رہیں گے۔ اور ہمیشہ کے لیے محروم رہ کر سزا یافتہ اور عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

فائدہ: بعض صوفیہ کرامؒ ہوٰی تابعداری کو تارِ عنکبوت سے تشبیہ دیتے ہیں جیسا کہ کہا گیا ہے ؎

از ہوا بگزر کہ بس بے اعتبار افتادہ است
رشتۂ دام ہوا چوں تار بیت عنکبوت

ترجمہ: خواہش نفسانی کو چھوڑ اس لیے کہ نہایت ہی غیر معتبر ہے خواہش کی پھانسی کا رشتہ تار عنکبوت کی طرح ہے۔ اے اللہ ہمیں وہ دنیا نصیب فرما جس میں ہوائے نفس نہ ہو اور اس سے نجات دے جس پر ماسوی کا اطلاق ہوتا ہے۔

ہر لمحہ دو عیدین: عشاق کو ہر لمحہ میں دو عیدیں نصیب ہوتی ہیں اور مکڑیاں مکھیوں کا گوشت کھاتی ہیں۔

شرح: دو عیدوں سے نیستی و ہستی مراد ہے جو عارف کی نگاہ میں سے ہر وقت گزرتی ہیں کیونکہ عید لوٹنا اور یہ خیال بھی قلب پر بار بار لوٹتا ہے اسی لیے اسے عید[1] سے تعبیر کیا گیا ہے۔

وحدۃ الوجود کی تقریر: وہ لوگ جو تعینات کی قیود میں گرفتار ہیں ان کی مثال مکڑی کی ہے اور مکڑیوں کے باسی گوشت کھانے میں اشارہ ہے کہ یہ تعینات کے گرفتار موجودات موہومہ عالم

---

[1] یعنی عرفی معنٰی کے لحاظ سے اسے عید کہا گیا ہے۔ اسی معنٰی پر ہم اہلسنت میلاد النبی کی تقاریب و محافل و مجالس کو عید سے تعبیر کرتے ہیں۔ ہمارے دور کے خوارج کو اس اطلاق پر اعتراض ہے وہ کہتے ہیں کہ شرع نے صرف دو عیدین دی ہیں

(بقیہ صفحہ آئندہ پر)

کو متحقق تصور کرتے ہیں اور حقیقت حال سے غافل ہیں۔ گویا وہ کھیوں کا باسی گوشت کھا رہے ہیں کیونکہ اشیار کا وجود حقیقی نہیں اور ان کی موجودیت صرف اس قدر ہے کہ ان کو وجود حقیقی سے نسبت ہے۔ جب یہ نسبت ہو گی تو یہ معدوم ہو جائیں گے اسی لیے وجودی حضرات کہتے ہیں **التوحید اسقاط الاضافات**۔ توحید اضافات کو گرانے کا نام ہے ؎

جہاں را نیست ہستی جز مجازی
سراسر حال او لہوست و بازی

ترجمہ:۔ جہان کی ہستی مجازی ہے اس کا تمام حال لہو و لعب ہے۔

ایسے ہی بعض اہل تاویل نے کہا ہے۔ لیکن فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ کہتا ہے کہ **عیدین** سے سانس کا آنا جانا مراد ہے اور عارفین کو ان ہر دونوں میں بہت بڑی عید نصیب ہوتی ہے کیونکہ ان ہر دونوں سانسوں میں مشاہدہ حق میں مستغرق ہوتے ہیں اور لکڑیوں سے وہ بندگان مراد ہیں۔ عبادت ظاہرہ میں مشغول تو ہیں لیکن شہود حق سے محروم ہیں۔ لذیذ اور تازہ کھانا کہاں اور باسی روٹی کہاں۔

تفسیر عالمانہ: ان اللہ یہاں قول محذوف ہے یعنی اے نبی علیہ السلام کافروں کو تہدید فرمائیں کہ بیشک اللہ تعالیٰ **یعلم ما یدعون** جانتا ہے وہ جو عبادت کرتے ہیں۔

ردّ وہابیہ دیوبندیہ: صاحب روح البیان نے یہاں پر **یدعون** بمعنی یعبدون لکھا ہے کہ یہ لوگ یدعون سے پکارنا (اور وہ بھی جو ہم اہلسنت وسیلہ کے طور اولیار اللہ کو مدد کے لیے ندائیں کرتے ہیں) مراد لیا ہے اس سے قرآن کی تحریف لازم آتی ہے اور وہ ایسی تحریفوں کے استاد واقع ہوتے ہیں مزید فقیر کی تفسیر احسن التحریر فی دورۃ التفسیر دیکھئے) اضافہ از اویسی غفرلہٗ)

ما استفہامیہ ہے **یدعون** سے منصوب ہے **من دونہ** یعنی ماسوی اللہ کی اس کا تعلق **یعلم** سے ہے **من شیٔ**۔ من بیانیہ ہے یعنی ماسوی اللہ بت ہوں یا ستارے یا فرشتے یا جن وغیرہ اور اس کی لطافت مخفی نہیں پھر اللہ تعالیٰ اس فعل بد پر ان کو سزا دے گا۔

وھو العزیز اور وہ اللہ تعالیٰ غالب اور اپنے اعدار سے انتقام لینے پر قادر ہے۔ **الحکیم** وہ عجلت کے ساتھ سزا نہ دینے پر حکمت والا ہے۔

بقیہ حاشیہ۔ اور تم لوگ ایک تیسری عید مناتے ہو۔ ہم نے قوی دلائل سے ثابت کیا کہ ہمارا یہ اطلاق عرفی ہے یعنی عید بمعنی خوشی اور شادمانی اور شرعی اصطلاح کے الفاظ کا اطلاق دوسرے مطالب پر جائز ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے فقیر اویسی غفرلہٗ کی کتاب "میلاد النبی عید کیوں"

marfat.ocm

شانِ نزول: بعض اہل عرب جو انھیں بیوقوف اور جاہل کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رب کیسا ہے کہ وہ مکھیوں اور مکڑیوں کی مثال دینے سے حیا نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا و تلک الامثال یہی مثال ان جیسی اور۔ مثل وہ کلام جو ایک بات کو دوسری بات سے تشبیہ دینے کے لیے واقع ہو یعنی دوسرے کے حال کی تشبیہ یعنی یہ وہ مثالیں ہیں۔

نضربھا للناس۔ اہل مکہ اور دوسروں کے لیے ہم انھیں بیان کرتے ہیں تاکہ وہ بات جو ان کے ذہنوں سے دور ہے قریب ہو جائے۔

حل لغات: المفردات میں ہے کہ ضرب المثل۔ ضرب الدراہم سے لی گئی ہے کہ جیسے درہم پر مہر لگنے سے تذکیر مطلوب ہے اس بیان سے مثال دے کر تذکیر مقصود ہے کہ جس طرح درہم پر مہر لگنے کے بعد نشان اور اثر باقی ہے ایسے ہی اس بیان کا نشان و اثر تادیر رہے گا۔ **وما یعقلھا**۔ ان امثال کے حسن و فائدہ کو نہیں سمجھتے الا العالمون مگر وہ جو اہل علم ہیں یعنی وہ جو راسخ فی العلم ہیں اور اشیاء کی حقیقت میں تدبر و تفکر کرتے ہیں ان سے وہ لوگ مراد ہیں جنہیں منجانب اللہ سمجھ نصیب ہوتی ہے اسی لیے وہ اس سمجھ پر عبادت و طاعت بجا لاتے اور اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچتے ہیں۔

نکتہ: حقیقت میں عالم وہی ہے جس کا علم معاصی سے بچائے۔ عاصی جاہل ہے اگرچہ عالم کہلاتا اور عوام میں اہل علم سمجھا جاتا ہو۔

سوال: اگر کوئی کہے کہ وما یعلمھا الا العاقلون کیوں نہیں فرمایا حالانکہ عقل علم سے سابق ہے۔

جواب: عقل ایک آلہ ہے کہ جس کے ساتھ تامل کرنے پہ اشیاء کے معانی کا ادراک ہوتا ہے لیکن اشیاء کا تامل اور ان تک پہنچنا علم کے بغیر ناممکن ہے اسی لیے وما یعلمھا الا العاقلون کے بجائے وما یعقلھا الا العالمون فرمایا۔

لطیفہ: اس سے معلوم ہوا کہ عقل پر علم کو فضیلت حاصل ہے کیونکہ ہر عالم عاقل ہوتا ہے لیکن بہت سے عقل مند تو ہوتے ہیں لیکن عالم نہیں ہوتے۔

فائدہ: المفردات میں ہے کہ العقل یہ ایک قوت ہے جو قبول علم کے لیے تیار کی گئی ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ جس قوت کے ذریعے علم کے لیے انسان استفادہ کرتا ہے اسے بھی عقل کہتے ہیں اسی لیے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں کہتا ہوں ؎

العقل عقلان - مطبوع و مسموع
ولا ینفع مطبوع - اذا لم یک مسموع

کما لا تنفع الشمس ۔ وضوء العین ممنوع

ترجمہ:۔ (۱) عقل دو ہیں ۱۔ مطبوع ۲۔ مسموع

(۲) مطبوع کوئی فائدہ نہیں دیتا جب تک مسموع ساتھ نہ ہو۔

(۳) جیسے سورج کی روشنی کوئی فائدہ نہیں دیتی جب تک آنکھ میں روشنی نہ ہو۔

تائید نبی صلی اللہ علیہ وسلم برائے قول علی رضی اللہ عنہ۔

پہلے عقل کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے عقل سے مکرم تر کوئی شے پیدا نہیں فرمائی اور دوسرے کی طرف اشارہ فرمایا۔ بندے کا کوئی کام اس سے افضل نہیں جو اسے ایسا عقل نصیب ہوا جو اسے ہدایت کی طرف لے جائے اور بُرائی سے روکے۔ اور آیت میں بھی دوسرا عقل مراد ہے کہ فرمایا وما یعقلھا الا العالمون۔

قاعدہ نمبر (۱) جہاں پر کفار کی عقل کی مذمت کی ہے بلکہ فرمایا انہیں عقل نہیں تو اس میں بھی عقل کی دوسری قسم مراد ہے نہ کہ پہلی۔

قاعدہ نمبر (۲) جہاں بندے سے تکلیف کا ارتفاع ہے بوجہ عقل کے نہ ہونے کے تو وہاں عقل سے پہلی قسم مراد ہے۔

مثنوی شریف میں ہے :۔ ؎

(۱) عقل دو عقلست اوّل مکسبے
که در آموزی چو در مکتب صبی

(۲) از کتاب و اُوستاد و فکر و ذکر
از علوم و از معانی خوب و بکر

(۳) عقل تو افزوں شود بر دیگراں
لیک تو باشی ز حفظ آں گراں

(۴) لوح حافظ باشی اندر دور گشت
لوح محفوظ اوست کو زیں در گزشت

(۵) عقل دیگر بخشش یزداں بود
چشمۂ آں درمیاں جان بود

(۶) چوں ز سینہ آب جوشش کرد
نے شود گندہ نے دیرینہ نے زرد

marfat.ocm

(۷) ور رہ نبعش بود بستہ چہ غم
کو ہمی جوشد زخانہ دمبدم
(۸) عقل تحصیلی مثال جویہا
کان رود در خانۂ از کوہہا
(۹) راہ آبش بستہ شد شد بے نوا
از درون خویشتن جوں چشمہ را
(۱۰) جہد کن تا پیرو عقل و دین شوی
تا چو عقل کل تو باطن بین شوی

ترجمہ

(۱) عقل دو ہیں (۱) کسبی تعلیم سے حاصل ہوتا جیسے بچہ کتب میں حاصل کرتا ہے ۔

(۲) کتاب سے اُستاد سے اور فکر و ذکر سے علوم سے معانی وغیرہ وغیرہ ۔

(۳) ایسا عقل تیرا دوسروں سے بڑے گا لیکن تو اس کے یاد کرنے میں تکلیف پائے گا ۔

(۴) دور و گشت میں لوح کا حافظ ہو گا جب حاصل ہو جائے گا پھر وہ تیرے لیے لوح محفوظ ہے ۔

(۵) دوسرا عقل بخشائش الٰہی ہے وہ جان میں بمنزلہ چشمہ کے ہے ۔

(۶) جب سینے میں جاگزین ہو گا تو پھر ایسا چشمہ ہے کہ نہ گندلا ہو گا اور نہ پرانا ہو گا ۔

(۷) وہ تو چشمہ دار ہے اگرچہ بند ہے تو کیا غم کیونکہ گھر میں ہے ہر لحظہ وہ جوش میں ہے ۔

(۸) تحصیلی عقل نہر کی طرح ہے وہ گھروں میں جاتا ہے لیکن گلیاں کوچے گھوم کر ۔

(۹) جب اسے پیچھے بند کر دیں گے تو وہ بے نوا ہو جائے گا لیکن وہ چشمہ دائمی ہے جو اپنے اندر سے پانی لیتا ہے ۔

(۱۰) کوشش کر تاکہ تجھے عقل و دین نصیب ہو ۔ پھر عقل کی طرح باطن بین ہو جا ۔

تفسیر عالمانہ: خلق السموات والارض بالحق ۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا در آنحالیکہ وہ حق میں یعنے حکمتوں و مصلحتوں کے عین مطابق ہے ۔ یہ خلق کے فاعل سے حال ہے یا اس کا متعلق متلبسہ ہے یعنی ان کی تخلیق حق ہے کہ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے ان میں دینی و دنیوی منافع ہیں پھر یہ اس کے مفعول سے حال ہے یعنی یہ دونوں انسانوں کے معاش پر مشتمل ہیں اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے شواہد ان میں موجود ہیں یہ دلالت کرتے ہیں کہ وہ عظیم قدرتوں کا مالک ہے اور بہت بڑی عظیم الشان صفات سے موصوف ہے جیسے اس کی ذات نے اشارہ فرمایا ان فی ذلک بیشک اس کے پیدا کرنے میں الایۃ البتہ نشانیاں ہیں جو اس کے مختلف انسانوں

پر دلالت کرتی ہیں۔ للمؤمنین اہل ایمان کے لیے اہل ایمان تخصیص اس لیے ہے کہ یہی ان سے نفع پاتے ہیں ورنہ یہ نشانیاں تو ہدایت وارشاد کے لیے عام ہیں ہر مومن و کافر کے لیے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے خلق اللہ السموات والارض بالحق یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا حق کے ساتھ اس لیے صفات حق کے آئینہ ہونے کے لیے تاکہ یہ تمام اس کے مظاہر ہوں ان فی ذالك لآیۃ یعنی آسمانوں و زمینوں کی تخلیق نشانی ہے یعنی حق کی نشانی جو ان میں بطور امانت رکھی گئی ہے للمومنین ان اہل ایمان کے لیے جو اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتے ہیں اس لیے کہ نور کو نور سے ہی دیکھا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے نور پیدا نہیں فرماتا اس کے لیے کوئی نور نہیں۔

جہاں مرآت حسن شاہد ماست
فشاہد وجہہ فی کل ذات

ترجمہ:۔ یہ جہان ہمارے محبوب کے حسن کا آئینہ ہے فلہذا تم ہر ذرہ میں اس کے چہرے کا مشاہدہ کرو۔

سبق:۔ عاقل پر لازم ہے کہ وہ آثار رحمت الٰہی کو بغور دیکھے اور اس کی عجائب صنعت اور غرائب قدرت میں فکر کرے تاکہ اس کی معرفت کے دریا سے اسے جواہر نصیب ہوں۔

حکایت: مروی ہے کہ داؤد علیہ السلام ایک دن اپنے حجرہ عبادت میں داخل ہوئے تو وہاں ایک چھوٹا سا کیڑا دیکھ کر عجائب صنعت باری تعالیٰ میں غور و فکر میں ڈوب گئے اور خیال کیا کہ اس کے پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی تو اللہ تعالیٰ نے کیڑے کو بولنے کی طاقت دی۔ کیڑا بولا اے داؤد آپ میری صورت سے متعجب ہیں آپ کو عجب نفس نے گھیرا ہے میں اگرچہ چھوٹا ہوں لیکن میں آپ سے بہت زیادہ ذکر اور شکر کرتا ہوں جتنا آپ کو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے آپ اتنا قدر نہ شکر کرتے ہیں نہ ذکر۔

حکایت: ایک شخص خنفساء کو دیکھ کر کہا کہ اللہ تعالیٰ اسے پیدا نہ کرتا تو کونسا نقصان تھا نہ اس کی شکل ہے نہ اس سے اچھی خوشبو حاصل۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ایک زخم میں مبتلا کر دیا جس کے علاج سے اطباء اور ڈاکٹر عاجز آگئے بلکہ اسے لاعلاج کہہ کر موت کی تیاری کا کہہ دیا۔ مایوس پڑا تھا کہ ایک دن گلی میں اعلان کیا کہ کسی نے علاج کرانا ہو تو اس مایوس العلاج نے کہا اسے لاؤ اس کے علاج سے ممکن ہے کہ تندرستی نصیب ہو لوگوں نے کہا کہ بہت بڑے حاذق۔ ماہر حکماء تیرے علاج سے جواب دے گئے یہ غریب کیا کرے گا اس نے کہا اسے لاؤ۔ ممکن ہے آرام مل جائے۔ بلایا گیا تو اس نے زخم دیکھ کر کہا کہ خنفساء لے آؤ۔ لوگ ہنس پڑے تو بیمار نے کہا یہ جیسے کہے اس پر عمل کرو چنانچہ خنفساء لایا گیا تو اس نے اسے جلا کر راکھ کر دیا پھر راکھ کو زخم پر رکھا تو بیمار تندرست ہو گیا۔ لوگ حیران ہو گئے خود بیمار نے کہا کہ میرا تصور ہے میں نے اس کو دیکھ کر کہا یہ کیڑا کس کام کا لیکن قادر مطلق کی قدرتوں کا راز نرالا ہے۔ (کذا فی [illegible])

marfat.ocm

سبق: اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی پیدا کردہ شے بیکار نہیں بلکہ ہر شے کی تخلیق میں کئی ہزاروں حکمتیں ہیں ہم جانیں یا نہ۔ اسی لیے مومن پر لازم ہے کہ غور و فکر سے کام لے اور اس میں ترقی کرتا ہوا اس مقام تک پہنچ جائے کہ ہر شے کی تخلیق کی حقیقت معلوم ہو جائے جیسا کہ اہلِ بصیرت کی شان ہے۔

نسخہ صوفیانہ: اہلِ تصوف فرماتے ہیں المشاہدۃ مجاہدۃ کا ثمرہ ہے اسی لیے لازم ہے کہ عقل کو بلکہ تمام قویٰ کو تفکر میں استعمال کرے یعنی ہر ایک سے وہی خدمت لے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے کیونکہ

ع ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

بلکہ اس خدمت سے کشفِ حقیقی نصیب ہوگا حیرۃ الٰہی میں اضافہ ہوگا اور اطمینانِ قلب نصیب ہوگا ؎

بے طلب نتواں وصالت یافت آرے کہ دہد
دولت حج دست جز راہ بیاباں بردہ را

ترجمہ: طلب کے بغیر وصال ناممکن ہے۔ حج بھی نصیب نہیں ہوتا جب تک دور دراز کا سفر نہ کیا جائے۔

شرح شعر بالا: یہاں پر طلب سے قصدِ قلبی اور زبانی لسانی بات مراد نہیں بلکہ بقدرِ امکان ظاہری و باطنی جد و جہد کرنا مطلوب ہے اور انسان کا حقیقی مقصد ہے اس کے بعد فتح و کامرانی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہے اگر وہ چاہے تو ملکوت سمٰوٰت والارض دکھلائے یا نہ اور مکاشفہ و مشاہدہ کا شرف بخشے یا نہ اسی کی مرضی پر ہے وہ شے کا تحقق نصیب فرما دے یا نہ اور چاہے تو وہ ایک مقام پر رکھے چاہے تو بلندی عطا فرمائے۔ انسان کے بلند مراتب میں سے ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ اسے تفکر بالعقل نصیب ہو وہ جو اسے امانت کے طور پر عطا ہوا اور اس پر لازم ہے کہ شکرِ خداوندی بجا لائے کہ اس نے غافلین و معرضین کے دائرہ سے نکالا ہے۔

اے اللہ ہمیں متفکرین اور بیدار مغز لوگوں سے بنا اور ان لوگوں میں رکھ جو ہر شے میں حقائق امور کا یوں عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہی ہے خالق السمٰوٰت والارض وہی ہے جو حقائق امور کا ادراک بخشتا ہے۔

ھذا آخر مارقمہ قلم الفقیر القادری ابی الصالح **محمد فیض احمد** اویسی غفرلہ
بحمدہ تعالیٰ اس فقیر کو پارہ ۲۰ کے ترجمہ سے ۵ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۰۳ھ مطابق
۱۹ فروری سنہ ۱۹۸۳ء بشب اتوار بعد نماز مغرب فراغت نصیب ہوئی۔

فصلی اللہ علیٰ حبیبہ الکریم الرؤف الرحیم الامین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

نام مضمون	صفحہ نمبر	نام مضمون	صفحہ نمبر	نام مضمون	صفحہ نمبر
قَالَ لِلْمَلَا حَوْلَهٗ اِنَّ عربی مع ترجمہ	548-549	وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰی ثَمُوْدَ عربی مع ترجمہ	722	تکبر کے زائل کرنے کا علاج	922
وَاَوْحَيْنَا اِلٰی مُوْسٰی اَنْ اَسْرِ عربی مع ترجمہ اُردو	562	نسب نامہ سبا اور اُس کا واقعہ	733	وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ رکوع عربی مع ترجمہ اُردو	923-924
واتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ عربی مع ترجمہ اُردو	573-574	قَالَتْ يٰاَيُّهَا الْمَلَؤُا رکوع عربی مع ترجمہ اُردو	744-745	وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ رکوع عربی مع ترجمہ	936-937
كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ نِ الْمُرْسَلِيْنَ رکوع عربی مع ترجمہ اُردو	602	تضہ حیض میں جماع کرنے کا	761	اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا	965-966
كَذَّبَتْ عادُ نِ الْمُرْسَلِيْنَ رکوع عربی مع ترجمہ اُردو	609	بال صفا دوائی کی ایجاد	773	اٹھارہ ہزار عالم انسان کے خدام ہیں	976
كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ رکوع عربی مع ترجمہ اُردو	617	اختتام پارہ 19	792	اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ رکوع عربی مع ترجمہ اُردو	987-988
كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ نِ الْمُرْسَلِيْنَ رکوع عربی مع ترجمہ اُردو	626	آغاز پارہ نمبر 20	793	تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ رکوع عربی مع ترجمہ اُردو	1009
كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ	632	وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مع ترجمہ	822-823	آغاز سورۃ العنکبوت عربی مع ترجمہ	1025 تا 1026
وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ	639-640	ازلی بد بخت کا قصہ	833	وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا رکوع عربی مع ترجمہ اُردو	1048 تا 1049
آغاز سورۃ النمل عربی مع ترجمہ اُردو	683-684	وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ مع ترجمہ	836-837	وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ رکوع عربی مع	1062
ولقد اتينا داؤد وسليمٰن رکوع عربی مع ترجمہ	699-700	آغاز سورۃ القصص عربی مع ترجمہ	851-862	کبوتر بازی سے تنگی رزق	1075
ابوزریق پرندے کا واقعہ	709	وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ رکوع مع ترجمہ	873-374	وَلَمَّا جَآءَ كُ عربی مع ترجمہ	1076-1077
مدینہ منورہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی حاضری	719	وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ مع ترجمہ اُردو	887	اختتام پارہ نمبر 20	1095
چیونٹی کے فہم واذکان کا بیان لشکر سلیمانی اور لشکر محمدی کا فرق	722	فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ رکوع عربی مع ترجمہ	904 905		

marfat.ocm

فیوض الرحمٰن

اردو ترجمہ

تفسیر روح البیان

شیخ القرآن والحدیث فیض ملت حضرت علامہ مفتی

محمد فیض احمد اویسی رضوی مدظلہ

مکتبہ اویسیہ رضویہ
سیرانی روڈ بہاول پور

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

علماء اہلسنت کی کتب Pdf فائل
میں ڈاؤن لوڈ کرنے کے ٹیلیگرام
پہ ان چینل و گروپ کو جوائن
کریں

https://telegram.me/Tehqiqat

https://telegram.me/faizanealahazrat

https://telegram.me/FiqaHanfiBooks

https://t.me/misbahilibrary

آرکائیو لنک

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://archive.org/details/@muhammad_tariq_hanafi_sunni_lahori

بلاگسپاٹ لنک

http://ataunnabi.blogspot.in

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

الجواب

سنی اسلامی کتابوں کا مرکز
مکتبہ قادریہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattori

فیوض الرحمٰن

پارہ نمبر ۲۱، ۲۲ - اردو ترجمہ

روح البیان

مفسر و مؤلف

سراج العلماء زبدۃ الفضلاء حضرت علامہ مولانا شیخ اسماعیل حقی البروسوی
قدس سرہٗ

مترجم

شیخ التفسیر والحدیث حضرت علامہ مولانا مفتی محمد فیض احمد
اویسی رضوی

ناشر
مکتبہ اویسیہ رضویہ ○ سیرانی روڈ ○ بہاولپور

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

نام کتاب ——— فیوض الرحمٰن اردو ترجمہ تفسیر روح البیان
پارہ ——— ۲۱ — اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ - ۲۲، وَمَنْ یَّقْنُتْ -
مؤلف ——— حضرت علامہ اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ
مترجم ——— حضرت مولانا الحاج محمد فیض احمد اویسی
خطاط ——— محمد شریف گل گڑیال کلاں براہ شیخوپورہ
مصحح ——— چودھری مشتاق محمد خاں، لاہور
سن طباعت ——— اپریل ۱۹۸۰ء
ناشر ——— مکتبہ اویسیہ رضویہ سیرانی روڈ، بہاولپور
باہتمام ——— صاحبزادہ محمد عطاء الرسول، اویسی۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

پارہ نمبر ۲۱

اُتْلُ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ
اے محبوب پڑھو جو کتاب تمہاری طرف وحی کی گئی اور نماز قائم فرماؤ بے شک نماز منع کرتی ہے بے حیائی
الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِؕ وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ㊺ وَ لَا تُجَادِلُوْۤا
اور بری بات سے اور بے شک اللہ کا ذکر سب سے بڑا اور اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو اور اے مسلمانو
اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ﳓ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَ قُوْلُوْۤا اٰمَنَّا
کتابیوں سے نہ جھگڑو مگر بہتر طریقہ پر مگر وہ جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا اور کہو ہم ایمان لائے اس
بِالَّذِیْۤ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ وَ اِلٰهُنَا وَ اِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ㊻
پر جو ہماری طرف اترا اور جو تمہاری طرف اترا اور ہمارا تمہارا ایک معبود ہے اور ہم اس کے حضور گردن رکھے ہیں
وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَؕ فَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖۚ وَ مِنْ
اور اے محبوب یونہی تمہاری طرف کتاب اتاری تو وہ جنہیں ہم نے کتاب عطا فرمائی اس پر ایمان لاتے ہیں اور
هٰۤؤُلَآءِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِهٖؕ وَ مَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ㊼ وَ مَا كُنْتَ تَتْلُوْا
کچھ ان میں سے ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں اور ہماری آیتوں سے منکر نہیں ہوتے مگر کافر اور اس سے پہلے تم کوئی
مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ㊽ بَلْ هُوَ
کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے یوں ہوتا تو باطل والے ضرور شک لاتے بلکہ وہ روشن
اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَؕ وَ مَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ㊾
آیتیں ہیں ان کے سینوں میں جن کو علم دیا گیا اور ہماری آیتوں کا انکار نہیں کرتے مگر ظالم
وَ قَالُوْا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِؕ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا
اور بولے کیوں نہ اتریں کچھ نشانیاں ان پر ان کے رب کی طرف سے تم فرماؤ نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں اور میں
نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ㊿ اَوَ لَمْ یَكْفِهِمْ اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ یُتْلٰى عَلَیْهِمْؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ
تو یہی صاف ڈر سنانے والا ہوں اور کیا یہ انہیں بس نہیں کہ ہم نے تم پر کتاب اتاری جو ان پر پڑھی جاتی ہے بے شک اس
لَرَحْمَةً وَّ ذِكْرٰى لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ (51)
میں رحمت اور نصیحت ہے ایمان والوں کے لیے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تفسیر عالمانہ اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ۔ التلاوۃ بمعنے پےدرپے پڑھنا۔ الایحاء بمعنے اعلام فی الخفاء۔ اور شرع میں اس کلام الٰہیہ کو کہا جاتا ہے جو انبیاء عظام علیہم السلام واولیاء کرام سے القا ہوتا ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! وہ قرآن مجید جو آپ پر نازل ہوا آپ اسے تقرب اس کے الفاظ کی حفاظت کرنے اور اس کے معانی وحقائق سمجھنے کے ارادے پر پڑھیے اس لیے کہ اس کے غور وفکر کی تلاوت سے وہ معانی وحقائق منکشف ہوتے ہیں جو اس سے پہلے معلوم نہیں ہو سکتے نیز اسے پڑھ کر لوگوں کو پڑھ سنا اور اس کے جملہ احکام پر عمل کرنے کی ترغیب دیجئے اور انہیں اس کے محاسن آداب ومکارم اخلاق کے سمجھایئے۔

حکایت مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں ایک چور کو گرفتار کر کے لایا گیا آپ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا۔ اس نے عرض کی: "میرے ہاتھ کاٹنے کا حکم کیوں؟" وہ اگرچہ قرآن مجید پڑھا ہوا تھا لیکن اس کے احکام سے بے خبر تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن مجید) میں حکم فرمایا۔" اس نے عرض کیا: "وہ کہاں ہے؟" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پڑھا:

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ۝ والسارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیہما جزاءً بما کسبا نکالاً من اللہ واللہ عزیز حکیم۔

چور نے کہا: "بخدا میں نے آج تک یہ حکم نہیں سنا تھا اگر مجھے پہلے معلوم ہوتا تو میں چوری نہ کرتا۔"

لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا عذر قبول نہ کیا اور ہاتھ کاٹ دیا۔

نکتہ: تراویح کی جماعت میں بھی یہی حکمت ہے تاکہ عوام پورا قرآن مجید سن کر اس کے احکام سے آگاہ ہوں۔

مسئلہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص قرآن مجید کو کھڑے ہو کر نماز میں پڑھتا ہے اسے ایک حرف کے بدلے سو نیکی کا ثواب نصیب ہوتا ہے اور جو نماز میں بیٹھ کر پڑھتا ہے اسے ہر حرف کے عوض پچاس نیکیوں کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔ اور جو نماز سے باہر باوضو ہو کر قرآن مجید پڑھتا ہے تو اسے ہر حرف پر پچاس نیکیاں ملتی ہیں۔ اور جو نماز کے بغیر بلا وضو قرآن مجید پڑھتا ہے اسے ایک حرف کے بدلے دس نیکیوں کا اجر ملتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نماز میں قراءۃ مختصر ہو اس سے بلا صلوٰۃ قرآن کی تلاوت افضل ہے جیسے طویل قراءۃ والی نماز مختصر قرأت والی نماز سے افضل ہے۔

مسئلہ: فقہاء کرام نے فرمایا: طویل قیام والی نماز کثرت سجود والی سے افضل ہے۔

حدیث شریف میں ہے: "افضل نماز وہ ہے جو طویل قیام کے ساتھ ہو۔"

(القنوت بمعنے القیام ہے) اس لیے کہ طویل سجود ورکوع میں تسبیحات کی کثرت ہوگی اور قیام میں قرأت کی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zobaibhasanattori

کرامت ہوگی اور تسبیحات سے قرأتِ قرآن افضل ہے۔

---

۱ ہم یہاں پر چند فضائل و آدابِ تلاوت و مسائل عرض کرتے ہیں تاکہ ناظرین کو مزید فائدہ ہو۔

کتابِ مقدس تمام علوم کی جامع ہے اس کا ایک ایک صفحہ اور ایک ایک حرف بے نہایت برکات کا سرچشمہ ہے۔

حدیث شریف ۱: سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

"قرآن کریم کی قرأت کرنے والا روزِ قیامت اپنے رفیقوں کا شفیع ہوگا۔" (مسلم)

حدیث شریف ۲: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

"جس شخص نے قرآن کریم کا ایک حرف پڑھا اس کے لیے نیکی ہے دس نیکیوں کے برابر۔" (ترمذی)

حدیث شریف ۳: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے،

"اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے، جس شخص کو قرآن اور میرا ذکر ایسا مشغول کرے کہ وہ مجھ سے مانگنے اور سوال کرنے کا فرصت بھی نہ پاتے میں اس کو مانگنے والوں سے زیادہ دیتا ہوں۔"

حدیث شریف ۴: "جس گھر میں قرآن پڑھا جاتا ہے وہ اہلِ آسمان کے لیے ایسی زینت ہوتا ہے جیسے ستارے زمین والوں کے لیے۔" (بیہقی)

حدیث شریف ۵: "اپنے مکانوں کو نماز سے اور قرآن کریم کی قرأت سے منور کرو۔"

حدیث شریف ۶: "میری امت کی بہترین عبادت قرآن کی قرأت ہے۔" (بیہقی)

حدیث شریف ۷: سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

"تم میں بہتر وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور سکھایا۔" (بخاری)

اتفاق ہے کہ تمام قرآن کریم کا حفظ کرنا اُمت پر فرضِ کفایہ ہے تاکہ قرآن کریم کا تواتر باقی رہے اور تبدیل و تحریف کو اس میں راہ نہ ہونے پائے۔ اگر اس فرض کی ادائیگی کے لیے اتنے لوگ قائم ہوں جن کی تعداد کثرت و تواتر کو پہنچتی ہے تو ان کے حفظ کر لینے سے باقی مسلمانوں کے ذمہ فرض نہیں رہے گا اور اگر حافظوں کی تعداد اس حد سے کم ہو تو سب لوگ گنہگار رہیں گے۔ قرآن کریم کی تعلیم بھی فرضِ کفایہ اور افضل ترین قربات و طاعات ہے۔ جیسا کہ حدیث مسلم میں ارشاد ہوا جو اوپر گزر چکی ہے۔

قرآن کریم کی تلاوت بکثرت کرنا مستحب ہے:

حدیث شریف ۸: "دو ہی چیزیں رشک کے قابل ہیں ان میں سے ایک وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم عطا فرمایا کہ صبح و شام اس کی تلاوت کرتا ہے۔" (بخاری و مسلم)

جس روز قرآن کریم ختم ہو اس دن روزہ رکھنا سنت ہے اور یہ بھی سنت ہے کہ اپنے گھر والوں اور دوستوں کو جمع کرے۔

حدیث شریف ۹: "حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب قرآن ختم کرتے اپنے اہل کو جمع کرتے اور دعا کرتے۔" (طبرانی)

[illegible]

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حکم بن عُتیبہ سے مروی ہے کہ مجاہد نے انھیں بُلایا اور ان کے پاس ابن ابی اُمامہ بھی تھے ان دونوں حضرات نے فرمایا ہم نے تمہیں اس لیے بلایا کہ ہمارا ارادہ قرآن ختم کرنے کا ہے اور ختمِ قرآن کے وقت دعا مستجاب ہے

قرأتِ قرآن میں اسلاف کی عادتیں جداگانہ تھیں بعض تو اتنی کثرت کرتے تھے کہ رات دن میں آٹھ ختم کر لیتے تھے، چار دن میں چار رات میں۔ بعض حضرات شب و روز میں چار ختم کرتے تھے بعض تین، بعض دو، بعض ایک، بعض حضرات دو راتوں میں ایک ختم کرتے تھے، بعض تین میں بعض چار میں، بعض پانچ میں، بعض چھ میں بعض سات میں اور یہ اکثر صحابہ کا معمول تھا۔ احوال اور ذوق مختلف ہیں۔ بعض حضرات اس پر قادر ہیں کہ قرآن کریم کو نہایت جلد پڑھنے میں بھی حروف کو ان کے مخارج سے صحیح ادا کریں اور معانی کا بھی لحاظ کرتے جائیں۔ بعض کو اس مقصد کے لیے زیادہ وقت صرف کرنا اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا ضروری ہوتا ہے۔

مسئلہ : قرآن کریم کی تلاوت اگرچہ بے وضو بھی جائز ہے لیکن اس کے لیے وضو کرنا مستحب ہے کیونکہ قرآن پاک کی قرأت افضل اذکار سے ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ذکرِ الٰہی کو با طہارت پسند فرماتے تھے۔

مسئلہ : جنب (وہ شخص جسے غسل کی حاجت ہو اور حیض و نفاس والی عورت) ان سب کے لیے قرآن کریم کی قرأت حرام ہے بغیر ہاتھ لگائے دیکھنا اور دل میں تصور کرنا جائز ہے۔

مسئلہ : جس کا منہ ناپاک ہو جیسے کہ شراب پی۔ اس کو بھی قرآن کریم کی تلاوت جائز نہیں۔

مسئلہ : ناپاک شخص کو قرآن کریم کا چھونا جائز نہیں۔

مسئلہ : سنت ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت پاک جگہ پر ہو، اور مسجد میں زیادہ بہتر ہے۔ مستحب ہے کہ تلاوت کرنے والا قبلہ رُو ہو اور نہایت عجز و انکسار اور خشوع و حضورِ قلب سے سر جھکا کر اطمینان سے پڑھے۔ پڑھنے سے قبل مسواک سے منہ کو خوب صاف کر لے۔ تلاوت سے قبل اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے اور سوائے سورۃ برأت کے ہر سورت کے اوّل میں بسم اللہ پڑھا کرے، سننے والا خاموشی سے دل لگا کر سنے۔

سلے ہم بھی چند آداب و مسائل یہاں بیان کرتے ہیں :

قرأت میں ترتیل سنت ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں ہے کہ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح قرأت فرماتے تھے کہ ایک ایک حرف صاف معلوم ہوتا تھا۔ (ابو داؤد)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا : قرآن شریف جب دل میں اترتا ہے اس میں جمتا ہے اور نفع دیتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

حدیث شریف میں ہے کہ روزِ قیامت قاریٔ قرآن سے کہا جائے گا کہ قرآن پڑھ اور درجات میں ترقی کرتا چلا جا۔ جس سکون و اطمینان کے ساتھ دنیا میں آہستہ آہستہ پڑھتا تھا ویسا ہی پڑھ۔ پڑھتے پڑھتے جہاں تک پہنچے گا وہ سب ملک تجھے عطا کیا جائے گا۔

مسئلہ : قرآن کریم کو تدبر و فہم کے ساتھ پڑھنا اور اس کے معنی پر نظر رکھنا مقصودِ اعظم ہے

(باقی بر صفحہ ۷)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

آدابِ تلاوت بہتر ہے کہ تلاوت باوضو ہو کر قبلہ کی طرف منہ کر کے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر کی جائے ۔ نہ پالتی مار کے نہ کسی چیز سے ٹیک لگا کر، نہ ہی متکبرانہ طور پر ۔ بلکہ ایسے خشوع و خضوع سے ہو گویا کہ وہ کسی بارعب شخصیت کے سامنے بیٹھا ہے ۔

سورۃ نحل میں ہم نے تلاوت و آداب اسرار بیان کر دیئے ہیں ۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ ۔ نماز کی ادائیگی پر مداومت کرو ۔ یعنی وہ نمازیں جو فرض ہیں انہیں ان کی شرائط کے ساتھ باجماعت ادا کیا جائے ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مخاطب کر کے آپ کی امت کو اس کی اقامت کا حکم فرمایا گیا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ) اس سے شرح صدر اور نورانیت قلب حاصل ہوتی ہے اور معنی پر نظر رکھنے سے مراد یہ ہے کہ جو پڑھتا ہے اس کے معنی سمجھے اور امر و نہی میں غور کرے اور دل میں اس کے ماننے اور اطاعت کرنے کا اعتقاد جمائے اور گزرے ہوئے زمانے میں جو تقصیر ہوئی ہو اس سے استغفار کرے اور جب آیت رحمت آئے تو خوش ہو اور اللہ تعالیٰ سے رحمت طلب کرے اور جب آیت عذاب آئے تو ڈرے اور اس سے پناہ مانگے ۔

مسئلہ : قرآن کریم کی تلاوت کے وقت دل حاضر کرے اور خشوع کے ساتھ پڑھے یہاں تک کہ رقت آئے ، آنکھوں سے آنسو جاری ہوں ۔

مسئلہ : قرآن مجید کو خوش آوازی کے ساتھ پڑھے اگر خوش آواز نہ ہو تو کوشش کرے کہ خوبی سے ادا ہو ، مگر یہ لحاظ رکھے کہ حروف اپنی حد سے متجاوز نہ ہو جائیں کہ ممنوع ہے ۔

مسئلہ : خوش آواز سے قرآن شریف پڑھوانا اور سننا مستحب ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ایک جماعت قرأت کے لیے جمع ہو اور تھوڑا تھوڑا سب لوگ پڑھیں جیسا کہ پنج آیت میں معمول ہے ۔

مسئلہ : قرآن شریف دیکھ کر پڑھنا حفظ پڑھنے سے افضل ہے کیونکہ قرآن کریم کا دیکھنا بھی عبادت ہے ۔

مسئلہ : قرآن کریم کی قرأت کو کسی سے بات کرنے کے لیے قطع کرنا مکروہ ہے ۔ حدیث شریف میں ہے : حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن کریم کی قرأت کے دوران میں کلام نہ فرماتے جب تک کہ فارغ نہ ہو جاتے ۔

مسئلہ : قرأت کے درمیان ہنسنا بے فائدہ عبث حرکات کرنا اور لغو کی طرف نظر کرنا مکروہ ہے ۔

قرآن کریم ختم کرنے کے بعد قاری کو چاہیے کہ دوسرا قرآن شروع کرے یعنی سورۃ فاتحہ پڑھ کر سورہ بقرہ ھم المفلحون تک پڑھے پھر دعا کرے ۔ ایسا ہی ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے ۔ (دارمی)

مسئلہ : ختم قرآن کے وقت معمول ہے کہ سورۂ اخلاص کو تین مرتبہ پڑھتے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ ایک بار سورۂ اخلاص پڑھنے سے دس پاروں کا ثواب ملتا ہے (ملخصاً مشکوٰۃ شریف)

مسئلہ : تجوید کی رعایت قرآن کریم میں بہت ضروری ہے ۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ قرآن کریم کو تجوید سے ادا کرو ۔ قراء کا قول ہے کہ تجوید یعنی حروف کو ان کے صحیح مخارج سے جیسا چاہیے ویسا ادا کرنا قرآن مجید کی زینت ہے ۔

اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اور اقامۃ الصلوٰۃ کی علت بتاتے ہوئے فرمایا اِنَّ الصَّلٰوۃَ بیشک نماز جس کی حیثیت کذائیہ سب کو معلوم ہے اگر اسے اپنے جملہ شرائط ظاہری و باطنی کے ساتھ ادا کیا جائے تَنْھٰی تو اس کی شان اور اس کی خصوصیات سے ہے کہ وہ روکتی ہے عَنِ الْفَحْشَآءِ اس فعل سے جو عقلاً برا ہے وَالْمُنْکَرِ اور اس فعل سے جو شرعاً ممنوع ہے۔

ف: الوسیط میں ہے کہ المنکر وہ عمل جو نہ شرع سے ثابت ہو اور نہ سنت سے۔ فعلاً یا قولاً۔ اس کی نقیض المعروف آتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ نماز برائیوں سے اس لیے روکنے کا سبب ہے کہ اس میں انسان ذکرِ الٰہی پر مداومت کرتا ہے اور بحضورِ حق حاضری کی وجہ سے دل میں خشیت پیدا ہوتی ہے ایسے موجبات گناہوں سے روکنے والے ہوتے ہیں۔

حکایت ایک نوجوان انصاری نماز تو پڑھتا تھا لیکن ہر برائی کا ارتکاب بھی کرتا تھا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں اس کی شکایت کی گئی تو فرمایا "اسے اس کی نماز عنقریب برائیوں سے روک دے گی۔" چنانچہ تھوڑے عرصے کے بعد وہ اپنے گناہوں سے تائب ہوا اور قلیل مدت کے بعد اس کا معاملہ سلجھ گیا اور وہ اچھے لوگوں میں شمار ہونے لگا۔ بلکہ اب زہاد صحابہ میں اس کا شمار ہوتا ہے۔

ف: فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ یہ مسلّم ہے کہ ہر عمل اچھا ہو یا برا اس کی کوئی خاصیت ہوتی ہے۔ نماز کا خاصہ یہ ہے کہ وہ خشیتِ الٰہی دل میں پیدا کرتی ہے اور برائیوں سے روکتی ہے جیسے کفر جو اسی نماز کا بالمقابل ہے کہ وہ معاصی پر ابھارتا ہے اور خشیتِ ایزدی دل سے خارج کرتا ہے۔ اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ترکِ صلوٰۃ کو کفر سے تعبیر فرمایا، کما قال علیہ السلام:

مَن ترکَ الصَّلٰوۃَ متعمدًا فقد کفر۔

(جس نے عمداً نماز ترک کی وہ کافر ہو گیا)

اور ایسے کفر کا خاصہ یہ بھی ہے کہ وہ لوگوں سے تو ڈرتا ہے لیکن خوفِ خدا دل میں رہنے نہیں دیتا اسی لیے ایسا انسان خبیثات کے ارتکاب میں جرأت اور دلیری رکھتا ہے۔ چنانچہ آیت سنلقی فی قلوب الذین کفروا الرعب بما اشرکوا باللہ ما لم ینزل بہ سلطانا (ہم عنقریب کافروں کے دل میں رعب ڈالیں گے بوجہ ان کے اس شرک کے کہ وہ ایسی اشیاء کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتا ہے جس کی کوئی سند نہیں)

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص کو نماز برائیوں سے نہیں روکتی اُسے اللہ تعالیٰ کے بُعد کے سوا اور کچھ نصیب نہ ہوگا۔"

یعنی نماز بالآخر اس کے لیے وبال ہوگی اور جو شے اس کے لیے تقربِ الٰہی کا سبب تھی وہی بُعد کا سبب بن گئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسا شخص نماز کی حقیقت سے عہدہ برآ نہ ہو سکا جیسا کہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ نماز کی حقیقت یہ ہے کہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

نماز حضورِ قلب سے ادا کی جائے اس لیے کہ ظاہری ذکر سے فکر پیدا ہوتی ہے اور بالخصوص نماز کے اندر کا ذکر غفلت کو دور کرتا ہے اور غفلت کا وہ سرانجام فحشا ہے اور فکر خواطرِ مذمومہ کو دفع کرتی ہے انہی خواطرِ مذمومہ کو صوفیاء کرام المنکر سے تعبیر کرتے ہیں۔ جیسے یہ نماز نمازی کو مذکورہ خرابیوں سے روکتی ہے ایسے ہی اسے خارجی خرابیوں سے مثلاً اپنے اعمال کو بہتر سمجھنا یا ان اعمال کا بدلہ طلب کرنا۔ جسے ایسی نماز نصیب ہوتی ہے اسے عارفین فرماتے ہیں کہ اس خوش قسمت کو آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب ہوئی اس لیے کہ نماز معائنہ و مشاہدہ سے تعبیر کی جاتی ہے اور اس کی نقیض مناتبہ آتی ہے۔

مسئلہ: نماز فرضی ہو یا نفلی ہو وہ تمام عبادات بدنیہ سے افضل ہے اس لیے کہ نماز کو اصلاحِ نفس میں بہت بڑی تاثیر حاصل ہے اور نفس ہی تمام فحشا و منکر کی جڑ ہے۔

ف: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بندہ فرائض ادا کر کے مجھ سے نجات پاتا ہے اور نوافل سے اسے میرا قرب حاصل ہوتا ہے۔

نمازِ صوفیانہ

نماز کئی قسم ہے:

(۱) بدن کی نماز ارکانِ معلومہ ہیں،
(۲) نفس کی نماز خشوع اور خوف و رجا کے درمیان اطمینان سے،
(۳) اور قلب کی نماز حضور و مراقبہ سے،
(۴) اور سِر کی نماز مناجات و مکالمہ سے،
(۵) اور روح کی نماز مشاہدہ و معائنہ سے،
(۶) اور خفی کی نماز مناغات و ملاطفت سے

اور ساتویں مقام میں نماز ہوتی ہی نہیں کیونکہ وہ مقام فنا ہے اور محبتِ خالصہ نصیب ہو تو انسان کو عین وحدت کا مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ نماز کے ظاہری انتہا موت ہے جسے قرآن نے یقین سے تعبیر کیا۔ کما قال:

واعبد ربک حتی یاتیک الیقین۔

یہاں پر الیقین بمعنی موت ہے اور نماز حقیقی کی انتہا فناء مطلق پر ہے۔ جسے اہلِ تصوف حق الیقین سے تعبیر کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ہر نماز، ظاہری ہو یا باطنی مرتبہ ظاہر و باطن کے فحشا و منکر سے روکتی ہے۔ بدن کی نماز معاصی و ملاہی سے اور نفس کی نماز رذائل و علائق و اخلاق ردیہ و ہیئات مظلمہ سے اور نماز دل فضول و وفورِ غفلت سے اور نماز سِر التفات ماسوائے حضرت کو اور نماز روح استقرار بملاحظہ اغیار سے اور نماز خفی شہود اثنینیت و ظہور سے منع کرتی ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

جز یکے نیست نعمت این عالم
بازبین و بعالمش مفروش

ترجمہ: اس جملہ عالم میں ایک کے سوا اور کوئی نہیں اسے اچھی طرح دیکھئے ایک کو تمام عالم کے ساتھ مت بیچ۔

فائدہ صوفیانہ ارباب حقیقت فرماتے ہیں: نماز کے ظاہری رعایت صحت مطلقہ کا سبب ہے۔ اگر نمازیں ترک نہ ہوتیں تو کسی کو موت نہ آتی۔

شرح الفائدۃ المذکورہ فقیر (اسماعیل حقی رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ مذکورہ بالا بیان کے دو معانی ہو سکتے ہیں:

(۱) اگر بالفرض والتقدیر دنیا میں باقی رہنے کا اگر کوئی سبب ہوتا تو یہ نماز ہی ہوتی۔ اسی وجہ سے ترک نماز گویا موت کا سبب ہوئی۔

حدیث شریف جیسے حدیث شریف میں ہے: "صدقہ اور صلہ رحمی زندگی بڑھاتے ہیں"۔

یہاں بھی یہی معنیٰ ہے کہ اگر بالفرض والتقدیر عمر کوئی شے بڑھاتی تو وہ یہی صدقہ و صلہ رحمی ہوتی۔ اس سے احکام شرعیہ کے فضائل بیان کرنا مطلوب ہے بالخصوص نماز، صدقہ اور صلہ رحمی۔

(۲) ہر زندہ شے اور بے جان چیز، مثلاً پتھر، جماد وغیرہا کی ایک میعاد مقرر ہے۔ جن کی موت انقطاع عن الذکر ہے اس لیے کہ ہر شے اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتی ہے (کذا فی الحیٰوۃ الحیوان)

یہی وجہ ہے کہ درخت اس وقت کاٹا جاتا ہے جب وہ ذکر الٰہی سے غفلت کرتا ہے، ایسے ہی ہر انسان قتل کیا جاتا ہے یا مارا جاتا ہے (یعنی ذکر الٰہی سے غفلت پر)۔

حدیث شریف: ہر شے کی میعاد مقرر ہے لہٰذا تم اپنی لونڈیوں کو برتن توڑنے پر مت مارو۔

ف: خلاصہ یہ کہ جس نے نماز ترک کی گویا اس نے ذکر اور حضور مع اللہ سے توجہ ہٹالی کیونکہ انسان کا بہتر معاملہ کامل بیداری میں ہے۔ جب نفس غفلت میں پڑتا ہے تو اس سے حیات اور اس کے اسباب منقطع ہو جاتے ہیں جیسے بیداری اور نیند کا فرق ظاہر ہے ایسے ہی غافل و ذاکر و شاغل کا حال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ ہر وقت نماز میں ہیں ان پر تو موت صرف ان کے ظاہر پر طاری ہوتی ہے۔ ان کے باطن ویسے ہی زندہ رہتے ہیں اور وہ مرتے نہیں، بلکہ وہ ایک دار (فنا) سے منتقل ہو کر دوسرے دار (بقا) میں چلے جاتے ہیں (کذا ورد فی الآثار) اور میرے نزدیک یہی توجیہ موزوں ہے (واللہ اعلم)

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ یعنی نماز تمام طاعات الٰہی سے عظیم تر ہے اسے ذکر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattori

جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا:

فاسعوا الیٰ ذکر اللہ۔

وہ اس لیے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اس میں ذکرِ الٰہی ہے اور وہ تمام اذکار سے افضل و اعلیٰ بلکہ تمام طاعات و عبادات سے بہتر و برتر اور جملہ برائیوں سے روکنے والا ہے۔ اسی معنے پر اسے افضل الطاعات والعبادات کہا گیا ہے۔ کیونکہ ذکر سے اسی کی یاد نصیب ہوتی ہے۔ کما قال تعالیٰ:

فاذکرونی اذکرکم۔

حدیثِ قدسی حضور علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
"میں بندے کے گمان کے مطابق ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اگر وہ مجھے دل میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اکیلا یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ جماعت میں مجھے یاد کرتا ہے تو میں اسے ایسی جماعت میں یاد کرتا ہوں جو اس سے بہتر ہے۔ بلکہ اس کی یاد سے کئی گنا زیادہ یاد کرتا ہوں۔"

ف: اس سے خالص ذکر مراد ہے۔ وہ اس طرح کہ وہ ہر قسم کی ریا اور شہرت بلکہ دیگر طاعاتِ ظاہرہ کی ملاوٹ سے مبرّا اور منزہ ہے۔ ایسا ذکر کفار کی گردن زدنی کی عبادت سے بہتر ہے بلکہ گردنیں آزاد کرنے اور احباب پر مال لٹانے سے افضل ہے۔ ذکر کا پہلا مرتبہ توحید پھر تجرید پھر تفرید ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"المفردون جنت لے گئے۔ عرض کی گئی: المفردون کون ہیں؟ فرمایا: وہ مرد اور عورتیں جو اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ یاد کرتے ہیں۔"

حضرت شیخ عطار رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ؎

(۱) اصل تجرید ست وداع شہوت ست
بلکہ کل انقطاع لذت ست

(۲) گر تو ببری ز موجودات امید
آنگہ از تفرید گردی مستفید

ترجمہ: (۱) اصل تجرید شہوت سے دور رہنا بلکہ جملہ لذات سے کلی انقطاع کرنا۔ (۲) اگر تم جملہ موجودات سے امیدیں ختم کر دو تو پھر تمہیں تفرید سے کچھ فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔

ف: ذکر تمام غفلتوں کو مار بھگاتا ہے۔ اسی لیے صوفیہ کرام نے فرمایا کہ جنت میں ذکر نہیں اس لیے کہ وہاں غفلت سرے ہی نہیں۔ بلکہ اہلِ جنت دائم الحضور ہیں۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قساوت و سنگِ قلب کے امراض میں سے ہیں اور قلب کے لیے سب سے بڑا مرض نسیان ہے اور اس کے ازالہ کے لیے سب سے بڑا علاج ذکر الٰہی ہے۔ اگرچہ تلاوتِ قرآن اور نماز اس کا ازالہ کرتے ہیں۔ لیکن ذکر الٰہی اس سے فزوں تر ہے۔ اس لیے اطبّاء کا قاعدہ ہے علاج بالضد زیادہ مفید ہوتا ہے۔

سوال: ذکر اور تلاوتِ قرآن اور نماز سب کا صدور قلب سے ہوتا ہے اور وہ خود بیمار ہے اور بیمار کا ہر فعل کمزور ہوتا ہے۔ پھر وہ قلب کے مرض کا ازالہ کس طرح کریں گے۔

جواب: ذکر الٰہی بمنزلہ اکسیر ہے۔ کما قال تعالٰی:

فاذکرونی اذکرکم۔

یعنی گویا اللہ تعالٰی کا بندے کو یاد کرنا ایک اکسیر ہے کہ جونہی وہ (ذکر) کمزور قلب پر اثر انداز ہوا تو اس کی جملہ کمزوریاں دور ہو کر خالص سونا بن گئیں۔ گویا اس کی یہ کمزوری ذات (مذکور) کی برکت سے دور ہوئی۔ خلاصہ یہ کہ بندے کا ذکر ذکرِ حق میں فنا ہو گیا۔ اسی معنے پر ذکر اللہ اکبر ٹھہرا۔

ف: بعض مشایخ نے فرمایا: ذکر الذات مقام فنا محض میں اور صلاۃ الحق عند المحققین مقام بقا میں جمیع الاذکار سے اکبر اور جمیع صلوات میں افضل ہے۔

ف: حضرت ابن عطا رحمہ اللہ نے فرمایا: اللہ تعالٰی کا یاد کرنا تمہاری یاد سے اکبر بایں معنٰی ہے کہ اس کا یاد کرنا محض اس کا فضل و کرم ہے اور ہماری یاد میں آرزوئیں اور اسباب و علل و سوالات مضمر ہوں گے۔

ف: بعض مشایخ نے فرمایا: جب تم نے کہا کہ ذکر الٰہی بندے کے ذکر سے اکبر ہے تو تم نے حادث و قدیم کا مقابلہ کیا اور تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ اللہ مخلوق سے احسن ہے تو یہ غلط ہے اس لیے نہ قدیم کا موازنہ قدیم سے ہونا چاہیے اور اسی طرح اس کا ذکر ذکرِ الٰہی کا موازنہ کر سکے گا۔ پھر کون کا مکوّن کے ساتھ موازنہ کیسا!

ف: بعض مشایخ نے فرمایا کہ ذکر الٰہی دوسروں کے ذکر سے بہتر ہے اس لیے کہ ذکر الٰہی طاعت ہے اور غیروں کا ذکر طاعت نہیں۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

اوقات خوش آں بود کہ با دوست بسر رفت
باقی ہمہ بے حاصل و بے خبری بود

ترجمہ: بہتر اوقات وہی ہیں جو دوست کے ساتھ بسر ہوں۔ ورنہ باقی جملہ اوقات بے سود اور بے خبری پر مبنی ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ۝ اور اللہ تعالٰی جانتا ہے وہ جو تم ذکر الٰہی و دیگر طاعات عبادات کرتے ہو۔ اس سے کوئی شے مخفی نہیں۔ اس پر وہ تمہیں بہتر جزا دے گا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تفسیر صوفیانہ بعض مشایخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ احوال و مقامات کو جانتا ہے جو تم یقین رکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کو معاصی و سیئات سے بچنے والے اور طاعات و عبادات بالخصوص نماز کی طرف متوجہ ہونے والے عالم ستر و خفیات کی طرف راغب ہونے والے کا عالم ہے۔ اسی لیے سالک پر لازم ہے کہ دل کو تمام مشاغل سے فارغ رکھے۔ اسی لیے مشایخ نے فرمایا کہ حضور قلب کی نماز دیگر نمازوں سے ہزار درجہ بہتر ہے۔

حکایت ایک شخص رو رو کر بارگاہ ایزدی میں عرض کرتا ہے کہ اسے کوئی ایک نماز مقبول نصیب ہو۔ ایک دن اس نے حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ کے ساتھ نماز پڑھی لیکن دل میں کہا کہ ان کی تو قرأت اچھی نہیں۔ اس کے بعد نماز میں مشغول ہوا۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ تجھے ایک نماز مقبول نصیب ہوئی لیکن افسوس کہ تو نے اس کی قدر نہ کی۔

سبق اصلاح باطن ایک اہم امر ہے اسی سے ہی لوگوں کے درجات، مراتب اور نیکیوں کے درجات مختلف ہوتے ہیں اور اصلاح حقیقی اپنے وجود کو وجود واجب الوجود میں محو کرنے میں ہے۔ بندہ ارکان شریعت و آداب طریقت کو بجا لا کر کمالیہ جو اکا ادراک کر کے عالم حقیقی تک نہیں پہنچ سکتا ہے جب ہی جا کے اس کا ادراک ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ مفتاح شریعت و مضامین طریقت کو تم کس طرح استعمال کرتے ہو کہ وجود مجازی کے ابواب کو کھولا جائے اور وجود حقیقی کے کنز مخفی کا وصال نصیب ہو۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں عمل حسن اور وضع جمیل کی توفیق بخشے اور ہمیں مقام ارفع اور اجر جزیل عطا فرمائے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ ۔ المجادلہ والجدال یعنی ایک دوسرے سے سخت جنگ کرنا (کذا فی التاج)

امام راغب نے فرمایا: الجدال بمعنی المعارضۃ علی سبیل المنازعۃ والمغالبۃ (ایک دوسرے کو ایک دوسرے کے منازعۃ و مغالبہ کے طور پر روکنا) یہ جَدَلْتُ الْحَبْلَ سے ہے بمعنی اَحْكَمْتُ فَتْلَهٗ گویا کہ وہ لڑنے والے ایک دوسرے کو اپنی رائے پر مجبور کر کے بٹنا چاہتا ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ اہل کتاب کے ساتھ مت جھگڑو اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ق مگر ساتھ ایسے طریقے کے جو بہتر ہو۔ مثلاً سختی کے بجائے نرمی سے اور جوش اور غیظ و غضب کے بجائے حوصلہ سے اور شر انگیزی کے بجائے پند و نصیحت سے اور عجلت کے بجائے تاخیر و احتیاط سے معاملات سلجھاؤ تاکہ درمیان میں الجھنیں نہ پیدا ہو جائیں اور نہ ہی ان کے ساتھ دنیوی امور کے بڑے بڑے اور اہم معاملات کا لین دین کرو اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ مگر ان میں سے وہ جو ظالم ہیں یعنی وہ جو عناد اور تجاوز عن الحد میں زیادتی کرتے ہیں۔ کافر کو یہاں پر ظلم سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ کافر جب فسق و فجور کا ارتکاب کرے تو اس کو مبالغہ سے یاد کیا جاتا ہے اور کافر مبالغۃً ظالم ہی ہے یا وہ ظالم بایں معنی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا اثبات کرتے تھے یا اس سے عہد شکن اور جزیہ نہ دینے والے وغیرہ مراد ہیں۔ ایسے ظالم کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا جائے جس کے وہ اہل ہیں۔ مثلاً زبانی گفتگو سختی سے ہو یا تلوار

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سے باتوں سے وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا اور کہو کہ ہم صدق و اخلاص کے ساتھ ایمان لائے ہیں بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا ساتھ اس کے جو ہمارے ہاں نازل ہوا یعنی قرآن مجید پر وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ اور اس پر جو تمہارے ہاں نازل ہوا یعنی توراۃ و انجیل ۔

شانِ نزول حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سنا کہ اہلِ کتاب اپنی کتابیں اہلِ اسلام کو عربی میں پڑھ کر سناتے اور اپنی رائے پر تفسیر کر کر سمجھاتے ہیں تو فرمایا ، نہ اہلِ کتاب کی تصدیق کرو اور نہ ہی تکذیب ، بلکہ کہو کہ ہمارا اللہ تعالیٰ ، اس کی کتابوں اور رسولوں پر ایمان ہے اگر وہ اہلِ کتاب باطل قول پیش کریں تو اس کی تصدیق نہ کرو اور اگر وہ حق بات پیش کریں تو تکذیب نہ کرو۔

ف : ابن الملک نے فرمایا کہ ان کی تصدیق و تکذیب سے اس لیے روکا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی کتابوں میں تحریف کر رکھی تھی اور ہر بات تحریف شدہ مضامین سے پڑھ کر سناتے ۔ اگر اہلِ اسلام ان کی تصدیق کرتے تو باطل کی تصدیق لازم آتی اگر وہ تکذیب کرتے تو ان کی بعض باتیں حق ہوتیں تو حق کی تکذیب لازم آتی ۔

قاعدہ اسی سے فقہاء کرام نے وہ قاعدہ ثابت کیا ہے کہ جس امر کا علم نہ ہو اس پر توقف لازم ہے نہ اس کے جواز کا فتویٰ دیا جائے نہ ہی اسے باطل ٹھہرایا جاسکے ۔ یہی ہمارے اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ کا دستور رہا ۔

وَاِلٰـهُنَا وَاِلٰـهُكُمْ وَاحِدٌ اور ہمارا تمہارا ایک معبود ہے اس کی الوہیت میں اس کا کوئی شریک نہیں وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○ اور ہم صرف اسی کے مطیع و فرمانبردار ہیں ۔ اس میں اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کو تنبیہ ہے کہ انہوں نے اپنے احبار و رہبان کو معبود بنا رکھا تھا وَكَذٰلِكَ یہ اشارہ اسی مصدر کی طرف ہے جو آنے والے فعل میں ہے یعنی مثل اسی انزال بدیع کے جو تمام کتب منزّل من السماء کے موافق ہے اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ہم نے کتاب کو نازل کیا یعنی قرآن کو فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ پس وہ لوگ کہ جنہیں ہم نے کتاب دی ، اس سے یہود و نصاریٰ دونوں گروہ مراد ہیں يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں ۔ اس سے حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی مراد ہیں کہ انہوں نے یہودیت سے تائب ہوکر اسلام قبول کیا ان کے سوا کو کتاب عطا ہی نہیں ہوئی کیونکہ انہوں نے اس پر عمل نہ کیا اور عمل نہ کرنے والے کو قرآن مجید جاہل سے تعبیر کرتا ہے یا اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس سے پہلے گزرے ہیں کیونکہ یہ لوگ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی کتاب کی تصدیق کرتے تھے جیسے قیس بن ساعدہ و بحیرا و نسطورا و ورقہ وغیرہم ۔ ان مذکورہ اور ان جیسے حضرات کو کتاب دینے کی خبر میں اشارہ ہے کہ اصل کتاب توراۃ ، انجیل ان کے ہاں تھی ورنہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصرین سے تو اصل کتاب منسوخ ہو چکی تھی اور اس کی بھی وہ لوگ تحریف کر چکے تھے ، اس معنے پر حضور علیہ السلام کے معاصرین کو کتاب دی ہی نہیں گئی اور فاء بالعینہ ماقبل کی ترتیب کے لیے ہے اس لیے کہ ایمان لانا قرآن مجید کے انزال کے بعد ہی مرتب ہونا تھا وَمِنْ هٰٓؤُلَآءِ اہلِ عرب میں سے بعض مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وہ ہیں جو قرآن مجید پر ایمان رکھتے ہیں وَمَا يَجْحَدُ ۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حل لغات: الجحد بمعنے قلبی نفی کا اثبات کرنا۔

بِاٰیٰتِنَا ہماری آیات کا انکار نہیں کرتے۔ اس سے قرآن مجید مراد ہے۔ اس کی عظمت شان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف منسوب فرمایا اور اسے آیات سے تعبیر کرنے میں تنبیہ ہے کہ اس کے معانی کی دلیلیں واضح اور روشن ہیں اور سب تقریبی بتانا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ سے ہی آیا ہے۔ اِلَّا الْکٰفِرُوْنَ ○ مگر وہ جو کفر میں بہت زیادہ منہمک اور اس کے دوام پر مصمم ارادہ رکھنے والے ہیں۔ یہی بات انہیں اس میں نہ غور و فکر کا موقعہ دیتی ہے اور نہ ہی اس رکاوٹ کی معرفت حقیقت کی طرف پہنچ سکتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ اس میں ارباب و اصحاب علوم باطنیہ کی طرف اشارہ ہے کہ ان کے علوم اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ہیں اسی لیے ان پر لازم ہے کہ وہ ظاہری علوم سے گفتگو فرمائیں کہ جس میں انہیں طریق بحث و مباحثہ کا نرمی اور حوصلہ اور سکون کا طریقہ ہو تاکہ فتنہ نہ اٹھے اور نہ ہی انہیں انکار کی گنجائش ہو جس پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہوتا ہے وہ دلائل کشفیہ اور براہین حقیقیہ کی تصدیق کرتا ہے کہ واقعی وہ منجانب اللہ ہیں اور اسی میں حق ہے اور اسی سے ہدایت نصیب ہوتی ہے، اور جسے اللہ تعالیٰ محروم کرتا ہے وہ ایسے کشفیہ دلائل کا انکار کرتا ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچنے سے بعید ہوتا رہتا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ ہر کرا مشک نصیحت سود نیست ۔ لاجرم با بوئے بد خو کرد نیست
۲ مغز را خالی کن از انکار یار ۔ تاکہ ریحان یابد از گلزار یار
۳ کاشکے چوں طفل از حیل پاک آمدی ۔ تا چو طفلاں چنگ در مادر زدی

ترجمہ: (۱) جسے نصیحت جیسی خوشبو سود مند نہیں اسے بدبو سے عادت بنانی ہے۔

(۲) مغز کو انکار یار سے خالی کر تاکہ تجھے گلزار کا ریحان (پھول) نصیب ہو۔

(۳) کاشکے تم بچوں کی طرح حیلوں سے پاک ہوتے تاکہ تم اپنے ہاتھ بچوں کی طرح ماں کے دامن میں ڈالتے۔

مسئلہ: مجادلہ فی الدین ناجائز ہے بلکہ ایسا مجادلہ اعمال حبط کرتا ہے جبکہ وہ تعنت اور باطل کی ترویج کے لیے ہو اگر اظہار حق کے لیے ہو تو شرع مطہر نے اس کا حکم دیا ہے۔

وہابی عقیدہ خارجی اصول والے کے ساتھ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا مناظرہ ایک شخص نے کہا کہ غیر اللہ کسی شے کا مالک نہیں، یہاں تک کہ میں اپنے حرکات و سکنات اور عورت کی طلاق اور لونڈی آزاد کرنے کا بھی مالک نہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا کہ کیا اپنی لونڈی کا مالک بحیثیت غیر مالک کے ہے یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اگر تو کہتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا غیر ہو کر اس کا مالک ہوں تب بھی تو نے غیر اللہ کی ملکیت ثابت کی اگر یہ کہتا ہے کہ میں اس کے ساتھ مالک ہوں تو تو نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے آپ کو شریک بنایا (اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا) (کذا فی شرح المواقف)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حکایت سعدی رحمہ اللہ! ایک شخص درویش صفت کو مجلس میں دیکھا وہ دولت مندوں کی مذمت میں گفتگو کر رہا تھا۔ میں نے کہا اے دوست دولتمند تو زائرین کا مقصد اور مسافروں کی جائے پناہ ہے ان کی عبادت قبولیت کے قریب تر ہے کیونکہ ان کی خاطر جمع ہے اور بے فکر ہیں یہ لوگ پریشان خاطر نہیں ہیں حدیث شریف میں ہے۔ الفقر سواد الوجہ فی الدارین (تنگدستی دونوں جہانوں میں سیاہ روئی کا موجب ہے) میں نے کہا بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فقر میں اس گروہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو مرد میدانِ رضا اور تیر قضا کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والے ہیں اور تنگدست فقیر کا حال تو یہ ہے کہ ایسے لوگ تو پریشانی سے کفر کا انجام پاتے ہیں (کاد الفقر ان یکون کفرا یعنی فقیر کو قریب ہے کہ وہ کفر کا موجب بنے) ؎

با گرسنگی قوت و پرہیز نماند
افلاس عنان از کف تقویٰ بستاند

ترجمہ: بھوک میں قوت و پرہیزگاری نہیں رہتی تنگدستی تقویٰ کے ہاتھ سے باگ چھین لیتی ہے۔

کہا کہ دولتمندوں کا گروہ مغرور ہے کسی کی طرف دیکھتے ہیں تو کراہت کی نگاہ سے، جو بات کہتے ہیں تو بیوقوفی سے، اور علماء کرام کو گداگری کی طرف منسوب کرتے ہیں اور فقراء عظام پر بے سروسامانی کا عیب لگاتے ہیں۔ میں نے کہا دولتمندوں کی مذمت کرنا ٹھیک نہیں یہ لوگ صاحب کرم ہیں۔ کہا غلط کہہ رہے ہو یہ لوگ تو پیسے کے غلام ہیں ان سے کوئی فائدہ نہیں یہ بادل کی طرح ہیں لیکن برستے نہیں۔ میں نے کہا آپ بھی بخل والے فقیروں سے بے خبر ہیں وہ جیسے سخی کا مرتبہ نہ ہوا اس کے لیے بخیل و کریم یکساں ہیں۔ اس نے کہا میں تجربہ سے کہہ رہا ہوں اس لیے کہ دروازے پر کھڑا کر دیتے ہیں تاکہ صاحب تمیز کے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہہ دیں کہ صاحب یہاں نہیں ہیں۔ وہ بھی سچے ہیں اس لیے کہ ؎

آنرا کہ عقل و ہمت و تدبیر و رائے نیست
خوش گفت پردہ دار کہ کس در سرائے نیست

ترجمہ: جسے عقل و ہمت و تدبیر و رائے نہ ہو، سچ کہا اس پردہ دار نے کہ سرائے میں کوئی نہیں۔

تفسیر عالمانہ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهٖ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس سے قبل یعنی انزال قرآن سے پہلے آپ کی عادت نہ تھی کہ آپ پڑھتے مِنْ كِتٰبٍ آسمان سے نازل شدہ کتابوں میں سے کسی کتاب کو وَلَا تَخُطُّهٗ اور کتابوں میں سے کسی شے کو لکھتے۔

حل لغات: الخط بمعنی درازی جسے کسی حیثیت سے درازی حاصل ہو اس پر لفظ خط بولتے ہیں۔ یہاں پر کتابت (لکھنا) مراد ہے۔

بِيَمِيْنِكَ سیدھے ہاتھ سے۔ جیسا کہ عادت ہے کہ عموماً سیدھے ہاتھ سے لکھا جاتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ الٹے ہاتھ سے لکھتے ہیں اس لیے کہ الٹے ہاتھ سے لکھنا بھی نادر میں سے ہے، بلکہ یہاں مطلقاً لکھنے کی نفی ہے۔

ردِ شیعہ شیعہ کا عقیدہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نزولِ وحی سے پہلے لکھنا جانتے تھے لیکن نزولِ وحی کے بعد آپ کو لکھنے سے منع کیا گیا اور دلیل میں کہتے ہیں کہ ولا تخطہ نہی کا صیغہ ہے اور صیغہ نہی سے لکھنے کا ثبوت ملتا ہے ورنہ نہی کا کیا معنیٰ!

چنانچہ کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ طاء کو مفتوح پڑھا گیا ہے یہ روایت شاذہ ہے۔ اور اہلسنت کا عقیدہ ہے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نزولِ وحی سے پہلے لکھنا نہیں جانتے تھے۔

الاسئلۃ المقحمۃ میں ہے کہ شیعہ کا قول مردود ہے اس لیے کہ اگر لا تخطہ نہی کا صیغہ ہوتا تو طاء کو مفتوح یا مکسور یا بفک الادغام یا اسے بصیغۂ تفعیل پڑھا جاتا۔

اِذًا یعنی اگر آپ کی لکھنے پڑھنے کی عادت ہوتی تو اس وقت لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ○

حل لغات: المفردات میں ہے کہ الریب بمعنی الشک۔

امام راغب نے لکھا کہ الریب بمعنی کسی شے کے بارے میں وہم کرنا کہ اسی کے وہم کے مطابق منکشف ہو جائے گی۔ اور الارابۃ بمعنی وہم کرنا کہ اس کے وہم کے مطابق شے منکشف نہ ہوگی اور ارتیاب، ارابۃ کے قائم مقام ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان سے ارتیاب سے نفی کی ہے۔ کما قال تعالیٰ:

ولا یرتاب الذین اوتوا الکتب والمؤمنون۔ (اہلِ کتاب اور مومن شک نہیں کرتے)

المبطل ہر وہ شخص جو باطل کرے اس کی نقیض المحق آتی ہے اور المحق ہر وہ شخص جو حق لائے، اس لیے کہ باطل کی نقیض حق آتی ہے۔ المفردات میں ہے کہ البطلان بمعنی شے کو فساد اور زائل کرنا وہ شے حق ہو یا باطل۔

قال تعالیٰ لیحق الحق ویبطل الباطل۔

اور المبطل ہر اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو ایسی بات کہے جس کی کوئی حقیقت نہ ہو۔

اب مطلب یہ ہوا کہ اگر آپ بظاہر لکھے پڑھے ہوتے تو کافر و مشرک کہتے کہ نبی علیہ السلام نے یہ قرآن مجید کسی سے سیکھا ہوگا یا پرانی کتابوں میں سے مضامین تیار کر لیے ہوں گے۔ جب ہم نے آپ کو اُمّی بنا کر بھیجا تو اب باطل پرستوں کو آپ کے حق میں چہ میگوئی کی گنجائش ہی نہیں اور نہ ہی انہیں ایسے باطل گوئی کے شک و شبہ کا موقع دیا گیا ہے۔

ف: الکاشفی صاحب نے لکھا کہ تباہ کار اور کج رو یعنی مشرکینِ عرب شک میں پڑ جاتے اور کہتے ہیں جب یہ نبی پڑھا لکھا ہے تو اس نے پرانی کتابوں سے قرآن مجید کے مضامین تیار کر لیے ہیں اور وہی مضامین پڑھ کر ہمیں سناتے ہیں یا پھر یہودیوں کو شک گزرتا کہ انہوں نے اپنی کتابوں میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق پڑھا تھا کہ آپ اُمّی ہوں گے اور یہاں معاملہ برعکس ہے کہ آپ پڑھے لکھے ہیں لہٰذا وہ آپ کی نبوت کا انکار کر دیتے اب انہیں بھی انکار کی گنجائش نہیں اور نہ ہی شک و شبہ کا موقع ملا۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو المبطل کیوں کہا، اگر آپ اُمّی نہ ہوتے تو یہود اپنے دعوے میں سچے ہوتے کہ ہم نے تو انہیں تورات میں اُمّی پڑھا تھا لیکن یہ تو پڑھے لکھے ہیں۔ اب یہودیوں کو بھی المبطلون میں شامل کیا گیا اور کفارِ مکہ کو بھی کہ وہ اپنے دعوے میں سچے ہوتے اگر آپ پڑھے لکھے ہوتے تو کہتے ہیں کہ کسی سے پڑھ کر یا کہیں مضمون دیکھ کر تیار کیا ہے، ایسا نہیں ہوا۔ اس طرح سے کفارِ مکہ کو بھی المبطل کہا گیا۔ وجہ کیا ہے؟

جواب: دراصل انہیں کافر و مبطل وغیرہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کفر و تکذیب کی وجہ سے کہا گیا ہے کافروں کو جب یقین تھا کہ آپ پڑھے لکھے ہوئے نہیں اور نہ کسی

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

دروازے بند کر دئے گئے لیکن اس کے باوجود آپ کی مخالفت پہ ڈٹے ہوئے تھے فلہٰذا انہیں مبطل کہنا حق تھا اسی طرح یہودیوں نے جب اپنی تورات کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمّی پایا تب بھی انکار کیا تو مبطل ٹھہرے۔

سوال: الاسئلۃ المفحمۃ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمّی کہہ کر احسان جتلایا ہے حالانکہ آپ کو لکھنا پڑھنا آتا تو یہی کمال تھا نہ کہ نقص وعیب۔

جواب: (۱) آپ کو اُمّی کہنے میں ایک وجہ تو یہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے یہود کو تورات میں بتادیا تھا کہ میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی بن کر تشریف لائیں گے۔ اسی طرح نصاریٰ کو انجیل میں بتادیا تھا۔ یہاں اسی وعدہ کو محقق کرنے کے لیے فرمایا کہ اے اہل کتاب! یہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کے متعلق میں نے تمہیں کہا تھا کہ وہ اُمّی ہوں گے فلہٰذا پورے طور غور و فکر کرلو اگر ان کا انکار کروگے تو مارے جاؤ گے۔

(۲) یہ بھی معلوم کرانا تھا کہ لکھنا پڑھنا ایک صنعت ہے اور صنعت ایک دنیوی امر ہے جسے مدح و ذم سے کوئی تعلق نہیں۔

(۳) لکھنے پڑھنے کی غرض و غایت یہی ہوتی ہے کہ انسان اپنے امور کو لکھ پڑھ لے تاکہ بعد کو غفلت کی وجہ سے فراموشی کا شکار نہ ہو جائے اور حضور آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ایسی غفلت و فراموشی سے منزہ اور مبرا تھے اسی لیے آپ کو لکھنے پڑھنے سے کیا غرض، جیسے ایک شخص کی آنکھ تندرست ہو تو اسے کسی سہارے یا ہاتھ پکڑ کر لے جانے والے کی کیا ضرورت!

سوال: الاسئلۃ المفحمۃ میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لکھی ہوئی عبارات کو جانتے اور بسا اوقات اس کی خبر بھی دیتے تھے لیکن اس کے باوجود آپ سے لکھنا ثابت نہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: وہی بات جو پہلے ہم لکھ چکے ہیں کہ یہود و نصاریٰ کہتے کہ یہ وہ نبی علیہ السلام نہیں جن کے اوصاف تورات و انجیل میں لکھے گئے تھے اور کافر و مشرک بھی کہہ دیتے کہ انہوں نے قرآن پرانی کتابوں سے تیار کرلیا ہے۔

(ہم اہلسنت اسی مضمون یعنی یہود و نصاریٰ کے لیے علامت کے اظہار کو ایک قاعدہ کے طور وہابیہ نجدیہ دیوبندیہ کو پیش کرتے ہیں جب وہ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم مبارک اور تصرف و اختیار پر حملے کرتے ہیں۔ تفصیل تصانیف اہلسنت یا فقیر کی تفسیر اویسی میں دیکھئے)[1]

سایۂ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نفی کا نکتہ اور جواب

نیشاپوری نے لکھا کہ آپ نے لکھنا اس لیے اختیار نہیں فرمایا کہ جس وقت آپ لکھتے تو قلم اور ہاتھ کا سایہ اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی پر پڑتا آپ نے اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک کی بے ادبی کے باعث لکھنا اختیار ہی نہ فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ اپنے ہاتھ اور قلم کے سایہ کو میرے اسم پر پڑنے کو گوارا نہیں فرماتے تو میں بھی آپ کے لیے آپ کے غلاموں کو حکم فرماتا ہوں کہ وہ آپ کے سامنے اونچا نہ بولیں اور آپ کا سایہ

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بھی زمین پر پڑنے نہیں دیتا تاکہ آپ کے سایہ پر کسی کے قدم نہ پڑیں تاکہ آپ کی بے ادبی نہ ہو۔

(یہ تھے اسلاف صالحین جنہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کا یقین تھا اور یہ ہیں آج کے موحد مومن کہلوانے والے وہابی، نجدی، دیوبندی، مودودی جو آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تاریک سایہ کے اثبات میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں)[1]

نورانیتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور نفیِ سایہ کا حوالہ (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کی دلیل میں لکھتے ہیں کہ)

وقیل انہ نور محض ولیس للنور ظل وفیہ اشارۃ الی انہ افنی الوجود الکونی الظلی وھو نور متجسد فی صورۃ البشر وکذلک الملک اذا تجسد بصورۃ البشر لایکون لہ ظل وبذلک علم بعض العارفین تجسد الارواح القدسیۃ۔

(روح البیان ج ۶ ص ۴۵۰ مطبوعہ مصر)

اور کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خالص نور ہیں اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ اس میں اشارہ ہے کہ آپ نے وجودِ کونی ظلی کو فانی بنا دیا اور وہ نورانی جسم میں بشری صورت میں اور ایسے ہی فرشتہ جب بشری صورت اختیار کرتا ہے تو اس کا سایہ نہیں ہوتا ایسے ہی بعض عارفین کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ آپ کی ارواح جن اجسام میں جلوہ گر تھیں ان کے بھی سائے نہ تھے۔

(ف: غور کیجئے کہ اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ تو فرمائیں کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مجسم نور بشکل بشر تھے۔ اسی لیے سایہ نہ تھا۔ اور آج کے موحد مومن کہلوانے والے وہابی کہیں کہ وہ ہم جیسے خاکی بشر تھے، ان میں اور ہم میں صرف نبوت کا فرق ہے۔ فیصلہ ناظرین خود فرمائیں۔ صاحبِ روح البیان تو بعض اولیاء کے لیے بھی سایہ کی نفی کر گئے)[2]

نحوست بھرے ارواح جب ارواحِ خبیثہ جسمانیت سے متعلق ہوتے ہیں تو ان کے سایہ کی ظلمت و کثافت بہ نسبت دوسرے اظلال کونیہ کے زیادہ ہوتی ہے۔ اس بحث کو خوب یاد کر لو اور سمجھ لو۔

اُمّی ہونا معجزہ تھا تیسیر میں لکھا ہے کہ لکھنا اور پڑھنا فضیلت و کمال کا موجب تھا لیکن دوسرے پیغمبرانِ عظام علیہم السلام کے لیے اور ہمارے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نہ لکھنا پڑھنا معجزہ تھا اور جب معجزہ ظاہر ہو گیا تو آپ کے اُمّی ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ رہا۔ تو آخر عمر میں اللہ تعالیٰ نے یہ فضیلت اور کمال بھی عطا فرمایا تاکہ آپ کا دوسرا معجزہ ظاہر ہو۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

[2] ایضاً

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حدیث شریف اور دلیلِ اہلسنّت

ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں نقل کیا کہ حضرت عون بن عبداللہ سے مروی ہے کہ:

ما مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی کتب وقرأ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم وصال سے پہلے لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔

(روح البیان ج ۹ ص ۳۰۰ مطبوعہ مصر)

اور آپ کا لکھا پڑھا ہوا ہونا آیت قرآنی کے منافی نہیں اس لیے کہ آپ سے ان دونوں کی نفی کرنا مقید بہ قبل نزول ہے اور اثبات بعد از نزول کے لیے ہے۔ لیکن صحیح اور قریب تر مذہب یہ ہے کہ آپ از اول تا آخر عمر اُمّی رہے۔ کما قال الکاشفی ؎

١ بقلم گر نرسید انگشتش
بود لوح و قلم اندر مشتش
٢ از سواد خط اگر دیدہ ببست
بکمالش نرسید ہیچ شکست
٣ بود او نور و خط تیرہ ظلم
نشود نور و ظلم جمع بہم

ترجمہ: (۱) قلم کو آپ کی انگلی نہ لگی لیکن لوح و قلم آپ کی مٹھی میں تھی۔
(۲) اگرچہ لکھنے پڑھنے سے تعلق نہ رکھا لیکن آپ کے کمال میں کوئی کمی نہ آئی۔
(۳) لکھنا تو تاریکی اور ظلمات ہے اور آپ تو نورِ مجسم تھے۔ نور و ظلمات یکجا کیسے اکٹھے ہو سکتے تھے!

شانِ ارفع و اعلیٰ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بعض مشائخ نے فرمایا کہ جس ذات کی خادم قلم اعلیٰ ہو اور جن کی نگاہ لوح پر ہو انہیں ظاہری لکھائی اور علوم کی کیا ضرورت ہے جبکہ ان علوم اور کتابت کو آلاتِ جسمانیہ کی محتاجی ہے اس لیے کہ صنعت وغیرہ اور قوتِ طبعیہ آلاتِ جسمانیہ سے صادر ہوتے ہیں۔

حدیث شریف

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ایک نوجوان انصاری نے اپنے ضعفِ حافظہ کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا:

اِسْتَعِنْ بِیَمِیْنِکَ (اپنے ہاتھ سے مدد لیا کرو یعنی لکھ لیا کرو)۔

دُنیا کا پہلا کاتب

منقول ہے کہ سب سے پہلے عربی، فارسی، سریانی، عبرانی، حمیری، یونانی، رومی، قبطی، بربری، اندلسی، ہندی، چینی آدم علیہ السلام نے مٹی کے گارے پر لکھ کر اسے آگ پر پکایا اور جو مٹی اسے زمین پر رکھا تو ہر لغت کا لکھا ہوا ٹکڑا علیحدہ ہو کر کتابی شکل میں ہوا، جیسے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(اپنی بولی کو) ہر قوم نے لکھ لیا۔ اور عربی بولی حضرت اسماعیل علیہ السلام کے حصے میں آئی۔

سوال: مشہور ہے کہ سب سے پہلے کاتب ادریس علیہ السلام ہیں۔

جواب: ادریس علیہ السلام رمل کے فن کے موجد تھے اور وہ اس فن کے لحاظ سے پہلے کاتب مشہور ہو گئے ورنہ حقیقۃً سب سے پہلے کاتب آدم علیہ السلام ہی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات النجمیہ میں ہے کہ جب انسان کا قلب معلومات سے اور سترِ مرقومات سے مجرد ہوتا ہے اور روح موہومات سے پاک ہو تو یہ فطرت سے قریب تر ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے وہ نقوش حظیہ یعنی حسیات وخیالات وتوہمات میں مشغول نہیں ہوتے۔ پھر ان کی یہ حالت لائق ہے کہ مغیبات ربانی سے حصہ نصیب ہوتا ہے۔ ان میں پھر نہ طبع کی ملاوٹ ہوتی ہے اور نہ ہی کسب کی مشارکت اور نہ تکلفِ بشریہ کو کوئی دخل ہوتا ہے۔

ہذا حظ الشیطان منک حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر کا ابتدا و حال میں ہر عمل جبریل علیہ السلام کی حاضری سے مشروط تھا۔ اسی لیے انہوں نے حضور علیہ السلام کے قلبِ اطہر سے کوئی شے نکالی اور عرض کی،

هذا حظ الشیطان منك۔

(یہ حصہ آپ میں شیطان کا حصہ تھا جو میں نے باہر نکال دیا ہے)

لیکن جب قلب کا حال انتہا کو پہنچا تو لکھنے پڑھنے کے نقوشِ تعلیمیہ سے محفوظ ہو گیا بلکہ انزالِ قرآن کے قابل تھا۔ اسی لیے یہ صرف آپ کا خاصہ تھا کہ قرآن کا نزول قلبِ اطہر پہ ہوتا۔ کما قال،

نزل به الروح الامین علیٰ قلبك۔

(آپ کے قلبِ مبارک پر روح الامین نے نازل کیا)

اور یہ خصوصیت دوسرے انبیاء علیہم السلام کو نصیب نہ تھی۔

ربط: مذکورہ بالا کمال آپ کے طفیل آپ کے فرمانبرداروں کے لیے ثابت فرماتے ہوئے فرمایا:

تفسیر عالمانہ بَلْ هُوَ بلکہ وہ قرآن اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ آیات بینات واضحات ثابتات راسخات ہیں فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ان کے سینوں میں ہیں جنہیں علم عطا ہوا کہ وہ کتاب یعنی قرآن مجید کو دیکھ کر پڑھنے کے محتاج نہیں ہوتے کیونکہ وہ اسے حفظ کر لیتے ہیں اسی لیے کسی قرآن مجید کی تحریف کا امکان نہیں۔

ف: جناب کاشفی نے لکھا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جن لوگوں کے سینے میں علوم ہیں ان سے مومن اہلِ کتاب یا صحابہ کرام مراد ہیں۔ وہ قرآن مجید کو حفظ کرتے ہیں تاکہ اس میں تحریف کا امکان نہ رہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

فائدہ عجیبہ قرآن مجید کو یاد کر لینا اسی اُمتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا التحیۃ والثناء کا خاصہ ہے۔ پہلی امتیں اپنی کتابوں کو یاد نہیں کرتی تھیں بلکہ انہیں دیکھ کر پڑھتی تھیں۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ قرآن مجید کا سینے میں محفوظ ہونا اسی کا خاصہ ہے کیونکہ پہلی امم کے افراد اپنی کتب دیکھ کر پڑھتے تھے سوائے انبیاء علیہم السلام کے کسی اور کو یاد نہ ہوتی تھیں۔

ازالۂ وہم: قارون کے متعلق مشہور ہے کہ وہ حافظِ توراۃ تھا۔ یہ شہرت روایاتِ صحیحہ سے ثابت نہیں۔

ف: موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ حق میں دعا کی:

اے اللہ العالمین! میں نے تورات میں ایک ایسی اُمت کا نام پڑھا ہے جن کے سینوں میں قرآن مجید محفوظ ہوگا اور وہ اسے دیکھ کر بھی پڑھیں گے!؟

(اس سے اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا التحیۃ والثنا مراد ہے)

اگر سابقہ اُمتوں بالخصوص موسیٰ علیہ السلام کی اُمت کے ہاں لکھی ہوئی کتابیں نہ ہوتیں تو وہ اپنے انبیاء علیہم السلام کی شریعت کے احکام یاد کر لیتے کیونکہ ان کی استعداد بھی باکمال تھی اور قوتِ حافظہ بھی تیز تھی لیکن انہیں یہ دولت نصیب نہ ہوئی۔ اسی لیے جونہی انبیاء علیہم السلام کا وصال ہوتا تو عرصے کے بعد ان کی شریعتوں کے معاملات میں گڑبڑ ہو جاتی۔ ایسے ہی توراۃ و انجیل کا معاملہ ہوا۔

ف: یہود و نصاریٰ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت سے اسی حفظِ قرآن کی وجہ سے حسد ہے۔ (ایسے ہی شیعہ پارٹی حفظِ قرآن مجید کی دولت سے محروم ہے)[1]

حافظِ قرآن مجید کے فضائل

(۱) حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس جسم کو آگ سے محفوظ رکھے گا جس کے دل میں قرآن مجید محفوظ ہوگا۔

(۲) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ قلب کہ جس میں قرآن مجید کی آیت نہ ہو ویران گھر کی طرح ہے۔

(۳) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن مجید کو یاد کرو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے وہ سینوں سے اونٹ بندھے ہوئے کے چھوٹنے سے بہت جلد نکلنے والا ہے یعنی جیسے ہی اونٹ کے پاؤں سے رسّی کھولی جاتی ہے تو وہ فوراً بھاگ جاتا ہے۔

اور حدیث شریف میں تعاھدوا واقع ہوا ہے۔ از تعہد بمعنے تحفظ یعنی محافظت و تجدید العہد ہے۔ اس سے تلاوتِ قرآن مجید کی محافظت اور اس کے تکرار پر مداومت مراد ہے۔

مسئلہ: قرآن مجید کا کچھ حصہ رات اور دن میں پڑھ لینا چاہیے تاکہ بھول نہ جائے۔

حدیث شریف حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری اُمت کے گناہ میرے سامنے پیش کیے گئے اس کے گناہوں میں سب سے

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بڑا گناہ، مجھے ان کا قرآن مجید کی کوئی سورۃ یا آیۃ بھولنا نظر آیا۔"

بھولنے کا یہ معنیٰ ہے کہ پھر وہ قرآن مجید کو دیکھ کر بھی نہ پڑھ سکے۔ (کذا فی القنیہ)

ف: ابنِ عیینہ فرماتے ہیں: قرآن یا اس کی سورۃ یا آیۃ کا بھولنے والا ملامت کا مستحق ہے۔ اسے گناہ کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس سے ترکِ عمل مراد ہے۔ چنانچہ لسان العرب میں ہے: نسیان بمعنے ترک آتا ہے۔ کما قال تعالیٰ:

فلما نسوا ما ذکروا بہ۔

یہاں پر نسوا بمعنے ترکوا ہے۔ اور فرمایا:

نسوا اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی طاعت و عبادت ترک کی فنسیھم تو اللہ تعالیٰ ان پر رحمت کرنا ترک فرمائے گا۔

مسئلہ: شارح جزریہ نے لکھا ہے: قرآن مجید زبانی پڑھنے سے دیکھ کر پڑھنا افضل ہے۔ یہی سلفِ صالحین سے مشہور ہے لیکن یہ علی الاطلاق نہیں ہے اس لیے کہ جس حافظِ قرآن کو زبانی پڑھنے سے تدبر و تفکر نصیب ہوتا ہے اور جمعیتِ قلبی اور بصیرت نصیب ہوتی ہے وہ اس دیکھ کر پڑھنے والے سے افضل ہے جو دیکھ کر تو پڑھتا ہے مگر اسے تدبر و تفکر نصیب نہیں ہوتا۔ اگر کسی کے لیے دونوں طریقے ایک سے ہوں تو دیکھ کر پڑھنا افضل ہے اس لیے کہ اس میں قرآن مجید کے دیکھنے اور پڑھنے کے دو ثواب ہیں۔ اور زبانی پڑھنے کا ایک ثواب۔

مسئلہ: دوسرے سے قرآن مجید سننا سنت ہے ؎

دل از شنیدن قرآن بگیردت ہمہ وقت
چو باطلان ز کلام حقت ملول چیست

ترجمہ: ہر وقت قرآن مجید کے سننے میں دل لگائیں۔ باطلوں کی طرح حق کے سننے سے دل تنگ نہ کیجئے۔

تفسیرِ صوفیانہ

کشف الاسرار میں ہے کہ عرفا کاملین کے قلوب غیبی خزائنِ الٰہی ہیں ان میں حق کے براہین اور سرِ الٰہی کے بینات اور توحید کے دلائل و ربوبیت کے شواہد ہوتے ہیں۔ ان کے قلوب حقائق کے خزانے ہیں اسی لیے ہر شے ان کے قلوب سے طلب کی جاتے۔ اس لیے کہ جیسے موتی صدف سے اور آفتابِ تاباں برجِ فلک سے اور شہدِ خالص شہد کی مکھی اور نورِ معرفت و وصفِ ذاتِ احدیت عارفین کاملین کے قلوب سے حاصل ہوتی ہے کیونکہ عارفین کے قلوب معرفتِ الٰہی کے خزانے اور تجلیِ صفات کا مرکز ہیں۔ بلکہ خود ذاتِ حق کو خواص عباد کے قلوب سے طلب کیا جاتے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا:

"الٰہ العلمین! میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "میں ان قلوب میں ہوتا ہوں جو محض میری وجہ سے شکستہ و خاشع ہیں۔"

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ از درون و اہلِ دل آبِ حیات
چند نوشیدی و واشد چشمہات

۲ پس غذائے سکر و وجد و بیخودی
از در اہلِ دلاں بر جان زدی

ترجمہ: (۱) اہلِ دل سے ہی آبِ حیات کا پیالہ پی لے، پھر دیکھ تیری آنکھیں کیسی کھلتی ہیں۔
(۲) غذائے سکر و وجد بیخودی کے لیے اہلِ دل پر جان قربان کر دے۔

عارف جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

نکتۂ عرفاں مجو از خاطرِ آلودگاں
گوہرِ مقصود را دلہائے پاک آمد صدف

ترجمہ: گناہ سے ملوث قلوب سے عرفان مت تلاش کرو گوہرِ مقصود پاک صاف دل سے نصیب ہوگا۔

تفسیر عالمانہ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ باوجودیکہ آیات واضح اور روشن ہیں لیکن ان کا انکار نہیں کرتے اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ○ مگر وہ جو شر و مکابرہ و فساد کی حد میں تجاوز کرنے والے ہیں۔

شانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم از لسانِ عیسیٰ علیہ السلام اور شہادت برائے علم غیب

مروی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریین سے فرمایا کہ میں آسمان پر جاتا ہوں میرے بعد تمہارے ہاں فارقلیط یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے، وہی روح حق ہیں وہ از خود نہیں بولیں گے ان کی گفتگو شنیدنی ہوگی وہ تمہارے ساتھ حق کی گفتگو کریں گے اور تمہیں حق راہ پر چلائیں گے۔ اور تمہیں الحوادث والغیوب کی خبریں دیں گے اور میری حقانیت کی گواہی دیں گے جیسے میں ان کی نبوت کی گواہی دے کر جا رہا ہوں۔ میں نے تمہیں امثال سنائیں۔ وہ تاویل بتائیں گے بلکہ ہر شے کی تفسیر واضح طور پر سمجھائیں گے۔

ف: الحوادث یعنے وہ واقعات جو آنے والے زمانوں میں واقع ہوں گے۔ جیسے خروجِ دجال و ظہورِ دابہ و طلوعِ شمس وغیرہ۔ الغیوب سے امورِ قیامت مراد ہیں جیسے حساب و کتاب، جنت و دوزخ وغیرہ۔ یہ بیانات توراۃ، انجیل، زبور میں نہیں یہ صرف ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے (کذا فی کشف الاسرار)

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ رؤیتِ آیات سے جحود و انکار کے زنگ کی خصوصیت ہے کہ جب یہ کسی قلب پر چڑھ جاتا ہے تو قلب ایسے کالا سیاہ ہو جاتا ہے جیسے شیشے پر زنگ چڑھ جائے تو وہ کالا سیاہ ہو جاتا ہے۔ ایسے قلوب پر غیوب کے نقوش ظاہر نہیں بلکہ رؤیتِ آیات سے اندھے ہو جاتے ہیں۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حضرت کمال خجندی رحمہ اللہ نے فرمایا ؎

ز ہر کل موجود علامات و آثار　　　دو عالم پر ز معشوق است گر یک عاشق صادق

ترجمہ: ہر شے میں علامات و آثار ہیں۔ دو عالم معشوق سے پُر ہے اگرچہ ان کا ایک عاشق ہے۔

حضرت شیخ مغربی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

۱ نخست دیدہ طلب کن پس آنگہے دیدار　　　از انکہ یار کند جلوہ بر اولوالابصار
۲ ترا کہ چشم نباشد حاصل از شاہد　　　ترا کہ گوش نباشد چہ سود از گفتار
۳ اگرچہ آئینہ داری از برائے رخش　　　ولے چہ سود کہ داری ہمیشہ آئینہ تار
۴ بیا بصیقل توحید ز آئینہ بزدای　　　غبار شرک کہ تا پاک گردد از زنگار

ترجمہ: (۱) پہلے دیدہ طلب کر پھر دیدار، اس لیے کہ چہرۂ یار آنکھ والوں کو نصیب ہوتا ہے۔

(۲) جب تجھے دید نصیب نہیں تو پھر محبوب کا تجھے کیا فائدہ۔ جب تیرے کان نہیں تو تجھے کسی کی گفتار سے کیا حاصل!

(۳) اگرچہ تو نے چہرہ دیکھنے آئینہ لے رکھا ہے تو کیا فائدہ جبکہ تجھے ہمیشہ تاریک بنائے رکھتا ہے۔

(۴) اپنے آئینہ کو توحید کے صیقل سے صاف کیجئے شرک کی غبار سے تاکہ تیرا آئینہ زنگ سے صاف ہو۔

روحانی نسخے

حضرت ابراہیم خواص رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قلب کے تصفیہ کے پانچ نسخے ہیں:

(۱) تدبر کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت　(۲) قیام اللیل　(۳) سحر کے وقت تضرع الی اللہ
(۴) خلوت نشینی　(۵) نیک لوگوں (اولیاء اللہ) کی صحبت

اللہ تعالیٰ ہمیں اصلاح و فلاح سے نوازے بے شک وہی قادر و فتاح، فالق الاصباح، خالق المصباح ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَقَالُوْا اور کفارِ قریش نے کہا لَوْلَآ تخصیص کے لیے ہے یعنی ھلا یعنی کیوں نہیں اُنْزِلَ بھیجی جاتیں عَلَیْهِ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اٰیٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ اس کے رب سے آیات جیسے ناقہ صالح و عصائے موسیٰ و مائدہ عیسیٰ علیہ السلام قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ فرمائیے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! بے شک آیات اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت اور اس کے علم کے تابع ہیں وہ انہیں جیسے چاہتا ہے نازل فرماتا ہے۔ میرے ہاتھ میں تو نہیں کہ میں انہیں تمہارے مطالبے پر لاؤں وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ○ بے شک میں بحکم کھلا ڈرانے والا ہوں۔ یعنی میرا کام ہے کہ میں قہر اللہ تعالیٰ سے ڈراؤں اور خوفِ عذاب سے تمہیں آگاہ کروں ان آیات کے ذریعے جو مجھے اللہ تعالیٰ سے عطا ہوئی ہیں یعنی میں تمہیں اس زبان میں خوفِ الٰہی سناتا ہوں جو تم سمجھتے ہو۔ یہی مبین کا مطلب ہے۔

نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ اور ردّ وہابیہ

کشف الاسرار میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخالفین کا مطالبہ کرنا اور پھر آپ کا اسے پورا نہ کرنا مبنی برحکمت تھا (نہ جیسا کہ وہابیہ نے سمجھا کہ حضور علیہ السلام کو کوئی اختیار نہ تھا ورنہ جھٹ قبول

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

نے مطالبہ کیا تو آپ ان کا مطالبہ پورا کر دیتے) [1]

پہلی حکمت تو یہ تھی کہ کفار کا مقصود ان آیات کا حصول نہ تھا بلکہ محض ضد تھی اور حضور نبی علیہ السلام کو پریشان کرنا مطلوب تھا۔ اگر آپ ان کا مطالبہ پورا کرتے تو پھر وہ اور مطالبہ کر دیتے۔ اسی طرح یہ سلسلہ غیر متناہی ہو جاتا اور یہ بعثت نبویہ کے مقصد کے سراسر منافی تھا۔

دوسری حکمت یہ کہ انہوں نے ایسی آیات کا مطالبہ کیا جن پر ایمان لانا فرض ہوتا اگر وہ اس سے انکار کرتے تو فوراً عذاب کے مستحق ٹھہرتے جیسا کہ صالح علیہ السلام و دیگر انبیاء علیہم السلام کی اُمتوں کا حشر ہوا۔ یعنی اگر وہ انکار کرتے تو ان کی جڑ کٹ جاتی اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ انکار پر ان کے ساتھ ایسا ہو گا حالانکہ اس سے قبل خود حضور علیہ السلام نے بڑی الحاح وزاری سے اللہ تعالیٰ سے منوایا کہ رہتی دنیا تک آپ کی اُمت پر عذاب نازل نہ ہو اور آپ کے صدقے تو نزولِ عذاب نہ کرنے کا وعدہ تو اللہ تعالیٰ سے ہو گیا۔ اگر آپ کفار کا مطالبہ پورا کرتے تو پہلے اپنے پروگرام کی خلاف ورزی کرتے دوسرا اللہ تعالیٰ کے لیے خلافِ وعدہ لازم آتا۔ اور یہ سراسر محال ہے۔ (یہ جوابات وہابیہ کو سنائے جائیں، مانیں گے تو نہیں البتہ حجت ضرور قائم ہو جائے گی) [2]

ربط: اب کفار کے مطالبہ کا بطلان بیان فرمایا۔

اَوَلَمْ یَکْفِهِمْ ہمزہ انکار کے لیے اور واؤ عاطفہ ہے۔ اس کا عطف فعل مقدر پر ہے جیسا کہ مقام کا تقاضا ہے۔

حلِ لغات: الکفایۃ بمعنی کسی شے کے خلل کو بند کرنا اور مقصد و مراد کو پہنچنا، دراصل اقصر ولم یکفہم تھا یعنی پچھلا مضمون کو رہنے دیجئے۔

کیا انہیں ہماری آیت کفایت نہیں کرتی جس کا وہ مطالبہ کر رہے ہیں۔ **اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ** بیشک ہم نے آپ پر ایسی کتاب نازل فرمائی جو حق بولتی ہے اور دیگر کتب سماویہ کی تصدیق کرتی ہے حالانکہ آپ نے وہ کتابیں پڑھی نہ سنی تھیں **یُتْلٰی عَلَیْهِمْ** ان کے سامنے ان کی لغت میں ہر زمان و مکان میں پڑھی جاتی ہے اس لیے یہ آیت ان کے لیے لازوالی اور دائمت ہے بخلاف دوسری آیات کے کہ وہ ہمیشہ نہیں رہتیں اور ایک عرصہ کے بعد ختم ہو جاتی ہیں اور وہ ہر جگہ بھی نہیں ہوتیں۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ ان کے دلوں کی آنکھیں اندھی ہو گئی ہیں کہ کوئی آیت انہیں نظر ہی نہیں آتی حالانکہ وہ آیت روشن تر ہے یعنی قرآن ایک واضح اور روشن دلیل ہے لیکن باوجود اس کے دیگر آیات کا مطالبہ کر رہے ہیں حالانکہ خود دیکھ رہے ہیں کہ یہ قرآن وہ شخص پیش کر رہا ہے جو بظاہر لکھا پڑھا نہیں لیکن وہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ سے نازل ہوا اور وہ اُمّی ہونے کے باوجود انہیں فرفر سناتا ہے۔ اور پھر اس کی وضاحت ایسے روشن طریقہ سے

---

[1] و [2] اضافہ از اویسی غفرلہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ

تم فرماؤ اللہ بس ہے میرے اور تمہارے درمیان گواہ جانتا

مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ

جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ جو باطل پر یقین لائے اور اللہ کے منکر ہوئے وہی گھاٹے

هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٥٢﴾ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۗ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ

میں ہیں اور تم سے عذاب کی جلدی کرتے ہیں اور اگر ایک ٹھہرائی مدت نہ ہوتی تو ضرور ان پر عذاب

الْعَذَابُ ۗ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٥٣﴾ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۗ

آجاتا اور ضرور ان پر اچانک آئے گا جب وہ بے خبر ہوں گے تم سے عذاب کی جلدی مچاتے ہیں

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ ۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿٥٤﴾ يَوْمَ يَغْشٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ

اور بے شک جہنم گھیرے ہوئے ہے کافروں کو جس دن انہیں ڈھانپے گا عذاب ان کے اوپر

وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٥٥﴾ يٰعِبَادِيَ

اور ان کے پاؤں کے نیچے سے اور فرمائے گا چکھو اپنے کیے کا مزہ اے میرے بندو

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿٥٦﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ

جو ایمان لائے بیشک میری زمین وسیع ہے تو میری ہی بندگی کرو ہر جان کو موت کا مزہ

الْمَوْتِ ۟ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿٥٧﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ

چکھنا ہے پھر ہماری ہی طرف پھرو گے اور بیشک جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے ضرور ہم انہیں

مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ نِعْمَ اَجْرُ

جنت کے بالاخانوں پر جگہ دیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ہمیشہ ان میں رہیں گے کیا ہی

الْعٰمِلِيْنَ ﴿٥٨﴾ ۖ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٥٩﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ

اچھا اجر کام والوں کا وہ جنہوں نے صبر کیا اور اپنے رب ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں اور زمین پر کتنے ہی چلنے والے

لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ۖ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦٠﴾ وَلَئِنْ

ہیں کہ اپنی روزی ساتھ نہیں رکھتے اللہ روزی دیتا ہے انہیں اور تمہیں اور وہی سنتا جانتا ہے اور اگر تم

سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ

ان سے پوچھو کس نے بنائے آسمان اور زمین اور کام میں لگائے سورج اور چاند

اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٦١﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ

تو ضرور کہیں گے اللہ تو کہاں اوندھے جاتے ہیں اللہ کشادہ کرتا ہے رزق اپنے بندوں میں جس کے لیے چاہے اور تنگی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

لَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً

فرماتا ہے جس کے لیے چاہے بے شک اللہ سب کچھ جانتا ہے اور جو تم ان سے پوچھو کس نے اتارا آسمان سے پانی تو

فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ

اس کے سبب زمین زندہ کر دی مرے پیچھے ضرور کہیں گے اللہ نے تم فرماؤ سب خوبیاں اللہ کو بلکہ ان

اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ۝۶۳

میں اکثر بے عقل ہیں

تفسیر عالمانہ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ باء زائدہ صلہ کی ہے۔ اللہ، کفیٰ کا فاعل ہے بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ شَهِیْدًا ۚ فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ کافی ہے مجھ سے اور تم سے جو کچھ صادر ہوگا اس سے وہ مطلع ہے یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ جانتا ہے ان امور کو جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں منجملہ ان کے میرا اور تمہارا حال ہے وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ اور وہ لوگ جو ایسی چیزوں پر ایمان لائے جو باطل ہیں جیسے بت اور شیطان وغیرہما۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ جو نفس کی آنکھ سے دیکھتا ہے اسی پر ایمان لاتا ہے۔

صـ ۲۶ سے آگے

کرتا ہے جس سے ان کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ یہ آیۃ واضح نہیں تو اور کیا ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ بے شک اس عظیم الشان کتاب میں، جو رہتی دنیا تک رہنے والی ہے لَرَحْمَةً رحمت اور نعمت عظیم ہے وَّذِكْرٰی اور پند و نصیحت ہے لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝ ایسے لوگوں کے لیے جن کا ارادہ ایمان لانے کا ہے انہیں سرکشی اور ہٹ دھرمی سے کوئی غرض نہیں یعنی یہی مطالبہ کر کے محض ضدی اور ہٹ دھرم ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

پند گفتن با جہول خوابناک
تخم افگندن بود در شورہ خاک

ترجمہ: جاہل غافل کو نصیحت کرنا ایسے ہے
جیسے شور زمین میں بیج ضائع کیا جائے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تفسیر عالمانہ

وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ اور کفر کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ، حالانکہ اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے ایمان لانے کے موجبات ودلائل وبراہین بھی قوی اور مضبوط ہیں اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ وہی لوگ خاسر ہیں یعنی آخرت کی بیع میں وہ گھاٹا پانے والے ہیں اس لیے کہ ایمان دے کر کفر کو خریدا اور فطرت اصلیہ اور ادراک صحیحہ کو ضائع کیا جو ایمان کا موجب ہیں ؎

عمر تو گنج ہر نفس از وے لعل گہر
گنجی چنیں لطیف مکن رائگاں

ترجمہ: تیری زندگی ایک خزانہ ہے اس سے ہر لحظہ موتی بکھرے جاتے ہیں ایسے خزانہ کو مفت ضائع مت کر۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ۔ الاستعجال بمعنے شے کو وقت سے پہلے طلب کرنا یعنی آپ سے کفار وقت سے پہلے عذاب مانگتے ہیں۔ اس سے نضر بن الحارث اور اس کے بھائی مراد ہیں وہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور استہزا کہتے کہ یہ ڈراوے جو آپ ہمیں سناتے ہیں وہ کب واقع ہوں گے اگر ہم آپ کی بات نہیں مانتے تو ہمارے اوپر آسمان سے عذاب کی بارش برسائیے۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ جو عافیت پر صبر نہ کرتے ہوئے وقت سے پہلے عذاب مانگے تو وہ ضرور عذاب میں مبتلا ہوگا اور یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ عادۃً جلد باز ہے۔ اسی لیے دُکھ درد اور تکالیف پر صبر نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ جس پر مہربانی فرماتا ہے اُسے صبر کی توفیق بخشتا ہے اگر اللہ تعالیٰ کی مہربانی نہ ہو تو ہر انسان اپنی فطرت کے مطابق بے صبری کا مظاہرہ کرے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام کو صبر کی تلقین فرمائی۔ کما قال:

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

ہم اللہ تعالیٰ سے ہر بلا سے حفاظت اور پناہ مانگتے ہیں۔

وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى اور اگر ان کے لیے عذاب کا وقت مقرر نہ ہوتا۔ اس سے قیامت کا دن مراد ہے۔ کما قال:

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ۔

اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرمایا کہ آپ کی امت کو ہمہ گیر عذاب میں مبتلا نہیں فرمائے گا بلکہ ان کا عذاب قیامت کے دن تک مؤخر کر دیا گیا ہے۔ اس ارادۂ قدیمہ کو حکمتِ ازلیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسی لیے ہر مقدور کے لیے ایک وقت مقرر فرما دیا۔ اس سے نہ وہ مقدم ہوگا نہ مؤخر۔

لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ تو انہیں بہت جلد عذاب میں مبتلا کیا جاتا۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ وقتِ مقررہ سے پہلے عذاب کا مطالبہ غیر مفید بلکہ مذموم ہے۔

سبق: سالک کو چاہیے کہ وقت سے پہلے اپنے نفس کے شہوات اور اس کی مراد کے مطابق کر لینے طلب

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ذکر سے ۔ اور وقت سے پہلے شے طلب کرنا مذموم کیوں نہ ہو!

وَلَيَأْتِيَنَّهُمْ حالانکہ جس عذاب کا وقت مقرر ہے وہ لازماً اپنے وقت پر آئے گا **بَغْتَةً** اچانک۔ امام راغب نے فرمایا: یہ البغت سے ہے یعنی شے کے متعلق کسی کا وہم و گمان نہ ہو اور وہ آجائے۔ **وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ** ○ اور وہ اس کے آنے کو نہیں سمجھے کہ ان پر اچانک عذاب آئے گا۔

سوال: (صاحب روح البیان نے فرمایا) قیامت کے عذاب کو اچانک کہنا نامناسب ہے اس لیے کہ اس کے متعلق ہم سب کا عقیدہ ہے کہ اس نے ایک وقت پر آنا ہے ۔

جواب: اس سے موت مراد ہے اس لیے کہ عذاب آخرت کے لیے بمنزلہ مقدمۃ الجیش کے ہے ۔ اور وہ ایسے وقت میں آتا ہے کہ اس کے آنے کا وہم و گمان تک نہیں ہوتا ۔ اور موت کے بعد فوراً عذاب میں مبتلا ہوں گے ۔

اسی لیے احادیث میں قبر کو آخرت کی پہلی منزل کہا گیا ہے اور اس دعویٰ کی دلیل یہ حدیث شریف ہے:

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مر گیا اس کے لیے قیامت قائم ہو گئی۔

مسئلہ: برزخ (قبر) میں بھی عذاب ہوگا اگرچہ وہ آخرت کے عذاب کی نسبت آدھا ہوگا اس لیے کہ یہاں قبر میں صرف روح کو عذاب ہوگا ۔

ف: بعض مفسرین نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ عذاب ان کے مطالبہ کے مطابق نہ ہوگا اور نہ ہی ان کے کہنے پر فوراً آجائے گا ۔ بلکہ اگر ایسا ہو تو پھر ان کی رائے کو ترجیح ہوگی اور ان کے شعور کے مطابق بات ماننی پڑے گی۔ جو شخص موت سے پہلے اپنے امور کی اصلاح کرے اور موت کے لیے ہر وقت تیار رہے اسے اچانک کی موت نہیں آئے گی اگرچہ نیند میں ہی مر جائے اور جو شخص کہ اپنے امور کی تصحیح نہ کرتا ہو اور موت کے لیے تیار بھی نہ ہو تو اس کی موت اچانک کی موت ہوگی اگرچہ سال بھر بستر پر پڑا رہے ۔

حکایت لطائف المنن میں ہے حضرت امام شعرانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میری ایک طالب علم سے گفتگو ہوئی ۔ میں نے کہا: علم میں خلوصِ نیت ضروری ہے ورنہ تحصیلِ علم بے سود ۔ اس کی خلوصِ نیت کی علامت یہ ہے کہ اسے جب کہا جائے کہ تم کل مر جاؤ گے، تو وہ سستی کر کے کتاب بند کر دے بلکہ پڑھنے میں لگا رہے ۔

مسئلہ: سب سے بہتر موت وہ ہے جو تحصیلِ علم کے دوران واقع ہو ۔ انسان پر لازم ہے کہ ایسی موت کے لیے ہر وقت متمنی رہے ؎

١ تو غافل در اندیشۂ سود و مال
کہ سرمایۂ عمر شد پائمال

٢ طریقے بدست آر و صلحے بجوے
شفیعے برانگیز و عذرے بگو

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کہ یک لحظہ صورت نہ بندد امان ۳
چو پیمانہ پر شد بدور زمان

ترجمہ : (۱) تو غافل ہو کر سرور و مال کے چکر میں ہے ایسے ہی تیری عمر برباد ہو گی۔

(۲) کوئی طریقہ ہاتھ میں لے اور صلح تلاش کر۔ سفارشی کھڑا کر کے اور عذر کر

(۳) کہ ایک لحظہ بھی امان نہ ملے گی جب پیمانہ بھر گیا تو وقت نہ ملے گا۔

يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ آپ سے عذاب لانے کی جلدی کرتے ہیں وَاِنَّ جَهَنَّمَ حالانکہ جہنم عذاب کا ایسا سخت مقام ہے جس سے بڑھ کر اور کوئی سخت نہیں لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝ کفار کو گھیرے گی یعنی وہ جہنم عنقریب انہیں اپنی لپیٹ میں لے لے گی کیونکہ آخرت کا وقت بہت جلد آنے والا ہے۔

ف : یہاں جملہ اسمیہ لانے میں اشارہ ہے کہ جہنم کا عذاب لازماً ہوگا اور دائمی ہوگا۔ سبب کو بمنزلہ مسبب کے دیا گیا ہے وہ اس طرح کہ کفر و معاصی دخولِ جہنم کے موجب ہیں۔ اور جہنم کا عذاب کافروں کو محیط ہے۔ (کذا فی الارشاد)

ف : بعض مشایخ نے فرمایا : کفر و معاصی ہی نارِ جہنم بنیں گے جو آخرت میں اسی صورت میں ظاہر ہوں گے۔

يَوْمَ يَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ —— یہ ظرف فعل مضمر سے متعلق ہے یعنی قیامت میں ان پر وہی عذاب محیط ہو جائے گا اور انہیں ڈھانپ لے گا جس کا ذکر اوپر ہوا جس میں بہت بڑی وحشتناک اور خوفناک سزائیں ہوں گی کہ جن کا بیان نہیں ہو سکتا مِنْ فَوْقِهِمْ ان کے سروں کے اوپر سے وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ اور ان کے پاؤں کے نیچے سے۔ اس سے فقط سر اور پاؤں ہی مراد نہیں بلکہ جملہ جہات مراد ہیں وَيَقُوْلُ اور اللہ تعالیٰ یا بعض فرشتے بحکمِ الٰہی فرمائیں گے ذُوْقُوْا چکھو۔

حل لغات : الذوق کھانے کی چیز کا منہ میں ہونا۔ دراصل اس شے کو کہا جاتا ہے جو منہ میں تھوڑی سی ہو۔ اگر بہت زیادہ ہو تو اسے الاکل سے تعبیر کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں عذابِ الٰہی کو ذوق سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے وہ عذاب اگرچہ بظاہر تھوڑا نظر آئے گا لیکن اس کی شدت و کثرت بیان سے باہر ہے اور یہاں اس طرح سے بیان کرنے میں عذاب کی قلت و کثرت کا اظہار مطلوب ہے (کذا فی المفردات)

مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ یعنی چکھو ان برائیوں کی سزا جن کا تم دنیا میں دائمی طور پر ارتکاب کرتے تھے مثلاً ان کے یہی ہے جو تم عذاب کی طلب جلدی کرتے تھے۔ کاشفی نے لکھا کہ دنیا دارِ عمل ہے اور آخرت دار الجزاء۔ جو کچھ دنیا میں بویا جائے گا آخرت میں وہی کاٹا جائے گا ؎

تو تخمے بیفشاں کہ چوں بدروے
ز محصول خود شاد و خرم شوے

ترجمہ : تم بیج بونے کی کرو اس لیے کہ جب اس کا پھل اٹھاؤ گے تو شاد و آباد ہو گے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تفسیر صوفیانہ تاویلات النجمیہ میں ہے کہ یستعجلونک بالعذاب میں عذاب والوں کو عذاب بعجلت مانگنے پر عذاب ہوگا۔ اس سے نفس کافر مراد ہے اسے منوانا آسان کام نہیں وذاقت جہنم نفس کو عذاب جہنم میں مبتلا کیا جائے گا یعنی اسے حرص، ہوا، شہوت، کبر، حسد، غضب اور کینہ کا خوگر بنایا جائے گا لمحیطۃ بالکٰفرین ۝ عذاب مذکور نفوس کافرہ کو محیط ہو جائے گا۔ یعنی نفوس مذکورہ بالا امور میں ہر وقت منہمک رہیں گے یوم یغشٰھم العذاب نفوس کافرہ کو اپنی صفات کا احاطہ ڈھانپ لے گا من فوقھم ان کے اُوپر حرص وکبر و غضب غالب ہو جائیں گے ومن تحت ارجلھم اور انہیں پیروں تک حرص و ہوا اور شہوت وکبر گھیر اکر جائیں گے لیکن وہ ان امور سے غافل ہیں خواب غفلت میں محو ہیں بہ نیند والے کی طرح انہیں عذاب کا ذائقہ محسوس نہیں ہوتا جیسے نیند والے کو کوئی شعور نہیں ہوتا باہر ہونے والے کاموں سے وہ بالکل بے خبر ہوتا ہے ایسے ہی نفس امارہ کی شرارت کے شکار کا حال ہے اس لیے کہ ایسے شخص کی کیفیت نیند والے کی سی ہے جیسے نیند والا نیند سے بیدار ہو کر عذاب وغیرہ کو محسوس کرتا ہے ایسے ہی نفس امارہ کی بیماریوں میں مبتلا کا حال ہے۔ چنانچہ فرمایا ویقول اور قیامت میں فرمائے گا ذوقوا ما کنتم تعملون ۝ چکھو اس معاملے کا عذاب جو تم خلق اور خالق کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ ہماری تاویل کو وان الفجار یعنی جحیم میں مؤکد کیا گیا ہے یعنی آج انہیں اس عذاب کا شعور نہیں یصلونھا یوم الدین اس دن کہ انہیں آگ میں داخل ہونا ہوگا یعنی قیامت میں انہیں معلوم ہوگا وما ھم عنھا اور وہ آج عذاب جہنم سے لاشعور ہیں ہاں جس کے مشرق قلب سے ہدایت وعنایت الٰہی کا سورج طلوع ہوتا ہے وہ لیل الدنیا سے نکل کر یوم الدین میں داخل ہو جاتا ہے اور اس کی بشریت کی زمین نور ربانی سے چمک اٹھتی ہے تو وہ اپنے نفس کو اخلاق رذیلہ کی آگ میں گھرا ہوا پاتا ہے اسے ہدایت کا ذوق نصیب ہوتا تو وہاں برے اخلاق سے جان چھڑا سکے اور بد اخلاقی کی آگ سے نکلنے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ اللہ کی زمین فراخ ہے۔ چنانچہ ابھی اس کا بیان آتا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ ہم اللہ تعالیٰ سے جملہ خرابیوں سے بچنے کی التجا کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا یہ خطاب تشریفیہ ہے جو اہل ایمان کو نصیب ہوا لیکن وہ دینی امور میں پختہ اور مضبوط ہیں جن کے لیے کفر کا کوئی معاملہ مانع نہیں اور انہیں ارشاد کا بہتر طریقہ سمجھایا گیا ہے۔

شانِ نزول کاشفی نے نقل، منقول ہے کہ اہل ایمان کی جماعت مکہ معظمہ میں مقیم تھی قلتِ زاد و کمی استعداد و محبتِ وطن یا صحبت دوستاں کی بنا پر ہجرت نہیں کرتے تھے۔ لیکن کفار مکہ کے ڈر کے مارے چھپ کر عبادتِ الٰہی بجا لاتے تھے۔

ف ؛ دینی امور بجا لانے کے باوجود قیامت میں سزا پائیں گے۔ ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اور فرمایا ؛

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اے میرے مومن بندو! جب تمہیں کسی شہر میں عبادت کی آسانی میسر نہ ہو نہ ہی تم دینی امور کو با سہولت ظاہر کر سکو تو اس شہر سے ہجرت کر جاؤ جہاں تم آسانی سے دینی امور سر انجام دے سکو۔

اِنَّ اَرْضِیْ بیشک میری زمین۔ اس سے مراد وہ حصہ ہے جو آسمان کے بالمقابل ہے۔ یعنی تم زمین کے ان حصوں میں ہجرت کر جاؤ جو تمہارے لیے پیدا ہوئے وَاسِعَةٌ فراخ ہے اس میں تمہارے لیے کوئی تنگی نہیں۔ اگر تم خاص ہو کر اس زمین پر میری عبادت نہیں کر سکتے فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ ○ تو میری زمین کے دوسرے خطے میں چلے جاؤ اور وہاں جا کر مخلصانہ عبادت کرو۔ اس معنے پر حرف فا شرط محذوف کا جواب ہے۔ پھر شرط بھی حذف کر دی گئی ہے۔ اس کے قائم مقام مفعول بہ کو مقدم کیا گیا ہے جس میں اختصاص و اخلاص کا معنیٰ بھی دیتا ہے، حضرت کاشفی نے لکھا کہ اگر تم اہل و عیال، اولاد و اسباب اور شہر کی محبت میں گرفتار ہو کر ہجرت نہیں کرتے، بالآخر ان سے ایک دن جدا ہو گے کیونکہ کُلُّ نَفْسٍ ہر نفس انسانی ہو یا اس کا غیر۔ یہ مبتدا ہے اور نکرہ کو مبتدا بنانا جائز ہے اس لیے کہ اس میں عموم کا معنیٰ پایا جاتا ہے ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ موت کا ذائقہ پائیں گے اور جدائی کے گھونٹ پئیں گے۔ موت کو چکھی ہوئی شے سے تشبیہ دی ہے اس لیے کہ ذوق کا اطلاق قلیل و کثیر دونوں پر ہوتا ہے (کذا قال الراغب)

ف: بعض نے کہا کہ ذوق در اصل منہ سے ہوتا ہے تھوڑا ہو یا زیادہ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ نفس کو بہ طالبیت بدن سے موت سے نکالا جائے گا۔

ف: انسان کا جسم دو چیزوں سے مرکب ہے یعنی جسم اور روح سے۔ ان کے درمیان ایک لطیف بخار ہے جسے روح حیوانی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جب تک انسان میں وہ بخار اسی تعلق خاص کے ساتھ موجود ہے تو زندگی قائم ہے۔ جب وہ بخار مٹ جاتا ہے یا ان کے ساتھ تعلق کی صلاحیت نہیں رکھتا تو زندگی ختم ہو جاتی ہے اور روح جسم سے اضطراری طور پر جدا ہو جاتی ہے ایسی موت صوری کہلاتی ہے۔ جسم کے اندر روح کے ہونے اور اس کے جدا ہونے کی کیفیت کسی کو معلوم نہیں۔ ہاں جب وہ جسم سے جدا ہوتا ہے تو اس مفارقت کو موت کہا جاتا ہے۔

ف: جسم کے روح سے نکلنے کے وقت دیکھنے والوں کو معمولی سا احساس ہوتا ہے کہ اب روح جسم سے جدا ہونے والا ہے۔ وہ بھی قرائن سے۔ البتہ اللہ والوں کو باذن اللہ تعالیٰ کیفیت معلوم ہوتی ہے۔

ثُمَّ اِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ ○ پھر ہمارے ہاں جزا و سزا کے لیے لوٹائے جاؤ گے۔ ترجعون الرجع سے ہے بمعنے العود یعنی لوٹائے جاؤ گے۔

سبق: جسے اپنے نیک انجام کی خواہش ہے اس پر لازم ہے کہ وہ آخرت کے لیے سرمایہ جمع کرے اور ہر وقت اس کے لیے تیار رہے اور اس عالم دنیا کے وطن کو ترک کرنے کا سوچے اور سمجھے کہ آنے والا سفر لازمی ہو گا۔

مسئلہ: کوئی شخص کسی دار الشرک میں ہو یا کسی ایسے علاقے میں ہو جہاں کے لوگ معاصی و بدعات میں مبتلا ہوں اور وہ ان کی اصلاح نہیں کر سکتا تو اس پر لازم ہے کہ وہاں سے ہجرت کر کے ایسے علاقہ میں چلا جائے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

جہاں کے لوگ نیک اور اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار ہوں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی زمین وسیع ہے۔

سفر کن چو جائے تو ناخوش بود
گزیں جائے رفتن بداں تنگ نیست

وگر تنگ گردد ترا جائگاہ
خدائے جہاں را جہاں تنگ نیست

ترجمہ: جب تیرے علاقے میں دینی خرابی ہو تو وہاں سے چلا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ اگر تجھے علاقے میں دینی پریشانی ہو تو اللہ تعالیٰ کا ملک تنگ نہیں لہٰذا اور جگہ چلے جا۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے منجملہ ان کے ہجرت دینی ہے **لَنُبَوِّئَنَّهُمْ** ہم انہیں جگہ دیں گے۔

حل لغات: التبوّء سے بمعنے کسی کو جگہ دینا۔

مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا یہ لنبوئنہم کا مفعول بہ ہے۔ اس سے بہشت کے اونچے اور بہترین مکانات مراد ہیں جو موتیوں، زبرجد اور یاقوت سے بنے ہوئے ہیں اور انہیں غرفاً اس لیے فرمایا کہ بہشت اوپر کی جہت میں ہے اور دوزخ نیچے کی طرف۔ اور قاعدہ ہے کہ اوپر سے نیچے کی طرف پانی اور سبزیاں لذیذ تر اور زیادہ خوشنما نظر آتی ہیں۔ **تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ** یہ غرفاً کی صفت ہے **خٰلِدِیْنَ فِیْهَا** ان کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ لوگ ان میں ہمیشہ رہیں گے **نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ۝** اعمال صالحہ والوں کے لیے بہت اچھا اجر ہے یہی بہشت کے بالاخانے **الَّذِیْنَ صَبَرُوْا** یہ عاملین کی صفت ہے یا اس کا منصوب ہو علی المدح ہے یعنی وہ لوگ جنہوں نے کفار و مشرکین کی اذیتوں اور دینی ہجرت میں تکالیف و دیگر دکھ درد برداشت کیے۔ **وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ** اور وہ اپنے جملہ امور میں نہیں بھروسہ کرتے مگر اللہ تعالیٰ پر۔ اور یہ توکل قوت ایمانی سے ہوتا ہے جب انسان ایمان میں کمال حاصل کرتا ہے تو وہ نہ صرف کفر و معاصی سے بلکہ اموال و ارزاق کے تفکرات سے فارغ ہو جاتا ہے۔ اس کے لیے وطن اور غربت برابر ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے لیے جملہ تکالیف کا مداوا اللہ تعالیٰ کے اجر و ثواب میں سمجھتا ہے۔

حدیث شریف جو شخص کفر و معاصی سے بچنے کے لیے ایک علاقے سے دوسرے علاقے کو چلا جاتا ہے اگرچہ ایک بالشت ہی سہی، تو اس کے لیے بہشت واجب ہو جاتی ہے اور بہشت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا رفیق ہوگا۔

ف: بہشت اور بالاخانے صرف اپنے وطن اور مکانات کو ترک کرنے کی وجہ سے جو اس نے دین کی خاطر اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں انہیں چھوڑا اور ان پیارے محبوبوں کی رفاقت اس لیے کہ اس نے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ہجرت کرکے ان کی سنت پر عمل کیا۔ اسی لیے ابراہیم علیہ السلام ارضِ مقدسہ کو اور ہمارے آقا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کو ہجرت کر گئے۔

ف : اس میں اشارہ ہے کہ سالک پر لازم ہے کہ وہ ارضِ جاہ یعنی خلق کو اپنے تابع دیکھنے کو ترک کرکے ارضِ خمول کو چلا جائے۔

حکایت حضرت ابوسعید خراز سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ میں ایک شہر میں رہتا تھا وہاں میری کافی شہرت ہوگئی اور لوگ میری تعظیم وتکریم میں ایسے حد سے بڑھ گئے کہ میرے ہاتھ سے اگر خربوزے کا چھلکا بھی گرتا تو تبرک سمجھ کر ایک ہزار دینار میں خرید کر کے غنیمت سمجھنے لگے۔ بلکہ عقیدت مند اس سے مزید اضافہ کرکے حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔ میں نے خیال کیا کہ میرا یہاں رہنا مناسب نہیں اس لیے یہاں سے ہجرت کرکے ایسی جگہ جانا چاہیے جہاں لوگ مجھے زندیق کہیں اور مجھے مجرم سمجھ کر مجھ پر پتھر برسائیں۔ اسی لیے ایسے مقام پر پہنچ کر میں نے مدتوں تک خوشی سے مصائب ومشکلات سر پر اٹھائے۔

حکایت ۲ حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے دنیا میں صرف تین خوشیاں منائیں باذن اللہ تعالیٰ جب نفس کی سرکوبی کرکے غالب ہوا،

(۱) ایک دفعہ میں جب انطاکیہ میں پہنچا تو سر و پا برہنہ تھا۔ مجھے لوگ طعنہ دیتے تھے کہ یہ کسی کا بھگوڑا غلام ہے۔ مجھے ان کی یہ بات بہت بھلی لگی اور میں نے اپنے نفس سے کہا، بتائیے کیا حال ہے؟ اگر تو بھگوڑا ہے اور اپنے مالک سے جھگڑا کیا ہے تو اس سے صلح صفائی کرلے اسی میں تیری بہتری ہے۔

(۲) ایک دفعہ میں کشتی میں بیٹھا تھا، اس میں ایک مسخرہ تھا وہ لوگوں کو خوش کر رہا تھا، کشتی میں مجھے حقیر ترین سمجھ کر اپنی ہنسی مذاق کا مجھے نشانہ بنایا۔ اسی لیے میں جب بھی اٹھتا تو وہ میرے گلے میں پھندا ڈال دیتا۔

(۳) شہر حلب کی ایک مسجد میں گریبان میں سر ڈال کر بیٹھا تھا اور اپنے نفس کی ذلت وخواری کا سوچ رہا تھا کہ کوئی بے غیرت انسان آیا، آتے ہی اس نے مجھ پر پیشاب کر دیا اور کہا لیجئے گلاب کا پانی پیجئے؟ میرا نفس اپنی اس تحقیر سے بہت خوش ہوا اور اللہ تعالیٰ سے بے شمار تحائفِ سعادت نصیب ہوئے۔

ف : پیر طریقت فرماتے ہیں کہ بہت سے سیر الی اللہ اور نعمت اللہ میں داخل انسان دھوکا کھا جاتے ہیں، جب ان کی خلقِ خدا تعریف کرتی ہے۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ نفس کو موت کے گھاٹ اتار دے فنا صوری سے پہلے ہی فناء معنوی کا مزہ چکھائے اس لیے کہ دنیا دار الفنا ہے اور ہر شخص نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے ہر ایک کو اس راہ پہ لازماً چلنا ہے اور اس پل سے ضرور گزرنا ہے اور اس کے گھونٹ پینے ہیں۔ حضور سید الکائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اپنی امت کو وصیت فرماتے کہ لذات کو مٹانے والی موت کو بہت زیادہ یاد کرو، اسے ہرگز

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

نہ بھلاؤ اور نہ اس سے غفلت برتو۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا، حضرت! آپ نے یہ کیا کیا کہ شاہی تخت کو ٹھکرا کر اور لباس شاہی اتار کر تنگدستی اختیار کی اور گدڑی پہن لی اور پھر دنیا کے دکھ اور درد سر پر اٹھا لیے۔ آپ نے جواب میں فرمایا: ایک دن میں تختِ شاہی پر بیٹھا تھا کہ اچانک شیشہ میرے سامنے رکھ دیا گیا۔ شیشہ میں میں نے دیکھ کر سوچا کہ میری صورت اور میرا تمام جسم خاک میں مل جائے گا وہاں کے لیے ساتھی اور مونس کوئی نہیں۔ سفر بھی دراز ہے میرے پاس زادِ راہ بھی نہیں۔ سامنے قید خانہ ہے اس کی سزا کی مجھے طاقت بھی نہیں۔ وہاں کے فیصلہ کنندہ کو عادل پایا اس کے سامنے مجھے جواب دینے کا سلیقہ بھی نہیں۔

سبق: انسان کی آرزو اور تمنا کی کوئی حد نہیں اسے اگر بستر کی طرح بچھایا جائے تو قاف سے قاف کو پھیل جائے گی۔ نہیں تو صاحبِ قاب قوسین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی یاد رکھنا چاہیے۔ فرمایا:

میں نے زمین سے کوئی قدم نہیں اٹھایا لیکن پھر یقین نہ تھا کہ ممکن ہے موت سے پہلے اسے زمین پر نہ رکھ سکوں اور کوئی لقمہ منہ میں نہیں ڈالا لیکن پھر یقین نہ تھا ممکن ہے موت سے پہلے نگل نہ سکوں۔

سبق: غور کیجئے وہ سید اولین و آخرین اور مقتدائے اہل سماوات وارضین صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ فرمائیں اور ہم مغرور ہو کر زمین پر دھوکا میں رہیں کہ لمبی آرزوئیں پیش نظر رکھیں اور ہزار سالہ امور کی سرانجامی کا سوچیں اور سمجھیں۔ بس یہی ہمارا مطمحِ نظر ہے حالانکہ ظاہر ہے کہ دنیا غدار اور سرائے فریب و غرور ہے۔ اس میں راحت و سرور مفقود۔ یہاں سے بالآخر جانا ہے۔ کسی کو اس میں قرار و اطمینان نہیں ؎

١ تا کے از دار الغرورے ساختن دار السرور
تا کے از دار الفرارے ساختن دار القرار

٢ اے خداوندان مال الاعتبار الاعتبار
وے خداوندان قال الاعتذار الاعتذار

٣ پیش از آں کیں جاں عذر آرد فرو ماند ز نطق
پیش از آں کیں چشم عبرت بیں فرو ماند ز کار

ترجمہ: (١) دار الغرور کو کب تک دار السرور بناتے رہو گے۔ کب تک دار الفرار کو دار القرار بناتے پھرو گے!

(٢) اے مال والو عبرت حاصل کرو، اے بات بنانے والو عذر کرو۔

(٣) اس وقت سے پہلے جب بول نہ سکو گے جب تمہارا معاملہ ختم ہو جائے گا اس وقت سے پہلے ہی توبہ کرو۔ (کذا فی کشف الاسرار)

وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا کائن کثیر کے لیے ہے کم خبریہ کے معنی میں واقع ہوا ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کاف تشبیہ اور ای سے مرکب ہے لیکن اسے افرادی معنی سے مجرد کیا گیا ہے کل مجموعہ ملا کر کم بالاسم مبنی علی السکون ہے اس کے آخر میں من کی طرح نون ساکن ہے اس کی تنوین ممکن نہیں اسی لیے یا کے بعد نون صاف لکھا گیا ہے حالانکہ عموماً خطی تنوین کی کوئی اپنی شکل و صورت نہیں ہے اور یہ مبتدا اور اس کی خبر اللّٰہ یرزقہا الخ ہے اور لا تحمل دابۃ کی صفت ہے۔

حلِ لغات الدابۃ ہر وہ جانور جو زمین پر چلے یا متحرک ہو ذوی العقل ہو یا نہ۔ الحمل یعنے سر اور پیٹھ پر کوئی شے اٹھانا بالکسر اس بوجھ کا نام ہے جو سر یا پیٹھ پر رکھا جائے۔ الرزق وہ شے جس سے نفع اٹھایا جائے اور اصطلاح میں ہر وہ شے جسے اللّٰہ تعالیٰ جاندار شے کے لیے بھیجے تاکہ اسے وہ کھائے۔

شانِ نزول مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے جب مکہ معظمہ کے اہلِ ایمان کو ہجرت کا فرمایا تو انہوں نے جواب دیا ہم ایسے شہر میں کیسے ہجرت کریں جہاں ہماری معاش تنگ ہے۔ ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ بہت سے جانور غذا کے حاجتمند اور ضعف کی وجہ سے اپنے رزق کو اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے یا اسے ذخیرہ کے طور نہیں رکھتے اور صبح کے وقت اٹھتے ہیں تو رزق سے خالی ہاتھ ہوتے ہیں۔

العجائب تین جانور ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں۔

(۱) انسان (۲) چیونٹی (۳) چوہا

یہ بھی لکھا ہے کہ سیاہ چوہا ذخیرہ کر کے پھر اسے بھول جاتا ہے۔

کشاف میں لکھا ہے کہ ہم نے بلبل کو دیکھا کہ وہ اپنی غذا بالوں میں چھپائے ہوئے تھی۔

خلاصہ یہ کہ بہت سے جانور، طیور، وحوش، سباع، ہوام اسی طرح حیوانات بحری غذا کا ذخیرہ نہیں کرتے اور نہ ہی اپنا رزق سر یا پیٹھ پر اٹھائے پھرتے ہیں۔

اَللّٰہُ یَرْزُقُہَا اور اللّٰہ تعالیٰ روزانہ انہیں رزق پہنچاتا ہے وہ جہاں بھی ہوں وَاِیَّاکُمْ اور تمہیں بھی رزق عطا فرماتا ہے جہاں بھی ہو۔ پھر باوجودیکہ دیگر حیوانات ضعیف اور کمزور و ناتواں ہیں انہیں اللّٰہ تعالیٰ پہ بھروسا ہے اور تم باوجودیکہ قوت و طاقت کے مالک اور کمانے کی قدرت رکھتے ہو لیکن بے صبر ہو حالانکہ اللّٰہ تعالیٰ نے انہیں اور تمہیں رزق دینا ہے۔ ہاں رزق اسباب سے متعلق ہے اور مسبب (سبب کا مالک) وہی خود ہے۔ پھر ہجرت اور دارِ غربت کی طرف ہجرت سے خطرہ کیوں ؎

ہست ز فیضِ کرم ذوالجلال
مشربِ ارزاق پر آبِ زلال
شاہ و گدا روزی ازاں میخورند
مور و ملخ قسمت از و می برند

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ترجمہ: ذوالجلال کے فیض وکرم سے رزق کا گھاٹ ایک صاف دسترخوان سے ہے۔ شاہ و گدا اس سے رزق پاتے ہیں۔ چیونٹی اور مکڑی اسی سے اپنا حصہ لیتے ہیں۔

وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ وہی خوب سننے والا ہے اس لیے تمہیں رزق کے معاملے میں جو توجہات پیش ہیں وہ انہیں بھی سنتا ہے اور وہ خوب جانتا ہے اسی لیے جو مخفی باتیں تمہارے قلوب میں ہیں انہیں بھی جانتا ہے۔ کاشفی نے لکھا کہ وہ جانتا ہے کہ تمہاری روزی کہاں سے آئے گی وَلَئِن سَأَلْتَهُم اگر آپ اہل مکہ سے پوچھیں مَّنْ استفہامیہ ہے خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ کس نے آسمان زمین کو پیدا کیا اور کس نے سورج اور چاند کو مسخر کیا کہ بندوں کی مصلحتوں کے مطابق ہمیشہ اپنے کام میں لگے رہتے ہیں۔

حل لغات

التسخیر یعنی کسی شے کو دوسرے کے تابع فرمان بنانا اور مجبور کر کے اسے خاص غرض کے لیے کام میں لگانا۔

لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ تو کافر کہیں گے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اس امر پر انکار کی گنجائش ہی نہیں اس لیے کہ جملہ عقول کے ہاں ثابت ہو چکا ہے کہ جملہ کائنات کی انتہا صرف ایک ذات پر ہونا واجب ہے اور وہ ذات وہی واجب الوجود یعنی اللہ تعالیٰ ہے فَأَنّٰى پس کہاں يُؤْفَكُونَ ۝ یہ الافك (بالفتح) سے بمعنے الصرف والقلب یعنی پھرنا اور بالکسر بمعنے ہر وہ شے جو حق سے پھری ہوئی ہو۔ اب معنی یہ ہوا کہ کیسے پھر جائیں گے جبکہ اقرار نہیں کریں گے کہ واقعی الوہیت کا حق صرف اللہ ہے۔ کیونکہ انہیں اقرار ہے کہ خلق و تسخیر کا مالک وہی ہے۔ اگر انکار کر رہے ہیں تو پھر وہ اپنے علم کے موجب سے ہٹ رہے ہیں اور یہ ناموزوں بات ہے۔ اس میں انہیں زجر و توبیخ کی گئی ہے اور ان کے انکار سے اہل ایمان کو ان پر تعجب دلایا گیا ہے اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ اللہ تعالیٰ رزق کشادہ فرماتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے مِنْ عِبَادِهٖ اپنے بندوں میں سے مومن ہوں یا کافر۔

ادیم زمین سفرۂ عام اوست
برین خوان یغما چہ دشمن چہ دوست

ترجمہ: زمین پر اس کا خوانِ نعمت عام بچھا ہوا ہے اس خوانِ نعمت پر دشمن دوست برابر ہیں۔

وَيَقْدِرُ لَهٗ اور تنگ کرتا ہے لَهٗ کا جس کے لیے رزق تنگ کرنا چاہتا ہے جو بھی ہو مومن ہو یا کافر۔ یہ اس لیے کہ لہ کی ضمیر مبہم ہے اسی لیے مرجع بھی مبہم ہوگا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے ایک ہی فرد مراد ہو کہ اسے پہلے رزق میں وسعت دی جائے پھر تنگ دست بنایا جائے یا اس کے برعکس۔

ف: حضرت حسن رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کو رزق میں وسعت دیتا ہے تاکہ وہ دھوکا کھائیں اور قیامت میں سزا پائیں اور اپنے دوستوں کو رزق کی تنگی میں مبتلا فرماتا ہے۔ یہ اس کی شفقت و رحمت ہے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattori

مبارکباد کا مستحق ہے وہ خوش بخت انسان جس پر اللہ تعالیٰ کی نظرِ عنایت ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے کو خوب جانتا ہے اسے معلوم ہے کہ رزق کی کشادگی کا مستحق کون ہے تو پھر اس کے لیے رزق فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لیے جانتا ہے کہ یہ تنگ روزی کا حقدار ہے تو پھر اس کی روزی تنگ کر دیتا ہے اور یہ بھی اسے معلوم ہے کہ یہ وقت فلاں بندے کے لیے رزق فراخ کرنے کا اور فلاں کے لیے رزق تنگ کرنے کا ہے۔ اس میں حکمت و مصلحت ہے اور وہ ہر کام ہزاروں حکمتوں اور مصلحتوں کے تحت جب چاہتا ہے کرتا ہے۔

حدیثِ قدسی میرے بہت سے بندے ہیں جنہیں میں غنی رکھتا ہوں اگر انہیں تھوڑی دیر کے لیے تنگدست کروں تو ان کا ایمان خراب ہونے لگتا ہے اور میرے بہت سے بندے فقر و فاقہ کے والی ہوتے ہیں اور اسی سے ہی ان کا ایمان کامل رہتا ہے اگر میں انہیں دولت مند بنا دوں تو ان کا ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ اگر آپ مشرکینِ عرب سے سوال کریں کہ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً آسمان سے پانی کس نے اتارا فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ اس سے آباد کیا زمین کو انگوروں اور کھیتوں اور درختوں سے مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا بعد اس کی ویرانی یعنی خشکی اور قحط سے۔ قاعدہ ہے کہ جو زمین انگوری نہ دے اسے میتۃ (مردہ) سے تعبیر کیا جاتا ہے اس لیے کہ جیسے مردار سے کسی قسم کا نفع نہیں اٹھایا جاتا ایسے ہی اس سے۔ لَيَقُولُنَّ تو ضرور کہیں گے اللّٰهُ اللہ تعالیٰ نے پانی اتارا اور اسی نے ہی ویران زمین کو آباد کیا یعنی مشرکین اقراری تھے کہ جملہ کائنات اصول ہوں یا فروع کا موجد (خالق) صرف اللہ تعالیٰ ہے اس کے باوجود اس کے ساتھ اس کی مخلوق کے ایسے بعض افراد کو اس کا شریک بناتے جن میں ذرہ بھر بھی قدرت و طاقت و وہم و گمان تک نہ تھا قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! جملہ محامد اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اس لیے کہ حق ہمارے ہاں ہے کہ جس کے انکار پر اہلِ باطل کو انکار کی گنجائش نہیں۔ اس میں کفار و مشرکین کو اظہارِ حجت کا حکم دیا گیا ہے بَلْ أَكْثَرُهُمْ بلکہ کفار و مشرکین کے اکثر لَا يَعْقِلُونَ ۝ کسی شے کو بھی نہیں سمجھتے کیونکہ وہ اپنے اقرار کے مقتضیٰ کو نہیں جانتے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی خسیس اور ذلیل اشیاء کو شریک ٹھہرا رہے ہیں جن کی خساست ظاہر ہے یعنی بتوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرا کر اپنی بے عقلی اور بے وقوفی کا ثبوت دے رہے ہیں۔

نکتہ (صاحبِ روح البیان نے فرمایا) اللہ تعالیٰ نے رزق کی آیت کے بعد توحید کی آیت بیان فرمائی اور پھر دوسری سورتوں میں بار بار ذکر فرما کر اشارہ کیا کہ رزق کفر و شرک اور معاصی و جرائم کی وجہ سے بند نہ ہو گا اس سے اہلِ ایمان و طاعات سوچیں کہ جب وہ اپنے باغیوں کا رزق بند نہیں کرتا تو پھر اپنے دوستوں کے رزق سے کیسے بے خبر رہ سکتا ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اے کریمی کہ از خزانۂ غیب
گبر و ترسا وظیفہ خور داری
دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری

ترجمہ: اے کریم! تیرے خزانۂ غیب سے کافر، بت پرست بھی کھا رہے ہیں تو تُو دوستوں کو کس طرح محروم کر سکتا ہے جبکہ تیری نظرِ کرم دشمنوں پر بھی ہے۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے صرف اور صرف توحید اور تقویٰ و توکل چاہتا ہے اور رزق کا معاملہ اس نے اپنے ذمۂ کرم لگایا ہے اور تمام مخلوق کی تقدیر کا ذرہ تخلیقِ کائنات سے پچاس ہزار سال پہلے لکھ دی تھی اور اس نے جو کچھ رزق اور پیدائش اور اجل کے بارہ میں لکھا اس میں کسی طرح بھی تغیر واقع نہ ہوگا خواہ اس کے خلاف جملہ کائنات جدوجہد کرے۔ ذرا غور تو کرو کہ یہ پرندے، درندے اور وحشی جانور صبح کو خالی پیٹ اُٹھتے ہیں لیکن شام تک پیٹ بھر کر اپنے گھونسلوں اور رہائش گاہوں کو لوٹتے ہیں اس لیے کہ انہیں اللہ تعالیٰ پر پورا بھروسا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کے قلوب میں نورِ معرفت ہے کہ رزق کا خطرہ کاہے کا جبکہ ان کا خالق موجود ہے۔

سبق: انسان کو حیوانات سے سبق سیکھنا چاہیے کہ یہ رزق کے پیچھے مارا مارا پھر رہا ہے اور حرام و حلال کی تمیز کئے بغیر ذخیرہ اندوزی میں لگا ہوا ہے اسے نہ رزق کی حقیقت کی طرف دھیان ہے نہ ہی اپنی اجل کو سمجھا ہے، کیونکہ بہت سے انسانوں کا ذخیرہ جمع کیا ہوا رکھا رہتا ہے اور وہ عالمِ برزخ کو سدھار جاتا ہے۔ پھر اس کا جمع کیا ہوا غیر کھا جاتے ہیں۔ بلکہ ایسے لوگ بھی اس کے ذخیرہ کے مالک بنتے ہیں جنہیں وہ ایک آنکھ دیکھنا گوارا نہ کرتا تھا۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف ۱ کل کے لیے ذخیرہ مت کرو کیونکہ جیسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر لمحہ ہر سانس جدید نصیب ہوتا ہے ایسے ہی رزق بھی روزانہ وہاں سے آتا ہے۔ جیسے بندہ رزق کی تلاش میں پھرتا ہے ایسے ہی اجل اس کی تلاش میں رہتی ہے۔

خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف ۲ اے لوگو! رزق ازل سے تقسیم ہو کر مل رہا ہے تمہارے مقسوم میں کمی نہ ہوگی، نہ زیادتی۔ نہ ہی ایک کا رزق دوسرے کے پاس جائے گا۔ البتہ تلاش تمہارے ذمہ لگائی گئی ہے لیکن اسے اطاعتِ الٰہی کے تحت تلاش کرو۔ نافرمانی میں تلاش کی گئی (یعنی حرام طریقے سے روزی حاصل کی گئی) تو اس کی سزا ملے گی۔ قناعت میں فراخی ہے۔ اپنے رزق کے حصول اور خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرو اسے کفایت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور وہ زہد میں ہے اور زہد میں راحت ہے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattori

اس لیے اس میں حساب کی خفت ہے اور قیامت میں ہر عمل کا حساب ہوگا اور وہ وقت عنقریب آنے گا۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

در خرابہ مکش بہر گنج غصہ و رنج
چو نقد وقت تو شد فقر خاک بر سر گنج
بقصر عشرت و ایوان عیش شاہان بین
کہ زاغ نغز سرا گشت و چغد قافیہ سنج

ترجمہ: دنیا میں خزانوں کی خاطر دکھ درد مت اٹھا، جب تیرا قیمتی وقت ضائع ہو گیا تو خزانہ تیرے کیا کام آئے گا۔ تم شاہوں کے محلات کو دیکھ لو کہ اب ان پر کوا کائیں کائیں کر رہا ہے اور الّو بول رہا ہے۔

حکایت ایک بزرگ نے فرمایا کہ میں اور میرا ساتھی پہاڑ کے ایک گوشے میں عرصہ تک عبادت میں مشغول رہے۔ میرا ساتھی مجھ سے کچھ فاصلے پر تھا ایک دن آیا اور کہا کہ ہمارے پڑوس میں بدوی آئے ہیں آئیے ان سے ملیں، ممکن ہے ان سے کچھ کھانے پینے کے لیے مل جائے۔ میں نے ہر چند انکار کیا مگر اس نے بصد الحاح وزاری مجھے رضامند کر لیا۔ ہم ان کے ہاں پہنچے تو انہوں نے ہمیں کھلایا پلایا۔ جب ہم لوٹے تو ہم دونوں اپنی اپنی عبادت گاہ میں چلے گئے۔ میں نے حسب معمول دوسرے روز ہرنی کا انتظار کیا، جو روزانہ میرے لیے غیب سے کھانا لاتی تھی، وہ نہ آئی۔ میں اور چند روز تک اس کا انتظار کرتا رہا، اس نے نہ آنا تھا نہ آئی۔ میں نے سمجھا کہ یہ نحوست اسی کی ہے جبکہ ہم نے توکل کے خلاف کر کے بدویوں سے کھانا طلب کیا تھا۔

سبق: اس غلطی سے تین نصیحتیں حاصل ہوئیں:

(۱) توکل کو توڑنے کی نحوست

(۲) طمع ولالچ سے قناعت کو چھوڑا جس کی برکت سے غیب سے رزق ملتا تھا۔

(۳) حرام رزق کی نحوست سے حلال طیب رزق کی بندش جو منجملہ کرامات کے تھی جو اس بندۂ خدا کو نصیب ہوئی تھی۔ (ذکرہ الیافعی فی الریاض)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ وَاِنَّ

الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِىَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ فَاِذَا رَكِبُوْا فِى الْفُلْكِ

آخرت کا گھر ضرور وہی سچی زندگی ہے کیا اچھا تھا اگر جانتے پھر جب کشتی میں سوار ہوتے ہیں

دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ۝

اللہ کو پکارتے ہیں ایک اسی پر عقیدہ لاکر پھر جب وہ انہیں خشکی کی طرف بچا لاتا ہے جبھی شرک کرنے لگتے ہیں

لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا

کہ ناشکری کریں ہماری دی ہوئی نعمت کی اور برتیں تو اب جانا چاہتے ہیں اور کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ ہم نے

حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ

حرمت والی زمین پناہ بنائی اور ان کے آس پاس والے لوگ اچک لیے جاتے ہیں تو کیا باطل پر یقین لاتے ہیں اور اللہ

اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ۝ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ

کی دی ہوئی نعمت سے ناشکری کرتے ہیں اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا

كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِىْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝

حق کو جھٹلائے جب وہ اس کے پاس آئے کیا جہنم میں کافروں کا ٹھکانا نہیں

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ

اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھا دیں گے اور بیشک

لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

اللہ نیکوں کے ساتھ ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اس میں دنیا کی تحقیر کی طرف اشارہ ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مچھر کے پر کے برابر بھی اس کی قدر و قیمت نہیں۔

ف : امام راغب نے فرمایا کہ حیاۃ دنیا و آخرت کی وجہ سے دو قسم ہے :

(۱) حیاتِ دنیا

(۲) حیاتِ آخرت

حیاتِ دنیا سے مراد یہ ہے کہ اول ہے بوجہ اس کے بالمقابل دوسری حیات یعنی حیاتِ آخرت۔ اسی لیے دنیوی زندگی کو اولیٰ اور اخروی زندگی کو آخرت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پہلی زندگی سے موت سے پہلے کے اوقات مراد ہیں اور چونکہ یہی اوقات انسان کے قریب ہیں اسی لیے اسے دنیا سے تعبیر کیا گیا اور دوسری زندگی سے مرنے کے بعد کے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اوقات مراد ہیں اور دارِ آخرت اس لیے ہے کہ وہ دنیوی زندگی سے متاخر ہے۔ یعنی نہیں دنیوی زندگی اِلَّا لَهْوٌ مگر کھیل۔ اور لہو ہر اس شے کو کہا جاتا ہے جو انسان کو مقصود و مطلب سے باز رکھے اور ملاہی لہو کے آلات کا نام ہے وَّلَعِبٌ یہ لعب فلان سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اپنے فعل سے کسی مقصد صحیح کو سامنے نہ رکھے۔

ف: کاشفی نے ترجمہ کیا کہ مگر مشغولی و بیکاری و لعب و بازی یعنی دنیا سرعۃ القضاء و زوال میں بچوں کے کھیل کے مشابہ ہے کہ وہ ایک جگہ اکٹھے ہو کر کھیلتے ہیں تو خوش و خرم، لیکن تھوڑی دیر کے بعد وہاں سے منتشر ہو کر محزون و مغموم ہوتے ایسے ہی دنیا کا حال ہے۔ کسی نے کیا خوب فرمایا: ؎

بازیچۂ طفل فریب ایں متاع دہر
بے عقل مرد ماں کہ بدیں مبتلا می شوند

ترجمہ: عالمِ دنیا کا تمام سامان بچوں کے کھیل کی طرح ہے لیکن بے عقل ہیں لوگ جو اس میں مبتلا ہیں۔

تفسیرِ صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ حیاتِ دنیا جس میں انسان عیش اڑاتا ہے وہ بمقابلہ حیاتِ آخرت کے کہ جس میں اللہ والے اللہ کے قرب و جوار میں ہوں گے، اور اسے لہو و لعب سے تعبیر کرنے کی دو وجہیں ہیں:

(۱) ظاہر ہے لہو و لعب کا معاملہ سریع الزوال ہے کہ اس میں مداومت نہیں ہوتی۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ دنیا اور اس کی زینت و شہوات ڈھلنے والے سایہ کی طرح ہے کہ اس میں بقا نہیں۔ اسی لیے اس میں دل لگانا مناسب نہیں بلکہ اسے جھانک کر بھی نہ دیکھا جائے۔

(۲) لہو و لعب بچوں اور پاگلوں کا کام ہے عقلاء اور سمجھدار لوگ اس سے متنفر ہوتے ہیں اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"نہ میں لہو و لعب سے ہوں اور نہ لہو و لعب مجھ سے ہے۔"

ف: حدیث شریف میں لفظ "السرد" واقع ہوا ہے بمعنے لہو و لعب۔ سمجھدار انسان لہو و لعب یعنی دنیا سے دامن بچانے کی کوشش کرتا ہے۔

سوال: کشف الاسرار میں ہے کہ دنیا کو اللہ تعالیٰ نے لہو و لعب کیوں فرمایا حالانکہ اسے کسی حکمت و مصلحت کے تحت پیدا فرمایا ہے اور اس کی حکمت میں لہو و لعب کیسا؟

جواب: اسے اغلب و اعم کی بنا پر لہو و لعب فرمایا کہ اس میں عموماً اور غالباً لہو و لعب ہوتا ہے۔ اسی لیے حدیث شریف میں ہے کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ دنیا کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: جو شے تجھے اللہ تعالیٰ سے غافل کر دے وہی دنیا ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مثنوی شریف میں ہے : ؎

۱ چیست دنیا از خدا غافل شدن   نے قماش و نقرہ و فرزند و زن
۲ مال را گر بہر دیں باشی حمول   نعم مال صالح خواندش رسول
۳ آب در کشتی ہلاک کشتی است   آب اندر زیر کشتی پشتی است
۴ چونکہ مال و ملک را از دل براند   زاں سلیمان خویش جز مسکیں نخواند
۵ کوزۂ سربستہ اندر آب رفت   از دل پر باد فوق آب رفت

ترجمہ (۱) دنیا کیا ہے خدا سے غافل ہونا، نہ کھیل تماشا نہ اولاد اور عورت ۔
(۲) اگر مال دین کے لیے اٹھایا ہوا ہے یہ اچھا مال ہے ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔
(۳) پانی کا کشتی میں ہونا تباہی ہے۔ پانی کشتی کے نیچے ہو تو اس کی پشت پناہی ہے ۔
(۴) چونکہ سلیمان علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے مال کو دل سے صاف کر دیا تھا اسی لیے وہ خود کو مسکین کہلواتے تھے۔
(۵) کوزہ سربستہ پانی میں ڈال دیا جائے تو وہ چونکہ اندر سے صاف ہے اسی لیے پانی کے اوپر آجائے گا۔

تفسیر عالمانہ

وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ لَھِیَ الْحَیَوَانُ ۘ اور بے شک دار آخرت یعنی بہشت حیات حقیقیہ کا گھر ہے کیونکہ وہاں نہ موت ہے نہ فنا ہے یا اس میں مبالغہ ہے وہ یہ کہ جسے حیات کہا جا سکتا ہے وہ صرف آخرت ہے۔

حل لغات

الحیوان، حیی کا مصدر ہے۔ جس شے میں حیات ہو اسے بھی الحیوان سے تعبیر کرتے ہیں یہ دراصل حییان تھا۔ دوسری یا کو واؤ سے تبدیل کیا گیا تاکہ صرفی قاعدہ سے ایک یاء الف سے تبدیل ہو کر التقائے ساکنین کی وجہ سے گر نہ جائے۔ اور الحیوٰۃ سے یہ بلیغ تر ہے اس لیے کہ صیغہ فعلان میں مبالغہ ہوتا ہے اور اس کی حرکت اضطراب و تحرک پر دلالت کرتی ہے جو حیوان کا خاصہ ہے اسی مبالغہ کے پیش نظر حیاۃ پر حَیَوَان کو لایا گیا ہے۔

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ اگر انہیں علم ہوتا تو وہ دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دیتے کیونکہ دنیا تو عدم محض ہے اور اس کے اندر جتنے امور ہیں سب عارضی اور فانی اور سریع الزوال ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ دار دنیا دراصل موت ہی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے کافر کو مُردہ کہا ہے اگرچہ وُہ دنیا میں زندہ ہے۔ کما قال :

لا تسمع الموتیٰ ۔

اور فرمایا : لتنذر من کان حیا ۔

اس سے ثابت ہوا کہ دنیا میں جو بھی ہے وہ مُردہ ہے۔ مگر جسے اللہ تعالیٰ نور ایمان سے زندہ فرمائے تو وُہ زندہ ہے اور آخرۃ سے عالم ارواح اور ملکوت مراد ہے اس لیے کہ اس کا ہر حصہ حیاۃ ہے اور اسے حیوان سے اسی لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ وہ زندہ ہوتا ہے اور زندہ کے ہر حصہ میں حیوٰۃ ہوتی ہے اور آخرۃ بھی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اسی لیے حیوان ہے کہ اس کا ہر جزء زندہ و حی ہے۔

حدیث شریف بے شک بہشت اور اس کے اشجار و اثمار اور محلات اور دیواریں اور نہریں یہاں تک کہ اس کی مٹی اور پتھر یاں سب کی سب حیوۃ ہی حیوۃ ہیں۔

اس معنی پر حیوۃ حقیقی کو نہ تو تکالیف لاحق ہوتی ہیں اور نہ مصائب اور نہ امراض ، نہ علل بلکہ وہاں نہ موت ہے نہ فوت ، اور اہل جنات و قربات کی حیوۃ یہی ہے اگر وہ اس کی قدر و قیمت اور اس کی ماہیۃ کی لیۃ اور حقیقی موت سے باخبر ہوتے تو اس کے حاصل کرنے میں بہت زیادہ حریص بنتے اور جسے ایسی حیـــاۃ حاصل نہ ہوئی وہ اسے آخرت میں حاصل نہیں کر سکے گا۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اہل نار کی صفت یہ ہے کہ وہ اس میں نہ مریں گے نہ جئیں گے یعنی انہیں حیوۃ حقیقی نصیب نہ ہوگی جس سے راحت و قرار حاصل کر سکیں اور پھر وہ موت کی آرزو کریں گے لیکن وہاں موت کہاں!

ف ۔ کشف الاسرار میں ہے کہ اے غافل ! کب تک حصول مراد کے تصور میں رہو گے اور کب تک خام آرزو میں رہو گے کبھی تو تم شیر بن جاتے ہو کہ جو چیز سامنے آئی توڑ دی اور کبھی بھیڑیا کہ جو چیز سامنے آئی پھاڑ دی ۔ کبھی کبک کہ پہاڑوں میں اڑتا پھرتا ہے کبھی ہرن کہ کھیتوں میں دوڑتا ہے ۔ تم نے کبھی سوچا نہیں کہ یہ دنیا کیا ہے کہ جس پر تم نازاں ہو ۔ یہی تمہیں فریب دے رہی ہے اور اپنے دام تزویر میں تمہیں پھنسانا چاہتی ہے ۔ یہ سراسر لہو و لعب اور بے سر و سامان لوگوں کی سرائے ہے اور کنگالوں کا سرمایہ اور بیکاروں کا کھیل ، فتنہ انگیزوں کی محبوبہ اور تنگدستوں کی معشوقہ ہے ۔ بے وفا دوست ظالم دایہ دشمن ضرر رساں ہے ۔ صبح کسی کی ہوتی ہے تو شام کو کسی اور کی ۔ کسی کے ساتھ ایک دن خوشی سے پیش آتی ہے تو دوسرے روز اسے ذلیل و خوار کر کے مارتی ہے ؎

احلام نوم او کظــــل زائل

ان اللبیب بمثلہا لا یخـــدع

ترجمہ : دنیا محض خواب خیال یا ڈھلنے والے سایہ کی طرح ہے ۔ سمجھدار ایسی شے سے دھوکا نہیں کھاتا۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

۱ صوفی در باغ از بہر کشاد — صوفیانہ روئے بر زانو نہاد
۲ پس فرو رفت او بخود اندر نغول — شد ملول از صورت خوابش فضول
۳ کہ چہ خسپی آخر اندر از نگر — ایں درختاں بیں و آثار خضر
۴ امر حق بشنو کہ گفتست انظروا — سوئے ایں آثار رحمت آر رو
۵ گفت آثارش دلست اے بوالہوس — آں بروں آثار آثار است و بس

ترجمہ : (۱) ایک صوفی باغ میں قلب کی کشادگی کے لیے صوفیانہ طور گھٹنوں پہ سر رکھ کر بیٹھ گیا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(۲) بیٹھتے ہی سو گیا بیدار ہوا تو اپنے خواب فضول پر غمگین ہوا (اور خود سے کہا کہ)

(۳) تو اس باغ میں کیوں سو گیا تو ان درختوں اور سبز پتوں کے نشانات دیکھ

(۴) ابو الحسن کو اس نے فرمایا اُنظروا (دیکھو) ان آثار کو اور رحمت کی جانب منہ کر۔

(۵) پھر کہا کہ آثار تو دل سے ہے اے ابو الحسن! باہر والے تو صرف نام کے آثار ہیں اور بس۔

ف: اس زندگی (دنیا) کو وہ لہو و لعب سے گذارتا ہے جسے حیات طیبہ اور حقیقی زندگی کا علم نہیں اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے بھی ہیں جن کا ہر لمحہ اس کے ذکر میں بسر ہوتا ہے جن کا صلہ قیامت میں یہ نصیب ہوگا کہ ان کا ہر لمحہ مشاہدہ و معاینہ میں بسر ہوگا کیونکہ ذکر و فکر کی زندگی کا صلہ انس اور شہود وفا کا ثمرہ بقا یہی حضرات ہیں کہ وہ تھوڑی دیر کے لیے اللہ تعالیٰ سے محجوب نہیں ہوتے اور جو محجوب ہوں گے انہیں دائمی زندگی نصیب نہ ہوگی ؎

غم کے خورد آنکہ شادمانیش توئی
یا کے میرد آنکہ زندگانیش توئی

ترجمہ: اسے غم کیسا جس کی خوشی کا سامان تو ہے اور وہ کب مرتا ہے جس کی زندگی تیرا دیدار ہے۔

سبق عاقل وہ ہے جو اپنی پیاری زندگی خواہشات نفسانی اور اشتغالِ دنیا میں ضائع نہیں کرتا بلکہ وہ باقی رہنے والے اجر و صلہ کے حصول کے لیے جد و جہد کرتا ہے۔

ف: حضرت فضیل رحمہ اللہ نے فرمایا: دنیا اگرچہ سراسر سونا ہو تب بھی اسے فنا ہے اور آخرت اگرچہ ٹھیکری کی مانند ہے تب بھی بہتر ہے کہ اسے بقا ہے بنا بریں ہم پر لازم ہے کہ ہم اسے اختیار کریں جسے بقا ہے اگرچہ ٹھیکری کی مانند سہی۔

ف: مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: مومن کے عمل نامہ کی ایک تسبیح ابن داؤد یعنی سلیمان (علیہ السلام) کی شاہی سے بہتر ہے اس لیے کہ شاہی کو فنا ہے اور مومن کی تسبیح کو بقا۔

ف: موت کے بعد انسان کے ساتھ صرف تین صفتیں باقی رہتی ہیں:

(۱) صفاء القلب یعنی دنیا کی کدورت سے قلب کا خالی ہونا۔

(۲) ذکر الٰہی کے ساتھ انس

(۳) محبت حق تعالیٰ: وہ اس لیے کہ قلب کی صفائی یعنی قلب کا دنیا کی گرد و غبار سے پاک و صاف ہونا صرف معرفت الٰہی سے نصیب ہوتا ہے اور معرفتِ الٰہی کو بقا ہے اور معرفتِ الٰہی ذکر حق تعالیٰ کے بغیر نصیب نہیں ہوتی۔ اس لیے لازم ہے کہ انسان ہر وقت ذکر و فکر میں مشغول رہے اور افضل الذکر توحید الٰہی ہے۔

تفسیر عالمانہ فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ یہ کفار کے شرح حال پر دلالت کرنے والے مضمون سے متصل ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

الرکوب بمعنے متحرک شے کے اُوپر ہونا اور یہ فعل متعدی بنفسہ ہے مثلاً والخیل والبغال

حلِ لغات والحمیر لترکبوھا لیکن یہاں پر اسی طرح کئی دوسرے مقامات پر لفظ فی سے متعدی ہیں اس طرف اشارہ ہے کہ مرکوب ایک ایسی شے ہے جو مکانیت سے تعلق رکھتی ہے اور اس کی حرکت قسریہ غیر ارادیہ ہے۔

اب معنٰی یہ ہوا کہ وہ کفار جن کے اوصاف مذکور ہوئے وہ اپنی تجارات و دیگر ضروریات کے لیے جب کشتیوں پر سوار ہوتے ہیں اور ہوا کے جھونکوں اور دریا کی موجوں سے جب کشتیاں چکر کاٹتی ہیں اور انہیں ڈوبنے کا خطرہ لاحق ہوتا ہے یعنی جب کفار و مشرکین کشتیوں میں بیٹھے ہوتے ہیں اور امواجِ دریا سے کشتیاں چکر میں گھرتی ہیں دَعَوُا اللّٰهَ تو وہ اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ ۚ درانحالیکہ وہ دین میں اہلِ ایمان کی طرح خلوص ظاہر کرتے ہیں۔ اس وقت ان کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ غیر اللہ کو نہیں پکارتے کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ شدائد و مصائب کو صرف وہی ٹالتا ہے۔

سوال: الاسئلۃ المقحمۃ میں ہے کہ کفار سے اخلاص کیسا، اخلاص ایمان کے بغیر کہاں!

جواب: اس سے مراد یہ ہے کہ بوقتِ ضرورت وہ اللہ تعالیٰ کے حضور خوب گڑگڑاتے ہیں اور اس وقت عزم کر لیتے ہیں کہ اگر غرق ہونے سے بچ گئے تو پکے اور سچے مسلمان بن جائیں گے لیکن ان کی بدبختی کہ جونہی غرق ہونے سے بچ نکلتے ہیں تو پھر اسی غفلت اور اصرار علی الکفر میں لگ جاتے ہیں۔ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ آیت میں اخلاص سے وہ اخلاص مراد نہیں جو ایمان کے ثمرات سے ہے۔

تفسیرِ قرآنی از عکرمہ آیت کے مضمون کی تصدیق حضرت عکرمہ کے قول سے ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اہلِ جاہلیت جب دریائی سفر کرجاتے تو کشتی پر سوار ہوتے وقت اپنے ساتھ بت رکھتے۔ جب ہوا زور پکڑتی اور کشتی کو خطرہ لاحق ہوتا تو بتوں کو دریا میں پھینک کر زور زور سے پکارتے: یا خدا! یا خدا! (کذا فی الوسیط) اور کشف الاسرار میں ہے کہ وہ پکارتے: یا رب! یا رب!

فَلَمَّا نَجّٰهُمۡ اِلَى الۡبَرِّ

حلِ لغات البر بمعنی خشکی ہے۔ اس سے وسعت مکانی مراد ہے اور البر (نیکی) بھی اسی سے مشتق ہے بمعنے فعل الخیر میں توسع (کذا فی المفردات)

یعنی جب انہیں اللہ تعالیٰ نجات دیتا ہے اور دریا میں غرق ہونے سے سلامتی بخشتا ہے اور وہ صحیح سالم میدانوں میں آجاتے ہیں اِذَا هُمۡ يُشۡرِكُوۡنَ ۙ اس کے بعد اپنی پرانی عادت شرک کی طرف لوٹ آتے ہیں لِيَكۡفُرُوۡا بِمَاۤ اٰتَيۡنٰهُمۡ ۚ یہ لام کے کی ہے یعنی تاکہ ہو جائیں ہماری دی ہوئی نعمت نجات کے ساتھ بوجہ شرک کفر کرنے والے حالانکہ ان پر لازم تھا کہ نجات پانے کے بعد شکرِ خداوندی میں

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مشغول رہتے وَلِيَتَمَتَّعُوْا تاکہ عبادتِ اصنام اور ان کی محبت کے اتفاق میں مجتمع ہو کر نفع اٹھائیں، اور یہ بھی ہے کہ ان دونوں میں لام امر کی ہو۔ اس معنی پر یہ امر وعید و تہدید کا ہوگا جیسے اعملوا ما شئتم امر تہدیدی ہے۔ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ اس کا انجام اور نافرمانی کا نتیجہ جان لیں گے جب عذابِ الٰہی اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ فاذا رکبوا فی الفلک میں اشارہ ہے کہ انسان اپنے قلب کو ماسوی اللہ سے فارغ کر کے اور یقین کرے نفع و ضرر کا مالک صرف وہی ہے اور یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب قلب پر بلائیں نازل ہوتی ہیں اور وہ دُکھ درد اور ہلاکت و تباہی کے گھاٹ اترتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو بھیجا تاکہ وہ جوہرِ انسانی کو صاف ستھرا کر کے فیضِ الٰہی کے قبول کرنے کے قابل اور ماسوا سے کونین کے تعلقات چھڑا کر صرف خالق کی طرف رجوع رکھنے کا اہل بنائیں۔ اس لیے کہ رجوع الی اللہ کا جوہر انسانی قلب میں موجود ہے صرف طبعی یعنی خواہشاتِ نفسانی کو ہٹانے کی دیر ہے۔ کما قال،

ان الی ربک الرجعیٰ۔

ف: مومن و کافر کے اخلاص میں یہ فرق ہے کہ اہلِ ایمان کے اخلاص میں تائیدِ ایزدی کو دخل ہوتا ہے۔ اسی لیے کہ نزول البلاء سے پہلے یعنی راحت و خوشی میں اس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کو خلوص سے ادا کیا اس کے اس اخلاص کو حق کی تائید نصیب ہوئی۔

حدیث قدسی چنانچہ حدیث قدسی میں ہے:

"اخلاص ایک ایسا راز ہے جو صرف میرے اور بندے تک محدود ہے اس کا علم نہ کسی ملک مقرب کو ہوتا ہے نہ نبی مرسل کو۔"

یہی وجہ ہے کہ مخلص بندے کے اخلاص میں کوئی فرق نہیں پڑتا رنج و راحت اس کے لیے برابر ہوتا ہے لیکن کافر کا اخلاص طبعی ہوتا ہے جو صرف بلاء اور خوفِ ہلاکت کے وقت ہوتا ہے پھر ختم کیونکہ رنج و بلاء کے وقت اسے طبیعت مجبور کرتی ہے کہ وہ اخلاص کرے۔ اسی لیے اس کے اخلاص کو ربانی تائید نصیب نہیں ہوتی بلکہ وہ تعلقاتِ دنیویہ میں ہر وقت گرفتار رہتا ہے صرف اسی وقت اخلاص کا اظہار کرتا ہے جب ضرورت پڑتی ہے جیسے کشتی سواروں کا حال تھا کہ غرقابی کے خطرے سے دعوا اللّٰہ مخلصین له الدین مخلص ہو کر اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے اور ان کا یہ پکارنا اضطراری تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاکت و تباہی سے نجات بخشی فلما نجّٰهم الی البر پھر جب ان سے وقت اضطرار زائل ہوا تو وہ اپنی منحوس عادت کی طرف لوٹ آئے اذا هم يشركون ليكفروا بما اٰتينٰهم اس وقت پھر وہ شرک میں مبتلا ہو گئے اور ہماری دی ہوئی نعمت کا کفران کرنے لگے۔ یعنی وہ نعمتِ ایزدی سے کفر کر کے عذابِ الٰہی کے مستحق

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattori

شہرے ولیتمتعوا چند روز نفع اٹھائیں فسوف یعلمون پھر عنقریب انہیں اپنے انجام اور دائمی عذاب میں مبتلا ہونے کا علم ہوگا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا: ؎

۱ راہ راست باید نہ بالائے راست
کہ کافر از روئے صورت چو ماست

۲ ترا آنکہ چشم و دہاں داد و گوش
اگر عاقلی در خلافش مکوش

۳ مکن گردن از شکر منعم مپیچ
کہ روز پسیں سر برآرے بہیچ

ترجمہ (۱) سیدھا راستہ چاہیے نہ کہ بلندی کا، کیونکہ کافر بظاہر ہمارے جیسا ہے۔
(۲) اللہ تعالیٰ نے تجھے آنکھ، منہ اور کان بخشے ہیں اگر سمجھدار ہے تو اس کے خلاف عمل کی کوشش نہ کر۔
(۳) اس کے خلاف نہ کر شکر منعم سے گردن نہ ہٹا ورنہ کل بیکاری اور ذلت اٹھائے گا۔

شرح حزب البحر

حضرت شیخ زروق حزب البحر کی شرح میں لکھتے ہیں کہ دریائی سفر، جیسا کہ دورِ حاضر کا تقاضا ہے اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں اگرچہ اس کی مشقت کی وجہ سے اختلاف ہے لیکن پانچ عوارض اگر لاحق ہوں تو ممنوع ہے:

(۱) ادائیگی فرض میں رکاوٹ یا اس میں کوتاہی یا کمی واقع ہوتی ہے۔

(۲) جہاں کشتی وغیرہ کے غرق ہونے کا خطرہ ہو، کیونکہ یہ خودکشی کے مترادف ہے۔ یہ شمس کا عقرب میں دخول سے لے کر شتاء کے آخر تک۔

(۳) جہاں قید ہو جانے یا جان و مال کی ہلاکت کا خطرہ ہو دشمن سے یا کسی اور وجہ سے۔ ہاں اگر راستہ پُرامن اور سلطنت اسلامی ہو تو کوئی حرج نہیں اس لیے کہ اسلامی سلطنت میں غیروں سے کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ ہاں جو ممالک غیر مسلمانوں کی جان کے ضامن ہوں تو وہاں بھی کوئی حرج نہیں۔

(۴) جس سفر میں غیروں کے تحت چلنا پڑے اور وہ ذلیل و خوار کرنے کے درپے ہوں یا مشاعرِ اسلام کی توہین کرتے ہوں اگرچہ ان سے جان و مال کی حفاظت کی ضمانت بھی ہو تب بھی سفر کرنا ممنوع ہے۔ آج کے دور میں مسلمانوں کی غیرت کو چیلنج ہے کہ وہ غیروں سے مشاعرِ اسلام کی توہین آنکھوں سے دیکھتے ہیں تب بھی ان کے ساتھ نہ صرف میل جول بلکہ ان سے دوستی کا دم بھرتے ہیں۔ اگرچہ بعض علماء کرام نے اسے جائز کہا ہے اور دلیل میں لکھا ہے کہ دار الحرب میں جب تجارتی لین دین جائز ہے تو پھر سفر کی رکاوٹ کیوں؟ اس کے جواب میں

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ہم کہیں گے کہ جواز کی دلیل غلط ہے کیونکہ دارالحرب میں تجارتی لین دین مکروہ ہے۔ زیادہ سے زیادہ ہم اتنا کہہ سکتے ہیں کہ بوجہ ضرورت جائز ہے۔ اسی جواز کے پیشِ نظر بعض علماء و مشائخ نے حربیوں کے ساتھ دریائی سفر اختیار فرمایا اور اسی سے حج کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے دریائی سفر کو جائز رکھا گیا ہے وہاں بھی سفری سہولتیں غیروں کے قبضے میں ہیں وہ اگرچہ مکروہ ہے لیکن چونکہ فرض کی ادائیگی کی ضرورت ہے اس کے بالمقابل کراہت کے ارتکاب میں کوئی حرج نہیں۔

(۵) جہاں عورتوں کو ستر کے معاملہ میں خطرہ ہو جیسے چھوٹی کشتیوں میں عورتوں کو ایسا حرج واقع ہوتا ہے۔ اسی لیے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایسے سفر سے روکا ہے اگرچہ حج کی بھی ضرورت ہو۔ ہاں اگر عورتوں کے ستر و حجاب کا اہتمام ہو سکتا ہے، جیسے بڑی کشتیوں اور جہازوں میں ہوتا ہے تو جائز ہے۔

دریائی سفر کرتے وقت پڑھا جائے:

اوراد و وظائف

بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا ان ربی لغفور رحیم۔ اور و ما قدروا اللہ حق قدرہ والارض جمیعا قبضتہ یوم القیٰمۃ والسمٰوٰت مطویات بیمینہ سبحانہ و تعالیٰ عما یشرکون۔

ان آیات کے پڑھنے سے کشتی غرق ہونے سے محفوظ رہے گی۔ اور یہ آیات مسافر کے لیے امان بن جائیں گی۔

تفسیر عالمانہ

اَوَلَمْ یَرَوْا کیا اہل مکہ نے دیکھا نہیں، اور کیا انہیں مشاہدہ نہیں ہوا اَنَّا جَعَلْنَا بے شک ہم نے ان کے شہر کو بنایا حَرَمًا حرمت والا اٰمِنًا امن والا۔ ہر زیادتی سے امن والا اور ہر تعدی سے سلامتی والا اور اس کے اہل کو ہر تکلیف سے محفوظ رکھنے والا۔

وَیُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ

حلِ لغات

التخطف بمعنے ربودن اور حول شے کی وہ جانب جسے آسانی سے پھیرا جائے۔ اس وقت یہ حال تھا کہ عرب کے گرد و نواح کے لوگ اس لوٹ مار سے محفوظ تھے کوئی ڈاکو، چور انہیں نہ لوٹتا تھا نہ مارتا تھا۔

اَفَبِالْبَاطِلِ یُؤْمِنُوْنَ یعنی ظہورِ حق (کہ جس کے متعلق ذرہ برابر بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں) کے بعد باطل پر ایمان لاتے ہیں یعنی کفار باطل پر ایمان رکھتے ہیں اس سے شیطان یا بت مراد ہیں یعنی کفار باطل پر ایمان رکھتے اور حق سے منہ موڑتے ہیں اور صلہ کی تقدیم میں ان کے فعل کی شناعت و مذمت مطلوب ہے وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ اور وہ نعمت جو شکریہ کی مستوجب تھی، مراد ہے یَکْفُرُوْنَ ۝ سے کفر کرتے ہیں بایں طور کہ ذاتِ حق کے ساتھ غیروں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ افبالباطل میں باطل سے نفس کے جملہ مشارب ماسوی اللہ مراد ہیں یؤمنون صدق کو غیر اللہ میں صرف کرتے ہیں وبنعمۃ اللہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اس سے مشاہدۂ حق مراد ہے یکفرون کفر کرتے ہیں یعنی مشاہدہ کو طلب نہیں کرتے۔ ہم نے باطل سے ماسوی اللہ اس لیے مراد لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز باطل ہے اور مجازی اس کا بطلان۔ تو ظاہر ہے کہ وہ عدم محض ہے اور مجازی اس لیے کہ وجود اضافی کا آئینہ ہے۔

ف : اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا بہ نسبت اس کی نعمتوں کے ساتھ کفر کرنے سے سخت تر ہے اس لیے پہلا دوسرے کو لازم ہے بخلاف ثانی کے کہ ضروری نہیں کہ نعمتوں کے کفر سے کفر الٰہی لازم آئے۔ اور کفار نے دونوں کا ارتکاب کیا اس لیے وہ مذموم ترین ہیں۔

تفسیر عالمانہ

وَمَنْ اَظْلَمُ اور اس سے اور کون زیادہ ظالم ہوگا **مِمَّنِ افْتَرٰی** جس نے از خود گھڑ لیا **عَلَى اللّٰهِ** اللہ واحد صمد پر **كَذِبًا** جھوٹ۔ مثلاً اس کے لیے گمان کیا کہ اس کا کوئی شریک ہے۔ یعنی مشرک تمام ظالموں سے بدترین ظالم ہیں **اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ** یا اس نے حق کو جھٹلایا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یا قرآن مجید کو **لَمَّا جَآءَهٗ** جبکہ اس کے پاس آیا تو اس نے بلا تاخیر عناد کے طور پر انکار کر دیا۔

ف : لفظ لمّا میں ان کی سفاہت وحماقت کا اظہار ہے کہ انہوں نے سوچے سمجھے بغیر حق کا انکار کر دیا، حالانکہ ان پر لازم تھا کہ جونہی حق آیا تھا اس میں غور و فکر کرتے۔ اگر خامی دیکھتے تو کہتے کچھ کہنے کے حقدار تھے لیکن انہوں نے تو سنتے ہی فوراً انکار کر دیا۔ یہ ان کی حماقت وسفاہت ہے۔

اَلَيْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝ یہ ان کے جہنم میں ٹھہرنے کی تقریر ہے یعنی جہنم میں کافروں ہی نے ٹھہرنا ہے۔ یہ استفہام انکاری ہے اور اس کا قاعدہ ہے کہ جب نفی پر داخل ہوتا ہے تو ایجاب کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی کیا اب بھی یہ لوگ جہنم میں داخل ہونے کے مستحق نہیں ہیں جبکہ انہوں نے حق کے انکار و تکذیب میں حماقت وسفاہت کا ثبوت دیا اور افترا علی اللہ کی بھی مثال قائم کر دی۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ کافروں کو معلوم نہیں کہ وہ جہنم میں ٹھہریں گے اس لیے کہ انہوں نے تکذیب و افترا علی اللہ جیسے قبیح و شنیع افعال کے ارتکاب کی جرأت کی۔

تفسیر صوفیانہ

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اور اس شخص سے اور بڑا ظالم کون ہے جو اپنے ظن فاسد سے سمجھتا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی حال یا وقت یا کشف یا مشاہدہ کا تعلق ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسے تعلقات انسان کے کہاں! اور مزید اللہ تعالیٰ پر یہ افترا کہ برائیوں کے ارتکاب کے بعد کہتے ہیں کہ اسی طرح ہمارے آباؤ اجداد کرتے چلے آئے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ جاہل صوفی جو کہا کرتے ہیں کہ ہم خلاف شرع و سنت جو کچھ کرتے ہیں ہمارے لیے روا ہے اس لیے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے ایسے ہی حکم ہوا ہے (معاذ اللہ) بلکہ اس سے تجاوز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم اپنے مشائخ طریقت کو ایسے ہی دیکھتے چلے آئے ہیں اسی لیے ہماری حرکات و سکنات قربِ الٰہی اور ہماری ولایت

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کاملہ کی دلیل ہے۔ گناہوں کا ارتکاب ہمارے لیے مضر نہیں اور اعمالِ صالحہ میں کچھ فائدہ نہیں دے سکتے اور کذب بالحق یا اس نے حق یعنی شریعت اور مشایخ طریقت اور ان کی سیرت کی تکذیب کی جب ان کے پاس حق آیا الیس فی جہنم کیا نہیں جہنم یعنی نفس امارہ میں **مثوی** ٹھکانہ **للکٰفرین** دین و اور شریعت و طریقت کے ساتھ کفر کرنے والوں کا یہ جو اس کے گروہ میں کثرت افسانے گھڑتے اور ایسے دعاوی کرتے جن کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں تھی بلکہ وہ اپنے دعاوی کی اپنے منہ سے تکذیب بھی کرتے تھے

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا: ؎

مدعی خواست کہ آید بتماشا گہ راز
دستِ غیب آمد و بر سینۂ نامحرم زد

ترجمہ: مدعی نے چاہا کہ وہ تماشا دکھا سکے لیکن دستِ غیب نے نامحرم کو رسوا و خوار کیا۔

خلاصہ یہ کہ جھوٹا مدعی معنی کے حرم کے داخلے سے بیگانہ اور اجنبی ہے جیسے اجنبی کو بادشاہ کے حرم میں داخل نہیں ہونے دیا جاتا ایسے ہی حقیقت سے بے خبر کو حقیقت کے حرم میں داخلہ کی اجازت نہیں ملتی۔

حضرت کمال خجندی رحمہ اللہ نے فرمایا: ؎

مدعی نیست محرم در یار
خادم کعبہ بولہب نبود

ترجمہ: محبوب کے حرم کا جھوٹے مدعی کو محرم نہیں بنایا جاتا جیسے ابولہب کو کعبہ کی دربانی نصیب نہ ہوئی۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ خالی دعووں اور جھوٹی باتوں سے اجتناب کرے اور نفس کے جملہ صفات رذیلہ سے دور رہنے کی جدوجہد کرے اور معنی و صدق کے حصول کی سعی کرے بلکہ اوصاف قلب سے متجلی ہونے میں کوئی کسر نہ چھوڑے۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا: ؎

طریق صدق بیاموز از آب صافی دل
براستی طلب آزادگی چو سرو چمن

ترجمہ: اصافت قلب سے صدق کے طریق کو سیکھئے سرو چمن کی طرح سچائی سرو چمن کی طرح آزادی طلب کیجئے۔

حکایت

حضرت ابراہیم خواص رحمہ اللہ تعالیٰ جب سفر کا ارادہ فرماتے تو کسی کو علم تک نہ ہوتا اور نہ ہی آپ کسی سے کہتے کہ میں سفر کو جا رہا ہوں۔ بس لوٹا اٹھایا اور چل پڑتے۔ حضرت حامد الاسود فرماتے ہیں کہ ہم مسجد میں بیٹھے تھے کہ آپ نے آکر لوٹا اٹھایا اور چل پڑے۔ میں نے سمجھا کہ آپ سفر کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میں بھی آپ کے پیچھے ہو لیا جب آپ قادسیہ میں پہنچے تو مجھے دیکھ کر فرمایا: اے حامد! تم کہاں؟ میں نے عرض کی، حضرت! میں آپ کے سفر کے کوائف معلوم کرنے کے لیے آپ کے پیچھے ہو لیا تھا۔ آپ نے فرمایا: میں تو کعبہ معظمہ کی زیارت کو جا رہا ہوں۔ میں نے عرض کی تو میں بھی آپ کے ساتھ ہوں (ان شاء اللہ تعالیٰ) اس کے بعد ہم دونوں کعبہ معظمہ کی طرف چل پڑے۔ راستے میں ہمیں ایک نوجوان ملا جو وہ بھی کعبہ معظمہ جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ چنانچہ وہ شب و روز ہمارا ہم سفر رہا۔ لیکن وہ نماز نہیں پڑھتا تھا۔ میں نے اس کی شکایت حضرت ابراہیم رحمہ اللہ سے کی آپ نے اسے فرمایا: بیٹے! تم نماز کیوں نہیں پڑھتے حالانکہ حج کے فریضہ سے زیادہ اہمیت نماز کی ہے۔ اس نے عرض کی، حضرت! مجھ پر نماز فرض ہی نہیں۔ آپ نے فرمایا: کیا تم مسلمان نہیں ہو؟ اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: تو پھر کون ہو؟ کہا: نصرانی ہوں اور اس جنگل میں اس لیے پہنچا کہ میرے نفس نے توکل علی اللہ کا دعویٰ کیا تو میں نے اس کی تصدیق نہیں کی بلکہ اسے آزمانے کے لیے جنگل میں لایا ہوں تاکہ اسے اسباب دُنیوی کے تعلقات سے وابستگی نہ ہو اور صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسے کا امتحان دے۔ حضرت ابراہیم نے اس کی باتیں سنیں اور مجھے فرمایا: چھوڑیئے اسے اپنے حال پہ چھوڑ دیجئے۔ ہم دونوں چل پڑے اور وہ بھی ہمارے پیچھے ہو لیا۔ یہاں تک کہ جب ہم وادی مرو میں پہنچے حضرت ابراہیم یہاں ٹھہرے اور کپڑے دھوئے اور اس نوجوان سے پوچھا: تیرا نام کیا ہے؟ کہا: عبد المسیح۔ آپ نے اسے فرمایا: اے عبد المسیح! یہی حرم مکہ ہے اور تیرے جیسے اس میں داخل نہیں ہو سکتے اس لیے کہ تو مشرک ہے اور مشرک کو اللہ تعالیٰ نے نجس (پلید) کہا ہے اور اپنی مسجد حرام میں اس کا داخلہ ممنوع فرمایا ہے۔ کما قال تعالیٰ:

انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامہم ھذا۔

اور جس طرح تو نے اپنے نفس کا امتحان لینا چاہا تھا وہ پورا ہو گیا۔ لیکن کعبہ معظمہ میں داخل ہونے کی کوشش نہ کرنا۔ اگر ہم نے آپ کو کہیں دیکھا تو تمہیں سزا دیں گے۔ حضرت حامد نے فرمایا: ہم نے اسے ڈرا دھمکا کر وہیں چھوڑا اور مکہ معظمہ کے حرم میں داخل ہو گئے اور موقف میں پہنچے۔ ہم عرفات میں بیٹھے تھے اچانک اسی نوجوان کو احرام باندھے ہوئے عرفات میں دیکھا اور وہ ہمیں تلاش کر رہا تھا، ہمیں دیکھ کر خوش ہو گیا اور آتے ہی حضرت ابراہیم کے قدموں میں گر گیا۔ آپ نے اسے فرمایا: اے عبد المسیح! اپنا حال سنائیے۔ اس نے عرض کی، حضرت! اب مجھے عبد المسیح مت کہئے میں اس کا عبد ہوں جس کا عبد مسیح (علیہ السلام) ہے۔ آپ نے فرمایا: اچھا سنائیے، تجھے یہ دولت اسلام کیسے نصیب ہوئی؟ اس نے کہا: میں ایک جگہ بیٹھا ہوا تھا کہ حجاج کا قافلہ گزرا، انہیں دیکھ کر اٹھا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اور اپنے آپ کو غیر اسلامی لباس میں پایا جو مجھے بُرا لگا۔ پھر اچانک میری نگاہ کعبہ معظمہ پر پڑی تو میرا دل بھر آیا میں نے سوائے اسلام کے باقی جملہ ادیان کو بُرا محسوس کیا تو فوراً کلمۂ اسلام پڑھا اور غسل کر کے احرام باندھ کر یہاں آگیا ہوں۔ آپ کو تلاش کیا۔ الحمد للہ آپ کو پا لیا۔ حضرت ابراہیم نے مجھے دیکھ کر فرمایا: اے عابد! دیکھ لیجئے یہ ہے صدق و سچائی کی برکت، اور وہ بھی نصرانیت میں۔ اگر کوئی اسلام میں رہ کر سچائی اور صدق کو اپنائے تو اس کی کیا شان ہوگی! وہ نوجوان ہمارے ساتھ رہا۔ چند دنوں کے بعد فوت ہوا اور اللہ والوں کے ساتھ مدفون ہوا۔

فوائد الحکایت

فقیر (اسماعیل حقی قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اس حکایت سے چند فوائد حاصل ہوئے:

(۱) کعبہ معظمہ میں شرکت کی غلاظت والا داخل نہیں ہو سکتا ایسے ہی حرم قلب میں بھی جو شامدی داخل نہیں ہو سکتا جبکہ صرف باتونی ہو اور حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے ولی کے ساتھ ایک نصرانی نے ظاہری صحبت اختیار کی تو اسے دولت اسلام سے نوازا گیا تو پھر جو مسلمان صدق و صفا اور عقیدت و خلوص کے ساتھ حاضری دے تو اس کا کیا حال ہوگا!

(**ف**: وہابی دیوبندی مودودی سے بچیں اور اہلسنت والجماعت جھوٹے پیروں فقیروں اور شریعت مطہرہ کے خلاف چلنے والے سجادہ نشینوں سے بچیں)[1]

(۳) سچائی جب ایک نصرانی کو ایمان کی دولت سے نواز سکتی ہے اور کفر سے دور کر سکتی ہے تو پھر اسلام کے شیدائیوں کو کیوں نہ معرفت و حقیقت سے نوازے گی!

(۴) جس کی نظر صحیح ہو اسے مشاہدات حق سے حصہ نصیب ہوتا ہے پھر اس کی برکت سے حق کو پا لیتا ہے اور آیات ربانی کی تکذیب سے بچ جاتا ہے۔ جیسے نصرانی مذکور کو نصیب ہوا کہ اس نے جونہی کعبہ معظمہ کو دیکھا جو کہ سر الذات کی ظاہری صورت ہے ایسے ہی عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جبکہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس کو دیکھا تو کہا یہ چہرہ کذاب کا نہیں ہو سکتا ہے اس طرح سے انہیں حقیقت کی راہ نصیب ہوئی۔

(ہم اللہ تعالیٰ سے حقیقت صدق و اخلاص اور اہل اختصاص کے ثمرہ سے نفع حاصل کرنے کی عرض کرتے ہیں)

تفسیر عالمانہ

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا۔ الجہاد والمجاہدہ بمعنی دشمن کے معارضہ میں اپنی جملہ طاقت کو صرف کرنا۔ اب معنی یہ ہوا کہ وہ لوگ جنہوں نے ہمارے لیے یعنی ہماری رضا حاصل کرنے کے لیے اپنی جملہ وسعتوں کو خرچ کیا اور ہم نے مجاہدہ کا عام معنی لیا کہ اعداء ظاہری و باطنی کے مقابلہ کو شامل ہو۔ ظاہری دشمنوں کا جہاد یہی ہے کہ کفار سے جنگ و جدال کرنا۔ اور باطنی یہ ہے کہ نفس و شیطان کا مقابلہ کرنا۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حدیث شریف میں ہے :
جاھدوا اھواءکم کما تجاھدون اعداءکم۔

(اپنی خواہشات نفسانیہ سے ایسے مقابلہ کرو جیسے دشمنوں (کفار) کا مقابلہ کرتے ہو)

جہاد زبان اور ہاتھ دونوں سے کیا جانا چاہیئے۔

مسئلہ : جہاد جیسے ہاتھ سے ہوتا ہے ویسے ہی زبان سے بھی۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
جاھدوا الکفار بایدیکم والسنتکم۔
(کفار کے ساتھ ہاتھ اور زبان سے جہاد کرو)

یعنی زبان سے مقابلہ یوں ہو سکتا ہے کہ انہیں وہ باتیں کہی سنائی جائیں جو انہیں بُری لگیں جیسے ہجو وغیرہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

ف : حضرت ابن عطاء رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ماسوی اللہ سے عاجزانہ منقطع ہونے کا نام جہاد ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ خدمت کے آداب کو جہاد اس لیے کہا جاتا ہے کہ آداب خدمت بجا لانا اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز و مکرم ہے۔

الکواشی میں ہے کہ مجاہدہ سے آنکھ بند رکھنے اور زبان کی حفاظت اور خطرات قلب کی نگرانی اور اسے جمع رکھنے اور عادات بشریہ سے فارغ ہونے کا نام ہے۔ اس میں غرض و قصد بھی داخل ہے۔ یعنی انسان اپنے تمام اغراض و مقاصد کو رضائے الٰہی کے تابع کر دے۔

لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط الھدایۃ بمعنے موصل الی المطلوب کی دلالت۔ السبل سبیل کی جمع ہے۔ وہ راستہ جس پر عادۃً چلنا سہولت سے ہو۔ امام راغب نے لکھا : السبیل الطریق الذی فیہ سھولۃ۔ اسے جمع اس لیے لایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والے راستے مخلوق کی سانسوں کی گنتی کے برابر ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم ان کو اپنے ہاں کے چلنے کی راہوں اور اپنی جناب تک پہنچنے کی رہبری کریں گے۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے مہاجرین و انصار مراد ہیں۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ حضرات جنہوں نے مشرکین کے ساتھ جہاد اور جنگ کی محض ہمارے دین کی خاطر، تو ہم ان کی شہادت و مغفرت و رضوان کی رہبری کریں گے۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں پر ھدایۃ بمعنے ہدایت پر ثابت قدمی اور اس میں اضافہ مراد ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ مجاہدین کی ہدایت میں اور کفار کی گمراہی میں اضافہ فرماتا ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم سبل الخیر کی ہدایت میں ان کے لیے اضافہ فرمائیں گے اور ان پر چلنے کی توفیق بخشیں گے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : والذین اھتدوا زادھم ھدی۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حدیث شریف میں ہے:

من عمل بما علم ورثه الله علم ما لم يعلم۔

(جو شخص اپنے علم پر عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ایسے علم کا وارث بناتا ہے جس کا اسے پہلے علم نہ ہو)

حدیث شریف ۲ میں ہے:

من اخلص لله اربعين صباحا انفجرت ينابيع الحكمة من قلبه على لسانه۔

(جو شخص اللہ تعالیٰ سے چالیس روز مسلسل خلوص رکھے تو اس کے قلب سے زبان پر حکمت کے چشمے اُبلیں گے)

ف: حضرت سعد بن عبد اللہ تستری قدس سرہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ اقامت سنّت کے متعلق جہاد کرتے ہیں تو ہم انہیں بہشت کا راستہ دکھائیں گے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ دُنیا میں سنّت کی مثال ایسی ہے جیسے آخرت میں بہشت۔ جو شخص آخرت میں بہشت میں داخل ہوگا۔ اور جو شخص دنیا میں سنّت کا پابند ہوا وہ نجات پا گیا۔

مختلف تفاسیر

(۱) جو لوگ توبہ کے ساتھ ہمارے لیے جہاد کرتے ہیں ہم انہیں اخلاص کی دولت سے نوازیں گے۔

(۲) جو لوگ طلب علم میں جہاد کرتے ہیں ہم انہیں اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشیں گے۔

(۳) جو شخص ہماری خوشنودی کے لیے مجاہدہ کرتا ہے ہم اسے محل رضوان تک پہنچنے کی رہبری کریں گے۔

(۴) جو شخص ہماری خدمت کے لیے جدوجہد کرتا ہے ہم اس پر مناجات کی راہیں اور اپنے ساتھ انس اور مشاہدہ کی راہیں وا کریں گے۔

(۵) جو شخص ظاہری اوراد و اعمال کی ادائیگی میں مشغول رہتا ہے ہم اُسے اسرار و لطائف تک پہنچائیں گے۔

اُس بندۂ خدا پر تعجب ہے جو ظاہری اعمال سے تو کوتاہی کرتا ہے لیکن باطنی اسرار و رموز کے حصول سے پُر امید ہے۔ جو اپنی زندگی کے اوائل میں مجاہدہ نہیں کرتا اس کا انجام نفسانی خواہشات کے پورا کرنے پر ہوگا۔ پھر وہ جتنی قُربِ الٰہی کی آرزو کرے گا اُسے بُعد نصیب ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ مجاہدہ کی مقدار پر انسان کو مراتب و کمالات حاصل ہوتے ہیں۔ مثلاً جو شریعت پر عمل کرتا ہے اسے بہشت نصیب ہوگی اور جو طریقت کا پابند ہوگا اسے ہدایتِ حق ملے گی۔ اور جو معرفت حاصل کرے گا اور ماسوی سے انقطاع پائے گا اسے ذاتِ عین اور بقا سے نوازا جائے گا۔

ف: جو شخص مشاہدہ سے مجاہدہ کو مقدم کرتا ہے جیسے آیت میں اشارہ ہے تو وہ شخص مرید ہوگا تو مراد ہی بن جائے گا اگر مجذوب ہوگا تو سالک بن جائے گا اور وہ مشاہدہ کو مجاہدہ پر مقدم رکھتا ہے اس سے یہی شخص مرتبہ کے لحاظ سے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بلکہ ہے جو مجاہدہ کو مشاہدہ پر مقدم سمجھتا ہے اس کا معاملہ کمزور پڑجاتا ہے۔ مثلاً وہ مراد ہوگا تو مرید ہو جائے گا اگر سالک ہوگا تو مجذوب ہو جائے گا اس لیے کہ سلوک کا ہونا عادۃ الٰہیہ کے موافق ہونا ضروری ہے اس لیے کہ پہلا یعنی مجاہدہ کو مشاہدہ پر مقدم کرنے والا متمکن و ہاضم ہوتا ہے بخلاف دوسرے کے کہ وہ متلون و مغلوب ہے اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو محل کشف کے لیے پہلے تیار نہ ہو تو اچانک کشف الحاد و جنون کا سبب بن جاتا ہے (العیاذ باللہ)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے لنہدینہم سبلنا یعنی ہم انہیں اپنے وجدان کے راستوں کی رہبری کریں گے۔

حدیث قدسی: چنانچہ حدیث قدسی میں ہے (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) جو مجھے طلب کرتا ہے مجھے پاتا ہے اور جو میرے ہاں ایک بالشت قریب ہوتا ہے میں ایک گز اس کے قریب ہو جاتا ہوں۔

کاشفی نے زبور سے نقل کیا: ؎

انا المطلوب فاطلبنی تجدنی
انا المقصود فاطلبنی تجدنی
اگر در جست وجوے من شتابد
مراد خود بزودی باز یابد

ترجمہ: میں ہی مطلوب ہوں مجھے طلب کرو گے تو مجھے پاؤ گے۔ میں ہی مقصود ہوں، مجھے طلب کرو گے تو مجھے پاؤ گے۔ اگر میری تلاش میں دوڑو گے تو مجھے جلد پا لو گے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

گرگران و گر شتابندہ بود
آنکہ جوئندہ است یابندہ بود
در طلب زن دائما تو ہر دو دست
کہ طلب در راہ نیکو رہبر ست

ترجمہ: (۱) اگر آہستہ چل کر یا دوڑ کر تو مجھے تلاش کرے گا تو مجھے ضرور پائے گا۔

(۲) طلب میں تم ہمیشہ ہاتھ پاؤں مارتے رہو کیونکہ نیک راہ میں یہی طلب بہتر راہ ہے۔

روحانی علاج: مشائخ نے فرمایا کہ مجاہدات سے مشاہدۂ الٰہی نصیب ہوتا ہے۔

سوال: براہمہ و فلاسفہ تو بہت بڑے مجاہدے کرتے ہیں بلکہ مجاہدے کا حق ادا کرتے ہیں انہیں کوئی مشاہدہ نصیب نہیں ہوتا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

جواب: بے شک انہوں نے مجاہدہ تو کیا لیکن شرط ادا نہیں کی۔ یعنی فینا (رضائے الٰہی) سے مقید ہیں اور جہاد کے لیے بہت بڑی شرط رضائے الٰہی ہے اور براہمہ و فلاسفہ نے اسے ترک کر دیا بلکہ ان کا مجاہدہ خواہش نفسانی اور خلقِ خدا کے لیے ریا و سمعۃ و شہرت و طلب ریاست و علو فی الارض اور تکبر علیٰ خلق اللہ کی بنا پر۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے جہاد کرتا ہے اس پر لازم ہے کہ محرمات کو چھوڑے پھر شبہات کو پھر فضولات کو۔ اس کے بعد تعلقات کو منقطع کرے۔ پھر تزکیۂ نفس کرے پھر شور و شغل سے قلب کو جملہ اوقات میں فارغ رکھے اور اوصافِ مذمومہ سے قلوب کو پاک رکھنا ضروری ہے۔ اس کے بعد ضروری ہے التفات الی الکونین و طمع عن الدارین سے قطع تعلق کرے تاکہ روح کو رونق و روشنی نصیب ہو۔

خلاصہ یہ کہ جو لوگ انقطاع و انفصال عن الاغیار سے قطع تعلق کر لیں تو ہم وصول و وصال الی اللہ کی جانب ان کی راہنمائی کریں گے۔

ف: ہدایت کی دو اقسام ہیں:

۱۔ متعلق بہ مواہب

۲۔ متعلق بہ مکاسب

جو مواہب سے متعلق ہے وہ منجانب اللہ ہے۔ اور یہ ازل میں لکھا ہوا تھا۔

جو مکاسب سے متعلق ہے اس میں بندے کے کسب کو دخل حاصل ہوتا ہے اس ہدایت کو مسبوق کہا جاتا ہے اس لیے کہ اس میں پہلے کسب کا ہونا ضروری ہے۔

اس آیت **والذین جاھدوا فینا لنھدینھم** میں ہدایت سے ہدایت موہبۂ الٰہی مراد ہے اور جہد انسانی سے موہبۂ الٰہی کو سبقت ہوتی ہے۔ انسانی جہد بمنزلہ بیج کے ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی ہدایت الٰہی کا بیج انسان کی قلبی زمین میں نہ ڈالا جائے تو انسانی جہد کیا کام کرے گی اور کب اس کے کسب کو طاقت نصیب ہوگی۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

قومے بجد و جہد نہادند وصل دوست
قومے دگر حوالہ بتقدیر مے کنند

ترجمہ: بعض لوگ وصالِ دوست کے لیے جد و جہد کرتے ہیں اور بعض اسے تقدیر الٰہی کے حوالے کرتے ہیں۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا کہ نبوت و رسالت بمنزلہ سلطنت کے ہے کہ عطیۂ الٰہی کے بغیر کسی کو نصیب نہیں ہوتی۔ اس میں بندے کے کسب کو دخل نہیں اور ولایت بمنزلہ وزارت کے ہے کہ اس میں بندے کے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کسب کو دخل ہے۔ یعنی جیسے وزارت بندے کو جد و جہد سے حاصل ہوتی ہے ایسے ہی ولایت انسانی جد و جہد سے ملتی ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ اللہ تعالیٰ کی معیت محسنین کے لیے ہے یہاں معیت سے دنیا میں نصرت و اعانت و عصمت اور آخرت میں ثواب و مغفرت مراد ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہاں پر تین منزلیں ہیں:

(۱) جہاد اندر باطن با ہوا و نفس

(۲) جہاد بظاہر اعدائے دین و کفار زمین

(۳) اجتہاد باقامت حجۃ و طلب حق کشف شبہات

اسی ظاہری اقامت حجۃ کو اجتہاد سے اور رعایت عہد الٰہی کو جہد سے تعبیر کرتے ہیں۔ (کشف الاسرار)

جاھدوا فینا میں مذکورہ بالا منازل کا بیان ہے اس لیے کہ بظاہر جہاد کرتا ہے اسے رحمت نصیب ہوتی ہے اور جو اجتہاد کرتا ہے اسے عصمت سے بہرۂ وافر حاصل ہوتا ہے اور جو جہد کرتا ہے اسے وصال الٰہی نصیب ہوتا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ تینوں منازل میں رضائے الٰہی مدِّ نظر رکھنا ضروری ہے اسی لیے شرط لگائی ہے کہ وان اللہ لمع المحسنین یعنی جب میں بندے کو ہدایت دیتا ہوں تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں اور وہ میرے ساتھ ہوتا ہے۔ پھر وہ بندہ زبانِ حال سے عرض کرتا ہے: اے اللہ تعالیٰ! تو نے اپنے لطف و کرم سے مجھے ہدایت بخشی اور اپنی کرم نوازی سے مجھے خدمت کا موقعہ بخشا اور پھر اسے قبول بھی فرمایا اور نظرِ عنایت و مہر و وفا و محبت سے نوازا، اب میں چاہتا ہوں کہ مجھے ہر طرح کے مکر و فریب سے بچا لے۔ الٰہی! تو ضعیفوں کی پناہ اور قصد کرنے والوں کا رہبر اور واصلین کا گواہ ہے۔ فلہذا مجھ بیکس کو بلند فرما، گھٹانا نہیں۔

۱ روضۂ روح من رضائے تو باد
قبلہ گاہم در سرائے تو باد

۲ سرمۂ دیدۂ جہاں بینم
تا بود گرد خاکپائے تو باد

۳ گر ہمہ رائے تو فنائے منست
کار من بہ مراد رائے تو باد

۴ شد دلم ذرہ وار در ہوست
دائم ایں ذرہ در ہوائے تو باد

ترجمہ (۱) میری روح کا باغ تیری رضا ہو میرا قبلہ تیری قیام گاہ ہو میری آنکھ جہاں بین کا سُرمہ تیرے پاؤں کی گرد ہو۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(۳) اگر تیری رائے مجھے فنا کرنے کے لیے ہے تو میرا کام اور مراد تیری رائے پر ہے۔

(۴) تیری چاہت پر میرا دل ذرہ وار ہے ہمیشہ میرا یہ ذرہ دل تیری چاہت پر قربان ہو۔

انتہی فی کشف الاسرار لحضرۃ الشیخ رشید الدین الیزدی قدس سرہٗ۔

یہ جلد ثانی آخری مضمون ہے میں نے تفسیر میں امانتیں رکھی ہیں وہ تفسیر جس کا نام روح البیان ہے اور وہ امانتیں معانی کے موتی ہیں جنھیں میں نے عبارت و اشارات و الہام ربانی کے فوائد میں پرو دیا ہے اس پر عاقل میری تعریف کریں گے (ان شاء اللہ تعالیٰ) یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ مالک و بے نیاز کی مدد سے ہوا۔ اس کی لکھائی سے اتوار کی صبح دن چڑھے سن ہجری کے الف ثانی کے عقد ثانی کے عشر اول کے تاسع کے نصف اول کے خامس کے سدس کے ثلث ثانی کے عشر اول کی زریں تاریخ میں فراغت پائی (یعنی ۱۰۱۹ھ میں) (جیسا کہ خود صاحب روح البیان رحمہ اللہ نے اپنے اشعار میں فرمایا)

۱ چو ز ہجرت گزشت بے کم و کاست
نہ و صد سال یعنی بعد ہزار

۲ آخر فصل خزاں شد موسم
کہ نماند ورقے از گلزار

۳ در جمادائے نخستین آخر
بلبل خامہ دم گرفت از زار

۴ بہ نہایت رسید جلد دوم
شد بتاریک روز ایں بازار

۵ جد و جہدے کہ او فتادہ دریں
شد بنوک قلم حقی زار

ترجمہ: (۱) جب ہجری سن میں بغیر کسی کمی بیشی کے ایک ہزار کے بعد انیس گزرے (۱۰۱۹ھ)

(۲) موسم خزاں کا آخری دور تھا یہاں تک کہ باغات کے پتے جھڑ چکے تھے۔

(۳) جمادی الاخریٰ کی آخری تاریخیں تھیں بلبل زار و نزار ہو کر آواز بند کر چکی تھی۔

(۴) تفسیر کی جلد دوم ختم ہوئی اگرچہ اس کا بازار اب تاریکی میں ہے۔

(۵) اس میں بہت محنت کرنا پڑی حقی (رحمہ اللہ تعالیٰ) کے قلم کی نوک سے یہ تمام تحریر نکلی۔

فقیر اویسی غفرلہ نے سورہ عنکبوت کے ترجمے سے ۲۱ محرم ۱۴۰۹ھ بروز سوموار دس بجے صبح مدرسہ انوار الاسلام کوٹ ادو (ضلع مظفر گڑھ) میں فراغت پائی۔ فقیر یہاں بہ سلسلہ وعظ و تبلیغ حاضر ہوا۔

فللہ الحمد والمنۃ والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہ الاکرم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

الفقیر القادری ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی غفرلہ۔ بہاولپور

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سُوْرَةُ الرُّوْمِ مَكِّيَّةٌ ٣٠ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ سِتُّوْنَ اٰيَةً ٦ رُكُوْعَاتٍ
سورت روم مکی ہے اور اس میں اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ساٹھ آیتیں اور چھ رکوع ہیں

الٓمّٓ ① غُلِبَتِ الرُّوْمُ ② فِیْۤ اَدْنَى الْاَرْضِ وَ هُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ③
رومی مغلوب ہوئے پاس کی زمین میں اور اپنی مغلوبی کے بعد عنقریب غالب ہوں گے

فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ۬ؕ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَ مِنْۢ بَعْدُؕ وَ یَوْمَىٕذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ④
چند برس میں حکم اللہ ہی کا ہے آگے اور پیچھے اور اس دن ایمان والے خوش ہوں گے

بِنَصْرِ اللّٰهِؕ یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُؕ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ⑤ وَعْدَ اللّٰهِؕ لَا یُخْلِفُ
اللہ کی مدد سے مدد کرتا ہے جس کی چاہے اور وہی ہے عزت والا مہربان اللہ کا وعدہ اللہ اپنا وعدہ

اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ⑥ یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا
خلاف نہیں کرتا لیکن بہت لوگ نہیں جانتے جانتے ہیں آنکھوں کے سامنے

مِّنَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚۖ وَ هُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ⑦ اَوَ لَمْ یَتَفَكَّرُوْا
کی دنیوی زندگی اور وہ آخرت سے پورے بے خبر ہیں کیا انہوں نے اپنے

فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ۫ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ
جی میں نہ سوچا کہ اللہ نے پیدا نہ کیے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے مگر

وَ اَجَلٍ مُّسَمًّىؕ وَ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ⑧
حق اور ایک مقرر میعاد سے اور بیشک بہت سے لوگ اپنے رب سے ملنے کا انکار رکھتے ہیں

اَوَ لَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ
اور کیا انہوں نے زمین میں سفر نہ کیا کہ دیکھتے کہ ان سے اگلوں کا انجام کیسا ہوا

قَبْلِهِمْؕ كَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّ اَثَارُوا الْاَرْضَ وَ عَمَرُوْهَاۤ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا
وہ ان سے زیادہ زور آور تھے اور زمین جوتی اور آباد کی ان کی آبادی سے زیادہ

وَ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِؕ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ
اور ان کے رسول ان کے پاس روشن نشانیاں لائے تو اللہ کی شان نہ تھی کہ ان پر ظلم کرتا ہاں وہ خود ہی اپنی

یَظْلِمُوْنَ ⑨ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِیْنَ اَسَآءُوا السُّوْۤاٰۤى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ
جانوں پر ظلم کرتے تھے پھر جنہوں نے حد بھر کی برائی کی ان کا انجام یہ ہوا کہ اللہ کی آیتیں جھٹلانے لگے

وَ كَانُوْا بِهَا یَسْتَهْزِءُوْنَ ⑩
اور ان کے ساتھ تمسخر کرتے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سورہ روم مکیہ ہے سوائے فسبحان اللّٰہ الخ کے اس کی ساٹھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اللہ کے نام سے شروع جو رحمان و رحیم ہے۔

تفسیر عالمانہ

الٓمّٓ ۝

(۱) ابن الجوزی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ حروف مقطعہ آیات ربانیہ ہیں۔ ہر حرف کا اشارہ اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کی طرف ہے کہ اس سے اس طرح سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی گئی ہے مثلاً الف الوہیت سے، لام لطف سے، میم ملک سے کنایہ ہے۔

(۲) یہ بھی کہا گیا ہے کہ الف اسم اللہ کی طرف اور لام اسم جبریل علیہ السلام کی طرف اور میم اسم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے بواسطہ جبریل (علیہ السلام) حضور سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی بھیجی۔

تفسیر صوفیانہ

(۳) تاویلات نجمیہ میں ہے کہ الف طبع اہل ایمان کی الفت کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ایک دوسرے سے الفت کرتے ہیں اور لام کافروں کی طبع لئیمی کی طرف اشارہ ہے اور میم رب العالمین کی مغفرت کی طرف اشارہ ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ چونکہ اہل ایمان کی الفت اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے اسی لیے یہ آپس میں الفت و محبت کرتے ہیں۔ ان کی الفت و محبت اس انتہا تک پہنچی کہ ان کو اور اہل کتاب کو ایک وقت ایمان سے بہرور تھے اگرچہ اب خالی ہیں، آپس میں انس اور پیار ہے۔ چونکہ کفار کی لئیمی طبعی اور پیدائشی ہے اسی لیے وہ آپس میں بغض و عناد رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کو قتل کرتے ہیں۔ مثلاً اہل روم اور اہل فارس کہ وہ جنس کفر میں ایک ہیں اگرچہ الفت میں مختلف اور عداوت میں متفق ہیں کہ ایک دوسرے کو قتل کرتے ہیں اور چونکہ رب العالمین کی مغفرت اس کے فضل عمیم اور احسان قدیم سے ہے اسی لیے وہ اس انتہا کو پہنچی ہے کہ وہ دونوں فریق بچ گئے اور ان میں سے سرکش کی توبہ قبول کرتا ہے اور دونوں کو خطاب عام ہے کہ من یغفر الذنوب جمیعا (وہ سب کے گناہ بخشتا ہے)

(۴) کشف الاسرار میں ہے کہ الٓمّٓ کا ترجمہ یوں ہے گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

الف بلایانا من عرف کبریانا ولزم بابنا من شهد جمالنا وملک من قربتنا من اقام علی خدمتنا۔

(جس نے ہماری کبریائی کو پہچانا وہ ہماری بلاؤں سے الفت کرے گا اور ہمارے دروازے کو نہیں چھوڑے گا جس نے ہمارے جمال کا مشاہدہ کیا اور ہمارے قرب تک پہنچ جائے گا جو ہماری خدمت میں قائم رہے گا)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حکایت زمانۂ سابق میں ایک نوجوان اپنے زمانے کا بادشاہ تھا اس کا نام عامر بن قیس تھا۔ کثرتِ نوافل سے اس کے پاؤں میں سیاہ خون جم گیا تھا۔ لوگوں نے کہا کہ اپنا پاؤں کٹوا دے ورنہ بیماری تمام جسم کو گھیر لے گی۔ اس نے کہا، میں کون ہوں کہ اپنا اختیار درمیان میں لاؤں میرے مالک کی جو رضا ہو گی اسی پر عمل کروں گا۔ لیکن اس بیماری سے اس کے فرائض و نوافل میں خلل واقع ہونے لگا۔ اس نے دعا کی: الٰہ العالمین! اگرچہ میں بلا کی سختی برداشت کر سکتا ہوں لیکن تیری خدمت سے محرومی کی تاب مجھ میں نہیں۔ پاؤں کٹوانا منظور ہے لیکن تیری عبادت سے محرومی منظور نہیں۔ یہ کہہ کر فرمایا کہ کسی قرآن پڑھنے والے کو بلایئے تاکہ وہ مجھے کچھ سنائے۔ اور کہا: جب وہ قرآن پڑھے اور مجھے وجد شروع ہو تو میرا پاؤں کاٹ دینا۔ چنانچہ جب اسے قرآن سننے پر وجد شروع ہوا تو اس کا پاؤں کاٹ دیا گیا اور اسے خبر تک نہ ہوئی۔ جب شیخ نے فراغت پائی اور دیکھا کہ پاؤں کٹ چکا ہے۔ پوچھا: یہ کیا حال ہوا؟ حال سنایا گیا۔ کہا کہ میرے اس پاؤں کو خوشبو لگا دیجئے تاکہ اس کی عزت ہو، کیونکہ اس نے کبھی بھی خدمت کے بغیر وقت نہیں گزارا۔

(ف) فقیر (اسماعیل حقی علیہ الرحمۃ) کہتا ہے کہ الف میں عالم امر کی طرف اشارہ ہے اور عالم امر جمیع تعینات کا مبدا ہے اور لام عالم ارواح کی طرف اشارہ ہے اور عالم امر و جبروت کے درمیان ہے اور میم عالم ملک کی طرف اشارہ ہے۔ اور یہ تنزلات و استرسالات کا آخری عالم ہے جیسے فصل نحویوں کے نزدیک حروف مخارج ثلاثہ یعنی حلق، وسط اور فم پر مشتمل ہے۔ ایسے ہی اسم اہل محو کے نزدیک حروف مراتب ثلاثہ جبروت، ملکوت، ملک پر مشتمل ہے۔ دونوں کلمات لفظیہ و معنویہ میں فرق ہے وہ یہ اہل محو کے کلمات مستوی اور مرتب ہیں اور اہل نحو کے کلمات ٹیڑھے اور غیر مرتب ہیں۔

عقیدۂ اہلسنت دربارہ مقطعہ حروف و متشابہات

(الحمد للہ ہم اہلسنت کا وہی عقیدہ ہے جو صدیوں پہلے اہل اسلام کا تھا۔ چنانچہ روح البیان ج[1]، ص ۳ پر مرقوم ہے:)

ثم اسرار الحروف المقطعة	پھر حروفِ مقطعہ و متشابہات القرآنیہ
المتشابهات القرآنية مما ينكشف	کے اسرار و رموز وہ ہیں جو غایۃ المراتب تک
لاهل الله بعد الوصول الى غاية	پہنچنے کے بعد اولیاء اللہ کو منکشف ہو جاتے ہیں
المراتب وان كان بعض لوازمها	اگرچہ اس کے بعض لوازم اہل وسط کو بھی
قد يحصل لاهل الوسط ايضا فلا	حاصل ہو سکتے ہیں لیکن وہ ان کے حقائق میں

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

يطمع في حقائقها من توغل في الرسوم واشتغل بالعلوم عن المعلوم ۔ [1]	طمع نہ رکھے جو رسوم میں منہمک ہے اور جو معرفت علوم سے ظاہر میں مشغول ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ان تعلقات وجودیہ کی تاریکیوں سے نجات دے جو امور شہودیہ کے مانع ہیں (آمین)

تفسیر عالمانہ

غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ فِیْۤ اَدْنَی الْاَرْضِ ۔

حل لغات: الغلبة بمعنى القهر ہے (کذا فی المفردات) لیکن قرآن میں اس غلبہ کو کہا جاتا ہے جو جنگ میں مقابلہ کے وقت کسی بالمقابل کو حاصل ہو (کذا فی کشف الاسرار) روم کا لفظ کبھی صنف معروف کے لیے اور کبھی رومی کی جمع کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے فارسی و فارس۔

روم کا نسب نامہ روم کا نسب نامہ یوں ہے:

روم بن عیص بن اسحاق بن ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہم السلام۔

اور روم دو ہیں:

ایک یہی جو مذکور ہوا۔

دوسرا روم بن یونان بن یافث بن نوح علیہ السلام جسے روم اول سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

فرس کی تحقیق الفرس (بسکون الراء) وہ مشہور قوم جو فارس بن سام بن نوح علیہ السلام کی طرف منسوب ہے۔ اس کا نسب نامہ یوں ہے:

فرس بن سام بن نوح علیہ السلام۔

ادنیٰ کی تحقیق ادنیٰ کا الف واؤ سے منقلب ہے۔ یہ 'دنا' یدنو سے مشتق ہے اور کئی معانی میں مستعمل ہے۔ کبھی یہ سب سے کم اور سب سے چھوٹے پر آتا ہے۔ اس کا بالمقابل لفظ اکثر و اکبر استعمال ہوتا ہے اور کبھی احقر و ارذل کے معنی میں آتا ہے اس کا بالمقابل اعلیٰ و افضل ہے اور کبھی اول کے معنی میں آتا ہے اس کا بالمقابل ابعد ہے۔ یہاں پر یہی آخری معنی اقرب مراد ہے۔ یعنی روم جو عرب کے علاقوں کو قریب تر ہے کیونکہ جب بھی وہ لفظ روم بولتے تو یہی علاقہ مراد لیتے تھے اور کبھی شام کا اطراف مراد ہوتا ہے یا اس سے ارض روم کی قریب ترین زمین مراد ہوتی ہے وہ بھی عرب سے ہے یا الف لام مضاف کا عوض ہے۔ یعنی دجلہ و فرات کا درمیانی علاقہ جو ایک جزیرہ پر مشتمل ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ رومی لوگ مغلوب ہو گئے اور فارسی لوگ ان پر غالب ہو گئے بہ نسبت روم کی زمین کے۔

---

[1] ہمارے دور کے خواص تو نبی علیہ السلام کے لیے ان کے اسرار و رموز کے منکر ہیں اور صاحب روح البیان تو اولیاء اللہ کے لیے ثابت کر رہے ہیں بلکہ ان کے طفیل بہت سے ان کے تابعداروں کو بھی ان کے اسرار و رموز حاصل ہیں۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattori

شاہِ فارس کا تعارف اس غلبہ کے دوران بادشاہ فارس ابرویز بن ہرمز بن انوشروان بن قباذ (یعنی شیریں کا عاشق جو خسرو کے نام سے مشہور تھا) اور ابرویز عربی میں مظفر، اور انوشروان یعنے مجدد الملک، اور فارسیوں کا آخری بادشاہ جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قتل کیا گیا۔ اس کا نام یزدجرد بن شہریار بن ابرویز تھا اور روم کا بادشاہ ہرقل بروزن سجلؔ زبرج تھا۔ یہی وہ ہے جس نے سب سے پہلے دراہم و دنانیر پر مہریں لگائیں۔ اور سب سے پہلے اسی نے بیعہ (گرجا) بنایا۔

ف: بعض کے نزدیک فارس و روم عجم کے قریش ہیں۔

حدیث شریف میں ہے: لو کان الایمان معلقا بالثریا لنالہ اصحاب فارس۔

(اگر ایمان ثریا (کہکشاں) سے لٹکا ہوتا تو بھی اسے فارس والے حاصل کر لیتے)

حضور علیہ السلام کا والا نامہ بنام قیصر روم مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے قیصر روم کو والا نامہ لکھ کر اسلام کی دعوت دی۔ جب نامہ مبارک قیصر روم کے پاس پہنچا تو اس نے خط پڑھ کر اسے آنکھوں سے لگایا سر پر رکھا۔ اس کے بعد مہر لگا کر مضبوط کر کے شیشہ پر رکھ لیا۔ پھر جواب لکھا:

انا نشهد انك نبی ولكنا لا نستطیع ان نترك الدین القدیم الذی اصطفاہ اللہ لعیسیٰ علیہ السلام۔

(ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ نبی ہیں لیکن ہم سے ممکن نہیں کہ ہم اس قدیم دین کو چھوڑیں جو عیسیٰ علیہ السلام سے چلا آ رہا ہے)

اس بات سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم متعجب ہوئے اور فرمایا:

لقد ثبت ملکهم الی یوم القیامة ابدا۔

(بے شک تمہارا ملک قیامت تک ثابت رہے گا)

اور حضور علیہ السلام نے فارس والوں کو فرمایا:

نطحة او نطحتان ثم لا فارس بعدها۔

(چند لمحات یعنی چند سالوں کے بعد فارس نہ ہوگا[1] یعنی شاہی نہیں رہے گی)

اور روم صاحب قرون ہے کہ ایک قرن کے بعد دوسرا قرن شروع ہو گیا ایسے تا قیامت رہے گا۔ (کذا فی

---

[1] اس ادب کی وجہ سے اس کا ملک تا دیر سلامت رہا۔ تفصیل فقیر کی کتاب "باادب بانصیب" میں پڑھیے۔ اویسی غفرلہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کشف الاسرار)

سوال: یہ تو اذا ھلک قیصر لا قیصر بعدہ کے خلاف ہے کیونکہ پہلی حدیث میں قیصر کی ابدیت ثابت ہے اور اس حدیث میں قیصر کی نفی ہے۔

جواب: اس دوسری حدیث کا مطلب ہے کہ جب اس کا قبضہ شام سے ختم ہو جائے گا تو پھر اس کا کوئی جانشین نہ ہوگا۔ جیسے فرمایا ویسے ہی ہوا۔ اور بلادِ روم کے سوا یہ سلسلہ نہیں رہا۔ (کذا فی انسان العیون)

اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک والا نامہ فارس کے بادشاہ کسریٰ کو بھی لکھا۔ اس وقت کا کسریٰ خسرو مذکور تھا اور کسریٰ خسرو کا معرّب ہے۔ اس بدبخت نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا والا نامہ پھاڑ ڈالا اور قاصد کو بھی قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن خالی لوٹا دیا۔ حضور علیہ السلام نے اس بے ادبی کی بات سن کر فرمایا:

ان یمزق کل ممزق فمزق اللہ ملکھم فلا ملک لھم ابدا۔
(اللہ تعالیٰ اس کے ملک کو پھاڑ ڈالے اور تا ابد اسے ملک نصیب نہ ہو)

وَهُمْ اور وہ رومی مِّنۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ فارس سے مغلوب ہونے کے بعد۔ یہ اضافۃ المصدر الی المفعول والفاعل کے قبیل سے ہے۔ دراصل بعد فارس ایاھم تھا اور الغلب والغلبۃ ہر دو مصدر ہیں۔ سَيَغْلِبُونَ ۝ عنقریب فارس پر رومی غالب ہوں گے فِي بِضْعِ سِنِينَ ۝

تحقیق البضع البضع بالفتح بمعنی گوشت کا ٹکڑا اور بالکسر وہ عدد جو دس سے منقطع کیا جائے اور تین سے دس تک اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ بعض نے پانچ سے اوپر دس سے نیچے کو بضع کہا۔ اور قاموس میں ہے کہ تین سے نو تک اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

کشف الاسرار میں ہے کہ البضع تین اور پانچ اور سات اور نو کا نام ہے۔ اور تفسیر المناسبات میں ہے کہ عدد کا اولیٰ درجہ ہے کیونکہ وہ مرتبۂ اُولیٰ میں ہے یعنی مرتبۂ آحاد کے مرتبۂ اُولیٰ میں سے ہے۔

نکتہ: اس میں بندوں کو تعیین ظاہر نہیں فرمائی تاکہ اس قسم سے انہیں جاہل رکھ کر ان کے عجز کا اظہار کیا جا سکے۔ (جیسے یہ جہالت عوام رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے منافی نہیں ایسے ہی دوسرے علوم کی نفی از عوام رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے منافی نہیں ہوگی جیسے علم الساعۃ والروح وغیرہ۔ تفصیل فقیر اویسی غفرلہ کی کتاب "احسن التحریر" میں ہے)[1]

ف: مروی ہے کہ فارس کے بادشاہ یعنی خسرو پرویز نے شہریار اور فرخان (جو دونوں بھائی تھے) کو بڑا بھاری لشکر دے کر روم کی جنگ کے لیے بھیجا۔ جب ہرقل روم کے بادشاہ کو معلوم ہوا کہ میرے لیے

---

[1] اضافہ از مترجم غفرلہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ایسے ہو گیا تھا تو اس نے مقابلہ کے لیے اپنے شخص نامی کو امیرِ لشکر بنا کر لڑائی کے لیے بھیجا۔ دونوں لشکروں کا آمنا سامنا اذرعات میں ہوا۔ یہ عرب و عجم کے علاقوں میں سے شام کے زیادہ قریب ہے۔ اس جنگ میں غلبہ فارس کو حاصل ہوا اور رومی مغلوب ہوئے۔ رومیوں کے چند شہروں پر بھی فارسیوں نے قبضہ کر لیا۔ یہ خبر اہلِ مکہ کو پہنچی تو مشرکین بہت خوش ہوئے اور مسلمان مغموم۔

شانِ نزول آیت کے شانِ نزول میں لکھا ہے کہ ایک بار روم اور فارس میں مقام اذرعات و بصریٰ کے درمیان لڑائی ہوئی اور رومی مغلوب ہو گئے۔ مشرکینِ مکہ مسلمانوں سے کہنے لگے کہ تم اور رومی اہلِ کتاب ہو اور ہم اور فارسی غیر اہلِ کتاب۔ پس روم پر فارس کا غالب آنا فال ہے اس کی کہ ہم بھی تم پر غالب رہیں گے۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ ان میں بتایا گیا کہ اے کافرو! تمہارا خیال پورا نہ ہوگا۔

صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا عقیدہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کافروں کی ڈینگیں سن کر آیت کے نزول کے بعد کفار و مشرکین سے فرمایا:

لا يقرن الله اعينكم فوالله ليظهرن الروم على فارس بعد بضع سنين۔

(تمہاری آنکھیں ٹھنڈی نہیں ہوں گی بخدا چند سالوں بعد رومی فارسیوں پر غلبہ پا جائیں گے)[1]

لعین ابی بن خلف کافر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں کھڑا ہو گیا اور کہا:

كذبت اجعل بيننا اجلا اناحبك عليه والمناحبة المخاطرة فناحبه على عشرة ناقة شابة من كل واحد منهما۔

(تم جھوٹ بولتے ہو ہمارے اور اپنے درمیان ایک معاہدہ کر لو میں تمہارے ساتھ شرط لگاتا ہوں ہم میں سے جو بھی سچا نکلے اس کو دوسرا دس اونٹنیاں دے گا)[2]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کی شرط قبول کر لی اور پہلے دس نوجوان اونٹنیوں پر شرط طے پائی کہ تین سال میں اگر یہ بات ظاہر ہو گئی تو بہ مطابق شرط دس نوجوان اونٹنیاں دیں گے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی۔ آپ نے فرمایا:

بضع کا اطلاق تین سے نو تک پر ہوتا ہے۔

قابلِ غور ہے (فلہٰذا شرط کو اسی گنتی کے مطابق کر لو۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ غیب کا اشارہ کیونکہ رومیوں کی فتح تین سے اوپر چند سالوں کے بعد ہوئی تھی اس لیے حضور علیہ السلام نے شرط میں اضافے کا فرمایا)[3]

---

[1] کیونکہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خبر دی ہے (خزائن العرفان)

[2] اسے قمار کہا جاتا ہے۔ اس وقت قمار کی حرمت نازل نہ ہوئی تھی۔ [3] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

چنانچہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شرط اور مدت میں اضافہ کا ذکر کیا تو دونوں سو اونٹنیوں اور نو سال پر متفق ہو گئے۔ اس کے بعد ابی بن خلف لعین کو خطرہ محسوس ہوا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ تو عنقریب ہجرت کرنے والے ہیں اسی لیے آپ کے پاس آیا اور کہا کہ آپ اگر نہ ہوں اور میرا دعویٰ صحیح نکلا تو! تو آپ نے فرمایا: میرا لڑکا عبدالرحمٰن ضامن ہے۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سنا کہ ابی بن خلف اُحد کی طرف جانے والا ہے تو آپ نے اپنے صاحبزادے کو بھیجا کہ اس سے ضمانت لے۔ چنانچہ ابی بن خلف نے اُحد کو جانے سے پہلے ضامن دے دیا۔ جب ابی بن خلف اُحد سے واپس ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تیر یا نیزے سے مر گیا۔ اس کے بعد رومیوں کو فارسیوں پر ساتویں سال فتح ہوئی۔

اس کا قصہ یوں ہوا کہ جب شہر یار و فرخان روم کے بعض بلاد پر غلبہ پا گئے تو پرویز ان دونوں بھائیوں پر بعض اربابِ حسد کے اکسانے پر بدظن ہو گیا۔ اسی لیے چاہا کہ کسی طریقہ سے ان کو آپس میں لڑا کر تباہ کر دے۔ جب ان دونوں بھائیوں کو پرویز کے اس منصوبے کا علم ہوا تو دونوں نے قیصرِ روم سے گٹھ جوڑ کر لیا۔ اور بادشاہِ روم کے سپہ سالار بن گئے۔ اس طرح سے ان کو فارسیوں پر غلبہ حاصل ہو گیا اور ان سے بعض شہر بھی چھین لیے اور عراق میں رومیہ نامی شہر کی بنیاد رکھی۔

ف: یہ واقعہ یوم الحدیبیہ میں ہوا، اور الوسیط میں ہے کہ جبریل علیہ السلام خوشخبری لائے کہ رومی غالب اور فارسی مغلوب ہو گئے اور یہی بدر کی فتح کا دن تھا۔ اس کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ابی بن خلف کے وارثوں سے شرط کے مطابق سو اونٹنیاں لے لیں اور وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا: انہیں صدقہ کر دو۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر ان سب کو راہِ خدا میں تقسیم کر دیا۔ اور یہ انما الخمر والمیسر الخ کے حکم کے نزول سے پہلے کا واقعہ ہے۔

مسئلہ: قمار یہ ہے کہ دو بازی کھیلنے والے آپس میں شرط لگائیں کہ جو غالب ہو گا اس کو اتنا مال ملے گا۔ تفصیل فقہ کے ابواب کراہیۃ میں ہے۔

ردِّ وہابیہ و دیوبندیہ (صاحب روح البیان نور اللہ مرقدہ لکھتے ہیں:)
والآیۃ من دلائل النبوۃ لانہا اخبار عن الغیب۔[1]

---

[1] روح البیان پ ۲۱ تحت آیت الم غلبت الروم ۱۲۔ اس سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کا عقیدہ صدیوں پہلے کا ہے۔ فقیر یہاں تبرکاً چند احادیث مبارکہ لکھتا ہے تاکہ ناظرین کو مزید تسکین اور قوتِ ایمانی نصیب ہو:

(۱) عن الزھری قال اخبرنی انس بن مالک ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من احب ان یسأل عن شیء فلیسأل عنہ فواللہ لا تسألونی عن شیء الا اخبرتکم بہ ما دمت فی مقامی ھذا۔ (بخاری شریف ج ۲ ص ۱۰۸۳)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

یعنی آپ نے قیامت کا ذکر فرمایا پھر فرمایا کہ جس کا دل چاہے وہ کسی قسم کا سوال کر لے۔ قسم خدا کی جب تک میں اس مقام پر کھڑا ہوں مجھ سے جو بھی تم کسی چیز کے متعلق سوال کرو گے تو میں تمہیں خبر دوں گا۔

(۲) حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

ما من شیٔ لم اراہ ، وقد رأیتہ فی مقامی ھذا حتی الجنۃ والنار۔ (ایضاً ص ۱۰۸۲)

(کوئی ایسی چیز جس کو میں نے نہیں دیکھا اُس کو میں نے اس مقام پر دیکھ لیا ہے حتی کہ جنت اور دوزخ بھی)

معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم کُلّی ہے۔

(۳) قال علیہ السلام ان اللہ زوٰی لی الارض حتی رأیت مشارقھا و مغاربھا۔ (مسلم شریف ج ۲ ص ۳۱۰)

(بے شک اللہ نے میرے لیے زمین کو اکٹھا کیا ہوا ہے۔ میں نے اُس کے تمام مشرقوں اور مغربوں کو دیکھ لیا ہے)

(۴) عن ابی زید (یعنی عمرو بن اخطب) قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفجر وصعد المنبر فخطبنا حتی حضرت الظھر فنزل فصلی ثم صعد المنبر فخطبنا حتی حضرت العصر ثم نزل فصلی ثم صعد المنبر فخطبنا حتی غربت الشمس فاخبرنا بما کان وبما ھو کائنٌ فاعلمنا احفظنا۔

(ایضاً ج ۲ ص ۳۹۰)

(حضرت عمرو بن اخطبؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی اور منبر پر چڑھے تو آپ نے ہمیں ظہر تک خطاب فرمایا۔ پھر منبر سے اترے تو ہمیں نماز پڑھائی پھر منبر پر تشریف لے گئے تو عصر تک ہمیں خطاب فرمایا۔ پھر اُترے اور نماز پڑھائی۔ پھر منبر پر تشریف لے گئے حتی کہ سورج غروب ہو گیا، تو آپ نے جو کچھ بھی پہلے ہو چکا تھا اور جو کچھ بھی آئندہ ہونے والا تھا تمام بیان فرما دیا۔ جو ہم سے زیادہ حافظہ والا تھا وہ ہم سے زیادہ عالم ہو گیا)

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی معجزانہ طاقت پر ایک ہی دن میں غیب کُلّی کو بیان فرما دیا۔

(۵) عن عمر قال قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقاماً فاخبرنا عن بدء الخلق حتی دخل اھل الجنۃ منازلھم و اھل النار منازلھم حفظ ذالک من حفظہ ونسیہ من نسیہ۔ (بخاری شریف ص ۴۵۳ و مشکوٰۃ ص [illegible])

(حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مقام پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہماری مجلس میں کھڑے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ہوئے تو آپ نے ابتدائے خلقت سے لے کر جنتیوں کے جنت کے مقامات میں داخل ہونے تک اور دوزخیوں کے دوزخ کے مقامات میں داخل ہونے تک تمام خبریں ہمارے سامنے بیان فرمادیں جس کو یاد رہا، یاد رہا، جس کو بھول گیا بھول گیا)

اس حدیث سے بھی جس کے راوی حضرت عمر ہیں ثابت ہوا کہ آپ کو علم کلی تھا جس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادیا۔

(۶) عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ان اتقاكم واعلمكم بالله انا۔ (بخاری شریف ج ۱ ص ۵)

(حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ آپ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ میں تم تمام سے زیادہ متقی اور زیادہ جاننے والا ہوں)

(۷) عن عبد الله بن عمرو قال خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم وفي يده كتابان فقال اتدرون ما هذان الكتابان فقلنا لا يا رسول الله الا ان تخبرنا فقال الذي في يده اليمنى هذا كتاب من رب العالمين فيه اسماء اهل الجنة واسماء آبائهم وقبائلهم ثم اجمل على آخرهم فلا يزاد فيهم ولا ينقص منهم ابدا ثم قال للذي في شماله هذا كتاب من رب العلمين فيه اسماء اهل النار واسماء آبائهم وقبائلهم ثم اجمل على آخرهم فلا يزاد فيهم ولا ينقص منهم ابدا الخ (ترمذی شریف ج ۲ ص ۳۶)

(عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ہم پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ کے ہاتھ میں دو کتابیں تھیں۔ تو آپ نے فرمایا، کیا تم جانتے ہو یہ کتابیں کیسی ہیں تو ہم نے عرض کی، نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ مگر یہ کہ آپ ہمیں ارشاد فرمائیں تو آپ نے فرمایا یہ کتاب جو میرے دائیں ہاتھ میں ہے یہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔ اس میں تمام جنتیوں کے نام اور ان کے آبا کے نام اور ان کے قبیلوں کے نام درج ہیں پھر ان کے اخیر پر میزان لگائی گئی ہے۔ تو ان میں زیادہ کیا جائے گا اور نہ کم کیا جائے گا ہمیشہ تک پھر فرمایا یہ جو کتاب میرے ہاتھ میں ہے یہ رب العالمین کی طرف سے ہے اس میں تمام دوزخیوں کے نام ہیں اور ان کے آبا کے نام اور ان کے قبیلوں کے نام۔ پھر ان کے اخیر پر میزان لگائی گئی ہے نہ ان میں کچھ زیادہ کیا جائے گا اور نہ کم ہمیشہ کے لیے)

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جنتیوں اور تمام دوزخیوں کی فہرستیں اللہ تعالے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

نے عطا کر دی ہوئی ہیں جن میں ان کے اعمال بھی شامل ہیں۔

(۸) عن ابی ھریرۃ قال قلت یا رسول اللہ انی اسمع منک حدیثا کثیرًا انساہ قال ابسط رداءک فبسطتہ فغرف بیدہ ثم قال ضمہ فضممتہ فما نسیت شیئًا بعد۔ (بخاری ج ۱ ص ۲۲)

(ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ سے بہت حدیثیں سنتا ہوں تو ان کو بھول جاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اپنی چادر پھیلاؤ۔ تو میں نے چادر پھیلائی۔ آپ نے اپنے دستِ پاک کا ایک چلّو لیا۔ پھر فرمایا: ملا لو اس کو، میں نے ملا لیا اس کو، تو میں اس کے بعد کچھ نہیں بھولا)

جن کے چلّو سے نسیان دُور ہو جائے اور قوتِ حافظہ بڑھ جائے قرآن کی ذات کو کوئی بھولنے والا کہے تو اس جیسا بدبخت دُنیا میں اور کون ہوگا!

(۹) عن ابن عباس قال ضمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال اللھم علمہ الکتاب۔ (بخاری شریف)

(ابن عباسؓ سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ بغلگیر کیا اور فرمایا کہ اے اللہ! اس کو کتاب (قرآن شریف) کا علم سکھا دے)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ کو بغلگیر کر کے استاد المفسرین بنا دیا۔

(۱۰) عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما نسیت۔ (کنز العمال ج ۱۵ ص ۳۰۵)

(حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے کبھی نسیان نہیں ہوا)

(۱۱) عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ قد رفع ای اظھر وکشف (لی الدنیا) بحیث احطت بجمیع ما فیھا فانا انظر الیھا والی ما ھو کائن فیھا الی یوم القیامۃ کانما انظر الی کفی ھذہ (اشارۃ الی انہ نظر حقیقۃً)۔ (زرقانی شریف ج ۷ ص ۲۰۴)

(ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے لیے اللہ تعالےٰ نے تمام دنیا کو ظاہر فرمایا تو جو کچھ اس تمام دُنیا میں تھا میں نے اس کا احاطہ کر لیا۔ تو میں اس تمام دنیا کی طرف دیکھ رہا ہوں اور قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے دیکھ رہا ہوں۔ جیسا کہ اس ہاتھ کی ہتھیلی کو دیکھتا ہوں (یہ آپ نے حقیقۃً دیکھا)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(اور آیت نبوت کے دلائل سے ہے اس لیے کہ یہ غیب کی خبر دینے پر مشتمل ہے)

ف: آیۃ مذکورہ کریمہ قرأۃ مشہورہ ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ اسے غلبت بصیغہ معروف پڑھا جائے۔ اس معنی پر کہ ضمیر فارس کی ہے اور الروم اس کا مفعول بہ ہے۔ یعنی فارسی رومیوں پر غالب ہوئے۔ پھر فارسی رومیوں سے مغلوب ہوں گے اور یہ بھی جائز ہے کہ روم غلبت کا فاعل ہے جبکہ یہ صیغہ فاعل ہے یعنی رومی غالب ہوئے فارسیوں پر یعنی رومی مغلوب ہونے کے بعد غالب ہوں گے سیغلبون مجہول کا صیغہ ہے۔ یعنی عنقریب وہ اہل اسلام سے مغلوب ہوں گے۔ اور یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ اقدس میں ہوا۔ یہ ۱۵ھ یا ۱۶ھ تھا اور یہ ملک ۴۷۷ سال تک اہل اسلام کے قبضہ میں رہا۔ اس کے بعد اس پر فرنگی قابض ہو گیا۔ یہ ماہ شعبان ۴۹۲ھ میں ہوا۔ اور یہ ملک ان کے قبضے میں ۹۱ سال رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے سلطان ناصر صلاح الدین یوسف بن ایوب کو فتح بخشی۔ وہ جمعہ کا دن ۲۷ رجب ۵۸۳ھ تھا۔ قاضی محی الدین بن الزکی قاضی دمشق نے ان کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے:

فتحکم حلبا بالسیف فی صفر
مبشر بفتوح القدس فی رجب

ترجمہ: تم نے تلوار سے صفر میں حلب کو فتح کیا اور قدس کی فتح کی خوشخبری رجب میں سنائی گئی۔

ف: قاضی مرحوم نے جیسا لکھا ویسا ہوا کہ بیت المقدس رجب میں فتح ہوا۔ اس سے پوچھا گیا کہ آپ نے اس فتح کی خوشخبری قبل از وقت کیوں سنادی؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے ابن برجان کی تفسیر الم غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون فی بضع سنین سے سمجھا ہے۔

---

(۱۲) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم
انی لاعرف اسماءھم واسماء اٰبائھم والوان خیولھم
ھم خیر فوارس علی ظھر الارض یومئذ۔ (مسلم شریف ج ۲ ص ۳۹۲)

(نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے قریب دس اسپ سوار نکلیں گے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ میں اُن کے ناموں کو بھی جانتا ہوں اور ان کے آبا کے ناموں کو بھی۔ اور ان کے گھوڑوں کے رنگوں کو بھی۔ وہ اس دن تمام زمین کے اسپ سواروں سے بہتر ہوں گے۔

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ما فی غد اور ما فی الارحام کے علوم قیامت تک بیان فرمادئے۔ مزید مطالعہ علمائے اہلسنت کی تصانیف سے کیجئے۔

اویسی غفرلہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حضرت امام ابو الحکم بن مرجان اندلسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفسیر مذکور ۵۲۲ھ میں تصنیف فرمائی۔

اعجوبہ اس وقت بیت المقدس فرنگی ملعون کے قبضہ میں تھا اور شیخ سعد الدین حموی رحمہ اللہ نے مغلوبیت روم ۵۸۳ھ کا استخراج ادنی الارض سے کیا۔ اسی سال میں تیمور رومیوں پر غالب ہوا۔

فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ اکثر غالبیت و مغلوبیت ہمیشہ کے لیے بضع کے حساب

اعجوبہ کے اندر ہی ہے اور رہے گی خواہ صدیوں کے لحاظ سے ہو یا باعتبار احاد کے۔ ایسے ہی ایک بار اہل اسلام ۱۰۰۳ھ میں غالب ہوئے۔ جیسا کہ چند علماء الٰہی نے اشارات بھی کئے۔ جیسا کہ سیفلیون سے بھی سمجھا جاتا ہے لیکن پھر اہل اسلام پر ۱۰۰۹ھ میں کفار نے غلبہ پایا۔

قاعدہ: ہر حادثہ قرآن مجید میں کسی نہ کسی آیت میں اشارۃً ضرور پایا جاتا ہے۔ یہ علم الحروف کے جاننے والے جانتے ہیں۔ اور یہ اسی پر منکشف ہوتا ہے جو اس علم کا ماہر ہے۔ چنانچہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ؎

العلم بالحروف سر اللہ یدرکہ
من کان بالکشف والتحقیق متصفا

ترجمہ: علم الحروف ہی راز الٰہی ہے اسے وہ پاسکتا ہے جسے کشف و تحقیق نصیب ہو۔

لِلّٰہِ اللہ وحدہ کے لیے ہے **الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ ۚ** امر پہلے کا ہو یا بعد کا، یعنی دونوں اوقات کا اول و آخر اسی کے ہاتھ میں ہے کوئی مغلوب ہو یا غالب۔

خلاصہ یہ کہ کسی کا غالب و مغلوب ہونا کسی کے بس میں نہیں۔ یہ سب امور اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔

وَیَوْمَئِذٍ اور اس دن کہ جب رومی فارسیوں پر غالب ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوا **یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝** اہل ایمان خوش ہوں گے۔

حل لغات: امام راغب نے فرمایا کہ لذت عاجلہ کے حصول پر انشراح صدر کا نام فرح ہے اور اس کا اکثر استعمال لذت بدنیہ الدنیویہ پر ہوتا ہے اور سوائے فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا[1] کے ہیں کسی جگہ پر فرح کی اجازت نہیں دی گئی اور دوسرا مقام فرحت کا یہی مقام وَیَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ہے۔

بِنَصْرِ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کی مدد پر کہ اس نے اہل کتاب کو ان لوگوں پر فتح دینی ہے جن کے ہاں کتاب نہیں ہے تاکہ کفار مکہ غیظ و غضب میں جلیں کہ وہ رومیوں کے مغلوب ہونے پر خوشیاں منا رہے ہیں اور تاکہ دلیل بن جائے کہ اہل ایمان کافروں پر غالب ہوتے رہیں گے۔

مسئلہ: دراصل فتح و نصرت ایک اعلیٰ منصب ہے جو صرف اہل ایمان کے لائق ہے۔

ف: بعض نے کہا اہل ایمان کو اس لیے خوشی ہوگی کہ کفار ایک دوسرے کو قتل کریں گے کیونکہ اس طرح سے

---

[1] کل آیت قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذالک فلیفرحوا ھو خیر مما یجمعون۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کفار کی شان وشوکت کم ہوگی۔ ان کی خوشی اس سے نہیں ہوگی کہ کافروں کا ایک گروہ دوسرے گروہ پر غلبہ پا گیا یہ خوشی ایسے ہے جیسے ایک ظالم گروہ دوسرے گروہ کو قتل کر ڈالے (تو یہ خوشی ظلم وستم کی طاقت کی کمزوری سے ہوگی)

روحانی نسخے کشف الاسرار میں ہے کہ: (۱) آج ظلم ہے تو کل خوشی۔ (۲) آج عبرت ہے تو راحت۔ (۳) آج رونا ہے تو کل دیدار نصیب ہوگا۔

ف: دوستانِ خدا کو آج دنیا میں دکھ درد اور تکالیف اور پریشانیاں اور حسرت وافسوس ہے لیکن یہ لوگ دکھ درد اور سوز وگداز کے خریدار ہیں بلکہ ہوسکتا ہے اپنا سب کچھ اس درد وغم پر نچھاور کرتے ہوں۔ چنانچہ ایک نوجوان نے کہا کہ دکھ اور درد نقد سودا ہے کہ درد پر ہزاروں درماں نصیب ہوں گے۔

حکایت سیدنا داؤد علیہ السلام سے جب خلافِ اولیٰ عمل سرزد ہوا تو تا زیست اپنا سر اوپر اٹھا کر نہ دیکھا، ہر لحظہ تضرع وزاری میں بسر کرتے تھے اور بارہ ایزدی میں دعا کرتے: الٰہی! میرے لیے خوشی ہو اور خوشی درد ہی ہے۔

ف: اے مسکین! اگر ہمیشہ تو بے درد رہا تو کیا فائدہ! اگر تو درد وسوز کی نعمت سے محروم ہے تو بے خبر ہے اگر تجھے غم اور گریہ کا علم ہوتا تو رونے میں زندگی گزار دیتا۔ اگر ہنسنے کا نقصان جانتا تو کبھی نہ ہنستا۔

من گریہ بخندہ در ہمی پیوندم
پنہاں گریم و آشکارا خندم
اے دوست گمان مبر کہ من خرسندم
آگاہ نہ کہ من نیاز مندم

ترجمہ: میں رونے اور ہنسنے کو ملاتا رہتا ہوں چپکے چپکے روتا ہوں اور بظاہر ہنستا ہوں۔ اے دوست! یہ گمان مت کر کہ میں خوش ہوں، تجھے کیا خبر کہ میں تو نیاز مند ہوں۔

یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ وہ جس کی چاہے مدد کرے کمزور ہو یا طاقت ور۔ جملہ مستانفہ اور للہ الامر من قبل و من بعد کے مضمون کی تقریر کرتا ہے **وَھُوَ الْعَزِیْزُ** اور وہ بہت بڑے غلبہ و عزت والا ہے اسے کوئی بھی عاجز نہیں کر سکتا جب وہ کسی کی مدد کرنا چاہے **الرَّحِیْمُ ۝** بہت بڑی رحمت والا ہے، جس کی وہ مدد کرنا چاہے مدد کرتا ہے یا یہ کہ وہ اسے عزت نہیں دیتا جو اس سے عداوت رکھے اور اسے ذلیل نہیں کرتا جو اس سے محبت کرے (کذا فی المناسبات) یا اس پر محمول ہے کہ وہ صرف اہل ایمان کو مشرکین پر مدد دیتا ہے۔ جیسے بدر میں ہوا۔ (کذا فی الوسیط) اور الارشاد میں ہے کہ رحمت سے دنیوی رحمت مراد ہے۔ یہ قراۃ مشہورہ ہو تو ظاہر ہے اس لیے کہ دونوں گروہ (مسلمان وکافر) رحمتِ دنیویہ کے مستحق ہیں اور قراۃ اخیرہ پر یوں ہے کہ اہل اسلام اگرچہ خصوصی طور پر رحمت کے مستحق ہیں۔ لیکن اس سے مراد یہ ہوگا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کہ وہ دنیوی رحمت کے آثار کے خصوصیت سے مستحق ہیں موت کی تقدیم اس لیے ہے کہ دنیوی اعتبار سے وہ رحمت سے مقدم ہے۔ وَعْدَ اللّٰہِ مصدر مؤکد لنفسہ ہے کیونکہ اس کا ماقبل ویومئذ الخ وعدہ کے معنی میں ہے۔

حلِ لغات: الوعد بمعنی وقوع سے پہلے نافع شے کی خبر دینا اور یہی یومئذ یفرح المؤمنین کا مقصد ہے۔ ایسے مصادر کا عامل ہمیشہ محذوف ہوتا ہے دراصل عبارت تھی:

وعد اللّٰہ وعدًا۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے وعدہ کو دیکھو۔ اس کے بعد جملہ مستانفہ لایا گیا تاکہ وعدہ کی تقریر و تاکید ہو۔ لَا یُخْلِفُ اللّٰہُ وَعْدَہٗ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا خواہ روم کا واقعہ ہو یا دنیا کا کوئی اور یا آخرت کا۔ کیونکہ اس کی ذات سے کذب ناممکن بالکل محال ہے۔ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ اور لیکن اکثر مشرکین و اہلِ اضطراب (منافقین) لَا یَعْلَمُوْنَ ○ اللہ تعالیٰ کے وعدے کی صحت کو نہیں جانتے اپنی جہالت اور عدم تفکر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی بے انتہا شانوں کے بارے میں وعدہ کی صحت کو نہیں جانتے یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وہ جانتے ہیں صرف حیاتِ دنیا کے ظاہر کو، یعنی دنیا کے نقش و نگار اور اس کی چمک دمک کو۔ اور ایسے ہی وہ احوال جو ان کی شہوات کے موافق اور ان کی نفسانی خواہشات کے مطابق ہیں کیونکہ وہ دنیا کے معاملات میں نہایت سخت منہمک ہیں بلکہ اس پر ٹوٹ پڑے ہیں ظاھرًا کی تنکیر و تحقیر کی وجہ سے ہے یعنی دنیا چونکہ نہایت خسیس و حقیر ہے۔

ف: حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا، کافر ایک درہم سے کہ کہتا ہے کہ اس کا وزن اتنا ہے اور وہ واقعی ٹھیک کہتا اور ایسے ہی وہ کھرے کھوٹے کو جانتا تھا لیکن حقیقت سے ناآشنا تھا۔ جناب ضحاک رحمہ اللہ نے فرمایا، کافر دنیا میں اپنے مکانات کی بلندیوں کو اور نہریں جاری ہونے کو اور بہت اونچے اونچے درختوں کو دیکھتا ہے شے کے عدم علم اور صرف دنیا کے علم تک محدود ہونے میں فرق ہے۔

ف: التیسیر میں ہے کہ علم کی نفی امورِ دین کی وجہ سے ہے، پھر یعلمون میں دنیوی امور کا علم ہے۔ فلہذا اس میں کوئی تناقض نہیں اس لیے کہ پہلے یعلمون میں انتفاع علم کی نفی ہے دوسرے میں علم کو ایسے امور میں استعمال کرنا ہے جو علم کے شایانِ شان ہے۔

ف: یہ کم علمی کی دلیل ہے کہ انسان سردی کے امور گرمی میں تیار کرے اور گرمی کے امور سردی میں۔ لیکن اسے یہ کب یقین ہے کہ وہ اس تک ضرور پہنچ جائے گا۔ فلہذا اسے اخروی امور کے لیے تیاری کرنی چاہیے جو اس کے لیے ضروری ہے۔

وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ اور وہ آخرت سے جو کہ اصل مقصد اور اعلیٰ غرض ہے هُمْ غٰفِلُوْنَ ○

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari
For more Books click on link

غافل ہیں کہ ان کے دل میں کھٹکا نہیں ہوتا۔ اور دنیا سے ایسی باتیں حاصل نہیں کرتے جو اس کی معرفت اور اس کے احوال کی حقیقت تک پہنچائیں، اور اس میں تفکر نہیں کرتے۔

دوسرا ھُم پہلے ھُم کی تاکید کے لیے ہے۔ یہ بتاتا ہے کہ وہ لوگ آخرت سے غفلت کے عمق میں ہیں یا وہ مبتدا ہے۔ اور غافلون اس کی خبر ہے اور یہ پہلے جملے کی تاکید ہے۔

ف: آیت میں غافلوں کو جانوروں سے تشبیہ دی گئی ہے کہ آخرت سے غفلت کے اور ادراکات ظواہر حسیہ پر مقصور ہیں کہ احوال پر جو مبادی علم کے مبادی ہیں اہل ایمان کی غفلت از آخرت بوجہ ترک استعداد کے ہے اور کافروں کی اس کے انکار کرنے سے۔

مسئلہ: جو آخرت سے غافل ہوگا وہ اللہ تعالیٰ سے اور زیادہ غافل ہوگا۔ اور جو خدا سے غافل ہے وہ اس کے بندوں کی صف سے گرایا جاتا ہے۔

آخرت میں اہلِ دُنیا کا حال

حدیث شریف میں وارد ہے کہ کل قیامت میں دنیا کو بارگاہ خداوندی میں لایا جائے گا جس کی شکل بوڑھی عورت سی ہوگی اور آراستہ پیراستہ ہو کر آئے گی۔ عرض کرے گی آج مجھے کمتر سے کمتر بندہ عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں تجھے اپنے خسیس سے خسیس تر بندہ کو بھی تجھے نہیں دوں گا۔ پھر اسے فرمائے گا، مٹی ہو جا۔ وہ وہیں پر ایسی مٹی ہو جائے گی کہ اس کا کہیں نام و نشان تک نظر نہ آئے گا۔

طالبانِ دُنیا

عارفین فرماتے ہیں کہ طالبانِ دنیا تین قسم کے ہیں،

(۱) دنیا کو حرام طریقے سے جیسے بن پڑتا ہے بقہر و جبر و غصب جمع کرتے ہیں اور انہیں اپنے انجام کی بربادی کا فکر نہیں ہوتا۔ ایسے لوگ عذاب کے مستحق ہیں۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص جو کہ دنیا حلال طریق سے اس نیت سے جمع کرتا ہے کہ وہ دوسروں پر فخر و ناز کرے گا جب قیامت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس سے منہ پھیر لے گا اور اظہار ناراضی فرمائے گا۔ (اس سے اندازہ کیجئے کہ جو حرام طریقے سے دنیا جمع کرتا ہے اس کا کیا حال ہوگا!)

(۲) جو مباح طریقے سے دنیا جمع کرتا ہے مثلاً تجارت و کسب حلال وغیرہ سے، اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے چاہے حساب لے یا نہ لے۔

حدیث شریف میں ہے،

من نوقش فی الحساب عذب۔

(جو حساب کے لیے کھڑا کیا گیا وہ عذاب میں مبتلا ہوا)

(۳) جو اتنی دنیا کماتا ہے کہ بھوکوں مرے اور تن ڈھانپے اور قناعت سے زندگی بسر کرے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حدیث شریف میں ہے :

لیس لابن آدم حق فیما سوی ہذہ الخصال بیت یکنہ و ثوب یواری عورتہ وجرف الخبز والماء۔

(ابن آدم کو سوائے ان تین ضروریات کے دنیا اس کے لائق نہیں :

۱۔ اتنا مکان کہ سر ڈھانپ سکے۔

۲۔ اتنا کپڑا کہ ستر پوشی کر سکے۔

۳۔ روٹی کے چند ٹکڑے اور پانی کا چلّو۔

ان پر نہ کوئی حساب ہے نہ عتاب۔ قبر سے اُٹھتے وقت ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے۔

تفسیر صوفیانہ (۱) بعض عارفین نے فرمایا کہ آیت میں ان مدعیوں کا بیان ہے جو ظاہری امور اور دنیوی معاملات کے تو ماہر ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے تعلقات سے محجوب ہوتے ہیں بلکہ وہ اس سے بھی غافل ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کرام کے قلوب پر کیسا عرفان مفتوح فرمایا ہے کہ ہر وقت شوقِ الٰہی میں رہتے ہیں اور انہیں حُبِ الٰہی نے عیشِ دنیا کے امور دل سے بھلا دئیے ہیں بلکہ تمام دنیا کے امور سے یہ لوگ سراسر غافل ہیں۔ اسی لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

انتم اعلم بامور دنیاکم وانا اعلم بامور آخرتکم۔[1]

(تم مجھ سے زیادہ امورِ دنیا جانتے ہو اور میں تم سے زیادہ امورِ آخرت جانتا ہوں)

تفسیر صوفیانہ (۲) تاویلات نجمیہ میں ہے کہ غلبت الروم میں اشارہ ہے کہ اہل الطلب کے احوال میں تغیر ہوتا رہتا ہے جیسے وقت کا تقاضا ہے۔ ان کا حال متغیر ہو جائے گا کبھی روم پر فارس (نفس) ان کے روم (قلب) پر غلبہ پا لیتا ہے اسی لیے طالب صادق کے لیے ضروری ہے کہ وہ مراد طلب میں ثابت قدم رہے

---

[1] ایسی روایات سے وہابیوں دیوبندیوں کو غلط فہمی ہوتی ہے کہ وہ کہہ دیتے ہیں کہ دنیوی امور میں امت کو نبی علیہ السلام سے زیادہ علم ہوتا ہے۔ اسی لیے براہین قاطعہ میں لکھا کہ شیطان کا علم حضور علیہ السلام کے علم سے زیادہ ہے کیونکہ اس کے علم کو دنیوی امور سے تعلق ہے اور حضور علیہ السلام کو دنیوی امور میں علم کم ہے اور ان کے دلائل میں سے ایک حدیث تلقیح بھی۔ تلقیح تمر میں لاعلمی سے نہیں فرمایا بلکہ آپ نے انہیں توکل کا سبق سکھایا جب وہ اس پر پورے نہ اُترے تو آپ نے زجراً فرمایا (شرح شفا) اور یہاں بھی لاعلمی کا اظہار نہیں بلکہ نبی اور امتی کے درمیان امتیاز بتایا ہے کہ امتی کو دنیوی مشاغل زیادہ ہیں اور نبی علیہ السلام کو امورِ آخرت میں مشغولی ہوتی ہے۔ علم سے مہارت اور مشغولی مراد ہے۔ اویسی غفرلہ

کہیں اس کا قدم ڈگمگا نہ جائے بلکہ اپنی صداقتِ طلب کو ثبات و دوام بخشے۔ **وھم من بعد غلبھم سیغلبون** اور وہ روم (قلب) بعد مغلوبیت کے فارس (نفس) پر غالب ہوں گی اللہ تعالیٰ تائید دے سے **فی بضع سنین** چند سالوں میں ایام طلب میں **للہ الامر من قبل** غلبۂ فارس (نفس) سے پہلے روم (قلب) پر پہلی بار وہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم و تقدیر سے تھا اور اس کی اس میں حکمت بلیغہ ہے کہ اصلاح حال جس میں جس طرح چاہے ورنہ جمیع انبیاء و اولیاء کے نفوس ابتداء میں قلوب پر غالب تھے پھر بعد میں ان کے قلوب نفوس پر غلبہ پا گئے **و من بعد** یعنی پھر کہ غلبۂ روم (قلب) کا فارس (نفس) پر یہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم پر ہے۔ اس کا ایسا حکم ہے کہ اسے کوئی ٹالنے والا نہیں **ویومئذ** اس دن یعنی جب روم غالب ہوئے **یفرح المؤمنون** خوش ہوں گے اہل ایمان یعنی روح، سر، عقل **بنصر اللہ** اللہ کی مدد پر جو اس نے قلب کو نفس پر بخشی ایسے ہی اہل ایمان کی مدد کافروں پر **وھو العزیز** اور وہ عزیز ہے کہ اپنے اولیاء کی مدد اور اپنے اعداء کو ذلیل کرتا ہے **الرحیم** وہ رحمت والا ہے کہ وہ اہل محبت یعنی اربابِ قلوب کی مدد فرماتا ہے **وعد اللہ لا یخلف اللہ وعدہ ولکن اکثر الناس** اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اور وہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا لیکن اکثر وہ جو اس کے الطاف کو فراموش کرنے والے ہیں **لا یعلمون** اس کے صدق وعدہ اور وفائے عہد کو نہیں جانتے کیونکہ **یعلمون ظاھرا من الحیٰوۃ الدنیا** وہ حیاتِ دنیا کے صرف ظاہر کو جانتے ہیں یعنی حواس ظاہرہ کے ساتھ شہوات دنیا کے شہد کی حلاوت کی لذت پاتے ہیں **وھم عن الاخرۃ** اور حواس باطنہ کے ساتھ وہ آخرت اور اس کے کمالات اور وجدان شوق شہوات سے، کیونکہ وہ بقائے ابدی کا موجب ہے اور شہوات دنیا کا شہد زہریلا اور مہلک ہے **ھم غفلون** وہ غافل ہیں کیونکہ وہ بحر بشریت میں غرق اور اس کے اوصاف کی موجوں میں غوطہ زن ہیں۔ حضرت کمال خجندی رحمہ اللہ نے فرمایا: ؎

جہان و جملہ لذاتش بزنبور عسل ماند
کہ شیرینیش بسیار است وزان افزون شر و شورش

ترجمہ: جہانِ دنیا اور اس کی تمام لذات شہد کی مکھی کی طرح ہیں کہ اس میں مٹھاس تو بہت ہے لیکن اس سے بڑھ کر اس کا شر اور شور ہے۔

تفسیر عالمانہ

اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ کیا انہوں نے غور و فکر نہیں کیا، واؤ اور اس کا عطف فعل مقدر پر ہے تفکر یعنی مطلوب تک پہنچنے کے لیے معانی اشیاء کا دل کی طرف متوجہ کرنا۔ یہ عقل کے تصفیہ سے پہلے ہوتا ہے اور تذکر تصفیہ عقل کے بعد۔ اسی لیے قرآن مجید میں عقل کے ساتھ تذکر کا ذکر ہے تفکر کے ساتھ نہیں۔

اعجوبۂ لغت

بعض ادباء نے کہا کہ فکر دراصل الفرک کا مقلوب ہے۔ اسی لیے کہ اس کا استعمال معانی میں ہوتا ہے یعنی امور میں غور و فکر اور بحث کرنا تاکہ ان کی تہ تک پہنچا جا سکے (اور

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

فوق کا اطلاق غیر مکانی میں ہوتا ہے)

فی انفسہم تفکر سے متعلق ہے۔ اس کا ذکر اس لیے ہے کہ اس کا صدور اس کے غیر میں محال ہے کیونکہ متفکر کا حال بوقت فکر روشن ہوتا ہے اور یہ قرآن کی وسعت استعمالات سے ہے۔ مثلاً فرمایا:

ویقولون بافواھھم۔

(اور وہ منہ سے بولتے ہیں)

اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ کفار مکہ نے اپنی نظروں کو زندگی کے ظاہر حالات پر جما لیا اور اپنے دلوں میں فکر کو جگہ نہ دی ورنہ انہیں معلوم ہو جاتا کہ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اور ہم نے آسمان اور ایسے ہی جمیع اجرام علویہ اور سماوات ارواح اور زمین ایسے ہی جمیع اجرام سفلیہ اور ارض اجسام وَمَا بَیْنَهُمَاۤ اور جو ان کے درمیان میں مخلوق ہے اور دیگر قوی پیدا نہیں کیا اِلَّا بِالْحَقِّ مگر حق کے سبب اور حکمت و مصلحت پر تاکہ ان سے یہ لوگ عبرت پکڑیں اور صانع حقیقی کے وجود اور اس کی وحدت پر استدلال کریں اور جانیں کہ اس کی صفات کی جولانگاہیں اور اس کی قدرت کے مناظر ہیں۔

سوال: ذات کا متعلق تفکر کیوں؟

جواب: تفکر کے لائق خلق ہے نہ کہ خالق، کیونکہ وہ تو اس سے منزہ ہے کہ اسے قلب میں کسی صورت سے متصور کر لیا جائے۔

حدیث شریف: اسی لیے حدیث شریف میں ہے:

تفکروا فی آلاء اللہ تعالیٰ ولا تتفکروا فی ذات اللہ۔

(اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں فکر کرو لیکن اس کی ذات میں فکر مت کرو)

مثنوی شریف میں ہے:

۱ عالم خلقست با سوے جہات
بے جہت دان عالم امر و صفات

۲ بے تعلق نیست مخلوقے بدو
آن تعلق ہست بیچون اے عمو

۳ این تعلق را خرد چون پے برد
بستہ فصلست و وصلست این خرد

۴ این وصیت کرد ما را مصطفیٰ
بحث کم جوئید در ذات خدا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۵ آنکہ در ذاتش تفکر کردنیست
در حقیقت آن نظر در ذات نیست

۶ ہست آن پندار او زیرا براہ
صد ہزاران پردہ آمد تا الٰہ

۷ ہر یکے در پردۂ موصول جوست
وہم او آنست کہ آن عین ہوست

۸ پس پیمبر دفع کرد این وہم ازو
تا نباشد در غلط سودا پز او

۹ در عجائب ہاش فکر اندر روید
از عظیمے وز مہابت گم شوید

۱۰ چونکہ صنعش ریش و سبلت کم کند
حد خود داند ز صانع تن زند

۱۱ جز کہ لا احصی نگوید او ز جان
کز شمار و حد برونست آن بیان

ترجمہ: (۱) عالم خلق جہات رکھتا ہے لیکن عالم امر و صفات جہت سے منزہ ہے۔

(۲) مخلوق کو اس سے تعلق لازمی ہے وہ تعلق ہستی کا ہے اسے نابینا!

(۳) اس تعلق کے لیے جب عقل راہ لیتی ہے تو فصل و وصل کا پابند ہوتا ہے۔

(۴) اسی لیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں بحث نہ کرو۔

(۵) ہاں وہ جو ہم اس کی ذات میں تفکر کرتے ہیں وہ اس کی ذات میں تفکر نہیں۔

(۶) وہ صرف ہمارا اپنا وہم و گمان ہے ورنہ اس کی ذات تو ہزاروں پردوں میں چھپی ہوئی ہے۔

(۷) ہر ایک اسی پردے والے کا متلاشی ہے پھر اسی کا پردے کو سمجھنے لگتا ہے کہ شاید یہ وہی ہے۔

(۸) اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وہم کا ازالہ فرمایا تاکہ کسی غلطی کا شکار نہ ہو جائے۔

(۹) ہاں اس کے عجائبات میں فکر کرتے جاؤ۔ لیکن اس کی عظمت و ہیبت سے آگے نہ بڑھو۔

(۱۰) چونکہ اس کی صنعت ہی ہمارے لیے کافی ہے۔ صانع کی حد تک پہنچنا مشکل ہے۔

(۱۱) سوائے لا احصی کہنے کے چارہ نہیں اس لیے کہ یہ بیان شمار اور حد سے باہر ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

نکتہ صوفیانہ در اطلاق اسم حق (صوفیہ کرام رحمہم اللہ کے اپنے اکثر احوال میں اطلاق اسم حق سے شبہ پڑتا تھا کہ اس کی تخصیص کیوں، حالانکہ اس کے اسما بھی تو ہیں، صاحب روح البیان رحمہ اللہ نے فرمایا،

حق کا معنیٰ ہے وہ ذات ثابت الوجود ہے اور وہ زوال و عدم کو قبول نہیں کرتی اور نہ تغیر کے قابل ہے۔ پھر یہ حضرات ذات حقیقیہ کے ہر وقت تصور میں رہتے ہیں یعنی ماسوی اللہ جو سراسر باطل و ہالک ہے کی طرف تھوڑی سی دیر کے لیے بھی دھیان نہیں کرتے۔ اسی لیے ان کے اطلاقات میں یہی اسم زیادہ استعمال ہوتا ہے۔

وَاَجَلٍ مُّسَمًّى اس کا عطف حق پر ہے یعنی ان کی تخلیق ایک میعاد مقرر کے لیے ہے' جسے اللہ تعالیٰ نے خود مقرر فرمایا ہے کہ فلاں وقت تک باقی رہیں گے اس کے بعد مٹ جائیں گے یعنی ان کے مٹنے کے لیے ایک انتہائی سرحد ہے اور وہ ہے قیام الساعۃ۔ **وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ** اور بہت سے لوگ اہل غفلت اور فکر آخرت کے سمجھنے کی رہبری کرتا ہے' سے اعراض کی وجہ سے **بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ** اپنے رب کی حاضری سے یعنی اس کے حساب و جزا کے لیے اور مرنے کے بعد اٹھنے کے منکر ہیں۔

ف: **بِا لَكٰفِرُوْنَ۝** کے متعلق ہے۔ لکافرون بمعنے منکرون جاحدون ہے کیونکہ ان کا گمان ہے کہ دنیا ابدی ہے اور آخرت تب ہو جب اس کے لیے ختم ہونا ہو۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا سیر بمعنے زمین پر چلنا۔ یعنی اہل مکہ نے چل کر نہیں دیکھا **فِي الْاَرْضِ** زمین پر **فَيَنْظُرُوْا** کہ دیکھیں یعنی ان سابقہ کافروں کے رہنے سہنے کے مقامات پر چل کر دیکھیں یہ اس لیے کہ یہ لوگ اپنی تجارات کے وقت زمین کے چپہ چپہ کو چھان ڈالتے اور ان مقامات سے گزرتے۔ اسی لیے حکم ہوا کہ انہیں دیکھو اور پھر سوچو **كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ** کیسے ہے انجام ان لوگوں کا جو ان سے پہلے گزرے ہیں یعنی وہ امتیں جو تباہ و برباد ہوئیں جیسے عاد و ثمود۔

قاعدہ عاقبہ عاقبۃ کا لفظ علی الاطلاق ہو تو وہاں ثواب مراد ہوگا، جیسے والعاقبۃ للمتقین۔ اگر اضافت کے ساتھ ہو تو سزا کے معنی میں ہوگا، جیسے اسی آیت میں ہے۔ اس سے انجام کار مراد ہوتا ہے۔

ربط: اس کے بعد امم سابقہ کے انجام کار کی تفصیل بتائی ہے وہ یہ کہ **كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً** وہ ان سے قوت (طاقت) میں زیادہ طاقتور تھے۔ یعنی وہ اہل مکہ سے زندگی کے حالات کے اعتبار سے عیش و عشرت میں زیادہ قوت رکھتے تھے **وَاَثَارُوا الْاَرْضَ**۔

حل لغات یہ ثار الغبار والسحاب سے مشتق ہے یعنی چمک کے غبار اور بادل منتشر ہوا۔ یعنی کسی شے کو ایسی حرکت دینا یہاں تک کہ غبار اڑے۔ فارسی میں برانگیختن گرد و شورانیدن زمین و میغ آوردن باد (گرد کا اڑنا زمین کا شور کرنا اور ہوا کا بادل لانا) کما فی تاج المصادر۔

الثور اس بیل کو کہتے ہیں جو زمین کو کھودے۔ گویا وہ اس کام میں لگا رہتا ہے کہ اسے مصدر کے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

معنیٰ میں مستعمل ہے۔ جیسے عدل بمعنے عادل مصدر بمعنے اسم فاعل مبالغہ کے لیے ہے۔

البقر' بقرت سے ہے بمعنے شق یعنی چیرا۔ کیونکہ وہ کھیتی کے لیے زمین کو چیرتا ہے۔ اسی لیے حضرت محمد بن حسین رضی اللہ عنہ کو باقر کہا جاتا ہے کیونکہ وہ گویا علم کے ماہر و حاذق تھے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ انہوں نے

اب معنی یہ ہُوا کہ انہوں نے زمین کو کھیتی کے لیے الٹ دیا اور اس پر پانی بہایا اور اس کے خزانے نکالے۔

وَعَمَرُوْهَا۔

حل لغات العمارۃ خراب و ویران کی نقیض یعنی انہوں نے زمین کو مختلف عمارات اور کھیتوں اور باغوں (وغیرہ اور جن کا آبادی سے تعلق ہے) سے آباد کیا۔

اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا اس سے زیادہ جو کہ مشرکین نے زمین کو آباد کیا ہے اور اہل مکہ کی آبادی سے ان کی مناسبت کیسے ہو سکتی ہے جبکہ یہ اس وادی میں رہتے ہیں جس میں کھیتی وغیرہ نہیں ہوتی اور پھر ان کا گزارا تو بھی صرف اسی میں ہے وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ اور ان کے پاس ان کے رسل کرام علیہم السلام معجزات اور واضح آیات لائے اور انہوں نے ان کی تکذیب کی اور انہیں اللہ تعالیٰ نے تباہ و برباد کر دیا فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وہ جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عذاب میں مبتلا کر کے تباہ و برباد کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بلاجرم ظلم نہیں کیا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ لیکن وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرتے تھے کیونکہ انہوں نے ایسے معاصی و جرائم کا ارتکاب کیا جو ان کی تباہی و بربادی کا موجب بنے ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا جنہوں نے بُرے عمل کیے یعنی کفر و شرک کیا، ان کا انجام ہوا السُّوْٓاٰى یعنی سخت بُرا۔

حل لغات السوأی تمام سزاؤں سے زیادہ بُری سزا کو کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ سزا جو دوزخ میں کفار کو دی جائے گی وہی سوأی (سزا) ہے۔ السوئی، اسوء کی تانیث ہے جیسے حُسنیٰ احسن کی تانیث ہے یا بُشریٰ کی طرح مصدر ہے مبالغہ کے طور صیغۂ صفت ہے گویا وہ عذاب سزا کا عین ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ جہنم کا نام ہے جیسے حُسنیٰ بہشت کا نام ہے اور جہنم کو سوئی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے کرنے والے کو سخت سے سخت تکلیف پہنچاتی ہے (پناہ بخدا)۔

ف : امام راغب نے فرمایا: السوء ہر طرح کی بری تکلیف کو کہا جاتا ہے وہ امور دنیویہ سے ہو یا امور اُخرویہ سے، وہ احوال النفسیہ سے ہو یا بدنیہ سے۔ اور انسان کو جو خارجی طریق سے تکلیف پہنچے جیسے مال ضائع ہو جائے یا دوست (محبوب) جدا ہو جائے غرضیکہ جو امر ایسا قبیح ہو اسی لیے بالمقابل حسنیٰ کا اطلاق ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

ثم کان عاقبۃ الذین اساءوا السوأی۔

اور فرمایا:

للذین احسنوا الحسنیٰ۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

السوٰی مرفوع ہے اس لیے کہ کان کا اسم اور اس کی خبر عاقبت ہے۔ اس کے برعکس

ترکیب بھی پڑھا گیا ہے۔ اختصار کے تقاضا پر یہی ترکیب زیادہ موزوں ہے کز آنی الارشاد۔

اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ یہ کہ انہوں نے آیات الٰہی کی تکذیب کی۔ یہ علت ہے اس کی جو کہ انہیں دنیوی و اُخروی عذاب میں مبتلا کیا گیا۔ یعنی انہوں نے آیات منزل علی الرسل اور معجزات باہرہ کی تکذیب کی تو ان پر عذاب ہوگا وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ٥ اس کا عطف كَذَّبُوْا پر ہے اور علت کے حکم میں داخل ہے استہزاء میں صیغہ مضارع میں لانے میں اس کے استمرار و تجدد کی طرف اشارہ ہے۔

خلاصہ تفسیر خلاصہ تفسیر یہ کہ اُمم گزشتہ میں جو تکذیب کرنے والے تھے انہیں دنیا و آخرت میں عذاب دیا گیا ان کی تکذیب و استہزاء و دیگر جرائم و معاصی کی وجہ سے، تو انہیں ان کی قوت و طاقت اور اموال نے نفع نہ دیا، انہیں کوئی شے عذاب و ہلاکت سے بچا نہ سکی۔ پھر اہل مکہ تو کچھ بھی نہیں نہ ان کے پاس مال و دولت اور نہ دیگر قوت و طاقت، اور یہ بھی گنتی کے، اور جسمانی لحاظ سے بھی کمزور۔

ف: ان کے قلوب پہ مہریں لگ جانا اور کفر پہ مرنا ان کی برائیوں کی سزا ہے جیسا کہ ابن عیینہ نے فرمایا کہ تکذیب رسل کا انجام برا ہے۔ جب بندہ گناہ کرتا ہے تو ایک سیاہ دھبہ اس کے دل پر جم جاتا ہے۔ اس کے بعد ایسے لوگوں کی موت کفر پہ واقع ہوتی ہے۔

منطق و فلسفہ اور دیگر علوم غیر نافعہ اس میں اشارہ ہے کہ وہ طالبان علم جو غیر نافعہ بلکہ ضرر رساں علوم و فنون جیسے کلام و منطق و معقولات حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں یہ علوم ان کے عقائد کو خراب کر ڈالتے ہیں اور عقائد اہلسنت و جماعت سے دور لے جاتے ہیں اس لیے کہ عقیدۂ اہلسنت پر معمولی طور شک و شبہ کیا تو کفر پر موت واقع ہوگی ؎

علم بے دیناں رہا کن جہل را حکمت مخواں
از خیالات و ظنون اہل یوناں دم مزن

ترجمہ: بے دینوں کے علم کو چھوڑ دے کیونکہ یہ علم نہیں جہل ہے اور جہل کو حکمت مت کہہ۔
اہل یونان (فلاسفہ) کے خیالات و ظنون کا دم نہ مار۔

تفسیر صوفیانہ جیسے سیر و سلوک سے ایمان حقیقی کا نور نصیب ہوا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ ان سے پہلے جو فلاسفہ حکماء گزرے ہیں ان کا کیا انجام ہوا حالانکہ وہ علم العقل کی بہت زیادہ قوت رکھتے تھے اور انہوں نے بشریت کی زمین کو ریاضت و مجاہدات سے خوب الٹ پلٹ کیا اور تبدیل اخلاق میں اسے خوب سنوارا اور براہین قاطعہ اور دلائل ساطعہ قائم کئے۔ اور ان کی طرح ان متأخرین کو ذرہ بھر بھی نصیب ہوا کیونکہ ایک تو ان کی عمریں طویل تھیں دوسرے ان کے دلوں میں شیطان نے وسوسے ڈال رکھے تھے اور انہیں علوم عقلیہ پہ اُبھارا اور ان کے ذہنوں میں یہ بات سمائی تھی کہ انہیں شریعت مطہرہ کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ کی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

انبیاء علیہم السلام کی اتباع کے وہ محتاج ہیں پھر ان کے پاس انبیاء علیہم السلام معجزات لے کر آئے تو انہوں نے انہیں جادو اور نیرنج سے تعبیر کیا۔ اسی لیے انہوں نے معجزات پر شک و شبہ کیا۔ وہ سمجھتے تھے کہ وہ اپنی علمی و فنی مہارت سے معجزات کو غلط ثابت کر رہے ہیں حالانکہ وہی علم و فن ان کی تباہی و بربادی کا موجب بنا اور وہ خود ہی شکوک و شبہات کے گڑھے میں جا گرے فما کان اللّٰہ لیظلمہم پس نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو آفات و بلیات میں مبتلا کرے بایں طور کہ انہیں شیاطین کے وساوس کے سپرد کر دیا اس نے ان کے نفوس کو وساوس کا شکار کر لیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف رسل کرام علیہم السلام بھیجے نیز کتابیں ولکن کانوا انفسہم یظلمون لیکن وہ اپنے نفوس پر ظلم کرتے تھے کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب اور شیطان کی تابعداری اور خواہشاتِ نفسانیہ کی پرستش کی پھر تکذیبِ انبیاء کی شامت سے ان کا انجام برباد ہوا اور یہ عذاب میں مبتلا ہوئے بایں طور کہ وہ کفر کے سربراہ بنے اور کفر کی تائید میں کتابیں لکھیں۔ ان کتابوں میں انبیاء علیہم السلام کی مخالفت میں اور ان کے لائے ہوئے احکام پر بھرپور حملے کئے اور ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور اپنے اس کارنامے کا نام حکمت رکھا اور خود کو حکما سے تعبیر کرتے تھے۔

انتباہ اب بھی بعض طلبہ ان کے فنون و حکمت کے حصول میں بڑی جد و جہد کرتے ہیں تاکہ احکام شرع کی صعوبت سے بچ جائیں یا اپنے جوہر کی خباثت پر مجبور تھے۔ اسی لیے وہ ان فلاسفہ کی کتابوں کے تعلیم و تعلّم میں زندگیاں ضائع کر دیتے ہیں پھر ان کی کتابوں سے شکوک و شبہات کی بوچھار شریعت پر کرتے ہیں جس سے وہ کفر کے گڑھے میں گر کر ہلاک و تباہ ہو جاتے ہیں بلکہ بہت سے بدقسمت ایسی کتابوں کے مطالعہ سے اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں[1] اور یہ بیماری متقدمین و متاخرین کے حکما میں عام تھی ان کی کتابوں کی نحوست جس پر پڑتی ہے وہ اسلام سے بیگانہ ہو جاتا ہے بلکہ ان فلاسفہ کفار کے زمرہ میں داخل ہو جاتا ہے اور یہ بیماری حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں بھی گھس گئی اور تا قیامت یہ بیماری میں رہے گی[2] اور اس بیماری کی شدت اس قدر وسعت پذیر ہو جائے گی کہ طلبۂ علوم اسلام کا دل تفسیر و حدیث اور فقہ اور دیگر اسلامی فنون سے ہٹ رہا ہے[3] اور فلسفہ و زندیقیت کی طرح شوق بڑھ رہا ہے اور جسے وہ اصول سے تعبیر کرتے ہیں (عوام اسے سائنس کی ترقی

---

[1] اسی لیے ہم اہلسنت عوام کو بار بار تنبیہ کرتے ہیں کہ بدمذاہب کی کتابوں کے مطالعہ سے پرہیز کرو۔

[2] یہ وہی بیماری ہے جو آج شریعت کے ہر مسئلے کو اجتہاد کا نشانہ بنایا جا رہا ہے اور کہیں معجزات کا انکار کیا جا رہا ہے۔ نیچریت، پرویزیت، وہابیت جیسے مذاہب بڑھ رہے ہیں۔

[3] دیکھئے آج ہمارے دینی طلبہ کا حال کچھ اس طرح ہو رہا ہے اور وہ علوم اسلامیہ کے بجائے فنون دیگر اور انگریزی تعلیم کے دلدادہ بن گئے ہیں۔ فالی اللہ المشتکیٰ
اویسی غفرلہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کہتے ہیں) سے

علم دین فقہ است و تفسیر و حدیث
ہر کہ خواند غیر ازیں گردد خبیث

ترجمہ: دینی علم تو فقہ و تفسیر و حدیث ہے جو اس کے علاوہ پڑھتا ہے وہ خبیث ہو جائے گا۔

(غور کیجئے کہ اب ہم میں سے کتنے لوگ ایسے ہیں جو فقہ و تفسیر و حدیث پڑھتے ہیں اور وہ کتنے ہیں جو ان علوم دینیہ سے روگردانی کر کے دوسرے علوم کے حصول کے خبط میں ہیں)[1]

ملفوظات شافعی رحمہ اللہ

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا:

من تکلم تزندق ثم وبال ھذہ جملہ الی قیام الساعۃ یکتب فی دیوان من سن ھٰذہ السنۃ السیئۃ و من اوزار من عمل بہا من غیر ان ینقص من اوزارہم شیٔ علی ان کذبوا بالقرآن وسموا الانبیاء علیہم السلام اصحاب النوامیس و سموا الشرائع الناموس الاکبر علیہم لعنات اللّٰہ تتری۔ کذا فی تاویلات حضرۃ الشیخ نجم الدین قدس سرہٗ۔[2]

(جو علم کلام پڑھے گا وہ زندیق ہو جائے گا اس کا وبال تاقیامت اس کے سر پر رہے گا اور اس زمرہ میں لکھا جائے گا جس کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جو برا طریقہ ایجاد کرتا ہے اس کا گناہ اس کے کھاتے میں جائے گا اور ان لوگوں کے گناہ بھی اس کے نام لکھے جائیں گے جو اس بری ایجاد پر عمل کرتے رہے اور تاقیامت اس کے لیے یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ گناہوں کی سزا عمل والوں سے بھی کم نہ ہوگی اور پھر یہ سزا مذکورہ ان کے اعمال نامے میں لکھی جائے گی جنہوں نے قرآن کی تکذیب کی اور انبیاء علیہم السلام کو جھٹلا کر ان کو اصحاب نوامیس اور ان کی شریعتوں کو ناموس اکبر سے موسوم کیا۔ کذا فی تاویلات حضرت الشیخ نجم الدین قدس سرہٗ)

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ
[2] تفسیر روح البیان، ج ۷، ص ۱۲

اویسی غفرلہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾
اللہ پہلے بناتا ہے پھر دوبارہ بنائے گا پھر اس کی طرف پھرو گے

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ
اور جس دن قیامت قائم ہوگی مجرموں کی آس ٹوٹ جائے گی اور ان کے شریک ان کے سفارشی

شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿۱۴﴾
نہ ہوں گے اور وہ اپنے شریکوں سے منکر ہو جائیں گے اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن الگ ہو جائیں گے

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَاَمَّا
تو وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے باغ کی کیاری میں ان کی خاطرداری ہوگی اور جو

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۱۶﴾
کافر ہوئے اور ہماری آیتیں اور آخرت کا ملنا جھٹلایا وہ عذاب میں لا دھرے جائیں گے

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ
تو اللہ کی پاکی بولو جب شام کرو اور جب صبح ہو اور اسی کی تعریف ہے آسمانوں

وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ
اور زمین میں اور کچھ دن رہے اور جب تمہیں دوپہر ہو وہ زندہ کو نکالتا ہے مردے سے اور مردے کو

الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۹﴾
نکالتا ہے زندہ سے اور زمین کو جِلاتا ہے اس کے مرے پیچھے اور یوں ہی تم نکالے جاؤ گے

تفسیر عالمانہ

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ اللہ تعالیٰ ہی دنیا میں ابتداءً پیدا کرتا ہے۔ اس سے انسان مراد ہے جسے نطفہ سے پیدا کیا گیا ثُمَّ يُعِيْدُهٗ پھر اسے مرنے کے بعد زندہ کر کے جیسے وہ پہلے تھا آخرت میں اٹھائے گا بغیر اس کے کہ اس کے گناہوں میں کمی آئے جو اس نے قرآن کی تکذیب کی اور انبیاء علیہم السلام کو اصحاب فرامیس میں رکھا مذکر واحد کی ضمیر خلق کے لفظ کی وجہ سے ہے ثُمَّ اِلَيْهِ پھر اس کی طرف یعنی اس کے حساب اور سزا و جزا کے میدان میں تُرْجَعُوْنَ ○ لوٹائے جاؤ گے ترہیب کی وجہ سے مبالغہ کے طور التفات ہے صیغۂ غائب (یاء) کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اور جمع کا صیغہ باعتبار خلق کے معنی کی وجہ سے ہے وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اور اس وقت کہ قیامت قائم ہوگی اور یہی مخلوق (انسان) کے لوٹائے جانے کا وقت ہے کہ اس میں جا کر حساب دیں گے اور جزا و سزا پائیں گے۔

ف: ساعۃ یعنی وقت کا ایک حصہ۔ قیامت کو ساعۃ سے اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ وہاں بہت ہی تھوڑی دیر میں بندوں کا حساب و کتاب ہو جائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وھو اسرع الحاسبین۔
(اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے)
یا اس لیے کہ جس کی تنبیہ خود فرمائی،
کانھم یوم یرونھا لم یلبثوا الا ساعۃ من نھار۔
گویا وہ اسے یوں محسوس کریں گے کہ نہیں ٹھہرے مگر پل بھر۔

یُبۡلِسُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ○ ناامید ہو جائیں گے مجرم یعنی اس شخص کی طرح ہو جائیں گے جو اپنی تمام حجتیں ختم کر کے ناامید ہو کر حیران و سرگردان ہو جاتے کہ اب کے بعد تو کوئی حجت ہی نہیں جسے میں پیش کروں یا یہ کہ وہ ہر بھلائی سے ناامید ہو جائیں گے۔

حلِ لغات امام راغب نے فرمایا کہ ابلاس یعنی وہ حزن جو انسان کو ناامیدی کے بعد لاحق ہو۔ اسی سے ابلیس مشتق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو کوئی اپنے ایسے دلائل قائم کرے جو جواب ملنے پر اسے ساکت کر دیں پھر اسے کوئی ایسی دلیل نہ سُوجھے جو اس کو مفید ہو۔ ابلس فلان یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی حجت باقی نہ رہے تو خاموش ہو بیٹھے۔

وَلَمۡ یَکُنۡ لَّهُمۡ مِّنۡ شُرَکَآئِهِمۡ اور نہیں ہوں گے ان کے شرکا یعنی بت جن کی عبادت سے شفاعت کی امید کرتے تھے شُفَعٰٓؤُا ان کے سفارشی جو انہیں عذابِ الٰہی سے چھڑا سکیں۔

نکتہ صیغۂ ماضی اس لیے ہے کہ وہ علمِ الٰہی میں محقق ہو چکا اور جمع کا صیغہ، صیغۂ جمع کے بالمقابل کی وجہ سے ہے یعنی نہیں ہوگا ان ہر ایک کے لیے کوئی سفارشی۔

ف: مصحف میں شفعٰؤا لکھا ہے۔ یعنی الف سے پہلے واؤ۔ جیسے سورۂ شعرا میں علمٰٓؤا بنی اسرائیل پڑھا جاتا ہے اور السوٓأی میں یا سے پہلے ہمزہ کے لیے الف اور صورت اس حرف کے کہ جس سے اس کی حرکت ہے۔

وَکَانُوۡا بِشُرَکَآئِهِمۡ کٰفِرِیۡنَ ○ اور ہوں گے اپنے شرکا یعنی بتوں کے ساتھ کفر کرنے والے بوجہ ناامیدی کے۔ یعنی جب وہ اپنے مطلب کو نہ پا سکیں گے تو پھر وہ اپنے معبودوں سے بیزاری کا اظہار کریں گے وَیَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَةُ اور اس وقت قیامت قائم ہوگی اس کی ہولناکی کی وجہ سے اسے دوبارہ لایا گیا ہے یَوۡمَئِذٍ یَّتَفَرَّقُوۡنَ ○ اس وقت متفرق ہو جائیں گے۔ چونکہ اس وقت انہیں سخت سے سخت ہولناکی پیش آئے گی۔ اسی لیے بار بار ایسے مضامین پیش کیے جا رہے ہیں نیز یہ تفرق ان کے بعض سے ہوگا اور رجع کی ضمیر تمام مخلوق کے لیے ہوگی جیسا کہ ما تقدم یبدؤ و اعادۃ و رجوع دلالت کرتا ہے۔ یہ صرف مجرمین سے خاص نہیں بلکہ عام ہے۔ یعنی حساب کے بعد مومن و کافر متفرق ہو کر بہشت کی طرف جائیں گے پھر وہ ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے سے ایسے جدا ہو جائیں گے کہ پھر کبھی بھی ان کا اجتماع

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

نہ ہو سکے گا۔

ف: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مومن و کافر دنیا میں تو اکٹھے رہے لیکن آخرت میں جدا جدا ہو کر گزاریں گے کیونکہ اہل ایمان اعلیٰ علیین میں اور کفار سجین میں ہوں گے۔ ایک کو وصال کے مزے ایک فرقت کے عذاب میں۔ یا یوں کہو کہ ایک محبت کے تخت پہ آرام فرما ہوگا ایک دکھ کی چٹائی پر عذاب میں مبتلا۔ ایک کو طرح طرح کی نعمتیں و راحتیں دوسرے کو طرح طرح کا عذاب۔ کیا نہیں دیکھتے ہو ایک دولت ملاقات پہ نازاں ایک آتش فراق میں جل رہا ہوتا ہے ؎

یکے خنداں بعد عشرت
یکے نالاں بعد حسرت
یکے در راحت وصلت
یکے در شدت ہجرت

ترجمہ: ایک ہزاروں عیش و عشرت میں شاداں، ایک ہزاروں دکھ درد میں نالاں۔ ایک وصال کی راحت میں، ایک شدت فراق میں گریاں۔

؎[1]

فرقت میان آنکہ یارش در بر
وان دگر دو چشم انتظار بر در

ترجمہ: ان دو کا فرق ظاہر ہے کہ ایک کا محبوب بغل میں اور دوسرا غریب دروازے پر آنکھیں لگائے بیٹھا ہے کہ نہ معلوم محبوب کب آئے۔

تفسیر صوفیانہ

حضرت ابوبکر بن طاہر رحمہ اللہ نے فرمایا: ہر ایک اپنے مقدر کی طرف متفرق ہو جائے گا۔ اہل سعادت اپنی سعادت کی منزل کی طرف اور اہل شقاوت اپنی شقاوت کی طرف، اور اس کا تفرقہ جمع کی طرف ہے وہ سِرّ (راز) کا جمع ہے کہ اسے مخلوق سے کبھی الفت نہ ہو سکے گی بلکہ وہ اہل سعادت کی منازل کی طرف لوٹے گا۔

تفسیر عالمانہ

ربط: ان آیات میں ان دونوں کے احوال اور ان کے تفرق کی کیفیت بیان فرمائی جائے گی۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِیْ رَوْضَۃٍ

بہرحال اہل ایمان اور نیک اعمال والے بڑے بڑے باغات میں ہوں گے۔

ف: روضۃ وہ زمین جس میں کھیتیاں اور پانی اور رونق اور خوش منظر ہو۔ اس سے بہشت مراد ہے

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حلِ لغات الروضۃ صاف شفاف پانی والی اور سرسبز جگہ۔ اور یہاں پر روضہ سے جنت کے باغات، اس کے محاسن اور بہت سے اعلیٰ مقامات مراد ہیں۔

نکتہ روضۃ کی تخصیص اس لیے ہے کہ اہلِ عرب کے ہاں سب سے اعلیٰ منظر اور اطیب شے یہی ہے اور ان کے فہم و فکر کو قریب لانے کے لیے بھی اس کا ذکر کیا گیا۔

اب معنٰی یہ ہوا کہ وہ ایسے باغات میں جن میں بہترین خوشبودار پھول اور نہریں ہوں گی یُحۡبَرُوۡنَ جس میں وہ ایسے مسرور و مفروح ہوں گے کہ ان کے چہرے چمکتے دمکتے نظر آئیں گے۔ یعنی وہ اس میں ایسے خوش ہوں گے کہ ان کے چہرے سے رونق محسوس ہوگی۔

حلِ لغات الحبور بمعنے سرور ہے۔ حبرہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی خوشی محسوس کرے اور خوشی سے اس کا چہرہ چمک اُٹھے۔ المفردات میں ہے کہ وہ ایسے خوش ہوں گے کہ ان کے چہروں سے نعمت کے آثار ہویدا ہوں گے۔ اہلِ عرب حبر فلان اس وقت بولتے ہیں جب کسی کے جسم پر زخم کے کچھ نشانات باقی رہ جائیں۔ الحبر اس عالم دین کو کہتے ہیں جس کے علوم کے آثار لوگوں کے دلوں پر اثر انداز ہو کر عرصہ تک باقی رہیں اور لوگ اس کے آثار کی اقتدا اور اس کے افعال و اقوال کی اتباع کریں۔ اسی طرف امیر المؤمنین کا اشارہ ہے۔

امیر المؤمنین کا ملفوظ

امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

العلماء باقون ما بقی الدھر اعیانھم مفقودۃ و آثارھم فی القلوب موجودۃ۔

(علماء رہتی دنیا تک موجود ہیں اگرچہ ان کے اجسام اب ہمارے سامنے نہیں بلکہ ان کے آثار لوگوں کے دلوں میں موجود رہتے ہیں)

اور عالم دین کو حبر اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کے اخلاقِ حسنہ کی پیروی کی جاتی ہے۔ اور سیاہی کو بھی حبر اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس سے اوراق کے حسن و جمال میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حبرۃ ہر اچھی نعمت کو کہا جاتا ہے۔

نکتہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اس میں مختلف اقوال اس کے مختلف وجوہ کے سبب ہیں۔

یُحۡبَرُوۡنَ کی تفاسیر

(۱) حضرت ابن عباس و مجاہد رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ یحبرون بمعنے مکرمون۔ (یعنی بہشت میں ان کی تعظیم و تکریم کی جائے گی)

(۲) حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یحبرون بمعنے ینعمون (یعنی بہشت ان لوگوں کو انعام و اکرام سے نوازا جائے گا)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(۳) حضرت ابوبکر بن عیاش رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یحبرون بمعنے یتوجون (یعنی بہشت میں وہ لوگ تاج پہنائے جائیں گے)

(۴) حضرت وکیع رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یحبرون بمعنے یسرون بالسماع یعنی بہشت میں انہیں سماع سے خوش کیا جائے گا اور ظاہر ہے کہ سماع کے برابر کی اور کوئی لذت نہیں ہے۔

ف: مذکور ہے کہ باکرہ لڑکیاں بہشت میں ترنم سے کچھ گائیں گی اس جیسی خوش آواز کبھی نہیں سنی گئی ہوگی، اور یہ بہشت کی بہترین لذات میں سے ہے۔

ف: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ بہشت میں وہ لڑکیاں کیا گائیں گی؟ فرمایا: تسبیح خداوندی۔ حضرت یحییٰ بن رازی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ کو کون سی نعمت پسند ہے؟ فرمایا: وہ فرائم انس جو محلات قدس میں الحان تحمید و ریاض تمجید میں سنائے جائیں۔

بہشتی سماع مروی ہے کہ بہشت میں چند ایسے درخت ہیں جن پر سونے کی گھنٹیاں ہیں۔ جب اہل بہشت سماع کی خواہش کریں گے تو اللہ تعالیٰ عرش سے ہوا چلائے گا جو ان درختوں کو متحرک کرے گی جس سے وہ گھنٹیاں ایسی خوش الحانی سے بجیں گی کہ اگر اسے اہل دنیا سن لیں تو خوشی سے مر جائیں۔

حدیث شریف میں ہے: الجنۃ مائۃ درجۃ مابین کل درجتین منہا کما بین السماء و الارض والفردوس اعلاھا سموا واوسطھا محلا ومنھا یتفجر انھا و الجنۃ وعلیھا یوضع العرش یوم القیامۃ۔

(بہشت کے ایک سو درجات ہیں ہر درجہ کی درمیانی مسافت اتنی ہے جیسے آسمان و زمین کا درمیانی حصہ۔ اور تمام بہشتوں سے بلند فردوس ہے جس کے محلات متوسط ہیں۔ اسی سے ہی تمام بہشتوں میں نہریں آتی ہیں۔ قیامت میں عرش الٰہی اس کے اوپر رکھا جائے گا)

یہی ہے کہ ایک شخص نے اٹھ کر عرض کی: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں خوش الحانی سننے کا شوقین ہوں کیا بہشت میں خوش الحانی بھی ہوگی؟ آپ نے فرمایا:

ای نعم والذی نفسی بیدہ ان اللہ سبحانہ لیوحی الی شجرۃ فی الجنۃ ان اسمعی عبادی الذین اشتغلوا بعبادتی وذکری عن عزف البرابط والمزامیر فترفع صوتا لم یسمع الخلائق مثلہ قط من تسبیح الرب وتقدیسہ۔

(ہاں! مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ بہشت میں ایک درخت کو حکم دے گا کہ میرے ان بندوں کو سارنگی اور مزامیر سے سنا جو دنیا میں میری عبادت و ذکر میں مشغول رہے۔ وہ درخت ایسی خوش الحانی سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس بیان کرے گا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کہ اس جیسی آواز کبھی کسی نے سُنی نہ ہوگی)

ف: کل بہشت میں بندگانِ خدا سماع کی خواہش کریں گے تو اللہ تعالیٰ داؤد علیہ السلام کو حکم فرمائے گا کہ اے داؤد! وہ الحان جو میں نے عطا فرمایا اس لحن سے زبور پڑھیے۔ اور اے موسیٰ! آپ تورات پڑھیے۔ اے عیسیٰ! تم انجیل کی تلاوت کرو، اور اے طوبیٰ! تم اپنی آوازِ دلکشا سے میری تسبیح پڑھو۔ اے اسرافیل! تم قرآن پڑھو۔ (ان آوازوں سے اہلِ بہشت کو سرور و مستی حاصل ہوگی)

اسرافیل کی آواز حضرت اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام کی آواز ایسی دلکش ہے کہ جب وہ کچھ پڑھتے ہیں تو ساتوں آسمانوں کے فرشتے ان کی آواز سن کر مست ہوجاتے ہیں یہاں تک کہ انہیں تسبیح و تقدیس کا ہوش تک نہیں رہتا۔

پھر فردوس نشینوں کو حکم ہوگا کہ اے چاند کے چہرے والو! اٹھو میرے دوستوں کا استقبال کرو اور مشک خالص اور کافور عنبری میرے مشتاقوں اور عاشقوں پر نچھاور کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو فرمائے گا اے درویشو! جو تم نے دُنیا میں غم کے کانٹے کھائے اب تمہارے غم کی گھڑیاں ختم ہوگئیں اور تمہاری خوشی کے درخت کا پھل پک چکا ہے اٹھو اور حظیرۂ قدس میں خوشیاں مناؤ اور خلوتگاہِ انس میں ناز کرو۔ اے مستانِ مجلسِ مشاہدہ! اے مخمورانِ شرابِ عشق! اے عاشقانِ سوختہ! بوقتِ سحر اٹھ کر رکوع و سجدہ میں رہنے والو! گریۂ سحرگاہی سے مجلس گرم رکھنے والو! میرے وصال کے دنوں کو گننے والو! مبارک گھڑی آگئی ہے کہ میرے مشاہدے کے مزے لوٹو گے اور اپنے درد و آلام کی گرد و غبار دُور کرو گے۔ اب خوشیاں مناؤ۔ اے میری طلب میں زندگیاں بسر کرنے والو! تسلی رکھو اور سکون و اطمینان سے رہو۔ ادھار کا وقت ختم ہوگیا اور اب نقد ہی نقد ہے۔ اب رات ڈھلنے کو ہے وصل کا سورج طلوع ہونے والا ہے۔ اے میرے مشتاقو! تمہیں مژدۂ بہار سُناتا ہوں کہ اب دیدارِ یار ہونے والا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ اپنے حجابات ہٹا دے گا اور بندگانِ خدا کو بہشت کے کسی باغیچے میں دیدارِ الٰہی کا شرف نصیب ہوگا اور فرمائے گا کہ میں وہ ہوں جو وعدے کا ایفا کر رہا ہوں اور اپنی نعمتیں تمہارے لیے عنایت فرما رہا ہوں۔ یہ میری عزت افزائی کا محل اب جو چاہو مجھ سے مانگ لو۔

روزے کہ سراپردہ بروں خواہی کرد
دانم کہ زمانہ را زبوں خواہی کرد
گر زیب و جمال ازیں فزوں خواہی کرد
یارب چہ جگر ہست کہ خوں خواہی کرد

ترجمہ: اس دن کہ تو پردے کو ہٹائے گا مجھے علم ہے کہ دُنیا کو برباد کرے گا۔ اگر زیب و جمال میں اور اضافہ کرو گے تو وہ کون سا جگر ہے جسے تو ختم کر ڈالے گا۔

خلاصہ یہ کہ دیدارِ الٰہی کے بعد بہشت میں سب سے بڑی نعمت سماع ہوگا۔ اسی لیے اہلِ دل کہتے ہیں کہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

شرح مثنوی میں لکھا ہے کہ دنیا میں بیابان محنت کے تھکے ماندے لوگوں کا منادی سماع ہے جو انہیں آخرت کے نورانی عیش و عشرت کی آگاہی بخشتا ہے ؎

۱ مومناں گویند کآثار بہشت
نغز گردانید ہر آواز زشت

۲ ما ہمہ اجزاء آدم بودہ ایم
در بہشت آں لحن ہا بشنودہ ایم

۳ گرچہ برما ریخت آب و گل شکے
یاد ما آید ازاں ہا اندکے

۴ پس سنو چنگ و رباب و سازہا
چیزکے ماند بداں آوازہا

۵ عاشقاں کیں نغمہا را بشنوند
جزو بگذارند و سوئے کل روند

ترجمہ: (۱) اہل ایمان کہتے ہیں کہ بہشت کے آثار ہیں ہر آواز زشت انہی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

(۲) ہم سب آدم علیہ السلام کے اجزا تھے بہشت میں یہ آواز سنا کرتے تھے
(۳) اگرچہ ہم کو آب و گل نے شک میں ڈال دیا ہے لیکن وہاں کا کچھ نہ کچھ یاد آ ہی جاتا ہے۔
(۴) پس یہ نَے اور چنگ اور رباب اور دوسرے ساز ان آوازوں سے معمولی سی مشابہت رکھتے ہیں۔
(۵) عشاق یہ جو آواز سنتے ہیں وہ جز کو چھوڑ کر کل کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

ف: بعض عارفین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جود و فضل سے اپنے عشاق کے اوقات کو ہر زبان کے ذریعے سے دنیا میں خوش فرمایا اور آخرت میں ہر ایک لغات سے خوش فرمائے گا۔ بہت سے دنیا کے باغات میں عارف حق کے جلوے دیکھتا ہے بلکہ بلاواسطہ ان سے اس کی آواز سنتا ہے۔ کبھی عارف کو بالواسطہ آواز حق سنائی دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک مختلف آوازوں سے قدوس سبوحیہ آواز سناتا ہے۔

سبق: حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے سالک! اگر ہر صبح کا آغاز اور ہر شام کا اختتام تسبیح سے کر۔ کیونکہ جس کی ابتدا و انتہا تسبیح ہوگی وہ اس کے درمیانی اوقات میں کبھی شقاوت کا شکار نہ ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ حضرت البقلی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل جود کو ایمان اور عمل صالح سے موصوف فرمایا ہے تو ان کے ایمان کا معنی یہ ہے کہ ان کے ارواح نے مشاہدہ ازل کا عہد سے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ظہورِ اولیٰ کے وقت مشاہدہ کیا اور آپ کے اعمالِ صالحہ کا مطلب عشق و محبت و شوق سے جو ان کے منازلِ کمال کا آخری درجہ مشاہدۂ الٰہی سے فرحت و سرور پاتا ہے کہ وہ اس کے قرب سے مشرف ہوں گے اور ان کا بہترین عیش سماع سے ہوگا جو اس کا کلام سنیں گے بلکہ حق تعالیٰ انہیں اپنی ہم کلامی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے شرف بخشے گا۔ اسی کو وصال کہا جاتا ہے اسی وقت ہی اس کے جمال کے پردے اٹھیں گے۔

تفسیر عالمانہ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا اور بہرحال وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کی آیاتِ قرآنیہ کی تکذیب کی، بجملہ ان کے چند یہ بھی ہیں جن کی تفصیل فرمائی وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ اور آخرت کی حاضری کو جھٹلایا یعنی مرنے کے بعد اٹھنے کا انکار کیا۔

ف: اگرچہ مذکورہ آیات میں مندرج تھی لیکن اس کی اہمیت کے مدِنظر اسے صراحت کے ساتھ ذکر کیا گیا۔

فَاُولٰٓئِكَ یہی لوگ جو کفر و تکذیب سے موصوف ہیں فِى الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ۝ عذاب میں حاضر کیے جائیں گے۔ یعنی عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے داخل ہوں گے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ احضار کا اطلاق اس حاضری پر ہوتا ہے جو بالجبر والاکراہ ہو یعنی انہیں مجبور کر کے عذاب کے لیے لایا جائے گا۔ جبکہ اہلِ ایمان کو اس وقت سرور و فرحت سے نوازا جائے گا اور انہیں اعزاز و اکرام کے ساتھ بہشت میں داخل کیا جائے گا۔ پھر کافر تو ہر وقت عذاب و تکالیف و تباہی میں مستقر رہیں گے اور اہلِ ایمان ثواب و سماع اور انعامات میں مسرور و مفرح ہوں گے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ قیل و قال سے بچ کر وجد و حال کی زندگی بسر کرے اور اعمالِ صالحہ میں ہر وقت مشغول رہے۔ اس لیے ہر عمل صالح کا اثر اور ہر ورع و تقویٰ کا ثمر ہے۔ پس جس نے اپنے آپ کو عبادت و طاعت میں مشغول رکھا اور ذکر و فکر کی مجالس گرم رکھیں وہ باغِ جناں میں خوش زندگی بسر کرے گا اور اسے دنیا کی تکلیفیں اور مشقتیں بھول جائیں گی اور جس نے اپنے آپ کو لہو و لعب سے دور رکھا اور دنیوی گیت گانوں سے اپنے کانوں پر مہر لگائی اسے اللہ تعالیٰ بہشت میں اپنے کلام کی خوش آوازوں سے نوازے گا ورنہ اس لذت سے محروم رہے گا۔

بہ از روئے زیباست آوازِ خوش
کہ آں حظِ نفس است و ایں قوتِ روح

ترجمہ: حسین چہرے سے خوش آواز بہتر ہے اس لیے کہ وہ نفس کی حظ اور یہ روح کی غذا ہے۔

مسئلہ: جو دنیا میں شراب پیئے گا اسے آخرت کے شرابِ طہور سے ایک گھونٹ بھی نصیب نہ ہوگا۔

جیل خانۂ خداوندی الاحضار میں اشارہ ہے کہ آخرت میں مجرموں کا ایک جیل خانہ ہے۔ جیسے ہم دنیا میں قیدیوں کے لیے جیل خانے بناتے ہیں۔ تو پھر جیسے دنیا میں قیدیوں کو جیل خانہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کی طرف کھینچ کر لے جایا جاتا ہے ایسے ہی آخرت میں مجرموں کو جہنم کے جیل خانہ میں گھسیٹ کر لے جایا جائے گا اور وہاں کا گھسیٹنا یوں ہوگا کہ مجرم کے پاؤں میں بیڑیاں اور گلے میں لوہے کی زنجیر پہنائی جائے گی۔ اُس وقت کافر کو کفر اور انبیاء علیہم السلام کی تکذیب اور مجرم کو جرائم و معاصی کے وبال کا پتہ چلے گا (پناہ بخدا)

ف: بعض لوگ جرائم و معاصی کے مرتکب تو نہیں ہوں گے لیکن ان کے جرائم و معاصی کے مرتکبین سے مشابہت رکھتے ہوں گے۔ ان کو بھی ان کے ساتھ ملا کر عذاب دیا جائے گا اور جیل خانے میں اسی طرح گھسیٹ لے جائیں گے جیسے اصل مجرم۔ کیونکہ ان میں اگرچہ جرائم و معاصی نہیں ہوں گے لیکن ان کی جھلک تو پائی جائے گی بنابریں وہ بھی ان کے ساتھ عذاب میں شریک ہوں گے لیکن ان کو دائمی عذاب نہ ہوگا۔ سزا کے بعد انہیں معافی ملے گی اور وہ بہشت میں داخل کیے جائیں گے۔

مسئلہ: معاصی و جرائم پر اصرار کفر کی طرف لے جاتا ہے۔ (العیاذ باللہ)

سبق اے شریعت والو! عذاب کے موجب اعمال کو چھوڑ دو۔ اے طریقت والو! ان فضول امور کو ترک کر دو جو ترہات کی طرف لے جاتے ہیں۔ ہمیں اپنے بعض مجرموں کی جرأت ایسی غلطیوں کے ارتکاب پر مجبور کرتی ہے۔ خبردار کسی کے دھوکا و فریب میں نہ آ جانا۔

نام نہاد جاہل صوفیوں کا رد

کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ بہت سے جاہل صوفیہ گناہ کو گناہ بھی نہیں سمجھتے بلکہ ان کی مجالس کو دیکھو تو غیر شرعی امور سے مزین۔ ان کے مشاغل دیکھو تو لہو و لعب سے بھرپور۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ انہیں آخرت کی حاضری کا خیال تک نہیں گزرتا اسی لیے ان کے مشاغل اسی ظاہر پر مبنی ہوتے ہیں۔ لیکن درحقیقت وہ طلب عشق کے منافی ایسے اعمال کر گزرتے ہیں جن سے انہیں عشق کی بو تک نصیب ہونا درکنار الٹا عشق الٰہی کو مٹانے والے ہیں جیسے ان کا سرود و گانوں میں مشغول رہنا اور ذکر الٰہی سے روگردانی کرنا۔ کبھی تم نے ان کی ذکر کی مجالس نہیں دیکھی ہوں گی، توحید کی بات ان میں ذرہ بھر نہیں حالانکہ ذکر الٰہی اور توحید کا مشغلہ ایسی لذت ہے کہ زندگی بھر صفحۂ ہستی سے مٹنے والی نہیں۔ بھلا جو بھی رتی بھر عقل رکھتا ہے وہ ان نام نہاد جہال صوفیوں کے طریقے کو اپنانا تو درکنار ان کی مجالس میں جانے تک گوارا نہیں کرے گا اس خوف سے کہ کہیں وہ بھی ان کے ساتھ تباہ و برباد نہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار۔

(ظالموں کی طرف میلان نہ رکھو ورنہ تم بھی ان کی طرح جہنم کے عذاب میں مبتلا کیے جاؤ گے)

اور سب سے بڑا عذاب ہجر و فراق کی آگ کا ہے کیونکہ یہ وہ آتش ہے کہ جو ہر وقت جان و جگر کو جلاتی رہتی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ان اعمال کی توفیق بخشے جو دین میں خلل ڈالنے سے روکیں اور غافل لوگوں کی غلطیوں سے روگردانی پر مدد کریں اور ہمیں ان لوگوں میں رکھے جو شریعت کی رسی کو مضبوط پکڑتے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اور طاعت کی راہ پر گامزن ہیں اور ہمیں وہ زندگی بخشے جو نیک لوگوں کے طریقے پر گزارنے کی ہے اور ہمیں مرنے کے بعد ان لوگوں کے ساتھ اٹھائے جن کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں۔ اور ہمیں ان لوگوں سے دُور رکھے جو بُرے اعمال کے مرتکب ہو کر شفاعت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ وہ کریم اور بلند قدر رب ہے (ہم اُمید کرتے ہیں کہ وہ ہماری اس دُعا کو ضرور قبول فرمائے گا)

تفسیر عالمانہ

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ فا، مابعد کو ماقبل کی ترتیب کے لیے ہے۔

حل لغات: التسبیح بمعنے پانی میں تیزی سے گزرنا یعنی تیرنا یا ہوا میں اڑنا۔ اور تسبیح بمعنے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ۔ دراصل تسبیح بمعنے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں تیز رفتاری۔ پھر عام طور پر ہر عبادت کے لیے مستعمل ہے، وہ عبادت قولی ہو یا فعلی، اس کا تعلق نیت سے ہے۔

ف: سبّوح و قدوس اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں۔

اعجوبہ: کلامِ عرب میں فُعُّول کے وزن پر ان دو اسموں کے سوا اور کوئی کلمہ نہیں۔

تحقیق لفظ سُبْحٰن سبحان دراصل غفران کی طرح مصدر ہے جیسے فضرب الرقاب کی طرح امر کے قائم مقام ہے۔ اور لفظ تسبیح اپنے حقیقی معنٰی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کا معنٰی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر بُرائی سے منزّہ اور ہر خیر و بھلائی سے موصوف سمجھنا۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ اے عقل و تمیز والو! جب تمہیں یقین ہے کہ ثواب و نعمتیں اہل ایمان اور صالحین کے لیے، اور عذاب اور جہنم کفار اور تکذیب کرنے والوں کے لیے ہے تو پھر اللہ کی تسبیح کرو۔ اسے ہر اس امر سے منزّہ سمجھو جو اس کی شان کے لائق نہیں۔

حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ○ شام اور صبح کو۔

حل لغات الحین بالکسر، وہ وقت مبہم جس میں جمیع ازمان کی گنجائش ہو، تھوڑا ہو یا زیادہ اس کی تخصیص اس کے مضاف الیہ سے ہوگی جیسے اسی مقام پر الامساء بمعنے وقت کا شام میں داخل ہو۔ جیسے الاصباح بمعنے وقت کا صباح (صبح) میں داخل ہونا۔

ف: صبح و مساء آپس میں ضدین ہیں۔

اوقات کے اسماء دن کے پہلے وقت کو فجر، اس کے بعد صباح، اس کے بعد غداۃ، اس کے بعد بکرۃ، اس کے بعد ضحٰی، اس کے بعد ضحوۃ، اس کے بعد ہجیر، اس کے بعد ظہر، اس کے بعد رواح، اس کے بعد عصر، اس کے بعد مساء، اس کے بعد اصیل، اس کے بعد عشاء اولٰی، اس کے بعد عشاء اخیرہ، اس کے بعد شفق کے غائب ہونے تک (عشاء ہی عشاء) کہا جاتا ہے۔

اب معنٰی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرو جب تمہارا شام کے وقت میں دخول ہو، جب تم صبح کے وقت میں داخل ہو وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ آسمانوں اور زمین

For More Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بالخصوص اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہیں۔ یعنی اے لوگو! تم اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نعمتوں پر ہر آن اور ہر گھڑی حمد کرو۔

سوال: جملہ اسمیہ سے امر کا معنی تم نے کہاں سے نکال لیا؟

جواب: حمد کی یوں خبر دینا کہ پیدا کرنے والے کی حمد سماوات و ارض کے اہل تمیز ہی کر سکتے ہیں تو پھر یہ امر کے صیغے سے زیادہ بلیغ ہے کہ اہل فہم خود ہی اس کے وجوب سے واقف ہو کر اپنے اوپر حمد الٰہی بجا لانا ضروری اور لازمی سمجھے گا۔

نکتہ: تسبیح کی تقدیم تحمید پر اس لیے ہے کہ تخلیہ (بالخا المعجمہ) صفائی کرنے کے بعد ہی تحلیہ (بالحا المہملہ، سنگارنا) ہوتا ہے جیسے بیمار کو پہلے مسہل (جلاب) دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد دیگر مناسب ادویہ مثلاً شربت وغیرہ۔ یا یوں مکان کے لیے پہلے بنیاد کھود دی جاتی ہے پھر دیواریں کھڑی کی جاتی ہیں پھر نقش و نگار ہوتی ہے۔

وَّعَشِیًّا اور شام کے وقت یعنی دن کے آخری لمحات میں۔

حل لغات: یہ عشی العین سے ہے۔ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب آنکھ کی روشنی کم ہو جائے۔ اسی سے ہے اعشیٰ یعنی کمزور بینائی والا۔ اس کا عطف حین تمسون پر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی تسبیح شام کے وقت کرو۔

سوال: اس کی حین تظہرون پر تقدیم کیوں؟

جواب: آیات کے فواصل کی رعایت کرتے ہوئے۔

وَّحِیْنَ تُظْهِرُوْنَ ○ اس کی حمد کرو جب تم ظہیرہ میں داخل ہو اور الظہیرہ یعنی دن کا درمیانی حصہ۔

سوال: عشیاً کے بعد پھر طریقہ استعمال کیوں تبدیل کیا گیا۔ یعنی جس طرح عشیاً کہا گیا۔ اس کے بعد کوئی مصدر وغیرہ لایا جاتا نہ کہ جملہ فعلیہ۔

جواب: تظہرون کے لیے دخول فی الظہر کا استعمال اس کے کسی فعل میں نہیں ہوتا جیسے الامساء یعنی الدخول فی المساء، اور الاصباح یعنی الدخول فی الصباح۔ اور الظہیرۃ یعنی الظہیرہ میں آتا ہے۔

ف: اوقات تسبیح میں حمد کو درمیان میں لانے میں راز یہ ہے کہ ان کے لیے حق یہی ہے کہ یہ کلمات ہر لحظہ ساتھ ہوں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ۔

(اپنے پروردگار کی تسبیح حمد کے ساتھ کیجئے)

حدیث شریف: اور ارشاد حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

من قال حین یصبح وحین یمسی سبحان اللہ وبحمدہ مائۃ مرۃ غفرت لہ خطایاہ وان کانت مثل زبد البحر۔

(جو شخص صبح وشام سبحان اللہ کے ساتھ الحمد للہ ملا کر سو بار پڑھا کرے گا اس کے تمام گناہ بخشے جائیں گے خواہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں)

اور فرمایا:

حدیث شریف ۲: کلمتان خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

(دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر خفیف اور میزان میں بوجھل ہیں وہ یہ ہیں: سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم)

ف: ان اوقات میں تسبیح وتحمید کی تخصیص اس لیے ہے کہ معلوم ہو کہ ہر نئے وقت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی آیات اور اس کی رحمت ونعمت کے احکام کے شواہد موجود ہوتے ہیں جو بتاتے ہیں کہ تنزیہ صرف اسی کو ہے اور حمد کا مستحق صرف وہی ہے۔ پھر ان ہی امور سے یقین ہوگا کہ حمد وتسبیح صرف اسی کو لائق ہے۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف ۳: من سرہ ان یکال لہ بالقفیز الاوفی فلیقل فسبحان اللہ حین تمسون۔

(جو چاہتا ہے کہ اس کے اعمال بوریوں سے بھرے جائیں یعنی بہت زیادہ ہوں) تو اسے چاہیے کہ فسبحان اللہ حین تمسون الخ زیادہ سے زیادہ پڑھے)

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ یہاں پر تسبیح وتحمید سے نماز کی ادائیگی مراد ہے کیونکہ نماز میں یہی افعال ہوتے ہیں۔

السبحۃ بمعنے الصلوٰۃ آیا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے، سبحۃ الضحیٰ (نماز چاشت)۔

اور قرآن مجید میں السبحۃ کا صلوٰۃ پر اطلاق ہوتا ہے، جیسے، فلولا کان من المسبحین۔ (اگر نہ ہوتے وہ نماز ادا کرنے والوں سے)

ف: القرطبی (جو بہت جلیل القدر مفسرین سے ہیں) نے فرمایا، المسبحین بمعنے المصلین یعنی نماز پڑھنے والوں سے۔

پرویزی ٹولے کا رد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آیت میں پانچ نمازوں اور ان کے اوقات کا ذکر ہے۔ مثلاً تمسون سے صلوٰۃ المغرب والعشاء، اور تصبحون سے صلوٰۃ الفجر، اور عشیا سے صلوٰۃ العصر، اور تظہرون سے نماز ظہر مراد ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ ان اوقات میں نماز ادا کرو۔

مسئلہ: جملہ ائمہ کرام متفق ہیں کہ دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔ اور اس میں بھی ان کا اتفاق ہے کہ نمازوں کی کل سترہ رکعات ہیں۔

١- ظہر چار رکعت
٢- عصر چار رکعت
٣- مغرب تین رکعت
٤- عشاءؔ چار رکعت
٥- فجر دو رکعت

ف: شبِ معراج پانچوں نمازیں چار چار رکعت فرض ہوئیں سوائے مغرب کے کہ بعد کو تین۔ اور سوائے فجر کے کہ بعد کو دو رکعات مقرر ہوئیں۔ ایسے ہی نمازِ جمعہ کہ وہ بھی بعد میں دو رکعات ہوئیں۔ ایسے ہی سفر میں بھی دو رکعات کی تخفیف ملی

مسئلہ: غیر معذور کو اول وقت میں ایسے ہی آخر وقت میں ان نمازوں کو ادا کرنا جائز ہے۔ (اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے)

مسئلہ: امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک صبح کے وقت کے خروج کے بعد نماز باطل ہو جاتی ہے بخلاف دوسری نمازوں کے کہ اگر انہیں وقت میں شروع کیا جائے پھر وقت نکل جائے نماز ہو جائے گی۔

مسئلہ: قدرِ واجب پر زائد ادائیگی نفل میں شمار ہوگی۔ مثلاً قیام وغیرہ یعنی قرأۃ و دیگر فرائض بقدرِ ضرورت سے زائد عمل سے نفل کا ثواب ملے گا۔ کذا فی فتح الرحمٰن

فضائلِ نماز

(١) حدیث شریف میں ہے:

ما افترض اللہ علی خلقہ بعد التوحید احب الیہ من الصلاۃ ولو کان شیٔ احب الیہ من الصلاۃ لتعبد بہ ملائکتہ فمنہم راکع وساجد وقائم وقاعد۔

(اللہ تعالیٰ کے نزدیک توحید کے بعد محبوب تر عبادت نماز ہے کیونکہ اس سے بڑھ کر محبوب اور کوئی عبادت نہیں۔ ملائکہ اسی کام پر مامور ہیں بعض رکوع میں ہیں بعض سجود میں بعض قیام میں اور بعض قعود میں)

(٢) حدیث شریف میں ہے:

من حافظ علی الصلوات الخمس باکمال طہورہا ومواقیتہا کانت لہ نورا وبرہانا یوم القیامۃ ومن ضیعہا حشر مع فرعون وہامان۔

(جو شخص مکمل طہارت اور وقت کی پابندی کے ساتھ پانچوں نمازوں کی حفاظت کرتا ہے قیامت میں اس کے لیے نور اور برہان ہوگی اور جو انہیں ضائع کرتا ہے اس کا حشر فرعون اور ہامان کے ساتھ ہوگا)

مسئلہ: نماز باجماعت سنتِ مؤکدہ قریب بہ واجب ہے۔ یعنی دلیل کی قوت کی وجہ سے واجب

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کہ مشابہ ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ،

الجماعۃ من سنن الھدی لا یتخلف عنھا الا منافق۔

(نماز باجماعت سنن ہدیٰ سے ہے جو اس سے رہ جانے والا منافق ہی ہو سکتا ہے)

مسئلہ، اکثر مشائخ کے نزدیک یہ واجب ہے۔ اسے سنت اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ سنت سے ثابت ہے۔ ہاں اگر اپنی مسجد میں جماعت نہ مل سکی تو دوسری مسجد میں اس کی تلاش ضروری نہیں۔ کذا فی الفقہ۔

حکایت حضرت ابوسلیمان دارانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ مجھے بیس سال تک احتلام نہ ہوا، ایک دفعہ مکہ معظمہ میں مجھ سے ایک غلطی سرزد ہوئی جس کی نحوست سے مجھے احتلام ہو گیا۔ وہ نحوست یہ تھی کہ میں عشا کی نماز جماعت سے نہ پڑھ سکا۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

ہرچہ آید بر تو از ظلمات غم
آں ز بے شرمی و گستاخیست ہم

ترجمہ ، جو کچھ تجھ پر ظلمات غم وارد ہوتے ہیں وہ تیری بے شرمی اور گستاخی کی وجہ سے ہے۔

کیونکہ ہر عمل کا کوئی اثر اور اس کی جزا و اجر ہوا کرتا ہے ؎

در آنکہ شاکر را زیادت وعدہ است
آنچنانکہ قرب مزد سجدہ است
گفت واسجد واقترب یزدان ما
قرب جان شد سجدۂ ابدان ما

ترجمہ ، جیسے شکرگزار کو زیادتی کا وعدہ ہے جیسا کہ سجدہ کا اجر قرب الٰہی ہے ، اسی لیے ہمارے معبود نے فرمایا کہ سجدہ کر اور قریب ہو جا۔ ابدان کا سجدہ روح کے قرب کا سبب ہے۔

یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے جیسے انسان کو نطفہ سے اور پرندے کو انڈے سے۔ ایسے ہی مومن کو کافر سے ، مصلح کو مفسد سے اور عالم کو جاہل سے۔ ایسے ہی وہ قلب جو نور الٰہی سے منور ہے نفس مردار کے صفات اور اخلاق ذمیمہ سے تاکہ اس کی رحمت و عزت کا اظہار ہو وَیُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اور زمین کو بارش اور انگوری سے آباد کرتا ہے بعد اس کے ویران ہو جانے کے۔ یعنی خشک اور بیکار ہو جانے کے بعد۔ وَكَذٰلِكَ ایسے اخراج کی طرح تُخْرَجُوْنَ ۝ تم نکالے جاؤ گے قبور سے زندہ کر کے میدان حساب

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کی طرف ۔ کیونکہ یہ بھی مرنے کے بعد زندہ اٹھنا ہوگا ۔
خلاصہ یہ کہ ابتداءً نئی تخلیق اور اعادہ اسی کی قدرت کے آگے برابر ہیں ۔

ف : جناب مقاتل نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ دو نفخوں کے درمیان ساتویں آسمان کے بحرِ مسجور سے آبِ حیات نازل فرمائے گا جس سے مردہ ہڈیاں زندہ ہو کر اٹھیں گی چنانچہ فرمایا : **وکذالک تخرجون ۔** یہ ایسے ہوگا جیسے بارش کے پانی سے زمین کے اندر سے انگوری اگتی ہے ایسے ہی انسان قبروں سے اٹھیں گے اور آبِ حیات انسان کی منی کی طرح ہے جو بحرِ مسجور سے نکلا مردہ ہڈیوں پر پڑے گا تو مردے اٹھ کھڑے ہوں گے ۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دلوں کو ان کے مرنے کے بعد زندہ کرے گا جیسے انہیں اپنی قدرتِ کاملہ سے عدم سے وجود دیا ۔

سبحان اللہ پڑھنے کے فضائل

حدیث شریف میں ہے : من قال حین یصبح فسبحان اللہ حین تمسون الی قولہ وکذالک تخرجون ادرک مافات من لیلته ومن قالها حین یمسی ادرک مافاته فی یومه ۔

(جو شخص صبح کو فسبحان اللہ حین تمسون (الآیۃ) پڑھتا ہے تو اس سے وہ اوراد جو رات کو فوت ہوگئے اس آیت پاک کے پڑھنے کی برکت سے ان کا ثواب پائے گا ، ایسے ہی جو اس آیت کو شام کو پڑھ لیتا ہے تو دن کے فوت شدہ اعمال کا ثواب حاصل کرلے گا ۔

مسئلہ : کشف الاسرار میں ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

من قال سبحان اللہ حین تمسون وحین تصبحون ۔

یعنی جو شخص تینوں آیات سورہ روم اور سورہ صافات کی آخری ہر نماز کے بعد پڑھ لیتا ہے تو اس کے نامۂ اعمال میں آسمان کے ستاروں اور بارش کے قطرات اور درختوں کے پتوں اور مٹی کے ذرات کے برابر نیکیاں لکھی جائیں گی جب وہ مرے گا تو اسے قبر میں ایک نیکی کے عوض دس نیکیاں ملیں گی ۔

وظیفہ ابراہیمی : حضرت ابراہیم علیہ السلام آیاتِ مذکورہ کو دن میں سات بار روزانہ پڑھتے تھے ۔

سوال : اس وقت تو عربی زبان کا وجود ہی نہ تھا تو پھر وہ آیات کیسے پڑھتے تھے ؟

جواب : ان آیات کا مضمون سریانی زبان میں پڑھا کرتے تھے ۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿٢٠﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ
اور اس کی نشانیوں سے ہے یہ کہ تمہیں پیدا کیا مٹی سے پھر جبھی تم انسان ہو دنیا میں پھیلے ہوئے اور اس کی نشانیوں
اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً
سے ہے کہ تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے جوڑے بنائے کہ ان سے آرام پاؤ اور تمہارے آپس میں محبت اور
وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿٢١﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ
رحمت رکھی بے شک اس میں نشانیاں ہیں دھیان کرنے والوں کے لیے اور اس کی نشانیوں سے ہے آسمانوں
وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿٢٢﴾
اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور رنگتوں کا اختلاف بے شک اس میں نشانیاں ہیں جاننے والوں کے
وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاۗؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ
لیے اور اس کی نشانیوں میں ہے رات اور دن میں تمہارا سونا اور اس کا فضل تلاش کرنا بے شک اس میں
ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿٢٣﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا
نشانیاں ہیں سننے والوں کے لیے اور اس کی نشانیوں سے ہے کہ تمہیں بجلی دکھاتا ہے ڈراتی اور امید
وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
دلاتی اور آسمان سے پانی اتارتا ہے تو اس سے زمین کو زندہ کرتا ہے اس کے مرے پیچھے بے شک اس میں نشانیاں
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿٢٤﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَاۗءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ۭ
ہیں عقل والوں کے لیے اور اس کی نشانیوں سے ہے کہ اس کے حکم سے آسمان اور زمین قائم ہیں پھر
ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ڰ مِّنَ الْاَرْضِ ڰ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴿٢٥﴾ وَلَهٗ مَنْ فِي
جب تمہیں زمین سے ایک ندا فرمائے گا جبھی تم نکل پڑو گے اور اسی کے ہیں جو کوئی
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ
آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اس کے زیر حکم ہیں اور وہی ہے کہ اول بناتا ہے پھر اسے دوبارہ بنائے گا
وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ۭ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ
اور یہ تمہاری سمجھ میں اس پر زیادہ آسان ہونا چاہیے اور اسی کے لیے ہے سب سے برتر شان آسمانوں اور زمین میں
الْحَكِيْمُ ﴿٢٧﴾ ع
اور وہی عزت و حکمت والا ہے

تفسیر عالمانہ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ اور اللہ تعالیٰ کی وہ آیات جو مرنے کے بعد اٹھنے پر دلالت کرتی ہیں۔ کاشفی مرحوم نے اس کا ترجمہ یوں کیا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بعض

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

نشانیاں یہ ہیں کہ اَنْ خَلَقَكُمْ تمہیں اس نے پیدا فرمایا یعنی آدم علیہ السلام کی تخلیق کے ساتھ ان کی ذریات کو بھی اجمالاً پیدا فرمایا۔ الخلق بمعنی ترکیب الاجزاء و تسویۃ الاجسام۔ اجزاء کو ترکیب کرنا اور اجسام کو برابر بنانا مِّنْ تُرَابٍ مٹی سے جس نے کبھی بھی حیات کی بو نہ سونگھی تھی اور نہ ہی اسکا تمہاری اس کیفیت سے کوئی مناسبت تھی، کہاں تمہاری ذات و صفات اور کہاں مٹی!

ف: انسان کو مٹی سے اس لیے پیدا کیا گیا تاکہ وہ متواضع و متخاشع ہو اور مٹی کی طرح دوسروں کا بوجھ اٹھانے والا ہو۔ کیونکہ زمین اور اس کے حقائق کا یہی طریقہ ہے کہ وہ ہمیشہ مطمئن اور اپنے بدوں سے دوسروں کے ساتھ احسان کرے اسی لیے یہ ہمیشہ ساکن و ساکت رہتی ہے۔ اسی وجہ سے یہ اپنے مطلوب میں کامیاب ہے اس معنیٰ پر مرتبہ میں اعلیٰ ہے اگرچہ سفل میں ہے لیکن مرتبہ کے لحاظ سے بلند ہے کیونکہ اسے رضا و تسلیم نصیب ہے۔

ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ پس اب تم بشر یعنی آدمی ہو گوشت پوست اور خون سے، اور عقلاً و ناطق۔

بشر کا معنی المفردات میں امام راغب نے فرمایا کہ البشرۃ ظاہر چمڑے کو کہا جاتا ہے اور انسان کو اس لیے بشر کہتے ہیں کہ اس کا چہرہ بالوں سے صاف ہوتا ہے بخلاف دیگر حیوانات کے کہ ان پر یا اُون ہوتی ہے یا بال ہوتے ہیں وغیرہ۔ اور لفظ بشر کا اطلاق واحد و جمع کے لئے برابر ہوتا ہے۔

قاعدہ لفظ بشر: قرآن میں ہر جگہ لفظ بشر کا اطلاق انسان کے جثہ اور اس کے ظاہر پر ہوتا ہے۔

تَنْتَشِرُوْنَ ○ (الانتشار)

حل لغات: الانتشار بمعنی پراگندہ ہونا۔ امام راغب نے فرمایا: انسان کے پراگندہ ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ حاجات میں تصرف کرنا۔

اب معنی یہ ہوا کہ اے بنو آدم! اس کے بعد اچانک تم بشر ہو کر اپنی حاجات کے لیے منتشر ہوئے۔ تمہاری یہ ابتداء دلالت کرتی ہے کہ تم پھر اسی طرح اٹھائے جاؤ گے یہ اس کا اجمال ہے جسے سورۃ حج کے اوّل میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا۔ کما قال تعالیٰ:

یاایها الناس ان کنتم فی ریب من البعث فانا خلقناکم من تراب ثم من نطفة ثم من علقة ثم من مضغة مخلقة وغیر مخلقة لنبین لکم۔

(اے لوگو! اگر تم مرنے کے بعد اٹھنے کے متعلق شک میں ہو تو سنو ہم نے تمہیں مٹی سے بنایا پھر نطفے سے پھر علقہ سے پھر گوشت کے لوتھڑے سے کہ اس وقت تمہارا کچھ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حصہ منقش تھا اور کچھ غیر منقش (تاکہ ہم تم پر واضح کریں)
یعنی اگر تمہیں مرنے کے بعد اٹھنے میں شک ہے تو تم اپنی ابتدائی تخلیق کو دیکھو کہ تمہیں ہم نے مختلف اطوار سے بنایا تاکہ ہم تمہیں اپنی قدرت دکھائیں کہ ہم تمہیں مرنے کے بعد کیسے اٹھائیں گے یہ حرف اس لیے کہ تم ایمان لاؤ۔ کسی شاعر نے اسے یوں ادا کیا ہے: ؎

خلقت من التراب فصرت شخصا
بصیرا بالسؤال وبالجواب
وعدت الی التراب فصرت فیه
کانی ما برحت من التراب

ترجمہ: میں مٹی سے پیدا کیا گیا تو ایک شخص بنا ایسے کہ مجھے سوال و جواب کی پوری سمجھ ہے پھر مٹی میں لوٹ جاؤں گا اس میں ایسا ہو جاؤں گا کہ گویا میں ہمیشہ مٹی ہی تھا۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:

بامرش وجود از عدم نقش بست
کہ داند جز او کردن از نیست ہست
دگر رہ بکتم عدم در برد
واز آنجا بصحرائے محشر برد

ترجمہ: اس کے حکم سے وجود نے عدم سے نقش باندھا ہے اس کے سوا کون جانتا ہے نیست سے ہست کرنا۔ دوبارہ پھر عدم کے جنگل میں لے جائے گا وہاں سے پھر محشر کے جنگل میں لے جائے گا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ مٹی سے پیدا کرنے میں اشارہ ہے کہ موجودات میں حضرت حق سے بعید تر یہی مٹی اور قریب تر عالم ارواح ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے ارواح کو پھر عرش کو پیدا فرمایا کیونکہ یہی استوائے صفت رحمانیہ کا محل ہے اس کے بعد کرسی اس کے بعد ساتواں آسمان اس کے بعد تمام آسمان اس کے بعد فلک الاثیر اس کے بعد فلک زمہریر یعنی کرۂ ہوا اس کے بعد پانی اس کے بعد مٹی کو پیدا فرمایا۔ یہی وہ جماد ہے کہ اس میں نہ حس ہے نہ حرکت اور اسے ذات و صفات کی تغیر پر قدرت ہے جب ہم نے اسے اس کی ذات کو وصف ترابیہ سے صورتاً و معناً متغیر پایا مثلاً اس کی صورت بشری شکل میں دیکھی اور اس کی صفات بشری صفات میں متغیر پائے تو اس سے ہمیں یقین ہو گیا کہ اس کا کوئی مغیر و مبدل ہے تو وہ ہے حق سبحانہ و تعالیٰ۔ جیسا کہ ثم اذا انتم بشر تنتشرون میں اسی کا اشارہ ہے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کہ تم مٹی اور جمادِ محض اور لاشئی تھے اور حق تعالیٰ کے حضور سے تمام موجودات میں حضرت حق سے بالکل بعید تر تھے تو ہم نے تمہیں بشر بنایا اور اس میں وہ روح پھونکی جسے ہماری طرف منسوب ہونے کا شرف ہے اور وہ موجودات میں حضرت حق کو قریب تر ہے پھر یہ قدرت کاملہ نہیں کہ اس نے ابعد الابعدین کو اقرب الاقربین کے ساتھ ملا دیا اور اس میں حکمت بالغہ کیا ہے کہ ایسا کام کر دکھایا جس کا تصور تک بھی نہیں ہو سکتا تھا پھر ہم نے تمہیں مقربین ملائکہ کا مسجود بلکہ جمیع صفاتِ جلالی و جمالی کا مظہر بنایا۔ اسی راز پر ہم نے تمہیں ہی زمین پر اپنا جانشین بنایا۔

صاحبِ روح البیان کی بہترین تقریر

فقیر (اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ غریب وہ ہوتا ہے جو ایک وطن سے دوسرے وطن کو احکامِ اسلامیہ کے اجرا کے لیے بھیجا جائے اور اس کا دنیوی وطن اسم ظاہر کے آثار سے ہے پھر اس کا برزخ میں جانا اسم باطن کے احکام سے ہے جبکہ ابتدائے ظہور اور اس کے اوّل دور میں بہ نسبت وطن اول غیب شہادت ہو گیا ہے۔ اسی طرح انتہائے ظہور اور اس کے دورِ ثانی میں بہ نسبت وطن اوّل غیب شہادت ہو جائے گا یعنی جب بعث و حشر ہو گا تو دنیا غیب ہو جائے گی اور اس کا رجوع اسم باطن کی طرف ہو جائے گا اور دوسرا وطن اس کے بعد اس کے بعد شہادت ہو جائے گا حالانکہ وہ اس سے قبل غائب تھا اب وہ بمنزلہ قلب کے ہے۔ لیکن جب معاملہ اُلٹا تو قلب قالب ہو جائے گا اور قالب قلب۔ ہم اللہ تعالیٰ سے کمال تام کا انتقال اور نشاۃ آخرت کا ظہور وجود محیط عالم کے ساتھ مانگتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ

وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ اور اس کے بعض آیات سے جو بعث اور اس کے مابعد کی جزا پر دلالت کرتے ہیں تمہاری خاطر پیدا کئے مِّنْ اَنْفُسِكُمْ تمہارے نفسوں سے ہی یعنی تمہارے اجسام سے اَزْوَاجًا عورتیں۔

سوال: نفسِ واحد سے بی بی حوا رضی اللہ تعالیٰ عنہا پیدا ہوئیں۔ اب یہ خطاب عام کیوں؟

جواب: بی بی حوا کے ضمن میں تمام عورتوں کی تخلیق ہے۔ اسی بنا پر عام خطاب کیا گیا۔

حلِ لغات

ازواج، زوج کی جمع ہے فرد واحد جو دوسرے کے ساتھ ہو اور مرد و عورت ہے ایک دوسرے کے قرین۔ اور زوجہ لغت ردیئہ سے ہے اس کی جمع زوجات ہے کما فی المفردات۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ من انفسکم بمعنے من جنسکم ہو یعنی تمہاری عورتیں تمہاری جنس سے ہیں وہ کوئی دوسری جنس نہیں۔ یہی لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا کو زیادہ موافق ہے تاکہ تم ان عورتوں سے سکون پاؤ اور ان سے مانوس ہو کیونکہ ہم جنس ہونا ایک دوسرے کے میل ملاپ اور تعارف کو موزوں ہے جیسا کہ مخالف جنس ہونا تفرق و تنافر کا موجب ہے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بجنس خود کند ہر جنس آہنگ
ندارد ہیچکس از جنس خود ننگ
بجنس خویش دارد میل ہر جنس
فرشتہ با فرشتہ انس با انس

ترجمہ: ہر ہم جنس اپنے ہم جنس سے ہم آہنگ ہوتا ہے اپنی جنس سے کسی کو ننگ وعار نہیں ہوتی۔ ہر جنس اپنی جنس کی طرف مائل ہوتی ہے۔ فرشتہ فرشتہ کی طرف، انسان انسان کی طرف۔

بعض علماء وفقہاء وغیرہم کا مذہب ہے کہ انسان کا جنّیہ سے نکاح جائز ہے اور اس میں **ازالۃ الوہم** انسان کے نطفہ ٹھہرنے کا بھی جواز ہے تو اس سے ثابت ہو گیا کہ جنس کا غیر جنس سے تعلق ہوتا ہے۔ فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ یہ نوادر سے ہے اور نوادرات کا کوئی اعتبار نہیں اور پھر اگر انسان کا جنیہ سے نکاح ہو بھی تو ان کی آپس میں اُنس ومحبت نہیں ہوتی جو مرد کو عورت سے ہوتی ہے اگرچہ وہ بھی انسانی صورت میں متمثل ہوتی ہے۔

وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ط اور بنائی تمہارے اور تمہاری ازواج کے درمیان مودت ومحبت وشفقت، باوجودیکہ اس سے قبل تمہیں عموماً ان سے سابقہ واسطہ اور رابطہ اور تعارف وغیرہ نہ تھا اور عموماً تمہاری ان سے قرابت ورشتہ داری نہ تھی اب ہر طرح کی رشتہ داری اور قرابت ہو گئی۔

ف: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا:

مودّۃ سے جماع کی طرف اور رحمۃ سے اولاد کی طرف اشارہ ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ پر عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

ورحمۃ منّا۔

(اور یہ (عیسیٰ علیہ السلام) ہماری طرف سے رحمت ہیں)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ المودّۃ بڑی اولاد کے لیے اور الرحمۃ چھوٹی کے لئے ہوتا ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ بیشک مذکورہ بالا بیان مثلاً مٹی سے پیدا کرنا اور ان کی ازواج کو ان کے نفوس سے بنانا اسان کا آپس میں محبت ومودت کا القا کرنا **لَاٰيٰتٍ** بہت بڑی نشانیاں ہیں **لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝** ان لوگوں کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی صنعت اور اس کے افعال میں غور وفکر کیا کرتے ہیں تو پھر وہ معلوم کر لیتے ہیں کہ ان میں کیا حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

نکتہ : مضمون کو یتفکرون پر ختم کرنے میں اشارہ ہے کہ تفکر ان معانی مذکورہ کی واقفیت حاصل کراتا ہے کما فی برہان القرآن ۔

نکتہ : فقیر (علامہ اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ ان مذکورہ بالا آیات کا ادراک علماء سے خاص نہیں بلکہ جسے بھی فکر کی دولت نصیب ہے وہ ان امور کا ادراک کر لیتا ہے۔ تفکر تدبر سے درجہ میں کم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں تذکر آیا ہے تو اولوالالباب کے لیے' اور تفکر عام ہے۔

تفسیر صوفیانہ

اس میں اشارہ ہے کہ رُوح کو نفس کے ساتھ بیاہا گیا اس لیے کہ اللہ تعالےٰ نے نفس اور رُوح کو پیدا کر کے ان کا نکاح کر دیا تاکہ ارواح نفوس سے سکون پائیں جیسے آدم علیہ السلام نے بی بی حوا سے سکون پایا۔ اگر بی بی حوا نہ ہوتیں تو آدم علیہ السلام بہشت میں اقامت رکھنے کے باوجود وحشت میں رہتے اور انہیں کبھی بھی سکون نہ ملتا اور پھر روح و نفس کے درمیان الفت و انس پیدا فرمایا تاکہ دونوں جسم میں مل جل کر رہ سکیں ۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو فکرِ سلیم کے ساتھ سوچتے ہیں کہ انسان میں اللہ تعالیٰ نے راز و نیاز کی معرفت کیسے امانت رکھی جبکہ دوسری تمام مخلوق اس کی اتباع میں معرفت پاتی ہے کما فی التاویلات النجمیہ ۔

تفسیر عالمانہ

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ اور اللہ تعالیٰ کی بعض وہ آیات جو مذکورہ بالا بیان پر دلالت کرتی ہیں کہ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنا ان کی عظمت اور کثافت اور کثرت اجزاء بلا مادہ کے بتاتے ہیں کہ انہیں کسی بڑی قدرت والے نے بنایا ہے اور یہ اس کی قدرت پر بہت بڑی اور واضح دلیلیں ہیں کہ جب وہ اتنی بڑی چیزوں کو بنا سکتا ہے تو پھر انسان کو حیات کے میدان میں لوٹانا اس کے لیے کون سا مشکل ہے ۔

ربط : یہ آیات آفاقیہ ہیں اب آیات انفسیہ کا ذکر فرماتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا :

وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ اور تمہاری مختلف بولیوں کا ہونا جیسے عربی' فارسی' ہندی' ترکی وغیرہ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر صنف کی الگ زبان بنائی۔

ف : امام راغب نے فرمایا کہ زبانوں کے مختلف ہونے میں اختلاف اللغات واختلاف النغمات کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ ہر زبان کا اپنا لغہ ہے جس کا امتیاز کان کرتا ہے' جیسے ہر انسان کی اپنی صورت ہے جس کا فرق آنکھ کرتی ہے۔ تم نے کبھی ایسا نہیں پایا کہ دو بولنے والے ایک طرح بولیں کہ ان کی کیفیت ہر طرح سے برابر ہو بلندی و پستی میں' فصاحت و لکنت وغیرہ میں۔

ف : حضرت وہب نے فرمایا کہ کل بہتر زبانیں ہیں۔ سام کی اولاد کو انیس (۱۹)، حام کی اولاد کو سترہ (۱۷) اور یافث کی اولاد کو چھتیس (۳۶) لغات ملیں۔

وَاَلْوَانِكُمْ اور تمہارے رنگوں کا مختلف ہونا کہ کوئی سفید ہیں تو کوئی سیاہ، اور کوئی گندمی رنگ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کے ہیں تو کوئی سرخ وغیرہ۔

ف: امام راغب نے فرمایا کہ الوان کے اختلاف میں ہر انسان کی ہیئت کذائیہ کے مختلف ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ ہر انسان کی ہیئت کذائیہ ہر دوسرے انسان سے مختلف ہوتی ہے باوجود کثیر ہونے کے ایک دوسرے کی ہیئت کذائیہ میں یک جہتی نہیں ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی وسعت قدرت کی تنبیہ ہے۔ یعنی انسانوں کے مختلف رنگوں میں اشارہ ہے کہ دیکھیے ان کے اعضاء کو کیسے جوڑا گیا ہے پھر ان کی ہیئات کیسی عجیب ہیں اور ان کو ایسا سنگارا گیا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ مثلاً جڑواں بچوں کو دیکھیے باوجودیکہ ان کے مواد و اسباب اور امور طاریہ فی التخلیق میں توافق ہے مگر پھر بھی ان کے کسی نہ کسی معاملہ میں تخالف ضرور ہے اگرچہ ایک دوسرے کے بہت متشابہ ہیں۔ اگر ایسے نہ ہوتے تو اشخاص کا امتیاز مشکل ہو جاتا اور بہت سے امور میں مشکلات پیش آتیں اور اس طرح سے دنیوی معاملات تعطل کا شکار ہو جاتے۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ چونکہ سیدنا آدم علیٰ نبینا وعلیہ السلام مختلف مٹیوں سے تیار ہوئے اسی لیے آپ کی اولاد کے مختلف رنگ ہیں کوئی کالے ہیں تو کوئی سرخ ہیں اور کوئی سفید۔ جس طرح کی مٹی سے پیدا ہوئے اسی طرح کے رنگ کو اختیار کیا۔ ہر قوم کو اس کے اجداد کی صورت پہنایا گیا یہاں تک کہ ان کا تعلق آدم علیہ السلام کے ذرات سے جا ملا اور ان کی تصویر کسی رحم کے اندر ہی بنائی جاتی ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے اللہ تعالیٰ کے اس قول فِیْ اَیِّ صورۃ ما شاء رکبک" سے استدلال کیا ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ بیشک اس میں جو مذکور ہوا یعنی زمین و آسمان کا پیدا کرنا اور زبانوں اور رنگوں کا مختلف ہونا لَاٰیٰتٍ البتہ بہت بڑی آیات اور بے شمار ہیں لِّلْعٰلِمِیْنَ ○ (بکسر اللام) وہ لوگ جو علم سے موصوف ہیں۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا:

وما یعقلہا الا العالمون۔

(اور اسے نہیں سمجھتے مگر علم والے)

نکتہ: اہل علم کی تخصیص اس لیے کہ وہی اہل نظر و استدلال ہوتے ہیں بخلاف جاہلوں کے کہ وہ اس کی اہلیت و صلاحیت نہیں رکھتے بلکہ وہ دنیا کے مشاغل میں نہ صرف مشغول بلکہ منہمک ہوتے ہیں اور اس کی رنگینیوں میں پھنسے رہتے ہیں اور پھر چونکہ مذکورہ بالا امور کی معرفت علم سے ہی ہو سکتی ہے اسی لیے آیت کو العالمین پر ختم کیا ہے۔

ف: بعض قراءتوں میں بفتح اللام آیا ہے اس میں اشارہ ہے کہ یہ آیات اتنی واضح اور روشن ہیں کہ جن میں کسی قسم کا خفا نہیں انہیں ہر ایک جان سکتا ہے نہ وہ فرشتوں سے پوشیدہ ہیں نہ انسانوں سے اور نہ جنوں سے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تفسیر صوفیانہ ۱ اس میں اشارہ ہے کہ السنۂ قلوب و السنۂ نفوس آپس میں مختلف ہیں کیونکہ قلوب کی زبانیں علویات کی طرف میلان رکھتی ہیں اسی لیے وہاں کی بولی بولتی ہیں اور نفوس کی زبانیں سفلیات سے متعلق ہیں۔ اسی لیے یہ سفلیات کی طلب میں رہ کر یہاں کی باتیں کرتی ہیں جیسا کہ اہلِ دنیا و آخرت کی محفلوں سے مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ حضرت مولانا قدس سرہٗ کے ارشادات سے ہے، ؎

ما را چہ ازیں قصہ کہ گاؤ آمد و خر رفت
ایں وقت عزیز ست ازیں عربدہ باز آ ے

ترجمہ: ہمیں اس سے کیا کہ گائے آئی اور گدھا گیا، یہ وقت عزیز ہے ایسے جھگڑوں کو چھوڑ دے۔

تفسیر صوفیانہ ۲ اختلافِ الوان میں اشارہ ہے کہ انسان کے طبائع مختلف ہیں بعض ان میں وہ ہیں جو دنیا کے خواہشمند ہیں اور بعض آخرت کے اور اللہ تعالیٰ کے۔ اس میں ان عارفین کی نشانیاں ہیں جو نفوس کی حقیقتوں اور ان کی کمالیت کو جانتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کا عرفان ہے اور وہ آیاتِ الٰہی اللہ تعالیٰ کے دکھانے پر دیکھتے ہیں جیسا کہ فرمایا،

سنریہم آیاتنا فی الآفاق و انفسہم۔

(ہم انہیں آفاق کی اور ان کے نفوس کی آیات دکھائیں گے)

سوال: اللہ تعالیٰ کی آیات مذکورہ اتنی واضح اور روشن ہیں کہ کسی احمق اور پاگل کو ان کے وجود و ظہور کا انکار ہو سکتا ہے ورنہ صاحب سمجھ انہیں جانتا ہے۔ پھر بار بار ان کی نشان دہی کا کیا فائدہ؟

جواب: تاکہ ناظرین کو تنبیہ، جاہلوں کو تعلیم اور اہلِ عرفان کی تکمیل ہو۔ آنکھ والا آنکھ سے دیکھے گا اور دل والا دل سے سمجھے گا۔

ف: تمام ادیان متفق ہیں اور ہر زمانہ اس پر یکساں متفق رہا ہے کہ چار عادات قابلِ ستائش ہیں،

۱- علم ۲- احسان
۳- زہد ۴- دیانت

یاد رہے کہ علم کے بغیر عبادت ایسے ہے جیسے گدھا چکی کے گرد گھومتا رہتا ہے کہ وہ جتنا گھومتا رہے گا سفر طے نہ کر سکے گا جہاں پہلے تھا وہیں رہ جائے گا۔

علم کے فضائل علم حقیقی وہ ہے جو عرفانِ الٰہی سے مزین ہو۔ ایسا علم ملکوت کی سیر کراتا ہے۔ یہی علم آیاتِ کبریٰ میں شمار ہوتا ہے۔ جسے یہ علم نصیب ہوتا ہے وہ شواہدِ عقلی کا روشن بصیرت سے مشاہدہ کرتا ہے بلکہ وہ آنے والے واقعات کو قبل از وقت جانتا اور باقاعدہ ان کے متعلق حالات

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ستاتا اور بتاتا ہے۔

جاہل صوفیوں کا رد

ہمارے دور (علامہ اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ کا زمانہ) میں بعض ایسے جاہل صوفی بھی ہیں کہ ان بیوقوفوں کا حلقہ بھی وسیع ہے (جیسے فقیر اویسی غفرلہٗ کے دور میں ایسے جاہلوں کی کمی نہیں بلکہ وہ بہت عروج پر ہیں، اچھے بُرے میں تمیز کرنا خاصا مشکل ہوگیا ہے)[1] ان پر جہل کا اتنا غلبہ ہے کہ وہ کہا کرتے ہیں کہ علم حجاب اکبر ہے یعنی علم و عرفان کے آگے ایک آڑ ہے یہ دور ہو تو عرفانِ الٰہی حاصل ہوتا ہے یہ ان کی خواہشاتِ نفسانیہ کا شکار ہو جانے کی واضح دلیل ہے۔[2]

نکتہ: علم حجاب بھی ہے لیکن غفلت اور معصیت سے کہ قلب پر غفلت کو نہیں آنے دیتا اور نفس کو معصیت کے قریب نہیں پھٹکنے دیتا (العلم الحجاب الاکبر) کا یہی معنٰی لیا جائے تو موزوں ہے اور جو بعض جاہل صوفیوں نے سمجھ رکھا ہے وہ بالکل غلط ہے۔[3]

کون کس کے لیے رحمت

حضرت عبداللہ بن سہل تستری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ آسمان زمین کے لیے اور زمین کا اندر باہر کے لیے اور آخرت دُنیا کے لیے اور علماء جاہلوں کے لیے اور بڑے چھوٹوں کے لیے اور نبی علیہ السلام مخلوق کے لیے اور اللہ تعالیٰ جملہ کائنات کے لیے رحمت ہے۔

علوم کی اقسام

علم کی اجناس کا تو کوئی شمار نہیں ہو سکتا ہے مثلاً علم النظر، علم الخبر، علم النبات، علم المیزان، علم الرصد وغیرہ۔ پھر ان میں ہر ایک پر فصول ہیں جو ان کے مقوم و مقسم ہیں ہم ان علوم پر غور کریں گے کہ کون سے علوم ہمارے لیے مفید اور سعادت ابدیہ کا موجب ہیں تاکہ ہم انہیں حاصل کریں اور فضول علوم کو چھوڑ دیں تاکہ زندگی برباد نہ ہو۔ یاد رہے کہ جملہ علوم کی اجناس سے ہیں دو قسم کے فصل چاہئیں:

ایک تو وہ جو نظر سے تعلق رکھتا ہے، جیسے علم الکلام۔

دوسرا وہ جو خبر سے متعلق ہے، جیسے علم الشرع۔

اور وہ علوم جو ان کے ماتحت ہیں کہ ان کے حاصل کرنے میں سعادت ہے وہ آٹھ ہیں:

۱ ۔ علم الواجب
۲ ۔ علم الجائز
۳ ۔ علم المستحیل
۴ ۔ علم الذات
۵ ۔ علم الصفات
۶ ۔ علم الافعال
۷ ۔ علم السعادۃ
۸ ۔ علم الشقاوۃ

ان آٹھ علوم کا حاصل کرنا ہر انسان پر واجب ہے تاکہ نجاتِ ابدی اور سعادتِ دائمی نصیب ہو۔ لیکن یاد رہے کہ سعادت و شقاوت ذیل کی معرفت پر موقوف ہے:

۱ ۔ واجب
۲ ۔ محظور
۳ ۔ مندوب
۴ ۔ مکروہ
۵ ۔ مباح

---

[1] و [3] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

[2] تفصیل کے لیے فقیر کی کتاب "پیری مریدی" ملاحظہ ہو۔ اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

یاد رہے کہ ان امور کے اصول تین ہیں:

(۱) کتاب اللہ

(۲) احادیث متواترہ

(۳) اجماعِ امت

کذا فی مراقع النجوم للشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر

دعا: اللہ تعالیٰ ہم سب کو علومِ نافعہ کے حاصل کرنے کی توفیق بخشے اور فیوض و اسرار سے ہمارے سینے کھول دے اور ان لوگوں سے بنائے جن کے علوم کی روشنی زندگی بھر بلکہ تا قیامت روشن رہے گی۔

تفسیر عالمانہ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ان نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ قیامت میں اپنے بندوں کو ان کے اعمال کی جزا و سزا دے گا مَنَامُكُمْ منام بروزن مفعل نوم سے ہے۔ یعنی تمہاری وہ موت جس سے تم اپنے ابدان کی راحت پاتے ہو اور اس کی وجہ سے اپنے اشغال کو ختم کرتے ہو تاکہ اس کی وجہ سے قوائے طبعی قرار پاسکیں بِالَّيْلِ رات کے وقت جیسا کہ عام عادت ہے وَالنَّهَارِ اور دن کے وقت جبکہ ضرورت ہو، جیسے قیلولہ وغیرہ۔ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اور تمہارا اس کے فضل کو تلاش کرنا۔ فضل سے معاش مراد ہے یعنی تم ان دن اور رات میں معاش تلاش کرتے ہو۔ دونوں کو دو کاموں پر منقسم فرمایا بربنائے اکثریت ہے ورنہ عموماً نیند رات کو اور معاش کی تلاش اور کاروبار دن کو ہوتا ہے۔

نکتہ: نیند و بیداری کو حیات بعد الممات سے مشابہت ہے کہ وہاں بھی گویا یہی ہے کہ بندے بیداری کے بعد معاش کی تلاش میں ہیں۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

نوم ما چون شد اخ الموت ای فلان
زین برادر آن برادر را بدان

ترجمہ: ہماری نیند موت کے بھائی کی طرح ہے اسے اس کا بھائی ہی سمجھئے۔

نکتہ: اللیل کی تقدیم اس لیے ہے کہ رات مولیٰ کی خدمت کے لیے اور دن مخلوق کی خدمت کے لیے۔ مخلوق سے مولیٰ کی تقدیم ضروری ہے۔ دوسرا یہ کہ عموماً حضرات انبیاء علیہم السلام کو معراج راتوں کو ہوئی۔ اسی لیے امام نیشاپوری نے فرمایا: رات دن سے افضل ہے۔

نکتہ: فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ رات محل سکون ہے اور یہ اصل ہے اور دن محل الحرکۃ ہے۔

جیسا کہ حدیث شریف:

حدیث شریف کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(میں مخفی خزانہ تھا تو چاہا کہ پہچانا جاؤں، اسی لیے مخلوق کو پیدا کیا)

میں اشارہ ہے کہ خلق حرکت معنویہ کی مقتضی ہے اور تخلیق سے پہلے سکون ہی سکون تھا یعنی عالم ذات بحت تھا، اسی بنا پر لیل کو آیت میں مقدم کیا گیا۔

سوال: النہار حرف پر جارہ کیوں نہ داخل کیا گیا، جیسے باللیل میں ہے ایسے ہی بالنہار ہوتا۔

جواب: بعض مشائخ نے اس کا جواب دیا کہ یہ ثابت ہو کہ ہم جاگ رہے ہیں تب بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک نیند میں ہیں۔ گویا یوں فرمایا: اے میرے بندو! تم اس دنیا میں خواب میں ہو اگرچہ بیدار رہتے ہو تب بھی میرے نزدیک نیند میں ہو۔ اگر اس میں حرف جارہ داخل ہوتا تو معنیٰ مذکور متعین نہ ہوتا کیونکہ حرف جارہ کے وقت یہ احتمال بھی ہوتا کہ جار مجرور محذوف کے متعلق ہے اور اس کا عطف مبتدا پر ہے۔

دراصل عبارت یوں ہوگی:

ویقظتکم بالنہار (اور دن میں تمہارا بیدار ہونا)

اس کے بعد متعلق کو محذوف کیا گیا جب کہ اس کا معمول اس پر دلالت کرے گا یا اس کا مقابل اس کے متعلق خبر دے گا۔ جیسے کہا جاتا ہے:

علفتہا تبنا وماء باردا۔

اصل میں یوں ہے:

علفتہا تبنا وسقیتہا ماء باردا۔

(میں نے گھاس کھلایا اور ٹھنڈا پانی پلایا)

سقیتہا کو حذف کیا گیا کہ اس کا بالمقابل علفتہا دلالت کرتا ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ بے شک اس امر عظیم میں جو بہت بڑے مرتبے والا ہے یعنی بیداری کے بعد خواب اور خواب کے بعد بیداری جو کہ نیند بمنزلہ چھوٹی موت کے ہے اور رات و دن کا آنا جانا، اور اسی طرح شب و روز میں طلب معاش، اگرچہ ان دونوں کی تحصیل میں فرق ہے لیکن ہیں دونوں امر عظیم۔ لَاٰیٰتٍ بے شمار قدرتوں اور حکمتوں بالخصوص مرنے کے بعد اٹھنے کی نشانیاں ہیں لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ۝ ایسے لوگوں کے لیے جو سنتے ہیں، یعنی ان کی شان یہ ہے کہ وہ ناصح کی بات سنتے ہیں اس شخص کی طرح جو نیند سے جاگے تو اس کا جسم ہلکا پھلکا اور راحت سے بھرپور اور ہر طرح کی سستی و کاہلی سے فارغ ہوتا ہے ایسے ہی اس کو نصیحت سننے سے کوئی شے منع نہیں کرتی نہایت غور و فکر سے نصیحت کو سنتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ جو ان آیات میں غور و فکر نہیں کرتا وہ نیند والے کی طرح ہے۔ وہ ایسی آیات سننے کا اہل نہیں۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۱ کسے را کہ پندار در سر بود
مپندار ہرگز کہ حق بشنود

۲ ز علمش ملال آید از وعظ ننگ
شقایق بباران نروید بسنگ

۳ گرت در دریاے فضلست خیز
بتذکیر در پاے درویش ریز

۴ نہ بینی کہ در پاے افتادہ خار
بروید گل و بشگفد نو بہار

ترجمہ: (۱) کسی کے دل میں غلط تصورات ہوں تو وہ گمان نہ کر کہ وہ حق سن سکے۔
(۲) اسے علم سے ملال آتا ہے اور وعظ سے ننگ۔ پتھریلی زمین میں گلِ گلاب پیدا نہیں ہوتے۔
(۳) اگر تجھے فضل کا دریا میسر ہے تو اٹھ اور درویش کی نصیحت حاصل کرنے کے لیے اس کے پاؤں پکڑ۔
(۴) کیا نہیں دیکھا کہ کانٹا گل کے پاؤں کو چمٹا ہوا ہے۔ اسی سے ہی گلِ گلاب پھوٹتے ہیں اور اسی سے بہار ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

چہ نسبت است برندی صلاح و تقوٰی را
سماع وعظ کجا نغمۂ رباب کجا

ترجمہ: رند کو صلاح و تقوٰی سے کیا نسبت! وعظ کا سننا کہاں اور طبلہ کی آواز کہاں!

نکتہ: برہان القرآن میں لکھا ہے کہ آیت کو یسمعون پر ختم کرنے میں ایک حکمت یہ ہے کہ جو سمجھے گا کہ نیند بھی اللہ تعالیٰ کی صنعت سے ہے تو وہ اس کی تحصیل میں جد و جہد نہ کرے گا جبکہ اس کی آنکھوں سے نیند اڑ جائے اور نہ ہی اسے روکے گا جب اس پر اس کا حملہ ہوگا کیونکہ جب اسے یقین ہے کہ اس کے لانے والے کا اسے اس طرح کا حکم ہے۔

ف: الخطیب نے فرمایا کہ یہاں یسمعون بمعنٰی یستجیبون ہے یعنی وہ لوگ قرآن مجید سن کر اس پر ایمان لاتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔

سبق: جب معلوم ہوا کہ نیند بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے تو بندوں پر لازم ہے کہ بلا ضرورت نہ سوئیں صرف اتنا سوئیں کہ صحت بحال رہے اور عبادت میں رکاوٹ نہ ہو۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سر آنگہ ببالین نہد ہوشمند
کہ خوابش بقہر آورد در کمند

ترجمہ : دانا اس وقت اپنا سر تکیے پر رکھتا ہے جب نیند اسے جبراً سُلا دیتی ہے۔

ف : اہلِ بطلان کی مذمت میں کسی نے کہا ہے : ؎

زسنّت نہ بینی در ایشاں اثر
مگر خواب پیشین و نانِ سحر

ترجمہ : ان میں سنّت کا کوئی نشان نہیں ملتا سوائے اس کے کہ وہ رات کو سو جاتے ہیں اور دن کو کھا لیتے ہیں۔

مسئلہ : سونے سے پہلے وضو کرنا مستحب ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

من بات طاهرا بات فی شعاره ملك لا يستيقظ ساعة من الليل الا قال الملك اللهم اغفر لعبدك فلان فانه بات طاهرا۔

(جو بھی رات کو باوضو سوتا ہے تو اس کے بستر پر ایک فرشتہ مقرر ہوتا ہے جب بھی وہ کسی وقت نیند سے جاگتا ہے تو فرشتہ اس کے لیے دعائیں دیتا ہوا کہتا ہے : اللهم اغفر لعبدك فلان فانه بات طاهرا۔ (اے اللہ ! اپنے فلاں بندے کو بخش دے اس لیے کہ وہ باوضو ہو کر سویا ہے)

مسئلہ : جس سے ہو سکتا ہے وہ ہمیشہ باوضو رہے اس لیے کہ باوضو انسان مرتا ہے تو شہیدوں میں داخل ہو جاتا ہے۔

مسئلہ : پہلی بار قبلہ رُخ دائیں کروٹ پر سوئے پھر بیدار ہونے پر معلوم ہو کہ کروٹ بدل گئی ہے تو پھر دائیں کروٹ بدل جائے اور لیٹتے وقت پڑھے :

بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمہ شیٔ فی الارض ولا فی السماء وھو السمیع العلیم۔

(اللہ تعالیٰ کے نام پر سوتا ہوں وہ اللہ جس کے نام کے ساتھ کوئی نقصان نہیں ہو سکتا نہ زمینوں کا نہ آسمانوں کا ، وہی سمیع و علیم ہے)

حدیث شریف اور سوتے وقت کی دُعا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سوتے وقت پڑھا کرتے تھے :

باسمك ربي وضعت جنبي وبك ارفعه ان امسكت نفسي فارحمها وان

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ارسلتہا فاحفظہا ۔

(میرے نام پر اے میرے پروردگار! میں نے اپنی کروٹ زمین پر رکھی اور تیرے نام پر اسے زمین سے اٹھاؤں گا اگر تو میری روح کو روک لے تو اس پر رحم فرمانا اگر اسے چھوڑ دے تو پھر اس کی حفاظت فرمانا)

نیند سے اُٹھنے کی دعا

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نیند سے اُٹھنے کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا ورد الینا ارواحنا والیہ البعث والنشور ۔

(تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے جس نے ہمیں مرنے کے بعد اُٹھایا اور پھر ہماری روحیں ہمیں واپس کردیں اور اسی طرح اُٹھنا ہے)

صوفی کا سونا اور جاگنا اور وضو کرنا اور نماز پڑھنا نرالا ہے

نیند اور بیداری غفلت اور قلب کی بیداری کی طرف اشارہ ہے۔ جاگنا ایسے ہے جیسے قلب غفلت سے بیدار ہو پھر وضو کی طرف جانا ایسے ہے جیسے تائب ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف جانا ہو۔ وضو کے بعد نماز میں داخل ہونے کے لیے تکبیر اُولیٰ ایسے ہے جیسے تجلی الٰہی نصیب ہوئی کہ گویا بندہ عالم ناسوت کو چھوڑ کر عالم ملکوت میں پہنچ گیا ہے۔ پھر رکوع میں جانا ایسے ہے جیسے انسان عالم ملکوت سے عالم جبروت میں پہنچ جائے اور سجدے میں جانا ایسے ہے جیسے بندے کو عالم لاہوت میں حاضری نصیب ہوئی ہو اور یہی فنائے کل کا مقام ہے یہاں سے ہی بندہ وطن اصلی کے لیے اُوپر کی منزلیں طے کرتا ہے پھر سجدے سے قیام کی طرف جانے میں فنا کے بعد بقا کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اس حالت میں رجوع الی الوری ہی ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ صورۃً نزول عروج ہوتا ہے جیسے عروج میں نزول۔ یاد رہے کہ رکوع مقام قاب قوسین کا نام ہے یہی ذات واحد کا مقام ہے اور سجدہ اَو اَدنیٰ کا مقام ہے اور یہی ذات احدیت کا مقام ہے۔

ف: حرکاتِ ستہ:

(۱) قیام سے رکوع کی طرف
(۲) رکوع سے قومہ کی طرف
(۳) قومہ سے سجدۂ اُولیٰ کی طرف
(۴) سجدۂ اولیٰ سے جلسہ کی طرف
(۵) جلسہ سے سجدہ ثانیہ کی طرف
(۶) سجدہ ثانیہ سے قیام کی طرف اشارہ ہے کہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں چھ دنوں میں بنائی گئیں۔

نکتہ: اس سے ثابت ہوا کہ نمازی کی پہلی رکعت میں ہی سارے کا سارا سلوک طے ہو جاتا ہے نمازی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

و صور و حقائق دنیوی و اُخروی اور حقائق علمی و عینی و کونی و الٰہی سب کے سب پہلی رکعت میں ہی نصیب ہو جاتے ہیں۔

ف : رات و دن کے آنے جانے میں نیکی و بدی کے واردات کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جیسے دنیا کا بقا نہ صرف دن پر ہے نہ رات پر بلکہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ ایسے ہی انسان سے نیکی کا صدور ہوتا ہے تو گویا اسے نور مل گیا لیکن خطا بھی سرزد ہو جاتی ہے جو کہ بمنزلہ رات کے ہے۔

اعجوبہ قیامت میں اللہ تعالیٰ دن کو بہشت میں اور رات کو جہنم میں داخل کرے گا اسی لیے بہشت میں دن ہی دن ہوگا اور جہنم میں رات ہی رات۔

مومن کامل کی شان درحقیقت بہشت میں جو نور ہوگا وہ مومن کامل کے ایمان کی روشنی ہوگی پھر جس کے جتنے اعمالِ صالح ہوں گے اسی قدر اس کے لیے بہشت میں روشنی ہوگی۔ ایسے کفر کے مطابق جہنم میں اندھیرا ہوگا اور عمل فاسد کی نحوست سے بھی تاریکی ہوگی۔

ف : جیسے دن کا رات ہونا ناممکن ہے ایسے ہی رات کا دن ہونا ناممکن ہے۔ تو پھر یوں سمجھیے کہ ایمان کبھی کفر نہیں ہو سکتا اور نہ ہی کفر ایمان ہو سکتا ہے۔ اسی طرح جس پر جو صفت غالب ہوگی وہ اسی کے مطابق بہشت اور دوزخ میں رہے گا اگر ایمان کی صفت غالب ہے تو بہشت ورنہ دوزخ۔

صوفیانہ تفسیر مومن کے قلب کا نور تجلیاتِ حق کے مطابق ہوتا ہے لیکن اس کے غلبۂ حال کا اعتبار ہوتا ہے اس لیے کہ اس کے نہارِ معنوی پر لیل کا ورود نہیں ہوتا اگر بعض اوقات ان تجلیات کے آگے کوئی پردہ حائل ہو جاتا ہے تو وہ عارضی ہوتا ہے۔ اس کے لیے محجوبین کی طرح وہ زحمت نہیں بلکہ رحمت ہی رحمت ہوتا ہے۔ ایسے ہی اس کے قلب کا حال ہے کہ وہ صرف ایک امر کو نہیں بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی طرح شجرہ موجودات کے ہر ذرے سے سُنا کرتے ہیں درحقیقت یہی لوگ سامع ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَمِنْ اٰیٰتِهٖ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ اور اللہ تعالیٰ کی آیات سے ہے کہ وہ تمہیں بجلی دکھاتا ہے۔ یہ دراصل ان یریکم تھا ان حذف کر دیا گیا۔ اس کے حذف کرنے پر یاء کو ساکن کیا گیا تاکہ اَن محذوفہ پر دلالت کرے کذا فی برہان القرآن۔ اس کے علاوہ تفاسیر میں اور بھی بہت کچھ لکھا گیا ہے۔

حلِ لغات : البرق بادل کا چمکنا بمعنے حاصل مصدر، یعنی بادل کی چمک۔ اور اخوان الصفاء میں ہے برق نار و ہوا کا مجموعہ ہے۔

خَوْفًا مفعول لہ ہے بمعنے اخافۃ۔ جیسے کہا جاتا ہے:

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

فعلته مرغما للشیطان ای ارغاما له۔ یعنی میں نے اسے اس لیے کیا تاکہ شیطان کو ذلت و رسوائی ہو۔

اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ تمہیں چمک اس لیے دکھاتا ہے تاکہ تمہیں کڑک سے ڈرائے بالخصوص وہ مسافر جو جنگلوں وغیرہ میں ہوں۔

ف : صاعقہ وہ ہولناک آواز کہ جس میں آگ تو ہو لیکن اس میں دھواں اور انگارے نہ ہوں جہاں پہنچے جلا کر راکھ کرے۔

وَّطَمَعًا اور بارش کی طمع دلانے کے لیے بالخصوص ان لوگوں کے لیے جو گھروں میں مقیم ہیں۔

سوال : ہم نے مانا کہ مقیم کو اس کا طمع ہوتا ہے کہ اسے ضرورت ہوتی ہے کہ بارش ہوگی تو کھیتیاں اور باغ باغیچے سرسبز ہوں گے اور مسافر کو اس میں داخل نہ کیا جائے تو کیا حرج ہے اگرچہ عمومی تقاضا پر اس کا دخول ہونا چاہیے۔

جواب : مسافر کو بھی اس کا یوں طمع ہوتا ہے کہ ویران زمین آباد ہوگی اور اس کا سفر خوشگوار ہوگا۔ اس معنیٰ پر آیت کے عموم میں مسافر داخل رہے گا۔

وَیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ اور آسمان سے نازل فرماتا ہے بادل کے ذریعے **مَآءً** پانی کو۔

ف : اخوان الصفا میں ہے کہ المطر اجزائے مائیہ کو کہا جاتا ہے جبکہ وہ ایک دوسرے سے چمٹ کر سرد و ثقیل ہو کر زمین کی طرف آئیں۔

فَیُحْیٖ بِهٖ پھر اسی پانی یعنی بارش کے سبب سے آباد کرتا ہے **الْاَرْضَ** زمین کو کھیتی سے **بَعْدَ مَوْتِهَا** بعد اس کے ویران (خشک) ہونے کے۔

زمین کیا ہے زمین ایک غلیظ سے غلیظ تر (گاڑھا) جسم ہے۔ تمام گاڑھے اجسام سے زیادہ گاڑھا جسم زمین کا ہے۔ مرکز عالم میں اس جیسا گاڑھا جسم کسی شے کا نہیں۔ اس کی چھ جہتیں ہیں:

۱۔ مشرق، جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے۔
۲۔ مغرب، جہاں سورج غروب ہوتا ہے۔
۳۔ شمال، جہاں جدی ستارے کا مدار ہے۔
۴۔ جنوب، جہاں سہیل ستارے کا مدار ہے۔
۵۔ فوق، جو محیط کو متصل ہے۔
۶۔ اسفل، جو مرکز ارض کو متصل ہے۔

انگوری کیا ہے وہ شے جس پر مادہ مائیہ غالب ہو۔ اہل فارس کہتے ہیں، وادیوں میں پانی کی کثرت ہوگی تو قرات کی بہتات ہوگی اور جب ہوائیں خوب چلیں گی تو اناۃ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بہت ہوگا۔

ف: یاد رہے کہ ثمرات اور درخت بارش کے فیض سے ہیں اور یہ سب کے سب زمین پر اللہ تعالیٰ کی شانوں کے آثار ہیں۔

حکایت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو سفر میں ایک کھجور دی۔ یہ آپ کی خلافت کا آخری دور تھا۔ فرمایا: اسے بونے پر مجھے یہ طمع نہیں کہ میں اس کا پھل کھاؤں گا بلکہ مجھے اسے بونے پر اسدی کا قول یاد آگیا ہے:

لیس الفتی بفتی لا یستضاء بہ ولا تکون لہ فی الارض آثار

ترجمہ: وہ جوان مرد نہیں جس سے کوئی روشنی نہ پہنچے اور نہ زمانے میں اس کی کوئی یادگار ہو۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ بیشک ان امور مذکورہ بالا میں لَاٰیٰتٍ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی علامات ہیں لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ان لوگوں کے لیے جو عقلمند ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی دلیلیں اور حجتیں سمجھتے ہیں۔

ف: جناب کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ لوگ جو جملہ حادثات کے حق میں عقل کو استعمال کرتے ہیں جس سے انہیں ہر حادثہ میں صانع کی صنعت کے کمالات معلوم ہوتے ہیں تو جیسے اللہ تعالیٰ ویران زمین کو آباد کرنے کی قدرت رکھتا ہے ایسے ہی قبور سے مُردوں کو زندہ کر سکتا ہے۔

نکتہ: برہان القرآن میں ہے کہ آیت میں یعقلون پر ختم کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان جملہ معاملات میں عقل موقوف علیہ ہے پھر وہی علم تک پہنچاتا ہے۔

ف: بعض علماء و مشائخ نے فرمایا کہ عاقل وہ ہے جو پہلی بار دیکھتے ہی شے کی کنہ تک پہنچ جائے اور اس کی حقیقت اور اس کے انجام کو معلوم کرلے اور اس سے جملہ تاریکیاں اور پردے ہٹالے اور دقائق القلوب کا مطالعہ کرلے اور غیوب کے جملہ دقائق سے آگاہ ہو جائے۔

ف: کسی دانشور نے فرمایا کہ عقل و تجربہ انسان کے لیے ایسے ہیں جیسے انگوری اُگانے کے لیے پانی اور زمین دونوں درکار ہیں۔ پانی اور زمین جب تک دونوں نہ ہوں انگوری نہیں اُگے گی۔ یہ خود بھی ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے:

۱ پس نکو گفت آں رسول خوش جواز
ذرۂ عقلت بہ از صوم و نماز

۲ زانکہ عقلت جوہرست ایں دو عرض
ایں دو در تکمیل آں شد مفترض

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

٣ تا جلا باشد مراں آئینہ را
کہ صفا آید ز طاعت سینہ را

٤ لیک گر آئینہ از بن فاسد ست
صیقل او را دیر باز آرد بدست

٥ ایں تفاوت عقلہا را نیک داں
در مراتب از زمیں تا آسماں

٦ ہست عقلے ہمچو قرص آفتاب
ہست عقلے کمتر از زہرہ شہاب

٧ ہست عقلے چوں چراغ سرخوشی
ہست عقلے چوں ستارہ آتشی

٨ عقل جزوی عقل را بدنام کرد
کام دنیا مرد را بے کام کرد

ترجمہ: (١) کیا خوب فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تھوڑی سی عقل نماز و روزے سے بہتر ہے۔

(٢) اس لیے کہ عقل جوہر اور یہ دونوں عرض ہیں۔ یہ دونوں تکمیل میں عقل کے محتاج ہیں۔

(٣) جب تک اس آئینے میں روشنی رہے گی تب تک سینے میں طاعت سے روشنی پہنچے گی۔

(٤) اگر آئینہ ابتداً سے ہی خراب ہو تو وہ صیقل سے بڑی دیر کے بعد روشن ہو سکے گا۔

(٥) یہ جو انسانوں میں فرق ہے یہ عقل کی وجہ سے ہے۔

(٦) بعض تو اتنے روشن ہیں جیسے سورج اور بعض زہرہ ستارے کی روشنی سے بھی کم۔

(٧) عقل ایک روشن چراغ ہے۔ عقل ایک آتشی ستارہ ہے۔

(٨) دراصل عقل جزوی نے عقل کو بدنام کیا ہے اور انسان دنیوی خرابیوں سے ناکام ہو جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے ومن اٰیتہ یریکم البرق خوفاً وطمعاً یعنی شواہد حق کی بجلی چمکتی ہے جب حجابات بشریت کے بادل چھٹتے ہیں اور انوار روحانیت کی چمک ظاہر ہوتی ہے۔ ان میں پہلی کا نام بروق ہے، دوسری کا لوامع اور تیسری کا طوالع۔ چوتھی کا نام اشراق ہے اور پانچویں کا تجلی۔ انسان نور برق سے شہوات دنیا کو دیکھ لیتا ہے کہ وہ آگ ہی آگ ہیں۔ ان سے انسان کو بچنا چاہیے بلکہ ان کے چھوڑنے پر ایڑی چوٹی کا زور لگانا چاہیے۔ ایسے آدمی کو محسوس ہوتا ہے کہ جن تکالیف شرعیہ سے نفس کراہت کرتا ہے وہ تو بہشت باغیچے ہیں اسی لیے وہ ان کی تحصیل میں جدوجہد

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کرتا ہے ویـنزل من السماء اور نازل کرتا ہے آسمان یعنی روح سے ماء رحمت فیحیی بہ الارض تو اس سے زندہ کرتا ہے زمین یعنی قلوب کو بعد موتہا بعد ان کے ویران ہو جانے کے معاصی و ذنوب اور بحرِ دنیا میں مستغرق ہونے اور خذلان کی ہواؤں سے شہوات کے چکّر سے اِنّ فی ذٰلك لاٰیٰت لقوم یعقلون بیشک اس میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو آخرت کو دنیا سے نہیں بیچتے اور نہ ہی مولیٰ کے دیدار کو جنّت کی نعمتوں کے عوض بیچتے ہیں۔

دُعا: اے اللہ! ہمیں ان لوگوں سے بنا جو ہر وقت تیرے ذکر اور حسنِ طاعت میں لگے رہتے ہیں، اور ہمیں اپنے ماسوا کے خیالات سے پھیر دے اس لیے کہ تو ہی دلوں کو زندہ کرنے والا ہے اپنے غیوب کے فیوض سے۔

تفسیر عالمانہ

وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ اور اللہ تعالیٰ کی آیات سے ہیں آسمانوں اور زمینوں کا قیام و استمرار، جن ہیئتوں پر ایک میعادِ مقررہ تک کھڑے ہیں یعنی تا قیامِ قیامت بِاَمْرِہٖ اس کے حکم و ارادے پر۔

سوال: ارادے کو امر سے کیوں تعبیر کیا ہے؟

جواب: تاکہ معلوم ہو کہ وہ بہت بڑی قدرت والا ہے اور اسے مبادی و اسباب کی محتاجی نہیں ہے۔

ف: امر عام ہے اقوال کو اور افعال کو۔ کذا فی المفردات۔

ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖ مِّنَ الْاَرْضِ۔

ترکیب: من الارض کا تعلق دعاکم سے ہے کیونکہ مدعو فیہ ہونے میں یہ کفایت کرتی ہے۔ یہ اس محاورہ سے ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

دعوتہ من اسفل الوادی فطلع الیّ۔

(میں نے اسے وادی کے نچلے حصے سے بلایا تو اس نے جھانک کر دیکھا)

اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ پھر جب میعادِ مقررہ آئے گی تو اللہ تعالیٰ تمہیں ایک ہی بار میں بلائے گا اور کہے گا: ایھا الموتیٰ اخرجوا (اے مردے! نکلو) یعنی قبور سے باہر آ جاؤ۔

ف: حقیقی داعی اللہ تعالیٰ ہے اس لیے اپنا نام لیا ورنہ اس وقت اسرافیل علیہ السلام خلقِ خدا کو بلائیں گے جب کہ آپ صخرۂ بیت المقدس پر کھڑے ہوں گے اور دوسرا صور پھونکیں گے۔

اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ۝ اس وقت تم نکلو گے۔ یہ اذا مفاجاتیہ ہے اسی لیے اس کے جواب میں فا آتی ہے۔ یہ دونوں افادۂ تعقیب میں مشترک ہیں یعنی پھر تمہارا اچانک قبور سے نکلنا ہوگا جس میں کسی قسم کی تاخیر بھی نہیں ہوگی اور نہ ہی انکار کی گنجائش۔ اسی لیے فرمایا:

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۲) اس دن یہ لوگ داعی کا اتباع کریں گے)

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ آسمان سے قلب اور ارض سے نفس مراد ہے اور وہ روح سے قائم ہیں کیونکہ وہ عالم امر کی شے ہے۔ اور بلانے سے اپنے خطاب ارجعی کا جذبہ مراد ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ وہ کریم جب نفس و قلب و روح کو اسی جذبہ (خطاب ارجعی) سے بلاتا ہے تو وہ انانیت الوجود کی قبر سے نکل کر عرصۂ وجود و شہود میں پہنچ جاتے ہیں اور یہی اخص الخواص میدانِ حشر ہے۔ یاد رہے کہ حشر کے کئی مراتب ہیں:

(۱) مرتبۂ عام —— قیامت میں اجسام کا قبور سے میدانِ حشر کی طرف نکلنا۔

(۲) مرتبۂ خاص —— دنیوی زندگی میں سیر و سلوک کے ذریعہ سے قبور اجسام وغیرہ سے ارواح اخروی کا عالم روحانیت کی طرف نکلنا، اس لیے کہ وہ اپنے ارادے سے ہی حیوانی صورت کی موت سے پہلے ہی اپنے ارادے سے صفاتِ حیوانیہ نفسانیہ سے مر چکے ہیں۔

(۳) مرتبۂ اخص —— قبور انانیہ روحانیہ سے ہویت ربانیہ کی طرف نکلنا اور یہ وہ محبوبانہ مقام ہے کہ جہاں محبوبِ خدا کے ساتھ بلا ھو لقا پاتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

۱ ہین کہ اسرافیل وقتند اولیا
مردہ را زیشان حیاتست و نما

۲ جان ہر یک مردہ اندر گور تن
می جہد ز آوازِ شان اندر کفن

۳ گوید ایں آواز ز آوازہا جداست
زندہ کردن کار آواز خداست

۴ ما بمردیم و بکلی کاستیم
بانگ حق آمد ہمہ برخاستیم

۵ بانگ حق اندر حجاب و بے حجیب
آں دہد کو داد مریم را ز جیب

۶ اے فنا تاں نیست کردہ زیر پوست
باز گردید از عدم ز آواز دوست

۷ مطلق آں آواز خود از شہ بود
گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۸ گفت او را من زبان و چشم تو
من حواس و من رضا و خشم تو

ترجمہ: (۱) خبردار! یہ اولیاء اپنے وقت کے اسرافیل ہیں۔ مردے کو انہی سے حیات و نما نصیب ہوتی ہے۔

(۲) ہر مردے کا جسم قبر میں پڑا ہوتا ہے جب ان کی آواز گونجتی ہے تو وہ اپنے کفن میں متحرک ہوتا ہے۔

(۳) کہتا ہے یہ آواز دوسری آوازوں سے جدا ہے اور مردے کو زندہ کرنا تو اللہ تعالیٰ کی آواز کا کام ہے۔

(۴) ہم مر گئے اور بالکل ختم ہو گئے تھے جونہی اللہ تعالیٰ کی آواز پہنچی تو ہم اٹھ بیٹھے۔

(۵) آوازِ حق حجاب میں ہو یا بلا حجاب، وہی ہے جس نے مریم کو گریبان کی طرف سے بچہ دیا۔

(۶) اے فنا ہونے والو! تمہیں تمہارے جسموں میں فنا کیا گیا اب زندہ ہو جاؤ اور دوست کی آواز سے عدم سے وجود میں آ جاؤ۔

(۷) یہ مطلق آواز در حقیقت بادشاہِ حقیقی کی ہے اگرچہ بظاہر بندۂ خدا کے حلقوم سے ہے۔

(۸) اس لیے کہ اس نے خود فرمایا ہے کہ اے میرے محبوب! میں تیری زبان اور آنکھ ہوں میں تیرے حواس ہوں اور تیری رضا اور ناراضگی میں ہوں۔[1]

تفسیر عالمانہ وَلَهٗ اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وہ جو آسمانوں میں ہیں یعنی ملائکہ کرام وَالْاَرْضِ اور وہ جو زمینوں میں ہیں یعنی انسان اور جن۔ کیونکہ یہ سب اسی کی تخلیق سے ہیں اور اسی کی ملک ہیں ان پر اسی کا تصرف ہے اس میں کسی کا کسی قسم کا حصہ نہیں كُلٌّ تمام کے تمام جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں لَّهٗ یہ قٰنِتُوْنَ کے متعلق ہے۔ یعنی اسی کے لیے ہیں فرمانبردار۔ یہ القنوت سے ہے بمعنی فرمانبرداری۔ اس سے طاعۃ الارادہ مراد ہے نہ کہ طاعۃ العبادۃ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ اسی طرح کرتے ہیں جیسے وہ ان کے لیے ارادہ کرتا ہے موت کا حیات کا اور مرنے کے بعد اٹھنے کا اور صحت کا اور بیماری کا وغیرہ وغیرہ۔ کیونکہ ہر حال میں یہ اس کے تابع حکم ہیں۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ وہ جو آسمانِ روحانیت میں ہیں اربابِ قلوب ہیں اور بشریت کی زمین میں اصحاب النفوس ہیں سب کے سب اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان ہیں بایں طور

---

[1] حدیث قدسی کی طرف اشارہ ہے۔ اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کہ پہلے گروہ کو صفات اللطف کا مظہر بنایا دوسرے گروہ کو صفات قہر کا مظہر بنایا اور اسی لیے ہی انہیں پیدا فرمایا۔

تفسیر عالمانہ وَهُوَ الَّذِي يَبْدَؤُا الْخَلْقَ اور وہ اللہ تعالیٰ جو مخلوق کو ابتداءً پیدا کرتا ہے یعنی دنیا میں ابتداءً انہیں پیدا کیا جیسے آدم علیہ السلام اور بی بی حوا علیہما السلام کہ ان سے بہت سے مرد و عورت پیدا ہوتے۔ پھر انہیں مارے گا جب ان کے آجال ختم ہوں گے۔

ثُمَّ يُعِيدُهُ پھر انہیں لوٹائیں گے۔ واحد کی ضمیر لفظ خلق کی وجہ سے ہے یعنی نفخ صور اسرافیل سے انہیں آخرت کی طرف لوٹائے گا پھر وہ پہلے کی طرح زندہ ہو جائیں گے۔ وَهُوَ یعنی اعادہ (لوٹانا) ضمیر واحد کی ہے اس لیے کہ یعید بتاویل (ان یعیدوا) مصدر کے معنی میں ہے أَهْوَنُ عَلَيْهِ اللہ تعالیٰ پر بہ نسبت پیدا کرنے کے آسان تر ہے۔ یعنی تمہارا اصول ہے اے انسانو! اگر تم تخلیق کو بہ نسبت لوٹانے کے مشکل سمجھتے ہو لیکن اس کے نزدیک دونوں پہلو برابر ہیں اور تم ایک کو مشکل سمجھتے ہو اور دوسرے کو آسان۔ لیکن اس کے لیے یہ کچھ بھی نہیں کیونکہ جب وہ کسی شے کے پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اُسے کہتا ہے، ہو جا۔ تو وہ ہو جاتی ہے اسے مادہ کی بھی ضرورت نہیں۔ اس تقریر پر یہ آیت مخلوق کے اعتقاد کے مطابق لائی گئی ہے کہ وہ کسی کام کو مشکل جانتی ہے اور کسی کو آسان۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے لیے کاہے کا مشکل اور کاہے کا آسان! اسی لیے کاشفی مرحوم نے لکھا کہ اے انسانو! تمہارے لیے اعادہ آسان ہے اور تخلیق ابتدائی مشکل۔ لیکن مشکل کو تو اس کے لیے مانتے ہو پھر آسان کے لیے کیوں نہیں مانتے، جبکہ اس کی قدرت دونوں کے لیے یکساں ہے ؎

۱ چون قدرت او منزہ از نقصانست
آوردن خلق و بردنش یکسانست
۲ نسبت بمن و تو ہر چہ دشوار بود
در قدرت پر کمال او آسانست

ترجمہ: (۱) جب اس کی قدرت ہر نقصان سے منزہ ہے تو پھر اسے مخلوق کا پیدا کرنا اور پھر لوٹانا دونوں برابر ہیں۔

(۲) ہمارے لیے جو شے مشکل ہے وہ اس کی قدرت باکمال کے آگے آسان سے آسان تر ہے۔

ف: بعض نے کہا کہ یہاں افعل بمعنے فعیل ہے۔ یعنی اہون بمعنے ہین ہے۔ جیسے اللہ اکبر میں اکبر بمعنے کبیر ہے۔ فرزدق نے کہا ؎

ان الذی سمک السماء بنی لنا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ترجمہ : وہ ذات جس نے آسمان کو بلند کیا اس نے ہمارے لیے ایک گھر بنادیا ہے جس کے ستون عزیز وطویل ہیں۔

ف : (مذکورہ بالا) شعر میں اعز بمعنے عزیزہ اور اطول بمعنے طویلۃ (دعائمۃ) ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اعادہ بہ نسبت بداۃ کے اس کے لیے بایں معنی آسان ہے کہ انسان سمجھتا ہے کہ جو کام خود کرے وہ مشکل ہوتا ہے اور جو دوسرا کرے وہ آسان۔ تو انسان کے تصور کو سامنے رکھ کر فرمایا کہ بداۃ الخلق میں نے خود کی اور اعادہ اسرافیل کے نفخ سے ہوگا۔ تو تمہارے تصور وخیال کے مطابق دوسرا کام پہلے کی بہ نسبت آسان ہے اور میرے لیے دونوں برابر۔ اور اسرافیل کا فعل بھی میری تخلیق ہے۔ پھر تمہیں اعادہ یعنی مرنے کے بعد اٹھنے میں اشکال کیوں!

دوسری تقریر اس تقریر میں دقت ولطافت ہے یعنی اعادہ آسان تر ہے اور ابتداءً تخلیق مشکل بایں معنی کہ ابتدا میں تم لوث حدوث سے متلوث تھے اور وجود کی گرد و غبار کی تمہیں معمولی سے معمولی خوشبو نہ تھی اس سے شرکت کا احتمال بھی نہ تھا اسی لیے اس فعل کو بلاواسطہ کیا۔ اب جبکہ تم دنیا میں آئے اور وجود پایا اور وجود میری صفت ہے اس میں اشتراک کا احتمال پایا گیا اگرچہ لفظی سہی، اسی لیے اس کا اعادہ اسرافیل کے ذمہ لگایا۔

حل لغات : قاموس میں ہے ھان، ھونا (بالضم) وھوانا ومھانۃ بمعنے ذل، وھونا بمعنے سھل فھو ھین (بالتشدید والتخفیف واھون)

تفسیر عالمانہ وَلَهُ اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہے الْمَثَلُ الْأَعْلٰى صفت بلند مرتبہ۔ مثل بمعنے صفت ہے جیسے مثل الجنۃ التی یعنی جنت کی صفت، اور ومثلھم فی التوراۃ (یعنی ان کی صفت توراۃ میں) یعنی اللہ تعالیٰ کی صفت اعلیٰ اور عجیب الشان ہے۔ مثلاً اس کی قدرت کو دیکھو تو باکمال اور عام ہے اور حکمت کو دیکھو تو تام ہے ایسے ہی اس کی جملہ صفات کا حال ہے کہ کوئی بھی اس کے مثل نہیں ہوتا چہ جائیکہ کوئی اس کی برابری کا دم بھرے۔

ف : بعض نے کہا اس سے لا الٰہ الا اللہ مراد ہے قرآن کا مطلب یہ ہے کہ وہ صفت وحدانیت میں بے مثال ہے کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور نہ اس جیسا کوئی پروردگار ہے فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ آسمانوں اور زمینوں میں۔ یہ جملہ سابقہ کے مضمون کے متعلق ہے بایں معنی کہ اس کی صفاتِ کمالیہ کا ذکر اور بیان جملہ مخلوق کی زبانوں پر ہے اور دلائل کی زبانیں واضح طور پر بول رہی ہیں کہ وہ صفاتِ کمالیہ کا مالک ہے وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ اور وہ قادر ہے کہ اسے خلق کے ابتداءً پیدا کرنے کی طاقت ہے تو اعادہ کی بھی۔ الحکیم یعنی وہ حکیم ہے کہ اس کے جملہ امور حکمت ومصلحت سے خالی نہیں ہوتے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ف: فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ آیت دلالت کرتی ہے کہ آسمان و زمین سب کے سب شواہد سے بھرے ہیں اور بیانگ دہل کہہ رہے ہیں کہ وہی واحد لا شریک ہے اور ان میں روشن دلائل موجود ہیں جو اس کی قدرت کاملہ پر دال ہیں ؎

زہر ذرّہ بہ او روے و راہیست
بر اثبات وجود او گواہیست

ترجمہ: ہر ذرہ اس کی طرف رہنما ہے اور ہر ذرہ اس کا راستہ بتاتا ہے اور ہر ذرہ اس کے وجود کے اثبات پر گواہ ہے ۔

تفسیر صوفیانہ

اہل بصیرت ہر وقت اس کے انوار کے جمال کے مطالعہ کناں ہیں اور ہر وقت اس کے اسرار کی حقیقت ان کے سامنے منکشف ہے چاہے کوئی نہیں مانتا تو اسے کہا جائے گا کہ اے بیوقوف! تو جب کسی امیر کے محل میں داخل ہوتا ہے تو پھر اس کے نقش و نگار دیکھتا ہے تو پھر تیری زبان اس محل کی تعریف و توصیف میں بند نہیں ہوتی۔ سوچ لے کہ اب تو اللہ تعالیٰ کے رنگین اور مزین محل میں گزار رہا ہے کہ اس کے اسماء و صفات و آثار جو کہ قدرت کاملہ کی نقش و نگاری سے مزین اور اس کے عجیب آثار کی آرائش سے سنوارے گئے ہیں۔ اس کے باوجود تو ان کا مشاہدہ نہیں کرتا، تو پھر تیرا دل اندھا ہے اسی اندھے پن کے باعث تو اپنے قلب کے بیت میں داخل نہیں ہو سکتا کہ جس سے تجھے غور و فکر کا موقعہ نصیب ہوتا جبکہ دل میں حقائق موجود ہیں جن کو عمل میں لا کر انسان کو غور و فکر کی توفیق ملتی ہے اور اسی سے اسے شہود نصیب ہوتا ہے جس سے وہ آیات کو دیکھتا اور بینات کو پاتا، اگر ہدایت حق نصیب نہ ہو تو بندہ ہمیشہ گمراہی کے اندھیروں میں اور پردۂ جلال کے باہر بھٹکتا پھرے ۔

حکایتِ غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ

ایک بزرگ لکھتے ہیں کہ میں بستر پر سو رہا تھا کہ میں نے پرندوں سے تسبیح کی آواز سنی تو اس سے ہی مجھے توبہ کا موقعہ میسر آیا۔ آواز سنتے ہی میں دنیا سے کنارہ کش ہو گیا اور مرشد کامل کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ مجھے ابو العباس حضرت خضر علیہ السلام ملے اور فرمایا: تو شیخ عبد القادر جیلانی محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ کے پاس چلا جا۔ میں ابھی ان کی مجلس میں ہی تھا اور آپ فرما رہے تھے: ایک بندۂ خدا کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنا بنا لیا ہے اور مجھے فرمایا کہ تمہیں وہ مل جائے تو اسے میرے پاس بھیج دینا۔ فرماتے ہیں، حضرت خضر علیہ السلام سے پیام سن کر میں حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچ گیا آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا: مرحبا! تو وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے پرندوں کی تسبیح سے ہدایت کا موقعہ بخشا اور تیرے لیے خیر کثیر جمع فرمائی۔

سبق: اس سے معلوم ہوا کہ جملہ عالم کی ہر شے اللہ تعالیٰ کی روشن دلیل ہے اس سے بندہ مولیٰ کو

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattori

مل سکتا ہے۔ اے سالک! تم پر لازم ہے کہ توحید کا دامن تھامے، رات دن اسی مشغلہ میں زندگی بسر کرے۔ تمام اوراد و وظائف سے بہتر و برتر یہی وظیفہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ولذکر اللہ اکبر۔

اور ذکر الٰہی ہی حضورِ الٰہی کا اعلیٰ سبب ہے بلکہ اس کے مشاہدہ کا بہترین عمل۔ لیکن یہ سب کچھ اس کی مہربانی پر موقوف ہے ورنہ جسے اس کی عنایت حاصل نہ ہو وہ محروم ہی محروم ہے

یاذا الذی انس الفؤاد بذکرہ

انت الذی ما ان سواک ارید

تفنی اللیالی والزمان باسرہ

وھواک غض فی الفؤاد جدید

ترجمہ: اے وہ ذات جس کے ذکر سے دل بہلتا ہے تو وہ ہے کہ میں تیرے سوا کسی کو نہیں چاہتا ہوں، تمام راتیں اور زمانے مٹ جائیں گے اور تیری ہی محبت میرے دل میں ہے اور تو ہی باقی رہنے والا ہے۔

حکایت ذوالنون مصری قدس سرہٗ

سیدنا ذوالنون مصری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں نے جبل لکام پر ایک حسین و جمیل اور شیریں زبان نوجوان کو دیکھا جو محبت اور عشق سے جل کر شکوک گیا تھا۔ میں نے اسے السلام علیکم کہا۔ وہ سلام کا جواب دے کر مجھے جھانک کر کہنے لگا:

۱ اعمیت عینی عن الدنیا وزینتھا

فانت والروح شئ غیر مفترق

۲ اذا ذکرتک وافی مقلتی ارق

من اول اللیل حتی مطلع الفلق

۳ وما تطابقت الاحداق عن سنۃ

الا رأیتک بین الجفن والحدق

ترجمہ: (۱) میری آنکھیں دنیا اور اس کی زینت سے اندھی ہو گئیں، بس تو اور میری روح مجھ سے جدا ہونے والے نہیں۔

(۲) جب میں تجھے یاد کرتا ہوں تو میری آنکھیں آنسو بہاتی ہیں جو لگاتار اول رات سے طلوع صبح تک جاری رہتی ہیں۔

(۳) اور نہ ہی میری آنکھیں نیند سے بند ہوتی ہیں اس طرح میں گویا تجھے اپنی آنکھوں میں بٹھا کر دیکھتا رہتا ہوں۔

(بقیہ صـــ ۱۲۸ پر)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ

تمہارے لیے ایک کہاوت بیان فرماتا ہے خود تمہارے اپنے حال سے کیا تمہارے لیے تمہارے ہاتھ

مِّنْ شُرَكَآءَ فِیْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِیْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِیْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ

کے مال غلاموں میں سے کچھ شریک ہیں اس میں جو ہم نے تمہیں روزی دی تو تم سب اس میں برابر ہو تم ان سے ڈرو جیسے آپس میں

كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝٢٨ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ

ایک دوسرے سے ڈرتے ہو ہم ایسی مفصل نشانیاں بیان فرماتے ہیں عقل والوں کے لیے بلکہ ظالم اپنی خواہشوں کے پیچھے ہو لیے

بِغَیْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ یَّهْدِیْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ۝٢٩ فَاَقِمْ

بے جانے تو اسے کون ہدایت کرے جسے خدا نے گمراہ کیا اور ان کا کوئی مددگار نہیں تو اپنا منہ

وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ؕ لَا تَبْدِیْلَ

سیدھا کرو اللہ کی اطاعت کے لیے ایک اکیلے اسی کے ہو کر اللہ کی ڈالی ہوئی بنا جس پر لوگوں کو پیدا کیا اللہ کی بنائی چیز نہ

لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۙۗ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝٣٠ مُنِیْبِیْنَ

بدلنا یہی سیدھا دین ہے مگر بہت لوگ نہیں جانتے اس کی طرف

اِلَیْهِ وَ اتَّقُوْهُ وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝٣١ مِنَ الَّذِیْنَ

رجوع لاتے ہوئے اور اس سے ڈرو اور نماز قائم رکھو اور مشرکوں سے نہ ہو ان میں سے جنہوں نے اپنے

فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِیَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝٣٢ وَ اِذَا مَسَّ

دین کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا اور ہوگئے گروہ گروہ ہر گروہ جو اس کے پاس ہے اسی پر خوش ہے اور جب لوگوں کو تکلیف

النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِیْبِیْنَ اِلَیْهِ ثُمَّ اِذَاۤ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا

پہنچتی ہے تو اپنے رب کو پکارتے ہیں اس کی طرف رجوع لاتے ہوئے پھر جب وہ انہیں اپنے پاس سے رحمت کا مزہ دیتا ہے جبھی

فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ یُشْرِكُوْنَ ۝٣٣ لِیَكْفُرُوْا بِمَاۤ اٰتَیْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا ۥ

ان میں سے ایک گروہ اپنے رب کا شریک ٹھہرانے لگتا ہے کہ ہمارے دیے کی ناشکری کریں تو برت لو اب

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝٣٤ اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَیْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ یَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ

قریب جاننا چاہتے ہو یا ہم نے ان پر کوئی سند اتاری کہ وہ انہیں ہمارے شریک بتا رہی ہے

یُشْرِكُوْنَ ۝٣٥ وَ اِذَاۤ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ؕ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌۢ

اور جب ہم لوگوں کو رحمت کا مزہ دیتے ہیں اس پر خوش ہوجاتے ہیں اور اگر انہیں کوئی برائی پہنچے

بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ اِذَا هُمْ یَقْنَطُوْنَ ۝٣٦ اَوَ لَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ

بدلہ اس کا جو ان کے ہاتھوں نے بھیجا جبھی وہ ناامید ہوجاتے ہیں اور کیا انہوں نے نہ دیکھا کہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝

اللہ رزق وسیع فرماتا ہے جس کے لیے چاہے اور تنگی فرماتا ہے جس کے لیے چاہے بیشک اس میں نشانیاں ہیں

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ

ایمان والوں کے لیے تو رشتہ دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو یہ بہتر ہے ان کے لیے جو اللہ

یُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ؗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَاۤ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا

کی رضا چاہتے ہیں اور انہیں کا کام بنا اور تم جو چیز زیادہ لینے کو دو

لِّیَرْبُوَاۡ فِیْۤ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَاۤ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ

کہ دینے والے کے مال بڑھیں تو وہ اللہ کے یہاں نہ بڑھے گی اور جو تم خیرات دو اللہ کی رضا

تُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ

چاہتے ہوئے تو انہیں کے دونے ہیں اللہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا

ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ یَّفْعَلُ

پھر تمہیں روزی دی پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں جلائے گا کیا تمہارے شریکوں میں بھی کوئی ایسا ہے

مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَیْءٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝

جو ان کاموں میں سے کچھ کرے پاکی اور برتری ہے اسے ان کے شرک سے

تفسیر عالمانہ ضَرَبَ لَكُمْ اے مشرکو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے بیان فرمائی ہے مَثَلًا کہاوت جس سے شرک کا بطلان واضح فرمایا ہے مِّنْ اَنْفُسِكُمْ تمہارے نفسوں سے مِن ابتدائیہ ہے یعنی یہ کہاوت تمہارے نفوس کو باقی امور و احوال سے قریب تر ہے جسے تم بھی خوب جانتے ہو ضرب المثل، ضرب الدرهم سے ہے جیسے درہم پر مہر کا اثر دیرپا ہے ایسے ہی مثال کا اثر قلب پر دیرپا رہتا ہے یا جیسے درہم پر مہر کا اثر دوسرے کو اپنے نشان کی خبر دیتا ہے ایسے ہی کہاوت دوسروں کو عبرت دلاتی ہے۔ اور کہاوت ہر وہ قول جو دوسرے کے مشابہ ہو کر ایک کے ذکر سے دوسرے کو ظاہر کیا جاسکے۔

شانِ نزول حضرت ابو اللیث رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ آیت اُن کفار کے متعلق نازل ہوئی جو بتوں کی پرستش کے باوجود حج پڑھتے اور احرام باندھ کر کہتے،

لبیک لا شریک لك الا شریك هو لك تملكه وما ملك۔

(میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اس کے جو وہ تیرا ہے اور تو اس کا مالک ہے اور اس کے دیگر امور کا بھی تو مالک ہے)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ربط: مثل مذکور کی مزید وضاحت فرمائی کہ هَلْ لَّكُمْ یعنی تمہارا کوئی ہے مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ جن کے تم مالک ہو اپنے غلاموں اور کنیزوں کے مِّنْ شُرَكَآءَ شریکوں میں سے۔ مِن زائدہ ہے اس نفی کی تاکید کرتا ہے جو استفہام میں ہے فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ ان امور میں جو ہم نے تمہیں عطا فرمائے ہیں اموال واسباب میں سے تو بتاؤ تم اپنے معاملات میں کسی دوسرے کی شرکت پر راضی ہو اب شرکت کی تحقیق فرمائی فَاَنْتُمْ فِيْهِ بتاؤ کیا وہ اور تم اپنے مملوکہ امور میں جو ہمارے عطا کردہ ہیں سَوَآءٌ برابر ہو سکتے ہیں کہ جیسے تم ان میں تصرف کرتے ہو ویسے وہ بھی کرتے ہیں۔

ترکیب: الحواشی میں ہے کہ یہ جملہ محلاً منصوب استفہام کا جواب ہے۔

تَخَافُوْنَهُمْ یہ انتم کی دوسری خبر ہے اور یہ بھی استفہام انکاری میں داخل ہے۔ یعنی تم مملوکہ امور کے متعلق خوفزدہ ہو جاتے ہو کہ کہیں وہ تصرف کر کے مستقل طور پر مالک نہ بن جائیں كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ یہاں انفسکم بمعنے امثالکم ہے یعنی وہ جو تمہارے جیسے امور و اشیاء کے مالک ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ تم اپنے جیسے لوگوں سے خوفزدہ ہوتے ہو جبکہ وہ تمہارے امور و اشیاء مذکورہ کے تمہارے ساجھی ہو جائیں۔ یہ ایسے ہے جیسے لا تلمزوا انفسکم (ایک دوسرے پر عیب نہ لگاؤ) یہاں پر جملہ مذکورہ کے مضمون کی نفی مراد ہے۔

خلاصہ تفسیر تم اپنے مملوکہ اموال واسباب (جو تمہارا چند روزہ عاریت کے طور پر ہے اور تمہارا پیدا کردہ بھی نہیں) میں اپنے جیسے انسانوں کی شرکت پسند نہیں کرتے تو پھر تم اپنے معبود حقیقی کی معبودیت (جو اس کی ذاتی خصوصیت ہے) میں انہیں کیوں اس کا شریک ٹھہراتے ہو جو اس کی پیدا کردہ بلکہ وہ ایسی اشیاء ہیں جنہیں تم خود اپنے ہاتھ سے بناتے ہو پھر انہیں پوجتے ہو۔

ص ۱۲۵ سے آگے

حضرت ذوالنون قدس سرہٗ نے فرمایا "میں نے اس سے پوچھا، وہ کون ہے جس کی محبت میں تو دنیا سے علیحدہ ہو گیا اور دوستوں سے دور جنگلوں اور ویرانوں میں حیران پھرتا ہے اور پہاڑوں میں بسیرا کر لیا۔ جواب دیا کہ میرا وہی محبوب ہے جس نے مجھے حیران کر ڈالا اور اس کے شوق نے مجھے اس طرح بنا دیا اور اس کے عشق نے مجھے تنہا کر ڈالا۔ اس کے بعد کہا، اے ذوالنون! تمہیں پاگلوں کی باتیں بھلی لگتی ہیں۔ میں نے کہا، بخدا آپ کی باتوں نے مجھے نڈھال کر دیا۔ اس کے بعد وہ غائب ہو گیا، نجانے کہاں گیا! اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو، اور ہمیں بھی اس کے حال سے کچھ حصہ نصیب فرمائے اور اس کا طریقہ ہم کو بھی حاصل ہو، وہی عزیز و حکیم جواد و رؤف بالعباد، اور قیامت کے دن اللہ پر رحیم امیدواروں کی مرادوں تک پہنچانے والا ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

توضیحِ کاشفی مرحوم ملا کاشفی مرحوم بعض تفاسیر سے نقل کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

کلا و اللہ لا یکون ذلک ابدا۔

یعنی ہرگز ایسا نہ ہوگا۔ پھر کفارِ قریش کو فرمایا،

جب تم اپنے جیسے بندوں کو اپنے مال میں شریک کرنا گوارا نہیں کرتے تو پھر اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اس کی عبادت میں کیوں شریک کرتے ہو!

۱ خلق چوں بندگان سر در پیش
مانده دربند حکم خالق خویش
۲ جملہ ہم بندہ اند و ہم بندی
نرسد بندہ را خداوندی

ترجمہ (۱) مخلوق اپنے خالق کے حکم کے آگے بندوں کی طرح سر جھکائے ہوئے ہے۔
(۲) تمام بندے اسی کی قید میں ہیں کسی بندے کو خداوندی لائق نہیں۔

مسئلہ: آیت میں اشارہ ہے کہ بندے کے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے کیونکہ بتایا گیا ہے کہ بندوں کو اس کے ساتھ کوئی مشارکت نہیں اس نے ہمیں جو مال و اسباب عطا فرمایا ہے اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

تفسیرِ صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے پر اپنے کمال و جمال کے انوار کی تجلی ڈالتا ہے حتیٰ کہ بندے کے خلائی اوصاف مٹ جاتے ہیں۔ اس معنیٰ پر اس کی ذات وصفات کے کمال میں اس کا کوئی شریک نہ ہوگا کیونکہ درحقیقت تمام کمالات اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ تجلی میں حلول کرتا ہے یا وہ اللہ تعالیٰ کا جزو بن جاتا ہے یا بندہ خدا یا خدا بندہ ہو جاتا ہے اس لیے کہ اس کی شانِ کبریائی کے خلاف ہے کہ وہ کسی کا جز یا مثل ہو۔ اس کی شان عظیم ہے کوئی شے اس کا جز یا مثل نہیں، وہ سمیع بصیر ہے۔

تفسیرِ عالمانہ کَذٰلِکَ اسی تفصیل واضح کی طرح نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ ہم توحید کے ایسے دلائل بیان کرتے ہیں کہ اس جیسی اور کوئی تفصیل نہ ہوگی کیونکہ تمثیل محض معانی معقولہ کو صورتِ محسوسہ سے مثال دے کر سمجھنا آسان ہو جاتا ہے لِقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ○ ان لوگوں کے لیے جو عقلمند ہیں یعنی وہ لوگ جو امور و امثال کے تدبر میں عقول کو عمل میں لاتے ہیں اور جاہل ظالم ایسی باتوں کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔

ربط: ایمان کے خطاب سے اعراض کرکے ان کی حق کی اتباع کا محال ہونا بتایا کہ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا بلکہ انہوں نے کچھ نہ سمجھ کر اتباع کیا اَھْوَآءَھُمْ اپنی خواہشات کا۔

ف: الھویٰ یعنی شہوت کی طرف نفس کا میلان۔

سوال: ضمیر کی بجائے الذین اسم موصول کیوں لایا گیا؟

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

جواب (۱) کہ جب ثابت ہو کہ وہ بے اتباع خواہشات کی وجہ سے ہی ظالم ہیں بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ ایسا حال یعنی کرو اپنے کرتوت میں ایسے جاہل ہیں کہ انہیں اس بری عادت سے کوئی شے نہیں روک سکتی اس لیے کہ عالم جب خواہش انسانی کی اتباع کرتا ہے تو اسے علم اس سے روک لیتا ہے۔

فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے اسے پھر کون ہدایت دے سکتا ہے یعنی جب اللہ تعالیٰ بندے کے اپنے اختیار پر گمراہی پیدا کرتا ہے تو اس کا کوئی ہادی نہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے گمراہ کردہ کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا وَمَا لَهُمْ اور جنہیں اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے ان کے لیے کوئی نہیں۔ ھُم — من کے جمع کے معنی کی وجہ سے ہے۔ اس سے مشرکین مراد ہیں مِنْ نّٰصِرِيْنَ ○ کوئی مددگار جو انہیں گمراہی سے نجات دلائیں یا آفات و عذاب الٰہی سے نجات دلائے یا آفات و عذاب الٰہی سے حفاظت کرے۔ یعنی ان کا کوئی ایک مددگار بھی نہیں۔ جیسے قاعدہ ہے کہ جمع کے مقابلے میں جمع کا صیغہ ہو تو ہر ایک فرد اپنے دوسرے ہر فرد کے بالمقابل آ جاتا ہے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ آیت میں اضلال اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے اور دوسری آیت قد ضلوا میں بندوں کی طرف منسوب ہے۔ قدریہ اس کے منکر ہیں یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف اضلال کی نسبت کے منکر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ گمراہی بندوں کی اپنی پیدا کردہ ہے۔ اور جبریہ اس کے منکر ہیں کہ گمراہی بندے کی طرف منسوب ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بندے کو کسی قسم کا اختیار نہیں کیونکہ ہر فعل اللہ تعالیٰ کا ہے لیکن مذہب حق اہلسنت میں یہ ہے کہ اضلال یعنی تخلیق ہدایت اللہ تعالیٰ کی ہے اور ضلال (کسب گمراہی) بندے کی۔ اور اسی طرح دونوں قرآن مجید میں واقع ہیں اور اس کا قاعدہ ہم نے بیان کر دیا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ در ہر آں کارے کہ میلستت بداں
قدرت خود را ہمی بینی عیاں
۲ در ہر آں کارے کہ میلت نیست خواست
اندراں جبری شدی کیں از خداست
۳ انبیا در کار دنیا جبری اند
کافراں در کار عقبیٰ جبری اند
۴ انبیا را در کار عقبیٰ اختیار
جاہلاں را کار دنیا اختیار

ترجمہ (۱) جس کام کا تجھے میلان ہے اپنی طاقت اس میں ظاہر دیکھتا ہے۔
(۲) جس میں تیرا میلان نہیں اس میں تو جبری بن جاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اختیار میں ہے۔

(۳) اغنیاء دنیا کے کاموں میں جبری ہیں اور کافر آخرت کے امور میں جبری ہیں۔

(۴) انبیاء کو آخرت کے امور پسند ہیں اور جاہلوں کو دنیا کے کام مرغوب ہیں۔

تفسیرِ صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ عمل اگر عقلِ سلیم کے مطابق ہو تو وہ ہدایت ہے اور تقلیدِ جہالت سے ہو تو ہوا (خواہشِ نفسانی) ہے جیسے اہلِ ہدایت ہمیشہ منصور (فتحیاب) ہیں تو ایسے ہی اہلِ ہوا دائماً مخذول (رسوا) ہیں اور خذلان اور اتباعِ ہوا دنیا میں معنوی عذابِ الٰہی ہے۔ اسی لیے توبہ سے عفو کا دروازہ کھٹکھٹانا اور طریقِ تحقیق پر چلنا اور ہوا و بدعت سیئہ سے اعراض ضروری ہے کیونکہ یہ دونوں بُرے رفیق ہیں۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:

۱ غبارِ ہوی چشمِ غفلت بدوخت
سمومِ ہوس کشتِ عمرت بسوخت

۲ وجودِ تو شہریست پر نیک و بد
تو سلطان و دستور دانا خرد

۳ ہوا و ہوس را نماند ستیز
چو بینند سرپنجۂ عقل تیز

ترجمہ: (۱) غبارِ خواہشات نے تیری عقل کو سی دیا ہے۔ ہوس کی لُو نے تیری عمر کی کھیتی جلادی ہے۔

(۲) تیرا وجود نیک اور بُروں سے پُر ایک شہر ہے تو خود بادشاہ ہے اور تیری عقل وزیر ہے۔

(۳) ہوا و ہوس کو جنگ کی طاقت نہیں رہیں گی جب دیکھیں گے کہ عقل کا سرپنجہ تیز ہے۔

ف: وہ خواہشِ نفسانی مذموم ہے جس میں دُنیاوی خواہشات یا ماسوی اللہ کا میلان شامل ہو اور وہ خواہش ممدوح ہے جس میں عقبیٰ اور اس کے درجات بلکہ ماسوی اللہ سے قلب خالی کرکے اللہ تعالیٰ کی طرف میلان ہو۔

کرامت ایک بزرگ نے فرمایا کہ میں نے ایک صاحبِ حال نوجوان کو چند پیسے دیئے اس نے لینے سے انکار کیا۔ میں نے بہت الحاح وزاری کی اس نے ریت کی مٹھی بھر کر اپنے تھیلے میں ڈال کر دیکھا تو وہ پانی سے پُر تھا۔ پھر میں نے کہا، کھانے کو جی چاہے تو کھالو۔ میں نے غور سے دیکھا تو بہت میٹھی سویاں تھیں۔ پھر فرمایا: جس کا یہ حال ہو وہ چند ٹکوں کا کیا کرے گا! اس کے بعد یہ اشعار پڑھے

۱ بحق الهوى يا اهل ودى تفهموا
لسان وجود بالوجود غريب

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حرام علی قلب تعرض للھوی
یکون لغیر الحق فیہ نصیب

ترجمہ: (۱) محبت کے صدقے محبت والا محو وجود کی زبان وجود سے غریب ہے۔
(۲) وہ دل جو خواہش کے درپے ہے اسے غیر حق سے حصہ نصیب ہوگا۔

سبق سالک پر لازم ہے محبت وعشق کی ہدایت اور مقصد صدق میں منزل ذوق پر پہنچنے کا سوال کرے اس لیے کہ ما سوی اللہ وبال اور وہم وخیال ہے جو حقیقت کا خواہشمند ہے تو اسے چاہیے کہ وہ لفظ کو چھوڑ کر معنیٰ کا طلب گار ہو۔

تفسیر عالمانہ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ تو اپنے چہرے کو دین کی طرف سیدھا رکھے۔

حل لغات: الاقامۃ بمعنے برپا اور سیدھا کرنا، کما فی تاج المصادر، الوجہ بمعنے عضو مخصوص۔ کبھی اس سے ذات مراد ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ومن یسلم وجہہ۔

(اور جو اس کی ذات کی طرف جھک جائے)

الدین دراصل طاعت کو کہا جاتا ہے اور جزا کو بھی دین کہتے ہیں۔ اور شریعت کے لیے استعارہ کے طور پر بولتے ہیں اور دین وملت کے درمیان اعتباری فرق ہے۔ شریعت بایں معنیٰ ہے کہ اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کی جاتی ہے اور اس حیثیت سے کہ وہ لکھی جاتی ہے وہ ملت ہے اور املال بمعنے املاء (کہنے والے کی بات کو لکھنا) اور اقامۃ الوجہ للدین بمعنیٰ دین کی طرف متوجہ ہونا، اس پر استقامت اور اس کے اسباب کی ترتیب کے اہتمام کی تمثیل ہے اس لیے کہ جو بھی کسی محسوس بالبصر شے کا اہتمام کرتا ہے تو اسے ٹکٹکی لگا کر دیکھنا اور چہرے کو اس طرف پھیر لینا اور اس کی طرف مکمل طور متوجہ ہو جاتا ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے محبوب مدنی صلی اللہ علیہ وسلم! جب مشرکین کا یہ حال ہو کہ وہ خواہشات نفسانی میں منہمک ہوں اور ہدایت سے روگردانی کریں تو آپ دین حق (جو کہ دین اسلام ہے) کی طرف متوجہ ہو جائیے بلکہ دائیں بائیں جانب توجہ کیے بغیر دین کی اشاعت میں ہمہ تن مشغول ہو جائیے۔

حَنِيْفًا درانحالیکہ آپ تمام ادیان باطلہ سے منہ موڑ کر دین حق کی طرف اپنے چہرے کو پھیریئے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حنیفاً، دین سے حال ہو۔ حنیف وہ ہوتا ہے جو اسلام کی طرف صحیح طور پر میلان رکھے اور اس پر ثابت قدم ہو۔

حل لغات: قاموس میں ہے کہ الحنف بمعنے گمراہی سے راہ حق کی طرف مائل ہونا۔

مفردات میں ہے:

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

الحنف میل من الضلال الی الاستقامت و تحنف فلان تحری طریق الاستقامۃ وسمت العرب کل من اختتن او حج حنیفا تنبیها علی انه علی دین ابراهیم علیه السلام ۔

(حنف گمراہی سے دور رہنا اور ثابت قدم رہنا۔ فلاں نے طریق استقامت کی سعی کی اور اہل عرب ختنہ اور حج کرنے والے کو حنیف کہتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہے)

زمخشری کی بلاغات سے ہے کہ الجود والحلم حاتمی واحنفی اور دین وعلم حنیفی وحنفی ہیں اس لیے کہ جود حاتم طائی کی طرف اور حلم احنف بن قیس کی طرف اور دین ابراہیم علیہ السلام حنیف کی طرف اور علم ابوحنیفہ (رضی اللہ عنہ) کی طرف منسوب ہیں۔

ف: آیت میں الوجہ واقع ہے بمعنے وہ شے جس کی طرف توجہ کی جائے۔ اور عمل اور دین بھی وہ ہیں کہ جن کی طرف انسان کی توجہ ہوتی ہے کہ اس میں سیدھا جانا اور قائم ہونا پڑتا ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اپنے دین میں خلوص کیجئے اور عمل کو صحیح رکھئے درانحالیکہ آپ منسوخہ اور باطلہ و تحریف شدہ ادیان سے مکمل طور پر منہ پھیر لیجئے۔

فِطْرَتَ اللّٰہِ

حل لغات: فطرۃ بروزن و بمعنے الخلقۃ ہے۔ فطرہ کے صدقہ کو اس لیے فطرہ کہا جاتا ہے کہ وہ انسان مفطور بمعنے مخلوق کا صدقہ ہے اس لیے اس کا انجام یہی ہے کہ وہ صدقہ انسان کے سر کی زکوٰۃ ہے اور یہاں پر فطرۃ بمعنے توحید اور دین اسلام کی قابلیت جس میں کسی قسم کا انکار نہ ہو۔ امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی فطرۃ کا معنیٰ یہ ہے کہ اس نے شئی ایجاد فرمائی اور انسان کی قوت فعل کو معرفت ایمان پر مرکوز فرمایا جس کا اشارہ آیت ذیل میں ہے:

ولئن سألتهم من خلقهم ليقولن الله ۔

(ان سے پوچھو کہ انہیں کس نے پیدا فرمایا تو وہ کہیں گے اللہ تعالیٰ نے)

ترکیب: فطرۃ اللہ کا منصوب ہونا فعل محذوف کی وجہ سے ہے جو کہ الزموا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی فطرت کو لازم پکڑو، اور یہ خطاب سب کو ہے جیسا کہ اس کے بعد منیبین کی تصریح بتاتی ہے۔

سوال: اگر یہ خطاب سب کو ہے تو پھر اس کے بعد آقِمْ واحد کا صیغہ کیوں؟

جواب: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ تمام امت کے امام ہیں اس لیے آپ کا ہر خطاب گویا تمام کو ہے۔ اور اس پر التزام کا مطلب یہ ہے کہ اس کے احکام کے مطابق عمل کرنا اور اس میں کسی قسم کا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

خلل نہ ڈالنا۔ ایسا نہ ہو کہ ذہنی تو اسلام کا ہو لیکن اس کے خلاف اتباعِ نفس اور شیطان کے زیرِ فرمان ہو۔

الَّتِیۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیۡہَا وہ فطرت جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا فرمایا۔ یہ فطرۃ اللہ کی صفت اور اس کے امر محذوف کی تاکید ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا پیدا کرنا اس لیے کہ اس کے بندے حق کو قبول کریں اور اس پر پورے طور استقامت اور مضبوطی رکھیں یا اس لیے کہ بندے ملتِ اسلام کے تمام موجبات پر عمل کریں اور قطعی طور انہیں مضبوطی سے تھامے رکھیں اس لیے کہ اگر وہ اسلام پر مضبوط رہیں گے تو وہ اس کے لوازمات پر عمل کر سکیں گے پھر وہ اس ملتِ اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو طلب نہیں کریں گے اگر کوئی اس سے منہ پھیریں گے تو انہیں شیاطین (جن و انس) گمراہ کریں گے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

حدیثِ قدسی کل عبادی خلقت حنفاء فاجتالتھم الشیاطین عن دینھم و امروھم ان یشرکوا بی غیری۔

(تمام بندے حنیف (سیدھے راہ والے ہو کر) پیدا ہوتے ہیں پھر انہیں شیاطین (جن و انسان) انہیں سچے دین سے گمراہ کرتے ہیں اور انہیں حکم دیتے ہیں کہ وہ میرے (اللہ کے ساتھ غیر کو شریک کریں)

حلِ لغات: الاجتیال جیم کے ساتھ، الجول سے مشتق ہے۔ یعنی شیطان انہیں جھٹکا مارتا تو وہ اس کے قابو میں آجاتے ہیں۔ اہلِ عرب کہتے ہیں:

اجتال الرجل الشیٔ بمعنٰی ذھب بہ و ساقہ۔

یعنی وہ شخص اسے لے گیا۔ کذا فی تاج المصادر۔

ابن الکمال اپنی کتاب نگارستان میں یوں رقمطراز ہیں: ؎

۱ پسر بسلامت زاید از مادر بسے
آں استقامت را پذیرد از پدر

۲ صدق محض است ایں کہ گفتم شاہدش
در خبر وارد شد از خیر البشرؐ

ترجمہ: (۱) بچہ تو ماں سے سلامتی پر پیدا ہوتا ہے پھر وہ باپ کے طریقے پر چلتا ہے۔
(۲) یہ بات سچی ہے اس پر میں گواہ پیش کرتا ہوں وہ یہ کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حدیث شریف ما من مولود الا وقد یولد علی فطرۃ الاسلام ثم ابواہ یہودانہ وینصرانہ ویمجسانہ کما تنتج البہیمۃ بہیمۃ ہل تحسون فیہا من جدعاء ۔

(ہر بچہ فطرۃ الاسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر ماں باپ اسے یہودی بنا دیتے ہیں یا نصرانی یا مجوسی۔ اس کی مثال اس جانور کے بچے کی طرح ہے کہ وہ صحیح وسالم پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ جب وہ بڑا ہوتا ہے تو پھر تم خود ہی اس کا کان اور ناک کاٹتے ہو)

شرح الحدیث اس حدیث کا معنیٰ یہ ہوا کہ انسان ابتدائے تخلیق میں فطرتِ سلیمہ پر ہوتا ہے اس میں ایسی طبیعت رکھی گئی ہے کہ دین کو قبول کرے۔ اگر اسے اسی حالت میں چھوڑا جاتا تو وہ کبھی اصل سے پھرا نہ ہوتا اس لیے کہ دین کا اصل حسین وجمیل ہے لیکن وہ جب آفاتِ بشریہ اور تقلیدِ سوء کا شکار ہوتا ہے تو پھر دینِ حق سے روگردانی کرتا ہے۔

؎

۱ با بداں یار گشت ہمسرِ لوط
خاندانِ نبوتش گم شد
۲ سگِ اصحابِ کہف روزے چند
پئے نیکاں گرفت و مردم شد

ترجمہ (۱) لوط علیہ السلام کی زوجہ بُروں کے ساتھ ہوئی تو نبوت کے خاندان سے دفع ہو گئی۔

(۲) اصحابِ کہف کے ساتھ کتّے نے چند روز نیک لوگوں کے ساتھ گزارے تو وہ آدمی بن گیا

سوال: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الغلام الذی قتلہ الخضر طبع کافرا۔

(بے شک وہ بچہ جسے خضر علیہ السلام نے قتل کیا اس کی طبیعت میں کفر تھا)

جواب: (۱) حضور علیہ السلام نے فرمایا:

کل مولود یولد علی الفطرت۔

(سب مولود فطرت پر پیدا ہوتے ہیں)

یہاں پر فطرت سے مراد قبولِ اسلام کی استعداد ہے جیسا کہ اوپر گزرا ہے۔ یہ اس کے منافی نہیں جو جبلّۃً بدبخت ہو جائے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(٢) آیت میں فطرۃ سے الست بربکم کا جواب لفظ بلیٰ مراد ہے۔

(٣) امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا،

چونکہ اس لڑکے کے ماں باپ مومن تھے اس لیے وہ لڑکا بھی مومن تھا۔ لیکن اس کی تاویل یہ ہو سکتی ہے کہ اگر وہ لڑکا زندہ رہتا تو کافر ہو جاتا۔

سوال: اگر فطرۃً اسلام حاصل ہوتا ہے تو اصل کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ عوارض کا، کیونکہ عوارض بالآخر عوارض ہیں۔

جواب: (١) دنیا کے احکام انہی عوارض پر مرتب ہوتے ہیں اس لیے یہاں عوارض کا اعتبار ہوگا نہ کہ فطرت اسلام کا۔ اسی لیے اس ایمان کا اعتبار ہے جو اسے اپنے ارادے کے طور حاصل ہوتا ہے۔

(٢) حدیث شریف میں اس کا جواب موجود ہے وہ یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

فابواہ یہودانہ۔

(اسے اس کے والدین یہودی بنا دیتے ہیں)

اس میں اس کے پاس ایمان فطری ہے تو اس کے والدین اسے یہودی وغیرہ بنا رہے ہیں۔ کما فی کشف الاسرار۔

٣ مذہب

ہر انسان کی زندگی میں تین مذاہب ہوتے ہیں،

(١) مذہب مادر و پدر اور عوام شہر جسے ما من مولود الخ میں ذکر کیا گیا ہے۔

(٢) مذہب بادشاہ، اگر ولایت کا بادشاہ عادل ہوگا تو اس کے اکثر افسران عادل ہوتے ہیں اگر وہ ظالم ہوگا تو اس کے اکثر افسران ظالم ہوتے ہیں اگر وہ زاہد ہوگا تو وہ بھی زاہد ہوگا اگر دانا ہوگا تو وہ دانا ہوں گے۔ اگر وہ حنفی مذہب ہوگا تو وہ بھی حنفی۔ اگر وہ شافعی ہوگا تو وہ بھی شافعی ہوں گے۔

یہ ان کا حال ہے جو بادشاہ کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے اور اکثریت بادشاہوں کے قرب کی خواہاں ہوتی ہے۔ یہی الناس علی دین ملوکہم کا معنیٰ ہے۔

(٣) مذہب یار، اس لیے کہ دوست کے مذہب کا اثر دوست پر پڑتا ہے۔ لیکن یہاں پر دوست سے وہ مراد ہے جو ظاہری و باطنی طور اپنے دوست سے مشابہت رکھتا ہو۔ المرء علی دین خلیلہ سے یہی مراد ہے ؎

عن المرء لا تسأل و ابصر قرینہ
فکل قرین بالمقارن یقتدی

ترجمہ: کسی کو سمجھنا ہے تو اس کے دوست کو دیکھ لے۔ کیونکہ دوست دوست کی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اقتدا کرتا ہے۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

نفس از ہم نفس بگیرد خوے
بر حذر باش از لقاے خبیث
باد چوں بر فضاے بد گزرد
بوے بد گیرد از ہواے خبیث

ترجمہ: (۱) انسان کو انسان کی عادت لے جاتی ہے لہٰذا خبیث انسان کا دیکھنا بھی گوارا نہ کرنا۔

(۲) ہوا جب گندی جگہ سے گزرتی ہے تو وہ بھی بدبودار ہو جاتی ہے۔

لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں۔ یہ لزوم فطرت کے امر کی تعلیل ہے یعنی کوئی پوچھے کہ لزوم فطرت کیوں؟ تو جواب میں فرمایا، لا تبدیل لخلق اللّٰہ۔ یعنی اسلام کی صحت و استقامت میں کسی قسم کا خلل نہیں آئے گا اور جیسے اس کے تقاضے ہیں اسی طرح ہوگا۔ نہ اس میں خواہشات کی اتباع ہوتی ہے نہ اس میں وسوسہ کو دخل ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے لا تبدیل لخلق اللّٰہ اللہ تعالیٰ کی وہ تخلیق جو اس نے فطرت کے طور پیدا فرمائی اس میں تبدیل نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو توحید پر پیدا فرمایا ہے جس کے لیے چاہا کہ اس کا قلب صحیح ہو تو اس کا دل سعید رکھا۔ اور جو دل کھوٹا ہوتا ہے اس پر الحاد و شقاوت سوار ہو جاتے ہیں۔

صاحب روح البیان قدس سرہٗ کی تقریر فقیر (اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ عالم الشہادۃ لوح محفوظ کا شیشہ ہے۔ اور لوح محفوظ کی صورتوں میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے اور رحم الام' عالم الغیب کا آئینہ ہے اور حقیقت میں ان کی صورتوں میں کوئی تغیر و تبدل نہیں۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے:

السعید سعید فی بطن امہ و الشقی شقی فی بطن امہ۔

(سعید وہ ہے جو اپنی ماں کے پیٹ میں سعید ہے اور بدبخت وہ ہے جو اپنی ماں کے پیٹ میں بدبخت ہے)

۱ مشکل آید خلق را تغییر خلق
آنکہ بالذات است کے زائل شود

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۲ اصل طبیعت و ہمہ اخلاق فرع
فرع لابد اصـــل را مائل شود

ترجمہ: (۱) خلق کو تبدیلی مشکل ہے وہ جو کسی میں ذاتی ہے کبھی زائل نہیں ہوتی۔
(۲) طبیعت انسانی اصل ہے اور اخلاق فرع ہے اور فرع کو اصل کی طرف میلان ہوتا ہے۔

دعا: اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو بیماروں کا علاج کرتے ہیں اور ان سے نہ بنائے کہ جن کا دل کو وعظ و تذکیر تکلیف پہنچاتے۔

تفسیر عالمانہ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ یہ اشارہ دین قویم کی طرف ہے جس کے لیے کہا گیا ہے کہ سیدھا رکھنے کا حکم ہے یا فطرۃ اللہ کی طرف ہے جس کے لیے ترغیب دی جا رہی ہے یا اس فطرت کی طرف ہے جس کی ملت سے تعبیر کی گئی ہے۔

سوال: اگر ملت مراد ہو تو پھر مذکر اشارہ کیوں؟

جواب: اسے مذکور یا خبر کا اعتبار کر کے تاویل کی گئی ہے۔

ف: دین قیم سے مراد ہے وہ سیدھا راستہ جس میں ٹیڑھا پن نہ ہو۔ جسے مستقیم و مستوی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ۔ الناس سے کفار مکہ مراد ہیں یعنی ان کے اکثر دین کی استقامت کو لَا يَعْلَمُوْنَ۝ نہیں جانتے۔ اسی لیے اس سے منحرف ہو رہے ہیں اور وہ اس لیے کہ وہ تدبر کرتے ہیں نہ تفکر مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ۔ فطرۃ اللہ کے فعل مقدر کی ضمیر سے حال ہے یا اقم سے جبکہ اس سے امت مراد ہو۔ اس کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔ منیب وہ ہے جو بار بار رجوع کرے۔ اب معنی یہ ہوا کہ فطرۃ کو الزام کر دیا یہ کہ اپنا رخ دین کی طرف رکھو درانحالیکہ تمہارا رجوع اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اور صرف طاعت الٰہی کی طرف دھیان رکھو۔

ف: شیخ ابو سعید خراز قدس سرہ فرماتے ہیں کہ انابت یہ ہے کہ خلق سے منہ موڑ کر حق کی طرف رجوع ہو۔ اب منیب کا معنی یہ ہوا کہ سوائے حق کے کسی طرف توجہ نہ کرے

تو مرجع ہمہ را من رجوع با کہ کنم
گرم تو در نپذیری کجا روم چہ کنم

ترجمہ: تیرا رخ تو دوسرے کی طرف ہے پھر میں کس طرف توجہ کروں اگر تو مجھے قبول نہیں کرتا تو پھر بتائیے میں کہاں جاؤں اور کیا کروں!

ف: حضرت ابن عطا قدس سرہ نے فرمایا کہ ہر ایک سے منہ موڑ کر صرف حق کی طرف متوجہ ہو جاؤ بالخصوص

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

یہ وہ لوگ ہیں جو ظلمات نفوس سے منہ موڑ کر آداب عبودیت کی حد میں رہ کر حق کی بارگاہ میں ایسے حاضر باش ہیں کہ کسی وقت بھی لمحہ بھر اس سے جدا نہیں ہوتے اور نہ ہی اس کے ماسوا سے ڈرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب بندہ خلوص سے توبہ کرتا ہے تو وہ منیب کہلاتا ہے اس لیے توبہ کے بعد دوسرا درجہ انابت کا ہے۔

وَاتَّقُوْهُ اور صرف اسی کے حکم کی پاسداری کرو۔ اس کا الزموا محذوف پر عطف ہے۔ **وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ** اور نماز قائم کرو یعنی نماز کو شرائط و آداب بجا لا کر مقررہ اوقات پر ادا کرو۔

ف: امام راغب نے فرمایا اقامۃ یعنی شے کا حق ادا کرنا۔

نکتہ: نماز کا بیان جہاں بھی ہوا ہے اس کی سب سے بڑی مدح اقامت کے ساتھ فرمائی ہے۔ وہ بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ در حقیقت نماز ہے بھی وہی جسے شرائط و آداب کے ساتھ ادا کیا جائے نہ یہ کہ صرف ظاہری طور پر پڑھی جائے۔

وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ اور مشرکین سے نہ ہو جاؤ۔ یعنی فطرتِ الٰہی کو تبدیل نہ کرو۔

ف: جناب کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ اسے (نماز کو) عمداً ترک کر کے مشرک نہ ہو جاؤ۔ یہ خطاب امت کو ہے۔

حکایت: تفسیر تیسیر میں ہے کہ شیخ محمد اسلم طوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ جو حدیث شریف قرآنی مضمون کے مطابق ہو گی اسے روایت کروں گا ورنہ نہیں۔ جب سے میں نے **حدیث شریف:** من ترك الصلوة متعمدا فقد كفر (جس نے عمداً نماز ترک کی وہ کافر ہے[1]) سنی تو اس کی تحقیق پر میں نے تیس سال گزار دیے۔ بالآخر جب آیت ہذا مجھے ملی تو میں نے روایت مذکور کو روایت کیا۔

مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ یہ ولا تکونوا من المشرکین سے بدل ہے اور حرف جارہ کو دوبارہ تاکید کے لیے لایا گیا ہے۔ اور ان لوگوں سے نہ ہو جاؤ جنہوں نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور دین کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا ان کا وہ اختلاف ہے جو عبادت کے طریقوں میں آپس میں انہوں نے کیا۔ اور یہ سب کچھ انہوں نے خواہشات نفسانی کے تحت کیا۔

نکتہ: ان دونوں جملوں کو بدل مبدل منہ بنانے میں اشارہ ہے کہ مشرکین اور دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے والے

---

[1] کافر یعنی ناشکرا ہے کیونکہ ہمارے نزدیک بے نماز کافر نہیں فاسق ہے۔ کافر اس وقت ہو گا جب نماز کی فرضیت کا منکر ہو گا۔ اویسی غفرلہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

گمراہی میں برابر ہیں۔

وَكَانُوْا شِيَعًا ۔ مختلف فرقے ہو گئے اور ہر ایک اپنے سربراہ کی اتباع میں مست تھا۔

كُلُّ حِزْبٍ حزب بمعنے گروہ۔

ف: قاموس میں ہے، حزب ' لوگوں کی ایک جماعت۔

بِمَا لَدَيْهِمْ ہر گروہ اس دین پر جو مضبوطی سے قائم تھا جس کی بنیاد انہوں نے باطل اوہام پر رکھی تھی فَرِحُوْنَ ○ مسرور اس بات پر کہ وہ حق پر تھے۔ حق و باطل کا فرق سب کو معلوم ہے۔

؎

ہر کسے را درخور مقدار خویش
ہست فرحے خوشدلی در کار خویش
میکند اثبات خویش و نفی غیر
چہ امام صومعہ چہ پیر دیر

ترجمہ: ہر ایک کو اپنی قدر پہچانی چاہیے لیکن ہر ایک کو اپنے کارناموں سے خوشی ہوتی ہے اپنا اثبات دوسروں کی نفی کرتا ہے وہ گرجا کا پیشوا ہو یا دَیر کا مقتدا۔

ف: حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے زمانے تک ایک ہی دین چلا آ رہا ہے جسے دینِ اسلام سے تعبیر کیا جاتا ہے اگرچہ ادوار و اعصار میں چند مسائل و احکام بدلے لیکن انہیں اختلاف سے تعبیر نہیں کیا جاتا جب یہود و نصاریٰ اور مجوس اور بت پرست اور ستارہ پرست اور ملائکہ کے پجاری وغیرہ پیدا ہوئے تو اختلاف برپا ہوا اور لوگ فرقوں میں بٹ گئے۔

ابراہیمی بہتّر فرقے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وصال کے بعد ان کی امت کے بہتّر فرقے ہو گئے۔ ان میں سے بہتّر جہنم میں جائیں گے صرف ایک بہشت میں جائے گا اور وہ ایک فرقہ وہی تھا[1] جو ابراہیم علیہ السلام کے اصول و فروع (عقاید و مسائل) پر کاربند تھے۔

موسوی اکہتّر فرقے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد آپ کی امت کے اکہتّر فرقے ہو گئے ان میں سے صرف ایک فرقہ بہشت میں جائے گا باقی سب جہنمی ہوں گے۔ اور بہشت میں جانے والا فرقہ وہ ہوگا جو موسیٰ علیہ السلام کے عقاید و مسائل کے مطابق تھا۔

عیسوی بہتّر فرقے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت بہتّر فرقوں میں بٹ گئی سب جہنم میں جائیں گے سوائے ان کے جو عیسیٰ علیہ السلام کے عقاید و مسائل کے مطابق تھے۔

---

[1] اس مسئلہ کی تفصیل فقیر کی کتاب "فرقے ہی فرقے" میں ہے۔ اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے تہتر فرقے ہوں گے۔ بہتر جہنم میں جائیں گے ایک فرقہ بہشت میں جائے گا۔ یہ وہ فرقہ ہے جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عقاید و مسائل کے مطابق ہوگا۔ اسے فرقہ ناجیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ازالہ وہم ان فرقوں سے اصولی فرقے مراد ہیں ورنہ ان کے جزئیات لاتعد و لاتحصٰی ہیں۔ ایک بزرگ نے فرمایا کہ میں نے فارس کے ایک علاقے میں پورے ایک سو مذاہب دیکھے ہیں جنہیں بظاہر ان تہتر فرقوں سے بال برابر بھی تعلق نہ تھا۔ یہ صرف ایک علاقے کا حال ہے اندازہ کیجئے باقی جہاں کا حال کیا ہوگا!

قاعدہ ان بہتر جہنمی فرقوں کے اصولی فرقے چھ ہیں:

(۱) تشبیہ
(۲) تعطیل
(۳) جبر
(۴) قدر
(۵) رفض (رافضی)
(۶) نصب (ناصبی)

(۱) تشبیہ وہ فرقہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو غیر مستحق صفات سے موصوف کرکے مخلوق کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے۔

(۲) اہلِ تعطیل وہ ہیں جو خدا کو مانتے ہیں نہ اس کے صفات کو۔

(۳) اہلِ جبر وہ ہیں جو بندوں کے فعل و اختیار کا انکار کرتے ہیں اور اپنی بندگی بھی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم بندگی کرنے میں بھی کوئی اختیار نہیں رکھتے۔

(۴) اہلِ قدر' وہ خدائی کو اپنی طرف منسوب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اپنے افعال کے خود خالق ہیں۔

(۵) اہلِ رفض (شیعہ) وہ ہیں جو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو گالیاں دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بلا فصل بیعت کی وہ خلافت کا حقدار نہیں، بلکہ بیعت لینے دینے والے سب دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔

(۶) اہلِ نصب (ناصبی) صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما سے محبت کرتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ملعون ٹھہراتے ہیں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ جس نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

قاعدہ چھ مذکورہ فرقوں سے بارہ بارہ فرقے نکلے جن کا مجموعہ بہتر ہوا۔ یہ اب تک موجود ہیں۔ ہر ایک کا دعویٰ قرآن و حدیث سے ہے اور ہر ایک کہتا ہے کہ قرآن کا ایک ایک کلمہ ہمارے مذہب کا مؤید ہے لیکن ہمارے مخالفین کو سمجھ نہیں۔

ف: یہ فرقے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے پیدا ہوئے جو آپ نے فرمایا کہ

For More Books Click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ہمارا معبود موجود ہے اور وہ صفات سے موصوف بھی ہے۔ یہ سن کر ہر فرقہ اپنے وہم و گمان پر دلائل اور دلائل کے انبار لگا دیتے۔ لیکن وہ جملہ فرقے اس غلط خیالی سے سراسر غلط و باطل تھے اس لیے کہ سب کو معلوم ہے کہ عقل کا طریق ایک ہی ہے تو جب صرف عقل کا طریق ایک سے دو نہیں ہو سکتا تو پھر دین میں متعدد مذاہب کیسے ہو سکتے ہیں۔ یہ مسئلہ ایک حکایت سے واضح ہو سکتا ہے۔

حکایت نابینایان منقول ہے کہ کسی شہر کے تمام شہری اندھے تھے انہیں خیال ہوا کہ ہاتھی دیکھا جائے کہ وہ کیسا ہوتا ہے۔ اسی آرزو میں تھے کہ اچانک کہیں سے قافلہ آیا ان کے پاس ہاتھی تھا اندھوں کو اطلاع ہوئی۔ اندھوں نے اپنے میں سے دانشوروں کا انتخاب کرکے انہیں ہاتھی دیکھنے کے لیے بھیجا۔ جب وہ ہاتھی کے قریب پہنچے ایک کا ہاتھ ہاتھی کے کان پر پڑا وہ سمجھا کہ ہاتھی ڈھال کی طرح ہے۔ دوسرے کا ہاتھ سونڈ پر پڑا اس نے سمجھا کہ ہاتھی ستون جیسا ہے۔ تیسرے کا ہاتھ پیٹھ پر پڑا وہ سمجھا کہ وہ تختے جیسا ہے چوتھے کا ہاتھ پاؤں پر پڑا وہ سمجھا کہ یہ تو پایہ تخت کی طرح ہے۔ سارے بخوشی اپنے شہر کو لوٹے۔ دوسرے اندھوں کو حال سنانے لگے۔ ہر ایک نے اپنا اپنا خیال ظاہر کیا۔ اس پر تمام شہر میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ جس نے کان دیکھا اس سے سننے والے ہاتھی کو ڈھال کی طرح ماننے لگے اور دوسروں کے خیالات کی تکذیب کرنے لگے اسی طرح دوسرے دوسروں کی تکذیب کرتے۔ یوں اختلاف پیدا ہو گیا۔ ہر ایک نابینا اور اس کی جماعت اپنے اپنے عقلی دلائل قائم کرتے۔ مثلاً ایک نے کہا ہاتھی ڈھال کی طرح ہے وہ کہتا کہ ہاتھی کو جنگ میں لاؤ وہ ڈھال کی طرح کام دے گا تو جس نے کہا ہاتھی ستون کی طرح ہے وہ کہتا کہ اسے جنگ میں لاؤ دشمن کا حملہ روکے گا۔ جس نے کہا ہاتھی پایہ تخت کی طرح ہے اس کی دلیل یہ تھی کہ جس طرح پایہ تخت بوجھ اٹھاتا ہے ایسے ہی ہاتھی ہے کہ جو پر بوجھ رکھو وہ بھی اٹھاتا ہے۔ جس نے کہا کہ یہ تخت کی طرح ہے اس نے دلیل یہ دی کہ جیسے تخت پر بہت سے لوگ بیٹھتے ہیں اس پر بھی بہت سے لوگ بیٹھتے ہیں اسی لیے ہاتھی تخت کی طرح ہے وغیرہ وغیرہ۔

انتباہ اس حکایت سے نتیجہ نکالنا آسان ہے کہ اندھے اپنے دلائل میں سچے تھے لیکن ہاتھی کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکے۔ اگر ان کے تمام معتقدات کو یکجا کرکے مان لیا جائے تب بھی ہاتھی کی حقیقت سے بے خبری ہی رہے گی بلکہ ایسے لوگ اگر ہاتھی کی حقیقت سمجھانے کے لیے بکثرت دلائل دیتے جائیں تب بھی مقصد حاصل نہ ہوگا اور اختلاف بڑھے گا۔

ہاں اگر ان میں کوئی بینا ہو جائے یا انہیں کوئی آنکھ والا مل جائے اور وہ ہاتھی کی شکل و صورت دیکھ کر کہے بھائیو (اندھو)! تم جو کچھ ہاتھی کی حقیقت سمجھے ہو غلط ہے اس کی حقیقت اب مجھے معلوم ہے کہ میں اسے آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ ہاتھی کیسا ہے۔ تم جو کچھ کہتے ہو تمہاری دماغی اختراع ہے اور تمہیں پاگل کہا جائے تو بجا ہے مختصر یہ کہ جو اس نابینا کی طرح بات نہ مانے وہ اسی طرح اختلاف میں رہے گا اور جو قبول کرے گا وہ اختلاف سے بچ جائے گا۔ (اندھوں کے پاس صرف خبر کی حیثیت تھی اور بینا نے معائنہ کیا۔ فوقیت ہے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اختلاف مذاہب کا حال

جب ہم سن چکے کہ کُل کائنات کا ایک خدا ہے اور وہ ذات وصفات والا ہے۔ ہر مذہب والے نے اس کی ذات وصفات کو قرآن و حدیث سے سمجھا اسی لیے کوئی اللہ تعالیٰ کی صفات کسی طرح کرتا ہے کوئی کسی طرح (تشبیہ، تعطیل، جبر و قدر میں مبتلا ہو گئے) اور حقیقت یہ ہے کہ ان کے دلائل نہ عقلاً صحیح ہیں نہ نقلاً۔ کیونکہ عقل ونقل کا تقاضا یہ ہے کہ عقیدہ میں اختلاف نہ ہو اور ان کے عقائد میں ہزاروں اختلاف ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ انھوں نے نہ ذاتِ باری تعالیٰ کو سمجھا ہے نہ اس کی صفات کو۔ واضح ہوا کہ یہ اپنے بڑوں کے پھندے میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اسے کہا جاتا ہے اندھی تقلید۔ یہی اندھی تقلید مجبور کرتی ہے کہ ایک دوسرے کو کافر اور بے ایمان کہیں۔ اگر غور کیا جائے تو اس اندھی تقلید کے اعتبار سے سب برابر ہیں[ٹ]

عقائدِ صحابہ کا نمونہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عقائد یہ ہیں:

(۱) اللہ ایک ہے۔

(۲) ان صفات سے موصوف ہے جو اس کے لائق ہیں۔

(۳) اس کی ذات وصفات قدیم ہیں۔

(۴) اس کی صفات اس کی غیر بھی نہیں جیسے ایک دس کا غیر نہیں۔

(۵) اس کی ضد و ند اور مثل و شریک اور زن و فرزند اور حیز و مکان نہیں۔ (اور نہ یہ امور اس کے لیے ممکن ہیں)

(۶) وہ کسی چیز سے نہیں اور نہ وہ کسی چیز پر ہے اور نہ کسی چیز میں ہے اور نہ کسی چیز کے ساتھ ہے بلکہ تمام اشیاء اسی سے ہیں اور اسی کے ساتھ قائم و باقی ہیں۔

(۷) وہ چشم سر سے نہیں دیکھتا اور نہ یہ اس کے لائق ہے۔

(۸) اس کا دیدار دنیا میں جائز نہیں۔

(۹) آخرت میں ہر ایمان دار کو بہشت میں اس کا دیدار نصیب ہوگا۔

(۱۰) اس کا کلام قدیم ہے۔

(۱۱) وہ خود مختار ہے۔

(۱۲) وہی خیر و شر اور کفر و ایمان کا خالق ہے۔ اس کے سوا اور کوئی خالق نہیں۔

(۱۳) بندگان اور ان کے افعال کا خالق وہی اللہ ہے نہ کہ بندے (خلافاً للمعتزلہ)۔ ہاں بندے اپنے افعال میں مختار ہیں۔

(۱۴) کوئی صفت بھی مخلوق کی صفات میں سے اس کی صفت سے مشابہ نہیں۔

[ٹ] جیسے ہمارے دور میں ہو رہا ہے کہ دیوبندی مودودی آپس میں ایک دوسرے کو گمراہ اور کافر کہنے سے بھی اجتناب نہیں کرتے۔ ہم کہتے ہیں دونوں سچے ہیں۔ اس کی تحقیق فقیر نے تفسیر اویسی میں لکھ دی ہے۔ اویسی غفرلہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(۱۵) جو خیال اور تصور کسی کے ذہن میں آتا ہے کہ وہ ایسے ہوگا وہ اس سے منزہ ہے۔ نہ وہ اس طرح ہو سکتا ہے۔

(۱۶) وہ سب کا خالق ہے[1]

لیس کمثلہ شیئ اس کی مثل کوئی شے نہیں اور اس کا فعل علت و غرض سے منزہ اور پاکیزہ ہے۔ اس پر کوئی شے نہیں اور انبیاء علیہم السلام کا بھیجنا اس کا فضل و کرم ہے۔

معتقدات اہلسنت انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں۔ ان کے سوا انسانوں میں کوئی معصوم نہیں۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ آپ کے بعد خلیفہ برحق اور امام برحق سیدنا ابوبکرؓ ان کے بعد حضرت عمرؓ ان کے بعد حضرت عثمانؓ، ان کے بعد

---

[1] فقیر اپنی کتاب "الاصابہ" سے صحابہ کرام کے عقائد و معمولات سے ایک آدھ اقتباس بطور مشتے از خروارے کے طور پر ہدیہ ناظرین کرتا ہے ؎

گر قبول افتد زہے عز و شرف

مذکورہ عقائد و معمولات صحابہ (رضی اللہ عنہم) کو منصفانہ دل سے پڑھ کر فیصلہ فرمائیے کہ مذکورہ بالا عقائد و معمولات دور حاضرہ میں کس جماعت میں پائے جاتے ہیں بعدہٗ اپنے لیے فیصلہ فرمائیے کہ آپ ان عقائد و معمولات کو عین اسلام سمجھتے ہیں یا شرک و بدعت کی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔

نماز میں تصور رسول صلی اللہ علیہ وسلم دیوبندیوں وہابیوں کے نزدیک نماز میں تصور رسول شرک ہے ہمارے نزدیک عین اسلام۔

ایک مرتبہ حضور علیہ السلام صلح کرانے قبا تشریف لے گئے۔ بعد میں آپ کی جگہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے امامت شروع کرائی تو آپ بھی تشریف لے آئے اور صف میں کھڑے ہو گئے۔ چنانچہ نماز میں شامل صحابہ نے داہنے ہاتھ کو بائیں کی پشت پر مار کر تصفیق فرمائی۔ اس پر صدیق اکبر کو آپ کی آمد کا احساس ہوا تو آپ مصلے سے ہٹ کر پیچھے صف میں کھڑے ہو گئے اور حضور نے مصلے پر تشریف لے جا کر نماز پوری کرائی اور نماز کے بعد صحابہ کو فرمایا کہ جب نماز میں امام کو توجہ دلانے کی ضرورت ہو تو تصفیق کی بجائے سبحان اللہ کہیں۔ پھر صدیق اکبر کو فرمایا اے ابوبکر! میرے اشارہ کرنے کے باوجود آپ نے نماز کیوں نہیں پڑھائی؟ عرض کی "ابی قحافہ کے بیٹے (ابوبکر) کو لائق نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے کھڑے ہو کر نماز پڑھائے۔" (بخاری شریف، جزو اول)

معلوم ہوا کہ صدیق اکبر اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے مسلک میں بحالت نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم نماز کے منافی نہیں۔ جب تصفیق کرکے اور مصلے سے پیچھے ہٹ کر عملاً تعظیم ظاہر ہو نماز کے خشوع و خضوع کے خلاف نہیں۔ تو محض تعظیم کے ساتھ خیال مبارک میں تو بدرجہ اولیٰ کوئی حرج نہیں۔ تفصیل کے لیے فقیر کی کتاب "تصور رسول" ملاحظہ ہو۔ اویسی غفرلہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حضرت علی رضی اللہ عنہم ہیں۔ ان پر امامت ختم ہوئی۔ اجماع صحابہ حق ہے ان کے بعد علماء کا اجماع بھی حق اور حجت ہے اور اجتہاد و قیاس از علماء بھی شرعاً درست ہے۔ یہ جو کچھ کہا گیا ہے ان معتقدات پر امام ابوحنیفہ و امام شافعی رضی اللہ عنہما کا اتفاق ہے۔

ائمہ اہلسنت کا تعارف شیخین کاملین اہل حق سے ہیں۔ ایک کا اسم گرامی شیخ ابوالحسن اشعری ہے جو حضرت ابوموسیٰ اشعری صحابی رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں۔ جو ان کے عقاید کی پیروی کرے اسے اشعری کہا جاتا ہے۔

دوسرے کا اسم گرامی شیخ ابومنصور ماتریدی ہے (رحمہ اللہ)۔ جو ان کے عقاید کے موافق ہے اسے ماتریدی کہتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عقاید انہی کے موافق ہیں اگرچہ یہ امام صاحب کے بعد پیدا ہوئے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے معتقدات امام ابوالحسن اشعری کے مطابق ہیں اگرچہ یہ بھی امام شافعی کے بعد پیدا ہوئے اور ماتریدی فروع میں امام ابوحنیفہ کی فقہ پر عمل کرتے ہیں، اور اشعری امام شافعی کی فقہ پر۔ (رحمہم اللہ تعالیٰ)

تقلید شخصی مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک پر التزام (تقلید) واجب ہے۔ اللہ تعالے فرماتا ہے:

اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم۔

(اللہ اور اس کے رسول (علیہ السلام) اور اولی الامر کی اطاعت کرو)

اور ان میں سے انحراف کا ترک بھی واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا۔

(اور وہ جو تمہیں رسول (علیہ السلام) دیں وہ لو اور جس سے روکیں اس سے رُک جاؤ)

بدمذاہب کی صحبت سے بچو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدمذاہب کے ساتھ نشست و برخاست سے منع فرمایا ہے اور بیزاری کا اظہار فرمایا ہے۔

حدیث شریف یجیئ قوم یمیتون السنۃ ویغلون فی الدین فعلی اولئک لعنۃ اللہ ولعنۃ الاعنین والملائکۃ والناس اجمعین۔

(عنقریب ایک گروہ پیدا ہوگا جو سنت کو مٹائے گا اور دین میں رخنہ اندازی کرے گا۔ وہ یہی ہے جس پر اللہ کی لعنت اور تمام لعنت کرنے والوں اور جملہ ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہے)

صوفیہ کے گروہ اہل تصوف کے بھی بارہ گروہ ہوگئے ان میں سے ایک اہلسنت کا گروہ ہے اس کے عقائد علماء کے موافق ہیں۔ باقی گیارہ بدعتی ہیں۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۱ - حلولیہ
۲ - حالیہ
۳ - اولیائیہ
۴ - شمراخیہ
۵ - حبیبیہ
۶ - حوریہ
۷ - اباحیہ
۸ - متکاسلہ
۹ - متجاہلہ
۱۰ - واقفیہ
۱۱ - الہامیہ

مسئلہ: جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے اہلِ جذبہ تھے ان سے یہ جذبہ مشایخ کرام (اہلسنّت) کو نصیب ہوا جو مختلف سلاسل طیبہ (قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ، اویسیہ) میں پھیلا، پھولا پھلا یہاں تک کہ بعد میں کچھ کمزور پڑ گیا اور سوائے چند محبوبانِ خدا کے یہ نعمت منقطع ہو گئی (پھر رہ گئی رسمِ اذاں رُوحِ بلالی نہ رہی) ایسے رسمی عجیب منقبب پیر بہت پھر رہے ہیں جن کو تصوف کی بُو تک بھی نصیب نہیں اور وہ اپنے آپ کو یا تو قلندر کہتے ہیں یا حیدر کے مرید اور بعض اپنے آپ کو شیخ ادہم سے منسوب کرتے ہیں وغیرہ۔ ہمارے دَور میں ایسے پیروں کی تو بہتات ہے لیکن حقیقت شناسوں کا کال ہے[1]۔ ہاں ان کو پانا ہے تو دو گواہوں کی شہادت لیں۔

۱ - ظاہر ۲ - باطن

ظاہر یہی کہ وہ شریعت مطہرہ پر استحکام رکھتے ہوں۔

باطن یہ کہ سلوک علی البصیرۃ کے مالک ہوں۔ اور ان میں اقتدائے مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی روح جھلکتی ہو[2]۔

ایسے مشایخ اللہ و رسول (جل جلالہٗ وصلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاں پہنچنے کا بہترین وسیلہ ہیں۔ ورنہ اگر وہ خود اندھے ہیں تو دوسروں کو خاک راہ دکھائیں گے!

تصوّف وسلوک کے بارہ گُر

مشایخ نے فرمایا جب دیکھو کہ اعتقادات و اختلافات کی بھرمار ہے اور تمام علاقے سچے مشایخ سے محروم ہوں تو پھر مندرجہ ذیل بارہ گُر عمل میں لائیے کہ یہ تمام اہل اللہ کے بتائے ہُوئے اور ہدایت کے مینار ہیں۔

۱ - صحبتِ نیکاں[3]
۲ - ان کی فرماں برداری کرنا
۳ - راضی برضائے خدا رہنا[4]

---

[1] اور آج ۱۴۰۲ھ میں اس سے بھی بُرا حال ہے۔ اویسی غفرلہٗ

[2] اور آج (۱۴۰۴ھ) کے اکثر مدعیانِ مشیخت شریعت مطہرہ پر پھبتیاں کستے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

[3] ان کے حالات و ملفوظات پڑھنا سُننا بھی یہی اثر رکھتے ہیں۔

[4] ان کے احوال و اعمال کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنا بھی یہی اثر رکھتا ہے۔ اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۴۔ خلقِ خدا سے صُلح وصفائی رکھنا
۵۔ کسی کو دُکھ اور رنج نہ دینا
۶۔ حتی المقدور خلقِ خدا کو راحت پہنچانا
یہ چھ گُر التعظیم لامر اللّٰہ والشفقۃ علیٰ خلق اللّٰہ کی تفسیر ہیں۔
۷۔ متقی و پرہیزگار اور حلال خور ہونا
۸۔ ترکِ طمع و حرص
۹۔ کسی کی بلا ضرورت بدگوئی نہ کرنا اور اپنے آپ کو نیک نہ سمجھنا
۱۰۔ ہمیشہ ریاضات و مجاہدات میں مشغول رہنا
۱۱۔ نیک اخلاق کے حصول کی جدوجہد کرنا
۱۲۔ غلط دعووں سے بچنا بلکہ ہمیشہ ہر ایک کا نیاز مند رہنا

دراصل یہی گُر تمام سعادتوں کا اصل اور جملہ درجاتِ عُلیا کا بیج ہیں۔ جس میں یہ بارہ گُر ہوں اسے مردانِ خدا سے سمجھنا۔ بلکہ یہی سالکِ راہِ ہُدیٰ ہے۔ جس میں یہ گُر نہ ہوں وہ چاہے عوام کی نظروں میں کتنا ہی بلند مرتبت ہو اور جبہ و قبہ و دستار سے مزیّن ہو وہ شیطان بصورتِ انسان ہے۔ یعنی یہی وہ خناس ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

الخناس الذی یوسوس فی صدور الناس من الجنۃ والناس۔

(وہ خناس جو جنوں اور انسانوں سے لوگوں کے دلوں میں وساوس ڈالتا ہے)

تفسیر صوفیانہ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ اور نہ ہو جاؤ ان لوگوں سے جو غیر اللہ کی طرف متوجہ ہیں مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وہ جو اس دن جدا ہو گئے۔ جو فطرت الٰہی ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو تفرید و تجرید و توحید اور مراقبہ فی مجلس الانس اور ملازمۃ لمکالمۃ مع الحق پر پیدا فرمایا وکانوا شیعا اور وہ ہو گئے مختلف گروہ، بعض ان میں نعیم جنان کو مائل ہوئے اور بعض نعیم دُنیا کو چلے گئے انہیں رُسوائی کے سوا کچھ نصیب نہ ہوا اور ان کا ایک گروہ شیطان کے پنجے میں پھنس گیا اس نے انہیں جب شہوات کے سبز باغ دکھا کر جہنم کے درکات میں لے گیا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ یہ تمام فرقے اپنی خواہشاتِ نفسانی اور مقتضائے طبع شہوانی میں خوش ہیں فرحون اسی لیے وہ غفلت کے میدانوں میں بھٹک رہے ہیں اور شہوات کے دریاؤں میں ڈبکیاں کھا رہے ہیں اور جھوٹے اور غلط خیالوں میں بھٹک رہے ہیں حتیٰ کہ جب انہیں سعادت نے جھٹکا دیا، ان کی آنکھ کھلی تو انہیں پتہ چلا کہ ان کی تمام خوشی تو سراسر غم و حزن تھی اور انہیں یقین ہوا کہ وہ تو گمراہی کے دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ لیکن اب کیا ہو سکتا ہے جب کہ وہ جہالت کے گڑھے میں دھنسے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بچے تھے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

سوف تری اذا انجلی الغبار
افرس تحتک ام حمار

ترجمہ: عنقریب جب گرد و غبار ہٹ جائے گی تو تجھے معلوم ہوگا کہ تم گھوڑے سوار ہو یا گدھے کے سوار۔

تفسیر عالمانہ

وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ اور جب مشرکین مکہ کو پہنچتا ہے ضُرٌّ نقصان یعنی بھوک اور بارش کی بندش اور بیماری اور فقر و فاقہ، اور دیگر طرح طرح کی آفات و بلیات۔

المفردات میں ہے الضر بمعنی ہر وہ ایذا جو انسان کو پہنچے۔

دَعَوْا رَبَّهُمْ تو اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ درانحالیکہ وہ اس کی طرف رجوع کرنے والے ہوتے ہیں کبھی دعاؤں سے کبھی زاریوں سے۔ کیونکہ انہیں یقین ہے کہ ان کا دکھ درد اس کے سوا کوئی نہیں ٹالتا اور نہ ہی ان کے بت اس کی کوئی قدرت اور طاقت رکھتے ہیں ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ اور جب وہ انہیں چکھاتا ہے مِّنْهُ اپنی طرف سے رَحْمَةً رحمت، یعنی دکھ درد سے نجات اور انہیں رزق کی وسعت اور تونگری اور تندرستی وغیرہ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ اس وقت ایک گروہ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ اپنے پروردگار کے ساتھ شرک کرنے لگ جاتا ہے۔ یعنی اس کے بعد اچانک ان کا گروہ اس پروردگار کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے جس نے انہیں تندرستی وغیرہ بخشی حالانکہ ان کا پختہ یقین تھا کہ اس بلائے عظیم سے صرف اسی نے چھٹکارا بخشا ہے۔

سوال: یہاں ایک گروہ کی تخصیص کیوں؟

جواب: مذکورہ بالا طریقہ صرف ایک گروہ سے ہوا سب کے سب ایسے نہ تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا:

فلما نجاھم الی البر فمنھم مقتصد۔

(جب اللہ نے انہیں نجات دی تو ان کا ایک گروہ میانہ رو ہوا)

یعنی صحیح راہ پر چلنے والا یعنی کفر میں معتدل، اس لیے کہ اس نے بیماری وغیرہ کی زجر و توبیخ سے اعتدال کو پسند کیا۔

لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ تاکہ اس کے ساتھ کفر کریں جو ہم نے انہیں عافیت اور تندرستی دی ہے۔ لام عاقبت کی اور موصول سے نعمت خلاص و عافیت ہے فَتَمَتَّعُوْا تو اپنے اوقات مقررہ تک تم اپنے کفر سے نفع حاصل کر لو۔ یہاں پر غیبت سے خطاب کی طرف التفات ہے۔ یعنی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

پہل کھالو پھر موت تمہارے سروں پر منڈلا رہی ہے۔ کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ اے کافرو! چند روز دنیوی لذتوں سے نفع اٹھا لو فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ○ عنقریب جان لو گے کہ تمہیں آخرت میں اس دنیوی نفع اٹھانے پر کتنی سزا ملتی ہے!

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں انسان کی طبیعت کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ہدایتِ روح اور اطاعتِ الٰہی اور ضلالتِ نفس اور اس کی گمراہی و سرکشی کی دونوں عادتیں رکھتی ہے کہ جب اس پر اسے محنت و مشقت اور آفت پہنچے تو نہایت متواضع منکسر ہو جاتی ہے اور روح ظلماتِ شہوات سے نکل کر اپنی اصل فطرت کی طرف رجوع کر کے حضرت حق کے دربار کی حاضری کے لائق ہو جاتی ہے اور نفوس ارواح کے موافق اور طبائع کے مخالف ہو کر دفع بلیات کے لیے راجع الی اللہ ہو جاتے ہیں اور اس کے لطف کے چاہنے اور محنت و مشقت سے پناہ مانگنے اور اسی سے دکھ درد ٹلنے کی التجا کرنے والے ہو جاتے ہیں۔ جب ان سے بلائیں ٹل جاتی ہیں اور حق تعالیٰ انہیں نظرِ عنایت سے نوازتا ہے اذا فریق منھم تو ان کا ایک گروہ، اس سے نفوس متمردہ مراد ہیں یعنی پھر وہ اپنی عادتِ مذمومہ اور طبیعتِ ذلیل اور کفرانِ نعمت پر اتر آتے ہیں لیکفروا بما اٰتینٰھم تاکہ وہ ہماری دی ہوئی نعمت و رحمت سے ناشکری کریں۔ پھر ان کی تہدید فرمائی کہ فتمتعوا فسوف تعلمون نفع اٹھا لو عنقریب تمہیں اس کی سزا ملے گی جو تم اپنی خواہشات نفسانی کی اتباع میں طبائع کے موافق عمل کیے۔

تفسیر عالمانہ اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَیْھِمْ سُلْطٰنًا کیا ہم نے ان پر کوئی دلیل اتاری ہے۔ سلطان سے حجت واضحہ مراد ہے جیسے کتاب وغیرہ فَھُوَ یَتَکَلَّمُ تو وہ ان سے بولتی ہے۔ اس سے دلالت مراد ہے۔ جیسے دوسری جگہ پر فرمایا:

ھٰذا کتابنا ینطق علیکم بالحق۔

(یہ ہماری کتاب تمہارے ساتھ حق بولتی ہے)

بِمَا کَانُوْا بِہٖ یُشْرِکُوْنَ ○ ان کے شرک کرنے کی صحت پر۔ اس معنی پر یہ ما مصدریہ ہے یا اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ الوہیت میں شریک ٹھہرائیں۔ اس معنی پر یہ ما موصولہ ہے اور استفہام سے نفی و انکار مراد ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہم نے مشرکین پر کچھ نہیں اتارا۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ بندوں کے اعمال اگر منزل من اللہ کی حجت سے ثابت ہوں تو وہ ان کے لیے مفید ہیں اگر وہ ان کی طبائعِ خبیثہ کے نتائج ہوں تو پھر وہی اعمال ان کے لیے وبال ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو عمل خواہشِ نفسانی پر ہو وہ سزا ہے اور اگر حجتِ حق کے مطابق ہوں تو وہ ہدایت ہی ہدایت ہے۔ اس قاعدہ سے انسان عمل صالح و فاسد کا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اندازہ خود لگا سکے اگر وہ اس سے بے خبر ہو تو بہت سے اعمال خبیثہ کو طیبہ سمجھنے لگ جائیں گے بلکہ ان کے ہاں کوئی ایسی دلیل نہ ہو جو اسے بتا سکے کہ یہ عمل طیب ہے یا نہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے باطل کے خوض سے اور ایسے عقیدے سے کہ جس سے فائدہ نہ ہو، پناہ مانگتے ہیں ؎

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی
کیں رہ کہ تو میروی بترکستانست

ترجمہ: مجھے ڈر ہے اے اعرابی! کہ تو کعبہ شریف نہ پہنچ سکے گا اس لیے کہ جس راہ پر تو چل رہا ہے وہ تو ترکستان کو جاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً اور جب ہم لوگوں کو رحمت چکھاتے ہیں یعنی نعمت و صحت اور تونگری عطا فرماتے ہیں فَرِحُوْا بِهَا تو اس سے خوش ہوتے یعنی اتراتے اور اکڑتے ہیں حالانکہ انہیں چاہیے تھا کہ وہ اس پر حمد و شکر کرتے۔ یہ صرف اس لیے کہ انہیں دنیوی زندگی نے دھوکا دیا ہے اسی لیے عبودیت مولیٰ سے روگردان ہیں وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ اور اگر انہیں تکلیف پہنچتی ہے بلا اور تنگی سے بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ان کے برے اعمال کی شامت سے اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ۝ تو وہ اچانک ناامید ہو جاتے ہیں۔

حل لغات: القنوط الیاس یعنی رحمت باری تعالیٰ سے ناامیدی۔ یعنی ایسے موقع پر اچانک وہ ناامید ہو کر جزع و فزع کرنے لگ جاتے ہیں نعمتوں پر شکر اور تکالیف پر صبر نہیں کرتے۔ یہ اللہ تعالیٰ سے غافل و محجوب لوگوں کا کام ہے۔ اور اہل محبت تو وہ ہیں کہ ان کے نزدیک رحمت و زحمت برابر ہے نہ انہیں نعمت کے ملنے پر خوشی اور نہ نہ ہونے کا غم۔ چنانچہ فرمایا:

لکیلا تأسوا علیٰ ما فاتکم ولا تفرحوا بما اٰتاکم۔

(تاکہ وہ فوت شدہ نعمت سے غم نہ کھائیں اور نہ ہی دی ہوئی نعمت سے خوش ہوں)

جب انہیں قوۃ اعتماد علی اللہ نصیب ہوتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ظاہری و باطنی سے ناامید نہیں ہوتے بلکہ وہ تنزلات کو تلوینات سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسی لیے وہ ہر وقت اپنے حالات کی تصحیح کے لیے ریاضات و مجاہدات سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے اور ظہور تمکینات و ترقیات پر صبر کرتے رہتے ہیں ؎

بصبر کوش دلا روز ہجر فائدہ نیست
طبیب شربت تلخ از برائے فائدہ ساخت

ترجمہ: ہجر پر اے دل! صبر کیجئے ورنہ اس کے سوا اور کوئی فائدہ نہیں۔ طبیب نے کڑوا شربت کسی فائدہ کے لیے ہی تیار کیا ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اَوَلَمْ يَرَوْا کیا انہوں نے نہیں دیکھا اور ان کو مشاہدہ نہیں ہوا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ بے شک اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے رزق بڑھاتا ہے، جس میں صلاحیت دیکھتا ہے اسے رزق کی وسعت عطا فرماتا ہے پھر اس کا امتحان لیتا ہے کہ وہ شکر کرتا ہے یا نہیں وَيَقْدِرُ اور جس کے لیے چاہتا ہے رزق گھٹا دیتا ہے یوں بھی اس کا امتحان لیتا ہے کہ صبر کرتا ہے یا نہیں۔ خلاصہ یہ کہ بندوں سے صبر و شکر دیکھنا چاہتا ہے کہ وہ نعمت ملنے پر شکر کرتا ہے یا نہیں، ایسے ہی دکھ درد اور فاقہ پر صبر کرتا ہے یا جزع فزع۔ یعنی انہیں کیا ہو گیا ہے کہ اہلِ ایمان کی طرح نعمتوں پر شکر نہیں کرتے۔ کیا انہیں شکر پر ثواب کی امید نہیں یا تکالیف پر صبر کریں تو انہیں اجرِ عظیم نصیب ہو۔

نکتہ: حضرت شقیق رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب تو اپنی تخلیق و حیات کے متعلق کوئی اضافہ نہیں کر سکتا ایسے ہی رزق کو بھی نہیں بڑھا سکتا۔ اس لیے طلبِ رزق میں کیوں مارا مارا پھر رہا ہے ؎

رزق اگر بر آدمی عاشق نمی باشد چرا
از زمین گندم گریباں چاک می آید چرا

ترجمہ: اگر آدمی پر رزق عاشق نہیں تو بتائیے یہ گندم کا دانہ زمین کا دامن چاک کر کے کیوں باہر آتا ہے!

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ بیشک رزق گھٹانے بڑھانے میں لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ اہلِ ایمان کیلئے آیات ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت پر استدلال کریں۔

حضرت ابو بکر محمد بن سابق مرحوم نے فرمایا: ؎

۱ فکم قوی قوی فی تقلبہ
مہذب الرای عنہ الرزق ینحرف

۲ وکم ضعیف ضعیف فی تقلبہ
کانہ من خلیج البحر یغترف

۳ ھذا دلیل علی ان الالہ لہ
فی الخلق سر خفی لیس ینکشف

ترجمہ: (۱) بڑے طاقتور اپنی طاقت کے بل بوتے زمین پر چل پھر رہے ہیں اور رائے و فکر میں اعلیٰ ہیں لیکن رزق ان کے ہاتھ نہیں آتا۔

(۲) بہت زیادہ کمزور جو اپنی کمزوری سے چلنے سے عاری ہیں ان کی وسعتِ رزق کا یہ حال ہے کہ مال و دولت کے دریا سے اپنے گھر بھر رہے ہیں۔

(۳) یہ اس کی واضح دلیل ہے کہ معبودِ حقیقی کا کوئی مخفی راز ہے جو کسی پر منکشف نہیں ہو رہا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وجودِ باری تعالیٰ کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ عالم کا صانع ایک ہے؟ انہوں نے فرمایا: تین اشیاء سے:

ذل اللبیب و فقر الادیب و سقم الطبیب۔

(دانا کا ذلت کی زندگی گزارنا اور دانشور کا فقر و فاقہ اور طبیب کا بیمار رہنا)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ بندوں پر لازم ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی سے دل نہ لگائیں اس لیے کہ ہر دُکھ درد کا ٹالنے والا اور راحت و سرور بخشنے والا صرف وہی ہے۔ اگر کسی کو رزق میں کشادگی عطا فرماتا ہے تو وہی، اور اگر رزق میں تنگی کرتا ہے تو وہی۔ اسی لیے واجب ہے کہ اس کے در پر پڑے رہو اور اغیار سے تصورات و خیالات کو توڑ دو۔ کیونکہ اپنے جیسے عاجز و ذلیل سے طلبِ مراد بیوقوفی ہے۔ طلبِ مراد ایسی ذات سے ہو جو قادرِ مطلق ہو۔ اور وہ ہے ذاتِ حق تعالیٰ۔

صوفیانہ چٹکلہ حضرت ابراہیم بن ادھم قدس سرہ نے فرمایا کہ ہم نے فقر و فاقہ طلب کیا تو تونگری نے ہمارے قدم چومے لیکن لوگوں نے تونگری کو چاہا تو انہیں فقر و فاقہ ملا۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ سکونِ قلب اور قناعت عن الارادات کے حصول کی جد و جہد کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ وہی کرتا ہے جو اس کے علم و حکمت کا تقاضا ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

انما یخشی المؤمن الفقر مخافۃ الآفات علی دینہ۔

(مومن فقر سے صرف اس لیے خوفزدہ ہوتا ہے کہ کہیں دین کا نقصان نہ ہو)

سبق ۱: انسان پر لازم ہے کہ وہ ہر وقت دین کی تحقیق کی فکر میں رہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب بندہ اوامرِ حق کی فرمان برداری کو مدِنظر رکھے۔ یہ بھی اسی کا حکم ہے کہ صرف اسی پر توکل کرو اور رزق کے بارے میں اسی پر یقین رکھو۔

سبق ۲: انسان پر لازم ہے کہ ہر وقت فرمانبردار رہے اور دل سے اغیار کے افکار بالکل نکال دے کیونکہ جسے اس کی رزاقیت پر شک ہے وہ اس کی خالقیت پر بھی شک رکھتا ہے۔

معروف کرخی نے نماز لوٹائی حضرت معروف کرخی قدس سرہٗ نے ایک امام کے پیچھے نماز پڑھی۔ فراغت کے بعد امام نے پوچھا: تم رزق کہاں سے کھاتے ہو؟ حضرت معروف نے فرمایا: ٹھہریئے، میں نماز لوٹا لوں پھر بتاؤں گا۔ فراغت کے بعد فرمایا: جسے رزاق کی رزاقیت پر شک ہے اسے اس کی خالقیت پر شک ہے۔ اور جو امام اپنے خالق پر ایمان نہیں رکھتا اس کے پیچھے نماز ناجائز ہے کیونکہ وہ امام اپنے عقیدے میں متردد و متزلزل ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فقوم

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

یو منون ۔ اس لیے کہ غیر مسلم آیات کو نہیں جانتا اور نہ ہی وہ اس کی دلالات سے استدلال کر سکتا ہے۔ اسی لیے وہ ہمیشہ شک و تردد و ظلمات میں رہے گا ۔

سیدنا اویس و ہرم رضی اللہ عنہما

حضرت ہرم نے حضرت اویس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ مجھے فرمائیے کہ میں کس علاقے میں رہوں ؟ آپ نے فرمایا : شام کے ملک میں ۔ عرض کی : وہاں رزق کا کیا بنے گا ؟ آپ نے فرمایا : ایسے قلوب پر افسوس جن پر شک و شبہ کا داغ ہے جب تمہارا یہ حال ہے تو پھر وعظ و نصیحت بے سود ہے ۔ اس لیے کہ وعظ ایک شکاری باز ہے اور وہ صرف زندہ جانور کو پکڑتا ہے ، جس دل میں شک ہے وہ مردہ ہے اسے وعظ و نصیحت کوئی فائدہ نہ دے گی۔

دعا : ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں غفلت کی نیند سے بیداری نصیب فرمائے اور ان لوگوں سے بچائے جنہیں جہالت کے عذاب میں مبتلا کیا ۔ (وہ کریم ہے ، رؤف ہے ، رحیم ہے)

تفسیر عالمانہ

فَاٰتِ اے صاحبِ باوسعت رزق دے ذَا الْقُرْبٰى رشتہ داروں کو حَقَّهٗ اس کا حق ، صلہ رحمی کے طور صدقہ اور میراث سے جو اس کا حق بنتا ہے ۔

استدلالِ احناف

اس آیت سے امام اعظم رضی اللہ عنہ نے استدلال فرمایا ہے کہ ذی رحم کا نفقہ واجب ہے جب انہیں ضرورت ہو ۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ اس مسئلہ کو ابن العم پر قیاس کرتے ہیں اسی لیے ان کے نزدیک نفقہ صرف اولاد اور والدین کا واجب ہے اور بس ۔

وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ اور مسکین اور مسافر کو جو صدقات کا حق رکھتے ہیں اور بطور اعانت و ضیافت بھی ۔ کیونکہ مسافر بھی مہمان ہے ۔ کما فی کشف الاسرار ۔

تفسیر صوفیانہ

"تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اہلِ قرابت دو قسم ہیں ،

۱ ۔ قرابتِ نسبی

۲ ۔ قرابتِ دینی

قرابتِ دینی ضرورت کے لحاظ سے اہم اور رعایت کی زیادہ حقدار ہے کیونکہ یہ اللہ کے عطا کردہ بھائی ہیں اور مریدین جنہوں نے مرشدین کاملین کا دامن تھاما ہے وہ بھی ان کی معنوی اولاد ہے کیونکہ وہ اب طلبِ الٰہی میں مسافر اور دنیا سے فارغ اور معیشت کے حصول سے عاری ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے معنوی غنا سے سرفراز فرمایا ہے ان پر واجب ہے کہ وہ اپنی ایسی اولاد کے حقوق ادا کریں تاکہ وہ فارغ البال ہو کر طلبِ الٰہی کے اسباب حاصل کر سکیں ۔ اور مسکین وہ ہے جو طلبِ صادق سے محروم ہے یہ بھی اہلِ طاعت سے ۔ لہٰذا ان کی مدد بھی ضروری ہے اور طالبانِ علوم اسلامیہ کی حتی المقدور مدد کرنی چاہیے ، ان کے حسبِ حال مدد ضروری ہے ۔ اور ابن السبیل سے مسافر اور مہمان مراد ہیں ان کی وقت کی ضرورت کے پیشِ نظر مدد کرنی چاہیے جو طلبِ حق میں بلند ہمت ہو وہ مدد کے لحاظ سے مقدم ہے ۔ یہی رشتہ داروں میں اقرب ہے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ایسوں پر وقت کی قربانی ضروری ہے۔ ان کا حق سب سے فائق ہے اور ایسوں کا ہر طرح سے خیال رکھنا ضروری ہے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ دینی رشتہ داروں کی خبرگیری نسبی رشتہ داروں کی بہ نسبت زیادہ ضروری ہے کیونکہ نسبی رشتہ داروں سے تو انقطاع ہو سکتا ہے لیکن دینی قرابت والوں سے انقطاع ممکن نہیں۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کل نسب وسبب ینقطع الا نسبی وسببی

(قیامت میں تمام نسب وسبب منقطع ہو جائیں گے سوائے میرے نسب وسبب کے)

ف: قرابتِ دینی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے اس لیے کہ جس کا آیت ہذا دینداروں اور اپنے رشتہ داروں اور قرابت داروں سے لگتا ہے جو بھی اپنا منہ عبادت کی طرف رکھتا ہے اور وہی لذتِ طاعات پر مواظبت اور محبتِ الٰہی میں خیال رکھتا ہے اور ہر وقت ذکرِ الٰہی میں لگا رہتا ہے۔ چنانچہ ایسے لوگوں کو تجارت وکسبِ معیشت حائل نہیں ہوتی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله۔

(وہ ایسے ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے نہ تجارت غافل کرتی ہے نہ بیع وشرا)

ایسے حضرات کی مدد لوگوں پر واجب ہے ان کی ہر طرح کی رعایت ضروری ہے تاکہ ان کے دل عبادتِ الٰہی کے لیے فارغ ہوں۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصحابِ صُفّہ کے ساتھ کیا کرتے تھے اور وہ حضرات بھی صفہ مبارک کو اپنا وطن سمجھتے تھے۔

تعارف صُفّہ مبارک صُفّہ مبارک مدینہ پاک میں ایک جگہ ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں وہ قبا شریف میں ہے جو مدینہ منورہ سے دو فرسنگ[1] ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ ماحضر اپنے پاس رکھتے ان کو بھجوا دیتے اور اپنے گھر والوں سے فرماتے:

لا اعطیکم وادع اصحاب الصفہ تطوی بطونهم من الجوع۔

(میں تمہیں کچھ نہیں دیتا کیونکہ میں اصحابِ صُفّہ کو اس حال میں کیسے چھوڑ دوں جبکہ وہ خالی پیٹ ہوں)

اصحابِ صفہ چالیس[2] افراد تھے۔ دنیا سے یکسر منہ پھیر چکے تھے۔ طلبِ معیشت کو چھوڑ کر صرف عبادت

---

[1] صحیح یہ ہے کہ وہ تین میل ہے اور صفہ شریف گنبدِ خضرا کے متصل بجانبِ شمال اب بھی موجود ہے۔ اویسی غفرلہٗ

[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے ہاں ٹھہرایا ہوا تھا۔ اصحابِ صُفّہ کبھی بسبب خروج یا اختیار

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

مسافرت کے کم اور کبھی زیادہ بھی ہو جاتے ۔ حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے "حلیہ" میں اصحاب صفہ کے سو سے زیادہ نام شمار کئے ہیں ۔ یہ حضرات رات کو بھی اسی مسجد مبارک میں سوتے تھے کیونکہ مسجد مبارک کے سوا ان کے لیے اور کوئی جگہ نہ تھی اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بمطابق حکم الٰہی ؛

واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم الخ

یعنی محبوب! اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ شامل رکھو جو اپنے رب کو پکارتے ہیں۔

آپ ان سے مجلس خاص اور محبت مخصوص رکھتے تھے ؎

دلا خوش باش کاں سلطان دیں را
بدرویشاں و مسکیناں سرے ہست

بسا اوقات یہ حضرات شدتِ بھوک کی وجہ سے درِ اطہر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑ جاتے ۔ آتے جاتے لوگ انہیں دیوانے سمجھتے ۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لا کر انہیں تسلی و تشفی دیتے اور فرماتے ؛

تم لوگ میرے ساتھ ہو اگر تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنی قدر و منزلت کو پہچانتے کہ تمہاری کتنی قدر ہے تو تم ضرور فقر و فاقہ کو دوست رکھتے ۔

آپ کبھی کبھار اصحاب صفہ میں سے ایک دو کو غنی صحابہ کے سپرد فرما دیتے تاکہ وہ ان کے مہمان ہوں ، جو باقی بچتے ان کو اپنے ساتھ شریک فرما لیتے اور صدقات سے جو کچھ حاصل ہوتا ان کے حوالے فرما دیتے اور ہدیوں سے بھی ان کا حصہ نکالا جاتا تھا ۔ ان کو 'مسلمانوں کے مہمان' کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا تھا ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ، اصحاب صفہ سے ہیں ، روایت کرتے ہیں کہ میں نے ستر آدمی اصحاب صفہ کے دیکھے کہ ان میں سے کسی کے پاس سوائے ایک ازار کے ، وہ بھی نصف پنڈلی تک پہنچتی تھی ، کچھ بھی پہننے کو نہ تھا ۔ سجدہ کرتے وقت وہ اس کو سمیٹتے تاکہ کشفِ برہنگی نہ ہو ۔

ایک اور روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ شدتِ بھوک کی وجہ سے مجھے پیٹ پر پتھر بھی باندھنا پڑتا اور جگر کو زمین پر ٹیکنا پڑتا ، یہاں تک کہ ایک دن میں راستہ میں بیٹھا ہوا تھا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس راہ سے گزرے میں نے قرآن پاک کی ایک آیت پڑھی تاکہ وہ توجہ فرمائیں ۔ انہوں نے التفات نہ فرمائی اور چل دئے ۔ اس کے بعد ابو القاسم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گزرے ۔ جب آپ نے مجھے اس حال میں دیکھا تو مسکرائے اور فرمایا ، ابو ہریرہ ! میں نے کہا ، لبیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! فرمایا ، ادھر آ ۔ میں اٹھ کھڑا ہوا اور آپ کے پیچھے حجرہ شریف تک گیا ۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ

(باقی برصفحہ آئندہ)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اور اطاعت میں لگے رہتے تھے۔ فتوحات سے غنیمت حاصل کرتے یا فارغ رہتے۔ ان میں سے اکثر لباس تک بھی نہیں رکھتے تھے۔ نماز کے وقت دوسروں سے لباس لے کر نماز ادا کرتے تھے۔ اہلِ تصوف نے اس مذہب کی بنیاد رکھی۔ دنیا سے روگردانی کرنا، کسی سے نہ جھگڑنا، توکل پر گزر اوقات کرنا، قناعت کرنا، حرص و ہوا کو چھوڑنا ان سے سیکھا۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

پر اوجِ فلک چوں پرد چرّہ باز
کہ بر شہپرش بستہ سنگِ آز

بقیہ حاشیہ

آلہٖ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں دودھ کا ایک پیالہ ہدیہ کے طور پر لایا گیا، آپ نے فرمایا، جا اور اصحابِ صفہ کو بلا لا۔ میں دل میں کہتا تھا کہ یہ دودھ کیا ہے وہ تو ہے جنہیں کہ اصحابِ صفہ کو مدعو کیا جا رہا ہے یہ تو اگر مجھے ہی دے دیا جائے تو میں ہی پی لوں تاکہ کچھ وقت تو سکون سے گزرتا۔ مگر اطاعتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے چارہ نہ تھا، میں اصحابِ صفہ کے پاس گیا اُن کو حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آیا۔ بیتِ نبوی میں جہاں جہاں کسی کو جگہ ملی سب کے سب بیٹھ گئے۔ آپ نے فرمایا: ابوہریرہ! میں نے کہا، لبیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! فرمایا: یہ شیر کا پیالہ اٹھا کر دودھ کو تقسیم کر دو۔ میں نے پیالہ اٹھایا اور اصحابِ صفہ کو دیا سب نے سیر ہو کر پیا، اور دودھ بھی کچھ کم نہ ہوا۔ اس کے بعد پیالہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا، اب ہم اور تم باقی رہ گئے ہیں اور بس۔ میں نے عرض کیا:

صدقت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

فرمایا: بیٹھ، جتنی بھوک ہے کھا۔ میں جتنا پی سکتا تھا اتنا دودھ پیا اور باقی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس دے دیا۔ آپ نے خطبۂ شکر پڑھا اور باقی پیالے والا دودھ نوش فرمایا۔

واقعہ تکثیرِ طعام بھی اصحابِ صفہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حق میں واقع ہوا جیسے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں، اور بھی کئی روایات میں آیا ہے ہر ایک انصاری اپنے درختِ خرما سے ایک ایک خوشہ لاتا تھا۔ آپ نے سب خوشوں کو ایک رسی سے باندھ کر دو ستونوں کے درمیان لٹکوا دیے، ان کے نیچے اصحابِ صفہ کو بٹھا کر خوشوں کو ایک لکڑی سے جھاڑتے تھے تاکہ وہ بے تکلف ہو کر کھائیں۔ ایک روز ایک آدمی نے ایک خراب خوشہ لا کر لٹکا دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اس صدقے کا مالک اس سے اچھے خوشے لاتا تو لا بھی سکتا تھا۔ لیکن اس نے قیامت کے دن اچھے میوے کھانے پسند نہ کیے۔ صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم۔

اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۲ ندارند تن پروراں آگہی
کہ پُر معدہ باشد ز حکمت تہی

ترجمہ : (۱) باز کا آسمان کی طرف اُڑنا کیسے ہو اگر اس کے پروں پر وزن کا پتھر بندھا ہو۔

(۲) پیٹ کے پجاری اس راز کی کب آگاہی حاصل کر سکتے ہیں کیونکہ معدہ جب کہ پُر ہو وہ حکمت سے خالی ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ ذٰلِكَ یہ اشارہ ادائیگی حق اور مال راہِ خدا کے لیے نکالنے کی طرف ہے خَیۡرٌ روکنے سے بہتر ہے لِّلَّذِیۡنَ یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡہَ اللّٰہِ ان لوگوں کے لیے جو رضائے الٰہی کے طالب ہیں یعنی صرف رضائے الٰہی کی طلب پر نیکی کرتے ہیں۔ یہاں پر وجہ بمعنے ذات یا اس کا تقرب مراد ہے۔ یعنی عبادت میں ان کی کوئی دنیوی غرض مطلوب نہیں اور نہ ہی اس کے عوض وہ کوئی شے حاصل کرنے کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ اس معنی پر وجہ بمعنے جہت ہے۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ مرید وہ ہے جو حقوق اللہ کو خواہشاتِ نفسانی پر ترجیح دیتا ہے۔ حضرت جنید رضی اللہ عنہ اپنے مریدوں کو وصیت فرماتے کہ خلقِ خدا کے لیے رحمت اور اپنے لیے مصیبت بن جاؤ اس لیے کہ اہلِ ایمان اور دوستانِ خدا خلقِ خدا کے لیے رحمت ہوتے ہیں۔ ایسے ہو جاؤ کہ سایہ میں بیٹھنا چاہو لیکن دوسروں کو سائے کی ضرورت ہو تو خود دھوپ میں بیٹھو اور خلقِ خدا کو سایہ میں بٹھاؤ۔

حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ سے پُوچھا گیا : مرید کون ہے اور مراد کون؟ آپ نے فرمایا :

المرید یطلب والمراد یھرب۔

(مرید طلب کرے مراد بھاگے)

یعنی مرید وہ ہے جو ہر وقت طلب میں اور ہزاروں طرح کی نیاز میں ہو اور مراد وہ ہے جو اس سے بھاگے اور ہزاروں ناز رکھے۔ اور مرید کو دل سوز ہونا ضروری ہے اور مراد وہ ہے جو مقصد میں کامیاب اور فرحاں و خنداں ہو اور مرید ہمیشہ خبروں کی طرف کان لگائے رکھے اور مراد وہ ہے جو ہمیشہ معائنہ و مشاہدہ سے سرفراز ہو۔

کسی بزرگ سے پُوچھا گیا کہ حقیقتِ تقریر میں مرید بہتر ہے یا مراد؟

انہوں نے فرمایا : نہ کوئی مرید ہے نہ مراد ، نہ ہی کوئی خبر ہے نہ استخبار۔ یہاں نہ حد ہے نہ رسم۔ وہی کل بر کل ہے۔ اسے کسی نے یوں ادا کیا ہے : ؎

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ایں جاے نہ عشقست نہ شوق نہ یار
خود جملہ توئی خصومت از رہ بردار

ترجمہ: یہاں نہ عشق ہے نہ شوق یار سب کچھ تو ہے بس تمام جھگڑے چھوڑ دے۔

وَاُولٰٓئِكَ اور وہی خرچ کرنے والے هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وہی کامیاب ہیں یعنی آخرت میں اپنے مطلوب پر فائز ہیں کیونکہ انہیں دائمی نعمتیں نصیب ہوگئیں اور دنیا میں بھی انہیں خیر و بھلائی حاصل ہوئی کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں مال میں برکت ہوتی ہے ؎

زکوٰۃ مال بدر کن کہ فضلۂ رز را
چو باغبان ببرد بیشتر دہد انگور

ترجمہ: مال کی زکوٰۃ ادا کر کیونکہ جب باغبان انگور کے پودے کو چھانٹی صاف کرتا ہے تو وہ پودا بہت زیادہ پھل دیتا ہے۔

اور آخرت میں زکوٰۃ ادا کرنے والا اطاعتِ الٰہی بجالانے کی وجہ سے جنت میں فائز ہوگا ؎

توانگرا چو دل و دست کامرانت ہست
بخور ببخش کہ دنیا و آخرت بردی

ترجمہ: اے دولت مند! جب تیرا دل و ہاتھ کامیاب ہے تو کھا اور دوسروں کو بھی دے تاکہ دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل ہو۔

ملفوظ حضرت علی رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ان المال حرث الدنیا والعمل الصالح حرث الاٰخرۃ وقد یجمعھما اللہ لاقوام۔

(مال دنیا کی کھیتی ہے اور عمل صالح آخرت کی۔ یہ دونوں دولتیں اللہ تعالیٰ کسی خاص بندے میں جمع کرتا ہے)

لقمان حکیم کا مقولہ حضرت لقمان رحمہ اللہ جب دولتمندوں سے گزرتے تو فرماتے:

اے دولتمندو! سب سے بڑی نعمت کو نہ بھلاؤ۔

اور جب تنگدستوں سے گزرتے تو انہیں فرماتے:

اے تنگدستو! غبن کرنے سے بچنا۔

فرمان علی کرم اللہ وجہہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:

فرض فی اموال الاغنیاء اقوات الفقراء فما جاع فقیر الا بما منع غنی واللہ یسألھم عن ذٰلک۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(اغنیاء کے اموال میں فقراء کا خرچ فرض ہے اگر کوئی غنی کسی فقیر کو کچھ نہیں دیتا تو اس کے متعلق غنی سے سوال ہوگا)

روزے کی فرضیت کا آغاز کسی بزرگ نے فرمایا: سب سے پہلے فقراء کے لیے اغنیاء پر روزے رکھنے کا حکم بادشاہ طہمورث کے زمانے میں ہوا۔ یہی آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے تیسرا بادشاہ تھا۔ ایک دفعہ اس کے زمانے میں قحط پڑا تو دولتمندوں کو فرمایا کہ صرف رات کو کھانا کھایا کرو، دن کا کھانا فقراء کو دے دیا کرو۔ یہ ان کی فقراء پر شفقت اور بطور عبادت اور رضائے الٰہی کے ارادہ پر ہوا۔

۱ توانگراں را وقفست و بذل و مہمانی
زکاۃ و فطرہ و اعتاق و ہدی و قربانی
۲ تو کے بدولت ایشاں رسی کہ نتوانی
جز ایں دو رکعت و آں ہم بصد پریشانی
۳ شرف نفس بجود است و کرامت بسجود
ہر کہ ایں ہر دو ندارد عدمش بہ ز وجود

ترجمہ: (۱) اغنیاء کے لیے وقف و بذل و مہمانی اور زکوٰۃ و فطرانہ اور اعتاق و ہدی اور حج کی قربانی وغیرہ وقف ہے۔

(۲) تم ایسی دولت تک کب پہنچ سکتے ہو، تمہارا حال تو یہ ہے کہ دوگانہ پڑھتے ہو اور وہ بھی رو رو کر۔

(۳) انسان کی شرافت جود سے اور کرامت سجود سے ہے۔ اگر ان میں سے کوئی بھی نہیں رکھتا تو ایسے جینے سے مرنا بہتر ہے۔

وَمَآ اٰتَیْتُمْ اور وہ جو تم دیتے ہو مِّنْ رِّبًا سود سے۔

ف: ربٰو کو واؤ کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ یہ اس لغت سے ہے جس میں ایسے مواقع پر واؤ تفخیم کے طور پر لکھا جاتا ہے جیسے صلوٰۃ و زکوٰۃ۔ یا اس میں تنبیہ ہے کہ یہ واوی ہے۔ ربا بمعنے زاد، اور الف زائد آخر میں ہے۔ وہ بھی اسی لیے ہے کہ وہ جمع کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔

سود کی تعریف اصل مقدار سے زیادہ لینا، جیسے کوئی کھانے کی شے یا نقد کے اصل کو اس جنس سے زاید وصول کیا جائے۔ زاید کو سود کہا جاتا ہے۔ یا میعاد میں مہلت کی وجہ سے زاید رقم وصول کی جائے۔ اسے عربی میں نسا (ادھار) کہا جاتا ہے۔ یہ دونوں صورتیں شرعاً حرام ہیں۔ معنی یہ ہے کہ معاملہ میں عوض کے علاوہ زاید شے وصول کی جائے۔

لِّیَرْبُوَا فِیْۤ اَمْوَالِ النَّاسِ تاکہ وہ لوگوں کے مال سے اپنا مال بڑھائے۔ یعنی اگرچہ وہ بظاہر

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اپنے مال بڑھا رہا ہے لیکن درحقیقت وہ مال گھٹا رہا ہے۔ چنانچہ فرمایا فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہیں بڑھتا اور اس میں برکت نہیں ہوتی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یمحق اللّٰه الربٰو۔

(اللہ تعالیٰ سُود کو مٹاتا ہے)

جائز سُود کا حیلہ

کسی کو اصل مال کی ادائیگی پر ہدیۃً کچھ بڑھا کر دے دے یا اس سے افضل شے دے دے تو یہ جائز ہے لیکن قیامت میں اس کا ثواب نہ ملے گا۔ کیونکہ اس نے اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نہیں دیا۔ اسی لیے یہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے حرام تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ولا تمنن تستکثر (اور نہ منت لگائیے اور نہ ہی زاید لیجئے)

ایسی شے کسی کو نہ دو کہ جس سے تم اپنے دیئے گئے مال سے زاید طلب کرو (کشف الاسرار)

فیصلہ از صاحب روح البیان اور سُود دینے کا حیلہ

فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول "من ربٰو" میں اشارہ ہے کہ کوئی کسی کو عوض کا زاید مال دے کر کہے کہ میں تجھے حلال طریقے سے دے رہا ہوں" تو اس کا ایسا کہنا اللہ تعالیٰ کے حرام کو حلال نہیں کر سکتا، نہ ہی یہ حرمت حلت سے تبدیل ہو سکتی ہے کیونکہ کوئی اللہ تعالیٰ کے حرام کو حلال نہیں کر سکتا۔ یہ خالص سُود ہے۔ اس میں دینے اور لینے والا دونوں وعید (جرم) میں برابر کے شریک ہیں۔ ہاں جب شدید ضرورت ہو اور سُود کے بغیر کوئی قرضہ نہیں دیتا تو اب بوجہ ضرورت اور بقدرِ ضرورت سود پر قرضہ حاصل کرنا جائز ہے۔

وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَکٰوةٍ اور وہ جو تم زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ زکوٰۃ سے فرض مراد ہے یا صدقہ [illegible] کو اس لیے زکوٰۃ کہتے ہیں کہ وہ مال کو صاف اور با برکت کرتی ہے تُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرتے ہو۔ وجہ سے ثواب اور رضا مراد ہے یعنی تم خالص رضا [illegible] کی زکوٰۃ ادا کرتے ہو۔ نہ اس میں ریا کو دخل ہوتا ہے اور نہ شہرت مقصود ہوتی ہے فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ○ وہی لوگ ہیں جنہیں کئی گنا ثواب ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا:

ویربی الصدقات۔

(اور صدقات کو برکت بخشتا ہے)

اس کی ذی قوت نظیر ہے جسے مقوی کہا جاتا ہے۔ ایسے ہی الیسار جسے موسر کہتے ہیں۔ یا وہ لوگ جنہوں نے اپنے ثواب و اموال کو زکوٰۃ کی برکت سے بڑھایا۔

سوال: خطاب کے صیغے کے بعد ھم المضعفون غائب کا صیغہ کیوں؟

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

جواب: اس میں اشارہ ہے کہ اس ثواب کے مستحق صرف مخاطب نہیں بلکہ عام ہے جو قیامت تک تمام مکلفین کو شامل ہے۔

ف: حضرت سہل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ تضعیف رضائے الٰہی اور خلوص کی وجہ سے ہے نہ صرف ادائیگی زکوٰۃ کی وجہ سے۔ بدن کی زکوٰۃ: اسے گناہوں سے پاک رکھنے کا نام ہے اور مال کی زکوٰۃ یہ ہے کہ اسے شبہات سے پاک رکھا جائے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ انفاق المال فی سبیل اللہ کا مطلب یہ ہے کہ نفس کو حبِ دنیا سے فارغ رکھا جائے۔ جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حال یہ رہا کہ وہ مالِ دنیا سے بالکل فارغ ہو کر صرف اللہ تعالیٰ کے ہو گئے۔ خود اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے فرمایا:

"وسیجنبها الاتقى الذی یؤتی ماله یتزکی وما لاحد عنده من نعمة تجزى الا ابتغاء وجه ربه الاعلى۔"

(عنقریب اللہ تعالیٰ اپنے اس بڑے متقی بندے کو جہنم سے دُور رکھے گا جو وہ اپنے مال خرچ کرتا کہ ستھرا ہو کسی پر اس کا کچھ احسان نہیں کہ اس کا بدلہ دیا جائے صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے)

ف: وجہ ربہ سے اس کے دیدار کا شوق مراد ہے۔

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ○ وہی کئی گنا ثواب دیے جائیں گے جس کی انہیں امید ہے اور وہ اس کی آرزو رکھتے ہیں کیونکہ وہ اپنی ہمت اور بحسبِ نظر امید رکھتے ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل و کرم سے اتنا عطا فرمائے گا جس کا کوئی حساب نہیں۔

سبق: مال چند روزہ ہے پھر چھین لیا جائے گا۔ وہ انسان بہت بیوقوف ہے جو دائمی عذاب سے بچنے کی جدوجہد نہیں کرتا، حالانکہ وہ کریم اس مال کے خرچ کرنے پر بہت بڑا معاوضہ دینے کا وعدہ فرما رہا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے:

۱ گفت پیغمبر کہ دائم بہر پند
دو فرشتہ خوش منادی میکنند

۲ کاے خدایا منفقاں را سیر دار
ہر درمشاں را عوض دہ صد ہزار

۳ اے خدایا ممسکاں را در جہاں
تو مدہ الا زیاں اندر زیاں

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۴ گر نماند از جود در دست تو مال
کے کند فضل الٰہت پائمال

۵ ہر کہ کارد گردد انبارش تہی
لیکنش اندر مزرعہ باشد بہی

۶ وانکہ در انبار ماند و صرفہ کرد
اشپش و موش و حوادثہاش خورد

ترجمہ (۱) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نصیحت کے لیے دائماً دو فرشتے دعا کیا کرتے ہیں۔

(۲) اے اللہ! خرچ کرنے والوں کو بہت دے، ایک درم کے بدلے ہزاروں درم عطا فرما۔

(۳) اے اللہ! بخیلوں کو جہان میں کچھ نہ دے۔ اگر دیتا ہے تو نقصان در نقصان دے۔

(۴) اگر سخاوت سے مال نہ رہے تو اللہ تعالیٰ کا فضل کہیں نہیں جائے گا۔

(۵) جو بھی کاشت کرتا ہے پہلے تو اس کا اناج ختم ہو جاتا ہے لیکن بعد کو اسے بہت سا اناج حاصل ہو جاتا ہے۔

(۶) اور جس نے اناج کو کھیتی میں خرچ نہ کیا تو اسے چوہے، کیڑے مکوڑے اور گھر کے جانور کھا جائیں گے۔

اور بوستاں میں ہے: ؎

۱ پریشاں کن امروز گنجینہ چست
کہ فردا کلیدش نہ در دست تست

۲ تو با خود ببر توشۂ خویشتن
کہ شفقت نیاید ز فرزند و زن

۳ کنوں بر کف دست نہ ہرچہ ہست
کہ فردا بدنداں گزی پشت دست

۴ بحالِ دلِ خستگاں در نگر
کہ روزے دلت خستہ باشد مگر

۵ فروماندگاں را درون شاد کن
ز روز فروماندگی یاد کن

۶ نہ خواہندۂ بر در دیگراں
بشکرانہ خواہندہ از در مراں

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ترجمہ (۱) آج ہی جلدی سے قبر زادِ نہادے کہ کل مرنے کے بعد چابی تیرے ہاتھ میں نہ ہوگی۔

(۲) قبر کا سامان تُو خود دے جا اس لیے کہ تجھ پر تیری عورت اور بیٹے رحم نہ کھائیں گے۔

(۳) جو کچھ تیرے ہاتھ میں ہے آج ہی اسے خرچ کر ڈال ورنہ مرنے کے بعد افسوس کے ہاتھ ملوگے۔

(۴) عاجزوں کا حال غور سے دیکھ، ممکن ہے تیرا حال اسی طرح ہو جائے۔

(۵) عاجزوں کا دل خوش کر، اپنے عاجزی کے دن یاد کر۔

(۶) تُو تو کسی کے در کا بھکاری نہیں۔ بھکاریوں کو شکرانہ کے ساتھ اپنے دروازے سے نہ لوٹا۔

تفسیر عالمانہ

اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وہ اللہ جس نے تمہیں پیدا کیا یعنی تم کچھ نہ تھے، تمہیں عدم سے وجود بخشا ثُمَّ رَزَقَکُمْ پھر تمہیں روزی دی۔ یعنی جب تک تم دنیا میں زندہ رہے تمہیں رزق بخشا۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ وہ کسی کی روزی کا رزاق ہے اور کسی کے شہود کا رزاق۔ عوام روزی کی فکر میں ہیں جب پیٹ خالی ہوتا ہے تو کھانا پینا چاہتے ہیں۔ اور خواص دل کی روزی مانگتے ہیں۔ یعنی طاعات کی توفیق اور عبادات میں اخلاص چاہتے ہیں۔ جو کم ہمت ہے وہ کھانا پینا مانگتا ہے۔ افسوس ہے کہ وہ ایسی شے مانگتا ہے جو کھانے کے بعد گندگی بن کر باہر نکلتی ہے۔

کسی نے کیا خوب فرمایا ہے: ؎

۱ اے توانگر بگنج خورسندی
زیں بخیلاں کنارہ گیر و کنار
۲ ایں بخیلاں عہد ما ہمہ بار
راح خوردند و مستراح انبار

ترجمہ (۱) اے تونگر! تُو اپنے گوشۂ تنہائی میں خوش ہے لیکن ان بخیلوں سے دُور رہنا۔

(۲) ہمارے زمانے کے بخیل بہت کچھ کھا کر گندگی کے ڈھیر نکالتے ہیں۔

ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ پھر اجل کے اختتام پر تمہیں مارے گا ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ پھر نفخۂ اخیرہ میں تمہیں زندہ اٹھائے گا تاکہ تمہیں دنیا کے اعمال پر جزا و سزا دے کیونکہ یہ جزا و سزا کے لیے ہے هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ کیا تمہارے شریک ہیں جن کے لیے تمہارا گمان تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں مَنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ یہ تخلیق و ترزیق اور اماتت و احیا کون کر سکتا ہے مِنْ شَیْءٍ یعنی یہ امور سوائے اس کے اور کوئی نہیں کر سکتا تو پھر بتوں کو اس کا شریک بنانے کا کیا معنی!

ف : پہلا اور دوسرا مِنْ جنس شرکاء وافعال میں شیوعِ احکام کا فائدہ دیتے ہیں اور تیسرا زائدہ تعمیم منفی کے لیے ہے یعنی سب کے سب شرکاء کی تعجیز کے لیے تاکید کرتے ہیں سُبْحٰنَهٗ اس کو پاکی ہے وَتَعٰلٰی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اور وہ بلند ہے عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ۝ اس سے کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرائے جائیں۔

تفسیر صوفیانہ اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وہ اللہ جس نے تمہیں پیدا کیا یعنی تمہیں عدم سے عالمِ ارواح کی طرف نکالا ثُمَّ رَزَقَکُمْ پھر تمہیں الست بربکم کے خطاب سے بلا واسطہ اپنا کلام سنایا یہ تمہارے کانوں کا اور تمہاری آنکھوں کا رزق شواہدِ ربوبیت کا مشاہدہ ہے اور تمہارے قلوب کا رزق اس کے خطاب کا فہم اور مراد کو پہنچنا ہے اور زبانوں کا رزق اس کے سوال کی اجابت اور توحید کی شہادت ہے ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ پھر وہ تمہیں نورِ ایمان و ایقان و عرفان سے موت دیتا ہے هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ کیا تمہارے بتوں اور دوستوں میں سے مَنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَیْءٍ کوئی ایسا ہے جو مذکورہ بالا امور سے کسی ایک کو کر سکے سُبْحٰنَهٗ اس کی ذات و صفات منزہ ہے عَمَّا یُشْرِكُوْنَ اس سے جو اس کے اعداء اس کی عبادت میں بتوں کو شریک کرتے ہیں اور جو اس کے بناوٹی اولیاء خواہشِ نفسانی کی ملاوٹ سے عبادت کرتے ہیں۔

حدیث قدسی میں ہے:

انا اغنی الشرکاء عن الشرك۔

(میں شرکاء سے غنی ہوں)

یعنی میں اس سے بے پرواہ ہوں کہ امور میں کوئی میری مدد کرے بخلاف تمہارے کہ تم اپنے امور میں دوسروں کے تعاون کے محتاج ہو۔

اس سے ثابت ہوا کہ جہاں بھی اللہ تعالیٰ افعل کا صیغہ مضاف کر کے اپنے لیے استعمال فرمائے وہاں مطلق زیادتی مراد ہوتی ہے کہ وہاں مضاف الیہ کا مضاف کے ساتھ مقابلہ مطلوب نہیں ہوتا اور افعل کو اپنے معنے میں رہنے دینا بھی جائز ہوتا کیونکہ اس وقت مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی وقت بھی کسی کی کوئی ضرورت نہیں بخلاف اس کے مضاف الیہ کے کہ وہ کسی نہ کسی وقت اسے محتاجی ضرور ہوتی ہے۔

اور فرمایا:

من عمل عملاً اشرك فیه معی غیری ترکته و شرکه۔

شرکہ کے کاف کو فتح سے پڑھئے مع شرکہ اور ترکتہ کی ضمیر من کی طرف راجع ہے

شرح مع ترجمہ یعنی وہ بندہ جو ایسا عمل کرتا ہے جس میں وہ میرے ساتھ دوسرے کو شریک کرتا ہے میں اس کے شرک کے ساتھ اسے چھوڑ دوں گا یعنی ریاکار کو اس کے عمل کا کوئی ثواب عطا نہ ہو گا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

شرک کے اقسام

(۱) سب سے بڑا شرک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو اس کی ذات میں شریک کرنا۔

(۲) اس کے افعال میں کسی کو شریک ماننا، جیسے ایک فرقہ کہتا ہے کہ بندے اپنے افعالِ اختیاریہ کے خود خالق ہیں۔

(۳) اس کی عبادت میں کسی دوسرے کی مدح و تعریف کا تصور کرنا، جسے ریاء کہا جاتا ہے۔ حدیث قدسی میں یہی مراد ہے۔

مسئلہ: شیخ ابوحامد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب ریاء کے ساتھ ثواب کی امید غالب ہو تو ہمارا گمان یہ ہے کہ ثواب ضائع نہ ہوگا (واللہ اعلم) اگرچہ ثواب کامل نہ سہی لیکن کچھ اجر ملے گا ضرور۔ ہاں حدیث قدسی میں وہ ریاء مراد ہے جو عمل میں بندوں کی تعریف کا خیال غالب ہو۔

مسئلہ: شیخ کلاباذی رحمہ اللہ نے فرمایا، جب عمل کی ابتداء میں ثواب کی نیت ہو تو بعد کا ریاکار مضر نہیں، نہ ہی اس عمل کو کوئی شے ضائع کر سکتی ہے کیونکہ ریاء وہ ہے جو عبادت کے شروع میں کسی دوسرے کی تعریف کرنے کے ارادہ پر ہو۔ اہل سنت کے نزدیک اس آیت خلطوا عملا صالحا و آخر سیئا (انہوں نے عمل صالح میں برائی کو ملا دیا) سے یہی مراد ہے اور معتزلہ کہتے ہیں کہ برائیوں سے اعمال صالح ضائع ہو جاتے ہیں ہم ان کے جواب میں کہتے ہیں کہ اگر ایسے ہو تو پھر کسی بھی بندۂ خدا کے اعمال صالحہ ریاء سے بچ کر نہیں جا سکتے كذا فی مشارق الانوار لابن الملک۔

مسئلہ: اشباہ میں تاتارخانیہ سے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ اگر کسی نے شروع میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے ارادے پر نماز کا آغاز کیا پھر دل میں ریاء کا خیال آیا تو اس کا دارومدار اسی شروع کی نیت پر ہوگا۔ اس لیے کہ ریاء یہ ہے کہ اگر لوگ ہیں تو نماز پڑھتا ہے ورنہ نہیں یا لوگوں میں تو نہایت خشوع و خضوع سے عبادت کرتا ہے اور تنہائی میں ایسا نہیں کرتا اگرچہ اسے نماز کا ثواب ملے گا لیکن روحِ صلوٰۃ سے محروم رہے گا۔

مسئلہ: روزہ میں ریاء کو دخل نہیں ہو سکتا۔

مسئلہ: ایسے ہی درود شریف پڑھنے میں بھی ریاء کو دخل نہیں ہوتا۔

سبق: عاقل پر لازم ہے وہ کشف و عیان میں جد و جہد کرے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ نصیب ہو اور اسے ہر فعل مامور بہ کے عمل پر ہو۔ اعمال کی ادائیگی میں مخلوق میں سے کسی کا بھی خیال تک دل میں نہ ہو۔ تم نے کسی اللہ والے کو نماز پڑھتے دیکھا ہوگا کہ وہ نماز کے وقت اللہ تعالیٰ سے لو لگا لیتا ہے اسے کسی شے کا تصور نہیں رہتا اس وقت اس کے لیے ہر شے کا وجود و عدم برابر ہوتا ہے۔ بہرحال ریا ایک وہم و خیال ہے اللہ تعالیٰ نے بندوں کو بندہ کر کے ان میں قدرت علی الحرکۃ پیدا فرمائی اور رزق اپنے ذمۂ کرم لگایا تو پھر شرک اور ریاء کیوں ؎

اگر جز بحق میرود جادہ است
در آتش فشانند سجادہ است

(بقیہ صفحہ ۱۶۸ پر)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا

چمکی خرابی خشکی اور تری میں ان برائیوں سے جو لوگوں کے ہاتھوں نے کمائیں تاکہ انہیں ان کے بعض کوتکوں کا مزہ چکھائے

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٤١﴾ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

کہیں وہ باز آئیں تم فرماؤ زمین میں چل کر دیکھو کیسا انجام ہوا

الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ ﴿٤٢﴾ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ

اگلوں کا ان میں بہت مشرک تھے تو اپنا منہ سیدھا کر عبادت کے

الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ يَوْمَئِذٍ يَصَّدَّعُونَ ﴿٤٣﴾

لیے قبل اس کے کہ وہ دن آئے جسے اللہ کی طرف سے ٹلنا نہیں اس دن الگ پھٹ جائیں گے

مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِأَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُونَ ﴿٤٤﴾

جو کفر کرے اس کے کفر کا وبال اسی پر اور جو اچھا کام کریں وہ اپنے ہی لیے تیاری کر رہے ہیں

لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ

تاکہ صلہ دے انہیں جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے اپنے فضل سے بے شک وہ کافروں کو

الْكَافِرِينَ ﴿٤٥﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ يُرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرَاتٍ وَلِيُذِيقَكُمْ مِنْ

دوست نہیں رکھتا اور اس کی نشانیوں سے ہے کہ ہوائیں بھیجتا ہے مژدہ سناتی اور اس لیے کہ تمہیں

رَحْمَتِهِ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٤٦﴾

اپنی رحمت کا ذائقہ دے اور اس لیے کہ کشتی اس کے حکم سے چلے اور اس لیے کہ اس کا فضل تلاش کرو

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ فَجَاءُوهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ

اور اس لیے کہ تم حق مانو اور بے شک ہم نے تم سے پہلے کتنے رسول ان کی قوم کی طرف بھیجے تو وہ ان کے پاس

فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِينَ أَجْرَمُوا وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٤٧﴾ اللَّهُ

کھلی نشانیاں لائے پھر ہم نے مجرموں سے بدلہ لیا اور ہمارے ذمہ کرم پر ہے مسلمانوں کی مدد فرمانا اللہ ہے

الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهُ فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ وَيَجْعَلُهُ

کہ بھیجتا ہے ہوائیں کہ ابھارتی ہیں بادل پھر اسے پھیلا دیتا ہے آسمان میں جیسا چاہے اور اسے پارہ پارہ کرتا

كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ فَإِذَا أَصَابَ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ

تو تو دیکھے کہ اس کے بیچ میں سے مینھ نکل رہا ہے پھر جب اسے پہنچاتا ہے اپنے بندوں میں جس کی طرف

عِبَادِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿٤٨﴾ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ

چاہے جبھی وہ خوشیاں مناتے ہیں اگرچہ اس کے اتارنے سے پہلے آس توڑے ہوئے تھے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ
تو اللہ کی رحمت کے اثر دیکھو کیونکر زمین کو جلاتا ہے
مَوْتِهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾ وَلَىِٕنْ اَرْسَلْنَا
اس کے مرے پیچھے بے شک یہ مردوں کو زندہ کرے گا اور وہ سب کچھ کرسکتا ہے اور اگر ہم کوئی ہوا
رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا
بھیجیں جس سے وہ کھیتی کو زرد دیکھیں تو ضرور اس کے بعد ناشکری کرنے لگیں اس لیے کہ تم مردوں کو نہیں
تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاۗءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۭ
سناتے اور نہ بہروں کو پکارنا سناؤ جب وہ پیٹھ دے کر پھریں اور نہ تم اندھوں کو ان کی گمراہی سے راہ پر لاؤ
اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾
تو تم اسی کو سناتے ہو جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے تو وہ گردن رکھے ہوئے ہیں

تفسیر عالمانہ

ظَهَرَ الْفَسَادُ فساد پھیل گیا فِی الْبَرِّ جنگلوں میں، جیسے قحط اور کھیتوں کی کمی اور تجارت میں منافع کی قلت اور کثرتِ اموات اور کھیتوں میں کیڑے پڑجانا اور حیوانات میں دودھ اور نسل کی کمی اور ہر شے سے برکات کے اٹھ جانے کے۔

ف: اور وقوع الموتان بضم المیم کبطلان الموت الشائع فی الماشیہ (وہ موت جو جانوروں میں پھیل جائے) اور لوگوں میں وبا اور طاعون کا ظہور ہونا۔ ایسے ہی آگ کے شعلے بھڑک اٹھنا بھی فساد فی الارض ہے۔ وکثرۃ الحرق بفتحتین۔ احراق کا اسم ہے ایسے ہی دشمنوں کا غلبہ اور جنگیں، دیگر حوادث (جیسے آجکل ایکسیڈنٹ ہو رہے ہیں اور دیگر عوارض جیسے مہنگائی، جھگڑے، فسادات وغیرہ) بھی فساد فی الارض کا نتیجہ ہے۔

وَالْبَحْرِ اور دریا کا فساد۔ جیسے ڈوب کر مرنا، الغرق بفتحتین ۔ اغراق کا اسم ہے۔ اور بارش کے انقطاع سے دریائی جانوروں کا اندھا ہونا کیونکہ ایسے جانوروں کے لیے بارش ایسے ہے جیسے انسانی آنکھوں کے لیے سرمہ۔ ایسے ہی دریائی شکاریوں کا موتیوں سے محروم ہونا، اس لیے کہ یہ موتی بہار کی بارش سے پیدا ہوتے ہیں اگر اس موسم میں بارش نہ ہو تو موتی نہیں بنتے۔

موتیوں کی تحقیق

بہار کے موسم میں ہوائیں چلتی ہیں تو دریاؤں میں موجیں اٹھتی ہیں اور دریا خود بڑی موج میں ہوتا ہے۔ چیت کی اٹھارھویں تاریخ کو صدف منہ کھولتا ہے یہ زیادہ تر بحرالسند والفارس میں ہوتے ہیں۔ ان کی عجیب سی آواز ہوتی ہے ان کے پیٹ میں

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ایک چھوٹا سا کیڑا ہوتا ہے اور صدف کے دونوں کناروں پہ دو پہرے ہوتے ہیں جو انہیں دشمنوں سے بچاتے ہیں۔ ان کے دشمن سرطان البحر ہیں جو انہیں کھانے کے درپے رہتے ہیں۔ وہ انہیں پکڑنے کے لیے عجیب و غریب طریقہ اپناتے ہیں کبھی وہ ان کے قریب ہو کر ان کے پر کھولتے وقت اپنے پنجے ان کے پروں کے درمیان ڈال کر انہیں کھا جاتے ہیں کبھی اپنے پنجے میں مٹی کا ایک گول ڈھیلا رکھتے ہیں جب وہ پر کھولتے ہیں تو وہ ڈھیلا ان کے پروں کے درمیان رکھ دیتے ہیں جس سے ان کے پر کمزور ہو جاتے ہیں تو یہ انہیں لقمہ بنا لیتے ہیں اشارہ جیت کر تمام اصداف جن میں موتی حاصل کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے دریا کی گہرائی سے نکل کر دریا کے اوپر آجاتے ہیں یہاں تک کہ دریا کا وہ حصہ موتیوں کی طرح سفید نظر آتا ہے ان پر ایک بادل چھا جاتی اور بارش برساتا ہے ان میں جس کی قسمت میں موتی ہوتا ہے وہ منہ کھولتا ہے، بارش کے قطرات اس کے پیٹ میں چلے جاتے ہیں۔ کسی میں ایک کسی میں دو کسی میں تین یہاں تک کہ دو سو قطرات تک بھی ایک صدف کے پیٹ میں چلے جاتے ہیں بلکہ اس سے زیادہ بھی۔ یہ اصداف منہ بند کر لیتے ہیں۔ لیکن زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتے۔ بلکہ جن کے پیٹ میں قطرے پہنچتے ہیں وہ فوراً مر جاتے ہیں اور دریا کی گہرائی میں چلے جاتے ہیں جہاں پہنچ کر ٹھہر جاتے ہیں۔ دریا کا پانی انہیں ادھر اُدھر نہیں لے جا سکتا یہاں تک کہ موتی کے ارد گرد کا حصہ خود بخود گل جاتا ہے لیکن پانی موتی کے اندر نہیں جا سکتا۔ یہاں تک کہ تمام اصداف کا گوشت پوست پانی میں حل ہو جاتا ہے اور صرف موتی باقی رہتے ہیں۔

بہترین اور ردی موتی

ان سب میں بہترین اور قیمتی موتی وہ ہوتا ہے جو صدف کے بطن میں اکیلا ہوتا ہے اس کے بعد . . . پھر تین، اسی طرح جتنے زیادہ ہوتے جاتے ہیں اتنے ہی ردی ہوتے جاتے ہیں۔ وہ اکیلا موتی موٹا اور سب سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ جتنے قطرات صدف میں زیادہ ہوں گے اُتنے ہی وہ چھوٹے اور قیمت میں کم ہوں گے۔ درِ یتیم وہی ہے جو تنہا ہے۔ اس کی قیمت کا کیا کہنا۔ اس کے بعد نمبر ان کا ہے جو دو ٹھہرے، پھر تین کا!

صفحہ ۱۶۵ سے آگے

ترجمہ: اگر تیرا طریقہ عمل غیر حق کے لیے ہے تو تیرے مصلے کو آگ میں پھینک ماریں گے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے خلاص عن الاغیار اور ملاحظات و افکار قلب سے نکالنے کی دعا کرتے ہیں کہ ہم سوائے اس کی طرف توجہ اور اس کے غیر کے حضور سے پناہ مانگتے ہیں ؎

ترا بگوہر دل کردہ اند امانت دار
ز دزد امانت حق را نگاہ دار و مخسپ

ترجمہ: تجھے دل کے موتی کا پہرے دار مقرر کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کی امانت کے چور پر نگاہ رکھ، سو نہ جا (یعنی غافل نہ ہو)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۱ ز ابر افگند قطرۂ سوئے یم
ز صلب او افگند نطفہ در شکم

۲ ازاں قطرہ لؤلؤ لالا کند
وزیں صورتے سرو بالا کند

ترجمہ (۱) آسمان سے دریا کی طرف پانی کا قطرہ گراتا ہے۔ انسان کی پیٹھ سے نطفہ عورت کے شکم میں گراتا ہے۔

(۲) اس قطرے سے چمکدار موتی بناتا ہے اور اس نطفے سے حسین شکل سرو کی طرح بناتا ہے۔

صدف کے اطوار صدف تین اطوار سے تبدیل ہوتا ہے:

(۱) حیوانیت میں جب وہ بارش کا قطرہ پیٹ میں لیتا ہے تو مر کر پتھر ہو جاتا ہے اسی لیے دریا کی تہہ میں جا کر قرار پکڑتا ہے۔

(۲) اس کا پتھر میں تبدیل ہونا ہی دوسرا طور ہے۔

(۳) درخت کے طور پر بدلتا ہے جب کہ پتھر سے پھٹ کر دریا میں درخت کی طرح پھیلتا ہے۔ یعنی اس کی جڑیں دریا میں ادھر ادھر پھیل جاتی ہیں۔ یہ عزیز علیم کی قدرت ہے وہ جس طرح چاہے کرے۔

موتی نکالنے کا موسم ان موتیوں کا اصداف کے پیٹ میں جانے اور پھر ان کے پختہ ہونے کی مدت کو غواص ہی جانتے ہیں اسی لیے موسم خاص میں وہ دریا پر جمع ہو کر قسمت آزمائی کرتے ہیں جن کی قسمت میں جو لکھا ہوتا ہے وہ غوطہ لگا کر نکال لیتا ہے۔ اس موسم میں تجار بھی آتے ہیں جو حسب قدر و منزلت قیمت دے کر موتی لے جاتے ہیں۔

جنگل کے موتی اٹھارھویں چیت کو ان سانپوں کے بچے زمین پر ظاہر ہوتے ہیں جو اسی سال اپنی ماؤں کے پیٹ میں تھے۔ پھر وہ بچے دریا کے اصداف کی طرح زمین پر کھلے میدان میں منہ کھولتے ہیں ان کے منہ میں بارش کے قطرات پہنچتے ہیں۔ یہ قطرات لے کر زمین کی تہہ میں چلے جاتے ہیں۔ پھر جب دریا کے اصداف کے حمل کی مدت مکمل ہوتی ہے اور وہ صاف موتی ہوتے ہیں تو ان سانپوں کی زہر اور بیماری بنتی ہے۔

سبق قدرتِ ایزدی پہ قربان کہ پانی ایک ہے لیکن برتن مختلف۔ ایک میں موتی بن گئے دوسرے میں زہر اور بیماری۔ اسی قدرت کی شان کو دیکھ کر کسی شاعر نے کہا ہے: ؎

ادی الاحسان عند الحر دینا
وعند النذل منقصۃ و ذما

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کقطر الماء فی الاصداف دُرٌّ
وفی جوف الافاعی صار سُمّا

ترجمہ: میں اللہ تعالیٰ کے احسان کو مخلص کے ہاں دین دیکھتا ہوں۔ لیکن بدبخت کے نزدیک وہی احسان نقص اور مذمت بن جاتا ہے جیسے پانی کے قطرات اصداف میں موتی بنتے ہیں لیکن سانپوں کے جوف میں زہر قاتل۔

کذا فی خریدۃ العجائب وفریدۃ الغرائب للشیخ العلامہ ابی حفص الوردی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں بر (جنگل) سے نفس اور بحر (دریا) سے قلب مراد ہے اور فساد نفس سے اکل حرام وارتکاب ممنوعات واتباع شہوات مراد اور قلب کے فساد سے برے عقاید اور لزوم الشبہات اور خواہشات نفسانیہ کا تمسک اور بدعات سیئہ اتباع اور اوصاف مذمومہ سے موصوف ہونا اور حب دنیا اور اس کی زینت پر فریفتہ ہونا اور طلب شہوات اور دنیاوی منافع کا عشق مراد ہے اور قلب کا سب سے بڑا فساد مخالفات احکام الٰہیہ پر کمربستہ ہونا ہے جیسے اس کے بہت بڑے خیروخیرات سے توجہ الی الحق واعراض عن الباطل ہے۔

ف: علماء ظاہر کی زبان بڑا فساد ہے جب وہ تاویلات فاسدہ کے درپے ہوں۔ اور علمائے باطن کا فساد یہ ہے کہ وہ باطل اور غلط دعاوی کا اظہار کریں۔ ع

ماہ نادیدہ نشانہا می دہند

ترجمہ: وہ نادیدہ چاند کی نشان دہی کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ بسبب نحوست ان معاصی کے جن کا بحر وبر میں وہ ارتکاب کرتے ہیں۔

ف: ایدی کی تخصیص اس لیے کہ عموماً اعمال ان کے ذریعے سے ہوتے ہیں۔

مسئلہ: اس میں اہلسنت کے مذہب کی تائید ہے کہ کسب بندے کا کام ہے اور خلق وتقدیر اللہ کے

تفسیر صوفیانہ طاعت سورج کی مانند ہے کہ جس طرح اس کے انوار سے آفاق روشن ہے ایسے ہی طاعات کی برکات سے عالم دنیا پھلتا پھولتا ہے کیونکہ طاعات اللہ تعالیٰ کا لطف خاص ہے اور معصیت اندھیری رات کی طرح ہے جیسے رات کی تاریکی ہر سمت پھیل جاتی ہے ایسے ہی نحوست اقارب وغیر اقارب کو گھیر لیتی ہے یہ قہر الٰہی کی تاثیرات سے ہے۔

زمین پر پہلا فساد زمین پر جو سب سے پہلا فساد ہوا وہ قابیل کا ہابیل کو قتل کرنا ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

دریا میں پہلا فساد بادشاہ جلندی کا کشتیاں چھیننا دریا کا پہلا فساد ہے۔ اسی لیے مثال مشہور ہے: اظلم من ابن الجلندی۔

(فلاں ابن الجلندی سے زیادہ ظالم ہے)

ف: مثال میں ابن کا لفظ زائد ہے۔ کما فی انسان العیون

اعجوبہ: یہ ظالم حجاج بن یوسف کے اجداد سے ہے۔ درمیان ستر پشتوں کا فاصلہ ہے۔

بے ادبی کی نحوست پہلے تمام زمین سرسبز اور شاداب تھی۔ ہر درخت صاحب ثمر تھا۔ ابنائے آدم جس درخت سے چاہتے پھل حاصل کر لیتے۔ دریا کا پانی میٹھا تھا اور شیر بکری گھاس اکٹھے چرتے تھے۔ لیکن جب سے قابیل نے ہابیل کو قتل کیا زمین پر تغیر آ گیا اور درخت کانٹے دار ہو گئے اور دریا کا پانی نمکین اور کڑوا ہو گیا۔ اور بعض جانور بعض دوسروں کی جان کے دشمن بن گئے۔

حکایت کسی نبی علیہ السلام کو کانٹا چبھا تو انہوں نے اس پر لعنت کی۔ تو کانٹے نے کہا: یہ میرا قصور نہیں۔ میں تو ابنائے آدم کے گناہوں کی شامت ہوں۔

فقیر (اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ) کہتا ہے:

چوں عمل نیکو بود گلہا دمد
چونکہ زشت آید بروید خار زار
گر بد و گر نیک باشد کار تو
ہر چہ کاری بدروی انجام کار

ترجمہ: جب عمل نیک ہوں تو گل پیدا ہوتے ہیں اگر بُرے ہوں تو کانٹے۔
تیرا کام نیک ہو یا بُرا۔ اگر بُرائی کرے گا تو انجام بُرا ہو گا۔

لِیُذِیْقَہُمْ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا تاکہ انہیں بعض اعمال کا مزہ چکھائے۔ لام علت کی ہے۔ الذوق مزہ کا مزہ کڑوا یا میٹھا۔ لیکن اس کا اکثر استعمال میٹھے کے لیے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دنیوی اسباب فاسد بنا دیئے بسبب ان کے بُرے اعمال کے، تاکہ انہیں بُرے اعمال اور اعراض عن الحق کی سزا کا مزہ چکھائے اور خوف و رنج اور مصائب کے ذریعے انہیں عذاب دے۔ اور یہ بھی بعض گناہوں کی سزا ہے ورنہ ان کے تمام جرائم کی سزا تو انہیں قیامت میں ملے گی۔ یا لام عاقبت کی ہے۔ اب معنیٰ یہ ہو گا کہ ان کے بُرے اعمال کی سزا انجام بد ہے (نعوذ باللہ) لَعَلَّہُمْ یَرْجِعُوْنَ○ تاکہ اس سے لوٹ آئیں جو ان سے شرک معاصی، غفلتیں، اتباع شہوات اور تضییع اوقات جیسی بُرائیاں سرزد ہو رہی ہیں اور توحید و طاعت و طلب حق اور جہد فی العبودیت و تعظیم الشرع اور فوت شدہ نیک اعمال پر تاسف جیسی نیکیوں میں لگ جائیں۔ اس کی مثال موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے متعلق ارشاد گرامی ہے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ولقد اخذنا آل فرعون بالسنین ونقص من الثمرات لعلھم یذکرون۔

(اور بے شک ہم نے فرعون والوں کو قحط سالی اور ثمرات کی کمی کرکے پکڑا تاکہ وہ لوٹ آئیں یعنی نصیحت حاصل کریں لیکن نہ لوٹے یعنی نصیحت حاصل نہ کی۔

سبق: اس میں تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قحط اور نقص ثمرات و نباتات میں مبتلا کرنا اس کا لطف وکرم ہے تاکہ بندے برائی سے بچ کر نیکیوں کی طرف متوجہ ہوں ۔

۱ بارہا پوشد پے اظہار فضل
بازگیرد از پے اظہار عدل

۲ تا پشیماں مے شوی از کار بد
تا حیا داری ز اللہ الصمد

ترجمہ (۱) کئی بار اپنے فضل سے بندے کی عیب پوشی کرتا ہے لیکن اسے بطور عدل پکڑ بھی لیتا ہے۔

(۲) تاکہ تم گناہوں سے پشیمان ہو کر چھوڑ دو تاکہ تمہیں اللہ بے نیاز سے حیا آئے۔

نہ تنہا خود را داشت بد

اللہ تعالیٰ نے معاصی کی نحوست سے اشیاء کثیرہ کو بدلا :

(۱) ابلیس کی صورت اور نام کو بدلا، اس کا نام حارث اور عزازیل تھا

(۲) حام بن نوح علیہ السلام کو سیاہ حبشی بنادیا جب اس نے نوح علیہ السلام کو نیند کی حالت میں ننگا دیکھا اور ہنس دیا۔ پھر والد گرامی کو بتایا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے کالا سیاہ بنادیا۔ اس سے ہندی و حبشی پیدا ہوئے۔

(۳) موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو بندر بنا دیا۔

(۴) عیسیٰ علیہ السلام کی قوم کو خنزیر بنادیا۔

(۵) قبطیوں کے پانی اور مال کو خون اور پتھر سے بدل دیا۔

(۶) امیہ بن ابی الصلت باوجودیکہ فصیح و بلیغ تھا، نیند میں تھا، پرندے نے اس کے منہ میں چونچ ڈال کر تمام علم چھین لیا، جاگا تو جاہل مطلق تھا۔

(۷) ایک شخص کو ماں نے بلایا تو جواب نہ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے گونگا بنادیا۔

(۸) برصیصا کی ولایت اور ایمان چھین لیا جب اس نے شراب پی اور زنا کیا، حالانکہ یہ دوسو بیس سالہ عابد تھا۔

گندم کا دانہ شتر مرغ کے انڈے کے برابر تھا

جب آدم علیہ السلام زمین پر تشریف لائے تو میکائیل علیہ السلام آپ کے ہاں شتر مرغ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کے انڈے کے برابر گندم کا ایک دانہ لائے اور عرض کی، یہ آپ کا اور آپ کی اولاد کا رزق ہے اسے زمین میں بو دیجئے۔ پھر اس وقت سے ادریس علیہ السلام کے زمانے تک شتر مرغ کے انڈے کے برابر رہا۔ پھر ابنائے آدم کے معاصی کی نحوست سے گھٹتا ہوا مرغی کے انڈے کے برابر رہ گیا، پھر کبوتر کے انڈے کے برابر، پھر پستہ کے برابر ہو گیا۔ حضرت عزیر علیہ السلام کے زمانے میں چنے کے برابر تھا کذا قال کعب الاحبار۔

احادیث صحیحہ میں وارد ہے:

بعض جرائم کی سزا (۱) ان ظہور الفاحشۃ فی قوم و اعلانہا سبب لفشو الطاعون والاوجاع۔

(۲) ونقص المیزان والمکیال سبب القحط وشدۃ المؤنۃ وجور السلطان۔

(۳) ومنع الزکاۃ سبب لانقطاع المطر ولولا البہائم لم یمطروا۔

(۴) ونقض عہد اللہ وعہد رسولہ سبب لتسلط العدو۔

(۵) واخذ الاموال من ایدی الناس وعدم حکم الائمۃ بکتاب اللہ سبب لوقوع السیف والقتال بین الناس۔

(۶) واکل الربا سبب للزلزلۃ والخسف فضرر البعض یسری الی الجمیع۔

(ترجمہ: (۱) فاحشہ کا ظہور و اعلان قوم میں طاعون اور درد و الم کا سبب بنتا ہے۔

(۲) اور ناپ تول کی کمی سے قحط اور عیال کی پریشانی اور جور سلطان پیدا ہوتا ہے۔

(۳) اور زکوٰۃ نہ دینے سے بارش کی بندش ہوتی ہے اگر جانور نہ ہوتے تو کبھی بارش نہ ہوتی۔

(۴) عہد اللہ وعہد رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو توڑنا دشمن کے تسلط کا سبب بنتا ہے۔

(۵) اور لوگوں کا ناحق مال چھیننا اور حکام کا کتاب اللہ و سنت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر عمل نہ کرنا جنگ و جدال اور قتل و خون کا موجب ہے۔

(۶) اور سود سے زلزلہ و خسف ہوتا ہے بعض کرداروں کے اثرات سب پر پڑتے ہیں۔

خشک و تر تمام برابر بندوں کی برائی سب لوگوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ جو شخص کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے قیامت میں تمام مخلوق انسان، جانور اور وحوش طیور اور چیونٹیاں اس کے مدعی ہوں گے۔

سبق: لازم ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کی طرف رجوع اور توبہ کرے اور اپنی اصلاح کرے۔ اسی میں اس کی فوز و فلاح ہے۔

حکایت حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ میں نے ایک عابد کو دیکھا کہ اس کا ایک پاؤں عبادت خانے سے باہر پڑا ہے اور اس سے پیپ بہہ رہی ہے۔ میں نے اس سے اس کا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ ایک فقیر کے ہاں ایک عورت زیارت کے لیے آئی اور میری عبادت گاہ کے قریب باہر سو گئی میرا اس کے ساتھ زنا کا ارادہ ہوا۔ اس ارادے سے میں نے یہ پاؤں باہر نکالا تو مجھ پر خوفِ خدا طاری ہو گیا۔ میں نے قسم کھائی کہ اب اس فاجر پاؤں کو اپنے ساتھ نہ ملاؤں گا۔

سبق: اسے کہتے ہیں حقیقی توبہ!

ہم اللہ تعالیٰ سے عفو و عافیت اور سلامتی کا سوال کرتے ہیں۔ مثنوی شریف میں نصوحا کی توبہ مقولہ اس شعر میں بند کیا گیا ہے ؎

توبہ کردم حقیقت با خدا
نشکنم تا جاں شدن از تن جدا

تفسیر عالمانہ

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! فرمائیے کہ اے مشرکو! زمین میں گزشتہ اقوام کے انجام دیکھنے کے لیے مختلف علاقوں کا سفر کرو فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ پھر دیکھو ان کا انجام جو تم سے پہلے گزرے ہیں۔

سوال: فانظروا فیہا او الیہا کیوں نہیں فرمایا؟

جواب: تاکہ اس طرف اشارہ ہو کہ ان کے احوال و مشاہدات و آثار دکھانے مطلوب ہیں نہ کہ صرف علاقے۔

كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ○ جو لوگ پہلے گزرے ہیں ان میں سے اکثر مشرک تھے اور تباہ و برباد ہوئے۔ تو یہی شرک اور کفر کی نحوست سے یہ جملہ مستانفہ ہے تاکہ دلالت ہو کہ انہیں یہ سزا محض شرک کے ارتکاب سے ملی۔ یا معنی یہ ہے کہ ان میں شرک کی برائی بہت تھی بخلاف دیگر معاصی کے کہ ان میں بہ نسبت شرک کے کم تھے۔ لہٰذا اے قریشِ مکہ! تم بھی شرک سے بچو تاکہ تمہارا انجام برباد نہ ہو فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اپنا چہرہ اس دین کے لیے سیدھا کیجئے جو نہایت درجے کا مستقیم ہے اس میں کسی قسم کا ٹیڑھا پن نہیں۔ اس سے دین اسلام مراد ہے مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ اس سے پہلے کہ قیامت کا دن آئے لَّا مَرَدَّ لَهٗ جسے کوئی رکاوٹ نہیں یعنی کسی کو ایسی ہمت نہیں کہ اسے روک سکے اور نہ ہی اس وقت کا ایمان لانا نفع دے گا مِنَ اللّٰهِ یہ یاتی کے متعلق ہے یا مرد کے کیونکہ وہ مصدر ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اسے اللہ تعالیٰ کبھی رد نہ کرے گا اس لیے کہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ارادے کا تعلق ہو چکا ہے اور اس کے وعدے میں کبھی خلاف نہیں ہوتا يَوْمَئِذٍ اہل المواقف کے حساب کے بعد قیامت میں يَّصَّدَّعُوْنَ ○ دراصل یہ یتصدعون تھا تا کو صاد میں مدغم کر کے مشدد کیا گیا ہے۔ الصدع بمعنے سخت اشیاء، ذی اجسام اشیاء کا پھٹنا جیسے شیشہ لوہا وغیرہ اسی سے استعارہ ہے صدع الامر بمعنے جدا ہو گیا۔ یعنی فیصلہ ہو گیا اصداع

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattori

پھٹ ہوگا دوسرے پھٹنا اور الفجر کو الصدیع کہتے ہیں کیونکہ وہ رات سے پھٹ کر باہر آتی ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ قیامت میں دو گروہ ہو جائیں گے۔ ایک بہشت میں جائے گا اور دوسرا جہنم میں چنانچہ فرمایا مَنْ كَفَرَ جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتا ہے فَعَلَيْهِ تو صرف اسی پر ہوگا كُفْرُهٗ اس کے کفر کا وبال اور اس کی جزا دائمی جہنم ہوگی وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا اور جو عمل صالح کرتا ہے یعنی توحید کے بعد طاعت خالص فَلِاَنْفُسِهِمْ تو وہ صرف اپنے لیے يَمْهَدُوْنَ ○ المھد دراصل بچے کے لیٹنے کی جگہ کی اصلاح کو کہا جاتا ہے۔ پھر بطور استعارہ ہر چھوٹے بڑے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ وہ اپنی بہتر جگہ بہشت میں بناتے ہیں۔ یعنی اعلیٰ بستر بہشت کے تیار کر رہے ہیں۔ یا یہ تمہید سے ہے۔ یعنی یہ نیک عمل ان کے لیے قبر میں لیٹنے کی بہتر جگہ کی تمہید ہیں کیونکہ اعمال صالحہ قبر اور جنت کے بہتر اور اعلیٰ منزل و ماویٰ ہیں۔

قبور کے مقیم کا حال مروی ہے کہ برزخ میں بہترین بستر جن میں عطر و کستوری اور اعلیٰ سرہانے جن کے اندر باہر کے حصے سندس و استبرق کے ہیں جو قیامت تک اہل عمل صالح کو نصیب ہوں گے۔

حدیث شریف میں ہے:

ان عمل الانسان یدفن معہ فی قبرہ فان کان العمل کریما اکرم صاحبہ وان کان لئیما اسلمہ۔

(عمل انسان کی قبر میں اس کے ساتھ دفن کیا جاتا ہے۔ اگر نیک عمل ہے تو اہل عمل کی عزت افزائی ہوگی اگر برا ہے تو وہ حزن و ملال میں مبتلا ہوگا)

شرح الحدیث اگر نیک عمل ہے تو اہل عمل سے مانوس ہوگا اور اسے خوشخبری دے گا اور اس کی قبر کو فراخ اور منور کر دے گا اور ہر درد اور دکھ سے اس کی حفاظت کرے گا۔ اگر برا عمل ہے تو اس کے اہل کو ڈرائے گا اور اس کی قبر کو تاریک و تنگ بنا دے گا اور ہر قسم کے دکھ درد میں مبتلا رکھے گا اور وبال و عذاب اس کے سوا ہے

برگ عیشے بگور خویش فرست
کس نیارد زپس ز پیش فرست

ترجمہ: عیش و عشرت کے سامان اپنی قبر میں خود بھیج تیرے پیچھے کوئی نہیں لائے گا۔ اپنے جانے سے پہلے خود ہی بھیج۔

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تاکہ دنیا میں ایمان لانے والوں وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور نیک عمل والوں

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کو جزا دے۔ اس سے وہ اعمالِ صالحہ مراد ہیں جو صرف رضائے الٰہی پر ہوں مِنْ فَضْلِهٖ اپنے فضل وکرم سے۔ اس کا تعلق یجزی سے ہے یعنی تاکہ ہر نیک و بد کو ان کے اعمال کے مطابق جزاء سزا دے۔

تائیدِ اہلسنت: چونکہ اہلِ ایمان کی جزا مقصود بالذات ہے اسی لیے اس کا ذکر کرکے اسے فضل سے متعلق فرمایا۔ یہی اہلسنت کا مذہب ہے کہ اعمالِ صالحہ پر جزائے خیر عطا فرمانا بھی اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے بخلاف معتزلہ کے کہ وہ کہتے ہیں کہ اعمال کی جزا دینا اس پر واجب ہے۔

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝ وہ کافروں کو پسند نہیں فرماتا۔ یہ دوسرے فریق (کفار) کی سزا کا بیان ہے اس لیے کہ ان سے محبت نہ کرنا ان سے بغض کرنے کا اشارہ ہے اور اس کا بغض لامحالہ غضب کا داعی ہے اور یہی اس کی سزا و عذاب کی علامت ہے۔

ف: بعض نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کافروں سے یہ سلوک ہوگا کہ اہلِ ایمان سے جدا کرکے انہیں دوزخ میں بھیجا جائے گا۔

وحیِ موسیٰ علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا: میرا دوزخ کا پیدا کرنا بخل کی علامت نہیں بلکہ اس لیے ہے کہ میں نہیں چاہتا کہ میرے محبوب و مبغوض یکجا ہوں اس لیے اپنے دشمنوں کو دوزخ میں بھیجوں گا اور دوستوں کو بہشت میں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے اس کے دوستوں کی رہائش گاہ کا اور دشمنوں کی رہائش گاہ سے پناہ کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیرِ صوفیانہ

آیات میں چند اشارات ہیں:

(۱) نظرِ عبرت سے دیکھنا طریقِ حق میں ترقی کے اسباب سے ہے۔

(۲) اس لیے کہ بعض سالکین بعض احوال میں پہنچ کر سکون پاتے ہیں اور بعض ان کے بعض مقامات کو طے کرکے غیر اللہ کی طرف التفات کرکے شرک کا ارتکاب کر جاتے ہیں جو کامل استعداد کے مالک ہیں وہ ان مقامات کو طے کرتے وقت شریعت و طریقت کے ذریعے آگے بڑھنے کی کوشش میں رہتے ہیں۔ اسی سے نہ وہ ڈگمگاتے ہیں اور نہ ہی گر کر تباہ و برباد ہو جاتے ہیں جیسا کہ بہت سے اس راہ پر چلنے والے تباہ و برباد دیکھے گئے ہیں لہ

لہ اسی کو امام اہلسنت فاضل بریلوی رحمہ اللہ نے فرمایا ؎

رضاؔ نفس دشمن ہے دم میں نہ آنا
کہاں ہم نے دیکھے ہیں چندرانے والے

(اویسی غفرلہ)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اے برادر بے نہایت درگہیست
ہر کجا کہ می رسی باللہ مأیست

ترجمہ: اے بھائی! یہ درگاہ غیر منتہا ہے جہاں تک پہنچو بخدا ٹھہرنا نہیں (بلکہ آگے بڑھنے کی کوشش کرنا)

(۲) سالک پر استقامت و یکی توجہ ضروری ہے اور یہ شریعت کی اتباع سے ہوگا۔ اپنی رائے و قیاس کو دخیل بنانے اور بدعت سیئہ کی اقتداء سے بربادی ہوگی جو شیخ کامل کا دامن نہ تھامے وہ کبھی منزل مقصود تک نہ پہنچے گا۔ اور شیخ سے کامل ولی مراد ہے جو خدا رسیدہ ہو۔ ورنہ نفع کے بجائے نقصان ہوگا۔

زمی اے دوست ایں یک پند بپذیر
برو فتراک صاحب دولتے گیر
کہ قطرہ تا صدف را در نیابد
نگردد گوہر و روشن نتابد

ترجمہ: میرے بھائی! مجھ سے صرف ایک نصیحت یاد رکھو، وہ یہ کہ کسی صاحب دل کا دامن تھام۔ جیسے پانی کا قطرہ جب تک صدف کے منہ میں نہیں جاتا وہ گوہر اور روشن نہیں ہوتا۔

(۳) جو کسی اہل دل پر انکار کرتا ہے اس کا وبال خود اٹھائے گا، وہ یہ کہ ایمان کے حقائق سے محروم رہے گا اور اللہ تعالیٰ منکرین اولیاء کو پسند نہیں کرتا۔ اگر ان سے محبت کرتا تو ان کو صدق و طلب عطا فرماتا اور نہ ہی ہمیشہ کی محرومی اور رسوائی اور نقصان کا طوق ان کے گلے میں ڈالتا۔

مغز را خالی کن از انکار یار
تا کہ ریحان یابد از گلزار یار

ترجمہ: مغز کو انکار یار سے خالی کر تاکہ تجھے بھی محبوب کے باغ سے پھول نصیب ہو۔

حدیث شریف میں ہے:

الاصل لا یخطیٰ۔

(اصل کبھی خطا نہیں کرتا)

یعنی اہل اقرار صفات لطف سے نوازے جاتے ہیں اور اہل انکار صفات قہر میں مبتلا ہوتے ہیں اس لیے کہ پہلے کی تخلیق پہلے یعنی اقرار سے اور دوسرے کی دوسرے یعنی انکار سے ہے۔

شراب داد خدا مرمرا و سرکہ ترا
چو قسمت است چہ جنگ است مرمرا و ترا

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ہمیں شراب حقیقت سے نوازا اور تمہیں سرکہ سے۔ جب یہ تقسیم ازلی ہے تو پھر ہماری اور تمہاری جنگ کیوں!

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

دعا : ہم اللہ تعالیٰ سے عشق و اشتیاق اور سلوک الی طریقۃ العشاق کا سوال کرتے ہیں اور ہر حال میں زیغ و ضلال سے پناہ مانگتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَمِنْ اٰیٰتِهٖٓ اور اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کی وحدت و قدرت سے ہے اَنْ یُّرْسِلَ الرِّیَاحَ یہ کہ چھوڑتا ہے ہواؤں کو شمال و جنوب و صبا سے، اس لیے کہ رحمت بھری ہوائیں ہیں۔ اور ریح دبور عذاب کی ہے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی:

اللّٰھم اجعلھا ریاحا ولا تجعلھا ریحا۔

(اے اللہ! اسے ریاح بنا ریح نہ بنا)

ہواؤں کی تحقیق قاموس میں ہے: الشمال بالفتح و بالکسر۔ وہ جو مطلع الشمس و بنات النعش کے درمیان سے یا مطلع الشمس سے مسقط النسر الطائر تک چلے یہ رات کو بہت کم چلتی ہے اور جنوب کی ہوا شمالی کی ہوا کی مخالف سمت سے چلتی ہے یہ مطلع سہیل سے مطلع ثریا کے درمیان چلتی ہے اور صبا مطلع شمس سے اس وقت چلتی ہے جب دن رات برابر ہوں۔ اس کے بالمقابل دبور ہے۔ اور صبا طیب و رُوح سے موصوف ہوتی ہے کیونکہ شمال کی ٹھنڈک سے کم اور جنوب کی گرمی سے زائد ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

الریح من روح اللہ تأتی بالرحمۃ وتأتی بالعذاب فلا تسبوھا وسلوا اللہ خیرھا واستعیذوا باللہ من شرھا۔

(ریح رُوح اللہ سے ہے یہ رحمت بھی لاتی ہے اور عذاب بھی۔ لہٰذا اسے گالی نہ دو بلکہ اس کی رحمت مانگو اور اس کے شر سے پناہ طلب کرو)

حکایت متوکل خلیفہ کا ایک مکان تھا جسے بیت الشمال کے نام سے موسوم کرتا تھا۔ جب شمال کی ہوا چلتی تو وہ اس وقت ایک ہزار درہم خیرات کرتا۔

دریائے نیل کا اعجوبہ دریائے نیل کی درازی کا ایک راز یہ بتایا جاتا ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ باد شمالی چلاتا ہے تو دریا کا پانی میٹھا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ بھر گر ہو کر تمام شہروں میں پھیل جاتا ہے جب وہ اپنی طغیانی پر پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر جنوب کی ہوا چلاتا ہے تو پھر وہ پیچھے کو ہٹتا ہے یہی وجہ ہے کہ دنیا میں اس جیسا کوئی ایسا دریا نہیں جو شمالاً جنوباً بہتا ہو بالخصوص گرمیوں میں بلکہ دوسرے دریا موسم کے لحاظ سے گھٹتے بڑھتے ہیں سوائے نیل کے یہ مبارک دریا ہے کہ شہد سے زیادہ میٹھا اور مشک سے زیادہ خوشبودار۔ شاید ہی کوئی ایسی جگہ ہو جہاں اس کی مٹھاس یا بُو میں تبدیلی ہو۔

ف : حضرت وکیع رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر ہوائیں اور مکھیاں نہ ہوں تو زمین پر بدبو پھیل جائے۔

ف : بعض نے کہا کہ ہواؤں کا چلنا بڑا تاثیر کا سبب ہے کہ جو شئ وہ مختلف سمتوں کو آتے جاتے ہیں ہوا میں مختلف

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ہوا پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن اہلِ شریعت کے نزدیک صحیح وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ ہوائیں روح اللہ سے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رجاء کی ہوائیں عوام کے قلوب پر چلاتا ہے جس سے ان کے قلوب جرائم و معاصی سے دُھل جاتے ہیں اور ان سے ناامیدی منقطع ہو جاتی ہے اور انہیں ان کے قلوب میں نورِ ایمان کی خوشخبری سناتا ہے اور بسط کی ہوائیں خواص کے ارواح پر چلاتا ہے جو انہیں قبض کے وحشت سے دھوتی ہیں اور ملاحظات الی الغیر کی گرد و غبار سے صاف کرتی ہیں پھر انہیں درکِ وصال کی خوشخبری سناتا ہے۔

تفسیر عالمانہ چنانچہ فرمایا مُبَشِّرٰتٍ درانحالیکہ مخلوق کو بارش وغیرہ کی خوشخبری سناتی ہیں وَّلِيُذِيْقَكُمْ اور تاکہ تمہیں چکھائے مِّنْ رَّحْمَتِهٖ اپنی رحمت سے۔ اس سے وہ منافع مراد ہیں جو ہواؤں سے حاصل ہوتے ہیں۔ اس کا معنیٰ مبشرات پر عطف ہے۔ گویا دراصل عبارت یہ تھی،

لیبشرکم بہا ولیذیقکم۔

وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ اور تاکہ کشتیاں دریاؤں میں ہواؤں کے ذریعے چلیں بِاَمْرِهٖ اس کے حکم سے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ کشتیاں ہواؤں سے اور ہوائیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے چلتی ہیں جو درحقیقت کشتیاں بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے چلتی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ اسرارِ محمدیہ میں ہے کہ کشتیوں کے چلنے میں ہواؤں پر سہارا نہ ہو کیونکہ یہ بھی توحیدِ افعال اور حقائق الامور میں شرک ہے جسے عالمِ امر کا انکشاف ہوتا ہے۔ اسے یقین ہے کہ ہوا خود بخود نہیں چلتی بلکہ وہ کسی دوسرے سے متحرک ہوتی ہے ایسے ہی اس کا بھی حرکت دینے والا ہے۔ یہاں تک کہ ان سب کا وہ محرک ہے جسے کسی کی حرکت کی ضرورت نہیں بلکہ وہ حرکت و اوصاف سے منزّہ ہے بلکہ ان جملہ اوصاف سے جو مخلوق کے مشابہ ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ اور تاکہ اس کا فضل تلاش کریں۔ اس سے دریائی تجارت مراد ہے۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ تجارت کے لیے دریا کا سفر جائز ہے۔ اس کی شرائط جلد ثانی میں بیان ہو چکی ہیں۔

سود دریا نیک بودے گر نبودے بیم موج
صحبت گل خوش بدی گر نیستی تشویش خار

ترجمہ: دریا میں منافع بہت ہیں اگر اس کی موج کا خطرہ نہ ہو۔ پھول کی صحبت بہتر ہے اگر کانٹا چبھنے کا خوف نہ ہو۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حضرت عطار[۱] رحمہ اللہ کے اشعار سے ایک مشہور شعر ہے ؎

بدریا در منافع بے شمار است
اگر خواہی سلامت در کنار است

ترجمہ : دریا میں منافع بے شمار ہیں۔ اگر سلامتی چاہتے ہو تو کنارے پر رہو۔

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝ تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا شکر کرو جن کا ابھی ذکر ہوا۔ اور اس کی اطاعت کرو۔ اور اسے واحد لاشریک لہ مانو ؎

مکش گردن از شکر منعم بہیچ
کہ روز پسیں سر برآری بہیچ

ترجمہ : غفلت نہ کر اور نہ ہی اس کے شکر سے گردن پھیر۔ اس لیے کہ آخر دم میں تیرا سر گرشتۂ عدم کو جائے گا۔

ربط : اگلی آیات میں ان لوگوں کا بیان ہے جو موجب شکر میں خلل انداز ہوئے۔ چنانچہ فرمایا :

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ اور بے شک ہم نے تم سے پہلے پیغمبر علیہم السلام کو ان کی اپنی قوموں میں بھیجا جیسے تمہیں اپنی قوم کا رسول بنا کر بھیجا فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ باء تعدیہ کی بھی ہو سکتی ہے اور ملابست کی بھی۔ یعنی ہر رسول علیہ السلام اپنی قوم کے ہاں اس کے لائق براہین و دلائل لایا جیسے تم اپنی قوم کے ہاں روشن دلائل و براہین و دلائل لائے ہو فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا النقمہ بمعنے العقوبۃ ، اس سے انتقام بمعنے کینہ کشی۔ اور فا فصیحہ ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ کافروں نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی تو ہم نے مجرموں سے انتقام لیا۔ اجرموا کا مادہ الجرم ہے۔ اس سے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب اور پھر اس کا اصرار مراد ہے۔ یعنی ہم نے سزا دی اور تباہ و برباد کیا۔

سوال : منہم کے بجائے الذین اجرموا کیوں لایا گیا؟

جواب : تاکہ تنبیہ ہو کہ یہ محذوف کے قائم مقام ہے اور معلوم ہوا کہ ان کے عذاب کی علت کیا ہے۔ وہ یہ جرائم و معاصی ہیں۔

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا اور ہمارے لائق شان ہے۔

ف : اللہ تعالیٰ پر کوئی شے لازم نہیں۔ ایسے مقام پر یہی معنی ہو گا کہ اس کے ذمہ کرم اور لائق شان ہے۔ الوسیط میں ہے کہ یہ ایجاب از غیر نہیں بلکہ اس نے اپنے طور اپنے لیے لازم فرمایا ہوا ہے۔ اور کشف الاسرار میں ہے کہ یہ اس محاورے سے ہے :

---

[۱] یہ شعر گلستان میں سعدی علیہ الرحمۃ نے بھی نقل فرمایا ہے۔ خدا جانے دونوں میں سے کس کا ہے۔ اویسی غفرلہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کما یقال علی قصدی ھذا الامر ای انا فعلہ۔

(جیسے کوئی کہے کہ میرا جی چاہتا ہے کہ یہ کام کرکے چھوڑوں گا یعنی ضرور کروں گا)

اور حقاً، کان کی خبر ہے اور اس کا اسم ہے۔

نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ ○ اہل ایمان کو دشمنوں اور مصیبتوں کے عذاب سے عظیم نجات دینا۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ اللہ نے اہل ایمان کی نصرت اپنے لیے واجب قرار دے کر ان کی عزت افزائی اور ان کی کرامت و شرافت کا اظہار فرمارہا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

ما من امرئ مسلم یرد عن عرض اخیہ الا کان حقا علی اللّٰہ ان یرد عنہ نار جہنم۔

(جب بھی کوئی اپنے بھائی کے احترام کے پیش نظر اس کی عزت بچاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم ہے کہ اس کی مدد فرماتے اسے جہنم کی آگ سے بچائے)

یہ فرما کر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا:

وکان حقا علینا نصر المؤمنین۔

محبوبانِ خدا کی خدمت کا صلہ حضرت الشیخ ابو علی رودباری قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میرے ہاں چند فقراء تشریف لائے ان میں سے ایک بیمار ہوگیا اور اس کی بیماری کے ایام حد سے طویل ہوگئے۔ اس کے ساتھی اس سے تنگدل ہوگئے اور شیخ سے شکایت کی اور شیخ کے لائق نہ تھا کہ اتنے بڑے منصب کے برعکس ایک معمولی درویش کی خدمت کرے۔ لیکن انھوں نے اپنے نفس کے خلاف کرکے اس درویش کی خدمت اپنے ذمے لگائی۔ چند دنوں کے بعد وہ درویش جاں بحق ہوگیا تو شیخ نے اپنی نگرانی میں غسل اور کفن و دفن کا انتظام کیا۔ جب قبر میں لٹایا تو اس کے چہرے سے کپڑا اٹھایا گیا تو اس درویش کی آنکھیں کھلی نظر آئیں اور وہ شیخ ابو علی سے کہہ رہا ہے:

یا ابا علی لانصرنک بجاھی یوم القیامۃ کما نصرتنی فی مخالفتک نفسک۔

(اے ابو علی! قیامت میں میں اپنی وجاہت کے مطابق آپ کی مدد کروں گا جیسے آپ نے اپنی نفسانیت پر زور دے کر میری مدد فرمائی)

ف: حکایت سے چند فوائد حاصل ہوئے:

(۱) محبوبانِ خدا اپنی قبروں میں زندہ ہیں اگرچہ وہ ہماری نظروں میں مردہ ہیں لیکن درحقیقت وہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہوتے ہیں۔

(۲) حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اتخذوا الایادی عند الفقراء قبل ان تجیء دولتھم فاذا کان یوم القیامۃ یجمع

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اللہ الفقراء والمساکین فیقال فتصفحوا الوجوہ فکل من اطعمکم لقمۃ او سقاکم شربۃ او کساکم خرقۃ او دفع عنکم غیبۃ فخذوا بیدہ و ادخلوا الجنۃ (فقراء کی مدد کرو اس سے پہلے کہ انہیں دولت سے نوازا جائے کیونکہ قیامت میں اللہ تعالیٰ فقراء و مساکین کو جمع کرکے حکم دے گا کہ ان لوگوں میں انہیں تلاش کرو جنہوں نے تمہیں ایک لقمہ دیا یا پانی کا ایک گھونٹ پلایا یا تمہیں کپڑا پہنایا یا تم سے تمہاری غیبت کا دفعیہ کیا تو انہیں بہشت میں لے جاؤ)

(۳) شفاعت بھی فقروا الیہ کا ایک باب ہے۔

(۴) آیت میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خوشخبری ہے کہ بالآخر فتح آپ کی ہے اور ان کی مدد میرے ذمۂ کرم ہے جو آپ کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور جو تکذیب کرتا اسے ہلاک کروں گا۔

(۵) اس میں اہل ایمان کو تنبیہ ہے کہ ان کا انجام بخیر ہوگا کیونکہ یہی اہل تقویٰ ہیں۔ اور فرمایا:

والعاقبۃ للمتقین۔

(اور نیک انجام متقین کو نصیب ہوگا) ؎

سروش عالم غیبم بشارتے خوش داد
کہ کس ہمیشہ بگیتی دژم نخواہد ماند

ترجمہ: کل مجھے فرشتۂ غیبی خوشخبری سنا رہا تھا کہ اس ویران گیتی میں کسی نے ہمیشہ نہیں رہنا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ولقد ارسلنا من قبلک رسلا الی قومھم یعنی تم سے پہلے بھی بہت سے مشائخ گزرے ہیں جو مریدین کی تربیت کرتے رہے فجاءوھم بالبینٰت وہ اہل تصدیق کے لیے بیان طریق میں لسان تحقیق کے ذریعے دلائل لائے جو ان کی تصدیق کرتا وہ خلاصۂ تحقیق تک پہنچ جاتا اور جو ان کی تکذیب و انکار کرتا وہ دائمی عذاب وعید و بعد میں مبتلا کیا جاتا۔ چنانچہ فرمایا: فانتقمنا من الذین اجرموا یعنی جنہوں نے انکار کیا تو ہم نے ان سے بدلہ لیا اور فرمایا وکان حقا علی المؤمنین اور جو ہمارے مقرب ہیں ہم نے ان کی اپنی قربت کے لیے مدد فرمائی۔

دعا: اے اللہ! ہمیں منصورین سے بنا اور ہمیں اپنے دروازے کی طرف متوجہ فرما اور ہمیں یقین ہے کہ تو ناصرین و معین اور یقین کی جانب دلوں کو پھیرنے والا ہے۔

تفسیر عالمانہ

اَللّٰہُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ وہ اللہ جو ریاح رحمت جیسے صبا وغیرہ کو چلاتا ہے فَتُثِیْرُ سَحَابًا اثارۃ تارۃ الغبار والسحاب سے ہے بمعنی چمک کر پھیلا اور

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اور کہتے ہیں اثرتہ (میں نے فضا میں پھیلایا ہے)

اور تاج المصادر میں ہے: الاثارۃ یعنی گرد پھیلانا، زمین کا شور کرنا اور ہوا کا بادل لانا۔ اور السحاب اسم جنس ہے اس کا ایک بادل اور اس سے زائد پر اطلاق ہوتا ہے۔

المفردات میں ہے: السحب یعنی کھینچنا۔ اسی سے السحاب ہے یعنی اسے ہوا کھینچ کر لاتی ہے یا وہ بارش لاتا ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ ہوائیں بادل کو پھیلاتی، انہیں ابھارتی اور اپنی جگہوں سے نکالتی ہیں۔

ف: درحقیقت بادلوں کو لانے والا تو اللہ تعالیٰ ہے۔ لیکن چونکہ یہ ہوائیں سبب ہیں اسی لیے فعل کی نسبت ان کی طرف کی گئی۔ کیونکہ کبھی افعال اپنے اسباب کی طرف منسوب ہوتے ہیں[1] **فَيَبْسُطُهٗ** تو پھر اللہ تعالیٰ بادل کو پھیلاتا ہے یعنی کبھی کبھی ان کو ایک دوسرے کے متصل کرتا ہے **فِي السَّمَآءِ** آسمان کی سمت میں **كَيْفَ يَشَآءُ** جیسے چاہتا ہے کہ وہ چلتے ہیں کبھی ایک دن کی مسافت میں کبھی دو دنوں کی راہ میں کبھی اس سے کم و بیش، کبھی شمال کو کبھی جنوب کو، کبھی صبا کی جانب کبھی دبور کی طرف وغیرہ وغیرہ۔ اور کبھی اسی طرح ٹھہرے رہتے ہیں۔

وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا اور کبھی بادل کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے وہ بھی اسی طرح کہ کبھی ادھر اور کبھی ادھر۔ کِسَفًا، کِسْفَۃٌ کی جمع ہے یعنی بادل اور روئی کے ٹکڑے۔ ایسے ہی ان اشیاء کے ٹکڑے جو کھلے اجسام والی ہوں کما فی المفردات۔ **فَتَرَى الْوَدْقَ** تو اے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا ہر وہ شخص جس میں دیکھنے کی صلاحیت ہے! دیکھتے ہو بارش کے قطرات کو۔

حلِ لغات: الودق دراصل بارش کے قطرات کی درمیانی شے کو کہا جاتا ہے جو غبار کی طرح محسوس ہوتی ہے۔ لیکن یہاں پر بارش کے قطرات مراد ہیں۔

يَخْرُجُ وہ امرِ الٰہی سے نکلتا ہے **مِنْ خِلٰلِهٖ** بادل میں سے۔

حلِ لغات: خلال یعنی دونوں حالتوں (یعنی بوقتِ اتصال و افتراق) میں بادل کے سوراخ۔

امام راغب نے فرمایا: الخلل یعنی دو سوراخوں کے درمیان سوراخ۔ جیسے دار اور بادل کے سوراخ۔ اس کی جمع خلال آتی ہے۔ اسی لیے بعض نے کہا کہ بادل چھلنی کی مانند ہے۔ اگر وہ ایسا نہ ہوتا تو بارش زمین کو تباہ و برباد کر ڈالتی۔

قطرات کی صورت میں بارش کے آنے کی ابتدا

مروی ہے کہ ایامِ طوفانِ نوح میں باری تعالیٰ نے بارش بلا حساب یکبارگی بھیجی تو وہ

---

[1] اسی معنیٰ پر ہے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمہم اللہ کی مشکلکشائی اور دافع البلائی۔ ولکن الوہابیۃ قوم لا یعقلون۔ اویسی غفرلہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اُس کا غضب بن کر زمین پر اُتری تو زمین کا چہرہ چھل گیا اور اس میں دراڑیں پڑ گئیں۔ تو زمین نے بارگاہِ الٰہی میں شکایت کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آئندہ بادل کو چھلنی بنا دوں گا تجھے بارش سے کوئی تکلیف نہ پہنچے گی۔ اسی روز سے اللہ تعالیٰ نے بادل کو چھلنی کی طرح بنا دیا اور بارش قطرات کی صورت میں اترنے لگی۔

فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ با تعدیہ کی اور ہ کا مرجع الودق ہے اب معنی یہ ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بارش نازل فرماتا ہے اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ اس وقت وہ بندے خوش ہوتے ہیں یعنی اچانک وہ خوش ہو جاتے ہیں کہ اس سے انہیں خوشحالی نصیب ہوگی اور قحط سالی دور ہوگی وَاِنْ اور ان کا حال یہ تھا كَانُوْا اس وقت وہ تھے مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ بارش کے نزول سے پہلے لَمُبْلِسِيْنَ ۝ نا اُمید ـــــ یہ کانوا کی خبر ہے قبل کا تکرار تاکید اور بارش کے نہ ہونے پر بہت عرصہ گزر جانے اور مایوس ہو جانے کی وجہ سے۔ اور لام فارقہ ہے اور ابلاس کا معنی اوائل سورۃ میں گزر چکا ہے۔

فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ تو اللہ کی رحمت کے آثار دیکھو۔ یہ خطاب اگرچہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے۔ لیکن اس سے مراد تمام مکلفین ہیں۔ اور رحمت اللہ سے بارش مراد ہے کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے نازل فرماتا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ دیکھو انگوریوں اور درختوں اور مختلف پھلوں اور پھولوں پر بارش کے آثار۔ اور فا ان اشیا کی تنزیلِ مطر کے ترتب پر دلالت کرنے کے لیے ہے كَيْفَ يُحْيِ اللہ تعالیٰ کیسے آباد کرے گا الْاَرْضَ زمین کو بارش کے آثار سے بَعْدَ مَوْتِهَا بعد اس کے ویران ہو جانے کے۔

ف : الارشاد میں ہے کہ کیف منصوب ہے۔ اس سے حرفِ جر حذف کر دیا گیا ہے اور کیف انظر سے متعلق ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ زمین کی ویرانی کے بعد اس کے آباد ہونے کے عجیب عجیب طریقے دیکھو اور نظر سے اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت اور وسیع رحمت کی طرف اشارہ ہے۔ اور اس میں امر بعث کی تمہید ہے۔ اِنَّ ذٰلِكَ بیشک وہ عظیم الشان قدرت والا ہے جو زمین کو ویران ہونے کے بعد آباد کرتا ہے لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ آخرت میں مُردوں کو زندہ کرنے والا ہے۔ یعنی وہ ان کے ابدان کے مواد یعنی قوائے حیوانیہ پیدا کرتا ہے یا ایسے ہے جیسے وہ زمین کے اندر قوائے نباتیہ پیدا کرتا ہے وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اور وہ ہر شے پر قادر ہے یعنی کوئی شے اس کی قدرت سے باہر نہیں منجملہ اس کے مرنے کے بعد حشر میں انسان کے جسم کو زندہ کرنا ہے۔ ایسے ہی دنیا میں مُردے دل کو زندہ کرتا ہے کیونکہ قدرت کا تعلق ممکنات سے ہے یعنی ہر ممکن اسی کی قدرت کے تحت ہے کہ کوئی شے بھی اس کی قدرت سے باہر نہیں ہو سکتی اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ ہے بخلاف انسان کے کہ اس کی قدرت ناقص ہے اور وہ قدرت ایزدی سے استفادہ کے بعد سے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تعالی اللہ زہے قیوم و دانا
توانائی دِہ ہر ناتوانا

ترجمہ: وہ قیوم و دانا ہر عاجز کو قدرت عطا کرنے والا ہے۔

ف: ابھی اس کا بیان آتا ہے کہ انسان ضعف سے پیدا ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ ہی اسے قدرت و زور بخشتا ہے۔

ف: اللہ تعالیٰ نے زمین کو آثارِ قدرت اور انوارِ فضل و حکمت سے سنگارا ہے کہ سبزی اگائی اور پھولوں سے رونق بخشی۔ اس سے عارفین کی آنکھوں میں جلوۂ حقانی نظر آتا ہے۔ اسی لیے وہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

چنانچہ شیخ مغربی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

مغربی زاں میکند میلے بگلشن کاندرو
ہرچہ دار رنگے و بوئے ہست رنگ و بوئے اوست

ترجمہ: مغربی کو گلشن سے اس لیے محبت ہے کہ اس کے ہر رنگ و بُو میں اللہ تعالےٰ کا جلوہ نظر آتا ہے۔

بنی اسرائیل کا سوال اور موسیٰ علیہ السلام کا جواب

بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ کوئی رنگ بھی بنا سکتا ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم نے پھلوں اور پھولوں کو نہیں دیکھا کہ ان میں سرخ بھی ہیں اور زرد بھی اور سفید بھی۔ رنگریز تو صرف سفید کو سیاہ بنا سکتا ہے لیکن وہ بڑی قدرت والا ہے کہ سیاہ کو سپید بناتا ہے۔ کیا نہیں دیکھتے ہو کہ جوانی کے سیاہ بال بڑھاپے میں سپید ہو جاتے ہیں۔ تو یہ اسی کی قدرت ہے۔ ایسے ہی دل کی سیاہی کو بھی سفیدی میں وہی بدلتا ہے پھر اس سے بڑھ کر احسن اور کون ہو سکتا ہے!

مجوسیوں کو دولتِ اسلام نصیب ہوئی

حضرت ابوحفص قدس سرہٗ بحکم فانظر الی آثار رحمۃ اللہ باغ میں تشریف لے گئے اور وہ باغ کسی مجوسی کا تھا۔ آپ کے مریدین باغ کی بہار سے متاثر ہوئے تو آپ نے فرمایا، پڑھو:

کم ترکوا من جنات وعیون الآیۃ
(کتنے لوگ ہیں جنہوں نے باغ اور چشمے چھوڑے)

آپ باغ سے باہر نکلے ہی تھے تو مجوس نے کہا:
کیجئے بیعت ہمیں کلمۂ اسلام پڑھاتے جائیے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اس وقت آپ کے ہاتھوں اٹھارہ افراد مسلمان ہوئے۔ حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ نے فرمایا، جب تم باغ کی سیر کو جاؤ تو یوں جاؤ کہ خواہش نفسانی کو دخل نہ ہو۔ ورنہ اس کا اچھا اثر نہ ہوگا۔

سبق: انسان پر لازم ہے کہ آنکھ سے دنیا کی رونق کو دیکھے لیکن دل سے اس کے فنا ہونے کو اور بہار کے موسم کو عبرت سے دیکھے کہ ویرانی کے بعد کیسے شادمانی حاصل ہوئی۔ ایسے ہی قبور سے اٹھنے کا سبق حاصل کرے۔

(نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:)

حدیث شریف جب تم بہار کو دیکھو تو قبور سے اٹھنے کو یاد کرو یعنی مُردوں کا قبور سے اٹھنا ایسے ہوگا جیسے بہار میں انگوریوں کا سرسبز ہونا اور یہ ربیع یعنی بہار کے موسم میں ہوگا۔ گرمی کی شدت سے قیامت کی گرمی کو یاد کرو۔ جب گرمی کی شدت میں انسان کہے:

لا الٰہ الا اللہ ما اشد برد ھذا الیوم اللھم اجرنی من زمھریر جہنم۔

(آج کیسی غضب کی سردی ہے اللہ ہمیں جہنم کی سردی سے بچا)

تو اللہ فرماتا ہے: میرے بندے نے جہنم کی سردی سے پناہ مانگی لہٰذا اے جہنم! گواہ ہو جا، میں نے اسے پناہ دی۔ لوگوں نے پوچھا کہ جہنم کی سردی کا کیا مطلب؟ تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "وہ ایک جگہ ہے جہاں کافر کو ڈالا جائے گا تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔"

سبق: بارش کے قطرات کو دیکھتے ہوئے لوگوں کی پل صراط کی گریہ زاری اور ان کے آنسو بہانے کو یاد کیا جائے۔

رابعہ کی باتیں بی بی رابعہ قیسیہ رحمہا اللہ تعالیٰ فرماتی ہیں: جب اذان سنتی ہوں تو مجھے قیامت کے دن منادی کی پکار آجاتی ہے۔ اور جب ژالہ باری دیکھتی ہوں تو مجھے قیامت کے اعمالنامے بکھرتے یاد آجاتے ہیں اور جب ٹڈیوں کو پھیلا ہوا دیکھتی ہوں تو مجھے میدان حشر کا پھیلاؤ یاد آجاتا ہے۔

دیگر عجیب باتیں ریحان احمر کو دیکھ کر عشاق کے چہروں کی سرخی کو یاد کر لیا کرو اور ریحان اصفر سے عاشقوں کے چہرے کی زردی سے عبرت پکڑو اور ریحان ابیض سے اہل ایمان کے چہرے کی سفیدی کو یاد کرو اور خاکستری ریحان سے نوجوان اور حسین عورتوں کے وہ چہرے یاد کرو جو قبروں میں ساتویں دن ایسی صورت اختیار کر لیتے ہیں کہ وہ گرد آلود ہو کر خاکستری ریحان کی طرح ہو جاتے ہیں۔

اعجوبے

(۱) گل زرد بیماروں کی شفا ہے لیکن خود بیمار رہتا ہے۔

(۲) گل سرخ سے دماغ کو ہشیاری نصیب ہوتی ہے لیکن خود مخمور اور مست وار ہے۔

(۳) گل سفید گویا زمانے کا ستم رسیدہ اور جوانی برباد کردہ اور بڑھاپے کی حد تک پہنچ گیا ہے۔

مومن کا دل گویا بلبل کا گل ہے سال اعتدال میں دو آفتاب غیب سے طلوع ہوتے ہیں:

(۱) جمال الٰہی کا آفتاب

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(۲) جمالِ حق کا آفتاب

خورشیدِ جمالِ حق گلاب پر چمکتا ہے تو وہ پھولتا ہے۔ جمالِ حق کا آفتاب دل پر چمکتا ہے تو دل روشن ہو جاتا ہے۔ جب گلاب پھولتا ہے تو اس پر بلبل عاشق ہو جاتی ہے اور جب دل چمکتا ہے تو اس میں خود خالق جلوہ گر ہو جاتا ہے۔ گل تو ٹوٹ جاتا ہے جس وجہ سے بلبل اس کے فراق سے ماتم کرتی رہتی ہے دل اگر مرجھا جائے تو اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے اُسے نوازتا ہے۔ اس لیے مومن کا دل کبھی نہیں مرتا۔

چشمے کہ ترا دید شد از درد معاف
جانے کہ ترا یافت شد از مرگ مسلم

ترجمہ: وہ آنکھ جو تجھے درد سے صحیح و سالم نصیب ہوئی۔ وہ جان جو تو نے مرگ سے پائی۔

حکایت ۱ ابن السماک رحمۃ اللہ موسم بہار میں حجرے سے باہر نکلے تو ان کی نگاہ پھولوں پر پڑی۔ ان کی چیخ نکل گئی اور کہا: اے درختوں پر پھولوں کو سجانے والے پروردگار! میرا دل بھی اپنے ذکر و طاعت سے منور فرما۔

حکایت ۲ ایک بزرگ موسم بہار میں اللہ تعالیٰ کے شوق میں آنسو بہاتے رہتے تھے اور ایک دوسرے بزرگ فراقِ الٰہی سے آہ و فغاں میں وقت بسر کرتے۔

شیخ شبلی کی کہانی حضرت شیخ شبلی قدس سرہٗ کو آپ کے مریدوں نے ایک درخت کے نیچے روتا پاکر سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا: میں اس درخت کے پاس سے گزرا تو اچانک اس کی ٹہنی کٹ کر نیچے گر پڑی لیکن وہ اسی طرح ہرا بھرا ہے۔ اسے خبر بھی نہیں کہ اسے کاٹا گیا ہے۔ ایسے ہی ہماری حالت ہے کہ ہم نے اپنے نفس سے گریہ کیا کہ اسے بھی حق سے کاٹ کر علیحدہ کر دیا گیا ہو۔ جس کا اسے علم نہ ہو تو پھر آپ کے مریدوں نے آپ کی تقریر سُنی تو وہ بھی آپ کے ساتھ رونے لگے۔

بہارِ جنت کی یادگار مشائخ فرماتے ہیں کہ بہار بہشت اور اس کی نعمتیں یاد دلاتی ہے اسی لیے انسانِ کامل بہار میں افسوس و حیرت سے ہاتھ ملتا ہے۔ لیکن بظاہر ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی اسے خبر نہیں۔ اصل وجہ یہ ہے کہ بہشت میں تمام ارواح صلبِ آدم علیہ السلام میں تھے۔ جب وہ زمین پر تشریف لائے اور ارواح بٹ کر اپنے آبا کی پشتوں میں چلے گئے اور جب وہ بہار کی رونقیں اور شگفتہ پھول دیکھتے ہیں تو ان کو جنت کی نعمتیں، اس کے پھول اور رونقیں یاد آتی ہیں۔ اسی لیے کفِ افسوس ملتا ہے اور بہشت سے نکلنے پر جزع فزع کرتا ہے۔

مُردے کی کہانی ایک عالمِ دین گلاب کو دیکھ کر رو پڑا۔ کسی نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ مُردہ قبر میں روتا رہتا ہے اور اس کی آنکھ کی سفیدی کھلی رہتی ہے۔ جب بہار آتی ہے اور گلاب کا پھول شگوفے سے باہر آتا ہے تو اس کی آنکھ پھٹتی ہے۔ اسی طرح جب مُردے کی زوجہ کا کسی سے نکاح ہوتا ہے تو اس کی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

دل بستا ہے (اسی وجہ سے زندہ رہا ہوں) ۔

تفسیر صوفیانہ کیف یحی الارض میں اشارہ ہے کہ مومن کے مردہ نفس کو وہ کیسے زندہ کرتا ہے جبکہ وہ طاعت کی وجہ سے خشک ہو جاتا ہے!

حدیث شریف میں ہے:

من احیی ارضا میتۃ فھی لہ ۔

(جو عام زمیں کو آباد کرتا ہے وہ اسی کی ہے)

اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے جس بندے کا دل اور نفس زندہ فرماتا ہے تو وہ اسی کا ہے شیطان کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ ایسے ہی جو بندہ اپنے نفس کو طاعت اور توبہ سے آباد کرتا ہے بہشت میں جائے گا اسے دوزخ سے بہت دور کیا جائے گا۔ بعض مشایخ نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ وہ نفوس کی کوتاہیوں کے بعد صدق ارادات سے اور قلوب کو غفلتوں کے بعد انوار محاضرات سے اور ارواح کو محجوب ہونے کے بعد دوام مشاہدات سے زندہ کرتا ہے ؎

اموت اذا ذکرتک ثم احیی
فکم احیی علیک وکم اموت

ترجمہ: میں مر جاتا ہوں لیکن جب تجھے یاد کرتا ہوں تو زندہ ہو جاتا ہوں۔ نہ معلوم کتنی بار تجھ پر فدا ہو کر مرتا ہوں اور کتنی بار تیرا نام لے کر زندہ ہوتا ہوں۔

ف: عارف کا دل باغ ہے اور اس کی جنت وحیات معرفت الٰہی۔ جو اس کے انوار کو دیکھ پاتا ہے وہ دنیا اور اس کی رونقوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

١ صوفیی در باغ از بہر گشاد
صوفیانہ روے بر زانو نہاد

٢ پس فرو رفت او بخود اندر نغول
شد ملول از صورت خوابش فضول

٣ کہ چہ خسپی آخر اندر رز نگر
ایں درختاں بیں و آثار خضر

٤ امر حق بشنو کہ گفت است انظروا
سوے ایں آثار رحمت آر رو

٥ گفت آثارش دل است اے بوالہوس
آں بروں آثار آثار ست و بس

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari
For more Books click on link

٦ باغ ہا و میوہ ہا اندر دل است
عکسِ لطفِ آں بریں آب و گل است

٧ چوں حیات از حق بگیرے اے روے
پس غنی گردے ز گل در دل روے

ترجمہ (١) ایک صوفی باغ میں سیر کے لیے گیا تو صوفیوں کی طرح منہ گھٹنوں پر رکھ کر مراقبے میں بیٹھ گیا۔

(٢) خواب میں چلا گیا اسے کوئی خبر نہ رہی لیکن خواب میں پریشان سا ہو گیا۔

(٣) بیدار ہو کر کہا یہاں سونے کا کیا مطلب، باغ کی سیر کر اس کے درخت اور پھول وغیرہ دیکھ۔

(٤) حکمِ الٰہی سُن کر اس نے فرمایا ہے: انظروا۔ اللہ کی رحمت کے آثار کی طرف متوجہ ہو۔

(٥) پھر خود کہا کہ اے ابوالہوس، باغ سے دل مراد ہے اس کے عجیب آثار ہیں انہیں دیکھ۔

(٦) باغ اور میوے دل میں ہیں کیونکہ اللہ کی تجلیات کا عکس اسی آب و گل پر ہے۔

(٧) جب تم اللہ تعالیٰ سے زندگی پاؤ گے تو دُنیا سے بے نیاز ہو کر دل کی بے انتہا سیر میں رہو گے۔

دعا: ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہماری آنکھیں اپنی رحمت کے آثار کے مشاہدہ اور اپنے صفات کے انوار کے مطالعہ کے لیے کھول دے اور ہمیں اجازت بخشے تاکہ اس کی ذات کے باغ کے اسرار میں گھومیں پھریں اور پھر آیات و بینات کے حرم سے ہمیں حرمِ حیرت کی طرف منتقل فرمائے۔ وہی خیر و شر تک پہنچانے والا اور دلوں کو زندہ کرنے والا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِیْحًا فَرَاَوْهُ یہ لام قسم کی توطیہ کے لیے ہے جو حرف شرط پر داخل ہوتی ہے۔ ریحًا سے عذاب کی ہوا مراد ہے یعنی دبور وغیرہ۔ اور فا فصیحہ ہے اور ہٗ ضمیر اثرِ رحمت کی طرف راجع ہے جس پر آثار دلالت کرتا ہے اور کبھی جمع واحد پر دلالت کرتا ہے یا نبات کی طرف راجع ہے جس پر آثار دلالت کرتا ہے اور چونکہ نبات اسم جنس ہے اسی لیے اس کی طرف واحد کی ضمیر راجع ہو سکتی ہے اور اسم جنس قلیل و کثیر سب کو شامل ہوتا ہے۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ بخدا اگر ہم نے ایسی ہوا بھیجی جو ضرر رساں (گرم یا سرد) تھی جس نے کافروں کے کھیتوں کو تباہ کر ڈالا پھر وہ اسے دیکھتے مُصْفَرًّا زرد ہوا کی تاثیر سے یعنی پہلے سبز تھے پھر وہ زرد ہو گئے بلکہ تباہی کے دہانے کے قریب ہو گئے۔ اصفرار یعنی زرد ہو جانا۔ صفر ایک رنگ ہے (یعنی زرد) جو سپیدی اور سیاہی کے درمیان اور سپیدی کے قریب تر ہے لَظَلُّوْا لام قسم کے دو جوابوں کے قائم مقام ہے۔ اسی لیے ماضی کو مستقبل میں لایا گیا۔ یعنی ہو جائیں گے اور ظل بمعنٰی صار ہے مِنْۢ بَعْدِهٖ کھیت اور کھیتیوں کے زرد ہو جانے کے بعد یَكْفُرُوْنَ o بلا تاخیر و توقف کافر ہو جاتے ہیں یعنی کافروں کا اپنے پروردگار پر کوئی بھروسا نہیں۔ اگر انہیں خوشحالی اور خیر و

بھلائی حاصل ہوتی ہے تو بجائے شکر کرنے کے حد سے زیادہ خوش ہوتے ہیں اور اگر ان پر کوئی معمولی سی تکلیف آتی ہے تو جزع فزع کرنے لگ جاتے ہیں انہیں تھوڑا سا صبر بھی نصیب نہیں بلکہ سابقہ نعمتوں کو بھی بھلا بیٹھتے حالانکہ اس وقت انہیں استغفار کرنا چاہیے تھا لیکن اہل ایمان کا حال اس کے برعکس ہے کہ وہ نعمتوں پر شکر کرتے اور تکلیف و مصیبت کے وقت صبر کرتے بلکہ وہ کسی وقت بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا امید نہیں ہوتے اور طاعت و عبادت و استغفار میں لگے رہتے ہیں تا کہ شب و روز کی نعمت سے حصہ وافر نصیب ہو۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ چوں فرود آید بلا بے دافعی
چوں نباشد از تضرع شافعی

۲ جز خضوع و بندگی و اضطرار
اندریں حضرت ندارد اعتبار

۳ چونکہ غم بینی تو استغفار کن
غم بامر خالق آمد کار کن

ترجمہ: (۱) جب دفع نازل ہو اور اسے روکنے والا کوئی نہ ہو اور تضرع و زاری کے سوا کوئی چارہ نہ ہو۔

(۲) جب عاجزی اور بندگی اور اضطراری سے کام نہ بنے اور اس بے نیاز بارگاہ میں یہ باتیں کام نہ آئیں۔

(۳) غم و الم کے وقت استغفار بکثرت کر۔ کیونکہ غم بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے آیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ جب شقاوۃ ازلیہ کی ہوا قہر و غضب سے اہل شقاوت کے صفات کے کھیتوں پر چلے اگرچہ وہ سبز ہوں یعنی شرع مطہرہ پر ہوں تو بھی زرد ہو جاتی ہیں اور انہیں یہ ہوائیں منافقین کے اعمال کی طرح ضائع کر کے چھوڑتی ہیں پھر ایمان تقلیدی کے بعد یہ لوگ نفاق میں گرفتار ہو جاتے ہیں، اسی لیے کفر کرنے سے انہیں کوئی باک نہیں ہوتا پھر وہ نعمتوں کی ناشکری کرتے رہتے ہیں یہ عام کفر سے قبیح تر ہوتا ہے۔ ہم شقاوت اور بُرے حال اور بُرے اعمال و افعال سے پناہ مانگتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ

فَاِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وہ کافر جن کے اوصاف ہم نے بیان کیے ہیں تو اے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اپنی بات سمجھانے اور منوانے کی امید نہ کیجیے کیونکہ تم مُردوں کو نہیں سنا سکتے۔ کافروں کو مُردوں سے تشبیہ میں اشارہ ہے کہ حق قبول نہ کرنے میں ان کے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ٹ مر بیکار ہو چکے ہیں اور ان کی تخلیق سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ یہ ایمان لانے والے نہیں۔

فی الآیۃ دلیل علیٰ ان الاحیاء قد تسمون امواتا اذا لم یکن
رد وہابیہ لہم منفعۃ الحیاۃ[1]
(آیت میں دلیل ہے کہ کبھی زندوں کو مُردہ کہا جا سکتا ہے جب ان میں منفعِ حیاۃ ختم ہو)[2]

---

[1] اس سے ثابت ہوا کہ وجہ تشبیہ عدم منفع از حیات ہے نہ کہ عدم سماع، جیسا کہ وہابیہ کہتے ہیں فثبت انہم قوم لا یعقلون۔

[2] ہمارے دور میں سماعِ موتیٰ کے انکار میں وہابیہ کی طرف سے یہی آیت پیش کی جاتی ہے۔ فقیر نے اس مسئلہ پر ایک کتاب لکھی ہے۔ آیت ہذا کی توضیح مختصراً یہاں عرض کی جاتی ہے:

احادیث مبارکہ

(۱) عن ابن عباس قال ضرب بعض اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم خباءہ (اے خیمۃ) علی قبر وھو لا یحسب انہ قبر فاذا فیہ انسان یقرء سورۃ تبارک الذی بیدہ الملک حتی ختمہا فاتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاخبرہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھی المانعۃ ھی المنجیۃ تنجیہ من عذاب اللہ۔ (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ فی کتاب فضائل القرآن)

(روایت ہے ابن عباسؓ سے کہ ایک صحابی نے قبر پر خیمہ قائم کیا ان کو معلوم نہ تھا کہ یہاں قبر ہے سنا ہے کہ ایک شخص زمین کے اندر سورۃ الملک پڑھتا ہے وہ نبی علیہ السلام کے پاس گئے اور یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے اس کی تصدیق کی اور فرمایا کہ یہ سورۃ عذابِ قبر سے نجات دیتی ہے)

یاسث بن محمد کہتے ہیں کہ ابو الحسن جو بزرگ متقی ہیں انہوں نے مجھے ایک جگہ دکھائی اور کہا کہ میں ہمیشہ اس جگہ سے سورہ ملک کی آواز سنتا ہوں۔ (شرح الصدور)

(۲) عن حماد عن سلمۃ عن ثابت البنانی قال اللہم ان کنت اعطیت احدا الصلوٰۃ فی القبر فاعطنی وقال جبیر نا دخلت علیہ فی لحدہ فلما سوینا علیہ باللبن سقطت اللبنۃ فاذا ھو یصلی فی قبرہ۔ (رواہ احمد فی کتاب الزھد و ابونعیم فی الحلیۃ)

(روایت ہے کہ ثابت بنانی ہمیشہ دعا کرتے تھے کہ یا اللہ! اگر تو قبر میں کسی میت کو نماز پڑھنے کی اجازت دیتا ہے تو مجھ کو بھی اس نماز کی اجازت دے۔ جبیر کہتے ہیں کہ ثابت بنانی کا

(باقی برصفحہ آئندہ)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(بقیہ حاشیہ) جب انتقال ہوا میں نے غسل کفن دے کر لحد میں رکھا اور تختے برابر کئے اتفاقاً ایک تختہ گر پڑا
میں نے کیا دیکھا کہ وہ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں)

اور ابراہیم حلبی کہتے ہیں کہ میرے پاس آنے جانے والوں نے بیان کیا جب ہم لوگ ثابت بنانی کی قبر کے
سے گزرتے ہیں تو قبر سے قرآن شریف پڑھنے کی آواز سُنا کرتے ہیں۔ (شرح الصدور)

قاعدہ: لا تبطل رسالتہم بالموت فکمالات النبوۃ وکذا الولایۃ لا تنقطع بالنوم
فکذا بالموت بریقہ ۲۲۱ ج ۱ -

(اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ رسالت نبوت موت پر قطع نہیں ہوتے ہیں اس طرح ولایت
نیند یا موت پر قطع نہیں ہوتے ہیں)

اسی طرح حدیقہ شرح طریقہ محمدیہ میں ہے:

الولایۃ لا تنقطع بالموت کمالات النبوت لا تنقطع بالموت۔

(جس طرح پیغمبر علیہ السلام قبر میں پیغمبر ہیں اسی طرح ایک ولی بعد الوفات بھی ولی ہی رہتا ہے)

(۳) عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ المعراج مر بموسٰی وھو قائم
یصلی فی قبرہٖ (رواہ مسلم)

(حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات موسٰی علیہ السلام
کی قبر کے پاس سے گزرے آپ نے دیکھا کہ وہ قبر میں نماز پڑھتے ہیں)

شرح الصدور میں علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں، روایت ہے عاصم سقطی سے کہ بلخ میں ہم نے ایک
میت کے واسطے قبر کھودی۔ ایک طرف دیوار میں سوراخ ہو گیا، اس سے ہم نے دیکھا کہ پرانی قبر ہے اور
میں ایک بوڑھا آدمی سبز لباس پہنے قبلہ رُخ بیٹھا ہے قبر کی دیواریں، زمین اور چھت بھی سبز ہے وہ قرآن شریف
کی تلاوت کرتا ہے۔

(۴) غزوۂ بدر میں مسلمانوں نے کفار کی لاشیں جمع کر کے ایک کنویں میں ڈال دیں۔ حضور کی عادت کریمہ تھی
جب کسی مقام کو فتح فرماتے تھے وہاں تین دن قیام فرماتے تھے۔ یہاں سے تشریف لے جاتے وقت اس کنویں
پر تشریف لے گئے جس میں کافروں کی لاشیں پڑی تھیں اور انہیں نام بنام آواز دے کر فرمایا:
"ہم نے تو پالیا جو سچا وعدہ (نصرت کا) ہمارے رب نے ہم سے فرمایا تھا، کیا تم نے بھی پالیا
جو سچا وعدہ (نار کا) تم سے تمہارے رب نے کیا تھا۔"
امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

یا رسول اللہ اجساداً لا ارواح فیہا۔

(یا رسول اللہ! کیا آپ بے جان جسدوں سے کلام فرماتے ہیں)

(باقی بر صفحہ آئندہ)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(بقیہ حاشیہ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما انتم باسمع منھم ....

(تم ان سے کچھ زیادہ نہیں سنتے مگر انہیں طاقت نہیں کہ تجھے لوٹ کر جواب دیں)

ف: مومن تو مومن ہے کافر تک سنتے ہیں اور پھر اولیاء کی شان تو ارفع و اعلیٰ ہے۔

ف: روح ایک پرندہ ہے اور جسم پنجرہ۔ پرندہ جس وقت تک پنجرے میں ہے اس کی پرواز اسی قدر ہے جب روح پنجرے سے نکل جائے اس وقت اس کی قوتِ پرواز دیکھیے۔ اپنے مُردوں کو بزرگوں کے پاس دفن کرو کہ ان کی برکت کے سبب ان پر عذاب نہیں کیا جاتا: ھم القوم لا یشقیٰ بھم جلیسھم (وہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے سبب ان کا ہم نشین بھی بدبخت نہیں ہوتا) ادفنوا امواتکم وسط قوم صالحین۔ (اپنے مُردوں کو نیکوں کے درمیان دفن کرو)۔

حکایت ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ایک جگہ کوئی قبر کھل گئی اور مُردہ نظر آنے لگا۔ دیکھا کہ گلاب کی دو شاخیں اس کے بدن سے لپٹی ہیں اور گلاب کے دو پھول اس کے نتھنوں پر رکھے ہیں۔ اس کے عزیزوں نے اس خیال سے کہ قبر پانی کے صدمے سے کھل گئی دوسری جگہ قبر کھود کر اس میں رکھ دیں۔ اب جو دیکھیں تو دو اژدہے اس کے بدن سے لپٹے اپنے پھنوں سے اس کا منہ بھنبھوڑ رہے ہیں حیران ہوئے۔ کسی صاحبِ دل سے یہ واقعہ بیان کیا انہوں نے فرمایا وہاں بھی اژدہا ہی تھا مگر ایک ولی اللہ کے مزار کا قرب تھا۔ اس کی برکت سے وہ عذاب رحمت ہوگیا تھا۔ وہ اژدہے درختِ گل کی طرح ہو گئے تھے اور ان کے پھن گلاب کے پھول۔ اس کی خیریت چاہتے ہو تو وہیں لیجا کر دفن کرو۔ وہیں لے جا کر رکھا پھر وہی قبر درختِ گل تھے اور وہی پھن گلاب کے پھول۔ یہ اس حدیث کا ظہور ہوا جو اوپر بیان کی گئی ہے یعنی ھم القوم لا یشقیٰ بھم جلیسھم۔

ولی کی تعریف

علامہ تفتازانی نے لکھا کہ:

والولی ھو العارف باللہ تعالیٰ وصفاتہ حسب ما یمکن المواظب علی الطاعات المجتنب عن المعاصی المعرض عن الانہماک فی اللذات والشھوات و کرامتہ ظھور امر خارق للعادۃ (شرح العقاید لنسفی ص ۱۰۱)

(ولی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات (حسبِ امکان) کا عارف ہو اور طاعات پر مواظبت کرتا ہو اور برائیوں سے اجتناب کرتا ہو اور لذات و شہوات کے انہماک سے روگردان ہو اس کی کرامت یہ ہے کہ اس سے کوئی امر عادت کے خلاف

(باقی صفحہ آئندہ)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(بقیہ حاشیہ)

صادر نہ ہو)

کرامتِ فاروق

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر کھڑے ہو کر آواز دی اور وہ لشکر دور سے آواز سنتا اور ان کا کہنے پر عمل کرتا ہے۔

مثل رواية عمر وهو على المنبر في المدينة وجيشه بنهاوند حتى قال لأمير جيشه يا سارية الجبل الجبل تحذيرًا له من وراء الجبل لمكر العدو هناك وسماع سارية كلامه مع بعد المسافة (شرح العقائد نسفی)

(جیسے حضرت عمر کی روایت جبکہ آپ منبر پر لشکر کو نہاوند میں امیر لشکر کو فرمایا، اے ساریہ! پہاڑ کی اوٹ میں چلا جا۔ آپ اسے دشمن کے لشکر سے ڈرا رہے تھے۔ بُعدِ مسافت کے باوجود ساریہ نے آپ کا کلام سن لیا)

ف: مدینہ منورہ اور لشکر کے درمیان فاصلہ پانچ سو فرسخ تھا۔

اسی طرح خالد بن ولید کا زہر کھا کر کچھ نقصان نہ ہونا اور رودِ نیل کو عمر فاروق کا خط لکھنا۔

کراماتِ اولیاء کا کوئی منکر نہیں سوائے معتزلہ کے۔

ف: ان دلائل سے ولی اللہ کی کرامت واضح ہوئی اور یہی اہلسنت والجماعت کا مسلک ہے اور بعد الوفات بھی ثابت ہے۔

کرامتِ نجاشی بعد الوفات

(۱) حدیث شریف میں ہے:

عن عائشة قالت لما مات النجاشي كنا نتحدث انه لا يزال يرى على قبره نور

(رواه ابو داؤد، مشكوة في باب الكرامات)

یعنی نجاشی مرا ہوا تھا اور اس کی قبر پر نور (روشنی) دکھائی دیتا تھا۔

(۲) شرح الصدور میں ہے، زین الدین برشی کہتے ہیں کہ عبد الرحمان فقیہ مقام منصورہ میں رہتے تھے۔ اس وقت اہلِ فرنگ نے کتنے مسلمانوں کو قید کیا اور کتنوں کو شہید کیا۔ عبد الرحمان قرآن شریف تلاوت کرتے تھے، یہ آیت پڑھی:

ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله امواتا بل احياء عند ربهم يرزقون۔

یعنی جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ان کو مردہ خیال نہ کرو وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس

(باقی بر صفحہ آئندہ)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(بقیہ حاشیہ)

روزی پاتے ہیں۔

پھر جب عبدالرحمان فہیرہ قتل کئے گئے تو ایک فرنگی آیا۔ اس کے ہاتھ میں نیزہ تھا۔ اس نے نیزہ سے ان کو چھوا اور طنز دے کر کہا، اے مسلمانوں کے پیشوا! تم کہتے تھے کہ "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم لوگ زندہ ہو اور روزی پاتے ہو" اب یہ بات کہاں گئی! فہیرہ نے سر اٹھا کر دوبارہ کہا:

حیّ و ربّ الکعبۃ۔ (رب کعبہ کی قسم! میں زندہ ہوں)

یہ سن کر فرنگی گھوڑے سے اتر پڑا اور ان کے سر کو بوسہ دیا اور اپنے غلام کو حکم دیا کہ ان کی لاش ہمارے شہر میں لے چلو۔

کرامت امام حسین رضی اللہ عنہ

روایت ہے منہال بن عمرو فرماتے ہیں کہ میں دمشق میں تھا قسم خدا کی میں نے دیکھا جب امام حسین رضی اللہ عنہ کے سر کو دمشق سے روانہ کیا گیا تو ایک شخص سورہ کہف تلاوت کر رہا تھا، جب اس نے یہ آیت پڑھی:

ان اصحاب الکہف والرقیم کانوا من آیاتنا عجباً۔

(کیا تو نے خیال کیا کہ اصحاب کہف اور رقیم والے ہماری نشانیوں سے عجیب تھے)

سر مبارک سے آواز آئی:

اعجب من اصحاب الکہف قتلی وحملی۔

یعنی اصحاب کہف سے زیادہ تعجب کے قابل میرا قتل کرنا اور میرے سر کو روانہ کرنا ہے۔

مسئلہ: رسالہ انیس الارواح میں لکھا ہے:

بدانکہ سماع موتیٰ ثابت است ہر کہ انکار کرد از جملہ زنادقہ است۔

(اگر اس زمانے میں کوئی سماع موتیٰ سے انکار کرے تو وہ زندیقوں میں سے ہے)

صاحب کنز نے بھی ایسے ہی فرمایا ہے۔

کرامت

شرح الصدور میں لکھا ہے، روایت کی ابن عساکر نے عمیر بن حباب سلمیؓ سے کہ بنو امیہ کی لڑائی کے زمانہ میں ہم سب نو آدمیوں کو گرفتار کر کے روم کے بادشاہ کے پاس لے گئے اس نے سب کی گردن مارنے کا حکم دیا۔ چنانچہ آٹھ آدمیوں کی گردن ماردی گئی، جب میری نوبت آئی تو ایک چوب دار نے بادشاہ کا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ف : امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ مال جمع کرنے والے بھی بظاہر زندہ ہیں لیکن درحقیقت وہ بھی مُردے ہیں اور علماءؒ (اولیاء اللہ اور باعمل علماء) ہمیشہ زندہ ہیں اگرچہ بظاہر ان کے اجسام ہماری نظر سے اوجھل ہو جائیں کیونکہ ان کے آثار (کارنامے) دنیا میں موجود ہیں۔

مسئلہ : کفر قلب کی موت ہے ایسے ہی معصیت اس کی بیماری ہے۔ جس کا دل کفر سے مر جاتا ہے اس کا سننے کا مادہ ختم ہو جاتا ہے اسی لیے اسے نصیحت کوئی فائدہ نہیں دیتی ہاں جس کا دل گناہوں سے بیمار ہو وہ سُنتا ہے مگر تھوڑا، جیسے بیمار جسمانی کی کیفیت ہوتی ہے یہ بھی ایسے ہی سمجھیے۔ پھر جیسے ظاہری بیمار علاج سے تندرست ہو جاتا ہے ایسے ہی یہ بھی روحانی علاج سے تندرست ہو سکتا ہے۔

وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ۔

ربط : یہ دوسری تشبیہ سے فرمایا، اور نہ ہی تم بہرے کو سُنا سکتے ہو۔

حل لغات : الصم، اصم کی جمع ہے صَمَمٌ سے مشتق ہے بمعنے سمع کی حس کا ختم ہو جانا۔ اس سے اس

سر اور پیر چوم کر عرض کی کہ اس کو مجھے دیجئے۔ بادشاہ نے مجھے اس کے حوالے کر دیا وہ مجھے اپنے گھر لے گیا اس کی ایک لڑکی نہایت حسین و جمیل تھی اس کو بلایا اور مجھ سے کہا، تو جانتا ہے کہ بادشاہ کے نزدیک میرا کیسا مرتبہ ہے اگر تو میرا دین قبول کر لے تو میں اس لڑکی سے تیری شادی کر دوں گا اور اپنا مال و دولت تیرے حوالے کر دوں گا۔

میں نے جواب دیا : بیوی کے لیے میں اپنا دین نہیں بدلوں گا اور نہ دُنیا کی دولت کے واسطے میں اپنا مذہب چھوڑوں گا میں کئی دن اس کے ہاں رہا وہ ہر روز مجھے یہی سمجھاتا رہا۔ ایک رات اس کی لڑکی مجھے اپنے باغ میں لے گئی اور کہا میرے باپ کی بات کیوں نہیں سُنتے؟ میں نے کہا بیوی اور دولت کے لیے اپنا دین ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ پھر اس نے کہا تم یہاں رہنا پسند کرتے ہو یا اپنے شہر جانے کو۔ میں نے کہا اپنے شہر کو جانا پسند کرتا ہوں، اور میرے شہر کا راستہ بہت دنوں کا تھا۔ اس نے مجھے آسمان سے ایک ستارہ دکھایا اور کہا اس ستارے کی سیدھ میں جانا اور جب صبح ہو تو چھپ رہنا۔ پھر جب رات ہو تو راستہ چلنا یُوں تم شہر پہنچ جاؤ گے۔ میں وہاں سے روانہ ہُوا۔ تمام رات چلتا اور صبح ہوتے چھپ رہتا۔ چوتھے دن ایک جگہ چھپا تھا، دیکھا کہ چند سوار آ رہے ہیں ڈرا کہ شاید دشمن میری تلاش میں آ پہنچا ہے۔ جب میرے قریب آئے تو وہ وہی میرے ساتھی تھے جن کو شاہ روم نے قتل کیا تھا، کچھ اور سوار بھی ان کے ساتھ سفید گھوڑوں پر سوار تھے۔ ان لوگوں نے مجھ کو پکار کر "عمیر!" میں نے کہا ہاں میں عمیر ہوں۔ تم تو قتل کر ڈالے گئے تھے پھر کیوں کر آ گئے؟ کہا ہاں ہم لوگ قتل کیے گئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے شہیدوں کو زندہ رکھا ہے اور ان کو حکم دیا ہے کہ وہ عمر بن عبدالعزیز کے جنازے میں شریک ہوں۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا، اے عمیر! اپنا ہاتھ دو۔ میں نے اپنا ہاتھ بڑھایا اس نے مجھے اپنے گھوڑے پر سوار کر لیا۔ تھوڑی دُور جا کر اتار دیا، میں اپنے مکان کے پاس تھا۔ (شرح الصدور، ص ۱۰۰)

مزید تفصیل فقیر کی کتاب "الفتوح فی بقاء الروح" اور سماع موتیٰ میں ہے۔ (اویسی غفرلہ)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کی تشبیہ دی جاتی ہے جو حق کی طرف توجہ نہ دے اور نہ اسے قبول کرے۔ کذا فی المفردات

الدُّعَآءَ بمعنے دعوۃ یعنی سُننا۔ اِذَا وَلَّوْا جب وہ داعی سے پیٹھ پھیر جاتے ہیں درحالیکہ وہ مُدْبِرِیْنَ ○ حق کو پس پشت ڈالتے اور اس سے بھاگتے ہیں۔

ف: حکم کو اذا سے مقید کرنے میں کافروں کے سوءِ حال کا اظہار اور تنبیہ ہے کہ یہ برائی کی دونوں خصلتوں کے جامع ہیں اس لیے کہ اسماع عن الحق سے دور اور اس کی طرف کان لگانے سے رُوگردان ہیں جس میں ایک کیفیت ہو اس کو دوری از حق کے لیے کافی ہے جس میں دونوں ہوں اس کا کیا کہنا!

نکتہ: بہرے سے اتنی امید ہو سکتی ہے کہ وہ بات نہ بھی سنے تب بھی متکلم کے لب ولہجہ سے اندازہ کر کے کچھ تو سمجھ جائے گا لیکن جو بہرے سے متکلم کی طرف پیٹھ کر کے کھڑا ہو جائے تو وہ خاک سمجھے گا!

وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِی الْعُمْیِ اور تم اندھے پن سے ہدایت دینے والے نہیں۔

ربط: یہ اور تشبیہ ہے۔ اور تم اندھے کو راہ دکھانے والا نہیں۔

حل لغات: العمی، اعمی کی جمع ہے یعنی اندھا۔

عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ یہ ہدایت کے متعلق ہے باعتبار معنی صرف کے۔

نکتہ: کافروں کو اندھا اس لیے کہا گیا ہے کہ ان کی آنکھوں سے مقصود حقیقی مفقود ہو گیا یا اس لیے کہ ان کے قلوب اندھے ہو گئے (ارشاد) یعنی تم دل کے اندھوں کو گمراہی سے راہِ حق دکھانے والے نہیں ہو اور نہ ہی مشرکوں کو توفیق ایمان دہی کی قدرت رکھتے ہو۔ کیونکہ وہ تو مر چکے ہیں اور مُردہ نہ دیکھ سکتا ہے اور نہ سن سکتا ہے۔ پھر وہ خاک ہدایت پائے گا۔

اِنْ نافیہ ہے بمعنے ما۔ تُسْمِعُ تم نہیں سناتے قرآن کے مواعظ ونصائح اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا مگر انہیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے پھر ان کا ایمان ان میں تدبر اور انہیں قبول کرنے کی طرف بلائے گا۔ یعنی ایمان قلب کی حیات ہے۔ جب دل زندہ ہو تو سمع وبصر اور زبان کو بھی زندگی حاصل ہے۔

ف: مومن سے وہ مراد ہے جو ایمان کے لیے مستعد ہے۔

اب معنٰی یہ ہو گا کہ تم انہیں سنا سکتے ہو جو ایمان کی استعداد رکھتے اور اس کی طرف متوجہ ہیں۔

فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ وہی ہیں ماننے والے۔ یہ ان کے ایمان کی علت ہے یعنی وہ سرِ تسلیم خم کرتے ہیں اس کے لیے جو تم انہیں حق کی بات کہو۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ توجہ عالم حقیقت میں وہ احکام شریعت و آداب طریقت کو مانتے ہیں اس لیے وہ سالک (جو اللہ تعالیٰ کی طرف اڑ رہا ہے) کے لیے احکام شریعت آداب طریقت دو پر ہیں۔ طریق جنان کا سالک ہو یا قرب رحمان کے طریق کا، دونوں نفس و شیطان سے روگردانی کرتے اور داعیِ حق کی طرف بدل وجان متوجہ ہوتے ہیں۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حضرت شیخ عطار الٰہی نامہ میں لکھتے ہیں : ۔

۱ یکے مرغیست اندر کوہ پایہ
کہ در سالے نہد چل روز خایہ

۲ بود شام باشد جاے او را
بسوے بیضہ نبود راے او را

۳ چو بنہد بیضہ در چلہ روز بسیار
شود از چشم مردم ناپدیدار

۴ یکے بیگانہ مرغے آید ز راہ
نشیند بر سر آں بیضہ آنگاہ

۵ چناں آں بیضہ در زیر پر آرد
کہ تا روزے ازو بچہ برآرد

۶ چنانش پرورد آں دایہ پیوست
کہ ندہد ہیچ کس را آنچناں دست

۷ چو جوقے بچہ او پر برآرند
بیکدم روے در یک دیگر آرند

۸ در آید زود مادرشاں بپرواز
نشیند بر سر کوہے سرافراز

۹ کند بانگے عجب از دور ناگاہ
کہ آں خیل بچہ گردند آگاہ

۱۰ چو بشنوند بانگ مادر خویش
شوند از مرغ بیگانہ بر خویش

۱۱ بسوے مادر خود باز گردند
وزاں مرغ دگر ممتاز گردند

۱۲ اگر روزے دگر ابلیس مغرور
گرفتہ زیر پر ہستی تو معذور

۱۳ کہ چوں کرد و خطاب خود پدیدار
بسوے حق شود ز ابلیس بیزار

(بقیہ صفحہ)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ

اللہ ہے جس نے تمہیں ابتداء میں کمزور بنایا پھر تمہیں ناتوانی سے طاقت

بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ

بخشی پھر قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دیا اور

شَیْبَةً ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ وَ هُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ ﴿۵۴﴾ وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یُقْسِمُ

بناتا ہے جو چاہے اور وہی علم و قدرت والا ہے اور جس دن قیامت قائم ہوگی مجرم قسم

الْمُجْرِمُوْنَ ۙ۬ مَا لَبِثُوْا غَیْرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوْا یُؤْفَكُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَ قَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا

کھائیں گے کہ نہ رہے تھے مگر ایک گھڑی وہ ایسے ہی اوندھے جاتے تھے اور بولے وہ جن کو علم اور

الْعِلْمَ وَ الْاِیْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰی یَوْمِ الْبَعْثِ ٘ فَهٰذَا یَوْمُ الْبَعْثِ وَ لٰكِنَّكُمْ

ایمان ملا بے شک تم رہے اللہ کے لکھے ہوئے میں اٹھنے کے دن تک تو یہ ہے وہ دن

كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَیَوْمَئِذٍ لَّا یَنْفَعُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَ لَا هُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾

اٹھنے کا لیکن تم نہ جانتے تھے تو اس دن ظالموں کو نفع نہ دے گی ان کی معذرت اور نہ ان سے کوئی راضی کرنا مانگے

وَ لَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَ لَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰیَةٍ لَّیَقُوْلَنَّ

اور بے شک ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر قسم کی مثال بیان فرمائی اور اگر تم ان کے پاس کوئی نشانی لاؤ

الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِ الَّذِیْنَ

تو ضرور کافر کہیں گے تم تو نہیں مگر باطل پر یوں ہی مہر کر دیتا ہے اللہ جاہلوں کے دلوں پر

لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۵۹﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ لَا یَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِیْنَ لَا یُوْقِنُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع

پر تو صبر کرو بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور تمہیں سبک نہ کر دیں وہ جو یقین نہیں رکھتے

تفسیر عالمانہ

اَللّٰہُ مبتدا، اس کی خبر اَلَّذِیْ خَلَقَکُمْ ہے۔ اللہ وہ جس نے اے انسانو! تمہیں پیدا فرمایا مِّنْ ضُعْفٍ ضعف سے نطفہ یا مٹی مراد ہے۔ یہاں مصدر بمعنی اسم فاعل ہے۔ الضعف بالفتح والضم قوت کی نقیض۔ بعض نے فرق بتایا ہے وہ یہ کہ اگر ضعف بالفتح ہو تو وہ تمیم کی لغت ہوگی۔ اسی کو حمزہ اور عاصم نے تینوں جگہوں میں اختیار کیا ہے۔ اگر بالضم ہو تو وہ قریش کی لغت ہے۔ اسی کو تمام نے قبول کیا۔ اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے بالفتح پڑھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بالضم پڑھایا ثُمَّ تراخی کا ہے زمانہ کی تراخی مراد ہے جَعَلَ پھر پیدا فرمایا۔

قاعدہ: جب جعل بمعنی خلق ہو تو مفعول واحد کی طرف متعدی ہوتا ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مِنْ بَعْدِ ضُعْفٍ دوسرے ضعف سے۔ اس سے یہی موجودہ ضعف مراد ہے۔ یعنی پیٹ میں ہونا اور بچپن کا دور قُوَّۃً اس سے وہ قوت مراد ہے جو بچے کو حاصل ہوتی ہے۔ پیدائش کے بعد حرکت کرتا ہے دودھ کی طلب کرتا ہے اور رو کر اپنی تکلیف ہٹانے کی استدعا کرتا ہے۔

ف: بعض علماء نے فرمایا کہ ایک سال تک بچے میں طاقت باطنی طور پر ہوتی ہے پھر اعضاء میں سرایت کرتی ہے اس کے بطش (پکڑنے کی) اور اشیاء کے حصول کی قدرت حاصل ہوتی ہے۔

ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّۃٍ پھر اس قوت کے بعد پیدا کرتا ہے۔ اس سے سن بلوغ کے بعد والی قوت مراد ہے ضُعْفًا اس ضعف سے بڑھاپا وغیرہ مراد ہے وَّشَیْبَۃً اس سے ہرم یعنی ساٹھ سالہ زندگی مراد ہے شیب اور مشیب بالوں کی سفیدی کو کہا جاتا ہے۔

ف: ضعف و قوت سے اس کی ایک حالت سے دوسری مخالف حالت مراد ہے۔

حسب ۱۹۸ صفحہ ہے

ترجمہ: (۱) پہاڑوں میں ایک پرندہ ہے جو سال میں صرف چالیس روز انڈے دیتا ہے۔

(۲) اور شام کے علاقوں میں رہتا ہے اسے انڈے دینے کا خیال نہیں ہوتا۔

(۳) لیکن ان چالیس دنوں میں خوب انڈے دیتا ہے پھر لوگوں کی نگاہوں سے چھپ جاتا ہے۔

(۴) پھر کوئی اور پرندہ آکر اس کے انڈوں پر بیٹھ جاتا ہے۔

(۵) جو انڈے اس کے پروں کے نیچے ہوتے ہیں کئی دنوں کے بعد ان میں سے بچے نکل آتے ہیں۔

(۶) ان انڈوں کو ایسے پالتا ہے جیسے شفیق دایہ بچوں کو پالتی ہے۔

(۷) بچے انڈوں سے نکل کر ایک دوسرے سے چوں چوں ملاتے ہیں۔

(۸) پھر ان کی ماں پرواز کر کے پہاڑ پر جا بیٹھتی ہے۔

(۹) اچانک دور سے وہ ایک عجیب سی آواز نکالتی ہے جسے وہ تمام بچے سنتے ہیں۔

(۱۰) جب ماں کی آواز سنتے ہیں تو وہ بیگانے پرندے سے بیزار ہو جاتے ہیں۔

(۱۱) اور اپنی ماں کی طرف بھاگتے ہیں اور اس پرندے سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔

(۱۲) اگر کسی روز ابلیس مغرور نے تجھ پر دھوکا سے تیر لگا دیا ہے تو وہ معذور ہے۔

(۱۳) لیکن جب اللہ تعالیٰ کے دیدار کی آواز آئے گی تو تو بھی ابلیس سے بیزار ہو کر دیدار کی طرف بھاگ کر آجائے گا۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ وہ فرع سے اصل کی طرف رجوع کرے اور کوشش کرے تاکہ اس کی روح کو سننے کی طاقت حاصل ہو جائے اس سے قبل کہ اس کے حواس ختم اور اس کے جسم کی احساس مٹ جائے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

قاعدہ ۱: نکرہ کو جب دوبارہ معرفہ کر کے لایا جائے تو اس سے وہی پہلا مراد ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے:

رأیت رجلا فقال لی الرجل۔

(میں نے ایک مرد کو دیکھا تو اسی مرد نے مجھے کہا)

قاعدہ ۲: اگر نکرہ کو دوبارہ نکرہ لایا جائے تو اس سے پہلے کا غیر مراد ہوتا ہے۔ اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

فان مع العسر یسرا ان مع العسر یسرا کہ انسان کی دو یُسروں پر ایک عُسر غالب نہیں آسکے گا۔ ایسے ہی امام راغب اصفہانی نے تحقیق فرمائی اور بہت بڑے جلیل القدر مفسرین نے آپ کا اتباع کیا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے خلقکم من ضعف پیدا کیا تمہیں بدایۃً میں۔ اس سے ضعف العقل مراد ہے ثم جعل من بعد ضعف قوۃ پھر ضعف کے بعد تمہارے اندر قوت پیدا فرمائی یعنی براہین و حجج عقل میں پیدا فرمائے ثم جعل من بعد قوۃ ضعفا و شیبۃ پھر قوت کے بعد تمہارے اندر ضعف (بڑھاپا) پیدا فرمایا یعنی ایمان میں ضعف پیدا فرماتا ہے جب عقل سے معقولات کے علاقے سے سمجھتا ہے تو اسے شبہات کے اسباب سے دیکھتا ہے جس میں وہم و خیال کی ملاوٹ ہوتی ہے تو شبہات کی ظلمات میں گر جاتا ہے اس لیے اس کا قدم سیدھے راستے سے ڈگمگا جاتا ہے اور وہ دین قیم سے ہٹ کر ہلاک اور برباد ہو جاتا ہے ہزاروں اسی طرح تباہ و برباد لوگوں کے حالات پڑھے سنے جاتے ہیں کہ انہوں نے معقولات کی تعلیم و تعلم میں زندگی تباہ کی ان کی کوشش ہوتی تھی کہ کسی طرح شریعت کا نور بجھ جائے اپنے نور ظلمت طبیعت کے تحت ابطالِ شرع میں سر کی بازی لگا دی لیکن نور الٰہی مٹانے والے خود مٹ کے رہ گئے اللہ تعالیٰ نے اس کے نور کو اور چمکا دیا اگرچہ کافروں کو ناپسندیدہ اور گندا بنا دیا۔ نیز خلقکم من ضعف سے طلب تجرد و تزود بھی مراد ہو سکتا ہے ثم جعل من بعد ضعف قوۃ پھر صدق طلب میں ضعف کے بعد قوت بخشی ثم جعل من بعد قوۃ پھر طلب میں قوت کے بعد ضعفا ضعف پیدا کیا کہ قول ثقیل کی برداشت نہ رہی۔

ف: قول ثقیل سے لا الٰہ الا اللہ کی حقیقت مراد ہے کیونکہ یہ فنا حقیقی اور اس ضعف حقیقی کا موجب ہے کہ عشق میں محبوب و محب کے درمیان معاتبات و معاشقات ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

شیبتنی سورۃ ھود و اخواتہا۔

(مجھے سورۂ ہود اور اس جیسی اور سورتوں نے بوڑھا کر دیا)

کیونکہ اس میں فاستقم کما امرت (جیسے تمہیں حکم ہے اسی پر مستقیم رہو) انہی معاشقات و معاتبات کی طرف اشارہ ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تفسیر عالمانہ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے منجملہ ان کے وہ بھی ہے انسان میں ضعف، قوت اور جوانی و بڑھاپا پیدا فرماتا ہے۔ یعنی یہ ادوار طبعی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے۔

تفسیر صوفیانہ یخلق ما یشاء پیدا کرتا ہے سعید و شقی میں قوت و ضعف۔ مثلاً سعید میں قوت ایمان اور ضعف بشریہ، اور شقی میں وہ قوت بشریہ جو کفر کو قبول کرتی ہے اور وہ ضعف روحانیہ جو قبول ایمان سے عاجز ہے۔

تفسیر عالمانہ وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ ۝ اور وہ اپنی تخلیق کو جانتا ہے اور اس کے ایک حال سے دوسرے حال کی طرف پھیرنے پر قدرت رکھتا ہے نیز اہل سعادت و شقاوت کو خوب جانتا ہے اور ان کے اسباب و شقاوت کی تخلیق پر قادر ہے۔

ف: انسان بہ نسبت غیر کے اپنے سے عبرت حاصل کرنے میں زیادہ قریب ہے اسی لیے انسان کو اپنے حالات کی تغیر و تبدیل کا تجربہ دیا ہے تاکہ وہ ان حالات کے پیش نظر اپنے صانع کامل کی معرفت سے آگاہ ہو کہ وہ علم و قدرت والا ہے اور حدوث و امکان سے منزہ ہے۔ اس طرح سے طاعت و عبادت میں اس کا جی زیادہ نہیں لگے گا۔

ف: ایک بزرگ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرماتا ہے جو اپنی قوت کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں صرف کرتا ہے اگر وہ ضعیف ہے تو پھر اپنے آپ کو گناہوں سے بچاتا ہے۔

سبق: ساٹھ سال کے بعد انسان بیماریوں کے جھگڑوں میں ہوتا ہے عمل کرنے کے لائق نہیں رہتا۔ مقاصد کے حصول سے عاجز ہوتا ہے اور اجل سر پر سوار نظر آتی ہے۔ اسی لیے نوجوانوں پر لازم ہے کہ عبادت میں سستی نہ کریں اور نہ ہی عبادت میں خلل کو گھسنے دیں۔

جوانی نعمت ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اوصیکم بالشبان خیراً ثلاثہ فانہم ارق افئدۃ الا وان اللہ ارسلنی شاھداً و مبشراً و نذیراً فحالفنی الشبان و خالفنی الشیوخ۔

(میں تمہیں نوجوانوں کے لیے خیر کی وصیت کرتا ہوں تین بار تاکید فرمائی اس لیے بعض نوجوان رقیق القلب ہوتے ہیں آگاہ رہو کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے شاہد و مبشر و نذیر بنا کر بھیجا ہے ابتدائے اسلام میں میری مدد اکثر نوجوانوں نے کی اور اکثر بوڑھوں نے مخالفت)

خضاب کی ممانعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بوڑھوں کی تعریف فرمائی کہ جو شخص اسلام میں بوڑھا ہوا اسے اس کے سفید بالوں کے عوض نور نصیب ہوگا بشرطیکہ وہ سفید بالوں کو سیاہ خضاب نہ لگائے اور نہ ہی انہیں اکھیڑے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مسئلہ: سیاہ خضاب غازیوں کے سوا سب کے لیے حرام ہے[1]۔ غازیوں کے لیے اس لیے حلال ہے کہ وہ دشمنوں کو ہیبت ناک نظر آئیں گے (یہ اس وقت تھا جب جنگ آمنے سامنے ہوتی تھی اب تو زیادہ تر دیگر آلات سے جنگ ہوتی ہے، آمنے سامنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ہاں اب طاقت و ہنر کی ضرورت ہے بلکہ میرے زمانے کے علماء کا غازی ہونا کچھ اور طریقے کا ہے)[2]

مسئلہ: خضاب سرخ جیسے مہندی اور زرد خضاب کا استعمال مستحب ہے۔

نکتہ: یخلق ما یشاء میں دلیل ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی میں بڑھاپا نہ آنے دے تو اس پر بڑھاپا آ ہی نہیں سکتا[3]

سوال: تم کہتے ہو بڑھاپا اللہ تعالیٰ لاتا ہے لیکن ذیل کے شعر میں زمانے کی گردش کو بتایا ہے۔ چنانچہ کہا ہے

اشاب الصغیر وافنی الکبیر
کر الغداۃ و مر العشی

---

[1] میرے دور میں بہت سے بوڑھے علماء خضاب لگا کر اپنے لیے غازی بننے کی ایک ایسی علت بتاتے ہیں جسے لکھنے یا بتانے سے مجھے شرم آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نفس کی شرارت سے بچائے۔ آمین

[2] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

[3] جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تریسٹھ برس کی عمر کے باوجود سر اور داڑھی مبارک میں چند سفید بال تھے اور خود رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ اقدس کی برکت نے بہت سے صحابہ کو بعض اوقات میں بڑھاپے کے قریب نہ پھٹکنے دیا۔ چند واقعات ملاحظہ ہوں:

(۱) حضرت عمرو بن ثعلب کے چہرے اور سر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ مبارک پھیرا، انھوں نے سو سال کی عمر پائی اور سر کے وہ بال جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دستِ مبارک سے چھوا وہ سفید نہ ہوئے۔

(۲) حضرت یزید بن قنافہ طائی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہ گنجے تھے، آپ نے ان کے سر پر ہاتھ مبارک رکھا تو اسی وقت بال اُگ آئے۔ اسی لیے ان کا لقب ہلب (بسیار مُو) تھا۔

(۳) یسار بن ازیہر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر پر ہاتھ مبارک پھیرا۔ حضرت یسار کی صاحبزادی عیرہ فرماتی ہیں کہ میرے باپ کے بال عمر بھر سفید نہ ہوئے۔

(۴) حضرت ابو زید اخطب انصاری رضی اللہ عنہ کے سر اور چہرے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ پھیرا تو ان کی سو سال کی عمر ہوئی لیکن بال سفید نہ ہوئے۔

مزید فقیر کی کتاب "الاصابہ" میں پڑھیے۔ اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ترجمہ: بچوں کو جوان کیا اور بوڑھوں کو مار دیا صبح و شام کی آمد و رفت نے۔

جواب: یہ اسناد مجازی ہے۔

حکایت سیدنا بایزید بسطامی قدس سرہٗ نے اپنا چہرہ آئینے میں دیکھ کر فرمایا کہ افسوس بال تو سفید ہوگئے لیکن عیب نہ گیا، نہ معلوم آگے کیا ہونا ہے ؎

یا عامر الدنیا علی شیبہ
فیك اعاجیب لمن یعجب
ما عذر من یعمر بنیانہ
وجسمہ مستہدم یخرب

ترجمہ: اے بڑھاپے میں دنیا کو آباد کرنے والے! تیرے اوپر تعجب والے تعجب کرتے ہیں۔ اس کے ہاں کیا عذر ہے، جو مکان تو تعمیر کر رہا ہے لیکن اس کا جسم مٹی میں مل کر مٹی ہو جائے گا۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

۱ کنوں باید اے خفتہ بیدار بود
چو مرگ اندر آرد ز خوابت چہ سود
۲ چو شیب اندر آمد بروے شباب
شبت روز شد دیدہ برکن ز خواب
۳ من آں روز برکندم از عمر امید
کہ افتادم اندر سیاہی سپید
۴ دریغا کہ بگذشت عمر عزیز
بخواہد گذشت ایں دمے چند نیز
۵ فرو رفت جم را یکے نازنیں
کفن کرد چوں کرمش ابریشمیں
۶ بدخمہ در آمد پس از چند روز
کہ بروے بگرید بزارے و سوز
۷ چو پوسیدہ دیدش حریر کفن
بفکرت چنیں گفت با خویشتن
۸ من از کرم برکندہ بودم بزور
بکندند ازو باز کرمان گور

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ترجمہ: (۱) اے سونے والے! اب تجھے بیدار ہونا چاہیے ورنہ جب تجھے موت نے جگایا تو پھر کیا فائدہ!

(۲) جب چہرے پر بڑھاپا آگیا تیری رات گئی دن آگیا اب تو نیند سے آنکھ کھول۔

(۳) میں تو زندگی سے اس وقت سے ہاتھ دھو بیٹھا ہوں جب میرے سیاہ بال سفید ہوئے۔

(۴) افسوس ہے تیری پیاری زندگی گزر گئی اور یہ باقی چند لمحات بھی گزر جائیں گے۔

(۵) جمشید کا ایک لڑکا مر گیا اس نے اس کا کفن ریشم کا تیار کرایا۔

(۶) چند دنوں کے بعد اس کی قبر کھود کر خیال کیا کہ اسے دیکھ کر خوب آنسو بہائے۔

(۷) جب اس کا کفن بوسیدہ دیکھا تو فکر میں ڈوب کر کہا

(۸) میں نے تو کیڑوں سے بنے ہوئے ریشم کا کفن بنوایا لیکن قبر میں کیڑوں نے اس کا کفن چھین لیا۔

روایت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو خوب روتے یہاں تک کہ آپ کی داڑھی تر ہو جاتی۔ آپ سے پوچھا گیا کہ آپ جنت و دوزخ پر اتنا نہیں روتے قبر سے کیوں زیادہ روتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان القبر اول منزل من منازل الاخرة فان نجا منه فما بعده ایسر منه وان لم ینج منه فما بعده اشد منه۔

(قبر آخرت کی پہلی منزل ہے اگر اس سے نجات پا گیا تو باقی منازل طے کرنا آسان ہوگا اگر اس سے ہی نجات نہ ملی تو پھر آگے کی منازل شدید تر ہیں)

حکایت حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے ایک لڑکی کو بین کرتے سنا، وہ کہہ رہی تھی، ابا! تیرا بستر میں بچھاتی تھی اب تیرا بستر کون بچھائے گا۔ ابا! تجھے کھانا پکا کر کھلاتی تھی اب تیرا کھانا کون پکائے گا وغیرہ وغیرہ۔ آپ نے فرمایا، یوں کہو کہ ہم نے تیرا چہرہ قبلہ رُخ رکھا تھا اب نہ معلوم اسی حالت پہ ہے یا پھر گیا ہے، ابا! نہ معلوم تیری قبر بہشت کا باغیچہ ہے یا جہنم کا گڑھا۔ ابا! نہ معلوم تُو نے نکیرین کو صحیح جواب دیا یا غلط۔ لڑکی نے کہا: آپ نے سچ فرمایا اب یُوں ہی کہوں گی۔

سبق سمجھدار ہمیشہ موت کو یاد کرتا اور بعد سفر کی فکر میں رہتا ہے بلکہ اس کی تیاری میں یعنی ایمان و صلاۃ اور عمل صالح جیسے نماز روزہ اور شب بیداری یعنی تہجد وغیرہ کی ادائیگی میں مصروف رہتا ہے ان تمام اعمال سے اصلاح نفس اور لوگوں کو ایذا دینے سے مثلاً غیبت و کذب سے بچتے رہنا افضل عمل ہے اور ہر عمل میں خلوص ضروری ہے اور یہ توحید کی پختگی سے نصیب ہوتا ہے اور توحید کی پختگی رات دن قلب کی صفائی سے ہوتی ہے۔

تفسیر عالمانہ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اور اس وقت کہ قیامت قائم ہوگی۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ف : اسے ساعت اس لیے کہتے ہیں کہ یہ دنیا کی آخری گھڑی ہے یا اس لیے کہ یہ اچانک آئے گی۔ ویسے تو ہر گھڑی ساعت ہے لیکن اب قیامت کا علم مستعمل ہے جیسے النجم اور الکوکب ہر ستارے کو کہتے ہیں لیکن اب پہلا ثریا کے لیے اور دوسرا زہرہ کے لیے علم بن گئے ہیں۔ فتح العزیز میں اس کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے کہ دن کی وہ گھڑی جس میں قیامت قائم ہوگی۔

يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ مجرم قسمیں کھائیں گے۔ اقسم سے ہے بمعنی حلف۔ دراصل یہ اس قسامت سے ہے جو مقتول کے قتل پر متہمین سے قسمیں لی جاتی ہیں۔ لیکن اب ہر قسم پر اس کا اطلاق ہوتا ہے **مَا لَبِثُوْا** قبروں میں نہیں ٹھہرے ما نافیہ ہے اور لبث بالمکان سے ماخوذ ہے۔ اس کے لیے بولتے ہیں جو اسی مکان میں دائمی مقیم ہو **غَيْرَ سَاعَةٍ** سوائے ایک لمحہ کے جھوٹ بولیں گے یا ان کو بھول جائے گا یا بطور تخمینہ کہیں گے۔

ف : بعض نے کہا یہ انکار دنیا میں ٹھہرنے کا ہے لیکن صحیح پہلا قول ہے کیونکہ اس ٹھہرنے کا بیان یوم یبعثہم اللہ میں آ رہا ہے۔ اور پھر ان کا دنیا میں ٹھہرنا اس طرح کا نہیں ہے۔

كَذٰلِكَ اسی پھیرنے کی طرح یعنی آخرت میں صحیح بات سے ہٹنے کی طرح **كَانُوْا** تھے وہ دنیا میں مرنے کے بعد اٹھنے کے انکار اور اس کے بطلان پر قسم کھاتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

واقسموا باللہ جہد ایمانہم لا یبعث اللہ۔

(اور انہوں نے پکی قسمیں کھائیں کہ اللہ تعالیٰ مُردوں کو قبروں سے نہیں اٹھائے گا)

يُؤْفَكُوْنَ ۝

حل لغات : اہل عرب کہتے ہیں، افك فلان۔ یعنی فلاں صدق اور خیر سے پھر گیا۔

اب معنی یہ ہے کہ وہ حق اور صدق سے ہٹ کر باطل اور بہتان اور جھوٹ میں لگ جائیں گے۔ یعنی جیسے وہ دنیا میں جھوٹ بولتے ہیں ایسے ہی آخرت میں جھوٹ بولیں گے۔ غرضیکہ ان کا کام ہی جھوٹ بولنا ہے دنیا ہو یا آخرت۔

نکتہ : اللہ تعالیٰ نے صدق پیدا فرمایا تو اس کے سایہ سے ایمان و اخلاص ظاہر ہوئے اور جھوٹ پیدا فرمایا تو اس کے سایہ سے کفر و نفاق ظاہر ہوئے۔ وہ ایمان جو صدق سے پیدا ہوا اس کا نتیجہ وہی نکلے گا جو قیامت میں اہل ایمان کہیں گے:

الحمد للہ الذی صدقنا وعدہ وھذا ما وعد الرحمٰن وصدق المرسلون۔

(سب تعریف اس کے لیے جس نے ہمارے ساتھ وعدہ سچ کر دکھایا یہ وہی ہے جو رحمان نے وعدہ فرمایا اور رسل کرام نے سچ فرمایا)

وغیرہ وغیرہ۔ اور جس جھوٹ سے کفر نکلا اس کا نتیجہ ہو گا کہ کافر بولیں گے:

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

واللہ ماکنا مشرکین۔

(بخدا ہم تو مشرک نہیں تھے)

اور،

وما لبثوا غیر ساعۃ۔

(وہ تو گھڑی بھر بھی نہیں ٹھہرے)

اس طرح اور جھوٹ وغیرہ۔

حضرت حافظ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے

بصدق کوش کہ خورشید زاید از نفست
کہ از دروغ سیہ روئے گشت صبح نخست

ترجمہ: سچ بولنے کی کوشش کر تاکہ تجھ سے سورج (ایمان) کا طلوع ہو صبح کاذب اسی لیے سیاہ ہے کہ اس نے جھوٹ بولا۔

یعنی سچ کا نتیجہ نور ہے جیسے جھوٹ کا نتیجہ سیاہی۔ صبح کاذب کو دیکھ لو۔

تفسیر عالمانہ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ اور اہل علم و ایمان اور ملائکہ ان کا رد کرتے ہوئے کہیں گے لَقَدْ لَبِثْتُمْ بخدا تم ٹھہرے فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ بحکم تقدیر ربانی جو لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے علم و قضا کے موافق کہا ہے اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ قیامت میں اٹھنے تک۔ یہ بہت بڑی مدت اور طویل عرصہ ہے اس سے کوئی خاص مدت مراد نہیں۔

حدیث شریف میں ہے،

ما بین فناء الدنیا والبعث اربعون۔

(قیامت اور دنیا کے فنا ہونے کے درمیان چالیس کا عرصہ ہے)

شرح الحدیث اس سے چالیس ساعات یا چالیس دن یا چالیس سال مراد ہے۔ یہی زیادہ ظاہر ہے یا اس سے چالیس ہزار سال مراد ہیں۔

فَهٰذَا ربط: اس سے خبر دیں گے کہ جس کا تمہیں انکار تھا وہ یہ ہے۔ یہ شرط محذوف کی جزا ہے یعنی اگر تم اٹھنے کے منکر ہو تو یہی ہے يَوْمُ الْبَعْثِ اٹھنے کا دن جس کا تم انکار کرتے تھے اور تمہیں دنیا میں اس سے ڈرایا جاتا۔ لیکن اب تمہارے بطلان کا اظہار ہو گیا وَلٰكِنَّكُمْ لیکن تم اپنی جہالت کے عناد اور کوتاہ نظری سے كُنْتُمْ تھے تم دنیا میں لَا تَعْلَمُوْنَ نہیں جانتے کہ وہ حق ہے۔ اور یقیناً تم اپنی جہالت سے استہزا کرتے ہوئے اس کے آنے میں جلد بازی کرتے تھے فَيَوْمَئِذٍ تو قیامت میں لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ظالمین یعنی مشرکین کو نفع نہ دے گا مَعْذِرَتُهُمْ ان کا عذر۔ یہ لا ینفع

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کا فاعل ہے عذر بمعنے انسان کا اپنی غلطیوں کو زائل کرنے کی کوشش کرنا مثلاً کہے کہ میں نے یہ کیا ہی نہیں اور اس کے کرنے کی فلاں وجہ ہے غرضیکہ اپنے آپ کو غیر مجرم ثابت کرے۔ یا میں نے یہ غلطی کی ہے لیکن آئندہ ہرگز نہیں کرے گا۔ اس قسم کا نام توبہ ہے ہر توبہ کو عذر کہہ سکتے ہیں لیکن ہر عذر کو توبہ نہیں کہا جاتا (ان میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے) عذر، العذرۃ سے ماخوذ ہے بمعنے گندگی۔ مثلاً کہا جاتا ہے،

عذرت الصبی۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب بچے کو گندگی سے پاک صاف کرے۔ ایسے ہی کہتے ہیں،

عذرت فلاناً۔

یعنی میں نے اس سے معافی طلب کر کے اپنی غلطی کی گندگی دھو ڈالی ہے (المفردات)

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ یہ العذار سے ہے بمعنے ڈھانپنا۔

وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ۝ یہ الاعتاب سے ہے بمعنے ازالۃ العتب والغضب۔ (کسی سے غصہ غضب زائل کرنا) یعنی کسی کو خوش کرنا۔ استعتاب (اسی کی طلب کرنا) یعنی اسے خوش کرنے کی طلب کرنا۔ مثلاً کہا جاتا ہے،

استعتبنی فلان فاعتبتہ۔

(فلاں نے مجھ سے رضامندی چاہی تو میں نے اسے راضی کیا)

یعنی انہیں اس طرف نہیں بلایا جائے گا کہ ایسا کام کریں جس سے ان سے بذریعہ توبہ وطاعت غضب و عتاب زائل ہو جائے جیسا کہ انہیں دنیا میں اس طرف بلایا جاتا تھا کیونکہ اب آخرت میں نہ توبہ کام دے گی نہ طاعت اور نہ ہی انہیں دنیا کی طرف جانے کی اجازت ہوگی تاکہ کھوئی ہوئی دولتِ ایمان اور عمل صالح حاصل کریں۔ شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

۱ کنونت کہ چشم است اشکے ببار
زباں در دہانست عذرے بیار
۲ کنوں بایدت عذر تقصیر گفت
نہ چوں نفس ناطق ز گفتن بخفت
۳ بشہر قیامت مرو تنگ دست
کہ وجہے ندارد بحسرت نشست

ترجمہ: (۱) ابھی تیری آنکھیں ہیں آنسو بہا، زبان منہ میں ہے عذر لا۔
(۲) ابھی تجھے تقصیر کے عذر کہنے کی طاقت ہے نہ اس وقت جب زبان بولنے سے رہ جائے گی۔
(۳) قیامت کے شہر تنگدست ہو کر نہ جا وہاں حسرت سے بیٹھنا فائدہ نہ دے گا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ انسان کا جسم قبر کی طرح ہے اسی لیے قیامت میں دنیوی زندگی کو بعض چند لمحات تصور کریں گے اگرچہ انہیں بہت طویل وقت گزارنے کو ملا بالخصوص قیامت میں اُٹھنے تک۔

حدیث شریف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
الدنیا ساعة فاجعلها طاعة۔

(دنیا ایک لمحہ ہے اسے طاعت میں صرف کر دے)

حکایت ایک عابد پر نزع طاری ہوئی تو رونے لگا اور فرمایا: مجھے حزن اور ملال اور غم اور خطا و ذنوب پر افسوس نہیں ہو رہا بلکہ اس رات پر رو رہا ہوں جس میں میں جاگ نہ سکا اور اس دن پر جس میں میں روزہ نہ رکھ سکا اور گھڑی پر جس میں ذکرِ الٰہی سے غفلت میں گزر گئی۔

قیامِ[1] قیامت کی خبر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:
الدنیا جمعة من جمع الاخرة سبعة آلاف سنة وقد مضی ستة آلاف ولیاتین علیها مئون من سنین لیس علیها موحد۔ (ص ۵۹ ج ۷)

(دنیا آخرت کے جمعات میں سے ایک جمعہ ہے یعنی دنیا سات ہزار سال ہے اب تک چھ ہزار سال گزر گئے اور اس پر دو سو سال ایسے ہیں جن میں ایک بھی اہلِ توحید (مسلمان) نہ ہوگا)

یعنی جب اللہ تعالیٰ دنیا کو مٹانا چاہے گا تو قربِ قیامت میں اہلِ ایمان نہیں رہیں گے پھر سنبلہ کا دور غالب ہو کر ظہور سے بطون کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ پھر برزخ کی مدت ختم ہو کر نفخِ صور ہوگا۔ اس پر اہلِ ایمان اس عقیدہ پر اُٹھیں گے جس پر انہیں موت آئے گی یعنی توحید (ایمان) پر، اور اہلِ کفر کفر پر اٹھیں گے جیسے کہ وہ کفر پر مرے تھے۔ اب دنیا کی زندگی اور اس کا دکھ سکھ بھولا بسرا ہو جائے گا۔

سبق: اسے مبارک ہو جو دن بھر روزے رکھتا ہے یہاں تک کہ اسے اللہ تعالیٰ بڑے طویل دن میں اپنی خاص نعمتوں سے کھلائے پلائے گا۔ اور مبارک ہو اس بندۂ خدا کو جو ساری رات بیدار رہتا ہے یہاں تک کہ اسے اللہ تعالیٰ عرشِ الٰہی کے سائے تلے جگہ دے گا جو قیامت کی تاریکی سے راحت پائے گا اور مبارک ہو اس عاشقِ زار کو جو محبتِ الٰہی کی نار میں جلتا رہا تو قیامت میں اللہ تعالیٰ اسے نارِ محبت کی جلن سے آزاد کر کے اپنے نور سے مسرور فرمائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ قیامت میں متقی کو شدتِ دنیا اور آخرت کی تپش سے محفوظ رکھا جائے گا۔

---

[1] ہمارے دور کے معتزلہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعتِ علم کے منکر ہیں اور کہتے ہیں انہیں قیامِ قیامت کا علم نہیں اور آیت "وعندہٗ علم الساعة" سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ اس میں نفی کا ایک لفظ نہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے علمِ ساعت کا اثبات فرمایا ہے نہ اور لیس۔ اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حضرت شیخ عطار قدس سرہٗ نے الٰہی نامہ میں فرمایا ہے

۱ مگر یک روز در بازارِ بغداد
بغایت آتشے سوزندہ افتاد

۲ فغان برخاست از مردم بیکبار
وزاں آتش قیامت شد بدیدار

۳ بزہ بر پیرہ زالے مبتلا سے
عصا در دست سے آید زجا سے

۴ یکے گفتا مگر دیوانۂ تو
کہ افتاد آتش اندر خانۂ تو

۵ زنش گفتا توے دیوانۂ من
کہ حق ہرگز نسوزد خانۂ من

۶ بآخر چوں بسوخت عالم جہانے
نبود آں زال را ز آتش زیانے

۷ بدو گفتند ہاں اے زال دمساز
بگو کز چہ بدانستی تو ایں راز

۸ چنیں گفت آنگہے زال فسردہ تن
کہ یا خانہ بسوزد یا دل من

۹ چو سوخت آں غم دل دیوانۂ را
نخواہد سوخت آخر خانۂ را

ترجمہ (۱) ایک دن اچانک بغداد میں آگ بھڑک اٹھی اور بازار جل رہا تھا۔

(۲) لوگوں نے یکبارگی شور اٹھایا کہ آگ نے قیامت بپا کر دی ہے۔

(۳) لیکن ایک بڑھیا اپنے گھر سے عصا ہاتھ میں لے کر اطمینان سے باہر نکلی۔

(۴) کسی نے اسے کہا کہ شاید تو پاگل ہے کہ گھر آگ سے جل رہا ہے اور تو اطمینان سے جا رہی ہے کسی قسم کا واویلا نہیں کرتی۔

(۵) اسے بڑھیا نے کہا تو ہی دیوانہ ہے کیونکہ مجھے یقین ہے اللہ تعالیٰ میرا گھر نہیں جلائے گا۔

(۶) بالآخر بغداد کا بازار جل کر راکھ ہو گیا لیکن بڑھیا کی جھونپڑی محفوظ رہی۔

(۷) اسے کہا گیا اسے بی بی پاکدامن ! بتائیے یہ راز کیا ہے ؟

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(٨) اس بڑھیا نے کہا کہ وہ دیا میرا گھر جلاتا یا دل۔

(٩) لیکن وہ میرا دل تو پہلے ہی جلا چکا ہے تو پھر میرا گھر کیسے جلائے گا!

سبق عاقل کو چاہیے احکام و اوامر وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کے ارادے پر گامزن رہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ پھر اس کی مرضی پر چلا کر جیسے وہ نارِ جہنم سے نجات چاہے اسے نجات بخشے۔ اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا صرف دنیا میں ہے۔ جب موت آئے تو بندے کے منہ اور دیگر اعضاء پر مہر لگادی جاتی ہے اور حواس و قویٰ اور تمام مدارک کے طرق بند کر دیئے جاتے ہیں اب ہر بندہ اپنے کردار کا پابند ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ اور ہم نے لوگوں کے لیے قرآن میں ہر طرح کی کہاوتیں بیان کی ہیں۔ نقش قسم کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ کہ ہم نے بیان کیں الخ۔ انہیں کہاوتوں سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے جیسے کہاوت ایک عجیب و غریب مضمون پر مشتمل ہوتی ہے ایسے ہی قرآن پاک کا ہر مضمون عجائب و غرائب سے بھرپور ہے جیسے توحید اور قیامت میں اٹھنا اور رسل کا صدق ایسے ہی دنیا و دین کے امور کہ جن کے یہ محتاج ہیں ایسے اچھوتے طریق سے بیان کیے گئے ہیں کہ اہلِ تفکر آسانی سے ہدایت پا سکتے ہیں اور اہلِ تدبر با حسن وجوہ عبرت حاصل کر سکتے ہیں وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ اور اگر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! ان معاندین و منکرین کے پیچھے لائیں بِاٰيَةٍ قرآن کی کوئی آیت جو انہیں ایسی باتیں کھول کر بتا دے لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا تو جہالت کے زور اور قساوتِ قلبی سے یہی کافر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام سے کہیں گے۔ اِنْ نافیہ ہے اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ نہیں ہو تم مگر بناوٹی بات بنانے والے۔ ابطل الرجل سے ہے یعنی باطل بات لایا و اکذب اور جھوٹ لایا۔

المفردات میں ہے: الابطال یعنی افساد الشئ وازالتہ حقا کان ذالک الشئ او باطلا۔ یعنی شے کو فاسد کرنا یا اس کے وجود کو ختم کر ڈالنا یا اسے باطل کرنا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لیحق الحق و یبطل الباطل۔

(تاکہ حق کو ثابت کرے اور باطل کو مٹا دے)

اور کبھی ایسی شے کو کہا جاتا ہے جس کی کوئی حقیقت نہ ہو۔

؎ علامہ اقبال مرحوم نے کہا: ؎

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

اویسی غفرلہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

كَذٰلِكَ اسی طرح يَطْبَعُ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ ان کے اختیاری کفر کی وجہ سے مُہر لگاتا ہے عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ان کے دلوں پر جو علم طلب نہیں کرتے بلکہ اپنے گندے اعتقادات پر اور اپنی نکالی ہوئی غلط بدعات پر اصرار کرتے ہیں اس لیے کہ جہل مرکب انہیں ادراکِ حق سے روکتا اور حق والوں کی تکذیب پر اُبھارتا ہے۔

طبع کی تحقیق طبع یعنی کسی شے کو دوسری صورت سے مصور کیا جائے جیسے طبع السکۃ۔ سکہ کی مہر اور طبع الدراہم پیسوں کی مُہر۔ یہ اختم سے اعم اور النقش سے اخص ہے۔ طابع وخاتم وہ شے جس سے مُہر لگائی جائے یعنی آلۂ ختم و طبع، فاعل کا وزن اسی معنی کے لیے آتا ہے۔ الطبیعۃ کو اسی لیے طبیعت کہتے ہیں کہ وہ نفس میں ایک مُہر کی مانند ہے خلقۃً ہو یا عادۃً۔ لیکن جو خلقۃً (پیدائشی) ہو وہ اس میں اکثر استعمال ہوتی ہے۔

نکتہ اللہ تعالیٰ نے نفوس کفار کے اندر کفر و معاصی سے محبت کرنے اور ایمان و طاعت سے نفرت کرنے پر مُہر لگانے کو برتنوں وغیرہ پر مُہر لگانے سے اس لیے تشبیہ دی ہے کہ جس طرح برتنوں وغیرہ پر مُہر کے بعد وہ تصرف سے محفوظ ہو جاتے ہیں ایسے ہی کفار کے دل حق کو قبول کرنے سے محروم ہو گئے ہیں پس ہیئت کو طبع سے تشبیہ دے کر یطبع کو اس سے مشتق کر کے استعارہ کیا گیا ہے۔ یہ استعارہ تبعیہ ہے۔

فَاصْبِرْ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! صبر کیجئے ان کی ایذاؤں پر جو وہ زبان یا ہاتھ وغیرہ سے آپ کو پہنچا رہے ہیں اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ بے شک اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ جو آپ کے ساتھ ہے کہ آپ کی مدد کروں گا اور آپ کے دین کو غالب رکھوں گا، حق ہے اس کا ایفا ضروری ہے لیکن وقت کا انتظار کیجئے کیونکہ ہر کام کے لیے ایک وقت مقرر ہے ——— وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ اور تمہیں خفت اور قلق جزع فزع پر برانگیختہ نہ کرے۔

المفردات میں ہے: لایستخفنک یعنی لایزعجنک ولا یزیلنک یعنی لا یحملنک (تمہیں ہٹا نہ دے) تمہارے عقاید سے ان کے شبہات وغیرہ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ۝ وہ لوگ جو یقین نہیں رکھتے۔ الایقان یعنی بے گمان ہونا۔ یقین در اصل صاف پانی کو کہا جاتا ہے۔ کما فی کشف الاسرار

یعنی تکذیب کی وجہ سے آیات پر یقین نہیں رکھتے اور اپنی غلط باتوں کی وجہ سے یوں کہا کرتے ہیں اِن انتم الا مبطلون آیاتِ الٰہی کا اعتبار نہیں کرتے کیونکہ یہ شقی اور گمراہ ہیں اور یہ ان کی کوئی بات نہیں بلکہ یہ ہمیشہ اس طرح کرتے رہتے ہیں۔

نکتہ: بظاہر قرآن کے استخفاف سے نہی ہے لیکن درحقیقت ان کے اثرات قبول کرنے سے روکا جا رہا ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کفار کی ایذا رسانی کا ایک نمونہ مروی ہے کہ جب ابو طالب مرگیا تو کفار کی اذیتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑھ گئیں یہاں تک کہ قریش مکہ کے بعض احمقوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرِ مبارک پر مٹی ڈال دی آپ اسی حالت میں دولت کدہ میں تشریف لے گئے تو آپ کی صاحبزادی سر سے مٹی ہٹاتی رہی اور روتی بھی رہی۔ آپ نے فرمایا: "بیٹی! مت رو تیرے باپ کا پروردگار ان کفار کو عنقریب روک دے گا۔" یہی حال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا۔ الحمد للہ سب نے صبر کیا اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ پھر ایک عرصہ کے بعد دولت نے ان کے قدم چومے پھر تو دین و دنیا و آخرت کے جامع ہوئے۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا: ؎

ولا در عاشقی ثابت قدم باش
کہ دریں راہ نباشد کار بے اجر

ترجمہ: اے دل! عاشقی میں ثابت قدم رہ اس راہ کا کام بے اجر نہیں ہوتا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ فاصبر میں طالب صادق کو اشارہ ہے کہ نفس کو مالوفات سے بچانے کی تکالیف برداشت کرنے میں صبر کر اس لیے کہ اس طرح سے اس کا تزکیہ ہوگا اور دل کو صفات نفس کی گرد و غبار سے دور رکھ کر اس طرح سے اس کا تصفیہ ہوگا، ہو کے حصول میں وجود کو خرچ کر روح کی مدد کر اس طرح سے اس کو تخلیہ نصیب ہوگا ان وعد اللہ حق بے شک اللہ کا وعدہ حق ہے کہ اس نے فرمایا ہے:

الا من طلبنی وجدنی۔

(جو مجھے طلب کرے گا وہ مجھے پالے گا)

ولا یستخفنک الذین لا یوقنون اس میں اشارہ ہے کہ کافروں کا کام ہے کہ وہ اہل حق کی تحقیر و تجہیل و تکذیب کیا کرتے ہیں ایسے لوگ کبھی ایقان سے نہیں ہو سکتے اگرچہ ایمان تقلیدی بھی رکھتے ہوں اور تمہیں ان کا استخفاف و استحقار طریق حق سے منقطع نہ کر دے اگرچہ وہ تمہارے اوپر سو بار استہزاء و انکار کریں۔ جیسا کہ ہمارے زمانے میں ایسے لوگوں کی عادت رہی ہے کہ وہ طالبانِ حق کا تمسخر اڑاتے رہتے ہیں اور انھیں حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور انہیں فریب کار اور کاذب مشہور کیا کرتے ہیں اور ان کے ہر فعل پر غلط کاری کا الزام لگاتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں یہ ترک دنیا اور اہل و عیال اور عزیز و اقارب سے دور رہنا کہاں کی درویشی ہے! یہ تو رہبانیت ہے اور اس کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں وغیرہ۔ اور ان کی یہ بکواس محض اس لیے ہوتی ہے کہ وہ طلبِ حق کے وجوب سے بے خبر ہیں حالانکہ طلبِ حق میں سب سے پہلے تجرید ضروری ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ان من ازواجکم و اولادکم عدوا لکم فاحذروھم ۔

(تمہاری بعض اولاد اور ازواج تمہارے دشمن ہیں ان سے بچو)

پھر ظاہری تجرید کے بعد تفرید لازم ہے یعنی دل کو دارین کی سعادت کے تعلق سے بچانا۔ تجرید و تفرید سے ہی توحید تک پہنچنا نصیب ہوتا ہے جیسا کہ بعض نے فرمایا؛

خطوتان وقد وصلت ۔

(منزل مقصود تو صرف دو قدم ہی تو تھے جنہیں میں نے طے کر کے مقصد کو پا لیا)

حضرت شیخ عطار قدس سرہٗ نے فرمایا؎

۱ مگر سنگ و کلوخے بود در راہ
بدریائے در افتادند ناگاہ

۲ بزاری سنگ گفتا غرق گشتم
کنوں با قعر دریم سرگشتم

۳ ولیکن آں کلوخ از خود فنا شد
ندانم تا کجا رفت و کجا شد

۴ کلوخے بے زباں آواز برداشت
شنود آں راز او ہر کو خبر داشت

۵ مرا ازمن در دو عالم تن نماندست
وجودم یک سر سوزن نماندست

۶ زمن نہ جان و نہ تن می تواں دید
ہمہ دریاست روشن می تواں دید

۷ اگر ہم رنگ دریا گردے امروز
شوی در دوسے آں ہم در شب افروز

۸ ولیکن تا تو خواہی بود خود را
نخواہی یافت جانا زاو خود را

ترجمہ (۱) شاید پتھر اور مٹی کا ڈھیلا ساتھی تھے دونوں اچانک دریا میں گر پڑے ۔

(۲) زاری سے پتھر نے کہا ہائے میں غرق ہو گیا اور دریا کی تہ تک پہنچ گیا ہوں ۔

(۳) لیکن وہ ڈھیلا تو بالکل فنا ہو گیا ۔ واللہ اعلم وہ کہاں گیا اور کیسے ہوا ۔

(۴) بے زبان ڈھیلے نے آواز دی کہ یہ راز وہ سنتا ہے جو کان رکھتا ہے ۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(۵) (چونکہ وہ ڈھیلا اپنی ذات سے فنا ہو چکا تھا اسی لیے کہہ رہا تھا کہ) دونوں جہانوں میں میرا وجود نہیں رہا۔ میرا وجود شوق کے ناک کے برابر بھی باقی نہیں رہا۔

(۶) اب نہ تیری جان نظر آئے گی نہ جسم۔ اچھی طرح دیکھو تو اب سب کچھ دریا ہی دریا ہے۔

(۷) اگر آگ تو دریا کے ہم رنگ ہو جائے گا تو تو بھی نورانی ہو کر رات کو روشن کرے گا۔

(۸) اگر تو اپنے آپ کو دیکھتا رہا تو پھر نہ تیری جان رہے گی نہ عقل۔

اور مثنوی شریف میں ہے۔ ؎

۱ آں یکے نحوی بکشتی در نشست
رو بکشتیبان نہاد آں خود پرست

۲ گفت ہیچ از نحو خواندی گفت لا
گفت نیم عمر تو شد در فنا

۳ دل شکستہ گشت کشتیبان ز تاب
لیک آندم کرد خاموش از جواب

۴ باد کشتی را بگردابے فگند
گفت کشتیبان بآں نحوی بلند

۵ ہیچ دانی آشنا کردن بگو
گفت نے از من تو سباحی مجو

۶ گفت کل عمرت اے نحوی فناست
زانکہ کشتی غرق ایں گردابہاست

۷ محو می باید نہ نحو اینجا بدان
گر تو محوی بے خطر در آب راں

۸ آب دریا مردہ را بر سر نہد
ور بود زندہ ز دریا کے رہد

۹ چوں بمردے تو ز اوصاف بشر
بحر اسرارت نہد بر فرق سر

ترجمہ: (۱) ایک نحوی کشتی میں بیٹھا وہ خود پرست کشتی بان سے گویا ہوا

(۲) کہ کیا تم نے نحو بھی پڑھی ہے؟ کشتی بان نے کہا نہیں۔ نحوی نے اس سے کہا تیری آدھی عمر ضائع ہو گئی۔

(۳) نحوی کے طعنہ سے کشتی بان کا دل پریشان ہوا لیکن اس وقت اسے کوئی جواب نہ دیا، خاموش ہو گیا۔

(بقیہ ص ۲۳۱)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سُوْرَةُ لُقْمٰنَ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اٰيَاتُهَا ۳۴ رُكُوْعَاتُهَا ۴

سورۂ لقمان مکی ہے اور اس میں اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا چونتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں

الٓمّٓ ۝۱ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝۲ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۝۳ الَّذِيْنَ
یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں ہدایت اور رحمت ہیں نیکوں کے لیے
يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۴ اُولٰٓئِكَ عَلٰى
نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیں اور آخرت پر یقین لائیں وہی اپنے رب
هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ
کی ہدایت پر ہیں اور انہیں کا کام بنا اور کچھ لوگ کھیل کی باتیں خریدتے ہیں
الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۗ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ
کہ اللہ کی راہ سے بہکا دیں بے سمجھے اور اسے ہنسی بنا لیں ان کے لیے ذلت
مُّهِيْنٌ ۝۶ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْۤ اُذُنَيْهِ
کا عذاب ہے اور جب اس پر ہماری آیتیں پڑھی جائیں تو تکبر کرتا ہوا پھرے جیسے انہیں سنا ہی نہیں
وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۷ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ۝۸
جیسے اس کے کانوں میں ٹینٹ ہے تو اسے دردناک عذاب کا مژدہ دو بیشک جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے ان کے لیے چین کے
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۗ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۹ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ
باغ ہیں ہمیشہ ان میں رہیں گے اللہ کا وعدہ ہے سچا اور وہی عزت و حکمت والا ہے اس نے آسمان بنائے بے ایسے
تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۗ
ستونوں کے جو تمہیں نظر آئیں اور زمین میں ڈالے لنگر کہ تمہیں لے کر نہ کانپے اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلائے
وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝۱۰ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ
اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا تو زمین میں ہر نفیس جوڑا اگایا یہ تو اللہ کا بنایا ہوا ہے
فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۱۱
مجھے وہ دکھاؤ جو اس کے سوا اوروں نے بنایا بلکہ ظالم کھلی گمراہی میں ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور رحم والا ہے۔

تفسیر عالمانہ الٓمّٓ یہ سورۃ الٓمّٓ ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ حروف مقطعات سورتوں کے مبادی اور جبرتوں کے خزائن کی چابیاں ہیں۔ انہی حروف میں اشارات ہیں

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مثلاً الف میں انا اللّٰہ اور لام میں لی جمیع صفات الکمال اور میم میں منی الغفران والاحسان کی طرف اشارہ ہے یعنی اللّٰہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اللّٰہ ہوں اور جمیع صفات وکمالات میرے لائق ہیں اور غفران واحسان مجھ سے ہے۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ الف میں الفۃ العاشقین کی طرف اور لام میں لطف صنعہ مع المحسنین کی طرف اور میم میں معاملہ محبۃ قلوب المحبین کی طرف اشارہ ہے۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ الف میں آلائہ (یعنی اللّٰہ تعالیٰ کی نعمتوں) اور لام میں لطفہ وعطائہ (اس کے لطف وعطا) اور میم میں مجدہٖ وثنائہٖ (اس کی مجد وثنا) کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی اللّٰہ تعالیٰ کی نعمتوں سے قلوب اولیاء سے انکار کا مادہ اٹھایا جاتا ہے اور اس کی لطیف عطا سے اسرار اصفیا میں محبت ثابت ہوتی ہے اور مجد وثنا میں اشارہ ہے کہ وہ وصف کبریائی اپنی جمیع مخلوق سے مستغنی ہے ؎

مراورا رسد کبریا و منی
کہ ملکش قدیمست وذاتش غنی

ترجمہ: کبریائی و بڑائی اسی کے لائق ہے اس لیے کہ اس کا ملک قدیم اور اس کی ذات غنی ہے۔

تِلْكَ یہ سورتیں اور ان کی آیات اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْحَکِیْمِ ۝ حکمت والی کتاب کی آیات ہیں اور یہ حکمت والی کتاب اس لیے ہے کہ یہ ان گنت حکمتوں پر مشتمل ہے۔ یا حکیم بمعنے محکم اور تغیر و تبدیل سے محفوظ ہے آگے

اتمام تفسیر سورۃ روم

(صاحب روح البیان رحمہ اللّٰہ نے فرمایا کہ) اللّٰہ کی مدد، جو تمام بندوں کی مدد فرماتا ہے، سے سورۂ روم کی تفسیر ۶ رجب ۱۱۰۹ھ بروز ہفتہ ختم ہوئی۔

اور فقیر اویسی غفرلہ اس کے ترجمہ سے ۱۲ ربیع الآخر ۱۴۰۳ھ شب خمیس مطابق ۲۵ جنوری ۱۹۸۳ء بعد نماز عشا فارغ ہوا۔ الحمد للّٰہ علی ذالک وصلی اللّٰہ علی حبیبہ الکریم الرؤف الرحیم وعلی آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین۔

بہاولپور۔ پاکستان

---

(۴) مخالف ہوا کشتی کو گرداب میں لے گئی کشتیبان نے نجومی سے بلند آواز سے کہا

(۵) اے نجومی صاحب! آپ کچھ تیرنا جانتے ہیں؟ نجومی نے کہا: نہیں، مجھ سے ایسی بات نہ پوچھ۔

(۶) کشتی بان نے کہا: نجومی صاحب! اب آپ کی کل عمر گئی کیونکہ کشتی ایک گرداب میں غرق ہونے والی ہے۔

(۷) یہاں محویت چاہیے نحو کا اب کوئی فائدہ نہیں اگر تو محو ہے تو پانی میں بے خطر چھلانگ لگا دے۔

(۸) مردے کو دریا سر پر اٹھاتا ہے زندہ دریا سے جان نہیں بچا سکتا۔

(۹) جب تم اوصاف بشریت سے ہٹ جاؤ گے تو دریا اپنے اسرار تیرے سر پہ رکھ دے گا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

محفوظ اور فساد و بطلان سے کوسوں دور۔ اس معنے پر فعیل بمعنے مفعول ہوگا اگرچہ یہ قلیل الاستعمال ہے۔ چنانچہ اہل عرب کہتے ہیں:

اعقدت اللبن فھو عقید ای معقد۔

(میں نے لبن کو باندھا تو بندھ گیا)

ھُدًی یہ کتاب گمراہی و ضلالت سے ہدایت دینے والی ہے اس کا منصوب ہونا بنا بر حال ہے اس کا ذو الحال الآیٰت اور اس کا عامل اسم اشارہ کا معنی ہے وَّرَحْمَةً اور یہ کتاب عذاب سے نجات دلانے والی پُر از رحمت ہے۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ قرآن مجید کو ھُدًی اس لیے کہا گیا ہے کہ اس میں فلاح اور وہ الطاف ہیں بھلائیوں تک پہنچانے والے اسباب ہیں۔ اس معنے پر یہ کتاب عابدین کے لیے ہدایت و رحمت اور عارفین کے لیے دلیل و حجت ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے یہ کتاب اس لیے ہے کہ وہ حق کی راہ دکھاتی ہے اور رحمت اس لیے کہ جو شخص اسے مضبوطی سے پکڑتا ہے اسے اپنے اندر امانت رکھے ہوئے اسرار و جذبات سے اللہ تعالیٰ تک پہنچاتی ہے۔

تفسیر عالمانہ لِّلْمُحْسِنِیْنَ ۙ نیکی کرنے والوں کے لیے۔

قاعدہ: لفظ محسن مطلقاً اہل ایمان کی مدح میں واقع ہوتا ہے۔

ف: کتاب کو ھدًی و رحمۃ للمحسنین کہہ کر اشارہ فرمایا کہ یہ صرف اہل ایمان کے لیے ہدایت و رحمت ہے غیروں کو اس کی ہدایت و رحمت سے محروم رکھا گیا ہے (بوجہ ان کے اختیار کفر و شرک کے)۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ محسن وہ ہے جو قرآن مجید کی رسی کو مضبوط پکڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوا اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان کی تفسیر بتائی جب آپ سے حضرت جبریل علیہ السلام نے احسان کا مطلب پوچھا تو آپ نے فرمایا:

ان تعبد اللہ کانک تراہ۔

(اللہ تعالیٰ کی عبادت یوں کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو)

جسے یہ طریقہ نصیب ہوگیا اس کے لیے یقین کرو کہ وہ واقعی متوجہ الی اللہ ہے یہاں تک کہ وہ کسی وقت تجلیات الٰہیہ سے ضرور شرمسار ہوگا اور جو متوجہ الی اللہ ہونا چاہتا ہے اس کے لیے لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوط پکڑے ورنہ اللہ تعالیٰ توجہات سے منزہ اور پاک ہے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی: یا اللہ! میں تجھے ملوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب بھی میری ملاقات کا ارادہ کرو گے اس وقت مجھ کو پالو گے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جہت و مکانیت سے پاک ہے ؎

صوفی چہ فغانست کہ من این الی این
این نکتہ عیانست من العلم الی العین
جامی مکن اندیشہ ز نزدیکی و دوری
لا قُرب و لا بُعد و لا وصل و لا بین

ترجمہ : اے صوفی! فریاد کیوں کرتے ہو کہ اسے کہاں اور کیسے ملا جائے۔ یہ نکتہ علم وعین سے ظاہر ہے۔ اے جامی! نزدیکی و دوری کا فکر مت کرو اس لیے کہ وہاں نہ قرب ہے نہ بُعد اور نہ وصال ہے نہ فراق۔

ف : یہاں پر حسنات سے وہ امورِ خیر مراد ہیں جو دینِ اسلام میں مقرر ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ یہ محسنین کی صفت کا شعر ہے اور ان کی حسنات کا بیان ہے اور المحسنین کی لام تعریف جنس کے لیے ہے۔ اگر اس سے جملہ حسناتِ اعتقادیہ و عملیہ مراد ہوں تو لام استغراق کی ہوگی لیکن صرف ان تینوں نیکیوں کی تخصیص ان کی افضلیت کے اظہار کے لیے ہے یعنی تاکہ معلوم ہو کہ یہ تینوں باقی تمام حسنات سے افضل ہیں۔

ف : اقامۃ الصلوٰۃ سے نماز کی ادائیگی مراد ہے اور ادا کو اقامت سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ نماز دین کا ستون ہے۔

حلِ لغات المفردات میں ہے کہ اقامۃ الشئی یعنی شے کا پورا پورا حق ادا کرنا جس میں اس کے جملہ شرائط کو ملحوظ رکھا جائے نہ یہ کہ اسے اس کی ہیئت کے طور ادا کیا جائے۔

مسئلہ : شرائطِ نماز دو قسم ہے :

(۱) شرائطِ جواز ' جیسے فرائض و حدود و اوقاتِ نماز۔

(۲) شرائطِ قبول ' جیسے تقویٰ و خشوع و اخلاص و تعظیم و حرمتِ نماز۔

کما قال تعالیٰ :

انما یتقبل اللہ من المتقین۔

(اللہ تعالیٰ متقین ہی سے قبول فرماتا ہے۔

جب تک مذکورہ دونوں شرائط بجا نہیں لائے گا اس وقت تک اقامۃ الصلوٰۃ کا معنیٰ صادق نہیں آئے گا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں بھی اللہ تعالیٰ نے نماز کا حکم یا اس کی ترغیب دی ہے تو اسے اقامۃ الصلوٰۃ سے تعبیر فرمایا۔ کما قال : اقیموا الصلوٰۃ و یقیمون الصلوٰۃ۔ ورنہ صلّوا و یُصلّون فرماتا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ویقیمون الصلوٰۃ یعنی وہ لوگ صدق توجہ و حضور اور ماسوی اللہ کے اعراض پر مداومت کرتے ہیں اس میں اقامۃ کا ذکر اس لیے کیا یعنی اقامہ بمعنے ادامہ ہے۔ کذا قال الجوہری۔

حدیث شریف میں ہے:

ان بین یدی الخلق خمس عقبات لا یقطعہا کل ضامر و مہزول۔

(انسان کو پانچ گھاٹیاں طے کرنی ہیں وہ انہیں طے نہیں کریں گی اونٹنیاں کمزور اور دبلی)

یہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ (گھاٹیاں) کون سی ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اولاہا الموت و غصتہ، و ثانیتہا القبر و وحشتہ و ضیقہ، و ثالثتہا سؤال منکر و نکیر و ھیبتہا، و رابعتہا المیزان و خفتہ، و خامستہا الصراط و دقتہ۔

(۱۔ موت اور اس کا غصہ۔

۲۔ قبر اور اس کی وحشت اور تنگی

۳۔ منکر نکیر کا سوال اور ان کی ہیبت

۴۔ میزان اور اس کی خفت

۵۔ پل صراط اور اس کی دقت

جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا تو بہت روئے یہاں تک کہ آپ کے گریہ سے ساتوں آسمان اور ان کے اندر رہنے والے تمام فرشتے رو پڑے۔ اس پر حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی اے محمد عربی صلی اللہ علیک وسلم! ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمائیے کہ وہ ملال اس لیے کہ انہوں نے سنا ہوگا:

کل داء لہ دواء الا الموت۔

(ہر بیماری کا علاج ہے مگر موت کا کوئی علاج نہیں)

پھر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من صلی صلاۃ الفجر ھان علیہ الموت و غصتہ و من صلی صلاۃ العشاء ھان علیہ الصراط و دقتہ و من صلی صلاۃ الظہر ھان علیہ القبر و ضیقہ و من صلی صلاۃ العصر ھان علیہ سؤال منکر نکیر و ھیبتہا و من صلی صلاۃ المغرب ھان علیہ المیزان و خفتہ۔

(جو شخص صبح کی نماز پڑھتا ہے تو اس سے موت اور اس کا غصہ آسان ہوگا اور جو شخص عشاء

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کی نماز پڑھتا ہے اس پر پل صراط اور اس کی وقت سے آسانی ہوگی اور جو ظہر کی نماز پڑھتا ہے اس پر قبر اور اس کی تنگی آسان ہوگی اور جو عصر کی نماز پڑھتا ہے اس پر منکر نکیر کے سوال اور ان کی ہیبت سے آسانی ہوگی اور جو مغرب کی نماز پڑھتا ہے اس پر میزان اور اس کی خفت سے آسانی ہوگی)

اور یہ بھی ہے:

من تهاون فی الصلاة منعه الله منه عند الموت قول لا اله الا الله۔

(جو نماز سے سستی کرتا ہے مرتے وقت اس کی زبان پر کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ جاری نہ ہونے دیا جائے گا)

تفسیر عالمانہ

وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ شرائط کے مطابق مستحقین کو زکوٰۃ دیتے ہیں۔

مسئلہ: زکوٰۃ صرف اہل سنت و جماعت کے مستحق فقراء کو دینے سے ادا ہوگی جو اہل بدع (بد مذاہب) کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی کما فی الاشباہ۔

ف: اگر کسی بدمذہب کو زکوٰۃ دے دی تو اس پر لازم ہے کہ وہ دوبارہ زکوٰۃ ادا کرے۔

مسئلہ: جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس کے مال سے اپنی حفاظت کو روک لیتا ہے۔ اور جو صدقات نہیں دیتا وہ عافیت سے محروم ہوگا۔

حدیث شریف

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حصنوا اموالكم بالزكاة وداووا مرضاكم بالصدقة ومن منع العشر منعه الله منه بركة ارضه۔

(زکوٰۃ ادا کر کے اپنے مال کی حفاظت کرو اور اپنے بیماروں کا صدقات سے علاج کرو۔ اور جس نے عشر روکا وہ اپنی زمین کی برکت سے محروم ہوگیا)

تفسیر صوفیانہ

تاویلات النجمیہ میں ہے یؤتون الزکوٰۃ میں زکوٰۃ سے تزکیہ نفس مراد ہے عوام کی زکوٰۃ یہ ہے کہ وہ بیس دیناروں سے آدھا دینار فقراء اور مساکین کو دیں تاکہ وہ نفوس کو بخل کی نجاست سے پاک کریں۔ کما قال تعالیٰ:

خذ من اموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها۔

(ان کے مال سے صدقہ وصول کیجئے۔ جس کے ذریعے انہیں پاک صاف کر دیجئے۔

اس معنے پر عوام اگر حقوق و شرائط کو مدِ نظر رکھیں تو ان کی زکوٰۃ کی ادائیگی جہنم کی آگ سے نجات کا موجب ہے کرتا اپنے جملہ مال و اسباب کو راہِ خدا میں لٹا دیں تاکہ اپنے قلوب دنیا کے زنگ سے صاف کر سکیں۔ اور اخص الخواص کی زکوٰۃ یہ ہے کہ وہ وجود و مقصود کو ترک کریں۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حدیث شریف میں ہے: من کان للہ کان اللہ لہ۔

(جو اللہ تعالیٰ کا ہو جائے اللہ تعالیٰ اس کا ہو جاتا ہے)

مثنوی شریف میں ہے:

چوں شدی من کان للہ از ولہ
من ترا باشم کہ کان اللہ لہ

ترجمہ: جب تم من کان اللہ کا مصداق ہو جاؤ گے تو کان اللہ لہ کا مرتبہ تمہیں نصیب ہو جائے گا۔ جیسا کہ حدیث پاک نے سبق دیا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ اور وہ دار آخرت اور اعمال کی جزا میں۔ اسے آخرت اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ وہ بہ نسبت دنیا کے متاخر ہے هُمْ يُوْقِنُوْنَ۝ وہ یقین رکھتے ہیں۔ انہیں بعث و حساب کے متعلق ذرہ بھر بھی شک نہیں رکھتے۔ الایقان بمعنیٰ یقین ہونا۔ یعنی وہ لوگ آخرت کے متعلق کوئی شک و شبہ نہیں رکھتے اور بعث و جزا کی تصدیق کرتے ہیں اور لفظ هُمْ کا اعادہ تاکید کے لیے ہے تاکہ انہیں بعث و جزا کا یقین پختہ ہو۔ اگرچہ اس کے اور اس کی خبر کے درمیان بالاخرۃ حائل ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وھم بالاخرۃ ھم یوقنون کا معنیٰ یہ ہے کہ ان لوگوں کو یقین ہے کہ انہیں دنیا سے کوچ کرنا ہے اسی لیے ان کی مولا کی طرف توجہ ہے اور آخرت سالک راہِ خدا کی دوسری منزل ہے۔ جب وہ دنیا سے پہلی منزل سے کوچ کرتا ہے تو سالک اسی دوسری منزل میں پہنچتا ہے۔ اسی لیے مومن کو یقین ہوتا ہے کہ دنیا کو چھوڑ کر آخرت میں حاضر ہونا ہے۔

فقیر (علامہ اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اہل اللہ کے نزدیک دنیا جسمانیہ ظلمانیہ کے پردوں میں سے ایک پردہ ہے اور آخرت روحانیہ نورانیہ کے پردوں میں سے ایک پردہ ہے۔ اسی لیے سالک پر لازم ہے کہ ان پردوں کو ہٹا کر ان کے راستے طے کرتا ہوا عالمِ ارواح کو پہنچے پھر وہاں سے عالمِ حقیقت میں پہنچنے کی کوشش کرے اس لیے کہ عالمِ حقیقت ان دونوں سے آگے کا ملک ہے۔ جب سالک عالمِ ارواح میں پہنچتا ہے تو اس کا ایمان ایقان سے اور علم عین سے تبدیل ہو جاتا ہے اور جب سالک عالمِ حقیقت میں پہنچ جاتا ہے وہاں عیان عین ہو جاتا ہے۔ (والحمد للہ تعالیٰ)

تفسیر عالمانہ اُولٰٓئِكَ اس سے محسنین مراد ہیں جو ان جلیلہ اوصاف مذکورہ سے موصوف ہیں عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ہدایت پر ہیں جو ہمسفر والی ہے ان کے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

رب سے۔ یعنی اس ہدایت پر ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بیان فرمائی ہے اور اس پر چلنے کی انہیں توفیق بخشی ہے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ وہ اس راہ پر ہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے ان کی رہبری فرمائی ہے علیٰ ھدًی میں عبودیت کا اور من ربھم میں ربوبیت کا بیان ہے یعنی ان کے نیک کردار اور حسن معاملات تحصیلِ عبادات کے بعد ان کے انجام کار کی تعریف فرمائی ہے۔ اور اشارہ فرمایا کہ عبادات وغیرہ اس وقت قبول ہوں گی جب انسان سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل رکھے اور اعتقاد صحیح رکھے۔

مسئلہ: آیت میں اشارہ ہے کہ بندے کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی جب تک توفیق حق اس کی رہبری نہ کرے۔ اس میں معتزلہ کا رد بھی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بندہ خود بخود ہدایت پاتا ہے۔

ف: شاہ شجاع قدس سرہٗ نے فرمایا: ہدایت پر ہونے کی تین علامتیں ہیں:

(۱) مصیبت کے وقت انا للہ وانا الیہ راجعون کہنا۔

(۲) نعمت کے وقت عجز و نیاز ظاہر کرنا۔

(۳) کسی کو کچھ عطا کرنے پر احسان نہ جتلانا۔

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وہی لوگ ہر مطلوب پر فائز اور ہر مشقت و تکلیف سے نجات پانے والے ہیں اس لیے کہ وہ عقیدۂ حق اور عمل صالح کے جامع ہیں۔

حلِ لغات المفردات میں ہے کہ فلاح بمعنے ظفر اور تحصیل المطلوب ہے اور وہ دو قسم ہے:

(۱) دنیوی

(۲) اخروی

دنیوی تو یہ ہے کہ انسان ان سعادات سے کامران ہو جس سے اس کی دنیوی زندگی خیر و برکت کے ساتھ بسر ہو۔

اور اخروی کامرانی کی چار چیزیں ہیں:

(i) بقا بلا فنا

(ii) غنا بلا فقر

(iii) عزت بلا ذلت

(iv) علم بلا جہل اور کہا جاتا ہے: عیش تو صرف آخرت ہی کا ہے۔

اسی لیے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

المومن لا یخلو عن قلۃ او علۃ او ذلۃ۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(اس میں قلت علت یا ذلت سے خالی نہیں)

یعنی مومن جب تک دُنیا میں ہے اس کے لیے یہ تینوں (قلت ، علت ، ذلت) عارضی ہوتی ہیں اس لیے کہ دنیا دار البلایا والمصائب والاوجاع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی :

لکیلا یعلم بعد علم شیئا۔

(تا کہ تجھے علم کے بعد کسی شئے کی خبر نہ رہے)

بھی اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یعنی انسان جب عمر کے آخری مراحل تک پہنچتا ہے تو اسے طفولیت کے لواحق لاحق ہو جاتے ہیں جیسے جہل ونسیان وغیرہ اس لیے کہ اس کا علم حصولی تھا وہ بڑھاپے کی وجہ سے چلا گیا، بخلاف علم حضوری کے کہ بڑھاپے و دیگر عوارض سے نہیں جاتا اس لیے کہ وہ علوم وہبیہ ہوتے ہیں اور وہ خواص اہل ایمان کو نصیب ہوتے ہیں اور وہ حصول کے بعد زائل ہونے سے محفوظ ہو جاتے ہیں کیونکہ علم وہبی لدنی عقل جزوی کے قبضہ سے باہر ہوتا ہے اور بڑھاپے کے وقت نسیان وغیرہ کے اثرات عقل جزوی اور اس کے علوم کو نقصان تو دے سکتے ہیں لیکن علوم وہبیہ لدنیہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اولیاء اللہ کو بڑھاپے میں جنون وغیرہ نہیں ہوتا بخلاف عوام اور بعض علماء (بے عمل) کے کہ اکثر وہ بڑھاپے میں نسیان و بے عقلی اور جنون کا شکار ہو جاتے ہیں۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ اپنے آپ کو اہلِ فلاح میں داخل کرنے کی جدوجہد کرے۔ یہ دنیا میں تزکیۂ نفس سے نصیب ہوتا ہے اور اس کا نتیجہ آخرت میں یوں ہوتا ہے کہ ایسے شخص کو مقربین کے وہ مقامات نصیب ہوں گے جو انہیں جنات عدن اور جنت الفردوس میں عطا ہوتے ہیں اور یہی مراتب تمام مرتبوں سے اعلیٰ ہوں گے اور یہ صرف اہلِ ہمت کو حاصل ہوں گے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ابرار میں داخل فرمائے۔ (آمین)

وَمِنَ النَّاسِ یہ مبتدا ہے اس کی خبر مَنْ یَّشْتَرِیْ ہے۔

حلِ لغات الاشتراء بمعنے ثمن دے کر مثمن (خریدی شدہ شئے) لینا، اور البیع بمعنے مثمن دے کر ثمن لینا۔ اور کبھی شراء و اشتراء کا اطلاق اس شئے پر ہوتا ہے جس سے کسی شئے کو حاصل کیا جائے۔ یہاں یشتری بمعنے یستبدل و یختار ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ بعض لوگ وہ ہیں جو اختیار کرتے ہیں لَهْوَ الْحَدِيثِ فضول باتوں کو۔ یعنی وہ باتیں جو مقصد سے کوسوں دور ہوں۔ جیسے وہ باتیں جن کی کوئی اصل نہ ہو اور الحدیث کلام کو کہتے ہیں قلیل ہو یا کثیر۔ اور کلام کو حدیث اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ منہ سے تھوڑی تھوڑی ہو کر خارج ہوتی ہے۔

ف : حضرت ابو عثمان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرۃ صالحین کے سوا باقی ہر کلام لہو (فضول) ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مسئلہ: روح البیان میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ علومِ فلسفہ جیسے علم اکسیر و سحر و نیرنجات اور (باطیل زنادقہ) اور ان کی تحقیقات سب کی سب لہو (فضول) ہیں اس لیے کہ یہ جملہ فنون خلقِ خدا کی گمراہی کا موجب ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جو ذکر اللہ میں مشغول رکھے اور جس بات کا سننا اللہ تعالیٰ سے حجاب بنے وہی "لہو الحدیث" ہے۔ لہو الحدیث کی اضافت بیانیہ ہے اگر اس سے بُری باتیں مراد ہوں اس لیے کہ لہو، حدیث وغیرہ سے ہوتی ہے۔ اس معنے پر عام کی خاص کی طرف اضافت کی گئی ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ کون ہے جو اس لہو کو اختیار کرتا ہے جو باتوں میں سے ہے۔ یا مِن تبعیضیہ ہے اگر اس سے ہر طرح کی لہو مراد ہو۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ وہ کون ہے جو ان باتوں کو اختیار کرتا ہے جو لہو کا بعض حصّہ ہیں۔

شانِ نزول

اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت نضر بن حارث بن کلدہ کے حق میں نازل ہوئی۔ چنانچہ مروی ہے کہ ایک سنگدل کافر تھا جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر وقت برسرِ پیکار رہتا تھا۔ اسے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کی فراغت کے بعد قتل کر دیا۔ نیز بعض روایات میں ہے کہ یہی کافر فارس میں چلا گیا وہاں جا کر اس نے قصّے کہانیاں کلیلہ و دمنہ، رستم، اسفندیار اور دوسرے بڑے بڑے بادشاہوں کی حکایات کی کتابیں خریدیں اور واپس آ کر اس نے قریش میں مختلف مجلسوں میں سنانی شروع کر دیں۔ یہ بھی ہے کہ ان کا عربی میں ترجمہ ہُوا تھا جنہیں وہ قریش کو سناتا اور کہتا کہ (حضرت) محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں عاد و ثمود کے قصّے سناتے ہیں اور میں تمہیں رستم اور اسفندیار کی کہانیاں سناتا ہوں۔ چنانچہ جہالِ عرب اسفندیار اور رستم کی کہانیوں سے دلچسپی لیتے اور قرآن مجید سننا گوارا نہ کرتے (تقریباً آج کل ہمارے مسلمانوں کی یہی عادت بن گئی ہے کہ قصّے کہانیوں اور فحش اور مخرب اخلاق باتوں کو دل لگا کر سنتے ہیں لیکن قرآن مجید سُننا گوارا نہیں کرتے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اویسی غفرلہ)

تفسیر عالمانہ

لِيُضِلَّ تاکہ لوگوں کو گمراہ کرے اور انہیں پھیر دے عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اللہ کی راہ سے یعنی دینِ حق سے جو اللہ تعالیٰ تک پہنچاتا ہے یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ انہیں گمراہ کرے اور انہیں کتابوں کے ذریعے لوگوں کو اس کتاب کے پڑھنے سننے سے باز رکھے جو سراسر ہدایت ہی ہدایت ہے اور ظاہر ہے جو دوسروں کو گمراہ کرتا ہے تو وہ لازماً خود بھی گمراہ ہوگا بِغَيْرِ عِلْمٍ درانحالیکہ وہ ایسی باتوں کی خرید اور ان کے پسند کرنے میں جاہل ہے یا ایسی تجارت میں جہالت سے کام لے رہا ہے اس لیے کہ وہ فضول کلام کو قرآن مجید پر ترجیح دے رہا ہے وَّيَتَّخِذَهَا منصوب ہے اس کا عطف لیضل پر ہے اور ضمیر السبیل کی طرف راجع ہے اس لیے کہ لفظ السبیل ان اسماء سے ہے جو مذکر میں مؤنث۔ یعنی تاکہ وہ اس راہ کو بنائے هُزُوًا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ایسی شے جس سے تمسخر اڑایا جائے اُولٰٓئِكَ وہ لوگ جو اضلال واشترا کے اوصاف سے موصوف ہیں لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ان کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے اس لیے کہ انھوں نے حق پر باطل کو ترجیح دے کر حق کی اہانت کی اور لوگوں کو باطل کی ترغیب دلاتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ دنیا میں انہیں قید وقتل کی تکالیف میں مبتلا کیا گیا اور آخرت میں انہیں رسوائی کے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اور جب مشتری پر پڑھی جاتی ہیں یہاں اور اس کے بعد کے افعال ثلاثہ میں ضمیر مفرد اور اولٰئك کو جمع کے اشارہ میں مَن کے لفظ اور معنیٰ کا اعتبار کیا گیا ہے کشف الاسرار میں ہے کہ اس سے ثابت ہوا کہ یہ آیت سابقہ نضر بن حارث کے حق میں نازل ہوئی اٰيٰتُنَا ہماری کتاب کے آیات وَلّٰى تو وہ غیر معتبر باتوں کی طرف چلا جاتا ہے مُسْتَكْبِرًا درانحالیکہ وہ تکبر کرنے والا اور اپنے آپ کو طاعتِ حق سے ہٹانے والا اور باطل سے لو لگانے والا ہوتا ہے كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا یہ وَلّٰى یا مستکبرًا کی ضمیر سے حال ہے۔ یہ دراصل کانّہٗ تھا ضمیر شان کی محذوف ہے اور ان مخففہ ہے یعنی ایسے شخص کا حال اس کے مشابہ ہے جس نے کچھ سنا نہ ہو حالانکہ وہ سُن رہا ہوتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ قرآن مجید کے ایسے مؤثر مضامین ہیں جو بھی اسے جی لگا کر سنتا ہے اس سے روگردانی اور تکبر کا تصور تک نہیں ہو سکتا اس لیے کہ اس میں ایسے عجیب وغریب امور ہیں کہ سامع کو غور وفکر کی دعوت دیتے ہیں جن کو بجبر اس کے ماننے پر مجبور ہو سکتا ہے كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا یہ شخص اس کے مشابہ ہے جس کے کانوں میں بوجھ ہو جو اسے کوئی شے سُننے نہیں دیتا۔

ف: فتح الرحمٰن میں ہے کہ الوقر کان کے اس بوجھ کو کہا جاتا ہے جو ادراک مسموعات کو متغیر کر دیتا ہے۔ المفردات میں ہے کہ الوقر بمعنے کان کے اندر کا ثقل۔

حضرت شیخ سعدی نے فرمایا:

ازانرا کہ گوش ارادت گران آفریدہ است چہ کند کہ بشنود وانرا کہ بکمند سعادت کشیدہ اند چون کند کہ نرود۔

(جس کے کان ارادت کے بہرے بنائے گئے تو وہ بے چارا کیا سنے اور جسے ازل سے محروم رکھا گیا ہے وہ کس طرح راہِ راست پر جا سکتا ہے)

کشف الاسرار میں ہے کہ انسان دو قسم ہیں:

۱۔ آشنا

۲۔ بیگانے

آشنا کے لیے قرآن مجید ہدایت کا سبب بنتا ہے اور بیگانوں کو گمراہی نصیب ہوتی ہے۔ کما قال تعالیٰ:

یضل بہ کثیرا و یہدی بہ کثیرا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(اس سے بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت دیتا ہے)

بیگانے جب قرآن مجید سنتے ہیں تو روگردانی کرتے ہیں اور وہ کافروں کی طرح اس سے دلچسپی نہیں لیتے بلکہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ:

و اذا تتلیٰ علیه آیاتنا ولیٰ الخ

دل از شنیدن قرآن بگیردت ہمہ وقت
چو باطلان ز کلام حقت ملولی چیست

ترجمہ: قرآن مجید کے سننے سے ہر وقت کیوں گھبراتا ہے باطلوں کی طرح حق کے کلام سے تجھے ملال کیوں ہے!

آشنا جب قرآن مجید سنتے ہیں تو جھٹ وا سربسجود ہو جاتے ہیں اور زندہ دلوں کی طرح اسے سن کر زار و قطار روتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ:

اذا یتلیٰ علیهم یخرون للاذقان سجدا۔

(جب ان پر تلاوت کی جاتی ہے تو وہ ٹھوڑی کے بل سجدہ کرتے ہوئے گرتے ہیں)

سعدی

ذوق سجدہ در دماغ آدمی
دیو را درد او از غمی

ترجمہ: سجدہ کا ذوق آدمی کے دماغ میں ہوتا ہے دیو کو اس سے تلخی اور غمی حاصل ہوتی ہے۔

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ انہیں خبر دیجئے کہ انہیں ایسے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا جو سخت الیم پہنچائے گا اور لازماً انہیں لاحق ہوگا۔ یہاں بے بشارت کا ذکر تہکماً ہے۔

ربط: کفار اور ان کے عذاب کے بیان کی فراغت کے بعد اب ان کی نقیض یعنی اہل اسلام اور ان کے انعامات کا ذکر فرمایا۔ کما قال:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بیشک وہ لوگ ہمارے آیات پر ایمان لائے اور ان کے موجب اچھے عمل کیے۔

مسئلہ: کشف الاسرار میں ہے کہ ایمان تصدیق قلبی کو کہتے ہیں اور وہ اعمال صالحہ سے متحقق ہوتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ ساتھ اعمال صالحہ کو بھی بیان فرمایا اور بہشت کے استحقاق کا دارومدار انہی دونوں کو بنایا۔

کما قال تعالیٰ:

الیه یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعه۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(اللہ تعالیٰ کی طرف طیب کلمات اور عمل صالح چڑھتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں بلند فرماتا ہے)

لَهُمْ ان کے ایمان وعمل صالح کے بدلے میں ان کے لیے جَنّٰتُ النَّعِیْمِ ۙ بہشتیں ہیں جو نعمتوں سے لبریز ہیں یا بہشت کی نعمتیں مراد ہیں کذا قال البیضاوی یعنی یہ دراصل نعیم جنات تھا مبالغہ کے لیے الٹایا گیا ہے۔

ف: بعض علماء نے فرمایا کہ یہ آٹھ بہشتوں میں سے ایک بہشت کا نام ہے۔ اور آٹھ بہشتوں کے اسماء یہ ہیں:

۱۔ دار الجلال
۲۔ دار السلام
۳۔ دار القرار
۴۔ جنۃ عدن
۵۔ جنۃ الماوٰی
۶۔ جنۃ الخلد
۷۔ جنۃ الفردوس
۸۔ جنۃ النعیم

اسی طرح وہب بن منبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ یہ لہم کی ضمیر سے حال ہے وَعْدَ اللّٰهِ یہ دراصل وعد اللہ جنات النعیم تھا وعدًا مفعول مطلق مؤکد لنفسہٖ ہے اس لیے کہ معنی یہ ہے کہ ان سے اللہ تعالیٰ نے بہشت کی نعمتوں کا وعدہ فرمایا ہے حَقًّا ؕ یہ دراصل حق ذالک الوعد حقًّا تھا۔ یہ بھی لہم جنات النعیم کی تاکید ہے لیکن یہ مفعول مطلق مؤکد لغیرہٖ ہے اسی لیے کہ لہم جنات النعیم وعدہ ہے اور ضروری نہیں کہ ہر وعدہ حق ہو وَهُوَ الْعَزِیْزُ اور وہ ہے جس پر کوئی شے غالب نہیں جو اسے ایفائے عہد اور تحقیق وعید سے مانع ہو الْحَکِیْمُ ۝ حکیم وہ ہے جس کا ہر فعل حکمت ومصلحت کے تقاضا کے مطابق ہو ؎

نہ در وعدہ او ست نقض و خلاف
نہ در کار او ہیچ لاف و گزاف

ترجمہ: اس کے وعدہ میں نہ نقض ہے نہ خلاف، اور اس کے کام میں کوئی لاف و گزاف نہیں۔

سرود وغنا کی تحقیق[1] بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ آیت سابقہ میں لھو الحدیث سے سرود وغنا مراد ہے۔ سرود اور گانا بجانا فاسقوں کا کام ہے اور اس مجلس ومحفل کو فسق سے

---

[1] ہمارے دور میں گانے بجانے کا دور دورہ ہے بالخصوص جب سے ریڈیو، ٹیلی ویژن کا سلسلہ جاری ہوا کا وقت سے قدم قدم پر گانے بجانے سنائی دیتے ہیں۔ عوام کی حالت تو ہمیشہ قابل رحم ہوتی ہے۔ لیکن سب سے قابل رحم وہ لوگ ہیں جو سلسلہ چشتیہ عالیہ قدسیہ کی آڑ میں سرود اور گانے بجانے کو نہ صرف مباح بلکہ اپنے لیے بہترین عبادت سمجھتے ہیں اور وہ نہ صرف معمولی پڑھے لکھے لوگ ہیں بلکہ ان میں بعض اپنے آپ کو

بقیہ حاشیہ آگے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تعبیر کیا جاتا ہے جس میں گانا بجانا ہو۔ اور یہ آیت بھی اس شخص کے حق میں نازل ہوئی جو ان غلاموں اور کنیزوں کو خریدتا تھا جو گانے بجانے کے ماہر ہوتے تاکہ فاسقوں اور فاجروں کو ان کا گانا بجانا خوش کرے۔ اب آیت سابقہ کا معنی یہ ہوا کہ کون ہے جو لہو الحدیث والوں کو خریدتا ہے۔

مسئلہ: امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ کسی نے لونڈی خریدی اور اسے گانے بجانے والی پایا تو اس کے لیے جائز ہے کہ اسے مالک کو واپس کر دے اس لیے کہ گانا بجانا عیب ہے اور عیب والی مبیع بائع کو واپس کی جاتی ہے

مسئلہ: کتب فقہ میں ہے کہ جو شخص لوگوں کو گانا سنائے اس کی گواہی قابل قبول نہیں اس لیے کہ وہ لوگوں کو گناہ کے ارتکاب پر جمع کرتا ہے۔ مگر وہ شخص جو اپنی وحشت و حزن کے ازالہ کے لیے گاتا بجاتا ہے اس کی گواہی قابل قبول ہے اس لیے کہ اس کی عدالت زائل نہ ہوئی کیونکہ وہ دوسروں کو گناہ میں مبتلا نہیں کر رہا (اگر خود ارتکاب کر رہا ہے تو وہ بھی ایک ضرورت کے تحت۔ اور ایسی ضروریات کے لیے محذورات مباح ہو جاتے ہیں۔ اس مسئلہ سے معلوم ہوا کہ غنا حرام لعینہ نہیں بلکہ لغیرہ ہے۔ والتفصیل فی التفسیر الاویسی) یہی صحیح ہے۔

مسئلہ: گانے بجانے والی عورت کی گواہی قابل قبول نہیں۔ اس کا گانا بجانا دوسروں کے لیے ہو یا اپنے لیے، اس لیے کہ عورت کو آواز بلند کرنا حرام ہے، وہ اس کا ارتکاب کر رہی ہے اسی لیے کہ اس کی عدالت ساقط ہو گئی جب عدالت ساقط ہو گئی تو وہ گواہی کے قابل نہ رہی۔

حدیث شریف میں ہے:

لا یحل تعلیم المغنیات ولا بیعھن ولا شراؤھن وثمنھن حرام۔

(گانے بجانے والی عورتوں کو گانے بجانے کی تعلیم اور ان کی بیع و شراء ناجائز اور ان کا ثمن حرام ہے)

مسئلہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کے ثمن اور گانے بجانے کے کسب سے منع فرمایا ہے۔

مسئلہ: فقہاء کرام نے فرمایا کہ وہ مال جو گانے بجانے والوں اور قوالوں کو مال وغیرہ دیتے اور نوحہ کرنے والی عورتوں کو جو روپے پیسے دیے جاتے ہیں وہ رشوت میں دیے جانے والے روپوں پیسوں کے گناہ سے کچھ کم نہیں ہیں اس لیے کہ دینے والوں نے بلا عقد اور اپنے اختیار سے دیا ہے۔

مسئلہ: حضرت مکحول رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص لونڈی اس ارادہ پر خریدے کہ اس سے گانا وغیرہ سنے گا اور اس کی خدمت صرف یہی گانا بجانا ہو گی تو میں ایسے شخص کی نماز جنازہ ہرگز نہیں پڑھوں گا۔

حاشیہ گزشتہ

کچھ ما دیگرے نیست سے بھی کچھ آگے سمجھتے ہیں۔ فقیر نے اپنی تفسیر اویسی میں اس پر تحقیق کی ہے۔

اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اس کی دلیل یہی آیت و من الناس من یشتری الخ ہے۔

حدیث شریف ۱ میں ہے:

ان اللہ بعثنی ھدی ورحمۃ للعالمین وامرنی بمحو المعازف والمزامیر والاوتار والصنج وامر الجاھلیۃ وحلف ربی بعزتہ لا یشرب عبد من عبیدی جرعۃ من خمر متعمدا الا سقیتہ من الصدید مثلہا یوم القیامۃ مغفورا لہ او معذبا ولا یترکہا من مخافتی الا سقیتہ من حیاض القدس یوم القیامۃ۔

(بے شک مجھے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا اور رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا اور مجھے حکم فرمایا کہ میں گانے بجانے کے آلات اور بانسریوں اور ساز و سامان کی تاروں اور چنگ کو توڑ ڈالوں اور رسومِ جاہلیت کو مٹا ڈالوں اور میرے رب نے قسم یاد فرمائی کہ میرے جس بندے نے عمداً شراب پی اگرچہ ایک گھونٹ ہی سہی تو میں اسے قیامت میں جہنم کی پیپ پلاؤں گا قابلِ بخشش ہو گا یا عذاب میں مبتلا کروں گا، اور جو شراب کو میرے خوف سے ترک کرے گا قیامت میں اسے قدس کے حوضوں سے پلاؤں گا)

حدیث شریف ۲ میں ہے:

بعثت بکسر المزامیر وقتل الخنازیر۔

(میں گانے بجانے کے آلات توڑنے اور خنزیر کو قتل کرنے کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔)

ف: ابن الکمال نے فرمایا کہ مزامیر سے گانے بجانے کے جملہ آلات مراد ہیں اور اس کا اکثر استعمال انہی آلات پر ہوتا ہے اگرچہ دراصل یہ ان چیزوں کے نام ہیں جن سے پھونک لگائی جائے جیسے بگل اور دیگر ایسی اشیاء۔ اور کسر (توڑنا) سے حقیقی معنی مراد نہیں جیسا کہ اس کے ساتھ والے مضمون سے معلوم ہوتا ہے بلکہ اس سے نہی میں مبالغہ مطلوب ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

من ملأ مسامعہ من غناء لم یؤذن لہ ان یسمع صوت الروحانیین یوم القیامۃ۔

(جو شخص اپنے کان سرود سے پُر کرتا ہے تو قیامت میں اسے روحانیوں کی آواز سننے کی اجازت نہیں دی جائے گی)

عرض کی گئی:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! روحانیین کون ہیں؟

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

آپ نے فرمایا:

قراء اهل الجنة۔

(وہ اہلِ جنت کے قاری ہیں)

یعنی وہ ملائکہ اور حور عین وغیرہ ہیں۔

مسئلہ: اہلِ معانی فرماتے ہیں کہ آیت میں وُہ بھی داخل ہیں جو قرآن مجید سننے پر لہو و لعب اور مزامیر اور گانے بجانے کو ترجیح دیں۔ اشتراء کا اطلاق استبدال و اختیار پر بہت زیادہ آتا ہے۔ کذا فی الوسیط

مسئلہ: نصاب میں اہلِ ذمہ کو مزامیر اور طنبور اور سرود گانے کی بیع وغیرہ سے روکا۔

مجوزین کے جوابات

غنا کے ثبوت میں وہ احادیث پیش کرنا جو ایام عید میں وارد ہوئیں وہ متروک اور آج کے دن قابلِ عمل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شرعاً حکومت کے پہرے دار کو حکم ہے کہ وہ عید کے دن آلاتِ غنا توڑ ڈالے۔

ف: قرآن مجید اصدق الاحادیث بلکہ ہر کلام سے فصیح تر ہے۔ اس کے پڑھنے سننے پر نزولِ رحمت باری تعالیٰ ہوتا ہے اسی لیے اسے بہتر لہجہ میں پڑھنا مستحب ہے۔

عربی میں التغنی بمعنے تحسین الصوت و تطییبہ ہے۔ اس لیے اچھا لہجہ رقتِ قلبی اور خشیتِ الٰہی پر اُبھارتا ہے۔ یہی امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے کما فی فتح القریب۔

مسئلہ: تحسین صوت میں ایسا لہجہ نہ پیدا کرے جس سے قراۃ کی حد سے نکل کر غلطی کا ارتکاب کرے یہی وجہ ہے کہ قرأت میں افراط و تفریط حرام ہے۔ مثلاً کسی حرف کو بڑھانا یا کسی حرف کو ہلکا کرنا یہ سب شرعاً حرام ہے۔ کما فی ابکار الافکار۔

قنیہ میں لکھا ہے کہ حسین آواز والے امام کے پیچھے اگر نماز پڑھ لی جائے تو اس کا اعادہ ضروری ہے۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ وُہ امام قرأت میں افراط و تفریط کرتا ہو تو، ورنہ حسین آواز اور صحیح پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھنا افضل ہے۔

مسئلہ: بزازیہ میں ہے کہ جو شخص قرآن مجید کو الحان سے پڑھتا ہے وہ کسی اجر و ثواب کا مستحق نہیں۔ اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ وُہ الحان میں افراط و تفریط کرتا ہے ورنہ خوش الحانی سے پڑھنا افضل ہے اس لیے کہ اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ بشرطِ صحت تلفظ قرآن مجید کی تلاوت سے بڑھ کر اور کوئی عبادت نہیں۔

مسئلہ: اس میں بھی کسی کو اختلاف نہیں کہ مزامیر اور دیگر آلاتِ غنا[1] کا سننا حرام ہے۔

---

[1] مصنف رُوح البیان رحمہ اللہ نے اس کا اجمالی جواب لکھا مَیں نے تفصیل سے تفسیر اویسی میں لکھ دیا ہے۔
اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مسئلہ: یاد رہے کہ بعض علماء کے نزدیک غناء کی حرمت شراب و زنا کی طرح حرام لعینہٖ نہیں بلکہ اس کی حرمت لغیرہٖ ہے۔ اسی لیے علماء کرام نے جہاد کے طبل اور طریقِ حج کے طبل وغیرہ کو اس حرمت سے مستثنیٰ کیا ہے۔

مسئلہ: لہو و لعب کے طریق پر ہر سرود اور گانا بجانا حرام ہے۔ جب غناء میں لہو و لعب نہ ہوگی تو اس میں حرمت کا حکم زائل ہو جائے گا۔

مسئلہ: العوارف میں ہے کہ اگرچہ دف اور شبابہ کے جواز پر مذہب امام شافعی (رحمہ اللہ) میں وسعت ہے لیکن ان کا ترک بھی اولیٰ ہے اس لیے کہ احوط کو لینا اور خلاف سے نکلنا بہتر ہوتا ہے بالخصوص جب دف میں جلاجل وغیرہ ہوں اس لیے کہ وہ بالاتفاق مکروہ ہے کذا فی البستان۔

مسئلہ: الحان و نغموں کے ساتھ سماعِ اشعار میں اختلاف ہے پھر اگر انہیں عورتوں اور انسانی اعضاء مثلاً چہرہ اور قد و قامت کا ذکر ہو تو متدین (دین کے عاشق) کو سننا ناجائز ہے اس لیے کہ ایسے اذکار شہوات کو برانگیختہ کرتے ہیں بالخصوص جب انہیں لہو و لعب ہو اور اہلِ موسیقی کے عادات کے مطابق ہو مثلاً وہ گاتے وقت عجیب و غریب لہجے اختیار کرتے اور نہایت گندے خرافات و بکواسات بکتے ہیں جب وہ شرابیوں و فسادیوں کی مجلس میں گاتے ہیں۔ کذا فی حواشی المعارف للشیخ زین الدین الخافی قدس سرہٗ۔

مسئلہ: اشباہ میں ہے کہ فنِ موسیقی ویسے ہی حرام ہے جیسے فلسفہ، شعبدہ، تنجیم، رمل اور دیگر اس طرح کے فنون حرام ہیں۔

مسئلہ: ایسے قصائد جن میں جنت و دوزخ اور دار القرار کے تشویق کا ذکر ہو اسی طرح مالک الملک کی نعمتوں اور اس کی عبادات اور خیرات کی ترغیب کے قصائد سننے میں کسی کو انکار نہیں ایسے غازیوں کے قصائد اور حجاج کے اذکار اور مسائل جہاد و حج پر مشتمل قصائد کہ جن میں جنگ اور حج کے بیان سے غازیوں اور حاجیوں کو شوق پیدا ہو کو سننا بھی جائز ہے۔

مسئلہ: اگر قوال بے ریش ہو تو اس کی طرف شہوانی طبائع کا میلان ہوگا اور عورتیں بھی ایسی مجلس میں حاضر ہوں تو ایسی قوالی عین فسق ہوگی۔ ایسی قوالی کی حرمت پر اجماع ہے۔

لوطی کے اقسام
(۱) لوطی ایک وہ ہوتے ہیں جو صرف نظروں سے تفریح ملا کر خواہشِ نفسانی سے کھیلتے ہیں۔
(۲) دوسرے وہ ہوتے ہیں جو ہاتھوں سے ہاتھ ملا کر شہوت رانی کرتے ہیں۔
(۳) تیسرے وہ جو اس فعلِ خبیث کا ارتکاب کرتے ہیں۔

مسئلہ: جیسے روزہ دار کو روزہ کی حالت میں بوسہ دینے سے روکا جاتا ہے وہ اس لیے کہ حرام فعل کے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سبب سے قریب بھی نہ پھٹکنا چاہیے ایسے ہی اجنبی مرد کو اجنبی عورت کے ساتھ خلوت سے روکا جاتا ہے کہ خلوت کہیں زنا کا سبب نہ بن جائے۔ ایسے ہی بے ریش اور عورت کی قوالی اور گانے سے فتنہ اُٹھے گا۔ اور متعدد بار دیکھا گیا ہے ایسے اجتماع میں طعام کا انتظام کیا جاتا ہے اسی وجہ سے اجتماع ہو جاتا ہے جس میں قلبی طور سماع سُننا نہیں ہوتا پھر وہی سماع الٹا وبالِ جان بن جاتا ہے یعنی ایسا سماع شہواتِ نفسانی میں مبتلا کر دیتا ہے اور وہ سماعت بجائے نیکی کے لہو ولعب یعنی بُرائی کا موجب بنتا ہے اور سماع کے شرائط میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ سامع اپنے نفس کو خواہشِ نفسانی سے دُور رکھے۔

سماع بہ تکلف (ہمارے دور میں بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ اگرچہ ہم سماع کے اہل نہیں لیکن چونکہ اسلاف کا طریقہ ہے اسی لیے ہم سُنتے ہیں تاکہ ہم بھی اس گروہ میں شمولیت کا شرف حاصل کریں۔

اس کے متعلق صاحب روح البیان تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(۱) جب مستمع کے خیال میں جاہ ومرتبہ ہو یا کوئی منفعتِ دنیویہ اس کے پیشِ نظر ہو تو اس طرح کا سماع مکرو فریب اور دھوکا ہوگا۔

(۲) بہ تکلف سماع کی دوسری قسم یہ ہے کہ سماع سے حقیقت مقصود ہو۔ جیسے انسان وجد کے حصول کے لیے بہ تکلف وجد کرتا ہے۔ ایسے ہی رونے کی عادت پیدا کرنے کے لیے رونی شکل بناتا ہے۔ جب یہ طریقہ شرعاً مندوب ہے تو پھر بہ تکلف سماع وغیرہ سننا بھی جائز ہے بشرطیکہ اس میں غرض صحیح ہو تو کوئی حرج نہیں۔ اس کی نظیر معزز شخصیت کی تشریف آوری کے لیے قیام مستحب ہے اگرچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں یہ طریقہ نہیں تھا۔ اگر کسی کا دل خوش کرنے اور مدارا اور دفعِ وحشت کے لیے قیام کیا جائے اگر ایسے شہروں میں ایسی عادت ہو اور ان کے معاشرے اور حسنِ صحبت میں قیام شامل ہو۔

مسئلہ: اگر کسی کے باہر قرآن پڑھا جا رہا ہو اور وہ بوقتِ اختتام وجد کرے اور وہ اس معاملہ میں سچا ہو تو ثواب پائے گا ورنہ اسے ریاکاری سے اجتناب لازم ہے اس لیے کہ امورِ صالحہ میں ریا کرنا شیطان کو اپنے پیٹ میں بٹھا دینا ہے ایسے ہی ریا وشہرت کے طور پر گانا بجانا سننا اور اس پر نعرہ مارنا، ایسے ہی تالی بجانا اور کپڑے پھاڑنا اور رقص کرنا وغیرہ۔ سب سے بچنا لازم ہے۔

مسئلہ: اہلِ ریا کے سماع کے متعدد گناہ ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ پر افتراء ہوگا جبکہ وہ کہتا ہے کہ ایسے واردات اللہ تعالیٰ نے بخشے ہیں حالانکہ اسے اللہ تعالیٰ سے کچھ نصیب نہیں ہوا اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا قبیح ترین گناہ ہے۔

(۲) اپنے لیے عوام کو متوجہ کرنا ہوا کہ وہ سمجھیں کہ یہ بہت بزرگ آدمی ہے اور عوام کو اس طرح سے خیانت کا ارتکاب ہوگا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(جس نے دھوکا اور خیانت کی وہ ہم میں سے نہیں)

(۲) سماع کے وقت ریا کے طور قعود و قیام کرے گا تو لوگ اس میں اس کی موافقت کریں گے اور یہ ان کے لیے حرج ہو گا اس طرح سے خود تکلف میں ہے تو دوسروں کو بھی تکلیف میں ڈالے گا خود بھی گنہگار اور دوسرا بھی مجرم اور اسے اپنے گناہ کے علاوہ دوسروں کے گناہ بھی سر پہ۔ اسی لیے ایسے شخص پر لازم ہے کہ پرتکلف وجد و سماع سے احتراز کرے۔

مسئلہ: اگر کسی کو وجد میں مرتعش (جس کے عضو بے ساختہ حرکت کرتے ہوں) سی کیفیت ہو یعنی وجد میں اس کی اپنی حرکت ارادی کو دخل نہ ہو یہاں تک کہ اسے خبر تک نہ ہو کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ اور جب حرکت ہو تو اسے روکنا مشکل ہو جائے تو ایسے شخص کو وجد جائز ہے۔ اس کی مثال چھینک والے کی ہے کہ جیسے وہ چھینک کے وقت مجبور محض ہوتا ہے ایسے ہی بلا تکلف وجد کرنے والا۔

سماع کے اقسام

سماع کی چند قسمیں ہیں:

(۱) صوت حسن سننے کے لیے طبیعت کا ذاتی تقاضا ہو اور اس میں شہوت نفسانی کو دخل ہو۔ ایسا سماع حرام ہے اس لیے کہ ایسا سماع شیطانی ہے ؎

چہ مرد سماعست شہوت پرست
بآواز خوش خفتہ خیزد نہ مست

ترجمہ: شہوت پرست سماع کا اہل نہیں ہو سکتا اس لیے کہ وہ خوش آواز سے ہی سرمست ہوتا ہے۔

(۲) نفس کے تقاضے، خوش نغمات اور خوش الحانی سے سماع کا ارتکاب ہو۔ ایسے سماع میں بھی چونکہ خواہشِ نفسانی کو دخل ہے اسی لیے حرام ہے کیونکہ ایسا سماع شیطانی ہے اور دل کو مردہ کرے گا اور نفس کو زندہ۔ (العیاذ باللہ)

اور مردہ قلب کی علامت یہ ہے کہ رب بھول جائے اور موت بالکل یاد نہ رہے اور دنیا کے امور میں سرمست ہو اور خواہشاتِ نفسانی پر مرمٹے، جس کی کیفیت یہ ہو کہ وہ دنیوی امور کے عشق میں محو ہو تو اس کا سماع نفسانی شہوانی نہ ہو گا تو اور کیا ہو گا[1] ؎

اگر مرد بازی و لہو ست و لاغ
قوی تر بود دیوش اندر دماغ

ترجمہ: اگر کوئی کھیل کود اور تماشا کا خوگر ہو تو اس کے دماغ میں شیطان اور زیادہ

---

[1] ہمارے دور میں اکثر سماع کے عشاق کا یہی حال ہے۔ (العیاذ باللہ)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

معیشت مضبوط اور قوی کرے گا ۔

(۳) افعالِ حق کے نور کے مطالعہ کی وجہ سے سماع کا میلان ہو ۔ اسے صوفیہ کی اصطلاح میں عشق سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ایسا سماع حلال ہے ، یہی سماع روحانی ہے اور ایسا سماع زندہ دلوں کو نصیب ہوتا ہے ایسے سماع سے نفس مرتا ہے[1]

(۴) اللہ تعالیٰ کے نورِ صفات کے مطالعہ کی وجہ سے ہو جو کہ سماع کا میلان ہوتا ہے اسے محبۃ اور شوق و سکون سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ بھی حلال ہے۔

(۵) نورِ ذات کے مشاہدہ کی وجہ سے جس کو سماع کی خواہش ہو اسے انس سے تعبیر کرتے ہیں ، یہ بھی حلال ہے ۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

نگویم سماع اے برادر کہ چیست
مگر مستمع را بدانم کہ کیست
گر از برجِ معنیٰ پرد طیر او
فرشتہ فرو ماند از سیر او

ترجمہ : اے بھائی ! میں نہیں کہتا کہ سماع کیا ہے ، ہاں میں جانتا ہوں کہ سماع سننے والا کون ہے ، وہ ہے جس کی روح برجِ معنے کی طرف پرواز کرے کہ اس کی پرواز سے فرشتہ بھی عاجز ہو ۔

درحقیقت ایسی کیفیت سچے عاشقانِ خدا اور اصحابِ حال کو نصیب ہوتی ہے اس لیے کہ ان کے قلوب میں اعمالِ صالحہ کے انوار کا اثر ہوتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ ان کے اعمالِ صالحہ کا بدلہ عشق و وجد اور ذوق سے دیتا ہے جس کا انجام بشرطِ استقامت کشف و مشاہدہ و معائنہ و معرفت ہے ۔

سماع کا صوفیانہ فیصلہ حضرت زین الدین الحافی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے دل میں ایسا نور محسوس کرے تو سماع سننے میں اباحت کے فتوے پر عمل کرے ورنہ اسے مکروہ جانے اور ان مفتیوں کے فتویٰ کو اپنے لیے حرزِ جاں بنائے جو سماع کے بارے میں کراہت کا فتویٰ صادر فرماتے ہیں ۔

سماع کسے کہتے ہیں خوش اور موزوں آواز جو قلب کو گرمانے والی ہو ، کے سننے کا نام سماع ہے (لوگوں کے ذہنوں میں مزامیر ، گانا بجانا وغیرہ سے سماع کا مفہوم بیٹھ گیا ہے جو غلط ہے[2]) کبھی اس حرکت کو بھی سماع کہتے ہیں جو سماع سے پیدا ہوتی ہے یہ تسمیۃ المسبب باسم

---

[1] یہی وہ سماع ہے جو سلسلہ چشتیہ میں مروج ہے ۔ اویسی غفرلہ

[2] اضافہ از اویسی غفرلہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

السبب کے قبیل سے ہے۔

ف: فطرتِ انسانی میں سے ہے یہاں تک کہ لا یعقل بھی خوش آواز کو نہایت غور و فکر سے سننے کا خوگر ہیں۔ چنانچہ مشہور ہے کہ سیدنا داؤد علیہ السلام کی خوش الحانی سے پرندے بھی آپ کے سر مبارک پر بیٹھ جاتے تو خوب سماع ہو جاتے ؎

به از روئے خوب ست آواز خوش
کہ ایں حظِ نفس است و آں قوتِ رُوح

ترجمہ: حسین چہرے سے خوش آواز بہتر ہے اس لیے کہ حسین چہرہ نفس کی لذت ہے اور خوش آواز رُوح کی غذا۔

حکایت ۱ حضرت الاستاذ امام ابو علی بغدادی قدس سرہٗ کو اللہ تعالیٰ نے خوش الحانی سے نوازا یہاں تک کہ جب آپ خوش الحانی سے قرآن مجید پڑھتے تھے تو بے شمار یہود و نصاریٰ (اکثر) مسلمان ہو گئے اور واقعی حسنِ صوت میں یہ تاثیر لازمی امر ہے اس لیے کہ جب قبیح آواز سے طبیعت متنفر ہو جاتی ہے تو خوش آواز سے راحت و فرحت کیوں نہ ہو!

حکایت ۲ امام تقی الدین مصری سے منقول ہے جو تجوید کے استاد تھے، ایک دن صبح کی نماز میں انھوں نے وتفقد الطیر فقال مالی لا اری الھدھد بار بار پڑھا تو ایک پرندہ اڑ کر ان کے سر مبارک پر آ بیٹھا جب تک شیخ موصوف نے سورۃ ختم نہ کی وہ پرندہ آپ کے سر پر بیٹھ کر قرآن سنتا رہا۔ غور سے دیکھا گیا تو وہ ہُدہُد پرندہ تھا۔

ف: مشائخ فرماتے ہیں کہ جب روح آوازِ خوش سنتی ہے تو اس سے اس لیے لذت پاتی ہے کہ الست بربکم کا خطاب حق یاد آ جاتا ہے جس سے وہ اس خطاب کے ذوق میں اسی عالمِ قدس یعنی حضرت ربوبیت کی طرف لوٹنا چاہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وجد کے وقت بشریت کے گھونسلے سے نکل کر حضرت صمدیہ کی طرف اڑ کر جانا چاہتا ہے ؎

چگونہ جان نپرد سوئے حضرت متعال
ندا ز لطف الٰہی رسد کہ عبدی تعال

ترجمہ: حضرت تعالیٰ کی طرف رُوح کیوں نہ پرواز کرے جب اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئے کہ اے میرے بندے! آ جا۔

سماع کا شرعی فیصلہ حضرت شیخ ابو طالب مکی قوت القلوب میں لکھتے ہیں کہ اگر ہم سماع کا کلاً مطلقاً غیر مقید کے طور انکار کریں تو ستر صدیق پر اعتراض کرنا لازم آتا ہے اگرچہ ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارا یہ انکار اقرب الی التقویٰ اور علمائے شرع کے حکم کے مطابق ہے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

لیکن پھر بھی انکار نہ کرنا چاہیے اس لیے کہ اگرچہ علمائے ظاہر اپنے شرع کے فتوے پر مجبور ہیں کہ ہمارے اکابر صوفیہ مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ سماع سُنتے تھے پھر ہم کون ہیں کہ ان کو طعن و تشنیع کا مورد ٹھہرائیں۔

اس کے بعد موصوف نے سماع کے جواز پر اخبار و آثار کے انبار لگا دیے۔ آخر میں فیصلہ کرتے ہوئے لکھا کہ جواز معتبر ہے جیسا کہ عوارف میں ہے کہ عوارف کے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ علم میں وافر اور احوالِ سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کے کمال حال سے زیادہ واقف اور شریعت و تصوف کے ماہر تھے۔ علاوہ ازیں مصنف تقویٰ اور پرہیزگاری میں بھی مشہور بزمانہ ہے اسی لیے سماع کے لیے بشرائط جواز کا فتویٰ راجح ہے ہاں اسے مسجد میں نہ سُنا جائے، ایسے ہی دوسرے مقاماتِ مقدسہ پر بھی، جیسے مدارس وغیرہ۔

سبق: عوام بلکہ خواص پر لازم ہے کہ اس مسئلہ میں قیل و قال کو ترک کریں۔ حتی الامکان قوتِ حال مضبوطی بھی ضروری ہے۔

خَلَقَ اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے **السَّمٰوٰتِ** ساتوں آسمان، ایسے ہی کرسی اور عرش **بِغَیْرِ عَمَدٍ** بغیر ستون عماد کی جمع ہے، جیسے اُهُبٌ، اهاب کی جمع ہے۔ ہر وہ شے جس کے ساتھ سہارا لگایا جائے۔ مثلاً:

عمدت الحائط۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب دیوار سے سہارا لگایا جائے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو ستونوں کے بغیر پیدا فرمایا۔ یہ جمع آسمانوں کے تعدد پر دلالت کرتی ہے **تَرَوْنَهَا** یہ جملہ مستانفہ ہے اسے استشہاداً لایا گیا ہے۔ تاکہ مشاہدہ کریں کہ واقعی آسمان ستونوں کے بغیر پیدا کیے گئے ہیں۔ یا یہ عَمَدٍ کی صفت ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ انہیں ستونوں کے بغیر پیدا کیا گیا ہے اور ہر ایک انہیں دیکھ رہا ہے کہ واقعی وہ ستونوں کے بغیر کھڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں بندوں کو تنبیہ فرمائی کہ ان کی کیفیت دیکھ کر یقین کریں کہ واقعی وہ بہت بڑی قدرت کا مالک ہے۔

ف: آسمانوں اور زمینوں کا نظام بتاتا ہے کہ یہ بہت بڑا کارخانہ جو عرصہ سے چالو ہے، جس کے نظام میں کبھی ذرہ برابر کمی بیشی نہیں ہوتی۔ تو ذی شعور یقین کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ جو ذات اتنی بڑی قدرت رکھتی ہے عبادت بھی صرف اسی کے لائق ہے۔

بندگانِ خدا (اولیاء اللہ) کی شان

اللہ تعالیٰ کے بعض مخصوص ایسے بندے بھی ہیں جو اس کی قدرتِ کاملہ کے مظاہر ہیں در اصل وہی ان ساتوں آسمانوں کے معنوی ستون اور نظامِ عالم کے مطلقاً سبب ہیں اور وہ ہر زمانے میں موجود رہتے ہیں۔ جب قیامت قریب ہوگی تو ان میں ایک بھی زندہ نہ رہے گا پھر عالمِ دنیا ایسے ہوگا جیسے روح کے بغیر جسم۔ چونکہ جان کے بغیر جسم کی بقا محال ہے اسی لیے اولیاء اللہ کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد نظامِ عالم میں خلل اور

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattori

نقصان واقع ہو جائے گا۔ جیسے روح نکل جانے کے بعد میت کا جسم مٹی میں مٹی ہو جاتا ہے ایسے ہی عالم کا حال ہو جائے گا۔ پھر عالم ظہور عالم بطون کی طرف رجوع کرے گا اور اس مسئلہ کا وہی انکار کرے گا جسے مجبور معرفت سے علمی اور جہالت ہے۔ ہم انکار و اصرار سے پناہ مانگتے ہیں۔

وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اور ڈالے زمین پر لنگر۔

حلِ لغات الرواسی بمعنے شے کو ایسی جگہ جمانا جسے دیکھا اور پھر راحت حاصل کیا جا سکے۔ پھر مطلقاً ہر جگہ پر استعمال ہونے لگا۔ الرواسی، راسیۃ کی جمع ہے، رساء الشیء یرسو سے مشتق ہے بمعنے ثبت۔ اور الجبال سے ثوابت مراد ہیں کیونکہ وہی زمین پر ثابت ہیں انہی سے زمین ٹکی ہے۔ پہاڑوں کو رواسی سے تشبیہ دینے سے ان کی حقارت کا اظہار مطلوب ہے اور یہ ظاہر کرنا ہے کہ وہ زمین اگرچہ بہت بڑی مخلوق ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے انہیں چند پتھریوں سے ایسا مضبوط کر دیا کہ اب ان میں جھٹکنے کی سکت تک نہیں یہ اس کی قدرت کاملہ کی بہت بڑی دلیل ہے اس لیے کہ جس کی عظمت کا ایسا حال ہو تو اس میں عقول و افہام دنگ رہ جاتے ہیں باوجودیکہ ایسے اس کی شان کے آگے کچھ بھی نہیں۔

ف: اللہ تعالیٰ نے زمین سے فرمایا، عالم وجود میں آ جا۔ جب وہ عدم میں عالم وجود میں آ گئی تو تھرتھرانے لگی تو اس پر پہاڑوں کو گاڑ دیا گیا جس سے وہ ٹھہر گئی۔ لیکن یہ کسی کو معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ کس طرح پیدا کی گئی۔

اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ یہ المیدان سے مشتق ہے۔ کسی بہت بڑی عظیم شے کا تھرتھرانا، جیسے زمین تھرتھرائے۔ اہل عرب کہتے ہیں: ماد یمید میدا و میدانا بمعنے اضطرب و تحرک یعنی تھرتھرانا اور ڈھلکنا۔ بکم کی با تعدیہ کی ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ زمین پر لنگر اس لیے ڈالے کہ وہ تمہیں لے نہ جائے۔ اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ جس شے کے اجزا بسیط ہوں وہ چاہتی ہے کہ وہ اپنے حیز اور وضع کو بدل ڈالے۔ اس لیے کہ ایسی شے کے اجزا ذاتی طور یا بالالزام حیز مخصوص و وضع مخصوص میں نہیں رہ سکتے۔

خلاصہ یہ کہ زمین کو پہاڑوں سے جکڑا گیا تا کہ وہ اپنی حرکت سے ایک جگہ سے دوسری جگہ پر نہ چلی جائے کیونکہ زمین پہلے پہل ایک جگہ پر نہیں رہ سکتی جیسے کشتی پانی پر ہوتی ہے تو وہ ایک جگہ نہیں ٹھہر سکتی۔ اسی لیے زمین پر پہاڑ گاڑ دیئے گئے تا کہ وہ ساکن ہو۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا، ؎

چو گسترانید فرش تراب
چو سجادہ نیک مردان بر آب

زمین از تب لرزہ آمد ستوہ
فرو کوفت بر دامنش میخ کوہ

ترجمہ: مٹی کا فرش بچھایا جیسے نیک آدمی کا مصلّٰی پانی پر ہو۔ زمین نے لرزہ کے تپ سے آرام پایا جب اس پر پہاڑ کی میخ گاڑی۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ف : روضہ میں ضحاک سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام رُوئے زمین پر صرف انیس پہاڑ گاڑے ان میں سے مشہور پہاڑ یہ ہیں :

کوہ قاف ، ابو قبیس ، جودی ، لبنان ، سینین ، طور سینا ، فیران۔

بلکہ بعض اور روایات میں انیس سے زیادہ بھی مروی ہیں جیسا کہ سورۃ الحجر میں ہم نے تفصیل سے لکھا ہے۔

ف : بعض علماء فرماتے ہیں کہ پہاڑ زمین کی ہڈیاں اور رگیں ہیں۔ یہ قول اہل سلوک کے اس قول کے موافق ہے کہ سورج اور چاند اسی تعیین (عالم کائنات) کی آنکھیں ہیں۔ اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ ستارے زمین پر مرکوز نہیں بلکہ یہ زمین کی بعض لطیف رگوں کے انوار کا عکس ہیں۔ اس راز سے علماء مطلع نہیں ہوئے۔ یہ اہل کشف کے علوم سے منکشف ہوا ہے۔

وَبَثَّ اور پھیلایا فِيهَا زمین میں مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ دابہ کے جملہ انواع جن کی کثرت اور مختلف اجناس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔

حل لغات : البث بمعنے اثارۃ الشیٔ و تفریقہ یعنی شے کو بکھیرنا، جیسے مٹی کے قطرات کو ہوا بکھیرتی ہے ایسے ہی نفس اپنے اندر کے غم اور شر کو بکھیرتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ عالم کائنات کا کوئی ذرہ موجود نہ تھا۔ یہ تمام اللہ تعالیٰ کی ایجاد و تخلیق سے موجود ہوئے۔ اور الدب والدبیب بمعنے آہستہ چلنا۔ اس کا استعمال حیوانات میں عموماً اور حشرات میں اکثر ہوتا ہے وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ اور ہم نے بادل سے نازل کیا۔ ہر وہ شے جو سر کے اوپر ہو اسے السماء سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مَآءً اس سے بارش کا پانی مراد ہے فَأَنۢبَتْنَا فِيهَا تو ہم نے زمین میں اسی پانی کے سبب سے اگائے۔ جمع متکلم کے صیغے سے اس معاملہ میں اہمیت کا اظہار ہے مِن كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ ۝ ہر قسم کے کثیر المنافع جوڑے۔

المفردات میں ہے کہ ہر وہ شے جو اپنے معاملہ میں شرافت کی حامل ہو اسے لفظ کریم سے موصوف کیا جاتا ہے۔ اسی لیے اسے کریم سے موصوف کیا گیا۔ ہر شے عالم دنیا میں زوج ہے اس لیے کہ کم از کم اس کی نقیض ہوتی ہے۔ یا اس کی دوسری مثال ہو گی یا جوہر و عرض اور مادہ و صورت سے مرکب ہو گی اور اس میں تنبیہ ہے کہ مرکب سے مرکب ہو وہی بے نظیر صانع ہے جس نے اس قسم کی مصنوعات بنائیں۔

ف : اللہ تعالیٰ نے ہمیں توفیق بخشی ہے کہ ہم اس کی صنعت کے عجائب و قدرت کے غرائب میں غور و فکر کر سکیں ورنہ بہت بڑے عقول و افہام کے حاملین حیران ہیں کہ اس قادر مطلق نے نباتات اشجار میں کیسے عجائبات رکھے ہیں۔ اور کیسے اعلیٰ فوائد پر مشتمل ہیں اور بے شمار منافع و مضار کو متضمن ہے۔ اور واقعی اس میں تحیر کا ہونا لازمی امر ہے کہ یہ اشیاء مختلف اشکال، مختلف الوان اور ان کے اوراق کی صورتوں کے عجائبات اور ان کے اوراق کی صورتوں کے عجائبات اور ان کے پھولوں کی رنگ برنگی خوشبوئیں ہیں اور ہر پھول کے مختلف رنگ ہیں مثلاً سرخ رنگ کی کئی قسمیں ہیں جیسے گلابی، ارگوانی، سوسنی، شقائقی، خمری، عنابی، عقیقی، ودعانی، نکی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام رنگ مختلف اقسام کے باوجود سرخ رنگ میں ایک نام رکھتے ہیں پھر ان کی خوشبو کے اعتبار غرائب ہیں اور آپس میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن خوشبو دینے میں مشترک ہیں ایسے ہی ان کے ذائقے اور دانے اور پتوں کے عجائبات ہیں کہ ہر ایک کا رنگ اور خوشبو اور ذائقے اور ثمر اور ورق اور دانے مختلف ہیں، پھر ان کی خاصیتیں مختلف ہیں ایسی مختلف کہ ایک کو دوسرے سے کوئی مشابہت نہیں ہے اور ان کی کیفیت کا کسی کو علم نہیں اور انسان جو کچھ ان کے حقائق کو جانتا ہے وہ ان کی اصل حقیقتوں کے نہ جاننے کے برابر ہے اس کے علم کہ ان کی حقیقتوں کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

ف : اللہ تعالیٰ نے آدم وحوا علیہما السلام کو جب بہشت سے نکالا تو عرصہ دراز تک روئے تو ان دونوں کی گریہ وزاری سے اللہ تعالیٰ نے گرم انگوریاں پیدا فرمائیں جیسے سونٹھ وغیرہ اس لیے کہ ان کے آنسوؤں کو ایک نطفوں کی طرح ضائع نہ فرمایا یہاں تک کہ یاجوج وماجوج بھی انہی کے نطفوں سے پیدا فرمائے گئے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ نطفہ شہوت سے ہو۔ یہی وجہ ہے کہ نبی علیہ السلام احتلام سے محفوظ رہے۔ اس کی تفصیل ہم نے پہلے بیان کی ہے۔

هٰذَا یعنی جو آسمان و زمین، پہاڑ، حیوان، نباتات کی تخلیق کا بیان ہوا **خَلْقُ اللّٰهِ** اللہ تعالیٰ کی خلق ہے۔ خلق بمعنے مخلوق ہے۔ جیسے ضرب الامیر بمعنے مضروب ہے مصدر توسعاً مفعول کے قائم مقام ہے۔

فَاَرُوْنِيْ اے مشرکو! مجھے دکھا دو۔

حلِ لغات : اریتہ الشیٔ سے ہے یہ دراصل آرایتہ تھا۔

مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ اللہ تعالیٰ کے غیروں کو تم نے شریک بنا رکھا ہے اور سمجھتے ہو کہ وہ عبادت کے مستحق ہیں تو مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے کیا پیدا کیا ہے۔

حلِ لغات : ماذا بمنزلہ ایک اسم کے ہے بمعنی ای شیٔ۔ خلق کی وجہ سے منصوب ہے یا مرفوع ہے بوجہ ابتدا کے اور ذا اس کی خبر اور صلہ ہے دونوں تقدیروں پر۔ یہ ارونی کے متعلق ہے۔

بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ ان کی تبکیت سے اعراض کرتے ہوئے ان کی گمراہی پر تثبیت فرمائی کہ ان کا غیروں کو پوجنا اس معنے پر کہ وہ ظالم کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں اور ان کی گمراہی کسی کو مخفی نہیں بلکہ واضح و لائح ہے کہ وہ حق سے کوسوں دور چلے گئے ہیں اور ابان بمعنے بان ہے۔ یہاں پر اسم ظاہر کو مضمر کے بجائے لانے میں اشارہ ہے کہ ان کی گمراہی بوجہ شرک میں مبتلا ہونے کے ہے۔

ف : فتح الرحمان میں اس کا معنی یہ ہے کہ بلکہ یہ ستمگار قریش ہیں جو گمراہی میں ظاہر ہیں۔ انہیں ایسی صفت سے موصوف کرنے میں اشارہ ہے تاکہ یہ حکم عام ہو کہ یہ لوگ ان لوگوں کے مشابہ ہیں جو ان سے پہلے شرک میں مبتلا رہے۔

ف : کاشفی نے اس کا ترجمہ لکھا، بلکہ یہ مشرک گمراہی میں ظاہر اور آشکار ہیں کہ عاجز کو قادر اور فانی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

خالق کی پرستش میں شریک کرتے ہیں ۔

ہر کہ ہست آفریدہ او بندہ است
بندہ در بند آفرینندہ است
پس کجا بندہ کہ در بندہ است
لائق شرکت خداوند است

ترجمہ: ہر شے اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے اور بندہ اپنے پیدا کرنے والے کی بندگی کا پابند ہوتا ہے وہ بندہ کیسا جو اپنے جیسے بندے کی بندگی میں مبتلا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو پرستش میں شریک کرنا نہایت قبیح امر ہے ۔

ف: توحید افضل الفضائل ہے جیسے شرک اکبر الکبائر ہے توحید میں نور اور شرک میں نار ہے ۔ نورِ توحید موحدین کے گناہوں کو جلا کر راکھ بنا دیتا ہے ایسے ہی نارِ مشرکین کی نیکیوں کو ۔ اور توحید افضل العبادات اور ذکر اللہ اقرب القربات ہے یہ کسی زمان و مکان سے مقید نہیں انہیں جب بھی عمل میں لایا جائے روا ہے بخلاف دیگر عبادات کے مثلاً روزہ ، نماز وغیرہ وقت کے محتاج ہیں ۔ گمراہی سے بچنے کا واحد نسخہ توحید کے دامن کو مضبوطی سے پکڑنا اور توحید و عبادات میں اخلاص پیدا کرنے سے ہے ۔

حدیث شریف میں ہے:

من قال لا الٰہ الا اللہ وکفر بما یعبد من دون اللہ حرم مالہ ودمہ وحسابہ علی اللہ ۔

(جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا اور عبادت غیر اللہ سے کنارہ کیا تو دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی جان و مال محفوظ ہو گئے اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے)

یعنی آخرت میں اس کے دل کا اخلاص و عدم اخلاص منظر عام پر آجائے گا ۔

مسئلہ: مشرک کا علم و عمل کتنا ہی حسین کیوں نہ ہو وہ مردود و مہجور ہے ۔ ایسے ہی ریاکار کا علم و عمل کتنا ہی بہتر کیوں نہ ہو وہ بھی بیکار اور مردود ہے ۔

ریاکار کو پند و موعظت

ریا و سمعۃ زمین و آسمان کے درمیان سے پھر پھرا کر ریاکار کے منہ پر مارے جاتے ہیں اور مخلص کا خلوص اور عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب و مرغوب ہیں ۔

اعمالِ حسنہ کا مقام

مروی ہے کہ انسان کی مقبول نیکی عرشِ الٰہی تک پہنچنے کی پہلی منزل سدرۃ المنتہیٰ ہے وہاں سے بعض اعمال آگے بڑھ کر بہشت میں پہنچتے ہیں اور بعض عرشِ الٰہی تک بھی پہنچ جاتے ہیں اور بندے کے بعض وہ اعمال بھی ہیں جو پر صفات روحانیہ اور ان کے قویٰ کا غلبہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ہوتا ہے جب ان کے ساتھ علم محقق یا وہ اعتقاد جو تصورِ صحیح جو متصور کے عین مع حضور و جمعیت اور صدق ہو تو وہاں عرش سے متجاوز ہو کر عالمِ مثال میں پہنچ کر یوم الجمع کے لیے ذخیرہ بن جاتا ہے بعض خوش بختوں کا اعمال صالحہ مقامِ قلم سے مقامِ عماد تک پہنچتے ہیں۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ اپنے اعمال صالحہ میں اخلاص پیدا کرے تاکہ انہیں ایسے بلند مقامات پر پہنچنے کا موقع نصیب ہو۔ اسی پر یہ بھی لازم ہے کہ شرک سے بچ کر اعمالِ سفلیہ کے ارتکاب سے احتراز کرے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

رہ راست رو تا بمنزل رسی
تو بر رہ نۂ زین قبل واپسی

چو گاوے کہ عصار چشمش بہ بست
دوان تا بہ شب شب ہم آنجا کہ ہست

کے گر بتابد ز محراب روے
بکفرش گواہی دہند اہل کوے

تو ہم پشت بر قبلہ کن در نماز
گرت در خدا نیست روئے نیاز

ترجمہ: سیدھی راہ چلو تاکہ منزل کو پہنچو۔ چونکہ تم صحیح راہ نہیں چلے اسی لیے منزلِ مقصود تک پہنچنے سے عاری ہو۔ تمہاری مثال تیلی کے بیل کی ہے کہ جب تیلی اس کی آنکھیں باندھتا ہے تو وہ ساری رات دوڑ لگانے کے باوجود وہیں پر ہوتا ہے جہاں سے اس نے سفر کا آغاز کیا تھا اگر کوئی آستانِ حق سے منہ پھیرتا ہے تو لوگ اسے کافر کہتے ہیں تمہیں قبلہ سے منہ پھیرنے والا سمجھا جائے گا اگر تیرا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اخلاص نہیں۔

ف: جب ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی خالق ہے اور نہ اس کے سوا کوئی کسی کو اجر ثواب دے سکتا ہے تو پھر اس کے غیر کی پرستش کا کیا معنیٰ! اسی لیے لازم ہے کہ ہم سب اسی کی طرف رجوع کریں تاکہ ہم اہلِ منازلِ علیا کی منزلوں تک پہنچ سکیں اور وہیں پر ہمیں امن و سکون اور چین نصیب ہوگا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ
اور بیشک ہم نے لقمان کو حکمت عطا فرمائی کہ اللہ کا شکر کر اور جو شکر کرے وہ اپنے بھلے کو شکر کرتا ہے اور جو ناشکری
فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ⑫ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ
کرے تو بیشک اللہ بے پرواہ ہے سب خوبیوں سراہا اور یاد کرو جب لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا اور وہ نصیحت کرتا تھا
بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ⑬ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسٰنَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ
اے میرے بیٹے اللہ کا کسی کو شریک نہ کرنا بیشک شرک بڑا ظلم ہے اور ہم نے آدمی کو اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید فرمائی اس کی ماں
وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ⑭
نے اسے پیٹ میں رکھا کمزوری پر کمزوری جھیلتی ہوئی اور اس کا دودھ چھوٹنا دو برس میں ہے یہ کہ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا آخر مجھی تک
وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا
آنا ہے اور اگر وہ دونوں تجھ سے کوشش کریں کہ میرا شریک ٹھہرائے ایسی چیز کو جس کا تجھے علم نہیں تو ان کا کہنا نہ مان اور
فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۫ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ
دنیا میں اچھی طرح ان کا ساتھ دے اور اس کی راہ چل جو میری طرف رجوع لایا پھر میری ہی طرف تمہیں پھر آنا ہے تو میں
بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑮ يٰبُنَيَّ اِنَّهَاۤ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ
بتادوں گا جو تم کرتے تھے اے میرے بیٹے برائی اگر رائی کے دانہ برابر ہو پھر وہ پتھر کی چٹان میں یا
صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ⑯
آسمانوں میں یا زمین میں کہیں ہو اللہ اسے لے آئے گا بیشک اللہ ہر باریکی کا جاننے والا خبردار
يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَاۤ اَصَابَكَ ؕ
ہے اے میرے بیٹے نماز برپا رکھ اور اچھی بات کا حکم دے اور بری بات سے منع کر اور جو افتاد تجھ پر پڑے اس
اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ⑰ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ
پر صبر کر بیشک یہ ہمت کے کام ہیں اور کسی سے بات کرنے میں اپنا رخسارہ کج نہ کر اور زمین میں اتراتا نہ چل
مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ⑱ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ
بیشک اللہ کو نہیں بھاتا کوئی اتراتا فخر کرتا اور میانہ چال چل اور اپنی آواز
مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ⑲
کچھ پست کر بیشک سب آوازوں میں بری آواز گدھے کی

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اور بیشک ہم نے لقمان کو حکمت بخشی۔ منقول ہے کہ قصہ ہائے و وصیت ہائے لقمان یہودیوں میں بہت مشہور ہیں۔ اور اہل عرب بھی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ان کی حکمتوں سے متاثر ہیں اس لیے کہ جب بھی کسی حکمت کی کہاوت بیان کرتے ہیں تو اس میں حضرت لقمان کا نام لیتے ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق بیان فرمایا۔

تعارفِ لقمان حکیم

لقمان بن باعور بن ناحور بن تارخ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد آزر جو بعض علماء کے نزدیک آزر نامی تھے لیکن اہلِ اسلام کے نزدیک آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا تھے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے چچا کی اولاد سے ہیں۔ حضرت لقمان حکیم نے ہزار برس زندگی بسر فرمائی یہاں تک کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ پایا اور ان سے علومِ دینیہ کا استفادہ کیا اور داؤد علیہ السلام کی بعثت سے پہلے شرعی فتاویٰ کے مفتی تھے لیکن داؤد علیہ السلام کی بعثت کے بعد آپ نے فتویٰ نویسی کا عہدہ چھوڑ کر فرمایا کہ اب میرے فتاویٰ کی ضرورت نہیں۔ کذا قال محمد اسحاق فی مغازیہ۔

سیاہ فام حضرت لقمان

بعض علماء نے فرمایا کہ لقمان بن عنقا بن سرون اہلِ ایلہ سے ایک سیاہ فام غلام تھے۔ لیکن یاد رہے کہ رنگ کی سیاہی کسی کے مرتبہ وکمال کے لئے نقصان دہ نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے نبوت و ولایت اور حکمت کے لیے حسن و جمال کی شرط نہیں لگائی ہاں وہ مالک ان مراتب وکمالات کے لیے جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے کیا خوب فرمایا: ؎

چہ غم ز منقصت صورت اہلِ معنی را
چو جان ز روم بود گو تن از حبش می باش

ترجمہ: اہلِ معنی کو ظاہری صورت کی کمی نقصان نہیں دیتی اس لیے کہ انسان پر لازم ہے کہ وہ قلب کو نورانی اور روشن رکھے خواہ جسم حبشیوں کی طرح سیاہ ہو۔

حضرت لقمان کا مزید تعارف

جمہور کے نزدیک حضرت لقمان طب اور حقیقی علم و حکمت کے حکیم تھے۔ آپ بنی اسرائیل میں نہایت نیک انسان مشہور تھے۔ خلقِ خدا کو وعظ و نصیحت اور حکمت بھری باتیں سناتے تھے لیکن یہ معلوم نہیں کہ وہ بنی اسرائیل کے کس قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے بہر حال وہ نبی اور پیغمبر تھے البتہ ایک ہزار انبیاء علیہم السلام سے علمی استفادہ کیا اور ایک ہزار انبیاء علیہم السلام نے ان سے علمی فوائد حاصل کیے۔

لقمان حکیم کی حکمتوں کا بیان

حضرت لقمان حکیم نے فرمایا: میں نے چار ہزار پیغمبرانِ عظام کی خدمت کی اور ان سے صرف آٹھ سبق سیکھے:

(۱) نماز میں قلب کی حفاظت

(۲) طعام میں حلق کی حفاظت

(۳) غیر کے گھر میں ہو تو آنکھ کو بچا کر رکھو۔

(۴) لوگوں کے درمیان میں ہو تو زبان کو محفوظ رکھو۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

دو چیزوں کو یاد کرو:

(۵) اللہ تعالیٰ کو
(۶) موت کو

دو چیزوں کو بھول جاؤ:

(۷) کسی پر احسان کر کے
(۸) جو کوئی تمہیں ایذا پہنچائے

حضرت لقمان نبی نہیں تھے

حضرت لقمان کی نبوت کی نفی میں اتنی دلیل کافی ہے کہ آپ سیاہ فام تھے اور کوئی نبی علیہ السلام سیاہ فام نہیں تھا بلکہ سب کے سب شکیل، حسین وجمیل اور خوش آواز تھے۔ کسی نے حضرت لقمان سے پوچھا کہ آپ بہت سیاہ فام ہیں آپ نے فرمایا: تم نقش پر نہیں بلکہ نقاش پر اعتراض کر رہے ہو۔ حضرت لقمان نبی تو نہیں تھے البتہ حکمت میں بے نظیر اور اعلیٰ درجے کے مفکر اور حسن الیقین بے مدیل تھے۔ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے تھے اللہ تعالیٰ کے محبوب تھے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں علم وحکمت کی نعمت سے نوازا اور حکمت حق بولنے اور حق کی سوچ بچار کو کہا جاتا ہے۔ بلکہ صاحبِ حق کے ہر عضو کی حرکت مبنی برحق ہوتی ہے۔ وہ بولتا ہے تو اس کی زبان سے حکمت کی باتیں ظاہر ہوتی ہیں اور سوچتا ہے تو حکمت کی باتیں سوچتا ہے غرضیکہ اس کی ہر حرکت حکمت سے بھری ہوتی ہے۔ اس لیے امام راغب نے فرمایا:

الحکمۃ اصابۃ الحق بالعلم والفعل۔

(حکمت بمعنے علم وفعل میں مصیب ہونا)

اللہ تعالیٰ سے جسے ایسی حکمت نصیب ہوتی ہے وہ اشیاء اور ان کی ایجاد کی معرفت میں یکتا ہوتا ہے۔ اور انسان کی حکمت کا معنیٰ یہ ہے کہ اسے موجودات کی ماہیت وفعل الخیرات معرفت نصیب ہو۔ حضرت لقمان اسی حکمت سے موصوف تھے۔

حکیم حقیقی

حضرت امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جسے جملہ اشیاء کی معرفت تو حاصل ہو لیکن معرفتِ الٰہی سے کورا ہو تو وہ حکیم کہلوانے کا حقدار نہیں اس لیے کہ وہ اجل وافضل اشیاء کی معرفت سے محروم رہا۔ قاعدہ ہے کہ علم کی بزرگی معلوم کی جلالتِ شان پر موقوف ہے اور اللہ تعالیٰ سے اجل وافضل اور کون ہو سکتا ہے! ہاں جو معرفتِ الٰہی سے نوازا گیا حقیقۃً وہی حکیم ہے اگرچہ اس نے رسمی علوم نہ پڑھے ہوں یا توتلی زبان رکھتا ہو اور بولنے میں قادر الکلام نہ ہو اور عارف باللہ کا کلام غیر عارف سے نرالا ہوتا ہے اس لیے کہ اگرچہ وہ جزئیات پر بظاہر قدرت نہیں رکھتا ہے لیکن کلی پر تو قادر ہے اسے دنیوی امور سے واسطہ نہیں ہوتا بلکہ وہ اخروی امور کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ کلمات کلیہ جو حکیم کے احوال سے ہیں

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

لوگوں کے ہاں اطہر و اطیب ہوتے ہیں اس لیے کہ وہ خوفِ الٰہی سے بولتا ہے اور شریعت پاک بھی ایسے کلمات کلیہ کو حکمت سے تعبیر کرتی ہے اور ایسے کلمات کلیہ کے متکلم کو شریعت میں حکیم کہا جاتا ہے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

راس الحکمۃ مخافۃ اللہ۔

(حکمت کی اصل خوفِ الٰہی ہے)

ایسی حکمت تھوڑی ہو تو بھی بے کار اور فضول امور سے افضل و اعلیٰ ہے۔ اسی لیے بزرگوں نے فرمایا: پرہیزگار بن جاؤ، لوگوں میں عابد ترین انسان سمجھے جاؤ گے اور متقی بن جاؤ اللہ تعالیٰ کے زیادہ شکرگزار بندے بن جاؤ گے۔ انسان پر بلائیں بولنے کی وجہ سے نازل ہوتی ہیں۔ سعادت مند وہ ہے جو دوسروں سے عبرت حاصل کرتا ہے۔ اور قناعت ختم نہ ہونے والا مال ہے۔ یقین تو ایمان ہی ہے۔ ایسے کلمات کو حکمت اور اس کے قائل کو حکیم کہا جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ حکمت وحی کے برابر کا حکم رکھتی ہے۔ چنانچہ حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اوتیت القرآن ومایعدل لہ۔

(میں قرآن اور اس کے برابر کی شے دیا گیا ہوں)

اس سے حکمت مراد ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ویعلمھم الکتاب والحکمۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکمت عطیۂ ایزدی ہے جو صرف اولیاء اللہ کو نصیب ہوتی ہے۔ جیسے وحی عطیۂ ربانی ہے اور وہ صرف انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہوتی ہے۔ حکمت اور نبوت کسبی نہیں بلکہ یہ فضلِ الٰہی ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اسے عطا ہوتی ہے فرق صرف یہ ہے کہ حکمت کے حصول میں بندہ جدوجہد کرتا ہے۔ اس میں تعلیم انبیاء علیہم السلام کو دخل نہیں یعنی وہ اس کی تعلیم کے لیے مبعوث نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس کے متعلق یوں خبر دی ہے:

من اخلص للہ اربعین صباحا ظہر ینابیع الحکمۃ من قلبہ علی لسانہ۔

(جو بندہ چالیس دن اللہ تعالیٰ کے ساتھ خلوص کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دل میں حکمت کے چشمے اگاتا ہے جن کا ظہور اس کے دل سے ہوتا ہے)

جیسے قلب وحی الٰہی کے اترنے کا مرکز ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے حکمت کا سرچشمہ قلب کو بنایا ہے اور عطیہ اسی سے ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان کے لیے فرمایا:

ولقد اٰتینا لقمان الحکمۃ۔ (بیشک ہم نے لقمان کو حکمت دی)

اور فرمایا: ومن یؤتی الحکمۃ من یشاء و من یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(اور جسے چاہتا ہے حکمت عطا فرماتا ہے اور جو حکمت دیا جاتا ہے وہ خیر کثیر دیا جاتا ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ حکمت عطایائے حق ہے اس میں کسب کو کوئی تعلق نہیں اس لیے کہ وہ احوال سے ہے مقامات سے نہیں۔

ف: وہ معقولات جسے حکما حکمت سے تعبیر کرتے ہیں وہ حکمت نہیں اس لیے کہ فکر سلیم کا نتیجہ ہے جس میں وہم وخیال کو بہت زیادہ دخل ہوتا ہے اور یہ مومن وکافر دونوں کو حاصل ہو سکتی ہے۔ اور ایسے فکرات غلط شوائب سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے عقاید و دلائل میں اختلاف ہو جاتا ہے اور یہ حکمت جو بعض حکما حفظ کرتے ہیں وہ بھی حکمت نہیں اس لیے کہ وہ منجانب اللہ بطور عطیہ نصیب نہیں ہوتی اور جو منجانب اللہ ایسے طریق سے حاصل نہ ہو اسے حکیم نہیں کہا جا سکتا۔

حکمت کی قسمیں

عرائس البیان میں ہے کہ حکمت تین قسم ہے:

(۱) حکمۃ القرآن۔ اس سے اس کے حقایق مراد ہیں۔

(۲) حکمۃ الایمان، اس سے معرفتِ الٰہی مراد ہے۔

(۳) حکمۃ البرہان، اس سے افعال میں صنعتِ حق کے لطائف کا ادراک مراد ہے۔

اور اصل حکمت وہ ہے جس کا بوصفِ الہام خطاب حق کا ادراک ہو۔

ف: حضرت شاہ شجاع نے فرمایا کہ حکمت کی تین علامات ہیں:

(۱) لوگوں کے درمیان اپنے نفس کو اپنے مرتبہ پر رکھنا۔

(۲) لوگوں کے مراتب کے بالمقابل اپنے نفس کو اپنے مرتبہ پر رکھنا۔

(۳) لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنا لیکن ان کے عقول وفہوم کو مدنظر رکھ کر، تاکہ انھیں نقد فائدہ نصیب ہو۔

ف: حضرت حسین بن منصور رحمہ اللہ نے فرمایا:

حکمت تیر ہیں اور قلوب اس کے نشانات۔ اور ایسے تیر پھینکنے والا خود اللہ تعالیٰ ہے۔ یہاں تیر کے خطا کا امکان تک نہیں۔

بعض مشایخ نے فرمایا کہ حکمت ایک نور ہے جو الہام و وسواس کے درمیان فرق بتاتی ہے اور اسی نور سے قلب میں فکر وعبرت پیدا ہوتی ہے اور یہی وہ دونوں چیزیں ہیں جن پر انسان کو حزن و جوع نصیب ہوتے ہیں۔

ف: حکما فرماتے ہیں کہ کھانا پینا اجسام کی غذا ہے اور عقل کی غذا علم وحکمت ہے اور انسان کو دنیا میں بہترین عطیات سے جو عطیہ نصیب ہوا وہ یہی حکمت ہے اور آخرت میں بہترین عطیات میں سے جو عطیہ نصیب ہوگا وہ رحمت ہے اور حکمت اخلاق کے لیے ایسے ضروری ہے جیسے طب اجسام کے لیے۔

ف: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

قلوب کو راحت پہنچاؤ اور اس کے عجائبات حکمت سے حاصل کرو اس لیے کہ جیسے اجسام تھک جاتے ہیں

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ایسے ہی قلوب کو بھی نقصان لاحق ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے: ما زهد عبد فی الدنیا الا انبت اللہ الحکمۃ فی قلبه وانطق بها لسانه وبصره عیوب الدنیا وعیوب نفسه فاذا رأیتم اخاکم قد زهد فاقربوا الیه فاستمعوا منه فانه یلقی الحکمۃ۔

(جو ترک دنیا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دل میں حکمت اگاتا ہے جو اس کی زبان سے ظاہر ہوتی ہے ایسے انسان کے سامنے دنیا کے عیوب ہوتے ہیں۔ جس بھائی کو دیکھو کہ وہ تارک دنیا ہے اس کا قرب حاصل کرو اور اس کی حکمت بھری باتوں کو سنو)

ف: زہد لغت میں شے کی طرف میلان کا ترک مراد ہے اور اصطلاح تصوف میں دنیا کا بغض اور اس کا ترک مراد ہے اور زاہد کے لیے شرط ہے کہ دنیوی امور کی طرف ذرہ برابر بھی نہ جھکے اور نہ ہی ان کی مذمت کرے اس لیے کہ وہ بھی منجملہ از افعال اللہ ہے اور ہر وقت اپنے نفس کا مشغلہ ترک امور دنیویہ کا بنائے اور اس میں رضائے الٰہی کو مدنظر رکھے۔

لطیفہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: اناج کہاں پیدا ہوتا ہے؟ سب نے کہا: زمین میں۔ آپ نے فرمایا: حکمت قلب میں ایسے پیدا ہوتی ہے جیسے زمین سے اناج پیدا ہوتا ہے۔

تواضع کا بیان تواضع اسرار الٰہیہ سے ہے اور یہ علی طریق الکمال صرف نبی علیہ السلام یا صدیق کو نصیب ہوتی ہے۔ اور ہر تواضع کو تواضع نہیں کہا جا سکتا اور یہ طریقت کے اعلیٰ مقامات سے ہے بلکہ یہی آخری مقام ہے جو منتہی سالک کو نصیب ہوتا ہے اور اولیاء اللہ اسی مقام کو طے کرنے کے بعد رجال اللہ کہلانے کے مستحق بنتے ہیں اور علم حقیقت یہ ہے کہ نفس میں عبودیت کا نشان نمایاں ہو اور عبودیت میں ریاست و حکومت کے تصورات مٹ جاتے ہیں اس لیے کہ ریاست و حکومت عبودیت کی نقیض ہے اسی لیے حضرت ابو مدین نے فرمایا: صدیقین کے قلوب سے سب سے آخر میں حب ریاست و حکومت خارج ہوتی ہے۔

ازالۂ وہم عوام اور بعض صالحین میں بھی تواضع کا پایا جانا ضروری نہیں کہ اسے حقیقی تواضع کہا جائے اس لیے کہ ممکن ہے کہ وہ اپنے کسی مقصد کے لیے ایسا کر رہے ہوں جیسے تملق، چاپلوسی اور خوشامد کہا جاتا ہے اور ہر خوشامد اپنے مقصد کی مقدار پر ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ تواضع ایک بہترین مرتبہ اور بزرگ ترین مقام ہے۔ اس پر ہر ایک کو قدرت نصیب نہیں ہوتی یہ صاحب تمکین فی العالم اور تحقیق فی التخلق پر موقوف ہے۔ کذا فی مواقع النجوم لحضرۃ الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حکایت لقمان حکیم منقول ہے کہ حضرت لقمان حکیم ایک دن دوپہر کے وقت آرام فرما رہے تھے کہ انھیں غیب سے ندا آئی کہ اے لقمان! اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کا نائب بنایا جائے تو کیا تم لوگوں کے درمیان حق فیصلہ کر سکو گے؟ اس پر لقمان نے جواب دیا کہ اگر مجھے اللہ تعالیٰ سے اختیار کے اظہار کی اجازت ہو تو میں عافیت کو تو قبول کر سکتا ہوں لیکن آزمائش سے پناہ مانگتا ہوں۔ اگر اس کا لازمی حکم ہے تو بندے کو انکار کی گنجائش کہاں! پھر تو وہی امداد فرمائے گا اور مجھے غلط فیصلوں سے محفوظ فرمائے گا۔ پھر فرشتوں نے حضرت لقمان سے پوچھا کہ اے لقمان! ایسا کیوں کہتے ہو؟ (حضرت لقمان فرشتوں کو دیکھ نہیں رہے تھے پوشیدہ طور پر حالانکہ حضرت لقمان سے گفتگو کر رہے تھے) حضرت لقمان نے کہا: وہ اس لیے کہ فیصلہ کنندہ بہت سخت اور کٹھن منزل میں ہوتا ہے اس کے لیے ہر سو تاریکیاں چھا جاتی ہیں اگر وہ صحیح فیصلہ کرتا ہے تو تاریکیوں کے بادل چھٹ جاتے ہیں اور وہ نجات پا جاتا ہے۔ اگر وہ غلط فیصلہ کرتا ہے تو بہشت کے سیدھے راستے سے ہٹ جاتا ہے۔ جو دنیا میں امور دنیوی میں ذلیل ہو وہی بہتر ہے کہ اسے دنیوی امور میں انہماک ہو اور وہ شریف کہلاتا ہو۔ جو آخرت پر دنیا کو ترجیح دیتا ہے اسے دنیا اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے اور آخرت کے بلند مراتب اسے نصیب نہ ہوں گے۔ فرشتے حضرت لقمان کی حکیمانہ گفتگو اور فصیح و بلیغ کلام سے متعجب ہوئے۔ اس کے بعد لقمان حکیم سو گئے اور بیدار ہوئے تو حکمت سے نوازے گئے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے لقمان حکیم کو اپنا پسندیدہ بندہ بنا کر انھیں حکمت سے نوازا یہاں تک کہ ان کی حکمت کے دس ہزار کلمات منقول ہیں اور ایک کلمہ کی قیمت تمام عالم کے برابر ہے۔

سبق: حضرت لقمان کی قابلیت اور حسنِ استعداد و صرف اسی لیے تھی کہ ان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اخلاص تھا۔

ایک فصیح و بلیغ مشہور زمانہ امیہ بن صلت تھا جسے امید تھی کہ وہی آخر الزمان نبی ہوگا۔ ایک دن وہ سویا ابھی یہ تو اس کے پاس ایک پرندہ آیا اور اس نے اپنی چونچ اس کے منہ میں ڈال کر کوئی شے اندر سے نکال لی جب وہ بیدار ہوا تو جمیع علوم سے کورا تھا یہ صرف اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اخلاص نہیں رکھتا تھا۔

ف: یہی علم حضرت داؤد علیہ السلام پر اُترا۔ یعنی وہ گفتگو جو فرشتوں نے حضرت لقمان حکیم سے کی وہی گفتگو حضرت داؤد علیہ السلام سے ہوئی۔ لیکن داؤد علیہ السلام نے بلا شرط اللہ تعالیٰ کے حکم کو مانا تو انھیں اللہ تعالیٰ نے نبوت سے نوازا پھر بعد کو اگرچہ ان سے فیصلوں میں بظاہر کوتاہیاں ہوئیں لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں معاف فرمادیا۔

ف: بعض روایات میں ہے کہ حضرت لقمان حضرت داؤد علیہ السلام کے وزیر تھے جو امورِ حکمت میں ان سے تعاون کرتے۔ ایک دن حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت لقمان سے فرمایا کہ آپ حکمت سے نوازے گئے ہیں اور جو امتحان آپ پر نازل ہوا تھا وہ میں نے آپ سے ہٹا کر اپنے ذمے لگایا اور وہ خلافت میرے سپرد ہوئی اسی لیے میں بہت بڑی بلاؤں اور آزمائشوں میں مبتلا ہوا ہوں۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

در قصر عافیت چہ نشینم اے سلیم
ما را کہ ہست غمر کہاے بلا نصیب

ترجمہ: اے دوست! قصر عافیت میں میں کس طرح بیٹھ سکتا ہوں جبکہ ہمیں بلا کے صدمے نصیب ہیں۔

اور کہا گیا ہے

دائم کہ شاد بودن من نیست مصلحت
جز غم نصیب جان و دل ناتواں مباد

ترجمہ: میرا ہمیشہ خوش رہنا اچھا نہیں جان و دل ناتواں کو غم کے سوا اور کوئی شے نصیب ہو۔

تفسیر عالمانہ **ربط**: حضرت لقمان کو چونکہ حکمت ایک انعام کے طور پر عطا فرمائی گئی اور نعمت کی ادائیگی شکر لازم ہے۔ اسی لئے فرمایا:

اَنِ اشْکُرْ لِلّٰہِ ۔ یعنی ہم نے انہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر کیجئے اس لیے کہ اس نے تجھے حکمت سے نوازا جبکہ آپ نیند میں تھے اس سے پہلے بالکل بے خبر اور غافل تھے وَمَنْ یَّشْکُرْ اور جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کرتا ہے فَاِنَّمَا یَشْکُرُ لِنَفْسِہٖ بیشک اپنے لیے ہی شکر کرتا ہے اس لیے کہ اس کا نفع اسے ہی ہوگا کیونکہ شکر کرنے سے وہ نعمت اس کے لیے ہمیشہ تک رہے گی بلکہ اس سے مزید نعمت اسے نصیب ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو اس کی نعمتوں پر شکر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اور نعمتوں سے نوازتا ہے ویسے ناشکری انسان کی فطرت و عادت میں ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اسے ظلوم کفار سے موصوف فرمایا ہے اور شکر اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ چنانچہ شاکرٌ علیم اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے بارہا فرمایا ہے۔ جو شخص شکر کرتا ہے وہ اپنے سے کفران (ناشکری) کو دور کرکے اپنے آپ میں صفتِ حق یعنی شاکریت پیدا کرتا ہے اور یہی منشائے ایزدی ہے وَمَنْ کَفَرَ اور جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرتا ہے تو اس کا وبال اسی پر عائد ہوگا فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ کیونکہ اللہ تعالیٰ بندے اور اس کی شکرگزاری سے بے نیاز ہے حَمِیْدٌ ۝ وہ اپنی ذات وصفا افعال میں محمود ہے بندے اس کی حمد اور شکر کریں یا ناشکری کریں اسے کوئی ضرورت نہیں ہے کوئی بھی اس کی اس طرح حمد نہیں کرتا جیسے وہ خود اپنی حمد فرماتا ہے۔ حمید کے بعد شکوراً کی صفت نہ لانا اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ ہر حمد شکر ہے یعنی حمد شکر کو متضمن ہے بلکہ حمد شکر کا راس ہے۔

حدیث شریف: حدیث شریف میں ہے:

الحمد رأس الشکر لم یشکر اللہ عبد لم یحمدہ۔

(الحمد شکر کی راس ہے جو شکر نہیں کرتا وہ گویا اللہ تعالیٰ کی حمد بھی نہیں کرتا)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ راس الحکمۃ شکرِ الٰہی ہے پھر خوفِ خداوندی پھر اس کی طاعت کی پابندی اور ظاہر ہوا کہ حضرت لقمان نے شکر کر کے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا حق ادا کیا اور عبودیت کو بجا لانے میں بھی کمال پیدا کیا اس لیے کہ حضرت لقمان ادب میں باکمال اور عبادت میں بے مثال اور سینہ آباد اور دل پُر نور اور حکمت روشن رکھتے تھے۔ عوام الناس کے لیے شفیق اور خلقِ خدا کے اصلاح کنندہ اور ہر وقت پند و نصیحت میں مشغول رہتے اور زیادہ تر پوشیدہ رہتے اپنے بال بچوں کی موت اور مال و اسباب کے نقصان سے غمگین نہیں ہوتے تھے اور لوگوں کو علم و حکمت کی باتیں سکھانے سے تھکتے نہیں تھے۔ خلاصہ یہ کہ لقمان حکیم علیم رحیم کریم تھے۔

پاخانہ پھرنے کے آداب اور حضرت لقمان کی حکمت

منقول ہے کہ سب سے پہلے طب میں ان کی حکمت یوں ظاہر ہوئی کہ ان کا آقا پاخانہ میں گیا تو دیر لگا دی۔ حضرت لقمان نے آواز دی اور فرمایا "پاخانہ میں تادیر بیٹھنے سے جگر کو نقصان پہنچتا ہے اور ناسور پیدا ہوتا ہے اور گرمی سر کو چڑھ جاتی ہے۔ لہٰذا پاخانہ میں جلد جاؤ اور بہت جلد فراغت پا کر باہر نکلو" حضرت لقمان کے اس نسخہ کو لکھ کر پاخانہ کے دروازے پر لٹکا دیا گیا۔ بہرحال لقمان خیرِ کثیر کے مالک تھے ان کی گواہی اللہ تعالیٰ نے دی اور ساتھ یہ بھی فرمایا: ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا۔

حضرت لقمان کی عقلی حکمت کا اظہار

سب سے پہلے حکمتِ عقلی کا ظہور یوں ہوا کہ آپ بکریاں چراتے تھے آپ سے آپ کے آقا نے آزمائش کے طور فرمایا کہ بکری ذبح کر کے بہترین گوشت لائیے۔ آپ نے بکری ذبح کی اور اس کے دل اور زبان کا گوشت آقا کے پیش کر دیا۔ پھر اس نے فرمایا کہ جاؤ بکری ذبح کر کے سب سے گندا اور خراب گوشت لائیے۔ آپ پہلے کی طرح بکری ذبح کر کے دل اور زبان کا گوشت لائے۔ آقا نے سبب دریافت کیا تو فرمایا: ان دونوں سے اطیب بھی کوئی نہیں اور اخبث بھی اس سے بڑھ کر اور کوئی شے نہ ہوگی۔ آقا نے آپ کی حکمت کو دیکھ کر آزاد کر دیا۔

حضرت لقمان کا اختیارِ نبوت و حکمت: حضرت لقمان کو نبوت و حکمت کے لیے اختیار دیا گیا تو آپ نے حکمت کو اختیار کیا۔

حکایت

ایک دفعہ حضرت لقمان لوگوں کو وعظ سنا رہے تھے کہ بنی اسرائیل کا ایک سردار وہاں سے گزرا، اس نے لوگوں سے پوچھا: یہ اجتماع کیسا ہے؟ جواب ملا کہ لوگ حضرت لقمان کی تقریر سن رہے ہیں سردار نے آگے بڑھ کر حضرت لقمان سے کہا: آپ وہی سیاہ فام غلام نہیں ہیں جو ہماری بکریاں چراتے تھے؟ آپ نے فرمایا: ہاں وہی ہوں۔ سردار نے پوچھا: تو پھر یہ بلند مرتبہ تمہیں کہاں سے ملا؟ حضرت لقمان نے جواب دیا: سچ بولنے، دیانت داری اور باتوں کے ترک کرنے سے۔ یعنی جو امور دین سے متعلق نہیں اور ان سے دین کو کوئی فائدہ نہ تھا اسے میں نے ترک کر دیا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حضرت لقمان کی عمر حضرت لقمان نے طویل عمر پائی یہاں تک کہ داؤد علیہ السلام کے ساتھ تیس سال گزارنے کے بعد یونس علیہ السلام کا زمانہ پایا۔ کذا فی کشف الاسرار

خاموشی کا فائدہ ایک دفعہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاں حضرت لقمان بیٹھے ان کی زرہ بنتے دیکھ رہے تھے اور حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں میں لوہا موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا یہی ان کا معجزہ تھا۔ زرہ چوں کہ حضرت لقمان نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام سے پوچھنا خلاف حکمت سمجھا دیر کے بعد دیکھا کہ اسے داؤد علیہ السلام نے پہن لیا تب حضرت لقمان نے سمجھا کہ اسے جنگ کے لیے پہنا جاتا ہے۔ اور فرمایا، خاموشی میں بھی حکمت ہے لیکن اس کے عامل بہت کم لوگ ہیں۔ چنانچہ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:

ہر آنچہ دانی کہ ہر آئینہ معلوم تو خواہد شد بپرسیدن او تعجیل مکن کہ حکمت را زیاں کند۔

(جس بات کے متعلق تمہیں معلوم ہو کہ یہ بعد کو معلوم ہو جائے گی تو اس کے متعلق پوچھنے میں عجلت نہ کیجیے تاکہ حکمت ضائع نہ ہو)

؎

چو لقمان دید کاندر دستِ داؤد
ہمی آہن بمعجز موم گردد
نپرسیدش چہ می سازی کہ دانست
کہ بے پرسیدنش معلوم گردد

ترجمہ: جب حضرت لقمان نے داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں دیکھا کہ معجزہ کے طور پر لوہا موم ہوتا جا رہا ہے آپ نے ان سے نہ پوچھا کہ یہ کیا کر رہے ہیں اس لیے کہ انہیں معلوم تھا کہ یہ پوچھے بغیر ہی معلوم ہو جائے گا۔

ف: حضرت لقمان کی حکمت سے ایک یہ ہے کہ ایک دفعہ ان سے داؤد علیہ السلام نے پوچھا، کیا حال ہے؟ آپ نے فرمایا کہ غیر کے ہاتھوں میں گرفتار ہوں۔ حضرت داؤد علیہ السلام آپ کے اس جواب سے حیران ہو گئے اور سوچا تو نعرہ مار کر بے ہوش ہو گئے اس لیے کہ حضرت لقمان کے دانشمندانہ جواب نے آپ کو متحیر کر دیا کیونکہ قبضہ غیر سے ان کی مراد عدل و فضلِ الٰہی تھا۔ کذا فی تفسیر الکاشفی

ف: حضرت لقمان نے فرمایا:

(۱) صحت جیسا اور کوئی مال نہیں۔

(۲) نفس کی خوشی سے اور کوئی بڑی نعمت نہیں۔

(۳) باپ کا بیٹے کو مارنا ایسے ہے جیسے کسان کھیتی کی تیاری کے لیے بیل کو مارتا ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حکایت عجیب

تفسیر ثعلبی میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت لقمان کو مالک نے دو دوسرے غلاموں کے ساتھ باغ میں میوہ توڑنے کے لیے بھیجا اور حضرت لقمان تمام غلاموں سے کم مرتبہ تھے ؎

بود لقمان پیش خواجۂ خویشتن
درمیان بندگانش خوارتن
بود لقمان در غلامان چون طفیل
پُر معانی تیرہ صورت ہمچو لیل

ترجمہ: حضرت لقمان اپنے آقا کے سامنے تمام غلاموں سے کمتر ہی تھے اور دوسرے غلاموں میں طفیلی حیثیت رکھتے تھے وہ معانی سے پُر تھے اگرچہ بظاہر رات کی طرح سیاہ فام تھے۔

باغ سے میوہ توڑ کر لوٹے تو تمام میوہ جات کھا کر انہوں نے حضرت لقمان پر الزام لگایا کہ اس نے سارے میوہ جات کھا لیے ہیں۔ آقا حضرت لقمان پر سخت ناراض ہوا۔ آپ نے فرمایا: آقا! آپ ناراض نہ ہوں میوہ جات انہوں نے کھائے ہیں اور نام میرا لگا دیا ہے۔ آقا نے کہا: یہ کیسے معلوم ہو کہ آپ واقعی سچ بول رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اس کی آسان صورت یہ ہے کہ آپ ہم سب کو گرم پانی پلا کر جنگل میں دوڑائیے جس نے میوے کھائے ہیں وہ قے کرکے باہر نکال دے گا۔ چنانچہ ایسے ہی کیا گیا اور کھانے والوں کے پیٹوں سے تمام میوے باہر آگئے۔ یوں ان کی بددیانتی ظاہر ہو گئی (اور حضرت لقمان کی سچائی اور حکمت ظاہر ہو گئی)

؎

۱ گشت ساقی خواجہ از آبِ حمیم
مر غلامان را و خوردند آن زمیم
۲ بعد ازاں می راندشاں در دشت ہا
می دویدند آن نفر تحت و علا
۳ قے در افتادند ایشاں از عنا
آب می آورد زیشاں میوہ ہا
۴ چونکہ لقمان را درآمد قے ز ناف
می برآمد از درونش آبِ صاف
۵ حکمت لقمان چو داند این نمود
پس چہ باشد حکمتِ ربِّ الوجود
۶ یوم تبلی السرائر کلہا
بان منکم کامن لا یشتہی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۷ چوں سقوا ما حمیما قطعت
جملۃ الاستار مما افظعت

ترجمہ (۱) سرداروں نے گرم پانی غلاموں کو پلایا اور وہ اس کے خوف سے گرم پانی پی گئے۔

(۲) اس کے بعد انہیں جنگل میں دوڑایا۔ وہ سب جنگل میں اونچی نیچی جگہوں پر دوڑتے رہے۔

(۳) تھکان سے انہیں قے آگئی، پانی تمام میوہ جات لے آیا۔

(۴) لقمان کو قے پیٹ سے آئی لیکن صرف صاف پانی۔

(۵) لقمان کی حکمت کا جب یہ حال ہے تو اب ۔۔۔۔ (تعالیٰ) کی حکمت کیسی ہوگی۔

(۶) اس دن کے تمام پوشیدہ راز کھلیں گے جبکہ کوئی اپنے راز کا کھلنا نہیں چاہے گا۔

(۷) جب گرم پانی پلائے جائیں گے تو تمام پردے کھل جائیں گے جس سے انہیں رسوائی ہوگی۔

؎

ہر چہ پنہاں باشد آں پیدا شود
ہر کہ او خائن بود رسوا شود

ترجمہ: جو کچھ پوشیدہ ہوگا وہ ظاہر ہو جائے گا، جو خیانتی ہوگا شرمسار ہوگا۔

حکایت حضرت عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت لقمان سفر سے لوٹے تو راستہ میں آپ کو آپ کا غلام ملا۔ آپ نے اس سے پوچھا، والد صاحب کا کیا حال ہے؟ اس نے جواب دیا، وہ تو فوت ہو چکے ہیں۔ حضرت لقمان نے کہا: الحمد للہ کہ میں اپنے معاملے کا مالک ہوگیا۔ اس کے بعد والدہ کا پوچھا تو اس نے کہا: وہ بھی چل بسیں۔ آپ نے فرمایا: الحمد للہ! میرا غم کم ہوگیا۔ اس کے بعد اپنی عورت کا پوچھا تو اس نے کہا: وہ بھی اللہ کو پیاری ہوگئی۔ آپ نے کہا: الحمد للہ میرا بستر فارغ ہوگیا۔ پھر پوچھا میری بہن کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا: وہ بھی جاں بحق ہوگئیں۔ آپ نے فرمایا: الحمد للہ میرا ستر ڈھانپا گیا۔ پھر بھائی کا پوچھا۔ اس نے کہا وہ بھی راہی ملکِ عدم ہو چکا ہے۔ آپ نے فرمایا: میری کمر اور بازو ٹوٹ گیا۔ پھر بیٹے کے بارے میں پوچھا۔ اس نے کہا: وہ بھی مرگیا۔ آپ نے فرمایا: میرا دل چر گیا۔

قبر لقمان حضرت لقمان کی قبر مبارک فلسطین میں شہر رملہ کی بستی صرفند میں واقع ہے۔ فلسطین بکسر الفا وفتح اللام وسکون السین۔ یہ شہر مصر وشام کے درمیان میں واقع اسی میں الرملہ، غزہ اور عسقلان ہیں۔

حضرت لقمان کا مزار مبارک مشہد میں ہے۔ (فتح الرحمان)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ف : حضرت قتادہ نے فرمایا : حضرت لقمان کی قبر مبارک رملہ میں ہے ۔ رملہ کی مسجد اور بازار کے درمیان واقع ہے اور یہاں پر ستر انبیاء علیہم السلام کی قبریں ہیں جن کا وصال لقمان حکیم کے بعد ہوا ۔ مروی ہے کہ ان حضرات کا ایک ہی دن میں بھوک سے وصال ہوا جنہیں بنی اسرائیل نے القدس سے نکالا اور وہ مجبور ہو کر رملہ میں آ گئے ۔ بنی اسرائیل نے ان کا محاصرہ کر لیا اور وہ حضرات بھوک کے پیاسے یہیں فوت ہوئے اور یہیں مدفون ہوئے ؎

جہاں جائے راحت نشد اے فتیٰ
شدند انبیا اولیا مبتلا

ترجمہ : اے بیٹے ! جہاں راحت گاہ نہیں اس میں انبیاءؑ و اولیا بڑی بڑی مصیبتوں میں مبتلا ہوئے ۔

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ! اپنی امت کو یاد دلائیے لقمان حکیم کی وہ بات جو انہوں نے کہی **لِابْنِهٖ** اپنے بیٹے سے ، جس کا نام انعم تھا ۔ اسی لیے حضرت لقمان کی کنیت ابو انعم تھی **وَهُوَ يَعِظُهٗ** اور وہ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے تھے ۔

حل لغات : الوعظ یعنے ایسی زجر جو تخویف کو متضمن ہو ۔ **يٰبُنَيَّ** اے میرے بیٹے ۔ یہ بصیغۂ تصغیر یائے متکلم کی طرف مضاف ہے یا کو بالفتح و بالکسر دونوں طرح پڑھنا جائز ہے ۔ یہ تصغیر رحمۃ و عطوفۃ کی ہے اسی لئے آنے وہ وصیتیں کیں جو اس کے لئے سعادت کا موجب تھیں جبکہ وہ اس پر عمل کرے **لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ** اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک مت ٹھہرانا **اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ** ۝ اس لیے کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے کیونکہ اس میں بے نعمت والی شے کو نعمت والے رب کے ساتھ برابر کرنا ہے ۔ کشف الاسرار میں اس کا ترجمہ یوں مرقوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اپنے اوپر ظلم کرنا ہے ۔ اور شرک کی سزا یہ ہے کہ مشرک کو ہرگز نہیں بخشا جائے گا ۔ کسی شاعر نے کہا ؎

الحمد للہ لا شریك له
ومن اباها فنفسه ظلما

ترجمہ : جملہ محامد اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس کا کوئی شریک نہیں جو اس کا منکر ہے اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا ۔

ف : حضرت لقمان کی بیوی اور بیٹا دونوں کافر تھے لیکن حضرت لقمان کی جد و جہد اور نصیحت کی بدولت دونوں مسلمان ہو گئے بخلاف حضرت نوح علیہ السلام کی زوجہ اور بیٹے کے کہ وہ کافر ہی رہے اور کافر ہی مرے ۔ بعض روایتوں میں تو یہاں آیا ہے کہ نوح علیہ السلام کی زوجہ ایمان نہ لائی تو مسخ ہو کر پتھر ہو گئی ۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ف: حضرت لقمان نے شرک سے بچنے کی تلقین کی، بعد میں اور وعظ و نصیحت فرمائی۔ الوعظ بمعنے ماسوی اللہ کے اشتغال سے نفس کو روکنا یعنی بالکلیہ حق کا ہو جانا نفساً بھی اور قلباً و روحاً بھی۔ گویا حضرت لقمان نے بیٹے کو نصیحت فرمائی کہ نفس کو صرف خدمتِ حق میں لگا دو اور قلب کو ماسوی اللہ کی طرف متوجہ نہ ہونے دو اور روح کو صرف مشاہدۂ حق میں مشغول رکھو۔ اسی کو مقام التفرید فی التوحید کہا جاتا ہے ؎

ہر کہ در دریائے وحدت غرق باشد جانِ او
جوہر فرد حقیقت یافت از جانانِ او

ترجمہ: جس کی جان دریائے وحدت میں غرق ہوئی اس نے ہی جوہر فرد حقیقت اپنے محبوب سے پا لیا۔

اے اللہ! ہمیں تفرید والوں سے بنا۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ الی آخرہ یہ حضرت لقمان کی وصیت کے درمیان جملہ معترضہ ہے نہی عن الشرک کے معنے کی تاکید ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے:

وصیت زید ابعمرو۔ یعنی میں نے اسے کام کی محافظت کا حکم فرمایا۔

اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے لوگوں کو ان کے ماں باپ کے حقوق کی پاسداری کا حکم فرمایا۔ اس کے بعد ماں کے حقوق کو ترجیح دی اس لیے کہ ماں کا بیٹے پر بہت بڑا احسان ہے۔ چنانچہ فرمایا **حَمَلَتْهُ أُمُّهُ** تا عامین تک مفسّر اور مفسَّر کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔ مفسّر اور مفسَّر سے توصیۃ و شکر مراد ہے۔ اس جملہ کا معنی یہ ہے کہ اسے ماں نے پیٹ میں اٹھائے رکھا **وَهْنًا** یہ امّہ سے حال ہے۔ اور الوهن بمعنے ضعف کمزوری۔ یہ اس لیے فرمایا کہ عورت من حیث الخلق و الخلق کمزور اور ضعیف ہے **عَلٰى وَهْنٍ** اس میں اشارہ ہے کہ بچے کو جونہی پیٹ میں وقت گزرتا ہے اس سے ماں کی کمزوری اور ضعف میں اضافہ ہوتا ہے **وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ**۔ اور دو سالوں میں اس کا دودھ چھڑانا۔

حل لغات: الفصال بمعنے بچے کا دودھ چھڑانا۔ الفصیل اسی سے مشتق ہے۔ اونٹنی کے اس بچے کو کہا جاتا ہے جس کا دودھ چھڑایا جائے۔ اور العام بالتخفیف بمعنے السنۃ یعنی سال۔ اور العام ایسے سال کو کہا جاتا ہے جس میں انسان کو خوشحالی حاصل ہو۔

مسئلہ: بچے کو ولادت کے بعد ماں کا دودھ پلایا جاتا ہے اور اس کی مدت دو سال ہے۔ یہی امام شافعی کا مذہب ہے۔ اس کے بعد اگر بچہ کسی عورت کا دودھ پیئے گا تو رضاع ثابت نہ ہوگا۔

مسئلہ: امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جب تک بچے کو دودھ کی ضرورت ہو اس مدت تک دودھ پلانا واجب ہے۔ جب ضرورت ختم ہو جائے تو دو سال پورے کرنا مستحب ہے اور دو سال پر چھ ماہ مزید بھی دودھ پلانا جائز ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مسئلہ: بعض ائمہ دو سال اور بعض اڑھائی سال دودھ پلانے کی مدت بتاتے ہیں۔ یہ اختلاف صرف وقت رضاع کی حیثیت سے ہے ورنہ جواز کے لیے دونوں مدتوں پر سب کا اتفاق ہے۔

مسئلہ: استحقاق اجرت رضاع بھی دو سال تک ہوگا۔ اسی لیے باپ کو دو سال بعد رضاع کی اجرت نفقہ وغیرہ دینا ضروری نہ ہوگا رضاع کے مسائل فقہ کی کتابوں کے بابِ رضاع میں مکمل طور لکھے جا چکے ہیں۔

مسئلہ: الوسیط میں ہے کہ دو سال کی مدت بچے کی ولادت کے وقت سے شمار ہوگی۔

اَنِ اشْکُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْکَ ؕ یہ وَصَّیْنَا کی تفسیر ہے یعنی ہم نے فرمایا کہ میرے لیے اور اپنے والدین کے لیے شکر کر یہ علت ہے۔ یعنی شکر گزاری علت ہے اس کی کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے یہ رضاع جیسی نعمت بخشی۔ اور جملہ معترضہ ہے اور والدہ کی شکر گزاری کے متعلق تاکید کے طور پر یہ جملہ لایا گیا ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا، انسان کی شکر گزاری کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ نے فرمایا:

امّک ثم امک ثم امک۔

(تیری ماں پھر تیری ماں پھر تیری ماں)

پھر اس کے بعد (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے) فرمایا:

ثم اباک۔ (پھر تیرا باپ)

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے انسان! میرا شکر کیجیے اس لیے کہ میں نے تجھے عدم سے موجود فرمایا اور اسلام کی ہدایت بخشی اور اپنے والدین کا شکریہ ادا کیجیے کہ انہوں نے تیری تربیت کی جبکہ تو چھوٹا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے شکر کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کی تعظیم و توقیر کے ساتھ ان پر شفقت و رحمت کی جائے۔

ف: شرح الحکم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے شکر کے ساتھ والدین کے شکر کو اس لیے ملایا کہ اللہ تعالیٰ نے حقیقی وجود بخشا تو والدین نے تربیت کر کے وجود مجازی بخشا۔ اس معنیٰ پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم حقیقی ہوگا اور والدین و دیگر لوگوں کا احسان و کرم مجازی ہوگا[1]

حدیث شریف میں ہے:

لا یشکر اللہ من لا یشکر الناس۔

(جس نے لوگوں کا شکر نہ کیا اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر نہ کیا)

حدیث مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے شکر کو بندوں کے شکر پر موقوف فرمایا۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے شکر کے ثواب کو بندوں کے شکریہ ادا کرنے پر موقوف فرمایا۔

---

[1] یہ حقیقت و مجاز انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا و علیہم السلام کے متعلقات پر بھی منطبق کیجئے۔ جیسے اختیار و استمداد وغیرہ۔ اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مسئلہ: استاد کا شکریہ والدین کے شکریہ پر فوقیت رکھتا ہے (لیکن افسوس کہ دورِ حاضرہ میں علماء و عوام، خواص (بعض مشائخ) نے بھی اساتذہ کے حقوق کو نظر انداز کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ہدایت بخشے)

حکایت حضرت سکندر سے پوچھا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ آپ اپنے والدین پر اپنے استاد کو تعظیم و تکریم میں ترجیح دیتے ہیں۔ حضرت سکندر نے جواب دیا، وہ اس لیے کہ والدین نے مجھے آسمان سے زمین پر گرایا اور استاد گرامی نے زمین سے آسمان پر پہنچایا۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا:

من ملک بودم و فردوس بریں جایم بود
آدم آورد دریں دیر خراب آبادم

ترجمہ: میں عالمِ قدس میں بادشاہ تھا اور جنۃ الفردوس میری جاگیر تھی لیکن افسوس کہ میرے ابا آدم علیہ السلام نے مجھے وہاں سے نکالا اور اس ویران دنیا میں پھینک دیا۔

حکایت بزرجمہر سے پوچھا گیا کہ آپ والدین کی بجائے استاد کی زیادہ تعظیم و توقیر کیوں کرتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ والدین میری فانی زندگی کا سبب ہیں اور میرا استاد گرامی میری بقا والی زندگی کا سبب ہے۔

اِلَیَّ الْمَصِیْرُ ۝ یہ امر الٰہی کی فرماں برداری کی علت ہے یعنی تمہارا صرف میری طرف رجوع ہے اسی لیے میں ہی تمہیں جزا و سزا دوں گا۔ رجوع الی اللہ کا معنیٰ یہ ہے کہ اے آدم زادہ! تم اس ملک میں پہنچو گے جہاں اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی مالک ہوگا نہ حاکم۔

مسئلہ: حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے فرمایا: جو پانچ نمازیں پابندی سے پڑھتا ہے تو یقین کرو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احسانات کا شکر ادا کر چکا۔ اور پانچوں نمازوں کے بعد والدین کے لیے جو دعائے مغفرت کرتا ہے اس نے اپنے والدین کے احسان کا شکریہ ادا کر لیا۔

مسئلہ: جو چاہتا ہے کہ میں اپنے والدین کی وفات کے بعد ان کے ساتھ احسان کروں تو اسے چاہیے کہ ان کے دوستوں، عزیزوں، رشتہ داروں اور متعلقین پر احسان و کرم کرے۔

مسئلہ: (۱) زندگی میں جس سے ماں باپ ناراض رہے اور اسی حالت میں وہ فوت ہو گئے پھر وہ چاہتا ہے کہ وہ ان کے ساتھ احسان کنندگان اور شکر گزاروں میں شمار ہو تو اسے چاہیے کہ وہ ان کے لیے بہت زیادہ استغفار کرے اور ان کے لیے زیادہ سے زیادہ صدقہ و خیرات بطور ایصال ثواب کرے تو اسے والدین کے فرمانبرداروں میں لکھا جائے گا۔

(۲) جو شخص ہر جمعہ اپنے والدین کے مزارات کی زیارت کرتا ہے وہ بھی فرماں برداروں میں شمار ہوگا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حدیث شریف میں ہے:
من احب ان یصل اباہ فی قبرہ فلیصل اخوان ابیہ من بعدہ و من مات والداہ وھو لھما غیر بار وھو حی فلیستغفر لھما ویتصدق لھما حتی یکتب بارا لوالدیہ ومن زار قبر ابویہ او احدھما فی کل جمعۃ کان بارا۔

(جس کی خواہش ہو کہ وہ قبر میں اپنے باپ کو خوش کرے تو اسے چاہیے کہ باپ کے مرنے کے بعد اس کے دوستوں کو خوش رکھے اور جس کے ماں باپ مر گئے اور وہ ان کی خدمت نہ کر سکا جب تک زندہ تھے ان کے لیے اتنا استغفار اور صدقہ و خیرات کرے کہ وہ خدمت گزاروں میں لکھا جائے اور ہر جمعہ اپنے والدین کی قبور کی زیارت کرے وہ بھی خدمت گزاروں میں لکھا جائے گا)

حدیث شریف میں ہے:
من صلی لیلۃ الخمیس ما بین المغرب والعشاء رکعتین یقرأ فی رکعۃ فاتحۃ الکتاب مرۃ وآیۃ الکرسی خمس مرات وقل ھو اللہ احد خمس مرات والمعوذتین خمسا خمسا فاذا فرغ من صلاتہ استغفر اللہ خمس عشرۃ مرۃ وجعل ثوابہ لوالدیہ فقد ادی حق والدیہ علیہ وان کان عاقا لھما واعطاہ اللہ تعالی ما یعطی الصدیقین والشھداء۔
کذا فی الاحیاء وقوت القلوب۔

(جو شخص جمعرات کی شب کو مغرب و عشاء کے درمیان دو رکعتیں پڑھے اور فاتحہ کے بعد پانچ بار آیۃ الکرسی، پانچ بار سورۂ اخلاص اور پانچ بار معوذتین (سورۃ فلق و سورۃ ناس) پڑھے اور ان کا ثواب ماں باپ کی روح کو بخشے تو اس نے اپنے ماں باپ کا حق ادا کر لیا اگرچہ وہ دنیا میں ان کا نافرمان رہا۔ اللہ تعالیٰ اسے اس دوگانہ کے صدقے صدیقین و شہداء کا ثواب عطا فرمائے گا)

وَاِنْ جَاهَدٰكَ المجاھد یعنے اللہ کے دشمن سے بچنے کے لیے اپنی تمام طاقت صرف کرنا۔
اب معنی یہ ہوا کہ رب نے انسان سے فرمایا کہ اگر تیرے ماں باپ تیرے لیے جدوجہد کر کے تجھے اکسائیں عَلٰٓی اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ کہ تم عبادت میں میرے ساتھ انہیں شریک ٹھہراؤ جن کا تمہیں علم نہیں فَلَا تُطِعْهُمَا تو تم شرک کرنے میں ان کی اطاعت مت کرنا یعنی اگرچہ والدین کی خدمت ایک عظیم امر ہے لیکن اولاد کو جائز نہیں کہ شرک کرے یا کسی اور گناہ میں ان کی اطاعت کرے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

چوں نبود خویش را دیانت و تقویٰ
قطع رحم بہتر از مودت قربیٰ

ترجمہ: جب رشتہ دار میں دیانت و تقویٰ نہ ہو تو ایسے رشتہ سے محبت کرنے کے بجائے قطع رحمی ضروری ہے۔

وَصَاحِبْهُمَا اور ان سے مصاحبت اور اچھی معاشرت کیجئے فِی الدُّنْیَا دنیا میں معاشرت کے لحاظ سے مَعْرُوْفًا نیکی یعنی ان سے اس طرح کی معاشرت کیجئے جس میں شریعت کی اجازت ہو اور ان کے ساتھ نیک معاشرے کا ایک حصہ انہیں نان نفقہ دینا بھی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

حسن المصاحبة ان یطعمھما اذا جاعا وان یکسوھما اذا عریا۔

(والدین کے ساتھ نیک مصاحبت (برتاؤ) کا معنیٰ یہ ہے کہ جب وہ بھوکے ہوں تو انہیں کھانا کھلاؤ اور اگر وہ ننگے ہوں تو انہیں کپڑے پہناؤ)

مسئلہ: انسان پر والدین کا نان و نفقہ اور لباس واجب ہے اگرچہ وہ کافر ہوں۔ اسی طرح ان کے ساتھ احسان و مروت، ان کی خدمت اور ان کی زیارت ضروری ہے بشرطیکہ وہ کفر و معصیت پر مجبور نہ کریں۔ اگر کسی کے والدین کفر کے ارتکاب پر مجبور کریں تو ایسے والدین کی زیارت اور ملاقات ضروری نہیں۔

اگر کسی کے والدین کافر ہوں اور وہ اسے کفر کی عبادت گاہ (مثلاً مسجد وغیرہ) میں جانے کا حکم دیں تو ان کا ایسا حکم ہرگز نہ ماننا چاہیے اس لیے کہ کفر کی اعانت میں خدمت کرنا بھی گناہ ہے ہاں عبادت گاہ کفر سے گھر کی طرف لانا جائز ہے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں پر المعروف کا معنیٰ یہ ہے کہ انہیں دین کی غلطی اور خطا سے بچا کر توحید اور دین کی باتوں سے آگاہ کیا جائے جبکہ وہ عرفانِ الٰہی اور دین کے امور سے ناواقف ہوں۔

ف: المفردات میں ہے کہ المعروف دراصل ہر اس نیکی کو کہا جاتا ہے جسے عقل و شرع اچھا کہے۔ اور المنکر ہر وہ برائی جسے عقل و شرع برا کہیں۔ اسی لیے جود و سخا کو المعروف کہا جاتا ہے اس لیے کہ اسے عقل و شرع دونوں نے اچھا کہا ہے۔

وَاتَّبِعْ اور دین میں تلاش کرو سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ ج ان لوگوں کا راستہ جو میرے ہاں توحید و اخلاص فی الطاعۃ کے لحاظ سے رجوع کرتے ہیں۔ اس سے مومنین کاملین مراد ہیں ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُکُمْ پھر میری طرف تمہارا اور ان سب کا رجوع ہے فَاُنَبِّئُکُمْ پھر رجوع کے بعد میں تمہیں خبر دوں گا بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ٥ جو تم نے دنیا میں خیر و شر کا ارتکاب کیا میں تمہیں اس کا بدلہ دوں گا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

شانِ نزول یہ آیت حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (جو عشرہ مبشرہ سے ہیں) کے حق میں نازل ہوئی۔ جب آپ نے اسلام قبول کیا تو آپ کی والدہ نے قسم کھائی کہ میں اُس وقت تک نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی جب تک سعد اسلام کو ترک نہ کرے۔ منقول ہے کہ حضرت سعد کی والدہ نے تین دن رات تک نہ کچھ کھایا نہ پیا یہاں تک کہ لوگوں نے ان کے منہ کو لکڑیوں سے کھول کر منہ میں پانی ڈالا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اگر میری والدہ کی ستّر ارواح ہوں اور وہ اسی طرح بار بار مرتی رہے تب بھی میں اسلام کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اور یہ قصہ سورۂ عنکبوت کے اوائل میں تفصیل کے ساتھ اور بہت بڑے فوائد پر مشتمل بیان ہو چکا ہے۔

مسئلہ : توحید کے بعد اہم الواجبات سے والدین کی خدمت گزاری ہے۔

حکایت و روایت مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے عرض کی: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میری والدہ بوڑھی ہو گئی یہاں تک کہ میں اسے کھلاتا پلاتا ہوں اور وہ چل پھر بھی نہیں سکتی اس لیے اسے اٹھاتا بٹھاتا ہوں۔ کیا اس طرح سے میں نے اپنی والدہ کا حق ادا کر دیا۔ آپ نے فرمایا: ہرگز نہیں بلکہ صرف ایک سو میں سے ایک حق بھی ادا ہو تو تیری سعادت۔ عرض کی: اس کی کیا وجہ؟ آپ نے فرمایا: تیری والدہ نے تیری خدمت اس لیے کی کہ تیری عمر دراز ہو اور تو اس کی اس لیے خدمت کرتا ہے کہ وہ کب مرے گی! لیکن چونکہ تو نے اس کی خدمت کی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا ثواب عطا فرمائے گا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ جوانی سر از رائے مادر بتافت
دل دردمندش بآذر بتافت

۲ چو بیچارہ شد پیشش آورد مہد
کہ اے سست مہر و فراموش عہد

۳ نہ گریان و درماندہ بودے و خرد
کہ شبہا ز دست تو خوابم نبرد

۴ نہ در مہد نیروے حالت نبود
مگس راندن از خود مجالت نبود

۵ تو آنی کہ از یک مگس رنجہ
کہ امروز سالار و سرپنجہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۶ بحالی شوی باز در قعر گور
که نتوانی از خویشتن دفع مور

۷ دگر دیده چون برفروزد چراغ
چو کرم لحد خورد پیه دماغ

۸ چو پوشیده چشمی نه بینی که راه
نداند همی وقت رفتن ز چاه

۹ تو گر شکر کردی که با دیدهٔ
وگرنه تو هم چشم پوشیدهٔ

ترجمہ: (۱) ایک نوجوان نے ماں سے منہ موڑا تو ماں کا درد مند دل آگ سے جل گیا۔

(۲) بیچاری سے اور تو کچھ نہ ہو سکا گریہ وزاری اور کہا کہ بے رحم اور عہد فراموش

(۳) تو روتا رہتا، عاجز اور چھوٹا تھا، تیری وجہ سے میں نے کئی راتوں کی نیند حرام کر دی تھی۔

(۴) گہوارے میں تجھے اپنے حال درست کرنے کی طاقت نہ تھی بلکہ تو اپنے سے مکھیاں بھی نہ ہٹا سکتا تھا۔

(۵) تو وہی تو ہے کہ ایک مکھی سے چیخ پڑتا تھا لیکن اب تو بڑی طاقت کا مالک ہے۔

(۶) ابھی وقت آنے والا ہے کہ تو قبر کے گڑھے میں جائے گا اس وقت بھی تجھے چیونٹی ہٹانے کی طاقت نہ ہوگی۔

(۷) پھر تیری آنکھیں کہاں سے چمکیں گی جب تیرے دماغ کی چربی کیڑے کھا جائیں گے۔

(۸) تو اندھے کی طرح راستہ نہیں دیکھ رہا جبکہ وہ کنویں میں گر پڑے تو اسے کہیں راستہ نہیں دکھائی دیتا۔

(۹) اگر تو شکر بجا لائے گا تو سمجھ کہ تو آنکھ والا ہے ورنہ تو بھی اندھا ہی ہے۔

چار ضروری باتیں

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا کہ اگر مجھے اپنے بعد تمہارے تغیر احوال کا خطرہ نہ ہوتا تو میں تمہیں حکم فرماتا کہ چار شخصوں کے بہشتی ہونے کی گواہی دو:

(۱) وہ عورت جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنے شوہر کو مہر معاف کر دے اور شوہر اس سے راضی ہو۔

(۲) بڑا عیالدار جو اپنے کنبے کی معاش کے لیے جد و جہد کرے اور انہیں رزق حلال کھلائے۔

(۳) گناہ سے توبہ کرنے والا اور توبہ میں ایسا پختہ کہ اس گناہ کے ارتکاب کا ارادہ تک نہ کرے۔ بلکہ اسے اس سے ایسی نفرت ہو کہ جیسے بچے کا دودھ چھڑا کر پھر اسے دودھ کے لیے پستان پیش کیے جائیں اور وہ پستانوں کو منہ نہ لگائے۔

(۴) ماں باپ کا خدمت گزار۔

اس کے بعد حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مبارک ہو اُسے جو ماں باپ کی خدمت کرتا ہے اور بُرا ہو اُس کا جو ماں باپ کا بے فرمان ہے۔

ماں کے گستاخ کی سزا حضرت عطا بن یسار رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بعض لوگ سفر کو گئے۔ جنگل میں ایک جھونپڑے میں قیام کیا۔ رات کو جھونپڑے میں گدھے کا ڈھیچوں ڈھیچوں کی آواز سُنتے رہے۔ یہاں تک کہ صبح ہوئی۔ انہوں نے جھونپڑے والی بی بی سے پوچھا کہ تمہارے ہاں گدھا تو ہے نہیں لیکن ہم ساری رات ڈھیچوں ڈھیچوں کی آواز سُنتے رہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ بڑھیا نے کہا: یہ میرا لڑکا ڈھیچوں ڈھیچوں کرتا ہے۔ اس لیے کہ ایک دن اس نے مجھے گدھا کہا۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے بددعا کی کہ اسے گدھا بنا دیا جائے۔ پھر جب سے مرا ہے اس وقت سے اس کی قبر سے ہر رات ایسے ہی گدھے کی سی آواز سُنائی دیتی ہے اور صبح تک ایسے ہی آواز آتی رہتی ہے۔

نوح علیہ السلام کے بے ادب بیٹے کی سزا حضرت وہب سے مروی ہے کہ جب نوح علیہ السلام کشتی سے باہر تشریف لائے تو آرام فرمایا۔ نیند کی حالت میں ان کا ستر کھل گیا جسے دیکھ کر آپ کا بیٹا حام ہنس پڑا اور آپ کے ستر کو نہ ڈھانپا۔ جب آپ کے بیٹے سام و یافث کو معلوم ہوا تو آ کر والد گرامی پر کپڑا ڈال دیا۔ نوح علیہ السلام بیدار ہوئے تو آپ کو تمام حال سُنایا گیا۔ آپ نے حام سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تیرے جسم کو تبدیل کرے۔ چنانچہ کالے سُوڈانی اور حبشی انہی کی اولاد سے ہیں۔ بلکہ قیامت تک انہیں دنیوی ذلت میں مبتلا رکھا گیا۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

دختراں را ہمہ جنگست و جدل با مادر
پسراں را ہمہ بدخواہ پدر می بینم

ترجمہ: بیٹیوں کی ماں سے جنگ ہے اور بیٹوں کی باپ سے لڑائی ہے۔

مسئلہ: آیت میں کفار و فساق کی صحبت سے روکا گیا ہے اور صالحین اور نیک لوگوں کی صحبت کی ترغیب دی گئی ہے اس لیے کہ صحبت و رفاقت کو طبائع سے گہرا تعلق ہے اس لیے کہ طبائع جذاب اور امراض اثر انداز ہوتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے: لا تساکنوا المشرکین ولا تجامعوهم فمن ساکنهم او جامعهم فهو منهم ولیس منا۔

(مشرکین کو اپنے ہاں مت ٹھہراؤ اور ان کے ساتھ مت بیٹھو۔ جو ان کے ساتھ بیٹھا اٹھتا ہے وہ ہم سے نہیں)

ف: مشرکین (ایسے ہی جملہ بدمذاہب) کے ساتھ ایک ہی گھر میں نہ ٹھہرو اور نہ ہی ان کے ساتھ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ایک مجلس میں بیٹھو تاکہ ان کے اخلاقِ خبیثہ و عاداتِ قبیحہ کے اثرات تمہارے اندر گھس نہ جائیں۔ س

باد چوں بر فضائے بد بگزرد
بوئے بد گیرد از ہوائے خبیث

ترجمہ: جب ہوا گندی فضا سے گزرتی ہے تو خبیث ہوا سے گندی بو لے کر گزرتی ہے۔

حضرت ابراہیم خواص رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بیمار دل کے لیے پانچ دوائیاں ہیں

بیمار قلب کا علاج (۱) تدبر کے ساتھ تلاوتِ قرآن

(۲) پیٹ کو طعام سے خالی رکھنا۔

(۳) رات کے وقت نوافل میں قیام

(۴) سحر کے وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے گریہ وزاری

(۵) نیک لوگوں کی صحبت و رفاقت (کذا فی البستان) ؎

۱ پے نیک مردان بباید شتافت
کہ ہر کہ ایں سعادت طلب کرد یافت
۲ ولیکن تو دنبال دیو خسی
ندانم کہ در صالحان کے رسی

ترجمہ (۱) نیک لوگوں کی سیرت طلب کرو جو ایسی سعادت طلب کرے گا اسے پا لے گا۔

(۲) لیکن تُو تو خبیث شیطان کے پیچھے پھر رہا ہے نہ معلوم تو کب نیک لوگوں میں پہنچے گا۔

یٰبُنَیَّ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے انعم (لنعم العین) سے فرمایا: اے میرے بیٹے!

ف: والا ارشاد میں ہے کہ یہاں سے حضرت لقمان کی وصایا کے بقایا کا آغاز ہوتا ہے جبکہ پہلے شرک سے منع فرمایا اور جملہ معترضہ میں چند تاکیدیں کرکے فرمایا:

اِنَّھَا بے شک بری خصلت یا اس سے ماں باپ کا احسان مراد ہے۔

ف: حضرت مقاتل نے فرمایا کہ حضرت لقمان کے بیٹے نے اپنے والد گرامی سے عرض کی کہ اباجی! اگر میں چھپ کر برائی کروں تو پھر اسے اللہ تعالیٰ کیسے جان سکے گا! اس کے رد میں حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا:

اے بیٹے! اِنْ تَکُ یہ دراصل تکونُ تھا واؤ کو اجتماع الساکنین کی وجہ سے گرا دیا گیا اور نون حرفِ شرط کی وجہ سے ساکن ہے اس لیے ہم نے دو ساکنوں کا نام لیا اور پھر کثرتِ استعمال کی وجہ سے تخفیفاً نون حذف کر دیا گیا لیکن یہ صرف نون کان کے ساتھ خاص ہے اسی لیے ہر نون کو حذف نہیں کر دیا جاتا یہی وجہ ہے لم یخن ولم یصن میں محذوف نہیں ہوتا یہی کان کا نون جب کسی ساکن کے ساتھ متصل ہوگا تو نون واپس آجائے گا اور متحرک ہوگا۔ مثلاً لم یکن الذین (الآیۃ)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ ۔ مثقال وہ شے جس سے کسی شے کا وزن کیا جاسکے۔ یہ الثقل سے مشتق ہے۔ ہر وزن والی شے کو مثقال کہا جاتا ہے۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ مثقال ہر وہ شے جو دوسری شے کے وزن میں برابر ہو۔ لیکن اب دنیا کی مقدار میں مستعمل ہے۔

الحبۃ بمعنے دانہ ۔ خردل مشہور دانہ ہے (یعنی رائی کا دانہ)

اب معنی یہ ہوا کہ جن مقداروں سے اشیاء کی معمولی مقداریں وزن کی جاتی ہیں، مثلاً رائی کا دانہ جو مقداروں میں سب سے گھٹیا درجہ کا ہے **فَتَكُنْ** وہ باوجود اپنی ادنیٰ مقدار کے ہو **فِىْ صَخْرَةٍ** پہاڑ میں۔ صخرہ بمعنے سخت پتھر۔ یعنی وہ رائی کے دانہ کے برابر کی شے کسی بھی پوشیدہ ترین اور محفوظ ترین جگہ میں ہو، مثلاً کسی بھی سخت ترین پتھر کے اندر ہو۔

ف : حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ صخر جملہ مرکبہ اشیاء سے سخت تر اور اپنے اندر والی شے کو باہر نکالنے سے بہت زیادہ مانع ہو۔ اور صخرہ سے بھی ہر صخرہ (پتھر) مراد ہے، جو بھی ہو کیونکہ نکرہ ہے (اور نکرہ سے عام مراد ہوتا ہے)

اعجوبۂ زمین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ زمین مچھلی پر اور مچھلی پانی پر اور پانی صفاۃ پر اور صفاۃ فرشتے کی پیٹھ پر اور فرشتہ صخرہ (پتھر) پر ہے اور جس پتھر کا ذکر حضرت لقمان (رضی اللہ عنہ) نے کیا ہے وہ نہ آسمانوں میں ہے نہ زمینوں میں۔ (التکملہ)

اَوْ فِى السَّمٰوٰتِ یا آسمانوں میں یا ان کے ماورا میں۔ بعض تفاسیر میں ہے اس سے عالم علوی یعنی آسمانوں کا محدب مراد ہے **اَوْ فِى الْاَرْضِ** یا زمین کے طول و عرض میں۔ بعض تفاسیر میں ہے اس سے عالم سفلی یعنی زمین کا مقعر مراد ہے **يَأْتِ بِهَا اللّٰهُ** اسے اللہ تعالیٰ لائے گا اور اس سے حساب لے گا کیونکہ جو بھی ذرہ برابر بھلائی کرتا ہے اسے دیکھے گا ایسے ہی جو ذرہ برابر برائی کرتا ہے دیکھ لے گا۔ اس معنی پر باء تعدیہ کی ہے۔

ف : حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے شرح فصوص الحکم میں لکھا کہ انہا میں ضمیر قصہ کی ہے۔ اور حبۃ مرفوع ہے جیسا کہ امام نافع کی قرأت میں ہے۔ اس معنی پر کان تامہ ہے اور انہا کی ضمیر مؤنث بوجہ اضافت مثقال الی حبۃ کے یات بہا اللہ میں دانہ لانا غذا کے لیے ہوگا **اِنَّ اللّٰهَ** یہ لقمان رضی اللہ عنہ کا قول ہے بیشک اللہ تعالیٰ **لَطِيْفٌ** لطیف ہے اس کا علم ہر خفی کو محیط ہے کیونکہ لطیف کا ایک معنی عالم بخفیات الامور بھی ہے جس کا عقیدہ ہے کہ وہ عالم بخفیات الامور ہے تو وہ خود کو ہر حال میں اس کی آگاہی کے پیش نظر برائیوں سے بچائے گا اور اسے یقین ہوگا کہ جو امور مجھے معلوم نہیں ان کا عالم اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ اسے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بہ علمش یک ذرہ پوشیدہ نیست
کہ پیدا و پنہاں بنزدش یکیست

ترجمہ: اس کے علم کے آگے کوئی شے پوشیدہ نہیں کیونکہ ظاہر اور پنہاں اس کے نزدیک یکساں ہیں۔

خَبِیْرٌ ۝ وہ ہر شے کی کُنہ کو جانتا ہے۔ شرح حزب البحر میں ہے کہ خبیر وہ ہے جو ان دقائق کو جانے جن تک سوائے اس کے کسی کی رسائی نہ ہو۔ اور جس کا عقیدہ ہوگا کہ وہ خبیر ہے تو وہ تدبر یا ذکر کرے گا اور تضرع اس کے ساتھ اخلاص کرے گا۔ خلاصہ یہ کہ آسمان و زمین کی کوئی شے اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں وہ ضمائر کے اسرار اور خواطر کے بطون کو محیط ہے وہ ہر شے کا حساب لے گا خواہ وہ صخرۂ نفوس میں ہو یا سماءِ ارواح میں یا ارض القلوب میں۔

ف: اس میں اہلِ مراقبہ کو تنبیہ اور ذرّ اور خطرات و بطون الحرکات کی اطلاع کے لیے جھانکنے پر تحذیر ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یٰبُنَیَّ اِنَّھَا میں ارزاق و اختصاصات انسانیہ و مواہب الٰہیہ کے مقسومات ازلیہ کی طرف اشارہ ہے اِنْ تَکُ مِثْقَالَ حَبَّۃٍ تا فِیْ صَخْرَۃٍ میں صخرۂ عدم کی طرف اشارہ ہے اَوْ فِی السَّمٰوٰتِ سے صورۃً و معنیً مراد ہے اَوْ فِی الْاَرْضِ سے بھی صورۃً و معنیً مراد ہے یَاْتِ بِھَا اللّٰہُ مقسوماتِ ازلیہ میں جو بھی کسی کے مقدر میں ہے وہ صخرۂ عدم میں سے جہاں بھی ہو اللہ تعالیٰ لائے گا جو بھی کسی کی قسمت میں ہے اسباب سعادت یا شقاوت اسے نصیب ہوگا چاہے تو بندے کو بذریعہ اس کے کسب کے عطا کرے چاہے اس کے لیے ایسے ذرائع پیدا کر دے جس کی اسے خبر تک نہ ہو اِنَّ اللّٰہَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے لطیف و خبیر ہے جو بھی اس نے بندے کے لیے لطفِ ربوبیت سے مقدر فرمایا ہے اسے عطا فرمائے گا

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے وعدے پر بھروسا رکھے اور جو کچھ اس کے لیے مقدر فرمایا ہے اس کے کرم پر سہارا کرے۔ اور لازم ہے کہ وہ صرف اور صرف قیامِ عبودیت میں جدوجہد کرے۔

لقمان رضی اللہ عنہ کی موت کا سبب

بعض کتب میں ہے کہ حضرت لقمان رضی اللہ عنہ کا یہ آخری کلمہ تھا جو بیٹے کو کہتے ہوئے اس کلمے کی ہیبت سے ان کا جگر پھٹ گیا اور وہ اسی وقت جاں بحق ہو گئے۔

ف: فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ مقامِ ہیبت کا حضور مقربین کے صفات سے ہے سیدنا ابراہیم (علیٰ نبینا وعلیہ السلام) جب نماز پڑھتے تو آپ کے سینے سے ہنڈیا کے اُبلنے کی آواز سنائی دیتی تھی۔ یہ بھی ہیبت کے استیلاء سے تھا۔ ایسے جوش (سینہ) کو صوفیہ کی اصطلاح میں غلیان الصدر کہا جاتا ہے اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مرتبۂ اکملیت میں حاصل تھا۔ ہم جیسوں پر تعجب اور افسوس ہے کہ ہم

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اپنے مرتبے سے محروم ہیں کیوں نہ ہوں جب ہمارے وعظ اثر نہیں کرتے ہمارے قلوب الفاظ کے معانی حاصل نہیں کرتے۔ یہ سب غفلت و نسیان و کثرتِ نسیان کا نتیجہ ہے ؎

تا نیابی رتبۂ لقمان را
آتشِ ہیبت نسوزد جان را
جانِ عاشق ہمچو پروانہ بود
نزدِ شمع آید اگر سوزاں شود

ترجمہ: جب تک رتبۂ لقمان نہ پاؤ گے آتشِ ہیبت جان کو نہ جلائے گی۔ عاشق کی جان پروانے کی طرح ہے جیسے وہ شمع کے قریب پہنچتا ہے تو جل جاتا ہے۔

وصایائے لقمان رضی اللہ عنہ

کشف الاسرار میں ہے کہ حضرت لقمان رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے سے فرمایا: بیٹے! بڑے قلعوں (بلند و بالا کوٹھیوں) میں نہ جایا کرو اس لیے کہ اس سے دنیا کی رغبت اور آخرت سے غفلت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اے بیٹے! اگر آخرت کی سعادت چاہتے ہو تو دنیا سے کنارہ کشی کرو اور جنازے میں شریک ہو کر کچھ دور اس کے ساتھ جایا کرو اور موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھو۔ اور دنیا میں یوں گزارو کہ تمہاری نظروں میں جیسا وبال محسوس ہو دنیا سے اتنا لے جس سے صرف گزارہ ہو سکے۔ زاید از ضرورت کو ہاتھ مت لگا اور عورتوں سے حتی الامکان دور رہو بالخصوص بری عورتوں سے، کیونکہ بری عورتیں شیطان کے دامِ تزویر اور فتنہ کی اسباب ہیں۔

تفسیر عالمانہ

یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ اے میرے بیٹے! نماز قائم کر، کیونکہ یہ اکمل العبادات ہے اور نفس کی علم و اعتقادیات کے بعد من حیث العمل تکمیل اسی سے ہوتی ہے اس لیے کہ شرک سے روکنے میں اعتقادیات کے متعلق وصیت پہلے گزر چکی ہے اب عمل میں مکمل ترین عبادت کا بیان فرمایا ہے۔ اور شرک سے بچنا اور اعتقاد میں راسخ ہونا ہر انسان پر واجب ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اے بیٹے! نماز پر مداومت کر۔ مداومت سے مراد یہ ہے کہ فحشاء و منکر سے بچا جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نماز کا ایک وصف یہ بتایا ہے کہ وہ فحشاء و منکر سے روکتی ہے۔ جو ان دونوں سے بچتا ہے وہ گویا نماز میں ہے اگرچہ نماز کی ظاہری حیثیت پر نہ بھی ہو۔ اور جو ان سے نہیں بچتا وہ چاہے نماز ادا کرتا بھی ہو نماز سے محروم سمجھا جائے گا۔

لقمان رضی اللہ عنہ کی وصیتیں

حضرت لقمان کی وہ وصیتیں جو کشف الاسرار میں ہیں، سے ایک یہ ہے: بیٹے! روزہ یوں رکھو کہ اس سے شہوات کم ہوں نہ کہ قوت کا خاتمہ، اور ضعف ہو تو ضعف سے نماز ادا نہ ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک نماز روزے سے بہتر ہے اس لیے کہ روزہ صرف طبیعت کی اصلاح کرتا اور اخلاق کو سنوارتا ہے اور نماز نفس کی اصلاح کرتی ہے اور

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

نفس ہی تو ہر شر کا ماویٰ اور ہر خواہش کا سرچشمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک باطل معبودوں میں سے مبغوض ترین معبود خواہشات ہیں جن کی پرستش کی جائے۔

تفسیر عالمانہ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ اور اس امر کا حکم دے جو شرعاً مستحسن ہو اور عبد کو مولا سے ملنے والا ہو وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ اور اس برائی سے روک جو شرعاً و عقلاً قبیح ہو تاکہ تم دوسروں کو کامل بنا سکو اور حقیقت میں نہی وہ ہے کہ بندے کو ایسے امر سے روکا جائے جو اللہ تعالیٰ سے دوری کا سبب بنے وَاصْبِرْ اور جس سے رکنے کے لیے شرع و عقل کا تقاضا ہے۔ نفس کو روکنے کا نام صبر ہے عَلٰی مَا اَصَابَكَ اور صبر کیجئے مصائب پر۔ شدائد و محن میں سے جیسے امراض و فقر اور غم و ہم بالخصوص امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے وقت جو لوگوں کی طرف سے پہنچیں۔ مثلاً تم کسی کو نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو تو وہ تمہیں اذیت پہنچائے۔ اِنَّ ذٰلِكَ بیشک وصایا مذکورہ یعنی امر و نہی اور صبر مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ پختہ امور سے ہیں۔

حلِ لغات عزم و عزیمت: کام جاری کرنے پر دل کی پختگی۔ اور عزم الامور سے وہ امور مراد ہیں جن میں شبہ نہ آسکے اور نہ ہی انہیں شک روک سکے۔

عصر کی چار رکعت سنت کی فضیلت

حدیث شریف میں ہے:

من صلی قبل العصر اربعا غفر اللہ له مغفرة عزما۔

(جو عصر سے پہلے چار رکعت پڑھے گا اللہ تعالیٰ اسے یقیناً بخش دے گا)

ف: عزماً کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ سچا اور پختہ ہے۔

دعائے نبوی

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور دعا ہے:

اسئلك عزائم مغفرتك۔

(اے اللہ! میں تیری پختہ مغفرت کا سوال کرتا ہوں)

ف: یعنی مجھے ایسے اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرما جن سے ان کے عامل کی یقینی بخشش ہو۔ یہاں عزم مصدر بمعنی معزوم (مفعول) ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے معزومات الامور یعنی اس کے وہ امور جو قطعی ہیں یعنی جن کا اللہ تعالیٰ نے حتمی طور پر ارادہ فرمایا ہے کہ یہ ہوگا۔ اور اپنے بندوں کو قطعی اور حتمی طور پر حکم فرمایا ہے کہ وہ امور ہونے چاہئیں

ف: نیز یہاں عزم بمعنی عازم یعنی مصدر بمعنی فاعل بھی ہو سکتا ہے۔ اب معنی یہ ہوگا کہ وہ عازمات الامور یعنی وہ امور جو واجب و لازم ہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے: عزم الامر بمعنی جدّہ۔ (اس کی کوشش کی)

ف: یہاں سے معلوم ہوا کہ سابقہ امم میں بھی عبادات کو اہمیت حاصل تھی اور اس امت کے لیے بتایا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

گیا ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کریں۔ اور اس میں یہ ہے کہ جو کچھ تکلیف اس میں پہنچے اس پہ صبر کرنا چاہیے اور اس سے محبت اور صرف رضائے الٰہی مطلوب ہو۔ جو کچھ اس میں تکلیف درپیش ہو تو سمجھے یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس سے ثابت ہوا کہ بلا و محنت محبت کے لوازم سے ہے۔ مرید صادق پر لازم ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف از راہِ ابتلا مصیبت پہنچے یا دشمنوں سے ظاہراً و باطناً تکلیف و اذیت پہنچے یا ظاہری بھوک ستائے یا باطنی بھوک پریشان کرے۔ مثلاً کشوف و مشاہدات (جو قلب کی غذا ہیں) کی قلت ہو یا نقص الاموال والانفس درپیش ہو مثلاً جانی جدا ہو جائیں، آل اولاد سے مفارقت ہو اور دوست احباب اور بہن بھائی اور دیگر اعزہ و اقارب جدائی ڈال دیں یا کھیتی اور باغات کے ثمرات کم ہو جائیں تو صبر کرے۔ ثمرات سے مجاہدات کے ثمرات مراد ہیں اور ایسے احوال پر صابرین کو خوشخبری دو کہ ان پر ان کے پروردگار سے صلوات اور رحمت ہے۔ وہی حضرتِ حق کی طرف ہدایت پانے والے ہیں۔

حضرت لقمان رضی اللہ عنہ کی عجیب و غریب کہانی

کشف الاسرار میں ہے کہ حضرت لقمان کی وصیتوں میں سے ہے کہ آپ نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا: جو محمود و مکروہ تیرے پیش آئے تو عقیدہ رکھنا کہ اس میں تیری بھلائی ہے۔ صاحبزادے نے کہا: اس وصیت کی پابندی کا میں معاہدہ نہیں کرتا جب تک اس کا مشاہدہ نہ ہو۔ حضرت لقمان نے فرمایا کہ میں از خود نہیں فرماتا حضرت پیغمبر علیہ السلام سے میں نے سنا تھا ان کی خدمت میں چلتے ہیں جیسے وہ فرمائیں گے اس پر کاربند رہنا ہوگا۔ وہ دونوں پیغمبر علیہ السلام کے شہر کی طرف گھوڑے پر سوار ہو کر زادِ راہ لے کر چل پڑے۔ سارا دن چلتے رہے۔ سخت گرمی تھی۔ شام تک زادِ راہ ختم ہو گیا اور گھوڑا بھی مر گیا۔

اب بجائے سواری کے پیدل چل پڑے۔ دُور سے لقمان رضی اللہ عنہ نے شہر سے دُھواں نکلتا دیکھا اور شہر کے آثار نظر آئے تو تیز قدم اٹھائے تاکہ جلد پہنچ جائیں۔ لیکن اچانک صاحبزادے کے پاؤں میں ایسا پتھر چُبھ گیا کہ چلنے سے عاجز ہو گیا بلکہ زخم سے خون جاری ہو گیا اور بے ہوشی سے گر پڑا۔ حضرت لقمان نے پاؤں سے پتھر نکالا اور عمامہ پھاڑ کر زخم پہ باندھا۔ دیکھ کر بے ساختہ آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور صاحبزادے کے چہرے پر آنسو گرے تو صاحبزادے نے آنکھ کھول کر عرض کی: مجھے تو صبر کی وصیت فرماتے ہیں اور خود رو رہے ہیں اور فرماتے تھے کہ ہر دکھ اور تکلیف میں خیر و بھلائی ہوتی ہے۔ اب آپ نے دیکھ لیا ہمیں کون سی بھلائی ملی۔ زادِ راہ ختم ہو گیا اور یہاں ویرانے میں ہم دونوں حیران و سرگرداں ہیں۔ اگر مجھے اکیلا چھوڑ کر جاتے ہو تو میرا غم آپ کو ہمیشہ ستاتا رہے گا؛ اگر بیٹھتے ہو تو ہم دونوں یہاں سسک سسک کر مر جائیں گے۔ حضرت لقمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بیٹے! میرا رونا صرف شفقتِ پدری سے ہے اگر میں تجھ پر تمام دنیا فدا کروں بلکہ اپنی جان

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بھی دے دوں تو بھی روا ہے کیونکہ شفقت پدری کا تقاضا یہی ہے۔ باقی رہا تیرا سوال کہ اس میں کیا خیر و بھلائی ہے تو وہ تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا۔ ممکن ہے کہ جس مصیبت میں ہم مبتلا ہوئے ہیں اس سے بڑھ کر ہمیں مبتلا ہونا لکھا ہو گا جس سے آسان بلا میں مبتلا ہوئے۔ ممکن ہے اس سے زیادہ مصیبت سے کہ ہم نہیں ہو سکتے۔ یہی بات ہو رہی تھی کہ حضرت لقمان رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ اس سے قبل جو ہمیں دور سے شہر نظر آتے اور وہاں سے دھواں نکلتا محسوس ہوا وہ کہاں گیا۔ ادھر ادھر دیکھا کچھ نظر نہ آیا۔ اسی اثنا اچانک ایک نوجوان گھوڑے پر سوار سامنے سے گزرا اور فرمایا: آپ ہی لقمان ہیں؟ آپ نے کہا: ہاں۔ پھر پوچھا: آپ ہی حکیم ہیں؟ کہا: ہاں۔ اس نے کہا: آپ کا بیٹا نا سمجھ ہے جو کچھ کہتا ہے غلط ہے اسے یقین نہیں آ رہا۔ انسان پر جو مصیبت آتی ہے اس میں اس کی بھلائی ہوتی ہے یا بڑی مصیبت سے اسے بچا کر آسان مصیبت میں مبتلا کیا جاتا ہے تمہارے لیے یہ آسان مصیبت ہے کیونکہ اگر تم شہر تک اس سے قبل پہنچ جاتے تو دوسروں کی طرح تم بھی زمین میں دھنس جاتے۔ یہ سن کر حضرت لقمان رضی اللہ عنہ بیٹے سے مخاطب ہوئے اور فرمایا بیٹے دیکھا اور سن لیا۔ بہر حال جو کچھ ہوتا ہے وہ ہمارے لیے خیر و بھلائی ہوتی ہے۔ پھر دونوں چل دیے۔

ملفوظِ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شام کو سوتے وقت مجھے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کل کیا ہو گا۔ بھلائی برائی جو بھی ہو گی اسی میں خیر بھلائی ہو گی۔ کیونکہ ہمیں کیا خبر کہ بھلائی کس امر میں ہے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا ارشادِ گرامی

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے اس بندے سے آگاہی بخشی جائے جو دنیا میں بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کرتا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، وہ شخص جو بذریعہ استخارہ مجھ سے بھلائی کا خواہاں ہوتا ہے وہ میری تقدیر اور حکم پر راضی نہیں۔ حضرت صاحب نے فرمایا ؎

چو سرو در مقام رضا ایستادہ ام
آسودہ خاطرم ز بہار و خزان خویش

ترجمہ: میں سرو کی طرح مقام رضا میں کھڑا ہوں بہار و خزاں دونوں موسموں سے خوش ہوں۔

تفسیرِ عالمانہ

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ اور لوگوں کے لیے چہرے کو نہ پھیرئے۔

حلِ لغات: تصعر بمعنی التواء و میل (جھکاؤ) یعنی گردن کا خلقۃً یا بوجہ بیماری کے جھکنا یا بوجہ تکبر کے انسان اور اونٹ کا گردن پھیرنا۔ التصعیر بمعنی تکبر سے کسی سے آنکھ پھیر لینا۔ اور تاج المصادر میں ہے، تصعیر بمعنی تکبر سے منہ پھیرنا۔ خد بمعنی ناک کے دائیں بائیں چہرے کا حصہ یا موخر العین سے لے کر منتہی الشدق یا محجر (ٹھوڑی) سے لحی (ڈاڑھی کی ہڈی) کے آخری حصے تک۔ کما فی القاموس

اب معنی یہ ہوا کہ سلام و کلام اور ملاقات کے وقت بطور تواضع اپنا پورا چہرہ مبارک لوگوں کے سامنے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattori

ویسے ان سے چہرہ مبارک نہ ہٹاتے اور نہ ہی اس کا کچھ حصہ چھپاتے۔ متکبرین کی عادت ہوتی ہے کہ لوگوں کو ایسے ہی حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور فقراء و مساکین کو غصہ سے دیکھتے ہیں۔ بلکہ تمہارے ہاں غنی و فقیر دونوں یکساں ہوں۔ اسی کا نام حُسنِ معاملہ ہے۔

تفسیر صُوفیانہ

اس میں اشارہ ہے کہ تکبر و تجبر کے طور اپنا چہرہ نہ پھیر اس عجب سے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل پر واردات مفتوح فرمائے ہیں ایک لحظہ میں وہ سرمایہ برباد کر دے گا جو مُدتوں تک اس کی اصلاح میں لگا آ رہا۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

بہ بال و پر مرو از راہ کہ تیر پرتابے
ہوا گرفت زمانے ولے بخاک نشست

ترجمہ: بال و پر سے راہ سے نہ ہٹ اس لیے کہ بڑی آب و تاب سے جانے والے تیر کو ہوا اٹھا کر نیچے بٹھا دیتی ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اور زمین پر اکڑتا ہُوا نہ چل۔

حلِ لغات والمرح بمعنے بہت زیادہ اِترانا۔ اور وہ خفت جو نعمت سے حاصل ہو۔

یعنی اِتراتا اور اکڑتا ہُوا نہ چل جب کہ تمہیں حد سے زیادہ خوشی اور فرحت اور عجب و خفت حاصل ہو۔ یعنی ان لوگوں کی طرح نہ چل جو اتراتے ہُوئے چلتے ہیں جیسا کہ عام طور پر اس قسم کے لوگ چلتے ہیں بشرطیکہ اس میں کوئی دینی و دنیوی مصلحت نہ ہو۔ یعنی جاہلوں اور دنیا پرست لوگوں کی طرح نہ چل اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ۔ الاختیال والخیلاء بمعنے تکبّر یعنی خود کو بہت بڑا سمجھنے والے کو مختال کہا جاتا ہے۔ الخیل اسی سے ہے جیسے مشہور ہے کہ جو بھی گھوڑے پر سوار ہوتا ہے وہ اپنے میں کبر اور بڑائی پاتا ہے[1]۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ تکبر کی چال چلنے والے کو پسند نہیں کرتا بلکہ الٹا اس پر ناراض ہوتا ہے۔ یعنی ہر وہ انسان جو چلتے وقت متکبرانہ چال چلتا ہے۔ یہ لا تمش مرحا کے لیے ہے فَخُوْرٍ ۝ یہ لا تصعر خدك کے لیے ہے۔ اس کو مؤخر لانا بوجہ فواصل کے ہے۔ الفخر بمعنے خارجی اشیاء پر فخر و ناز کرنا جیسے مال و جاہ۔ اور فخور وہ ہے جو فخر و ناز کے طور ان اشیاء کو اپنے لیے مناقب تصور کرے اور جس کے پاس نہ ہوں اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اسبابِ تنعم سے اُن پر ناز کرتے ہُوئے فخر کرنے والا۔

---

[1] جیسے آج کل موٹر کار کے سوار کا حال ہوتا ہے الا من شاء اللہ۔ ورنہ عموماً یونہی ہوتا ہے۔ ایسے ہی فرنٹ سیٹ پر بیٹھنے والا وغیرہ۔ یعنی ہر وہ سواری جس سے عوام کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنے کا احتمال ہو۔ اللّٰھم احفظنا من ہذہ البلاء۔ آمین اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حدیث شریف میں ہے: خرج رجل یتبختر فی الجاہلیۃ علیہ حلۃ فامر اللہ الارض فاخذتہ فہو یتجلجل فیہا الی یوم القیامۃ۔

(زمانۂ جاہلیت میں پوشاک پہن کر ایک شخص فخر و ناز سے چلتا تھا اللہ تعالیٰ نے زمین سے فرمایا کر اسے پکڑ لے۔ چنانچہ وہ قیامت تک زمین میں دھنسا جا رہا ہے) ؎

چو صبیاں مباز و چو صنوان مناز
برو مرد حق شو ز روے نیاز

ترجمہ: بچوں کی طرح کھیل کود نہ کر اور نہ ہی عورتوں کی طرح ناز نخرے کر۔ نیاز و عاجزی کر کے مرد حق آگاہ ہو۔

نکتہ: بعض حکماء نے فرمایا اگر تمہیں گھوڑے پر ناز ہے تو غلط ہے کیونکہ یہ حسن و رونق گھوڑے کی ہے نہ کہ تیری۔ اگر تجھے کپڑوں اور آلات پر فخر ہے تو بھی غلط ہے اس لیے کہ یہ حسن و خوبی کپڑوں اور آلات کی ہے نہ کہ تیری۔ اگر تجھے آباؤ اجداد کی بزرگی کی وجہ سے فخر و ناز ہے تو بے سود ہے۔ ایسا کمال پیدا کر جو تیرا اپنا ہو۔ اگر یہ چیزیں بولنا جانتی ہوتیں تو تجھے کہتیں کہ ہماری وجہ سے تیرا فخر و ناز کیسا! یہ حسن و خوبی تو ہماری ہے نہ کہ تیری۔

سبق: اسی لیے لازم ہے کہ تم ایسی چیز پر فخر و ناز کرو جو تمہارے اندر ہو نہ کہ ان اشیاء پر جو تم سے علیحدہ ہیں۔ حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

قلندران حقیقت بنیم جو نخرند
قبائے اطلس آنکس کہ از ہنر عاریست

ترجمہ: حقیقی قلندروں کو میں نے دیکھا ہے کہ وہ جو کے برابر بھی اس کی اطلسی قبا کو نہیں لیتے جو ہنر سے خالی ہو۔

درس عبرت اگر تجھے دنیا کی کوئی شے پسند آئے تو اپنی فنا اور اس کی بقا یا اپنی بقا اور اس کے زوال یا اپنی اور اس کی دونوں کی فنا کو یاد کر۔ اگر کوئی شے تجھے تعجب میں ڈالے اور وہ تیری ملکیت ہے تو یہ خیال کر لے کہ عنقریب تیرے ہاتھوں سے نکل جائے گی اور نہ معلوم پھر تیرے ہاتھ لگے یا نہ لگے۔ لیکن یاد رکھ اس کا حساب دیر تک دینا ہوگا۔ یہ اس وقت ہے جب تیرا اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان ہے ؎

انما الدنیا کرؤیا فرحت
من رآہا ساعۃ ثم انقضت

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ترجمہ : دنیا اس خواب کی طرح ہے جو نظر آئے تو خوش کرے لیکن دیکھنے والے نے ایک ساعت وہ فرحت دیکھی تو جاگتے ہی ختم ہوگئی۔

تفسیر عالمانہ

وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ اور چلنے میں درمیانی چال چلو۔

حل لغات : القصد افراط و تفریط کی نقیض ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ اکڑنے سے ہٹ کر چلنے میں میانہ رو ہو، نہ نہایت کمزور چیونٹی کی رفتار میں نہ دوڑنے کی حد میں۔ یعنی ان زاہدین کی طرح نہ چلو جو کثرت ریاضت و عبادات کی وجہ سے چلنے میں ضعف ظاہر کرتے ہیں گویا مُردہ مُردے ہیں۔ وہ اس طرح ریا کے ارادہ پر چلتے ہیں اسی لیے ان کی تمام کارروائی بیکار ہوتی ہے اور نہ ہی شاطروں عیاروں کی طرح دوڑو سکینہ و وقار کو لازم پکڑو۔

حدیث شریف میں ہے :

سرعة المشی تذهب بهاء المؤمن۔

(تیز رفتاری مومن کا وقار لے جاتی ہے)

سوال : روی ان عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب آدمی چلے تو تیزی کرے۔

جواب : ان کی مراد وہ تیز رفتاری نہیں جو معروف ہے بلکہ آپ کی مراد یہ ہے کہ چلنے میں سستی نہ کرے۔

ف : بعض علماء نے فرمایا کہ شیطان کے بنو آدم پر دو حملے مشہور ہیں۔ وہ کسی ایک سے اس پر فتح یاب ہو جاتا ہے افراط و تفریط سے۔ کیونکہ افراط و تفریط سے کمی بیشی کرکے شیطان انسان پر غالب ہوتا ہے اور یہ دو حملے ہر قول و فعل (بلکہ ہر شے) میں ہوتے ہیں۔

وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ

حل لغات : غض صوته و غض بصره عربی میں مشہور محاورہ ہے۔ یعنی اس نے آواز اور آنکھ کو نیچا رکھا۔ المفردات میں ہے :

الغض بمعنے آنکھ و صوت (آواز) میں کمی۔

اب معنی یہ ہوا اپنی نیچی رکھئے آواز۔ الصوت دو جسموں کے ٹکرانے سے ہوا کا مل کر خارج ہونا۔

ف : بعض نے کہا کہ وہ ہوا جو انسان سے خارج ہو اگر طبیعت کے دفع کرنے سے ہو تو اس کا نام نفس (بفتح الفاء) ہے اگر بالارادہ ہو اور اسے دو جسموں کے تصادم کا تموّج عارضی ہو تو اسے صوت کہتے ہیں اور جب اسباب معلومہ سے آواز کی کیفیات مخصوص عارضی ہوں تو انہیں حروف کہا جاتا ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ آواز کو کم کیجئے اور گھٹائیے علی کلام و خطاب میں نیچا رکھئے بالخصوص امر بالمعروف نہی عن المنکر اور دعا و مناجات میں۔

ف : انجیل میں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو فرمایا :

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اے عیسیٰ (علیہ السلام) ! میرے بندوں کو فرما دیجیے کہ جب وہ مجھے پکاریں تو آواز نیچی رکھیں کیونکہ جو کچھ ان کے دلوں میں ہے میں اسے جانتا اور سنتا ہوں۔

خلاصہ یہ کہ آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ آواز پست رکھو، نہ فریاد کرو نہ نعرہ مارو اور نہ زبان درازی کرو اور نہ سخت گوئی کرو۔

مسئلہ: اس سے دشمن وغیرہ کو ڈرانا یا اس جیسے اور امور میں بلند آواز کرنا جائز ہے۔

مسئلہ: محمد بن طلو رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ علماء نے نشر بانِ وقت کو اپنی گفتگو میں آواز تیز اور بلند کرنے کو جائز رکھا ہے تاکہ سامعین پر ہیبت اور ان کے دلوں پر زیادہ اثر ہو۔ (العقد الفرید)

مسئلہ: الخلاصہ میں ہے امام کو ضرورت سے زائد آواز سے نہیں پڑھنا چاہیے ورنہ گنہگار ہوگا۔ کما فی الکشف۔

ف: اساءۃ کراہت سے زیادہ فاحش ہے۔

ف: مؤذنین کو تبلیغ تکبیر کے لیے آواز بلند کرنا جائز ہے تاکہ پیچھے والوں کو امام کی نقل و حرکت کا علم ہو اسی پیرا اس میں نفع ہے بخلاف اس کے کہ خود امام کی آواز بہ تکلف پیچھے والوں کو پہنچ جائے کیونکہ یہ بدعت منکرہ (سیئہ) ہے باتفاق ائمہ اربعہ یہاں منکرہ سے مکروہہ (بدعت مکروہہ) مراد ہے۔ کما فی انسان العیون

مسئلہ: انوار المشارق المختار میں ہے، اخیار کے نزدیک نماز میں تکبیر وغیرہ کے وقت آواز بلند کرنا اور مبالغہ اور زور لگانا مکروہ ہے۔ اس میں درمیانی چال یعنی جہر و اخفا کے درمیان آواز نکالنا مستحسن ہے کیونکہ اس میں تضرع و تذلل مطلوب ہے اور ایسی عاجزی کہ اس میں ریاء کا شائبہ نہ ہو تو جائز ہے، مکروہ نہیں باتفاق العلماء۔

تطبیق بین الجہر والخفاءؒ امام نووی رحمہ اللہ نے ان روایات کے بارے میں جو ذکر جہر و خفاء کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں، تطبیق دیتے ہوئے فرمایا کہ جہاں ریاکاری اور نمازیوں کی اذیت اور سونے والوں کی تکلیف کا شبہ ہو وہاں ذکر آہستہ کرنا مستحب ہے ورنہ ذکر بالجہر افضل ہے اس لیے کہ اس میں مشقت زیادہ ہے تو ثواب بھی زیادہ۔ وہ اس لیے کہ ذکر بالجہر سے سامعین کو سننے کا ثواب ہوگا۔ اس سے قلب بیدار ہوتا ہے اور اس سے فکر کی ہمت جمع ہوتی ہے اور سمع متوجہ ہوتی ہے اور نیند ہٹتی ہے اور خوشی بڑھتی ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوتے تو بلند آواز سے کہتے: لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ لہ الملک و لہ الحمد وھو علیٰ کل شیء قدیرٌ۔

لہ اس سے لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ امام کی آواز پہنچانے والوں کے لیے عبرت کا موقعہ ہے۔

لہ اسی سے ہمارے اہلسنت نماز کے بعد ذکر اور درود شریف پڑھنے کا اثبات کرتے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حکایت حجاج نے اپنے جلیسوں سے پوچھا کہ سب سے رقیق آواز کس کی ہے۔ کسی نے کہا، وہ قاری جو رات کو اٹھ کر تلاوت قرآن کرتا اور نوافل پڑھتا ہے اس کی آواز مجھے بھلی لگتی ہے۔ حجاج نے کہا، خوب۔ دوسرے نے کہا، وہ آواز مجھے بھلی محسوس ہوتی ہے کہ میری عورت وضع حمل میں مبتلا ہو اور میں صبح کی نماز کے لیے نکلتا ہوا مسجد میں جاؤں پھر مجھے کوئی خوشخبری دے کہ تیرے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے۔ حجاج نے کہا، خوب۔ شعبہ بن علقمہ تمیمی نے کہا، بخدا مجھے تو وہ آواز اچھی لگتی ہے کہ مجھے بھوک لگی ہو اور ادھر دستر خوانوں پہ کھانے کی تھالیوں کی آواز کان میں پہنچے۔ حجاج نے کہا، اے تمیمو تم ہمیشہ کھانے کی محبت میں رہتے ہو۔

اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ بے شک سب سے زیادہ پُروحشت اور قبیح ترین آواز وہ ہے جس سے عقل سلیم کو انکار ہو اور اس کے قبح کا فتویٰ دے لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ گدھے کی آواز ہے۔ حمیر، حمار کی جمع ہے۔ بعض نے حمار کو اسی لیے حمار کہا ہے کہ اس میں شدت ہے۔ یہ طعنۃ حمراء سے ہے بمعنے شدت شدیدہ۔ اور کہا جاتا ہے: حمارۃ القیظ بمعنے اس کی شدت۔

سوال ، حمار، حمیر کی جمع ہے تو صوت کو بھی جمع ہونا چاہیے۔

جواب ، یہاں ہر ایک گدھے کی علیحدہ علیحدہ آواز کا اظہار مطلوب نہیں کہ اسے جمع لایا جائے بلکہ یہاں اسی جنس کی آواز کا اظہار مطلوب ہے کہ تمام دوسری اجناس سے گدھے کی آواز وحشت ناک ہے۔

ف : ابو اللیث نے فرمایا کہ چونکہ عرب میں گدھے کی آواز معروف ہے بلکہ تمام لوگ جانتے ہیں کہ گدھے کی آواز وحشت ناک ہے۔ اگرچہ بعض اور حیوانات کی آواز اس سے بھی بدتر ہے لیکن ضرب المثل گدھے کی آواز اور لوگوں میں یہی مشہور ہے کیونکہ اس کی پہلی آواز باریک اور آخر میں بھاری ہو جاتی ہے۔ اور یہی آواز جہنمیوں کی ہوگی جسے سن کر وحشت ہوگی اور اس سے کلی طور پر نفرت ہوگی۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب لوگ باہم گفتگو کریں تو ان میں سب سے زیادہ قبیح اور وحشت ناک آواز اس کی ہے جو گدھے کی سی آواز نکالتا ہے۔ وہ ایسے اونچی آواز سے بولتا ہے جیسے گدھا۔ اس میں حد سے زیادہ آواز نکالنے والے کو گدھے کی آواز سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ان کی آواز کو گدھے کی ڈھیچوں ڈھیچوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اسے حرف تشبیہ سے خالی کر کے استعارہ کے قائم مقام کیا گیا ہے۔ ان کی گدھے کی ڈھیچوں ڈھیچوں سی آواز سے ان کی مذمت میں مبالغہ اور زائد از حاجت بولنے سے زجر و توبیخ کی گئی ہے اور تنبیہ کی گئی ہے کہ ایسی گفتگو اللہ کے نزدیک نہایت مکروہ ہے۔ اسے کسی طور وہ پسند نہیں فرماتا۔

ف : حضرت کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اونچی آواز ہر طرح سے ناپسند ہے جیسے گدھے کی آواز باوجودیکہ وہ اونچی ہے تاہم ہے ناگوار، اسے سنتے ہی وحشت ہوتی ہے۔

شانِ نزول عین المعانی میں ہے کہ مشرکین عرب اونچا بولنے کو فخر سمجھتے تھے۔ اس آیت میں ان کے اس فخریہ طریقے کا رد فرمایا گیا ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ف : فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ صرف اونچی آواز کا رد نہیں بلکہ حضرت لقمان رضی اللہ عنہ کی جملہ وصیتوں میں جو امور قبیحہ ہیں ان نہیں فخر سے تعلق ہے سب کا رد ہے کیونکہ وہ جملہ مذکور بالا کے ہر کسی کے مثلاً شرک و دیگر قبائح وہ بہ حیثیت برائیوں کے خوگر تھے اور نماز کا تو نام و نشان نہ تھا امر بالمعروف و نہی عن المنکر تو ان سے کیا ہونا تھا اور مصائب کے وقت جزع فزع خوب کرتے تھے۔

ف : گدھے کو ہمیشہ مذموم امور میں مثال کے طور بیان کیا جاتا ہے۔ ایسے ہی اس کی آواز کو اسی طرح کنایہ کے طور بیان کیا جائے تو طویل الاذنین سے یاد کیا جاتا ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا : ہر آواز میں تسبیح الٰہی ہوتی ہے سوائے گدھے کی آواز کے

اعجوبہ کہ وہ شیطان کو دیکھ کر چیختا ہے اسی لیے اس کی آواز کو قرآن میں اسے منکر (انکر الاصوات) کہا گیا۔

حدیث شریف میں ہے،

اذا سمعتم نہاق الحمیر۔

(جب تم گدھے کی آواز سنو)

نُہاق بالضم یعنے گدھے کی آواز۔

فتعوذوا باللہ من فضلہ فانہا رأت شیطانا واذا سمعتم صیاح الدیکۃ۔

(تو شیطان رجیم سے پناہ مانگو (کیونکہ وہ شیطان کو دیکھ کر ڈھیچوں ڈھیچوں کرتا ہے) اور جب تم مرغ کی آواز سنو)

الدیکہ بفتح الیا دیک کی جمع ہے یعنے مرغ۔

فاسئلوا اللہ من فضلہ فانہا رأت ملکا

(تو اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگو کیونکہ وہ فرشتے کو دیکھ کر آواز نکالتا ہے)

اللہ والوں کی شان حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ محبوبانِ خدا کی محفل و مجلس میں نزولِ رحمت ہوتا ہے اسی لیے ان کے حضور میں دعا مانگنا مستحب[1] ہے اور اسی سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بروں کی مجلس و محفل میں جانا غضبِ الٰہی کو دعوت دینا ہے۔ ایسی محافل و مجالس سے پناہ مانگنی چاہیے۔ کما فی شرح المشارق لابن الملک۔

ف : فقیر (علامہ اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] اسی لیے ہم اہلسنت والجماعت زندہ اولیاء کرام کے علاوہ اہل قبور کے ہاں حاضر ہوتے ہیں وہ ہیں تو قبر میں مگر ہیں زندہ۔ اسی لیے وہاں اللہ تعالیٰ کے ہاں سے دعا مانگنا محبوب فعل ہے اور بفضلہ تعالیٰ اکثر دعائیں مستجاب ہوتی ہیں۔ اویسی غفرلہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

یقطع الصلاۃ المرأۃ والحمار والکلب۔

(نماز کو قطع کرتی ہے عورت، گدھا اور کتا)

یعنی اس کے کمال قطع کرتی ہے اور ان کے نمازی کے آگے سے گزر جانے سے نماز کے کمال میں نقص آجاتا ہے عورت اس لیے کہ وہ انسان کی شہوت کا سرچشمہ ہے اور نمازی کے وسوسہ میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہے اس سے نماز کے فساد کا قوی امکان ہے۔ اور کلب (کتا) سے سیاہ کتا مراد ہے کیونکہ اسے حدیث شریف میں شیطان کہا گیا ہے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الکلب الاسود شیطان۔

(کالا کتا شیطان ہے)

اور اسے شیطان اس لیے فرمایا کہ یہ بہ نسبت دوسروں کے زیادہ کاٹنے والا اور خبیث ہے۔ اس سے نفع کی امید بہت کم ہے اور یہ بہت زیادہ اونگھتا ہے۔ اسی لیے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کے ساتھ شکار نہ کیا جائے (یعنی اسے شکاری نہ بنایا جائے۔ گدھا اس لیے (نماز کو قطع کرتا ہے) کہ جب نوح علیہ السلام کی کشتی میں حیوانات بیٹھے تو شیطان گدھے کی دم پکڑ کر کشتی میں گھس گیا۔ علاوہ ازیں شیطان اکثر اوقات گدھے کا ساتھ نہیں چھوڑتا۔

نکتہ: گدھے کے شیطان کو دیکھنے میں راز یہی ہے (کہ وہ اکثر اس کے ساتھ رہتا ہے) ایسے ہی مرغ کا فرشتے کو دیکھنا، اس میں بھی راز یہی ہے کہ مرغ کی آواز عرش کے مرغ فرشتے کی آواز کے تابع ہے۔ جیسا کہ بعض روایات صحیحہ سے ثابت ہے۔ اسی معنی پر فرشتہ اکثر حالات میں مرغ کے ساتھ رہتا ہے اس سے بہت کم جدا ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

ان اللہ یبغض ثلاثۃ اصواتھا نھقۃ الحمیر ونباح الکلب والداعیۃ بالحرب۔

(اللہ تعالیٰ تین آوازوں کو ناپسند فرماتا ہے:

(۱) گدھے کی آواز

(۲) کتے کا بھونکنا

(۳) جنگ کا اعلان)

ف: حضرت مصنف رومی قدس سرہٗ نے فرمایا، گدھے کی آواز کی اکثریت کی ایک وجہ یہ ہے کہ وہ بیکار جانور ہے کہ یا صرف کھانے پینے سے کام یا اجزائے شہوت کا خوگر ہے یا پھر اپنے ہم جنس سے لڑنا جھگڑنا۔ (فقیر ماخوذ از مولانا رومی قدس سرہٗ)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ف: وہ آواز جو صفات بہیمی سے ہو زشت تر بھی جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ آواز صاحب اخلاق روحانی دلکی سے ہو وہ خوب تری آواز ہے۔ ایسے ہی نغمہائے عاشقانہ دلکش ہوتے ہیں کہ ان کے سننے سے روحانی اور قلبی سرور نصیب ہوتا ہے۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نرم آواز سے محبت کرتے تھے اور اونچی آواز سے کراہت فرماتے تھے۔

مسئلہ: اس سے چھینک کا مسئلہ بھی واضح ہو گیا کہ زور سے چھینکنا مکروہ ہے۔ اسی لیے حکم ہے کہ حتی الامکان آہستہ آواز سے چھینکنے کی کوشش کرے زور سے چھینکنا یا اس میں مختلف قسم کی آوازیں نکالنا جیسے عموماً طبیعت کے تقاضے سے بھی ہوتا ہے چھینکنا نہیں چاہیے۔ غلبہ حال سے ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اس شخص کی طرف اشارہ ہے جو بلا اجازت لسانِ معرفت میں بولتا ہے اور بے ہنگام بولتا ہے اور جو اس طرح کرتا ہے اس کی خیر نہیں ہوتی۔

وصایائے لقمان رضی اللہ عنہ حضرت لقمان نے صاحبزادے کو فرمایا کہ جب تم بندگانِ خدا پہ قدرت رکھتے ہوئے سزا دینے پر آمادہ ہو تو پھر قدرتِ ایزدی کا تصور کرو کہ تم پر بھی کوئی قادر ہے وہ چاہے تو تمہیں بھی اسی قسم کی سزا دے سکتا ہے اور اپنے بندے کا تم سے بدلہ لے سکتا ہے فلہذا اس کے انتقام کی فکر میں رہو کیونکہ وہ بہت بڑا منتقم ہے۔ ہاں گردن کشوں سے انصاف لے اور ظالم کے ساتھ کینہ رکھو۔ یقین کرے کہ مظلوم پر تیرا ظلم چل تو جائے گا اور وہ اس کی تکلیف چند لمحات کے لیے اٹھائے گا لیکن اس کا عذاب وانتقام ربانی تیرے لیے ہمیشہ تیرے سر رہے گا۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:

۱ شنیدم کہ لقمان سیہ فام بود
نہ تن پرور و نازک اندام بود

۲ یکے بندۂ خویش پنداشتش
ببغداد درکار گِل داشتش

۳ بہ سالے سرائے بپرداختش
کس از بندۂ خواجہ نشاختش

۴ چو پیش آمدش بندۂ رفتہ باز
ز لقمانش آمد نہیبی فراز

۵ بہ پایش در افتاد و پوزش نمود
بخندید لقمان کہ پوزش چہ سود

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۶ بسالے ز جورت جگر خون کنم
بیک ساعت از دل بدر چون کنم

۷ ولیکن ببخشایم اے نیک مرد
کہ سود تو مارا زیانے نکرد

۸ تو آباد کردی شبستان خویش
مرا حکمت و معرفت گشت بیش

۹ غلامیست درخیم اے نیک بخت
کہ فرمایمش وقتہا کار سخت

۱۰ دگر رہ نیازارمش سخت دل
چو یاد آیدم سختیٔ کار گل

۱۱ ہر آنکس کہ جور بزرگاں نبرد
نسوزد دلش بر ضعیفاں خرد

۱۲ گر از حاکماں سخت آید سخن
تو بر زیردستان درشتی مکن

۱۳ مہا زورمندی مکن بر کہاں
کہ بر یک نمط می نماند جہاں

ترجمہ: (۱) میں نے سنا ہے کہ لقمان سیاہ شکل کے تھے نہ تن پرور تھے نہ نازک اندام۔

(۲) کسی نے آپ کو اپنا غلام سمجھ کر بغداد میں گارے وغیرہ کے کام پر لگا دیا۔

(۳) ایک سال تک آپ اس کا مکان بناتے رہے کسی نے نہ پہچانا کہ یہ غلام ہیں یا آزاد۔

(۴) جب اس شخص کا بھاگا ہوا غلام واپس آگیا تو حضرت لقمان کو دیکھ کر اسے گھبراہٹ ہوئی۔

(۵) وہ آپ کے قدموں میں گر پڑا اور معذرت چاہی۔ حضرت لقمان ہنس پڑے اور فرمایا اب معذرت کا کیا معنیٰ!

(۶) سال بھر میں تیرے ظلم سے جگر خون کرتا رہا اب صرف ایک منٹ میں اس درد کو کیسے باہر کروں۔

(۷) ہاں اے نیک بندے! میں نے تجھے معاف کر دیا کہ تیرے کام نے مجھے نقصان نہیں پہنچایا۔

(۸) تُو نے اپنا مکان بنایا لیکن اس سے میری حکمت و معرفت میں اضافہ ہوا ہے۔

(۹) میرا بھی ایک غلام ہے نیک بخت، میں اسے بہت سخت کام میں لگاتا تھا۔

(۱۰) اب میں اس کا دل نہ دکھاؤں گا جب مجھے گارے کے سخت کام کی یاد [illegible]

(۱۱) جو بڑوں کے دکھ نہیں اٹھاتا اس کا ضعیف لوگوں پر [illegible] جلتا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(۲) حکام سے بچت تبھی ملے گی اگر تو اپنے سے کمزوروں پر سختی نہ کرے گا۔

(۳) اسے بیٹا! چھوٹوں پر زور آزمائی نہ کر کیونکہ جہان و دنیا ایک سا نہیں رہتا۔

ف: حضرت لقمان رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے ادب کہاں سے سیکھا؟ فرمایا کہ بے ادبوں سے، کیونکہ جو فعل و قول مجھے ان سے غلط نظر آتا میں اس سے احتراز کرتا ؎

۱ نگویند از سر بازیچہ حرفے
کزاں پندے نگیرد صاحب ہوش
۲ وگر صد باب حکمت پیش نادان
بخوانند آیدش بازیچہ در گوش

ترجمہ: (۱) جو کوئی حرف بھی کھیل تماشے کا نہیں کہتے جس سے ہوشمند نصیحت حاصل نہ کرتا ہو۔
(۲) نادان کے آگے سو باب حکمت کے پڑھو اس کے کان میں کھیل کود کی آواز ہی گونجے گی۔

ملفوظ علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مومن کی گم شدہ حکمت حاصل کیجئے خواہ مشرکین سے۔ یعنی ایک گم شدہ شے کے طلبگار کی طرح مومن ہمیشہ حکمت کا طالب رہتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشادِ گرامی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ نہ کہو کہ علم تو آسمان پر ہے اسے کون جا کر لائے۔ اور یہ نہ کہو کہ زمین کے اندر ہے کہ کون اسے نکالے۔ اور نہ کہو کہ وہ دریاؤں کے پار ہے کہ کون دریا عبور کر کے لائے بلکہ علم تو تمہارے دلوں میں ہے۔ صرف اتنا کرو کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے روحانی لوگوں کی طرح ادب سے رہو۔ پھر تم پر اس طرح ظاہر ہوگا جیسے دوسرے سائرین الی المنازل پر ظاہر ہوتا ہے۔ کما فی شرح منازل السائرین روحانیوں (اہل اللہ) کے عادات میں سے ایک یہ ہے کہ وہ امور طبیعیہ کو ترک کر دیتے ہیں اور مقام صمدیت میں قیام رکھتے ہیں۔

حکایت کسی عابد کی کہانی مشہور ہے کہ وہ رات کو دس سیر طعام کھا کر صبح تک (نوافل) پڑھتے گزارتا کسی بزرگ نے اس کا حال سنا تو فرمایا کہ یہ شخص اگر آدھ سیر کھانا کھاتا اور ساری رات سوتا رہتا تو اس کیفیت و حالت سے بہتر ہوتا ؎

۱ اندرون از طعام خالی دار
تا درو نور معرفت بینی
۲ تہی از حکمتے بعلت آں
کہ پُری از طعام تا بینی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي

کیا تم نے نہ دیکھا کہ اللہ نے تمہارے لیے کام میں لگائے جو کچھ

الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً ۗ وَمِنَ

آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہیں اور تمہیں بھرپور دیں اپنی نعمتیں ظاہر اور چھپی اور بعضے

النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّنِيرٍ ﴿٢٠﴾ وَإِذَا قِيلَ

آدمی اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں یوں کہ نہ علم نہ عقل نہ کوئی روشن کتاب اور جب ان سے کہا

لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۚ أَوَلَوْ كَانَ

جائے اس کی پیروی کرو جو اللہ نے اتارا تو کہتے ہیں بلکہ ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا

الشَّيْطَانُ يَدْعُوهُمْ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ ﴿٢١﴾ وَمَن يُسْلِمْ وَجْهَهُ إِلَى اللَّهِ وَهُوَ

کو پایا کیا اگرچہ شیطان ان کو عذاب دوزخ کی طرف بلاتا ہو اور جو اپنا منہ اللہ کی طرف جھکائے اور ہو

مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ ۗ وَإِلَى اللَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴿٢٢﴾ وَمَن

نیکوکار تو بیشک اس نے مضبوط گرہ تھامی اور اللہ ہی کی طرف ہے سب کاموں کی انتہا اور جو

كَفَرَ فَلَا يَحْزُنكَ كُفْرُهُ ۚ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ

کفر کرے تو اے محبوب تم اس کے کفر سے غم نہ کھاؤ انہیں ہماری ہی طرف پھرنا ہے ہم انہیں بتادیں گے جو کرتے تھے بیشک اللہ

بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٢٣﴾ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ إِلَىٰ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿٢٤﴾ وَلَئِن

دلوں کی بات جانتا ہے ہم انہیں کچھ برتنے دیں گے پھر انہیں بے بس کر کے سخت عذاب کی طرف لے جائیں گے اور

سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۚ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ ۚ بَلْ

اگر تم ان سے پوچھو کس نے بنائے آسمان اور زمین تو ضرور کہیں گے اللہ نے تم فرماؤ سب خوبیاں اللہ کو بلکہ

أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢٥﴾ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٢٦﴾

ان میں اکثر جانتے نہیں اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے بیشک اللہ ہی بے نیاز ہے سب

وَلَوْ أَنَّمَا فِي الْأَرْضِ مِن شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِن بَعْدِهِ سَبْعَةُ

خوبیوں سراہا اور اگر زمین میں جتنے پیڑ ہیں سب قلمیں ہو جائیں اور سمندر اس کی سیاہی ہو اس کے پیچھے

أَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٧﴾ مَّا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا

سات سمندر اور تو اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں گی بیشک اللہ عزت و حکمت والا ہے تم سب کا پیدا کرنا اور قیامت میں اٹھانا

كَنَفْسٍ وَاحِدَةٍ ۗ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴿٢٨﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ

ایسا ہی ہے جیسا ایک جان کا بیشک اللہ سنتا دیکھتا ہے اے سننے والے کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ رات لاتا ہے دن کے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ
کے حصے میں اور دن کرتا ہے رات کے حصے میں اور اس نے سورج اور چاند کام میں لگائے ہر ایک ایک ٹھہرائی میعاد تک چلتا
مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا
ہے اور یہ کہ اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے یہ اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے اور اس کے سوا
يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ۝
جن کو پوجتے ہیں سب باطل ہیں اور اس لیے کہ اللہ ہی بلند بڑائی والا ہے

تفسیر عالمانہ

اَلَمْ تَرَوْا اے بنو آدم! تمہیں معلوم نہیں اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ (بے شک اللہ نے تمہارے لیے مسخر فرمایا ہے) التسخیر بمعنے کسی شے کو جبرًا کسی مخصوص غرض کے لیے کسی کے قابو میں دینا۔ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وہ جو آسمانوں میں ہے کواکب سیارہ جیسے سورج چاند وغیرہا اور ملائکہ مقربین کو انہیں تمہارے منافع حاصل کرنے کے اسباب بنائے ہیں ستاروں کا مسخر ہونا بایں معنٰی ہے کہ انہیں افلاک پر بروج میں چلایا ہے وہ افلاک جن میں سے ہر ایک کے لیے علیحدہ فلک ہے اور ان کے لیے قرانات و اتصالات مقرر فرمائے ہیں اور انہیں عالم سفلی کے لیے زمانے کے لحاظ سے مدبر بنایا ہے مثلاً سرما، گرما، ربیع، خریف۔ ایسے ہی مکان کے لحاظ سے جیسے معدنیات، نباتات، حیوانات اور انسان۔ اور ان میں کواکب کی سیر کی وجہ و اثر سے مختلف احوال ظاہر ہوتے ہیں اور وہ انسان کے منافع کے لیے ہو رہا ہے۔

ف: حضرت کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تابع کیا ہے تمہارے منافع کے لیے وہ جو آسمانوں میں ہے جیسے سورج، چاند، ستارے۔ تاکہ تم ان کی روشنی سے بہرہ مند ہو ؎

ز مشرق بمغرب مہ و آفتاب
رواں کرد و گسترد گیتی بر آب

ص ۲۸۰ ج ۲

ترجمہ (۱) اندر طعام سے خالی رکھ تاکہ اس میں نورِ معرفت دیکھو۔
(۲) حکمت سے اس لیے خالی ہو کہ ناک تک طعام سے پُر ہو۔

ف: یاد رکھو کہ حکمت کبھی منطوق ہوتی ہے جیسے احکام شرعیہ جو قرآن سے متعلق ہیں۔ کبھی مسکوت عنہ ہے یعنی اسے عوام کے سامنے ظاہر نہیں کیا جاتا جیسے وہ اسرار الٰہیہ جو غیروں سے پوشیدہ ہیں اور ان کا تعلق قرآن کے بواطن کے ساتھ ہے جو اسے اس کے طریقے سے تلاش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی توفیق سے معرفت میں داخل ہو جائے گا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ترجمہ: مشرق سے مغرب کو چاند و سورج رواں کیے اور زمین پانی پر بچھائی۔ اور ستارے بنائے تاکہ ان کی روشنی سے تم راہ پاؤ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وبالنجم ھم یھتدون۔

(اور ستاروں سے تم راہ پاتے ہیں)

ملائکہ کی تسخیر الانسان ملائکہ کی تسخیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت و حکمت سے ملائکہ کی جمیع اصناف کو مدبرات کی انواع مقرر فرمائی ہیں جو ان کی مدد کریں، مثلاً بعض وہ فرشتے ہیں جو سورج و چاند اور نجوم و افلاک پر موکل ہیں بعض بادلوں اور بارشوں پر۔

ہر قطرۂ بارش کا علیحدہ فرشتہ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بارش کے ہر قطرہ کے لیے علیحدہ علیحدہ فرشتہ مقرر فرمایا ہے تاکہ وہ قطرہ وہاں پہنچے جہاں کا اسے حکم ہے۔ بعض ملائکہ دریاؤں اور جنگلوں اور ہواؤں پر مقرر ہیں بعض انسانوں کے عملنامے لکھنے کے لیے موکل مقرر ہیں۔ بعض وہ ہیں جو انسانوں کے آگے پیچھے دائیں بائیں حفاظت کے لیے مقرر ہیں، یہاں تک کہ ارحام کے لیے بھی فرشتے مقرر ہیں کہ نطفہ رحم میں پہنچے تو اسے بھی فرشتہ لے کر پہنچاتے ہیں۔ ایک فرشتہ مرد کا نطفہ دائیں ہاتھ میں لے کر اور دوسرا عورت کا نطفہ بائیں ہاتھ میں لے کر رحم کے اندر پہنچاتے۔ اگر اس سے بچے کی تخلیق مطلوب ہوتی ہے تو ان دونوں نطفوں کو ملانے کے لیے ایک فرشتہ ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

انا خلقنا الانسان من نطفۃ امشاج۔

(بیشک ہم نے انسان کو اس نطفہ سے پیدا کیا جو ایک دوسرے سے ملایا گیا ہے)۔

بعض ملائکہ بہشت پر اور بعض دوزخ پر، یہ سب انسان کے منافع کے لیے موکل ہیں یہاں تک کہ بہشت و دوزخ بھی انسان کے لیے مسخر ہیں تاکہ بہشت کی طمع کرے اور دوزخ سے ڈرے۔ اس لیے کہ انسان طمع و خوف سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ انسان کے لیے مسخر کیا ہے سماوات القلوب کو صدق و اخلاص، توکل، یقین، صبر، شکر سے، ایسے ہی جمیع مقامات قلبیہ روحانیہ اور مواہب ربانیہ۔ اور ان کی تسخیر کا یہ معنیٰ ہے کہ جس کے لیے ان کا عبور کرنا آسان مطلوب ہوتا ہے تو اس کے لیے آسان کر دیتا ہے جس سے اسے سلوک و سیر کے ساتھ جذبہ و استمتاع بالمنافع و اجتناب عن المضرات کے آسان ہو جاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَمَا فِی الْاَرْضِ اور وہ جو زمین میں ہے جیسے پہاڑ اور جنگلات اور دریا اور نہریں اور حیوانات و نباتات اور معادن کہ ان سے بالواسطہ یا بلاواسطہ منافع حاصل کرنے کی تعیین

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

قدرت دی ہے۔

تفسیر صوفیانہ انسان کا دشمن نفس ہے جو مسخر کیا ہے کہ اس کے اندر جو اوصاف ذمیمہ ہیں جیسے کبر، ریا، حسد، کینہ، بخل، ہوس، شہرت وغیرہ یہ انسان کے مسخر بایں معنی ہیں کہ انہیں اخلاق حسنہ سے تبدیل کر سکتا ہے اور ان پر قابو کر کے ان کے خواص سے متمتع اور ان کے مضرات سے احتراز کر سکتا ہے

تفسیر عالمانہ وَاَسْبَغَ عَلَیْكُمْ اور تم پر کامل کیں نِعَمَهٗ اپنی نعمتیں۔ النعم، نعمت کی جمع ہے۔ اصل حالت جس سے انسان لذت پاسکے۔ اس کا اطلاق ان امور پر ہوتا ہے جو طبع کے مناسب اور حالت طبیعہ کی طرف لے جاتے ہیں ظَاهِرَةً ساتھی لیکر وہ نعمتیں ظاہر ہیں محسوس و مشاہد ہیں جیسے حسن صورت اور قد و قامت کی موزونیت اور اعضاء کا کمال سے

دہد نطفہ را صورتے چوں پری
کہ کرد است بر آب صورت گری

ترجمہ: نطفہ کو پری کی سی شکل دیتا ہے پانی پر صورت گری کون کر سکتا ہے۔

حواس ظاہرہ یہ ہیں:

نعمتیں ظاہرہ سمع، بصر، شم (سونگھنا)، ذوق (چکھنا)، لمس، نطق (بولنا)

دیگر احسان، رزق، مال، جاہ، عظام، اولاد، صحت، عافیت، امن، وزر (بوجھ) ہلکا کرنا اور رفع الذکر، الحب، حسن، تقویم بالقد، قصیر بالقامت، اقرار بالاسلام، اور ان کی گواہی دینا، صلوٰۃ، صوم، زکوٰۃ، حج، صدقات، ان کا حصہ، اتباع رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اولیاء اللہ کے لیے تواضع، دنیا سے اعراض اہل ایمان کا غلبہ علی الکفار وغیرہم۔ جیسا کہ فرمایا:

آیات کا بیان وانتم الاعلون۔

(اور تم ہی اعلیٰ (غالب) ہو)

یعنی انہیں نصرت، غلبہ، قوت جیسی نعمتیں جنہیں انسان جانتا ہے۔

وَّبَاطِنَةً اسے باطن نعمتیں یعنی وہ نعمتیں جنہیں عقل سے تعلق ہے جو محسوس نہیں ہوتیں۔ جیسے بدن میں روح پھونکنا، عقل و فہم کو معرفت سے روشن کرنا، تزکیۂ نفس، فضائل سے قلوب کا سنگار رنا۔ اسی لیے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اے اللہ! جیسے تو نے میرا ظاہر سنگارا ہے ایسے ہی میرا باطن مزین فرما۔

حب و عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم جس سے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو مزین فرمایا ہے۔ شہادۃ مبارکہ جیسا کہ فرمایا:

اولٰئك المقربون۔ (وہی مقرب ہیں)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

شرح الصدور منہم کا شہود، وجاہ میں ملائکہ کی امداد وغیرہ ویسے ہی حضرت الذہبی والبصیرۃ اور عطاء الاحوال و الولایۃ یہ تمام باطنی نعمتیں ہیں نسبت نبوت کے اور فطرت سلیمہ اور طلب الحقیقۃ اور قبول الفیض کے لئے استعداد اتصال علی الدوام، رضا، غفران، قلب، غفلت و توجہ، ناعقلت، نعمتی با قلت۔

حدیث شریف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی یا رسول اللہ! ظاہرہ و باطنہ نعمتوں سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا ظاہرہ تو یہی اسلام ہے اور حسن خلق اور جو نعمتیں رزق عطا ہوا، اور باطنہ وہ جو تیری برائیوں پر ستاری کی گئی اور تمہیں دنیا میں رسوا نہیں کیا گیا۔

پس پردہ بیند عملہائے بد
ہم او پردہ پوشد بآلائے خود

ترجمہ: پس پردہ برے اعمال دیکھ کر وہی اپنی مہربانیوں سے پردہ پوشی کرتا ہے۔

اے ابن عباس (رضی اللہ عنہما) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اہل ایمان سے تین بھلائیاں کی ہیں۔

(۱) اس کے اپنے عمل دنیا سے چلے جانے کے بعد منقطع ہو جاتے ہیں تو اہل ایمان کی دعائیں اسے پہنچتی ہیں جن کی وجہ سے میں اس کی خطا معاف فرماتا ہوں۔

(۲) اس کے مال کو اس کی خطا کے معاف کرانے کا سبب بناتا ہوں۔

(۳) اس کے برے اعمال پر پردہ ڈالتا ہوں کہ اگر اس کے کردار ظاہر کر دوں تو اسے اپنے (عزیز و اقارب) بھی اسے گھر سے نکال دیں۔

وَمِنَ النَّاسِ اور بعض لوگ وہ ہیں۔ من بمعنی البعض، الصفیر مبتدا اور اس کی خبر **مَنْ يُّجَادِلُ** ہے، وہ ہیں جو جھگڑتے ہیں۔

حل لغات: اہل عرب کہتے ہیں:

جدلت الحبل۔ (میں نے رسی کو مضبوط کیا)

اس سے المجادلہ ہے کہ گویا دونوں جانبین اپنی رائے کو دوسرے کی رائے کی بہ نسبت مضبوط کر رہا ہے، فِی اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کے بارے میں یعنی اس کی توحید و صفات کے بارے میں اور وہ شرک کی حمایت کرتے ہیں بایں معنی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں ثابت کرتے ہیں۔

ف: حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فی اللہ سے مراد فی الکتب ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بارے میں۔

شان نزول نضر بن الحارث کہتا تھا کہ یہ قرآن تو گزشتہ لوگوں کے افسانے ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ ایک یہودی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

عرض کی ؛ آپ کا خدا کیسا ہے ؟ وہ جیسا بھی ہے اُسے کڑک نے گھیرے میں لے لیا ہے (معاذ اللہ) اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اب معنی یہ ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں جھگڑتے ہیں بِغَيْرِ عِلْمٍ علم کے بغیر کہ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں وَّلَا هُدًى اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ انہیں کوئی ہدایت ہے وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝ اور نہ ان کے پاس کوئی کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان پر نازل کی ہو جو حجت سے روشن ہو بلکہ یہ تو محض پچھلے لوگوں کی تقلید میں جھگڑتا ہے جیسا کہ فرمایا وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ جب جھگڑنے والوں کو کہا جاتا ہے ھُم ضمیر بوجہ مَن کے معنی کی وجہ سے ہے اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اس کا اتباع کرو جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اپنے نبی علیہ السلام پر قرآن جو واضح اور نور مبین ہے تو اس پر ایمان لاؤ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا کہتے ہیں بلکہ ہم اس کی اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا۔ یعنی وہ جو گزشتہ لوگ ہیں اس سے ان کی بت پرستی مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتا ہے اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اگرچہ شیطان انہیں بلاتا ہو۔ یہ استفہام انکار و تعجب کا ہے اس معنی پر کہ وہ اس سے تعلق جوڑ رہے ہیں جو نہایت درجہ بُعد میں ہے جیسا کہ عقل کا تقاضا بھی یہی ہے۔ ضمیر آبا کی طرف عائد ہے اور جملہ حیز النصب علی الحالیۃ ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ کیا وہ ان کی تابعداری کرتے ہیں اگرچہ شیطان انہیں ایسے امر کی طرف بلاتا ہے جو شرک ہی شرک ہے اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝ جہنم کے عذاب کی طرف۔ تو وہ شیطان کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں۔

حلِ لغات

السعیر یعنے آگ کا شعلہ۔ اور عذاب السعیر یعنے دوزخ کا عذاب کما فی المفردات۔

مسئلہ : آیت میں توحید و صفاتِ باری تعالیٰ اور اصولِ اسلام کی تقلید سے منع کیا گیا ہے۔

تقلید کی تحقیق

لغت میں تقلید یعنے کسی شے کو کسی کے گلے میں ایسے طریق سے ڈالنا کہ وہ شے اس کی گردن کو محیط ہو جائے۔ قلادہ (پھندا) اسی سے ہے۔ عرف عام میں امور کو غیر کے سپرد کرنا وہ بھی اسی لیے کہ گویا اس نے اپنے امور اس کے گلے میں پھندے کی طرح ڈالے ہیں اور عرفِ شرع میں قبول قول الغیر بلا حجۃ یعنی کسی کا قول بلا حجت قبول کرنا۔ ہماری اس تعریف سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام کے اقوالِ کریمہ پر عمل کرنے کو تقلید نہیں کہا جا سکتا اس لیے کہ ان کے جملہ اقوال حجت ہیں۔ (اس سے غیر مقلدین کی جہالت کا اندازہ کیجئے کہ ہم مقلدین احناف وغیرہ کو کہتے ہیں کہ ہم صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقلد ہیں۔ تفصیل کے لیے فقیر اویسی غفرلہ کا رسالہ "تقلید" دیکھئے۔ اویسی غفرلہ)

ف : التعریفات میں ہے کہ التقلید عبارۃ عن اتباع الانسان غیرہ فیما یقول او یفعل معتقدا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattori

الحقیقۃ فیہ من غیر نظر وتامل فی الدلیل یعنی قول و فعل میں اتباع کرنا بایں طور کہ اس کے متعلق اعتقاد ہو کہ وہ جو کچھ کہتا ہے وہ حق ہے۔ اس کی دلیل میں نظر و تامل کو دخل نہ دے۔ اس اعتبار سے گویا اتباع کرنے والے نے غیر کے قول و فعل کو اپنی گردن میں پھندے کی طرح ڈالا۔

مسئلہ: فروع اور عملیات میں تقلید جائز ہے لیکن اصول الدین والا اعتقادیات میں ناجائز ہے بلکہ اصول و اعتقادیات نظر و استدلال ضروری ہے۔

مسئلہ: ایمان تقلیدی بھی قابل قبول ہے۔ یہی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور ظاہریہ فرقہ کا مذہب ہے اس لیے کہ جن عقاید پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے انہیں وہ دل سے مانتا اور زبان سے اقرار کرتا ہے مثلاً اس کا عقیدہ ہے کہ عالم حادث ہے اور صانع اور اس کے صفات موجود ہیں اور ارسال الرسل حق اور وہ احکام جو وہ حضرات لائے ہیں وہ حق ہیں۔ ان عقاید کو من حیث العقاید ماننے کا نام ایمان ہے اگرچہ عامی انسان انہیں انہیں دلائل دے کر نہیں سمجھا سکتا لیکن مانتا اور زبان سے تو اقرار کرتا ہے اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسے ایمان کو قبول فرمایا۔ چنانچہ آپ کے زمانۂ اقدس کے بچوں اور عورتوں اور گنواروں اور غلاموں اور لونڈیوں کا یہی حال تھا۔ جیسے آج ہمارے عوام کا ہے۔ ہاں وہ ایسے عقاید پر دلائل نہ سیکھنے سے گنہگار ہوں گے کیونکہ انہیں عقاید پر دلائل سیکھنا واجب تھا اور بوجہ ترک وجوب کے گنہگار ہیں لیکن ایسا ترکِ وجوب ان کے ایمان کو مضر نہیں۔

ف: فصل الکتاب میں لکھا ہے کہ اسلامی شہروں میں عامی مسلمان جب صنائع باری تعالیٰ دیکھتا ہے تو کہتا ہے: سبحان اللہ۔ تو اس کا ایمان تقلیدی نہ ہوگا بلکہ تحقیقی ہوگا اس لیے صنائع باری تعالیٰ کو دیکھ کر اس نے وجود صانع پر استدلال کی بنا پر سبحان اللہ کہا ہے اگرچہ وہ اپنے طریقۂ استدلال سے ناآشنا ہے اور اسے یہ بھی نہ کہا جائے گا کہ اس نے استدلال کے ترک کا ارتکاب کیا ہے لہٰذا گنہگار ہے بلکہ یقین سے کہا جائے گا کہ اس نے استدلال سے ایمان قبول کیا ہے اس لیے کہ اس کا صنائع باری تعالیٰ کو دیکھ کر سبحان اللہ کہنا ہی اس کے استدلال کی دلیل ہے گویا وہ سبحان اللہ کہہ کر ثابت کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ایسے عجیب و غریب صنائع کا خالق ہے اس کے سوا اس طرح کی تخلیق اور کوئی نہیں کر سکتا اور نہ کسی کے بس میں ہے کہ وہ ایسی تخلیق کر سکے۔ گویا اس نے اثر سے موثر کے وجود پر استدلال کرکے اللہ تعالیٰ کی قدرت و ارادہ و دیگر صفاتِ ذاتی کا اثبات کیا ہے اور استدلال بھی اسی کو کہتے ہیں کہ مصنوعات کے تصورات سے صانع کا اعتراف ہو۔ منطقیوں کی طرح صغریٰ، کبریٰ، ترتیب المقدمات اور نتیجہ نکالنا کوئی ضروری امر نہیں۔ ہماری اس تقریر سے ثابت ہوا کہ ہمارے دور میں کوئی بھی مومن تقلیدی نہیں بلکہ بحمدہٖ تعالیٰ سب کے سب مومن تحقیقی ہیں۔ (فقیر کی تقریر مذکور یاد رہی تو کمیونسٹ (دہریہ) اور غیر مقلدین وہابیہ و دیگر مخالفینِ اہلسنت کا جواب آسانی سے دیا جا سکے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ (حاشیہ آگے)

For more Books click on link.
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مسئلہ: جو شخص پہاڑ کی چوٹی یا کسی غار میں چھپا رہا اور ایمان کے دلائل کسی سے نہ سیکھے تو وہ معذور ہوگا۔ اگر طریقہ مذکورہ سے اسے اپنے ایمان پر دلائل موجود ہیں تو گنہگار نہ ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے جو طریقت و معرفت کی منزلیں عقل قاصر کے ذریعے سے طے کرنا چاہتا ہے وہ صوفیائے کرام کے نزدیک مقلد ہے اس کی اقتداء (پیری و مریدی) ناجائز ہے (ہمارے دور کے بعض حضرات پیری و مریدی کا دھندا[1] تو کرتے ہیں لیکن معرفت و طریقت کی منزلوں سے کورا ہیں بلکہ ان منازل سے الٹے پاؤں جا رہے ہیں)

خواہی بصوب کعبۂ تحقیق رہ بری
پے بر پے مقلد گم کردہ رہ مرو

ترجمہ: اگر تم کعبۂ تحقیق کو جانا چاہتے ہو تو اندھے مقلد گم کردہ راہ کے پیچھے مت چلو۔

بلکہ صاحب ہدایت عالم ربانی واقف اسرار طریقت منازل کے عارف حقیقت سے آشنا حقائق قرآن کے مکاشف معانی فرقان سے آگاہ کی اقتداء ضروری ہے اس لیے کہ ایسے صفات کا موصوف ظلمات انسانیہ سے نکال کر نور ربانی کی طرف لے جا سکتا ہے اور ایسا بزرگ نفس امارہ کے عذاب سے نجات دلا سکتا ہے اور ایسا ہی قلب کی لذتوں سے مشرف فرما سکتا ہے۔

سبق: وہ سالک جو مطلب حقیقی تک پہنچنے کا طالب ہے تو اسے یاد رکھنا چاہیے کہ یہ راہ بہت دور اور اس کی منازل کی برازخ کثیر ہیں وہاں اہل جدل اور وہ لوگ جن کے عقول وہم و خیال شبہات میں گرفتار ہیں اپنے عقول کی رہبری سے وہاں تک نہیں پہنچ سکیں گے اس لیے کہ انسان کا ہاتھ کتنا لمبا کیوں نہ ہو لیکن کہکشاں تک نہیں پہنچ سکتے ایسے عقل کے گرفتاروں کے پلے راہ طریقت و معرفت کا سمجھنا ان کے ہوائی فیر ہیں۔ ایسے لوگ عنقاء کو کہاں پا سکتے ہیں اس لیے کہ عنقاء تو وجود کے (کوہ) قاف میں ہے اور ظاہر ہے اہل معرفت شہود کے سوا وجود کے حقائق کو اور کوئی نہیں جان سکتا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم سب کو قرآن عظیم کا عامل اور کلام قدیم کے آداب کا متأدب اور اس کے انوار کا واصل اور اس کے اسرار کے محقق کی صحبت نصیب فرمائے۔

تفسیر عالمانہ

وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ مَن شرطیہ ہے یعنی "کون ہے" اور اَسْلَمَ جب اِلٰی سے متعدی ہو تو بمعنے سلّم کے استعمال ہوتا ہے اور جب لام سے متعدی ہو تو اخلاص کے معنے کو متضمن ہوتا ہے اور الوجہ یعنی ذات۔ اب معنی یہ ہوا کہ جو شخص اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ایسے سپرد کرتا ہے جیسے سامان صاحب سامان کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔

(حاشیہ گزشتہ) [1] اضافہ از اویسی غفرلہ [2] اضافہ از مترجم غفرلہ۔ اویسی غفرلہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مقصد یہ کہ وہ بندہ جو اپنے جملہ امور اللہ تعالیٰ کے سپرد کرکے یکسوئی سے اسی کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے وَهُوَ مُحْسِنٌ حالانکہ وہ نیکی کرنے میں نیکی کو اسی طرح بجا لاتا ہے جس طرح وہ نیکی ادائیگی کے لائق ہے اور یہ وہ حسن وصفی ہے جو حسن ذاتی کو مستلزم ہے اور یہ سوائے مشاہدہ کے حاصل نہیں ہوتا۔ اسی لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان کی تعریف میں فرمایا:

بان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔

(اللہ تعالیٰ کی یوں عبادت کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو ورنہ یہ تصور غالب ہو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے)

فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى تو اس نے مضبوط رسّی کو تھام لیا۔

حلِ لغات: الاستمساک: امساک الشئ المتعلق بہ یعنی کسی شے کو مضبوطی سے چمٹنا اور اس کی مکمل طور سے حفاظت کرنا۔ اہلِ عرب کہتے ہیں:

استمسکت بالشئ۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی شے کو مضبوطی سے پکڑے۔ ہم اسے چنگل مارنے سے تعبیر کرتے ہیں اور فارسی میں بمعنے چنگ زدن۔ کذا فی تاج المصادر۔

العروہ بالضم: ہر وہ شے جس سے کسی شے کو باندھا جائے۔ عروۃ (بالکسر) بمعنے شے کا کنارہ۔ شے کو قابو کرنے کا آلہ۔ جیسے برکے اور لوٹے کی رسی۔

الوثقٰی بمعنے موثقۃ المحکمۃ۔ اوثق کی تانیث ہے۔ جیسے صغریٰ اصغر کی تانیث ہے اور جس شے کو مضبوط باندھ لیا جائے اس کا مالک مطمئن ہو جاتا ہے کہ اب یہ چیز گرنے سے محفوظ ہو گئی۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اس نے مضبوط اور پختہ گرہ کو تھاما۔ آیت میں مشتغل بالطاعۃ اور متوکل علی اللہ کو اس شخص کے حال سے تشبیہ دی گئی ہے جو پہاڑ کی چوٹی پر چڑھنے کے لیے ایک ایسی مضبوط رسّی کو کام لاتا ہے جس کے ٹوٹنے کا وہم و گمان نہیں ہوتا اسی لیے وہ بے خوف ہو کر پہاڑ پر چڑھتا ہے وَاِلَى اللّٰهِ اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ متوکل اور اس کے غیر کے امور کا انجام ہے پھر وہی احسن جزا سے نوازیگا وَمَنْ كَفَرَ اور وہ جو مضبوط رسّی کو نہیں تھامتا فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ تو اب اس کا غم نہ کیجئے اس لیے کہ وہ آپ کو دنیا و آخرت میں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکے گا حزن مجرد اور مزید یعنی احزن کا ایک ہی معنیٰ ہے لیکن باب مزید سے عام استعمال نہیں ہوتا اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ان کا صرف ہمارے ہاں لوٹنا ہے اور اللہ کے ہاں لوٹنے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہاں اس کے سوا نہ کوئی مالک ہوگا نہ حاکم فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا پھر ہم انہیں دنیا میں ان کے لیے کفر و دیگر معاصی و مآثم کے ارتکاب کی خبر دیں گے یعنی عذاب اور سزا میں مبتلا کریں گے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ف : تینوں جمع کی ضمیریں مَن کی وجہ سے ہیں اور دو جگہوں کا واحد کی ضمیر لفظ مَن کی وجہ سے ہے اسلیے کہ لفظ مَن لفظاً مفرد اور معناً جمع ہے)

إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُورِ بیشک اللہ تعالیٰ دل کی باتوں اور ان کی چیزوں کو جانتا ہے کہ انسانوں کے سینوں میں ہیں وہ ان کی اعمال ظاہرہ کی طرح سزا دے گا **نُمَتِّعُهُمْ** ہم انہیں دنیا میں دنیوی منافع دیں گے **قَلِيلًا** تھوڑے منافع یا تھوڑے سے وقت تک، پھر وہ منقطع ہو جائیں گے اسے قلیل سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ جو شئے زوال پذیر ہو وہ چاہے کتنے ہی طویل زمانے تک رہے تب بھی اسے قلیل ہی کہا جائے گا بہ نسبت اس شئے کے جو دائمی ہو **ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ** الاضطرار انسان کو اس امر پر آمادہ کرنا جو اسے نقصان پہنچائے اور عرف میں اس امر پر مجبور کرنا جس سے اسے کراہت ہو یعنی ہم انہیں آخرت میں لوٹنے پر مجبور کریں گے **إِلَىٰ عَذَابٍ غَلِيظٍ ○** سخت عذاب کی طرف جو ان پر بھاری اشیاء کی طرح محسوس ہوگا یا ہم ان کے عذاب میں تنگی و سختی کا اضافہ کریں گے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس سے دائمی عذاب کی طرف اشارہ ہے۔ الغلیظ الرقیق کی نقیض ہے اسے اجسام میں استعمال کیا جانا اس کی اصل ہے لیکن کبھی استعارۃً معانی میں بھی مستعمل ہے۔ کذا فی المفردات۔

تفسیر عالمانہ **وَلَئِن سَأَلْتَهُم** اگر آپ کافروں سے سوال کریں **مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ** آسمانوں اور زمینوں یعنی اجرام علوی و سفلی کو کس نے پیدا کیا۔ **لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ** تو کہیں گے انہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اس لیے کہ یہ ایک ایسا روشن امر ہے کہ انہیں سوائے اعتراف کے کوئی چارہ ہی نہیں اس لیے وہ اعتراف پر مجبور ہیں **قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ** آپ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کیجئے کہ توحید کے دلائل ایسے واضح اور روشن ہیں کہ مخالفین کو بھی اعتراف ہے **بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ○** بلکہ ان کے اکثر کسی شے کو بھی نہیں جانتے۔ اسی لیے کہ وہ باوجودیکہ توحید کے دلائل کے معترف ہیں لیکن پھر اس کے تقاضا کے مطابق شرک کو نہیں چھوڑتے اور غیر اللہ کی پرستش میں مبتلا ہیں **لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ** اللہ تعالیٰ وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے اسی معنے پر آسمانوں اور زمینوں میں اس کے سوا کوئی بھی عبادت کا مستحق نہیں **إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ** بیشک اللہ تعالیٰ ذاتاً و صفاتاً غنی ہے آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق سے پہلے بھی اور بعد کو بھی وہ اپنے وجود اور کمال ذاتی میں کسی شے کا محتاج نہیں۔ لفظ **ھو** حصر کے لیے ہے اس معنے کے لیے کہ غنی مطلق وہی ہے اس کے سوا اور کوئی نہیں۔ چنانچہ آیت واللہ الغنی وانتم الفقراء دلالت کرتی ہے الحمید بمعنے المحمود فی ذاتہ وصفاتہ۔ اگرچہ اور بھی اس کا کوئی حمد کرنے والا نہ ہو تب وہ اپنا آپ ہی حامد

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اے غنی در ذات خود از ماسوائے خویشتن
خود تو میگوئی بکن خود ثنائے خویشتن

ترجمہ: اے اپنے ماسوا سے اپنی ذات میں غنی! اپنی حمد تو خود ہی کر سکتا ہے۔

ف والاربعین الادریسیہ میں ہے:

یا حمید الفعال ذا المن علی جمیع خلقہ بلطفہ۔

یعنی اے اپنے لطف و کرم سے سب پر احسان کرنے والے۔

تونگری کا وظیفہ حضرت سہروردی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو اس اسمِ حمید پر مداومت رکھے اور اسے بکثرت ورد میں رکھے تو دنیوی اسباب سے مالا مال ہو جائے گا کہ اس کا دنیوی ساز و سامان گنتی سے باہر ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں ایک اشارہ ہے کہ سالک پر لازم ہے کہ وہ اپنے جملہ امور اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے اور بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر رکھے اور طلبِ حق میں اخلاص پیدا کرے اور ماسوی اللہ سے روگردانی اور توحید و طاعت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اس لیے کہ توحید و طاعت نیک خاتمہ پر مرنے کا بہترین سبب ہیں اور نیک خاتمہ سے ہی جنت اور قربت و وصالِ الٰہی نصیب ہوتا ہے جیسے کفر، شرک، ریا اور شہرت کی خواہش بُرے خاتمہ پر مرنے کے اسباب ہیں اور یہ خاتمہ پر جہنم اور عذابِ غلیظ اور فرقہ و قطیعہ حاصل ہوتی ہے۔

حضرت شیخ عطار رحمہ اللہ نے فرمایا: ؎

زر و سیم و قبول کار و بارت
نیاید در دم آخر بکارت
اگر اخلاص باشد آں زمانت
بکار آید وگرنہ وائے جانت

ترجمہ: زر و سیم اور دیگر دنیوی کاروبار تجھے مرنے کے وقت کام نہ دیں گے۔ اگر تجھے اخلاص نصیب ہے تو تیرا کام بن جائے گا ورنہ بُرے خاتمہ سے ڈرو۔

بوستان میں ہے: ؎

۱ شنیدم کہ نابالغی روزہ داشت
بصد محنت آورد روزی بچاشت

۲ پدر دیدہ بوسید و مادر سرش
فشاندند بادام و زر بر سرش

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۳ چو روزے گزر کرد یک نیم روز
فتاد اندرو ز آتش معدہ سوز

۴ بدل گفت اگر لقمہ چندے خورم
چہ داند پدر غیب یا مادرم

۵ چو روئے پسر در پدر بود و قوم
نہاں خورد و پیدا بسر برد صوم

۶ پس ایں پیر ازاں طفل ناداں ترست
کہ از بہر مردم بطاعت درست

ترجمہ (۱) میں نے سُنا ہے کہ ایک نابالغ نے روزہ رکھا، سو مشقتوں سے چاشت تک پہنچایا۔

(۲) باپ نے آنکھیں چومیں، ماں نے اس کا سر۔ اُنھوں نے بادام اور چاندی اس کے سر پر نچھاور کی۔

(۳) جب اس پر آدھا دن گزرا اس کے اندر معدہ کی آگ سے جلن پیدا ہوگی۔

(۴) اس نے دل میں کہا اگر میں چند لقمے کھا لوں، میرے باپ یا ماں غیب کو کیا جانیں۔

(۵) جبکہ لڑکے کا رُخ باپ اور قوم کی طرف تھا تو چھپکے سے کھا لیا بظاہر روزہ پورا کر لیا۔

(۶) یہ بوڑھا اس بچہ سے بھی زیادہ ناداں ہے جو انسانوں کی خاطر عبادت میں لگا ہے۔

ف: احکامِ دین کو مضبوطی سے تھامنے کا دوسرا نام "العروۃ الوثقیٰ" ہے اور یہ دولت صرف اہل الیقین کو نصیب ہوتی ہے اور یہ ایک ایسی مضبوط رسّی ہے جو کسی کے توڑنے سے نہیں ٹوٹتی، بخلاف دوسری رسّیوں کے کہ وہ بالآخر ٹوٹ ہی جاتی ہیں۔

دوسرا اشارہ اس آیت میں یہ ہے کہ یہ دنیا فانی ہے بلکہ اس کی عمر صرف ایک لمحہ ہے اگرچہ اہل دنیا اس کا بہت طویل زمانہ تصوّر کرتے ہیں۔ عاقل [illegible] ہے جو اس دنیوی متاعِ قلیل سے دھوکا نہیں کھاتا بلکہ وہ آخرت کے یوم طویل کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے ؎

دریغا کہ بگذشت عمرِ عزیز
بخواہد گذشت ایں دمے چند نیز
کنوں وقت تخم است اگر پروری
گر امید داری کہ خرمن بری

For more Books click on link!
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ترجمہ: افسوس ہے کہ عمرِ عزیز کا اکثر حصہ گزر گیا اور اس کا باقی حصہ ہوا کی طرح گزر جائے گا ابھی بھی فرصت ہے کہ کوئی اپنے لیے نیکی بو لے اگر اسی امید میں ہے کہ خوشی اٹھا سکے گا۔

تیسرا یہ کہ اپنی تقدیروں کو اللہ تعالیٰ خود ہی مقدر فرماتا ہے اور جملہ امور کا مدبر کنندہ صرف وہی ہے جو افعال و احوال اسی کی قدر و قضا پر چلتے ہیں۔ ناصح کو صرف تبلیغ ضروری ہے کسی کو کسی امر پر مجبور نہ کیا جائے اور کسی کی تبلیغ کو قبول نہ کرنے سے مغموم و محزون بھی نہ ہو اس لیے کہ صیقل کرنے سے پتھر شیشہ نہیں ہو سکتا۔

تواں پاک کردن ز زنگ آئینہ
ولیکن نیاید ز سنگ آئینہ

ترجمہ: شیشے کو ہی زنگ سے پاک (صاف) کیا جا سکتا ہے لیکن پتھر کو شیشہ نہیں بنایا جا سکتا۔

چوتھا یہ کہ اپنے علم پر عمل نہ کرنے والا عالم کہلانے کا حقدار نہیں بلکہ عند التحقیق وہ جاہل ہے ۔

گر ہمہ علم عالمت باشد
بے عمل مدعی و کذابی

ترجمہ: تمام عالمِ دنیا کا علم حاصل کر لو اگر بے عمل ہو تو جھوٹے ہو اور خالی مدعی۔

پانچواں یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اس لیے پیدا فرمایا کہ مخلوق اس سے فوائد حاصل کرے اسے اس کی تخلیق سے کوئی فائدہ نہیں اور نہ اسے ضرورت ہے۔ اس معنے پر طاعات و عبادات کے منافع بندوں کو ہی نصیب ہوں گے ان سے اللہ تعالیٰ کو کسی فائدہ کی حاجت نہیں اس لیے کہ وہ جملہ عالم سے مستغنی ہے نہ ان کی طاعات سے اُسے کوئی نفع ہے نہ ان کے معاصی و جرائم سے کوئی نقصان۔ یہ اس کی کرم نوازی ہے کہ وہ ایمان و طاعات کی ہدایت بخشے۔ اسلام و ایمان لا کر اور طاعت بجا لا کر بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کوئی احسان نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے مخلص بندوں سے بنائے اور ہمیں محفوظ قلعے میں اپنی مدد و توفیق سے محفوظ فرمائے۔

تفسیر عالمانہ

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ یہ یہود کے سوال کا جواب ہے جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا یا وفدِ قریش کو کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کریں وما اوتیتم من العلم الا قلیلا کا کیا مطلب ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے توراۃ کو نازل فرمایا اور اس میں ہر شے کا علم ہے اور مذکورہ بالا آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ توراۃ کے علوم کے علاوہ جملہ انسانوں کے جملہ علوم اگرچہ بہت زیادہ سہی لیکن بہ نسبت اللہ تعالیٰ کے علم کے ایک قطرہ ہے اور حضرت قتادہ نے فرمایا کہ جب مشرکین نے کہا کہ قرآنی تعلیم عنقریب ختم ہو کر مٹ جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی۔

ف: من شجرۃ اسم موصول سے حال ہے۔ اور شجرۃ اس درخت کو کہا جاتا ہے جس کا تنا ہو۔ اور اس کا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

موضوع ہونا اس لیے ہے کہ ہر ایک درخت سے علیحدہ علیحدہ قلمیں تیار کی جائیں اور دنیا کا کوئی درخت ایسا نہ ہو جسے قلم نہ بنایا جاسکے۔ اور القلم دراصل بمعنے کسی سخت چیز کو توڑنا جیسے ناخن وغیرہ۔ لیکن اب عرفاً اس شے سے مخصوص ہو گیا ہے جس سے لکھا جاسکے۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ قلم کو اس لیے اس نام سے موسوم کیا گیا ہے کہ اس کا سر کاٹ لیا جاتا ہے اور الاقلیم اسی سے ہے بمعنے زمین کا ایک حصہ۔ اسی لیے ناخن کاٹنے کو تقلیم الاظفار سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ف : القط و القد میں فرق یہ ہے کہ القط شے کو عرضاً کاٹنا اور القد شے کو طولاً کاٹنا۔ اور القطع بمعنے ایک جسم کا دوسرے جسم پر انداز ہو کر اسے جدا کر ڈالنا۔

اب معنی یہ ہوا کہ اگر ثابت ہو جائے کہ درخت قلمیں ہیں وَّالْبَحْرُ حالانکہ بحر محیط باوجود اپنی وسعت پہنائی کے۔ بحر محیط سے وہ بحر اعظم مراد ہے جو تمام روئے زمین پر دریاؤں کا سرچشمہ ہے خواہ وہ دریا متصل ہیں یا منفصل۔ اور اس بحر اعظم کا ساحل (کنارہ) کسی کو معلوم نہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اس کے عمق کو جانتا ہے اور یہ زمین پر چلنے والے دریا، اس کے مقابل چھوٹی جھیلیں ہیں۔

تختِ ابلیس کہاں ہے

ابلیس کا تخت اسی بحر اعظم میں ہے اسی بحر اعظم کے اوپر کے حصے (پانی) پر بڑے بڑے شہر آباد ہیں جن کے مکین جنات ہیں اور وہ شہر پانی کی اتنی مقدار پر آباد ہے جتنا زمین کا چوتھائی حصہ ویران ہے۔ اسی بحر اعظم میں مرجان کا درخت ہے۔ جیسے باقی اشجار زمین پر ہیں۔ اس بحر اعظم میں بہت بڑے بڑے جزیرے ہیں جن میں آبادیاں ہیں اور بہت سے ایسے جزیرے بھی ہیں جو غیر آباد ہیں، جن کی تعداد کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ البحر مبتدا اور یَمُدُّهٗ اس کی خبر اور یمدّ بمعنے یزید ہے۔ یعنی اس دریا کے پانی کو سیاہی بنا دیا جائے۔ یہاں مداد بول کر ذات مداد مراد لی گئی ہے اسی لیے سیاہی کو علیحدہ نہیں دیا گیا مِنْۢ بَعْدِهٖ اس کے ختم ہونے یعنی مٹ جانے کے بعد سَبْعَةُ اَبْحُرٍ سات دریا جیسے بحر چین، بحر تبت، بحر الہند، دریائے سندھ، بحر فارس، بحر الشرق، بحر الغرب (واللہ تعالیٰ اعلم)

ف : اسئلۃ الحکم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو ہفت اقلیم اور سات دریاؤں سے زینت بخشی ہے۔

ف : مفسرین دریاؤں کی گنتی کے درپے نہیں ہوتے ہم نے ایک دوسری جگہ پر تحقیق لکھ دی ہے نیز یہ بھی ممکن ہے کہ سات دریاؤں سے :

۱۔ فرات

۲۔ دجلہ ۵۔ جیحان

۳۔ سیحان ۶۔ جیحون

۴۔ سیحون ۷۔ نیل

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مراد ہوں اس لیے کہ اہلِ عرب بہت زیادہ پانی کو البحر کہتے ہیں۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ سات دریاؤں کی طرح اور سات دریا۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سات کے عدد سے گنتی مراد نہیں بلکہ اس سے کثرت مراد ہے۔

ف : الارشاد میں ہے مِدّ کا اسناد بحرِ اعظم کی بجائے الابحر السبعۃ کی طرف اس لیے ہے کہ یہی ساتوں دریا پہاڑوں اور جاری چشموں کے قریب ہیں۔ پہلے نہروں کا تعلق انہی دریاؤں سے ہوتا ہے پھر بالواسطہ بحرِ اعظم سے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اس سیاہی میں سات دریاؤں کی سیاہی کا ہمیشہ اضافہ ہوتا رہے اور ان سے قلم کلمات اللہ لکھتے رہیں **مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ** تو اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت کے متعلقات تو ختم نہیں ہوں گے البتہ قلم اور سیاہی ضرور ختم ہو جائیں گے۔ اس کی تحقیق ہم نے سورۂ کے اواخر میں بیان کر دی ہے۔ یعنی قل لو کان البحر مدادا الآیۃ کے تحت سورۂ کہف کو دیکھئے۔

نکتہ : کلمٰت کو جمع قلت لانے میں اشارہ ہے کہ جب اس کے قلیل کلمات کا یہ حال ہے تو پھر کلماتِ کثیرہ کا کیا حال ہوگا۔

تفسیرِ صوفیانہ

تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ اگر زمین کے جملہ اشجار قلم اور تمام دریا سیاہی ہو جائیں پھر ان کی مقدار کاغذ لکھنے کے لیے تیار کیے جائیں اور پھر لکھنے والے لکھتے لکھتے قلم توڑ ڈالیں اور سیاہی ختم کر دیں اور تمام کاغذات صَرف ہو جائیں اور لکھنے والوں کی زندگیاں ختم ہو جائیں تب بھی کلماتِ الٰہیہ کے معانی ختم نہ ہو سکیں گے اس لیے کہ یہ اشیاء اگرچہ کثیر ہیں پھر بھی متناہی ہیں اور کلماتِ الٰہیہ کے معانی غیر متناہی ہیں کیونکہ یہ قدیم ہیں اور وہ حادث اور متناہی غیر متناہی کو کس طرح پورا کر سکتا ہے اور آیت میں صاف ظاہر ہے کہ قرآن مجید قدیم ہے اس لیے کہ غیر متناہی ہونا قدیم کی صفت ہے۔ اور قرآن مجید کی حقانیت کے بارے میں مروی ہے:

ولا تنقضی عجائبہ۔

(اس کے عجائبات نہ ختم ہونے والے ہیں)

یعنی کوئی بھی ان کے معانی عجیبہ اور فوائد کثیرہ کی کُنہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

شانِ اولیاء

آیت میں اشارہ ہے کہ کلماتِ الٰہیہ یعنی اولیاء اللہ کے کلمات اور ان کے علوم غیر منقطع ہیں اس لیے کہ ان کے علوم و حکمتیں حق تعالیٰ کے چشمۂ حکمت سے حاصل شدہ ہیں جب چشمہ غیر منقطع ہے تو اس کا پانی بھی لازماً غیر منقطع ہوگا اور اولیاء کرام کے علوم اور حکمتوں کا انقطاع ہوگا کیسے جبکہ انہیں ان علوم و حکمتوں کی تلقین اور فیض رب العالمین اور اس کے خزینوں سے نصیب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے خزانے غیر منقطع ہیں جیسا کہ آیتِ مذکورہ سے ثابت ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ف: بعض عارفین کو تجلی برقی نصیب ہوتی ہے کہ انہیں ایک لمحہ میں غیر متناہی علوم نصیب ہو جاتے ہیں۔ پھر جسے ایک لمحہ میں اتنے علوم نصیب ہو جائیں اس کے عمر بھر کے حاصل کردہ علوم کا کیا حال ہوگا!

تفسیر عالمانہ

اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ بے شک اللہ تعالیٰ غالب ہے کہ اسے کوئی شے عاجز نہیں کر سکتی حَکِیْمٌ ۝ حکیم ہے کہ اس کے علم و حکمت کوئی شے خارج نہیں اسی لیے اس کے وہ کلمات جن کی بنیاد ان دو کلموں پر ہے کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔

وظیفہ برائے عزت وغنا ظاہری و باطنی

جو شخص چالیس بار لفظ عزیز کا چالیس دن ورد رکھے اسے عز وغنا ظاہری و باطنی اس قدر نصیب ہوگا کہ وہ کسی کا محتاج نہ ہوگا۔ اس اسم کے تمسک سے تقرب الٰہی نصیب ہوتا ہے۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جملہ مخلوق سے اپنے آپ کو رفیع المرتبہ بنائے اور ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں۔

وظیفہ برائے دفع المہمات

جو شخص اسم حکیم کو بہت زیادہ پڑھے گا وہ جملہ آفات و مصائب اور پریشانیوں سے محفوظ رہے گا اور باب حکمت اس پر منکشف ہو جائے گا۔ اس کے معنوی تمسک سے تقرب حق حاصل ہوتا ہے اور اس کا معنوی تمسک یہ ہے کہ جملہ امور میں حکمت الٰہی کی رعایت کر کے شرعی حکم کو مقدم رکھے۔ اگر شریعت اور طبیعت یعنی خواہش نفسانی کا مقابلہ ہو جائے تو شریعت کے حکم کو ترجیح دے اور اس اسم سے موصوف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حکمت کا سرچشمہ بن جائے اور حکمت اصابۃ القول والفعل کو کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت لقمان کے قصے میں گزرا۔

ف: انہار و بحار اور جزائر وغیرہا کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں جو اس کی عظیم الشان شاہی اور وسعت سلطانی پر دلالت کرتی ہیں۔ ہر دریا اور ہر جنگل میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے جو عبادت الٰہی میں مصروف ہے۔

حکایت

حضرت سکندر رحمہ اللہ ایک جزیرے میں پہنچے یہ ایک بہت بڑا جزیرہ ہے اس میں ایک قوم کو دیکھا جن کے لباس درختوں کے پتے اور ان کے گھر پہاڑوں کی غاروں اور بڑے پتھروں میں ہیں۔ حضرت سکندر نے ان سے مسائل حکمت کے متعلق سوالات کیے تو انہوں نے ان کے بہترین جوابات دیے اور نہایت فصیح و بلیغ گفتگو کی اس لیے کہ وہ اسم حکیم کے مظاہر ہیں۔ حضرت سکندر نے فرمایا: کوئی ضروریات در پیش ہوں تو انہیں پورا کرو۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم آپ سے دنیوی زندگی کا دوام چاہتے ہیں۔ حضرت سکندر نے فرمایا: یہ میرے بس میں نہیں اس لیے کہ میں تو صرف ایک سانس کو بھی اپنے قابو میں نہیں لا سکتا جسے اس قدر بھی قدرت نہ ہو تو اسے دائمی زندگی دینے کی طاقت کہاں! پھر ان کے امیر نے فرمایا کہ ہمیں صحت بدنی دیجیے جب تک ہم زندہ رہیں تندرست اور باعافیت زندگی بسر کریں۔ حضرت سکندر نے فرمایا: یہ بھی میرے بس میں نہیں۔ پھر انہوں نے فرمایا: ہمیں بتائیے کہ ہماری بقایا زندگی کتنی ہے۔ حضرت سکندر نے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

فرمایا جب میں اپنی زندگی کے متعلق نہیں جانتا تو تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا پھر ہمیں اپنے حال پہ رہنے دیجئے ہم اس کا سوال اس ذات سے کریں گے جو بہت بڑی قدرت کا مالک ہے اور تیری شاہی و سلطنت کو اس کی شاہی اور سلطنت سے کوئی بھی نسبت نہیں۔

حکایت جب حضرت سکندر جزیرۂ حکما میں تشریف لے گئے اور ان کے ساتھ مذکورہ بالا گفتگو سے فراغت پائی تو لوگ ان کے لشکر کو غور سے دیکھتے اور اس کی کثرت اور شان و شوکت سے تعجب کر رہے تھے ان میں ایک درویش تھا جو سر جھکائے بیٹھا تھا۔ حضرت سکندر نے فرمایا کہ آپ میرے لشکر کو کیوں نہیں دیکھتے۔ درویش نے فرمایا کہ میں آپ سے پہلے ایک بہت بڑے بادشاہ اور اس کے لشکر کا حال دیکھ چکا ہوں اب مجھے تیرے لشکر کو دیکھنے کی حاجت نہیں۔ حضرت سکندر نے فرمایا وہ کیسے؟ درویش نے فرمایا کہ ہمارے ہاں ایک بادشاہ اور ایک درویش رہا کرتے تھے وہ ایک ہی دن فوت ہوئے اور ہم نے انہیں دفن کر دیا۔ ایک مدت کے بعد میں ان کی قبروں کے پاس سے گزرا تو مجھے دونوں برابر نظر آئے ان میں امیر و غریب کا کوئی فرق نہیں تھا۔ حضرت سکندر ان کی حکمتوں سے متاثر ہوئے اور انہیں اسی حال پر چھوڑ کر واپس چلے گئے۔

حضرت شیخ عطار رحمہ اللہ نے فرمایا ؎

۱ چہ ملکت این و تو چہ پادشاہی
کہ با شیر اجل بر می نیائی
۲ اگر تو فی المثل بہرام زورے
بروز واپسیں بہرام گورے
۳ چو ملک این جہاں ملکے رونده است
بملک آں جہاں شہ ہر کہ زنده است
۴ اگر آں ملک خواہی این فدا کن
کہ با براہیم ادہم اقتدا کن
۵ رباط کہنہ دنیا در انداخت
جہانداری بدرویشی فرو باخت
۶ اگرچہ ملک دنیا پادشاہیست
ولی چوں بنگری اصلش گدائیست

ترجمہ: (۱) یہ ملک کیا ہے اور تو کیسا بادشاہ ہے کہ تو اجل کے شیر سے مقابلہ نہیں کر سکتا۔

(۲) فرض کیا کہ تو بہرام کی طرح زور والا ہے لیکن مرنے کے بعد تو قبر کا بہرام ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(۳) جب یہ ملک والا فانی ہے تو جو زندہ ہے وہ اس جہان میں فرد رہ جائے گا۔

(۴) اگر وہ آخرت کا ملک چاہتا ہے تو اُسے یہ ملک فدا کر دے۔ ابراہیم ادھم کی اقتدا دیکھئے۔

(۵) اُس نے دنیا کی پرانی رباط توڑ ڈالی، درویشی کی شاہی حاصل کر لی۔

(۶) اگرچہ یہ ظاہری بادشاہی بھی بادشاہی ہے لیکن بغور دیکھو تو یہ گدائی ہے۔

مَا خَلْقُكُمْ تمہارا پیدا کرنا۔

تفسیر عالمانہ

شانِ نزول: مقاتل اور قتادہ نے فرمایا کہ کفارِ قریش نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری پہلی تخلیق میں مختلف طریقے بتائے کہ پہلے نطفہ پھر مضغہ پھر لحم وغیرہ۔ لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ ہماری موت کے بعد ہمیں کیسے اٹھائے گا اور ہم ایک ہی ساعت کس طرح اکٹھے ہوں گے۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے انسان! تمہاری کثرت کے باوجود نہیں ہے قیامت میں تمہارا اٹھانا۔

ف: کاشفی نے اہلِ مکہ کو مخاطب لکھا ہے۔

وَلَا بَعْثُكُمْ اور نہ ہی تمہارا قبور سے زندہ کر کے اٹھانا **اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ** مگر ایک ہی طور میں۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے لیے نہایت آسان ہے اس لیے کہ اس کے لیے مختلف کیفیات کچھ نہیں ہیں بس جملہ اشیاء اس کے ارادہ و مشیت کی پابند ہیں وہ جیسے چاہے کر سکتا ہے قلیل و کثیر اس کے آگے برابر ہیں وہ جب کُنْ فرماتا ہے تو فوراً وہ اشیاء موجود ہو جاتی ہیں۔

ف: حضرت کاشفی نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ کو تخلیق کے متعلق آلات و ادوات کی ضرورت نہیں بلکہ وہ قیامت میں اسرافیل علیہ السلام سے فرمائے گا کہ صور پھونکیے۔ ان کے صور پھونکنے سے جملہ اہلِ قبور اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اسے یوں سمجھیے کہ دنیا میں ایک بادشاہ نقارہ بجانے کا حکم فرماتا ہے تو جونہی نقارہ بجتا ہے فوراً ایک ہی ساعت میں جملہ افواج اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بیشک اللہ تعالیٰ ہر مسموع کو سنتا ہے۔ منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے جو کفار قیامت میں زندہ اٹھنے کو بعید از عقل سمجھ کر انکار کر رہے ہیں **بَصِيْرٌ** ۝ ہر مبصر کو دیکھتا ہے اس کے علم سے کوئی پوشیدہ نہیں منجملہ ان کے یہی مرنے کے بعد جی اٹھنا بھی ہے۔ بعض نے اس کا معنیٰ کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ احیاء و اموات کے احوال کو جانتا ہے۔

پس بقدرت چنیں کس بجو را راہ نیست
قدرت بے عجز ماو سے بکس
قدرت بے عجز تو داری و بس

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ترجمہ: ایسی ذات کے ہاں عجز کا نام نہیں۔ اے اللہ! مجھے بھی تُو نے قدرت دی ہے تو اس کے ساتھ اس کا عجز بھی ہے اور تیری قدرت میں تو عجز کا نام ونشان تک نہیں۔

اَلَمْ تَرَ یہ خطاب اسے ہے جو علم قوی رکھتا ہو اور اس خطاب کا اہل ہو۔ اور رؤیۃ بمعنے علم یعنی اے مخاطب! تمہیں معلوم نہیں کہ اَنَّ اللّٰہَ بیشک اللہ تعالیٰ اپنی قدرت وحکمت سے یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّہَارِ۔ الولج بمعنے تنگی میں داخل ہونا اور ایلاج بمعنے ادخال ہے۔ یعنی اللہ تعالےٰ رات کو دن میں داخل کرتا ہے یعنی رات کی گھڑیوں کو دن کی گھڑیوں میں بڑھاتا ہے۔ مثلاً مطالع و مغارب شمس کے مختلف ہونے کی وجہ سے رات گھٹ جاتی ہے اور دن بڑھ جاتا ہے۔ یعنی نقطہ شتوی میں نزولِ آفتاب سے نقطۂ انقلاب صیفی کے حصول تک رات کے اجزا کم ہوتے رہتے ہیں اور دن کے اجزا بڑھتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جدی کا پہلا دن سال کے دنوں میں سب سے چھوٹا اور سرطان کا پہلا دن سال کے دنوں میں سب سے بڑا ہوتا ہے۔ یہ دن پندرہ گھنٹوں کا اور رات نو گھنٹوں کی ہو جاتی ہے۔

لیل ونہار کی وجہ تسمیہ

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ لیل کو لیل کیوں کہا جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا:

لانہ منال الرجال من النساء جعلہ اللہ الفۃ ومسکنا ولباسا۔

(اس لیے کہ اس میں مرد اپنی عورت سے مقاصد پاتا ہے اسی کو الفت کا سبب اور مسکن اور لباس بنایا ہے)

انہوں نے عرض کی: یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ نے سچ فرمایا۔ (پھر عرض کی کہ) نہار کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟

آپ نے فرمایا:

لانہ محل طلب الخلق لمعایشہم ووقت سعیہم واکتسابہم۔

(اس میں لوگ اپنی معاش حاصل کرتے ہیں اور ان کے مساعی واکتساب کا وقت ہے)

انہوں نے عرض کی، (اے حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ نے سچ فرمایا۔

وَیُوْلِجُ النَّہَارَ فِی الَّیْلِ اور اللہ تعالیٰ دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ یعنی اس کے بعض اجزا رات میں داخل کرتا ہے۔ یعنی سردیوں میں دن کی گھڑیوں کو رات کی گھڑیوں میں شامل فرماتا ہے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

جیسا کہ مطالع ومغارب کے مختلف سے دن کی کمی یہاں تک کہ جوزا کی آخری رات تمام راتوں سے چھوٹی اور قوس کی تمام راتوں میں سب سے بڑی ہوتی ہے۔ یہ رات پندرہ گھنٹوں کی اور دن نو گھنٹوں کا ہو جاتا ہے۔

اعجوبے

ہم نے ایسے ممالک بھی دیکھے ہیں جن کے موسم کا یہ حال ہے کہ سال میں دو ربیع اور دو صیف اور دو خریف اور دو شتا واقع ہوتے ہیں یہ مملکت خطِ استوا میں واقع ہے اور بعض ممالک ایسے ہیں جن میں رات چھ ماہ اور دن چھ ماہ کا ہوتا ہے۔ بعض ممالک سخت گرم اور بعض سخت سرد ہیں ہارون الرشید کے زمانے میں اقالیم سبعہ میں تین سو تینتالیس مملکتیں تھیں۔ ان میں بعض ممالک کا حدود اربعہ صرف تین دن کی مسافت تھی اور یہ تمام ممالک میں سب سے چھوٹی مملکت تھی اور ان کی سب سے بڑی مملکت کی مسافت تین ماہ میں طے ہوتی۔ اور مملکت اس علاقے کا نام ہے جس کا مستقل بادشاہ ہو۔

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اور سورج وچاند کو مسخر فرمایا بایں طور کہ وہ خلق خدا کے منافع کا سبب ہیں۔

شمس وقمر مومن یا کافر

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ سورج وچاند مومن ہیں یا کافر؟ آپ نے فرمایا: وہ مومن ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہیں اور اپنے مالک کے فرماں بردار ہیں۔ انہوں نے عرض کی: آپ نے سچ فرمایا۔ پھر عرض کی کہ سورج اور چاند ضوء و نور میں برابر کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رات کی نشانی مٹا کر دن کو زیادہ روشن فرمایا۔ یہ بھی اس کا ایک لطف وکرم ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پتا نہ چلتا کہ دن اور رات میں فرق کیا ہے اس کا یولج پر عطف ہے اور ان میں گھٹنے کا اختلاف اسی لیے ہے کہ رات کا دن میں اور دن کا رات میں داخل ہونا امر متجدد ہے یعنی کبھی دن اور کبھی رات۔ لیکن تسخیر الشمس والقمر دائمی اور بلا تعدد ہے اور ان میں تجدد بھی نہیں۔ ہاں تجدد وتعدد ان کے آثار میں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا کُلٌّ ہر ایک سورج اور چاند یَجْرِیْ بحسب حرکت خاصہ قسریہ کے اپنے اپنے مدارات پر جاری ہوتے ہیں اور ان کا جاری ہونا بحسب تعداد ایام ایک دوسرے کے مخالف اور دائمی ہے اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی ایک مقررہ میعاد تک، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مقدر میں فرمایا، یعنی قیامت تک۔

سورج اور چاند کی موت

حضرت حسن سے مروی ہے کہ ان کا جاری ہونا قیامت تک ہے۔ اس کے بعد جب ان پر مؤکلین ملائکہ مر جائیں گے تو یہ بمنزلہ جسم بے جان کے ہو کر گریں گے اور جہنم میں چلے جائیں گے تاکہ ان لوگوں کو عبرت ہو جو ان کی پرستش کرتے تھے۔ انہیں اب پتہ چلے گا کہ جب وہ اپنے سے عذاب نار دفع نہیں کر سکے تو ہمارے لیے کیا کر سکتے ہیں۔ فلہٰذا یہ تو پرستش کے لائق نہیں تھے۔ لیکن اب کیا فائدہ! جبکہ یہی عقیدہ انہیں دنیا میں اپنانا ضروری تھا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ف : بطریق استطراد واقعہ کے بیان کرنے کے لیے دو معطوفوں کے درمیان جملہ معترضہ ہے ۔

ف : ان کے جریان (جاری ہونے) سے ان کی وہ حرکت خاص مراد ہے جو ان کے افلاک میں ہے اور اجل مسمّی سے ان کے دورے کا آخری لمحہ مراد ہے ۔

جن منازل کو سورج سال بھر میں طے کرتا ہے چاند اسے ایک ماہ میں طے کر لیتا ہے ۔ اس معنے انجوبہ پر یہ جملہ سورج و چاند کی تسخیر کے حکم کو بیان کرنے کے لیے ہے اور ظاہر کیا گیا ہے کہ دن اور رات ایک دوسرے میں کس طرح داخل ہوتے ہیں اور واضح کیا گیا ہے کہ سورج اور چاند کے اپنے مدارات یومیہ میں بدلنے کی وجہ سے رات اور دن بنتے ہیں ۔

وَاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ اور بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی کنہ کو جانتا ہے

اس کا عطف یولج اللیل الخ پر ہے یہ بھی اس کے ساتھ حیز رؤیۃ میں داخل ہے اس لیے کہ جو بھی اللہ تعالیٰ کی عجیب صنع اور تدبیر لائق کو معلوم کرے گا وہ اس سے بے خبر نہیں رہ سکے گا کہ وہ واقعی ہر شے کا صانع اور اس کا علم تمام چھوٹے اور بڑے اعمال کو محیط ہے ذٰلِكَ یہ اللہ تعالیٰ کی وسعت علمی اور شمول قدرت و عجائب صنع اور ان کا اختصاص بہ باری تعالیٰ کی طرف اشارہ ہے بِاَنَّ اللّٰهَ بسبب اس کے کہ اللہ تعالیٰ هُوَ الْحَقُّ اس کی الٰہیت حق ہے وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ اور وہ جو پرستش کرتے ہیں مِنْ دُوْنِهٖ ماسوا اللہ تعالیٰ کے یعنی بت پرستی الْبَاطِلُ باطل ہے ان کی الٰہیت اس لیے کہ وہ شے پر بھی قدرت نہیں رکھتے اس لیے ان کی پرستش میں کسی قسم کا فائدہ نہیں ۔

سوال : جب اللہ تعالیٰ کی الٰہیت کی حق الٰہیۃ کی تصریح دلائل سے فرمائی تو پھر غیروں کی الٰہیت کے بطلان کی کیا ضرورت ہے ؟

جواب : تاکہ توحید باری تعالیٰ کا مہتم بالشان ہونا ثابت ہو ۔

وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ اور بیشک اللہ تعالیٰ ہر شے سے بلند و ارفع ہے الْكَبِيْرُ ۝ ہر شے پر غالب ہے ۔ اس کی شان کبریائی کے مقابلے میں ہر شے حقیر اور لاشے ہے ۔

ف : شرح حزب البحر میں ہے کہ جسے معلوم ہوگا کہ العلی وہ ہے جو علو شان اور جلالت کے اعتبار سے ہر شے سے بلند و ارفع ہے تو اس کی ہمت اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھے گی اور وہ صرف اسی کو اختیار کرے گا بلکہ بلند قدر امور کو چاہے گا اور ذلیل و حقیر ترین امور سے نفرت کرے گا ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بلندیِ ہمت بھی ایمان کی علامت ہے ؎

ہمائی چوں تو عالی قدر حرص استخوان حیف است
دریغا سایۂ ہمت کہ بر نا اہل افگندی

ترجمہ : تو ہما ہے اور بہت بڑا بلند قدر، پھر تجھے ہڈیوں کی تلاش کا بڑا افسوس ہے اس لیے کہ تو نے ایسی ہمت بلند کو نا اہل پر ڈال دیا ۔ (بقیہ صـ ۳۰۳)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِیُرِیَكُمْ مِّنْ اٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ
کیا تو نے نہ دیکھا کہ کشتی دریا میں چلتی ہے اللہ کے فضل سے تاکہ تمہیں وہ اپنی کچھ نشانیاں دکھائے بیشک اس میں نشانیاں ہیں ہر بڑے
لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۱﴾ وَ اِذَا غَشِیَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ فَلَمَّا
صبر کرنے والے شکر گزار کو اور جب ان پر آپڑتی ہے کوئی موج پہاڑوں کی طرح تو اللہ کو پکارتے ہیں نرے اسی پر عقیدہ رکھتے ہوئے
نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ وَ مَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۲﴾
پھر جب انہیں خشکی کی طرف بچا لاتا ہے تو ان میں کوئی اعتدال پر رہتا ہے اور ہماری آیتوں کا انکار نہ کرے گا مگر ہر بڑا بے وفا ناشکرا
یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَ اخْشَوْا یَوْمًا لَّا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۫ وَ لَا مَوْلُوْدٌ
اے لوگو اپنے رب سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو جس میں کوئی باپ اپنے بچہ کے کام نہ آئے گا اور نہ کوئی کامی بچہ اپنے
هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَیْــٴًـا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ٙ وَ لَا
باپ کو کچھ نفع دے بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے تو ہرگز تمہیں دھوکا نہ دے دنیا کی زندگی اور ہرگز
یَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ ۚ وَ یَعْلَمُ
تمہیں اللہ کے علم پر دھوکا نہ دے وہ بڑا فریبی بیشک اللہ کے پاس ہے قیامت کا علم اور اتارتا ہے مینہ اور جانتا ہے
مَا فِی الْاَرْحَامِ ؕ وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّا ذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ
جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہے اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کل کیا کمائے گی۔ اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کس زمین
اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ﴿۳۴﴾
میں مرے گی بیشک اللہ جاننے والا بتانے والا ہے۔

تفسیر عالمانہ

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ اس رؤیت سے مشاہدہ و معائنہ مراد ہے اور خطاب ہر اس شخص کو ہے جو اس کا اہل ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کشتیاں تَجْرِیْ جاری ہوتی ہیں۔ المفردات میں ہے کہ الجری بمعنے المر السریع یعنی تیز چلنا فِی الْبَحْرِ دریا میں بِنِعْمَتِ اللّٰهِ یہ باء صلہ کی ہے اور تجری کے متعلق ہے یا حال ہے اور اس کا متعلق محذوف ہے اور یہ اسی متعلق کے فاعل سے حال ہے اور وہ محذوف متلبسۃ ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور احسان و کرم سے چلتی ہیں یعنی انسانی ضروریات کے لیے سامان وغیرہ لے کر چلتی ہیں۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ کا احسان کرم یہ ہے کہ کشتیوں کو پانی پر محفوظ رکھتا ہے اور ان کے چلانے کے لیے ہوا کو مقرر فرماتا ہے۔ اور الاسئلۃ المقحمۃ میں ہے کہ نعمت بمعنے رحمت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کشتیاں پانی پر تمہاری سواری بن کر چلتی ہیں تاکہ ایک دوسرے کی ملاقات کے لیے تمہیں سہولت ہو۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

لِیُرِیَکُمْ تاکہ تمہیں دکھائے مِّنْ اٰیٰتِہٖ اپنے بعض آیات جو اس کی وسعت و علم و قدرت پہ دلالت کریں۔ اس طرح بعض عجائبات۔ تاکہ تم اس کی توحید کو سمجھ سکو۔ اس کا ظاہری معنٰی تو یہ ہے کہ وہ کشتی کی سواری سے دریا کو بسلامت عبور کر جاتے ہیں۔ چنانچہ تاجر سے پوچھا گیا کہ تو نے دریا کے عجائبات سے کون سا بہتر عجوبہ دیکھا؟ اس نے جواب دیا، میرا دریا کو بسلامت عبور کر جانا بہتر عجوبہ ہے۔ اور اس کا باطنی معنٰی یہ ہے کہ سالک لوگ شریعت کی کشتی پر طریقت کے ملاح کے ذریعہ سے حقیقت کے دریا کو عبور

ف: جس نے اپنے رب کی کبریائی کو جانا اور اپنی خودی کو فراموش کیا تو اسے تواضع و انصاف کا دامن نصیب ہوگا اور حفظِ حرمت اسے لازم ہوگی۔ اور الاربعین الادریسیہ میں ہے کہ اے وہ ذاتِ کبریا! کہ تیری عظمت کے وصف سے عقول کو ادراک نہیں ہو سکتا۔

وسعتِ رزق اور ادائیگی قرض کا وظیفہ

حضرت سہروردی رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ جو شخص ان دونوں اسموں پہ کثرت سے مداومت کرے گا تو اس کا قرض ادا ہو جائے گا اور اس کے رزق میں وسعت ہوگی۔

ملازمت سے برطرفی کے بعد بحال ہونے کا وظیفہ

جو شخص کسی عہدہ سے معزول ہو تو وہ ان دو اسموں کو ہفتہ تک وظیفہ کے طور ایک ہزار بار روزانہ پڑھے ملازمت بحال ہو جائے گی اگرچہ بادشاہی سے ہی معزول ہو۔

تفسیرِ صوفیانہ

وان ما یدعون الخ میں اشارہ ہے کہ ما سوی اللہ کی طلب باطل ہے اسی لیے لازم ہے کہ اسے اضطراری موت سے پہلے اپنے اختیار سے ترک کرے اور العلی الکبیر کی طلب مرنے سے پہلے ہی کر لے ؎

۱ مکن عمر ضائع بافسوس و حیف
کہ فرصت عزیز است والوقت سیف

۲ نگہ دار فرصت کہ عالم دمیست
دمے پیش دانا بہ از عالمیست

ترجمہ: (۱) افسوس و حیف کے ساتھ عمر ضائع نہ کرو اس لیے کہ فرصت عزیز اور وقت تلوار ہے۔

(۲) فرصت کو نگاہ میں رکھو اس لیے کہ جہان صرف ایک آن ہے اور دانا کے نزدیک ایک گھڑی تمام جہان سے بہتر ہے۔

ہم اللہ تعالٰی سے اپنی کوتاہی دُور ہونے کا سوال کرتے ہیں۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کرتے ہیں۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ بیشک اس مذکور یعنی کشتی اور دریا کے معاملہ میں لَاٰیٰتٍ ذاتی طور پر بہت بڑی اور ان گنت آیات ہیں لِّكُلِّ صَبَّارٍ ہر انسان کے لیے جو مشقتوں اور تکلیفوں پر بہت صبر کرنے والا ہے یہاں تک کہ وہ اس سے آفاق و انفس میں اپنے نفس کو تفکر کے رنج و محنت میں ڈالتا ہے شَكُوْرٍ ۝ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر بہت زیادہ شکر کرتا ہے یہ دونوں اہلِ ایمان کی صفتیں ہیں گویا یہ اس اہلِ ایمان کے لیے کہا گیا ہے جو ان اوصاف سے موصوف ہو اس لیے کہ اہلِ ایمان کی بہتر صفات صبر اور شکر ہیں۔ ایمان کے دو حصے ہیں، صبر اور شکر۔

صبر کی تفصیل بقدرِ قوت بدنیہ مشقتوں کو اٹھانا، افعال میں جیسے چلنا اور پتھر اٹھانا ایسے امور سے اجسام پر مشقت پڑے تو اُف نہ کی جائے اور انفعال میں جیسے مرض پر صبر کرنا اور کسی کی مار کو برداشت کرنا اور کسی عضو کے کٹنے پر اُف نہ کرنا لیکن مذکورہ بالا صورتوں پر صبر کرنا علی الاطلاق فضیلت نہیں رکھتا بلکہ فضیلت اس صبر میں ہے جس میں اصلاحِ طبیعت مقصود ہو اور اصلاحِ نفس کی خاطر طاعاتِ الٰہی پر صبر کرنا۔

خلاصہ یہ کہ صبر کڑوی دوا کی طرح روحانی امراض کا بہتر علاج ہے اور اس میں بہت بڑے منافع ہیں ؎

طبیب شربتِ تلخ از برائے فائدہ ساخت

ترجمہ: طبیب نے فائدہ کے لیے کڑوی دوائی تیار کی ہے۔

شکر کسے کہتے ہیں: قلب میں نعمت کے تصور اور منعم کی زبان سے تعریف اور اعضاء سے اس کی خدمت کا نام شکر ہے۔ صبر سالک کی ابتدا اور شکر اس کا منتہیٰ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شکر صبر سے افضل ہے۔ اس لیے کہ صبر سے اتنا ہوتا ہے کہ جزع فزع کو ترک کیا جاتا ہے اور شکر میں ایک پوشیدہ امر کا اظہار ہوتا ہے۔ حقیقی صبر کرنے والے بہت تھوڑے ہوتے ہیں اس لیے کہ عموماً انسان کسی طریقہ سے جزع فزع کر ہی لیتا ہے اور بہت تھوڑے لوگ ہیں جو مصائب و تکالیف کو برداشت کر کے نفس کو قابو میں لا سکیں۔ بہت سے لوگ صبر و شکر کے درمیان فرق نہیں سمجھتے۔ ظاہر ہے کہ تکالیف و مصائب کے وقت نفس کو قابو میں لا کر جزع فزع نہ کرنے کا نام صبر ہے اور انہی مصائب و تکالیف کو نعمتِ الٰہی سمجھنے کو شکر کہا جاتا ہے۔ اولیاء کرام کی شان میں کیا خوب فرمایا گیا ہے ؎

خوشا وقت شوریدگان غمش ۱
اگر زخم بینند اگر مرہمش
دما دم شراب الم درکشند ۲
وگر تلخ بینند دم درکشند

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۳ نہ تلخ است صبرے کہ بر یاد اوست
کہ تلخی شکر باشد از دست دوست

ترجمہ: (۱) اس عالم میں شوریدہ حال لوگ بہت خوب کہ اگر اس سے زخم کھاتے یا مرہم پاتے ہیں۔

(۲) وہ دائمی طور پر شراب غم پیتے ہیں اگرچہ تلخی پاتے ہیں تاہم خوش ہوتے ہیں۔

(۳) صبر کڑوا نہیں جب اس کی یاد میں ہو بلکہ تلخی شکر کی طرح میٹھی ہوتی ہے جب دوست کے ہاتھ سے نصیب ہو۔

وَاِذَا غَشِيَهُمْ۔ غشی بمعنے ستر وعلو۔ مثلاً کہا جاتا ہے: غشیہ ای سترہ وعلاہ۔ اور ھُم کا مرجع مطلقاً کشتی سوار ہیں یا صرف کفار۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب ان پر چڑھ جاتی اور ڈھانپ لیتی اور گھیر لیتی ہے **مَّوْجٌ** ہر وہ شے جو پانی کے اوپر ہو **كَالظُّلَلِ** سایوں کی طرح یعنی جیسے پہاڑ یا بادل سایہ کرتے ہیں۔ اب مطلب یہ ہوا کہ جب موج دریا جو بڑا ہوتے ہیں سائبانوں یا پہاڑوں یا بادلوں کی طرح ہے ان پر چڑھ جاتی ہے۔

حلِ لغات: الظلل، الظلۃ (بالضم) کی جمع ہے بمعنے سائبان۔ چنانچہ المفردات میں ہے الظلۃ ہر وہ شے جو صفہ کی شکل میں ہو۔ اسی معنے پر الظلل کو محمول کیا جاتا ہے یعنی وہ الظلل جو اسی آیت موج کالظلل میں واقع ہوا ہے اور الظلل جمع ہے اس لیے موج وہ ہے جو یکے بعد دیگرے پانی کا تودہ آتا ہے۔

دَعَوُا اللّٰهَ تو اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں درانحالیکہ وہ **مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڬ** دعا و طاعت میں اخلاص کرنے لگ جاتے ہیں اس وقت وہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو یاد نہیں کرتے اور نہ ہی کسی اور سے فریاد کرتے ہیں اس لیے کہ اس وقت ان سے خوفِ شدید کی وجہ سے تقلید آبائی اور خواہشاتِ نفسانی زائل ہو کر فطرت اصلی رہ جاتی ہے۔ الاخلاص شے شوائب سے خالی کرنے کو کہا جاتا ہے **فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ** پس جس وقت انہیں اللہ تعالیٰ نجات دیتا ہے سلامتی کے ساتھ انہیں جنگلوں میں پہنچاتا ہے بوجہ ان کے اخلاص فی الدین کے **فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ** تو بعض ان میں طریق قصد یعنی توحید پر قائم رہتے ہیں یا مقتصد بمعنے کفر میں متوسط مزاج آدمی مراد ہے اس میں فی الجملہ کفار کو زجر و توبیخ ہے۔

ف: بعض مشایخ نے فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد تمام کفار کے لیے امن کا وعدہ فرمایا سوائے چار کافروں کے کہ ان کے متعلق فرمایا کہ انہیں قتل کرو جہاں بھی ہوں یہاں تک کہ اگر وہ کعبہ کے پردوں کو بھی پکڑے ہوئے ہوں وہ چار اشخاص یہ تھے:

۱۔ عکرمہ بن ابی جہل
۲۔ عبداللہ بن خطل
۳۔ مقیس بن صبابہ
۴۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

عکرمہ تو بھاگ نکلا اور دریا عبور کرتے ہوئے کشتی پر سوار ہوا تو مخالف ہوا سے کشتی غرق ہونے لگی ملاحوں نے کہا کہ دوستو! اب اللہ تعالیٰ کے ہاں اخلاص کا وعدہ پورا کرو اب تمہارے بتوں نے تمہاری کوئی مدد نہیں کی اور نہ کر سکتے ہیں۔ حضرت عکرمہ نے دل ہی دل میں کہا کہ یا اللہ! اگر تو مجھے آج نجات بخش دے گا تو واپسی پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اسلام قبول کروں گا۔ وہ کریم ہیں مجھے معاف فرما دیں گے۔ ان کے اخلاص کی برکت سے مخالف ہوا ٹھہر گئی اور کشتی غرق ہونے سے بچ گئی۔ حضرت عکرمہ حسب وعدہ مکہ میں واپس آ کر مسلمان ہو گئے اور تادم زیست مخلص رہے۔

۱ قضا کشتی آنجا کہ خواہد برد
وگر ناخدا جامہ بر تن درد

۲ گرت بیخ اخلاص در بوم نیست
ازیں در کسے چوں تو محروم نیست

۳ سلامت در اخلاص اعمال ہست
شود زورق زرق کاراں شکست

ترجمہ: (۱) قضا و قدر جہاں چاہے گی کشتی لے جائے گی اگرچہ ملاح اس پر کپڑے پھاڑ کر بھی ڈال دے۔
(۲) اگر تیرے اندر اخلاص کا بیج نہیں تو اس در سے تجھ سا محروم اور کوئی نہ ہوگا۔
(۳) اعمال میں اخلاص ہو تو سلامتی ہے ورنہ دھوکا بازوں کی کشتی کو شکست کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔

وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَآ اور ہماری قدرت کی نشانیوں کا انکار نہیں کرتا **اِلَّا کُلُّ خَتَّارٍ کَفُوْرٍ ۝** مگر ہر وہ جو غدار ہے اس لیے کہ اس نے عہد فطری کو توڑا یا وہ اخلاص چھوڑا جو اس نے دریا میں غرق ہونے سے بچنے کے وقت ظاہر کیا۔

حل لغات: الختر بہت بڑے اور قبیح ترین دھوکے کو کہا جاتا ہے۔ المفردات میں ہے کہ الختر وہ دھوکا جس میں انسان ضعف کا اظہار کرے اور جس امر کی جدوجہد کرے اسے توڑ ڈالے۔ کفور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بہت زیادہ ناشکری کرنے والا۔ یہ لفظ ہر اس شخص کے لیے مستعمل ہے ناشکری جس کی عادت بن چکی ہو۔ جیسے ظلوم ہر اس شخص کو کہتے ہیں ظلم کرنا جس کی عادت بن چکی ہو۔ کافر کو ان دونوں صفتوں سے اسی لیے موصوف کیا گیا ہے کہ وہ ان دونوں قبیح اور بُری صفات سے موصوف ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف الغدر من علامات المنافق۔

(دھوکا منافق کی علامات سے ہے)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

الوفاء لاهل الغدر غدر والغدر باهل الغدر وفاء عند الله تعالى كما ان التكبر على المتكبر صدقة۔

دھوکا باز سے وفا کرنا بھی دھوکا ہے ایسے ہی اہلِ غدر سے دھوکا کرنا وفا ہے جیسے اللہ تعالےٰ کے نزدیک متکبر کے ساتھ تکبر کرنا صدقہ (ثواب) ہے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ اپنے عہد کے ایفاء میں جدوجہد کرے۔ اس سے ضروری مراد اس عہد سے ہے جو ربوبیت کے اقرار میں 'بلیٰ' کہا گیا، جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا 'الست بربکم'۔ یہ عوام کے لیے عبادت کی رغبت اور وعید سے ڈرنا' اور خواص کے لیے اللہ تعالیٰ کے حکم کا وقوف جس میں اپنی کوئی غرض نہ ہو۔ کبھی انسان کو نسیان عارض ہوتا ہے جس سے وہ اپنے حسب مرتبہ و مقام سزا کا مستحق ہوتا ہے اس لیے کہ اس نے ایفائے عہد کیوں نہ کیا۔

حکایت: حضرت الشیخ ابوالخیر اقطع (ہاتھ کٹے ہوئے) سے کسی نے پوچھا کہ آپ کا ہاتھ کس طرح کٹ گیا؟ آپ نے فرمایا کہ میں لوگوں کے پس خوردہ سے بسر اوقات کرتا تھا۔ ایک دفعہ مجھے خیال گزرا کہ اسے ترک کرکے صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنا چاہیے، بلکہ لوگوں کی کمائی سے کچھ نہ کھاؤں گا اور نہ ہی زمین سے اگنے والے اناج سے۔ اس ترک کا نتیجہ یہ نکلا کہ مجھے پچاس دن تک کہیں سے کھانا نہ ملا یہاں تک کہ میں بھوک سے نڈھال ہوگیا۔ پچاس دن کے بعد مجھے غیب سے دو ٹکڑے سالن کے ساتھ دستیاب ہوئے اس کے بعد میں نے علیحدگی اختیار کرلی اور پہاڑ کی ایک غار میں رہنے لگا ایک دن غار سے باہر نکل کر جنگل کی طرف چلا تو مجھے جنگل میں ایک درخت سے میوے ملے ان میووں کو لے کر منہ میں ڈالا تو اپنا پروگرام یاد آیا تو ان میووں کو تھوک دیا اور پھر واپس غار کی طرف مڑا۔ اسی اثناء میں بعض چور اور ڈاکو پکڑے گئے جن کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے گئے ان کے ساتھ گرفتار کرکے حاکمِ وقت کے ہاں لایا گیا اور مجھے بھی ان چوروں میں شامل کر دیا گیا اور حاکمِ وقت کے حکم سے میرا ہاتھ کاٹ دیا گیا اور حکم ہوا کہ اس کا پاؤں بھی کاٹ ڈالو۔ میں نے اللہ تعالےٰ کے حضور میں التجا کی کہ الٰہ العالمین! میرے ہاتھ نے میوہ توڑنے کی غلطی کی اور اسے سزا ملنی تھی اور مل گئی۔ لیکن پاؤں نے تو کوئی جرم نہیں کیا لہٰذا معافی کا خواستگار ہوں۔ اسی اثناء میں میرا ایک واقف کار آگیا جو حاکمِ وقت کا بھی دوست تھا اس نے حاکمِ وقت سے کہا کہ یہ تو بہت نیک آدمی ہے۔ حاکمِ وقت نے نہ صرف مجھے چھوڑ دیا بلکہ اپنی تعدی کی معافی چاہی۔

ف: دراصل اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں سے ایسے کرتا ہے بہرحال عہد کے ایفاء میں ظاہراً و باطناً جدوجہد ضروری ہے۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

از صبح ازل تا آخر شام ابد
دوستی و مہر بر یک عہد و یک میثاق بود

for more books click on links
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ترجمہ : صبح ازل سے شام ابد تک دوستی و مہر کا ایک ہی عہد و میثاق ہونا چاہیے۔

ف : کفرانِ نعمت ایمان کے زوال کا سبب ہے جیسے بلعم باعورا نے توفیق ایمان و ہدایت رحمٰن کا شکر نہ کیا تو اس سے ایمان چھینا گیا (العیاذ باللہ)

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ یہ نداء عام ہے اس میں جملہ مکلفین شامل ہیں اگرچہ اس کے اصل مخاطب کفار مکہ ہیں اتَّقُوۡا رَبَّکُمۡ اپنے رب تعالیٰ کے عذاب اور غضب سے بچو اور وہ کفر و معاصی و ما سوی اللہ سے اجتناب سے ہوتا ہے۔

ف : بعض عارفین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کبھی اپنے افعال سے ڈراتا ہے مثلاً فرمایا :

اتقوا فتنۃ ۔

اور کبھی صفات سے۔ چنانچہ فرمایا :

الم یعلم بان اللہ یری ۔

اور کبھی ذات سے۔ چنانچہ فرمایا :

ویحذرکم اللہ نفسہ

وَاخۡشَوۡا الخشیۃ یعنے ایسا خوف جس میں تعظیم بھی ہو۔ یَوۡمًا تیسیر میں ہے کہ جائز ہے کہ اس سے معنی ظاہری مراد ہو اس لیے کہ قیامت کا وہ یوم ہے کہ جس سے خوف دلایا جاتا ہے لَّا یَجۡزِیۡ اس میں بدلہ دے گا وَالِدٌ عَنۡ وَّلَدِهٖ باپ بیٹے سے یعنی باپ بیٹے کی طرف سے کسی حق کا بدلہ نہ دے سکے گا اور نہ ہی اس کے گناہوں کا بوجھ اٹھا سکے گا اور نہ ہی اسے اپنی طاعات میں سے کچھ دے سکے گا۔ جزاء بمعنے قضاء دین ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے :

جزا دینہ ۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کا قرض ادا کرے۔ المفردات میں ہے کہ الجزاء بمعنے الغناء والکفایہ مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

لا تجزی نفس عن نفس شیئا۔

اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ ڈرو اس دن سے کہ جس میں باپ بیٹے کا عذاب دفع نہ کر سکے گا۔ الولد کا لفظ اگرچہ بیٹے کے قریب و بعید دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن یہاں صلبی اور قریبی بیٹا مراد ہے یعنی جب وہ اپنے بیٹے صلبی و قریبی کا عذاب دفع نہ کر سکے گا تو پھر دوسروں کے لیے عذاب کے دفع کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ف : اس میں رد ہے ان لوگوں کا جو غرور و فریب کھا کر اپنے آباؤ اجداد پر فخر کرتے ہوئے ان کی شفاعت پر اعتماد کرتے ہیں اور ایمان و عمل صالح سے بالکل کورے ہوتے ہیں لے

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وَلَا مَوْلُوْدٌ اس کا عطف والد پر ہے اور یہ مبتدا اور اس کی خبر هُوَ جَازٍ ہے اور جزی بمعنی ادا کرنے والا ہے عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا حقوق کی ادائیگی میں کوئی شے۔ والد و مولود کی تخصیص اس لیے ہے کہ جب اتنے گہرے تعلق کا قیامت میں یہ حال ہے تو پھر غیروں کے متعلق کیا ہوگا۔ یہاں پر مولود سے اپنا صلبی اور قریبی بیٹا مراد ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ جب اس شخص کا یہ حال ہے کہ جس کی صلب سے پیدا ہوا ہے اس کی شفاعت نہیں کر سکے گا تو پھر اوپر کے آباؤ اجداد کی کس طرح شفاعت کر سکتا ہے اور عبارت کی تعبیر میں اشارہ ہے کہ بیٹا قیامت میں کام نہیں آسکے گا اس سے اہلِ ایمان کے بعض اشخاص کے طمع کو توڑنا مطلوب ہے جن کا خیال تھا کہ وہ آخرت میں اپنے کفار آباء کی شفاعت کریں گے۔

ردِّ وہابیہ نجدیہ مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت صرف کفار و مشرکین کے لیے ہے کہ قیامت میں صرف کافروں کے لیے شفاعت نہ ہوگی ورنہ اہلِ ایمان ایک دوسرے کی شفاعت کریں گے ایسے اہلِ ایمان اولاد اپنے مومن آباؤ اجداد کی شفاعت کریں گے بلکہ انھیں ایک دوسرے سے نفع ہوگا کما قال تعالیٰ:

الحقنا بہم ذریاتہم۔

اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ بیشک اللہ تعالیٰ کا وعدہ حشر اور جنت اور دوزخ اور ثواب و عقاب کے بارے میں لفظ الوعد خیر و شر دونوں میں مستعمل ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

وعدتہ یعنی میں نے اس سے وعدہ کیا۔

اگر خیر کا ہوگا تو بھی، اگر شر کا ہوگا تو بھی یہی جملہ استعمال ہوگا۔ وعد کی طرح میعاد بھی مصدر ہے لیکن لفظ الوعید صرف شر میں استعمال ہوتا ہے۔

حَقٌّ ثابت ہے ضرور ہو کر رہے گا۔ اس کا خلاف ہرگز نہ ہوگا فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا۔

حلِ لغات اہلِ لغت کہتے ہیں:

غرہ بمعنی خدعہ واطمعہ بالباطل فاغتر ھو۔

(فلاں نے اسے دھوکا دیا اور اسے غلط باتیں کہہ کر طمع اور لالچ دی تو وہ دھوکا کھا بیٹھا)

کذا فی القاموس۔

اور الحیوۃ الدنیا سے دنیوی زینت اور آرائش اور اس کا مال و متاع۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ دنیوی آرائش اور مال و متاع تمہیں دھوکا میں نہ ڈالے۔

بقیہ حاشیہ گذشتہ

ف اس سے ہمارے اسلاف کی شفاعت کا رد نہیں اس لیے کہ ہم بحمدہٖ تعالیٰ دولتِ ایمان سے نوازے گئے ہیں۔ (اویسی غفرلہٗ)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے یعنی تمہیں دھوکا دے گی کہ میرے اندر ہر طرح کی سلامتی اور عافیت ہے لیکن اس کا انجام برا ہو گا فلہٰذا اس کے دھوکا و فریب سے بچ کر رہنا چاہیے ۔

تفسیر عالمانہ

وَلَا یَغُرَّنَّکُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝

حل لغات : المفردات میں ہے کہ الغرور بمعنی ہر وہ شے جو انسان کو بگاڑ دے جیسے مال و جاہ اور شہوت و شیطان ۔ بعض مفسرین نے یہاں پر الغرور سے شیطان مراد لیا ہے اس لیے دھوکا و فریب دینے والوں میں سے خبیث ترین یہی شیطان ہے ۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ تمہیں شیطان دھوکا میں نہ ڈالے اس لیے کہ بہت بڑا دھوکا باز ہے ۔ مثلاً تمہیں توبہ و مغفرت کی امید دلا کر تم سے بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کرا لے گا اور تمہیں موت اور قبر کی باتیں بھلا دے گا احوالِ قیامت اور اس کے دردناک عذابوں سے غافل کر دے گا ۔ ؎

وعدۂ فردا را عمرِ فردا باید
(کل کے عذر کے لیے کل تک زندہ رہنا بھی ضرور ہے)
(جب کل تک زندہ رہنے کا یقین نہیں تو پھر توبہ میں تاخیر کروں)[1]

؎

کار امروز بفردا مگذاری زنہار
روز چوں یافتۂ کار کن و عذر میار

ترجمہ : آج کا کام کل پر مت ڈالیے ۔ جب آج کا دن تمہیں مل گیا ہے تو کل کے لیے توبہ میں دیر نہ کیجئے ۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ غرور کا مطلب یہ ہے کہ بُرے اعمال کے ارتکاب کے باوجود اللہ تعالیٰ سے بخشش کی امید میں رہنا ۔

حدیث شریف (حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) الکیس من دان نفسہ وعمل لما بعد الموت والعاجز من اتبع نفسہ ھواھا وتمنی علی اللّٰہ المغفرۃ ۔

(ہوشیار وہ ہے جو اپنے نفس کو نیکی سے سنوارے اور آخرت کا سامان تیار رکھے اور عاجز وہ ہے جو اپنی خواہشات کا اتباع کرے اور پھر اللہ تعالیٰ سے رحمت و مغفرت کا

---

[1] اضافہ از مترجم غفرلہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

امیدوار ہیں)

کسی نے کیا خوب کہا: شعر

ان السفینۃ لا تجری علی الیبس

(کشتی خشکی پر نہیں چلتی)

سبق: اعمالِ صالحہ ضروری ہیں اس لیے کہ نجات کا موجب اعمالِ صالحہ کو بنایا گیا ہے۔ انہی کی برکت سے آنے والے اول لوگوں کے مراتب میں برابری حاصل کرتے ہیں۔

ف: آیت میں اشارہ ہے کہ اگر اسلام و طاعتِ الٰہی سے محروم ہے تو پھر غیر سے انتفاع از قسم شفاعت بے سود ہے کیونکہ قیامت کا ایک ایسا سخت دن ہے کہ جس میں اپنی اولاد بھی کام نہ آئے گی چہ جائیکہ دوسروں سے نفع کی امید رکھی جائے اس دن ہر انسان نفسی نفسی پکارے گا مگر یہ ایک الگ بات ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ کا رحم و کرم ہو جائے۔

ف: حضرت کعب الاحبار سے مروی ہے کہ قیامت کے دن ماں اپنے بیٹے سے کہے گی کہ کیا میرا پیٹ تیری غذا کا برتن نہیں تھا، کیا میری گود میں تو لیٹتا نہیں تھا، کیا میرے پستان تیرے دودھ کا سرچشمہ نہیں تھے۔ اس کا ترجمہ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ نہ طفلے زبان بستہ بودے ز لاف
ہمی روزے آمد بجوفت ز ناف

۲ چو نافت بریدند روزے گسست
بہ پستانِ مادر در آویخت دست

۳ کنار و بر مادر دلپذیر
بہشت است و پستان از و جوئے شیر

ترجمہ: (۱) کیا تو وہ بچہ نہیں کہ گفتگو سے تیری زبان بند تھی۔ کیا تجھے تیری روزی ناف کے ذریعہ پہنچتی تھی!
(۲) جب تیری ناف کاٹی گئی تو تیری روزی وہاں سے بند ہو گئی تو پھر تیرا ہاتھ ماں کے پستان سے لٹکا۔
(۳) ماں کی گود اور بغلیں تیری بہشت اور اس کے پستان تیرے لیے دودھ کی نہر تھی۔

جب ماں بیٹے کو اپنے احسانات جتلائے گی اور کہے گی کہ مجھ سے میرے گناہوں کا بوجھ ہلکا کر دے اس لیے کہ گناہوں کا بوجھ میری کمر توڑ رہا ہے۔ بیٹا جواب دے گا: اماں! آج ہر شخص اپنے گناہوں میں گرفتار ہے اگر میں تیرا بوجھ ہلکا کروں تو میرا بوجھ کون ہلکا کرے گا؟ ؎

من و تو دو محتاج یک مائدہ
نہ از من نہ از تو ہمیں فائدہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ترجمہ: آج میں اور تو دونوں محتاج ہیں نہ میں تجھے کوئی فائدہ دے سکتا ہوں اور نہ تو مجھے کوئی فائدہ دے سکتی ہے۔

حدیث شریف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا:

انہ لیکون للوالدین علی ولدھما دین فاذا کان یوم القیامۃ یتعلقان بہ فیقول انا ولدکما فیودّان لو کان اکثر من ذلک۔

(ماں باپ کا بیٹے پر قرض ہوگا تو قیامت میں وہ دونوں قرض کا مطالبہ کرتے ہوئے ایک دوسرے سے چمٹیں گے تو بیٹا کہے گا تمہارا بچہ ہوں۔ وہ دونوں سن کر اس کا قرض معاف کر دیں گے اور کہیں گے اگر اس سے زیادہ بھی ہوتا تو ہم معاف کر دیتے)

سبق: مومن پر لازم ہے کہ وہ عبادت، توبہ، ندامت میں دھکا کھا کر اور اس اعتماد میں رہ کر کہ اللہ تعالیٰ بخش دے گا، سستی نہ کرے۔

حکایت اسرائیلیات میں ہے کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام بیمار ہوئے تو انہیں علاج بتایا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ پر بھروسا ہے وہی مجھے عافیت اور تندرستی دے گا، میں علاج نہیں کراتا۔ اس طرح سے ان کا مرض بڑھتا گیا۔ ایک دن اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم میں تجھے عافیت و سلامتی نہیں بخشوں گا جب تک علاج نہ کراؤ گے، کیا تم اے موسیٰ علیہ السلام! میری حکمت کو بیکار چھوڑنا چاہتے ہو!

ف: اس سے معلوم ہوا کہ اعمال و طاعات جنات و درجات کے وسائل اور اسباب ہیں اگرچہ ہم انہیں جنات وغیرہ کے لیے علت (غائی) نہیں کہہ سکتے۔ اسے یوں سمجھئے کہ دنیا میں رہ کر ہر معاملہ کیلئے وسیلہ بنانا ضروری ہے ایسے ہی آخرت میں حصولِ درجات و جنات کے لیے بھی یہی اعمال صالحہ اسباب و وسائل ہیں[1]

حکایت منقول ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادہم قدس سرہٗ کو حمام میں داخل ہونے سے روکا گیا جبکہ آپ کے پاس حمام کی اُجرت نہیں تھی تو آپ نے آہ کھینچ کر فرمایا کہ جب بیت الشیطان میں بلا اُجرت داخلہ منع ہے تو بیت الرحمٰن میں بلا عمل کیسے داخل ہوا جا سکتا ہے!

سبق: مشائخ نے فرمایا کہ کوئی اپنے آپ کو خواہ مخواہ بدبخت سمجھ کر اعمال صالحہ کی جدوجہد سے بیٹھ جائے یہ سخت غلطی ہے بلکہ اس پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ سے نیک امید رکھ کر راہِ طریقت میں خوب جدوجہد

---

[1] یہی ہم اہلسنت کہتے ہیں کہ انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا و علیہم السلام حصولِ مقاصد کے لیے بارگاہِ حق کے وسائل ہیں اور آیاتِ قرآنیہ و احادیثِ نبویہ میں تصریحات موجود ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کرے کیونکہ خوش اعتقادی کو حصول مراد میں تاثیر بلیغ ہے (اسی وجہ سے ہم اہلسنت اولیائے کرام وعلمائے ملت کے ساتھ خوش اعتقادی کا درس دیتے ہیں)[1]

ف: بندوں سے اللہ تعالیٰ نے بھی وعدہ کیا ہے اور شیطان نے بھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا وعدہ مبنی بر صدق اور شیطان کا وعدہ نرے دھوکا فریب اور جھوٹ پر مبنی ہے اس لیے کہ شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے۔

قاعدہ: دوست کے کلام میں دلچسپی لینا بہتر ہے اور دشمن کی بات کو سننا نرا نقصان ہے۔

سبق: ہم سب پر لازم ہے کہ ہم شیطان و نفس کے دھوکا و فریب سے دھوکا نہ کھائیں اور نہ ہی دنیا کے ساز و سامان پر سہارا کریں اس لیے دنیا کی دولت کو زوال اور اس کی زیب و زینت مٹنے والی ہے اور اس نے کسی سے وفا کا ثبوت بھی نہیں دیا ؎

۱ بر مرد ہشیار دنیا خس است
کہ ہر مدتی جای دیگرست

۲ منہ بر جہان دل کہ بیگانہ ایست
چو مطرب کہ ہر روز در خانہ ایست

۳ نہ لائق بود عشق با دلبری
کہ ہر بامداد اوش بود شوہری

۴ مکن تکیہ بر ملک و جاہ و حشم
کہ پیش از تو بودست و بعد از تو ہم

۵ ہر تخت و ملکی پذیرد زوال
بجز ملک فرماندہ لایزال

۶ غم و شادمانی نماند و لیک
جزای عمل ماند و نام نیک

۷ عروسی بود نوبت [illegible]تمت
گرت نیک روزی بود خاتمت

۸ خدایا بحق بنی فاطمہ
کہ بر قول ایمان کنی خاتمہ

ترجمہ: (۱) ہشیار آدمی کے لیے دنیا ایک تنکا ہے جس کا ہر لحظہ مقام دیگر ہے۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(۲) جہان میں دل نہ لگا کیونکہ یہ بیگانہ ہے۔ سارنگی بجا خدا کے لئے کی طرح ہر دن سنتے مگر یہ ہوتا ہے

(۳) اس محبوب سے دل لگانا اچھا نہیں جس کا نت نیا شوہر ہو۔

(۴) ملک و جاہ و حشم پر تکیہ نہ کر اس لیے کہ تجھ سے پہلے بھی بہت ہو گزرے ہیں اور تیرے بعد بھی بہت آئیں گے

(۵) تمام تخت اور ملک زوال پذیر ہیں سوائے ملک لم یزل اللہ تعالیٰ کے۔

(۶) غم و خوشی ضرور رہے گی نیکی اعمال کی وجہ اور نام نیک باقی رہے گا۔

(۷) موت کے وقت تمہیں خوشی ہوگی جب تیرا خاتمہ نیک ہوا۔

(۸) اے اللہ! اولادِ فاطمہ کے طفیل میرا خاتمہ ایمان پر فرمانا۔

دعا: ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ افضل الاعمال اور ایمان پر ہمارا خاتمہ فرمائے بلکہ جب سکرات جاری ہو تو توحید کی دولت کے ساتھ ہماری زبان پہ ذکرِ رحمان (اور درود و سلام بر شہِ انس و جان مالکِ کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم) جاری ہو اور ہمیں مرنے کے بعد جنات میں جگہ دے جہاں رحمت بھری نہریں جاری ہیں اور ہمیں شب و روز اپنی (اور اپنے حبیب پاک شہِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی) زیارت سے مشرف فرمائے (آمین)۔

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ۔ الساعة دو جدید اجزاء کے ایک جزو کا نام ہے اور قیامت کو الساعة سے اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ وہ دنیا کی آخری ساعت پر قائم ہوگی۔ آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سے قیامت کا علم کہ وہ کب قائم ہوگی اسی طرح ان کے اندر احوال اور ہولناکیاں کے علم میں وہی منفرد ہے لوگوں میں سے کسی ایک کو اس کا علم نہیں کہ وہ کس سن، کس ماہ اور کس رات یا دن کی کس ساعت میں قائم ہوگی!

شانِ نزول: مروی ہے کہ حارث بن عمر بدوی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

نکتہ: اللہ تعالیٰ نے وقت ساعت کو اس لیے مخفی رکھا تاکہ لوگ پُر حذر رہیں اور اعمال صالحہ میں کوتاہی نہ برتیں۔ چنانچہ مروی ہے کہ ایک اعرابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! فرمائیے قیامت کب قائم ہوگی؟ آپ نے اس سے فرمایا کہ تو نے اس کی تیاری کی ہے؟ عرض کی:

لا شئی الا انی احب اللہ ورسولہ۔

(کچھ نہیں صرف یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں)

لہ مگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے جسے عنایت فرمائے تو اس سے انکار بھی گمراہی ہے اور ظاہر ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پانچوں کے علاوہ بے شمار علوم اور خزائن الغیب سے بہت کچھ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا اور ان کے طفیل دیگر انبیاء کرام اور اولیاء عظام کو بھی۔ تفصیل کے لیے تفسیر اویسی ملاحظہ ہو۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

آپ نے فرمایا :

انت مع من احببت ۔

(تو قیامت میں اسی کے ساتھ ہوگا جس سے تجھے محبت ہے)[ل]

حاضر ہو کر عرض کی ، قیامت کب قائم ہوگی ؟ اور کہا کہ ہمارا علاقہ قحط زدہ ہے میں نے زمین میں بیج بویا ہے بتائیے بارش کب ہوگی اور میری عورت حاملہ ہے بتائیے اس کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا یا لڑکی ۔ اور فرمائیے کہ یہ تو مجھے علم ہے کہ میں نے کل یہ کام کیے ہیں لیکن آپ بتائیں میں کل کون سے کام کروں گا اور یہ تو مجھے معلوم ہے کہ میں کہاں پیدا ہوا لیکن آپ بتائیں کہ میں کس علاقے میں مروں گا ۔ اس کے سوالات کے جوابات میں یہ آیت نازل ہوئی ۔ یعنی یہ پانچ علوم اللہ تعالیٰ کے خزانہ مشیت میں ہیں اس کی چابی صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں میں ہے کوئی شخص اپنی کوشش سے اسے حاصل نہیں کر سکتا[ٹ]

لی حبیب عربی مدنی قرشی
کہ بود درد و غمش مایۂ سودا و خوشی
ذرہ وارم بہوا وریٔ او رقص کناں
تا شد او شہرۂ آفاق بخورشید وشی

ترجمہ : میرے محبوب عربی مدنی قرشی ہیں ان کا درد اور غم سودا و خوشی کا مایہ ہے ۔ میں ان کی محبت میں ذرہ سے کمتر ہوں لیکن اپنی قسمت پر نازاں ہوں اس لیے جو بھی ان سے منسلک ہوتا ہے وہ سورج کی طرح شہرۂ آفاق ہوتا ہے ۔

وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ اس کا عطف اس فعل پر ہے جو ظرف کا مقتضی ہو ۔ یہ عبارت دراصل ان اللہ یثبت عندہ علم الساعۃ و ینزل الغیث تھی ۔ کما فی المدارک ۔

ف : بارش کو غیث اسی لیے کہا جاتا ہے کیونکہ وہ خلق خدا کا فریاد رس ہے ۔ اسی سے ان کا رزق

حاشیہ اگلے صفحہ

بعض حضرات اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ پانچ چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کسی غیر کے لیے ثابت کرنا شرک ہے اسی کو علوم خمسہ کہا جاتا ہے ۔ اس آیت کی تائید میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا : خمس لا یعلمھن الا اللہ ثم قرآن اللہ عندہ علم الساعۃ الخ

[ل] الحمد للہ ہم اہلسنت کو اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ان کے جملہ صحابہ کرام اور تمام اہلبیت عظام اور اولیائے ملت اور علمائے امت سے بے حد محبت ہے لیکن بعض بدبخت ایسے بھی ہیں جنہیں مذکورہ بالا شخصیتوں کے دل میں بغض ہے اور یزید جیسے خبیث النفس سے محبت کا دم بھرتے ہیں ۔ اویسی غفرلہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اگتا ہے اور اسی پر اس کی زندگی کا دارومدار ہے۔
حقیقی فریادرس اللہ تعالیٰ ہے لیکن چونکہ ایک سبب سے بارش کو
(ردّ وہابیہ نجدیہ دیوبندیہ فریادرس کہا گیا ہے تو یہ شرک نہیں۔ ایسے ہی اولیاء کرام بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے فریادرس ہیں جیسے مجازاً بارش کو فریادرس کہنا جائز ہے تو ان حضرات کو بطریقِ اولیٰ مجازاً فریادرس کہنا جائز ہے اس لیے کہ بارش ہمارے لیے سبب ہے اور بارش کا سبب اور وسیلہ یہی حضرات ہیں۔ اویسی غفرلہٗ)

ف : مذکورہ بالا تقریر سے ثابت ہوا کہ اسی بارش کو غیث کہا جائے گا جو نافع ہوگی۔

اب آیت کے جملہ کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ بارش نازل فرماتا ہے اسی وقتِ معین میں جس میں اس کے نزول کا وقت مقدر ہے اور اسی جگہ پر جو اس نے نزولِ بارش کے لیے مقرر فرمائی۔ اس میں تقدیم و تاخیر اور پس و پیش نہیں ہوتا۔ لیکن اس کا علم صرف اسی کو ہے کسی اور کو کوئی علم نہیں کہ نزولِ بارش کب اور کہاں ہوگا اور یہ بھی صرف اسی کو معلوم ہے کہ اس کے قطرات کتنے ہوں گے (ہم نے حاشیے پر روایات نقل کی ہیں کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بارش کے نزول کا علم تھا بلکہ آپ نے باذنہٖ و عطائہٖ تعالیٰ بارش کے غیر امکانی وقت میں بارش نازل کرا دی)[1]

حدیث شریف ۱ مرفوعاً مروی ہے:

ما من ساعة من ليل ولا نهارا الا السماء تمطر فيها يصرفه الله حيث يشاء۔

(دن اور رات کی کوئی گھڑی ایسی نہیں جس میں بارش نہ ہوتی ہو جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے وہاں بارش ہوتی ہے)

حدیث شریف ۲ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما سنة بامطر من اخرى ولكن اذا عمل قوم بالمعاصي حول الله ذلك الى غيرهم فاذا العصوا جميعا صرف الله ذلك الى الفيافي والبحار۔

(ہر سال کی بارش بہ نسبت پچھلے سال کے زیادہ ہوتی ہے لیکن جب بندے معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اسے (بارش کو) دوسرے بندوں کی طرف پھیر دیتا ہے اور جب سب گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو اسے جنگلوں اور دریاؤں پر برساتا ہے)

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

نسخۂ روحانی جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا موسلادھار بارش کی طرح طالب ہے اسے توبہ و ندامت اور قاضی الحاجات کی طرف نہایت خلوص سے اور بہتر مناجات سے عاجزی کا اظہار کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے ؎

تو از فشاندن تخم امید دست مدار
کہ در کرم نکند ابر نوبہار امساک

ترجمہ: تمہیں بیج بونے میں پُر امید ہونا چاہیے اس لیے ابر نوبہار بارش برسانے میں دیر نہیں کرتا۔

وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ[1] رحم بچہ دانی کو کہتے ہیں یعنی وہ جگہ جہاں نطفہ ٹھہرنے کے بعد انسانی ڈھانچہ تیار ہوتا ہے۔ یعنی یہ صرف اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ پیٹ میں نر ہے یا مادہ، زندہ ہے یا مردہ، اور اس کے صفات کیا ہیں، مثلاً وہ بچہ سالم ہے یا ناقص، حسین ہے یا قبیح، سعادت مند ہے یا بدبخت ؎

١ بر احوال نابودہ علمش بصیر
بر اسرار ناگفتہ لطفش خبیر

٢ قدیمی نکوکار نیکو پسند
بکلک قضا در رحم نقش بند

٣ ز ابر افگند قطرۂ سوے یم
ز صلب آورد نطفہ در شکم

٤ ازاں قطرہ لؤلؤے لالا کند
وزیں صورتے سرو بالا کند

ترجمہ: (١) جو شے ابھی ناپید ہے اسے بھی اس کا علم محیط ہے اور ان کہے اسرار سے بھی اس کا لطف باخبر ہے۔
(٢) وہ قدیم سے بہتری کرنے والا اور نیکی کو پسند کرنے والا ہے۔ قضا کی قلم سے رحم میں نقش بنانے والا ہے۔
(٣) بادل سے دریا کی طرف قطرات بھیجتا ہے باپ کی پشت سے ماں کے پیٹ میں نطفہ لاتا ہے۔
(٤) بادل کے قطرہ سے چمکدار موتی بناتا ہے اور اس دوسرے پانی (نطفہ) سے سرو کی طرح سیدھے قد والے انسان پیدا فرماتا ہے۔

---

[1] اس موضوع پر فقیر نے ایک رسالہ مرتب کیا ہے، ملاحظہ فرمایئے۔
اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ نفوس میں سے کوئی نفس بھی نہیں جانتا۔

حل لغات: الدرایۃ یعنی کسی شے کو حیلہ، بہانہ سے معلوم کرنا۔ یہی وجہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کو موصوف نہیں کیا جاتا۔ مثلاً اسے الداری نہیں کہا جا سکتا۔

سوال: ایک مسلمان شاعر نے اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے کہا: شعر

لاھم لا ادری و انت الداری

(اور وہ اور میں نہیں جانتے تو جانتا ہے)

جواب: یہ جاہلیت اور بدوی عربوں کے استعمالات سے ہے۔

(۲) مشاکلت کے اعتبار سے جواز ثابت ہو جاتا ہے۔ مثلاً لفظ نفس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر ناجائز ہے لیکن مشاکلت کی وجہ سے قرآن میں استعمال ہوا ہے کما قال:

تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسك۔

(جو میرے ارادے میں ہے اسے تو جانتا ہے۔ اور جو تیرے ارادے میں ہے وہ میں نہیں جانتا۔

(ف: جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نفی کرنے والوں کو سوچنا چاہیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حیلے سے جاننے کی اگر نفی ہے تو اعطائے ایزدی کی نفی بھی ہو گئی۔ فقیر اویسی نے اس موضوع پر ایک رسالہ بنام "نور الہدیٰ فی علوم ماذا تکسب غدا" لکھا ہے۔ اویسی غفرلہ)

مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا کل کیا کسب کرے گا۔

حل لغات: الکسب یعنی کسی ایسے امر کے لیے انسان کا کوشش کرنا جس میں اسے نفع ہو۔ مثلاً کسب المال وغیرہ۔ اور کبھی اس کا استعمال انسان کے اس گمان میں ہوتا ہے جس میں حصول نفع پر دفع ضرر بھی ہو جائے گا۔ الغد وہ یوم جو آج کے دن کے بعد متصلاً واقع ہو جیسے امس، وہ یوم جو آج کے دن سے پہلے متصلاً گزرا ہو۔ یعنی کسی کو کیا خبر کہ وہ کل کیا کام کرے گا، اچھا یا برا، موافق یا مخالف۔ مثلاً بارہا انسان پختہ ارادہ کرتا ہے کہ کل اچھا کام کرے گا لیکن اس سے برا فعل صادر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بالعکس۔ جب انسان کو یہ معلوم نہیں کہ کل کی گھڑی میں میں نے کون سا عمل کرنا ہے تو پھر اسے کل کے بعد آنے والے لمحات کی لاعلمی لازم امر ہے۔

۱۔ ندانند کہ چوں شود امر او
چو حاصل کند در پس عمر او

۲ بجز حق کہ علمش محیط گشت
بحال و ماضی مستقبلست

ترجمہ: (۱) جب اس کا حکم ہوتا ہو تو کسی کو بھی اس کا علم نہیں ہوتا اس عمل سے کیا حاصل ہو عمر کے ختم

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ہونے کے بعد ہو (یا یہ غلط) (۲) ہر شے کو جیسا صرف اللہ تعالیٰ کا علم ہے اس کے آگے ماضی و مستقبل برابر ہے۔

وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ اور کسی نفس کو کیا معلوم اگرچہ اس میں کئی طرح کی حیلہ سازیاں کرے۔ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ط کہ کونسی زمین پر مرے گا' دریا میں یا جنگل میں، ہموار اور نرم زمین پر یا پہاڑوں پر، اور نہ ہی اسے معلوم ہے کہ وہ کب مرے گا! ہاں عین وقت پر اگر اسے معلوم ہو جائے کہ اس کی موت فلاں علاقے میں ہوگی تو کوئی حرج نہیں۔

حکایت مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاں ملک الموت ایک شخص کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھے اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے پوچھا یہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا یہی ملک الموت ہے۔ کہا کہ شاید یہ میری جان لینے آیا ہے آپ ہوا کو حکم دیجئے کہ وہ مجھے اڑا کر ہندوستان کے کسی دور کے شہر میں پہنچا دے۔ آپ نے ہوا کو فرمایا (وہ اسے لے اڑی (حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملک الموت سے پوچھا) آپ اس شخص کو غور سے کیوں دیکھتے تھے؟ فرمایا، میں متعجب تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تو مجھے حکم فرمایا ہے کہ اس کی روح ہندوستان کے فلاں شہر میں قبض کرنے اور وہ یہاں بیٹھا ہے

(اسی لیے اس نے سلیمان علیہ السلام سے عرض کی جس پر ہوا نے اڑا کر اسے وہاں پہنچا دیا جہاں اس کی روح قبض کی جانی تھی)۔

حکایت مقاصد الحسنہ میں ہے کہ ایک شخص سورج کے فرشتے کے لیے کہتا تھا،

اللّٰھم صل علٰی ملک الشمس۔

ایک دن ملک الشمس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی:

یا الہ العلمین! مجھے اس شخص کی زیارت کی اجازت بخشئے جو میرے لیے دعا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اجازت بخشی تو وہ فرشتہ اسی بندے کے ہاں تشریف لایا اور کہا:

بھائی جان! میں صرف تیرے لیے زمین پر آیا ہوں اور میں ہی ملک الشمس ہوں، بتائیے میرے لائق کوئی خدمت!

اس نے کہا، حضرت! میں نے سنا ہے کہ آپ کی ملک الموت کے ساتھ دوستی ہے میرے لیے ان سے کہئے کہ ایک تو مجھے موت کے مقررہ وقت سے مہلت دیں، دوسرا میری روح قبض کرتے وقت آسانی فرمائے۔ ملک الشمس اس شخص کو لے کر سورج میں پہنچ گئے اور اسے سورج میں بٹھا کر ملک الموت کے ہاں تشریف لے گئے اور اس کی سفارش کی تو ملک الموت نے اس کا نام اور ولدیت و سکونت پوچھی، ملک الشمس نے اس کا تعارف کرایا۔ ملک الموت (علیہ السلام) نے لوحِ محفوظ کو دیکھ کر فرمایا کہ اس شخص کی موت سورج کے اندر لکھی ہے اور اس کی روح ہمارے خدام نے نکال بھی لی ہے۔ چنانچہ ملک الشمس سورج میں واپس تشریف لائے تو اس شخص کو مردہ پایا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حکایت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن مدینہ کے گرد و نواح میں سیر کو تشریف لے گئے۔ ایک شخص کو دیکھا کہ اس کی قبر کھودی جا رہی ہے۔ آپ نے فرمایا: یہ کون ہے؟ عرض کی گئی کہ یہ ایک حبشی جوان ہے۔ آپ نے فرمایا: وہی اللہ جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں اس نے اس بندے کو زمین و آسمان میں اسی جگہ پر پہنچایا جہاں اس نے دفن ہونا تھا اور اسی سے ہی اس کا خمیر ہوا تھا۔ قیامت کے دن زمین عرض کرے گی یا اللہ! یہ ہے تیری وہ امانت جو تو نے میرے اندر رکھی۔

کسی شاعر نے کہا: ؎

اذا ما حمام المرء کان ببلدة
دعته الیها حاجة فیطیر

ترجمہ: جس کسی کی موت کسی شہر میں واقع ہونا مقدر ہوتا ہے تو کوئی ضرورت اسے ادھر کی طرف اٹھا کے لے جاتی ہے۔

سبق: اس میں انسان کو تنبیہ ہے کہ وہ ہر وقت موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھ کر اس کی تیاری میں لگا رہے۔ یعنی طاعاتِ الٰہی اور نیک اعمال کا سرمایہ جمع کرے یہاں تک کہ اگر کسی کا دل دکھایا ہو تو اس سے معافی چاہے اور اس کا حق ادا کرے۔ قرض دینا ہو تو فوراً دے اگرچہ گھر میں ہو تب بھی اپنے اقارب احباب کو وصیت کرے جو مرنے کے بعد اسے پورا کر سکے۔ اگر سفر کو جائے تو بطریق اولیٰ اسے وصیت کرنی چاہئے کیونکہ ممکن ہے کہ اس کی موت سفر میں آ جائے۔ اور کسی کو کیا معلوم کہ کس علاقے میں موت واقع ہو گی۔ کسی شاعر نے کہا: ؎

۱ مشینا فی خطی کتبت علینا
ومن کتبت علیه خطی مشاها

۲ وارزاق لنا متفرقات
فمن لم تأته منا اتاها

۳ ومن کتبت منیته بارض
فلیس یموت فی ارض سواها

(کما فی عمدۃ القاری)

ترجمہ: (۱) ہم ان قدموں پر چلیں گے جو ہمارے لیے تقدیر میں لکھے گئے کیونکہ جس کے لیے جتنے قدم (تقدیر میں) لکھے گئے وہ ضرور چلے گا (۲) ہمارے رزق کے لئے متفرق جگہوں پر ہیں ہم میں اگر کوئی رزق کے مقام پر نہ پہنچ سکا رزق اس کے پاس خود آ جائے گا (۳) اور جس شخص کی موت زمین کے جس حصے میں لکھی گئی ہے وہ اس کے علاوہ کسی جگہ نہیں مرے گا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بیشک اللہ تعالیٰ جملہ اشیاء کو جانتا ہے خَبِيْرٌ ○ وہ باطنی امور کو ایسے جانتا ہے جیسے ظاہری کو۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا:
مفاتیح الغیب خمس وتلا ھذہ الاٰیۃ فمن ادعی علم شئ من ھذہ المغیبات الخمس فھو کافر باللہ تعالیٰ۔

(غیب کے خزانے پانچ ہیں۔ اس کے بعد آپ نے آیت ہذا تلاوت فرمائی (ترجمہ) جو شخص انہی غیوب خمسہ میں سے کسی ایک کا دعویٰ کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتا ہے)

سوال: صرف انہی پانچوں کو غیوب کا خزانہ کیوں کہا گیا ہے حالانکہ جملہ غیوب ایسے ہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

جواب: چونکہ کفار نے صرف انہی کے متعلق سوال کیا تھا اسی لیے انہیں خصوصیت سے بیان کیا گیا ہے۔

ازالہ وہم وہابیہ دیوبندیہ چونکہ اہلِ جاہلیت کا طریقہ تھا کہ وہ اس قسم کے سوالات نجومیوں سے کیا کرتے تھے اور ان کا عقیدہ تھا کہ وہ غیب کا علم رکھتے ہیں۔ (اسی لیے اللہ تعالیٰ نے علمِ غیب کو اپنا خاصہ بتایا تاکہ جاہلوں کا عقیدہ مٹ جائے۔ جب یہ بات واضح ہو گئی تو پھر حضور علیہ السلام کو اپنے بہت سے غیوب بتائے اور اظہار و اخفاء کا حکم فرمایا۔ تفصیل تفسیر اویسی میں دیکھئے)[1]

مسئلہ: کاہن جب غیب کی خبریں دیں جو بھی اس کی تصدیق کرے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتا ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
من اتی کاھنا فصدقہ فیما یقول فقد کفر بما انزل اللہ علی محمد۔

(جو شخص کاہن کے پاس آ کر اس کی غیبی خبروں کی تصدیق کرے تو وہ حضور علیہ السلام پر نازل کردہ آیات سے کفر کرتا ہے)

ف: کاہن وہ ہے جو مستقبل کی خبریں دے اور معرفتِ اسرار کا دعویٰ کرے۔ اہلِ جاہلیت کے کاہن تھے جو وہ معرفتِ اسرار کے مدعی تھے۔ بعض ان میں وہ تھے جو کہتے کہ ہمارے جنات تابع ہیں وہی ہمارے ہاں غیبی خبریں بتاتے ہیں۔

مسئلہ: ابو الحسن آمدی نے مناقب الشافعی میں لکھتے ہیں کہ میں نے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے سنا کہ جو شخص اگرچہ اہلِ عدالت ہو اور دعویٰ کرے کہ اس نے جن کو دیکھا ہے تو وہ گواہی دینے کے قابل نہ رہا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

انه یراکم هو وقبیله من حیث لا ترونهم ۔

آیت میں اللہ تعالیٰ نے عوام سے جنات کے دیکھنے کی نفی فرمائی ہے۔ ہاں اگر مدعی نبی علیہ السلام ہو تو ماننا فرض ہے۔ کذا فی حیوٰۃ الحیوان ۔

مسئلہ : نجومی جو کاہن کی طرح آئندہ کے حالات کا دعویٰ کرے تو وہ بھی کاہن کی طرح ہے ۔

حدیث شریف میں ہے :

من سال عرّافا لم تقبل له صلاۃ اربعین لیلۃ ۔

(جو عرّاف (مستقبل کے علوم کے مدعی) سے کوئی بات پوچھے تو چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہ ہوگی)

ف : عرّاف وہ ہے جو چور کی چوری اور گم شدہ اشیاء کے مقامات کی خبر دے ۔

مسئلہ : اس سوال سے اس کی مراد یہ ہو کہ اس کی خبر کو واقعی سچا سمجھے اور مسئول کی عظمت کا اعتراف کرے۔

مسئلہ : جب یہ اعتقاد ہو کہ اسے اللہ تعالیٰ سے الہام ہوا ہوگا یا اُسے جنات بتا جاتے ہوں گے وہ جنات جو ملائکہ سے سُن کر بتاتے ہیں۔ اس کی تصدیق اور ایسا اعتقاد حرام ہے ۔ اگر یہ اعتقاد ہو کہ وہ عالم غیب تو ایسا اعتقاد کفر ہے (صرف اس لیے کہ یہ لوگ بجانب اللہ علم غیب نہیں رکھتے بلکہ اٹکل پچو سے کام چلاتے ہیں ورنہ انبیاء و اولیاء علی نبینا علیہم السلام کا معاملہ کچھ اور ہے وہ اس لیے کہ ان کا علم اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہوتا ہے اویسی غفرلہٗ)

مسئلہ : اگر ان لوگوں (منجمین وکاہنین) سے امتحان کے طور سوال کرے یا ان کے باطن کے متعلق معلومات کا ارادہ ہو اور اس کے ہاں صدق وکذب کا امتیاز بھی ہو تو کوئی حرج نہیں ۔

مسئلہ : خلاصہ یہ کہ علم غیب خاصۂ خدا ہے ۔

(**ردّ وہابیہ دیوبندیہ نجدیہ** ہم اہلسنت کا یہی عقیدہ ہے کہ علم غیب اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے لیکن وہ کریم اپنے فضل وکرم سے انبیاء و اولیاء کرام کو اپنے غیوب کے بہت سے جزئیات سے آگاہ فرماتا ہے اسے ہم علم عطائی سے تعبیر کرتے ہیں لیکن وہابی نجدی دیوبندی نہیں مانتے اس کا فیصلہ ہم صاحب روح البیان قدس سرہٗ سے کراتے ہیں جو اس دیوبندی بریلوی اور سنی وہابی کے اختلاف سے سینکڑوں سال پہلے تھے۔ وہ اپنی تفسیر میں اس کا فیصلہ لکھتے ہیں :)

وما روی عن الانبیاء والاولیاء من	وہ جو انبیاء واولیاء سے غیبی خبریں مروی ہیں وہ اللہ تعالیٰ
الاخبار عن الغیوب فبتعلیم اللہ تعالیٰ	کی تعلیم (عطا) سے ہیں یا بطریق وحی یا بطریق الہام
اما بطریق الوحی او بطریق الالہام	کشف یہ اس کے منافی نہیں کہ علم غیب تو
والکشف فلا ینافی ذٰلک الاختصاص	خاصۂ خداوندی ہے ہاں اس کا خاصہ ہے کہ انبیاء و

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

علم الغیب مما لا یطلع علیہ الا الانبیاء والاولیاء والملائکۃ کما اشار الیہ بقولہ،	اولیاء و ملائکہ میں سے جسے چاہے مطلع فرما دے۔ جیسا کہ اس کی طرف اشارہ فرمایا اپنے قول ذیل میں،
عالم الغیب فلا یظہر علی غیبہ احداً الا من ارتضی من رسول	وہ عالم غیب ہے اپنے خاص غیب پر کسی کو مسلط نہیں فرماتا مگر اس رسول کو جس سے وہ راضی ہو
اشار الیہ بقولہ، وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمہا الا ھو۔	جیسا کہ اشارہ فرمایا اپنے قول ذیل سے، اور اس کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں اس کے سوا انہیں کوئی نہیں جانتا۔

(روح البیان ج ، ص ۱۰۵)

مسئلہ: بعض ایسے غیوب ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے مخصوص فرماتے ہیں جنہیں نہ کوئی ملک مقرب جان سکتا ہے نہ کوئی نبی مرسل۔ چنانچہ وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمہا الا ھو اسی لیے فرمایا گیا۔

مسئلہ: علم الساعۃ بھی منجملہ ان علوم کے ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے مختص رکھا ہے ہاں اس کی علامات بتائی ہیں جنہیں صاحب شرع نے ظاہر فرمایا۔ مثلاً خروج دجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام اور مغرب سے سورج کا طلوع اور دیگر وہ امور جو قرب قیامت میں ظاہر ہوں گے۔ مثلاً بدعات سیئہ کا غلبہ اور خواہشات اور شہوات کا دور دورہ وغیرہ۔

مسئلہ: بعض اولیاء کرام نے بعض اوقات نزول بارش کی خبر دی ایسے ہی بتایا کہ ماں کے پیٹ کے اندر بچہ ہے یا بچی۔ تو ویسے ہی ہوا جیسے انہوں نے خبر دی۔ اسے ہم الہام صحیح پر محمول کریں گے۔

حکایت حضرت ابوالعزوم الاصفہانی رحمہ اللہ تعالیٰ شیراز میں تھے اور بیمار ہو گئے۔ فرمایا: میں یہاں نہیں مروں گا۔ اگر میری بات غلط ہو اور میں یہاں فوت ہو جاؤں تو مجھے یہودیوں کے گورستان میں دفن کر دینا اس لیے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ لیا کہ میری موت طرطوس میں واقع ہو اور میں وہیں مدفون ہوں۔ چنانچہ اس مرض سے شفا پا کر طرطوس پہنچے اور وہیں پر فوت ہوئے۔ لیکن اللہ والے نے پہلے ہی کہہ دیا کہ وہ شیراز میں فوت نہیں ہوں گے۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا جیسے انہوں نے فرمایا۔

حکایت فقیر (علامہ اسمٰعیل حقی صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ میرے پیر و مرشد قدس سرہٗ نے اپنی بعض تحریروں میں اپنی وفات کی خبر بیس سال پہلے لکھ دی تھی۔ چنانچہ جیسے فرمایا ویسے ہی ہوا۔ یہی ولایت صحیحہ اور وراثت نبویہ کی علامت ہے۔

سوال: جب یہ غیوب بعض اولیاء کرام کے لیے ممکن ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام سے کیوں نفی فرمائی؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنے بندوں کو دوسری طرف متوجہ فرمایا کہ انسان عبادات و طاعات

بقیہ صـ ۳۲۵

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سُوْرَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اٰيَاتُهَا ۳۰ رُكُوْعَاتُهَا ۳

سورہ سجدہ مکی ہے اس میں اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا تیس آیتیں اور تین رکوع ہیں

الٓمّٓ ۝۱ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۲ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ

کتاب کا اتارنا بے شک پروردگار عالم کی طرف سے ہے کیا کہتے ہیں ان کی بنائی ہوئی ہے

بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ

بلکہ وہی حق ہے تمہارے رب کی طرف سے کہ تم ڈراؤ ایسے لوگوں کو جن کے پاس تم سے پہلے کوئی ڈر سنانے والا نہ آیا اس

يَهْتَدُوْنَ ۝۳ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ

امید پر کہ وہ راہ پائیں اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے چھ دن میں

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ؕ اَفَلَا

بنائے پھر عرش پر استوا فرمایا اس سے چھوٹ کر تمہارا کوئی حمایتی اور نہ سفارشی تو کیا تم دھیان

تَتَذَكَّرُوْنَ ۝۴ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ

نہیں کرتے کام کی تدبیر فرماتا ہے آسمان سے زمین تک پھر اسی کی طرف رجوع کرے گا اس دن

كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝۵ ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

کہ جس کی مقدار ہزار برس ہے تمہاری گنتی میں یہ ہے ہر نہاں اور عیاں کا جاننے والا

الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝۶ الَّذِيْۤ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ

عزت و رحمت والا وہ جس نے جو چیز بنائی خوب بنائی اور پیدائش انسان کی ابتداء مٹی

مِنْ طِيْنٍ ۝۷ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝۸ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ

سے فرمائی پھر اس کی نسل رکھی ایک بے قدر پانی کے خلاصہ سے پھر اسے ٹھیک کیا اور اس

مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۹

میں اپنی طرف کی روح پھونکی اور تمہیں کان اور آنکھیں اور دل عطا فرمائے کیا ہی تھوڑا حق مانتے ہو

وَقَالُوْۤا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ؕ بَلْ هُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ

اور بولے کیا جب ہم مٹی میں مل جائیں گے کیا پھر نئے بنیں گے بلکہ وہ اپنے رب کے حضور حاضری

كٰفِرُوْنَ ۝۱۰ قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ۝۱۱

سے منکر ہیں تم فرماؤ تمہیں وفات دیتا ہے موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے پھر اپنے رب کی طرف واپس جاؤ گے

تفسیر عالمانہ

الٓمّٓ ۝ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ہر کتاب کا خلاصہ ہوتا ہے اور قرآن مجید کا خلاصہ حروف مقطعات ہیں۔ اور فرمایا کہ الف کا مخرج اقصائے حلق ہے اور

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

یہی مخارج کا پہلا مخرج ہے اور لام کا طرف لسان ہے اور یہ مخارج کا اوسط مخرج ہے اور میم کا دو لب ہیں اور یہی مخارج کا آخری مخرج ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ انسان پر لازم ہے کہ اپنے اول و اوسط و آخر احوال و اقوال میں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مانوس ہو۔

ف: حضرت ابن علی نے فرمایا کہ الف میں اعلام کی طرف اور لام میں لزوم کی طرف اور میم میں ملک کی طرف اشارہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بتایا کہ ان پر عبودیت لازم ہے اور قہراً و جبراً ان کا مالک صرف وہی ہے یہاں تک کہ طوعاً و کرہاً ہر ایک اسی کی عبادت کرتا ہے جو حرف تم [illegible] محدود۔ [illegible] احب [illegible] نے عبادت کی وہ صفت میں اور اس کے ارادہ و مشیت کا مسخر ہوا وہ نورِ ذات میں پہنچا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ الف میں محبین کی الفت کی طرف اشارہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے وصال کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ایسے ہی عارفین کی طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ حضرات اللہ تعالیٰ کے انس کے بغیر زندگی بسر نہیں کر سکتے۔ اور لام میں محبین کی طرف اشارہ ہے اسی لیے کہ وہ لقاءِ حق کے طالب ہوتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ مجھے ان کی پروا نہیں کہ وہ صفائی پر مقیم رہیں یا وفا میں کوتاہی کریں۔ اور میم میں ان اولیاء کرام کی طرف اشارہ ہے جو اپنے مرادہ و تمنا کو ترک کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ کو مقدم سمجھتے ہیں اسی لیے میں نے بھی انہیں اپنے تمام بندوں سے ممتاز فرمایا ہے۔

نورِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کُن سے پہلے حضورِ حق میں

کشف الاسرار میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ فطرت کو پیدا فرمایا تو اسے اپنے حضور میں رکھا جیسے چاہا۔ یہاں تک کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حضور میں ایک لاکھ سال بعض روایات میں دو ہزار سال رہے۔ اس مدت میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر روز ستر ہزار بار نظرِ کرم سے نوازتا اور ہر نگاہِ کرم پر جدید نور کے لباس سے سنوارتا اور بہت بڑے الطاف سے نوازتا اور ہر نظرِ کرم پر آپ سے فرماتا کہ آپ کو قرآن مجید کی عصمت سے معزز فرمایا جائے گا۔

تتمہ ۳۲۲ ، [illegible]

میں مشغول ہو تاکہ آخرت کی سعادت سے نوازا جائے اور ایسی باتوں کے در پے نہ ہو جو اسے فائدہ نہ دیں اور نہ ہی ایسے امور میں مشغول ہو جو فضول ہوں۔ ایسے اعمال کا خوگر ہو جو اسے آخرت میں کام دیں۔

(صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ) تفسیر سورۂ لقمان ۸ شعبان ۱۱۰۹ھ بروز بدھ ختم ہوئی اور فقیر اویسی غفرلہ نے اس کے ترجمہ سے ۲۹ ربیع الاول شریف ۱۳۹۸ھ شبِ جمعرات بعد نمازِ عشا فراغت پائی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک وصلی اللہ علیٰ حبیبہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عالمِ دنیا میں بھیجا گیا تو نزولِ وحی کے وقت اسی فطرۃ قدیم کی یاد دلا کر آپ کے قلب مبارک کو تسکین دی جاتی اسی فطرت قدیم کی تصدیق میں فرمایا ، الٓمّٓ ۔ اس کے الف میں اللہ تعالیٰ کی طرف اور لام جبریل علیہ السلام کی طرف اور میم سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ! یہ وہی وحی ہے جس کے متعلق میں نے آپ سے ازل میں وعدہ فرمایا تھا کہ وہی وحی (قرآن) آپ کی عزت و عظمت کی عصمت ہوگا اور وہی آپ کا سب سے بڑا معجزہ ہوگا۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ الٓمّٓ خبر ہے اور اس کا مبتدا محذوف ہے در اصل عبارت یوں ہے : هٰذِهِ السورة مسمّاة بالٓمّٓ ۔ اس کا معنیٰ صاحب روح البیان نے کہا کہ الٰہیت میری اور تعظیم جبریل علیہ السلام کی اور بزرگی (مجد) حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

تفسیر عالمانہ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ اس کی ترکیب میں کئی وجوہ ہیں ، مناسب ترین یہ ہے کہ یہ مبتدا ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ قرآن کو آسمان سے زمین پر بھیجا لَا رَيْبَ فِيْهِ یہ الکتاب سے حال ہے یعنی در انحالیکہ اس میں اہلِ عقل کو کوئی شک نہیں مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ یہ مبتدا مذکور کی خبر ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس لیے بھیجا کہ اس سے استفادہ کیا جائے اور اس کی طرف سے آنے میں اشارہ ہے کہ سراسر معجزہ ہے۔

شانِ نزول جب قرآن مجید کے تنزیل من رب العالمین کا انکار کیا تو ان کے رد میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ، اَمْ یہ منقطعہ ہے بمعنی بَلْ أَ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ کیا وہ کہتے ہیں کہ حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید خود گھڑ لیا ہے ۔ یہ قول تعجب خیز اور نہایت درجہ کا غلط کہ جس کا بطلان ظاہر ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ جب احباب کا ملنا دشوار ہو تو پھر ان کا مراسلہ ہی محبوب ترین ہوتا ہے ؎

ذوقے رسد از نامۂ تو روزِ فراقم
گر نامۂ طاعت نرسد روزِ قیامت

ترجمہ : جدائی و فراق کے وقت اتنا ذوق بخشتا ہے کہ اگر قیامت میں نامۂ طاعت میسر نہ ہو تو بھی غم نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے جملہ عالم کی طرف اپنا مراسلہ (قرآن مجید) بھیجا تاکہ ظاہرین اسے پڑھ سن کر اہلِ غفلت اپنی غفلت سے کریں اور اہلِ خدمت کو بشارت نصیب ہو اور اہلِ باطن کو باطنی اسرار کا سرور حاصل ہو تاکہ ان کے قلوب و اسرار انوار و تجلیاتِ ربانی سے مالا مال ہوں نیز اس سے اہلِ قرابت کو ڈرایا جائے تاکہ نہ وہ غیر اللہ کی طرف متوجہ ہوں اور نہ مانوس ۔ کیونکہ اس کے خلاف عمل کرنے سے ایسے بلند مراتب سے گر جاتے ہیں نیز اس سے اہلِ محبت کو وعدۂ رؤیتِ لقا کی خوشخبری دی جائے اس لیے کہ ان لوگوں کو بساطِ وصال پر لقا نصیب ہوتا ہے اور انہیں فنا کے بعد

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

عالمِ وحدت میں بقا حاصل ہوتی ہے جس میں وہ حق کے ساتھ حق کے لیے حق سے بولتے ہیں اسی لیے جب اہلِ غفلت ایسا حقائق بھرا کلام سنتے ہیں تو انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایسی بات اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کی جا سکتی۔

زد شیخ شہر طعنہ بر اسرار اہل دل
المرء لا یزال عدوا لما جہل

ترجمہ: اہلِ اسرار کے کلام پر شیخِ شہر نے طعنہ مارا لیکن مرد ہمیشہ اس کا دشمن ہوتا ہے جس سے وہ لاعلم ہوتا ہے۔

ربط: اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے انکار کی حقیقت کو بیان فرمایا بَلْ یعنی وہ بات نہیں جو کافروں نے کہی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ھُوَ وہ قرآن اَلْحَقُّ حق ہے یعنی یہ کلام الٰہی ہے جو درست اور صحیح اور ثابت ہے مِنْ رَّبِّکَ تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

اب اس کی غرض وغایت بیان فرمائی لِتُنْذِرَ تاکہ آپ عذاب الٰہی سے ڈرائیں قَوْمًا قوم یعنی اہلِ عرب کو مَّا نافیہ ہے اَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِیْرٍ نہیں آیا ان کے ہاں کوئی بھی ڈر سنانے والا مِنْ قَبْلِکَ آپ کے ڈر سنانے سے یا آپ کے زمانۂ اقدس سے پہلے یا اس لیے کہ قریش حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے اہلِ فترت سے تھے اور لوگوں میں گمراہ ترین اور ہدایت سے کوسوں دور ہو گئے تھے اس لیے کہ یہ بالکل ان پڑھ تھے (اور ان پڑھ جب راہِ حق سے بھٹکتا ہے تو دور جا پڑتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

لیس بینی وبینہ نبی۔

(میرے اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان (عرب میں) کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا)

اگرچہ اسماعیل علیہ السلام عرب میں تشریف لائے لیکن وہ عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے تھے اور عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت بھی صرف ان کی قوم تک محدود تھی اور پھر ان کے وصال کے بعد ان کی نبوت (کے احکام) منسلخ ہو گئے اور خالد بن سنان اگرچہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد مبعوث ہوئے لیکن انھیں ان کی قوم نے ضائع کر دیا۔ یعنی وہ اتنا وقت نہ گزار سکے کہ وہ اپنی قوم کو من حیث النبوت دعوت دیتے۔ ان کا قصہ مفصل طور پر ہم نے بیان کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انہیں اسلام اور توحید سمجھنے کے لیے حجۃ عقلیہ کا استعمال ضروری تھا اس لیے کہ عقلاً اور استدلال پر قدرت رکھتے تھے اگرچہ ان پر حجۃ رسالیۃ لازم نہ تھی۔ لَعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ ۝ تاکہ وہ آپ کے ڈر سنانے سے ہدایت پا سکیں اور یہ ترجی (امید دلانا) حضور علیہ السلام کی وجہ سے ہے۔ یعنی آپ ہی انھیں ڈر سنانے سے امید رکھیں کہ ممکن ہے کہ انھیں توحید و اخلاص نصیب ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعثتِ انبیاء کی اصل غرض یہی ہے کہ انھیں راہِ حق کی پہچان کرائی جائے۔ پھر ہر ایک اپنی استعداد ازلی کے مطابق ہدایت پاتا ہے۔ ہاں جس کی ازل سے استعداد نہیں تو وہ محروم رہتے ہیں جیسے کفر پہ اصرار کرنے والے، اس لیے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کران پر نہ تربیت اثر کرتی ہے نہ کسی نبی علیہ السلام کا ہدایت کی راہ پر لگانا ۔ ایسے ہی وہ لوگ جن کی فطرۃ میں خامی ہے ؎

توان پاک کردن ز زنگ آئینہ
ولیکن نیاید ز سنگ آئینہ

ترجمہ : شیشے سے زنگ اتارا جا سکتا ہے لیکن پتھر کبھی شیشہ نہیں بن سکتا ۔

(سوال :) مثنوی شریف میں ہے : ؎

گر تو سنگ صخرہ و مرمر شوی
چون بصاحب دل رسی گوہر شوی

ترجمہ : اگر تم سخت پتھر یا سنگِ مرمر ہو، جب ولی اللہ کے ہاں حاضری دو گے تو جوہر بن جاؤ گے ۔

اس شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ فطرۃ ازلی بھی بدل سکتی ہے ۔

جواب : یہ شعر اس فطرۃ کے لیے ہے جو حقیقت میں تو سعادت مند ہوتی ہے لیکن صحبتِ بد یا دیگر عوارض سے خراب ہو جاتی ہے ۔ ورنہ ابوجہل کے متعلق کیا کہو گے جبکہ اس نے امام الاولیاء والانبیاء علی نبینا وعلیہم السلام کی بار ہا زیارت کی لیکن اس کا دیکھنا بہ نظرِ حقارت ہوتا تھا اور وہ آپ کو یتیم ابی طالب سمجھ کر دیکھتا تھا اگر وہ بہ نظرِ تعظیم و تکریم دیکھتا تو ضرور کامیاب ہو جاتا ۔ اور سب کو معلوم ہے کہ اس نے آپ کو بہ حیثیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں دیکھا تھا اور نہ ہی آپ کی نبوت و رسالت کو قبول کیا تھا ۔ کیونکہ یہ نگاہ محبت و عشق سے نصیب ہوتی ہے اور وہ اس نگاہ سے محروم تھا ورنہ وہ واصل باللہ ہوتا ۔ اس نے ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منکرانہ نگاہ سے دیکھا اسی لیے جوہر نہ بن سکا ۔

شانِ اولیاءؒ یہی جواب اولیاء کرام کے دیکھنے والوں کے لیے ہوگا کیونکہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل وارث ہیں اسی لیے انہیں نگاہِ عقیدت سے دیکھنے سے قربِ حق نصیب اور نگاہِ انکار سے دیکھنے سے غضبِ الٰہی (نعوذ باللہ) ۔

ف : آیت میں اہتداء سے جنت اور اس کے درجات کی ہدایت مراد ہے اور یہ مرتبہ عشقِ الٰہی اور ترکِ ماسوی اللہ اور فنا سے نصیب ہوتا ہے ۔ پہلا عوام کے لیے ہے دوسرا مرتبہ اہل اللہ یعنی خواص کا ہے جو پہلے لوگوں سے کامل بلکہ اکمل ہوتے ہیں ۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ ارشادات اولیاءؒ پر التزام اور اہلِ ہوا اور خواہشاتِ نفسانی کے پرستاروں سے اجتناب کرے اس لیے کہ اہلِ ہوا اہلِ ہدیٰ سے نہیں اور ظاہر ہے کہ مردہ زندے کو کوئی تلقین نہیں کر سکتا البتہ زندہ مردے کو تلقین کر سکتا ہے ۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حکایت حضرت الشیخ نجم الدین اصفہانی قدس سرہٗ مکّہ معظمہ میں ایک نیک کے جنازے میں شریک ہوئے اور ان کی تدفین کے لیے قبرستان تک چلے گئے۔ جب قبر پر تلقین کے لیے ایک مرد تلقین کرنے بیٹھا تو شیخ موصوف ہنس پڑے حالانکہ آپ کی عادت تھی کہ آپ ہنستے نہیں تھے۔ دوستوں نے سبب پوچھا تو آپ نے جھڑک دیا لیکن جب اپنے مسکن پر لوٹے تو فرمایا کہ میں اس لیے ہنسا تھا کہ تلقین کرنے والا جب اس بزرگ کو تلقین کرنے بیٹھا تو اندر سے ولی اللہ یعنی صاحب قبر نے فرمایا تعجب ہے کہ مردہ زندہ کو تلقین کر رہا ہے۔

حضرت صائب نے فرمایا ؎

زبےدردان علاج درد خود جستن بداں ماند کہ خار از پا بروں آرد کسی با نیش عقربہا

ترجمہ: بے دردوں سے درد کا علاج تلاش کرنا اس شخص کی طرح ہے جو پاؤں سے بچھو کے ڈسنے سے کانٹا نکلوانا چاہتا ہے۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: بلاف ناخلفاں زمانہ غرہ مشو
مرو چو سامری از رہ ببانگ گوسالہ

ترجمہ: زمانہ کے نااہل لوگوں کی لاف سے غرہ نہ ہو، سیدھی راہ سے بچھڑے کی آواز پر سامری کی طرح نہ ہٹنا۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

در راہ عشق وسوسۂ اہرمن بسیست
ہش دار و گوش دل بپیام سروش کن

ترجمہ: راہ عشق میں بہت سے شیطان ہیں، ہوش رکھنا اور دل کے کان غیبی فرشتے کی طرف متوجہ کرنے۔

دعا: اے اللہ! ہمیں ان لوگوں سے بنا دے جو تیری جناب کی راہ پانے والے اور تیرے حسن و خطاب کے لائق ہیں اور اس خطاب کی برکت ہمیں گمراہی اور گمراہوں سے بچا لے گی اور ہمیں غوایۃ اور غوایۃ والوں کی اقتدا سے محفوظ فرمائے گی اس لیے کہ ہادی و رہبر تو صرف تو ہی ہے۔

تفسیر عالمانہ اَللّٰہُ یہ مبتدا اور اس کی خبر اَلَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا۔ السّمٰوٰت سے اجرام علوی اور الارض سے اجرام سفلی مراد ہیں وَمَا بَیْنَھُمَا اور انھیں پیدا فرمایا آسمان اور زمین کے درمیان ہیں جیسے بادل اور ہوا وغیرہا فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ چھ دنوں میں، یعنی دنیا کے چھ دنوں کی مقدار۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ وہاں کا ایک دن دنیا کے ہزار سال کے برابر تھا۔

مسئلہ: اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو انہیں صرف ایک لمحہ میں پیدا فرما دیتا لیکن بندوں کو امور میں تدریج کا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سبق دیا۔

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ پھر عرش پر اس کا حکم مستولی (غالب ہوا) عرش کا نام اس لیے لیا کہ یہ تمام خلق سے عظیم تر ہے۔ اس کی تحقیق بارہا گزری ہے۔ اگر تمہارا ایمان سلامتی میں ہے تو تمہیں ہماری تحقیق سورہ فرقان کی کافی ہے اسی میں حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ کا ارشادِ گرامی بھی ہے مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ در انحالیکہ تم اللہ تعالیٰ سے تجاوز کرنے والے ہو تو تمہارے لیے کوئی مددگار نہ ہوگا جو تمہاری مدد کر سکے اور نہ کوئی تمہارا سفارشی ہوگا جو تمہاری شفاعت کر سکے تاکہ تمہیں عذاب الٰہی سے بچا سکے اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ کیا تم مواعظ ربانی و نصائح قرآنی سے نصیحت حاصل نہیں کرتے ہو۔

ف: اور شاذ میں ہے کہ کیا تم یہ مواعظ سن کر نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ اس تقریر پر انکار عدم استماع عدم تذکر کی طرف راجع ہوگا یا اس کا معنی یہ ہے کہ کیا تم مواعظ سن کر نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ اس تقریر پر استماع کا تحقق ہوگا لیکن انکار ان کے عدم تذکر کی طرف راجع ہوگا۔

ف: تفکر و تذکر میں فرق یہ ہے کہ مطلوب کے فقدان کے وقت صفاتِ نفسانیہ کی وجہ سے قلب کے حجاب کے لیے تفکر استعمال ہوتا ہے اور رفع حجاب اور رجوع الی الفطرۃ الاولیٰ کے وقت تذکر ہوتا ہے۔ اس وقت اسے ازلی استعداد کی توحید و معارف کو یاد آتا ہے۔

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ تدبیر بمعنی انجامِ کار کا فکر کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے بمعنی تقدیر اور اسباب کا تیار کرنا۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ نے آسمان میں مدبّر مقرر کر رکھے ہیں۔ مثلاً جبریل علیہ السلام ریاح وغیرہ کے موکل ہیں اور میکائیل علیہ السلام بارش کے قطرات اور نباتات کے، عزرائیل علیہ السلام قبضِ ارواح کے اور اسرافیل علیہ السلام ان کے ہاں امور نازل کرتے ہیں۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ کریم اسبابِ سماویہ جیسے ملائکہ وغیرہ میں سے امورِ دنیا کی تدبیر فرماتا ہے کہ وہی فرشتے انہی اسباب کو آسمان سے زمین کی طرف لاتے ہیں تدبیر کا اپنی طرف منسوب کرنا اس طرف اشارہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے سامنے بندوں کی تدبیر کا کوئی کام نہیں ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ العروج بمعنی اوپر کو چڑھنا۔ مثلاً کہا جاتا ہے عرج (بفتح الرا) و یعرج (بضمہا) بمعنی صعد یعنی وہ امر اللہ کی طرف اوپر کو چڑھتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں بالفعل ثابت ہے فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ ایک ہی دن میں جس کا اندازہ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ ایک ہزار سال ہے جو تمہاری گنتی میں ہے یعنی بہت بڑے بعد کو وہ تھوڑے سے زمانہ میں طے کر لیتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ تدبیر امور میں بہت بڑے بعد گزرنے کے امکان کے باوجود وہ تھوڑے سے وقت میں سرانجام دیتا ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ امورِ دنیا کی سرانجامی کے لیے موکلین ملائکہ کو حکم فرماتا ہے من السماء آسمان سے الی الارض زمین کی طرف۔ پھر وہ فرشتہ آسمان سے زمین کی طرف آکر آسمان کی طرف لوٹتا ہے اور اس کے لیے آنے جانے میں صرف ایک روز صرف ہوتا ہے جہاں تم اگر اسے طے کرتے تو تمہیں ہزار سال گزر جاتا اس لیے کہ آسمان سے زمین تک پانچسو سال کی مسافت ہے جو آنے جانے میں لازماً ہزار سال بسر ہونا چاہیے۔

سوال : سورۂ معارج میں مقدارہ خمسین الف سنۃ ہے۔

جواب : وہاں سدرۃ المنتہیٰ کی مسافت مراد ہے کہ زمین سے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچنے میں پچاس ہزار سال بسر ہوں گے لیکن فرشتہ اسے بھی ایک ہی دن میں طے کر لیتا ہے۔

ف : الیہ میں ضمیر کا مرجع فرشتے کا وہ مکان ہے جہاں کا وہ مکین ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ زمین سے ہو کر اسی اپنے مکان میں لوٹتا ہے۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ امورِ دنیا کو ایامِ دنیا کی مقدار میں تدبیر فرماتا ہے یہاں تک کہ قضا و قدر آسمان سے زمین پر نازل ہوتی ہے پھر امور و تدبیر آسمان کی طرف لوٹتے ہیں تو امراء کے اوامر اور حکام کے احکام منقطع ہو کر رہ جاتے ہیں باقی صرف اللہ تعالیٰ کا امر اسی دن کے لیے رہ جاتا ہے جسے قیامت کے دن سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ اس دن میں نہ کسی آمر کا امر چلے گا نہ کسی حاکم کا حکم۔ اور وہ دن ایسا ہے کہ اس کی مقدار ہمارے ہزار سال کے برابر ہے۔ کما قال تعالیٰ :

وان یوما عند ربک کالف سنۃ۔

اسے خمسین سنۃ کہنا بھی اسی اعتبار پر ہے کہ وہ دن کفار و مشرکین کے لیے ایسا سخت ہوگا کہ وہ پچاس ہزار سال کا ہے لیکن بفضلہٖ تعالیٰ اہلِ ایمان کے لیے نہایت آسان اور اتنی قلیل مقدار میں کہ جتنا ایک نماز کی ادائیگی میں وقت صرف ہوتا ہے۔

مسئلہ : قیامت کا دن ہر ایک کے عمل کے مطابق چھوٹا بڑا ہوگا اور حشر میں کئی مواقف اور مراحل ہیں لیکن وہ اشخاص و اعمال و احوال و مقامات کے لائق طویل قصیر ہوں گے۔

ف : صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس آیت کی تفسیر میں علماء کرام نے مختلف آراء پیش کی ہیں۔ بعض حضرات نے خاموشی کو سلامت سمجھ کر اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سپرد فرمایا اس لیے کہ ہر وہ وجہ جو ہمارے وہم و قیاس میں آتی ہے اس پر کئی وجوہ سے جرح اور اعتراضات وارد ہو سکتے ہیں اور پھر ہمارے بیان میں قصور اور کوتاہی کا امکان ہے فلہذا اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا جائے۔

فیصلہ از صاحب رُوح البیان

فقیر (علامہ اسمٰعیل حقی علیہ الرحمۃ) کہتا ہے کہ علماء کرام کے نزدیک یوم کے چند مراتب ہیں اور ہر ایک مرتبہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کے علیحدہ علیحدہ احکام ہیں۔ مثلاً یوم صرف ایک آن کا بھی ہے اور آن اس جزو کو کہا جاتا ہے جو غیر منقسم ہو۔ کل یوم ھو فی شان میں اسی یوم آنی کی طرف اشارہ ہے۔ اسی سے وہ یوم منفصل ہوتا ہے جس کی مقدار ہزار سال ہے اور وہ قیامت کا دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ جو چاہے گا اپنے بندوں سے حساب لے گا اور جس کے لیے جتنی مقدار کا یوم بنانا چاہے گا بنائے گا۔ بعض ایسے خوش قسمت بھی ہوں گے جن کا حساب آنکھ جھپکنے سے پہلے ختم ہو جائے گا۔ کما قال تعالیٰ:

وما امرنا الا واحدۃ کلمح بالبصر۔

شانی یوم مذکور میں یہی راز ہے۔

ملائکہ کے مقامات و مراتب کی تقسیم عالم ملکوت ہر فرشتے کے علیحدہ علیحدہ مراتب و مقامات معلوم ہیں بعض ان میں ایسے ہیں جو مصعد معلوم سے مسقط الامر تک ایک ساعت سے کم بلکہ ایک لمحہ آتے جاتے ہیں جیسے سیدنا جبریل علیہ السلام کہ وہ سدرۃ المنتہیٰ جو احکام الٰہیہ کا مرکز ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ایک لمحہ میں حاضر ہو جاتے۔ ایسے ہی بار ہا ایسا کیا کرتے تھے نزول و صعود میں اس کے اعتبار سے کم مدت کا ذکر ہے۔ مثلاً پہلا آسمان سدرۃ المنتہیٰ کی پہلی منزل شمار ہوتا ہے وہاں کے صعود و نزول کو ہزار سال سے تعبیر کیا گیا ہے اور سدرۃ المنتہیٰ عرش الٰہی سے نزول کے احکام کا مبدا ہے وہاں کے نزول و صعود کو پچاس ہزار سال سے تعبیر کیا گیا ہے اور قاعدہ ہے کہ قرآن کی بعض آیات دوسری بعض کی تفسیر کرتی ہیں اسی پر آیت تعرج الملئکۃ والروح (الآیۃ) دلالت کرتی ہے یعرج کا فاعل ملک ہے یعنی یہی یعرج جو اسی سورۂ سجدہ میں واقع ہے۔

سوال: الیہ کی ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ مکانیت سے پاک ہے تو پھر اس کا کیا جواب ہوگا اور نہ ہی اس کا کوئی منتہیٰ ہے۔

جواب: اس میں اس کے قرب اور شرف منزلہ مرتبہ کی طرف اشارہ ہے دراصل اس سے مقام علوی جہاں مراد ہے (یہ جملہ مضمون صاحب روح البیان کا ہے۔ چنانچہ مذکورہ بالا تقریر لکھ کر فرمایا:)

ھذا ما سنح لی والعلم عند اللہ الملک العلی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے: ھو الذی' یدبر الامر من السماء۔ یہاں پر امر سے امر کن مراد ہے جو روح و قلب کے آسمان کا ایک طبقہ ہے الی الارض میں ارض سے ارض نفس و بدن ہے یعنی امر کن کے ساتھ سماء روح و قلب سے نفس و بدن کی زمین کی تدبیر فرماتا ہے ثم یعرج الیہ پھر وہ نفس جسے ارجعی الیٰ ربک کا خطاب نصیب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف پرواز کرتا ہے فی یوم اس ایک دن میں جس میں قلب کا سورج چمکتا ہے اور نور جذبات حق تعالیٰ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سے زمین روشن ہو جاتی ہے کان مقدارہ جذبۂ الٰہی کے ساتھ اس کی پرواز کی مقدار الف سنۃ مما تعدون ایک ہزار سالہ کی ہوتی ہے جیسے تم جذبۂ الٰہی کے بغیر پرواز کرتے ہو۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

جذبۃ من جذبات الحق توازی عمل الثقلین۔

(جذبات حق ایک جذبہ ثقلین کے عمل کے برابر ہے)

شیخ نسفی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کشف الحقائق میں ہے کہ نفس جزوی کو بلندی بھی حاصل ہے اور پستی اس کی بلندی فلک الافلاک تک ہوتی ہے اور وہ فلک الافلاک عرش الٰہی ہے جو جملہ عالم کو محیط ہے اور اس کی پستی یہی عالم خاک ہے اس کے نزول سے زمین پر آنا مراد ہے۔ کما قال :

تنزل الملائکہ والروح۔

اور اس کے عروج سے فلک الافلاک مراد ہے۔ کما قال :

تعرج الملائکہ والروح۔

اس کے نزول و عروج کی مدت ایک ہزار سے کم اور پچاس ہزار سال سے زائد نہیں۔ کما قال :

تعرج الملائکۃ والروح الیہ فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ۔

تفسیر عالمانہ ذٰلِكَ وہ اللہ جو اپنی ذات وصفات افعال میں عظیم الشان جس کی صفت تخلیق واستواء اور مدد دینا اور تدبیر امر کائنات ہے۔ عٰلِمُ الْغَيْبِ جو مخلوق سے غائب اسے جانتا ہے وَالشَّهَادَةِ اور جو ان کے ہاں حاضر ہے اسے بھی جانتا ہے اور اپنی حکمت بالغہ کے تقاضے پر ان کے امور کی تدبیر فرماتا ہے۔

ف : جناب کاشفی نے اس کا ترجمہ لکھا کہ وہ اللہ تعالیٰ امور دنیا و آخرت کو جانتا ہے یا اس کا معنٰی یہ ہے کہ جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہوگا اسے بھی جانتا ہے۔

ف : صوفیائے کرام نے فرمایا کہ غیب سے روح اور شہادۃ سے نفس و بدن مراد ہیں۔

الْعَزِيزُ وہ اپنے امر پر غالب ہے الرَّحِيمُ ۝ اپنے بندوں کے امور کی تدبیر میں رحیم ہے۔

ف : اس میں اشارہ ہے کہ بندوں کی مصلحتوں کے مطابق امور کی تدبیر اس پر واجب نہیں بلکہ یہ اس کا ایک فضل و کرم ہے۔

الَّذِیْۤ اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وہ اللہ جس نے ہر شے کی تخلیق کو بہتر بنایا ہے یہ ذٰلک کی دوسری خبر ہے۔

حل لغات امام راغب نے فرمایا کہ احسان دو قسم ہے بمعنٰی انعام علی الغیر۔ مثلاً کہا جاتا ہے : احسن الٰی فلان۔ یعنی فلاں نے اسے انعام سے نوازا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

دوسرا کسی کے فعل میں حسن کا پایا جانا۔ مثلاً کوئی کسی اچھی شے کو معلوم کرے یا اچھا عمل کرے۔ اسی دوسرے معنے پر سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

الناس علی ما یحسنون۔ (لوگ اپنے افعال حسنہ کے علم کی طرف منسوب ہیں)

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شے کو صورۃً و معناً اچھا بنایا ہے جیسا کہ بندے کی استعداد اور اللہ تعالیٰ کی حکمت مرجحہ کا تقاضا تھا۔

اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ہر پیدا کردہ شے کو اچھا بنایا یعنی اپنے تقاضا سے حکمت پر ہر شے کو اچھے طریقے سے سنوارا ؎

۱ کردن آنچہ در جہان شاید — کردہ آنچناں کہ مے باید
۲ از تو رونق گرفت کار ہمہ — کہ توئی آفریدہ کار ہمہ
۳ نقش دنیا بلوح خاک از تست — دل دانا و جان پاک از تست

ترجمہ: (۱) جو جہان میں لائق ہے اسے کرنا، تُو نے وہ کر لیا جو کرنا چاہیے۔
(۲) تجھ سے ہی تمام امور نے رونق پکڑی، تُو نے ہی تمام کام پیدا کئے۔
(۳) لوح خاک پر نقش دنیا تجھی سے ہے۔ دل دانا اور جان پاک تجھ سے ہے۔

حکمتِ الٰہی کا نمونہ اللہ تعالیٰ نے جانور کے پاؤں بڑے اور پرندوں کی گردن طویل بنائی تاکہ قوت کا حصول ان پر متعذر نہ ہو۔ اگر ان میں کچھ تفاوت ہوتا تو ان پر حصولِ قوت مشکل ہو جاتا۔

اسی طرح ہر انسان کے ہر عضو کو مبنی برحکمت و مصلحت اسی طور بنایا گیا ہے جو اس کی معاش میں اس کی مدد کرے۔ اس معنے پر اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق بہتر ہے اگرچہ شکل و صورت کے لحاظ سے مختلف ہے اور ان میں بعض حسن اور بعض احسن ہیں۔ کما قال تعالیٰ:

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

انسان بحیثیت تخلیق حسن ہے۔

حضرت البقلی نے فرمایا:

انسان از جہت امتحان قبیح ہے لیکن بایں معنی کہ امرِ حق سے ظاہر ہوا ہے اس لیے احسن ہے۔

اور الشیخ ابزدی نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے حسن و قبیح کو پیدا فرمایا لیکن قبیح وہ ہے جو اس کے علم میں تھا کہ یہ قبیح ہوگا تو اس کا قبیح ہونا بھی احسن و اصوب ہوگا اس لیے کہ وہ اسی طرح عالم ظہور میں آیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا اور مستحسن کو حسن اس وقت کہا جائے گا جب ان کے مقابلہ میں مستقبحات ہوں اور قبیح حسن کی نقیض ہے اور قبیح ہونا کا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

لیے ہے کہ حسن کا ظہور ہو۔ اس تقریر پر وہ قبیح بھی حسن ہوگا کہ حسن کے ظہور کا سبب بنا ہے اور قاعدہ ہے حسن کا سبب بھی حسن ہوتا ہے۔

صاحب روح البیان کا فیصلہ

فقیر (علامہ اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ حسن و قبیح کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر فعل اور اس کی ہر صنعت جمیل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مطلق تخلیق کی مدح فرمائی ہے۔ کما قال:

افمن یخلق کما لا یخلق۔

ازالۂ وہم وہابیہ دیوبندیہ نجدیہ

(وہابی دیوبندی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر کے انکار پر کہا کرتے ہیں کہ کیا حضور علیہ السلام گندی اور بری جگہوں پر بھی حاضر و ناظر ہیں؟ ہم انہیں کہتے ہیں کہ کہنا بے ادبی و گستاخی ہے لیکن ماننا ضروری۔ انہیں مندرجہ ذیل طریق سے سمجھایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو خالقِ کل کائنات ماننا ضروری ہے لیکن زبان سے یہ کہنا کہ وہ بندروں، خنزیروں، سانپوں اور بچھوؤں وغیرہ کا خالق ہے بے ادبی اور گستاخی ہے۔ اس موضوع پر فقیر اویسی غفرلہ کا رسالہ "تنبیہ الغبی فی ان النجس لا یقدح مشہود النبی" کا مطالعہ ضروری ہے۔ صاحب روح البیان نے اوپر والی دلیل لکھ کر فرمایا:)

لکنہ لا یقال فی مقام المدح انہ تعالیٰ خالق القردۃ والخنازیر والحیات والعقارب ونحوھا من الاجسام القبیحۃ والضارۃ بل یقال خالق کل شئ۔ (روح البیان، ج ۷، ص ۱۱)

لیکن مقامِ مدح میں یہ نہ کہا جائے کہ وہ الخنزیر (سؤر) اور الحیات (سانپ) اور بندروں اور بچھوؤں وغیرہا کا خالق ہے تمام اجسام ضرر رساں کی نسبت اس کی طرف نہ کی جائے۔ ہاں بالاجمال کہہ سکتے ہیں کہ وہ ہر شے کا خالق ہے۔

ف: خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق قبیح نہیں بلکہ مخلوق کو صورۃ کے لحاظ سے قبیح کہا جا سکتا ہے جو حسن کے لحاظ سے اسے قبیح سمجھا جائے گا ورنہ فی نفسہٖ قبیح نہیں۔ مثلاً گدھا اپنے استعداد کے اعتبار سے قبیح ہے۔ ایسے ہی کتا وغیرہ۔ ان کی صورت کو قبیح اسی معنے پر کہا جائے گا کہ مقتضائے حکمتِ الٰہیہ نے اسے ایسے ہی پیدا فرمایا ہے ایسے ہی کتے کو نجس کہنا دنیوی اور صوری لحاظ سے ہے ورنہ بحیثیت تخلیقِ ایزدی کے صورۃً بھی باکمال اور حقیقت میں مرتبہ کے اعتبار سے بھی باکمال۔ اگر مخلوقِ خدا اسی استعداد پر ظہور پذیر نہ ہوتی جیسے اس کی حکمت کا تقاضا تھا تو ہم ہر ناقص کو قبیح کہہ سکتے۔ اس معنے پر اللہ تعالیٰ کی تخلیق پر حرف آتا ہے اس لیے اس ناقص کو بھی اللہ تعالیٰ ہی نے بنایا ہے اور اس کی صنعت کو ناقص یا قبیح کہنا کفر ہے۔

وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ اور جمیع مخلوقات میں انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مِنْ طِيْنٍ ۝ گارے سے۔ الطین مٹی اور پانی کی ملاوٹ کو کہا جاتا ہے اگرچہ اس سے پانی زائل ہوجائے تب بھی اسے طین کہا جائے گا۔

ف: حضرت شیخ عبد العزیز نسفی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام کو اربع عناصر سے پیدا فرمایا۔ لیکن چونکہ مٹی ظاہر ہے اسی لیے اس کا بار بار نام لیا اور وہ خاکِ آدم مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان سے لائی گئی۔ اس کی ایک روایت میں چالیس سال تک اور دوسری روایت میں چالیس ہزار سال تک تربیت کی گئی

(چنانچہ حدیث قدسی میں ہے:)

حدیث قدسی خمرت طینۃ آدم بیدی اربعین صباحا۔

(میں نے آدم (علیہ السلام) کے گارے کو اپنے دستِ قدرت سے چالیس روز گوندھا)

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ اس انسان کو کون سا نقصان ہے جبکہ اسے اللہ تعالیٰ نے مٹی سے بنایا لیکن اس کا کمال قلب میں رکھا مگر شان ایسی کو نہ عرش کو نصیب ہوئی نہ کرسی کو نہ افلاک کو اور نہ ملائکہ کو۔ اسی لیے وہ اشیاء صرف اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور انسان بندہ بھی اور محبوب بھی۔

ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ پھر بنایا اس کی اولاد کو۔ ذریۃ آدم کو نسل سے اس لیے تعبیر کیا ہے کہ نسل بمعنے انفصال اور چونکہ اولاد آدم علیہ السلام سے جدا ہوتی ہے اسی لیے اس نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔

چنانچہ المفردات میں ہے:

النسل بمعنی الانفصال من الشیٔ والنسل الولد۔

یعنی اس لیے کہ وہ والد سے جدا ہوا ہے **مِنْ سُلٰلَةٍ** اسی نطفہ سے جو انسان کی پیٹھ سے جدا ہوا ہے۔

ف: جناب کاشفی نے لکھا کہ پشت سے ایک خلاصہ باہر فرمایا۔ اس سے بدل ہے **مِنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝** حقیر وضعیف پانی سے۔ (کذا فی القاموس) یعنی ضعیف وخوار پانی سے۔ اس سے منی مراد ہے۔ **ثُمَّ سَوّٰىهُ** پھر اس انسان کو جیسے اس کے اعضاء کی تصویر وتشکیل لائق تھی' ویسی مکمل کرکے برابر کیا۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ پھر آدم کے قالب کو سیدھا کیا۔

اور نسفی نے فرمایا:

تسویۂ آدم سے اس کے ارکان کی برابری مراد ہے یعنی ہر چہار ارکان کے اجزا برابر ہوئے۔ اسے یوں سمجھیے کہ جیسے کاریگر اپنی صنعت میں جہاں اس میں خامی دیکھتا ہے تو اسے بزور بازو یا آلات سے صحیح کرتا ہے۔ ایسے ہی تمثیلاً انسانی ڈھانچے کے لیے فرمایا **وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ** یہاں پر روح کی اضافۃ اللہ تشریفی ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی عجیب اور شریف مخلوق ہے کہ اسے ذاتِ باری تعالیٰ سے ایک خصوصی تعلق ومناسبت ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حدیث شریف

اسی لیے حدیث شریف میں فرمایا ،

من عرف نفسہٗ فقد عرف ربہٗ ۔

(جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا)

ف ، الکواشی نے کہا کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک مخصوص شے انسان میں رکھی جس سے انسان میں زندگی کا مادہ سانس پیدا ہوا ۔ اگرچہ یہ بھی تو ایک مجاز محض ہے یہاں نفخ کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے ۔

ف ، الشیخ عزالدین بن عبد السلام نے فرمایا کہ روح جسم نہیں کہ وہ ایسے حلول رکھتا ہو جیسے پانی برتن میں ۔ اور نہ وہ عرض ہے جو قلب یا دماغ میں سواد کی طرح اسود میں یا علم عالم میں حلول کیے ہوئے ہو بلکہ وہ ایک جوہر و تجرّدی ہے ۔ اسی پر اہل بصائر کا اتفاق ہے اور تسویۃ فی المحل القابل کے فعل کا نام ہے وہ آدم علیہ السلام کے لیے مٹی اور اولاد کے لیے نطفہ ، کہ آدم علیہ السلام کی مٹی صاف ستھری کر کے اور نطفہ دیگر آلائش سے صاف ہو کر تعدیل مزاج کے ساتھ جو یہاں چڑھا اور ان کے اجزاء نہایت اعلیٰ درجہ کی مناسبت سے بنائے گئے اور اس میں قبول روح اور اسے بند کرنے کی استعداد رکھی گئی النفخ سے المحل القابل میں نور روح کا مشتعل مارنا مراد ہے اس سے معلوم ہوا کہ نفخ اسی شعلہ زنی کا سبب تھا ورنہ نفخ کا لغوی معنی تو اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے ایسے ہی اس کے لیے سبب بھی محال ہے اس سے نتیجہ نکلا کہ یہاں نفخ سے اس کا نتیجہ مراد ہے یعنی اشتعال (شعلہ مارنا) اور وہ سبب جس سے نور روح مشتعل ہوا وہ صفت فی الفاعل و المحل القابل ہے ۔ فاعل کی صفت سے اس کا جود مراد ہے جو عالم وجود کا سرچشمہ ہے اور وہ کریم ہر موجود کا حقیقی فیاض بذاتہٖ ہے اور اسی کا وجود ہر موجود کی حقیقت ہے یعنی ہر موجود اسی سے قائم ہے لیکن اس صفت کو قدرت سے تعبیر کرتے ہیں ۔ اس کی مثال یوں سمجھئے جیسے سورج کے نور کا فیض ہر اس جگہ پر پہنچے گا جس میں ارتفاع حجاب کے بعد اس کے نور سے استفادہ کی استعداد ہو گی اور قابل تلونات ہیں نہ ہوا کہ جس میں تلون کا مادہ ہی نہیں اور محل قابل کی صفت وہ استواء و اعتدال ہے جو تسویہ سے حاصل ہوئی ۔ اس قابل کی صفت کی مثال شیشہ سے زنگ صاف کرنے کی ہے ۔

ف ، روح جہت و مکان سے منزہ ہے اور اس کی قوت کا یہ عالم ہے کہ وہ ہر شے کو جانتا ہے اور ہر شے کو محیط ہے یہ مناسبت و مشابہت اعضائے انسانی میں اور کسی عضو کو حاصل نہیں ۔ اسی معنے پر اسے اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف کیا گیا ۔

روح کے اقسام

انسانی روح چار اقسام پر مشتمل ہے ،

(۱) روح طبعی ، اس کا محل جگر جو انسان کے دائیں پہلو میں واقع ہے ۔

(۲) روح حیوانی ، اس کا محل دل ہے جو بائیں پہلو میں ہے ۔

(۳) روح نفسانی ، اس کا محل دماغ ہے ۔

(۴) روح انسانی ، اس کا محل وہی روح نفسانی ہے ۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(۵) روح قدسی، یہ بمنزلہ بتی کی بٹ کے ہے اور روحانی بمنزلہ زجاجہ کے ہے۔ روح طبعی بمنزلہ مشکاۃ کے ہے مثل نورہ کمشکوٰۃ فیہا مصباح میں اسی طرف اشارہ ہے۔

ف: چونکہ وہی روح انسانی ہے روح طبعی وحیوانی میں حیوان وانسان ایک دوسرے کے شریک نہیں روح انسانی سے انسان حیوان سے ممتاز ہے اس لیے کہ یہ عالم امر سے ہے اور عام انسان ان ارواح میں برابر ہیں لیکن اولیاء اللہ روح قدسی میں ان سے ممتاز ہیں لیکن یہ روح قدسی فناءِ تام کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص بندوں میں پھونکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسی روح سے زندہ فرمائے اور ہم پر فتوح کے افواج تک پہنچائے۔ آمین

وَجَعَلَ لَكُمُ اے بنی آدم! تمہارے منافع کے لیے پیدا فرمایا **السَّمْعَ** تاکہ ان آیات تنزیلیہ کو سنو جن میں بعث وتوحید کا بیان ہے **وَالْاَبْصَارَ** اور پیدا فرمائیں تمہاری آنکھیں تاکہ تم آیات تکوینیہ دیکھو جن کا ان آنکھوں سے مشاہدہ ہوتا ہے **وَالْاَفْـِٕدَةَ** اور پیدا فرمائے تمہارے کان تاکہ تم ان سے اللہ تعالیٰ کے آیات تنزیلیہ وتکوینیہ پر استدلال کرسکو۔

حل لغات: الافئدۃ، فواد کی جمع ہے بمعنے قلب۔ لیکن قلب کو فواد اس وقت کہتے ہیں جب اس میں توقد کا معنی ہو۔

قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ۝ بہت تھوڑے لوگ ہیں جو ان نعمتوں کے مالک کا شکر ادا کرتے ہیں یہاں قلت بمعنے نفی ہے اس میں کفار کی نعمتوں اور اپنے رب کی ناشکری کا بیان ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ بہت تھوڑے انسان ہیں جو اپنے نفس کو مرآتیہ سے پہچانتے ہیں تاکہ وہ اپنی حقیقت کو پہچانیں جو اسی مرآتیہ نفس میں متجلی ہے اس لیے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ کما قال:

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔

یہاں پر لیعبدون بمعنے لیعرفون ہے۔ اور یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفۃ حقیقۃ کا مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے وارثین اولیاء کاملین کی رہبری سے نصیب ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی انسان سے محبت کی دلیل اللہ تعالیٰ نے عرش کرسی، لوح قلم اور بہشت دوزخ اور آسمان وزمین وغیرہ پیدا فرمائے لیکن ان میں سے کسی سے محبت وپیار کا اظہار نہیں فرمایا سوائے انسان کے کہ اس سے محبت وپیار کا کمال فرمادیا، اس کے ہاں پیغمبر علیہم السلام بھیجے کہ ان کے ذریعے سے وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرے اور انوار واسرار اور تجلیات و برکات سے نوازا جائے بلکہ نوری ملائکہ کو ان کا خادم اور نگران ونگہبان بنایا اور ان کے اندر سوز ومحبت اور عشق کا مادہ رکھا اور ایمان کے خطوط ان کے دل پر منقش فرمائے اور اپنی محبت ان میں پیدا فرمائی اور دنیوی نعمتیں اور پاکیزہ رزق انہیں بخشا۔ کما قال:

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

قل ھی للذین امنوا فی الحیٰوۃ الدنیا۔

اور کافر جو دنیوی نعمتیں کھاتا ہے وہ مومن کے طفیل کھاتا ہے اور قیامت کی نعمتیں صرف اہلِ ایمان کے لیے خاص ہیں۔ کما قال:

خالصۃ یوم القیٰمۃ۔

اس سے کافر کو ایک گھونٹ بھی نصیب نہ ہوگا۔

سبق دانا وہ ہے جو نعمتوں اور منعم کو پہچانتا اور خدمت شکر میں جدوجہد کرتا ہے اگر اس کے خلاف کرے گا تو اہلِ بطالت سے ہو جائے گا۔ اگر بدل وجان ظاہری باطنی نعمتوں کا شکر کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ مزید نعمتوں سے نوازے گا۔ یعنی اس کی ہر طرح سے طاعت وعبادت کرے گا اور ملاء اعلیٰ کے ہاں اس کی تعریف کرے گا اور اسے احسن جزا عطا فرمائے گا یعنی بہشت اور اس کی نعمتیں، اور اس کے بلند درجات عطا فرمائے گا جو دائمی وسرمدی ہیں۔ یہ عوام کے لیے ہے۔ اور خواص کے لیے یہ ہے کہ انہیں قربات دوام واصلات اور سرمدی تجلی سے نوازے گا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جن کے شکر وطاعت کی ہر گھڑی ہر آن تعریف کرتا ہے اور ہمیں ان لوگوں سے نہ بنائے جو تضییع اوقات واستعداد کو فاسد کرتے اور زمین پر فساد برپا کرتے ہیں تو ان کی مذمت فرماتا ہے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ

وَقَالُوْٓا کفارِ قریش جیسے اُبی بن خلف وغیرہ نے کہا یہی لوگ بعد الموت اٹھنے کے منکر تھے ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ۔

حلِ لغات: القاموس میں ہے:

ضلّ بمعنے صار ترابا وعظاما وخفی وغاب۔

دراصل اس کا استعمال ضل الماء فی اللبن ہوتا ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب پانی دودھ میں مل کر گم ہو جائے۔ اب معنی یہ ہوا کہ ہم ہلاک ہو کر مٹی میں مٹی ہو جائیں، پتا نہیں چلے گا کہ ہمارا بھی کوئی وجود تھا۔ (یہی بات آج وہابی دیوبندی پارٹی کا قائد مولوی اسمٰعیل دہلوی حضور سرورِ کونین امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط الفاظ منسوب کر کے لکھتا ہے کہ "میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں" دیکھیے تقویۃ الایمان۔ اویسی غفرلہٗ)

یعنی کفار کا عقیدہ تھا کہ ہمارے اعضاء کی خاک زمین کی مٹی سے ایسے مل جائے گی جیسے دودھ میں پانی مل جاتا ہے تو دودھ اور پانی کی تمیز ختم ہو جاتی ہے ایسے ہی مرنے کے بعد ہمارا حال ہوگا یا اس کا معنٰی یہ ہے کہ ہم مدفون ہو کر زمین میں لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل ہو جائیں گے اس کا عامل نبعث یا نجدد خلقنا ہے۔ جیسا کہ اس پر ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ؕ دلالت کرتا ہے۔ ءَاِنَّا کا ہمزہ انکار سابق کی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تاکید و تذکیر کرتا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ کیا ہم مرنے اور معدوم ہو جانے کے بعد ایسے زندہ اٹھائے جائیں گے جیسے ہم مرنے سے پہلے تھے یہ بہت ہی عجیب و غریب معاملہ ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ان کا انکار مرنے کے بعد جی اٹھنے پر مبنی ہے ورنہ موت سے انہیں انکار نہ تھا اس لیے کہ موت کا روزانہ مشاہدہ کرتے تھے۔ ان کے عقیدے کا خلاصہ یہ ہے کہ کیا ہم مرنے کے بعد نئی تخلیق میں ہوں گے حالانکہ ہم تو مرتے ہی مٹی میں مل کر مٹی ہو جائیں گے۔ ان کے کفر بالبعث کے بیان کے بعد ان کے گندے اور برے عقیدے کو بیان فرمایا کہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہونے کے بھی منکر ہیں۔ چنانچہ بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ لقاء ربہم سے قیامت اور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا مراد ہے۔ کافرون بمعنے جاحدون یعنی انکار کرنے والے یعنی وہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہونے کے منکر ہیں۔

مسئلہ: جو اللہ تعالیٰ کا منکر ہے وہ قیامت میں حاضر ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوگا اور جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے وہ قیامت میں حاضر ہوگا تو اس پر اللہ تعالیٰ راضی ہوگا۔

قُلْ یہاں سے حق عقیدہ کا بیان اور کفار کے غلط عقیدے کا رد شروع فرمادیا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! انہیں فرمائیے **يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ**۔

حل لغات: التوفی بمعنے شے کو پورے طور لینا اور گنتی پوری کرنا۔ الصحاح میں ہے:

توفاہ اللہ بمعنے قبض روحہ اور الوفاۃ بمعنے الموت۔

الملک ایک لطیف نورانی جسم ہے جو مختلف شکلوں میں متشکل ہو سکتا ہے۔ بعض محققین نے فرمایا کہ ملائکہ کی وہ جماعت جو سیاسی امور پر متعین ہے اسے ملَک (بالفتح) کہا جاتا ہے جیسے انسانوں کے سیاسی امور کو سرانجام دینے والے کو ملِک (بالکسر) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر ملک ملائکہ سے ہے لیکن ملائکہ کا ہر فرد ملک نہیں بلکہ ملک وہ ہیں جنہیں مدبرات، مقسمات، نازعات وغیرہا سے تعبیر کیا گیا ہے۔ الموت یہ صفت وجودیہ اور مخلوق ہے اور حیاۃ کی نقیض ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ تم سب کے ارواح عزرائیل (علیہ السلام) قبض کرے گا کسی ایک فرد کو بھی نہیں چھوڑے گا اور سخت ترین تکلیف دے کر روح قبض کرے گا، کسی کو منہ پر اور کسی کو پیٹھ پر تھپیڑ لگے گا۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ تم سب کی ارواح عزرائیل علیہ السلام قبض کرے گا اور جن پر موت مقرر ہے ان کا کوئی ایک فرد بھی نہیں چھوڑے گا۔ خود عزرائیل علیہ السلام پر بھی موت ہے جن کی روح خود اللہ تعالیٰ قبض کرے گا

ملک الموت کی موت کا بیان

مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق مر جائے گی تو اللہ تعالیٰ ملک الموت سے پوچھے گا (حالانکہ اسے تمام علم ہے) کہ اے ملک الموت! کون باقی رہ گیا؟ ملک الموت عرض کرے گا: اے اللہ! صرف یہ تیرا کمزور بندہ باقی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم نے میرے انبیاء و اولیاء اور میرے بندوں کو موت کا ذائقہ چکھایا اور یہ میرے علم قدیم

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

میں تھا کہ سب کو فنا ہوگی اور بقا صرف میری ذات کو ہے۔ اے ملک الموت! تم تیار ہو جاؤ کیونکہ اب تمہاری باری ہے۔ ملک الموت عرض کرے گا: الٰہی! میں ایک کمزور بندہ ہوں لہٰذا اپنے کمزور بندے پر لطف و کرم فرمانا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بہشت و دوزخ کے درمیان اپنے دائیں چہرے پر ہاتھ رکھ کر لیٹ جائیے، ایسے ہی تجھ پر موت آسکے گی۔ چنانچہ جونہی وہ لیٹیں گے ان پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے موت آجائے گی۔

مسئلہ: آیت میں کفار کا رد ہے کہ وہ موت کو احوالِ طبعیہ سے سمجھتے تھے اور کہتے کہ جب بوجہ جبلت وہ حال حیوان پر طاری ہوتا ہے تو وہ مرجاتا ہے۔

اَلَّذِیْ وُكِّلَ التوکیل کسی غیر پر بھروسا کرنا اور اسے اپنا نائب بنا لینا یعنی کسی کو کسی کام پر کھڑا کرنا اور اسے اپنا کام سونپ دینا **بِكُمْ** یعنی وہ ملک الموت جو تمہارے ارواح قبض کرنے اور تمہارے اعمال کے احصا پر مقرر ہے **ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ۝** پھر تم اپنے رب تعالیٰ کے ہاں حساب و جزا کے لیے مرنے کے بعد اٹھائے جاؤ گے اور پھر اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر کیے جاؤ گے۔ یہی لقاء اللہ کا معنیٰ ہے۔

ف: اس آیت میں ملک الموت کو متوفی اور قابضِ ارواح فرمایا گیا ہے اور دوسری آیت رسل ملائکہ یعنی متعدد فرشتوں کو موت دینے کا فرمایا اور تیسری آیت میں خود اپنے لیے فرمایا: اللہ یتوفی الانفس الخ ان آیات میں تطابق یوں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے قبضِ ارواح ملک الموت کرتا ہے اور دوسرے فرشتے ان کی معاونت میں ہوتے ہیں اس لیے کہ ہر فعل کا فاعلِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی معنے پر جمیع مخلوق کی ارواح قبض کرنے والا بھی صرف وہی ہے اور ملک الموت اور اس کے اعوان ارواح قبض کرنے کا ایک واسطہ ذریعہ ہیں۔

ف: ابن عطیہ نے فرمایا کہ تمام جانوروں کی ارواح خود اللہ تعالیٰ قبض فرماتا ہے ان سے ملک الموت کا کوئی واسطہ نہیں یعنی ان کی حیات کو معدوم کر دیتا ہے جس سے وہ مرجاتے ہیں اور بنو آدم کے ساتھ بھی ایسے ہی ہے لیکن ان کے شرف و بزرگی کے پیشِ نظر ان کی قبضِ ارواح کے لیے ملک الموت کو واسطہ اور ذریعہ بنایا اور دوسرے ملائکہ ان کی معاونت کرتے ہیں۔

ملک الموت حاضر و ناظر مروی ہے کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام بنو آدم کی ارواح قبض کرتے ہیں حالانکہ وہ مختلف مقامات پر ہوتے ہیں اور وہ خود اپنی مخصوص جگہ پر رہتا ہے اور یہ طاقت اسے اللہ تعالیٰ نے بخشی ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے ابلیس ایک جگہ پر رہ کر جملہ بنو آدم کے قلوب میں وسوسہ ڈالتا ہے (لیکن وہابیہ دیوبندیہ نجدیہ کے عقول اندھے ہوگئے کہ وہ نبی علیہ السلام کے لیے ایسی طاقت کا نہ صرف انکار کرتے ہیں بلکہ ایسے عقیدے کو شرک گردانتے ہیں۔ نعوذ باللہ)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ملک الموت کے کمالات

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی حضرت عزرائیل علیہ السلام سے فارس میں ملاقات ہوئی تو جبرئیل علیہ السلام نے عزرائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ وبا کے وقت کس طرح کرتے ہیں۔ جبکہ ہزاروں کی تعداد میں مختلف مقامات پر مرتے ہیں؟ ملک الموت نے فرمایا، تمام زمین لپیٹ کر میری ران پر رکھ دی جاتی ہے اس میں جن پر موت مقدر ہوتی ہے اپنے ہاتھ سے ان کی ارواح قبض کرلیتا ہوں۔

(۲) مروی ہے کہ ملک الموت علیہ السلام کے لیے تمام دنیا ہاتھ کی ہتھیلی یا تھال کی مانند ہے جس میں جس کی روح قبض کرنا چاہتے ہیں بلا تکلف قبض کرلیتے ہیں۔

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، مشرق و مغرب کا درمیانی فاصلہ حضرت ملک الموت علیہ السلام کا ایک قدم ہے۔

(۴) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ملک الموت علیہ السلام کے پاس ایک چابک ہے جو مشرق و مغرب کے ایک ایک کونے تک پہنچ سکتا ہے اور حضرت ملک الموت علیہ السلام تمام لوگوں کے چہرے ہر وقت دیکھ سکتے ہیں اور شب و روز میں ہر ایک کو دو بار دیکھتے ہیں۔ جب دیکھتے ہیں کہ کسی کی موت کا وقت آپہنچا ہے تو وہ چابک اس کے سر پر مارتے ہیں جس سے وہ مرجاتا ہے۔

(۵) مروی ہے کہ ملک الموت علیہ السلام آسمان و زمین کے درمیان ایک سیڑھی پر جلوہ افروز ہیں، ان کے ہاں رحمت و عذاب کے اعوان فرشتے ہیں وہی اعوان ملائکہ انسان کی روح قبض کرتے ہیں جب حلقوم کے قریب مُردہ کی رُوح پہنچتی ہے تو اسے ملک الموت علیہ السلام لے لیتے ہیں۔

(۶) مروی ہے کہ حضرت ملک الموت کے چار چہرے ہیں، ان کا ایک رُخ نار کی طرف ہے، اس سے کفار کی ارواح قبض کرتے ہیں۔ دوسرا ظلمت میں ہے اس سے منافقین کی ارواح قبض کرتے ہیں۔ تیسرا رحمت میں ہے اس سے مومنین کی ارواح قبض کرتے ہیں۔ چوتھا نور میں ہے اس سے انبیاء اور صدیقین کی ارواح قبض کرتے ہیں۔ جب اہل ایمان کی روح قبض کرتے ہیں تو اسے ملائکہ رحمت کے سپرد کر دیتے ہیں۔ جب کافر کی رُوح قبض کرتے ہیں تو عذاب کے فرشتوں کی طرف بھیج دیتے ہیں۔

(۷) ملک الموت علیہ السلام زمانۂ اول میں روح قبض کرتے تو بلا سبب موت واقع ہوتی تھی لیکن موت کے وقوع پر لوگ ملک الموت علیہ السلام کو گالی دیتے اور (معاذ اللہ) آپ پر لعنت بھیجتے۔ حضرت ملک الموت نے اللہ تعالیٰ سے شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے موت کا سبب امراض و اوضاع کو بنایا۔ اس لیے اب موت کے وقوع پر ہم کہتے ہیں کہ فلاں فلاں بیماری سے اور فلاں فلاں درد سے مرگیا وغیرہ وغیرہ۔

حدیث شریف میں ہے کہ امراض و اوجاع موت کے قاصد اور پیغام رساں ہیں جب موت کا وقت قریب ہوتا ہے تو حضرت ملک الموت مُردہ کے ہاں تشریف لا کر فرماتے ہیں کہ اے بندۂ خدا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattori

تیرے ہاں اطلاعات بھجوائی گئیں اور میرے متعدد قاصد تیرے ہاں آئے لیکن اب میں خود آیا ہوں۔ اس کے بعد تیرے ہاں کوئی نہیں آئے گا کیونکہ میں اللہ تعالیٰ موت کا آخری رسول ہوں اب تو چاہے نہ چاہے تیری روانگی کا وقت آ گیا۔ جب ملک الموت علیہ السلام روح قبض کر لیتے ہیں تو لوگ چیختے چلاتے ہیں، تو ملک الموت علیہ السلام فرماتے ہیں کس پر اور کیوں روتے ہیں جبکہ بخدا! میں نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا اور نہ ہی میں نے اس کا رزق کھایا ہے بلکہ اسے تو اس کے مالک نے بنایا ہے انہیں تو اپنے اوپر رونا چاہئے اے بندگانِ خدا! تم بھی تیار رہو میں تمہارے ہاں بار بار آؤں گا اور ایک ایک کو ایسے ہی لے جاؤں گا جیسے اسے لیے جا رہا ہوں یہاں تک کہ میں تمہارے کسی ایک کو یہاں نہیں رہنے دوں گا۔

ف: کاشفی نے لکھا اس شخص پر تعجب ہے جس کے لیے در پے ایسا حریف ہے پھر بھی وہ آسودگی کا طلبگار ہے ؎

آسودگی مجو کہ از صدمت اجل
کس را نداده اند برات مسلّی

ترجمہ: اجل کے صدمات سے آسودگی کیسی! اس سے تو کسی کو برأت نہیں۔

بوستان میں ہے:

بیا اے کہ عمرت بہفتاد رفت
مگر خفتہ بودی کہ بر باد رفت

مگر یک لحظ صورت نہ بندد امان
چو پیمانہ پر شد بدور زمان

ترجمہ: آ اے فلاں کہ تیری عمر ستر سال کو پہنچی ہے۔ ابھی تم سو رہے ہو عمر برباد ہو گئی وہاں تو ایک ساعت بھی امان نہ ملے گی جب دورِ زمان کا پیالہ چھلک پڑا۔

ف: بعض مشایخ نے فرمایا کہ اگر انسان کے قلب میں غفلت نہ ہوتی تو اس کی قبضِ روح کا معاملہ حضرت عزرائیل کے حوالے ہرگز نہ کیا جاتا۔

حکایت حضرت خیر نساج قدس سرہٗ بیمار تھے ان کے ہاں ملک الموت تشریف لائے اور ان کی روح قبض کرنے کا ارادہ کیا اُدھر مؤذن نے اذان پڑھی اِدھر آپ نے ملک الموت سے کہا: ٹھہریئے مجھے فرضِ الٰہی ادا کرنے دیجئے تاکہ فریضۂ حق فوت نہ ہونے پائے اور آپ کا حکم بھی سر آنکھوں پر۔ لیکن آپ کا فریضہ فریضۂ حق کے سامنے کچھ نہیں یہ کہہ کر سربسجود ہوئے اور عرض کی: یا اللہ! جب تو نے روح کی نعمت بخشی تو کوئی تکلیف نہ ہوئی لیکن اس کے نکلنے کے وقت تکلیف کیوں؟ کیا اچھا ہوتا اگر میری روح بغیر تکلیف کے نکل جاتے۔ یہی کہا اور جان جان آفریں کے سپرد کر دی ؎

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

یارب ار فانی کنی ما را بہ تیغ دوستی
مر فرشتہ مرگ را با ما نباشد ہیچ کار
ہر کہ از جام تو روزے شربت شوق تو خورد
چوں نماند آں شراب او دماند آں رنج خمار

ترجمہ: اے اللہ! اگر محبت کی تلوار سے مجھے فنا کرنا چاہتا ہے تو پھر موت کے فرشتے کو مجھ سے کیا کام! کیونکہ جو بھی تجھ سے شوق کے شربت کا ایک گلاس پیتا ہے جب اس کے ہاں وہ شراب ہی رہے گا تو اسے خمار کیا رہے گا!

تفسیر صوفیانہ بعض محققین نے فرمایا کہ ملک الموت سے محبت الٰہیہ مراد ہے اس لیے کہ یہ صفات انسانیہ سے روح کو قبض کرتی اور اس کے صفات کی محبوب و مرغوب چیزوں سے اسے مشتاق ہے اس لیے کہ محبت الٰہی روح کو ماسوی اللہ کے تعلقات ختم کر دیتی ہے پھر جذبۂ ارجعی الی ربک سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتی ہے۔ صوفیاء محققین کے نزدیک خواہشات نفسانیہ کے دبانے کا نام موت اس لیے کہ جو بھی خواہشات نفسانیہ کو دباتا ہے اسے حقیقی حیات نصیب ہو جاتی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

الموت هو التوبة۔

(موت توبہ کو کہا جاتا ہے)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فتوبوا الی بارئکم فاقتلوا انفسکم۔

(جو حقیقی توبہ کرتا ہے وہ گویا اپنے نفس کو قتل کر دیتا ہے) ؎

کنوں دامن از گرد ذلت بشوی
کہ ناگہ ز بالا ببندند جوی

ترجمہ: اپنے دامن کو ذلت کی گرد سے دھو ڈال، اس وقت پچھتائے گا جب اوپر سے نہر کا پانی بند کر دیا جائے۔

(اگلا صفحہ ملاحظہ ہو)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَاۤ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا
اور کہیں تم دیکھو جب مجرم اپنے رب کے پاس سر نیچے ڈالے ہوں گے اے ہمارے رب اب ہم نے دیکھا اور سنا ہمیں
فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا
پھر بھیج کہ نیک کام کریں ہم کو یقین آگیا اور اگر ہم چاہتے ہر جان کو اس کی ہدایت عطا فرماتے
وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّىْ لَاَمْلَــَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳﴾
مگر میری بات قرار پاچکی کہ ضرور جہنم کو بھر دوں گا ان جنوں اور آدمیوں سب سے
فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ
اب چکھو بدلہ اس کا کہ تم اپنے اس دن کی حاضری بھولے تھے ہم نے تمہیں چھوڑ دیا اب ہمیشہ کا
بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا
عذاب چکھو اپنے کئے کا بدلہ ہماری آیتوں پر وہی ایمان لاتے ہیں کہ جب وہ انہیں یاد دلائی جاتی ہیں سجدہ
وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۱۵﴾ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ
میں گر جاتے ہیں اور اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے اس کی پاکی بولتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے ان کی کروٹیں جدا ہوتی ہیں خوابگاہوں
يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ اُخْفِىَ
سے اور اپنے رب کو پکارتے ہیں ڈرتے اور امید کرتے اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے کچھ خیرات کرتے ہیں تو کسی جی کو نہیں معلوم جو
لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ
آنکھ کی ٹھنڈک ان کے لئے چھپا رکھی ہے صلہ ان کے کاموں کا تو کیا جو ایمان والا ہے وہ اس جیسا ہوجائے گا جو
فَاسِقًا لَا يَسْتَوٗنَ ﴿۱۸﴾ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى
بے حکم ہے یہ برابر نہیں جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان کے لئے بسنے کے باغ ہیں ان کے کاموں کے صلہ
نُزُلًاۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ كُلَّمَاۤ اَرَادُوْۤا اَنْ
میں مہمانداری رہے وہ جو بے حکم ہیں ان کا ٹھکانا آگ ہے جب کبھی اس میں سے نکلنا
يَّخْرُجُوْا مِنْهَاۤ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِىْ كُنْتُمْ بِهٖ
چاہیں گے پھر اسی میں پھیر دیئے جائیں گے اور ان سے فرمایا جائے گا چکھو اس آگ کا عذاب جسے تم جھٹلاتے تھے
تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ
اور ضرور ہم انہیں چکھائیں گے کچھ نزدیک کا عذاب اس بڑے عذاب سے پہلے جسے دیکھنے والا
يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا اِنَّا مِنَ
امید کرے کہ ابھی باز آئیں گے اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جسے اس کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی گئی پھر اس نے ان سے منہ

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۲۲﴾

سے منہ پھیر لیا بے شک ہم مجرموں سے بدلہ لینے والے ہیں

تفسیر عالمانہ

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ یہاں پر مجرمون سے وہی لوگ مراد ہیں جنھوں نے کہا تھا ءَ اِذَا ضَلَلْنَا الخ۔ الکواشی میں لکھا ہے کہ لو اور اذا ماضی کے لیے ہیں۔ مضارع پر داخل ہو کر اسے ماضی کے معنے میں لاتے ہیں وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ماضی و مستقبل برابر ہیں اور پھر وقوع ماضی میں یقینی ہوتا ہے اور مستقبل میں نہیں۔ یہاں پر اگرچہ واقعہ مستقبل میں ہوگا لیکن اسے ماضی سے تعبیر کرنا اس کے یقینی وقوع کے لیے ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اگر تم دیکھو جب مجرمین نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔ الناکس بمعنے الٹے سر ہونا یعنی حیا اور حزن و غم سے قیامت میں سرنگوں ہو کر کہیں گے رَبَّنَآ اے ہمارے پروردگار! اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا اب ہم اس لائق ہو گئے ہیں اور ہمیں استعداد حاصل ہو گئی ہے کہ تیری آیات مبصرہ و مسموعہ کا ادراک کر سکتے ہیں حالانکہ اس سے قبل ہم ان میں کسی ایک کا ادراک نہیں کر سکتے تھے فَارْجِعْنَا پس ہمیں دنیا میں واپس بھیج دے۔ یہ رجع رجعًا بمعنے ردّ و صرفٌ کے ہے نَعْمَلْ صَالِحًا ہم اسی طرح صالح عمل کریں گے جیسے تیری آیات کا تقاضا ہے اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ○ بے شک ہم اب یقین کر چکے ہیں۔

ف : الارشاد میں ہے کہ اب انھیں آیات کے معانی کے فہم پر قدرت ہوگی اور ان کے قلوب صحیح و سالم ہوں گے اسی لیے یہ دعویٰ کریں گے ورنہ دنیا میں تو انھیں ان آیات کو سمجھنا تو در کنار ان سے سخت بغض و عداوت تھی اور نہ ہی انھیں سمجھنے کی کوشش کرتے۔

ف : لو کا جواب محذوف ہے وہ لو رأیت امرا فظیعًا ہے۔ یہ معاملہ تحقیقًا مستقبل اور تاویلًا ماضی گویا کہا گیا کہ یہ معاملہ تو یقینًا ہو چکا اگر تم اسے دیکھتے تو ضرور گھبرا جاتے۔

تفسیر صوفیانہ

اس میں اشارہ ہے کہ جملہ اہل دنیا مجرم ہیں اور ان کا جرم صرف اتنا تھا کہ وہ دنیا اور اس کی شہوات پر ٹوٹ پڑے اور دنیا کے سامنے سرنگوں ہو گئے حالانکہ اس سے قبل یعنی میثاق میں سربلند تھے اور سر اٹھا کر الست بربکم کا خطاب سنا اور پھر سر کو بہت اونچا کر کے بلیٰ کہا۔ لیکن جونہی عالم دنیا میں پہنچے تو دنیا اور اس کی شہوات اور شیطان کے سامنے سر جھکا دیا اور دنیوی خواہشات پر جانوروں کی طرح ٹوٹ پڑے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

اولٰئک کالانعام بل هم اضل۔

نکتہ : یاد رہے کہ جانوروں کی طلب شہوات میں جبلی ضلالۃ (گمراہی) نہیں اور نہ ہی وہ عبودیت الٰہی کے

For more Books click on link.
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

باامر اور شہوات سے روکے گئے ہیں تاکہ ان کے شہوات میں مبتلا ہونے والوں کو اوامر و نواہی الٰہیہ کا مکلف کیا جائے اور چونکہ انسان شہوات میں حیوان کا شریک ہے لیکن اسے اوامر و نواہی کا پابند کیا گیا ہے اسی لیے اوامر و نواہی کی مخالفت کی وجہ سے اسے جانوروں سے گمراہ تر مانا گیا پھر جیسے وہ دنیا میں شہوات پر لوٹ پڑے تو گویا سرنگوں ہوئے تو اسی کیفیت پر انہیں موت آئے گی اور اسی حالت پر ان کا حشر ہوگا اس وقت انہیں دہشت گھیرے گی اور خجالت کے مارے سرنگوں ہو کر بارگاہِ حق میں معذرت کریں گے۔ لیکن کیا فائدہ سے

۱ سر از جیب غفلت بر آور کنون
کہ فردا نماند بخجلت نگون

۲ کنونت کہ چشمست اشکی ببار
زبان در دہانست عذری بیار

۳ نہ پیوستہ باشد روان در بدن
نہ ہموارہ گردد زبان در دہن

ترجمہ: (۱) غفلت سے ابھی سے سر باہر کر تاکہ کل شرمساری سے سر نیچا نہ ہو۔
(۲) ابھی آنکھوں سے آنسو بہا زبان تیرے منہ میں ہے عذر لا۔
(۳) روح ہمیشہ جسم میں نہ رہے گا نہ زبان ہمیشہ منہ میں رہے گی۔

تفسیر عالمانہ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا فعل مقدر کا دیتا مذکور سے قبل فعل مقدر پر عطف ہے یعنی و نقول لو شئنا الخ اور انہیں کہیں گے کہ اگر ہماری مشیت کا تعلق فعلی ہوتا بایں طور کہ ہم نیک اور برے نفوس کو وہ راستہ دکھاتے جو انہیں دولت ایمان و اعمال صالحہ سے مالامال کرتا اور اگر ہم انہیں توفیق بخشتے تو دنیا میں ہی وہ ایمان و اعمال صالحہ سے نوازے جاتے کہ وہ دار الکسب والعمل تھا اسے ہم اس یوم آخرت پر مؤخر نہ کرتے جو دار الجزا ہے وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّیْ لیکن اب تو میری قضا و قدر ثابت ہوگئی اور تم پر میرا وعید کا وقت آچکا اور وہ وعید یہ ہے لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ الجنۃ (بالکسر) جنات کی ایک جماعت (کفار) اس سے شیاطین کفار جن مراد ہیں وَالنَّاسِ اس سے وہ انسان مراد ہیں جنہوں نے کفر و معاصی اور آثام و جرائم میں شیاطین ابلیس کے تابعدار رہے۔ یعنی میں جہنم کو جن و انس سے پُر کروں گا۔ اَجْمَعِیْنَ ○ یہ اجتماع علی الامر کی تاکید کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ ولکن حق القول منی یعنی سبقت کلمتی اس کلمہ سے وہ ارشاد الٰہی مراد ہے جو ابلیس کے لاغوینہم الآیۃ کے جواب میں فرمایا: لاملئن جہنم الخ۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ولو شئنا یعنی اگر ہم ازل میں تمہیں اور جملہ اہل عالم کو ہدایت دینا چاہتے لاٰتینا کل نفس ھدٰیھا تو تمام ارواح پر ازلی نور کا چھینٹا مار کر سب کو ہدایت کی راہ پر کھڑا کر دیتے ولٰکن حق القول منی لیکن آدم علیہ السلام اور ابلیس کی تخلیق سے پہلے میرا حکم لاملئن الخ کر چکا تھا یعنی میری مشیت کا تعلق بعض کے لیے ہدایت اور بعض کے لیے گمراہی سے ہو چکا تھا چنانچہ میں نے باقتضائے حکمت ارادہ کر لیا کہ ایک جماعت جہنم میں تو دوسری جماعت بہشت میں مقیم رہے گی تاکہ میرے دو صفات (۱) لطف و کرم (۲) قہر و غضب کا ظہور ہو اس لیے کہ جنۃ اور اہل جہنم مظہر قہر و غضب ہیں اور میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں۔

ف: عرائس البیان میں ہے کہ دوزخ قہر الٰہی کا دہن (منہ) ہے وہ کھلتا ہے تاکہ وہ حصہ حاصل کرے اور اس کا حصہ وہ لوگ ہیں جن میں قہر الٰہی کی مباشرت کی استعداد ہے۔ اور جنۃ لطف الٰہی کا منہ ہے وہ بھی جب کھلتا ہے تو اپنا حصہ حاصل کرتا ہے اور وہ لوگ ہیں جن میں لطف الٰہی کی مباشرت کی استعداد ہے۔ اس سے ثابت ہوا لطیف کا رجوع لطیف کی طرف اور کثیف کا کثیف کی طرف ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو عارف باللہ بنا دیتا لیکن ازل میں وعد و وعید مقدر ہو چکا جو ہونا تھا اور ہوا اور ہوگا۔

ف: حضرت ابن عطا قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر ہم چاہتے تو ہر ایک کو اپنی رضا جوئی کی توفیق بخشتے۔ لیکن ایسے نہیں ہوا تاکہ ہمارے اختیار اور غلبہ کا اظہار ہو اسی لیے وعد و وعید مقدر ہو گیا۔

حکایت حضرت شبلی قدس سرہٗ سے اس آیت کا معنیٰ پوچھا گیا تو آپ نے دعا مانگی: یا اللہ! صرف شبلی کو ہی جہنم میں دھکیل کر جہنم کو پُر کر دے اور باقی اپنے تمام بندوں کو بہشت میں بھیج دے تاکہ تیرے بندے شبلی کا جی ٹھنڈا ہو کیونکہ شبلی کو تیرے عذاب سے راحت و سرور نصیب ہوتا ہے جیسے تیرے دوسرے بندے تیرے عفو و کرم سے خوش ہوتے ہیں۔

نکتہ: ان حضرات کے نزدیک لطف و قہر مساوی حیثیت رکھتے ہیں اس لیے کہ ان دونوں کا سرچشمہ ذات حق کو مانتے ہیں اسی لیے وہ لطف و قہر میں برابر طور لطف اندوز ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایوب علیہ السلام تکالیف و بلیات میں مبتلا ہوئے تو خوش ہوئے اور کہا کہ میری صفائی جتنی ان مصائب بلیات سے ہوئی ممکن ہے صحت و عافیت سے اتنی نہ ہوتی ؎

ما بلا خواہیم و زاہد عافیت
ہر متاعے را خریداری فتاد

ترجمہ: ہم آفات و بلیات کے طالب ہیں اور زاہد سلامت و عافیت کے۔ ہر سامان کا خریدار ضرور ہوتا ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حدیث شریف مع شرح عجیب حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے منبر پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا:

"قیامت میں اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کو تین ارشادات سُنائے گا:

(۱) اے آدم (علیہ السلام)! اگر میں ازل میں کذابین پر لعنت اور کذب اور خلف پر بغض مقدر کرتا اور یہ نہ لکھتا کہ میں ایسے لوگوں کو عذاب میں ضرور مبتلا کروں گا تو آج تیری اولاد پر ضرور رحم فرماتا جبکہ آج وہ شدید ترین عذاب میں مبتلا ہیں، چونکہ میں لکھ چکا ہوں اور میں لکھا مٹا نہیں سکتا (اسی لیے میں اسے جہنم میں دھکیلوں گا جس نے میرے انبیاء و رسل کی تکذیب کی اور میرے فرمان سے رُوگردانی کی، وہ انسان ہو یا جن!)

(۲) اے آدم (علیہ السلام)! میں ازل سے جانتا ہوں کہ تیری اولاد میں کون کون لوگ جہنم میں جائیں گے اور یہ بھی جانتا ہوں کہ ان کی استدعا پر اگر اب بھی میں انھیں دنیا میں بھیجوں تو پہلے سے بھی زیادہ شر و فساد پھیلائیں گے اور پھر توبہ کا تو نام بھی نہ لیں گے۔

(۳) اے آدم (علیہ السلام)! اب میں آپ کو ہی میزان پر کھڑا کرتا ہوں آپ ہی اپنی اولاد کے کردار دیکھئے اور فیصلہ بھی آپ کے ہاتھ میں ہے کہ ان کے اعمال نیک ہوں یا بُرے لیکن ترازو میں اگر ذرہ برابر نیکی بڑھ جائے تو اُسے بہشت میں بھیج دینا اگر بُرائی بڑھ جائے تو اسے دوزخ میں بھیج دینا۔ لیکن میں تو صرف ان لوگوں کو جہنم میں داخل کروں گا جو ظالم ہوں گے۔

ف: اللہ تعالیٰ دوزخ کو بڑے جابروں اور متکبروں سے پُر کرے گا اور بہشت کو ضعیفوں، کمزوروں اور ناتوانوں سے۔

حدیث شریف میں ہے، جب اللہ تعالیٰ دوزخ میں بڑے بڑے سرکش و متکبر (فرعون صفت اور ظالم بادشاہوں وغیرہم سے پُر کرے گا تو بہشت عرض کرے گی: یا اللہ! دوزخ کو بڑے بڑے لوگوں سے بھرا اور مجھ میں عاجز اور کمزور اور ناتواں لوگ بھیجے مجھے بھی بڑے بڑے لوگ عطا فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ بہشت کی آرزو پوری کرتے ہوئے اسی وقت اسی قسم کے لوگ پیدا کرکے بہشت کو بھر دے گا۔ رواہ انس رضی اللہ عنہ۔

ف: وہ لوگ بڑے خوش قسمت ہوں گے جو ابھی پیدا ہوئے اور اسی وقت بہشت میں چلے جائیں گے نہ موت کا ذائقہ چکھا نہ دوسرے دنیوی درد و آلام۔

دوزخ و بہشت کا جھگڑا مروی ہے کہ دوزخ و بہشت جھگڑ پڑیں گی کہیں گی مجھے بڑے بڑے سرکشوں سے پُر کیا گیا ہے اور بڑے جابر لوگ میرے اندر ہیں۔ بہشت کہے گی میرے اندر کمزور اور ضعیف و ناتواں ہیں (اور یہی افضل الناس ہیں) اللہ تعالیٰ دونوں کا فیصلہ فرماتے ہوئے کہے گا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کہ یہ سب میرے بندے ہیں اسے دوزخ! تو میرا عذاب ہے اور میں اپنا عذاب اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہوں دیتا ہوں اور پھر میں نے تم دونوں کو اپنے بندوں سے بھر دیا ہے (یہی تمہاری تمنا تھی وہ پوری ہو گئی اب جھگڑا کاہے کا)

تفسیر عالمانہ

فَذُوْقُوْا فا ترتیب کے لیے ہے یعنی امر ذوق کو ماقبل کے مضمون یعنی رجوع الی الدنیا پر مرتب کرنا مطلوب ہے بِمَا نَسِیْتُمْ لِقَآءَ یَوْمِکُمْ هٰذَا نسیان بمعنی انسان کا اپنے اندر امانت رکھی ہوئی یادداشت کے ضبط کو ترک کرنا وہ یا تو ضعفِ قلب کی وجہ سے ہوتا ہے یا غفلت سے یا قصد سے، یہاں تک کہ اس کا ذکر قلب سے بالکل ساقط ہو جائے۔

قاعدہ: جس نسیان کی قرآن مجید میں مذمت کی گئی ہے وہ جو عمداً ہو جیسے آیۃ ہذا میں ہے اور با میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگرچہ ہم نے ان کے عذاب کو ان کے لیے مقدر کر دیا ہے لیکن اس کا ایک موجب ان کی جانب سے یہ بھی ہے کہ انہوں نے قیامت کے دن باری تعالیٰ کی حاضری کو بھلا رکھا ہے اور اس میں غور و فکر کو بالکل ترک کر دیا ہے اور لذاتِ دنیویہ میں ایسے منہمک ہیں کہ نہ انہیں اللہ تعالیٰ کی حاضری یاد ہے اور نہ ہی آخرت کے دن کے ہولناک عذاب کا فکر۔ اس طرح سے ان کی استعداد بالکل ختم ہو چکی ہے اور قاعدہ ہے کہ جو دنیوی مشاغل میں منہمک ہو جائے وہ یادِ الٰہی اور آخرت کے غور و فکر سے محروم ہو جاتا ہے۔ اس میں جن و انس دونوں برابر ہیں اور جو اس طرح کرتا ہے اس پر نسیان طاری کر دیا جاتا ہے۔

ف: لقاء کی اضافت یوم کی طرف ایسے ہے جیسے مکر کی اضافت لیل و نہار کی طرف ہے کما قال:

مکر الیل والنہار۔

یعنی اس دن کی اللہ تعالیٰ کی حاضری کو تم نے بھلا دیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ بے شک تم خوابِ غفلت میں ہو اور جو نیند میں ہو اسے کسی قسم کے درد و الم کا احساس نہیں ہوتا جب بیدار ہوتا ہے تو پھر اسے درد و الم محسوس ہوتا ہے ایسے ہی عالمِ دنیا کے لوگ گویا نیند کر رہے ہیں جب مریں گے تو بیدار ہوں گے اس وقت انہیں کہا جائے گا فذوقوا بما نسیتم لقاء یومکم ھٰذا۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّا نَسِیْنٰکُمْ بے شک ہم نے تمہیں اپنی رحمت سے بھلا دیا یعنی تمہیں عذاب میں مبتلا کر کے ایسے ہی چھوڑ دیا کہ گویا تم ہمیں یاد ہی نہیں ہو اس سے تمہاری ذلت اور تمہیں جزا دینا مطلوب ہے۔

تفسیر صوفیانہ

انا نسینکم بے شک آج ہم نے تمہیں اپنی رحمت سے محروم کر دیا ہے جیسے تم نے دنیا میں ہماری خدمت ترک کر رکھی تھی (کذا فی التاویلات)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تفسیر عالمانہ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ اور تم جہنم کا دائمی عذاب چکھو یہ اضافۃ الموصوف الی الصفۃ کے قبیل سے ہے جیسے عذاب الحریق میں اضافۃ الموصوف الی الصفۃ ہے بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ بسبب اس کے کہ تم عمل کرتے تھے جیسے کفر و معاصی۔ یہ تکرار تاکید اور ان پر اظہار غضب اور ذوق کے مفعول کے اصلی سبب کی تعیین کے لیے ہے اور بتانا مطلوب ہے کہ دائمی عذاب کا سبب صرف ان کا نسیان نہیں بلکہ دیگر اور اسباب بھی ہیں یعنی وہ کفر و معاصی جن پر وہ دنیا میں مداومت رکھتے تھے۔

حدیث شفاعت حضرت کعب الاحبار سے مروی ہے کہ قیامت میں (انبیاء علیہم السلام کے بعد) ملائکہ شفاعت کریں گے ان کے بعد شہداء ان کے بعد اہل ایمان ان سب کی شفاعت قبول ہوگی ان کے بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت شفاعت فرمائے گی یہاں تک کہ دوزخ میں کوئی ایک بھی باقی نہ رہے گا جس کے لیے اللہ تعالیٰ بخشنا چاہے گا اس کے بعد دوزخیوں کا رونا اور بڑھ جائے گا اس پر اللہ تعالیٰ دوزخ کا دروازہ بند کر دے گا یہاں تک اس میں کسی قسم کی راحت نہ پہنچے گی اور نہ وہاں کا کوئی غم باہر نکالا جائے گا ؎

الٰہی ز دوزخ دو چشمم بدوز
بنورت کہ فردا بنارت مسوز۔

ترجمہ: یا اللہ! دوزخ سے میری دونوں آنکھیں اپنے نور سے سی دے اور کل قیامت میں مجھے اس کی آگ میں نہ جلانا۔

تفسیر عالمانہ اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا بے شک، اے مجرمو! تم ہمارے اوپر ایمان نہیں لاتے ہو اور اس کے موجب پر عمل صالح نہیں کرتے ہو اگر ہم تمہیں دنیا کی طرف لوٹا دیں، تو جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے تو بھی تم وہی برائی کرو گے جیسے پہلے کرتے تھے۔ کما قال،

ولو ردوا لعادوا لما نهوا عنه۔

اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ بیشک ہمارے آیات پر وہ لوگ ایمان لاتے ہیں اَلَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا وہ لوگ ان سے نصیحت حاصل کرتے ہیں خَرُّوْا سُجَّدًا تو گر جاتے ہیں سجدہ کرتے ہوئے۔ المفردات میں ہے کہ خر بمعنے سقط سقوطا۔ اور الخریر اسی سے ہے بمعنے پانی اور ہوا وغیرہ کی آواز۔ آیت میں تنبیہ ہے کہ اس میں دونوں امر موجود ہیں کہ جب سجدہ کرنے والا سجدہ میں گرتا ہے تو اس سے تسبیح کی آواز بھی آتی ہے چنانچہ اس کے بعد فرمایا وسبحوا بحمد ربهم اس میں تنبیہ ہے کہ ان کا سجدہ میں گرنا بھی تسبیح و تحمید کے طور پر ذکر کی اور امر یعنی وہ لوگ سجدہ میں گرتے ہیں در انحالیکہ وہ عذاب الٰہی سے خوفزدہ ہوتے ہیں وَسَبَّحُوْا اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی تنزیہ ان امور سے بیان کرتے ہیں جو اس کی شان کے لائق نہیں جیسے شرک اور شبہ اور عجز عن البعث وغیرہ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ یہ محلاً حال ہے در اصل عبارت متلبس بحمدہ تعالیٰ الخ تھی یعنی در انحالیکہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کی نعمتوں پر شکر کرنے والے ہوتے ہیں کہ اس کریم نے انہیں ایمان کی اور عمل صالح دینے کی توفیق بخشی وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۝ اور وہ تکبر نہیں کرتے۔ ظاہر ہے کہ اس کا عطف الذین کے صلہ پر ہے یعنی وہ لوگ ایمان و طاعت سے نصیحت حاصل نہیں کرتے جیسے کہ ایک متکبر کا کام ہوتا ہے کہ وہ کسی کی سنتا ہی نہیں اگر سنتا ہے تو ان سنی بات کی طرح۔

مسئلہ: یہی آیت بالاتفاق سجدہ (تلاوت) کا محل ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ بقول امام اعظم رضی اللہ عنہ نواں سجدہ ہے اور بقول امام شافعی دسواں ہے۔ حضرت امام شیخ اکبر قدس سرہ نے اس سجدے کو سجدۂ تذکر کہا ہے اور سجدہ کرنے والے کو چاہیے کہ اسے پڑھ کر غفلت کو دور کرے اور اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلائل سوچے اس لیے کہ اس کے وجود کے دلائل ہر شے میں موجود ہیں ؎

ہمہ ذرات از مہ تا بماہی
بوحدانیتش داد گواہی

ہمہ اجزای کون از مغز تا پوست
چو وا بینی دلیل وحدت اوست

ترجمہ: تمام ذرات میں ماہ سے ماہی تک اس کے واحد ہونے پر گواہ ہیں۔ مغز سے پوست تک تمام اجزاء اس کی وحدت کی کھلی دلیل ہیں۔

مسئلہ: اس آیت کے لائق الفاظ پڑھے جائیں۔ مثلاً کہے:

اللهم اجعلني من الساجدين لوجهك المسبحين بحمدك واعوذ بك من اكون من المستكبرين عن امرك۔

مسئلہ: امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے آیۃ السجود کو نماز میں پڑھنا مکروہ لکھا ہے۔ نماز سری ہو یا جہری، اگر پڑھ لیا تو سجدۂ تلاوت کرے یا نہ! اس میں دو قول ہیں۔ کذا فی فتح الرحمٰن۔

خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے کہ کسی نے نماز میں آیتِ سجدہ تلاوت کی اگر وہ آیت سورہ کے آخر میں ہے یا اس کے بعد صرف ایک دو آیتیں بچتی ہیں تو وہ مختار ہے چاہے رکوع کرے اور اس میں سجدۂ تلاوت کی نیت کرے یا چاہے تو سجدہ کرے پھر قیام کی طرف لوٹ کر رکوع و سجود کرے اگر اس کے ساتھ اور سورۃ ملائے تو افضل ہے۔

اگر سجدۂ تلاوت کی سورۃ کو ختم کرکے رکوع اور سجدہ میں چلا گیا تو اس سے سجدۂ تلاوت ساقط ہو جائے گا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وھم لا یستکبرون یعنی وہ لوگ تیرے سجدہ سے تکبر نہیں کرتے جیسے ابلیس نے آدم علیہ السلام کو قبلہ بنا کر سجدہ کرنے سے انکار کیا اس لیے کہ اگر وہ آدم علیہ السلام کو قبلہ مان کر سجدہ کرتا تو وہ بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کو سجدہ ہوتا کیونکہ آدم علیہ السلام اس وقت سجدہ کا قبلہ تھے جیسے ہمارے سجدوں کا قبلہ کعبہ معظمہ ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ف: بعض مشائخ نے فرمایا ہر انسان نماز میں ابلیس کی شرارت سے نہیں بچ سکتا۔ ہاں سجدہ کی حالت میں وسوسہ پر شیطان کو قدرت نہیں اس لیے کہ اس وقت شیطان اپنی حالت کو یاد کرتا ہے تو غم اور حزن میں ڈوب جاتا ہے زیادہ اپنی میں پڑ کر نمازی کو کچھ نہیں کہہ سکتا اس لیے بحالتِ سجود انسان ابلیس کی شرارت سے تو محفوظ ہوتا ہے لیکن نفس کی شرارت سے محفوظ نہیں ہوتا۔

ف: سجدہ کی حالت میں کتنے خیالات گزرتے ہیں۔ وہ رحمانی ہوتے ہیں یا ملکی یا نفسانی۔ ان سب پر شیطان کو کسی قسم کی قدرت نہیں ہوتی پھر جب وہ قیام کی طرف کھڑا ہوتا ہے تو شیطان سے وہ حزن و غم کی کیفیت دور ہو جاتی ہے اسی لیے وہ پھر نمازی کو وسوسہ میں ڈالتا ہے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ نماز کی ادائیگی میں عجلت کرے، نماز فرضی ہو یا نفل۔ تاکہ شیطان ذلت میں ہو اور رب رحمان راضی ہو، بلکہ اس کیفیتِ نماز میں روح ملک متعال کا قرب پاتی ہے اور مناجات حق سے لذت اور ذوق وصال الٰہی نصیب ہوتا ہے ؎

ذوق سجدہ زائد است از ذوق شکر نزد جان ہر کرا این ذوق نے بے مغز باشد در جہان

ترجمہ: روح کو شکر کی لذت سے سجدہ میں بہت بڑا ذوق حاصل ہوتا ہے جسے یہ ذوق نصیب نہیں اسے جہانِ دنیا میں بے مغز سمجھو۔

اے اللہ! ہمیں سجدۂ فنا کا اہل بنا، تو ہی ہماری دعاؤں کو سننے والا ہے۔

تفسیر عالمانہ

تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ یہ جملہ مستانفہ اہل ایمان کے بقایا محاسن کا بیان ہے۔

حلِ لغات: التجافی بمعنے بُعد اور دوری۔ الجفا سے ہے۔ جو شخص کسی کے ساتھ موافقت نہ کرے اسے کہ کر اس نے اس پر جفا کیا یعنی اس سے علیحدہ ہوا اور کنارہ کشی اختیار کی۔ الجنوب جنب کی جمع ہے۔ انسان وغیرہ کی کروٹ کو کہا جاتا ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ ان کی کروٹیں دور رہتی ہیں **عَنِ الْمَضَاجِعِ** بستروں یعنی نیند کی جگہوں سے۔

المضاجع: مضجع کی جمع ہے جیسے مقعد کی جمع مقاعد آتی ہے یعنی خواب گاہیں۔

نکتہ: تتجافی کا اسناد جنوبہم کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اہل یقظہ و کشف کا حال نرالا ہے وہ اہل غفلت حجاب کی طرح نہیں ہیں اس لیے کہ وہ مناجات کی حرص میں خواب گاہوں سے کروٹوں کو دور رکھتے ہیں۔ وہ اپنے اختیار سے نہیں سوتے بلکہ بسیار بیداری سے زمین پر گر جاتے ہیں گویا زمین نے انہیں جبراً نیچے دے مارا اگر اس طرح نہ ہوتا تو وہ کبھی زمین پر نہ سوتے بخلاف اہل غفلت کے کہ وہ خواہ مخواہ ہی بستروں پر پڑے رہتے ہیں اور جب وہ نیند میں ہوتے ہیں تو غفلت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ انہیں جب تک کوئی ڈنڈے دے کر نہ اٹھائے اٹھتے نہیں۔

يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ یہ جنوبہم کی ضمیر سے حال ہے یعنی وہ ہمیشہ اپنے رب تعالیٰ کو پکارتے رہتے ہیں

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

خَوْفًا اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب اور اس کے عذاب سے اور اس خطرہ سے کہ مبادا ان کی عبادت قبول نہ ہو وَّطَمَعًا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے طمع والے ہیں۔

تفسیرِ نبوی: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے تہجد مراد ہے۔ کیونکہ یہ آیت ان حضرات کے متعلق نازل ہوئی جو رات کو تہجد کے نوافل کے لیے اُٹھتے ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں فرض روزے کے بعد ماہِ محرم کے روزے سے اور کوئی روزہ افضل نہیں اور نہ ہی فرض نماز کے نوافل تہجد سے اور کوئی نفل افضل نہیں۔

ف: کاشفی نے فرمایا جب رات آتی ہے اور لوگ آرام کے لیے بستر بچھاتے ہیں اور غفلت کی نیند سوتے ہیں تو یہ حضرات نرم اور گرم بستروں کو چھوڑ کر عجز و نیاز کے ساتھ درازیٔ شب میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ راز و نیاز میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ منقول ہے کہ سہیل یمنی یعنی حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کسی وقت کہتے: ھذہ لیلۃ الرکوع (یہ رات رکوع کے لیے ہے) تو ساری رات رکوع میں گزار دیتے۔ اور کبھی فرماتے:

ھذہ لیلۃ السجود (یہ سجدہ کی رات ہے)

تو ساری رات سجدہ میں گزار دیتے۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت! جب آپ کو طاعتِ الٰہی کی اتنی بڑی طاقت حاصل ہے تو پھر آپ صرف رکوع میں یا صرف سجدے میں اتنی بڑی راتیں کیوں گزار دیتے ہیں؟ جواباً فرمایا کہ راتیں بڑی ہیں کہاں! کاش ایک رات ازل تا ابد میرے نصیب ہوتی اور میں اسی میں سجدہ کر کے بارگاہِ حق میں زار و قطار روتا۔

سہ: نیم شب کہ ہمہ مست خواب خوش باشند
من و خیالِ تو و نالہائے درد آلود

ترجمہ: آدھی رات کے وقت جبکہ دوسرے لوگ میٹھی نیند سو جائیں میں تیرے خیال میں آنسو بہاؤں (اسی میں مزہ ہے)

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا رب تعالیٰ ان دو بندوں پر بہت خوش ہوتا ہے، ایک وہ جو اپنے محبوب (زوجہ) کے ساتھ آرام کر رہا ہو اور سردی کا موسم ہو، بستر نہایت نرم گرم بچھا ہو، وہ ان تمام چیزوں کو چھوڑ کر نماز کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے ایسے بندے کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ ملائکہ سے فرماتا ہے، میرے بندے کو دیکھو کہ وہ اپنی محبوبہ (زوجہ) اور نرم و گرم بستر کو چھوڑ کر میرے شوق میں اور میرے خوف سے نماز میں مشغول ہے۔ دوسرا وہ جو اپنے ساتھیوں کے ساتھ شکست کھا کر گھر لوٹتا ہے لیکن دل میں خیال کرتا ہے گھر جا کر کیا کروں گا کیوں نہ ہو کفار سے لڑ کر مارا جاؤں۔ چنانچہ واپس ہوا یہاں تک کہ کافروں سے لڑ بھڑ کر خون میں لت پت ہو گیا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف ۲ بہشت میں ایسے بالاخانے ہیں جن کا ظاہر و باطن برابر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے تیار کیے ہیں جو بات میں نرمی کرتے، مسکینوں غریبوں کو کھانا کھلاتے اور مسلسل روزے رکھتے ہیں اور رات عبادت میں گزارتے ہیں جبکہ دوسرے لوگ میٹھی نیند سو رہے ہوتے ہیں:

حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی فرماتے ہیں ؎

۱ وفینا رسول اللہ یتلو کتابہ
اذا انشق معروف من الفجر ساطع

۲ ارانا الھدی بعد العمی فقلوبنا
بہ موقنات ان ما قال واقع

۳ یبیت یجافی جنبہ عن فراشہ
اذا استثقلت بالکافرین المضاجع

ترجمہ: (۱) ہم میں اللہ کے رسول کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں جب چمکتی ہے صبح روشن ہو کر۔

(۲) اندھے پن کے بعد ہمیں راہِ ہدایت دکھائی کیونکہ ہمارے قلوب کو یقین ہے کہ جو کچھ فرمایا ہے وہ ہو کر رہے گا۔

(۳) وہ رات کو بستر سے کروٹ دور رکھتے ہیں جبکہ کافروں پر کروٹیں بوجھل ہوتی ہیں۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف جب اللہ تعالیٰ اولین و آخرین کو جمع فرمائے گا تو ایک منادی ندا دے گا جسے تمام مخلوق سنے گی وہ فرمائے گا، آج اہل کرم اس مجمع میدان حشر میں اپنا حق حاصل کرے۔ اس کے بعد واپس آئے گا اور اعلان کرے گا کہ اٹھ کھڑے ہوں۔ وہ لوگ رات کے وقت جن کی کروٹیں خشک رہتی تھیں اس اعلان پر بہت تھوڑے لوگ اٹھیں گے۔ اس کے بعد لوٹ کر تیسرا اعلان کرے گا کہ جو لوگ پوشیدہ اور ظاہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے رہے وہ اٹھ کھڑے ہوں۔ چنانچہ اس اعلان پر بہت تھوڑے لوگ اٹھیں گے پھر ان سب کو بہشت میں داخل ہونے کا حکم ہوگا۔ جب یہ حضرات بہشت میں چلے جائیں گے تو پھر باقی لوگوں کا حساب ہوگا۔

ف: رات کا قیام قسمت والے کو نصیب ہوتا ہے اس لیے کہ یہ بھی ایک عطیۂ الٰہی ہے جسے چاہتا ہے یہی عطیہ بخشتا ہے۔ جسے یہ دولت نصیب ہو اسے چاہیے کہ وہ کسی وقت بھی اسے نہ چھوڑے اور جو اوراد و وظائف اس وقت ادا کرتے ہوں ان میں ہرگز کوتاہی نہ کرے۔

حکایت حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک رات میں اپنے روزانہ کے ورد وظیفہ سے فارغ ہو کر سو گیا پھر خواب میں دیکھا کہ میں ایک حور کے پاس کھڑا ہوں وہ مجھے کہہ رہی ہے کہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اے ابوسلیمان! آپ سو جاتے ہیں حالانکہ میں بہشت کے ایک خیمہ میں پانچ سو سال سے آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔

حکایت حضرت شیخ ابوبکر ضریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میری ہمسائیگی میں حسین و جمیل نوجوان رہتا تھا جو دن کو روزے رکھتے اور رات کو نوافل پڑھتے گزارتا تھا اسے نیند کرتے کسی نے نہیں دیکھا تھا ایک دن وہ میرے پاس آیا اور کہا استاذ جی! ایک رات میں ایک ورد معلوم سے سو گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میری عبادت گاہ سے چند حوریں نمودار ہوئیں جن کا حسن و جمال ایسا بے نظیر تھا کہ دنیا کے عالم میں ان کا ثانی ناممکن ہے لیکن ان میں ایک حور نہایت قبیح اور بدشکل تھی کہ جس کی مثال دنیا میں نہیں دیکھی گئی۔ میں نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو اور کس کے لیے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم تیری راتوں کی عبادت کا صلہ ہیں اور یہ سیاہ اور بدشکل بھی تیرے لیے ہے لیکن اس کی شکل و صورت اسی لیے تبدیل ہوئی ہے کہ تو نے شب گزشتہ عبادت میں کوتاہی کی یعنی اپنے معلوم وظیفہ کو پورا نہیں کیا اگر تو اسی شب کو فوت ہو جاتا تو مرنے کے بعد تجھے پہلے یہی قبیح شکل اور بدصورت حور ملتی۔ پھر اس بدشکل حور نے یہ اشعار پڑھے ؎

اسأل لمولاك واردد فی الی حالی
فانت قبحتنی من بین اشکالی
لا ترقدن اللیالی ما حییت فان
نمت اللیالی فهن الی هذا مثالی

ترجمہ: میں نے تیرے مولیٰ سے سوال کیا ہے کہ وہ مجھے اپنی پہلی حالت میں لوٹا دے اس لیے کہ ہجولیوں میں اس شکل و صورت کے ساتھ رہنا نامناسب ہے۔ تم آئندہ رات کے وقت نہ سویا کرو جب تک کہ زندہ رہو ورنہ دوسری حوریں بھی میری طرح ہو جائیں گی۔

اس کے جواب میں ان حسین حوروں سے ایک نے کہا ؎

۱ ابشر بخیر فقد نلت الغنی ابدا
فی جنة الخلد فی روضات جنات
۲ نحن اللیالی اللواتی کنت تسهرها
تتلو القرآن بترجیع و رنات
۳ ابشر وقد نلت ما ترجوه من ملك
بر یجود بافضال وفرحات
۴ هذا تراه تجلی غیر محتجب
تدنی الیه و تحظی بالتحیات

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ترجمہ (۱) تمہیں مژدہ ہو اکرم سے دائمی بقا کو پالیا یعنی جنت الخلد میں تجھے بہترین باغات نصیب ہوں گے۔

(۲) ہم تیری وہی راتیں ہیں جن میں تم بیدار رہتے تھے اور خوش الحانی سے قرآن مجید پڑھتے تھے۔

(۳) خوش ہو جا تجھے بیشک تمہیں مالک کریم سے وہ کچھ مل گیا جس کی تمہیں امید تھی وہی ہر ایک پر فضل و کرم فرماتا ہے۔

(۴) کل دیکھنا تجھے وہ کریم بے پردہ زیارت کرائے گا تو اس کے قریب ہو کر تحیات پیش کرے گا۔

اس کے بعد نوجوان چیخ مار کر مر گیا (رحمہ اللہ تعالیٰ)

حکایت یحییٰ علیہ السلام کے ہاں ابلیس حاضر ہوا تو یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا: تو مجھ پر کوئی قدرت رکھتا ہے اور مجھ سے کوئی برا عمل کرایا؟ اس نے عرض کی صرف ایک بار، وہ اس طرح کہ آپ کے ہاں طعام پیش ہوا تو آپ نے ضرورت سے زیادہ کھا لیا اس وجہ سے آپ ایک رات نوافل کے لیے نہ اٹھ سکے۔ یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا: بخدا آئندہ کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہ کھاؤں گا۔ اس نے کہا: میں بھی قسم کھاتا ہوں کہ آئندہ کسی انسان کو نصیحت نہیں کروں گا ؎

باندازہ خور زاد اگر مردمی
چنیں پُر شکم آدمی یا خمی
ندارند تن پروران آگہی
کہ پُر معدہ باشد ز حکمت تہی

ترجمہ: ساتھ اندازہ خرچ کیا کیجئے اگر تم آدمی ہو۔ اتنا زیادہ کھاتا ہے تو آدمی ہے یا مٹکا ہے۔ تن پرور لوگ اس سے کوئی خبر نہیں رکھتے کہ پُر معدہ انسان حکمت سے خالی ہوتا ہے۔

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ اور جو ہم نے مال وغیرہ دیا يُنْفِقُوْنَ ۝ وہ خیرات و حسنات سے۔ بعض نے فرمایا یہ حکم عام ہے واجب ہو یا نفل۔ اور اس کی تین قسمیں ہیں:

(۱) زکوٰۃ جس کے ہاں نصاب کامل ہو۔

(۲) جس کے ہاں نصاب کے علاوہ زائد خرچ کرنے کی توفیق ہو۔

(۳) خاص طور مصیبت میں مفلس اور مساکین کو ترجیح دے کر یعنی خود بھوکا رہ کر دوسرے کو کھلائے۔

بدہ نیک یا بذل کن سیم و زر
کہ آں کسب خیر است و آں دفع شر

از آں کس کہ خیرے بماند روان
دمادم رسد رحمتش بر روان

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ترجمہ: نیک اور بد پہ سیم و زر خرچ کر اس لیے کہ نیک پر خرچ کرنے سے ثواب ملے گا اور بُرے پر خرچ کرنے سے اس کی بُرائی کا دفعیہ ہوگا جس سے ہمیشہ نیکی جاری رہے گی اس کی رُوح پر ہمیشہ رحمت نازل ہوگی۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ کوئی نفس نہیں جانتا خواہ کوئی ملک مقرب ہو یا نبی مرسل جب ایسے قدسی نفوس نہیں جانتے پھر دوسروں کا کیا کہنا **مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ** جو ان حضرات کے لیے مخفی تیار رکھی ہوئی ہیں جن کی صفات اوپر مذکور ہوئیں مثلاً وہ ذات کہ شب بیداری کی وجہ سے اپنی کروٹیں بستروں سے دُور رکھتے اور اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ پکارتے اور راہِ حق میں مال لٹاتے ہیں یہ جملہ محلاً منصوب کا تعلم کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے **مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ** آنکھوں کی ٹھنڈک یعنی وہ نعمتیں کہ جن کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی اور ان کے نفوس کو تسکین نصیب ہوگی۔

ف: کاشفی نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ انہیں آنکھوں کی روشنی میں اضافہ کرنے والی چیزیں ملیں گی یعنی وہ امور جنہیں دیکھ کر آنکھیں روشن ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

حدیث قدسی اعددت لعبادی الصالحین ما لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر بل ما اطلعتم علیہ اقرأوا ان شئتم فلا تعلم نفس ما اخفی لهم من قرة اعین۔

(میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی چیزیں تیار فرمائی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سُنا اور نہ ہی کسی دل پر ان کا خیال گزرا اس کی تائید میں یہ آیت فلا تعلم نفس ما اخفی لهم الخ پڑھو)

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ یہ انہیں اس کی جزا نصیب ہوگی جو انہوں نے دنیا میں اخلاص کے ساتھ اور صدقِ دل سے نیک عمل کیے۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ جب عمل پوشیدہ ہو تو جزا بھی پوشیدہ ملے گی یہاں تک کہ کسی نے کوئی ایسا عمل کیا کہ اس کی کسی کو خبر نہ ہوئی تو قیامت میں اسے جب جزا دی جائے گی تو کسی کو علم نہ ہوگا ؎

روزے کہ روم ہمرہ جاناں بچمن
نہ لالہ و گل بینم و نہ سرو و سمن
زیرا کہ میان من و او گفتہ شود
من دانم و او داند و او داند و من

ترجمہ: کسی روز اپنے محبوب کے ساتھ باغ میں جاؤں گا تو باغ میں نہ گل دیکھوں گا نہ سرو اور سمن۔ اس لیے کہ میرے اور محبوب کے درمیان کیا بات کہی جائے گی جبکہ میں صرف محبوب کو جانتا ہوں اور

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ویسے محبوب جانتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے تَتَجَافٰی جُنُوۡبُهُمۡ ان کی کروٹیں خالی ہیں عَنِ الۡمَضَاجِعِ دارین کے بستروں سے۔ یعنی احوال دارین سے ان کے قلوب دور ہیں۔ وہ اپنے اعمال کو دیکھتے ہیں نہ احوال کو بلکہ وہ اپنی محبوب و مرغوب چیزوں سے جدا رہتے ہیں اور اپنے معارف کو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر چھوڑ دیتے ہیں یدعون ربہم ۔۔ اپنے رب کے ساتھ رب کے لیے رب کو پکارتے ہیں خوفاً تاکہ ہجر و فراق اور دوری کے عذاب میں مبتلا نہ ہوں وَّطمعاً قربات و مواصلات میں ومما رزقنٰہم ینفقون اور ہماری دی ہوئی نعمت وجود سے اسے خرچ کرتے ہیں تاکہ اپنی جدوجہد کو خرچ کرتے ہیں تاکہ مقصود حاصل ہو اور ان کے لیے جو نقود مخفی رکھے گئے ہیں انھیں نصیب ہو جائیں۔ کما قال تعالیٰ فلا تعلم الخ درحقیقت ان سے مخفی رکھا ہوا ان کا اپنا جمال ہے جو ان کا عین ہے جو ان سے مخفی ہے اور صوفیا کے نزدیک عین حق ہے۔ یاد رہے کہ جب تک تمہارا عین فانی باقی رہے گا تو تمہارا جمال باقی رہے گا تم سے مخفی اس لیے رکھا تاکہ تمہارے اوپر نظر بد کا اثر نہ ہو۔ اگر وصال کی صبح سعادت طلوع کرے اور درمیان میں جدائی کی ظلمت چلی جائے اور عین عین سے متبدل ہو تو نہ حجاب رہے نہ کچھ اور، بلکہ خفاء ظاہر ہو کر دائمی لقا نصیب ہو جائے۔ کما اقول ؎

من جاء هواكم ذاهبا بالبين
لم يبق سوى وصالكم في البين
ما جاء بغير عينكم في عيني
والآن محت عينكم لي عيني

ترجمہ: جب سے تمہاری محبت اور عشق نصیب ہوا تو سب کچھ میری نظروں سے نکل گیا اور
اب تو تمہارا وصال ہی میرے ہاں ہے اور بس۔ اور میری آنکھ میں فقط تمہارا ہی تصور ہے۔
اور میری آنکھ سے تو تیرے ماسوا تمام تصورات مٹ گئے ہیں۔

جزاء بما کانوا یعملون یہ اس کی جزا ہے جو وہ عمل کرتے تھے۔ اس میں اشارہ ہے کہ ان کا ما اخفی لہم کا عدم علم اور اس کے علم کے حصول کا جہل ان کے اعمال کا نتیجہ ہے۔ ان کے اعمال کا یہ معنی ہے کہ حق سے اعراض اور غیر حق کی طلب اور ماسوی اللہ کی عبادت میں مصروف رہے۔

تفسیر عالمانہ اَفَمَنۡ كَانَ مُؤۡمِنًا كَمَنۡ كَانَ فَاسِقًا تو کیا ۔۔ جو مومن ہے وہ فاسق کی طرح ہو سکتا ہے یعنی فاسق وہ جو ایمان سے خارج ہو اس لیے کہ مومن کا بالمقابل وہی ہو سکتا ہے جو ایمان سے خارج ہو نیز قرینہ بھی بتاتا ہے کہ یہاں فاسق سے خارج از ایمان مراد ہے اس لیے کہ اس کے بعد دوزخ تک دائمی عذاب کی مجبوری جاری ہے اور دائمی عذاب کا مستحق صرف کافر ہوتا ہے لَا يَسۡتَوٗنَ ۝

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

شرف اور جزا فی الآخرۃ برابر نہیں ہیں اگرچہ اس جملہ کی تصریح کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ جب بتایا گیا ہے کہ انہیں آپس میں کسی طرح کا تشابہ نہیں لیکن پھر بھی لا یستوون فرماتے ہیں تاکید مطلوب ہے اور یہی نیز آنے والی تفصیل کا تقاضا بھی تھا کہ لا یستوون کی تصریح ہو اور جمع کا صیغہ معنیٔ مَنۡ کی وجہ سے ہے۔

شانِ نزول

حضرت کاشفی نے لکھا کہ ولید بن عقبہ نے فخریہ طور پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ میری سنان تیری سنان سے سخت تر اور میری زبان تیری زبان سے تیز تر ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اے فاسق! خاموش باش۔ تجھے میرے ساتھ برابری کا کیا معنی اور میرے ساتھ جھگڑا کیوں؛ جبکہ تجھے میرے ساتھ کسی قسم کی مشابہت نہیں ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تائید میں آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

ف ؛ اس میں اشارہ ہوا کہ مومن سے حضرت علی اور فاسق سے ولید مراد ہے ایسے ہی قیامت تک آنے والے مومن اور کافر اس میں داخل ہیں اسی لیے لا یستوون صیغہ جمع لایا گیا۔

تفسیرِ صوفیانہ

جو انوار طاعت و ایمان میں ہے اس کے برابر نہیں ہو سکتا جو ظلمت فسق و طغیان میں ہے (کذا قال ابن عطاء)

اور کشف الاسرار میں ہے کہ کیا وہ شخص جو حلۂ وصال دامن کھینچ کر چلتا ہے یعنی دائمی وصال میں ہے اس کی طرح وہ کیسے برابر ہو سکتا ہے جو مذلۂ فراق میں ہے جس کا فراق سے قلب سخت ہے جو ہول عقوبت سے کلفت کی مشقت میں ہے یا اس کی طرح جو نور برہان سے مؤید ہے اور ان پر شموس عرفان طلوع کرتے ہیں وہ کس طرح ہو سکتا ہے خذلان سے مربوط اور حرمان سے موسوم ہے ایسے لوگ نہ تو ایک دوسرے کے برابر ہو سکتے ہیں نہ آپس میں کہیں یکجا جمع ہو سکتے ہیں ؎

ایھا المنکح الثریا سھیلا

عمرک اللہ کیف یلتقیان

ھی شامیۃ اذا ما استقلت

وسھیل اذا استقل یمانی

ترجمہ: اے سہیل اور ثریا کو جمع کرنے کا خیال کرنے والے! اللہ تعالیٰ خیر کرے تم ان دونوں کو کیسے جمع کر سکتے ہو جبکہ ایک شامی ہے اور دوسرا یمنی۔

تفسیرِ عالمانہ

اَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَھُمْ بہرحال وہ لوگ جو مومن ہیں اور نیک عمل کیے تو وہ استحقاق رکھتے ہیں کہ ان کے لیے جَنّٰتُ الْمَاْوٰی ہے۔ امام راغب نے فرمایا کہ الماوٰی؛ اوی کا مصدر ہے بمعنے الضم۔ اور جنت الماوٰی ایسے ہے جیسے دار الخلود۔ اس اعتبار سے دار مصدر کی طرف مضاف ہوگا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اور شرح میں ہے کہ جنۃ کی طرف ماوٰی کی اضافت اس لیے ہے کہ وہی حقیقی ماوٰی ہے ورنہ دار دنیا تو رنج کا مقام ہے اسی لیے دنیا کو پل سے تعبیر کیا جاتا ہے اس لیے کہ وہ آخرت کے لیے عبور کا مقام ہے اسے دار القرار سمجھنا حماقت ہے۔

بعض نے اس کا معنی یہ کیا ہے کہ ان لوگوں کے لیے باغ و بہشت ہے کہ ان کا یہی ماوٰی حقیقی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جنت الماوٰی ساری کی ساری سونے کی ہے اور آٹھوں بہشتوں کی ایک ہے اور وہ آٹھ بہشتیں یہ ہیں:

١۔ دار الجلال
٢۔ دار القرار
٣۔ دار السلام
٤۔ جنت عدن
٥۔ جنۃ الماوٰی
٦۔ جنۃ الخلد
٧۔ جنۃ الفردوس
٨۔ جنۃ النعیم

نُزُلًا درانحالیکہ وہ جنات وغیرہ اجر و ثواب اور مہمانی ہیں۔ نزل دراصل ہر اس شے کو کہا جاتا ہے جو مہمان کے لیے تیار کی جائے، کھانے کی ہو یا پینے کی یا اور طرح کی یا اور طرح کا صلہ، پھر ہر طرح کی عطا پر اس کا اطلاق ہوتا ہے بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ بسبب ان کے ان اعمال حسنہ کے جو انھوں نے دنیا میں کیے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے افمن کان مؤمنا کیا وہ شخص جو طلب حق تعالیٰ کا خواہشمند ہے وہ اس کی طرح ہے جو فاسق ہے یعنی ماسوی اللہ کی طلب میں رہتے ہیں لا یستوون وہ برابر نہیں ہیں یعنی طالبین مولیٰ اور وہ جو اللہ تعالیٰ کی طلب میں نہیں ہیں مساوی نہیں اما الذین اٰمنوا بہرحال وہ لوگ جو طلب حق میں زندگی بسر کرتے ہیں وعملوا الصّٰلحٰت اور نیک عمل کرتے ہیں یعنی اقبال علی اللہ و اعراض عما سواہ میں ہیں فلہم جنّٰت الماوٰی نزلا یعنی جنات ماوٰی الابرار اور ان کے منازل مقربین اور سیر الی اللہ کرنے والوں کے لیے ہے بہرحال ان کی ماوٰی و منزل اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند و بالا ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا بہرحال وہ لوگ جو فاسق ہیں یعنی ایمان و طاعت سے خارج ہیں جبکہ وہ کفر و معصیت کو طاعت و ایمان پر ترجیح دیتے ہیں فَمَاْوٰىهُمُ یہ اسم مکان ہے بمعنی ملجا و منزل النَّارُ جہنم ہے یعنی جیسے اہل ایمان کی ماوٰی و منزل بہشت ہے تو اہل کفر و فسق کی منزل و ماوٰی جہنم ہے كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا جب وہ جہنم سے نکلنے کا ارادہ کریں گے تو وہ پھر اسی میں لوٹائے جائیں گے اس میں دائمی خلود کی طرف اشارہ ہے اسی لیے کہا جائے گا کہ جب وہ دائمی طور پر جہنم میں ہوں گے تو پھر وہاں سے نکلنے کا کیا معنی! چنانچہ فرمایا:

کلما خبت زدناھم سعیرا۔

(جب بجھنے والے ہونگے تو ہم نے ان کی آگ بڑھائی)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اگرچہ نارِ جہنم بجھنے کی نہیں لیکن یہ اس لیے کہا گیا کہ جب کوئی کہے گا کہ جہنم کی آگ ٹھنڈی پڑ گئی تو پھر اور گرم ہو جائے گی۔ بعض روایات میں ہے کہ جب آگ نیچے سے اوپر شعلہ مارے گی تو نیچے والے کافر اوپر کو آجائیں گے یہاں تک جہنم کے دروازے کے قریب پہنچیں گے اور وہ ارادہ کریں گے کہ وہ یہاں سے نکل جائیں تو انہیں جہنم کے شعلے نیچے گرا دیں گے یا انہیں جہنم کے نگران فرشتے چابک مار مار کر جہنم میں دھکیل کے لے جائیں گے اور ایسے زور سے چابک ماریں گے کہ وہ جہنم کی تہ میں چلے جائیں گے حتی کہ ستر سال کی مسافت جہنم میں تہ میں پہنچ جائیں گے ایسے ہی ان کے ساتھ ہمیشہ کیا جائے گا یا یہ معنی ہے کہ انہیں ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ میں دھکیلا جائے گا۔

وَقِيْلَ لَهُمْ اہانت اور تشدد کے طور زیادہ غضب دکھانے کے لیے کہا جائے گا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝ جہنم کا عذاب چکھو جس کی تم دنیا میں تکذیب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ مرنے کے بعد نہیں اٹھنا ہے پھر کاہے کی بہشت اور کاہے کی دوزخ۔

ف : برہان القرآن میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھا کہ یہاں بہا ضمیر مؤنث کی ہونی چاہیے تھی لیکن بہ ضمیر مذکر کی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں اسناد کنایۃ واقع ہوئی ہے کیونکہ نار کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور کنایات وصف عذاب سے موصوف نہیں ہوتے اور سبا میں بھا ہے۔ یعنی اس میں ضمیر مؤنث کی ہے اور وہاں نار کا ذکر پہلے بھی نہیں ہوا اسی لیے سورۂ سبا میں نار موصوف احسن ہوا۔ یہ ایک لطیفہ ہے جسے یاد رکھنا ضروری ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا بہرحال وہ لوگ جو سیدھی راہ سے ہٹ گئے اور بعد و ابعاد کے کنوئیں میں گر پڑے فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ كُلَّمَا اَرَادُوْا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا اُعِيْدُوْا فِيْهَا تو ان کا ماویٰ دوزخ ہے جب وہ اس سے نکلنے کا ارادہ کریں گے تو پھر وہ اسی میں لوٹائے جائیں گے کیونکہ اسی صفت پر انہوں نے زندگی بسر کی اور اسی پر انہیں موت آئی اور اسی پر قیامت میں اٹھیں گے وہ اس لیے کہ جب انہیں داعیانِ حق نے دعوتِ حق دی اور بہترین پند و نصیحت فرمائی تاکہ وہ طبیعت کے نچلے حصے سے نکل جائیں اور انہیں تنبیہ فرمائی کہ آدابِ طریقت سے شریعت کے آداب کی رسی کو مضبوط کریں اس سے ان کی توجہ وطن اصلی علوی کی طرف ہو گی جب ان کو شوقِ روحانی کا غلبہ ہو گا لیکن یہ لوگ اپنی ضد پر اڑے رہے اور درکاتِ شہوانیہ سے نکلنے کا ارادہ کرتے ہیں تو انہیں طبیعہ نفسانیہ حیوانیہ سفلیہ گھیر لیتی ہے پھر وہ اسے اسفل طبیعہ کی طرف لوٹا دیتی ہے وَقِيْلَ لَهُمْ اور انہیں قیامت میں کہا جائے گا ذُوْقُوْا الخ چکھو جہنم کا عذاب' جسے تم دنیا میں جھٹلاتے تھے اگرچہ تم دنیا میں بھی عذاب میں مبتلا تھے لیکن تمہیں آخرت کے عذاب کا شعور نہ تھا کیونکہ تمہیں اخروی عذاب بڑا محسوس ہوتا تھا ورنہ تم ان اعمال سے باز رہتے جو عذابِ آخرت کا سبب بنتے تھے ایسے ہی تمہیں جہنم کے عذاب کا دنیا میں احساس ہوتا تو تم کفر و معاصی کا ارتکاب ہرگز نہ کرتے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ف : اس سے ثابت ہوا کہ احتراق کا قوہ فاسق کی صفت ہے لیکن مومن مطیع کی شان ہے جیسے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

تقول جہنم للمؤمن جز یا مؤمن فقد اطفأ نورك لهبي ۔

(دوزخ مومن سے کہے گی اے مومن! مجھ میں سے جلد تر گزریئے اس لیے کہ تیرے نور نے میرے شعلے بجھا دیئے)

مثنوی شریف میں ہے : ؎

گویدش بگذر سبک اے محتشم
ورنہ ز آتشہائے تو مرد آتشم

ترجمہ : اسے آگ کہے گی اے حشمت والے! جلدی گزر جا ورنہ تیرے عشق کی گرمی سے میری آگ بجھ جائے گی۔

ف : یاد رہے اس سے وہی نورِ توحید مراد ہے جو ازل میں ہر مومن کو نصیب ہوا اور اس کی تاثیر یہی ہے کہ وہ کسی آگ سے نہ جلایا جا سکے ۔

حکایت ایک مجذوب شیخ حاجی بیرام قدس سرہٗ کا ساتھی تھا اور وہ شیخ سے بہت محبت کرتا تھا جب شیخ کا وصال ہوا تو وہ مجذوب شیخ الشہیر بآق شمس الدین کے ہاں حاضر ہوا اور یہ صاحب شیخ حاجی بیرام کا خلیفہ تھا ایک دن اس مجذوب کو شمس الدین نے فرمایا : تو نے شیخ حاجی بیرام سے کوئی پوشاک نہ پہنی ، اگر میں پوشاک پیش کروں تو قبول کرو گے ؟ اس نے فرمایا : مجھے کوئی انکار نہیں ۔ اس سے شیخ شمس الدین مریدین سمیت بہت خوش ہوئے اور اس کے لیے ایک دن مقرر فرمایا تاکہ ہر خاص و عام کو اس میں دعوت دے کر شامل کیا جائے چنانچہ ایک جماعت کے سامنے مجذوب کو پوشاک پہنائی گئی مجذوب نے پوشاک پہن کر اپنے آپ کو آگ میں ڈال دیا ۔ وہ آگ میں اتنی دیر ٹھہرے رہے یہاں تک کہ وہ پوشاک جل گئی لیکن مجذوب آگ سے محفوظ رہا اور آگ سے صحیح و سالم باہر نکل آیا ۔ اس کے بعد فرمایا : اے شیخ! وہ پوشاک اچھی نہیں جسے آگ جلا ڈالے ۔

ف : بعض عارفین نے فرمایا کہ اگر بہشت میں رہ کر بھی جمالِ یار کا اشتیاق نہ ہو تو اس پر حیف صد حیف ۔ اگر جہنم میں رہ کر شوقِ دیدارِ الٰہی ہو اس پر صد آفریں ۔ اور یہ یاد رہے کہ محبوب کا ساتھ ہو تو اسے جہنم کی آگ نہیں جلاتی ۔ دیکھیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہنم اور اس کے جملہ طبقات کا معائنہ فرمایا لیکن اس سے آپ کے ایک بال کو بھی نقصان نہ پہنچا ۔

لطیفہ : جیسے جہنم مومن کو اپنے میں سے جلد تر گزرنے کا کہے گی ایسے ہی مومن کامل کو بہشت کہے گی کہ اے مومن! تم میرے بیچ میں سے جلد تر گزر جاؤ اور اپنے حقیقی مقام (وصالِ الٰہی) پر چلے جاؤ ، اس لیے کہ تمہارے نور سے میری بے رونقی ہوتی ہے اور میری ساری کی ساری زیب و زینت ماند پڑ جاتی ہے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

جیسا کہ مثنوی شریف میں ہے ؎

گویدش جنّت گزر کن ہچو باد
ورنہ گردد ہر چہ من دارم کساد

ترجمہ اسے بہشت کہے گی کہ ہوا کی طرح گزر جا ورنہ میرا تمام کام بیکار ہو جائے گا۔

وہ اس لیے کہ مومن کا نور تجلی حق کا نور ہے اور یہ صرف اہلِ ایمان کو نصیب ہوتا ہے۔ بہشت و دیگر اشیاء اس نورِ تجلی خاص سے محروم ہیں اس معنے پر بہشت پر یہ خاص نور غالب ہو جائے گا۔ اس کی مثال یوں سمجھے کہ ایک واعظ وعظ کی کرسی پر بیٹھتا ہے لیکن اس مجلس میں اس سے فائق فی العلم اس کا استاذ یا مربی اور اہلِ علم بیٹھا ہو تو واعظ و مقرر کی طبیعت منقبض ہو جاتی ہے اور وہ اپنے سے بڑے عالم سے عرض کرتا ہے کہ آپ یہاں سے تشریف لے جائیے۔ جب یہ ظاہری علم والوں کا حال ہے تو باطنی علم کے حضرات کا حال اس سے زیادہ اولیٰ ہے کہ ان کے تاثرات و غلبات تجلیات سے ان سے کم درجہ والے ماند پڑ جائیں۔

سبق جو بھی اولیاء کے مراتب کو جانتا ہے اس پر لازم ہے کہ ان کے حضور میں خاموشی اختیار کرے اس لیے کہ انھیں ہر حال میں غلبہ حاصل ہے بلکہ انھیں ہر مقام کی معرفت نصیب ہے۔ قدس اللہ اسرارہم۔

تفسیر عالمانہ وَلَنُذِيقَنَّهُم اور ہم اہلِ مکہ کو مزہ چکھائیں گے الاذاقہ بمعنے چکھانا مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ قریب تر والے عذاب سے۔ اس سے دنیا کا عذاب مراد ہے۔ چنانچہ اہلِ مکہ نے جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت اذیتیں پہنچائیں تو آپ نے ان کے لیے بد دعا فرمائی، وہ سات سال قحط میں مبتلا رہے یہاں تک کہ انھوں نے مردار اور چمڑے اور گلی سڑی ہڈیاں اور گوبر اور خون پر گزارہ کیا اور اونٹوں کی لید میں خون ملا کر کھایا اور وہ لمبے سانس نکالتے تو ان کے سانس کا دھواں بن کر چھوٹتا نظر آتا تھا۔ وہ اسی طرح کے دنیوی مصائب و تکالیف میں مبتلا ہوتے یہاں تک کہ بدر میں ایک عنصر کے قتل و غارت اور قید و بند کی صورتوں میں گرفتار ہوئے دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ بہت بڑے سے پہلے۔ اس سے عذابِ آخرت مراد ہے۔ یہاں پر لفظ دون بمعنے قبل ہے۔ کشف الاسرار میں اس کی تشریح میں کاشفی نے لکھا کہ وہ عذاب سخت جو انھیں قیامت میں ہوگا اس سے کم تر عذاب میں انھیں مبتلا کیا گیا۔ اس لیے کہ آخرت میں دائمی عذاب ہوگا اور دنیا کا عذاب چند روزہ، اسی لیے آخرت کے عذاب کو اکبر سے تعبیر کیا گیا۔ دراصل لفظ دون کسی مکان کے قریب تر شے کو کہا جاتا ہے جبکہ وہ شے مکان سے نیچے حصے میں ہو۔ لیکن پھر استعارۃً احوال میں کم درجہ کی اشیاء پر استعمال ہونے لگا۔ ایسے مراتب کے کم مرتبہ پر اس کا استعمال ہوتا ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

دنیوی عذاب کا نمونہ

لباب نے تفسیر نقاش سے نقل فرمایا کہ ادنیٰ عذابِ دنیوی یہ ہے کہ کفرہ مہنگائی میں مبتلا کر دیئے جائیں گے (جیسے آج ۱۳۹۰ھ/ ۱۹۷۰ء سے تین چار سال قبل سے تمام ممالک کو گھیرے ہوئے ہے) اور اکبر عذاب سے حضرت امام مہدی کی تشریف آوری کہ جب دنیا میں تشریف لائیں گے تو آپ کے ہاتھ میں آبدار تلوار ہوگی۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ ادنیٰ عذاب سے ذلتِ دنیا اور رسوائی عقبیٰ سے عذابِ اکبر یا گناہ میں مبتلا ہو جانے سے عذابِ ادنیٰ اور درگاہِ حق کے قرب سے دور ہو جانے سے عذابِ اکبر مراد ہے ؎

دور ماندن از وصال او عذابِ اکبر است
آتش سوز فراق از ہر عذابے بدتر است

ترجمہ: محبوبِ حقیقی کے وصال سے دور ہو جانے کا نام عذابِ اکبر ہے اور فراقِ یار جیسی جلانے والی شے سے بدتر اور کوئی عذاب نہ ہوگا۔

ف: حقائق البقلی میں ہے کہ ادنیٰ عذاب سے معرفتِ الٰہی مراد ہے اور عذابِ اکبر سے احتجاب از مشاہدۂ معروف ہے۔

ف: ابوالحسن وراق نے فرمایا کہ عذابِ ادنیٰ سے حرص علی الدنیا اور اکبر سے دنیا کی وجہ سے عذاب مراد ہے۔

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ○ جو لوگ ان کے بعد زندہ موجود ہیں انہیں امید رکھنی چاہیے۔ یہاں پر لَعَلَّ بمعنی کَیْ ہے۔ اور ایسے مقامات پر ہمیشہ لعل بمعنی کَیْ استعمال ہوگا۔ وہ کفر و معاصی سے توبہ کریں گے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ اس سے اربابِ طلب و اصحابِ سلوک مراد ہیں کہ ان میں بعض ایسے حضرات بھی ہوتے ہیں جنہیں اثنائے طلب و سلوک میں کچھ ایسا وقفہ آجاتا ہے جس میں وہ عُجب یا ملامت یا نفس کی شامت یا غلط خیالی یا غرور میں مبتلا ہو جاتے ہیں ایسے ہی ان میں سے بعض دنیا اور اس کی زینت و شہوات میں گرفتار ہو جاتے ہیں یہ بھی ان کی آزمائش ہوتی ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نفس یا مال یا گھریلو معاملات اور اہل و عیال کے امور اور اقرباءُ و احباءُ کے تعلقات وغیرہ میں مبتلا کر کے بلا و محن کا ذائقہ چکھاتا ہے تاکہ وہ باقی زندگی میں خوابِ غفلت سے بیدار رہیں اور اپنی کمزوری اور غلط کاری کا ازالہ کر سکیں اس سے انہیں آخرت کے عذابِ شدید سے بچانا اور اس کی رسوائی و ہجر و قسوۂ قلب سے محفوظ رکھنا مطلوب ہوتا ہے۔ کما قال تعالیٰ:

وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ (الآیۃ)

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ تاکہ وہ اپنی صدقِ طلب و محبت کی طرف رجوع کریں۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تفسیر عالمانہ وَمَنْ اَظْلَمُ اور اس سے اور بڑا ظالم کون ہوگا مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ اس سے کہ جسے آیات ربانی یعنی قرآن مجید کے مضامین سے اسے نصیحت کی جا سکے ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا تو وہ ان سے روگردانی کرے یعنی نہ ان میں وہ غور و فکر کرتے اور نہ ہی ان کی توجہ قبول کرتے اور نہ ہی ان کی دعوت قبول کرتے اور نہ ہی ان کے مقتضیٰ پر عمل کرتے ہیں اور لفظ ثُمَّ میں تراخی زمانی نہیں بلکہ اس میں اشارہ ہے کہ آیات کے نہایت درجہ کے واضح ہونے اور سعادت دارین کی طرف بہت زیادہ رہبری کرنے میں روشن تر ہیں لیکن یہ بیچارے ان سے رُوگردانی میں بہت دُور پڑے ہوئے ہیں اس کی مثال عبارت دخلت المسجد ثم لم تصل فیہ (تم نے مسجد میں داخل ہونے کے باوجود اس میں نماز بھی نہ پڑھی) ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی سے مسجد میں جا کر بھی نماز پڑھنے کی توقع نہ ہو۔

اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے۔ یہاں پر صرف مطلق اظلم کی نفی مراد ہے۔ اس میں اس کے مساوی کی نفی کی ضرورت نہیں اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ○ بے شک ہم ہر مجرم سے بدلہ لیں گے خواہ وہ کسی قسم کے جرم کا ارتکاب کریں اگرچہ وہ جرم نہایت معمولی ہی کیوں نہ ہو تو پھر اس ظالم کو تو بہت زیادہ سزا ملنی چاہیے کہ تمام ظالموں سے بڑھ کر ظالم ہے اور تمام مجرموں سے زیادہ مجرم ہے۔ الانتقام بمعنے بدلہ لینا۔ مثلاً کہا جاتا ہے: نقمت من الشیْ و نقمتہ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو بُرا بھلا کہا جائے زبان سے یا سزا دے کر۔ ویسے النقمہ بمعنے عقوبت آتا ہے اور انتقام کا لغوی معنیٰ ہے کینہ کو کھینچ لینا۔

ربط : جب اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کے زجر و توبیخ سے اپنے بندوں کو متنبہ فرمایا اور قسم قسم کی تادیب دے کر حدود شرعیہ منہیہ کے ترک کی ترغیب دلائی لیکن بندے اپنی غلطی سے باز نہ آسکے بلکہ وہ اپنی صحت و عافیت و سلامت سے دھوکا کھا گئے اور اللہ تعالیٰ کے مہلت دینے اور اس کی پوشیدہ سزاؤں سے بے خوف رہے اور انہیں یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ وہ جب گرفت فرماتا ہے تو مہلت نہیں دیتا۔ چنانچہ فرمایا:

اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ۔

یعنی ہم جرائم پر اصرار کرنے والوں سے مُنْتَقِمُوْنَ یعنی دارین کا گھاٹا دے کر بدلہ لینے والے ہیں ؎

کمین گہ است و تو خوش تیز می روی ہشدار
مکن کہ گرد بر آید ز شہرۂ عدمت

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی سزائیں پوشیدہ ہوتی ہیں اور تو تیز جا رہا ہے کچھ ہوش سنبھال تجھے معلوم تو ہے کہ تجھے عدم سے وجود کس نے بخشا۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف ثلاثۃ من فعلہن فقد اجرم من عقد لواء فی غیر حق و من

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

عق لوالدیه و من نصر ظالما۔

(تین امر ایسے ہیں جن کے کرنے سے بندہ مجرم کہلاتا ہے :

(۱) جس نے ناحق جھنڈا باندھا۔

(۲) جس نے اپنے والدین کی نافرمانی کی۔

(۳) جس نے ظالم کی مدد کی۔)

سبق : عاقل پر لازم ہے وہ اللہ تعالیٰ کے مواعظ سے نصیحت حاصل کرے اور اس کے اخلاق سے متخلق ہو اسے چاہیے کہ نفس کی موافقت کرکے رُوح کی اذیت سے اجتناب کرے ایسے ہی موافقت طبیعت کی موافقت کرکے اولیاءُ اللہ کی ایذا سے احتراز کرے۔

ولی اللہ کعبہ سے افضل ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ کعبہ کی دیوار سے ٹیک لگا کر کعبہ سے مخاطب ہو کر فرمایا :

یاکعبة ما اعظم حرمتك علی اللہ لوهدمتك سبع مرات كان احب الیٰ من اوذی مسلما مرة واحدة۔

(اے کعبہ! اللہ تعالیٰ کے نزدیک تیری بڑی عزت ہے لیکن میں تجھے سات بار ڈھا دوں تو اتنا گناہ نہ ہوگا جتنا کامل مسلمان کی ایذاء رسانی سے ہوگا)

قولِ وہب بن منبہ حضرت وہب بن منبہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ بنی اسرائیل نے ستر صندوقوں میں مختلف علوم وفنون کی کتابیں جمع کیں۔ ہر صندوق کی لمبائی ستر گز تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس زمانے کے نبی کے ہاں وحی بھیجی اور فرمایا کہ اس عالمِ دین سے فرمائیے کہ تجھے یہ جملہ علوم کوئی فائدہ نہ دیں گے بلکہ اس سے کئی گنا زیادہ کتابیں جمع بھی کرلیں تب بھی کوئی فائدہ نہ ہوگا جب تک کہ تیرے اندر تین عادتیں پائی جائیں :

۱۔ حبِ دنیا

۲۔ شیطان سے نرمی

۳۔ کسی مسلمان بھائی کا دل دکھانا

حدیث شریف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : دوزخ کے آسان ترین دروازے کا یہ حال ہے کہ اس کے اندر ستر ہزار پہاڑ آگ کے ہیں، ایک ایک پہاڑ میں ستر ستر ہزار وادیاں ہیں اور ہر وادی میں ستر ستر ہزار گھاٹیاں ہیں اور ہر گھاٹی میں ستر ہزار شہر ہیں اس کے ہر شہر کے اندر ستر ہزار دار ہیں اور ہر دار کے اندر ستر ہزار مکانات ہیں اور ہر مکان میں ستر ہزار صندوق ہیں اور ہر صندوق میں ستر ہزار طریقے کے عذاب ہیں اور ہر عذاب ایک دوسرے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ
اور بیشک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی تو تم اس کے ملنے میں شک نہ کرو
لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۳﴾ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا
اور ہم نے اسے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت کیا اور ہم نے ان میں سے کچھ امام بنائے کہ ہمارے حکم سے بتاتے
صَبَرُوْا ؕ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
جب کہ انہوں نے صبر کیا اور وہ ہماری آیتوں پر یقین لاتے تھے بیشک تمہارا رب ان میں فیصلہ کر دیگا قیامت کے دن جس
فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۲۵﴾ اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ
بات میں اختلاف کرتے تھے اور کیا انہیں اس پر ہدایت نہ ہوئی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی سنگتیں ہلاک کر دیں
يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ؕ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ
کہ آج یہ ان کے گھروں میں چل پھر رہے ہیں بے شک اس میں ضرور نشانیاں ہیں تو کیا سنتے نہیں اور کیا نہیں دیکھتے کہ ہم پانی
الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَ
بھیجتے ہیں خشک زمین کی طرف پھر اس سے کھیتی نکالتے ہیں کہ اس میں سے ان کے چوپائے اور
اَنْفُسُهُمْ ؕ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ
وہ خود کھاتے ہیں تو کیا انہیں سوجھتا نہیں اور کہتے ہیں یہ فیصلہ کب ہوگا اگر
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا
تم سچے ہو تم فرماؤ فیصلہ کے دن کافروں کو
اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ
ان کا ایمان لانا نفع نہ دے گا اور نہ انہیں مہلت ملے تو ان سے منہ پھیر لو اور انتظار کرو بیشک
مُّنْتَظِرُوْنَ ﴿۳۰﴾
انہیں بھی انتظار کرنا ہے

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو توراۃ کتاب عطا فرمائی فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ اور شک میں نہ رہو۔

حل لغات: المفردات میں ہے المریۃ بمعنے التردد فی الامر ہے اور شک سے اخص ہے۔ مِّنْ لِّقَآئِهٖ لقاء بمعنے دیکھنا۔ اہل عرب کہتے ہیں لقیہ۔ رضیہ کی طرح ہے بمعنے رآہ۔ الراغب میں ہے کہ یہ ادراک بالحس بالبصر و بالبصیرۃ مستعمل ہے۔ یہ اپنے مفعول کی طرف

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سے بڑھ کر ہے۔ یہ روایت سنی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کاش کہ میں ایک بکرا ہوتا اور لوگ مجھے ذبح کرکے کھا جاتے لیکن جہنم کا ذکر میرے سننے میں نہ آتا۔

ف : حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا : کاش میں جنگل کا پرندہ ہوتا لیکن میں نار کا ذکر نہ سنتا۔

ف : حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا : کاش مجھے ماں نہ جنتی اور میں جہنم کا نام نہ سنتا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں عذاب کے اسباب کے وقوع سے بچائے اور مواقعت میدانِ حشر میں کھڑے ہونے سے اور برے حساب سے محفوظ فرمائے۔ وہی ہے جس نے ہمیں پیدا فرمایا اور پھر اپنی رضا کی ہدایت بخشی۔ اس سے ثبات علی الدین ہے اور وہی جنت اور قربت وصال اور لقا تک پہنچانے والا ہے۔

مضاف ہے۔ یہاں لقاء سے موسیٰ علیہ السلام کو توراۃ حاصل ہونا مراد ہے۔ یعنی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف کتاب توراۃ القا فرمائی۔ صاحبِ روح البیان نے فرمایا کہ یہ تقریر موزوں ہے جیسا کہ فاء کی ترتیب علی الماقبل کا تقاضا ہے۔

سوال : جب حضور علیہ السلام کو بالکل شک تھا ہی نہیں تو آپ کو نہی کیوں کی گئی۔

جواب : اس میں کفار کو تعریض ہے کہ انہیں موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کتاب کے حصول کا شک تھا اگر انہیں شک نہ ہوتا تو وہ لازماً قرآن مجید پر ایمان لاتے اس لیے کہ قرآن مجید میں ایسے شواہد و آیات و دلائل موجود ہیں جو توراۃ اور جملہ کتب آسمانی کی تصدیق کرتی ہیں۔ اس معنے پر نبی علیہ السلام کے ہاں کتاب کا آنا نئی بات نہیں کہ جس پر وہ شک و شبہ کریں پھر اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ جو بھی اس کی آیات کا انکار کرتا ہے تو انہیں فنا کر کے دوسرے ایسے لوگ پیدا فرماتا ہے جو اس کی آیات کا انکار نہ کریں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو کتاب ملی تو اللہ تعالیٰ کے کلام سے لذت پائی۔

(موسیٰ علیہ السلام کو برکۃ و شفاعۃ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

آیت مذکورہ کو لے کر مخالفین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں تنقیص کرتے ہیں حالانکہ آیت مذکورہ میں تنقیص کے بجائے رفعتِ شانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان ہے چند توجیہات فقیر نے تفسیر اویسی میں عرض کی ہیں سردست صاحبِ روح البیان کا مندرجہ ذیل حوالہ قابل دید و شنید ہے :)

فلا تشك يا محمد ان يحصل عند اخذ بصره بالرؤية ولكن لشفاعتك وبركة متابعتك واختصاصه في دعائه بقوله اللهم اجعلني من امة احمد فانّ الرؤية مخصوصة بك وبامتك بتبعيتك۔

ترجمہ : اے محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کل قیامت میں کسی کو بھی رؤیت نصیب نہ ہوگی جب تک

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

آپ شفاعت نہ فرمائیں گے اسے رؤیت نصیب ہوگی جس نے آپ کی تابعداری کی ہوگی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہمیشہ دعائیں کیا کرتے تھے اے اللہ! مجھے احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے بنا کیونکہ خصوصی رؤیت حضور علیہ السلام اور آپ کی امت کو نصیب ہوگی آپ کے طفیل۔

تفسیر عالمانہ

وَجَعَلْنٰهُ هُدًى اور ہم نے وہ کتاب جو موسیٰ علیہ السلام کو دی وہ گمراہی سے ہدایت بتانے والی تھی لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ بنی اسرائیل کے لیے ، اور بنی اسرائیل کی تخصیص اسی لیے ہے کہ وہ انہیں کی طرف اتری اور وہی اس پر عمل کرنے پر مامور من اللہ تھے۔ اس وقت بنو اسماعیل بھی تھے لیکن وہ اس کے مکلف تھے قل من انزل الکتٰب الذی جاء به موسٰی نورا وهدی للناس میں بھی الناس سے بنی اسرائیل مراد لیا گیا ہے بہ تقریر مذکور وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اور ہم نے انہی سے بنائے اَئِمَّةً پیشوا۔ یہ امام کی جمع ہے ہر وہ شخص کہ جس کے قول وفعل کی اقتداء کی جائے يَّهْدُوْنَ جو توراۃ کے شرائع واحکام و حکم کے مطابق خلق کو حق کی راہ بتاتے ہیں بِاَمْرِنَا ہمارے حکم سے جس کا ہم نے انہیں مامور بنایا اور ہماری توفیق سے جو ہم نے انہیں عطا فرمائی لَمَّا صَبَرُوْا جب انہوں نے حق کی وجہ سے جمیع امور واحوال پر صبر کیا۔ یہ شرط ہے جس میں جزا کا معنیٰ ہے مثلاً کہا جاتا ہے ، احسنت الیك لما جئتنی والتقدیر لما صبروا الائمة یعنی جب بنی اسرائیل کے علماء نے مشقتوں اور طریق حق پر صبر کیا تو ہم نے انہیں جملہ بنی اسرائیل کا پیشوا بنا دیا۔ یہ لما ظرف ہے بمعنے حین۔ اب معنی یہ ہوا کہ جس وقت انہوں نے صبر کیا تو ہم نے انہیں پیشوا بنا دیا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا اور وہ ہماری بھیجی ہوئی کتاب کے جملہ احکام پر يُوْقِنُوْنَ ○ یقین رکھتے تھے کیونکہ وہ گہری نظر کے مالک تھے۔ الایقان بمعنے بے گمان ہونا۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے عام انسان کو مخاطب فرمایا کہ تم توراۃ میں شک نہ کرو جیسے مکّہ کے کافروں نے ہماری نازل کردہ کتاب قرآن پر شک کیا۔

ف : اس میں اشارہ ہے کہ جیسے توراۃ بنی اسرائیل کے لیے ہادی اور رہبر تھی ایسے ہی قرآن مجید اہل اسلام کے لیے ہادی و رہبر ہے پھر جیسے بنی اسرائیل نے اپنی کتاب توراۃ سے اپنی دینی و دنیوی مصلحتوں کی راہ پائی ایسے ہی اہل اسلام پر لازم ہے کہ قرآن مجید سے شرائع و حقائق کی رہبری و ہدایت حاصل کریں پھر جیسے توراۃ کے عاملین کو عوام بنی اسرائیل کا قائد بنایا گیا ایسے ہی قرآن مجید کے عاملین کو نہ صرف مسلمانوں کا قائد بنایا جاسکے گا بلکہ جملہ عالم کے اہل کمال کا پیشوا بنایا جاسکے گا اس لیے کہ انہیں فضیلت کلی نصیب ہوگی۔ اور قاعدہ ہے کہ جو شخص جملہ فضائل و کمالات کا حامل ہو وہ علی الاطلاق افضل ہوتا ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی شانِ کمال حضرت الشیخ العارف ابو الحسن شاذلی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں ایک رات حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہُوا تو آپ امام غزالی کا نام لے کر حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیٰ نبینا علیہما السلام پر فخریہ طور فرما رہے تھے کہ کیا تمہاری اُمت میں بھی کوئی ایسا عالمِ دین ہے؟ انھوں نے عرض کی نہیں۔

ف: اللہ تعالیٰ نے اُمتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو کیا شرف بخشا اور کتنی فضیلت بخشی کہ انہیں معرفت سے بھرپور فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں قیامت میں ہر طرح کی نورانی پوشاک سے ملبوس فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ جملہ اولیا اور علمآ باعمل سے راضی ہو اور ہمیں ان کے برکات سے بہرہ مند فرمائے۔ آمین

حکایت بعض اکابر نے فرمایا کہ میں نے ابو اسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا کہ وہ سفید لباس سے ملبوس اور سر پر تاج نورانی تھا میں نے عرض کی: یہ سفید لباس کیسا؟ جواب دیا کہ طاعت کی برکت سے نصیب ہوا اور تاج علم کی برکت سے۔

اولیا کی شان بعض مشائخ نے فرمایا کہ وہ احکام جو معصوم انبیاء علیہم السلام لائے ان پر ایمان نہ لانا نا انصافی ہے ایسے ہی محفوظ اولیا جو کچھ الہامی امور بتائیں تو انھیں نہ ماننا بھی نا انصافی ہے کیونکہ اولیا اور انبیا علیہم السلام کے علوم ایک دریا سے ہیں اور اگر وحی ربانی جو انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئی وہ اصل ہے اس پر ایمان لانا ضروری ہے تو اس کی فرع یعنی الہام پر بھی لازمی ہے جب کہ وہ وحی سے موافقت رکھتا ہو۔ اور قاعدہ ہے کہ علماء (باعمل) انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔ اولیاء کے علوم بعینہٖ انبیاء علیہم السلام کے علوم ہیں۔ اولیاؑ کے اقوال و افعال و احوال کی اتباع میں اجرِ کثیر اور ثوابِ عظیم ہے بلکہ جملہ ہلاکتوں و مصیبتوں سے نجات کا موجب ہے۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

یار مردانِ خدا باش کہ در کشتیٔ نوح
ہست خاکی کہ بآبی نخرد طوفاں را

ترجمہ: اللہ والوں کے ساتھ ہو جا اس لیے کہ نوح علیہ السلام کی کشتی میں نوح علیہ السلام کے ساتھ صرف مل بیٹھنے والوں نے نجات پائی۔

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ بیشک تمہارا انبیاء علیہم السلام اور مکذبین کا یا اہلِ ایمان اور کفار کا فیصلہ فرمائے گا يَوْمَ الْقِيَامَةِ قیامت میں پھر حق اور باطل والوں کا خود بخود امتیاز ہو جائے گا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اس کے بعد ہر ایک کو اس کے عمل کی جزا و سزا دے گا۔

ف: کلمۂ ھو تخصیص و تاکید کے لیے ہے اسی لیے قیامت میں فیصلہ صرف اسی کے ہاتھ ہو گا اس پر کسی کو طاقت نہ ہو گی اور نہ ہی کوئی اس کے سوا کسی اور کے سپرد ہو گا۔

فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝ ان امورِ دین میں جو دنیا میں آپس میں ایک دوسرے سے اختلاف کرتے تھے۔

فیصلہ کی اقسام بعض مشائخ نے فرمایا کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ دس وجوہ سے اپنے بندوں کے فیصلے فرمائے گا:

(۱) ان کے اعزاز و احترام میں کہ ان کے فیصلے خود فرمائے کسی غیر کے پاس انہیں نہ جانا پڑے۔

(۲) ان پر غیرت کی وجہ سے کہ ان کے حالات کسی غیر کے سامنے منکشف نہ ہوں۔

(۳) ان پر رحم اور لطف و کرم کی بنا پر اس لیے کہ وہ ستار ہے ان کے عیوب غیر پر نہیں کھلنے دے گا بلکہ خود بھی انہیں پوشیدہ رکھے گا۔

(۴) وہ کریم ہے اور کریموں کی عادت ہے کہ جب کسی لغو امر سے گزرتے ہیں تو گزر ہی جاتے ہیں۔ اسی بنا پر جب وہ کریم ہمارے فیصلے فرمائے گا تو اس کے فضل و کرم پر امید ہے کہ درگزر ہی فرمائے گا۔

(۵) اپنے فضل و کرم اور عدل کا اظہار فرمائے گا اس لیے کہ خالق ہے اور حکیم بھی ہے اس نے بندوں کو پیدا فرمایا تو وہ جو کام کرتے ہیں اس کی حکمت و مشیت کے تحت کام کرتے ہیں اگر ان سے نیکی کا صدور ہے تو سمجھو کہ یہ اس کریم کے احسان و فضل کا نتیجہ ہے اگر ان سے برائی صادر ہو تو یہ اس کی حکمت و عدل کے موجبات سے ہے اور یہ اس کی شان ہے کہ وہ ذرہ برابر بھی بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ کما قال:

لا یظلم مثقال ذرۃ وان تک حسنۃ یضاعفھا۔ الآیۃ

(وہ ذرہ برابر ظلم نہ کرے گا اگر نیکی ہوگی تو اسے دوہرا کیا جائے گا)

ہاں نیکی ہو تو اس کے جتنا گنا زاید اجر و ثواب عطا فرمائے مالک ہے۔

(۶) اس کی عنایت و شفقت بے پایاں ہے اور مخلوق کو اسی لیے پیدا فرمایا تاکہ وہ اس سے نفع پائے اس لیے پیدا نہیں فرمایا کہ اسے اس سے کوئی ضرورت تھی۔ اسی معنے پر وہ اپنے بندوں کو نقصان نہ دے گا۔

(۷) اس کی رحمت اور بندوں سے محبت بھی بے پایاں ہے۔ اسی محبت سے تو پیدائش کا سلسلہ جاری فرمایا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattori

چنانچہ حدیث قدسی میں ہے :

حدیث قدسی فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لاعرف ۔

(ترمیں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں اور میں نے مخلوق پیدا کی تاکہ پہچانا جاؤں)

اور محبت کے لیے ہی انہیں پیدا فرمایا ۔ کما قال :

یحبھم و یحبونہ ۔

(وہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اس سے)

اسی لیے بندوں کے ہر معاملہ کو بنظر محبت و خوشنودی دیکھتا ہے ؎

وعین الرضا عن کل عیب کلیلۃ

(محبت کی آنکھ ہر عیب سے چشم پوشی کرتی ہے)

(۸) بندوں پر اس کا لطف و کرم اور تکریم بھی بے پایاں ہے ۔ کما قال :

ولقد کرمنا بنی آدم ۔

(اور ہم نے بنی آدم کو مکرم بنایا)

جسے وہ معزز و مکرم بنائے اسے ذلیل و خوار کوئی نہیں کرتا ۔

(۹) اس کا جود و عفو بھی بے نہایت ہے ۔ عفوٌ اس کی صفت ہے اور عفو (معافی) سے اسے محبت ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کسی بندے میں جرم و خطا دیکھتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ وہ اسے معاف فرما دے ۔ وہ جواد ہے اپنے بندوں کو مغفرۃ و رضوان کے جود و عطا سے نوازتا ہے ۔

(۱۰) بندوں کو اپنے اسرار کا خزانہ بنایا اسی لیے وہ ان کے احوال کو خوب جانتا ہے اور ان کی قدر و منزلت کو خوب پہچانتا ہے ۔ اسی نے اس کے خمیر کو چالیس دن گوندھا ۔ انھیں اپنے جمال کا آئینہ بنایا ان کو اپنے جملہ صفات کا مظہر بنا کر اپنے صفات کو دیکھتا ہے ۔ دوسری تمام مخلوق اس دولت سے محروم ہے اگرچہ ملائکہ مقربین اونچی منزلت رکھتے ہیں لیکن انھیں ایسے اعزاز و اکرام سے نہیں نوازے گا ۔ چنانچہ انی جاعلٌ فی الارض خلیفہ کا بڑا عہدہ اسی کو بخشا ۔ اگرچہ فرشتے کہتے رہے اتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفک الدماء ۔ در اصل ملائکہ کو انسان کی شان کا علم نہ تھا اور نہ ہی اس کی معرفت انھیں حاصل تھی ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی قدر و منزلت کا اظہار ملائکہ کرام کو خود فرمایا ۔ کما قال :

إنی اعلم ما لا تعلمون ۔

یعنی میں ہی انسان کے فضائل اور شمائل کو جانتا ہوں اس لیے کہ وہ میرے اسرار کے گنجینہ اور میرے جمال و جلال کا آئینہ ہیں تمھیں اس کی شان کا کیا پتا ! تم اسے بنظر غیرت دیکھ رہے ہو میں اسے بنظر محبت و رحمت دیکھ رہا ہوں ۔ تمھیں تو اس کی قباحتیں و عیوب ہی نظر آئیں گے اور میں تو اس کا صرف

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

فضل جلیل دیکھتا ہوں میں نہیں چاہتا کہ میں تمہیں اس کا حاکم بنا دوں بلکہ اپنے فضل و کرم سے میں خود ان کے اختلاف کا فیصلہ فرماؤں گا اسی لیے نیک کو احسن جزا سے نوازوں گا برے کی برائی سے درگذر فرماؤں گا اور ان کا اختلاف مجھ پر مخفی نہیں اس لیے کہ میں ان کے حال سے زیادہ باخبر ہوں اور میں جانتا ہوں کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے مخالف رہیں گے سوائے اس کے کہ جس پر میں رحم کروں اسی لیے میں نے انہیں پیدا فرمایا۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ آپس کے اختلاف سے دور رہے کسی کے ساتھ جھگڑنے کی کوشش نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن مجید عطا فرما کر اپنے قربات کے طریقے بتائے۔ جو سیدھے راہ سے بھٹک گیا وہ ذلیل و خوار ہوگا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم پر رحم فرمائے وہ ارحم الراحمین ہے۔

اَوَلَمْ یَهْدِ لَهُمْ کی ہمزہ کو خوف دلانا مطلوب ہے یعنی ان پر غفلت چھا گئی ہے کہ انہیں اپنے انجام کار کا علم نہیں ہو رہا اس کا فاعل کَمْ اَهْلَكْنَا ہے یعنی کیا انہیں راہ نہیں دکھائی۔ یہ امر ہے کہ ہم نے کتنے کثیر التعداد لوگوں کو تباہ و برباد کیا یہاں پر کَمْ سے پہلے کثرۃ کا لفظ محذوف ہے اس لیے لفظ کم فاعل واقع نہیں ہوتا اسی لیے جار کو مہمل نہیں کہا جاتا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ ان سے پہلے بہت بڑی بستیاں۔ اس سے عاد و ثمود و قوم لوط وغیرہا مراد ہیں۔ القرن زمین پر ایک عرصہ گزارنے والے لوگ مراد ہیں القرون اسی کی جمع ہے یَمْشُوْنَ فِیْ مَسٰكِنِهِمْ یہ جملہ ھُم ضمیر سے حال ہے۔ اس سے اہل مکہ مراد ہیں۔ یعنی یہ اہل مکہ تجارتی امور کے سلسلہ میں ان تباہ شدگان کے گھروں اور شہروں سے گزرتے ہیں تو ان کی تباہی و بربادی اور ان کے گھروں اور شہروں کی ویرانی کو آنکھوں سے دیکھتے ہیں اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ بے شک ان کی تباہ حالیوں و دیگر امور میں لَاٰیٰتٍ البتہ دلائل و مواعظ ہیں ہر اس انسان کے لیے جو ان کے دیکھنے اور ان سے عبرت حاصل کرنے کی اہلیت و صلاحیت رکھتا ہے اَفَلَا یَسْمَعُوْنَ کیا وہ اللہ تعالیٰ کے آیات و مواعظ کو سن کر تدبر اور پند و عبرت حاصل نہیں کرتے تا کہ کفر و تکذیب کی غفلت کی گرفتاری سے بیدار ہوں ؎

کسے را کہ پندار در سر بود
پندار ہرگز کہ حق بشنود
ز علمش ملال آید از وعظ ننگ
شقایق بباران نروید ز سنگ

ترجمہ: جس کے ذہن میں کبر و غرور ہو اس سے امید مت رکھو کہ وہ نصیحت حاصل کرے گا کیونکہ جس کے سر میں اپنے گندے خیال ہوں اسے علمی گفتگو سے ملال اور وعظ و نصیحت سے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

عادۃً ہوتی ہے اور شقائق کا پھول پتھر سے پیدا نہیں ہو سکتا۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ۔ السوق بمعنے چلانا۔ اس سے بادل چلانا مراد ہے جو پانی اٹھا کر چلاتا ہے اگرچہ اس کی حقیقی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے یا اس سے نہری پانی کا چلنا مراد ہے تو اس میں وہ نسبت بندوں کی طرف ہوگی اگرچہ اس کا حقیقی چلانے والا بھی اللہ تعالیٰ ہے۔

ف: چونکہ سوق اور اس کے بعد اخراج وغیرہ افعال حسیہ سے ہیں اسی لیے اس رؤیۃ سے بعض مفسرین نے رؤیۃ بصری مراد لی ہے اور اس آیت کا آخری حصہ بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کما قال افلا یبصرون۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ اس سے انجام کا دیکھنا مراد ہے یعنی انہیں معلوم ہے کہ ہم پانی کو بہاتے چلاتے ہیں وغیرہ۔

اب معنی یہ ہوا کہ کیا یہ لوگ دیکھتے اور جانتے نہیں کہ ہم پانی کو بادلوں میں چلاتے ہیں اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ ویران زمین کی طرف۔

الجرز وہ زمین جس سے کھیتی باڑی کا سلسلہ منقطع ہو جائے جبکہ اس پر نہ بارش کا پانی برسا اور نہ ہی اس پر نہری پانی پہنچا۔ اس سے وہ زمین مراد ہے جس پر کھیتی اُگنے کی امید نہ ہو۔

فَنُخْرِجُ تو ہم اس زمین سے نکالتے ہیں بِهٖ بسبب اس دریائی اور بادل کے چلاتے ہوئے پانی کے زَرْعًا کھیتیاں، باغات، درخت۔ یہ دراصل مصدر ہے بمعنے مزروع تَاْكُلُ مِنْهُ اس سے کھاتے ہیں اسی کھیتی وغیرہ کو اَنْعَامُهُمْ ان کے چارپائے۔ اس سے گھاس اور پتے یعنی جانوروں کی خوراک مراد ہے اور بعض اناج جو جانوروں کی خوراک سے متعلق ہے وَاَنْفُسُهُمْ ان کے نفسوں کے لیے یعنی وہ واسطے جیسے انسان خوراک کے طور پر استعمال کرتے ہیں ایسے ہی پھل وغیرہ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ۝ کیا وہ دیکھ کر غور وفکر کریں پھر ان سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی کمالِ قدرت اور اس کے فضل وکرم پر استدلال کریں اور یقین کریں کہ عبادت کا مستحق صرف وہی ہے، اس کی بعض مخلوق کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں جیسے بعض لوگ فرشتوں کو اور بعض انسانوں کو معبود بناتے رہے جب اللہ تعالیٰ کی شریک اعلیٰ مخلوق نہیں ہو سکتی تو ادنیٰ مخلوق کیا نفع نقصان دے سکتی ہے جیسے پتھر کہ وہ نہ نفع دیتا ہے نہ نقصان۔

اس سے انہیں معلوم ہوگا کہ ہم انہیں قیامت میں لوٹانے اور پھر زندہ کرنے پر قادر ہیں۔

تفسیرِ صوفیانہ

ابن عطا نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم مواعظ کے برکات ان سخت قلوب میں پہنچاتے ہیں جو حق سے روگرداں ہیں تو وہ مواعظ حاصل کرتے ہیں۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے تجلیات جلال کے دریاؤں سے معرفت کا پانی چلا کر مردہ قلوب کو زندہ کرتا ہے تو اس سے نرگس وصال و یاسمین محبت و ریحان موانست اور بنفشۂ حکمت اور زہرہ فطنت و ورد مکاشفہ و شقائق حقیقت اُگتے ہیں۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بعض مشائخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم ہدایت کا پانی چلا کر مردار قلوب کو پہنچاتے ہیں قریباً جو کہ ان کے باغات وصال کے خشک ہو چکے تھے لیکن ہمارے پانی پہنچانے سے وہ باغات سرسبز و شاداب ہو جاتے ہیں اور اس پر لطف انس کی تازگی سے مانوس کر کے ان باغات کی خشک ٹہنیوں کو سرسبز کرتے ہیں بعد اس کے کہ ان کے احوال زبوں تھے لیکن جوں ہی انہیں رحمت کا پانی پہنچا ان ویران قلوب واردات کی کھیتیاں پیدا ہونے لگیں کہ جن سے زینت نفوس کو صلاحیت نصیب ہوتی ہے اور ان قلوب مشاہدات کا ظہور ہوتا جن سے قلوب کو غذا حاصل ہوتی ہے۔

ہدایت کے اقسام

ہدایت کئی قسم ہے :

(۱) کافر کو ایمان کی ،

(۲) مومن و فاسق کو طاعات کی ،

(۳) مومن مطیع کو زہد و ورع کی ،

(۴) زاہد متقی کو معرفت کی ،

(۵) عارف کو وصال الٰہی کی ، اور

(۶) واصل باللہ کو حصولِ مشاہدہ کی ہدایت نصیب ہوتی ہے۔ واصل کو جب اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ حاصل ہو جاتا ہے تو فیض الہام صریح سے قلب کے اندر ایسا بیج پیدا ہوتا ہے جو کبھی خشک نہیں ہوتا اس مرتبہ کے بعد انسان کامل کو حیاتِ ابدی و بقاء دائمی حاصل ہوتا ہے۔

سبق : طالب حق پر لازم ہے کہ وہ طریق عبودیت میں جدوجہد کرے۔ فیض و نما طریق عبادات سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے طاعت کو بندوں کے لیے رحمت بنایا ہے لیکن جب انسان صبح کی نماز پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مناجات کے دریا میں ڈوب جاتا ہے پھر یہ حالت ظہر تک منقطع ہو جاتی ہے اور وہ بھی انسان ناقص کے لیے کیونکہ ناقص انسان ایسے مشاغل میں مشغول ہو جاتا ہے جو فیض الٰہی کی مدد کے اسباب کے لیے انقطاع کا موجب ہیں لیکن نماز ظہر اس کے لیے فیض الٰہی کی تجدید کرتی ہے اسی طرح ہر نماز کی یہی کیفیت ہے اور ان کے تکرار میں بھی یہی نکتہ ہے کہ نمازیں بمنزلہ بارش کے ہیں کہ جس طرح بارش سے ویران زمین سرسبز و شاداب ہوتی ہے اسی طرح صبح و شام کی نمازوں سے ویران قلوب آباد ہوتے ہیں ایسے ہی روزوں کی کیفیت ہے کہ رمضان المبارک قلب کا دروازہ کھولتا اور طبیعت یعنی خواہشاتِ نفسانی کا دروازہ بند کرتا ہے۔ یہاں سے بندے کو صفت صمدیہ کا جلوہ نصیب ہوتا ہے اور وہ ملائکہ کرام کے منصب کو پہنچ جاتا ہے اور رمضان مبارک کے ہر سال تشریف لانے میں ایک نکتہ یہی ہے اور نماز و طاعات کا عوام پہ اس لیے اثر ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ طاعات کو صحیح طریق اور ان کے شرائط کے مطابق ادا نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ وہ اپنے بندوں کو شہوات سے بچائے اور انہیں دائرہ غفلت سے نکالے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مسئلہ: جو شخص اللہ تعالیٰ کو عاجز سمجھتا ہے وہ کافر ہے۔

ف: شرح الحکم میں ہے کہ اگر تم اپنی امید کو تقویت بخشنا چاہتے ہو تو اپنے جیسے کے احوال پر نگاہ ڈالو کہ اسے اللہ تعالیٰ نے کیسے اپنا قرب عطا فرمایا جیسے ابراہیم بن ادہم و فضیل بن عیاض و ابن المبارک و ذوالنون مصری و مالک بن دینار وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ۔ ان کا ابتدائی حال نہایت زبوں تھا لیکن بعد کو انتہائی درجہ کے اولیاء کاملین ہوئے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ سایۂ حق بر سر بندہ بود   عاقبت جوینده یابنده بود
۲ گفت پیغمبر کہ چون کوبی دری   عاقبت زان در برون آید سری
۳ چون نشینی بر سر کوی کسی   عاقبت بینی تو ہم روی کسی
۴ چون ز چاہی میکنی ہر روز خاک   عاقبت اندر رسی در آب پاک
۵ جملہ دانند این اگر تو نگروی   ہرچہ میکاریش روزی بدروی

ترجمہ: (۱) سایۂ حق بندے کے سر پر ہوتا ہے بالآخر تلاش کنندہ مطلب پا لیتا ہے۔
(۲) فرمایا پیغمبر علیہ السلام نے کہ جب دروازے پر دستک دو گے تو کوئی نہ کوئی دروازے سے باہر نکلے گا۔
(۳) جب تم کسی کی گلی میں بیٹھو گے تو بالآخر کسی مبارک کو ضرور دیکھو گے۔
(۴) جب روزانہ کنوئیں سے مٹی باہر نکالو گے تو بالآخر پانی تک ضرور پہنچو گے۔
(۵) یہ تو سب جانتے ہیں اگرچہ تو نے نہیں کیا جو کچھ بوؤ گے وہی پھل اٹھاؤ گے۔

دوسری جگہ پر فرمایا: ؎

۱ چون صلای وصل بشنیدن گرفت   اندک اندک مردہ جنبیدن گرفت
۲ نی کم از خاکست کز عشوۂ صبا   سبز پوشد سر برآرد از فنا
۳ کم ز آب نطفہ نبود کز خطاب   یوسفان زایند رخ چون آفتاب
۴ کم ز بادی نیست شد از امرکن   در رحم طاؤس و مرغ خوش سخن
۵ کم ز کوہ و سنگ نبود کز ولاد   ناقۂ کان ناقہ ناقہ زاد زاد

ترجمہ: (۱) جب وصال کی آواز سنی تو مردہ آہستہ آہستہ حرکت میں آنے لگا۔
(۲) باد صبا کی گرد خاک سے کم نہیں، سبز پوشاک پہن کر وہ سر پردے سے باہر لاتی ہے۔
(۳) نطفے سے کم نہیں کہ اس نے خطاب سنا تو اس سے کیسے کیسے حسین و جمیل انسان پیدا ہوئے۔
(۴) امرکن ہوا سے کیا کم ہے کہ اس سے رحم میں طاؤس و مرغ خوش سخن پیدا ہوتے ہیں۔
(۵) کوہ و سنگ سے کم نہیں وہ ناقۂ کان جو ناقہ زاد سے پیدا ہوئی۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وَيَقُوْلُوْنَ اور کہتے ہے۔

تفسیر عالمانہ **شانِ نزول:** کفارِ مکہ کو اہلِ ایمان فرماتے تھے کہ ایک دن فتح ہمارے قدم چومے گی بے شک اس کا ایک دن مقرر ہے ذرا انتظار کرو تمہارے اور ہمارے مابین من جانب اللہ فیصلہ ہو ہی جائے گا۔ کفار سن کر انہیں جواب میں استہزاءً و تکذیباً کہتے فیصلہ جلدی ہونا چاہیے مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ کون سے وقت میں یہ حکم اور فیصلہ یا فتح و نصرت ہوگی اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ اگر تم سچے ہو کہ فیصلہ ہو کر رہے گا قُلْ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! انہیں خاموش کرا کر اور حق کو ثابت کرتے ہوئے فرمایئے کہ عجلت نہ کرو اور نہ ہی استہزاء کرو اس لیے کہ يَوْمَ الْفَتْحِ فتح کا دن یعنی وہ دن جس میں تمام شبہات زائل ہو جائیں گے۔ اس سے قیامِ قیامت مراد ہے وہ اصل اغلاق و اشکال کے ازالہ کو کہا جاتا ہے یا اس سے وہ دن مراد ہے جب اہلِ اسلام کو کفار پر غلبہ ہوا لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِيْمَانُهُمْ کافروں کو ایمان کا نفع نہ دے گا۔ ایمانهم، لاینفعهم کا فاعل اور الذین کفروا اس کا مفعول ہے وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝ اور نہ مہلت دیے جائیں گے اور نہ ہی ان سے عذاب موخر ہوگا الانظار بمعنے مہلت دینا۔ اگر اس سے قیامت کا دن مراد ہو تو ظاہر ہے کہ کافر کو ایمان نفع نہ دے گا کیونکہ ان کے ایمان لانے کا وقت فوت ہو گیا۔ انہیں ادراکِ عذاب کے وقت مہلت نہیں دی جائے گی اور نہ ہی اس وقت کوئی عذر قبول ہوگا کیونکہ وہ وقت عذر قبول کرنے کا نہیں۔ اگر اس سے یوم نصر جیسے غزوۂ بدر میں ہوا مراد ہو تو بھی انہیں قتل کے وقت ایمان فائدہ نہ دے گا اس لیے کہ وہ ایمان یاس (ناامیدی) کہلاتا ہے جیسے فرعون نے دریا میں غرق ہوتے وقت ایمان کا اظہار کیا ایسے کافر کے قتل میں توقف نہیں کیا جائے گا۔

سوال: ان کے سوال کے مطابق جواب نہیں دیا گیا اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: کافروں کو تنبیہ ہے کہ ان کا سوال ہی لایعنی ہے۔ اور نہ وہ اس لائق ہے کہ اس سے سوال کیا جائے۔ کیونکہ تمہارے سوال کا جواب تو واضح ہے اسے بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ قیامت میں ان کے ایمان کا قبول نہ ہونا اور انہیں مہلت نہ دینے کا معاملہ بیان طلب تھا اسی لیے اسے بیان کیا گیا۔

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ قرآن سے اعراض فرمایئے یعنی ان کی تکذیب کی پروا نہ کیجئے اور جب تک آیۃ السیف کا نزول نہ ہو ان کی اہانت کے درپے نہ ہوں وَانْتَظِرْ اور ان کی نصرت اور ہلاکت کا انتظار کیجئے اس لیے کہ میرا وعدہ سچا ہے اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ۝ع بیشک وہ بھی آپ کا ان پر غلبے کا انتظار کر رہے ہیں اور انہیں خیال گزرتا ہے کہ ان پر حوادثِ زمانہ کس طرح گھیرے گا وہ کس طرح قتل کئے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

جائیں گے تاکہ وہ آپ کی روزانہ کی نصیحت وغیرہ سے جان چھڑائیں کیونکہ وہ اسے ایک مصیبت تصور کرتے ہیں یا اس سے ان کا تباہ و برباد ہونا مراد ہے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے:

هل ينظرون الا ان يأتيهم الله (الآية)

یا اسی معنیٰ کے قریب ہے جو بعض مفسرین نے لکھا کہ آپ ہمارے عذاب کا انتظار کیجئے اور وہ بھی انتظار کر رہے ہیں ان کے انتظار کا یہ معنیٰ ہے کہ وہ کفر و معاصی و تکذیب میں ایسے منہمک ہیں کہ گویا انھیں عذاب ہی گھیرنے والا ہے اس لیے کہ ان کے عذاب کا موجب ان کا کفر و معاصی و تکذیب وغیرہ تھی سو اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا۔ چنانچہ بعد کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان کو فتح و نصرت نصیب ہوئی اور وہ جو دل میں آرزو رکھتے تھے وہ پوری ہوئی ؎

شکر خدا کہ ہرچہ طلب کردم از خدا
بر منتہائے ہمت خود کامران شدم

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جو کچھ میں چاہتا تھا وہ مجھے مل گیا، اس نے مجھ پر احسان فرمایا اور میں کامیاب ہوا۔

کسی اور نے فرمایا ؎

ہر کرا اقبال باشد رہنمون
دشمنش گردد بزودی سرنگون

ترجمہ: جس کا بخت رہبری کرتا ہے اس کے دشمن بہت جلد سرنگوں ہو جاتے ہیں۔

ف: آیت میں انتظار و صبر کی ترغیب دی گئی ہے ؎

قد يدرك المتأني بعض حاجته
وقد يكون مع المستعجل الزلل

ترجمہ: کبھی صبر سے کام بن جاتا ہے اور کبھی عجلت سے نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں ان اہلِ ہوا کی طرف اشارہ ہے جو اولیاء کرام پر انکار کرتے اور ان سے اظہارِ کرامات کی استدعا اور عرض فتوحات کی استدعا کرتے ہیں لیکن جب اولیاء کرام کے قلوب کو فتح و نصرت سے نوازتا ہے تو ان کے زمرۂ اعداء کو ان کے فتوح پر ایمان لانا نفع نہ دے گا جبکہ نہ وہ اقتدا کرتے ہیں نہ ان کی سیرت سے ہدایت کرتے ہیں انھیں بجز حسرتوں اور پریشانیوں کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ جو اولیاء کرام کو ماننے والے اور ان کے کمالات کا اقرار کرنے والے ہیں انھیں غضب الٰہی اور قہر اور غیرہ تدبیر کا انتظار کرنا چاہیے۔ (نعوذ باللہ منہا)

فضائل سورۃ الٓمٓ السجدۃ حدیث شریف میں ہے:

من قرأ الٓمٓ و تبارك الذي بيده الملك اعطي من الاجر كانما احيى ليلة القدر۔

(جو شخص سورہ الٓمٓ و تبارک پڑھتا ہے وہ اتنے ثواب کا مستحق ہوگا کہ گویا اس نے لیلۃ القدر

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کی شب تمام رات عبادت میں گزاری)

حدیث شریف[2] میں ہے :

من قرأ الم تنزیل فی بیته لم یدخل الشیطان بیته ثلاثة ایام۔

(جو شخص اپنے گھر میں سورہ الم السجدہ پڑھتا ہے اس کے گھر میں تین دن شیطان داخل نہیں ہوتا) کما فی الارشاد

حدیث شریف[3] میں ہے :

تجیئ الم تنزیل السجدة یوم القیامة لها جناحان تظل صاحبها وتقول لا سبیل علیك۔ کما فی بحر العلوم

(قیامت میں جب سورہ الم السجدہ حاضر ہوگی تو اس کے دو نورانی پر ہوں گے جو پڑھنے والے کو اپنے پروں پر اٹھائے گی اور فرمائے گی آج تجھے کسی قسم کی فکر نہیں کرنی چاہئے)

حدیث شریف[4] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سونے سے پہلے سورۂ الم السجدہ اور سورۃ تبارک الذی پڑھ کر سوتے تھے اور فرماتے :

هما تفضلان کل سورة فی القرآن بسبعین حسنة فمن قرأها کتب له سبعون حسنة ومحی عنه سبعون سیئة ورفع له سبعون درجة۔

(یہ دونوں سورتیں ایسی ہیں جو تمام قرآنی سورتوں میں ستر گنا زیادہ فضیلت رکھتی ہیں جو انہیں پڑھتا ہے اس کے اعمال نامے میں ستر گنا زیادہ نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اس کے ستر گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور ستر درجات بلند ہوتے ہیں)

حدیث شریف[5] سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز صبح کی نماز میں پہلی رکعت میں سورۃ الم السجدہ اور دوسری رکعت میں ھل اتی علی الانسان پڑھا کرتے تھے۔ کذا فی کشف الاسرار

فرمانِ امام شافعی وامام احمد امام شافعی وامام احمد (رحمہم اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ یوم جمعہ کی فجر کی نماز کی پہلی رکعت میں الم السجدہ اور دوسری رکعت میں ھل اتی علی الانسان پڑھنا مسنون ہے۔

مسئلہ : امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا : اس طرح پر مداومت کرنا مکروہ ہے تاکہ کسی کو وہم نہ ہو کہ یہ سورۃ بوجہ سجدہ تلاوت کے دوسری سورتوں پر فضیلت رکھتی ہے۔

مسئلہ : امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان سورتوں کو اس نماز میں پڑھنا مسنون نہیں بلکہ سورۃ فاتحہ کے بغیر کسی دوسری سورۃ کو معین کرکے کسی بھی نماز میں پڑھنا مکروہ ہے تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ باقی سورتوں کو

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اٰيَاتُهَا ٧٣ رُكُوْعَاتُهَا ٩

سورہ احزاب مدنی ہے اس میں اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا تہتر آیتیں اور ۹ رکوع ہیں

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) اللہ کا یوں ہی خوف رکھنا اور کافروں اور منافقوں کی نہ سننا بے شک اللہ

عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝١ وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

علم و حکمت والا ہے اور اس کی پیروی رکھنا جو تمہارے رب کی طرف سے تمہیں وحی ہوتی ہے اے لوگو اللہ تمہارے کام دیکھ

خَبِيْرًا ۝٢ وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝٣ مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ

رہا ہے اور اے محبوب تم اللہ پر بھروسا رکھو اور اللہ بس ہے کام بنانے والا اللہ نے کسی آدمی کے اندر دو دل نہ رکھے

قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا

اور تمہاری ان عورتوں کو جنہیں تم ماں کے برابر کہہ دو تمہاری ماں نہ بنایا اور نہ

جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ

تمہارے لے پالکوں کو تمہارا بیٹا بنایا یہ تمہارے اپنے منہ کا کہنا ہے اور اللہ حق فرماتا ہے

وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝٤ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا

اور وہی راہ دکھاتا ہے انہیں ان کے باپ ہی کا کہہ کر پکارو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ ٹھیک ہے پھر اگر تمہیں ان کے

اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ؕ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ

باپ معلوم نہ ہوں تو دین میں تمہارے بھائی ہیں اور بشریت میں تمہارے چچازاد اور تم پر اس میں کچھ گناہ نہیں جو نادانستہ تم سے

بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝٥ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ

صادر ہوا ہاں وہ گناہ ہے جو دل کے قصد سے کرو اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے یہ نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک

مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ

ہے اور اس کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں اور رشتہ والے اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے سے

اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ كَانَ

زیادہ قریب ہیں بہ نسبت اور مسلمانوں اور مہاجروں کے مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں پر کوئی احسان کرو یہ

ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝٦ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ

کتاب میں لکھا ہے اور اے محبوب یاد کرو جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور تم سے اور

نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۪ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝٧

نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے اور ہم نے ان سے گاڑھا عہد لیا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝

تاکہ سچوں سے ان کے سچ کا سوال کرے اور اس نے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے

تفسیر عالمانہ

سورۃ الاحزاب مدنیہ ہے اس کی تہتر آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!

حل لغات

نبی، نباء سے ہے بمعنے وہ خبر جو بہت بڑے فائدے پر مشتمل ہو جس سے علم یا غلبۂ ظن حاصل ہو۔ اور نبی علیہ السلام چونکہ اللہ تعالیٰ سے ایسے خبر دیتے ہیں جس سے عقول زکیہ سکون پاتے ہیں اسی لیے انہیں نبی کہا جاتا ہے۔ یا نبوۃ سے ہے بمعنے رفعت۔ چونکہ بہ نسبت عوام کے نبی کا مقام بلند ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ورفعناہ مکانا۔

(ہم نے انہیں مرتبہ میں بلند فرمایا)

اسی لیے اس نام سے موسوم ہوتے ہیں۔

صفحہ ۳۸۰ سے آگے

ان نمازوں میں پڑھنا جائز نہیں۔ کذا فی فتح الرحمٰن

ف: حضرت شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا کہ عارفین کے آداب میں ہے کہ کسی بھی نماز میں کسی سورۃ و آیت کو معین کر کے نہ پڑھا جائے کیونکہ کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کس مناجات کے ذریعہ پہنچنا نصیب ہو۔ عارف پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کے لیے حسب استطاعت پڑھے یا قرآن مجید کا وہ حصہ پڑھے جو منجانب اللہ اس کے دل میں القا ہو کما فی الکبریت الاحمر ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو رات دن نماز پڑھتے ہوئے قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں پھر سراً و جہراً مناجات الٰہی کی برکت سے ان کے دل پر قرآنی حقائق کے واردات ہوتے ہیں۔

تمت سورۃ السجدہ بعون اللہ تعالیٰ یوم الاحد الرابع من شہر رمضان المعظم فی شہور سنۃ الف و
مائۃ و تسع

یقول الفقیر الاویسی الرضوی وتمت ترجمہ سورۃ السجدہ بعون اللہ تعالیٰ یوم الاثنین من شہر ربیع الآخر المعظم فی شہور سنۃ الف وثلث ومائۃ وثمان وتسعین فصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

یکم ۱۰
۸۹ء

بہاولپور

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سوال : اللہ تعالیٰ نے یہاں پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو نام لے کر کیوں نہیں پکارا۔ مثلاً فرماتا : یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ جیسے دوسرے انبیاء علیہم السلام کا نام لے کر پکارا۔ مثلاً فرمایا : یا آدم ، یا نوح ، یا موسیٰ ، یا عیسیٰ ، یا زکریا ، یا یحییٰ (علیٰ نبینا وعلیہم السلام)۔

جواب : اس سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی و شرافت کا اظہار ہے کیونکہ یہ آپ کے ان القابات میں سے ہے جو آپ کی بارگاہ کی بلندی پر دلالت کرتے ہیں۔

سوال : سورۂ فتح میں محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نام کی تصریح ہے۔

جواب : لوگوں کی تعلیم کے لیے ہے تاکہ آپ کو رسول سمجھ کر اعتقاد صحیح رکھیں بلکہ اپنے عقائدِ حقہ کا اسے جزو بنائیں۔

ف : اس کے سوا حضور سرورِ عالم کے بہت سے اسمائے صفاتی اور القاب ہیں۔ اور قاعدہ ہے کہ کثرتِ اسماء و القاب مسمّٰی کی شرافت اور بزرگی پر دلالت کرتے ہیں۔

شانِ نزول اسبابِ نزول میں مذکور ہے کہ واقعہ اُحد کے بعد ابوسفیان، عکرمہ اور ابو الاعور مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ میں آئے اور مرکزِ نفاق یعنی عبد اللہ بن ابی سلول کے پاس آ کر ٹھہرے۔ آمد کے دوسرے روز حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نمائندہ بھیجا کہ آپ انہیں امان دے کر گفتگو فرمائیں۔ آپ نے انہیں امان دے دی تو ابوسفیان وغیرہ چند منافقین کو لے کر بارگاہِ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) میں پہنچے اور کہا کہ آپ ہمارے معبودوں کی مذمت چھوڑ کر فرمائیں کہ قیامت میں یہی شفاعت کریں گے اور جو لوگ ان کی پرستش کرتے ہیں انہیں یہ فائدہ پہنچا سکتے ہیں، ہم تمہیں اور تمہارے معبود کو کچھ نہ کہیں گے۔ آپ کو ان کی یہ بات ناگوار گزری اور آپ نے ان سے چہرۂ مبارک پھیر لیا اس پر عبد اللہ بن اُبی بن سلول اور معتب بن قشیر و جد بن قیس (منافقین) نے کہا : یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ اشرافِ مکہ کی بات مان لیں اسی میں مصلحت ہے۔ حضرت فاروقِ اعظم سے رہا نہ کیا گیا حمیتِ اسلامی و صلابتِ دینی سے جوش میں آ کر کافروں کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اے عمر (رضی اللہ عنہ)! میں نے انہیں پناہ دی ہے تم میرے معاہدے کو توڑ سکتے ہو۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں (منافقین کو) مسجد نبوی سے ہی نہیں بلکہ مدینہ طیبہ سے نکال کر فرمایا :

اخرجوا فی لعنۃ اللہ وغضبہ۔
(اے لعینو! اللہ تعالیٰ کی لعنت و غضب سر پر اٹھا کر نکل جاؤ)[1]

---

[1] اس سے واضح ہوا کہ گستاخانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مساجد سے نکالنا سنت ہے۔ بلکہ حقیقی اسلام کا تقاضا بھی یہی ہے۔ مترجم غفرلہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اتَّقِ اللّٰہَ اللہ تعالیٰ سے ڈرو عہد کے توڑنے اور امان کے ختم کرنے کے بارے میں، اور تقویٰ پر ثابت قدم رہو بلکہ اس میں بڑھتے رہو کیونکہ تقویٰ کے درجات کی کوئی حد نہیں۔ ہم نے اسے دوام کے معنیٰ پر اس لیے محمول کیا ہے کہ جو پہلے ہی فعل میں مشغول ہے پھر اسے اس پر عمل کرنے کا حکم نہیں دیا جاتا جب ایک آدمی کھڑا ہوا سے یوں کہا جائے گا کہ کھڑا ہو۔ ہاں اگر کہا جائے گا تو اس سے اس کی مداومت مراد ہو گی اور حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کو تقویٰ کا حکم دے کر اس کی اہمیت کا اظہار فرمایا ہے کیونکہ منادی کی تعظیم کا ذریعہ اور سبب ہوتا ہے۔

ف: قرآن مجید میں تقویٰ کے امر کی کثرت ہے اس سے اس کے مابعد والے امر و نہی کی تاکید مطلوب ہوتی ہے مثلاً:

اتقوا اللّٰہ و امنوا برسولہ۔

(اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ)

اس میں ایمان بالرسول کی تاکید مطلوب ہے۔ ایسے ہی لوط علیہ السلام نے فرمایا:

اتقوا اللّٰہ ولا تخزون فی ضیفی۔

(اللہ سے ڈرو مجھے مہمانوں کے آگے رسوا نہ کرو)

نکتہ تفسیر کبیر میں ہے کہ آیت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تقویٰ کے حکم کو غفلت پر محمول نہیں کرنا چاہیے اس لیے کہ یہ لفظ نبی کے منافی ہے کیونکہ نبی خبیر اور غفلت سے منزہ ہوتا ہے۔

ف: ابن عطا نے فرمایا اس کا معنیٰ ہے اے میری طرف سے سچی خبریں دینے والے اور مجھے حقیقتاً پہچاننے والے! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اس بارے میں کہ تم میں سے میرے سوا کی طرف تمہاری التفات ہو۔

حل لغات لغت میں ہے تقویٰ بمعنے اتقاء یعنی بچاؤ کی صورت اختیار کرنا اور اہل حقیقت کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی طاعت کے ساتھ اس کے عقاب سے احتراز اور فعل و ترک کے بارے میں نفس کو ان امور سے بچانا جو اللہ تعالیٰ کی عقوبت کا حقدار بناتے ہیں۔

ف: بعض کبار مشائخ نے فرمایا متقی وہ ہے جو خود کو حق سے بچائے یا حق کو اپنے سے بچائے۔ اول یہ تمام نقائص اپنی طرف منسوب کرے حق تعالیٰ کی طرف اسناد سے بچے خود حق تعالیٰ کے لیے ڈھال بنائے۔ دوم جملہ کمالات اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا۔ اپنی طرف کسی کمال کا تصور تک نہ لائے تا اس وقت ہر کمال اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتا رہے گا۔ اسی معنیٰ پر حق تعالیٰ اس کے نفس کے آگے کمال کی نسبت نہ ہونے کے لیے ڈھال کی طرح ہو گا کیونکہ عدم نقصان ہے وہ بندہ کی طرف منسوب ہو اور وجود کمال ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ف : تقویٰ سے وہ لوگ آشنا ہیں جو طاعت گزار ہیں اور ہر معصیت و حرام سے پرہیز کرتے ہیں اور تقویٰ کے خدام وہ ہیں جو احتیاط کا دامن نہیں چھوڑتے اور جو شبہات سے بھی بچتے ہیں وہی تقویٰ کے عاشق ہیں کہ نیکیوں پر عمل کرنے کے بعد اس سے پرہیز کرتے ہیں کہ کہیں وہ ان کی نیکیاں ہیں اس سے ایسے ڈرتے ہیں جیسے ارتکاب معاصی سے ۔

۱ ماسوائے حق مثال گلخنست
تقویٰ از شے چوں حمام روشنست
۲ ہر کہ در حمام شد سیمائے او
ہست پیدا بر رخ زیبائے او

ترجمہ : (۱) حق کے ماسوا باقی سب کچھ کوڑا کرکٹ کی طرح ہے اس سے تقویٰ کی امید حمام کی طرح ہے ۔

(۲) جس کی ہر وقت حمام میں جانے کی عادت ہے اس کے چہرے کا اندازہ خود کر لو ۔

وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ اور کھلم کھلا کفر کرنے والوں کی اطاعت نہ کرو وَالْمُنٰفِقِيْنَ اور منافقین کی جو کفر کو دل میں چھپاتے ہیں یعنی جس طرح آپ کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہیں کرتے اسی پر مداومت کیجئے کہ جو ان کے امور آپ کی شریعت کے مخالف ہیں اور تمہارے دین کے لیے نقصان دہ ہیں ان سے آپ پرہیز کرتے ہوئے ان کی اطاعت نہ کریں۔ ہم نے مداومت کی قید اس لیے لگائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معاذ اللہ ان کی اطاعت تو نہیں کرتے تھے کہ جس سے آپ کو روکا گیا ہے بلکہ آپ تو ان کی اطاعت کو خود بھی پہلے سے حرام سمجھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس پر مداومت کا حکم فرمایا ہے ۔

ف : اطاعت و عبادت میں فرق یہ ہے کہ طاعت امر کے بعد لازم ہوتی ہے اور عبادت میں امر کی قید نہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بے شک اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور دائماً ہے ۔ یہ نہیں کہ وہ پہلے تھا اور اب نہیں عَلِيْمًا مصالح و مفاسد کو خوب جانتا ہے تمہیں اس کا حکم دے گا جس میں تمہاری مصلحت ہوگی اور ان امور سے روکے گا جن میں تمہارا نقصان ہوگا حَكِيْمًا ۝ حکمت والا ہے جو حکم دیتا ہے اس کی حکمت بالغہ کا تقاضا ایسے ہی ہے وَّاتَّبِعْ اور دین میں (جو امور عمل میں لانے کے اور جو چھوڑنے کے ہیں) اتباع کیجئے مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وہ جو وحی کی جاتی ہے تمہارے پروردگار سے تقویٰ اور ترک طاعت کافرین و منافقین وغیرہ کے بارے میں یعنی آپ صرف قرآن کے مطابق عمل کیجئے کفار و منافقین کی آراء کا خیال تک نہ لائیے ۔

ف : حضرت سہل (تستری) رحمہ اللہ نے فرمایا کہ قرآن پر عمل کرنے کا حکم اشارہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک احسن طریقہ شریعت ہے اس کے علاوہ باقی جملہ غلط طریقے اور ظلم و بدعات (سیئہ) ناقابل قبول ہیں۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

من بسر منزل عنقا نہ بخود بردم راہ
قطع این مرحلہ با مرغ سلیمان کردم

ترجمہ: میں عنقا کی منزل تک راستہ نہ پا سکا یہ مرحلہ مرغِ سلیمانی کے واسطہ سے طے ہوا۔

اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۰ بے شک اللہ تعالیٰ ہے ساتھ اس کے جو تم عمل کرتے ہو، فرمان برداری اور ترک منہیات کے یہ خطاب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور جملہ اہل ایمان کو ہے۔ ہر عامل کے عمل کی جزا و سزا مرتب ہوگی اس میں ترغیب و ترہیب دونوں ہیں **وَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ** اور اللہ پر توکل کیجئے یعنی اپنے جملہ امور اسی کے سپرد کیجئے **وَکَفٰی بِاللّٰہِ** اور اللہ تعالیٰ کافی ہے **وَکِیْلًا ۰** نگہبان۔ اسی لیے جملہ امور اسی کی طرف سپرد ہوں کیونکہ وہی کارساز و نگہبان اور مہمات میں کفایت کرنے والا ہے۔

؎

چون رو لطف عنایت کند
جملہ مہمات کفایت کند

ترجمہ: جب از راہِ لطف مہربانی کرتا ہے تمام مشکلات آسان ہو جاتی ہیں۔

ف: حضرت شیخ زروق شرح الاسماء الحسنیٰ میں لکھتے ہیں کہ وکیل وہ ہے جو بندوں کی جملہ مصالح کی کفالت فرمائے اور ان کے ہر امر میں انہیں کافی ہو اور جس کا عقیدہ ہے کہ وہی وکیل ہے تو وہ اپنے جملہ امور میں اسی پر اکتفا کرے اور اس کے سوا کسی پر اعتماد نہ کرے۔ اس کی خاصیت یہ ہے کہ اس کا ورد رکھنے والا کبھی محتاج نہ ہوگا اور نہ ہی مصیبت کا شکار ہوگا جسے آندھی اور کڑک گرج بادل سے خطرہ محسوس ہوتا ہے وہ اس اسم شریف کو بکثرت پڑھے۔ یہی اسم جملہ مصائب کو ہٹائے گا اور اس پر خیر و رزق کے دروازے کھول دے گا۔

حکایت بایزید بسطامی قدس سرہٗ حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ اپنے مریدین کے ساتھ ایک عرصہ توکل پر گزارنے کا تہیہ کیے بیٹھے تھے چند دن فتوحات بند ہو گئیں۔ کسی نے بھی ایک لقمہ کھایا۔ مریدوں نے کہا اگر اجازت ہو تو ہم روزی کی تلاش میں نکلیں۔ آپ نے فرمایا: اگر تمہیں روزی کا یقین ہے کہ فلاں جگہ پڑی ہے تو جاؤ لے آؤ۔ عرض کی، تو پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں: ؎

ارباب حاجتیم و زبان سؤال نیست
در حضرت کریم تمنا چہ حاجت است

(ترجمہ: ہم ضرورت مند تو ہیں لیکن سوال کی زبان نہیں رکھتے لیکن کریم کے دروازے پر تمنا ظاہر کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے!

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مریدین نے کہا تو پھر توکل کر کے خاموش بیٹھے رہیں آپ نے فرمایا، تو پھر تم اللہ تعالیٰ کو آزماتے (امتحان لیتے) ہو۔ عرض کی، آپ ہی فرمائیں کہ ہم کیا چارہ و حیلہ کریں۔ آپ نے فرمایا:

الحیلۃ ترک الحیلۃ۔

(حیلہ ترکِ حیلہ کا نام ہے)

یعنی حیلہ یہ ہے کہ اپنی مراد و اختیار کو قضاء و قدر کے ماتحت کرو جو کچھ اس کی قضاء و قدر ہو وہی بھلائی اور خیر ہے۔ حقیقی توکل یہ ہے کہ انسان اپنے اختیار و مراد سے بالکل فارغ ہو جائے۔ اور اپنے تصرف کا تصور دل سے اڑا دے اور رضا و تسلیم کا تیر قضاء و قدر کے سامنے لگا دے جو خیال دل میں آئے سب کو بیکار کر دے۔ جب انسان اس منزل کو طے کرتا ہے تو مملکتِ الٰہی کی چابی اس کے ہاتھ پر رکھ دیتے ہیں اور وہ دل کا بادشاہ ہو جاتا ہے۔

ف: وہ بڑا پیارا آدم ہے کہ جو غیر اللہ کے تعلقات کو ترک کرنے کی جدوجہد کرے اور محبوب کی راہ پر مشقت و تکالیف کے گھوڑے دوڑا دے۔ پختہ دل وہ انسان ہے جو عزم کا دامن تھامے اولوا العزم پیغمبر علیہ السلام بھی وہی ہیں جنہوں نے تکالیف و شدائد بہت زیادہ برداشت فرمائے جو رخصت پر عمل کرنے کا پروگرام بناتا ہے اسے غصہ پینے کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ اسی لیے مقولہ مشہور ہے، جو آج دکھ درد سر پر اٹھاتا ہے اسے کل آسانی اور آرام ملے گا۔ جو آج بوجھ پیٹھ پر رکھتا ہے کل اس کے گناہ ہلکے ہوں گے۔ یہاں پر بوجھ ہلکے کرتے ہیں ورنہ کل اقوال افعال کے بوجھ پیٹھ توڑیں گے اتباعِ سنت میں بدعت (سیئہ) کا چھوڑنا ضروری ہے۔

ف: انسان کو نعمتوں کا حصول بلاواسطہ ہے اللہ تعالیٰ اسے عطا کرتا ہے تو وکالت سے (یعنی اسباب سے یعنی اعمالِ صالحہ وغیرہ سے) اور نیک انجام تقویٰ سے نصیب ہوتا ہے۔

سبق: بعض اکابر نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا آدابِ عبودیت سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو اپنے سے ہی سوال کرنے کے لیے پیدا فرمایا ہے، اس لیے کہ ہم فقیر ہیں لہٰذا ہم ایسے کریم سے سوال کرتے ہیں جہاں بخل ہے ہی نہیں ■ بہت بڑے فضل والا ہے جو خواہشات کی اتباع کرتا ہے وہ کبھی منزلِ مقصود تک نہ پہنچے گا جو کسی سے خدمت کا متمنی ہوا اور اپنی عزت و حرمت کا تصور کیا اور حشمت و جاہ کا طالب ہوا اور خائب و خاسر ہوا اسے کبھی کامیابی نصیب نہ ہو گی ایسا آدمی کبھی فتحیاب نہیں ہو سکتا اور جو خادم اپنے مخدوم کے ہاں حاضر ہو کر اس پر اعتراض کرنے شروع کر دے یقین کرو اس کے دل میں مرض ہے ہاں تسلیم و رضا اور توکل سے ہی جمیع مناصب کے مراتب حاصل ہو سکتے ہیں اللہ ہی علیم و خبیر ہے وہ جملہ دقائق اور مخفی امور کو وہی جانتا ہے جس کا یہی عقیدہ ہو گا وہ جملہ غیر سے توجہ ہٹا کر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو گا بلکہ دوسروں کا ذکر بھلا کر صرف اسی کے ذکر میں محو رہے گا دعویٰ و ریا و تصنع کو چھوڑ کر اخلاص فی العمل میں گامزن رہے گا اس لیے آگے پکار کر کہنے والا الفقیر ہے ؎

بروئے ریا خرقہ سہل است دوخت
گرش با خدا در توانی فروخت

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ترجمہ: دریا کی گدڑی سینا آسان ہے۔ اگر اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں بے رواج کرنا چاہیے۔

دعا: ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اہل توفیق واخلاص سے بنا دے اور ارباب اختصاص میں ملا دے اور جب تک بدن میں روح ہے ہمارے اوپر خیرات وفتوح کھول دے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ اللہ تعالیٰ نے کسی کے اندر دو دل نہیں بنائے

حل لغات: جعل بمعنے خلق ہے اور الرجل انسان میں مرد کے ساتھ مخصوص ہے اور تنکیر من استغراقیہ تعمیم افادہ کے لیے ہے اور قلب صنوبری شکل کا ایک لوتھڑا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے سینے کے بائیں جانب پیدا فرمایا ہے جو الوتین (رگ) کے قریب لٹک رہا ہے اسی کو ہی علم کا محل بنایا ہے جوف بمعنے پیٹ (کذا فی اللغات) اسے زیادہ تقریر کے لیے لاتے ہیں جیسے:

ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور۔

(اور لیکن دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں)

میں فی الصدور کا لفظ تاکید کے لیے ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ کسی کے اندر اللہ تعالیٰ نے دو دل نہیں پیدا فرمائے کیونکہ قلب روح حیوانی کا قرار اور اس کی قوت کا سرچشمہ ہے تو اسے صرف ایک ہونا ضروری ہے اس لیے کہ روح حیوانی ایک ہے۔ جیسا کہ امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر دو دل پیدا فرمائے، ایک کفر و گمراہی اور گناہوں پر اصرار کرنے اور ان کا خوگر ہو جانے کے لیے ہے اور دوسرا ہدایت وایمان اور طمانیت کے لیے۔ اس میں منافقین کے لیے طعن وتشنیع ہے کہ اے منافقو! تم کیا کر رہے ہو کہ دل میں کچھ ہے اور زبان پر کچھ۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ منافقین کہتے تھے (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دو دل ہیں، ایک ہمارے ساتھ ہے اور دوسرا اپنے یاروں کے ساتھ۔ آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب فرمائی ہے۔

ف: بعض دوسرے مفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس میں ان عربوں کا رد ہے جو کہا کرتے کہ سمجھدار انسان کے دو دل ہوتے ہیں اسی لیے ابومعمر کو ذوقلبین کہا جاتا۔ کیونکہ عرب سے حافظے میں تیز تر اور زیادہ سمجھدار اور شہروں کے حالات اور ان کے راستے ان سے کوئی زیادہ نہ جانتا تھا لیکن حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سخت بغض رکھتا تھا وہ یا جمیل بن اسد کہتا تھا میرے اندر دو دل ہیں اسی لیے میں (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) زیادہ سمجھتا ہوں۔ عوام کا بھی یہی خیال تھا کہ وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہے جب اہل مکہ کو بدر میں شکست ہوئی تو وہ گرمی کے باوجود ایسا حواس باختہ ہو کر بھاگا کہ ایک جوتا پاؤں میں اور دوسرا ہاتھ میں۔ اسے ابوسفیان ملے تو ان سے پوچھا: میاں میرا دوسرا جوتا تمہیں معلوم ہے کہاں ہے؟ اس نے کہا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مرایک جوتا تیرے ہاتھ میں اور دوسرا تیرے پاؤں میں ہے (ان کے علاوہ اور جوتا کیسا) اس کی اس حالت سے وہم ہے کہ اگر اس کے دو دل ہوتے تو اپنا جوتا نہ بھولتا (کیونکہ جوتا ہاتھ میں ہے)

ازالۂ وہم فقیر (صاحب روح البیان) کہتا ہے کہ عرب کا ذوقلبین کہنا بوجہ حقیقی دو دلوں کے نہ تھا، بلکہ اسی عرف کے مطابق تھا کہ جو زیادہ سمجھدار ہو اس کی کمال قوت علمی مراد لیتے تھے، جیسے مرد بہادر کو رجلان کہا جاتا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ اس میں دو مردوں کی بہادری اور شجاعت ہے۔ تو گویا وہ رجلان دو مردوں کے برابر ہے۔ ایسی قوت علمی کے کمال والے کے لیے کہا جاتا تھا۔ ولہ

قلبان (اس کے دو دل ہیں)

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ انسان کا دل محبت کے لیے پیدا کیا گیا ہے تو جیسے دل ایک ہے تو دل بھی ایک سے ہو۔ اور محبوب وہ ہے جو لاشریک ہے۔ جیسے کسی نے کہا ؎

دلم خانۂ مہر یار ست و بس
ازاں می نگنجد درو کین کس

ترجمہ: میرا دل تو صرف یار کی محبت کا گھر ہے اسی لیے اس میں کسی کے کینہ کی گنجائش نہیں۔

جو شخص دنیا میں بدل و جان مشغول ہو کر محبت آخرت کا دعویٰ کرے بلکہ حب الٰہی بنا پھرے وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے ؎

جمشید جز حکایت جام از جہاں نبرد
زنہار دل مبند بر اسباب دنیوی

ترجمہ: جمشید جہان دنیا سے صرف جام (پیالہ) کی شہرت لے چلا۔ خبردار اسباب دنیا سے دل نہ لگانا۔

تفسیر عالمانہ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمْ اور تمہاری عورتوں کو نہیں بنایا۔ نساء کو جمع زوج ہے جیسے زوجہ کی جمع زوجات ہے اور زوج زیادہ فصیح ہے لیکن زوجہ مشہور تر ہے۔

اللّٰٓئِیْ وہ عورتیں، التی کی جمع ہے تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ جن سے تم ظہار کرتے ہو یعنی انہیں کہتے ہو تم ہمارے لیے ہماری ماؤں کی پیٹھوں کی طرح ہو۔ ان کا ارادہ اس سے حرام کرنے کا ہوتا کیونکہ اہل عرب کا دستور تھا کہ جب کسی سے سنا جاتا ظاهر من امرأته تو اس سے ان کی مراد یہ ہوتی کہ اس نے اپنی عورت سے ظہار کیا۔ یہ بحسب اللفظ ظہر سے ماخوذ ہے جیسے کوئی کہے لبی المحرم۔ تو اس سے اس کی لبیک مراد ہوگی۔ ایسے اُفّ الرجل کہنے والے کی مراد بھی یہی ہوگی کہ اس نے اف کی اس کا مِن سے متعدی ہونا تجنب کے معنی کو متضمن ہے اور ظہار جاہلیت میں طلاق سمجھا جاتا۔ یہ بالفاظ دیگر عورت سے اجتناب کرتے تھے کیونکہ وہ اسے طلاق تصور کرتے تھے۔ مثلاً کسی عورت کو فارغ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کرنا ہوتا تو کہتے :

انت علیّ کظہر امی۔

یعنی انت علی حرام (تو مجھ پر حرام ہے) جیسے اس کا پیٹ مجھ پر حرام ہے۔ یہاں بھی بطن سے ظہر (پیٹھ) مراد لیتے تھے اس لیے پیٹ کا قوام اور جسم کی بنیاد پیٹھ ہی ہے۔ اُمَّهٰتُكُمْ تمہاری ماؤں کی طرح۔ امہات، ام کی جمع ہے ہا اہراق کی طرح زاید ہے کہ وہ بھی دراصل اراق تھا۔ ام (واحد) میں ہا کا اضافہ شفقت کا باعث ہے۔ مثلاً امّہ کہنا زبان پر سخت لگتا ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ عورت میں ماں کا ہونا اور زوجہ ہونا جمع نہیں ہو سکتا کیونکہ ماں مخدومہ ہے اس سے خدمت نہیں لی جا سکتی اور زوجہ خادمہ اس سے خدمت لی جاتی ہے۔

ف : اس آیت میں جاہلیت کے عربوں کا رد ہے کہ وہ اپنی عورت کو ماں کی طرح کہنے کو طلاق سمجھتے تھے۔

ف : اسلام اور شریعت نے ایسے کلمات کہنے کی حرمت اور کفارہ بیان کیا ہے کہ یہ طلاق نہیں بلکہ اس کا نام ظہار ہے۔ یعنی ایسے کلمات کہنے والا طلاق کے حکم میں ہوتا لیکن شرع پاک نے اسے طلاق کے بجائے کفارہ کا حکم فرمایا ہے۔

مسئلہ : ظہار کا کفارہ ہے غلام آزاد کرنا۔ یہ نہ ہو سکے تو دو ماہ مسلسل روزے رکھنا جس میں روزہ رمضان اور ایام منہیہ نہ ہوں اور وہ یہ ہیں : عید الفطر، عید الاضحیٰ (۳ تا ۵) ایام تشریق (۱۱، ۱۲، ۱۳ ماہ ذوالحج) اگر روزہ رکھنے سے عاجز ہو تو ساٹھ مساکین کو طعام کھلانے یعنی ہر مسکین کو فطرانہ کے حساب یا اس کی قیمت دینا۔

مسئلہ : انت علیّ کظہر امی ظہار کے سوا کوئی دیگر احتمال ہو ہی نہیں سکتا اس میں نیت ہو یا نہ ہو۔ اس سے نہ طلاق ہوگی نہ ایلاء۔ کیونکہ یہ الفاظ ظہار کے لیے صریح ہیں۔

مسئلہ : اگر کہا انت علی مثل امی (تو میرے لیے میری ماں جیسی ہے) اگر اس سے اس کی عزت و احترام کی ہے مثلاً کہے کہ ان الفاظ سے میرا ارادہ یہ تھا کہ میری عورت میرے لیے ایسے ہی مکرم و محترم ہے جیسے میری ماں۔ ہم اسے اس تاویل میں سچا مان لیں گے اگر اس سے اس کی نیت ظہار کی ہے تو ظہار ہے۔ اگر طلاق کی ہے تو طلاق بائنہ متصور ہوگی اگر کوئی نیت نہیں تو کچھ واقع نہ ہوگا۔

مسئلہ : اگر عورت کو کہا : انت علی حرام کامی (تو میرے لیے ایسے ہے جیسے میری ماں)۔ ظہار کی نیت ہے یا طلاق کی، تو جو نیت کی ہے وہی ہے۔

مسئلہ : اگر کہا کہ انت علی حرام کظہر امی (تو میرے لیے میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے) اس سے طلاق اور ظہار کی نیت ہے تو وہ ظہار ہے لیکن صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک وہی ہے جو اس کی نیت ہے۔

مسئلہ : ظہار صرف اپنی زوجہ میں ہوتا ہے۔

مسئلہ : لونڈی کے ساتھ ظہار نہیں ہوتا کیونکہ ظہار و طلاق سے اس لیے منقول ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

یہ طلاق تھی اور لونڈیوں کی کوئی طلاق نہیں ہوتی۔

مسئلہ: اگر اپنی بہت (چار، تین، دو) عورتوں کو کہا تم مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہو۔ یہ سب سے ظہار ہوگا اور سب کے لیے علیحدہ علیحدہ کفارہ دینا ہوگا جیسے تکرار یمین میں علیحدہ علیحدہ کفارہ ہے۔

مسئلہ: کفارۂ یمین و ظہار ایک دوسرے میں داخل نہیں ہو سکتے بخلاف کفارۂ رمضان و سجدۂ تلاوت کہ ایک ہی میں تلاوت میں سجدۂ تلاوت بار بار پڑھا جائے تو ایک ہی سجدہ کافی ہے۔

وَمَا جَعَلَ اَدْعِیَآءَکُمْ اور نہیں بنایا تمہارے منہ بولے بیٹوں کو۔

حل لغات: ادعیاء دعی (فعیل) بمعنٰی مفعول کی جمع ہے۔ جسے کہا جائے کہ میرے بیٹے ہو اور اسے متبنّٰی (منہ بولا بیٹا) بنایا جائے (متبنّٰی میں تقدیم الباء الموحدۃ علی النون ہے) اس کا قیاس یہ تھا کہ جرحی کی طرح ہوتا اسے دعی پڑھا جاتا لیکن فعیل کی جمع افعلاء کے ساتھ مخصوص ہے اور فعیل بمعنٰی فاعل ہے۔ جیسے تقی کی جمع اتقیاء آتی ہے تو گو اس فعیل کو جو بمعنٰی مفعول آتی ہے اسے فعیل بمعنٰی فاعل سے تشبیہ دے کر اس کی جمع فاعل کی لائی گئی ہے۔

اَبْنَآءَکُمْ تمہارے حقیقی بیٹے کہ میراث و حرمت و نسب حقیقی بیٹوں کی طرح ہوں یعنی ایک ہی مرد میں بنوۃ (بیٹا ہونا) اور دعوۃ (منہ سے بول کر بیٹا بنانا) جمع نہیں ہو سکتے کیونکہ دعوت (منہ سے بیٹا بولنا) عرض ہے اور بنوۃ (حقیقی بیٹا ہونا) نسب میں اصل اور اصل و فرع یکجا جمع نہیں ہو سکتیں۔ یہ ان کا رد ہے جو منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹا سمجھ کر اسے بھی میراث کا حقدار کہتے تھے اور ان کی جورو سے نکاح ایسے حرام سمجھتے تھے جیسے حقیقی بیٹے کی جورو سے کہ اس کے طلاق دینے یا اس کے مر جانے کے بعد اس کی جورو سے نکاح نہیں کرتے تھے۔

نکتہ: دو قلبوں کا ایک جان میں تمہید تھا ان دونوں مسئلوں کے لیے کہ جیسے ایک جسم دو قالب نہیں ہو سکتے ایسے ہی ماں زوجہ نہیں ہو سکتی اور نہ ہی منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا ہو سکتا ہے۔

اب معنٰی یہ ہوا کہ جیسے دو قلب ایک جسم میں ہونا اجتماع المتناقض ہے۔ ایسے ہی زوجہ کا ماں ہونا یا متبنّٰی کا حقیقی بیٹا اجتماع النقیضین ہے۔

مسئلہ: اس میں اشارہ ہے کہ قرابت نسبیہ قرابت سببیہ کی طرح نہیں ہو سکتا اسی لیے ظہار کر کے زوجہ کو ماں کا درجہ دیا جائے یا منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے کا مرتبہ دیا جائے کیونکہ الولد سر ابیہ کا جوہر کسی کی طاقت میں نہیں کہ وہ دوسرے میں بنا سکے۔

ذٰلِکُمْ یہ اشارہ مظاہرہ کو مطلقہ اور متبنّٰی کو بیٹا بنانے کی طرف اشارہ ہے یا صرف پچھلے کی طرف ہے کیونکہ سیاق کلام میں منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹا بنانا ہے قَوْلُکُمْ بِاَفْوَاهِکُمْ تمہارے منہ کی باتیں ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں جیسے مجنونوں کی باتیں ہوں انہیں حرمت کے احکام سے کوئی تعلق نہیں، جیسے

حل لغات: الافواہ، فم کی جمع ہے اور اس کا اصل فوہ (بالفتح) ہے جیسے ثوب کی جمع اثواب ہے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

یہی سیبویہ اور بصریوں کا مذہب ہے۔ اور فوہ (بالضم) سوق کی جمع اسواق کی طرح ہے۔ یہ فراء کا مذہب ہے یا، کو علیٰ خلاف القیاس حذف کیا گیا ہے۔ اس کے بعد واؤ کو بوجہ قاعدہ معلومہ کے پھر واؤ کو میم کے ساتھ ہم جنس ہونے کی وجہ سے تبدیل کیا گیا۔ ہم جنس اس لیے ہیں کہ دونوں حروف شفویہ ہیں۔

ف: امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جہاں بھی اللہ تعالیٰ نے کسی حکم کو فم (منہ) سے متعلق کیا اس میں اس کے جھوٹے عقیدہ کی طرف اشارہ اور تنبیہ ہے کہ یہ جھوٹا عقیدہ ہے جو واقع کے مطابق نہیں۔

وَاللّٰهُ يَقُولُ الْحَقَّ اور اللہ تعالیٰ حق کہتا ہے یعنی واقع کے مطابق فرماتا ہے کیونکہ حق سے ہی صادر ہوتا ہے منہ بولا کبھی ابن حقیقی ابن نہیں ہو سکتا وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ اور وہی راستہ سیدھا دکھاتا ہے نہ اس کا غیر۔ اسی لیے ان باتوں کو چھوڑو اور اسی حق بات کو لو۔

ف: سبیل یعنی وہ راستہ جس پر عادةً چلتے ہیں اور اس پر چلنے میں آسانی ہو۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے واللہ یقول الحق اور حق کہتا ہے جس کا جو نام رکھتا ہے اس کی حقیقت اور معنی بھی وہی ہوتا ہے وھو یہدی السبیل اور وہی سیدھا راستہ دکھاتا ہے ہر اس اسم کی طرف جو اس کے معنی کے مناسب ہے جیسے آدم علیٰ نبینا وعلیہ السلام کو کل اسماء کی تعلیم دی اور انہیں اس علم سے خاص کیا اور مقرب ملائکہ اس علم سے بے خبر تھے۔

ف: جمیع آداب شریعت ہمارے مندرجہ ذیل اصول پر ہیں: بندہ مقرر کردہ حکم سے تجاوز نہ ہو وہ جوہر ہو یا عرض، زمان ہو یا مکان، وضع میں ہو یا اضافت میں یا حال میں مقدار یا عدد میں ہو یا مؤثر میں یا مؤثر فیہ میں۔

مسئلہ: آداب شرع کا اعلیٰ جوہر یہ ہے کہ بندہ حکم شرع کا معلوم کر کے اسے حسن و کمال کے ساتھ ادا کرے اور اعراض وہ احکام جو بندے سے متعلق ہیں مثلاً:

وجوب، حظر، اباحۃ، مکروہ، ندب۔

اور زمان وہ احکام جو اوقات سے متعلق ہیں، ہر حکم کا وقت مقرر ہے۔ بعض وہ ہیں جن کے احکام وسیع ہیں۔ بعض وہ ہیں جو تنگ ہیں، اور مکان احکام جو مکان سے متعلق ہیں جیسے بیوت اللہ یعنی مساجد وغیرہ۔ یعنی جس مکان کو بندے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے مقرر کر کے اس میں اس کا ذکر کریں۔ وضع العبادت یہ ہے کہ کوئی کام بھی ایسا نہیں جس کا نام مقرر نہ ہو جونہی نام بدلے گا حکم شرع میں تغیر آ جائے گی۔

حدیث شریف: جیسے حدیث شریف میں ہے:

سیاتی علی امتی زمان یظھر فیہ اقوام یسمون الخمر بغیر اسمھا۔[1]

---

[1] یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کی واضح دلیل ہے کہ دور حاضرہ میں شراب کے درجنوں نام بدل کر اسے استعمال کیا جا رہا ہے۔ اگر یقین نہ ہو تو نئی روشنی کے مہذب لوگوں سے ان ناموں کے متعلق دریافت کیجئے۔
اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattori

(عنقریب میری اُمّت میں ایسے لوگ آئیں گے جو شراب کے مختلف نام بنائیں گے)

ف: اس طرح اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ اشیاء کو حلال کرنے کا دروازہ کھولنا ہے۔

حکایت حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے اسے خوب سمجھا۔ جب ان سے عرض کی گئی، خنزیر البحر کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟

فرمایا: وہ حرام ہے۔

پھر عرض کی گئی: وہ تو دریائی مچھلی ہے۔

فرمایا: خود ہی اسے خنزیر کہتے ہو (اب اس کے حلال ہونے کی بات کرتے ہو)

دیکھیے اسم کی وجہ سے آپ پر حلت و حرمت کا مسئلہ ملتبس ہو گیا۔ اسی وجہ سے بعض لوگوں نے خمر کا نام نبیذ رکھ لیا یا اسے ابریز کہہ کر حلال جان لیا۔ اور عذر یہ کیا کہ ہمارے بعض لوگوں کے لیے وہ شے حرام ہے جس کا نام خمر ہے۔ اضافت کی مثال حضرت خضر علیٰ نبینا و علیہ السلام کا وہ قول جو آپ نے فرمایا:

فاردت ان اعیبھا۔

(میرا ارادہ ہوا کہ میں اسے عیب دار گردان لوں)

اور فرمایا:

فاردنا ان یبدلھما ربھما۔

(تو تیرے پروردگار نے ان کو بدل دینے کا ارادہ فرمایا)

یہ اس لیے کہ ایسا کلام مدح پر محمول ہو سکتا ہے اور ذم پر بھی۔

اور فرمایا:

فاراد ربک۔

(تیرے رب کا ارادہ ہے)

اس میں انھوں نے اشارہ فرمایا کہ ایک ہی شے مذموم بھی ہو سکتی ہے اور محمود بھی۔ لیکن اضافت سے۔ تو اس میں تغیر بوجہ اضافت کی ہوتی اور احوال کی مثال سفر ہے کہ طاعت و معصیت کے سفر میں احکام میں تغیر آجاتی ہے۔ اور اعداد کی مثال وضو ہے کہ اعضائے وضو میں مقرر کردہ افعال طہارت میں کمی بیشی نہ ہو سکے گی۔ ایسے اعداد الصلوٰۃ والزکوٰۃ کا حال ہے ایسے غسل میں صاع مقرر ہے اور وضو میں ایک مد۔ اور موثر کی مثال قتل ہے کہ اس کی نسبت قاتل کی طرف ہو گی، ایسے ہی غصب کی غاصب کی طرف۔ اسی لیے قاتل و غاصب پر حد قائم ہوتی ہے اور موثر فیہ کی مثال مقتول ہے کہ قصاص کے وقت دیکھی جائے گی کہ اس کا سبب قصاص ہے یا نہیں، اگر ہے تو قصاص ورنہ نہیں۔ ایسے ہی مغصوب کے متعلق دیکھا جائے گا کہ غصب کا غاصب خود ہے تو درست ورنہ کوئی اور طریقہ ہے تو نہیں۔ یہ آداب شریعت کی اقسام ہیں انھیں سمجھ کر یاد کر لو مہتدین الی السبیل

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

الحق سے ہوجاؤ گے اور گمراہی سے مطلقاً بچ جاؤ گے۔

تفسیر عالمانہ

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ (انہیں آبا کی نسبت سے بلاؤ)

حل لغات: اہل عرب کہتے ہیں:

فلان يدعى لفلان۔

(فلاں فلاں سے منسوب ہے)

لآبائهم کی لام استحقاق کی ہے۔

شانِ نزول بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت حضرت زید بن حارثہ بن شراحیل الکلبی (رضی اللہ عنہ) کے حق میں نازل ہوئی چھوٹی عمر میں قیدی ہو گئے تھے۔ دورِ جاہلیت میں اہلِ عرب کی عادت تھی کہ ایک دوسرے کو لوٹ کھسوٹ کر انہیں قیدی بنا لیتے تھے۔ حضرت زید بھی قیدی ہو کر آئے تو انہیں حکیم بن حزام نے اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کے لیے خرید لیا۔ جب بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا تو بی بی نے حضرت زید حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہبہ کر دیا۔ حضرت زید کا باپ اور چچا تلاش کرتے مکہ معظمہ میں پہنچ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حضرت زید کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ آپ نے حضرت زید کو اختیار دیا کہ چاہے اپنے باپ کے پاس چلے جائیں چاہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس رہیں۔ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس رہنے کو پسند کیا۔ آپ نے اسے آزاد کر کے اپنی اولاد کی طرح اپنی تربیت میں لے لیا اور اپنا منہ بولا بیٹا مقرر فرما لیا۔ یہ نزولِ وحی سے پہلے ہوا۔ آپ نے حضرت زید بن حارثہ اور حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہم کے مابین مواخات قائم کر دی۔

ف: مقداد بن عمرو بہرانی کو مقداد بن الاسود اور سالم مولیٰ ابی حذیفہ اور ابن ابی حذیفہ وغیرہم کو غیرِ اب کی طرف منسوب کر کے پکارا جاتا کیونکہ یہ ان کی تربیت میں رہے۔

حدیث شریف بخاری شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ جب تک یہ آیت نازل نہ ہوئی ہم زید کو ابن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ کر بلاتے تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ہم انہیں زید بن حارثہ کے نام سے پکارنے لگے۔

اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ لے پالک بیٹوں کو انہی کے بیٹے کہو جن کی وہ اولاد ہیں۔ مثلاً کہو زید بن حارثہ ایسے ہی دوسروں کو۔

ھُوَ وہی انہیں اپنے باپوں سے منسوب کر کے پکارنا۔ ھُوَ ضمیر کا مرجع اُدْعُوْا کا مصدر ہے۔ جیسے آیت اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ میں (ھُوَ) کا مرجع عدل ہے۔ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی قریب تر ہے۔

حل لغات: القسط (بالکسر) بمعنیٰ العدل۔ و بالفتح وہ جو دوسرے کا حصہ چھین لے، جو

جور

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ناانصافی کہا جاتا ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے :

قسط الرجل بمعنی اس نے ظلم کیا۔ اور اقسط بمعنی انصاف کیا۔

حکایت : کسی عورت نے حجاج سے کہا : انت القاسط (تو ظالم ہے) اس نے اسے کوڑے مارے۔ اس عورت نے کہا، میرا مطلب قاسط از قسط (بالفتح) بمعنی انصاف ہے۔

ف : آیت میں اقسط افعل تفضیل ہے۔ اس سے مطلق زیادتی مراد ہے۔

اب معنی یہ ہوا : زیادہ عدل وصدق یعنی راسترو دادتر۔

کشف الاسرار میں ہے : هو اعدل واصدق من دعائهم اياهم لغير ابائهم (یعنی زیادہ زیادہ انصاف اور زیادہ سچ ہے کہ انہیں غیروں کے بجائے اپنے باپوں کی طرف منسوب کرکے پکارو) فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا پس اگر تم نہیں جانتے اٰبَآءَهُمْ ان کے آباء کو تاکہ تم انہیں ان کی طرف منسوب کرو۔

قاعدہ : جب اِنْ کا معنی اپنے محل میں استعمال نہ ہو سکے تو اسے بمعنی اذا لانا جائز ہے۔ اس وقت اس کا مدخول ماضی کے مفہوم میں ہوگا اسی لیے اب سوال رفع ہوگیا کہ اِن کے داخلہ کے باوجود مستقبل کے بجائے ماضی کا معنی کیوں!

قاضی بیضاوی کی وضاحت

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فان لم تفعلوا الخ کے تحت لکھا کہ یہ عبارت ان تفعلوا اتی پھر لم کی وجہ سے مجزوم کیا گیا اس لیے کہ جب اسے مضارع سے ماضی کے معنی میں استعمال کیا گیا تو وہ لم اس کا جز بن گیا۔ اور حرف شرط اس کے مجموع پر داخل ہے نہ کہ بحیثیت لم تفعلوا فعل مجدد کے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

فان ترکتم الفعل ولذلک ساغ اجتماعهما ای حرف الشرط ولم۔

(اگر تم نے فعل ترک کیا۔ اسی لیے لَم اور اِنْ کا اجتماع جائز ہے)

اسی لیے نحو میں اِنْ اور لم کا یکجا ہونا جائز ہے۔ فَاِخْوَانُكُمْ تو وہ تمہارے بھائی ہیں فِی الدِّیْنِ دین میں۔ یعنی جو اسلام قبول کرے وہ تمہارا بھائی اور تمہاری جنس کا ہے وَمَوَالِیْكُمْ اور تمہارے موالی یعنی تمہارے اولیاء ہیں لہٰذا انہیں تم اخوت وغیرہ اور موالی والی صفت سے پکارو یعنی کہو یا اخی یا مولائی۔ یعنی ان کی دینی اخوت وولایت کی وجہ سے موالاۃ ومحبت کا یہی تقاضا ہے۔ بعض مفسرین نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ تم انہیں برادر کہہ کر پکارو اگر وہ تمہارے آزاد شدہ ہیں کہ انہیں مولائی کا خطاب کرو۔ ان کے اس ترجمہ پر حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ دلالت کرتا ہے کہ پہلے حضرت سالم کو سالم ابن ابی حذیفہ سے پکارتے تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو پھر انہیں سالم مولیٰ ابی حذیفہ (رضی اللہ عنہما) سے پکارا جاتا جیسا کہ ہم نے شان نزول میں بیان کیا ہے وَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اور تم پر کوئی گناہ نہیں۔ جناح بمعنی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattori

اثم یعنی گناہ۔ اہل عرب کہتے ہیں:

جنحت السفینۃ۔ (کشتی ایک طرف جھکی)

اور اثم اس گناہ کو کہا جاتا ہے جس سے انسان کا حق سے دوسری طرف میلان محسوس ہو۔ لیکن بعد میں ہر گناہ کو جناح کہا جانے لگا۔ اور بعض نے کہا کہ یہ گناہ کا معرب ہے جیسے عرب کی عادت ہے کہ اس قسم کے الفاظ اپنے استعمال میں لاتے ہیں جیسے گوہر سے جوہر وغیرہ۔

فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ اس کا ہمزہ قطعی ہے کیونکہ افعال کا ہمزہ قطعی ہوتا ہے یعنی جو کام تم نے نہی کے ورود کے باوجود کیا (غلط کیا)۔ الخطاء یعنی کسی جہت سے ہٹ جانا۔ خاطی و مخطی میں یہ فرق ہے کہ جو خطا کو خطا سمجھ کر عمل کرے وہ خاطی ہے اور جو لاعلمی میں کرے وہ مخطی ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

اخطاء الرجل فی کلامہ و امرہ۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی ڈگمگا سکے۔

اور کہتے ہیں:

خطاء الرجل۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی دین میں اور اس کے کسی فعل میں غلطی ہو جائے۔ اسی سے ہے:

لا یاکلہ الا الخاطئون۔ (اسے نہیں کھاتے مگر خطاکار)

وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ لیکن وہ جو تمہارے دلوں نے عمداً کیے۔ یعنی وہ گناہ ہے جو نہی کی ورود کے باوجود تمہارے دلوں نے عمداً برائی کی لفظ ما فی کا مجرور (محلاً) ہے اس لیے کہ اس کا ما اخطاتم پر عطف ہے یا ما تعمدت قلوبکم فیہ الجناح مرفوع علی الابتدا اور اس کی خبر محذوف ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

من دعی الی غیر ابیہ وھو یعلم انہ غیر ابیہ فالجنۃ علیہ حرام۔

(جس نے خود کو غیر اب کی طرف منسوب کیا حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ غلط ہے تو اس پر جنت حرام ہے)

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۝ اور اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔ یعنی بہت بڑی مغفرت والا ہے۔ وہ خطائیں معاف کرکے رحم فرماتا ہے۔

حکایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسی سے سنا وہ دعا میں کہہ رہا تھا:

اللھم اغفر خطایای۔

(اے اللہ! میری خطائیں معاف فرما)

آپ نے اسے فرمایا:

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

یا ابن آدم استغفر العمد واما الخطاء فقد تجاوزلک عنہ۔

(اے ابن آدم! ان گناہوں کی معافی مانگ جو تجھ سے عمداً ہوئے خطائیں تو معاف ہو چکیں)

ف: فقیر (علامہ اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ آیت و حدیث میں تناقض نہیں کیونکہ خطا کار سے مراد وہ ہے جو گناہوں کا ارادہ تو نہیں لیکن مقصود ہو گیا یا ایسے اسباب سامنے آ گئے جو اس سے بلا قصد علی الاثم گناہ ہو گیا۔ ایسے خطاء کی معافی کی امید ہو سکتی ہے۔

مسئلہ: متبنیٰ یعنی کوئی کسی کے لیے کہے یہ میرا بیٹا ہے جب وہ مجہول النسب ہو اور جس نے اسے بیٹا بنایا۔ سن میں یہ اس سے چھوٹا ہے تو اس کا نسب مدعی کے لیے ثابت ہو جائے گا۔

مسئلہ: کسی کا غلام اس سے آزاد ہوا اور اسے کہتا ہے یہ میرا بیٹا ہے تو فوراً آزاد ہو جائے گا، اگر وہ معلوم النسب ہے اگر مجہول النسب غلام ایسا ہے کہ اس جیسے سے ایسے سن والے بیٹے نہیں ہو سکتے تو نسب تو ثابت نہ ہو گا لیکن امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک غلام بہرحال آزاد ہو جائے گا۔ اور صاحبین رحمہا اللہ نے فرمایا، اس صورت میں غلام آزاد نہ ہو گا۔

مسئلہ: جس نے کسی کو حقیقی بیٹا کر اس سے اپنے نسب کا انکار کیا تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک کوئی گناہ نہیں کیونکہ وہ اس کا حقیقی بیٹا تو نہیں کہ اس پر گناہ لازم آئے۔

مسئلہ: حقیقی بیٹے کے نسب کا انکار کرتا ہے تو اس پر لعان ہے کہ وہ اپنی منکوحہ پر زنا کی تہمت لگا رہا ہے اگر خود کو جھٹلائے تو اس پر حد (قذف) ہے۔ (لعان فقہ کا ایک مستقل باب ہے۔ فقہ کی کتابوں میں اس کی تفصیل دیکھیے۔ اویسی غفرلہٗ)

شانِ نبوت حقیقی نسب وہ ہے جو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے متصل ہے کیونکہ آپ کا نسب تاقیامت غیر منقطع ہے۔ کیونکہ خود حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کل حسب ونسب ینقطع الا حسبی ونسبی۔

(ہر حسب و نسب ختم ہو جائے گا سوائے میرے حسب و نسب کے)۔

ف: حسب سے فقر اور فقر سے نبوت مراد ہے۔

سبق: ترکِ سنت کر کے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے قطع رحم (تعلق) نہ کیا جائے نہ آپ کی سنت و سیرت پر زندگی بسر کرنی چاہیے۔ مجازی قطع رحمی سے حقیقی قطع رحمی کا بہت زیادہ گناہ ہے۔

انتباہ بسا اوقات کفر و معصیت قطع رحمی کا سبب بنتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وان جاھدٰک علی ان تشرک بی الخ

اگرچہ تیرے ماں باپ تجھے شرک کرانے کی جدوجہد کریں یہ

چوں نبود خویش را دیانت و تقویٰ
قطع رحم بہتر از مودت قربیٰ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ترجمہ: جب قریبی رشتہ دار میں تقویٰ و دینداری نہ ہو تو اس سے قطع رحمی بہتر ہے مگر اس سے قربت کی وجہ سے محبت کی جائے۔

لیکن رحم حقیقی کا انقطاع تو ممکن ہی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ اب حقیقی وہ ہے جو رحم قلب سے نشاۃ ثانیہ یعنی عالمِ ملکوت میں تولید پر قادر ہوں اور وہ ہیں انبیاء اور ان کے وارثین کاملین اولیاء۔ اسے اچھی طرح سمجھ لے اور اپنی ایسی نسبت قائم فرما جو دنیا و آخرت میں کبھی منقطع نہ ہو۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کل تقی ونقی ولی۔

(ہر تقی نقی میری اولاد ہے)

(اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسی آل سے بنائے۔ آمین)

تفسیر عالمانہ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ نبی علیہ السلام زیادہ لائق ہیں اہل ایمان کو ان کی جانوں سے۔

حل لغات: اہل عرب کہتے ہیں فلان اولی بکذا بمعنی احری و الیق یعنی لائق تر۔

شان نزول مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ تبوک کا ارادہ فرما کر لوگوں کو اس کے لئے اعلان فرمایا تو انہوں نے کہا: ہم اپنے والدین سے مشورہ کر لیں۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اب معنی یہ ہوا کہ نبی علیہ السلام زیادہ لائق ہیں مومنوں کے لیے جملہ امورِ دین و دنیا میں ان کے نفسوں سے جیسا کہ النفس کا اطلاق بتاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ کسی کام کے لیے بلائیں اور ان کے نفوس اس کے خلاف چاہیں تو نبی علیہ السلام زیادہ لائق ہیں اس امر کی اجابت کے جو ان کے نفوس چاہتے ہیں کیونکہ نبی علیہ السلام انہیں اس طرف بلائیں جس میں ان کی نجات اور کامیابی ہے بخلاف ان کے نفوس کے کہ ان کا بلانا کبھی خسارہ و ہلاکت کا موجب ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کا قول حکایۃً بیان فرمایا:

ان النفس لامارۃ بالسوء۔ بے شک نفس برائی کا بہت بڑا حکم دینے والا ہے

اسی لیے نبی علیہ السلام انہیں ان کے نفوس سے زیادہ محبوب ہونے چاہئیں اور ان کا حکم ان میں زیادہ موثر ہو بلکہ اپنے جملہ حقوق میں ان کے حکم کو زیادہ ترجیح دیں کیونکہ ان کی شفقت ان کے لیے اپنے نفوس کے بہ نسبت زیادہ ہے اسی لیے اپنے نفوس کو ان پر قربان کر دیں اور جملہ حروب و مصائب میں خود کو ان پر فدا کر دیں۔ ان کی دعوت پر لبیک پکاریں یعنی ان کے ہر فرمان کو اپنے لیے ضروری اور فرض سمجھیں۔

حدیث شریف مع شرح حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اور تمہاری مثال اس شخص کی سی ہے جو آگ جلائے تو اس کے اردگرد پروانے اور کیڑے جمع ہو جاتیں۔ الجنادب جندب کی جمع ہے۔ جندب بضم الجیم و فتح الدال

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وضحا سے مراد ٹڈی کی ایک قسم ہے۔ الفراش فراشۃ کی جمع ہے۔ الفراشۃ بفتح الفاء ایک چھوٹا سا پرندہ ہے جو اڑ کر آگ میں گرتا ہے (جسے پروانہ کہا جاتا ہے) اور وہ اس میں واقع ہوتے ہیں اور وہ انہیں آگ سے ہٹاتا ہے اور میں تمہیں کمر سے پکڑ کر آگ سے ہٹاتا ہوں۔ الحجز (بضم الحاء وفتح الجیم) حجزۃ کی جمع ہے جیسے معقد الازار۔ حجزۃ السراویل یعنی النکر کی جگہ۔ اور تم مجھ سے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتے ہو تاکہ میرے حکم کی خلاف ورزی کر کے جہنم میں داخل ہو جاؤ۔

حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف ۲ ہر مومن کا دنیا و آخرت میں میں شفیق تر ہوں ان کے نفسوں سے اور ان کے آباء سے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف ۳ تم میں سے کوئی بھی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے اس کے نفس اور اس کی اولاد اور اس کے مال اور تمام لوگوں سے محبوب تر نہ ہو جاؤں۔

حضرت سہل تستری رحمہ اللہ نے فرمایا:

حضرت سہل تستری رحمہ اللہ کا ارشاد

من لم یر نفسه فی ملك الرسول ولم یر ولایته علیه فی جمیع احواله لم یذق حلاوة سنته بحال۔ (جس نے خود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت نہ دیکھا (کیونکہ آپ کی ہر وقت ہر امتی جمیع احوال میں ملکیت حاصل ہے)، تو اس نے سنت کی چاشنی نہ چکھی۔ (روح البیان ج ۷ ص ۱۳۹) ـ

۱ در دو عالم غیب و ظاہر اوست دوست
دوستیٔ دیگران بر بوے اوست

۲ دوستیٔ اصل باید کرد و بس
فرع را ہر چہ دارد دوست کس

۳ اصل داری فرع گو ہرگز مباش
تن بجان و جان بگیر اے خواجہ تاش

ترجمہ (۱) دونوں جہانوں میں یعنی غیب و شہادت میں دوست ہی دوست ہے دوسروں کی دوستی اسی کی خوشبو سے ہے۔

(۲) دوستی اصل سے کرنی چاہیے اور بس، فرع سے محبت اور دوستی کا کیا فائدہ!

(۳) جب تیرے پاس اصل ہے تو فرع کو خیرباد کہہ دے۔ اصل کو جان و دل سے حاصل کر اے بندۂ خدا!

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

استدلال المقرر میں ہے کہ آیت میں اس پر رد ہے کہ قیاسات و آراء سے کتاب و **مذہب اہل سنت** سنت کی اتباع مقدم ہے جیسا کہ اہل السنۃ والجماعت کا مذہب ہے۔

وَاَزْوَاجُہٗٓ اُمَّھٰتُھُمْ اور آپ کی ازواجِ مطہرات ان کی مائیں ہیں ان کی تعظیم و تکریم اور تحریم نکاح میں بمنزلہ ماؤں کے ہیں جیسا کہ باری تعالیٰ نے فرمایا:

ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہٖ ابدا۔

(اور ان کے وصال کے بعد ہمیشہ تک ان کے ساتھ نکاح نہ کرو)

مسئلہ: اس کے سوا باقی مسائل ہیں۔ مثلاً ان سے خلوت (تنہائی میں بیٹھنا) اور ان کے ساتھ سفر کرنا اور ان کی میراث اجنبیہ کی طرح ہیں اسی لیے بلا پردہ انھیں نہیں دیکھنا چاہیے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

واذا سألتموھن متاعا فاسئلوھن من وراء الحجاب۔

(اور جب تم ان سے کسی شے کا سوال کرو تو پردے کی اوٹ میں سوال کرو)

مسئلہ: ان سے خلوت اور سفر کرنا حرام ہے۔

مسئلہ: وہ اہلِ ایمان کی وارث نہیں ہو سکتیں اور نہ وہ ان کے وارث ہو سکتے ہیں۔

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا عجیب موقف حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہلِ ایمان صرف بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے محرم سفر ہیں نہ کہ دیگر ازواجِ مطہرات کے۔ اس کی وجہ ہم نے سورۂ نور قصۂ افک میں تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے۔

مسئلہ: اس سے ظاہر ہوا کہ یہ تحریم صرف نکاح تک محدود ہے اسی لیے بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: ہم مردوں کی مائیں ہیں نہ کہ عورتوں کی۔

مفسرین کی غلطی کا ازالہ اس سے بعض مفسرین کی غلط فہمی کا ازالہ ہو گیا۔ وہ کہتے ہیں کہ مرد اور عورتوں سب کی مائیں ہیں۔

مسئلہ: جب ثابت ہوا کہ یہ امر مخصوص ہے تو اس اعتبار سے ان کا قبیلہ بھی محرم نہیں مثلاً ان کی بنات کو اخوات المؤمنین نہ کہا جائے گا اور نہ ہی ان کی بہنوں کو خالات المؤمنین اور ان کے بھائیوں کو اخوال المؤمنین[1] کہا جا سکتا ہے۔ اسی لیے امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا نکاح بی بی اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ہوا۔ اگر یہ اصطلاح صحیح ہوتی تو ان کا بی بی اسماء کے ساتھ نکاح ناجائز ہوتا کیونکہ حضرت زبیر کی بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی ماں ہیں تو بی بی اسماء حضرت زبیر رضی اللہ عنہ

---

[1] اس معنی پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خال المؤمنین کہنا صحیح نہ ہوا جیسا کہ دیوبندیوں نے خود ساختہ اصطلاح گھڑ رکھی ہے۔ اور یہ بدعت بھی ہے کہ پہلے کسی نے ایسا نہیں کیا۔ اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

عنہا کی خالہ ہوتیں اور خالہ سے نکاح حرام ہے۔ نہ ہی انہیں کسی نے خالۃ المومنین کہا۔ (اسی سے خال المومنین کی اصطلاح بھی غلط ٹھہری)

مسئلہ: یہ حرمت نکاح بھی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے احترام کے پیشِ نظر ہے کیونکہ آپ کا احترام (ہر حالت میں) واجب ہے۔

مسئلہ: (ایسے ہی آپ کے کاملین ورثہ (اولیائے کرام) کا احترام بھی واجب ہے) اسی لیے بعض کامل اولیائے کرام نے فرمایا کہ مرید کو چاہیے کہ وہ مرشد کی زوجہ سے (ان کے وصال کے بعد یا ان کے طلاق دینے کے بعد) نکاح نہ کرے۔ ایسے ہی ہر شاگرد کا اپنے استاد کے احترام کا مسئلہ ہے۔ کیونکہ ایسے نکاح میں دنیا و آخرت میں کوئی بھلائی نہیں۔ اگرچہ فتویٰ سے ایسا نکاح جائز ہے لیکن تقویٰ کے خلاف ہے۔

اور قاعدہ ہے:

التقویٰ فوق الفتویٰ۔ (تقویٰ فتویٰ پر فوقیت رکھتا ہے)

مومنین کے روحانی باپ

حضرت ابی کے مصحف اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی قرأت میں ہے:

حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم

وھو اب لھم وازواجہ امھاتھم۔

(اور وہ (حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم) اہلِ ایمان کے باپ اور آپ کی ازواجِ مطہرات ان کی مائیں ہیں)

اس میں آپ کی شفقتِ تمام اور رحمتِ عام کی طرف اشارہ ہے۔

ف: بعض نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم دین کے لحاظ سے اہلِ ایمان کے باپ ہیں اس لیے کہ ہر نبی اپنی امت کا باپ ہوتا ہے کیونکہ وہی ان کے اصل اور ان کی حیاتِ ابدیہ کے سبب ہوتے ہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے: مومن بھائی بھائی ہیں۔

اَبْ کے معانی

امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اَبْ باپ کو کہا جاتا ہے۔ اسی لیے ایجاد الشیٔ اور اس کی اصلاح وظہور کے سبب کو بھی اَبْ کہتے ہیں۔ اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اہلِ ایمان کا اَبْ (باپ) کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم وازواجہ امھاتھم۔

اور بعض قراءتوں میں وھو اب لھم ہے۔

حدیث شریف

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو فرمایا:

انا وانت ابو ھذہ الامۃ۔

(میں اور تم اس امت کے باپ ہیں)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اسی طرف دوسری حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا:

حدیث شریف کل سبب ونسب منقطع یوم القیامۃ الا سببی ونسبی۔
(ہر سبب ونسب قیامت میں منقطع ہو جائے گا سوائے میرے سبب ونسب کے)

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ اور رشتہ دار (قرابت والے) بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ وراثت میں ایک دوسرے کے زیادہ قریب ہیں۔

ناسخ ومنسوخ ابتدائے اسلام میں مسلمان ایک دوسرے کی وراثت موالات فی الدین اور مواخات (بھائی چارہ) اور ہجرت کی وجہ سے حقدار بنتے تھے۔ وراثت قرابت داروں کو نہیں ملتی تھی جیسے صدقات تالیف قلوب کے طور پر تقسیم ہوتے تھے۔ ایسے ہی تقسیم وراثت کا مسئلہ تھا۔ جب اسلام کو تقویت ملی اور اہل اسلام کو غلبہ ملا تو ترکہ کی تقسیم قرابت پر ہونے لگی۔

فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں۔ اس سے لوح محفوظ یا قرآن مجید مراد ہے۔

ف: یہ آیت آیۃ المواریث یا فیما فرض اللہ کی طرح ہے کقولہ کتاب اللہ علیکم اور یہ جار ومجرور اولیٰ کے متعلق ہے اور افعل التفضیل بھی جار مجرور میں عمل کرتا ہے (یعنی اس کا متعلق ہوسکتا ہے)

مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُهٰجِرِیْنَ اہل ایمان یعنی انصار سے اور مہاجرین سے۔ یعنی وہ انصار ومہاجرین جن کے درمیان حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھائی چارہ قائم فرمایا تھا۔ مِن بیانیہ ہے یہ اولی الارحام کا بیان ہے یعنی اقرباء ان میں سے ہیں کہ ان کے بعض دوسرے بعض کے وارث ہیں اور بہ نسبت غیروں کے یہی زیادہ حقدار ہیں۔ یا مِن صلہ کا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ اہل ایمان کی وراثت میں قرابت والے قرابت کے لحاظ سے زیادہ حقدار ہیں نہ کہ بہ لحاظ دین اور ہجرت کے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ النبی اولیٰ الخ ان کی توجیہ میں نبی علیہ السلام زیادہ حقدار ہیں وازواجہ امہاتہم اور ان کی ازواج اہل ایمان کی مائیں ہیں اور امہات سے قلوب مراد ہیں یعنی نبی علیہ السلام ان کے قلوب پر تصرف کا ایسے حق رکھتے ہیں جیسے ازواج اپنی زوجات پر تصرفات کا ایسے حق رکھتے ہیں جیسے ازواج اپنی زوجات پر تصرفات کے مالک ہوتے ہیں بشرط تسلیم کے تاکہ صلب نبوت سے ارحام القلوب میں نطفہ ولایت کا حاصل کریں جب وہ نطفہ ولایت کے حامل ہوں تو پھر وہ جملہ آفات سے ان کی حفاظت کریں تاکہ حب دنیا وشہوات کی تھوڑی سی بدبو سے وہ نطفہ ولایت گر نہ جائے کیونکہ جب جنین (کچا بچہ) نطفہ ولایت سے پیدا شدہ آثار گر جائیں گے تو وہ پھر اپنی پچھلی حالت کی طرف عود کر آئیں گے گویا اس سے قبل وہ ایمان لائے ہی نہیں تھے۔ اس کے بعد فرمایا: واولوا الارحام بعضہم اولیٰ ببعض یعنی نبی علیہ السلام کی اولویت کے بعد تعلیم وتربیت میں ان کے لیے وہ زیادہ لائق ہیں جو مومنین کے اکابرین کاملین ہیں جو اصاغر طالبین کی تربیت واصلاح کریں،

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

فِیْ کِتٰبِ اللّٰہِ اللہ کی کتاب میں یعنی سنت الٰہی اور اس کی تقدیر کے مطابق جو اس نے نشاۃ ثانیہ میں تولید کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مقرر فرمائی ہے مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ مومنین میں سے نشاۃ ثانیہ میں وَالْمُهٰجِرِیْنَ وہ جو ماسوی اللہ کو چھوڑنے والے ہیں۔

تفسیر عالمانہ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا مگر یہ کہ تم اپنے رشتہ داروں سے کوئی احسان مروت کرو۔ یہ اولیٰ میں جس قدر منافع ہے اس سے اعم الاستثناء ہے۔ جیسے تم کہتے ہو القریب اولیٰ من الاجنبی الا فی الوصیۃ۔ اس سے تمہاری مراد یہ ہوتی ہے قریبی رشتہ دار میراث و ہبہ و ہدیہ و صدقہ وغیرہ کے منافع کا زیادہ حقدار ہے سوائے وصیت کے۔ اولیاء سے اس جگہ موالات و مواخات کے تعلق دار مراد ہیں اور معروف سے تہائی حصہ تک وصیت مراد ہے یا اس سے کم جتنا چاہے تہائی سے زاید وصیت جائز نہیں۔ یعنی قریبی رشتہ دار ہر نفع کے حقدار ہیں سوائے وصیت کے کیونکہ وارث کے لیے وصیت کا اجراء نہیں ہوتا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ استثناء منقطع ہو۔ اب معنی یہ ہوگا کہ میراث کے حق دار قریبی رشتہ دار ہیں ذکر بعیدی۔ لیکن وصیت اجانب (غیروں) کے لیے ہے ذکر رشتہ داروں کے لیے، کیونکہ وارثوں کا وصیت سے کوئی حق نہیں کَانَ ذٰلِكَ وہ جو مذکورہ دونوں آیتوں میں ذکر کیا گیا ہے،

(۱) اولویت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

(۲) توارث اولوا الارحام (رشتہ داروں کا وارث ہونا)

فِی الْكِتٰبِ کتاب میں۔ یہ مَسْطُوْرًا ۝ کے متعلق ہے، لکھا ہوا۔

حل لغات: کہا جاتا ہے: سطر فلان کذا (فلاں نے ایسے ایسے لکھا) یہ کتابت کی ایک وصف کا نام ہے یعنی وہ لوح محفوظ میں مثبت و محفوظ ہے یا قرآن میں لکھا ہے۔

مسئلہ: مسلم و کافر ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔ لیکن مال مسلم سے ذمی کافر کے لیے وصیت ہو سکتی ہے کیونکہ معاملات میں وہ بھی مسلم کی طرح ہے ایسے ہی بالعکس یعنی مسلمان کے لیے ذمی کافر کے مال سے وصیت کا اجراء ہو سکتا ہے۔ اسی لیے بعض کہتے ہیں کہ اولیاء سے مراد وہ رشتہ دار مراد ہیں جو غیر مسلم ہیں وہ معنی یہ کرتے ہیں کہ مگر وصیت کا اجراء کرو رشتہ داروں کے لیے اگرچہ غیر مسلم ہوں اس لیے کہ غیر مسلم رشتہ دار اجنبی کی طرح ہے اسی لیے اس جیسے کے لیے وصیت جائز ہے۔

مسئلہ: جمہور کے نزدیک وصیت امورِ خیر میں ہونی چاہیے تاکہ زندگی کی کوتاہیوں کا ازالہ ہو سکے۔

مسئلہ: وصیت کی قسم ہے:

۱۔ وصیتِ مباح، جیسے غیر رشتہ دار اغنیاء کے لیے وصیت مباح ہے۔

۲۔ وصیتِ مکروہ، جیسے اہل معصیت کے لیے۔

۳۔ وصیتِ مستحبہ، جیسے ادائیگی کفارات و فدیہ صیامات و صلوٰۃ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zobaibhasanattori

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جب نفس اخلاقِ مذمومہ سے پاک و صاف ہو کر اخلاقِ محمودہ اختیار کر لیتا ہے تو اس کی عداوت محبت سے بدل جاتی ہے اور اب وہ اعداء کی صف سے نکل کر اولیاء میں شامل ہو جاتا ہے پھر اولیاء کے موافق ہو کر نیک کام کرتا ہے اور انہی کے عادات و خصائل میں داخل ہو جاتا ہے اور نفس کے بارے میں یہ نیکی ام الکتاب میں لکھی ہوئی تھی مگر تزکیہ سے پہلے اس میں یہ بات نہ تھی اور وہ اس سے دوری کا مستحق تھا کیونکہ اس وقت نفس عداوتِ الٰہی میں تھا، اور اللہ تعالیٰ کے دشمن کے ساتھ سختی کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس سے پیار کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اسی لیے حربی کے لیے وصیت ناجائز ہے کیونکہ وہ اس کے اہل نہیں کہ اس کے ساتھ احسان کیا جائے یہ سانپ کو گھر میں پالنے کے مترادف ہے تاکہ وہ ڈسے۔ حضرت مولانا رومی قدس سرہٗ مثنوی میں لکھتے ہیں، ؎

دستِ ظالم را ببر چہ جائے آن
کہ بدست او نہی حکم و عنان

ترجمہ: نفسِ ظلم کا ہاتھ کاٹ دے۔ اس کے ہاتھ حکم اور باگ پکڑا دینے کا کیا فائدہ!

؎ تو بدان بزناسے اے مجہول داد
کہ نژاد گرگ او شیر داد
نفس بے عہد ست کان رو کشتنیست
او دنی و قبلہ گاہ او دنیست

ترجمہ: اے مجہول اس سے انصاف کیا پائے گا یہ تو گرگ زادے کو دودھ پلانے والا معاملہ ہے۔ نفس بے وفا اسے ذبح کرنا چاہیے وہ خود بھی کمینہ ہے اور اس کا قبلہ گاہ بھی کمینہ۔

حکایت مجیرِ اُمِّ عامر[1] کا قصہ اس جیسوں (دشمنوں مثلاً نفس) کے لیے مشہور ہے۔ مجملاً یوں کہ بعض لوگ گرمی میں شکار کے لیے نکلے انہیں راستہ میں ام عامر الضبع ملی اس کے پیچھے دوڑے یہاں تک کہ وہ ایک اعرابی (بدو) کے گھر میں گھس گئی۔ اعرابی باہر آیا، شکاریوں سے پوچھا کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے کہا، ہمارا شکار تیرے گھر میں گھس گیا ہے ہم اسے پکڑنا چاہتے ہیں۔ اعرابی نے کہا، خبردار! تم اسے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اور تلوار لے کر مقابلہ کے لیے تیار ہو گیا۔ شکاریوں نے اسے اس کے حال پر چھوڑا اور چل دیے۔ اعرابی اٹھا، اونٹنی کو دوہا، دودھ اور پانی اس کے آگے رکھ دیا۔ اس نے سیر ہو کر دودھ اور پانی پیا۔ اعرابی ایسے ہی دودھ اور پانی سے اس کی تواضع کرتا رہا۔ ایک دن اعرابی اپنے گھر میں لیٹا تھا کہ ضبع (بجو)[2] نے اس پر حملہ کر کے اس کا پیٹ چیر دیا اور اس کے خون سے خوب مزے لوٹے۔ پھر اسے مردہ چھوڑ کر بھاگ نکلی۔ اس کا چچا زاد آیا تو دیکھا کہ اس کا برا حال ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ

---

[1] پناہ دینے والا

[2] بجو

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

یہ ساری کارروائی کفتار کی ہے اتفاقاً وہ اس کے تعاقب میں چل نکلا یہاں تک کہ اسے پا لیا اور اسے قتل کر ڈالا اور یہ اشعار پڑھے ؎

۱ ومن یصنع المعروف مع غیر اهله
یلاق کما لاقی مجیر ام عامر

۲ ادام لها حین استجارت بقربه
قراها بالبان اللقاح الغزائر

۳ فقل لذوی المعروف هذا جزاء من
غدا یصنع المعروف مع غیر شاکر

ترجمہ (۱) جو غیر اہل سے احسان کرتا ہے اسے وہی ملے گا جو ام عامر کو پناہ دینے والے کو ملا۔

(۲) وہ اس کے ساتھ رہا اور ام عامر کو اس نے پناہ دی اور بہترین بکریوں کا اسے دودھ پلایا۔

(۳) احسان کرنے والوں کو کہہ دو کہ یہ اس کی جزا (سزا) ہے جو نااہل پر احسان کرتا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے عنایت و توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ اور یاد کیجئے اے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی قوم کو یا چاہیے کہ یہ ذکر تمہارے سامنے ہو اور نہ بھولے اس وقت کو جبکہ ہم نے رسالت عطا کرنے کے وقت جملہ انبیاء علیہم السلام سے لیا مِیْثَاقَهُمْ ان سے وعدہ۔ المیثاق وہ پختہ عقد ہوتا ہے جس میں قسم بھی ہو یعنی یہ وعدہ لیا کہ وہ تبلیغ الرسالۃ اور دین حق کی دعوت دیں گے وَمِنْكَ اور اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ سے بھی وعدہ لیا تھا۔

نکتہ: دوسرے انبیاء علیہم السلام سے پہلے آپ کا ذکر مبنی بر تعظیم ہے اور متنبہ کرتا ہے کہ آپ جملہ انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں بلکہ جملہ مخلوق میں سب سے پہلے آپ ہیں۔ اگرچہ بعثت میں آپ انبیاء علیہم السلام سے بعد۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
انا سید ولد آدم ولا فخر
(میں جملہ اولاد آدم (اور آدم کا بھی) سردار ہوں اور یہ
تکلف پر کہہ رہا ہوں)

وَمِنْ نُّوْحٍ اور نوح علیہ السلام

لہ جلوۃ الجلاوی ۱

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

پہلے رسول آپ ہیں وَاِبْرٰھِیْمَ اور ابراہیم علیہ السلام سے۔ آپ خلیل اللہ ہیں (علیہ السلام) وَمُوْسٰی اور موسیٰ علیہ السلام سے، اور آپ کلیم اللہ ہیں (علیہ السلام) وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ اور عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) اور آپ روح اللہ ہیں (علیہ السلام) ان جملہ حضرات کا دوبارہ ذکر اس لئے ہوا کہ یہ سب مِنَ النَّبِیّٖنَ میں داخل تھے صرف اظہار مزید فضیلت کے لیے اور ارباب شرائع (انبیاء) میں ان کی شہرت کی وجہ اور اولوا العزم رسل کرام علیہم السلام بلند پایہ ہونے کے اعتبار سے، وَاَخَذْنَا مِنْھُمْ اور ہم نے ان سے لیا مِیْثَاقًا غَلِیْظًا ۝ ایفائے عہد کے لیے وعدہ پختہ اور مضبوط کردہ تبلیغ پیغامات اور ادائے امانات میں التزام کریں گے یہ عہد وہی ہے جس کا ذکر آیت کے اوّل میں ہے تکرار صرف میثاقا غلیظا کی وجہ سے ہے لِیَسْـَٔلَ الصّٰدِقِیْنَ عَنْ صِدْقِھِمْ یہ مضمر سے متعلق ہے اسی بیان کے لیے لایا گیا ہے کہ اخذ المیثاق کا اصل مقصد کیا ہے اور اس کی غرض وغایت کیا اخذنا کے متعلق نہیں اس لیے تذکیر میثاق کے بعد اصل غرض اور مقصد کا اظہار ہے جیسا کہ لطیر اسلوب بتاتا ہے کہ پہلے اسے جمع متکلم کے صیغہ سے پھر صیغۂ غیب سے بیان فرمایا اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات سے یہ وعدہ اس لیے لیا تاکہ ہم قیامت میں ان انبیاء علیہم السلام کے متعلق سوال کریں کہ اپنی قوم تک پیغامات پہنچانے میں سچے ہیں یا نہیں یعنی جو کچھ قوم نے کہا وہ صحیح ہے یا نہیں۔

قلم سے سوال مروی ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ قلم سے سوال کرے گا کہ تُو نے میری امانت سے کیا کیا؟ قلم عرض کرے گا، اے اللہ! وہ امانت میں نے لوح کے سپرد کر دی تھی۔ پھر قلم کانپ رہا ہوگا کہ کہیں لوح اس کی تکذیب نہ کر دے۔ اللہ تعالیٰ لوح سے سوال کرے گا: کیا قلم درست کہہ رہا ہے؟ لوح عرض کرے گی، قلم نے درست کہا اس نے امانت میرے سپرد کی اور میں نے وہ اسرافیل علیہ السلام کو دے دی تھی۔ اللہ تعالیٰ اسرافیل سے پوچھے گا کہ تُو نے میری امانت سے کیا کیا؟ عرض کرے گا، میں نے وہ امانت جبریل علیہ السلام کو دے دی تھی اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھے گا تو وہ عرض کرے گا: میں نے انبیاء علیہم السلام کو دے دی تھی۔ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام سے سوال کرے گا: میری امانت کہاں گئی! عرض کریں گے: ہم نے تیری مخلوق تک پہنچا دی۔ لیسئل الصادقین عن صدقہم کا یہی مطلب ہے۔

سبق: جب انبیاء علیہم السلام سے سوال ہوگا تو پھر ہم تم کون لگتے ہیں کہ اس کے سوال سے بچ جائیں گے

دراں روز کز فعل پرسند و قول
اولوا العزم را تن بلرزد ز ہول

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۲ بجائے کہ دہشت خوردہ انبیا
تو عذر گنہ را چہ داری بیا

ترجمہ: (۱) اس دن جو قول و قول کا سوال ہوگا اس وقت اولوا العزم (پیغمبروں) کے جسم لرزاں ہوں گے۔

(۲) جہاں انبیاء علیہم السلام دہشت زدہ ہوں اس دن تو کیا عذر رکھتا ہے اگر کچھ ہے تو لا شئے۔

نکتہ: انبیاء علیہم السلام سے سوال کہ وہ سچے ہیں کہ نہیں، واللہ اعلم۔ اس کی مراد کیا ہے لیکن ہماری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ اس سے کافروں پر اتمام حجت اور ان کو ڈرانا دھمکانا مطلوب ہوگا۔ یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کرنے والوں کے متعلق سوال ہوگا کہ انھوں نے انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کی یا نہیں، اس لیے کہ صادق کا مصدق بھی صادق ہوتا ہے۔

سوال: الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ صدق سے سوال کا کیا معنی؟ وہاں تو اس کے صدق پر ثواب ملنا چاہیے نہ کہ الٹا اس پر سوال ہو۔

جواب: صدق سے یہاں کلمۂ شہادت کی تصدیق مراد ہے کہ ایسے ہی جو کلمات شہادت بولے گئے اور ان کے شعائر ثابت ہوئے یعنی اس سے یہ سوال ہوگا کہ کیا تو نے ان کے احکام کو حق کیا اور ان پر اخلاص سے عمل کیا اور سچا اور صحیح اعتقاد رکھا یا نہ۔ جیسا کہ امام راغب نے بھی یہی معنی کیا ہے کہ اس سے سوال ہوگا کہ زبان سے اقرار کے ساتھ اس کی تصدیق بھی کی تھی یا نہ۔ اس میں اشارہ ہے کہ حکم کا صرف اعتراف کافی نہیں جب تک کہ اسے عملی جامہ پہنانے کی کوشش نہ کی جائے ؎

از عشق دم مزن چو نگشتی شہید عشق
دعویٰ ایں مقام درست از شہادت است

ترجمہ: عشق کا دم نہ مار جب تو شہید عشق نہیں۔ اس مقام کا دعویٰ صرف شہادت کے لائق ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

وقت ذکر غزو شمشیرش دراز
وقت کر و فر تیغش چوں پیاز

ترجمہ: جنگ کی باتوں کے وقت تو تلوار دراز ہوتی ہے لیکن میدان میں اس کی تلوار پیاز سے بھی کمتر۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ملفوظ جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ صادقین سے ان کے اس صدق کا سوال کرے گا جو اس کے ہاں صدق ہے نہ کہ بزعم خویش خود کو سچا کہتا پھرے۔

واہ واہ جنید رضی اللہ عنہ یہ تفسیر جو حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے نہایت ہی لطیف تفسیر ہے کیونکہ خلق کے نزدیک صدق و اسلام کا مطلب تو آسان ہے لیکن حق تعالیٰ کے نزدیک بھی صدق و اسلام کا حق ہونا مشکل ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں حقیقی صدق و اسلام عطا فرمائے۔ آمین!

وَاَعَدَّ لِلْکٰفِرِیْنَ اور اللہ تعالیٰ نے کافروں یعنی رسل کرام علیہم السلام کی تکذیب کرنے والوں کیلیے تیار کیا ہے عَذَابًا اَلِیْمًا ○ دردناک و دردنما عذاب۔ اس کا عطف اس فعل پر ہے جو مضمر ہے اور وہ جس پر لیسئل الخ دلالت کرتا ہے۔ گویا فرمایا:

فاثاب المؤمنین واعد للکفرین عذابا الیما۔

یعنی اہل ایمان کے لیے ثواب تیار فرمایا اور کافروں کے لیے عذاب دردناک۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ واذ اخذنا من النبیّن میثاقھم اور ہم نے انبیاء علیہم السلام سے ازل میں اس وقت وعدہ لیا تھا جب وہ کتم عدم میں مخفی تھے ومنک اور اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ سے حبیبیت کا ومن نوح اور نوح علیہ السلام سے دوست کا وابرٰھیم اور ابراہیم علیہ السلام سے خلت کا وموسٰی اور موسیٰ علیہ السلام سے مکالمہ کا وعیسی ابن مریم اور عیسیٰ علیہ السلام سے عبدیت کا وعدہ لیا واخذنا منھم میثاقا غلیظا اور ان سے ایفائے عہد کا سخت وعدہ لیا۔ لفظ غلیظا میں اشارہ ہے کہ ہم نے تائید و توفیق للوفاء سے ان سے پختہ وعدہ لیا لیسئل الصادقین تاکہ ہم ان سے جو عہد وفا میں سچے ہیں سوال کریں عن صدقھم ان کے صدق سے جو انہوں نے سچ کہا تاکہ ان کے صدق کا اظہار ہو جائے۔ اسی لیے ان کی تعریف فرمائی:

من المؤمنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ۔

(اہل ایمان میں سے بعض ایسے ہیں جو معاہدہ کے سچے ہیں)

گویا یہ سوال تشریف (اظہار شرافت) کا ہے نہ کہ تعنیف (جھڑکنا) کا۔ یہ سوال ایجابی ہوگا نہ کہ عتابی۔ صدق یہ ہے کہ کسی حال میں غیریت کی ملاوٹ نہ ہو اور نہ کسی عمل میں عیب و نقص ہو اور نہ ہی اعتقاد میں شک کی کوئی گنجائش ہو۔ معاملات میں صدق کی علامت یہ ہے کہ بلا لحاظ خلق کے خلوص ہو اور احوال میں اتنی صفائی ہو کہ اس میں اعجاب کو دخل نہ ہو اور قول میں تعریض کا شائبہ تک نہ ہو اور اخلاق میں کسی قسم کی تلبیس و تدلیس (ہیرا پھیری) نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے درمیان میں حول و قوت سے دائمی خارج ہو جانا بلکہ وجود مجازی سے بھی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اس شوق سے وجود حقیقی نصیب ہو اور کافرین یعنی ان منکرین کے لیے جو ان مقامات سے روگردانی کرنے والوں اور ان کرامات سے محروم ہونے والوں کے لیے عذاب دردناک تیار کیا کہ انھیں ہمیشہ حسرتیں اور دل پر چوٹیں لگتی رہیں گی۔

ف : امام بقلی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس سوال سے اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ وہ اپنی مخلوق کو صادقین کے منازل سے روشناس کرائے کیونکہ بہت سے قلوب حسرت سے پگھل جاتے ہیں کہ ہائے ہم نے انھیں اور ان کی قدر و منزلت کو کیوں نہ پہچانا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ۔

(وہ حسرت کا دن ہے)

اور ان کے صدق سے مراد ان کے مقام محبت و اخلاص میں حق تعالیٰ کے ساتھ اسرار پر استقامت کرنا۔

ف : حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے فرمایا : قیامت میں اللہ تعالیٰ ان سے سوال کرے گا کہ تم نے کس کے لئے اور کیوں عمل صالح کیے ؟ عرض کریں گے تیرے لیے اور صرف تیری رضا کے لیے۔ فرمائے گا سچ کہہ رہے ہو۔ حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ، خدا تعالیٰ کی عزت کی قسم کہ جب اللہ تعالیٰ مشاہدہ میں فرمائے گا کہ تم نے سچ کہا ، انھیں جنّت کی تمام لذتوں سے بڑھ کر لذیذ تر محسوس ہوگا ؎

لذّت شیرینیٔ گفتار جانان لذتیست
کز دماغ جان کے بیرون شود پر حالتست

ترجمہ : محبوبوں کی شیرینیٔ گفتار لذیذ ہے وہ دماغ سے باہر کیسے ہو کیونکہ اس سے صرف دماغ ہی پر رہتا ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ سب سے بڑا درجہ کون سا ہوگا ؟ فرمایا کہ گفتار سچی اور کردار سچی۔

ف : مشائخ کہتے ہیں کہ صدق کے دو درجے ہیں :

(۱) ظاہر
(۲) باطن

پھر ظاہر میں تین چیزیں ضروری ہیں :

(۱) دین میں تصلب
(۲) خدمت سنّت
(۳) معاملات میں خشیت

اور باطن میں تین چیزیں ضروری ہیں : (بقیہ صــ ۳۱۳)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ

اے ایمان والو اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب تم پر کچھ لشکر آئے تو ہم نے ان پر آندھی اور وہ لشکر

رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ⑨ اِذْ جَآءُوْكُمْ

بھیجے جو تمہیں نظر نہ آئے اور اللہ تمہارے کام دیکھتا ہے جب کافر تم پر آئے تمہارے

مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ

اوپر سے اور تمہارے نیچے سے اور جب کہ ٹھٹھک کر رہ گئیں نگاہیں اور دل گلوں کے پاس آگئے

الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ⑩ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا

اور تم اللہ پر طرح طرح کے گمان کرنے لگے (امید و یاس کے) وہ جگہ تھی کہ مسلمانوں کی جانچ ہوئی اور خوب سختی سے

شَدِيْدًا ⑪ وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا

جھنجھوڑے گئے اور جب کہنے لگے منافق اور جن کے دلوں میں روگ تھا ہمیں اللہ و

اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ⑫ وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰۤاَهْلَ يَثْرِبَ لَا

رسول نے وعدہ نہ دیا تھا مگر فریب کا اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا اے مدینہ والو یہاں تمہارے

مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا

ٹھہرنے کی جگہ نہیں تم گھروں کو واپس چلو اور ان میں سے ایک گروہ نبی سے اذن مانگتا تھا یہ کہہ کر کہ ہمارے

عَوْرَةٌ ۛؕ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚۛ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ⑬ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ

گھر بے حفاظت ہیں اور وہ بے حفاظت نہ تھے وہ تو نہ چاہتے تھے مگر بھاگنا اور اگر ان پر فوجیں مدینہ کے اطراف سے

اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَاۤ اِلَّا يَسِيْرًا ⑭ وَلَقَدْ

آتیں پھر ان سے کفر چاہتیں تو ضرور ان کا مانگا دے بیٹھتے اور اس میں دیر نہ کرتے مگر تھوڑی اور بیشک

كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ؕ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْـُٔوْلًا ⑮

اس سے پہلے وہ اللہ سے عہد کر چکے تھے کہ پیٹھ نہ پھیریں گے اور اللہ کا عہد پوچھا جائے گا

قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا

تم فرماؤ ہرگز تمہیں بھاگنا نفع نہ دے گا اگر موت یا قتل سے بھاگو اور جب بھی دنیا نہ برتنے دیئے

قَلِيْلًا ⑯ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً

جاؤ گے مگر تھوڑی تم فرماؤ وہ کون ہے جو اللہ کا حکم تم پر سے ٹال دے اگر وہ تمہارا برا چاہے یا تم پر مہر فرمانا چاہے اور وہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿١٧﴾ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ
اللہ کے سوا کوئی حامی نہ پائیں گے اور نہ مددگار بے شک اللہ جانتا ہے تمہارے ان کو جو
مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٨﴾ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ
اوروں کو جہاد سے روکتے ہیں اور اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں ہماری طرف چلے آؤ اور لڑائی میں نہیں آتے مگر تھوڑے تمہاری مدد
فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ
میں کمی کرتے ہیں پھر جب ڈر کا وقت آئے تم انہیں دیکھو گے تمہاری طرف یوں نظر کرتے ہیں کہ ان کی آنکھیں گھوم رہی ہیں جیسے کسی پر
الْمَوْتِ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ اُولٰٓئِكَ
موت چھائی ہو پھر جب ڈر کا وقت نکل جائے تمہیں طعنے دینے لگیں تیز زبانوں سے مال غنیمت کے لالچ میں یہ لوگ ایمان
لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿١٩﴾ يَحْسَبُوْنَ
لائے ہی نہیں تو اللہ نے ان کے عمل اکارت کر دیئے اور یہ اللہ کو آسان ہے۔ وہ سمجھ رہے ہیں کہ
الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ
کافروں کے لشکر ابھی نہ گئے اور اگر لشکر دوبارہ آئیں تو ان کی خواہش ہوگی کہ کسی طرح گاؤں میں نکل کر تمہاری
يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٢٠﴾
خبریں پوچھتے اور اگر وہ تم میں رہتے جب بھی نہ لڑتے مگر تھوڑے

تفسیر عالمانہ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اے ایمان والو!

شانِ نزول: مروی ہے کہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ و بنو نضیر کے ساتھ صلح فرمائی اور ان سے عہد لیا کہ وہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہرگز مخالفت نہیں کریں گے بلکہ آپ کا ساتھ دیں گے۔ لیکن بنو نضیر نے معاہدہ توڑ دیا اور بنو نضیر یہود خیبر کا ایک قبیلہ تھا اور قریہ زہرہ میں سکونت رکھتے تھے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ہاں کسی کام کے لیے تشریف لے گئے آپ کے ساتھ خلفاء بھی تھے آپ ان کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ یہودیوں کی نیت بدلی آپ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ ان کا ایک آدمی مکان کی چھت پر چڑھ گیا اور ایک بہت بڑا پتھر اٹھا کر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر گرانے کا منصوبہ بنایا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے اس غلط منصوبے کی اطلاع کر دی تو آپ جلدی سے اٹھ کر مدینہ طیبہ کو چل دیئے۔ آپ نے مدینہ طیبہ پہنچتے ہی اپنے قاصد حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بھیج کر فرمایا کہ اے یہودیو! میرے شہر مدینہ سے نکل جاؤ کیونکہ زہرہ بستی (جہاں یہودی رہتے تھے) مدینہ طیبہ کے حدود میں تھی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

یہودیوں نے وہاں سے نکلنے سے انکار کر دیا کیونکہ انھیں ان کے سردار حیی بن اخطب نے روکا تھا اور حیی بن اخطب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دشمنی میں ایسے تھا جیسے کہ مکہ معظمہ میں ابوجہل۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو ساتھ لے کر ان کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے تشریف لائے اور چھ دن رات ان کا محاصرہ فرمایا۔ اس سے ان یہودیوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رعب چھا گیا تو مجبوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جلا وطنی کی درخواست کی اور سوال کیا کہ ہمیں امان دی جائے۔ آپ نے انھیں نکلنے کی اجازت عام فرمائی۔ ان میں سے بعض تو بلادِ شام میں سے اذرعات کو نکل کھڑے ہوئے۔ لیکن ان کا سردار حیی سیدھا مکہ معظمہ پہنچ کر مکہ معظمہ کے لیڈروں سے مل کر کہا کہ تم نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرو ہم تمام (یہود) تمہارے ساتھ ہیں۔ دیکھ لینا ہمارے تمہارے اتحاد سے ان کی کیسی بیخ کنی ہوتی ہے (معاذ اللہ) مکہ معظمہ کے لیڈر خوش ہوئے۔ وہ تو پہلے ہی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں جل بھن رہے تھے پھر وہ غطفان (محرکہ، قیس کا قبیلہ) کی طرف آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنے پر انھیں ابھارا اور خبر دی کہ اس معاملہ میں قریش مکہ بھی ہمارے ساتھ ہیں بلکہ ان کے اور مختلف قبیلے اس کام میں ان کے حامی ہیں۔ یہ کہہ کر دارالندوہ میں جھنڈا لہرایا۔ احزاب میں کفار (قریش مکہ، غطفان، بنی مرہ، بنی اشجع، بنی سلیم، بنی اسد، یہود قریظہ و نضیر) کی مجموعی فوج بارہ ہزار افراد پر مشتمل ہو گئی۔ ان سب کا قائد ابوسفیان تھا قریش مکہ و دیگر کفار تیار ہو کر چلے تو خزاعہ کے سوار نے چار راتوں میں سفر کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی۔ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ جنگ مدینہ کے باہر ہو یا شہر میں۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جب ہم فارس میں جنگ کا خطرہ محسوس کرتے تو شہر کے ارد گرد خندق کھودتے تھے (اور یہ خندق فارسیوں کے کارناموں سے ہے) سب سے پہلے یہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تیار کی۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند فرمایا آپ گھوڑے پر سوار ہوئے اور آپ کے ساتھ تین ہزار انصار و مہاجر تیار ہوئے۔ آپ نے

صفحہ ۴۰۹ سے آگے

---

(۱) جو کچھ زبان سے کہو اس پر عمل کرو۔

(۲) وہ وہ کھاؤ جو قسم میں ہو۔

(۳) جو کچھ ہے وہ راہِ خدا میں لٹاؤ۔

ارشادِ شیخ اکبر قدس سرہٗ

حضرت ابن العربی شیخ اکبر قدس سرہ نے فرمایا کہ اس کا حق تعالیٰ سے منہ سیاہ کیا جاتا ہے جو غیبت، چغلخوری، افشائے راز کا ارتکاب کرتا ہے۔ قیامت میں اللہ تعالیٰ ایسے سچوں سے پوچھے گا کہ میں نے کب کہا تھا کہ ایسے امور عمل میں لاؤ۔ اگرچہ بظاہر یہ باتیں سچی ہیں لیکن انھیں منہ پر نہیں لانا چاہیے تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر صدق حق نہیں ہوتا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حکم فرمایا کہ عورتوں اور بچوں کو محفوظ قلعوں میں بھیج دیا جائے۔ اور شہر کو ہر طرف سے خندق کے ذریعہ محفوظ فرمایا۔ وہیں ایک محفوظ قلعہ کی طرح ہو گیا اور اپنے لشکر کے ٹھہرنے کی جگہیں متعین فرمائی کہ سلع پہاڑ لشکر کی پشت پر ہو اور خندق دشمن اور لشکر کے درمیان ہو۔ لشکر کو خندق کھودنے کا حکم فرمایا۔ اور فرمایا خندق کا طول چالیس ہاتھ اور عرض دس ہاتھ ہو۔ اور ساتھ ہی صحابہ کرام کو نصرت الٰہی کی نوید سنا دی اور ساتھ ہی صبر کی تلقین فرمائی اور خندق کھودنے میں خود بنفس نفیس بھی کام کرتے تھے۔ یہاں تک کہ کھودی ہوئی مٹی اپنی پیٹھ مبارک پر رکھ کر باہر پھینکتے۔ یہ صحابہ کرام کی تسلی اور جہاد کی ترغیب کے طور پر تھا اور اسلام کے لیے یہ دور تنگی اور بھوک کا تھا۔ اور ہجرت کے پانچویں سال ماہ شوال میں یہ واقعہ پیش آیا۔ آپ نے جب صحابہ کرام میں تھکان محسوس کی تو یہ شعر پڑھا ؎

اللھم لا عیش الا عیش الآخرہ
فارحم الانصار والمہاجرہ

ترجمہ: اے اللہ! سوائے آخرت کے اور کوئی عیش نہیں۔ انصار و مہاجرین پر رحم فرما۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مہاجر و انصار خود ہی تیر تیار کرتے اور خود ہی کام میں مصروف رہتے کیونکہ اس وقت ان کے پاس نہ کوئی نوکر تھا نہ مزدور، کیونکہ تنگی کا دور تھا اور موسم سخت سرد تھا لیکن خندق کا کام نہایت خوشی اور فرحت سے سرانجام دے رہے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا حال دیکھ کر یہ شعر پڑھا: ؎

لاھم ان العیش عیش الآخرہ
فاکرم الانصار والمہاجرہ

ترجمہ: ہمارا کوئی مقصد نہیں سوائے آخرت کے عیش کے، اے اللہ! مہاجرین و انصار کا اکرام فرما۔

صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کے جواب میں عرض کرتے: ؎

نحن الذین بایعوا محمدا
علی الجہاد ما بقینا ابدا

ترجمہ: ہم ہیں جنہوں نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی ہے جب تک جان میں جان ہے ہم خدا کی راہ میں لڑتے رہیں گے۔

جب صحابہ کرام خندق کی کھدائی سے تھک گئے تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں تھکان کا اظہار کیا تو آپ نے بنفس نفیس کدال لے کر خندق کھودنی شروع کر دی۔ ایک ہی ضرب سے خندق کا وہ حصہ پاش پاش ہو کر ریت کی طرح ہو گیا۔ حضرت سلمان فارسی نے فرمایا کہ میں نے اپنی کدال لے کر ایک حصہ پر ماری وہ حصہ مجھ پر گراں ہو گیا (یعنی کھودا نہ جا سکا)۔ حالانکہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ طاقت ور مرد تھے دس

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

آدمی آپ کا مقابلہ نہ کر سکتے۔ اسی لیے مہاجرین نے فخریہ کہا، سلمان ہمارا جوان ہے۔ انصار نے کہا، نہیں سلمان ہمارا ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہِ کرم فرمایا:

سلمان منا اھل۔ (سلمان ہمارا ہے)

اسی لیے ایک شاعر نے کیا خوب کہا: ؎

لقد رقی سلمان بعد رقه
منزلة شامخة البنیان
وکیف لا والمصطفیٰ قد عدہ
من اھل بیتہ العظیم الشان

ترجمہ: سلمان کے مرتبہ کو کیسی عظمت نصیب ہوئی باوجودیکہ وہ غلام تھے۔ شان بلند کیوں نہ ہو جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنے اہلبیت میں شمار فرمایا۔

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے کدال لے کر فرمایا: بسم اللہ۔ اور کدال سخت جگہ پر مارا تو وہ پتھر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور اس سے یمن کی جانب سے ایسی روشنی نمودار ہوئی جیسے اندھیری رات میں چراغ روشن کیا گیا ہو۔ آپ نے نعرۂ تکبیر بلند کر کے فرمایا:

اعطیت مفاتیح الیمن واللہ انی لابصر ابواب صنعاء من مکانی الساعة کانھا انیاب الکلاب۔

(میں یمن کے خزانوں سے نوازا گیا ہوں بخدا ابھی اسی جگہ پر میں صنعاء کے دروازے دیکھ رہا ہوں گویا وہ کتوں کی داڑھ کی طرح ہیں)

پھر دوسری بار کدال مارا تو پہلے کی طرح شام کی طرف سے روشنی نمودار ہوئی تو آپ نے نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے فرمایا:

اعطیت مفاتیح الشام واللہ لابصر قصورھا۔

(میں شام کے خزانے دیا گیا ہوں بخدا میں اس کے محلات دیکھ رہا ہوں)

پھر آپ نے تیسری بار کدال مارا تو پتھر کا بقایا حصہ بھی ٹوٹ گیا، اس سے بھی فارس کی طرف سے نور نمودار ہوا تو آپ نے نعرۂ تکبیر بلند کر کے فرمایا:

اعطیت مفاتیح فارس واللہ لابصر قصور الحیرة ومدائن کسریٰ کانھا انیاب الکلاب۔

(میں فارس کے خزانے دیا گیا ہوں بخدا میں حیرہ کے محلات اور کسریٰ کے شہر دیکھ رہا ہوں، گویا وہ کتوں کی داڑھ کی طرح ہیں)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

پھر آپ سلمان فارسی کے سامنے فارس کے مکانات کے نشانات بتانے لگے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ عرض کرتے:

صدقت یا رسول اللہ ھذہ صفتھا۔

(یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے سچ فرمایا، واقعی یہی ان کے صفات ہیں)

اس کے بعد آپ نے فرمایا:

ھذہ فتوح یفتحھا اللہ بعدی یا سلمان۔

(سلمان! یہ وہی فتوحات ہیں جو میرے بعد اللہ تعالیٰ فتح کر کے (میری امت کو عطا فرمائے گا)

یہ سن کر منافقین کی ایک ٹولی "جن میں معتب بن قشیر بھی تھا" نے کہا:

الا تعجبون من محمد یمنیکم ویعدکم الباطل ویخبرکم انہ یبصر من یثرب قصور الحیرۃ ومدائن کسریٰ وانھا تفتح لکم وانتم تحفرون الخندق من الفرق لا تستطیعون ان تبرزوا ای تجاوزوا الرحل وتخرجوا الی الصحرا وتذھبوا الی البراری ما ھذا الا وعد غرور ولما فرغ رسول اللہ من حفر الخندق علی المدینۃ۔

(محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عجیب باتیں تو دیکھو کہ وہ تمہیں وعدے دے کر خیالی باتوں کا وعدہ دے رہا ہے اور ساتھ ہی کہتا ہے کہ وہ مدینہ سے حیرۃ کے محلات اور کسریٰ کے شہر دیکھ رہا ہے اور کہتا ہے کہ یہ تمہارے لیے ہیں اور اپنا حال یہ ہے کہ لوگوں سے خندق کھدوا رہا ہے اور تمہاری حالت یہ ہے کہ تم اس خندق سے ڈر کے مارے ایک گز بھی باہر نہیں جا سکتے اور نہ ہی جنگلوں کی طرف بھاگ سکتے ہو۔ یہ صرف دھوکے اور ڈھکوسلے ہیں اور بس!)

(حضور نے سنی ان سنی کر دی) کاشفی نے کہا:

چھ روز کے بعد یہ خندق مکمل ہوئی۔ جب قریش مکہ یہاں پہنچے خندق کو دیکھ کر کہا کہ یہ عرب کا کام نہیں۔ بہر حال کفار مکہ مجمع الاسیال میں آ کر ٹھہرے۔ ادھر بنی قریظہ نے حیی بن اخطب کے کہنے پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ معاہدہ توڑ دیا اور چاہا کہ وہ شہر مدینہ شریف پر حملہ کر دیں اور ان کے اس ارادۂ بد کو پورا کرنے کے لیے قریش مکہ کا ایک گروہ بھی ساتھ تھا۔ جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود کے نقض عہد کی خبر پہنچی تو صحابہ کے لیے پریشانی اور بڑھ گئی مدینہ طیبہ میں ٹھہرے ہوئے بچوں اور عورتوں کی فکر لاحق ہوئی ان کی حفاظت کے لیے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین سو بہادر بھیجے تاکہ دشمنوں سے دفاع کر سکیں۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم خندق میں ایک ماہ ٹھہرے رہے۔ یہی قول سب سے قوی ہے۔ اس جنگ میں تیر برسائے جاتے یا پتھر پھینکے جاتے۔ اس کے سوا اور کسی دوسرے طریقے سے جنگ نہیں ہو سکتی تھی۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

دشمنوں کی شکست کے قصے

نوفل بن عبد اللہ نے جوش میں آکر گھوڑے کو خندق سے عبور کرنے کے لیے چابک مارا تو گھوڑے سمیت خندق میں گر پڑا۔ سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے خندق میں اتر کر تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر دیے۔ ایسے بڑے بڑے بہادروں نے زور آزمائی کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ اپنے گھوڑوں کو زبردستی خندق عبور کرانے کی کوشش کرتے لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔

عمرو بن ود اور علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا مقابلہ

عمرو بن ود بڑا بہادر تھا۔ نوّے سال اس کی عمر تھی۔ خندق کے باہر سے اعلان کیا کہ میرا بالمقابل کون ہے؟ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر جواب میں فرمایا: میں حاضر ہوں۔ عمرو بن ود نے کہا: بھائی! میں آپ کو قتل کرنا نہیں چاہتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، لیکن میں تجھے فی النار و السقر کرنا چاہتا ہوں۔ یہ سُن کر عمرو بن ود کو جوش آگیا۔ بڑا غیور اور بہادر شخص مشہور تھا۔ گھوڑے سے اُتر کر تلوار نیام سے نکالی اور تلوار سورج کی طرح چمکتی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر حملہ کر دیا آپ نے اسے اپنے سپر سے روکا لیکن اس نے تلوار اتنے زور سے ماری کہ حضرت علی کے خود کو چیر کر آپ کے سر مبارک تک پہنچ گئی۔ حضرت علی نے تلوار اس کی گردن کی جگہ پر ایسے زور سے ماری کہ عمرو بن ود کا سر پھٹ گیا۔ وہ گرا تو مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے محسوس فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمرو بن ود لعین کو قتل کر دیا اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے۔ اس پر آپ نے فرمایا:

لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذو الفقار۔

(نہ کوئی جوان بہادر سوائے علی کے اور نہ کوئی زبردست تلوار سوائے ذو الفقار کے)

جب عمرو بن ود مارا گیا تو کفار شکست کھا کر بھاگ گئے۔

کتنے کافر مارے گئے

کشف الاسرار میں ہے کہ احزاب میں تین کافر مارے گئے اور مسلمانوں میں کوئی بھی شہید نہ ہوا۔ حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے اس وقت اعلان کیا کہ کوئی میرے مقابلے کے لیے آئے، سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اس کے مقابلے کے لیے تیار ہو کر میدان میں آ گئے۔ جب عبد الرحمٰن نے باپ کا چہرہ دیکھا تو پیچھے ہٹ گیا۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ اگر تمہارا بیٹا واقعی جنگ کے لیے سامنے آجاتا تو؟ تو آپ نے فرمایا: اس مالک کی قسم جو یگانہ و یکتا ہے میں ضرور مقابلہ کرتا، میں اسے قتل کر دیتا یا وہ مجھے۔

عصر کی قضا کا بیان

اسی خندق میں حضور نبی پاک اور صحابہ کرام کی ایک دن نماز عصر رہ گئی تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

شغلونا عن الصلاۃ الوسطی صلاۃ العصر ملاء اللہ قبورھم وبیوتھم نارا۔

(کافروں نے ہمیں نمازِ عصر سے باز رکھا اللہ تعالیٰ ان کی قبریں اور ان کے گھر آگ سے بھر دے)

اس کے بعد آپ نے ان کے لیے دارین کی بربادی کی دُعا کی، دنیا میں یُوں کہ ان کے گھر برباد ہوں یعنی فتنوں میں مبتلا ہوں، اسے نار سے استعارہ کیا اور مرنے کے بعد ان کی قبور آگ سے پُر ہوں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وعظ اور دعا برائے صحابہ

اس کے بعد حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر صحابہ کرام کو فرمایا کہ دشمن کے ساتھ مقابلہ کرنے کی دعا نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگو۔ اگر دشمن کا مقابلہ ہو تو صبر کرنا۔ یقین کرو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔ یعنی تلوار کی ضرب بہشت کے داخلے کا سبب ہے۔

اس کے بعد آپ نے احزاب والوں کے لیے دعا کی:

اللھم منزل الکتب سریع الحساب اھزم الاحزاب اللھم اھزمھم وانصرنا علیھم وزلزلھم۔

(اے کتاب نازل کرنے والے اور جلد حساب لینے والے! احزاب کو شکست دے۔ اے اللہ! انھیں شکست دے اور ان پر ہماری مدد فرما اور ان کو زلزلہ میں مبتلا فرما)

دیگر دعا

ایک اور دعا فرمائی:

اللھم یا صریخ المکروبین یا مجیب المضطرین اکشف ھمی وغمی وکربی فانک تری ما نزل بی وباصحابی۔

(اے دکھ والوں کے فریادرس اور پریشانوں کی پریشانی دور کرنے والے! میرا غم و ہم اور دکھ دُور کرنا، تُو دیکھ رہا ہے کہ مجھ پر اور میرے یاروں پر کیا مشکل پڑی ہے)

صحابہ کا وظیفہ

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اس وقت ہم کیا پڑھیں جب کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہماری جان لبوں پر ہے۔

آپ نے فرمایا: ہاں، تم یہ دُعا پڑھو:

اللھم استر عوراتنا وآمن روعاتنا۔

(اے اللہ! ہماری پردہ پوشی فرما اور ہمیں خوف و خطر سے امن دے۔)

دعا مستجاب

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا مستجاب فرمائی۔ چنانچہ بدھ کے دن ظہر و عصر کے درمیان حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشخبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ کافروں پر آندھی اور ایسے لشکر بھیجے گا جنہیں وہ دیکھ نہ سکیں گے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یاروں کو نوید سنائی تو وہ خوش ہو گئے۔ آپ اپنا دستِ مبارک آسمان کی طرف اشارہ فرماتے تھے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

شکراً شکراً۔ (شکریہ، شکریہ!)

چنانچہ اگلے مضمون میں اللہ تعالیٰ نے تفصیل مذکور بیان فرمائی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ

ل بعض باتیں تفسیر میں مذکور نہیں۔ فقیر اویسی غفرلہ عرض کرتا ہے: جس دن سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عمرو بن ود قریشی کافر کو مارا۔ وہ دن بہت سخت حملے کا تھا۔ دشمن ہر طرف سے پتھر برسا رہے تھے اور مسلمان ڈٹ کر خندق کے اندر سے مقابلہ کر رہے تھے۔

تمام مسلمان خواتین کو ایک بڑی حویلی میں جمع کر دیا گیا تھا۔ یہ مکان یہودی قبیلہ بنی قریظہ کے محلہ کے قریب تھا۔ بنی قریظہ نے یہ دیکھ کر کہ مسلمان تو اس طرف پھنسے ہوئے ہیں اس پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا۔ ایک یہودی حالات معلوم کرنے کے لیے قلعہ کے دروازے پر پہنچا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی یعنی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے یہودی کو دروازے کے قریب دیکھا تو معاملہ کو بھانپ گئیں۔ انھوں نے لکڑی کا ایک بھاری لٹھ اٹھایا اور اس کے سر پر ایسا مارا کہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ پھر اس کا سر کاٹ کر دروازے کے سامنے پھینک دیا۔ یہ دیکھ کر بنی قریظہ سمجھے کہ یہاں بھی کچھ فوج ہے۔ اس لیے ادھر رُخ کرنے کی ہمت نہ کی۔

یہودیوں کا محاصرہ کافی طول پکڑ گیا تو دشمن کے قبیلوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ انھی دنوں میں ایک رات ایسی آندھی چلی کہ دشمنوں کے خیموں کی رسیاں اکھڑ گئیں۔ کھانے کی ہانڈیاں چولھوں پر اُلٹ گئیں۔ ان واقعات سے دشمن سخت بددل ہو گئے اور ایک ایک کر کے واپس جانے لگے۔

یہ دیکھ کر قریش نے بھی محاصرہ چھوڑ دیا اور اس طرح بیس بائیس دن کے بعد مدینہ کی سرزمین دشمنوں کے وجود سے پاک ہو گئی۔ خیبر کے یہود اور مکہ کے قریش کی ناکامی کا اثر ملک پر بہت گہرا پڑا۔ مسلمانوں کی جنگی قابلیت کا سکہ عربوں کے دلوں پر بیٹھ گیا۔

اس لڑائی کو غزوۂ خندق اور غزوۂ احزاب کہتے ہیں۔ خندق اس لیے کہ مدینہ کی حفاظت کے لیے خندق کھودی گئی تھی۔ اور احزاب اس لیے کہ بہت سی فوجیں متحد ہو کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوئی تھیں۔

غزوۂ خندق کے موقع پر یہودیوں کے آخری قبیلہ نے بھی غداری کی، مکہ کے کافروں کا باقاعدہ ساتھ دیا اور پھر عورتوں کے قلعہ پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔ دونوں جرم ناقابل معافی تھے۔ کفار کی طرف سے فارغ ہو کر مسلمانوں نے بنی قریظہ کو گھیر لیا۔ یہودی قلعہ بند ہو گئے۔ ایک ماہ تک محاصرہ جاری رہا۔ آخر ان کے سرداروں نے ہتھیار ڈال دیے۔

اب سوال یہ تھا کہ یہودیوں کے اس آخری قبیلہ سے کیا سلوک کیا جائے۔ انھوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ہمارا فیصلہ سعد بن معاذ سے کرایا جائے۔ فیصلہ کی تفصیل آگے آئے گی ان شاء اللہ۔

(اویسی غفرلہ)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

عَلَیْکُمْ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو جو تم پر ہیں۔ نعمتوں کو یاد کرنے سے اس کا شکر مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے انعام کو یاد کرو اس نے تمہیں فتح و نصرت بخشی۔ اِذْ ظرف ہے نعمۃ کے لیے۔ جبکہ جَآءَتْکُمْ تمہارے پاس آئے جُنُوْدٌ کافروں کے لشکر آ گئے۔ اس سے وہ قریش و غطفان وغیرہ کے احزاب مراد ہیں۔ عسکر (لشکر) کو جُند کہا جاتا ہے اس کے غلیظ ہونے کی وجہ سے دراصل جند وہ ارض غلیظ جس میں پتھر ہوں۔ استعارۃً ہر مجمع کو جند کہا جانے لگا۔

کہا جاتا ہے:

الارواح جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَۃ۔ (ارواح ایک مجتمع لشکر تھا)

فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ تو ہم نے ان پر تمہاری جانب سے رات کے وقت بھیجی۔ اس کا عطف جاءتکم پر ہے۔ رِیْحًا بادِ صبا۔ یہ ہوا مشرق سے اور دبور مغرب سے چلتی ہے۔

بے ادبی کی سزا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بادِ صبا نے دبور سے کہا چلے مل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کی مدد کریں۔ جواب دیا کہ آزاد ہوائیں رات کو نہیں چلتیں۔ (گویا اس سے اس نے اپنی بڑائی دکھائی جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی کا شائبہ ہوا) اللہ تعالیٰ دبور پر ناراض ہو گیا کہ اسے تادمِ زیست عقیم (فائدہ سے محروم) بنا دیا۔

اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف نُصِرْتُ بالصبا و اهلکت عاد بالدبور۔ (میں صبا سے مدد دیا گیا اور عاد کی قوم دبور سے تباہ و برباد ہوئی)

وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا اور ایسا لشکر جسے تم نے نہ دیکھا۔ اس سے فرشتے مراد ہیں جن کی تعداد ایک ہزار تھی۔

غزوہ خندق میں مشرکین کی تباہی و بربادی مروی ہے کہ رات کو سخت سرد ہوا چلی جو صرف مشرکین کے لشکر تک محدود رہی، سردی کے علاوہ ان کو گرد و غبار سے بھر دیا۔ ملائکہ نے خدا کے حکم سے ان کے خیموں کی میخیں اکھاڑ دیں، جن سے طنابیں کٹ گئیں اور آگ بجھ گئی۔ ان کی ہانڈیاں الٹ گئیں اور ان کے دلوں پر رعب چھا گیا اور فرشتوں نے ان کے لشکر کے ارد گرد نعرہ ہائے تکبیر بلند کیے اور ہتھیاروں جیسی آوازیں ان کے کانوں میں ڈالیں۔ اس سے ان کے گھوڑے بدکتے ہوئے بھاگے۔ اس پر ہر قبیلے کا سردار پکار کر کہتا، ادھر آؤ۔ جب ایک جگہ جمع ہو گئے بالاتفاق کہا:

النجا، النجا۔ یعنی یہاں سے جلدی نکلو۔

انھوں نے یہ سمجھا کہ ان پر جادو چل گیا ہے۔ اس طرح جنگ کے بغیر شکست کھا کر رات کے وقت بھاگ نکلے اور جو سامانِ حرب وغیرہ ساتھ لائے تھے سارے کا سارا وہیں چھوڑ گئے (جو مسلمانوں میں مالِ غنیمت بن کر تقسیم ہوا)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝ اور اللہ تعالیٰ اس عمل کو جسے تم کرتے ہو، مثلاً خندق کھودنا اور سامانِ جنگ کا مرتب کرنا۔ بصیرا دیکھنے والا۔ اسی لیے جو کچھ کیا اس پر تمہاری مدد فرمائی اور ان کے شر سے تمہیں بچایا۔ اس لیے تمہیں اس کا شکر کرنا چاہیے کہ یہ بہت بڑی نعمت ہے۔ اسی لیے زبان سے، دل سے، اعضاء سے اس کا شکر کرو۔

ف: زبان کا شکر یہ ہے کہ ہمیشہ خدا کو یاد کرو جب اس کی طرف سے کوئی نعمت عطا ہو تو فوراً کہو الحمد للہ۔ دل کا شکر یہ ہے کہ خلقِ خدا کی خیر چاہو کسی کی نعمت پر حسد نہ کرو۔ اور اعضاء کا شکر یہ ہے کہ ہر عضو کو اس کام میں لگاؤ جس کے لیے انہیں پیدا کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر عضو کو آخرت کے لیے پیدا کیا ہے سے

عطا ایست ہر موے از وے بر تنم
چگونہ بہر موئے شکرے کنم

ترجمہ: میرے جسم پر ہر بال اسی کی عطا ہے تو ہر بال کی نعمت کا شکر میں کس طرح ادا کر سکتا ہوں!

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں ظاہری باطنی نعمتوں کی طرف اشارہ ہے:

(۱) اس نے تمہیں کرم عدم سے نکال کر وجود بخشا۔

(۲) عدم سے نکالنے کے بعد ارواح طاہرہ انسانیہ مع احسن تقویم جیسی صورت عطا فرمائی، نہ حیوان بنایا نہ نباتات اور نہ جمادات۔

(۳) یومِ میثاق میں "الست بربکم" کے خطاب سے نواز کر اس کے سمجھنے کی اور سن کر صحیح جواب دینے کی بھی توفیق بخشی۔

(۴) قالب انسانی میں بھیجنے کے وقت نفوذ عناصر سے نوازا تاکہ یہ بمنزلہ سماویہ و کوکبیہ و جنیہ و شیطانیہ و ناریہ ہوائیہ، ارضیہ، نباتیہ، حیوانیہ وغیرہ کے نہ ہوا اسی لیے خصوصیت سے مقام انسانیہ میں مقام بخشا۔

(۵) اپنے دستِ قدرت سے انسان کے ڈھانچے کا گارا خود تیار کیا پھر ارحام میں اسے خصوصی صورت کا نقش دیا اور بہترین ڈھانچہ تیار کر کے اس میں روح پھونکی۔

(۶) انسانی روح کی خصوصیت کو اپنی طرف منسوب فرمایا۔ کما قال: من روحی۔ یہ وہ شرافت و عظمت ہے جو کسی بھی ملک مقرب کو نصیب نہیں ہوئی۔

(۷) ماں کے پیٹ سے نکلا جہاں کوئی علم نہ تھا کہ کیا ہوگا، پھر خصوصی الہامات سے دنیا کی معاشش کے اسباب بتائے۔

(۸) فجور و تقویٰ کا الہام فرمایا تاکہ قیامت میں لوٹنے سے پہلے تم صحیح اور سیدھا راستہ پا سکو۔

(۹) تمہارے ہاں انبیاء و رسل علیہم السلام بھیجے تاکہ تمہیں ظلمات خلقیہ سے نکال کر نور خالقیہ تک پہنچائے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(۱) ایمان، ایقان، احسان، عرفان، عیان، عین کی دولتیں بخشیں بلکہ ہر سوال کے مطابق عطا بخشی۔ انعامات کا سرتاج انعام ہے ویسے اس کی اتنی نعمتیں ہیں کہ ہم انہیں گن نہیں سکتے۔ اس نے نعمت کو اس کا عبودیت میں استعمال کرنے کا بھی طریقہ بتایا ہے تاکہ نعمت کے شکر کی ادائیگی ہو اور وہ شکر نعمت رؤیت نعمت کا نام ہے اور رؤیت نعمت یہ ہے کہ اس دینے والے نے اس کی ادائیگی کی توفیق بخشی ہے کہ یہ عقیدہ ویسے ہر ہم اس کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کر سکتے کیونکہ اس کی نعمتیں غیر متناہی ہیں اور شکر انسانی متناہی ہے اپنے میں ادائیگی شکر کے عجز کا اظہار بھی ادائیگی شکر ہے۔ اور یہ بھی ادائیگی شکر ہے کہ سابق زمانہ میں جو اس نے تم سے کئی طرح کی بلاؤں اور مصائب و مشکلات کو دفع فرمایا منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے جس کا ذکر اِذْ جَاءُوْكُمْ الخ میں ہے کہ اے انسان! جب تیرے پاس شیاطین اور صفات نفس و صفات دنیا کے لشکر اور دنیا کی زینت نے تجھ پر حملہ کیا تو ہم نے ان پر اپنے قہر کے روک تھام کرنے والے بھیجے اور ایسا لشکر اپنی حفاظت و عصمت کا بھیجا کہ جسے تم نہیں دیکھ سکتے تھے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال مثلاً دنیا اور اس کی شہوات کی طرف تمہارے جھکاؤ کو دیکھتا ہے۔ وہی ان بلاؤں اور مصیبتوں کو بندے سے دفع کرے گا جس کا بندے کو علم تک نہ ہوگا کیونکہ بہت سے امور میں بندہ مشغول ہوتا ہے اور وہ مشغولیت اس کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اس سے اس کے نقصانات دفع کرتا ہے جن کا اسے علم تک نہیں ہوتا۔ ایسے ہی بہت سے امور میں بندہ گھبرا جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ کاش یہ آسان ہو جائے حالانکہ وہ آسانی اس کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے اسی لئے اپنی رحمت سے بندے کو ان امور میں روک کر اس کا فائدہ کرتا ہے یہ اس کی خاص عنایت و رحمت ہے کہ بندے کو خبر بھی نہیں اور اس کے لیے خیر و بھلائی ہو رہی ہے ؎

۱ ہر چہ آید ز آسمان قضا
بقضا می نگر بعین رضا
۲ خوش دل شو ز ماجرائے قلم
زانکہ حق از تو بحالت اعلم

ترجمہ (۱) جو آسمان سے قضا آئے اسے عین رضا سے دیکھ۔

(۲) تقدیر کے قلم پر خوش دل ہو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تیرے حال کو تجھ سے زیادہ جانتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

اِذْ جَآءُوْكُمْ یہ اذ جاءتکم الخ سے بدل ہے یعنی یاد کرو جب تمہارے پاس آ گئے مِّنْ فَوْقِكُمْ تمہاری اوپر کی جانب سے یعنی وادی کی اعلیٰ یعنی مشرق کی طرف سے، اس سے بنو غطفان اور ان کے تابعین نجدی مراد ہیں۔ ان کا قائد عیینہ بن حصین الفزاری اور عامر بن الطفیل تھا انہی کے ساتھ یہودی تھے وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ اور تمہاری نچلی طرف سے یعنی وادی کی مغربی جانب سے۔ اس سے قریش مراد ہیں اور وہ دیگر جماعات متفرقہ جو ان کے تابع ہو کر آئیں ان کا قائد ابو سفیان تھا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ف: نیز فوق سے آفاتِ سماویہ اور اسفل سے متولداتِ بشریہ مراد ہو سکتی ہیں کیونکہ یہ بھی منجملہ بلا و قضا ہیں۔

وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ اس کا عطف ماقبل پر ہے اور یہ بھی تذکیر (یاد دہانی) کے احکام میں ہے۔ زاغ بمعنی استقامت سے جھک جانا۔

امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا اس سے وہ خوف بھی مراد ہو سکتا ہے جو انہیں کافروں کی وجہ سے ہوا یہاں تک کہ ان کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا نیز یرونہم مثلیہم رای العین کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے۔ البصر عضو خاص جس سے انسان دیکھتا ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ یاد کرو اس وقت کو جب تمہاری آنکھیں حیرت اور خطرے سے سیدھی نظر دیکھنے سے ہٹ گئیں جب تم نے کفار کی فوج اور اس کی کثرت کو دیکھا کیونکہ قریش مکہ کے ساتھ اس وقت تین سو گھوڑے اور پانچسو اونٹ تھے۔

ف: بعض مفسرین نے کہا اس سے منافقین مراد ہیں کیونکہ وہی بہت زیادہ ڈرپوک تھے لیکن مومن بھی مراد ہوں تو کوئی حرج نہیں کیونکہ ضعفِ انسانیہ کا تقاضا یہی ہے کہ مصائب و تکالیف کے وقت اس کی یہی حالت ہو اور یہ قوتِ یقین کے منافی نہیں اور نہ ہی کمال اعتماد علی رب العالمین کے خلاف ہے جیسا کہ آنے والے مضامین بتاتے ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دوسرے مقام پر فرمایا:

حتی یقول الرسول والذین اٰمنوا معہ متی نصر اللہ۔

(یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی مومنین کہتے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کب آئے گی)

جیسا کہ سورۃ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ اور پہنچ گئے قلوب حنجروں تک۔

حلِ لغات: الحناجر، حنجرہ کی جمع ہے غلصمۂ حلقوم اور کھانے پینے کے داخل ہونے کی جگہ یعنی رعب کی وجہ سے قلوب حلقوم تک پہنچ گئے اور غم لاحق تھا اور یہ عام ہے کہ جب پھیپھڑے غم اور گھبراہٹ سے پھولتے ہیں تو اوپر اٹھنے سے دل بھی اوپر حلقوم تک پہنچ جاتا ہے جیسا کہ عموماً غلبۂ سوداء سے خفقان کے مرض میں دیکھا جاتا ہے۔

ف: حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ دل اپنی جگہ سے ہٹ گئے اگر ان کے آگے حلقوم نہ ہوتے تو وہ نکل کر باہر آ جاتے۔

بعض نے کہا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ قریب تھا کہ دل یہاں تک پہنچ جاتے کیونکہ جب دل حلقوم تک پہنچ جائے تو انسان مر جاتا ہے اس معنیٰ پر یہ انسان کے اضطراب کی تمثیل ہے اگرچہ دل حقیقۃً حلقوم تک نہیں پہنچے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اہلِ ایمان کو دو وجہوں سے خوف ہوا :

خوف کی وجہ (۱) احزاب بہت سے گروہوں کے اتفاق و اجماع سے گھبرائے۔

(۲) اپنی اولاد کے لیے گھبرا گئے جو مدینہ طیبہ میں تھے کہ خدانخواستہ اگر بنو قریظہ بھی عہد توڑ کر اپنے بچوں پر حملہ کرتے تو پھر کیا ہوگا ایسے ہی خود بھی شدید سردی کے علاوہ بھوک میں مبتلا تھے جیسا کہ بعض صحابہ نے کہا : ہم نے تین دن تک کچھ نہ کھایا اور بھوک سے خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیٹ مبارک پر پتھر باندھا۔

اور یہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے منافی نہیں :

ازالہ وہم انی لست مثلکم انی ابیت عند ربی یطعمنی ربی ویسقینی۔

(میں تمہاری مثل نہیں میں اپنے رب کے ہاں رات گزارتا ہوں، میرا رب ہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے)

اس لیے کہ کبھی ثواب کے اظہار کی عظمت کی خاطر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسے کر لیتے تھے۔

نکتہ بشریت بعض عارفین رحمہم اللہ نے فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیٹ مبارک پر پتھر باندھنا بسبب بھوک کے نہ تھا بلکہ کمال لطافت سے تھا کہ کہیں آپ کی بشریت مبارکہ ملکوت کی طرف نہ چلی جائے بلکہ اسے ارشادِ خلق کے لیے یہاں زمین پر رہنا چاہیے (اور یہی بات حق ہے کیونکہ جس کے دریائے فیض کے سامنے دُنیا و مافیہا ایک قطرے سے بھی کم ہو اسے ایسی باتوں کی کیا ضرورت۔ لیکن ایسے مصائب و تکالیف کے وقت صبر سے کام لینا اس کا مقام ہے جسے رب رحمٰن کی عظمت حاصل ہو ؎

در بزم احتشام تو سیارہ ہفت جام
بر مطبخ نوال تو افلاک نہ طبق

ترجمہ : تیری باحشمت بزم میں سات ستارے ایک پیالہ ہیں۔ تیری عطا کے مطبخ میں ساتوں آسمان تیرا دسترخوان ہیں۔

وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ○ اے وہ لوگو جو ایمان کے مدعی ہو تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ گمان کرتے ہو مختلف قسم کے گمان، یہاں پر مخلصین اور وہ حضرات جن کے قلوب مضبوط اور وہ اللہ پر پورا یقین کرنے والے تھے کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا کہ اس نے دینِ اسلام کو بلند کرنا ہے یا ہمارا امتحان ہے اسی کشمکش میں وہ حضرات ڈگمگانے سے خوف زدہ تھے اور انہیں خطرہ تھا کہیں اُحد (جنگ) جیسا حال نہ ہو جائے۔ اور منافقین اور کمزور دل والوں نے وہی کہا جو مذکور ہوا کہ ہائے اب ہم نہ بچ سکیں گے یہ ان کا غلط خیال تھا۔

ف : اس جملہ کا عطف زاغت پر ہے لیکن مضارع کا صیغہ استحضارِ صورت اور دلالت علی الاستمرار کے لیے ہے۔

ف : الظنونا، السبیلا، الرسولا میں الف کا ہونا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے صحیفہ کے عین

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مطابق ہے کیونکہ اس میں ایسے تھا تو تا قیامت تمام قرآن مجید کے نسخوں میں اسی طرح رکھا گیا یعنی جب وقف ہوگا تو الف ہوگا وقف کے بجائے وصل یعنی آگے ملا کر پڑھا جائے گا تو الف نہ پڑھنا ہوگا۔ وقف و وصل میں الظنون بھی پڑھا گیا ہے یعنی اشباع کا ترک کر کے الف کو حذف کر دیا اور یہی اصل ہے اور الف پڑھانے کا قیاس یہ ہے ایسا الف زائدہ ہے اور صرف فواصل کی وجہ سے لایا جاتا ہے تاکہ قوافی سے تشبیہ ہو کیونکہ بلغا قوافی میں الف کو فتحہ سے مشابہت کی وجہ سے الف کا اضافہ کرتے ہیں۔

هُنَالِكَ یہ مابعد کے لیے ظرف زمان یا مکان ہے اہل عرب کا قاعدہ ہے کہ مکان سے زمان اور زمان سے مکان مراد لیتے رہتے ہیں۔ اب دونوں معنے ہو سکتے ہیں یعنی اس وقت ڈراؤنے وقت میں یا ڈگمگانے والی جگہ میں کہ جہاں بڑے بہادروں کے پاؤں اکھڑ جاتے ہیں ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ رعب اور جنگ سے رکنے سے اہل ایمان کی آزمائش کی گئی یعنی ان کے ساتھ ایسے شخص جیسا معاملہ کیا گیا جس کا امتحان ہو تاکہ مخلص اور منافق کھل کر سامنے آ جائیں اور یقین ہو جائے کہ ان میں پکا مومن کون ہے اور متزلزل کون وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝

حل لغات: زلزال، ذلت سے ہے بمعنے بلا ارادہ کسی کا لڑھکنا۔ زلۃ الرجل سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ایسے ہی التزلزل بمعنے اضطراب۔ ایسے ہی الزلزلہ بمعنے شدۃ الحرکۃ اور حروف کا تکرار معنی کے تکرار پر دلالت کرتا ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ حرکوا تحریکاً شدیداً و ازعجوا ازعاجاً قویاً یعنی اس لیے کہ خائف سخت قلق میں مضطرب ہوتا ہے اسی لیے وہ ایک جگہ نہیں ٹھہرتا۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ اسی لیے عجمی کہتے ہیں فلاں کو غصہ یا خوف یا شرمساری سے اپنی جگہ سے لے گئے۔ حضرت کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ یہ اپنی جگہ سے ہٹ گئے بمنزلہ ان لوگوں کے جو این المفر کے سفر کا عزم رکھتے ہیں اور بے صبر لوگ سنن المرسلین سے ہٹ کر اوراق فرار کا تکرار کرتے ہیں ؎

آرام ز دل شد و دل از جا
ہوش از سر رفت و قوت از پا

ترجمہ: آرام تو دل سے ہوتا ہے لیکن دل اپنی جگہ پر نہیں ہوش سر سے گر گیا اور قوت پاؤں سے۔

اجوبہ: یہ صحیح ہے کہ اس وقت جن کے دل میں کھوٹ تھا وہ بھاگ کر مدینہ (شہر) میں پہنچ گئے اور جن کے دل پختہ اور مضبوط تھے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔

ف: اگرچہ یہ حالت اضطرابی کا بیان ہے مگر یہ انہیں ابتداء میں تھا۔ پھر کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ مرحلہ آسان کر دیا تو پھر ان کی یہ کیفیت نہ تھی۔ ان سے غم کے بادل چھٹ گئے اور ان کے دلوں پر سکینہ کے چشمے پھوٹ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

پڑے پھر تو شاد و مسرور تھے۔

اور یہ اللہ تعالیٰ کی عادتِ کریمہ ہے کہ غم دے کر خوشی بخشتا ہے لیکن صرف مخلصین کو۔

حدیث شریف

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فردوسِ اعلیٰ میں بہت بڑے درجات و منازل ہیں بندہ از خود وہاں نہیں پہنچ سکتا۔ جب تک مصائب و بلایا میں مبتلا نہ ہو نیز یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذریتِ آدم کو ایک ہزار قسم کا بنایا ان سے ازراہِ محبت دنیا کو سنگار کر پیش کر دیا، جو دنیا کے عاشق تھے وہ دنیا کے نقش و نگار اور زیب و زینت میں مست ہو گئے۔ صرف ایک گروہ ایسا تھا جس نے دنیا کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ اس ایک گروہ کو ہزار قسم پر منقسم فرمایا ان کے سامنے آخرت کی بے شمار رنگینیاں اور نعمتیں پیش کیں۔ کہیں بہشتی درختوں کے سائے تو کہیں چھلکتا شراب اور کہیں حور و قصور، تو وہ ان کے شیفتہ ہو گئے۔ لیکن ان میں سے ایک گروہ ایسا تھا جس نے بہشت کی طرف معمولی سی بھی توجہ نہ کی بلکہ وہ اسی طرح عشق و محبتِ خداوندی میں سرمست کھڑے رہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی: تم کیا چاہتے ہو؟ وہ عرض کریں گے:

انک تعلم ما نرید۔ (تو ہی جانتا ہے جو کچھ ہم چاہتے ہیں)

اے اللہ! ہم بے زبان ہیں تو ہی عالم الخفایا والاسرار ہے تو ہی خود جانتا ہے تو ہمارا مقصود ہے ؎

ما را ز جہانیان شماری دگر ست
در سر بجز از بادہ خماری دگر ست

ترجمہ:

اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو امتحان گاہوں اور ہلاکت گاہوں اور تکالیف کے جنگلات میں پہنچاتا ہے تاکہ ان کی آزمائش ہو۔ ہم عوام تو ایسی تکالیف برداشت نہیں کر سکتے جیسے وہ حضرات برداشت کرتے ہیں۔ بلکہ وہ ایسی تکالیف کو راحتِ جان سمجھتے ہیں اور اپنے محبوب سے یوں عرض کرتے ہیں: ؎

۱ من کہ باشم بہ تن رخت وفائے تو کشم
دیدۂ جمال کنم بار جفائے تو کشم

۲ گر تو بر من بہ تن و جان و دلے حکم کنی
ہر سہ را رقص کناں پیش ہوائے تو کشم

ترجمہ: (۱) میں کون ہوں کہ تیری وفا کا دم بھروں۔ دیدۂ جمال سے سرشار ہوں اور جفا کا بوجھ اٹھاؤں۔

(۲) ہاں اگر تیرا حکم ہو تو جسم و جان اور دل تینوں رقص کرتے ہوئے تیرے حوالے ہوں۔

ایسے حضرات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اولئك عبادی حقًا (یہی میرے حقیقی بندے ہیں)

ف: درد کی قدر و قیمت وہی جانتا ہے جو درد کو سمجھتا ہے۔ جو اسے پہچانتا ہی نہیں اسے درد کی قدر و منزلت کا کیا علم؎

جامیا دل بغم و درد نہ اندر رہ عشق
کہ نشد مرد رہ آنکس کہ نہ ایں درد کشید

ترجمہ: اے جامی! رہِ عشق میں غم اور درد دل میں نہ رکھ کیونکہ وہ کون سا مرد ہے جس نے اس راہ میں درد نہ اٹھایا ہو۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوسفیان کی خط و کتابت

ابوسفیان نے غزوۂ احزاب سے بھاگنے کے بعد ایک خط حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو لکھا جس کا مضمون یہ تھا: "باسمک اللھم (اے اللہ تیرے نام سے شروع کرتا ہوں) مجھے قسم ہے لات و عزّٰی و اساف و نائلہ اور ہبل کی کہ میں اور دوسرے گروہ محض اس لیے تمہاری طرف آئے تھے کہ تمہاری جڑ کاٹ کر ہی واپس آئیں لیکن تم نے ہمارا مقابلہ نہ کرنا چاہا اور پناہ لے کر خندق میں چھپ بیٹھے۔ ایک روایت میں ہے کہ تم تو ایک لڑائی میں چھپے جسے اہلِ عرب نہیں جانتے وہ تو تیر و تلوار کے سایہ کو جانتے ہیں۔ (گویا اس نے اس سے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بزدلی کا طعنہ دیا) اور جو کچھ تم نے کیا ہے ہمارے سامنے سے بھاگنے کا نمونہ ظاہر کیا اور ہمارا ملنا تمہارے لئے ایک سخت کام محسوس ہوا اب ہم تمہیں وہ دن دکھائیں گے جیسے اُحد کا دن دیکھا تھا۔"

اس کے جواب میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لکھا:

"اما بعد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، من محمد رسول اللہ الی صخر بن حرب فقد اتانی کتابك وقدیما غرّك باللہ الغرور امّا ما ذکرت انك سرت الینا وانت لا ترید ان تعود حتی تستأصلنا فذلك امر یحول اللہ بینك وبینه ویجعل لنا العاقبة ولیأتین علیك یوم أکسر فیه اللات والعزی واساف ونائلة وھبل اذکرك یا سفیه بنی غالب۔"

(بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد، یہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے صخر بن حرب کی طرف خط ہے تیرا خط آیا تجھے عرصہ سے دھوکہ ہے کیا تجھے یاد ہے کہ تو ایک دفعہ اس ارادہ پر آیا تھا کہ ان کی بیخ کنی کرکے لوٹوں گا۔ لیکن حکم اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اس نے ہمیں اچھا انجام بخشا تجھ پر ایک وقت آئے گا کہ تجھے تیرے بت ملامت کریں گے اور میں تجھے یاد دلاؤں گا اے بنو غالب کے قبیلے کے بے وقوف!)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حق کی راہ میں سخت تکالیف برداشت کیں یہاں تک کہ مکہ فتح ہوا اور اسلام کو وسعت ملی اور بہت سے ملک اسلام کے زیرِ تسلط آ گئے۔

وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ اور جب منافقوں نے کہا۔ اس کا عطف اِذْ زاغت پر ہے اور صیغہ مضارع (بمعنی ماضی) قول اور اس کی صورت کے استحضار پر دلالت کے لیے ہے وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اور جن کے قلوب میں مرض ہے یعنی ضعیف الاعتقاد ہیں۔

سوال: منافقین اور مریض القلب میں کیا فرق ہے؟

جواب: منافق وہ ہے جسے تکذیب کے بعد شک بھی نہ ہو کہ اس نے جو کچھ کیا ہے وہ غلط ہے۔ اور مریض القلب وہ ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ومن الناس من یعبد اللہ علی حرف فان اصابہ خیر اطمأن بہ وان اصابتہ فتنۃ انقلب علی وجہہ۔ کذا فی اسئلۃ المقحم

(اور بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کنارہ پر کرتے ہیں اگر انہیں بھلائی (مال وغیرہ) پہنچے تو مطمئن ہو جاتے ہیں اور اگر انہیں فتنہ (آزمائش) ہو تو وہ اپنے چہرے کی طرف لوٹ جاتے ہیں یعنی بدل جاتے ہیں)

اقسامِ مرض مرض یعنی اعتدالِ خاص سے نکل جانا۔ یہ دو قسم ہے:

(۱) جسمانی
(۲) نفسانی

نفسانی جیسے جہل، بزدلی، منافقت و دیگر رذائلِ مخرب الاخلاق۔ اور منافقت و کفر کو مرض سے اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس میں یہ بیماری ہو وہ فضائل کے ادراک سے محروم رہتا ہے جیسے جسمانی مریض تصرفِ کامل سے محروم ہوتا ہے یا اس لیے کہ منافقت حیاتِ اُخرویہ کی تحصیل سے روکتی ہے۔ حیاتِ اُخرویہ کا ذکر اس آیت میں ہے:

وان الدار الآخرۃ لھی الحیوان۔

(بے شک دارِ آخرت ہی حقیقی زندگی ہے)

یا اس لیے کہ منافقت میں نفس کا میلان اعتقادیاتِ ردیہ کی طرف ہوتا ہے جیسے مرضِ جسمانی میں بدن مضرات (مضر رساں اشیاء) سے خراب ہو جاتا ہے ایسے ہی روح اعتقاداتِ ردی سے۔

مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ ہمیں اللہ و رسول نے ظفر و اعلائے دین کا جو وعدہ دیا تھا۔

ف: ورسولہ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ورنہ وہ تو صرف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا کرتے تھے کیونکہ انہیں

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

آپ کی رسالت پر ایمان نہیں تھا اس لیے وہ رسولہ کیسے کہتے۔

اِلَّا غُرُوْرًا ○ مگر دھوکہ (بالضم) بمعنے دھوکہ۔ اس کا قائل معتب بن قشیر اور اس کے قبعین۔ جیسا کہ گزرا۔ وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اور جب کہا ان کے ایک گروہ نے۔ اس سے اوس بن قیظی اور اس کے قبعین مراد ہیں۔ اور یاد کرو جب کہا ان کے ایک گروہ نے یعنی منافقین نے کہا یٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ اے یثرب (مدینہ) والو۔ یثرب' مدینہ طیبہ کا ایک نام ہے تعریف اور وزن فعل کی وجہ سے غیر منصرف ہے اور اس میں تانیث بھی ہے۔

مسئلہ: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کو یثرب کہنے سے روکا تھا بلکہ فرمایا وہ طیبہ ہے' طابہ ہے اور مدینہ ہے۔ گویا آپ اپنے مدینہ پاک کے لیے یثرب کہنے کو مکروہ سمجھتے تھے کیونکہ یثرب بروزن تفعیل تثریب سے ہے بمعنے ملامت۔ اکثر اس کا اطلاق مکروہ امور پر ہوتا ہے۔ اسی لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے اس کی نفی فرمائی چنانچہ فرمایا:

لا تثریب علیکم الیوم۔

چونکہ منافقین نے مخالفت کے طور مدینہ پر یثرب کا اطلاق کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی حکایت کے طور یثرب فرما دیا۔

یثرب کی وجہ تسمیہ حضرت امام سہیلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عمالیق سے جو اس شہر میں آکر آباد ہوا اس کا نام یثرب بن عبیل بن مہلاییل بن عوص بن عملاق ابن لاود بن ارم تھا۔ یہ عبیل وہی قبیلہ ہے جو جحفہ میں ٹھہرا' یہی اہلِ شام کا میقات ہے۔ چونکہ انھیں پانی بہا کر لے گیا اسی لیے اس نام سے موسوم ہوا۔

بعض نے کہا کہ یہ ثرب (بالتحریک) بمعنے فساد سے ہے۔ ہوا کی بدبو اور کثرت بخار کی وجہ سے یہ شہر فساد و ملامت سے مشہور تھا۔ اسی لیے اس نام سے موسوم ہوا۔

مدینہ طیبہ کی وجہ تسمیہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے اس کا نام طیبہ رکھا بروزن بصرہ۔

واہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا اس شخص کے بارے میں' جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ پاک کی مٹی کو ردی کہے' یہ حکم ہے کہ اسے تیس کوڑے مارے جائیں اور قید میں رکھا جائے۔ اور فرمایا: ایسا بدبخت انسان گردن اڑا دینے کے لائق ہے جو اس مبارک مٹی کو ردی کہتا ہے جس میں خدا تعالیٰ کا محبوب آرام فرماتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:
من سمی المدینة بیثرب فلیستغفر اللہ فلیستغفر اللہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

هي طيبة هي طيبة ۔

(جو شخص مدینہ کو یثرب کہے اسے چاہیے کہ دوبارا استغفار کرے وہ بار ہا کہے طیبہ طیبہ)

سوال : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے یثرب کہا ہے چنانچہ فرمایا:

لا اراها الا یثرب ۔

(میں تو اپنی ہجرت یثرب کی طرف خیال کرتا ہوں)

جواب : یہ آپ نے ورود سے پہلے فرمایا تھا۔

ف : اسے طیبہ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ جو بھی اس میں اقامت رکھتا ہے اس سے خوشبو محسوس کرتا ہے اور اس کی خوشبو میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور اس میں طاعون و دجال داخل نہیں ہو سکتے اور نہ اس میں جذام کی بیماری داخل ہو سکتی ہے بلکہ اس کی خاک مبارک جذام (کوڑھ) دفع کرتی ہے۔ جذام بروزن غراب وہ بیماری ہے جو انتشارِ سودا کی وجہ سے تمام بدن میں پھیل کر اعضا اور ان کی ہیئات کو فاسد کر دیتی ہے بلکہ بسا اوقات زخموں کے بڑھنے سے یہ بیماری اعضاء کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے پھینک دیتی ہے (پناہ بخدا) اسے ہم کوڑھ کہتے ہیں۔

لَا مُقَامَ لَكُمْ اب یہاں تمہارا ٹھہرنا ممکن نہیں کیونکہ دشمن کثیر التعداد ہیں اور مختلف گروہ کے ہیں غلبہ ان کو ہوگا احزاب سے لشکر کی کثرت مراد لیتے ہیں۔ مقام 'اذا قام' بمعنے مصدر ہے **فَارْجِعُوْا** فلہٰذا مدینہ کی طرف گھروں کو لوٹ جاؤ۔ اس سے ان کی مراد بھاگنا ہے لیکن اسے رجوع سے تعبیر کیا تاکہ لوگ ان کی بات مان کر چل پڑیں اگر صاف بھاگنے کا کہتے تو ان کی مذمت ہوتی۔ اسی لیے چند لوگ غزوۂ احزاب میں نہ آئے بوجہ منافقت اور اس مرض کے جو ان کے دل میں تھا اسی لیے موافقت صرف منافقین نے کی جو ان کے ہمنوا تھے ورنہ مخلصین اہل اسلام نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کیا۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے اہل فساد اور مفسدین کی طرف جو قیامت تک اسی امت میں پیدا ہوتے رہیں گے ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں نہج صواب پر رکھے اور ان میں سے بنائے جو حق و صبر کی وصیت کرتے ہیں، ان سے نہ بنائے جو ہمیشہ تزلزل و اضطراب میں رہتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ **وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ** اور ان کا ایک گروہ نبی علیہ السلام سے اجازت مانگتا تھا اس سے بنی حارثہ و بنو سلمہ مراد ہیں۔ **يَقُوْلُوْنَ** کہتے تھے۔ یستاذن سے حال ہے **اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ** ۔ عورة (بجزم الواو) مبالغہ کے طور اس جگہ کو کہا جاتا ہے جس میں کسی قسم کا خلل ہو۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

عور المكان عورا ۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی مکان میں خلل ظاہر ہو جائے اور اس میں دشمنوں اور چوروں کا خطرہ ہو۔ اور کہتے ہیں:

فلان یحفظ عورته۔

(فلاں اپنے خلل کی حفاظت کرتا ہے)

اور عورت انسان کے عیوب والی اشیاء کو کہا جاتا ہے یعنی وہ اعضاء کہ جن کے کھل جانے سے شرم و عار محسوس ہو۔ اسی لیے عورتوں کو عورت کہا جاتا ہے کہ ان کا کھلے بندوں رہنا ان کے لیے شرم و عار کا موجب ہے۔ اسی سے ہے العوراء۔ کلمۂ قبیحہ کو بھی کہتے ہیں۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہمارے مکانات غیر محفوظ ہیں کوئی بھی ان میں آ کر نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اسی لیے آپ ہمیں اجازت بخش دیں ہم گھروں کی مکمل حفاظت کر کے واپس آ جائیں گے۔ آپ نے ان کو اجازت دے دی۔ وَمَا هِیَ بِعَوْرَةٍ ۚ حالانکہ وہ غیر محفوظ نہ تھے بلکہ بہت زیادہ محفوظ اور ہر طرح سے امن کی جگہ پر تھے اِنْ یُّرِیْدُوْنَ اس اجازت سے نہیں ارادہ رکھتے تھے اِلَّا فِرَارًا ○ مگر بھاگنا جنگ سے۔ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَیْهِمْ اگر ان پر داخل ہو جائیں۔ یہاں فعل کا اسناد ان کے بیوت کی طرف ہے کہ اس میں ان کا داخل ہونا فرض کیا گیا ہے نہ کہ مطلقاً داخل ہونا جیسے عبارت کا مفہوم ہے اگر اس میں جار و مجرور نہ ہوتا تو مِّنْ اَقْطَارِهَا قطر (بالضم) کی جمع ہے یعنی جانب یعنی جمیع کناروں سے نہ کہ بعض سے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ان کے گھر بالکل غیر محفوظ ہیں جن میں ہر مفسد اور خبیث داخل ہو سکتا ہے۔ ثُمَّ سُئِلُوا پھر مصیبت کے نزول کے وقت اس منافقین کے گروہ سے سوال کیا جائے الْفِتْنَةَ فتنہ یعنی مرتد ہونے اور رجوع الی الکفر کے متعلق نہ کہ ایمان و طاعت کے متعلق لَاٰتَوْهَا تو اس کے ہاں آئیں گے کسی بھی ڈرانے والی شے سے نہ ڈریں گے وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَا التلبث یعنی دیر کرنا۔ جیسے التمکث۔ اس کا معنیٰ بھی یہی ہے یعنی وہ نہیں ٹھہریں گے فتنہ کے لیے جواب دینے میں اِلَّا یَسِیْرًا ○ مگر تھوڑی دیر، اتنا وقت کہ جتنی دیر سوال و جواب ہوا چہ جائیکہ وہاں معذرت کریں کہ ہمارے گھر محفوظ ہیں وغیرہ۔ جیسے اب کہہ رہے ہیں یہ صرف اسلام دشمنی اور اس کے ساتھ بغض رکھنے کا ثبوت ہے اور بس انہیں کفر سے محبت اور کافروں پر جان چھڑکنے سے خوشی ہوتی ہے۔

ف: امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یسیراً یعنے آسان اسی سے ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

وكان ذالك على الله يسيرا۔

(اور یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے)

اور اس کا اطلاق تھوڑی سی شے پر بھی آتا ہے جیسا کہ فرمایا:

وما تلبثوا بها الا يسيرا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تفسیر صوفیانہ آیت میں قلوب کی بیماریوں اور نفوس کی صحت کا ذکر ہے۔ ان دونوں (قلب و نفس) کی خاصیت ہے کہ جب انھیں ان کی اپنی حالتیں سپرد کی جائیں۔ مثلاً فساد الاعتقاد و سوء ظن باللہ و رسولہ اور نقض العہود اور تسویلات الشیاطین سے مغرور رہنا اور معاون الصدق سے بھاگنا اور حیل و مکائد (مکاریوں) سے چمٹنا اور جھوٹ بولنا اور بیکار معذرت پیش کرنا خوف بشریہ اور بزدلی کے غلبات اور قلۃ الیقین اور قلت صبر اور اذیت پر کثرت جزع فزع وغیرہ۔ اگر ان سے بعد الاقرار بالتوحید ارتداد عن الاسلام والاشراک سے سوال کیا جائے تو اسے اختیار کریں گے بلکہ فوراً اس پر عمل کر دکھائیں گے معمولی سی دیر بھی نہ کریں گے یعنی فتنہ میں وقوع کے احتراز میں نہ ٹھہریں گے مگر تھوڑی دیر بلکہ فتنے کو قبول کرنے میں عجلت کریں گے اس لیے کہ ان پر نفوس کے اوصاف اور ان کے غلبات کا تسلط ہے اور ان کے قلوب زنگ آلود ہو چکے ہیں اور ان پر غفلات کا ہجوم ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی ذات جانے کا راستہ جاتا ہے تو اس پر چل پڑے اگر اس سے ہٹ کر پیچھے لوٹ آئے گا تو اللہ تعالیٰ اسے ایسے عذاب میں مبتلا کرے گا کہ جہانوں میں اس جیسا کسی کو عذاب نہ ہوگا۔

ف: منافقین کے اقوال و افعال کی مذمت کی گئی ہے کیونکہ انسان کو ہر راستہ پر چلنے کا اختیار دیا گیا ہے تو راستہ چلنے میں شرمائے تو وہ خود کو ملامت کرے اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر کفار و منافقین کی ہدایت واجب نہ تھی تو پھر آپ کے وارثین کاملین پر کیسے واجب ہے کہ لازماً تمام عاصیوں کو ہدایت دیں۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف انما انا رسول ولیس الیّ من الھدایۃ شیٔ ولو کانت الھدایۃ الیّ لاٰمن کل من فی الارض وانما ابلیس مزین ولیس الیہ من الضلالۃ شیٔ ولو کانت الضلالۃ الیہ لاضل کل من فی الارض ولکن اللہ من یشاء ویھدی من یشاء)

(بے شک میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، ہدایت کل میرے سپرد نہیں کی گئی اگر ہدایت میرے ہاتھ میں ہو تو تمام روئے زمین والے مسلمان ہو جائیں۔ یاد رکھیے کہ ابلیس صرف برائی سنگار کر دکھاتا ہے گمراہی اس کے ہاتھ میں نہیں اگر گمراہی میرے ہاتھ میں ہو تو روئے زمین پر کوئی بھی گمراہ نہ ہو۔ ہدایت و گمراہی اللہ کے ہاتھ میں ہے جسے چاہے گمراہی دے جسے چاہے ہدایت بخشے) سہ

مومن و کافر درین دیر فنا
صورتے دارد ز نقش کبریا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۲ نقش گرچہ آمد از دستِ قضا
لیک میدان نقش را از مقتضا

ترجمہ (۱) مومن ذکا فراس فنا کی دیر میں نقش کبریا سے کری صورت رکھتا ہے۔

(۲) اگرچہ نقش دستِ قضا سے آتا ہے لیکن نقش کا میدان تقاضا کے مطابق اترتا ہے۔

اسے اچھی طرح سمجھ لے۔

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ كَانُوْا اور وہ گروہ جنوں نے مدینہ کو اپنے گھروں کی طرف لوٹنے کی اجازت چاہی اس سے بنو حارثہ و بنو سلمہ مراد ہیں عَاهَدُوا اللّٰهَ اللہ تعالیٰ سے معاہدہ کیا۔

حلِ لغات: العہد یعنی شے کی ہر آن حفاظت و رعایت کرنا اور اس پختہ پروگرام کو بھی عہد کہا جاتا ہے جس کی رعایت لازم ہو۔ اور المعاھدہ بمعنی المعاقدہ (ایک دوسرے سے عقد کرنا) تاج المصادر۔

مِنْ قَبْلُ اس سے پہلے یعنی واقعہ خندق سے پہلے۔ اس سے یوم اُحد مراد ہے۔ جب انہوں نے شکست کا ارادہ کر کے توبہ کی۔ پھر ان پر وہ آفات و بلیات نازل ہوئے جو سب کو معلوم ہیں (جیسے سورۂ آل عمران میں گزرا) لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ وہ پیٹھ پھیر کر نہیں بھاگیں گے۔ یہ قسم کا جواب ہے کیونکہ عاھدوا بمعنی حلفوا ہے۔ الکواشی۔

حلِ لغات: التولیۃ بمعنے پیٹھ پھیرنا۔ دبر الشئ یعنی شے کا پچھلا حصہ۔ خلاف القبل یعنی اگلے حصے کی نقیض۔ اور اہلِ عرب کہتے ہیں:

ولاہ دبرہ بمعنی انہزم یعنی شکست کھائی۔

اب معنی یہ ہوا کہ وہ دشمن کو پیٹھ کے پیچھے چھوڑ کر جنگ سے فرار اختیار نہ کریں گے اور نہ ہی شکست کھائیں اور نہ ہی اس طرح کا کردار ادا کریں گے جیسے اُحد میں کیا تھا۔ اب ان سے یہ اجازت طلبی کا واقعہ ہو گیا جو ایک قسم کا نقضِ عہد ہے۔

وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا اور ہے اللہ تعالیٰ کا عہد سوال کیا ہوا۔ اس کا متعلق مطلوب ہوتا ہے، یہاں تک کہ پورا کیا جائے۔

حلِ لغات: اہلِ عرب کہتے ہیں:

سألت فلانا حقی۔

(میں نے اس سے اپنا حق مانگا)

یعنی میں نے اس سے مطالبہ کیا یا اس کے متعلق قیامت میں سوال ہو گا کہ کیا اس نے معاہدہ کو نبھایا یا اسے توڑ دیا۔ پھر اس پر جزا و سزا مرتب ہو گی۔ اور یہ وعید ہے۔

حافظ نے فرمایا:

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وفا و عہد نکو باشد از بیاموزے
وگرنہ ہر کہ تو بینی ستمگری داند

ترجمہ: وفا و عہد اچھی شے ہے اگر سیکھو، ورنہ جسے تو دیکھ رہا ہے ہر کوئی ظلم کرنا جانتا ہے۔

اور: ؎

از دم صبح ازل تا آخر شام ابد
دوستی و مہر بریک عہد و یک میثاق بود

ترجمہ: صبح ازل سے شام ابد تک دوستی و محبت ایک عہد و میثاق پر ہیں۔

قُلْ لَّنْ یَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) فرمایئے: تمہیں فرار ہرگز فائدہ نہ دے گا۔ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اگر تم موت سے بھاگو گے اَوِ الْقَتْلِ یا قتل ہونے سے۔ کیونکہ فنا و مرنا ہر ایک کو لازم ہے وہ بستر پر مرے یا تلوار سے۔ اس کا ایک وقت مقرر ہے جسے تقدیر کے قلم نے پہلے لکھ دیا جو کسی حالت میں تبدیل نہیں ہوتا۔ قتل وہ فعل ہے جس سے روح جسم سے نکل جائے۔

ف: حضرت امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا: قتل بمعنی جسم سے روح کا نکل جانا (موت کی طرح) چونکہ روح کا نکلنا کسی خارجی سبب سے ہوا۔ اسی لیے کہا جاتا ہے: قتل (فلان)۔ اگر کسی خارجی سبب سے روح کا خروج نہ ہو تو کہتے ہیں مات (فلان)۔

ف: الحتف بمعنی مرنا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک کلمہ ایسا ہے کہ میں نے کبھی کسی عربی سے نہیں سنا سوائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ نے فرمایا:

مات حتف انفہ۔

اس کا معنی ہے بستر پر مر جانا۔ گویا وہ ناک کے بل گر کر مرا ہے۔ اہل عرب کا خیال تھا کہ مریض کی روح ناک سے نکلتی ہے اگر زخمی ہو جائے تو روح زخم سے خارج ہوتی ہے۔

وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا ۝ التمتیع نفع دینا۔ یعنی اگر تمہیں فرار کچھ نفع دے بھی تو تھوڑا سا نفع پاؤ گے لیکن وہ نفع نہیں پاؤ گے مگر تھوڑی مدت کے لیے۔

خلاصہ یہ کہ اگر جنگ سے بھاگ جاؤ گے تو بھی تجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے کیونکہ ایک عرصہ کے بعد بالآخر فنا کے شربت کا پیالہ پینا ہے اور موت کی گدڑی گلے میں ڈالنی ہے ؎

کہ می نہد قدم اندر سرائے کون و فساد
کہ باز روے براہ عدم نمی آرد

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۲ الموت کأس وکل الناس شاربہ
والقبر باب وکل الناس داخلہ

ترجمہ (۱) جو بھی کون و فساد کی حویلی میں قدم رکھتا ہے وہ راہِ عدم کی طرف نہیں جاتا۔
(۲) موت ایک پیالہ ہے جسے سب لوگوں نے پینا ہے اور قبر ایک دروازہ ہے جس میں سب نے داخل ہونا ہے۔

ف: جب دنیا کی عمر تھوڑی ہے تو پھر اس میں زندگی بسر کرنے والوں کی بڑی عمریں کیسے ہو سکتی ہیں۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ تم دنیا کی بہت بڑی عمر کو آخرت کے مقابلے میں ایک سانس کے برابر سمجھو۔

حکایت ایک مروانی ایک دیوار سے تیزی سے گزرا جس کے متعلق احتمال تھا کہ یہ گرنے والی ہے کسی نے اسے یہی آیت سنائی تو کہا کہ میں بھی اسی الا قلیلا کا طالب ہوں۔

قُلْ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَعْصِمُکُمْ سیبویہ کا مذہب ہے کہ من استفہامیہ مبتدا اور ذا اس کی خبر۔ الذی اس کی صفت یا بدل ہے۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ کون ہے وہ جو تمہیں بچائے۔ بعض نحویوں نے کہا کہ من خبر مقدم ہے۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ کون ہے جو تمہیں بچائے۔

العصمۃ بمعنے الامساک والحفظ۔ مِّنَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے اِنْ اَرَادَ بِکُمْ سُوْٓءًا اگر وہ تمہارے لیے برائی کا ارادہ کرے۔ سُوْء سے وہ فعل مراد ہے جو انسان کو برا محسوس ہو اور اسے غم میں ڈالے۔ یہاں قتل و ہزیمت مراد ہیں۔ اَوْ اَرَادَ بِکُمْ یا تمہارے ساتھ رحمت کا ارادہ فرمائے کہ تمہیں عافیت و نصرت وغیرہ بخشے۔ اس کی رحمت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ تمہیں برائیوں سے بچا لے۔ اسی لیے عصمت فی السوء کو آثار رحمت کا قرینہ بنایا کیونکہ عصمت ہوتی السوء میں ہے کیونکہ اصل مطلب یہ ہے کہ کون ہے جو تمہیں برائی پہنچائے اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ رحمت کا ارادہ فرمائے اس طرح سے کلام مختصر ہو گیا۔ یہ ایسے ہے جیسے کہا جاتا ہے:

متقلدا سیفا ورمحا ای معتقلا رمحا والاعتقال اخذ الرمح بین الرکب و
السرج۔

اعتقال بمعنے رکب و سرج کے درمیان تیر رکھنا۔ اور التاج میں ہے پنڈلی اور رکاب کے درمیان تیر رکھنا۔ وَلَا یَجِدُوْنَ لَهُمْ اور نہیں پائیں گے اپنے لیے مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے سوا وَلِیًّا کوئی دوست جو انہیں نفع پہنچائے وَّلَا نَصِیْرًا ۝ اور نہ ہی کوئی مددگار جو ان سے ضرر اور نقصان کو دفع کرے۔

آیت سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوئے:

فوائد الآیۃ (۱) موت ضروری ہے کسی نے کیا خوب فرمایا: عمر کتنی ہی لمبی کیوں نہ ہو، موت آکر رہے گی۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

جب موت نے آنا ہی ہے تو اس کی طوالت کا کیا فائدہ! حضرت نوح علیہ السلام نے ایک ہزار سال دنیا میں زندگی بسر کی لیکن آج ان کو دنیا سے رخصت ہوئے پانچ ہزار[1] سال ہو چکے ہیں ؎

دریغا کہ بگذشت عمر عزیز
بخواہد گذشت ایں دمے چند نیز

ترجمہ: افسوس عمر عزیز گزر گئی اور یہ باقی چند لمحات بھی گزر جائیں گے۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ جب انسان کی عمر چالیس سال ہو جاتی ہے تو غیبی پکارنے والا آسمان سے پکارتا ہے کہ تیرے کوچ کا وقت قریب آ گیا ہے لہٰذا زادِ راہ تیار کر لے۔

ملفوظِ ثوری رحمہ اللہ

حضرت شیخ ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا: جسے اللہ تعالیٰ نے عقل بخشی ہے اسے لازم ہے کہ جب اس کی عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کے مطابق ہو جائے تو وہ اپنا کفن تیار کر کے رکھے۔

ملفوظِ حاتم اصم رحمہ اللہ

حضرت حاتم اصم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے روزانہ ابلیس پوچھتا ہے آج کیا کھاؤ گے، کیا پہنو گے، کہاں گزارو گے؟ میں اسے جواب دیتا ہوں میں موت کھاؤں گا، کفن پہنوں گا، قبر میں ٹھہروں گا۔

(۲) جنگ سے فرار عمر کو بڑھاتا نہیں، اس سے بڑھ کر برا حال کس کا ہوگا جو اپنی موت کی میعاد اور رزق بڑھانے کی فکر میں ہے اور سب سے برا امیدوار وہ شخص ہے جو سمجھتا ہے کہ وہ تقدیر کے نوشتہ کو دفع کرے گا۔ اسے پتہ نہیں کہ تقدیر کو ٹالنے والا کوئی بھی نہیں (عموماً ورنہ وہ خصوصی مواقع ہوتے ہیں جہاں بندگانِ خدا تقدیر ٹالتے ہیں)

ملفوظِ شیرِ خدا رضی اللہ عنہ

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بہترین موت قتل (شہادت) ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں علی کی جان ہے ہزار تلوار کی دھار بستر کی موت سے بہتر ہے اگر قتل (شہادت) میں (جس سے انسان ڈر کے بھاگتا ہے) راحت از سکرات الموت نہ ہوتی تو اس میں اللہ تعالیٰ ثابت قدمی کی دولت نہ بخشتا اگرچہ اسے مابعد یعنی بہت بڑی کامیابی کا علم نہیں اور وہ اسے دیکھ رہا ہے اس لیے کہ شہید البحر کو کسی سکرات سے کسی قسم کا درد محسوس نہیں ہوتا اور شہید البر سکرات موت کا درد محسوس کرتا ہے صرف اتنا کہ جیسے چیونٹی نے کاٹا ہو۔

ف: بعض نے کہا کہ جنگ سے بھاگنے والا نفس کو بچاتا ہے اور جنگ لڑنے والا نفس کی حفاظت کرتا ہے

---

[1] ہمارے دور میں چھ صدیاں اوپر کیونکہ روح البیان کی تالیف کا دور گیارھویں صدی کے آغاز کا ہے۔ اویسی غفرلہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

لیکن جب موت آتی ہے تو پھر کسی کو کوئی چارہ نہیں رہتا ؎

بروز اجل نیزہ جوشن درد
ز پیراہنی بے اجل نگذرد
گرت زندگانی نبشتست دیر
نہ مارت گزاید نہ شمشیر و تیر

ترجمہ: اجل کے دن جوشن کو نیزہ پھاڑ ڈالتا ہے اگر اجل نہ آئے تو تیر پیراہن سے بھی نہیں گزر سکتا۔ اگر زندگی کے چند لمحات باقی ہیں تو نہ تجھے سانپ ڈس سکے گا، نہ تلوار مار سکے گی نہ تیر۔

جنگ سے فرار کی سزا اے جنگ سے بھاگنے والے! تو موت کے خوف سے بھاگ رہا ہے لیکن تجھے اس کا خوف نہیں کہ تو بھاگ کر جہنم کی طرف جا رہا ہے اسی وقت اگر تجھے پیچھے سے دشمن کا تیر لگ جائے تو تو وہیں ڈھیر ہو جائے تو تجھے جہنم میں جانا پڑے گا۔ یہ بھی تجھے خوف نہیں کہ اگر تو اس وقت پکڑا گیا تو تجھے قیدی بنا لیا جائے گا۔ خدانخواستہ تو ایسے لوگوں کے ہاتھ لگ جائے جو تجھے تیرے دین سے پھیر دیں یا سخت عذاب میں مبتلا کر دیں۔ جب ہر دانشمند کو معلوم ہے کہ موت کا ایک وقت ہے اس وقت موت کی طرف منہ کرنا اس سے پیٹھ پھیرنے سے بہتر ہے۔ اہل اللہ تو دیدار الٰہی کے مشتاق رہتے ہیں۔

حضرت مولانا رحمہ اللہ مثنوی میں فرماتے ہیں: ؎

۱ پس رجال از نقل عالم شادمان
وز بقااش شادمان این کودکان
۲ چونکہ آب خوش ندید آن مرغ کور
پیش او کوثر نماید آب شور

ترجمہ: (۱) اہل اللہ دنیا سے کوچ میں خوش ہیں دنیوی زندگی پر تو بچوں کو خوشی ہوتی ہے۔

(۲) مرغ کور کو جب پانی اچھا نہ لگے تو اس کے لیے آب کوثر بھی آب شور ہے۔

(۳) جس نے اللہ تعالیٰ کو مددگار اور حامی و ناصر بنایا تو اس نے اپنی آرزو پالی، وہ قلیل ہو یا کثیر، اور اسے ہر شے سے مدد ملے گی امیر سے بھی غریب سے بھی اس کا سارا وقت سکون سے بسر ہو گا کسی عام فضا میں ہو یا کہیں بند اور تنگ جگہوں میں۔

سبق: اے سالک! ثابت قدمی پہاڑوں سے سیکھ اور مردان خدا جیسا معاملہ کر۔

تفسیر صوفیانہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ آیت میں مریدان طلب کی طرف اشارہ ہے کہ طلب کے شروع میں وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاہدہ کرتے ہیں لیکن جب شیطان اور نفس کے ساتھ مقابلہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کا وقت ہوتا ہے تو اس جہاد سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے ہیں اگر وہ حرب و جہاد میں مصروف ہوں اور ان کے مقابلہ میں نفس و شیطان کے گروہ ہتھیار لے کر آجائیں اور ہوں بھی بہت قوی اور بہادر اور جنگجو۔ اور ان کے بالمقابل کہ جن کے دلوں میں بیماری ہے وہ جنگی تجربہ سے بھی فارغ ہیں اگرچہ ان کے پاس ہتھیار ہیں لیکن وہ ان کے استعمال کا طریقہ نہیں جانتے بوجہ ضعف کے یا بوجہ ناتجربہ کاری کے جب جنگ شروع ہوگی تو لامحالہ وہ قوی اور جنگجو ان ضعیفوں اور ناتجربہ کاروں پر غالب آجائیں گے اس سے وہ کمزور شکست کھا جائیں گے

؎ چالش است و خمرہ خوردن نیست این

(یہ ایک چال ہے اور شراب ایسے پینا نہیں ہوتا)

ایسے مریضوں سے صدق سے موافقت نہ کی اور نہ ہی عشق سے ان کی معاونت کی اور نہ ہی کان عہد اللہ مسئولا کی حقیقت کو معلوم کر سکے اور نہ ہی سمجھ سکے کہ حقیقی بھاگنا کہ جس میں نفع ہو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف ہو جو نفس کی موت سے بھاگتا ہے اور اسے مجاہدہ سے قتل نہیں کر سکتا تو وہ کچھ نفع نہ پا سکے گا۔ دنیا کے باغات میں بہائم اور جانوروں کی طرح چند روز گزار کر مر جائے گا عمر کی برکت نہ پائے گا۔ بھاگنا تو عمر گھٹانے کا سبب بنتا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے دروازے سے بھاگنے سے بچائے اور اپنی جناب سے پیٹھ پھیر کر چلے جانے سے محفوظ فرمائے۔ وہی ولی ہے نصیر ذوالفضل الکثیر ہے۔

تفسیر عالمانہ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ قد علم پر تحقیق کی تاکید ہے اور علم کا مقصد یہاں وعید کی تاکید ہے۔

حل لغات: التعویق بمعنے التثبیط بمعنے باز رکھنا۔ اہل عرب کہتے ہیں: عاقہ وعوقہ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو اس طرف سے پھیر لیا جائے جس کی طرف اس کا ارادہ ہو۔ العائق بمعنے وہ پھیرنے والا جو خیر کے ارادہ سے ہٹا لے۔ اسی سے ہے عوائق الدھر۔ یہ خطاب اسے ہے جو ایمان ظاہر کرے۔

اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو ان لوگوں کا علم ہے جو دوسرے لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد سے روکتے اور طریق خیر سے منع کرتے ہیں یعنی منافقین میں سے کوئی بھی ہو وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ اور مدینہ کے متعین دوسرے منافقین کو بھی کہتے ہیں یہاں کفر و نفاق کی اخوت مراد ہے هَلُمَّ اِلَيْنَا ھلم ایک ہے لیکن اب فعل متعدی مثلاً احضر یا اقرب کا نام ہے۔ اس میں واحد و جمع دونوں برابر ہیں یہی اہل حجاز کی لغت ہے اور اہل حجاز واحد و جمع میں تفریق کرتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں:

ھلم یا رجل وھلموا یا رجال۔

اور کلمہ الیٰ صلہ کا ہے اس لیے کہ علم تقریب کے معنی کو متضمن ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ خود کو ہمارے قریب لاؤ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس وقت لشکر سے باہر نکل کر مدینہ پاک کے قریب ہو چکے تھے وَلَا يَاْتُوْنَ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اَلْبَأْسَ اور جنگ میں نہیں آتے۔

حل لغات: بأس دراصل شدت کو کہتے ہیں۔

اِلَّا قَلِیْلًا ۝ مگر تھوڑا آنا۔ (قلیلاً، اتیانا محذوف کی صفت ہے) نہ آنے کی معذرت کرتے ہیں ان سے جہاں تک بن پڑتا ہے پیچھے ہٹتے رہتے ہیں یا مومنین کے ساتھ چل پڑتے ہیں اور انہیں لبھا رکھتے ہیں کہ وہاں کے ساتھ ہیں لیکن لڑائی میں سستی کرتے اور بہت کم میدان جنگ میں اترتے ہیں۔ اور یہ بھی اس وقت جب انہیں مجبور کیا جائے اور یہ بھی جب انہیں فرار کا موقعہ نہ ملے اَشِحَّةً عَلَیْكُمْ یہ لا یاتون سے حال ہے اور شحیح کی جمع ہے بمعنے بخیل۔ حضرت امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا:

الشح بخل مع حرص وذلك فيما كان عادة يقال رجل شحيح وقوم اشحه اى حال كونهم بخلاء عليكم بالمعاونة او الانفاق فى سبيل الله على فقراء المسلمين۔

(الشح بمعنے البخل مع الحرص اور یہ اس میں جو عادۃً ہو۔ مثلاً کہا جاتا ہے رجل شحیح اور قوم اشحہ یعنی ان کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ تم پر مدد کرنے اور فقراء المسلمین پر اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرنے میں بخیل ہیں)

یا یہ کہ وہ دل سے نہیں چاہتے کہ تمہیں فتح ونصرت اور مال غنیمت حاصل ہو فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ پس جب دشمن کا خوف آتا ہے رَاَیْتَهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ تو تم انہیں دیکھتے ہو کہ وہ اس حالت میں تمہیں دیکھتے ہیں تَدُوْرُ اَعْیُنُهُمْ ان کی آنکھیں اپنی سیاہی میں دائیں بائیں پھرتی رہتی ہیں كَالَّذِیْ یُغْشٰى عَلَیْهِ مِنَ الْمَوْتِ اس شخص کی طرح جسے موت ڈھانپ لیتی ہے۔ یہ غشی اسے سکرات الموت کی وجہ سے ہوتی ہے اور اسے جنگ کی وجہ سے وہ گویا آپ سے پناہ لینا چاہتا ہے۔ یہ غشی علی فلان سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب خوف والی شے اس کے آگے آجائے اور اسے ڈھانپ لے۔ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ جب خوف چلا جاتا ہے اور غنیمتیں جمع کی جاتی ہیں سَلَقُوْكُمْ یہ سلقہ بالکلام سے ہے اس سے اسے زبان سے دکھایا کما فی القاموس۔

تاج المصادر میں ہے السلق بمعنے زبان سے کسی کو ایذا دینا۔ اسی سے ہے سلقوکم۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ آپ کو زبان سے دکھ اور رنج پہنچاتے ہیں بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ تیز زبانوں سے، یعنی زور زور سے باتیں کہہ کر آپ کو اذیت پہنچاتے ہیں۔

حل لغات: الحداد، حدید کی جمع ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں، لسان حدید جیسے کہا جاتا لسان صارم وماض اس وقت جبکہ وہ بات دل میں دوسرے اور تلوار کی طرح اثر کر جائے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اب معنی یہ ہُوا کہ آپ کو رنج پہنچاتے اور سخت باتیں کرتے اور زبان درازی کرتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ ہمیں بہت زیادہ حصہ دو کیونکہ ہم تمہارے ساتھ جنگ میں لڑتے رہے ہیں ہماری وجہ سے تم نے غلبہ پایا ہماری وجہ سے تم نے فتح حاصل کی وغیرہ أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ سلقوکم کے فاعل سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ درانحالیکہ وہ مالِ غنیمت کے بارے میں سخت حریص ہیں اور غنیمت کی تقسیم کے وقت جھگڑتے اور شور مچاتے ہیں اور مالِ دنیا کے لیے سخت بخیل ہیں یہاں تک کہ وہ یہ بھی نہیں چاہتے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم نصیب ہو۔ خلاصہ یہ کہ مالِ دنیا میں سب سے بخیل اور جنگ میں جانے میں پرلے درجے کے بزدل ہیں أُولَٰئِكَ وہ لوگ کہ جن کے بُرے صفات مذکور ہوئے ایسے ہیں لَمْ يُؤْمِنُوا اخلاص کے ساتھ ایمان نہیں لائے کیونکہ ان کا باطن ظاہر کے خلاف ہے اسی لیے یہ کفار میں خبیث ترین اور اللہ کے نزدیک مبغوض ترین ہیں فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ تو اللہ نے ان کے اعمال اکارت اور ضائع کر دیئے۔ یعنی ظاہر کر دیا کہ ان کے اعمال باطل ہیں۔ اس معنی پر ان کے اعمال ثابت نہ ہوئے۔ اسی لیے باطل اور اکارت ہوئے کیونکہ وہ منافق تھے۔ اس سے ثابت ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ اعمال قابلِ قبول ہیں جو خالص تصدیق (یعنی عقائدِ صحیحہ) سے ہوں ورنہ ایسے ہے جیسے مکان بے بنیاد (اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ اہلسنت کے سوا تمام بدمذاہب کے اعمال کتنے ہی اعلیٰ اور بلند وبالا ہوں تمام بیکار ہیں کیونکہ ان کے عقائد صحیح نہیں)[1] وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝ اور یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے کہ اس سے اس کے ارادے کا تعلق ہے اور وہ امر نہیں ہو سکے گا جس میں اس کا ارادہ نہ ہو گا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں طلب کے مدعی (کاذب) کی طرف اشارہ ہے کہ جب وہ طلب سے مرتد (ہٹ) ہو جاتے ہیں تو وہ صدقِ طلب میں حقیقی ایمان نہیں لاتے تھے ورنہ طلب سے نہ ہٹتے۔ اسی لیے مشائخ فرماتے ہیں کہ طریقت کا مرتد شریعت کے مرتد سے بدتر ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فاحبط اللہ اعمالھم تو اللہ تعالیٰ نے اس کے اعمال ضائع کر دیئے اس لیے کہ وہ ایمان حقیقی پر نہ تھا بلکہ اس کا ایمان تقلیدی اور مبنی بر ریا و سمعہ تھا اور یہ ابطال اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔

ف: ایک بزرگ نے فرمایا کہ اگرچہ میں قطب الوجود نہیں لیکن مجھے اس پر ایمان ہے مریدوں نے کہا کہ اس طرح تو ہمارا بھی اس پر ایمان ہے (پھر آپ میں اور ہم میں کیا فرق) انھوں نے فرمایا کہ ایمان ایمان میں فرق ہے بعض ایمان ایسے ہوتے ہیں کہ زائل نہیں ہوتے ان کی مثال بہت مضبوط اور پختہ درخت کی جڑ کی ہے اور بعض ایمان وہ ہوتے ہیں جو زائل ہو جاتے ہیں۔ ان کی مثال ان کمزور انگوریوں کی جڑ کی ہے

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

جو معمولی جھٹکے سے اکھڑ جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے محسن موقن ارتداد سے مامون و محفوظ ہوتا اور اس کے ارد گرد شک اور ریب نہیں پھٹکتا۔ بخلاف اہلِ غفلت اور ان لوگوں کے جو عبادت کرتے وقت دل میں گڑبڑ رکھتے ہیں

۱ لا یزیل الماء نقشا فی الحجر
بل یزیل النقش فی وجه الورق

۲ باش بر عشق خدا ثابت قدم
رو نمی گردان ز وجہ پاک حق

ترجمہ (۱) نقش پتھر کو پانی نہیں مٹا سکتا۔ ہاں وہ نقش مٹ جاتا ہے جو پتے پر ہو۔
(۲) عشقِ خدا پر ثابت قدم رہ وجہ پاک حق سے منہ نہ موڑ۔

تفسیر عالمانہ یَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ یَذْهَبُوْا ۚ یہ منافقین گمان کرتے ہیں کہ وہ گروہ شکست کھا کر نہیں گئے اسی لیے وہ بھاگ کر مدینہ طیبہ کو چلے گئے۔ الاحزاب سے وہ لوگ مراد ہیں جو خندق کے موقعہ پر متفق ہو کر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ آور ہوئے۔ یعنی قریش، غطفان، بنو قریظہ اور نضیر یہود میں سے۔ تاج المصادر میں ہے، تحزب یعنے گروہ گروہ ہونا۔ وَاِنْ یَّاْتِ الْاَحْزَابُ اور اگر وہ لشکر کفار وغیرہ دوبارہ مدینہ طیبہ پر چڑھائی کریں یَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِی الْاَعْرَابِ تو یہ تمنا کریں گے کہ کاش وہ ہوتے بادیہ نشینوں میں مدینہ طیبہ سے باہر تاکہ وہ اس جنگ میں شریک نہ ہوتے۔

حلِ لغات ؛ الودّ یعنے محبت کسی شے کی، اور ایک قسم کی آرزو۔ بدا یبدو ابدا وہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شہر سے باہر بستیوں کی طرف نکل جائے اسی لیے بادیہ نشین کو بادی (بدو) کہا جاتا ہے البادون وہ جو شہری نہ ہوں (دیہاتی ہوں)۔ والبدو خلاف الحضر۔

یَسْاَلُوْنَ مدینہ سے سب آنے والے پوچھیں عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ تمہاری خبریں اور تمہارا ماجرا کہ تم پر کیا گزری یعنی وہ حالات جو تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے مابین گزرے اور یہ بھی ان کی آرزو میں داخل ہے یعنی وہ آرزو کرتے ہیں کہ کاش وہ تم سے غائب ہو کر تمہاری خبریں سنتے اور تمہارے ساتھ نہ ہوں اور دور سے حالات پوچھتے رہتے وَلَوْ كَانُوْا فِیْكُمْ اور اگر وہ دوسری بار خندق میں تمہارے ساتھ ہوں اور مدینہ طیبہ کی طرف بھاگ کر نہ جا سکیں اور جنگ چھڑ جائے تو مَّا قٰتَلُوْۤا اِلَّا قَلِیْلًا ۠ تو ریاء اور عار کے خوف سے نہیں جنگ کریں گے مگر تھوڑی اور وہ بھی ثواب کی نیت سے نہیں (بلکہ ریاء اور عار کے خوف سے)۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ
بے شک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے
كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيرًا ﴿۲۱﴾
اس کے لیے کہ اللہ اور پچھلے دن کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت یاد کرے
وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُونَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ
اور جب مسلمانوں نے کافروں کے لشکر دیکھے بولے یہ ہے وہ جو ہمیں وعدہ دیا تھا اللہ اور اس کے رسول نے اور سچ فرمایا
اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ
اللہ اور اس کے رسول نے اور اس سے انہیں نہ بڑھا مگر ایمان اور اللہ کی رضا پر راضی ہونا مسلمانوں میں کچھ وہ مرد ہیں جنہوں
صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ
نے سچا کر دیا جو عہد اللہ سے کیا تھا تو ان میں کوئی اپنی منت پوری کر چکا اور کوئی راہ دیکھ رہا
يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ
ہے اور وہ ذرا نہ بدلے تاکہ اللہ سچوں کو ان کے سچ کا صلہ دے اور منافقوں کو
الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۴﴾ وَرَدَّ اللّٰهُ
عذاب کرے اگر چاہے یا انہیں توبہ دے بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور اللہ نے
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ وَكَانَ
کافروں کو ان کے دلوں کی جلن کے ساتھ پلٹایا کہ کچھ بھلا نہ پایا اور اللہ نے مسلمانوں کو لڑائی کی کفایت فرما دی اور اللہ
اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿۲۵﴾ وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ
زبردست عزت والا ہے اور جن اہل کتاب نے ان کی مدد کی تھی انہیں ان کے قلعوں سے اتارا
وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿۲۶﴾ وَاَوْرَثَكُمْ
اور ان کے دلوں میں رعب ڈالا ان میں ایک گروہ کو تم قتل کرتے ہو اور ایک گروہ کو قید اور ہم نے تمہارے ہاتھ
اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَــُٔوْهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
لگائے ان کی زمین اور ان کے مکان اور ان کے مال اور وہ زمین جس پر تم نے ابھی قدم نہیں رکھا ہے اور اللہ ہر چیز پر
قَدِيْرًا ﴿۲۷﴾
قادر ہے

تفسیر عالمانہ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ بے شک تمہارے لیے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عادات اچھی۔ اے ایمان والو! جیسا کہ تغییر

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

جلالین میں ہے یہ ظاہر ہے جس کی تائید آنے والے مضمون لمن کان یرجو اللہ الخ سے بھی ہوتی ہے

حل لغات: امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ الاسوۃ، قدوۃ کی طرح ہے وہ عادت جو انسان میں کسی دوسرے کی اتباع میں ہو وہ اچھی ہو یا بُری، وہ با مسرت ہو یا با مضرت۔ جیسے کہا جاتا ہے،

تاسیت بہ یعنی اقتدیت (میں نے اس کی اقتدا کی)

اب معنی یہ ہوا کہ اے لوگو! تمہارے لیے ہے حضرت محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اچھی خصلت اور بہتر طریقہ۔ اس کا حق یہ ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے جیسے جنگ میں ثابت قدم رہنا شدائد و تکالیف جھیلنا۔ اُحد میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ابرو مبارک کے اوپر زخم آئے اور دندان مبارک شہید ہوئے۔ آپ کے چچا سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ علاوہ ازیں مختلف طریقوں سے آپ کو اذیتیں پہنچائی گئیں۔ آپ جنگ میں ٹھہرے رہے۔ جنگ کو چھوڑ کر مدینہ طیبہ کا رُخ نہ کیا۔ صبر فرمایا۔ گھبراہٹ کا اظہار نہ فرمایا۔ لہٰذا تم ان کی اقتداء کرو بلکہ ان کی مدد کرو ان کے خلاف نہ چلو۔

ف: فی رسول اللہ میں کلمہ فی کو خالی کر لیا جائے اور صرف آپ کی ذات کریمہ مراد لی جائے۔ یعنی آپ ہی کی ذات قدوۃ ہے یعنی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فی نفسہٖ اسوہ ہیں ان کی اقتداء مستحسن ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے فی البیضۃ عشرون منا حدیدا یعنی اس سے خود کا بیس سیر لوہا ہونا بتاتا ہے کہ وہ بیس سیر کا ہے۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ اس کے اندر بیس سیر لوہا ہے۔

لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ اس کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ثواب اور آخرت کی نعمتوں کی امید رکھتا ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ اور آخرت کا خوف رکھتا ہے۔ الرجاء خوف و امید دونوں معنوں کا حامل ہے اور لمن کان (الخ) الحسنۃ کا متعلق یا کی صفت ہے لکم کا بدل نہیں کیونکہ اکثر نحویوں کا خیال ہے کہ کوئی شے ضمیر کا بدل نہیں بن سکتی وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝ اور وہ اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرتا ہے یعنی ہر وقت ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی یاد میں رہتا ہے۔ کثرت ذکر رجا کے پہلو سے میں طاعت کے التزام کی طرف اشارہ ہے اور اس طرح سے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا نصیب ہوتی ہے۔

ف: حضرت حکیم ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اسوۂ رسول کا مطلب ہے کہ ان کی اقتداء اور آپ کی سنت کا اتباع کی جائے اور کسی قول و فعل میں مخالفت نہ کی جائے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

۱ درین بحر جز مرد ساعی نرفت
گم آں شد کہ دنبال راعی نرفت

۲ کسانے کزیں راہ برگشتہ اند
برفتند بسیار و سرگشتہ اند

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۳ خلاف پیغمبر کسی راہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہ رسید

۴ محالست سعدی کہ راہ صفا
تواں رفت جز بر پے مصطفیٰ

ترجمہ: (۱) اس راستہ پر وہ چلا جو جدوجہد کرنے والا ہے گم ہوا جو راہی کے پیچھے نہ گیا۔

(۲) وہ لوگ جو اس راہ سے بھٹکے، دور تک چلے لیکن پریشان ہو گئے۔

(۳) پیغمبر علیہ السلام کے خلاف جس نے کوئی راستہ اختیار کیا وہ منزل مقصود تک ہرگز نہ پہنچ سکیگا۔

(۴) اے سعدی! راہ صفا پر پہنچنا اتباع مصطفیٰ کے بغیر محال ہے۔

مسئلہ: ہر مسلمان مرد و عورت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع واجب ہے تاکہ رجائے آخرت کا تحقق ہو اور عمل صالح کا اچھا ثمر ملے اس لیے کہ آپ ہی واسطہ و وسیلہ ہیں۔

تفسیر صوفیانہ ۱ مقام نفس میں ایمان بالغیب کے لیے رجاء لازم ہے اس کے بعد ذکر کثیر میں اشارہ ہے کہ اس مقام کو عمل ضروری ہے تاکہ معلوم ہو کہ ابتداء سے سلوک میں متابعت فی الاعمال والاخلاق اور مجاہدات بالنفس والمال لازم ہے کیونکہ جس کی ابتداء مستحکم نہیں وہ انتہا میں کس طرح کامیابی حاصل کرسکتا ہے۔ پھر جب سالک نفس کے تجربہ وتجزوہ سے فارغ ہو جائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ حضور سرور عالم کی موارد قلب میں اتباع کرے جیسے صدق و اخلاص و تسلیم۔ تاکہ آپ کی متابعت کی برکت سے مقام قلب میں مواہب و احوال و تجلیات صفات سے محظوظ ہو جیسے مقام نفس میں مکاسب و مقامات و تجلیات افعال سے محظوظ ہوا ایسے مقام روح میں یہاں تک کہ مقام فنا نصیب ہو۔

صوفیانہ تفسیر ۲ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں متابعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس امت پر جو ازل میں عنایت کا وعدہ ہو چکا ہے کی طرف اشارہ ہے جیسے لقد کان لکم میں لفظ ماضی کی خبر دیتا ہے یعنی تھا تمہارے لیے ازل میں مقدر ہو چکا کہ تمہارا نکلنا ہوگا عدم سے وجود میں فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا مستحسن ہے۔

سب سے اول کون اس لیے کہ جو سب سے پہلے ایجاد و قدرت سے متعلق ہوا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک ہے جیسا کہ فرمایا:

اوّل ما خلق اللہ روحی۔

(سب سے پہلے جو چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ میری روح (اقدس) ہے)

اسی معنی پر اسوہ حسنہ سے مراد تعلق قدرت ہے جو اس امت کی ارواح سے متعلق ہوا کہ عدم سے وجود کی طرف

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ اقدس کے بعد اس امت کی ارواح لائی گئیں تو جو اس متابعت سے عدم سے وجود کی طرف لایا گیا عالمِ اشباح سے متعلق ہونے سے پہلے عالمِ ارواح میں بھی اس کے اثرات پہلے ایسے ہی ارواح کے اشخاص سے متعلق ہونے سے پہلے اثرات مرتب ہوئے۔ عالمِ ارواح میں اثرات یوں مرتب ہوئے کہ آپ عالمِ ارواح میں روحِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جتنا قرب تھا اتنی ہی متابعت اعلیٰ نصیب ہوئی پھر دوسری پھر تیسری، اسی طرح جتنی متابعت میں کمی تھی اتنی ہی روحِ اقدس سے دوری۔ ایسے قبولِ الٰہی کی استعداد کو سمجھیے ایسے ہی متابعت کی برکات کا اثر ذریات کا صلبِ آدم علیہ السلام ذرات میں آنے کو سمجھیے۔ ایسے ہی بارگاہِ حق میں ارواح کی حاضری کو سمجھیے ایسے ہی الستُ بربکم کے خطاب کو سننے اور بلیٰ کے جواب کو سمجھیے ایسے ہی معاہدۂ مع اللہ اور پھر صلبِ آدم کی واپسی کو سمجھیے۔ ایسے ہی اصلابِ آباء سے ارحامِ امہات کے خروج کا تاثر ایسے ہی روح کے جسم سے تعلق کا تاخر وغیرہ۔ ان تقدمات و تاخرات میں اسی کی عکسیں ہیں۔ اس میں تاثیرات عجیبہ ہیں جن کے ذکر میں طوالت نہ ہوتی تو بیان کی جاتیں۔

تعلق مابین جسم و روح

جیسے عالمِ ارواح میں متابعت کا اثر آپ نے پڑھا ایسے ارواح کے عالمِ اشباح کو سمجھیے کہ متابعت کا اثر عالمِ ارواح میں بھی ظاہر ہوتا ہے وہ اس طرح کہ جب نطفہ رحم میں ٹھہرتا ہے تو روح کی نظر اثر سے نطفہ تربیت پا کر مکمل جسم کی شکل اختیار کر لیتا ہے یہاں تک کہ وہ روح کے تعلق کو قبول کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ روح مع الجسم کی مثال اس نقشِ خاتم کی موم کی سی ہے کہ جب اس پر انگشتری رکھی جاتی ہے تو اس پر انگشتری کا تمام نقشہ آ جاتا ہے۔ ایسے ہی جب روح جسم میں رکھی جاتی ہے تو اس کے وہ تمام خواص اس میں آ جاتے ہیں اس نے ان تقدمات و تاخرات کو اسی ترتیب سے حاصل کیا اسی لیے جو اقوال و افعال انسانی ابتدائے عمر سے آخر عمر تک سرزد ہوتے ہیں انہی خواص کے آثار سے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے روح میں امانت رکھے ہیں۔ اس سے واضح ہوا کہ جتنا کسی روح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب حاصل ہے اتنا ہی اسے اتباع نصیب ہے اور وہ جتنا دور تھا اتنا ہی اسے متابعت سے محرومی ہوئی۔ اس کی نیات و اعمال کا دارومدار اسوۂ حسنہ پر ہے۔ جو حضرات حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی اعتبار سے قریب تر ہیں ان میں متابعت کی جھلک ہے کہ وہ خالص رضائے الٰہی پر اتباع میں ہیں اسی لیے فرمایا:

لمن کان یرجوا اللہ۔

اور جو ان میں سے کچھ کم ہیں وہ درجات میں بھی کم ہیں یعنی ان کے اعمال صرف یومِ آخرت میں نعیمِ جنت کے حصول کے لیے ہیں ان کے لیے فرمایا:

والیوم الآخر۔

لیکن ایسے مقامات کے حصول کو ایک شرط [illegible]

For more books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وذکروا اللہ کثیرًا ۔

اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ یاد کرنا۔ اس لیے اس سے ذکر لا الٰہ الا اللہ میں نفی و اثبات ہے۔ یہی سالک کے اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے دو قدم اور واسطے والوں کے دو پر۔ انہی سے ہی سب سالکین ظلمات الوجود المجازی سے نکل کر راہ ہدیٰ اور وجود حقیقی کے نور کو پاتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ اور جب اہل ایمان نے اس گروہ مخالف کو دیکھا، جو جمع ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کے لیے آئے تھے۔ حزب جماعت جو کثرت اور انبوہ والا ہو۔ کما فی المفردات۔ قَالُوْا هٰذَا کہا یہ بہت بلائے عظیم مَا وَعَدَنَا اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وہ ہے جس کا ہمیں اللہ تعالیٰ و رسول نے وعدہ دے رکھا ہے جس کا ذکر:

ام حسبتم ان تدخلوا الجنة ولما یاتکم مثل الذین خلوا من قبلکم مستھم البأسا والضراء۔

(کیا تمہارا گمان ہے کہ تم بہشت میں داخل ہو گے کیا تا ہنوز تمہارے ہاں ان کی کہاوتیں نہیں جو تم سے پہلے گزرے ہیں انہیں بھی خوف اور ضرر پہنچا)

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریف:

سیشتد الامر باجتماع الاحزاب علیکم والعاقبة لکم علیھم۔

(عنقریب تمہیں ایک بہت بڑے گروہ کا اجتماع گراں گزرے گا لیکن نیک انجام تمہارے لیے ہوگا)

اور فرمایا:

ان الاحزاب سائرون الیکم بعد تسع لیال او عشر۔

(ایک بہت بڑا گروہ نو دس دنوں کے بعد تمہارے ہاں آنے والا ہے)

وَصَدَقَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا یعنی ان کا صدق ظاہر ہو گیا وَمَا زَادَهُمْ اور اہل ایمان کو گروہ کا دیکھنا نہ بڑھایا اِلَّآ اِيْمَانًا مگر اللہ تعالیٰ اور اس کے مواعید پر ایمان وَّتَسْلِيْمًا اور تسلیم کو کہ اس کے ہر امر اور اس کی ہر تقدیر کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔

ف: حضرت کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر امر کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ دونوں جہان کی سعادت اسی میں ہے ؎

ہر کہ دارد چون قلم سر بر خط فرمان او
می نویسد بخت طغرای شرف بر نام او

ترجمہ: جو قلم کی طرح اس کے فرمان پر سر رکھتا ہے اس نام پر طغرائے شرف سے بخت ہی بخت لکھتے ہیں۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ بعض اخلاص سے ایمان والے رِجَالٌ صَدَقُوْا وہ لوگ ہیں جو سچ کے عادی ہیں مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ اس میں جس پر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاہدہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہیں گے اور اعلائے دین کے لیے لڑتے رہیں گے یعنی جو معاہدہ کیا اس پر عمل کر دکھایا جیسے عثمان بن عفان وطلحہ بن عبداللہ وسعید بن زید بن عمرو بن نفیل وحمزہ ومصعب بن عمیر وانس بن نضر وغیرہم (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) ان سب نے منت مانی تھی کہ جب یہ مخالف گروہ آئے گا تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہ چھوڑیں گے اور لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ ہم شہید ہوجائیں۔

نکتہ: حضرت حکیم ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حیوانات سے انسان کو اور انسان سے اہل ایمان کو اور اہل ایمان سے من المؤمنین رجال الخ کو مکرم بنایا اور ان رجال سے اہل صدق مراد ہیں اور جو صدق کے میدان میں نہیں اسے رجولیت سے خارج سمجھیں۔

مسئلہ: نذر قربت مشروعہ ہے اس کی ادائیگی لازم ہے اور اس پر اجماع ہے بشرطیکہ معصیت کی نذر نہ ہو۔

سوال: حدیث شریف میں ہے:

لا تنذروا فان النذر لا یغنی من القدر شیئا۔

(منت نہ مانو اس لیے کہ منت (نذر) اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو نہیں روک سکتی)

جواب ۱: یہ اس عقیدہ کا رد ہے جس کا خیال ہو کہ نذر ہر لحاظ سے تقدیر کو دفع کر سکتی ہے نہ کہ مطلق نذر کی رکاوٹ ہے (جب اس سے اللہ تعالیٰ کے فضل پر امید کر کے منت مانی جائے) جیسا کہ حدیث مذکور کا آخری جملہ دلالت کرتا ہے کہ منت سے بخیل کے ہاتھ سے کچھ نہ کچھ نکال لیا جاتا ہے۔

جواب ۲: اگر مطلقاً رکاوٹ ہوتی تو پھر کام ہوجانے پر اس کی ادائیگی کے لزوم کی طرف اشارہ ہے کیونکہ سخی تو اپنے اختیار سے دیتا ہے جو کچھ اس سے ہو سکتا ہے وہ نذر کے بغیر بھی دیتا رہتا ہے اور بخیل صرف اسی وقت دیتا ہے جب نذر ملے اور کام ہو تو تب۔

ف: جس کے خیال میں نذر وعدم نذر برابر ہے (یعنی راہ خدا میں پہلے سے بھی دیتا رہتا ہے) تو وہ عزیمت تحقیق وتاکید کے لیے منت مانتا ہے تو اس میں کسی کو اختلاف نہیں بلکہ ایسی منتیں احسن ہیں۔

خواص کی اکثر نذور وہ ہیں، دل میں جو کھٹکا اس پر ڈٹ گئے اور زبان کی عقد جنانی

صوفیہ کرام کی نذور عقد کی تعمیم ہے تو جیسے عقد لسانی کی ادائیگی لازم ہے ایسے ہی عقد جنانی بطریق اولیٰ واجب ہے اسی لیے ان کی محافظت ضروری ہے کیونکہ یہ عقد باب تقویٰ سے ہے اور اس پر محافظت کرنے والا ولی اللہ ہے ؎

طریق صدق بیاموز از آب صافی دل
براستی طلب آزادگی چو سرو چمن

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۲ وفا کنیم و ملامت کشیم و خوش باشیم
که در طریقت ما کافریست رنجیدن

ترجمہ (۱) صاف دل انسان سے طریقہ صدق کا سبق سیکھ سچے دل سے راہِ مستقیم پانا کے سرو سے طلب کر۔

(۲) ہم وفا کریں گے دکھ اٹھائیں گے اور خوش رہیں گے اس لیے کہ رنج ہونا ہمارے طریقہ میں کفر ہے۔

فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ (پس بعض ان میں وہ ہیں جو منت کو پورا کرتے ہیں) یہ صادقین کے حال کی تفصیل اور تقسیم ہے اور وہ دو قسم ہیں (جیسا کہ آیت میں بتایا گیا ہے)؛

(۱) النحب: وہ نذر جس کے وجوب کا حکم ہے وہ جو انسان اعمال میں سے کوئی عمل اپنے اوپر لازم کر لے اور

(۲) قضا: یعنی اس کی ادائیگی سے فراغت پانا اور پورا کرنا۔ مثلاً کہا جاتا ہے؛

قضٰی نحبہ۔ (فلاں نے اپنی نذر پوری کی)

اور موت ہو جانے اس پر بھی لفظ قضاء کا اطلاق کرتے ہیں مثلاً؛

قضی اجلہ واستوفی اکلہ وقضی من الدنیا حاجتہ۔

(فلاں نے اپنی میعاد پوری کر لی اور دانہ پانی پورا کر لیا اور دنیا میں سے اپنی ضرورت پوری کر لی)

اس لیے کہ موت ہر حیوان کے گلے میں نذر کی طرح لازم ہے اور جار مجرور محلاً مرفوع مبتدأ ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ ان کے بعض وہ ہیں جو اپنی نذر سے عہدہ برآ ہو گئے بایں طور کہ جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ جیسے حضرت حمزہ و مصعب بن عمیر اور انس بن النضر الخزرجی الانصاری یعنی حضرت انس بن مالک کے چچا (رضی اللہ عنہم اجمعین)

عشقِ انس بن النضر رضی اللہ عنہ کا نمونہ

مروی ہے کہ حضرت انس بن النضر رضی اللہ عنہ بدر میں شریک نہ ہو سکے اُحد میں شریک تھے۔

جب ابلیس نے اعلان کیا کہ (حضور سرور عالم حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) شہید ہو گئے تو صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سر جھکا کر بیٹھے تھے ان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کا ان پر گزر ہوا تو پوچھا: کیوں بیٹھے ہو؟ فرمایا: حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم تو شہید ہو گئے (اب ہم کیا کریں) حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے خدا کے بندو! اب جی کر کیا کرو گے؟ اٹھو اور کافروں کے ساتھ لڑو۔ اس کے بعد تلوار نکالی اور کفار میں گھس گئے۔ یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ آپ کے جسم مبارک پر اسّی سے زیادہ زخم پائے گئے ؎

بے زخم تیغ عشق ز عالم نمی روم
بیروں شدن ز معرکہ بے زخم عار ماست

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ترجمہ: عشق کی تلوار کے زخم کے بغیر ہم دنیا سے نہیں جائیں گے اس لیے کہ معرکہ جنگ سے زخموں کے بغیر چلے جانا ہمارے لیے عار ہے۔

وَمِنْهُمْ اور بعض ان میں وہ ہیں مَّنْ يَّنْتَظِرُ جو اپنی منت پوری کرنے کے انتظار میں ہیں کیونکہ ان کا ایک وقت مقرر تھا جیسے حضرت عثمان و حضرت طلحہ وغیرہما رضی اللہ عنہم، وہ اپنی نذر پر ہے مگر ان کا بعض حصہ ادا کیا۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہنا یہاں تک کہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور دوسرے حصہ کے پورا کرنے کے لیے منتظر رہے یعنی جنگ میں شہید ہونا اور اس میں ان کے انتظار میں ان کا شوق شہادت کی طرف اشارہ ہے ؎

غافلاں از مرگ مہلت خواستند
عاشقاں گفتند نے نے زود باد

ترجمہ: غافل موت سے مہلت چاہتے ہیں لیکن عاشق کہتے ہیں نہیں نہیں خدا کرے جلد موت آ جائے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

دانۂ مردن مرا شیریں شدست
بل ہم احیاء پے من آمدست

ترجمہ: موت کا دانہ میٹھا ہوا ہے بل ہم احیاء (بلکہ وہ زندہ ہیں) ہمارے لیے ہے۔

صدق جان دادن بود ہیں سابقوا
از نبی بر خوان رجال صدقوا
اے بسا نفس شہید معتمد
مردہ در دنیا و زندہ می رود

ترجمہ: صدق سے جان دینا ہی حق ہے آگے بڑھو۔ نبی علیہ السلام سے سبق پڑھ کر آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ سچے ہیں (جو اصحاب میں ساتھ تھے) بہت سے لوگ جو نفس کی جنگ میں شہید ہوئے وہ دنیا والوں کے خیال سے مر گئے لیکن درحقیقت وہ زندہ ہیں۔

وَمَا بَدَّلُوْا اس کا صدق قضا پر عطف ہے اور اس کا فاعل بھی وہی ہے جو صدق قضا کا ہے یعنی انہوں نے اپنا معاہدہ نہ بدلا ہے اور نہ اس میں کسی قسم کا تغیر واقع ہوا تَبْدِيْلًا ۝ کسی قسم کی تبدیلی نہ اصل میں نہ وصف میں بلکہ اس پر ثابت قدم بلکہ اس سے بڑھ کر اس کی ادائیگی اور اس کے حقوق کی رعایت کرنے والے ہیں جنہوں نے منت پوری کر لی ان کا صدق تو ظاہر ہے اور جو انتظار میں ہے ان کا انتظار ان کے لیے شاہد عدل ہے۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے فضائل اور عشق

مروی ہے کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اُحد میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے بلکہ آپ کی حفاظت میں ان کا ہاتھ کٹ گیا اور چوبیس زخم کھائے۔ اس پر حضور سرور عالم صلی اللہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

علیہ وسلم نے ان کے لیے فرمایا :

اوجب طلحۃ الجنۃ ۔

(طلحہ (رضی اللہ عنہ) نے اپنے اوپر جنت واجب کر لی)

اسی دن آپ نے ان کا نام طلحۃ الخیر رکھا، حنین میں ان کا نام طلحۃ الجود اور غزوۂ ذات العشیرہ میں طلحۃ الفیاض رکھا گیا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ یوم الجمل میں شہید ہوئے۔

ف : آیت میں منافقین اور قلب کے مریضوں کی تعریض ہے کہ وہ عہود کو توڑتے اور عقود کو بدلتے ہیں ؎

فدائے دوست نکردیم عمر و مال دریغ
کہ کار عشق ز ما ایں قدر نمی آید

ترجمہ : افسوس کہ ہم عمر و مال دوست پر قربان نہ کر سکے۔ عشق میں ہم سے یہ کام نہ ہو سکا۔

لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ جو کچھ ہوا صادقین سے جو کچھ صادر ہوا اس پر صدق و وفا قولاً و فعلاً کی اللہ تعالیٰ انہیں جزا دے گا۔ دنیا میں تمکین اور دشمنوں پر فتح و نصرت اور اسلام کا جھنڈا بلند کر کے اور آخرت میں بہترین ثواب و انجام اور بہشت کی دائمی نعمتیں اور دوسروں پر تکریم و تعظیم سے تقدیم۔ کما قال فی کشف الاسرار۔ **وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ** اور جو کچھ منافقین سے اقوال و اعمال مذکورہ صادر ہو چکے ہیں ان کو عذاب دے گا **اِنْ شَآءَ** اگر انہیں عذاب دینا چاہے، اگر وہ توبہ کر لیں۔ البتہ ان کا شرک نہ بخشا جائے گا **اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ** اگر وہ توبہ کریں تو ان کی توبہ قبول کر لے گا **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا** بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کے گناہ چھپاتا ہے اور ان سے جو کچھ صادر ہوا اسے مٹانے والا ہے **رَّحِيْمًا** انہیں جنت و ثواب کا انعام عطا فرمانے والا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

بعض مشائخ نے فرمایا کہ رجولیت کی علامت ہے صدق فی العہد وہ یہ ہے کہ دنیا و عقبیٰ و درجات علیا میں غیر اللہ کی پرستش نہ کرے یہاں تک کہ وہ بلند و بالا بارگاہ تک پہنچ جائے۔ بعض صادقین وہ ہیں جو مقصد تک پہنچ کر مقصد کو پا لیا یہ منتہی لوگ ہیں اور بعض ان میں وہ ہیں بلوغ و وصول کے منتظر ہیں اور وہ ابھی سیر میں ہیں اور یہ متوسط لوگ ہیں طلب و اقبال سے اعراض کر کے اپنے معاہدہ کو تبدیل نہیں کرتے یعنی وہ غیر اللہ کی طلب میں ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں طلب صدق اور قدم صدق کی جزا دے اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں مرتبہ پا لیتے ہیں اور اگر وہ چاہے تو منافقین کو عذاب دے۔ اور منافقین سے وہ مدعیانِ طلب مراد ہیں جو بغیر قدم صدق سے طلب کرتے ہیں یعنی جھوٹے مدعی ہیں اور تلبیس و ریاء کرتے ہیں۔ اہلِ خرقہ (اولیاء) کی صورت اور ان کے لباس میں رہ کر اہلِ ریاء و اہلِ نفاق کی سیرت اپناتے ہیں۔ جیسا کہ کسی نے کہا ؎

اما الخیام فانہا کخیامہم
واری نساء الحی غیر نسائہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ترجمہ: یہ خیمے ان کے خیموں کی طرح ہیں لیکن دیکھتا ہوں تو قبیلہ کی عورتیں ان جیسی نہیں۔

سبق سالک کو توبہ صدق و ثبات ضروری ہے یہاں تک کہ اسے مغفرت، رحمت و ہدایت کے آثار نمودار ہوں یعنی جواں مرد کو عنایت ازلی صادقین کا گوہر بخشتی ہے اگرچہ ان کی راہ پر چلنا چاہتا ہے تو پھر اگر بیگانہ ہے تب بھی اسے آشنا بنا دیا جاتا ہے اگر عاصی ہے تو عارف بنا دیا جاتا ہے اگر درویش ہے تو اسے توانگر بنا دیا جاتا ہے۔

کرامت ابن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھے روم کی طرف جانے کی غیبی کشش ہوئی اور میں حیران تھا کہ یہ کشش و جذب کیسی! بالآخر میں روم کو روانہ ہوا، ایک سرائے میں ڈیرہ جما لیا۔ ایک گروہ زنار پہن کر میرے ارد گرد جمع ہو گیا میں نے غیرتِ اسلامی سے انہیں دیکھ کر اپنا پیراہن تار تار کر دیا اور شور برپا کر دیا یہاں تک کہ وہ سارے میرے ارد گرد جمع ہو گئے اور پوچھا، بابا! کیا ہے تجھے کون سی بیماری ہے جس سے تم نے پیراہن تار تار کر دیا۔ میں نے کہا، میں تمہارے کفر کے زنار دیکھنا نہیں چاہتا۔ پوچھا، تم محمدی ہو؟ میں نے کہا ہاں، میں محمدی ہوں۔ اُنہوں نے کہا، تو پھر بات آسان ہے وہ یہ کہ ہم نے سُنا کہ تمہارے (حضرت) محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) پتھروں کو کلمہ پڑھا دیتے تھے اور یہ ہمارے زنار بھی پتھر سے کم نہیں اگر یہ تمہارے کہنے پر تمہارے نبی عربی کی نبوت کی گواہی دیں تو ہم انہیں اتار پھینکیں گے اور دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے سر سجدہ میں رکھ کر نہایت عجز و انکساری سے بارگاہِ حق میں عرض کی، اے الٰہ العالمین! مجھے بخش دے اور اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا کر دکھا اور اسلام کی مدد فرما۔ فرماتے ہیں کہ میں ابھی سجدہ میں تھا اور میری مناجات ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی کہ ہر زنار زبانِ فصیح بول رہا تھا،

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

تفسیر عالمانہ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو لوٹایا ان کافروں سے وہی گروہ مراد ہیں جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کے لیے جمع ہو کر آئے تھے اور اس میں واقعہ سابقہ کی طرف رجوع ہے یعنی پہلے جو کچھ ہوا سو ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو لوٹایا درانحالیکہ وہ تھے بِغَيْظِهِمْ اپنے غیظ و غضب اور حسرت میں یعنی غصہ آلود ہو کر لوٹے۔

حلِ لغات الغیظ سخت قسم کا غضب یعنی وہ حرارت جو انسان قلب کے خون کے جوش سے اپنے میں محسوس کرے۔

لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا کچھ بھی بھلائی نہ پائی۔ یہ دوسرا حال ہے یعنی ان کا حال یہ تھا کہ فتح جو ارادہ لے کر آئے کہ ہم غلبہ پا جائیں گے اسے نہ پا سکے یعنی ناکام و نامراد واپس لوٹے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ف : واضح خیرًا اس لیے کہا کہ ان کے گمان میں یہ خیر و بھلائی متصور تھی انہی کے استعمال اور ان کے گمان کے مطابق اسے خیر کہا گیا ورنہ یہ تو شر ہی شر تھا)

وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ؕ اور اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو لڑائی میں کفایت فرمائی۔ جیسا کہ مذکور ہوا کہ ان پر سخت آندھی چلی اور فرشتے آ گئے اور ان کے خیمے وغیرہ اکھاڑ ڈالے ؎

باد صبا ببست میان نصرت ترا
دیدی چراغ کہ کشتہ باد یاوری

ترجمہ : باد صبا نے تمہاری مدد پر کمر باندھی۔ اس چراغ کو دیکھو کہ ہوا اس کی مدد کر رہی ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا اور اللہ تعالیٰ اپنے ارادہ کے مطابق جو کچھ پیدا کرنا چاہے قوی ہے عَزِيْزًا ؕ ہر شے پر غالب ہے وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ ربط : ایک اور کفایت کی خبر دی اور فرمایا کہ اور انہیں نازل کیا جنہوں نے ان کی مدد کی۔ اس سے وہ گروہ مراد ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے مردود ہو کر لوٹا اور معاونت کرنے والا اور عہد توڑنے والا۔ وہی اہل کتاب مراد ہیں جن کا ذکر آیت میں ہے کہ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اہل کتاب میں سے۔ اس سے بنو قریظہ مراد ہیں یعنی وہ یہود جو مدینہ طیبہ میں رہتے تھے یعنی اوس کے حلیف اور اس وقت اوس کا سردار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ تھے مِنْ صَيَاصِيْهِمْ اپنے قلعوں میں۔

حل لغات : صیاصی (بالکسر) جمع ہے صیصہ کی۔ جس سے حفاظت کی جائے۔ اسی لیے بیل اور ہرن کے سینگ اور شوکۃ الدیک (مرغ کا پنجہ) کو صیصہ کہا جاتا ہے اور شوکۃ الدیک یعنی مرغ کا وہ پنجہ جو اس کی ٹانگ میں ہے۔ اس سے وہ اپنی حفاظت کرتا اور لڑتا ہے [1]

---

[1] ہمارے دور (۲۰۰۲ء اور ۸۶/۱۹۸۵ء) میں جانوروں پر ظلم ڈھایا جا رہا ہے جس کی ایک جھلک نذر قارئین ہے:

مرغ کی مرغ کے ساتھ کشتی اس مخلوق کے انسانیت پر بے شمار احسانات ہیں۔ اس مخلوق کو آپس میں لڑانا اور مزے لینا انسانیت کے منہ پر بدترین اور بدنما ترین داغ ہے۔

بٹیر کی بٹیر اور تیتر کی تیتر کے ساتھ کشتی ان کو پنجروں میں بند رکھنا۔ آزادی اس مخلوق کی قابل فخر دولت ہے۔ ان کو اس سے محروم کرنا اور پھر ستم بالائے ستم کہ ان کو آپس میں لڑایا جاتا ہے۔

اونٹ کی کشتی اونٹ کے ساتھ اللہ رب العزت نے اس مخلوق کو اپنی قدرت کی نشانی قرار دیا۔ انسان جو کبھی اپنی حدی خوانی سے اس پر مستی اور خوشی کا عالم طاری کر دیتا تھا آج اسے اس کے بھائیوں سے لڑا کر اپنے غلامانہ جذبات کی تسکین حاصل کرتا ہے۔ (باقی بر صفحہ آئندہ)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ریچھ کی کُتّے کے ساتھ کشتی

ریچھ جو اپنے کوہستانی وطن میں آزادی کے سانس لیتا، من بھاتی غذائیں کھاتا اور صاف شفاف چشموں کے پانی پیتا تھا، انسان کے معصوم چہرے کو دیکھ کر اس کے دام میں پھنس گیا ورنہ اگر یہ اپنا پنجہ بھی ہوا میں لہرا دیتا تو انسان کی جان نکل جاتی۔ اسے معلوم نہ تھا کہ آج کا انسان اسے اپنے وطن سے جا کر کیسا سلوک کرے گا۔ کتا جو اب ان کے گھر کا نگہبان ہے اسے اپنے ریچھ سے لڑا کر اور دونوں کو لہو لہان دیکھ کر انسان قہقہے لگاتا ہے۔

کتّے کی کتّے کے ساتھ کشتی

کتا ایک پالتو جانور ہے۔ کتا بہت وفادار ہے۔ اس کو رکھوالی کے لیے پیدا کیا گیا۔ مگر انسان ان کو آپس میں لڑا کر بہت خوش ہوتا ہے۔

جانوروں پر ظلم

ظلم اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ انسانوں پر ظلم بہت بڑی بات ہے۔ مگر جانوروں پر ظلم اس سے بھی زیادہ برا ہے اس لیے کہ جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے ہماری خدمت کے لیے مسخر فرما دیا ہے ان سے وہی کام لینا چاہیے جس کے لیے وہ پیدا کیے گئے ہیں اور اتنا کام لینا چاہیے جس کے وہ آسانی سے متحمل ہو سکیں۔ ان کی خوراک اور آرام وغیرہ کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔

سوچنے کی بات ہے کہ انسان پر اگر کسی طرف سے ظلم ہو تو وہ شور مچا کر اپنے دل کی بات متعلقہ لوگوں تک پہنچا دیتا ہے کیونکہ وہ ایک بااختیار مخلوق ہے۔ لیکن جانور، پرندے جو انسان کے سامنے بے بس اور بے زبان ہیں انھیں انسان جو طرح طرح کی ایذائیں صرف دولت جمع کرنے اور لطف اندوز ہونے کے لیے دیتا ہے ناقابلِ بیان ہیں، یہ اپنی فریاد کہاں پیش کریں! کیا ان سے ہمدردی ہم پر لازم نہیں؟ کیا ہم ان مظلوموں کے چہروں سے ان کے دلی جذبات کا اندازہ نہیں لگا سکتے؟ کیا ان کی آہ و زاری کو خدا تعالیٰ نہیں سنتا بلکہ ہماری آہ و زاری سے ان کی بہت زیادہ سنتا ہے۔

جانوروں پر ظلم و ستم کی جزا و سزا کا بیان آگے چل کر عرض کروں گا پہلے اس نبی رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشاداتِ گرامی ملاحظہ فرما لیں کہ وہ رحمتِ عالم جس طرح انسانیت کا محسنِ عظیم ہے جانوروں کے لیے کتنا رحیم و کریم ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)

اونٹ کی فریاد

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے وہاں ایک اونٹ نظر آیا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی بلبلانے لگا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی گدی پر ہاتھ پھیرا تو وہ خاموش ہو گیا۔ آپ نے پوچھا، اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ ایک انصاری نوجوان نے عرض کی، حضور! یہ اونٹ میرا ہے۔ حضور سرورِ عالم نے اسے ڈانٹتے ہوئے فرمایا،

افلا تتقی فی ھذہ البھیمۃ التی ملك   اس کے بارے تم خدا سے نہیں ڈرتے جس نے

(باقی برصفحہ آئندہ)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اللہ ایاہ فانہ شکی الیّ انک تجیعہ وتدئبہ ۔ (رواہ ابو داؤد)

تمہیں اس کا مالک بنایا اونٹ نے ابھی مجھ سے شکوہ کیا ہے کہ تم اُسے بھوکا رکھتے ہو اور بہت زیادہ محنت لیتے ہو۔

ف : اونٹ ایک کمزور عقل جانور ہے لیکن اس کو یہ خبر ضرور تھی کہ ہم سب کے فریاد رس خدا کے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی فریاد سنا دی۔ اس کا مزید تبصرہ فقیر کی کتاب "دوابی اور جانور" میں ملاحظہ کیجئے۔

ایک اور اونٹ کی فریاد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک اونٹ حاضر ہوا، عرض کی یا رسول اللہ! میں جن لوگوں میں رہتا ہوں وہ لوگ عشاء کی نماز نہیں پڑھتے سو جاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس اونٹ کی شکایت پر ان لوگوں کو طلب کرتے ہیں اور نماز کی پابندی کی تاکید فرماتے ہیں۔

ف : اس قصہ کو پڑھ کر بے نمازی حضرات اپنے گریبان میں جھانکیں کہ نماز ادا نہ کرنے پر بے زبان مخلوق انہیں کیا سمجھتی ہے۔ میرے خیال میں یہ سمجھتی ہوگی کہ اس بدبخت انسان سے ہم بھلے کہ چارہ کھا کر زمین پر لیٹ کر بہت سی تکالیف تحمل کر کے بھی اللہ تعالیٰ کو نہیں بھولتے لیکن یہ نالائق عیش و عشرت اور عزت و عظمت کی زندگی پا کر بھی خدا تعالیٰ کو یاد نہیں کرتا۔ حالانکہ یہ سارے جانور بلکہ ساری خدائی اس کے لیے اور یہ خدا کے واسطے ہے

کھیتیاں سرسبز ہیں تیری غذا کے واسطے
جانور پیدا کیے تیری وفا کے واسطے

قرآن مجید میں اسی طرف اشارہ ہے :

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ۔

اور ہم نے انسان اور جن کو اللہ تعالےٰ کی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔

چڑیا کی فریاد حضرت عبد الرحمٰن بن عبد اللہ (صحابی) رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک سفر میں تھے کہ حضور رفع حاجت کے لیے تشریف لے گئے ہم لوگوں نے ایک حمرہ (ایک قسم کا پرندہ چڑیا جیسا) دیکھی جس کے ساتھ دو بچے بھی تھے ہم نے پکڑ لیے حمرہ آیا اور ہمارے سروں پہ پھڑ پھڑانے لگا حضور تشریف لائے اور فرمایا، کس نے اس کے بچے لے کر اسے بیقرار کر دیا ہے اس کے بچے اسے واپس دے دو۔ (ابو داؤد)

ہرنی کی فریاد ہرنی کی فریاد کا معجزہ بہت مشہور ہے جسے عوام الناس خوب جانتے ہیں۔ اس طرح کے متعدد واقعات احادیث اور سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں۔ اسی لیے تماشا دیکھئے۔ (باقی بر صفحہ آئندہ)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

نفسوں کو قتل سے اور اپنے اہل وعیال اور بچوں کو قید سے بچانے کی غرض سے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَقَذَفَ اور ڈال دیا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ ان کے دلوں میں رعب۔ یعنی خوف اور گھبراہٹ کہ وہ اپنے فَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ ایک گروہ ان کے مردوں کو قتل کرتا تھا وَتَاْسِرُوْنَ فَرِیْقًا ۚ اور ایک گروہ ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بناتا تھا بغیر اس کے کہ ان سے بھاگتا ہوتا یا مخالفت تو دور کی بات تھی۔

حل لغات: الاسر یعنی زنجیروں سے باندھنا اور اسیر کو اسی لیے اسیر کہا جاتا ہے کہ اسے زنجیروں سے باندھا جاتا ہے۔ اب ہر قیدی کو اسیر کہا جاتا ہے چاہے اسے کسی شے سے نہ باندھا جائے۔

وَاَوْرَثَكُمْ اور تمہیں وارث بنایا اَرْضَهُمْ ان کی زمین، کھیتیوں اور باغات کا وَدِیَارَهُمْ اور ان کے قلعوں اور گھروں وَاَمْوَالَهُمْ اور ان کے اموال کا نقد و دیگر اثاثہ اور جانور۔

ف: چونکہ یہ اشیاء مسلمانوں کو غنیمت میں ملیں تو انہیں میراث سے تشبیہ دی گئی کہ جیسے مورث کا مال وارث کو بلا تکلیف حاصل ہوتا ہے ان کو بھی ایسے ہی ملا کیونکہ وہ لوگ نہ تو ان کے رشتہ دار تھے اور ان سے ان کے دین کا تعلق تھا اور نہ ولاء۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کرکے ان کے املاک و اموال غنیمت کے طور مسلمانوں کے قبضہ ایسے دے دیے جیسے وارث مورث کا مال لیتا ہے وَاَرْضًا اور تمہیں اللہ تعالیٰ نے زمین دی اور یہ اس کے علم و تقدیر میں تھا کہ ایسے ہوگا لَّمْ تَطَئُوْهَا جس پر تم نے ابھی قدم نہ رکھا تھا جیسے روم و فارس، اور ایسے وہ علاقے جو قیامت تک فتح ہوں گے۔

حل لغات: یہ وطی یطأ وطئا سے ہے یعنی پاؤں رکھ کر چلنا۔

وَكَانَ اللّٰهُ شَیْءٍ قَدِیْرًا ۝ اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے منجملہ ان کے یہی ہے جو تمہارے قبضہ میں زمین وراثت کے طور بخشی ایسے ہی باقی آنے والے ممالک کے قبضہ و قدرت کا خیال کر لو۔ حضرت

(بقیہ حاشیہ)

والوں کے لیے عبرت کے لیے کافی ہیں۔

سزا کا بیان جو لوگ جانوروں کی لڑائی سے خوش ہوتے ہیں انہیں یاد رہنا چاہیے کہ جانوروں کی فریاد اللہ تعالیٰ بہت جلدی سنتا اور اس کی سزا فی الفور مقرر فرما دیتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں بلی والی ایک عورت کا قصہ مشہور ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ایک عورت محض اس وجہ سے جہنم میں ہے کہ اس نے بلی کو باندھ رکھا تھا (بخاری)۔ اور جانوروں پر ترس کھانے پر بھی اللہ تعالیٰ کو بہت رحم آتا ہے۔ چنانچہ ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے محض اس لیے بخش دیا کہ اس نے ایک پیاسے کتے کو کنویں سے پانی نکال کر پلایا (بخاری)۔ اہل دل کے لیے اتنا ہی کافی ہے اور سنگ دل کے لیے دفتر کے دفتر ناکافی۔ اویسی غفرلہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ترجمہ کیا کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ وہ سید انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے غلاموں کو بلاد وممالک پر فتح وتسخیر بخشے ۔

لشکر روم ترا فتح و ظفر ہمراہ است
لاجرم ہر نفس اقلیم دگر می گیری

ترجمہ : اے لشکر روم فتح ونصرت تمہارے ہمراہ ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ہر آن نئی اقلیم پر قبضہ جماتے ہو ۔

غزوۂ بنی قریظہ

مروی ہے کہ جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کے وقت غزوۂ خندق سے لوٹے تو نماز ظہر ادا کرکے ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے ۔ غسل فرمانے لگے ۔ ابھی سر اقدس کا آدھا حصہ ہی دھو پائے تھے کہ جبریل علیہ السلام اپنے حیزوم گھوڑے پر سوار سیاہ پگڑی باندھ کر حاضر ہوئے اور عرض کی، کیا آپ نے ہتھیار اتار دیے؟ آپ نے فرمایا، ہاں ۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ ملائکہ نے تو ہتھیار نہیں اتارے اس وقت سے پہنے ہوئے ہیں جب سے آپ پر دشمن نے حملہ کیا بلکہ آپ کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ آپ بنو قریظہ پر حملہ کرنے کے لیے چلیں، میں اور میرے ساتھی چلتے ہیں اور ان یہودیوں کے قلعوں کو ہلاتے ہیں ۔ یہ کہہ کر جبریل پلٹے اور دیگر ملائکہ بھی ان کے ساتھ جا رہے تھے ان کے چلنے سے غبار اڑتی ہوئی محسوس ہوتی تھی ۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو حکم فرمایا کہ اعلان کر دو کہ اعلان سنتے ہی چل دیجئے ، اتنی جلدی چلیے کہ نماز عصر بنو قریظہ میں جا کر پڑھیے ۔ جانے کا اعلان فرما کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے زرہ زیب تن فرمائی اور خود پہنا ، عصا مبارک ہاتھ میں لیا اور تلوار گلے لگائی اور لحیف (بالفتح) گھوڑے پر سوار ہوئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو آپ کے اردگرد تھے انہوں نے بھی ہتھیار اٹھائے ، اس وقت وہ تین ہزار تھے مدینہ طیبہ میں حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم کو امیر مقرر کر کے روانہ ہوئے اور جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیا وہی جھنڈا جو خندق میں تھا اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ ہوئی ۔ حضرت علی کو بعض ساتھیوں کے ساتھ آگے چلنے کا حکم دیا اور آپ بنو نجار کے ساتھ چلے جنہوں نے ہتھیار پہن رکھے تھے آپ نے ان سے پوچھا ، یہاں تمہارے سامنے سے کوئی آدمی گزرا ہے؟ عرض کی ، ہاں ، دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو ہم نے جاتے دیکھا ہے وہ ہمیں کہہ گئے ہیں کہ ہتھیار پہن لو ابھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے ہاں تشریف لانے والے ہیں ۔ آپ نے فرمایا وہ دحیہ کلبی جبریل علیہ السلام ہی تھے ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جاتے ہی بنو قریظہ کے قلعوں کے ساتھ جھنڈا گاڑ دیا ۔ بنو قریظہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواج مطہرات کے حق میں ناشائستہ الفاظ استعمال کیے ۔ مسلمانوں نے جو حلم اور برداشت سے کام لیا ، خاموشی سے سنتے رہے ۔ بس اتنا کہا کہ تمہارا اور ہمارا فیصلہ تلوار کرے گی ۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام کو تشریف لاتے دیکھا تو حضرت قتادہ انصاری کو فرمایا ، جھنڈا سنبھالو ، میں آپ کا استقبال کروں ۔ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضور سرور عالم صلی اللہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

علیہ وسلم سے عرض کی! آپ ان خبیثوں کے پاس نہ جائیں تو بہتر ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تم نے ان سے میرے متعلق سب و شتم اور بکواسات سُنے ہیں؟ عرض کی: ہاں۔ آپ نے فرمایا، جب مجھے دیکھیں گے تو کچھ نہ کہیں گے۔ جب آپ قلعوں کے قریب پہنچے تو بلند آواز سے فرمایا،

یا اخوان القردۃ والخنازیر۔

(خنزیروں اور بندروں کے بھائیو!)

آپ نے اس لیے فرمایا کہ ان کے آباؤ اجداد میں نوجوان بندر اور بوڑھے خنزیر بن گئے تھے اور یہ داؤد علیہ السلام کے زمانے میں ہوئے تھے جب ہفتہ کے دن مچھلی کے شکار میں تجاوز کیا۔ پھر فرمایا، تمہیں اللہ رسوا کرے اور عذاب میں مبتلا کرے کیا تم مجھے گالی دے رہے تھے۔ یہود نے سُن کر قسمیں کھائیں کہ ہم نے آپ کو گالیاں نہیں دیں لیکن ہم حیران ہیں کہ آپ ایسے فاحش گالی دینے والے تو نہ تھے لیکن آج آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ آپ خلافِ عادت باتیں کر رہے ہیں۔ بعض صحابہ کرام سے سفر میں عصر کی نماز قضا ہو گئی اب عشا کے وقت ادا کر رہے تھے اس ارشاد کے مطابق کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا،

لا یصلین العصر الا فی بنی قریظۃ۔

(عصر کی نماز بنو قریظہ میں ہی جا کر پڑھنا)

اس پر بعض نے کہا کہ یہ کلمات آپ نے تاکید کے طور فرمائے تھے تاکہ ہم بنو قریظہ تک پہنچنے میں جلدی کریں نہ یہ کہ ہم عصر کی نماز ترک کر دیں اسی لیے انہوں نے نماز اپنے وقت پر پڑھ لی تھی۔ آپ نے دونوں کو اپنے موقف پر برقرار رکھا۔ وقت پر نہ پڑھنے والوں کی سرزنش کی اور نہ ہی قضا کرنے والوں کو کچھ فرمایا کیونکہ دونوں اپنے موقف میں صحیح تھے اور اپنے اس قیاس و اجتہاد پر ثواب پانے والے۔

صوفیانہ استدلال

اسی واقعہ سے صوفیہ کرام نے استدلال کیا ہے کہ جس کو مرشد کسی کام کے لیے بھیجے اور راستے میں مسجد آ جائے اور نماز کا وقت بھی ہو تو شیخ کے کام اور فرض کی ادائیگی میں اگر مسجد کو چھوڑ کر منزلِ مقصود پر جا کر نماز پڑھ لے تو جائز ہے اس سے نماز کی سستی یا مسجد کے چھوڑنے کا اس پر الزام نہ ہوگا۔[1]

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کا محاصرہ پچیس راتوں تک جاری رکھا یہاں تک کہ بنو قریظہ پر قید و بند کی صعوبت سخت ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں سخت خوف ڈالا اور حیی بن اخطب

---

[1] شاید حضرت حافظ شیرازی کے شعر

بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید

کی دلیل یہی واقعہ ہو۔ اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بنو نضیر کا سردار بھی اسی قلعہ میں بند تھا اور وہ خندق سے واپسی پر اسی میں ٹھہر گیا تھا۔ جب یہود کو یقین ہو گیا کہ حضور علیہ السلام ہمیں کسی صورت میں نہیں چھوڑیں گے یہاں تک کہ ہمیں قتل کر دیں گے۔ ان کے سردار کعب بن اسید نے کہا: اے یہودیو! ہم اس مرد (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیعت قبول کر لیں اور ان کی رسالت کی تصدیق پر آمادہ ہو جائیں بخدا اب تمہیں یقین ہو گیا ہو گا کہ یہ وہی نبی (علیہ السلام) ہیں جن کا ذکر خیر تمہاری کتابوں میں ہے اور مدینہ طیبہ ان کا دار الہجرۃ ہے۔ اب ان سے حسد کرنے کا کیا معنیٰ! صرف اسی لیے کہ وہ عربی ہیں بنی اسرائیل سے نہیں، میں تو ان سے معاہدہ توڑنے کو بُرا سمجھتا ہوں، اور تم پر یہ بلا و شامت اس بیٹھنے والے یعنی حیی بن اخطب کی وجہ سے ہے۔ یہودیوں نے کہا: ہم تو توراۃ کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتے کہ اس کے بدلے میں ہم قرآن کو مان لیں۔ اس نے کہا: تو پھر یوں کرو کہ ہم اپنے بچوں اور عورتوں کو قتل کر ڈالیں پھر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے صحابیوں سے جنگ کریں وہ تو اس وقت جنگ پر تلے ہوئے ہیں ہم مر جائیں تو ہمارے پیچھے ہماری نسل ہی ختم ہو کیونکہ ہم مر جائیں گے تو پھر ان کی زندگی دوبھر ہو جائے گی۔ یہودیوں نے کہا: ان مسکینوں (بچوں) کو قتل کر دیں تو پھر ہمارا جینا کس کام کا۔ اگر ہم زندہ بچ نکلے تو۔ پھر اس نے کہا: اگر یہ نہیں مانتے تو پھر لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ: آج شب ہفتہ اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) غفلت میں ہیں ہم ان پر اچانک حملہ کریں ممکن ہے ہم کامیاب ہو جائیں۔ یہودیوں نے کہا: ہم ہفتہ کی توہین نہیں کر سکتے اور نہ ہی وہ کام کرتے ہیں جو ہمارے بڑوں نے نہیں کیا اس پر عمرو بن سعد نے کہا کہ اگر یہودیت پر ثابت قدم رہنا چاہتے ہو کہ ہم اہل عرب کے لیے خراج اپنے گلے میں ڈالنا گوارا نہیں کرتے جو وہ ہم سے زندگی بھر خراج وصول کرتے رہیں اس سے تو وہی مرنا بھلا۔ اس پر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: میرے حکم پر قلعوں سے نیچے اتر آؤ۔ یہودیوں نے انکار کیا۔ آپ نے فرمایا: سعد بن معاذ کا حکم مان لو وہ تمہارے قبیلہ کا ہے یعنی اوس کا سردار ہے۔ یہودیوں نے کہا: اس کا حکم ہمیں قبول ہے جیسے وہ کہے گا ہم راضی ہیں اور اس کے حکم کی خلاف ورزی نہ کریں گے وہ موجود نہ تھے خندق میں زخمی ہو چکے تھے آپ نے انہیں مدینہ طیبہ سے بلوایا، وہ گدھے پر سوار ہو کر تشریف لائے چونکہ جسیم لحیم تھے اور زخم خوردہ بھی تھے اسی لیے ان کے آنے پر صحابہ کرام کو فرمایا:

قوموا الی سیدکم۔

(اٹھ کر اپنے سردار کا استقبال کرو)

انصار نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا۔

مسئلہ: آنے والے کے استقبال کی دلیل یہی واقعہ ہے۔ انصار نے اٹھ کر حضرت سعد کا استقبال کیا

---

[1] میلاد شریف یا جلسوں میں قیام کا استدلال بھی اسی واقعہ سے کیا جاتا ہے علت جامعہ تعظیم ہے۔ قاتلہم اللہ منکری الوہابیۃ انہم قوم لا یعقلون۔ اویسی غفرلہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

انھوں نے آگے ہی فرمایا کہ یہود کے جنگجوؤں کو قتل کر دو اور ان کے بچوں اور عورتوں کو غلام اور کنیزیں بنا لو۔ یہ سن کر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نعرۂ تکبیر بلند فرمایا اور فرمایا:

لقد حکمت بحکم اللّٰہ من فوق سبعۃ ارقعۃ۔

(ہم نے وہی فیصلہ کیا جو اللہ تعالیٰ نے ساتوں آسمانوں کے اوپر کیا)

مطلب یہ کہ تمہارے اس فیصلے کی شان بلند و بالا ہے۔ اس پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اب قلعوں سے نیچے اتر آؤ۔

اور فرمایا:

جاؤ پھر ان کے قلعوں میں سے سب سمیٹ لو۔

چنانچہ قلعوں میں ایک ہزار پانچ سو تلواریں، تین سو زرہیں، دو ہزار تیر اور پانچسو ڈھالیں حاصل ہوئیں۔ علاوہ ازیں ان کے برتن اور اونٹ اور مویشی اور دیگر اشیاء بکثرت حاصل ہوئیں۔ آپ نے انہیں پانچ حصوں میں تقسیم فرمایا اور ان کی زمینیں مہاجرین کو بخش دیں انصار کو زمینیں نہیں دی گئیں۔ کیونکہ وہ پہلے سے ہی صاحب منازل تھے۔ اس پر تمام حضرات راضی ہو گئے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، درست ہے۔ آپ نے فرمایا: یہودیوں کا سامان اٹھاؤ اور جانوروں کو یہاں چرنے کے لیے چھوڑ دو۔ صبح کے وقت مدینہ طیبہ کو روانگی ہوئی اور فرمایا کہ قیدیوں کو دار اسامہ بن زید میں لاؤ وہ چھ سو یا اس سے زاید جنگی تھے۔ اور عورتوں اور بچوں کے لیے فرمایا کہ انہیں بنت الحارث النجاریہ کی دار میں لاؤ، بچوں اور عورتوں کی تعداد سات سو تھی۔ اور یہ گھر چونکہ وفود عرب کے ٹھہرانے کے لیے تیار کیا گیا تھا اس لیے ان کو وہاں ٹھہرانے کا حکم دیا۔ اس کے بعد آپ نے سوق المدینہ میں تشریف لے جا کر گڑھے کھودنے کا حکم دیا اور فرمایا: ایک ایک قیدی کا سر کاٹ کر لاش اور سر پھینکتے جاؤ اور پھر اس پر مٹی ڈال دو۔ اس کام کے متولی حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھے عورتوں میں سے سوائے ایک عورت کے کسی کو قتل نہ کیا گیا، وہ عورت وہ تھی جس نے قلعے کے اوپر سے حضرت خلاد بن سوید رضی اللہ عنہ پر چکی پھینکی جس سے آپ شہید ہو گئے۔ اس غزوہ میں سوائے خلاد بن سوید کے اور کوئی مسلمان شہید نہ ہوا۔ حضور علیہ السلام نے ان کے لیے فرمایا:

لہٗ اجر شہیدین۔

(اسے دو شہیدوں کا ثواب ہے)

اس کے بعد آپ نے قریظہ کی قیدی عورتوں اور بچوں کو نجد میں بیچنے کا حکم فرمایا اور فرمایا اس رقم کے عوض گھوڑے اور ہتھیار خرید کر لانا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ پھر وہ گھوڑے اور ہتھیار مسلمانوں میں تقسیم کیے گئے۔

حضور علیہ السلام نے روکا تھا کہ بچے اور اس کی ماں میں جدائی نہ ڈالی جائے جب تک بچہ بالغ نہ ہو یعنی یہاں تک کہ بچے کو احتلام ہو اور بچی کو حیض آ جائے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اور فرمایا:

حدیث شریف من فرق بین والدۃ و ولدھا فرق اللہ بینہ و بین احبتہ یوم القیامۃ۔

(جو ماں اور اس کی اولاد میں جدائی ڈالے گا اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کو اپنے دوستوں سے جدا رکھے گا)

ف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے ریحانہ بنت شمعون کو مخصوص فرمایا کیونکہ وہ قبیلے کے سردار کی بیٹی تھی اور مسلمان ہو گئی تھیں انھیں آزاد کر کے نکاح فرمایا اور وہ آپ کی زوجیت میں رہیں یہاں تک کہ حجۃ الوداع کے موقع پر واپسی پر ان کا انتقال ہوا۔ یہ ہجرت کا دسواں سال تھا انھیں جنۃ البقیع میں دفن کیا گیا۔ یہ واقعہ ۲ ذیقعد ۵ھ میں ہوا۔ سلہ

لہ عیسائی و دیگر دشمنانِ اسلام کے تاریخ کے رنگ میں اعتراضات کے جوابات

عیسائی اور دیگر دشمنانِ اسلام مورخین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے زیادہ سنگین یہ الزام لگایا ہے کہ (معاذ اللہ) "آپ اور آپ کے ساتھی غیر مسلموں سے بے رحمی سے پیش آتے تھے اور ان کا کام صرف اور صرف لوٹ مار اور مار دھاڑ تھا"۔ یہ انھوں نے محض تعصب اور بغض و عناد کی وجہ سے کہا ہے ورنہ تاریخ شاہد ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا رحم دل نہ پیدا ہوا نہ ہوگا۔ بعض غیر متعصب مورخین نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔ اگر کوئی بلا تعصب آپ کی زندگی کا مطالعہ کرے تو وہ یقین کرے گا کہ عیسائیوں کا مذکورہ بالا تصور من گھڑت ہے جس میں حبہ بھر صداقت نہیں۔ خیر آپ کی ابتدائی کارروائی کا وہ عہد نامہ پیش کرتا ہے جس میں آپ نے مخالفین کو بآرام و سکون زندگی بسر کرنے کی دعوت دی۔ اس عہد نامے کا پہلا حصہ جسے آزادیٔ ضمیر کا پہلا باب کہنا چاہیے اس طرح شروع ہوتا ہے:

ترجمہ: "اللہ کے نام سے شروع کیا جاتا ہے جو رحمٰن و رحیم ہے، یہ محمد رسول اللہ کی طرف سے مسلمانوں کے ساتھ خواہ وہ قریش ہوں یا یثربی اور ان کے علاوہ ان تمام افراد کے ساتھ خواہ وہ کسی قبیلہ یا قوم سے ہوں لیکن مسلمانوں کے مقاصد سے متفق ہوں معاہدہ کیا جاتا ہے کہ وہ تمام ایک قوم شمار ہوں گے۔" اس کے بعد چند قبائل سے دیت کی ادائیگی کے قواعد مقرر کیے گئے ہیں اور مسلمانوں کے آپس میں ذاتی فرائض کے قوانین بیان کرنے کے بعد لکھا ہے: "صلح و امن تمام مسلمانوں کے لیے مشترک ہوں گے۔ اپنے ہم مذہبوں کے دشمنوں کے ساتھ کسی شخص کو بطور خود صلح یا جنگ کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔ یہودی جنھوں نے ہماری جمہوریت سے الحاق

(باقی بر صفحہ آئندہ)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(بقیہ حاشیہ)

کر لیا ہے ہر قسم کی توہین وغیرہ سے محفوظ رکھے جائیں گے۔ ان کو ملکی حقوق اور عہدے مسلمانوں کے برابر دیے جائیں گے اور دونوں کو ہر قسم کی امداد دی جائے گی۔ مسلمانوں کے علاوہ یہود قبائل حارث، جشم، ثعلبہ، اوس اور دوسرے جو یثرب میں آباد ہیں مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک قوم شمار ہوں گے اور ان کو اپنے احکام مذہب کی بجا آوری میں ویسی آزادی ہوگی جیسی کہ مسلمانوں کو اور ان کے دوستدار اور حلیف بھی اسی آزادی و تحفظ سے متمتع ہوں گے۔ مجرم سے مواخذہ کیا جائے گا اور اسے سزا دی جائے گی۔ یثرب کو تمام دشمنوں سے بچانے کے لیے یہودی مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔ ان تمام لوگوں کے لیے جو اس عہد نامہ کو قبول کرتے ہیں اندرون یثرب قابل احترام ہوگا مسلمانوں اور یہودیوں کے دوستدار اور حلیف قبائل کی ویسی ہی عزت کی جائے گی جیسی کہ ان کے سرپرستوں کی کی جاتی ہے ہر سچا مسلمان اس شخص سے نفرت کرے گا جو کسی جرم، ناانصافی یا تخریبی کام کا مرتکب ہو۔ کوئی شخص مجرم کی امداد نہیں کرے گا خواہ وہ اس کا قریب ترین رشتہ دار ہو۔"

سلطنت کے چند انتظامی امور کے تذکرہ کے بعد یہ حیرت انگیز دستاویز اس طرح ختم ہوتی ہے:

"آئندہ تمام جھگڑے جو ان لوگوں کے درمیان پیدا ہوں گے جنہوں نے اس عہد نامے کو قبول کیا ہے فیصلے کے لیے رسول اللہ کے سامنے پیش کیے جائیں گے۔"

اس طرح عربوں کی بدعملی کو ایک آخری جان لیوا دھچکا لگا کیونکہ اس سے قبل مظلوم کو انتقام لینے یا انصاف کرانے کے لیے اپنی یا اپنے اقربا کی طاقت پر بھروسا کرنا پڑتا تھا۔ اس عہد نامے کی رو سے آپ حاکم اعلیٰ مقرر ہوئے۔

بنی نضیر، بنی قریظہ، بنی قینقاع اور دیگر قبائل جو مدینہ کے قرب و جوار میں آباد تھے اس عہد نامہ میں شامل نہ ہوئے لیکن کچھ مدت بعد انہوں نے بھی خوشی کے ساتھ ان شرائط کو قبول کر لیا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام الطاف و اکرام یہود کو کسی طرح مطمئن نہ کر سکے۔ کوئی بات ان کے جذبات عداوت کو شاد کر سکی۔ اس بات سے ناراض ہو کر کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام عرب کے یہودی بنانے میں آلۂ کار نہیں بنا سکے۔ اور اس لیے کہ اسلام کے عقاید یہودیت کے مقابلے میں نہایت سادہ ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں سے تعلقات منقطع کر لیے اور دشمن کی صف میں جا ملے۔ جب ان سے پوچھا جاتا کہ وہ بت پرستی اور اسلام میں سے کس مذہب کو پسند کرتے ہیں تو ان کا جواب اکثر عیسائی کٹ حجتوں کی طرح یہی ہوتا کہ ہم بت پرستی کو اس کی تمام برائیوں کے باوجود اسلام پر ترجیح دیتے ہیں وہ بدزبانی پر اتر آتے۔ اپنی زبانوں کو بل دے دے کر قرآن کے الفاظ اور کلمات نماز کا تلفظ بگاڑتے اور انہیں بے معنی کر دیتے یا کلمات کفر بنا دیتے۔ یہودی شعرا جو اس وقت بہت کثرت سے موجود تھے۔ تہذیب شرافت کو بالائے طاق رکھ کر مسلمان مستورات کی شان میں نہایت مکروہ اشعار کہتے۔ لیکن اس سے بھی ان کا

(باقی بر صفحہ آئندہ)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(بقیہ حاشیہ)

دل ٹھنڈا نہ ہوا اور اُنہوں نے اس سلطنت کے دشمنوں کے پاس، جن کی حفاظت میں وہ خود بھی تھے ایلچی بھیجے۔ قریش جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل پر اُدھار کھائے بیٹھے تھے۔ عبداللہ بن اُبی کے گروہ اور غدار اسرائیلیوں کے دل اسلام کی کمزور حالت سے بخوبی واقف تھے انہیں یہ معلوم تھا کہ یہودیوں نے وقتی ضرورت کے ماتحت عارضی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اتحاد کیا ہے اور ان کے مدینہ کے قریب ظاہر ہوتے ہی یہود اور ان کے پرستار مسلمانوں کو چھوڑ کر فوراً ان سے جا ملیں گے۔

چنانچہ اب مسلمانوں کی سخت ترین آزمائش کا وقت آن پہنچا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہر کے تحفظ اور مسلمانوں کی تنظیم سے ابھی فارغ نہ ہونے پائے تھے کہ حملے شروع ہو گئے۔ تمام مدینہ بغاوت اور سازشوں سے بھر گیا۔ اب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض تھا کہ شہر کو کسی ناگہانی اندرونی آفت سے بچاتے یا بیرونی حملہ کی مدافعت کے لیے سخت تر وسائل اختیار کرتے۔ آپ صرف اسلام کے مبلغ ہی نہ تھے بلکہ لوگوں کی جانوں اور آزادی کے محافظ بھی تھے۔ پیغمبری حیثیت سے آپ دشمنوں کی بدزبانی اور دشنام دہی کو تو برداشت کر سکتے تھے لیکن سلطنت کے حاکم کی حیثیت سے تقریباً ایک مسلسل جنگ کے جرنیل کی حیثیت سے، جب کہ مدینہ کا نظم و نسق فوجی قوانین کے تحت عمل میں آ رہا تھا۔ آپ اس دغابازی کو نظر انداز نہ کر سکتے تھے۔ رعایا کے تحفظ کا فرض آپ کو مجبور کرتا تھا کہ آپ ایسے گروہ کو دبا دیں جو شہر کو دشمنوں سے تاخت و تاراج کرا دینے والا تھا بلکہ جس نے کرا دیا۔ ملک کے تحفظ کا تقاضا تھا کہ ایسے غداروں کو قتل کر دیا جائے جو مدینہ کے اندر بغاوت کا بیج بو رہے تھے یا اپنے مشترکہ دشمن کو اطلاعات بہم پہنچا رہے تھے۔ تقریباً نصف درجن آدمی غدار قرار دے کر قتل کر دیے گئے۔ اس کارروائی کو اگر کوئی متعصب ظلم سے تعبیر کرتا ہے تو وہ علم سیاسیات میں جاہل مطلق ہے۔

اس سے قبل کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہر کی حفاظت کا موقع ملے یا مسلمانوں کو جنگ کرنے کی اجازت ملے قریش کی فوجیں میدانِ جنگ میں آ پہنچیں۔

وہ جس نے تمام عمر میں کبھی ہتھیار نہ چلایا تھا، جس کا دل انسانی تکالیف دیکھ کر درد اور رحم سے بھر آتا تھا اور وہ عرب کے تمام آئین مردانگی کے خلاف اپنے بچوں اور اپنے متبعین پر رویا کرتا تھا، جس کی نرم دلی اور جس کے دوستانہ طرزِ عمل نے اسے دشمنوں سے نسائیت کا طعنہ دلوایا، وہی انسان حالات سے مجبور ہو کر اور اپنی طبیعت کے خلاف دشمن کے حملوں کو اسلحہ اور فوج سے روکتا ہے اپنی حفاظت کے لیے اپنے متبعین کو منظم کرتا ہے اور اکثر دشمن کے غدارانہ اور ناگہانی حملوں کی روک تھام کے لیے مہمیں بھیجتا ہے۔ اس وقت عربی جنگوں کا یہی قاعدہ تھا کہ رات کے وقت یا صبح کے دھندلکے میں دشمن کی لاعلمی میں خونریز چھاپے مارتے تھے۔ اگر دشمن خبردار ہوتا تو ایک ایک دو دو آدمی مقابلے پر آتے یا ایک عام حملہ کر دیا جاتا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کی عادات کا پورا پورا علم تھا اس

(باقی اگلے صفحہ پر)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

لیے آپ ایسے ناگہانی حملوں کی مدافعت کے لیے چھوٹی چھوٹی مہمیں بھیجتے رہتے تھے۔ لیکن اسے متعصب مورخین نے لوٹ مار سے تعبیر کیا۔ یہ ان کی جہالت نہیں تو اور کیا ہے۔ پھر سلسلہ بالا سے متنبہ کرانی یہود اتحادیوں نے مدینہ کے قرب وجوار پر حملے شروع کر دیے۔ وہ مسلمانوں کے پھلدار درختوں کو تباہ کر دیتے اور ان کے گلوں کو ہانک کر لے جاتے۔ ابوجہل کی سرکردگی میں ایک ہزار سپاہیوں کی فوج جنگی ساز و سامان سے آراستہ مسلمانوں کے تباہ کرنے اور اپنے قافلہ کی حفاظت کے لیے مدینہ کی طرف روانہ ہوئی۔ ادھر مسلمانوں کو مدینہ سے باہر اُس کی خبر ہوئی اسی لیے وہ کفار کی پیش بندی کے لیے بدر کی وادی میں پہنچ گئے۔ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کی فوج کو نہایت متکبرانہ انداز سے وادی کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا۔ تو اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر وفاداروں کے اس چھوٹے سے گروہ کے تحفظ کی دعا مانگی۔

"اے خدا! اپنی امداد کے وعدہ کو نہ بھولنا۔ اے خدا! اگر یہ چھوٹا سا گروہ فنا ہو گیا تو تیری حقیقی عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔" جیسا کہ قصہ بدر میں تفصیل موجود ہے۔

جنگ ختم ہو جانے کے بعد بہت سے قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آئے جن میں سے صرف دو کو قتل کیا گیا۔ یہ مسلمانوں کے شدید ترین دشمن تھے۔ اس لیے عربوں کے قانونِ جنگ کے مطابق انہیں اپنے کیے کی سزا بھگتنی پڑی۔

باقی قیدیوں کے ساتھ عربوں کے تمام دستور و روایات کے خلاف نہایت رحم دلی کا برتاؤ کیا گیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکیدی احکام جاری کیے کہ اس مصیبت میں ان کی تحقیر نہ کی جائے اور ان سے نرمی کا سلوک کیا جائے۔ جن مسلمانوں کے سپرد قیدی کیے گئے تھے انہوں نے آپ کی ہدایات پر پوری طرح عمل کیا۔ یہ لوگ اپنا بہترین کھانا قیدیوں کو کھلا دیتے اور خود صرف کھجوروں پر گزر اوقات کر لیتے۔ حالانکہ جنگی قیدیوں سے نیک سلوک کیا گیا تاہم متعصب عیسائی مورخین نے اسے خوب اچھالا۔ ہم ان کے غلط پروپیگنڈا کے دفاع میں صرف ان کے اپنے ایک غیر متعصب مورخ کے حوالہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ میور اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتا ہے:

"آں حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے احکام کی تعمیل میں مدینہ والوں اور ان مہاجرین نے جن کا کوئی مکان مدینہ میں نہ تھا، قیدیوں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔ زمانہ بعد میں ایک قیدی نے کہا:

"خدا کی رحمت ہو مدینہ والوں پر، وہ ہمیں سواری دیتے اور خود پیدل چلتے تھے اور ہمیں گیہوں کی روٹی کھلاتے جبکہ وہ خود کھجور پر گزارہ کرتے۔"

ان عجیب و غریب اتفاقات نے جو بدر کی فتح کے باعث ہوئے اور ان نتائج نے جو اس فتح سے پیدا ہوئے مسلمانوں کے دل پر نہایت گہرا اثر کیا۔ انہیں پختہ یقین تھا کہ آسمانی فرشتوں نے ان کی طرف سے کفار کے ساتھ

(باقی بر صفحہ آیندہ)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(بقیہ حاشیہ)

جنگ کی ہے۔

ملائکہ کی مدد غزوۂ بدر وغیرہ میں ملائکہ کی مدد کو بھی متعصب مورخین افسانہ سمجھتے ہیں ہم انہیں یاد دلاتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے پیغمبروں کی طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی خدا تعالیٰ کے پیغامات انسان تک پہنچانے والی درمیانی ہستیوں کی موجودگی کے قائل تھے۔ فرشتوں کے متعلق جدید نظریے ہمارے آباؤ اجداد کے عقاید کا بطلان کرنے کے لیے کافی نہیں ہے۔ ہمارا انکار اور ان کا اقرار دونوں کا درجہ قیاس سے زیادہ نہیں فرق صرف اس قدر ہے کہ ایک منفی ہے اور دوسرا مثبت۔ جس چیز کو زمانہ جدید کی نظریں مظاہر قدرت کی صورت میں دیکھتی ہیں اس چیز کو وہ فرشتوں سے تعبیر کرتا ہے۔

تقسیم غنیمت پر اعتراض متعصبین کو حضور کی تقسیم غنیمت پر بھی اعتراض ہے اس کے جواب میں ان کا اپنا مورخ لکھتا ہے کہ،

> "یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی فوج میں بدر کے مال غنیمت پر جھگڑا بالکل اسی طرح شروع ہوا جس طرح حضرت داؤد کی فوجوں میں عمالکی مالِ غنیمت پر ہوا تھا۔ جو لوگ جنگ میں شریک تھے وہ اس بات پر مُصر ہوئے کہ مال و اسباب کی نگرانی کرنے والوں کو جو جنگ میں شریک نہیں ہوئے کوئی حصہ نہ دیا جائے۔ لیکن دونوں صورتوں میں ایک ہی فیصلہ دیا گیا جو مستقبل میں قانون کے مطابق سب کو حصہ ملنا چاہیے۔"

بنی نضیر کے کوائف بنی نضیر کی اب بالکل وہی حالت ہو گئی تھی جو ان سے قبل بنی قینقاع کی تھی۔ انہوں نے خود اپنے طرز عمل سے اپنے آپ کو عہد نامہ کی حدود سے باہر کر لیا۔ اس لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ واپس آنے پر انہیں بھی وہی پیغام بھیجا جو اس سے قبل بنی قینقاع کو بھیجا گیا تھا۔ منافقین اور عبداللہ بن اُبی کی امداد کے بھروسے پر انہوں نے نہایت بے باکانہ جواب دیا۔ لیکن انہیں اپنے بھائیوں یعنی بنی قریظہ کی طرف سے سخت مایوسی ہوئی اور پندرہ دن کے محاصرے کے بعد شرائطِ صلح کے لیے التجا کرنا پڑی۔ وہی شرائط دہرائی گئیں جو پہلے پیش کی گئی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے جلا وطن ہونا قبول کر لیا۔ اسلحہ جنگ کے سوا انہیں تمام منقولہ جائداد لے جانے کی اجازت دے دی گئی۔ روانگی سے پہلے انہوں نے اپنے گھروں کو تباہ کر دیا تاکہ مسلمان ان سے مستفید نہ ہوں۔ ان کی زمینیں اور سامانِ جنگ جو وہ اپنے ساتھ نہ لے جا سکے تھے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے اجازت لے کر مہاجرین میں تقسیم کر دیے۔ مہاجرین اپنے مدنی بھائیوں کے فیاضانہ سلوک سے خوش ہوئے۔ آپ کو معلوم تھا کہ مدینہ والوں کی امداد غیر مستقل ہے۔ اس لیے آپ نے انصار کے رؤسا کو جمع کیا اور ان سے دریافت فرمایا کہ اس مال کو ان کے غریب مہاجر بھائیوں میں تقسیم کرنے پر انہیں کوئی اعتراض تو نہیں۔ سب نے یک آواز ہو کر کہا۔

.For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(بقیہ حاشیہ)

"یہودیوں کا مال ہمارے بھائیوں میں تقسیم کر دو اور ہمارے مال میں سے بھی کچھ حصہ انھیں دے دو ہم بخوشی اجازت دیتے ہیں۔"

اس پر آپ نے اس جائداد کو مہاجرین میں تقسیم کر دیا، اور دو انصار کو بھی حصہ ملا جو بہت غریب تھے۔

بنی نضیر کی جلاوطنی ربیع الاول سنہ ۴ھ میں ہوئی۔ اس سال کا باقی حصہ اور آیندہ سال کا ابتدائی حصہ خانہ بدوش دشمن قبائل کی بغاوتیں فرو کرنے اور مدینہ پر چند خونریز حملوں کی سرکوبی کرنے میں صرف ہوا۔

اس اثنا میں دشمنانِ اسلام بھی بے کار نہ رہے۔ کفار نے دُور دراز علاقوں میں اپنے سفیر بھیجے تاکہ قبائل کو مسلمانوں کے خلاف اُبھاریں۔ ان کوششوں میں یہود پیش پیش تھے۔ بنی نضیر کے جو آدمی خیبر میں تھے انھوں نے انتقام کی امیدوں سے مشتعل ہو کر مسلمانوں کے استیصال کے لیے ایک انجمن بنائی۔ ان کی کوششوں سے ایک ہیبت ناک اتحاد عمل میں آیا اور ساز و سامان سے آراستہ دس ہزار سپاہیوں کی ایک فوج ظالم ابوسفیان کی سرکردگی میں مدینہ پر چڑھ دوڑی۔ راستے میں کسی قسم کی مزاحمت نہ ہونے کی وجہ سے وہ مدینہ سے چند میل کے فاصلے پر اُحد کی طرف آن ٹھہرے جو شہر کا سب سے زیادہ غیر محفوظ پہلو تھا۔ ان کے مقابلہ کے لیے مسلمانوں کو صرف تین ہزار جانباز میسر آ سکے۔ اپنی تعداد کی قلت اور منافقین کی فتنہ انگیز مخالفت کے خیال سے مجبور ہو کر مسلمانوں نے تحفظ و دفاع کی تدابیر اختیار کیں۔ شہر کے کمزور مقامات کے گرد گہری خندق کھود دی۔ عورتوں اور بچوں کو شہر کے مضبوط مکانات میں محفوظ کر دیا اور خود خندق کے پیچھے صف آرا ہو گئے۔ شہر کے جنوب مشرق کی طرف تھوڑے ہی فاصلے پر بنو قریظہ کے کئی قلعے تھے۔ اس سمت کے تحفظ کے لیے مسلمانوں کو پورا بھروسا تھا کہ اگر وہ دشمن کے دفاع کے لیے عملی حصہ نہ لیں گے تو کم از کم غیر جانب دار ضرور رہیں گے۔ کیونکہ وہ عہد نامے کی رُو سے تمام بیرونی حملوں میں مسلمانوں کی امداد کے ذمہ دار تھے۔ اب یہودیوں کو کفار نے عہد شکنی پر آمادہ کر لیا اور اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ جوں ہی آں حضرت کو ان کی عہد شکنی کا علم ہوا آپ نے سعد ابن معاذ اور سعد ابن عبادہ کو ان کے فرائض کی یاد دہانی کے لیے بھیجا۔ اُنھوں نے نہایت ترش روئی سے جواب دیا،

محمد کون ہے؟ خدا کا پیغمبر کون ہے کہ ہم اس کی اطاعت کریں؟ ہمارے درمیان کوئی عہد نامہ نہیں۔

چونکہ یہود مدینہ کے حالات سے اچھی طرح واقف تھے اور شہر کے کمزور مقامات دکھا کر محاصرین کی عملی امداد کر سکتے تھے اس لیے مسلمانوں میں سخت اضطراب پھیل گیا۔ منافقین کی موجودگی نے خطرات کو اور زیادہ کر دیا۔

کفار اور یہود نے مسلمانوں کو کھلے میدان میں لانے یا یہودیوں کی رہنمائی میں شہر پر ناگہانی حملہ کرنے کی بہت کوششیں کیں لیکن ناکام رہے۔ اب اُنھوں نے حملۂ عام کا قصد کیا۔ محاصرہ کیے بیس دن ہو چکے تھے۔ ہوا کے مضطرب و بے قرار طبع قبائل جو مسلمانوں کو ایک آسان لقمہ سمجھ کر قریش کے ساتھ آ گئے تھے۔ اس طویل محاصرے سے اکتا گئے۔ محاصرین کے سرداروں نے خندق عبور کرنے کی بہت کوششیں کیں۔ لیکن مسلمانوں نے ہر حملے

(بقیہ حاشیہ آگے)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(بقیہ حاشیہ)

ترپ پا کر دیا۔ اب حالات کفار کے خلاف ہوتے ہوئے معلوم ہوسکے۔ ان کے گھوڑے بھوک سے مرنے لگے اور سامان رسد کم ہوگیا۔ نااتفاقی تو ان میں پہلے ہی پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن مسلمانوں کے دوراندیش سردار نے اپنی بے نظیر دانائی سے انھیں اور بھی بددل کر دیا۔

ایک لمحہ میں دشمنوں کی یہ عظیم الشان متحدہ افواج ہوا میں کافور ہوگئیں۔ رات کی خوفناک تاریکی میں آندھی اور بارش کے ایک غضب ناک طوفان نے ان کے خیمے اکھاڑ پھینکے اور ان کی ہانڈیاں اُلٹ دیں۔ ابوسفیان اپنا لشکر لے کر بھاگا اور جو باقی بچے اُنھوں نے بنی قریظہ کے پاس پناہ لی۔ آں حضرت نے رات ہی کو دشمن کے انتشار کی خبر دے دی تھی اور دن نکلتے ہی لوگوں نے اس پیش گوئی کو پورا ہوتے دیکھ لیا اور مسلمان خوش خوش ہو کر شہر میں واپس آئے لیکن مسلمانوں کی فتح اس وقت تک مکمل نہ ہو سکتی تھی جب تک بنی قریظہ جیسی خطرناک قوم ان کی ہمسائیگی میں موجود تھی۔ اُنھوں نے اپنے عہد و پیمان کے باوجود غدار ثابت کیا تھا۔ اور ایک دفعہ تو بے خبری میں مدینہ پر ٹوٹ ہی پڑے تھے۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے کہ اگر اس میں وہ کامیاب ہو جاتے تو مسلمانوں کا قتل عام ہو جاتا۔ مسلمانوں نے اپنا فرض سمجھا کہ ان سے اس غداری کا جواب طلب کیا جائے۔ یہود نے نہایت دیدہ دلیری سے کام لے کر جواب دہی سے انکار کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا محاصرہ کر لیا اور وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ اُنھوں نے صرف ایک شرط پیش کی کہ ان کی سزا کا فیصلہ بنی اوس کے سردار سعد بن معاذ پر چھوڑ دیا جائے۔ اس شخص نے جو ایک سخت گیر سپاہی تھا اور جو اسی جنگ کے دوران میں زخمی ہوا تھا۔ یہود کے اس غدارانہ طرزِ عمل پر سخت غضب ناک ہو کر فیصلہ کیا کہ یہود کے تمام جنگ کے آدمی موت کے گھاٹ اتار دئے جائیں اور اُن کی عورتیں اور بچے مسلمانوں کے لونڈی غلام بنا لیے جائیں۔ چنانچہ اس فیصلہ پر عمل کیا گیا۔ سعد اس فیصلہ کے دُوسرے ہی روز وفات پا گیا۔

متعصب مورخین کے ایک اعتراض کا جواب

بنو قریظہ کے محاصرہ پر انھیں سخت سزا پر متعصب عیسائی سخت نالاں ہیں لیکن انھیں معلوم نہیں کہ ان اشخاص کا جرم محاصرہ کے وقت حکومت کی بغاوت کرنا تھا اور جن لوگوں نے تاریخ میں پڑھا ہے کہ کس طرح ولنگٹن کی گزرگاہ فوج کے مفرورین کی لاشوں سے پٹی پڑی تھی، انھیں ایک غدار چھوٹے سے قبیلے کے قتل پر حیران نہ ہونا چاہیے۔

یہودیوں کے چند قبائل کی سزا دہی نے میور، سپرنگر، ویل اور اوسبرن جیسے آں حضرت کے عیسائی سوانح نگاروں کے لیے ناجائز حملے کی راہ بھی کھول دی ہے۔ بنی قینقاع اور بنی نضیر کو ان کے جرائم کے مقابلہ میں بہت ہلکی سزائیں دی گئیں صرف بنی قریظہ ہی کو کسی قدر سخت سزا دی گئی۔

(باقی برصفحۂ آئندہ)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(بقیہ حاشیہ)

انسانی فطرت کی ترکیب ہی کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ کسی شخص کا جرم کتنا ہی سنگین کیوں نہ ہو جس وقت اُسے سزا دی جاتی ہے۔ ہمیں وحشت اور ظالمانہ معلوم ہوتی ہے۔ ہمارے احساسات میں ایک قدرتی انقلاب واقع ہو جاتا ہے اور ہمارے دلوں میں انصاف کی بجائے رحم جاگزیں ہو جاتا ہے۔ اُس میں کچھ شک نہیں کہ ہمارے نقطۂ نظر سے بنو قریظہ کی سزا سخت تھی لیکن خواہ ہم ان بے چاروں کی قسمت پر کتنا ہی افسوس کریں جنہوں نے کہ اپنی قسمت کا فیصلہ اپنی مرضی سے ایک غضب ناک سپاہی کے ہاتھ میں دے دیا، خواہ ہم کتنا ہی افسوس کریں کہ فلاں شخص کو اس طرح نہیں بلکہ اس طرح سزا دینی چاہیے تھی لیکن ہمیں جذبات میں آکر ان واقعات کو نظر انداز نہ کر دینا چاہیے۔ ہمیں ان کے جرائم کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔ ان کی اسلام دشمنی کو، ان کی اس عہد شکنی کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے، جس سے دور رہنا ان کا اولین اخلاقی فرض تھا۔ مزید برآں ہمیں ان ترغیبات کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے جو یہوواہ کے یہ پرستار بت پرستی کے قائم رکھنے کے لیے کفار عربوں کو دیتے تھے۔ اخلاقیات کے عیسائی علمبردار آرنلڈ کی طرح کچھ مسلمان بھی یہ کہنے کا حق رکھتے ہیں کہ "ظالم و مفسد کا فنا کرنا اس سے سو درجہ بہتر ہے کہ وہ اپنی ناپاک صحبت سے بے گناہوں کو بھی آلودہ کرے۔"

(خطبات آرنلڈ۔ غزوات اسرائیلیہ ص ۲۶-۲۵)

یہ مسلمان صرف ایک لفظ کے تغیر سے اسی طرح کہہ سکتے ہیں "آؤ ہم غور کریں کہ ہمارا اور ان تمام دوسری اقوام کا جو اس آسمان کے نیچے آباد ہیں کیا حشر ہوا ہوتا۔ اگر عربوں (در اصل اسرائیلیوں) کی تلوار اپنا کام کفایت سے انجام دیتی عربوں (در اصل اسرائیلیوں) کی تلوار اپنے خونیں کارناموں کے ساتھ تمام حالت عالم کے لیے دنیا کے دوسرے سرے تک رحم و کرم کے بیج بو گئی۔"

اگر عیسائیوں کی دلیل صحیح ہے اور بے رحمانہ نہیں تو یقیناً مسلمانوں کی دلیل اس کے خلاف نہیں ہو سکتی۔ دوسرے مسلمان بنی قریظہ کے اس خوفناک فیصلے کو اسی نظر سے دیکھ سکتے ہیں جس نظر سے کارلائل باشندگانِ ڈروغیڈہ کے قتل عام کے متعلق کرامول کے وحشیانہ حکم کو دیکھتا ہے "ایک مسلح سپاہی ان جذبات کے ساتھ کہ وہ خدائے علول کا سپاہی ہے ایک ایسا جذبہ جو ہر سپاہی کے دل میں ہوتا ہے کا احساس رکھنا چاہیے۔ موت کی طرح غضب ناک، تقدیر کی طرح بے رحم، خدائی انصاف کو اس کے دشمنوں پر ظاہر کر رہا تھا۔"

لیکن یہودیوں کو جو سزا دی گئی ہم اُسے اُن دونوں میں سے کسی ایک نقطۂ نظر سے بھی نہیں دیکھتے۔ ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ اس وقت کے قوانینِ جنگ کے مطابق انہیں نہایت منصفانہ سزا دی گئی "اُس زمانہ کے رسوم جنگ کے مطابق قوانین کا پوری طرح اطلاق کیا گیا" (تاریخ یونان جلد ششم) ان لوگوں نے اپنی بد قسمتی کو خود بلایا۔ اگر یہ لوگ سعد کے فیصلے کے بغیر بھی قتل کر دیئے جاتے تو یہ اس زمانہ کے قوانین کے بالکل مطابق ہوتا لیکن انہوں نے اپنی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لیے سعد کو خود منتخب کیا۔ انہیں معلوم تھا کہ اس کا فیصلہ اُن کے طرز عمل کے خلاف

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جیسے بنو قریظہ نے مشرکین کی مسلمانوں پر حملہ آوری میں معاونت کی تو ہلاک و تباہ ہوئے۔ ایسے ہی علماء جو مداہنت کر کے نفس و شیطان اور دنیا کی قلب پر حملہ آوری میں مدد کرتے ہیں اور ارباب طلب کو رخصت کا فتویٰ دیتے اور انہیں تجرید و مجاہدہ و ترکِ دنیا و ترکِ عزلت و انقطاع پر ڈھیل دیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو رہبانیت ہے اور اسے دین سے کوئی تعلق نہیں اور پھر اس پر ان آیات و احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن کا ظاہری معنیٰ بھی ہے اور باطنی بھی اور وہ صرف ظاہری معنیٰ پر اکتفاء کر کے باطنی معنیٰ کو ضائع کر دیتے ہیں۔ اس معنیٰ پر وہ قرآن کے اس بعض پر ایمان رکھتے ہیں جو ان کی طبائع کے موافق ہے اور اس باطنی معنیٰ کو چھوڑ دیتے اور کفر کرتے ہیں صرف اپنی طبائع کے تحت یہی لوگ شیاطین و نفوس اور دنیا کے معاون ہیں جو بھی ان کے قریب ہوگا تو جیسے وہ لوگ مساعدت میں ہلاک و تباہ ہوئے وہ بھی ہوگا۔ ہم اللہ تعالیٰ کی مدد کے ساتھ مخالفات و ترکِ ریاضات و ترکِ مجاہدات سے پناہ مانگتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے۔ ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش
تا دمے آخر دمے فارغ مباش

ترجمہ: اس راہ میں حرکت کر اور جنبان رہ تا دم آخر فارغ نہ ہو اس لیے کہ بطالت صرف محرومی لاتی ہے اور سعی و جہد مراد کے ہر طرح کے دروازے کھولتی ہے۔

(بقیہ حاشیہ)

نہیں اور اس لیے انہوں نے کوئی عذر پیش نہ کیا۔ انہیں معلوم تھا کہ اگر وہ کامیاب ہو جاتے تو اپنے دشمنوں کو بغیر کسی افسوس کے ذبح کر ڈالتے۔ ہم حضرت داؤد کی خونریزیوں کو اس زمانہ کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔" قدیم عیسائیوں کی خوفناک خونریزیاں خاص "روشنیوں" میں دیکھی جاتی ہیں۔ قدیم مسلمانوں کی دفاعی لڑائیاں کیوں نہ اس نقطۂ نظر سے دیکھی جائیں۔ لیکن نقطۂ نظر خواہ کوئی ہو، بے تعصب دل جانتے ہیں کہ بنی قریظہ کی سزا میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی الزام عائد نہیں ہو سکتا۔ ان کے مزید اعتراضات و جوابات "سیرت حبیب کبریا" میں دیکھئے۔

اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا
اے غیب بتانے والے (نبی) اپنی بیبیوں سے فرما دے اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی آرائش چاہتی ہو
فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
تو آؤ میں تمہیں مال دوں اور اچھی طرح چھوڑ دوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول
وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ
اور آخرت کا گھر چاہتی ہو تو بے شک اللہ نے تمہاری نیکی والیوں کے لیے بڑا اجر تیار کر رکھا ہے اے نبی کی
مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۗ وَكَانَ
بیبیو جو تم میں صریح حیا کے خلاف کوئی جرأت کرے اس پر اوروں سے دونا عذاب ہوگا اور
ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝
یہ اللہ کو آسان ہے

تفسیر عالمانہ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اے رفیع الشان اور رب رحمان سے خبر دینے والے۔

شانِ نزول، حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سنہ ۹ھ میں نبی سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازواج مطہرات سے علیحدگی اختیار فرمائی اور قسم کھائی کہ ایک ماہ ان کے ہاں آمد و رفت ترک رکھیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ازواج مطہرات نے زیب و زینت اور آرائش اور نان و نفقہ کی فراوانی کا مطالبہ کیا اور اس مطالبہ کے تکرار سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج پہنچا اس لیے آپ نے مسجد نبوی کے حجرہ میں گوشہ نشین ہو کر تنہائی اختیار کر لی۔ انتیس دن گزر جانے کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام آیت تخییر لائے اور عرض کی يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اے نبی علیہ السلام قُلْ یہ امر وجوبی ہے جو ازواج مطہرات کے اختیار کے بارے میں ہے اور یہ صرف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے لِّاَزْوَاجِكَ اپنی بیویوں کو جو اس وقت نو تھیں، پانچ قریش سے:

(۱) سیدتنا عائشہ صدیقہ بنت ابی بکر
(۲) سیدتنا حفصہ بنت عمر
(۳) سیدتنا ام حبیبہ، ان کا نام رملہ بنت ابی سفیان تھا۔
(۴) سیدتنا ام سلمہ، ان کا نام ہند بنت ابی امیہ المخزومیہ تھا۔
(۵) سودہ بنت زمعۃ العامریہ (رضی اللہ تعالیٰ عنھن)

اور چار غیر قریش سے تھیں:

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(۱) سیدتنا زینب بنت جحش الاسدیہ

(۲) سیدتنا میمونہ بنت الحارث الہلالیہ

(۳) سیدتنا صفیہ بنت حیی بن اخطب الخیبریۃ الہارونیہ

(۴) سیدتنا جویریہ بنت الحارث الخزاعیہ المصطلقیہ۔

ف: یہ بیبیاں حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے وصال کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔

اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا تم حیاتِ دنیا کا ارادہ رکھتی ہو۔ یعنی وسعت اور اس کی نعمتوں سے بھرپور رہنے کا **وَزِيْنَتَهَا** اور اس کی آرائش کا۔ جیسے قیمتی پارچات اور زیورات جن میں تکلف ہی تکلف ہو، **فَتَعَالَيْنَ** تو آؤ۔ یہ دراصل تعال سے ہے۔ یہ کلمہ وہ بولتا ہے جو اوپر والے مکان سے نیچے والے کو بلائے۔ پھر کثرتِ استعمال کی وجہ سے ہر جگہ استعمال ہونے لگا۔ اس سے حقیقی متوجہ ہونا مراد نہیں اور نہ ہی ان کا آنا۔ مقصد یہ ہے کہ انہیں کہا جا رہا ہے کہ جو کچھ ہم تمہیں پیش کریں اس کا جواب دو اور ہیں ارادہ کی خبر دو۔ ان دو باتوں میں سے جسے اختیار کرنا چاہو اس کی ہمیں خبر دو۔ یہ اسی محاورہ سے ہے:

اقبل یکلمنی و ذھب یخاصمنی وقام یہددنی۔

(میری طرف متوجہ ہو کر باتیں کرتا ہے اور وہ مجھ سے جھگڑنا شروع کر دیتا ہے اور مجھے تہدید کرنے لگ جاتا ہے)

اُمَتِّعْكُنَّ میں تمہیں مال دوں۔ امر کی وجہ سے مجزوم ہے۔

حلِ لغات: التمتیع کسی کو برتنے کی چیز دینا۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ میں متعہ (طلاق) دوں گا۔ یعنی آؤ میں تمہیں متعہ (طلاق) دوں، یہ مطلقہ عورت کو طلاق کے ساتھ مہر کے علاوہ دیا جاتا ہے۔ دراصل متعہ و متاع وہ معمولی سی شے ہے جس سے تھوڑا سا نفع اٹھایا جائے پھر وہ تھوڑی دیر کے بعد ختم ہو جائے۔ لذت اٹھانے کو بھی تمتع اسی لیے کہا جاتا ہے۔ متعۂ طلاق مجموعی طور پر چند کپڑوں کا نام ہے:

(۱) درع: جس سے عورت بدن ڈھانپتی ہے (قمیص)۔

(۲) ملحفہ: وہ کپڑا جس سے عورت پردہ کر کے گھر سے نکلتی ہے (پردہ کی چادر)۔

(۳) خمار: وہ کپڑا جس سے عورت سر ڈھانپتی ہے (دوپٹہ)۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ کپڑے (متعہ) اس غیر مدخولہ مطلقہ کو دینا واجب ہے جس سے نکاح کے وقت طے کر دیا گیا تھا کہ تجھے مہر نہیں ملے گا اس کے ماسوا باقی جملہ مطلقہ عورتوں کو یہ کپڑے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(متعہ) دینا مستحب ہے۔

نکتہ: یہ کپڑے (متعہ) مطلقہ کے لیے اس پریشانی کا مداوا ہے جو اسے شوہر نے طلاق دے کر دی۔ یہ کپڑے (متعہ) اسے دئے گئے تاکہ مدتِ عدت میں انھیں استعمال میں لائے۔

مسئلہ: متعہ (کپڑے) مرد کے حسبِ حال ہوگا۔ اگر امیر ہے تو قیمتی کپڑے دینے ہوں گے، اگر مفلس ہے تو اس کے حسبِ حال۔

مسئلہ: اگر نصف مہر متعہ کے کپڑوں سے کم پڑتا ہے تو پھر صرف وہی مہر دینا ہوگا لیکن یہ نصف مہر پانچ دراہم سے کم نہ ہو کیونکہ کل مہر کم از کم دس درم ہے۔

وَّاُسَرِّحْكُنَّ اور میں تمہیں اچھی طرح چھوڑ دوں۔

حلِ لغات: السرح پھلدار درخت۔ کہا جاتا ہے:

سرحت الابل ان ترعیها السرح۔

(میں نے اونٹ کو چھوڑ دیا تاکہ وہ پھلدار درخت کھائے)

پھر اس کا عام استعمال اونٹ کے چرنے کے لیے چھوڑنے کے لیے ہوگیا اور طلاق میں تسریح، تسریح الابل سے استعارہ ہے جیسے طلاق کا لفظ طلاق الابل سے استعارہ ہے۔

مسئلہ: وہ صریح لفظ جس سے طلاق لازماً ہوجائے نیت ہو یا نہ ہو لفظ طلاق ہے۔ یہی امام ابوحنیفہ و امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے۔ اور امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک اس کے علاوہ لفظ فراق و تسریح کا بھی یہی حکم ہے یعنی یہ بھی طلاق صریح کے حکم میں ہیں۔

اسرحکن کا معنی ہے اطلقکن۔

سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ اچھی طرح چھوڑ دوں جس میں کوئی ضرر نہ ہو اور طلاق بدعی بھی نہ ہو۔

مسئلہ: جملہ ائمہ کا اتفاق ہے کہ کسی عورت کو ایسے طہر میں ایک طلاق دے کہ جس میں اس نے اس سے جماع نہیں کیا اور ایک طلاق دے کر اسے چھوڑے رکھے یہاں تک کہ اس کی عدت ختم ہوجائے تو یہ طلاق سنت ہے (یعنی احادیث سے ثابت ہے)

مسئلہ: عورت کو حیض میں یا طہر میں طلاق دینا جس میں جماع کیا ہے اور عورت میں حمل ٹھہرنے کی صلاحیت ہے (نوجوان ہے بڑھی وغیرہ نہیں) تو یہ طلاق بدعت حرام (سیئہ) ہے۔ لیکن ائمہ کے بالاتفاق واقع ہوجائے گی۔

مسئلہ: یکبارگی تین طلاق دینا بدعت ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ و امام مالک و امام احمد رضی اللہ عنہم کا مذہب ہے اور یہ حرام ہے خلافاً للشافعی اور سب کے نزدیک بلاخلاف طلاق واقع ہوجائے گی۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حکمت علیہ: شارع نے اس لیے طلاق کو مکروہ قرار دیا کہ یہ الفت اور زندگی کے نظم و نسق میں نقصان کا موجب ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ حالات کی ناسازگاری پر افتراق (جدائی) واقع ہوگی اسی لیے اسے مشروع بھی فرما دیا۔ طلاق کی اس مجبوری حیثیت کے پیشِ نظر اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت ہے تاکہ بوقتِ مجبوری اسے استعمال کریں۔ اس طرح سے ان کی مذمت نہ ہوگی بلکہ معاشرہ کو درست کرنے کی غرض سے اسے فعل سے محمود (اچھا آدمی) کہا جائے۔ اگر اس سے جانبین کی بھلائی مطلوب ہے تو ایسا فعل طلاق شیطان کو سنگسار اور اسے ذلیل کرنے کے مترادف ہوگا۔ ہاں یہ طلاق کا عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک ابغض المباحات اس لیے ہے کہ اس میں رجوع الی الاسلام ہے کیونکہ طبائع کا ایک دوسرے سے پیار کرنا ترکیب کا وجود ظاہر ہوگا لیکن جونہی اس کے برعکس ہو جائے تو عدم کی طرف رجوع ہوگا اسی وجہ سے زوجین کے مابین فرقت (جدائی) پڑ جائے گی کیونکہ اس میں جو اجتماع مقصود تھا وہ نہ رہے گا۔

(الفتوحات المکیہ)

ف: تمتیع کو تسریح سے پہلے ذکر کرنا فضل و احسان کی طرف اشارہ ہے اور ان کی پہلے جو تم کو مطلب ہے کہ تمہاری خواہشات بھی پوری کی جا سکتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔

وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور اگر تم اللہ جل جلالہٗ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چاہتی ہو یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتی اور ان کے ساتھ رہنا چاہتی ہو اور ان کو راضی رکھنے کا خیال کرتی ہو۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ کا نام اس لیے لایا گیا تاکہ معلوم ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کے ہاں کتنا بلند مقام ہے۔

وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ اور دارِ آخرت اور اس کی نعمتوں کو کیوں کہ ان کے آگے دنیا و مافیہا اور اس کی تمام نعمتوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ تو بیشک اللہ تعالیٰ نے تیار کر رکھا ہے نیکی والیوں کے لیے مِنْكُنَّ تم میں سے۔ مِن بیانیہ ہے کیونکہ وہ تمام عالمین کی عورتوں سے زیادہ محسن تھیں (اس لیے کہ وہ محسنِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیبیاں تھیں)۔

نکتہ: منکن کی بجائے لکنّ نہیں فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا (خوشنودی) ان کے نفسوں کی رضا سے مقدم اور ضروری ہے۔

اَجْرًا عَظِيْمًا ○ بہت بڑا اجر جس کی کنہ کوئی نہیں جانتا یہ وہی راز ہے جس میں تمتیع کو تسریح سے پہلے ذکر کیا گیا اور تسریح کو جمیل کہنے کا راز بھی یہی ہے کہ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے۔

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کا امتحان

جب یہ آیت نازل ہوئی تو چونکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدہ عائشہ صدیقہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

رضی اللہ تعالیٰ عنہا ازواجِ مطہرات میں سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ اسی لیے سب سے پہلے آپ نے ان ہی بطورِ امتحان یہی آیت تلاوت کرکے پوچھا، تم اللہ ورسول (جل جلالہٗ و صلی اللہ علیہ وسلم) کو چاہتی ہو یا کچھ اور۔ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اللہ ورسول (جل جلالہٗ و صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو اختیار کیا۔

ادبِ ازواجِ مطہرات کا انعام

جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا کہ میں تمہیں ایک بات بتاتا ہوں لیکن میں دل سے چاہتا ہوں کہ تم عجلت نہ کرنا اس کے متعلق ماں باپ سے مشورہ لے لینا۔ آپ نے یہ اس خیال پر فرمایا کہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ماں باپ مجھ سے جدائی کا مشورہ نہ دیں گے۔ عرض کی فرمائیے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ نے یہی آیت پڑھی تو صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی، یا رسول اللہ! اس بارے میں میں ماں باپ سے کیوں مشورہ کروں، میں تو اللہ ورسول (جل جلالہٗ و صلی اللہ علیہ وسلم) کو اختیار کرتی ہوں اور دارِ آخرت کو۔ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس جواب سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے یہاں تک کہ خوشی کے آثار آپ کے چہرۂ اقدس سے محسوس ہوتے تھے ایسے ہی تمام ازواجِ مطہرات نے اللہ ورسول (جل جلالہٗ و صلی اللہ علیہ وسلم) اور دارِ آخرت کو اختیار کیا۔ جب ان بیبیوں نے اللہ و رسول اور نعیم باقیہ یعنی آخرت کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو یوں انعام سے نوازا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ ان کے بعد اور کسی عورت سے آپ نے نکاح نہیں کیا چنانچہ فرمایا:

لا یحل لک النساء من بعد ولا ان تبدل بہن من ازواج۔

(اس کے بعد آپ پر اور عورتیں حلال نہیں اور نہ ان کے بجائے اور تبدیل کریں)

اس آیت کی تفصیل اسی سورۃ کی تفسیر[ل] میں آئے گی (ان شاء اللہ)

مسئلہ: کیا یہ اختیار تفویض الطلاق ہے کہ ان کے اختیار کے بعد انہیں طلاق واقع ہو جانی چاہیے یا یہ کہ جب وہ دنیا کو اختیار کریں تو پھر حضور علیہ السلام انہیں اپنے سے جدائی کا اعلان فرمائیں جیسا فتعالین سے واضح ہوتا ہے۔ بعض علماء تو پہلے قول کی طرف گئے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر وہ دنیا کو اختیار کرتیں تو خود بخود مطلقہ ہو جاتیں۔ اسی لیے فقہاء کرام نے فرمایا کہ تخییر الطلاق کے حکم میں اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا کہ جب مرد نے عورت کو طلاق کا اختیار دیا تو عورت نے مجلس سے قیام سے پہلے یا ایسے کام میں مشغولی سے پہلے جو طلاق سے روگردانی کا تصور ہو سکتا ہے کہہ دے کہ میں نے نفس کو اختیار کیا تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک طلاق بائنہ ہوگی اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ رجعی طلاق ہے اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے

[ل] بعض مفسرین نے کہا یہ آیت "ترجی من تشاء" الخ سے منسوخ ہے۔ تفصیل ہم نے القول الراسخ فی المنسوخ والناسخ میں عرض کر دی ہے۔ اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

نزدیک تین طلاق ہیں اور اگرچہ زوج کو چاہے تو کوئی شے واقع نہ ہو گی اس طرح اختیار سے پہلے مجلس سے اُٹھ کھڑی تو بالاتفاق یہ تخییر باطل ہو گی ۔

مسئلہ : اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ مرد نے عورت سے کہا : امرک بیدک ۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا : اگر کہتا ہے تیرا امر طلاق کے بارے میں تیرے ہاتھ میں ہے تو امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر عورت خود چاہتی ہے تو طلاق رجعی ہو گی اگر مرد تین کی نیت کرتا ہے تو اس کی نیت معتبر ہے اگر عورت کہے کہ میں نے ایک چاہی تو بھی تین واقع ہوں گی اور یہ بھی تخییر کی طرح مجلس تک مقید ہو گی ۔

تفسیر صُوفیانہ

آیت میں دو اشارے ہیں :

(۱) حُبِ دُنیا اور اس کی زیب و زینت ، حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارکہ سے جدائی ڈالنے کا موجب ہے ۔ آپ کی ازواجِ مطہرات کے لیے باوجودیکہ عورت میں یہ فائدہ ہے کہ عالم صورت میں نطفۂ انسانی کے ٹھہرنے کا محل (مرکز) ہے اس سے واضح ہوا کہ جو امتی دنیا اور اس کی زیب و زینت سے محبت کرتا ہے وہ اپنے نبی علیہ السلام کی صحبت سے محروم ہو جائے گا کیونکہ اُمت کے قلوب نطفۂ روحانیہ ربانیہ کا مرکز ہیں ۔ اسی لیے سالک پر لازم ہے کہ وہ ازکی و اطیب رہے تاکہ اس نطفۂ روحانیہ ربانیہ کا مستحق ہو ، کیونکہ الطیبات طیبین کے لیے ہوتی ہیں ؎

خاطرت کے رقم فیض پذیرد ہیہات
مگر ایں نقش پراگندہ ورق سادہ کنی

ترجمہ : افسوس تیرا دل اس فیض کے نقش کو کب قبول کر سکتا ہے جبکہ یہ نقش سادہ ورق پر تو پھیلاتا ہے ۔

(۲) اللہ و رسول اور دارِ آخرت کی محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتصال اور وصالِ الٰہی کی موجب ہے بشرطیکہ اس محبت میں خلوص اور محض رضائے الٰہی ہو اگر اس میں محبتِ جنت کی ملاوٹ ہو تو پھر بقدر محبت بہشت کی نعمتیں بھی ملیں گی اور محبۃ اللہ کی مقدار پر اجرِ عظیم بھی ۔

سوال : جیسے حب اللہ میں حب غیر اللہ کی ملاوٹ ہو جائے تو اجرِ عظیم میں اتنا نقص لازم آجاتا ہے جتنا غیر اللہ کی محبت کی حبِ الٰہی کے ساتھ ملاوٹ ہو گی تو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت مع حبِ الٰہی سے اجرِ عظیم میں نقص لازم آئے گا یا نہ جبکہ رسول کی محبت بھی تو غیر اللہ کی محبت ہے ۔

جواب : رسول اللہ کی محبت مع حبِ الٰہی سے اجرِ عظیم کی کمی کے بجائے اضافہ ہو گا اسی لیے کہ حبِ رسول بعینہٖ حبِ الٰہی ہے جیسے اطاعتِ رسول بعینہٖ اطاعتِ الٰہی ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا :

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ ۔

نکتہ : محبتِ جنت مع حبِ الٰہی و محبتِ رسول مع حبِ الٰہی میں فرق ہے وہ یہ کہ حبِ رسول محض حبِ الٰہی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کے لیے ہے بخلاف جنت کے کہ اس میں حظ نفس کو دخل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

ولکم فیھا ما تشتھیہ الانفس ۔

(تمہارے لیے بہشت میں وہی ہوگا جو تمہارے نفس خواہش کریں گے)

اور حب نبی حب الٰہی کی طرف لے جاتی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی ۔

(اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو)

حضرت مولانا جامی قدس سرہ نے فرمایا : ؎

۱ لی حبیب عربی مدنی قرشی
کہ بود درد وغمش مایۂ شادی وخوشی

۲ فہم رازش نکنم او عربی من عجمی
لاف مہرش چہ زنم او قرشی من حبشی

۳ ذرہ وارم بہوا داریٔ او رقص کناں
تا بشد او شہرۂ آفاق بخورشید وشی

۴ گرچہ صد مرحلہ دور است ز پیش نظرم
وجہہ فی نظری کل غداۃ و عشی

ترجمہ : (۱) میرا حبیب عربی مدنی قرشی ہے کہ ان کا درد وغم شادی وخوشی کا سرمایہ ہے۔

(۲) ان کے راز سے میں کب واقف ہو سکتا ہوں وہ عربی میں عجمی۔ ان سے محبت کا دم کیسے بھروں وہ قرشی، میں حبشی۔

(۳) میں تو ایک ذرہ کی طرح ہوں لیکن ان کی محبت میں رقص کناں ہوں، ان کے حسن کا شہرہ تو سورج کی طرح ہے۔

(۴) اگرچہ کوسوں دور ہے میری نظر سے، لیکن اس کا ہر صبح وشام میری نظر میں ہے۔

تفسیر عالمانہ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ اے نبی علیہ السلام کی بیبیو۔ اس خطاب میں ان کی نصیحت کا اہتمام بالشان ظاہر کرنا مطلوب ہے ایسے ہی نداء کی جگہ نبی علیہ السلام کی اضافت سے انہیں یہ قدر ومنزلت نصیب ہوئی کیونکہ جو احکام ان پر لاگو ہوں گے۔ اسی اضافت کی حیثیت سے ہوں گے مَنْ یَّاْتِ مِنْکُنَّ بِفَاحِشَۃٍ جو تم میں صریح حیا کے خلاف جرأت کرے۔ فاحشۃ (قبیح میں سیئۃ بلیغۃ) علیٰ برائی یعنی گناہ کبیرہ۔ اب معنی یہ ہو کہ تم میں سے ناپسندیدہ فعل سرزد ہو مُّبَیِّنَۃٍ جس کی قباحت بالکل

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ظاہر ہو۔ یہ تین بطور تبیین سے ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے:

لئن اشرکت لیحبطن عملک۔

(بفرضِ محال اگر تم شرک کرو گے تو تمہارے اعمال حبط ہو جائیں گے)

تو ایسے ہی بیبیوں سے بفرضِ محال ایسے ہو کیونکہ وہ ایسی نہ تھیں کہ معاذ اللہ ان سے کوئی معصیت ظاہرہ کا صدور ہوا ہو یا ہوتا ہو۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہاں فاحشہ سے نشوز نافرمانی اور سوء الخلق مراد ہے۔ حضرت امام راغب نے فرمایا کہ اقوال و افعال میں سے وہ فعل یا قول جو قبیح ہوں۔

نکتہ: فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مقصد یہ ہے کہ ان سے سوء الخلق اور نافرمانی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہے جیسے دوسری عام عورتوں سے فاحشہ صادر ہوتا ہے کیونکہ بلند مقام کی مالکہ اور شرافت و بزرگی کی پیکر تھیں بالخصوص وہ فعل قول جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اذیت کا موجب ہو۔ اسی لیے فرمایا:

لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ اس پر اوروں سے دگنا عذاب ہوگا یعنی جیسے اوروں کو عذاب ہوگا انہیں ان سے دگنا عذاب ہوگا **وَكَانَ ذٰلِكَ** اور ہے یہ یعنی دگنا عذاب دینا **عَلَى اللّٰهِ يَسِيرًا ۝** اللہ تعالیٰ کو آسان۔ اس سے کوئی امر نہ روکے گا کہ یہ نبی علیہ السلام کی بیبیاں ہیں بلکہ وہ تو یہ عذاب ضرور دے گا کہ اسے اپنے نبی علیہ السلام کی عزت و تکریم مطلوب ہے۔

سوال: اسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ نبی علیہ السلام کی ازواجِ مطہرات کو دگنا عذاب دینے کی کیا وجہ؟

جواب: چونکہ اللہ تعالیٰ کی ہر قسم کی نعمتیں بہ نسبت دیگر عورتوں کے ان پر زائد تھیں اور فوائد کے چشمے ان کے ہاں اُبل رہے تھے سب سے بڑی بات کہ انہیں نبی الانبیاء و امام الرسل صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت تھی اور انہی کے حجرات میں نزولِ وحی ہوتا تھا اور ملائکہ کرام کی حاضری انہی کے گھروں میں ہوتی تھی اسی لیے ظاہر ہے کہ ان کے لیے سزا کا پہلو بھی زائد ہو جبکہ ان کی مخالفت بھی تو بہت بڑے امر بلکہ امام الامور کی ہے جو دیگر امور کا امر نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سرتابی ہے۔

مسئلہ: یہی وجہ ہے کہ بے خبر گناہ گار کی بہ نسبت گناہ کو جان کر گناہ کرنے والے کی سزا زیادہ ہے۔

مسئلہ: ایسے ہی آزاد کی سزا بہ نسبت غلام کے زیادہ ہے۔

مسئلہ: ایسے ہی شادی شدہ کی حد غیر شادی شدہ سے زیادہ ہے۔ ان میں یہی راز ہے۔

مسئلہ: جیسے انبیاء علیہم السلام کو محبوبانہ عتاب شدید ہوتا ہے ایسے عوام امتیوں کو نہیں ہوتا۔

خلاصہ یہ کہ گناہ کی عظمت گناہ کرنے والے کی نسبت پر ہے اور اس کی قباحت کا سخت ہونا بھی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اس وجہ سے ہے۔ چونکہ ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم امہات المومنین اور اشرافِ نساء العالمین ہیں اس لیے ان سے فعل کا صدور (بفرضِ محال) قبیح تر ہے تو سزا کا بھی شدید تر اور دگنا ہونا لازمی امر ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

آنچہ عین لطف باشد بر عوام
قہر شد بر عشق کیشان کرام

ترجمہ: وہ عین لطف جو عوام پر ہے وہ عشق والوں کے لیے قہر ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ثواب وعقاب نفس کی نفاست وخساست سے ہے اور سزا کا زاید ہونا بھی فضیلت کی دلیل ہے جیسے آزاد انسان پر بہ نسبت غلام کے زائد ہے اس لیے کہ اہلِ سعادت دو قسم ہیں:

(۱) سعید   سعید اہل الجنۃ ہیں۔
(۲) اسعد   اسعد اہل اللہ ہیں۔

جب سعید سے طاعت صادر ہوتی ہے تو اسے بہشت کا ایک اجر ملتا ہے اگر اس سے معصیت سرزد ہو تو اسے دوزخ کا ایک عذاب ملے گا اور اگر اسعد سے طاعت صادر ہو تو اس کا دگنا اجر ہے یعنی ایک درجہ بہشت کا اور ایک مرتبہ قربت الٰہی کا، اگر اس سے معصیت کا صدور ہو تو اسے دو عذاب ملیں گے۔ بہشت کے ایک درجہ کی کمی اور قربت الٰہی کا ایک مرتبہ کی کمی یا جہنم کے عذاب کا جونکا اور قربِ الٰہی سے دوری کا عذاب اور حجاب کی ذلت۔ اسی لیے حضرت سری سقطی قدس سرہٗ دعا مانگتے تھے:

اللھم ان کنت تعذبنی بشیٔ فلا تعذبنی بذل الحجاب۔

(اے اللہ! اگر مجھے عذاب دینا ہے تو حجاب کی ذلت کا عذاب نہ دینا)

وکان ذٰلک علی اللہ یسیرا اور یہ اللہ تعالیٰ کو آسان ہے کہ ان کا عذاب دگنا کر دے بخلاف عام مخلوق کے کیونکہ ان کے حق میں دگنا عذاب آسان نہیں کیونکہ وہ اسی کا اتباع کرتے تھے تو سزا پاتی بخلاف اہل اللہ کے کہ ان کے لیے یہ بات مشکل بن جاتی کیونکہ وہ اس کی کے درپے نہ تھے۔

دعا: اللہ تعالیٰ ہم سب کو عذاب سے بچائے اور جزیل ثواب سے نوازے۔ (آمین)

ف: عذاب وتنزل کے اسباب سے عدمِ توکل واصل کے ساتھ ترکِ قناعت اور سعی بلاحاصل ہے۔

حکایت میمونۃ السوداء حضرت عبدالواحد بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے تین راتیں مسلسل دعا مانگی کہ یا اللہ! میرا رفیقِ جنت مجھے دکھا دے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملا کہ تیرا رفیقِ جنت بی بی میمونہ سوداء (سیاہ فام) رضی اللہ عنہا ہیں۔ میں نے پوچھا وہ کہاں ہیں؟ جواب ملا کہ فلاں محلہ میں فلاں قبیلہ سے ہے۔ فرماتے ہیں ان کی زیارت کے لیے پہنچا تو دیکھا کہ وہ نماز میں ہیں، ان کے آگے ڈنڈا پڑا ہے اور خود سیاہ جبہ میں ملبوس ہیں جس پر رقم ہے:

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کا پتا چلا وہ تشتری اور بکریوں کے ساتھ بھیڑیئے چرتے ہیں نہ بھیڑیئے بکریوں کو ہانکتے ہیں نہ بکریاں بھیڑیوں سے ڈرتی ہیں۔ جب مجھے دیکھا تو نماز میں تخفیف کرلی، سلام پھیر کر کہا،

اے ابن زید! اچھا جا، یہاں ملنے کا موقع نہیں۔ وہاں یعنی بہشت میں (میری اور تمہاری رفاقت ہوگی)

میں نے پوچھا،

آپ کو میرا نام کیسے معلوم ہوگیا؟

اس نے فرمایا،

عالم ارواح سے، اس لیے کہ وہاں ارواح ایک دوسرے کے ساتھ رہتے تھے، جن کا وہاں تعارف تھا ان کا تعارف آج بھی ہے۔

میں نے کہا،

پھر نصیحت فرمائیے۔

فرمایا،

اس واعظ پر تعجب ہے جو دوسروں سے عبرت کا خواہاں ہوتا ہے اور کوئی بندہ جو کچھ دنیا میں حاصل کرتا ہے لیکن شکر کے بجائے حرص کرکے اور مانگتا ہے تو اس سے حُبِّ خلوۃ چھین لی جاتی ہے اسے قُرب چھین کر بُعد میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ اُنس چھین کر وحشت میں اسے مبتلا کردیا جاتا ہے۔ اس راز کا اللہ تعالیٰ نے ارواح کو قرآن میں وعظ سنایا۔ یہ اس کا فضل و کرم ہے۔

حضرت صاحب مرحوم نے فرمایا: ؎

تا ز خاک پائے درویشی توانی سرمہ کرد
خاک در چشمت اگر در پادشاہی بنگری

ترجمہ: جہاں تک ہوسکے درویشوں کی خاک پا ہو، اگر تو ان
کی خاک پا کو سرمہ جان کر آنکھوں میں ڈال لے تو تُو خود کو
بادشاہی میں دیکھے گا۔

یعنی جلاء البصر فقر و قناعت و ترک زینت دنیا میں ہے جو کہ دولت و سلطنت اور فانی نعمتوں میں دنیا کا سیاہ اعمالہ گرد و غبار ہے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ دنیا میں رہ کر اپنے آخرت کے بوجھ ہلکے کرے اور چھوٹی سی عمر کے آخری حصے میں تجرد کی تکمیل کی کوشش کرے۔

ہذا آخر ما رقم قلم الفقیر القادری ابوالصالح محمد فیض احمد الاویسی الرضوی غفرلہ

۱۰ صفر ۱۴۰۷ھ مطابق ۲۳ اکتوبر ۱۹۸۶ء بروز پنجشنبہ سوا بارہ بجے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ
اور جو تم میں فرمانبردار رہے اللہ اور اس کے رسول کی اور اچھا کام کرے ہم اسے اوروں سے دونا ثواب دیں گے
وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ
اور ہم نے اس کے لیے عزت کی روزی تیار کر رکھی ہے اے نبی کی بی بیو تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر اللہ
اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ
سے ڈرو تو بات میں ایسی نرمی نہ کرو کہ دل کا روگی کچھ لالچ کرے ہاں
قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى
اچھی بات کہو اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور بے پردہ نہ رہو جیسے اگلی جاہلیت کی بے پردگی
وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ
اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اللہ تو یہی چاہتا ہے
عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ
اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے اور یاد کرو جو تمہارے گھروں میں
مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾
پڑھی جاتی ہیں اللہ کی آیتیں اور حکمت بے شک اللہ ہر باریکی جانتا خبردار ہے

تفسیر عالمانہ

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ اور تم میں سے اے ازواجِ پیغمبر علیہ السلام! اطاعت پر مداومت کرے۔

حلِ لغات: القنوت بمعنے لزوم الطاعة مع الخضوع (خضوع کے ساتھ طاعت پر التزام کرنا) لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وَتَعْمَلْ صَالِحًا اور نیک عمل کرے نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا ہم اسے دیں گے اجر و ثواب مَرَّتَيْنِ دو بار۔ ایک بار طاعت و تقویٰ پر دوبارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا طلبی پر کہ ان کے ساتھ قناعت کرو اور معاشرہ اچھا رکھو۔ مقاتل نے فرمایا: یہی نیکیاں مراد ہیں۔ وَاَعْتَدْنَا لَهَا اور ہم نے ان کے لیے جنت میں تیار کیا یعنی ان کے دوہرے اجر کے مطابق جنت کے زیادہ مراتب۔

حلِ لغات: الاعتاد بمعنے تیار کرنا۔ عتاد، عتد سے مشتق ہے۔ امام راغب نے فرمایا: الاعتاد بمعنے شے کو ضرورت و حاجت سے پہلے ذخیرہ کے طور پر جمع کرنا۔ اس کا استعمال اعداد کی طرح ہوتا ہے۔ بعض اہلِ لغت نے کہا: یہ دراصل اعددنا تھا۔ دال کو تا سے تبدیل کیا گیا ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

رِزْقًا كَرِيْمًا۝ رزق پسندیدہ۔ امام راغب نے فرمایا کہ جو شے اپنے معاملہ میں مشرف ہو اسے کریم کہا جائے گا۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ رزق درحقیقت وہی بہشت کی نعمتیں ہیں جسے ان کی ضرورت ہو اسے دنیا کی نعمتوں کا ترک لازم ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بندے دنیوی نعمتوں میں مشغول نہیں ہوتے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے اُخروی نعمتوں کے مقابلے میں دنیوی نعمتوں سے خوش نہیں ہوتے کیونکہ دنیا کی نعمتیں فانی ہیں ؎

شنیدم کہ جمشید فرخ سرشت
بسر چشمہ بر سنگی بنشت
برین چشمہ چون ما بسے دم زدند
برفتند چون چشم برہم زدند

ترجمہ: میں نے سنا ہے کہ جمشید مبارک طبیعت والے نے ایک چشمہ کے پتھر پر لکھا اس چشمہ سے ہمارے جیسے بے شمار لوگ گزر گئے لیکن جب موت کا وقت آیا تو چلے گئے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ وہ طاعت و عمل جس میں بہشت کے طمع و لالچ کی ملاوٹ نہ ہو تو اس میں مزید قُربِ الٰہی ہوگا پھر اس کے طفیل بہشت کے درجات میں بھی اضافہ ہوگا۔ لیکن یاد رہے کہ وہ عمل جو اشارۂ مرشدِ کریم اور دلالتِ انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا وعلیہم السلام کے مطابق ہو۔ وجودِ غیر سے خالص ہو۔ خلوص کے عمل کی علامت یہ ہے کہ عبادت میں حضورِ قلبی و توجہِ تام حاصل ہو لیکن انقلاب و اضطراب سے نہ ہو۔

کرامتِ ولی منقول ہے کہ ابو سلیمان دارانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کے مرید نے گرم تنور میں چھلانگ لگا دی لیکن اسے آگ نے نہ جلایا۔

ف: اسے آگ جلاتی بھی کیوں، جبکہ اس میں سوائے ذات کے وجود اور کوئی شے نہ تھی۔ اسی کو ہم شہود سے تعبیر کرتے ہیں اور اسی کو قرآن مجید نے رزقِ کریم کہا ہے اور کریم ذاتِ حق تعالیٰ ہی ہے اور وہ کریم اپنے مخلص کو مشاہدات و مکاشفات و مکالمات عطا فرماتا ہے۔ بلکہ اس سے مزید قربِ الٰہی میں اضافہ ہوگا۔ یہی معنی ہے وان تک حسنۃ یضاعفھا ویؤت من لدنہ اجراً عظیما۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حضرت خلیل علیہ السلام کو نارِ نمرود نے نہیں جلایا بلکہ اللہ تعالیٰ سے رزقِ وافر پایا اس لیے کہ نعمتِ ظاہری نعمتِ باطنی کا عکس ہوتا ہے اور حقیقی اجر عالمِ آخرت میں عطا ہوگا کیونکہ اس بہت بڑے اجر و ثواب کی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

عالم دنیا بوجہ تنگی کے وسعت نہیں رکھتی۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں قوت و عمل کی توفیق بخشے۔ اور سستی و کاہلی سے ہمیں پناہ دے، اس لیے کہ سستی و کاہلی غفلت اور حجاب کا سبب بنتی ہے جیسا کہ عمل صالح شہود و ارتفاع حجاب کا موجب ہیں اس لیے کہ تجلیات دیدو تجلیات شہودیہ کے مظاہر ہیں۔ اسی سے دُم علی الطہارۃ الخ (یعنی طہارت پر مداومت کیجئے تمہارے لیے رزق کی وسعت ہوگی) کا راز سمجھ آسکے گا۔

ف: طہارت صوری کا خاصہ ہے کہ وہ رزق صوری کو کھینچتی ہے۔ ایسے ہی طہارت معنوی رزق معنوی کی کشش کا موجب ہے۔ یاد رہے کہ جسم کو جسمانی غذا اور روح کو روحانی غذا ضروری ہے اسی سے حیات باقیہ [illegible] آجائے گا اس لیے کہ روح کے ذوق اور بے شمار ہیں اس لیے کہ روح کی انتہا نہیں، نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ ایں زمین و سختیاں پردہ ست وبس
اصل روزی از خدا داں ہر نفس

۲ رزق از وی جو مجو از زید و عمرو
مستی از وی جو مجو از بنگ و خمر

۳ منعمی زو خواہ نے از گنج و مال
نصرت از وی خواہ نے از عم و خال

ترجمہ: (۱) یہ زمین اور دیگر اسباب صرف پردہ ہیں ہر نفس کو روزی خدا تعالیٰ ہی مہیا کرتا ہے۔
(۲) روزی اسی سے طلب کر، زید و عمرو سے طلب نہ کر، مستی بھی اسی سے طلب کر نہ کہ بھنگ اور شراب سے۔
(۳) نعمت اسی سے سمجھ نہ کہ گنج و مال سے۔ مدد اسی سے طلب کر نہ کہ چچا اور ماموں سے۔

اے اللہ! ہمیں اپنے مخلص بندوں سے بنا اور ہمیں بحق النون والصاد، طریق الرشاد میں ثابت قدم رکھ۔

تفسیر عالمانہ

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ اے ازواج پیغمبر علیہ السلام لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ تم دوسرے عام لوگوں کی عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ احد دراصل وحد بمعنے الواحد ہے واو کو ہمزہ سے علی خلاف القیاس تبدیل کیا گیا ہے پھر اسے نفی عام کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ مرد و عورت اور واحد و کثیر سب کے لیے برابر طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے ازواج النبی! تم فضیلت و شرف میں عام عورتوں کی طرح نہیں ہو بلکہ بوجہ صحبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تم افضل و اعلیٰ ہو۔ اس لیے جو شے اشرف و اعلیٰ شے کی طرف مضاف ہو وہ بھی اشرف و اعلیٰ ہو جاتی ہے۔ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ اگر تم نے پرہیزگاری کی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کی مخالفت سے بچیں۔ یہ جملہ مستانفہ ہے اور کلام احد من النساء پر مکمل ہو چکا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں پر مقصود یہ ہے کہ ان کا خیر و برکت والا اور افضل ہونا مشروط ہے۔ ان کے تقویٰ و طہارت پر صرف نبی علیہ السلام کے ساتھ ہونا موجب افضلیت نہیں۔ ع

زہد و تقویٰ فضل را محراب شد
(فضیلت کے لیے زہد و تقویٰ بمنزلہ محراب کے ہے)

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ تو لوگوں سے گفتگو کے وقت نرمی اور عاجزی نہ کرو جیسے طمع و لالچ کی ماری عورتیں بیگانے مردوں سے باتیں کرتی ہیں۔ الخضوع بمعنی مطلق اور متواضع و باسکون ہو کر بات کرنا۔

مسئلہ: عورت کے لیے مستحب ہے کہ جب بیگانے مرد سے بات کرے تو لہجہ ترش ہو تاکہ بیگانے مرد کو اس سے کسی قسم کا طمع و خیال نہ ہو سکے بالخصوص جب مرد گھر پہ نہ ہو اور بیگانہ مرد باہر سے آواز دے تو عورت کو جائز نہیں کہ نرمی اور عاجزی سے گفتگو کرے اس لیے کہ عورت کا اس طرح سے بولنا شہوت کو ابھارتا ہے اور عورت سے بیگانے مرد کو غلط طمع پیدا ہونے کا امکان ہے۔ کما قال:

فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ ۔

(وہ طمع کرے گا جس کے دل میں مرض ہے) یعنی غلط محبت ہے۔

وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۝ اور ایسی اچھی بات کرو کہ جس میں تہمت و طمع و لالچ نہ ہو۔ بلکہ ترش اور سخت لہجہ سے گفتگو کریں کلام میں محبوبانہ لہجہ نہ ہو جیسے ہیجڑوں کا طریقہ ہے۔

ف: زنا ایک باطنی مرض ہے جیسے ظاہری بیماری جسم کے لیے ہلاکت اور تباہی کا موجب ہے ایسے ہی زنا بھی روح کے لیے تباہی و بربادی کا سبب ہے۔ اور زنا کا پہلا سبب عورت کا نرم لہجہ اور اپنے آپ کو بیگانے مرد کے سامنے بے بسی کا اظہار ہے ؎

ہست نرمی آفت جان سمور
وز درشتی می برد جان خار پشت

ترجمہ: نرمی آفت جان ہے اور سختی سے سخت بوجھ بھی اٹھایا جا سکتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ وہ ارباب قلوب جنہوں نے اپنے قلوب کے زمام مشائخ کے تصرف ولایت کے سپرد کئے ہیں ان کے احوال عام خلق جیسے نہیں اور حقیقی انسان دارین کی کسی شے کی طرف میلان نہیں رکھتے اور نہ وہ دنیوی و اُخروی اغراض کے لیے نرم لہجہ رہتا ہے کیونکہ ایسی نرم گفتگو قلب و عقل کی کمزوری کی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے اور بہت سے مدعیان حقیقت دنیاداروں کے سامنے نرم گفتگو کرتے ہیں ایسے اعمال دنیا کے لیے نرم لہجہ ہوتا ہے۔ ان کی یہ غلط فہمی ہے کہ ان کی نرم پالیسی دینی مصلحت کے لیے ہے (اس سے صلح کلی قسم کے لوگ کچھ سمجھیں) اس طرح سے ایسے لوگ ورطہ ہلاکت میں گر کر مرتے اور دنیا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کی طرف جلد تر لوٹ آتے ہیں پھر وہ فضولیات کے دریا میں ڈوب کر تباہ ہو جاتے ہیں اس لیے ان کے علاوہ میل ملاپ کی وجہ سے بہت کمزور پڑ جاتے ہیں۔

سبق: مساعدات اور دنیوی امور و اعمال میں کسی ایک امر کا ترک کرے۔ ہاں اس میں نیکی کا حصول مطلوب ہو تو جائز ہے ورنہ ایسے لوگ برائیوں سے مغلوب ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مخالفات سے بچائے۔

تفسیر عالمانہ وَقَرْنَ اور آرام کرو فِیْ بُیُوْتِکُنَّ اپنے گھروں میں۔ نافع، عاصم اور ابوجعفر نے اسے بفتح القاف مضارع از باب علم پڑھا ہے۔ اس کا اصل اقررن تھا۔ راء اولیٰ کی حرکت نقل کر کے قاف کو دی گئی ہے۔ پھر التقائے ساکنین کی وجہ سے گر گئی ہے پھر ہمزہ وصل کی ضرورت نہ رہی۔ وہ بھی گر گیا قرن ہوا۔ اس تقریر پر اس کا وزن فلن ہوا جس کا اصل افعلن تھا۔ اور باقیوں نے بکسر القاف پڑھا ہے اس لیے کہ وہ وقر یقر وقار کا امر ہے۔ یہ دراصل اوقرن تھا۔ واؤ تخفیفاً محذوف ہوگئی۔ اس کے بعد ہمزہ وصل کی ضرورت نہ رہی اسے بھی گرا دیا گیا قرن ہوا اس وقت اس کا وزن علن ہوگا یا قر یقر مضارع کے میں بکسر القاف اس کا اصل اقررن تھا۔ راء کی کسرہ قاف کو دی گئی پھر محذوف ہوئی، ہمزہ وصل بھی گر گیا۔ قرن ہوا۔ اس وقت وزن فلن ہوگا۔ اب معنی یہ ہوگا کہ اے ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم! اپنے گھروں کو لازم پکڑو اور اپنے مساکن میں ٹھہری رہو۔

مسئلہ: یہ خطاب اگرچہ ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن اس کا حکم تمام عورتوں کو عام ہے۔

بی بی سُودہ رضی اللہ عنہا کا عمل بالقرآن مروی ہے کہ بی بی سُودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا اس آیت کے نزول کے بعد گھر سے ایک دن کے لیے بھی باہر نہ نکلیں، نہ حج کے لیے نہ عمرہ کے لیے، یہاں تک کہ موت کے بعد آپ کا جنازہ ہی گھر سے باہر نکالا گیا۔ یہ بی بی سودہ بنت زمعہ زوجۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھیں ان بی بی صاحبہ کا انتقال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہوا۔ بی بی سے سوال ہُوا کہ آپ حج اور عمرہ کے لیے کیوں نہیں جاتیں؟ فرمایا کہ ہمیں حکم ہے وقرن فی بیوتکن ؎

ز بیگانگاں چشم زن کور باد
چو بیروں شد از خانہ در گور باد

ترجمہ: بیگانہ مردوں سے عورت کی آنکھ اندھی ہو۔ جب گھر سے باہر جائے تو اسے کہدو کہ خدا کرے کہ وہ قبر میں جائے۔

حدیث شریف میں ہے:

خیر مساجد النساء قعر بیوتھن۔

(عورتوں کے لیے بہترین سجدہ گاہ گھر کا اندرونی حصہ ہے)

وَلَا تَبَرَّجْنَ اور بے پردہ نہ رہو۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حل لغات: امام راغب نے فرمایا کہ ثوب مُتَبَرَّج سے ہے۔ ہر اس کپڑے کو کہا جاتا ہے جس پر بروج کی شکلیں منقش کی جائیں اس سے اس کپڑے کا حسن مطلوب ہوتا ہے۔ اس محاورہ کو کہا جائے گا۔

تبرجت المرأۃ۔ یعنی عورت مردوں کو اپنے حسن کے اظہار کے لیے بروج کے مشابہ ہوئی۔ اس سے مراد یہ ہے کہ عورت اپنے مواضع حسن کو حسین بنا سکے۔

اب معنی یہ ہوا کہ اپنے حسن کی جگہوں کو ظاہر نہ کرو۔ تہذیب المصادر سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ لکھا تبرج کا اصل معنی ہے برج پر چڑھنا۔ چونکہ جو شخص برج پر چڑھتا ہے دیکھنے والے کو صاف طور پر نظر آتا ہے اسی لیے یہاں یہ معنی لیا گیا ہے کما قال ابو علی۔

بعض نے اس کا اور معنی لکھا ہے وہ یہ کہ تبرجت المرأۃ ای ظهرت من برجها یعنی عورت اپنے برج یعنی محل سے ظاہر ہوئی۔ اس کا استدلال ولا تبرجن سے کیا ہے۔ کذا فی المفردات۔

بعض نے کہا ولا تبرجن یعنی چلنے میں تبختر (اکڑ کے چلنا) نہ کرو۔

تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولٰى ان عورتوں کے تبرج کی طرح جو جاہلیت اولیٰ میں تھیں۔

ف: اس سے آدم و نوح علیہم السلام کی درمیانی مدت مراد ہے۔ یہ ایک ہزار دو سو بہتر (۱۲۴۲) سال ہے۔ کذا فی الکبیر۔

اور جاہلیت آخریٰ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور عیسیٰ علیہ السلام کی درمیانی مدت کو کہا جاتا ہے۔ ابن الملک نے کہا: جاہلیت حضور علیہ السلام کی بعثت مبارکہ سے تھوڑا سا پہلے زمانے کا نام ہے اور اسے جاہلیت اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس دور میں جہالت بہت زیادہ تھی۔

جاہلیت اُولیٰ کا ایک واقعہ مروی ہے کہ آدم علیہ السلام کے دو مختلف زمانوں کی اولاد میں سے ایک گروہ پہاڑوں میں بسیرا کرتا تھا، دوسرا گروہ زمین پر۔ جو پہاڑوں کے باسی تھے وہ خود تو حسین و جمیل تھے لیکن ان کی عورتیں سیاہ فام تھیں۔ جو زمین پر رہائش پذیر تھے وہ خود تو سیاہ فام تھے لیکن ان کی عورتیں حسین و جمیل تھیں۔ ابلیس نے یوں شرارت کی کہ زمین کے باسیوں میں سے ایک کے ہاں نوکر بن گیا اور اس کی خوب خدمت کی۔ دریں اثنا اس نے ایک مخصوص قسم کی بانسری بنائی جو عام طور پر چرواہے جنگلوں میں بجایا کرتے تھے۔ ایسی خوش آواز سے تیار کی کہ اس کے بجانے پر لوگ دھڑا دھڑ جمع ہو جایا کرتے تھے۔ اس کی یہ آواز زمین کے باشندوں نے بہت پسند کی۔ چنانچہ سال میں ایک دن عید منایا کرتے تھے وہاں عورتوں اور مردوں کا اجتماع ہوتا اور عورتیں مردوں کے لیے بار سنگار کرتیں اور خوب سنورتیں اور پھر اسی بانسری کو بڑے مزے سے سنتے۔ ایک دفعہ پہاڑ کے باسیوں میں سے ایک شخص ان کی عید میں شامل ہوا۔ اس نے زمین کی باسی عورتوں کا حسن و جمال دیکھا تو ان پر فریفتہ ہو گیا، واپس جا کر اپنے دوسرے لوگوں کو خبر دی تو پہاڑ والوں نے زمین والوں کے ہاں آمدورفت شروع کر دی۔ اس سے زنا و

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

فواحش پھیلا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا تَبَرَّجْنَ الخ۔ یہ واقعہ حضرت ادریس علیہ السلام کے زمانے کے بعد ہوا۔

ف: حضرت کاشفی نے لکھا کہ صحیح ترین یہ ہے کہ جاہلیت اولیٰ ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں تھی۔ اس لیے کہ ان کے زمانے کی عورتیں مروارید کے بنے ہوئے کپڑے پہن کر مردوں کے راستہ میں بیٹھ جاتیں اور ان سے زنا کرواتیں۔

بعض نے یہ بھی لکھا کہ جاہلیت اخریٰ کا زمانہ قرب قیامت میں آئے گا کہ اس وقت عورتوں اور مردوں کا وہی حال ہوگا جو جاہلیت اولیٰ میں تھا۔

حدیث شریف مع شرح دو طرح کے لوگ جہنمی ہیں جنہیں میں آج نہیں دیکھ رہا (یعنی ایسے لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانۂ اقدس میں نہیں تھے کیونکہ حضور علیہ السلام کا زمانۂ اقدس ایسے فواحش سے پاک تھا) ایک وہ جن کے ہاتھوں میں بیلوں کے کانوں کی طرح چھڑیاں ہیں جن سے وہ لوگوں کو مارتے ہیں۔

ف: اسواط' سوط کی جمع ہے۔ دیارِ عرب میں انہیں مقامع سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ مقرعہ کی جمع ہے مقرعہ اس چھڑی کو کہا جاتا ہے جس کے آخری حصے کو چمڑے سے مضبوط باندھا جائے اور اس کی موٹائی انگشتِ شہادت کے برابر ہو۔ اس کے ساتھ چور کو برہنہ کر کے سزا دی جاتی تھی۔ بعض نے کہا کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو ظالم حکام کے گھروں اور دفتروں کے چکر کاٹتے ہیں اور ان کے ہاتھوں میں چابک ہوتے ہیں جن سے وہ اوروں کو مار کر اور گالی دے کر ظالم افسروں کے گھروں اور دفتروں میں نہیں آنے دیتے۔

دوسرا گروہ ان عورتوں کا ہے جو بظاہر بہتر لباس سے ملبوس ہیں لیکن درحقیقت وہ ننگی ہیں اس لیے کہ ان کا وہ لباس نہایت باریک ہوتا ہے اور پھر ان کا آدھا حصہ ملبوس اور آدھا ننگا۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ لباسِ تقویٰ سے خالی ہوں گی جیسے ہمارے زمانے کی عورتوں کا حال ہے کہ بظاہر تو دوپٹہ پہنتی ہیں لیکن اٹھا کر پیٹھ کے پیچھے ڈال دیتی ہیں اور ان کا سینہ ننگا ہوتا ہے۔ (یہ تو صاحب روح البیان قدس سرہٗ کے زمانے کی بات ہے اور ہمارے زمانے میں تو عورتوں نے سر سے دوپٹہ اتار ہی پھینکا ہے اور اول تو وہ برقعہ پہنتی ہی نہیں اور اگر کبھی بھولے سے پہن ہی لیتی ہیں تو وہ بھی فیشنی۔ یعنی وہ مردوں کو دعوتِ نظارہ دیتی ہیں اور برقعہ کو ظلم شدید سے تعبیر کرتی ہیں۔ اویسی غفرلہٗ) یا اس سے وہ عورتیں مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتیں۔ یاد رہے کہ دنیوی نعمتوں کا شکر کرنا نہ صرف نعمتوں کے اضافے کا موجب ہے بلکہ اس سے آخرت کی نعمتوں سے وافر حصہ نصیب ہوتا ہے۔ اور آخرت کی نعمتیں عمل صالح سے خالی ہوں گی۔ لیکن یہ حکم نہ صرف عورتوں کے لیے ہے بلکہ مرد و عورت دونوں کے لیے یہ حکم عام ہے۔ اور جن عورتوں کا اوپر ذکر ہوا وہ مردوں کو اپنی طرف مائل کرنے والی ہیں تاکہ وہ ان سے غلط کاری کریں۔ یا وہ مردوں کو اپنے جسم کے بعض حصے اور سرین کی لچک دکھا کر اپنی طرف مائل کرتی ہیں جیسے رقاصاؤں کا طریقہ ہے۔ یا اس کا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattori

معنی یہ ہے کہ وہ دوپٹے اپنے سروں پر لپیٹے رکھتی ہیں تاکہ چہرہ پورے طور ظاہر ہو (ان کا کیا حال ہوگا جو آج سر پر دوپٹہ رکھتی ہی نہیں) اور وہ عورتیں مردوں کی طرف میلان رکھتی ہیں یا وہ اپنے چلنے میں لچک پیدا کرکے اور اکڑ کر چلتی ہیں ان عورتوں کے سر اونٹ کے کوہان کی طرح ہیں یعنی وہ اپنے سروں کو دوپٹوں یا ٹوپیوں یا کسی اور شئے سے موٹا دکھاتی ہیں یہاں تک کہ ان کے سر اونٹ کے کوہان جیسے محسوس ہوتے ہیں۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ مردوں کو سر اٹھا کر دیکھتی ہیں۔ اونٹ کے کوہان سے اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ جیسے اونٹ کا کوہان چربی کی کثرت کی وجہ سے کبھی اس طرف جھک جاتا ہے اور کبھی اس طرف۔ تو اسی طرح ان عورتوں کی کیفیت ہے۔

لا یدخلن الجنة ولا یجدن ریحها وان ریحها لیوجد من مسیرة اربعین عاما۔

(ایسی عورتیں جنت میں داخل نہ ہو سکیں گی یہاں تک کہ بہشت کی خوشبو تک سے محروم رہیں گی جبکہ اس کی خوشبو چالیس سال کے سفر کے فاصلہ پر سونگھی جا سکے گی)

تفسیر عالمانہ وَاَقِمْنَ الصَّلٰوۃَ اور نماز قائم کرو، اس لیے کہ بدنی عبادات میں سے یہی اصل عبادت ہے وَاٰتِیْنَ الزَّکٰوۃَ اور زکوٰۃ دو اس لیے کہ عبادات مالیہ میں سے یہی برگزیدہ عبادت ہے بشرطیکہ تمہارے ہاں مال وافر یعنی نصاب کامل ہو۔ کذا فی تفسیر ابی اللیث۔

وَاَطِعْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اور تمام اوامر و نواہی میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو۔ بعض نے لکھا کہ اللہ کی اطاعت کرو فرائض میں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو سنتوں میں۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ۔ الرجس بمعنی القذر۔ یعنی وہ گناہ جو تمہاری عزت کو دھبہ لگائے اور داغدار کرے۔ دراصل عرض انسان کے اس حصہ کو کہا جاتا ہے جس کی حفاظت مطلوب ہو۔ امر و نہی کی علت بتائی گئی ہے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے اسی لیے اس کا حکم عام ہوگا کیونکہ یہ خطاب عام ہے جس میں ازواج مطہرات بھی شامل ہیں (لیکن افسوس کہ شیعہ پارٹی نے اس آیت کو صرف پنجتن (علی نبینا وعلیہم السلام) تک محدود رکھا اور بالخصوص ازواج مطہرات کو اس آیت سے خارج کرنے کی خام اور ناکام کوشش کی حالانکہ قرآنی مضمون کا تقاضا یہی ہے کہ ازواج مطہرات بالخصوص اس حکم میں شامل ہیں اور باقی علی العموم۔ اویسی غفرلہ) اَھْلَ الْبَیْتِ یہ دراصل یا اھل البیت تھا۔ اسی سے وہ لوگ مراد ہیں جو نبوت کے گھرانے میں سے ہوں مرد ہوں یا عورتیں۔ امام راغب نے لکھا کہ اھل الرجل اس کو کہا جائے گا جو کہ ایک تعلق سے متعلق ہو جیسے نسب، دین یا ان کے قائم مقام۔ جیسے کاریگری اور گھر اور شہر اولغۃ۔ اس کا لغوی معنی یہ ہے کہ وہ جگہ جہاں سکونت کے لیے یکجا جمع ہوتا ہو۔ اس کے بعد دوسرے معانی میں مجازاً استعمال ہونے لگا۔ اسی لیے اہل الرجل ہر وہ شخص جو اس کے نسب وغیرہ سے تعلق رکھتا ہو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کو (مطلقاً) عام ہے (وہ آل ہوں یا ازواج) یعنی لفظ اہل بیت حبیب

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مطلقاً استعمال ہو تو اس سے حضور علیہ السلام کی آل خصوصاً بنو ہاشم مراد ہوں گے۔ اسی لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان منا اھل البیت (سلمان ہمارے اہل بیت سے ہے) فرما کر تمام شکوک و شبہات دور کر دیئے اور تنبیہ فرمائی کہ قوم کا غلام بھی اہل بیت کی طرف منسوب ہوتا ہے (شیعوں کی کتب میں بھی یہ حدیث موجود ہے جب غلام اہل بیت میں شامل ہے تو پھر امہات المومنین سے ضد کیوں؟ انھیں کیونکر اہل بیت سے خارج کیا جاتا ہے) اھل بیت دراصل انسان کے اس ٹھکانے کو کہا جاتا ہے جس میں شب باشی کی جائے۔ پھر عام کر کے رات کی قید بھی ہٹا لی گئی۔ یعنی ہر وہ جگہ جہاں انسان بسر اوقات کرے۔ اس کی جمع ابیات و بیوت آتی ہے لیکن بیوت تو مسکن کے لیے اور ابیات اشعار کے لیے استعمال ہوتا ہے اور بیت کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے خواہ وہ پتھروں سے تیار کیا جائے یا ڈھیلوں سے یا اُون سے یا بالوں سے۔ شعر کو اسی کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے بیت کہا جاتا ہے۔ ایسے ہی جو شے بھی کہیں بسر اوقات کرے گی اسے بیت سے تعبیر کیا جائے گا۔ المفردات۔ وَيُطَهِّرَكُمْ اور تمہیں معاصی کی گرد و غبار سے پاک کرے گا تَطْهِيرًا ۝ بہت زیادہ پاک۔ الرجس معصیت کے لیے استعارہ کیا گیا ہے پھر تطہیر میں ترشیح ہے تاکہ اہل بیت کو گناہوں سے بہت زیادہ نفرت ہو۔

ردِ شیعہ آیت میں بیّن دلیل اور سورج سے بھی زیادہ روشن برہان ہے کہ حضور کی ازواج مطہرات حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل بیت ہیں۔ آیت صاف بتاتی ہے کہ شیعو شنیعہ باطل اور مبنی بر جہالت ہے جبکہ انھوں نے لفظ اہل بیت کا اطلاق صرف بی بی فاطمۃ الزہرا اور ان کے دو صاحبزادوں (حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم) کے لیے مخصوص مانا ہے۔

دلیلِ شیعہ اپنے مذکورہ عقیدہ پر شیعہ مندرجہ ذیل روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت گھر سے باہر نکلے آپ نے سیاہ کمبل اوڑھ رکھا تھا آپ ایک جگہ پر بیٹھے تو بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں تو آپ نے انھیں اپنے کمبل میں بٹھا لیا، اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے آپ نے انھیں بھی کمبل میں چھپا لیا۔ پھر حضرت حسن و حضرت حسین رضی اللہ عنہما آئے تو انھیں بھی اسی کمبل سے ڈھانپ لیا۔ اس کے بعد فرمایا، انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس الخ۔

جواب برائے شیعہ اس واقعہ سے تو صرف یہ ثابت ہوا کہ مذکورہ بالا چاروں حضرات رضی اللہ عنہم اہل بیت میں سے ہیں۔ اس سے کب لازم آتا ہے کہ دوسرے حضرات سرے سے اہل بیت میں شامل ہی نہیں۔

(جواب نمبر ۲ از اویسی غفرلہٗ قرآنی دلیل تو ازواج مطہرات کے لیے مصرح ہے۔ ان چاروں حضرات (رضی اللہ عنہم) کی تخصیص تو قرآن مجید میں نہیں بلکہ خبر واحد میں ہے اور

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اخبارِ احاد سے عقائد و خصائص ثابت نہیں ہوتے۔ ہاں فضائل ثابت ہوتے ہیں اور فضائل و کمالات کے ہم قائل ہیں۔ نہ صرف قائل ہیں بلکہ ایسے دلائل سے ہم بیان کرتے ہیں کہ شیعہ کے مجتہدوں کو ذرہ برابر بھی نصیب نہیں)

جواب نمبر ۲ از صاحب رُوح البیان اگر شیعہ کی یہ دلیل صحیح ہو تو نصِ قرآنی کے مقابلہ میں واقع ہوتی ہے اور جو حدیث قرآنی نص کے مقابلہ میں واقع ہوا سے اولاً تطبیق دی جائے گی ورنہ اسے چھوڑ دیا جائے گا۔

ف : کاشفی نے لکھا اس وجہ سے آلِ عبا کا لفظ پنجتن پر بھی بولتے ہیں ؎

آلُ العبا رسول اللہ و ابنتہ
والمرتضیٰ ثم سبطاہ اذا اجتمعوا

ترجمہ : آلِ عبا یہ حضرات ہیں ؛

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
۲۔ آپ کی صاحبزادی بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا
۳۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ
۴ و ۵۔ ان کے دو صاحبزادے حضرت حسن و حضرت حسین رضی اللہ عنہما جب جمع ہوں۔

ف : کشف الاسرار میں ہے رجس افعالِ خبیثہ و اخلاق وغیرہ میں استعمال ہوتا ہے۔ افعالِ خبیثہ سے ظاہری باطنی فواحش اور اخلاص وغیرہ سے خواہشات نفسانی اور بدعت و بخل و حرص و قطع رحم اللہ تعالیٰ کے احکام کی فرماں برداری کی خلاف ورزی اور سنّت کے بجائے حرص اور شفقت صلہ رحمی کے بجائے قطع رحمی کرنا وغیرہ وغیرہ۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

ویطہرکم تطہیرا۔

یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں ان بری عادات سے محفوظ فرمائے اور بچائے اس سے کہ تم اپنے آپ کو کچھ کا کچھ سمجھو یا تمہیں اپنے اعمال پر ناز ہو۔

اقسامِ نظر پیرِ طریقت نے فرمایا کہ نظر دو قسم ہے :

(۱) انسانی نظر
(۲) رحمانی نظر

نظرِ انسانی یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو دیکھے۔

نظرِ رحمانی یہ ہے کہ حق تعالیٰ انسان کو دیکھے جب تک نظرِ انسانی درمیان سے اٹھ نہ جائے نظرِ رحمانی نصیب نہیں ہوتی۔

سبق : انسان پر لازم ہے عبادت خوب کرے لیکن اسے دل میں نہ لائے بلکہ ہر وقت اس کی بے نیازی کو

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مدّنظر رکھے وہ ایسا بے نیاز ہے کہ اگر آسمان و زمین کے جملہ صدیقین اور قدوسیوں کی عبادات ذوالجلال کی نظر میں ایک پتھر کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتی لیکن چونکہ وہ بے نیاز اپنے بندے کی بندگی سے خوش ہوتا ہے اسی لئے انسان کو زیادہ سے زیادہ عبادت و اطاعت میں اوقات بسر کرنے چاہئیں۔ حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

گاہیکہ تکیہ بر عمل خود کنند خلق
اورا مباد جز کرمت ہیچ تکیہ گاہ
با او بفضل کار کن ای مفضل کریم
کز عدل تو بفضل تو می آورد پناہ

ترجمہ: جب مخلوق اپنے عمل پر بھروسا کرے ان کا تیرے سوا کوئی تکیہ گاہ نہیں اس کے فضل وکرم پر کام کر اے فضل وکرم والے! تیرے عدل سے تیرے فضل میں پناہ لائیں گے۔

تفسیر صوفیانہ

وقرن فی بیوتکن یہ خطاب انسان کے قلب کو ہے کہ اے قلوب انسان! تم عالم ملکوت کے گھونسلوں میں مقیم رہو اور ارواح کو فرمان ہے کہ ذات کی طرف متوجہ ہوں۔ ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ اور دنیا کی زینت اور اس کی خواہشات رغبت کر کے عالم حواس کی طرف نہ نکلو جیسے جہال کی عادت ہے واقمن الصلوٰۃ دوام حضور اور مراقبہ اور سیر کے ساتھ عروج الی اللہ کے ساتھ نماز قائم کرو اس لیے کہ نماز اہل ایمان کی معراج ہے اور وہ یوں ہو کہ انسان کو چاہیے دنیا سے ہاتھ اٹھالے اور اسے اپنے لیے ایک مصیبت عظیم سمجھ کر ما سوی اللہ سے روگردانی کر، اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو تکبیر انسانی کو ترک کر کے خشوع رکوع حیوانی کی طرف جھک جائے پھر نباتی سجود کا خشوع کرے پھر جمادی قعود بیٹھے اس طرح سے اسے اسفل قالب کا ہبوط حاصل ہوگا تو مقام شہود تک پہنچنا آسان ہو جائے گا۔ یہ اس کے لیے ہے جو بدایۃ روحانی سیر میں ہو۔ اس کے بعد حضرت حق کی تحیۃ و ثناء کی تشہد پڑھے۔ اس کے بعد دائیں جانب سلام پھیرے تو آخرت و ما فیہا کو خیرباد کر دے اور بائیں جانب سلام پھیر کر دنیا و ما فیہا سے فراغت پائے۔ ایسی نماز کی اقامت و مداومت سے اسے بحر الوہیت میں غوطہ لگانے کا موقع نصیب ہو جائے گا۔ واٰتین الزکوٰۃ یعنی جو تمہارا وجود مجازی ہے جو وجود حقیقی سے ایک زاید امر ہے راہ حق میں صرف کر دیجئے وجود مجازی کو وجود حقیقی میں فنا کر دو واطعن اللہ ورسولہ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس صلوٰۃ و زکوٰۃ بمطابق طریق بالا سے اطاعت الٰہی و رسول اللہ مطلوب ہو اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ بھی یہی ہے کہ اپنے بندوں سے حدوث کا زنگ مٹا دے۔ الرجس سے یہاں پر لوث الحدوث مراد ہے۔ اھل البیت اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو بیت الٰہی کے واصل اور مجلس وحدت کے باشی ہیں ویطھرکم اور وہ کریم تجلی صفات جمال و جلال کے شراب طہور کے ساتھ تمہیں لوث حدوث سے ایسا پاک کرنا چاہتا ہے کہ تمہارے اندر ذرہ برابر بھی حدوث نہ رہے جیسا کہ صوفیہ فرماتے ہیں

For more Books click on link'
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

رہتے ہوئے صفات نہیں کھوتے ۔ اس سے ثابت ہوا کہ کامل اولیاء کرام کو طبیعت کے ظہور کا خوف نہیں ہوتا ۔

تا بندہ ز خود فانیٔ مطلق نشود
توحید بنزد او محقق نشود
توحید حلول نیست نابودی تست
ورنہ بگزاف آدمی حق نشود

ترجمہ : جب تک بندہ اپنے آپ سے مطلقاً فانی نہ ہوگا اس وقت اس کے ہاں توحید محقق نہ ہوگی۔ توحید حلول نہیں بلکہ یوں ہوگا کہ وجودِ فانی کو مٹا دو ورنہ لاف و گزاف سے آدمی حق نہیں ہو سکتا ۔

حق تعالیٰ حقائقِ توحید سے ہم سب کو محقق بنائے اور اپنی تائید سے ہمیں نوازے اور وجودِ مجازی کے نقوش ہم سے مٹا دے اور ہمیں انانیت کی خرابیوں سے پاک و صاف کرے بیشک وہ اپنے عباد کے لیے جواد و کریم ہے ۔

تفسیرِ عالمانہ وَاذْكُرْنَ اے ازواجِ پیغمبر علیہ السلام ! یاد کرو لوگوں کو بطریقِ وعظ و تذکیر فرمایا کہ یاد کرو مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ وہ جو تمہارے ہاں کتاب الجامع آیاتِ الٰہیہ اور حکمت میں سے جامع ہے ۔ اس میں نبوت کے دلائل واضح ہیں اور وہ اپنی نظم و ترتیب کے لحاظ سے بہت بڑا معجزہ ہے اور وہ حکمت بایں معنیٰ ہے کہ اس میں فنونِ علم و احکام شرعیہ ہیں سورۂ لقمان میں ہم نے حکمت کے معانی بیان کئے ہیں ۔

ف : قتادہ نے آیات کو آیاتِ قرآنی اور حکمت کو احادیثِ نبویہ پر محمول فرمایا ہے اس لیے کہ حدیثِ نبوی خالص حکمت ہے ۔ اس میں ازواجِ مطہرات کی نعمتوں کا تذکرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اہلِ بیتِ نبوت اور تمہارے گھروں کو وحی کا مرکز بنایا تاکہ نواہیٔ الٰہی کا ارتکاب نہ کریں اور اوامرِ حق پر عمل کریں اور قرآنی آیات کی تلاوت کریں اس میں انہیں تنبیہ ہے کہ منزل آیات کی تلاوت اور ان پر عمل کرنا مطلوب ہے اور انہیں اشارہ کیا کہ گھروں میں صرف سکونت رکھنا مقصود نہیں اگرچہ وہ نزولِ وحی الٰہی کا مرکز ہیں اور ہر زوجۂ نبی علیہ السلام کے گھر قرآن مجید کا کچھ نہ کچھ حصہ نازل ہوا ۔ اس سے مقصد یہی ہے کہ انہیں پڑھا جائے اور پڑھ کر ان پر عمل کیا جائے اور تلاوت کرنے والے کی تخصیص نہیں کی گئی اس لیے کہ تلاوت خواہ کوئی کرے نبی علیہ السلام یا جبریل امین علیہ السلام یا ازواجِ مطہرات یا صحابہ کرام یا دوسرے عوام تعلیماً یا تعلّماً کیونکہ مقصود صرف تلاوت نہیں بلکہ اس سے نصیحت حاصل کرنا اور پھر اس پر عمل کرنا ہے ۔

ف : اس سلسلہ میں ہے کہ اس میں انہیں حفظِ قرآن اور اس کے احکام کی نشر و اشاعت اور اس سے اپنی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اور دوسروں کی تذکیر و نصیحت ضروری ہے اس لیے کہ قرآن جملہ شرعی امور پر حاوی ہے اگرچہ یہ خطاب ازواجِ نبی (علیہ السلام) کو ہے لیکن حکم عام ہے اس میں ازواج مطہرات کے علاوہ جملہ اہلِ اسلام زن و مرد داخل ہیں یاد رہے کہ شریعتِ پاک کے جملہ امور قرآن و حدیث پر مبنی ہیں اور انہی سے ہی حدود الٰہی اور فرائض وغیرہ ہا معلوم ہوتے ہیں۔

مسئلہ: لازم ہے کہ رات دن روزانہ قرآن مجید کو پڑھا جائے تاکہ بھول نہ جائے اور بعض اوقات نہ پڑھنے سے دل سے بھی مٹ جاتا ہے۔

مسئلہ: بھولنے کا معنیٰ یہ ہے کہ قرآن مجید کو دیکھ کر بھی نہ پڑھا جا سکے۔ اس طرح قرآن مجید کو بھولنا گناہِ کبیرہ ہے۔

مسئلہ: گھر میں قرآن مجید کی تلاوت کی جائے اور یہ سنت ہے۔

حدیث شریف میں ہے:
ان فی بیوتات المسلمین لمصابیح الی العرش یعرفها مقربوا ملائکة السمٰوٰت السبع والارضین السبع یقولون هٰذا النور من بیوتات المؤمنین التی یتلی فیها القرآن۔

(اہلِ اسلام کے گھروں میں بہت بڑے روشنی فانوس ہیں جن کی نورانیت عرشِ الٰہی تک پہنچتی ہے جسے ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کے مقرب فرشتے پہچانتے ہیں اور آپس میں کہتے ہیں کہ یہ روشنی مسلمانوں کے گھروں میں ان کی تلاوت قرآن سے ہے۔

مسئلہ: کبھی کبھار کسی سے قرآن مجید سننا سنت ہے۔

ف: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی حضرت اُبی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے قرآن مجید سن لیا کرتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے قرآن مجید سن لیا کرتے تھے اور حضرت ابو موسیٰ خوش الحان تھے۔

مسئلہ: جمہور کے نزدیک نماز میں قرآن مجید سننا فرض اور خارج از صلوٰۃ مستحب ہے۔

سبق: ہر انسان پر لازم ہے کہ قرآن مجید کو پڑھے اس سے تذکیر و موعظت حاصل کرے اور اس پر عمل کرے اور ممکن ہو تو حفظ کرے اور اسے سننے کے لیے بھی وقت نکالے ؎

دل از شنیدن قرآن بگیردت ہمہ وقت
چو باطلان ز کلام حقت ملول چیست

ترجمہ: قرآن سننے سے تیرا دل بھر جاتا ہے باطل لوگوں کی طرح تجھے کلام الٰہی سے ملال کیوں ہے!

اِنَّ اللّٰهَ کَانَ لَطِیْفًا بے شک اللہ تعالیٰ بہت بڑا لطف کرنے والا ہے اور اپنی تمام مخلوق کے ساتھ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

احسان و کرم فرماتا ہے خَبِیْرًا ۝ جملہ اشیاء کو خوب جانتا ہے۔ اسی طرح دین کے معاملے میں وہی تدبیر کرتا ہے جیسے چاہتا ہے اسی لیے امر و نہی بندوں کے لیے نازل فرمائے۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ جانتا ہے کہ نبوت کے متعلق کیا مصلحتیں ہیں اور اس کا اہل کون ہے اور وہی جانتا ہے کہ اس کے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے مقدس لقب کا کون مستحق ہے۔

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کا صبر و تحمل

مروی ہے کہ کسی نے حضرت امام زین العابدین کو گالی دی اور آپ پر ایک بہتان بھی باندھا۔ تو آپ نے اسے فرمایا کہ اگر میرے اندر یہ غلطی ہے تو میں اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں اگر میرے اندر غلطی نہ ہو تو پھر میں تیرے لیے استغفار کرتا ہوں۔ اس شخص نے آپ کا حوصلہ دیکھا تو اٹھا اور آپ کا سر چوم لیا اور عرض کی آپ پر میری جان فدا ہو جو کچھ میں نے کہا اس کی معافی چاہتا ہوں اور آپ سے عرض ہے کہ آپ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگیے۔ آپ نے فرمایا کہ میں تیرے لیے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں۔ اس شخص نے کہا اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ۔

دوسرا واقعہ

ایک دن امام زین العابدین رضی اللہ عنہ اپنے گھر سے باہر نکلے تو کسی نے آپ کو خوب گالیاں دیں۔ اس پر آپ کے غلاموں اور نوکروں کو طیش آگیا۔ آپ نے فرمایا: اسے کچھ نہ کہو۔ پھر اس شخص سے مخاطب ہوئے اور فرمایا: بخدا میرے اندر تو بہت سے نقائص و عیوب ہیں آپ کو چاہیے تھا آپ میرے عیوب کو پوشیدہ رکھتے جبکہ اللہ تعالیٰ نے میرے عیوب و نقائص پوشیدہ رکھے۔ لیکن پھر بھی میرا جی چاہتا ہے کہ میں آپ کی کچھ خدمت کروں، اب آپ فرمائیے کہ میں آپ کی کیا خدمت کروں۔ حیا و شرم سے اس شخص کی آنکھیں نیچی ہو گئیں۔ آپ نے اس شخص کو ایک بہترین کمبل عطا فرمایا اور غلاموں سے فرمایا کہ اسے ایک ہزار درہم بھی عنایت فرما دیجئے۔ اس کے بعد وہ شخص کہا کرتا تھا میں گواہی دیتا ہوں کہ واقعی آپ اولادِ رسول ہیں (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم)۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا کہ نسب دو قسم ہے:

(۱) طینیہ
(۲) دینیہ

طینیہ یعنی وہ جو ظاہری نسب ہوتا ہے۔

دینیہ وہ جو مقامِ معرفت و مشابہت اخلاق سے مقامِ طریقت میں ارواح کی مناسبت سے اور مقامِ شریعت میں اعمال کی ایک دوسرے سے مناسبت ہوتی ہے۔ جیسے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

آل محمد کل تقی نقی۔

(آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ تمام ہیں جو پرہیزگار اور نیک ہیں)

ف: حقیقی اہلِ تقویٰ عارف باللہ ہیں جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں۔ اس سے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اہل بیت و ذوی القربیٰ للرسول صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہیں جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقۂ اقدس پر ہیں۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ سادات صالحین کو بہت بڑی کرامت حاصل ہے ان کی رعایت و ادب و تعظیم درحقیقت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم اور ادب ہے۔

حکایت منقول ہے کہ ایک سیدزادی روزی کی تنگی سے اپنی صاحبزادیوں کو لے کر سمرقند کی ایک مسجد میں تشریف لے گئیں تاکہ روزی کا سبب بن سکے۔ شہر کے ایک امیر آدمی سے اپنی تنگیٔ معاش کا ذکر کیا اور ساتھ ہی فرما دیا کہ میں سیدزادی ہوں۔ امیرِ شہر سے صرف ایک رات گزارنے کا سوال کیا۔ امیرِ شہر نے کہا تمہارے سیدزادی ہونے کا کوئی گواہ یا دلیل ہے؟ سیدزادی نے فرمایا: میں تو یہاں اجنبیہ ہوں میری جان پہچان کا کوئی آدمی نہیں۔ امیرِ شہر نے منہ پھیر لیا تو سیدزادی ایک مجوسی کے پاس گئیں وہ بے چارہ شہر میں ضمانت دے کر رہ رہا تھا۔ سیدزادی نے اپنا حال سنایا۔ مجوسی نے سیدزادی کو بچیوں سمیت اپنے گھر بھیج دیا اور گھر والوں کو کہلا بھیجا کہ ان کی خوب خدمت کریں اور عزت و احترام سے پیش آئیں۔ مذکور امیرِ شہر نے خواب دیکھا کہ گویا قیامت قائم ہو گئی ہے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا دیکھا وہاں پہنچ کر دیکھا کہ آپ کے قرب میں سبز محل زمرد سے تیار شدہ موجود ہے۔ عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ محل کس کا ہے؟ آپ نے فرمایا: مسلمان کلمہ گو کا۔ عرض کی: میں بھی مسلمان کلمہ گو ہوں۔ آپ نے فرمایا: تیرے مسلمان کلمہ گو ہونے کی کیا دلیل ہے کوئی گواہ پیش کر۔ اس پر وہ امیرِ شہر جاگ اٹھا اور خوب رویا اور سمجھا کہ اسے اس سیدزادی کی وجہ سے ایسے کہا گیا۔ کفِ افسوس ملتا ہوا سیدزادی کی تلاش میں نکلا تو معلوم ہوا کہ وہ فلاں مجوسی کے ہاں قیام پذیر ہیں۔ مجوسی سے کہا کہ سیدزادی کو لے جانے کی اجازت دیجئے۔ مجوسی نے کہا: یہ نعمتِ عظمیٰ تجھے کیسے دوں؟ کہا: ہزار دینار لے کر انہیں لے جانے کی اجازت دے دے۔ مجوسی نے کہا: ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا اس سیدزادی کے صدقے مجھے دولتِ اسلام نصیب ہوئی ہے۔ اب میں مسلمان ہو چکا ہوں اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بہشت میں سبز محل کی نوید سعید سنائی ہے۔

حکایت منقول ہے کہ بغداد کا ایک تاجر تھا اس کے ہاں سامانِ تجارت بہت قلیل تھا۔ اسے ایک دن نماز باجماعت پڑھنے کا موقعہ میسر ہوا۔ جب سلام پھیرا تو ایک سید کھڑا ہو گیا اور کہا میری ایک لڑکی ہے اس کا بیاہ کرنا چاہتا ہوں، میرے دادا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میری کچھ امداد کرو تاکہ میں اپنی لڑکی کا بیاہ کر سکوں۔ اس تاجر بغدادی نے اپنا سارا سامانِ تجارت اسے دے دیا جو پانچ سو درہم تھا۔ جب رات ہوئی تو تاجر مذکور کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی۔ آپ نے فرمایا: تمہارا بھیجا ہوا تحفہ مجھے موصول ہو گیا ہے کل تم بلخ کے شہر جاؤ وہاں عبداللہ بن طاہر ہیں انہیں جا کر کہنا کہ تمہیں حضرت محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) سلام کہتے ہیں اور فرماتے ہیں میرا دوست

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

آ رہا ہے اسے میری طرف سے پانچ سو دینار دے دیں۔ تاجر مذکور صبح کو بیدار ہوا اور اپنی عورت کو سارا حال سُنایا تو اس نے کہا تم بلخ جاؤ اور پھر آؤ۔ اندریں حالات ہمارے نان و نفقہ کا کیا بنے گا۔ تاجر اپنے پڑوسی ہوٹل والے کے پاس گیا اور کہا کہ جب تک میں بلخ سے واپس نہ آ جاؤں تم میرے اہل و عیال کو خرچ دیتے رہو، میں واپسی پر تمہیں ایک درہم کے بجائے ایک دینار دوں گا۔ ہوٹل والے نے کہا، جس ذات نے تجھے بلخ جانے کا حکم فرمایا ہے اسی ذات کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ کے اہل و عیال کو نان و نفقہ دیتا رہوں۔ ہوٹل والے سے عہد و پیمان لے کر تاجر مذکور بلخ کو روانہ ہوا۔ جب تاجر مذکور بلخ کے قریب پہنچا تو عبد اللہ بن طاہر نے اس کا استقبال کیا اور کہا، اے قاصدِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مرحبا! اور کہا، جس ذات کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تجھے میرے ہاں بھیجا اسی ذات اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے تیری امداد کا حکم فرمایا ہے۔ اس تاجر کو عبد اللہ بن طاہر نے اپنے گھر میں تین دن ٹھہرایا اور خوب خدمت کی اور بحکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے پانچسو دینار دے دیئے اور اسے رسولِ پاک کا قاصد سمجھ کر اس کے ساتھ ایک جماعت روانہ کی جو اسے عزت و تکریم سے اس کے گھر تک پہنچا دے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ زر و نعمت اکنون بده کان تست
که بعد از تو بیرون ز فرمان تست
۲ فرو ماندگان را درون شاد کن
ز روز فرو ماندگی یاد کن
۳ نه خواهنده بر در دیگران
بشکرانه خواهنده از در مران
۴ جوانمرد اگر راست خواهی ولیست
کرم پیشهٔ شاه مردان علیست
۵ باحسانی آسوده کردن دلی
به از الف رکعت بهر منزلی
۶ بقنطار زر بخش کردن ز گنج
نباشد چو قیراطی از دست رنج
۷ برد هر کسی بار در خورد زور
گرانست پای ملخ پیش مور

ترجمہ: (۱) زر و نعمت آج تیرے ہاتھ میں ہے جو تیرے مرنے کے بعد تیرے حکم سے باہر

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ہو گی۔

(۲) عاجزوں کا دل خوش کر، عاجزی کا دن یاد کر۔

(۳) اب تو کسی دروازے کا سوالی نہیں جو تجھ سے سوال کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے ہوئے اسے دروازے سے نہ ہٹا۔

(۴) اگر سچ پوچھتے ہو تو جواں مرد ولی اللہ ہے کیونکہ سخاوت کا پیشہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہے۔

(۵) احسان سے کسی ایک دل کو آسودہ کرنا اس ہزار رکعت کی ادائیگی سے بہتر ہے جو ہر ہر منزل پر ادا کی جائے۔

(۶) خزانے سے بہت سا سونا لٹا دینے سے وہ تھوڑا سا مال بہتر ہے جو اپنی کمائی سے خرچ کیا جائے۔

(۷) ہر ایک اپنی طاقت کے مطابق بوجھ اٹھاتا ہے۔ چیونٹی کو ٹڈی کا ایک پاؤں اٹھا کر چلنا وبال ہے۔

انتباہ جب تم نے یہ حکایات سنیں تو تم پر لازم ہے کہ سادات کی مال سے مدد کرو ورنہ سمجھ لو غیرت مند وہ ہے جو اپنی ہمت مردانہ سے پرواز کرتا ہے۔

سبق ان حکایات سے ثابت ہوا کہ سادات کرام کی تعظیم و تکریم سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوتے ہیں اگر نقد امداد ہو سکے تو زہے سعادت ورنہ ان کے ساتھ نیک برتاؤ کیا جائے اور ان کی خوشی کو ہر لحاظ سے مقدم رکھے (بشرطیکہ شرعی حکم کے منافی امر نہ ہو) سادات کرام کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے دادا کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے احکامات کی پابندی کریں محض خوش فہمی کی بنا پر نسب پر نازاں نہ رہیں آیت کی مناسبت سے فقیر بیان پر اپنا رسالہ "فضائل اہلبیت" کے چند دلائل از آیات یہاں پیش کرتا ہے۔

فضائل اہلبیت از آیات کلام مجید

(۱) قُل لَّا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی ۰ وَمَنْ یَّقْتَرِفْ حَسَنَۃً نَّزِدْ لَہٗ فِیْہَا حُسْنًا ۰	اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اُمت سے فرما دیجئے کہ میں تم سے تبلیغ احکام الٰہی پر کوئی اُجرت نہیں مانگتا بجز اس کے کہ تم میرے قرابت داروں سے محبت کرو اور جو شخص کوئی نیکی کرے گا ہم اس میں خوبی اور زیادہ کریں گے۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ سادات کرام جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد اور اہل قرابت ہیں ان سے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خاطر محبت کرنا لازم ہے دیگر خاندانوں کا یہ حال نہیں۔

طبرانی اور ابی حاتم اور ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے وہ قرابت دار کون ہیں جن کی محبت ہم پر فرض کر دی گئی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علی اور فاطمہ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم ہیں۔

(۲) فمن حاجک فیہ من بعد ما جاءک من العلم فقل تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم ونساءنا ونساءکم وانفسنا وانفسکم ثم نبتہل فنجعل لعنۃ اللہ علی الکذبین۔

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کوئی تم سے اس علم کے آنے کے بعد بھی جھگڑا کرے تو اس سے کہہ دو کہ ہم اپنی اولاد کو بلاتے ہیں، تم اپنی اولاد کو بلاؤ۔ اسی طرح ہم اپنی عورتوں کو بلاتے ہیں تم اپنی عورتوں کو بلاؤ اور ہم خود بھی اور تم خود بھی جمع ہوں، پھر خدا کی طرف متوجہ ہو کر اللہ کی لعنت اور پھٹکار جھوٹوں پر ڈالیں۔

مفسرین کرام کا قول ہے کہ کفار اس آیت کریمہ کو سن کر گھبرا گئے اور بھاگ گئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ غضب الٰہی نازل ہو جائے اور ہم سبھوں کو پریشان کر دے۔

ف: اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم خاص بھی عطا ہو چکا ہے جس کے منکرین کو یہ جواب ہوا ہے اُنہی منکرین کی اولاد آج بھی دنیا میں موجود ہے۔ خدا تعالیٰ ان کو ہدایت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ اس آیت پاک سے بھی مراد آلِ رسول ہیں۔

(۳) انما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس اہل البیت ویطہرکم تطہیرا۔

پس اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ اے اہل بیت تم میں سے گندگی کو دور کرے اور تمہیں خوب پاک و صاف کرے۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ اہل بیت نبی ازواج مطہرات ہوں اور اولاد اطہار ہوں سب کو رب نے پاک فرمایا اس لیے کہ حضور علیہ السلام کا قبیلہ ہیں۔ یہ خصوصی طہارت دوسروں کو میسر نہیں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت پاک بھی آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نازل ہوئی۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن و حضرت حسین وغیرہ رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔ (رواہ احمد)

(۴) ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی

بلاشبہ خدا اور اس کے فرشتے نبی (صلی اللہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(احزاب شریف) یاایھاالذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔ علیہ وسلم) پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔

کعب ابن عجرہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب آیت نازل ہوئی تو ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ پر درود شریف بھیجنے کا کیا طریقہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یوں کہا کرو،

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی (سَیِّدِنَا) مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ (سَیِّدِنَا) مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی (سیدنا) اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ الخ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس شخص کی یہ خواہش ہو کہ اسے پورا اور کامل ثواب ملے تو مجھ پر اور میرے اہل بیت پر اس طرح درود پڑھا کرے،

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی (سَیِّدِنَا) مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاَزْوَاجِہٖ اُمَّھَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ ذُرِّیَّاتِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی (سَیِّدِنَا) اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

(۵) ومن یقترف حسنۃ نزدلہ۔ جو شخص نیکی کرے گا ہم اس میں اور خوبی زیادہ کریں گے۔

ف: آیت میں لفظ حسنۃ سے اہل بیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت مراد ہے۔

(۶) واما الجدار فکان لغلامین یتیمین فی المدینۃ وکان تحتہ کنزلھما وکان ابوھما صالحا۔ (پ ۱۶ ع ۱)

یعنی رہی وہ دیوار، وہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے ان کا خزانہ تھا اور ان کا باپ نیک آدمی تھا۔ یہ وہ واقعہ ہے جو حضرت خضر اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہما السلام کو پیش آیا جبکہ دونوں حضرات اکٹھے ہو کر سیاحت کرتے کرتے ایک گاؤں میں تشریف لے گئے۔ بھوک نے ستایا تھا وہاں کے لوگوں سے طعام مانگا تو انھوں نے انکار کر دیا۔ اس کے باوجود حضرت خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ وہ دیوار جو نظر آرہی ہے یہ گرنا چاہتی ہے میں اس کو درست کرتا ہوں۔ چنانچہ یہ کہہ کر دیوار کو فوراً درست کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام متعجب ہوئے اور عرض کی، ان لوگوں نے ہمیں کھانا نہیں دیا آپ نے دیوار کو درست کر دیا۔ یہ کیا ماجرا ہے؟ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا، میں نے گاؤں کے لوگوں کی وجہ سے نہیں کیا مجھے تو اس ولی کامل کی وجہ سے کرنا پڑا جو اس عالم دنیا سے کوچ کر گیا ہے اور ان کی اولاد کے لیے کچھ سرمایہ دیوار کے نیچے پڑا ہے اگر دیوار گر گئی تو ولی کی اولاد کا نقصان ہو جائے گا۔ اس آیت اور واقعہ سے اندازہ لگا لیجئے کہ [illegible] کے دور کے ولی کی اولاد کا لحاظ رکھا گیا ہے اور یہ بھی ساتویں پشت کا معاملہ ہے یعنی دادا۔ مجازاً "اب" کہا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت علامہ ابن العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

(باقی اگلے صفحہ پر)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

وقد روی فی تفسیر قولہ تعالیٰ "واما الجدار" الآیۃ انہ کان بینھما و بین الذی حفظا فیہ سبعۃ آباء فلا ریب فی حفظ ذریتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم و اھل بیتہ فیہ وان کثرت الوسائط بینھم وبینہ۔ (العلم الظاہر ص۸)

(جن دو لڑکوں کی دیوار کی حفاظت کی گئی اس کے اور نیک لوگوں کے درمیان سات پشتوں کا فاصلہ تھا اس سے شک دور ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد اور ان کے اہل بیت کے حقوق کی حفاظت ضروری ہے اگرچہ ان کے مابین کتنے ہی وسائط ہوں)

آیت سے ثابت ہوا کہ نیک لوگوں کی نیکیاں ان کی اولاد کے کام آتی ہیں۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رشتہ سادات کرام کے ضرور کام آئے گا۔

حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

احفظوا فینا ما حفظ العبد الصالح فی الیتیمین وکان ابوھما صالحاً۔

(رواہ الحافظ عبد العزیز بن الاخضر فی معالم العترۃ النبویہ)

(ہماری خاطر ہماری اولاد کے حقوق کی حفاظت کرو جیسے اللہ تعالیٰ نے دو یتیموں کی صرف نیک آدمی کی وجہ سے حفاظت فرمائی)

(۷) والذین اٰمنوا واتبعتھم ذریتھم	اور جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان
بایمان الحقنا بھم ذریتھم وما	کے ساتھ ان کی پیروی کی ہم نے ان کی اولاد
التناھم من عملھم من شیء۔	ان سے ملادی اور ان کے عمل میں انہیں کچھ
(سورۃ الطور۔ ع ۱)	کمی نہ دی۔ (کنز الایمان)

ف: جنت میں اگرچہ باپ دادا کے درجے بلند ہوں تو بھی ان کی خوشی کے لیے ان کی اولاد ان کے ساتھ ملادی جائے گی اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس اولاد کو بھی وہ درجہ عطا فرمائے گا۔ (خزائن العرفان)

(۸) فیکونون فی درجتھم وان لم یعملوا بعملھم کرمۃ للآباء باجتماع الاولاد الیھم۔

(جلالین ص ۴۳۵)

یعنی اولیاء اللہ کی باایمان اولاد نے اگرچہ باپ دادا کی طرح نیک اعمال نہ کیے ہوں تو بھی باپ دادا کے اکرام و اعزاز کی خاطر جنت میں انہی کے ساتھ ایک ہی مرتبہ و مقام میں رونق افروز ہوں گے۔ (ھکذا فی المدارک ص ۱۹۱)

تفسیر ابن کثیر میں ہے:

(۹) لتقر اعین الآباء بالابناء عندھم فی منازلھم۔ (ص ۲۳۱)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(بقیہ حاشیہ)

[1] یعنی اولیاء اللہ کی اولاد کو یہ مرتبہ اس لیے عطا فرمایا جائے گا تاکہ اولاد کو اپنے پاس اپنے مرتبہ میں دیکھ کر اولیاء اللہ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔

(۱۰) حدیث شریف میں ہے :

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا دخل الرجل الجنۃ سأل عن ابویہ وزوجتہ وولدہ فیقال انھم لم یبلغوا درجتک فیقول یا رب قد عملت لی ولھم فیامر بالحاقھم بہ۔

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جب اللہ کا نیک بندہ جنت میں داخل ہوگا تو اپنے بلند مرتبہ اور اونچے مقام میں ماں باپ ، بیوی اور اولاد کو نہ پاکر پوچھے گا کہ وہ کہاں ہیں؟ جواب ملے گا ان سب کے اعمال تجھ سے گھٹیا تھے اس لیے وہ تیرے مرتبہ و مقام کو نہیں پہنچ سکے۔ وہ بندہ عرض کرے گا اے میرے رب! میں نے جو نیک اعمال کیے تھے وہ صرف اپنے لیے نہیں کئے تھے بلکہ ماں باپ اور بیوی بچوں کے لیے بھی کیے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان سب کو اس کے مرتبہ و مقام پر پہنچایا جائے گا)

اس حدیث مقدس کو بیان فرمانے کے بعد اس کے راوی سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مندرجہ بالا آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی۔ (تفسیر ابن کثیر، ج ۴، ص ۲۴۲)

اس سے ثابت ہوا کہ جنتی آدمی اپنے بال بچوں کے ساتھ جنت میں رہے گا اس طرح کہ اگر باپ کا درجہ ادنیٰ ہے اور اولاد کا اعلیٰ ، تو باپ کو ترقی دے کر اولاد کے پاس پہنچایا جائے گا۔ اور اگر اس کے برعکس ہے تو اولاد کو ترقی دے کر باپ کے پاس بھیجا جائے گا۔

ان اقوال و ارشادات کی روشنی میں آیت مذکورہ کا مطلب واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقدس ولیوں کو خوش رکھنے کے لیے ان کی اولاد کو انہی جیسا مرتبہ عطا فرمائے گا۔

تو اللہ جل مجدہ کی سنت مبارکہ پر عمل کرنے کے لیے ہمیں بھی چاہیے کہ اولیاء اللہ کی اولاد کا ادب و احترام کریں۔ اولاد کو انہی احترامی نگاہوں سے دیکھیں جن احترامی نگاہوں سے ان کے آباء کرام کو دیکھا کرتے تھے اولیاء اللہ کی اولاد کو جتنا خوش رکھیں گے ان ولیوں کی ارواح طیبہ اتنی ہی ہم سے خوش ہوں گی جتنا کوئی انہیں پریشان کرے گا اتنا ہی مقدس ولیوں کی ارواح مقدسہ کو ستائے گا۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ان شاء اللہ قیامت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوگی۔ سادات کرام کے نسب کی عظمت بھی معلوم ہوتی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بزرگوں کے اعمال ان کی اولاد کے کام آتے ہیں۔

(۱۱) ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک ۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(بقیہ حاشیہ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دُعا کی کہ مولا! ہماری اولاد میں ایک جماعت اپنی مطیع و فرماں بردار رکھ اس دُعا سے معلوم ہوا کہ سارے سید کبھی گمراہ نہیں ہو سکتے۔ دوسری اسلامی قومیں ساری گمراہ ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم کا نسب و خاندان اعلیٰ و افضل ہے کہ انہیں یہ دعائے ابراہیمی حاصل ہے۔

(۱۲) لا اقسم بھذا البلد وانت حلٌّ بھذا البلد و والدٍ و ما ولد۔

(مجھے اس شہر کی قسم کہ اے محبوب! اس شہر میں تم ہو اور تم باپ کی قسم اور اس کی اولاد کی قسم)

اس آیت کریمہ کی تفسیر یہ بھی ہے کہ والد سے مراد حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اولاد سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد پاک ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور کا شہر تمام شہروں سے افضل اور حضور کی اولاد پاک تمام خاندانوں سے اعلیٰ ہے کہ رب تعالیٰ نے ان کی قسم ارشاد فرمائی۔

(۱۳) پارہ اول میں بنی اسرائیل کے ولی کا قصہ بہت مشہور ہے۔ اللہ تعالیٰ اس قصے کے متعلق فرماتا ہے،

واذ قتلتم نفسًا فادّٰرءتم فیہا واللہ مخرجٌ ما کنتم تکتمون۔

(اور جب کہ تم نے مار ڈالا تھا ایک شخص کو کہ پھر لگے ایک دوسرے پر دھرنے اور اللہ تعالےٰ نے نکالنا ہے جو تم چھپاتے تھے)

اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص بہت مالدار تھا اس کی اولاد نہ تھی صرف دو بھتیجے تھے ایک رات مال کی لالچ میں انہوں نے اُسے مار ڈالا اور اس کی لاش دو گاؤں کے درمیان ڈال دی اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر ان دونوں گاؤں والوں پر دعویٰ کر دیا۔ وہ لوگ چونکہ اس قتل سے بے خبر تھے واویلا کرتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام سے اس واقعہ کی صحت کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا طلب کرائی۔ موسیٰ علیہ السلام نے دُعا کی۔ حکم ہوا کہ یہ لوگ گائے ذبح کریں۔ لوگوں نے کہا ہمارے ساتھ تمسخر مت کرو، صحیح واقعہ بتاؤ۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے اسی طرح کہا ہے۔ انہوں نے کہا اچھا بتاؤ گائے کیسی ہے، اس کا رنگ کیا ہے، کس کام کی ہے وغیرہ وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ نے سب تفصیل بتا دی۔ اب انہیں پتا چلا کہ ان اوصاف کی گائے جو ایک یتیم کے پاس ہے۔ یتیم سے وہ گائے بہت مہنگی لے کر ذبح کی۔ جب گائے ذبح کی گئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

اضربوہ ببعضہا۔

یعنی ہم نے کہا مارو اس مردہ کو اس گائے کا ایک ٹکڑا۔

لفظ بعض سے مراد مفسرین نے زبان لی ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں سیدھی ران کا ایک ٹکڑا تھا، بعض کے نزدیک کان ہے، بعض کے نزدیک دُم کی جڑ ہے۔ بہرحال اس مردہ گائے کے بعض حصہ کو مردہ آدمی سے لگایا گیا تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اور تمام واقعہ بیان کر کے مر گیا۔ (کذا فی مظہری ج ۱، ص ۴۴ — بیضاوی ج ۱، ص ۵۵ —

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(بقیہ حاشیہ)

خازن ص ۵۵۔ صاوی ج ۱، ص ۴۰) اور تقریباً تمام تفاسیر میں یونہی ہے (اختصاراً و تطویلاً بطرق مختلفۃ و الفاظ متنوعۃ)

ف: واقعہ میں چند چیزیں قابلِ غور ہیں:

اوّلاً یہ کہ جب اللہ تعالیٰ قادر و قدیر ہے، کُن سے تمام کائنات پیدا فرما سکتا ہے۔ اب مقتول کے زندہ فرمانے سے کون سا اشکال تھا کہ نہ تو خود زندہ فرماتا ہے اور نہ ہی موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیتا ہے کہ تم میری اجازت سے مردہ کو زندہ کرو بلکہ انہیں گائے کے ذبح کرنے پر مجبور کر دیا اور وہ بھی خاص قسم کی جس میں بہت بڑے لمبے شرائط ذکر فرمائے بہرحال اس طوالت میں کوئی حکمت ضرور مضمر ہے۔ جناب مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی تفسیر مظہری (ج ۱، ص ۲۴) میں فرماتے ہیں:

شرط فیہ ما شرط لما جری عادتہ تعالیٰ فی الدنیا بتعلیق الاشیاء بالاسباب الظاھرۃ۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے ابتداءً اسی لیے مردہ کو زندہ نہ فرمایا اور اسے چند شرائط کے ساتھ مشروط فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت مبارکہ ہے کہ اشیاء کو اسبابِ ظاہرہ سے متعلق فرمایا کرتا ہے۔

ف: انہی اسباب سے ہے انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا و علیہم السلام کی مدد۔ تفصیل فقیر کی تصنیف "الاستمداد من اہل الامداد" میں ہے۔

ثانیاً یہ کہ اپنی قدرت کا مظہر گائے کو کیوں بنایا حالانکہ گائے کے بجائے موسیٰ علیہ السلام کو مظہر بناتے جو اس کی قدرت کے مظہرِ اعلیٰ بھی ہیں اور قوم کے نبی بھی، اور قوم کو ان کے معجزے دیکھنے کی ضرورت بھی تھی اور موسیٰ علیہ السلام کی قدرت کے اظہار پر دین کو فائدہ بھی تھا کہ معجزہ دیکھ کر شاید بعض لوگ ایمان لے آتے۔ اس کی وجہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں:

وکان للہ فیہ حکمۃ وذالک انہ کان فی بنی اسرائیل رجل لہ ابنٌ صغیر وکان لہ عجل اتی بھا الی الغیضۃ وقال اللّٰھم انی استودعہ ھذا العجل لابنی یکبر و مات الرجل فصارت العجل فی الغیضۃ عواناً وکانت تھرب من کان رأتہ الخ

یعنی اس میں حکمت یہ تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک مرد تھا نیک اور اس کا ایک چھوٹا لڑکا تھا۔ اپنی موت کو جب قریب دیکھا تو بچے کے لیے ایک بات سوچی۔ وہ یہ کہ اس کے گھر گائے کا ایک بچھڑا تھا، اسے جنگل میں لے جا کر اللہ تعالیٰ سے عرض کی،

"یا اللہ! یہ بچھڑا تیری امان میں ہے میرے بیٹے کے لیے جب تک وہ بڑا نہ ہو یہ گائے تیرے سپرد ہے۔"

چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ وہ گائے جنگل میں رہتی، جب بھی کسی کو دیکھتی ڈر کے مارے بھاگ جاتی۔ الخ (اخرجہ عن ابن عباس موقوفاً۔ مظہری ج ۱، ص ۲۴)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(بقیہ حاشیہ)

ف: اس سے اولیاء اللہ کی شان کا اندازہ لگائیے۔

مقتول کو گائے کے بعض کے ساتھ لگانے سے زندہ کرنے کے کیا معنی۔ اس کے متعلق بزرگوں نے فرمایا ہے کہ گائے سبب ظاہری بھی ہے اور ولی کے ساتھ متعلق بھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس طویل بیان سے یہ ظاہر فرمایا کہ میری قدرتوں کا اظہار میرے اولیا کے متعلقات سے بھی ہوتا ہے۔ دیکھئے اس گائے کا حال کہ جب اسے ولی سے نسبت ہوئی تو ہمیں اس سے ایسا پیار ہوا کہ اسے مظہرِ قدرت بنا دیا کہ اس کے ذریعہ مُردہ زندہ کر دیا۔

طویل بیان کے بعد معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو نیک لوگوں کی اولاد بھی محبوب ہوتی ہے اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے بڑے اہتمام کے ساتھ اس کی گائے کے بچھڑے کی تربیت اور حفاظت فرمائی۔ اس سے سادات کرام کے فضائل کا جزوی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مزید تفصیل فقیر کی کتاب "فضائل اہل بیت" میں ہے۔

انتباہ سادات کرام بھی ان فضائل کے گھمنڈ میں نہ رہیں ان پر بھی لازم ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلیں ورنہ وہ ذات بے نیاز ہے ادھر سے اُدھر کر دے تو وہ مالک ہے۔ اس کی مزید تفصیل فقیر کی کتاب "قومی فخر کا زیاں" پڑھیے۔

آخر میں ہم اہل بیت اطہار کا ایک نقشہ پیش کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ اہلسنت کے نزدیک اہل بیت کون ہیں۔

اہلبیتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

ازواجِ مطہرات

(۱) اُمّ المؤمنین سیدہ حضرت خدیجہ بنت خویلد	
(۲) ام المؤمنین سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ بنت سیدنا صدیق اکبر	بنو تمیم
(۳) ام المؤمنین سیدہ حضرت سَودہ بنت زمعہ	
(۴) ام المؤمنین سیدہ حضرت حفصہ بنت سیدنا عمر فاروق اعظم شہید	بنو عدی
(۵) ام المؤمنین سیدہ حضرت ماریہ قبطیہ	
(۶) ام المؤمنین سیدہ حضرت اُمِّ حبیبہ بنت سیدنا ابُوسفیان	بنو امیہ
(۷) ام المؤمنین سیدہ حضرت زینب بنت خزیمہ	بنو ہلال
(۸) ام المؤمنین سیدہ حضرت ام سلمہ بنت ابی امیہ سہیل	بنو مخزوم
(۹) ام المؤمنین سیدہ حضرت زینب بنت جحش	بنو اسد
(۱۰) ام المؤمنین سیدہ حضرت جویریہ بنت حارث	بنو المصطلق
(۱۱) ام المؤمنین سیدہ حضرت میمونہ بنت حارث	بنو ہوازن

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(۱۲) ام المومنین سیدہ حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب ۔ قطبیہ

(۱۳) ام المومنین سیدہ حضرت ریحانہ بنت زید (رضی اللہ عنہن)

اولادِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بیٹے :

(۱) قاسم بچپن میں وفات پائی ۔

(۲) طاہر (طیب ، عبداللہ) 〃 〃 〃

(۳) ابراہیم 〃 〃 〃 (رضی اللہ عنہم)

بیٹیاں :

(۱) سیدہ زینب زوجہ سیدنا حضرت ابو العاص شہید جنگ یمامہ ذو النور	اموی
(۲) سیدہ رقیہ زوجہ امام شہید مظلوم سیدنا حضرت عثمان ذو النورین	اموی
(۳) سیدہ فاطمہ زوجہ سیدنا حضرت امام علی حیدر شہید ذو النور	ہاشمی
(۴) سیدہ ام کلثوم زوجہ امام شہید مظلوم سیدنا حضرت امام عثمان ذو النورین	اموی

(رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

نواسے :

(۱) حضرت علی شہید جنگ یرموک بن سیدنا ابو العاص شہید ذو النور

(۲) حضرت عبداللہ بن امام شہید مظلوم سیدنا امام عثمان ذو النورین

(۳) سیدنا امام حسن شانِ اتحاد و اخلاص بن سیدنا امام علی حیدر شہید ذو النور

(۴) سیدنا حسین شہید کربلا بن سیدنا امام علی حیدر شہید ذو النور (رضی اللہ عنہما)

نواسیاں :

(۱) سیدہ امامہ بنت سیدنا ابو العاص شہید ذو النور زوجہ سیدنا امام علی حیدر شہید ذو النور

(۲) سیدہ ام کلثوم بنت سیدنا امام علی حیدر شہید ذو النور زوجہ سیدنا امام عمر فاروق اعظم شہید

(۳) سیدہ زینب بنت امام علی حیدر شہید ذو النور زوجہ سیدنا عبداللہ بن سیدنا جعفر شہید

(۴) سیدہ رقیہ بنت سیدنا امام علی حیدر شہید ذو النور ۔ (بچپن میں وفات پائی) (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

(اویسی غفرلہٗ)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَ
بیشک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایمان والے اور ایمان والیاں

الْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ
اور فرمانبردار (مرد) اور فرمانبردار (عورتیں) اور سچے اور سچیاں

وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ
اور صبر والے اور صبر والیاں اور عاجزی کرنے والے اور عاجزی کرنے والیاں اور خیرات کرنے والے اور خیرات

وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ
کرنے والیاں اور روزے والے اور روزے والیاں اور اپنی پارسائی نگاہ رکھنے والے اور نگاہ رکھنے والیاں اور اللہ کو بہت

كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ۝٣٥ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ
یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں ان سب کے لیے اللہ نے بخشش اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے اور نہ کسی مسلمان مرد نہ

وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ
مسلمان عورت کو پہنچتا ہے کہ جب اللہ و رسول کچھ حکم فرما دیں تو انہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے

أَمْرِهِمْ ۗ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا ۝٣٦ وَإِذْ تَقُولُ
اور جو حکم نہ مانے اللہ اور اس کے رسول کا وہ بیشک صریح گمراہی بہکا اور اے محبوب یاد

لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ
کرو جب تم فرماتے تھے اس سے جسے اللہ نے نعمت دی اور تم نے اسے نعمت دی کہ اپنی بی بی اپنے پاس

وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ
رہنے دے اور اللہ سے ڈر اور تم اپنے دل میں رکھتے تھے وہ جسے اللہ کو ظاہر کرنا منظور تھا اور تمہیں لوگوں کے طعنہ کا

تَخْشَاهُ ۖ فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى
اندیشہ تھا اور اللہ زیادہ سزاوار ہے کہ اس کا خوف رکھو پھر جب زید کی غرض اس سے نکل گئی تو ہم نے وہ تمہارے نکاح میں دے دی

الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۚ وَ
کہ مسلمانوں پر کچھ حرج نہ رہے ان کے لے پالکوں کی بی بیوں میں جب ان سے ان کا کام ختم ہو جائے اور

كَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ۝٣٧ مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ
اللہ کا حکم ہو کر رہنا نبی پر کوئی حرج نہیں اس بات میں جو اللہ نے اس کے لیے مقرر فرمائی

اللَّهُ لَهُ ۖ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا
اللہ کا دستور چلا آ رہا ہے ان میں جو پہلے گزر چکے اور اللہ کا کام مقرر

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مَّقْدُوْرًا ۝ الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا
تقدیر ہے وہ جو اللہ کے پیام پہنچاتے اور اس سے ڈرتے اور اللہ کے سوا کسی
اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ
کا خوف نہ کرتے اور اللہ بس ہے حساب لینے کو محمد تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ کے
رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝
رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے

تفسیر عالمانہ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ (بے شک وہ مسلمان مرد اور عورتیں)

شانِ نزول: مروی ہے کہ جب ازواجِ مطہرات کے حق میں آیات نازل ہوئیں تو اہلِ ایمان کی عورتوں نے کہا کہ قرآن مجید میں ہمارے متعلق تو کوئی آیت نازل نہیں ہوئی اگر ہم اچھی ہوتیں تو ہمارے لیے بھی کوئی آیت نازل ہوتی۔ اس پر آیت ہذا نازل ہوئی اور فرمایا: بے شک وہ مسلمان مرد اور عورتیں جو جنگ کے بعد حق کے سامنے جھک گئے اور فرماں برداری کا ثبوت دیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجا لائے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ مسلمانِ حقیقی وہ ہے جو ازلی احکام کو خود بخود اور رضا و رغبت سے سر جھکاتا اور اپنے آپ کو مجاہدہ و ریاضت کے سپرد کرتا اور خواہشاتِ نفسانیہ کو ترک کرتا اور اپنی زبان اور ہاتھ سے اہلِ اسلام کو محفوظ رکھتا ہے مرد ہو یا عورت۔

تفسیر عالمانہ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ اور تصدیق کرتے ہیں ان امور کی جو ان پر واجب ہیں وہ مرد ہے یا عورت۔

تفسیر صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ مومن وہ ہے جس سے لوگ امن میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ پہلے ایسے مومن کے قلب کو عقل سے پھر علم سے پھر فہم سے زندہ فرماتا ہے پھر اسے نور فرماتا ہے پھر اسے توحید کی حقیقت بخشتا ہے پھر اسے معرفت کی دولت سے نوازتا ہے پھر اسے دائمی حیات (بقا) عطا فرماتا ہے۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ ہمارے احناف کے نزدیک ایمان و اسلام ایک شے ہے اس لیے اسلام بمعنی خضوع و انقیاد یعنی وہ احکام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے لاتے ہیں انہیں دل سے قبول کر کے ان پر پورا یقین رکھنا اور حقیقی تصدیق یہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی کو یوں نہ کہا جائے کہ فلاں مسلمان تو ہے لیکن مومن نہیں یا کہا جائے کہ وہ مومن تو ہے لیکن مسلمان نہیں۔ خلاصہ یہ کہ ان

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

میں کسی ایک کو دوسرے سے جُدا نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن یاد رہے ان کا اتحاد بحسب المفہوم نہیں۔ اسی لیے ان دونوں کا مفہوم جدا جدا ہے اس لیے ایمان اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی اور وعدہ وعید کی خبر دینے کی تصدیق کو کہا جاتا ہے اور اسلام الوہیت کے لیے خضوع و انقیاد کو کہتے ہیں۔ جو شخص ان چاروں میں سے کسی ایک کا انکار کرتا ہے وہ کافر ہے اسے مسلمان نہ کہا جائے گا۔

تفسیر عالمانہ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ اور طاعات پر مداومت کرنے والے مرد اور عورتیں۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ القنوت یعنی وجود کو طاعت و عبودیت میں غرق کرنا۔

تفسیر عالمانہ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ اور قول و عمل و نیت میں سچے مرد اور عورتیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ اپنے عقود و عہود اور رعایت حدود میں سچے مرد اور عورت اور صدق ایک نور ہے جو قلوب صدیقین کی ہدایت کا سبب بنتا ہے جتنا انھیں اپنے رب تعالیٰ کے ہاں قُرب ہوتا ہے اتنا انھیں نور حاصل ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ اور طاعات پر اور معاصی سے رُکنے سے صبر کرنے والے مرد اور عورتیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ خصائل حمیدہ پر اور صفات ذمیمہ کے ترک کرنے پر اور قضاء قدر کے جریان اور نزولِ بلا پر صبر کرنے والے مرد اور عورتیں۔

تفسیر عالمانہ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ بدل و جان اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع کرنے والے مرد اور عورتیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ تواردِ حقیقت کے وقت اپنے باطن کو جھکا دینا۔ بعض مشائخ نے فرمایا کہ باطن کو حق کے لیے فرمانبردار کرنے کو خشوع اور ظاہر کو فرمانبرداری کے لیے سر جھکانے کو خضوع کہا جاتا ہے۔ القاموس میں ہے کہ خشوع یعنی خضوع ہے یا خضوع بدن میں ہوتا ہے اور خشوع آواز میں۔

تفسیر عالمانہ وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ اور جو حقوق مالیہ ان پر واجب ہیں انھیں پورے طور ادا کرنے والے مرد اور عورتیں۔ یا اس سے عام صدقہ مراد ہے واجب ہو یا نفل۔ یہ تصدّق سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی فقیر کو صدقہ یعنی عطیہ دے اور عطیہ ہر وہ شے جو کسی کو اللہ تعالیٰ کی رضا طلبی اور حصولِ ثواب کی نیت سے دے۔ المفردات میں ہے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے تقرب کے ارادے سے اپنے مال سے کچھ نکال کر فقراء کو دے اسے الصدقہ سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسے زکوٰۃ وغیرہ۔ لیکن اس کا حقیقی معنی نفل صدقہ کے لیے ہے۔ اور صدقہ واجبہ کو زکوٰۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بعض مشایخ نے فرمایا کہ صدقہ واجبہ کو اس لیے صدقہ سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ زکوٰۃ دینے والا کوشش کرتا ہے کہ اس کی ادائیگی میں صدق ہو۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو اموال اور جاہ و مرتبہ اللہ تعالیٰ کے لیے قربان کرتے ہیں یہاں تک کہ انہیں عالم دنیا میں کسی سے مخالفت و عداوت اور جھگڑا نہیں ہوتا اگرچہ اسے کوئی کتنی ہی ایذائیں دے۔ یعنی وہ لوگ اپنے اموال وغیرہ راہِ حق میں لٹاتے ہیں اور اپنے اوپر کسی کا حق نہیں رکھتے اور نہ ہی کسی سے اُلجھتے ہیں۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

اے صاحب کرامت شکرانۂ سلامت
روزے تفقدی کن درویش بے نوا را

ترجمہ: اے صاحب کرامت شکرانۂ سلامت کبھی عطیہ کے طور درویش بے نوا کو عطا فرما۔

تفسیر عالمانہ وَالصّٰٓئِمِیْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ اور فرض روزے رکھنے والے مرد اور عورتیں۔ یا اس سے مطلق روزہ مراد ہے [illegible] فرضی ہو یا نفلی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو شریعت و طریقت کے منع کردہ امور سے قلب و قالب کو روکتے ہیں یعنی قالب کو شہوات سے اور درجات و قربات کے حصول کے خیالات سے روکتے ہیں۔ دراصل کسی کام سے رُکنے کو "صوم" کہا جاتا ہے۔ کھانا ہو یا کلام ہو یا چلنا ہو۔ اور شرع میں تقرب الٰہی کی نیت سے صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے، شہوت رانی اور قے منہ بھر کر نکالنے سے رُکنے کو "صوم" کہا جاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ اور ظاہر میں اپنے فروج کو حرام سے محفوظ رکھنے والے مرد اور عورتیں۔ اور حقیقت میں وہ لوگ جو حرکات کے تصرفات سے حفاظت کرنے والے۔ یہ عبارت دراصل الحافظاتها تھی۔ چونکہ الحافظین، فروجھم میں مذکور ہو چکا ہے اس لیے یہاں پر اس کا مفعول حذف کر دیا گیا ہے۔

حلِ لغات: المفردات میں ہے کہ دو چیزوں کے درمیان کے سوراخ کا نام الفرجۃ والفرجہ ہے جیسے دیوار کا درمیانی سوراخ۔ اور عرف میں ہر وہ شے جو انسان کے [illegible] پاؤں کے درمیان واقع ہے لیکن اب اس کا غالب استعمال عورت و مرد کی شرمگاہ کے لیے ہوتا ہے۔ اس کا اتنا غلبہ ہے کہ جونہی یہ لفظ بولا جاتا ہے سوائے شرمگاہ کے اور کسی معنے کا تصور تک نہیں ہوتا۔ گویا اس معنے کے لیے یہی لفظ صریح ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تفسیر عالمانہ وَالذّٰکِرِیْنَ اللّٰهَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِرٰتِ اور اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرنے والے مرد اور عورتیں۔ یہاں بھی الذاکرات کا مفعول الحافظات کے مفعول کی طرح حذف کر دیا گیا ہے یعنی وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کو دل اور زبان سے یاد کرتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ لوگ اپنے وجود کے جمیع اجزا جسمانیہ و روحانیہ بلکہ جمیع ذرات المکونات بلکہ اللہ تعالیٰ کو اس کی جمیع صفات سے یاد کرتے ہیں۔

ف: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے نمازوں کے بعد ہر صبح و شام اور بستروں میں سونے اور نیند سے جاگنے اور ہر شام و سحر بلکہ ہر گھڑی اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا مراد ہے۔

مسئلہ: علم نافع کی مشغولی اور تلاوت قرآن و دعا بھی ذکر الٰہی ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من استیقظ من منامه وایقظ امراته فصلیا جمیعا رکعتین کتبا من الذاکرین اللّٰه کثیرا والذاکرات۔

(جو نیند سے بیدار ہو کر اپنی عورت کو جگائے اور وہ دونوں مل کر ایک دوگانہ پڑھیں تو انھیں ذاکرین و ذاکرات میں لکھا جاتا ہے)

مسئلہ: حضرت مجاہد نے فرمایا: بندہ ذاکرین میں سے نہیں لکھا جاتا یہاں تک کہ اُٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے ہر وقت ذکر میں مشغول نہ ہو۔

تفسیر عالمانہ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تیار فرمائی ہے بسبب ان کے اعمال عشرہ مذکورہ کے۔ لیکن اس سے فرداً فرداً عمل مراد نہیں بلکہ جملہ طاعات مذکورہ کا عمل مراد ہے۔ یہ ان کی خبر ہے اور المسلمین والمسلمات کا عطف اختلاف جنسین کی وجہ عطف بین الضدین کے قبیل سے ہے۔ ہاں دونوں زوجان کا عطف المسلمین والمسلمات پر یہ عطف الصفۃ علی الصفۃ کے قبیل سے ہے یہ حرف عطف کا جمع ہے اور تغایر الصفتین کی وجہ سے عطف مغایرت کا ہوگا۔

مَّغْفِرَةً اس سے صغیرہ گناہوں کی مغفرت مراد ہے اس لیے اعمال صالحہ صغیرہ گناہوں کے لیے کفارہ (مٹانے والے) ہوتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس سے جمال الٰہی کا نور مراد ہے یعنی (ربانی تاج) ان کے ارواح پر رکھ دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے انھیں ان اعمال سے بچاتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے دوری اور مجبوری کا موجب بنتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَّاَجْرًا عَظِیْمًا ۝ ان طاعات مذکورہ کی وجہ سے انھیں اجر عظیم سے نوازے گا۔ اس سے بہشت مراد ہے۔ یعنی ان حضرات کو دنیا میں عبادت کی سہولت اور

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

دوامِ معرفت بخشے گا اور آخرت میں ان کی ہر طرف ہر آرزو پوری کرے گا بلکہ اس سے بڑھ کر انعامات سے نوازے گا۔

تفسیرِ صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ اجرًا عظیمًا سے خود ذاتِ حق تعالیٰ مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ انہیں تجلی ذات وصفات کے ساتھ الطاف واکرام سے بہرہ ور فرمائے گا۔

عطاؔ مفسر کی طبع آزمائی حضرت عطاؔ بن ابی رباح نے فرمایا کہ جس نے اپنے جملہ امور اللہ تعالیٰ کو مفوض فرمائے وہ ان المسلمین والمسلمات میں داخل ہے اور جس نے اقرار کیا کہ اس کا اللہ رب ہے اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں۔ اور اس کا دل اور زبان اس اقرار میں یکساں ہیں۔ وہ والمؤمنین والمؤمنات میں داخل ہے اور جو شخص فرائض میں اللہ تعالیٰ کی اور سُنن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا ہے وہ القانتین والقانتات میں داخل ہے اور جو اپنی زبان کو جھوٹ سے بچاتا ہے وہ الصادقین والصادقات میں داخل ہے اور جو طاعت پر صبر اور گناہوں کے ترک سے اور جنگ میں صبر کرتا ہے وہ الصابرین والصابرات میں داخل ہے اور جو نماز ایسے خلوص سے پڑھتا ہے کہ نہ اس کے دائیں کو خبر ہے نہ بائیں کو، تو وہ الخاشعین والخاشعات میں داخل ہے۔

ف : بحر العلوم میں لکھا ہے کہ یہ پچھلے جملہ کی تفسیر میں سخت ترین شرط ہے کسی کو اس کی ادائیگی میں جرأت نہیں ہو سکتی۔

فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ یہ تو صاحب بحر العلوم کا خیال ہے ورنہ یہ جملہ نہایت سہولت پر مبنی اور مخفی عارف کے عمل کی طرف اشارہ ہے وہ یوں کہ اس میں سبق دیا گیا ہے کہ غیر اللہ کی طرف توجہ نہ ہو اور استغراق فی المشہود سے اسہل ہے۔ اور جو ہفتہ میں صرف ایک درہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرے وہ والمتصدقین والمتصدقات میں داخل ہے اور جو ہر ماہ ایام بیض (۱۳، ۱۴، ۱۵) کے روزے رکھے وہ والصائمین والصائمات میں داخل ہے اور جو اپنے فرج کو حرام میں استعمال سے بچائے وہ والحافظین فروجھم والحافظات میں داخل ہے اور جو پانچوں نمازیں ان کی شرائط کے ساتھ ادا کرے وہ والذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات میں داخل ہے۔

ذکرِ الٰہی کے فضائل (۱) سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں کس کے درجات سب سے اعلیٰ ہوں گے؟ فرمایا: بہت زیادہ ذکر کرنے والے مردوں اور عورتوں کے۔ عرض کی گئی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! غازی فی سبیل اللہ سے بھی بڑھ کر؟ فرمایا: اگرچہ غازی کافروں اور مشرکوں کے سر تلوار سے اڑا کر رکھ دے یہاں تک کہ اس کی تلوار ٹوٹ جائے اور سارا میدان کفار و مشرکین کے خون سے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مجرد ہے تب بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا اس سے درجہ میں بلند ہوگا۔

(۲) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ کو جا رہے تھے جب جمدان (بروزن عثمان) پہاڑ سے گزرے تو فرمایا: چلو یہ جمدان پہاڑ ہے تم میں سے المفردون سبقت لے گئے۔ عرض کی گئی: یا رسول اللہ! المفردون کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ مرد اور عورتیں جو اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ ذکر کرتے ہیں۔

ف: بعض نے لکھا کہ المفردون (بکسر الراء وتشدید ہا) اور بعض نے اسے بتخفیف الراء لکھا ہے۔ صحابہ کرام نے المفردون نہ کہا صرف مفردون کہا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا مقصد یہ تھا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول الذاکرون اللہ کثیرا والذاکرات کی تجرید و تفرید سے کیا مراد ہے۔ اس سے ان کی ذات کا تعارف مراد نہیں تھا اسی لیے آپ نے ان کے جواب میں فرمایا: الذاکرون اللہ کثیرا والذاکرات۔ یعنی افراد سے یہاں وہ ذاکر مراد ہے جس کے ساتھ اور کوئی ذکر کرنے والا نہ ہو اور کثرت ذکر سے مراد یہ ہے کہ وہ کسی حال میں بھی اللہ تعالیٰ کو نہ بھلائے۔ اس سے کثرت لغات کے ساتھ ذکر کرنا مراد نہیں۔

لطیفہ ھذا جمدان میں ذکر کی فضیلت میں لطیفہ ہے۔ وہ یہ کہ جیسے جمدان اکیلا کھڑا ہے ایسے ہی ذکرِ الٰہی تنہائی میں کیا جائے کہ کسی کو بھی اس کا علم نہ ہو تاکہ سعادت ابدیہ سے وافر حصہ نصیب ہو۔

صوفیانہ نکتہ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) نے فرمایا کہ جمدان میں جبل الوجود اور اس کی سیر مراد ہے کہ انسان اس راہ تفرید التوحید سے طے کرے یعنی موحد النفس و آفاق سے مجرد ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو سائرین طائرین سے بنائے اور ہم واقفین حائرین سے پناہ مانگتے ہیں۔

سالکان بے کشش دوست بجائے نرسند
سالہا گرچہ دریں راہ تگ و پوئے کنند

ترجمہ: دوست کی کشش کے بغیر سالک منزل کو نہیں پہنچ سکتے اگرچہ اس راہ میں ہزاروں سال دوڑتے رہیں۔

تفسیر عالمانہ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ۔

شانِ نزول: یہ آیت زینب بنت جحش اسدیہ اور ان کے بھائی عبداللہ بن جحش اور ان کی والدہ امیمہ بنت عبدالمطلب کے حق میں نازل ہوئی۔ امیمہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔ واقعہ یہ تھا کہ زید بن حارثہ جن کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد کیا تھا اور وہ حضور ہی کی خدمت میں

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattori

رہتے تھے۔ حضور نے زینب کے لیے ان کا پیام دیا اس کو ان کے بھائی نے منظور نہیں کیا۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اب معنی یوں ہوا کسی مومن مرد اور عورت کے لیے مناسب نہیں۔ اس عموم میں حضرت عبداللہؓ اور ان کی بہن بی بی زینب داخل ہیں۔ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا جب کسی امر کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ فرمائیں۔

ف: اللہ تعالیٰ کا ذکر یہاں پر تعظیم امر کے لیے ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کا فیصلہ ہے جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔

اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۔ الخیرۃ بالکسر الاختیار کا اسم ہے ان کے لیے کوئی اختیار نہیں کہ وہ اپنی طرف سے مِنْ اَمْرِهِمْ ان کے معاملات میں جو چاہیں کریں بلکہ ان پر واجب ہے کہ وہ اپنی رائے اور اختیار کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے و اختیار کے تابع بنائیں اور جمع ضمیر کی لانے میں اشارہ ہے تاکہ اس میں جملہ مومن مرد اور عورتیں شامل ہو جائیں اس لیے کہ واحد کا صیغہ نفی کے تحت واقع ہے۔ بعض نے کہا کہ دوسری ضمیر هُمْ حضور علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور جمع کی ضمیر تعظیم کے لیے ہے۔ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی امر کی نافرمانی کر کے اپنی رائے پر عمل کرتا ہے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ ومن یعص اللہ سے کتاب اللہ کی مخالفت اور ورسولہ سے سنتِ نبوی کی مخالفت مراد ہے۔

فَقَدْ ضَلَّ پس بے شک وہ طریق حق سے بھٹک جائے اور راہِ مستقیم سے ہٹ جائے ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝ صواب و حق سے کھلا دور ہو جانا۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ بندے پر لازم ہے کہ اس کا اللہ تعالیٰ کے اختیار کے سوا اور کوئی اختیار نہ ہو بلکہ ہر وہ امر اختیار کرے جو اللہ تعالیٰ کی پسند کا ہو اسے چاہیے کہ اس کے احکام ازلیہ پر اعتراض نہ کرے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی بُری تقدیر کے وقوع سے پہلے پناہ مانگتا رہے۔ جب وہ واقع ہو تو دیکھے کیا وہ شرع پاک کے موافق ہے یا مخالف۔ اگر شرع کے موافق ہے پھر دیکھے کیا اس کی طبع کے موافق ہے یا مخالف۔ اگر اس کی طبع کے موافق ہے تو اسے نعمتِ الٰہی سمجھ کر اس کا شکر کرے۔ اگر اس کی طبع کے مخالف ہو تو اس پر صبر کرے اور تسلیم و رضا کی تصویر بن جائے اگر تقدیر کا وقوع شرع کے مخالف ہے تو اس پر توبہ و استغفار لازم ہے۔ اور ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے لیکن اس کی قضا و قدر واقع کرنے پر اعتراض نہ کرے اس لیے کہ اس کی تقدیر ہے اور اس کا حکم ہے اور وہ حکیم ہے وہ اپنی حکمت سے جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے اور اپنی قدرت سے جس طرح چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔

ف: فقیر (اسمٰعیل حقی علیہ الرحمۃ) کہتا ہے کہ یہ آیت تسلیم و ترک اختیار و اعتراض کی اصل ہے اس لیے کہ

For more Books click on link –
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

خیر و بھلائی اسی میں ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے وارثین کاملین اولیاءؒ نے چاہا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مرتبۂ فرق میں حق ہے ایسے ہی وارث نبوی بھی خلافت الٰہیہ کا رسول ہے اور قاعدہ ہے کہ رسول (علیہ السلام) اور ان کا وارث ولی کامل اپنی خواہش سے نہیں بولتے کیونکہ وہ فانی فی اللہ ہیں ان کا بولنا وحیِ ربانی ہوتی ہے یا الہامِ ربانی۔ کیونکہ رسول (علیہ السلام) کو وحی الٰہی سے نوازا جاتا ہے اور ولی کامل کو الہامِ ربانی سے۔

سبق: مرید پر لازم ہے کہ وہ اپنے مرشد کامل کے ہر حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرے خواہ وہ امر محبوب ہو یا مکروہ، اپنی خواہش اور تقاضائے طبیعت پر عمل نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم یہی ہے:

عسٰی ان تکرھوا شیئًا وھو خیر لکم۔

اور بسا اوقات ظلمات میں ہی بحرِ حیات نصیب ہوتا ہے۔ اور فرمایا:

وعسٰی ان تحبوا شیئًا وھو شر لکم۔

کبھی میٹھے میں زہر بھی ہوتی ہے۔ جسے یقین ہو جائے کہ محبوب کا ہر فعل محبوب ہوتا ہے اور اس کی دی ہوئی تکلیف تکلیف نہیں ہوتی، اس لیے کہ وہ طبیب ہے اور طبیب کا ہر کام بھلائی پر مبنی ہوتا ہے۔ اسی لئے عاشقِ حق پر لازم ہے کہ وہ دائیں بائیں مت جھانکے اور اس کے جمال و جلال پر راضی ہو: ؎

عاشقاں را اگر در آتش می نشاند قہرِ دوست
تنگ چشم گر نظر در چشمۂ کوثر کنم

ترجمہ: عاشقوں کو اگر محبوب آگ میں ڈال دے تو مجھ جیسا تو فوراً چلا جائے گا۔ اور وہ تنگ نظر متصور ہوگا جو اس وقت آبِ کوثر کی طلب کرے۔

ف: فنا عن الارادہ بہت ہی مشکل امر ہے۔ اسی لیے بزرگوں نے فرمایا کہ مرید وہ ہے کہ جس کا کوئی ارادہ نہ ہو یعنی وہ اپنا کوئی ارادہ نہ رکھے۔ اس کا ہر ارادہ وہی ہو جو اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہو۔ اپنے ارادوں کو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادوں میں فانی کرنا کیونکہ مشکل امر ہے اسی لیے مرید جتنا مشکل ہے مرید کو اپنے شیخ کے ارادوں میں فانی ہونا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے سالک حجابِ وجود میں محجوب رہے۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا: قہرِ الٰہی ایک عذاب ہے جو اسے زائل کرنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ حق تعالیٰ کے سامنے ہر غرض و شوق سے خالی رہ کر زندگی بسر کرے بلکہ جو کچھ عالم دنیا بلکہ اس کے لیے جو امر واقع ہو اسے سمجھے اسی میں بھلائی ہے۔ جب اس طریقہ کو مضبوطی سے تھام لے گا تو پھر وہ امر میں لذت پائے گا بلکہ ہر امر کو بطیبِ خاطر قبول کرلے گا اور اسے ہر امر پر خوشی و راحت نصیب ہوگی اس پر مداومت کرے گا تو اس کے لیے قہر اور ذلت و خواری بھی رحمت بن جائے گی بلکہ اسے عذاب اور قہرِ الٰہی میں بھی لذت نصیب ہوگی۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اہلِ تسلیم و اربابِ تسلیم سے بنائے اور ہمیں اعتراض و عناد

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

میں واقع ہونے سے بچائے بلکہ ہم اس کے ہر حکم اور فیصلہ اور قضا و قدر کے سامنے سر تسلیم خم کریں۔

تفسیر عالمانہ

قتادۃ منقول مروی ہے کہ جب آیت سابقہ نازل ہوئی تو حضرت عبداللہ اور بی بی زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے عرض کی یا رسول اللہ! ہم راضی ہیں آپ کے فرمان کے مطابق ہم زید رضی اللہ عنہ کے نکاح کو قبول کرتے ہیں۔ حضرت زید کے ساتھ بی بی کا نکاح ہوگیا اور دس دینار اور ساٹھ درہم ان کا مہر ادا کیا گیا اور ساتھ ہی ایک دوپٹہ اور قمیص اور بڑی چادر اور پچاس مد گندم اور تیس صاع کھجوریں دی گئیں اور کافی مدت تک بی بی زینب حضرت زید کے ہاں رہیں۔

حضرت زینب سے حضور علیہ السلام کی محبت کی کہانی

مروی ہے کہ ایک دن حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید رضی اللہ عنہ کے گھر میں تشریف لے گئے تو اچانک آپ کی نظر بی بی زینب رضی اللہ عنہا پر پڑی۔ بی بی صاحبہ کے حسن و جمال کو آپ نے پسند فرمایا اور بی بی صاحبہ کی محبت بلا اختیار آپ کے دل میں گھر کر گئی[1] چونکہ حضور علیہ السلام میں بلا اختیار محبت پیدا ہوگئی اس لیے آپ پر الزام نہ لگایا جائے کیونکہ جو فعل کسی سے بلا اختیار صادر ہو وہ قابل مذمت نہیں ہوتا جب تک اس میں گناہ کا ارادہ نہ ہو[2]۔ اور روایت میں ہے

---

[1] یہاں پر صاحب روح البیان قدس سرہ پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے کہ انہوں نے یہ روایت کیوں نقل کی۔ یہ روایت نہ صرف انہوں نے بلکہ دوسرے مفسران کرام نے بھی نقل کی ہے چنانچہ عبدالرزاق سے ہے:

> عن معمر عن قتادة قال جاء زيد فقال يا رسول الله ان زينب اشتدت علی لسانها وانا اريد ان اطلقها فقال اتق الله وامسك عليك زوجك قال والنبي صلی الله عليه وسلم يحب ان يطلقها ويخشی الناس وقال مقاتل انه صلی الله عليه وسلم اتی زيدا يوما فطلبه فابصر زينب قائمة وكانت بيضاء جميلة جسيمة من اتم نساء قريش فهواها وقال سبحان الله مقلب القلوب فسمعت زينب بالتسبيحة فذكرتها لزيد ففطن زيد فقال يا رسول الله ائذن لي في طلاقها فان فيها كبرا تعظم علي وتؤذيني بلسانها فقال النبي صلی الله عليه وسلم امسك عليك زوجك واتق الله وعند الحاكم في المستدرك من طريق فيه الواقدي عن محمد بن يحيی بن حبان نحوه لكنه مرسل والواقدي ضعيف وقد خلط القشيري وعياض وغيرهما ممن روی من المفسرين انه صلی الله عليه وسلم لما رآها اعجبته ووقع في قلبه حبها واحب طلاق زيد لها۔

اویسی غفرلہ

[2] یہ جواب بھی مناسب ہے لیکن بعض محقق ـــ ـــ اس روایت کو مانا ہی نہیں چنانچہ امام قشیری نے فرمایا: (بقیہ حاشیہ اگلے)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی صاحبہ کو دیکھ کر فرمایا:

سبحٰن اللہ یا مقلب القلوب ثبت قلبی۔

(اللہ پاک ہے اے اللہ! تو قلوب کا مقلب ہے تو میرے قلب کو ثابت رکھنا)

یہ کہہ کر آپ باہر تشریف لے گئے۔ اس کے بعد آپ اپنے آپ پر قابو پا گئے اور بی بی صاحبہ سے نکاح کے لیے دل کو روکتے تھے کیونکہ اس سے آپ کا ارادہ ہوتا تو حضور بی بی کو نکاح کے لیے فرما سکتے۔ بی بی صاحبہ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسبیح مذکورہ سنی تو بی بی صاحبہ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو واقعہ سنا دیا کیونکہ وہ اس وقت موجود نہ تھے۔ بی بی صاحبہ نے حضرت زید کے واپس آنے پر ان کو بتایا کہ آج حضور علیہ السلام گھر پر تشریف لائے تھے اور مجھے دیکھ کر سبحان اللہ الخ پڑھا تھا۔ حضرت زید بھانپ گئے کہ کوئی خیال حضور علیہ السلام کے قلب مبارک میں آگیا ہے۔ اور ازل میں یہ بات مقدر ہو چکی تھی کہ بی بی زینب کا نکاح بالآخر حضور علیہ السلام کے ساتھ ہوگا اگرچہ پہلے ان کا نکاح حضرت زید سے ہو جائے گا لیکن میں اللہ تعالیٰ بی بی زینب کی محبت حضور علیہ السلام کے دل میں ڈالے گا اور حضرت زید کے دل میں بیگانگی۔

بی بی زینب کی بات سن کر حضرت زید حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوئے اور عرض کی میں چاہتا ہوں کہ میں اپنی زوجہ کو طلاق دے دوں۔ آپ نے فرمایا: کیا وجہ ہے، کیا تو نے اس میں کوئی خلل دیکھی ہے؟ انہوں نے عرض کی: بخدا میں نے اس میں خیر ہی خیر دیکھی ہے۔ صرف اتنا ضرور ہے کہ وہ اپنے نسبی

(بقیہ حاشیہ)

هذا اقدام عظيم من قائله وتفريط بحق النبي صلى الله عليه وسلم وبفضله وكيف يقال رآها فاعجبته وهي ابنة عمته لم يزل يراها منذ ولدت ولم يكن النساء يحتجبن منه صلى الله عليه وسلم وهو الذي زوجها لزيد وقال بعضهم انه غير صحيح وان صح عن قائله فهو منكر من القول تحاشى جانب النبوة۔

(یہ اقدام جس نے کیا برا کیا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے خلاف کیا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ نے بی بی کو دیکھا اور ان کو پسند کیا کیونکہ یہ بی بی آپ کی پھوپھی زاد تھیں اور بچپن سے آپ انہیں دیکھتے رہے کیونکہ اس وقت پردہ کا حکم بھی نہ تھا اور خود حضور علیہ السلام نے ان کا نکاح حضرت زید سے کر دیا۔ لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ سرے سے یہ تصور ہی غلط ہے اگر کسی نے یہ بات کی ہے تو بہت برا کیا ہے یہ نبوت کی شان کے لائق نہیں جو ایسے تصور میں مبتلا ہے وہ سفیہ و جاہل ہے)

اس کے مزید جوابات فقیر کی کتاب "سیرت حبیب کبریا" میں دیکھیے۔ (اویسی غفرلہٗ)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

شرف کو ترجیح دیتی ہے اور مجھے غلام کہہ کر میری تحقیر کرتی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے اسے طلاق دینے سے روکا۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاِذْ تَقُوْلُ یعنی اسے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم یاد کیجئے جبکہ آپ فرماتے تھے لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ اسے جسے اللہ تعالیٰ نے دولت اسلام کے لیے توفیق بخشی اور یہی تمام نعمتوں سے بڑی نعمت ہے اور آپ کی خدمت وصحبت سے اسے نوازا وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اور آپ نے اسے تربیت کی نعمت سے نوازا اور آزادی بخشی اور متبنّٰی بنایا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ نے اپنی قریبی رشتہ دار بی بی کو بجائے اپنے اسے بیاہ دی تو یہی نوازش فرمائی۔ اب اس نے طلاق دے دی اور آپ کو اس سے نکاح کے بارے میں عرض کیا اور آپ نے قبول فرما لیا تو یہی کرم نوازی۔

حضرت زید کا تعارف

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کے غلام تھے۔ غلاموں میں سب سے پہلے آپ نے ہی اسلام قبول فرمایا۔ حضور علیہ السلام کو ان سے محبت تھی اور انہیں حضور علیہ السلام سے عشق تھا۔ ان کی وجہ سے حضور علیہ السلام حضرت زید کے بیٹے اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے محبت فرماتے تھے اور آپ غزوۂ بدر و خندق و حدیبیہ میں شریک ہوئے۔ اور جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بنی المصطلق کو تشریف لے گئے تو مدینہ میں انہی کو اپنا نائب مقرر فرمایا (ایسے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک دفعہ نائب بنایا تھا تو اس سے ان کی خلافت بلا فصل ثابت نہیں ہوتی کیونکہ اگر یہی استدلال صحیح ہے تو حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بھی خلیفہ بلا فصل ماننا چاہیے) حضرت زید کو سات جنگوں میں امیر بنایا۔ آپ غزوۂ موتہ (موتہ بضم المیم و بالہمزہ ساکنۃ، کرک کے نزدیک ایک جگہ کا نام ہے۔) آپکا تفصیلی تعارف سورۃ ہذا کے اوائل میں گزرا ہے یعنی تحت آیت ادعوھم لآبائھم۔

ف: الارشاد میں ہے کہ اس عنوان سے بیان کرنا آپ کے حال کے منافی نہیں جبکہ آپ نے حضرت زید کو بی بی زینب کو اپنے پاس رکھنے کا حکم فرمایا اگرچہ حیاء کی وجہ سے اسے ظاہر کرنا مناسب نہ تھی۔ وہ اس لیے کہ بعض امور میں حضور علیہ السلام حیاء کرتے تھے بالخصوص جہاں طعن وتشنیع کا خطرہ ہو۔ اس کی مزید تحقیق آئے گی۔

اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ اپنی زوجہ یعنی بی بی زینب کو الامساك بمعنے تعلق بالشیٔ وحفظہ وَاتَّقِ اللّٰهَ اور اپنی صورت کے معاملہ میں خدا تعالیٰ سے خوف کیجئے اور ضرر و نقصان کے خوف سے طلاق نہ دیجئے۔ یعنی یہ کہہ کر کہ وہ تکبر اور غرور کرتی ہے وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ اور اپنے دل میں وہ چھپاتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے لگا یہ ما موصولہ اور تخفی کا مفعول ہے اور الابداء الاظہار کے معنے میں ہے اور وہ یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتایا تھا کہ بی بی زینب کا آپ کے ساتھ نکاح کر دیا جائے گا جبکہ حضرت زید اسے طلاق دے دیں گے اور عنقریب یہی بی بی آپ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کی بیوی ہو جائے گی اور آپ اسے دل میں پوشیدہ رکھتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے وعدہ کیا ہے وہ پورا کرے گا اور ظاہر کرے گا کہ یہی زینب آپ کی بیوی ہے ۔ چنانچہ فرمائے گا زوجنکہا اور یہ ان کی زوجیت کی ایک علامت یہ ہے کہ آپ کی اس کے ساتھ محبت ہو گئی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں ڈالی ہے ورنہ آپ ایسے نہیں تھے کہ غیر عورت سے محبت کریں اور جو محبت منجانب اللہ عطا ہو وہ محبت ممدوح ہے ۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے :

حدیث شریف حبب الی من دنیاکم ثلاث الطیب والنساء وقرۃ عینی فی الصلوٰۃ ۔

(تمہاری دنیا کی مجھے تین چیزیں پسند ہیں : خوشبو ، عورت اور نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے)

اگر حضور علیہ السلام کی ان چیزوں سے طبعی محبت ہوتی تو احببت فرماتے ۔

مسئلہ : انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے جملہ معاملات اذنِ الٰہی سے ہوتے ہیں کیونکہ شیطان کو ان پر کوئی چارہ کار نہیں ۔

ف : الاسئلۃ المقحمۃ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی فرمائی تو آپ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے اسے مخفی رکھا کیونکہ یہ راز مشیت ایزدی اور ارادۂ الٰہی سے متعلق ہے اور رسل کرام علیہم السلام پر واجب نہیں کہ وہ مشیت و ارادۂ الٰہی کا اظہار کریں ۔ ہاں البتہ انھیں متعلق بہ اوامر و نواہی کا اخبار و اعلام ضروری ہے ۔ مثلاً ابولہب کو بظاہر تو فرماتے کہ ایمان قبول کر ، مگر اللہ تعالیٰ کے ارادے کا آپ کو علم تھا کہ وہ ایمان نہیں لائے گا ۔ کما قال :

سیصلٰی نارًا ذات لہب ۔

وہ اس لیے کہ ابولہب کا عذاب میں مبتلا ہونا مشیت الٰہی اور ارادۂ ایزدی سے متعلق تھا ۔ اسی لیے اظہار و اخبار آپ پر واجب نہ تھا[1]

---

[1] صاحب روح البیان قدس سرہ کی تقریر مذکور سے سوال و جوابات آ گئے اب آخری فیصلہ صاحب مدارک کا بھی سن لیجئے :

والذی اشار الیہ جماعت من اہل التحقیق فی ہذہ القصہ انہ تبارک وتعالٰی اوحی الیہ انہ سیتزوجہا وذلک بحکمۃ اقتضتہا الارادۃ الالہیۃ فہذا الذی عاتبہ اللہ علی اخفائہ من زید وروی ابن ابی حاتم عن طریق السدی انہ صلی اللہ علیہ وسلم اراد ان یزوجہا زیدا فکرہت ذلک ثم انہا رضیت بہ فزوجہا ایاہ ثم اعلم اللہ نبیہ بعد انہا من ازواجہ فکان یستحیی ان یامرہ بطلاقہا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ اور آپ لوگوں کی ملامت اور عار سے ڈرتے ہیں کہ لوگ کہیں گے کہ آپ نے اپنے منہ بولے بیٹے کی زوجہ سے نکاح کر لیا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آپ لوگوں پر شفقت کے طور ڈرتے تھے کہ وہ فتنہ میں مبتلا ہو جائیں گے۔ جب ہم زید کی زوجہ سے نکاح کریں گے تو اس کا انکار اور اعتراض کریں گے کہ آپ نے منہ بولے بیٹے کی زوجہ سے کیوں نکاح کیا اس طرح سے انہیں نبوت کے متعلق شک گزرے گا حالانکہ نبی علیہ السلام ایسے میلان طبعی اور خواہشاتِ نفسانی کی اتباع سے پاک ہیں اور جب نبوت میں اس قسم کا گمان کریں گے تو ایمان سے خارج ہو کر دائرۂ کفر میں داخل ہو جائیں گے اور آپ کا یہ خوف امت پر شفقت و رحمت کے طور تھا کہ وہ ایسی بات سننے کے حامل اور نبوت کے متعلق ایسے معاملے کے متحمل نہیں ہیں۔

تفسیر عالمانہ

وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ ۚ اور اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ اس سے خوف کیا جائے جس سے خوف کیا جائے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

ف: جناب کاشفی نے لکھا کہ یہ صحیح ہے کہ حضور علیہ السلام تمام مخلوق سے اللہ تعالیٰ سے زیادہ خوف رکھنے والے تھے اس لیے کہ خوف و خشیت علم کا نتیجہ ہے کما قال تعالیٰ:

(انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء۔ (بے شک اللہ تعالیٰ سے اس کے بندے علما ڈرتے ہیں)

(بقیہ حاشیہ)

وکان یزال یکون بین زید و زینب ما یکون بین الناس فامرہ ان یمسک علیہ زوجہ وکان یخشی الناس ان یعیبوا علیہ و یقولوا تزوج امرأۃ ابنہ و روی ایضا عن علی بن الحسین قال اعلم اللہ نبیہ ان زینب ستکون من ازواجہ قبل ان یتزوجہا فلما اتاہ زید یشکوھا قال اتق وامسک علیک زوجک قال اللہ تعالیٰ قد اخبرتک انی مزوجکہا وتخفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ قال القرطبی قال علماؤنا قول علی بن الحسین احسن ما قیل فی الآیۃ وھو الذی علیہ اھل التحقیق من المفسرین والعلماء الراسخین کالزھری والقاضی وابو بکر بن العلاء والقاضی ابو بکر بن العربی وغیرھم ذکر ھذا کلہ العلامۃ عبد الرؤف المناوی فی شرح الالفیۃ للعراقی۔ (حاشیہ جلالین)

خلاصہ یہ کہ حضرت زید کے نکاح کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ زینب کا نکاح آپ کے ساتھ ہوگا۔ لیکن آپ نے اسے ظاہر نہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اسی کے لیے یہ حکم فرمایا۔ عشق والی بات کی تحقیق تفسیر اویسی میں دیکھیے

(اویسی غفرلہٗ)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اور بحکم حدیث :

انما اعلمکم باللہ واخشاکم۔ (میں اللہ تعالیٰ سے تم سے زیادہ جانتا ہوں اور میں اس سے تم سے زیادہ ڈرتا ہوں)

آپ تمام جہان سے اللہ تعالیٰ سے زیادہ خوف رکھتے تھے۔

اور حدیث شریف میں ہے :

الخوف رفیقی۔

(خوف میرا رفیق ہے)

خوف و خشیت نتیجۂ علم ست
ہر کرا علم بیش خشیت بیش
ہر کرا خوف شد رفیق رہش
باشد از جملہ رہروان در پیش

ترجمہ : خوف وخشیت علم کا نتیجہ ہے جو بڑا عالم ہوگا وہ خوفِ خدا میں بھی زیادہ ہوگا۔ جس کا خوف رہبر ہو وہ تمام رہبروں کا رہبر ہوگا۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ حضور علیہ السلام کو اس آیت میں محبوبانہ عتاب اس لیے ہوا کہ وہ علم جو اللہ تعالیٰ سے آپ کو عطا ہوا کہ عنقریب زینب سے آپ کا نکاح ہوگا اسے مخفی رکھا۔

ف : بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ اگر کوئی مضمون وحی الٰہی کا آپ نے چھپانا ہوتا تو یہی آیت اذ تقول للذی الخ کو چھپا دیتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس آیت سے بڑھ کر اور کوئی آیت سخت تر نہ تھی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ بہ نسبت مخلوق اللہ تعالیٰ کے حقوق کی رعایت ضروری ہے اس لیے امرِ الٰہی وقضائے حق کے اجراء میں بہت سی حکمتیں مضمر ہوتی ہیں مثلاً اس امر میں خلقِ خدا کے گمراہ ہونے کا خطرہ تھا اور اللہ تعالیٰ کے اجرائے حکم میں یہی ظاہر کرنا تھا کہ جس نے اس واقعہ کو سن کر گمراہ ہونا ہے وہ گمراہ ہوگا اور جس نے ہدایت پانی ہے ہدایت پا سکے گا۔ اس کی مثال آیت وما جعلنا الرؤیا التی اریناك الا فتنة للناس ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب نبی علیہ السلام کے سامنے امرِ حق اور امرِ خلق متعارض ہوں تو آپ پر واجب ہے کہ آپ حق تعالیٰ کے امر کو ترجیح دیں اس لیے اجرائے حکمِ حق میں ہزاروں حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ چنانچہ ایک حکمت اسی تزویج زینب میں یہ بتائی کہ لکی لا علی المؤمنین حرج۔ الخ تاکہ اہل ایمان کو تنگی نہ ہو۔

تفسیر عالمانہ فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا پس جب پوری کی حضرت زید نے اپنی زوجہ بی بی زینب سے وَطَرًا ضرورت۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حلِ لغات قاموس میں ہے کہ الوطر (محرکۃ) بمعنے حاجت۔ یا وہ حاجت جس میں کوئی اہمیت مطلوبہ جب وہ حاجت پوری ہو جائے تو اس کے لیے بولا جاتا ہے:

فقد قضیت وطرك ۔ بیشک تو نے ضرورت پوری کرلی۔

الوسیط میں ہے کہ لغت میں دلی ارادہ کے انتہا کو پہنچنے کو وطرؔ کہا جاتا ہے۔ مثلاً اہلِ عرب کہتے ہیں:

قضٰی منها وطراً ۔ اس سے ضرورت پوری کی۔

یا اس شخص کے لیے بولتے ہیں جو اپنی مراد کو پالے پھر اس کا اطلاق طلاق پر ہونے لگا اس لیے کہ جب کوئی شخص اپنی عورت کو طلاق دیتا ہے تو اس سے اس کی کوئی حاجت نہیں رہتی۔

اب معنٰی یہ ہوا کہ جب حضرت زید نے اپنی زوجہ کو طلاق دے دی اور اس کی عدت پوری ہو گئی۔[1]

تفسیرِ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ حضرت زید نے ظاہر میں اپنی ضرورت یوں پوری کی کہ آپ نے اپنی زوجہ کو طلاق دے دی اور باطن میں یوں ہوا کہ تا قیامت بہت بڑی شہرت حاصل کرلی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا ذکر قرآن میں درج فرمایا حالانکہ دوسرے بہت بڑے مشاہیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک کا نام قرآن مجید میں نہیں۔ اور دوسرا یہ کہ انھوں نے اپنی ضرورت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کردی کہ بی بی زینب کو طلاق دے دی پھر ان سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کرلیا۔

سوال: الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ جب حضرت زید کو اللہ تعالیٰ اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق سے روکا تو پھر انہوں نے طلاق کیوں دے دی؟

جواب: یہ امر وجوب و لزوم کا نہ تھا بلکہ استحبابی امر تھا اس لیے آپ اس کے مامور نہ تھے۔

تفسیرِ عالمانہ زَوَّجْنٰكَهَا ہم نے اس کا آپ کے ساتھ نکاح کردیا اور یہ نکاح پہلی ذیقعدہ ۵ھ کو ہوا اور یہی روایت صحیح ہے اس وقت بی بی صاحبہ کی عمر ۳۵ سال تھی۔ اس تزویج سے یا تو نکاح کا حکم مراد ہے یا بلا واسطہ عقد اللہ تعالیٰ نے خود نکاح کا حکم فرمایا۔

بی بی زینب کی شان حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بی بی زینب تمام ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فخریہ طور پر فرمایا کرتی تھیں کہ تمہارے نکاح تمہارے رشتہ داروں نے کیے لیکن آسمانوں کے اوپر اللہ تعالیٰ نے خود اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا نکاح کردیا۔

---

[1] دیوبندیوں کے ایک مولوی حسین علی واں بھچراں نے "بلغۃ الحیران" میں لکھ دیا کہ بی بی زینب سے حضور علیہ السلام نے عدت گزارے بغیر نکاح کرلیا۔ اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم آیت کے نزول کے بعد بی بی زینب کے گھر میں تشریف لائے اور فرمایا: میرا تیرے ساتھ نکاح ہوا۔ عرض کی: نہ منگنی ہوئی نہ گواہ، یہ کیسے؟ آپ نے فرمایا: نکاح اللہ تعالیٰ نے کر دیا ہے اس کے گواہ حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔ (اس روایت سے مذکورہ بالا قول ثانی کی تائید ہوئی)

ف: گواہوں کے بغیر نکاح کا انعقاد حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے یعنی آپ کے سوا کسی اور کا نکاح بغیر گواہوں کے نہیں ہو سکتا۔

مسئلہ: اس روایت کو لے کر حضرت امام محمد رحمہ اللہ نے گواہوں کے بغیر نکاح کو جائز رکھا ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ و امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ اس کے برعکس فرماتے ہیں ان کا فتویٰ ہے کہ گواہوں کے بغیر نکاح ناجائز ہے اور فتویٰ اسی پر ہے۔

ف: دراصل امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے نکاح کے مسئلہ کو بیع کے مسئلہ پر قیاس فرمایا ہے وہ اس لیے کہ نکاح میں بضع کی گویا بیع ہوتی اور اس کا ثمن مہر کو سمجھا پھر جیسے بیع میں گواہوں کی ضرورت نہیں ایسے ہی نکاح میں نہیں لیکن امام اعظم و امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس کے انجام کو دیکھا ہے اسی لیے فرمایا کہ بغیر گواہوں کے نکاح صریح زنا متصور ہوگا اسی لیے نکاح میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح میں گواہوں کی شرط لگائی کہ پھر وہ نکاح منسوخ نہ ہو سکے اور پھر اہل اسلام زنا کی تہمت سے بھی بچ جائیں گے۔

حدیث شریف مروی ہے کہ جب بی بی زینب رضی اللہ عنہا عدت گزار چکیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کے لیے فرمایا:

ما اجد احدا اوثق فی نفسی منك اخطب علی زینب۔

(مجھے تیری وجہ سے زینب کی منگنی پر اعتماد ہے لہٰذا تم ہی جا کر اسے میرے نکاح کی اطلاع دے دو)

چنانچہ حضرت زید بی بی زینب کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا:

یا زینب ابشری فان رسول اللہ یخطبك

(اے زینب! تجھے مبارک ہو کہ تجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نکاح کا فرما رہے ہیں)

یہ سن کر بی بی صاحبہ خوش ہو گئیں اور فرمایا: میں از خود کچھ نہیں کہہ سکتی میں اپنے رب تعالیٰ سے مشورہ کر لوں۔ یہ کہہ کر مسجد میں تشریف لے گئیں اور مسجد میں بیٹھی ہی تھیں کہ زوجنٰکھا نازل ہوا۔ اس کے بعد حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی صاحبہ سے نکاح فرمایا اور انہیں اپنے گھر لے گئے اور اس بی بی کا ولیمہ تمام بیبیوں سے بہتر ہوا۔ اس ولیمہ میں بکری ذبح کی گئی اور صحابہ کرام کو گوشت روٹی کھلائی گئی۔ یہاں تک کہ دن میں بہت دیر کھانے کا سلسلہ جاری رہا۔

ف: اس نکاح میں خود حضرت زید کو سفیر مقرر کرنا ان کے لیے بہت بڑی آزمائش تھی اور پھر ان کو اس نکاح کا شاہد بھی بنایا گیا۔ یہ ان کی قوتِ ایمانی اور مضبوطیِ اسلام کی دلیل ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اعتقاد من چو بیخ سرو دارد محکمی
بیش باشد از ہولے عشق و سودا گی

ترجمہ: میرا اعتقاد سرو کی جڑ کی طرح مضبوط ہے تم مجھے اس میں سودا کا سامان نہ بتانا۔

لِکَیْ لَا یَکُوْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ تاکہ اہلِ ایمان کو تنگی اور مشقت نہ ہو۔

حل لغات: المفردات میں ہے، دراصل حرج درخت کو مجتمع کو کہا جاتا ہے۔ اسی سے تنگی مفہوم ہوتی ہے۔ اسی لیے تنگی کو بھی حرج سے تعبیر کرتے ہیں اور اثم (گناہ) کو بھی۔ لکی لا یکون میں لام کی کا ہے اور تاکیداً اس پر داخل ہوئی ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ لام جارہ تزویج کی تعلیل کے لیے ہے۔ اور کَیْ حرف اَنْ کی طرح مصدری ہے۔

فِیْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآئِهِمْ ان لوگوں کے لیے جو اپنے منہ بولے بیٹوں کی عورتوں سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ الادعیاء، دعی کی جمع ہے یعنی منہ بولا بیٹا۔ **اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا** جب وہ اپنی عورتوں کو طلاق دے دیں اور انھیں ان سے کوئی حاجت باقی نہ رہے اور ان کی عدت گزر جانے پر نکاح کرنا چاہیں تو انھیں حرج نہ ہو۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منہ بولے بیٹے حضرت زید کی زوجہ بی بی زینب سے نکاح کر لیا۔ ہمیں اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ کی پیروی کرنی چاہیے۔

ف: حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اہلِ عرب کا خیال تھا کہ منہ بولے بیٹے کی عورت سے نکاح حرام ہے جیسے حقیقی بیٹے کی عورت سے۔ ان کے اس غلط خیال کی تردید کی گئی ہے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ احکامِ شرعیہ میں نبی و غیرِ نبی برابر ہوتے ہیں سوائے صرف چند ان مسائل میں جو نبی علیہ السلام کے لیے مخصوص ہوں۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص (معاذ اللہ) منہ بولے بیٹے کی عورت سے زنا کرے تو وہ عورت اس پر حرام نہ ہو گی بخلاف حقیقی بیٹے کی عورت کے کہ اس سے اگر بیٹے کے والد نے وطی کر لی ہو تو وہ اپنے شوہر پر حرام ہو جاتی ہے۔ ابن الصلب نے اس مسئلہ میں خلاف کیا ہے وہ کہتا ہے کہ منہ بولے بیٹے کی زوجہ متبنیٰ (پرورده کننده) پر نکاح کا انعقاد ہوتے ہی اس پر حرام ہو جائے گی۔

وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ اور وہ امر جس کا ہونا اللہ تعالیٰ کو منظور ہو **مَفْعُوْلًا ○** وہ ہو کر رہے گا اسے کوئی بھی نہیں روک سکتا اگرچہ روکنے والے نبی علیہ السلام ہی ہوں تب بھی اللہ تعالیٰ کا مقدر امر ضرور ہو گا جیسے ابھی بی بی زینب کی تزویج کا معاملہ ہوا۔ یاد رہے کہ بی بی زینب رضی اللہ عنہا کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ازل سے حقیقی نکاح تھا اور وہ حضرت زید کے ہاں عاریۃً تھیں۔

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے بارے میں الشیخ افتادہ آفندی قدس سرہٗ
بی بی زینب باکرہ تھیں نے فرمایا کہ ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ بی بی زینب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کی طرح باکرہ تھیں اس لیے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو معلوم ہو گیا تھا کہ ان کا نکاح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونا تھا اس لیے حضرت زید نے بی بی زینب کو چھوا تک نہ تھا۔ ان کی مثال بی بی آسیہ[1] و زلیخا رضی اللہ عنہا جیسی ہے لیکن بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے عرفان تک بی بی زینب نہیں پہنچ سکیں اور بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فضیلت میں فقط اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بہت ہی زیادہ محبت تھی۔

نکتہ دربارہ عدمِ تولیدِ عائشہ رضی اللہ عنہا بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں اس لیے اولاد پیدا نہ ہوئی کہ آپ جملہ تعینات سے مافوق کے مرتبہ میں تھیں۔

فضائل بی بی زینب رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ بی بی زینب رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ہم جیسی ہیں لیکن مندرجہ ذیل فضائل و مناقب میں ہم سے بڑھ کر ہیں:

۱۔ دین کی خیر و برکت میں ۲۔ تقویٰ و طہارت میں ۳۔ صدق فی الحدیث میں
۴۔ صلہ رحمی میں ۶۔ درویش نوازی میں
۵۔ صدقہ دینے میں ۷۔ مہمان نوازی میں
۸۔ داد و دہش میں۔ اسی لیے انہیں ام المساکین کہا جاتا تھا۔
۹۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ازواج مطہرات میں سے سب سے پہلے انہی کا وصال ہوا۔

بی بی زینب کا وصال بی بی زینب رضی اللہ عنہا سنہ ۲۰ھ میں مدینہ طیبہ میں فوت ہوئیں۔ آپ کی نمازِ جنازہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور بقیع میں مدفون ہوئیں۔ آپ کی کل عمر ترپن (۵۳) سال تھی۔

حضرت زید کی حور اللہ تعالیٰ نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہشت میں ایک حور عطا فرمائی۔ چنانچہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

استقبلتني جارية لعساء وقد اعجبتني فقلت لها يا جارية انت لمن قالت لزيد بن حارثة۔

(شبِ معراج میں ایک حورِ لعساء نے میرا استقبال کیا اور مجھے اس کا حسن و جمال پسند آیا میں نے اس سے پوچھا تو کس کے لیے ہے؟ عرض کی، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے لیے)

---

[1] یعنی بی بی آسیہ کو فرعون نہ چھو سکا اور نہ ہی بی بی زلیخا کو عزیزِ مصر۔ مزید تفصیل فقیر کی کتاب "نکاحِ زلیخا" میں ہے۔ اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ف : حدیث شریف میں لفظ استقبلتنی واقع ہے یعنے اس حُور نے بہشت سے نکل کر حضور علیہ السلام کا استقبال کیا جب آپ ساتویں آسمان کو عبور کر کے بہشت کی طرف روانہ ہوئے۔ لعساء لعس سے ہے یعنے ہونٹوں پر سُرخی بہ سیاہی مائل والی، ایسے ہونٹ حُسن وجمال میں اضافہ کرتے ہیں۔ کذا فی الصحاح

صرف حضرت کا نام قرآن میں کیوں

حضرت سہیل نے لکھا کہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو چھوڑ کر صرف حضرت زید رضی اللہ عنہ کا نام قرآن مجید میں اس لیے مصرح ہے کہ جب آیت ادعوهم لآبائهم نازل ہوئی تو حضرت زید کو زید بن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بجائے زید بن حارثہ کہنے لگے۔ چونکہ زید بن محمد سے پکارا جانا ان کے لیے بہت بڑی شرافت تھی۔ اس شرافت کے چھن جانے سے حضرت زید مغموم ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کی اس وحشت اور غم والم کو دور کرنے کے لیے قرآن مجید میں ان کا نام درج فرما دیا۔ اب انہیں وہ شرافت ملی کہ نمازوں میں اور محرابوں میں ان کا نام پڑھا جانے لگا۔

ف : بعض قرأۃ میں انعم اللہ علیہ بالایمان ہے یعنی لفظ بالایمان زائد ہے۔ اس قرأۃ کے مطابق ان کا بہشتی ہونا قطعی ہوا اور وہ یقیناً دُنیا سے ایمان کی دولت لے کر فوت ہوئے۔ اس قرأۃ کے مطابق یہ ان کی اور فضیلت ہوئی۔

سبق : حضرت زید رضی اللہ عنہ کا یہ ایثار و قربانی رہتی دنیا تک ہر ایک اہل اسلام کے لیے پند و نصیحت ہے اور ایسی قربانی ہر وہ شخص دے سکتا ہے جو سالک قوی الاعتقاد اور ارشاد و ہدایت میں ثابت قدم ہو اور یہ صرف اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کر سکتے ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے حجابات اٹھا دیئے تھے۔

صحابہ کی جاں نثاری

مروی ہے کہ ہجرت کے بعد حضور سرور عالم نے صحابہ کرام کو آپس میں بھائی بھائی بننے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت سعد رضی اللہ عنہما کے درمیان مواخاۃ طے ہوئی۔ حضرت عبدالرحمٰن مہاجر اور حضرت سعد انصار تھے۔ جب مواخات طے ہوئی تو حضرت سعد نے حضرت عبدالرحمٰن کو فرمایا: انصار میں میں کثیر المال ہوں اسے نصف نصف کر لیں اور میری دو عورتیں ہیں ایک کو میں طلاق دے دیتا ہوں جب اس کی عدت گزر جائے تو آپ اس سے نکاح کر لیں۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ کے مال وعیال میں برکت دے۔ کذا فی انسان العیون۔

سبق : افسوس زمانے کا دور بدلا کہ اب معاملہ الٹ ہو گیا۔ خوش قسمت ہے وہ انسان جو بدعات سیئہ و دیگر جرائم و معاصی کے دفعیہ کے لیے جدوجہد کرتا اور اپنے دامن کو برائیوں سے بچاتا ہے۔

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ نبی علیہ السلام کے لیے کوئی حرج نہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنے نبی علیہ السلام کو تنگی نہ دے۔

ف : اس جملہ میں مِن زائدہ اور حرج، کان ناقصہ کا اسم ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ان امور میں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے مقسوم میں لکھا ہے یا آپ کے لیے مقدر فرمایا ہے جیسے بی بی زینب کے ساتھ نکاح کرنا۔ یہ ان کے قول فرض لہ فی الدیوان کذا (اس کے لیے دفتروں میں ایسے مقدر فرمایا ہے) اور اسی محاورہ سے ہے۔

فروض العساکر۔ (لشکریوں کے وظائف)

سُنَّةَ اللّٰهِ سنۃ اسم ہے جسے مصدر کے قائم مقام وضع کیا گیا ہے حرج کی تاکید ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے نفی حرج کے لیے طریقہ مقرر فرمایا ہے **فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا** ان لوگوں میں جو پہلے گزرے۔

حل لغات: المفردات میں ہے کہ الخلو کا استعمال زمان و مکان کے لیے مستعمل ہے۔ اہل لغت جب اس سے گزرے ہوئے زمانے کی تفسیر کرتے ہیں تو کہتے ہیں، خلا الزمان یعنی مَضٰی و ذَهَبَ۔

فقیر (اسمٰعیل حقی نور اللہ مرقدہٗ) کہتا ہے الخلو کا حقیقی معنی زمان و مکان کا حال بیان کرنا ہوتا ہے اس لیے کہ ان کے اندر والے امور جب ختم ہو گئے تو وہ دونوں خالی ہو گئے۔

مِنْ قَبْلُ یعنی پہلے انبیاء علیہم السلام سے حرج کی نفی یوں کی گئی کہ ان کے لیے نکاح وغیرہ امور میں وسعت رکھی گئی تھی مثلاً داؤد علیہ السلام کی ایک سو بیویاں اور تین سو لونڈیاں تھیں اور ان کے صاحبزادے سلیمان کی تین سو بیویاں اور سات سو لونڈیاں تھیں۔ اسی بنا پر آپ کے لیے بھی سابقین انبیاء علیہم السلام کی طرح نکاح کے معاملہ میں وسعت ہے۔ **وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا** اور ہے اللہ تعالیٰ کا امر فیصلہ قطعی اور حکم یقینی۔

حل لغات: المفردات میں ہے کہ قدر میں اس حکم کی طرف اشارہ ہے لوح محفوظ میں مقدر ہو چکا جس کی تعبیر فرغ ربك من الخلق (تیرا رب مخلوق سے فارغ ہو چکا) ہے یعنی ان کی تخلیق اور اجل اور رزق کے معاملات طے ہو چکے اور مقدور سے وہ امور مراد ہیں جو آئندہ پیدا ہوں گے کل یوم هو فی شان میں اسی طرف اشارہ ہے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا و علیہم السلام پر جو حکم ربانی سے قضاء و قدر کا فیصلہ ہوا وہ ان کے حق میں بہتری پر مبنی تھا اگرچہ بظاہر مخلوق کی نظروں میں ان کا نقصان محسوس ہوتا ہو۔ اور ان پر قضاء مبرم کا اجراء ہوتا ہے جس میں خطا یا غلطی کا امکان بھی نہیں ہوتا اور نہ اس میں عبث کا تصور ہو سکتا ہو۔

پیر ما گفت خطا بر قلم صنع نرفت
آفرین بر نظر پاک خطا پوشش باد

ترجمہ: ہمارے شیخ نے فرمایا کہ صنعت حق کے قلم میں خطا کا امکان ہی نہیں نظر پاک پر آفرین

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

خدا کرے ہماری خطا پوشی ہو۔

اَلَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے پیغامات پہنچاتے ہیں یہ جملہ مجرور المحل ہے اس سے کہ الذین خلوا من قبل کی صفت ہے اس سے ان حضرات کا پیغام رسالت مراد ہے جو انہوں کو پہنچایا اور رسالت مجھے اللہ تعالیٰ سے ایک بندے کا پیام لے کر اس کے دوسرے بندوں کو پہنچانا یعنی بندوں کو مولیٰ کی خبر پہنچانا وَیَخْشَوْنَهٗ ہر امر ونہی میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں بالخصوص ان امور زاہی میں جو رسالت سے متعلق ہیں ان میں ایک حرف کی بھی کمی نہیں کرتے اور نہ ہی کسی ملامت گر کی ملامت سے گھبراتے ہیں وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے خشیۃ کو صرف اللہ تعالیٰ پر منحصر کرنا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تعریض ہے کہ آپ نے بی بی زینب کے نکاح کے معاملہ میں خلق خدا کی ملامت پھر ان کی تباہی کا خیال کیا۔

ف: انبیاء علیہم السلام کی خشیت عتاب سے اور اولیاء کرام کی حجاب سے اور عوام کی خشیت عذاب سے ہوتی ہے۔ کذا قال بعض الکبار۔

سوال: الاستلۃ المقحمۃ میں ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے جب صاف قرآن مجید میں موجود ہے کہ موسیٰ علیہ السلام غیر اللہ سے ڈرے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا:

لا تخف انک انت الاعلیٰ۔

(مت ڈر تو اعلیٰ ہے)

اور یعقوب علیہ السلام کے لیے سورۃ یوسف میں ہے:

انی اخاف ان یاکلہ الذئب۔

(مجھے ڈر ہے کہ اسے بھیڑیا نہ کھا جائے)

ایسے ہی ہمارے نبی علیہ السلام کو بھی خوف لاحق ہوا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا:

واللہ یعصمک من الناس۔

(اللہ تجھے لوگوں سے بچائے گا)

اور ایسے ہی دیگر انبیاء علیہم السلام کے لیے بھی قرآن مجید میں ان کے واقعات میں صراحت ہے۔

جواب: انبیاء علیہم السلام کا عقیدہ یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی کسی کو نقصان یا نفع پہنچا سکتا ہے اس کے ارادہ و مشیت سے کوئی شے باہر نہیں۔ اور یہ بھی ان کا عقیدہ تھا کہ ہر کام قضاء و قدر الٰہی کے تحت ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہاں ان کے عقیدے کا اظہار کیا گیا ہے اور ان کے پختہ یقین و علم کے متعلق بتایا گیا ہے ورنہ خواص بشریت اور طبعی خلقت اور تقیضۂ حیوانیت یہی ہے کہ وہ ایسے ہی کہیں اور کریں جو اوپر مذکور ہوا۔

(فقیر اویسی کہتا ہے کہ جہاں ان کے نہ ڈرنے کا فرمایا وہاں ان کی اصلی فطرت مذکور ہوئی اور جہاں ان کے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

خوف از غیر کا ذکر ہے وہاں ان کا ڈرنا اور خوف کرنا تعلیم اُمت اور ان کے انجام کی وجہ سے ڈرنا ہوتا تھا۔ (التفصیل فی التفسیر الاویسی فانتظرہ)

وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا۝ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال کا حساب لینے والا کافی ہے۔

سبق: بندے پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حساب لینے سے پہلے اپنا حساب کر لے اور صرف اللہ سے ڈرے۔ نکاح کا معاملہ ہو یا کوئی اور۔ جب سب کو معلوم ہے کہ اس کی رضا نیکی میں ہے اور اسی کا ہی حکم فرماتا ہے۔

ف: مسواک، عطر، نکاح وغیرہ انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے آدم علیہ السلام سے لے کر بہشت میں داخل ہونے کے بعد تک صرف دو عمل دائمی ہیں:

(۱) ایمان

(۲) نکاح

ف: بعض مشائخ نے فرمایا کہ جو زیادہ متقی ہوگا وہ زیادہ شہوتی ہوگا اس لیے کہ دراصل وہ شہوۃ حقیقت کی حرارت ہے یہ نارِ عشق سے دوسرے نمبر پر ہے اور حرارت میں عشق سے اول نمبر پر نورِ محبت ہے لیکن اہلِ حجاب و اہلِ شہود کی شہوت میں بہت بڑا فرق ہے۔ وہ اس لیے کہ جب اہلِ غفلت کی رگیں خون سے پُر ہوتی ہیں تو شہوت کا غلبہ ہوتا ہے اور اہلِ یقظہ کی رگیں نورِ الٰہی سے پُر ہوتی ہیں اور ظاہر ہے کہ نور کی طاقت و قوت خون سے بڑھ کر ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے ہدایت کے طالب ہیں اور شہوتِ نفسانی سے پناہ مانگتے ہیں۔

گستاخ نبی کا قصہ

بعض مشائخ نے فرمایا کہ ہم کسی ایک بزرگ کی مجلس میں بیٹھے تھے ان میں ایک نے کہا کہ شہوت سے کوئی نہیں بچا، یہاں تک کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی (معاذ اللہ) اس کے استدلال میں فرمایا:

حبب الیّ من دنیاکم ثلاث الطیب والنساء وقرۃ عینی فی الصلوٰۃ۔

(تمہاری دنیا میں مجھے تین چیزوں کی محبت دی گئی ہے:

۱۔ خوشبو

۲۔ عورت

۳۔ نماز میں آنکھوں کی ٹھنڈک)

حضور علیہ السلام پر تہمت نہ لگا اور حدیث کو تُو نے سمجھا ہی نہیں۔ آپ نے حُبِّب فرمایا ہے۔ یہ دلالت کرتا ہے کہ یہ محبت آپ کو بحکمِ ربانی سے تھی ورنہ اَحبَبتُ فرماتے۔ اور جو شے منجانب اللہ ہو اس پر ملامت کرنا غلط ہے۔ اس گستاخ کے اس کلمہ سے مجھے سخت رنج پہنچا۔ اس پر مجھے نیند آگئی اور خواب میں مجھے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غم نہ کھا، میں نے اس کا کام تمام کر ڈالا ہے۔ صبح کو معلوم ہوا کہ اسے قتل کر دیا گیا ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ف : بعض مشائخ نے فرمایا کہ جو شخص شریعت کے گُر سے معانی سمجھنا چاہتا ہے اسے چاہیے فرائض کی ادائیگی کے بعد بکثرت نوافل پڑھے اگر ہو سکے تو بہت زیادہ (مشروعہ) نکاح کرے اس لیے کہ نفلی عبادات میں سے یہی افضل و اعلیٰ عبادت ہے اس لیے اس سے انسان کو پاکدامنی اور اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا السلام کی کثرت کا سبب نصیب ہوتا ہے اور محسوساً و معقولاً ہر طرح سے یہی عبادت جامع ہے اور عالم کا علم ظاہری ہوتا ہے یا باطنی۔ اور یہ عبادت دونوں کو حاوی ہے۔ اسی لیے اس سے بڑھ کر اتم و اکمل اور کوئی عبادت نہ ہو گی اور حق تعالیٰ بھی انسان کی اسی عبادت سے بندہ کو محبوب تر رکھتا ہے اور ظاہر ہے جسے اللہ تعالیٰ محبوب بنا لے، وہی ولی اللہ ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ اہلِ قرآن (یعنی عاملِ قرآن) سے محبت کرتا ہے کہ وہ افضل العبادت ہے اور جو شخص اہلِ قرآن کی طرح اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے وہ لقائے حق کا مرکز اور اس کے استواء کا عرش اور اس کے نزول کا آسمان اور اس کے امر و نہی کی کرسی ہو جاتا ہے جب اس مرتبہ تک پہنچتا ہے تو اسے تجلیات وغیرہ نظر آئیں گی جو اسے پہلے کبھی نظر نہیں آتی تھیں۔

ف : جس بزرگ کی مذکورہ بالا تقریر آپ نے پڑھی انہوں نے فرمایا کہ میں پہلے عورتوں کو مبغوض ترین مخلوق سمجھتا تھا اور جماع سے بھی سخت نفرت تھی اور سلوک کی منازل طے کرنے کی اثناء میں اٹھارہ سال میرا یہی حال رہا لیکن اس سے میرے دل میں خوفِ خُدا ہر وقت طاری رہتا تھا کہ میں اس مقبول عمل سے بغض رکھتا ہوں جو محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب عمل ہے جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے دل میں اس کی فضیلت کا القاء ہوا تو مجھے یقین ہُوا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حبب الیّ من دنیاکم من ثلاث الخ فرما کر عورتوں کی محبت کا اظہار طبعی نفسانی نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور فرمان کی وجہ سے تھا۔ اسی وقت سے میرے دل میں عورتوں سے جتنی کراہت و نفرت تھی اس سے بڑھ کر ان سے محبت و پیار ہو گیا جو آج بحمدہ تعالیٰ میں تمام دوستوں سے زیادہ عورتوں پر شفیق ہوں اور وہ بھی محض طبعی و نفسانی طور پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ کی عطا کردہ بصیرت کی وجہ سے۔

حکایت حضرت زکریا علیہ السلام کے دولت کدہ پر ایک جماعت حاضر ہوئی، دیکھا کہ ان کے گھر میں نہایت حسین و جمیل عورت موجود ہے کہ جس کے حسن و جمال سے سارا گھر روشن ہے۔ انہوں نے پوچھا یہ کس کی عورت ہے؟ اس نے کہا: میں حضرت زکریا علیہ السلام کی اہلیہ ہوں۔ اس جماعت نے حضرت زکریا علیہ السلام سے عرض کی، آپ نبی ہیں اور انبیاء علیہم السلام دنیا کی ہر شے سے بے نیاز ہوتے ہیں لیکن ہمیں یہ دیکھ کر حیرانی ہوئی کہ آپ نے ایک نہایت حسین و جمیل عورت سے نکاح کیا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا اس نکاح کی وجہ سے تو میں نے اپنی بُری نگاہ اور فرج کو زنا سے محفوظ کیا ہُوا ہے۔

سبق عورت نیک بخت اور حسین و جمیل جو انسان کی نیکی پر مساعدت کرے وہ دراصل دنیوی شے نہیں۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۱ زن خوب و فرمان برد پارسا
کند مرد درویش را پادشا
۲ کرا خانہ آباد و ہمخوابہ دوست
خدا را برحمت نظر سوئے اوست
۳ چو مستور باشد زن خوبروے
بدیدار او در بہشتست شوے

ترجمہ : (۱) عورت خوب رُو اور پارسا ، مرد درویش کو بادشاہ بنا دیتی ہے ۔
(۲) جس کا گھر آباد اور عورت خیر خواہ ہو اللہ تعالیٰ کی اس پر خاص نظر کرم ہے ۔
(۳) جب عورت باپردہ اور خوبرو ہو اس کا دیدار مرد کے لیے بہشت ہے ۔

مَاکَانَ مُحَمَّدٌ ابن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم ۔

مسئلہ : اسلام کی طرف سے کسی پر واجب نہیں کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی اور دادا کا نام یاد رکھے بلکہ مسلمان ہونے کے لیے صرف آپ کا نام نامی اسم گرامی یاد رکھنا ضروری ہے ۔ کما فی ہدایۃ المریدین للمولی اخی چلپی ۔

حل لغات : محمد اسے کہا جاتا ہے جس کی حمد کی جائے اور محمد وہ جس کی بہت زیادہ حمد کی جائے بوجہ اس کی کثرت خصال محمودہ کے ۔ (کذا فی المفردات)

تحقیق لفظ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

شیخ زکریا شرح المقدمۃ الجزریہ میں لکھتے ہیں کہ لفظ محمد محمود کا بالغہ ہے ۔ یعنی ہر وہ ذات جو عقاید و افعال و اقوال و اخلاق میں محمود ہو ۔ اور یہ نام آپ کے دادا عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے منتخب فرمایا جو انہیں الہام ربانی سے معلوم ہوا جب بدستور عرب آپ کا نام بھی ساتویں دن رکھا گیا ۔ لوگوں نے کہا کہ آپ نے اپنے پوتے کا نام محمد کیوں رکھا جبکہ آپ کے آباؤ اجداد میں اس نام والا کوئی نہیں گزرا ۔ انہوں نے فرمایا کہ میں یہ نام رکھ کر اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ ان کی آسمانوں اور زمینوں میں حمد ہو ۔ چنانچہ حضرت عبدالمطلب کی آرزو پوری ہوئی اور جس طرح کہ نیک فال کا ارادہ کیا اسی طرح ہوا کہ آپ نہ صرف عام مخلوق محمود ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اور جملہ انبیاء مرسلین علیہم السلام اور جملہ اہل ایمان آپ کے مداح اور ثنا خواں ہیں اگر بعض بدبختوں کو آپ سے بغض و عداوت تھا اور ہے اور کفر کیا تو آپ کی محمودیت میں فرق نہیں پڑا (آج بھی بعض بدطینت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت سننا گوارا نہیں کرتے) بہرحال آپ ہر عاقل کے ممدوح ہیں بوجہ آپ کے شمائل مرغوبہ و خصائل محبوبہ کے ۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حضور علیہ السلام کا ایک ہزار نام جیسے اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار صفاتی نام ہیں ایسے ہی حضور علیہ السلام کے صفاتی اسماء ایک ہزار ہیں۔ اور وہ اسماء انہی صفات سے مشتق ہیں جو اسماء اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں (مثلاً اللہ کریم ہے تو آپ بھی کریم، اللہ رحیم ہے تو آپ بھی رحیم وغیرہ۔ اس معنے پر شرک بھی نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء بحیثیت خالق ہونے کے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء بحیثیت رسول ہونے کے۔ ایسے ہی سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفت نور ہے تو آپ کی صفت بھی نور، اللہ تعالیٰ کی صفت حاضر و ناظر تو آپ کی صفت بھی۔ اللہ تعالیٰ کی صفت مشکل کشائی اور مدد دینے کی ہے تو آپ کی بھی۔ علم غیب اللہ تعالیٰ کی صفت ہے تو حضور علیہ السلام کی بھی۔ یہی ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے۔ چند صفات مثلاً خالقیت، رازقیت وغیرہ کے سوا باقی جملہ صفاتِ الٰہیہ مجازاً انہی صفات کا اطلاق حضور علیہ السلام پر جائز ہے مزید تفصیل فقیر اویسی غفرلہ کی کتاب "حاضر و ناظر" میں دیکھئے) لہ

ف : جس اسم صفاتی سے حضور علیہ السلام کو موصوف کیا جائے گا وہ صفت بطریق کمال آپ میں موجود ہوگی۔ مثلاً آپ کی صفت ماحی ہے وہ اس لیے کہ آپ نے کفر مٹا کر فنا کر دیا یعنی کفر کا طریق کار آپ کی بعثت مبارکہ سے پہلے تھا اور آپ کی الحاشر وہ ذات کہ جس کے قدموں پر یعنی آپ کے مزار سے اٹھنے کے بعد لوگوں کو میدانِ حشر میں اٹھایا جائے گا۔ العاقب ہر وہ ذات جو دوسرے انبیاء علیہم السلام کے بعد مبعوث ہو۔

نکتہ دربارہ ختم نبوت آپ کے اسم گرامی کی ابتداء میں میم ہے اور یہ مخارج میں سب سے آخری مخرج ہے اس میں اشارہ ہے کہ آپ تمام انبیاء علیہم السلام کے بعد تشریف لائیں گے ایسے ہی آپ کے میم سے معلوم ہوا کہ آپ کی بعثت چالیس سال کے بعد ہوگی، اس لیے کہ م کے اعداد چالیس ہیں۔

نکتہ دیگر امام نیشاپوری رحمہ اللہ نے فرمایا، آپ کے اسم گرامی "محمد" کے چار حروف ہیں اس میں اشارہ ہے کہ آپ ظاہراً و باطناً ذات حق کے موافق ہیں یہاں بھی یہی بات کہ آپ کے اسم گرامی "محمد" کے چار حروف، تو اللہ کے بھی چار ہیں۔ ایسے ہی لا الٰہ الا اللہ کے حروف بارہ، تو محمد رسول اللہ کے حروف بھی بارہ ہیں۔

چار یار نبی کے غمخوار اگر محمد رسول اللہ کے حروف بارہ ہیں تو ابو بکر الصدیق کے بھی بارہ۔ ایسے ہی عمر بن الخطاب کے بارہ، ایسے ہی عثمان بن عفان اور علی بن ابی طالب کے بارہ بارہ حروف۔ یہ اسی مناسبت تامہ کی طرف اشارہ ہے کہ یہ حضرات حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمہ کے عین مطابق اور کلی طور پر ان میں فانی ہیں۔

لہ اضافہ از اویسی غفرلہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

نسب چار یار بہ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہی چاروں خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم کا نسب بھی حضور علیہ السلام کے نسب کے عین مطابق ہے۔ مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ اَب الثانی میں اور حضرت عثمان پانچویں پشت میں اور حضرت ابوبکر ساتویں پشت میں اور حضرت عمر نویں پشت میں حضور علیہ السلام کے ساتھ ملتے ہیں[1]

نکتہ در حروفِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضور علیہ السلام کا اسم گرامی علیحدہ علیحدہ حروف کے لحاظ سے ۳۱۴ مرسلین کی گنتی پر حاوی ہے۔ مثلاً لفظ محمد میں تین میم ہیں بوجہ ادغام المیم فی المیم ان کی گنتی ۹۰ کو تین سے ضرب دینے پر ۲۷۰ حاصل ہوا۔ ایسے ہی حا اور دال کو علیحدہ علیحدہ لیا گیا قرآن کے اعداد ۳۵ اور ۹ کو سابق عدد سے ملایا گیا تو کل ۳۱۴ ہوئے اور یہی رسل کرام علیہم السلام کی تعداد ہے۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

۱ محمدت چون بلا نہایہ ز حق
یافت شد نام او ازان مشتق

۲ می نماید بچشم عقل سلیم
حرف حایش میان میان دو میم

۳ چون زنخ حور کر کنارۂ او
گشتہ پیدا دو گوشوارۂ او

۴ یا دو حلقہ ز عنبرین مویش
آشکار از جانب رویش

۵ دال آن کز ہمہ فرو دنشست
دل بنازش گرفتہ بر سر دست

ترجمہ: (۱) حق تعالیٰ سے آپ کو بے شمار ثنا ہیں۔ اسی لیے آپ کا نام بھی حمد سے مشتق ہوا۔
(۲) چشم عقل سلیم سے نظر آتا ہے کہ دو میم کے درمیان حا ہے۔
(۳) زنخ حور کی طرح کہ اس کے دو کناروں پر گویا دو گوشوارے (بالیاں) ہیں۔
(۴) یا زلف عنبریں کے دو حلقے ہیں جو چہرہ کے دونوں جانب ظاہر ہیں۔
(۵) دال (محمد کی) جو سب سے نیچے ہے ہر دل کو اس کے ناز نے سر سے پکڑ لیا ہے۔

---

[1] اس سے شیعہ کا رد ہوا کہ وہ عوام میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ دار سمجھتے ہیں لیکن باقی خلفاءؓ کو غیر ثابت کرتے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

فضائل اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے اپنا نام میری محبت اور میرے اسم سے تبرک حاصل کرنے کی نیت سے میرے نام پر "محمد" رکھا تو وہ اور اس کا بیٹا بہشت میں ہوں گے۔

(۲) جس کی عورت حاملہ ہو اور وہ نیت کرے کہ اس بچے کا نام محمد رکھوں گا تو اللہ تعالیٰ اسے لڑکا عطا فرمائے گا۔[1]

(۳) جس کی اولاد پیدا ہو کر مر جاتی ہو، اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاہدہ کرے کہ جو لڑکا پیدا ہوگا اس کا نام محمد رکھے گا تو وہ لڑکا عمر دراز پائے گا۔

(۴) جس طعام میں محمد نام والے شخص کو شریک کر کے کھایا جائے اس طعام میں برکت ہوگی۔

(۵) جس معاملہ میں محمد نام والے شخص سے مشورہ لیا جائے اس کام میں برکت ہوگی۔

سلطان محمود کا ادبِ رسول

مجمع اللطائف میں ہے کہ ایاز کے بیٹے کا نام محمد تھا اور محمود غزنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے ہاں ملازم تھا ایک دن محمود پاخانہ میں جا رہا تھا تو فرمایا کہ ایاز کے بیٹے سے کہو پانی لائے۔ ایاز نے جب یہ بات سنی تو متفکر ہوا کہ نہ معلوم میرے لڑکے سے کون سا گناہ سرزد ہوا کہ آج بادشاہ نے اس کے نام کے بجائے پسرِ ایاز سے یاد کیا۔ بادشاہ وضو کر کے جب فارغ ہوا تو ایاز کو متفکر پایا۔ کہا کہ آج میں تجھے غمگین پاتا ہوں اس کی کیا وجہ ہے؟ ایاز نے نیاز بجا لا کر کہا کہ آپ نے آج میرے بیٹے کے نام کے بجائے پسرِ ایاز کہا اس سے مجھے فکر لاحق ہوئی ہے کہ اس نے کہیں آپ کی شان میں گستاخی نہ کی ہو۔ تبسم کر کے بادشاہ نے کہا اے ایاز! وجہ یہ تھی کہ میں بے وضو تھا، بے وضو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام لینا گوارا نہ تھا اور شرم محسوس کی کہ آقا کے نام کو بلا وضو زبان پر لاؤں۔ چونکہ یہ نام آقائے کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کا نشان ہے اسی لیے ہمیشہ وضو کر کے لیتا ہوں[2]۔

ہزار بار بشویم دہن بمشک و گلاب
ہنوز نام تو بردن ادب نمی دانم

---

[1] فقیر اویسی غفرلہٗ کا تجربہ ہے کہ حاملہ عورت کے پیٹ پر چالیس روز تک بلا ناغہ انگلی سے شوہر مندرجہ ذیل عبارت لکھے تو ان شاء اللہ لڑکا پیدا ہوگا:

ان کان ھذا ولدٌ فاسمہ محمدٌ۔

پھر بچے کا نام محمد رکھا جائے اور میلاد شریف بھی کیا جائے۔ تفصیل کے لیے فقیر کی کتاب "شہد سے میٹھا محمد نام" دیکھیے۔ اویسی غفرلہٗ

[2] مزید واقعات دیکھیے فقیر کی کتاب "باادب بانصیب" میں۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ترجمہ: اگرچہ مشک و گلاب سے ہزار بار اپنا منہ دھوؤں تب بھی محبوب کا نام لینا ادب کے خلاف سمجھتا ہوں۔

اسمِ محمد چومنے کی برکت

مروی ہے کہ ایک بنی اسرائیلی ایک سو سال غلط کاریوں میں مبتلا رہا جب مرا تو اسے گھسیٹ کر مزبلہ پر پھینک دیا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو پیغام بھیجا کر اسے نہلا دھلا کر اس کی نمازِ جنازہ پڑھیے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: یا الٰہ العٰلمین! تمام بنی اسرائیل گواہی دیتے ہیں کہ اس نے ایک سو سال نافرمانیوں میں گزارا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بات واقعی ایسے ہی ہے لیکن اس کا ایک کام مجھے پسند آگیا ہے کہ تورات کھول کر جونہی اسمِ محمد کو دیکھتا تھا اسے چوم کر آنکھوں سے لگاتا تھا۔ اس کے بدلے میں میں نے اسے بخش دیا اور ستر حوریں اس سے بیاہ دیں۔[1]

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! جہاں چاہو جاؤ تم منصور (فتح یاب) ہو گے۔

اَبَآ اَحَدٍ (کسی ایک کا باپ نہیں)

شانِ نزول

جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی زینب کی عدت ختم ہونے پر ان سے نکاح کیا تو منافقین نے شور مچایا کہ بہو سے نکاح حرام ہے تاہم نبی علیہ السلام نے حرام فعل کا ارتکاب کیا ہے (نعوذ باللہ)۔ اہلِ عرب کے دستور کے مطابق اُس وقت منہ بولے بیٹے کی زوجہ سے نکاح حرام سمجھا جاتا تھا اللہ تعالیٰ نے اس قانون کو تبدیل کرتے ہوئے ان کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایک کے باپ نہیں مِنْ رِّجَالِكُمْ تمہارے مردوں میں یعنی نسب و ولادت کے لحاظ سے۔ جب مردوں میں کسی ایک کے باپ نہیں تو پھر ان کے اور حضرت زید کے درمیان حرمتِ مصاہرت کیسی۔

سوال: آپ کے تین بیٹے طاہر، قاسم، ابراہیم تو تھے پھر ابوت کی نفی کیوں؟

جواب: وہ حدِ رجولیت کو نہیں پہنچے تھے اس لیے کہ رجل اسے کہتے ہیں جو حدِ بلوغ کو پہنچے۔ آپ کے صاحبزادے حدِ بلوغ تک پہنچنے سے پہلے فوت ہو گئے۔ اور اگر وہ حدِ بلوغ تک پہنچ بھی جاتے تب بھی رجالہٗ سے اٹھتے رجالکم پھر بھی اپنے عموم پر رہے گا۔

سوال: حضرت حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی حضور علیہ السلام کے بیٹے کہلاتے تھے۔

جواب: وہ مجازاً بیٹے کہلاتے تھے۔ علاوہ ازیں آیت کے نزول کے وقت وہ نابالغ بچے تھے۔

ف: الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل سے معلوم تھا کہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی نرینہ اولاد کا سلسلہ نہیں چلے گا بلکہ آپ کی صاحبزادی کا سلسلہ جاری ہوگا۔ اسی لیے فرمایا من رجالکم۔ اس معنے پہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہوگا کہ جیسے آپ نے فرمایا ویسے ہی ہوا۔

---

[1] تاریخ الخمیس، خصائص کبریٰ وغیرہ۔ اس کی مزید تفصیل فقیر کے رسالہ "انگوٹھے چومنے کا ثبوت" میں دیکھیے۔
اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ف : صحیح یہ ہے کہ آپ کے صرف تین صاحبزادے تھے ،

(۱) قاسم

اسی نام سے آپ کی کنیت ابوالقاسم تھی کیونکہ یہی پہلے پیدا ہوئے تھے ۔ دو سال کے بعد بعثت سے پہلے مکہ معظمہ میں فوت ہوئے ۔

(۲) عبداللہ

انہیں الطیب ، الطاہر بھی کہا جاتا ہے یہ بعثت کے بعد رضاع کے دور میں مکہ معظمہ میں فوت ہوئے اور یہ دونوں (قاسم و عبداللہ) بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئے ۔

(۳) ابراہیم

یہ بی بی ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پیدا ہوئے ۔ آپ کی ولادت ذی الحجہ ۸ھ میں ہوئی ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتویں دن ان کا عقیقہ کیا اور دو دنبے ذبح کیے اور سر منڈوایا اور بالوں کے برابر چاندی مسکینوں میں صدقہ کی اور حکم فرمایا کہ ان کے بال دفن کیے جائیں ۔ حضرت ابراہیم مدت رضاعت میں اٹھارہ ماہ کے ہو کر فوت ہوئے اور بقیع میں دفن ہوئے ۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قبر کے کنارے بیٹھے ، قبر پر پانی چھڑکا اور قبر پر ایک نشان لگوایا اور تلقین بھی فرمائی ۔ تلقین کے الفاظ یہ ہیں :

یا بنی قل اللہ ربی و رسول اللہ ابی والاسلام دینی ۔

(اے بیٹے ! کہو اللہ میرا رب ہے اور رسول اللہ میرے والد اور اسلام میرا دین ہے)

مسئلہ : اس سے بعض ائمہ نے ثابت کیا کہ چھوٹے بچوں سے بھی قبر میں سوال ہوگا اور مرنے کے بعد ان کی عقول کی تکمیل ہوتی ہے جس سے ان کی تلقین بھی مسنون ہے ۔

(۲) بعض ائمہ نے فرمایا کہ چھوٹے بچوں سے قبر میں سوال نہ ہوگا اس لیے کہ سوال صرف بالغین سے مخصوص ہے ۔

قاعدہ : امام سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تلقین کی کوئی صحیح اور حسن حدیث نہیں ، ہاں ضعیف روایات ہیں اور اس پر جملہ محدثین کا اتفاق ہے (وہابیہ دیوبندیہ اس قاعدہ کو پڑھ کر کچھ تو سمجھیں اگر حضور علیہ السلام کا نام سن کر انگوٹھے چومنے کی روایات ضعیف ہیں تو بھی قابل عمل ہیں جیسے یہ روایت ضعیف ہے لیکن ہے قابل عمل) [1]

بدعت حسنہ اسی لیے جمہور امت کے نزدیک تلقین بر قبر بدعت حسنہ ہے (غور کیجئے باوجودیکہ احادیث ضعیفہ سے تلقین ثابت ہے لیکن اسے بدعت حسنہ کہا جا رہا ہے ۔ اس سے ثابت ہوا کہ محدثین اپنی اصطلاح میں جس مسئلہ کے لیے بدعت کہہ دیں ضروری نہیں کہ وہ واقعی بدعت ہو) عزالدین بن عبدالسلام کا بھی یہی فتویٰ ہے (تلقین مستحب ہے) ابن الصلاح اور اس کی تبع میں نووی نے اسے مستحب کہا ہے

---

[1] اس مسئلہ کی تحقیق کے لیے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی تصنیف "منیر العین" ملاحظہ ہو ۔ اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اس لیے کہ یہ حدیث ضعیف سے ثابت ہے اور احادیث ضعیفہ پر فضائلِ اعمال میں عمل کرنا جائز ہے۔ (یہ قاعدہ ہم اہلسنت بتائیں تو وہابی دیوبندی نہ مانیں لیکن انہیں چاہیے کہ اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ کی تو مانیں) یہاں پر امام سبکی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اپنے صاحبزادے کے بارے میں تلقین النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی اصل نہیں یعنی حدیث صحیح یا حسن نہیں۔ کذا فی انسان العیون۔ سوالِ قبر اور تلقین کی بحث سورۂ ابراہیم میں آیہ ویثبت اللہ الذین اٰمنوا کے تحت گزری ہے۔

وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ الرسول، المرسل کا ایک معنیٰ ہے ارسلت فلانا فی رسالہ فھو مرسل ورسول۔

ف والقہستانی میں ہے الرسول، فعول کے وزن پر ہے۔ مرسل کے معنے میں مبالغہ کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ المفعل بروزن بضم المیم وفتح العین بمعنے ذی رسالۃ، یہ الارسال کا اسم ہے اور اس وزن پر صیغہ اسی باب سے اسی معنی کے لیے بہت کم واقع ہوتا ہے۔

رسول کی شرعی تعریف شریعت میں ہے ھو من بعث لتبلیغ الاحکام ملکاً کان او انسانا (رسول وہ ہے جو تبلیغِ احکام کے لیے مبعوث ہوں وہ فرشتہ ہو یا انسان)

رسول و نبی میں فرق رسول عام ہے فرشتہ ہو یا انسان۔ اور نبی کی بھی وہی تعریف ہے جو مذکور ہوئی لیکن وہ مخصوص ہے صرف انسان کے لیے۔ فرشتے کو نبی نہیں کہا جائے گا۔ یہی فرق اہلِ اسلام کا معتمد علیہ ہے۔

اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور ہر رسول اپنی امت کا معنوی باپ ہوتا ہے لیکن حقیقی باپ کے لحاظ سے نہیں بلکہ مجازی معنے پر، یعنے شفیق و ناصح، اور ان کی ابدی حیات کا سبب، اسی معنے پر ان کی طاعت واجب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر نبی علیہ السلام کی ازواج اُمت پر حرام ہوتی ہیں اس لیے کہ وہ امت کی مائیں ہوتی ہیں اور یہ بھی تعظیم وتکریم میں داخل ہے۔

اس تقریر سے ثابت ہوا کہ جب زید حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے کوئی تعلق ولادت نہیں رکھتے اور ہیں بھی رجل من رجالکم، تو پھر ان کی زوجہ سے اگر نبی علیہ السلام نے نکاح کر لیا تو کون سا حرج ہوا۔ باقی رہا متبنّیٰ ہونا یہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا سوائے اس کے کہ اسے بوجہ قرب و اختصاص کے منہ بولا بیٹا کہا گیا ہے ورنہ اسے نسب سے تو کوئی تعلق نہیں۔

نکتہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کو ہمارا باپ اس لیے نہیں کہا کہ اگر باپ کہتا تو جیسے آپ کی ازواج اُمت پر حرام ہیں ایسے ہی امت کی بیٹیوں کا آپ کے ساتھ نکاح ناجائز ہوتا اس لیے کہ اُمت اولاد ہو جاتی اور اولاد کے ساتھ نکاح ناجائز ہوتا ہے حالانکہ نبی پر اُمت کی بیٹیوں سے نکاح جائز ہونا چاہیے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ اگرچہ ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے ابوّت کی نفی فرمائی ہے لیکن حضور علیہ السلام امت پر باپ سے بھی زیادہ شفیق اور رحیم و کریم ہیں۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

حدیث شریف انا لکم مثل الوالد لولدہ۔

(میں تمہارے لیے بمنزلہ باپ کے ہوں)

ف : علماء کرام نے فرمایا : حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُمت پر باپ سے زیادہ شفیق تھے.

نکتہ : حضور علیہ السلام کو اُمت کا باپ نہ کہنا اللہ تعالیٰ کے اسرار پنہانی میں سے ایک اعلیٰ راز ہے وہ یہ کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ جباری و قہاری دکھائے گا تو ہر ایک کے رشتے اور نسب منقطع ہو جائیں گے یہاں تک کہ باپ بیٹے سے بھاگے گا۔ کما قال :

یوم یفر المرء من اخیہ و امہ و ابیہ و صاحبتہ و بنیہ۔

مثلاً حضرت آدم علیہ السلام سب کے باپ ہیں تو وہ بھی کہیں گے اے الٰہ العالمین! مجھے چھوڑ دے میری اولاد جانے اور تو۔ ایسے ہی نوح علیہ السلام، ایسے ہی ابراہیم علیہ السلام، ایسے ہی موسیٰ و عیسیٰ و دیگر پیغمبران عظام علیہم السلام کہیں گے۔ قیامت کی سختی سے تمام انبیاء علیہم السلام نفسی نفسی پکاریں گے اور اپنی اولاد اور اُمت سے دور بھاگیں گے اور اپنی نجات کے لئے اللہ تعالیٰ سے بار بار عرض کریں گے لیکن ایک محمد عربی مصطفےٰ مدنی صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے جو رحمت و شفقت کے طور کہیں گے: "یا اللہ! میری اُمت کمزور اور عاجز و ضعیف ہے۔ عذاب کی طاقت اور عقاب کی قوت کی حامل نہیں ہے تو اس پر رحم فرما اور اسے بخش دے اور اس کے بدلے میں میرے ساتھ جو کچھ کرنا ہے کر لے۔"

اسی معنے پر جب باپ بیٹے سے رشتہ منقطع کرے گا بلکہ باپ بیٹے سے بیٹا ہونے کا انکار کرے گا بس ایک یہی کریم ہوگا جو سب کو گلے لگائے گا اور اتنی شان و قدر بڑھائے گا کہ دوسری اُمتوں کے لیے انہیں گواہ بنایا جائے گا۔ کما قال :

لتکونوا شہداء علی الناس و یکون الرسول علیکم شہیدا۔

وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ عاصم نے بفتح التاء پڑھا ہے یعنی ختم کا آلہ یعنی وہ شے جس کے ساتھ مہر لگائی جائے جیسے طابع بمعنے ما یطبع بہ (وہ شے جس سے مہر لگائی جائے)

اب معنی یہ ہوا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہ ذات ہیں جس سے انبیاء علیہم السلام کی نبوت پر مہر لگا دی گئی کہ ان کے بعد کوئی اور نبی نہیں آئے گا آپ پر نبوت ختم ہو گئی۔ اور دوسرے قرّاء نے اسے بالکسر پڑھا ہے یعنی نبیوں کے خاتم۔ پہلے اور اس دوسرے کا ایک ہی مطلب ہے۔ المفردات میں

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کہ آپ اس لیے خاتم النبیین ہیں کہ آپ کے تشریف لانے سے ہر قسم کی نبوت ختم ہو گئی۔ (مرزا قادیانی کی ظلی بروزی نبوت کا دعویٰ خرافات ہیں) اگر آپ کا کوئی صاحبزادہ سن بلوغ کو پہنچتا تو آپ خاتم النبیین نہ ہوتے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ اگر ابراہیم حضور کا صاحبزادہ زندہ رہتا تو نبی ہوتا۔ یہ اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کی اولاد نبوت کی وراثت سنبھالتی رہی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ان پر احسان عظیم تھا لیکن ہمارے حضور علیہ السلام کے وارث آپ کی امت کے علماء باعمل ہیں لیکن ازروئے ولایت آپ کے خاتم ہونے کی وجہ سے وراثت ختم ہو گئی۔

سوال: عیسیٰ علیہ السلام قرب قیامت میں تشریف لائیں گے۔ اس اعتبار سے حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام خاتم النبیین نہ ہوسکے۔

جواب: چونکہ وہ ایک اُمتی ہونے کی حیثیت سے نازل ہوں گے اس لیے آپ کی ختم نبوت میں فرق نہیں آتا اور وہ حضور علیہ السلام کے نائب ہو کر احکامِ اسلام کی ترویج فرمائیں گے۔ یہ ایسے ہے جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور علیہ السلام نے فرمایا:

انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی۔

(اے علی! تم میرے ایسے نائب ہو جیسے ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے نائب تھے صرف یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے)

اسی معنی پر عیسیٰ علیہ السلام نبی بن کر نہیں آئیں گے جیسے وہ پہلے زمانے میں نبی تھے ہاں حضور علیہ السلام کی شریعت پر نازل ہوں گے یہی وجہ ہے کہ وہ کعبہ معظمہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں گے۔ گویا آپ کے ایک امتی ہوں گے اس دوران ان پر وحی نازل ہو گی نہ جدید احکام جاری فرمائیں گے بلکہ وہ حضور علیہ السلام کے خلیفہ اور نائب ہوں گے۔

سوال: احادیث میں وارد ہے کہ جب قرب قیامت میں عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے تو صلیب توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے حلال میں اضافہ فرمائیں گے اور کافروں سے جزیہ اٹھالیں گے اور صرف اسلام قبول کریں گے۔

جواب: یہی احکام شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ہیں لیکن ان کا ظہور عیسیٰ علیہ السلام کے زمانۂ اقدس میں ہو گا اس لیے کہ ان احکام کو انہی کے زمانہ سے مقدر فرمایا گیا تھا۔

ف: خاتم النبیین میں اشارہ ہے کہ آپ اُمت کے شفیق ہیں اور امت پر ان کی تعظیم ضروری ہے اس لئے کہ جس کے بعد اور نبی آنے والا ہو تو وہ بعض احکام اس کے لیے چھوڑ دیتا ہے کیونکہ وہ اس آنے والے نبی کے لیے مقدر ہوتے ہیں۔ جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو وہ اپنی امت کے لیے شفیق تر ہے اور وہ ہر طریقے سے ان کی رہبری فرماتا ہے ؎

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

شہنشۂ مسند و ہفت اختران
ختم رسل خواجۂ پیغمبران

ترجمہ: مسند اور سات ستاروں کے سورج، رسل کے خاتم، پیغمبروں کے سردار۔

(نظم)

۱ احمد مرسل کہ نوشتہ قلم
حمد بنام وی و ختم ہمم
۲ چوں شدہ او مظہر اللہ ہاد
در رہ ارشاد وجودش نہاد
۳ جملۂ اسباب ہدی از خدا
کرد بتقریر بدیعش ادا

ترجمہ: (۱) وہ احمد مرسل کہ جس وقت قلم نے ان کا نام لکھا تو حمد اور ختم ان کے نام سے منسوب ہوئی۔
(۲) آپ اللہ ہادی کے مظہر ہیں راہ ہدایت و ارشاد میں آپ کا وجود مظہر حق ہے۔
(۳) ہدایت کے جملہ اسباب اللہ تعالیٰ سے ہیں جسے آپ کی ادا نے بہتر طریق سے واضح کیا۔

وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝ اور وہ ہر شے کو جانتا ہے اس کے علم میں تھا کہ حضور علیہ السلام خاتم النبوۃ ہوں گے۔ یہ اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا تھا۔

مسئلہ: ابن کثیر نے لکھا کہ حضور علیہ السلام کا خاتم ہونا نص قطعی ہے جب آپ کے بعد کوئی نبی نہیں تو رسول کا نہ ہونا بطریق اولیٰ ثابت ہوا اس لیے کہ مقام رسالت مقام نبوت اخص ہے اس لیے ہر رسول نبی ہوتا ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔

فضائل سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم احادیث متواترہ سے ثابت ہے کہ آپ کو رسول بنا کر بھیجا اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے پھر انہیں خاتم النبوۃ کے مرتبہ سے مشرف فرمایا، اور اپنی کتاب میں درج فرمایا اور احادیث متواترہ میں بتایا کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور کوئی بعد کو نبوت کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا، بہتانی، دجال، گمراہ اور گمراہ کنندہ ہے (جیسے مرزا قادیانی وغیرہ) اگرچہ خرق عادت کے طور جھوٹے معجزے اور شعبدے دکھائے اور قسم قسم کے جادو اور طلسم اور رنگا رنگ بازی دکھائی اس لیے کہ ان امور سے نبوت ثابت نہیں ہوتی بلکہ اہل دانش کے نزدیک گمراہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے اسود عنسی کے ذریعے یمن میں اور مسیلمۃ الکذاب سے یمامہ میں احوال فاسدہ و اقوال باردہ ظاہر فرمائے لیکن اسے اہل علم اور دانشمندوں نے سراسر جھوٹ اور کذب کہا اللہ تعالیٰ کی ان پر لعنت ہو۔ اسی طرح ہر جھوٹے مدعی نبوت پر قیامت تک لعنت ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مسیح دجال بہت بڑے امور خرق عادت کے طور پر دکھائے گا تب بھی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

علماء اور جملہ اہل ایمان اس کی تکذیب کریں گے۔

کافروں کے لیے ختم نبوت کی تمثیل جب آیہ خاتم النبیین نازل ہوئی تو کافروں نے کہا کہ نبوت کا دروازہ کیسے بند ہو گیا حضور علیہ السلام نے انہیں مثال دے کر سمجھایا تاکہ وہ اسے اچھی طرح سمجھ سکیں۔ چنانچہ فرمایا کہ میری اور مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی مثال اس شخص کی ہے جس نے ایک بلڈنگ بنائی اسے اچھی طرح سنوارا لیکن اس نے ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ لوگ اس بلڈنگ کے اردگرد پھرے اس کا زیب و زینت دیکھ کر تحسین و آفرین پڑھی۔ لیکن کہا کہ اگر ایک اینٹ والی جگہ خالی نہ ہوتی تو مکان بے نظیر تھا سمجھ تو اسی اینٹ کی مثال میری ہے اور میں ہی خاتم النبیین ہوں۔

شیعہ کا جھوٹا عقیدہ شیعوں کا ایک فرقہ ہے جو کہتا ہے کہ نبوت تا قیامت جاری رہے گی۔ یہ دوازدہ امامیہ پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پھر اس کے بعد آپ کی اولاد کو اسی لیے لوگوں پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت فرض ہے اور جو ان کی اطاعت سے انکار کرے گا وہ ان کے نزدیک کافر ہے۔ (ہمارے دور کے شیعہ بھی اسی عقیدہ کے پیروکار ہیں کہ صحابہ کرام بالخصوص حضرت ابوبکر و عثمان و عائشہ و معاویہ وغیرہم رضی اللہ عنہم کو کافر کہتے ہیں۔ تفصیل فقیر اویسی غفرلہ کی کتاب "آئینہ شیعہ مذہب" میں ہے)

اہل سنت والجماعت کا سچا عقیدہ اہل سنت والجماعت (کثرہم اللہ تعالیٰ) کا عقیدہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔ کما قال:

ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔

اور حضور علیہ السلام نے فرمایا:

لا نبی بعدی۔

مسئلہ: جو حضور علیہ السلام کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے وہ کافر ہے اس لیے کہ اپنے اس جھوٹے دعوے میں نص قطعی کا منکر ہے۔ اسی طرح جو شخص ختم نبوت کے متعلق شک کرے یا منکر کے کفر میں شک کرے وہ کافر ہے اس لیے حق اور باطل کا امتیاز واضح ہو چکا ہے۔

مسئلہ: جو حضور علیہ السلام کے وصال کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے تو اس کا دعویٰ باطل ہے اور اس کے کفر میں کسی قسم کا شک نہیں۔

حکایت حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا تو امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فتویٰ جاری فرمایا کہ جو اس جھوٹے مدعی سے معجزہ کا طالب ہو گا وہ بھی کافر ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: لا نبی بعدی۔ (کذا فی المناقب الامام)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ف : حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ نے الفتوحات المکیہ میں لکھا کہ نماز میں نمازی اپنے اوپر سلام نماز کے وقت حرفِ عطف نہیں لاتا، مثلاً صرف السلام علیك الٰی ان قال السلام علینا الخ کہتا ہے والسلام علینا نہیں کہتا اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر واؤ عاطفہ لائی جاتی تو اس میں وہم گزرتا کہ وہ اپنے اوپر بحیثیت نبوت کے سلام عرض کر رہا ہے حالانکہ نبوت کا وہم بھی نہیں کیا جا سکتا اور نبوت کا دروازہ قیامت تک اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام کے ذریعے سے بند کر دیا۔

اس سے ثابت ہوا کہ ہمارے اور نبی علیہ السلام کے درمیان کوئی مناسبت

ردِّ وہابیہ دیوبندیہ نہیں اس لیے کہ وہ ایک ایسے مرتبہ پر ہیں جہاں ہمارا پہنچنا ممتنع ہے اسی لئے ہم صرف السلام علینا کہہ سکتے ہیں السلام علیك پر عطف سے والسلام علیك نہیں کہہ سکتے اور مقامِ نبوت وہ بلند مقام ہے کہ جہاں کا داخلہ ہم سب کے لیے ممنوع ہے اور ہم صرف دُور سے ایسے دیکھ سکتے ہیں جیسے ہم زمین سے ستاروں کو اور اہلِ بہشت اعلیٰ علیین والوں کو دیکھتے ہیں۔

حکایت سیدنا بایزید بسطامی قدس سرہٗ کو مقامِ نبوت کی تجلی سے سوئی کے ناکہ برابر کچھ نصیب ہوا تو جل کر راکھ ہو گئے اگرچہ انہیں اس مقام میں داخل ہونے کا موقع بھی نہ ملا۔

تقریرِ ختمِ نبوت از جامی قدس سرہٗ مولانا عارف جامی قدس سرہٗ نے شرح فصوص الحکم میں فرمایا کہ حضور علیہ السلام کے بعد تشریعی و غیر تشریعی ہر کلام کا کوئی نبی نہیں اس لئے کہ تشریعی وہ نبی ہو سکتا ہے جو مستقل نبوت رکھتا ہو احکامِ خداوندی کسی کی متابعت میں نہ ہونے بلکہ براہِ راست اسے اللہ تعالیٰ سے احکامِ شرعیہ ملے ہوں جیسے موسیٰ و عیسیٰ و حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور غیر تشریعی وہ ہے جو سابق نبی علیہ السلام کے احکامِ شرعیہ کی متابعت میں اظہارِ نبوت فرمائے جیسے بنی اسرائیل کے بعض انبیاء کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے احکامِ شرعیہ کے اجراء کے پابند تھے (اس سے قادیانی دجال کا رد ہو گیا جو اپنی نبوتِ تشریعی کا مجبوراً مدعی ہے)

مسئلہ : اس سے ثابت ہوا کہ ہر طرح کی نبوت و رسالت کا سلسلہ تا قیامت منقطع ہے رسول خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد نبوت کا سلسلہ ختم۔ ہاں لغوی لحاظ سے جیسے انباءُ الحق و اسمائہٗ و صفاتہٗ اسرار الملکوت والجبروت و عجائب الغیب تعبیر کیا جاتا ہے وہ قیامت تک جاری رہے گا کیونکہ یہ سلسلۂ ولایت ہے اور اس لغوی انباء کا نام الہام ہے اس لیے ولایت نبوت کی طرح حق تعالیٰ سے اتصال کا دوسرا نام ہے اور تا قیامت جاری رہے گا۔

(مرزائی اس قسم کی عبارات پیش کر کے قادیانی کذاب کی نبوت ثابت کرتے ہیں حالانکہ یہ مسلّم مسئلہ ہے اس سے کس کو انکار ہے تو ہمیں قادیانی کی نبوت کے دعوے کا ہے اور اس کی ان اصطلاحات کا جو نبوت [illegible] اور اپنے کو نبی وغیرہ

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اگر وہ صرف الہام کا مدعی ہوتا اور اصطلاحات نبوت اپنے اوپر لاگو نہ کرتا تو ممکن ہے ہم اسے ولی اللہ مان لیتے۔ لیکن جب اس نے حد سے تجاوز کیا ہم اسے دجال وکذاب ولعین ورجیم کہتے ہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ اویسی غفرلہٗ)

فقیر (اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دو نور تھے :

ردِّ وہابیہ

۱۔ نورِ نبوت

۲۔ نورِ ولایت

جب وہ اس عالم سے عالم برزخ کی طرف منتقل ہوئے تو نورِ نبوت آپ کی شریعتِ مطہرہ میں منتقل ہوا" جو بفضلہٖ تعالیٰ آپ کی شریعت پائندہ ہے اور آپ بحمدہٖ تعالیٰ ہمارے ہاں آنا حالی زندہ ہیں آپ پر موت وارد ہوئی لیکن پھر تا قیامت زندہ ہیں (تفصیل فقیر کے رسالہ "حیات الانبیاء" میں دیکھئے)[1]

---

[1] حیات الانبیاء کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام اجساد ظاہرہ کے ساتھ زندہ بہ حیاتِ حقیقیہ ہیں۔ اس کے دلائل فقیر کی کتاب "حیات الانبیاء" میں ہیں۔ یہاں حدیث رد اللّٰہ علیّ روحی سے بعض لوگ شبہ کرتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ میری توجہ درود شریف پڑھنے والے کی طرف متوجہ کرائی جاتی ہے کیونکہ حدیث میں رد اللّٰہ علی روحی حال واقع ہو رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ باقی روایات میں "قد" مقدر ہے۔ علامہ خفاجی نے "شرح شفا" میں سہیلی سے نقل کیا ہے کہ الا کے بعد قد مقدر کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ ماضی الا کے بعد قد کے بغیر بھی حال واقع ہو سکتا ہے۔ اب حدیث شریف کا معنیٰ یہ ہوگا کہ کوئی بندہ مجھ پر درود نہیں بھیجتا مگر اس حالت میں کہ اللہ تعالیٰ نے میری روح کو رد کر دیا ہوتا ہے تو میں سلام کا جواب دیتا ہوں رد روح کی حالت کا استثناء اس لیے کیا گیا ہے کہ روح کا لوٹانا موقوف علیہ ہے سلام کے جواب کے لیے۔ اور موقوف علیہ موقوف پر مقدم ہوتا ہے۔ اور روح کے لوٹانے کے بعد دائمی حیات نہ ہوگی نہ کہ روح پھر سلب کر لی جائے گی۔ دوسرے جوابات معنیٰ سے تعلق رکھتے ہیں جو علمائے حقانی نے متعدد وجوہ سے بیان فرمائے ہیں۔ مثلاً:

(۱) علامہ قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ مواہب اللدنیہ میں فرماتے ہیں :

منها ان ذلك عبارة عن اقبال خاص والتفات روحاني يحصل من الحضرة النبوية الى عالم الدنيا وقوالب الاجساد الترابية وتنزل الى دائرة البشرية حتى يحصل عند ذلك رد السلام وهذا الاقبال يكون عاما شاملا حتى لو كان المسلمون اكثر من الف الف لوسعهم ذلك الاقبال النبوي والالتفات الروحاني ولقد رأيت ما لا استطيع ان اعبر عنه ولقد احسن من سئل

بقیہ حاشیہ آگے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کیف یرد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی من یسلم علیہ من مشارق الارض ومغاربھا فانشد قول ابی الطیب:

کالشمس فی وسط السماء و نورھا
یغشی البلاد ومشارقا ومغاربا

ولا ریب ان حالہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی البرزخ افضل واکمل من حال الملٰئکۃ ھذا وسیدنا عزرائیل علیہ السلام یقبض مائۃ الف روح فی آنٍ واحدٍ ولا یشغلہ قبض عن قبض وھو مع ذلک مشغول بعبادۃ اللہ تعالیٰ مقبل علی التسبیح والتھلیل فنبیُّنا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حیٌّ یصلی ویعبد ربہ ویشاھدہ ولا یزال فی حضرۃ اقترابہ متلذذ بسماع خطابہ۔

(ترجمہ: ردِّ روح کا معنی خاص توجہ اور روحانی التفات ہے جو دربارِ نبوی سے عالم دنیا اور عالم اجساد کی طرف حاصل ہوتی ہے حتّٰی کہ آپ سلام کا جواب دیتے ہیں۔ یہ توجہ عام اور شامل ہے حتّٰی کہ اگر سلام بھیجنے والے لاکھوں سے بھی زیادہ ہوں تو ان کے لیے کافی ہے۔ میں نے وہ کچھ دیکھا ہے کہ بیان نہیں کر سکتا۔ بعض حضرات سے جب پوچھا گیا کہ سلام بھیجنے والے تو مشرق و مغرب میں ہوتے ہیں تو آپ ان سب کو کس طرح جواب دیتے ہیں تو انھوں نے کیا خوب جواب دیا انھوں نے جواب میں متنبی کا شعر پڑھ دیا (جس کا معنی یہ ہے)

گو کہ سورج آسمانوں میں ہے اس کی روشنی مشرق و
مغرب تک شامل ہے سب کو بالیقین۔

بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حال شریف عالمِ برزخ میں فرشتوں کے حال سے اعلیٰ اور اکمل ہے۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام آنِ واحد میں لاکھوں کی رُوحیں قبض کرتے ہیں۔ انھیں اس میں کچھ رکاوٹ نہیں ہوتی۔ اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت تسبیح و تہلیل میں معروف رہتے ہیں۔ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ ہیں، نماز ادا کرتے ہیں، اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے قربِ خاص میں رہتے ہیں اور اس کی کلام سے لطف اندوز ہوتے ہیں)

(۲) ملّا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح شفا میں اس طرح توجیہ فرمائی ہے:

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(بقیہ حاشیہ)

حیث قال والمعنی ان اللہ سبحانہ یرد روحہ الشریف استغراقہ المنیف لیرد علی مسلمیہ والاظہر المعتقد المعتمد انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حی فی قبرہ کسائر الانبیاء فی قبورھم وھم احیاء عند ربھم وان لارواحھم تعلقا بالعالم العلوی والسفلی کما کانوا فی الحال الدنیوی فھم بحسب القلب عرشیون وباعتبار القالب فرشیون واللہ سبحانہ اعلم باحوال ارباب الکمال ھذا وقال الانطاکی یمکن ان یقال رد الروح کنایۃ عن اعلام اللہ تعالیٰ بان فلانا یسلم علیک او عن علمہ علیہ السلام باحوال المسلم من بین الانام انتھی

(ترجمہ: اللہ تعالیٰ آپ کی رُوحِ انور کو استغراق سے لوٹا دیتا ہے تاکہ آپ سلام بھیجنے والے کا جواب دیں ورنہ عقیدہ یہ ہے کہ آپ تمام انبیاء کی طرح اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ انبیائے کرام کی رُوحوں کا تعلق عالمِ بالا سے بھی ہوتا ہے اور عالمِ دنیا سے بھی، جیسے کہ دنیاوی حالت میں تھا۔ انبیائے کرام دلی طور پر عرشی اور جسمانی طور پر فرشی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اہلِ کمال کے حالات کو بہتر جانتا ہے۔ علامہ انطاکی فرماتے ہیں کہ ردِّ روح کا معنیٰ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالےٰ آپ کو اطلاع دے دیتا ہے کہ فلاں شخص آپ کو سلام بھیج رہا ہے یا یہ کہ ردِّ روح عبارت ہے سلام بھیجنے والے کے حالات کو مخلوق میں جان لینے سے)

(۴) علامہ اسماعیل حقی علیہ الرحمۃ تفسیر روح البیان میں آیہ کریمہ واذا حییتم بتحیۃٍ فحیوا باحسن منھا الآیۃ کے تحت فرماتے ہیں:

قال ارباب الحقیقۃ للروح اتصال بالبدن بحیث یصلی فی قبرہ ویرد علی المسلم علیہ وھو فی الرفیق الاعلیٰ ومقرہ فی علیین ولا تنافی بین الامرین فان شان الارواح غیر شان الابدان وانما یاتی الغلط من قیاس الغائب علی الشاھد فیعتقد ان الروح مما یعھد من اجسام التی اذا شغلت مکانا لم یمکن فی غیرہ وقد مثل بعضھم بالشمس فی السماء وشعاعھا فی الارض کالروح المحمدی یرد علی من یصلی علیہ عند قبرہ دائما مع القطع بان روحہ فی اعلیٰ علیین وھو لا ینفک عن قبرہ کما قال علیہ السلام ما من مسلم یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام فان قلت ھل یلزم تعدد الحیاۃ من ذلک وکیف یکون قلت یوخذ من ھذا الحدیث ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حی علی الدوام فی البرزخ الدنیوی لانہ محال عادۃ ان یخلو الوجود کلہ من واحد یسلم علی النبی علیہ السلام فی لیل او نھار فقولوا صلی اللہ

(باقی بر صفحہ آیندہ)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نورِ ولایت قطب الاقطاب کے قلب کی طرف منتقل ہوتا ہے

قطبِ زمان یعنی قطب الاقطاب میں نورِ ولایت کا ظہورِ تام، وہ نورِ ولایت نبوی کا آئینہ ہوتا ہے اور وہ صرف ایک ہوتا ہے اور ہر زمانہ میں ہوتا ہے اسے قطب الوجود سے تعبیر کیا جاتا ہے اور وہی تجلی حق کا مظہر ہوتا ہے۔ قطب الارشاد بکثرت ہوتے ہیں اور وہ بھی تجلی عینی کے مظاہر ہوتے ہیں۔

مسئلہ: ہدیۃ المہدیین میں ہے کہ ہم پر واجب ہے کہ ہم سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور

(بقیہ حاشیہ)

تعالیٰ علیہ وسلم ردّ اللہ علی روحی ای ابقی اللہ الحق لی شعور حیاتی الحسی فی البرزخ وادراک حواسی من السمع والنطق فلا ینفک الحس والشعور الکلی عن الروح المحمدی لیس لہ غیبۃ عن الحواس والاکوان لانہ روح العالم الکلی و سرہ الساری۔

(ارباب حقیقت فرماتے ہیں کہ روح کا بدن کے ساتھ اس طرح تعلق ہوتا ہے کہ (بعض) قبر والے قبر میں نماز پڑھتے ہیں اور سلام کہنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں حالانکہ علیین میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہے۔ ان دونوں باتوں میں کچھ منافات نہیں کیونکہ ارواح اور بدنوں کے حالات الگ الگ ہوتے ہیں۔ غلطی اس لیے پیدا ہو جاتی ہے کہ غائب کو حاضر پر قیاس کر لیا جاتا ہے اور سمجھ لیا جاتا ہے کہ روح بھی بدن کی طرح ہے کہ جب بدن ایک مکان میں ہو تو دوسرے مکان میں نہیں ہو سکتا۔ بعض حضرات نے اس کی مثال سورج سے دی ہے کہ وہ آسمان میں ہے اور اس کی شعاعیں زمین پر ہوتی ہیں۔ جیسے کہ روح محمدی کی طرف سے ہمیشہ اس شخص کو جواب ملتا ہے جو آپ کی قبر انور کے پاس صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے حالانکہ آپ کی روح بالیقین اعلیٰ علیین میں ہے اور آپ اپنی قبر انور میں تشریف فرما ہوتے ہیں جیسے کہ آپ فرماتے ہیں کہ جو مسلمان بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے میری روح کو رد فرما دیا ہوتا ہے۔ اس لیے میں سلام کا جواب دیتا ہوں۔ اعتراض اس حدیث سے تو لازم آتا ہے کہ آپ کو بار بار زندگی دی جاتی ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جواب: اس حدیث سے پتا چلتا ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم برزخ میں زندہ ہیں کیونکہ یہ عادۃً محال ہے کہ کائنات میں دن رات میں کسی وقت کوئی بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجنے والا نہ ہو۔ لہذا رد اللہ علی روحی کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ برزخ میں حسی حیات کا شعور بولنے اور سننے کی قوت باقی رکھتا ہے لہذا حس اور شعور کلی روح محمدی سے جدا نہیں ہوسکتے آپ حس اور کائنات سے غائب نہیں ہوتے کیونکہ آپ کائنات کی روح اور سرّ ہیں)

(اویسی غفرلہٗ)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

یقین کریں کہ وہ ہمارے رسول اور خاتم الانبیاء والرسل ہیں۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص رسول علیہ السلام کو رسول تو مانتا ہے لیکن خاتم النبیین نہیں مانتا اور نہ ان کے دین کو ناسخ الادیان مانتا ہے تو وہ مومن نہ ہوگا۔

مسئلہ: الاشباہ کی کتاب "السیر" میں ہے کہ جسے یہ معلوم نہ ہو کہ حضور علیہ السلام آخر الانبیاء ہیں وہ مسلمان نہیں اس لیے کہ یہ عقیدہ ضروریات دین سے ہے۔

ف: آیت میں اشارہ ہے کہ آپ کا نسب مخلوق سے منقطع ہے اس لیے کہ الرجال سے آپ کی ابوت کی نفی کی گئی ہے۔ ہاں اس میں آپ کی آل واولاد کے نسب کا اثبات کیا گیا ہے۔

ف: من رجالکم میں اہل بیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر رشتہ داروں کی شرافت اور بزرگی کا اظہار ہے اس لیے کہ وہ عام مردوں کی طرح نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے مخصوص لوگ ہیں اسی لیے انہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے خصوصی انعام سے نوازا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ قیامت میں ان کا حسب ونسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقطع نہ ہوگا۔

حدیث شریف میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
کل حسب ونسب ینقطع الّا حسبی ونسبی۔

(جملہ حسب ونسب منقطع ہو جائیں گے سوائے میرے حسب ونسب کے)

یعنی اہل بیت کے ایک مرد سے نبی علیہ السلام کی نسل کا سلسلہ ختم ہوگا جو مہدی نبینا وعلیہ السلام کے صلب سے ہوگا۔ مہدی علی نبینا وعلیہ السلام خاتم الخلافۃ العامۃ اور خاتم الولایۃ المحمدیہ ہیں۔ اس سے لازم نہیں آتا کہ آپ کی نسل سے انبیاء بھی ہوں۔ ہاں اگر آپ کے بعد نبی ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ہوتے کیونکہ آپ نے خود فرمایا:

اے علی! تم میرے ایسے جانشین ہو جیسے ہارون موسیٰ علیہما السلام کے جانشین تھے۔

جب حضرت علی نبی نہیں ہو سکتے تو آپ کے صاحبزادے حسنین کریمین بھی نبی نہیں ہو سکتے اس لیے کہ والد سے افضل نہیں ہو سکتے۔

(ایسے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے بھی وارد ہوا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا)

نکتہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ درحقیقت حسب سے فقر اور نسب سے تقویٰ مراد ہے۔ جو شخص حضور علیہ السلام سے رابطہ قائم کرنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ فقر وتقویٰ کا دامن تھامے۔

نکتہ: عیون الاجوبہ میں ہے کہ ہر کتاب (خط) کی صحت کا دارومدار مہر پر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام کو مہر کہا تاکہ معلوم ہو کہ محبت الٰہی کا دارومدار حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری پر ہے۔
کما قال:

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی ۔

اور ہر کتاب کی بزرگی مُہر سے معلوم ہوتی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کے ہر گواہ کی تصدیق آپ پر موقوف ہوگی ۔ کما قال تعالیٰ :

وجئنا بک علیٰ ھٰؤلاء شھیدًا ۔

جب کتاب الٰہی پر حضور علیہ السلام کی مُہر لگائی گئی تو وہ کتاب تا قیامت رہنے کے قابل ہوگئی ۔ جب نبوت کا اختتام آپ سے متعلق کیا گیا تو دوسرے انبیاء علیہم السلام کی نبوت اسی مُہر سے مخصوص ہوگئی ۔ مثنوی شریف میں ہے :

۱ بہر این خاتم شدہ است او کہ بجود
مثل او نے بود و نے خواہند بود

۲ چونکہ در صنعت برد استاد دست
نے تو گوئی ختم صنعت بر تو است

ترجمہ : (۱) اس لیے آپ خاتم ہیں کہ آپ جیسا کوئی جود میں پیدا ہوا نہ ہوگا ۔
(۲) جبکہ صنعت کے کاریگر نے آپ کو بنایا تو گویا آپ پر صنعت ختم ہے ۔

نکتہ : جیسے مُہر لگانے کے بعد خط کو کوئی نہیں کھول سکتا سوائے مکتوب الیہ کے ، ایسے ہی علوم قرآن کی حقیقت معلوم نہیں ہوسکتی جب تک حضور علیہ السلام اس کا مفہوم نہ بتائیں ۔ ایسے ہی جب تک خزانے پر مُہر ثبت ہوتی ہے اس وقت تک اس خزانہ کو کھولنے کی کسی کو ہمت نہیں ہوتی جب تک خود خزانے کا مالک اسے نہ کھولے ۔

ردِّ وہابیہ دیوبندیہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید کتب سماویہ الٰہیہ کے جمیع علوم کا خزانہ ہے اللہ تعالیٰ نے جواہر علوم الٰہیہ و حقائق لدنیہ کا مرکز قرآن مجید کو بنایا ہے اور اس کی مُہر اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ۔ یہی وجہ ہے کہ مُہرِ نبوت دو کاندھوں کے درمیان میں تھی اس لیے کہ مُہر دروازہ کے باہر لگائی جاتی ہے تاکہ باطنی اور اندر والی شے محفوظ ہو ۔

حدیث قدسی میں ہے :
کنت کنزاً مخفیاً ۔ (میں ایک مخفی خزانہ ہوں)

خزانہ کے لیے چابی اور مُہر ضروری ہے ۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم اس لیے کہا گیا کہ آپ خزانۂ وجود کے خاتم ہیں اور آپ کا اسم گرامی فاتح بھی ہے اس لیے آپ کنز ازل کی چابی ہیں آپ سے ہی خزانۂ ازلی کھلا اور آپ سے ہی اس پر مہر لگی ۔ خزانہ کے اندر کے معلومات خاتم سے ہی معلوم ہوسکتے ہیں اور وہی خاتم چابی بھی ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

فاحببت ان اعرف ۔

(پس میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں)

تو عرفانِ حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس پر فیضِ حسی سے عرفانِ الٰہی جملہ عالم کو معلوم ہُوا اسی بنا پر اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم سے موسوم فرمایا اس لیے کہ بادشاہ کے خزانے پر مُہر لگانا محبت کی دلیل ہوتا ہے کہ جو کچھ خزانہ میں ہے وہ مالک کو بہت محبوب ہے ۔

نکتہ در شانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جملہ انبیاء علیہم السلام کی نبوت کو جمع کر کے ان سب کا معدن اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر کو بنا کر اس پر مُہرِ نبوت رکھ دی تاکہ کوئی دشمنِ خدا نبوت میں راہ نہ پاسکے نہ نفسانی خواہش نہ غلبۂ ابلیس کو راہ ملے اور نہ ہی خطرات مذمومہ وہاں جاسکیں (مرزا قادیانی یا اس جیسے اور چوروں نے

مذموم حرکت کی تو انہیں منہ کی کھانی پڑی)

خصوصیتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مُہرِ نبوت صرف حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئی۔ دوسرے انبیاء علیہم السلام اس نعمت سے نہیں نوازے گئے ۔ اسی وجہ سے وہ حضرات علیہم ہواجس وخطرات سے خالی نہیں۔

نکتہ: مُہرِ نبوت کو دل پر نہیں بلکہ کاندھوں پر رکھا گیا تاکہ اس کمال وشرف کو ہر ایک دیکھ کر آپ کے کمال و شرف کا اعتراف کرسکے اور وہ مہرِ نبوت کبوتر کے گھونسلے کی مانند تھی ۔

نکتہ دیگر در مہرِ نبوت اور وسوسۂ شیطان کا طریقِ کار حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات میں ایک صفت یہی مہرِ نبوت تھی اور اسے دو کاندھوں کے درمیان میں رکھنے کی ایک وجہ یہ ہے جسے امام دمیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب حیوٰۃ الحیوان میں لکھا ہے کہ بعض بزرگوں (ولیوں) نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ اسے شیطان کے وسوسہ ڈالنے کا طریقہ کار دکھایا جائے اللہ تعالیٰ انھیں شیطان کو ایک انسان کے دل پر وسوسہ ڈالنے کا طریقہ کار دکھایا کہ شیطان انسان کے اردگرد گھوما اور اس نے انسان کی شکل وصورت بلوری بنائی اور اس کے دونوں کاندھوں کے درمیان سیاہ تِلوں کا ایک مجموعہ دکھایا گیا جو پرندوں کے گھونسلے کی صورت میں تھا وہ خناس خنزیر کی شکل میں نظر آیا جس کی ایک سونڈ منہ میں تھی تو پہلے وہ انسان کے اردگرد گھوما ، یہاں تک کہ دونوں کاندھوں کے درمیانی جگہ پر پہنچ کر اپنی سونڈ انسان کے قلب پر رکھ کر وسوسہ ڈالنے لگا۔ جب اس انسان نے اللہ کا ذکر کیا تو پیچھے ہٹ گیا اسی لیے اس خبیث کو خناس کا لقب دیا گیا ۔ خنّاس یعنی اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹنے والا ۔ اسے قلب سے ذکرِ الٰہی کا نور روشن نظر آتا ہے جس کے باعث وہ پیچھے ہٹتا ہے ۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مُہر نبوت مہر نبوت زر الحجلۃ کی طرح تھی۔ زر بتقدیم الزا المکسورہ علی الراء المشددہ بمعنے تکمہ (گھنڈی) جو پیراہن کے گریبان میں ہوتا ہے۔ اور الحجلہ بفتح الحاء والجیم بمعنے وہ گوشہ جہاں دُلہن کو بٹھایا جاتا ہے۔ اور زر الحجلہ ایک پرندے کو بھی کہا جاتا ہے جو کبوتر کے برابر ہوتا ہے اور اس کی چونچ اور دونوں پاؤں سُرخ ہوتے ہیں اسے جنگلی مُرغی کہا جاتا ہے۔ اور ترمذی میں ہے کہ زر اس کے انڈے کو کہتے ہیں۔ علامہ دمیری نے لکھا کہ صحیح تر یہی ہے کہ اس سے حجلۃ السریر مراد ہے جس کی جمع حجال آتی ہے جس کی تفصیل ہم نے اوپر لکھ دی ہے اور اس کے زر سے وہ شے مراد ہے جو مُہر نبوت کے اندر داخل تھا۔ مہر نبوت کے گرد چند سبزی مائل بال تھے ان پر لکھا ہوا تھا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ یا لکھا ہوا تھا، محمد نبی امین۔ یا اس کے علاوہ اور عبارات۔ چنانچہ اُلسبعیات میں ہے:

تبخیخ هیصور توجه حیث شئت فانك منصور۔

اے محبوب جاؤ جہاں چاہو تم منصور و فتح مند ہو۔

تطبیق روایات اگر کوئی سوال کرے کہ مُہر نبوت پر مختلف عبارات کیوں؟ (اس کا جواب صاحب روح البیان جناب اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ نے لکھا کہ) دراصل تعدد خطوط اور ان کا تنوع بحسب الحالات والتجلیات تھا یا دیکھنے والوں کو مختلف طرق سے عبارات نظر آتی تھیں۔

پچھنے لگوانے کی حکمت چونکہ دونوں کاندھوں کی درمیانی جگہ شیطان کے وسوسہ ڈالنے کا مدخل ہے اسی لیے حضور علیہ السلام امت کی تعلیم کے لیے اسی جگہ پر پچھنے لگواتے اور امت کو بھی حکم فرماتے بلکہ آپ کو اس کا حکم جبریل علیہ السلام نے سنایا کہ اس طرح سے یہ مادہ کمزور ہوگا تو شیطان وسوسہ نہ ڈال سکے گا، اس کے داخلے کا مرکز کمزور پڑ جائے گا۔ جیسے کسی جگہ سے خون کی آمدورفت ہو اسے کمزور کیا جائے تو خون کی آمدورفت بند ہو جائے گی ایسے ہی شیطان کا وسوسہ خون کی طرح کاندھے سے دل کی طرف آمدورفت رکھتا ہے جب وہ جگہ کمزور پڑ جائے گی تو وہ وسوسہ نہ ڈال سکے گا۔

حضور علیہ السلام کا قرین مسلمان ہو گیا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم وسوسۂ شیطان سے معصوم تھے اس لیے کہ آپ کا قرین مسلمان ہو گیا۔

چنانچہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اعانني الله عليه فاسلم۔

(اللہ تعالیٰ نے مجھے قرین کو مغلوب کی مدد فرمائی اس لیے وہ مسلمان ہو گیا)

اور وہ اعانت اسی مُہر نبوت سے تھی اور آدم علیہ السلام کا قرین چونکہ مسلمان نہیں ہوا تھا اس لیے اس نے بحکمت ایزدی آدم علیہ السلام کے دل میں وسوسہ ڈالا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حضور علیہ السلام پر جادو[1] سفر السعادۃ میں ہے کہ جب یہودی نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا تو آپ کی ذاتِ اقدس پر بیماری کا اثر پڑا آپ کے حکم سے آپ کے سرِ اقدس پر پچھنے لگائے گئے۔

ف : ہر بیماری کے لیے پچھنے لگوانا مفید ہے۔ جو دین و ایمان سے کورا ہے وہی اس علاج کو غلط سمجھے گا۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
پچھنے لگوانا سات بیماریوں کی شفا ہے :

(۱) جنون
(۲) دردِ سر
(۳) کوڑھ
(۴) برص
(۵) نعاس
(۶) وجع الضرس
(۷) آنکھوں کی بینائی کی کمزوری

ف : سر کے درمیان یا دونوں کاندھوں کے درمیان گُدّی کی ہڈی پر پچھنے لگانے سے نسیان پیدا ہوتا ہے۔

ف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو شخص دردِ سر کی شکایت کرتا تو آپ فرماتے : پچھنے لگواؤ۔ اگر آپ سے کوئی پاؤں کے درد کی شکایت کرتا تو آپ فرماتے : مہندی لگاؤ۔

مسئلہ : ہفتہ اور بُدھ کے دن پچھنے لگوانا مکروہ ہے ہاں اگر خون کا غلبہ ہو تو پھر بوجہ ضرورت جائز ہے۔

مسئلہ : پچھنے لگوانے کا بہترین موسم بہار اور اس کی پندرہ کے بعد ۱۷ ، ۱۹ ، ۲۱ تاریخ ہے۔ بہتر ہے کہ تیسرے ہفتے کی درمیانی تاریخ کو پچھنے لگائے جائیں اس لیے کہ خون کا جوش انہی تواریخ میں ہوتا ہے۔

مسئلہ : ایامِ محاق میں پچھنے نہ لگوائے جائیں۔ (محاق ان دنوں کو کہا جاتا ہے جب چاند چھپ جاتا ہے)

مسئلہ : سخت گرمیوں اور سخت سردیوں میں پچھنے نہیں لگوانے چاہئیں۔ اس کا بہتر وقت طلوعِ شمس سے ضحیٰ تک ہے۔

مسئلہ : منہ نہار پچھنے لگوانا مستحب ہے اس لیے کہ اس میں شفا اور برکت زیادہ فی العقل والحفظ ہے۔ کھانا کھانے کے بعد پچھنے لگوانے سے نقصان ہوتا ہے ، ہاں اگر کوئی خاص ضرورت ہو تو معمولی طور پر کچھ کھا لے۔ (تریاق ، ص ۵۵)

---

[1] سحر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت بخاری شریف میں ہے۔ پرویز احادیث کا منکر ہے اس لئے اس نے سحر کا انکار کیا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے فقیر کی کتاب "تنبیہ الغبی فی سحر النبی"۔ اویسی غفرلہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا

اے ایمان والو اللہ کو بہت یاد کرو اور صبح و شام

كَثِيْرًا ﴿٤١﴾ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿٤٢﴾ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ

اس کی پاکی بولو وہی ہے کہ درود بھیجتا ہے

عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ

تم پر وہ اور اس کے فرشتے کہ تمہیں اندھیریوں سے اجالے کی طرف نکالے اور وہ مسلمانوں پر مہربان ہے

رَحِيْمًا ﴿٤٣﴾ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ښ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ﴿٤٤﴾ يٰۤاَيُّهَا

ان کے لیے ملتے وقت کی دعا سلام ہے اور ان کے لیے عزت کا ثواب تیار کر رکھا ہے اے غیب کی

النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿٤٥﴾ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ

خبریں بتانے والے (نبی) بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا

وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿٤٦﴾ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿٤٧﴾

اور چمکا دینے والا آفتاب اور ایمان والوں کو خوشخبری دو کہ ان کے لیے اللہ کا بڑا فضل ہے

وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ

اور کافروں اور منافقوں کی خوشی نہ کرو اور ان کی ایذا پر درگزر فرماؤ اور اللہ پر بھروسا رکھو اور اللہ بس ہے

وَكِيْلًا ﴿٤٨﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ

کارساز اے ایمان والو جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو پھر انہیں بے ہاتھ لگائے

قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ

چھوڑ دو تو تمہارے لیے ان پر کچھ عدت نہیں جسے گنو تو انہیں

وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿٤٩﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ

کچھ فائدہ دو اور اچھی طرح سے چھوڑ دو اے غیب بتانے والے (نبی) ہم نے تمہارے لیے حلال فرمائیں تمہاری

اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَاۗءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ

وہ بیبیاں جن کو تم مہر دو اور تمہارے ہاتھ کا مال کنیزیں جو اللہ نے تمہیں غنیمت میں دیں اور تمہارے چچا کی بیٹیاں

وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ۡ وَامْرَاَةً

اور پھپھیوں کی بیٹیاں اور ماموں کی بیٹیاں اور خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے تمہارے

مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۤ خَالِصَةً

ساتھ ہجرت کی اور ایمان والی عورت اگر وہ اپنی جان نبی کی نذر کرے اگر نبی اسے نکاح میں لانا چاہے یہ خاص

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

لَكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْۤ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا
تمہارے لیے ہے امت کے لیے نہیں ہمیں معلوم ہے جو ہم نے مسلمانوں پر مقرر کیا ہے ان کی بیبیوں اور ان کے
مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۰﴾
ہاتھ کے مال کنیزوں میں یہ خصوصیت تمہاری اس لیے کہ تم پر کوئی تنگی نہ ہو اور اللہ بخشنے والا مہربان
تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْۤ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ
پیچھے ہٹاؤ ان میں سے جسے چاہو اور اپنے پاس جگہ دو جسے چاہو اور جسے تم نے کنارے کر دیا تھا اسے تمہارا جی
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ
چاہے تو اس میں بھی تم پر کچھ گناہ نہیں یہ امر اس سے نزدیک تر ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور غم نہ کریں اور تم
بِمَاۤ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ﴿۵۱﴾
انہیں جو کچھ عطا فرماؤ اس پر وہ سب کی سب راضی رہیں اور اللہ جانتا ہے جو تم سب کے دلوں میں ہے اور اللہ علم و حلم والا ہے
لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَاۤ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ
ان کے بعد اور عورتیں تمہیں حلال نہیں اور نہ یہ کہ ان کے عوض اور بیبیاں بدلو اگرچہ
اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ﴿۵۲﴾
تمہیں ان کا حسن بھائے مگر کنیز تمہارے ہاتھ کا مال اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے

تفسیر عالمانہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ اے ایمان والو! اللہ کو یاد کرو جیسا کہ وہ اہل ہے یعنی اس کی تہلیل و تحمید و تکبیر وغیرہا۔ ذکر بمعنے کسی شے قلب یا زبان پر حاضر کرنا، اور یہ نسیان کے بعد ہوتا ہے اور یہ ہے بھی عوام کے لیے۔ ورنہ خواص کا ذکر یہ ہے کہ وہ دائماً حضورِ قلب و حفظ ہوتے ہیں اس لیے کہ انھیں نسیان از ذکرِ الٰہی ہوتا ہی نہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی ان کا ذکر ہر وقت ہوتا ہے ذِكْرًا كَثِيْرًا بہت زیادہ ذکر۔ یعنی ہر وقت ذکر کرو رات ہو یا دن، سردی ہو یا گرمی۔ اور ہر مکان میں جنگل ہو یا دریا، زمین ہو یا پہاڑ۔ اور ہر حال میں حضر ہو یا سفر، صحت و عافیت ہو یا بیماری، سرًّا یا جہرًا، کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر کروٹ پر اور طاعتِ الٰہی میں اخلاص اور قبولیت اور توفیق کا سوال ضروری ہے اور ہر وقت گناہوں سے بچنے کی آرزو کرنا چاہیے اور توبہ و استغفار کرنا لازمی ہے اور نعمتوں پر شکر اور تکالیف و مصائب میں صبر۔ خلاصہ یہ کہ ذکرِ الٰہی کی کوئی حد معلوم نہیں، باقی فرائض کی حد مقرر ہے۔ نہ ہی ذکر کے ترک کا کوئی عذر معقول ہے۔ ہاں جس کی عقل و فکر قائم نہ ہو اور وہ ذکر نہ کر سکے تو وہ مجبور ہے۔

ف ۱: احوالِ ذاکرین ان کے ذکر کے متفاوت ہونے کی وجہ سے مختلف ہیں۔ بعض لوگ صرف زبان سے ذکر

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کرتے ہیں جس میں فکرِ حق نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کی عقل میں آثارِ الٰہی کا مطالعہ ہوتا ہے۔ اور نہ ہی انھیں حضورِ قلبی نصیب ہوتی ہے اور نہ ہی ان کے دل میں انوارِ ربانی کا مکاشفہ ہوتا ہے اور نہ ہی حق تعالیٰ کے انس سے مانوس ہوتے ہیں اور نہ ہی ان کی روح کو مشاہدۂ روحانی حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی ذاتِ حق میں فنا پاتے ہیں اور نہ ہی ان کی سر معانی اور حقائق سے سرشار ہوتی ہے۔ ایسا ذکر مطلقاً مردود ہے۔

بعض ایسے ہوتے ہیں کہ زبان و عقل سے تو ذکر کرتے ہیں یعنی ان کی زبان ذکر میں ہوتی ہے اور انھیں فکر بھی حاصل ہوتا ہے اور عقل سے آثارِ حق کا مطالعہ بھی کرتے ہیں لیکن حضورِ قلبی اور انس اور فنا و مذکور انھیں حاصل ہوتا۔ یہ ابرار کا ذکر ہے اور یہ بہ نسبت پہلے کے مقبول ہے۔ ان میں بعض ایسے ہوتے ہیں جو صرف زبان و عقل اور قلب سے ذکر کرتے ہیں لیکن انھیں انس و فنا مذکور نصیب نہیں ہوتا۔ یہ مبتدی مقربین کا ذکر ہے یہ بھی ابرار اور ان کے ماتحت سالکین کے ذکر سے زیادہ مقبول ہے۔

بعض ان میں ایسے ہیں جو زبان و عقل و قلب و روح و سر سے ذکر کرتے ہیں۔ یہ مقربین کے منتہی حضرات کا ذکر ہے ان سے حضرات انبیاء و مرسلین اور اولیاء کاملین مراد ہیں ان کا ذکر مطلقاً مقبول ہے۔ ایسی ترقی کے حصول کے لیے **حدیث شریف** میں فرمایا گیا،

ان ھذہ القلوب لتصدأ کما یصدأ الحدید۔

(یہ قلوب زنگ آلود ہو جاتے ہیں جیسے لوہے پر زنگ چڑھ جاتا ہے)

عرض کی گئی،

یارسول اللہ فما جلاؤھا۔

(یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس کی جلا کس عمل سے ہے؟)

آپ نے فرمایا: تلاوۃ کتاب اللہ وکثرۃ ذکرہ۔ (تلاوت کتاب اللہ اور کثرت ذکر حق سے)

ف: پچھنے لگوانے سے ایک دن رات پہلے اور ایک دن رات پچھنے لگوانے کے بعد تک جماع نہیں کرنا چاہیے۔ پچھنے لگوا کر اسی روز غسل بھی نہ کیا جائے۔

ف: پچھنے لگوانے اور خون نکلوانے کے بعد نمکین غذا نہ کھایئے اس لیے کہ اس سے پھنسی پھوڑوں یا خارش کا خطرہ ہوتا ہے۔ ایسے ہی دودھ نہ پیئے اور وہ غذا بھی نہ کھائے جو دودھ سے تیار شدہ ہو۔

مسئلہ: پچھنے لگوانے کے بعد سرکہ پینا مستحب ہے تاکہ جو پچھنے لگوانے سے جسم میں جوش پیدا ہوا ہے وہ ختم ہو جائے اس کے بعد پچھنے کی جگہ پر شوربہ وغیرہ چھڑکے۔ اگر ممکن ہو تو پچھنے لگوانے کے بعد میٹھی چیز کھائے۔ کذا فی بستان العارفین واللہ الشافی وھو الکافی۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ف : ذکر الٰہی سے سالک لسانی ذکر سے ترقی کرکے ذکر سر کے آخری مرحلے تک پہنچتا ہے یہاں تک کہ اس کا قلب جملہ ظلمتوں اور کدورتوں سے آئینے کی طرح پاک صاف اور شفاف ہو جاتا ہے۔

ذکر کے اقسام

ذکر صرف اللہ اللہ کرنے کا نام نہیں بلکہ نماز، تلاوت، درس و تدریس اور ان کی طرح اور اعمال بھی ذکر میں شامل ہیں۔ ہاں ان تمام اذکار سے افضل لا الٰہ الا اللہ ہے اور بہ نسبت جماعت کے ساتھ تنہائی میں آداب ذکر بجا لا کر اور یکسوئی سے ذکر بہتر ہے۔ اور آداب سے ظاہری و باطنی آداب مراد ہیں۔

مسئلہ : حضرت سلمی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ذکر کثیر سے قلبی ذکر مراد ہے اس لیے کہ دائما زبان سے ذکر ناممکن ہے۔

ف : ذکر کثیر میں اشارہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا لازمی ہے۔

آیت کا معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرو کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من احب شیئا اکثر من ذکرہ۔

(جو کسی سے محبت کرتا ہے تو اسے بہت زیادہ یاد کرتا ہے)

کسی بزرگ نے فرمایا:

نشان دوستی آنست کہ نگذارد کہ زبان از ذکر دوست یا دل از فکر او خالی ماند۔

(محبت کی ایک علامت یہ ہے کہ محبوب کو زبان سے یاد کرے اور دل میں اس کا تصور اور فکر ہو) ؎

در ہیچ مکان نیم ز فکرت خالی
در ہیچ زمان نیم ز ذکرت غافل

ترجمہ : کسی مکان میں بھی تیرے فکر سے خالی نہیں رہا اور نہ ہی کسی زمانے میں تیرے ذکر سے غافل رہا ہوں۔

نکتہ : آیت میں ذکر الٰہی کی کثرت کا حکم اللہ تعالیٰ کی محبت کی طرف اشارہ کرتا ہے اور محبت الٰہی کو بجائے تصریح کے اشارہ سے اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ اہل محبت کونین کے جملہ تعلقات سے آزاد ہیں اور ایسے آزاد لوگوں سے محبت کی بات اشارہ سے کی جاتی ہے اور محبت کے وجوب کی تصریح اس لیے بھی نہیں کی گئی کہ یہ ایک نعمت عظمیٰ ہے جو جملہ مخلوق کے بجائے مخصوص گروہ کے لیے مقدر ہیں ہے۔ کما قال تعالیٰ :

فسوف یاتی اللہ بقوم یحبہم و یحبونہ۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

فاذکرونی اذکرکم یعنی تم میرے ساتھ محبت کرو میں تمہارے ساتھ محبت کروں گا۔

بدریائے محبت آشنا باش
صدف سان معدن در صفا باش

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ترجمہ: دریائے محبت کا واقف ہو جا۔ صدف کی طرح درِ صفا کا گنجینہ ہو جا۔

وَسَبِّحُوْهُ اور جو باتیں ان کی شان کے لائق نہیں ان سے اس کی تنزیہ بیان کرو۔ المفردات میں ہے السبح یعنے پانی میں تیز تیز تیرنا یا ہوا میں تیز اڑنا۔ اور التسبیح یعنے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ۔ در اصل تسبیح یعنے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں تیزی کرنا، وہ عبادت قولی ہو یا فعلی یا اس کا تعلق نیت سے ہو۔

بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا صبح اور شام میں۔ قاعدہ ہے کہ کسی شے کی دونوں طرفوں کا ذکر کرکے اس کو کل مراد لیا جاتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر وقت یاد کرو بالخصوص دونوں اوقات میں جو فضیلت دی گئی ہے اس لیے کہ ان دونوں وقتوں میں ملائکہ کی ڈیوٹی تبدیل ہوتی ہے۔

حدیث شریف چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

يتعاقبون فيكم ملائكة بالليل وملائكة بالنهار۔

(تم میں صبح و شام کے وقت، رات اور دن کے فرشتے بدلتے ہیں)

ف: تسبیح کو علیحدہ بیان کرنے میں اس کی فضیلت کا اظہار مطلوب ہے اس لیے کہ یہ باب تحلیہ سے ہے۔

حدیث شریف میں ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اربع لا يمسك عنهن جنب سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اكبر۔

(چار اذکار ایسے ہیں جن میں ہر وقت مصروف رہنا چاہیے یہاں تک کہ جنب کی حالت میں بھی:

(۱) سبحان اللہ (۳) لا الہ الا اللہ
(۲) الحمد للہ (۴) اللہ اکبر)

مسئلہ: جب جنب کو مشغولی کا حکم ہے تو پھر بے وضو کو بطریق اولیٰ ان کے اذکار سے محروم نہیں رہنا چاہیے البتہ باوضو ہو کر ذکر میں مشغول رہنا اولیائے کرام کا طریقہ ہے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ سبحوہ بکرۃ میں صبح کی نماز کی طرف اور اصیلا میں عصر کی نماز کی طرف اشارہ ہے اور یہ تفسیر صحیح حدیث شریف کے موافق ہے:

حدیث شریف من استطاع منکم ان لا یغلب علی صلاۃ قبل طلوع الشمس ولا غروبها فلیفعل۔

(تم پر واجب ہے کہ تم اپنی نمازوں قبل طلوع الشمس و قبل غروب الشمس پر غالب رہو)

یعنی تم میں سے جو کوئی چاہتا ہے کہ اپنے امور سے مغلوب نہ ہو اسے چاہیے کہ وہ ان دو وقتوں یعنی صبح اور عصر

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کی نمازوں کو مخصوص ذکر سے ادا کرے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دو اوقات انسان کے کاروبار اور صبح سے پہلے نیند میں پڑے رہنے کے ہیں۔ اسی لیے ان اوقات میں انسان نماز سے رہ جاتا ہے یا کوتاہی کرتا ہے۔ علاوہ ازیں صبح کے وقت ملائکہ کی ڈیوٹی بھی تبدیل ہوتی ہے۔ کما قال تعالیٰ:

ان قرآن الفجر کان مشہودا۔

یعنی رات اور دن والے فرشتے اس وقت اکٹھے ہوتے ہیں۔ اور نماز عصر کی فضیلت کا ذکر قرآن مجید میں ہے کما قال تعالیٰ:

والصلوٰۃ الوسطیٰ۔

طلوعِ شمس سے پہلے وقت کی فضیلت

(۱) زمین چند امور سے تھرّاتی ہے:

(i) خونِ حرام سے

(ii) زنا کے غسل سے

(iii) طلوعِ شمس سے پہلے نیند کرنے سے

(۲) اللہ تعالیٰ طلوعِ فجرِ صادق و طلوعِ شمس کے درمیان رزق تقسیم فرماتا ہے اور برکات نازل فرماتا ہے اور دعائیں قبول فرماتا ہے۔ انسان پر لازم ہے کہ اس مبارک گھڑی میں غفلت کو چھوڑ دے۔

(۳) حدیث شریف میں ہے:

من صلی الفجر فی جماعۃ ثم قعد یذکر اللہ تعالیٰ حتی تطلع الشمس ثم صلی رکعتین کانت لہ کاجر حجۃ وعمرۃ تامۃ تامۃ تامۃ۔

(جو صبح کی نماز پڑھ کر پھر وہاں بیٹھ کر ذکر الٰہی میں مصروف رہے یہاں تک کہ سورج نیزے کے برابر ہو جائے اور دوگانہ پڑھ کر اٹھے تو اسے دو رکعت کے بدلے حج و عمرہ کا ثواب نصیب ہوگا) یہ تین بار فرمایا۔

ف: یہی وجہ ہے صوفیاء کرام کی عادت ہے کہ نماز صبح کے بعد جمع ہو کر اشراق کی نماز تک ذکر الٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔ ذکر الٰہی کے نفوس میں بڑی تاثیر ہے یہاں تک کہ تلاوت قرآن مجید سے ذکر الٰہی کو زیادہ موثر بتایا ہے۔ چنانچہ یہی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی ثم قعد یذکر اللہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کذا فی شرح المصابیح۔

مسئلہ: قنیہ کی عبارت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ قنیہ میں لکھا ہے کہ اوقات مکروہہ میں قرآن مجید کی تلاوت سے درود شریف، دعا اور تسبیح افضل ہے۔

مسئلہ: محیط میں مذکور ہے کہ صبح صادق کے بعد نماز صبح تک بعض کے نزدیک سورج کے طلوع تک بعض کے نزدیک اشراق کی نماز تک گفتگو مکروہ ہے۔ یہی روایت ہے یعنی اس پر عمل کرنے میں بہت بڑا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ثواب ہے اگر کوئی ایسا نہ بھی کرے تو گنہگار نہ ہوگا۔

مسئلہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ جب طلوع شمس قریب ہو مسبعات شریفہ پڑھیے۔ یہی حضرت خضر علیہ السلام کا فرمودہ ہے۔ یہ وظیفہ آپ نے ابراہیم تیمی رحمہ اللہ کو سکھلایا اور فرمایا کہ انھیں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھایا۔ اس مسبعات شریف پر مداومت سے جملہ متفرق اوراد و وظائف پڑھنے کا ثواب نصیب ہوتا ہے اور وہ دس اشیاء ہیں جنھیں سات سات بار پڑھنا پڑتا ہے:

(۱) الفاتحہ
(۲) معوذتین
(۳) قل ہو اللہ احد
(۴) قل یا ایہا الکفرون
(۵) آیۃ الکرسی
(۶) سبحان اللہ
(۷) الحمد للہ
(۸) لا الہ الا اللہ واللہ اکبر
(۹) درود شریف
(۱۰) استغفار

درود شریف یہ پڑھے:

اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد وسلم۔

استغفار یہ ہے:

اللھم اغفرلی ولوالدی ولجمیع المؤمنین والمؤمنات۔

اس کے بعد سات بار یہ دعا پڑھے:

اللھم افعل بنا وبھم عاجلا وآجلا فی الدین والدنیا والآخرۃ ما انت لہ ولا تفعل بنا وبھم یا مولانا ما نحن لہ اھل انک غفور حلیم جواد کریم رؤف رحیم۔

مسبعات شریف حضرت ابراہیم تیمی رحمہ اللہ نے حضرت خضر علیہ السلام سے سیکھ کر جب یہ دعا پڑھی تو اسی رات خواب میں دیکھا کہ وہ بہشت میں پہنچے ہیں انھیں بہشت کا طعام کھلایا گیا۔

سبق: ذکر کرنے والے پر لازم ہے کہ صبح کی نماز پڑھ کر قبلہ کی طرف منہ کر کے مسبعات شریف کو پڑھے بہتر کہ تنہائی میں کسی ایسے مقام پر بیٹھے جہاں کسی سے بات وغیرہ نہ کرے بالخصوص غلط قسم اور مکروہ باتوں سے گریز کرے وہی وقت برکت کا ہے بالخصوص دنیوی باتیں عمل صالح باطل کرتی ہیں اور شرافت وقت کی برکت ضائع ہوجاتی ہے۔ زبان کو غیر ذکر الٰہی سے بچانا ضروری ہے ایسے ہی قلب کو غیر فکرِ حق سے محفوظ رکھنا لازم ہے جو زبان اور قلب محفوظ نہ ہو اس ذکر کی مثال اس شخص کی ہے جو کسی کے دروازے پر خواہ مخواہ شور مچاتا پھرے یا وہ چھت پر کھڑے ہو کر آواز دے رہا ہو۔

مثنوی شریف میں ہے:

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۱ ذکر آرد فکر را در اهتزاز
ذکر را خورشید این افسرده ساز
۲ اصل خود جذبه است لیک ای خواجه تاش
کار کن موقوف آن جذبه مباش
۳ زانکه ترک کار چون نازی بود
نازکی در خورد جانبازی بود
۴ نی قبول اندیش و نی ردای غلام
امر و نهی را می بین مدام
۵ مرغ جذبه ناگهان پرد ز عش
چون بدیدی صبح شمع آنگه بکش
۶ چشمها چون شد گذر نور اوست
مغزها می بیند او در عین پوست
۷ بیند اندر ذره خورشید بقا
بیند اندر قطره کل بحر را

ترجمہ : (۱) ذکر فکر کو حرکت میں لاتا ہے، مرجھانے ہوئے کے لیے سورج کی طرح ہے۔
(۲) اصل جذبہ ہے لیکن اے بندۂ خدا کام آگے بڑھا اسی جذبہ پہ نہ ٹھہر۔
(۳) کام کا ترک ناز کی طرح نازوالا کسی کام کا نہیں بلکہ اس کی جان کا خطرہ ہے۔
(۴) نہ قبولیت کی فکر میں رہو نہ رد کی فکر میں، امر و نہی پہ ہمیشہ نگاہ رکھو۔
(۵) مرغ جذبہ اچانک گھونسلے سے اڑ جائے گا جب صبح روشن ہو جائے تو دیا بجھا دے۔
(۶) آنکھیں تو صرف نور کی گزرگاہ ہیں ان آنکھوں کے پوست میں ہی وہ مغز انور ہے۔
(۷) خورشید بقا ذرہ میں ہے جیسے دریا قطروں کا مجموعہ ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے ان حرکات کا سوال کرتے ہیں جو برکات کی موجب ہیں بیشک وہ قاضی الحاجات ہے۔

تفسیر عالمانہ **هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ** وہ اللہ تعالیٰ جو تمہارے لیے رحمت و مغفرت اور تزکیہ کا ارادہ فرماتا ہے الاعتناء بمعنٰی عنایت و رعایت کرنا۔ **وَمَلٰٓئِكَتُهٗ** اس کا عطف ضمیر پر ہے جو یصلی میں مستتر ہے اور ضمیر مستتر پر اسم ظاہر کا عطف جائز ہے جب درمیان میں کوئی کلمہ فاصل ہو تو اس وقت تاکید کی ضرورت نہیں ہوتی یعنی ملائکہ بھی تمہارے لیے دعا و استغفار کی دعاء کرتے ہیں اور یہاں پر صلوٰۃ کا مجازی معنی ہے جو رحمت و استغفار کو شامل ہے یعنی بندوں کی بھلائی اور

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ان کے جملہ امور کی بہتری کی رعایت کرنا۔

موسیٰ علیہ السلام کی وحی موسیٰ علیہ السلام سے بنی اسرائیل نے پوچھا کہ کیا ہمارا رب تعالیٰ ہم پر صلوٰۃ پڑھتا ہے۔ یہ کلام موسیٰ علیہ السلام کو ناگوار گزرا۔ اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ انھیں فرما دیجئے کہ میری صلوٰۃ کا معنیٰ یہ ہے کہ میں ان پر رحمت کرتا ہوں جس سے میرے غضب کی آگ اُن پر ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔

لیلۃ المعراج کی آیت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ معراج اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قف یا محمد فان ربك یصلی۔

(اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ٹھہریئے، آپ کا رب تعالیٰ صلوٰۃ پڑھتا ہے)

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً کہا:

ان ربی لغنی عن ان یصلی۔

(میرا رب صلوٰۃ پڑھنے سے بے نیاز ہے)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

انا الغنی عن ان اصلی لاحد وانما اقول سبحانی سبحانی سبقت رحمتی غضبی اقرأ یا محمد ھو الذی یصلی علیکم وملٰئکتہ الآیۃ فصلاتی رحمۃ لك ولامتك۔

(میں کسی کی صلوٰۃ پڑھنے سے واقعی بے نیاز ہوں لیکن میں کہتا ہوں میرے لیے پاک ہے میرے لیے پاکی ہے میری رحمت میرے غضب پر سبقت کر گئی ہے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پڑھیے ھو الذی یصلی علیکم وملٰئکتہ الآیۃ میری صلوٰۃ کا معنیٰ یہ ہے کہ میری رحمت آپ کے لیے اور آپ کی اُمت کے لیے ہے)

ف: اس سے ثابت ہوا کہ یہ آیت بلا واسطہ جبریل قاب قوسین کے مقام پر نازل ہوئی۔

دوسری روایتِ معراج حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جب ساتویں آسمان پر پہنچا تو مجھ سے جبرائیل نے کہا:

"تھوڑی دیر ٹھہریئے آپ کا رب تعالیٰ صلوٰۃ پڑھتا ہے۔"

میں نے کہا:

"کیا میرا رب صلوٰۃ پڑھتا ہے!"

اس نے کہا:

"ہاں!"

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

میں نے کہا:

"وہ کیا پڑھتا ہے؟"

اس نے کہا: "وہ پڑھتا ہے: سبوح قدوس رب الملائکۃ والروح سبقت رحمتی غضبی۔"

تفسیر صوفیانہ ۱ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم مجھے حادثات سے یاد کرتے ہو لیکن میں تم کو قدیم رحمت سے نوازتا ہوں کہ جس کا نہ اول ہے نہ آخر۔ اگر میری رحمت تمہارے لیے نہ ہوتی تو تم میرے ذکر کی توفیق نہ دیے جاتے۔ ایسے ہی اگر میری محبت تم پر نہ ہوتی تو تم میری محبت کی طرف ہدایت نہ پاتے۔ فرشتوں کی صلوٰۃ کا معنی یہ ہے کہ وہ تمہارے لیے دعا مانگتے ہیں کہ تمہاری برکت سے انھیں بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ صلوٰۃ کی موافقت نصیب ہو۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ کے مستحق نہ ہوتے تو وہ اس شرافت والے مرتبے کو نہ پاتے۔

تفسیر صوفیانہ ۲ عرائس البقلی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ کا معنی یہ ہے کہ اس نے ازل میں اپنی معرفت محبت کے لیے اپنے بندوں کو پسند فرمایا۔ جب انھیں اپنے لیے خاص فرمایا تو ان کی خطاؤں کو بخش دیا اور مقرب فرشتوں کو ان کی مغفرت کے لیے مقرر فرمایا تاکہ وہ بوجہ اشتغال باللہ اور اس کی محبت میں مستغرق ہونے کے استغفار کے محتاج نہ ہوں۔

تفسیر صوفیانہ ۳ حضرت ابوبکر بن طاہر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے بندے کو نور ایمان سے مزین کرتا اور حلیۂ توفیق سے سنوارتا ہے اور اس کے سر پر صدق کا تاج رکھتا ہے اور اس سے گمراہ کرنے والی خواہشات کو مٹاتا ہے اور اس کے باطل ارادے ختم کر دیتا ہے اپنی رضا و رحمت اس کے مقدر میں لکھتا ہے۔ ؎

رضا بداده بده وز جبین گره بکشاے
که بر من و تو در اختیار نکشادست

ترجمہ: اللہ کی دی ہوئی تقدیر سے راضی ہو اور ماتھے پر بل نہ چڑھا اس لیے کہ میرے اور تیرے ہاتھ میں کوئی اختیار نہیں۔

تفسیر عالمانہ لِيُخْرِجَكُمْ تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس صلوٰۃ و عنایت سے نکالے لیخرجاکم اس لیے نہیں فرمایا تاکہ وہم نہ ہو کہ اخراج میں ملائکہ کو بھی عمل دخل ہے یا وہ اس ہمارے اخراج سے بندوں پر منت و احسان نہ ہو اور نہ ہی حقیقی طور پر وہ اس اخراج پر کچھ قدرت رکھتے ہیں۔ ہر کام کی ہدایت کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ظلمت بمعنے عدم النور، اس سے ظلمات الجہل والشرک والمعصیۃ والشرک والفسق ایسی اور خرابیاں مراد ہیں۔ ایسے ہی نور سے علم و توحید و طاعت، یقین، ہدایت، روحانیت اس کی صفات، تجلی ذات و صفات کے جذبات کے ساتھ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ربوبیت۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و ملائکہ کی دعا کی وجہ سے تم مقصود کو پہنچے اور شہود کو حاصل کیا اور نورِ شریعت سے منور اور سرِّ حقیقت سے محقق ہو گئے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ اخراج سے ادامت و استقامت بر خروج مراد ہے اس لیے کہ خدا و ملائکہ کی صلوٰۃ کے وقت یہ لوگ ظلمات میں نہیں رہتے۔

وَكَانَ ایجاد الملائکۃ المقربین سے پہلے ازل میں ہے **بِالْمُؤْمِنِيْنَ** تمام اہلِ ایمان کے ساتھ ان کے وجوداتِ عینیہ سے پہلے **رَحِيْمًا ○** رحم کرنے والا۔ اسی لیے ان پر الطافِ کریمانہ کیے۔ مثلاً ان کی اپنی ذاتی اور فرشتوں کے واسطے سے صلاح فرمائی۔ اسی لیے جو ازل میں سعادت مند ہوا اس کے لیے احوالِ رحمت کا تغیر نہ ہوگا ؎

گردِ عصیاں رحمتِ حق را نمی آرد بشور
مشربِ دریا نگردد تیرہ از سیلابہا

ترجمہ: عصیاں کی گرد رحمتِ حق کو شور میں نہیں لاتی ایسے ہی مشربِ دریا سیلابوں سے تبدیل نہیں ہوتا۔

ربط: جب عنایتِ اولیٰ یعنی بندوں کو ہدایت الی الطاعۃ کو بیان فرمایا تو اب عنایت فی الآخرۃ کو بیان فرماتے ہیں۔

تَحِيَّتُهُمْ مصدر مفعول کی طرف مضاف ہے یعنی وہ امر جس سے وہ ایک دوسرے کو تحیۃ کہیں گے۔ تحیۃ سے درازیِ عمر کی دعا مراد ہے۔ مثلاً کہتے ہیں:

حیاک اللہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ تیرے لیے حیات بنا دے۔

پھر ہر دعا کو تحیۃ کہا جانے لگا اس لیے کہ ان جملہ ادعیہ کو حیاۃ سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہوتا ہے یا وہ دعا حیاۃ دنیوی یا اخروی کا سبب ہوتی ہے۔

يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ اس دن کہ وہ اللہ تعالیٰ کو ملیں گے اس سے موت یا قبور سے اٹھنے یا دخولِ جنت کے وقت **سَلٰمٌ** ان کی تعظیم کی بنا پر اللہ تعالیٰ سے ان پر سلام ہوگا ؎

خوشست از تو سلامے بما در آخرِ عمر
چو نامہ رفت با تمام والسلام نوشت

ترجمہ: تیری طرف مجھے آخری عمر میں ایک سلام کافی ہے جب میرا عریضہ حاضر ہو اور آپ صرف ایک سلام سے نواز دیں۔

یا اس سلام سے ملائکہ کی جانب سے سلام مراد ہے جب وہ انہیں بہشت کی خوشخبری سنانے آئیں گے یا ایسے ہی ان کی تعظیم و تکریم کی وجہ سے ہر حاضری پہ ملائکہ انہیں سلام عرض کریں گے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کما قال تعالیٰ:

والملٰئکۃ یدخلون علیہم من کل باب سلام علیکم۔

(اور فرشتے ہر دروازے پر حاضر ہوکر انھیں سلام عرض کریں گے یا انھیں ہر دکھ اور تکلیف اور آفت اور شدۃ سے سلامت رہنے کی خوشخبری سناتے ہوں گے)

ولی اللہ کو عزرائیل کا سلام

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ملک الموت اللہ تعالیٰ کے ولی کے ہاں حاضر ہوتا ہے تو انھیں پہلے سلام عرض کرتا ہے۔ ان کے سلام کا مضمون یہ ہے:

السلام علیک یا ولی اللہ قم فاخرج من دارک التی خربتھا الی دارک التی عمرتھا۔

(اے اللہ کے ولی اٹھ اور اس ویران دار سے نکل کھڑا ہو اور اس دار کی طرف چل جسے تو نے آباد کیا)

اگر وہ ولی اللہ نہیں ہوتا تو اسے کہتے ہیں: اٹھ کھڑا ہو اے اللہ کے بندے! اس دار سے جسے تو نے آباد کیا اس دار کی طرف جسے تو نے برباد کیا۔

دنیا کی آبادی

فقیر (حقی علیہ الرحمۃ) کہتا ہے کہ دنیا کی تعمیر ان امور سے ہوتی ہے:

۱۔ اناج بونا
۲۔ قوت بڑھانا
۳۔ نہریں کھودنا
۴۔ درخت یعنی باغات لگوانا
۵۔ اونچی اور لمبی اور بہترین کوٹھیاں بنوانا
۶۔ محلات سنوارنا

آخرت کی آبادی

اور آخرت کی تعمیر (مندرجہ ذیل اعمال سے ہوتی ہے:

۱۔ اذکار
۲۔ اعمال
۳۔ اخلاق
۴۔ احوال

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا:

یا وکن آنکہ در شب اسریٰ
یا حبیب خدا خلیل خدا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۲ گفت گو اے از من اے رسول کرام
امت خویش را ز بعد سلام

۳ کو بود پاک و خوش زمین بہشت
لیک آنجا کسے درخت نکشت

۴ خاک او پاک و طیب افتادہ
لیک ہست از درختہا سادہ

۵ غرس اشجار آں بسی جمیل
بسملہ حمدلہ است پس تہلیل

۶ ہست تکبیر نیز از ان اشجار
خوش کسے کش جز ایں نباشد کار

۷ باغ جنات تحتہا الانہار
سبز و خرم شود از ان اشجار

ترجمہ (۱) شب اسریٰ کو یاد کرو کہ حبیب خدا کو خلیل خدا نے کہا

(۲) فرمایا: اے رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی اُمت کو میرا سلام کہنا

(۳) اور فرمایا کہ بہشت صاف ستھری اور پاکیزہ جگہ ہے اس میں کسی نے کھیتی نہیں اگائی۔

(۴) وہ زمین پاک اور سادہ ہے اس میں تا حال کسی نے درخت نہیں بوئے۔

(۵) سبحی بسیار سے درخت بوئے جا سکتے ہیں، اس کے درخت بسم اللہ اور حمد اور لا الٰہ الا اللہ ہیں۔

(۶) تکبیر بھی اس کے درختوں سے ہے۔ وہ شخص خوش قسمت ہے جس کا یہی کام ہے۔

(۷) جنت کے باغ کے نیچے نہریں ہیں انہی سے یہ درخت سرسبز و شاداب ہوں گے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ تحیۃ جب رؤیت سے اور لقائے الٰہی جب تحیۃ سے مقارن ہوتا ہے تو وہاں رؤیت و لقا سے رؤیت بصری مراد ہوتی ہے اور تحیۃ ایک خطاب ہے جو بادشاہوں کی ملاقات کے وقت استعمال ہوتا ہے۔ اس سے ان کے علو شان اور رفعت درجات کا علم ہوتا ہے اس لیے کہ جب ان اولیاء کرام کو اس تحیۃ سے ہجر و فراق کی آفات سے بچا کر دائمی وصال سے نوازنا مطلوب ہوتا ہے۔

حضرت ابن عطاؒ نے فرمایا کہ مومن کو بہشت میں سب سے بڑا عطیہ اللہ تعالیٰ کا بلا واسطہ السلام علیکم فرمانا ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تفسیر عالمانہ وَاَعَدَّ لَهُمْ اس تحیۃ کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے تیار فرمایا ہے اَجْرًا كَرِيْمًا ۝ اچھا ثواب اور ہمیشہ کا۔ اس سے بہشت کی نعمتیں مراد ہیں۔ ان کے بہشت کے داخل ہونے پر انہیں جو رحمت ملی اس کے بعد اس رحمت فائقہ کا بیان ہے جو انہیں بہشت کے بعد ملے گی۔ اور جملہ اسمیہ لانا چاہیے تھا مثلاً کہا جاتا اجرهم اجر كريم وغیرہ۔ لیکن فعلیہ لایا گیا ہے صرف فواصل (آیات) کی رعایت ملحوظ تھی۔

تفسیر صوفیانہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی عنایت ازلیہ کی طرف اشارہ ہے جو اہل ایمان کے لیے ازل میں سابقہ فرمائی گئی اس سے اعداد دلالت کرتا ہے کہ ان کے لیے زمانہ سابق میں اللہ تعالیٰ نے تیار فرمایا اور اجر کریم سے وہ اجر مراد ہے جو عمل سے پہلے ہو۔ بلکہ عمل کرم کے نتائج سے ہے ؎

۱ قرب تو باسباب و علل نتواں یافت
بے سابقہ فضل ازل نتواں یافت

۲ بر ہر چہ تواں گرفتن او را بدلے
قرب بے بدلے ترا بدل نتواں یافت

ترجمہ: (۱) تیرا قرب علل و اسباب سے نہیں ملتا سوائے تیرے فضل کے اس کا حصول مشکل ہے۔

(۲) ہر شے کا حصول بدلہ و عوض سے ہوتا ہے تیرا قرب بے بدل ہے اسے بدل کی حاجت نہیں۔

ف: یہ آیت اس امت کے لیے بہت بڑی نعمتوں سے ہے اور ان کی فضیلت کی بہت بڑی اور روشن دلیل ہے منجملہ ان کے ایک وہ ہے جو لیلۃ المعراج کو حضور علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی گئی کہ بیشک بہشت انبیاء علیہم السلام پر حرام ہے جب تک اسے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ داخل نہیں ہوں گے ایسے ہی جملہ امتوں پر بہشت حرام ہے جب تک اسے محبوب علیہ السلام! آپ کی امت داخل نہ ہوگی۔

ف: جب یہ امت بہشت کے داخلے میں سب سے پہلے ہو تو ان کی افضلیت اور بزرگی بطریق اولیٰ ثابت ہوئی اور ان کا اجر و ثواب بھی بہت زیادہ ہے۔ یاد رہے کہ اس امت کے فقراء کو اغنیاء پر فضیلت ہے اور ان کی شان بھی بہ نسبت ان کے بلند و بالا ہے۔

حدیث شریف حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں فقراء کا قاصد ہوں۔ آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مرحبا بک و بمن جئت من عندھم جئت من عند قوم احبھم ۔

(تم اور تمہارے بھیجنے والے خوش رہیں، تو ایسے لوگوں سے آیا ہے جو میرے محبوب ہیں)

قاصد نے عرض کی یا رسول اللہ! فقراء عرض کر رہے ہیں کہ ہر نیکی میں دولت مند ہم سے بازی لے جاتے ہیں (مثلاً حج پڑھتے ہیں اور ہم حج نہیں کر سکتے) وہ صدقات و خیرات کرتے ہیں ہم محتاج ہیں ۔ وہ غلام آزاد کرتے ہیں ہم تنگ دست ہیں اور جب وہ بیمار پڑتے ہیں تو صدقہ کرتے ہیں ۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

فقراء اپنی تنگ دستی پر صبر کریں تو انہیں دولت مندوں پر فوقیت حاصل ہوگی اور تین ایسی خصلتیں حاصل ہوں گی جن سے اغنیا محروم رہیں گے :

(۱) بہشت میں ایک بالا خانہ ہے جو یاقوت احمر سے تیار کیا گیا ہے جسے بہشتی دور سے ایسے دیکھیں گے جیسے ہم یہاں زمین سے ستاروں کو دیکھتے ہیں ۔ اس میں صرف نبی فقیر اور شہید فقیر اور مومن فقیر داخل ہوں گے ۔

(۲) فقرا اغنیا سے پانچسو سال پہلے بہشت میں داخل ہوں گے ۔

(۳) جب تنگدست سبحان اللہ والحمد للہ و لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر خلوص قلب سے کہتا ہے اور ایسے ہی دولت مند خلوص قلب سے کہتا ہے تو غنی فقیر کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکے گا اس سے دگنا تنگدست فقیر کو ملے گا اگرچہ دولت مند اس کے عوض میں دس ہزار درہم بھی خرچ کرے ۔ ایسے ہی ہر نیکی کا موازنہ کر لیجئے ۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے قاصد یہ ارشادات عالیہ سن کر لوٹا اور فقراء کو جا کر سنایا تو فقراء نے کہا : ہم اپنی تنگ دستی و فقر پر راضی ہیں ۔ ذکرہ الیافعی فی روض الریاحین ؎

صائب فریب نعمت الوان نمی خوریم
روزی خود ز خوان کرم می خوریم ما

ترجمہ : صائب! ہم مختلف نعمتوں سے دھوکا نہیں کھا سکتے اس لیے کہ ہم اپنے آقا کے خوانِ کرم سے روزی کھاتے ہیں ۔

اور فرمایا : ؎

افتد ہمای دولت اگر در کمند ما
از ہمت بلند رہا می کنیم ما

ترجمہ : دولت کا ہما بھی اگر قابو میں آجائے تو بھی اپنی بلند ہمتی سے ہم اسے آزاد کر دیں گے ۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ازگراں تا بگراں لشکر ظلم است و لے
از ازل تا بابد فرصت درویشانست

ترجمہ: لشکرِ ظلم ایک ہر جہ سے دوسرے ہر جہ سے پریشان ہے لیکن درویش از ازل تا ابد فرصت و فراغت رکھتا ہے۔

تفسیر عالمانہ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ یہ ندا کرامت و تعظیم کی ہے اس لیے کہ بزرگی والے ہی ایسے لقب سے پکارے جاتے ہیں۔ یہ ندائے علامت نہیں، جیسے یا آدم وغیرہ میں۔ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا[1]۔ شہادۃ اس قول کو کہتے ہیں جو علم سے صادر ہو اور وہ علم بصر یا بصیرۃ کے مشاہدہ

---

[1] بعض لوگ چکر چلاتے ہیں کہ شاھد بمعنے حاضر نہیں بلکہ گواہ ہیں۔ ہم مانتے ہیں کہ شاھد بمعنے گواہ قرآن مجید اور دیگر جگہوں میں استعمال ہوا ہے۔ لیکن گواہ بھی اسی لیے شاھدٌ و شہیدٌ ہے کہ وہ موقعہ پر موجود و حاضر ہوتا ہے۔ گواہی کے استعمالی آیات یہ ہیں:

شَهِدَ شَاهِدٌ
وَشَهِدُوْا اَنَّ الرَّسُوْلَ
لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا
وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰى
وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ
قُلْ لَّا اَشْهَدُ
وَيُشْهِدُ اللّٰهَ
وَاشْهَدْ بِاَنَّا
وَاَشْهِدُوْا اِذَا تَبَايَعْتُمْ
فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ
مَعَ الشّٰهِدِيْنَ
كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ
شَهِيْدَيْنِ
مِنَ الشُّهَدَآءِ
كَتَمَ شَهَادَةً
الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ

شَهِدَ اللّٰهُ
فَاِنْ شَهِدُوْا
شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا
وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ
اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ
نَشْهَدُ اِنَّكَ
اُشْهِدُ اللّٰهَ
وَاشْهَدُوْا
فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ
شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ
يَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ
عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا
وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَآءُ
وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ
شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ
مِنْ شَهَادَتِهِمَا

(بقیہ حاشیہ آگے)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(بقیہ حاشیہ)

تشہادتنا

اسی طرح اہلِ لغت نے کہا کہ شاہدٌ جس کی جمع شہودٌ و شُہَّدٌ آتی ہے بمعنے گواہ ہے۔ اس لیے ان کا یہ چکر بے سود ہے۔ بلکہ غور سے دیکھا جائے تو حاضر و ناظر کا اطلاق لغوی معنٰی کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ پر بھی نہیں ہونا چاہیے کیونکہ حاضر و ناظر مکان کے معنٰی کو مستلزم ہے اور اللہ تعالیٰ مکان و زمان سے پاک ہے۔

اہلِ لغت کہتے ہیں کہ حاضر کا مادہ "حضر" اور ناظر کا مادہ "نظر" ہے۔ حضر سے "الحضور" مصدر بنا جس سے حاضر مشتق ہوا۔ حضرہ، حضور اور حاضر کے بہت سے معنے کتبِ لغت میں مرقوم ہیں۔ مثلاً حضر کے معنی پہلو، نزدیکی، صحن، حاضر ہونے کی جگہ وغیرہ ہیں۔ اور حاضر کے معنٰی شہروں اور بستیوں میں رہنے والا، بڑا قبیلہ وغیرہ آتے ہیں۔ یہ تمام معانی منجد، مختار الصحاح اور مجمع بحار الانوار وغیرہ کتابوں میں درج ہیں۔

ان کے علاوہ بھی معنے سے ہماری بحث خصوصیت کے ساتھ متعلق ہے ان کی تفصیل یہ ہے حضر، حضرۃ، حضور سب کے معنٰی ہیں سامنے ہونا، اور حاضر کے معنٰی ہیں سامنے ہونے والا۔

جو چیز کھلم کھلا بے حجاب آنکھوں کے سامنے ہو اسے حاضر کہتے ہیں۔ منجد، صراح اور مختار الصحاح میں ہے کہ حضرۃ اور حضور غیبۃ کی ضد ہیں اور لغتِ قرآن کی مشہور کتاب مفردات امام راغب اصفہانی میں یہ بھی لکھا ہے کہ جو چیز سامنے نہ ہو یعنی حواس سے دُور آنکھوں سے پوشیدہ ہو اسے غائب اور غیب کہتے ہیں۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ حاضر غائب کی ضد ہے اور اس کے بعد یہ بھی معلوم ہو گیا کہ غائب اسے کہتے ہیں جو حواس سے دُور ہو اور نگاہوں کے سامنے نہ ہو۔ تو اب یہ بات ثابت ہو گئی کہ حاضر اسی کو کہا جائے گا جو حواس سے پوشیدہ نہ ہو اور کھلم کھلا بے حجاب آنکھوں کے سامنے موجود ہو۔

ہمارے اس روشن بیان سے ناظرین کرام نے اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا کہ لفظ حاضر اپنے حقیقی لغوی معنے کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی شان کے ہرگز لائق نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ شہروں اور بستیوں میں رہنے اور قبیلہ ہونے سے پاک ہے۔ جتنے معانی لفظ حاضر کے منقول ہوئے اللہ تعالیٰ ان سب سے منزہ و مبرا ہے۔ قرآن کریم شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ حواس اور نگاہوں کے ادراک سے بھی بلند و بالا ہے۔ دیکھیے قرآن مجید میں ہے:

لا تدرکه الابصار وھو یدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر۔

(آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں وہ تمام آنکھوں کا ادراک فرماتا ہے اور وہ لطیفٌ خبیر ہے)

حاضر کے بعد لفظ ناظر کے معنی کی تحقیق کیجیے۔ مختار الصحاح میں ہے آنکھ کے ڈھیلے کی سیاہی کو

(باقی صفحہ آئندہ)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(بقیہ حاشیہ)

جس میں آنکھ کا تأمل ہوتا ہے ناظر کہتے ہیں اور کبھی آنکھ کو ناظرہ کہا جاتا ہے۔

ناظر کا ماخذ نظر ہے۔ مفردات راغب، مختار الصحاح، منجد اور صراح میں حسب ذیل معنی منقول ہیں:
کسی امر میں تدبر اور تفکر کرنا، کسی چیز کا اندازہ کرنا، آنکھ کے ساتھ کسی چیز میں غور و تأمل کرنا، اور کسی چیز کا ادراک کرنے یا اسے دیکھنے کی غرض سے بصر و بصیرت کو پھیرنا۔ اس کے علاوہ نظر سے کبھی تأمل و تلاش کے معنے بھی مراد لیے جاتے ہیں اور کبھی اس سے معرفت اور رؤیت مراد ہوتی ہے جو تلاش کے بعد حاصل ہو۔

امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں کی طرف نظر فرمانے کے معنیٰ دیکھنا نہیں بلکہ صرف یہ معنیٰ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر احسان فرماتا اور انہیں اپنی نعمتیں پہنچاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

ولا یکلمھم اللہ ولا ینظر الیھم یوم القیٰمۃ۔
(اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کفار سے کلام نہ فرمائے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا)

مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن کافروں پر اللہ تعالیٰ کا کوئی انعام و احسان نہ ہوگا۔

تفسیر روح المعانی میں اسی آیہ کریمہ کی تفسیر میں ہے:

لا ینظر الیھم کے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کفار پر مہربانی اور رحم نہیں فرمائے گا۔ اس کے بعد صاحب تفسیر فرماتے ہیں کہ جس کے حق میں لفظ "نظر" کا استعمال جائز نہیں (جیسا کہ اللہ تعالیٰ) اس کے لیے اگر لفظ کبھی استعمال ہوا ہے تو وہ اپنے اصلی معنیٰ سے مجرد ہے اور صرف احسان کے معنیٰ میں ہے۔

مجمع بحار الانوار لغت حدیث کی مشہور کتاب میں ہے کہ حدیث پاک ان اللہ لا ینظر الی صورکم الیٰ آخر الحدیث میں نظر کے معنے دیکھنا نہیں بلکہ یہاں پسندیدگی، رحمت اور مہربانی مراد ہے۔

اس کے بعد صاحب بحار الانوار فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نظر کے یہ معنے ہیں کہ وہ اپنے بندوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیتا ہے اور ان کا محاسبہ فرماتا ہے۔

اس روشن اور مدلل بیان کو پڑھ کر ہمارے ناظرین کرام نے اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا کہ ان دونوں لفظوں کے اصلی اور حقیقی معنیٰ اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں بلکہ ان معنیٰ سے اللہ تعالیٰ کا پاک ہونا یقینی امر ہے۔

اس کے بعد یہ حقیقت خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ جب حاضر و ناظر کے اصلی معنیٰ سے اللہ تعالے کا پاک ہونا واجب ہے تو ان لفظوں کا اطلاق بغیر تاویل کے ذات باری تعالیٰ پر کیونکر ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں حاضر و ناظر کوئی نام نہیں اور قرآن و حدیث میں کسی جگہ حاضر و ناظر کا لفظ

(باقی بر صفحہ آئندہ)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سے حاصل ہو (اسی تقریر پر ہم اہلسنت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر مانتے ہیں۔ تفصیل فقیر کی کتاب "دلوں کے چین" میں ہے۔ اویسی غفرلہ)

شَاهِدًا، اَرْسَلْنٰكَ سے حال مقدرہ ہے۔ اس لیے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بوقت ادا شاہد تھے اور شہادت ارسال کے بعد ہے جیسے عرب بولتے ہیں مررت برجل معہ صقر صائدًا بہ غدًا (میں ایسے مرد سے گزرا جس کے ساتھ شکرا تھا اور وہ اس کے ساتھ کل شکار کرے گا) اس میں بھی صائدًا کو حال مقدرہ بنایا گیا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے اپنی عظمت سے آپ کو رسول بنایا درانحالیکہ آپ کی شہادت آپ کی امت کی تصدیق و تکذیب کے لیے مقدر فرمائی جسے آپ قیامت میں ادا فرمائیں گے اور آپ کی شہادت شاہد عدل کی طرح قبول ہوگی یعنی آپ کی شہادت کے بعد ان پر حکم نافذ ہوگا۔ وَّمُبَشِّرًا اور درانحالیکہ آپ اہل ایمان اور اہل طاعت کو بہشت کی اور اہل محبت کو رؤیت کی خوشخبری سنانے والے ہیں وَّنَذِيْرًا اور درانحالیکہ آپ اہل کفر و معاصی کو نار سے اور اہل غفلت کو حجاب حق سے ڈرانے والے ہیں وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ اور درانحالیکہ آپ ﷺ کی ذات اور اس کی وحدانیت اور جملہ احکام الٰہیہ کو قبول کرنے والوں اور اس کے جملہ صفات و افعال کے اقرار کرنے کی طرف بلانے والے ہیں۔

سیدالرسل کی افضلیت کی دلیل

اس میں اشارہ ہے کہ ہمارے حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک خصوصیت ہے جو دوسرے انبیاء و رسل علیہم السلام میں نہیں۔ وہ یہ کہ آپ نے ہی خلق خدا کو ذات حق کی دعوت دی بخلاف دوسرے انبیاء کے کہ وہ دعوت الخلق الی الجنۃ کے لیے مامور تھے۔ دوسرے یہ کہ ہمارے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بجائے اپنی طرف بلانے کے ذات حق کی دعوت دی اور باوجودیکہ آپ رفیع الشان تھے

بقیہ حاشیہ

ذات باری تعالیٰ کے لیے وارد نہیں ہوا، نہ سلف صالحین نے اللہ تعالیٰ کے لیے یہ لفظ بولا۔ کوئی شخص قیامت تک ثابت نہیں کر سکتا کہ صحابہ کرام یا تابعین یا ائمہ مجتہدین نے کبھی اللہ تعالیٰ کے لیے حاضر و ناظر کا لفظ استعمال کیا ہو۔

اور اسی لیے متاخرین کے زمانہ میں بعض لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر کہنا شروع کیا تو اس دور کے علماء نے اس پر انکار کیا بلکہ بعض علماء نے اس اطلاق کو کفر قرار دے دیا بالآخر یہ مسئلہ (کہ اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر کہنا کفر ہے یا نہیں) جمہور علماء کے سامنے پیش ہوا تو انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ چونکہ اس میں تاویل ہو سکتی ہے اس لیے یہ اطلاق کفر نہیں اور تاویل یہ کی کہ "حضور" کو مجازاً علم کے معنے میں لیا جائے اور "نظر" کے مجازی معنی رؤیت مراد لیے جائیں۔ اس تاویل کے بعد جب اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر کہا جائے گا تو یہ اطلاق علیم و بصیر کی طرح ہوگا مزید تفصیل کے لیے دیکھئے فقیر کی کتاب "دلوں کا چین"۔ اویسی غفرلہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

لیکن عبودیت پر فخر کرتے رہے تا کہ آقا کی طرف بلانے کی دعوت کا دعویٰ حق اور ثابت ہو ۔ اسی لیے جس نے آپ کی دعوت کو قبول کیا اس کے لیے دعوت سراج منیر ثابت ہوئی اور اس کے لیے سبیل رشد کی رہبر بنی اور اسے عیوب نفس اور اس کی گمراہی سے آگاہ کیا ۔ بِاِذْنِہٖ اللہ تعالیٰ کے اذن یعنی اس کی تیسیر و تسہیل سے اذن بول کر تیسیر و تسہیل مجازاً مراد لی گئی ہے ان میں سببیت کا علاقہ ہے اس لیے کہ دوسرے کے ملک میں تصرف کرنا متعسر ہوتا ہے ۔ پھر اس نے اجازت دے دی تو اس میں تصرف کرنا سہل اور آسان ہو گیا اذن بمعنے کسی شے کی اجازت و رخصت کی خبر دینا لیکن یہاں اسے اپنے حقیقی معنے میں اس لیے استعمال نہیں کیا کہ ارسلناك و داعیا الی اللہ ایک مشکل کام تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی امداد سے آسان ہو گیا ۔ مشکل بایں معنی کہ مخلوق سے منہ پھیر کر خالق کی طرف متوجہ ہونا ایک سخت کام ہے ۔ وہ اس لیے کہ غیر معہودہ قلادہ گردنوں میں ڈالنا سخت کام ہے ۔

تفسیر صوفیانہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ اذن سے یہاں مراد امر الٰہی ہے ۔ آپ اللہ تعالیٰ کے امر سے یہ امور سرانجام دے رہے ہیں ۔ اس میں آپ کو اپنی طبع اور رائے کو کوئی دخل نہیں ۔ وہ اس لیے کہ کاملین میں طبع نفسانی اور رائے شہوانی ہوتی ہی نہیں اس لیے کہ وہ قوۃً فعلاً نہیں ۔ بلکہ وجود کو کلی طور ذات حق میں فنا کر کے دعوت الٰہی سرانجام دیتے ہیں ۔

تفسیر عالمانہ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا ۔ آتش کا وہ شعلہ جو شمع کی بتی سے نمودار ہوتا ہے ۔ اسے عربی میں [illegible] تعبیر کرتے ہیں ۔ اب معنی یہ ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ! ہم نے آپ کو چراغ روشن و درخشاں بنا کر بھیجا ۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سراج منیر کہنے کے وجوہ

(۱) حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو سراج اس لیے کہا گیا کہ آپ سے ہی جہل و غوایت کے بادل چھٹے اور آپ کے انوار سے ہی منہاج رشد و ہدایت نصیب ہوئے جیسے چراغ سے اندھیروں اور تاریکیوں میں مقاصد حاصل ہوتے ہیں ۔ جیسے چراغ سے تاریکی ہٹ جاتی ہے ایسے ہی آپ کے تشریف لانے سے ظلمت کفر عالم دنیا سے نیست و نابود ہوئی ؎

چراغ روشن از نورِ خدائی
جہاں را دادہ از ظلمت رہائی

ترجمہ : نور خدا سے چراغ روشن ہوا ، جہاں کو ظلمت سے نجات بخشی ۔

(۲) گھر میں کوئی شے گم ہو جائے تو اسے چراغ کی روشنی سے حاصل کیا جا سکتا ہے ۔ ایسے ہی دنیا والوں سے حقائق پوشیدہ تھے جب آپ کا ظہور ہوا تو وہ گم شدہ جواہر حقائق و معارف دنیا والوں کو مل گئے ؎

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ازو جانہا را دانش آشنائیست
وزو چشم جہاں را روشنائیست
درِ گنجِ معانی بر کشادہ
وزاں صاحب دلاں را مایہ دادہ

ترجمہ: اسی سے دانائی کو آشنائی ملی، اسی سے آنکھوں کو روشنی ملی۔ اسی سے گنجِ معانی کے دروازے کھلے۔ اسی سے صاحبانِ دل کو سرمایہ نصیب ہوا۔

(۳) چراغ گھر میں ہو تو گھر والوں کو راحت و سرور حاصل ہوتا ہے اور چور اس گھر میں نہیں گھستے۔ بلکہ وہاں جانے سے شرمساری اور خجلت و ذلت محسوس کرتے ہیں۔ بایں معنیٰ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ ایمان کے لیے موجبِ صد راحت اور ہزار سرور اور دشمنوں اور منکروں کے لیے حسرت و ندامت کا سبب ہیں۔

(۴) چراغ فیاض ہے کہ اس سے ہزاروں اس جیسے چراغ روشن کیے جا سکتے ہیں اور اس کے اپنے نور میں بھی کمی واقع نہیں ہوتی۔

نورانیتِ مصطفیٰ علیہ السلام اور اجماعِ اُمت

تمام اُمت خواہ اہلِ ظواہر یا اہلِ شواہد سب کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جملہ خلق کو اپنے محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے پیدا فرمایا ہے باوجود اینہمہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور میں کمی نہیں ہوئی (لیکن وہابیوں دیوبندیوں نے سرے سے ہی آپ کی نورانیت کا انکار کردیا)

موسیٰ علیہ السلام کا سوال اور اللہ تعالیٰ کا جواب

اللہ تعالیٰ سے موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ یا الٰہ العٰلمین! میں تیرے خزانے دیکھنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اپنے گھر کے سامنے آگ جلا دیجئے پھر حکم دیجئے کہ تمام لوگ وہاں سے چراغ جلا کر لے جائیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے گھر کے سامنے آگ جلائی اور تمام لوگ وہاں سے چراغ روشن کرکے لے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! کیا تمہاری آگ میں کچھ کمی ہوئی ہے؟ عرض کیا کچھ کمی نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ایسے ہی میرے خزانوں کا حال ہے کہ اس سے کتنا ہی خرچ ہوتا جائے اس میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔

حضور علیہ السلام کا فیض کائنات پر

جتنے علومِ شریعت و فوائدِ طریقت و انوارِ معرفت و اسرارِ حقیقت علمائے امت میں ظاہر ہو رہے ہیں تمام حضور نبی پاک شہ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار و اسرار سے حاصل ہوئے لیکن آپ کا فیض و کمال

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بڑوں کا نُوں ہے۔

چاند اور سُورج کی مثال دیکھیے چاند سورج سے نور حاصل کر رہا ہے لیکن سورج کے نور میں ذرہ برابر کمی نہیں ہوتی۔

قصیدہ بُردہ شریف میں ہے ؎

فانه شمس فضل هم كواكبها
يظهرن انوارها للناس في الظلم

ترجمہ : اس لیے کہ آپ فضل وکرم کے سورج ہیں اور دوسرے ستارے سب کے سب اندھیروں میں آپ کا نور ظاہر کرتے ہیں۔

تو مہر منیری ہمہ اختر ند
تو سلطان ملکی ہمہ لشکرند

ترجمہ : آپ مہرِ منیر ہیں باقی سارے ستارے ہیں آپ تمام ملکوں کے بادشاہ ہیں اور اور باقی سارے آپ کے لشکر ہیں۔

شرح اشعار قصیدہ بُردہ ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم فضل الٰہی کے سورج بن کر عالم میں چمکے اور دوسرے انبیاء علیہم السلام چاند بن کر ظاہر ہوتے لیکن وہ آپ کے نور سے نور حاصل کر کے عالم کو منور فرماتے رہے۔ اور یہاں علوم اور حکمتیں ہیں جو انہوں نے عالمِ شہادت میں پھیلائے۔ لیکن وہ اس وقت تھا جب ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم میں تشریف نہیں لائے جب آپ سورج کی مانند تشریف لائے تو ان سب کے ادیان منسوخ ہو گئے۔

ف : اس سے معلوم ہوا کہ جو چاند سے نور حاصل کرتا ہے وہ گویا درحقیقت سورج سے ہی نور حاصل کر رہا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

۱ گفت طوبیٰ من رآنی مصطفےٰ
والذی یبصر لمن وجھی رآی

۲ چون چراغ نور شمعی را کشید
ہر کہ دید آنرا یقین آن شمع دید

۳ ہمچنین تا صد چراغ از نقل شد
دیدن آخر لقائے اصل شد

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۴ خواہ از نورِ پسیں بستان تو آں
ہیچ فرقی نیست خواہ از شمعداں

ترجمہ: (۱) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے مجھے دیکھا اور میرے چہرے پر نگاہ ڈالی

(۲) ایسے ہے جیسے چراغ نورِ شمع کا حاصل کرتا ہے۔ تو جو چراغ کو دیکھتا ہے گویا وہ شمع کو دیکھتا ہے۔

(۳) اسی طرح اس سے ہزاروں چراغ جلا لو، دراصل دیکھتا تو اصل شمع کو ہوگا۔

(۴) تم اسی چراغ سے نور حاصل کرو اس لیے کہ اصل شمع اور اس میں کوئی فرق نہیں۔

(۵) جیسے چراغ چمکتا ہے تو اس سے ہر جگہ روشن ہو جاتی ہے ایسے ہی آپ جمیع عوالم کی جمیع جہات کے لیے چمکے ہیں خواہ کتنے ہی عوالم تھے سب کو آپ نے ہی روشن کیا یہاں تک کہ آپ نے اپنی امت کے جا بجا جہان کو روشن فرمایا۔ آنکھ والے تو اس نور سے باخبر ہیں۔ ہاں ابوجہل اور اس کے متبعین نے نہ اس نور کو دیکھا نہ اس کی حقیقت کو سمجھا۔ کما قال تعالیٰ،

ینظرون الیک وھم لا یبصرون۔
(تیری طرف دیکھتے ہیں لیکن دیکھتے نہیں)

حکایت حضرت سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ ابو الحسن خرقانی قدس سرہٗ کے ہاں حاضر ہوئے، تھوڑی دیر بیٹھ کر سوال کیا کہ آپ نے اپنے شیخ بایزید بسطامی قدس سرہٗ کو کیسے پایا؟ آپ نے فرمایا، وہ ایسے کامل تھے کہ جس نے انہیں دیکھا ہدایت پائی۔ سلطان محمود نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ ابوجہل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا لیکن جہالت کی تاریکی سے نہ نکلا (تو کیا شیخ بایزید بسطامی (معاذ اللہ) حضور علیہ السلام سے شان میں بڑھ گئے) حضرت ابو الحسن خرقانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ابوجہل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہی نہیں۔ بلکہ وہ تو محمد بن عبداللہ کو یتیم سمجھ کر دیکھتا رہا۔ اگر وہ آپ کو رسول اللہ سمجھ کر دیکھتا تو لازماً سعادت پاتا۔ یعنی اگر ابوجہل حضور علیہ السلام کو بحیثیت رسول کے دیکھتا اور سمجھتا کہ آپ ہادی معظم ہیں اس کی نگاہ اس خیال میں نہ رہتی کہ یہ تو غریب اور یتیم ہے تو یقیناً عرفان پاتا (وہابی دیوبندی سوچیں کہیں وہ حضور علیہ السلام کے متعلق اسی ابوجہل کے عقیدے کو تو نہیں اپنا رہے)[1]

(۶) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم عالمِ سفلی سے عالمِ علوی کی طرف اور عالمِ ملک سے عالمِ ملکوت کی

---

[1] یہی حکایت مولانا جامی قدس سرہٗ نے نفحات الانس میں بتغییر یسیر لکھی ہے۔ اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

طرف، پھر وہاں سے عالم جبروت کی طرف پہنچے وہاں جذبہ ادنیٰ کے ذریعہ عالم عظمت کی طرف پہنچے وہاں سے مقام قاب قوسین اور اقرب او ادنیٰ کی طرف وہاں ایسے مقام پر پہنچے جہاں آپ کے قلب کا طریق بلاواسطہ ملکوتی نورِ الٰہی اللہ تعالیٰ کے نور سے منور ہو گیا۔ اسی مقام پر پہنچ کر سرکار کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل۔	میرا ایک ایسا وقت ہوتا ہے اس میں نہ کسی نبی مرسل کو گنجائش ہے نہ ملک مقرب کو۔

اس لیے کہ یہ مقام الوحدۃ ہے یہاں کوئی بھی قدم نہیں رکھتا سوائے اس ذات کے جو فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہوں۔ فانی ایسا کہ نورِ الٰہیہ کی نار اس کے وجود کی لکڑیوں کو ایسا جلا کر راکھ بنا دے کہ اس سے نفسی نفسی کا دھواں بھی نہ نکلے اور یہ مرتبہ صرف ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ چنانچہ سب کو معلوم ہے کہ کل قیامت کو دوسرے انبیاء علیہم السلام نفسی نفسی پکاریں گے اور آپ امتی امتی کہیں گے۔

ہماری اس تقریر کی دلیل میں معراج کی رات کی حدیث شریف ہے جبکہ آپ آسمانوں پر تشریف لے گئے تو ہر آسمان پر آپ کی جماعتِ انبیاء علیہم السلام سے ملاقات ہوتی رہی یہاں تک کہ آپ ساتویں آسمان پر پہنچے تو وہاں آپ کی حضرت ابراہیم علیہم السلام سے ملاقات ہوئی۔ وہاں ابراہیم علیہ السلام سدرۃ المنتہیٰ سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ وہاں سے گزر کر سدرۃ المنتہیٰ کے آخری حصے تک پہنچے۔ وہاں جبریل علیہ السلام ٹھہر گئے۔ اس کے بعد آپ کو رفرف پیش کی گئی۔ آپ اس پر سوار ہوئے۔ اس نے آپ کو مقام قاب قوسین پر پہنچایا۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو نورِ خصوصی سے نواز کر خلقِ خدا کی رہبری کے لیے بھیجا اور فرمایا:

قد جاءکم من اللہ نور۔

تاکہ آپ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو اپنی اتباع میں دعوتِ الی الحق دیں اور اللہ تعالیٰ نے یہی قانون بنا دیا کہ جس نے ان کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ جس نے ان سے بیعت کی اس نے اللہ تعالیٰ سے بیعت کی۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ (قدرت) آپ کے ہاتھ پر ہے کیونکہ آپ فانی فی اللہ اور باقی باللہ تھے۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ کے جملہ صفات کا ظہور آپ میں بدرجہ اتم تھا اس لیے ان کا نفع پہنچانا اللہ تعالیٰ کا نفع پہنچانا ہے (لیکن وہابی دیوبندی نجدی مودودی پارٹی کو نہ معلوم حضور علیہ السلام کی ذات سے چڑ کیوں ہے کہ وہ ان کے لیے صفاتِ الٰہیہ ماننے پر شرک کا فتویٰ جڑ دیتے ہیں۔ مثلاً ہم کہیں حضور علیہ السلام حاضر و ناظر ہیں، علم غیب کی صفت سے موصوف ہیں، مدد فرماتے ہیں، نور ہیں، مختار ہیں وغیرہ وغیرہ تو وہ ہم پر شرک اور کفر کے فتووں کی بوچھاڑ کر دیتے ہیں۔ مفسر روح البیان قدس سرہٗ کی مذکورہ بالا تقریر کو

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

خوب ذہن نشین فرمائیے)[1]

ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو منیرًا کی صفت سے موصوف فرمایا۔

سوال: جب سراجًا کہا گیا تو پھر منیرًا کے اضافے کی کیا ضرورت تھی۔

جواب: اس لیے کہ بعض چراغ روشنی میں ناقص ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ میرے محبوب علیہ السلام کو ناقص چراغ نہ سمجھ لیا جائے اس لیے اضافہ فرما کر اپنے محبوب علیہ السلام کی شان کو اجاگر فرمایا ہے۔

نکتہ: کاشفی نے لکھا کہ منیرًا کے اضافہ میں تاکید ہے کہ میرا محبوب علیہ السلام چراغ نہیں کہ کبھی روشن اور کبھی بجھا ہوا ہو یہ وہ چراغ ہے کہ جب سے روشن ہوا تا ابد روشن اور تاباں رہے۔ پھر دوسرے چراغ ہواؤں کے جھونکوں سے بجھ جاتے ہیں لیکن یہ وہ چراغ ہیں کہ انہیں کوئی شے بجھا سکتی ہی نہیں، کما قال تعالیٰ:

یریدون لیطفؤا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون۔
(چاہتے ہیں کہ وہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں اللہ تعالیٰ اپنا نور مکمل کرے گا اگرچہ اس سے کافر کراہت کریں)

مثنوی شریف میں ہے:

۱ ہر کہ بر شمع خدا آرد پفو
شمع کے میرد بسوزد پوز او
۲ کے شود دریا ز پوز سگ نجس
کے شود خورشید از پف منطمس

ترجمہ: (۱) جو شمع خدا کو پھونکتا ہے تو اس کی پھونک سے یہ شمع کب بجھ سکتی ہے۔
(۲) کتے کی رال سے دریا پلید نہیں ہوتا، نہ کسی کی پھونک سے سورج کا نور بجھ سکتا ہے۔

دوسرے چراغ وہ ہیں جو صرف رات کو روشنی دے سکتے ہیں۔ لیکن آپ وہ چراغ ہیں کہ شب دنیا کی ظلمتوں کو نور دعوت سے روشن فرمایا اور آخرت کے دن میں پرتو شفاعت سے روشن اور منور ہوں گے

شد بدنیا رخش چراغ افروز
شب ما گشت ز التفاتش روز
باز فردا چراغ افروزد
کہ ازاں جرم عاصیاں سوزد

---

[1] اضافہ از مترجم

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ترجمہ: دنیا میں اس کا چہرہ روشنی دینے والا ہے ہماری شب تاریک اس کی نظر کرم سے روشن ہوگی پھر کل قیامت میں جب چراغ روشن فرمائیں گے تو اس سے عاصیوں کے گناہ جل جائیں گے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورج کو بھی سراج کہا ہے۔ کما قال:

وجعلنا سراجًا وھاجًا۔

اور ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی چراغ۔ لیکن ان دونوں کی کیفیت یہ ہے کہ سورج آسمان کا چراغ ہے تو آپ زمین کے لیے۔ وہ دنیا کے لیے چراغ ہے تو آپ دین کے لیے۔ وہ فلک کی منازل کا چراغ ہے تو آپ محافل ملک کے۔ وہ آب و گل کا چراغ ہے تو آپ جان و دل کے۔ اس سے لوگ نیند سے بیدار ہوتے ہیں تو آپ سے خواب عدم سے اٹھ کر عرصہ گاہ وجود میں آتے ہیں ؎

از ظلمات عدم راہ کہ بردے بدر
گر نشدے نور تو شمع روان ہمہ

ترجمہ: ظلمات عدم سے کون اس کی طرف راہ پاتا اگر آپ کی شمع کا نور تمام ارواح کی رہبری نہ فرماتی۔

ف: اسی لیے مشائخ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام اقلیم عدم سے تشریف لاتے تو آدم علیہ السلام کے لیے چراغ بنے تاکہ انہیں معلوم ہو کہ ان سے پہلے آپ کا نور ہے۔

ف: بعض علماء نے فرمایا کہ سراج سے شمس اور منیر سے قمر مراد ہے۔ آپ دونوں صفات سے موصوف ہیں۔ اور اس میں اشارہ ہے آیت:

تبارک الذی جعل فی السماء بروجا وجعل فیھا سراجا وقمرا منیرا۔

وہ ذات بابرکت ہے جس نے آسمان میں بروج بنائے اور بنایا ان میں چراغ اور چاند روشنی دینے والا۔

ہم نے سورج کو قمر پر اس لیے محمول کیا ہے کہ بہ نسبت چراغ سورج اور چاند کا نور اتم و اکمل ہے۔

تکملہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ سورج اور چاند کے بجائے چراغ سے اس لیے آپ کو موصوف کیا گیا کہ قیامت میں سورج اور چاند اور ستارے نہیں ہوں گے۔ علاوہ ازیں سورج اور چاند ستارے اپنے مراکز سے منتقل نہیں ہو سکتے بخلاف چراغ کے کہ اسے جہاں چاہو لے جاؤ۔ اسی لیے آپ مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ ہجرت کر گئے اور قیامت میں صرف آپ کی ذات مبارکہ کام دے گی۔

تفسیر عالمانہ: وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ اس کا عطف فعل مقدر پر ہے۔ یہ دراصل فراقب احوال امتک وبشر المؤمنین ہے۔ یعنی اپنی امت کے احوال کی نگرانی فرمایئے اور اہل ایمان کو خوشخبری سنایئے بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا کہ اہل ایمان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہ نسبت دوسرے انبیاء علیہم السلام کی امت کے بہت بڑا فضل ہے۔ اور

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

انھیں ان پر زیادہ شرافت اور اجر اعمال عطا کیا گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم اور احسان ہے۔
پہلی امتوں کو ایک نیکی پر ایک ثواب ملتا تھا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کیلئے
انجوبہ ایک کے بدلے دس۔ اور بعض نیکی ایسی ہوتی ہے جس کا اجر وثواب بے انتہا ہوتا ہے۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا کہ اس سے بخشش بزرگ مراد ہے یعنی ایسے حضرات کو دولتِ دیدار سے نوازا جائے گا۔ دولتِ دیدار سے بڑھ کر اور کوئی بزرگی اور شرافت نہ ہو گی۔

ف: بعض علماء نے فرمایا کہ دعا مانگنے والے کو اجابت اور سیر الی اللہ والے کو منزلِ مقصود اور جدوجہد کرنے والے کو مدد اور شاکر کو زیادتیٔ نعمت اور مطیع کو اجر وثواب اور عاصی کو گناہوں کی معافی اور نادم کو رحمت اور محب کو کرامت اور مشتاق کو دیدار اور رؤیت نصیب ہو گی۔ خوشخبری سے یہی مراد ہے۔

ف: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی و حضرت معاذ رضی اللہ عنہما کو بلا کر یمن کو روانہ کیا اور فرمایا کہ جا کر اہلِ اسلام کو خوشخبری سناؤ اور متنفر نہ کرو اور آسانی دو اور مشکل میں نہ پھنساؤ۔ اس لیے کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے۔ پھر یہی آیت تلاوت فرمائی۔ کذا فی فتح الرحمٰن

مسئلہ: آیتِ مذکورہ اور حدیث اور آیت وذکر فان الذکری تنفع المؤمنین سے ثابت ہوا کہ بیٹھ کر وعظ سنانا جائز ہے بشرطیکہ اس سے رضائے حق مطلوب ہو۔

مسئلہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب کو بعد نماز عشاء ذکر کی مجلس منعقد فرما کر گڑگڑا کر دعائیں مانگتے۔ پھر اہلِ مجلس کو خوف ورجاء کا وعظ سناتے۔ یعنی آپ کے وعظ میں نہ تو تمام خوف کی باتیں ہوتیں اور نہ ہی تمام باتیں امید از رحمتِ الٰہی کی یعنی درمیانہ وعظ ہوتا۔

مسئلہ: جو شخص کسی عذر سے ذکر نہیں کرتا اور اپنے بجائے دوسرے کو خلیفہ بنا کر مجالسِ ذکر منعقد کراتا ہے تو بھی جائز ہے۔

مسئلہ: مختلف شہروں اور قصبوں اور دیہاتوں میں ذکر کی مجالس منعقد کرنے کے لیے اپنے خلفاء بھیجے جائیں کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے بندوں کا بہت بڑا دینی فائدہ ہے جیسا کہ اہلِ ارشاد پر مخفی نہیں ہے۔

وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ اور کفارِ مکہ کی اطاعت نہ کیجئے **وَالْمُنٰفِقِيْنَ** اور مدینہ طیبہ کے منافقین کی۔ اس سے مداومت مراد ہے یعنی آپ ان کی مخالفت پر مداومت کیجئے اور کبھی ان کی اطاعت اور اتباع نہ کرنا۔

ف: الارشاد میں ہے کہ امر دعوت اور تبلیغ میں نرمی کرنے اور ان کے انذار میں چشم پوشی سے روکا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

لیے ہے جن کا خلاصہ یہ ہوا کہ آپ ہر حال میں ان سے دُور رہیں اور ان سے سخت نفرت کریں اور انہیں اپنے کسی بھی معاملہ میں اپنا یار و مددگار نہ بنائیں۔

وَدَعْ اَذٰىهُمْ اور اگر وہ آپ کو انذار و تبلیغ کے معاملہ میں سخت گیری پر آپ کو ستائیں تو ان کی پروا نہ کیجئے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عبداللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ایک دفعہ تقسیم کمائی تو انصاریوں میں کسی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم کمائی ہے لیکن اس سے ان کا ارادہ رضائے الٰہی کا نہیں ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سُنا تو آپ کا چہرہ سُرخ ہو گیا اور فرمایا: موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے وہ مجھ سے بہت زیادہ ایذا دیے گئے لیکن پھر بھی صبر فرمایا۔

صد ہزاراں کیمیا حق آفرید
کیمیائے ہمچو صبر آدم ندید

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے بے شمار کیمیا پیدا فرمائے لیکن آدم نے صبر جیسا کوئی بہتر کیمیا نہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان کی عادات میں سے کسی کو نہ اپنائیے اور جس نے ہم سے روگردانی کی اور جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل بنا دیا اور جسے ہم نے گمراہ کیا یعنی کفار و منافقین اور اہلِ بدعت اور اہلِ جدال کی موافقت نہ کیجئے۔ اس میں صدق و سچائی سے اربابِ طلب کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اس دعوت کا انکار کریں اور نہ اس سے غفلت برتیں جب انہیں خواہشاتِ نفسانی کی طرف میلان ہو یا ان سے راہِ حق کے انقطاع کے امور سامنے آئیں تو ان کی اطاعت نہ کریں اگرچہ وہ ہزاروں قسمیں کھا کر کہیں کہ ہم تمہارے خیر خواہ ہیں اور تمہارے لیے شفیق و کریم ہیں اور تمہیں نیکی کی دعوت دے رہے ہیں (جیسے آج کل تبلیغی جماعت کے بستر بند لوگ اہلِ اسلام کو اپنے دامِ تزویر میں پھنسا رہے ہیں) وَدَعْ اَذٰىهُمْ ان سے بحث و تمحیص اور مناظرہ و مجادلہ نہ کیجئے کیونکہ وہ کلماتِ حق سے کوسوں دُور ہیں ان سے بات کر کے تضیعِ اوقات نہ کریں۔

تفسیر عالمانہ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اور جملہ امور بالخصوص دعوت و تبلیغ کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ پر بھروسا کیجئے وہ آپ کی کفایت فرمائے گا بالآخر نیک انجام آپ کے لئے ہے۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا اور اللہ تعالیٰ وکیل ہے یعنی جملہ احوال میں جملہ امور اسی کے سپرد کئے گئے ہیں۔ وکیل بروزن فعیل بمعنی مفعول ہے اور کفٰی کے فاعل یعنی اللہ سے تمیز واقع ہے اور بار صلہ کی ہے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اب معنٰی یہ ہوا کہ اللہ تعالٰی از روئے کفالت کافی ہے اس لیے کہ دارین کی ہر ضرورت کا وہی پورا کرنے والا ہے۔

ف: جس کا یقین مستحکم ہو کہ بندوں کے جملہ امور اسی کے ہاتھ میں ہیں اور وہی سب کے کام کرتا ہے اور ہر ایک کی ضروریات پوری کرتا ہے۔ کسی حال میں کسی سے بھی دکھ نہیں پایا اور نہ ہی اسے پریشانی ہوتی ہے۔

حکایت حجاج بن یوسف نے کسی سے کعبہ معظمہ کے گرد طواف کرتے ہوئے زور سے لبیک پڑھتے سُن کر فرمایا، اس شخص کو میرے ہاں لاؤ۔ جب اسے لایا گیا تو حجاج نے اس سے پوچھا تُو کون ہے؟ اس نے کہا، میں مسلمان ہوں۔ حجاج نے کہا، میری مراد یہ ہے کہ آپ کس شہر سے تشریف لائے ہیں؟ اس نے کہا، یمن سے آیا ہوں۔ حجاج نے پوچھا کہ محمد بن یوسف کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا، بہت خوب۔ موٹا تازہ ہے۔ خوش لباس ہے، ہر وقت سواری پر نظر آتا ہے، کبھی شہر کے باہر کبھی اندر جاتا ہے۔ حجاج نے کہا، میں نے یہ نہیں پوچھا بلکہ میں پوچھتا ہوں کہ اس کے عادات کیسے ہیں؟ اس نے کہا، وہ بہت بڑا ظالم، خیانتی، ظالموں بدکاروں کا حامی اور خالق کا نافرمان انسان ہے۔ حجاج نے کہا کہ آپ بڑے جری ہیں، آپ کو معلوم نہیں کہ وہ میرا بھائی ہے اور بھائی کا گلہ بھائی برداشت نہیں کر سکتا۔ اس شخص نے کہا، آپ کو معلوم نہیں کہ میں کون ہوں! حجاج نے کہا، وہ کیسے؟ اس نے کہا، میں بھی اللہ تعالٰی کا مہمان اور اس کے نبی ذیشان علیہ السلام کا غلام ہوں۔ یہ سُن کر حجاج خاموش ہو گیا اس سے کوئی جواب نہ بن آیا۔ وہ شخص حجاج سے پوچھے بغیر اس کی مجلس سے نکل آیا اور پھر سیدھا کعبہ معظمہ کی طرف چلا گیا اور اس کے پردوں کو پکڑ کر کہا، اے اللہ! مجھے تیری پناہ چاہیے اور مجھے نجات عطا فرما اور تیری مہربانی قدیم ہے اور تو ہر ایک پر کرم نوازی فرماتا ہے۔

سبق شخص مذکور حجاج سے توکل کی برکت سے نجات پا گیا ورنہ حجاج تو اس کی باتیں کب گوارا کرتا وہ اپنے نافرمان کو قطعاً معاف نہ کرتا اور فوراً اسے تہ تیغ کر دیتا۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ بحر العلوم میں ہے کہ النکاح بمعنے الوطی۔ پھر استعارۃً بمعنے عقد استعمال ہونے لگا۔ ایسے مجازات عرب میں عام ہیں کہ مسبب کو سبب کا نام دیتے ہیں۔ مثلاً عقد نکاح وطی مباح کا سبب ہے۔ اسی قاعدہ پر آیۃ الزانی لا ینکح الا زانیۃ میں ینکح بمعنے یتزوج ہے۔ ایسے ہی اہل عرب نبات کو غیث کہتے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے،

رعیت الغیث۔

وہ اس لیے کہ غیث نبات کا سبب ہے۔ اور خمر سے گناہ مراد لیتے ہیں اس لیے کہ شراب گناہ کا سبب ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

امام راغب نے المفردات میں لکھا ہے کہ دراصل نکاح بمعنے عقد ہے پھر استعارۃً جماع کیلیے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن یہ محال ہے کہ اس کا اصل معنیٰ جماع ہو اور پھر استعارۃً بمعنے عقد استعمال کیا جائے اس لیے کہ جماع کے جملہ اسماء کنایاتی ہیں اس لیے کہ اہل عرب اس کی تصریح کو اس کے ارتکاب کی طرح قبیح سمجھتے ہیں اور پھر یہ بھی محال ہے کہ جس کا نام ذکر بھی قبیح سمجھتے ہوں وہ اسے مستحسن امر کے لیے استعارہ کریں۔

القاموس میں ہے کہ النکاح بمعنے وطی وعقد۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ اے ایمان والو! جب تم نکاح کرو الْمُؤْمِنٰتِ مومن عورتوں سے۔ یہاں صرف اہل ایمان عورتوں کی قید لگائی گئی اگرچہ کتابیات کے ساتھ بھی نکاح جائز ہے تاکہ تنبیہ ہو اہل ایمان صرف مومن عورتوں سے نکاح کرتے ہیں تاکہ نطفے کی حفاظت ہو اور فاسق عورتوں سے اجتناب۔ چہ جائیکہ وہ کافر عورتوں سے نکاح کرے۔ سورۂ مائدہ میں کتابی عورتوں سے نکاح کی تصریح ہے تاکہ اس کے جواز کا علم ہو اور یہاں مومن عورتوں پر اکتفا کیا گیا ہے تاکہ اہل ایمان کو معلوم ہو کہ ان کے لیے اہل ایمان عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا اولیٰ ہے اس لیے کہ جنس کو جنس کی طرف میلان ہوتا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

جنس سوئے جنس صد پرہ پرد
بر خیالش بند ہا را بر درد

ترجمہ: جنس اپنی جنس کی طرف ہزار بار میلان رکھتی ہے بلکہ اسی کے تصور میں ہزاروں قید وبند توڑ ڈالتی ہے۔

آں یکے را صحبت اخیار خار
لاجرم شد پہلوے فجار جار

ترجمہ: دوسرے وہ ہیں جو بہتر لوگوں کی صحبت سے نفرت کرتے ہیں۔ اس لیے بروں کے مصاحب بھی بُرے ہوتے ہیں۔

ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ طلاق کا لغوی معنیٰ ہے التخلیۃ من الوثاق (کسی کی قید وبند چھوڑ دینا) مثلاً کہا جاتا ہے:

اطلقت الناقۃ من عقالہا۔

(میں نے اونٹنی کا بند چھوڑا)

اور کہتے ہیں:

طلقتہا وہی طالق وطلق بلا قید وغیرہ۔

اس سے استعارہ کرکے کہتے ہیں:

طلقت المرأۃ ای خلیتہا فہی طالق۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

یعنی میرے نکاح سے نکل گئی مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ جماع کرنے سے پہلے انہیں طلاق دو مَسّ اور لمس سے جماع مراد ہے ۔

ف : لفظ ثُمَّ سے ایک وہم کا ازالہ کیا گیا ہے وہ یہ کہ طلاق کی تراخی عدت پر اثر انداز ہوگی جیسے نسب عدۃ پر اثر انداز ہوتا ہے اسس لیے کہ غیر مدخولہ کی وہی عدت ہے جب اسے طلاق ملے گی خواہ نکاح کے فوراً بعد طلاق دے دے یا دیر کرکے ۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ نکاح سے پہلے کوئی طلاق واقع نہیں ہوتی اسس لیے کہ طلاق کو نکاح پر مرتب کیا گیا ہے ۔

اسی لیے بعض فقہاء نے کہا کہ نکاح ایک گرہ ہے جسے طلاق ہی کھولتی ہے ۔ جب گرہ ہی نہ ہو تو پھر کھولنے کا کیا معنی !

مسئلہ : اسی قانون پر امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ نے الفاظ متی تزوجت فلانۃ اوکل امرأۃ اتزوجھا فھی طالق (جب میں نے فلانہ سے نکاح کیا یا جس عورت سے میں نکاح کروں وہ مطلقہ ہے) سے طلاق کے عدم وقوع کا فتویٰ دیا ہے ۔

ہمارے امام اعظم سیدنا ابوحنیفہ قدس سرہٗ نے وقوع طلاق کا حکم صادر فرمایا ہے آپ نے اسے طلاق معلق میں شامل فرمایا ہے ۔

مسئلہ : قائل کا نکاح فضولی نے کیا تو قائل کی عورت مطلقہ نہ ہوگی ۔ کذا فی المحیط ۔ قال امام ابوحنیفہ ۔

مسئلہ : اس صورت میں امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر معین عورت کا نام لے کر کہا یا کسی خاص قبیلہ یا کسی خاص شہر کی عورت کے لیے مذکورہ الفاظ کہے تو طلاق واقع ہوگی اور اگر عام طور مطلق کہا ، مثلاً :

کل امرأۃ اتزوجھا من الناس کلھم ۔

تو نکاح کرنے کے بعد طلاق واقع نہ ہوگی ۔

مسئلہ : ایسی جگہ اپنی منکوحہ کے ساتھ تنہائی میں رہنا جہاں اسے جماع کرنا آسان تھا تو جماع کا حکم ثابت ہوجائے گا خواہ جماع نہ کرے ۔ یہی امام اعظم ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کا مذہب ہے ۔

ف : خلوۃ صحیحہ یوں کہ دروازہ بند کرکے کسی ایسے مکان میں رہنا جہاں جانبین (زن و شوہر) کے لیے کوئی شے جماع سے مانع نہ ہو ۔

ف : مانع از جماع تین چیزیں ہیں :

(۱) حسی جیسے بیماری ، اس لیے کہ اس سے جماع میں رکاوٹ ہوتی ہے ۔ ایسے ہی رتق یعنی عورت کے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

دم کا انسداد بوجماع سے ہوتا ہے۔

(۲) شرعی جیسے روزۂ رمضان۔

مسئلہ: نفل اور قضا اور نذر و کفارہ کے روزے مانع نہیں ہیں۔ یہی صحیح ہے اس لیے کہ ان کے توڑنے سے کفارہ واجب نہیں۔ ایسے ہی احرام فرض یا نفل، اس لیے کہ جماع کرنے سے احرام ٹوٹ جاتا ہے اور اس پر دم لازم ہے اور قضا بھی۔

(۳) طبعی جیسے حیض و نفاس کیونکہ طبائع سلیمہ ایسی حالت میں جماع سے نفرت کرتی ہیں۔

مسئلہ: ان موانع کے بغیر اگر عورت سے علیحدگی اختیار کی، یہاں تک کہ وہاں نابینا اور کوئی نیند کرنے والا بھی نہیں تھا اور ہر کسی کو ان کی خلوت (جماع) کا علم نہیں ہو سکتا جب تک وہ اجازت نہ دیں عورت مدخولہ سمجھی جائے گی اور مرد پر اس کا مہر ادا کرنا واجب ہوگا اس لیے کہ ایسی تنہائی میں عورت کو لے کر بیٹھنا خلوۃ صحیحہ کے حکم میں ہے اگرچہ مرد خصی ہو یا اس کے خصیے کٹے ہوں یا عنین (نامرد) ہو یعنی وہ مرد جو وطی کرنے پر قدرت نہیں رکھتا ایسے ہی مجبوب (جس کا ذکر کٹا ہوا ہو)۔ یہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔ صاحبین اس کے خلاف ہیں۔

مسئلہ: فرض نماز بھی فرض روزے کی طرح مانع ہے اس لیے کہ نماز کے ترک پر وعید شدید ہے۔

مسئلہ: خلوت صحیحہ سے عدت واجب ہو جاتی ہے اگرچہ مانع بھی ہو۔ یہ احتیاطی تدبیر ہے اس لیے کہ ممکن ہے مرد کا پانی عورت کے رحم میں چلا گیا ہو اور یہ حقوق شرع میں سے ہے اور اولاد کی حفاظت کے لیے ہے۔

ف: حیض، نفاس، رتق عورت کے اعذار ہیں اور مرض مطلق احرام، روزہ مشترک اعذار ہیں اس لیے کہ یہ اعذار مرد اور عورت دونوں کو لاحق ہوتے ہیں اس لیے یہ دونوں کے لیے مانع متصور ہوں گے۔ کذا فی تفسیر ابی اللیث۔

اب آیت کا معنیٰ یوں ہوا کہ اسے ذکر! جب تم اپنی عورتوں کو قبل از دخول اور بعد خلوۃ صحیحہ طلاق دو **فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ** پس نہیں تمہارے لیے ان مطلقہ عورتوں پر عدت کہ تم ان کے نکاح ثانی کا انتظار کرو۔

حل لغات: عدۃ سے وہ ایام مراد ہیں کہ جنہیں عورت گزارے گی تب کسی کے ساتھ نکاح ہوگا۔ **تَعْتَدُّوْنَهَا** محلاً مجرور ہے اس لیے کہ یہ عدۃ کی صفت ہے یعنی ان کے وہ ایام جنہیں تم گنتے رہو گے اور انہیں گھروں میں بند رکھو گے تاکہ ان کے ایام حیض گزر جائیں۔ یا حیض سے فارغ ہے تو تین ماہ گنے جائیں۔

ف: تعتد کا اسناد مردوں کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ عورتوں کی عدت کا انتظار کرنا مردوں کا حق ہے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattori

جیسا کہ فما لکم سے بھی معلوم ہوتا ہے۔

مسئلہ: آیت سے معلوم ہوا کہ غیر مدخولہ عورت کو عدت گزارنے کی ضرورت نہیں خواہ طلاق ملتے ہی کسی سے نکاح کرلے اس لیے کہ اس میں نطفۂ غیر کا کوئی وہم نہیں ہے۔ ایسے ہی وہ لونڈی جسے بیچا گیا تو اس کے ساتھ مالک نے بیچنے سے پہلے وطی نہیں کی اور یقین ہے کہ اس کے رحم میں غیر کا نطفہ نہ ہوگا تو اس لونڈی کو استبراء کی ضرورت نہیں۔ یہ امام ابو یوسف کا مذہب ہے۔ طرفین یعنی حضرت امام اعظم و حضرت امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر لونڈی باکرہ ہو یا ایسے شخص سے خریدی گئی جس سے وطی کا احتمال نہیں۔ مثلاً عورت سے خریدی گئی یا بچے سے یا عنین و مجبوب سے یا بیچنے والے کو شرعی مانع تھا۔ مثلاً وہ ذی رحم محرم ہو یا رضاعی رشتہ دار یا حرمت مصاہرت ایسے ہی وہ موجبات جن سے وطی کرنا اس پر حرام ہو ایسے ہی وطی کے دوسرے اسباب' جیسے بوسہ لینا اور گلے لگانا' اور شہوت سے اس کی فرج وغیرہ کو دیکھنا ایسے امور میں لونڈی کے لیے استبراء از حیض، یا اس کا معائنہ کردیا کہ اس کے اندر حمل تو نہیں ٹھہر گیا کذا فی شرح القہستانی۔

فَمَتِّعُوْهُنَّ تو انہیں متعہ دو۔ متعہ سے چادر، دوپٹہ اور قمیص مراد ہے۔ جیسا کہ اسی سورۃ میں ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

مسئلہ: اگر عورت کے لیے نکاح کے وقت مہر مقرر نہیں ہوا تو متعہ واجب ہے۔ اگر مہر مقرر ہوا تو متعہ کے کپڑے دینا مستحب ہے۔ اگر غیر مدخول بہا کا مہر مقرر ہوا تو طلاق کے بعد نصف مہر دینا ہوگا متعہ دینے کی ضرورت نہیں۔ کما قال تعالیٰ:

> وان طلقتموهن من قبل ان تمسوهن وقد فرضتم لهن فريضة فنصف ما فرضتم۔

(یعنی اگر عورتوں کو جماع سے پہلے طلاق دو تو تم کو مہر کا آدھا حصہ دینا ہوگا)

وَسَرِّحُوْهُنَّ اسی سورۃ میں تسریح کا معنیٰ تفصیل سے گزرا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ غیر مدخولہ عورتوں کو طلاق دینے کے بعد انہیں گھروں سے نکال دو اس لیے کہ ان پر عدت گزارنا واجب نہیں ہے۔ **سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝** اس سے مراد یہ ہے کہ انہیں گھروں سے نکالتے وقت نہ کوئی نقصان پہنچاؤ اور نہ ہی ان کا کوئی حق روکو۔

مسئلہ: کشف الاسرار میں ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ انہیں جور و غضب سے یا کسی کے کہنے پر طلاق مت دو اور نہ ہی بیک وقت تین طلاق دو اور نہ ہی ان کے مہر روکو۔

ف: تسریح کو طلاق سنی کے معنے پر محمول کرنا نامناسب ہے اس لیے کہ طلاق سنی مدخول بہا کے لیے ہوتی ہے اور یہاں غیر مدخول بہا عورتوں کا ذکر ہو رہا ہے اور ضمیر بھی ان کی طرف راجع ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے آیت میں اشارہ ہے کہ انسان کو اخلاق بلند رکھنے ضروری ہیں یعنی اے مسلمانو! جب تم مومنہ عورتوں سے نکاح کرو اور ان کے دل بھی تمہاری طرف مائل ہیں پھر تم ان کے وصال سے پہلے انہیں اپنے سے جدا کرنا چاہتے ہو اور اپنے سے ان کے دل توڑنے کا ارادہ رکھتے ہو تو تمہیں ضروری نہیں کہ جدا کرنے کے بعد کسی عدت وغیرہ کا انتظار کرو' ہاں انہیں اپنے سے جدا کرتے وقت کچھ کپڑے وغیرہ دے دو تاکہ وہ بوقت جدائی تمہاری یادگار بن جائیں اور ان کپڑوں سے ان عورتوں کے دل جدائی کی وحشت سے مغموم و محزون نہ ہوں پھر انہیں اپنے سے اچھے طریقے سے چھوڑ دو یعنی جدائی کے بعد تم انہیں خیر اور بھلائی سے یاد کرو اور انہیں جو کچھ تم نے احسان و کرم کے طور پر عنایت کیا ہے ان سے مت چھینو۔ تمہارے لیے لازم ہے کہ انہیں جدائی کے ضرر کے ساتھ مال چھیننے کا نقصان نہ پہنچاؤ۔

سبق مومن پر واجب ہے کہ وہ کسی کا ناحق دل نہ دکھائے یہاں تک کہ کتے اور خنزیر بھی اس سے ایذاء نہ پائیں اور ذرہ برابر بھی کسی پر ظلم نہ کرے۔ اگر کسی کو رنج اور تکلیف پہنچائی تو اس سے معافی طلب کرے اور اسے راضی کرنے کی کوشش کرے۔ ہم اپنے دور میں بہت سے لوگوں کو دیکھ رہے ہیں کہ وہ لوگوں کو خواہ مخواہ تکلیف پہنچا کر بہت بڑے گناہوں میں مبتلا ہو رہے ہیں اور لوگوں سے مفت میں لڑائی مول لے کر پھر صلح و صفائی کے لیے مال اور دولت لوٹتے ہیں۔ یہ غریب موت کے کڑوے گھونٹ سے بے خبر ہیں۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا؛ ؎

۱ ہزار گونہ خصومت کنی بخلق جہان
ز بسکہ در ہوس سیم و آرزوئے زری

۲ تراست دوست زر و سیم و خصم صاحب ست
کہ گیری از کفش آنرا بظلم و حیلہ گری

۳ ز مقتضائے خرد باشد و نتیجۂ عقل
کہ دوست را بگزاری و خصم را ببری

ترجمہ: (۱) ہزار طرح خلقِ خدا سے جھگڑا کرتا ہے صرف اس لیے کہ تجھے سیم و زر کی ہوس ہے۔
(۲) تجھے سیم و زر سے پیار ہے لیکن اس کا مالک تو اس کا دشمن ہے جسے تو ہزار حیلہ و ظلم سے حاصل کرتا ہے۔
(۳) یہ تو عقل کے تقاضے اور دانش کے نتیجے سے باہر ہے کہ تو دوست کو چھوڑ کر دشمن کے گھر میں لے جائے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تفسیر عالمانہ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ الاحلال بمعنے حلال کرنا۔ در اصل حلال گرہ کھولنے کو کہا جاتا ہے۔ اسی سے استعارہ کرکے حل الشئ حلالاً بولتے ہیں کما فی المفردات۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے پیارے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے آپ کے لیے حلال کیں اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وہ عورتیں جن کا آپ نے مہر ادا کیا ہے۔ عقد اور عقد کے قائم مقام کے عوض میں جو کچھ ادا کیا جائے اسے اجر سے تعبیر کرتے ہیں یعنی عمل دنیوی یا اخروی کے ثواب کا نام اجر ہے لیکن یہاں پر مہر مراد ہے وہ اس لیے کہ مہر بھی عورت کی بضع کا بدلہ ہے جیسے بمعنے مباشرت اور عورت کا مرد کے حق میں زندگی بسر کرنا، مہر معجل ہو یا مؤجل، لیکن حضور علیہ السلام کے لیے مہر سے احلال کو مقید کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نکاح کے وقت اس کا ذکر بھی ضروری ہے یا اس کی نفی سے نکاح میں فرق آ جائے اس لیے کہ مہر کے عدم ذکر یا عدم تسمیہ سے نکاح ہو جاتا ہے۔ ہاں اس پر مہر ادا کرنا واجب ہوگا یا متعہ، جبکہ مہر کی نفی ہو۔ بلکہ اس سے زائد اشیاء دینا افضل ہے وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ اور وہ لونڈیاں جن کو ہم نے آپ پر حلال کی ہیں جن پر آپ نے قبضہ کیا مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الافاء بمعنے غنیمت کا مال دینا۔ بعض نے فئے اس غنیمت کو کہا ہے جو بلا مشقت حاصل ہو۔ اسے فئی بمعنے ظل یعنی سایہ سے تشبیہ دی گئی ہے تاکہ تنبیہ ہو کہ جیسے سایہ جلد ڈھل جاتا ہے ایسے ہی مال دنیا کا حال ہے۔

مسئلہ: فقہاء کرام نے فرمایا کہ کفار سے جو کچھ غنیمت کے طور پر حاصل کیا جائے اسے فئی کہا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ فئی ہر اس فائدہ کو کہا جائے گا جو امیر لشکر کی طرف لوٹے گا۔ یہ فئی بمعنے رجوع سے ہے یعنی لوٹنا۔

خلاصہ یہ کہ جو شے ہم کفار و مشرکین سے جنگ کے دوران غلبہ پا کر حاصل کریں گے اسے فئی سے تعبیر کیا جائے گا اور جزیہ کو بھی فئی کہا جاتا ہے۔ اور اہل صلح سے حاصل کردہ مال کو بھی فئی سے تعبیر کرتے ہیں اور خراج کو بھی فئی کہتے ہیں اس لیے کہ یہ جملہ اموال وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے چھین کر مسلمانوں کو عطا فرمائے ہیں اور یہاں پر مطلق عطا مراد ہے اور مملوکہ کی حلت کو قید میں آ جانے سے اس لیے مقید کیا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام کو ہر حال میں اولیٰ امر کے اختیار کرنے کا اختیار دیا گیا ہے اس لیے کہ خرید کردہ لونڈی مما افاء اللہ میں سے نہیں اور قید میں لائی ہوئی لونڈی مما افاء اللہ میں سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بی بی ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا مما افاء اللہ میں سے نہیں اس لیے کہ یہ بی بی قید ہو کر نہیں آئی تھیں بلکہ شاہ مصر ملقب بہ مقوقس نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدیہ کے طور پر بھیجی تھی۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی باندیاں

انسان العیون میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار باندیاں تھیں،

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(۱) بی بی ماریہ قبطیہ اُمّ ابراہیم رضی اللہ عنہ
(۲) ریحانہ
(۳) جاریہ جمیلہ جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بی بی زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے ہبہ کیا۔
(۴) زلیخا القرظیہ

ریحانہ بنت زید بنی نضیر کے قبیلہ سے تھیں۔ یہی قول زیادہ مضبوط ہے۔ ایسے ہی عراقی نے فرمایا۔ اور حافظ دمیاطی نے فرمایا کہ اہل علم کے نزدیک ترجیح اسی قول کو ہے۔ انھیں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے شرفِ زوجیت حاصل ہوا اور صفیہ بنت حیی یا رونیہ خیبر کے غنائم سے حاصل ہوئیں اور جویریہ بنت الحارث بن ابی ضرار الخزاعیہ المصطلقیہ یہ دونوں اگرچہ قیدی ہو کر آئیں لیکن حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر کے شرفِ زوجیت سے نوازا۔ اسی معنے پر یہ دونوں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں شامل ہوں گی انھیں کنیزوں میں شامل نہ کرنا چاہیے۔ کتب سیر میں ایسے ہی وارد ہے حضرت مولانا ابو السعود صاحب تفسیر سے سوال ہوا کہ غازیوں کی حاصل کردہ لونڈیوں کو خرید کر انھیں بلا نکاح تصرف میں لانا جائز ہے یا نہیں؟ تو آپ نے فرمایا: مکروہ ہے۔ اس لیے کہ آج کی تقسیم میں شک شبہ ہے اس لیے ہمارے دور میں شرعی تقسیم نہیں رہی۔ یہ ۹۳۲ھ کا دور ہے۔ ہاں اگر صحیح طریقہ شرعیہ کے مطابق تقسیم ہو تو کوئی حرج نہیں اور نہ ہی اس میں کوئی شک و شبہ ہے۔

ف: نفل اس مال کو کہا جاتا ہے جو غازی کو غنیمت کے علاوہ انعام کے طور پر دیا جاتا ہے۔ مثلاً اس وقت کا امیر اور حاکم کہہ دے جو جسے قتل کرے گا اس مقتول کا مال قاتل کو دیا جائے گا۔ یا یوں کہے کہ لونڈیوں میں سے جو بھی حاصل کرے وہ اسی کی ہوگی یا اس کا چوتھا یا پانچواں حصہ ملے گا وغیرہ وغیرہ اس کے بعد وقت کے حاکم کو وعدہ کے مطابق زیادہ مال دینا ہوگا۔

وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ ۔ ابنت والابنۃ ' ابن کی مونث ہے۔ عم باپ کا بھائی یعنی چچا ' عمہ باپ کی بہن۔ اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے آپ پر قریش کی عورتوں میں سے حضرت عبد المطلب کی اولاد سے حلال کی ہیں۔

حضور علیہ السلام کے بارہ چچے تھے اور وہ یہ ہیں:

حضور علیہ السلام کے چچے

(۱) الحارث   (۲) ابوطالب
(۴) عبدالکعبہ   (۵) حمزہ
(۳) الزبیر
(۶) المقوم بفتح الواؤ وکسرہا مشددہ
(۷) حجل بتقدیم الجیم علی الحاء، اس کا نام مغیرہ تھا اور حجل السقاء مٹے کو کہتے ہیں۔ بعض نے لکھا بتقدیم الحاء المفتوحہ علی الجیم، اس کا اصل معنی ہے خلخال۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(۸) حضرت عباس (۹) ضرار

(۱۰) ابولہب (۱۱) قثم

(۱۲) غیداق، اس کا اصلی نام مصعب یا نوفل تھا۔ اس کی کثرت جود و سخا کی وجہ سے اسے غیداق کہا جاتا ہے۔

ف: آپ کے جن چچاؤں نے آپ کا زمانۂ نبوت پایا ان میں صرف دو مسلمان ہوئے:

(۱) حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ

(۲) حضرت عباس رضی اللہ عنہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چچازادیاں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی چچازادیوں کے اسماء مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) ضباعۃ بنت الزبیر بن عبد المطلب۔ اور وہ حضرت مقداد کی منکوحہ تھیں۔

(۲) ام حکیم بنت الزبیر۔ یہ ربیعہ بن حارث کی منکوحہ تھیں۔

(۳) ام ہانی بنت ابی طالب۔ ان کا نام فاختہ و جمانہ بنت ابو طالب تھا۔

(۴) ام حبیبہ بنت العباس بن عبد المطلب۔

(۵) آمنہ " " "

(۶) صفیہ " " "

(۷) اروی بنت الحارث بن عبد المطلب۔

حضور علیہ السلام کی پھوپھیاں

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پھوپھیاں چھ تھیں، ان کے اسماء یہ ہیں:

(۱) اُم حکیم، ان کا نام البیضا تھا (۴) اروی

(۲) عاتکہ (۵) امیمہ

(۳) برہ (۶) صفیہ

باتفاق علماء ان میں سے سوائے بی بی صفیہ ام الزبیر بن العوام کے کوئی بھی مسلمان نہ ہوئی۔ بی بی صفیہ نے دعوت اسلام قبول کیا بلکہ ہجرت بھی کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فوت ہوئیں۔ عاتکہ اور اروی کے اسلام میں اختلاف ہے اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اعمام و عمات کی کسی لڑکی سے نکاح نہیں کیا سوائے بی بی زینب بنت جحش بن رباب کے، اس لیے کہ ان کی والدہ کا نام امیمہ بنت عبد المطلب تھا۔ کذا فی التکملہ۔

وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ خال ماں کا بھائی اور خالہ ماں کی بہن کو کہتے ہیں۔ اس سے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بنی زہرہ کی اولاد مراد ہے یعنی عبد مناف بن زہرہ کی اولاد ۔ نیز اس سے بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا کے بھائی کی اولاد مراد ہے اور نہ ہی آپ کی بہن کی، اس لیے کہ بی بی آمنہ بنت وہب اُمّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بھائی نہ تھا ۔ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ماموں اور خالہ ہی نہیں تھی تو پھر ان کی اولاد کیسے مراد ہو سکتی ہے ہاں اس سے آپ کی والدہ ماجدہ رضی اللہ عنہا کے قبیلہ کی اولاد مراد ہے اسی لیے بنو زہرہ کہا کرتے تھے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں ہیں وہ اس لیے کہتے تھے کہ آپ کی والدہ اسی قبیلہ سے متعلق تھیں ۔ اسی بنا پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو فرمایا کرتے تھے ۔

هٰذا خالی (یہ میرے ماموں ہیں)

ف : آیت میں خال و عم کو مفرد اور بنات و خالات کو جمع لایا گیا ہے حالانکہ خال و عم میں بھی تو جمع مراد ہے چونکہ عم و خال مفرد ہو کر جنس کا معنیٰ دیتا ہے اور جنس کو صیغۂ جمع کی ضرورت نہیں اور پھر اس میں لفظی تخفیف بھی ہے اگرچہ عمہ و خالہ بھی اسم جنس کا معنیٰ دے سکتی ہیں لیکن ان میں تاء واقع ہے لہٰذا اس میں وحدت کا شبہ ہو سکتا ہے ۔ اسی معنیٰ پر انہیں جمع کے صیغے پر لایا گیا ۔ اس کی نظیر مصدر ہے کہ اگر اس میں تاء نہ ہو تو اسے صیغۂ جمع پر نہیں لایا جاتا ۔ اگر تاء ہو تو اس سے جمعیت مطلوب ہو تو پھر صیغۂ جمع پر لایا جاتا ہے ہکذا ذکرہ الشیخ ابو علی رضی اللہ عنہ کذا فی التکملہ ۔

الّٰتی ھاجرن معک ۔

یہ بنات کی صفت ہے اور مہاجرت بمعنے غیر کی مفارقت و متارکت ۔ لیکن عرف شرع دار الکفر سے منتقل ہو کر دار الایمان کی طرف چلنے کا نام ہجرت ہے ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ عورتیں جو مکہ معظمہ کو چھوڑ کر آپ کے ساتھ مدینہ طیبہ میں ہجرت کر آئی ہیں یہاں پر معیت سے آپ کی اتباع فی الہجرۃ مراد ہے خواہ وہ آپ سے پہلے ہجرت کر آئی تھیں یا بعد کو، اور صرف آپ کے رشتہ داروں کے ذکر میں اشارہ ہے کہ آپ کا عقد نکاح قریبی رشتہ داروں میں زیادہ موزوں ہے ۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ ہجرت نکاح کی علت نہیں بلکہ اتفاقی وصف ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وربائبکم الّٰتی فی حجورکم ۔

اس میں گود میں ہونا اتفاقی وصف ہے ۔ ممکن ہے کہ یہ وصف تقییدی ہو اور یہ وصف حضور علیہ السلام کے لیے خاص ہو بایں معنیٰ کہ جو آپ کی رشتہ دار عورتیں ہجرت کر آئیں اُن سے آپ کا نکاح حلال ہو اور جو ہجرت کر کے نہیں آئیں ان سے ناجائز ہو ۔

شانِ نزول اس قول کی تائید بی بی اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا کی روایت سے ہوتی ہے وہ فرماتی ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے لیے فرمایا لیکن میں نے معذرت کی ۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattori

تو آپ نے بھی میری معذرت کو قبول فرمایا، اسی پر آیت مذکورہ بالا نازل ہوئی۔ اس معنے پر میں آپ کے لیے حلال نہ ہو سکی کیونکہ میں آپ کے ساتھ ہجرت نہ کر سکی بلکہ میں طلقاء سے اسلام میں شامل تھی اور طلقاء ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے اس لیے کہ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پکڑ کر اسلام کے قبول کرنے کی وجہ سے انہیں چھوڑ دیا۔

ف: چونکہ ہجرت کی قید میں ہی فائدہ مطلوب تھا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اولاد عم، خال اور اولاد عمات و خالات کے ذکر کا اعادہ فرمایا ورنہ محرمات نکاح کی آیت میں تو یہ حکم بیان ہو چکا تھا۔

واحل لکم ما وراء ذلکم۔

ف: مہاجرت بمعنے اسلمن ہے۔ اس تقریر پر معنے یہ ہوا کہ آپ غیر مسلمہ عورتوں سے نکاح نہ کریں۔

وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اس کا عطف احللنا کے مفعول پر ہے اس لیے کہ یہاں احلال سے احلال ناجز کا انشاء مراد نہیں بلکہ احلال مطلق مراد ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو ہر طرح کا اختیار ہے کہ آپ اپنی رشتہ داروں میں نکاح کریں یا کسی اور مسلمان عورت سے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ ہم نے آپ کو ہر مومنہ عورت سے نکاح کرنے کی خبر دی ہے۔ آپ کا جس مومنہ عورت سے نکاح کرنے کو جی چاہے نکاح کر سکتے ہیں لیکن مشرکہ عورت سے نہیں اگرچہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر نکاح کی درخواست کرے۔

مسئلہ: کشف الاسرار میں ہے کہ علماء کا اختلاف ہے کہ کیا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہودیہ و نصرانیہ عورت سے مہر دے کر نکاح کر سکتے ہیں یا نہیں۔ صحیح تر یہ ہے کہ آپ کے لیے یہودیہ و نصرانیہ عورت سے نکاح جائز نہیں جبکہ قرآن مجید میں آپ کے لیے وامرأة مؤمنة کہا گیا ہے۔

اِنْ وَّهَبَتْ اگر وہ عورت مومنہ ہبہ کرے **نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ** اپنا نفس نبی علیہ السلام کے لیے یہاں التفات میں تنبیہ ہے کہ یہ حکم صرف سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے آپ کے سوا کسی اور کو جائز نہیں کیونکہ آپ شرف نبوت سے مشرف ہیں۔ الھبہ بمعنے اپنی ملک کی شے دوسرے کو بلا عوض دے دینا۔

سوال: حرہ عورت نہ ہبہ کی جا سکتی ہے اور نہ بیچی جا سکتی ہے اور نہ خریدی جا سکتی ہے۔ یہاں اس کے لیے ہبہ کا کیا معنی؟

جواب: یہاں ہبہ بمعنے مہر کے بغیر اپنے آپ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سپرد کر دینا مراد ہے۔ اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ وہ نکاح جس میں مہر کا ذکر نہ ہو تو اسے ہبہ، صدقہ، تملیک، بیع، شراء

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

نکاح، تزویج جیسے الفاظ استعمال کرنا جائز ہے اور یہاں پر حرف شرط اتفاقی حیثیت سے ہے یعنی اتفاقاً کبھی ایسا ہو تو آپ کو کسی قسم کی رکاوٹ نہیں۔

اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنْ یَّسْتَنْکِحَهَا یہ شرط اوّل کی استیجاب حل کے بارے میں فرمایا یعنی اگر کوئی عورت آپ کو نکاح کا عرض کرے تو آپ پر اس کا قبول کرنا واجب نہیں بلکہ آپ کی مرضی پر موقوف ہے آپ اس کے ساتھ نکاح کرنا چاہیں تو کر لیں ورنہ صاف جواب دے دیں استنکاح بمعنے نکاح کی طلب و رغبت۔

اب معنےٰ یہ ہوا کہ آپ ان سے ابتداءً و انتہاءً بلا مہر چاہیں تو نکاح کر لیں خَالِصَةً لَّكَ خالصة، کاذبة کی طرح مصدر ہے۔ دراصل عبارت یوں ہوگی خلص لك احلال المرأة المؤمنة خالصة بمعنے خلوصا۔ یا یہ وھبت کی ضمیر سے حال ہے۔ یعنی اس ہبہ کرنے والی عورت کا حال یہ ہے کہ وہ خالص آپ کے لیے ہے مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ، دوسرے اہلِ ایمان کے لیے وہ اس لیے کہ ان کو مہر یا اس کی مثل اگرچہ مقرر نہ ہو تب بھی مہر ادا کرنا لازم ہوگا قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَیْهِمْ فِیْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُهُمْ ہمیں معلوم ہے وہ جو ہم نے ان پر یعنی اہلِ ایمان پر واجب کیا ہے ان کی عورتوں کے حقوق جن میں مہر بھی ہے لِکَیْلَا یَکُوْنَ عَلَیْكَ حَرَجٌ ط یہ خالصة کے متعلق ہے اور لام کَیْ پر تاکید کے لیے داخل ہوتی ہے یعنی تاکہ آپ کو نکاح کے معاملہ میں تنگی نہ ہو قد علمنا ما فرضنا الخ لکیلا یکون حرج اور خالصة لك من دون المؤمنین کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے حکم خالصة لك کے مضمون کی تقریر و تاکید کرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ حکم مذکور یعنی شرائط عقد اور اس کے حقوق جس قدر دیگر اہلِ ایمان پر فرض کئے گئے آپ کی تعظیم و تکریم کے پیشِ نظر آپ پر کوئی فرض نہیں یہ صرف آپ کے لیے توسیع ہے ورنہ ہم نے دوسرے مسلمانوں پر عورتوں اور کنیزوں کے بہت سے حقوق فرض کر رکھے ہیں۔ اور آپ کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ بلا مہر و ولی و شہود وغیرہ کے نکاح کریں۔ اور مفسرین نے فرمایا کہ یہاں پر فرضنا میں فرض سے مہر و ولی و شہود و نفقہ اور آزاد و کنیزوں کے درمیان پوری تقسیم اور آزاد عورتوں میں سے صرف چار سے نکاح کرنا اور کنیزیں بھی وہ جو ملک شرعی سے حاصل ہوں ، وہ کنیزیں نہ ہوں جو دوسروں کی ملک میں ہوں اور یہ خفیہ طور یارانہ جوڑ لیں۔

حدیث شریف میں ہے :

الصلاۃ وما ملکت ایمانکم۔

(نماز اور اپنی ملک والی ، کنیزوں اور غلاموں کے حقوق کی حفاظت کرو)

ف: حدیث شریف میں ممالیک کا نماز پر عطف ڈالا گیا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ جس طرح

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

نماز کی پابندی ضروری ہے ایسے ہی ممالیک کے حقوق طعام و پوشاک و دیگر وہ امور جن کی انھیں ضرورت ہو پابندی لازمی ہے اور نہ ان سے وہ کام کرائے جائیں جو ان کی طاقت سے باہر ہوں اور نہ ہی ان کو سخت سزا دی جائے۔

مسئلہ: نماز کے ساتھ ممالیک کے حقوق کو ملانے میں حضور علیہ السلام کی حدیث شریف سے اشارہ ثابت ہوا کہ آقاؤں پر ممالیک کے حقوق واجب ہیں۔

۱ جوان مرد و خوشخوے و بخشندہ باش
چو حق بر تو پاشد تو بر خلق پاش

۲ حق بندہ ہرگز فراموش مکن
بدستت اگر نو شد و گر کہن

۳ چو خشم آیدت بر گناہ کسے
تامل کنش در عقوبت بسے

۴ کہ سہلست لعل بدخشاں شکست
شکستہ نشاید دگر بارہ بست

ترجمہ: (۱) جواں مرد خوش خصال اور سخی ہو۔ جب تجھ پر اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا ہے تو اس کی مخلوق پر رحم کر۔
(۲) بندگانِ خدا کے حقوق فراموش نہ کر تیرے تعلق میں نیا ہے یا پرانا۔
(۳) کسی کے گناہ پر اگر تجھے غصہ آجائے تو اس کے انجام پر غور کر۔
(۴) کیونکہ بدخشانی لعل توڑنا تو آسان ہے لیکن ٹوٹے ہوئے کو جوڑنا مشکل ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا وہ باتیں جن سے بچنا مشکل ہے ان کے لیے تم پر غفور ہے **رَّحِيْمًا ۝** اپنے بندوں پر انعام فرماتا ہے کہ جہاں تنگی یا حرج ہوتا ہے ان میں بندوں کو وسعت بخشتا ہے۔

ہبہ کرنے والی بی بی کون تھی؟ کیا کسی عورت نے اپنا نفس حضور علیہ السلام کو ہبہ کیا؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے بعض نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے جس آزاد عورت سے نکاح کیا اسے از خود نکاح کا پیغام بھجوایا، کنیزوں سے عقد کیا۔ بعض نے فرمایا کہ آپ نے موہوبہ بی بی سے بھی نکاح کیا۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ وہ موہوبہ بی بی کون تھی!

(۱) حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ بی بی حضرت میمونہ بنت الحارث الہلالیہ رضی اللہ عنہا تھیں جو کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خالہ تھیں۔ مروی ہے کہ جب آپ نے ان سے عقد نکاح کے لیے فرمایا تو وہ اونٹ پر سوار تھیں۔ حضور علیہ السلام کا پیغام سن کر عرض کی کہ اونٹ اور اونٹ پہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

جو کچھ ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

(۲) شعبی نے فرمایا کہ یہ زینب بنت خزیمۃ الانصاریہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

ام المساکین کس کا لقب تھا؟

فقیر (اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اکثر مفسرین نے فرمایا کہ ام المساکین اسی بی بی زینب بنت خزیمہ الانصاریہ کا لقب ہے اگرچہ زمانۂ جاہلیت میں انھیں اس لقب سے پکارا جاتا تھا۔ اسلام میں ام المؤمنین بی بی زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو یہ لقب ملا وہ اس لیے کہ وہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے فقراء و مساکین پر خرچ کرتیں بوجہ سخاوت انہیں ام المساکین کہا جانے لگا۔

حدیث شریف

مذکورہ بالا تقریر کی تائید حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی سے بھی ہوتی ہے جب آپ نے اپنی ازواجِ مطہرات سے فرمایا،

اسرعکن لحاقا بی اطولکن یدا۔

(تم میں سے بڑے لمبے ہاتھ والی میرے ہاں جلد آئے گی)

یعنی میرے وصال کے بعد تم میں سب سے پہلے وہ فوت ہوگی جو سخاوت میں تم سب سے بڑھی ہوگی۔ اس سے بی بی زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا مراد ہیں۔ اس پر جملہ محدثین و فقہاء و مورخین کا اتفاق ہے۔ بی بی صاحبہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فوت ہوئیں جیسا کہ ہم نے پہلے تفصیل سے لکھا ہے۔ اور زینب بنت خزیمہ تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں ہی فوت ہو گئیں۔

(۳) کاشفی نے لکھا کہ اگر واہبہ سے بی بی زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا مراد ہیں۔ اور یہی قول مشہور تر ہے۔ یہ ہبہ رمضان المبارک ۳ھ میں ہوا۔ بی بی صاحبہ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں آٹھ ماہ بسر کئے اور ربیع الآخر ۴ھ میں فوت ہوئیں۔

(۴) حضرت علی بن الحسین اور الضحاک و مقاتل نے فرمایا کہ یہ ہبہ کرنے والی ام شریک بروزن زبیر بنت جابر تھیں، قبیلہ بنو اسد سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کا نام غزیہ تھا۔

بعض علماء نے فرمایا کہ آپ نے اسے قبول نہیں کیا تھا۔ بعض نے فرمایا کہ قبول تو فرما لیا تھا لیکن قبل از دخول اسے طلاق دے دی۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بی بی ام شریک کے دل میں اسلام کی محبت پیدا ہوئی اس وقت آپ مکہ معظمہ میں تھیں وہاں اسلام قبول کر کے خفیہ طور پر قریش کی عورتوں کو دعوتِ اسلام دینا شروع کر دی یہاں تک کہ اہلِ مکہ کو ان کی خفیہ کارروائی کا علم ہو گیا اور انھیں گرفتار کر لیا اور کہا کہ اگر ہمیں تیری قوم کی عزت ملحوظ نہ ہوتی تو ہم وہ کرتے جو تو یاد رکھتی۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بی بی ام شریک پر قریش کا ظلم اور بی بی کی کرامت

بی بی فرماتی ہیں کہ مجھے میری برادری میں پہنچانے کے لیے قریش نے مجھے ایسے اونٹ پر بٹھایا جس پر کوئی کپڑا وغیرہ نہ تھا اور تین شب و روز مجھے بھوکا پیاسا رکھا، یہاں تک کہ اسی اثنا میں جب منزل پر اُترتے مجھے دھوپ میں کھڑا کر دیتے اور خود سایہ میں آرام کرتے ایک دن وہ کسی منزل پر ٹھہرے اور مجھے حسبِ دستور دھوپ میں کھڑا کیا اور خود سایہ میں آرام کر رہے تھے تو میں نے اپنے میں ٹھنڈک محسوس کی۔ میں نے دیکھا کہ پانی سے بھرا ہوا ایک ڈول تھا، میں نے اس سے تھوڑا سا پیا۔ پھر وہ ڈول ہٹا لیا گیا۔ اسی طرح کچھ دیر کے بعد ہوا۔ ایسے متعدد بار ہوا یہاں تک کہ میں نے جی بھر کر پیا۔ اس کے بعد مجھ پر پانی چھڑکا گیا یہاں تک کہ میرا جسم اور کپڑے تر ہو گئے انہیں اثنا وہ جاگ پڑے اور مجھ پر پانی کا اثر دیکھ کر مجھے کوسنے لگے اور کہا کہ تُو نے رسیاں توڑ کر ہمارے ڈول سے پانی لیا ہے۔ میں نے انہیں قسم کھا کر صحیح حال سنا دیا۔ انہوں نے کہا: اگر تو سچی ہے تو پھر تیرا دین ہمارے دین سے بہتر ہے یہ کہہ کر اپنے ڈول دیکھے تو وہ جوں کے توں پڑے تھے۔ میری اس کرامت سے متاثر ہو کر ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ میں اس کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنا نفس آپ کو مہر کے بغیر ہبہ کر دیا آپ نے قبول فرمایا اور زوجیت کے حق سے نوازا۔

سبق اس سے معلوم ہوا کہ جو اللہ تعالیٰ پر بھروسا اور غیروں سے قطع تعلق کرتا ہے تو اسے غیب سے ایسے ہی نوازا جاتا ہے ؎

ہر کہ باشد اعتمادش بر خدا
آمد از غیب خدایش صد غذا

ترجمہ: جس کا خدا تعالیٰ پر بھروسا ہوتا ہے اسے اللہ تعالیٰ غیب سے غذا عطا فرماتا ہے۔

(۵) حضرت عروہ بن الزبیر نے فرمایا کہ ہبہ کرنے والی خولہ بنت حکیم قبیلہ بنی سلیم اور مہاجرات اوّل سے تھیں جنہیں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے پناہ دی اور پھر ان سے نکاح کر لیا۔ ام المومنین بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بی بی خولہ بنت حکیم ان بیبیوں سے ایک تھیں جنہوں نے اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہبہ کے طور پر پیش کیا۔

ف: ام المومنین رضی اللہ عنہا کے اس قول سے ثابت ہوا کہ ہبہ کرنے والی بیبیاں متعدد تھیں۔ حضور علیہ السلام نے جن بیبیوں کو پیغامِ نکاح بھیجا وہ کل تیس تھیں بعض کے ساتھ تو عقد نکاح کی نوبت نہیں پہنچی۔ بعض ان میں وہ ہیں جن کے ساتھ دخول نہ ہوا۔ جن بیبیوں سے عقد ہوا وہ کل تئیس تھیں اور جن بیبیوں سے دخول ہوا وہ بارہ تھیں۔ حضرت ابو اللیث رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چودہ بیبیوں سے نکاح کیا وہ یہ ہیں:

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۱۔ خدیجہ
۲۔ سودہ
۳۔ عائشہ
۴۔ حفصہ
۵۔ ام سلمہ
۶۔ ام حبیبہ
۷۔ جویریہ
۸۔ صفیہ
۹۔ زینب
۱۰۔ میمونہ
۱۱۔ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہن
۱۲۔ وہ بی بی جو بنو ہلال سے تھیں انھوں نے اپنے آپ کو حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا۔
۱۳۔ ایک عورت قبیلہ کندہ سے تھی جس نے حضور علیہ السلام سے استعاذہ کیا تو آپ نے اسے طلاق دے دی۔
۱۴۔ ایک بی بی بنی کلاب کے قبیلہ سے تھیں۔

ف : انسان العیون میں ہے کہ مخفی نہ ہو کہ جن بیبیوں سے حضور علیہ السلام نے زوجیت سے نوازکر دخول فرمایا وہ کل بارہ تھیں:

۱۔ حضرت خدیجہ
۲۔ حضرت سودہ
۳۔ حضرت عائشہ
۴۔ حضرت حفصہ
۵۔ حضرت زینب بنت خزیمہ
۶۔ حضرت ام سلمہ
۷۔ حضرت زینب بنت جحش
۸۔ حضرت جویریہ
۹۔ حضرت ریحانہ
۱۰۔ حضرت ام حبیبہ
۱۱۔ حضرت صفیہ
۱۲۔ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن

نکاح کرنے کی ترتیب بھی وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔

ایک بی بی نے جب سنا کہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہوا ہے تو وہ خوشی سے فوت انجریہ ہو گئیں ان سے بھی دخول کی نوبت نہ پہنچی۔ ان کا اسم گرامی بی بی عزاف تھا۔ یہ حضرت دحیہ کلبی کی بہن تھیں۔

وہ عورتیں جن سے نکاح تو ہوا مگر دخول نہ ہو سکا:

(۱) سودہ قریشیہ کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کا پیغام بھجوایا تو اس نے اپنے بچوں کی پرورش کا عذر کیا کیونکہ اس کے پانچ یا چھ بچے تھے۔ آپ نے فرمایا: اس کا بھلا ہو۔

(۲) وہ عورت جس نے حضور علیہ السلام سے پناہ مانگی اس کا نام اسما بنت معاذ کندیہ تھا۔ بعض عورتوں نے اسے کہا کہ اگر تو چاہتی ہے کہ تیرا شوہر (حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم) تیرے ساتھ خوشگوار زندگی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بس کہے تو آپ کے تشریف لاتے کہنا :

اعوذ باللہ منک ۔

(میں تجھ سے پناہ مانگتی ہوں)

جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تو اس نے کہہ دیا : اعوذ باللہ منک (میں تجھ سے پناہ مانگتی ہوں) ۔

اس بیچاری نے سمجھ رکھا تھا کہ یہ کلمۂ ادب ہے ۔ جب حضور علیہ السلام نے اس سے استعاذہ سُنا تو آپ نے فرمایا :

عذت بمعاذ عظیم الحقی باھلک ۔

(میں بہت بڑی پناہ گاہ کی پناہ چاہتا ہوں ، تو اپنے قبیلہ کے ہاں چلی جا)

آپ نے اسے تین کپڑے عنایت فرمائے ۔

(۲) دوسری وہ تھی جس نے آیۂ اختیار پر دُنیا کو اختیار کیا تھا اس کا نام فاطمہ بنت الضحاک تھا ۔ وہ کہا کرتی تھی میں وُہ بدبخت ہوں جس نے دنیا کو اختیار کیا تھا ۔ (شاہ عبد الحق محدث دہلوی ؒ نے فرمایا کہ آخر کار اس کا حال اس حد تک پہنچا کہ کھجوروں کی گٹھلیاں اور ایک روایت میں ہے کہ مینگنیاں چنتی تھی ایک شخص نے اسے دیکھا تو پوچھا ، تُو کون ہے ؟ اس نے سر اٹھا کر کہا : میں وہی بدبخت ہوں جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر دنیا کو اختیار کیا تھا)

(۳) ایک قتیلہ بہ صیغہ تصغیر تھی جس کا نکاح اس کے بھائی نے کر دیا ۔ لیکن وہ حضر موت تھی جب وہ مدینہ طیبہ لائی گئی تو اس کے آنے سے پہلے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا آپ نے فرمایا تھا کہ جب وہ یہاں پہنچ جائے تو اسے اختیار ہے چاہے با پردہ رہے چاہے بے پردہ! اسے امہات المؤمنین میں شامل کیا گیا ہے ۔ اور حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ چاہے وہ نکاح کرلے چاہے میرے عقد میں زندگی گزار دے ۔ چنانچہ اس نے حضرت عکرمہ سے حضر موت میں نکاح کیا ۔

حدیث شریف میں ہے :

"میں نے اپنا نکاح کیا یا اپنی کسی صاحبزادی کا نکاح کرایا تو وحی ربانی سے جیسے حضرت جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے لاتے ۔"

تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ نافع وحمزہ وکسائی وحفص وابو جعفر نے ترجی کو یاء ساکنہ پڑھا ہے باقی قراء نے اسے بہمزہ مضموم پڑھا ، معنیٰ دونوں کا ایک ہے اس لیے کہ یاء ہمزہ سے تبدیل ہوتی ہے ۔

قاموس میں ہے اَرْجاء الامر بمعنے اخرہ ۔ ایک لغت میں ہمزہ کو نہیں پڑھا گیا ۔ ناقص یائی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ترا رجا بمعنے تاخیر یعنی کسی کو پیچھے ہٹانا ۔

کشف الاسرار میں ہے کہ ارجاء بمعنے کسی عورت کو طلاق کے بغیر ہٹانا ۔

اب معنی یہ ہوا کہ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اپنی عورتوں میں جسے چاہیں مؤخر کریں اور کسی کی باری کی پابندی کرتے ہوئے اپنے ہاں نہ ٹھہرائیں وَتُؤْوِیٓ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ ۔ یہ اوی الی کذا سے ہے بمعنے انضم اور آواہ غیرہ ایواء ۔ اب معنی یہ ہوا کہ ان میں سے جسے جگہ دیں اور باری اور تقسیم کا لحاظ نہ کرتے ہوئے جسے اپنے ہاں ٹھہرانا چاہیں ان کی صحبت وغیرہ کے بارے میں آپ مختار ہیں جسے چاہیں جتنے دن چاہیں آپ کو کوئی رکاوٹ نہیں ۔ اسی طرح کسی بی بی کے پاس تشریف نہ لے جائیں یا جسے طلاق دے دیں جسے ٹھہرائیں یا چھوڑے رکھیں یا جس بی بی سے نکاح کرنا چاہیں اپنی امت کی جملہ عورتوں کے آپ مالک ہیں کما فی بحر العلوم ۔

وَمَنِ ابْتَغَيْتَ اور ان میں سے جسے چاہیں مِمَّنْ عَزَلْتَ جسے آپ نے علیحدہ کر دیا ، اپنے سے دور کر دیا فَلَا جُنَاحَ نہ گناہ ہے نہ عتاب نہ ملامت نہ کوئی اور حرج عَلَيْكَ آپ پر امور مذکورہ ثلاثہ میں سے کوئی ایک بھی آپ پر ضروری نہیں کذا فی کشف الاسرار ۔

ف : الکواشی میں ہے کہ من مبتدا بمعنے الذی ہے یا شرط ہے ابتغیت سے منصوب ہے اور یہ مبتدا کی خبر ہے دونوں تقدیروں پر شرط کا جواب فلا جناح ہے یہ اصل غرض بیان کرنے کی بہترین تقسیم ہے ۔ مثلاً کہا گیا چاہے آپ انہیں طلاق دیں یا گھر پر رکھیں پھر اگر گھر پہ رکھیں تو انہیں صحبت سے نوازیں یا چھوڑے رکھیں اور ان کی باری مقرر فرمائیں یا نہ اور بصورت طلاق پھر بھی آپ کو اختیار ہے کہ مطلقہ کو واپس لے لیں یا نہ ۔

مسئلہ : جمہور کا مذہب ہے کہ ازواج مطہرات کے درمیان آپ کے لیے برابر کی تقسیم واجب تھی لیکن آیت ہذا کے نزول کے بعد آپ سے وجوب منسوخ ہو گیا اور اس کے بعد آپ کو اختیار دیا گیا اور یہ صرف آپ کی خصوصیت ہے ۔

روایت عجیبہ مروی ہے کہ جب ازواج مطہرات نے آپ سے نان و نفقہ اور زیب و زینت کے اسباب کا مطالبہ کیا تو آپ نے انہیں ایک ماہ چھوڑے رکھا یہاں تک کہ آیت تخییر نازل ہوئی اس کے بعد ازواج مطہرات کو خطرہ ہوا کہ کہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام انہیں طلاق نہ دے دیں ۔ اس لیے عرض کی ،

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ہمارے لیے جو حکم صادر فرمائیں ہم راضی ہیں لیکن ہمیں اپنے حال پر چھوڑ دیجئے ۔

اس کے بعد آپ نے پانچ بیبیوں کو چھوڑے رکھا وہ یہ ہیں ،

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۱۔ ام حبیبہ   ۴۔ صفیہ
۲۔ میمونہ   ۵۔ جویریہ   (رضی اللہ عنہن)
۳۔ سودہ

آپ ان کی تقسیم ویسے رکھتے جیسے آپ کی مرضی مبارک ہوتی۔

چار بیبیوں میں برابر کی تقسیم رکھی وہ یہ ہیں:

۱۔ عائشہ   ۳۔ زینب
۲۔ حفصہ   ۴۔ ام سلمہ   (رضی اللہ عنہن)

ف: مروی ہے کہ باوجودیکہ آپ کو ازواجِ مطہرات کے متعلق ہر طرح کا اختیار رہتا لیکن آپ نے ان کی تقسیم برابر رکھی صرف بی بی سودہ کی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دی گئی اس لیے کہ اس پر بی بی سودہ نے خود راضی ہو کر اپنی باری حضرت عائشہ کو دے دی تھی اس لیے کہ بی بی سودہ نے عرض کی کہ آپ مجھے طلاق نہ دیں میں اپنی باری بی بی عائشہ کو ہبہ کرتی ہوں صرف اس آرزو پر کہ قیامت میں مجھے آپ کی ازواجِ مطہرات کے زمرہ میں شمولیت کا شرف نصیب ہو۔

ذٰلِكَ وہ جو آپ کی مشیت پر امور کو مفوض کیا گیا ہے **اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ** اس کے قریب تر ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ القر بالضم بمعنے ٹھنڈک۔

ف: سرور کے آنسو ٹھنڈے اور غم کے آنسو گرم ہوتے ہیں۔ یا یہ القرار سے مشتق ہے۔ اب معنی یہ ہوگا کہ ان کی آنکھیں آپ کے معاملہ سے سکون پکڑیں اور اس سے انہیں ملال نہ ہو۔

قاموس میں ہے کہ قرت عینہ تقر بالکسر والفتح قرۃ اسے بالضم بھی پڑھا گیا۔ یعنی از باب ضرب وعلم ونصر۔ اور قرور اس کا مصدر آتا ہے بمعنے بردت یعنی اس کا رونا منقطع ہوگا اور ثابت اور ساکن ہوا استقر کی طرح ہے۔

وَلَا يَحْزَنَّ اور غمگین نہ ہوں **وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ** اور جو کچھ آپ انہیں عنایت فرمائیں اس سے وہ خوش ہوں۔ جب انہیں معلوم ہے کہ جو کچھ آپ ان کے ساتھ ارجاء وایواء اور تقریب وتبعید کرتے ہیں بحکم خداوندی ہے اسی لیے انہیں ملال نہیں ہوتا کلھن مرفوع ہے یرضین کے فاعل کی تاکید ہے یعنی آپ کا معاملہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور ان کا محزون وملول نہ ہونا بلکہ سب کا راضی ہونا ان کے لیے قریب تر ہے اس لیے کہ ان سب کے لیے حکم یکساں ہے پھر جب ان کے ساتھ لطف وکرم کریں گے وہ اسے آپ کا فضل واحسان سمجھیں گی۔ اگر آپ ان میں کسی ایک کو کسی معاملہ میں ترجیح دیں گے تو وہ یقین کریں گی کہ یہ بھی حکم خداوندی ہے۔ اسی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

معنے پر ان کے نفوس مطمئن ہیں۔ ان سے تنافس و تنافر مٹ چکا ہے اور وہ آپ کے ہر معاملے سے راضی ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کو یہ حکم فرمایا کہ آپ نہ انہیں طلاق دیتا اور نہ ہی ان کے کسی اور مرد سے نکاح کرتا اور انہیں تمام اہل ایمان کی مائیں بنا دیا گیا۔ کما فی تفسیر جلالین۔

وَاللّٰهُ اور اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں اسرار پوشیدہ ہیں اور جو خطرات وارد ہوتے ہیں لہٰذا ان کے ساتھ احسان کرنے میں جدوجہد کرو وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے علم والا ہے جو ظاہر کرتے ہو یا جو چھپاتے ہو سب کو جانتا ہے حَلِيمًا ۝ حوصلے والا ہے کہ کسی کی عقوبت و سزا میں عجلت نہیں کرتا اس کی تاخیر عقوبت سے دھوکا نہ کھاؤ۔ وہ مہلت تو دیتا ہے لیکن چھوڑتا نہیں ؎

١ نہ گردن کشاں را بگیرد بفور
نہ عذر آوراں را براند بجور
٢ وگر خشم گیرد بکردار زشت
چو باز آمدی ماجرا در نوشت
٣ مکن یک نفس کار بد اے پسر
چہ دانی چہ آید بآخر بسر

ترجمہ : (١) نہ سرکشوں کو جلدی سے پکڑتا ہے نہ توبہ کرنے والوں کو دروازے سے ہٹاتا ہے۔
(٢) کسی بُرے کردار پر اگر ناراض ہوتا ہے تو اس برائی سے باز آجانے پر معاف کر دیتا ہے۔
(٣) ایک لمحہ بھی بُرا کام نہ کر اے عزیز! تجھے کیا معلوم کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے چونکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بالکل فانی ہو چکے تھے اسی لیے قیامت میں نفسی نفسی نہیں کہیں گے۔ اسی وجہ سے فرمایا،

اسلم شیطانی علی یدی۔

(میرا شیطان میرے ہاں مسلمان ہو گیا)

چونکہ آپ صفات قلبی سے موصوف تھے اور آپ سے خواہشات نفسانی مٹ چکی تھیں اسی لیے آپ اپنی خواہش نفسانی سے نہیں بولتے تھے کیونکہ آپ کی نفسانی خواہشات اخروی صفات سے تبدیل ہو چکی تھیں اسی لیے آپ کے لیے دنیوی چیزیں حلال تھیں بخلاف دوسروں کے کہ وہ دنیوی امور میں مشتغل رہتے ہیں اگرچہ معمولی طور سہی اور دنیا میں ہی آپ سے دنیاوی متعلقات آپ کے سینہ مبارک سے نکال لیے گئے ہیں اور دوسروں سے دنیوی امور آخرت میں نکالے جائیں گے کما قال تعالیٰ،

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ونزعنا ما فی صدورھم من غل۔

(اور ہم نے ان کے سینوں سے کینے کھینچ لیے)۔

اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فرمایا :

الم نشرح لک صدرک۔ کیا ہم نے تمھارا نہیں کھولا۔

یعنی آپ کے سینہ مبارک سے دنیوی امور نکال لیے گئے ہیں۔ اور آپ کے لیے اسی لیے فرمایا :

ترجی من تشاء الخ یعنی آپ کے جی میں جو کچھ آجائے آپ اسے کر گزریں، آپ کے لیے کوئی حرج نہیں یہ ایسے ہے جیسے آخرت میں دوسروں کو فرمایا جائے گا :

ولکم فیہا ما تشتہی الانفس وتلذ الاعین۔

(اور تمھارے لیے جو تمھارے نفس چاہیں اور آنکھیں لذت پائیں)۔

تفسیرِ عالمانہ

وَکَانَ اللّٰہُ عَلِیْمًا اور اللہ تعالیٰ آپ کی تاسیس بنیان کو ازل سے جانتا ہے کہ آپ میرے محبوب بھی ہوں گے اور محب بھی حَلِیْمًا ۝ آپ سے جو کچھ صادر ہوتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ آپ کے لیے علیم ہے اور آپ سے صادر شدہ امور پر اللہ تعالیٰ جتنا آپ کے لیے حوصلہ فرماتا ہے اتنا اور کسی کے لیے نہیں کرتا۔

حضور علیہ السلام کا سایہ نہ تھا

(ہم اہلسنت وجماعت کہتے ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نور تھے اس لیے آپ کا سایہ نہ تھا۔ یہی مسلک اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ کا تھا۔ چنانچہ صاحب روح البیان دو سو سال پہلے لکھ گئے) :

قیل انما لم یقع ظلہ علیہ السلام علی الارض لانہ نور محض ولیس للنور ظل۔[1]

(بعض علماء نے فرمایا کہ آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا اس لیے کہ آپ نور محض تھے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا)

تفسیرِ صوفیانہ

اس میں اشارہ ہے کہ آپ نے ظلی کونی وجود کو فنا کر لیا تھا اور آپ ظاہری بشریت کے جسم کے ساتھ تشریف لائے۔ آپ کے اندر معصیت کی ظلمت بالکل نہیں تھی۔ آپ ازل سے اور اصل میں منور تھے۔ بعض مشائخ نے فرمایا کہ بشر کے امکان سے باہر ہے کہ وہ ان انفاس بشری کے ساتھ سراً وعلانیۃً مراقبۂ الٰہی میں زندگی بسر کرے اس لیے کہ یہ صرف ملاء اعلیٰ کے فرشتوں کا خاصا ہے اور ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مرتبہ حاصل تھا اس لیے کہ انسان پر ذکرِ الٰہی یا واجب ہے یا مندوب یا مباح۔ اور ہمارے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام طریقوں میں اور ہر وقت ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔

---

[1] روح البیان ج ۷ ص ۲۰۰ مطبوعہ استنبول

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(**ازالۂ وہم وہابیہ** یہاں پر وہابیہ و دیوبندیہ کے ایک وہم کا ازالہ ضروری ہے۔ یہ کہ اگر حضور علیہ السلام ہم جیسے بشر نہیں تھے تو پھر آپ بھولتے کیوں تھے اس لیے کہ بھولنا بشر کا خاصہ ہے۔ ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ آپ کا بھولنا ہماری طرح غفلت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ آپ کا بھولنا محض شرعی امور کے اجراء کی بنا پر تھا تاکہ امت کو معلوم ہو کہ اگر انسان بھول جائے تو پھر کیا کرے[1] چنانچہ اسی مضمون کو صاحب روح البیان نے دو صدی پیشتر اپنی تفسیر میں لکھا کہ)

وما نقل من سهوه عليه السلام في بعض الامور فليس كسهو سائر الخلق الناشئ عن سعونة الطبع وغفلته حاشاه عن ذلك بل سهوه تشريع لامته ليقتدوا به فيه كالسهو في عدد الركعات حيث انه عليه السلام صلى الظهر ركعتين[2]

(وہ جو بعض امور میں آپ کا سہو منقول ہے تو وہ ایسا سہو نہیں جو عام مخلوق کو طبیعے کی خرابی سے پیدا ہوتا ہے یا غفلت سے آپ کی ذات خرابی اور غفلت سے پاک تھی بلکہ آپ کا سہو تشریعات کے لیے تھا تاکہ وہ آپ کی اقتداء کر سکیں جیسے عدد رکعات میں ہوا کہ آپ نے ظہر کی دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ آپ نے دو رکعت پڑھی ہے۔ اس پر آپ کھڑے ہوئے اور دو رکعت مزید پڑھی)

جواب ۲: آپ چونکہ ہر وقت مستغرق باللہ رہتے تھے اسی لیے دنیوی امور کی طرف آپ کی توجہ اس وقت ہوتی جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوتا۔ اسی بنا پر استغراق و انجذاب کی کیفیت طاری ہونا سہو کے منافی نہیں۔ چنانچہ اس کی دلیل کلمینی یا حمیراء والی حدیث شریف ہے۔

خلاصۂ جواب یہ کہ آپ کے احوال عامی مخلوق کی طرح نہیں تھے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر معاملہ میں ممتاز رکھا ہے اسی کو ہی قلوب و صدور کے مخفی امور کا علم ہے اور وہی مسائل و احکام کی کنہ و حقائق کو محیط ہے ہم اسی کی رضا جوئی پر اسی کی توفیق چاہتے ہیں۔ وہی ہر نبی و ولی کو فیض یاب فرماتا ہے اور ہر خفی و جلی امر کی رہبری کرتا ہے[3]

تفسیر عالمانہ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ لا یحل یاء کے ساتھ ہے اس لیے کہ النساء اس کا فاعل اگرچہ مونث ہے لیکن قاعدہ ہے کہ جمع مونث غیر حقیقی ہو تو اس کے لیے

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

[2] روح البیان ج ۲ ص ۲۰۸ طبع استنبول

[3] مزید تفصیل فقیر کی کتاب "ابن النسیان فی النبی آخر الزمان" بھی دیکھئے۔ اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

صیغہ مذکر و مؤنث لانا جائز ہے بشرطیکہ درمیان میں فاصلہ بھی ہو، جیسے قال نسوۃ۔ اور یہاں تو فاصلہ ہے النساء اور النسوان اور النسوۃ بالکسر یہ سب المرأۃ کی جمع ہیں اگرچہ الفاظ دیگر ہیں اور یہ بھی عرب میں جائز ہے۔ یعنی کوئی ایک عورت۔ وہ مسلمان ہو یا کتابیہ۔ ہم نے النساء کا واحد معنیٰ اس لیے کیا ہے کہ جس وقت جمع کے صیغے پر الف لام داخل ہو تو جمعیت کا معنیٰ ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ اب جنس کا معنیٰ آجاتا ہے پھر یہ اسم نکرہ کی طرح ہے کہ وہ بھی اثبات میں خاص اور نفی میں عام ہو جاتا ہے۔ مثلاً کسی نے قسم کھائی کہ لا یتزوج النساء۔ یا کہا: لا یکلم الناس۔ یا کہا: لا یشتری العبید۔ ان صورتوں میں واحد کا معنیٰ پیدا ہو گیا کیونکہ ان میں ان کا اسم جنس حقیقی معنیٰ ہو گیا۔

مِنْۢ بَعْدُ ان نو ازواج مطہرات کے سوا جنکو دنیا و آخرت میں آپ نے انہیں اختیار فرمایا اور یہی آپ کے لیے باب نکاح میں نصاب ہے جیسے آپ کی امت کا نصاب چار عورتیں۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اس دن کے بعد آپ نو سے زاید عورتوں سے نکاح نہ کرنا اگرچہ ان میں سے کوئی ایک فوت بھی ہو جائے، تب بھی اور کسی عورت سے نکاح نہ کرنا۔

ف: اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کے لیے صرف چار عورتوں پر اکتفا کیا۔ اپنے محبوب علیہ السلام کو چار سے زاید کی اجازت صرف اس لیے بخشی کہ آپ میں نبوت کی طاقت و عصمت تھی۔ اسی وجہ سے جتنی آپ کو قدرت حاصل تھی کسی اور کو کہاں! اسی لیے بعض امور آپ پر فرض تھے جو دوسروں پر نہیں۔ مثلاً نماز تہجد۔ ایسے ہی آپ جس عمل کو نفلی طور پر شروع فرماتے تو آپ پر وہ عمل فرض ہو جاتا اسی لیے آپ نے تراویح پر مواظبت نہیں فرمائی وغیرہ اسی ارادہ سے کہ آپ کی امت پر تراویح فرض نہ ہو جائے۔

نکتہ امت کے لیے صرف چار عورتوں سے نکاح میں ایک راز تھا، وہ یہ کہ مراتب کل چار ہیں:

۱۔ مرتبۃ المعنیٰ ۳۔ مرتبۃ المثال
۲۔ مرتبۃ الروح ۴۔ مرتبۃ الحس

اور انسان کو جب وجود حاصل تو اسے مجموعہ اسماء غیبیہ و حقائق علمیہ و ارواح نوریہ اور صور مثالیہ اور صور علویہ و سفلیہ و تولیدیہ اسی معنے پر اس کے لیے چار عورتوں سے نکاح کی اجازت بخشی گئی۔ مزید تحقیق کتب تصوف میں ہے۔

وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ تبدل دراصل تتبدل تھا۔ ایک تاء حذف کردیا۔ بدل بمعنے شے کا نائب کہا جاتا ہے تبدلہ بہ و ابدلہ منہ و بدلہ بمعنے اسے اپنا بدل بنایا۔ کما فی القاموس۔

امام راغب نے فرمایا:

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

التبدل والابدال والتبدیل ایک شے کو دوسری شے کا بدل بنانا۔ اور یہ لفظ عوض سے عام ہے۔ ایک شے کو دوسری شے کے بدلے دینا۔ اور تبدیل بمعنے تغییر، اگرچہ اس کے عوض کوئی شے نہ دی جائے۔

ف : من ازواج ' تبدل کا مفعول بہ ہے اور من زائدہ ہے نفی کی تاکید کرتا ہے جنس ازواج کی تحریم کے استغراق کا فائدہ دیتا ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ آپ کے جائز نہیں کہ آپ ان عورتوں کے سوا کسی اور سے نکاح کریں اور نہ ہی انہیں کل یا بعض کو طلاق دے کر کسی اور سے نکاح کریں۔

ف : ان بیبیوں نے چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دارِ آخرت کو اختیار کیا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی عزت افزائی فرمائی ہے۔ یعنی جب انہوں نے دنیا اور اس کی زینت کو ٹھکرا کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف انہی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا پابند فرمایا اور ان کی طلاق اور دوسری عورتوں کی تبدیل سے روک دیا۔

وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ واؤ عاطفہ ہے اور اس کا معطوف حال محذوف ہے جو اس جملے سے پہلے ہے اور ایسے مواقع پر تو لَوْ جواب کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔

الاعجاب بمعنے تعجب کرنا اور خوش آنا۔ امام راغب نے لکھا:

العجب والتعجب ایک ایسی کیفیت کا نام ہے جو کسی وجہ سے بوقت جہل انسان کو عارض ہو اور کبھی ذوق بمعنے پسند کے لیے استعارۃً مستعمل ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

اعجبنی کذا ای راقنی۔ اور الحسن بمعنے شے کا طبع کے موافق آجانا۔ عرف عام میں الحسن بفتحتین ہر اس شے کو کہا جاتا ہے جو آنکھوں کو اچھی محسوس ہو۔

اب معنی یہ ہوا کہ آپ کو جائز نہیں کہ آپ ان کے عوض میں کسی اور عورت کو نکاح میں بدلائیں' اگرچہ آپ کو اپنی عورتوں کا حسن و جمال اچھا نہ لگے اور ان کے بجائے دوسری عورتوں سے بھی نکاح نہ کرنا۔ اس میں آپ کو ہر حال میں دوسری عورتوں سے نکاح کرنے سے روکا گیا ہے۔[1]

ف : جب حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو حضور علیہ السلام نے ان کی زوجہ اسماء بنت عمیس خثعمیہ سے نکاح کرنے کا ارادہ فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ نکاح کرنے سے روکا۔ پھر اس سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا جبکہ انہوں نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] یہ آیت منسوخ ہے اس کی ناسخ ترجی من تشاء الخ ہے۔ تفصیل فقیر کی کتاب "احسن البیان" میں ہے۔ اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سے اس کے ساتھ نکاح کی اجازت چاہی۔ ولو اعجبك حسنهن کے مفہوم سے یہی بی بی مراد ہے الکشاف میں ہے کہ اس سے حبابہ اخت الاشعث بن قیس مراد ہے۔

حدیث شریف میں ہے: شارطت ربی ان لا اتزوج الا من تکون معی فی الجنۃ۔

(میں نے اللہ تعالیٰ سے شرط منظور کرالی ہے کہ میں جس سے نکاح کروں وہ لازماً میرے ساتھ بہشت میں ہو)

ف: اس معنے پر یہی بی اسماء یا حبابہ دنیا میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائق نہیں تھیں اور وہ آپ کے ساتھ بہشت کے اعلیٰ مقام میں ہوں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے ساتھ نکاح کرنے سے روکا اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر بندے کو باطن سے دیکھتا ہے اس کے ظاہر کو نہیں دیکھتا ؎

۱ چوں ترا دل اسیر معنی بود
عشق معنی ز صورت اولیٰ بود
۲ حسن معنی نمی شود سپری
عشق آں باشد از زوال بری
۳ اہل عالم ہمہ دریں کارند
بحجاب صور گرفتارند

ترجمہ: (۱) جب تیرا دل معنی کا گرفتار ہوگا ظاہری صورت کے عشق سے معنی سے محبت کرنا اولیٰ ہے۔

(۲) کیونکہ معنی کا حسن ختم نہیں ہوتا اس کا عشق زوال سے پاک ہے۔

(۳) تمام جہان اسی کام میں ہے کہ وہ حجابات یعنی صورتوں کا گرفتار ہے۔

حدیث شریف میں ہے: من نکح امرأۃ لمالها وجمالها حرم مالها وجمالها ومن نکحها لدینها رزقه اللہ مالها وجمالها

(جو شخص کسی عورت کے مال وجمال کی وجہ سے نکاح کرتا ہے تو وہ اس کے مال وجمال دونوں سے محروم رہے گا۔ اگر وہ اس کے دین کی وجہ سے نکاح کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے مال وجمال دونوں سے مالامال فرماتا ہے)

اِلَّا مَا مَلَکَتْ یہ النساء سے استثناء ہے کیونکہ لفظ النساء ازواج اور کنیزوں سب کو شامل ہے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اب معنٰی یہ ہُوا کہ آپ کے لیے ان بیبیوں کے سوا اور کسی عورت سے نکاح جائز نہیں مگر وہ کنیزیں کہ جن کے آپ مالک ہیں آپ انہیں اپنے تصرف میں لائیں جس طرح چاہیں۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان بیبیوں میں سے ایک کنیز بی بی ماریہ قبطیہ ام سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ تھیں۔

ف : حضرت مجاہد نے فرمایا کہ آیت کا معنی یہ ہُوا کہ آپ کے لیے مسلمان عورتوں کے سوا یہود و نصاریٰ عورتوں سے آپ نکاح نہ کریں۔ اور نہ ہی ان کے عوض یہود و نصاریٰ عورتوں کو نکاح میں لائیں، تاکہ اہل کتاب عورتوں کو امہات المؤمنین کا رتبہ نہ ملے۔ ہاں ان میں سے کنیزیں بنا سکتے ہیں وہ آپ کے لیے جائز ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ رَّقِیْبًا ۝ اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر نگہبان ہے۔ یہ رَقَبْتُہٗ سے ہے بمعنے حفظتہ والرقیب بمعنے الحافظ۔ یہ مراعات رقبتہ المحفوظ سے ہے یا رصدہ رقبتہ۔ الرقیب وہ جس کو غفلت اور ذہول طاری نہ ہو اور نہ ہی یہ چیزیں اس کے لیے جائز ہو سکیں۔ اسی لیے نہ اسے مذکر (یاد دلانے والے) کی ضرورت ہوتی ہے نہ منبہ (تنبیہ کرنے والے کی) کذا فی شرح الاسماء الزروقی۔ یعنی اللہ تعالیٰ حافظ و مہیمن ہے۔ اسی لیے تمہیں کسی کام کا حکم فرما کر تمہاری حفاظت فرماتا ہے اور چاہتا ہے کہ جہاں تمہیں حد بتا دی ہے اس سے آگے نہ گزرو۔

فوائد آیت ھٰذا

(۱) جمہور کے نزدیک یہ آیت محکم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جائز نہ تھا کہ آپ ان ازواج مطہرات کے سوا کسی اور سے نکاح کریں۔

(۲) حبیب اللہ تعالیٰ نے امر نکاح میں وسعت بخشی تو نفس نے ہر گھاٹ کا پانی پینے کی ٹھان لی لیکن اگر اسے اس طرح عام چھٹی دی جاتی تو اس کے مزاج میں خلل پڑ جانے کا خطرہ تھا۔ جیسے انسان گرم اور میٹھا کھانا کھانے لگ جائے تو اس پر صفراء کا غلبہ ہو جاتا ہے تو پھر اسے ٹھنڈی اور کھٹی غذا دی جاتی ہے تاکہ اس کا صفراوی مادہ ختم ہو۔ اس سے اس کی صحت و تندرستی مطلوب ہوتی ہے۔ اسی معنے پر اللہ تعالیٰ نے لا یحل لک کہہ کر اپنے حبیب علیہ السلام کو کھٹی غذا کھلائی ہے تاکہ آپ کا قلبی نفسی مزاج معتدل رہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کے محبت و پیار کی علامت ہے کہ وہ اپنے حبیب علیہ السلام کی تربیت خود فرماتا ہے۔

(۳) ادھر ازواج مطہرات کو اپنے حبیب علیہ السلام کے ساتھ دنیاوی تنگ معاشی پر صبر پہ مجبور کر کے اور پھر اپنے حبیب علیہ السلام کو نکاح کے معاملہ میں ہر عورت سے تزویج کی عام اجازت بخشی تو گویا ازواج مطہرات کو کھٹی اور ٹھنڈی غذا کھلائی تو ان کے منہ میٹھے کرنے کے لیے لا یحل لک النساء الخ فرمایا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تاکہ ان کے مزاج ٹھنڈے ہوں اور ان کے دلوں کے لیے موجبِ سکون و راحت ہو یہی اللہ تعالیٰ کی نوازش ہے کہ اس نے ازواجِ مطہرات کی تربیت خود اپنے ذمۂ کرم لگائی۔

(۴) حضور علیہ السلام اور ازواجِ مطہرات کے واقعات سے امت کے مردوں اور عورتوں کو تنبیہ فرمائی ہے تاکہ وہ اپنی زندگی اور معاشرت کی اصلاح کریں اسی لیے وکان اللّٰہ علی کل شیءٍ رقیبا کا یہی معنی کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی علیہ السلام اور آپ کی ازواجِ مطہرات اور آپ کی امت کے احوال کی نگرانی یعنی ان کی مصلحتوں کو مدِ نظر رکھتا ہے۔

ازواجِ مطہرات کی تعداد

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ازواجِ مطہرات نو تھیں جو یہ ہیں:

۱۔ حضرت عائشہ
۲۔ حضرت حفصہ
۳۔ حضرت اُمِ حبیبہ
۴۔ حضرت سودہ
۵۔ حضرت ام سلمہ
۶۔ حضرت صفیہ
۷۔ حضرت میمونہ
۸۔ حضرت زینب
۹۔ حضرت جویریہ (رضی اللہ عنہن)

بی بی عائشہ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں۔ شوال میں مکہ معظمہ میں آپ کا نکاح ہوا۔ اس وقت بی بی کی عمر سات سال تھی اور شوال میں ہی آٹھویں ماہ ہجری کے پہلے سال میں حضور علیہ السلام آپ کو گھر میں لائے۔ اس وقت بی بی صاحبہ کی عمر نو سال تھی جس وقت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اس وقت بی بی صاحبہ ۱۸ سال کی تھیں۔ وصال کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سرِ مبارک بی بی صاحبہ کی گود میں تھا۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم وصال کے بعد بی بی صاحبہ کے حجرہ میں آرام فرما ہوئے۔ بی بی صاحبہ تقریباً سڑسٹھ (۶۷) سال کی عمر میں رمضان المبارک ۵۸ھ میں فوت ہوئیں۔ آپ کی نمازِ جنازہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور رات کے وقت بقیع میں مدفون ہوئیں۔ یہ دور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا تھا اور اس وقت مروان بن الحکم مدینہ طیبہ کے امیر تھے۔ لیکن یہ اس سال عمرہ کی وجہ سے مدینہ میں نہیں تھے اپنے پیچھے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو نائب بنایا تھا۔

بی بی حفصہ

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں آپ کی ماں کا نام زینب تھا اور یہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کے رضاعی بھائی تھے۔ حضور علیہ السلام نے بی بی حفصہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہجرت

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کے تیسویں ماہ کے بعد اور غزوہ احد سے دو ماہ پہلے شعبان میں نکاح کیا اور بی بی صاحبہ کی ولادت اظہار نبوت سے پانچ سال پہلے ہوئی۔ آپ کی عمر تریسٹھ سال ہوئی اور شعبان ۴۵ھ میں مدینہ میں فوت ہوئیں۔ آپ کی نماز جنازہ مروان بن الحکم نے پڑھائی۔ اس وقت وہی مدینہ کا امیر تھا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ کے جنازہ کو کاندھا دیا۔

ام حبیبہ آپ کا نام رملہ ہے۔ آپ ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔ آپ نے اپنے شوہر عبید اللہ بن جحش کے ساتھ دوسری ہجرت حبشہ کی طرف کی وہیں آپ کا شوہر عبید اللہ بن جحش نصرانی ہوگیا لیکن آپ اسلام پر ثابت قدم رہیں۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہ حبشہ کے ذریعہ بی بی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کا پیغام بھجوایا۔ یہ پیغام عمرو بن امیہ الضمری نے پہنچایا۔ آپ کا نکاح حبشہ میں ہوا، اسی لیے آپ کی طرف سے مہر نجاشی بادشاہ نے ادا کیا یہ چار سو دینار تھے اور مہر کے علاوہ بی بی کو جہیز بھی نجاشی بادشاہ نے دیا اور ۶ھ میں حبشہ سے نجاشی نے بی بی کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں روانہ کیا۔

سودہ سودہ بنت زمعۃ العامریہ رضی اللہ عنہا، آپ کی والدہ بنو نجار کے قبیلہ سے تھیں۔ اس لیے آپ کی والدہ سلمی بن عبدالمطلب کے بھائی کی صاحبزادی ہیں۔

ام سلمہ آپ کا نام ہند تھا ابی امیہ مخزومی کی صاحبزادی ہیں۔ جس وقت بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور علیہ السلام سے ہوا اس وقت بی بی صاحبہ کی چار صاحبزادیاں تھیں یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں بی بی صاحبہ فوت ہوئیں بوقتِ فوتیدگی آپ کی عمر ۸۴ سال تھی اور سن بھی ۶۳ھ۔ بقیع میں مدفون ہوئیں۔ آپ کی نماز جنازہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی۔

صفیہ بنت حیی بنو نضیر کے قبیلہ سے تھیں۔ آپ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھیں۔ حیی بنو قریظہ کے ساتھ مقتول ہوا۔ اور یہ بنو نضیر کے سردار تھا۔ بی بی صاحبہ کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے منتخب فرمایا پھر آپ نے انہیں آزاد کر کے اپنے ساتھ نکاح کر لیا۔ آپ کے مہر میں آپ کی آزادی مقرر ہوئی۔ بی بی صاحبہ نے خواب میں دیکھا کہ ان کی گود میں چاند آ گیا ہے۔ اس کے بعد ان کا حضور علیہ السلام کے ساتھ نکاح ہوگیا۔ آپ کی عمر ستر سال پوری نہ ہوئی۔ آپ کا انتقال رمضان المبارک ۵۰ھ میں ہوا اور بقیع میں مدفون ہوئیں۔

میمونہ بنت الحارث الہلالیہ رضی اللہ عنہا سے حضور علیہ السلام نے بحالتِ احرام نکاح کیا، اور یہ احرام ۷ھ میں عمرۃ القضا کا تھا۔ احرام سے فراغت کے بعد آپ کے ساتھ رسم شادی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ادا ہوئی۔ ۵۱ھ میں فوت ہوئیں اور بمقام سرف وفات پائی۔ اس وقت آپ کی عمر ۸۰ سال تھی اور وہیں مدفون ہوئیں۔

ف: سرف بروزن کتف قریب تنعیم میں ایک مقام کا نام ہے۔ یہ مکہ کے لیے دخول کا مقام ہے۔

زینب بنت جحش بن رباب اسدیہ رضی اللہ عنہا غزوۂ المصطلق میں قیدی ہو کر تشریف لائیں۔

جویریہ اس وقت ان کی عمر بیس سال تھی۔ مال غنیمت کی تقسیم میں ثابت بن قیس کے حصے میں آئیں۔ انہیں مکاتبت کے طور آزاد کیا مکاتبت کا بدلہ حضور علیہ السلام نے ادا کر کے ان سے نکاح کر لیا۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ آپ کے ملک میں تھیں آپ نے انہیں آزاد کر کے نکاح کر لیا۔ مدینہ طیبہ میں ۵۰ھ میں فوت ہوئیں۔ آپ کی عمر ستر سال تھی۔ آپ کی نماز جنازہ مروان بن الحکم نے پڑھائی جو اس وقت مدینہ کے حاکم تھے۔

یہ وہ نو بیبیاں تھیں جن کو وصال کے وقت حضور علیہ السلام نے چھوڑا۔ بعض نے اسے اشعار میں منظوم فرمایا ہے

توفی رسول اللہ عن تسع نسوۃ
الیھن تعزی المکرمات وتنسب
فعائشۃ میمونۃ و صفیۃ
وحفصۃ تتلوھن ھند و زینب
جویریۃ مع رملۃ ثم سودۃ
ثلاث و ست ذکرھن لیعذب

ترجمہ: حضور علیہ السلام نو بیبیوں سے دنیا سے رخصت ہوئے ان کی طرف عزت و حرمت منسوب ہوتی ہے وہ نو بیبیاں یہ ہیں:

۱۔ عائشہ
۲۔ میمونہ
۳۔ صفیہ
۴۔ حفصہ
۵۔ ہند
۶۔ زینب
۷۔ جویریہ
۸۔ رملہ
۹۔ سودہ

یہ وہ نو بیبیاں ہیں جن کا ذکر اوپر ہوا۔

مسئلہ آیت سے ثابت ہوا کہ جس عورت سے نکاح کرنا مطلوب ہے اسے دیکھنا جائز ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حدیث شریف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے ایک انصاری عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انظر الیھا فان فی اعین نساء الانصار شیئا۔

(اسے اچھی طرح دیکھ لے اس لیے کہ انصاری عورتوں کی آنکھوں میں کچھ کجی ہوتی ہے)

ف: حضرت حمیدی نے فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ ان کی آنکھیں چھوٹی ہوتی ہیں علاوہ ازیں منکوحہ کو نکاح سے پہلے دیکھنے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اس سے انس والفت میں اضافہ ہوتا ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رضاعی خالہ ام سلمہ کو فرمایا کہ میں فلاں عورت سے نکاح کا ارادہ رکھتا ہوں تو اس کے چہرے کو سونگھ لے۔

ف: عوارض سے چہرے کی دونوں طرفیں مراد ہیں تاکہ معلوم کیا جا سکے کہ اس کے منہ کی بُو اچھی ہے یا گندی۔

مسئلہ: عذر کے وقت انسان کے تمام اعضاء یہاں تک کہ فرج و ذکر کو بھی دیکھنا جائز ہے۔

ف: اعذار یہ ہیں:

(۱) گواہی دینے کے لیے، مثلاً زنا کرنے والوں کے عورت غلیظہ دیکھنا جائز ہے جبکہ گواہی دیتے وقت یہ کہنا ہوگا کہ اس نے زنا کرتے وقت ایسے دیکھا ہے جیسے سرمہ دانی میں سرمہ کی سلائی۔

(۲) گواہی کے ادا کرنے کے لیے اس کے چہرے کو دیکھنا ہوگا جبکہ گواہی کے وقت کہے گا کہ میں نے اس شخص کے چہرے کو دیکھا تھا فلہٰذا اس کے لیے گواہی دیتا ہوں۔

(۳) قاضی کے حکم دینے سے پہلے محکوم کے چہرے کو دیکھ لے۔

(۴) دایہ کا ولادت کے وقت فرج کو دیکھنا۔

(۵) عنین یعنی نامرد کی عورت کی بکارت کو عورت کا دیکھنا تاکہ بعد میں گواہی دے سکے کہ واقعی اس عورت کی بکارت ٹوٹی ہے یا نہیں۔

(۶) ختنہ مرد و عورت کے وقت عورت و مرد کے ذکر و فرج کو دیکھنا۔ ختنہ مرد کے لیے سنت مؤکدہ اور عورت کے لیے مستحب ہے۔ ختنہ یعنی اس چمڑے کو کاٹنا جو پیشاب گاہ کے اوپر ہوتا ہے۔ وہ ایک باریک چمڑا مرغ کے سر کے بالوں کی طرح ہوتا ہے اسے کاٹنے کا نام ختنہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے:
الختان سنة للرجال مکرمة للنساء ویزید لذتها و یجعت

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مطلوب تھا ۔

(مرد کا ختنہ سنت اور عورت کا باعث تکریم ۔ اس سے لذت میں اضافہ ہوتا ہے ۔ اور عورت کے لیے فائدہ یہ ہے کہ اس کی فرج کی رطوبت خشک ہوتی ہے)

(۷) شے کے خریدتے وقت عیب دیکھ لینا ۔

(۸) نکاح کے ارادہ سے عورت کا چہرہ دیکھنا جائز ہے اگرچہ شہوت بھی ہو لیکن شہوت کا ارادہ نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ عورت کو نکاح سے قبل دیکھنا جائز ہے ۔ اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے ۔ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ صرف اعضاء جیسے چہرہ اور گردن اور قدم دیکھنا جائز ہے ۔ اور باقی تینوں ائمہ نے فرمایا کہ صرف چہرے اور دو ہتھیلیوں کو دیکھنا جائز ہے ۔ کذا فی فتح الرحمٰن ۔

ف : آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کا نگہبان ہے لیکن جب اس کی کسی پر خصوصی نگاہ ہو جاتی ہے تو اس شخص کی کسی دوسرے کی طرف توجہ نہیں رہتی ۔

ف : جناب کاشفی نے فرمایا :

وکسے کہ از سر رقیب حق آگاہ گردد اورا از مراقبہ چارہ نیست ۔

(جس شخص کو رقیب کا راز سمجھ آجاتا ہے اسے مراقبہ کی دولت نصیب ہوتی ہے)

چو دانستی کہ حق دانا و بینا ست
نہان و آشکار خویش کن راست

ترجمہ : جب تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ دانا و بینا ہے اس لیے تمہیں اپنا ظاہر و باطن صحیح رکھنا چاہیے ۔

تفسیر صوفیانہ

اس نام (یعنی رقیب) کی برکت سے بندے کو اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوتا ہے اس کا طریقہ صحیح یوں ہوگا کہ بندہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے رہے اور سمجھے کہ وہی ہر وقت جانتا ہے اور اسے ہر وقت اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ ہو اور اسے یقین ہو کہ نفس اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے اور شیطان اس کا اس سے اور بڑا دشمن ہے اس لیے کہ یہ دونوں قرب الٰہی سے غافل و کاہل بنانے کی جدوجہد کرتے ہیں اور چاہتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کے خلاف کرے ۔ اسی لیے سالک پر لازم ہے کہ وہ نفس و شیطان کی شرارت کا خیال رکھے اور سمجھے کہ نفس ہمیشہ غلطی کرانے کے درپے رہتا ہے بلکہ نفس انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہر راستہ کو بند کرنے کی جدوجہد کرتا ہے اس لیے لازم ہے کہ انسان اپنے نفس کی نگرانی کرے اور اللہ تعالیٰ کے جملہ اوامر و احکام پر نفس کو پابند کرے ۔

ف : اس اسم کا خاصہ یہ ہے کہ اس کی برکت سے گم شدہ چیزیں واپس آسکتی ہیں اور مال ۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ
اے ایمان والو نبی کے گھروں میں نہ حاضر ہو جب تک اذن نہ پاؤ مثلاً کھانے کے لیے
غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا
جاؤ نہ یوں کہ خود اس کے پکنے کی راہ تکو ہاں جب بلائے جاؤ تو حاضر ہو اور جب کھا چکو تو متفرق ہو جاؤ نہ یہ کہ بیٹھے باتوں
مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ
میں دل بہلاؤ بے شک اس میں نبی کو ایذا ہوتی تھی تو وہ تمہارا لحاظ فرماتے تھے اور اللہ حق فرمانے
وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ
میں نہیں شرماتا اور جب تم ان سے برتنے کی کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر مانگو
حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ
اس میں زیادہ ستھرائی ہے تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کی اور تمہیں نہیں پہنچتا کہ رسول اللہ کو ایذا دو
اللّٰهِ وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ
اور نہ یہ کہ ان کے بعد کبھی ان کی بیبیوں سے نکاح کرو بے شک یہ اللہ کے نزدیک بڑی سخت بات
عَظِيْمًا ۝ اِنْ تُبْدُوْا شَيْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝ لَا
ہے اگر تم کوئی بات ظاہر کرو یا چھپاؤ تو بے شک اللہ سب کچھ جانتا ہے ان
جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْۤ اٰبَآىٕهِنَّ وَلَاۤ اَبْنَآىٕهِنَّ وَلَاۤ اِخْوَانِهِنَّ وَلَاۤ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ
پر مضائقہ نہیں ان کے باپ اور بیٹوں اور بھائیوں اور بھتیجوں اور بھانجوں
وَلَاۤ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآىٕهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ اِنَّ
اور اپنے دین کی عورتوں اور اپنی کنیزوں میں اور اللہ سے ڈرتی رہو بے شک
اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ۝ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓىٕكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ
ہر چیز اللہ کے سامنے ہے بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
بتانے والے (نبی) پر اے ایمان والو ان پر درود اور خوب سلام بھیجو بے شک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے
لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ
رسول کو ان پر لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ نے ان کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے اور جو ایمان والے
الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ ع
مردوں اور عورتوں کو بے کیے ستاتے ہیں انہوں نے بہتان اور کھلا گناہ اپنے سر لیا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تفسیر عالمانہ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (اے ایمان والو)

شانِ نزول مروی ہے کہ جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی زینب کو بحکم ربانی نکاح کے لیے قبول فرمایا تو آپ نے ان کے ولیمہ کی دعوت پکائی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دعوت پر بلایا۔ جب صحابہ کرام نے دعوت کھا لی تو بعض ان میں باتوں میں مشغول ہو گئے اور بی بی زینب گوشۂ تنہائی میں بیٹھی تھیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس انتظار میں تھے کہ یہ لوگ اٹھیں۔ کافی دیر ہو گئی بالآخر حضور علیہ السلام خود وہاں سے اٹھ گئے۔ تب لوگ وہاں سے اُٹھے اور چلے گئے۔ لیکن تین آدمی پھر بھی محو گفتگو رہے۔ حضور علیہ السلام گھر سے باہر نکلے لیکن شرم کی وجہ سے انہیں کچھ نہ فرمایا۔ کافی دیر کے بعد آپ کو بی بی صاحبہ سے خلوت کا موقع ملا۔ اس پر یہ آیت حجاب نازل ہوئی۔

شانِ نزول دیگر مروی ہے کہ بعض اہل ایمان کھانا پکنے کے انتظار میں ہوتے جونہی حضور علیہ السلام کے گھر میں طعام پک جاتا تو وہ کھانے کے لیے آ کر بیٹھ جاتے یہاں تک کہ کھانے سے فراغت کے بعد بھی وہیں بیٹھے رہتے۔ حضور علیہ السلام پر یہ ناگوار گزرا، اللہ جل جلالہ نے فرمایا: اے ایمان والو! لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ حضور علیہ السلام کے حجروں میں مت داخل ہو۔ اِلَّآ اَنْ یُّؤْذَنَ لَکُمْ مگر جس وقت آپ تمہیں دعوت دے کر اپنے دولت کدہ میں حاضری کی اجازت بخشیں اِلٰی طَعَامٍ طعام کے لیے۔ یہ یؤذن کے متعلق ہے اس لیے کہ یُؤذن کے متعلق ہے تاکہ معلوم ہو کہ دعوت پر اجازت کے بغیر جانا جائز نہیں اگر اجازت مل جائے تو پھر جائز ہے چنانچہ غَیْرَ نٰظِرِیْنَ اِنٰىهُ سے معلوم ہوتا ہے کہ لا تدخلوا کے فاعل سے حال ہے اور استثناء ظرف اور حال سے واقع ہے۔

صفحہ ۹۰۶ سے آگے

اہل و عیال پر حفاظت نصیب ہوتی ہے جس کی کوئی چیز گم ہو جائے اسے زیادہ سے زیادہ پڑھے تو گم شدہ چیز مل جائے گی۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ جہاں حمل گرنے کا خطرہ ہو اسے سات بار پڑھ کر دم کیا جائے۔

تیسرا فائدہ یہ ہے کہ جو شخص سفر پر جانے کا ارادہ کرے یہ اسم مبارک سات بار پڑھ کر سفر جانے والے کی گردن پر پھونک کر روانہ کرے۔ سفر سے واپسی تک وہ خود اور اس کے اہل و عیال حفاظت میں رہیں گے۔ ذکرہ ابوالعباس فاسی فی شرح الاسماء الحسنیٰ۔

دعا اللہ تعالیٰ ہمیں رات و دن میں سرًّا و جہرًا محفوظ فرمائے اور ہمیں اس دنیا سے اگلی تک اپنی حفاظت میں رکھے۔ آمین۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اب معنی یوں ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت کدہ میں اجازت کے بغیر مت جاؤ اور نہ ہی ان کے ہاں طعام پکنے کا یا اس کے حصول کا انتظار کرو۔

الانا (بالقصر و بالکسر) انی الطعام کا مصدر ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب طعام پک کر کھانے کے قابل ہو جائے۔

المفردات میں ہے کہ الانا جب بالکسر ہو تو اسے بالقصر پڑھنا ہوگا اگر بالفتح ہو تو اسے بالمد پڑھنا چاہیے۔

اہل عرب بولتے ہیں:

انی الشئ یانی۔

یہ اس وقت کہتے ہیں جب طعام پکنے کے قریب ہو۔

ایسے ہی آن یئین بمعنے حان یحین ہے۔

مسئلہ: اس میں اشارہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لینا اور آپ کے اوقات کی رعایت اور آپ کا احترام ضروری ہے۔

وَلٰکِنْ اِذَا دُعِیْتُمْ فَادْخُلُوْا اور جب بلائے جاؤ تو (حاضر ہو) الدخول بغیر اذن کی نہی کا یہ استدراک ہے

فائدہ: اس میں واضح دلیل ہے کہ اذن سے طعام کی دعوت مراد ہے یعنی جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں طعام کے لیے گھر میں حاضری کی اجازت دیں اور تمہیں اس کی دعوت دی جائے تو پھر آپ کے دولت کدہ میں حاضر ہو لیکن ادب کو ملحوظ رکھنا تم پر واجب ہے اور آپ کی درگاہ کی حاضری کے احکام مد نظر رکھنا تم پر لازم ہے۔

فَاِذَا طَعِمْتُمْ پس جب تم کھانا کھا کر فارغ ہو جاؤ۔ الطعم بمعنے تناول الغذاء۔

فَانْتَشِرُوْا تو وہاں سے چلے جاؤ اور ٹھہرو مت۔ یعنی حضور علیہ السلام کے دولت کدہ سے دعوت کھا کر وہاں سے چلے جاؤ۔

مسئلہ: طعام کے لیے بلا اجازت کسی کے گھر چلے جانے میں کوئی حرج نہیں جبکہ دعوت طعام پہلے دی جا چکی ہو۔ ورنہ کسی کے گھر میں بلا اجازت داخل ہونا ناجائز ہے۔ اسی طرح طعام سے فراغت کے بعد وہاں نہیں ٹھہرنا چاہیے۔

وَلَا مُسْتَاْنِسِیْنَ الاستئناس بمعنے انس لینا۔ یہ وحشت و نفور کی نقیض ہے۔

لِحَدِیْثٍ قلیل و کثیر کلام کے لیے الحدیث مستعمل ہے اس لیے کہ تھوڑی تھوڑی بات زبان سے حادث ہوتی ہے اس کا ناظرین پر عطف ہے یا اس کا عطف فعل مقدر پر ہے یعنی نہ تو ایک دوسرے کی گفتگو میں مشغول ہو جاؤ اور نہ ہی گھر والوں کی باتیں سننے میں کان لگاؤ۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب تمہاری ضروریات پوری ہو جائیں تو فوراً نکل جاؤ اور اس میں غفلت مت کرو۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ خلق کو دیکھ کر آپ کے حسنِ ادب میں کوتاہی نہ کرو اور نہ ہی آپ کے جاہ و جلال کو دیکھ کر ان سے دُوری اختیار کرو۔ آپ کے حسنِ خلق نے انہیں آپ کے ساتھ گھل کر رہنے پر بیباک بنا دیا تھا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

تفسیر عالمانہ إِنَّ ذَٰلِكُمْ کھانا کھانے کے بعد باتوں میں لگ جانا كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچاتا ہے اس لیے کہ آپ کا حجرہ اقدس تنگ ہے، اس سے آپ کے اہل وعیال کو تنگی ہوتی ہے اور لایعنی باتوں میں مشغول رہتے ہیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچتی ہے۔

حلِ لغات : الاذی یعنی ہر وہ امر جس سے انسان کو ضرر پہنچے۔ وہ ضرر نفس سے متعلق ہو یا جسم سے، وہ امر دنیوی ہو یا اخروی۔

فَيَسْتَحْيِي مِنكُمْ یہاں مضاف محذوف ہے دراصل من اخراجکم تھا جیسا کہ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ معلوم ہوتا ہے یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں اپنے دولتکدہ سے باہر نکالنے سے حیاء کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ حق سے حیاء نہیں کرتا، اس لیے کہ وہ امر جس سے حیا کیا جا رہا ہے وہ حق ہے اور وہ صحابہ کرام سے متعلق ہے یعنی ان کا دولتکدۂ نبوی سے جانا یعنی تمہارا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دولتکدہ سے نکالا جانا حق ہے اسی لیے حیاء کر کے اس حق کا ترک اچھا نہیں ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ حیاء والوں کی طرح اسے ترک نہیں فرماتا بلکہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ فوراً نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دولتکدہ سے نکل جاؤ۔

نکتہ ترک کے عدم کو عدم الاستحیاء سے تعبیر کرنے میں صرف مشاکلت مطلوب ہے یعنی جملہ اول میں لفظ استحیاء واقع ہوا۔ اسی کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے عدم استحیاء بیان فرمایا ہے۔

ف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ شرمیلے تھے اور عورت سے آنکھ بچانے میں بہت زیادہ احتیاط فرماتے تھے۔

اغضاء یعنی جس شے سے طبع کو نفرت ہو اس سے آنکھ چھپانا، اور حیاء ایک ایسا امر جو انسان کے منہ پر واقع ہوتا ہے اسی وقت جبکہ مکروہ فعل کے صدور کے وقوع کا امکان ہو یا ایسے فعل کے وقت کہ جس کا ترک کرنا اس کے کرنے سے بہتر ہو۔

المفردات میں ہے کہ حیاء یعنی نفس کا قبائح سے منقبض ہونا۔ اسی وجہ سے اس فعل قبیح کا ترک کرنا ہوتا ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سفید ریش کی فضیلت مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ سفید بالوں والے مسلمانوں سے حیاء فرماتا ہے کہ اسے عذاب میں مبتلا کرے ۔

ف : یہاں پر حیاء بمعنے انقباض النفس الخ نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ایسے اوصاف سے منزّہ اور پاک ہے یہاں پر مطلقاً عذاب نہ دینا مراد ہے ۔ یہی تاویل (مندرجہ ذیل) حدیث میں جاری ہوگی :

انّ اللہ تعالیٰ حیّی ۔

(اللہ تعالیٰ حیاء والا ہے)

یعنی وہ قبائح کا چھوڑنا اور محاسن کو پسند فرماتا ہے ۔

مسئلہ : آیت میں حد سے زیادہ کھانے والوں کی مذمت کی گئی ہے ۔ اسی لیے الاحنف نے فرمایا کہ آیت فاذا طعمتم فانتشروا بسیار خوروں کے حق میں نازل ہوئی ہے ۔

مسئلہ : اسی لیے مہمان کو حکم ہے کہ وہ میزبان کے گھر میں جا کر ڈیرہ نہ جمالے بلکہ ضرورت مہمانی کے بعد فوراً میزبان کے گھر سے جانے کی کوشش کرے ۔

مسئلہ : ایسے مزاج پرسی کرنے والوں کو حکم ہے کہ مریض کے ہاں جا کر اس کی مزاج پرسی کے فوراً بعد چلے جانا چاہیے ۔

لطیفہ اعمش سے پوچھا گیا کہ آپ کی آنکھیں خراب کیوں ہیں؟ انہوں نے فرمایا : طبیع پر بوجھ ڈالنے والوں کو دیکھنے سے میری آنکھیں خراب ہو گئی ہیں ؎

اذا دخل الثقيل بارض قوم
فما للساكنين سوى الرحيل

ترجمہ : جب طبیع پر بوجھ ڈالنے والے کسی علاقہ میں جاتے ہیں تو وہاں کے ساکنین کوچ کرنے کی جد و جہد کرتے ہیں ۔

ف : اہل دل فرماتے ہیں کہ طبیع پر بوجھ ڈالنے والوں کی صحبت روح کا بخار ہے ۔

حکایت نوشیرواں سے سوال ہوا کہ کیا وجہ ہے کہ لوگ بہت بڑے بوجھ تو سر پر رکھ لیتے ہیں لیکن طبیع پر بوجھ ڈالنے کے ساتھ بیٹھنے سے بہت گھبراتے ہیں ۔ نوشیرواں نے کہا کہ بوجھ اٹھاتے وقت تمام اعضاء ساتھ دیتے ہیں لیکن طبیع پر بوجھ کی ثقالت کی حامل صرف روح ہے ۔ اسی وجہ سے روح علیل ہونے کی وجہ سے ایسا بوجھ اٹھانے سے کتراتی ہے ۔

ف : اہل دل فرماتے ہیں کہ بزرگوں کے ہاں حاضری کے وقت قلت کلام اور ان سے جلد تر اٹھ کر واپس آنا بہتر ہوتا ہے ۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

احمق کی علامت احمق کی دو علامتیں ہیں:
(۱) کسی کے ہاں ضرورت سے زیادہ بیٹھنا۔
(۲) کسی کے پاس بے وقت جانا۔

مسئلہ: جب کسی بھائی کے ہاں جاؤ تو اس کے دروازے پر جاکر اجازت طلب کرو اور تین بار کہو،
السلام علیکم یا اھل البیت۔
(اے گھر والو! تم پر سلام)
اس کے بعد کہے کہ کیا تیرے گھر میں فلاں آسکتا ہے؟ اور ہر بار اتنا انتظار کرے جتنا وقت کھانا کھانے پر صرف ہوتا ہے یا وضو کرنے والا وضو کرتا یا چند رکعت نوافل پر وقت لگتا ہے۔

مسئلہ: گھر والا اجازت دے تو فوراً جاکر جلد لوٹے۔ اگر وہ اجازت نہ دے یا اندر سے کوئی جواب نہ پائے تو اس پر ناراضگی اور بغض و کینہ کیے بغیر واپس چلا جائے۔

مسئلہ: جس شخص کو گھر پر بلانے کے لیے قاصد بھیجا گیا اور وقت آنے کے بعد طعام گاہ میں جانے کے لیے مزید اجازت طلبی کی ضرورت نہیں ہے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ قال کی نہایت ادب پر ہے لیکن یہ ادب حال کی ابتدا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ السلام کو پہلے ادب کی تعلیم سے آراستہ فرمایا اس کے بعد اپنی مخلوق کے ہاں رسول بنا کر بھیجا۔
چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
ادبنی ربی فاحسن تادیبی۔
(مجھے میرے رب نے ادب سکھایا اور خوب سکھایا)۔

ف: عام انسان کے لیے ہر عضو کا علیحدہ علیحدہ ادب ہے۔ اگر ہر عضو ادب نہ بجا لائے تو برباد ہوتا ہے اور ہر خواص کے اعضاء باطنی کا بھی علیحدہ علیحدہ ادب ہے اگر وہ اس کی پابندی نہ کریں تو تباہی اور ہلاکت کا موجب ہوتا ہے اور خاص الخاص تو ہر وقت ادب کو ملحوظ رکھتے ہیں۔
حضرت جامی قدس سرہ نے فرمایا: ~

١ ادبوا النفس ایها الاحباب
طرق العشق کلها آداب

٢ مایۂ دولت ابد ادبست
پایۂ رفعت خرد ادبست

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۳ چیست آں داد بندگی دادن
بر حدود خدائے ایستادن

۴ قول و فعل از شنیدن و دیدن
بترازوئے شرع سنجیدن

۵ با حق و خلق و شیخ و یار و رفیق
رہ سپردن بمقتضائے طریق

۶ حرکات جوارح و اعضا
راست کردن بحکم دین خدا

۷ خطرات و خواطر و اوہام
پاک کردن ز شوب نفس تمام

۸ دین و اسلام در ادب طلبیست
کفر و طغیان ز شوم بے ادبیست

ترجمہ: (۱) اے دوستو! نفس کو ادب سکھاؤ اور عشق کے تمام طریقے آداب ہی ہیں۔

(۲) دولت کا سرمایہ ابدی ادب ہے خرد کی بلندی کا پایہ ادب ہے۔

(۳) بندگی کی داد دینا کیا ہے، حدود اللہ پہ قائم رہنا۔

(۴) قول و فعل سے سننا اور دیکھنا اسی شرع سے بال سنگارنا۔

(۵) حق تعالیٰ اور خلق خدا اور شیخ و یار و رفیق کے ساتھ بمقتضائے طریق سے گزارنا۔

(۶) حرکات جوارح و اعضا کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر سیدھا رکھنا چاہیے۔

(۷) خطرات و خواطر و اوہام کو نفس کی ملاوٹ سے مکمل پاک رکھنا لازم ہے۔

(۸) دین و اسلام ادب طلبی میں ہے کفر و طغیان بے ادبی کی نحوست سے ہے۔
اللہ تعالیٰ سے آداب حسنہ اور افعال مستحسنہ کی توفیق چاہتا ہوں۔

وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا اور جب ان سے کوئی معمولی شے یا زیادہ استعمال کی چیزیں مانگو فَاسْأَلُوهُنَّ تو ان سے مانگو مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ باہر پردے سے۔ یعنی ان کے دروازے سے باہر ذٰلِكُمْ وہ پردے سے باہر سوال کرنا أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ یہ تمہارے اور ان کے قلوب کے لیے زیادہ پاکیزہ معاملہ ہے اس طرح سے تم خواطر نفسانیہ اور خیالات شیطانیہ سے محفوظ رہو گے اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ جب مرد اور عورت ایک دوسرے کو نہ دیکھیں تو قلب میں کسی کا خطرہ واقع نہیں ہوتا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ف : اللہ تعالیٰ نے بندوں کو عادت مالوفہ سے ہٹا کر معاملۂ شرعیہ کی طرف پھیرا ہے اور طریقہ عبادت و طاعت کا واضح فرمایا ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ انسان بالآخر انسان ہے خواہ وہ صحابی ہو یا زوجۂ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اسی لیے مرد ہو یا عورت، اسے اپنے نفس پر بھروسا نہیں کرنا چاہیے۔ اسی لیے شریعتِ مطہرہ نے تاکیدی حکم فرمایا ہے کہ کوئی مرد بھی کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ بیٹھے جبکہ ان کے درمیان رشتۂ محرومیت نہ ہو۔

حدیث شریف

حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لا یخلون رجل بامرأۃ فان ثالثھما الشیطان۔

(جہاں مرد و عورت تنہائی میں ہوتے ہیں وہاں تیسرا شیطان ہوتا ہے)

حضرت عمر اور آیتِ حجاب

(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ازواج النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پردہ کے متعلق سخت تقاضا تھا اور دل سے چاہتے تھے کہ بلا پردہ باہر نہ آئیں جائیں۔ اس کا بارہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کر چکے تھے اور آرزو رکھتے تھے کہ اس کے متعلق کوئی آیت قرآنی نازل ہو۔ اور ازواج مطہرات سے فرمایا کرتے تھے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عرض مان لیں تو تمہیں کوئی غیر دیکھ بھی نہ سکے اور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے ہاں ہر طرح کے انسان نیک اور بُرے حاضر ہوتے ہیں اگر آپ ازواج مطہرات کو پردے کا حکم فرمائیں تو بہتر ہے۔ چنانچہ یہی آیت نازل ہوئی۔

(۲) مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ازواج مطہرات پر گزر ہوا اور اس وقت بیبیاں دوسری عورتوں کے ساتھ مسجد میں تھیں آپ نے انہیں فرمایا کہ تم پردہ اوڑھ لیا کریں تو بہتر ہے اس لیے کہ تم کو دوسری تمام عورتوں پر فضیلت حاصل ہے جیسے تمہارے شوہر گرامی تمام انسانوں سے افضل ہیں۔ بی بی زینب رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

"اے عمر بن الخطاب! (رضی اللہ عنہ) آپ کو ہمارے لیے غیرت ہے (تو مبارک) لیکن قرآن تو ہمارے گھروں میں نازل ہوتا ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو آپ کی غیرت کی ہمیں ضرورت ہی نہیں۔"

یہی بات ہو رہی تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے موافق یہی آیت نازل ہوئی۔

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے باہر تشریف لے جاتیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار اا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کے لیے پردے کے بارے میں عرض کرتے لیکن حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حکم الٰہی کے بغیر اپنی طرف سے حکم نہ فرماتے۔ ایک دن بی بی سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا رات کے وقت باہر تشریف لے جا رہی تھیں، ان کا قد لمبا تھا، انہیں دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اے سودہ! میں نے تجھے پہچان لیا ہے۔"

اس سے آپ کی مراد یہ تھی کہ کہیں ان کو پردہ کرنے کا خیال آجائے۔ چنانچہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آیت حجاب نازل فرمائی۔

ف: آیتِ حجاب سے پہلے عورتیں مردوں کے سامنے بلا پردہ آتی جاتی تھیں لیکن جب یہ آیت حجاب اتری تو تمام عورتوں کو پردے کا حکم عام کر دیا گیا۔ پھر کسی کو اجازت نہیں تھی کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی زوجہ مکرمہ کو دیکھے خواہ وہ پردے میں ہوں یا نہ۔

مسئلہ: بعض علماء نے فرمایا کہ جس طرح سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کی گواہی پردہ میں جائز ہے ایسے ہی نابینا کی گواہی جائز ہے گویا انہوں نے نابینا کو پردے پر قیاس کیا ہے بشرطیکہ آواز کا پورا یقین ہو۔ یہی امام مالک و احمد رحمہما اللہ کا مذہب ہے۔ لیکن ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ نے جائز نہیں رکھا خواہ وہ گواہی آواز سے تعلق رکھتی ہو یا نہ۔ ایسے ہی نابینا کا حکم ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نابینا کی گواہی اس وقت جائز ہے کہ اس نے واقعہ کو آنکھوں سے دیکھا پھر نابینا ہو گیا اس لیے کہ اسے گواہی کا علم آنکھوں کے دیکھنے سے ہوا ہے اس طریق سے بوقتِ ادائیگی شہادت اس کی گواہی قابلِ قبول ہوگی اس لیے کہ اس کی زبان میں بھی کوئی فرق نہ پڑے گا اور نہ ہی مشہود علیہ کے تعارف میں فرق آئے گا جبکہ اسے مشہود علیہ کا حسب و نسب اور نشان معلوم ہو۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ گواہی دیتے وقت نابینا مدعی اور مدعا علیہ کا امتیاز نہ کر سکے گا اس لیے کہ آوازیں ایک دوسرے کے مشابہ ہوتی ہیں۔ اسی بنا پر ممکن ہے اسے مخالف نے غلط بات بتا دی ہو ایسے ہی حسب نسب کا اعتبار نہیں اس لیے کہ بہت سے لوگ ایک ہی نام اور ایک ہی حسب نسب والے ہوتے ہیں۔

ف: یہ خلاف قرض اور زمین کے متعلق ہے ورنہ جائداد منقولہ کے متعلق بالاتفاق نابینا کی گواہی ناقابلِ قبول ہے اس لیے کہ جائداد منقولہ میں گواہی کے وقت اشارہ ضروری ہے اور قرض میں وصف و جنس لازمی ہے اور یہ دونوں نابینا سے ناممکن ہیں۔ زمین وغیرہ میں اس لیے جائز ہے کہ وہاں حدود متعینہ کا علم ضروری ہے اور حدود متعینہ کو نابینا بیان کر سکتا ہے اور اس میں التباس کا خطرہ بھی نہیں۔

مسئلہ: امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نابینا کی گواہی قبول فرماتے ہیں بشرطیکہ اس نے واقعہ کو آنکھوں سے دیکھا اور بعد میں نابینا ہو گیا اب ادائیگی نابینا ہونے کے وقت ہوا ایسے ہی بہرہ پہلے صحیح تھا لیکن

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

گواہی دیتے وقت بہو ہو گیا تو یہ دونوں قاضی (حاکم) کے سامنے اپنی صحت کے دور کی گواہی دے سکتے ہیں۔

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ اور تمہیں لائق نہیں کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچاؤ یعنی ان کی زندگی مبارک میں ایسے امور ان کے سامنے نہ لاؤ جو ان کی طبع مبارک کو ناگوار ہوں اور انہیں تمہارے ان امور سے ایذا پہنچے وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا اور نہ ہی ان کی مدخول بہا ازواج مطہرات کے ساتھ نکاح کرو ان کے وصال کے بعد یا ان کے اپنے سے جدا کر دینے کے بعد اور ہمیشہ کی قید اس لیے ہے تاکہ اُمّت کو معلوم ہو کہ آپ کی ازواج مطہرات ان کیلیے ہمیشہ کے لیے حرام ہیں اس لیے کہ آپ اُمّت کے معنوی باپ اور آپ کی ازواج مطہرات امت کی مائیں ہیں علاوہ ازیں وہی بیبیاں جیسے دنیا میں آپ کی منکوحہ ہیں ایسے ہی آخرت میں، جیسا کہ حدیث گزری ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں نے اپنے رب تعالیٰ سے شرط لی ہے کہ میرے ساتھ ان عورتوں کا نکاح ہو جو بہشت میں بھی میرے ساتھ ہوں۔"

اس لیے کہ اگر آپ کے وصال کے بعد اگر ان کا نکاح غیروں سے جائز رکھا جائے تو قیامت میں ہر عورت اپنے شوہر کے ساتھ ہو گی۔

حکایت اور وفادار عورت

مروی ہے کہ ام الدرداء رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے ان کی فوتیدگی کے وقت فرمایا کہ میرے والدین سے دنیا میں میرا رشتہ مانگا انہوں نے تیرے ساتھ میرا نکاح کر دیا اب میں تجھ سے معاہدہ کرتی ہوں کہ مرتے دم تک کسی سے نکاح نہ کروں گی تاکہ آخرت میں میں تیرے ساتھ رہوں۔ یہی وصیت حضرت ابو الدرداء نے ام الدرداء سے کی تو بی بی نے مذکورہ معاہدہ کیا۔ چنانچہ ان کی فوتیدگی کے بعد بی بی ام الدرداء کو حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے نکاح کا پیغام بھجوایا تو بی بی نے مذکورہ وصیت اور معاہدہ کا عذر کر کے نکاح سے انکار کر دیا۔

مختلف شوہروں میں سے جسے چاہیے

مذکورہ بالا تقریر کے خلاف بی بی ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جس عورت نے دنیا میں مختلف اوقات دو یا دو سے زیادہ مختلف شوہروں سے نکاح کیا ہو وہ آخرت میں کس شوہر کے پاس رہے گی؟

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

جیسے وہ چاہے گی لیکن وہ اسے چاہے گی جس نے دنیا میں اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا ہوگا۔

پھر فرمایا

اے ام حبیبہ احسن خلق دنیا و آخرت کو لے جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر اور ادب کا سبق امت پر واجب ہے کہ وہ اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہ دل وجان تعظیم وتوقیر اور ادب بجا لاتے۔ آپ کی زندگی کے بعد بھی اسی طرح ادب و تعظیم لازم ہے جیسے آپ کی ظاہری زندگی میں۔

(**اہلسنت بریلویوں کو مژدہ بہار** بفضلہ تعالیٰ ہم اہلسنت اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر اور ادب کو ایمان بلکہ جانِ ایمان سمجھتے ہیں بحمدہ تعالیٰ یہی ہمارے اسلاف کا عقیدہ تھا۔ چنانچہ صاحب روح البیان دو صدی پیشتر لکھ گئے[1]؛

فانه بقدر ازدیاد تعظیمه وتوقیره فی القلوب یزداد نور الایمان فیها۔ (ج ۹ ص ۲۱۶)

(قلوب میں رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی تعظیم وتوقیر ہوگی اسی قدر اس کے نورِ ایمان میں اضافہ ہوگا)

(اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

نجدی مرتا ہے کہ کیوں تعظیم کی
یہ ہمارا دین تھا پھر تجھ کو کیا

ڈاکٹر اقبال لاہوری مرحوم نے فرمایا ؎

آبروئے ما ز نام مصطفیٰ است)

پیرومرشد کا ادب پیرومرشد کا ادب اور تعظیم وتوقیر بھی ضروری ہے اس لیے کہ شیخ اپنے مریدین میں ایسے ہوتا ہے جیسے اُمت کا نبی۔ اس کی تفصیل ہم نے آیت وازواجہ امہاتہم میں لکھ دی ہے۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی نرالی شان آیت میں اشارہ ہے کہ از جہت راضیہ مرضیہ اور مطمئنہ کے جملہ کمالات کے جملہ طبقات کے ساتھ نفس محمدیہ کے قویٰ منفرد ہیں اور دنیا و آخرت میں جتنے کمالات خاصہ ہیں وہ سب کے سب حضرت احمد کے لیے خاص ہیں اختصاص و تشریف کے شرف کا راز اسی میں ہے۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مسئلہ : جن بیبیوں کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دے دی تھی کیا وہ اختصاص مذکور میں داخل ہیں یا نہیں۔ بعض علماء نے جواز کا فتویٰ دیا ہے اور دلیل میں حدیث پیش کی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ازواجی فی الدنیا هن ازواجی فی الآخرۃ۔

(میری عورتیں جو دنیا میں ازواج ہیں آخرت میں بھی وہی ہوں گی)

اس دلیل سے انہوں نے فرمایا کہ مطلقہ ازواج آیت مذکورہ کے اختصاص میں داخل نہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ مطلقہ بیبیاں بھی اس میں داخل ہیں بشرطیکہ حضور علیہ السلام کی مدخولہ ہوں۔ اس آیت میں وہ بیبیاں داخل نہیں جنہیں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دخول نہیں فرمایا۔ چنانچہ مروی ہے کہ اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ نے دورِ خلافتِ عمر رضی اللہ عنہ میں اس بی بی سے نکاح کرنا چاہا جس نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پناہ مانگی تھی اور اسے حضور علیہ السلام نے جدا کر دیا تھا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا تو فرمایا: دونوں کو سنگسار کرو کیونکہ اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی منسوبہ سے کیوں نکاح کر لیا! اس نے گواہ پیش کر دئے کہ اس بی بی کو حضور علیہ السلام نے قبل دخول خارج کر دیا تھا یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں سنگسار نہ کیا۔

شانِ نزول اور شانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ طلحہ بن عبید اللہ تیمی نے کہہ دیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات ہونے کے بعد میں بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کروں گا۔ ایک اور روایت میں یہ ہے اس نے کہا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری برادری میں نکاح کیا لیکن ان کی ازواج ہم سے پردہ کرتی ہیں اور وہ خود ہمیں اپنے گھر میں آنے سے روکتے ہیں۔ یہ اس لیے کہا کہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا تیم ابن مرہ کے قبیلے سے تھیں۔ یہ کہہ کر اعلان کیا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کروں گا۔ اس پر یہ آیت وما کان لکم ان تؤذوا رسول اللہ الخ نازل ہوئی۔

فائدہ عجیبہ حضرت علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس حدیث شریف کی صحت پر مجھے توقف اور تردد تھا کہ حضرت طلحہ تو عشرہ مبشرہ سے ہیں اور ان کا مرتبہ اور مقام بلند ہے۔ وہ ایسی خفیف حرکت نہیں کر سکتے۔ چنانچہ مجھے بعد کو تحقیق ہوئی کہ یہ طلحہ اور ہے جس کا نام و نسب وغیرہ حضرت طلحہ جیسا ہے۔ کذا فی انسان العیون۔

(فقیر اویسی کہتا ہے یہی ہمارا موقف ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے محبوبوں پر بدگمانی سے بچتے اور ان کے ساتھ حسنِ عقیدت کا دم بھرتے ہیں۔ فللہ الحمد علیٰ ذالک)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

إِنَّ ذٰلِكُمْ یعنی حضور علیہ السلام کو ایذا اور آپ کے وصال کے بعد آپ کی ازواج سے نکاح کرنا كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ○ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا معاملہ ہے یعنی گناہ کبیرہ اور ہولناک امر ہے اس لیے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم اور ادب حیاۃ اور وصال کے بعد برابر طور پر لازم اور واجب ہے بلکہ ادائیگی حقوق مصطفویہ کے لیے آپ کی حیات و وفات کا کوئی فرق نہیں اس لیے کہ دنیا میں آپ نیابت حق کے عہدے پر فائز تھے اور آخرت میں لباس شفاعت پہن کر عاصیوں اور مجرموں کو گلے لگا کر بہشت میں لے جائیں گے ؎

قبائے سلطنت ہر دو کون تشریف است
کہ جز بقامت زیبائے او نیامد راست

ترجمہ: دونوں عالم کی سلطنت کی قبا صرف آپ کو جچتی ہے بلکہ یہ قبا سوائے آپ کے قدِ مبارک کے اور کسی کو راست آئی ہی نہیں۔

رابطہ: اب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم میں کوتاہی کرنے والوں کو وعید شدید سنائی اور تاکید فرمائی:

إِنْ تُبْدُوْا اگر تم ظاہر کرو شَيْئًا ایسا امر جس میں بھلائی نہ ہو۔ مثلاً کہنا کہ ہم حضور علیہ السلام کی رحلت کے بعد ان کی ازواج مطہرات سے نکاح کریں گے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ شیئًا سے یہاں ترک ادب و ترک حفظ حرمت نبویہ اور ترک تعظیم شان مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہے۔

تفسیر عالمانہ أَوْ تُخْفُوْهُ یا اسے تم اپنے سینوں میں چھپاؤ اور اسے زبان پر نہ لاؤ۔ یہ اس لیے کہ بعض صحابہ کے دلوں میں یہی خیال گزرا تھا کہ حضور علیہ السلام کے وصال کے بعد ہم بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کریں گے۔ کذا قال الکاشفی

فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ○ بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے کے ظاہر و باطن کو خوب جانتا ہے اس لیے وہ تمہیں تم سے صادر شدہ اعمال کی جزا و سزا دے گا خواہ اعمال ظاہر ہوں یا پوشیدہ۔ آیت میں عام معاصی کی طرف اشارہ فرمایا اس میں نکاح بہ ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہے۔

سبق کشف الاسرار میں ہے کہ اے بندۂ خدا! جب تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ظاہر و باطن اور تمہارے ہر چھوٹے بڑے عمل کو جانتا ہے تو پھر تم پر لازم ہے کہ دائماً اس کی بارگاہ میں سر جھکا دو۔ بلکہ اپنے ہر عمل پر کڑی نگرانی رکھ کر صرف اسی کی اطاعت و فرمانبرداری میں زندگی بسر کرنے کی کوشش کرو۔ اکل حلال، صدق مقال ہر حال میں ضروری ہے ریاضت بدن اور تلاوت قرآن کی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مداومت اور اپنے گناہوں کی معافی اور خلقِ خدا کو نصیحت و وعظ کرکے اس کی راہ پہ لگانا سخاوت اور اخلاق پاکیزہ اور بلند رکھنے میں جد و جہد ہو ہر وہ عمل جو راہِ دین کی غبار اور راہِ طریقت میں حائل ہو مثلاً بخل، ریا، طمع، اسے دور کیجئے اور جو اعمال دین آراستہ و پیراستہ کرتے ہیں ان کے لیے سرگرم رہنا لازم ہے۔ مثلاً جود و سخا اور توکل و قناعت۔ کلمۂ لا الٰہ الّا اللہ دونوں کو شامل ہے اس لیے کہ لا الٰہ آلائش وغیرہ کو دھو ڈالتا ہے اور الّا اللہ میں اثبات ہے اس سے دینی آرائش و زیبائش نصیب ہوتی ہے۔ جب بندہ کہتا ہے لا الٰہ تو راہِ حق کے درمیان کی جملہ آلائش اور کاوٹیں کٹ جاتی ہیں اور جب الّا اللہ کہتا ہے تو جمالِ حق سے پردے اٹھ جاتے ہیں اور بندہ صفات آرائش و زیبائش سے مزین ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کلمہ کو سنگار کرامتِ مصطفویہ کے لیے بطور تحفہ بھیجا تا کہ امت اسے قبول کرکے اعلیٰ مراتب و کمالات حاصل کرے۔ جس شخص کے ظاہر پر اس کلمہ کا اثر نہیں پڑتا وہ کمال جلالِ حقیقی سے نوازا نہیں جاتا۔ نہ ہی قیامت میں حضور علیہ السلام اسے اپنی شفاعت سے نوازیں گے بلکہ فرمائیں گے:

سحقًا سحقًا۔ (دُور ہو جا، دُور ہو جا)

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ "لا" نہنگیست کائنات آشام
عرش تا فرش او کشیدہ بکام
۲ ہر کجا کردہ آں نہنگ آہنگ
از من و ما نہ بوے ماندہ نہ رنگ
۳ گرچہ "لا" داشت تیرگیٔ عدم
دارد "الّا" فروغ نور قدم
۴ چوں کند "لا" بساط کثرت طی
دہد "الّا" ز جام وحدت مَی
۵ تا نسازی حجاب کثرت دور
ندہد آفتاب وحدت نور
۶ گر رہائی ز خود خلاص شوی
مہبط فیض نور حق می شوی
۷ جذبہ آں فیض یابد استیلا
کند "لا" وار ہی سر از "الا"

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۸ ہر کہ حق داد نورِ معرفتش
کائن بائن بود صفتش
۹ جان بحق تن بغیر حق کائن
تن ز حق جان ز غیر حق بائن

ترجمہ: (۱) لا وہ خونخوار ہے جو کائنات کے خون کا پیالہ ہے۔ عرش سے فرش تک اپنے حلق میں سب کو نگل سکتا ہے۔

(۲) وہ خونخوار جس طرف بھی ارادہ کرتا ہے من و شما اور رنگ و بو سب کو ختم کر ڈالتا ہے۔

(۳) اگرچہ لا عدم کی تیرگی رکھتا ہے لیکن الّا اللہ نورِ قدیم کی روشنی رکھتا ہے۔

(۴) جب لا کثرت کی بساط لپیٹتا ہے تو الّا اللہ وحدت کا جام پلاتا ہے۔

(۵) جب تک کثرت کا حجاب دور نہ کرو گے آفتابِ وحدت نور عطا نہ فرمائے گا۔

(۶) تھوڑی دیر کے لیے اگر خودی سے نجات پاؤ گے تو نورِ خاص کے فیض کی نزول گاہ بن جاؤ گے۔

(۷) اس فیض کا جذبہ غلبہ پائے گا۔ پھر لا و الّا اللہ دونوں سے نجات پاؤ گے۔

(۸) جسے اللہ تعالیٰ نورِ معرفت بخشتا ہے اس کی کائن و بائن صفت ہوتی ہے۔

(۹) جان حق سے اور تن غیر حق سے کائن ہوگا اور تن حق سے جان غیر حق سے بائن ہوگی۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ یہ جملہ مستانفہ ہے اور بیان کرتا ہے کہ کن لوگوں سے عورتوں کو پردہ کرنا ضروری نہیں۔

شانِ نزول مروی ہے کہ جب آیتِ حجاب نازل ہوئی تو عورتوں کے آباء و ابناء و دیگر اقارب نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا ہم غیروں کی طرح باہر کھڑے ہو کر کوئی بات بھی کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور آپ نے حکم دیا کہ محارم عورتوں کے ہاں بلا پردہ آ جا سکتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا: عورتوں کو گناہ نہیں کہ وہ اپنے آباء کو اپنے چہرے دکھائیں۔

وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ

اور اپنے بیٹوں اور اپنے بھائیوں اور بھتیجوں اور بھانجوں سے پردہ نہ کریں۔ ان مذکورہ بالا لوگوں کو جائز ہے کہ وہ اپنی رشتہ دار عورتوں کے چہرے اور سر اور پنڈلیاں اور بازو دیکھ سکتے ہیں۔ نہ ان کی بیٹیوں کو دیکھیں نہ ان کے بیٹوں کو اور نہ ان کی ماؤں کو۔ وہ ان کو دیکھنے کے مجاز اس لیے ہیں کہ ان لوگوں کا بار بار آنا جانا ہوتا ہے بلکہ انھیں بار بار آنے جانے کی ضرورت رہتی ہے۔

ماموں اور چچا کا نام اس لیے نہیں لیا گیا کہ وہ تو بمنزلہ باپ کے ہیں اسی لیے قرآن میں چچا کو

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اُب کہا گیا ہے۔

والٰہ آبائک ابراھیم واسحٰق۔

(اور تیرے آباء ابراھیم و اسحٰق کے معبود کی)۔

یا ان کا ذکر اس لیے نہیں کہ ان کے بیٹوں سے نکاح کا جواز ہے تو پھر ان سے پردہ کا کیا معنیٰ! اسی لیے چچا اور ماموں سے پردہ کرنا مکروہ ہے۔

مسئلہ: عورتوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہروں کے سامنے دوسری عورتوں کے محاسن اور صورت و شکل کا ذکر کریں کیونکہ کسی شے کے ذکر سے ایسا تصور بندھ جاتا ہے کہ اسے دیکھا جا رہا ہے بلکہ دیکھنے سے سننے سے دل پر گہرا اثر ہوتا ہے اس لیے اس طرح سے فتنہ انگیزی ہوگی۔

وَلَا نِسَآئِهِنَّ اور مومنات عورتوں کا مومنات عورتوں کو دیکھنا جائز ہے لیکن عورت کو عورت کی ناف سے گھٹنوں تک دیکھنا ناجائز ہے۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک گھٹنوں کو بھی ڈھانپنا ضروری ہے۔

مسئلہ: نساء سے اہلِ ایمان کی اپنی ہم مذہب آزاد عورتیں مراد ہیں اسی لیے کتابی عورتوں کا مسلمان آزاد عورت کے ہاں جانا ناجائز ہے۔ نہ ہی آزاد مسلمان عورتیں ان کے سامنے اپنے چہرے وغیرہ کھولیں۔ یا آیت میں مسلمان اور کتابی عورتیں مراد ہیں۔

ف: نسائهن اس لیے کہا گیا ہے کہ عورت عورت کی ہمجنس ہوتی ہے اسی جنسیت کی وجہ سے اضافت کی گئی ہے اسی معنے پر مسلمان آزاد عورت کے ہاں کتابی عورت آ جا سکتی ہے اس لیے کہ یہودیوں کی عورتیں باوجودیکہ کافرہ تھیں ان کا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے ہاں آنا جانا ہوتا تھا اور بیبیوں نے ان سے کبھی پردہ نہ کیا اور نہ ہی انہیں اللہ جل جلالہٗ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان سے پردہ کرنے کا حکم ہوا۔ ایسے ہی امام ابوحنیفہ و امام احمد و امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قول ہے۔

وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اور نہ ان غلاموں اور کنیزوں کے آنے جانے سے گناہ ہے اس لیے کہ عورت پر اپنے غلام سے نکاح کرنا حرام ہے اسی لیے اس کا اپنی مالکہ کے گھر میں آنا جانا جائز ہے بشرطیکہ غلام کی مالکہ پاکدامن ہو اسی لیے اسے اپنی مالکہ کے چہرے کو دیکھنا جائز ہے۔

مسئلہ: بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مالکہ اپنے غلام کو دیکھ سکتی ہے اس لیے کہ غلام اپنی مالکہ کے لیے محارم کی مانند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے غلام ذکوان کو فرمایا کہ جب تم مجھے قبر میں اتار کر واپس ہوگے تو تم آزاد ہوگے۔ اور بعض نے کہا کہ یہ صرف کنیزوں سے خاص ہے یعنی کنیزیں تو گھر میں آ جا سکتی ہیں لیکن غلام کو اجازت نہیں وہ اجنبی غیر محرم کے حکم

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

میں ہے۔

ف : بحر العلوم میں ہے کہ یہی اقرب الی التقویٰ ہے اس لیے کہ عبد کا حکم اجنبی غیر محرم جیسا ہے۔

سوال : بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف کیوں فتویٰ دے رہے ہو؟

جواب : اگرچہ بی بی صاحبہ کا ارشادِ گرامی اپنے مقام پر صحیح ہے لیکن یہ ان کا اپنا اجتہاد ہے، اور اجتہادِ صحابیہ اپنے تک محدود ہوتا ہے۔ جب وہ جمہور کے خلاف ہو پھر بی بی صاحبہ کا تقویٰ و طہارت کہاں اور دوسرے لوگ کہاں!

مسئلہ : غلام کا حکم اجنبی غیر محرم جیسا ہے اگرچہ وہ خصی اور نامرد ہو یا بوالفرد۔ اور بی بی صاحبہ پر قیاس کرنا چاہیے جیسا کہ ہم نے اوپر عرض کر دیا ہے بالخصوص ہمارے پرفتن دور میں تو اور نزاکت ہے یہی امام اعظم قدس سرہٗ کا قول ہے۔ یہی جمہور کا مذہب ہے۔ اسی لیے عورت کو اپنے غلام کے ساتھ اکیلا سفر کرنا یا حج پر جانا ناجائز ہے۔

مسئلہ : اگر شہوت کا غلبہ نہ ہو اور غلام اور مالکہ کو اپنے اوپر پورا اعتماد ہو تو غلام اپنی مالکہ کا چہرہ اور ہاتھ اور پاؤں وغیرہ دیکھ سکتا ہے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ مالکہ کا محرم ہو گیا۔ اس مسئلہ کی تحقیق اور بعض مسائل سورۂ نور میں ہم نے لکھ دیے ہیں۔ اس کا مطالعہ کیجئے ان شاء اللہ پڑھ کر مسرور ہوں گے۔

وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو بالخصوص پردہ کے بارے میں جب کہ تمہیں اللہ تعالیٰ سے حکم ہوا ہے تو بے پردہ باہر نہ جاؤ یہاں تک کہ سوائے محارم مذکورہ کے تمہیں کوئی بھی بلا پردہ نہ دیکھے۔ جہاں تک ممکن ہو تم پردہ میں احتیاط کرو۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ پہلے غائب کا صیغہ اب خطاب ہے اس میں تشدید و مبالغہ مطلوب ہے گویا اللہ تعالیٰ انہیں اپنے حضور میں بلا کر تاکید فرماتا ہے کہ تم پردہ میں حکمِ الٰہی کے خلاف نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ سے شرم و حیا اور اس کا خوف اور ڈر تمہارے لیے ضروری ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدًا بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے کو جانتا ہے اس سے کوئی شے مخفی نہیں۔ تمہارے اقوال اس سے پوشیدہ نہیں، اللہ تعالیٰ اس کے علم کے آگے پوشیدہ ہیں نہ ماضی، نہ حال، نہ استقبال تمام احوال برابر ہیں ؎

چونکہ خدا شد بخفایا گواہ
کرد شما را ہمہ لحظہ نگاہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۲ دیدہ بپوشید ز نامحرمان
دور شوید از رہ وہم و گمان

۳ در پس زانوے حیا و وقار
خوش بنشینید بصبر و قرار

ترجمہ (۱) جب اللہ تعالیٰ تمام پوشیدہ امور پر مطلع ہے تم سب کو ہر لحظہ نگاہ میں رکھتا ہے۔

(۲) تو نامحرموں سے نگاہ چھپالے وہم وگمان کی راہ سے دور رہ۔

(۳) حیاء ووقار کے گھٹنوں میں صبر وقرار کے ساتھ خوش ہو کر بیٹھ جا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ جب ان کے عادات بالوفاہ سے چھڑائے گئے تو ان کی تسکین قلبی ضروری تھی اس لیے انہیں تسکین دے کر شریعت مطہرہ اور مفروض عبادت کی طرف لایا گیا ہے۔ اس سے ان کے اقرباء کو خوش کیا گیا ہے تاکہ رخصت عام سے ان کو سہولت مل جائے کہ وہ جب چاہیں، جس وقت چاہیں ان سے ملیں اور ان کے گھروں میں جائیں اور عورتوں کو بھی احتیاط کا سبق دیا گیا یعنی اتقین اللہ فرما کر انہیں سمجھایا کہ خواطر کو جمع رکھیں اور نفوس کو غیروں کے تعلق سے محفوظ رکھیں ان اللہ کان علی کل شیء بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے یعنی نفوس کے اور قلوب کے احوال پر شہیدًا حاضر وناظر ہے۔

شہید بمعنے حاضر وناظر (ہم اہلسنت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر وناظر مانتے ہیں۔ اس کے استدلال میں آیت ویکون الرسول علیکم شہیدا" کا لفظ شہید پیش کرتے ہیں جسے وہابیہ و دیوبندیہ کہتے ہیں کہ یہ ایجاد بندہ ہے حالانکہ تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ شہید بمعنے حاضر وناظر ہے۔ چنانچہ فقیر اویسی غفرلہ نے اس پر متعدد شواہد اپنی کتاب تسکین الخواطر المعروف "دلوں کا چین" میں لکھے ہیں۔ ان میں سے ایک عبارت صاحب روح البیان کی بھی ہمارے شواہد میں شامل ہے ملاحظہ ہو:)

شہیدًا حاضرًا و ناظرًا الیھا قال ابو العباس الفاسی الشہید ھو الحاضر الذی لا یغیب عنہ معلوم ولا مرئی ولا مسموع۔

(روح البیان ج [illegible]، ص ۲۱۹ تحت آیت ہذا)

(شہید وہ ہے جو ان پر حاضر وناظر ہو ابو العباس الفاسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شہید وہ حاضر کہ جس سے کوئی شے غائب نہ ہو معلومات سے ہو یا مرئیات سے

لہ اضافہ از اویسی غفرلہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

یا مسموعات سے)

ف : جو شخص یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ شہید یعنی اس کے جملہ احوال پر مطلع ہے تو وہ کبھی اس کے روکے ہوئے امور کی خلاف ورزی نہیں کرے گا اور نہ ہی اس کے اوامر کے برعکس چلے گا بلکہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے علم کے تصور میں رہ کر اپنے اوپر کنٹرول کرے گا بہر حال اللہ تعالیٰ کے علم سے نہ دنیا کی کوئی شے مخفی ہے نہ آخرت کی۔ اور وہ قیامت میں اپنے بندوں کے جملہ اعمال کی خبر دے گا اس کے بعد ان کی جزا و سزا مرتب فرمائے گا۔

۱ ذرۂ نیست در مکین و مکان
کہ نہ علمش بود محیط بر آن
۲ عدد ریگ در بیابانہا
عدد برگہا بہ بستانہا
۳ ہمہ نزدیک او بود ظاہر
ہمہ در علم او بود حاضر

ترجمہ : (۱) مکین و مکان کا کوئی ایسا ذرہ نہیں جس پر اس کا علم محیط نہ ہو۔
(۲) جنگلوں میں ریت کے ذرات ہوں یا باغات کے پتے؛
(۳) اس کے ہاں سب ظاہر ہیں اور تمام کے تمام اس کے علم کے آگے حاضر ہیں۔

ف : لفظ شہید کی خاصیت یہ ہے کہ اس اسم کا ورد کرنے والا باطل سے رجوع کر کے حق کی طرف راغب ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اگر کسی کی اولاد عاق ہو یا اس کی عورت نافرمان ہو تو ان پر پڑھ کر دم کیا جائے تو فرماں بردار ہو جائیں گے اور ان کے معاملات سنور جائیں گے۔ کذا فی شرح الاسماء للفاسی۔

دعا : ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمارے احوال و اقوال و افعال کی اصلاح فرمائے اور ہماری جملہ آرزوؤں کا رخ اپنی ذات کی طرف متوجہ فرمائے۔ آمین

تفسیر عالمانہ : اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ اکابر اولیاء اہل کشف کے نزدیک ملائکہ دو قسم کے ہیں؛

(۱) مرتبۂ ارواح سے نزول کر کے مرتبۂ اجسام میں آنے والے: ان کے اجسام لطیفہ ہیں جیسے انسانوں کے اجسام کثیفہ ہیں۔ انہی ملائکہ کو آدم علیہ السلام کو سجدے کا حکم ہوا تھا۔ اسی قسم میں جملہ اقسام ملائکہ ارضیہ و سماویہ اصاغر و اکابر داخل ہیں جیسے جبرائیل علیہ السلام وغیرہ۔ ان میں سے کوئی ایک بھی سجدۂ آدم علیہ السلام سے فارغ نہ تھا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(۴) عالمِ ارواح میں ارواح ہی رہے انہیں اجسام نہیں دیئے گئے نہایت لطیف ہیں ان کا جسم نہ کثیف ہے نہ لطیف۔ وہی ذاتِ حق میں ہر وقت محو ہیں۔ ان کے متعلق "ام کنت من العالمین" میں اشارہ ہے انہیں آدم علیہ السلام کے سجدے کا حکم نہ تھا کیونکہ انہیں نہ اپنا شعور ہے نہ کسی دوسرے کا، وہ شہودِ باری تعالیٰ میں ایسے مستغرق ہیں کہ ان کو موجودات میں مطلقاً کسی کی خبر نہیں۔

شرافت انسانی انسان ان دونوں سے افضل ہے (دیوبندی وہابی اسی کلیہ سے عوام کو بہکائیں گے کہ جب بشریت نورانیت سے افضل ہے تو پھر حضور علیہ السلام کو بشر کہنا افضل ہے۔ ہم کہیں گے کہ مطلقاً بشریت افضل نہیں بلکہ مرتبۂ کمال و شرافت حال کا اعتبار ضروری ہے۔ چنانچہ صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا)

والانسان افضل من هذين القسمين فی شرف الحال و رتبة الکمال۔ (ج ۷، ص ۲۱۹)

(شرف حال و رتبۂ کمال میں انسان ان دونوں قسموں سے افضل ہے)

(اگر یہ اعتبار مدِ نظر نہ ہو تو کیا وہابی دیوبندی ابوجہل و فرعون، شداد وغیرہم کو حضرت جبریل علیہ السلام وغیرہ پر فضیلت کے قائل ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً بشریت نورانیت سے افضل ہے بلکہ بشریت کی نسبت و اضافت کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں انبیاء و رسل بشر جملہ ملائکہ سے افضل ہیں پھر رسل ملائکہ اولیاء اللہ و جملہ بشر سے افضل ہیں پھر اولیاء اللہ مقربین کے ملائکہ کے علاوہ جملہ ملائکہ سے افضل ہیں۔ دیکھئے شرح عقاید و نبراس وغیرہ۔ باقی رہا حضور علیہ السلام کو بشر کہنا۔ ہم آپ کی بشریت کے قائل ہیں، یہ محض وہابیہ و دیوبندیہ کا ہم پر الزام و بہتان تراشی ہے کہ اہلسنت والجماعت حضور علیہ السلام کو بشر نہیں مانتے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہیں تو بشر لیکن ہم جیسے نہیں۔ وہی عقیدہ رکھتے ہیں جو امام زرقانی رحمہ اللہ نے لکھا؎

محمد بشر لا کالبشر
الیاقوت حجر لیس کالحجر

ہاں ہم آپ کے لیے لفظ بشر کے اطلاق کے قائل نہیں، وہ اس لیے کہ یہ لفظ عام ہے جو ہر ہندو سکھ، مسلمان فاجر، فاسق وغیرہ کے لیے استعمال ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ جو لفظ عام استعمال ہو وہ حضور علیہ السلام کے لیے استعمال کرنا بے ادبی اور گستاخی ہے۔ تفصیل فقیر کے رسالہ "بشریۃ النبی" میں دیکھیے۔ اویسی غفرلہٗ)

انسان کی افضلیت کی علت (صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے ملائکہ پر انسان کی افضلیت کی علت لکھی ہے)

لانہ مخلوق بقبضتی الجمال و الجلال بخلاف الملائکۃ فانهم مخلوقون بید

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

الجمال فقط کما اشیر الیہ بقولہ ؎

ملائک را چہ سود از حسن طاعت
چو فیض عشق بر آدم فرو ریخت

(وہ جمال و جلال کے دونوں ہاتھوں سے بنایا گیا ہے بخلاف ملائکہ کے کہ وہ صرف جمال کے ہاتھوں سے بنائے گئے ہیں۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا:

(ترجمہ: ملائکہ کو اچھی طاعت کا کیا فائدہ جب عشق کا فیض آدم کو نصیب ہو)

عشق کی فضیلت وجہ یہ ہے کہ عشق محنت طلب ہے اور عشق کا وطن دنیا ہے اسی لیے آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین پر اتارا گیا تاکہ وہ عشق میں کمال حاصل کر سکے اور محنت سے تربیت ہوتی ہے اس لیے کہ تربیت جلال کے آثار سے ہے اور انسان ہی جلال کا مظہر ہے جیسے وہ جمال کا بھی مظہر ہے اور ملائکہ صرف جمال کے مظہر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں عشق عطا نہیں ہوا اور عشق انسان کو نصیب ہوا۔

ف: یہاں پر ملائکہ سے پہلی قسم مراد ہے کیونکہ وہ اہل ایمان انسان جمال اور وجود جسمانی میں شریک ہیں جیسے انسان اہل ایمان سب کے سب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہدیۂ درود و صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ ایسے ہی ملائکہ بھی درود و سلام کے تحائف بارگاہ نبوی میں پیش کرتے ہیں اور عقلاً بھی اس کی تائید ہوتی ہے تعظیم و توقیر نبوی کا تقاضا یہ ہے کہ درود و سلام عرض کرنے والے کثیر التعداد ہوں اور تعداد میں کثرت ملائکہ کی قسم اول ہے۔ عقل سلیم رکھنے والے اور فہیم و ذکی انسان کو اس قاعدہ سے انکار نہیں ہو سکتا۔

(فقیر اویسی غفرلہ کہتا ہے کہ یہ دولت یعنی ہدیۂ درود و سلام کی دولت ہم اہلسنت کو نصیب ہے اور یہ عطیہ رب العزت ہے)

یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ نبی علیہ السلام پر درود پڑھتے ہیں یعنی آپ کی بھلائی اور آپ کے جملہ امور کی صلاحیت چاہتے ہیں اور آپ کے شرف اور تعظیم شان کا اظہار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ بمعنے رحمت اور ملائکہ کی صلوٰۃ بمعنے دعا و استغفار۔ اس تقریر پر یصلون میں عموم المجاز ہے اس لیے معنے مشترک پر بیک وقت مراد لینا جائز نہیں اور مشترک میں مطلقاً عموم نہیں ہوتا۔ ان معانی مشترکہ میں منافاۃ ہو یا نہ۔

ف: قہستانی میں فرمایا کہ الصلوٰۃ من اللہ بمعنے رحمت اور ملائکہ سے بمعنے استغفار اور انس و جن سے بمعنے قیام و رکوع و سجود و دعا وغیرہ اور طیور و ہوام سے بمعنے تسبیح۔ اور یہ تصلیۃ کا اسم ہے درود میں دونوں یعنی تصلیہ و صلوٰۃ مستعمل ہیں بخلاف الصلوٰۃ بمعنے اداء الارکان۔ وہاں اس کا مصدر یعنی تصلیۃ استعمال نہیں ہوتا۔ مثلاً صلیت (تصلیۃ نہیں کہا جائے گا بلکہ صلیت صلوٰۃ کہا جائے گا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattori

ف : بعض علماء نے فرمایا کہ الصلوٰۃ من اللہ بمعنے الرحمۃ ہوگا۔ لیکن غیر نبی علیہ السلام کے لیے اور نبی علیہ السلام کے لیے تشریف مزید الکرامۃ کے معنیٰ میں ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ رحمۃ عام ہے اور الصلوٰۃ خاص۔ جیسا کہ اولٰئک علیہم صلوات من ربہم ورحمۃ میں عطف تغایر سے معلوم ہوتا ہے۔

بعض نے فرمایا کہ صلوات اللہ غیر نبی پر ہو بمعنے رحمۃ اور اگر نبی علیہ السلام پر ہو تو قولاً بمعنے ثنا و مدح اور فعلاً بمعنے توفیق و تائید۔ اور صلوٰۃ الملائکہ غیر نبی کے لیے ہو تو بمعنے استغفار اور نبی علیہ السلام کے لیے ہو تو قولاً بمعنے فضیلت و مدح اور فعلاً بمعنے نصرت و معاونت۔ اور مومنین کی صلوٰۃ غیر نبی پر بمعنے دعا اور نبی علیہ السلام پر قولاً بمعنے طلب شفاعت اور فعلاً اتباع السنۃ مراد ہوگی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ اے ایمان والو! تم بھی صلوٰۃ وسلام کا اہتمام کرو کیونکہ تم ان پر درود و سلام عرض کرنے کے زیادہ حقدار ہو وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا اور بہت زیادہ سلام عرض کرو۔ مثلاً کہو اللہم صل علی سیدنا محمد وسلم یا کہو صلی اللہ علیہ وسلم یا یوں کہو، اللہم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا صلیتم علیّ فعمموا۔

(جب تم مجھ پر صلوٰۃ پڑھو تو عام صیغہ استعمال کرو)

یعنی میرے سوا اوروں کو بھی صلوٰۃ وسلام میں شامل کرو۔ ورنہ آپ پر صلوٰۃ وسلام ناقص ہوگا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کذا فی شرح القہستانی۔

ف : حضرت امام سخاوی نے مقاصد حسنہ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث اس لفظ کے ساتھ مجھے کہیں نہیں ملی۔ ممکن ہے اس کا یہ معنیٰ ہو کہ آپ پر اور جملہ انبیاء علیہم السلام پر صلوٰۃ وسلام عرض کرو۔ اس لیے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بنا کر مبعوث فرمایا ہے اسی طرح انھیں بھی۔

ف : صیغہ درود و سلام میں لفظ اللّٰھم کے بجائے یا رب یا یا رحمٰن اس لیے نہیں کہا جاتا کہ لفظ اللّٰھم جامع ہے اور الوہیت پر دلالت کرتا ہے۔ اور اسلام کی علامت لا الٰہ الا اللہ کے کلمہ کا جز ہے اسی لیے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام عرض کرنے کے لیے اسی اسم کو مخصوص کیا گیا وہ اس لیے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نعوت کمال کے جامع اور اسماء جمال و جلال کے خزینہ و گنجینہ ہیں۔

ف : صلوٰۃ وسلام میں لفظ محمد اس لیے مناسب ہوا کہ محمد بمعنے بار بار حمد کیا ہوا۔ اس معنے پر مقام مدح وثنا میں یہی اسم لایا گیا ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مسئلہ : آلِ سے آپ کی امت کے متقی لوگ مراد ہیں۔ اس معنے پر درود شریف میں بنو ہاشم اور حضور علیہ السلام کی ازواجِ مطہرات وغیرہم بھی داخل ہیں۔

ف : شرح کشاف وغیرہ میں ہے کہ اللّٰھم صلّ علیٰ محمد کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ! حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں اعلائے دین و اسلام میں معظم فرما اور آپ کے ذکر کو عام اور آپ کی دعوت کو عام اور آپ کی شریعت کو تا قیامت باقی رکھ اور آخرت میں آپ کی امت کے بارے میں آپ کی شفاعت قبول فرما اور آپ کے اجر و ثواب کو دگنا فرما اور اولین و آخرین میں آپ کی فضیلت کو واضح فرما اور آپ کو جملہ انبیاء و مرسلین کا مقتدا بنا۔

نکتہ چونکہ ہم حضور علیہ السلام پر درود و سلام کے اہل نہیں اسی لیے ہم اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں اے اللہ! تو ہی اپنے حبیب علیہ السلام پر اس طرح درود و سلام بھیج جس طرح ان کی شان ہے۔ اس معنے پر اللہ تعالیٰ ہماری استدعا قبول فرما کر خود اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر تحفۂ صلوٰۃ و سلام بھیجتا ہے ؎

سلام من الرحمٰن نحو جنابہ
لان سلامی لا یلیق ببابہ

(ترجمہ : اللہ تعالیٰ ہی اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس کے مطابق ان پر سلام بھیجے کیونکہ ہمارا سلام تو ان کی شان کے لائق نہیں ہے۔

سوال : اگر یہی معنیٰ ہے تو پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں صلوٰۃ و سلام کا حکم کیوں فرمایا ہے؟

جواب : اس سے صلوٰۃ کے لیے محبت کا اظہار مطلوب ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنی حمد کے لیے فرمایا : وقل الحمد للہ ورنہ وہ درحقیقت اپنی حمد خود فرماتا ہے ورنہ ہم کب اس کے اہل ہیں کہ اس کی حمد کر سکیں۔ اب مسئلہ کا معنی یہ ہوا کہ اے اللہ! اپنے حبیب علیہ السلام کو ہر دکھ اور تکلیف سے صحیح سالم رکھ۔ کذا قال القہستانی۔

ف : بعض علماء نے فرمایا : التسلیم یہاں پر بمعنے آفرین کرنا نیز بمعنے پاک کرنا، سپرد کرنا اور عاجزی کرنا اور سلامتی دینا بھی آیا ہے۔

الفتوحات المکیہ میں ہے کہ السلام کے لیے اہلِ ایمان کو اس لیے حکم ہے کہ انبیاء علیہم السلام ایسے مقام پر فائز ہوتے ہیں کہ جہاں ان پر اعتراض کرنا فطری امر ہے کیونکہ وہ ایسے امور کا حکم فرماتے ہیں جو ان کی خواہشات کے خلاف ہوتا ہے بنا بریں مومن عرض کرتا ہے : یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو میری طرف سے اطمینان ہو کہ میں آپ کا غلام ہوں آپ پر ہرگز اعتراض نہیں کروں گا۔ ایسے ہی نیک بندوں پر سلام کرنے کا یہی مطلب ہے کہ وہ حضرات بوراثت نبی علیہ السلام بندگانِ خدا کو نفسانی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

خواہشات سے روکتے ہیں انہیں اپنے سلام عرض کرنے سے تسلی دی جاتی ہے کہ ہم آپ حضرات کے نیازمند ہیں، ہماری طرف سے آپ پر اعتراضات نہیں ہوں گے۔ ایسے ہی اپنے اوپر سلام کا مطلب یہ ہے کہ ہم اغلاط اور جرائم و معاصی کے ارتکاب میں مشہور ہیں اسی لیے لازم ہوا کہ ہم اپنے لیے سلامتی کی دعا مانگیں اور ایک دوسرے کو اعتراض کا نشانہ نہ بنائیں۔

حضور علیہ السلام کی تشہد

اس کے متعلق کوئی روایت نہیں ملی جس میں تصریح ہو کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشہد میں کیا پڑھتے تھے، کیا ہماری طرح السلام علیک ایھا النبی پڑھتے یا السلام علی یا کچھ نہ پڑھتے اور صرف السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین پر اکتفا فرماتے۔ اگر آپ ہماری طرح السلام علیک ایھا النبی پڑھتے تو اس کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں:

(۱) آپ پر حق تعالیٰ سلام کہتا آپ اس کی ترجمانی فرماتے، جیسے سمع اللہ لمن حمدہ میں ہم حق تعالیٰ کی ترجمانی کرتے ہیں۔

(۲) آپ ملائکہ کے قائم مقام ہو کر السلام علیک ایھا النبی کہتے یعنی اسی حیثیت سے آپ ایک اجنبی کی طرح ہوتے ہیں اپنے آپ کو شخص دیگر تصور کر کے السلام علیک ایھا النبی کہتے۔

حیاۃ النبی کا عقیدہ اور اس کے دلائل

اگر کوئی سوال کرے کہ سلام تو زندہ پر ہوتا ہے اور آپ تو فوت ہو چکے تھے، تو اس کا جواب یہ ہے ہمارا عقیدہ ہے مومن نہیں مرتا، صرف اتنا ہوتا ہے کہ روح جسم سے جدا ہو جاتی ہے اور نبی علیہ السلام کا بدن شریف گلنے سڑنے اور ٹکڑے ہونے سے پاک ہے اور عالم برزخ میں زندہ ہیں چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

حدیث شریف

ان للہ ملائکۃ سیاحین یبلغونی من امتی السلام۔

(بے شک اللہ تعالیٰ کے سیاح فرشتے ہیں جو میری امت کا سلام میرے ہاں پہنچاتے ہیں)

اور حدیث شریف:

ما من مسلم یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام۔

(کوئی مسلمان مجھ پر سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو جسم میں لوٹاتا ہے تو میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں)

دلالت کرتی ہے۔

ف: اس حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ برزخ وغیرہ سے دائمی طور زندہ ہیں اس لیے کہ عالم دنیا میں کوئی وقت خالی نہیں جس میں کوئی درود و سلام نہ پڑھ رہا ہو اور آپ اس کے سلام کا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

جواب درذیل ۔

ازالۂ وہم

سو ردّ اللہ علیّ روحی الخ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے اندر برزخ میں خیال حسی کا شعور اور سمع و نطق کا ادراک حواس باقی رکھتا ہے حس و شعور کلی روح محمدی سے جدا نہیں ہوتا آپ کے حواس سے ادراک کو غیبوبت نہیں ہے اس لیے آپ جملہ عالم کی روح اور آپ کی توجہ ذرّہ ذرّہ کائنات میں جاری و ساری ہے ۔

امام سیوطی کی تقریر

روح کو جسم کے ساتھ اتصال ہے اسی لیے ہر انسان مرنے کے بعد عالمِ برزخ میں سنتا سمجھتا اور سلام کا جواب دیتا ہے ۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم رفیق اعلیٰ میں ہیں اور آپ کی روح اقدس بدن مبارک کے ساتھ متصل ہے اس لیے جب کوئی سلام عرض کرتا ہے تو آپ اپنے مقام پر رہنے کے باوجود ہر سلام عرض کرنے والے کو سلام کا جواب دیتے ہیں ۔

ازالۂ وہم

یہاں پر لوگوں کو غلط فہمی ہو جاتی ہے وہ غائب کا شاہد پر قیاس کر کے سمجھتے ہیں کہ جیسے جسم ایک جگہ پر ہو تو دوسری جگہ نہیں ہو سکتا ایسے ہی روح کا حال ہوگا حالانکہ یہ غلط ہے اس لیے کہ روح کی پرواز کا طور طریقہ اور ہے اور جسم کا حکم اور ۔ مثلاً حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کو شبِ معراج دیکھا کہ وہ قبر انور میں نماز پڑھ رہے تھے حالانکہ آپ اس وقت رفیق اعلیٰ میں تھے اور ان دونوں معاملات میں منافات بھی کوئی نہیں اس لیے کہ ارواح و ابدان علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں اسی لیے ان کے احکام بھی علیحدہ علیحدہ ہیں ۔ اگر روح کی لطافت حق نہ ہوتی تو اولیاء کرام دیواروں سے باہر نہ نکل جاتے اور نہ ہی قبر میں میت کھڑے ہو کر نماز پڑھتی ۔ میت کو ہزاروں ٹن مٹی اور عمارت وغیرہ حائل نہیں ہوتا وہ قبر میں ہر شے دیکھتا ، سنتا ، جانتا ہے ۔

اعجوبہ

قیامت میں ایک وقت بیت وہ آٹھوں بہشتوں کے آٹھوں دروازوں میں داخل ہو سکے گا وہ صرف اس لیے کہ وہاں اس کی روحانیت کو غلبہ ہوگا حالانکہ اسے اس عالم میں اتنی قوت و طاقت حاصل نہیں تھی اور نہ ہی اتنی بہت بڑی پرواز اسے ممکن تھی ۔

سورج کی مثال

دیکھیے سورج یہاں سے کتنی دور ہے (چوتھے آسمان میں ہونے کے باوجود) ارواح کی طرح تیز پرواز رکھتا ہے کہ زمین کے چپّے چپّے میں اس کی شعاعیں موجود ہیں ۔

حدیث شریف میں ہے :

مردہ قبر سے باہر والوں کو جانتا پہچانتا ہے

ما من عبد یمر بقبر رجل کان یعرفہ فی الدنیا فیسلم علیہ الا عرفہ ورد علیہ السلام ۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(قبر پر جب کوئی گزرتا ہے تو اہلِ قبر اسے پہچانتا ہے اور اسے سلام کا جواب دیتا ہے)

ف: اس سے ان کا زبانِ حال کا جواب مراد ہے۔ قولی جواب اس لیے مراد نہیں کہ دنیا میں اس کے اعمال کا انقطاع ہو گیا بلکہ وہ اس انقطاع سے نہ صرف افسوس کرتے بلکہ انہیں بہت بڑی سخت حسرت ہوتی ہے کہ کاش اسے وہی وقت نصیب ہوتا کہ جس سے وہ سلام کا جواب دے کر ثواب پاتا۔ لیکن تحقیق وہی ہے کہ الشیخ المظہر نے فرمایا کہ مُردوں کا سلام اسی طرح ہے جیسے زندوں کا ہوتا ہے۔

سوال: اگر یہی قول تحقیقی ہے تو پھر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی کا مطلب کیا ہے جبکہ فرمایا:

علیکم السلام تحیۃ الموتٰی۔

موتٰی کا تحیہ سلام ہے یعنی علیکم کو السلام سے پہلے کہنا عرب کی عادت میں شامل ہے کہ جب گورستان میں جاتے تو علیکم السلام کہتے۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے عرب کے عرف کے مطابق فرمایا:
علیکم السلام تحیۃ الموتٰی۔

ردِّ شیعہ درود شریف میں لفظ علیٰ ضروری ہے۔ مثلاً کہے:
اللّٰھم صلّ علٰی سیدنا محمد وعلٰی آل سیدنا محمد۔

یہی اہلسنت کا طریقہ ہے کہ لفظ آل پر لفظ علیٰ کو داخل کرنا چاہیے اور شیعہ کہتے ہیں کہ لفظ علیٰ لفظ آل پر داخل نہ کرنا چاہیے اور وہ اپنے دعویٰ کے لیے حدیث:
"من فصل بینی وبین آلی بعلٰی لم ینلہ شفاعتی"۔ قالہ القہستانی والعصام وغیرہما
(جو شخص میرے اور میری آل کے درمیان فاصلہ ڈالتا ہے اسے میری شفاعت نصیب نہ ہوگی)
پیش کرتے ہیں۔

شیعہ کی دلیل کا رد امام محمد کردی نے فرمایا: یہ حدیث غیر ثابت ہے۔ اگر صحیح ہو تو یہاں پر آل سے حضرت علی رضی اللہ عنہ مراد ہیں وہ اس لیے کہ صرف حضرت علی کو آل میں شامل کیا جائے اور دوسروں کو آل سے ہی علیحدہ رکھا جائے حضور علیہ السلام نے ایسے لوگوں کے لیے فرمایا کہ میرے اور میری آل کے درمیان فاصلہ نہ رکھا جائے، جیسا کہ شیعہ کا طریقہ ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حد سے زیادہ بڑھاتے اور ناجائز طریقے سے ان سے محبت کرتے ہیں۔

رافضی و خارجی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: آپ کی وجہ سے دو قسم کے لوگ تباہ و برباد ہوں گے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۱۔ آپ سے بہت زیادہ محبت کرنے والے

۲۔ آپ سے بغض رکھنے والے

(اس سے شیعہ اور بعض متشدد وہابی مراد ہیں جیسا کہ ہمارے دور میں خاندانِ نبوت کے خلاف بہت زیادہ کیچڑ اچھالا جا رہا ہے۔

پہلے گروہ کا روافض اور دوسرے کا نام خوارج ہے اور بحمدہٖ تعالیٰ ہم اہلسنت صراطِ مستقیم پر ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کی شان کے مطابق محبت کرتے ہیں اور بغض رکھنے والوں کے لیے برسرِ پیکار ہیں۔

مسئلہ: صلوٰۃ میں "ارحم محمداً" نہ کہے، اس لیے یہ دعا آپ کی تقصیر پر دلالت کرتی ہے۔ اس لیے رحمت کی دعا اس کے لیے کی جاتی ہے جس سے کوتاہی واقع ہو اور اسے اس کوتاہی پر ملامت کی جائے۔ یہی اصح تر ہے۔ کذا قال شرف الدین الطیبی فی شرح المشکاۃ۔

اور الدرر میں ہے کہ ارحم محمداً (صلی اللہ علیہ وسلم) کہنا مکروہ ہے یہی صحیح ہے۔

مسئلہ: الشیخ علی نے اسئلۃ الحکم میں فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر صدقہ حرام ہے اس لیے کہ صدقہ دینے والا جسے صدقہ دیتا ہے اسے قابلِ رحم تصور کر کے صدقہ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ وہ اپنے محبوب علیہ السلام کو غیر کی رحمت کا محتاج بنائے۔ اسی لیے کہ فقہاء کرام نے نماز میں حضور علیہ السلام پر رحمت کی دعا سے روکا ہے کہ اس میں بارگاہِ رسالت کی سوءِ ادبی و گستاخی ہے اگرچہ ایک روایت میں رحمت کا صیغہ بھی وارد ہے۔ کما ذکرہ صدر الشریعۃ۔

مسئلہ: ایسے ہی بعض فقہاء نے فاتحہ میں نبی علیہ السلام اور جملہ انبیاء علیہم السلام کی ارواحِ مقدسہ کے نام لینے سے روکا ہے (مثلاً کہا جائے کہ اس کلام و طعام کا ثواب حضور علیہ السلام اور انبیاء علیہم السلام کی ارواحِ مقدسہ کو پہنچے) اس لیے کہ عام عادت ہے کہ فاتحہ گنہگاروں کے لیے دا کی جاتی ہے اسی لیے عام لوگوں اور انبیاء علیہم السلام میں فرق نہ رہے گا حالانکہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کسی اور کو برابر نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ علاوہ ازیں اس طرح سے ان کی تحقیر و خفت کا پہلو نکلتا ہے۔ لیکن امام اعظم رضی اللہ عنہ اور آپ کے اصحاب نے جائز رکھا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض انبیاء علیہم السلام کے لیے اپنی دعا میں رحمت کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ مثلاً فرمایا:

رحم اللہ اخی موسٰی۔

(میرے بھائی موسٰی (علیہ السلام) پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے)

اور فرمایا:

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

رحم اللہ اخی لوطا۔

(میرے بھائی لوط (علیہ السلام) پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے)

اور حضور علیہ السلام نے نماز کے دو سجدوں کے درمیان میں یہ دعا مانگی:

اللھم اغفرلی وارحمنی۔

(اے اللہ! مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما)

اور التحیات میں ہم روزانہ کہا کرتے ہیں:

السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

اس سے معلوم ہوا کہ رحمتِ الٰہی کا ہر ایک محتاج ہے اور فاتحہ میں ایصال ثواب کا اجر و ثواب ہمیں ملتا ہے نیز یہ کہ انبیاء علیہم السلام ہماری دعاؤں کے محتاج ہیں۔

ف: حضرت شیخ اکبر قدس سرہ نے فرمایا کہ نماز وغیرہ میں حضور علیہ السلام کو صلوٰۃ وسلام بطور دعا نمازی غائبانہ دعا عرض کرتا ہے اور غائبانہ کسی کے لیے دعا کرنا مستجاب ہوتی ہے۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

حدیث شریف ان من دعا لاخیہ بظھر الغیب قال لہ الملک ولک بمثلہ۔

(جو شخص غائبانہ کسی کے لیے دعا مانگتا ہے تو فرشتہ فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تجھے اس جیسی دعا کی قبولیت عطا فرمائے)

ایک اور روایت میں ہے:

ولک بمثلیہ۔

(فرشتہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ تجھے اس کی دوہری قبولیت بخشے)

اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ نے یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا بیان فرمایا ہے تاکہ درود پڑھنے والے کو فرشتے کی طرف سے دعائیں نصیب ہوں۔

ف: دعا میں ایک عجیب اور عظیم الشان حکمت ہے۔

وسیلہ کی تحقیق وسیلہ بہشت میں بلند مقام کا نام ہے یعنی جنت عدن میں ایک درجہ ہے جو صرف اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص ہے جو امت کی دعاؤں کی وجہ سے آپ کو ملے گا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس میں حکمت پوشیدہ رکھی ہے تاکہ ہم ان کے طفیل اللہ تعالیٰ سے یہ مرتبہ پائیں۔ انہی کی بدولت ہم خیر امۃ ہوئے اور انہی کے صدقے ہم خاتم الامم ٹھہرے جبکہ آپ خاتم الانبیاء ہیں اور وہ ہمارے جیسی میں بشر بن کر تشریف لائے تاکہ ہم انس سے اور انہیں ہمارے ساتھ ہم کلامی کا موقع میسر ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں ہر ایک کو ایک

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

خاص وجہ سے نوازا ہے اور ہمیں اسی وسیلہ سے نوازا کہ ہم اپنے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ کی دعا مانگیں تاکہ ہمیں سعادت نصیب ہو۔ اور یہی اللہ تعالیٰ کی غیرت ہے کہ اس نے مخلوق میں ہر ایک کو ایک دوسرے سے مربوط فرمایا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس کمال اختصاص سے واضح کرتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کی بہت بڑی شان ہے اور ان پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل و کرم ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فضل الٰہی کی خصوصیت کا یہ معنیٰ ہے کہ آپ کے لیے ایسی صلوٰۃ کا حکم فرمایا ہے کہ ہم اس کے معنیٰ و مطلب سے بالکل بے خبر ہیں۔ اس کی شان صرف وہی جانتا ہے اور امت کی شان یوں کہ انہیں اپنے محبوب علیہ السلام پر درود پڑھنے کا حکم فرمایا اور اس کے ایک درود پر اپنی طرف سے دس بار صلوات کے عطیہ کا وعدہ فرمایا اور ہر سلام پر دس سلام۔ کیونکہ قاعدہ ہے جو ایک نیکی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں دس اجر و ثواب بخشتا ہے اور یہ خصوصیت صرف ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کو نصیب ہوئی اور بس۔

صلوٰۃ کے مراتب

اللہ تعالیٰ کے بندوں پر صلوٰۃ بھیجنے کے دس مراتب ہیں۔ مراتب بندوں کے مراتب پر ہیں اور وہ مراتب یہ ہیں:

١۔ رحمت
٢۔ مغفرت
٣۔ وارد
٤۔ شواہد
٥۔ کشوف
٦۔ مشاہدہ
٧۔ جذبہ
٨۔ قرب
٩۔ شرب
١٠۔ ری
١١۔ سکر
١٢۔ تجلی
١٣۔ فنا فی اللہ
١٤۔ بقا باللہ

یہ تمام مقامات ورود شریعت کے ہیں جو بندے کو مراتب کے اعتبار سے نصیب ہوتے ہیں۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کی صلوات کا معنیٰ یہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام محمود پر فائز کرنا اور مقام محمود کا مقصد ہے آپ کی امت کے لیے آپ کی شفاعت کا قبول کرنا۔ اور ملائکہ کی صلوٰۃ کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ کے مراتب کی بلندی کے لیے دعا کرنا اور آپ کی امت کے لیے استغفار اور آپ کی امت کی صلوات کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ کی تابعداری اور آپ سے محبت کرنا اور ذکر جمیل سے آپ کی تعریف کرنا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آدم علیہ السلام کے درمیان فرق

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ملائکہ سے سجدہ کروا کر ان کی عزت افزائی فرمائی لیکن اپنے محبوب علیہ السلام کی صلوٰۃ کے تحفہ سے جو عزت بڑھائی وہ اس سے بڑھ کر ہے اس لیے سجدہ ملائکہ میں اللہ تعالیٰ خود شریک نہ تھا لیکن صلوٰۃ میں جہاں ملائکہ اور اہل ایمان کو صلوٰۃ کا حکم فرمایا تو اپنے لیے صلوٰۃ کی خبر دی ؎

عقل دور اندیش میداند کہ تشریفی چنیں
ہیچ دین پرور ندید و ہیچ پیغمبر نیافت

ترجمہ: عقل دور اندیش کو معلوم ہے کہ ایسی شرافت اور بزرگی کسی دین پرور اور کسی نبی پیغمبر کو نصیب نہیں ہوئی۔

؎

یصلی علیہ اللہ جل جلالہ
بھذا بدا للعالمین کمالہ

ترجمہ: اللہ جل جلالہ اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر صلوٰۃ بھیجتا ہے اس سے جہان کو معلوم ہوا کہ ہمارے آقا بہت بڑی شان والے ہیں۔

؎

بجامہ خانۂ دیں خلعت درود و سلام
چو گشت دوختہ بر قامت تو آمد راست
نشان حرمت صلوا علیہ بر نامت
نوشتہ اند چنیں منصبی شریف تراست

ترجمہ: خانۂ دین میں جو درود و سلام کی خلعت کا جامہ سِل گیا تو وہ آپ کے قد مبارک پر فٹ آیا۔ صلوا علیہ کی حرمت کا نشان آپ کے لیے لکھا گیا اور یہ بلند و بزرگ شرف آپ کو سجتا ہے۔

حضور علیہ السلام کی خوشی

بعد از نزول آیت ہذا حضور علیہ السلام کا چہرہ مبارک مسرور ہوا اور فرمایا کہ مجھے مبارک دو کہ مجھے وہ آیت عطا ہوئی ہے جو مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے ؎

نورے از روزن اقبال در افتاد مرا
کہ ازاں خانۂ دل شد طرب آباد مرا

ترجمہ: وہ نور جو مجھے دریچۂ اقبال سے نصیب ہوا، جس سے خانۂ دل خوشی سے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

آباد ہوا۔

حکایت اصمعی سے منقول ہے کہ میں نے مہدی کو بصرہ کے منبر پر کہتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ کا ایسا امر فرمایا ہے کہ اس کا آغاز اپنی ذات سے فرمایا اس کے بعد ملائکہ کا نام لیا اس میں اشارہ ہے کہ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم جملہ انبیاء و رسل علیہم السلام سے افضل و اعلیٰ ہیں اور ہمیں جملہ امم سے افضل بتایا اس لیے ہمیں اس کی نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اس امر میں اپنا نام اس لیے لیا تاکہ محبوب علیہ السلام کی شرافت اور بزرگی کا اظہار ہو اور لوگوں کو معلوم ہو کہ ان کی شانِ اقدس بہت بلند و بالا ہے اور امت کو اس امر کی ترغیب دلائی ہے کہ درود شریف ایک ایسا امر ہے کہ اللہ تعالیٰ باوجودیکہ مستغنی ذات ہے وہ بھی محبوب علیہ السلام کی ذات پر درود شریف پڑھتا ہے۔ تو امت کے لیے زیادہ ضروری ہے کہ وہ ہدیۂ صلوٰۃ و سلام پیش کرے کیونکہ امت کو اپنی شفاعت کی زیادہ ضرورت ہے نیز اللہ تعالیٰ کی صلوات سے ملائکہ و مومنین کی صلوٰۃ کو تقویت ملتی ہے اس لیے کہ صلواتِ الٰہی حق ہے اور ملائکہ و اہلِ ایمان کی صلوٰۃ رسمی ہے اور رسمی شے تحقیقی کی مقارنت سے تقریب چاہتی ہے ؎

از کنہ وصف تو کہ تواند کہ دم زند
وصفے سزائے تو نکند خدائے تو

ترجمہ: آپ کے وصف کے کنہ کی کسے طاقت ہے کہ دم مارے آپ کا وصف صرف اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم انوارِ جمال و جلال کا صاف و شفاف آئینہ ہیں اور نعوت کمال کے کامل مظہر اور جامع ہیں۔ آپ کی برکت سے ہم سب کو اللہ تعالیٰ کے فیضانات و برکات نصیب ہوئے اور آپ کے صدقے وجود کو ظہور ملا۔ اپنے ساتھ ملائکہ قدس کو درود شریف میں اس لیے شامل فرمایا کہ ملائکہ خلقت کے لحاظ سے پہلے اور وہ ازل قضائے بنی آدم کی طرح خائف اور ابلیس پر لعنت پڑنے اور ہاروت و ماروت پر غضبِ الٰہی کے ورود کے بعد اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے رہتے ہیں اسی لیے وہ بھی حضور علیہ السلام پر درود بھیجنے کے محتاج ہیں تاکہ درود شریف کی برکت سے انہیں جمعیت خاطر اور بلیات و آفات سے حفاظت نصیب ہو نیز ملائکہ کی صلوٰۃ میں ایک فائدہ یہ ہے کہ ان کے درود شریف کی موافقت سے اہلِ ایمان کی صلوٰۃ قبول ہو جیسے نماز میں لفظ آمین کی موافقت میں اہلِ ایمان کو فائدہ نصیب ہوتا ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

نورِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم آدم علیہ السلام کی پیشانی میں جب آدم علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نورِ پاک آدم علیہ السلام کی پیشانی میں چمکتا تھا جسے فرشتوں نے دیکھ کر صلوٰۃ وسلام عرض کیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالمِ دنیا میں تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے فرمایا۔

هذا هو الذی کنتم تصلون علیه وهو نور فی جبین آدم فصلوا علیه وهو موجود بالفعل فی العالم۔

(یہ وہی نورِ مبارک ہے جو تم نے آدم علیہ السلام کی پیشانی میں دیکھا تھا اس پر تم نے درود شریف پڑھا تھا اس معنے پر وہ ہر عالم میں موجود بالفعل رہے اسی لیے تم ان پر درود شریف پڑھو)

اُمّت کو درود کا حکم کیوں! اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان جن ہو یا انس سب کو درود شریف کا حکم اس لیے فرمایا کہ اہلِ ایمان آپ پر درود شریف بھیجنے کے محتاج ہیں وہ اس لیے کہ حضور علیہ السلام نے اہلِ ایمان کو دعوتِ حق دی تو اس کا حق ادا کرنا ضروری تھا اس کی ادائیگی درود شریف سے ہوتی۔ دوسرے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جملہ اہلِ ایمان کے روحانی باپ ہیں بلکہ آپ نے اہلِ ایمان کی بہترین تربیت فرمائی اور احسن طریق سے انہیں تبلیغ وارشاد فرمایا بلکہ بہت زیادہ شفقت ورحمت فرمائی۔ اس معنے پر ضروری ہوا کہ اُمّت آپ پر درود شریف بھیجے کیونکہ قاعدہ ہے کہ شاگرد پر استاد کی تعریف واجب ہے ایسے ہی بیٹے پر باپ کا شکر ضروری ہے

میانِ باغِ جہاں از زلالِ فیضِ حبیب
نہالِ جانِ مرا صد ہزار نشو ونما ست

ترجمہ: جہان کے باغ میں فیضِ حبیب کے پانی سے میری جان کو ہزار بار نشوونما نصیب ہوتی ہے۔

ف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنے میں اشارہ ہے کہ اہلِ ایمان پر ضروری ہے کہ وہ اللہ کا شکر کریں کہ انہیں افضل المرسل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی بنایا گیا اور ان کے طفیل انہیں افضل الامم کا خطاب نصیب ہوا نیز درود شریف سے اہلِ ایمان کی حقِ شفاعت کی ادائیگی بھی ہوئی اس لیے کہ درود شریف گویا شفاعت کا ثمن ہے اب دنیا میں جب ثمن ادا کریں گے تو کل قیامت میں اس کا ثمرہ حاصل کریں گے ؎

بضاعت بچندانکہ آری بری
اگر مفلسی شرمساری بری

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ترجمہ: جتنی پونجی لاؤ گے اتنا سامان پاؤ گے، اگر تم مفلس ہو تو شرمسار ہو گے۔

؎

ألا ایها الاخوان صلّوا و سلّموا

علی المصطفیٰ فی کل وقت و ساعة

فان صلاة الهاشمی محمّد

تنجی من الاهوال یوم القیامة

ترجمہ: اے بھائیو! صلوٰۃ و سلام پڑھو، مصطفیٰ علیہ السلام پر ہر وقت اور ہر گھڑی۔ اس لیے کہ ہاشمی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا درود قیامت کی ہولناکیوں سے نجات بخشتا ہے۔

فضائلِ درود

(۱) درود شریف کی مقدار پر اُمتی کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف نصیب ہوتا ہے۔

(۲) بروزِ قیامت بکثرت درود شریف پڑھنے والے کی زبان سفید اور نہ پڑھنے والے کی سیاہ ہوگی اور قیامت میں اُمتِ مصطفوی کی یہی علامت ہوگی۔

(۳) اس سے نبی علیہ السلام کے مراتب میں اضافہ ہوتا ہے تو اُمت کو بھی مراتب نصیب ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ تابع کے مراتب متبوع کے مراتب کے تابع ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت مولانا جلال الدین رومی اپنے رسالہ معراجیہ میں لکھتے ہیں ؎

صلوات بر تو آدم فزوده باد قربت
چه بقرب کل بگردد همه جزوها مقرب

ترجمہ: درود شریف پیش کر رہا ہوں خدا کرے اس سے قربت نصیب ہو اس لیے کہ آپ کے قرب سے جملہ جزو کل ہو جاتے ہیں۔

(۴) درود شریف کی برکت سے نبی علیہ السلام کی محبت بڑھتی ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ:

من احب شیئاً اکثر ذکرہ۔

یعنی جو کسی سے محبت کرتا ہے اس کا اکثر ذکر کرتا رہتا ہے۔

ف: بعض علماء نے فرمایا کہ صیغہ مضارع یصلّون دلالت کرتا ہے کہ ملائکہ کرام آپ پر بالدوام درود شریف پڑھتے ہیں پھر درود شریف پڑھنے والے کو ان سے مشابہت ہو جاتی ہے اور قاعدہ ہے:

من تشبّہ بقوم فہو منہم۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(جو کسی قوم سے مشابہت کرتا ہے وہ انہی میں شمار ہوتا ہے) پھر ایسے شخص کی شان یہ ہو جاتی ہے کہ اسے ملائکہ کرام کی طہارت و عصمت جو ملائکہ کی لازم ذات ہے سے حصہ وافر نصیب ہوتا ہے اسی وجہ سے اسے بھی عالم روحانی سے آشنائی حاصل ہوتی ہے۔

یا سید انام درود و صلوٰت تو
ورد زبان ماست ہمہ سال و صبح و شام
نزدیک تو چہ تحفہ فرستیم ما ز دور
در دست ما ہمیں صلوٰتست والسلام

ترجمہ: اے سید انام! آپ کا درود و سلام ہماری زبان کا ورد ہے ہر مہینے اور ہر سال ہر صبح و شام ہمارے ہاں سوائے آپ کے درود شریف کے اور کوئی بہتر تحفہ نہیں اور ہمارے ہاتھ میں یہی درود و سلام ہے۔

نکتہ درود شریف میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو شامل فرمایا اور ملائکہ کو بھی۔ پھر اہل ایمان کو حکم فرمایا۔ یہ ایک ایسی عبادت ہے جس کی نظیر نہیں ملتی کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے خود شمولیت کرنے کا حکم فرمایا ہو۔ قال سہل بن عبداللہ التستری قدس سرہٗ۔

مقولۂ صدیق سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ درود شریف ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب ہے اور اس کا ثواب گردن آزاد کرنے سے بھی زیادہ ہے اس لیے کہ گردن آزاد کرنے سے جہنم سے آزادی اور بہشت میں داخلہ ملتا ہے اور حضور علیہ السلام پر درود شریف پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام نصیب ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سلام کا مقابلہ ایک ہزار نیکی بھی نہیں کر سکتی۔

ف: حضرت واسطی نے فرمایا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف نہایت نیازمندانہ طریقے سے پڑھا جائے اس میں گنتی کو دخل نہ دیا جائے۔ اس لیے کہ آقا کے ساتھ حساب کیسا! اور یہ تصور بھی یاد رہے کہ دل میں کبھی تصور نہ لایا جائے کہ اس طرح سے میں اپنے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ادا کر رہا ہوں بلکہ یوں تصور ہو کہ اس کے صدقے سے میں رحمت سے مالا مال ہوں گا۔

ایک فرشتہ کل کائنات پر حاضر و ناظر

حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میں دنیا سے رخصت ہوں گا کہ میری قبر انور پر ایک ایسا فرشتہ مقرر ہوگا جو تمام مخلوق کی آواز سنے گا جو میرا اُمتی مجھ پر صلوٰۃ و سلام عرض کرے تو وہ کہے گا کہ آپ پر آپ کے فلاں بن فلاں نے درود شریف پڑھا اور اتنی مقدار میں۔ پھر اس بندے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

پر اللہ تعالیٰ ہر ایک درود کے بدلے میں دس بار سلام بھیجتا ہے۔

حضور علیہ السلام ہمیں، ہمارے نام اور ہمارے تمام قبیلے کا نام جانتے ہیں

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اذا صلیتم علی فاحسنوا علی الصلوۃ فانکم تعرضون علی باسمائکم واسماء آبائکم وعشائرکم واحسابکم۔

(جب تم مجھ پر درود شریف پڑھو تو حسین وجمیل صورت میں، اس لیے کہ تم میرے سامنے اپنے اسماء اور اپنے آباء کے اسماء اور قبائل و اعمام کے اسماء کے ساتھ پیش کئے جاتے ہو)

ف: حسین وجمیل کا معنیٰ یہ ہے کہ حضور قلب وجمعیت خاطر کے ساتھ درود پڑھا جائے۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا درود شریف طاعت و قربت اور وسیلہ واستجابت ہے۔ جب بندہ تحیہ و توسل وتقرب حضرت احدیہ کی نیت سے درود شریف پڑھتا ہے تو اسے قربت حضرت احدیہ نصیب ہوتی ہے جیسے قمر کے قرب سے شمس کا قرب حاصل ہوتا ہے کیونکہ چاند سورج کا آئینہ ہے اور سورج کے انوار چاند پر چمکتے ہیں۔

ف: جو شخص حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک دفعہ درود شریف پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ نگران فرشتے کو فرماتا ہے کہ تین دن تک اس کے گناہ نہ لکھنا۔

حکایت ایک عورت نے اپنے لڑکے کو اس کی موت کے بعد خواب میں دیکھا کہ اسے عذاب ہو رہا ہے۔ اس سے سخت غمگین ہوئی۔ پھر دیکھا اس کے بیٹے کو نور و رحمت سے نوازا جا رہا ہے۔ اس کی وجہ پوچھی تو بیٹے نے کہا کہ قبرستان سے کوئی شخص گزرا ہے جس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھ کر اس کا ثواب قبرستان والوں کو بخشا ہے اس سے مجھے بھی حصہ ملا ہے اسی کی برکت یہی ہے جو تو نے دیکھ لی۔

حکایت حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم کعبہ کا طواف کر رہے تھے ایک شخص کو دیکھا کہ بجائے لبیک پڑھنے کے ہر قدم پر درود شریف پڑھتا ہے میں نے کہا یہ کیا، تسبیح و تہلیل چھوڑ کر تم درود شریف پڑھتے ہو تمہارے پاس اس کا کوئی شرعی ثبوت ہے؟ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو صحت وعافیت بخشے آپ کا اسم گرامی کیا ہے؟ میں نے کہا: مجھے سفیان ثوری کہتے ہیں۔ اس نے کہا: اگر آپ مسافر ہوتے اور مجھے یقین ہوتا کہ آپ میرا راز فاش نہیں کریں گے تو آپ کو یہ حال بتا دیتا بہرحال حقیقت یہ ہے کہ میں اور میرا والد حج کو آرہے تھے راستہ میں میرا والد سخت بیمار ہو گیا حتیٰ کہ مر گیا اور بد قسمتی سے اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا، آنکھیں نیل ہو گئیں اور پیٹ پھول گیا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اس پر میں خوب رویا اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ افسوس کہ میرے والد کی موت سفر میں ہوئی اور ایسی بُری کہ جسے بتایا نہیں جا سکتا۔ میں اپنے والد کا چہرہ چادر سے ڈھانپ کر سو گیا، خواب میں دیکھا کہ ایک حسین و جمیل شخص آیا ہے جس کی شکل و صورت کبھی نہ دیکھی تھی اور نہایت خوب صورت لباس میں ملبوس تھا اور خوشبو سے معطر۔ میرے والد کے قریب ہو کر ان کے چہرے سے کپڑا اتار کر چہرے پر ہاتھ پھیرا تو میرے والد کا چہرہ دُودھ سے زیادہ سفید ہو گیا اور ان کے پیٹ پر ہاتھ پھیرا تو وہ پہلے کی طرح ہو گیا۔ اس کے بعد وہ حسین و جمیل ہستی واپس جانے لگی۔ میں نے بڑھ کر عرض کی: آپ کو اس ذات کی قسم جس نے آپ کو میرے والد کے لیے رحمت بنا کر بھیجا، آپ ہیں کون؟ فرمایا، میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں، اگرچہ تیرا والد بہت گنہگار رہتا لیکن مجھ پر درود شریف بکثرت پڑھتا تھا جب اسے یہ مصیبت پہنچی تو اس نے مجھے پکارا، میں نے اس کی فریاد رسی کی ہے۔ جو مجھ پر کثرت سے درود شریف پڑھتا ہے تو دار دنیا میں مَیں اس کی فریاد رسی کرتا ہوں۔ اس کے بعد میں بیدار ہُوا تو دیکھا کہ میرے والد کا چہرہ سفید اور پیٹ صحیح و سالم تھا۔

سہ

یا من یجیب دعا المضطر فی الظلم
یا کاشف الضر والبلوی مع السقم
شفع نبیك فی ذلی و مسکنتی
واستر فانك ذو فضل و ذو کرم

ترجمہ: اے مضطروں کی ظلم میں دُعا قبول کرنے والے اور بیماریوں کے ساتھ دکھ درد ٹالنے والے! میری ذلت و مسکینی میں اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت قبول فرما اور میرے گناہ ڈھانپ لے اس لیے کہ تُو بہت بڑے فضل و کرم والا ہے۔

ف: حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب آیت یا ایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما نازل ہُوئی تو ہم حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہم آپ پر سلام پڑھنے کا طریقہ تو جانتے ہیں لیکن فرمائیے ہم آپ پر صلوٰۃ کیسے عرض کریں؟ آپ نے فرمایا، پڑھو:

اللّٰھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انك حمید مجید، وبارك علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انك حمید مجید۔ کما فی تفسیر التیسیر۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

یہ وہی درود ابراہیمی ہے جسے نماز کی آخری تشہد میں پڑھا جاتا ہے۔ یہی صحیح ہے ذکرہ الظاہری روایۃ عن محمد۔

ف: اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اے اللہ! اپنے محبوب علیہ السلام پر کامل درود شریف بھیج۔ کامل کی قید صلی علی محمد کے علی الاطلاق کے استعمال سے معلوم ہوتا ہے و علی آل محمد عطف الجملۃ علی الجملۃ کے قبیل سے ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے اللہ! حضور علیہ السلام کی آل پر اسی طرح درود بھیج جیسے تو نے ابراہیم علیہ السلام پر درود بھیجا۔ اس سے وہ اشکال دور ہو گیا جو مشہور ہے کہ مشبہ بہ مشبہ سے اقوی ہوتا ہے اور یہاں پر مشبہ بہ ابراہیم علیہ السلام اور حضور علیہ السلام مشبہ ہیں۔ اس معنے پر ابراہیم علیہ السلام کو حضور علیہ السلام پر اقویٰ ماننا پڑے گا حالانکہ یہ حق مذہب کے خلاف ہے اس لیے کہ حضور علیہ السلام علی الاطلاق ہر پیغمبر سے اقوی و افضل و اکمل ہیں (ذکرہ القہستانی)۔

تشبیہ کے جوابات

مذکورہ بالا تقریر میں ہم نے سوال کی نوعیت عرض کر دی ہے۔ اس کا ایک جواب بھی لکھا ہے اب دیگر جوابات ملاحظہ ہوں:

(۲) الفتاوی المعزی میں ہے کہ یہ تشبیہ اصل صلوٰۃ میں ہے جس پر درود پڑھا جا رہا ہے اس میں تشبیہ مطلوب نہیں اس لیے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابراہیم علیہ السلام سے افضل ہیں۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے اللہ! اپنے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی طرح درود بھیج جیسے ان کی قدر و منزلت اور شرافت و بزرگی ہے جیسے تو نے ابراہیم علیہ السلام پر ان کی قدر و منزلت کے مطابق درود بھیجا۔ اس تقریر کی نظیر فاذکروا اللہ کذکرکم آباءکم ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو یاد کرو اس کی نعمتوں اور رحمتوں کی مقدار میں جیسے تم اپنے آباء کا ذکر کرتے ہو ان کے تمہارے اوپر انعامات و احسانات کی وجہ سے۔

اور قاعدہ ہے کہ شے کو دوسری شے سے وجہ واحد کی بنا پر تشبیہ دی جاتی ہے اگرچہ ان کو آپس میں من کل الوجوہ مشابہت نہ ہو جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ان مثل عیسی عند اللہ کمثل آدم۔

(عیسیٰ کی مثل اللہ تعالیٰ کے ہاں آدم علیہما السلام جیسی ہے)

اس میں عیسیٰ علیہ السلام کو آدم علیہ السلام کے مشابہ کہا گیا ہے صرف ایک وجہ سے۔ اور وہ ہے تخلیق بلا اب یعنی باپ کے بغیر جیسے آدم علیہ السلام پیدا ہوئے ویسے ہی عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

(۳) شرح مشکوٰۃ میں مذکور ہے کہ کما صلیت کی تشبیہ الحاق ناقص بکامل کے قبیل سے نہیں بلکہ مالا یعرف کے حال کو بما یعرف کے بیان کے باب سے ہے یعنی نزول آیت برحمۃ اللہ وبرکاتہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

علیکم اھل البیت انہ حمید مجید سے ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی آل پر درود الٰہی کے متعلق اہل ایمان کو خوب معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی آل پر درود بھیجا۔ اس پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ایمان کو فرمایا کہ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے درخواست کرو کہ وہ مجھ پر اسی طرح درود وسلام بھیجے جیسے ابراہیم علیہ السلام پر بھیجا تھا۔

(۴) بعض مشائخ نے فرمایا کہ کما میں لفظ کاف تاکید وجودی کا ہے یہ وہ کاف نہیں کہ وقوع میں ایک دوسرے کو ملائے جیسے:

وقل رب ارحمہما کما ربیانی صغیرا۔

(اور کہہ اے میرے رب! ان پر رحم فرما جیسے انہوں نے میری بچپن میں تربیت کی)

میں کاف تاکید وجودی کا ہے اس لیے کہ تربیت تو والدین سے واقع ہے لیکن ان کے لیے رحمت مطلوب الوقوع ہے۔ اس معنے پر کاف وجود رحمت میں تاکید کے لیے ہوگا۔

اب آیت کا معنی یہ ہوگا کہ میرے والدین کے لیے وہ رحمت ایجاد فرما جو محقق ومقرر ہے۔ اس تقریر پر درود ابراہیمی کا معنی یوں ہوگا کہ اے اللہ! اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج اور اس درود کو ایجاد فرما جیسے ان سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کا درود شریف ایجاد فرمایا تھا۔ یہی معنی "الضیاء المعنوی" کے قریب تر ہے جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا ہے۔

(۵) بعض مشائخ نے فرمایا کہ اس تشبیہ میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ادب تواضع سکھایا ہے اور واضح فرمایا ہے کہ آبا واجداد کی تعظیم وتوقیر یوں ہونی چاہیے کہ باوجودیکہ میری صلوٰۃ درود ابراہیم سے اکمل واشرف ہے اور میں ان سے مرتبہ میں اقویٰ وارفع واعلیٰ ہوں لیکن ان کی تعظیم وتکریم بجا لاتا ہوں اس لیے کہ وہ میرے دادا ہیں اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس طرح کی کسرِ نفسی اور نفس کے تکبر کو مٹانے کی مثالیں احادیث میں بکثرت موجود ہیں۔ مثلاً فرمایا:

انا اول من ینشق عنہ الارض ولا فخر وانا حبیب ولا فخر وانا اکرم الاولین والآخرین علی اللہ ولا فخر ولا تفضلونی علی موسیٰ ولا تخیرونی علی ابراھیم ولا ینبغی لاحد ان یقول انا خیر من یونس۔

(میں وہ ہوں کہ سب سے پہلے اس سے زمین شق ہوگی اس میں فخر نہیں اور میں محبوبِ خدا ہوں میں فخر نہیں کرتا اور میں اولین وآخرین سے اللہ تعالیٰ کے ہاں مکرم ہوں اور میں فخر نہیں کرتا اور مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت مت دو اور مجھے ابراہیم علیہ السلام سے افضل مت مانو اور کسی کو لائق نہیں کہ وہ مجھے یونس علیہ السلام سے بہتر کہے۔

(یہ تمام مضمون تواضع وانکساری پر مبنی ہے)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ابراہیمی درود کی علت اور اصلی غرض وغایت

(۱) ہم ابراہیم علیہ السلام پر اس لیے درود بھیجتے ہیں کہ انھوں نے جب تعمیر کعبہ سے فراغت پائی تو تمام حجاج کو حج بیت اللہ کی دعوت دی۔ ہم اس کے بدلے میں درود کا تحفہ پیش کرتے ہیں۔

(۲) امام نیشاپوری نے فرمایا کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ! اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے ایک نبی مبعوث فرما۔ کما قال:

ربنا وابعث فیھم رسولا منھم۔

اسی لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا:

انا دعوۃ ابی ابراھیم۔

(میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دُعا ہوں)

اسی معنے پر حضور علیہ السلام نے ان کا بدلہ یوں دیا کہ آپ نے ان پر درود بھیجنے کا حکم فرمایا۔

ف: حضور علیہ السلام نے جس صلوٰۃ کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک فرمایا وہ یہی درود ہے جو اللہ تعالےٰ آپ پر بھیجتا ہے اس لیے کہ حضور علیہ السلام ہی مظاہر حق کے اکمل اور تجلیات ذات کے مشاہدہ کرنے والے اور مجامع اسرار ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام کی آرزو

حدیث شریف میں ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں ایک بہت بڑا باغ دیکھا جس کے پتوں پر لکھا تھا:

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

جبریل علیہ السلام سے اس کی حقیقت پوچھی تو انھوں نے تمام ماجرا سنایا اس وقت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی:

یا اللہ! میرا ذکر بھی اُمتِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبانوں پر جاری فرما۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی دُعا مستجاب فرمائی۔ اسی وجہ سے درود میں ان کے ذکر کو حضور علیہ السلام کے ذکر کے ساتھ فرمایا۔

ف: حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ہمارا قبلہ چونکہ ایک ہے اسی لیے ہم درود میں انکا اسم گرامی لیتے ہیں یعنی حج کے مناسک جس طرح ہم ادا کرتے ہیں وہ بھی اسی طرح ادا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں کعبہ کی بنیاد بھی انھوں نے رکھی تھی اور پھر بہت سی امتوں کو ان کی ملت کی اتباع کا حکم ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے امتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی ثنا کا حکم دیا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

صاحب روح البیان کی تقریر فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام توحید ذاتی کے قطب ہیں۔ اسی لیے دوسرے انبیاء علیہم السلام کی بہ نسبت ان پر درود پڑھنا اولیٰ ہُوا علاوہ ازیں بہ نسبت دوسری امتوں کے آپ کی اُمت میں استعداد زیادہ تھی یہاں تک کہ انھیں جمیع مراتب افعال وصفات وذات کیلیے مامور کیا گیا اگرچہ اجمالی طور پر ورنہ تفصیلی طور ان مراتب کو امتِ محمدی علیٰ صاحبہا السلام سے مخصوص کیا گیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی تعمیر میں لگانے میں اسی طرف اشارہ ہے کہ وہ توحید ذاتی کے قطب تھے اسی لیے حج کی عبادت مکرر طور فرض نہیں کی گئی جیسے دوسری عبادات مکرر ہوتی ہیں۔ یعنی حج زندگی میں صرف ایک بار فرض ہے بخلاف نماز و روزہ کے کہ وہ اوقات کی وجہ سے بار بار ادا کی جاتی ہیں اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام کو ان کی ملت کی اتباع کا حکم فرمایا یعنی باعتبار جمع کے ورنہ باعتبار تفصیل کے تو تکمیل ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی کسی اور نبی علیہ السلام کو یہ مرتبہ نصیب نہیں ہُوا۔ اسی بنا پر صرف آپ ہی خاتم الانبیاء ٹھہرے۔ مذکورہ بالا وجوہ سے ابراہیم علیہ السلام کو درود میں شامل کیا گیا اور آپ کے درود شریف کو بھی ان کے درود شریف کے ساتھ اسی وجہ سے تشبیہ دی گئی ورنہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے درود بھی تو ہیں لیکن ان میں کسی کے ساتھ تشبیہ نہیں دی گئی۔ اسے اچھی طرح سمجھ لو۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا واجب ہے۔

وسیلۂ عظمیٰ حضور علیہ السلام پر درود شریف بھیجنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ نفس انسانی اکثر علائق بدنیہ وعوائق طبعیہ میں مشغول رہتا ہے مثلاً کھانا پینا وغیرہ اور اوصاف ذمیمہ واخلاق ردیّہ میں مصروف ہوتا ہے اور ذات باری تعالیٰ سے فیض کرنا ہے لیکن وہ ذات نہایت تنزہ و تقدس میں ہے۔ انسان کو اس ذات سے ذرہ برابر بھی مناسبت نہیں تاکہ اس کے فیوض و برکات حاصل کر سکے۔ ہاں ان کے مابین کوئی ایسا واسطہ ضروری ہے جو دونوں جہتوں سے متعلق ہو یعنی اس میں تجرد و تعلق دونوں جہتیں ہوں۔ اس واسطہ کو یُوں سمجھو کہ تر لکڑی کو جلانے کے لیے آگ اور تر لکڑی کے درمیان میں سوکھی لکڑی کو واسطہ بنانا پڑے گا ایسے ہی ہڈی اور گوشت کے درمیان غضروف واسطہ ہے۔ ایسے ہی ہمارے اور رب تعالیٰ کے درمیان ہمارا وسیلہ عظمیٰ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے بحیثیت تجرد فیض لیتے ہیں اور بحیثیت تعلق ہم غریبوں کو وہی فیض پہنچاتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود جیسے شرعاً واجب ہے ایسے ہی عقلاً بھی واجب ہے۔

مسئلہ: یہ علی الاطلاق واجب ہے۔ دوسری عبادات کی طرح اس کا مکرر نہیں ہوتا، جیسے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اذکروا اللہ ذکراً کثیراً کا وجوب مکرر نہیں۔

مسئلہ: امام طحاوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو نہی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی زبان پر آئے یا کسی سے سنا جائے تو درود شریف پڑھنا واجب ہے۔ بحرالعلوم میں ہے کہ یہی قول صحیح ہے اس لیے کہ اگرچہ امر تکرار کا مقتضی نہیں لیکن یہ قاعدہ تو مسلّم ہے کہ سبب کے تکرار سے وجوب مکرر ہوتا ہے جیسے وقت کے تکرار سے وجوب مکرر ہوتا ہے۔

حدیث شریف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

من ذکرت عندہ فلم یصلّ علیّ فدخل النار فابعدہ اللہ۔

(جس کے سامنے میرا ذکر ہوا اور وہ مجھ پر درود شریف نہ پڑھے وہ جہنم میں داخل ہوگا اور اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت سے دور کر دے گا)

حدیث شریف ۱ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا یری وجھی ثلاثۃ اقوام احدھا العاق لوالدیہ والثانی تارک سنتی والثالث من ذکرت عندہ فلم یصل علیّ۔

(تین گروہ قیامت میں میرے دیدار سے محروم ہوں گے:

(۱) والدین کا نافرمان

(۲) میری سنّت کا تارک

(۳) میرا نام سنے اور درود نہ پڑھے)

حدیث شریف ۲ میں ہے:

اربع من الجفاء ان یبول الرجل وھو قائم وان یمسح جبھتہ قبل ان یفرغ وان یسمع الندا فلا یشھد مثل یشھد المؤذن وان اذکر عندہ فلا یصلی علیّ۔

(چار امور ظلم میں شامل ہیں:

(۱) کھڑے ہو کر پیشاب کرنا۔

(۲) نماز کی فراغت سے پہلے ماتھے سے مٹی جھاڑنا۔

(۳) اذان سنے اور نماز پر حاضری نہ دے۔

(۴) میرا نام سنے اور مجھ پر درود شریف نہ پڑھے)

سوال: ہر درود میں حضور علیہ السلام کا ذکر گرامی ہے تو جب بھی ہم آپ کا نام لیں تو پھر درود شریف پڑھنا واجب ہوگا اس طرح تو زندگی درود شریف پڑھتے ہی گزر جائے گی اور یہ "تکلیف مالا یطاق"

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

جواب : یہاں پر اسم گرامی کا ذکر زبان پر لانے اور سننے سے مراد یہ ہے کہ جس نام کے لینے اور سننے سے صلوٰۃ واجب ہو جائے وہ اسم گرامی مراد نہیں جو صلوٰۃ کے ضمن میں ہے۔

مسئلہ : بعض مشائخ نے فرمایا کہ ہر مجلس میں ایک بار درود پڑھنا واجب ہے یہی صحیح ہے اگرچہ آپ کا اسم گرامی بار بار پڑھا سنا جائے جیسا کہ آیت سجدہ میں سجدۂ تلاوت کا حکم ہے یا چھینک والے کے جواب کا مسئلہ ہے اگرچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ :

چھینکنے والے کا جواب واجب ہے لیکن جب وہ تین کے اوپر چھینکے تو جواب دینے والا مختار ہے چاہے جواب دے یا خاموش رہے۔

مسئلہ : ہر دعا کے اول و آخر میں درود شریف پڑھنا ضروری ہے۔

مسئلہ : بعض علماء نے فرمایا کہ زندگی میں ایک بار درود شریف پڑھنا واجب ہے جیسے شہادتین کا اظہار زندگی میں ایک بار واجب ہے۔ اس کے بعد درود شریف و شہادتین کا پڑھنا مندوب ہے۔

فیصلہ آخری فیصلہ اس مسئلہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے بلند شان کا تقاضا یہی ہے کہ آپ کا ذکر گرامی جب پڑھا سنا جائے تو درود شریف پڑھنا واجب ہو جاتا ہے۔ کذا فی فتح الرحمٰن۔

لیکن امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے کہ حضور علیہ السلام کے ذکر گرامی کو بار بار پڑھنے اور سننے پر درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔ فتویٰ اسی پر ہے۔ تفسیر الکاشفی میں لکھا ہے کہ ہر بار پڑھنے اور سننے کی مجلس میں ایک بار درود شریف پڑھنا واجب ہے پھر ہر بار سنت۔ اسی پر فتویٰ ہے یعنی ذکر بار بار پڑھنے سننے کے وقت درود شریف پڑھنا مستحب ہے بخلاف سجدۂ تلاوت کے کہ ایک ہی مجلس میں بار بار آیت سجدہ پڑھی جائے تو صرف ایک بار سجدہ واجب ہے۔ درود اور سجدۂ تلاوت میں فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مستغنی ہے سجدوں کا محتاج نہیں بخلاف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ کو صلوات الٰہی کی ضرورت ہے۔ کذا فی حواشی الہدایہ للامام الخبازی۔

مسئلہ : اگر اللہ تعالیٰ کا نام کسی مجلس میں بار بار لیا جائے تو علیحدہ علیحدہ اللہ تعالیٰ کی ثنا لازمی ہے مثلاً کہا جائے سبحان اللہ، تبارک اللہ، جل جلالہٗ وغیرہ۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم و تکریم ہر زمان و ہر مکان میں لازم ہے اگر کسی نے نہیں کہا بخلاف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درود شریف کے کہ اگر وہ ترک کر دیا جائے تو بھی اسے پڑھنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تجدد ہوتا رہتا ہے اور وہی اس کی مدح و ثنا کا موجب ہیں۔ اسی لیے اس کے ذکر کے بعد ثنا نہ ہو تو قضا نہیں کیونکہ قضا کا وقت ہی بچا بخلاف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درود شریف کے کہ آپ کے ذکر پاک کے بعد درود نہ پڑھنا بندے کے ذمہ قرض رہتا ہے جب تک درود نہ پڑھے گا وہ قرض میں

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ے گلے میں رہے گا اور اسے جب بھی پڑھا جائے وہی اس کی ادائیگی کا وقت ہے ۔

مسئلہ ؛ قاضی خان میں ہے کہ کوئی شخص قرآن مجید پڑھ رہا ہے اس میں حضور علیہ السلام کا اسم گرامی آجائے تو پڑھنے سننے والے کے لیے ضروری ہے کہ اس وقت درود شریف نہ پڑھیں اس لیے کہ نظم قرآن کو ترتیب وار اور مسلسل پڑھنا سننا واجب ہے اس کے درمیان میں غیر عبارت کو ملانا حرام ہے اس لیے واجب ہوگا کہ درمیان میں درود شریف نہ پڑھا جائے ۔ ہاں فراغت کے بعد درود شریف پڑھ لیا جائے تو بہتر ہے ۔ اگر نہ بھی پڑھے تب بھی کوئی حرج نہیں ۔

مسئلہ ؛ تشہد اخیرہ میں درود شریف پڑھنا سنّت ہے ، یہی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے ۔ امام مالک بھی یہی کہتے ہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ نے جواز نماز کی شرط بتایا ہے ۔ اور امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے درود شریف کو نماز کا رکن لکھا ہے ۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس شخص کی نماز باطل ہوگی جس نے نماز کی تشہد اخیرہ میں درود شریف نہیں پڑھا عمداً یا سہواً ، ان کی دلیل یہ حدیث شریف ہے ؛

لا صلاۃ لمن لم یصل علیّ فی صلاتہ ۔

(اس کی نماز ہی نہیں جس نے نماز میں مجھ پر درود نہ بھیجا)

ہم احناف اس کا جواب دیتے ہیں کہ حدیث شریف میں نماز کے کمال کی نفی ہے ۔ اگر درود شریف نماز میں فرض ہوتا تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اعرابی کو نماز سکھائی تھی تو اس میں آپ اسے درود شریف بھی سکھاتے ۔ اعرابی کو درود شریف نہ سکھانا اس کی عدم فرضیت کی دلیل ہے ۔

بعض معاصرین کا رد

(ہمارے دور میں بعض علماء شیعوں کے مذہب سے عدم واقفیت کی بنا پر کہہ بیٹھے کہ حضرت علی کی طرح دوسرے اہل بیت کرام مثلاً حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو "علیہ السلام" کہنا لکھنا جائز ہے ہم نے انہیں کہا اسلاف صالحین کا مذہب ہے کہ انبیاء و ملائکہ کو تو لکھنا جائز ہے لیکن غیر انبیاء و ملائکہ پر براہ راست ناجائز ہے البتہ بواسطہ جائز ہے ۔ اس پر ہم نے متعدد حوالہ جات لکھے ہیں ۔ چند حوالے فقیر اویسی اپنے رسالہ " القول الاسلم فی کراہۃ کتابۃ صلعم " میں لکھے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے جو روح البیان ج ۷ ، ص۲۲۵ سے لیا گیا کہ ؛ [1]

واما الصلوٰۃ علی غیر الانبیاء فتجوز تبعا بان یقول اللھم صل علی محمد و علی آلہ ویکرہ استقلالا وابتداء کراھۃ تنزیہ کما ھو الصحیح الذی

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

عليه الاكثرون فلا يقال اللهم صل على ابي بكر لانه في العرف شعار ذكر الرسل ومن هنا كره ان يقال محمد عز وجل مع كونه عزيزا جليلا ولتأديته الى الاتهام بالرفض لانه شعار اهل البدع وقد نهينا عن شعارهم وفي الحديث:

من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يقف مواقف التهم۔

واما السلام فهو في معنى الصلاة فلا يستعمل الغائب فلا يفرد به غير الانبياء فلا يقال على عليه السلام كما تقول الروافض وتكتبه وسواء في هذا الاحياء والاموات۔

(یعنی غیر انبیاء پر صلوٰۃ جائز ہے لیکن تبعاً مثلاً کہے اللھم صل علی محمد وعلی آلہٖ لیکن مستقل طور پر مکروہ اور ابتداءً مکروہ تنزیہی، یہی صحیح ہے اور یہی اکثر کا مذہب ہے مثلاً اللّٰھم صل علی ابی بکر نہ کہا جائے گا کیونکہ عرف میں یہی ہے کہ یہ انبیاء کا شعار ہے اسی لیے محمد عزوجل کہنا مکروہ ہے اگرچہ آپ لاکھوں درجہ عزیز وجلیل ہیں۔ علاوہ ازیں ایسا طرز رفض وشیعیت سے متہم ہوتا ہے کیونکہ یہاں بدعتیوں کا طریقہ ہے کہ وہ اپنے مذہب میں اہل بیت پر براہ راست کہہ دیتے ہیں اور ہم ان کے اشعار سے روکے گئے ہیں۔ حدیث میں ہے:

جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے ایسے مواقع پر نہ آئے
جن سے تہمت کا نشانہ بننا پڑے۔

ایسے ہی سلام چونکہ صلوٰۃ کے معنیٰ میں ہے اسی لیے غائب کے صیغہ کے ساتھ کسی کو نہ کہا جائے "علیہ السلام" سوائے انبیاء (علیہم السلام) کے۔ اسی لیے علی علیہ السلام نہ کہا جائے جیسے رافضی کہتے اور لکھتے ہیں اس میں زندہ اور اہل اموات سب کا ایک ہی حکم ہے)

مسئلہ: حاضر کو مخاطب کرکے "السلام علیک" یا "علیکم" یا "سلام علیک" یا "علیکم" کہنا جائز ہے۔ اس پر علماء کا اتفاق ہے۔

مسئلہ: اہل قبور کو قبر پر حاضر ہوکر اسی طرح سلام کیا جائے جیسے زندوں کو کیا جاتا ہے کی تحقیق پہلے گزر چکی ہے۔

مسئلہ: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صرف "السلام" یا صرف "الصلوٰۃ"

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

پر اکتفا کرنا جائز ہے اس میں علماء کی عبارات مختلف نہیں ۔ بعض تو دونوں کے قائل ہیں اور اسے مکروہ بھی نہیں سمجھتے اور فرماتے ہیں کہ "وسلّموا" میں واؤ مطلق جمع کے لیے آتی ہے اس میں معیت یعنی دونوں صلوٰۃ و سلام کا ہونا اکٹھے ہونا ضروری نہیں ۔

مسئلہ: حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مثلاً کوئی شخص حضور علیہ السلام کے لیے صرف 'علیہ السلام' کہہ دے تو گویا اس نے السلام والصلوٰۃ دونوں کو ملا کر کہا ہے ۔ جیسا کہ قل الحمد و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ سے معلوم ہوتا ہے لیکن صرف صلوٰۃ پر اکتفا کرنا اچھا نہیں ۔ جو کوئی حضور علیہ السلام پر صلوٰۃ پڑھے یا لکھے تو اسے چاہیے کہ وہ صیغہ سلام بھی ضرور ساتھ ملائے ۔

(کم علم دیوبندیوں اور عوام سنّیوں کا رد ہمارے دَور میں یہ مرض عام ہے کہ اولیاء کرام یا علماءِ عظام کے لیے رضی اللہ عنہ کہا یا لکھا جائے تو کم علم دیوبندی اور عوام سُنّی کہتے ہیں کہ ایسا کہنا غلط ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ رضی اللہ عنہ کہنا لکھنا صرف صحابہ رضی اللہ عنہم سے خاص ہے ۔ ہم نے ان کے رد میں رسالہ "القول الاسلم" میں بہت حوالے لکھ دیے ہیں منجملہ ان کے ایک حوالہ "روح البیان" کا لیجئے ۔ فرمایا ،)[1]

ویستحب الترضی والترحم علی الصحابۃ والتابعین فمن بعدھم من العلماء والعباد وسائر الاخیار فیقال ابوبکر وابوحنیفہ رضی اللہ عنہ او رحمہ اللہ او نحو ذلک فلیس رضی اللہ عنہ مخصوصا بالصحابۃ بل یقال فیھم رحمہ اللہ ایضاً ۔ (ص ۲۲۸)

(رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور رحمۃ اللہ علیہ کہنا لکھنا صحابہ تابعین اور ان کے بعد کے علماء صلحاء اور تمام نیک لوگوں کے لیے جائز ہے مثلاً کہا جائے ابوبکر رضی اللہ عنہ یا ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ یا رحمہ اللہ یا اس جیسے اور الفاظ ۔ یہ رضی اللہ عنہ صحابہ کرام کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ انہیں رحمہ اللہ بھی کہہ سکتے ہیں)

مسئلہ: جن حضرات کی نبوت میں اختلاف ہے یا امم سابقہ میں بزرگ شخصیتیں گزری ہیں مثلاً حضرت لقمان و بی بی مریم و خضر و سکندر، تو ان کے لیے رضی اللہ عنہ یا عنہا کہنا لکھنا چاہیے یہی راجح تر ہے اگر کسی نے علیہ السلام یا علیہا السلام کہہ دیا یا لکھ تو بھی کوئی حرج نہیں ۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ف: امام یافعی رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں لکھا کہ میرے نزدیک صلوٰۃ وسلام اور رضی اللہ عنہ اور رحمہ اللہ اور عفی عنہ وغیرہ میں فرق ضروری ہے وہ یہ کہ مذہب صحیح میں یہ ہے کہ صلوٰۃ صرف انبیاء کرام و ملائکہ عظام علی نبینا وعلیہم السلام سے مخصوص ہے اور جملہ "رضی اللہ عنہ" صحابہ و اولیاء و علماء کے لیے ہے اور رحمہ اللہ ان کے ماسوا کے لیے اور عفی عنہ گنہگاروں کے لیے اور السلام، صلوٰۃ و رضی کا درمیانی مرتبہ ہے اس لیے یہ ان کے لیے استعمال کیا جائے جو ان دونوں مراتب کا درمیانی مرتبہ رکھتے ہیں۔ مثلاً ان حضرات کے لیے جن کی نبوت میں اختلاف ہے جیسے لقمان، خضر اور ذوالقرنین۔ ان کے ماسوا کے لیے لفظ 'السلام' کا اطلاق نہ کیا جائے۔

کتابت صلعم (ہمارے دور میں عوام کے علاوہ بہت بڑے مشاہیر علماء اور لیڈروں میں مرض ہے کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اقدس کے لکھنے پر صلعم، صللم، ص، ع وغیرہ لکھ دیتے ہیں یہ سخت گناہ اور محرومی کی علامت ہے۔ فقیر اویسی غفرلہ نے اس مسئلہ کے لیے ایک رسالہ "القول الاسلم" لکھا ہے اس میں دلائل کے علاوہ اسلاف صالحین کے حوالہ جات بھی لکھے ہیں۔ منجملہ ان کے ایک صاحب روح البیان کا بھی ہے وہ یہ ہے)[1]

ویکرہ ان یرمز للصلاۃ والسلام علی النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فی الخط بان یقتصر من ذلک علی الحرفین ھکذا "عم" او نحو ذلک کمن یکتب "صلعم" یشیر بہ الی صلی اللہ علیہ وسلم۔

(نبی علیہ السلام کے لیے رمز و اشارہ مکروہ ہے مثلاً ایک دو حرف پر اکتفا کیا جائے یا لکھا جائے جیسے عم یا بعض لوگ لکھتے ہیں صلعم، اور اس سے حضور علیہ السلام کی طرف اشارہ ہوتا ہے)

مسئلہ: صلوٰۃ وسلام میں کسی ایک کو حذف کر کے ایک پر اکتفا کرنا بھی مکروہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

من صلی علیّ فی کتاب لم تزل صلاتہ جاریۃ لہ ما دام اسمی فی ذلک الکتاب۔ کما فی انوار المشارق لمفتی حلب۔

(جو مجھ پر درود شریف پڑھ کر کتاب میں لکھے تو جب تک وہ درود لکھا رہے گا اسے ثواب ملتا رہے گا)

بوقت اذان انگوٹھے چومنے کا ثبوت (ہم اہلسنت کا معمول ہے کہ اذان و اقامت کے وقت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سن کر انگوٹھے چومتے ہیں۔ وہابی، دیوبندی اور مودودی کے لواحقین اور تبلیغی جماعت کے لوگ

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اسے بدعت گردانتے ہیں حالانکہ یہ ان کی غلطی ہے اس لیے کہ اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کا اسی طرح عمل رہا ہے جیسے ہم اہلسنت کا ہے۔ چنانچہ اس موضوع پر اعلیٰحضرت شاہ احمد رضا خان قدس سرہٗ نے رسالہ "منیر العینین" لکھا ہے۔ فقیر اویسی غفرلہٗ نے اس سے اقتباس کر کے "انگوٹھے چومنے کا ثبوت" لکھا ہے۔ اس میں اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کے حوالے لکھے ہیں منجملہ ان کے روح البیان کا مندرجہ ذیل حوالہ بھی لکھا ہے:)[1]

ثم ان للصلوات والتسليمات مواطن فمنها ان يصلى عند سماع اسمه الشريف في الاذان۔ قال القهستانى في شرحه الكبير نقلا عن كنز العباد اعلم انه يستحب ان يقال عند سماع الاولى من الشهادة الثانية (صلى الله عليك يا رسول الله) وعند سماع الثانية (قرة عينى بك يا رسول الله) ثم يقال (اللهم متعنى بالسمع والبصر) بعد وضع ظفر الابهامين على العينين فانه صلى الله عليه وسلم يكون قائدا له الى الجنة انتهى۔ (روح البيان ج ۷ ص ۲۲۸)

(صلوات و تسلیمات کے مقامات میں سے ایک یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسم گرامی اذان میں سن کر درود شریف پڑھا قہستانی نے شرح کبیر میں کنز العباد سے نقل کر کے لکھا کہ شہادتین میں سے پہلی شہادت میں کہے:

صلی اللہ علیک یا رسول اللہ۔

اور دوسری شہادت میں کہے:

قرۃ عینی بک یا رسول اللہ۔

اس کے بعد کہے:

اللھم متعنی بالسمع والبصر۔

بعد میں دونوں انگوٹھے آنکھوں پر رکھے تو قیامت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اسے بہشت میں ساتھ لے جائیں گے)

مسئلہ: بعض علماء نے فرمایا کہ انگوٹھے کی پشت آنکھ پر مل کر یہ دعا پڑھی جائے اللھم متعنی بالسمع والبصر۔

مسئلہ: صلوات نجی میں ہے کہ انگوٹھوں کو آنکھوں پر رکھنا چاہیے نہ یہ کہ انہیں کھینچا جائے۔

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انگوٹھے چومے

محیط میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

لائے اور مسجد کے ستون کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کے سامنے بیٹھے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اٹھے اور اذان پڑھنا شروع کی۔ جب کہا اشهد ان محمدا رسول اللہ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دونوں انگوٹھوں کے ناخن چوم کر اپنی دونوں آنکھوں پہ رکھ کر کہا:

قرة عيني بك يا رسول اللہ۔

جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان سے فارغ ہوئے تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے ابوبکر! میرا نام سن کر جو کوئی تمہاری طرح انگوٹھے چومے گا اور آنکھوں سے لگائے گا اللہ تعالیٰ اس کے نئے اور پرانے تمام گناہ بخش دے گا اگرچہ عمداً کئے ہوں یا خطاءً۔"

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا دوسرا واقعہ

حضرت شیخ امام ابوطالب محمد بن علی المکی رفع اللہ درجاتہ نے قوت القلوب میں روایت لکھی ہے، فرمایا کہ ابن عیینہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم دسویں محرم کے دن مسجد میں تشریف لائے، وہ جمعہ کا دن تھا جمعہ کی نماز کے بعد ستون سے ٹیک لگا کر بیٹھے تھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے ہاں بیٹھے تھے جب بلال رضی اللہ عنہ نے اذان پڑھی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انگوٹھے آنکھوں پر رکھے اور کہا: قرة عيني بك يا رسول اللہ۔ تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے ابوبکر! جو آپ کی طرح انگوٹھے چوم کر مذکورہ بالا کلمات کہے گا اور اسے میرے دیدار کا شوق ہوگا تو اس کے نئے اور پرانے عمداً و خطاً اور ظاہری و باطنی تمام گناہ بخش دے گا اور میں بھی اس کی شفاعت کروں گا۔"

"مضمرات" میں بھی اسی طرح منقول ہے۔

آدم علیہ السلام کا شوقِ دیدارِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور انگوٹھے چومنا

قصص الانبیاء وغیرہا میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کے مشتاق ہوئے۔ جب بہشت میں تھے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں وحی بھیجی کہ وہ تیری اولاد سے ہیں اور وہ آخر الزمان نبی علیہ السلام ہیں۔ اس پر آدم علیہ السلام نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دیدار کے بارے میں عرض کی تو اللہ تعالیٰ نے نورِ محمدی کو ان کی دائیں جانب کی شہادت کی انگلی میں رکھا وہ نور تسبیح پڑھنے لگا۔ اسی روز سے اس انگلی کا نام مسبحہ پڑ گیا۔ کذا فی الروض الفائق۔ (برنا باس کی انجیل (جو اصل انجیل ہے) میں یہ واقعہ بڑی تفصیل سے لکھا ہے) یا یوں ہوا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں آرا کو آدم علیہ السلام کے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں میں رکھا تو وہ شیشے کی طرح چمکتا ہوا محسوس ہوا۔ اس پر آدم علیہ السلام نے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اپنے انگوٹھے چوم کر اپنی آنکھوں پر ملے اسی روز سے آپ کی اولاد کے لیے انگوٹھے چومنا سنت ہوا۔ یہی واقعہ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا تو آپ نے فرمایا۔

من مسح اسمی فی الاذان فقبل ظفری ابهامیه ومسح علی عینیه لم یعم ابدا۔ (روح البیان ج ۷ ص ۲۲۹)

(جس نے اذان میں میرا نام سن کر انگوٹھے چوم کر دونوں آنکھوں پر رکھا تو وہ اندھا نہ ہو گا)

تنقید بر حدیث

حضرت امام سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے المقاصد الحسنہ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح اور مرفوع نہیں۔ اور مرفوع وہ حدیث ہے جو صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرے (لیکن ملا علی قاری نے فرمایا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ والی روایت صحیح اور مرفوع ہے اس کی سند معتبر ہے۔ موضوعات کبیر)[1]

ایک غیر مقبول قول

شرح الیمانی میں ہے کہ انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھنا مکروہ ہے اس لیے کہ اس موضوع کی کوئی حدیث صحیح نہیں۔ (یہ قول اس لیے غیر مقبول ہے کہ شرح الیمانی ایک غیر معروف حوالہ ہے اگر اس کا کوئی اعتبار بھی ہو تو ایک قول کی کیا وقعت، جبکہ سینکڑوں علماء جواز کے قائل ہیں۔ چنانچہ صاحب روح البیان قدس سرہٗ اس قول کو نقل کر کے اس کے رد میں لکھتے ہیں کہ)[2]

قد صح عن العلماء تجویز الاخذ بالحدیث الضعیف فی العملیات فیکون الحدیث المذکور غیر مرفوع لا یستلزم ترک العمل بمضمونه۔

(علماء سے ثابت ہے عملیات میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا یہ حدیث غیر مرفوع ہے اس سے کب لازم آتا ہے کہ اس سے عمل کا ترک کیا جائے)

(اسی لیے تو ہم اسے استحباب کا درجہ دیتے ہیں ورنہ یہ سنت مؤکدہ کے حکم میں ہوتا اگر یہ صحیح مرفوع حدیث سے ثابت ہوتا)[3]

ف: قہستانی اس فیصلہ میں حق پر ہیں اسی لیے انہوں نے اسے مستحب لکھا ہے۔

قوت القلوب کے مصنف کا تعارف

(انگوٹھے چومنے کی سند پر اعتراض کرنے والے یہ نہیں سمجھتے کہ اس موضوع کی روایات کے ناقل کیسے معتبر ہیں اور یہ بھی احادیث کے قواعد میں ہے کہ ناقل جید اور ثقہ ہو تو وہ روایات اگرچہ ضعیفہ ہوں لیکن فی نفسہٖ مسئلہ حق ہوتا ہے۔ اب ہم علامہ اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ کی زبانی صاحبِ قوت القلوب کا تعارف کراتے ہیں۔ فرمایا)

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ

[2] اضافہ

[3] اضافہ از اویسی غفرلہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وکذا کلام الامام المکی فی کتابه فانه قد شهد الشیخ السهروردی فی عوارف المعارف بوفور علمه وکثرة حفظه وقوة حاله وقبل جمیع ما اورده فی کتابه قوت القلوب ولله در ارباب الحال فی بیان الحق وترك الجدال -(روح البیان ج ۷ ص ۲۲۹)

(ہمیں قوت القلوب میں امام مکی کا قول کافی ہے جبکہ عوارف المعارف میں شیخ سہروردی نے اس کے وفور علمی کی شہادت دی اور کثرت حفظ و قوت حال کی گواہی دی اور جو کچھ انہوں نے قوت القلوب میں فرمایا سب نے اسے قبول فرمایا ارباب حال کا خدا بھلا کرے وہ فرشتے ہیں حق لو اور جھگڑا چھوڑو)

اذان سننے کے بعد کہے:

دعا بعد اذان اللهم رب هذه الدعوة التامة والصلوٰة القائمة اٰت محمدٌ الوسیلة والفضیلة والدرجة الرفیعة وابعثه مقاما محمودٌ الذی وعدته۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا:

جو اس دعا کو پڑھے گا اسے میری شفاعت نصیب ہوگی۔

مسئلہ: وضو کی ابتدا میں درود شریف پڑھ کر پھر بسم اللہ پڑھے اور وضو کی فراغت کے بعد بھی درود شریف پڑھے اس واسطے کہ درود شریف کی برکت سے رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

حدیث مرفوع میں ہے:

حدیث شریف لا وضو لمن لیصل علی النبی علیه السلام۔

(اس شخص کا وضو نہیں جو نبی کریم علیہ السلام پر درود نہیں پڑھتا)

مسئلہ: مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے درود شریف پڑھے پھر کہے:

اللهم افتح لی ابواب رحمتك۔

مسجد سے نکلتے وقت درود شریف پڑھے اس کے بعد کہے:

اللهم افتح لی ابواب فضلك واعصمنی من الشیطان۔

مسئلہ: مساجد سے گزرتے وقت بھی درود شریف پڑھے۔

مسئلہ: جب کسی مسجد پر نگاہ پڑے تو درود شریف پڑھے۔

مسئلہ: تشہد اخیر میں درود شریف پڑھے اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

مسئلہ: ہر دعا سے پہلے اور دعا کے بعد درود شریف پڑھے اس لیے کہ درود شریف لامحالہ قبول ہوگا پھر یہ ناممکن ہے کہ اس کے درمیان والی دعا قبول نہ ہو۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حکایت المصابیح میں ہے حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک شخص مسجد نبوی میں داخل ہوا اور نماز پڑھ کر کہا،

اللھم اغفر لی وارحمنی۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

اے فلاں! تو نے عجلت کی۔ جب تو نے نماز پڑھی اور بیٹھ گیا تو تجھے چاہیے تھا کہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا جیسا کہ اس کی شان ہے اس کے بعد مجھ پر درود شریف پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا۔

اس کے بعد ایک اور شخص آیا اس نے نماز پڑھ کر حمدِ الٰہی کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھا۔ آپ نے اسے فرمایا، اب اللہ تعالیٰ سے سوال کر تیرا سوال پورا ہوگا۔

حدیث شریف میں ہے،

مامن دعا الا بینہ وبین اللہ حجاب حتی یصلی علی محمد و علی آل محمد فاذا فعل ذلک انخرق الحجاب ودخل الدعاء واذا لم یفعل ذالک رجع الدعاء۔ کذا فی الروضہ

(جب تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور محمد کی آل پر درود شریف نہ پڑھا جائے اس وقت تک بندے کی دعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حجاب رہتا ہے۔ جب محمد اور آپ کی آل پر درود شریف پڑھا جائے تو حجاب پھٹ جاتا ہے اور قبولیت حق میں دعا داخل ہو جاتی ہے ورنہ دعا واپس آجاتی ہے)

ف: اس کی وجہ ہم نے پہلے عرض کر دی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان وسیلۂ عظمیٰ ہیں اسی لیے طلب سے پہلے وسیلہ کی تقدیم ضروری ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

وابتغوا الیہ الوسیلۃ۔ ؎

بے بدرقۂ درود او ہیچ دعا
البتہ بمنزل اجابت نرسد

ترجمہ: درود کے وسیلہ کے بغیر اجابت کی منزل کو پہنچنا مشکل ہے۔

وسیلۂ آدم سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت آدم علیہ السلام نے سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کو بارگاہِ حق میں وسیلہ بنایا تب ان کی دعا و توبہ قبول ہوئی۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے،

جب آدم علیہ السلام نے اپنی لغزش کا اعتراف کیا تو عرض کی: اے اللہ! میں تجھ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اپنی مغفرت کا سوال کرتا ہوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تُو نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے پہچان لیا حالانکہ ابھی تک میں نے انہیں پیدا ہی نہیں کیا۔ عرض کی کہ جب تُو نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا اور میرے اندر اپنی رُوح پھونکی، میں نے اپنا سر اٹھایا تو میں نے عرش کے ستونوں پر دیکھا لکھا تھا: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ میں نے سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے جس ذات کو اپنے ساتھ ملایا ہے وہ اس کی محبوب ترین مخلوق ہوگی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تم سچ کہتے ہو واقعی وہ تمام مخلوق سے مجھے محبوب ترین ہیں اسی لیے ان کے طفیل میں نے تجھے بخش دیا اور تمہیں یاد رہنا چاہیے کہ اگر محمد نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا ہی نہ کرتا۔ رواہ البیہقی فی دلائلہ۔

سہ

از نسل آدمی تو ولے بہ ز آدمی
شک نیست اندریں کہ بود دُر بہ از صدف
سلطان انبیاء کہ بدرگاہِ کبریا
چوں او نیافت ہیچ کسے عزّت و شرف

ترجمہ: آپ نسلِ آدمی سے ہیں لیکن نسلِ آدم سے بہتر ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ دُر صدف سے بہتر ہوتا ہے۔ درگاہِ کبریا میں آپ سلطان الانبیاء ہیں، آپ جیسی عزّت و شرافت کسی نے نہیں پائی۔

مسئلہ: نمازِ جنازہ کی دوسری تکبیر میں درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔ یہی امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے اور امام شافعی اور احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک واجب ہے۔

مسئلہ: خطبہ عیدین و جمعہ میں درود شریف پڑھنے کا مذکورہ بالا اختلاف ہے ایسے ہی استسقاء کے خطبہ میں امام شافعی کے نزدیک واجب ہے لیکن امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک سرے سے خطبہ ہے ہی نہیں بلکہ ان کے نزدیک نہ اذان ہے نہ اقامت ہے بلکہ ان کے نزدیک نماز باجماعت بھی نہیں۔ اس میں فقط دُعا و استغفار ہے۔

ف: ہر صبح و شام کو دس دس بار درود شریف پڑھنا چاہیے۔ نماز صبح اور مغرب کے بعد ایک ایک سو بار درود شریف پڑھا جائے تو اللہ تعالیٰ اس بندے کی سَو حاجات پوری کرے گا جن میں سے تیس دنیا کی اور ستر آخرت کی ہوں گی۔

ف: قرآن مجید کے ختم کے بعد درود شریف پڑھنا چاہیے اس لیے کہ یہی موقعہ دعا کا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تربیت کا سبب ہے۔

ف: ذکر الٰہی اکیلا کرے یا حلقہ باندھ کر، پہلے درود شریف پڑھنا چاہیے اس لیے کہ مجالس ذکر میں ملائکہ حاضر ہو کر اہل مجلس کے ساتھ ذکر و دعا، اور درود شریف میں موافقت کرتے ہیں۔

ف: ہر نیک کام شروع کرنے سے پہلے درود شریف پڑھا جائے۔

ماہِ شعبان کی فضیلت

شعبان کے دنوں اور راتوں میں بکثرت درود شریف پڑھا جائے اس لئے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے تاکہ اس مہینہ میں آپ کی اُمت زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھے۔

آثار میں ہے کہ آسمان میں ایک دریا ہے اسے دریائے برکات کہتے ہیں۔ اس کے کنارے پر ایک درخت ہے اسے درختِ تحیات سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس درخت پر ایک پرندہ ہے جسے مرغِ صلوات کہا جاتا ہے۔ اس مرغ کے بہت پر ہیں جب کوئی مسلمان ماہِ شعبان کی آخری تاریخوں تک درود شریف پڑھتا ہے تو وہ پرندہ دریا میں غوطہ لگاتا ہے۔ غوطہ لگا کر درخت پر بیٹھ کر اپنے پروں کو جھاڑتا ہے اس کے ہر پر سے اللہ تعالیٰ فرشتہ پیدا فرماتا ہے۔ وہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ ان فرشتوں کی تمام عبادات کا ثواب شعبان میں درود شریف پڑھنے والے کے عملنامہ میں لکھ دیا جاتا ہے۔

ایک اور حدیث شریف میں وارد ہے:

"شعبان میں ایک بار درود شریف پڑھنا دوسرے مہینوں کے دس بار پڑھنے کے برابر ہے۔"

شعبان شہر رسول اللہ فاغتنموا
صیام ایامہ الغر المیامین

صلوا علی المصطفیٰ فی شہرہ وارجوا
منہ الشفاعۃ یوم الحشر والدین

ترجمہ: شعبان رسول اللہ کا مہینہ ہے اسے غنیمت سمجھو اس میں روزے رکھنا بالخصوص پہلے چاندنی راتوں میں، اسی ماہ میں آپ پر درود بکثرت پڑھو۔ مجھے امید ہے کہ آپ یوم محشر میں ضرور شفاعت فرمائیں گے۔

ف: جمعہ کے دن اور رات کو درود شریف پڑھا جائے کیونکہ جمعہ سید الایام ہے اور یہ دن صرف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے اسی لیے اس دن بہ نسبت دوسرے دنوں کے درود شریف پڑھنے سے زیادہ ثواب و قرب و درجات حاصل ہوتے ہیں۔

یومِ جمعہ کی فضیلت

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے دنوں میں سے افضل یوم جمعہ ہے۔ اسی دن میں آدم علیہ السلام پیدا ہوئے،

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattori

اسی میں نفخ صور ہوگا ، اسی میں حساب وکتاب کے لیے قیامت میں اٹھنا ہوگا ، اسی دن میرے اوپر بہت زیادہ درود پڑھو اس لیے کہ تمہارا درود شریف میرے ہاں پیش ہوتا ہے۔ عرض کی گئی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! ہمارے درود آپ کے ہاں کیسے پیش ہوں گے جبکہ آپ تو مٹی میں مل جائیں گے۔ آپ نے فرمایا ، اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے اجسادِ مبارک کا کھانا حرام کر دیا ہے۔

حدیث شریف میں ہے :

من صلّی علیّ یوم الجمعة ثمانین مرة غفرت له ذنوب ثمانین سنة ومن صلی علیّ کل یوم خمسمائة مرة لم یفتقر ابدا۔

(جو مجھ پر جمعہ کے دن اسّی دفعہ درود پڑھتا ہے اس کے اسّی سال کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں اور جو مجھ پر روزانہ پانچسو بار درود شریف پڑھتا ہے وہ کبھی تنگ دست نہ ہوگا)

حدیث شریف ازہار الاحادیث میں ہے :

اللہ تعالیٰ بعض ملائکہ مقربین کو خمیس کے دن دارِ چرخ سے زمین کی طرف بھیجتا ہے ان کے ہاں چاندی کے صحیفے اور سونے کے قلم ہوتے ہیں تاکہ ان لوگوں کے درود لکھیں جو وہ شب جمعہ اور یوم جمعہ کو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھیجتے ہیں۔

بروز جمعہ درود محمد عربی
زروئے قدر ز ایام دیگر افزونست

ترجمہ : جمعہ کے دن محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا بہ نسبت دوسرے دن کے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔

زیارت نبوی کا وظیفہ بعض مشائخ سے منقول ہے کہ جو جمعہ کی رات کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر تین ہزار بار درود شریف پڑھتا ہے وہ خواب میں آپ کی زیارت سے مشرف ہوگا۔ ذکرہ علی المتقی فی الرشحات

مسئلہ : سواری پر سوار ہوتے وقت بھی درود شریف پڑھے یعنی سواری پر سوار ہوتے ہوئے پہلے کہے :

بسم اللہ واللہ اکبر وصل محمد خیر البشر۔

اس کے بعد پڑھے :

سبحان الذی سخر لنا ھذا وما کنا له مقرنین وانا الی ربنا لمنقلبون۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مسئلہ: مکہ معظمہ کا راستہ طے کرتے ہوئے درود شریف پڑھے یعنی راستہ طے کرتے ہوئے جب بلندی پر چڑھے تو اللہ اکبر کہے اور جب نیچے کو چلے تو درود شریف پڑھے۔

مسئلہ: استلام الحجر کے وقت کہے:

اللھم ایمانا بک و تصدیقا بکتابک و سنۃ نبیک۔

اس کے بعد درود شریف پڑھے۔

مسئلہ: صفا مروہ کی پہاڑیوں پر بھی درود شریف پڑھے۔ تلبیہ سے فراغت کے بعد اور مشعر الحرام کے وقوف کے وقت درود شریف پڑھے۔

مسئلہ: مدینہ طیبہ کا راستہ طے کرتے وقت ایسے ہی جب گنبد خضرا نظر آئے اور پھر گنبد خضرا کے اردگرد گھومتے وقت اور جب قبر انور کی طرف متوجہ ہو تو درود شریف پڑھے۔

فائدہ قضائے حاجات جو شخص سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کے قریب کھڑے ہو کر ان اللہ وملٰئکتہ یصلون علی النبی سالم آیت پڑھنے کے بعد ستر بار کہے:

صلی اللہ علیک یا محمد۔

اسے فرشتہ جواب میں کہتا ہے:

اللہ تعالیٰ تجھ پر رحمت فرمائے اب مانگ جو تیرا جی چاہے، اس وقت تیری کوئی دعا ردنہ ہوگی۔

مسئلہ: منبر نبوی اور قبر مصطفوی کے درمیان بھی درود شریف پڑھے۔ پھر تکبیر کہہ کر دعا مانگے۔ ایسے ہی جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام گرامی سنے تو بھی درود شریف پڑھے۔ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی کہے یا لکھے تو چاہیے کہ زبان سے درود شریف پڑھے اور قلم سے لکھے۔

مسئلہ: درس حدیث اور تبلیغ سنی کے ابتداء میں درود شریف پڑھے مثلاً کہے:

الحمد للہ رب العالمین اکمل الحمد کل حال والصلاۃ والسلام الاتمان و الاکملان علی سید المرسلین کلما ذکرہ الذاکرون وکلما غفل عن ذکرہ الغافلون اللھم صل علیہ وعلی آلہ وسائر النبیین و آل کل وسائر الصالحین نھایۃ ماینبغی ان یسلکہ السالکون۔

مسئلہ: وعظ و تذکیر کی ابتداء میں بھی درود شریف پڑھے۔ یعنی حمد و ثنا کے بعد درود ضروری ہے اس لیے کہ یہ وقت وہ ہے کہ وہ علم جو حضور علیہ السلام سے ملا اسے ہم آپ کی امت تک پہنچا رہے ہیں۔

مسئلہ: جب غم والم کا غلبہ ہو ایسے ہی طلب مغفرت کے وقت اور کفارۂ ذنوب کی ادائیگی میں اس لیے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کہ درود شریف گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

مسئلہ: نیند سے پہلے اور نیند سے اٹھ کر درود شریف پڑھنا چاہیے۔

مسئلہ: بازار میں داخل ہوتے وقت درود شریف پڑھا جائے تاکہ آخرت کی تجارت میں نفع ہو۔

مسئلہ: اہل اسلام کے ساتھ معانقہ کرتے وقت درود شریف پڑھے۔

مسئلہ: طعام کے شروع کرتے وقت درود شریف پڑھے۔ مثلاً کہے:

اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد وطیب انفاسنا وحسن اخلاقنا۔

مسئلہ: الشرعۃ والسنۃ میں ہے:

فی اکل الفجل بضم الفاء وسکون الجیم بالفارسیۃ [ترب] ان یذکر النبی علیہ السلام فی اول قضمۃ [در اول دندان بروزدن] لئلا یوجد ریحہ؛ یعنی [تا دریافتہ نشود رائحہ آن]

ف: مولی کھاتے وقت پہلی بار کاٹ کھانے میں درود شریف پڑھے تاکہ اس کی بُو کا احساس نہ ہو۔

ف: فارسی میں تُرب، اردو میں مُولی کہتے ہیں۔

بعض مشائخ نے فرمایا: اس سے مولی کے پتے مراد ہیں۔ چنانچہ مشہور ہے کہ حمام بول کر پسینہ مراد لیا جاتا ہے۔ ایسے ہی الفجل سے پتے مراد ہوتے ہیں۔

مسئلہ: طعام کی فراغت پر درود شریف پڑھا جائے۔ مثلاً کہے:

الحمد للہ الذی اطعمنا ھذا ورزقناہ من غیر حول منا وقوۃ الحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات وتنزل البرکات اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد وسلم۔

مسئلہ: مجلس سے اٹھتے وقت درود پڑھا جائے۔ مثلاً کہا جائے:

صلی اللہ وملئکتہ علی محمد وانبیائہ۔

اس لیے کہ یہ لہو ولغو جو اس مجلس میں واقع ہوں گی اس کا کفارہ بن جائے گا۔

مسئلہ: بعض کے نزدیک چھینک آئے تو درود پڑھے۔ لیکن اکثر علماء کرام نے اس وقت درود شریف پڑھنے کو مکروہ لکھا ہے۔ جیسا کہ الشرعۃ اور اس کی شرح میں ہے اس میں لکھا ہے کہ چھینک کے وقت حضور علیہ السلام کا اسم گرامی نہ لیا جائے بلکہ الحمد للہ کہا جائے۔

مسئلہ: ذبح کے وقت درود شریف نہ پڑھا جائے یہاں تک کہ اگر کہے گا بسم اللہ و اسم محمد تو مذبوحہ حلال نہ ہوگی۔ اور واجب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ غیر اللہ کا نام لینا ذبح میں ناجائز ہے [illegible] ایسا ذبیحہ خالص اللہ تعالیٰ کے لیے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مسئلہ: اگر ذبح کے وقت بسم و صلی اللہ علیٰ محمد کہے تو مکروہ ہے۔

مسئلہ: تعجب کے وقت بھی درود شریف نہ پڑھے بلکہ تعجب کے وقت کہے، سبحان اللہ۔

مسئلہ: جب کان میں آوازیں سنائی دیں تو درود پڑھ کر کہے،

ذکر اللہ بخیر من ذکرنی۔

مسئلہ: خطبۂ نکاح میں کہے:

الحمد للہ الذی احل النکاح وحرم السفاح والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد النبی الداعی الی اللہ القادر العلام وعلیٰ آلہ واصحابہ ذوی الصلاح والنجاح۔

گلاب کا پھول

جب گلاب کا پھول سونگھے تو درود شریف پڑھے۔

(۱) مسند الفردوس میں ہے کہ شبِ معراج میں سفید گلاب کو میرے پسینے سے اور سرخ گلاب کو جبریل علیہ السلام کے پسینے سے اور زرد گلاب براق کے پسینے سے پیدا کیا گیا۔

(۲) حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مجھے شبِ معراج آسمانوں پہ بلایا گیا تو میرے بعد زمین روئی تو زرد گلاب پیدا ہوا، جب میں معراج سے واپس ہوا تو میرے پسینہ ٹپکا تو اس سے سرخ گلاب پیدا ہو گیا۔ جو شخص میری خوشبو سونگھنا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ وہ سرخ گلاب کو سونگھے۔

ف: حضرت ابوالفرج اصفہانی نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت بڑے کمالات سے یہ ادنیٰ کمال ہے اس سے بڑھ کر فضائل و مناقب آپ کو منجانب اللہ عطا ہوئے ہیں۔ یہ بھی آپ کے فضائل اور بلند مراتب کا ایک نشان ہے۔ کذا فی مقاصد الحسنہ۔

؎

ز گیسوئے او نافہ بو یافتہ
گل از روئے او آبرو یافتہ

ترجمہ: آپ کے گیسو مبارک سے نافہ نے خوشبو پائی۔ گلاب نے آپ کے چہرۂ اقدس سے آبرو پائی۔

حدیث شریف میں ہے "جو شخص خوشبو سونگھ کر مجھ پر درود شریف نہیں پڑھتا وہ مجھ پر ظلم کرتا ہے۔"

مسئلہ: جونہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال دل میں آئے، درود شریف پڑھے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ف: جب کوئی بات دل سے بھول جائے تو درود شریف کی برکت سے بھولی ہوئی بات یاد آ جائے گی۔

مسئلہ: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی بے وضو نہ لینا چاہیے ادب اسی میں ہے جیسا کہ ہم نے سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی حکایت آیت ما کان محمد ابا احد من رجالکم کے تحت لکھی ہے۔

مسئلہ: حدیث شریف کو بیان کرتے وقت آواز بلند کرنی چاہیے۔

ردّ وہابی دیوبندی (ہم اہل السنت والجماعت درود شریف بہت زور سے پڑھتے ہیں تو وہابی دیوبندی اس سے روکتے ہیں۔ ان کا روکنا دلالت کرتا ہے کہ یہ غریب منافقین سے کوئی تعلق رکھتے ہیں اس لیے کہ زور سے درود شریف پڑھنے سے منافقت دور ہوتی ہے)[1]

حدیث شریف: چنانچہ حدیث شریف میں ہے: درود شریف پڑھتے وقت آواز بلند کرو اس لیے کہ بلند آواز سے درود شریف پڑھنا صیقل ہے کہ اس سے منافقت کا زنگ اور مخالفت کا غبار اڑتی ہے اور قلوب کو جلاء نصیب ہوتی ہے۔[2]

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

[2] روح البیان کی اصل عبارت ملاحظہ ہو:

"در آثار آمدہ کہ بردارید آواز خود را در ادائے صلوات کہ رفع الصوت بوقت ادائے درود صیقل ست کہ غبار شقاق و زنگار نفاق را از مرایائے قلوب می زداید۔"

اس سے خود دیکھ لیں کہ اذان سے پہلے یا بعد کو بلند آواز سے درود شریف پڑھنے والے حق بجانب ہیں۔ ہذا آہستہ درود شریف پڑھنا اذان کے بعد ہر مؤذن اور سامع کو حکم ہے اور صحابہ کرام اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم پڑھا کرتے تھے۔ اب ہم پر اعتراض کرنے والے سوچیں کہ کہیں وہ بھی ایک اچھے کام سے روک کر منافقین کے کھاتے میں تو نہیں شامل ہو رہے ورنہ صدیوں پہلے یہ مسئلہ طے ہو گیا۔

چنانچہ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ جو کہ ملا علی قاری شارح مشکوٰۃ کے استادوں سے ہیں اذان کے متعلق چند سوالات کیے گئے، موصوف نے اپنے فتاویٰ کبریٰ میں بارہ جوابات لکھے۔ ان سوالات میں سے تین سوالات یہ بھی تھے:

۱۔ نبی علیہ السلام پر اذان سے قبل درود شریف پڑھنا مسنون ہے یا نہیں؟ (باقی بر صفحہ آئندہ)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

۱۔ اذان ختم ہونے کے بعد صلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے محمد رسول اللہ کہنا مسنون ہے یا نہیں؟
۲۔ اذان کے فوراً بعد محمد رسول اللہ کہنے اور قبل الاذان صلوٰۃ علی النبی سے روکا جائے گا یا نہیں؟

علامہ موصوف نے تمہید جواب کے طور پر فرمایا:

اما الصلوٰۃ والسلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد الاذان والاقامت فانهما مندوبان۔

یعنی اذان اور اقامت کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا مستحب ہے۔

اس کے بعد فرمایا:

ولو نری فی شیٔ منها التعرض للصلوٰۃ علیہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل الاذان ولا الی محمد رسول اللہ بعدہ ولم نری ایضاً فی کلام ائمتنا تعرضا لذلک فحینئذ کل واحد من هذین لیس بسنۃ فی محله المذکور فیه فمن اتی بواحد منهما فی ذلک معتقدا سنیته فی ذلک المحل المخصوص نهی عنه ومنع منه لانه تشریع بغیر دلیل ومن شرع بلا دلیل یزجر عن ذلک وینهی عنه۔

یعنی اذان کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود، صلوٰۃ وسلام کا امر حدیث میں صراحۃً وارد ہے اور قبل الاذان ہم نے یہ حکم کسی حدیث میں نہیں دیکھا اور اذان کے بعد محمد رسول اللہ کہنے کا حکم بھی ہم نے کسی حدیث میں نہیں پایا۔ لہٰذا ان میں سے کوئی بھی اپنے محل مذکور میں سنت نہیں۔ جو شخص ان دونوں میں سے کسی ایک کام کو بھی اس کے محل مخصوص میں اس کے سنت ہونے کا معتقد ہو کر کرے گا اُسے روکا جائے گا۔

ف: اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ صلوٰۃ وسلام قبل الاذان اور لفظ محمد رسول اللہ بعد الاذان مطلقاً منہی عنہ نہیں۔ نہی اس وقت کی جائے گی جب ان کے محل مخصوص میں ان کی سنیت کا اعتقاد کر کے یہ کام کرے یعنی اس کا یہ اعتقاد ہو کہ صلوٰۃ وسلام قبل الاذان سنت ہے اور اگر اس محل کی خصوصیت کے ساتھ اس کی سنیت کا معتقد نہ ہو بلکہ آیت کریمہ صلوا علیہ وسلموا تسلیما کے مطابق وہ مطلقاً صلوٰۃ و سلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلوب عند الشرع اعتقاد کر کے اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے تو وہ یقیناً صلوٰۃ وسلام کے اجر وثواب کا مستحق ہوگا۔ اور اس کا یہ صلوٰۃ وسلام ممنوع نہ ہوگا اور اسے اس صلوٰۃ و سلام سے روکا نہ جائے گا۔ کیونکہ نہی اور زجر کی علت تشریع بلا دلیل اسی وقت پائی جائے گی جب کہ وہ اس کے محل مذکور کی خصوصیت کے ساتھ مقید کر کے اس کے سنت ہونے کا اعتقاد رکھے۔ مزید تفصیل میرے کتابچہ "رجم الشیطان عند الصلوٰۃ والسلام عند الاذان" میں ہے۔ اویسی غفرلہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

نام تو صیقلست کہ دلہائے تیرہ را
روشن کند چو آئینہائے سکندری

ترجمہ: آپ کا اسم گرامی وہ صیقل ہے کہ اس سے دل کی ظلمت دور ہوتی ہے پھر وہ آئینہ سکندری کی طرح صاف و شفاف ہو جاتا ہے۔

ف: حضور قلبی اور غفلت سے ہٹ کر درود شریف پڑھنا چاہیے اور نیت صرف یہ ہو کہ درود شریف اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی تعمیل اور اس کی رضا طلبی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی امید پر درود شریف پڑھ رہا ہوں۔ اور ظاہر و باطن میں یکسانیت ہو اس لیے کہ ذکر لسانی فکر جنانی کا ترجمان ہے۔ اسی لیے ان دونوں کا آپس میں مطابق ہونا ضروری ہے ورنہ حضور قلبی کے بغیر زبانی ذکر سے کوئی فائدہ نہیں۔

حضور حاضر و ناظر (ہم اہلسنت اپنے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر سمجھتے ہیں اور عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ ہماری ہر بات کو جانتے اور ہمارے قریب ہیں یہی عقیدہ اسلاف صالحین کا تھا۔ چنانچہ صاحب روح البیان قدس سرہٗ درود شریف پڑھنے کے آداب میں لکھتے ہیں:)[1]

وان یصلی ورسول اللہ علیہ وسلم مشہود لدیہ کما یقتضیہ الخطاب فی قولہ السلام علیک فان لم یکن یراہ حاضرا وسامعا لصلاتہ فاقل الامر ان تعلم انہ علیہ السلام یری صلاتہ معروضۃ علیہ والا فھی مجرد حرکۃ لسان ودی فم صوت[2]

(درود پڑھتے وقت یہ عقیدہ رکھے کہ حضور علیہ السلام حاضر ہیں جیسا کہ السلام علیک کے خطاب کا تقاضا ہے اگر یہ تصور نہیں جا سکتا کہ آپ حاضر ہیں اور میرے درود کو سن رہے ہیں تو کم از کم یہ تصور کرے کہ حضور میرے پیش ہونے والے درود کو ملاحظہ فرما رہے ہیں ورنہ صرف زبان ہلانا اور آواز نکالنا ہوگا)

صیغہائے درود شریف کی تعداد

درود شریف کے صیغے مختلف ہیں۔ بعض نے چار ہزار بتائے ہیں، بعض نے بارہ ہزار۔ جیسا کہ الشیخ سعد الدین حموی قدس سرہٗ سے منقول ہے اور وہ ہر ایک جملہ اہل شرق و غرب کے ہاں مختار رہیں۔ اور یہ درود مبارک ہیں جن کے ذریعے پڑھنے والوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رابطہ نصیب ہوا اور ان کے ذریعہ

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

[2] روح البیان ج ۷، ص ۲۳۳

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

انھیں فوائد و خواص حاصل ہوئے چند ایک کا بیان اس آیت کے اول میں ہم نے بیان کیا ہے۔

(۱) ان میں ایک یہ ہے:

اللّٰھم صل علیٰ محمد و علیٰ آل محمد وسلم۔

فضیلت درود مذکور ریاض الاحادیث میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بہشت میں ایک درخت بنام مجوبہ مشہور ہے اس کے میوے انار سے چھوٹے اور سیب سے بڑے ہیں اور وہ میوہ دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا اور مکھن سے زیادہ نرم ہے۔ اسے وہ کھائے گا جو درود مذکورہ پر مداومت کرتا ہے۔ وہ درود یہی ہے اللھم صل علیٰ محمد و علیٰ آل محمد وسلم"۔

(۲) اللھم صل علیٰ محمد النبی کما امرتنا ان نصل علیہ وصل علیٰ محمد النبی کما ینبغی ان یصلی علیہ وصل علیٰ محمد بعدد من صلی علیہ و صل علیٰ محمد النبی بعدد من لم یصل علیہ وصل علیٰ محمد النبی کما تحب ان یصلی علیہ۔

ف: جو شخص اس درود شریف پر مداومت کرتا ہے اس کے اعمال مقبول ہو کر آسمان پر جائیں گے اور اسے قبولیت نصیب ہوگی جو امتِ مصطفویہ میں اور کسی کو نصیب نہیں ہوگی اور وہ ہر خوفناک امر سے محفوظ ہوگا بالخصوص جہاں چوروں اور ڈاکوؤں کا خطرہ ہو۔

ہست از آفات دوران و مخافات زمان
نام او حصن حصین و ذکر او دار الامان۔

ترجمہ: ہر زمانہ کے آفات و مکافات سے درود حصن حصین اور دار الامان ہے۔

(۳) اللھم صل علیٰ محمد عبدک ورسولک وعلی المؤمنین والمؤمنات و المسلمین والمسلمات۔

ف: جو شخص اس درود پر مداومت کرے گا وہ دنیوی اسباب سے مالا مال ہوگا۔

(۴) اللھم صل علیٰ محمد و آلہ عدد ما خلقت اللھم صل علیٰ محمد و آلہ ملء ما خلقت اللھم صل علیٰ محمد و آلہ عدد کل شئ اللھم صل علیٰ محمد و آلہ عدد ما احصاہ کتابک اللھم صل علیٰ محمد و آلہ ملء ما احصاہ کتابک اللھم صل علیٰ محمد و آلہ عدد ما احاط بہ علمک اللھم صل علیٰ محمد و آلہ ملء ما احاط بہ علمک۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ یہ آٹھ درود شریف ہیں جو آٹھ نجباء کی طرف منسوب ہیں اور یہ آٹھ بزرگانے

For more Books click on link :
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ہیں ہوتے ہیں نہ بڑھتے ہیں نہ کم ہوتے ہیں۔

حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ نے فتوحات مکیہ میں فرمایا کہ یہ اہلِ علم ہیں اور آٹھ صفات سے موصوف ہیں۔ ان کا مقام کرسی ہے۔ یعنی ان کا کشف کرسی سے متجاوز نہیں ہوتا اور کواکب کے علوم میں قدم راسخ رکھتے ہیں لیکن انھیں یہ علم اصطلاحِ نجوم کی حیثیت سے نہیں بلکہ ان کا کشفی علم ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے حرم مسجد اقصیٰ میں انہیں قبۃ الملائکہ میں دیکھا اور ہر ایک نے انہی کلمات کو سیکھا ہے اور فرمایا کہ ہمیں انہی کلمات مبارکہ سے تعرف کلی حاصل ہے اور ہمیں احوال و مواجید کا غلبہ ہے تو انہی کلمات کی برکت سے۔ علاوہ ازیں اس کے اور فوائد بھی ہیں۔ منقول ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ نے اپنی بقیہ عمر ان کلمات پر مواظبت رکھی۔

(۵) اللھم صل علیٰ سیدنا محمد مغرّق فوق الکفر والطغیان و مشتت بغاۃ
جیوش القرین والشیطان وعلیٰ آل محمد وسلم۔

ف : حضرت شیخ المشائخ شمس الدین الحری قدس سرہٗ سے مروی ہے کہ اگر کسی کو شیطان کے وہم اور وسوسۂ نفس اور خواہشات نفسانی کا غلبہ ہو تو وہ اس درود شریف پر مداومت کرے تو اسے شرِ شیطان اور اس کے وسوسوں سے حفاظت و امان نصیب ہوگی۔

(۶) اللھم صل علیٰ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم بعدد ما فی جمیع
القرآن حرفا حرفا و بعدد کل حرف الفا الفا۔

ف : حفاظ القرآن اپنی منزلِ قرآن کی تلاوت کے بعد اگر اس درود شریف کو پڑھ لیا کریں تو دنیوی و اُخروی برکتوں سے مالامال ہوں گے اور ظاہری و باطنی فوائد سے مستفید ہوں گے۔

(۷) اللھم صل علیٰ سیدنا محمد ما اختلف الملوان وتعاقب العصران
وکرّ الجدیدان واستقبل الفرقدان و بلغ روحہ وارواح اھل بیتہ
منا التحیۃ والسلام و بارک وسلم علیہ کثیرا۔

ف : حضرت سلطان محمود غزنوی قدس سرہٗ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں عرصہ دراز سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا اشتیاق رکھتا تھا اور خواہش تھی کہ کبھی خواب میں زیارت ہو اور دل کے تمام درد سناؤں ؎

ہمہ شب دیدہ بعمدا نکشائیم از خواب
بوکہ در خواب بداں دولت بیدار رسیم

ترجمہ : تمام رات عمداً آنکھیں بند رکھیں اس امید پر کہ ممکن ہے دیدار ہو۔ لطفِ الٰہی سے مجھے سعادت ملی کہ گزشتہ شب دیدارِ حبیبِ خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) سے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مشرف ہُوا ہوں۔

اس رخسارِ جہاں آرا کو دیکھا جو چودھویں کی رات اور لیلۃ القدر کی روح کی مانند تھا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسرور پا کر عرض کی،

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! تین ہزار درہم کا مقروض ہُوں اس کی ادائیگی سے عاجز ہو رہا ہوں اگر موت آجائے تو وہ قرض میری گردن میں ہوگا۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

محمود سبکتگین کے پاس جاؤ وہ تمہارا قرض اتار دے گا۔

میں نے عرض کی: وہ کب اعتماد کرتے ہیں ان کے لیے کوئی نشانی دیجئے۔

آپ نے فرمایا: اسے جا کر کہو: اے محمود! تم پہلی رات میں تیس ہزار بار درود پڑھتے ہو اور پھر بیدار ہو کر آخرِ رات کو تیس ہزار بار اور پڑھتے ہو۔ اس نشانی کے بتانے سے وہ تمہارا قرض اتار دے گا۔

محمود نے جب یہ پیغام سُنا تو رونے لگا اور تصدیق کرتے ہوئے اُس کا قرض اتار دیا اور ہزار درہم اور پیش کیا۔ ارکانِ دولت متعجب ہُوئے کہ اس شخص نے ایک محال امر سنایا ہے۔ لیکن آپ نے اس کی تصدیق کر دی حالانکہ ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں آپ نے کبھی اتنی مقدار میں درود شریف نہیں پڑھا اور نہ ہی کوئی رات میں اتنی بار درود پڑھ سکتا ہے۔

سلطان محمود نے فرمایا: تم سچ کہتے ہو لیکن میں نے علماءؒ سے سنا ہے کہ جو شخص مذکورہ بالا درود شریف ایک بار پڑھتا ہے تو وہ گویا دس ہزار بار درود شریف پڑھتا ہے۔ میں اول شب میں اس درود شریف کو تین بار پڑھ لیتا ہُوں اور آخرِ شب میں بھی تین بار پڑھ لیتا ہُوں۔ اس طرح سے میرا گمان تھا کہ گویا میں نے ہر رات ساٹھ ہزار بار درود شریف پڑھا۔ جب اس شخص نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا ہے مجھے اس درود شریف کی تصدیق ہو گئی۔ اور گریہ کرنا خوشی سے تھا کہ علماء کا فرمودہ صحیح ثابت ہوا۔

(۸) اللّٰھم صلّ علیٰ محمّد و آلِ محمّد بعدد کلِّ داءٍ و دواء۔

ف : مولانا شمس الدین کیشی کے علاقے میں ایک دفعہ وباء کا حملہ ہُوا تو انہیں خواب میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہُوئی، عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کوئی ایسی دعا بتائیے جس کی برکت سے وباء دفع ہو۔ آپ نے مذکورہ بالا درود شریف بتا کر فرمایا:

جو شخص اسے پڑھے گا طاعون اور وباء سے محفوظ رہے گا۔

اگر ز آفتِ دوراں شکستہ حال شوی
اماں طلب ز جنابِ مقدس نبوی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

دگر سہام حوادث ترا نشانہ کنند
پناہ بر حصار درود مصطفوی

ترجمہ : اگر دورِ زمانہ کی آفات سے تم شکستہ حال ہو گئے ہو تو جناب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے پناہ تلاش کرو اگر تمہیں حوادثِ زمانہ نے اپنے تیر کا نشانہ بنایا ہے تو درود مصطفوی کے حصار سے پناہ ڈھونڈو۔

(۹) اللھم صل علی محمد بعدد ورق ھذہ الاشجار، وصل علی محمد بعدد الورد والانوار، وصل علی محمد بعدد قطر الامطار، وصل علی محمد بعدد رمل القفار، وصل علی محمد بعدد دواب البراری والبحار۔

ف : ذخیرۃ المذکرین میں ہے کہ ایک ولی اللہ موسم بہار میں جنگل میں تشریف لے گئے۔ درختوں ، پھولوں وغیرہ کی رونق دیکھ کر مذکورہ بالا درود شریف پڑھا تو ہاتفِ غیب نے آواز دی کہ اے درود پڑھنے والے! تم نے کراماً کاتبین کو تکلیف میں ڈال دیا کہ ان کلمات کا اجر و ثواب لکھتے لکھتے چکنا چور ہو گئے ہیں۔ اب تمہیں مبارک ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے گناہ بخش دئے ہیں۔

(۱۰) اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد وسلم صلاۃ تنجینا بھا من جمیع الاھوال والآفات، وتقضی لنا بھا جمیع الحاجات، وتطھرنا بھا من جمیع السیآت، وترفعنا بھا عندک اعلی الدرجات، وتبلغنا بھا اقصی الغایات، من جمیع الخیرات فی الحیاۃ وبعد الممات۔

ف : شفاء السقم میں ہے کہ حضرت فاکہانی اپنی کتاب فجر منیر میں شیخ ابوموسیٰ ضریر رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ ہم ایک جماعت کے ساتھ کشتی میں بیٹھے تھے اچانک بادِ مخالف جو نہایت تیز اور سخت آندھی کی شکل میں تھی، چلی۔ جس نے کشتی کو تہ و بالا کر دیا۔ ملاحوں نے اعلان کر دیا کہ اب بچنے کی صورت مشکل ہے کشتی والوں سے آہ و فغاں کا شور اٹھا اور سب نے موت کے منہ میں جانے کی تیاری شروع کر دی۔ مجھے اسی اثنا میں نیند آ گئی خواب میں مجھے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف ملا اور مجھے فرمایا کہ اے ابوموسیٰ! کشتی والوں سے کہئے کہ درود مذکورہ بالا کو ہزار بار پڑھیں نجات مل جائے گی۔ میں نے بیدار ہو کر کشتی والوں سے کہا تو سب نے پڑھنا شروع کر دیا۔ ابھی تین سو بار ہی پڑھا تھا کہ ہوا ٹھہر گئی اور کشتی بسلامت کنارے لگی۔

ـــہ

علی المصطفیٰ صلوا فان صلاتہ

امان من الآفات والمخطرات

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تحیتہ اصل النبیا مین فاطلبوا

بہا جملۃ الخیرات والبرکاتہ

ترجمہ: حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو کیونکہ آپ کا درود آفاتِ و خطرات کی امان ہے اور آپ کی صلوٰۃ جملہ برکتوں کی اصل ہے اسی کے وسیلہ سے جملہ خیرات و برکات طلب ہوں۔

(۱۱) الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ، الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ
الصلوٰۃ والسلام علیک یا خلیل اللہ، الصلوٰۃ والسلام علیک یا صفی اللہ
الصلوٰۃ والسلام علیک یا نجی اللہ، الصلوٰۃ والسلام علیک یا خیر خلق اللہ
الصلوٰۃ والسلام علیک یا من اختارہ اللہ، الصلوٰۃ والسلام علیک یا من زینہ اللہ
الصلوٰۃ والسلام علیک یا من ارسلہ اللہ، الصلوٰۃ والسلام علیک یا من شرفہ اللہ
الصلوٰۃ والسلام علیک یا من عظمہ اللہ، الصلوٰۃ والسلام علیک یا من کرمہ اللہ
الصلوٰۃ والسلام علیک یا سید المرسلین، الصلوٰۃ والسلام علیک یا امام المتقین
الصلوٰۃ والسلام علیک یا خاتم النبیین، الصلوٰۃ والسلام علیک یا شفیع المذنبین
الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول رب العالمین، الصلوٰۃ والسلام علیک یا سید الاولین
الصلوٰۃ والسلام علیک یا سید الآخرین، الصلوٰۃ والسلام علیک یا قائد المرسلین
الصلوٰۃ والسلام علیک یا شفیع الامۃ، الصلوٰۃ والسلام علیک یا عظیم الھمۃ
الصلوٰۃ والسلام علیک یا حامل لواء الحمد، الصلوٰۃ والسلام علیک یا صاحب المقام المحمود
الصلوٰۃ والسلام علیک یا ساقی الحوض المورود، الصلوٰۃ والسلام علیک یا اکثر الناس تبعا یوم القیامۃ
الصلوٰۃ والسلام علیک یا سید ولد آدم،
الصلوٰۃ والسلام علیک یا اکرم الاولین والآخرین،
الصلوٰۃ والسلام علیک یا بشیر،
الصلوٰۃ والسلام علیک یا نذیر،
الصلوٰۃ والسلام علیک یا داعی اللہ باذنہ والسراج المنیر،
الصلوٰۃ والسلام علیک یا نبی التوبۃ،
الصلوٰۃ والسلام علیک یا نبی الرحمۃ،
الصلوٰۃ والسلام علیک یا مقفی،
الصلوٰۃ والسلام علیک یا عاقب،

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

الصلوٰۃ والسلام علیک یا حاشر ،
الصلوٰۃ والسلام علیک یا مختار ،
الصلوٰۃ والسلام علیک یا ماحی ،
الصلوٰۃ والسلام علیک یا احمد ،
الصلوٰۃ والسلام علیک یا محمد صلوٰت اللہ و ملٰئکتہ ورسلہ وحملۃ عرشہ
وجمیع خلقہ علیک و اٰلک و اصحابک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔

ف : اسے صلوات فتح کہتے ہیں ، اس کے کل چالیس کلمات ہیں اور علما کے نزدیک بہت مشہور ہیں۔ انھیں ہر مراد کے حصول کے لیے پڑھا جاتا ہے اور ان کلمات کی برکت سے ہر مراد حاصل بھی ہو جاتی ہے۔ جو شخص صبح کی نماز کے بعد پڑھے گا اس کی مشکل حل ہوگی اور دشمن پر فتح پائے گا اور اگر قید میں ہو تو رہائی پائے گا۔ اس کے خواص اور بہت ہیں۔ حضرت عارف صمدانی امیر سید علی ہمدانی قدس سرہٗ نے صلوات کے بعض صیغوں کو اپنی کتاب "اورادِ فتحیہ" کے آخر میں لکھا ہے۔

حضور اکرم علیہ السلام حاضر و ناظر

حضرت ہمدانی قدس سرہٗ نے درود شریف پڑھنے کے لیے شرط لگائی ہے کہ حضور علیہ السلام کو حاضر جانے اور یوں سمجھے کہ میں انھیں بالمشافہ صلوٰۃ و سلام عرض کر رہا ہوں۔

(۴۲) السلام علیک یا امام الحرمین ، السلام علیک یا امام الخافقین ، السلام علیک یا رسول الثقلین ، السلام علیک یا سید من فی الکونین و شفیع من فی الدارین ، السلام علیک یا صاحب القبلتین ، السلام علیک یا نور المشرقین وضیاء المغربین ، السلام علیک یا جد السبطین الحسن و الحسین علیک وعلیٰ عترتک و اسرتک واولادک و احفادک وازواجک و اخواجک وخلفائک ونقبائک و نجبائک واصحابک واحزابک واتباعک واشیاعک سلام اللہ و الملائکۃ والناس اجمعین الیٰ یوم الدین والحمد للہ رب العالمین۔

ف : اسے تسلیمات سبعہ کہتے ہیں۔ جسے مشکل پڑی ہو اور کام نہ ہوتا ہو تو سات روز ہر نماز کے بعد درود شریف پڑھ کر ان تسلیمات سبعہ کو بار بار پڑھے ان شاء اللہ مشکل حل ہوگی اور مقصد پورا ہوگا۔

یا نبی اللہ السلام علیک

انما الفوز والفلاح لدیک

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بسلام آمدم جوابم دہ
مرہمی بر دل خرابم نہ

۳ پس بود جاہ و احترام مرا
یک علیک از تو صد سلام مرا

۴ زاری من شنو تکلم کن
گریۂ من نگر تبسم کن

۵ لب بجنبان پے شفاعت من
منگر در گناہ و طاعت من

ترجمہ :(۱) اے نبی اللہ! آپ پر سلام، بے شک فوز و فلاح آپ کے ہاں ہے۔

(۲) میں سلام عرض کروں آپ جواب دیں میرے خستہ دل پر مرہم لگا دیجئے۔

(۳) مجھے یہ بہت بڑا اعزاز نصیب ہوگا کہ آپ میرے صد بار سلام کے جواب میں ایک بار کہہ دیں وعلیک السلام۔

(۴) میری زاری سُن کر ایک بار تو بات کیجئے میرا رونا دیکھ کر ایک بار تو تبسم فرما دیجئے۔

(۵) میری شفاعت کے لیے لب اطہر کو حرکت دیجئے میرے گناہوں اور اطاعت کو نہ دیکھ۔ (اپنے کرم اور فضل کو دیکھ)

ف : جناب کاشفی نے اپنی تفسیر میں اور تحفۃ الصلات میں لکھا کہ صلوٰۃ کی کیفیت میں احادیث مختلف طور پر وارد ہوئی ہیں۔

امام نووی نے فرمایا کہ افضل یہی ہے کہ احادیث کے طرق کو جمع کیا جائے کیونکہ اکثر روایات درود شریف کے بارے میں صحیح ہیں اس لیے چاہیے کہ تمام واردہ الفاظ لائے جائیں۔ مثلاً یوں کہا جائے:

اللھم صل علی محمد عبدک ورسولک النبی الامی وعلی آل محمد وازواجہ وذریتہ کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم وبارک علی محمد النبی الامی وعلی آل محمد وازواجہ وذریتہ کما بارکت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم فی العالمین انک حمید مجید۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ یہ اذی یوذی اور اذی و اذیۃ و اذایۃ سے ہے ایذاء نہ کہا جائے۔ کما فی القاموس۔ لیکن اہل تصنیف و اہل علم و عوام میں ایذاء مشہور ہے کما فی التعبیر لابن کمال۔ تاذی کا حقیقی معنی آزردہ ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے یہ معنی محال ہے۔ لیکن اب معنی یہ ہوگا کہ وہ لوگ ایسا کام کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف ہے۔ مثلاً

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ایمان نہ لانا، اس کے امور کے خلاف کرنا اور اپنی خواہشات کے مطابق عمل کرنا، اس کی طرف اولاد منصوب کرنا، اس کا شریک ٹھہرانا، اس کے اسماء و صفات میں الحاد کرنا، اس کی قدرت کی نفی کرنا۔ مثلاً کہنا کہ مارنے کے بعد نہیں اٹھائے گا اور دہر کو گالی دینا، تصویریں اور فوٹو کھینچ کر اس کی تخلیق کے مشابہ ہونا وغیرہ وَرَسُوْلَہٗ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذائیں مشہور ہیں مثلاً انہیں شاعر، ساحر، کاہن، مجنون کہنا اور بی بی صفیہ حضرت ہارون کی اولاد ہونے کی وجہ سے ان کے ساتھ آپ کے نکاح کرنے پر انہیں مطعون کرنا، یہ قولی ایذائیں تھیں اور فعلی یہ کہ مثلاً آپ کے دانت مبارک شہید کرنا اور چہرہ مبارک لہولہان کرنا جیسا کہ غزوۂ اُحد میں ہوا، آپ پر مٹی پھینکنا اور مہرِ نبوت پر گندگیاں ڈالنا۔

ایذائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک واقعہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد حرام میں نماز پڑھتے دیکھا، آپ سربسجود ہوئے تو کافروں نے آپ کے اوپر گندگی پھینک دی۔ یہاں تک کہ آپ بدستور سجدے میں رہے حتیٰ کہ بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تشریف لائیں اور آ کر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے گندگی ہٹا کر ایذا دینے والوں کو برا بھلا کہا۔ اس طرح کی فعلی ایذائیں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائی گئیں۔

ف: بعض علماء نے فرمایا کہ ایذاء اللہ ورسولہ سے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانا مراد ہے اور اللہ تعالیٰ کا نام محض تعظیم و تکریم اور تبرک کے لیے ہے۔ علاوہ ازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دینا درحقیقت اللہ تعالیٰ کو ایذا دینا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر معاملے کو اپنا معاملہ بتایا۔ کما قال:

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔

اس معنے پر جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی۔

ف: امام سہیلی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمیں لائق نہیں کہ ہم کہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین نار میں ہیں، کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

لا تؤذوا الاحیاء بسبب الاموات۔

(مُردوں کی وجہ سے زندوں کو ایذا نہ دو)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ الآیۃ

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو جہنمی کہہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینا ہے اور اس طرح سے لعنت کا مستحق ہونا ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

گستاخیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قانون انبیاء علیہم السلام کے حق میں ایسی باتیں کرنا، لکھنا جو عیب ونقص پر دلالت کریں تو وہ بھی ایذا میں شامل ہے۔

ادب کا سبق حضرت ابو سہلہ بن خلاد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک مرد لوگوں کو نماز پڑھا رہا تھا۔ اس نے قبلہ کی طرف تھوکا، حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ رہے تھے، جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا،

آیندہ تمہیں یہ شخص نماز نہ پڑھائے۔

بعد کو وہی شخص نماز پڑھانے لگا تو لوگوں نے منع کیا اور کہا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ یہ شخص تمہیں نماز نہ پڑھایا کرے۔

وہ شخص حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مقدمہ لے کر حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا، ہاں میں نے ہی روکا تھا اس لیے کہ تُو نے قبلہ کی طرف تھوک کر اللہ جل جلالہٗ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دی۔ کما فی الترغیب للمنذری۔

مسئلہ: علمائے کرام نے اس حدیث سے استدلال کیا کہ جو امام مکروہات کا ارتکاب کرتا ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ متولی اور دوسرے بااثر لوگوں کو ضروری ہے کہ ایسے شخص کو نماز کی امامت سے ہٹا دیں جیسا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے محض قبلہ کی طرف تھوکنے سے امام کو امامت سے معزول فرما دیا۔

مسئلہ: وسواسی شخص کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے اس لیے کہ وہ نماز کی ادائیگی میں ارکانِ صلوٰۃ میں شک کرتا رہے گا۔ کما فی فتح القریب۔

مسئلہ: اس امام کو ایسے لوگوں کی امامت کرنا مکروہ ہے جس کی امامت سے لوگوں کو نفرت اور کراہت ہو اس لیے کہ ان کی کراہت بوجہ اس کے مکروہ فعل کے ارتکاب کے ہوگی یا اس سے بہتر اور امام حاصل ہوگا۔ ہاں اگر ان کی کراہت محض اپنے ذاتی عناد سے ہو تو پھر امام کو امامت سے نہ ہٹنا چاہیے اس لیے کہ ان کی کراہت غیر مشروع ہے اسی لیے غیر معتبر ہے۔

عبرت برائے وہابی دیوبندی حضور سرورِ عالم نورِ مجسم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اسمِ گرامی القاب وآداب اور درود وسلام کے بغیر لینا یا لکھنا بھی ایذا میں شامل ہے۔

مثنوی شریف میں ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۱ آن دہان کژ کرد واز تسخر بخواند
مر محمد را دہانش کژ بماند

۲ باز آمد کای محمد عفو کن
ای ترا الطاف علم من لدن

۳ من ترا افسوس می کردم ز جہل
من بدم افسوس را منسوب واہل

۴ چون خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنہ پاکان برد

۵ ور خدا خواہد کہ پوشد عیب کس
کم زند در عیب معیوبان نفس

ترجمہ: (۱) وہ منہ جو ٹیڑھا ہو کر مسخری کے طور حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلایا تو اس کا چہرہ فوراً بگڑ گیا۔

(۲) پھر بارگاہِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں حاضر ہو کر معافی طلب کی اور عرض کی کہ آپ کو الطاف من لدن (منجانب اللہ) نصیب ہیں۔

(۳) میں نے آپ کے ساتھ از رُو جہالت تمسخر کیا ہے، میں افسوس کی طرف منسوب ہوں اور اسی کا مستحق ہوں۔

(۴) جب اللہ تعالیٰ کسی کی پردہ دری کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی طبیعت کا میلان نیکوں پر طعن و تشنیع کی طرف پھیرتا ہے۔

(۵) اگر کسی کی عیب پوشی کا ارادہ فرماتا ہے تو وہ عیب والوں پر بھی عیب کے اظہار کا دم نہیں مارتا۔

لَعَنَهُمُ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت سے دُور کر دے گا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ دنیا و آخرت میں بایں طور کہ دارین میں انہیں ذرہ برابر بھی رحمتِ حق سے کچھ نصیب نہ ہوگا وَاَعَدَّ لَهُمْ علاوہ ازیں ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے تیار کر رکھا ہے عَذَابًا مُّهِیْنًا ۝ اہانت دینے والا عذاب جو انہیں آخرت میں پہنچے گا۔ یعنی ایک خاص قسم کا عذاب ہوگا جس سے ان کی بے عزتی اور رسوائی ہوگی۔ اس سے ان کی موت طیا میٹ ہوگی اور ان کی تمام اکڑ ختم ہو جائے گی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جیسا کہ اہلِ ایمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طاعت اور ان کی صلوٰۃ سے رحمتِ الٰہی کے مستحق ہیں۔ ایسے ہی کافر رسول اللہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور ان کی ایذا کی وجہ سے لعنتِ حق کے حقدار ہیں۔ دنیا میں ان کے لیے لعنت یہ ہے کہ وہ حضرتِ حق سے دُور اور ایمان سے محروم ہو گئے۔ آخرت میں ان کے لیے لعنت یوں ہوگی کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور بہشت سے انہیں دُور رکھا جائے گا۔ واعدّ لھم عذاباً مھینا کا تحقیقی معنیٰ یہی ہے۔

مسئلہ: فتح الرحمٰن میں ہے کہ نبی علیہ السلام کی اذی بالقول والفعل بالاتفاق حرام ہے۔

مسئلہ: نبی علیہ السلام کو (العیاذ باللہ) گالی دینے کے متعلق ائمہ کا اختلاف ہے۔ سیدنا امام ابوحنیفہ و امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ارتداد کی طرح کفر ہے۔ یہ شخص توبہ نہ کرے تو اسے قتل کر دینا واجب ہے۔ امام مالک و امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسے شخص کی توبہ قبول نہیں اسے قتل کرنا واجب ہے۔ قتل بوجہ حد کے ہوگا کفر کی وجہ سے نہیں۔

مسئلہ: کافر جس نے پہلے سے ہی حضور علیہ السلام کی تکذیب کی ہے اس کے باوجود وہ حضور علیہ السلام کو گالی دیتا ہے تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسے قتل نہ کیا جائے اس لیے کہ اس کے کفر کے لیے وہی سزا کافی ہے جو اسے مرنے کے بعد ملے گی البتہ تعزیز و تادیب شدید سے اسے ایسا سمجھایا جائے کہ اسے پھر ایسی جرأت نہ ہو۔ اور امام شافعی و امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کا معاہدہ (امان) توڑ دیا جائے اس کے بعد حاکمِ وقت اسے اختیار دے چاہے قتل ہونا منظور کرے چاہے غلام بنتا۔ حاکمِ وقت اسے معاف کرے یا اس سے فدیہ لے تو بھی جائز ہے لیکن اسے امان ہرگز نہ دے اس لیے کہ یہ ایسا بد کافر ہے کہ اس نے نبی علیہ السلام کو گالی دے کر اپنی امان کو توڑ ڈالا ہے اگرچہ ابتداءً اس سے اس قسم کا معاہدہ نہ بھی کیا ہو۔

مسئلہ: اگر وہ حضور علیہ السلام کے حق میں اپنے عقیدے کے مطابق کوئی بات کرتا ہے۔ مثلاً آپ کی تکذیب کرتا ہے یا کوئی اور کلمہ جو آپ کی تکذیب پر دلالت کرتا ہے تو اس کا معاہدۂ امان ٹوٹے گا اگر ابتداءً معاہدہ کیا گیا اور اس نے اس کے خلاف کیا تو اس کی امان ٹوٹ جائے گی۔

مسئلہ: امام مالک و احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر ایسا کافر اسلام قبول نہ کرے تو اسے قتل کر دیا جائے۔

وہابی بالخصوص

وہابیوں بالخصوص مودودی اور دیوبندیوں کو تازیانۂ عبرت

مودودی اور نجدی ابن تیمیہ کو اپنا امام برحق مانتے ہیں اور اس کے فیصلے کو حرفِ آخر سمجھتے ہیں، اس کا فیصلہ گستاخِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے سنیے[1]

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

امام احمد کے بعض پیروکاروں میں سے شیخ تقی الدین ابن تیمیہ نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والے (عیب و نقص بیان کرنے والے) کو مطلقاً قتل کر دینا ضروری ہے اور کہا ھو الصحیح من المذھب۔ (مذہب حق میں یہی صحیح ہے)

مسئلہ: جملہ انبیاء و ملائکہ علیہم السلام کو گالی دینے کے احکام وہی ہیں جو ہمارے نبی علیہ السلام کے متعلق ہیں۔

مسئلہ: کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کو گالی دے (العیاذ باللہ) بشرطیکہ وہ مرتد[1] نہ ہوگیا ہو، ایسے وہ کافر جو اپنے اعتقاد میں پہلے سے گالی دیتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کی اولاد ثابت کرتا ہے جیسے عزیر و عیسیٰ علیہما السلام کو خدا کا بیٹا کہنا وغیرہ اس کے علاوہ اور کوئی گالی بکے تو اس کے وہی احکام ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق گزرے ہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے عصمت و ہدایت کا سوال کرتے ہیں، سہو و زلل و غوایۃ سے پناہ مانگتے ہیں۔ وہی حافظ و رقیب ہے۔

تفسیر عالمانہ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ اور وہ لوگ جو مومن مرد اور عورت کو ایذا دیتے ہیں یعنی ان کے حق میں وہ باتیں کرتے یا ان کے ساتھ وہ کام کرتے ہیں جن سے انہیں رنج پہنچتا ہے بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا بغیر جرم کے کہ وہ دکھ اور رنج پہنچانے کے مستحق بھی نہ تھے۔

ف: اس آیت میں ایذاء کو مقید اور آیت بالا میں علی الاطلاق ایذاء میں اشارہ ہے کہ اللہ جل جلالہٗ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دینا ہر حال میں ناحق ہوگا اور دوسروں کے بارے میں کبھی ایذاء حق ہوتا ہے کبھی ناحق۔

---

[1] ایسا شخص مرتد ہو جاتا ہے اور مرتد کی سزا قتل ہے جیسا کہ سابقہ ادوار میں اسلامی حکومتوں میں ایسوں کے ہزاروں قتل مشہور ہیں۔

علامہ شاطبی جو آٹھویں صدی کے مشہور امام ہیں نے اپنی کتاب الاعتصام میں ان مرتدین کی فہرست درج کی ہے جنہوں نے نبوت یا وحی و عصمت کا دعویٰ کیا ان میں ایک فازازی بھی تھا اس نے مرزا قادیانی کی طرح نبوت کا دعویٰ کیا تو علمائے وقت نے اس پر الحاد و زندقہ کا فتویٰ دیا چنانچہ اس وقت کے امام حضرت ابوجعفر ابن زبیر رحمہ اللہ کے فتویٰ سے قتل کر دیا گیا۔ فقیر اویسی غفرلہ عرض گزار ہے کہ آج بھی اگر ایسے مرتدین کو برسر دار لٹکایا جائے تاکہ کسی کو گستاخی رسول و انبیاء و اولیاء پر جرأت نہ ہو۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مسئلہ: آیت عام ہے اس میں ہر مؤمن مرد اور عورت کو ناحق ایذا دینا حرام ہے خواہ وہ مرد یا عورت کسی مرتبہ کے بھی ہوں۔ چنانچہ مضامین مندرجہ ذیل سے ظاہر ہے:

(۱) ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر سے نکلے تو ایک (جوان) عورت کو دیکھا کہ بناؤ سنگار کرکے ایسے طریقے سے کھڑی ہے گویا وہ فسق و فجور کی طرف میلان رکھتی تھی۔ آپ نے اسے مارا، اس کے گھر والوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیں[1]۔

(۲) منافقین (خوارج) حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کھلم کھلا گالی دیتے اور آپ کے حق میں ایسی بکواسات کرتے جسے عام آدمی کا برداشت کرنا مشکل تھا[2]۔

(۳) قصۂ افک میں گزرا کہ منافقین نے حضرت عائشہ و حضرت صفوان پر بہتان تراشا۔

(۴) زانی بدمعاش لوگ عورتوں کے درپے ہوتے جب وہ رات کے وقت پانی لینے یا قضاءِ حاجت کے لیے جاتیں۔ اکثر کنیزوں کے پیچھے رہتے۔ چونکہ آزاد عورتوں اور کنیزوں کا لباس ایک سا ہوتا اس لیے وہ کبھی آزاد عورتوں کے پیچھے بھی پڑ جاتے۔ علاوہ ازیں اور بھی واقعات ہیں جو بُرے لوگ ہمیشہ نیک لوگوں کے درپے آزار رہتے ہیں۔

فَقَدِ احْتَمَلُوْا احتمال اور اکتساب لفظاً و معناً ایک ہیں۔ کما فی بحر العلوم

بعض مفسرین نے فرمایا کہ اکتسبوا بمعنے تحملوا، جس کا فارسی میں معنی ہے برداشتی یعنی اٹھانا **بُهْتَانًا** بمعنے افتراءً و کذباً عَلَيْهِمْ۔ یہ بهته فلان بهتانا سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کے حق میں ایسی بات کرے جو اس نے نہ کی ہو، یعنی بہت بڑا جھوٹ۔

وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ بمعنے ذنباً ظاهراً۔ کاشفی نے لکھا کہ ایسے لوگ بہتان تراشی کی وجہ سے سزا اور گناہ ظاہری کی وجہ سے عذاب کے مستحق ہیں۔

ف: آیت میں اہلِ ایمان کے ایذا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایذاء کے ساتھ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایذا کو اللہ تعالیٰ کے ایذاء کے ساتھ ملانے میں اشارہ ہے کہ جو اہلِ ایمان کو ایذاء دیتا ہے وہ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دیتا ہے اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دیتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو ایذاء دیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو اللہ و رسول (جل جلالہٗ و صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایذاء دے کر لعنت کا مستحق ہے۔ ایسے ہی اہلِ ایمان کو ایذاء دینے والا دنیا و آخرت میں لعنت کا مستحق ہے۔

---

[1] یہ تو معمولی معاملہ ہے، شیعہ تو ہزاروں بکواسات کرتے ہیں لیکن ان کے منہ میں لگام دینے والا کوئی نہیں۔

[2] اب وہابیوں کا ایک گروہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف ہے۔ اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ف ؛ کسی نے حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کو گالی دی تو اُنھوں نے یہی آیت پڑھ کر سنائی۔

حدیث معراج حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ میں شبِ معراج ایک قوم پر گزرا جو اپنی زبانوں کے ساتھ لٹکے ہوئے ہیں، میں نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں ؛ اُنھوں نے فرمایا، یہ وہ ہیں جو اہلِ ایمان مرد اور عورتوں پر ناحق بہتان تراشتے تھے۔

حدیث قدسی میں ہے ؛ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا)

من آذیٰ لی ولیا فقد بارزنی بالمحاربة۔

(جو میرے کسی ولی کو ایذاء دیتا ہے جنگ کے طور میرا مقابلہ کرتا ہے)

یعنی جو میرے اولیاء کو دُکھ اور رنج پہنچاتا ہے وہ میرے ساتھ جنگ کر رہا ہے اور میرے ساتھ جنگ کرنے والے کا یہ حال ہوتا ہے کہ میں اس کے لیے غیبی لشکر بھیج کر اسے ذلیل وخوار کرتا ہوں اور دنیا بھر میں وُہ ذلیل وخوار مشہور ہو جاتا ہے۔

ولی اللہ کعبہ سے افضل[1] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ایک روز کعبہ سے گزرے اسے مخاطب ہو کر فرمایا ؛

ما اعظمك واعظم حرمتك. والمؤمن اعظم حرمة عند الله منك۔

(اے کعبہ! بے شک تُو اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت عظمت والا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں مومن (کامل) تجھ سے زیادہ عظمت اور قدر و منزلت رکھتا ہے)

ولی اللہ کی شان حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاں اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اگر مخلوق کو میرے اولیاء کاملین کی شان معلوم ہو جو میں نے انہیں تجلی قدس اور دارِ کرامت میں بخشی ہے تو لوگ ان کے قدم چومتے بلکہ ان کے قدموں کی خاک ہو جاتے اور آرزو کرتے کہ اولیاء کرام انھیں اپنے قدموں کی خاک بنائیں۔ مجھے اپنی عزت وجلال اور بزرگی کی قسم میں انھیں اپنا چہرہ دکھاؤں گا یعنی انہیں بلا حجاب زیارت کا شرف بخشوں گا اور ان کا دل خوش کروں گا۔ وہ جس کے لیے شفاعت چاہیں گے میں انہیں عام اجازت دوں گا اگرچہ وہ کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو۔ مجھے اپنی عزت کی قسم، اولیاء سے زیادہ مجھے اور کوئی عزیز نہیں، مجھے اپنے جلال کی قسم ان سے بزرگ تر میرے نزدیک اور کوئی نہیں۔ میں نے جہنم ان کے دشمنوں کے لیے بنائی ہے اور ان کے اعداء کو جہنم سے بھروں گا۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

---

[1] اس موضوع پر فقیر اویسی غفرلہ نے رسالہ "القول اجلی فی ان الکعبۃ تذہب الی زیارۃ الولی" لکھا ہے جو بارہا مطبوع ہوا۔ اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

نکوکار مردم نباشد بدش ۱
ورزد کسے بد کہ نیک آیدش

نہ ہر آدمی زادہ از دد بہست ۲
کہ دد ز آدمی زادۂ بد بہست

بہست از دد انسان صاحب خرد ۳
نہ انسان کہ در مردم افتد چو دد

(۱) اچھے لوگوں سے برائی سرزد نہیں ہوتی کوئی برائی کا مرتکب ہو تو اسے نیکی کا پھل نہ ملے گا۔

(۲) ہر آدم زادہ درندوں سے بہتر نہیں۔ بد آدمی سے درندہ بہتر ہے۔

(۳) وہ آدمی درندہ سے بہتر ہے جو عقلمند ہے نہ وہ آدمی جو درندوں کی طرح عوام کو دکھ درد پہنچاتا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے ولی کے دشمن کے ساتھ دشمنی کرے گا یعنی مثلاً شیر کی طرح اس پر حملہ کرے گا (اس کا تجربہ ہوا کہ ولی اللہ کا دشمن خود بخود تباہ و برباد ہوگا)

صوفیانہ سبق حضرت فضیل رحمہ اللہ نے فرمایا، سالک پر لازم ہے کہ وہ کتے اور خنزیر کو بھی بلا وجہ ایذا نہ دے چہ جائیکہ وہ مسلمان کو ایذا دے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ۔

(مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان باسلامت رہیں)

یعنی مسلمان وہ ہے جو مسلمانوں کے خون ناحق اور اموال و اعراض کے درپے آزار نہ ہو۔

نکتہ زبان کو ہاتھ سے اس لیے مقدم کیا گیا ہے کہ زبان سے کسی کو بہت زیادہ رنج پہنچایا جاتا ہے اور دیگر اعضاء کی بجائے صرف ہاتھ کا ذکر بھی اسی لیے ہے کہ زیادہ تر امور اسی سے صادر ہوتے ہیں۔

سبق جب کسی کو کسی سے رنج اور دکھ پہنچے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس پر صبر کرے اس لیے کہ اس میں بہت بڑا اجر و ثواب ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ایذا دینے والا اسے اجر و ثواب کا مستحق بنا رہا ہے اس کا اسے ممنون ہونا چاہیے۔

حدیث شریف اسی لیے حدیث شریف میں ہے:
واحسن الی من اساء الیک۔

(جو تجھے دکھ پہنچائے تم اس کے ساتھ احسان کرو)

(باقی صـ ٦٨٣)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ
اے نبی اپنی بیبیوں اور صاحبزادیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے فرما دو کہ اپنی چادروں کا
مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا
ایک حصہ اپنے منہ پر ڈالے رہیں یہ اس سے نزدیک تر ہے کہ ان کی پہچان ہو تو ستائی نہ جائیں اور اللہ
رَّحِيْمًا ۝٥٩ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْمُرْجِفُوْنَ
بخشنے والا مہربان ہے اگر باز نہ آئے منافق اور جن کے دلوں میں روگ ہے اور مدینہ میں جھوٹ اڑانے
فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَاۤ اِلَّا قَلِيْلًا ۝٦٠
والے تو ضرور ہم تمہیں ان پر شہ دیں گے پھر وہ مدینہ میں تمہارے پاس نہ رہیں گے مگر تھوڑے دن
مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ۝٦١ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي
پھٹکارے ہوئے جہاں کہیں ملیں پکڑے جائیں اور گن گن کر قتل کیے جائیں اللہ کا دستور چلا آتا ہے ان
الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝٦٢ يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ
لوگوں میں جو پہلے گزر گئے اور تم اللہ کا دستور ہرگز بدلتا نہ پاؤ گے لوگ تم سے قیامت کو
عَنِ السَّاعَةِ ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ مَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ۝٦٣
پوچھتے ہیں تم فرماؤ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے اور تم کیا جانو شاید قیامت پاس ہی ہو
اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَ اَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ۝٦٤ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ
بے شک اللہ نے کافروں پر لعنت فرمائی اور ان کے لیے بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے اس میں ہمیشہ رہیں گے اس میں نہ
وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ۝٦٥ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَاۤ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَ
کوئی حمایتی پائیں گے نہ مددگار جس دن ان کے منہ الٹ الٹ کر آگ میں تلے جائیں گے کہتے ہوں گے ہائے کسی طرح ہم نے
اَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ۝٦٦ وَ قَالُوْا رَبَّنَاۤ اِنَّاۤ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ۝٦٧
اللہ کا حکم مانا ہوتا اور رسول کا حکم مانا ہوتا اور کہیں گے اے ہمارے رب ہم اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کے کہنے پر چلے تو انہوں نے ہمیں
رَبَّنَاۤ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَ الْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ۝٦٨
راہ سے بہکا دیا اے ہمارے رب انہیں آگ کا دونا عذاب دے اور ان پر بڑی لعنت کر

تفسیر عالمانہ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی ازواج مطہرات کو فرما دیجئے۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات نو تھیں ان کے اسماء گرامی یہ ہیں،

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(۱) عائشہ	(۲) حفصہ
(۳) ام حبیبہ	(۴) ام سلمہ
(۵) سودہ	(۶) زینب
(۷) میمونہ	(۸) صفیہ
(۹) جویریہ	رضی اللہ عنہن

ان تمام بیبیوں کے متعلق تفصیل نسب اور اوصاف و احوال گزر چکی ہے۔

وَبَنٰتِكَ اور اپنی صاحبزادیوں کو۔ یہ کل آٹھ تھیں، چار صلبی جو بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئیں، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱۔ زینب
۲۔ رقیہ
۳۔ ام کلثوم
۴۔ فاطمہ رضی اللہ عنہن

سوائے بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے باقی تمام حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری زندگی میں فوت ہو گئیں۔ بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور علیہ السلام کے وصال کے بعد چھ ماہ زندہ رہ کر وفات پا گئیں۔

اور چار ربیبہ تھیں جن کے اسماء یہ ہیں:

۱۔ ام سلمہ، اسے برہ بھی کہا جاتا۔
۲۔ سلمہ
۳۔ عمرہ
۴۔ درہ رضی اللہ عنہن

وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ اور اہل ایمان کی وہ عورتیں جو مدینہ طیبہ میں ہیں يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ

صـ ۹۳۱ سے آگے

(۱) اس لیے کہ دکھ پہنچانے والا اگرچہ شرعاً گنہگار ہے لیکن حقیقت میں وہ محسن ہے سے

بدی را بدی سہل باشد جزا
اگر مردے احسن الی من اساء

ترجمہ: برائی کا بُرا بدلہ دینا آسان ہے۔ اگر تم جوانمرد ہو تو بُرے پر احسان کرو۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ یہ قُلْ کا مقولہ ہے۔

لغات الادناء بمعنے نزدیک کرنا الف نون سے ہے بمعنے القرب (قریب ہونا) الجلباب بڑی چادر سے چھوٹا اور دوپٹہ سے بڑا اور اوسع ہوتا ہے جسے عورتیں سر پر اوڑھ کر بقایا کپڑا اپنے جسم سے لپیٹ کر پاؤں تک چھوڑتی ہیں یعنی پردہ کی چادر۔ اور مِن تبعیضیہ ہے اس لیے کہ عورتیں پردہ کی اس چادر کے بعض حصہ کو جسم پر لپیٹتی اور بعض کو پاؤں تک چھوڑتی ہیں۔ التلفع بمعنے کپڑا سر سے پاؤں تک لپیٹنا۔

اب معنٰی یہ ہوا کہ آپ انھیں فرمادیں کہ ضرورت کے لیے گھر سے باہر جائیں تو چہرے اور بدن پر بڑی چادر اوڑھ لیا کریں، کنیزوں کی طرح چہرے اور بدن کو کھلا کر کے نہ نکلیں تاکہ بُرے لوگ انھیں کنیزیں سمجھ کر ان کے درپے نہ ہوں۔

ف: سدی نے کہا کہ انہیں حکم دیں کہ وہ ایک آنکھ اور چہرے کو دونوں حصے چھپا کر اور ایک آنکھ کھل کر کے نکلیں۔

ذٰلِكَ وہ جو اوڑھنی اوڑھنے کا حکم مذکور ہوا ہے وہ اَدْنٰٓى زیادہ قریب ہے اَنْ يُّعْرَفْنَ یہ کہ پہچانی جائیں اور امتیاز کیا جا سکے کہ یہ لونڈیاں اور کنیزیں یا آزاد عورتیں ہیں تاکہ زانی اور بُرے لوگ ان کے درپے آزار نہ ہوں جیسے کنیزوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں فَلَا يُؤْذَيْنَ تو وہ ایذا نہ دی جائیں گی یعنی فاجر و فاسق ان کے درپے آزار نہ ہوں گے۔

حضرت عمر کا دُرّہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک کنیز چہرہ ڈھانپ کر گزری آپ نے اس کو دُرّہ دکھا کر دھمکایا اور فرمایا، چہرہ کھول کر چل تاکہ معلوم ہو سکے کہ تو آزاد عورت نہیں بلکہ کنیز ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا اور اللہ تعالیٰ غفور ہے اس کے لیے جو اُن سے کوتاہیاں ہوئیں اور پردہ کا ترک کیا۔ رَّحِيْمًا ○ بندوں کے لیے رحیم ہے کہ ان کے ہر چھوٹے بڑے معاملے میں مصالحت کی رعایت فرماتا ہے۔

ف: آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے:

(۱) عورتوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو محفوظ رکھیں، پاکدامن رہیں۔ برائی سے بچنے کی ہر ممکن تدبیر کریں۔

(۲) ان کے لیے جائز ہے کہ گھر میں سنگار کریں۔ اور اپنی عزت اور قدر و منزلت پہچانیں۔

(۳) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی بہت قدر ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(۴) فلا یؤذین میں اشارہ ہے کہ ان سے اطماع فاسدہ اور اقوال کاذبہ منسوب نہ ہوں ۔

وکان اللہ غفوراً میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان عورتوں کے لیے غفور ہے جو ان کے اوامر کی فرماں برداری کرتی ہیں رحیما اور ان کے لیے رحیم ہے کہ انہیں اعلیٰ درجات سے نوازنے کا ارادہ فرماتا ہے ۔ کذا فی التاویلات النجمیہ ۔

نیز آیت سے دو فائدے دیگر حاصل ہوئے ؛

(۱) دورِ نبوت کی عورتوں کی عادت تھی کہ قضائے حاجت کے لیے رات کے وقت گھر سے باہر نکلتیں اور پاکدامنی کو ملحوظِ خاطر ان کا شیوہ تھا اگر وہ دن کو بھی باہر نکلتی ہیں تو چادر اوڑھنے میں بہت زیادہ کوشش کرتی اور ادب و وقار کی جد و جہد کرتی اور مردوں سے آنکھ بچا کر جاتی ہیں خواہ وہ مرد نیک ہوں یا برے ۔ اور نہایت پرانے اور میلے کچیلے کپڑے پہنتی ہیں ۔

مسئلہ : جو عورت اپنے گھر سے باہر نکلتی ہے خوشبو لگا کر اور زیب زینت ظاہر کر کے ، اور مردوں کو اپنا سنگار دکھاتی ہے ۔ ایسی عورت پر زانیوں جیسا گناہ ہے ۔

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا : ؎

۱ چو زن راہ بازار گیرد بزن
وگرنہ تو در خانہ بنشیں چو زن

۲ ز بیگانگان چشم زن کور باد
چو بیروں شد از خانہ در گور باد

ترجمہ : (۱) جب عورت بازار جانے لگے اسے مار ۔ ورنہ تو عورت بن کر گھر بیٹھ ۔

(۲) بیگانوں کے دیکھنے سے عورت کی آنکھ خدا کرے اندھی ہو ، گھر سے باہر نکلے تو خدا کرے سیدھی قبر میں جائے ۔

نیک عورت کی علامت اہلِ حقیقت کے نزدیک نیک عورت کی علامت یہ ہے کہ وہ خوفِ الٰہی کو اپنا حسن ، قناعت کو غنا اور عفت کو زیور سمجھے یعنی برائیوں اور مفاسد اور تہمت کے مواقع سے بچنے کو اپنا سنگار سمجھے ۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ عورت کبوتری کی مانند ہے کہ جب اس کے پر پیدا ہوتے ہیں تو اڑتی ہے ۔ مرد جب عورت کو بہترین کپڑے پہنائے گا تو وہ گھر میں نہیں بیٹھے گی بلکہ باہر نکل کر اپنا بناؤ سنگار لوگوں کو دکھانے کی کوشش کرے گی ؎

چو بینی کہ زن پاے بر جائے نیست
ثبات از خردمندی و رائے نیست

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۲ گریز از کفش در دہان نہنگ
کہ مردن بہ از زندگانی بہ ننگ

ترجمہ: (۱) جب دیکھو کہ عورت گھر پر نہیں رہتی اسے دانائی اور اچھی رائے نہیں کہا جا سکتا۔

(۲) ایسی عورت سے بھاگ کر مگرمچھ کے منہ میں جانا بہتر ہے اس لیے کہ ننگ و عار کی زندگی سے موت بھلی۔

حضرت جامی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ؎

چو مرد از زن بخوش خوئی کشید بار
ز خوش خوے بید بوے کشد کار
مکن بر کار زن چندان صبوری
کہ افتد رخنہ در رسد غیوری

ترجمہ: جب مرد عورت سے خوش اسلوبی کا بار کھینچتا ہے۔ عورت کے بُرے کاموں پر صبر نہ کر۔ غیرت کی دیوار میں رخنہ پیدا ہوگا۔

ف: بعض مشایخ نے فرمایا کہ کافرہ عورتوں میں خیر و بھلائی ہرگز نہیں ہوتی اس لیے کہ انہیں برسرِ بازار ذلیل و خوار کیا جاتا ہے اور فاسقوں اور فاجروں کے فسق و فجور کا نشانہ بنی رہتی ہیں گویا وہ عام بازاری عورتیں ہیں ان کی طرف سنجیدہ طبقہ آنکھ اٹھا کر دیکھنے کا روادار نہیں اور ان عورتوں کی نگاہ بھی غیروں کی طرف لگی رہتی ہے بلکہ وہ ہر پچھے کی دیگ ہوتی ہیں۔

رابعہ بصریہ کی کہانی

رابعہ بصریہ عدویہ رحمہا اللہ کی شان کو کون پہنچ سکتا ہے۔ منقول ہے کہ بی بی مرحومہ سخت بیمار ہو گئیں ان سے مرض کا اصلی سبب پوچھا گیا تو فرمایا کہ میں نے بہشت کو جھانک کر دیکھا تو میرا رب کریم ناراض ہو گیا کہ میں نے غیر اللہ کی طرف کیوں دیکھا! اللہ تعالیٰ کی جھڑکی سے مجھے تپ نے گھیر لیا۔

سبق: جب بہشت کی طرف جھانکنے کی یہ سزا ہے حالانکہ بہشت اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام کا مرکز ہے بلکہ اس کی تجلیات خاصہ بہشت میں نصیب ہوں گی۔ اس سے اندازہ کیجئے کہ ہمارا کیا حال ہوگا۔ جب ہم ہر وقت دنیا اور اس کے نقش و نگار اور اس کی خواہشات میں مستغرق رہتے ہیں۔

(۲) دنیا فسق و فجور سے خالی نہیں یہاں تک خیر القرون قرن اول میں بھی اس کے فسق و فجور سے بعض حضرات سے محفوظ نہ ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جو اس دنیا سے آنکھیں بند کر کے نکل گیا اور اجنبی عورتوں کے دیکھنے سے آنکھ بچا لینا مرد مجاہد کا کام ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattori

(ہمارے شیخ المشائخ حضرت علم الدین سیرانی قدس سرہٗ نے زندگی بھر شادی نہ کی بلکہ اتقا کا یہ عالم تھا کہ اجنبی عورت کے پاؤں کا نقش جب راستہ پر نظر آتا آپ اسے چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار فرما لیتے ۱ اس لیے کہ اجنبی عورت کی وجہ دل میں شہوت کا زنگ پڑتا ہے اور سب سے بڑا فتنہ عورت ہے (بحیثیت شہوت اور خواہش نفسانی کے)

حکایت حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ نے فرمایا، میں نے خواب میں ایک عورت کو دیکھا تو فوراً خیال آیا کہ اجنبی عورت کو دیکھنا گناہ ہے اس پر میں نے آنکھ بند کر لی (یہ ان کے تقویٰ کی دلیل ہے)

اجنبی عورت سے متعلق ہدایات۔

(۱) اجنبی عورت بالخصوص جس نے خوشبو وغیرہ لگائی ہو نہ تو اس کے قریب آنا جانا چاہیے نہ اس کے ساتھ بیٹھنا چاہیے۔

(۲) اسے ہاتھ نہ لگائے۔

(۳) اس سے ہاتھ نہ ملائے۔

(۴) اس سے گفتگو نہ کرے۔

(۵) اس سے ہنسی مذاق نہ کرے۔

(۶) اس سے میٹھی میٹھی باتیں نہ کرے۔

(۷) اس کے ساتھ تنہائی میں نہ بیٹھے، اس لیے کہ شیطان تنہائی میں شہوت پر ابھارتا ہے اور بسا اوقات برائی کرا دیتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جس نے کسی اجنبی عورت سے بلا وجہ اور ناجائز گفتگو کی تو قیامت میں ہر کلمہ کے بدلے میں اسے ایک ہزار سال جہنم میں مقید رکھا جائے گا۔ اگر بیگانی عورت کو گلے لگائے گا تو اسے شیطان کے ساتھ زنجیروں میں جکڑ کر جہنم میں دھکیلا جائے گا۔ (العیاذ باللہ من دار البوار)

لَئِنْ لَّمْ یَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ لام قسمیہ ہے الانتہاء بمعنی رک جانا۔ یعنی بخدا اگر منافقین اپنی منافقت وغیرہ اور ان احکام سے باز نہیں آتے جو نبی علیہ السلام اور اہل ایمان کو ایذا دینے کے موجب ہیں **وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ** اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے یعنی ان کا ایمان کمزور ہے اور اس پر ثابت قدم نہیں یا فسق و فجور سے ان کا ایمان متزلزل ہے یا ایسے امور میں پھنسے ہوئے ہیں جن میں ذرہ برابر خیر و بھلائی نہیں یا وہ زنا اور فواحش کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ **وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِی الْمَدِیْنَةِ** ۔

لہ ملاحظہ ہو سیر و ضیائے نورانی۔ حضرت سیرانی رحمہ اللہ کے حالات کی تفصیل فقیر کی کتاب "ذکر سیرانی" میں ہے۔ اضافہ از اویسی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حلِ لغات الرجف بمعنے الاضطراب الشدید۔ مثلاً کہا جاتا ہے:
رجفت الارض والبحر۔
(زمین کا اور دریا تھرتھرایا)

بحر رجاف (تھرتھرانے والا دریا)۔ الرجفۃ بمعنے الزلزلۃ۔ الارجاف بمعنے ایقاع الرجفۃ والاضطراب یعنی زلزلہ و اضطراب واقع کرنا۔ ارجاف قولاً بھی ہوتا ہے اور فعلاً بھی۔ جھوٹی خبر یا ارجاف سے موصوف ہوتی ہے اس لیے کہ ایسی خبر متزلزل اور غیر ثابت ہوتی ہے۔ القاموس میں ہے کہ الارجاف بمعنے جھوٹی خبر دینا۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اگر مذکورہ فریقین جھوٹی خبر اڑانے سے باز نہیں آتے۔ یعنی یہ جو مسلمانوں کے جنگی حالات غلط طریق سے عوام میں پھیلاتے ہیں کہ مسلمان شکست کھا گئے یا مارے گئے یا گرفتار ہو گئے یا ان کو ہزیمت ہوئی یا اہلِ اسلام کو کہیں تمہارے ہاں دشمن آ رہے ہیں۔ اس طرح ایسی جھوٹی خبریں جن سے مسلمانوں کے دل دکھیں یا ان کے دل ٹوٹ جائیں یا ان پر غیروں کا رعب چھا جائے۔

لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ قسم محذوف کا جواب ہے۔

حلِ لغات الاغراء بمعنے کسی کو کسی شے پر برانگیختہ کرنا۔ مثلاً کہا جاتا ہے:
غرا بہ بمعنے لھج ولصق۔

یہ الغرا سے ہے۔ یہ وہ شے جو کسی دوسری شے سے چمٹ جائے۔ ایسے ہی فلانا یکن الاغراء بمعنے الصمغۃ بہ۔ اور بہم کی ضمیر منافقین و مرجفین کی طرف راجع ہے۔

یعنی بالضرور ہم ان کے ساتھ جنگ کرنے اور ان کے غریب الوطن بنانے کا حکم دیں گے یا ایسا حکم صادر فرمائیں گے جو انہیں جلاوطنی پر مجبور کر دے گا یا آپ کو ان کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے برانگیختہ فرمائیں گے۔ خلاصہ یہ کہ ان کی قتل پر ہم آپ کو ان کے ساتھ لڑائی کے لیے برانگیختہ کریں گے اور آپ کو ان پر مسلط کریں گے اور حکم فرمائیں گے کہ ان کو قتل کر دو۔ **ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا** اس کا عطف جوابِ قسم پر ہے اور ثم دلالت کرتا ہے کہ جلاوطنی اور ان کا جوارِ رسول سے دور ہونا بہ نسبت دیگر مصائب کے عظیم مصیبت ہے یعنی پھر وہ آپ کے ساتھ نہیں ٹھہر سکیں گے یعنی آپ کی مدینہ طیبہ کی ہمسائیگی سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جائیں گے۔

حلِ لغات: الجار بمعنے ہمسایہ اور المجاورۃ بمعنے کسی کے ساتھ ہمسائیگی کرنا۔

إِلَّا قَلِيلًا مگر تھوڑی دیر یا ہمسائیگی کا تھوڑا سا حصہ، یہاں تک کہ وہ یہاں سے کوچ کر لیں۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ اس سے وہ وقت مراد ہے جو وہاں سامان اور اہل و عیال لے جانے
مَلْعُونِينَ درانحالیکہ وہ مدینہ طیبہ سے یا رحمتِ الٰہی سے دور ہو جائیں گے۔ اس کا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

منصوب ہونا شتم و ذم کی وجہ سے ہے۔ اس سے پہلے اشتم یا ذم محذوف ہے یا یہ حال ہے اس تقریر پر حرف استثنا ظرف اور حال پر بیک وقت داخل ہوگا۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ وہ آپ کی ہمسائیگی میں جتنی دیر ٹھہریں گے لعنتی ہو کر رہیں گے اَیْنَمَا ثُقِفُوْٓا جہاں پائیں جائیں۔

حل لغات : امام الراغب نے لکھا کہ الثقف بمعنے کسی شے کے حاصل کرنے میں مکمل مہارت پانا۔ مثلاً کہا جاتا ہے :

ثقفت کـذا۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی شے کو آنکھ سے دیکھ لے۔ یہ آنکھ کی مہارت پر دلالت ہوگی۔ پھر مجازاً ادراک پر استعمال ہونے لگا اگرچہ وہاں مہارت وحذاقت نہ بھی ہو۔

اُخِذُوْٓا پکڑے جائیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ انہیں پکڑ لینا ضروری ہے وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ○ اور انھیں خوار و ذلیل کرکے قتل کر دیا جائے۔ یعنی ان کا حکم یہ ہے کہ گرفتار کرکے انھیں قتل کر دیا جائے بشرطیکہ وہ اپنی غلط کاریوں سے باز آ جائیں۔ کذا فی تفسیر ابو اللیث۔

ف : حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نہ منافقین وغیرہ نے شرط پوری کی نہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم مذکور کا امر فرمایا۔ اور وعید میں عفو جائز ہے وہ خلفِ وعید میں داخل نہ ہوگا۔ کذا فی کشف الاسرار۔

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ یہ مصدر مؤکد ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی :

سن اللہ ذٰلک فی الامم الماضیہ الخ

یعنی اللہ تعالیٰ نے امم سابقہ میں یہ جاری رکھا ہے اور اپنی حکمت سے اسے مقرر فرمایا وہ حکمت یہ تھی کہ منافقین کا طریقہ تھا کہ وہ انبیاء علیہم السلام کو شہید کروا لیتے اور ان کے امور شرعیہ کی توہین کے درپے رہتے تھے اور ان کا ہمیشہ دستور رہا کہ ان کے متعلق بُری خبریں پھیلاتے اور عوام کو ان سے بدظن کرتے وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا اور اللہ تعالیٰ کے طریقہ معینہ میں ہرگز تبدیلی نہ پاؤ گے یعنی اسے کوئی تبدیل نہیں کر سکتا اس لیے کہ اس کی بنیاد حکمت ایزدی پر ہے اور اسی حکمت پر دورِ تشریع گھومتا ہے یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اسے تبدیل کرنے کی کسی کو قدرت نہیں ، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مقدر فرمایا ہے وہ لازماً ہو کر رہے گا۔

مسئلہ : آیت میں منافقوں کو صراحۃً تہدید ہے ایسے ہی ان جاہل اور نااہل صوفیوں کو دعویٰ تو حق کے طالب ہونے کا کرتے ہیں لیکن ان کے کردار منافقوں سے بھی بدتر ہیں۔ لباس تو ان کے عارفین کے ہیں اور وہ اپنے آپ کو اہلِ باطن گردانتے ہیں لیکن ان کی سیرت بتاتی ہے کہ یہ دون کے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ڈاکو اور اسلام کے چور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر انہوں نے اپنے طور طریقے کو نہ بدلا تو ان کا حشر وہی ہوگا جو ان سے پہلے دین کے ڈاکوؤں اور چوروں کا ہوا۔ اور ہر گروہ کو اسی قسم کی سزا ملتی ہے جس طرح اس کے کردار ہوتے ہیں۔

عالم کی سزا

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: عالمِ دین کی سزا کیا ہے اگر اس سے غلطی سرزد ہو جائے؟ آپ نے فرمایا: اس کی سزا یہ ہے کہ اس کا دل مُردہ بنا دیا جاتا ہے۔ میں نے عرض کی: دل کس طرح مُردہ ہوتا ہے؟ فرمایا: دنیا کی محبت سے!

سبق: انسان پر لازم ہے کہ دل کو زندہ رکھے اور باطل کو صاف کرے۔

حکایت

منقول ہے کہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ ہمیشہ عالمانہ لباس پہنتے تھے۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ درویشانہ لباس کیوں نہیں پہنتے؟ آپ نے فرمایا: اگر قیامت میں مجھ سے سوال ہو کہ آپ نے لباسِ درویشانہ پہنا تھا لیکن آپ کی سیرت درویشانہ نہیں تھی، پھر میں کیا جواب دوں گا! اسی لیے یاد رہنا ضروری ہے کہ لباس درویشانہ ضروری نہیں بلکہ باطنی صفائی ضروری ہے ؎

۱ اے درونت برہنہ از تقویٰ
وز بروں جامۂ ریا داری
۲ پردۂ ہفت رنگ در مگذار
تو کہ در خانہ بوریا داری

ترجمہ: (۱) اے فلاں! تیرا باطن تو تقویٰ سے خالی ہے لیکن ظاہر میں ریا کا لباس پہن رکھا ہے۔

(۲) ہفت رنگ لباس ترک کر دے جبکہ گھر میں ٹاٹ سے گزارہ کرتا ہے۔

حکایت

منقول ہے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ شام کے وقت حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ کی عبادت گاہ سے گزرے اور وہ نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ نے الحمد شریف پڑھی لیکن اسے الہمد پڑھا تو حضرت حسن قدس سرہٗ نے فرمایا: میں ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا جبکہ وہ قراءت صحیح نہیں پڑھتے۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ نے علیحدہ نماز پڑھی۔ رات کو سو گئے تو اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوئی۔ عرض کی: یا اللہ! تیری رضا کس معاملہ میں ہے؟ اللہ نے فرمایا: میری رضا کو تُو خوب جانتا ہے اگر تم حبیب عجمی کے پیچھے نماز پڑھ لیتے تو تیری تمام نمازیں اس کے صدقے قبول ہو جاتیں اس لیے کہ تیری عبادت میں سقم تھا اور حبیب عجمی کی عبادت مکمل تھی کیونکہ ان میں خلوص قلبی کو

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

دیکھتا ہوں، زبان اور قلب میں بہت زیادہ فرق ہے۔

سبق عقلمند پر لازم ہے کہ شقاوت اور منافقت کی طرف مائل نہ ہو بلکہ اخلاص اور امورِ حق میں توافق کی جدوجہد کرے۔

ف یہاں دونوں آیتوں سے ثابت ہوا کہ ہر ملت کے لیے زندیق قتل قطعی کا موجب ہیں۔ کما فی کشف الاسرار۔

زندیق وہ بے دین ہے جو ظاہر میں دین کا مدعی ہو لیکن باطن میں کفر کو چھپائے رکھے۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ زندیق کو قتل کرنا ضروری ہے اگرچہ وہ کہے کہ میں اپنی غلطی سے توبہ کرتا ہوں۔

مسئلہ: بعض علماء نے فرمایا کہ زندیق وہ ہے جو دہر کو قدیم مانے۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا قائل نہ ہو اور نہ ہی مرنے کے بعد قیامت میں جی اٹھنے کا اقرار کرے بلکہ کسی شے کی حرمت مانتا ہی نہیں اور بلکہ ہر شے مشترک کہتا ہے یعنی حلال بھی حلال اور حرام بھی حلال ہے۔

مسئلہ: ایسے بے دین کی توبہ کے متعلق دو روایتیں ہیں صحیح قول یہ ہے کہ ایسے بدبخت کو خدا تعالیٰ تباہ و برباد کرے۔ ایسے ہی اس کے عقیدت مندوں کو۔ اور اللہ تعالیٰ ان میں سے ہر ایک پہ الگ الگ لعنت بھیجے۔ اللہ تعالیٰ زمین کو ان کے ظہور و شرور سے محفوظ رکھے۔

یَسْئَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ آپ سے لوگ قیامِ قیامت کے وقت سوال کرتے ہیں

حل لغات: السّاعة زمان کے ایک جزء کو کہا جاتا ہے۔ اس سے عرفاً قیامت مراد ہوتی ہے اسے ساعت سے اس لیے تشبیہ دی جاتی ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لے گا۔ چنانچہ فرمایا:

وھو اسرع الحاسبین۔

شانِ نزول مشرکین حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے بارے میں یوں سوال کرتے تھے کہ اگر اس کا وقوع یقیناً ہے تو جلد تر ہو۔ اس سے ان کا مقصد صرف استہزاء و تعنت (تکبر) اور انکار تھا۔ اور یہودیوں کا سوال بھی قیامت کے بارے میں ہوتا اور وہ اس قسم کا سوال آزمائش کے طور پر کرتے اس لیے کہ انہیں معلوم تھا کہ قیامت مخفی علوم میں سے ہے اسے اللہ تعالیٰ ظاہر نہیں فرمائے گا۔ یہی تورات میں تھا اور یہی دیگر کتب سماویہ میں تھا (اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کا ایسے سوال کا جواب دینا یہودیوں کے عقیدہ کو اپنے متعلق واضح کرنے کے لیے تھا اس سے تو الٹا آپ کے علمِ غیب کا ثبوت ملا باوجودیکہ تورات و دیگر کتب سماویہ نہیں پڑھیں لیکن جواب عین حقیقت ہے)

(حاشیہ آگے)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ فرمایئے اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے نہ کوئی ملک مقرب اس پر مطلع ہوا اور نہ کوئی نبی مرسل۔

اعجوبہ خلفائے بنو عباس میں کسی نے خواب میں ملک الموت علیہ السلام کو دیکھ کر ان سے پوچھا، میری عمر کے باقی کتنے ماہ ہیں؟ ملک الموت نے پانچ انگلیوں کا اشارہ فرمایا۔ تعبیر کے بارے میں بڑے بڑے علماء و فقہاء حیران تھے۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ ان پانچ علوم سے ہے جس کا علم کسی کو نہیں اور وہ پانچ علوم آیت ان اللہ عندہ علم الساعۃ میں ہیں۔ خلیفہ نے حق جواب پاکر حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو ایک پوشاک انعام کے طور پر پیش کی لیکن امام اعظم رضی اللہ عنہ نے قبول نہ فرمائی۔

وَمَا يُدْرِيْكَ اور تمہیں کیا معلوم۔ اس کا لغوی معنیٰ یہ ہے کہ کیا شے ہے جو تمہیں جاننے والا بنا دے تاکہ تمہیں قیامت کے وقوع کا علم ہو جائے۔ یعنی کوئی ایسی شے دنیا میں ہم نے بنائی ہی نہیں کہ جس کے ذریعے سے وقوع قیامت کا علم ہو جائے جب تک کہ اللہ تعالیٰ نہ بتائے۔

فیصلہ کن عبارت (اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ وقوع قیامت کا تعین حضور علیہ السلام کو ہے۔ اور یہ بھی ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے ہوا۔ حضور علیہ السلام نے از خود کسی دنیوی ذریعہ اور خارجی آلہ سے اسے معلوم نہیں کیا اور نہ ہی کسی کو اللہ تعالیٰ کے بتلائے بغیر اس کا علم ہو سکتا ہے اور وہابی دیوبندی نجدی مودودی وغیرہم کا عقیدہ ہے کہ حضور علیہ السلام کو اس کا کوئی علم نہیں بلکہ ایسا عقیدہ رکھنا شرک ہے ہم انہیں اسلاف کی تصریحات پیش کرتے ہیں منجملہ ان کے ایک روح البیان کی مندرجہ ذیل عبارت ہے، ملاحظہ ہو)[1]

ولیس من شرط النبی ان یعلم الغیب بغیر تعلیم من اللہ تعالیٰ۔ (روح البیان ج ۷ ص ۲۲۳)

(نبوت کی شرائط میں نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم کے بغیر غیب جانیں)

لَعَلَّ السَّاعَةَ شاید قیامت تَكُوْنُ ہو قَرِيْبًا ○ قریب۔ یعنی قیامت عنقریب واقع ہو اس معنیٰ پر کان تامہ ہے اور قریباً کا منصوب ہونا علی الظرفیۃ ہے۔ اس میں قیامت کے وقوع کی عجلت کرنے والوں اور نبوت نبی علیہ السلام سے سرکشی کے طور سوال کرنے والوں کی تہدید ہے۔

علامات قیامت (۱) قیامت کے علامات سے ایک یہ ہے کہ انسان کسی سے یا اپنے طور وعدہ کرے کہ کل یہ کام یوں کروں گا لیکن جونہی کل آئے تو وعدہ کے

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ

[2] اضافہ از اویسی غفرلہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

خلاف عمل کرے ۔

(۲) شرارتیوں کی عزت ہوگی۔
(۳) شرفاء کو ذلیل کیا جائے گا۔
(۴) دینی علم اٹھ جائے گا۔
(۵) جہالت عام ہو جائے گی۔
(۶) زنا کھلم کھلا ہوگا۔
(۷) کنجریاں ناچ کریں گی۔
(۸) فسق و فجور کا دور دورہ ہوگا۔
(۹) شراب کھلے بندوں پی جائے گی۔

(۱۰) موت اچانک ہوگی (جیسے آج کل بسوں، ٹرکوں، ہوائی جہازوں اور دیگر عام اسباب دل فیل ہو جانا، بیٹھے بیٹھے مر جانا عام ہو گیا ہے)[۱]

(۱۱) فساق و فجار کا مساجد میں چیخ چیخ کر کے بولنا (جیسے الیکشن کے دور میں سیاسی لیڈر مساجد میں گھس کر دھواں دار تقریر کرتے ہیں، اس کے علاوہ اور بھی اسباب آگے بڑھ رہے ہیں)[۲]

(۱۲) بے وقت بارش کا ہونا۔

حدیث شریف میں ہے: لاتقوم الساعة حتی یظهر الفحش والتفحش وحتی یعبد الدرهم والدینار۔

(قیامت قائم نہ ہوگی جب تک فحش اور تفحش ظاہر نہ ہو اور یہاں تک کہ دراہم و دنانیر کی پرستش نہ ہو)

ف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے ایسے علامات بتائے جو حضور علیہ السلام کے زمانہ اقدس میں ان کا تصور تک نہ تھا اور چند ایک ہمارے دور ۱۳۹۸ھ تک ظاہر ہو چکے ہیں لیکن بہت سے آنے والے دور میں ظاہر ہوں گے۔ (اسے ہم اہلسنت علم غیب نبوی سے اور ہمارے مخالفین پیشگوئی سے تعبیر کرتے ہیں)[۳]

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ جب سخت آندھی چلتی تو آپ کا رنگ بدل جاتا یعنی آپ خوفزدہ اور پریشان حال جیسے معلوم ہوتے اور فرماتے:

تخوفت الساعة۔

(میں قرب قیامت سے ڈرتا ہوں)

پھر فرمایا:

---

[۱] اضافہ از اویسی غفرلہ
[۲] ایضاً
[۳] ایضاً

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ما امتطى ولا اخجبه الا و اظن الساعة قد قامت۔

(اپنی ہر گھڑی میں یہاں تک کہ آنکھ کھلتے اور جھپکتے وقت اس تصور میں ہوتا ہوں کہ قیامت قائم ہو گئی)

اس سے مراد موت ہے اس لیے کہ موت قیامت صغریٰ ہے۔ یعنی ہر انسان کی موت اس کے لیے قیامت صغریٰ ہے۔ ایسے ہی ہر قرن کے لوگوں کا مرنا قیامت وسطیٰ ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے تدارک حال کا سوال کرتے ہیں۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا؂

۱ کار امروز را مباش اسیر
بہر فردا ذخیرہ برگیر

۲ روز عمرت بوقت عصر رسید
عصر تو تا نماز شام کشید

۳ خفتن خواب مرگ نزدیک ست
موج گرداب مرگ نزدیک ست

۴ فانتبہ قد اقیمت الساعہ
ان عمر الخلائق ساعہ

ترجمہ: (۱) آج کے امور کی قید میں نہ گزار، کل کے لیے ذخیرہ جمع کر۔

(۲) تیری عمر کا سورج عصر کے وقت کو پہنچ گیا ہے عصر کا وقت تجھے مغرب کے وقت کی طرف کھینچ رہا ہے۔

(۳) نیند کرنے کا کیا معنیٰ جب موت قریب ہے گرداب موت کی موج بالکل نزدیک ہے

(۴) جاگ، قیامت آگئی، ویسے تمام مخلوق کی عمر پل بھر ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ بے شک اللہ تعالیٰ نے کافروں پر لعنت فرمائی اس سے مطلقاً جملہ کفار مراد ہیں۔ نہ صرف منکرین حشر و قیامت بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاندین مراد ہیں۔ اور لعنت سے مراد یہ ہے کہ وہی رحمت عاجلہ و آجلہ سے دور فرما دیتا ہے کیونکہ انہوں نے حق سے استہزاء کیا کہ جس کی مخلوق میں ہر فرد کو نہایت ضروری اور اس کی استعداد کا اہتمام کرنا وَاَعَدَّ لَهُمْ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تیار فرمائی ہے سَعِيْرًا ۝ ایسی آگ جو سخت بھڑکائی ہوئی ہے خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے یعنی بھڑکائی ہوئی آگ میں ان کا ہمیشہ رہنا مقدر فرمایا اَبَدًا ہمیشہ کے لیے۔ یعنی وہ ایسی حالت

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

میں ہوں گے کہ دائمی طور بھڑکتی ہوئی آگ میں معذب رہیں گے۔ خلود کو تابید و دوام سے موکد فرمانے میں مبالغہ مطلوب ہے لَا یَجِدُوْنَ وَلِیًّا اپنے لیے ایسا مددگار نہ پائیں گے جو ان کی حفاظت فرمائے وَّلَا نَصِیْرًا ۝ اور نہ ہی ایسا معاون پائیں گے جو ان سے عذاب الٰہی کو دُور کر سکے یا انہیں عذاب جہنم سے چھڑا سکے یَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِی النَّارِ یہ عدم وجدان کے لیے ظرف ہے اس دن کہ جہنم میں ان کے منہ ایک طرف سے دوسری طرف پھیرے جائیں گے جیسے گوشت کو پکانے کے لیے ہنڈیا میں ایک طرف سے دوسری طرف پھیرا جاتا ہے تاکہ وہ اچھی طرح پک سکے یا انہیں جہنم میں الٹا کر کے پھینکا جائے گا اور چہرے کی تخصیص صرف اسی لیے ہے کہ یہ تمام اجزائے انسانی سے اشرف و اکرم ہے اگرچہ یہاں پر ان کا تمام جسم مراد ہے یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کے حسن کو قبح سے تبدیل کیا جائے گا یعنی انہیں سفیدی سے سیاہی سے بدلا جائے گا یَقُوْلُوْنَ یہ جملہ مستانفہ بیانیہ اور سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ جب ان کے چہرے تبدیل ہو جائیں گے تو وہ کیا کریں گے اس کے جواب میں فرمایا کہ وہ اپنی غلطی کا احساس کرتے ہوئے کہیں گے یٰلَیْتَنَا یہاں پر منادیٰ محذوف ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حرف ندا محض تنبیہ کے لیے اس میں کوئی خاص فرد مراد نہیں اس کا معنیٰ ہے کاش اَطَعْنَا اللّٰهَ ہم دار دنیا میں جیسے ہمیں حکم ہوا تھا اسے بجا لاتے اور جن امور سے ہمیں روکا گیا ان سے ہم رک جاتے اور ہم اطاعت کرتے اللہ تعالیٰ کی وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا اور جن امور کی ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت دی ہم ان کی دعوت کو قبول کر کے ان کی اطاعت کرتے تو مردود نہ دیکھے جاتے اور نہ ہی ایسے سخت ترین عذاب میں مبتلا ہوتے وَقَالُوْا اور کافروں کی اتباع کرنے والے کہیں گے۔ اس کا عطف یقولون پر ہے اور مضارع سے ماضی کی طرف عدول کرنے میں اشارہ ہے کہ ان کا یہ قول قول سابق کا مسبب نہیں بلکہ یہ ان کے اعذار میں سے ایک عذر ہے۔ اس سے ان کی مراد صرف یہ تھی کہ جو لیڈر ان کے ایسے عذاب میں مبتلا ہونے کا موجب بنے انہیں سخت عذاب دیا جائے تاکہ ان کے عذاب سے ان کی تشفی ہو۔ اگرچہ انہیں یقین تھا کہ ان کے ایسے اقوال سے ان کی جان رہائی نہ ہو سکے گی رَبَّنَا اے ہمارے پروردگار اِنَّا اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی اطاعت کی۔ اس سے ان کے وہ بڑے لیڈر مراد ہیں جنہوں نے انہیں کفر و شرک کی تلقین کی۔ اور ان کا انہیں سادات و کبراء سے تعبیر کرنا اپنے عذر کی تقویت و تائید کے لیے ہوگا ورنہ ان کے لیڈر اس وقت نہایت ذلت و خواری کی حالت میں ہوں گے۔

حلِ لغات اَلسَّادَات ' سادة کی جمع ہے اور سادة ' سید کی۔ گویا سادات جمع الجمع اس میں کفار کے لیڈروں کی کثرت کی طرف اشارہ ہے۔ الوسیط میں ہے کہ عرب

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

میں سادۃ احسن الاستعمال ہے ۔ سادات کو بہت کم استعمال کرتے ہیں۔ الکبراء ، کبیر کی جمع ہے۔ یہ صغیر کے بالمقابل ہے۔ یہاں پر کبراء سے کافروں کے وہ بڑے لیڈر مراد ہیں جو ان میں رتبہ و حال میں بڑے تھے۔

فَاَضَلُّوْنَا السَّبِیْلَا تو انہوں نے ہمیں کفر و شرک کی باتیں بہتر سے بہتر سنا کر طریق اسلام و توحید سے پھیرے رکھا۔

حل لغات جیسے اضلہ عن الطریق کہا جاتا ہے ۔ واضلہ الطریق کا ایک معنی ہے جیسے اخطاہ یہ عنہ ۔

اب معنی یہ ہوا کہ انہوں نے ہمیں گمراہ کیا یعنی انہوں نے ہمیں فسون و فسانوں سے سیدھی راہ سے ہٹا دیا۔

ف : الرسولا و السبیلا میں الف زائد ہے صرف آواز کو بڑھانے کے لیے بڑھایا گیا ہے اس لیے کہ ان آیات کے آخر میں الف ہے اور ایسے ہی اہل عرب اپنے خطبات و اشعار میں بوجہ ضرورت الف کو بڑھا دیتے ہیں۔

ف : بحر العلوم میں ہے کہ ابن کثیر و ابو عمرو و حمزہ و حفص و کسائی نے واطعنا الرسول فاضلونا السبیل وصل میں الف کے بغیر پڑھا ہے اور حمزہ و ابو عمرو و یعقوب نے وقف و وصل دونوں حالتوں میں بغیر الف کے پڑھا ہے اور باقی قراء نے دونوں حالتوں میں الف کے ساتھ پڑھا ہے تاکہ قوافی کے ساتھ فواصل کو مشابہت ہو۔ الف کی زیادتی آواز کو مطلق چھوڑنے کے لیے ہے اس سے وقف کا فائدہ ہوتا ہے تاکہ پتا چلے کہ یہاں کلام ختم ہو گیا ہے اور اس کے مابعد جملہ مستانفہ ہے ، اسے حذف کرنا وصف و وقف میں قیاس ہے۔

رَبَّنَا کلام کو دعا یا النداء اور پھر مکرر لانے میں مبالغہ مطلوب ہے کہ وہ اپنے لیڈروں کو عذاب میں مبتلا ہونے کے بڑے مشتاق تھے اور چاہتے تھے کہ ان کی اس بارہ میں استدعا قبول ہو **اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ** اے اللہ ! ہمارے عذاب سے انہیں دوہرے عذاب میں مبتلا فرما کیونکہ وہ خود گمراہ ہوئے اور ہمیں بھی گمراہ کیا ایک عذاب ان کی اپنی گمراہی کی وجہ سے دوسرا ہمیں گمراہ کرنے کے باعث ؛ **وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ۝** اور انہیں بہت زیادہ اور سخت ترین عذاب میں مبتلا فرما۔ اور الکبیر والعظیم ہر دو اعیان میں مستعمل ہیں پھر معانی میں استعمال ہونے لگا۔

خلاصہ یہ کہ انہوں نے اپنے لیڈروں کے لیے اللہ تعالیٰ سے استدعا کی کہ انہیں اپنی درگاہ سے ایسا دور فرما کہ انہیں کوئی بھی اپنے ہاں نہ آنے دے اور ظاہر ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ اپنی درگاہ سے ہٹا دے اُسے پھر کون اپنے ہاں آنے دیتا ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

هرکرا قہر تو راند کہ تواند خواندن
وانکرا لطف تو خواند نتوانش راندن

ترجمہ: جسے تیرا قہر ہٹا دے اسے کون بلا سکتا ہے اور جسے تیرا لطف بلائے اسے کون ہٹا سکتا ہے۔

ف: کثیراً بھی ایک قرأت میں آیا ہے بمعنے کثیر العدد۔

اب معنی ہوگا کہ ان پر لعنت در لعنت بھیج۔ کثرت کے معنے کی تائید آیت اولٰئک علیہم لعنۃ اللّٰہ والملائکۃ والناس اجمعین سے بھی ہوتی ہے۔

کشف الاسرار میں ہے: محمد بن ابی السری اللہ تعالیٰ کا ایک نیک بندہ تھا، نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مسجد عسقلان میں ہوں، کوئی شخص قرآن مجید پڑھ رہا تھا اس نے آیت والعنہم لعنا کبیراً پڑھی، میں نے اسے لقمہ دیتے ہوئے کہا: کثیراً۔ اس نے کہا: کبیراً۔ اسی اثنا میں مجھے حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی ایسے محسوس ہوا کہ آپ درمیانِ مسجد سے منارہ کی طرف جانا چاہتے ہیں میں آگے کی طرف سے عرض گزار ہوا کہ: یا رسول اللہ! میرے لیے بخشش کی دعا فرمائیے۔ آپ نے دوسری طرف چہرہ مبارک پھیر کر چلنے کا ارادہ فرمایا میں اسی طرف حاضر ہوا اور عرض کی: استغفرلی۔ آپ نے بسوئے دیگر منہ پھیرا تو میں نے عرض کی۔ مجھے محمد بن المنکدر سے انہیں جابر بن عبداللہ سے خبر ملی کہ آپ کی عادت کریمہ ہے کہ آپ کسی سوال کو ردّ نہیں فرماتے اور کبھی اپنی زبان مبارک پر لا نہیں لاتے۔ لیکن اب آپ میرا سوال ردّ فرما رہے ہیں۔ میری اس عرض سے آپ نے تبسم فرما کر فرمایا: اللّٰھم اغفر لہ۔ اس کے بعد میں نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس شخص اور میرے درمیان اختلاف ہے وہ آیت میں کبیراً پڑھتا ہے اور میں کثیراً بتاتا ہوں۔ آپ نے بدستور منارہ کی طرف جاتے ہوئے تین بار فرمایا: کثیراً کثیراً کثیراً۔

ف: آیاتِ مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے عذاب کی خبر دی ہے اور ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ انہیں اس عذاب سے کس طرح ندامت ہوگی لیکن اس وقت وہ ندامت انہیں کوئی فائدہ نہ دے گی۔ اس وقت ذلت وعقوبت کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔

۱ حسرت از جان او بر آرد دود
وان زمان حسرتش ندارد سود

۲ بسکہ ریزد ز دیدہ اشک ندم
غرق گردد ز فرق تا بقدم (باقی [illegible])

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا

اے ایمان والو! ان جیسے نہ ہونا جنہوں نے موسیٰ کو ستایا تو اللہ نے اسے بری

مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ۭ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ۝۶۹

فرما دیا اس بات سے جو انہوں نے کہی اور موسیٰ اللہ کے یہاں آبرو والا ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝۷۰ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کہو تمہارے اعمال تمہارے لیے سنوار دے گا اور

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا

تمہارے گناہ بخش دے گا اور جو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے اس نے بڑی

عَظِيْمًا ۝۷۱ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ

کامیابی پائی بے شک ہم نے امانت پیش فرمائی آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر

فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ

تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر اور آدمی نے اٹھا

ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝۷۲ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَ

لی بے شک وہ اپنی جان کو مشقت میں ڈالنے والا بڑا نادان ہے تاکہ اللہ عذاب دے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک

الْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ

مردوں اور مشرک عورتوں کو اور اللہ توبہ قبول فرمائے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کی اور اللہ

غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۷۳

بخشنے والا مہربان ہے

تفسیر عالمانہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا اے ایمان والو! تم ان لوگوں سے نہ ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتے ہیں۔

شانِ نزول بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بی بی زینب کے ساتھ نکاح کرنے پر طعن و تشنیع کرتے تھے جیسا کہ تفصیل گزری ہے۔

گستاخِ نبوت کا قصہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر مالِ غنیمت تقسیم فرمایا تو

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کسی گستاخ نے کہا کہ تقسیم اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف ہوئی ہے۔ یعنی جانب داری برتی گئی ہے۔ میں نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا حال سنایا تو آپ نے اظہارِ ناراضگی فرمایا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے کہ انھوں نے مجھ سے زیادہ تکالیف برداشت کیں۔

كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا ان کی طرح جنھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ایذا پہنچائی جیسے قارون اور اس کے ہمنوا، ایسے ہی بنی اسرائیل کے چند بیوقوف، جس کی تفصیل آتی ہے۔ فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا براءۃ کا حقیقی معنی اس امر سے جان چھڑانا جس کا قریب ہونا طبیع کو ناگوار ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی برأت کا ان باتوں سے اظہار فرمایا جو ان کے بارے میں ان کے مخالفین نے کہیں یعنی اس مضمون سے جو موسیٰ علیہ السلام کے لیے موجب نقص و عیب تھا اس لیے کہ برأت عیب سے

ص ۹۱۷ سے آگے

---

۳ آبِ چشمش شود دران شیون
آتشش را بجاست روغن

۴ کاش این گریہ پیش ازین کردی
غم این کار پیش ازین کردی

۵ ای بہمہ بدن چو طفل صغیر
ماندہ در دستِ خوابِ غفلت اسیر

۶ پیش ازان کت اجل کند بیدار
گر بمردی ز خواب سر بردار

ترجمہ: (۱) حسرت کا دھواں اس کی جان سے نکلے گا لیکن اس وقت حسرت کس کام کی!

(۲) آج اگر تیری آنکھ سے ندامت کے آنسو بہہ نکلیں تو سر سے پاؤں تک کے گناہ دھل جائیں گے۔

(۳) کل قیامت میں تیرے یہ آنسو رنگ لائیں گے ان کی آتش روغنِ خالص بن جائے گی۔

(۴) اے آنسو کاش آج سے پہلے تم میرے نصیب ہوتے۔ لیکن یہ غم بہت بے وقت ہو رہا ہے۔

(۵) اے فلاں! تو تو بدن میں اس چھوٹے بچے کی طرح ہے جو گہوارہ میں ہے تو خوابِ غفلت کے ہاتھ میں قیدی پھر رہا ہے۔

(۶) اس سے قبل کہ تجھے اجل بیدار کرے اگر تو جوانمرد ہے تو خوابِ غفلت سے سر اٹھا۔

دعا: اے اللہ تعالیٰ ہمیں غفلت سے بیدار فرما اور ہم سے کوتاہیوں کو دور فرما اور ہم سے ان اچھے اعمال کی محنت لے جن سے تو راضی ہو۔ آمین

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ہوتی ہے اور قول سے برأت کی بجائے قرأت تخلص سے تعبیر کرتے ہیں۔ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيهًا اور موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ہاں تھے وجاہت والے۔

حل لغات الوسیط میں ہے:

وجه الرجل یوجه وجاهة فهو وجیه اذا کان ذا جاه وقدر۔

تاج المصادر میں ہے:

الوجیه بمعنے صاحبِ قدر و جاہ ہونا۔

اب معنی یہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام صاحبِ جاہ و منزلت و قربت تھے اسی لیے انھیں عیب و نقص سے کس طرح موصوف کیا جا سکتا ہے!

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

وجیه بمعنے حظی ہے۔ یعنی وہ ذات کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ سے مانگے اسے مل جائے۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ازل سے ہی وجاہت کے لیے فیصلہ ہو چکا تھا اس لیے بنی اسرائیل کے عیب و نقص کے اظہار سے غیر وجیہ نہیں ہو سکتے۔

سہ

ان کنت عندک یا مولای مطرحا
فعند غیرک محمول علی الحدق

ترجمہ: اے میرے مولا! اگر میں تیرے ہاں گرا ہوا ہوں تو پھر تیرے غیر کے ہاں میری کیا وقعت ہوگی!

مثنوی شریف میں ہے: سہ

کے شود دریا ز پوز سگ نجس
کے شود خورشید از پف منطمس

ترجمہ: دریا کتے کی تھوتھنی سے کب پلید ہو سکتا ہے، سورج کسی کی تھوک سے کب بے نور ہو سکتا ہے!

بستان میں ہے: سہ

امین و بد اندیش طشتند و مور
نشاید در و رخنہ کردن بزور

ترجمہ: امانت دار اور دشمن تھال اور چیونٹی کی طرح تھال میں بزور سوراخ نہیں کیا جا سکتا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

موسیٰ علیہ السلام کی ایذاء کے اسباب

اس میں اختلاف ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی ایذا کے اسباب میں اختلاف ہے

چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) قارون نے ایک زانیہ کو بہت سا مال دے کر کہا کہ موسیٰ علیہ السلام کے لیے بنی اسرائیل کے بھرے مجمع میں اعلان کرے کہ میرا حمل موسیٰ علیہ السلام سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس غلط بیانی سے موسیٰ علیہ السلام کی نزاہت ظاہر فرمائی۔ یہاں تک کہ خود زانیہ نے اعتراف کیا کہ مجھے اس بہتان تراشی پر قارون نے مال دیا ہے۔ اس کے بعد قارون کے ساتھ وہی ہوا جو مشہور ہے یعنی زمین میں دھنسایا گیا۔ جس کی تفصیل سورۂ قصص میں ہے۔

۱ کند از بہر کلیم اللہ چاہ
در چہ افتاد و بشد حالش تباہ

۲ چون قضا آید شود تنگ این جہان
از قضا حلوا شود رنج دہان

۳ این جہان چون قحبہ مکارہ بین
کس ز مکر قحبہ چون باشد امین

۴ او بمکرش کرد قارون در زمین
شد ز رسوائی شہیر عالمین

ترجمہ (۱) کلیم اللہ کے لیے کنواں کھودا، لیکن خود اس کنویں میں گر کر تباہ ہوا۔

(۲) جب تقدیر آتی ہے تو جہان تنگ ہو جاتا ہے۔ قضا سے تو حلوہ بھی منہ میں کڑوا محسوس ہوتا ہے۔

(۳) اس جہان کو مکارہ رنڈی سمجھو۔ اس مکارہ رنڈی کے مکر سے بہت کم لوگ بچ کر نکلتے ہیں۔

(۴) اس کمینی کے مکر نے قارون کو زمین میں دبایا۔ رسوائی میں جملہ عالم میں مشہور ہوا۔

(۲) بعض علماء نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام پر قوم نے بہتان تراشا کہ آپ کے جسم پر برص ہے جو تمام بدن سپیدی کی لپیٹ میں آجاتا ہے وہ اصل یہ بیماری فساد مزاج کی وجہ سے ہوتی ہے یا یہ کہا کہ (معاذ اللہ) آپ کے دونوں خصیے بڑھ گئے ہیں۔ یہ بدگمانی انہیں اس لیے ہوئی کہ آپ حیا و شرم سے اپنے کپڑے نہیں اتارتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں آپ کے بدن کے تندرست ہونے پر مطلع

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

فرمایا بلکہ ظاہر فرما دیا کہ آپ کا جسم نورٌ علیٰ نور ہے ۔

ف : بنی اسرائیل کے مذہب میں ننگا نہانا جائز تھا اور وہ ننگے ہو کر ایک دوسرے کے اجسام یہاں تک کہ ذَکَر اور خصیے وغیرہ دیکھا کرتے تھے لیکن موسیٰ علیہ السلام سب سے الگ تنہائی میں نہاتے تھے۔ اس وجہ سے انہیں بدگمانی ہوئی کہ (معاذ اللہ) موسیٰ علیہ السلام کے خصیے بڑے ہیں۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بھی ستر واجب تھا۔ کما قال ابن الملک ۔

حجرِ موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ

بنی اسرائیل کے بعض افراد نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام ہمارے ساتھ اس لیے نہیں نہاتے کہ آپ آدر یعنی بڑے خصیوں والے ہیں۔

ف : آدر بروزن افعل ہر وہ شخص جو ادرہ یعنی خصیے بڑے ہونے کے مرض میں مبتلا ہو۔

ایک دفعہ موسیٰ علیہ السلام غسل فرمانے لگے تو کپڑے پتھر پر رکھ دیئے۔ بعض نے فرمایا کہ یہ وہی پتھر تھا جس سے پانی کے چشمے اُبلتے تھے وہ موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لے بھاگا۔ موسیٰ علیہ السلام اس وقت غسل سے فراغت پا چکے اور کپڑے پہننے والے تھے۔ لیکن کپڑے پتھر اٹھا کر بھاگ رہا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام بعجلت پتھر کے پیچھے دوڑے اور وہ اس وقت ننگے تھے اور پتھر سے کہہ رہے تھے: اے پتھر! میرے کپڑے چھوڑ دے۔ لیکن پتھر بھاگتا ہوا وہاں جا نکلا جہاں وہ بنی اسرائیل تھے جو موسیٰ علیہ السلام پر طعن و تشنیع کرتے تھے لیکن جونہی موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو کہا: بخدا موسیٰ (علیہ السلام) تو ہر عیب سے پاک اور منزہ ہیں اور وہ اس طرح نہیں جیسے ہم نے سمجھ رکھا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے پتھر سے کپڑے لے کر پہن لیے اور پتھر کو پانچ یا چھ یا سات یا بارہ کوڑے مارے۔ اور ان کوڑوں کے نشانات پتھر پر باقی رہ گئے۔

موسیٰ علیہ السلام کا غصہ

انسان العیون میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو غصہ آتا تو آپ کے بال کھڑے ہو جاتے یہاں تک کہ ٹوپی کے باہر نظر آتے بلکہ بعض اوقات اس سے آگ کے شعلے اُٹھتے تھے۔ یہ بھی آپ کے غصے کا ایک نمونہ ہے کہ آپ نے پتھر کو مارنا شروع کر دیا حالانکہ اسے شعور و ادراک نہیں تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے اٹھائے تو اس کو ادراک حاصل ہو گیا اور وہ بمنزلہ ایک جانور کے تھا۔ اور قاعدہ ہے کہ جب جانور سرکشی کرے تو مالک اسے صحیح حالت پر لانے کے لیے مارتا ہے (اس سے معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کا پتھر کو مارنا عبث فعل نہ تھا جیسا کہ بعض بد دماغ گروہ نے آپ پر عبث فعل کے ارتکاب کا طعنہ دیا ہے) لہ

(حاشیہ آگے)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

صاحبِ رُوح البیان کی مزید تحقیق

فقیر (علامہ اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ جمادات میں بھی حیاۃ حقیقی حقانی ہوتی ہے یہی اہل اللہ کا مذہب ہے اسی لیے اللہ والے جمادات سے احیاء جیسا معاملہ فرماتے ہیں ۔ مثنوی شریف میں ہے ؛

سـ

۱ باد را بے چشم اگر بینش نداد
فرق چوں میکرد اندر قوم عاد
۲ گر نبودی نیل را آں نور دید
از چہ قبطی را ز سبطی میگزید
۳ گر نہ کوہ و سنگ با دیدار شد
پس چرا داؤد را آں یار شد
۴ ایں زمیں را گر نبودی چشم جاں
از چہ قارون را فرو خورد آنچناں

ترجمہ[1] (۱) اگر اللہ نے ہوا کو آنکھ نہ دی ہوتی تو وہ قوم عاد میں کس طرح فرق کرتی !
(۲) اگر دریائے نیل کی آنکھ میں نور نہ ہوتا تو وہ قبطی و سبطی میں کیسے امتیاز کرتا !
(۳) اگر پہاڑ و پتھر میں آنکھ نہ ہوتی تو وہ داؤد علیہ السلام کے ساتھ کیسے موافقت کرتا !
(۴) اگر زمین میں روحانی آنکھ نہ ہوتی تو وہ قارون کو کیسے نگل جاتی !

(قاعدہ ردِّ وہابیہ دیوبندیہ) ہم اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام ہر عیب و نقص سے پاک ہوتے ہیں ۔ یہی مذہب اسلاف صالحین رحمہم اللہ کا ہے ۔ چنانچہ صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ نے لکھا کہ ؛)[2]

وفی القصۃ اشارۃ الی ان الانبیاء علیہم السلام لابد وان یکونوا متبرئین من النقص فی اصل الخلقۃ ۔ (ج ۶ ، ص ۲۴۰)

(اور قصہ میں یہ اشارہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام نقص و عیب سے خلقۃً (پیدائشی) طور پاک اور منزہ ہیں)

خود اللہ رب العزت ان کی برأت کے اسباب پیدا کرتا ہے اور کبھی ان کے لیے خرق عادت معجزہ

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ
[2] ایضاً

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بن جاتے ہیں جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہوا کہ پتھر کپڑے اٹھا کر بھاگا تھا جسے بنی اسرائیل نے دیکھا اور موسیٰ علیہ السلام کو عیب ونقص سے پاک پایا۔

معجزۂ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خصائص صغریٰ میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں تھا کہ آپ کا ستر کسی نے نہ دیکھا اگر کوئی دیکھ لیتا تو فوراً اندھا ہو جاتا (لیکن نہ کسی نے دیکھا نہ کوئی اندھا ہوا) له

(۳) بعض نے کہا کہ بنی اسرائیل کا موسیٰ علیہ السلام کو ایذاء دینے کا ایک سبب اور تھا وہ یہ کہ موسیٰ علیہ السلام ایک دفعہ ہارون علیہ السلام کو لے کر ایک غار میں تشریف لے گئے وہاں ایک بہترین تخت بچھا پایا ہارون علیہ السلام اس پر سوئے تو وہیں پر ان کا انتقال ہو گیا جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ہاں لوٹے تو ہارون علیہ السلام آپ کے ساتھ نہ تھے۔ بنی اسرائیل نے کہا کہ انہیں موسیٰ علیہ السلام نے شہید کر دیا ہے (معاذ اللہ) اس حسد پر کہ بنی اسرائیل کو بہ نسبت موسیٰ علیہ السلام کے ان سے زیادہ محبت تھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں بہت سمجھایا کہ بھلا کوئی اپنے بھائی کو قتل کرتا ہے اور پھر وہ میرے وزیر تھے لیکن انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی ایک نہ مانی۔ آپ نے دو رکعت نفل پڑھے اور دعا مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی کہ جس تخت پر ہارون علیہ السلام فوت ہوئے وہی آسمان سے نیچے اترا جسے بنی اسرائیل نے دیکھا کہ وہ تخت آسمان سے نیچے اتر رہا ہے تب انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی۔ موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کو تخت سے اتار کر زمین میں دفن فرمایا۔ بعض روایات میں یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں وہیں پر دفن فرما دیا لیکن بنی اسرائیل کے شور مچانے پر انہیں ہارون علیہ السلام کے مزار پر لے گئے اور دعا مانگی کہ وہ زندہ ہو جائیں۔ چنانچہ ہارون علیہ السلام زندہ ہوئے اور اپنا تمام ماجرا کہہ سنایا کہ مجھے موسیٰ علیہ السلام نے شہید نہیں کیا۔ موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی وفات کی تفصیل سورۂ مائدہ میں ہم نے بیان کی ہے وہاں دیکھ لیجئے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ امتِ مصطفویہ کو بھلائی کا شرف زمانۂ قدیم سے نصیب ہے اس لیے کہ موسیٰ علیہ السلام کو قوم نے بہت عرصہ پہلے ایذا پہنچائی اور وہ کلام اس کتاب میں مندرج ہوا۔ اور انہیں حکم ہوا کہ وہ اپنے دشمنوں کے لیے سخت تر ہوں اور آپس میں رحیم و کریم۔

حدیث شریف اسی لیے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا یؤمن احدکم حتی یأمن جارہ بوائقہ۔

(تمہارا کوئی ایک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کا ہمسایہ اس کے شر سے محفوظ نہ ہو)

له وله اضافہ از اویسی غفرلہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اورفرمایا :

• المؤمن من امنه الناس ۔

(مومن وہ ہے جس سے لوگ مامون ہوں)

لا تکونوا میں اشارہ ہے کہ وہ ایذا کی صفت سے دور ہوں۔ لیکن دشمنوں کے لیے اس صفت سے موصوف ہونا لازمی ہے اس لیے کہ یہ امت خیر امة ہے۔ اور اس میں اشارہ ہے کہ امر کن کے وقت ہر وجود اپنی مخصوص صفت سے موصوف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امر کن کے وقت جس امر کا مامور ہوا وہ اسی طرح ہوگا اور جس سے روکا گیا وہ اس سے لازماً رک جائے گا۔ حضور علیہ السلام کو فرمان ہوا!

• فاستقم کما امرت ۔

(استقامت کرو جیسے تمہیں حکم ہے)

یہی وجہ ہے کہ استقامت کی صفت میں بالخصوص موصوف تھے اور انہیں ولا تکونن من الجاهلین کہہ کر جہل سے منع کیا گیا۔ اسی وجہ سے آپ کے لیے جہل ممتنع تھا۔

تفسیر عالمانہ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق کی رعایت کرو اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی رعایت کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کے حکم کی فرمانبرداری کرنا۔ اور بندوں کے حقوق کی رعایت کا معنیٰ یہ ہے کہ انھیں ایذا نہ دینا بالخصوص نبی علیہ السلام کے حقوق کا خصوصی خیال رکھنا کہ انہیں کسی قسم کی ایذا نہ دینا۔

تقویٰ چار قسم ہے :

(۱) تقویٰ عام یہ ہے کہ وہ شرک سے بچیں۔

(۲) تقویٰ خواص یہ ہے کہ وہ معاصی سے کنارہ کشی کریں۔

(۳) اولیاء کرام میں خواص کا تقویٰ یہ ہے کہ افعال حسنہ سے وصال حق پائیں۔

(۴) انبیاء علیہم السلام کا تقویٰ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور اسی کی طرف پہنچیں۔ (قال الواسطی)

وَقُوْلُوْا شئون الیہ میں سے کسی شان میں کہو قَوْلًا سَدِیْدًا ۝ بات سیدھی یعنی مستقیم جو مائل الی الحق ہو۔ یہ سد یسد سد ادا سے ہے یعنی وہ صواب اور مستقیم ہوگیا اس لیے کہ سداد بمعنیٰ استقامت آتا ہے جیسے کہ کہا جاتا ہے :

سدد السهم نحو الرمية ۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب تیر صحیح نشانے پر لگے اور صحیح سمت سے ذرہ برابر بھی نہ ہٹے اور صدق بالذکر کے قول پر اس کا اطلاق ہوتا ہے لیکن صرف وہاں پر جہاں رضائے الٰہی مقصود ہو۔ اس میں ذرہ بھر کی ملاوٹ ہو نہ کذب کا شائبہ۔ اس لیے تقویٰ یعنی نفس کو ان امور سے بچانے کا نام ہے جو

For More Books Click On Link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سزا کے مستحق بنائیں۔ معاملہ کسی فعل کے ارتکاب سے متعلق ہو یا رکنے سے۔ تقویٰ کی وجہ سے ان امور کا ارتکاب نہیں کیا جاتا جو سزا کا مستحق بنائیں۔ اس تقریر پر قول سدید تقویٰ میں داخل نہ ہوگا بلکہ وہ ایک علیحدہ مستقل امر ہوگا۔ بعض کے نزدیک القول السدید تقویٰ میں داخل ہے اس کا علیحدہ ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ تقویٰ کا بہت بڑا رکن ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ اس کے متعلق قولِ فیصل یہ ہے کہ السدید اس سچی بات کو کہا جاتا ہے جس میں کذب کا شائبہ تک نہ ہو۔ قول مبنی بر صواب ہو اس میں خطا کا بالکل احتمال نہ ہو۔ اس میں پختہ یقین ہو۔ وہم یا مزاح کا گمان بھی نہ ہو۔ اس میں انہیں روکا گیا ہے کہ بی بی زینب کے معاملہ میں معمولی سے معمولی تبصرہ بھی نہ کریں اس لیے کہ ان کے متعلق معمولی سی بات کرنے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا کا موجب ہے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے مسلمانو! تم افک کے واقعہ کی طرح بی بی زینب کے متعلق جھوٹ مت بولو۔ نہ صرف بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے واقعہ میں بلکہ اپنے ہر معاملے میں سچ کو اپنا شیوہ بناؤ اس لیے کہ زبان کی حفاظت کرنا اور سچی بات بولنا ہر بھلائی کی اصل ہے۔

حکایت یعقوب بن اسحاق المعروف بابن السکیت اکابر علمائے عربیہ سے ہیں۔ ایک دن متوکل باللہ خلیفہ عباسی کے پاس بیٹھے تھے کہ ان کے دو بیٹے معتز باللہ و مؤید باللہ آ گئے۔ متوکل نے ان سے پوچھا: تجھے میرے یہی دو بیٹے زیادہ محبوب ہیں یا حسن و حسین رضی اللہ عنہما۔ انہوں نے فرمایا: بخدا مجھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا غلام قنبر تجھ سے اور تیرے دونوں بیٹوں سے محبوب تر ہے۔ متوکل باللہ نے عداوتِ علی رضی اللہ عنہ کی وجہ سے حکم دیا کہ ابن السکیت کی زبان گدی سے نکال لی جائے۔ ایسے ہی کیا گیا جس سے ابن السکیت فوراً فوت ہو گئے۔ عجیب تر یہ کہ ابن السکیت معتز باللہ و مؤید باللہ کے استاد تھے۔ انہوں نے ایک دن پہلے یہ اشعار اپنے شاگردوں کو پڑھ کر سنائے۔

؎

یصاب الفتی من عثرة بلسانه
ولیس یصاب المرء من عثرة الرجل
فعثرته فی القول تذهب رأسه
وعثرته فی الرجل تبرا علی مهل

ترجمہ: انسان کو جتنا زبان کے پھسلنے سے دکھ پہنچتا ہے اُتنا پاؤں کے پھسلنے سے نہیں پہنچتا۔ اس لیے زبان کے پھسلنے سے بسا اوقات گردن اڑ جاتی ہے اور پاؤں کے پھسلنے کی تکلیف چند دنوں کے بعد رفع ہو جاتی ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

يُصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ تمہارے اعمال کی اصلاح فرمائے گا یعنی تمہیں اعمال صالحہ کی توفیق بخشے گا۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ تمہارے اعمال قبول کر کے ان پر ثواب عطا فرمائے گا۔ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ اور تمہارے گناہ بخش دے گا یعنی تمہارے قول و فعل میں استقامت کو تمہارے گناہوں کا کفارہ بنائے گا۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ جسے اللہ تعالیٰ اعمال صالحہ کی توفیق بخشتا ہے تو اس کے گناہ بھی معاف فرما دیتا ہے۔

مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر و نواہی کی اطاعت کرتا ہے۔ تکلیفاتِ الٰہیہ بھی اوامر و نواہی میں داخل ہیں۔ طاعت بمعنے امر کی موافقت اور معصیت بمعنے امر کی مخالفت فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ تو وہ شخص دارین میں کامیاب ہوگا۔

حلِ لغات: الفوز بمعنے الظفر مع حصول السلامة یعنی حصولِ سلامت کے ساتھ کامیاب ہونا۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرماں بردار دنیا میں محمود ہو کر گزارے گا اور آخرت میں مسعود ہوگا۔ یا وہ ہر خوف و غم سے نجات پا جائے گا اور جو کچھ چاہے گا پائے گا۔

تفسیرِ صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ ایمان تقویٰ کے بغیر نامکمل ہے۔ توحیدی عقیدہ اور جدوجہد سے حدودِ الٰہی کی حفاظت کا نام تقویٰ ہے اور تقویٰ تو اعمال صالحہ اور قولِ سدید سے حاصل ہوتا ہے۔ قولِ سدید سے لا الٰہ الا اللہ مراد ہے تو اس کلمہ پر شرائط مداومت کی جائے يصلح لكم تو تمہارے اعمال تقویٰ کی اصلاح ہوگی یاد رہے اقوال کی اصلاح سے اعمال کی اصلاح نصیب ہوتی ہے اور ان دونوں کی اصلاح اصلاحِ احوال کا سبب ہے اور اصلاحِ احوال يغفر لكم ذنوبكم میں مذکور ہے۔ گناہوں کی مغفرت کا معنیٰ یہ ہے کہ اعمال کی اصلاح کے بعد حجابات اٹھ جاتے ہیں یعنی مغفرت ربانیہ کے نور سے ظلمانی حجابات رفع ہو جاتے ہیں ومن يطع الله یعنی اوامر و نواہی میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے ورسوله اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی کے مطابق صراطِ مستقیم پر چلتا ہے فقد فاز فوزا عظیما تو وہ بہت زیادہ کامیاب ہوگا یعنی حجاباتِ وجودیہ سے نکل کر وجود و ہویت کی فنا نصیب ہوگی اور بقائے ربوبیت کی بقا پائے گا۔

دوسری تفسیر بعض صوفیاء کرام نے فرمایا کہ من يطع الله کا معنیٰ یہ ہے کہ جو بندۂ خدا تزکیۂ نفس اور محو صفات میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا ہے فقد فاز تو وہ تحلیۂ الٰہی سے کامیابی پائے گا بلکہ صفاتِ الٰہیہ سے موصوف ہوگا۔ اور حقیقی کامیابی [illegible] نصیب ہو جائے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حدیث شریف

صحیح مسلم شریف میں ہے حضرت جابر سے مروی ہے کہ:

اما بعد فان خیر الحدیث کتاب اللّٰہ تعالیٰ و خیر الھدی ھدی محمد۔

(اما بعد بہترین گفتگو اللہ تعالیٰ کی کتاب اور بہترین سیرت سیرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے)

یعنی بہتر رہبری وہی ہے جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

فائدہ صوفیانہ

یاد رکھیے کہ افعال و صفات و ذات کے مراتب توحید حاصل کرنے کا نام اطاعتِ الٰہی اور شریعت پر ثابت قدم رہنا اطاعتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اس لیے کہ بجز وجود اور ظلمتِ شرک سے نجات پانا یا تو نورِ کشف سے نصیب ہوتا ہے یا شریعت کی کشتی پر سوار ہونے سے نورِ کشف یوں نصیب ہوگا کہ اسے اللہ تعالیٰ کی مدد سے طلب کرے یہاں تک کہ اسے وہ نور حاصل ہوگا لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر ہے جسے چاہے عطا فرمائے۔ اور دوسرا یعنی شریعت کی رسی کو مضبوط پکڑنا، یہ وحدانیت کے اقرار اور ایمان تقلیدی اور شریعت کے ظاہری امور پر عمل کرنے سے حاصل ہوگا۔

حکایت امام احمد حنبل رضی اللہ عنہ

حضرت امام احمد حنبل رضی اللہ عنہ ایک بے عمل قوم میں رہتے تھے جو حمام میں ننگے نہاتے تھے۔ لیکن آپ شریعت کی پابندی کرتے تھے۔ آپ کو خواب میں کہا گیا کہ ہم نے آپ کو اس لیے امامِ وقت بنایا ہے کیونکہ آپ شریعت کی سختی سے پابندی کرتے ہیں۔

حکایت دیگر

منقول ہے کہ جب بغداد میں معتزلہ نے خلقِ قرآن کے مسئلہ میں غلبہ پایا تو خلیفۂ وقت کے حکم سے حضرت امام احمد حنبل رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر لیا گیا جب خلیفہ کے دیوانِ صدر میں داخل ہونے لگے تو دربان نے کہا کہ امام صاحب! ثابت قدم رہنا، کامیاب ہو گے۔ چنانچہ میں نے ایک دفعہ چوری کی اور گرفتار کر لیا گیا مجھے ایک ہزار ڈنڈے مارے گئے تو بھی میں نے چوری نہ بتائی حتیٰ کہ مجھے رہا کر دیا گیا۔ جب میں نے ایک غلط کام پر استقامت کی تو کامیابی سے ہمکنار ہوا آپ تو حق پر ہیں استقامت کریں گے تو کامیاب ہو جائیں گے۔

حضرت امام احمد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اس کی اس بات سے بہت متاثر ہوا۔ اگرچہ امام صاحب بوڑھے اور کمزور و ناتواں تھے۔ ظالموں نے آپ کے دونوں ہاتھ پاؤں جکڑ دیے اور ہزار دُرّے زور سے مارے اور کہتے: کہو قرآن مخلوق ہے۔ لیکن آپ نے یہ کلمۂ کفر زبان پر جاری نہ کیا، حتیٰ کہ غیبی امداد آئی اور آپ کی کمر کی زنجیر کھل گئی اور ہاتھ بھی بندھے ہوئے تھے، غیبی ہاتھ نے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ہاتھ کی زنجیر بھی کھول دی۔ شریعت کے اس امر کی پابندی کی وجہ سے آپ کی یہ کرامت ظاہر ہوئی۔ ایک دفعہ آپ نے حمام میں ننگے نہانے کے ارادے سے کمر بند کھولا اور سوچا کہ ننگا نہاؤں لیکن ساتھ ہی خیال گزرا کہ مخلوق نہیں دیکھ رہی خالق تو دیکھ رہا ہے اس لیے ننگا نہیں نہانا چاہیے۔ چنانچہ فوراً کمر بند باندھ لیا۔ جب ظالموں نے آپ کی (مذکورہ بالا) کرامت دیکھی تو آپ کو رہا کر دیا۔

۱ در رہِ حق کشیدہ اند بلا
این بلا شد سبب بقرب و ولا
۲ صبر و تقویٰ و طاعت مولیٰ
نزد عارف زہر شرف اولیٰ

ترجمہ: (۱) ان حضرات نے راہِ حق میں مشقتیں اٹھائی ہیں۔ یہی مشقتیں ان کے لیے قرب اور حق کی دوستی کا سبب بنی ہیں۔

(۲) عارف باللہ کے نزدیک ہر شرف اور بزرگی سے صبر و تقویٰ اور طاعتِ الٰہی بہتر ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّا یہ نون جمع علماء کے نزدیک عظمت و کبریائی کا ہے اس لیے کہ بادشاہ اور عظما جب اپنے لیے کوئی بات کہتے ہیں تو اپنے آپ کو صیغہ جمع سے تعبیر کرتے ہیں اور عارفین کے نزدیک یہ نون اسماء و صفات کا ہے اس لیے کہ اسماء و صفات متعدد و متکثر ہیں

عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ۔

حلِ لغات عرض لی امر کذا بمعنی ظہر۔ اور عرضت لہ الشئی بمعنی اظہرتہ لہ و ابرزت الیہ۔ اور کہا جاتا ہے:

عرضت الشئی علی البیع۔

اور کہتے ہیں: عرض الجند۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو لشکر کا امیر بنایا جائے اور اس کے ذمہ لگایا جائے کہ وہاں کی نگرانی کرے اور امانت خیانت کی نقیض ہے۔ یہاں پہ ہر وہ شے مراد ہے جو امانت کے طور رکھی جائے۔

امانت کے تین مراتب ہیں:

امانت کے مراتب (۱) تکالیف شرعیہ و امور دینیہ کہ جن کی نگرانی ضروری ہے اسی لیے انہیں امانت سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ ان کا وجود لازمی ہے جیسا کہ امانت لازمۃ الاداء ہے ایسے ہی یہ ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ف: والارشاد میں ہے کہ تکالیف شرعیہ کو امانت اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کے حقوق کی رعایت لازمی ہے اور ان امور کو اللہ تعالیٰ نے مکلفین کے ہاں امانت رکھا ہے اور ان پر انہیں امین بنایا جاتا ہے۔ انہیں حکم فرمایا ہے کہ انہیں احسن طریق سے طاعت سمجھ کر فرمانبرداری کے طور ادا کریں اور امر فرمایا ہے کہ وہ ان کی رعایت اور پورے طور محافظت کریں اور انہیں اسی طرح ادا کریں جیسے ان کی ادائیگی کے حقوق ہیں۔

امانت کیا ہے علماء کرام نے فرمایا کہ امانت سے عقل مراد ہے اس لیے کہ انسانی طاقت کے مطابق امور کا علم اسی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے اور انسانی طاقت کے موافق اسی کے ذریعے وہ افعال صادر ہوتے ہیں جو اچھے ہیں۔ اسی کی وجہ سے انسان کو بہت سی مخلوق سے فضیلت حاصل ہے۔

توحید بھی امانت ہے عقل کے حصول کے بعد توحید بھی انسان کو امانت کے طور نصیب ہے، ایسے ہی ایمان بالیوم الآخر اور نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، جہاد، سچی بات، فضول باتوں سے زبان کی حفاظت، امانتوں کی حفاظت۔ سب سے زیادہ سخت کام اسرار کو پوشیدہ رکھنا ہے۔ قرض کی ادائیگی، بھر تول وغیرہ میں عدالت، جنابت سے غسل، اعمال میں نیک نیتی، طہارت فی الصلوٰۃ، خلوت میں نماز اچھی طرح ادا کرنا، بلاؤں پر صبر کرنا، نعمتوں پر شکر کرنا، وعدہ کا ایفاء، حدود الٰہی کا قیام اور فرج و ذکر کی حفاظت۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے انسانی اعضاء میں سب سے پہلے اسے پیدا کیا اور فرمایا کہ یہ وہ شے ہے جسے میں تمہارے اندر بطور امانت رکھ رہا ہوں۔ کان، آنکھ اور ہاتھ اور پاؤں اور حروف تہجی کی حفاظت، جیسا کہ امام راغب نے المفردات میں نقل فرمایا ہے مومن معاہد پر لازم ہے کہ وہ ہر قلیل و کثیر شے میں خیانت نہ کرے۔ علاوہ ازیں مواثیق و عہود کی حفاظت ضروری ہے جس کے متعلق نگہبانی کا حکم اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں ارواح سے معاہدہ لیا اور بطور امانت یہی امور عطا فرمائے پھر ان کو جوہری جادی جسے حجر اسود کہا جاتا ہے میں چھپا کر رکھ دیا۔ اور اسے اسود اس لیے کہتے ہیں کہ وہ تمام پتھروں کا سردار ہے اور ان مواثیق و عہود کو حجر اسود نے لقمہ کے طور نگل لیا۔ اسی لیے حجر اسود کو امین اللہ کا لقب ملا ہے اس لیے کہ یہ اس ازلی امانت کا محافظ ہے۔

عشق بھی امانت ہے امانت کے دوسرے مرتبہ کا نام عشق و محبت ہے۔ در اصل یہ انجذاب الٰہی ہے جسے امانت اولیٰ کا ثمرہ کہا جاتا ہے۔ اسی عشق کی وجہ سے انسان کو ملائکہ پر فضیلت حاصل ہے اس لیے کہ اگرچہ ملائکہ کو درجۂ محبت نصیب ہوا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

لیکن ان کی محبت و عشق بلا و محنت و تکالیف شاقہ پر مبنی نہیں بخلاف انسان کے عشق و محبت کے کہ وہ مبنی بر تکالیف شاقہ ہے اور قاعدہ ہے کہ ترقی تکالیف و شاق و بلایا پر موقوف ہے۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے کیا خوب فرمایا: ؎

شب تاریک و بیم موج و گردابے چنیں ہائل
کجا دانند حال ما سبکساران ساحل ہا

ترجمہ: شب تاریک اور بیم موج اور گرداب ایسے خوفناک ہیں کہ مجھ جیسے کم عقل ایسے ساحل کو کیسے معلوم کر سکتے ہیں!

شرح بیت مذکور شب تاریک، جلال ذات اور بیم موج سے صفات قہر کا خوف اور گرداب سے بحر عشق کے موتی جنہیں عارفین امتحانات سخت اور برازخ خوفناک سے تعبیر کرتے ہیں۔ سبکساران سے زہاد و ملائکہ مراد ہیں اس لیے کہ یہ حضرات بحر عشق کے کنارے پر ہیں انہیں اس کے اندر جانا نصیب نہیں ہوتا بلکہ وہ طاقت و عبادت مجردہ میں وقت بسر کر لیتے ہیں اور وہ عبادت مجردہ امانت کی پہلی قسم ہے۔ ذیل کے شعر میں اسی طرف اشارہ ہے: ؎

فرشتہ عشق نداند کہ چیست قصہ مخوان
بخواہ جام گلابے بخاک آدم ریز

ترجمہ: عشق کو فرشتہ نہیں جانتا، اسے آگے نہ بڑھا جام کا گلابی پیالہ لے کر آدم پر ڈال دے۔

حضرت جامی قدس سرہٗ کا مندرجہ ذیل شعر بھی اسی طرف اشارہ کرتا ہے: ؎

ملائک را چہ سود از حسن طاعت
چو فیض عشق بر آدم فرو ریخت

ترجمہ: حسن طاعت سے ملائکہ کو کیا فائدہ جبکہ عشق کا فیض اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام پر ڈالا۔

ف: لوامع میں ہے کہ یہ عجیب بات ہے کہ عشق عالم بشریت میں ہے اور یہ عشق ملکیت کے ملک میں نہیں اگرچہ وہ معصوم اور لطف الٰہی کے پروردہ ہیں اور محبت و عشق میں درد و الم نہ ہو تو اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ آدم علیہ السلام کو عشق کی وجہ سے اتجعل فیہا من یفسد فیہا سے مطعون کیا گیا اور آدم کو انہ کان ظلوما جہولا کا سرمایہ ملا اور ملائکہ کی طاقت کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنے ایک پر سے کائنات کو تو چھپا سکتے ہیں لیکن بار امانت نہ اٹھا سکے اور یہ آدم زادہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

جس کی حالت یہ کہ چند ہڈیوں اور گوشت پوست سے مرکب لیکن دلیرانہ امانت کو سر پر رکھ لیا اس سے ثابت ہوا کہ یہ دلیر ہے تو اپنے دل کی وجہ سے ۔ اور قاعدہ ہے کہ جتنا بوجھ دل اٹھا سکتا ہے بدن اس سے عاجز ہے ۔

(۳) امانت کے تیسرے مرتبے کا نام فیضِ الٰہی ہے جو بلا واسطہ کسی کو نصیب ہوتا ہے اسے امانت سے اسی لیے تعبیر کیا گیا کہ یہ بھی منجملہ صفاتِ الٰہیہ سے ہے اسے کوئی بھی اپنے طور حاصل نہیں کرسکتا اور یہ حجب وجودیہ جسے ظلومیت وجہولیت سے تعبیر کیا گیا ہے سے فارغ ہونے پر حاصل ہوتا ہے اس کے بعد فنا فی وجود الوہیت اور بقاء ببقاء الربوبیت کا مقام نصیب ہوتا ہے اور یہ مقام مرتبۂ ثانیہ کا نتیجہ ہے اور اسی کی غایت اس مرتبہ پر ہے اس لیے کہ عشق مقام محبت صفاتیہ سے اور فیضِ الٰہی اور فنائیت مقام محبوبیت ذاتیہ سے ہے ۔ اسی مقام پر قلب سے ایک طفل پیدا ہوتا ہے وہی زمین پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہوتا ہے، اسی کو امانت کا حامل کہا جاتا ہے ۔

ف : پہلا مرتبہ عوام کا، دوسرا خواص کا، تیسرا اخص الخواص کا ہے ۔ پہلا مرتبہ دوسرے مرتبے کی راہ ہے اور دوسرا تیسرے کی ۔ اس مرتبہ کا راز وہی پا سکتا ہے کہ جو بیتِ حق میں دروازے سے آتا ہے ۔ یاد رہے کہ امانت کے جتنے وجوہ مفسرین نے بیان کیے ہیں سب حق ہیں ۔

ف : امانت کا مرتبہ اولیٰ امانت کے لیے بمنزلہ ظرف اور برتن کے ہے اور دوسرے مرتبہ میں امانت کا مغز ہے، تیسرے میں مغز کا مغز ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت ہو تو یہ تینوں مراتب حاصل ہو سکتے ہیں ۔ اس کی کرم نوازی ہو تو انسان اپنے مطالب کو پہنچ سکتا ہے ۔

ف : آیت میں السمٰوٰت والارض والجبال سے واقعی آسمان و زمین و پہاڑ اور ان میں رہنے والے مراد ہیں اس لیے کہ انسان کا بار امانت اٹھانے کے لیے تیار ہونے کا تقاضا یہی ہے کہ جن کے ہاں امانت پیش کی گئی ہے وہ اس کے ماسوا جملہ موجودات مراد ہوں، وہ حیوان ہو یا اس کا غیر ۔ یہاں پر جبل کی تخصیص اسی لیے ہے کہ اجسام میں یہی سخت اور ثابت اور قوی ترین ہے چنانچہ لولاک لما خلقت الافلاک میں افلاک کی تخصیص ہے اس لیے کہ وہی اعظم الاجسام ہے ۔ اسی لیے فابوا نہیں فرمایا کہ وہ ذوی العقول کے لیے آتا ہے ۔

سوال : سمٰوٰت وغیرہا میں جمادات وغیرہ ہیں اور جمادات میں ادراک نہیں ہوتا ۔ جب انہیں ادراک نہیں تو پھر ان کے لیے امانت پیش کرنے کا کیا معنیٰ !

جواب : علماء کرام نے دو جواب لکھے ،

(۱) حقیقی معنیٰ پر محمول ہے ۔ اہلسنّت کے مذہب میں یہی مناسب تر ہے اس لیے کہ وہ ایسے مقامات پر تاویل جائز نہیں سمجھتے بلکہ اپنے حقیقی معنے پر محمول کرتے ہیں معتزلہ اس کے خلاف ہے ۔ اسے حقیقی معنے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

پر محمول کرنے میں بھی دو تقریریں ہیں۔ ایک معنی دوسرے معنے سے دقیق تر ہے۔ جمادات میں حقیقی حیات کے دلائل یہ ہیں:

(i) الم تر ان اللہ یسجد لہ من فی السمٰوات و من فی الارض والشمس والقمر و النجوم والجبال والشجر والدواب۔

(کیا نہیں دیکھتے ہو کہ بیشک اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرتے ہیں وہ جو آسمانوں میں ہیں اور وہ جو زمینوں میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور جانور)

(ii) ائتیا طوعا اوکرھا قالتا اتینا طائعین۔

(آؤ خود بخود یا مجبور ہو کر عرض کی ہم آئیں گے خود بخود)

(iii) وان منھا لما یھبط من خشیۃ اللہ

(بیشک ان میں بعض وہ ہیں جو گرتے ہیں خوفِ الٰہی سے)

(iv) وان من شیٔ الا یسبح بحمدہ۔

(کوئی شے ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح حمد کے ساتھ نہ کرتی ہو)

(v) کل قد علم صلاتہ وتسبیحہ۔

(ہر شے نے اپنی نماز اور تسبیح معلوم کر لی)

ف: حضرت شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا کہ اکثر عقلاء بلکہ سب کے سب فرماتے ہیں کہ جمادات کو عقل نہیں اس پر وہ اپنی بصارت کے مطابق لکھتے ہیں لیکن عقلاء کا خیال غلط اور باطل غلط ہے وہ ہم اہلسنت کی اس دلیل کو ٹھکرا دیتے ہیں جب ہم کہتے ہیں کہ پتھروں نے نبیوں ولیوں سے گفتگو کی۔ وقتی طور پر اللہ تعالیٰ نے ان میں حیات پیدا کی تھی۔ ہم کہتے ہیں کہ حیات تو عالم کائنات کے ذرہ ذرہ میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ ہماری دلیل حدیث شریف میں ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان کل شیٔ سمع صوت المؤذن من رطب ویابس یشھد لہ۔

(جب مؤذن اذان دیتا ہے تو ہر خشک و تر جسے سنتی ہے اور (قیامت میں) مؤذن کی اذان کی گواہی دیں گی)

اور ظاہر ہے کہ گواہی وہی دے گا جسے علم ہوگا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام جنات اور انسانوں سے جمادات کے حیوٰۃ سے ادراک سلب فرما لیا ہے ہاں اللہ تعالیٰ جس کی آنکھ کھول دے جیسے ہم لوگ اور ہم جیسے اولیاء اللہ کو اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی سے جمادات کی حیوٰۃ کا علم ہے بلکہ ہم اس پر کسی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

دلیل کے محتاج نہیں اس لیے کہ حق تعالیٰ نے ہمیں کشف کی قوت بخشی ہے کہ ہم ان کی حیات کو جانتے ہیں اور ان کی تسبیح اور ان کی گفتگو کو ہم سنتے ہیں ایسے ہی جب پہاڑ پر تجلی حق کا اثر ہوا تو پہاڑ سے آواز آئی۔ یہ بھی اس کی حیات کی دلیل ہے اس لیے کہ اسے عظمت الٰہی کا علم تھا اگر اسے عظمت الٰہی کا علم نہ ہوتا تو اس کی آواز سنائی نہ دیتی۔

مصنف کے شیخ کی تقریر

ہمارے شیخ اور پیرو مرشد قدس سرہٗ نے ایک دفعہ ہم سب کو روزہ کے افطار کے وقت بلایا۔ جب ہم سب مل کر آپ کے سامنے بیٹھے تو آپ کے سامنے پانی اور کیک لایا گیا آپ بڑھاپے کی وجہ سے آخری عمر میں کیک کھایا کرتے تھے۔ آپ نے اثنائے افطار میں فرمایا کہ اس روٹی میں بھی حیاۃ حقیقی ہے اس کا جسم ہمارے اجسام کو قوت دیتا ہے اور اس کی روح ہماری روح کو طاقت بخشتی ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

علم و حکمت زاید از لقمۂ حلال
عشق و رقت آید از لقمۂ حلال

ترجمہ: لقمۂ حلال سے علم و حکمت پیدا ہوتی ہے لقمۂ حلال سے عشق و رقت پیدا ہوتی ہے۔

پھر فرمایا کہ ہر موجود میں روح ہے روح حیوانی یا حقانی۔ میت کو بھی ایک اور روح حیوانی عطا ہوتی ہے جو اس روح حیوانی کی غیر ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس میت کو بلائے تو وہ بول پڑے گی۔ اس میت کا بولنا اسی دوسری دلیل کی وجہ سے ہے نیز آیت،

وان من شئ الا یسبح بحمدہٖ

دلالت کرتی ہے کہ ہر شجر و حجر وغیرہ میں روح ہے۔ اگر ان میں روح نہ ہو تو وہ تسبیح کیسے پڑھتی ہیں! دیکھئے داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑ تسبیح پڑھتے تھے اور سلیمان علیہ السلام کے تخت کو ہوا اٹھا کر چلتی تھی۔ قارون زمین میں دھنس گیا یعنی اسے زمین نے کھینچا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں شوکا ستون بول پڑا اور پتھروں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پڑھا۔ علاوہ ازیں بے شمار دلائل قائم کیے جا سکتے ہیں۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

۱ چوں شما سوے جمادی می روید
محرم جان جمادان چون شوید
۲ از جمادی عالم جانہا روید
غلغل اجزاے عالم بشنوید

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۳ چون ندارد جان تو قندیلہا
بہر بینش کردهٔ تاویلہا

ترجمہ (۱) جب تم ڈھیلوں پتھروں کی طرف جاؤ، جب تم ان کی جانوں کے محرم راز ہوگے

(۲) جب ڈھیلوں پتھروں سے ان کی ارواح کے ملک میں جاؤ گے تو ان کے جہان میں ذکر الٰہی کا بہت شور سنو گے۔

(۳) چونکہ تیری روح روشنی نہیں رکھتی اس لیے تو ہزاروں تاویلیں کرتا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ قادر ہے اس نے عقل وفہم کو جمادات مذکورہ میں پیدا فرمایا اس کے بعد ان کے سامنے امانت پیش فرمائی جیسے نمل سلیمانیہ اور ہدہد و دیگر طیور و وحوش و سباع بلکہ جملہ حجر و شجر اور مٹی کے ذرہ ذرہ میں عقل وفہم پیدا فرمائی۔ اسی عقل وفہم کی وجہ سے ان اشیاء نے خطاب الٰہی سنا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے انہیں طاقت بخشی جس سے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کا جواب دیا۔ مثلاً انہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تم میری اس امانت کو اٹھاؤ گے جس پر تمہیں عمل کرنے کا ثواب بہشت کی نعمتیں نصیب ہوں گی اگر خلاف کرو گے تو عذاب اور جہنم کی آگ میں تمہیں دھکیلا جائے گا۔

فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا۔

حل لغات الاباء یعنے سخت امتناع۔ ہر امتناع اباء ہے اور ہر امتناع اباء نہیں (یعنی ان سب نے امانت کے بوجھ اٹھانے سے انکار کیا۔

وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا۔

حل لغات المفردات میں ہے کہ الاشفاق یعنے وہ عنایت جس میں خوف ہو اس لیے کہ جس پر شفقت کی جائے اس سے شفقت کرنے والا محبت کرتا ہے اور اسے خوف ہے کہ اسے کوئی پریشان امر نہ ستائے۔ جب یہ مِنْ سے متعدی ہوتا ہے تو اس وقت خوف کا معنی زیادہ ظاہر ہوتا ہے اور جب لفظ علیٰ سے متعدی ہو تو اس وقت عنایت کا معنی زیادہ ظاہر ہوتا ہے۔ جیسا کہ تاج المصادر میں ہے:

الاشفاق: ترسیدن و مہربانی کردن۔

(الاشفاق: ڈرنا اور مہربانی کرنا)

اور علیٰ کے ساتھ متعدی ہو تو بھی دونوں معنے رہے گا۔ ان میں کوئی فرق نہ آئے گا۔

اب معنے یہ ہوا کہ امانت اور اس کے اٹھانے سے ہمیں خوف ہے اور کہا اے رب کریم! ہم تیرے حکم کے پابند ہیں نہ ہمیں ثواب کی ضرورت ہے نہ عذاب کی۔ یہ جواب انہوں نے از راہ معصیت

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

نہیں بلکہ اس خوف وخشیت سے کہ ان سے امانت کے حقوق ادا نہ ہوسکیں گے تو عذاب میں مبتلا ہوجائیں گے اگر انھیں اللہ تعالیٰ کی وسعتِ رحمت پر بھروسا اور اس کی معرفت و استعداد ہوتی تو وہ ہرگز انکار نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ کا امانت کا پیش کرنا ایجاباً والزاماً نہ تھا بلکہ اختیاراً تھا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے امر ایجابی والزامی کی مخالفت وانکار سزا کا موجب بنتا ہے اور درجات عالیہ سے ساقط الاعتبار کا سبب ہوتا ہے ان کے انکار وابا پر اللہ تعالیٰ کا زجر و توبیخ نہ کرنا دلالت کرتا ہے کہ یہ امر ایجابی والزامی نہیں بلکہ اختیاری تھا۔

سوال : یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ امانت جسم نہیں لیکن اسے حمل سے تعبیر کیا گیا ہے اور حمل اجسام کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب : یہ بطورِ تقدیر اور تمثیل کے قبیل سے ہے چونکہ ان میں امانت کے بوجھ اٹھانے کی استعداد تھی اسی لیے ان کے سامنے پیش کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے تاکہ امانت کا عظیم الشان ہونا معلوم ہو اور انہیں اس کے قبول کرنے کی رغبت ہو اور ان میں استعدادِ عدمِ قبول بھی تھی اس لیے اسے اباء و اشفاق سے تعبیر کیا گیا تاکہ معلوم ہو کہ امانت ایک عظیم امر ہے اور اسے وہ عظمت حاصل ہے کہ اس سے خوف کیا جائے۔ پھر اسے حمل سے اسی لیے تعبیر کیا گیا کہ جیسے اجسام ثقیلہ کے اٹھانے کے لیے بہت زیادہ طاقت وقوت کی ضرورت ہے ایسے ہی اس امانت کو اٹھانا بھی کسی مردِ میدان کا کام ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ یہ امانت ایک ایسی عظیم المرتبت شے ہے کہ بفرضِ محال اگر ان بڑے بڑے پہاڑوں اور آسمانوں اور زمینوں اور ان کے مکینوں کے سامنے پیش کی جاتی تو انکار کر جاتے اور اس کے اٹھانے سے ڈر جاتے۔ اس تقریر پر مطلب صاف ہے کہ سرے سے امانت ان کے سامنے پیش ہی نہیں کی گئی لیکن فرضی امر کو حقیقی رنگ میں بیان کیا گیا ہے اس لیے کہ تمثیل میں معنیٰ مقصود زیادہ محقق اور زیادہ واضح ہوتا ہے وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اور اس امانت کو جب انسان کے سامنے پیش کی گئی تو اس نے بلا توقف و تاخیر اٹھالی۔ یہاں پر انسان کی جنس مراد ہے جیسا کہ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا سے معلوم ہوتا ہے۔ یعنی باوجودیکہ انسان نہایت کمزور اور قوت کے لحاظ سے بالکل ضعیف تھا لیکن اس نے اسے ہمت کرکے اٹھالیا اور کسی شے کے اٹھانے کے لیے ہمت ضروری ہے بسا اوقات قوت وطاقت کے فقدان کے باوجود ہمت کی وجہ سے شے کو اٹھا لیا جاتا ہے۔

ف : الارشاد میں ہے کہ یہاں پر حمل بمعنیٰ قبول ہے یعنی چونکہ اس میں استعداد فطری تھی اور میثاق میں اس نے بلیٰ کہہ کر وعدہ بھی کر لیا تھا اسی لیے امانت کے اٹھانے کا اعلان سنتے ہی اسے فوراً قبول کر لیا جب انسان نے امانت کو اٹھا لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے انعام میں یوں فرمایا: وحملناھم فی البر والبحر۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اس لیے کہ تقاضا ہے۔ ھل جزاء الاحسان الا الاحسان۔

مسئلہ سمجھیے اسے یوں سمجھیے کہ ایک درخت ایسا ہو کہ اس کی جڑ مضبوط اور اس کی شاخیں بہت زیادہ۔ لیکن پھل چھوٹا جیسے آم۔ دوسرا وہ درخت نہایت ضعیف اور کمزور لیکن اس کا پھل بہت موٹا جیسے خربوزہ یا کدو وغیرہ۔ یہی وجہ ہے کہ کمزور درخت اپنے پھل کو نہیں اٹھا سکتا۔ لیکن انسان نے کمزور ہونے کے باوجود بہت بڑا بوجھ اٹھا لیا۔ یہی اس کا کمال ہے۔ اسی لیے مشائخ فرماتے ہیں کہ اے انسان! تو نے اپنے بوجھ کو سر پر تو اٹھا لیا لیکن اسے احسن وجوہ سے نبھا تاکہ خلق خدا کو معلوم ہو کہ تجھ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل و احسان ہے کہ تیرے ضعف و کمزوری پر رحم فرما کر تجھے اتنا بڑا بوجھ اٹھانے کی توفیق بخشی، اور تیرے ہی لیے فرمایا۔ وحملناھم فی البر والبحر۔

خلاصہ کلام یہ کہ بلاواسطہ قبول فیض الٰہی اور عشق صرف انسان کے ساتھ مخصوص ہے۔ باقی تمام مخلوق اس نعمت سے محروم رہی وہ اس لیے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کا مخلوق پر چھڑکا جو صرف انسان کو نصیب ہوا۔ لیکن جس روح کو اس نور کے چھینٹے نصیب ہوئے وہ بلاواسطہ قبول فیض الٰہی و عشق کا مستند ہوا۔ اس سے ثابت ہوا کہ عشق اور فیض الٰہی جملہ مخلوق کے سامنے پیش کیا گیا لیکن اسے اٹھایا تو صرف انسان نے، وہ اس لیے کہ جملہ مخلوق بمنزلہ جسم کے اور انسان بمنزلہ قلب کے ہے۔ اس کی مثال انسانی روح کی ہے کہ وہ جسم کے ایک ایک ذرہ کے سامنے پیش ہوا لیکن تمام جسم نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا تو قلب نے ہی اٹھا لیا۔ اسی وجہ سے اب روح کے نور کا عکس جملہ اجسام پر پڑتا ہے تو قلب کے واسطہ سے، ایسے ہی عشق و فیض الٰہی کی جملہ مخلوق محتاج ہے لیکن یہ انسان کے ذریعہ سب کو ملتا ہے۔ وہ مخلوق عالم ملک کی ہو یا عالم ملکوت کی۔ عالم ملک سے عالم دنیا مراد ہے۔ ظاہر ہے کہ عالم دنیا کو جو کچھ مل رہا ہے وہ انسان کی بدولت۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک دنیا میں انسان موجود ہے دنیا آباد ہے جب انسان یہاں سے چلا جائے گا تو دنیا بھی مٹا دی جائے گی اور عالم ملکوت بھی اگرچہ امر کن سے ظاہر ہوا اور عالم ملکوت کو عالم باطن یعنی آخرت سے تعبیر کیا جاتا ہے اسے بھی فیض الٰہی حاصل ہوگا تو روح انسان کی وجہ سے۔

یاد رہے کہ تخلیقی کام سب سے پہلے انسان کی روح سے شروع ہوا۔ اسی معنے پر امر کن سے تجلی الٰہی کا تعلق براہ راست روح انسان سے متعلق ہوا، اس کے بعد عالم ملکوت کو نصیب ہوا۔ اس سے ثابت ہوا کہ عالم کون کا ظاہر ہو یا باطن، سب کا سب انسان سے آباد ہے۔ خلافت صرف انسان کو عطا کرنے کا اصل راز یہی ہے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں الانسان سے صرف آدم علیہ السلام مراد ہیں۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

امانت کی کیفیت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ امانت کو ایک بھاری پتھر کی طرح ڈال کر آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں کو اٹھانے کے لیے بلایا سب نے اٹھانے سے انکار کر دیا، یہی نہیں بلکہ اس کے قریب جانے کی بھی جرأت نہ کر سکے اور عرض کی یہ بوجھ ہم سے اُٹھنے کا نہیں۔ پھر آدم علیہ السلام بن بلائے تشریف لائے تو وہ پتھر ہلنے لگا۔ آدم علیہ السلام نے کہا: اگر مجھے اجازت ہوتی تو میں اسے اٹھا لیتا۔ آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں نے عرض کی: آپ ہی اٹھا لیجیے۔ آپ اسے اٹھا کر گھٹنوں تک لے آئے پھر رکھ دیا اور فرمایا کہ اگر چاہوں تو میں اسے اور اوپر اٹھا لوں۔ انہوں نے عرض کی: تو پھر اٹھائیے۔ آپ نے اسے پھر اٹھایا اور اسے سینے تک لے آئے۔ اس کے بعد پھر رکھ دیا۔ پھر فرمایا: اگر چاہوں تو اس سے بھی اوپر اٹھا سکتا ہوں۔ اُنہوں نے عرض کی: تو اُٹھائیے۔ آپ نے اسے اٹھایا تو اپنے کندھوں تک لے گئے۔ اس کے بعد آپ نے اسے نیچے رکھنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! اب اسے نیچے مت رکھو اس لیے کہ اب یہ امانت آپ کے اور آپ کی اولاد کے گلے میں قیامت تک کے لیے ڈال دی گئی ہے ؎

آسمان بارِ امانت نتوانست کشید
قرعۂ فال بنامِ من دیوانہ زدند

ترجمہ: آسمان بارِ امانت نہ اٹھا سکا، اس کا قرعۂ فال اس دیوانے کے نام پڑا ہے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے جب آسمان و زمین اور پہاڑوں نے بارِ امانت کے اٹھانے سے عجز کا اظہار کیا تو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا: میں نے اپنی امانت آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تو انہوں نے معذوری ظاہر کی لیکن آپ نے اسے بلا توقف اٹھا لیا۔ یاد رکھیے کہ اس کے اندر ایک اور بوجھ ہے جو اس سے بھی شدید تر ہے۔ عرض کی: وہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر نیکی کرو گے تو جزا پاؤ گے ورنہ سزا۔ آدم علیہ السلام نے عرض کی: بسر و چشم۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر تم اس میں صبر علی دکھاؤ گے تو میں تیری مدد کروں گا، یوں کیجیے کہ اپنی آنکھوں پر پردہ ڈالیے اور صرف ان چیزوں کو دیکھیے جو آپ کے لیے جائز ہیں اور زبان کو قابو میں رکھیے اور صرف وہ بات کیجیے جو آپ کے لیے جائز ہے اور اپنی فرج کو محفوظ رکھیے اسے صرف اس پر استعمال کیجیے جو تمہارے لیے حلال ہو۔

ف: شیخ جنید قدس سرہ نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام کی نگاہ ذاتِ حق پر تھی انہیں نہ امانت کی خبر تھی اور نہ اس کی لذت و ذوق کی خبر۔ اسی لیے انہیں بارِ امانت اٹھانے کا احساس تک نہ ہوا اسی پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تم نے مجھے مطمحِ نظر بنایا اس لیے بارِ امانت تم نے اٹھا لیا ورنہ تم کہاں اور بارِ امانت کہاں! آئندہ بھی اگر تم نے مجھے اپنا مطمحِ نظر بنائے رکھا تو نہ صرف ہر دکھ اور تکلیف سے محفوظ و مصئون رہو گے بلکہ ترقی اور عروج پاؤ گے۔ چنانچہ فرمایا: وحملناھم فی البر والبحر۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ف: مروی ہے کہ آدم علیہ السلام نے امانت اٹھاتے وقت کہا کہ اپنی قوت کے سہارے سے اٹھاؤں یا اللہ تعالیٰ کی طاقت و قوت سے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو بھی کوئی بوجھ اٹھاتا ہے وہ ہماری قوت و طاقت سے ہی اٹھاتا ہے بالخصوص وہ بوجھ جو ہماری طرف سے ہوں ان کے لیے ہماری قوت و طاقت کو خصوصی دخل ہوتا ہے۔

راہ او را بدو توان پیمود
بار او را بدو توان برداشت

ترجمہ: اس کی راہ اسی کے ذریعے طے کی جا سکتی ہے۔ اس کا بوجھ اسی کے ذریعے اٹھایا جا سکتا ہے۔

کسی اور بزرگ نے فرمایا:

آں بار کہ از بردن آں عرش ابا کرد
با قوت او حامل آں بار تواں بود

ترجمہ: وہ بوجھ کہ جسے عرش نے اٹھانے سے انکار کر دیا اسی بوجھ کو اس کی عطا کردہ قوت سے اٹھایا جا سکتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ جسے اللہ تعالیٰ نے "انی جاعل فی الارض خلیفۃ" کا تاج پہنایا تھا اسی کو بار امانت اٹھانے کی طاقت بخشی۔ یہ بوجھ کسی اور سے ہرگز نہ اٹھایا جا سکتا تھا چونکہ اس کے ازلی دشمن ابلیس کے حسد دیرینہ کا اس پر اثر انداز ہونے کا خطرہ تھا کہ اس کی اسے نظر بد نہ لگ جائے اس لیے اسے انہ کان ظلوما جھولا کا ٹیکہ لگا دیا گیا تاکہ وہ شیطان کی نظر بد سے محفوظ رہے۔ کما قال: إِنَّهُ بے شک انسان كَانَ ظَلُومًا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے اور امانت کے حقوق کو ادا نہ کر کے اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے جَهُولًا اپنی عاقبت کی فکر سے نادان ہے۔

ظلم کے معانی

ظلم یعنی شے کو اس کے مخصوص محل کے بجائے غیر محل میں رکھنا یا نقصان کر کے یا زیادہ کر کے یا وقت یا مکان سے عدول کر کے۔ ظلمت السقاء اسی سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں کہ جب سقاء کو بے وقت لیا جائے۔ اور کہتے ہیں، ظلمت الارض۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب زمین کو بے جا کھودا جائے، اس زمین کو مظلوم اور جو مٹی اس زمین سے نکالا اسے ظلیم کہا جاتا ہے۔ اور اس نقطہ کے تجاوز کو بھی ظلم کہتے ہیں جو دائرہ سے ہٹ جائے۔ اور ہر قسم کے تجاوز کو ظلم کہا جاتا ہے تجاوز قلیل ہو یا کثیر۔ اسی لیے صغیرہ گناہ کو بھی ظلم کہتے ہیں اور کبیرہ گناہ کو بھی۔ اسی لیے آدم علیہ السلام کے دانۂ گندم کو کھانے کو بھی ظلم سے تعبیر کیا گیا اور ابلیس کی نافرمانی کو بھی، حالانکہ ان دونوں کے ظلموں میں بہت بڑا فرق ہے۔ بعض حکماء نے فرمایا کہ ظلم تین قسم کا ہے:

(۱) ظلم بین الانسان و بین اللہ سب سے زیادہ ظلم کفر و شرک اور منافقت ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(۳) صعو سید ودین ساقی ۔

(۴) ضعو بمینہ ودین تشنہ ۔

غور سے دیکھا جائے تو یہ تینوں نفس کے لیے ہیں اسی لیے کہ انسان جس پر بھی ظلم کرے اس کا اثر پہلے اس کے نفس پر پڑتا ہے ؎

اوّل بظالمان اثر ظلم می رسد
پیش از ہدف ہمیشہ کمان تار میکند

ترجمہ : ظلم کا اثر پہلے ظالم پر پڑتا ہے جیسے نشانے سے پہلے کمان کی تار خود کمان پر پڑتی ہے ۔

جہل کی معنی اور اس کی قسمیں

جہل یعنے نفس کا علم سے خالی ہونا ۔
جہل کی دو قسمیں ہیں ،

۱ ۔ جہل البسیط
۲ ۔ جہل المرکب

جہل بسیط ضعیف ہوتا ہے اور جہل مرکب قوی ۔ اور جہل مرکب یہ ہے کہ انسان کو علم نہ ہو کر وہ نہیں جانتا اسی لیے کہ وہ شے کے حصول سے محروم ہوگا اسی لیے یہ قسم قوی ہے ۔
(اور بسیط یہی ہے کہ انسان کو معلوم ہو کہ میں نہیں جانتا اس لیے اس کے حصول کی کوشش کرے گا اسی لیے یہ ضعیف ہے)[1]

ف : والارشاد میں ہے کہ (انہ کان الخ) یہ حمل امانت اور اس کے تعبیر کے درمیان جملہ معترضہ ہے اسے اس لیے لایا گیا کہ انسان امانت کی ادائیگی میں کمی یا کوتاہی کرتا ہے تو اس کی دو وجہیں ہیں ،

۱ ۔ ظلم اور
۲ ۔ جہل

اور یہ بھی افرادِ انسانی کی کثرت کی وجہ سے ہے ۔ یعنی وہی لوگ جو اپنی فطرت سلیمہ کے موجب اور یوم الارواح کے عہد و پیمان پر عمل نہیں کرتے ورنہ وہ حضرات یہاں کیسے مراد ہو سکتے ہیں جنہوں نے نہ تو فطرت سلیمہ کو تبدیل کیا اور نہ ہی عہدِ الست کے بعد 'بلٰی' کہنے کی خلاف ورزی کی ۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ ظلوم و جہول انسان کی عادت کا اظہار ہے کہ انسان من حیث الانسان ظلوم و جہول ہے ۔ جیسے ہم کہتے ہیں ، الماء طہور ۔ یعنی الماء من حیث الماء طہور ہے ۔ پھر عوارض لاحقہ سے اصل عادت کو چھوڑتا ہے ۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اہلِ ظواہر کا معنیٰ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اہلِ ظواہر کے نزدیک ظلوم وجہول ہر دو صفات مذموم ہیں اس لیے کہ ظلوم وجہول وہی ہیں جو وفا وادا کی بجائے غدر اور خیانت کریں۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ قاعدہ ہے کہ جس کے پاس امانت رکھی جاتی ہے وہ اس پر مہر لگا دیتا ہے یہاں تک کہ جب شے کے جانے کا وقت آتا ہے تو پہلے اس مہر کو دیکھتے ہیں۔ اگر وہ صحیح حالت میں ہو تو امانت دار کی تعریف وتوصیف کی جاتی ہے۔ ایسے ہی الست بربکم فرما کر اللہ تعالیٰ نے بندے کو توحید کی امانت سپرد کر کے اس پر مہر لگا دی۔ جب بندے پر موت آئی اور قبر میں پہنچا تو من ربک الخ جیسے سوالات سے اس کی امانت ودیانت کو ظاہر کیا جاتا ہے۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

از دم صبح ازل تا آخر شام ابد
دوستی ومہر بر یک عہد ویک میثاق بود

ترجمہ : ازل سے ابد تک ہماری دوستی اور محبت میں کوئی فرق نہ آیا۔

عارفین کے نزدیک ظلوم وجہول کا معنیٰ اہلِ حقیقت فرماتے ہیں کہ یہ دونوں (ظلوم وجہول) صفتیں انسان کی مدح وثنا پر دلالت کرتی ہیں اس لیے کہ انسان نے جب امانت کو اٹھا کر اس کا حق ادا کیا تو نفس پر شاق گزرا لیکن باوجود اس کے اپنے نفس کو سخت مشقت وتکلیف میں ڈال کر امانت کا حق ادا کر دیا۔ اس معنے پر اسے ظلوم کہا گیا اس لیے کہ اس نے شے کو غیر محل میں رکھا۔ مثلاً نفس کو فنا کر ڈالا اور حجاباتِ وجودیہ کو باہر پھینک دیا۔ حجابات وجودیہ سے انانیت مراد ہے اور جہول بایں معنیٰ ہے کہ اس کی فطرت میں ایسی چیزیں رکھی گئی ہیں جو اسے اپنے رب تعالیٰ سے جاہل بنا دیں۔ مثلاً یہ جانوروں کی طرح کھانا پینا اور نکاح کرنا اپنا بہترین مشغلہ سمجھتا ہے اس میں جانوروں کی طرح ذکوریت وانوثیت ہے۔ پھر اسے معلوم نہیں کہ صورت حیوانیہ پوست کی مانند ہے اس کا ایک مغز ہے جو اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے کما قال : یحبہم۔ اور وہی اللہ تعالےٰ کا محب بھی ہے۔ کما قال تعالیٰ : یحبونہ۔ جب انسان اپنے چھلکے کو اتار پھینکے یعنی جسمانیت کی ظلمات کو دور کر دے تو روحانیت کی نورانیت تک پہنچ جائے گا۔

ف : جسے ہم نے ابھی مغز سے تعبیر کیا ہے۔ درحقیقت یہ بھی پوست ہے حقیقی مغز کوئی اور شے ہے۔ چنانچہ **حدیث شریف** میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ستر ہزار نور وظلمات کے حجابات ہیں۔ اسی لیے انسان کو اپنے روحانی پوست کو بھی چھوڑنا پڑے گا تب کہیں حقیقی مغز کو حاصل کر سکے گا اس لیے اس پوست کے اترنے کے بعد حقیقی مغز ہے۔ وہی اللہ تعالیٰ کا محبوب بھی ہے اور محب بھی۔ اسی مقام کے لیے کہا گیا ہے کہ جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا۔ اور یہ عرفان توحید کے دامن کو مضبوط

For more books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تعالیٰ سے نصیب ہوتا ہے اس کا حصول شرک ممتنع ہے اور شرک سے بچنے کا معنیٰ ہے کہ ما سویٰ اللہ سے جہل اختیار کرے۔ اور جہول درحقیقت عالم ہے اس لیے کہ علم کا انتہائی مرتبہ ہے اور عارفین فرماتے ہیں: اعتراف بالجہل کا نام علم اور درک الادراک سے عجز کا نام ادراک ہے۔ حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ غیر انساں کشش نکرد قبول
زانکہ انسان ظلوم بود و جہول

۲ ظلم او آنکہ ہستی خود را
ساخت فانی بقائے سرمدا

۳ جہل او آنکہ ہرچہ جز حق بود
صورت آں ز لوح دل بزدود

۴ نیک ظلمی کہ عین معدلتست
نغز جہلی کہ مغز معرفتست

۵ ای نکردہ دل از علائق صاف
مزن از دانش خلائق لاف

۶ زانکہ در عالم خدا دانی
جہل علمست علم نادانی

ترجمہ: (۱) انسان کے سوا عشق کو کسی نے قبول نہ کیا اس لیے انسان ظلوم و جہول ہے۔

(۲) ظالم تو اس لیے کہ اس نے اپنی ہستی کو سرمد ذات کی بقا میں فانی کر دیا۔

(۳) جاہل اس لیے کہ حق کے سوا سب کو دل سے محو کر دیا۔

(۴) ایسا ظلم ہزاروں عدل سے بہتر ہے۔

(۵) اے فلاں! تو نے دل کو تعلقات سے پاک و صاف نہ کیا دانش خلائق کی لاف گزاف نہ بک۔

(۶) اس لیے کہ جہان میں اللہ تعالیٰ کو جانتا ہے۔ ایسا جہل علم ہے اس کے برعکس علم نادانی ہے۔

ف: اگر انسان میں ظلومیت وجہولیت کی قوت و طاقت نہ ہوتی تو وہ کبھی امانت کو نہ اٹھا سکتا۔ اسی سے معلوم ہوا کہ حمل امانت کی تعلیل ظلومیت وجہولیت کو بتانا جائز ہے۔

ف: بعض اہل تفاسیر کی اتباع میں صاحب قاموس نے لکھا کہ ظلوم و جہول اسی انسان کی صفت

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ہے جس نے امانت میں خیانت کی۔ جیسے کافر و منافق۔ اس سے وہ حضرات مراد نہیں جنہوں نے امانت کا حق ادا کر دیا۔ جیسے انبیاء و اولیاء، و صلحاء اور جملہ اہلِ ایمان۔ اور یہ اس محاورہ سے ہے جیسے اہلِ عرب بولتے ہیں کہ:

فلان حامل للامانة ومحتمل بها۔

یہ اس شخص کے لیے کہتے ہیں جو امانت کو حقدار کے ہاں نہ پہنچائے اگر اس کے ہاں پہنچا دیتا تو اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جاتا۔ حملِ امانت بھی اسی محاورہ سے ہے کہ جب کوئی شے کسی کے سر پر رکھ دی جائے تو اسے حمل سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس معنے پر گویا امانت مؤتمن پر سوار ہے جیسے کہتے ہیں:

رکبته الدیون۔

پھر جو اسے ادا نہ کرے تو اسے خیانت و تضییع سے تعبیر کرتے ہیں۔

اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے ان بڑے بڑے جسم والوں کو اطاعت و عبادت کا حکم فرمایا تو انہوں نے طاعت و عبادت کے لیے سر جھکا دیا۔ کما قال:

اتینا طائعین (ہم مطیع ہو کر حاضر ہیں)

اور انسان کو باوجودیکہ عقل و کمال حاصل ہے تاہم عبادت و طاعت سے کتراتا ہے۔ اس معنے پر اسے ظلوم و جہول کہا گیا کہ وہ امانت میں خیانت کر کے راہِ سعادت سے ہٹ گیا۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے جمادات کی طاعت و عبادت کے لیے سرِ تسلیم خم کر دینے کو انسان سے تشبیہ دی ہے کہ وہ باوجودیکہ شعور نہیں رکھتے تاہم جھک گئے اور یہ عقل و فہم کے مالک ہونے کے باوجود طاعت و عبادت سے منہ موڑتا ہے۔ اس معنے پر حمل کو مجاز کے معنیٰ میں لینا ہوگا اور پہلی تقریر میں حقیقی معنے پر محمول کیا جائے گا۔ یہاں پر حرفِ عاطفہ حذف المعطوف بھی نہیں ماننا پڑتا۔ ہاں جب حمل کو تحمل کے معنے میں لیا جائے تو وہاں عطف مع معطوف کو محذوف پڑ گیا اور عبارت یوں ہوگی:

وحملها الانسان ثم غدر بالحمل۔

اس طریق سے اس کی علت ظلوما جهولا کو ماننا پڑے گا، اسے اچھی طرح سمجھ لو اس لیے کہ بہت بڑے ماہرین نے یہ معنیٰ بتایا ہے۔

سوال: الاسئلة المقحمہ میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ انسان ظالم و جاہل ہے تو پھر اسے امانت کیوں پیش فرمائی؟

جواب: اگرچہ سوال ایک طویل بحث کا متقاضی ہے لیکن ہم اس کے جواب میں عرض کرتے ہیں وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو اپنی جملہ مخلوق کے ہاں مبعوث فرمایا کہ جا کر انہیں ایمان کی دعوت دیں جو مان جائے اسے بہشت کی [illegible] دوزخ سے ڈرائیں حالانکہ اسے ازل سے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

معلوم تھا کہ ان میں بعض ایمان لائیں گے اور بعض انکار کریں گے لیکن ایمان کی دعوت میں حکم عام ہے باوجودیکہ ازل سے جانتا تھا کہ ایمان و کفر میں ان کے احوال مختلف ہیں جیسے علم کے باوجود دعوتِ ایمانی کے لیے انبیاء علیہم السلام کو بھیجنے سے اس پر اعتراض نہیں ایسے ہی یہاں پر۔

ف: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ انسان امانت کے متعلق ظالم اور اس سے بے خبر ہے کہ اگر خیانت کرے گا تو کتنی سزا ہوگی۔ وہ اس معاملہ میں جاہل ہے۔ لیکن اس کی یہ خیانت عمداً نہیں ہے اور نہ ہی اس کا ارادہ تھا بلکہ بے خبری اور سہواً واقع ہوئی۔ کما قال:

فنسی ولم نجد له عزما۔

اور سہو و نسیان بھی اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے اور بعض مواضع میں جہل قابلِ عذر سمجھا جاتا ہے۔

دعا اے اللہ! ہمارے ساتھ وہ معاملہ فرما جو تیری شان کے لائق ہے اور ہمارے ساتھ اس طرح نہ کیجئے جس کے ہم اہل ہیں۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ بر در کعبہ سائلے دیدم
کہ ہمی گفت میگرستی خوش

۲ می نگویم کہ طاعتم بپذیر
قلم عفو بر گناہم کش

ترجمہ: (۱) کعبہ کے دروازے پر میں نے ایک سائل کو دیکھا کہ وہ رو رو کر کہہ رہا تھا۔
(۲) میں یہ نہیں کہتا کہ میری طاعت قبول فرما۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ تو میرے گناہوں پر قلمِ عفو پھیر دے۔

لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ تاکہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو عذاب میں مبتلا کرے۔ یہاں پر منافقین و منافقات سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے سرے سے امانت کو قبول نہ کرکے ضائع کر دیا۔ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ اور وہ مشرکین اور مشرکات جنہوں نے امانت میں خیانت کی اور اسے سرے سے قبول ہی نہ کیا۔

الارشاد میں ہے کہ اس میں فریقِ اول کی طرف اشارہ ہے یعنی امانت کو اٹھا لیا پھر جن لوگوں نے اسے ضائع کیا اور طاعت گزاری کے بجائے معصیت اور نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ انہیں عذاب میں مبتلا کرے۔ لام عاقبت کی ہے اس لیے کہ حملِ امانت کی اصلی غرض اگرچہ عذاب دینا ہے۔ لیکن چونکہ بعض افراد کی ناعاقبت اندیشی سے گویا یہ عذاب ان کے حمل کا سبب بنا۔ اسی لیے اسے معرضِ غرض میں لایا گیا ہے یعنی انسان کے حملِ امانت کا انجام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی خیانت پر انہیں

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

عذاب میں مبتلا کرے جبکہ وہ خیانت کرکے طاعت سے بالکل خارج ہوگئے ہیں۔

بحر العلوم میں ہے کہ یوں بھی ہو سکتا ہے کہ لام عوضنا کی علت ہو یعنی ہم نے امانت کو اس لیے پیش فرمایا تاکہ منافقین کی منافقت اور مشرکین کا شرک ظاہر ہو تو پھر انھیں عذاب میں مبتلا کیا جائے۔

وَيَتُوبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ اور تاکہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان مردوں اور عورتوں کی توبہ قبول کرے۔ ان سے وہ لوگ مراد ہیں جنھوں نے امانت کو قبول کرکے اس کے حقوق کی رعایت کی۔

الارشاد میں ہے کہ اس میں فریقِ ثانی کی طرف اشارہ ہے یعنی ان کے حملِ امانت کا انجام یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرمائے اس لیے کہ انھوں نے طوقِ طاعت اپنی گردنوں سے نہیں نکالا اگر ان سے کوئی کمی ہوگئی تو اسے توبہ سے پورا کردیا کیونکہ بہت تھوڑے انسان ہیں جن سے غلطی نہیں ہوتی۔ اور یہ انسانی فطرت ہے۔ پھر غلطی کے بعد توبہ کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ان کا شیوہ ہے۔ صیغۂ تکلم کے بجائے اسم اللہ کی طرف التفات میں امانت کی عظمت اور اس کی ہیبت کا اظہار مطلوب ہے۔ پھر مضمر کے بجائے مظہر لانے میں اہلِ ایمان کے معاملہ کو مہتم بالشان ظاہر کرنا ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ اور اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے یعنی بندوں پر بہت مغفرت فرماتا ہے اگر ان سے غلطی ہوجائے تو بھی ان پر بہت بڑی رحمت فرماتا ہے۔ جب وہ اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہیں اور طاعات پر انھیں بہت بڑے ثواب سے نوازتا ہے۔

تفسیرِ صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ لام صیرورت و عاقبت کی ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خلافت کے حامل تین طرح کے ہیں۔

(۱) یہ ملائکہ ہیں کہ جنھوں نے سرے سے امانت کے اٹھانے سے انکار کردیا اسی لیے انھیں نہ ثواب نہ عذاب۔

(۲) وہ ہیں جنھوں نے امانت تو اٹھائی لیکن اس میں خیانت کی۔ یہ منافق مرد اور عورتیں اور مشرک مرد اور عورتیں ہیں جنھوں نے امانت کو ظلومیت کی صفت سے اٹھایا لیکن جہولیت سے اسے ضائع کیا: اس کی قدر نہ کی اور اس کا حق ادا نہ کیا تو انھیں عذابِ دائمی میں مبتلا ہونا پڑا۔

(۳) یہ وہ ہیں جنھوں نے امانت اٹھائی اور اس کا حق ادا کیا ذرہ برابر بھی اس میں خیانت نہ کی لیکن چونکہ ضعفِ انسانیت کی وجہ سے کبھی اِدھر کبھی اُدھر یعنی غلطیوں کا شکار ہوجاتا ہے۔ اسی لیے وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں عجز و نیاز کا اظہار اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہے اس سے مومن مرد اور عورتیں مراد ہیں ان کی اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرتا ہے۔ ان تینوں طبقات کی تخلیق میں حکمت یہ ہے کہ ان تینوں

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

میں ہر ایک طبقہ جمالِ الٰہی کی صفت کا آئینہ ہو۔

جب پہلے طبقہ یعنی ملائکہ نے امانت کو اٹھایا ہی نہیں اور اس کے عذر کے خوف سے اس کا نفع ترک کر دیا اسی لیے انھیں صفت عدل کا آئینہ بنایا گیا۔

دوسرے طبقہ نے اٹھایا تو سہی اس ارادہ پر کہ ممکن ہے اس میں کوئی ظاہری فائدہ ہو لیکن اس میں انہوں نے خیانت کی اور اس کا کوئی حق ادا نہ کیا بلکہ اسے دنیوی منافع کے عوض بیچ ڈالا جس کا انہیں اس تجارت میں کوئی نفع نہ ہوا اور نہ ہی انھیں اس سے راہِ حق نصیب ہوئی۔ یہ رنگ صفت قہر کے جمال کا آئینہ ہیں۔

تیسرے طبقہ نے امانت کو اپنے آپ اور بڑے شوق اور رغبت و محبت سے اٹھایا اور اپنی طاقت و وسعت کے مطابق اس کا حق بھی ادا کیا لیکن بلا اختیار ان سے کبھی کبھار غلطیاں بھی سرزد ہو جاتیں تو توبہ کے لیے بارگاہِ حق کی طرف رجوع کرتے اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کر کے اپنی بارگاہ تک رسائی فرما دیتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے لطف اور فضل و کرم کے جمال کے آئینے ہوئے۔ اسی لیے فرمایا: وکان اللہ غفوراً رحیما۔ مومنین کو اپنے فضل سے بخشے گا، وہ جسے چاہے گا اپنے فضل سے بخش دے گا۔

ف: بعض عارفین نے فرمایا: حکمتِ الٰہیہ کا تقاضا ہوا کہ انسان کی مخالفت کا ظہور ہو تاکہ وہ اپنی رحمت و مغفرت کو ظاہر فرمائے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

سہو و خطائے بندہ گرش نیست اعتبار
معنیٔ عفو و رحمت آمرزگار چیست

ترجمہ: بندہ کے سہو و خطا کا کوئی اعتبار نہیں، اللہ تعالیٰ کی عفو و رحمت کا کیا معنی!

حدیثِ قدسی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لو لم تذنبوا لذھبت بکم وخلقت خلقا یذنبون ویستغفرون فاغفر لھم۔

(اگر تم گناہ نہ کرو گے تو میں تمہیں موت دوں گا تمہارے بجائے اور مخلوق لاؤں گا جو گناہ کرے اور مجھ سے بخشش مانگے تو میں اسے بخشوں)

حدیثِ نبوی میں ہے: لو لم تذنبوا لخشیت علیکم اشد من الذنب الا ھو العجب۔

(اگر تم گناہ نہ کرو تو مجھے تمہارے عجب سے خطرہ ہے اور وہ گناہ سے بھی سخت تر ہے)

ف: اسی حکمت کے تحت اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صفاتِ جلالیہ جمالیہ کے دونوں ہاتھوں

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ہے پیدا فرمایا صفتِ جلال قابیل اور مخالفت کے رنگ میں ظاہر ہوئی اور صفتِ جمال ہابیل اور موافقت میں ظاہر ہوئی۔ اسی طرح ان دونوں صفات کا ظہور قیامت تک ہوتا رہے گا۔

ازالہ وہم مذکورہ بالا دونوں حدیثوں سے یہ نہ سمجھنا کہ ان میں گناہوں کے ارتکاب کی ترغیب دی گئی۔ اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت مبارکہ کا اصلی مقصد یہی ہے کہ انسان کفر و شرک اور معاصی سے بچیں۔ ہاں ان احادیث میں توبہ و استغفار کی ترغیب دی گئی ہے۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادہم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میرے دل تمنا تھی کہ کوئی ایسا وقت میسر ہو جس میں میں تنہا کعبہ معظمہ کا طواف کروں اور اسی وقت اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت چاہوں لیکن کوئی وقت میسر نہ آتا تھا۔ ایک رات ایسا ہوا کہ خوب بارش ہوئی کعبہ معظمہ خالی تھا طواف کر کے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ یا الٰہی! مجھے گناہوں سے عصمت نصیب فرما۔ ندا آئی کہ اے ابراہیم! تجھ سے پہلے یہ دعا مانگی کہ میں نے یہ مرتبہ کسی اور کو نہیں بخشا۔ لیکن بتائیے کہ اگر تیری دعا قبول کروں تو پھر میری غفاری، غفوری اور رحمانی و رحیمی کا دریا کہاں جائے گا! اس کے بعد میں نے عرض کی:

اللّٰھم اغفر لی ذنوبی (اے اللہ! میرے گناہ بخش دے)

ندا آئی، اے ابراہیم! تُو نے مجھ سے ایسی التجا کی جس سے میں بہت خوش ہوتا ہوں۔ لیکن اس طرح کی دعا تو مجھ سے ہر بندہ مانگتا ہے۔

اس کے بعد میں نے کہا، یا اللہ! مجھے معصیت کی ذلت سے بچا کر طاعت کی عزت عطا فرما۔ پھر میں نے عرض کی، یا اللہ! جو تجھے جانتا ہے وہ بالکل کچھ نہیں جانتا پھر جو تجھے نہیں جانتا اس کا کیا حال ہوگا۔ اس کے بعد میں نے پندرہ سال مشقت اٹھائی، پھر آواز آئی، اے ابراہیم! بندہ بن راحت پائے گا۔ یعنی راحت و فرحت صرف عبدیت عالی اور خواہش نفسانی سے اعراض میں ہے۔ جیسے دنیا کی کوئی راحت نہیں اور نہ ہی مولیٰ سے دور ہونے والے کو کوئی فرحت نصیب ہوگی نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔ جب بندہ سے کوتاہی اور سہو و نسیان ظاہر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بندے کے لیے غفور و رحیم کے دونوں اسموں کو ظاہر فرماتا ہے ان کی وجہ سے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے اور بندے کے تمام گناہ مٹا کر اس کے عملنامے میں ثواب لکھتا ہے۔ قیامت میں اس سے کوئی حساب نہ لے گا اور نہ ہی اسے کسی عذاب میں مبتلا کرے گا۔ بلکہ بعض ایسے بندے بھی ہوں گے جنہیں گناہوں کے بدلے نیکیاں عطا ہوں گی۔

ف: سورۂ احزاب سورۂ بقرہ کے برابر یا اس سے بھی بڑی تھی۔ اسی میں آیت رجم تھی یعنی "اذا زنا الشیخ والشیخۃ فارجموھما البتۃ نکالا من اللہ العزیز الحکیم" اس کے بعد اس کے اکثر مضامین اٹھا لیے گئے اور وہ آیات منسوخ ہو گئیں اور باقی یہی آیات رہ گئیں جو موجود ہیں۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حدیث شریف میں ہے :
من قرأ سورة الاحزاب وعلمها اهله وما ملکت یمینه اعطی الامان من عذاب القبر۔

(جو شخص سورۃ احزاب پڑھتا ہے اور اپنے اہل وعیال کو پڑھاتا ہے تو اسے قبر کے عذاب سے امان ملے گی)

اللھم اختم لنا بالخیر واعصمنا من کل سوء وضیر وأمنا من البلایا وفتنة القبر ومحاسبة الحشر۔ تمت سورة الاحزاب بعون الله الوهاب یوم الاحد الثامن عشر من شهر الله المحرم سنة عشر ومائة والف۔

(صاحب روح البیان رحمہ اللہ نے فرمایا) کہ اس سورۃ احزاب کی تفسیر اللہ تعالیٰ کی

مہربانی سے آج ایک دن ۱۸ محرم سنہ ۱۱۱۰ھ میں ختم ہوئی۔
فقیر اویسی غفرلہٗ
بحمداللہ اس کے ترجمہ سے بعد نماز عشاء شب اتوار
۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ میں فراغت پائی۔
فللہ الحمد علیٰ ذٰلک وصلی اللہ علیہ
وآلہٖ وسلم

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سورۂ سبا مکیۃ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ آیاتہا ۵۴ رکوعہا ۶

سورہ سبا مکی ہے اس میں اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ۵۴ آیتیں اور ۶ رکوع ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ
سب خوبیاں اللہ کو کہ اسی کا مال ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں اور آخرت میں اسی کی تعریف ہے

وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ ۝ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا
اور وہی ہے حکمت والا خبردار جانتا ہے جو کچھ زمین میں جاتا ہے اور جو زمین سے نکلتا ہے اور جو

یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا وَهُوَ الرَّحِیْمُ الْغَفُوْرُ ۝ وَقَالَ
آسمان سے اترتا ہے اور جو اس میں چڑھتا ہے اور وہی ہے مہربان بخشنے والا اور کافر

الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِیْنَا السَّاعَةُ قُلْ بَلٰی وَرَبِّیْ لَتَاْتِیَنَّكُمْ عٰلِمِ
بولے ہم پر قیامت نہ آئے گی تم فرماؤ کیوں نہیں میرے رب کی قسم بیشک ضرور تم پر آئے گی غیب

الْغَیْبِ لَا یَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ وَلَا
جاننے والا اس سے غائب نہیں ذرہ بھر کوئی چیز آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ

اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۝ لِّیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
اس سے چھوٹی اور نہ بڑی مگر ایک صاف بتانے والی کتاب میں ہے تاکہ صلہ دے انہیں جو ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ ۝ وَالَّذِیْنَ سَعَوْ
اور اچھے کام کیے یہ ہیں جن کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی اور جنہوں نے ہماری آیتوں

فِیْٓ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِیْمٌ ۝ وَیَرَی الَّذِیْنَ
میں ہرانے کی کوشش کی ان کے لیے سخت عذاب دردناک میں سے عذاب ہے اور جنہیں علم ملا وہ

اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ وَیَهْدِیْٓ اِلٰی
جانتے ہیں کہ جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے اترا وہی حق ہے اور عزت والے سب خوبیوں

صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ ۝ وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰی رَجُلٍ
سراہے کی راہ بتاتا ہے اور کافر بولے کیا ہم تمہیں ایسا مرد بتادیں جو تمہیں خبر دے کہ جب تم پرزہ

یُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ اِنَّكُمْ لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ۝ اَفْتَرٰی عَلَی
ہو کر بالکل ریزہ ریزہ ہوجاؤ تو پھر تمہیں نیا بننا ہے کیا اللہ پر اس

اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ بَلِ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِی الْعَذَابِ
نے جھوٹ باندھا یا اسے سودا ہے بلکہ وہ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے عذاب اور دور کی گمراہی

https://archive.org/details/@...

وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ⑧ اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ
میں دری تو کیا انہوں نے نہ دیکھا جو ان کے آگے اور پیچھے ہے آسمان
وَالْاَرْضِ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ
اور زمین ہم چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیں یا ان پر آسمان کا ٹکڑا گرا دیں
السَّمَآءِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ⑨
بے شک اس میں نشانی ہے ہر رجوع لانے والے بندے کے لیے

تفسیر عالمانہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الف لام استغراق جنس کا ہے اور لام تملیک و اختصاص کی ہے یعنی ہر حامد کی مدح و ثنا و شکر کے جملہ افراد اللہ تعالیٰ کی ملک اور صرف اسی سے مخصوص ہیں اس میں کسی ایک کو شرکت نہیں اس لیے کہ وہی سب کا خالق و مالک ہے چنانچہ فرمایا اَلَّذِیْ لَهٗ وہ ہے جس کے لیے خاص ہے تخلیق و ملک اور تصرف کے لحاظ سے ایجاداً و اعداماً اور احیاءً و اماتۃً مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وہ جو آسمانوں اور جو زمینوں میں ہے اس سے تمام موجودات مراد ہیں یعنی جملہ محامد کا رجوع اسی طرف ہے تمام مخلوق مملوک اور ان سب کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ زنگی کے کافور نام رکھنے سے اس کی حقیقت میں تبدیلی نہیں آجاتی۔ ایسے ہی کسی دوسرے کو ملکیت دینے سے اللہ تعالیٰ کی حقیقی ملکیت میں فرق نہیں آئے گا۔ یہاں پر نعمتوں سے دنیوی نعمتیں مراد ہیں اس لیے کہ آسمانوں اور زمینوں اور ان کے اندر کی جملہ اشیاء ہمارے نفع کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ یعنی دین و دُنیا کی ہر نعمت میں نفع ہے۔ اس میں صرف یہ بتایا گیا ہے کہ محمود علیہ صرف اللہ تعالیٰ ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ حمد صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا،

لہ الحمد فی الاولیٰ والاٰخرۃ۔

اور حمدِ الٰہی اگرچہ ذاتی طور پر ذاتِ حق تعالیٰ کے لیے ہے لیکن بندوں کی تعلیم کے لیے فرمایا تاکہ انھیں معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کی حمد کس طرح کی جاتی ہے۔

وَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ دنیوی حمد اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہونے کے بیان کے بعد اب بتایا کہ آخرت کی حمد بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ جار مجرور یا تو حمد کے متعلق ہے یا مستقر اور ثابت کے متعلق ہے محمود علیہ یعنی جس وجہ سے حمد کی جا رہی ہے اس کا ذکر نہیں ہوا تاکہ نعمتوں کے عموم پر دلالت کرے۔ چنانچہ دوسرے مقام پر ہے،

الحمد للہ الذی صدقنا وعدہ واورثنا الارض نتبوأ من الجنۃ حیث نشاء۔

For more Books cli[illegible] link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے ہمیں زمین کا وارث بنایا کہ جہاں ہم چاہیں جنت میں گھر بنائیں)

اور فرمایا:

الذی احلنا دار المقامۃ من فضلہ ۔ الآیۃ

(تمام تعریفیں اس کے لیے ہیں جس نے ٹھہرنے کے دار میں اپنے فضل سے ہمیں داخل کیا)

تاکہ حمد دنیوی نعمتوں کا ذریعہ اور سبب بنے۔ کما قال:

الحمد للہ الذی ھدانا لھذا۔

یعنی حمد کی جزا ایمان و عمل صالح ہے۔

اہلِ جنت کی حمد کے مقامات

منقول ہے کہ اہلِ جنت چھ مقامات پر اللہ تعالیٰ کی حمد کریں گے۔

(۱) جب وامتازوا الیوم ایھا المجرمون کی آواز آئے گی اور اہلِ ایمان اور کافر ایک دوسرے سے جدا ہوں گے تو اہلِ ایمان کہیں گے۔

الحمد للہ الذی نجانا من القوم الظالمین۔

جیسے نوح علیہ السلام نے قوم سے نجات پا کر یہی کلمات کہے۔

(۲) جب پل صراط کو عبور کر جائیں گے تو کہیں گے۔

الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن۔

(۳) جب بابِ جنت کے قریب پہنچیں گے تو آبِ حیات سے غسل کر کے بہشت کو دیکھیں گے تو کہیں گے:

الحمد للہ الذی ھدانا لھذا۔

(۴) جب بہشت میں داخل ہوں گے اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے تو کہیں گے۔

الحمد للہ الذی احلنا دار المقامۃ۔

(۵) جب بہشت میں اپنی منازل میں قرار پکڑیں گے تو کہیں گے۔

الحمد للہ الذی صدقنا وعدہ واورثنا الارض۔

(۶) جب بہشت کے طعام سے فارغ ہوں گے تو کہیں گے:

الحمد للہ رب العالمین۔

دنیا و آخرت کی حمد میں فرق

دنیا و آخرت کی حمد میں فرق یہ ہے کہ دنیا میں حمد عبادت کے طور کی جاتی ہے اور آخرت میں لذت کے طور پر کی جائے گی۔ آخرت میں حمد کرنے سے اسی طرح لذت محسوس ہو گی جیسے پیاسے کو پانی سے۔ وہاں حمد کرنا نہ فرض ہوگا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

نہ واجب ۔

حدیث شریف میں ہے: انہم یلہمون التسبیح کما یلہمون النفس۔

(آخرت میں بہشتیوں کی تسبیح کا الہام ہوگا جیسے دنیا میں الہام ہوتے ہیں)

ف: آخرت میں ہر طرح کے لوگ اللہ تعالیٰ کی حمد کریں گے بہشتی فضل کا بیان کریں گے اور اہل دوزخ عدل کا۔

نیز (علامہ اسمٰعیل حقی البروسوی قدس سرہٗ) کہتا ہے: آخرت والے صرف بہشتی ہوں گے۔ دوزخیوں کو نہ عذاب سے فراغت نہ ہوگی نہ وہ حمد کر سکیں گے۔ علاوہ ازیں اسی کی حمد کا اعتبار ہوجاتا ہے جو صاحبانِ شرافت و فضیلت ہوں اور دشمن تو ہیں ہی دشمن۔ پھر ان کے عدل کی صفت سے حمد بجا لانے کا کیا معنیٰ!

وَهُوَ الْحَكِيمُ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے دین و دنیا کے امور کو مضبوط کیا اور جیسے اس کی حکمت کا تقاضا تھا اور مصلحت داعی تھی ویسے ہی ان کے امور کی تدبیر فرمائی **الْخَبِيرُ** ۝ بہت بڑا خبر والا ہے اشیاء کے ظاہر اور باطن اور ان کے مخفی اسرار کو خوب جانتا ہے۔

ربط: مذکورہ صفت الخبیر گویا دعویٰ تھا اب اس کی دلیل بیان فرمائی کہ **يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ**۔

حل لغات الولوج جیسے تنگ مقام میں داخل ہونا۔ یعنی اللہ تعالیٰ زمین کی ان چیزوں کو جانتا ہے جو ظاہر ہیں اور انہیں بھی جانتا ہے جو چھپی ہوئی ہیں۔ جیسے زمین میں بیج ڈالا جاتا ہے تاکہ کھیتی پیدا ہو۔ ایسے ہی بارش کے قطرات زمین کے اندر جذب ہوجاتے ہیں پھر ان کی تاثیر سے کھیتیاں اگتی اور پھلتی پھولتی ہیں ایسے ہی خزینے، دفینے، مردگان اور کیڑے مکوڑے تمام زمین میں چھپے ہوئے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ان سب کو جانتا ہے۔

صوفیانہ معنے ارضِ بشریہ میں جو کچھ پوشیدہ ہے جسے حواسِ خمسہ سے معلوم کیا جا سکتا ہے لیکن وہ انہیں بلا اسباب جانتا ہے اور اغذیہ صالحہ و فاسدہ اور حلال و حرام کو جانتا ہے۔

وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا اور ان اشیاء کو جانتا ہے جو اس سے نکلتی ہیں جیسے وہ حیوانات جو اپنی بلوں سے باہر نکل آتے ہیں اور کھیتیوں سے انگوریاں اور نباتات۔ اور جیسے چشمے کا پانی اور معدنیات نکل آتی ہیں۔ ایسے ہی مُردے حشر میں اُٹھ کھڑے ہوں گے۔

ایسے ہی ارضِ بشریہ کی صفات کو جانتا ہے جو اس سے پیدا ہوتی ہیں۔ ایسے ہی اس کے اعمالِ صالحہ و قبیحہ کو جانتا ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ اور وہ جو آسمان سے اترتے ہیں جیسے ملائکہ اور کتابیں اور تقدیریں، ارزاق، برکات، بارشیں، اوس، ٹھنڈک، انواعِ سماوی چنگاریاں اور کڑکیں وغیرہا۔

صوفیانہ معنے نیز جانتا ہے جو سماءِ قلب پر فیضاتِ روحانیہ اور الہاماتِ ربانیہ نازل ہوتے ہیں۔

وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا اور انہیں جانتا ہے جو آسمانوں پر چڑھتے ہیں جیسے فرشتے اور ارواحِ طاہرہ اور بخارات، دھوئیں، دعوات اور اعمالِ صالحہ۔

نکتہ یہاں پر فیھا اور دوسری آیت میں الیھا ہے کما قال تعالیٰ:

الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ۔

(اسی کی طرف پاک کلمات چڑھتے ہیں اور وہ عمل صالح ہے اسے وہ پسند کرتا ہے)

اس میں اشارہ ہے کہ ہر ایک کا منتہیٰ ذاتِ حق تعالیٰ ہے اور آسمان تو صرف اس کی رحمت و برکت کا مرکز ہے۔ اس آیت میں اشارہ ہے کہ اعمالِ صالحہ آسمان میں پہنچ کر بارگاہِ حق میں پیش کیے جاتے ہیں۔

صوفیانہ معنے اللہ تعالیٰ جانتا ہے آسمانِ قلب پر جو امور چڑھتے ہیں جیسے فجور و تقویٰ اور ظلمت، ضلالت اور نورِ ہدایت۔

بعض مشائخ نے فرمایا کہ اس سے توبہ کرنے والوں کی گریہ و زاری اور مفلسوں یعنی عاشقانِ راہِ حق کی وہ آہیں جو سحر کے وقت درد بھرے سینے سے نکالتے ہیں تو وہ فوراً بارگاہِ حق میں قبول ہو جاتی ہیں اسی لیے وارد ہے:

انین المذنبین احب الیّ من زجل المسبحین۔

(مجرم کا رونا مجھے محبوب تر ہے تسبیح پڑھنے والوں کے شور و غل سے)

وحیِ داؤدی حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی آئی کہ ذلت کے وقوع سے تمہیں مبارک ہو۔ عرض کی، یا اللہ! ذلت پر مبارک کیسی؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

عبادت کے بعد تو بندہ بڑے ناز و نزاکت سے حاضر ہوتا ہے اور ذلت والا بندہ نہایت عجز و انکساری سے، بڑے سوز و گداز سے۔ مجھے بندے کی نیاز اور اس کا سوز و گداز محبوب ہے۔

وَهُوَ الرَّحِيمُ الْغَفُورُ ○ اور وہ حمد کرنے والوں اور اپنے دوستوں کے لیے رحیم ہے اور کوتاہی کرنے والوں اور گناہوں میں مبتلا ہو کر توبہ کرنے والوں کے لیے غفور ہے۔ خلاصہ یہ کہ جب اللہ تعالیٰ خلق و ملک و تصرف اور حکمت و علم و رحمت و مغفرت و دیگر بڑی اور گرامی قدر صفات سے موصوف ہے تو پھر صرف وہی حمد کے لائق ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حمد کا معنی: حمد اس اختیاری اور اچھی تعریف کو کہا جاتا ہے جو از جہت تعظیم کی جائے اس وقت نعمت کا حصول ہو یا نہ ہو۔ جیسے علم، کرم۔

سوال: اہل عرب کہتے ہیں:

الحمد للہ علیٰ دین الاسلام۔

یہ تو تمہاری بیان کردہ تعریف کے خلاف ہے۔

جواب: یہاں مضاف محذوف ہے۔ دراصل عبارت تھی: الحمد للہ علیٰ تعلیم الدین وتوفیقہ۔

حمد کی قسمیں (حمد کی کئی اقسام ہیں:)

(۱) الحمد القولی: زبان سے اللہ تعالیٰ کی اسی طرح تعریف کرنا جیسے اس نے اپنی تعریف انبیاء (علیہم السلام) کی زبانوں سے بیان فرمائی ہے:

(۲) الحمد الفعلی: اعمال صالحہ بہ نیت محض رضائے الٰہی کے لیے کیے جائیں۔

(۳) الحمد الحالی: معارف و اخلاق الٰہیہ کے اوصاف سے موصوف ہونا۔

ف: دکھ اور تکلیف کے وقت حمد کرنا دلالت کرے گا کہ بندہ اپنے مالک کے فیصلے پر راضی ہے اور نعمت کے حصول پر شکر کیا جاتا ہے۔ دکھ اور درد کے وقت حمد کے الفاظ یوں ہونے چاہئیں:

الحمد للہ علیٰ کل حال۔

اس سے نعمت باطنی پر نگاہ ہو لیکن ایسے موقعے پر شکر اللہ نہ کہا جائے تاکہ اس کلمہ سے دکھ اور درد میں اضافہ نہ ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

لئن شکرتم لازیدنکم۔

ف: نعمت پر حمد کرنا ایسے ہی ہے جیسے جسم کے لیے روح۔ جیسے جسم روح سے زندہ رہتا ہے ایسے ہی شکر کرنے سے نعمت کو بقا نصیب ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت کے اظہار کے لیے تعظیمی کلمات میں سے بڑا عظمت والا کلمہ الحمد للہ ہے۔ ایسے ہی اس کی نعمت کی ادائیگی کے اظہار کے لیے شکر کا بہترین کلمہ بھی یہی الحمد للہ ہے۔ اسی وجہ سے یہی کلمہ ہر خطبہ کی زینت اور ہر مدحت کا آغاز ہے۔ ہر ثنا کی ابتداء اسی سے ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو سورۃ الحمد سے شروع ہوتی ہے وہ دوسری سورتوں پر فضیلت رکھتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

کل کلام لا یبدأ فیہ بالحمد للہ فہو اجذم۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(وہ کلام جسے الحمد سے شروع نہ کیا جائے وہ برکت سے خالی ہے)

صفات جلال واکرام کے ساتھ ہر کلام سے پہلے اسی کی حمد ہے۔

؎

حمد او تاج تارک سخن است
صدر ہر نامۂ نو و کہن است

ترجمہ: اسی کی حمد ہر سخن کی سرتاج ہے بلکہ ہر پرانے اور نئے نامہ کی صدر حمد ہے۔

نزہۃ الحرمین میں ہے: ؎

۱۔ احسن ما اہتم بہ ذو الہمم
ذکر جمیل لولی النعم
۲ چوں نعمت اوست بروں از خیال
کیف یؤدیہ لسان المقال
۳ نعمت او بیشتر از شکر ماست
شکر ہم از نعمتہائے خداست

ترجمہ (۱) اس کام پر زیادہ توجہ دے جس کا ہمت والوں نے اہتمام کیا یعنی نعمتوں کے مالک کا ذکر جمیل زیادہ سے زیادہ کر۔

(۲) جب اس کی نعمتیں خیال سے باہر ہیں اسے زبانی گفتگو کیسے پورا کر سکتی ہے!

(۳) اس کی نعمت ہمارے شکر سے بہت زیادہ ہے اور یہ شکر بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے ایک نعمت ہے۔

ف: حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے۔ جب آپ نے سر مبارک اٹھا کر کہا:

سمع اللہ لمن حمدہ۔

تو کسی نے آپ کے پیچھے کہا:

ربنا لک الحمد حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ۔

نماز سے فراغت پا کر پوچھا کہ مذکورہ بالا کلمات کس نے کہے؟ میں نے عرض کیا: میں نے۔ آپ نے فرمایا:

لقد رأیت بضعا وثلاثین ملکا یبتدرونہا أیہم یکتبہا اول۔

(میں نے تیس سے زائد فرشتوں کو دیکھا کہ ان کلمات کو لکھنے میں سبقت لے جانے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کی کوشش کر رہے تھے)

نکتہ مخصوص گنتی کے فرشتوں کے لکھنے میں راز یہ ہے کہ کلمات مذکورہ کے حروف کی گنتی ہے جو اوپر مذکور ہوئی اور یہ بھی ہے کہ ہر حرف کی علیحدہ علیحدہ روح ہے وہی حرف کو صورت بخشتا ہے اور اسی روح کی طاقت سے زبان پر لایا جا سکتا ہے اور ارواح سے ہی صورتوں کو بقا ملتی ہے اور اعمال کو عمل کرنے والوں کی نیات اور ان کے نفوس کی توجہات کے مطابق آسمانوں پر چڑھنا نصیب ہوتا ہے۔

ملائکہ کے مراتب ملائکہ کرام کے مراتب ہیں بعض تو خالص انوارِ قدسیہ ہیں اور بعض ارواح کلیہ ہیں۔ بعض اعمال صالحہ و اذکار خالصہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ بعض کلمات اذکار کے اعداد کے مطابق، بعض ان کے حروف کی گنتی کے موافق، بعض حروف مقررہ کی گنتی پر ہوتے ہیں۔ بعض ذکر کرنے والوں کی استعداد پر اعمال کے ارکان کی گنتی کے مطابق ہوتے ہیں لیکن ان سب کی قوت روحانیہ و ہمت عالیہ ہوتی ہے۔

ف: حدیث مذکور سے ثابت ہوا کہ ان کلمات کے لکھنے والے ان نگران فرشتوں کے علاوہ تھے جو ہر وقت عمل لکھنے پر مامور ہیں جنہیں حفظہ یا کراماً کاتبین کہا جاتا ہے۔

ف: ملاء الاعلیٰ ملائکہ اعمال صالحہ کے ثواب اور درجات کے متعلق ایک دوسرے سے جھگڑتے بھی ہیں اور بعض مرتبہ عمل صالح کے لکھنے میں ایک دوسرے سے عجلت بھی کرتے ہیں۔ پھر عمل کرنے والا جتنا بلند ہوگا اتنا ہی ملائکہ لکھنے میں عجلت کریں گے۔ اس حدیث شریف کے مزید اسرار و رموز حضرت شیخ اجل صدر الدین القنوی قدس سرہٗ کی چہل حدیث میں ہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ اور کافر کہتے ہیں کہ قیامت نہیں آئے گی۔ قیامت کو ساعۃ جو زمانے کا ایک جزو ہے سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں بہت جلد حساب لے گا۔ الارشاد میں ہے کہ ضمیر جمع متکلم سے مراد جنس انسان سب کے سب مراد ہیں نہ صرف وہ یا ان کے معاصرین۔ ایسے ہی قیامت کے آنے سے اس کے وجود کی نفی مراد ہے۔ ان کی یہ مراد ہرگز نہ تھی کہ قیامت ہے لیکن ان کے ہاں نہیں آئے گی۔ اور انہوں نے اسے عدم اتیان سے اس لیے تعبیر کیا کہ انہیں یہی کہا جاتا کہ قیامت آئے گی۔ انہوں نے اس کے جواب میں عدم اتیان کہہ رہے تھے۔ علاوہ ازیں وہ امور جو زمانہ مستقبل سے متعلق ہیں بالخصوص زمانہ کے اجزاء ذکر اتیان یا حضور سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ قیامت کے منکرین دو گروہوں پر منقسم تھے۔ ایک گروہ کہتا تھا:

ان نظن الا ظنا وما نحن بمستیقنین۔

یعنی ہمیں تو قیامت کے وقوع کا صرف گمان ہے بلکہ اس کے وقوع میں ہمیں بالکل یقین نہیں اور

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ بندہ مومن نہیں ہو سکتا جب تک قیامت پر ایمان نہ لائے۔ کما

قال تعالیٰ :

وبالآخرۃ ھم یوقنون ۔

اور اک گروہ کہتا تھا کہ ہمارے ہاں قیامت آئے گی ہی نہیں۔

قُلْ بَلٰی یہ کافروں کے کلام کا رد ہے، جس کی انہوں نے نفی کی اس کا اثبات ہے۔ یعنی انہوں نے کہا، قیامت نہیں آئے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! فرمایئے، آئے گی۔

شانِ نزول لباب میں لکھا ہے کہ ابوسفیان نے لات وعزیٰ کی قسم کھا کر کہا کہ قیامت نہیں آئے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ بھی قسم کھا کر فرمایئے **وَرَبِّیْ** مجھے اپنے پروردگار کی قسم۔ یہ واؤ قسمیہ ہے **لَتَاْتِیَنَّکُمْ** تمہارے ہاں قیامت ضرور آئے گی۔ یہ ماقبل کی تاکید ہے **عٰلِمِ الْغَیْبِ** یہ ماقبل کی صفت یا اس سے بدل ہے۔ اس سے تاکید کو اور پختہ کرنا مطلوب ہے۔ یعنی چونکہ قیامت غیوب سے متعلق ہے اور غیوب سب کے سب اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

غیب کی تعریف اور اس کی مثالیں غیب وہ ہے جو مخلوق سے غائب ہو۔ مثلاً علقہ نطفہ میں اور مضغہ علقہ میں اور انسان سب میں غیب ہے اور پانی ہوا میں اور انگوری پانی میں اور حیوان انگوری میں اور انسان ان سب میں غیب ہے پھر اللہ تعالیٰ نے ان تمام غیوب سے انسان کو ظاہر فرمایا اور پھر جب مٹی میں چھپ جائے گا تو بھی اسے قیامت میں مٹی سے ظاہر فرمائے گا۔[1] (اس سے آگے صفحہ ۲۹۴ پر دیکھئے)

---

[1] غیب کی ان مثالوں سے ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ یہی غیب اپنے انبیاء و اولیاء کو عطا فرماتا ہے۔ پھر اس کا اطلاق بھی انبیاء و اولیاء پر جائز ہے لیکن دیوبندی وہابی نجدی مودودی وغیرہم اولاً تو مانتے ہی نہیں اور اگر مانتے ہیں تو اس کا اطلاق ناجائز سمجھتے ہیں۔ ہم چند حوالے عرض کرتے ہیں۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا وعلیہم السلام کو دنیا میں اپنا نائب بنا کر بھیجا ہے۔ کما قال :

واذ قال ربک للملٰئکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ۔

اور ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نائب اعظم و خلیفۂ اکرم ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ کی وہ صفات

(باقی بر صفحہ آئندہ)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(بقیہ حاشیہ)

جو قرآن و احادیث میں بتائی گئی ہیں ان کے مظاہر انبیاء و اولیاء ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صفات کے علاوہ ذات کے مظہر اتم ہیں اسی لیے علم غیب ہو یا حاضر و ناظر اور نور وغیرہ صفات کا مظہر ماننا عین اسلام ہے اس کا انکار یا تو ابلیس کو تھا یا آج کسی بدعقیدہ خبیث کو ہوگا۔ ورنہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اظہار خود فرمایا:

اخرج الطبرانی عن ابن عمر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ قد رفع لی الدنیا فانا انظر الیہا و الی ما ھو کائن فیہا الی یوم القیامۃ۔ (مواھب اللدنیہ)

پھر مواہب اللدنیہ کے صفحہ ۲۰۰ پر علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے بایں طور فیصلہ کر دیا ہے:

اذ لا فرق بین موتہ وحیاتہ فی مشاھدتہ لامتہ ومعرفتہ باحوالھم ونیاتھم وعزائمھم وخواطرھم وذالک عندہ جلیٌّ لاخفاء بہ الخ

(ہمارے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیوی اور اس وقت کی حالت میں کچھ فرق نہیں ہے وہ اپنی امت کو دیکھتے ہیں اور ان کے احوال کو پہچانتے ہیں اور ان کی نیتوں اور ان کے دلوں کو خوب جانتے ہیں اور ان پر کچھ پوشیدہ نہیں سب روشن ہے)

اور کتاب شفا شریف ج ۲ ص ۵۰ میں ہے:

وقال النخعی اذا لم یکن فی المسجد احدٌ فقل السلام علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واذا لم یکن فی البیت فقل السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین۔

(اور نخعی نے کہا کہ جب تم مسجد میں جاؤ تو یوں کہو السلام علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جب تم گھر میں جاؤ تو کہو السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین۔

اور اسی کتاب کی شرح ملا علی قاری رحمہ اللہ ج ۲ ص ۱۱۷ میں ہے:

ان لم یکن فی البیت احد فقل السلام علی النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ لان روحہ[1] علیہ السلام حاضر فی البیوت اھل اسلام۔

یعنی اگر تم گھر یا مسجد میں جاؤ اور وہاں کوئی شخص بھی نہ پاؤ تو یہ کہہ دو:

السلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

---

[1] لان روحہ قرآن مجید میں ہے کہ ہر مومن کو قرب آپ کی ذات کا ہے اولیٰ بالمومنین اس پر شاہد ہے اور اولیٰ بمعنی اقرب ہے۔ جیسا کہ مولوی قاسم نانوتوی نے کہا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(بقیہ حاشیہ)

اس لیے کہ بے شک آپ کی ذات کی روح مبارک ہر اہلِ اسلام کے گھر میں حاضر یعنی جلوہ گر رہتی ہے۔

کتاب حصن حصین میں احادیثِ صحیحہ تحریر ہیں:

وَاِذَا انفلتت دَابّۃٌ فَلْیُنَادِ اَعِیْنُوْنِیْ عِبَادَ اللّٰہِ رَحِمَکُمُ اللّٰہُ۔

(اور جس وقت کسی کا جانور بھاگ جائے تو یوں پکارے اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو)

یا یوں کہو:

یَاعِبَادَ اللّٰہِ اِحْبِسُوْا یَاعِبَادَ اللّٰہِ اِحْبِسُوْا یَاعِبَادَ اللّٰہِ اِحْبِسُوْا۔ (الحدیث)

(اے بندگانِ خدا! روکو۔ اے بندگانِ خدا! روکو۔ اے بندگانِ خدا! روکو)

یہ حضرت ابنِ عباس سے مروی ہے۔ بندگان سے مراد ابدال و جنّات و صالحین ہیں۔

اور حدیث طبرانی و حصن حصین میں مسطور ہے:

یَاعِبَادَ اللّٰہِ اَعِیْنُوْنِیْ یَاعِبَادَ اللّٰہِ اَعِیْنُوْنِیْ یَاعِبَادَ اللّٰہِ اَعِیْنُوْنِیْ۔

(اے بندگانِ خدا! میری مدد کرو۔ اے بندگانِ خدا! میری مدد کرو۔ اے بندگانِ خدا! میری مدد کرو)

اور کتاب غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار جلد اول صفحہ ۲۲۲ و نہر الفائق شرح کنز الدقائق، باب التشہد وغیرہ میں مرقوم ہے:

"حکایت کے طور آپ کی ذات پر سلام نہ بھیجے بلکہ دل میں خاص قصد کرے۔"

کتاب مذاق العارفین ترجمہ احیاء العلوم جلد اول باب چہارم صفحہ ۳۱۹ میں اس طرح لکھا ہے:

"جب تشہد کے لیے بیٹھو اور تصریح کرو کہ جتنی چیزیں تقرب کی ہیں خواہ صلوات ہو یا طیبات یعنی اخلاقِ طاہرہ وہ سب اللہ کے لیے ہیں۔ اسی طرح ملک خدا کے لیے ہے اور یہی معنے التحیات کے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود کو اپنے دل میں حاضر کرو اور کہو السلام علیک ایّھا النبی ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہٗ۔"

اور امام شعرانی نے اپنے استاد سے یوں ارقام فرمایا ہے کہ شارع علیہ الرحمۃ نے نمازی کو تشہد میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود و سلام عرض کرنے کا اس لیے حکم دیا ہے کہ جو لوگ اللہ عزوجل کے دربار میں غفلت کے ساتھ بیٹھتے ہیں انہیں آگاہ کر دو کہ اس حاضری میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دیکھیں اور سمجھیں کہ حضور کبھی اللہ تعالیٰ کے دربار سے جدا نہیں ہوتے۔ اس لیے نمازیوں پر لازم

(باقی اگلے صفحہ پر)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattori

(بقیہ حاشیہ)

ہے کہ آپ کی ذات پر بالمشافہ سلام عرض کریں۔

فیخاطبونه بالسلام مشافهة من حينه،

(المیزان الکبریٰ، شعرانی ج ۱ ص ۱۰۴ و ۱۴۹ مطبوعہ مصر)

اور کتاب اشعۃ اللمعات جلد اول ص-۴۲۰ ذیل حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے لکھا ہے،

"آپ کی ذات والاصفات خاص مومنوں کے لیے ہر وقت نصب العین وقرۃ العین ہیں۔"

یعنی آنحضرت ہمیشہ نصب العین مومناں وقرۃ العین عابداں است در جمیع احوال واوقات خصوصاً درحالت عبادت وآخر آں کہ وجود نورانیت وانکشاف دریں محل بیشتر وقوی تر است من عینہ الخ

اور تفسیر عزیزی ج ۱ ص ۵۵۴ ذیل آیت کریمہ ویکون الرسول علیکم شہیداً کے بیان میں لکھا ہے،

یعنی باشد رسول شما بر شما گواہ زیرا کہ او مطلع است بنور نبوت بر رتبہ ہر متدین بدین خود کہ در کدام درجہ از دین من رسیدہ وحقیقت ایمان او چیست وحجابے کہ بداں از ترقی محجوب ماندہ است کدام است پس او می شناسد گناہان شمارا و درجات ایمان شمارا واعمال نیک وبد شمارا واخلاص ونفاق شمارا لہٰذا شہادت او در دنیا بحکم شرع درحق امت مقبول وواجب العمل است وآنچہ او از فضائل ومناقب حاضران زمان خود مثل صحابہ وازواج واہلبیت یا غائبان از زمان خود مثل اویس وصلہ ومہدیؑ مقتول دجال یا از معائب ومثالب حاضران وغائبان مے فرماید اعتقاد بر آں واجب واز یں است کہ در روایات آمدہ کہ ہر نبی را بر اعمال امتیان خود مطلع مے سازند کہ فلانے امروز چنیں مے کند وفلانے چناں تا روز قیامت ادائے شہادت تواند کرد۔ الخ

(بعینہٖ اصل عبارت)

دلائل الخیرات شریف میں ایک اور حدیث بایں معنیٰ مسطور ہے کہ کسی صحابی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا کہ جو شخص آپ سے بہت دور اور غائب درود شریف پڑھے تو آپ کو کس طرح پہنچتا ہے؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، جو شخص محبت وشوق میں مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے میں اس کو خود اپنے کانوں سے سنتا ہوں اور جو از روئے عادت وثواب کے طور پر پڑھتا ہے اس کو فرشتے پہنچا دیتے ہیں۔ اصل حدیث ملاحظہ ہو،

وقیل لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارأیت صلوٰۃ المصلین علیک

(باقی بر صفحہ ۲۳۲)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(بقیہ حاشیہ)

من غاب عنك ومن يأتي بعدك ما حالهما عندك فقال اسمع صلاة اهل محبتي واعرفهم وتعرض على صلوة غيرهم عرضاً۔

نیز مشکوٰۃ شریف میں یہ حدیث بایں معنی درج ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی تمام امت کے اعمال ناموں کو ملاحظہ فرماتے ہیں۔

کتاب جذب القلوب الی دیار المحبوب صفحہ ۲۰۰ میں حضرت محدث دہلوی علیہ الرحمۃ حدیث صحیح حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بایں الفاظ تحریر فرماتے ہیں:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علمی بعد موتی کعلمی فی حیاتی۔

(فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرا علم موت کے بعد بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ حیاتِ دنیا میں تھا)

روایت کیا ہے اس حدیث کو حافظ منذر رحمۃ اللہ علیہ نے اور حضرت علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب تنویر الحلک بروئیۃ الملک میں آپ کے حالات میں اس طرح ارقام فرمایا ہے:

فحصل من مجموع هذه النقول والاحاديث ان النبي صلى الله عليه وسلم حي بجسده وروحه وانه يتصرف ويسير حيث شاء في اقطار الارض وفي الملكوت وهو بهيئته التي كان عليها قبل وفاته لم يتبدل منه شئ وانه مغيب عن الابصار كما غيبت الملئكة مع كونهم احياء باجسادهم فاذا اراد الله رفع الحجاب عمن اراد اكرامه برؤيته رآه على هيئته التي هو عليها۔ (شرح قصیدہ غوثیہ ص ۴۳)

(پس ان تمام دلائل سے معلوم ہوا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات والا صفات جسم مع روح زندہ ہیں اور اپنی امت کے تمام حالات ظاہری و باطنی کو نورِ نبوت خود یا بواسطہ ملائکہ ہمیشہ مشاہدہ فرماتے رہتے ہیں اور جہاں چاہتے سیر کرتے ہیں اور آپ کے علوم میں بوجہ نقل مکانی کے کچھ فرق نہیں پڑتا اور خداوند کریم کے حکم سے ایک ہی آن میں تمام عالم کی سیر اور مشاہدہ فرما سکتے ہیں اور پکارنے والے کی پکار کو بھی اپنے مکان مقدسہ سے بحکم خدا تعالیٰ سنتے ہیں اور آپ کا تصرف یہیں ہر جگہ پر موجود ہے)

ہمارے نزدیک آقائے نامدار حبیبِ کردگار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم باذنہٖ تعالیٰ سب کچھ جانتے ہیں اور ہر ایک کی فریاد سنتے ہیں۔ مزید تفصیل تصانیفِ اعلیٰحضرت امام اہلسنت شاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ العزیز اور دیگر علمائے اہلسنت کی کتب میں ہے۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(بقیہ حاشیہ)

انتباہ مخالفین کی عادت ہے کہ جب کچھ نہ بن پڑے تو پھر فقہ کی جزئیات پیش کر دیتے ہیں چنانچہ ان کا ایک سوال فقہ کا مشہور ہے جو مندرجہ ذیل ہے:

سوال: قاضی خان میں ہے:

رجل تزوج امرأة بغیر شهود فقال الرجل والمرأة خدا را و پیغمبر را گواہ کردیم قالوا یکون کفرا لانه اعتقد ان رسول الله صلی الله علیه وسلم یعلم الغیب وهو ما کان یعلم الغیب حین کان فی الاحیاء فکیف بعد الموت۔

(ایک مرد نے ایک عورت سے بغیر گواہوں کے نکاح کیا پس مرد و عورت نے کہا خدا و رسول جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم نے گواہ کیا، کہتے ہیں یہ کفر ہوگا اس لیے کہ اس نے یہ اعتقاد کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں اور حال یہ ہے کہ آپ تو زندگی میں بھی غیب کو نہیں جانتے تھے پس بعد وفات کے کیونکر جان سکتے ہیں)

جواب الزامی: مخالفین کا منشا یہ ہے کہ معتقدِ علمِ غیبِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکفیر فقہ سے ثابت کریں مگر انہیں خبر نہیں کہ انہوں نے یہ کفر اپنے ذمے لے لیا ہے کہ قاضی خان کی عبارت سے اگر کفر ثابت ہوتا ہے تو معتقدِ علمِ غیبِ نبی بھی (معاذ اللہ) کافر اور تمام مخالفین یعنی وہابی بھی، کیونکہ وہ قائل ہیں کہ اللہ جل شانہ نے حضور علیہ السلام کو بعض غیوب کا علم عطا فرمایا ہے۔ پس یہ جب عبارت قاضی خان کے ان کے کفر میں ان کی فہم کے بموجب شبہ نہیں۔ آپ یہ کہیں گے کہ وہابیوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بعض غیوب کے علم کا بھی کب اقرار کیا ہے؟ ملاحظہ ہو "اعلاء کلمۃ الحق" صفحہ ۱۷ میں ہے:

"اور بہت چیزیں اور امورِ غیب کے حق تعالیٰ نے آپ کو تعلیم فرمائے کہ ان کی مقدار حق تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔"

اور "فیصلہ علمِ غیب" صفحہ ۱۳ میں مولوی ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری کے یہ الفاظ مسطور ہیں:

"بھلا کوئی مسلمان کلمہ گو اس بات کا قائل ہو سکتا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو امورِ غیبیہ پر اطلاع نہیں ہوتی ہے، مسلمان کہلا کر اس بات کے قائل ہونے والے پر خدا اور فرشتوں اور انبیاء اور جنوں بلکہ تمام مخلوق کی لعنت ہو۔"

خلاصہ یہ کہ ہمارے مخالفین بھی بعض غیوب کا اقرار کر رہے ہیں اور ہم بھی بعض غیوب ہی کا اثبات کر رہے ہیں[1] (کیونکہ جمیع اشیاء بھی بعض مغیبات ہیں) تو اگر معاذ اللہ قاضی خان کی عبارت سے ہم پہ

---

[1] فرق اتنا ہے کہ ہم ان بعض کو اتنا وسیع جانتے ہیں کہ جمیع اشیاء کے علوم ان میں داخل ہیں اور مخالفین گنتی کے (باقی اگلے صفحہ پر)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(بقیہ حاشیہ)

الزام آئے گا تو ہمارے مخالفین ضرور کافر ٹھہریں گے ؎

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را
چنداں اماں نہ داد کہ شب را سحر کند

اور اگر وہ کافر نہ ٹھہریں تو کیا ہم نے ہی خطا کی ہے۔

جواب **تحقیقی**: قاضی خان میں لفظ "قالوا" ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور قاضی خان وغیرہ فقہاء کی عادت ہے کہ وہ لفظ "قالوا" اس مسئلہ پر لاتے ہیں جو ان کے نزدیک غیر مستحسن ہو اور ائمہ سے مروی نہ ہو۔ چنانچہ شامی جلد ۵ ص ۴۴۵ میں ہے:

لفظة قالوا تذکر فیما فیه خلاف کما صرحوا به۔

غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی بحث قنوت میں ہے:

وکلام قاضی خان یشیر علی عدم اختیاره له حیث قال واذا صلی علی النبی علیه الصلوٰة والسلام فی القنوت قالوا لا یصلی علیه فی القعدة الاخیرة ففی قوله قالوا اشارة الی عدم استحسانه له والی انه غیر مروی عن الائمة کما قلناه فان ذلک من المتعارف فی عبارتهم لمن استقراها واللّٰه تعالیٰ اعلم۔

اس سے معلوم ہوا کہ قاضی خان کی عبارت خود قاضی خان کے نزدیک غیر مستحسن اور غیر مروی اور ضعیف و مرجوح ہے حتی کہ اس کے ساتھ حکم کرنا سخت ممنوع اور جہل ہے۔ درمختار میں ہے:

ان الحکم والفتیا بالقول المرجوح جہل وخرق الاجماع۔

درمختار میں بھی یہی قاضی خان والا مسئلہ ہے وہاں بھی لفظ "قیل" ضعف کی دلیل موجود ہے درمختار کتاب النکاح میں ہے:

تزوج بشہادة اللّٰه ورسوله صلی اللّٰه علیه وسلم لم یجز بل قیل یکفر۔

شامی میں ہے:

(وقوله یکفر) لان اعتقد ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم عالم الغیب قال فی التاتارخانیة وفی الحجة ذکر فی الملتقط انه لا یکفر لان الاشیاء تعرض علی روح النبی صلی اللّٰه علیه وسلم وان الرسل یعرفون بعض الغیب قال اللّٰه تعالیٰ عالم الغیب فلا یظہر علی غیبه احدا الا من ارتضی من رسول۔

اور ایک جگہ تو یہ لکھ دیتے ہیں کہ حضور کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں (معاذ اللہ) اور بعض گستاخ تو یہاں تک بکتے ہیں کہ حضور کو تو اپنے خاتمہ کا حال بھی معلوم نہیں (معاذ اللہ) ۔ (تقویۃ الایمان و براہین قاطعہ)

(حاشیہ جاری ہے)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(بقیہ حاشیہ)

(خلاصہ یہ کہ جس نے کفر بتایا ہے اس کے نزدیک اعتقادِ علمِ غیب سبب ہے۔ تاتارخانیہ اور
حجہ میں ملتقط سے نقل کیا ہے کہ اس اعتقاد سے آدمی کافر نہیں ہوتا اس لیے کہ روحِ پاک
نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اشیاء پیش کی جاتی ہیں اور رسول بعض غیب کو جانتے ہیں فرمایا
اللہ جل شانہٗ نے عالم الغیب فلا یظھر علیٰ غیبہٖ احداً الا من ارتضیٰ من رسولٍ)

معدن الحقائق شرح کنز الدقائق اور خزانۃ الروایات میں ہے:

وفی المضمرات والصحیح انہ لا یکفر لان الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام
یعلمون الغیب ویعرض علیہم الاشیاء فلا یکون کفرا۔

(مضمرات میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ کافر نہیں ہوتا اس لیے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام
غیب کے عالم ہیں اور ان پر اشیاء پیش کی جاتی ہیں پس کفر نہ ہوگا)

شامی باب المرتد مسئلہ بزازیہ ذکر کرکے فرماتے ہیں:

حاصلہ ان دعوی الغیب معارضۃ لنص القرآن یکفر بہا الا اذا اسند ذلک
صریحاً او دلالۃ الی سبب من اللہ کوحی والہام۔

(غیب کے دعویٰ نصِ قرآن کے معارض ہے پس اس کا مدعی کافر ہو جائے گا لیکن اگر اس نے
صریحاً یا دلالۃً کسی سبب کی طرف نسبت کر لی ہے جو اللہ کی جانب سے ہو مثل وحی والہام
وغیرہ کے، تو کافر نہیں)

ردالمحتار میں ہے:

فیما صکل انسان غیر الانبیاء لا یعلم ما اراد اللہ تعالیٰ لہ وبہ لان ارادتہ
تعالیٰ غیب الا الفقہاء فانہم علموا ارادتہ تعالیٰ بہم لحدیث الصادق
المصدوق من یرد اللہ بہ خیراً یفقہہ فی الدین۔

غایۃ الاوطار میں اس عبارت کے تحت مسطور ہے اور اشباہ میں ہے:

ہر آدمی سوائے انبیاء علیہم السلام کے جانتا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کیا ارادہ ہے اس کے
ساتھ دارین میں۔ اس واسطے کہ حق تعالیٰ کا ارادہ غیب ہے مگر فقیہ اس کو جانتے ہیں کیونکہ
وہ جان گئے ہیں حق تعالیٰ کے ارادہ کو جو ان کے ساتھ ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی
اس حدیث میں من یرد اللہ بہ خیراً یفقہہ فی الدین ہے (یعنی جس کے لیے اللہ تعالیٰ
خیر کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین کی سمجھ دیتا ہے یعنی اس کو فقیہ بنا دیتا ہے)

(باقی بر صفحہ ۴۵)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ف ۱ قسم سے اس مضمون کو بیان کرنے کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ مخالفین کو اس سے انکار کی گنجائش نہیں رہے گی اس لیے کہ انھیں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نزاہت و صداقت پر ایمان تھا اور جانتے تھے کہ آپ نے زندگی بھر جھوٹ نہیں کہا تو اب جبکہ قسم کھا کر فرما رہے ہیں تو یقیناً بات حق ہوگی۔ لیکن ان کا نہ ماننا مکابرہ، ہٹ دھرمی اور ضد کی وجہ سے تھا اور ایسے مواقع پر تکذیب ان نفوس سے صادر ہوتی ہے جو غلط جُو ہوتے ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نفس کمینے کے سپرد کر دیتا ہے۔ ان سے سوائے انکار کے اور کچھ صادر نہیں ہوتا۔ ہاں جسے اللہ تعالیٰ نظرِ عنایت سے نوازتا ہے تو وہ قل بلیٰ وربی لتاتینکم عالم الغیب کا ارشادِ گرامی سنتے ہی اقرار کر لیتا ہے اور اسے حق سمجھ کر اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتا ہے

لَا يَعْزُبُ عَنْهُ (اس کے علم سے دُور نہیں)

حلِ لغات العزوب بمعنے دُور ہونا۔ العازب بمعنے گھاس کی طلب میں دُور جانے والا۔ ایسے ہی جو اپنے اہل وعیال سے دُور ہو جائے اسے بھی عازب سے تعبیر کرتے ہیں۔

اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے علم سے دُور نہیں اور اس سے پوشیدہ نہیں مِثْقَالُ ذَرَّةٍ

حلِ لغات المثقال ہر وہ شے جس سے کسی دوسری شے کو تولا جائے۔ یہ الثقل سے ہے۔ ہر وہ پتھر وغیرہ جس سے اناج وغیرہ وزن کیا جائے کما فی المفردات۔

الذرہ بمعنے چھوٹی سرخ چیونٹی اور وہ چھوٹے چھوٹے ذرات جو سورج کی شعاع سے ہوا میں نظر آتے ہیں یعنی مقدارِ ذرہ یا چھوٹی چیونٹی کے برابر کی چیز۔

فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ آسمانوں میں نہ زمینوں میں۔ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اجسام کو بھی جانتا ہے اور ارواح کو بھی وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ اور مثقال سے کوئی شے چھوٹی ہو وَلَآ اَكْبَرُ اور کوئی اس سے بڑی ہو ان دونوں کا مرفوع ہونا مبتدا ہونے کی وجہ سے ہے اسی لیے اکبر پر وقف نہیں کرنا چاہیے اور اس مبتدا کی خبر اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ ہے یعنی مذکورہ بالا اشیا مثبت و مسطور ہیں۔ کتاب مبین یعنی لوحِ محفوظ میں، اس لیے کہ وہی ہر شے کو ظاہر کرنے والی ہے۔ لوحِ محفوظ میں ان اشیاء کو اس لیے نہیں لکھا گیا کہ

القرآن حاشیہ سورۂ شوریٰ

ف ۱ اس سے ظاہر ہو گیا کہ فقہ میں بھی جہاں انکار ہے اس کے یہی معنی ہیں کہ تعلیمِ الٰہی کے بغیر کسی کا علمِ غیب ماننا کفر ہے اور ہمارا عقیدہ ہے کہ تعلیمِ الٰہی سے حضور علیہ السلام کے لیے علمِ غیب ثابت ہے۔ مزید تفصیل کے لیے فقیر کی کتاب علمِ غیب رسول دیکھئے۔

اویسی غفرلہ

For more Books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

نسیان وخطا کا خطرہ نہیں تھا بلکہ اس لیے کہ محافظین کی عادت ہی نہیں تھی کہ [illegible] ہر شے کو لکھ لیتے یا اس لیے کہ جیسے تم نے کیا وہ پورا پورا لکھا ہوا ہے اس میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہوئی اگرچہ اس پر بہت سارے برس گزر گئے اور یہ جملہ نفی موجب کی تاکید ہے لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یہ لیاتینکم کی علت اور بیان ہے اس کا کہ قیامت کیوں آئے گی، اس تقریر پر لام عقلاً علت کی اور شرعاً مصلحت وحکمت کی ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ قیامت اس لیے آئے گی تاکہ ایمان والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ جزا دے أُولٰٓئِكَ وہ لوگ جو ایمان اور عمل صالح سے موصوف ہیں لَهُمْ اسی سبب سے ان کے لیے ہے مَّغْفِرَةٌ مغفرت یعنی گناہوں کا ڈھانپنا اور جو ان سے صادر ہوا اسے مٹا دینا ہوگا کیونکہ انسان سے خطا ہو ہی جاتی ہے وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ اور رزق اچھا کہ جو بلا تکلیف اور کسی کا احسان اٹھائے بغیر حاصل ہو وَالَّذِيْنَ سَعَوْا اور وہ لوگ جنہوں نے کوشش کی فِيْٓ اٰيٰتِنَا ہماری قرآنی آیات میں یعنی قرآن مجید کی آیات پر طعن وتشنیع اور انہیں رد کرنے اور لوگوں کو ان کی تصدیق سے روکنے کی کوشش کی مُعٰجِزِيْنَ درانحالیکہ وہ عاجز کرنے والے تھے۔ البحر میں ہے کہ درانحالیکہ وہ گمان میں تھے کہ وہ ہم سے بچ نکلیں گے اور ان کا مکر اسلام کو مٹانے کے لیے کامیاب ہوگا لیکن ایسا نہ ہو سکا۔

حل لغات

المفردات میں ہے کہ السعی بمعنے تیز چلنا یعنی دوڑنے سے کم رفتار کو سعی کہا جاتا ہے اور کسی کام کے لیے جدوجہد کرنے پر بھی سعی کا لفظ بولا جاتا ہے۔ وہ کام نیک ہو یا برا۔ اور معٰجزین، اعجزت فلاناً وعاجزته سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کو عاجز کر دے۔

یعنی وہ گمان کر رہے ہیں کہ وہ ہمیں عاجز کر دیں گے اس لیے کہ ان کا عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد نہ اٹھنا ہے اور نہ کوئی حساب، جس سے انہیں نہ ثواب کی امید نہ عذاب کا خطرہ۔ اس آیت کی تائید ام حسب الذین یعملون السیئات ان یسبقونا یعنی وہ کوشش کرتے ہیں کہ وہ ہم پر غلبہ پا کر ہمیں عاجز کر دیں گے اور جو کچھ ہم نے آیات قرآنی نازل فرمائی ہیں انہیں وہ مٹا دیں گے أُولٰٓئِكَ وہ جو قرآنی آیات کے مٹانے کے درپے ہیں لَهُمْ اسی غلط روی کی وجہ سے ان کے لیے عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ یہ من بیانیہ ہے۔ الرجز بڑے عذاب کو کہتے ہیں۔ یعنی بڑے عذاب کی ایک جنس اَلِيْمٌ ۝ مرفوع ہے عذاب کی صفت ہے یعنی ایسا عذاب جس میں درد سخت تر ہو۔ کبھی الرجز بمعنے قذر وشرک اوثان کے ہے جیسے والرجز فاهجر میں ہے اور شرک و اوثان کو رجز سے اسی لیے تعبیر کرتے ہیں کہ وہ عذاب شدید کا سبب ہیں۔ ایسے ہی شیطان کے مکر کو بھی رجز کہا جاتا ہے کما قال تعالیٰ:

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وینھب عنکم رجز الشیطن ۔

اور شیطان کے مکر کو بھی رجز اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ بھی عذاب الٰہی کا سبب ہے ۔ المفردات میں ہے کہ الرجز بمعنے اضطراب ہے اور زلزلہ کی طرح ہے اور آیت میں یہی معنیٰ ہے ۔

وَيَرَى الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ یہ جملہ مستانفہ ہے یعنی اصحاب رسول اور امت کے علماء جانتے ہیں یا اہل کتاب کے اہل علم ، جیسے عبداللہ بن سلام و کعب الاحبار و غیرہما رضی اللہ عنہم جو دولت ایمان سے مشرف ہو گئے ہیں کو معلوم ہے ۔ پہلا معنیٰ زیادہ ظاہر ہے اس لیے کہ یہ سورۃ مکیہ ہے کذا فی التکملہ ۔

الَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وہ جو آپ کے پروردگار سے آپ کی طرف نازل ہوا ہے ۔ اس سے نبوت اور قرآن و حکمت مراد ہے ۔ یہ جملہ یری کا مفعول اول ہے ۔ هُوَ ضمیر فصل ہے جو خیرا لهم کے ضمیر کی طرح تاکید کا فائدہ دیتا ہے الْحَقَّ منصوب ہے اس لیے کہ یری کا مفعول ثانی ہے وَيَهْدِي اس کا الحق پر عطف ہے عطف الفعل علی الاسم کے قبیل سے ہے اس لیے کہ اسے مؤولا اسم بنایا گیا ہے ۔ یہ عبارت دراصل یوں تھی ؛ و یری الذین اوتوا العلم الذی انزل الیک الحق وھادیا ۔

إِلَى صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ۝ اور ہدایت دیتا ہے عزیز حمید کے سیدھے راستے کی طرف ۔ اس سے توحید اور تقویٰ کے لباس سے آراستہ ہونا مراد ہے ۔ اس سے خوف خداوندی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ عزیز وہ ہے جو مکذب سے بدلہ لے ۔ اس میں رغبت الی اللہ کی طرف بھی اشارہ ہے اس لیے کہ حمید وہ ہے جو تصدیق کنندہ کو جزائے خیر عطا فرمائے ۔

مسئلہ : دین اسلام اور ملک علام کی توحید ایسی اعلیٰ دولتیں ہیں جن کی بدولت دارین کی عزت ہے انہی کی وجہ سے قربت و وصال الٰہی اور مقام عین کی رویت نصیب ہوتی ہے ۔ جیسے کفر و شرک مذمت اور دنیا و آخرت کی ذلت اور بعد و طرد کا موجب بنتا ہے بلکہ یہ قلوب حاضرہ و ناظرہ کے معاینہ و مشاہدہ کا حجاب بن جاتے ہیں ۔

فلاسفہ کا رد اس آیت میں ان فلاسفہ کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم عرب کا ایک دانا آدمی تھا جس نے اپنے علم و حکمت سے نبوت و شریعت کو ظاہر فرمایا ۔ اور ان کا گمان تھا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کو اپنی طرف سے گھڑ لیا تھا اسی وجہ سے وہ ابطال حق اور اثبات باطل میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے تھے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی سخت مذمت فرمائی اس لیے کہ نبوت کے مخالف کی سزا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

دوسرے امور کی مخالفات کی سزا کی طرح نہیں ہے۔

تفسیر صوفیانہ

وہ حضرات جنہیں علوم وحکمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئے وہ لوگ جو علم وحکمت کو تکرار وبحث سے حاصل کرتے ہیں، یہاں وہ لوگ مراد نہیں۔ یہ لوگ نبوت وقرآن کی تصدیق کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ حق ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور وہ حقیقت کو دیکھتے ہیں کیونکہ وہ ہر شے نورِ الٰہی سے دیکھتے ہیں۔ اور قاعدہ ہے کہ حق حق کو دیکھتا ہے جیسے نور سے ہی نور دیکھا جا سکتا ہے۔ جب معلوم ہوا کہ حق سے حق دیکھتا ہے تو ماننا پڑے گا کہ حق اہلِ حق کو ہی ہدایت دیتا ہے یا ان طالبانِ راہِ حق کو جو طریقِ حق پر چلتے ہیں۔ کما قال:

ویھدی الی صراط العزیز الحمید اللہ تعالیٰ عزیز ہے اس لیے کہ راہِ حق کو اسی سے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے اور اسی کی ہدایت سے ہی یہ دولت نصیب ہوتی ہے اور وہ حمید ہے اس لیے کہ وہ اپنے طالب کو محروم نہیں فرماتا۔ کما قال:

الا من طلبنی وجدنی۔

(جو مجھے ڈھونڈتا ہے وہ مجھے پائے گا)

ف: موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی، یا اللہ! میں تمہیں کہاں ملوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب بھی تم مجھ سے ملنے کا ارادہ کرو گے مجھے وہیں پاؤ گے۔

حضرت جامی قدس سرہ نے فرمایا ؎

۱ ہر چہ جز حق ز لوحِ دل بتراش
بگذر از خلق جملہ حق را باش

۲ رختِ ہمت بخطۂ جان کش
بر رخِ غیر خطِ نسیان کش

۳ یکسلے خویش از ہوا و ہوس
روئے دل در خدائے داری بس

ترجمہ: (۱) غیرِ حق کو دل سے دھو ڈال، خلق سے گزر کر حق کا ہو جا۔
(۲) ہمت کا سامان خطۂ جان میں کھینچ، رخِ غیر پر نسیان کا خط کھینچ (غیر کو بالکل بھول جا)
(۳) ہوا و ہوس خود سے علیحدہ کر لے، دل کا رخ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف موڑ دے۔

تفسیر عالمانہ

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور کافروں نے کہا اس سے وہ کافر مراد ہیں جو قیامت میں اٹھنے کے منکر ہیں یعنی قریش قوم کے کفار نے بطریقِ استہزاء

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

آپس میں کہا هَلْ نَدُلُّكُمْ کیا ہم تمہاری دلالت کریں اور تمہیں نشان دیں عَلٰی رَجُلٍ ایسے مرد کا اس سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں آپ کو عام رجل بطور استہزاء کہا يُنَبِّئُكُمْ جو تمہیں خبر دیتا ہے یعنی عجیب و غریب باتیں کہتا ہے اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ۔

حل لغات المزق تمزیق کا مصدر ہے یعنی ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔ تمزیق کا حقیقی معنی ہے تفریق۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

مزق ثیابه (اس نے اپنے کپڑے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے)

اب معنی یہ ہوا کہ جب تم مر گئے اور تمہارے اجسام ریزہ ریزہ ہو جائیں گے یہاں تک کہ تم چورہ چورہ ہو کر اور مٹی ہو کر مٹی میں مل جاؤ گے اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝ بے شک جدید تخلیق میں ہو گے یعنی مرنے کے بعد زندہ اٹھائے جاؤ گے جدید بروزن فعیل بصریوں کے نزدیک بمعنے فاعل ہے۔ جدّ فهو جدیدٌ سے ہے جیسے قلّ فهو قلیل۔ اور کوفیوں کے نزدیک فعیل بمعنے مفعول ہے جدّ النساج الثوب سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب نساج کپڑا کاٹے۔

ف: المفردات میں ہے کہ اہل عرب کہتے ہیں:

جددت الثوب۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کپڑے کو کسی کام میں لگانے کے لیے کاٹا جائے۔ ایسے ہی نئے کپڑے کو جدید کہا جاتا ہے: ثوبٌ جدیدٌ۔ دراصل کٹے ہوئے کپڑے کو کہا جاتا ہے۔ پھر ہر اس شے پر اس کا اطلاق ہونے لگا جو نئی صورت میں آئے۔ لیکن یہاں پر نشأة ثانیه (قیامت) اور البعث بعد الممات (اور اعادات) مراد ہوتے ہیں اور اذا کا عامل محذوف ہے جس پر اس کا مابعد دلالت کرتا ہے یہ دراصل ہے تنشؤون خلقًا جدیدًا۔ اور مزقتم اس میں اس لیے عمل نہیں کرتا کہ تمزیق اسی مزقتم کی طرف منسوب ہے اور نہ ہی ینبئکم اس میں عمل کر سکتا ہے اس لیے کہ انباء اور تمزیق کا وقت ایک نہیں بلکہ انباء بہت پہلے واقع ہوا ہے اور تمزیق عرصہ دراز کے بعد واقع ہو گی۔ ایسے ہی جدید بھی اس پر عمل نہیں کرتا اس لیے کہ ان کا مابعد اس کے ماقبل پر عمل نہیں کرتا۔

اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا کیا مذکورہ خبر دے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ پر افترا کیا ہے۔ یہ بھی کافروں کا مقولہ ہے۔ افترٰی دراصل أَاِفْتَرٰى تھا ساتھ ہمزہ مفتوحہ استفہامیہ کے ہمزہ مکسورہ وصلیہ پر داخل ہے اور ہمزہ استفہام انکار و تعجب کے لیے واقع ہوا۔ اسی کی وجہ سے ہمزہ اصلی تخفیفاً محذوف ہو گیا ہے۔ اس لیے کہ یہاں پر التباس کا کوئی خطرہ نہیں۔

افترا اور کذب میں فرق

افتراء اور کذب میں فرق یہ ہے کہ افترا وہ ہے کہ انسان جھوٹ اپنی طرف سے گھڑ کر بیان کرے اور کذب جس میں کسی دوسرے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کی تقلید میں کے۔ افترا یعنی جھوٹ گھڑنا۔
اب معنی یہ ہوا کہ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹ گھڑا ہے اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ یا انہیں جنون ہے یعنی جنون انہیں ایسی بات کا وہم ڈالتا ہے اور بلا ارادہ ان کی زبان پر ایسی بات کراتا ہے جنون انسان کے نفس و عقل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ کافروں کے نزدیک کذب دو قسم پر ہوتا ہے۔

۱ - عمداً

۲ - بلا قصد و ارادہ

پہلے کی مثال افترا ہے اور دوسرے کی جنون۔
اب معنی یہ ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جنون ہے یا انہوں نے افترا نہیں کیا۔ کافروں نے عدم افتراء کو جنون سے تعبیر کیا ہے اس لیے جنون سے افترا نہیں ہوتا اور کذب کو قصد و ارادہ سے تعلق ہوتا ہے اور مجنون قصد و ارادہ سے فارغ ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جنون کی حالت میں خبر دینا بھی افتراء کی ایک قسم ہے جو عام افترا سے خاص ہے اور یہ عام کذب کی قسم نہیں۔

ربط: بَلِ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اس سے اللہ تعالیٰ نے کافروں کے دعویٰ کی تردید فرمائی ہے کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ جنون ہے اور نہ وہ افتراء کرتے ہیں جیسا کہ تمہارا گمان ہے کیونکہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان ہر دو نقائص سے مبرا اور پاک ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ بالا باتیں کرنے والے کافر ایسے ہیں کہ انہیں آخرت پر یقین ہی نہیں۔ انہیں یقین ہونا چاہیے کہ وہ عنقریب واقع ہوں گے فِی الْعَذَابِ آخرت کے عذاب میں وَالضَّلٰلِ الْبَعِیْدِ اور دنیا میں صواب و ہدیٰ سے کوسوں دور کہ اب ان کی راہ ہدایت پر آنے کی امید ہی ختم ہے اور ضلال موصوف بعید صفت۔ یہ اسناد مجازی ہے اور اس سے مبالغہ مطلوب ہے کیونکہ وہی سیدھی راہ سے کوسوں دور ہے پھر وہ جتنا سیدھی راہ سے ہٹتا جائے گا اتنا ہی گمراہ تر ہوتا جائے گا۔ عذاب کے موجب کو عذاب سے پہلے ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ اپنے بُرے عمل کا سُن کر محزون و مغموم ہوں اور انھیں گمراہی اور عذاب ایسے محیط ہیں جیسے مظروف کو ظرف محیط ہوتا ہے اس لیے کہ عذاب کے اسباب ان کے ہاں ہر وقت موجود تھے۔ اس اعتبار سے گویا وہ اپنے عذاب و گمراہی کے درمیان میں ہیں اور ضمیر کے بجائے موصول لانے میں تنبیہ ہے کہ ان کا گمراہی وغیرہ کی جرأت کا اصل سبب ان کا کفر ہے۔ اگر انہیں آخرت کے عذاب کی ہولناکیاں معلوم ہوتیں تو وہ ان کے خوف سے گمراہی کا ارتکاب نہ کرتے۔

ف: آیت میں ثابت کیا گیا ہے کہ انہیں حقیقی جنون ہے اس لیے کہ غفلت سے عذاب اور گمراہی میں مبتلا ہونا جنون اور عقل کی کمزوری ہی تو ہے ورنہ اگر انہیں فہم و ادراک ہوتا تو وہ حقیقت حال کو سمجھ جاتے اور ایسی بیہودہ باتیں نہ کرتے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

فائدہ صوفیانہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ وُہ انسان جس کا قلب کفر و معاصی اور جرائم سے زنگ آلود ہو جائے تو وہ اس چھوٹے بچے کی طرح ہے جو بچپن سے ہی اپنے وطن سے بے وطن ہو جائے پھر جب بڑا ہوتا ہے پہلے وطن کی باتیں یاد نہیں رہتی اور یاد دلانے پر بھی یاد کرنے کے بجائے اختلاف کرتا ہے۔ ایسے ہی نفس کا مارا ہوا انسان دنیا میں پھنسا تو اب اسے آخرت (جو انسان کا اصلی وطن ہے) سے انکار کرتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس کے یاد دلانے والے کے ساتھ استہزاء کرتا ہے اور یہ بھی نہیں سوچتا کہ وُہ آدم علیہ السلام کی پشت میں کس طرح تھا اللہ تعالیٰ نے اس کے ذرات کو کیسے جمع فرمایا اور پھر اسے نئی تخلیق میں لایا اور ایسے ہی اسے قیامت میں جمع فرمائے گا ؎

۱ بامرش وجود از عدم نقش بست
کہ داند بجز او کردن از نیست ہست

۲ دگر رہ بکتم عدم در برد
وز انجا بصحرائے محشر برد

۳ دہد روح گر تربت آدمی
شود تربت آدم دران یکدمی

۴ کسی کو بجوید نظیر نشور
بگو در نگر سبزہ را در ظہور

۵ کہ بعد خزاں بشگفد چند گل
بجوشد زمین در بہاراں چو مل

ترجمہ: (۱) اس کے حکم سے وجود نے عدم سے نقش پایا۔ اس کے سوا نیست سے ہست کون کر سکتا ہے۔

(۲) دوبارہ پھر وجود سے عدم کی طرف لائے گا اس کے بعد پھر محشر میں لائے گا۔

(۳) آدمی کی مٹی کو رُوح بخشتا ہے تو فوراً وُہ مٹی آدمی بن جاتی ہے۔

(۴) کوئی شخص پُوچھے کہ قیامت میں اُٹھنے کی کوئی نظیر (دنیا میں) کیا ہے، تو اسے کہو کہ کھیتوں کی سبزی کو دیکھ لو۔

(۵) کہ خزاں کے بعد کیسے گل آتے ہیں، بہار کے موسم میں زمین شراب کی طرح جوش مارتی ہے۔

اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ فا عاطفہ ہے اس کا فعل مقدر ہے یعنی کیا انہوں نے وُہ برائی کی جو ان کے عذاب کا موجب تھی تو انہوں نے اس طرف نہ دیکھا جو انہیں ہر جانب سے محیط ہے کہ اب ان کے لیے بھاگنے کا کوئی چارہ نہیں۔ اس سے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

آسمان وزمین مراد ہیں اس لیے کہ وہ جہاں بھی جاتے ہیں ان کے آگے پیچھے، دائیں بائیں آسمان وزمین موجود ہیں۔ اب معنی یہ ہوا کہ کیا وہ نہیں دیکھتے اس طرف کہ ان کے آگے پیچھے آسمان وزمین ہے۔

ربط : اب بتایا کہ آسمان وزمین سے جو ان پر واقع ہونے والا ہے وہ کیا ہے۔ کما قال اِنْ نَّشَاْ ان کے کردار کے موجب اگر ہم چاہیں نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ ہم انہیں ایسے ہی زمین میں دھنسا دیں، جیسے قارون کو زمین میں دھنسایا گیا کہ پھر وہ کبھی ظاہر نہ ہوا۔ بھم کی باء تعدیہ کی ہے اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ یا ہم ان پر آسمان کا ٹکڑا پھینک دیں جیسے اصحاب ایکہ پر آسمان سے پتھر برسائے گئے جب کہ انہوں نے جرائم کا ارتکاب کرکے اس طرح کا عذاب خود مانگا تھا۔

حلِ لغات الکسف لفظاً ومعناً قطعۃ کی طرح ہے یہ کسفۃ کی جمع ہے۔ المفردات میں ہے کہ الکسفۃ بمعنے بادل اور کپاس کا ٹکڑا۔ اس طرح کی ذوجسم اشیاء کا ٹکڑا جو درمیان میں کھوکھلا ہو۔ یہاں پر آسمان سے آگ کا ایک ٹکڑا مراد ہے۔ جیسے اصحاب الایکہ یعنی شعیب علیہ السلام کی قوم پر آگ کی چنگاریاں برسائی گئیں۔ وہ لوگ کھیتوں، باغات اور بہترین درختوں کے مالک تھے پہلے ان پر گرم ہوا چلی پھر آسمان سے ایک بادل آتا ہوا دکھائی دیا اسے دیکھ کر لوگ اس کے نیچے سایہ کی خاطر آئے تو ان پر آگ برسائی گئی۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ بیشک مذکورہ بیان میں یعنی ان پر آسمان وزمین سے عذاب کا آنا اور ہر جانب سے انہیں محیط ہو جانا جسے دیکھنے والے آنکھوں سے دیکھیں، یا اس سے وہ وحی مراد ہے جو ان پر پڑھی گئی لَاٰيَةً البتہ دلالت واضحہ ہے لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ○ واسطے ہر اس بندے کے جو اس کی طرف رجوع وانابت کرتا ہے کیونکہ وہ جب اس میں غور وفکر کرے گا یا وحی مذکور سنے گا تو لازماً برائیوں کے ارتکاب سے باز آجائے گا اور بارگاہِ حق کی طرف رجوع کرے گا۔

حلِ لغات المفردات میں ہے کہ النوب بمعنے شے کا بار بار لوٹنا۔ الانابۃ بمعنے اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ اور اخلاص عمل کے ساتھ رجوع کرنا۔

ف : آیت میں توبہ و انابۃ کی بہت بڑی ترغیب ہے اور جرم وجنایۃ پر زجر وتوبیخ کی گئی ہے۔ عبد خائف وہ ہے جو آنکھ جھپکنے کی دیر بھی قہر الٰہی سے بے خوف نہیں رہتا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے وہ جسے چاہے لطف سے بہرہ ور فرمائے، جس پر چاہے قہر وغضب برسائے (نعوذ باللہ) ذرّاتِ عالم میں سے کوئی شے اس کی قدرت کاملہ سے باہر نہیں۔

ف : حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب بندہ صدق دل سے توبہ کرتا ہے وہ منیب ہو جاتا ہے اس لیے کہ یہ توبہ کا دوسرا درجہ ہے۔

ف : ابو سعید قرشی رحمہ اللہ نے فرمایا: منیب وہ ہے جو ہر اس شے سے روگردانی کرے جو

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اللہ تعالیٰ سے باز رکھے اور صرف حق تعالیٰ کی طرف راغب ہو۔

ف: بعض مشایخ نے فرمایا، منیب وہ ہے جو اس کی طرف راجع ہو، غیر کو اس کے رجوع کے لیے سبب نہ سمجھے۔ جو غیر کو سبب سمجھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے وہ انابت کے ایک حصہ کو ضائع کر دیتا ہے اور حقیقی منیب وہ ہے جس کا مرجع صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہو اسی کی طرف رجوع کرے۔ اگر اس کی غیر کی طرف رجوع ہو تو ذاتِ حق کے رجوع سے ہو۔ وہ اپنی ذات کو باری تعالیٰ کے سامنے ایک ڈھیلے کی طرح بنا دے، وہ جیسے چاہے اس سے کام لے۔ یعنی عین الجمع میں مستغرق ہو جائے۔

معروف کرخی کا مقام حضرت سری سقطی قدس سرہٗ نے فرمایا: میں نے حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ کو خواب میں دیکھا کہ وہ عرشِ الٰہی کے نیچے مدہوش پڑے ہیں اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے پوچھا:

یہ کون ہے؟

انھوں نے عرض کی:

یا الٰہ العالمین! تو ہی بہتر جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یہ معروف کرخی ہے جو میرے عشق میں مستغرق ہے اسے سوائے میرے دیدار کے اور کوئی شے ہوش میں نہیں لا سکتی۔

سبق: اسی کو کہتے ہیں حقیقی رجوع۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادہم قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ایک دفعہ میں بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا میں نے ایک خوبرو نوجوان کو طواف کرتے دیکھا اس کے حسن و جمال سے نہ صرف مجھ ہی کو حیرت تھا بلکہ تمام ناظرین میری طرح حیران تھے۔ میں اسے دیکھ کر رونے لگا۔ میرے بعض ساتھیوں نے میری یہ کیفیت دیکھ کر کہا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یعنی افسوس ہے کہ شیخ (ابراہیم بن ادہم) پر غفلت چھا گئی۔ پھر اسی ساتھی نے مجھ سے پوچھا، حضرت! یہ رونا اور نوجوان کو غور سے دیکھنا کیسا؟ میں نے کہا، بھائی! میں نے اللہ تعالیٰ سے ایک پختہ معاہدہ کیا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ اسے ہرگز نہیں توڑوں گا، اب میری آزمائش ہے اس لیے کہ یہ نوجوان میرا لختِ جگر اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، میں اسے صغرسنی کے عالم میں چھوڑ کر گھر سے نکلا تھا اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو پا لیا تھا لیکن اب یہ بڑا ہو گیا ہے اور اس کی جوانی مجھے اپنی طرف کھینچنا چاہتی ہے۔ مگر مجھے اللہ تعالیٰ سے ڈر لگتا ہے کہ کہیں پھسل نہ جاؤں۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ؕ یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ

اور بے شک ہم نے داؤد کو اپنا بڑا فضل دیا اے پہاڑو اس کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرو اور اے پرندو

وَالطَّیْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِیْدَ ﴿۱۰﴾ اَنِ اعْمَلْ

اور ہم نے اس کے لیے لوہا نرم کیا کہ وسیع زرہیں بنا

سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِی السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۱۱﴾

اور بنانے میں اندازے کا لحاظ رکھ اور تم سب نیکی کرو بے شک میں تمہارے کام دیکھ رہا ہوں

وَلِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَیْنَ

اور سلیمان کے بس میں ہوا کردی اس کی صبح کی منزل ایک مہینہ کی راہ اور شام کی منزل ایک مہینے کی راہ اور ہم نے اس کے لیے

الْقِطْرِ ؕ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ یَّعْمَلُ بَیْنَ یَدَیْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ؕ وَمَنْ یَّزِغْ

پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ بہایا اور جنوں میں سے وہ جو اس کے آگے کام کرتے اس کے رب کے حکم سے اور جو ان میں ہمارے

مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِیْرِ ﴿۱۲﴾ یَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا یَشَآءُ مِنْ

حکم سے پھرے ہم اسے بھڑکتی آگ کا عذاب چکھائیں گے اس کے لیے بناتے جو وہ چاہتا اونچے اونچے

مَّحَارِیْبَ وَتَمَاثِیْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ ؕ اِعْمَلُوْٓا

محل اور تصویریں اور بڑے حوضوں کے برابر لگن اور لنگردار دیگیں اے داؤد والو

اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾ فَلَمَّا قَضَیْنَا عَلَیْهِ

شکر کرو اور میرے بندوں میں کم ہیں شکر والے پھر جب ہم نے اس پر موت کا

الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰی مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا

حکم بھیجا جنوں کو اس کی موت نہ بتائی مگر زمین کی دیمک نے کہ اس کا عصا کھاتی تھی پھر جب

خَرَّ تَبَیَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ الْغَیْبَ مَا لَبِثُوْا فِی الْعَذَابِ

سلیمان زمین پر آیا جنوں کی حقیقت کھل گئی اگر غیب جانتے ہوتے تو اس خواری کے عذاب میں

الْمُهِیْنِ ﴿۱۴﴾ لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِیْ مَسْكَنِهِمْ اٰیَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ یَّمِیْنٍ

نہ ہوتے بے شک سبا کے لیے ان کی آبادی میں نشانی تھی دو باغ داہنے

وَّشِمَالٍ ۬ؕ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ طَیِّبَةٌ وَّرَبٌّ

اور بائیں اپنے رب کا رزق کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو پاکیزہ شہر اور بخشنے

غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ سَیْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَیْهِمْ

والا رب تو انہوں نے منہ پھیرا تو ہم نے ان پر زور کا اہلا بھیجا اور ان کے باغوں کے عوض دو باغ انہیں دیے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

جَنَّتَیْنِ ذَوَاتَیْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَیْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِیْلٍ ﴿۱۶﴾ ذٰلِكَ جَزَیْنٰهُمْ
والے دو باغ جن میں بکٹا میوہ اور جھاؤ اور کچھ تھوڑی سی بیریاں ہم نے انہیں یہ بدلہ

بِمَا كَفَرُوْا وَهَلْ نُجٰزِیْۤ اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴿۱۷﴾ وَجَعَلْنَا بَیْنَهُمْ وَبَیْنَ الْقُرَى الَّتِیْ
دیا ان کی ناشکری کی سزا اور ہم کسے سزا دیتے ہیں اسی کو جو ناشکرا ہے اور ہم نے کیے تھے ان میں اور ان شہروں میں جن

بٰرَكْنَا فِیْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِیْهَا السَّیْرَ سِیْرُوْا فِیْهَا لَیَالِیَ وَاَیَّامًا
میں ہم نے برکت رکھی سر راہ کتنے شہر اور انہیں منزل کے اندازے پر رکھا ان میں چلو راتوں اور دنوں امن

اٰمِنِیْنَ ﴿۱۸﴾ فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَیْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ
وامان سے تو بولے اے ہمارے رب ہمارے سفر میں دوری ڈال اور انہوں نے خود اپنا ہی نقصان کیا تو ہم نے

اَحَادِیْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۱۹﴾
انہیں کہانیاں کردیا اور انہیں پوری پریشانی سے پراگندہ کردیا بیشک اس میں ضرور نشانیاں ہیں ہر بڑے صبر والے ہر بڑے شکر

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَیْهِمْ اِبْلِیْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۲۰﴾
والے کے لیے اور بیشک ابلیس نے انہیں اپنا گمان سچ کر دکھایا تو وہ اس کے پیچھے ہو لیے مگر ایک گروہ کہ مسلمان تھا

وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَیْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ
اور شیطان کا ان پر کچھ قابو نہ تھا مگر اس لیے کہ ہم دکھا دیں کہ کون آخرت پر ایمان لاتا ہے اور کون

هُوَ مِنْهَا فِیْ شَكٍّ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ ﴿۲۱﴾
اس سے شک میں ہے اور تمہارا رب ہر چیز پر نگہبان ہے

تفسیر عالمانہ

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا بے شک ہم نے داؤد علیہ السلام کو فضل بخشا۔

صوفیانہ نکتہ: اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو وہ اسم بخشا ہے جس میں حروف اتصالیہ نہیں اس سے معلوم ہوا کہ وہ عالم دنیا سے بالکل فارغ ہوئے اور اسے الطاف خفیہ وجلیہ سے مشرف فرمایا اس لیے اسم ومسمی کو آپس میں مناسبت ہوتی ہے۔ اسے صرف اہل حقیقت ہی سمجھتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ اسماء والقاب آسمان سے ہی نازل ہوتے ہیں۔

ف: وفضل بمعنی زیادہ، اس کی تنوین نوعی ہے۔ یعنی داؤد علیہ السلام کو دیگر انبیاء علیہم السلام کی بہ نسبت ایک طرح کا فضل عطا ہوا جو نہ بنی اسرائیل کے انبیاء کو نصیب ہوا نہ دوسروں کو جیسا کہ تلك الرسل فضلنا بعضهم علی بعض سے بھی معلوم ہوتا ہے اور یہ ضروری نہیں کہ فاضل ہر لحاظ سے فاضل

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ہو بلکہ وہ کسی اور وجہ سے مفضول بھی ہوتا ہے۔

ف : اس سے داؤد علیہ السلام کے وہ معجزات (پہاڑوں کی تسبیح، پرندوں کی تسخیر اور لوہے کا نرم ہو جانا وغیرہ) مراد ہیں جو صرف انہی سے مخصوص تھے لیکن فضل کا انحصار انہی معجزات پر نہیں بلکہ اس کے علاوہ زبور کا عطیہ بھی ایک فضل تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان پر امتنان وتفضل کے ضمن میں فرمایا،

و اٰتینا داؤد زبورا۔

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور داؤد علیہ السلام کے فضل میں فرق

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور داؤد علیہ السلام کے فضل میں بہت بڑا فرق ہے۔ وہ یوں کہ داؤد علیہ السلام کا فضل نکرہ سے مذکور ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فضلِ الٰہی کی ایک نوع ہے جس کا معمولی سا حصہ داؤد علیہ السلام کو عطا ہوا۔ اس سے فیضِ الٰہی بلا واسطہ مراد ہے اس لیے کہ لفظ "منا" سے ایسے ہی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو جو فضل عطا ہوا اسے یوں بیان کیا گیا،

وکان فضل اللہ علیک عظیما۔

اس فضل کو عظمت کی صفت سے بیان کیا گیا اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف کر کے۔

اب معنی یہ ہوا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر قسم کا فضل عطا ہوا۔ اس کی مثال یوں دی جا سکتی ہے کہ کسی کے متعلق کہا جائے:

دار فلان اشتملت علی جمیع الدور۔

(فلاں شخص کا گھر تمام گھروں پر مشتمل ہے)

ایک اور تقریر ممکن ہے داؤد علیہ السلام کے فضل میں تنکیر تفخیم کی ہو اور اس کی فخامت کی تاکید کے لیے لایا گیا ہو لہذا اس سے فخامت ذاتیہ مراد ہو جو کہ ذات حق کے شایان شان ہے۔

---

۱ ھجرت الخلق طرا فی ھواکا

وایتمت العیال لکی اراکا

۲ فلو قطعتنی فی الحب اربا

لما سکن الفؤاد الی سواکا

ترجمہ: (۱) میں نے خلق کو تیرے عشق میں چھوڑا اور عیال کو یتیم بنایا تاکہ تجھے دیکھوں۔

(۲) اگر تو نے محبت میں میری آرزو توڑ دی تو میرا دل تیرے سوا سکون نہ پا سکے گا۔

سبق نفس کو چھوڑنے سے وصال حق اور نفس پروری سے حق سے دوری حاصل ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ہی وصال کے مقام تک پہنچاتا ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کی طرف مضاف ہو۔ لیکن اس وقت مفضل علیہ غیر انبیاء علیہم السلام مراد ہوں گے۔ اب معنی یہ ہوگا کریم نے داؤد علیہ السلام کو بہت بڑا افضل عطا فرمایا جو انبیاء علیہم السلام کے بغیر کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہوا جیسے نبوت، علم، قوت، خوش الحانی وغیرہ۔

یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَہٗ اٰتینا منّا فضلاً سے قولنا محذوف سے بدل ہے۔

التاویب کے دو معنے ہیں:

(۱) الترجیع بمعنے لوٹ گردانیدن۔ اس لیے کہ یہ اَوْبٌ بمعنے الرجوع سے ہے۔

(۲) السیر بالنہار کلہ (سارا دن چلتے رہنا)۔

پہلے معنی پر آیت کا معنٰی یہ ہُوا کہ اے پہاڑو! حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بار بار پڑھو۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ اَوِّبِی بمعنے سبّحی معہٗ ہے۔ حبشہ کی زبان میں تسبیح کو کہا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پہاڑو! داؤد (علیہ السلام) کے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھو۔

ف: موسیٰ علیہ السلام کے درخت کی طرح پہاڑوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی طرح آواز پیدا فرمائی جب داؤد علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے تو پہاڑوں سے ایسے آواز سنائی دیتی تھی جیسے کوئی تسبیح پڑھنے والا تسبیح پڑھ رہا ہو۔ یہ داؤد علیہ السلام کا معجزہ تھا۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ پہاڑوں سے جو صدا گونجتی ہے یہ اسی روز سے ہے یہ گونج وہی اعجوبہ آواز ہے جو بولنے والے کی آواز کے بعد گونجتی ہے۔

سوال: اہل حقیقت کے نزدیک ہر شے قولی تسبیح پڑھتی ہے جسے لفظ صریح سے اہل اللہ سنتے اور اہل مشاہدہ آنکھوں سے دیکھتے ہیں پھر داؤد علیہ السلام کی خصوصیت کا کیا معنے؟

جواب: خرقِ عادت کے طور پر ان کا داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح میں مشغول ہونا جیسا کہ لفظ معہٗ سے معلوم ہوتا ہے۔ یہی خصوصیت تھی جو داؤد علیہ السلام کو عطا ہوئی۔

سوال: یہ بات اپنے مقام پر حق ہے کہ عالم میں ہر عالم اور اس کے ہر نوع کا ذکر علٰحدہ علٰحدہ ہے اور سالک تمام اشیاء سے وہی ذکر سنتا ہے جس میں وہ خود مشغول ہے تو یہ کشف محض خیالی اور غیر صحیح ہے کیونکہ وہ ایک خیال محض ہے جو موجودات میں اس کے لیے قائم ہوا ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں اور وہ کشف صحیح ہے جس میں ہر نوع سے وہی ذکر سنائی دے جس میں اسی نوع کے افراد مشغول ہیں اور ظاہر ہے کہ ہر نوع کا ذکر دوسرے نوع کے ذکر سے علٰحدہ ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

جواب : پہاڑوں کا داؤد علیہ السلام کے موافق ہونے سے یہ لازم نہیں کہ ان کا کوئی الگ ذکر ہو بلکہ ان کی تسبیح کا سننا داؤد علیہ السلام کا معجزہ تھا۔ یہی نہیں بلکہ وہ بھی ان کی موافقت میں اسی طرح ذکر میں مشغول تھے۔ بس معجزہ ہونے کے لیے اتنا کافی ہے خواہ ان کا ذکر علٰحدہ ہو یا داؤد علیہ السلام جیسا۔

ف : اَوِّبِی تاویب بمعنے سارا دن چلتے رہنا۔ جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا ہے کہ تاویب کا ایک معنی یہ بھی ہے تو اب معنی یہ ہوگا کہ اے پہاڑو! وہاں چلو جہاں داؤد علیہ السلام تشریف لے جائیں یا جب وہ تمہیں چلنے کا حکم دیں تو تم چل پڑو۔ یہ داؤد علیہ السلام کا معجزہ تھا کہ جب وہ چاہتے اور جس پہاڑ کو چاہتے تو وہ پہاڑ چل پڑتا۔

ف : پہاڑوں کی تسبیح و سیر کی تخصیص اس لیے کہ یہ شکل و صورت اور قد و قامت میں انسانوں کے مشابہ ہیں۔

وَالطَّیْرَ اس کا منصوب ہونا بوجہ عطف کے ہے۔ اس کا عطف فضلاً پر ہے یعنی ہم نے داؤد علیہ السلام کے لیے پرندوں کو مسخر فرمایا اس لیے کہ پرندوں کا ان کے ہاں حاضر ہونا ہی تسخیر کی وجہ سے تھا۔ اسی لیے یہاں پر فعل تسخیر کے محذوف کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ تسبیح الطیر سمجھ کر مضاف کو محذوف ماننے کی ضرورت ہے۔ کما فی الارشاد :

"مسخر کردیم ویرا مرغان تا در وقت ذکر با او موافق بودندی"

اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے پرندوں کو داؤد علیہ السلام کے تابع کردیا کہ وہ بھی ان کی موافقت میں تسبیح پڑھیں۔

ف : جبال و طیور کو بمنزلہ عقلاء کے قرار دے کر عقلاء کی طرح انہیں ندا دی گئی ہے اس لیے کہ ہر حیوان و جماد مشیتِ الٰہی کے زیرِ فرمان اور اسی کے حکم کا پابند ہے ورنہ جماد کی اصل فطرت ہے منجمد ہونا اور پرندوں کی فطرت ہے انسانوں سے بھاگنا لیکن اس کے برعکس وہ داؤد علیہ السلام کے حکم کے تابع تھے

سبق یہ جمادات و حیوانات ہیں کہ ذکرِ حق سے سرشار ہیں لیکن وہ بدقسمت انسان جس کا دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوگیا کہ وہ ذکرِ الٰہی سے نہ صرف محروم بلکہ اہلِ ذکر کی مجلس سے متنفر ہوگیا۔ بعض ان کے اس محبوب طریقے کے منکر ہوگئے اور بعض بدقسمتی سے ان کے دشمن بن گئے۔

حضرت جامی قدس سرہٗ کی تقریر دلپذیر

حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی قدس سرہٗ نے شرح فصوص الحکم میں لکھا ہے کہ چونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کے روح کی توجہ خاص تسبیح کی طرف تھی اس لیے وہی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تسبیح ان کے اعضاء میں سرایت کر گئی اور اعضاء روح کے مظاہر ہیں اسی لیے ان سے ذکر و تسبیح کا اثر جمادات وطیور پر پڑا (کیونکہ یہی اشیاء انسانی اعضاء کے مشابہ ہیں) تو وہ بھی تسبیح و ذکر میں مشغول ہو گئے اسی لیے ان کی تسبیح و ذکر کا جملہ ثواب داؤد علیہ السلام کو ملتا تھا ان جمادات وحیوانات کو تو ثواب کی ضرورت نہیں پھر لامحالہ وہ اجر و ثواب ضائع نہ ہونے دیا گیا بلکہ وہ جملہ ثواب داؤد علیہ السلام کو عطا ہوا۔

نسخہ روحانی

لسانی ذکر کا اثر روح پر پڑتا ہے اس سے روح کا ذکر چلتا ہے تو اس کا عکس نفس کے پہاڑوں اور قلب کے پرندوں پر پڑتا ہے جب ذکر پر مداومت کی جائے روح کے ذکر کا اثر نفس پر اور نفس سے بدن پر، اور اس بدن سے رونگٹے رونگٹے کے ظاہر و باطن پر، اس کے بعد اجزاء عنصریہ پر، اس کے بعد اربعہ عناصر پر۔ یہاں تک کہ ان کے مفرد پر بھی اور مرکب پر بھی۔ پھر نفس کے ذکر کا اثر نفوس یعنی نفس نامیہ، نفس حیوانیہ، نفس سماویہ، نفس نجومیہ پر پڑتا ہے اور انسانی روح کا ذکر جملہ عالم کے جملہ ارواح پر یہاں تک جملہ عوالم ظاہرہ اور ملکوت باطنہ پر اثر انداز ہوتا ہے آیت میں جبال وطیور میں انہی عوالم ظاہرہ و باطنہ یعنی ملک و ملکوت کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ جملہ عوالم ذکر خداوندی میں مشغول ہونے والے بندۂ خدا کے ذکر سے سرشار ہو کر اس کے ساتھ ذکر میں مشغول ہوتے ہیں۔ پھر یہ تمام کے اذکار رب العالمین کی طرف پہنچائے جاتے ہیں۔ کما قال،

الیہ یصعد الکلم الطیب۔

ایسے پاکباز مردِ خدا کو خود خدا تعالیٰ یاد کرتا ہے۔ اسی معنے پر کہا گیا ہے کہ بندہ ذاکر بھی ہے اور مذکور بھی۔ ایسا بندہ نہ صرف صفتِ ربوبیت سے موصوف ہو جاتا ہے بلکہ اس کے جملہ صفات سے بھی۔ اور ایسے بندے پر فضلِ الٰہی کا یہ معنیٰ ہے کہ اس بندے کو اللہ تعالیٰ اپنا مذکور فرماتا ہے۔

قاعدۂ نبوت

قاعدہ ہے کہ نبی علیہ السلام حسین وجمیل اور خوش الحان ہوتا ہے لیکن داؤد علیہ السلام کو بہ نسبت دوسرے انبیاء کے خوش الحانی زیادہ دی گئی، جیسے یوسف علیہ السلام کو بہ نسبت دوسرے انبیاء کے حسن زیادہ نصیب ہوا۔

داؤد علیہ السلام کی خوش الحانی کا نمونہ

حضرت داؤد علیہ السلام جب زبور پڑھتے تھے تو درندے، چرندے اور وحوش وطیور اپنے بلوں اور گھونسلوں سے باہر نکل کر آپ سے زبور سننے میں مشغول ہو جاتے آپ کی خوش الحانی سے پرندے وجد میں آجاتے، بسا اوقات آسمان پر اڑتے وقت زبور سن کر زمین پر گر جاتے ؎

ز صورت دلکشش جان تازہ گشتے
روانرا ذوق بے اندازہ گشتے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۲ سپہر چنگ پشت ارغنوں ساز
ازاں بہ حالت نشنودہ آواز

ترجمہ: (۱) دلکش آواز سے جان تازہ ہو جاتی، روح کو بے انداز ذوق نصیب ہوتا۔
(۲) آسمان نے باوجودیکہ ایسے کئی خوش آواز دیکھے لیکن داؤد علیہ السلام جیسی پُرکیف آواز کسی سے نہ سُنی ہوگی۔

دُوسرا نمونہ منقول ہے کہ جب داؤد علیہ السلام تسبیح پڑھتے تو پہاڑ آپ کے ساتھ نغمہ سرا ہوتے اور پرندے آپ سے آواز ملا کر تسبیح پڑھتے۔ پھر جو بھی یہ دلکش آواز سنتا بیخود ہو کر گر جاتا یہاں تک کہ آپ کی اس محبوب آواز سے کبھی کبھار بیک وقت چار سو جنازہ اُٹھتا۔

چو گردد مطرب من نغمہ پرداز
ز شوقش مرغ روح آید بپرواز

ترجمہ: جب سرود گانے والا سرود گاتا ہے تو اس کے شوق سے ہماری روح کا پرندہ اُڑنے لگتا ہے۔

ف: امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا کہ خوب صورت آواز بھی ایک عطیۂ حق ہے۔ اسی لیے فقہاء کرام نے قرآن مجید کو اچھے لہجے سے پڑھنے کو مستحسن قرار دیا ہے بشرطیکہ خوش الحانی کے وقت قرآن مجید کے الفاظ میں تغیر پیدا نہ ہو اور نہ اس کے معنے میں کوئی فرق آئے۔

حکایت ایک رات حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے دل میں کہا کہ ذکر الٰہی میں مشغول تو مجھ جیسا اور کون ہوگا! یہ کہہ کر پہاڑ پر چلے گئے اور عبادت میں مشغول ہو گئے۔ اللہ تعالےٰ نے پہاڑ کو حکم دیا کہ وہ داؤد علیہ السلام کی موافقت میں زور زور سے تسبیح و تہلیل پڑھے۔ چنانچہ پہاڑ کے ذرّے ذرّے سے ذکر الٰہی گونجے تو داؤد علیہ السلام نے عرض کی: اے الٰہ العٰلمین! یہ ذکر کی آواز کہاں سے آرہی ہے جبکہ میری آواز کو اس نے چھپا دیا ہے اور میرا اللہ میری آواز کو کیسے سُن رہا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتے کو بھیجا کہ انھیں پہاڑ سے اٹھا کر دریا میں لے جائیے۔ چنانچہ انہیں وہاں سے اٹھایا اور دریا کی تہ میں لے گئے پھر وہاں سے اس جگہ پہنچایا جہاں پانی پر مچھلی تیر رہی ہے، پھر وہاں سے اس پتھر پر جو مچھلی کے نیچے ہے۔ وہ پتھر پھٹا تو اس میں سے ایک کیڑا نکلا جو سانس کے ذریعے باآواز ذکرِ الٰہی میں مشغول تھا۔ فرشتے نے عرض کی: اللہ تعالیٰ اس کیڑے کی آواز کو بھی سُن رہا ہے باوجودیکہ یہ کیڑا ساتوں طبقات زمین کے نیچے اور پتھر میں پوشیدہ باریک سی سانس سے ذکر کر رہا ہے تب بھی اللہ تعالیٰ اس کے ذکر سے بے خبر نہیں۔ جب ایسے کیڑے کے ذکر سے بے خبر نہیں تو اے داؤد (علیہ السلام)! تیری آواز سے کیسے بے خبر ہو سکتا ہے جو تُو نے پہاڑوں کی آوازوں

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کے درمیان نکالی تھی۔ یہ کرشمہ دیکھ کر داؤد علیہ السلام اپنے اصلی مقام پر لوٹ آئے۔

۱ ہمہ آوازہا در پیش حق باز
اگر پیدا اگر پوشیدہ آواز
۲ کسے کو بشنود آواز از حق
شود در نفس خود خاموش مطلق

ترجمہ:- (۱) تمام آوازیں اللہ کے سامنے کھلی ہوئی ہیں کوئی کھلی آواز ہے یا پوشیدہ۔
(۲) جو حق سے آواز سنتا ہے وہ اسی وقت ہی مطلقاً خاموش ہو جاتا ہے۔

دعا: اے اللہ تعالیٰ! ہمیں اپنا کلام سنا۔ (آمین)

وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۝ اللین خشونت کی نقیض ہے۔ اس کا استعمال اجسام میں ہوتا ہے استعارۃً معانی کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے الانۃ الحدید یعنی لوہے کو نرم کرنا۔ یعنی ہم نے داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے کو موم اور تر آٹے جیسا بنا دیا وہ اسے اپنے ہاتھ سے جس طرح چاہتے موڑ لیتے نہ انہیں اسے آگ کے ذریعہ نرم کرنے کی ضرورت پڑتی تھی اور نہ وہ اسے ہتھوڑے وغیرہ سے کوٹنے کے محتاج تھے۔ یا یہ معنیٰ ہے کہ ہم نے انہیں اتنی قوت و طاقت بخشی کہ لوہا ان کے لیے ایسے نرم تھا جیسے دوسرے قویٰ بشریہ کے لیے موم۔ اور داؤد علیہ السلام قوتِ جسمانی میں بہت طاقتور تھے اگرچہ بظاہر جسیم و لحیم نہ تھے۔ سورۃ ص میں انہیں ذا الاید فرمایا گیا ہے۔ تو اس کا ایک معنیٰ یہ بھی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ اَنِ اعْمَلْ یعنی ہم نے انہیں فرمایا کہ وہ عمل کریں۔ یہ اَن مصدریہ ہے اس سے پہلے باء جارہ محذوف ہے۔ سٰبِغٰتٍ زرہیں فراخ کامل اور لمبی۔

حل لغات القاموس میں ہے:

سبغ الشیءُ سبوغاً۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شے زمین کی جانب میں لٹکا ہو۔ اور کہا جاتا ہے:

النعمۃ اسبغت۔ (نعمت مکمل ہوئی)

اور کہتے ہیں: درع سابغۃ تامۃ طویلۃ۔ یعنی زرہ مکمل اور طویل ہے۔

اسی سے استعارۃً کہتے ہیں:

اسباغ الوضوء یا اسباغ النعمۃ۔

فی المفردات: سب سے پہلے زرہ حضرت داؤد علیہ السلام نے بنائی ورنہ آپ سے پہلے لوگ لوہے کی بڑی چادریں بنا کر ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیتے انہی سے زرہ کا کام لیتے۔

For more Books click on link :
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حکایت حضرت داؤد علیہ السلام جب بنی اسرائیل کے بادشاہ بنے تو بھیس بدل کر عوام سے پوچھتے کہ داؤد (علیہ السلام) کیسے ہیں؟ لوگ آپ کو ناواقف سمجھ کر آپ کی تعریف و توصیف بیان کرتے۔ ایک دفعہ فرشتہ بھیس بدل کر آپ کے ہاں حاضر ہوا آپ نے حسب عادت اس سے بھی اپنے متعلق سوال کیا تو اس نے کہا، داؤد بھلا آدمی ہے لیکن اگر وہ ایک عادت کو چھوڑ دے تو اچھا ہے۔ آپ نے پوچھا، وہ عادت کون سی ہے؟ اس نے کہا کہ بیت المال سے اپنا اور اپنے اہل و عیال کا کھانا لینا ترک کر دے۔ آپ نے کہا، تو پھر وہ کھائے کہاں سے؟ اس نے کہا، اپنے ہاتھ کی کمائی سے، اس طرح اس کے فضائل و کمالات میں اضافہ ہوگا۔ اس پر داؤد علیہ السلام نے دعا مانگی کہ یا اللہ! مجھے کوئی ایسا عمل دے جس سے میں بیت المال سے کھانا لینا چھوڑ دوں۔ اللہ رب العزت نے آپ کو زرہ بنانا سکھا دیا۔ آپ روزانہ ایک زرہ بنا کر اسے چار یا چھ ہزار درم میں بیچتے، اس سے دو ہزار درم اپنے عیال پر خرچ کرتے اور باقی بنی اسرائیل کے فقراء و مساکین پر خرچ کر دیتے۔

ف: لباب میں ہے کہ جب داؤد علیہ السلام کا وصال ہوا تو آپ کے گھر پر ایک ہزار زرہیں تیار پڑی ملیں۔

ف: حدیث شریف میں ہے:

کان داؤد لا یاکل الا من کسب یدہ۔

(داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے)

مسئلہ: آیت میں دلیل ہے کہ اہل علم و فضل کو کوئی ہنر سیکھ کر اپنی ضروریات زندگی پوری کرنا چاہئیں اس سے ان کے علم و فضل میں کوئی کمی نہیں آئے گی اور ان کے علم و فضل میں اضافہ ہوگا کیونکہ ایک تو انہیں تواضع کا طریقہ حاصل ہوگا دوسرا وہ غیروں کے دست نگر نہ ہوں گے۔

حدیث شریف میں ہے:

ان خیر ما اکل المرء من عمل یدہ۔

(انسان کی بہترین غذا اس کے اپنے ہاتھ کی کمائی ہے)

شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

1 بیاموز پرورده را دست رنج
وگر دست داری چو قارون گنج
2 بپایان رسد کیسهٔ سیم و زر
نگردد تهی کیسهٔ پیشه ور

ترجمہ: (1) اپنے پروردہ کو کسب سکھا اگرچہ تیرے ہاتھ میں قارون کا خزانہ ہو۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(۲) کیونکہ سیم وزر کا بٹوہ ختم ہو جاتا ہے لیکن ہنرمند کی جیب خالی نہیں ہوتی۔

وَقَدِّرْ فِی السَّرْدِ

حلِ لغات

التقدیر یعنی اندازہ کرنا السرد دراصل وہ خرز (سستالی) جس سے اسے کر سخت اور غلیظ بنایا جائے، جیسے چمڑے کا خرز۔ پھر استعارۃً لوہے کے جڑنے پر بولتے ہیں۔ ایسے ہی زرہیں بُننے کو کہتے ہیں کما فی المفردات۔

بعض نے کہا کہ زرہیں بنانے والے کو سراد اور زراد کہا جاتا ہے۔ زراد میں سین کو زاء سے تبدیل کیا جاتا ہے۔ ایسے ہی ایک کلام کو دوسرے کلام سے ملانے پر کہتے ہیں سرد کلامہ۔ اور وہ کلام مقبول ہوتا ہے جب اس کے فہم میں خلل نہ آئے۔

اب معنی یہ ہوا کہ زرہیں بنانے میں بہترین سلیقہ رکھئے یعنی زرہ کے حلقے برابر جوڑیئے تاکہ اس کی وضع مناسب ہو۔ اور زرہیں بنانے میں تمام وقت صرف نہ کیجئے صرف اس قدر کہ اس سے قوت حاصل ہو پھر باقی وقت عبادتِ الٰہی میں گزار دے۔ مابعد کی عبارت کے یہی معنی موافق ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ قلب کو نرم کیجئے۔ سابغات سے وہ حکمتیں مراد ہیں جو دل کے چشموں سے زبان پر ظاہر ہوں اور وقدر فی السرد سے وہ کلام مراد ہے جو پُر از حکمت اور عقول ناس کی مقدار پر ہو ؎

نکتہ گفتن پیش کم فہمان ز حکمت بیگمان
جوہرے چند از جواہر ریختن پیش خر ست

ترجمہ: کم فہموں کے آگے حکمت کی باتیں بیان کرنا ایسے ہی ہے جیسے جواہر و موتی گدھے کے آگے بکھیرے جائیں۔

تفسیر عالمانہ

وَاعْمَلُوْا عمومِ تکلیف کی وجہ سے یہ خطاب داؤد علیہ السلام اور آپ کے جملہ اہل و عیال کو ہے صَالِحًا ایسا نیک عمل کرو جو اغراض دنیوی و اُخروی سے خالی اور خالص ذاتِ حق تعالیٰ کے لیے ہو اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝ بیشک میں تمہارے اعمال کو خوب دیکھتا ہوں کسی بھی عمل والے کا عمل ضائع نہیں کروں گا ہر ایک کو اس کے عمل کی پوری پوری جزا دوں گا۔ یہ عمل کی تعلیل یا عمل کے وجوب پر فرمانبرداری کرنے کی تنبیہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ خطاب انسان کے جملہ اعضائے ظاہرہ و باطنہ کو ہے کہ وہ اعمال صالحہ کریں جو ان کے لائق ہیں اس لیے کہ ان اعضا کو عبادت کے لیے ہی پیدا کیا گیا ہے انی بما تعملون بصیر بے شک میں ہر ایک کے اعمال کو خوب جانتا ہوں

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

جسے یقین ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ بصیر ہے تو وہ اپنی حرکات و سکنات کی نگرانی کرتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے روکے ہوئے ہر فعل سے رکتا ہے اور اس کے ہر فرمودہ پر عمل کرتا ہے۔

روحانی علاج اس اسم مبارک کی برکت سے بندہ کو توفیق ایزدی نصیب ہوتی ہے اور جو اس اسم مبارک کو ہر جمعہ کو نماز سے پہلے سو بار پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی بصیرت کھول دے گا اور اسے ہر نیک قول و فعل کی توفیق نصیب ہوگی اگرچہ انسان خطا سے خالی نہیں۔

عجوبہ حضرت داؤد علیہ السلام دعا میں کہا کرتے:

اللھم لا تغفر للخطائین۔

(اے اللہ! خطاکاروں کو مت بخشئے)

یہ ان کی غیرت اور صلابۃ فی الدین کی وجہ سے تھا۔ جب آپ سے ایک عمل خلافِ اولیٰ کا صدور ہوا تو آپ نے دعا میں کہا:

اللھم اغفر للمذنبین۔

(اے اللہ! گنہگاروں کو بخش دے)

ف: جب داؤد علیہ السلام اس خلافِ اولیٰ فعل سے تائب ہوئے تو آپ کے ہاں انس و جن اور پرندے حاضر ہوئے جب آپ نے حسبِ عادت زبور کی تلاوت فرمائی تو پرندے متفرق ہو کر ادھر اُدھر ہو گئے اور کہا اب داؤد علیہ السلام کی وہ آواز نہیں جو اس سے پہلے تھی اور نہ ہی ان کی وہ پہلی سی کیفیت ہے۔ اس پر داؤد علیہ السلام بہت روئے اور کہا:

ما ھذا یا رب (پرندوں نے یہ کیا کہا)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یا داؤد ھذا من وحشۃ الزلۃ وکانت تلک من انس الطاعۃ۔

(اے داؤد! یہ اس خلافِ اولیٰ فعل کے ارتکاب کی وجہ سے وحشت ہے اور اس سے قبل جو حال تھا وہ طاعت کے انس سے تھا)

۱ قدم نتواں نہاد آنجا کہ خواہی
بفرماں زد بفرماں کن نگاہی

۲ کہ ہر کاو نہ بامر حق قدم زد
چو شمع از سر بر آمد تیز دم زد

ترجمہ (۱) خلاف قدم نہیں رکھتا ہو گا اسی کے فرمان پر چل اسی کے فرمان پہ نگاہ رکھ۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(۲) کا اثر ق کے خلاف رکھتا ہے جب شمع سر سے باہر آئے گی زیادہ جلائے گی۔

تفسیر عالمانہ

وَلِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ اور ہم نے بادِ صبا سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دی غُدُوُّھَا جو بجا یعنی طلوعِ شمس سے دوپہر تک چلتی شَھْرٌ ایک مہینہ کی راہ یعنی جو دوسرے چلنے والے مہینے کے بعد پہنچتے وہ آدھے دن میں طے کر لیتی تھی۔

ف: امام راغب نے فرمایا کہ الشہر ایک مدت معروفہ کا نام ہے جو چاند کی پہلی سے شروع ہو کر دوسری پہلی تک ختم ہوتی ہے یا اس سے سورج کے سال بھر کے بارھویں حصے کا نام ہے۔ المشاھرۃ یعنی وہ معاملہ جو ماہانہ کے طور کیا جاتے۔ جیسے مسانہۃ یعنی سالانہ معاملہ۔ اور یاومۃ روزانہ کا معاملہ وغیرہ۔

وَرَوَاحُھَا اور شام کے وقت چلنا۔ یعنی دوپہر کے بعد سے رات تک۔ شَھْرٌ ایک مہینے کی راہ۔ یعنی وہ بادِ صبا تختِ سلیمان کو اُٹھا کر ایک دن میں اتنا لمبا سفر طے کر لیتی جسے سوار دو ماہ میں طے کرتے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے یا الریح سے حال ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے سفر کا نمونہ

حضرت حسن سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام صبح کو دمشق سے روانہ ہو کر قیلولہ اصطخر میں کرتے۔ آپ تخت پر اپنے شاہی ٹھاٹ کے ساتھ سوار ہوتے، آپ کے ساتھ شاہانہ لشکر بھی ہوتا۔ دمشق اور اصطخر کے درمیان اتنا طویل سفر تھا کہ اگر تیز رفتار سوار ایک ماہ مسلسل چلتا تب کہیں اسے طے کرتا۔

ف: اصطخر بوزن فردوس فارس کا ایک شہر ہے جسے صخر جنی نے سلیمان علیہ السلام کے لیے بنوایا تھا۔ وہ صخر جنی جسے قرآن مجید میں عفریت من الجن سے تعبیر کیا گیا ہے۔

پھر دوپہر کے بعد روانہ ہو کر شام کو کابل پہنچتے تھے ان دونوں شہروں کے درمیان بھی تیز رفتار سوار کے لیے ایک ماہ کا سفر ہے۔

ف: کابل بضم الباء الموحدہ بلاد ہند کی ایک معروف طرف ہے (جو آج کل افغانستان کا دارالحکومت ہے) پھر صبح کو رے شہر میں ہوتے تو شام کو سمرقند پہنچ جاتے۔ رے دیار دیلم کے ایک شہر کا نام ہے جو قومس اور جبال کے درمیان واقع ہے۔ سمرقند ماوراء النہر کا عظیم و مشہور شہر ہے یعنی نہر جیحون۔

سلیمانی مکتوب

ہمارے بعض احباب سے منقول ہے کہ ہم نے ایک جگہ سلیمان علیہ السلام کے کسی مصاحب کا ایک مکتوب پڑھا جس پر لکھا تھا کہ ہم اسی جگہ پر اترے اور اسی شہر کو تیار کیا۔ رات یہاں بسر کریں گے صبح کو اصطخر جائیں گے۔ وہاں سے روانہ ہو کر شام کے وقت ان شاء اللہ شام کے ملک میں پہنچیں گے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام دوران سفر عراق سے مرو تک، پھر بلخ تک پھر بلاد ترک تک پہنچتے، بعدہٗ چین چلے جاتے۔ طلوع آفتاب کے وقت روانگی فرماتے تو قندھار تک پہنچ جاتے، وہاں سے مکران و کرمان جاتے۔ اس کے بعد اصطخر پہنچتے۔ فارس میں آپ کی یہی قیام گاہ تھی وہاں سے صبح کے وقت روانہ ہو کر شام کے وقت ملک شام میں تدمر میں پہنچتے یہی آپ کی منزل تھی۔

ف : شام سے عراق تک پہنچنے سے پہلے آپ کا شیاطین کو حکم تھا کہ آپ کے لیے پتھر سفید اور زرد جمع کرتے رہیں۔ مندرجہ ذیل اشعار آپ کے بعض اصحاب کے لکھے ہوئے ایک پتھر سے ملے، ؎

۱ و نحن و لا حول سوی حول ربنا
تروح الی الاوطان من ارض تدمر

۲ اذا نحن رحنا کان ریث رواحنا
مسیرة شهر والغدوة لآخر

۳ اناس شروا الله طوعا نفوسهم
بنصر ابن داؤد النبی المطهر

۴ متی یرکب الریح المطیعة ارسلة
مبادرة عن شهر لم تقصر

۵ تظلهم طیر صفوف علیهم
متی رفرفت من فوقهم لم تستر

ترجمہ : (۱) ہماری طاقت سوائے قوتِ الٰہی کے کچھ نہیں ہم ارض تدمر سے وطنوں کو جا رہے ہیں۔

(۲) ہم جا رہے ہیں اور ہمارا سفر شام تک جاری رہے گا جو ایک ماہ کی مسافت ہے پھر صبح کو ہمارا دوسرا سفر ہوگا۔

(۳) لوگ شریر ہیں لیکن بجز ان کے نفوس تابع ہیں ساتھ مدد ابن داؤد نبی علیہ السلام کے۔

(۴) وہ جب تابعدار ہوا پر سوار ہوتے ہیں تو وہ ایک ماہ کی مسافت طے کرنے میں کوتاہی نہیں کرتی۔

(۵) ان پر پرندے سایہ کرتے ہیں صفیں باندھ کر۔ جب وہ چلتی ہے تو پرندے ان کے اوپر ہوتے ہیں۔

روئے زمین کے بادشاہ

حضرت مقاتل نے فرمایا کہ آپ کے ملک کا حدود اربعہ مصر تا کابل تھا۔ بعض نے کہا کہ تمام روئے زمین کے بادشاہ تھے۔ یہی مشہور قول کے موافق ہے۔ اس لیے کہ روئے زمین کے کل چار بادشاہ ہوئے ہیں، دو مسلمان :

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(۱) حضرت سکندر
(۲) حضرت سلیمان

دو کافر:
(۱) نمرود
(۲) بخت نصر

ہوا سلیمان علیہ السلام کے تابع کیسے ہوئی

مروی ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے گھوڑے تھے جو پرندوں کی طرح اڑتے تھے۔ ان کی وجہ سے ایک دفعہ آپ سے نماز قضا ہوگئی آپ نے انہیں راہِ خدا میں ذبح کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ نے میرے لیے گھوڑے قربان کیے ہم اس کے بدلے میں ہوا آپ کے تابع کر دیتے ہیں۔ سچ ہے:

من کان للہ کان اللہ لہٗ۔

(جو اللہ کا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا ہو جاتا ہے)

ف: جو اللہ تعالیٰ کی خاطر کسی شے کو قربان کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عوض میں اسے بہتر شے عطا فرماتا ہے۔

جعفر طیار کا واقعہ

مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو جنگ پر بھیجا اور اس جنگ کی امارت ان کے سپرد فرمائی۔ اسلام کا عَلَم انہی کے ہاتھ میں دیا۔ کافروں نے ان پر حملہ کیا اور جنگ میں آپ کا ایک ہاتھ کٹ گیا آپ نے علم دوسرے ہاتھ میں تھاما۔ کفار کے حملے سے آپ کا دوسرا ہاتھ بھی کٹ گیا۔ اس کے بعد ستر زخم کھا کر شہید ہو گئے۔ کسی نے آپ کو خواب میں دیکھ کر پوچھا:

ما فعل اللہ بک۔ (اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا کیا؟)

آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دونوں ہاتھوں کے بجائے دو نورانی پَر عطا فرمائے جن سے میں بہشت میں اڑتا ہوں، جہاں چاہتا ہوں چلا جاتا ہوں۔ میرے ساتھ حضرت جبرائیل اور میکائیل علیہما السلام ہوتے ہیں۔ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ایک جگہ پر کھڑے ہیں اور فرماتے ہیں:

وعلیکم السلام۔

ہم نے عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کس کے سلام کا جواب دے رہے ہیں؟

آپ نے فرمایا:

ان جعفر بن ابی طالب مر معہ جبریل و میکائیل۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(یہ جعفر بن ابی طالب حضرت جبریل و میکائیل (علیہما السلام) کے ساتھ گزرے ہیں اور مجھے سلام کیا)

سبق: سالک کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اگر تُو میری عبادت میں آنکھیں قربان کرے گا تو میں تجھے اس کے عوض نورانی آنکھیں عطا فرماؤں گا۔ ایسے ہی تمام اعضاء کا حکم ہے۔

حدیث قدسی چنانچہ حدیث قدسی اسی پر دلالت کرتی ہے۔ کما قال:

فاذا احببته کنت له سمعا یسمع بی و بصرا یبصر بی و یدا یبطش بی۔

(جب میں اسے محبوب بنا لیتا ہوں تو اس کی سمع بن جاتا ہوں میری قوت سے سنتا ہے۔ میں اس کی بصر ہوتا ہوں وہ میری قوت سے دیکھتا ہے میں اس کا ہاتھ ہوتا ہوں وہ میری قدرت سے پکڑتا ہے)

انسان کی ترقی انسان پہلے رینگتا ہے پھر جاتا ہے پھر چلتا ہے پھر اڑتا ہے۔ یعنی عبادت کے بعد عرفان حاصل کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف چلتا ہے۔ اس کے بعد اسے محبت نصیب ہوتی ہے تو گویا وہ اڑتا ہے۔

سبق: انسان کے لیے لازم ہے کہ اس کوشش میں رہے کہ اوبارِ نفس کے پنجرے سے دل کو آزاد کرے۔ پھر رضائے حق کی ہوا میں اڑے۔ جب جلالِ حق کے دار میں پہنچے گا تو "اتیته هرولة" کے مطابق تجلیاتِ حق اس کا استقبال کریں گی ؎

چہ مانی بہر مردارے چو زاغان اندرین پستی
قفس بشکن چو طاؤسان یکے بر پر برین بالا

ترجمہ: اسی پستی میں کوّوں کی طرح مردار پہ کیوں پڑا ہے، پنجرہ توڑ کر موروں کی طرح بلندی پہ اڑ جا۔

ف: قفس انسانی ڈھانچہ ہے اور امانت مرغِ جان ہے اس کی پرواز عشق سے ہے اس کی اڑان افق اور غیب اس کی منزل۔ یعنی جب مرغِ امانت اسی بشریت کے پنجرے سے اُڑ کر غیب کے افق میں پرواز کرتی ہے تو قدس کے کروبی فرشتے اسے اپنے پروں پہ اٹھا لیتے ہیں تاکہ اجلالِ الٰہی کی بجلی اسے جلا کر راکھ نہ بنا دیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ولسلیمٰن الریح الخ میں قلب کی طرف اشارہ ہے اور سیر سے اس عالمِ ارواح کی طرف سیر مراد ہے اور اس کی تیز رفتاری اس کی لطافت کی وجہ سے ہے اس لیے کہ نفس کو ایسی سیر کہاں نصیب! جبکہ وہ کثیف ہے اس لیے اس کی سیر بھی نہایت آہستہ ہے اس کی ایک اور وجہ بھی ہے وہ یہ کہ نفس کی سواری بدن ہے اور

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کثیف اور نرم رفتار ہے اور قلب کی سواری جذبۂ الٰہی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے لطف کی صفات سے ہے

حدیث شریف | جیسا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
قلوب العباد بید اللہ یقلبها کیف یشاء۔

(بندوں کے قلوب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں وہ انھیں جیسے چاہتا ہے بدلتا ہے)

اور انہیں اپنے الطاف و عنایات سے حضرت حق کی طرف پھیرتا ہے۔

چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

حدیث شریف قلب المؤمن کریشۃ فی فلاۃ یقلبها الریح ظهرا لبطن و بطنا لظهر۔

(مومن کا قلب اس پر کی طرح ہے جو جنگل میں پڑا ہوتا ہے اسے ہوائیں جس طرح چاہیں پھیرتی ہیں کبھی الٹا کبھی سیدھا)

ولسلیمٰن الریح کی یہی حقیقت ہے۔

دوسری صوفیانہ تقریر ولسلیمٰن الریح الخ میں ہم نے قلب کو اپنی عنایات کی تابع ہوا کر دی تا کہ وہ اس کے ذریعے سیر کرے اور تخت وغیرہ سے اس کا سِرّ (راز) مراد ہے۔ اسی تقریر کے مطابق سلیمان علیہ السلام کا ایک مقولہ مراد ہے، انھوں نے سیر کرتے ہوئے ایک دن اپنے تمام ملک کو ملاحظہ فرمایا۔ ایک دفعہ سلیمان علیہ السلام کے تخت کو ہوا نے الٹنا چاہا تو سلیمان علیہ السلام نے اسے فرمایا:

استوی (سیدھی ہو کر چل)

ہوا نے جواب دیا:

استو انت مادمت مستویا بقلبك كنت مستوية علت فعلت

(آپ سیدھے رہنے کی کوشش کیجئے اور اس وقت تک سیدھے رہیں گے جب تک آپ کا قلب سیدھا رہے گا۔ آپ کا قلب سیدھا تو میں بھی سیدھی ورنہ پھر خیر نہیں)

ایسے ہی سِرّ (راز) اور قلب اور ریح العنایۃ کا حال ہے کہ جب قلب میں کجی واقع ہوتی ہے اللہ تعالیٰ خذلان (رسوائی) کی ہوا سے سِرّ (راز) کے تخت کو الٹ دیتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود نہ بدلیں۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

ہمچنیں تاج سلیمان میل کرد
روز روشن را بروچوں لیل کرد

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۲ گفت تاجا کژ مشو بر فرق من
آفتابا کم مشو از شرق من

۳ راست می کرد او بدست آن تاج را
باز کژ می شد برو تاج ای فتی

۴ هشت بارش راست کرد و گشت کژ
گفت تاجا چیست آخر کژ مغژ

۵ گفت اگر صدره کنی تو راست من
کژ روم چون کژ روی ای مؤتمن

۶ پس سلیمان اندرون و راست کرد
دل بر آن شهوت که بودش کرد سرد

۷ بعد ازان تاجش همان دم راست شد
آن چنانکه تاج را میخواست شد

۸ پس ترا هر غم که پیش آید ز درد
بر کسی تهمت منه بر خویش کرد

ترجمہ : (۱) ایسے ہی سلیمان علیہ السلام کے تاج نے میلان کیا تو ان کا روشن روز کالی رات کی طرح ہوا۔

(۲) آپ نے فرمایا : اے میرے تاج ! میرے سر پہ ٹیڑھا نہ ہو، اے میرے سورج میرے مشرق سے کم نہ ہو۔

(۳) اپنے مبارک ہاتھ سے تاج کو سیدھا کرتے تھے اے عزیز ! پھر وہ تاج خود بخود ٹیڑھا ہو جاتا تھا۔

(۴) آٹھ بار آپ نے اسے سیدھا کیا تو وہ آٹھوں بار ہی ٹیڑھا ہوا فرمایا : اے الٹے دماغ والے تاج ! تجھے کیا ہے۔

(۵) عرض کی آپ سو بار بھی مجھے سیدھا کرتے رہو گے میں ایسے ہی ٹیڑھا ہوتا رہوں گا اے میرے آقا !

(۶) پھر سلیمان علیہ السلام نے اندر سے ہی اسے سیدھا کیا اندر والا ٹیڑھا پن یکا ہو گیا۔

(۷) اسی دم وہ کلاہ بھی سیدھا ہو گیا۔ اسی طرح ہوا جیسے آپ چاہتے تھے۔

(۸) تجھے جس درد سے بھی غم آئے، کسی دوسرے پر تہمت لگانے کے بجائے خود صحیح ہو جا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حکایت منقول ہے کہ ایک سقا بخارا کے کسی شہر میں رہتا تھا اور وہ ہر روز ایک زرگر کے گھر میں پانی پہنچاتا۔ تیس سال تک اس نے زرگر کے گھر میں پانی پہنچایا۔ اس زرگر کی عورت حسن و جمال میں بے مثال تھی اور نیکی میں بھی بے نظیر۔ ایک دن سقا حسبِ عادت پانی لایا تو زرگر کی بیوی کا ہاتھ پکڑ کر اس نے جھٹکا دے دیا۔ جب زرگر بازار سے گھر لوٹا تو اس کی عورت نے کہا آج تو نے کوئی ایسا کام کیا ہے جو رضائے الٰہی کے خلاف تھا۔ زرگر نے انکار کیا تو عورت نے نہایت عجز و نیاز سے اور قسمیں دے دے کر اصرار کیا تو زرگر نے کہا: آج ایک عورت میری دکان پر آئی اور اس نے مجھ سے کنگن خریدنا چاہے۔ میں نے اسے کنگن پہناتے ہوئے اس کے ہاتھ کو جھٹکا دے دیا کیونکہ اس کا ہاتھ مجھے بہت اچھا لگا۔ زرگر کی بیوی نے شوہر کا حال سن کر کہا: آج سقا کے ساتھ میرا یہی معاملہ ہوا جو تو نے دکان پر کیا۔ زرگر نے کہا: تو میری گواہ ہو جا آج سے میں توبہ کرتا ہوں کہ آئندہ کسی بیگانی عورت سے کوئی ایسا معاملہ نہیں کروں گا جو رضائے الٰہی کے خلاف ہو۔ جب صبح ہوئی تو وہی سقا زرگر کی عورت کے پاس آیا اور عرض کی: اے بی بی! مجھ پر شیطان کا حملہ ہوا جس سے میں نے تیرے ساتھ ایسی غلطی کی اب میں اس سے توبہ کرتا ہوں اور تو گواہ ہو جا آئندہ میں ایسا غلط کام نہیں کروں گا۔ زرگر کی عورت نے کہا: تیری غلطی نہیں دراصل میرے شوہر سے دکان پر اسی طرح کی غلطی ہو گئی تھی اس لیے کہ اس کا حال دکان پر بگڑا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے حال کو گھر میں بگاڑا کہ اس نے بیگانی عورت کے ہاتھ کو چھوا تو اس کی عورت کو غیر نے ہاتھ لگا دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا عدل اور اس کی غیرت ہے کہ جب وہ اپنے بندے سے کوئی برائی دیکھتا ہے تو اس کے حال کے مناسب اسے دنیوی سزا دیتا ہے۔

سبق: انسان کو اس کہانی سے عبرت حاصل کرنی چاہیے اور اس پر لازم ہے کہ وہ گناہ و جفا و ایذاء کا ترک کرے اور عدل و انصاف کی راہ پر چلے ایسی چال نہ چلے جس میں جور و ستم اور شقاق و نفاق اور خلاف و فساد ہو۔

تفسیر عالمانہ وَاَسَلۡنَا لَهٗ عَيۡنَ الۡقِطۡرِ اور ہم نے سلیمان علیہ السلام کے لیے پگھلے ہوئے تانبے کے چشمے بہا دیے یعنی ان کے لیے تانبے کو پانی کی طرح بہا دیا۔ جیسے ان کے والد گرامی کے لیے لوہے کو موم بنا دیا گیا تھا یعنی جیسے داؤد علیہ السلام لوہے کو نرم پا کر جو چاہتے تیار کر لیتے ایسے ہی سلیمان علیہ السلام تانبے کو پانی کی طرح پا کر جو چاہتے بنا لیتے تھے اور وہ تانبے کا چشمہ یمن کے علاقہ صنعاء کے شہر کے قریب تھا۔

ف: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ہمارے ہاں اب جتنے تانبے کے برتن وغیرہ ہیں یہ اسی چشمہ سلیمانی سے حاصل شدہ ہیں ورنہ اس سے قبل لوگوں میں تانبے کی اشیاء اور برتن وغیرہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattori

نہیں تھے۔ کما قال فی کشف الاسرار۔

ازالۂ وہم فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے یہ غلط ہے اس لیے کہ بعض دوسرے شہروں میں بھی تانبے کی کانیں ملتی ہیں جن سے لوگ تانبہ لے کر اچھی اچھی چیزیں تیار کرتے ہیں۔ ہاں صاحب کشف الاسرار کے قول کے لیے یُوں کہا جا سکتا ہے کہ ان دوسرے چشموں کا اصل سرچشمہ وہی چشمۂ سلیمانی ہے۔ جیسے تمام دنیا کے پانیوں کا سرچشمہ بیت المقدس کا پتھر ہے (جس کی تفصیل ہم نے پہلے کہیں لکھ دی ہے) ایسے ہی بعض آثار میں وارد ہے۔

وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ یہ جملہ مبتدا و خبر ہے یعنی جنّات کا ایک گروہ ایسا تھا جو سلیمان علیہ السلام کے آگے کام کرتے تھے بِاِذْنِ رَبِّهٖ اس کے رب تعالیٰ کے حکم سے، جیسا کہ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا سے معلوم ہوتا ہے۔

حل لغات : الزیغ بمعنے المیل عن الاستقامۃ یعنی سیدھے راستے سے ہٹ جانا۔ یعنی اُن جنوں میں سے جو بھی سلیمان علیہ السلام کے حکم و طاعت سے رُوگردانی و نافرمانی کرے گا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ۝ تو ہم انہیں آخرت میں جہنم کی آگ کا عذاب چکھائیں گے۔

ف : سدی سے مروی ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے ہاں ایک فرشتہ ہر وقت ساتھ رہتا تھا۔ اس کے ہاتھ میں آگ کا ڈنڈا تھا کہ جنوں میں سے کوئی بھی سلیمان علیہ السلام کی نافرمانی کرتا تو اسے وہی فرشتہ آگ کا ڈنڈا مارتا جسے وہ جن نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن جونہی اسے ڈنڈا لگتا، وہ جن فوراً مرجاتا۔

تفسیر صُوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام کا صفات شیطانیہ پر قبضہ تھا جیسے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو صفاتِ شیطانیہ پر قابض بنا دیا گیا تھا۔

حدیث شریف چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللّٰہ سلطنی علیٰ شیطانی فاسلم علیٰ یدی فلا یأمرنی الا بخیر۔

(اللہ تعالیٰ نے مجھے شیطان پر ایسا مسلّط فرمایا کہ وہ میرے ہاں مسلمان ہو گیا ہے اسی لیے اب وہ مجھ سے نیکی کی ہی بات کرتا ہے)

قاعدہ صُوفیانہ اور یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جب قوائے باطنہ قابو میں ہوں تو قوائے ظاہرہ خود بخود قبضہ میں آجاتے ہیں اس وقت ظلمت دُور ہو کر نور نصیب ہوتا ہے دل سے کدورت ہٹ کر فرحت و سرور حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ مرتبہ اولیاء کاملین کو نصیب

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ يَعْمَلُونَ لَهٗ مَا يَشَآءُ یہ جنات کے عمل مذکور کی تفصیل ہے۔ یعنی وہ سلیمان علیہ السلام کے لیے وہی کام کرتے جو وہ چاہتے مِنْ مَّحَارِيْبَ یہ مایشآء کا بیان ہے۔ محاریب، محراب کی جمع ہے۔

ف: المحراب بالاضافہ اور گھر کی صدر اور مکرم ترین جگہ اور مسجد میں امام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو کہا جاتا ہے نیز بادشاہ کے اس مخصوص مقام کو کہا جاتا ہے جہاں صرف وہی قیام پذیر ہو دوسرے کو وہاں تک رسائی نہ ہو۔

المفردات میں ہے کہ مسجد کے محراب کو اس نام سے اس لیے موسوم کرتے ہیں کہ وہ شیطان اور نفسانی خواہشات کے ساتھ جنگ کرنے کی جگہ ہے یا اس لیے کہ اس میں اشارہ ہے کہ انسان پر واجب ہے کہ وہ حریب (مشاغل دنیا) اور قلب کے منتشر از خیالات سے بالکل فارغ ہو۔

بعض مشائخ نے فرمایا کہ محراب البیت بایں معنیٰ ہے کہ وہ گھر کا صدر مقام ہے۔ پھر چونکہ مساجد میں اسے صدر مقام ملا اس لیے اسے اس نام سے مشہور کیا گیا۔ محراب در اصل مسجد کے صدر مقام کے لیے مخصوص تھا پھر گھر کے صدر مقام کو اس سے مشابہ پا کر اسے محراب البیت کہا جانے لگا۔ یہی صحیح ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ جنات سلیمان علیہ السلام کے لیے بہت مضبوط محلات تیار کرتے تھے۔ ان اعلیٰ اور مضبوط محلات کو محاریب سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ وہ ان میں رہ کر دشمنوں کا مدافعہ کرتے تھے اور اعدائے دین سے جنگ لڑتے تھے۔ اس مضمون کو جلالین میں بھی درج کیا گیا ہے۔

سلیمان علیہ السلام کے محلات کی تعداد مفسرین فرماتے ہیں کہ شیاطین نے سلیمان علیہ السلام کے لیے مندرجہ ذیل مقامات پر محلات تیار کیے:

(۱) تدمر بروزن تنصر میں۔ یہ شہر ملک شام میں ہے۔

اس کے علاوہ یمن میں کئی محلات بنوائے جن کے اسماء یہ ہیں۔

(۲) صرواح
(۳) مرواح
(۴) بینون
(۵) سلحین
(۶) ہنیدہ
(۷) ہنیدہ
(۸) قلتوم
(۹) غمدان وغیرہ

لیکن ان تمام محلوں کے نام و نشانات تک مٹ گئے ہیں ان میں سے صرف ایک بہترین اور خوش منظر بیت المقدس تیار کیا جس کی رونق و حسن پر عالم دنگ ہے۔

ف: اصحاب سیر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں برکت فرما دی۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

یہاں تک کہ اس کا شمار کرنا مشکل ہو گیا بالخصوص داؤد علیہ السلام کے زمانے میں تو بہت زیادہ اضافہ ہوا۔ داؤد علیہ السلام نے چاہا کہ بنی اسرائیل کی تعداد معلوم کریں صرف فلسطین کے علاقے میں عرصہ دراز تک گنتے رہے لیکن گنتی پوری نہ ہو سکی جس سے وہ سخت نا امید ہوئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ میرے خلیل کو جب بیٹے کے ذبح کا حکم ہوا تو انہوں نے میرے حکم کی تعمیل کی میں نے اس کے بدلے میں ان کی اولاد میں برکت دی ہے۔ اب چونکہ انہوں نے اپنی تعداد پر فخر و ناز کیا ہے اس لیے میرا ارادہ ہو گیا ہے کہ میں ان کی گنتی کو کم کروں۔ لیکن پھر بھی انہیں اختیار دیتا ہوں کہ مندرجہ ذیل تین بلیات میں سے ایک کو چن لیں:

(۱) قحط سالی اور بھوک

(۲) تین ماہ تک دشمن کی بربادی و تباہی

(۳) تین دن تک وبا و طاعون۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے تمام بنی اسرائیل کو جمع فرمایا اور ان تینوں بلاؤں کا ذکر فرمایا سب نے کہا کہ ہم وبا و طاعون چاہتے ہیں کیونکہ یہ دوسری دونوں سے آسان تر ہے۔ اُن میں ذلت و رسوائی زیادہ ہے اور اس میں کم۔ بعد ازاں بنی اسرائیل موت کی تیاری میں لگ گئے۔ سب سے پہلے غسل کیا، خوشبو لگائی اور کفن پہن کر جنگل کی طرف چلے گئے۔ تمام چھوٹے بڑے گھروں کو چھوڑ گئے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب بیت المقدس کی بنیاد بھی نہیں ڈالی گئی تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام صخرہ (مخصوص پتھر) میں سربسجود ہوئے اور تضرع و زاری میں مشغول ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے طاعون کو بھیجا صرف آٹھ پہروں میں اتنے لوگ مر گئے کہ دو ماہ تک انہیں دفن کرتے رہے تب بھی مردے بچ رہے۔ آٹھ پہر کے بعد وبا و طاعون بند کر دی گئی اگرچہ اسے تین شب و روز تک جاری رہنا تھا۔ لیکن داؤد علیہ السلام کی دعا و تضرع اور عجز و انکساری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو ان پر رحم آ گیا اور ان کی دعا قبول فرما کر طاعون کو روک دیا گیا۔ جب طاعون روک دیا گیا تو اس کے شکرانے میں بنی اسرائیل نے بیت المقدس کی بنیاد رکھی تاکہ وہاں اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہوں۔ اس کی تعمیر کے وقت داؤد علیہ السلام اپنے کاندھے پر خود پتھر اٹھاتے تھے اور بنی اسرائیل کے نیک لوگ بھی ان کے ساتھ شریک کار رہتے۔ جب اس کی عمارت کاندھے تک پہنچی تو اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے ہاں وحی بھیجی کہ اے پیارے ہم نے اس شہر کا نام بیت المقدس رکھا ہے اور اس شہر میں بہت بڑے پیغمبر اور بہت نیک لوگ آئیں گے۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا کہ داؤد علیہ السلام نے بیت المقدس کو بنوایا اور بار بار بنوایا۔ جب فارغ ہوئے تو اس کی بنیاد گر گئی اللہ تعالیٰ سے شکایت کی۔ اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ میرا یہ گھر اس شخص سے مکمل نہ ہو گا جس نے میرے ہزاروں بندوں کا خون بہایا ہو۔ عرض کی: یا اللہ! میں نے انہیں کب قتل

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

یں تھا، تو تیرا ہی حکم تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر بھی میرے بندے تھے۔ داؤد علیہ السلام نے رض کی اگر میرا بنانا منظور ہے تو اپنے کسی ایسے بندے کو مقرر فرمائیے جو میرا عزیز ہو۔ اللہ تعالیٰ نے نے فرمایا، یہ کام آپ کے صاحبزادے سلیمان علیہ السلام سرانجام دیں گے اور میں انہیں تمام دنیا کی شاہی بخشوں گا اور انہیں خون بہانے سے محفوظ رکھوں گا اور اس کی تکمیل انہی کے ہاتھوں کراؤں گا۔

ف : اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر شفقت ضروری ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی غیرت کا یہی تقاضا ہے اگرچہ عدو اللہ کا اجراء بھی ہو اس لیے کہ اس عالمِ دنیا کی تعمیر اس کی بربادی سے بہتر ہے اسی لیے کفار کے لیے جزیہ اور مال لے کر صلح کرنا اولیٰ ہوتا ہے بہ نسبت ان سے جہاد کرنے کے اس لیے کہ جہاد میں انہیں تباہ و برباد کرنا ہوگا اور صلح بالمال اور جزیہ وغیرہ سے انہیں باقی رکھنا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ جس پر قصاص واجب ہوا اس کے مقتول کو اجازت بخشی گئی کہ وہاں اس کا بدلہ لے کر صاحبِ قصاص کو معاف فرما دے یا اسے مفت یا بلا مال معاف کرے نیز اسی شفقتِ خلقِ خدا کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جب قصاص کے متولی متعدد ہوں ان میں کوئی ایک معاف کرے یا اس کے عوض میں مال لے لیا تو پھر قاتل کو قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ بعض اس کا قتل چاہتے ہیں اور بعض اسے معاف کرتے ہیں یا مال لینا چاہتے ہیں تو بندے کی جان بچانے والی شق کو ترجیح دی جائے گی۔ اس میں شفقتِ خلقِ خدا کی طرف اشارہ ہے بہرحال داؤد علیہ السلام اور بنی اسرائیل نے بیت المقدس میں ایک عرصہ تک نماز پڑھی پھر ان کے دنیا سے کوچ کرنے کا وقت قریب آگیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام ایک سو ستائیس سال کے تھے ؛

ولادتِ سلیمان علیہ السلام جب یہ واقعہ پیش آیا۔ ایک سو چالیس سال کی عمر میں دنیا سے رخصت ہوئے اور ان کی بجائے سلیمان علیہ السلام تخت نشین ہوئے اور والد گرامی کی وفات کے بعد بارہ سال بادشاہی کی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام غزہ کے مقام پر پیدا ہوئے۔ جب آپ کو بادشاہی کرتے ہوئے چار سال گزرے تو موسیٰ علیہ السلام کی وفات کو اس وقت پانچ سو انتالیس سال گزر چکے تھے اس وقت سے سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کی بنیاد کو کھڑا کرنے کا ارادہ فرمایا جیسا کہ انہیں ان کے والد گرامی کی وصیت تھی۔ اس پر آپ نے تمام حکمائے انس و جن اور زمین کے جملہ عفاریت اور شیاطین کے بڑے سرداروں کو جمع فرمایا اور ان پر تعمیر بیت المقدس کا کام تقسیم فرما دیا ان میں بعض بنیادیں کھڑی کریں بعض پہاڑوں پتھروں کو ٹکڑے ٹکڑے کریں اور سنگِ مرمر کی معدنیات سے ٹکڑے اٹھا لائیں اور بعض دریا میں غوطہ لگا کر موتی و مرجان لائیں وہ موتی شتر مرغ اور مرغی کے انڈے کے برابر تھے۔ پہلا شہر تعمیر ہوا۔ شہر کے بارہ محلے مقرر ہوئے۔ ہر محلے میں بنی اسرائیل کے ایک ایک قبیلہ کو ٹھہرایا گیا اس لیے کہ وہ بارہ قبیلے تھے۔ اس کے بعد مسجد بیت المقدس تیار کرائی اس پر رنگین سنگِ مرمر لگایا اس کی چھت پر

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

قیمتی جواہر کی تختیاں لگائی گئیں اور اس کی چھتوں اور دیواروں کو لولو و یاقوت سے مرصع کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے باب رحمت کے نزدیک دو درخت اگائے ایک سے سونا اگتا، دوسرے سے چاندی۔ روزانہ ہر ایک درخت سے دو سو رطل سونا اور چاندی حاصل ہوتا تھا۔ مسجد کا فرش بچھایا گیا تو اس کی ایک اینٹ سونے کی اور دوسری چاندی کی لگائی گئی۔ اس کی تختیاں فیروزہ سے بنائی گئیں۔ اس وقت اس شہر سے زیادہ بارونق اور روشن تر دنیا میں کوئی اور گھر نہ تھا۔ وہ اندھیری رات میں چودھویں رات کی طرح چمکتا تھا۔ اس کی تعمیر سے اپنی شاہی کے گیارھویں سال فارغ ہوئے اس وقت آدم علیہ السلام کو زمین پر تشریف لائے ہوئے چار ہزار چار سو چودہ سال گزر چکے تھے۔

ف: حضرت سلیمان علیہ السلام کی تعمیر بیت المقدس اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے درمیان ایک ہزار آٹھ سو سے زیادہ (تقریباً دو ہزار) سال گزرے تھے۔

تین سلیمانی دعائیں

جب سلیمان علیہ السلام بنائے مسجد سے فارغ ہوئے تو تین دعائیں مانگیں:

(۱) جو فیصلہ کریں وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے عین مطابق ہو۔

(۲) انہیں ایسا ملک عطا ہو کہ ان کے بعد کسی اور کو نہ ملے۔

(۳) کوئی بھی بیت المقدس میں آکر نماز ادا کرے (بشرطیکہ وہ مومن ہو) تو اس کے جملہ گناہ معاف ہو جائیں یہاں تک کہ گویا وہ ابھی پیدا ہوا ہے۔

ف: ہمیں امید ہے کہ آپ کی یہ تینوں دعائیں مستجاب ہوئیں (کذا قال نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام)

تعمیر بیت المقدس کے بعد

حضرت سلیمان علیہ السلام نے تعمیر بیت المقدس سے فراغت کے بعد تمام لوگوں کو جمع کر کے اعلان کیا کہ یہ خانۂ خدا ہے اس میں ہم اس کی عبادت کریں گے لیکن یاد رکھو اس سے جو چیز بھی جس نے اٹھائی وہ خائن ہوگا۔ اس کے بعد آپ نے تمام حاضرین کو طعام کھلایا۔ اس دن جیسا عظیم اجتماع نہ پہلے کبھی ہوا نہ بعد میں کبھی ایسی امید کی جا سکتی ہے اور اس دن جس طرح کا طعام کھلایا گیا وہ بے نظیر تھا۔ یہی اہل قربت کے لیے قرب الٰہی کا دن تھا اس لیے اس دن کو سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں عید کے طور منایا جاتا تھا۔

تعمیر کے بعد تخریب

حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب سلیمان علیہ السلام بیت المقدس کی بنا سے فارغ ہوئے تو فوراً مسجد کے دروازے بند ہو گئے سلیمان علیہ السلام نے جتنا زور لگایا نہ کھل سکے بالآخر آپ نے وہی دعا مانگی جو داؤد علیہ السلام مانگا کرتے تھے۔ اس کے بعد آپ نے مسجد میں زبور کے ایک ہزار قاریوں کو مقرر فرمایا جو پانچ سو بار رات کو اور پانچ سو بار دن کو زبور کی تلاوت کرتے اور مختلف عبادات میں مشغول رہتے تھے رات اور

For more Books click on link.
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

دن کی کوئی ایسی گھڑی نہیں تھی جس میں بیت المقدس کو عبادت سے خالی رکھا گیا ہو۔ سلیمان علیہ السلام کا تعمیر کردہ بیت المقدس اس حیثیت سے چار سو ترپن سال تک بحال رہی یہاں تک کہ بخت نصر نے اکھاڑا اسے توڑا اور اس کے جملہ جواہرات اور موتی و دیگر جملہ سامان اٹھا کر اپنے ملک میں لے گیا۔ ستر سال تک بیت المقدس ویران رہا۔ بخت نصر کے دماغ میں مچھر گھس گیا اس سے وہ تباہ و برباد ہوا۔

نکتہ: دماغ میں مچھر کے گھس جانے کا راز یہ تھا کہ اس کا دماغ بڑا تھا بلکہ تکبر سے پھول گیا تھا اس لیے اس نے بیت المقدس کے ویران کرنے کے علاوہ بے شمار بندگان خدا کو ناحق قتل کیا اللہ تعالیٰ نے اس کا ایک کمزور سے پرندے کے ذریعے بدلہ لیا۔

نہ ہرگز شنیدم در عمر خویش
کہ بدمرد را نیکی آمد بہ پیش

ترجمہ: ہم نے اپنی زندگی میں ہرگز نہیں سنا کہ بُرے آدمی کو نیکی کا صلہ نصیب ہوا ہو۔

وَتَمَاثِيْلَ تماثل (بالکسر) کی جمع ہے یعنی ھو الصورۃ علی مثال الغیر یعنی غیر کی مثال پر صورت بنانا اور وہ ملائکہ و انبیاء کی صورتیں اس طریقے سے بناتے کہ ان میں کوئی رکوع میں ہوتے تو کوئی قیام میں، کوئی سجدہ میں۔ جیسا کہ ان کی عبادت کرنے کی عادت اور طریقہ تھا اور شریعت سلیمانی میں تصویر بنانا جائز تھا اور اس کا تصور باندھ کر عبادت کرنا بھی جائز تھا۔ چنانچہ وہ مسجد میں مختلف مجسمے بناتے مثلاً کوئی شیشے کا، کوئی تانبے کا، وغیرہ وغیرہ کہ وہ لوگ انہی کی طرز پر عبادت کریں۔

اعجوبہ یہ مجسمے تانبے کے تھے حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا مانگی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان میں روح پھونک دے تاکہ وہی دشمنوں سے جنگ کریں اس طرح سے انہیں ہتھیار تیار کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ اسفندیار روحات کا مجسمہ تھا اس میں روح پھونکی گئی تھی یہ بھی منجملہ انہی میں سے تھا جن کے لیے سلیمان علیہ السلام نے دُعا مانگی تھی۔ (کذا فی تفسیر القرطبی)

اعجوبہ ۲ حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی کے دونوں پہلوؤں پر دو شیر اور ان کے اوپر کے دو حصوں پر دو گدھ بنائی گئیں جب سلیمان علیہ السلام کرسی پر بیٹھنے کا ارادہ فرماتے تو شیر اپنے ہاتھ اوپر کر دیتے تاکہ کرسی پر آرام سے بیٹھ جائیں۔ ایسے ہی جب آپ کرسی پر بیٹھ جاتے تو گدھ اپنے پر پھیلا دیتیں جن کے سایہ کے نیچے حضرت سلیمان علیہ السلام بیٹھتے۔ سلیمان علیہ السلام کے وصال کے بعد افریدون بادشاہ نے اس کرسی پر بیٹھنے کا ارادہ کیا لیکن اس پر بیٹھنے کا طریقہ اسے نہ آتا تھا۔ چنانچہ جونہی اس پر بیٹھا، شیر نے ہاتھ پھیلا کر اس کی پنڈلی توڑ ڈالی۔ اس کے بعد اس کرسی کے قریب جانے کی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کسی نے جرأت نہ کی۔

مسئلہ: تصویر (فوٹو) بنوانا پہلی شریعتوں میں مباح تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں اس کی اباحت منسوخ ہو گئی۔ تصویر (فوٹو) کھینچنا اور کھچوانا حرام ہے وہ اس لیے کہ لوگ مجسمہ سازی اور تصویر سازی یعنی بت پرستی میں مبتلا تھے اسی لیے روکا گیا کہ وہ آئندہ بت پرستی کی لعنت سے بچیں۔

مسئلہ صوفیانہ: سب سے بری شے وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف لے جائے۔

حدیث شریف میں ہے:
من صور صورة فان الله معذبه حتى ينفخ فيها الروح وليس بنافخ فيها ابدا۔

(جو شخص تصویر کھینچتا ہے اللہ تعالیٰ اسے عذاب میں مبتلا کرے گا یہاں تک کہ اس کے اندر روح پھونکے۔ وہ نہ روح پھونک سکے گا اور نہ ہی عذاب سے نجات پائے گا)

مسئلہ: اس حدیث مبارک سے ثابت ہوا کہ ذی روح کی تصویر بنانا حرام ہے۔

ف: شیخ اکمل قدس سرہ نے فرمایا: ذی روح کی تصویر گناہ کبیرہ ہے یا نہیں۔ جن علماء کرام نے یہ قاعدہ بنایا ہے کہ کبیرہ وہ گناہ ہے جس میں وعید وارد ہے ان کے نزدیک یہ کبیرہ میں داخل ہے اور جنہوں نے گناہ کبیرہ صرف ان گناہوں کو مانا ہے گنتی کے حدیث شریف میں وارد ہیں، ان کے نزدیک یہ کبیرہ نہیں ہے وہ اس طرح کہ احادیث مبارکہ کے جواب میں لکھا کہ یہ وعید ان لوگوں کے لیے ہے جو اس عمل کو حلال سمجھیں یا دائمی عذاب اسی لیے ہوگا کہ وہ ایسے عذاب کے مستحق ہوں گے۔

مسئلہ: جن چیزوں میں روح نہیں ان کی تصویر جائز ہے اگرچہ لایعنی اشیاء کے ساتھ مشغول ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔

مسئلہ: نصاب الاحتساب میں ہے کہ اپنے گھر کو جو تصویروں سے منقش کرتا ہے اس سے حساب ہوگا اس لیے کہ جس گھر میں تصویر ہو اس گھر میں ملائکہ کرام داخل نہیں ہوتے۔ حضرت جبریل علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر یا کتا ہو۔

مسئلہ: اگر کسی گھر کو تصویر کے بغیر منقش کیا جائے تو مباح ہے۔

مسئلہ: ملتقط الناصری میں ہے کہ اگر کسی نے کسی کا گھر مسمار کر دیا جس میں مردوں اور پرندوں کی تصویریں ہوں تو اس گھر کی اور تصویروں کے صرف رنگ کی قیمت (ضمانت کے طور پر) ادا کرنی ہوگی۔

مسئلہ: جب گھروں میں فوٹو اور تصویر کی ممانعت ہے تو مسجد سے بطریق اولیٰ ہے اسی لیے جو مسجد میں پرندوں کی تصویریں ہوں ان کے سر مٹا دینے چاہئیں۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مسئلہ: نمازی کے سر کے اوپر یا اس کے سامنے یا اس کے آگے تصویر ہو تو نماز مکروہ ہے۔ سب سخت ترین کراہت اس میں ہے کہ تصویر نمازی کے آگے ہو یا اس کے سر پر یا اس کے دائیں بائیں یا پیٹھ کے پیچھے۔

مسئلہ: ہاں پیٹھ کے پیچھے ہو تو مکروہ نہیں ایسے ہی پاؤں کے نیچے۔ اس لیے کہ اس طرح سے تشابہ بعبادت اصنام نہیں بلکہ اس طرح سے اس کی اہانت ہے۔

مسئلہ: العنایہ میں ہے کہ اگرچہ تصویر کا پیٹھ کے پیچھے ہونے میں نماز میں کراہت نہیں لیکن اس کے گھر میں ہونے کی وجہ سے تو مکروہ ہے اس لیے کہ اس گھر کو عبادت کرتے وقت محفوظ رکھنا مستحب ہے جس میں ملائکہ کا داخلہ بند ہو۔

مسئلہ: اس معنے پر وہ تقریر مکروہ نہیں جو قدموں کے نیچے ہو اس لیے کہ اس طرح سے تصویر کی اہانت ہے۔ قدموں کے نیچے تو واقعی اہانت ہے لیکن پیٹھ کے پیچھے اہانت کا احتمال نہیں اس لیے ان دونوں کا آپس میں قیاس مع الفارق ہوگا۔

مسئلہ: کراہت اس تصویر میں ہے جو بڑی ہو۔ اگر اتنی چھوٹی ہو کہ اس کے اعضاء غور و فکر کے بعد سمجھ میں آئیں تو مکروہ نہیں اس لیے کہ چھوٹی تصویروں اور مجسموں کی پرستش نہیں ہوتی تھی۔

مسئلہ: تصویر (فوٹو) کا اگر سر کاٹ لیا جائے تو بھی اس کے ہوتے نماز وغیرہ مکروہ نہیں اس لیے کہ کوئی مجسمہ (تصویر) سر کے بغیر نہیں پوجا گیا۔

مسئلہ: سر کاٹنے کا یہ معنی ہے کہ اس کا سر ہی دیا جائے یہاں تک کہ سر کا نشان بھی ختم ہو جائے یعنی اسے نیست و نابود کر دیا جائے تاکہ کسی کو معلوم نہ ہو سکے۔

مسئلہ: اگر سر اور جسم کے درمیان سے سی دیا جائے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں اس لیے کہ بہت سے پرندے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے گلے میں طوق ہوتا ہے اسی لیے کہ الٹا اس طرح سے وہ پرندہ زیادہ حسین بن جائے گا۔

مسئلہ: منہ سر کاٹنے کی طرح ہے بخلاف ہاتھ پاؤں کاٹنے کے کہ ان کے کاٹنے سے کراہت نہیں اٹھے گی۔

مسئلہ: جس بچھونے پر تصویریں ہوں اور وہ پاؤں تلے آجائیں ایسے بچھونے (جا نماز) وغیرہ پر نماز بلا کراہت جائز ہے اس لیے کہ ایسے فوٹو (تصویر) کی اہانت ہو رہی ہے نہ کہ تعظیم۔ ہاں اگر ان پر سجدہ کیا جائے تو مکروہ ہے اس لیے کہ اس طرح سے فوٹو (تصویر) کی تعظیم ہوگی اور تصویروں کی تعظیم حرام ہے بلکہ ان کی اہانت لازمی اور ضروری ہے۔ اسی وجہ سے مبسوط میں تصویر پر سجدہ کرنا مکروہ لکھا ہے۔

مسئلہ: حواشی اخی چلپی میں ہے کہ جو تصویر جسے بت پرستوں کی کسی معظم شے سے مشابہت ہو تو اس پر سجدہ حرام ہے جیسے صلیب کی شکل وغیرہ وغیرہ۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

قاعدہ: ظہیر الدین نے لکھا ہے کہ جن چیزوں کو ایسی اشیاء سے مشابہت ہو جن کو کفار معظم سمجھتے ہوں وہ اگر منہ کے بالمقابل ہو تو نماز مکروہ ہے۔

مسئلہ: پردہ سرہانہ یا کرسی اور بستر (بچھونے کی شے) پر تصویر ہو تو اس پر نماز مکروہ نہیں، اس لیے کہ اس طریق سے تصویر کی اہانت ہوگی۔ ہاں اگر سرہانہ آگے کی طرف ہو یا بمنزلہ پردے کے ہو تو مکروہ ہے اس لیے کہ اس طرح سے ان کی تعظیم ہوگی اور وہ حرام ہے۔

مسئلہ: اگر کسی سرہانے یا بستر پر تصاویر ہوں تو ان کا استعمال جائز ہے اگرچہ انہیں سرہانے اور پردے پر تصویر بنانا مکروہ ہے۔

مسئلہ: چادر اور پردے پر تصویر بنانا مکروہ ہے۔ لیکن ان صورتوں میں نماز فاسد نہ ہوگی اس لیے کہ جواز نماز کے شرائط میں کوئی شے خلل انداز نہیں۔ شرع نے کسی امر سے منع نہیں کیا ہم کیوں اسے منع کریں۔

مسئلہ: جو نماز با کراہت ادا کی جائے اسے لوٹانا ضروری ہے۔ ایسے ہی جس نماز کو تعدیل ارکان کے بغیر ادا کیا جائے اس کا اعادہ بھی ضروری ہے۔ کذا فی الکافی۔

وَجِفَانٍ سلیمان علیہ السلام کے لیے شیاطین لکڑی کے پیالے اور دیگر اشیاء بناتے تھے۔ یہ جفنہ کی جمع ہے بہت بڑے پیالے کو کہتے ہیں کیونکہ اہل عرب بڑے سے بڑے پیالے کو جفنہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کے بعد قصعة ہوتا جو دس آدمیوں کو سیر کرا سکے۔ اس کے بعد صحفة ہوتا ہے جو پانچ آدمیوں کو کفایت ہوتا ہے اس کے بعد میکلة ہوتا ہے جو دو تین مردوں کے لیے کافی ہوتا ہے۔ اور صحیفہ یعنی صحفہ صرف ایک آدمی کو کفایت کرتا ہے اسی لیے بعض مفسرین نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے الجفان ای الصحاف یعنی دس پیالوں کا ایک۔ اور حضرت سعدی المفتی نے فرمایا جفنة کھانے کے برتنوں سے مخصوص ہے۔ کما فی المفردات

کَالْجَوَابِ یہ بڑے حوضوں کی طرح ہوتا ہے۔ یہ دراصل الجواری کی طرح الجوابی تھا۔ جابیہ کی جمع ہے۔ الجابیۃ سے ہے اسے اس نام سے اسی لیے موسوم کرتے ہیں کہ اس میں پانی جمع ہوتا ہے۔ اور یہ صفات غالبہ سے ہے جیسے دابۃ چارپایوں کے صفات غالبہ سے ہے المفردات میں ہے کہ اہل عرب کہتے ہیں،

جبیت الماء فی الحوض۔

یعنی میں نے پانی حوض میں جمع کیا۔ اور وہ حوض جس میں پانی جمع ہو اسے الجابیۃ کہا جاتا ہے۔

---

[۱] اس موضوع پر فقیر کا رسالہ "السرّ التقریر فی تصویر التصویر" دیکھئے۔ اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اسی سے استعارۃً کہا جاتا ہے :

جبت الخراج جابیۃ۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ ایسے بڑے کھانے کے حوض سے بیک وقت دو ہزار آدمی کھانا کھاتے تھے۔ اور سلیمان علیہ السلام کے لنگر میں روزانہ بارہ ہزار بکریاں اور ایک ہزار گائیں پکتی تھیں اور آپ کے لنگر میں روٹی پکانے والے بارہ ہزار اور سالن تیار کرنے والے بھی بارہ ہزار افراد تھے جو اسی بڑے حوض میں سالن وغیرہ پکاتے تھے اس لیے کہ آپ کے لنگر ان گنت افراد کھاتے تھے۔

ف : عبداللہ بن جدعان قریشی کے سرداروں میں سے تھے یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا چچازاد تھا کا ایک بہت بڑا حوض تھا جس کے سائے تلے بیٹھتے تھے اس کے اندر داخل ہوتے وقت اونٹ پر سوار ہوتے تھے۔ ایک دفعہ ایک لڑکا اس میں گر کر مرگیا اور وہ روزانہ فقراء کو وہی دیگ پکا کر کھلاتے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی ایک دیگ تھی جسے چار آدمی اٹھاتے تھے۔ اس دیگ کا نام الغراء تھا یعنی سفید، جس میں نماز چاشت کے بعد ثرید پکا کر اس کے اردگرد بیٹھ کر کھاتے تھے۔ جب بہت زیادہ لوگ بیٹھے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھٹنے سمیٹ بیٹھے تو ایک اعرابی نے کہا، یہ کیسا بیٹھنا ہے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

ان اللہ جعلنی عبداً کریماً و لم یجعلنی جباراً عنیداً۔

(میں عبد نبی ہوں اور کریم طبع، مجھے اللہ تعالیٰ نے جبار اور سرکش نہیں بنایا)

اس کے بعد فرمایا :

کلوا من جوانبہا ودعوا ذروتہا یبارک فیہا۔

(دیگ کے گرد اپنی اپنی جانب سے کھاؤ اس کے درمیانی حصہ کو چھوڑ دو اس میں اللہ تعالیٰ برکت دے گا)

مسئلہ : الشرعۃ میں ہے کہ چھوٹے پیالوں میں کوئی برکت نہیں ہوتی۔

مسئلہ : طعام کے پیالے مٹی یا لکڑی کے ہونے چاہئیں کیونکہ یہی تواضع کے قریب تر ہے۔

مسئلہ : سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا حرام ہے۔

مسئلہ : تانبے کے برتنوں میں طعام کھانا مکروہ ہے جبکہ وہ قلعی شدہ نہ ہو۔

مسئلہ : دھات کے برتنوں میں بھی کھانا مکروہ ہے۔

الصفر (بضم الصاد المہملۃ وسکون الفاء) معدنیات کے ایک مرکب دھات کا نام ہے جیسے تانبا اور لوہا، جسے فارسی میں روئین کہتے ہیں۔ بترقیق الراء یعنی راء کو مجہول کر کے پڑھتے اس لیے اگر اسے معروف پڑھا جائے تو اس کا معنی منہ ہوتا ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وَقُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ القدر ہانڈی ہر وہ شے جس میں گوشت پکایا جائے کما فی المفردات۔ اس کی جمع القدور ہے۔ الراسیات، راسیۃ کی جمع ہے رسا الشئ یرسو سے مشتق ہے بمعنی ثبت۔ اسی لیے پہاڑوں کو رواسی کہا جاتا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ وہ ہانڈیاں جو اثافی پر ثابت ہوں ان کے بڑے ہونے کی وجہ سے ان سے اتاری نہیں جاتیں۔ نہ ہی وہ اپنی جگہوں سے ہٹ سکتی ہیں انھیں اثافی پر زنجیروں سے چڑھایا جاتا اور وہ یمن میں تھیں۔ اب بھی شام کے علاقوں میں بعض مقامات پر اس قسم کی پتھر کی بنی ہوئی دیگیں موجود ہیں۔ اس وقت بھی ان دیگوں کو پتھروں سے بنایا جاتا تھا یا وہ تانبے کی دیگیں تھیں جو اثافی پر ہر وقت رکھی رہتیں یا ان کے اثافی تانبے کے تھے۔ کما فی الکواشی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جفان میں اللہ تعالیٰ کی مہمانی کی طرف اشارہ ہے جس کا کوئی منتہیٰ نہیں وہ مہمانی صرف اولیاء کرام کو نصیب ہوتی ہے۔ جیسا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ابیت عند ربی یطعمنی ویسقینی۔

(میں اپنے رب تعالیٰ کے ہاں شب باشی کرتا ہوں وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے)

تفسیر عالمانہ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ اس کا منصوب ہونا بوجہ ندا کے ہے۔ اس سے سلیمان علیہ السلام مراد ہیں اس لیے کہ یہ گفتگو ان کے قصے کے درمیان واقع ہے۔ اور جمع کا صیغہ تعظیم کے لیے ہے یا اس میں ان کی اولاد بھی شامل ہے یا اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنہیں لنگرِ سلیمانی سے خرچ ملتا تھا یا آپ کی اُمت کے وہ لوگ جن پر نعمتِ حق پر شکرِ الٰہی ضروری تھا کما فی بحر العلوم۔

اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے سلیمان علیہ السلام یا ان تمام مذکورہ بالا افراد کو کہا عمل کرو شُكْرًا اس کا منصوب ہونا مفعول لہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ یعنی عبادت کرو بوجہ شکر کرنے اس کے جو میں نے تمہیں اپنے فضل و کرم اور دیگر نعمتوں سے نوازا ہے جیسے میری نعمتیں ظاہر ہیں۔ ایسے ہی ان کا شکر کرنا بھی ظاہر ہونا چاہیے۔ یا اس کا منصوب ہونا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے ہے اس کا عامل اعملوا ہے اس لیے کہ منعم کے لیے عمل کرنا اس کی شکرگزاری پر دلالت کرتا ہے۔ اس تقریر پر مصدر غیر لفظہ سے ہوگا یا یہ فعل محذوف کا مصدر (مفعول مطلق) ہے۔ دراصل عبارت اشکروا شکرا یا حال ہے بمعنی شاکرین یا مفعول بہ ہے یعنی اعملوا شکرا۔ اب معنی یوں ہوگا کہ ہم نے تمہارے لیے جن تابع کیے جو تم چاہو وہی تمہارے لیے تیار کرتے ہیں تمہیں چاہیے کہ شکر کا عمل کرو۔

نکتہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے ولقد آتینا داؤد منا فضلا۔ اس پر داؤد علیہ السلام سے شکر کا مطالبہ نہیں کیا اور نہ ہی یہ فرمایا کہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

یہ فضل ان کے عمل کا بدلہ ہے۔ ہاں اس فضل کے شکر کا مطالبہ آلِ داؤد سے ہوا کہ جو انعام داؤد علیہ السلام پر ہوا اس کے بدلے میں آلِ داؤد پر لازم ہے کہ وہ شکر کرے۔ اس معنے پر نتیجہ نکلا کہ داؤد علیہ السلام کو نعمت بطور صلہ اور محض فضل و احسان کے طور پر عطا ہوئی ان سے کسی قسم کے شکر کا مطالبہ نہیں۔ ہاں آلِ داؤد سے مطالبہ ہوا تاکہ ان کا شکر نعمت کے لیے ایک قسم کا بدلہ ہو جائے یاد رہے کہ انبیاء علیہم السلام خود بخود ہی شکرِ خداوندی سے سرشار ہوتے ہیں ان سے اللہ تعالیٰ نے کبھی شکر کا مطالبہ کیا ہی نہیں۔ چنانچہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی اتنی کثیر عبادت فرماتے کہ آپ کے قدم مبارک سوج جاتے۔ آپ سے اس طرح طویل قیام کا حکم منجانب اللہ نہیں تھا لیکن آپ نے اسی لیے اتنی کثیر عبادت کی تاکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ما تقدم من ذنبك وما تاخر جیسی نعمت کا بدلہ ہو۔ اسی لیے آپ سے جب اتنی کثیر عبادت کے متعلق سوال ہوا اور ساتھ یہ بھی کہا گیا کہ آپ تو معصوم ہیں۔ تو آپ نے فرمایا:

افلا اکون عبدا شکورا۔

(کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکرگزار بندہ نہ بنوں)

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ داؤد سے روح اور سلیمان سے قلب اور ان کی آل سے سر و خفی اور نفس و بدن مراد ہیں کیونکہ یہ سب کے سب روح سے پیدا ہوئے ہیں۔ اب اس کی تفصیل یوں ہوگی کہ بدن کا شکریہ ہے کہ اس کے جمیع اعضاء و جوارح کو عبادتِ الٰہی میں لگایا جائے۔ ایسے ہی حواسِ خمسہ بھی اس بدن کے شکر کے لیے اعملوا میں اشارہ ہے اور نفس کا شکریہ ہے کہ اس سے تقویٰ و ورع کے شرائط پورے کرائے جائیں۔ اور قلب کا شکریہ ہے کہ اسے محبتِ الٰہی میں مشغول اور غیر کی محبت سے اسے فارغ رکھا جائے اور سِر (رازِ مخفی) کا شکریہ ہے کہ اسے غیر اللہ کی طرف التفات سے باز رکھا جائے اور روح کا شکر ہے کہ اسے نارِ وجود میں اس طرح جلایا جائے جیسے شمع پروانے کو جلاتی ہے۔ اور شکرِ خفی یہ ہے کہ مقامِ وحدت میں بلاواسطہ فیض کو قبول کیا جائے اسی لیے اس کا نام خفی رکھا گیا اس لیے کہ روح کا فنا فی اللہ ہوکر قبولِ فیض کے بعد نورِ وحدت کے ساتھ مقامِ وحدت مخفی رہتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ ۝ قلیل الشکور مبتداء کی خبر مقدم ہے۔ کاشفی اور صاحبِ کشف الاسرار نے اس کا ترجمہ لکھا کہ میرے شکرگزار بندے تھوڑے ہیں۔ الشکور ہر اس بندے کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بہت زیادہ شکر کرے قلب سے بھی اور زبان سے بھی، بلکہ جملہ اعضاء سے شکر کی ادائیگی میں کوئی وقت فارغ نہ جانے دے لیکن تب بھی سمجھے کہ اس نے اپنے مالک و مولیٰ کی نعمتوں کا حق نہیں ادا کیا اس لیے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

صوفیہ کرام نے فرمایا کہ الشکور وہ ہے جو شکر کی [illegible]

۱ حق شکر نداند ہیچ کس
حیرت آمد حاصل دانندہ و بس

۲ آن بزرگی گفت با حق در نہان
کای پدید آرندہ ہر دو جہان

۳ ای منزہ از زن و فرزند و جفت
کی توانم شکر نعمت ہات گفت

۴ پیک حضرت دادش از ایزد پیام
گفتش از تو این بود شکر تمام

۵ چون درین راہ این قدر بشناختی
شکر نعمت ہای ما پرداختی

ترجمہ: (۱) حق تعالیٰ کے شکر کا حق کوئی نہیں جانتا۔ دانا کو تو بس یہ حیرت ہی ہے کہ کیسے کرے۔

(۲) کسی بزرگ نے حق تعالیٰ سے خفیہ طور پر عرض کی کہ اے دو جہانوں کو پیدا کرنے والے

(۳) اے وہ ذات جو زن و فرزند اور شریک سے پاک ہے تیری نعمتوں کا شکر میں کس طرح ادا کروں!

(۴) حق تعالیٰ سے اسے پیام ملا کہ یہی دائمی شکر ہی تمہیں کافی ہے۔

(۵) جب اس قدر حق شکر سمجھ گئے تو سمجھو کہ تم میرے شکر میں مشغول رہے ہو۔

ف: حضرت امام غزالی قدس سرہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شکر کی بہتر وجہ یہ ہے کہ اپنے اعضاء کو معاصی سے بچا کر اللہ تعالیٰ کی طاعت میں صرف کرے اور یہ بھی توفیق سے نصیب ہوتا ہے۔

داؤد علیہ السلام کا دائم عمل

حضرت جعفر بن سلیمان نے فرمایا کہ میں نے حضرت ثابت سے سنا کہ داؤد علیہ السلام نے اپنی عبادت کے اوقات کو اپنے اہل و عیال پر تقسیم فرما دیا تھا۔ رات اور دن کا کوئی ایسا وقت نہیں جس میں داؤد علیہ السلام کا کوئی گھر کا آدمی عبادت میں مشغول نہ ہو۔ اسی لیے قیامت میں اعلان ہوگا کہ داؤد علیہ السلام تمام شکر گزار بندوں سے زیادہ شکر کرنے والے ہیں اور ایوب علیہ السلام تمام صبر کرنے والوں سے زیادہ صبر کرنے والے ہیں۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قلیل من عبادی الشکور میں اشارہ ہے کہ مقام شکر ربیت تک بہت تھوڑے بندے پہنچے ہیں اور یہ وہ مقام ہے کہ بندے کے جملہ احوال شکر میں گزریں۔ عوام کا شکر اقوال سے ہوتا ہے کما قال تعالیٰ:

وقل الحمد للہ سیریکم آیاتہ۔

اور خواص کا شکر اعمال سے۔ کما قال تعالیٰ:

ان ربنا لغفور شکور۔

اور وہ بایں معنیٰ شکور کہ ایک فانی عمل پر دس اجر باقی عطا فرماتا ہے اور ظاہر ہے کہ ہمارے ہاں جو کچھ ہے وہ مٹنے والا ہے اور جو کچھ اس کے ہاں ہے وہ دائمی سرمدی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کثیر الاحسان ہے اسی لیے انسان پر بھی لازم ہے کہ وہ احسان ربانی کا اعمال صالحہ سے شکر ادا کرے۔

تفسیر عالمانہ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ القضاء بمعنی الحکم والفصل اور قوۃ حساسہ کے زوال کا نام موت ہے۔ یعنی جب ہم نے سلیمان علیہ السلام کی موت کا حکم فرمایا اور فیصلہ فرمایا کہ وہ اس دنیا سے چلے جائیں مَا دَلَّهُمْ تو جنات وغیرہ کی رہبری نہ کی عَلٰى مَوْتِهٖ سلیمان علیہ السلام کی موت پر اِلَّا مگر دَآبَّةُ الْاَرْضِ دیمک نے جو ایک چھوٹا سا کیڑا ہے جو لکڑی کھاتا ہے اسے اس فعل کی طرف مضاف کیا گیا۔ یہ اس کا علم ہے یعنی ارض بمعنی کھانا آیا ہے اسی لیے زمین کو آسمان کے بالمقابل ارض کہا جاتا ہے کہ وہ اجسادِ آدم کو کھا جاتی ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

ارضت الارضۃ الخشبۃ ارضا۔ یعنی دیمک نے لکڑی کو کھایا۔

اس کا مجہول ارضت ارضا فھو علی ما لم یسم فاعلہ فھی ما روضۃ آئے گا۔

تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ وہ سلیمان علیہ السلام کے اس عصا مبارک کو کھاتی رہی جس پر آپ نے سہارا لیا ہوا تھا۔ یہ النسی سے ہے بمعنی التاخیر فی الوقت۔ چونکہ ڈنڈے سے شے کو ہٹایا اور جھڑکا جاتا ہے۔ اسی لیے اسے اس نام سے موسوم کیا گیا ہے فَلَمَّا خَرَّ پس گر گئے سلیمان علیہ السلام درانحالیکہ وہ اس دنیا فانی سے رخصت ہو چکے تھے۔

امام راغب نے لکھا کہ خر بمعنی سقط سقوطا، ہر وہ شے جس کے گرنے سے آواز پیدا ہو۔ ایسے الخریر پانی، ہوا اور ہر اس شے کی آواز کو کہتے ہیں جو اوپر سے نیچے گرے تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ تبیّن ہر اس علم کو کہا جاتا ہے جو مجہول ہونے کے بعد معلوم ہو۔ یعنی جنات کو علم یقینی ہو گیا، یعنی اب ان کے جملہ شکوک و شبہات ختم ہو گئے جبکہ اس سے قبل سلیمان علیہ السلام کی موت کے معاملہ میں وہم و گمان

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

میں ہے۔ اَنْ لَّوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ الْغَیْبَ الغیب بمعنی وہ شے جو حواسِ انسانی سے غائب ہو یعنی وہ اگر غیب جانتے مَا لَبِثُوْا تو سال بھر نہ ٹھہرے رہتے فِی الْعَذَابِ الْمُهِیْنِ ذلیل و خوار کرنے والے عذاب میں۔ وہ تکالیف شاقہ اور سخت اعمال میں مبتلا نہ رہتے۔

خلاصہ یہ کہ ان کا گمان تھا کہ جنات غیب کی باتیں جانتے ہیں لیکن یہاں ان کا گمان غلط ہو گیا اس لئے کہ انہیں اگر علم غیب ہوتا تو انہیں سلیمان علیہ السلام کی موت کا علم ہو جاتا۔ ایسے ہی انہیں اگر علم غیب ہوتا تو وہ ان کی موت کے بعد سال بھر ان کی تسخیر میں نہ ٹھہرے رہتے بلکہ انہیں تو ان کی موت کا اس وقت علم ہوا جب وہ زمین پر گرے۔ اب انہیں معلوم ہوا کہ وہ تو اس معاملہ میں بالکل ہی بے خبر ہیں۔

ف: یہ بھی ہے کہ تبین بمعنی تبین الشیٔ ہو۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب شے ظاہر اور کھل کر سامنے آجائے۔ اس تقریر پر ان اپنے مابعد کے ساتھ مل کر الجن سے بدل الاشتمال ہوگا۔ یہ تبیین مزید جملہ کے محاورہ سے ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ اب انسانوں پر ظاہر ہوا کہ جنات اگر علم غیب جانتے تو وہ اتنے ذلیل و خوار نہ ہوتے۔

سلیمان علیہ السلام کی موت کی نشانی

حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کا وقت جب قریب ہوا تو اس کی یہ علامت ہوئی کہ پہلے آپ کا یہ معمول تھا کہ آپ جب بھی صبح سویرے اٹھ کر عبادت گاہ میں جاتے تو محراب میں ایک درخت اگا ہوا پاتے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ ہر صباحی چون سلیمان آمدی
خاضع اندر مسجد اقصیٰ شدی

۲ نو گیاہی رستہ دیدی اندرو
پس بگفتی نام و نفع خود بگو

۳ تو چہ داروئی چی نامت چہ است
تو زیان کہ و نفعت بر کی است

۴ پس بگفتی ہر گیاہی فعل و نام
کہ من آنرا جانم و این را حمام

۵ من مرین را زہرم و او را شکر
نام من این ست بر لوح از قدر

۶ پس طبیبان از سلیمان زان گیا
عالم و دانا شدندی مقتدا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۷ تا کتب ہاے طبی ساختند
جسم را از رنج مے پرداختند

۸ این نجوم و طب وحی انبیاست
عقل و حس را سوی بے سو رہ کجاست

۹ ہم بر آن عادت سلیمان سنی
رفت در مسجد میان روشنی

۱۰ قاعدہ ہر روز را می جست شاہ
کہ ببیند مسجد اندر نو گیاہ

۱۱ پس سلیمان دید اندر گوشہ
نو گیاہی رستہ ہمچون خوشہ

۱۲ دید پس نادر گیاہی سبز و تر
می ربود آن سبزیش نور از بصر

۱۳ گفت نامت چیست برگو بی دہان
نام من خروب ای شاہ جہان

۱۴ گفت فعلت چیست وز تو چہ رود
گفت من رستم مکان ویران شود

۱۵ من کہ خروبم خراب منزلم
من خرابی مسجد آب و گلم

۱۶ پس سلیمان آن زمان دانست زود
کہ اجل آمد سفر خواہد نمود

۱۷ گفت تا من ہستم این مسجد یقین
در خلل ناید ز آفات زمین

۱۸ تا کہ من باشم وجود من بود
مسجد اقصی مخلخل کے شود

۱۹ پس خرابی مسجد ما بے گمان
نبود الا بعد مرگ ما بدان

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۲۰ مسجد است آں دل کہ جسمش ساجد است
یار بد خروب ہر جا کہ مسجد است

۲۱ یار بد چوں رستہ در تو مہر او
ہیں ازو بگریز و کم کن گفت و گو

۲۲ برکن از بیخش کہ گر سر بر زند
مر ترا و مسجدت را بر کند

خلاصہ ترجمہ ۱ تا ۱۹: جب حضرت سلیمان بیچ عبادت خانہ کے طاعت الٰہی میں معروف رہتے تھے۔ ہر روز اس عبادت خانے میں ایک درخت اگتا تھا، اور اپنی خاصیتیں بیان کرتا تھا کہ میں فلاں مرض کی دوا ہوں اور میرا یہ اثر ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اس کو لکھواتے تھے ایک روز اسی دستور سے عبادت میں معروف تھے۔ ایک درخت زمین سے نکلا اس نے بعد سلام کے عرض کیا کہ میرا نام خروب ہے اور میری خاصیت یہ ہے کہ تیرے ملک سلطنت کی خرابی ہوگی۔ بعد اس کے خدا تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اب تمہارا وقت رحلت نزدیک آیا ہے کہ آخرت کے سفر کی تیاری کر۔ حضرت سلیمان نے وصیت کی اور جو چیزیں لکھوانے کی تھیں لکھوائیں۔ مثلاً فرمایا کہ جب تک میں ہوں مسجد کو زمین میں خلل نہ آئے گا جب میں یہاں ہوں مسجد کو کیسے خلل آ سکتا ہے مسجد کی خرابی کے متعلق یقین کیجئے کہ میری موت کے بعد ہوگی۔ اس کے بعد جناب الٰہی میں عرض کی کہ میری موت کا اخفا ایک برس تک جنوں اور شیطانوں پر پوشیدہ رہے کہ اس عرصے میں جو کام میں نے ان کو سونپے ہیں تیار ہو جاویں۔ بعد اس کے غسل کر کے لباس پاکیزہ پہنا اور عبادت خانے میں تشریف لاتے اور اس لاٹھی پر تکیہ کیا جس پر تھکان کے وقت تکیہ کیا کرتے تھے۔ اور قابض ارواح نے روح مقدس کو قبض کر کے روضہ میں پہنچایا۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام عبادت خانے میں آتے تھے اور عبادت میں مشغول رہتے تھے تو اس مدت میں گماشتے حضرت کے مہمات ملک سنبھالتے تھے اور شیاطین ان کی ہیبت سے بندگی کے وقت سامنے نہ دیکھ سکتے تھے۔ جب آنکھ ان کی بے اختیار حضور پر پڑتی تھی تو گمان کرتے تھے کہ آپ عبادت میں کھڑے ہیں اس واسطے محنت شاقہ کیا کرتے تھے۔ جب ایک سال پورا ہوا دابۃ الارض یعنی دیمک نے لاٹھی کی جڑ کھا لی اور حضرت گر پڑے تب جنوں کو ان کی رحلت کا علم ہوا اور موت کی خبر عالم میں مشہور ہوئی اور اصل حکمت حضرت سلیمان کی موت کے چھپانے کی یہ تھی کہ آدمیوں کو جنوں کے دعوے سے یہ گمان تھا کہ غیب جانتے ہیں

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

جب حضرت سلیمان نے دار الآخرت کو انتقال کیا اور ایسا واقعہ ان پر ایک برس تک مخفی رہا تب آدمیوں کو یقین ہوا کہ وہ اپنے دعوئ غیب دانی میں جھوٹے ہیں۔ بہرحال سلیمان جیسے بادشاہ بھی دار فانی سے ملک بقا کو پہنچے۔

(۲۰) وہ دل مسجد ہے جس کی آنکھ ساجد ہے جہاں مسجد ہے وہاں خروب جیسا یار بد بھی ساتھ ہوتا ہے۔

(۲۱) جب یار بد کی محبت تیرے دل میں سما جائے گی خبردار! اس سے پرہیز کر اور اس سے گفتگو تک چھوڑ دے۔

(۲۲) (بلکہ) اس کی جڑ کاٹ دے تاکہ بڑا نہ ہو ورنہ وہ تیری اور تیری مسجد کی بیخ کنی کرے گا۔

اس کے بعد حضرت ملک الموت حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاں تشریف لائے آپ نے انہیں فرمایا کہ جب آپ کو میری روح قبض کرنے کا حکم ہو تو مجھے خبر دینا۔ جب موتِ سلیمانی کا وقت قریب ہوا تو ملک الموت سلیمان علیہ السلام کے ہاں حاضر ہوا اور عرض کی کہ آپ کی موت میں صرف ایک گھنٹہ رہ گیا ہے آپ نے کوئی وصیت کرنی ہو تو ابھی وقت ہے۔ آپ نے فوراً شیاطین و جنات کو بلا کر فرمایا کہ ابھی ابھی شیشے کا محل بناؤ میں اس میں عبادتِ الٰہی کروں گا، اس کا دروازہ مت رکھنا۔ محل کی تیاری کے بعد آپ اس میں کھڑے ہو کر نوافل میں مصروف ہو گئے۔ کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ آپ نے کھڑے ہو کر اپنا عصا سر کے نیچے رکھ لیا۔ اسی حالت میں ملک الموت نے آپ کی روح قبض فرمائی۔ آپ اس حالت میں ایک سال تک کھڑے رہے۔ اور شیاطین و جنات حسبِ دستور کام کرتے رہے اور انہیں معلوم بھی نہ ہو سکا کہ روحِ سلیمان تو عالمِ دنیا سے رخصت ہو چکی اور انہیں سلیمان علیہ السلام کا لوگوں کے ہاں نہ آنے جانے کا احساس اس لیے نہ ہوا کہ پہلے بھی آپ اتنی طویل نماز پڑھا کرتے تھے۔

ف : تفسیر الکاشفی میں ہے کہ جب سلیمان علیہ السلام پر موت طاری ہوئی اور آپ کو نہلا دھلا کر آپ کا عصا آپ کے سرِ مبارک کے نیچے رکھا اس لیے کہ آپ نے وصیت فرمائی کہ میری موت کا کسی کو نہ بتانا۔ شیاطین و جنات آپ کو دور سے زندہ سمجھتے رہے۔ اسی لیے بدستور اپنے کام میں لگے رہے۔ جب سال کے بعد دیمک نے آپ کا عصا کھا ڈالا اور آپ زمین پر گر پڑے تب انہیں معلوم ہوا کہ سلیمان علیہ السلام کا انتقال ہو گیا ہے۔

دیمک کا تجربہ

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ جب حضرت سلیمان نماز پڑھتے اور اگر آپ کو کوئی شیطان دیکھتا تو جل جاتا۔ اسی اثنا میں آپ کے ہاں سے شیطان گزرا اور آپ کی کوئی آواز نہ سنی اور نہ ہی پھر واپسی پر کچھ سنا۔ غور سے دیکھا تو سلیمان علیہ السلام کو فوت شدہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

پایا۔ اس پر انہوں نے آپ کا شیشے کا حجرہ توڑ ڈالا اور عصا کو نیچے سے دیکھا تو اسے دیمک کھا چکی تھی۔ اس کے بعد معلوم کرنا چاہا کہ آپ کے وصال کو کتنا عرصہ گزرا ہے۔ چنانچہ پھر دیمک کو آپ کے عصا پر چھوڑ دیا اس نے آٹھ پہر میں جتنا کھایا اس سے اندازہ لگایا کہ سلیمان علیہ السلام کا وصال ایک سال پہلے ہوا حالانکہ وہ آپ کو زندہ سمجھ کر آپ کے سامنے بہت سنگین امور سرانجام دیتے رہے۔ اگر انہیں علم غیب ہوتا تو اتنا عرصہ وہ مشقت میں مبتلا نہ رہتے۔

ف : کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ان پر سزا مقرر تھی کہ جب آپ کو کسی پر غصہ آتا تو اس جن کو پکڑ کر ایک مٹکے میں بند کر کے اوپر سے اسے قلعی سے بند کر دیتے یا اسے دو پتھروں کے درمیان جکڑ کر دریا میں پھینک دیتے تھے یا اس کے سر کے بالوں کو اس کے پاؤں میں باندھ کر دریا میں ڈال دیتے تھے۔ اس کے بعد شیاطین وجنات نے دیمک سے پوچھا کہ تمہیں جس طرح کا بہترین اور لذیذ طعام چاہیے ہم لا کر دیں اور جس طرح کا ٹھنڈا میٹھا مشروب پینا چاہے تو ہم تجھے وہی پیش کریں۔ ہاں ہم ہر وقت تجھے پانی اور مٹی پہنچا دیا کریں گے۔ اب جس شے کو دیمک کھاتی ہے تو اس سے پانی اور مٹی لانے والے شیاطین وجن ہوتے ہیں۔ دیمک خوردہ اشیاء سے جو مٹی اور پانی کی نمی بر آمد ہوتی ہے وہ انہی جنات وشیاطین کی جمع کردہ ہے یہ انہوں نے اس شکریہ میں خدمت سرانجام دی ہے کہ اس نے سلیمان علیہ السلام کے عصا مبارک کو کھایا تھا۔

ف : جناب قفال نے فرمایا کہ آیت سے معلوم ہوا کہ جنات صرف سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر ہوئے اور پھر ان کی وفات کے بعد انہیں سخت سے سخت کاموں سے نجات ملی۔ یہ بھی ہے کہ جب انہیں معلوم ہوا کہ اب سلیمان علیہ السلام کے وصال کا وقت قریب ہے تو وہ بھاگ کر پہاڑوں اور وادیوں کے ویران مقامات میں گھس گئے۔ اس طرح سے وہ بڑی تکلیف اور عذاب سلیمانی سے چھوٹ گئے۔

معجزہ سلیمانی اللہ تعالیٰ نے انہیں سلیمان علیہ السلام کے قابو میں دینے اور بڑے بڑے کاموں کی انجام دہی کے لیے ان کے اجسام موٹے بنا دیے اور ان کی قوت وطاقت میں اضافہ فرمایا اور اب جبکہ کسی کو نظر نہیں آتے اس وقت وہ سب کو نظر آتے تھے اور اب سلیمان علیہ السلام کے دور کی طرح بوجھل اور ثقیل اشیاء نہیں اٹھا سکتے۔ یہ تمام حضرت سلیمان علیہ السلام کے معجزات میں شامل ہے۔

معتزلہ کے نزدیک جنات کی تعریف معتزلہ کہتے ہیں کہ جنات لطیف اجسام ہیں ان کی لطافت کی وجہ سے ہم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔

اور یہ بھی انبیاء علیہم السلام کے معجزات میں سے ہے کہ ان کے اجسام کثیف بنا دیے گئے، اور جو دوسرے زمانوں کے لیے اسی طرح لطیف اجسام ہوں اور یہ بھی ان کے معجزات میں شامل ہے کہ انہیں

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بہت بڑی طاقت عطا فرما دے جو دوسروں کے لیے ایسی طاقت نہ ہو۔

ف: قاضی عبد الجبار نے کہا کہ قرآن مجید سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے جنات کو کثیف اجسام عطا فرمائے یہاں تک کہ لوگ انہیں اپنی ظاہری آنکھوں سے دیکھتے اور انہیں بہت زیادہ طاقت بخشی جس سے وہ بہت بڑے اور سخت سے سخت کام سرانجام دیتے اور انبیاء علیہم السلام کے زمانہ کے علاوہ دوسروں کے زمانہ میں جنات کا ایسا ہونا ناجائز ہے (لیکن یہ معتزلہ کے اصول پر ہے اس لیے کہ وہ صرف انبیاء علیہم السلام کے معجزات کے تو قائل ہیں لیکن اولیاء کرام کی کرامات کے منکر ہیں) اور جنات کے لیے چونکہ ایسا ہونا خرقِ عادت کے طور ہے اور خرقِ عادت صرف انبیاء علیہم السلام کے لیے جائز ہے دوسروں کے لیے نہیں (کذا قال المعتزلہ) اور ہم اولیائے کرام کے لیے بھی قائل ہیں۔

حلیہ سلیمان علیہ السلام اہلِ تاریخ نے لکھا کہ سلیمان علیہ السلام سفید رنگ اور جسیم وسیم اور نہایت حسین انسان تھے اور آپ کے جسم پر بال بھی بہت زیادہ تھے اور سفید لباس پہنا کرتے تھے آپ کی عمر ترپن (۵۳) سال تھی ۔ اور بیت المقدس کی تعمیر کے بعد انتیس (۲۹) سال زندہ رہے۔

ازالۂ وہم مشہور عام مشہور ہے کہ بیت المقدس کی تعمیر کا کام باقی تھا جس پر ابھی ایک سال اور لگنا ضروری تھا کہ آپ کی موت کا وقت پہنچ گیا اسی لیے آپ موت کے بعد ایک سال عصا کے سہارے پر کھڑے رہے۔

فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے یہ غلط ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ آپ نے اپنی وفات سے انتیس سال پہلے بیت المقدس کی تعمیر سے پہلے فراغت پالی تھی۔ اس کی کئی وجوہ ہیں:

پہلی وجہ یہ جو حدیث مرفوع میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب بیت المقدس کی تعمیر سے فراغت پائی تو اللہ تعالیٰ سے تین دعائیں مانگیں جن کے متعلق حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کی دو دعائیں مستجاب ہو گئیں۔ اور فرمایا ہمیں امید ہے کہ ان کی تیسری دعا بھی قبول ہو گئی ہو گی جیسا کہ ہم نے من محاریب کے تحت یہ حدیث نقل کی ہے۔

دوسری یہ کہ سب کا اتفاق ہے کہ داؤد علیہ السلام نے بیت المقدس کی بنیاد وہاں رکھی جہاں موسیٰ علیہ السلام کا خیمہ تھا اسے انسانی قد وقامت کے برابر بنا لیا۔ اس کے بعد اتمام کی انہیں اجازت نہ ملی تو انہوں نے عرض کی:

یا اللہ! اسے میری اولاد میں سے کسی کو اتمام کی توفیق بخش۔

جیسا کہ اس کی تفصیل ہم نے پہلے بتائی ہے۔ پھر جب داؤد علیہ السلام کے وصال کا وقت قریب

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ہوا تو آپ نے اس کی تکمیل کے لیے سلیمان علیہ السلام کو وصیت فرمائی۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ بڑے جلیل القدر علمائے کرام نے بیت المقدس کی تخریب کا قصہ بیان فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے عرصۂ دراز تک بیت المقدس میں نمازیں پڑھیں۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت کا بیان ہے کہ اس نے انسانوں اور جنوں کو ان جیسے انسانوں کا مسخر فرمایا حالانکہ وہ شمار اور گنتی سے باہر ہیں ان کے علاوہ وحوش و طیور بھی ان کے تابع کر دئیے پھر سلیمان علیہ السلام پر باوجودیکہ موت طاری کر دی لیکن (بزعم جنات) جسم بے جان کے سامنے سر تسلیم خم رکھا پھر بہت بڑے کمزور جانور دیمک سے ان کے عصا کے سہارے کو ختم کرا کر ہزاروں بلکہ لاکھوں کروڑوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا اور ان کے بڑے غیوب کے دعاوی کو ملیا میٹ کرایا تو دیمک کی مخبری سے۔ نیز اس میں اشارہ ہے کہ یہ قصہ ایک بہت بڑی عظیم الشان اُمّت کے ایمان لانے کا سبب ہے۔ اور واضح فرمایا کہ جنات غیب کی باتیں نہیں جانتے۔ نیز اس میں اشارہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں صرف دو نبیوں موسیٰ و سلیمان علیہما السلام نے سہارا لیا موسیٰ علیہ السلام نے خود فرمایا اتوکؤا علیہا۔ اللہ تعالیٰ نے و القہا یا موسیٰ فرما کر ان کے سہارے کو توڑ دیا کہ وہ عصا بہت بڑا سانپ بن گیا اس میں موسیٰ علیہ السلام کو اشارہ فرمایا کہ صرف اور صرف میرے فضل و احسان پر بھروسا کیجئے۔ ایسے ہی جب سلیمان علیہ السلام نے اپنے قیام ملک کے لیے عصا کو سہارا بنایا تو اللہ تعالیٰ نے نہایت کمزور اور خسیس ترین کیڑے کو بھیج کر ان کے سہارے کو توڑ دیا تاکہ معلوم ہو کہ صرف سہارا اللہ تعالیٰ کا ہو اور اس کے غیر کا سہارا طاغوت کا سہارا ہے اور جو طاغوت کا انکار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے وہی اللہ کی رسّی کو پکڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رسّی ٹوٹنے والی نہیں۔

تفسیر عالمانہ

لَقَدْ بہذا، بے شک كَانَ لِسَبَاٍ سبأ بروزن جبل بوجہ قبیلہ کے نام ہونے کے اسے غیر منصرف پڑھنا جائز ہے اور وہ قبیلہ سبأ بن یشجب بالجیم۔ کما فی القاموس ابن یعرب بن قحطان بن عامر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد تھی اور سبأ عبد شمس بن یشجب کا لقب تھا اور یہ لقب اسے اس لیے ملا کہ سب سے پہلا سبائی یہی ہے اور یہ یمن کے قبائل کا مجموعہ ہے۔ کما قال السہیلی۔

ف : یعرب بن قحطان وہ پہلا شخص ہے جس نے سب سے پہلے عربی میں کلام کی۔ یہی ابو عرب الیمن ہے انہیں عرب العاربہ کہا جاتا ہے۔ بعض مورخین نے کہا جو لوگ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی لغت بولتے ہیں انہیں عرب مستعربہ کہا جاتا ہے۔ یہی اہل حجاز کی بولی ہے۔ اسماعیل علیہ السلام سے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

پہلے انہی کو عربیت مستقل تھی اور یہ اس قول کے منافی نہیں کہ سب سے پہلے عربی میں اسماعیل نے تکلم کیا اس لیے کہ اسماعیل علیہ السلام کی عربیت سے یہ مراد ہے کہ خالص عربی جو قریش کی بولی ہے اور اسی پر قرآن نازل ہوا ہے۔ یہی سب سے پہلے اسماعیل نے بولی۔ ایسے ہی یہ بات اس کے بھی منافی نہیں کہ حضرت اسماعیل بہشت میں عربی میں کلام فرماتے تھے جب زمین پر تشریف لائے تو سریانی بولتے تھے (اس لیے کہ یہاں دنیا میں سب سے پہلے بولنے والے کی بات ہو رہی ہے۔ خلاصہ یہ کہ بہشت میں حضرت آدم علیہ السلام عربی بولتے تھے اور زمین پر سب سے پہلا عربی بولنے والا ہے۔ لیکن اس کا عربی خالص نہیں تھی سب سے پہلے خالص عربی بولنے والے اسماعیل علیہ السلام تھے اس طرح سے مختلف اقوال کی تطبیق ہوگئی)[1]

ف: اخبار میں آیا ہے:

من احسن ان یتکلم بالعربیة فلا یتکلم بالفارسیة فانه یورث النفاق۔

(جو عربی بولنے کی پوری قدرت رکھتا ہے اسے چاہیے کہ فارسی اور دوسری لغت میں کلام نہ کرے) (یہ موضوع ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ عربیت پر دوسری لغت کو ترجیح نہ دی جائے۔ اویسی غفرلہ)

حدیث موضوع لفظاً اور صحیح معناً یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انا افصح من نطق بالضاد۔

(میں ان افصح ترین میں سے ہوں جو ضاد کو صحیح طریق سے بول سکتے ہیں)

ایک جماعت محدثین نے فرمایا کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں۔ ہاں یہ معنیٰ اس لیے صحیح ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ میں عرب میں فصیح ترین ہوں۔ اس لیے کہ عرب میں وہی فصیح ترین گنے جاتے تھے جو ضاد کے صحیح تلفظ کے پڑھنے پر قادر تھے۔ اور یہ ضاد صرف ہے بھی عرب میں، دوسری لغات میں دوسرے مخارج کے ساتھ پڑھی جاتی ہے کذا فی انسان العیون لعلی برہان الدین حلبی۔

فِیْ مَسْکَنِهِمْ مسکن کا لغوی معنیٰ ہے نشست گاہ۔ یہاں پر ان کے وہ شہر مراد ہیں جن میں وہ زندگی بسر کرتے تھے یعنی مارب جو یمن منزل۔ کذا فی القاموس۔ اس کے اور صنعا کے درمیان تین راتوں کے سفر کی مسافت ہے۔ سورۂ نمل میں جس سبا کا ذکر ہے یعنی بلقیس کا شہر۔ اس سے بھی یہی شہر مراد ہے۔

ف: سہیلی نے فرمایا کہ مارب یمن کے بادشاہ کا لقب تھا جیسے کسریٰ فارس کے بادشاہ کا لقب ہوتا تھا

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ایسے ہی خاقان چین کے بادشاہ کا اور قیصر روم کے بادشاہ اور فرعون مصر کے بادشاہ اور اشعر اور یمن حضرموت کے بادشاہ اور حبشہ کے بادشاہ کا نجاشی لقب ہوتا تھا۔

ف: بعض نے کہا ان کے محل کا نام مارب ہے۔ کما ذکرہ المسعودی

انسان العیون میں ہے کہ یعرب بن قحطان کو ایمن بھی کہا جاتا ہے اس لیے کہ ہود علیہ السلام

اعجوبہ نے اسے فرمایا:

انت ایمن ولدی۔

(تو میرا بابرکت بچہ ہے)

اور یمن کو اسی قدوم میمنت لزوم سے یمن کہا گیا۔ آیَۃٌ یعنی وہ علامت ظاہر ہو جو اس قبیلہ کے احوال سابقہ لاحقہ پر دلالت کرے کہ انہیں ہر طرح کے انعامات سے نوازا گیا اور انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم سے ہر طرح کی دولت و آسائش بخشی اس کے بعد انہیں اپنے قہر و غضب سے تباہ و برباد کیا جب وہ نافرمانی اور ظلم و سرکشی کے مرتکب ہوئے۔ اس سے ثابت ہوگا صانع و مختار ہے اور امور بدیعہ پر قدرت رکھتا ہے وہ جیسے چاہتا ہے کرتا ہے اور نیک کو نیک جزا اور برے کو سخت عذاب میں مبتلا کرتا ہے اسے صرف اہلِ علم جانتے اور صرف عقل مند اس سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔

جَنَّتٰنِ یہ آیۃ سے بدل ہے۔ اس سے باغات کی دو جماعتیں مراد ہیں اس سے محض دو باغ مراد نہیں عَنْ یَّمِیْنٍ باغات کی ایک جماعت ان کے شہر کے دائیں جانب واقع تھی۔ اور یمین دراصل دائیں ہاتھ کو کہا جاتا ہے اور یہ تمام اعضا سے شرافت اور بزرگی میں زائد ہے اس لیے کہ اس میں زائد قوت رکھی گئی ہے اس کی نقیض بایاں ہاتھ ہے، اور دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ سے ممتاز ہے وَّشِمَالٍ باغات کی ایک اور جماعت ان کے شہر کے بائیں جانب واقع تھی۔ چونکہ ان دونوں باغات کی جماعت کو آپس میں تقارب اور جنسیت کی وجہ سے انہیں ایک باغ کہا گیا یا انہیں دو باغ اس لیے کہا گیا کہ قبیلے کے ہر ایک شخص کے گھر کے دائیں بائیں دو باغ تھے کُلُوْا یہ ان کے نبی علیہ السلام کے مقولے کی حکایت ہے یعنی ان کے نبی علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ کھاؤ لیکن اس میں یہ بات ضرور ملحوظ رہے کہ شکرِ خداوندی بھی ضروری ہے کہ اس طرح سے نعمت کی تکمیل ہوتی ہے اور نبی علیہ السلام نے یہ کلمات اس لیے فرمائے کہ انہیں ان باغات و دیگر نعمتوں کے حقوق کی تذکیر ہو یا یہ مقولہ لسان حال سے کہا گیا ہے یا بیان ہے اس معنی کا کہ وہ اس کے حقدار تھے کہ انہیں یوں ہی کہا جائے مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ اپنے پروردگار کے رزق سے یعنی قسم قسم پھلوں سے وَاشْكُرُوْا لَهٗ اور اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے رزق پر زبان جنان ارکان سے اللہ تعالےٰ کا شکر کرو بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ یہ جملہ مستانفہ ہے جس شکر مامور بہ کا حکم ہے اس کا بیان کرنے والا ہے یعنی تمہارا شہر بھی پاکیزہ ہے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اور تمہارا رب جس نے تمہیں پاکیزہ رزق عطا فرمایا اور تم سے اس پر شکر کا مطالبہ کیا وہ بھی غفور ہے۔ زمین ہے جس نے شکر کی ادائیگی میں کوتاہی کی وہ تمہاری کوتاہیوں سے درگزر فرمائے گا طیبۃً کا معنی یہ ہے کہ جہاں تمہارے باغات ہیں وہ زمین شور نہیں ——— بلکہ بہترین ثمرات لانے والی ہے یا اس زمین کا پانی اور ہوا خوشگوار ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ شہر جس سے تمہیں اللہ رزق بخشتا ہے وہ پاکیزہ اور بہترین ہوا اور میٹھے پانی والا اور اچھی زمین والا ہے۔

شہرے چو بہشت از نکوئی
چوں باغ ارم بتازہ روئی

ترجمہ: وہ شہر بہترین ماحول کے لحاظ سے بہشت کی طرح ہے اور تازگی کے لحاظ سے اس کے باغات ارم کی طرح ہیں۔

ف: فتح الرحمٰن میں ہے کہ طیبۃ بایں معنیٰ ہے کہ اس میں مچھر، مکھیاں اور پسو اور بچھو اور سانپ نہیں اور نہ ہی اس میں دیگر موذی جانور ہیں بلکہ باہر کا مسافر جوئیں لے کر آتا تو جونہی اس شہر میں داخل ہوتا تو اس کی پاکیزہ ہوا کی وجہ سے وہ جوئیں مر جاتیں۔ نہ ہی اس میں آفات اور بیماریاں ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس شہر کی ہوا تمام شہروں سے پاکیزہ تھی اور یہ شہر خوشحال تھا، یہاں تک کہ وہاں کی کوئی عورت اپنی ہمسایہ عورت کے گھر سر پر ٹوکری اٹھا کر کسی باغ سے گزرتی تو فطری طور پر اس کے ہاتھ ہلانے سے ہمسایہ عورت کے گھر تک پہنچنے تک اس کی ٹوکری پھلوں سے پُر ہو جاتی۔ حالانکہ وہ ان پھلوں کو ہاتھوں سے نہیں توڑتی تھی اس میں بہشت کے باغات کی طرف اشارہ ہے کہ وہاں بھی ایسے ہی ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ جیسے اللہ تعالیٰ کے بہشت میں باغات ہیں ایسے ہی زمین پر بھی اس کے معنوی باغات ہیں یعنی قلب انسان جو اس میں مختلف قسم کے معارف و فیوض مکشوف ہیں۔

ف: بہترین لذات کی وہ اشیاء ہیں جن سے حواس خمسہ لذت پائیں اور پاکیزہ انسان وہ ہے جو جہل و فسق و قبائح اعمال کی نجاستوں سے پاک اور علم و ایمان و محاسن افعال کی پاکیزگی سے پاکیزہ رہتا ہے۔

ف: بعض مشایخ کبار رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بلدۃ طیبۃ سے انسان مراد ہے اس لیے کہ وہ توحید کے پاکیزہ بیج لا الٰہ الا اللہ کو قبول کرتا ہے اور رب غفور بایں معنیٰ ہے کہ وہ اپنے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

دوستوں کے عیوب اپنے نورِ مغفرت سے ڈھانپتا ہے اور اپنی عزتِ معرفت کی وجہ سے ان کے گناہ بخشتا ہے۔

حکایت حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ ایک سال حج سے فارغ ہوئے، خواب میں دیکھا کہ دو فرشتے ان کے سامنے حاضر ہو کر ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ اس سال حج کے لیے کتنے لوگ جمع ہوئے۔ دوسرے نے کہا، تیس ہزار۔ پہلے نے پوچھا: کتنے لوگوں کا حج قبول ہوا؟ دوسرے نے کہا، کسی ایک کا بھی حج قبول نہیں ہوا۔ میں مضطرب اور پریشان ہوا کہ اے اللہ! تیری مخلوق دور دور سے کتنے دُکھ درد اور تکالیف برداشت کر کے حاضر ہوئی ان میں سے کسی ایک کا بھی حج قبول نہیں ہوا۔ فرشتوں نے کہا کہ ایک موچی علی بن موفق نامی دمشق میں ہے وہ اگرچہ حج پہ نہیں آیا لیکن اس کا حج قبول ہے۔ بلکہ ان تمام لوگوں کا حج اسی کی وجہ سے قبول ہوگا۔ علی بن موفق دمشقی کی قبولیت میں راز یہ تھا، وہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے تین سو پچاس درہم حج کے لیے جمع کیے میرے سامنے سے ایک حاملہ عورت گزری اس نے مجھ سے کہا کہ فلاں گھر میں فلاں طعام کی خوشبو آتی ہے آپ اس گھر سے میرے لیے لا دیجئے ورنہ میرا حمل گر جائے گا۔ میں نے صاحبِ خانہ سے جا کر حاملہ عورت کا حال سنایا۔ صاحبِ خانہ میری بات سن کر رو پڑا اور کہا کہ ہم تمام گھر والے ہفتے سے بھوکے مر رہے تھے آج میں مردار گدھے کا گوشت لایا ہوں اور گھر والے اسی کو بھون رہے ہیں چونکہ ہماری حالت مضطر یانہ ہے اسی لیے ہمارے لیے حلال ہے لیکن تمہارے لیے حرام۔ بنا بریں میں آپ کو وہ گوشت نہیں دے سکتا۔ علی بن موفق نے کہا اس کی بات سن کر میرا دل پارہ پارہ ہو گیا اور میں نے حج کے لیے جمع کردہ تمام پیسے اس شخص کے سپرد کر دیئے اور کہا بس یہی میرا حج ہے۔ اسی کی برکت سے میرا حج بھی قبول اور دوسرے لوگوں کا بھی ؎

باحسانے آسودہ کردن دلے
بہ از الف رکعت بہر منزلے

ترجمہ کسی دل کو احسان سے خوش کرنا ہر منزل پر ہزار رکعت پڑھنے سے بہتر ہے۔ ہر منزل سے کعبہ معظمہ کا سفر مراد ہے جو دوسرے سفروں سے افضل سفر ہے۔

تفسیر عالمانہ فَاَعْرَضُوْا پس آلِ سبا نے وفا سے اعراض کیا اور جفا کی طرف متوجہ ہوئے اور کفرانِ نعمت کیا اور ظلم و ستم کے درپے ہوئے اور شکر گزاری کو ضائع کیا اور اپنا حال تبدیل کیا اللہ تعالیٰ نے ان کا حال بدل دیا۔

ف : اعرض یجئے اظہر، عرضہ یجئے ناحیتہ۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرہ انبیاء علیہم السلام کو یمن کی تیرہ بستیوں کی طرف نبی بنا کر مبعوث فرمایا انہوں نے ان لوگوں کو ایمان و طاعت کی دعوت دی اور

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

انہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی یاد دہانی کرائی اور اس کے عذاب سے ڈرایا۔ لیکن انہوں نے ان کی تکذیب کرتے ہوئے کہا ہم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت ہمیں ملی ہو۔ اگر اس نے کوئی نعمت دی ہو تو تم اسے کہہ دو کہ وہ اپنی نعمتوں کو ہم سے روک لے اگر اسے کوئی طاقت ہے تو فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ ارسال کو تخلیہ و ترک منع کے بالمقابل ارسال استعمال ہوتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے ان پر چھوڑ دی سَيْلَ الْعَرِمِ السیل دراصل سیلان کی طرح مصدر ہے بمعنی پانی کا چلنا۔ عرف میں اس پانی کو کہا جاتا ہے جو کسی کے پاس چلا جائے جسے ہم سیلاب سے تعبیر کرتے ہیں۔ العرم، العرامۃ سے ہے بمعنی شدت و صعوبت۔ مثلاً کہا جاتا ہے اس کی گردن عرم بہ وزن نصر و ضرب و کرم و علم عرامتہ وراما بالضم فہو عارم آتی ہے اور عرم بمعنی اشتد و عرم الرجل اس شخص کے لیے بولتے ہیں جس کی عادت بری و درشت ہو۔ یہاں پر العرم بمعنی اصعب ہے اور اس کی اضافت موصوف الی الصفۃ کے قبیل سے ہے بمعنی سیل المطر العرم او الامر العرم۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے ان پر بہت بڑا اور سخت ترین سیلاب چھوڑ دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

العرم اسم الوادی (العرم وادی کا نام ہے) یعنی وہ وادی کہ جس سے پانی آتا ہے۔

بعض نے کہا کہ العرم وہ بند جس کے ذریعہ پانی بند کیا جائے تاکہ پانی کو اونچی زمین پر چڑھایا جاسکے۔

اسی لیے کہ لغت قبیلہ حمیر میں العرم پانی کے بند کو کہا جاتا ہے۔

بعض نے کہا کہ العرم وہ اندھا چوہا تھا، اور سیلاب کو اس کی طرف اس لیے مضاف کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو تباہ کرنے کے لیے ایسے جنگلی چوہے بھیجے جن کے دانت اور داڑھیں لوہے کی تھیں۔ جونہی بلیاں ان کے قریب جاتیں تو وہ چوہے انہیں مار ڈالتے۔ ان چوہوں نے آکر اس بند میں سوراخ کر دیے جس سے بند ٹوٹا اور وہ پانی کے گھیرے میں آگئے اور سیلاب کے گھیرے سے ان کے باغات اور مکانات ڈوب گئے۔ ان چوہوں کو الخلد (بالضم) بھی کہا جاتا ہے وہ اس لیے کہ وہ اپنے بلوں میں ٹھہرے رہتے ہیں باہر کہیں نہیں جاتے۔ اور الجرذ وہ اندھا چوہا ہے جو اشیاء کا ادراک کان سے کرے۔

ف: ارسطو نے کہا کہ ہر حیوان کی دو آنکھیں ہوتی ہیں سوائے خلد (چوہے) کے کہ اس کی آنکھیں ہوتی ہی نہیں اس لیے کہ اس کے لیے مٹی ایسے ہے جیسے مچھلی کے لیے پانی، اور اس کی غذا بھی مٹی کے اندر کے حصے سے ہوتی ہے مٹی کے باہر کے حصے سے اس کی غذا مقدور نہیں کی گئی اور چونکہ اس کی آنکھ نہیں ہوتی اس لیے وہ کان سے احساس کرتا ہے یہاں تک کہ دور سے آنے والے کے پاؤں کی آہٹ سن لیتا ہے جب وہ کسی کے آنے کا احساس کرتا ہے تو فوراً زمین کھود کر اس کے اندر گھس جاتا ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کے کان میں دیکھنے کا اتنا احساس ہوتا ہے جیسے

دوسروں کو آنکھ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اعجوبے اس اندھے چوہے کی عادت ہے کہ وہ خوشبو سے بھاگتا ہے اور اسے پیاز اور لہسن کی بدبو بڑی مرغوب ہے اور بہت دفعہ اس کے ذریعے سے شکار کیا جاتا ہے اس لیے کہ وہ شکاری کی بُو سُونگھ کر اُدھر بھاگتا ہے۔ اس کی عادت ہے کہ جب اسے بھوک لگتی ہے تو منہ کھولتا ہے اللہ تعالیٰ مکھی کو اس کی غذا بنا کر اس کے منہ میں ڈالتا ہے۔ اس کا خون آنکھ میں ڈالا جائے تو آنکھ کی بینائی صحیح ہو جاتی ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ درمختار میں ہے کہ سبا کے لوگ یمن کی ولایت کے مآرب شہر کے گرد و نواح میں رہتے تھے دو پہاڑوں کے درمیان میں آباد تھے ان کی آبادی چون (۵۴) میل پر مشتمل تھی اور ان کی کھیتیوں اور باغات کو وادی کے دہانے سے پانی پہنچتا تھا اور وہ وادی پہاڑوں کے چشموں سے آتی تھی لیکن انہیں وہ پانی تباہ و برباد کر جاتا تھا جو یمن کے علاقوں سے زاید پانی وادی میں مل کر سیلاب کی شکل اختیار کر لیتا تھا جس سے ان کی کھیتیاں اور باغات تباہ و برباد ہو جاتے تھے۔

ف: ابو اللیث نے فرمایا کہ پانی دس دنوں کے فاصلہ سے انہیں نہیں پہنچتا تھا یہاں تک کہ وہ پہاڑوں کے درمیانی حصہ میں ہوتا تو پھر ان کے ہاں آتا۔ اپنے ملک کی ملکہ بلقیس کو درخواست دی کہ ان کے لیے ایسا بند تیار کرے تاکہ زاید پانی ان کے ہاں سیلاب بن کر نہ پہنچے بلکہ صرف وادی کے پانی سے انہیں سیرابی حاصل ہو۔ بند کی وجہ سے وہ زاید پانی جو بارشوں اور چشموں سے آتا اس کی خرابی سے محفوظ ہو جائیں گے۔

ف: کتاب التعریف والاعلام میں سہیل نے لکھا کہ اس بند کو سبا بن یشجب نے تیار کیا اس نے اسے سنگِ مرمر سے بنوایا تھا۔ اسی سے ستر نہریں جاری کیں۔ اسے نامکمل چھوڑ کر مر گیا جسے بعد میں مکمل کیا گیا۔ اسی بند میں تین سوراخ بنائے اعلیٰ، متوسط اور اسفل۔ پہلے اسفل کو کھولتے تاکہ اس سے باغات اور کھیتیاں سرسبز ہوں اور اپنی ضروریات پوری کریں۔ اگر اس سے کام نہ بن پڑتا تو پھر متوسط کو کھولتے، ورنہ آخر میں بچلا سوراخ چھوڑ دیتے۔ ان کے ہاں تیرہ پیغمبر علیہم السلام بھیجے گئے انہوں نے سب کی تکذیب کی ان کے ہاں آخری پیغمبر علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی کے بعد تشریف لایا۔ وہ زمانہ بادشاہ ذی الاذعار بن حبشان کا تھا۔ اس آخری نبی علیہ السلام کو انہوں نے سخت سے سخت اذیتیں پہنچائیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے جنگلی چوہے مقرر فرمائے تاکہ ان کے بند میں سوراخ کریں۔ چوہوں نے بند میں سوراخ کیا جس سے پانی سیلاب بن کر چلا اور ان کی بستیوں میں نصف شب کے وقت پہنچا جبکہ وہ میٹھی نیند سو رہے تھے۔ سیلاب اتنا زوردار تھا کہ آتے ہی ان کے باغات اور کھیتوں اور مکانات کو ڈبو دیا۔ بہت سے لوگ اس سیلاب میں بہ گئے اور ان کے جانور وغیرہ سب کے سب مر گئے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ف: فتح الرحمٰن میں لکھا ہے کہ ہم نے ان پر ایسا سیلاب بھیجا جس کا مقابلہ ان کے لیے مشکل تھا، ان کا بند ٹوٹا اور دونوں پہاڑوں کے درمیانی فاصلہ میں پانی ہی پانی ہو گیا اور لوگوں کو وہاں سے بھاگنے کا موقع نہ ملا۔ بہت سے حیوانات اور انسان ڈوب کر مر گئے اور ان کے اموال سب کے سب تباہ و برباد ہوئے، جو بچ گئے وہ مختلف شہروں میں پھیل گئے۔

وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ اور ہم نے ان دونوں مذکورہ جماعتوں کے باغات کو تبدیل کر کے انہیں دیے۔

حل لغات التبدیل بمعنے ایک شے کے بدلے دوسری شے دینا۔ باء متروک پر داخل ہوتی ہے یہاں بھی ایسے ہی ہوا اور یہ قاعدہ مشہور ہے۔

جَنَّتَيْنِ یہ بدّلنا کا دوسرا مفعول ہے۔ دو باغ ذَوَاتَیْ اُكُلٍ خَمْطٍ یہ جنتین کی صفت ہے اسے مرفوع کے وقت ذواتا الف کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور یہ لفظ ذی کے صیغہ کا تثنیہ ہے بمعنے الصاحب۔ اور الاکل بضم الکاف وسکونہ شے جو کھائی جائے۔ اس کا مصدر ہے الخمط وہ کڑوی گھاس جسے کھایا نہ جا سکے۔ اب معنی یہ ہوا کہ وہ دو باغ جن کے میوے سخت کڑوے تھے۔ اس تقریر پر خمط اکل کی صفت ہوگی بعض قرأۃ میں اکل مضاف اور خمط مضاف الیہ واقع ہوا۔ اس معنے پر خمط اس درخت کو کہا جائے گا جس کا پھل کڑوا اور اس میں کانٹے بھی ہوں۔ بعض نے کہا اس سے پیلو کا درخت مراد ہے کذا قال البخاری۔ الاکل بمعنے درخت کا کڑوا پھل۔ المختار یہ ہے کہ خمط پیلو کی ایک قسم ہے جس کا پھل کھایا جاتا ہے۔ انہیں دو باغ کہنا یا مشاکلۃ ہے یا تہکما وَّاَثْلٍ اس کا اکل پر عطف ہے نہ کہ خمط پر، اس لیے کہ اثل بھی ایک درخت ہے جسے اردو میں جھاؤ کہتے ہیں یا کوئی اور درخت مراد ہے جو جھاؤ کے مشابہ ہوتا ہے لیکن اس کا پھل نہیں ہوتا۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا؎

اگر بد کنی چشم نیکی مدار
کہ ہرگز نیارد گز انگور بار

ترجمہ: اگر برائی کرتا ہے تو پھر نیکی کی امید نہ رکھ اس لیے کہ جھاؤ سے انگور کا پھل حاصل نہیں ہوتا۔

وَّشَیْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِیْلٍ ۝ اس کا عطف بھی اکل پر ہے۔ بیضاوی نے لکھا کہ بیری کو قلت سے اس لیے موصوف کیا گیا ہے کہ اس کے بیر لذیذ ہوتے ہیں انہیں کھایا جاتا ہے اسی لیے اسے باغات کا بدلہ کیا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بیر کے درخت کو سدر کہا جاتا ہے کذا فی القاموس۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ف : مولانا ابوالسعود رحمہ اللہ نے فرمایا کہ صحیح یہ ہے کہ بیر کا درخت دو قسم ہے :

ایک وہ جس کا پھل کھایا جاتا ہے اور اس کے پتوں کو پانی میں ڈال کر اس سے ہاتھ دھوئے جاتے ہیں اور غسل بھی کیا جاتا ہے۔

دوسرا وہ ہے جس کا پھل بالکل بیکار رہتا ہے جسے کھایا نہیں جا سکتا۔ یہ جنگل میں ہوتا ہے، اسے الضال بھی کہتے ہیں۔

آیت میں یہی دوسرا مراد ہے۔ خلاصہ یہ کہ ان کے باغات میں بہترین درخت تھے لیکن ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے ان کے باغات میں بہترین درختوں کی بجائے نہایت گندے درخت پیدا ہو گئے اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی بداعمالیوں کی سزا دی کہ ثمردار درخت تباہ و برباد کر کے کڑوے پھل والے درخت پیدا فرما دیے۔

ذٰلِكَ یہ اس مصدر کی طرف اشارہ ہے جو جَزَيْنٰهُمْ میں ہے۔ یہ محلاً منصوب ہے اس لیے کہ یہ اس فعل کا مصدر مؤکد ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی :

ذلك الجزاء العظيم جزينهم لا جزاء آخر۔

یعنی ہم نے انہیں وہی سخت ترین اور بڑی سزا دی اس کے سوا انہیں اور کوئی سزا نہ دی گئی۔

یا ذالک کا اشارہ تبدیل وغیرہ کی طرف ہے تب بھی یہ محلاً منصوب ہے اس لیے کہ یہ جزیناھم کا مفعول ثانی ہے یعنی ہم نے انہیں ان کے باغات کے تبدیل کرنے کی سزا دی اس کے سوا انہیں اور کوئی سزا نہ دی گئی بِمَا كَفَرُوْا بسبب اس کے کہ انہوں نے کفرانِ نعمت کیا پھر ہم نے ان سے نعمت چھین لی اس کے بدلے ان کی نقیض انہیں دی یا یہ سزا انہیں بوجہ انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کے ملی۔

ف : اس آیت سے ثابت ہوا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیانی سالوں میں بھی انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے، اس لیے کہ یہ واقعہ فترت کے اس دور میں ہوا جو عیسیٰ علیہ السلام اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان میں گزرا۔

اس دورِ فترت میں ایسا کوئی نبی نہیں آیا جو صاحب کتاب ہو اسی لیے ہماری مذکورہ

ازالہ وہم تقریر اس حدیث شریف کے منافی نہیں جس میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے

لیس بینی وبینہ نبی۔

(عیسیٰ علیہ السلام اور میرے درمیان کوئی نبی نہیں آیا)

اس سے حضور علیہ السلام کی یہی مراد ہے کہ اس دور میں کوئی رسول اور کوئی نبی مستقل شریعت لے کر نہیں آیا۔ ہاں اس درمیان میں جو نبی بھی مبعوث ہوا وہ عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر مبعوث ہوا۔ اس

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کی تقریر و تفصیل پہلے بارہا بیان کی ہے۔

وَهَلْ نُجٰزِیْۤ اِلَّا الْكَفُوْرَ ۝ اور ایسی سزا صرف اسے دیتے ہیں جو نعمت کے کفران میں حد سے بڑھا ہوا ہو۔ یا اس سے کفر مراد ہے۔ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ ھل اگرچہ استفہامیہ ہے لیکن یہاں پر نفی کا فائدہ دیتا ہے اسی لیے اس کے بعد حرف استثنا واقع ہوا۔

ف : القاموس میں ہے کہ ھل استفہام کا کلمہ ہے لیکن کبھی بمعنے جحد کے بھی استعمال ہوتا ہے (جیسے آیت ہذا میں) کفر النعمۃ اور کفران النعمۃ بمعنے نعمت کو ڈھانپنا بایں معنی کہ اس کا شکر نہ کیا جائے اور نعمت کے انکار پر کفران کا بہت زیادہ استعمال آتا ہے اور لفظ الکفر دین کے انکار پر استعمال ہوتا ہے اور لفظ الکفور دونوں میں مستعمل ہے۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ مومن شکر کرنے سے ظاہری باطنی نعمتوں کو مزید طلب کر لیتا ہے یعنی ایقان و تقویٰ و صدق و اخلاص و توکل و اخلاق حمیدہ نصیب ہوتے ہیں اور غیر شاکر ان نعمتوں کو کفران سے ٹھکراتا ہے اسی لیے اسے فقر و کفر و نفاق اور شک اور اوصاف ذمیمہ نصیب ہوتے ہیں جیسے بلعم کا حال ہوا اس نے ایک دن ایمان و توفیق پر شکر نہ کیا تو اس کا وہی حشر ہوا جو سب کو معلوم ہے۔ جب اہل کفر نے اپنے قلوب و ارواح کے باغات میں اشجار خبیثہ بوئے تو انہیں ثمرات بھی خبیث نصیب ہوئے اور انہیں وہی سزا ملی جس کے وہ مستحق تھے اور وہی کانٹا جو بویا اور اسی گڑھے میں گر پڑے جسے انہوں نے اپنے ہاتھوں سے کھودا جیسا کہ ایک مثل مشہور ہے:

یداک اوکتا وفوک نفخ۔

یہ مثال اس وقت بیان کرتے جب کوئی اپنے ہاتھوں آپ زخمی ہو اور اپنے راستے میں خود کانٹے بچھائے۔ ایسے ہی کہا جاتا:

اوکا علی سقائہ۔

یہ اس کے لیے بولتے ہیں جو اپنے مشکیزہ پر خود تاگہ باندھے۔ الوکا بمعنے وہ تاگہ جو مشکیزہ کے منہ پر باندھا جائے

حدیث شریف

اور حدیث شریف میں ہے:

فمن وجد خیرا فلیحمد اللہ۔

(جسے خیر و برکت حاصل ہو اسے اللہ تعالیٰ کی حمد کرنی چاہیے)

اس لیے کہ حمد الٰہی تمام خیر و برکت اور رحمت کا سرچشمہ ہے اور جو اس کے سوا پائے یعنی اسے خیر و برکت اور بھلائی نصیب نہ ہو تو وہ اپنے آپ کو ملامت کرے۔ مثنوی شریف میں ہے:

داد حق اہل سبا را بس فراغ
[illegible] قصر و ایوانہا و باغ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۲ شکر آں نگزاروند آں بدرگاں
در وفا بودند کمتر از سگاں

۳ مر سگاں را لقمۂ نانے ز در
چوں رسد بر در ہمی بندد کمر

۴ پاسبان و حارس در میشود
گرچہ بروے جور سختی می رود

۵ ہم بران در باشدش باش و قرار
کفر دارد کرد غیرے اختیار

۶ بے وفائی چوں سگاں را عار بود
بے وفائی چوں روا داری نمود

ترجمہ: (۱) حق تعالیٰ نے سبا والوں کو مالی فراخت بخشی، لاکھوں محلات، بلڈنگیں اور باغات عطا فرمائے۔

(۲) ان بداصلوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہ کیا، وفا میں کتوں سے کمتر تھے۔

(۳) کیونکہ کتوں کو جب روٹی کا ٹکڑا ملتا ہے تو پھر وہ روٹی دینے والے کے دروازے پر پڑے رہتے ہیں۔

(۴) وہ (کتا) اس کے دروازے کا پہرے دار اور نگران رہتا ہے اگرچہ اسے وہاں سے ہزاروں سختیاں اٹھانا پڑتی ہیں۔

(۵) وہیں پر اس کی بود و باش و قرار ہوتا ہے وہ اس کا در چھوڑنا کفر سمجھتا ہے۔

(۶) جب کتوں کو بے وفائی عار و ننگ ہے تو پھر اے انسان! تو کیوں بے وفائی کرتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَجَعَلْنَا اس کا عطف سبا پر ہے اس کا بیان ہے جو انھیں نعمتیں ملیں جو امور خارجہ سے متعلق تھیں جیسے شہروں کی سیر اور تجارتی امور۔ اس سے قبل ان نعمتوں کا ذکر تھا جو ان کے اندرونی امور سے متعلق تھیں۔ مثلاً ان کے بہترین مکانات اور باغات وغیرہ۔ اور اس سے قبل بیان تھا کہ انہوں نے نعمتوں کو کیسے ٹھکرایا اور پھر اس کا کیا نتیجہ نکلا۔ اس آیت میں ان کے بقایا مضمون کا تکملہ ہے۔ تمام قصے کو یکجا بیان کرنے میں تنبیہ و تذکیر ہوگی اس لیے کہ جس شے کو بار بار ذکر کیا جائے اس سے انسان کو تنبیہ و تذکیر ہوتی ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے باوجودیکہ انھیں ان کے گھروں پر ہی بہترین نعمتیں بخشیں بَيْنَهُمْ ان کے مابین۔ یعنی ہم نے ان کے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

یعنی شہروں کے مابین بنایا وَبَيْنَ الْقُرَى اور درمیان شامی بستیوں کے الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا وہ شامی بستیاں کہ جن میں ہم نے برکتیں نازل فرمائیں پانی اور اشجار و اثمار اور خوشحالی اور عیش و عشرت میں وفرت جو اعلیٰ و ادنیٰ کو یکساں طور میسر تھی۔

حلِ لغات القریۃ ہر وہ جگہ جہاں لوگوں کا اجتماع ہو وہ شہر ہو یا تھوڑی آبادی - یہاں پر فلسطین، ایلیا اور اردن وغیرہ مراد ہیں۔ البرکۃ یعنے کسی شے میں اللہ تعالیٰ کی خیر و بھلائی کا ثبوت - المبارك ہر وہ شے جس میں وہی خیر و بھلائی ثابت ہو۔

قُرًى ظَاهِرَةً" دراصل ظاهرة اس شے کو کہا جاتا ہے جو زمین کے اوپر سے مراد ہو اور باطن وہ جو زمین کے اندرونی حصے سے حاصل ہو لیکن وہ پوشیدہ ہو - عرف میں ہر وہ شے جو بصر و بصیرت کے لیے ظاہر ہو اسے ظاهرة" وغیرہ سے تعبیر کرتے ہیں - یعنی وہ بستیاں جو ایک دوسری کے ساتھ متصل اور قریب قریب تھیں اس معنے پر وہ ظاہرہ ہیں - اس کا یہ معنی نہیں کہ اس کے اہل تھے یا یہ کہ ان کے راستوں پر تھیں یا دیگر مسافر سے دور نہیں پڑتی تھیں۔

ف: بحر المعانی میں ہے کہ مآرب جو سبا والوں کا مسکن تھا سے لے کر شام تک درمیان چار سو سات بستیاں تھیں۔

وَقَدَّرْنَا التقدیر یعنے اندازہ کرنا فِيهَا السَّيْرَ السیر یعنے زمین پر چلنا - یعنی ہم نے بعض بستیوں کو دوسری بعض کے درمیان ایک معین مسافت مقرر فرمائی ہے، ایسے بہتر طریق سے کہ ایک بستی سے صبح کو چلنے والا دوپہر کو دوسری بستی میں قیلولہ کر سکے - پھر دوپہر کے بعد چلے تو شام کو ایک اور بستی میں پہنچ جاتے اور وہاں شب باشی کے بعد اسی طرح آرام سے چلتے چلتے آسانی سے ملک شام میں پہنچ جائے اسے راستہ طے کرنے کے لیے زاد راہ کی ضرورت نہ پڑے اور نہ ہی پانی ساتھ لے جائے یہاں کی نعمتوں کی تکمیل ہے کہ علاوہ دیگر نعمتوں کے سفر و حضر میں ہر طرح کی نعمتوں سے نوازے ہوئے ہوں سِيرُوا فِيهَا یہاں پر قول محذوف ہے یعنی انہیں لسانی قال و حال سے کہا گیا وہ اس لیے کہ جب انہیں سیر کی قدرت دی گئی اور اس کے لیے انہیں مکمل طور اسباب دیئے گئے تو گویا انہیں اجازت دے کر فرمایا کہ ہم نے انہیں کہا کہ ان بستیوں میں اپنی ضروریات کے لیے جاؤ لَيَالِيَ وَأَيَّامًا جب چاہو راتوں میں جاؤ یا دنوں میں آمِنِينَ درانحالیکہ تم امن والے ہو امن یعنے طمانیۃ النفس و زوال الخوف یعنی درانحالیکہ تم دشمنوں اور چوروں اور درندوں سے جن وجہ سے تکلیف محسوس کرتے ہو اس سے امن و اطمینان اور چین پاؤ گے اس لیے کہ ان آبادیوں میں تمہاری کثرت ہوگی تو نہ دشمن حملہ کر سکیں گے اور نہ ہی چور آ سکیں گے اور نہ ہی درندے، یا امن پاؤ گے بھوک اور پیاس سبب اس کے کہ تمہاری بستیاں آباد اور سرسبز ہیں کسی وقت میں بھی تمہارے امن اور چین میں کمی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

نہیں آئے گی یا یہ معنیٰ نہیں کہ تم امن و چین سے زندگی بسر کرو اگرچہ تمہارا سفر کتنا ہی طویل کیوں نہ ہو، خواہ سفر میں کئی راتیں بسر ہوں اور کئی دن سفر میں کٹ جائیں تب بھی تمہارے امن اور چین میں کمی نہیں آئے گی۔ یا یہ معنی ہے کہ تم اپنی زندگی کے دن اور رات امن اور چین سے گزارو گے۔ اپنی زندگی کے تمام لمحات میں امن اور چین پاؤ گے لیکن یہ امر حقیقی طور نہیں بلکہ صرف اس معنے پر کہ تمہیں سیر مذکور پر پوری قوت دی گئی ہے اور تمہاری سیر کے اسباب آسان بنا دئے گئے ہیں انہیں وجوہ سے تمہارے لیے حکم ہے فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا المباعدۃ والبعاد یعنی کسی سے دور ہونا اور کسی کو دور کرنا السفر، حضور کی نقیض ہے۔ دراصل پردہ ہٹانے کو کہا جاتا ہے مثلاً،

سفر الرجل فہو سافر و سافر۔

اسے مفاعلہ سے اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ بحالت سفر وہ مکان سے دور ہو گیا اور مکان اس سے۔ اسی السفر سے السفرۃ مشتق ہے یعنی سفر کا طعام اور چمڑے کا وہ چوڑا ٹکڑا جس پر طعام رکھا جاتا ہے یعنی دسترخوان۔ بعض اہل لغت نے کہا کہ السفر کو اس لیے سفر کہتے ہیں کہ وہ انسان کے اخلاق سے پردہ اٹھاتا اور نفس کے دعاوی و دفائن کو ظاہر کرتا ہے۔

تفسیری قول مفسرین فرماتے ہیں کہ اہل سبا نعمتیں پا کر اکتا گئے بلکہ کثرت عیش و عشرت سے اکتا گئے اور تندرستی و عافیت سے ان کا جی بھر گیا اسی لیے دکھ درد اور تکالیف کے اسی طرح خواہاں ہوئے جیسے بنی اسرائیل نے من و سلویٰ سے اکتا کر لہسن اور پیاز وغیرہ مانگا اور کہتے کاش! یہ باغات اور پھل ہم سے کوسوں دور ہوتے تاکہ ہمیں ان کی خواہش نہ ہوتی اور آرزو کی کہ شام اور ان کے شہروں کے درمیان باغات اور آبادی کے بجائے جنگلات ہوں تاکہ وہ سواریوں پر سفر کریں اور زاد راہ کو سر پر اٹھا کر سفر کریں اور فقر و فاقہ اٹھا کر ہم دوسرے فقراء اور تنگدستوں پر فخر و مباہات کر سکیں یعنی دولتمندوں نے فقیروں اور تنگ دستوں پر حسد کیا کہ ہمارے اور ان کے درمیان سفر طے کرنے کا کوئی فرق نہیں اسی لیے اس امتیاز کے لیے وہ دولتمند سوار ہو کر جائیں اور فقراء و تنگ دست پیدل فَقَالُوْا تو ان کے اغنیاء نے کہا اے ہمارے پروردگار! ہمارے سفر میں بہت دوری پیدا فرما دے یعنی ایک منزل سے دوسری منزل تک جنگل پیدا فرما دے تاکہ لوگ زاد راہ اور سواری کے بغیر سفر نہ کر سکیں اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا فوراً قبول فرمائی یہاں تک کہ ان کے شہر فوراً تباہ و برباد ہو گئے وہاں چٹیل میدان بنا دیا گیا کہ نہ کوئی بلانے والے کی بات سنے اور نہ ہی جواب دے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

آن سبا ز اہل صبا بودند و خام
کارشان کفران نعمت با کرام

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

باشد آن کفرانِ نعمت در مثال
کہ کنی با محسن خود تو جدال ۱
کہ نمی باید مرا این نیکوئی
من برنجم زین چہ رنجہ می شوی ۲
لطف کن این نیکوئی را دور کن
من نخواہم عافیت رنجور کن ۳
پس سبا گفتند باعد بیننا ۵
شیننا خیر لنا خذ زیننا
ما نمی خواہیم این ایوان و باغ ۶
نی زنان خوب و نی امن و فراغ
شہرہا نزدیک ہمدیگر بدست ۷
آن بیابانست خوش کانجا ددست
یطلب الانسان فی الصیف الشتا ۸
فاذا جاء الشتا انکر ذا
فہو لا یرضی بحال ابداً ۹
لا بضیق لا بعیش رغداً
قتل الانسان ما اکفرہ ۱۰
کلما نال ہدی انکرہ

ترجمہ: (۱) وہ سبا والے اہلِ صبا اور خام نکلے۔ بڑوں سے کفرانِ نعمت ان کی عادت ہو گئی۔

(۲) کفرانِ نعمت کی مثال یوں سمجھیے کہ گویا تم اپنے آقا کے ساتھ جنگ و جدال کر رہے ہو۔

(۳) گویا کہتے ہو مجھے ایسی بھلائی نہیں چاہیے مجھے تو اس سے رنج پہنچتا ہے تو پھر نعمت دے کر رنج کیوں اٹھا رہے ہو!

(۴) مہربانی کر کے مجھ سے یہ نعمت واپس لے لے مجھے عافیت نہیں چاہیے مجھے بیمار کر دے (اس سے میں خوش ہوں)

(۵) بلکہ اسی طرح سبا والوں نے کہا ہمیں آپس میں دور کر دے ہمیں عیب اچھا لگتا ہے ہم سے زینت چھین لے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(٦) ہم پر باغات محلات نہیں چاہتے، نہ حسین عورتیں چاہییں اور نہ فراغت مال۔

(٧) یہ شہر جو ہمارے قریب ہیں ہمیں اچھے نہیں لگتے بلکہ ہماری آرزو یہ ہے کہ ہم جنگلات میں ہوں اور ہمارے ساتھ درندے ہی درندے ہوں۔

(٨) انسان کا خاصہ ہے کہ گرمی میں سردی چاہتا ہے اور جب سردی آتی ہے تو پھر گرمی مانگتا ہے۔

(٩) وہ کسی حال پر بھی راضی نہیں، نہ تنگی سے خوش ہے نہ خوشحالی پر راضی ہے۔

(١٠) اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا قتل الانسان الخ انسان پر مار ہو وہ کیا ناشکرا ہے کہ جب اسے ہدایت پہنچتی ہے تو اس کا انکار کرتا ہے۔

وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ اور انہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا جب کہ انہوں نے شرک کیا اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کفران اور انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کر کے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے غضب وقہر کے پیش کیا فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ابن الکمال نے فرمایا احادیث جمع ہے لیکن اس کا واحد معنی مراد ہے یعنی الحدیث۔ گویا پہلے اسے احدوثۃ پر پھر احادیث پر جمع بنایا گیا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے اہل سبا کو آنے والی نسلوں کے لیے خبریں اور نصیحت اور عبرت بنایا۔ اس حیثیت سے کہ لوگ تعجب کرتے ہوئے ایک دوسرے کو ان کے حالات سنائیں گے اور ان کے انجام وعاقبت سے عبرت حاصل کریں گے وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ اور انہیں ہم نے مکمل طور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ یہ اس وقت ہے جبکہ ممزق کو مصدر کہا جائے۔ یا یہ معنی ہے کہ ہم نے انہیں پورے طور پھینکا یا ہم نے انہیں تفریق کی جگہ پر پھینکا۔ اس معنے پر ممزق اسم مکانی ہوگا تمزیق میں تفریق خاص کی طرف اشارہ ہے اور ان کی تمزیق میں تہویل امر اور دلالۃ علی شدۃ التاثیر اور انہیں سخت درد میں مبتلا کرنا مطلوب ہے جیسا کہ اہل فہم پر روشن ہے یعنی انہیں ایسی تفریق وتخریق وتمزیق میں مبتلا کیا کہ اس کی نظیر محال ہے بلکہ اس کے بعد کوئی تفریق اگر ہوگی تو اس کی مثال اسی تفریق کو بنایا جائے گا یعنی یوں کہا جائے گا کہ سبا والے متفرق ہوئے اور ہر جانب سے انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے گا اور وہ چند قبیلے تھے جو سبا کی اولاد سے تھے پھر وہ مختلف شہروں میں پھیل گئے بعض مآرب میں ٹھہرے رہے۔ قبیلہ غسان شام کو چلے گئے اور قضاعہ مکہ میں پہنچے اور اسد بحرین میں اور انمار یثرب میں یثرب جسے بعد میں مدینۃ الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا گیا اور جذام تہامہ میں اور ازد عمان میں مقیم ہوئے اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ ان کے قصہ مذکورہ میں لَاٰيٰتٍ البتہ بہت بڑی آیات اور دلالت کثیرہ اور عبرتیں اور حجتیں واضح ہیں جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور ربوبیت پر دلالت کرتی ہیں۔ بعض نے کہا کہ آیات کو جمع اس لیے لایا گیا کہ وہ لوگ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

متفرق گروہ ہو گئے ان کا ہر گروہ ایک مستقل آیت تھی لِّكُلِّ صَبَّارٍ پر گناہوں اور شہوات و خواہشات نفسانی سے صبر کرنے والے کے لیے یا اس سے بلاؤں اور مشقتوں اور طاعات پر صبر کرنے والے مراد ہیں شَكُورٍ ہر وقت اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کرنے والے یا اس سے مومن کامل مراد ہے اس لیے ایمان کے دو حصے ہیں ایک حصے کا نام صبر اور دوسرے کا نام شکر ہے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے اہل سبا بہت خوشحال اور فارغ البال زندگی بسر کرتے تھے بوجہ بے صبری بر عافیت اور ناشکری بر نعمت، انہیں جو ہوا سو ہوا

اے روزگار عافیت شکرت نگفتم لاجرم
دستے کہ در آغوشش بود اکنون بدندان می گزم

ترجمہ: اے زمانہ تیری دی ہوئی عافیت پر میں شکر نہ کر سکا اس وقت کہ جب مجھے فرصت تھی تو کچھ نہ کر سکا لیکن اب افسوس کر رہا ہوں۔

اور مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ چون ز حد بردند اصحاب سبا
کہ بہ پیش ما وبا بہ از صبا
۲ ناصحا نشان در نصیحت آمدند
از فسوق و کفر مانع می شدند
۳ قصد خون ناصحان می داشتند
تخم فسق و کافری می کاشتند
۴ بہر مظلومان ہمی کندند چاہ
در چہ افتادند و می گفتند آہ

---

۵ صبر آرد آرزو را نی شتاب
صبر کن واللہ اعلم بالصواب

ترجمہ: (۱) جب سبا والے (ناشکری میں) ایسے حد سے گزرے تو کہتے تھے ہمیں صبا کے بجائے وبا چاہیے۔
(۲) ناصح لوگوں نے نصیحت کی انہیں فسق و فجور سے بہت روکا۔
(۳) الٹا ناصحین کے قتل کے درپے ہو گئے، فسق و کفر کا بیج بوتے تھے۔
(۴) مظلوموں کے لیے کنویں کھودتے، خود کنویں میں گر کر کہتے ہائے ہائے!

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

دل آرزو کے مطابق کام اس وقت ہوگا جب صبر کرو گے۔ اسی لیے میرا مشورہ ہے کہ صبر کرو (واللہ اعلم بالصواب)

ف: بعض کبار (مشائخ) نے فرمایا کہ طلب دنیا اور اس کی خواہشات میں مبتلا ہونا درحقیقت اللہ تعالیٰ سے اور اس کے حضور سے دوری طلب کرنے کے مترادف ہے۔ ویسے دنیا اور خواہشات نفسانی میں مبتلا ہونا اور ان کی طرف رغبت کرنا نفس کی کمینگی اور عقل کی خست کی دلیل ہے بلکہ نفس پر ظلم کرنا ہے اور جسے دنیا اللہ تعالیٰ سے دور کرے وہ شخص اہل طلب کے لیے عبرت کا سبب بنتا ہے اور وہ شخص ہلاکت کی وادی میں تباہ و برباد ہوتا ہے اسی لیے دنیا اور اس کی شہوات سے بچنے پر صبر ضروری ہے اور جسے اس کی رغبت اور شہوت سے نجات نصیب ہو جائے اسے اس نعمت پر شکر کرنا لازمی ہے اور جسے عبودیت کی توفیق میسر آئے اسے بھی شکر کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی طرف رغبت کرنے والا بنائے اور اپنے پر اعتماد کرنے والوں سے بنائے اور ہمیں اپنے راستہ سے ہٹنے سے بچائے اور ارشاد حق راہ کے بعد گمراہی سے محفوظ فرمائے اور نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔ وہی رحمان ہے ہمارے قلوب اسی کے قبضے میں ہیں وہی ہمیں ایک حال سے دوسرے حال کی طرف پھیرتا ہے جیسے چاہتا ہے۔

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ التصدیق بمعنے راست پانا علیہم کی ضمیر اہل سبا کی طرف راجع ہے اس لیے کہ ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ ضمیر الناس کی طرف راجع ہے جیسا کہ آنے والا مضمون اس کا شاہد ہے۔ ابلیس، ابلاس سے مشتق ہے بمعنے وہ حزن جو شدت یاس (ناامیدی) سے عارض ہو۔ المفردات میں ہے ابلیس بمعنے یئس و تحیّر۔ اسی سے ابلیس مشتق ہے یا یہ عجمی لفظ ہے اور الظن بمعنے اعتقاد راجح جس میں اس کی نقیض کا بھی احتمال ہو مظنۃ الشیٔ بکسر الظاء وہ جگہ جہاں اس کے وجود کا گمان ہو۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ بخدا ابلیس نے جب اہل سبا کو شہوات میں گرفتار پایا تو اس نے اپنے گمان کو سچا پایا۔

فَاتَّبَعُوهُ اہل سبا نے شرک و معصیت میں ابلیس کی تابعداری کی **إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ** مگر ایک گروہ جو اہل ایمان تھا انہوں نے شیطان کی تابعداری نہ کی اور وہ گروہ دوسرے لوگوں سے علیحدہ رہا۔ یہ من بیانیہ ہے یعنی وہ جماعت جو اہل ایمان تھی انہوں نے دین کے اصولی مسائل میں شیطان کی اتباع نہ کی اور چونکہ وہ بہ نسبت کفار کے قلیل تھے اسی لیے انہیں فریقًا سے تعبیر کیا گیا ہے یا من تبعیضیہ ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اہل ایمان کے بعض لوگوں نے اتباع نہ کی اس سے مخلصین لوگ مراد ہیں یا یہ معنیٰ ہے کہ شیطان نے بنی آدم پر اپنے گمان کو سچا پایا کہ انہوں نے اس کی اتباع کی سوائے اہل ایمان کے ایک گروہ کے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب شیطان نے دیکھا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مرآدم نے اس کے وسوسہ کو قبول کر لیا ہے تو سمجھا کہ آپ کی اولاد تو اس سے اور کمزور ہو گی اسی لیے یقین کر لیا کہ انہیں بہت جلد گمراہ کر لے گا۔

ف: وکاشفی نے لکھا کہ ابلیس لعین نے گمان کیا تھا کہ بنو آدم کی فطرت میں یہ شہوت و غضب کا مادہ ہے اس کی وجہ سے انہیں بہت جلد گمراہ کر لوں گا۔ چنانچہ وہ اس گمان فاسد میں سچا نکلا۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جب اس نے کہا کہ میں ناری ہوں اور آدم علیہ السلام خاکی۔ نار مٹی کو کھا جاتی ہے اس لیے میں اُن پر غالب ہو جاؤں گا (چنانچہ وہ اپنے گمان میں سچا نکلا) جب ملائکہ نے کہا:

اتجعل فیہا من یفسد فیہا و یسفک الدماء۔

(کیا تو اس میں اسے خلیفہ بناتا ہے جو اس میں فساد پھیلائے گا اور خونریزی کرے گا)

ابلیس نے یہی گمان کیا تو اب وہ اپنے گمان میں سچا نکلا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ شیطان کو یقین نہیں تھا کہ وہ بنو آدم کو گمراہ کر سکے گا بلکہ اس کا یہ گمان تھا کہ وہ صرف ان لوگوں کو گمراہ کر سکے گا جو اللہ و رسول (جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم) کے نافرمان ہوں گے لیکن جب اس نے کفر و معاصی کی طرف رغبت دلانے کا جال پھیلایا تو سمجھا کہ یہ لوگ تو میری گمراہی کو قبول کرنے کے لیے مستعد ہیں حالانکہ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے پھر وہ گمراہی پھیلانے لگا تو ان میں سے بعض نے اپنی خواہشات نفسانی پر شیطان کی اتباع کی جیسے اس نے حکم فرمایا اس طرح سے اس نے اپنے گمان کو سچا پایا۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا: ؎

۱ نہ ابلیس در حق ما طعنہ زد
کز ایشان نیاید بجز کار بد

۲ فغان از بدیہا کہ در نفس ماست
کہ ترسم شود ظن ابلیس راست

۳ چو ملعون پسند آمدش قہر ما
خدایش برانداخت از بہر ما

۴ کجا سر بر آریم ازین عار و ننگ
کہ با او بصلحیم و با حق بجنگ

۵ نظر دوست نادر کند سوئے تو
چو در روئے دشمن بود روئے تو

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۶ ندانی کہ کمتر نہد دوست پائے
چو بیند کہ دشمن بود در سرائے

ترجمہ (۱) کیا ابلیس نے ہم کو طعنہ نہیں دیا تھا کہ ان سے برائی کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔

(۲) ہمارے نفوس میں جو برائیاں ہیں ان سے فریاد ہے مجھے خطرہ ہے کہ کہیں ابلیس کی بدگمانی صحیح نہ ہو جائے۔

(۳) جب خبیث کو ہمارا نقصان مدنظر ہوا تو اللہ تعالیٰ نے صرف ہماری خاطر آپ کو راندۂ درگاہ بنایا۔

(۴) پھر ہم عار و ننگ کے مارے کب سر اٹھانے کے قابل ہیں کہ اب ہماری حق تعالیٰ سے جنگ اور ابلیس سے صلح ہے۔

(۵) دوست کی نگاہ تجھ پر ہرگز نہ پڑے گی جبکہ تمہاری اس کے دشمن کے ساتھ دوستی ہو۔

(۶) کیا دیکھتے نہیں ہو کہ دوست تیرے گھر آنا چھوڑ دیتا ہے جب دیکھتا ہے کہ اس کا دشمن تیرے گھر میں ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطَانٍ اور نہیں ہے ابلیس کے لیے کوئی تسلط۔ السلطان بمعنے القہر والغلبہ جسے قہر و غلبہ حاصل ہو اسے سلطان سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہاں پر تسلط و استیلاء سے وسوسہ اور گمراہی میں ڈالنے کی جد و جہد مراد ہے ورنہ وہ نہ تو کسی پر تلوار اٹھاتا ہے اور نہ لاٹھی اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ مگر تاکہ ظاہر کرکے دکھلائیں کہ کون آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور کون اس کے بارے شک میں ہے۔ یہ اعم الاحوال سے مستثنیٰ مفرغ ہے اور مَنْ موصولہ وجہ لنعلم کے منصوب ہے العلم بمعنے شے کا اس کی حقیقت کے ساتھ ادراک کرنا اور اللہ تعالیٰ کی ایک صفت عالم بایں معنی ہے کہ اس سے کوئی شے مخفی نہیں۔ الشک بمعنے انسان کے ذہن میں دو نقیضوں کا برابر ہونا اور مَن کا صلہ جملہ فعلیہ لانے میں اس کے حدوث کی طرف اشارہ ہے جیسے دوسرا جملہ اسمیہ لانے میں اس کے دوام کی طرف اشارہ ہے۔

نکتہ: ایمان کے مقابلہ میں شک کے لانے میں اشارہ ہے کہ انسان کفر کے ادنیٰ مرتبہ میں قدم رکھنے سے کفر کی وادی میں ڈوب جاتا ہے پھر وہی شک اسے محیط ہو کر ورطۂ کفر میں غرق کر دیتا ہے۔

ف: صلہ کی تقدیم پھر فعل کا صلہ لفظ مِن لانا حالانکہ یہاں صلہ فی ہونا تھا اس میں مبالغہ مطلوب ہے نیز تنبیہ کرنا ہے کہ وہ معاملہ اتنا شدید ہے کہ اس کا زوال ناممکن ہے اس لیے کہ جب شک کا ہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حال ہے کہ جیسے چڑھے اس سے اس کا زوال ناممکن ہے تو پھر جو کفر یقینی میں ہو اس کا کیا حال ہوگا یعنی اس کی فلاح یقیناً محال ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ابلیس کا ان پر تسلط صرف اسی لیے ہوتا تاکہ ہمارا علم کا تعلق اس کے ساتھ ہو ان میں آخرت پر کون ایمان لاتا ہے اور کون اس کا انکار کرتا ہے تاکہ ان پر جزا و سزا مرتب ہو سکے۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ کا علم قدیم اور اس کا تعلق حادث ہے اور وہ تعلق اس وقت ہوتا ہے جب متعلق عالم شہادت میں موجود ہو۔

اس سے اللہ تعالیٰ پر بدگمانی نہ کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس سے قبل نہ اہلِ ایمان کو ازل الدہر میں جانتا تھا نہ اہلِ کفر کو، پھر ابلیس کو ان پر مسلط کرکے معلوم کیا کہ ان میں مومن کون ہے اور کافر کون۔ وہ بدگمانی اس لیے نہ ہونی چاہیے کہ مومن و کافر اسی نے ہی پیدا فرمایا یہ اسی کی قدرت و حکمت ہے اسی نے اپنی قدرت سے اہلِ کفر کی استعداد پر کافر اور اہلِ ایمان کی استعدادِ ایمانی پر مومن پیدا فرمایا۔

حدیث شریف میں ہے:

خلق الجنۃ وخلق لہا اھلا وخلق النار وخلق لہا اھلا۔

(بہشت بنائی تو اس کے بسنے والے بھی بنائے اور دوزخ بنائی تو اس کے اندر مقیم ہونے والوں کو بھی پیدا فرمایا)

وقال تعالیٰ:

ولقد ذرأنا لجہنم کثیرا من الجن والانس۔

(ہم نے جہنم کے لیے بہت سے جن وانس پیدا فرمائے)

مسئلہ: اللہ تعالیٰ انس وجن کی تخلیق سے پہلے ہی ازل سے جانتا ہے کہ کون مومن ہے اور کون کافر!

نکتہ: بنی آدم پر شیطان کو اسی لیے مسلط فرمایا تاکہ معدنِ انسانیت سے ان کے جواہر ظاہر ہوں جیسے آگ کو معدنیات پر مسلط فرمایا تاکہ ان کے جواہر میں امتیاز ہو سکے اگر معدنیات سونے کے ہیں تو ان سے سونا ظاہر ہوگا اگر قلعی کے ہیں تو ان سے قلعی ظاہر ہوگی۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ آگ سونے کو قلعی اور قلعی کو سونا بنا دے۔ ایسے ہی انسان بھی معدنیات ہیں ان پر شیطان کو مسلط کرکے ظاہر کیا کہ وہ ناری اپنے وسوسہ کی پھونک سے ظاہر کر دے کہ ان میں کیسا جوہر ہے۔ بہرحال شیطان کا کام محض ان کے جواہر کو ظاہر کرنا ہے ؎

در زمین گر نیشکر ور خود نے است ترجمان ہر زمین نبت وے است

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

توجیہ: زمین اگنا ہے یا سنے؛ زمین کا رجحان ہر شے کا اپنا بیج ہے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں پر اعلم بمعنے تمیز ہے۔
اب معنیٰ یہ ہوا کہ شیطان کو انسانوں پر اس لیے مسلط فرمایا تاکہ آخرت کو ماننے اور نہ ماننے والے میں امتیاز ہو۔

ربط: اس کی علت بتائی کہ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ۝ اور تیرا پروردگار ان سب کا نگہبان ہے۔ حفیظ بمعنے محافظ ہے اس لیے کہ فعیل و مفاعل دونوں صیغے آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ حفیظ وہ ہے جو ہر شے کی اسی طرح حفاظت کرے جس لائق وہ شے ہے اور انسانوں میں حفیظ وہ ہے جو اعضاء کی اسی طرح حفاظت کرے جیسے ان کی حفاظت کے وہ لائق ہیں ایسے ہی شرعی امور اور امانات و ودیعات کی حفاظت کرے۔ ایسے ہی اپنے دین کو غضب اور شہوت کی خرابی اور نفس کے دھوکے اور شیطان کے فریب سے بچائے۔ اس لیے کہ وہ گرنے والے کنارے پر کھڑا ہے اور یہ عادات قبیحہ اسے پکڑ کر گرانے کا کام کرتی ہیں اور اسے دار البوار (جہنم) میں لے جانے کے لیے ہیں۔

روحانی نسخے بعض حکمائے الٰہیہ نے فرمایا: ان نسخوں سے دین کی حفاظت ہوتی ہے۔

(۱) دینی امور میں جد و جہد
(۲) نیک اعمال پر مواظبت
(۳) ترکِ معاصی
(۴) استعمال مسواک
(۵) نیند بہت کم کرنا
(۶) رات کو اٹھ کر نوافل (تہجد) پڑھنا
(۷) قرآن مجید کو دیکھ کر پڑھنا
(۸) شہد کھانا
(۹) منہ نہار شکر کے ساتھ کندر ملا کر کھانا
(۱۰) روزانہ منہ نہار اکیس عدد سرخ انگور کھانا۔

درندوں سے حفاظت جو شخص الحفیظ لکھ کر اپنے اوپر لٹکا لے تو اس پر درندوں کا حملہ نہ ہو سکے گا۔

حکایت ذوالنون حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دن مجھے گھر سے باہر نکلنے پر دل نے مجبور کیا و دریائے نیل کے کنارے چل پڑا۔ ایک بچھو کو دیکھا کہ بھاگا جا رہا ہے۔ میں اس کے پیچھے ہو لیا۔ وہ ایک مینڈک کے قریب پہنچا۔ مینڈک نے اسے پیٹھ پر اٹھا کر دریا پار کرا دیا۔ میں نے بھی کشتی پر سوار ہو کر اس کا تعاقب کیا۔ بچھو دریا سے باہر نکلتے ہی دوڑا ایک نیند بھرنے والے نوجوان کے سرہانے پہنچ گیا وہاں ایک اژدہا بیٹھا تھا۔ دونوں آپس میں لڑتے لڑتے مر گئے اور اس نوجوان کی جان بچ گئی۔

حکایت حضرت ابراہیم الخواص رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں مکہ معظمہ کے سفر میں تھا کہ مجھے ایک ویرانے میں شب باشی کرنا پڑی، اچانک دیکھا کہ بہت بڑا درندہ میرے درپے ہے۔ میں اس سے

(باقی صـ۸۲۳)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا
تم فرماؤ پکارو انہیں جنہیں اللہ کے سوا سمجھے بیٹھے ہو وہ ذرہ بھر

يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ
کے مالک نہیں آسمانوں میں اور نہ زمین میں

وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴿٢٢﴾ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ
اور نہ ان کا ان دونوں میں کچھ حصہ اور نہ اللہ کا ان میں سے کوئی مددگار اور اس کے پاس شفاعت کام

عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ۚ
نہیں دیتی مگر جس کے لیے وہ اذن فرمائے یہاں تک کہ جب اذن دے کر ان کے دلوں کی گھبراہٹ دور فرمادی جاتی ہے ایک

قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿٢٣﴾ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ
دوسرے سے کہتے ہیں تمہارے رب نے کیا ہی بات فرمائی وہ کہتے ہیں جو فرمایا حق فرمایا اور وہی ہے بلند بڑائی والا تم فرماؤ کون جو تمہیں روزی دیتا ہے آسمانوں

قُلِ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢٤﴾ قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ
اور زمین سے تم خود ہی فرماؤ اللہ اور بیشک ہم یا تم یا تو ضرور ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں تم فرماؤ ہم نے تمہارے گمان میں اگر کوئی

عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٥﴾ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا
جرم کیا تو اس کی تم سے پوچھ نہیں نہ تمہارے کوتکوں کا ہم سے سوال تم فرماؤ ہمارا رب ہم سب کو جمع کرے گا پھر ہم میں سچا فیصلہ فرمادے گا

بِالْحَقِّ ۚ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿٢٦﴾ قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّا ۚ
اور وہی ہے بڑا نیاؤ چکانے والا سب کچھ جانتا تم فرماؤ مجھے دکھاؤ تو وہ شریک جو تم نے اس سے ملائے ہیں ہشت بلکہ

بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٢٧﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ
وہی ہے اللہ عزت والا حکمت والا اور اے محبوب ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے

نَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٨﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ
خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا لیکن بہت لوگ نہیں جانتے اور کہتے ہیں یہ وعدہ کب آئے گا اگر تم

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٢٩﴾ قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا
سچے ہو تم فرماؤ تمہارے لیے ایک ایسے دن کا وعدہ ہے جس سے تم نہ ایک گھڑی پیچھے ہٹ سکو نہ آگے

تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٣٠﴾
بڑھ سکو

تفسیر عالمانہ

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ان لوگوں سے فرمائیے جن کا گمان ہے۔ اس سے مشرکین مراد ہیں۔ اس آیت میں ان لوگوں کے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

گذشتہ حقائق و غلط مسائل کا اظہار اور ابی کو بڑائی سے خاموش کرانا مطلوب ہے۔ ادعوا بمعنے نادوا ہے۔ القاموس میں ہے کہ الزعم وہ قول نقل کرنا جس میں جھوٹ کا شائبہ ہو۔ اسی لیے قرآن مجید میں ہر جگہ اس کے قائلین کی مذمت کی گئی ہے۔ (مفردات)

یہاں مراد یہ ہے کہ اے مشرکو! تم نے جنہیں معبود بنا رکھا ہے انہیں بلاؤ۔ زعم کے دو مفعول ہیں ایک ضمیر جو کہ دراصل زعمتموہم تھا اور اسے محذوف کر دیا گیا ہے اور وہ ضمیر ہُمْ الذین کی طرف راجع ہے اس کا حذف کرنا بوجہ تخفیف کے ہے تاکہ موصول مع صلہ اور پھر ضمیر کے ساتھ کلام طویل نہ ہو جائے دوسرا مفعول آلھۃ ہے جس کے قائم مقام مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اے مشرکو! جنکی تم اللہ کے سوا یعنی بتوں کی پرستش کرتے ہو تم بلاؤ ان امور میں جو تمہیں درپیش ہوتے ہیں یعنی نفع کے حصول اور ضرر کے دفع کرنے میں تو وہ تمہیں جواب دیں گے اگر تمہارا دعویٰ صحیح ہو اس کے جواب میں فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ ایسوں کو ایسا جواب دینا چاہیے۔ اور یہ بھی ہے کہ مخالف کے مقابلہ میں مکابرہ قابل قبول نہیں اسی لیے ان کے حال کو جملہ مستانفہ کے طور پر بیان فرمایا لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وہ ذرہ برابر بھی کسی شے کے مالک نہیں، نہ وہ کسی کو نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ مثقال اور ذرہ کا معنی سورۃ ہذا کے اوائل میں بیان ہو چکے ہیں فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ کہ آسمانوں میں نہ زمینوں میں یعنی کسی ایک کام کے بھی مالک نہیں اور صرف آسمان و زمین کی تخصیص اس لیے کی ہے کہ عوام میں جملہ امور کی نفی کے لیے صرف انہی کا بیان ہوتا ہے اور اس سے جملہ امور کی نفی مراد ہے جیسے صحابہ کرام کی جملہ جماعت مراد لیتے تھے صرف مہاجرین و انصار کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں یا اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین کے بعض معبود آسمانی تھے جیسے ملائکہ اور ستارے اور بعض زمینی جیسے بت وغیرہ یا اس لیے کہ خیر و شر کے اسباب قریبہ یا آسمانی ہیں یا زمینی وَمَا لَهُمْ اور ان بتوں کے لیے نہیں فِيْهِمَا آسمانوں اور زمینوں میں مِنْ شِرْكٍ

[illegible] ۸۱۴ [illegible] آیت ۲

گھبرا گیا تو تجھے ہاتف نے آواز دی اے ابراہیم! گھبرائیے مت اس لیے کہ ستر ہزار فرشتے تیرے ارد گرد تیری حفاظت کر رہا ہے۔

سبق یہ اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم ہے جو اپنے بندوں پر کرتا ہے اور یہ ان کے نیک اعمال کا نتیجہ ہے اگر کوئی عمل اس کے دائیں جانب حفاظت کرتا ہے تو کوئی بائیں جانب۔ نیک اعمال کی برکت سے وہ آفات و بلیات سے محفوظ رہتا ہے۔

دعا اے اللہ! تو اپنی آنکھوں سے ہماری حفاظت فرما جو نہیں سوتیں اور اپنی مہربانی کے ساتھ ہمیں محفوظ فرما کہ وہ کبھی غفلت نہیں کرتیں۔ اور اپنی قدرت کاملہ سے ہمارے حال پر رحم فرما، ہمیں تباہ و ہلاک نہ کر، تو ہی ہمارا بھروسا اور ہماری امید گاہ ہے اور تو ہی ارحم الراحمین ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ذرات میں سے نہ تخلیق کے لحاظ سے اور نہ ملک اور تصرف کے اعتبار سے وَمَا لَهٗ اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے لیے مِنْهُمْ ان کے بتوں سے مِّنْ ظَهِيْرٍ کوئی حامی کار جو آسمانوں اور زمینوں کے امور کی تدبیر میں اس کی مدد کریں۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی جملہ مخلوق کے ہر فرد سے بے نیاز ہے اور ان کے بت ہر شے سے عاجز ترین ہیں۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

۱ نیست خلقش را دگر کس مالکے
شرکتش دعوی کند جز ہالکے

۲ ذات او مستغنیست از یاوری
بلکہ یابد عون از و ہر سروری

ترجمہ: (۱) مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مالک نہیں اس کے ساتھ شرکت کے مدعی کو سوائے تباہی اور بربادی کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔

(۲) اس کی ذات سے ہر ایک مدد چاہتا ہے بلکہ ہر سردار اسی سے مدد چاہتا ہے۔

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ۔ الشفاعة بمعنى طلب العفو او الفضل للغير من الغير يعنى غیر کے لیے غیر سے عفو و فضل مانگنا، یعنی سفارش کنندہ مشفوع لہ کی نجات اور اس کے ثواب کی زیادتی چاہتا ہے اسی لیے شفاعت اپنی دعا کے لیے استعمال نہیں ہوتی۔

ف: امت کے لیے نبی علیہ السلام کی شفاعت بمعنی وسیلہ ہے یعنی امت اپنے نبی علیہ السلام کے لیے مقام وسیلہ چاہتی ہے وہ اس لیے کہ شفاعت میں شرط ہے کہ شفیع مشفوع لہ سے عالی ہو یا مشفوع لہ عاجز ہو اور یہ دونوں نبی علیہ السلام کی شان کے لائق نہیں عِنْدَهٗ اللہ تعالیٰ کے ہاں جیسا کہ مشرکوں کا عقیدہ تھا کہ ان کے بت ان کے لیے شفاعت کریں گے یہ ان کا عقیدہ مبنی بر فساد ہے اس لیے کہ بت اللہ تعالیٰ کے ہاں شفاعت کرنے کے اہل نہیں اور ان میں شفاعت کا مادہ سرے ہی نہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ۔

اس آیت میں نفی شفاعت کو نفع شفاعت سے معلق فرمایا اس میں وقوع شفاعت کی نفی کی تصریح نہیں بلکہ اس کو لازم (جو وقوع شفاعت تھی) کی نفی کی گئی ہے۔

اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ مگر اس کے لیے شفاعت کا حق ہوگا جس کے لیے اللہ تعالیٰ کی اجازت ہوگی یہ اعم الاحوال سے استثنا مفرغ ہے یعنی کسی حال میں بھی کسی کو شفاعت کی اجازت نہ ہوگی مگر اس کے لیے جس کی اجازت ہوگی۔ جسے اللہ تعالیٰ کی اجازت نصیب ہو اس لیے کہ شفاعت کے مستحق خود اللہ تعالیٰ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

نے مقرر فرمائے ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ سے استحقاق حاصل نہیں وہ کبھی کسی کی شفاعت نہیں کر سکتے۔ اسی لیے انہیں ان کی شفاعت کے نفع کی امید رکھنا بے سود ہے کیونکہ اگر فرض کیا جائے کہ جنہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے شفاعت کی اجازت ہی نہیں ان سے شفاعت کی امید رکھنے میں واضح ہے کہ وہ صاف طور اپنے لیے شفاعت کی محرومی کا ثبوت دے رہے ہیں اور آیت سے دلالۃ النص کے طور معلوم ہوا کہ وہ شفاعت نہیں کر سکتے اس لیے کہ جب ثابت ہو گیا کہ ان سے شفاعت کی اُمید رکھنے والے محروم ہیں تو شفاعت کنندوں کی شفاعت کرنے سے محرومی بطریقِ اَولیٰ ثابت ہے۔ حَتّٰٓی اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ التفزیع اضداد سے ہے اس لیے کہ اس میں تخویف اور ازالۃ الخوف دونوں معانی پائے جاتے ہیں۔ الفزع بمعنے ڈرانا اور غم لے جانا اور لفظ عن سے متعدی ہوتا ہے جیسے یہاں آیت میں ہے اور فزع وہ انقباض جو انسان پر ہیبت سے طاری ہوتا ہے۔ یہ بھی جزع کی جنس سے ہے اسی لیے فزعت من اللہ نہیں کہا جا سکتا، ہاں خفت منہ کہا جا سکتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ یہاں تک کہ شفیع اور مشفوع لہم یعنی اہلِ ایمان کے قلوب سے گھبراہٹ ہٹائی جائے گی۔ اور کفار و مشرکین تو شفاعت کے معاملہ میں بالکل محروم ہوں گے اسی لیے وہ تفزیع القلوب کے معاملہ سے ہزاروں کوس دُور ہوں گے اور حتّٰی اس غایت کے لیے ہے جس کی خبر دی جا رہی ہے یعنی وہ جو پہلے گزرا ہے کہ شفاعت وہ کر سکیں گے جنہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ہوگی۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ مشفوع لہم کو کافی انتظار کے بعد شفاعت نصیب ہوگی۔ گویا یہ ایک سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ کہ انہیں شفاعت کی اجازت کیسے ملے گی؟ جواب ملا کہ مشفوع لہم میدانِ قیامت میں بڑی گھبراہٹ اور حُزن و ملال میں کافی عرصہ تک منتظر رہیں گے یہاں تک کہ بہت بڑی بحث و تمحیص کے بعد ان کی گھبراہٹ دُور ہوگی اور انہیں خوشخبری دی جائے گی کہ اب تمہارا مدعا پورا ہوا۔ قَالُوْا مشفوع لہم کہیں گے ہم نے اس کی ضمیر مشفوع لہم کی طرف اس لیے لوٹائی ہے کہ وہی اذنِ شفاعت کے محتاج ہوں گے اور اسی لیے کی ضرورت انہیں ہوگی مَاذَا کیا شے ہے قَالَ رَبُّكُمْ اذنِ شفاعت کے متعلق تمہارے رب تعالیٰ نے فرمایا ہے قَالُوْا شفاعت کرنے والے کہیں گے ہم نے یہ ضمیر شفعاء کی طرف اس لیے لوٹائی ہے کہ خوشخبری سنانے والے اور بندوں اور اللہ تعالیٰ کے اذنِ شفاعت کے بالذات یہی واسطہ بنیں گے الْحَقَّ یعنی جو کچھ تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے وہ حق ہے یعنی مستحقین کے لیے اذنِ شفاعت کا حکمِ ربانی ہے اور وہ حق ہے وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ۝ یہ شفعاء کی گفتگو کا تتمہ ہے وہ یہ گفتگو اعتراف کے طور پر کہیں گے کہ ہمارا رب تعالیٰ بہت بڑی عظمت والا اور اس کی جناب کی بہت زیادہ عزت ہے اور اس کے ماسوا میں ہر طرح کا قصور اور کمی ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ علو و کبریائی کی شان میں منفرد اور اپنی ذات و صفات میں منفرد اور قول و فعل میں بے عدیل ہے مخلوق میں کتنی ہی بڑی شان و عزت کا مالک ہو

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تاہم اس کی اجازت کے بغیر گفتگو نہیں کر سکے گا۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ علی وہ ہے جو قہر و اقتدار کے لحاظ سے تمام مخلوق سے فوقیت رکھتا ہو۔ اور علی بمعنے رفیع القدر بھی آیا ہے۔ اور یہ جب اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوگا تو معنیٰ ہوگا کہ وہ اس سے بلند ہے کہ کوئی اس کے وصف کا احاطہ کر سکے بلکہ عارفین کے علم بھی اس کے وصف بیان کرنے سے عاجز ہیں اور اس وصف کو مطلقاً انسان کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں۔ ہاں مجازاً جائز ہے اس لیے کہ بندے کو وہ تفوق کہاں جو کہ وہاں تک پہنچنے کے بعد اور کوئی درجہ نہ ہو، ہاں ایسے درجات تک پہنچنا ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کا کام ہے لیکن ان کے لیے ان درجات تک پہنچنے کا علو کہنا بھی اضافی ہوگا۔ مطلق علو کا اطلاق ان پر بھی جائز نہ ہوگا۔

ف: ایک ایسا درجہ ہے جہاں انسان کا اس کے آگے جانا ناممکن ہے وہ درجہ صرف ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوا۔ لیکن ان کے لیے یہ علو اضافی ہوگا اس لیے کہ حقیقی اور مطلق علو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے۔

ف: اس اسم سے متعلق ہونا اعلیٰ امور تک پہنچنے اور سفلی امور سے دوری کا موجب ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

انّ اللّٰہ یحب معالی الامور و یبغض سفسافھا۔

(اللہ تعالیٰ بلند امور کو پسند فرماتا ہے اور سفلی اور سطحی امور کو ناپسند فرماتا ہے)

فرمانِ علی حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا:

علو الھمۃ من الایمان۔

(علوِ ہمتی ایمان کی علامت ہے)

صائب نے فرمایا: ؎

چوں بسیر لامکاں خود می روم از خویشتن
بچو ہمت توسنی در زیر زیں داریم ما

ترجمہ: اپنے سے لامکاں کی سیر کو جاؤں تو مناسب ہے اس لیے تیز رفتار ہمت کا گھوڑا ہمارے پاس ہے۔

خواصِ اسمِ علی یہ اسم مبارک لکھ کر بچے کے گلے میں ڈالا جائے تو سنِ بلوغ تک پہنچے گا اگر مسافر اپنے پاس رکھے تو سفر با ظفر ہو، اور تنگ دست گلے میں ڈالے تو دولت مند ہو۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تحقیق اسمِ کبیر کبیر وُہ ذات ہے کہ جس کے سامنے ہر شے حقیر ہو۔ اسی لیے بعض نے اللہ اکبر کا یہی معنی لکھا ہے کہ وہ ذات جسے اکبر کہنا بھی اس کی کبریائی کے لائق نہیں یا وُہ ذات کہ اس کی کبریائی کی کُنہ کو کوئی نہ پہنچ سکے۔ علماءِ کرام نے لکھا کہ نمازی جب اللہ اکبر کہے تو اس کا عقیدہ یہ نہ ہو کہ وہ کسی خاص وقت میں اکبر ہے بلکہ اس کا عقیدہ یہ ہو کہ وہ ہر وقت اور ہر آن اکبر ہے۔ صوفیہ کرام نے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کی کبریائی کو جانتا ہے اسے اپنی کبریائی کا تصور نہیں آئے گا۔

ف : بندوں میں اکبر وُہ ہے جو عالم، متقی، خلقِ خدا کا رہبر و ہادی ہو اور ایسا صالح اور نیک بخت ہو کہ اس کے انوار و علوم سے خلقِ خدا مستفید و مستفیض ہو۔

مدرس و معلم علوم دینیہ کی فضیلت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص علمِ دین پڑھ کر اس پر عمل کرتا اور دُوسروں کو پڑھاتا ہے تو ملکوت السماء میں اسے عظیم کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

ف : کبیر کے ورد سے انسان پر علم و معرفت کے دروازے کُھلتے ہیں۔

زن و شوہر کو راضی رکھنے کا طریقہ اگر کسی شے پر اسم کبیر پڑھ کر عورت و مرد کو اکٹھا بٹھا کر کھلایا جائے تو ان کی آپس میں صلح صفائی اور موافقت رہے گی۔

ف : الاربعین الادریسیہ میں اللہ تعالیٰ کو پکارنے کے لیے ایک دُعا یہ لکھی ہے:

یا کبیر انت الذی لا تہتدی العقول لوصف عظمتہ۔
(اے وُہ ذاتِ کبریا جس کی وصفِ عظمت عقول کو رسائی نہیں)

فائدے ہی فائدے حضرت سہروردی قدس سرہٗ نے فرمایا: جو شخص اس اسم (کبیر) کا وظیفہ کرے تو قرضدار ہو تو قرض دُور، اور اگر رزق کی کمی ہو تو وسعت نصیب ہو۔ اگر کسی عہدے سے معزول ہو گیا ہو تو صرف ایک ہفتہ ایک ایک ہزار بار روزانہ روزہ رکھ کر پڑھے تو اپنے عہدے پہ بحال ہو جائے گا اگرچہ اسے وزارتِ عظمیٰ اور صدارتِ علیا اور بادشاہی سے ہٹایا گیا ہو۔

قُلْ مَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ فرمائیے تمہیں رزق کون دیتا ہے آسمان سے بارش برسا کر وَ الْاَرْضِ اور زمین سے انگوری نکال کر۔

ف : اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ آپ مشرکین کو دلائل دے کر خاموش کرائیے تا کہ وہ اس اقرار کے لیے مجبور ہو جائیں کہ واقعی ان کے معبود زمین و آسمان کی کسی چیز کے بھی مالک

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ہیں اور رزاق صرف اللہ تعالیٰ ہے جس کا انہیں اقرار ہے۔ چنانچہ دوسرے مقام پہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
قل من یرزقکم من السماء والارض ام من یملک السمع والابصار فسیقولون اللہ۔
اور چونکہ وہ اس طرح کے سوال کے جواب سے کتراتے تھے اس لیے کہ ان پہ ماننا لازم آجائے گا اسی لیے اس وقت حضور علیہ السلام کو حکم ہوا قُلِ اللّٰہُ آپ فرمائیے اللہ تعالیٰ تمہیں رزق دیتا ہے کیونکہ ان کے ہاں بھی اس کے سوا اور کوئی جواب نہیں۔

ف: رزق دو قسم ہے:

(۱) ظاہری' جیسے کھانے پینے کی وہ چیزیں جو انسان کے بدن سے متعلق ہیں۔

(۲) باطنی' جیسے معارف، مکاشفات یعنی وہ امور جو ارواح سے متعلق ہیں۔ اور یہی پہلی قسم سے اشرف و اعلیٰ ہے اس لیے کہ حیات ابدی نصیب ہوتی ہے۔ اور ظاہری رزق کا تعلق ایک مدت معلوم کے بعد ختم ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی جملہ مخلوق کے رزق کا متولی ہے اور اپنے فضل و کرم سے دونوں ان کے رزق پہنچاتا ہے اور یہ اس کی مرضی و مشیت پر ہے کہ کسی کو وافر اور کسی کو تھوڑا رزق عطا فرماتا ہے۔

حدیث شریف ۱ میں ہے:
طلب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ۔
(رزقِ حلال کی طلب کا فریضہ دوسرے فرائض (نماز، روزہ وغیرہ) کے بعد سب سے بڑا اور اہم ہے)
یعنی ایمان اور نماز کے بعد سب سے بڑا فریضہ طلبِ رزقِ حلال ہے۔

حدیث شریف ۲ میں ہے:
من اکل حلال اربعین یوما نور اللہ قلبہ واجری ینابیع الحکمۃ من قلبہ۔
(جو شخص چالیس دن رزقِ حلال کھاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو منور فرما دیتا ہے اور اس کے قلب سے حکمت کے چشمے جاری فرماتا ہے)

حدیث شریف ۳ میں ہے:
ان اللہ ملکا علیٰ بیت المقدس ینادی کل لیلۃ من اکل حراما لم یقبل منہ صرف ولا عدل۔
(بیت المقدس پہ اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ مقرر ہے جو ہر رات پکارتا ہے کہ جو شخص حرام کا رزق کھائے گا اس کی کوئی نیکی قبول نہ ہوگی نہ فرائض نہ نوافل)

ف: مشائخ نے فرمایا کہ حلال رزق کھانے سے دل کی صفائی اور روح کی صفائی سے نورِ معرفت اور نورِ معرفت

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سے مکاشفات و منازلات وارد ہوتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

۱ لقمۂ کاں نور افزود و کمال
آں بود آوردہ از کسبِ حلال

۲ روغنے کاید چراغ ما بکشد
آب خوانش چوں چراغے را کشد

۳ علم و حکمت زاید از لقمۂ حلال
عشق و رقت آید از لقمۂ حلال

۴ چوں ز لقمہ تو حسد بینی و دام
جہل و غفلت زاید آنرا داں حرام

۵ بیج گندم کاری و جو بر دہد
دیدۂ اسپی کہ کرہ خر دہد

۶ لقمہ تخم ست و برش اندیشہا
لقمہ بحر و گوہرش اندیشہا

۷ زاید از لقمۂ حلال اندر دہاں
میل خدمت عزم رفتن آں جہاں

ترجمہ: (۱) وہ لقمہ جو نورِ ایمان کو بڑھاتا ہے وہ کسبِ حلال سے حاصل ہوتا ہے۔

(۲) روغن (تیل) چراغ کی روشنی بڑھاتا ہے لیکن پانی اسے بجھا دیتا ہے۔

(۳) لقمۂ حلال سے علم و حکمت میں بھی اضافہ ہوتا ہے عشق و رقت بھی لقمۂ حلال سے نصیب ہوتی ہے۔

(۴) جس لقمہ سے محسوس کرو کہ اس سے حسد اور بغض بڑھتا ہے اور جہل و غفلت چھا رہی ہے تو سمجھو کہ وہ لقمہ حرام ہے۔

(۵) بھلا گندم سے جَو پیدا ہوتے ہیں، گھوڑے کا بچہ گدھا نہیں پیدا ہوگا۔

(۶) لقمہ بیج ہے اس کا پھل وہی کردار ہیں جو تجھ سے سرزد ہو رہے ہیں۔ لقمہ دریا ہے اور اس کے موتی تیرے اعمال و کردار۔

(۷) لقمۂ حلال سے دل میں جہانِ آخرت کی طرف جانے کو جی چاہے گا۔

وَاِنَّا نیز انہیں فرمایئے کہ بیشک ہم اَوْ اِیَّاکُمْ اس کا اسم پر عطف ہے یعنی تم لَعَلٰی ھُدًی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اللہ ہدایت پر ہیں اَوْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ یا گمراہی ظاہر میں، یعنی وہ لوگ ایک واحد لاشریک
کی عبادت کرتے ہیں اور وہی سب کو رزق پہنچاتا ہے اور وہی قدرت ذاتیہ کا مالک ہے اور وہ لوگ
صرف اسی ایک کی عبادت کرتے ہیں اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جمادات کو شریک بنا کر ان جمادات کی
پرستش کرتے ہیں حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ مراتب امکانیہ کے ادنیٰ مرتبہ میں ہیں ان میں یقیناً ایک گروہ
ہدایت پر ہے اور دوسرا گمراہی پر۔ یہ اس لیے فرمایا کہ اس سے قبل دلائل سے ثابت فرمایا کہ ہدایت پر صرف
اہل ایمان ہی ہیں اور اگلے الفاظ میں فرمایا کہ کافر یقیناً گمراہی پر ہیں اور حق جھگڑالو خصم کو ساکت جواب دینے
کا بلیغ ترین طریقہ ہے جیسے اپنے آپ کو سچا سمجھ کر اپنے بالمقابل کو کہتا ہے کہ اللہ یعلم ان احدنا لکاذب
اللہ کو معلوم ہے کہ ہم میں ایک ضرور جھوٹا ہے یعنی یہ قول اس وقت بولا جاتا ہے جب اہلِ حق و اہلِ باطل
کا آپس میں جھگڑا ہو جائے تو پھر اپنے آپ کو سچا سمجھنے والا دوسرے کو مذکورہ قول کہتا ہے اس قول سے
اہلِ حق کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کا بالمقابل یقیناً جھوٹا ہے ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
ایک دو لعان کنندگان کو فرمایا کہ اللہ یعلم ان احدکما کاذب فھل منکما تائب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے
کہ تم میں ایک جھوٹا ہے کیا تم میں کوئی ہے جو توبہ کرے۔

ف : اس عبارت میں لفظ اَوْ محض ابہام اور اظہار انصاف کے لیے ہے شک یا تشکیک کے لیے
نہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں پر اَوْ بمعنے واؤ ہے یعنی ہم اور تم ہدایت پر ہیں اگر ہم ایمان لائیں
بالآخر ہم دونوں گمراہی میں ہیں اگر ہم ایمان نہیں لاتے۔

ف : دو مختلف حروف جارہ اس لیے ہیں تاکہ تنبیہ ہو کہ ہدایت والے وہی ہیں جو اونچے مکان پر اوپر
بیٹھا ہو اور وہ ہر شے کو آنکھوں سے دیکھ رہا ہو اور ہر ایک شے سے پورے طور پر مطلع ہو جائے یا تیز
رفتار گھوڑے پر سوار ہو اور جیسے چاہے چلائے۔ اور گمراہ کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اندھیری اور
تاریکی میں ڈوبا ہو جسے کوئی شے نظر نہ آئے اور نہ ہی اسے معلوم ہو کہ کہاں جانا ہے۔ یا اس کی مثال اس
شخص کی ہے جو گہرے گڑھوں میں ڈوبا ہو یا پنجرے میں محبوس ہو کہ وہ اس پنجرے سے نہ نکل سکے۔

قُلْ لَّا تُسْئَلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! انہیں فرمائیے کہ ہمارے
جرائم کے متعلق تم سے سوال نہ ہوگا۔

حل لغات الاجرام بمعنے جرم کرنا۔ الجرم (بالضم) بمعنے الذنب۔ دراصل جرم بمعنے
القطع آتا ہے۔ ہر مکروہ عمل کے ارتکاب کے لیے استعارہ کیا گیا ہے۔ کما فی
المفردات۔

یعنی ہم نے صغائر اور خلافِ اولیٰ کا ارتکاب کیا اس لیے کہ مؤمن ایسی کمزوریوں سے خالی نہیں ہوتا
وَلَا نُسْئَلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ اور ہم سے تمہارے اعمال کا سوال نہ ہوگا۔ یعنی تم جو کفر و معاصی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ودیگر تمہارے جملہ اعمال کی ہم سے پرسش نہ ہوگی اس لیے کہ ہر کسان اپنی کھیتی کاٹتا ہے نہ کہ دوسرے کی۔

شعر بر فشندہ ہر کس درود آنچہ کشت

ترجمہ: یہ مشہور ہے کہ ہر کس وہی کاٹتا ہے جو کچھ وہ بوتا ہے۔

ف: یہی طریقہ کار انصاف کے لحاظ سے بلیغ تر اور جھگڑے اور فساد سے دُور تر ہے اس وقت جرم کی نسبت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی طرف ہوتی ہے اگرچہ وہ جرائم و معاصی سے پاک اور محفوظ ہیں اگرچہ ان کے لیے جرم بمعنے ترک اولیٰ ہے اور مخاطبین کے لیے مطلق اعمال مراد ہیں۔ کفار اور مجرمین کے لیے کفر مراد ہے جو گناہ کبیرہ ہے۔

قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا فرمائیے کہ قیامت میں حشر و حساب کے وقت ہم سب کو ہمارا پروردگار جمع فرمائے گا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ۔ الفتح کھولنا اور حکم کرنا یعنی حکم اور فیصلہ فرمائے گا بلکہ جب سب کا حال کھل جائے گا کہ اہل حق بہشت میں اور کافر دوزخ میں وَهُوَ الْفَتَّاحُ اور بہت مشکل فیصلے فرمانے والا اور حکم دینے والا ہے الْعَلِيمُ ○ اسے جانتا ہے جو فیصلہ ہوگا اور جس کا اور جس پر فیصلہ ہوگا اور وہ امور جو دوسروں سے مخفی ہیں وہ اس سے مخفی نہیں۔

ف: الزروقی نے فرمایا کہ الفتاح وہ ہے جو امور دنیویہ و اُخرویہ میں ارواح و اجسام پر تنگی اور مشکل کے بعد اپنے فضل و کرم سے خیر و برکت اور وسعت سے ظاہر فرمائے۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا الفتّاح' الفتح سے ہے بمعنے الافراج عن الضیق یعنی تنگی سے کشادگی بخشنا۔ یعنی وہ شخص جو دو لڑنے والوں کے درمیان حق کا فیصلہ فرما کر مشکل حل کر دے اور وہ ذات جو خیر و برکت اور بھلائی سے نواز کر اور علم کی دولت سے سرفراز کرے اور فقر و فاقہ دُور کر کے کسی کے دُکھ کو دُور کر دے۔

ف: امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا: فتّاح وہ ہے جو اپنی عنایت و ہدایت سے ہر مشکل حل فرمائے کبھی وہ دشمنوں سے ملک چھین کر اپنے انبیاء علیہم السلام کو عطا فرماتا ہے اور ان کے لیے فرماتا ہے انّا فتحنا لك فتحا مبینا لیغفر لك اللّٰہ ما تقدم من ذنبك وما تأخّر اور کبھی اپنے اولیاء کے قلوب کے حجابات اٹھاتا ہے ان کے لیے ملکوت السماء اور اپنے جمال کبریائی کے دروازے کھولتا ہے اور ان کے حق میں فرماتا ہے:

ما یفتح للناس من رحمة فلا ممسك لها۔

اور فتّاح وہ ہے جس کے قبضۂ قدرت میں غیب اور رزق کی چابیاں ہیں اور ایسی ذات اس لائق ہے کہ اسے فتّاح کہا جائے اور بندے پر لازم ہے کہ اس کے اشتیاق میں ایسا پیاسا ہو کہ اس کی زبان سے مشکلات الٰہیہ کھل جائیں اور مخلوق کے جملہ امور دنیویہ وغیرہ اس کی معاونت سے آسان ہوں۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

یعنی کیفیت سے ایسے انسان کو اسم فتّاح سے حظِّ وافر نصیب ہوتا ہے۔

اسم فتّاح کی خاصیّت اس اسم کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی برکت سے امور آسان ہوتے ہیں اور قلب کو نورانیت اور اسبابِ فتح پر قدرت رکھتا ہے۔ جو شخص ہر نمازِ فجر کے بعد اکثر بار پڑھے گا اور پڑھتے وقت ہاتھ سینے پر ہو تو اس کا دل پاک صاف اور سیستر (یعنی بھید) منور اور اس کا ہر معاملہ آسان ہو گا اور اس کی برکت سے رزق وغیرہ آسانی سے حاصل ہو گا۔

ف : العلیم عالم کا مبالغہ ہے وُہ ذات جس کے ساتھ علم قایم ہو اور جسے یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کو جاننا اور ہر شے کا نگہبان ہے اور ہر شے میں اسی کے علم کو کافی سمجھے تو وُہ اپنے ہر معاملہ میں اسی پر بھروسا کرنے والا ہو گا اور ہر کام میں اسی کی طرف متوجہ ہو گا۔

نسخۂ روحانی ابن عطا اللہ نے فرمایا کہ جسے لوگوں سے اذیتیں پہنچیں اور لوگ اس کی مذمت کے درپے ہوں تو اس پر لازم ہے کہ وُہ اللہ کے علم کی طرف متوجّہ ہو اس لیے کہ اللہ تعالےٰ کے علم کی طرف متوجہ نہ ہونا لوگوں کے اذیّت کی مصیبت سے شدید ترین مصیبت ہے اور اس اسم کی خاصیت یہ ہے کہ اس کی برکت سے علم و معرفت نصیب ہوتی ہے جو اس اسم پر مداومت کرتا ہے تو اسے حقیقی معرفت الٰہی نصیب ہو گی۔

ف : شمس المعارف میں ہے کہ جس شخص پر کوئی امر مبہم ہو جائے اور وہ اس کی تفصیل چاہتا ہو یا اسرارِ الٰہیہ کے انکشاف کا خواہاں ہو تو وہ اسم علیم پہ مداومت کرے اس کی برکت سے اس کا ہر سوال حل ہو گا اور جس طرح کی حکمت کا طالب ہو گا وہ اس پر کھل جائے گی اور جو معرفتِ الٰہیہ کا دروازہ کھولنا چاہتا ہے تو وہ علم و عمل سے ہی کھلے گا۔

قُلْ اَرُوْنِیَ الَّذِیْنَ اَلْحَقْتُمْ فرمایئے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے ان لوگوں کی خبر دو جنہیں تم نے ملایا ہے۔ الالحاق مجھے پہنچا اور پہنچانا۔ بِهٖ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شُرَكَآءَ شریک۔

سوال : حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو ہر وقت ان کے بتوں کو دیکھتے تھے اب ان کو دکھانے کا حکم کیوں؟

جواب : ان کی خطائے عظیم کا اظہار مطلوب ہے اور انہیں مطلع کرنا ہے کہ ان کی رائے فاسد بالکل باطل ہے۔

معنٰی یہ ہے کہ اے مشرکو! مجھے وہ طریقہ بتاؤ جس سے تم نے اپنے بتوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملا دیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی تو مثل بھی کوئی شے نہیں ہے اور صرف وہی عبادت کا مستحق ہے اور تمہارے معبود ایک بیکار شے ہیں نہ وُہ کسی شے کو پیدا کرتے ہیں نہ کسی کو رزق دیتے ہیں پھر عبادت کے مستحق کیسے ہو گئے!

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اس میں کفار و مشرکین پر الزام حجت کے بعد انہیں دلیل دے کر خاموش کرانا مطلب ہے۔ کَلَّا حرف ردع ہے یہ اس لیے لایا گیا ہے کہ پہلے جہاں ان کے قیاسات کو باطل قرار دیا گیا ہے تو ایسے ہی یہاں ان کے شریک بنانے کی غلطی کا اظہار فرمایا ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام نے پہلے اپنی قوم پر الزام حجت فرمایا پھر ان پر اظہار افسوس فرمایا۔ کما قال :

افٍ لکم ولما تعبدون۔

خلاصہ یہ کہ اے مشرکو! اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانا اچھا نہیں بَلْ هُوَ بلکہ صرف اللہ۔ یا یہ ضمیر شان کی ہے جیسے قل ھو اللہ احد میں ضمیر شان کی ہے اَللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ اللہ تعالیٰ ہی غلبہ قاہرہ و حکمت باہرہ سے موصوف ہے۔ پھر تمہارے معبودوں کو اس سے کیا مناسبت جبکہ وہ تمام اشیاء سے خسیس و رذیل ترین ہیں۔ ان کو یہ بلند مرتبہ کہاں، اور اس کے بہت بلند مراتب کے مقابلہ میں کون شرکت کا دم بھر سکتا ہے! وحدہٗ لا شریک لہٗ اس کی صفت ہے۔ وہی فرد و متفرد ہے اس کی معرفت کے لیے شرک کو کیا دخل! اور عقل کو اس کی کنہ تک پہنچنے کی رسائی کہاں! اور نہ ہی اس کی کبریائی و جلال کے لیے شرک کو کوئی مناسبت ہے، اسی لیے اس کے لیے شریک کا ہونا محال بلکہ ممتنع ماننا لازم ہے۔

ف : اسم عزیز کے معنے سے تمسک کرنے سے قرب حق نصیب ہوتا ہے لیکن یہ تمسک اس وقت نصیب ہوتا ہے جب بندہ خلق خدا سے اپنی ہمت کو بلند کرے، اس لیے کہ انسان کی عزت اسی میں ہے۔

وظیفہ مجرب جو شخص اس اسم کو چالیس مرتبہ روزانہ چالیس دن تک پڑھے تو اللہ تعالیٰ اسے معزز بنائے گا اور مخلوق میں اسے کسی کا محتاج نہیں بنائے گا۔

ف : اربعین ادریسیہ میں ہے :

یا عزیز المنیع الغالب علی امرہ فلا شئ یعادلہ۔

(اے عزیز! ہر شے اپنی حد پر رکھنے والا اور ہر شے پر غالب کوئی شے نہیں جو اس کی عدیل و مثیل ہو)

تباہی دشمن و جنگ میں فتح کا نسخہ حضرت سہروردی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : جو اس اسم کو مسلسل ایک ہفتہ ایک ہزار بار روزانہ پڑھے گا اس کا دشمن تباہ و برباد ہو جائے گا اگر لشکر جنگ میں پڑھ کر دشمنوں کی طرف دم کرے تو دشمن شکست کھا جائیں گے۔

ف : اسم حکیم سے تقرب کا یہ معنیٰ ہے کہ اس کی حکمت جملہ امور میں ملحوظ خاطر ہو اس کی حکمت کو اپنے ہر امر میں جاری رکھے وہ امر شرعی ہو یا عادی۔ ہاں اگر شرعی و عادی امور کا معارضہ ہو تو شرعی امور کو ترجیح دے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

"اسم حکیم" کی مداومت سے ہولناک امور سے امان ملتی ہے اور حکمت کے دروازے کھلتے ہیں

وظیفہ: اس کے پڑھنے میں کثرت کی جائے تو جن ہولناکیوں سے خطرہ محسوس ہوگا وہ خطرہ ٹل جائے گا اور حکمت کے دروازے کھل جائیں گے۔ اور ہمارے لیے حکمت کا یہ معنٰی ہے کہ رعایت احکام پر اشیاء کی معرفت و ایجاد فرمائے۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا کہ حکمت کے دو مطلب ہیں:

(۱) حکیم کی حیثیت یہ ہو کہ وہ اشیاء کی حقیقت کو اسی طرح جانے جیسے وہ فی نفس الامر ہیں۔

(۲) اس سے افعال حکمت محکمہ کا صدور ہو۔ باقی تفصیل در معنٰی حکمت ہم نے سورۂ لقمان میں بیان کی ہے۔ علم و اجتہاد فی العمل اور اشیاء جیسی کہ وہ ہیں ان کی معرفت حاصل کرنا اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ - الارسال بمعنٰی بھیجنا **اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ** اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو رسول بنا کر نہیں بھیجا مگر تمام لوگوں کے لیے آپ کی رسالت احمر و اسود کو محیط ہے کافۃً کف سے ہے بمعنٰی المنع۔ اس لیے کہ جب رسالت ان سب کو عام و شامل ہوگئی تو گویا اس نے سب کو روک لیا کہ وہ رسالت کے گھیرے سے باہر نہ نکل سکیں کافۃً کا منصوب ہونا یا مصدر محذوف کی صفت ہونے کی وجہ سے ہے۔ اس معنٰی پر اس کی تا تانیث کی ہوگی اور للناس اسی کافۃ کے متعلق ہے اور یہ بھی ہے کہ کافۃ کاف سے حال ہو۔ اس معنٰی پر اس کی تا علامت کی تاء کی (یا مبالغہ کی) ہو۔ اب معنٰی یہ ہوگا کہ ہم نے آپ کو کسی حال میں نہیں بھیجا مگر اس حال میں کہ ابلاغ کے سلسلے میں سب کے جامع ہیں۔ ہم نے یہ معنٰی اس لیے کیا کہ کفّ جمع کے معنٰی کو مستلزم ہے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ الکافّۃ وہ ہے جو شے کو جمع کر کے اسے متفرق ہونے سے روکے الکفاف اسی سے ہے بمعنٰی اتنی وجہ معاش حاصل ہو کہ اسے کسی دوسرے کی محتاجی نہ ہو۔ ایسے ہی کہا جاتا ہے:

کف یدك بمعنٰی ہاتھ اپنے ہاں جمع کر۔

اور الکافّۃ للناس سے حال نہیں ہو سکتا اس لیے ذوالحال مجرور پر حال کی تقدیم ایسے ناجائز ہے جیسے مجرور کا جار پر۔

ف: امام راغب نے لکھا کہ الکافّ یعنی وہ ذات جو امت کو معاصی سے روکتی ہے اس معنٰی پر تا مبالغہ کی ہوگی۔

بَشِيْرًا درانحالیکہ آپ خوشخبری سنانے والے ہیں یعنی اہل ایمان کو جنت کی اور عشاق کو دیدار کی خوشخبری سنانے والے ہیں **وَّنَذِيْرًا** درانحالیکہ کافروں کو نار سے اور منکرین کو حجاب سے ڈرانے والے ہیں **وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ** ○ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے اس

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

لیے کہ ان کا جہل انہیں مخالفت وعصیان پر ابھارتا ہے۔ الناس کے تکرار میں نکتہ ہے اس لیے کہ جہالت سے ہی وہ ڈرانے کے مستحق اور نعمتِ بشارت اور نعمتِ رسالت سے محروم ہوئے اور یہی لوگ فضلِ الٰہی کو نہیں سمجھے اور نہ ہی اس کی نعمت کا شکر کرتے ہیں اور یہی لوگ اگر علمِ حق سے نوازے جائیں تو خوشخبری کے مستحق اور بشارت و رسالت کی نعمت سے بھرپور وہ فضلِ الٰہی کا عرفان حاصل کرتے ہیں اور نعمتِ ربانی کا شکر ادا کرتے ہیں اس لیے کہ عقل جمیع امورِ دینیہ و اخرویہ کے ادراک اور مضار و منافع کی تمیز میں عقل مستقل نہیں ہے۔ اسی لیے تبشیر و انذار کے معاملہ اور بیان مشکلات میں اہلِ وحی کے محتاج ہیں۔

ف : صاحبِ کشف الاسرار نے فرمایا کہ جملہ عالم حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے نوکروں کے جوتے کے تسمے کی گرد وغبار ہے اگرچہ بیگانے اور منکر آپ کو (معاذ اللہ) کاذب کہتے لیکن وحی غیب آپ کی سمع مبارک کی عاشق تھی اور جملہ عالم کے عقول آپ کی عقل کے نور کے ادراک سے عاجز ہیں لیکن بدقسمت کافر آپ کو (معاذ اللہ) دیوانہ کہتے تھے اور آپ کی نگاہِ کرم کی گرد کو کوئی نہ پہنچ سکا اور پھر وہ نگاہ جس طرف اور جس پر اٹھی اسے اکسیر بنا دیا لیکن اندھے دشمن ہمیشہ اندھے رہے اسی لیے آپ کے عرفان سے محروم رہے۔

مسئلہ : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و بعثت کل عالم کائنات کے لیے عام تھی۔

حدیث شریف میں ہے : فضلت علی الانبیاء بست اعطیت جوامع الکلم۔

(میں انبیاء پر چھ امور میں افضل ہوں)

(۱) (میں جوامع الکلم بنایا گیا ہوں۔)

جوامع الکلم وہ ہیں جن کے کلمات قلیل لیکن ان کے معانی لاتعداد ہوں۔

(۲) و نصرت بالرعب۔

(میں رعب سے مدد دیا گیا ہوں)

یعنی اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی ہے کہ دشمنوں کے دلوں پر میرا خوف طاری ہو جاتا ہے۔

(۳) من مسیرۃ شہر بینی و بینہم۔

(میرے اور دشمن کے درمیان ایک ماہ کی مسافت ہے)

مہینے کی قید صرف اس لیے ہے کہ اس وقت آپ کے ساتھ جنگ لڑنے والے دشمنوں اور آپ کے درمیان صرف ایک ماہ کی مسافت کا فاصلہ تھا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(۴) واحلت لی الغنائم۔

(اور میرے لیے غنائم حلال کی گئیں)

یعنی اس سے قبل کی اُمتوں کا قاعدہ تھا کہ غنیمت سے حاصل ہونے والے جانور غنیمت حاصل کرنے والوں کی ملک ہوتے تھے ان میں سے انبیاء علیہم السلام کو حصہ نہیں ملتا تھا۔ یہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے کہ آپ غنیمت کے ہر مال سے پانچواں حصہ لیتے تھے ایسے ہی غنیمت سے آپ اپنی پسند کی چیز لے لیتے، یہ بھی آپ کے لیے روا تھا۔ دوسری اُمتوں کے لیے قاعدہ تھا کہ اموالِ غنیمت ایک جگہ جمع کر لیے جاتے جنہیں سفید آگ آکر جلا جاتی جس سے دھوکا سازی کا وہم نہ ہوتا۔ اور اس امت کا خاصہ ہے کہ وہ مال غنیمت جمع کرکے آپس میں تقسیم کریں، جیسے قربانی کا گوشت۔ یہ بھی ان کے رزق میں ایک اضافہ تھا ورنہ سابقہ امم اس سے محروم تھیں۔

(۵) وجعلت لی الارض طهورا ومسجدا۔

(اور میرے لیے تمام زمین پاک اور تمام زمین کو مسجد بنا دیا)

یعنی میری امت کے لیے تخفیف ہے کہ وہ روئے زمین پر جہاں چاہیں نماز پڑھیں ایسے ہی میری امت کے لیے مباح رکھا گیا کہ جب انہیں پانی میسر نہ ہو تو مٹی سے تیمم کرکے نماز پڑھ سکیں۔ امم سابقہ کے لیے سوائے عبادت گاہ کے اور کہیں نماز ادا کرنا جائز نہیں تھا اور نہ ہی انہیں پانی کے سوا دوسری شے سے طہارت جائز تھی۔

(۶) وارسلت الی الخلق کافۃ۔

(اور مجھے تمام مخلوق کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا)

یعنی میں نہ صرف اپنے ہم عصر لوگوں کا رسول ہوں بلکہ اگلے پچھلے تمام لوگوں کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں بخلاف نوح علیہ السلام کے کہ ان کی نبوت اگرچہ تمام روئے زمین والوں کے لیے تھی لیکن تھی محدود۔ انہی کے لیے تھی جو ان کے ہم زمان تھے۔

ف: انسان العیون میں ہے کہ لفظ خلق انس و جن اور ملائکہ بلکہ جملہ حیوانات و نباتات اور احجار کو شامل ہے۔ حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہی قول راجح ہے کہ آپ ملائکہ کے بھی رسول ہیں۔ میں نے خصائص کبریٰ میں اسی کو راجح لکھا ہے اور مجھ سے پہلے امام تقی الدین سبکی رحمہ اللہ نے بھی اسی کو راجح فرمایا (نبیوں کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) امام سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ نہ صرف مذکورہ بالا مخلوق کے نبی ہیں بلکہ آپ تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کی اُمتوں کے یہاں تک کہ آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام کے نبی ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسے ہی قیام قیامت تک آپ کی نبوت جاری رہے گی۔ اسی قول کو امام بارزی نے ترجیح دی ہے پھر اس کے بعد فرمایا کہ آپ جملہ حیوانات و جمادات

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بلکہ خود اپنی ذات کے بھی رسول ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

ایک ضعیف قول

ایک جماعت کہتی ہے کہ آپ ملائکہ کے رسول نہیں ہیں۔ اس جماعت میں حافظ عراقی اور جلال الدین محلی ہیں اس پر امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر میں اجماع نقل کیا ہے ایسے ہی اجماع کے ناقل برہان الدین نسفی ہیں۔ اس ضعیف قول پر آیت ارسلت الی الخلق اور آیت لیکون للعالمین نذیرا مخصوص عنہ البعض ہوگی۔

تنہا آدمی جماعت کی نیت کرے

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب کوئی کہیں اکیلا ہو اور جماعت کی نیت سے اقامت کہہ کر نماز پڑھے تو اس کے پیچھے اتنی کثیر تعداد میں فرشتے نماز پڑھتے ہیں کہ جن کے دونوں کناروں کو کوئی معلوم نہیں کر سکتا۔ وہ اس کے ساتھ رکوع و سجود کرتے ہیں۔ یہ اسی قاعدہ پر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ عام ہے جس میں ملائکہ بھی شامل ہیں۔

ولادتِ مبارکہ کی شان

فقیر (علامہ اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جملہ مخلوق سے افضل ہیں اس لیے کہ آپ جملہ موجودات کی طرف نبی بن کر مبعوث ہوئے اس لیے آپ کی تشریف آوری کی جملہ اہلِ ارض و اہلِ سما نے خوشخبری سنائی یہاں تک کہ جمادات بھی فصاحت و بلاغت کے ساتھ بول رہے تھے:

فهو رحمة للعالمين ورسول الى الخلق اجمعين۔

(وہ رحمۃ للعالمین اور جملہ خلق کے رسول ہیں صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت شیخ عطار قدس سرہٗ نے لکھا؂

داعی ذرات بود آں پاک ذات
در کفش تسبیح آں گفتے حصات

ترجمہ: چونکہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ذرہ کائنات کے نبی ہیں اسی لیے آپ کے ہاتھ میں کنکریوں نے تسبیح پڑھی۔

کسی نے فرمایا؂

ترا دادند منشور سعادت
وزاں پس نوعِ انساں آفریدند
پری را جملہ در خیل تو کردند
پس آنگاہے سلیمان آفریدند

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ترجمہ: پہلے آپ کو سعادت کا منشور عطا فرمایا پھر نوعِ انسان کو بنایا دیوڑی سب سے پہلے آپ کے ذکروں میں مقرر فرماتے پھر عرصہ بعد سلیمان علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔

ف: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں آپ کے بعد کوئی تشریعی نبی آسکتا ہے اور نہ ہی متابع اور ظلی۔ (قادیانی کے چیلے صاحب روح البیان کے اس حوالے کو پڑھیں)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے وجود کی ماہیت جسے آپ نے کتم سے عالمِ وجود میں عبور فرمایا ہے کبھی وہ نوری ہے اور کبھی رُوحی۔ لیکن ہماری طرف سے تو آپ کو بشیر بنایا گیا یا نذیر۔ وہ بھی جملہ عالم کائنات کے لیے۔ وہ اولین ہوں یا آخرین، انبیاء ہوں یا مرسلین۔ اگرچہ وہ ابھی پیدا بھی نہ ہوئے انہیں آپ کا اُمتی اس لیے بنایا گیا کہ ابتدائے وجود میں وہ آپ کے محتاج ہیں اور وہ بھی نہ صرف ایک خاص مدت کے لیے بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

حدیث شریف اسی لیے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الناس محتاجون الی شفاعتی حتی ابراھیم۔

(تمام لوگ میری شفاعت کے محتاج ہیں یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی)

کُن سے پہلے کون (ہم اہلِ سنت کہتے ہیں حضور علیہ السلام کُن سے پہلے موجود تھے اسی لیے صاحب رُوح البیان رحمہ اللہ نے یوں واضح فرمایا:)

فاما فی بدء وجودھم فالارواح لما حصلت فی عالم الارواح باشارۃ کن تابعۃ لروحک احتاجت الی ان تکون لہا بشیرا و نذیرا۔

بہرحال ابتدائی حال میں عالمِ ارواح میں اشارۂ کُن سے ارواح پیدا ہو کر آپ کی رُوحِ اقدس کے تابع کیے گئے اسی لیے ان کو محتاجی ہوئی کہ آپ ان کے لیے بشیر و نذیر ہوں۔

اس لیے کہ ان کا تعلق اجسام سے ہونا تھا اس لیے کہ ارواح بالطبع علویہ لطیفہ نورانیہ ہیں اور اجسام بالطبع سفلیہ کثیفہ ظلمانیہ ہیں ان کو آپس میں کوئی مناسبت نہ تھی بلکہ یہ ایک دوسرے کی ضدیں ہیں ان کے لیے ایک بشیر کی ضرورت ہوئی تا کہ یہ دونوں آپس میں مل کر کمال حاصل کریں پھر وہ بشیر انہیں ایک دوسرے کے ساتھ اتصال کی ترغیب دے اور انہیں ایک نذیر کی محتاجی تھی تا کہ انہیں ڈرائے کہ اگر تم آپس میں متصل نہیں ہو گے تو کمال کو نہ پہنچو گے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ناقص رہو گے۔ اس کی مثال بیج کی ہے کہ اس میں بہت بڑے درخت کا وجود بالقوۃ موجود ہے اگر اس دانے کو کسان بوئے اور اسے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

پانی دے کر اس کی تربیت کرے تو وہ درخت جو بیج میں بالقوۃ موجود تھا اب بالفعل موجود ہو جائے گا، یہاں تک کہ اپنی پوری شکل و صورت اختیار کر کے پھل وغیرہ دے گا۔ ایسے ہی روح کو سمجھئے کہ وہ بمنزلہ کسان مربی سالک ہے کہ جب اس کا تعلق جسم سے ہوتا ہے پھر وہ جسم روح سے پوری تسکین پا کر اس کے اوصاف سے موصوف ہوتا ہے تو وہ بشیر کا محتاج ہوگا جو اسے اپنے مقام خاص تک پہنچا کر جنت نعیم کی بشارت دے اور اسے ایک ایسے ملک میں لے جائے جو دائمی ہو اس کے بعد حق تعالیٰ کا قرب بخشے گا اور اسے جمالِ الٰہی کا شوق دلائے گا بعد ازاں اسے وصالِ حق نصیب کرائے گا۔ ایسے ہی اسے نذیر کی ضرورت ہے جو اسے پہلے نارِ جہنم سے ڈرائے پھر اسے بُعد عن الحق کا خوف دلائے پھر اسے ہجر فراق حق کا ڈر سنائے۔

ہر گل میں ہر شجر میں محمد کا نور ہے

(یہی شعر ہم اہلسنت کے بچے بچے کی زبان پر ہے جس پر مخالفین شرک و کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں چنانچہ صاحبِ روح البیان نے فرمایا:)

واذا امعنت النظر وجدت شجرة الموجودات منبتة من بذر روحه صلی اللہ علیہ وسلم وھو ثمرة ھذہ الشجرة من جمیع الانبیاء والمرسلین وھم وان کانوا ثمرة ھذہ الشجرة۔

اگر غور سے دیکھو تو تمہیں یقین ہوگا کہ جملہ موجودات کا درخت روحِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے بیج سے پیدا ہوا ہے آپ جملہ انبیاء و رسل علیہم السلام میں سے اس درخت کے ثمر بمنزلہ ہیں اور وہ انبیاء و رسل اسی شجرِ عظیم کے اثمار ہیں۔

لیکن یہ مرتبہ سب کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل نصیب ہوا جیسا کہ ایک ہی بیج کا اثر درخت پر پڑتا ہے تو بے شمار ثمرات ظاہر ہوتے ہیں جن کی اصل وہی ایک بیج ہے۔ ایسے ہی ہر بشیر و نذیر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشیریت و نذیریت کی فرع ہے۔ ہماری اس تقریر کی دلیل آیت وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعٰلمین ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمتِ کریمہ جملہ موجودات کے ذرّے ذرّے کو حاصل ہے ولٰکن اکثر الناس لا یعلمون میں اشارہ ہے کہ اکثر لوگ اگرچہ اسی درختِ محمدی کی فرع ہیں لیکن چونکہ وہ مرتبۂ ثمر سے محروم ہیں اسی لیے وہ ہمارے بیان کردہ مضمون کی حقیقت سے نا آشنا ہیں اسی لیے کہ ثمرہ کے احوال کا علم صرف اسی درخت کو ہوگا جسے اسی درخت جیسا ثمر حاصل ہے ؎

نداند آدم کامل جز آدم
(کامل آدمی کو کامل ہی جانتا ہے)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تفسیر عالمانہ وَيَقُوْلُوْنَ اپنی بہت بڑی جہالت اور سخت ترین گمراہی کی وجہ سے مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان سے استہزاء کرتے ہوئے کہتے ہیں مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ جس وعدہ سے تمہیں خوش کیا جاتا ہے اور جس عذاب سے ہمیں ڈرایا جا رہا ہے وہ کب ہے یعنی جس بہشت کی خوشخبری سنائی جاتی ہے اور جس دوزخ سے ڈرایا جاتا ہے وہ کہاں ہے اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ اگر تم اپنے دعویٰ وقوع و وجود میں سچے ہو قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! فرمائیے تمہارے لیے ایک وعدہ کا دن ہے۔ اس سے بعث و نشور کا دن مراد ہے۔ المیعاد میں مصدری ہے لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ جب اچانک آئے گی تو تم اسی میعاد سے پیچھے نہیں ہٹو گے۔ یہ جملہ میعاد کی صفت ہے سَاعَةً ایک گھڑی زیادہ کی۔ تھوڑی سی مقدار کو ساعۃ کہا جاتا ہے وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ اور نہ ہی آگے ہو گے۔ الاستئخار پیچھے ہونا الاستقدام آگے ہونا۔ اس جواب میں تہدید کے متعلق مبالغہ ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ ارشاد ہوا کہ وقت موعود کا جیسے وقت سے پہلے آنا قطعاً ممتنع ہے ایسے ہی اس کا بعد کو ہونا بھی محال ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت ارباب طلب اور رتبۂ قربیہ کے متعلق ان کی عجلت بازی کا بیان ہے وہ کہتے ہیں کہ جن وعدوں کی ہمیں بشارت سنائی گئی ہے وہ کب پورے ہوں گے اللہ تعالیٰ نے وقل لکم میعاد الخ میں انہیں ان کے سوال کے جواب سے نوازا کہ ہر درخت کے ثمر کا ایک وقت مقرر ہے وہ اپنے وقت پر درخت پر لگتا ہے پھر بڑا ہو کر پکتا ہے اور اپنے کمال کو پہنچتا ہے۔ ایسے ہی ہر سالک کے منزل سلوک کے طے کرنے کے دوران اوقات مقرر ہیں کہ وہ کب اپنی منزل مقصود اور رتبۂ کمال پر پہنچتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ:

حتی اذا بلغ اشدہ وبلغ اربعین سنۃ۔

اسی راز کے تحت اپنے حبیب کریم سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل۔

اس میں اشارہ ہے کہ ہر مقام و مرتبہ کو صبر سے حاصل کیا جا سکتا ہے چونکہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اولوا العزم رسل سے تھے اسی لیے آپ کو بھی اولوا العزم رسل کرام علیہم السلام کی طرح صبر کرنے کا حکم ہوا۔

حضرت مولانا رومی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

صبر آرد آرزو را نی شتاب
صبر کن واللہ اعلم بالصواب

ترجمہ: صبر سے بہت جلد آرزو پوری ہوتی ہے اس لیے تمہیں صبر کرنا چاہیے۔

واللہ اعلم بالصواب۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ
اور کافر بولے ہم ہرگز نہ ایمان لائیں گے اس قرآن پر اور نہ ان کتابوں پر
يَدَيْهِ ؕ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖۚ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى
جو اس سے آگے تھیں اور کسی طرح تو دیکھے جب ظالم اپنے رب کے پاس کھڑے کئے جائیں گے ان میں ایک دوسرے
بَعْضِ اِۨلْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْ لَاۤ اَنْتُمْ لَكُنَّا
پر بات ڈالے گا وہ جو دبے تھے ان سے کہیں گے جو اونچے کھینچتے تھے اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایمان لے
مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْۤا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ
آتے وہ جو اونچے کھینچتے تھے ان سے کہیں گے جو دبے ہوئے تھے کیا ہم
عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا
نے تمہیں روک دیا ہدایت سے بعد اس کے کہ تمہارے پاس آئی بلکہ تم خود مجرم تھے اور کہیں گے وہ جو دبے ہوئے تھے ان
لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَاۤ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ
سے جو اونچے کھینچتے تھے بلکہ رات دن کا داؤں تھا جب کہ تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ اللہ کا انکار کریں اور اس کے برابر
لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْۤ
والے ٹھہرائیں اور دل ہی دل میں پچھتانے لگے جب عذاب دیکھا اور ہم نے طوق ڈالے ان کی گردنوں میں
اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا
جو منکر تھے وہ کیا بدلہ پائیں گے مگر وہی جو کرتے تھے اور ہم نے جب
فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَاۤ ۙ اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَ
کبھی کسی شہر میں کوئی ڈر سنانے والا بھیجا وہاں کے آسودوں نے یہی کہا کہ تم جو لے کر بھیجے گئے ہم اس کے منکر ہیں اور
قَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۳۵﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ
بولے ہم مال اور اولاد میں بڑھ کر ہیں اور ہم پر عذاب ہونا نہیں تم فرماؤ بے شک میرا رب رزق
الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾
وسیع کرتا ہے جس کے لیے چاہے اور تنگ فرماتا ہے لیکن بہت لوگ نہیں جانتے

تفسیر عالمانہ

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور کفار قریش مکہ نے کہا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ اس قرآن مجید پر جو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ اور نہ ان پہلی کتابوں پر جو قیامت پر دلالت کرتی ہیں جیسے توراۃ وانجیل۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ وہ آنکھ جو مملکت نفسان کے کام آئے وہ مجھے کب پہچان سکتی ہے اور وہ دل جو ابلیس کے تصرف سے ملوث ہو عزت قرآن کے جلال کو کیا سمجھے دل وہ ہو جسے امان الٰہی کی حمایت اور حرم کرم حق کی پناہ نصیب ہو تب کہیں اسے راز رسالت و نبوت حاصل ہو گی اور شمع وہ ضروری ہے جو زلال آب اقبال ازل صاف شفاف تاکہ قرآن کی عزت کو دیکھے اور آنکھ کفر کی غلاظت سے پاک اور خواب شہوت سے بیدار ہو تاکہ معجزات و بینات کو ملاحظہ فرمائے۔ اے جوان مرد! جو کوئی جمال نہیں رکھتا تو بادشاہ سے کس طرح محبت کرے گا اور اسے تڑپ کہاں تاکہ دشمن کو جلا سکے ؎

۱ در مصطبہا ہمیشہ فراشم من
شایستۂ صومعہ کجا باشم من

۲ ہر چند قلندری و قلاشم من
تجھے بامید درد می باشم من

ترجمہ : (۱) ویرانوں میں ہمیشہ میرا بستر ہے میں عبادت گاہ کے لائق کب ہوں۔
(۲) قلندر و قلاش ہوں جیسا ہوں درد کا امیدوار ہوں مجھ پر بھی رحمت کا بیج ڈال دے۔

وَلَوْ تَرٰی بخطاب حضور علیہ السلام کو ہے یا اسے جو اس خطاب کے لائق ہے اِذِ الظّٰلِمُوْنَ جن کا ظالمین یعنی قیامت کے منکر اور وہ ظالم اس لیے ہیں کہ انہوں نے اقرار کے بجائے انکار کر رکھا مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ کھڑے ہوں گے یعنی محاسبہ کے میدان میں اپنی انگلیوں کے کناروں پر رب تعالیٰ کے قیدی ہو کر کھڑے ہوں گے۔ لَوْ کا جواب محذوف ہے لرأیت فظیعا شنیعا تو ایسا بڑا ہولناک معاملہ دیکھو گے جسے کوئی بیان نہیں کر سکتا۔

سوال : لَوْ کا قانون ہے کہ وہ ماضی پر داخل ہوتا ہے لیکن یہاں مضارع پر داخل ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب : مضارع کو ماضی قرار دے کر لَوْ لایا گیا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر خبر یقینی بلکہ قطعی ہوتی ہے اسی لیے اس کے وقوع کے تحقق میں ذرہ برابر بھی شک نہیں ہو سکتا یا رؤیت کو ایسے انداز سے بیان کرنا مطلوب تھا کہ گویا مخاطب کو اس امر کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔

یَرْجِعُ بَعْضُهُمْ یہ رجع یرجع سے بمعنی ردّ ہے یعنی لوٹائے گا ان کا بعض الٰی بعض القول طرف بعض دوسرے کے اپنی بات کو یعنی گفتگو کریں گے تو ایسے معلوم ہو گا کہ آپس میں جھگڑ رہے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ تیزی سے بولیں گے۔ اس جملہ کو جملہ اولی سے بدل بنایا گیا ہے یَقُوْلُ الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا الاستضعاف جیسے کسی کو کمزور سمجھنا یعنی ان کے فرمانبردار (جنہیں انہوں نے [illegible] سمجھ رکھا تھا) کہیں گے لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

انھیں جو دنیا میں بہت بڑے سرکش تھے یعنی عوام اپنے ان لیڈروں کو کہیں گے جنہیں دنیا میں سرکشی اور بڑائی کا دعویٰ تھا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت سے منہ موڑ رکھا تھا اور انبیاء علیہم السلام پر نازل شدہ احکام کو قبول کرنے سے انکار کیا تھا اور عوام کو بہلا پھسلا کر گمراہی کے موڑ پر لے گئے تھے لَوْلَآ اَنْتُمْ اگر تم ہمیں گمراہ نہ کرتے اور نہ ہی تم ہمیں ایمان قبول کرنے سے نہ روکتے لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ۝ تو ہوتے ہم مومن یعنی تم نے ہی ہمیں ایمان اور اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روکا۔ اس کے بعد گویا کسی نے سوال کیا کہ پھر لیڈر عوام کو کیا جواب دیں گے؟ تو فرمایا: قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا کہیں گے لیڈر عوام کو، اس سے منکرین مراد ہیں اس لیے کہ انہوں نے ہی اپنے عوام کو ایمان سے روکا تھا اور عوام نے اپنے لیے ایمان کا اثبات کیا اَنَحْنُ کیا ہم نے صَدَدْنٰكُمْ تمہیں روکا اور پھیرا تھا عَنِ الْهُدٰى ہدایت سے یعنی ایمان و ہدایت کے قبول کرنے سے بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ اس کے بعد جبکہ تمہارے ہاں ہدایت آئی یعنی ہم نے تمہیں ایمان سے نہیں روکا تھا۔ یہ اس محاورہ سے ہے جو کہ اہل عرب نے کہا:

ما انا قلت ھذا۔

اس سے قائل کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ میں نے تو نہیں کیا کسی دوسرے نے کیا ہوگا۔ اس لیے قاعدہ ہے کہ استفہام انکاری جب ضمیر پر داخل ہوتا ہے تو متکلم سے فعل کی نفی کر کے اس کے غیر کے لیے اثبات کرتا ہے کما قال تعالیٰ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ۝ بلکہ تم مجرم ہو۔ یعنی یہ جرم تمہارا اپنا ہی ہے اسی جرم کے سبب سے تم نے خود ہی اپنے آپ کو قبول ایمان سے روکا تھا اور اپنے آباؤ اجداد کی تقلید کو اختیار کیا تھا۔

ف: اس میں کفار کو تنبیہ ہے کہ دنیا میں تمہاری ایک دوسرے کی طاعت و فرمانبرداری قیامت میں تمہاری آپس کی عداوت کا سبب بنے گی بلکہ تم ایک دوسرے سے بیزاری کا اظہار کرو گے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا پھر عوام لیڈروں کو ان کی مذکورہ بالا تقریر کا جواب دیتے ہوئے کہیں گے یعنی وہ لوگ جنہیں کفار نے اپنے سے کمزور سمجھ رکھا تھا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اس کا عطف جو مستانف پر ہے ان کے اعراض سے اعراض اور اس کا ابطال کرتے ہوئے کہیں گے بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ المکر ہے کسی کو دھوکا سے اس کے مقصد سے پھیر لینا یعنی ہمیں ایمان سے تمہارے اس مکر و فریب نے روکا جو تم نے دن رات ہمارے ساتھ کیا اور تمہاری وہ ترغیب و تحریص جس سے ہم کفر اور معاصی میں پھنسے۔ یہاں مضاف الیہ کو حذف کر کے ظرف کو اس کے قائم مقام کھڑا کیا گیا ہے اس لیے کہ ظرف میں وسعت ہے یعنی ظرف میں وسعت رکھی گئی ہے کہ وہ مفعول بہ کے قائم مقام کھڑا ہوسکتا ہے جیسے اہل عرب کہتے ہیں:

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

یا سارق اللیلۃ اھل الدار۔

(اے رات کو اہلِ دار کی چوری کرنے والے)

یعنی رات اور دن کو مکر کرنے والا بتایا ہے اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ یہ مکر کی ظرف ہے یعنی تمہارا مکر یہی تھا جبکہ تم ہمیں حکم فرماتے اَنْ نَّکْفُرَ بِاللّٰہِ وَنَجْعَلَ لَہٗٓ اَنْدَادًا یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کریں اور اس کے ساتھ شریک بنائیں اور کہتے پھریں کہ اللہ تعالیٰ کے اور بھی شریک ہیں۔

ف: مکرھم یا فی الواقع مکر و فریب مراد ہے جیسے ہم نے بیان کیا۔ جیسے دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یا قوم اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ جعل فیکم انبیاء وجعلکم ملوکا۔

اس لیے کہ ان میں انبیاء اور بادشاہ بنانا دونوں نعمتیں ہیں یا ان کے علاوہ اور امور جن سے وہ لوگ عوام کو اپنے دامِ تزویر میں پھنسا لیتے تھے پھر ان کی ترغیب و ترہیب کر کے ان سے کفر و شرک کا ارتکاب کراتے وَاَسَرُّوا النَّدَامَۃَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ اور انہوں نے ندامت کو دل میں چھپایا جب عذابِ الٰہی دیکھا۔

حلِ لغات الندامۃ بمعنے التحسر فی امر فائت یعنی کسی معاملے کے رہ جانے سے حسرت کرنا یعنی دونوں کفار و مشرکین کے لیڈروں اور عوام نے اپنے فعل ضلال و اضلال کو دل میں چھپایا جب انہیں ندامت سے کوئی فائدہ نہ ہوا یعنی ایک دوسرے کی ملامت سے بچنے کے لیے دل ہی دل میں نادم ہوئے یا اسروا بمعنے اظھروا ہے اس لیے کہ اسرار لغات اضداد سے ہے ایسے ہی افعال کا ہمزہ ہر دو یعنی اثبات و سلب کا فائدہ دیتا ہے جیسے اشکیتہ بمعنے میں نے اس کی شکایت کو دور کیا۔ یہاں یہی معنی ان کے حال کی مناسبت سے زیادہ ظاہر ہے۔

وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِیْٓ اَعْنَاقِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اور ہم اپنے گلے میں طوق ڈالیں گے۔ اہلِ عرب کہتے ہیں:

فی رقبتہ غل من حدید۔

(اس کے گلے میں لوہے کی زنجیر ہے)

یعنی غل بمعنے قید و طوق ہے۔ الغل شے کے توسط کو کہتے ہیں اس لیے جاری پانی کے درمیان کو غلل کہا جاتا ہے اب صرف اس شے کو کہا جاتا ہے جس سے کسی شے کو باندھا جائے۔ بیڑی یا لوہے کی زنجیر جس عضو پر باندھی جاتی ہے چونکہ عضو زنجیر یا بیڑی کے درمیان آ جاتا ہے اسی لیے اسے غل سے تعبیر کیا گیا کما فی المفردات۔

اب معنی یہ ہوا کہ ہم قیامت میں ان لوگوں کی گردنوں میں لوہے کی زنجیریں ڈالیں گے جن کے پاس

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

دنیا میں حق آیا تو انہوں نے اسے ٹھکرایا خواہ خود بخود گمراہ ہوئے یا کسی کی ترغیب و ترہیب سے چونکہ اس کا تحقق یقینی ہے اسی لیے مضارع کو ماضی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور یہاں پر اسم ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لانے میں ان کی مذمت کو واضح اور انہیں متنبہ کرنا مطلوب ہے ورنہ فی اعناقہم کہنا تھا هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ یعنی انہیں یہ عذاب صرف اسی وجہ سے ہوگا جو انہوں نے دُنیا میں کفر و شرک و دیگر معاصی و جرائم کا ارتکاب کیا اور یہ عبارت دراصل بما کانوا یعملون تھی باء جارہ کو حذف کیا گیا ہے۔

نکتہ: ان کے گلے میں طوق ڈالنے میں نکتہ یہ ہے کہ چونکہ انہوں نے دنیا میں اپنے آپ کو شہواتِ نفسانی اور تسویلات یعنی مکر و فریب شیطانی جکڑ دیا تھا اسی مناسبت میں قیامت میں انہیں زنجیروں سے جکڑا جائے گا۔

مسئلہ: غلام (ایسے ہی شاگرد، مرید یا دوسرے کسی سزا یافتہ) کو زنجیروں سے جکڑنا مکروہ ہے اس لیے کہ یہ سزا آخرت کے ساتھ مخصوص ہے۔

ف: قہستانی نے لکھا کہ طوق اس زنجیر کو کہا جاتا ہے جس سے ہاتھوں کو باندھ کر گردن کے ساتھ ایسا مضبوط جکڑا جائے کہ جس سے مجرم سر نہ ہلا سکے اور دنیا کے ظالم عام طور پہ ایسے کرتے ہیں۔

ف: بعض فقہاء نے فرمایا کہ اگر غلام کے بھاگنے کا شدید خطرہ ہو تو پھر اسے زنجیروں سے باندھنا جائز ہے۔ کما فی الکبری۔

مسئلہ: اگر کوئی غلام بھاگ جاتا ہو یا کوئی شخص فساد پھیلاتا ہو تو اسے جکڑنا جائز ہے تاکہ وہ بھاگ نہ سکے اور فسادی فساد نہ کر سکے اور اس طرح سے اپنا مال و اسباب بچایا جا سکے لیکن ایسے لوگوں کو رسّی وغیرہ سے باندھا جائے۔

مسئلہ: نصاب الاحتساب کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کسی سے جرم ثابت ہو جائے یا وہ خیانت کرے تو اس کے پاؤں میں رسّی باندھ کر اسے قید کرنا جائز ہے یہ ادب القاضی میں ہے اور لفظ اطاقۃ کے بجائے اطافۃ (بالفاء) بھی آیا ہے بمعنے عوام میں اس کے جرم کی تشہیر کرنا تاکہ آئندہ وہ ایسا جرم نہ کرے۔ یاد رہے کہ ادب القاضی امام خصاف کی تصنیف ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِىْ قَرْيَةٍ کشف الاسرار میں ہے کہ قریہ شہر کو کہتے ہیں اس لیے کہ وہ لوگوں کو اپنے اندر جمع کرتا ہے القری سے ہے بمعنے جمع کرنا یعنی ہم نے کسی شہر میں نہیں بھیجا مِّنْ نَّذِيْرٍ کوئی نبی ڈرانے والا جو ان شہر والوں کو عذاب الٰہی سے ڈرائے اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ المترف بمعنی المکرم وہ شخص جس کے ہاں دُنیوی عیش و عشرت کے اسباب وافر ہوں یا اترفہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(اتراف) سے ہے بمعنی التوسع ۔ اہل عرب کہتے ہیں :

اترفہ ای انعمہ (فلاں نے فلاں کو نعمت سے نوازا) واترفتہ النعمۃ یعنی فلاں کو دنیا کی دولت نے گمراہ کیا ۔

یعنی شہر کے بڑے جاگیرداروں اور سرمایہ داروں نے رسل کرام علیہم السلام کو کہا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ بے شک جو کچھ تم اپنے گمان پر احکام توحید و ایمان لائے ہو ان سے کٰفِرُوْنَ ○ اس میں انکار ہے نبی اور رسل کے مقابلے میں جمع کافرون لایا گیا ہے ۔

مسئلہ : آیت میں حضور علیہ السلام کو تسلی دی گئی ہے کہ اے میرے محبوب مدنی صلی اللہ علیہ وسلم زمانہ گزشتہ میں ایسے ہی خبیثوں اور گستاخوں نے کیا آپ کی قوم کے لیڈر جو کچھ کرتے ہیں ، تو غم نہ کھائیے ۔

سوال : آیت میں سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کی تخصیص کیوں ؟

جواب : چونکہ عوام ہمیشہ اپنے لیڈروں کی اتباع میں غلطیوں کا ارتکاب کرتے ہیں اسی لیے لیڈروں کے ضمن میں عوام خود بخود مکذب ہو گئے یا اس لیے کہ تکذیب و انکار کا بڑا داعی در اصل دنیا و دولت اور جاگیرداری اور سرمایہ داری ہے ۔ اسی کی وجہ سے پھر عوام بھی انکار و تکذیب کرتے ہیں ۔

وَقَالُوْا اور ان کافروں نے اپنی دنیا و دولت کی رونق یا ان امور سے جن کی وجہ سے دنیا میں فخر ہیں بڑے فقراء و غرباء عوام کو کہا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ دنیا میں مال و اولاد میں ہم تم سے زیادہ ہیں وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ○ اور اگر آخرت میں کوئی عذاب نازل ہوا بھی تو ہمیں نہیں ہوگا اس لیے کہ جسے دنیا میں معزز و مکرم کیا جائے گا اسے آخرت میں ذلیل و خوار نہیں کیا جائے گا قُلْ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ! کافروں کے رد میں فرمائیے اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ بے شک میرا پروردگار رزق کی وسعت بخشتا ہے لِمَنْ يَّشَآءُ جس کے لیے وسعت چاہتا ہے مومن ہو یا کافر وَيَقْدِرُ جس کی روزی تنگ کرنا چاہتا ہے تو اس کی روزی تنگ کرتا ہے ، وہ مومن ہو یا کافر یہ اس کی اپنی مرضی پر ہے اور اس میں ہزاروں حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں ۔ اس سے یہ نہ کہا جائے کہ کسی کو رزق میں وسعت ملی ہے تو فلاں نیکی سے یا کسی کی روزی تنگ ہے تو فلاں برائی سے کیونکہ رزق کی وسعت اور تنگی کا دارومدار نیکی اور برائی سے متعلق نہیں ۔ نہ کسی کو نیکی کی وجہ سے دنیوی اعزاز بخشا جاتا ہے اور نہ ہی کسی برائی سے کسی کی اہانت کی جاتی ہے ۔

حدیث شریف میں ہے :

الدنیا عرض حاضر یاکل منها البر والفاجر والآخرة وعد صادق یحکم فیها ملک قاهر ۔ (روح ص ۸۳۰)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا

اور تمہارے مال اور تمہاری اولاد اس قابل نہیں کہ تمہیں ہمارے قریب تک پہنچائیں مگر وہ جو ایمان لائے اور نیکی کی ان

فَاُولٰٓىٕكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِی الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾

کے لیے دونا دوں صلہ ان کے عمل کا بدلہ اور وہ بالا خانوں میں امن و امان سے ہیں

وَالَّذِیْنَ یَسْعَوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ اُولٰٓىٕكَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۸﴾

اور وہ جو ہماری آیتوں میں ہرانے کی کوشش کرتے ہیں وہ عذاب میں لا دھرے جائیں گے

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَیَقْدِرُ لَهٗ وَمَاۤ اَنْفَقْتُمْ

تم فرماؤ بے شک میرا رب رزق وسیع فرماتا ہے اپنے بندوں میں جس کے لیے چاہے اور تنگی فرماتا ہے جس کے لیے

مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ وَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴿۳۹﴾ وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ

چاہے اور جو چیز تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو وہ اس کے بدلے اور دے گا اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا اور جس دن ان سب کو اٹھائے گا پھر

یَقُوْلُ لِلْمَلٰٓىٕكَةِ اَهٰۤؤُلَآءِ اِیَّاكُمْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ ﴿۴۰﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ

فرشتوں سے فرمائے گا کیا یہ تمہیں پوجتے تھے وہ عرض کریں گے پاکی ہے تجھ کو تو ہمارا

وَلِیُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ بَلْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ فَالْیَوْمَ

دوست ہے نہ وہ بلکہ وہ جنوں کو پوجتے تھے ان میں اکثر انہیں پر یقین لائے تھے تو آج تم میں

لَا یَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا وَنَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ

ایک دوسرے کے بھلے برے کا کچھ اختیار نہ رکھے گا اور ہم فرمائیں گے ظالموں سے اس آگ کا عذاب

النَّارِ الَّتِیْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالُوْا مَا

چکھو جسے تم جھٹلاتے تھے اور جب ان پر ہماری روشن آیتیں پڑھی جائیں تو کہتے ہیں

هٰذَاۤ اِلَّا رَجُلٌ یُّرِیْدُ اَنْ یَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ وَقَالُوْا مَا هٰذَاۤ

یہ تو نہیں مگر ایک مرد کہ تمہیں روکنا چاہتے ہیں تمہارے باپ دادا کے معبودوں سے اور کہتے ہیں یہ تو

اِلَّاۤ اِفْكٌ مُّفْتَرًى وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا

نہیں مگر بہتان جوڑا ہوا اور کافروں نے حق کو کہا جب ان کے پاس آیا یہ تو نہیں مگر کھلا

سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۴۳﴾ وَمَاۤ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ یَّدْرُسُوْنَهَا وَمَاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلَیْهِمْ قَبْلَكَ

جادو اور ہم نے انہیں کچھ کتابیں نہ دیں جنہیں پڑھتے ہوں نہ تم سے پہلے ان کے پاس کوئی

مِنْ نَّذِیْرٍ ﴿۴۴﴾ وَكَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَاۤ اٰتَیْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا

ڈر سنانے والا آیا اور ان سے اگلوں نے جھٹلایا اور یہ اس کے دسویں کو بھی نہ پہنچے جو ہم نے انہیں دیا تھا پھر انہوں نے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

رُسُلِیْ فَکَیْفَ کَانَ نَکِیْرِ ﴿۴۵﴾
نے میرے رسولوں کو جھٹلایا تو کیسا ہوا میرا انکار کرنا

تفسیر عالمانہ

وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جملہ مستانفہ ہے یعنی اسے لوگو! تمہارے مال اور اولاد نہیں ہے بالتی۔

سوال: اسم موصول مونث کیوں؟

جواب: جمع مکسر عقلاً تانیث کے حکم میں برابر ہوتے ہیں یا اس کا موصوف محذوف ہے۔ وہ الخلۃ ہے موصوف محذوف کی وجہ سے موصول کو مونث لایا گیا ہے۔

تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰى، زلفیٰ کا منصوب مفعول مطلق کی وجہ سے ہے اس لیے کہ یہ تقریب کا ہم معنیٰ ہے اور مزید کے باب سے مجرد مصدر مفعول مطلق آتا ہے جیسے انبت نباتا۔ الزلفیٰ اور الزلفۃ القربیٰ اور القربۃ کا ایک معنیٰ ہے۔

ف: اخفش نے فرمایا کہ زلفیٰ اسم مصدر ہے گویا فرمایا کہ التی تقربکم عندنا تقریبا۔

اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا یہ تقربکم سے مستثنیٰ ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ تمہیں ہمارا قرب نہ تمہارے اموال سے حاصل ہوگا نہ تمہاری اولاد سے۔ ہاں مومن اور نیک عمل کرنے والوں کو قرب نصیب ہوتا ہے۔ صالح سے وہ مومن مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرے اور اپنی اولاد کو نیکی سکھائے اور صلاح و طاعت کی تربیت کرے یا مَن مبتدا ہے اور اس کا مابعد اس کی خبر ہے کما فی الکواشی۔ اس معنیٰ پہ یہ استثناء منقطع ہوگا کما فی فتح الرحمٰن۔ فَاُولٰٓئِكَ پس وہی مومن نیک عمل کرنے والے لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ ان کے لیے دوہری جزا ثابت ہے۔ لھم جار مجرور سے مل کر اپنے مابعد کی خبر ہے پھر جملہ اولٰئک کی خبر ہے جزاءُ مضاف الضعف مضاف الیہ۔ اور یہ اضافۃ المصدر الی المفعول کے قبیل سے ہے یہ در اصل فاولٰئک لھم ان یجازوا الضعف ثم جزاءا الضعف تھا۔ ثم جزاءا الضعف جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انہیں ایک نیکی کے بدلے میں دس نیکیوں کا ثواب نصیب ہوگا بلکہ بہت سے خوش قسمت ایسے بھی ہوں گے جن کے ثواب کا اضافہ اس سے مزید یہاں تک کہ بعض حضرات کو ایک نیکی کا سات سو نیکیوں کے برابر ثواب ملے گا۔ بلکہ ایسے بھی ہیں جنہیں ایک نیکی کے بدلے میں ان گنت ثواب ہوگا بِمَا عَمِلُوْا بسبب اس کے کہ انہوں نے نیک عمل کیے وَهُمْ فِی الْغُرُفٰتِ اور وہ جنت کے بالاخانوں میں ہوں گے یعنی انہیں اونچے محلات اور کئی منزلے مکانات نصیب ہوں گے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حلِ لغات الغرفات 'غرفۃ' کی جمع ہے گھر کے بالاخانہ کو کہا جاتا ہے یعنی مکان کی اوپر کی منزل۔

اٰمِنُوْنَ ○ جمیع تکالیف و آفات' جیسے موت، بڑھاپا، مرض، خوفِ اعداد وغیرہ سے بے خوف ہوں گے۔

ف : آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب نہ مال سے ملتا ہے نہ اولاد سے، اگرچہ لوگوں کے نزدیک یہی چیزیں محبوب و مرغوب ہیں۔ حالانکہ یہ چیزیں اکثر اللہ تعالیٰ سے دُوری کا سبب بنتی ہیں۔ انہی کی محبت کو غیر اللہ کی محبت سے تعبیر کیا جاتا ہے اس لیے کہ ان کی محبت انسانوں کو اندھا کر دیتی ہے۔

صـ۸۲۴ سے آگے

(دنیا ایک دسترخوان کی طرح ہے اس سے ہر نیک و بد کھا رہا ہے اور آخرت کا وعدہ سچا ہے وہاں اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے جس طرح چاہے گا فیصلہ فرمائے گا)

سہ

ادیم زمین سفرۂ عام او ست
برین خوان یغما چہ دشمن چہ دوست

ترجمہ : زمین کا ٹکڑا اس کا عام دسترخوان ہے اس غنیمت کے دسترخوان پر دشمن دوست برابر ہیں۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ یعنی اکثر لوگ۔ اس سے اہلِ غفلت اور خسارے والے لوگ مراد ہیں لَا یَعْلَمُوْنَ ○ اللہ تعالیٰ کے رزق گھٹانے بڑھانے کی حکمت سے بے خبر ہیں ان کا گمان ہے کہ رزق کی وسعت شرافت و کرامت سے اور روزی کی تنگی ذلت و خواری کی وجہ سے ہے حالانکہ وہ اس سے بے خبر ہیں کہ اللہ تعالیٰ کبھی کسی کو رزق وافر دیتا ہے تو وہ وسعت اس بندے کے لیے آزمائش ہوتی ہے۔ ایسے ہی اپنے بعض بندوں کے لیے رزق کی کمی کر کے ان کے درجات بلند فرماتا ہے۔ جناب صائب نے فرمایا : سہ

نفس را بدخو بناز و نعمت دنیا مکن
آب و نان سیر کاہل میکند مزدور را

ترجمہ : نفس کو دُنیا کے ناز و نعمت کا خوگر نہ بنا۔ پیٹ بھر کر کھانا مزدور کو کاہل و سست بنا دیتا ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

میں ہے :

حدیث شریف حبک الشیٔ یعمی ویصم ۔

(تجھے کسی کی محبت اندھا اور بہرہ کر دے گی)

یعنی اس چیز کی محبت سے نہ دوسروں کو دیکھ سکو گے اور نہ ہی دوسروں کی دعوت کو قبول کرو گے ۔ اور یہی باری تعالیٰ سے کمالِ بُعد کی علامت ہے اور کمالِ بُعد اندھا اور بہرہ بنا دیتا ہے ۔

تقرب الٰہی کے اسباب تقرب الٰہی کے اسباب درج ذیل ہیں :

(۱) اعمالِ صالحہ

(۲) احوالِ صافیہ

(۳) انفاسِ زاکیہ

(۴) عنایتِ سابقہ

(۵) رعایتِ صادقہ

جنہیں مذکورہ بالا اسباب میسر ہیں وہی بلند درجات کے مالک ہوتے ہیں ۔ وہی ہجر و فراقِ الٰہی سے محفوظ ہوتے ہیں اور جنہیں یہ اسباب حاصل ہوں وہ ایسے امور سے خوش زندگی بسر کرتے اور ان پر فخر و ناز کرتے ہیں انہیں قیامت میں کوئی فائدہ نہ دیں گے ان سے وہ اہلِ غفلت دنیوی امور میں منہمک رہتے تھے ان کے لیے تنزلات اور جمیع حالات میں خوف غالب ہوگا ۔ صائب نے فرمایا :

نمی دانند اہلِ غفلت انجامِ شراب آخر
بآتش می روند این غافلان از راہِ آب آخر

ترجمہ : اہلِ غفلت شراب کا انجام نہیں جانتے ایسے غافل پانی سے آگ میں ہی جاتے ہیں ۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ نے کسی سے پوچھا کہ تمہیں بیداری میں اگر ایک درہم میسر ہو وہ تمہیں محبوب ہے یا خواب میں ایک دینار ؟ اس شخص نے جواب دیا کہ مجھے جو خواب میں ایک دینار ملے گا وہی میرے نزدیک محبوب تر ہے (اس سے اس کا مطلب یہ تھا کہ میں دنیا سے محبت نہیں رکھتا) حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو اس لیے کہ جو شے بیداری میں محبوب ہوگی وہی خواب میں بھی محبوب ہوگی ۔ ایسے ہی جو شے آخرت کے لیے محبوب نہیں وہ بیداری میں بھی محبوب نہیں ہوگی ۔

فقرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں آپ کے دولت کدہ پر حاضر ہوئے ۔ آپ کے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattori

گھر کی چھت بہت نیچی تھی۔ آپ اس وقت خواب سے بیدار ہوئے تھے، آپ کے جسم اطہر پہ چٹائی کے نشانات موجود تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی، سرکار! یہ کیا۔ (یعنی آپ تو کائنات کے آقا ہیں اور یہ معمولی مکان، آپ کے لیے تو بہترین عمارت ہونی چاہیے) حضور علیہ السلام نے فرمایا، "اے عمر! چٹائی کے نشانات تو پھر بھی آسان ہیں آنے والے ٹھکانے میں اگر اتنا بھی مل جائے تو غنیمت ہے، میرے حجرے کی چھت تو بہت اونچی ہے قبر کی چھت تو اس سے کہیں زیادہ نیچی ہوگی، ہم نے دنیا دنیاداروں کے لیے چھوڑ دی اور انہوں نے ہمارے لیے آخرت چھوڑ دی، ہم جیسے دنیا میں ایسے بسر کرتے ہیں جیسے موسم گرما کا سوار کہ جیسے وہ چاہتا ہے کہ سفر جلد طے ہو تاکہ سایہ کے نیچے جاکر آرام سے بیٹھے۔"

سبق عاقل وہ ہے جو زینتِ دنیا سے دھوکا نہیں کھاتا اور وہ اپنے مالک و مولیٰ کی مرضی کے لیے جدوجہد کرتا ہے ؎

ہر کہ کوتہ کند بدنیا دست
پر برآرد چو جعفر طیار

ترجمہ: جو بھی دنیا سے اپنا ہاتھ کوتہ کرتا ہے اسے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی طرح پر نصیب ہوں گے۔

اولیٰ یہی ہے کہ آخرت کی باقی رہنے والی نعمتوں کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اور دنیوی فانی نعمتوں کو ترک کر دینا لازم ہے۔

حکایت ایک بادشاہ کو ایک وزیر سے بہ نسبت دوسرے وزیروں کے زیادہ محبت تھی۔ اس وزیر پر دوسرے وزراء حسد کرنے لگے اور طرح طرح کے طعن اور بہتان تراشیاں شروع کر دیں۔ بادشاہ نے چاہا کہ اس وزیر کا جوہر ظاہر کرے۔ چنانچہ ایک دفعہ اس نے ان سب کو اپنے شاہی مکان میں بلایا اور فرمایا کہ میرے خزانے سے جو کچھ چاہو لوٹ لو۔ کسی نے جواہر اٹھائے کسی نے موتی، کسی نے کوئی اور چیز بیش قیمت۔ جس وزیر سے دوسرے وزیروں کو حسد تھا اس نے بادشاہ کا دامن پکڑ لیا اور کہا مجھے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں مجھے تو صرف آپ کی ضرورت ہے کیونکہ میرے نزدیک آپ سے زیادہ قیمتی اور کوئی شے نہیں۔

سبق اس دنیا میں انسان امتحان کے لیے آیا ہے اور یہ دنیا بہت سی اعلیٰ چیزوں سے مزین ہے اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو فرمایا اس میں سے جو شے تمہیں اچھی لگتی ہے وہ لے لو۔ پھر اس دنیا کو دلہن کی طرح سنوار دیا جس نے اس میں جی لگایا وہ اپنے مالک و

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

والے دور ہوگیا اور اپنی غفلتِ عقل سے دارِ دنیا میں پھنس گیا۔ اسے نہ مالک وصولی یاد رہا نہ دارِ آخرت۔ اے بھائی! آج فرصت کے ایام ہیں ان میں آخرت کے سفر کے لیے زادِ راہ تیار کر لو ؎

از رباطِ تن چو بگذشتی دگر معمورہ نیست
زادِ راہے بر نمی داری ازیں منزل چرا

ترجمہ: جسم کی رباط سے جب گزرو گے اس کے بعد اور کوئی منزل نہیں ملے گی
پھر یہاں سے زادِ راہ اٹھا کر کیوں نہیں جاتے!

دُعا: ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگتے ہیں کہ اپنے غیر سے ہماری امیدیں مطلق منقطع کر دے اور ہمارے عزائم اپنی طرف پھیر دے اور ہماری توجہ اپنی طرف لگا دے۔

وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا اس سے کفارِ قریش مراد ہیں یعنی وہ لوگ جو ہماری آیات کے رد کرنے اور ان پر طعن و تشنیع کرنے اور ان کے ابطال میں جدوجہد کرتے ہیں مُعٰجِزِيْنَ درانحالیکہ وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ہمیں عاجز کر دیں گے اور سمجھتے ہیں کہ وہ ہماری گرفت سے بچ جائیں گے اور انہیں اس مقابلہ پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ تاج المصادر میں ہے المعاجزۃ یعنے کسی کام میں کسی پر غلبہ پانا۔ اس کی تحقیق اوائل سورۃ میں گزری ہے۔ اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ۝ یہ الاحضار سے ہے بمعنے حاضر کرنا۔ یہی لوگ عذابِ الٰہی میں حاضر کیے جائیں گے یعنی اللہ تعالیٰ سے چھپ نہیں سکیں گے اور جن امور پر انہیں اعتماد ہے قیامت میں وہ انہیں کوئی فائدہ نہیں دیں گے۔

تفسیرِ صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو انبیاء و اولیاء (علیٰ نبینا وعلیہم السلام) کا احترام نہیں کرتے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے حقوق کی رعایت کرتے ہیں ایسے لوگ انبیاء و اولیاء (علیٰ نبینا وعلیہم السلام) پر اعتراض کرنے کے عذاب میں مبتلا ہیں اور محارمِ الٰہی کے ارتکاب کی وجہ سے اپنی نحوست میں مبتلا رہیں گے ایسے لوگ حق تعالیٰ کا نظرِ عنایت سے گر جاتے ہیں۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ کسی کا پردہ فاش کرتا ہے اس کا میلان نیک لوگوں پر طعن و تشنیع کی طرف ہو جاتا ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تفسیر عالمانہ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ فرمائیے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! بے شک میرا پروردگار اپنے بندوں میں جس کا رزق وسیع کرنا چاہتا ہے وَیَقْدِرُ لَهٗ اور پھر اس کا رزق کم کرنا چاہتا ہے تو کم کر دیتا ہے یہ اس کی آزمائش اور حکمت ہوتی ہے۔

ازالۂ وہم یہ مضمون ایک شخص کے لیے ہے۔ پہلا مضمون دو شخصوں کے لیے تھا۔ اس معنے پر مضمون میں تکرار نہ ہوا۔

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ۔ ما موصولہ بمعنے اَلَّذِیْ مبتدا اس کی خبر فَهُوَ یُخْلِفُهٗ ہے یا شرطیہ بمعنے اَیُّ شَیْءٍ ہے اور ما انفقتم کی وجہ سے منصوب ہے اور من شیء اس کا بیان ہے اور جواب شرط فھو یخلفه ہے۔ الانفاق بمعنے خرچ کرنا۔ اہل عرب کہتے ہیں:

نفق الشئ بمعنے مضی ونفد یا بیچنے سے، جیسے نفق البیع نفاقا۔ یا موت سے، جیسے نفقت الدابة نفوقا یا فنا سے نفقت الدراهم تنفق۔ وانفقتها، الاخلاف بمعنے مال اور فرزند سے بدل دینا۔ اس کا صلہ لام اور علیٰ دونوں آتے ہیں۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کی کوئی شے ضائع ہو جائے تو اس کے بدلے میں دوسری شے دی جائے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ شے یا جو شے تم طاعت الٰہی طریق خیر اور نیکی میں خرچ کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ اس کا بدل اور عوض عطا فرمائے گا یا تو دنیا میں مال سے یا قناعت سے اور یہ وہ مال ہے کہ ختم ہونے کا نہیں یا آخرت میں ثواب اور بہشت کی نعمتوں سے یا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی فلہذا فقر سے نہ ڈرو اور جی بھر کر اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرو اور اللہ تعالیٰ کے اخلاف کے وعدہ کا انتظار کرو خواہ جلد یا بدیر۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وما انفقتم اور جو تم خرچ کرو گے موجود یا وجود سے تو وہی اس کا بدل دے گا یعنی وجود فانی کے عوض موجود اور وجود مجازی کے بدلے میں وجود حقیقی عطا ہوگا دنیا کا بدل یہ ہے کہ دنیا کو منکر اور فقر و فاقہ پر عاشق ہونا اور ظاہراً و باطناً راضی ہونا اور یہی سرور با وجود وا وجود میں مشکل ترین ہے ؎

افتد ہمائے دولت اگر در کمند ما
از ہمت بلند رہا می کنیم ما

ترجمہ: ہمائے دولت اگر ہماری قید میں آجائے تو ہم اپنی ہستی سے فارغ ہو جائیں گے۔

تفسیر عالمانہ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ۝ اور اللہ تعالیٰ ان سے بہتر ہے جو کسی کو کچھ دیتے ہیں جیسے بادشاہ اور آقا اور عام انسان، کیونکہ بادشاہ اپنے لشکر کو اور آقا اپنے غلام

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اور انسان اپنے عیال کو، اگرچہ ان کا کچھ دینا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ تو سب کو ایسا رزق دیتا ہے جسے فنا نہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ وہ تمام خرچ کرنے والوں سے بہتر ہے اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ منفق کا بہتر ہونا نفقہ کے بہتر ہونے کے اعتبار سے ہے اور دوسرے جتنا خرچ کریں گے وہ فانی ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کے لیے خرچ کیا جائے اس کا بدلہ ملے گا اور وہ باقی رہے گا اور قاعدہ ہے جو شے باقی ہو وہ فانی سے بہتر ہوتی ہے۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے مصالح کی تکمیل میں لگنا بزرگ ترین عبادات سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آیت میں اسی کی رہبری فرمائی ہے۔ جیسا کہ حضور علیہ السلام نے اپنی امت کو ترغیب دلائی۔

(حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:)

حدیث شریف الخلق کلھم عیال اللہ واحبھم الیہ انفعھم لعیالہ۔

(تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کا عیال ہے اور اللہ تعالیٰ کو وہ بندہ محبوب تر ہے جو اس کے عیال (مخلوق) کو زیادہ فائدہ پہنچاتا ہے)

ف: خلق خدا کو عیال اللہ مجازاً کہا گیا ہے اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کا رزق اپنے ذمۂ کرم لیا ہے اور اس کی کفالت کا وعدہ کرم فرمایا تو گویا مخلوق اس کا عیال ہوئی۔

حدیث شریف میں ہے: ان للہ املاکا خلقھم کیف یشاء وصورھم علی ما یشاء تحت عرشہ ألھمھم أن ینادوا قبل طلوع الشمس وقبل غروبھا فی کل یوم مرتین الا من وسع علی عیالہ وجیرانہ وسع اللہ علیہ فی الدنیا والاٰخرۃ ألا من ضیق ضیق اللہ علیہ ألا ان اللہ قد اعطاکم لنفقۃ درھم علی عیالکم خیر من سبعین قنطارا۔

(اللہ تعالیٰ کے چند فرشتے ہیں جنہیں اس نے جیسے چاہا پیدا فرمایا اور جس طرح ان کی صورت بنائی ہے وہ فرشتے عرش کے نیچے رہتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان الہام فرمایا ہے وہ طلوع شمس سے قبل و غروب کے بعد دو بار اعلان فرماتیں خبردار جو بندہ اپنے عیال پر وسعت کرے اور ہمسائیگان پر بھی، اللہ تعالیٰ اسے دنیا و آخرت میں وسعت بخشے گا اور جو عیال و ہمسائیگان پر تنگی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے دنیا و آخرت میں تنگی میں ڈالتا ہے بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں ایک درہم [illegible] رزق عطا فرمائے گا)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ف : قنطار اُحد پہاڑ کے برابر وزن کو کہا جاتا ہے اور خرچ کرو اور خرچ سے مت گھبراؤ اور تنگی نہ کرو اور نہ بخل کرو۔ اور جمعہ کے دن زیادہ خرچ کیا کرو۔

حدیث شریف ۱ میں ہے :

کل معروف صدقة وكل ما انفق الرجل على نفسه واهله كتب له به صدقة وما وقى الرجل به عرضه كتب له به صدقة۔

(ہر نیکی صدقہ ہے اور جو کچھ اپنے اُوپر اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرو گے تو اس کے عوض صدقہ لکھا جائے گا اور جو شخص اپنی عزت بچاتا ہے اس کے لیے بھی صدقہ لکھا جائے گا)

صوفیہ کا خرچ کرنا واصل باللہ حضرات کا خرچ کرنا توحید حقانی میں ہوتا ہے اور معرفت ذاتیہ افضل و اشرف ہے اس لیے مال کا خرچ اجسام کو نفع پہنچاتا ہے اور معارف کا قلوب و ارواح کو۔

ف : اور جو اپنی عزت بچاتا ہے وہ بھی صدقہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ غیر کو اپنی ہجو کا جواب دیا جائے مثلاً جیسے شاعر اور نقاد اکلام کرتے ہیں۔

حدیث شریف ۲ میں ہے :

ان لكل يوم نحسا فادفعوا نحس ذلك اليوم بالصدقة۔

(ہر دن میں نحوست آتی ہے اسے صدقہ دے کر دفع کرو)

حدیث شریف ۳ میں ہے :

ينادي مناد كل ليلة لا دوا للموت وينادي آخر ابنوا للخراب وينادي مناد هب للمنفق خلفا وينادي مناد هب للممسك تلفا۔

(ہر رات اللہ تعالیٰ کا فرشتہ پکارتا ہے موت کا کوئی علاج نہیں ، دوسرا کہتا ہے کہ خراب (ویران مقام) کے لیے تیاری کرلو ، ایک اور پکارتا ہے کہ خرچ کرنے والے کو بدل عطا ہوتا ہے ایک اور کہتا ہے ممسک بخیل کا مال ضائع اور تباہ ہوگا)

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا :

احوال گنج قارون کایام داد برباد
باغنچہ باز گوئید تا زر نہان دارد

ترجمہ : خزانہ قارون کو دور زمانہ نے تباہ و برباد کیا ، غنچہ سے کہو کہ وہ زر پوشیدہ نہ رکھے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اور مثنوی شریف میں ہے : سہ

۱ آن درم دادن سخی را لایقست
جان سپردن خود سخای عاشقست

۲ نان دہی از بہر حق نانت دہند
جان دہی از بہر حق جانت دہند

۳ ہر کہ کارد گردد انبارش تہی
لیکش اندر مزرعہ باشد بہی

۴ وانکہ در انبار ماند و صرفہ کرد
اسپش و موش و حوادثہاش خورد

---

۵ جملہ در بازار زان گشتند بند
تا چہ سود افتاد مال خود دہند

ترجمہ (۱) راہِ خدا میں پیسے خرچ کرنا سخی کا کام ہے جان دینا عاشق کا کام ہے۔
(۲) اللہ تعالیٰ کے نام پر روٹی دو گے تو روٹی ملے گی۔ راہِ حق میں جان دو گے تو جان ملے گی۔
(۳) جو بیج بوتا ہے چند روز تو اس کے پاس سے دانے چلے جائیں گے لیکن بعد میں اسے کھیت سے بہتر اور زیادہ ملے گا۔
(۴) اور وہ جو بیج بونے کے دنوں میں دانے گھر میں رکھے رہا اس کے دانے چوہے اور کیڑے کھائیں گے اور وہ حوادث کا شکار رہوں گے۔

(۵) تمام بازار بند ہوں تو ان میں اناج لے جانے سے کیا فائدہ ہوگا۔

حدیث شریف میں ہے : یوجر ابن آدم فی نفقتہ کلہا الا شیاء وضعہ فی الماء والطین۔

(اللہ تعالیٰ بنی آدم کو ہر خرچ کرنے پر اجر و ثواب بخشتا ہے مگر وہ جو پانی اور مٹی پر خرچ کیا جائے اس کا کوئی ثواب نہ ملے گا)

ف : صدر الدین قونوی اس حدیث شریف کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اعمال کی صورتیں اعراض ہے اسکا جوہر عمل کرنے والوں کے مقاصد و علوم و اعتقادیات اعمال کے ارادوں کے متعلقات کہلاتے ہیں یہ حدیث شریف بہ اعتبار صیغہ کے مطلق اور عام ہے لیکن قرآئن و احوال سے مخصوص عنہ البعض ہو جاتی ہے اس لیے کہ پانی اور مٹی سے مراد تو [illegible] جو بہت سی تعمیرات

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سے بے شمار اجر و ثواب نصیب ہوتا ہے جیسے مساجد و رباطات و دیگر عبادت گاہیں۔ ان کی تعمیرات میں تعمیر کنندہ کو بہت زیادہ اجر و ثواب ملتا ہے اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔

مسئلہ: وہاں ایسی تعمیرات میں گناہ ہے جو بلا ضرورت محض خوشنمائی یا تعمیرات پر اظہار فخر و مباہات اور ریاء و سمعت پر مبنی ہو۔ اگر ارادہ ہو تو تعمیر کنندہ دنیا میں تو اس تعمیر سے کچھ نہ کچھ فائدہ اٹھائے گا لیکن آخرت میں اسے کوئی ثواب نہ ملے گا اس لیے کہ اس نے وہ کام کیا ہے جو صرف دنیا کے ساتھ متعلق ہے۔ اس معنے پر اس کی تعمیر کا جملہ عمل چونکہ اغراض سے متعلق تھا وہ دنیا سے کوچ کرنے کے بعد زائل ہو گیا اسے آخرت میں پہنچنے کا کوئی موقعہ میسر نہ ہوا اسی بنا پر آخرت میں اسے نہ کوئی ثمر نہ ثواب۔

خرچ کرنے والوں کی فہرست

علماء کرام نے خرچ کرنے والوں کے چند طبقات گنائے ہیں۔

(۱) وہ حضرات جنہوں نے توکل علی اللہ کر کے اپنی جملہ ملکیت راہِ خدا میں لٹا دی جیسے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی قوت یقینیہ سے تمام ملک راہِ خدا میں خرچ کر ڈالی۔

(۲) وہ حضرات جنہوں نے کچھ مال خرچ کیا اور کچھ بچا کے رکھا لیکن اس ارادہ پر نہیں کہ وہ اس سے دنیوی فوائد و منافع حاصل کرنا چاہتے تھے بلکہ بوقتِ ضرورت خرچ کرنے کے لیے بچا رکھا۔

(۳) بعض وہ جنہوں نے اپنا مال اتنا خرچ کیا جتنا ان پر واجب تھا۔

بخیل کی علامت

حضرت امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ بقدر واجب خرچ کرنا اور اس سے مزید خرچ نہ کرنا بخیل کا کام ہے اس لیے اس پر لازم ہے کہ وہ واجب کے علاوہ نفل صدقات میں سے بھی حصہ لے اگرچہ تھوڑا سہی۔

ف: مذکورہ بالا طبقات میں بھی مختلف قسمیں ہیں جنہیں ہم نے سورۂ فرقان کے اواخر میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے اگر تفصیل چاہیے تو وہاں دیکھ لیجئے اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ بحث محققانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اہل بذل و احسان سے بنائے اور نہ ہی امساک و بخل ہم سے سرزد ہو اور نہ ہی ذخیرہ اندوزی کی عادت ہو بلکہ ہمیں ایسے خرچ کرنے کی توفیق بخشے جو ہمارے لیے سرمایۂ آخرت و زادِ راہ کا کام دے اس لیے کہ اس کے خزانے بے بہا اور اس کے بحارِ جود و سخا کی کوئی انتہا نہیں وہی رات دن ہر ایک کو عطا کرتا اور فیض پہنچاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ: وَيَوْمَ تَحْشُرُهُمْ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی امت کو وہ دن یاد دلائیے جس میں اللہ تعالیٰ ہر امیر و غریب، ہر سرکش اور کمزور اور جملہ موحدین اور تمام غیروں کی پرستش کرنے والوں کو جمع فرمائے گا جَمِيْعًا در انحالیکہ وہ سب

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

یہ سب اکٹھے جائیں گے کوئی بھی ان میں سے نہیں رہ جائے گا۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا اس سے بنو ملیح قبیلہ کے وہ لوگ مراد ہیں جو ملائکہ کی اس گمان سے پرستش کرتے تھے کہ ملائکہ خدا تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں ان کی دلیل یہ تھی کہ ملائکہ خدا تعالیٰ کی بیٹیاں اس لیے ہیں کہ انہیں پردہ میں رکھا ہے۔

سوال: پردہ میں جن بھی تو ہیں تو پھر ان کی پرستش کیوں نہ کی اور انہیں خدا کی بیٹیاں کیوں نہ کہا۔

جواب: ملائکہ سماوی اور جنات ارضی ہیں۔ ان کا اعتقاد یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے۔

ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ پھر مشرکین یعنی ملائکہ کی پرستش کرنے والوں کو زجر و توبیخ کے ارادے پر اللہ تعالیٰ ملائکہ سے فرمائے گا اور یہ اس لیے بھی کہ انہیں ملائکہ کی شفاعت سے مکمل طور نا امیدی ہو اس لیے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ ان کے ملائکہ کرام اللہ تعالیٰ سے چھڑا لیں گے اَهٰٓؤُلَآءِ کیا یہی کافر و مشرک ہیں اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ○ دنیا میں تمہاری پرستش کرتے تھے۔ ایاکم کا منصوب ہونا یعبدون کی وجہ سے ہے۔

سوال: مشرکین تو ملائکہ کرام کے علاوہ دوسری بہت سی اشیاء کو پوجتے تھے تو پھر یہاں ملائکہ کرام کی تخصیص کیوں؟

جواب: یہ اس لیے کہ وہ ان کے معبودوں سے اشرف و اعلیٰ تھے۔ پھر انہیں تنبیہ کرنا مطلوب ہے کہ جب اس وقت تمہارے اشرف و اعلیٰ معبودوں کا یہ حال ہے تو پھر دوسروں کا کیا حال ہوگا۔

قَالُوْا ملائکہ کرام اللہ تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس بیان کرتے ہوئے عرض کریں گے یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے۔ سُبْحٰنَكَ تیری ذات شرک سے منزہ اور پاک ہے۔

ف: کشف الاسرار میں ترجمہ لکھا ہے کہ اے اللہ! تو منزہ اور پاک ہے کہ تیرے سوا کسی اور کی عبادت کریں۔

اَنْتَ وَلِيُّنَا الولی عدو کی نقیض ہے یعنی تو ہی ہم سب کا والی ہے مِنْ دُوْنِهِمْ سوائے مشرکین کے یعنی مشرکین کے ساتھ ہمارا کوئی واسطہ اور تعلق نہیں جب ہم ان سے کوئی واسطہ اور تعلق ہی نہیں رکھتے تو پھر ہم ان کی پرستش سے کس طرح راضی ہوتے اس کے بعد ملائکہ نے اس قول سے اعراض کرتے ہوئے اپنی پرستش سے برأت کا اظہار کرنے کے بعد اصل حقیقت ظاہر کر دی بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ بلکہ اپنی جہالت و غوایت کی وجہ سے جنوں یعنی شیاطین کی پرستش کرتے تھے یعنی ان کی اطاعت یا غیر اللہ کی پرستش کرتے تھے۔

ف: بعض مفسرین نے لکھا کہ وہ لوگ ملائکہ کے خیال جیسے بنا کر ان کی پرستش کرتے کہتے کہ یہی ملائکہ ہیں اور شیاطین کو جنات سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ شیاطین حواس سے اوجھل ہیں اور چھپے ہوئے حواس سے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اہل ہوا سے جن سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اَکْثَرُھُمْ یہاں پر اکثر بمعنے کل ہے اور ھُمْ کی ضمیر کا مرجع مشرکین ہیں جیسا کہ سیاق کلام سے معلوم ہوتا ہے۔ یعنی تمام مشرکین ایسے ہوں گے جیسے مذکور ہوگا۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ ضمیر انسانوں کی طرف راجع ہے اور اکثر اپنے حقیقی معنے پر ہے یعنی اکثر بِہِمْ جنوں کے ساتھ یعنی ان کی جھوٹی بات مان کر کہ ملائکہ اللہ کی لڑکیاں ہیں مُؤْمِنُوْنَ ○ تصدیق کرنے والے تھے اور انہیں کی تابعداری کی اور یہ عقیدہ ان کے دل میں القا کرتے وہ اسے مان لیتے تھے انہیں کہا گیا کہ ملائکہ تمہاری سفارش کریں گے لہٰذا تم ان کی پرستش کرو۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ جیسے ایک قوم نے شیاطین کے کہنے پر ملائکہ کی پرستش کی اور پھر قیامت میں ملائکہ کرام ان کی پرستش سے برأت کا اظہار کریں گے ایسے ہی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت تو کرتے ہیں لیکن والدین یا اساتذہ یا اہل جاہ یا تعصب کی بنا پر یا خواہشات نفسانی سے جیسے یہود و نصاریٰ اور صابئین اور مجوس اور اہل بدعت و اہل ہوا اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں تو قیامت میں اللہ تعالیٰ اس سے برأت کا اظہار کرے گا اور فرمائے گا کہ میں ایسے عبادت گزاروں سے بری ہوں جو غیروں کے کہنے سے یا اہل ہوا کی اعانت سے میری عبادت کرتے تھے اس لیے کہ جو اہل ہوا کے کہنے پر میری عبادت کرتا تھا وہ دراصل اپنی خواہش کی پرستش کرتا تھا اس لیے کہ اس نے خلوص سے میری عبادت نہیں کی تھی حالانکہ میں نے اسے کہا تھا کہ خلوص سے میری عبادت کرنا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں نماز کی عبادت کے لیے فرمایا کہ کہو اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ یعنی ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں نہ کہ تیرے غیر کی اور ہم تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں نہ کہ غیر سے۔ اَکْثَرُھُمْ بِھِمْ مُؤْمِنُوْنَ میں اشارہ ہے کہ اکثر اہل ایمان مدعیان اسلام جو دراصل اہل ہوا ہیں اور وہ دوسروں کی تقلید و تصدیق سے ایمان قبول کرتے ہیں اور برے اعتقاد اور بدعت سیئہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں کما فی التاویلات النجمیہ۔

صائب نے فرمایا:

چہ قدر راہ بتقلید توان پیمودن
رشتہ کوتاہ بود مرغ نوآموختہ را

(ترجمہ: تقلید کے ساتھ کہاں تک دوڑ لگاؤ گے نوآموز پرندہ کی ڈور چھوٹی ہونی چاہیے)

تفسیر عالمانہ

فَالْیَوْمَ حشر کے دن لَا یَمْلِکُ، الملک (بالحرکات الثلاث) صاحب ملک ہونا بَعْضُکُمْ اس سے مشرکوں کے بت مراد ہیں لِبَعْضٍ اس سے پرستش کرنے والے مراد ہیں نَّفْعًا سے شفاعت وَّلَا ضَرًّا اس دفع ضرر سے عذاب مراد ہے یہاں صفات

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattori

محذوف ہے کیونکہ قیامت میں حکمرانی صرف اللہ تعالیٰ کی ہوگی اس لیے کہ وہ دار جزا ہے اللہ تعالیٰ کے ما سوا خلائق کا کوئی فرد کسی کو جزا و سزا نہ دے سکے گا۔ الارشاد میں ہے کہ حکمرانی کو صرف دار الجزاء سے مقید کرنے کا فائدہ یہ ہے (حالانکہ اللہ تعالیٰ کی حکمرانی علی الاطلاق ہے) تاکہ بندے نفع کی امیدیں صرف اسی سے وابستہ کریں یہ کلام بھی منجملہ از گفتگوئے ملائکہ کرام ہے یہ اس وقت کہیں گے جب کافروں کے خلاف عتاب کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس سے فراغت پا کر برسر میدان اپنے پرستاروں کو کہیں گے کہ ہم عاجز اور قاصر ہیں تاکہ ملائکہ سے ان کی شفاعت کی امید کی جڑ کٹ جائے۔ فا در ترتیب کے لیے نہیں یعنی اسے اس لیے نہیں لایا گیا کہ مابعد کا حکم جواب ملائکہ پر مرتب ہو کیونکہ وہ جواب تو متحقق ہے کہ انھیں جواب دیتے یا نہ۔ بلکہ اس ترتیب کے لیے ہے کہ خبر کو جواب ملائکہ پر مرتب کیا گیا ہے۔ وَ نَقُوْلُ اور ہم آخرت میں فرمائیں گے لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ان لوگوں کے لیے جنھوں نے کفر و تکذیب سے اپنے نفسوں پر ظلم کیا اس لیے کہ انھوں نے ایمان و تصدیق کے بجائے کفر و تکذیب کا انکار کیا۔ اس کا عطف نقول پر ہے یملك پر اس کا عطف نہیں ہے جیسا کہ بعض کا خیال ہے اس لیے کہ یہ منجملہ اس گفتگو کے ہے جو قیامت میں ہوگی ملائکہ کو خطاب کرتے ہوئے کہا جائے گا اور یہ اسے جواب ملائکہ پر مرتب کیا گیا ہے۔ اور یہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے حکایتاً بیان کیا گیا ہے کہ بت پرستوں کو قیامت میں یونہی کہا جائے گا جیسا کہ پہلے حکایتاً بیان کیا گیا ہے کہ ملائکہ کرام کو کہا جائے گا ذُوْقُوْا ذوق دراصل اس شے کو کہا جاتا ہے جو کثیر شے کے پرکھنے کے لیے تھوڑی سی شے چکھی جائے۔ لیکن یہاں کثرت کے لیے ہے عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ○ بہا کا تعلق تکذبون سے ہے یعنی جہنم کا وہ عذاب چکھو جسے تم جھٹلاتے تھے اور تمہارا اصرار تھا کہ قیامت آئے گی نہیں اگر آئے گی تو ہمیں عذاب نہ ہوگا لیکن اب دیکھ لو کہ تم اس میں داخل ہو اس طرح سے تمہارا گمان اور دعویٰ باطل ہو گیا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ جو شخص اپنا دل غیر سے لگائے اور اپنے حال کی اصلاح حیلے بہانے یا اپنے جیسے عاجزوں سے چاہے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے دلوں سے رحمت چھین لیتا ہے اور انھیں خالی خولی چھوڑ دیتا ہے اور ان کے احوال کو شورش بنا دیتا ہے یہاں تک نہ انھیں اپنی ہم جنسوں سے مدد ملتی ہے اور نہ ہی ان کے امور میں ان کی عقل کام کرتی ہے اور نہ ہی انھیں کوئی سمجھ بوجھ ہوتی ہے ان کا رجوع اللہ تعالیٰ کی بجائے دنیا کی طرف رہتا ہے اگرچہ وہ مرنے کے بعد اسی کی طرف رجوع کریں گے لیکن وہ ان پر رحم نہیں فرمائے گا اور نہ ہی ان کے سوال کا جواب دے گا بلکہ انھیں ہجر و فراق کی آگ سے جلائے گا اس لیے وہ ظالم ہیں یعنی غیر اللہ کی پرستش کرنے والے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ملفوظِ ولی اللہ ایک شیخ کامل اہل صحبت ہی سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اس لیے پیدا فرمایا تاکہ وہ چیزوں کو پہچانیں اور غیر اللہ کی پرستش نہ کریں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کا شریک بنائیں اور اسے رزاق مانیں کہ اسی نے روزی دی اور اسے قہار کہیں کہ وہ سب کو موت دے گا اور موت ہی تو ہے جس نے بڑے بڑے سرکشوں کو ملیا میٹ کیا اور بڑے فرعونوں کو مٹی میں ملا دیا اور اسے قادر مانیں کہ اس نے سب کو زندگی بخشی چونکہ وہی قادر مطلق ہے اسی لیے انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے عجز و نیاز کا اظہار کرے بلکہ اپنے آپ کو اس کی قدرت کے تابع سمجھے اور اختیار سے ہی اس کی طرف رجوع کرے ورنہ اضطراری طور تو اس کے پاس جانا ہی پڑے گا اور یقین رکھے کہ توفیق وہی بخشتا ہے ؎

نگشود صائب از مدد خلق ہیچ کار
از خلق رو بسوئے خدا می کنیم ما

ترجمہ: صائب! مخلوق کی مدد سے کام نہیں چلتے۔ مخلوق کی طرف سے منہ پھیر کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہمارا رجوع ہے۔

ف: جو شخص بتوں کی پرستش کرتا اور شیطان کا مطیع بنتا ہے تو سمجھو کہ اس کا دین زوال پذیر ہوا اسے دائمی عذاب میں مبتلا رکھا جائے گا جیسے ابلیس ابدی عذاب میں مبتلا ہے اور جو نفس کی اطاعت کرتا ہے یعنی معصیت کا ارتکاب کرتا ہے تو اسے چند روز عذاب ہو گا لیکن پھر اسے نجات نصیب ہو گی اور ہویٰ کی اطاعت کرتا ہے یعنی شہواتِ نفسانی کی اتباع کرتا ہے تو عذاب شدید میں مبتلا کیا جائے گا جو ابلیس کا کہا مانتا ہے تو وہ اس سے دُور ہو گیا اور جس نے نفس کی اطاعت کی اس سے پرہیزگاری دُور ہو گئی اور جس نے ہویٰ کی اتباع کی اس سے عقل گئی۔

حکایت یحییٰ علیہ السلام باوجود اتنی بزرگی اور جلالت شان کے اور باوجودیکہ آپ نے کبھی گناہ کا ارادہ تک نہ کیا لیکن پھر بھی عذابِ جہنم سے ہر وقت ڈرتے رہتے تھے اور رات دن گریہ وزاری فرماتے رہتے تھے۔

سبق اس غافل کا کیا حال ہو گا جو ہر وقت معصیت میں مبتلا ہے لیکن پھر بھی سلب ایمان سے خائف نہیں حالانکہ اس کے پیچھے بہت بڑا اور سخت کینہ دشمن (ابلیس) لگا ہوا ہے۔ اسی لیے لازم ہے انسان غیر اللہ کی طرف مائل ہونے سے توبہ کرے اور ہر حال میں اسی خیال میں رہے بلکہ صبح شام گریہ وزاری کرتا رہے تاکہ جہنم کی آگ سے نجات اور بہشت اور قرب و شہود رحمان کی کامیابی حاصل ہو ؎

ز پشت آئینہ روی مراد نتوان دید
ترا کہ روی بخلق است از خدا چہ خبر

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ترجمہ : شیشے کی پیٹھ سے چہرہ نہیں دیکھا جا سکتا جب تیری توجہ مخلوق کی طرف ہے
تو پھر تجھے خدا تعالیٰ کی کیا خبر۔

تفسیر عالمانہ

وَاِذَا تُتْلٰی اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے مسلسل پڑھی جاتی ہیں عَلَیْهِمْ مشرکین مکہ پر اٰیٰتُنَا ہماری آیات قرآنیہ بَیِّنٰتٍ درانحالیکہ وہ حقیقۃ توحید اور بطلان شرک پر واضح طور پر دلالت کرتی ہیں قَالُوْا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ اس کی تنکیر تحقیر و تذلیل کی ہے ۔ ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں بہت بڑے مشہور و معروف تھے يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ اس کا ارادہ ہے کہ وہ تمہیں پھیر دے عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ ان سے جن کی تمہارے آباء عرصہ دراز سے (بتوں کی) پرستش کرتے چلے آرہے ہیں اور تمہیں اس بدعت کی اتباع کا کہتا ہے جس کا نہ کوئی سر ہے نہ پاؤں اور نہ ہی درحقیقت یہ کوئی دین الٰہی ہے جس کی یہ دعوت دیتا ہے ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ نبی علیہ السلام تمہیں بت پرستی سے روکتے ہیں اور اپنی پیدا کردہ بدعت (جسے وہ دین اسلام سے تعبیر کرتے ہیں) کی دعوت دے کر اسی بدعت کے تابع کرنا چاہتے ہیں۔ اور آباء کی اضافت بجائے اپنے مخاطبین کی طرف اس لیے کی تاکہ ان کی رگِ حمیت تیکھا اور شرک کی تقریر میں تاکید اور مبالغہ اور توحید سے مکمل طور نفرت ہو وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اور کہتے ہیں نہیں ہے یہ قرآن اِلَّآ اِفْكٌ مگر گھڑا ہوا یعنی اپنی صحیح سمت سے ہٹا ہوا اس لیے کہ اس کے مضامین مثلاً توحید بعث و نشر ان کے عقاید و مراسم کے مطابق نہیں تھے مُّفْتَرًى من گھڑت ہے جسے اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر رکھا ہے ۔ جان بوجھ کر جھوٹ بولنے کا نام افتراء ہے ۔ یہ قول مشرکین عنادًا و مکابرۃً کہا ورنہ ان کے ایک بہت بڑے لیڈر عتبہ بن ربیعہ نے کہا تھا کہ یہ قرآن مجید نہ شعر ہے نہ کہانت ہے نہ جادو وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ اور کافروں نے حق یعنی قرآن مجید کے بارے میں کہا ۔ یہ عطف عنوان کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہے اس لیے کہ پہلے سے قرآن مجید کا معنی اور درس ہے اس کے الفاظ معجزہ مراد ہے اور ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لانے میں ان پر اظہار غضب کے لیے ہے اور واضح کرنا ہے کہ قرآن مجید سے صرف وہی لوگ نکر لیتے ہیں جو کفر میں انتہائی سرکش اور گمراہی و بطلان میں بہت زیادہ منہمک ہیں لَمَّا جَآءَهُمْ جبکہ ان کے ہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا۔ لفظ لما میں اشارہ ہے کہ ان لوگوں کے ہاں جونہی قرآن مجید آیا تو فوراً تکذیب و انکار پہ تل گئے ذرہ برابر بھی تامل و فکر سے کام نہ لیا اِنْ یہ نافیہ بمعنٰی ما ہے هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○ نہیں ہے یہ قرآن مجید مگر جادو ۔ ظاہر جیسے اس کی ساحریت ایسی ظاہر ہے کہ اس میں ذرہ برابر بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ۔ السحر ، [illegible] ایک وقت لے لیتے ہیں جب کوئی کسی سے دھوکا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کرے اور متحیر و مدہوش بنا دے۔ یہ اس وقت جب ساحر ایسا کام دکھائے کہ جس کے بالمقابل سے مقابلہ نہ ہو سکے اور نہ ہی سمجھ کہ اس کا ادراک ہو سکے کما فی شرح الآمالی۔

ف: حضرت شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا کہ السحر' سحر سے ماخوذ ہے یعنی وہ وقت فجر اول و فجر ثانی کے درمیان ہے وجہ تشبیہ اختلاط ہے اس لیے کہ اس وقت میں صبح کی روشنی اور رات کی تاریکی آپس میں مختلط ہوتی ہیں چونکہ سورج کے طلوع کو دیر ہوتی ہے اسی لیے تاریکی شب کی وجہ سے آنکھوں کو اشیاء پورے طور پر نظر نہیں آتیں ایسے ہی جب جادوگر اپنا جادو کسی پر ڈالتا ہے تو حق و باطل کا امتیاز نہیں ہو سکتا بلکہ باطل محض ہوتا ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی جو بعد کو دیکھنے والے کا مشاہدہ غلط اور گمان فاسد ہو جاتا ہے۔

ف: حضرت شیخ شعرانی قدس سرہٗ نے کبریت احمر میں لکھا کہ شیخ اکبر قدس سرہٗ کا یہ کلام ایسا نفیس ہے کہ ہم نے پہلے کسی سے نہیں سنا۔

وَمَا آتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ اور وہ جو ہم نے مشرکین کو کتابیں دیں۔ یہ من استغراقیہ ہے جو تاکید نفی کے لیے مفعول پر داخل ہوا ہے يَّدْرُسُوْنَهَا انہیں پڑھتے ہیں جن میں شرک کی صحت کے دلائل تھے کما قال تعالیٰ:

ام انزلنا علیهم سلطانا فهو یتکلم بما کانوا به یشرکون۔

(کیا ہم نے ان پر کوئی دلیل نازل کی ہے جو بولے اس کے لیے جسے شریک بناتے ہیں)

اور فرمایا:

ام اٰتیناهم کتابا من قبله فهم به مستمسکون۔

(کیا ہم نے انہیں کتاب دی ہے اس سے پہلے تو وہ اسے پکڑنے والے ہیں)

یہاں پر صیغہ جمع لانے میں تنبیہ ہے کہ جب ایسے دلائل سے شبہات پیدا ہوں تو ضروری ہے کہ اس وقت کتاب کو غور و خوض سے پڑھا جائے اور مکمل طور پر اس کے معانی سمجھنا چاہییں۔ اور تدریس' درس کا مبالغہ ہے۔ المفردات میں امام راغب رقمطراز ہیں:

درس الشیئ بمعنے بقی اثرہ یعنی اس کا نشان باقی رہا۔ اور قاعدہ ہے کہ جو شے نشان رکھتی ہے وہ بالآخر مٹ جاتی ہے اسی لیے دروس کو انمحا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ایسے ہی کہا جاتا ہے:

درست الکتاب و درست العلم۔

یعنی میں نے حفاظت کے ساتھ ہی اس کو ہاتھ میں لیا۔ اور چونکہ یہ تناول کے دائمی طور ہوتا ہے اسی لیے قراءۃ کتاب کو درس سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وَمَآ اَرۡسَلۡنَآ اِلَيۡهِمۡ قَبۡلَكَ مِنۡ نَّذِيۡرٍ ۝ اور ہم نے ان کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا بھیجا جو انہیں شرک کی طرف بلائے اس کے ترک پر عذاب الٰہی سے ڈرائے۔ اور ظاہر ہے ان وجوہ میں سے کوئی وجہ بھی نہیں تو پھر یہ شرک انہیں کہاں سے ملا اور کب سے یہ مذہب بنا ہوا اس سے ان کی تجہیل وتفسیق مراد ہے اور یہ ظاہر کرنا ہے کہ یہ پہلے درجے کے سفیہ اتنے بے وقوف ہیں کہ انہیں اس کے متعلق کچھ پتہ ہی نہیں چلتا۔ اب اس پر تہدید کرتے ہیں وَكَذَّبَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ اور وہ لوگ جنہوں نے ان سے پہلے تکذیب کی یعنی امم سابقہ اور قرونِ ماضیہ کے لوگوں نے ایسے ہی تکذیب کی جیسے کفارِ مکہ نے آپ کی تکذیب کی وَمَا بَلَغُوۡا اور قریشِ مکہ اور مشرکینِ عرب نہیں پہنچے مِعۡشَارَ مَآ اٰتَيۡنٰهُمۡ جو کچھ ہم نے انہیں دیا اس کے دسویں حصے کو نہیں پہنچے اس لیے کہ ان کی قوتِ اجسام اور کثرتِ اموال واولاد وطولِ الاعمار کے مقابلے میں یہ لوگ عشرِ عشیر بھی نہیں۔

حل لغات المعشار بمعنی عشر (دسواں حصہ) جیسے المرباع بمعنی الربع ہے۔ الواحدی نے فرمایا: المعشار بمعنی العشیر والعشر عشرۃ کا دسواں حصہ۔ بعض نے کہا المعشار عشر العشیر۔

فَكَذَّبُوۡا رُسُلِىۡ اس کا عطف وکذب الذین بطریق التفصیل والتفسیر کے ہے۔ کذب قبلهم قوم نوح فکذبوا عبدنا۔ فَكَيۡفَ كَانَ نَكِيۡرِ ۝ پھر کیسے ہے ان کے لیے میرا انکار ان کی جڑ کاٹنے اور نیست ونابود کرنے میں۔ یعنی جب میں نے ان بڑے کافروں کو مٹا دیا تو پھر یہ کون لگتے ہیں اسی لیے انہیں ان کے حالات سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ جب کوئی صاحبِ نظر لوگوں کو دعوت الی الحق دیتا ہے تو اس کے بڑے ساتھی اور اس کی جاہل برادری اور اس کے دین سے بے بہرہ دوست کہیں گے (اس طرح کہنے والے بہت سے علماء بھی ہوتے ہیں) کہ یہ لوگ دین کی خاطر دعوتِ اسلامی نہیں دے رہے بلکہ انہیں دنیوی منفعت مطلوب ہے اور محبتِ دنیا میں گرفتار ہو کر اس طرح کا حیلہ بہانہ بنایا ہوا ہے اور مکر وفریب اور دھوکا سازی سے کاروبار چلایا ہوا ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف اولئک قطاع الطریق علی العباد۔

(یہی لوگ میرے بندوں کے لیے ڈاکو اور قزاق ہیں)

بہرحال اس مرد کے لیے وہ لوگ کہتے ہیں کہ ایسے شخص سے بچ جاؤ اس لیے کہ یہ تمہیں شکار کرنا چاہتا ہے اور تمہیں اپنا غلام بنانا چاہتا ہے تاکہ تم اس کے فرماں بردار ہو کر اس کے کاروبار میں مدد کر سکو

For more Books Click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اور تمہیں وہ اپنا مرید بنانا چاہتا ہے تاکہ تمہیں تمہارے مذاہب سے دُور کر دے۔ اس کی نظر تمہارے اموال پر نظر ہے اور وہ کون مردِ مجاہد ہے جو دنیا سے بچ سکے اور اپنے اہل و عیال اور اقارب اور رشتہ داروں سے دُور ہو سکے ایسے اولاد کو خیر باد کہہ سکے اور یہ حق کا طریق ہی نہیں ہے اور نہ ہی اس طرح سے طریقِ حق کی تکمیل ہو سکتی ہے یعنی جس میں صرف دنیوی مطلوب ہو وہ طریقِ حق نہیں ہو سکتا۔ انسان کامل وہ ہے جو دنیا میں رہ کر دنیا کا کام بھی کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف بھی متوجہ رہے اور اندرونی دنیا سے روگرداں ہو۔ جو شخص خواطر الدنیۃ اور ہواجس نفسانیہ ردیہ کا شکار ہوتا ہے وہ گمراہ ہو کر تباہ و برباد ہوتا ہے۔ جیسے پہلے لوگ گمراہ ہو کر تباہ و برباد ہوئے۔ طالب حق پر لازم ہے کہ وہ ان لوگوں سے عبرت حاصل کرے جو مشایخ و علماء پر اعتراض و انکار کر کے تباہ و برباد ہوئے۔ ان لوگوں کا انجام یوں ہوا کہ دنیا میں رہ کر دینی مراتب سے محروم ہوئے اور عذابِ آخرت میں مبتلا ہو کر ہجر و فراقِ الٰہی میں گرفتار ہوئے۔ اے عزیز! ایسے بدبختوں کی صحبت سے دور رہئے جو عشاق کے طریق سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں اس لیے کہ وہ بظاہر دوست ہیں اور حقیقت میں دشمنِ دین۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

آدمی را دشمنِ پنہاں بسیست
آدمیِ با حذر عاقل کسیست

(ترجمہ: آدمی کے پوشیدہ دشمن بہت ہیں ہوشیار آدمی عقلمند انسان ہے۔)

مولانا جامی قدس سرہٗ درۃ التاج میں رقمطراز ہیں:

۱ چوں سکندر بقصد آبِ حیات
کرد عزمِ عبور بر ظلمات

۲ بزمینے رسید پہن و فراخ
راند خیل و حشم دراں گستاخ

۳ ہر کجا می شد از یسار و یمین
بود پر سنگریزہ رشتۂ زمین

۴ کرد رحمے سخن بسوئے سپاہ
کائے ہمہ کردہ گم ز ظلمت راہ

۵ ایں ہمہ گوہر است بے شک و ریب
کیسہ تاں پر کنید و دامن و جیب

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ہرکرا بود شک در اسکندر ٥
آں حکایت نیامدش باور
گفت ورزیر نعل لعل کہ دید ٦
دُرّ و گوہر برہگذر کہ شنید
وانکہ آئینۂ سکندر بود ٧
سرّ جانش درو مصوّر بود
ہرچہ ازوے شنید باور داشت ٨
آنچہ مقدور بود ازاں برداشت
چوں بریدند راہ تاریکے ٩
تافت خورشید شاں ز نزدیکے
آں یکے دست میگزید کہ چوں ١٠
زیں گہر بر نداشتم افزوں
واں دگر خوں ہمی گریست کہ آہ ١١
نفس و شیطاں زدند بر من راہ
کاشکے زاں گہر یکدم بار ١٢
بر سکندر نکردمے انکار
تانیفتادمے ازاں تقصیر ١٣
در حجاب و خجالت و تشویر

ترجمہ (١) جب سکندر کا آب حیات کا ارادہ ہُوا تو ظلمات کو عبور کرنے کا پروگرام بنایا۔
(٢) ایک وسیع اور چٹیل زمین میں پہنچا اس میں لشکر کو تیز کر دیا۔
(٣) ہر جگہ، دائیں بائیں اس سخت زمین پر سنگریزے بکھرے ہوئے پائے۔
(٤) لشکر کی طرف منہ کر کے مخاطب ہوا ظلمت کی وجہ سے راہ گم کردہ لوگو۔
(٥) یہ جو (سنگریزے) جواہرات ہیں ان سے آپ جیب اور دامن اور ہر تھیلا بھر لو۔
(٦) جسے سکندر کی بات پر شک تھا اس نے یقین نہ کیا۔
(٧) اور کہا کبھی ان گھوڑوں کے نیچے اور ایسی راہوں میں جواہر و موتی ہوتے ہیں!
(٨) لیکن جہاں آئینۂ سکندر ہوتا وہاں پر اس کے جسم و جان کی تصویر سامنے نظر آجاتی۔
(٩) جس نے سکندر سے سنا اور یقین کر لیا کہ واقعی یہ (سنگریزے) گوہر و موتی ہیں جتنا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ
تم فرماؤ میں تمہیں ایک نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ کے لئے کھڑے رہو
مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ
دو دو اور اکیلے اکیلے پھر سوچو کہ تمہارے ان صاحب میں جنون کی کوئی بات نہیں وہ تو نہیں مگر تمہیں ڈر سنانے والے
لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ﴿۴۶﴾ قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ؕ اِنْ اَجْرِيَ
ایک سخت عذاب کے آگے تم فرماؤ میں نے تم سے اس پر کچھ اجر مانگا ہو تو وہ تمہیں کو میرا اجر تو
اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۴۷﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ
اللہ ہی پر ہے اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے تم فرماؤ بیشک میرا رب حق کا القا فرماتا ہے بہت
عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۴۸﴾ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ﴿۴۹﴾ قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ
جاننے والا سب غیبوں کا تم فرماؤ حق آیا اور باطل نہ پہل کرے اور نہ پھر کر آئے تم فرماؤ اگر میں بہکا تو
فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِيْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ
اپنے ہی برے کو بہکا اور اگر میں نے راہ پائی تو اس کے سبب جو میرا رب میری طرف وحی فرماتا ہے بیشک وہ سننے والا نزدیک
قَرِيْبٌ ﴿۵۰﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۵۱﴾ وَّقَالُوْٓا
ہے اور کسی طرح تو دیکھے جب وہ گھبراہٹ میں ڈالے جائیں گے پھر بچ کر نہ نکل سکیں گے اور ایک قریب جگہ سے پکڑ لیے جائیں گے اور کہیں گے
اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾ ۚ وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَ
ہم اس پر ایمان لائے اور اب وہ اسے کیونکر پائیں اتنی دور جگہ سے کہ پہلے تو اسے اس سے کفر کر چکے تھے اور بے
يَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾ وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا
دیکھے پھینک مارتے ہیں دور مکان سے اور روک کر دی گئی ان میں اور اس میں جسے چاہتے ہیں جیسے ان
فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ﴿۵۴﴾
کے پہلے گروہوں سے کیا گیا تھا بیشک وہ دھوکا ڈالنے والے شک میں تھے

تفسیر عالمانہ

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ فرمائیے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! بیشک میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں۔ الوعظ بمعنے زجر جو تخویف کو مقترن ہو۔ الخلیل میں ہے کہ الوعظ بمعنے ایسی خیر و بھلائی یاد دلانا جس سے قلب رقیق ہو العظة والموعظة اسم ہے۔ یعنی میں تمہیں ایک نصیحت کرتا ہوں اَنْ تَقُوْمُوْا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں کھڑے ہو جاؤ اور اپنے مجمعوں سے دور ہو جاؤ۔ قیام کا اصل معنی ہے دو مردوں کے آگے کھڑا ہونا۔ یہ جلوس کی نقیض ہے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اور یہ جائز ہے کہ قیام بمعنے کسی کے حکم کی فرمانبرداری کرنا اور طلب حق کا اہتمام کرنا یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی رضا جوئی کے لیے، نہ کہ اس میں ریا ہو اور نہ ہی تم متفرق ہو جاؤ مَثْنٰی دو دو ہو کر، فُرَادٰی اور تنہا تنہا ہو کر۔

امام راغب نے فرمایا کہ الفرد وہ ہے جس میں غیر کا اختلاط نہ ہو۔ اور یہ الوتر سے اعم اور الواحد سے اخص ہے۔ اس کی جمع فرادیٰ آتی ہے۔

المختار میں ہے کہ الفرد بمعنے الوتر۔ علی خلاف القیاس الافراد اور الفرادیٰ (بالضم) آتا ہے اور وہ فردان کی جمع ہے

ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا التفکر بمعنے قلب سے کسی معنے کی طلب کرنا۔ یعنی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں غور و فکر کرو مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ تمہارے ساتھی، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنون نہیں ہے۔ یعنی انہیں کوئی جنون نہیں جو انہیں دعوئ نبوتِ عامہ پہ ابھارتا ہے جیسے اے کافرو! تمہارا خیال ہے۔ اثنین و فرادیٰ کی قید اس لیے لگائی ہے کہ دو آدمی جب اللہ تعالیٰ کی طرف التجا کرتے اور حق کی طلب کرتے ہیں اور انہیں انصاف مطلوب ہوتا ہے تو یقیناً حق کو حاصل کر لیتے ہیں ایسے ہی ایک کی بات ہے بخلاف کثیر جماعت کے کہ ان میں انصاف کی امید بہت کم ہوتی ہے اور بہت بڑا اختلاف اٹھتا ہے اور ہم نے آنکھوں سے دیکھا ان میں غیظ و غضب کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور نہ ہی ایسے لوگوں سے ملتِ اسلامیہ کی خدمت کی امید رکھی جا سکتی ہے۔

ف ؛ مثنیٰ کو فرادیٰ سے مقدم کرنے میں ایک حکمت یہ ہے کہ بہ نسبت ایک کے دو کا آپس میں مشورہ کرنا زیادہ اطمینان بخش ہوتا ہے اس لیے کہ جب دو آدمی ایک جگہ پر بیٹھ کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے متعلق خواہش نفسانی کو ترک کر کے صحیح طور پر غور و خوض کریں تو

صـ ۸۵۷ سے آگے

تو اس کا اتنے جواہر اٹھا لیے۔

(۱۰) تاریک راستہ جب طے کر لیا تو قریب ہی انہیں سورج چمکتا نظر آیا۔

(۱۱) جنہوں نے موتی تھوڑے اٹھائے وہ کفِ افسوس ملنے لگے کہ ہم نے زیادہ کیوں نہ اٹھائے!

(۱۲) دوسرے گروہ کے آنسو بہانے کہ افسوس کہ نفس و شیطان نے ہمارا راستہ مارا۔

(۱۳) کاش ہم بھی بہت سے موتی اٹھاتے سکندر کی بات کا انکار نہ کرتے۔

(۱۴) تاکہ اس سے ہمیں کوتاہی نہ ہوتی ایسے حجاب و خجالت اور پریشانی میں۔

ف ؛ ایسے ہی قرآن مجید کے مکذبین و مصدقین کا قیاس کیجیے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مطلب کو پہنچ جائیں گے۔

شیخ اکبر قدس سرہٗ کی تقریر

فتوحات مکیہ میں ہے کہ واعظ کو وعظ اس ارادہ سے کرنا چاہیے کہ رضائے حق حاصل ہو یا دین کی غیرت کی خاطر یا تنظیم احکام مدِ نظر ہو مثنیٰ میں اللہ تعالیٰ و رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا ہے وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے۔

اس مرتبہ کے انسان کی علامت یہ ہے کہ اسے کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے کا موقع نصیب ہوتا ہے اس میں نہ خواہشِ نفسانی ہوتی ہے اور نہ وہ تنظیم وغیرہ کا خیال کرتا ہے اور نہ ہی اسے اپنی غیرت کا تقاضا ہوتا ہے وفرادیٰ اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مراد ہے یہ اس وقت ہے جب ما بصاحبکم من جنۃ کو محذوف کے متعلق کیا جائے۔ اس تقریر پر تتفکروا پر وقف نہ کیا جائے اور یہ بھی ہے کہ تتفکروا پر وقف تام ہو تو اس وقت یہ معنیٰ ہوگا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پورا غور و خوض کرو گے اور ان کے لائے ہوئے احکام میں تحقیق کرو گے تو تمہیں مکمل طور ان کی ذات کے متعلق معلومات حاصل ہو جائیں گی۔ اس معنے پر ما بصاحبکم من جنۃ جملہ مستانفہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو نظر و تامل پر تنبیہ فرمائی گئی ہے۔ ایسا بہت بڑا امر جس کے تابع دنیا و آخرت ہے وہ ایک مجنون کے ہاتھ میں دے دینا قباحت ہے۔ اگر وہ مجنون ہوتا تو اتنا بڑا کام اس کے سپرد نہ ہوتا۔ جب کفار و مشرکین آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ان کے ہر معاملہ میں تائیدِ غیبی ہو رہی ہے اور ان کی نبوت کو اللہ تعالیٰ دلائل و حجج سے موثق فرما رہا ہے تو اس سے تمہیں یقین ہونا چاہیے کہ جملہ عالم سے زیادہ عقیل ہیں اور قول کے لحاظ سے تمام لوگوں سے فصیح ہیں اور عمل کے لحاظ سے افضل اور خلق کے لحاظ سے احسن اور کمالاتِ بشریہ کے لحاظ سے جامع ترین ہیں بنا بریں ان کے دعویٰ کی تصدیق ضروری ہے جبکہ انہیں ایسے معجزات بھی ملے ہیں جن کے سامنے پہاڑ بھی جھک جاتے ہیں۔

اِنْ ھُوَ نہیں ہیں تمہارے صاحب اِلَّا نَذِیْرٌ لَّکُمْ تمہیں ایسی زبان سے ڈراتے ہیں جو حق بولتی ہے بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ ۝ دنیا و آخرت کے سخت ترین عذاب سے اگر تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرو گے، کیونکہ آپ قیامت کے وقوع سے پہلے بھیجے ہوئے نبی ہیں۔ نسم بعثے اوّل اور قریب ہے اور جو شے تمہارے قریب ہوگی وہی نفس کے قریب ہوگی۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے بین یدی عذاب شدید یعنی دنیا و آخرت میں وہ تمہیں عذابِ شدید سے نجات دلائیں۔ عذابِ شدید سے جہل و تکبر

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

لا، ولا، یعنی ان امور سے نجات بخشتے ہیں اور آخرت میں حسرت و ندامت اور سوال کی نجات سے نجات بخشیں گے۔ بعض اخبار میں ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ سوال کرے گا وہ عذاب میں مبتلا ہوگا اسی پر وہ خجل اور شرمسار ہوگا اور کہے گا: یا اللہ! ہمیں چاہے کتنا عذاب پہنچائیے لیکن ہم سے سوال

تفسیر عالمانہ

قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فرمایئے میں تم سے تبلیغِ رسالت پر کوئی اجر نہیں چاہتا فَهُوَ لَكُمْ وہ تمہارے لیے ہے یعنی اس تبلیغ پر میرا تم سے کسی قسم کے اجر اور مزدوری کا سوال نہیں۔

شانِ نزول

بعض نے فرمایا کہ جب قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ کا نزول ہوا تو حضور علیہ السلام نے مشرکینِ مکہ سے فرمایا کہ مجھے میرے رشتہ داروں کے متعلق ایذا نہ پہنچایا کرو۔ وہ آپ کے کہنے پر آپ کے رشتہ داروں کو گالی دینے سے رک گئے۔ لیکن آپ نے ان کے معبودانِ باطلہ کی مذمت فرمائی تو مشرکین نے کہا کہ ادھر تو ہمیں اپنے رشتہ داروں کو گالی سے روک گئے ہو اور خود ہمارے معبودوں کو گالی دیتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا کہ چاہو تم میرے رشتہ داروں کو گالی دو چاہے انہیں کچھ نہ کہو اِنْ اَجْرِیَ نہیں میرا اجر و ثواب اِلَّا عَلَى اللّٰهِ مگر اللہ تعالیٰ پر اسی لیے کہ میں دنیوی اسباب نہیں چاہتا بلکہ میرا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ○ وہی ہر شے پر مطلع ہے میرے صدق اور میرے خلوصِ نیت کو خوب جانتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

اس میں اشارہ ہے کہ جو بھی دعوت الی الحق کا امر سرانجام دے اس پر لازم ہے کہ وہ اس میں خالص رضائے الٰہی مدِ نظر رکھے دنیا و آخرت کا کوئی لالچ درمیان میں نہ ہو۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ زیاں میکند مرد تفسیر داں
که علم و ادب میفروشد بناں

۲ کجا عقل یا شرع فتویٰ دہد
که اہلِ خرد دیں بدنیا دہد

ترجمہ: (۱) زیاں کرتا ہے وہ مرد مفسّر جو علم و ادب کو روٹی کے بدلے بیچتا ہے۔
(۲) عقل شرع سے کب فتویٰ دیتا ہے کہ عقلمند دین کو دنیا سے بدل دے۔

ف: حضرت امام زروق نے فرمایا:
الشہید ھو الحاضر الذی لا یغیب عنہ معلوم ولا مرئی ولا مسموع

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ومنه عرفت ان الشهيد عبد حافظ على المراقبة واثق بعلمه ومشاهدته عن غيره ـ (روح البیان ج ۷، ص ۳۰۸)

(شہید بمعنی حاضر کہ جس سے کوئی معلوم ومرئی ومسموع شے چھپی نہ رہے اور عرف میں شہید وہ بندہ ہے جو مراقبہ کا محافظ ہو اور اپنے علم ومشاہدہ کے ذریعہ غیر سے بچا ہے)

تفسیر عالمانہ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَقْذِفُ بِالْحَقِّ: القذف بمعنی پتھر، تیر وغیرہ جیسی شے کو دور پھینکنا۔ استعارۃً مطلق القاء کو کہتے ہیں باء تعدیہ کی ہے اب معنی یہ ہوا کہ فرمایئے کہ میرا رب حق یعنی وحی القا کرتا ہے اور اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اسے چن کر اس پر وحی نازل فرماتا ہے نہ تو اجتباء کسی علت کا محتاج ہے اور نہ ہی اس کا اصطفاء کسی حیلے سے حاصل کیا جا سکتا ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ باطل کو پھینک کر اسے تباہ وبرباد کرتا ہے اور اسے مٹاتا ہے۔ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ○ صفت اور مرفوع ہے اور یہ ان کے کلام کے محل پر محمول ہے یا یقذف کی ضمیر مستتر سے بدل ہے یا ان کی خبر ثانی ہے یعنی وہ اپنی آسمانی وارضی خلق کے تمام پوشیدہ امور کو خوب جانتا ہے ان کا وہ امر قولی ہے یا فعلی وغیرہ۔

وظیفہ جو شخص ”یا علام الغیوب“ کو زیادہ سے زیادہ پڑھے اس پر ایسا حال غالب آ جائے گا کہ غیبی باتیں اس کے منہ سے صادر ہوتی ہیں اور اس کے مافی الضمائر کے حالات منکشف ہو جاتے ہیں اور اس کی روح عالم علوی کی طرف ترقی کرتی ہے اور آئندہ والے واقعات وحالات اس کی آنکھوں کے سامنے آ جاتے ہیں۔ جو شخص اس کا ورد رکھے اس کا نسیان دور ہو گا اور قوت حافظہ تیز ہو گی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ غیوب کا صیغہ جمع میں لایا گیا ہے اس لیے کہ وہ ہر طرح کا غیب جانتا ہے اور وہ ہر ایک کے دل کی بات کو جانتا ہے ایسے ہی جو کچھ کسی کے دل میں آنے والے امور ہیں ان کو بھی جانتا ہے ایسے ہی قیامت تک آنے والے لوگوں کے جملہ حالات اور ان کے قلوب کے اسرار کو جانتا ہے اور صیغہ مبالغہ نے میں بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ وہ حالات مختلفہ کے جملہ امور کو اپنی اپنی اصل حالت پر جانتا ہے اس کے علم میں کسی قسم کا تغیر نہیں اگرچہ معلومات مختلف حالات میں مختلف ہوتی رہتی ہیں اس کو کوئی شے مشغول نہیں رکھ سکتی۔

تفسیر عالمانہ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ فرمایئے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! حق آیا ہے[1] یعنی توحید واسلام وَمَا یُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا یُعِیْدُ۔ بدأ

---

[1] یہی معنی ہم اہلسنت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مجازاً استعمال کرتے ہیں۔
اویسی غفرلہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

یعنی ابتداءً کسی فعل کو کرنا۔ الاعادہ یعنی لوٹانا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ شرک مٹ کر رہ گیا یہاں تک کہ اس کا نام و نشان بھی ختم ہو گیا یہ زندہ شے کے مرنے سے ماخوذ ہے کہ جیسے جب وہ مرتے تو اس کا نام و نشان تک نہیں رہتا نہ اس کا ہونا کسی کو محسوس ہوتا ہے یا مٹ جانا ایسے ہی شرک کے لئے کہ اسی سے مثال دی گئی ہے تاکہ معلوم ہو کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک کو جڑوں سے اکھاڑا اور ایسا مٹایا کہ اب اس کا نشان بھی باقی نہ رہا۔

ف: لیکن وہابیہ دیوبندیہ نجدیہ مودودیہ فرقہ کے نزدیک تو بات بات پر شرک کا فتویٰ جاری و ساری ہے معلوم ہوا کہ یہ سارے فرقے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مخالف ہیں۔

حدیث شریف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں تشریف لائے کعبہ مکرمہ کے گرد تین سو ساٹھ بت دیکھے آپ اپنے ہاتھ کی لکڑی سے بتوں کو توڑتے جا رہے تھے اور فرماتے جا رہے تھے:

قل جاء الحق وما یبدئ الباطل وما یعید۔

قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فرمایئے اگر میں سیدھے راستے سے بھٹک جاؤں جیسا کہ تمہارا گمان ہے رب سے میں نے تمہارے آبا کا دین چھوڑا ہے تم کہتے ہو کہ یہ گمراہ ہو گئے ہیں فَاِنَّمَا اَضِلُّ عَلٰی نَفْسِیْ تو بے شک میں اپنے نفس پر گمراہی ڈال رہا ہوں یعنی میری گمراہی کا وبال میرے نفس پر ہے اس لیے وبال کا اصل سبب گمراہی ہے اس لیے کہ ذاتی طور پر وبال کا جب بھی نفسِ امارہ بنتا ہے اسی لیے اس کے مقابلہ میں فرمایا وَاِنِ اهْتَدَیْتُ اور اگر میں سیدھے راہ کی طرف ہدایت پاؤں فَبِمَا یُوْحِیْٓ پس اس سبب سے کہ وحی کی جاتی ہے اِلَیَّ رَبِّیْ میری طرف میرے رب سے، حکمت و بیان سے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق و ہدایت کی وجہ سے ہدایت نصیب ہوتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ ضلالت کا منشا خود اپنا نفس ہے جو نفس کو اس کی طبیعت کی طرف سپرد کیا جائے تو اس سے صرف ضلالت و گمراہی حاصل ہوتی ہے اور ہدایت بھی اللہ تعالیٰ کے عطیات سے ہے اور نفس کو اللہ تعالیٰ کے عطیات سے کوئی عطیہ نصیب نہیں ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ووجدک ضالا فہدیٰ۔

تفسیر عالمانہ اِنَّهٗ بے شک اللہ تعالیٰ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ ○ سمیع اور قریب ہے۔ یعنی ہدایت یافتہ اور گمراہ کی ہر بات کو جانتا ہے اور ان کے اعمال کی بھی اسے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

خبر ہے چاہے وہ کتنا ہی اپنے افعال و اقوال کو چھپائیں ۔

ف : بعض مشائخ نے فرمایا کہ وہ ہر بولنے والے کی بات کو جانتا ہے اور وہ ہر شے کے قریب ہے اگرچہ وہ بظاہر کتنا ہی بعید ہو ۔

دوست نزدیک تر از من بمن است
وین عجب تر کہ من از وے دورم
چہ کنم با کہ توان گفت کہ او
در کنار من و من مہجورم

ترجمہ : دوست میرے نزدیک اور میرے ساتھ ہے لیکن تعجب یہ ہے کہ میں اس سے دور ہوں ۔ کیا کروں ، کسے کہوں کہ وہ میری بغلوں میں ہے لیکن جُدائی کا شکار ہوں ۔

ف : بعض مشائخ نے فرمایا کہ سمیع وہ ہے جسے اپنی صفت سمع سے ہر شے منکشف ہو ، وہ ہر مسموع کے کلام وغیرہ سے ادراک کرتا ہے ۔

وظیفہ اسم سمیع اجابت دُعا کے لیے تیر بہدف ہے جو اسے خمیس کے دن پانچسو مرتبہ پڑھ کر دُعا مانگے اس کی دُعا قبول ہوگی ۔ اور بندے کا اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کا یہ معنیٰ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے نیک گمان رکھے ۔ چنانچہ حدیث قدسی میں ہے :

انا عند ظن عبدی بی ۔

(میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہوں)

ف : بعض مشائخ نے فرمایا کہ قریب بایں معنیٰ ہے کہ علی العموم اپنے ظہور سے ہر ایک کے قریب ہے اگرچہ اسے کوئی نہ دیکھے بخلاف اہل خصوص کہ ان کے لیے درمیانی حجابات دور کر کے دیکھنا ضروری ہے ۔ حجابات سے مراد اس کا اپنا نفس ہے ۔

حضرت جنید قدس سرہٗ سے سوال ہُوا کہ قریب کا کیا معنیٰ ہے ؟ آپ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ اجتماع کے اعتبار سے قریب ہے اور باعتبار افتراق کے بعید ہے اور قرب حیاءً لاتا ہے ۔ اسی لیے بعض بزرگوں نے فرمایا : شعر

نعرہ کمتر زن کہ نزدیکست یار
(آہستہ بول کہ یار نزدیک ہے)

اس میں اہل مشاہدہ کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہر وقت ادب کو ملحوظ رکھتے ہیں اور وہ اتنی گفتگو کرتے ہیں جیسے ایک قریب دوسرے قریب کے ساتھ بولتا ہے ، اور اہل حجاب کو ادب کہاں ! وہ اگر اللہ تعالیٰ کو قریب سمجھتے ہیں تو اپنے حال کے مطابق انہیں مشاہدہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کہاں، ان دونوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ کسی کے گمراہ کرنے سے کوئی گمراہ نہیں ہوتا اس لیے کہ ضلال بھی اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے اور وہ اسے اس وقت پیدا کرتا ہے جب بندہ ہدایت سے اعراض کرتا ہے اسے یوں سمجھیے کہ جیسے کسی کے کافر بنانے سے کوئی کافر نہیں ہوتا اس لیے کہ کفر بھی منجانب اللہ ہے اور وہ بھی ایمان سے اعراض سے پیدا ہوتا ہے۔ نیز اس میں لاتزر وازرۃ وزر اخریٰ کی طرف اشارہ ہے۔ جب بکری کو ذبح کیا جاتا ہے تو اسے اس کے پاؤں سے لٹکایا جاتا ہے۔ اسی طرح ہر ایک کو اپنے اعمال کی جزاء و سزا ملتی ہے کسی کو دوسرے کے عمل سے جزا و سزا نہ ملے گی۔ نہ کسی کو دوسرے کے عمل سے فائدہ ہوگا نہ کسی کی بد عمل سے ضرر ؎

ہر کہ او نیک می کند یابد
نیک و بد ہر چہ می کند یابد

(ترجمہ: جو کوئی نیکی کرتا ہے یا برائی، اس کی جزا و سزا پائے گا)

حکایت

جب نابغہ مسلمان ہوا تو اس سے کہا گیا کہ اصبوت۔ یعنی کیا تو حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو مان گیا ہے۔ اس نے کہا مجھ پر تین آیات غالب آگئی ہیں میں نے ارادہ کیا کہ میں ان کے قافیہ پر تین اشعار کہوں۔ جب میں نے یہی آیت سنی تو مجھے اس کے مقابلہ کی سکت نہ رہی۔ اس سے میرا یقین محکم ہو گیا کہ یہ بشر کا کلام نہیں اور وہ آیات یہ ہیں:

قل ان ربی یقذف بالحق علام الغیوب۔

اور انہ سمیع قریب۔

تفسیر عالمانہ

وَلَوْ تَرٰی یہ خطاب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے یا ہر اس شخص کو جو اس خطاب کا اہل ہے یا وہ اس خطاب کو سمجھتا ہے اِذْ فَزِعُوْا اگر تم دیکھو جب کافروں کو گھبراہٹ ہو یا جب مرتے وقت ڈریں گے یا قبر سے اٹھتے ہی یا بدر کے دن۔ اور لَوْ کا جواب محذوف ہے لرأیت امرا ھائلا تو اسے بہت بڑا ہولناک پاؤ گے۔ مضارع کے بجائے ماضی اس لیے لایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تحقق وقوع ماضی و مستقبل برابر ہے۔

کعبہ کو ڈھانے والے دھنس جائیں گے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اسی ہزار سفیانی اور اس کی قوم آخری زمانہ میں کعبہ کو ڈھانے کے لیے نکلیں گے۔ جب بیداء کے مقام پر پہنچیں گے تو وہیں دھنس جائیں گے ان میں سے صرف وہ لوگ بچیں گے جو اس واقعہ کی دوسروں کو خبر دیں گے۔

ف: بیداء وہ صاف چٹیل میدان ہے جو حرمین کے درمیان واقع ہے کما فی القاموس۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ف : بچنے والے جنتی ہوں گے اسی لیے انہیں یقینی طور پر کہا جائے گا اذ فزعوا الخ
ف : کاشفی نے لکھا کہ اس تمام لشکر سے صرف دو شخص نجات پائیں گے ایک مکہ میں جاکر خبر دے گا
دوسرا جہنی ہوگا جس کا چہرہ گُدی کی طرف پھر جائے گا ۔ اسی حالت میں قوم سفیانی کو خبر دے گا۔
فَلَا فَوْتَ الفوت شے کا انسان سے ایسا بعید ہو جانا کہ اس کا ادراک مشکل ہو جائے ۔
یعنی قیامت میں وہ عذاب الٰہی سے نہیں بچ سکیں گے اور نہ ہی اسے بھاگنے سے نجات ملے گی
اور نہ ہی ان کے لیے کوئی جائے پناہ ہوگی بلکہ جدھر جائیں گے وہیں انھیں گرفت ہوگی وَاُخِذُوْا
مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ۝ اور وہ قریب کی جگہ سے پکڑے جائیں گے یعنی زمین کے اوپر سے نیچے
کی طرف یا جہاں رہتے ہوں گے وہاں سے جہنم کی طرف یا بدر کے جنگل سے قلیب کی طرف یعنی وہ
گڑھا جو پتھروں اینٹوں کی تکمیل سے پہلے ویران پڑا ہوتا ہے یا اس سے وہ گڑھا مراد ہے جو عاد قدیم
کے نشانات سے باقی پڑا تھا یا ان کا اپنے پاؤں کے نیچے دھنسنا مراد ہے یا اس سے مراد یہ ہے
کہ جہاں بھی ہوں اللہ تعالیٰ کے قریب ہیں اس کا عطف فزعوا پر ہے وَقَالُوْٓا اور عذاب کو
دیکھ کر کہیں گے اٰمَنَّا بِهٖ ہم محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے یہ ضمیر قبل از ذکر نہیں
اس لیے کہ آپ کا ذکر گرامی ما بصاحبکم من جنة میں ہوا ہے وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ واؤ کے
ساتھ بمعنے سہل تناول (آسانی سے لینا) النوش سے ہے ۔ تناوش و تناول کا ایک ہی معنی ہے
بمعنے جہاں تک ہاتھ پھیلا کر شے کو لیا جانا ممکن ہو ۔ اس کے لینے کے لیے کہتے ہیں تناول و تناوش
یا ہمزہ کے ساتھ ہے تو وہ ہمزہ بھی واؤ سے مبدل ہوگا کیونکہ جب واؤ پر ضمہ ہو تو اسے ہمزہ کے ساتھ
تبدیل کرنا جائز ہے ۔ مثلاً اقتت وقتت میں اور ادؤر ادور میں یا یہ النأش سے ہے بمعنے
المطلب کما فی المفردات ۔ اب معنی یہ ہوا کہ اب انہیں ایمان کہاں سے بآسانی حاصل ہوگا مِنْ
مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ۝ دور کے مکان سے ، اس لیے کہ ایمان دنیا میں قبول کرنا ضروری تھا اس لیے
کہ دار التکلیف وہی تھا ، اب وہ ان سے دور ہوگیا اس لیے کہ اب وہ اس سے کوچ کر کے آخرت
میں آگئے ہیں ۔ یہ مثال اس سے دی گئی ہے کہ مرنے کے بعد اگرچہ اپنے ایمان میں خلوص ظاہر
کریں گے تب بھی بے سود ، اس لیے کہ اب ایمان ان سے کوسوں دور ہوگیا جیسے انسان میلوں
کوسوں دور چلا جائے اور پھر وہاں سے ہاتھ پھیلا کر کسی کو اٹھانا چاہے تو وہ شے اسے نہیں مل سکے گی
ایسے ہی اس کا حال ہے جو دار دنیا میں ایمان سے محروم رہا تو اسے مرنے کے بعد دولت ایمان
نصیب نہ ہوگی وَقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ حالانکہ اس سے قبل وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے
ساتھ کفر کر چکے تھے یا یہ ضمیر اس عذاب شدید کی طرف لوٹتی ہے جس سے انھیں حضور علیہ
السلام نے ڈرایا مِنْ قَبْلُ اس سے قبل دنیا میں جو ان کے لیے دار تکلیف تھا ۔ اب اس کے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ہو دروازے بند ہو گئے اگرچہ توبہ اور اظہارِ ندامت کر رہے ہیں لیکن چونکہ ان کے اسباب منقطع ہو چکے ہیں اسی لیے انھیں اب خسران وندامت اور عذاب اور درد کے سوا اور کوئی شے نصیب نہ ہوگی ؎

فخل سبیل العین بعدک للبکا
فلیس لایام الصفاء رجوع

ترجمہ: اب آنکھوں کو رونے کے لیے چھوڑ دے اس لیے کہ اب ان ایام صفا کا دور چلا گیا۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

چو بر روئے زمین باشی توانائی غنیمت دان
کہ دوران ناتوانیہا بسی زیر زمین دارد

ترجمہ: جب دنیا میں بسر کرو تو فرصت کو غنیمت جانو کہ دورِ زمانہ نے بہت بڑے طاقتوروں کو زیرِ زمین کر دیا۔

یعنی جب انسان مر کر زیرِ زمین ہو جاتا ہے تو کچھ نہیں کر سکتا ایسے ہی جب زمین کے اوپر زندہ ہو کر کچھ نہ کر سکا۔

وَيَقْذِفُونَ بِالْغَيْبِ بار تعبیر کی ہے یعنی ظن کاذب کے مطابق باتیں بناتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کی شان کے لائق نہیں مثلاً طعن وتشنیع کرتے ہیں یا عذاب کے بارے میں غلط باتیں بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پہلے تو ہوا نہیں اگر ہوگا تو ہمیں نہیں ہوگا۔ چنانچہ کہتے تھے:

وما کنا بمعذبین۔

مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ۝ مکان بعید سے، یعنی وہ باتیں حضور علیہ السلام کی شان کے لائق نہیں بلکہ کوسوں دور ہیں مثلاً شعر، سحر، کہانت اور کذب۔ یہ مثال اس شخص کی سی ہے جو کسی شے کو ایسا دور پھینکے کہ اس کے گرنے کی جگہ کو خود بھی نہ دیکھ سکے اور پھر یہ سمجھے کہ وہ اسی جگہ پر پہنچ گیا ہوگا۔ اس کا عطف وقد کفروا پر ہے۔ اس میں حال کے معنی کی وجہ سے عبارت قالوا پر وجہ تمثیل ظاہر ہے کہ جس طرح دور کی جگہ پر تیر پھینکنے والے کو تیر پھینکنے سے کوئی فائدہ نہیں ایسے ہی مرنے کے بعد اظہار ایمان پر کافروں کو کوئی فائدہ نہیں وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ اور حائل ہو جائے گی اور ان کافروں کے درمیان مخالفت کھڑی ہو جائے گی وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ اس کے درمیان جو وہ چاہیں گے یعنی ایمان اور نجات از نار کے درمیان۔ کما

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ جیسا کہ امم ماضیہ کے کفار کے ساتھ کیا گیا۔ اِنَّهُمْ كَانُوْا بے شک تھے وہ دنیا میں فِيْ شَكٍّ شک میں، اس میں کہ جو ان پر ایمان و یقین واجب تھا جیسے توحید اور مرنے کے بعد قبر سے اٹھنا اور تکرر بار بار کے اصرار پر نزول عذاب مُّرِيْبٍ ○ شک میں ڈالنے والا یعنی تہمت میں ڈالنے اور دل کو مضطرب کرنے اور شور و شر میں ڈالنے والا۔

ف: مفسرین نے فرمایا کہ مریب اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کو شک میں ڈالے۔ یا اس شخص کے لیے بولتے ہیں جب کوئی کسی کو شک میں ڈالے یا اس شخص کے لیے بولتے ہیں جو شکی ہو جائے پہلا معنی اشخاص و اعیان کے لیے استعمال ہوتا ہے دوسرا غیر اعیان میں۔ یہاں دوسرا معنی ہے کہ صاحب شک نے انہیں شک میں ڈالا۔ یہ اسناد مجازی ہے جیسے شعر شاعر۔ اس لیے کہ صاحب شعر کی طرف اسناد کی بجائے شاعریت کو شعر کی طرف کیا جانا مجاز ہے اور اس سے مبالغہ مطلوب ہوتا ہے یعنی دنیا میں جب کافروں کا کام شک ہی شک تھا تو پھر آخرت میں انہیں یقین کیا فائدہ دے گا۔ اس لیے کہ دنیا جو دار تکلیف تھی سے نکل کر دار آخرت میں چلے گئے وہاں عذاب کو دیکھ کر اظہار ایمان کریں گے تو انہیں وہ اظہار ایمان کوئی فائدہ نہ دے گا اگرچہ وہ اس وقت یقین سے کہیں گے۔

ف: آیت میں کفر و رجم بالغیب اور شک کی مذمت کی گئی ہے۔

سبق: کسی کو لائق نہیں کہ وہ احکام الٰہیہ میں سے کسی حکم کا انکار یا اس میں شک کرے جبکہ اسے دلیل سے معلوم ہو یا مشاہدہ کر لے۔

شیخ اکبر قدس سرہٗ کی تقریر

الفتوحات المکیہ میں ہے کہ کوئی بیگانہ مرد اگر کسی بیگانہ عورت کو دیکھ رہا ہو تو اس سے فوراً بدگمانی نہ کرنی چاہیے۔ اس لیے ممکن ہے کہ وہ اس سے نکاح کرنا چاہتا ہو وہ دیکھنے والا طبیب ڈاکٹر ہو تو ان دونوں کو بیگانی عورت کو دیکھنا جائز ہے۔ اگر کوئی بدگمانی کرے گا اور حقیقت حال اس کے برعکس ہو تو گناہ اس بدگمانی کرنے والے کو ہوگا۔ ایسی بدگمانی کرنے والے عموماً گنہگار مجرم ہوتے ہیں ورنہ دیندار تو ایسی بدگمانی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتے ہیں اس لیے کہ انہیں معلوم ہے کہ بہت سے گمان گناہ ہوتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم یہ جو بدگمانی کر رہے ہیں ممکن ہے یہ بھی انہی سے ہو تو پھر وہ ایسی گفتگو یا تصور کیوں کرے جس میں گناہ ہو۔

سبق: انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے نفس سے بدگمان رہے کیونکہ انسان جانتا ہے کہ نفس کی شرارت بہت بڑی اور گندی ہے اور انسان اپنے آپ کو خوب جانتا ہے کہ اس کے اندر کون سی خرابیاں ہیں لیکن اپنے اوپر بدگمان رہ کر نفس کو بچا لینا آج تک ہم نے سوائے مشائخ کرام اور اولیاء کرام کے اور کسی کو نہیں دیکھا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے توفیق کی درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہمیں نفس کی شرارتوں سے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سُوْرَةُ فَاطِرٍ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اٰيَاتُهَا ۴۵ رُكُوْعَاتُهَا ۵

سورہ فاطر مکیہ ہے اس میں اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا پینتالیس آیتیں اور پانچ رکوع ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ
سب خوبیاں اللہ کو جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا فرشتوں کو رسول کرنے والا جن کے دو دو

مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۭ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ①
تین تین چار چار پر ہیں بڑھاتا ہے آفرینش میں جو چاہے بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ
اللہ جو رحمت لوگوں کے لیے کھولے اس کا کوئی روکنے والا نہیں اور جو کچھ روک لے تو اس کی روک کے بعد اس کا کوئی

لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ② يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۭ
چھوڑنے والا نہیں اور وہی عزت و حکمت والا ہے اے لوگو اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو

هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ڮ
کیا اللہ کے سوا اور بھی کوئی خالق ہے کہ آسمان اور زمین سے تمہیں روزی دے اس کے سوا کوئی معبود

فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ③ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ۭ وَاِلَى
نہیں تو تم کہاں اوندھے جاتے ہو اور اگر یہ تمہیں جھٹلائیں تو بیشک تم سے پہلے کتنے ہی رسول جھٹلائے گئے اور سب کام

اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ④ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ
اللہ ہی کی طرف پھرتے ہیں اے لوگو بے شک اللہ کا وعدہ سچ ہے تو ہرگز تمہیں دھوکا نہ دے دنیا کی

الدُّنْيَا ۪ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ⑤ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۭ
زندگی اور ہرگز تمہیں اللہ کے حکم پر فریب نہ دے وہ بڑا فریبی بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے تو تم بھی اسے دشمن سمجھو وہ تو اپنے

اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ⑥ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ
گروہ کو اسی لیے بلاتا ہے کہ دوزخیوں میں ہوں کافروں کے لیے سخت

عَذَابٌ شَدِيْدٌ ڛ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑦
عذاب ہے اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے ان کے لیے بخشش اور بڑا ثواب ہے

تفسیر عالمانہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سورۃ الملائکہ[1] مکیہ ہے اور اس کی پینتالیس آیات ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ جمیع محامد اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں۔ اس کے

---

[1] ہمارے ہاں اس کا [illegible] سورۃ الفاطر [illegible]

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سوا کی طرف متجاوز نہیں۔ آیت میں اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف خود فرمائی ہے لیکن اس سے بندگانِ خدا کو تعلیم ہے کہ اس کی تعریف کس طرح کریں۔

ف: تعریف نعمت اور محنت سے متعلق ہوتی ہے کیونکہ ہر محنت پر عطیات ایزدی نصیب ہوتے ہیں مثلاً چھینک ایک نعمت ہے اس لیے کہ یہ مسام یعنی جسم کے سوراخوں کے کھلنے اور دماغ سے ابخرہ محتبسہ کے اندفاع کا سبب ہے جہاں تذکر و تفکر کی قوت ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ سر کا بحران ہے جیسے مریض کے بدن کا بحران پسینہ ہے۔ اسی لیے شارع نے چھینک کے وقت حمد کا حکم فرمایا ہے۔

دردِ سر اور داڑھ کے درد کا علاج حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو چھینک والے سے پہلے ہی الحمد للہ علیٰ کل حال کہہ دے وہ دردِ سر اور داڑھ کے درد سے محفوظ رہے گا۔

اور محنت کی مثال انگڑائی ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

جذام کا علاج من عطس او تجشا فقال الحمد للہ علیٰ کل حال دفع اللہ بها عنہ سبعین داء اھونها الجذام۔

(جو چھینک یا ڈکار کے وقت کہتا ہے الحمد للہ علیٰ کل حال تو اللہ تعالیٰ اس سے ستر بیماریاں دور کرے گا، ان میں سے ایک جذام ہے)

ص ٨٦٨ سے آگے

بچائے۔ (آمین ثم آمین) ؎

ہمیشہ در صدد عیب جوئی خویشیم
نبودہ ایم پے عیب دیگراں ہرگز

ترجمہ: ہم ہمیشہ اپنی عیب جوئی میں لگے رہے اسی لیے ہمیں دوسروں کے عیب کا علم نہ ہو سکا۔

وہی صالح اعمال اور اچھے اخلاق کی توفیق بخشنے والا ہے۔

(صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے لکھا کہ) سورۃ سبا کی تفسیر سے منگل کی شام ۲۵ ربیع الاول ۱۱۱۹ھ کو فراغت ہوئی۔

فقیر اویسی غفرلہٗ نے گیارہ بجے بروز جمعۃ المبارک ۱۱ جمادی الاُخریٰ ۱۳۹۰ھ میں اس کے ترجمے سے فراغت پائی۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک وصلی اللہ علیٰ حبیبہ الکریم الرؤف الرحیم سید المرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

التجشی بمعنے معدے کا سانس لینا یعنی ڈکارنا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ڈکار معدے کے طعام سے بھر جانے سے آتا ہے یہ دین کے مصائب میں سے ایک مصیبت ہے بالخصوص جب نماز میں آئے اور مصیبت کے وقت بھی حمد کی جاتی ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل کہ آپ ہر مصیبت کے وقت فرماتے، الحمد للہ علی کل حال۔

ربط: حمد کو پہلے نعمت ایجاد پر مرتب فرمایا اس لیے کہ اس سے پہلے کوئی شے نہیں جبکہ ہر کمال کی بنا اسی پر ہے اسی لیے فرمایا:

فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والے کے لیے یہ اضافہ محضہ ہے کیونکہ یہ فاعل بمعنے ماضی ہے اور اسم اللہ کی صفت ہے اور جس نے اسے صفت غیر محضہ بنایا ہے وہ کہتا ہے کہ بدل ہے اور اسمائے مشتقہ میں یہ قلیل ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ وہ اللہ آسمانوں و زمینوں کو ایسے طور پیدا فرمانے والا ہے کہ جس کی پہلے کوئی مثال نہیں۔

حل لغات: الفطر (بالفتح) بمعنے الشق (چیرنا) یا کسی شے کو طول میں چیرنا۔ جیسے امام راغب کا مذہب ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ عدم کو چیر کر ان کو نکالا۔ الفطر (بالکسر) بمعنے ترک الصوم۔

حکایت: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے فاطر السمٰوٰت کا مفہوم سمجھ نہیں آرہا تھا۔ دو اعرابی لڑتے جھگڑتے میرے پاس آئے۔ دونوں کا جھگڑا کنوئیں کے بارے میں تھا۔ ایک نے کہا:

فطرتھا (اسے میں نے ہی ابتداءً کھودا ہے)۔

تب میں سمجھا کہ فاطر کا مفہوم کیا ہے۔ المبرد نے کہا:

فاطر بمعنے خالق مبتدا۔

ارواح انسان ملائکہ سے پہلے: اس میں اشارہ ہے کہ سب سے پہلے ارادۂ تخلیق کا تعلق سمٰوات ارواح و ارض مقدس سے ہے اور ملائکہ انسانی ارواح سے بعد پیدا ہوئے جیسا کہ آیت میں ان کا ذکر بعد کو ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اور ملائکہ کو رسل بنانے والا ہے۔ یہ اضافہ محضہ ہے اور اسم اللہ کی دوسری نعت ہے اور رُسُلًا، جاعل کا مفعول ہے اور وہ بمعنے ماضی ہے اگرچہ بصریوں کے نزدیک بلا تعریف (الف و لام) عمل نہیں کرتا لیکن چونکہ مضاف ہے اسی لیے معرف باللام کے مشابہ ہو کر عمل کر رہا ہے۔ الجاعل بمعنے المصیر ہے اور الملٰئکۃ سے جبریل و اسرافیل و میکائیل و عزرائیل اور حفظہ وغیرہم علیہم السلام مراد ہیں۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattori

خصوصیتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بعض کے نزدیک اسرافیل علیہ السلام صرف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے زمین پر آئے اور آپ کو آنے والے تمام حالات تا قیامت سنا کر آسمان پر واپس آ گئے [1] انسان العیون میں ہے کہ نبوت (کے اظہار) سے پہلے چھ ماہ حضور علیہ السلام ان کی آواز سنا کرتے تھے لیکن ان کو دیکھا نہیں تھا۔ تو قبل از نبوت چھ ماہ کا نزول بھی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے مخصوص ہے۔

رُسُل کی تحقیق رُسُل، رسول کی جمع ہے بمعنی المرسل (بالفتح)۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ ملائکہ کو پیغمبر بنا کر بھیجنے والا ہے کہ وہ انبیاء اور اولیاء (علیٰ نبینا و علیہم السلام) کے درمیان وسائط ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کا پیغام بذریعہ وحی و الہام اور رؤیا صالحہ پہنچاتے ہیں۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ القاء دو قسم ہے،

۱۔ صحیح

۲۔ فاسد

صحیح اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتا ہے جو علوم و معارف پر مشتمل ہوتا ہے یا ملکی ہوتا ہے۔ اس کی علامت طاعت اور ہر نیک کی طرف رجوع ہے اسے الہام سے تعبیر کرتے ہیں۔

فاسد نفسانی ہوتا ہے یعنی جس میں حظِ نفسانی ہو اسے ہاجس کہا جاتا ہے یا وہ شیطانی ہوتا ہے وہ انسان کو معصیت پر ابھارتا ہے اسے وساوس کہتے ہیں۔

اُولِیْ اَجْنِحَۃٍ یہ رُسُلًا کی صفت ہے اور اولو بمعنے اصحاب۔ ذُو کی جمع ہے، جیسے اولاد، ذا کی۔ حالتِ جر و نصب میں واؤ لکھنے میں باقی رکھی جاتی ہے تاکہ الیٰ کے ساتھ ملتبس نہ ہو اور بحالتِ رفع واؤ کا لکھنا حالتِ جر و نصب محمول کرنے پر۔ الاجنحۃ، جناح کی جمع ہے، بمعنے پر و بال۔ **مَثْنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ** یہ اجنحۃ کی صفتیں اور محلاً مجرور ہیں۔ ان کا معنیٰ ہے دو دو تین تین چار چار۔ یعنی وہ ملائکہ دو دو تین تین چار چار پروں والے ہیں ان کے ذریعے وہ زمین و آسمان پر آتے جاتے ہیں۔ پروں کی وجہ سے انہیں تیز رفتاری حاصل ہے۔ آسمان و زمین کے

---

[1] اسے ہم علم غیب کلی سے تعبیر کرتے ہیں اور اسرافیل علیہ السلام کا سنانا اس پر دال نہیں کہ آپ کو اس سے قبل علم نہ تھا بلکہ سنانا محض اسرافیل علیہ السلام کی اپنی سعادت پر مبنی تھا جیسے ہم کسی بزرگ کے سامنے کچھ باتیں سنانے بیٹھ جاتے ہیں اگرچہ انہیں ان کا علم ہوتا ہے لیکن ہمارا سنانا اپنی باریابی کے لیے ہوتا ہے اور ایسی [illegible]

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے ایسے ہی ہر آسمان کے درمیان کی مسافت پانچسو سال ہے بعض اوقات اس ساری مسافت کو آنِ واحد میں طے کر لیتے ہیں۔

پروں کی تعداد اور ان کی حکمتیں

پروں کی تعداد میں بعض ملائکہ کو دوسروں پر فضیلت اور کمال استعدادیت پر دلالت کرتی ہے۔ اب آیت کا مطلب یہ ہے کہ کسی فرشتے کے دو اور کسی کے تین اور کسی کے چار پر ہیں۔ کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ ان کے دو پر اڑنے کے لیے ہیں اور تین تین چار چار پر محض آرائش وزیبائش کے طور ہیں۔ مروی ہے کہ ملائکہ کی ایک قسم ہے جن کے چھ پر ہیں دو سے جسم کو ڈھانپتے ہیں دو سے اڑتے ہیں دو سے اللہ تعالیٰ سے حیا کرکے اپنے چہروں کو چھپاتے ہیں لیکن بعض بزرگوں کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان تمام پروں سے اڑتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل بڑا کے لیے بندوں کو خبر دے کر اس میں غور و فکر کی دعوت دی اسی لیے ملائکہ کے حالات بعض حضرات (جیسے انبیاءؑ اور بعض اولیاء) آسمان و زمین میں آنکھوں سے معاینہ فرماتے ہیں بعض کو کسی خبر یا نقل سے علم حاصل ہوتا ہے لیکن ان کے جاننے کیلیے عقل کو کوئی دخل نہیں۔ بہرحال ملائکہ کی صورتوں اور پروں کی کیفیت عقل سے معلوم نہیں ہو سکتی کہ عقلی طور کہا جاسکے کہ وہ کس طرح اڑتے ہیں، تین پروں سے یا چار سے۔ بس اس سے یہ عقیدہ مضبوط کرنا ہے کہ اللہ بہت بڑی قدرتوں اور حکمتوں والا ہے۔

جبریل علیہ السلام کا قدوقامت

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج جبریل علیہ السلام کو دیکھا کہ ان کے چھ سو پر ہیں، ان میں دو ایسے ہیں جو مشرق و مغرب تک پھیلے ہوئے ہیں۔

اس حدیث کے علاوہ دیگر روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ چار سے زاید پر والے بھی فرشتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے چار تک بیان کرکے زاید کی نفی نہیں فرمائی۔

ف: شبلی نے فرمایا، ملائکہ میں پروں سے ان کی صفتِ ملکیہ اور قوتِ روحانیہ مراد ہے اس سے پرندوں والے پر مراد نہیں اور یہ اس کے منافی نہیں کہ وہ مشرق و مغرب کو بھر دیتے ہیں (انسان العیون)

مصنف روح البیان کا فیصلہ

فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ ظاہر سے عدول اچھا نہیں جبکہ حقیقی معنی پر محمول کرنے میں تنگی بھی نہیں اور روایات میں ملائکہ کے پر و بال کی تصریح موجود ہے کہ ان کے پر پرندوں جیسے ہیں وہ اس لیے تاکہ مخلوقات اور ملائکہ کی صورتوں میں فرق رہے اگرچہ وہ روحانی مخلوق ہے لیکن اجسام لطیفہ تو رکھتے ہیں پھر ان کے لیے پروں کی جسمانیت (اگرچہ لطیف ہوں) سے کون سی شے مانع ہے جیسا کہ اجسام کے لیے جسمانی پر ثابت ہیں تو پھر یوں کہا جائے کہ ارواح نورانی روحانی پر ہیں جیسے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے لیے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattori

ثابت ہیں۔

خلاصہ یہ کہ مناسب یہی ہے کہ کہا جائے کہ علویوں کا حال یہ ہے کہ ان کے پر ہوں جن سے اُڑیں اور سفلیوں کا حال یہ ہے کہ وہ زمین پر چلیں۔ زمین و آسمان کی مخلوق پر جس کی گہری نظر ہے وہ اسے خوب سمجھتا ہے۔ مثلاً براق اگرچہ خچر کی شکل میں تھا لیکن وہ چونکہ علوی تھا اس لیے اس کے پر تھے اور یہ بھی ہمارے خلاف نہیں کہ پروں میں قوت ملکیہ کی طرف اشارہ ہو۔

ملائکہ کی صورتیں کشف الاسرار میں ہے کہ ملائکہ کرام کی صورتوں کے متعلق عجائب وغرائب وارد ہیں:

(۱) حاملانِ عرش کے سینگ ہیں اور ان کی صورتیں پہاڑی مینڈھوں جیسی ہیں۔

(۲) حدیث شریف میں ہے کہ آسمان کے بعض ملائکہ وہ ہیں جن کا آدھا حصہ برف سے آدھا آگ۔ ان کی تسبیح یہ ہے:

یا من یؤلف بین الثلج والنار الف بین قلوب المؤمنین۔

(اے ثلج اور آگ کے جمع کرنے والے اہلِ ایمان کے قلوب میں آپس کی الفت پیدا فرما)

اعجوبہ مچھر اللہ تعالیٰ نے زمین پر کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں فرمائی کہ جس کے پر بھی ہوں اور سینگ بھی، اس کی سونڈ بھی ہو اور پاؤں بھی سوائے مچھر کے، باوجودیکہ تمام مخلوق سے ضعیف ترین ہے (مومن فرشتے سے افضل ہے) باوجودیکہ فرشتے بارگاہِ حق کے قریب تر اور نورانی مخلوق ہیں اور مومن باوجودیکہ مٹی سے ہے لیکن فرشتوں سے افضل ہے۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

المومن اکرم علی اللہ من الملٰئکۃ عندہ۔

(وہ فرشتے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں مقرب ہیں ان سے مومن مکرم تر ہے)

ولی اللہ کی پرواز ملائکہ اگرچہ ایک لمحہ میں زمین سے آسمان تک پہنچ سکتے ہیں تو مومن کامل آنکھ جھپکنے سے پہلے آسمانوں سے اُوپر اڑ کر پہنچ جاتے ہیں اس لیے ان کے ہاں عقول سفلیہ اور الباب صافیہ لہ توجہات مسرعہ وجذبات معجلہ کے پر ہیں یہ جدوجہد میں لگے رہے اور سلوک طے کیے پھر انہیں سیر الی اللہ نصیب ہوئے پھر ایسی پرواز نصیب ہوئی جسے ملائکہ دیکھتے رہ گئے۔ حضور نبی پاک شہ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل۔ (روح البیان ج ۷، ص ۳۱۴)

(میرا اللہ کے ساتھ ایک ایسا وقت ہوتا ہے کہ نہ اس وقت کسی فرشتے کی گنجائش ہے نہ کسی نبی مرسل کی)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۱ بر بساط بوریا سیر دو عالم میکنیم
با وجود نے سواری برق جولانیم ما
۲ چوں باوج حق پریم عاجز شود از ما ملک
گرد باد لا مکانی طرفہ سیرانیم ما

ترجمہ: بوریا پر بیٹھ کر دو عالم کی سیر کرتا ہوں۔ سواری کے بغیر ہماری برق کی دوڑ ہوتی ہے۔ جب ہم حق کی طرف اڑتے ہیں تو ملائکہ ہماری پرواز سے عاجز ہوتے ہیں ہماری سیر لامکان پر ہوتی ہے۔

یَزِیۡدُ اللہ تعالیٰ بڑھاتا ہے۔ زاد لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ لغت میں ازداد نہیں آیا فِی الۡخَلۡقِ جس مخلوق کو وہ ملائکہ ہوں یا کوئی اور۔ الخلق میں لام جنس کی ہے بمعنے مخلوق۔ مَا یَشَآءُ جو چاہے جس قدر بڑھائے اپنی مشیت و حکمت پر بڑھاتا ہے کہ جسے کوئی بھی احاطہ نہیں کر سکتا اس لیے ملائکہ کے متعدد پروں یا اس طرح کی دوسری مخلوق میں دوسروں سے مختلف الحال ہونے میں شک کی گنجائش نہیں کیونکہ اس کی مشیت و مقتضائے حکمت یونہی تھا۔

ف: آیت میں صوری معنوی کی زیادتی کی طرف اشارہ ہے مثلاً حسن الصورۃ بالخصوص چہرے کا حسن بعض میں زیادہ ہوتا ہے بعض میں کم۔ اسی لیے کہا گیا ہے:

ما بعث اللہ نبیا الا حسن الشکل وکان نبینا علیہ السلام املح۔ (روح البیان ج ۷، ص ۳۱۴)

ہر نبی حسین شکل تھا سوائے ہمارے نبی کے کہ آپ ملیح تر تھے۔

یعنی ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم بہ نسبت یوسف علیہ السلام کے ملیح و شیریں تر تھے۔

نبی کا گستاخ واجب القتل

جو نبی علیہ السلام کے بارے میں یہ کہے کہ وہ سیاہ (کالے) تھے وہ واجب القتل ہے (ہدیۃ المہدیین)

مسئلہ: اگر اس کی مراد تقبیح و تحقیر نہ ہو بلکہ اس سے سانولی شکل یا عربی اسود مراد لے تو کوئی حرج نہیں جیسے حضور علیہ السلام نے عجم کو احمر اور عرب کو اسود کہا۔ کما قال علیہ السلام:

بعثت الی الاحمر والاسود۔

(میں عرب و عجم کی طرف مبعوث ہوا)

آں سیہ چردہ کہ شیرینی عالم با اوست

(ترجمہ: وہ سیاہ تل کہ رونق عالم اسی سے ہے)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

صوری حسن کی علامات

(۱) آنکھوں کی ملاحت
(۲) صورت کا معتدل ہونا
(۳) زبان کی نرمی و طلاقت
(۴) گرفت کی قوت
(۵) بالوں کا حُسن
(۶) اچھی آواز

چنانچہ ہمارے نبی علیہ السلام کے متعلق مشہور ہے کہ آپ پیاری آواز والے ہیں۔

حدیث شریف ۱ میں ہے :
للّٰہ اشد اذنا للرجل الحسن الصوت بالقرآن من صاحب قینۃ الی قینتہ ۔

(اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف مغنیہ کے مالک سے مغنیہ کی طرف کان لگانے والے سے زیادہ متوجہ ہوتا ہے جو قرآن مجید کو پیارے لہجے میں پڑھتا ہے)

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

حدیث شریف ۲ زینوا القرآن باصواتکم ۔

(اچھی آواز سے قرآن کی زینت کا اظہار کرو)

ورنہ قرآن مجید تو خود ہی مزیّن ہے اچھی آواز سے اس کے حسن کو ظاہر کرو ۔

مسئلہ : جب تک قرآن مجید کا معنیٰ تبدیل نہ ہو اسے اچھی آواز اور بہتر لہجہ میں پڑھنا جائز ہے۔

سے

۱ چنانکہ میرود از جائے دل بوقت سماع
ہم از سماع بمأوائے خود کند پرواز

۲ خدایرا حدیٔ عاشقانہ سرکن
کہ بے حدی نشود قطع راہ دور و دراز

ترجمہ : (۱) جیسا کہ بعض سنتے ہی دل پر اثر انداز ہو سنتے ہی اپنے ماؤی کی طرف پرواز کرے ۔
(۲) خدارا عاشقوں والا حُدی پڑھنا سیکھ کہ بے حُدی اتنا لمبا سفر طے کرنا مشکل ہے ۔

(۷) خوشنویسی (بھی حُسن ظاہری میں شامل ہے ۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حدیث شریف میں ہے : الخط الحسن یزید الحق وضحا۔

(اچھا خط حق کو اور واضح کرتا ہے)

وہو بالفتح الضوء والبیاض۔

حدیث شریف میں ہے : علیکم بحسن الخط فانہ من مفاتیح الرزق۔

(خط بہتر کرو کیونکہ یہ رزق کی چابی ہے)

فقیر (علامہ اسمٰعیل حقی نور اللہ مرقدہٗ) کہتا ہے کہ خوشخطی وہ ہنر ہے کہ ہر ملک اور ہر زمانہ میں مرغوب ہے بہترین خطاطی کمالاتِ بشریہ کا اعلیٰ کمال ہے لیکن یہ مقاصدِ بشریہ میں داخل نہیں۔ بعض مشایخ نے اپنی وجہ معاش اسی خوشنویسی کو بنایا اور وہ دردر کے بھکاری یا دوسروں کے دست نگر نہیں تھے۔ یہی اللہ کے احسانات سے ہے ؎

برو بحسن خطت دل فراخ کن یارا
ز تنگدستی مبر شکوہ اہل دنیا را

ترجمہ : اے دوست خطاطی سیکھ کر دل کو فراخ کر، لوگوں کے سامنے اپنی تنگدستی کا شکوہ نہ کر۔

دوسرا معنی حسن کمالِ عقل اور رائے صواب و جرأت قلبی و سماحت نفس وغیرہ۔

ف : حقائق سلمی میں ہے کہ تواضع بزرگوں کو، سخاوت اغنیاء کو، استغناء فقراء کو، صدق اہل ایمان کو اور شوق عشاق کو سجتا ہے۔

ف : امام قشیری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بلند ہمتی اسے نصیب ہوتی ہے جو اس کا طالب ہو علو ہمتی سے تعلق بالمولیٰ مراد ہے نہ کہ دنیا و عقبیٰ کا تعلق ؎

ہما سے چون تو عالی قدر حرص استخوان حیف است
دریغا سایۂ ہمت کہ بر نا اہل افگندی

ترجمہ : تو ہما ہے اور بلند قدر، تجھے ہڈیوں کی حرص نہیں سجتی۔ افسوس کہ تو نے اپنا سایہ کسی نا اہل پر ڈالا۔

ف : بعض نے کہا انسانی کمال، جمال و کمال اور سیہ روئی میں ہے لیکن فقیر (اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ) کہتا ہے یہ صحیح نہیں کیونکہ یہ مقام امتنان کے لائق نہیں جیسا کہ اہل اذعان سے مخفی نہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ بے شک اللہ تعالیٰ ہر ممکن شے پر قادر ہے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

یہ حکم مذکور کی بطور تحقیق تعلیل ہے اس لیے کہ جملہ ممکنات پر قدرت دلالت کرتی ہے کہ وہ شے کے زیادہ کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہے اور منجملہ اس کی قدرت کے شہوات اور غفلات سے نکال کر دائرۂ علم میں داخل کرنا بھی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو جو عاجز سمجھتا ہے وہ کافر ہے۔ دیکھیے حضرت ابراہیم بن ادہم پر پہلے لطف صوری فرمایا تو اسے سلطنت اور جاہ وحشم عطا فرما دیا پھر لطفِ معنوی سے نوازا تو تعلقاتِ دنیوی اور کدوراتِ نفسانی سے نکال کر واصل الیٰ عالم الاطلاق اور داخل درحرم وفاق بنا دیا۔

حکایت

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ بہت بڑے بادشاہ تھے اور مال و اسباب اور آل و اولاد کی کوئی کمی نہ تھی لیکن ایک دن شکار کے لیے گھر سے نکلے تو پہلے لومڑی اور پھر ہرن کے پیچھے گھوڑا دوڑایا۔ اسی دوران انہیں ہاتفِ غیبی نے آواز دی،، اے ابراہیم! کیا تم شکار کے لیے پیدا ہوئے ہو یا اس کا کوئی حکم ہے۔ پھر ان کی زین سے ہاتف بولا کہ اسی لیے پیدا ہوئے ہو یا اس کا تمہیں حکم خداوندی ہے؟ یہ سن کر گھوڑے سے اترے تو آپ کو اپنا چرواہا ملا اس سے اون کا جبہ لے کر پہن لیا اور گھوڑا مع سازوسامان اسے دے کر جنگل میں چلے گئے پھر دنیا نے دیکھا کہ کیا سے کیا ہو گئے!

حکایت شجاع کرمانی

شاہ ابوالفوارس شاہین بن شجاع کرمانی رضی اللہ عنہ ایک دن شکار کو نکلے۔ آپ کرمان کے بادشاہ تھے۔ شکار کی دھن میں چلتے چلتے ایک دور دراز جنگل میں تنہا پہنچے۔ آپ کو ایک نوجوان ملا جو درندے پر سوار تھا اور ان کا لاؤ لشکر بھی ان کے ارد گرد درندوں کا تھا۔ درندوں نے شاہ کرمان کو دیکھا، اس کی طرف دوڑے۔ نوجوان نے درندوں کو ڈانٹ کر بادشاہ کے قریب ہو کر علیک سلیک کے بعد کہا، شاہ جی! اتنی غفلت کیوں؟ تم دنیا میں اتنے غرق ہو گئے کہ خدا تعالیٰ بھی بھول گیا اور آخرت بھی یاد نہ رہی۔ لذتوں میں بیدار ہو کر مالک کی خدمت کو بھی بھول گئے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں شاہی اس لیے دی تاکہ اس سے جہاد میں چستی دکھاؤ اس کے ذریعہ تم شغل اخروی میں سبقت لے جاؤ۔ جوان نصیحت کر رہا تھا کہ اچانک ایک بڑھیا پانی کا گلاس لائی۔ گلاس نوجوان کو تھما دیا نوجوان نے تھوڑا سا پانی پی کر باقی بادشاہ کو دے دیا، بادشاہ نے پیا۔ فرماتے ہیں میں نے اس جیسا لذیذ اور ٹھنڈا پانی کبھی نہیں پیا تھا۔ بڑھیا تو پانی دے کر غائب ہو گئی اور نوجوان بدستور شاہ کرمان کی نصیحت میں لگا رہا اور فرمایا، دیکھیے شاہ جی! یہ دنیا اور اس کا تمام سرمایہ اللہ تعالیٰ کا ہے لیکن اس نے مجھے عطا فرما کر حکم فرمایا ہے جو چاہو جتنا خرچ کرو۔ اب جب مجھے کوئی ضرورت پڑتی ہے تو دنیا کو بلا کر اس سے اپنی ضرورت کی چیز لے لیتا ہوں۔ یہ بڑھیا دنیا ہی تو تھی کیا تمہیں معلوم نہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا کو

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حکم دے رکھا ہے کہ جو بندہ میری بندگی کرے تو اس کی خادمہ (لونڈی) بن جا اور جو تیری پرستش کرے تو اسے اپنا خادم (غلام) بنا لے۔ یہ سُن کر شاہِ کرمان تائب ہُوا۔ پھر جو مرتبہ انہیں ملا وہ دنیا جانتی ہے۔

ف: وہ دونوں بادشاہ تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی یاد سے گویا فرشتے بن گئے اور یہ آیت (یزید فی الخلق ما یشاء) ان کے حال پر صادق آتی ہے اللہ ہی توفیق بخشنے والا ہے۔

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ ما شرطیہ محلاً منصوب ہے اس کا عامل یفتح ہے فتح بمعنی بندش زائل کرنا اور عرف میں بمعنی ظفرمندی۔ چونکہ یہ ارسال و اطلاق کا سبب ہے۔ اسی لیے استعارۃً یہ ارسال کے معنیٰ میں ہے جیسا کہ لا مرسل لہ کا قرینہ بتاتا ہے کہ مرسل، فاتح کی بجائے استعمال ہوا ہے۔ تفسیر الارشاد میں ہے کہ ارسال کو فتح سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ وہ نفیس ترین اور عزیز ترین مال و منال سے ہے۔ اور رحمۃً کو نکرہ لانے میں اشارہ ہے کہ یہ خزانہ لٹانے کا ہے بلکہ ہے تمہاری سمجھ سے بالاتر۔ یعنی وہ جو بھی رحمت کے خزانے لٹائے وہ نعمت ہو یا صحت و عافیت، علم ہو یا حکمت وغیرہ۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر وہ جو اپنی بخشائش (جیسے نعمت و عافیت و صحت) بھیجتا ہے۔ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا مخلوق میں کوئی بھی طاقت نہیں رکھتا کہ اسے روک سکے کیونکہ اللہ دیتا ہے اسے کوئی شے روکنے والی نہیں۔

ف: بعض نے کہا کہ فتح دو قسم ہے:

(۱) فتح الٰہی یعنی علوم اور ان ہدایات تک پہنچنا جو ثواب و مقامات کا ذریعہ ہیں اسی کو فرمایا:

انا فتحنا لك فتحا مبينا۔

(بے شک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرمائی)

اور فرمایا:

فعسى الله ان يأتي بالفتح او امر من عنده۔

(تو قریب ہے اللہ فتح دے یا کوئی امر اسی کی طرف سے آئے)

(۲) فتح دنیوی یعنی لذات بدنیہ تک پہنچنا۔ اسی کو فرمایا:

ما يفتح الله للناس من رحمة الخ

(وہ جو اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے رحمت کھولے)

اور فرمایا:

لفتحنا عليهم بركات من السماء والارض۔

(ہم نے ان پر آسمان و زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیے)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

فَلَامُرْسِلَ لَهٗ موجودات میں سے کوئی بھی اس کے کھولنے کی طاقت نہیں رکھتا اور نہ ہی کوئی کسی کو دے سکتا ہے جس سے وہ روک دے اسے کوئی دینے والا نہیں۔

نکتہ: پہلے جملے میں ضمیر مؤنث اور ثانی میں مذکر اس لیے ہے کہ رحمۃ مؤنث ہے اسی لیے ضمیر مؤنث صحیح ہے لیکن دربارہ مذکر میں رحمۃ مرجع نہیں بلکہ مطلق علاوکا اشیاء، تو اس میں اشارہ ہے کہ اس کی رحمت اس کے غضب سے سابق ہے یعنی بحیثیت تعلق کے، ورنہ اس کی دونوں صفات باری تعالیٰ ہیں ان میں ذاتی طور ایک دوسری سے سبقت کا کوئی معنیٰ نہیں۔

مِنْۢ بَعْدِهٖ: یہاں مضاف محذوف ہے یعنی امساک ومنع، جیسے فمن یہدیہ من بعد اللہ میں بعد کے بعد ہدایت مضاف محذوف ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے بعد **وَهُوَ الْعَزِيْزُ** اور وہ ہر شے پر غالب ہے بجز ان کے فتح و امساک سے کوئی ایسا نہیں جو اس کے بالمقابل ہو کر فتح و امساک کرے **الْحَكِيْمُ** o صاحبِ حکمت ہے کہ جیسے اس کی حکمت و مصلحت کا تقاضا ہوتا ہے اسی طرح کرتا ہے۔

وظیفہ نبوی

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد پڑھتے:

لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شئ قدیر

اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منک الجد۔

(اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اسی کا ملک ہے اسی کے لیے حمد ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے اے اللہ! جسے تو دے اسے کوئی نہیں روک سکتا اور جس سے تو روکے اسے کوئی نہیں دے سکتا کوشش سے کوئی فائدہ نہیں تجھ سے ہی بزرگی ہے)

شرح الحدیث

الجد بالفتح بمعنے الحظ والاقبال (دنیا کا بخت و اقبال) یعنی جسے دنیوی بخت و اقبال حاصل ہو جائے اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا ہاں اسے فائدہ ہوگا تو طاعت اور عمل صالح سے۔

حدیث شریف

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ہاتھ اس امت کے لیے ہمیشہ کھلے رہیں گے یہاں تک کہ جب اچھے لوگ شریروں سے نرمی اور نیک لوگ فاجروں کی تعظیم و تکریم کرنے لگیں گے اور قراء علماء اپنے علم سے معصیت کے درپے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنا دستِ رحمت ان سے کھینچ لے گا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تفسیر صوفیانہ صاحب کشف الاسرار نے فرمایا کہ اہلِ فہم جانتے ہیں کہ یہ آیت اہلِ ایمان کی فتوح اور اہلِ عرفان کے متعلق ہے فتوح کہتے ہیں بلا طلب و بلا کسب شے کا حاصل ہونا۔ یہ دو قسم ہے ؛

(۱) مواہب صوریہ ، جیسے رزق بلا کسب ۔

(۲) مطالب معنویہ ، جیسے علم لدنی جو پڑھنے کے بغیر حاصل ہو۔

سہ

۱ دست لطفش منبع علم و حکم
بے قلم بر صفحۂ دل زد رقم

۲ علم اہلِ دل نہ از مکتب بود
بلکہ از تلقین خاص رب بود

ترجمہ : (۱) اس کا دستِ لطف علم و حکمتوں کا سرچشمہ ہے قلم کے بغیر دل کی تختی پر لکھ دیا۔

(۲) اہلِ دل کا علم مدرسہ کا محتاج نہیں بلکہ انہیں رب تعالیٰ کی خصوصی تلقین نصیب ہوتی ہے۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ اتنی جدوجہد کرے کہ اسے بغیر مشقت اور تکلیف کے رزق صوری و معنوی نصیب ہو۔

حکایت حضرت شیخ ابو یعقوب بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حرم شریف میں دس دن بھوکا رہا اور نڈھال ہوگیا۔ مجھے نفس نے وسوسہ میں ڈالا کہ کہیں باہر نکل جائیے ممکن ہے کھانے کو مل جائے۔ ایک وادی کی طرف نکلا تو مجھے گرا ہوا شلجم ملا میں نے اسے اٹھا لیا ، ایک شخص میرے قریب بیٹھ گیا اور بند تھیلا میرے آگے ڈال کر کہا یہ آپ کے لیے ہے۔ میں نے پوچھا ، میری تخصیص کیسی ؟ اس نے کہا کہ ہم سمندر میں دس دن سفر کرتے رہے ایک دن کشتی ڈوبنے لگی سب نے کہا کہ منت مانو ، تاکہ ہم ڈوبنے سے بچ جائیں۔ ہر ایک نے جیسے چاہا منت مانی ، میں نے منت مانی کہ حرم کے باہر جو شخص مجھے سب سے پہلے ملے گا میں اسے کچھ صدقہ کروں گا چونکہ سب سے پہلے مجھے آپ ہی ملے اس لیے یہ آپ کو دے رہا ہوں ، میں نے اُسے کھولا تو اس میں بہترین کیک ، بادام اور کباب تھے میں نے ان میں سے ایک ایک اٹھا کر باقی اسے دے دیا اور کہا ، بچوں کو کھلاؤ میری طرف سے ہدیہ ہے پھر میں نے دل میں کہا کہ اللہ اکبر میرا رزق مجھے دس روز سے تلاش کر رہا ہے اور میں وادیوں میں بھٹک رہا ہوں سہ

صائب قریب نعمت الوان نمی خوریم
روزیِ خود ز خوان کرم می خوریم ما

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ترجمہ: اے صاحب! ہم قسم وقسم نعمتوں سے دم کا نہیں کھاتے ہم تو روزی اس کے نعمت کے دسترخوان سے کھاتے ہیں۔

اور فرمایا: ؎

کشادِ عقدہ روزی بدستِ تقدیر است
مکن ز رزق شکایت ازین وآن زنہار

ترجمہ: روزی کی عقدہ کشائی تقدیر کے ہاتھ میں ہے روزی کی شکایت کسی سے نہ کر۔

دُعا: اے اللہ ہمارے لیے بہترین دروازہ کھول اور ہمیں وہاں سے روزی دے جو اپنے محبوبوں کو عطا فرماتا ہے تُو ہی تو رحمت کے دروازے کھولنے والا ہے۔

تفسیر عالمانہ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ عام ہے لام جنس کی ہے یا اس سے صرف اہلِ مکہ ہی مراد ہیں اس وقت لام عہدی ہے اُذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اپنے اوپر کے انعام کو یاد کرو۔

قاعدہ: قرآن مجید میں لفظ نعمت کا لفظ تا کے ساتھ آیا ہے اسے ابن کثیر، ابو عمرو، کسائی نے ہا (وقف) کے ساتھ پڑھا ہے یہاں پر نعمت بمعنی انعام ہے اگر مصدر کے معنیٰ میں ہو، ورنہ انعام کا اسم ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ نعمت کا حق جان کر اس کی حفاظت اور اس کا اعتراف کرو اور عبادت و اطاعت صرف اسی سے مخصوص کرو جس نے تمہیں نعمتوں سے نوازا ہے۔ نعمت عام ہے خارجیہ جیسے مال وجاہ۔ یا بدنیہ ہو جیسے صحت وطاقت یا نعمت نفسیہ جیسے عقل وفہم۔ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰهِ۔

ربط: چونکہ نعمت کا ذکر منعم کے ذکر کو مستلزم ہے اسی لیے استفہام انکاری سے یاد دلایا کہ کیا کوئی اللہ کے سوا خالق ہے یعنی خالق حقیقی کے علاوہ کوئی اور خالق موجود ہے یعنی اس کے سوا کوئی اور خالق نہیں۔ خالق مبتدا اور اس کی خبر محذوف ہے۔ من کا اضافہ محض تاکیداً ہے تاکہ عموم کے معنیٰ کی تاکید ہو۔ غیر اللّٰہ، خالق کی محلاً نعت ہے اور مجرور ہو تو بھی لفظاً نعت ہے۔

ردِ معتزلہ الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ اس میں معتزلہ کا رد ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ اپنے افعال کے ہم خود خالق ہیں۔ ان کی تردید آیت میں واضح ہے بلکہ اس میں تاکید کے لیے مِنْ کا اضافہ ہے تاکہ عقیدہ مستحکم ہو کہ صرف اور صرف وہی خالق ہے۔

یَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ وہی تمہیں آسمان و زمین سے روزی بخشتا ہے یعنی آسمان سے بارش اور زمین سے کھیتی کے ذریعے تمہیں رزق عطا ہوتا ہے۔ یہ جدید کلام ہے اس میں سابق کلام کے ساتھ اعراب کا کوئی تعلق نہیں اور نہ اسے خالق کی نعت بنایا جا سکتا ہے کیونکہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اس کا معنی یہ ہوگا کہ وہ ایسا خالق ہے کہ اس کا غیر نہیں اور رازق ہے لیکن اس سے غیر اللہ کی رزاقیت کی نفی نہ ہو سکے گی اور نہ ہی اسے مبتدا کی خبر بنایا جائے گا کیونکہ اس کا معنی یہ ہوگا کہ غیر اللہ ایسا خالق نہیں جو روزی دے۔ اس سے بھی غیر اللہ کے وجود کی نفی نہ ہوگی حالانکہ مقصود یہ ہے کہ اس کی ذات کے سوا کوئی نہیں جس کے یہ اوصاف ہوں۔

نکتہ ان اوصاف کو یہاں ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جب بندہ یقین کرے گا کہ اس کے سوا کوئی خالق ہے نہ رازق تو اس کے دل کا تعلق غیر اللہ سے نہ ہوگا بلکہ صرف ذات سے متعلق ہو کر صرف اسی کا طالب ہوگا اور نہ کسی سے رزق کی طلب کرے گا بلکہ وہ اپنے سے بھی بیزار ہو کر کلمات تدابیر اور حیلوں سے محفوظ ہو جائے گا اور نہ ہی اپنے جیسوں کے لیے وہم میں پھنسے گا اس طرح ایسی خرابیوں سے بچ کر تقدیر کے شہود میں مستغرق ہو جائے گا۔

ف: میرے پیر و مرشد اور شیخ محقق نے فرمایا کہ گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نفس کے گرفتار! تجھے یاد نہیں کہ تو کچھ نہیں تھا پھر تجھے وجود بخشا۔ اب اگر تو اپنے آپ کو میری درگاہ میں لے آئے اور تمام تدابیر کو ختم کر کے ہماری تدبیر پر اکتفا کرے اور اسی میں اپنی خیر تصور کرے تو پھر تمام پریشانیوں سے محفوظ ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل سے ایسے ہی بنا دے۔ (آمین)

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں **فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ** ۝ جب تمہیں یقین ہے کہ وہی الوہیت و خالقیت و رزاقیت کا مستحق ہے تو پھر کہاں بھٹکے پھر رہے ہو کہ توحید کا دامن چھوڑ کر شرک کے پھندے میں گرفتار ہو رہے ہیں اور اسی حقیقی مالک کی عبادت کو ترک کر کے بت پرستی میں مبتلا ہو رہے ہو **وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ** اگر کفار اس پر مُصر ہیں کہ وہ تمہاری تکذیب سے باز نہیں آتے تو اے محبوب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) غم نہ کھائیے بلکہ صبر کیجئے **فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ** کیونکہ تمہارے پہلے رسل کرام کی بھی تکذیب ہوئی حالانکہ وہ بھی بہت عزت والے اور کثیر التعداد تھے **مِّنْ قَبْلِكَ** تم سے پہلے تو انہوں نے صبر کیا تو کامیاب ہو گئے **وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ** اور صرف اللہ کی طرف جملہ امور لوٹائے جائیں گے۔ الرجع بمعنی الرد۔ بالآخر یہ تمام امور اسی کی طرف لوٹیں گے تو وہی سب کو جزا اور سزا دے گا یعنی صابر کو صبر کی اور تکذیب کرنے والے کو تکذیب کی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کے اولیاء کو تسلی کا سبق ہے اور تنبیہ ہے کہ صبر سے ایذاء کا دکھ درد ٹھنڈا پڑ جاتا ہے اور بتایا گیا ہے کہ جیسے تمہیں کفار دکھ پہنچا رہے ہیں ایسے ہی سابق انبیاء علیہم السلام کو بھی دکھ پہنچا انہوں نے صبر کیا تو اللہ نے ان کی مدد فرمائی اور تم بھی صبر کرو گے تو تمہیں بھی مدد ملے گی۔ اولیاء کو بھی ان کا طریقہ اپنانا چاہیے ایسے ہی ارباب سلوک کو سبق سیکھنا چاہیے کہ جب انبیاء

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

علیہم السلام کے ساتھ سفہاء غلط طریق سے پیش آئے اور ان کی اتباع صرف چند معمولی آدمیوں نے کی ایسے ہی تمہاری ارادت میں اگرچہ چند اور معمولی لوگ داخل ہوئے ہیں اور باقی ایذاء دیتے ہیں تو صبر کیجئے کیونکہ اہل حقائق کا ہمیشہ سے یہی طریق رہا ہے کہ وہ ایذاء برداشت کرتے آئے بلکہ وہ اسی کو راحت سمجھتے کہ وہ ایذا دینے والوں کا حال چھپاتے۔ عوام اس طریقے کو جلد قبول کرتے ہیں بخلاف قُرّا خود بینوں کے بلکہ علماء ظواہر تو اس کا کھلم کھلا انکار کر دیتے ہیں یہ انکار رد آزار عزیز و علیم کی طرف لوٹے گا وہی مبداء معاد کو جانتا اور صرف اپنے ارادے اور حکمت و مصلحت پر تدبیر کرتا ہے۔

سبق: دانا عشق و اقرار کو اختیار کرتا ہے اگرچہ اسے معلوم ہے کہ اس میں دکھ درد اور ملامت ہے اور نفی و انکار سے دور بھاگتا ہے اگرچہ اس میں راحت و سلامت ہے اسی لیے کہ عشق کا قطرہ عابدین کی کروڑوں عبادت سے بہتر ہے۔ حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے کہا: ؎

ہر چند غرق بحر گناہم ز صد جہت
گر آشنائے عشق شوم غرق رحمتم

ترجمہ: اگرچہ گناہوں کے دریا میں غرق ہوں۔ اگر عشق سے آشنائی نصیب ہوگئی تو رحمت میں غوطہ لگا رہا ہوں۔

ف: وظیفۂ عشق تفرید کے ساتھ توحید و اثبات ہویت ہے۔ چنانچہ فرمایا لا الٰہ الا ہو۔ اس میں اشارہ ہے کہ وہ غائب موجود ہے اگرچہ حواس سے غائب ہے وہ ازل سے موجود ہے وہی معبود ہے وہی ہر مبتدی و منتہی کا ذکر ہے مبتدی کے حق میں تو وہ غائب ہے کیونکہ وہ اہل حجاب سے ہے اور منتہی کے حق میں حاضر ہے کیونکہ وہ اہل کشف سے ہے اس لیے کہ وہ صرف مطلق ہویت کا مشاہدہ کرتا ہے بظاہر وہ دو حرفوں (ہ، و) سے مرکب ہے اور عقل میں بھی دو حرفوں (ا، ی) سے مرکب ہے۔ ان دونوں کو ملانے سے چار حرف بنتے ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ وہ احاطہ تربیعیہ سے محیط ہے یعنی احاطہ اول و آخر و ظاہر و باطن سے اولیت و آخریت عقلی اعتبار سے ہے اس پر الف و یاء دلالت کرتے ہیں اور ظاہریت و باطنیت حسی اعتبار سے ہیں اس پر ہاءٗ واؤ دلالت کرتے ہیں الف ہاءٗ میں پوشیدہ ہے اور یاءٗ واؤ میں۔

مسئلہ: ذکر جہاد سے افضل ہے کیونکہ جہاد و شہادت کا اجر بہشت ہے۔ ذاکر خدا تعالیٰ کا ہم نشین ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

انا جلیس من ذکرنی۔

(میں اس کا ہم نشین ہوں جو مجھے یاد کرتا ہے)

اور ظاہر ہے کہ شہود حق دخول جنت سے افضل ہے اسی لیے رویۃ باری تعالیٰ دخول جنت کے بعد نصیب

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ہوئی۔ لیکن ذکر میں قلب و روح و جمیع قویٰ کا حضور ضروری ہے۔

حضورِ قلب بباید کہ حق شود مشہود
وگرنہ ذکر مجرد نمی دہد یک سود

ترجمہ: حضورِ قلب ضروری ہے تاکہ حق مشہود ہو ورنہ خالی ذکر کوئی فائدہ نہ دے گا۔

تفسیر عالمانہ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ اے لوگو! بے شک اللہ کا وعدہ یعنی مرنے کے بعد بھی اٹھنا اور جزاء و سزا حق ہے یعنی ثابت ہے جس کا خلاف ہرگز نہ ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ثواب و عذاب اور جنت کے درجات اور دوزخ کے درکات اور ملیک مقتدر کے ہاں نشست در اعلیٰ علیین کے قربات اور اسفل السافلین کا بُعد حق ہے۔ جب کوئی یہ جانے گا تو نزولِ موت سے پہلے اس کی تیاری کرے گا، نہ اسے رزق کی فکر ہوگی نہ وہ اپنے پروردگار پر کفایت شغل کی تہمت لائے گا بلکہ طاعت کی کثرت سے خوش اور رزق مقسوم پر راضی ہوگا۔

تفسیر عالمانہ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا تمہیں حیاتِ دنیا دھوکا میں نہ ڈالے یعنی تمہیں دنیا کے اسباب کا خیال آخرت کے تصورات سے نہ ہٹا لے حالانکہ تمہیں آخرت کے لیے نیک اعمال کی کوشش کرنی چاہیے اور تمہیں دُنیوی زیب و زینت اور اس کے شہوات ریاضات و مجاہدات و ترکِ الاوطان طلبِ حق میں مفارقۃ الاخوان سے دُور نہ کرے۔

ف: اگرچہ بظاہر حیاتِ دنیا سے نہی ہے لیکن درحقیقت دنیا سے ہی دھوکا کھانے کی نہی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:
یا ابن آدم لا یغرنک طول المھلۃ فانما یعجل بالاخذ من یخاف الفوت۔
(اے ابن آدم! تمہیں لمبی مہلت (زندگی) دھوکا نہ دے جو فوت ہونے سے ڈرتا ہے اسے جلد ہی پکڑا جاتا ہے)

حکایت حضرت علاء بن زیاد فرماتے ہیں کہ میں نے دنیا کو خواب میں دیکھا تو وہ نہایت قبیح اور اندھی اور بوڑھی تھی لیکن دنیوی زیب و زینت سے بھرپور۔ میں نے کہا میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں بتا تو سہی تو ہے کون؟ اس نے کہا میں دنیا ہوں۔ اگر مجھ سے حقیقی پناہ مانگتا ہے تو درہم و دنانیر اپنے سے دُور کر اتنا اپنے پاس رہنے دے جتنا تجھے نان و نفقہ پر یا راہِ حق میں خرچ کرنا پڑے۔

حدیث شریف میں ہے:
الدنیا غنیمۃ الاکیاس وغفلۃ الجہال۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(دنیا سمجھدار کے لیے غنیمت اور جاہل کے لیے غفلت کا سبب ہے)

اس لیے کہ سمجھدار دنیا کو مختلف طاعات کے لیے خرچ کرتا ہے گویا وہ دنیا میں طاعات کا بیج بو رہا ہے تاکہ کل قیامت میں اس سے فصل کے ڈھیر اٹھائے۔ اسی لیے حدیث شریف میں فرمایا:

الدّنیا مزرعۃ الآخرۃ۔

(دنیا آخرت کی کھیتی ہے)

سہ

۱ نگہ دار فرصت کہ عالم دمیست
دمے پیش دانا بہ از عالمیست

۲ دل اندر دلارام دنیا مبند
کہ ننشست باکس کہ دل برنکند

ترجمہ: (۱) فرصت کو نگاہ میں رکھو اس لیے کہ دنیا ایک لمحہ ہے اسی لیے سمجھدار کے لیے ایک لمحہ تمام عالم دنیا سے بہتر ہے۔

(۲) دنیا بظاہر محبوب ہے اس میں دل نہ لگا یہ جس کے ساتھ بیٹھی ہے اس کا دل توڑا ہے۔

وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ اور اللہ کے کرم و عفو اور وسعت رحمت کر دھوکا نہ دے اَلْغَرُوْرُ دھوکا دینے والے ہے۔

حلِ لغات الغرور بروزن فعول شکور صبور کی طرح مبالغہ ہے یہ شیطان کا نام ہے اس لیے کہ وہ انتہائی دھوکا باز ہے اور غرور مصدر ہے بمعنے دھوکا دینا۔ المفردات میں ہے کہ ہر وہ شے جو انسان کو دھوکا دے جیسے جاہ و مال اور شہوت و شیطان وہ غرور ہے۔ اور شیطان کو بھی الغرور اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ تمام دھوکا بازوں کا سرغنہ ہے۔ اور دنیا کو بھی الغرور کہتے ہیں کہ وہ دھوکا اور نقصان دے کر ہاتھوں سے نکل جاتی ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ تمہیں سب سے بڑا دھوکا باز شیطان دھوکا نہ دے بایں طور کہ گناہوں پر اصرار اور دل میں مغفرت کی امید۔ مثلاً کہتا رہے کہ گناہ کیے جاؤ کیونکہ وہ غفور ہے وہ تمام گناہ بخش دے گا اور اسے تمہاری عبادت کی کیا ضرورت ہے اور تمہیں عذاب دے کر اسے کیا فائدہ ہوگا اگرچہ اس کی یہ باتیں اپنی جگہ صحیح ہیں لیکن گناہوں کو ہاتھ لگانا اور بخشش کی امید میں رہنا ایسے ہے جیسے زہر اس خیال پر کھا کہ تریاق مل جائے گا تو زہر اتار دے گا خدانخواستہ زہر پی لے لیکن تریاق نہ ملے تو پھر سوائے مرنے کے چارہ نہیں۔ ایسے ہی گناہ کرے اور بخشش نصیب نہ ہو تو تباہی و بربادی کے سوا چارہ نہ ہوگا۔ مانا کہ اللہ تعالیٰ اکرم الاکرمین ہے لیکن اہل کرم کے لیے۔ اور وہ شدید العقاب بھی ہے اہل عذاب کے لیے۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا کہ شیطان کے دھوکوں سے ایک تسویف در توبہ، وہ یہ کہ گناہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کرانے کے بعد یہ کہے کہ توبہ میں دیر کیجئے کیونکہ ابھی تو جوان ہے نقد عیش کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔

؎

امشب ہمہ شب یار و می و شاہد باش
چوں روز شود توبہ کن و زاہد باش

ترجمہ، آج رات تمام شب محبوب اور شراب میں بسر کیجئے صبح کو توبہ کر کے زاہد بن جانا۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ ایسے دھوکے سے راہِ حق سے نہ بھٹکے اور اس نکتہ الفرصت تمر السحاب (فرصت بادل کی طرح نکل جائے گی) سے غافل نہ ہو۔ ؏

عذر با فردا فگندی عمر فردا را کہ دید
(عذر کو کل تک چھوڑ رہا ہے بھلا کسے معلوم ہے کہ کل ہو گی یا نہ)[1]

اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تمہارے ساتھ تو اس کی پرانی دشمنی ہے تمہارے باپ آدم علیہ السلام کے ساتھ اس نے کیا کیا۔ ایسے ہی اب بھی تمہاری دشمنی میں کوئی کمی نہیں کرتا۔

ف: لکم کی تقدیم صرف اہمیت کے اظہار کے لیے ہے۔

فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا تم بھی اسے دشمن سمجھ کر اپنے عقائد و اعمال افعال اس کے خلاف رکھو اور ہر وقت اس سے پُرخطر رہو۔

نسخۂ روحانی کسی بزرگ سے سوال کیا گیا کہ شیطان سے کس طرح دشمنی کی جائے انہوں نے فرمایا کہ اس کی آرزو پوری نہ کرو اور اپنے نفس کی مخالفت کرو اور جو کچھ کرو وہ شرع شریف کے موافق اور طبع کے مخالف ہو۔ صرف زبان سے کہنا کہ ہم اس کے دشمن ہیں کسی کام کا نہیں۔ جب تک قلب و رُوح اور اعضاء سے اس کی مخالفت عملی طور پر نہ کرو۔

شیطان سے دُوری کا نسخہ ذکرِ الٰہی پر مداومت اور پروردگار سے استعانت سے شیطان قریب نہیں آتا کیونکہ جب کتے کے مالک کی مدد نہ ہو گی کتے پھاڑ کھائیں گے۔

اِنَّمَا یَدْعُوْا بے شک شیطان بلاتا ہے **حِزْبَهٗ** اپنے گروہ اور جماعت کو۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ شیطان کی جماعت سے ذکر سے روگردانی کرنے والے اور غیر اللہ سے

---

[1] اسی لیے بزرگ فرماتے ہیں کہ آج کا کام کل پر نہ چھوڑو۔ اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مشغول ہونے والے۔

لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝ تاکہ وہ شیطان کی پیروی و اتباع سے دائمی طور دوزخ میں رہیں۔

الارشاد میں ہے کہ اس سے شیطان کی عداوت اور اس سے دور رہنے کی تقریر مطلوب ہے اور تنبیہ ہے کہ شیطان کا مقصد اپنی جماعت کو بڑھانا ہے اور دنیوی مشاغل میں غرق ہونے والوں کو یقین ہونا چاہئے کہ جتنا اس میں انہماک اور سرگردانی کرو گے اتنا ہی اُخروی عذاب میں مبتلا ہو گے۔ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وہ جو کافر ہیں یعنی ایمان کے موجبات کے خلاف ہو کر اس پر اصرار کرتے ہیں لَهُمْ ان کے کفر اور دعوتِ شیطان کو قبول کرنے کی وجہ سے ان کے لیے عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۵ سخت عذاب ہے نقد یا دیر سے۔ نقد تو یوں کہ ان کے قلوب متفرق اور بصائر میں اندھاپن اور پست ہمتی یہاں تک کہ بت پرستی پر خوش اور خواہشاتِ نفسانی پر راضی اور شیطان کی اتباع میں سرمست ہیں اور دیر سے عذاب یوں کہ آخرت میں دوزخ میں جائیں گے اور اس کی سختی و شدت سب کو معلوم ہے۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور وہ جو ایمان اور یقین پر ثابت قدم ہیں وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور نیک عمل کیے یعنی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے اطاعت کی تاکہ نورِ ایمان میں اضافہ ہو لَهُمْ ایمان اور عمل صالح منجملہ اس کے شیطان کے ساتھ دشمنی بھی ہے اسی وجہ سے ان کے لیے مَّغْفِرَةٌ بہت بڑی بخشش ہے اور یہ نقد انعام ہے کہ ان کے گناہوں کی پردہ پوشی کی گئی ورنہ ان کی سخت رسوائی ہوتی اور دیر سے مغفرت کا وعدہ یہ کہ ان کے گناہ ان کے اعمالنامہ سے مٹا دیے جائیں گے اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ تباہ و برباد ہوتے وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝ اور بہت بڑا اجر کہ جس کا کوئی حساب نہیں کہ آج انہیں آسانی سے عبادت اور دائمی معرفت اور قلب کو زوائد یقین اور خصوصی احوال اور قسم قسم کے عملیات نصیب ہوتے اور آخرت میں ہر مقصد حاصل بلکہ سوال سے ماسوا۔

ف : کل قیامت میں اولیاء اللہ کا حال بادشاہ کے اس خصوصی لشکر جیسا ہوگا جسے بادشاہ کے کو کل مزین ہو کر میرے ہاں آنا، جو سب سے زیادہ مزین ہوگا اس کو بہت بڑا انعام ملے گا پھر خود بادشاہ اپنی طرف سے خصوصی سامانِ زیب و زینت بھیج کر مخصوص سپاہیوں تک پہنچا دے تو لامحالہ بادشاہ کے ہاں تمام سپاہیوں سے وہی انعام پائیں گے جنہیں بادشاہ نے خود منتخب فرمایا ایسے ہی ان حضرات کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنی طاعت کی توفیق بخشی اور ان کو توجہات صافیہ کی خصوصی توفیق نصیب ہوئی اسی لیے یہ قیامت میں سب سے زیادہ ممتاز اور برگزیدہ ہوں گے۔ اس بندۂ خدا کو بہت زیادہ شکر کرنا چاہیے جسے اللہ تعالیٰ نے خود ہی اپنی خدمت کے لیے چن لیا اور اپنی عبادت و طاعت کی توفیق بخشی۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سبق: اس زمانہ میں عبادت وطاعت کے راستہ پر چلنے والے لوگ بہت تھوڑے ہیں۔
حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

نشان اہلِ خدا عاشقیست باخود دار
کہ در مشائخ شہر ایں نشاں نمی بینم

ترجمہ: اہلِ خدا کا نشان عاشقی ہے تو اسے محفوظ کر لے کیونکہ شہر کے مشائخ میں یہ نشان نہیں ہے۔

ف: اللہ کے ایسے بندے ہیں جن کے قلوب کی تعمیر ہم و غم، حزن جن کا وطن اور عشق و محبت جن کے محلات اور بروج ہیں ؎

۱ احبك حبين حب الهوى
وحبا لانك اهل لذاكا

۲ فاما الذی هو حب الهوى
فذکر شغلت به عن سواکا

۳ واما الذی انت اهل له
فکشفك للحجب حتی اراکا

۴ ولاحمد فی ذا ولا ذالك لی
ولکن لك الحمد فی ذا وذاکا

ترجمہ: (۱) میں تجھ سے دو محبتیں کرتا ہوں حبِ ہوا، دوسری تیری محبت جس کا تو اہل ہے۔
(۲) وہ جو حبِ ہوا ہے وہ ذکر ہے جس سے میں صرف تجھ میں مشغول رہتا ہوں۔
(۳) وہ تیری محبت حجابات کا کشف ہے یہاں تک کہ تجھے دیکھتا ہوں۔
(۴) نہ یہ حمد میرے لیے نہ وہ، یہ بھی تیرے لیے اور وہ بھی۔

دعا: ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمارے قلوب کو انواع عبادات سے آباد فرما اور ہمارے بواطن کو اصنافِ ارادات سے مزین فرما اور ہمیں اپنے ان خاص بندوں سے اٹھا جن کے لیے بہت بڑا اجر اور ثواب ہے اور اپنی وجہ جمیل کے انوار کے مطالعہ سے مشرف فرما۔ اول و آخر اور ظاہر و باطن میں یہی امید ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

أَفَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوٓءُ عَمَلِهِۦ فَرَءَاهُ حَسَنًا ۖ فَإِنَّ ٱللَّهَ يُضِلُّ مَن يَشَآءُ وَيَهْدِى
تو کیا وہ جس کی نگاہ میں اس کا برا کام آراستہ کیا گیا کہ اس نے اسے بھلا سمجھا ہدایت والے کی طرح ہوجائے گا اس لیے اللہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہے
مَن يَشَآءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَٰتٍ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمٌۢ بِمَا يَصْنَعُونَ ﴿٨﴾
اور راہ دیتا ہے جسے چاہے تو تمہاری جان ان پر حسرتوں میں نہ جائے بے شک اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں
وَٱللَّهُ ٱلَّذِىٓ أَرْسَلَ ٱلرِّيَٰحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَسُقْنَٰهُ إِلَىٰ بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَأَحْيَيْنَا بِهِ
اور اللہ ہے جس نے بھیجیں ہوائیں کہ بادل ابھارتی ہیں پھر ہم اسے کسی مردہ شہر کی طرف رواں کرتے ہیں تو اس کے سبب ہم زمین کو
ٱلْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ كَذَٰلِكَ ٱلنُّشُورُ ﴿٩﴾ مَن كَانَ يُرِيدُ ٱلْعِزَّةَ فَلِلَّهِ ٱلْعِزَّةُ
زندہ فرماتے ہیں اس کے مرے پیچھے یونہی حشر میں اٹھنا ہے جسے عزت کی چاہ ہو تو عزت تو سب اللہ کے ہاتھ ہے
جَمِيعًا ۚ إِلَيْهِ يَصْعَدُ ٱلْكَلِمُ ٱلطَّيِّبُ وَٱلْعَمَلُ ٱلصَّٰلِحُ يَرْفَعُهُۥ ۚ وَٱلَّذِينَ
اسی کی طرف چڑھتا ہے پاکیزہ کلام اور جو نیک کام ہے وہ اسے بلند کرتا ہے
يَمْكُرُونَ ٱلسَّيِّـَٔاتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۖ وَمَكْرُ أُو۟لَٰٓئِكَ هُوَ يَبُورُ ﴿١٠﴾ وَٱللَّهُ
اور وہ جو برے داؤں کرتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے اور انہیں کا مکر برباد ہوگا اور اللہ نے
خَلَقَكُم مِّن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ أَزْوَٰجًا ۚ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ
تمہیں بنایا مٹی سے پھر پانی کی بوند سے پھر تمہیں کیا جوڑے جوڑے اور کسی مادہ کو پیٹ
أُنثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِۦ ۚ وَمَا يُعَمَّرُ مِن مُّعَمَّرٍ وَلَا يُنقَصُ مِنْ عُمُرِهِۦٓ إِلَّا
نہیں رہتا اور نہ وہ جنتی ہے مگر اس کے علم سے اور جس بڑی عمر والے کو عمر دی جائے یا جس کسی کی عمر کم رکھی جائے یہ
فِى كِتَٰبٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى ٱللَّهِ يَسِيرٌ ﴿١١﴾ وَمَا يَسْتَوِى ٱلْبَحْرَانِ هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ
سب ایک کتاب میں ہے بیشک یہ اللہ کو آسان ہے اور دونوں سمندر ایک سے نہیں یہ میٹھا ہے خوب میٹھا
سَآئِغٌ شَرَابُهُۥ وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ ۖ وَمِن كُلٍّ تَأْكُلُونَ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُونَ
پانی خوشگوار اور یہ کھاری ہے تلخ اور ہر ایک میں سے تم کھاتے ہو تازہ گوشت اور نکالتے ہو پہننے
حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا ۖ وَتَرَى ٱلْفُلْكَ فِيهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوا۟ مِن فَضْلِهِۦ وَلَعَلَّكُمْ
کا ایک گہنا اور تو کشتیوں کو اس میں دیکھے کہ پانی چیرتی ہیں تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور کسی طرح حق
تَشْكُرُونَ ﴿١٢﴾ يُولِجُ ٱلَّيْلَ فِى ٱلنَّهَارِ وَيُولِجُ ٱلنَّهَارَ فِى ٱلَّيْلِ وَسَخَّرَ ٱلشَّمْسَ
مانو رات لاتا ہے دن کے حصہ میں اور دن لاتا ہے رات کے حصہ میں اور اس نے کام میں لگائے
وَٱلْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِى لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ ذَٰلِكُمُ ٱللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ ٱلْمُلْكُ ۚ وَٱلَّذِينَ
سورج اور چاند ہر ایک ایک مقرر میعاد تک چلتا ہے یہ ہے اللہ تمہارا رب اسی کی بادشاہی ہے اور اس کے سوا

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

دْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ⑬ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ
سوا جنہیں تم پوجتے ہو دانہ خرما کے چھلکے تک کے مالک نہیں تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار نہ سنیں

وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ
اور بالفرض سن بھی لیں تو تمہاری حاجت روا نہ کرسکیں اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک سے منکر ہوں گے

وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ⑭
اور تجھے کوئی نہ بتائے گا اس بتانے والے کی طرح

تفسیر عالمانہ

اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ مزین بمعنے سنگارنا۔ کیا وہ جو سنگارا گیا ہے اس کے لیے سُوْٓءُ عَمَلِهٖ اس کا برا عمل فَرَاٰهُ حَسَنًا اور وہ اسے اچھا سمجھتا ہے۔

سوال: تم نے یہاں پر رؤیۃ کو سمجھنے یعنی گمان کرنے کے معنی میں لیا ہے اس کی وجہ؟

جواب: رؤیت جب متعدی بدو مفعول ہو تو ظن و تخمین و علم کے معنی میں آتا ہے یہاں متعدی بدو مفعول ہے اس لیے یہ معنی کیا گیا ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ کیا وہ جو اپنے کفر کو اچھا سمجھتا ہے اور وہ جو کفر و معاصی کو برا سمجھتا ہے کیا دونوں برابر ہوسکتے ہیں۔ یعنی یہ دونوں برابر نہیں۔ یہاں پر کافی عبارات محذوف ہیں اس لیے کہ قرینہ سابقًا موجود ہے فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ پچھلے مضمون کی تقریر ہے اور ثابت کرنا ہے کہ تمام امور اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ہیں۔

اب معنی یہ ہوا کہ وہ جسے چاہے گمراہ کرے لیکن اسے جو گمراہی کو اچھا سمجھتا ہے اور اسی طرف اپنا اختیار صرف کرتا ہے تو ایسے کو اللہ تعالیٰ گمراہی کی طرف پھیرتا ہے وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اس لیے کہ اس نے ہدایت کی طرف اپنے ارادہ سے پھرا اسی لیے اسے اللہ تعالیٰ اعلیٰ علیین کی طرف پہنچاتا ہے فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ فا سببیہ ہے کیونکہ پہلے کا مضمون نہی عن الحسرۃ کا مقتضی ہے۔

حل لغات

الذهاب بمعنے مر السیر یعنی چلنا۔ ذہاب النفس موت سے کنایہ ہے۔ الحسرۃ بمعنے شدۃ الحزن علی ما فات الشیء کے چلے جانے پر شدید حزن و ندامت۔

جب اس سے جل بھن جاتے تو اب محسوس ہوا کہ جو کہا گیا وہ غلط ہے۔ حسرات مفعول لہ ہے اور جمع اس لیے ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے احوال اور قبیح اعمال سے بہت زیادہ مغموم و محزون ہو جاتے تھے۔ اور یہ آپ کے حزن و تاسف کا موجب تھے۔ علیہم، تذهب کا صلہ ہے جیسے کہا جاتا ہے؛

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

هلك عليه حبا ومات عليه حزنا.

(وہ اس کی محبت سے ہلاک ہوا اور اس کے غم و حزن سے مرا)

اسے حسرات سے متعلق نہیں کہا جا سکتا اس لیے کہ مصادر پر صلات مقدم نہیں ہوا کرتے۔

اب معنی یہ ہوا کہ جب تمہیں معلوم ہوگیا کہ جملہ امور اللہ تعالیٰ کی مشیئت پر ہیں تو ان کی گمراہی اور گناہوں کے اصرار اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالیے اور نہ ہی ان کی تکذیب و انکار سے غم نہ کھائیے۔ خلاصہ یہ کہ اے پیارے نبی علیہ السلام پے درپے کی حسرتوں سے تمہاری جان ہلاک نہ ہو کہ تم ان کے گندے کرتوتوں سے پریشان ہوجاتے ہو کہ ان پر عمل بہت بڑی حسرت کا موجب ہے حالانکہ تم نے ان کی پند و نصیحت میں کمی نہیں کی اور نہ تبلیغ احکام میں کمی کی ہے بلکہ باحسن وجہ تم نے تبلیغ کا حق ادا کیا ہے اسی لیے اب تم پر کسی قسم کی تکلیف اور مشقت نہیں۔ حالانکہ اب یہ ذلیل و درماں کو ہو گا کہ دنیا و آخرت میں ذلیل و خوار ہوں گے کیونکہ وہ اب تمہاری نگاہ سے گر گیا اور جو تمہاری نگاہِ کرم سے گیا وہ اللہ تعالیٰ سے بھی گیا۔ جب اس کا یہ حال ہے تو پھر اس پر کون رحم کرے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ○ بے شک اللہ تعالیٰ ان کے کرتوتوں کو خوب جانتا ہے اس لیے ان کو جزا بھی قبیح ترے گی اگرچہ وہ اپنے کردار کو اچھا سمجھتے تھے لیکن بری شے کو اچھا سمجھنے سے اچھی نہیں ہو جاتی۔

ف : کافر اپنے خیال میں اپنے اعمال کو اچھا سمجھتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وهم يحسبون انهم يحسنون صنعا۔

(وہ گمان کر رہے تھے کہ وہ نیکی کا کام کر رہے ہیں)

پھر یہ قاعدہ ہے کہ جو دنیا کا راغب حلال و حرام جمع کرتا ہے اور اس کے زوال کا اسے فکر نہیں ہوتا اور نہ اس سے ہٹتا ہے جب تک دنیا سے رخصت نہ ہو تو اسے اپنا ہر کام اچھا لگتا ہے ؎

شد قوائے جملہ اجزائے جسمت در فنا
با ہزاراں آرزو دست و گریبانی ہنوز

ترجمہ : جملہ اجزا کے قویٰ تیرے جسم میں فنا ہیں باوجود ہزار تمناؤں کے تاحال تو دست بگریباں ہے۔

ف : جو اس وہم میں ہو کہ جنت میں نجات و درجات نصیب ہوں گے تو آرام پائے گا اور وہ صرف اسی وہم میں رہا تو گویا وہ بھی اپنے اعمال کی زینت میں مبتلا ہے اس لیے کہ اپنے رب کی مناجات کی حلاوت سے غافل ہوتا ہے ؎

ما ہیم و ہمیں عاشقی و لذت دیدار
زاہد تو بہ و در طلب خلد برین باش

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ترجمہ : ہم ہیں کہ عاشق، لذتِ دیدار میں مست ہیں۔ اے زاہد! تو جا اور بہشت بریں کی طلب میں گزارہ کر۔

تفسیر صوفیانہ جو شہواتِ دنیا میں مست ہے کیا اس جیسا ہو سکتا ہے جو عقبیٰ کے درجات میں خوش ہے، پھر یہ اس جیسا نہیں ہو سکتا جو جمالِ مولیٰ میں محو خیال ہے۔ یہ اور وہ برابر نہیں اس لیے لازم ہے کہ اس تصور میں مستغرق ہوں جو سب سے زیادہ بہتر ہے یعنی حسنِ مطلق کیونکہ وہ ہر حسن کا مبدا ہے جو وہاں تک پہنچ گیا تو وہ اس کی ذات و صفات و افعال و اعمال کے حسن سے متصف ہوا، جس نے اسے پالیا اسے سب کچھ نصیب ہو گیا۔ جسے وہ نہ ملا اسے کچھ نہ ملا خواہ وہ تمام دنیا کا مالک کیوں نہ ہو جائے۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادہم قدس سرہ ایک دن دریائے دجلہ کے کنارے پر بیٹھ کر گدڑی سی رہے تھے آپ کی سوئی دریا میں گر پڑی۔ کسی نے سوال کیا بادشاہ! آپ نے شاہی کھو کر کیا پایا؟ آپ نے دریا کی مچھلیوں کو اپنی سوئی لانے کا حکم فرمایا تو دریا سے تقریباً ایک ہزار مچھلیاں سونے کی سوئیاں منہ میں لے کر حاضر ہو گئیں۔ فرمایا، مجھے اپنی اصل سوئی چاہیے۔ ایک کمزور سی مچھلی نے آپ کی سوئی آپ کے سامنے لا کر رکھ دی۔ فرمایا، یہ تو ادنیٰ ترین مرتبہ ہے بڑے مراتب جو مجھے ملے تم ان سے بے خبر ہو۔

سبق یہ ہدایت خاصہ و نیت خالصہ و اعمال صالحہ و حسنِ حالی مع اللہ تعالیٰ کا نتیجہ ہے۔ یہ اسے نصیب ہوتا ہے جو راہِ طریقت میں قدم رکھتا ہے اور اپنی اصلاح شریعت سے کرتا ہے اور نفس امارہ کو طریقت پر چلاتا ہے، وہ حسن ہے جسے شرع و عقلِ سلیم اچھا سمجھے اور وہ قبیح ہے جسے یہ دونوں برا کہیں اور اہلِ اہوا و اہلِ بدعت (سیئہ) تو اپنے ہر عمل کو بہتر سمجھتے ہیں کیونکہ انہیں شیطان نے ایسے سمجھایا ہے اس لیے وہ طریقِ ہدایت و سنت سے بھٹک گئے ہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے سیدھے راستے پر چلائے جس پر اہلِ دین قویم چل گئے۔ اور ہمیں اعمالِ حسنہ کی ہدایت بخشے اور اچھے اخلاق سے سنوارے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ وَاللّٰهُ یہ مبتدا ہے اس کی خبر الَّذِیْٓ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ قرآن مجید میں ارسال دو معنوں میں آتا ہے:

(۱) بھیجنا: جیسے انا ارسلنٰک۔

(۲) کھولنا: جیسے ارسل الریاح۔

حل لغات المفردات میں ہے ارسال انسان اور اشیائے محبوبہ و مکروہہ کے آتا ہے کبھی تخلیہ و ترک منع کے لیے آتا ہے جیسے انا ارسلنا الشیاطین علی الکٰفرین اور ارسال امساک کے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بالمقابل آتا ہے۔ الریاح ' ریح کی جمع ہے بمعنے چلنے والی ہوا۔ اس کا اصل روح ہے اس کی جمع ارواح آتی ہے اس کی جمع اریاح کہنا غلط ہے۔

ف : صاحب کشف الاسرار نے اس کا ترجمہ لکھا کہ وہ اللہ جس نے اپنی تدبیر و تقدیر سے لائق اوقات اور مناسب اندازہ پر مختلف مخارج سے مختلف ہوائیں چلائیں، اس سے جنوب و شمال و صبا کی ہوائیں مراد ہیں کہ یہ رحمت کی ہوائیں ہیں اس میں باد دبور شامل نہیں کیونکہ وہ عذاب کی ہوا ہے اور باد جنوب باد شمال کی مخالف سمت سے مطلع سہیل سے مطلع ثریا تک چلتی ہے اور باد شمال بالفتح و بالکسر مطلع شمس سے بنات النعش تک یا مطلع شمس سے مسقط النسر الطائر تک چلتی ہے اور رات کو بہت کم چلتی ہے اور صبا مشرق سے رات کو اس موسم میں چلتی ہے جب دن اور رات برابر ہو جاتے ہیں۔ اسے صبا بھی اسی لیے کہا جاتا ہے کہ نفوس اس کی طرف مائل ہیں کیونکہ صبا بمعنے میلان ہے یا اس لیے کہ یہ دبور یا کعبہ معظمہ کے دروازے کے بالمقابل ہے یا اس لیے کہ نفوس کو مقبول ہے اور صبا بمعنے قبول (بالفتح) بھی آیا ہے۔

فَتُثِيرُ سَحَابًا تو وہ بادلوں کو ابھارتی ہیں یعنی زمین و آسمان کے درمیان بارش کے اتارنے کے لیے پھیلاتی ہیں۔ یہ ثار الغبار کا باب مزید ہے بمعنے ھاج وانتشر ساطعا یعنی وہ چمک پر پھیلا۔

تاج المصادر میں ہے الاثارۃ بمعنے گرد و غبار کو پھیلانا اور زمین کی غبار اڑانا اور ہوا کا بادل لانا۔ السحاب وہ جسم جسے اللہ تعالیٰ پانی سے پُر کرے۔ بعض نے کہا وہ بخار جو دریا اور زمین سے اٹھ کر پہاڑ پر پہنچے اور وہ اسے ٹھنڈا کر کے برف بنا دے جس سے پانی تیار ہو کر نیچے گرے۔ السحب کا حقیقی معنیٰ ہے کھینچنا جیسے سحب الذیل الانسان علی الوجہ (انسان نے دامن کو چہرے کی طرف کھینچا) اور السحاب کو اسی لیے سحاب کہا جاتا ہے کہ وہ پانی کو کھینچتا ہے۔

سوال : وارسل و سقناہ تو ماضی ہیں اس کے درمیان فتثیر مضارع کیوں؟

جواب : حکایت حال ماضی کے لیے ہے تاکہ وہ صورت بدیعہ کمال قدرت و حکمت پر دلالت کرنے کے لیے ذہن میں پورے طور اترے اس لیے کہ اسی خاصیت کے احداث کو بیان کرنا مطلوب ہے۔ اسی لیے اسے اس کی طرف اسناد کیا۔ چنانچہ فرمایا :

فَسُقْنٰهُ اِلٰی بَلَدٍ مَّیِّتٍ ۔ السوق بمعنے چلانا۔ اور البلد وہ مکان محدود جو لوگوں کے اجتماع اقامت سے متاثر ہو اور تاثیر کے اعتبار کی وجہ سے اس کے ظاہر کو بلد بمعنے اثر کہا جاتا ہے البلد المیت وہ مقامات جہاں کھیتی نہ ہو کر وہ قحط سے ویران پڑ جائے۔ الراغب نے فرمایا کبھی وہ قوت نامیہ موجودہ جو انگوریوں میں ہوتی ہے کے بالمقابل کو موت کہا جاتا ہے۔

سوال : پہلے صیغہ ارسل غائب کا پھر سقنا صیغہ متکلم کیوں؟

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

جواب: یہ التفات از غیبۃ الی المتکلم کے قبیل سے ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ جملہ امور اللہ تعالیٰ سے خاص ہیں باقی اشیاء وسائط و وسائل ہیں۔

سوال: بلدۃ میّتاً کو نکرہ کیوں لایا گیا؟

جواب: اس سے بعض وہ مقامات مراد ہیں جہاں بظاہر پانی کے اسباب مفقود ہوں۔

فَاَحْيَيْنَا فاء (تینوں) سببیہ کی ہیں کیونکہ ان کا ماقبل ان کے مدخول کے اسباب ہیں صرف پہلی سبب پر داخل ہے بخلاف دو آخری فا کے کہ وہ مسبب پر داخل ہیں یعنی تو ہم نے پانی کے ذریعے آباد کیا وہ پانی جو بادل سے اترا ہے۔

سوال: تم نے پانی کا معنی کہاں سے لے لیا؟

جواب: سحاب کا لفظ پانی پر دلالت کرتا ہے اس لیے کہ انہیں خارجاً بھی تلازم ہے اور ذہناً بھی یا یہ ضمیر السحاب کی طرف راجع ہے یہ سبب السبب کے قبیل سے ہے۔

الْاَرْضَ زمین، یعنی ہم نے زمین پانی کے ذریعے سرسبز و شاداب بنایا **بَعْدَ مَوْتِهَا** اس کے خشک ہو جانے کے بعد **كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ○** کاف محلاً مرفوع خبر ہے یعنی اسی احیاء کی طرح کہ جسے تم آنکھوں سے دیکھ رہے ہو ہم مُردوں کو قیامت میں زندہ کر کے قبروں سے اٹھائیں گے ہماری قدرت دونوں کے لیے برابر ہے۔ یہ آیت کفار کے قیامت میں اُٹھنے کے انکار کا رد اور حجت ہے کہ جس طرح تم اس ویران زمین کو آباد کرنے کے منکر نہیں ہو سکتے ایسے ہی قبور سے زندہ اُٹھنے کے بھی منکر نہ ہو۔

حدیث شریف: ابن رزین عقیلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! اللہ تعالیٰ مُردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟ تو آپ نے فرمایا، کیا تم اس علاقہ سے کبھی نہیں گزرے کہ پہلے وہ ویران پڑا ہو پھر چند دنوں کے بعد سرسبز و شاداب نظر آتا ہے۔ میں نے کہا بارہا گزرا ہوں۔ آپ نے فرمایا، ایسے ہی اللہ تعالیٰ مُردے زندہ کرے گا۔

تفسیر دیگر بعض نے کہا کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ جیسے یہ زمین پانی سے آباد ہوتی ہے ایسے ہی قیامت میں مُردوں کو پانی سے زندہ کرے گا۔

حدیث شریف میں ہے اللہ تعالیٰ عرش کے نیچے سے مرد کی منی جیسا پانی نازل کرے گا جس سے ایسے اجسام پیدا ہوں گے جیسے انگوری زمین سے اگتی ہے پھر اسرافیل علیہ السلام کو نفخ صور کا حکم ہوگا وہ دوسری بار پھونکیں گے ان کے صور کے سوراخوں سے ارواح شہد کی مکھیوں کی طرح نکل کر زمین و آسمان کو بھر دیں گے پھر حکم ہوگا کہ ہر روح اپنے جسم میں داخل ہو اس پر تمام ارواح ان اجسام میں داخل ہوں گی جو زمین پر پڑے ہوں گے پھر ناک کے سوراخوں سے داخل ہو کر روح سارے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

جسم میں ایسے پھیل جائے گا جیسے زہر جسم کے رونگٹے رونگٹے میں پھیلتی ہے پھر زمین پھٹ جائے گی اس سے جسم اور پاؤں سے ننگے نکلیں گے۔

تفسیر صوفیانہ

اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ جب کسی علاقہ کو آباد کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو وہاں ہوا کے ذریعے بادل بھیج کر بارش برساتا ہے ایسے ہی جب کسی دل کو آباد کرنا چاہتا ہے تو اس کے دل پر امید کی ہوا چلا کر اس کے دل کے ارادوں کو ابھارتا ہے پھر اس پر جود کا مینہ برساتا ہے جس سے دل میں بسط کے پھول اور روح کے انوار پیدا کرتا ہے اس سے اس بندے کا دل دائمی عیش اور حضوری سے بسر کرتا ہے ؎

یا رب از ابر ہدایت برساں بارانے
پیشتر زانکہ چو گردے ز میان برخیزم

ترجمہ: اے پروردگار! ابر ہدایت سے بارش برسا اس سے پہلے کہ ہم زمان کے گرد سے اٹھیں۔

ف: اس سے وہ ہدایت خاصہ مراد ہے جو فیض الٰہی سے فنائے تام کے وقت حاصل ہوتی ہے۔

تفسیر عالمانہ

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ وہ جو عزت کا خواہشمند ہے۔

امام راغب نے فرمایا العزۃ وہ حالت جو انسان کو مغلوب ہونے سے مانع ہو ارض عزاز بمعنی صلبۃ (سخت زمین) سے ماخوذ ہے۔ العزیز وہ ہمیشہ غالب رہے کسی سے مغلوب ہو

اس سے مدح بھی مطلوب ہوتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین۔

(اللہ و رسول (جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم) اور اہل ایمان کے لیے عزت ہے)

کبھی مذمت بھی کی جاتی ہے جیسے کہا جاتا ہے:

عزۃ الکفرین۔

لیکن فرق یہ ہے کہ اللہ و رسول (جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے عزت دائمی اور باقی رہنے والی ہے اور کافروں کی عزت مصنوعی جو در حقیقت ذلت ہے۔ آیت میں مشرکین مراد ہیں جو بت پرستی پر اپنے آپ کو معزز سمجھتے تھے اور منافقین بھی جو مشرکین کی طرف سے معزز بنے جاتے۔

فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ عزت تو صرف اللہ تعالیٰ کی ہے جَمِيْعًا سب کی سب، دنیوی عزت ہو یا اخروی کیونکہ اس کے سوا اس کا کوئی مالک نہیں اسی سے ہی طاعت و عبادت اور تقویٰ سے عزت طلب کی جائے۔

سوال: طلب عزت کا معنیٰ تم نے کہاں سے لے لیا؟

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

جواب : دلیل دے کر ضمناً اس کا ذکر ہو گیا کیونکہ جب عزت اسی کی ملک ہے تو طلب اسی سے ہونی چاہیے کیونکہ شے کی طلب اس کے مالک سے ہی ہوتی ہے گویا دلیل مدلول کے قائم ہے۔

ف : دوسری آیت میں عزت کا اثبات یوں فرمایا :

وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین ۔

(عزت اللہ و رسول (جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اہلِ ایمان کے لیے ہے)

ان آیتوں میں تطبیق یوں ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کی عزت بحیثیت الہیت و ربوبیت کے ہے اور بحیثیت عطا اور منت اور فضل کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان کو ہے[1]

ف : کاشفی مرحوم نے لکھا کہ اس کی عزت سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان معزز ہیں بوجہ اس کی عزت کے موافق ہونے کے اور جو ذلیل ہیں تو اس کی مخالفت کی وجہ سے ؎

عزیزے کہ ہر کہ از درش سر بتافت   بہر در کہ شد ہیچ عزت نیافت

ترجمہ : وہ عزیز کہ جس نے اس کے دروازے سے منہ موڑا وہ جس دروازہ پر جائے گا کوئی عزت نہ پائے گا۔

حدیث شریف میں ہے :

ان ربکم یقول کل یوم انا العزیز فمن اراد عز الدارین فلیطع العزیز۔

(بیشک تمہارا پروردگار روزانہ اعلان فرماتا ہے کہ میں عزیز ہوں جو دارین کی عزت چاہتا ہے وہ عزیز کی اطاعت کرے)

إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ ربط : اس آیت سے بتایا کہ عزت کی طلب کا ذریعہ ایمان اور اعمالِ صالحہ ہیں یعنی اس کی طرف پاکیزہ کلمے چڑھتے ہیں الیہ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور الصعود بمعنے بلند مکان میں جانا۔ اب وہ عمل جو بندے سے اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچنے کے لیے مستعمل ہوتا ہے جیسے نزول اترنے کو کہا جاتا ہے۔ لیکن اب اس فضل وکرم پر استعمال ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے بندے کو پہنچے۔ الکلم بکسر اللام تمر کی طرح اسم جنس ہے۔ یہی جمہور کا مذہب ہے۔ اسی لیے واحد مذکر صفت لائی گئی ہے۔ یہ کلمۃ کی جمع نہیں جیسے بعض مذہب ہے اور الطیب وہ شے جس سے عزت طلب کی جائے۔ یعنی کلماتِ طیبہ اللہ تعالیٰ کی طرف جاتے ہیں ان ملائکہ کی طرف نہیں جاتے جو بندوں کے اعمال پر مقرر ہیں اور یہ کلمہ اپنے صاحب کو عزت بخشتا ہے اور اس کو وہ مطلوب حاصل کراتا ہے جس کا وہ طالب ہے۔

مسئلہ : الکلم دعا و استغفار و قرأۃ القرآن اور ذکر جیسے سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ

---

[1] یہی تطبیق علمِ غیب اور اختیار و تصرف وغیرہ میں ہوگی کہ یہ امور اللہ تعالیٰ کے لیے بحیثیت الہیت کے ہیں اور عطاءً و منۃً و فضلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہیں۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

الا اللہ و اللہ اکبر وغیرہ دیگر اذکار اوراد و وظائف کو شامل ہے جو کلام طیب ہو ۔

بعض نے کہا کہ الیہ کی ضمیر آسمان کی طرف راجع ہے اس لیے کہ قبولیت کا مقام یہی ہے مقبول کلمات بھی یہاں لے جاتے ہیں جیسا کہ فرمایا :

ان کتاب الابرار لفی علیین ۔

(بے شک ابرار کی کتاب علیین میں ہے)

اور حضرت خلیل علیہ السلام نے فرمایا :

انی ذاهب الی ربی سیهدین ۔

الی ربی سے ملک شام مراد ہے یعنی میں اپنے رب یعنی ملک شام کو جا رہا ہوں وہی مجھے ہدایت دے گا کیونکہ اسی نے مجھے شام کو چلے جانے کا حکم دیا ہے ۔

ف : کراماً کاتبین بندوں کے اعمال وہاں لے جاتے ہیں جہاں انہیں حکم ہوتا ہے ۔

ف : بعض مشایخ نے فرمایا کہ بعض اعمال سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچتے ہیں بعض جنت تک اور بعض عرش تک بعض عرش سے آگے عالم مثال سے لوح تک اس کے بعد مقام قلم تک اس کے بعد مقام عماء تک جیسے کسی کے عمل میں صدق و اخلاص ہوتا ہے اسی طرح بلندی نصیب ہوتی ہے جس قدر شہود و عیان زیادہ اتنی ہی بلندی زیادہ ۔ اس سے ثابت ہوا کہ بعض اعمال آسمان اور عالم اجسام سے گزر جاتے ہیں اور ان کی قبولیت کے یہی مقامات ہیں جو اوپر مذکور ہوئے ۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سدرۃ المنتہیٰ ایک نہیں کئی ہیں مرتبۂ عماء تک درمیان میں کئی سدرہ ہیں ہم اللہ تعالیٰ سے قبول اعمال و صحت توجہ ابدال و قوۃ الحال کا سوال کرتے ہیں ۔

وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ (الرفع کبھی اجسام میں استعمال ہوتا ہے جو نیچے ہوں پھر انہیں اونچا کیا جائے اور کبھی اس کا اطلاق بناء پر ہوتا ہے جب اسے اونچا کیا جائے اور کبھی ذکر میں استعمال ہوتا ہے جب اسے اہمیت دی جائے اور کبھی مرتبہ میں جب اس سے کسی کو شرف نصیب ہو ۔ المفردات

ضمیر کا مرجع یرفعہ کی ضمیر میں چند وجوہ ہیں :

(۱) کلم کی طرف راجع ہے کیونکہ اعمال صالحہ توحید کے بغیر غیر مقبول ہیں اس کی تائید اس قراءۃ سے ہوتی ہے جس میں عمل کو منصوب پڑھا گیا ہے ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ توحید تو خود بخود بارگاہ الٰہی میں قبول ہوتی اور عمل صالح کو یہی لے جاتی ہے اس لیے کہ اعمال صالحہ کی قبولیت کا سبب ہے یہی وجہ ہے کہ کفار کے نیک عمل مردود ہیں کیونکہ وہ شرک کی وجہ سے قبول نہیں ۔

(۲) ضمیر کا مرجع عمل ہے کیونکہ ایمان اسی سے محقق ہوتا اور قوت پکڑتا ہے ۔ عمل صالح کے بغیر درجات عالیہ نصیب نہیں ہوتے ۔ (الارشاد)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ف: شیخ نے فرمایا کہ توحید طاعت سے قبول ہوتی ہے کیونکہ گناہ کے ہوتے ہوئے توحید غیر مفید ہے یعنی وہ عذاب سے نہیں روکتی۔ لیکن تفسیر ارشاد کا قول اولیٰ ہے کیونکہ اعمال توحید کے لیے بمنزلہ شے ہے اور اللہ کے لیے قول بلا عمل ایسے ہے جیسے ثرید دسومت کے بغیر یا بادل بارش کے بغیر اور کمان وتر کے بغیر۔

ف: کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ آیت میں اشارہ ہے کہ عمل نیک توحید کے لیے بمنزلہ پھل کے ہے توحید کو زینت عمل صالح سے نصیب ہوتی ہے۔ قول بلا عمل ایسے ہے جیسے اخلاص غیر نافع۔

کلم طیب وعمل صالح

(۱) کلم طیب دعا اور عمل صالح صدقہ مساکین ہے کیونکہ دعا صدقات کے بعد بہت زیادہ مستجاب ہوتی ہے۔

(۲) کلم طیب امام کی دعا اور عمل صالح مقتدیوں کا آمین کہنا ہے۔

(۳) کلم طیب غازیوں کا نعرۂ تکبیر اور عمل صالح ان کا تلوار مارنا۔

(۴) کلم طیب استغفار اور عمل صالح اس میں اظہارِ ندامت ہے ان تمام صورتوں میں عمل صالح اپنے بالمقابل کو وجۂ قبولیت بخشتا ہے۔

ضمیر کے مرجع کی تیسری تقریر

یرفعہ کی ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے اس لیے کہ وہی عمل قبول کرتا ہے۔ ابن عطیہ نے فرمایا: یہی قول سب سے زیادہ راجح ہے لیکن اس میں عمل صالح کی تخصیص تکلف سے خالی نہیں۔

ف: عمل الابرار میں ہے کہ مشایخ فرماتے ہیں کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ خود بخود بارگاہ حق میں پہنچتا ہے باقی اعمال جیسے اذکار وغیرہ کو ملائکہ لے جاتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

والعمل الصالح یرفعہ۔

یعنی عمل صالح کو اللہ تعالیٰ ملائکہ (کراماً کاتبین وغیرہ) کے ذریعہ قبول فرماتا ہے۔ مروی ہے کہ یتیم اور مظلوم کی دعا اللہ تعالیٰ کے ہاں براہ راست پہنچتی ہے یعنی اس میں ملائکہ کے واسطے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

ف: بعض مشایخ نے فرمایا کہ یرفعہ کا معنی یہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ ذی قدر بناتا ہے جیسے کہا جاتا ہے:

ثوب رفیع و مرتفع۔ یعنی یہ کپڑا بہت قیمتی ہے۔

اس سے مخلص موحد کا عمل ہے کہ وہ قیمتی ہے اور ریاکار کا عمل ذلیل وخوار ہے

۱ گرت بیخ اخلاص در بوم نیست
ازیں در کسے چوں تو محروم نیست

۲ زر قلب آلودہ بے قیمت است
زر پاک خالص بود محرم است

ترجمہ: (۱) اگر کسی جگہ اخلاص کی جڑ نہ ہو اس دروازے سے تجھ سا محروم اور

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کوئی نہیں۔

۲۔ زر میں ملاوٹ ہو تو وہ بے قیمت ہے۔ زر خالص قیمتی ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ من کان یرید العزۃ میں اشارہ ہے انسان پیدائشی طور ذلیل و خوار اور ہر شے کا محتاج ہے انسان جیسا غیروں کا محتاج اور کوئی نہیں۔ اور قلوب سے غیر کی محتاجی ذکر الٰہی کے سوا زائل نہیں ہوتی اسی لیے صوفیہ کرام لا الٰہ الا اللہ کی ضرب دل پر لگاتے ہیں جب لا الٰہ کہا جاتا ہے تو دل سے دونوں جہانوں کے تعلقات منقطع ہو جاتے ہیں جب الا اللہ سے صرف اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ نصیب ہوتی ہے جب دل پر ہر قسم کا تعلق ختم ہو جائے تو کلمہ طیبہ خود بخود بارگاہِ حق میں بندے کو پہنچا دیتا ہے جیسے آگ فلک اثیر سے وہبہ اور پتھر کے ٹکراؤ سے نیچے اترتی ہے تو درخت لکڑی وغیرہ کو کھا کر اسے اپنی حقیقت سے نکال کر اپنی حقیقت میں لے جاتی ہے۔ جب لکڑی وغیرہ کی حقیقت بالکل ختم ہو جاتی ہے تو آگ پھر فلک اثیر کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ یہی راز ہے الیہ یصعد الکلم الطیب الآیہ میں۔

ف: عمل صالح سے ارکان شریعت مراد ہیں۔ اس کا پہلا رکن یہ ہے کہ نورِ الٰہی کی آگ کا اثیر حضرت الٰہی سے اترنا جبکہ لا الٰہ الا اللہ کے لوہے کو دل کے پتھر سے رگڑا جائے تو پھر جب وہی آگ وجود انسانی کے درخت میں آتی ہے تو انسان ارکان خمس میں سے کسی ایک رکن کو عمل میں لاتا ہے اور رکن خمس میں سے کسی ایک رکن کو عمل میں لاتا ہے اور رکن خمس میں سے پہلا کلمہ طیب ہے اور چار باقی مشہور ہیں انہیں ارکانِ اسلام کہا جاتا ہے۔ پہلے کو توحید، دوسرے چاروں کو عمل صالح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہی اصل شجرہ کو ارضِ دنیا سے اکھاڑتے اور ایسا کاٹتے ہیں کہ جن سے انہیں نار کے قبول کرنے کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے اور نار کے ساتھ شعلے مارتا اور جلاتا ہے یہاں تک کہ بالکل اپنی ہستی کو مٹا کر راکھ بنا دیتا ہے پھر وہ نار انسان کے درخت کو چھوڑ کر اثیر الحضرۃ کو لوٹ جاتی ہے۔ چونکہ نہ درخت (انسانی) اسی نار نورِ الٰہی سے جل رہا تھا جسے موسیٰ علیہ السلام نے جانب طور سے آگ سمجھا تو جب وہ قریب پہنچے تو بقعہ مبارکہ میں شعلہ کی زبان سے وادیٔ ایمن کے کنارے سے آواز آئی:

انی انا اللہ رب العالمین۔

اس میں تامل کرو گے تو ان شاء اللہ (مسئلہ وحدت الوجود) کو سمجھ جاؤ گے

تفسیر عالمانہ

وَالَّذِیْنَ یَمْکُرُوْنَ السَّیِّاٰتِ۔

حلِ لغات: المکر کسی کو حیلہ کر کے مقصود سے ہٹانا۔ القاموس میں ہے المکر الخدیعہ بمعنی دھوکا۔

ربط: یہاں سے کلمہ خبیث کی تشریح مطلوب ہے۔ اور برے عمل کریں۔ السیّات کا منصوب

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ہونا مصدر محذوف کی صفت کی وجہ سے ہے کیونکہ المکر فعل لازم ہے اسے مفعول بہ نہیں چاہیے ۔ اب عبارت یوں ہو گی :

یمکرون المکرات السیئات ۔

ان مکرات سے قریش مکہ کی وہ دھوکا سازیاں مراد ہیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کرتے تھے جیسے دار الندوہ میں بیٹھ کر صلاح و مشورے کرتے رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا جائے یا شہر بدر کیا جائے یا قید کر دیا جائے ، جسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ،

واذ یمکربك الذین لیثبتوك او یقتلوك او یخرجوك ۔

(اور جبکہ تمہارے بارے میں باہم مشورہ کرتے تھے کہ تمہیں یا قیدی بنائیں یا شہید کر ڈالیں یا شہر بدر کر دیں)

اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ وہ جو بُرے مکر کرتے **لَهُمْ** ان کے مکر کی وجہ سے انہیں **عَذَابٌ شَدِيْدٌ** سخت عذاب ہوگا دنیا میں بھی آخرت میں بھی کہ جس کی کوئی انتہا نہیں اور نہ ہی اس کے مکر کی اسے کوئی پرواہ ہے **وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ** یہ اشارہ ان مفسدوں کی طرف ہے جنہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دار الندوہ وغیرہ میں بُری تدبیریں سوچیں اور ان کا مکر **هُوَ يَبُوْرُ** صرف وہی تباہ و برباد ہوگا نہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر ۔ تفسیر الارشاد میں ہے کہ اس کا بال بیکا نہ ہوگا جس کے متعلق یہ بُری تدبیریں سوچ رہے ہیں ۔

حل لغات یبور بمعنے یہلك و یفسد ، کیونکہ البوار بمعنے زیادہ گھاٹا اور نقصان ۔ اور ایسا گھاٹا انسان کو تباہی اور فساد کے گھاٹ اتارتا ہے ۔

ف : ضمیر ھُمْ کے بجائے اولٰئک اسم اشارہ لانے میں تنبیہ ہے کہ یہ فسادی دوسرے فسادیوں سے نمایاں ہیں یعنی یہ سب سے بڑھ کر اور شہرت یافتہ ہیں ، اور حسد کا انجام فساد ہے اسی لیے آیت میں فساد و ہلاک کو البوار سے تعبیر کیا گیا ہے اور ہوا بھی ایسے ہی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پے در پے تباہ و برباد فرمایا جب انہوں نے اس کے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے ہجرت پر مجبور کر دیا ادھر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مکہ سے نکل جانے پر مجبور کر دیا اور بدر میں قتل کیا اور قیدی بھی بنالیا ۔ جیسے انہوں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سوچا وہی انہیں خود بھگتنا پڑا ، چنانچہ فرمایا ،

قل کل یعمل علیٰ شاکلته ۔

(ہر ایک کو اپنے کیے کی سزا ملی)

ف : جیسے مکر والوں کا انجام بھی بُرا اور کلمۂ طیب اور عمل صالح والوں کی جزاء اعلیٰ یعنی نجات اور

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattori

مجاہد اور شہر بن حوشب رحمہما اللہ نے فرمایا کہ آیت سے اہلِ ریا مراد ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ **والذین یمکرون السیات** میں اشارہ ہے کہ وہ جو مکر سے اپنی نیکیاں ظاہر کرتے اور برائیاں چھپاتے ہیں یعنی برے عقیدے چھپاتے ہیں تاکہ لوگ انہیں نیک اور سچے سمجھیں **لہم عذاب شدید** انہیں سخت عذاب ہوگا کہ وہ جن برے عقاید کو چھپاتے ہیں تو ان کو ان کی سخت سزا ملے گی اور دوسرا عذاب بایں معنیٰ ہوگا کہ وہ اپنی حقیقت کو چھپا کر حسنات کا اظہار کرتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا **ومکر اولئک ھو یبور** یعنی ان کا اپنا مکر ہی انہیں تباہ و برباد کر دے گا۔ ورنہ قاعدہ الٰہیہ ہے کہ معاملات کے مطابق ہی کرامات ظاہر ہوتی ہیں۔

حکایت بایزید حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ایک رات مجھے ظہور نظر آیا تو میں نے کہا کہ یہ اگر شیطانی ہے تو میں آج اس سے بہتر اور بلند ہمت ہوں کہ اسے مجھ سے کام پڑا ہے اگر تجھ سے ہے تو اسے چھوڑیئے تاکہ خدمت (عبادت) سے کرامت تک پہنچوں۔

سبق خدمت (عبادت) بالخصوص ظہور انوار و کشف و اسرار کا وسیلہ اور سبب ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ ایمان صرف تمنا کا نام نہیں یعنی تصدیق بالقلب مع عمل صالح ایمان کے لیے ضروری ہیں بہرحال تصدیق بالقلب کو پختہ کرنے کے لیے صدق معاملہ یعنی عمل صالح لازم ہے جو صرف زبانی کلامی اور خیالی خالی باتوں میں مست ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو جنگل میں کشتی چلانے کا ارادہ رکھتا ہے ؎

گر ہمہ علم عالمت باشد
بے عمل مدعی و کذابی

ترجمہ: اگر تمام دنیا کا علم تمہیں حاصل ہو اور تم عمل نہیں کرتے تو تم جھوٹے مدعی اور کذاب ہو۔

ہمیں اللہ تعالیٰ شرائع و احکام کے ترک سے محفوظ رکھے اور حدود و آداب عمل و کلام کی رعایت سے مشرف فرمائے۔ وہی ہر مدعا و مراد کو آسان کرنے والا ہے۔

---

[1] جیسے وہابی تبلیغی دیوبندی فرقے کا طریقہ ہے کہ اگر وہ اپنے برے عقاید عوام کے سامنے ظاہر کر دیں تو عوام انہیں منہ نہ لگائیں۔ آزما کر دیکھ لیں۔ اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تفسیر عالمانہ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا بعث ونشور کی صحت پر دیگر دلیل ہے یعنی ابتداءً مٹی سے آدم علیہ السلام کے ضمن میں تمہاری اجمالی تخلیق فرمائی تاکہ تم مٹی کی طرح متواضع و متخشع ہوں۔

حدیث شریف میں ہے:

"بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین کو نرم بنایا تاکہ تم اس کے کاندھوں پر چلو اور بنو آدم کو مٹی سے بنایا تاکہ انہیں تواضع سکھائے لیکن انہوں نے تواضع سے انکار کرکے تکبر کیا اور وہ بہشت میں ہرگز داخل نہ ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہوگا۔"

ف: بعض نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ قبر میں مدفون ہوں گے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ تم مخلوق میں بارگاہِ حق سے بعید تر ہو کیونکہ مٹی سے ہو اور مٹی تمام مخلوق سے اسفل اور کثیف تر ہے اس لیے کہ اس کے اوپر پانی ہے اور وہ لطیف ہے اور پانی کے اوپر ہوا ہے اور وہ اس سے لطیف تر ہے اور ہوا کے اوپر اثیر ہے اور وہ اس سے لطیف ہے اور اس کے اوپر آسمان ہے اور آسمان اثیر سے لطیف ہے لیکن ان تمام کی لطافت آسمان کی لطافت سے کوئی مشابہت نہیں رکھتی اس لیے کہ عناصر کی لطافت اجسام کی ہے اور آسمان کی لطافت اجرام سے اور اجسام کی لطافت خرق والتیام کے قابل ہے لیکن اجرام کی لطافت خرق والتیام کو قبول نہیں کرتی پھر ہر آسمان کے اوپر دوسرا آسمان ہے ہر پہلے سے دوسرا زیادہ لطیف ہے تمام آسمانوں کے اوپر کرسی ہے اور [illegible] ان تمام آسمانوں سے لطیف تر ہے کرسی کے اوپر عرش ہے اور وہ کرسی سے لطیف تر ہے اور عرش کے اوپر عالمِ ارواح ہے اور وہ عرش سے لطیف تر ہے لیکن عرش وغیرہ کی لطافت کو عالم ارواح کی لطافت سے کوئی مشابہت نہیں کیونکہ عرش وغیرہ کی لطافت اجرام سے ہے عرش وغیرہ اور عالم ارواح کی لطافت میں یہ فرق ہے کہ عرش وغیرہ کی لطافت جہات ستہ رکھتی ہے اور عالم ارواح کی لطافت میں جہات ستہ نہیں پھر عالم ارواح کے اوپر اللہ ہے جو اپنی تمام مخلوق (بندوں وغیرہ) پر غالب ہے اور وہ ارواح سے بھی لطیف تر ہے لیکن اس کی لطافت کو ارواح کی لطافت سے کسی قسم کی مشابہت نہیں کیونکہ ارواح کی لطافت نورانیہ علویہ اور اپنے ماتحت کو ایسے محیط ہے جیسے علم معلوم کو اور اللہ تعالیٰ تو ہر شے کے اوپر ہے اور وہ ان اوصاف سے منزہ و مقدس ہے کوئی شے اس کی مثل نہیں وہ سمیع وبصیر وعلیم ہے۔

تفسیر عالمانہ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ نطفہ وہ صاف پانی جو باپ کی پشت اور ماں کے سینے سے خارج ہوتا ہے قلیل ہو یا کثیر۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں تفصیلی طور پر پیدا فرمایا کہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تم پانی کی طرح ہر کمالی کو قبول کرنے والے ہو جاؤ۔ یہی حیاۃ کا سر اور عناصر اربعہ کا مبدأ ہے۔

ف : بعض نے کہا کہ ہم نے تمہیں مٹی یعنی آدم سے پیدا کیا کیونکہ وہی تمام مخلوق کی اصل ہے۔ اس کے بعد نطفہ سے یعنی تناسل و توالد کے ذریعہ ذریت آدم پھیلائی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ تمہیں ہم نے اسفل المخلوقات سے پیدا کیا اور یہ نطفہ ہے اس لیے کہ تراب درکۂ مرکبیہ میں نزول کر کے درکۂ نباتیہ میں پہنچ کر درکۂ حیوانیہ میں آتی ہے پھر وہاں سے درکۂ انسانیہ میں پہنچتی ہے اور درکہ تمام سفلی مخلوق سے اسفل ہے اور تمام مخلوق سے آخر میں پیدا ہوا جیسے درخت کی آخری ٹہنی سب سے آخر میں پیدا ہوتی ہے لیکن سب سے اونچی۔ لیکن وہی تمام درخت کا بیج ہے اس میں صلاحیت ہے کہ اس سے درخت پیدا ہو۔ یہ درخت کے تمام اجزاء کا خلاصہ ہے۔

تفسیر عالمانہ ثُمَّ جَعَلَكُمْ أَزْوَاجًا پھر تمہیں مختلف رنگوں میں بنایا سرخ، سفید، کالے یا مرد اور عورتیں۔ قتادہ نے فرمایا: تمہیں ایک دوسرے کے زن و شوہر بنایا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں ارواح و اجسام کے ازدواج کی طرف اشارہ ہے روح قرب کے اعلیٰ مراتب سے اور جسم درکات بعد میں اسفل ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اقرب الاقربین کو ابعد الابعدین سے ملایا اور جسم کے ظاہر میں حواس خمسہ کو اور اس کے باطن میں قوائے بشریہ کو مرتب فرمایا اور روح کے لیے مدرکات روحانیہ مرتب فرمائے تاکہ روح اور قالب عوالم غیب و شہادت کے تمام کو ادراک کریں اور انہیں معلوم ہو کہ عالم غیب و شہادت پر منجانب اللہ کس طرح خلافت کرتی ہے ؎

آدمی شاہ و کائنات سپاہ
مظہر کل خلیفۃ اللہ

ترجمہ: آدمی بادشاہ اور جملہ کائنات اس کی سپاہ ہے۔ یہ مظہر کل اور اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے۔

تفسیر عالمانہ وَمَا نافیہ ہے تَحْمِلُ اور نہیں حاملہ ہوتی مِنْ أُنْثٰى عورتوں میں سے۔ من زائدہ ہے استغراق کی نفی اور اس کی تاکید ہے۔ انثیٰ، مذکر کی نقیض ہے۔ انسانی تخلیق کے لیے بوجہ قرینہ کے اصل ہیں کما فی المفردات۔

وَلَا تَضَعُ اور نہیں وضع حمل کرتی اِلَّا بِعِلْمِهٖ مگر اس کے علم پر یعنی اس کی مشیت کے تابع ہے۔

ف : بحر العلوم میں ہے کہ یہ محلاً حال ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہر حاملہ کے حمل اور وضع حمل کا علم اسی کو ہے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

دیا جاتا ہے کہ اس کا حمل کہاں ہے ، کیا ہے ، کتنے دن اور کتنی ساعات پیٹ میں رہے گا ، اس کے احوال کیا ہیں ، کیا نکلے گا ، پورے ماہ کا ہو کر پیدا ہوگا ، نر ہے یا مادہ ہے وغیرہ۔

وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ ما نافیہ ہے ۔ تعمیر بمعنے عمر دینا معمر بمعنے طویل العمر ۔ کبھی معمر کو ابن السبیل بھی کہتے ہیں من معمر بمعنے من احد ہے من زائدہ ہے من انثیٰ کی طرح یہ بھی نفی کی تاکید کرتا ہے اور یہ باعتبار تصییر کے ہے یعنی از باب تفعیل ہے یعنی ہر وہ شخص جو لمبی عمر رسیدہ ہوگا ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ کوئی بھی لمبی عمر نہیں دیا جاتا وَلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖۤ اور کوئی بھی عمر میں کم نہیں ہوتا۔

عمر بمعنے زندگی سے تعمیر بدن کی مدت ۔

حل لغات

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ آپ عمر کو بجزم المیم پڑھتے تھے ۔ ویسے دونوں لغتیں مستعمل ہیں جیسے نُکْرٌ و نُکُرٌ اور ضمیر معمر کی طرف راجع ہے۔

سوال : معمر کی جب عمر مقرر ہو گئی پھر اس کا گھٹنا تو محال ہے اور کلام الٰہی میں ایسی عبارت کا ہونا بھی محال ہے۔

جواب : عبارت میں تسامح اور فہم سامع پر بھروسا کے طور ایسی عبارات عرب میں عام اور بلیغ سمجھی جاتی ہیں اور پہلے بھی ہم نے عرض کیا ہے ۔ معمر سے ہر وہ شخص مراد ہے جو طویل عمر پانے کے قابل ہو ۔ اس کا معنیٰ یہ نہیں کہ اس کی عمر پہلے لمبی تھی پھر گھٹائی جائے بلکہ معنیٰ یہ ہے کہ اس کی وہی عمر جو ابتداء میں کم رکھی گئی۔

اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مگر وہ کتاب یعنی لوح محفوظ یا علم الٰہی میں یا ہر انسان کے صحیفہ میں اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ۝ بیشک یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آسان ہے ۔ یعنی تخلیق اور اس کا مابعد باوجودیکہ یہ جملہ امور حیران کن ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے آسان ہیں کیونکہ اسے اسباب کی ضرورت نہیں ۔ جیسے یہ امور اس کے لیے آسان ہیں تو مرنے کے بعد تمہارا اٹھنا بھی اس کے لیے آسان ہے۔

مسئلہ : بحر العلوم میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ زیادۃ و نقصان اللہ تعالیٰ کے لیے آسان ہے نہ اسے کوئی روک سکتا ہے اور نہ کسی کی اسے محتاجی ہے۔

ف : آیت میں زیادۃ و نقصان فی العمر میں وہی مفہوم ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا ہے ورنہ ایک ہی انسان میں عمر کا نقصان و زیادۃ نہیں ہوتا۔

بعض علماء نے فرمایا کہ ایک ہی انسان کی عمر مختلف اسباب سے بڑھتی گھٹتی بدل جاتی ہیں تقدیریں ہے جیسا کہ لوح محفوظ میں لکھ دیا جاتا ہے کہ فلاں نے اگر حج پڑھا تو اس کی عمر ساٹھ سال ہوگی ورنہ چالیس سال کے بعد مر جائے گا ۔ اگر حج پڑھے گا تو اس کی عمر ساٹھ سال ہوگی ورنہ چالیس سال کی عمر میں مر جائے گا ۔ اس سے ثابت ہوا کہ اس کی انتہائی ساٹھ سال کی عمر تھی نہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بڑھنے سے چالیس سال ہوئی۔ ایسے ہی عمر کو معلق کیا جاتا ہے کہ اگر اس نے صدقہ دیا یا صلہ رحمی کی تو اس کی عمر اسی سال ہوگی ورنہ پچاس سال۔

حدیث شریف ۱ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الصدقة والصلة تعمران الديار وتزيدان في الاعمار۔

(صدقہ صلہ رحمی علاقے آباد کرتے ہیں اور زندگیاں بڑھاتے ہیں)

حدیث شریف ۲ میں ہے:

ان المرء ليصل رحمه وما بقي من عمره الا ثلاثة ايام فينشئه الله الى ثلاثين سنة وانه ليقطع الرحم وقد بقي من عمره ثلاثون سنة فيصيره الله الى ثلاثة ايام۔

(جب کوئی صلہ رحمی کرتا ہے تو اس سے قبل اس کی عمر کے صرف تین دن رہتے ہوں گے لیکن صلہ رحمی کی برکت سے اس کی عمر بڑھا کر تیس سال کر دی جاتی ہے ایسے ہی جب کوئی صلہ رحمی نہیں کرتا تو اس کی عمر تیس سال سے کم کر کے صرف تین دن کر دی جاتی ہے)

حدیث شریف ۳ میں ہے:

برالوالدين يزيد في العمر والكذب ينقص الرزق والدعاء يرد القضاء۔

(والدین کی خدمت گزاری عمر کو بڑھاتی ہے اور جھوٹ رزق کو گھٹاتا ہے اور دعا تقدیر بدل دیتی ہے)

ف: بعض اکابر نے فرمایا کہ علماء میں کسی کا اختلاف نہیں کہ قضاء و قدر کا حکم تمام مخلوق کو شامل بلکہ جمیع موجودات کو حاوی ہے اور اللہ کے جمیع صفات و افعال و احوال پر اس کے لوازمات طاری ہوتے ہیں۔

سوال: اگر ایسا حال ہے تو مذکورہ بالا احادیث مبارکہ کا کیا جواب ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رزق مقسوم اور اجل معین کے اضافہ کی دعا سے منع فرمایا ہے اور ساتھ ہی حکم فرمایا ہے کہ دوزخ کے عذاب اور قبر کے عذاب وغیرہ سے پناہ مانگو۔ ایسے مختلف مضامین میں تطبیق کیسے ہوگی؟

جواب: مقدورات (تقدیر الٰہی) دو قسم ہے:

(۱) کلیات

(۲) جزئیات تفصیلیہ

کلیات تو صرف انسان کے ساتھ مخصوص ہیں۔ چنانچہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

فرمایا کہ یہ چار امور میں محصور ہیں :

(i) عمر
(ii) رزق
(iii) اجل
(iv) سعادۃ و شقاوۃ

یہ امور کبھی متغیر نہیں ہوتے یعنی گھٹتے بڑھتے نہیں، نہ ہی دعا کسی قسم کا فائدہ دیتی ہے نہ ہی صلہ رحمی سے اسے کوئی نفع ہے اور احادیث مذکورہ میں بالفرض والتقدیر محذوف ہے۔ یعنی اگر رزق کا بڑھنا یا اجل کا مؤخر ہونا ممکن ہوتا تو صلہ رحمی و صدقہ سے ہوتا اور ان کو ان میں بہت بڑا دخل ہوتا بہ نسبت اور امور کے ان کو ان پر ترجیح ہوتی لیکن نہ ان کو دخل ہے نہ کسی اور امر کو اور فرض محال کو کسی امر سے متعلق کرنا بربنائے حکمت جائز ہوتا ہے جیسے فرمایا :

قل ان کان للرحمٰن ولد فانا اول العابدین۔

(کہہ دیجئے اگر خدا تعالیٰ کی اولاد ہوتی تو سب سے پہلے میں ہی اس کی عبادت کرتا)

ہاں جزئیات اور اس کے لوازم تفصیلیہ کے بعض کا کبھی انسان کے لیے ظہور ہو جاتا ہے اور وہ بھی اسباب و شروط سے معلق ہو کر جن میں دعا و کسب و سعی و عمل بھی ہیں یعنی انہیں ان شرائط وغیرہ کے بغیر حاصل نہیں کیا جا سکے گا۔

ف : ابن الکمال نے فرمایا کہ نظر دقیق سے یہی ثابت ہوتا ہے طویل العمر انسان کے لیے لکھا جاتا ہے کہ اس کا عمر تک پہنچنا نہ پہنچنا دونوں طرح جائز ہے۔ مثلاً فلاں کام کرے گا تو عمر طویل پائے گا ورنہ کم عمر فوت ہوگا اس تقریر پر تقدیر میں تغیر واقع نہ ہوئی وہ اس لیے کہ انسان کی زندگی انفاس پر مشتمل ہے نہ کہ ایام یا سالوں پر اور سب کو معلوم ہے کہ ایام میں انفاس بڑھتے گھٹتے ہیں کیونکہ انسان کے انفاس مختلف اطوار سے بسر ہوتے ہیں تندرستی اور عافیت اور مرض اور تکالیف سے دوچار ہونا ہی پڑتا ہے۔

حبس نفس کا راز اس کو سمجھنے کے بعد وہ راز واضح ہو گیا کہ بعض صاحبان حبس نفس کرتے ہیں تو اس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ زندگی میں اضافہ ہو اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ صدقہ و صلہ زیادتی عمر کا سبب ہیں۔

ف : بعض نے کہا ینقص سے مراد عمر کا وہ حصہ جو گزر گیا کیونکہ ہر بندے کے صحیفے میں روزانہ لکھا جاتا ہے کہ اس کا ایک یا دو دن گزر گئے اور باقی اس کی عمر اتنی رہ گئی۔ چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہر ذی روح کی زندگی مقرر شدہ ہے تو جتنا وقت گزرتا ہے اتنی ہی اس کی عمر گھٹتی ہے۔ بعض نے کہا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

عمر کے گھٹنے سے وہ زندگی مراد ہے جو بغیر رضائے خدا کے بسر ہو۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

فدائے دوست نکردیم عمر و مال دریغ
کہ کار عشق زما ایں قدر نمی آید

ترجمہ: دوست پر عمر و مال فدا نہ کیا جس کا ہمیں سخت افسوس ہے عشق میں ہم سے یہ بھی نہ ہو سکا۔

اور فرمایا: ؎

اوقات خوش آں بود کہ بادوست بسر رفت
باقی ہمہ بے حاصلی و بے خبرے بود

ترجمہ: وہ اوقات بہتر ہیں جو دوست کے ساتھ بسر ہوئے اس کے سوا باقی اوقات بے حاصل اور بے خبری کے سوا کچھ نہیں۔

مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

ہر دم از عمر گرامی ہست گنج بے بدل
می رود گنج چنیں ہر لحظہ برباد آہ آہ

ترجمہ: عمر گرامی کا ہر لمحہ بے بدل خزانہ ہے ہر لحظہ ایسا خزانہ برباد ہو رہا ہے افسوس صد افسوس۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ ہر دم از عمر می رود نفسی
چوں نگہ می کنم نماندہ بسی

۲ عمر برفت و آفتاب تموز
اندکے ماند و خواجہ غرہ ہنوز

ترجمہ: (۱) عمر سے ایک ایک سانس گھٹ رہا ہے جب میں نے غور کیا تو بہت سا وقت اسی طرح گزر گیا۔

(۲) عمر گزر گئی اور سورج گرم وقت تھوڑا رہ گیا لیکن صاحب ابھی دھوکا میں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو بیداری و ہوشیاری بخشے۔ (آمین)

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ دو دریا برابر نہیں۔ بحر ہر وہ فراخ جگہ جو بہت سے پانی کی جامع ہو اسی لیے متوسع فی العلم کو بحر (العلوم) کہا جاتا ہے۔

القاموس میں ہے کہ البحر بمعنے الماء الکثیر میٹھا ہو یا کڑوا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بعض نے کہا دراصل کڑوے پانی کو بحر کہا جاتا ہے۔ میٹھے پر اس کا اطلاق مناسبت سے آتا ہے جیسے شمس و قمر ملا کر قمران کہا جاتا ہے۔

اخوان الصفا میں ہے بحار وہ جگہیں جہاں بہت سا پانی جمع ہو۔

هٰذَا ایک ان کا عَذْبٌ میٹھا ہے فُرَاتٌ بہت زیادہ میٹھا کہ پینے سے پیاس بجھ جائے۔ تاج المصادر میں ہے الفروتة یعنی پانی کا اچھا ہونا۔ صیغہ صفت فعال کے وزن پر آتا ہے اور یہ واحد جمع دونوں کے لیے برابر ہے سَائِغٌ شَرَابُهٗ اس کا پینا خوشگوار ہے کہ حلق میں آسانی سے اتر جاتا ہے بوجہ میٹھا ہونے کے کیونکہ میٹھا طبیعت کے موافق ہے اسی لیے اسے قوت جاذبہ آسانی سے جذب کر لیتی ہے۔

سائغ یعنی خوشگوار۔ اہل عرب کہتے ہیں ساغ الشراب۔ اس کا مدخل سہل ہے شراب ہر وہ شے جو پیا جائے۔ یہاں پر شراب سے پانی مراد ہے۔ وَهٰذَا دوسرا ان کا مِلْحٌ کڑوا ہے۔ المفردات میں ہے الملح وہ پانی جس کا ذائقہ معروف طریق سے متغیر ہوا اور وہ منجمد ہو جائے۔ اہل عرب کہتے ہیں ملح یعنی تغیر طعمه (اس کا ذائقہ متغیر ہوا) اگر وہ منجمد نہ ہو تو کہتے ہیں: ماء ملح۔ اور عرب والے مالح بہت کم استعمال کرتے ہیں۔ پھر یہ لفظ ملاحت کے لیے استعارہ کیا جاتا ہے۔ اسی معنی پر کہتے ہیں رجل ملیح (سانولا آدمی) أُجَاجٌ سخت کڑوا۔ جب شے کی نمکین شدت اختیار کر لے تو وہ شے میں شدت پیدا کر کے کڑوا پن پیدا کر دیتی ہے۔ یہ فرات کی نقیض ہے۔

نکتہ: خریدۃ العجائب میں ہے کہ سمندر کے نمکین اور کڑوا ہونے میں ایک حکمت یہ ہے کہ نہ اسے پیا جا سکے اور نہ ہی پینے وغیرہ کے کام میں لگایا جائے تاکہ بہت عرصہ ٹھہرنے سے بدبودار نہ ہو جائے۔ اگر ایسا ہو تو اس کی بدبو سے زمین کے باسی فنا ہو جائیں۔ اگر وہ میٹھا ہوتا تو لوگ اس سے پانی لیتے، منہ ہاتھ دھوتے اور نہاتے تو بدبو ہوتی۔ اس سے دنیا کا نظام خراب ہو جاتا۔ آنکھ کی روشنی سے اس کو سمجھو کہ جس حصہ میں نور ہے کہ جس سے انسان زمین و آسمان اور عالم دنیا اور اس کے مختلف رنگ دیکھتا ہے وہ ایک چربی ہے جو آنسو میں ڈوبی ہوئی ہے اور آنسو نمکین پانی ہے تو قادر مطلق نے اس چربی کو نمکین پانی سے محفوظ رکھا ہوا ہے۔ اس کی بھی یہی حکمت ہے دیگر بڑے بڑے میٹھے میٹھے پانی کے انہار بہا دئیے۔ لیکن چونکہ وہ ہمیشہ چلتے رہتے ہیں اسی لیے نہ ان کا ذائقہ بدلتا ہے نہ اس میں بدبو ہوتی ہے کیونکہ پانی کا تغیر ایک جگہ پر ٹھہرنے سے پیدا ہوتا ہے وَمِنْ كُلٍّ اور ان دونوں دریاؤں میں سے کہ جن کا ذائقہ مختلف ہے تَأْكُلُوْنَ اے لوگو تم کھاتے ہو لَحْمًا طَرِيًّا تروتازہ گوشت۔ اس سے مچھلی مراد ہے اور اسے تازگی سے موصوف کرنے کی وجہ یہ ہے کہ زیادہ وقت گزرنے پر بدبودار ہو جاتی۔ ہے اسی لئے اسے تازہ تازہ کھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کی تفصیل سورۂ نحل میں گزر چکی ہے وَتَسْتَخْرِجُوْنَ اور سمندر سے تم نکالتے ہو۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سوال : سمندر کا مفہوم تم نے کہاں سے لے لیا؟

جواب : آنے والا مضمون صرف اسی سے متعلق ہے اور وہ سب کو معلوم ہے اسی لیے ہم نے ترجمہ میں اس کا ذکر کر دیا ہے۔

حِلْيَةً سنگار کی اشیاء جیسے موتی اور مرجان۔

سوال : الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ حلیہ سے موتی نمکین اور کڑوے پانی میں ہوتے ہیں میٹھے خوشگوار پانی میں نہیں ہوتے تو پھر تخرج کی نسبت دونوں کی طرف کیسی۔

جواب : چونکہ سمندر میں بعض میٹھے چشمے ہوتے ہیں جن میں موتی مرجان پکتے ہیں۔

ف : الخریدہ میں ہے کہ لؤلؤ بحر ہند و فارس میں بنتے ہیں اور مرجان سمندر میں درخت کی طرح اگتا ہے جب مرجان کلس ہو جاتا ہے تو زیبق اس میں کچھ سفید ہوتا ہے اور کچھ کالا سیاہ اور کچھ سرخ، یہ سرمہ کی طرح آنکھ میں ڈالا جائے تو آنکھ کی رطوبت چوس لیتا ہے۔

تَلْبَسُوْنَهَا تم وہی زیورات کے طور پر اپنی عورتوں کو پہناتے ہو۔

سوال : خطاب تو مردوں کو ہے تم نے عورتوں کی تخصیص کیسے کر دی؟

جواب : زیورات عورتیں پہنتی ہیں اسی لیے ہم نے ان کی تخصیص کی ہے اور ان کی زیب و زینت بھی مردوں کے لیے ہوتی ہے اسی لیے گویا وہی پہنتے ہیں اسی لیے مردوں کو خطاب ہوا۔

شامی دریا کی گستاخی اور یمنی دریا کا ادب اسکا انعام

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شامی دریا کو فرمایا کہ میں نے تجھے پیدا کیا اور تیرے اندر پانی کی فراوانی رکھی تجھ میں اپنے بندوں کو بھیجوں گا جو میری تسبیح و تہلیل اور تحمید و تکبیر کریں گے اسے دریا! بتا تو میرے ایسے بندوں سے کیا کرے گا؟ عرض کی، ڈبو دوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں تجھ پر انہیں سوار کروں گا تو اپنا خطو سر میں ڈال۔ پھر یمنی دریا کو فرمایا: میں نے تجھے پیدا کیا تجھ میں میرے بندے آئیں گے اور تسبیح و تہلیل اور تحمید و تکبیر کریں گے بتا اے دریا! تو ان سے کیا کرے گا؟ عرض کی تو میں انہیں سر پہ اٹھاؤں گا۔ اس کے اس ادب پر فرمایا: میں نے تجھے دوسرے دریا پر فضیلت بخشی اور موتی اور مچھلی تجھے دی۔ کذا فی کشف الاسرار۔

وَتَرَى الْفُلْكَ اور تم کشتیوں کو دیکھتے ہو **فِيْهِ** ان دونوں میں۔

سوال : یہاں ضمیر واحد کی ہے اور مراد جمع ہیں اس کی وجہ؟

جواب : اس سے خطاب اگرچہ واحد کو ہے لیکن مراد اس سے ہر وہ جو دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے خواہ وہ دریا سے نفع اٹھائے یا نہ۔

مَوَاخِرَ اہل عرب کہتے ہیں سفینۃ ماخرۃ، کشتی دریا کو چیرتی اور ہنکتی ہوئی چلتی ہے تو اسے ماخرا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattori

یہاں اس کی جمع مواخر ہے (المفردات) لِتَبْتَغُوْا اکہ تم طلب کرو۔ لام مواخر کے متعلق ہے۔
اب معنی یہ ہوا کہ وہ کشتیاں آگے پیچھے ایک ہی ہوا سے پانی کو چیر کر چلنے والی مِنْ فَضْلِهٖ اس کے فضل سے کہ انہیں پانی میں چلنے کی طاقت بخشتا ہے۔

ف: بحر العلوم میں ہے ابتغاء الفضل سے تجارت مراد ہے کیونکہ وسعت رزق کے لیے ہے۔ یہی بہت بڑا سبب ہے۔

حدیث شریف میں ہے: میری امت کا ۹ حصے رزق بیع و شرا میں ہے۔

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ اور تاکہ تم اسی فضلِ الٰہی پر شکر کرو۔ لعل کا حرف ترجی اس لیے لایا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ ہے۔

ف: بحر العلوم میں ہے تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو پہچان کر ان کے حقوق ادا کرو کہ وہ کتنی بڑی قدرت والا ہے کہ اس نے ہلاکت گاہوں کو اعلیٰ منافع اور بہترین معاش کا سبب بنایا ہے۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آیت میں اپنی قدرتوں اور نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے۔

نکتہ: بعض مشایخ نے فرمایا کہ میٹھے کڑوے دریا کی مثال مومن و کافر کی ہے کیونکہ جیسے یہ دو دریا ذائقہ میں برابر نہیں تو اہلِ ایمان اور کافر حلاوتِ ایمان و طوحتِ کفر میں برابر نہیں کیونکہ حلاوتِ ایمانی عرفان بخشتی ہے اور طوحتِ کفر طغیان اور سرکشی کی طرف کھینچتی ہے کفر نقش سراب جو عین خطا ہے اور ایمان سراسر صواب ہے۔

ف: و من کلٍّ البحرین کی صفت ہے اور ان کے اندر منافع اور نعمتوں کا استطراد ہے یا کڑوے دریا کی مثال دے کر بتایا ہے کہ کافر سے تو یہ بہتر ہے اس لیے کہ اسے میٹھے دریا کے ساتھ بہت سے منافع میں شرکت ہے۔ مثلاً مچھلی کا پایا جانا اور کشتیوں کا چلنا وغیرہ اور کافر تو ہر طرح کے منافع سے محروم ہے۔

چنانچہ فرمایا:

ثم قست قلوبکم من بعد ذلک فھی کالحجارۃ او اشد قسوۃ وان من الحجارۃ لما یتفجر منہ الانھار وان منھا لما یشقق فیخرج منہ الماء وان منھا لما یھبط من خشیۃ اللہ۔

(پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہوئے تو یہ پتھر جیسے یا اس سے بھی سخت تر بعض پتھر تو وہ ہیں کہ ان سے نہریں جاری ہوتی ہیں بعض ان میں وہ ہیں کہ پھٹتے ہیں تو ان سے پانی نکلتا ہے اور بعض وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے گرتے ہیں)

ف: امام ابو اللیث (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ بعض موقعہ اس سے بہتر شے ظاہر ہوتی ہے یعنی کافر سے مسلمان پیدا ہو جاتا ہے جیسے ولید بن مغیرہ سے حضرت خالد بن الولید اور ابوجہل سے عکرمہ بن

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ابی جہل ۔ (رضی اللہ عنہما ؛

تفسیرِ صوفیانہ آیت میں العذب سے رُوح اور اس کی صفاتِ حمیدہ اور اس کے مشروب وارداتِ ربانیہ کی طرف اور الملح سے نفس اور اس کی صفاتِ مذمومہ اور اس کے مشروب شہواتِ حیوانیہ کی طرف اشارہ ہے اور ہمارے لیے دو کشتیاں ہیں ؛

۱ ۔ شریعت

۲ ۔ طریقت

شریعت کی کشتی بحرِ روح سے بحرِ نفس کی طرف اوامر و نواہی کے بوجھ اٹھا کر چلتی ہے اور طریقت کی کشتی بحرِ روح سے بحرِ الحضرۃ الالٰہیہ کی طرف اسرار و حقائق و معانی کے بوجھ اٹھا کر چلتی ہے ان دونوں کا مقصد یہی ہے کہ شریعت و طریقت کے قدموں پر چل کر بارگاہِ حق میں پہنچا جائے ۔ کما فی کشف الاسرار ۔

ف : دو دریا مختلف یعنی ایک فرات دوسرا اجاج ، ان دو دریاؤں کی مثال ہے جو اللہ اور اس کے بندے کے درمیان ہیں ؛

۱ ۔ ہلاکت

۲ ۔ نجات

دریائے ہلاکت میں پانچ کشتیاں رواں دواں ہیں ؛

(i) حرص

(ii) ریاست

(iii) اصرار بر معاصی

(iv) غفلت

(v) ناامیدی

جو حرص کی کشتی پر بیٹھتا ہے وہ حسرت کے ملک میں پہنچتا ہے ، جو ناامیدی کی کشتی پر سوار ہوتا ہے وہ کفر میں پہنچتا ہے وہاں نجات کے دریا میں کنارے لگنے پر عطا ہی عطا نصیب ہوتی ہے ۔ جو زہد کی کشتی میں بیٹھتا ہے اسے قربِ الٰہی نصیب ہوتا ہے ۔ جو معرفت کی کشتی پر بیٹھتا ہے وہ انس کے ساحل پر اترتا ہے ۔ جو توحید کی کشتی پر بیٹھتا ہے وہ مشاہدہ کے ساحل پر پہنچتا ہے ۔

پندِ پیرِ طریقت پیرِ طریقت نے مریدوں سے فرمایا ، یارو ! اب وقت ہے کہ ہم دریائے ہلاکت سے نکل کر نجات کی راہ لیں اور دریا حسرت سے نجات پا کر دائمی نعمتوں میں پہنچیں تاکہ کہیں ہم ان دائمی نعمتوں کو فانی دنیا میں کسی معمولی شے کے عوض بیچ نہ ڈالیں ۔ نفس تو بیگانہ ہے اس بیگانہ کی خدمت میں نہ لگے رہیں دل کو بیداری نہ ہو تو وہ بمنزلہ اندھے کے ہے ۔ خبردار ! اس سے دُور رہو نفس کو

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اپنی آگاہی نہ ہو تو اسے برباد سمجھو اور بربادی میں عمر ضائع نہ کرو۔ اسی درمی حقیقت پر قانع رہو۔ نفس کے پوشیدہ مکر سے خطرے میں رہو۔ خاتمہ اور نفس کی غداریوں سے ہمیشہ ڈرتے رہو۔ وہ بہترین سخی اور نظم ہے جو ایک نوجوان نے کہی ہے

۱ اے دل ار عافیت باید چنگ ازیں دنیا بدار
پاکبازی پیشہ گیر و راہ دیں کن اختیار

۲ پاے در دنیا نہ و بر دوز چشم نام و ننگ
دست در عقبیٰ زن و بر بند راہ فخر و عار

۳ چوں زناں تا کے نشینی بر امید رنگ و بوے
ہمت اندر راہ بند و گام زن مردانہ وار

۴ چشم آں نادان کہ عشق آورد بر رنگ صدف
واللہ آرد پیشش رسد ہرگز بدر شاہوار

ترجمہ : (۱) اے دل! اگر تجھے عافیت چاہیے تو دنیا سے ہاتھ اٹھالے پاکبازی اختیار کرکے دین کا راستہ لے۔

(۲) دُنیا میں رہ کر نام و ننگ پر نگاہ رکھو۔ توجہ آخرت پر ہو، لیکن فخر و عار سے بچتے رہنا۔

(۳) عورتوں کی طرح کب تک رنگ و بُو میں مست رہو گے، ہمت کا دامن پکڑ کر مردانہ وار چلتے رہو۔

(۴) اس بیوقوف کی غلطی ہے کہ جسے صدف کے رنگ سے عشق ہے، ان اسے دُرِ شاہوار کی بجائے ہلاکت ہی نصیب ہوگی۔

ایک اور تقریر بعض عارفین نے فرمایا کہ ما یستوی البحران سے دو وقت مراد ہیں،
(۱) بسط جس کا صاحب راحت و فرحت میں ہے۔
(۲) قبض جس کا صاحب دُکھ اور درد میں ہے۔

یہ دونوں جمع ہیں پہلا عبودیت سے موصوف ہے دوسرا شہود ربوبیت سے۔ بندہ جب تک قبض میں ہے اس کا سر ناغرق شدگان کی طرح اور اس کا کھانا بیماروں جیسا ہے اور اس کا عیش قیدیوں کی طرح کہ خواری اور عاجزی سے زندگی بسر کرتا ہے اور چلتا ہے۔ زاری و زباں سے بولتا ہے تو انکساری و تذلل سے آنکھیں پرنم جگر آگ میں دونوں ہاتھوں میں ہلاکت اور سر میں خاک ذلت و خواری انجام ہر وقت اس سے ظاہر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے بسط و انبساط کا سامان پیدا کرکے اس کے دل کو کھولتا ہے تو اس کا دل ہمیشہ مالک سے خوشی اور سر اطاعت [illegible] شکر بجا لاتا ہے اور اللہ تعالیٰ

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سے راز و نیاز کی باتیں کہتا ہے الٰہی! تو ہی میرا ذکر و شکر ہے تو ہی میری دولت ہے تو ہی میرا غم و اندوہ اور تو ہی میرا دماغ اور تو ہی میرا چراغ، تو ہی میرا زخم اور تو ہی میری مرہم ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے برازخ و قیود سے خلاص اور وجدان و شہود کی انتہائی منزل تک پہنچنے کا سوال کرتے ہیں وہی رحیم و ودود ہے۔

تفسیر عالمانہ

یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اس سے رات کے بعض اجزاء کا دن میں اور دن کے بعض اجزاء کا رات میں داخل ہونا مراد ہے۔ پھر ایک گھٹتا ہے تو دوسرا بڑھتا ہے جیسے ربیع و صیف میں ہوتا ہے۔ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اور تابع کیا سورج اور چاند کو، یعنی اپنے حکم کے تابع بنایا۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ سورج و چاند کی تسخیر کا معنٰی یہ ہے کہ انہیں لوگوں کے لیے نافع بنایا کہ انہیں ان کی چال سے سالوں کی گنتی اور دیگر حساب معلوم ہوتا ہے۔

ف: فقیر (صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ اس سے ان کے ایک دوسرے میں داخل ہونے کی حکمت معلوم ہوئی کہ ان کی حرکت سے اوقاتِ مختلف اور فصول اربعہ ظاہر ہوتے ہیں کہ ان پر ان کی مصلحتوں اور بڑے بڑے امور کا دارومدار ہے۔

ف: سخر کا یُوْلِجُ پر عطف ہے۔ ان کا ماضی و مضارع میں مختلف ہونا بتاتا ہے کہ دن رات کا ایک دوسرے میں داخل ہونا ہر آن میں نیا ہے لیکن ان کی تسخیر کی کوئی گنتی نہیں ہاں تعداد و تجدد ان کے آثار سے محسوس ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی کی طرف اشارہ فرمایا کہ كُلٌّ ہر ایک یعنی سورج اور چاند يَّجْرِیْ اپنی حرکت خاصہ اور حرکت قسریہ علی المدارات الیومیہ سے بحسب تعداد ایام سال ہمیشہ جاری ہوتا ہے لِاَجَلٍ مُّسَمًّى وقتِ مقررہ تک، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے قیامت تک مقرر فرمایا قیامت کے قیام پر ان کی حرکت ختم ہو جائے گی۔ بعض نے کہا اس سے مراد ان کی حرکت تا غروب مراد ہے کیونکہ ہر روز وہ دونوں غروب کر کے پھر قریب زوال سے طلوع کرتے ہیں تو جریان سے وہ حرکتِ خاصہ مراد ہے جو ان کے افلاک میں ہوتی ہے اور اَجَلٍ مُّسَمًّى سے ان کے دورے کی انتہا مراد ہے جو منازل سال میں سورج طے کرتا ہے چاند انہیں ماہ میں طے کر لیتا ہے جب سال کا آخری دن ہوتا ہے وہاں پر سورج کی حرکت کی انتہا ہوتی ہے ایسے ہی جو دن مہینہ کا آخری ہوتا ہے وہ چاند کی حرکت کی انتہا ہے۔ اب معنٰی یہ ہے کہ ان کی حرکت اجل کے ادراک کے لیے ہے کیونکہ ان کی حرکت ادراک اجل سے مخصوص ہے ذٰلِكُمُ یہ مبتدا ہے اور اس کا اشارہ افعال مذکور کے فاعلوں کی طرف ہے۔ اور یہ اشارہ ہوگا بھی مجازی کیونکہ اشارہ کا اصل یہ ہے کہ وہ محسوسات کی طرف ہو اللہ تعالیٰ کا محسوسات میں ہونا محال ہے اور بعید کا اشارہ اظہار عظمت کے لیے ہے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

یہ وہ عظیم الشان ذات جس نے عجیب صنائع کو نئے طریق سے پیدا فرمایا اَللّٰہُ خبر ہے رَبُّکُمْ دوسری خبر ہے لَہُ الْمُلْکُ تیسری خبر ہے یعنی وہ ان صفات کا جامع ہے یعنی وہ معبود ہے پروردگار ہے آسمانوں اور زمینوں کے ملکوں کا مالک ہے۔ فلہٰذا اسی کو پہچانو اسی کی عبادت کرو اور اسی کے احکام کی اطاعت کرو وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ اور جنہیں تم پکارتے اور عبادت کرتے ہو مِنْ دُوْنِہٖ تمہارا حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کی عبادت سے متجاوز ہوتے ہو مَا یَمْلِکُوْنَ مِنْ قِطْمِیْرٍ ○ جو چھلکے کے مالک بھی نہیں۔

القطمیر وہ سفید اور زرد چھلکا جو گٹھلی پر لفافہ کی طرح چمٹا ہوتا ہے۔ یہ قلت و حقارت کے وقت مثال کے طور بولا جاتا ہے۔ ایسے ہی نقیر گٹھلی کا وہ باریک سا پردہ جو گٹھلی کی پشت پر ہوتا ہے جس سے کھجور اگتی ہے اور گٹھلی کے کنارے پر بٹے ہوئے تاگے کی طرح کے ذرہ بھر مقدار کو فتیل کہتے ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ بت تمہیں گٹھلی کے پوست جتنا بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتے اِنْ تَدْعُوْھُمْ اگر تم ان کو اعانت اور دفع ضرر کے لیے پکارو لَا یَسْمَعُوْا دُعَآءَکُمْ تو وہ تمہاری پکار سنتے ہی نہیں کیونکہ وہ پتھر ہیں اور پتھر میں سماع کہاں وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَکُمْ تمہیں کوئی جواب نہ دے سکیں گے کیونکہ ان کی زبان ہی نہیں تو بولیں گے کیا، یا وہ تمہاری التماس کو پورا نہ کر سکیں گے کیونکہ نفع دینے سے بالکل عاجز ہیں اس لیے کہ جو اپنے لیے نفع دینے کا مالک نہیں وہ دوسرے کو کیا نفع دے گا۔ جواب کا نفی لازم سے فرمایا کہ وہ نہ ہی ایصالِ منافع پر قادر ہیں نہ ہی دفعِ مکارہ کے اہل ہیں وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَکْفُرُوْنَ بِشِرْکِکُمْ اور قیامت میں تمہارے شرک کا انکار کریں گے اور کہیں گے۔

ماکنتم ایانا تعبدون۔ (تم تو ہماری پرستش نہیں کرتے تھے)

سوال: بت جب پتھر ہیں تو پھر ان کے لیے ضمیر[ف] ذوی العقول کیوں؟

[ف] وہابیہ چونکہ اولیاء و انبیاء کو اس آیت میں شامل کرتے ہیں تو کہتے ہیں بقول اہلسنت اگر یہاں بت مراد ہیں تو پھر یہاں اور اس جیسی آیات میں ضمائر ذوی العقول کیوں؟ تو اس کا جواب وہی دیا جائے گا جو حضرت اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں پر لکھا ہے۔

جواب دوم یہ ہے کہ آیت ہذا اور اس جیسی آیات میں جتنے صفات بیان کیے گئے ہیں وہ بتوں کے لائق ہیں کیونکہ ان کے لیے کہا گیا کہ وہ کسی شے کے مالک نہیں اور انبیاء و اولیاء باذنہٖ تعالیٰ بہت سے امور پر بجانب اللہ مختار ہیں۔ ان کے لیے کہا گیا وہ کچھ سنتے نہیں، انبیاء و اولیاء سنتے ہیں قبور سے باہر کا تو وہابیہ کو بھی انکار نہیں بعد وفات کی تخصیص قرآن میں نہیں اور ان کو جواب دینے کی قدرت نہیں اور انبیاء و اولیاء نے بندوں کی پکار کا جواب دیا فی الحیاۃ بھی بعد الممات بھی۔ اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

جواب: چونکہ بت پرست اپنی جہالت و عناد سے بتوں کو ذی فہم و تمیز مانتے تھے نیز اس سے ہر معبود من دون اللہ مراد ہے انسان ہو یا جن یا بت وغیرہ۔ پھر ذوی العقول کے غلبہ سے صیغے اور ضمائر ذوالعقول کے لائے گئے ہیں (بحر العلوم)

وَلَا یُنَبِّئُکَ مِثْلُ خَبِیْرٍ ○ اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اس امر کی تمہیں کوئی مخبر خبر نہ دے گا جیسے تمہیں اس مخبر نے خبر دی ہے۔ اس سے حق تعالیٰ مراد ہے کیونکہ وہی امور کی کنہ کو جانتا ہے بخلاف دوسرے مخبرین کے کہ وہ شے کی کنہ کو نہیں جانتے۔ اس سے ان کے معبود کے احوال اور ماسوی اللہ کی عبادت کی خبریں مراد ہیں۔

الخبیر کے معانی

۱۔ صاحب لباب نے کہا کہ لفظ مثل اللہ تعالیٰ پر مضاف کرکے استعمال کرنا ناجائز ہے لیکن یہ اضافت محض مثال کے طور ہے اور اس کے لیے بولتے ہیں جس کی خبر پر کسی قسم کا اعتبار و اعتماد نہ ہو۔

۲۔ الفروقی نے فرمایا الخبیر وہ ہے جو شے کی کنہ اور دقائق امور کو جان کر خبر دے اور ان دقائق کے حقائق کو نہ تو حیلے سے جانا جا سکے نہ اس میں کسی کو کسی قسم کا اختیار ہے۔

۳۔ امام غزالی نے فرمایا الخبیر وہ ہے جس سے اخبار باطنہ پوشیدہ نہ ہوں اور ملک و ملکوت میں کوئی شے جاری نہیں ہوتی اور کوئی ذرہ حرکت نہیں کرتا اور کوئی سانس نہیں نکلتا اور نہ ہی سکون پکڑتا ہے مگر ان جملہ امور کا اس کو علم ہوتا ہے ؎

بر احوال نابودہ علمش بصیر
بر اسرار ناگفتہ لطفش خبیر

ترجمہ: احوال نابودہ کو اس کا علم دیکھنے والا ہے اور اسرار ناگفتہ سے اس کا لطف باخبر ہے۔

ف: بندے کو اس اسم سے یہ فائدہ ہے کہ جو اس کے بدن اور قلب پر غش و خیانت اور نقد حال و اظہار شر و اخفاء خیر و تحمل باظہار الاخلاص والافلاس کا اجرا ہو ان تمام امور سے باخبر ہو اور ایسے پوشیدہ امور کی خبر حاصل نہیں ہوتی جب تک توحید کا اظہار و اعتقاد و تحقیق اور شرک اور اس کے متعلقات سے روگردانی کرکے وصول الی اللہ نہ ہو ؎

غلام ہمت آنم کہ زیر چرخ کبود
ز ہر چہ رنگ تعلق پذیرد آزاد است

ترجمہ: میں اس کی ہمت کا نیازمند ہوں جو اس نیلے گنبد کے نیچے ہر رنگ کے تعلق کو قبول کرنے سے آزاد ہے۔

ف: تعلق ماسوی اللہ نہ تو کسی فائدہ کے حاصل کرنے کے لیے نافع ہے اور نہ نقصان پہنچانے کا دافع کیونکہ یہ سب کے سب مخلوق ہیں اور مخلوق عاجز ہے اور قدرت کاملہ صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اسی لیے اسی کی توحید و عبادت و طاعت اور اسی کے ساتھ تعلق جوڑنا ضروری ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ
اے لوگو تم سب اللہ کے محتاج اور اللہ ہی بے نیاز ہے
الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۱۵﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى
سب خوبیوں سراہا وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور نئی مخلوق لے آئے اور یہ اللہ پر کچھ دشوار نہیں
اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا
اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی اور اگر کوئی بوجھ والی اپنا بوجھ بٹانے کو کسی کو بلائے تو اس
لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۗ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ
کے بوجھ میں سے کوئی کچھ نہ اٹھائے گا اگرچہ قریب رشتہ دار ہو اے محبوب تمہارا ڈر سنانا تو انہیں کو کام دیتا ہے جو بے دیکھے اپنے رب سے
بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۚ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾
ڈرتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں اور جو ستھرا ہوا تو اپنے ہی بھلے کو ستھرا ہوا اور اللہ ہی کی طرف پھرنا ہے
وَمَا يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ﴿۱۹﴾ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ﴿۲۰﴾ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ﴿۲۱﴾
اور برابر نہیں اندھا اور انکھیارا اور نہ اندھیریاں اور اجالا اور نہ سایہ اور نہ تیز دھوپ
وَمَا يَسْتَوِى الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ
اور برابر نہیں زندے اور مردے بے شک اللہ سناتا ہے جسے چاہے اور تم نہیں سنانے والے انہیں
مَّنْ فِى الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ﴿۲۳﴾ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۗ
جو قبروں میں پڑے ہیں تم تو یہی ڈر سنانے والے ہو اے محبوب بیشک ہم نے تمہیں حق کے ساتھ بھیجا خوشخبری دیتا اور ڈر
وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴿۲۴﴾ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ
سناتا اور جو کوئی گروہ تھا سب میں ایک ڈر سنانے والا گزر چکا اور اگر یہ تمہیں جھٹلائیں تو ان سے اگلے بھی جھٹلا چکے ہیں
قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَخَذْتُ
ان کے پاس ان کے رسول آئے روشن دلیلیں اور صحیفے اور چمکتی کتاب لے کر پھر میں نے کافروں
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۲۶﴾
کو پکڑا تو کیسا ہوا میرا انکار

تفسیر عالمانہ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ الفقراء، فقیر کی جمع ہے جیسے فقار، فقیرہ کی جمع ہے۔ فقیر بمعنے مکسور یعنی کمزور حال۔ اور فقار، فقر بمعنی کسی کی پیٹھ توڑنا (تاج المصادر) از باب ضرب اور قاموس میں باب کرم (شرف) سے لکھا ہے۔ امام راغب نے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مفردات میں لکھا کہ افتقر فهو مفتقر و فقیر عرب میں عام مستعمل ہے لیکن فقر (ماضی) استعمال نہیں ہوا اگرچہ قیاس کے تقاضا پر جائز ہے کہ اس طرح بھی مستعمل ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ فقیر مفتقر کی طرح صیغۂ مبالغہ ہے یعنی بہت بڑا اور احتیاج، اور فقر یعنی حاجت ضروریہ کا ہونا یعنی جس شے کی ضرورت ہے اس کا فقدان۔ الفقراء کا معرف باللام ہونا ان کے فقر میں مبالغہ کے لیے ہے کہ اپنی ضروریات میں بہت بڑے محتاج گویا صرف یہی ہے اگرچہ باقی اخلاق کی محتاجی بہ نسبت ان کی فقیری کے کالعدم ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اے لوگو تم کو اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی محتاجی ہے تمہاری اپنی ذات کے متعلق اور ان امور میں جو تمہیں عارض ہوتے ہیں یا وہ مصائب جن میں تم مبتلا ہوتے ہو کیونکہ ہر حادثہ میں اپنے خالق کی محتاجی ہے وہی اسے پیدا کرتا ہے اور وہی اسے باقی رکھتا ہے اور انسان رزق اور دیگر جملہ منافع دنیوی کے حصول اور تمام تکالیف میں اور عوارض کے دفع کرنے میں اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے ایسے ہی آخرت میں عذاب سے بچاؤ اور مغفرت میں اسی کا محتاج ہے۔ خلاصہ یہ کہ انسان اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال میں اس کے فضل و کرم کا محتاج ہے۔

نکتہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ انتم الفقراء کا ایسا برگزیدہ خطاب ہے کہ سوائے انسان کے اور کسی کو مشرف نہیں فرمایا گیا یہاں تک کہ ملائکہ مقربین کو بھی ایسا خطاب نصیب نہیں اس لیے کہ باقی مخلوق صرف اللہ تعالیٰ کے افعال کی محتاج ہے کہ اسے صرف تخلیق سے تعلق ہے بخلاف انسان کے کہ وہ اس کی ذات و صفات کا محتاج ہے۔ خلاصہ یہ کہ جملہ مخلوق اگرچہ اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے لیکن حقیقی محتاجی یعنی ذات و صفات کا محتاج ہونا صرف انسان سے ہے۔

ایک مثال جیسے ایک بادشاہ جو صاحب جمال ہو اس کے خزائن میں جملہ رعایا کو ضرورت ہے لیکن اس کے عشاق اس کے حسن و جمال پہ فریفتہ اس کی عین ذات کے محتاج ہیں۔ اس معنی پہ رعایا بادشاہ کے افعال کی محتاج ہے لیکن عشاق بادشاہ کے افعال کے بھی محتاج ہیں اور اس کی ذات کے بھی کیونکہ عاشق کو تو صرف معشوق چاہیے ؎

کام عاشق دولت دیدار یار
قصد زاہد جنت و نقش و نگار

ص ۹۱۶ سے آگے

خاصیت خبیر (۱) اس اسم کی خاصیت یہ ہے کہ ہفتہ بھر اس کا مسلسل ذکر روحانیت کو ایسی جلا بخشے گا کہ جس خبر کا ارادہ کرے گا اسے حاصل ہو جائے گی وہ خبر سنت سے متعلق ہو یا بادشاہوں سے متعلق یا قلوب سے وغیرہ وغیرہ (شمس المعارف)۔

(۲) جو شخص کسی کے ظلم میں گرفتار ہو تو اس اسم کے ذکر میں کثرت کرے ایذا دینے سے نجات پائے گا۔ (ان شاء اللہ) شرح الاسماء الحسنیٰ للشیخ الزروقی۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۲ ہرچہ جز عشق حقیقی شد وبال
ہرچہ جز معشوق باقی شد خیال

۳ ہست در وصلت غنا اندر غنا
ہست در فرقت غم و فقر و عنا

ترجمہ : (۱) عاشق کی مراد یار کی دولت دیدار ہے اور زاہد کو جنت اور نقش ونگار چاہیے۔

(۲) جس کا عشق حقیقی کے سوا مقصد ہے تو وہ اس کے لیے وبال ہے اور معشوق کے سوا باقی تمام مرادیں صرف وہم وخیال ہیں۔

(۳) تیرا وصال غنا ہی غنا ہے تیرے فراق میں غم وفقر اور دکھ ہے۔

ف : یہ بھی انسان کے کمالات سے ہے کہ اسے جمیع وجوہ اسمائے الٰہیہ سے صرف اسم اعظم کی محتاجی ہے کیونکہ وہ اسی کا مظہر کامل ہے بخلاف دوسرے موجودات کے کہ وہ اپنی استعداد کے مطابق اس کے محتاج ہیں دوسروں کی محتاجی من وجہ ہے اور انسان کی محتاجی من کل الوجوہ ہے۔ اسی لیے **حدیث شریف** میں وارد ہے:

الفقر فخری وبہ افتخر۔

(فقر میرا فخر ہے اور اسی پر میں نازاں ہوں)

اور حدیث معنی صحیح ہے اگرچہ اس کے الفاظ میں اختلاف ہے۔ اس کی تائید اس **حدیث شریف** سے ہوتی ہے، حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اللھم اغننی بالافتقار الیک ولا تفقرنی بالاستغنا عنک۔

(اے اللہ! مجھے اپنی محتاجی کا غنی بنا دے اور اپنے سے غنا کی طلب کا مجھے فقیر نہ بنانا)

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر فقرا سے یاد فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

(۱) للفقراء المھاجرین۔

(وہ فقراء مہاجرین)

(۲) للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ۔

(وہ فقراء جو راہ خدا میں روکے گئے)

یہی حقیقی امیری ہے جسے فقیری کے لباس میں ظاہر کیا گیا ہے تاکہ کسی کو ان کی امیری کا علم نہ ہو چنانچہ ان کے حق میں کہا گیا ہے ؎

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ارسلانم خوان تاکسے نداند کہ کہ ام
(مجھے ارسلان سے پکار تاکہ کسی کو معلوم نہ ہو کہ میں کون ہوں)

اعجوبہ عصمتِ انبیاء علیہم السلام

پیرانِ طریقت فرماتے ہیں کہ دوستیِ حق کا دارومدار اسی تلبیس میں مخفی ہے جیسے سلیمان علیہ السلام کو بادشاہی کے رنگ میں دکھایا ورنہ درحقیقت وہ فقیر تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو عصیان کا نام دے کر برگزیدگی میں چھپائے رکھا اور ابراہیم علیہ السلام کو نعمت کے نام سے پکار کر خلت کے پردے میں مخفی رکھا کیونکہ محبت کے شرائط میں غیرت اہم شرط ہے[1] اسی لیے اپنے محبوبوں کا حال غیروں کو دیکھنے نہیں دیتا۔

فقیر کسے کہتے ہیں

جس کی نگاہ وجود پر نہ ہو اور نہ ہی کونین (دونوں جہان) اس کے خیال میں ہو بلکہ اس کی نگاہ ہر وقت اللہ تعالیٰ پر ہو اسے فقیر[2] کہتے ہیں اگرچہ وہ لوگوں کی نظروں میں درویش ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ بہت بڑا غنی (دولت مند) ہے جیسے ہمارے شیخ سیدنا اویس رضی اللہ عنہ۔ اسی لیے کہا جاتا ہے حقیقی غنا قلب کا غنا ہے تونگری سینے میں چاہیے نہ کہ خزانوں میں۔ صوفیۂ کرام فقیر اس کو کہتے ہیں جو دونوں جہانوں میں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی سے کوئی تعلق نہ رکھے اور نہ ہی کسی پر نگاہ ہو اور اپنی ذات و صفات کو چار تکبیر سے ذبح کرے جیسا کہ کسی جواں مرد نے کہا ہے ؎

۱ نیست عشقِ لایزالی را دراں دل ہیچ کار
کاو ہنوز اندر صفاتِ خویش ماندست استوار

۲ ہر کہ در میدانِ عشق نیکواں نامی نہاد
چار تکبیر می کند بر ذات او لیل و نہار

ترجمہ: (۱) عشقِ لایزالی کو اس دل سے کوئی تعلق نہیں جو ابھی اپنی صفات کے تعلق میں ہے۔

---

[1] اسی کو بتایا شاعر نے ؎

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم
گوش را نیز حدیث تو شنیدن ندہم

(مجھے تو اتنی غیرت ہے کہ تیرا چہرہ اپنی آنکھ کو بھی نہ دیکھنے دوں اور نہ کان کو تیری بات سننے دوں) اویسی غفرلہٗ

[2] اسی لیے کہتے ہیں فقیر کا مرتبہ غوثیت و قطبیت سے بالاتر ہے لیکن آج کل عرف میں گداگری کو کہا جاتا ہے اس لیے دورِ حاضر میں کسی کا اپنے آپ کو فقیر کہنا لکھنا پہلے معنیٰ پر نہیں بلکہ دوسرے معنیٰ پر ہے۔ اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(۴) جو بھی مجبوروں کی طرح عشق میں قدم رکھتا ہے تو وہ چار تکبیروں شب و روز اپنے آپ کو ذبح کرتا رہتا ہے۔

وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ○ وہی اللہ علی الاطلاق غنی ہے ہر شے اسی کی محتاج ہے کسی دنیا میں ہر ایک مددگاروں کا محتاج ہے جیسے امیر کی امارت نہیں چل سکتی جب تک اس کے خدام اور نوکر چاکر نہ ہوں اور تاجر کی تجارت نہیں چل سکتی جب تک اس کے ساتھ کاروباری نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کسی معین و ناصر کی ضرورت نہیں رکھتا۔

معتزلہ کا رد الاسئلۃ المقحمۃ میں ہے کہ (اہلسنت کا مذہب ہے کہ) اللہ تعالیٰ کو مخلوق کی کوئی ضرورت اور حاجت نہیں اگر انہیں نہ پیدا کرتا تو بھی اس کی الوہیت میں کوئی فرق نہ آتا اگر انہیں موت دے یا زندہ رکھے انہیں مامورات کو مکلف بنائے یا نہ۔ جملہ حالتوں میں اسے کوئی حاجت نہیں کیونکہ وہ ان کی ضرورت نہیں رکھتا بخلاف معتزلہ کے کہ وہ کہتے ہیں کہ اگر وہ انہیں معرفت و شکر کا مکلف نہ بنائے تو اسے حکیم کون کہے گا اس لیے اس نے مکلف بنایا تاکہ اس کی حکمت کا اظہار ہو (گویا اسے اپنے حکیم ہونے کے اظہار کی ضرورت ہے۔ معاذ اللہ) یہ نہایت درجہ کی بے حیائی اور رسوائی ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کی تخلیق میں اسے نفع حاصل کرنے اور نقصان دور کرنے والے بتاتے ہیں۔ یہی عقیدہ مجوسیوں کا ہے وہ بھی تو یہی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اسی لیے پیدا کیا تاکہ ان کے ذریعے سے اپنے آپ سے شیاطین کی اذیتیں دور کر سکے۔

الحمید وہ جمیع موجودات کو انعامات سے نوازنے والا ہے اسی لیے وہ عام نعمت اور فضل شامل کی وجہ سے حمد کا مستحق ہے اسی معنی پر غنی بھی ہے اور مغنی بھی۔

ف: حضرت کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ جملہ ممکنات فاعل کی محتاج ہیں اور انتم الفقراء میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ذاتی کمال کی وجہ سے جملہ عالم و عالمیان سے مستغنی ہے واللہ الغنی کا مطلب یہ ہے کہ اس کے کمال اسمائی کا ظہور وجود اعیان ممکنات پر موقوف ہے اس معنی پر اس کی ایجاد ممکنات بہت بڑی نعمت ہے اسی اعتبار سے وہ حمد و ثنا کا مستحق ہے اسی لیے اسے حمید کہا جاتا ہے۔ اسی طرف انس ربانی کا اشارہ ہے ؎

۱ تا خود کرد و بجملہ اوصاف عیان
واجب باشد کہ ممکن آید بمیان
۲ ورنہ بکمال ذاتی از آدمیان
فرد است و غنی چنانکہ خود کرد بیان

ترجمہ: (۱) تاکہ وہ جملہ اوصاف سے ظاہر ہو واجب ہے کہ ممکن کا ظہور ہو۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(۲) ورنہ کمال ذاتی آدمیوں سے فروتر ہے جیسا کہ اس نے خود بیان فرمایا ہے۔

اِنْ یَّشَاْ اگر اللہ تعالیٰ چاہے یُذْهِبْكُمْ تمہیں روئے زمین سے ختم کر دے اور تم صفحۂ ہستی سے مٹ جاؤ وہ قادر ہے جیسے اس نے تمہیں پیدا کر کے باقی رکھا وَيَأْتِ اور لائے بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝ تمہارے قائم مقام نئی مخلوق۔ تم اسی حالت پر ہمیشہ نہیں رہو گے بلکہ تمہیں طاعت و عبادت پر مداومت کرنی چاہیے۔ اگر اور مخلوق لائے تو وہ بھی تم جیسے آدمی انسان ہوں گے یا کوئی اور مخلوق ہوگی جس کا تمہیں علم بھی نہ ہو یا ایسی مخلوق لائے جسے کسی نے دیکھا نہ سنا۔ اس معنٰی پر وہ آدمی کی جنس سے نہ ہو۔ جو بھی ہو اس سے اظہارِ غضب ہے تاکہ یہ بھولے ہوئے اپنی غلطیوں اور گناہوں کی غفلت کو دور کریں۔ نیز اس میں مدعی محبت و طلب کو تنبیہ بھی ہے کہ اگر تم اس کی طلب کا حق ادا نہیں کرو گے تو وہ تم جیسے اور محب و عشاق لائے گا وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ اور تمہارا مٹانا اور دوسروں کو لانا اللہ تعالیٰ کو بِعَزِيْزٍ مشکل نہیں بلکہ اس کے لیے نہایت آسان ہے کیونکہ اسے ہر مقدور پر قدرت ہے وہ شے اور اس کی نقیض پر ہر طرح کی قدرت رکھتا ہے جب کسی شے کو کہتا ہے ہو جا تو وہ فوراً بغیر کسی رکاوٹ کے ہو جاتی ہے کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تم سے پہلے لوگوں کو کیسے فنا کر اوروں کو ان کے قائم مقام بنایا اب قریشِ مکہ کا وقت آگیا ہے ان کو فرمایا یٰاَیُّهَا النَّاسُ اے لوگو! اور فرمایا کہ تم ہر طرح اللہ تعالیٰ کے محتاج ہو اور وہ جملہ مخلوق سے بے پرواہ ہے، نہ ہی اسے ان کی عبادت کی ضرورت ہے باوجود اس کے انہیں سعادت اور ابدی کامیابی کی دعوت دی ہے یعنی ایمان و طاعت کی۔ اور وہ باوجود محتاجی کے اللہ تعالیٰ کے احکام کے منکر ہیں۔ پھر یہ تباہ نہ ہوں تو اور کیا ہو! لیکن یہ اس کی مشیت پر موقوف ہے اور اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ان کے بعض کو دیگر غزوات میں ان کے بجائے اوروں کو پیدا کیا جنہوں نے اس کے اوامر و نواہی کی پابندی کی اسی لیے وہ اس کے فضل و کرم اور رحمت کے مستحق ہوئے اور یہ افنا و ابقا یعنی بعض کو فنا کرنا اور دوسروں کو باقی رکھنا تا حال جاری ہے لیکن وہ اس میں عجلت نہیں فرماتا بلکہ ایک مدت تک مہلت دیتا ہے وہ صبور ہے مجرموں کی فوراً گرفت نہیں فرماتا تاکہ گناہوں پر اصرار کرنے والے کو توبہ کا موقعہ مل جائے۔

تفسیرِ صوفیانہ آیت میں ہر قسم کے بادشاہوں اور حکام اور افسروں کو وعظ و نصیحت ہے جسے مہلت دی جائے وہ اس پر مغرور نہ ہو کیونکہ جب اس کی گرفت شروع ہوتی ہے تو پھر اس سے کوئی بھاگ نہیں سکتا جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا تارک ہے اسے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی پکڑ کے لیے تیار رکھنا چاہیے۔

سبق: عقلمند پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس سے ہر وقت ڈرتا رہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف امر کے ارتکاب کی جرأت نہ کرے جمادات سے کم نہ ہو کہ وہ تسبیحِ الٰہی میں ہوں اور یہ محروم، حالانکہ انسان تو اشرف المخلوقات ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حکایت جبل حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھا سامنے ایک پہاڑ نظر آیا آپ نے فرمایا اسے میرا سلام پہنچا کر پانی لے آؤ اگر اس کے پاس ہو تو۔ میں نے اس کے پاس جا کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سلام پہنچایا اور کہا اے پہاڑ! اس نے کہا، لبیک یا رسول اللہ۔ میں نے اس سے پانی کے لیے کہا تو اس نے عرض کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا سلام عرض کرنا اور کہنا کہ میں نے جب سے آیت فاتقوا النار التی وقودها الناس والحجارۃ (ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں) سنی ہے اس روز سے میرے پان (روتے روتے) پانی ختم ہو گیا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی اور نہ اٹھائے گا کوئی کسی دوسرے کا بوجھ۔ وَزَرَ یَزِرُ اس کی گردان ہے از باب ضرب یا مسدود یا فتح و بالکسر بمعنے ثقل اور بمعنے گناہ و ثقل۔ وازرۃ نفس محذوف کی صفت ہے۔ ایسے ہی اُخریٰ بھی نفس کی صفت ہے۔ اب معنی یہ ہوگا کہ نہ اٹھائے گا نفس آثم قیامت میں دوسرے نفس کا گناہ کہ جس سے دوسرے کا بوجھ کچھ ہلکا ہو جائے۔ اب معنی یہ ہوگا کہ قیامت میں ہر ایک اپنا بوجھ (گناہ) خود اٹھائے گا بخلاف دنیا کے کہ اس میں بڑے چھوٹوں سے بوجھ اٹھواتے ہیں۔

سوال: ولیحملن اثقالهم و اثقالا مع اثقالهم (اور اٹھائیں گے اپنا بوجھ دوسروں کا بوجھ ملا کر) یعنی گمراہ کرنے والے کا اپنا بوجھ اور دوسرے کو گمراہ کرنے کا بوجھ یہ دونوں بوجھ گمراہ کرنے والا اٹھائیگا۔

جواب: یہ غیر کا بوجھ اٹھانا نہیں بلکہ یہ بھی اس کا اپنا ہے جو اس نے دوسرے کو گمراہ کرنے کا کیا ہے جیسے دوسری آیت میں فرمایا:

واتبعوا سبیلنا ولنحمل خطایاکم۔

(تم ہمارے راستہ کی اتباع کرو ہم تمہارے گناہ سر پہ رکھ لیں گے)

اس کے بارے میں خود فرمایا:

وما هم بحاملین من خطایاهم من شیء۔

(اور وہ ان کے گناہوں سے کوئی گناہ بھی نہیں اٹھائیں گے)

اسی سے وہ جواب مل گیا کہ ظالم پر مظلوم کا گناہ رکھا جائے گا اس لیے کہ یہ گناہ بھی درحقیقت اس کا اپنا گناہ ہے اگرچہ بظاہر اس سے مظلوم کے بوجھ کی تخفیف ہے اور یہ بھی ذنب متعدی میں ہوگا۔ (اس کی تفصیل ہم نے سورۂ انعام کے آخر میں درج کی ہے)

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کا خالق ہے اور ہر شے کی تخلیق میں خصوصی راز ہے کہ جو ایک مخلوق میں راز ہے وہ دوسری میں نہیں ہر ایک کا اپنا مقصد ہے۔ مثلاً جیسا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بیج ہوگا ویسا ہی پودا اُگے گا ہر بیج میں علٰحدہ علٰحدہ مقصد ہے۔ ایسا نہیں کہ باجرہ بوکر گندم حاصل کیے جائیں۔ کیونکہ جس کا بوجھ ہے وہی اٹھائے گا وہ دوسرے کا بوجھ اٹھانے کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔ کذا فی التاویلات النجمیہ۔

شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

رطب ناورد چوب خرزہرہ بار
چہ تخم افگنی بر ہماں چشم دار

ترجمہ: جماؤ تر کھجور نہیں لائے گی، جیسا بیج ڈالو گے اسی پھل کی امید رکھو۔

تفسیر عالمانہ

وَاِنْ تَدْعُ صیغہ واحدہ مؤنث غائب بمعنے لو دعت۔ اور اگر بلائے مُثْقَلَۃٌ بوجھ لادا ہوا نفس جس پر گناہوں کا بوجھ ہے کسی کو یہاں مفعول "احدًا" محذوف ہے۔

ف: امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا: ثقل و خفۃ ایک دوسرے کے مقابل ہیں جو ان میں وزن میں بوجھل ہو جائے تو اسے کہتے ہیں "ھُوَ ثقیل" (وہ ثقیل ہے) اس کا اصل استعمال اجسام میں ہوتا ہے۔ پھر (مجازًا) معانی میں بھی مستعمل ہے مثلًا کہتے ہیں: اثقلہ الغرم والوزر (اس پر قرض اور گناہ کا بوجھ ہے) اور گناہ کو ثقل اسی لیے کہا جاتا ہے کیونکہ قیامت میں مجرم پر بوجھ ہوگا اور اس نے دنیا میں ثواب کے حصول سے باز رکھا اِلٰی حِمْلِہَا اس کے اٹھانے کے لیے۔ یعنی وہ گناہ جو دنیا میں کیے ان کے اٹھانے کے لیے کہا جائے گا۔

ف: وہ بوجھ جو پیٹھ پر اٹھایا جائے اسے حِمل (بالکسر) اور جو پیٹ میں اٹھایا جائے (جیسے بچہ کی) اسے حَمل (بالفتح) بولتے ہیں (المفردات)

لَا یُحْمَلْ مِنْهُ شَیْءٌ اس سے کوئی دوسرا کوئی شے بھی اٹھانے کے لیے تیار نہ ہوگا وَلَوْ وصلیہ ہے كَانَ اگرچہ جسے وہ اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے بلائے گا ذَا قُرْبٰی قریبی رشتہ دار بھی ہو۔

سوال: تم نے یہ معنٰی کہاں سے لیا (کہ جسے بلایا جائے)؟

جواب: دعوۃ کے لفظ سے معلوم ہوا۔

ف: ذا قربٰی سے باپ، بیٹا، ماں، بھائی وغیرہ مراد ہیں اس لیے کہ اس وقت ہر ایک کو اپنی فکر ہوگی، جب اپنا بوجھ ہی نہ اٹھایا جائے گا تو دوسرے کا کیسے اٹھائے گا۔

مسئلہ: آیت سے معلوم ہوا کہ گناہ کا مؤاخذہ صرف مجرم سے ہوگا۔ آیت میں نفی من حیث القرابۃ (رشتہ داری) کے متعلق ہے

اولیاء اللہ سے نسبت کا فائدہ

ورنہ متقین (اولیاء و اخیار) تو اہلِ ایمان کے کام آئیں گے۔

(یہی ہم کہتے ہیں اور صاحب روح البیان نے ج ۷، ص ۳۲۶ میں تصریح فرمائی ہے:

وان الاستغاثۃ بالاقربین غیر
یعنی غیر متقین کو اقربین سے استغاثہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattori

نافعۃ لغیر المتقین ۔ کام نہ دے گا، ہاں متقین کو فائدہ ہوگا۔

نفسی نفسی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ماں باپ بیٹے سے کہیں گے کچھ تو ہمارا بوجھ اٹھالے ۔ وہ کہے گا مجھے اپنا بوجھ ہی کافی ہے تمہارا بوجھ کیسے اٹھاؤں! ایسے ہی شوہر اپنی عورت سے کہے گا کہ دنیا میں تو میری بیوی تھی اور بڑی خدمت کرتی تھی ۔ اس کی بڑی تعریف کرکے کہے گا مجھے تھوڑی سی نیکی چاہیے تاکہ اس بُرے حال سے نجات پاؤں ۔ عورت کہے گی میں خود بُرے حال میں ہوں، جیسے تجھے نجات کی ضرورت ہے مجھے بھی تو ہے ؎

ہیچ رحمی نہ برادر بہ برادر دارد
ہیچ خیری نہ پدر را بہ پسر می آید
دختر از پہلوی مادر بکند قصد فرار
دوستی از ہمہ خویش بسر می آید

ترجمہ: ۔ بھائی بھائی پر رحم نہ کرے گا، نہ باپ کو بیٹے سے خیر و بھلائی ہوگی ۔ بیٹی ماں سے بھاگنے کا ارادہ کرے گی ۔ اس وقت تمام دوستی ختم ہوگی ۔

نکتہ: الارشاد میں ہے کہ اس میں دوسرے کا بوجھ اٹھانا اختیار سے ہو یا اجبار سے، ہر طرح کی نفی ہے ۔ یہی بہتر تفسیر ہے ۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ ایمان و طاعت نور ہے اور کفر و عصیان ظلمت ۔ جب کوئی انسان صفتِ ایمان و طاعت یا کفر و عصیان سے موصوف ہو جائے تو یہ دونوں ایک قسم کے جوہر ہیں، ایک کا جوہر دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہو سکتا جیسے پل صراط پر گزرنا اسی جوہر ایمان و کفر سے ہوگا تو جس کے پاس ایمان کا جوہر ہوگا وہ نور بن کر اس کو پل صراط سے صحیح سالم لے جائے گا ۔ اور کفر کا جوہر ظلمت ہے تو نور کا جوہر ظلمت والے کو نہ ملے گا اور نہ ہی ظلمت کا جوہر نور والے کو ۔

تفسیر عالمانہ **اِنَّمَا تُنْذِرُ** بے شک اے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تم ڈراتے ہو ان ڈراؤنی باتوں سے ۔ الانذار کوئی بات کسی کو خوف دلا کر کہنا ۔ **اَلَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ** ان لوگوں کو جو ڈرتے ہیں **رَبَّهُمْ** اپنے پروردگار سے **بِالْغَیْبِ** غائبانہ ۔ یہ حال ہے بمعنے غائبین الخ جو عذاب اور امورِ آخرت سے یا تنہائیوں میں لوگوں سے غائب ہیں یعنی وہ خلوتوں میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں نہ کہ مجلسوں میں ۔ یہ فاعل سے حال ہے ۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ ان سے عذاب غائب ہے ۔ اب یہ مفعول سے حال ہوگا **وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ** اور نماز کو اس کے حقوق کے مطابق ادا کرتے ہیں بلکہ نماز کو اپنے لیے مینارِ ہدایت اور علم بلند سمجھتے ہیں ۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

نکتہ: کشف الاسرار میں ہے کہ وہ جملہ معنا پر اس لیے ہیں کہ خشیتِ الٰہی ہر وقت ہوتی ہے اور نماز کا وقت خاص ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ اے نبی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! تمہارا ڈرانا ان کو مفید ہے جو ان اوصاف سے موصوف ہیں ان کے سوا سرکش اور متمرد لوگ اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھائیں گے اگرچہ آپ تمام مخلوق کو ڈرانے پر مامور ہیں۔

سوال: خشیت و نماز کی تخصیص کیوں؟

جواب: یہ اعمالِ حسنہ ظاہرہ و باطنہ کے اصل ہیں کیونکہ نماز دین کا ستون اور خشیت یقین کا شعار ہے اور انسان اللہ تعالیٰ سے اس قدر ڈرتا ہے وہ اس کی معرفت رکھتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

انما یخشی اللّٰہ من عبادہ العلماء۔

(بے شک اللہ تعالیٰ سے علما ڈرتے ہیں)

اس سے معلوم ہوا کہ جس دل میں علم و خشوع نہ ہو وہ دل مردہ ہے اس میں انذار اثر انداز نہ ہوگا۔ چنانچہ فرمایا:

لینذر من کان حیا۔

(تاکہ اسے ڈرائے جو زندہ ہے)

لیکن اس کے باوجود خشیت کو ایک دوسری شرط سے مشروط فرمایا ہے یعنی اقامۃ الصلوٰۃ۔ اس سے معلوم ہوا کہ عباد اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی نشانی یہ ہے کہ نماز کی پابندی ہو۔

حدیث شریف میں ہے: ان بین الرجل و بین الشرک والکفر ترک الصلوٰۃ۔

(انسان اور کفر و شرک کے درمیان فرق ترکِ صلوٰۃ ہے)

وَمَنْ تَزَكّٰى اور جو گناہوں کی آلائش سے پاک و صاف ہے اور ان اقدامات سے اٹھ کر اپنے حال کو طاعات سے سنوارتا ہے **فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ** تو اپنے آپ کو سنوارتا ہے کیونکہ اس کا نفع صرف اسے ملے گا اس لیے جو گرد و غبار میں گھستا ہے تو صرف وہی گرد آلود ہوتا ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے کہا جائے کہ جو زکوٰۃ دیتا ہے اس کا اپنا فائدہ ہے **وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝** اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہے اور کوئی بھی اس کا اس امر میں شریک نہیں بالاستقلال وہی مالک ہے اسی لیے تزکیہ پر صرف وہی جزا دے گا۔

تفسیر صوفیانہ گناہوں سے بچا کر نفس کو سنوارنے کی جزا بہشت اور اس کے درجات ہیں اور ایسے تعلق ما سوی اللہ سے دور رکھنے کا ثواب جمال حق ہے جیسا کہ فرمایا والی اللہ المصیر

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

جو اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے اختیار سے رجوع کرتا ہے تو وہ اس کے لیے ہر وقت بیقرار رہتا ہے۔ شیخ سعدی رحمہ اللہ نے فرمایا: ؎

۱ نداوند صاحب دلان دل بہ پوست
وگر ابلہی داد بے مغز اوست

۲ می صرف وحدت کسے نوش کرد
کہ دنیی و عقبی فراموش کرد

ترجمہ: (۱) کسی صاحب دل نے ظاہری حسن کو دل نہیں دیا۔ اگر کسی نے دیا ہے تو وہ بیوقوف ہے۔

(۲) شراب وحدت خالص جس نے نوش کیا ہے اسے دنیا و عقبیٰ بھول جائے گی۔

ف: لیکن سب کچھ اس کی عنایت سے نصیب ہوتا ہے۔

حکایت حضرت ابراہیم الملیب السائح رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں کعبہ معظمہ کا طواف کر رہا تھا تو ایک نوجوان لڑکی کو دیکھا جو کعبہ معظمہ کے پردوں کو پکڑ کر کہہ رہی تھی تُو نے محبت کر کے میرا دل چھین لیا مجھے میرا دل واپس کر دو۔ میں نے اس سے پوچھا تجھے کیسے معلوم ہوا کہ وہ تجھ سے محبت کرتا ہے۔ بولی: عنایت قدیمہ سے میری تلاش میں اس نے بڑے لشکر بھیجے اور بہت بڑا خرچ کر کے مجھے شرک کے شہر سے نکال کر اپنی توحید میں داخل کیا اور اپنا عرفان بخشا حالانکہ میں تو اس سے بالکل بے خبر تھی یہ اس کی محبت نہیں تو اور کیا ہے۔ میں نے کہا اس سے تیری محبت کا کیا حال ہے؟ کہا: محبت بہت بڑی ہے وُہ پانی سے زیادہ رقیق اور شہد سے زیادہ لذیذ ہے۔

ف: تزکیۂ نفس سے نفس کے عرفان سے معرفتِ الٰہی نصیب ہوتی ہے جیسا کہ مشہور ہے:

من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔

(جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے خدا کو پہچان لیا)

ف: بچے کی قدر و منزلت باپ سے زیادہ ہوتی ہے یعنی چھوٹا بچہ پیارا لگتا ہے بہ نسبت باپ کے۔

تفسیر عالمانہ وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ اور نابینا اور آنکھوں والا برابر نہیں۔ یہ کافر و مومن کی تمثیل ہے کیونکہ مومن فوز و نجات کے راستہ کو دیکھ کر چلتا ہے اور کافر اس سے محروم ہے۔ تو جیسے نابینا ظاہری آنکھوں سے محرومی کی وجہ سے راستہ نہیں طے کر سکتا اور انکھیارا آسانی سے کر لیتا ہے ایسے ہی کافر حقیقت کی راہ سے بھٹکتا پھرتا ہے اور مومن کو صحیح راستہ نصیب ہے۔ بلکہ کافر تو ظاہری آنکھ سے محروم سے بھی بدتر ہے کیونکہ ظاہری آنکھ کا کیا اعتبار، جبکہ یہ جمیع

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حیوانات میں ہیں۔

تفسیر صوفیانہ یہی حال اس کا ہے جو مشاہدہ سے محروم ہے تو وہ بمنزلہ اعمیٰ کے ہے اور جسے مشاہدہ حاصل ہے وہ بمنزلہ البصیر کے ہے۔ کاشفی مرحوم نے لکھا کہ کافر یا جاہل یا گمراہ اس کے برابر نہیں جو مومن یا عالم یا صحیح راستہ پر ہے۔

تفسیر عالمانہ وَلَا الظُّلُمٰتُ اور برابر نہیں تاریکیاں۔ یہ لا نفی استواء کی تاکید ہے اور ظلمات ظلمۃ کی جمع ہے یعنی عدم نور۔ وَلَا یہ تاکید نفی استواء کے لیے ہے النُّوْرُ ۝ وہ روشنی جو شے کے دیکھنے کی معین و مددگار ہے۔ یہ حق و باطل کی تمثیل ہے یعنی کافر کفر و شرک اور جہل و عصیان و البطلان کی تاریکی میں ہے جسے دائیں بائیں کی خبر نہیں وہ کسی وقت بھی ہلاکتوں سے چھٹکارا نہ پائیگا اور مومن توحید و اخلاص اور علم و طاعت و حقانیت کی روشنی میں ہے اس کے ہاتھ میں شمعیں اور انوار ہیں جہاں چاہے جاسکے۔

سوال : ظلمات جمع اور نور واحد کیوں؟

جواب : باطل کے انواع متعدد ہیں اور حق واحد ہے۔ یعنی توحید کے کوئی انواع نہیں۔ کیونکہ موحد صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے۔ باطل کی فطرت ان گنت ہے اس سے اشتراک کے مختلف طریقے مراد ہیں۔ مثلاً کوئی ستاروں کا پجاری ہے تو کوئی آگ کا۔ ان میں کوئی بتوں کی پرستش کرتا ہے تو کوئی پتھروں کی وغیرہ وغیرہ۔ اس بطلان کے جمیع طرق کو نور یعنی توحید سے کسی قسم کی مساوات نہیں۔

تفسیر صوفیانہ اس میں ظلمتِ نفس اور نورِ روح کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ محجوب عن الحق غفلات مقتضا عنصر کی ظلمت میں ہے اور اہل کشف نور روح و تیقظ میں ہے۔

وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ۝ اور نہ سایہ نہ دھوپ۔

تفسیر عالمانہ نکتہ : اعمی کو بصیر پر ظلمات کو نور پر اور ظل کو حرور پر مقدم کرنا فواصل آیات کی وجہ سے ہے اور اس جملہ میں جنت و نار اور ثواب و عقاب اور راحت و شدت کی تمثیل ہے۔ ظل بمعنی سایہ۔ امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ظل ہر وہ جگہ جہاں سورج کی دھوپ نہ پہنچے اور فئی وہ جگہ جہاں سے دھوپ ہٹ جائے۔ کبھی ظل سے عزت و منعت و رفاہیت مراد لی جاتی ہے۔ الحرور وہ گرم ہوا جو رات کے وقت ہوتی ہے اور کبھی دن کی گرم ہوا کو بھی کہتے ہیں اور سورج کی گرمی اور دائمی گرمی اور آگ کو بھی کہتے ہیں۔

قاموس میں ہے الحرور بروزن قبول از حر۔ اس کا اکثر استعمال سموم (لو) پر آتا ہے یعنی وہ گرم ہوا تاثیر سموم سے اثر ڈالتی ہے اور یہ اکثر دن کو ہوتی ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ سایہ اور لو برابر نہیں اس لیے کہ سایہ سے نفس کو راحت پہنچتی ہے اور لو سے مشقت

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اور وہ۔ ایسے مومن کو بہشت سے راحت نصیب ہوگی اور کافر کو دوزخ سے مشقت اور عذاب اس لیے یہ دونوں برابر نہیں۔

تفسیر صُوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بُعد باطن کو جلا دیتے ہیں حرور ہے اور قربِ الٰہی ظل ہے کہ اس سے قلب کو فرحت نصیب ہوتی ہے۔

تفسیر عالمانہ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ یہ مومن و کافر کی تمثیل پچھلی تمثیلوں سے زیادہ بلیغ ہے اسی لیے فعل کو دوبارہ لایا گیا ہے۔ جمع کے صیغے ہونے میں ظاہر کرتا ہے کہ فریقین کے افراد ایک دوسرے کے متباین ہیں۔

حلِ لغات الحی وہ جس میں قوتِ حساسہ ہو اور المیت جس میں یہ نہ ہو۔ وجہِ تمثیل یہ ہے کہ مومن وہ ہے جو اپنی حیات سے نفع پاتا ہے کیونکہ مومن کا ظاہر ذاکر اور باطن فکر ہے۔ اور کافر کا ظاہر بیکار اور باطن باطل۔

ف: یہ علماء و جہال کی تمثیل ہے اور جاہلوں کو مُردوں کی تمثیل تو مشہور ہے ؎

لاتعجبن الجهول خلته
فانه الميت ثوبه كفن

ترجمہ: جاہلوں کی دوستی کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ وہ مردہ ہے اس کے کپڑے اس کا کفن ہیں۔

اس لیے کہ حقیقی حیات وہی ہے جس سے ارواح و قلوب کو تازگی نصیب ہو۔ اس کی علامت یہ ہے کہ اسے تحقیق اور عرفان نصیب ہو صرف اجسام کی حیات کا کوئی اعتبار نہیں اس لیے کہ یہ حیات تو بہائم کو بھی حاصل ہے۔

تفسیر صُوفیانہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ حقیقی زندہ وہ ہیں جنہیں فناءِ تام کے بعد وصالِ الٰہی کی حیات نصیب ہو۔ یہی لوگ اپنے اختیار سے مرتے ہیں یہ مرنے سے پہلے مر جاتے ہیں یعنی اضطراری موت سے محفوظ ہو جاتے ہیں ان کی موت کا نام یہ ہے کہ وہ اپنی ذات و افعال و صفات کو ذاتِ حق اور اس کے صفات و افعال میں فنا کر دیتے ہیں بلکہ اپنے وجود کو بالکل ختم کر ڈالتے ہیں ان کے نفوس بالکل فانی ہو جاتے ہیں۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف من اراد ان ینظر الی میت متحرک فلینظر الی ابی بکر۔

(جو چلتے پھرتے مُردے کو دیکھنا چاہے وہ ابوبکر کو دیکھ لے) (رضی اللہ عنہ)

مسئلہ: حیاتِ معنوی پر فنا آتی ہی نہیں بخلاف حیاتِ صوری کے کہ وہ خروجِ روح کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حکایت ابراہیم ہروی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ کے ہاں بیٹھا تھا کہ بات چل نکلی کسی نے کہا میں نے فلاں سے علم حاصل کیا۔ حضرت بایزید رحمہ اللہ نے فرمایا ان مسکینوں نے مُردوں سے علم پایا اور ہم نے زندہ رب تعالیٰ سے حاصل کیا یعنی علم لدنی جو بلا تکلف اور بلا طلب بطریق الہام حاصل ہوتا ہے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

۱ نہ مردم ہمیں استخوانند و پوست
نہ ہر صورتے جان و معنی درست
۲ نہ سلطان خریدار ہر بندہ ایست
نہ در زیر ہر ژندہ زندہ ایست

ترجمہ: (۱) آدمی ہڈیوں اور پوست کا نام نہیں، نہ ہر صورت میں جان و معنی ہے۔
(۲) بادشاہ ہر بندے کا خریدار نہیں، نہ ہر لباس میں زندہ انسان ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ اللّٰہَ یُسْمِعُ بے شک اللہ تعالیٰ سناتا ہے۔ اس سے وہ کلام مراد ہے جس سے فہم اور وعظ کا قبول کرنا ہو اور یہ دل کی زندگی سے ہوتا ہے مَنْ یَّشَآءُ جسے سنانا چاہے تو وہ تمہارے انداز سے نفع یاب ہوگا وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ۝ اور تم قبر کے اندر والوں کو نہیں سنانے والے

تحقیق القبر القبر میت کی قرارگاہ۔ اہل عرب کہتے ہیں، قبرتہ جعلتہ فی القبر (میں نے اسے قبر میں داخل کیا)

یہ کلام ترشیح ہے کفر پر اصرار کرنے والوں کی اموات سے تمثیل ہے اور حضور علیہ السلام کو ان سے پورے طور ناامیدی کا بیان ہے۔ ترشیح اصطلاح علم معانی میں وہ استعارہ ہے جو مستعار منہ کے مناسب چیزوں سے مقترن ہو۔ اللہ تعالیٰ نے قلب پر کفر کی مہر والے کو مردے سے عدم القدرۃ علی الاجابۃ تشبیہ دی ہے جیسے مُردے سنتے ہیں نہ جواب دیتے ہیں ایسے ہی کفار سنتے ہیں نہ حق کو قبول کرتے ہیں۔

اِنْ نافیہ ہے اَنْتَ اِلَّا نَذِیْرٌ۝ تم تو صرف کافروں کو دوزخ کے عقاب سے ڈرانے والے ہیں اور ان کو سنانا تمہاری ذمہ داری میں داخل نہیں اور نہ ہی آپ مہر شدہ قلب والوں پر قرآن پہنچانے کے ذمہ دار ہیں کیونکہ یہ تو بمنزلہ مُردوں کے ہیں۔

ردِّ وہابیہ اِنَّ اللّٰہَ یُسْمِعُ الخ اور اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اور لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ جیسی آیات الوہیت و نبوت کے مقام کے درمیان امتیاز کے لیے ہے تاکہ امت کو اشتباہ نہ ہو جائے جو ان کی گمراہی کا سبب بن جائے جیسے سابقہ امتیں گمراہ ہوئیں۔ مثلاً بعض نے کہا عزیر ابن اللہ، بعض نے کہا مسیح ابن اللہ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اس امت پر

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

رحمت و شفقت کی دلیل ہے اور حسن توفیق کی نشانی ہے (ورنہ یہ بھی ان کی طرح گمراہ نہ ہو جائے)[1]

تحقیق سماعِ موتیٰ

سوال: اس آیت میں سماعِ موتیٰ کی نفی ہوتی ہے حالانکہ غزوۂ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے مشرکوں کے متعلق فرمایا کہ ان کے مُردے گڑھوں میں پھینکے جائیں۔ اس کے بعد آپ نے ان کے نام لے لے کر فرمایا:

هل وجدتم ما وعد الله ورسوله حقا فانی وجدت ما وعدنی الله حقا۔

(کیا تم نے اسے حق پایا جو اللہ اور اس کے رسول (جل جلالہٗ و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے وعدہ فرمایا لیکن میں نے حق پایا جو میرے ساتھ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا)

حضرت عمر نے عرض کیا: (رضی اللہ عنہ)

"یا رسول الله کیف تکلم اجسادا لا ارواح فیها۔"

(یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان اجسام سے باتیں کر رہے ہیں جن میں روح بھی نہیں)

آپ نے فرمایا:

ما انتم باسمع لما اقول منهم غیر انهم لا یستطیعون ان یردوا شیئا۔[2] (روح البیان ج ۷، ص ۳۳۹)

(جو میں کہہ رہا ہوں تم کچھ ان سے زیادہ نہیں سن رہے فرق صرف اتنا ہے کہ وہ میری باتوں کا جواب نہیں دے سکتے)

ف: اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گڑھے والوں کو سنا دیا حالانکہ وہ بھی تو مُردے تھے۔ نیز مرنے کے بعد میت کو تلقین کا حکم ہے اس سے بھی اسماع ثابت ہے ورنہ تلقین کا کیا معنیٰ!

جواب: اس سوال کے کئی جوابات ہیں:

(۱) ممکن ہے اس وقت اللہ تعالیٰ نے گڑھے والوں کو زندہ فرما دیا ہو جس سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ[3] علیہ وسلم کا کلام سنا تاکہ انہیں زجر و توبیخ اور ذلت اور عذاب میں اضافہ اور حسرت ہو، ورنہ میت من حیث المیت کی یہ شان نہیں کہ وہ کچھ سن سکے۔

ف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی "ما انتم باسمع" الخ سے معلوم ہوا کہ ارواح

---

[1] لیکن وہابیہ نے ان آیات سے لفظی معنی پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اختیار کی نفی کر دی۔ تفصیل فقیر کی تفسیر اویسی' میں ہے۔ اویسی غفرلہٗ

[2] رواہ البخاری

[3] یہ جواب کمزور ہے اس لیے کہ مُردے کو زندہ کرنے کا احتمال ایجاد بندہ ہے اس کے لیے کوئی حدیث نہیں دوسرا اس زندگی کے بعد موت کی تصریح نہیں وغیرہ وغیرہ۔ اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بلا اجسام زیادہ سُنتے ہیں بہ نسبت اس کے کہ جب وہ مع الاجسام ہوں اس لیے کہ اجسام میں ان کے حجابات ہوں لیکن اجسام سے نکلنے کے بعد ان کو حجابات حائل نہیں ہوتے اسی لیے بعد از موت زیادہ سُنتے دیکھتے ہیں۔

(۲) موت کے بعد بھی سنانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے (کیونکہ اسماع تخلیق سے متعلق ہے اور خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے) اب معنٰی یہ ہوا کہ موت کے بعد روح کا جسم سے بہت زیادہ تعلق پیدا کر دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ دنیا کے تعلق سے برزخ کا تعلق بہت زیادہ ہوتا ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر میں کفار (مُردوں) سے بات چیت کی یا مرنے کے بعد میت کو تلقین والی حدیث سے ثابت ہوتا ہے ورنہ میت من حیث المیت سننے کا نہیں اور نہ ہی ہم اسماع کا حق رکھتے ہیں۔[1] (واللہ اعلم)

ف: بعض عارفین نے فرمایا کہ آیت کا معنٰی یہ ہے کہ اے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ابوجہل کے دل کو اپنی طرف کیسے متوجہ کر رہے ہیں جبکہ اس کا دل خبیث ہے وہ آپ کے جوہر حقیقی کو قبول کرنے کی صلاحیت و اہلیت نہیں رکھتا مگر آپ سلمان فارسی (رضی اللہ عنہ) کے دل پر توجہ فرمائیے اس لیے کہ آپ نے ابھی اعلانِ نبوت فرمایا بھی نہیں تھا وہ آپ کے عشق و محبت میں سرگرداں تھا اور آپ کی تلاش میں ملک ملک چھوڑ کر فقیر و اسیر ہو کر اس نے دنیا چھان ماری اور زبانِ حال سے کہتا پھرتا رہا ؎

۱ گرفت خواہم من زلف عنبرینت را
زمشک نقش کنم برگ یاسمینت را

۲ بتیغ ہندی دست مرا جدا نکنند
اگر بگیرم یک رہ سر آستینت را

ترجمہ: (۱) میں تیری زلف عنبریں کا جلوہ چاہتا ہوں تیری چنبیلی کے پتے سے مُشک حاصل کروں گا۔

(۲) اگر ہندی تلوار بھی میرا سر جدا کر دے تب بھی میرا سر تیرے در پہ پہنچ جائے گا پھر کبھی نہ اُٹھے گا۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ بِالْحَقِّ بیشک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا۔ یہ المرسِل (بالکسر) سے حال ہے یعنی درانحالیکہ ہم حق ظاہر کرنے والے ہیں۔ یا المرسَل (بالفتح) سے حال ہے یعنی درانحالیکہ آپ حق ظاہر کیے ہوئے ہیں۔ یا مصدر محذوف کی صفت ہے یعنی آپ کا بھیجنا حق کے ساتھ ہے۔ یا یہ معنٰی کہ ہم نے آپ کو اس دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے یعنی اسلام یا قرآن۔ بَشِیْرًا درانحالیکہ آپ اہلِ ایمان

---

[1] یہ تقریر ہم اہلسنت کرتے ہیں۔ اویسی غفرلہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(بہشت کی خوشخبری سناتے ہیں وَّ نَذِیْرًا اور کافروں کو دوزخ کا ڈر سنانے والے ہیں **وَاِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ** اور سابق امتوں میں سے کوئی ایسی اُمّت نہیں یا گزشتہ زمانے میں سے کوئی نبی ایسا نہیں **اِلَّا خَلَا** مگر گزرا ہے۔

حلِ لغات امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: الخلاء وہ جگہ جس کی کوئی بنا نہ ہو اور ساکن رہنے والی کوئی شے نہ ہو۔ الخلو زمان و مکان دونوں میں استعمال ہوتا ہے۔ جس وقت زمانہ میں ماضی مطلوب ہو تو اس وقت اہلِ لغت خلا الزمان سے معنی وذہب مراد لیتے ہیں۔ **فِیْھَا** اس زمانہ میں یا امت میں **نَذِیْرٌ** ڈرانے والا ہے یا نبی (علیہ السلام) یا عالمِ دین جو انہیں ڈر سنایا کرتے۔

سوال: یہاں پر صرف انذار پر کیوں اکتفا کیا گیا جبکہ وہ خوشخبری بھی تو سناتے تھے۔

جواب: بعثت کا اہم مقصود انذار ہوتا ہے اسی لیے اس پر اکتفا کیا گیا ہے۔

ف: الکواشی میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد فترت کے دور میں بھی ان کے دین کے داعی اور ایمان والے ہر زمانہ میں رہے۔

مسئلہ: کشف الاسرار میں ہے کہ آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر زمانہ حجت خیریہ سے خالی نہیں رہا، سب سے پہلے آدم علیہ السلام اپنی اولاد کے لیے مبعوث ہوئے ان کے بعد کوئی زمانہ کسی سچے مبلغ سے خالی نہیں رہا یہاں تک کہ دورِ فترت میں بھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لیے موجود رہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ایحسب الانسان ان یترک سدی۔

(کیا انسان کا خیال ہے کہ اسے بیکار چھوڑا گیا ہے)

کہ اس کے لیے کوئی بھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے والا نہیں!

سوال: دوسری آیت تو اس کے خلاف ہے۔ وہ یہ کہ فرمایا:

لتنذر قوما ما انذر اباؤھم فھم غافلون۔

(تاکہ آپ ڈرائیں اس قوم کو جن کے آباء کو کوئی ڈر نہ سنایا گیا اور وہ غفلت میں پڑے ہیں)

جواب: آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے ہر اُمّت میں ڈر سنانے والا بھیجا سوائے آپ کی امت کے کہ ان کے لیے آپ کو بھیجا گیا۔ چنانچہ دوسری آیت اس کی تائید کرتی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وما ارسلنا الیھم قبلك من نذیر۔

(ان کے ہاں آپ سے پہلے کسی ڈرانے والے کو نہیں بھیجا)

اور لتنذر قوما ما انذر اباؤھم کا معنی یہ ہے کہ ہر امت عذاب سے تباہ و برباد ہوئی مگر اس کے بعد

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کہ ان کے پاس رسل کرام بھیجے گئے کہ انہوں نے انہیں ڈرایا دھمکایا تو پھر وہ نہ مانے تو تباہ و برباد ہو گئے۔ یہی دوسرا معنیٰ انسب ہے کہ اس سے دونوں آیتوں میں تطبیق ہوتی ہے جیسا کہ اس کا مابعد دلالت کرتا ہے۔ وان یکذبوک اور اگر وہ آپ کی تکذیب کرتی ہے، ورنہ اہل فترت کے لیے تو کوئی ڈرانے والا نہیں آیا جیسا کہ ما انذر آباؤھم سے ثابت ہوتا ہے اور پھر یہ معنیٰ بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ پچھلی جس امت کو ڈرایا گیا اور وہ نہ مانی تو پھر وہ تباہ و برباد ہوئی۔ ان آیات کی تطبیق سورۂ یٰسٓ کی آیت میں آئے گی (ان شاء اللہ تعالیٰ)۔

وَاِنْ یُّكَذِّبُوْكَ اگر یہ منکرین قریش آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو پروا نہ کیجئے فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ان سے پہلے والوں نے بھی تکذیب کی جَآءَتْهُمْ یہ جملہ مستانفہ ہے یا حال ہے یعنی پہلے لوگوں نے تکذیب کی حالانکہ ان کے ہاں رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ان کے ہاں ان کے رسل کرام اپنے معجزات لائے جو ان کے دعویٰ کے صدق اور نبوت کی صداقت پر دلالت کرتے وَبِالزُّبُرِ اور صحیفے لائے جیسے شیث و ادریس و ابراہیم علیہم السلام۔

حلِ لغات زبر زبور کی جمع ہے بمعنی مکتوب۔ زبرت الکتاب سے ہے بمعنی کتبتہ (میں نے اسے لکھا) مضبوطی سے لکھنا مراد ہے۔ اس لیے جو کتاب الطریق سے ہو اسے زبور سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ المفردات۔

وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ۝ اور وہ روشن کتاب لائے جو ان احکام و دلائل و مواعظ و امثال و وعدہ و وعید وغیرہ کو ظاہر کرتی جن کے وہ محتاج تھے جیسے تورات و زبور، لیکن اس سے تفصیل مراد ہے نہ کہ جمع۔ یعنی ان مذکورات میں بعض مکذبین کے پاس آئیں اور بعض ان کے دوسرے بعض کے پاس۔ اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ یہ تمام ان سب کے پاس آئیں ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا پھر میں نے مختلف قسم کے عذابوں سے گرفت کی کافروں کی جو کفر پہ ڈٹ گئے اور اس پہ مداومت کی۔ اسم موصول کو ضمیر کے قائم مقام لایا گیا ہے تاکہ ان کی مزید مذمت ہو اور معلوم ہو کہ ان کی گرفت کیوں ہوئی فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ۝ تو میرے انکار کا کیا معنیٰ، یعنی وہ میرے عذاب کا کیسے انکار کر سکتے ہیں۔ کشف الاسرار میں ہے کہ ان کا ناخوشی کا اظہار کیوں ہے جبکہ انہوں نے دیکھ لیا کہ سابقہ امم کا کیا حال ہوا۔

ف: ابن الشیخ نے فرمایا یہ استفہام تقریری ہے کیونکہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ پچھلے لوگ سخت عذاب میں مبتلا رہے تو استفہام فرمایا تاکہ کفار کو نصیحت حاصل ہو اس میں اپنی تسلی کے ساتھ کفار کو دھمکی بھی دی ہے اور اپنی امت کو نصیحت بھی۔ کیونکہ سمجھدار وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۱ نیک بخت آنکہ بود کہ دلش
آنچہ نیکی در دوست بپذیرد

۲ دیگراں را چو پند دادہ شود
او ازاں پند بہرہ برگیرد

ترجمہ: (۱) نیک بخت وہ ہے کہ جس کا دل دوسروں سے نصیحت قبول کرے۔

(۲) دوسروں کو جب نصیحت کی جائے تو اس سے وہ بہت زیادہ حصہ حاصل کرے۔

ف: آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ یہ تکذیب کوئی نئی نہیں ہے ان سے پہلے لوگوں نے بھی تکذیب کی۔ اور تسلی کی وجہ یہ ہوئی کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم قریش مکہ کی باتوں سے محزون ہو جاتے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس حزن سے روکا۔ چنانچہ فرمایا:

ولا تحزن علیہم الخ

اس کی وجہ یہ تھی کہ قریش مکہ ایمان وطاعت کے لیے مستعد نہیں تھے تو پھر ان سے اس کی توقع ایسے جیسے پتھروں سے جواہرات کی توقع کی جائے سہ

توان پاک کردن ز زنگ آئینہ
ولیکن نیاید ز سنگ آئینہ

ترجمہ: آئینہ سے زنگ دور کرنا آسان ہے لیکن پتھر کو آئینہ بنانا مشکل ہے۔

مسئلہ: اگرچہ ناامیدی ہو لیکن حق اور شریعت کے لیے مغموم ہونے کا ثواب ضائع نہیں ہوتا۔

حکایت ایک بی بی حج کے لیے موقف میں تھی تو اسے حیض آگیا، اس نے افسوس سے آہ بھری اسے خواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: غم نہ کھا میں کسی کا اجر ضائع نہیں کرتا میں نے تیری آہ کی وجہ سے تجھے ستر حج کا ثواب بخش دیا۔

ف: جس نبی علیہ السلام کو امت سے جتنی تکلیف پہنچے اتنا ہی اسے ثواب زیادہ نصیب ہوتا ہے۔ اگر کسی نبی علیہ السلام کو امت نے ستایا اور اس کی دعوت کو نہ مانا تب بھی اسے ثواب ملے گا۔ ایسے ہی ہر ولی کامل کا حال ہے کہ اسے بھی تبلیغ احکام پر جتنی تکلیف پہنچتی ہے اتنا ہی اسے ثواب نصیب ہوتا ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً

کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا تو ہم نے

فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرَاتٍ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا ۚ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ

اس سے پھل نکالے رنگ برنگ اور پہاڑوں میں راستے ہیں سفید اور سرخ

مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ ﴿٢٧﴾ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ وَالْأَنْعَامِ

رنگ رنگ کے اور کچھ کالے بھجنگ اور آدمیوں اور جانوروں اور چوپایوں کے

مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَٰلِكَ ۗ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ

رنگ یونہی طرح طرح کے ہیں اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں بیشک اللہ بخشنے والا عزت

غَفُورٌ ﴿٢٨﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ

والا ہے بیشک وہ جو اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں اور نماز قائم رکھتے اور ہمارے دیئے سے کچھ ہماری

سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَنْ تَبُورَ ﴿٢٩﴾ لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُمْ

راہ میں خرچ کرتے ہیں پوشیدہ اور ظاہر وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جس میں ہرگز ٹوٹا نہیں تاکہ ان کے ثواب انہیں

مِنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ ﴿٣٠﴾ وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ هُوَ الْحَقُّ

بھرپور دے اور اپنے فضل سے اور زیادہ عطا کرے بیشک وہ بخشنے والا قدر فرمانے والا ہے اور وہ کتاب جو ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی

مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِعِبَادِهِ لَخَبِيرٌ بَصِيرٌ ﴿٣١﴾ ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ

وہی حق ہے اپنے سے اگلی کتابوں کی تصدیق فرماتی ہوئی بیشک اللہ اپنے بندوں سے خبردار دیکھنے والا ہے پھر ہم نے کتاب کا وارث

الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۖ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ

کیا اپنے چنے ہوئے بندوں کو تو ان میں کوئی اپنی جان پر ظلم کرتا ہے اور ان میں کوئی میانہ چال پر ہے اور ان میں کوئی

بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ﴿٣٢﴾ جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا يُحَلَّوْنَ

وہ ہے جو اللہ کے حکم سے بھلائیوں میں سبقت لے گیا یہی بڑا فضل ہے بسنے کے باغوں میں داخل ہوں گے وہ ان میں

فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا ۖ وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ﴿٣٣﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ

سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور وہاں ان کی پوشاک ریشم ہے اور کہیں گے سب خوبیاں

لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۖ إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ ﴿٣٤﴾ الَّذِي أَحَلَّنَا دَارَ

اللہ کو جس نے ہمارا غم دور کیا بیشک ہمارا رب بخشنے والا قدر فرمانے والا ہے وہ جس نے ہمیں آرام کی جگہ

الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهِ لَا يَمَسُّنَا فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمَسُّنَا فِيهَا لُغُوبٌ ﴿٣٥﴾ وَالَّذِينَ

اتارا اپنے فضل سے ہمیں اس میں نہ کوئی تکلیف پہنچے نہ ہمیں اس میں کوئی تکان لاحق ہو اور جنہوں نے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ

کفر کیا ان کے لیے جہنم کی آگ ہے نہ ان کی قضا آئے کہ مر جائیں اور نہ ان پر اس کا عذاب کچھ

عَذَابِهَا ۚ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ۝ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا

ہلکا کیا جائے ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں ہر بڑے ناشکرے کو اور وہ اس میں چلاتے ہوں گے اے ہمارے رب ہمیں

نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۚ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ

نکال کہ ہم اچھا کام کریں اس کے خلاف جو پہلے کرتے تھے اور کیا ہم نے تمہیں وہ عمر نہ دی تھی جس میں سمجھ لیتا جسے سمجھنا ہوتا

وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ۖ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۝

اور ڈر سنانے والا تمہارے پاس تشریف لایا تھا تو اب چکھو کہ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں

تفسیر عالمانہ

اَلَمْ تَرَ استفہام تقریری ہے یہاں رؤیت قلبی ہے۔ یعنی تمہیں معلوم ہے بیشک تو اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ یعنی اے وہ شخص جو اس خطاب کے لائق ہے اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت و حکمت سے نازل کیا مِنَ السَّمَآءِ اوپر کی جانب سے آسمان ہو یا بادل مَآءً پانی یعنی بارش فَاَخْرَجْنَا بِهٖ تو ہم نے پانی کے سبب سے نکالا یہ التفات از غیبت الی التکلم فعل اخراج کی اہمیت کے اظہار کی وجہ سے ہے اس لیے کہ یہ عجیب صنعت ہے کہ اس نے کامل قدرت و حکمت سے پیدا فرمایا۔ اس لیے صیغہ جمع متکلم لایا گیا ہے تاکہ فعل کی ہیبت دلوں پر اثر کرے۔

ف: کاشفی مرحوم نے فرمایا التفات فعل کی تخصیص کی وجہ سے ہے یعنی ہم بہت بڑی قدرت کے مالک ہیں کہ زمین سے انگوری اگاتے ہیں ثَمَرٰتٍ ثمرہ کی جمع ہے درختوں سے پیدا شدہ کھانے کے میوے مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا یہ ثمرات کا وصف سببی ہے یعنی ثمرات کے اجناس جیسے انار، سیب، انجیر، انگور وغیرہ یا ان کی قسمیں کیونکہ ہر ثمر کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں۔ چنانچہ انگور کی پچاس اور کھجور کی سو سے زائد قسمیں ہیں یا اس کی مختلف ہیئات مراد ہیں جیسے زرد، سرخ، سبز، سفید، سیاہ وغیرہ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ یہ خبر مبتدا ہیں۔

حل لغات الجدد جمع ہے جدۃ (بالضم) کی۔ وہ راستہ جو اپنے قریب والے سے مختلف رنگ رکھتا ہو پہاڑ میں ہو یا اس کے غیر میں۔ الخطۃ گدھے کی پیٹھ کے مختلف رنگ کو کہتے ہیں۔ اور کبھی ہرنی میں وہ خوشبو والے راستے ہوتے ہیں جو اس کی پیٹھ اور پیٹ کے رنگ کا فاصلہ بناتے ہیں۔

ف: جبکہ یہ مبتدا سے پہلے مضاف محذوف ہے۔ یہ دراصل ذو جُدَد تھا یعنی پہاڑوں کی وہ لکیریں اور راستے مختلف رنگ والے ہیں جو دوسرے پہاڑ میں نہیں یا یہ معنی پہاڑ کی طرف راجع ہے کہ اس کے مختلف

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

راستے ہیں اس لیے کہ بیض جدد کی صفت ہے اور حمر کا بیض پر عطف ہے۔ اس پر قرینہ قرائن کو ملا کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتایا، کیونکہ اس کا ماقبل ہے فاخرجنا بہ ثمرات مختلفا الوانہا اور اس کا مابعد ہے ومن الناس والدواب والانعام مختلف الوانہ ۔ یعنی ان سب کے مختلف رنگ ہیں تو پھر ایسے قرینے کی ضرورت ہے جو ان کے درمیان واسطہ بنے۔ اسی لیے مضاف محذوف کرنا پڑا تاکہ وہ معنی حاصل ہو جو ہم نے بیان کیا۔ اس تقریر کے قرائن ایک دوسرے کے مناسب ہو گئے۔ المفردات میں ہے جدد بمعنے طرائق ظاہرہ اہل عرب کہتے ہیں طریق مجدود بمعنے مسلوک مقطوع یعنی وہ راستہ جس پر چل کر اسے طے کیا جاتا ہے اسی سے جادۃ الطریق ہے۔

ف : الجلالین میں ہے طرائق پہاڑوں میں ایسے ہوتے ہیں جیسے درختوں میں جڑیں ہوتی ہیں۔

بِيضٌ ابیض کی جمع ہے یہ جدد کی صفت ہے وَّحُمْرٌ احمر کی جمع ہے۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ پہاڑوں میں چلنے والوں کے لیے راستے ظاہر ہیں ان میں بعض سپید ہیں اور بعض سرخ۔ سپید اور سرخ پہاڑوں میں صاحب کشف الاسرار نے جدد کو ان راستوں پر محمول کیا ہے جن پر چلتے ہیں۔ لیکن پہلا معنی زیادہ موزوں ہے کیونکہ یہاں اس حالت کا بیان ہو رہا ہے جو شے کی خلقی ہے۔ علاوہ ازیں یہ ضروری نہیں کہ وہ پہاڑ سپید ہوں تو اس کے طرائق بھی سپید ہوں کیونکہ طرائق تو جڑوں کی طرح ہیں اس لیے کبھی وہ پہاڑ کے رنگ سے مختلف ہوتی ہیں مثلاً بہت سے پہاڑ سپید ہوتے ہیں لیکن ان کے طرائق ان سے مختلف ہوتے ہیں کبھی اس کے موافق سپید بھی ہوں تو یہ اتفاقی بات ہے۔

مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا ان کے مختلف رنگ ہیں یعنی وہ طرائق سپید و سرخ آپس میں شدۃ و ضعف میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور بیض و حمر اگرچہ جدد کی صفت ہیں لیکن مختلف الوانہا میں سپید و سرخ ہر ایک صفت واقع ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ وہ ہر سرخ و سپید شدت و ضعف میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور بیض و حمر اگرچہ جدد کی صفت ہیں اس لیے کہ بہت سے سپید اپنے دوسرے سے بہت زیادہ سپید ہوتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ سپید آپس میں ایک دوسرے سے کم و بیش ہوتے ہیں ایسے ہی سرخ کو سمجھئے۔ اسی لیے لفظ الوان جمع کا صیغہ سپید و سرخ کی ضمیر کی طرف مضاف ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ یہ ہر ایک آپس میں ایک دوسرے کے لیے مختلف کلی ہوں گے۔

ف : ممکن ہے کہ یہ جدد کی تیسری صفت ہے اس معنی پر الوانہا کی ضمیر جدد کی طرف راجع ہوگی اس تقریر پر یہ بیض و حمر کی تاکید ہے جدد کے مختلف ہونے کا معنی یہ ہے کہ ان کے بعض سپید ہیں اور بعض سرخ۔ اس اعتبار سے پہاڑوں کے راستوں کے کل دو رنگ ہوں گے سپید و سرخ۔ انہیں جمع سے لانا محل وقوع متعدد ہونے کی وجہ سے ہے (حواشی ابن الشیخ)۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ف : فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ جسے حج کے موقعہ پر دیارِ عرب کا سفر کرنا نصیب ہوا ہے اس نے طرائق کے مختلف الوان کا مشاہدہ کیا ہوگا۔

وَغَرَابِیۡبُ سُوۡدٌ ○ اس کا عطف جدد پر ہے اس معنی پر جدد اور اس کی صفات قائمہ بیض و حمر کی تفاصیل میں داخل بلکہ اس کا قسیم ہوگا۔ گویا یوں کہا گیا کہ بعض پہاڑ مختلط ہیں اور بعض ذو جدد اور بعض ایک رنگ پر یعنی سیاہ ہیں آیت میں یا تو طرائق الجبال کے الوان ثمرات کے الوان کی طرح مختلف ہیں جا بجا پہاڑوں کے راستوں کو دور سے دیکھا جاتا ہے کہ ان کے بعض سفید ہیں بعض سیاہ بعض سرخ، اور خود پہاڑوں کا بھی رنگ مختلف ہے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر دلالت کرتا ہے (حواشی ابن الشیخ)

حلِ لغات غرابیب' غربیب کی جمع ہے جیسے عفریت۔ اہل عرب کہتے ہیں، اسود غربیب یعنی وہ سخت سیاہ جس میں کالے کوے کی رنگت کی ملاوٹ ہو۔ ایسے ہی کہتے ہیں،

اسود حالک۔

ایسے ہی کہا جاتا ہے،
اصفر فاقع وابیض یقق (بفتحتین) واحمر قان خالص زرد اور بہت زیادہ سفید اور سرخ کو کہا جاتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:
ان اللہ یبغض الشیخ الغربیب۔
(بے شک اللہ تعالیٰ بوڑھے کالے سیاہ پر غصہ کرتا ہے)
اس سواد سے سیاہ خضاب مراد ہے[1] (تفسیر القرطبی)
اور مقاصد حسنہ میں ہے کہ اس سے وہ شخص مراد ہے جو بڑھاپے سے متنفر ہے۔ اور سواد اسود کی جمع ہے۔

سوال : اگر غربیب اسود کی فاقع اصفر کی طرح تاکید ہے تو سود غرابیب کہنا چاہیے کیونکہ تاکید مؤکد کے بعد آتی ہے مؤکد سے کبھی مقدم نہیں ہوتی۔

جواب : غرابیب اسم مقدر کی تاکید ہے جس کی مابعد تفسیر کرتا ہے اصل عبارت سود غرابیب سود اس تقریر پر تاکید مؤکد سے مؤخر ہے۔ اضمار کے بعد اظہار میں مزید تاکید ہے کیونکہ تکرار میں مزید تاکید ہوتی ہے

---

[1] میرے دور ۱۴۰۲ھ میں بعض علماء صاحبان سیاہ خضاب کے جواز کے نہ صرف قائل ہیں بلکہ خود بھی اس کا استعمال کرتے ہیں وہ دوسروں کو بھی دعوت دیتے ہیں۔ فقیر نے اس مسئلہ میں کتاب لکھی ہے "کالا خضاب"۔ اویسی غفرلہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

یہ تقریر اس سے بہتر ہے جو کہا جاتا ہے کہ الغرابیب سے سُود بدل ہے جیسے اکثر علماء نے کہا ہے یہاں تک کہ صاحب قاموس نے بھی یہی لکھا ہے کہ و اما غرابیب سود بدل اس لیے کہ الوان کی تاکید مقدم نہیں ہوا کرتی۔

وَمِنَ النَّاسِ اور بعض لوگ وَالدَّوَآبِّ اور جانوروں سے وَالْاَنْعَامِ اور چوپایوں سے۔ یہ نعم (حرکات کے ساتھ) کبھی اس کی عین ساکن بھی پڑھی جاتی ہے۔ ان سے اونٹ، گائے، بھیڑ بکری مراد ہیں ان کے ماسوا یہ لفظ نہیں بولا جاتا اس معنی پر خچر، گدھا، گھوڑا انعام میں داخل نہیں۔ اب معنی یہ ہوا کہ ان کے بعض وہ ہیں کہ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ ان کے رنگ مختلف ہیں کہ بعض سپید ہیں بعض سُرخ اور بعض سیاہ۔ یہاں الوانہا نہیں کہا کیونکہ یہ ضمیر بعض کی طرف لوٹتی ہے جیسا کہ لفظ مِنْ سے معلوم ہوتا ہے کَذٰلِكَ یہاں کلام مکمل ہوا۔ یہ مصدر تشبیہی ہے مختلف کے لیے ہے۔ یہ مصدر کی صفت مؤکد ہے دراصل عبارت ہے مختلف اختلافا کائنا کذلک یعنی اختلاف ثمار و جبال کی طرح۔ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا بے شک اللہ تعالیٰ سے وہ بندے ڈرتے ہیں جو علماء ہیں کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کو نہیں جانتا کہ وہ اشیاء کو پیدا کرتا ہے اور نہ ہی اسے معلوم ہو کہ وہ ایک شے کو دوسری شے کی طرف پھیر سکتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کو کس طرح جانتا ہے۔ الارشاد میں ہے کہ یہ آیت انما یخشی اللہ الخ انما تنذر الذین یخشون ربہم بالغیب کا تکملہ ہے کیونکہ انما تنذر الذین الخ مجمل تھی تو انما یخشی اللہ الخ اس کی تعیین ہے کہ اس سے مراد کون لوگ ہیں جبکہ اس سے پہلے طبقات کا اختلاف اور ان کے مراتب کا تباین بیان کیا گیا اوصاف معنویہ کے لحاظ سے ہو تو طریق تمثیل ہے اوصاف صوریہ کے لحاظ سے ہو تو بطریق تصریح ہے یعنی ہر ایک کو مکمل طور پر بیان کرنا مطلوب ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے غائبانہ وہ ڈرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو جانتے ہیں اور اس کے لائق صفات جلیلہ و افعال جمیلہ کے عالم ہیں کیونکہ خشیت کا مدار مخشی (جس سے ڈرا جائے) کی معرفت اور اس کی شانوں کے علم پر ہے یہی وجہ ہے کہ جو اس کو زیادہ جانتا ہے وہ اس سے زیادہ ڈرتا ہے۔

حدیث شریف نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انا اخشاکم للّٰہ واتقاکم لہ۔

(میں (بہ نسبت تمہارے) اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرتا ہوں اور تم سے زیادہ متقی ہوں)

اسی لیے اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کے بعد ذکر فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ کفار اس معرفت الٰہی سے کوسوں دور ہیں اسی لیے انہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرانا بے سُود ہے۔

ف: مخشی (جس سے ڈرا جائے یعنی اللہ تعالیٰ) کو مقدم کرنا (حالانکہ وہ مفعول ہے) اختصاص اور فاعلیت کے حصر کے لیے ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے صرف علماء ہی ڈرتے ہیں اگر اس کے برعکس ہوتا تو معنی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تبدیل ہو جاتا ہے جو مطلب کے خلاف ہے۔ پہلے کا معنیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے صرف علماء ہی ڈرتے ہیں اور دوسرے کا معنیٰ ہے کہ مخشی منہ (جس سے ڈرا جاسکے) صرف اللہ ہی ہے نہ کہ کوئی اور۔

قراۃ ابی حنیفہ ابو حنیفہ و عمر بن عبد العزیز و ابن سیرین نے اللہ کو مرفوع اور علماء کو منصوب پڑھا ہے خشیت اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا تعظیم کا استعارہ ہے اس لیے کہ معظم (جس کی تعظیم کی جائے) وہ ہے جس کی ہیبت دل پر چھائی ہوئی ہو۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ علماء کو اپنے بندوں میں سے معظم بناتا ہے جیسے تم میں دل پر ہیبت چھائے ہوئے بندے کی عظمت ہوتی ہے ایسے ہی علماء اللہ تعالیٰ کے نزدیک باعظمت و شرافت ہیں اگرچہ یہ قراۃ شاذہ ہے لیکن بہت ہی زیادہ مفید ہے اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: الخشیۃ بمعنے اختیار۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں علماء کرام کو پسند فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ بیشک اس سے بدلہ لینے پر غالب ہے جو اس کے عذاب سے نہیں ڈرتا غَفُوْرٌ○ وہ ڈرنے والوں کو بخشنے والا ہے۔ یہ وجوب خشیۃ کی تعلیل ہے جیسا کہ یہ معنیٰ دلالت کرتا ہے کہ طغیان پر اصرار کرنے والے کو سزا دیتا اور تائب کو بخشنے والا ہے جس نے ثابت کیا ہے کہ اس کی صفت خشیت ہے (جیسا کہ ابھی قراۃ ابی حنیفہ رضی اللہ عنہ میں گزرا)

خشیۃ کی مزید تحقیق خشیۃ بمعنے دل کا دکھ مستقبل میں ناگوار امر کے توقع سے جو کہ بندے کے کثرت جنایۃ سے ہوتا ہے اور کبھی محض اللہ تعالیٰ کی ہیبت اور جلال سے ہوتا ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کی خشیت اسی دوسرے معنیٰ سے ہوتی ہے۔

سبق مومن پر لازم ہے کہ علم باللہ کے حصول میں جدوجہد کرے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ خشیۃ والا ہو اور اسی علم کے مراتب پر خوف و خشیتِ الٰہی نصیب ہوتی ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ہم میں سے کون زیادہ عالم ہے؟ آپ نے فرمایا:

اخشاکم للہ سبحانہ وتعالیٰ انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء۔

(جو تم سے خدا تعالیٰ سے زیادہ خشیت والا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ سے علماء ہی ڈرتے ہیں)

پھر عرض کی گئی ہم میں سے کون افضل ہے؟ فرمایا:

من اذا ذکرت اللہ اعانک واذا نسیت ذکرک۔

(جب تمہارے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے اور وہ ذکر تمہاری اعانت کرے اور جب تم بھول جاؤ تو وہ تمہیں یاد دلا سکے)

پھر عرض کی گئی ہم میں شریر کون ہے؟ فرمایا:

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

الذی اذا ذکرت لم یعنک واذا نسیت لم یذکرک ۔

(جو تمہارے سامنے اس کا ذکر ہو تو وہ تمہاری اعانت نہ کرے اور جب تم بھول جاؤ تو وہ یاد نہ دلائے)

پھر عرض کی گئی لوگوں میں شریر ترین کون ہے؟ فرمایا:

اللھم اغفر للعلماء العالم اذا فسد فسد الناس ۔

(اے اللہ علماء کو معاف کر دو کیونکہ عالم دین ٹیڑھا ہو تو تمام لوگ فساد کی لپیٹ میں آجاتے ہیں)
(تفسیر ابی اللیث)

علم چنداں کہ بیشتر خوانی
چوں عمل در تو نیست نادانی

ترجمہ: علم چاہے کتنا زیادہ ہی پڑھ لو اگر عمل نہ ہو تو نادان ہو۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں عالم و محقق اور خوف و خشیت میں صادق و مصدق بنائے (آمین)۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ کِتٰبَ اللّٰہِ بیشک وہ جو کتاب اللہ کی تلاوت پر مداومت کرتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ کیونکہ تلاوت عمل کے بغیر غیر مفید ہے۔

مسئلہ: تلاوۃ قراۃ درس و تدریس اور اورادِ مقررہ سب کو شامل ہے۔

مسئلہ: بچوں کو پڑھانا اور ہجے کرنا قراۃ میں شامل نہیں۔

مسئلہ: حائض اور نفاس والی اور جنب ہجا کرکے قرآن کے الفاظ پڑھ سکتے ہیں کیونکہ عرف میں ان کو قرآن پڑھنے والا نہیں کہا جاتا۔ یعنی ایک ایک دو دو حرف اور ایک ایک دو دو کلمات علیحدہ کرکے پڑھانا ہجا ہے۔

وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ اور آداب و شرائط کے ساتھ نماز ادا کی۔

سوال: پہلے مضارع اب ماضی، یہ کیوں؟

جواب: اشارہ ہے کہ تلاوت کا کوئی وقت مقرر نہیں اور نماز مقررہ وقت پر ادا کی جاتی ہے۔ ایسے ہی زکوٰۃ کا معاملہ ہے۔ چنانچہ اس میں بھی ماضی ہے۔ فرمایا وَاَنْفَقُوْا اور نیکیوں کے کام میں خرچ کیا یعنی غرباء و مساکین کی اعانت کی مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ اس میں سے جو ہم نے انہیں مال وغیرہ عطا کیا سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً پوشیدہ اور ظاہر۔ علانیہ سِر کی ضد ہے اس کا اکثر استعمال معانی میں ہوتا ہے اعیان میں نہیں۔ اہل عرب کہتے ہیں:

اعلنتہ فعلن (میں نے اسے ظاہر کیا تو ظاہر ہو گیا)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

یعنی چپ کر اور کھل کر خرچ کیا یا یہ مفعول مطلق ہے بمعنے انفاق بسرّ و علانیہ یا بمعنے ذی سرّ و علانیہ ہے یعنے مسرّین و معلنین۔ یعنی ان سے جیسے بن پڑتا ہے خرچ کرتے ہیں ارادہ سے اور بلا ارادہ۔

ف: کاشفی مرحوم نے لکھا کہ وہ پوشیدہ طور اس لیے خرچ کرتے ہیں کہ کہیں ریا نہ ہو اور علانیہ طور اس لیے خرچ کرتے ہیں کہ دُوسروں کو صدقہ دینے کی رغبت ہو لیکن پہلا نوافل میں بہتر ہے اور دوسرا فرائض میں۔

ف: اس میں علم باطن و ظاہر کی طرف اشارہ ہے اس میں خرچ کرنے والے کو ترغیب ہے کہ ہر وقت اور ہر آن خرچ کرنے میں لگا رہے۔

یَرْجُوْنَ ان کی خبر ہے تِجَارَةً طاعت کے عوض ثواب حاصل کرنے کی اُمید رکھتے ہیں۔ تاجر وُہ ہے جو بیع و شرا کرتا ہو اس کا کام ہی تجارت ہے تجارت: اس اموال میں تصرف کرنا جس میں نفع کی طلب ہو۔

اعجوبہ

کلامِ عرب میں تاء کے بعد جیم نہیں آتی سوائے لفظ تجارۃ کے۔

سوال: تجاہ عرب میں مستعمل ہے اس میں بھی تاء کے بعد جیم آتی ہے۔

جواب: یہ دراصل وجاہ تھا واؤ کو تاء سے تبدیل کیا گیا ہے۔

سوال: تجوب میں تاء کے بعد جیم ہے۔

جواب: یہ تاء مضارع کی ہے۔

(خلاصہ یہ کہ تاء و جیم اصلی "تجارۃ" کے سوا کسی لفظ میں یکجا واقع نہیں ہو سکے)

لَنْ تَبُوْرَ ○ البوار بہت زیادہ گھاٹا۔ اس کا صیغہ فاعل بائر آتا ہے۔ چونکہ زیادہ گھاٹا ہلاکت و تباہی تک پہنچاتا ہے اسی لیے اسے ہلاک کے بجائے البوار کہا گیا ہے۔ جیسے خذوا الطریق ولو دارت (سیدھا راستہ چلو اگرچہ دُور کا ہو) و تزوجوا البکر ولو بارت (اور باکرہ سے نکاح کرو اگرچہ دکھ ہو) و اسکنوا المدن ولو جارت (شہروں میں سکونت اختیار کرو اگرچہ ظلم سہنا پڑے) میں معنوی کی طرف اشارہ ہے۔ اب معنی یہ ہُوا کہ وہ تجارت ہرگز گھاٹے میں نہ ہوگی اور نہ ہی مطلقًا ان کو کوئی نقصان ہوگا بلکہ قیامت میں ان کے جملہ اعمال کو بہت زیادہ رواج اور ترقی ہوگی۔

ف: الارشاد میں ہے لن تبور تجارۃ کی صفت ہے اسے اس لیے لایا گیا ہے تاکہ یقین ہو کہ ان کا معاملہ عام تاجروں جیسا نہیں کہ انھیں کبھی گھاٹا اور کبھی نفع لیکن یہ ایسی تجارت ہے کہ اس ہمیشہ نفع ہی نفع ہے اس لیے کہ دُنیوی مال فانی کو دے کر آخرت کا دائمی اجر حاصل کیا گیا ہے اور پھر انھیں ایسے کریم سے اس کے اجر کی امید ہے کہ اس جیسا کوئی کریم نہیں ہے اور پھر اس سے امید ایسی نہیں کہ پوری نہ ہو بلکہ اس سے امید کا پھل یقینی ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ توفیۃ بمعنی پورا دینا، اجور بمعنی ثواب العمل۔ یہ لن تبور کے متعلق ہے اب معنی یہ ہوا کہ ایسے لوگوں کو گھاٹے اور نقصان کی بو تک نہ پہنچے گی اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ایسا ہو کہ اس میں نیت خالص ہو۔ اور ایسے ہی ہر عمل میں جیسے تلاوت اور نماز کی ادائیگی وغیرہ۔ اسی لیے اس کا لن تبور پر وقف نہیں۔ **وَيَزِيْدَهُمْ** اور ان کو زیادہ ثواب دے گا **مِّنْ فَضْلِهٖ** اپنے فضل و کرم سے اور خزائنِ رحمت سے جتنا چاہے دے گا کہ جس کا کسی کو وہم و گمان نہ ہوگا بلکہ سمجھیں گے کہ اس کے تو ہم حقدار بھی نہ تھے یہ اس کا لطف و کرم ہے کہ بے اندازہ اجر عطا فرمایا اور قیامت میں شفاعت کا اذن عطا فرمانا بھی اس کا لطف و کرم ہوگا تاکہ جو لوگ جہنم کے مستحق ہیں ان کی ان کے رشتہ دار شفاعت کرکے انہیں دوزخ سے بچا لیں **اِنَّهٗ غَفُوْرٌ** یہ ماقبل کی تعلیل ہے یعنی وہ پورا اجر بلکہ اس سے بڑھ کر کیوں عطا فرماتا ہے اس لیے کہ اس کی شان یہ ہے کہ وہ غفور ہے کہ ان کی کوتاہیوں کو بخشتا ہے۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ اس کی شان یہ ہے کہ ان سے جتنی غلطیاں سرزد ہوتی ہیں وہ انھیں چھپا دیتا ہے یہاں تک کہ ان کے دلوں سے ان کا تصور مٹا دیتا ہے اور ملائکہ کے دفتروں سے ختم کرا دیتا ہے۔

شَكُوْرٌ ان کی طاعات پر ان کو جزا و ثواب بخشتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ **غفور** ہے کہ ان سے جو عبودیت میں کوتاہی ہوتی ہے وہ اسے بخش دیتا ہے اور **شکور** ہے کہ فضل ربوبیت کے ساتھ ان کی کوتاہی کے باوجود ان کے عمل کا ثواب دیتا ہے۔

اقسام شکر ابو اللیث رحمہ اللہ نے فرمایا کہ شکر تین قسم ہے:

(۱) کم درجے والا اونچے مرتبے والے کا شکر کرے طاعت کرکے اور اس کی مخالفت سے بچ کر۔

(۲) ہم مرتبہ کا شکر کہ اس کے احسان کا برابر طور احسان کرے۔

(۳) اعلیٰ ادنیٰ کا شکر کرے کہ اس کے تھوڑے سے کام سے بہت بڑی خوشی اور رضا کا اظہار کرے۔

ف: اسی لیے بعض مشائخ نے فرمایا کہ شکور وہ ہے جو تھوڑے سے کام پر بہت بڑی خیر و بھلائی عطا فرمائے اور تھوڑے سے وقت میں عمل کرنے پر آخرت میں بے انتہا ثواب پہنچے جسے یقین ہو کہ وہ کریم شکور ہے تو اس کی نعمت کے شکریہ کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے اور ہر وقت اس کی طاعت میں لگا رہے اور رحمت کا طلب گار رہے اور اس کی منت و احسان کا معترف ہو۔

ف: امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ادائیگی میں احسن طریقہ یہ ہے کہ اس کے حکم کے خلاف کوئی کام نہ کرے بلکہ طاعات میں زندگی گزار دے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

درد اور تھکان کا روحانی علاج اس اسم کی خاصیت یہ ہے کہ اسے ۴۱ بار لکھ کر پانی سے دھو کر پیئے اور چھینٹے مارے۔ جو ضیق نفس اور جسم کی تھکان اور درد محسوس کرتا ہو اللہ تعالیٰ کے حکم سے مذکورہ بالا عمل سے شفا نصیب ہوگی۔

ضعفِ بصر کا علاج اگر ضعف بصر والا مذکورہ بالا طریقہ سے پانی کے چھینٹے آنکھ پر مارے تو ان شاء اللہ شفا پائے گا۔

تفسیر عالمانہ وَالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ اور وہ جو ہم نے تمہاری طرف وحی کی۔ اس مراد قرآن مجید ہے۔ مِن بیانیہ یا جنسیہ یا تبعیضیہ ہے هُوَ الْحَقُّ حق یعنی صدق ہے کہ اس میں کذب کا امکان ہے نہ شک کا مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ درانحالیکہ وہ اپنے سے پہلی کتب کی تصدیق کرنے والا ہے یعنی ان پہلی کتب سماویہ کے موافق ہے جو سابق انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئی ہیں یعنی اس کے عقاید و اصول انہیں کے مطابق ہیں یہ حال مؤکدہ ہے یعنی میں اسے حق ثابت کرنے والا ہوں کیونکہ شے کی حقیقت تصدیق سے جدا نہیں ہوتی اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ یہ لَخَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ۝ کے متعلق ہے۔ مقدم ہے بوجہ رعایت فاصلہ کے کہ پہلے جملے را پر ختم ہو رہے ہیں یہ بھی اسی طرح۔ اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ظاہری باطنی امور سے باخبر اور دیکھنے والا ہے یعنی محیط ہے۔ اگر بالفرض محال آپ میں نبوت کے منافی احوال ہوتے تو آپ کے پاس ایسی وحی نہ بھیجی جاتی جو سراسر حق اور معجزہ ہے بلکہ دوسری کتب سماویہ سے فائق ہے اور اس کا صدق سب کو معلوم ہے۔ خبر کی تقدیم میں تنبیہ ہے کہ اس میں عمدہ علم و احاطہ یعنی امور روحانیہ ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان بندوں کو جو اہل سعادت و شقاوت ہیں خبیر جانتا ہے کیونکہ وہ اس کے پیدا کردہ ہیں بصیر جو امور ان سے سرزد ہوتے ہیں اخلاق ہوں یا اعمال ان کو دیکھتا ہے۔

ف: اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حقانیت بتلا کر اس کی تلاوت پر ثواب اور اس عمل پر اجر کثیر عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے اس لیے جو ان پڑھ ہے اسے تلاوت قرآن کا اجر نہیں ملے گا کیونکہ ان پڑھ نہیں بلکہ پڑھا ہوا ہی تلاوت کر سکتا ہے اسی لیے علم حاصل کرنا اور ہر وقت اس میں مشغول رہنا ضروری ہے۔ حضرت مولانا جامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

۱ چوں ز نفس وحدیثش آیے تنگ
بکلام قدیم کن آہنگ

۲ مصحفی چو شاہد مہوش
بر سر زن در کنار خویشش کش

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۳ حرف او کن حواس جسمانی
وقف او کن قوائے روحانی

۴ دل بمعنی زبان بلفظ سپار
چشم بر خط و نقط بگزار

ترجمہ: (۱) جب تم نفس اور اس کی باتوں سے تنگ آ جاؤ تو کلام قدیم کی تلاوت کا ارادہ کر لو۔

(۲) محبوب چاند سے چہرہ والے کی طرح مصحف تلاش کر کے اسے بوسہ دے کر بغلوں میں دبا۔

(۳) اس کے حروف کو حواس جسمانی جیسا سمجھ اور اس کے وقف کو قوائے روحانی خیال کر۔

(۴) دل کو معانی میں اور زبان کو الفاظ میں مصروف رکھ، آنکھ خط و نقطہ پر چھوڑ۔

خدام القرآن کی شان قیامت میں

مروی ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو نور کے گول منبر بچھائے جائیں گے جن کے نزدیک بہشت کی اونٹنی کھڑی کر دی جائے گی اور اعلان ہوگا کہ کہاں ہیں خدام القرآن! آؤ ان منبروں پر بیٹھ جاؤ، آج تمہیں کوئی خوف و خطرہ نہیں۔ وہ منبروں پر بیٹھے رہیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے حساب سے فارغ ہو جائے گا۔ پھر محشر کے میدان میں لانے کے لیے قرآن کے خدام کو انہی اونٹنیوں پر بٹھا کر بہشت میں لایا جائے گا۔

درسِ قرآن کی فضیلت

حدیث شریف میں ہے: "جب قیامت کا دن ہوگا تو طوق دار نورانی منبر بچھائے جائیں گے ہر ایک منبر کے قریب نورانی بہشتی اونٹنی ہوگی۔ ہر منبر کے قریب اعلان ہوگا کہ قرآن کے حاملین (خدام) کہاں ہیں وہ تشریف لا کر منبروں پر بیٹھیں آج انہیں نہ کوئی گھبراہٹ ہوگی نہ غم یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حساب سے فارغ ہو۔ حساب سے فراغت کے بعد حکم الٰہی ہوگا کہ ان حاملین قرآن (خدام القرآن) کو ان نورانی اونٹنیوں پر سوار کر کے بہشت میں لے جاؤ۔"

حدیث شریف میں ہے: "اگر تم سعادت مندوں کا عیش اور شہداء کی موت اور یوم حشر سے نجات اور قیامت کی گرمی اور گمراہی سے ہدایت چاہتے ہو تو قرآن کا درس دیا کرو۔ کیونکہ وہ رحمان کا کلام ہے اور میزان میں رجحان ہے۔"

مسئلہ: قنیہ میں ہے کہ جن اوقات میں نماز پڑھنا ممنوع ہے ان اوقات میں درود شریف اور دعا و تسبیح افضل ہے۔

مسئلہ: فجر کی نماز کے بعد طلوع شمس تک ذکر الٰہی وغیرہ مستحب ہے جیسا کہ صوفیہ کرام کی عادت ہے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattori

اگرچہ اس وقت فوت شدہ نمازیں پڑھنا اور سجدۂ تلاوت اور صلوٰۃ جنازہ جائز ہیں لیکن نوافل اور سنت کے نفل اور دو رکعت طواف اور وہ نوافل جو قصدًا سے قران کی ادائیگی اس کی اپنی طرف سے ہے کیونکہ یہ نفل سے ملحق ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو تلاوت قرآن کو غنیمت سمجھتے ہیں اور اس کے لطف خطاب سے مشرف ہوئے اور انوار و اسرار سے واصل ہو گئے۔

تفسیر عالمانہ

ثُمَّ ترتیب و تاخیر کے لیے ہے یعنی بعد اس کے کہ ہم نے تمہاری طرف وحی کی اور بعد کتب اولین کے جیسے کہ اس کا ماقبل ان دونوں کو شامل ہے۔

ف: حضرت ثوری رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ ثُمَّ کا کس جملہ پر عطف ہے آپ نے فرمایا کہ اس کا عطف ارادۂ ازلی اور امر مقتضی پر ہے یعنی بعد اس کے کہ ہم نے ازل میں ارادہ کیا **اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ** یعنی ہم اپنی عظمت کے ساتھ کتاب کے مکمل مالک ہیں یعنی ہم نے یہ ایسی کتاب عطا فرمائی کہ اس میں کسی قسم کا رجوع نہیں۔

حل لغات

امام راغب نے فرمایا: الوراثة کسی کا کسی دوسرے کی طرف عقد کے بغیر منتقل ہونا اور نہ اس امر سے جو عقد کے قائم مقام ہوتا ہے ایسے ہی جو شے میت سے کسی کو ملے ایسے ہی وہ جو کسی کو بغیر تکلیف کے حاصل ہو۔ (اس کا مزید بیان آئے گا)

اَلَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا موصول اپنے صلہ سے مل کر اورثنا کا دوسرا مفعول ہے۔ الاصطفاء بمعنی اچھی شے کو چن لینا۔ اور عبادنا کی اضافت تشریفیہ ہے اگرچہ آدم (علیہ السلام) کی اضافت حقیقی ہے کما فی کشف الاسرار۔ اب معنی یہ ہوا کہ جنہیں ہم نے اپنے بندوں سے چن لیا۔ اس سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری اُمت مراد ہے کیونکہ جب یہ آیت اُتری تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت خوش ہوئے اور تین بار فرمایا رب کعبہ کی قسم اللہ تعالیٰ نے میری امت کو تمام امتوں سے ایسے برگزیدہ بنایا جیسے ان کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تمام رسل کرام علیہم السلام پر اور اس کی کتاب کو تمام کتابوں پر۔

مسئلہ: یہ وارث بنانا قرآن مجید تمام کو حفظ کرنے کی خصوصیت نہیں بلکہ اس کا کوئی حصہ خواہ سورۂ فاتحہ ہو کیونکہ صحابہ کرام سب کے سب حافظ قرآن نہ تھے۔ لیکن ہمارا عقیدہ ہے کہ تمام کے تمام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ تھے۔ کذا فی المناسبات۔

ف: کاشفی نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے عطیۂ قرآن کو وراثت سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ جس طرح وراثت کا مال انسان کو بغیر تکلیف اٹھائے حاصل ہوتا ہے ایسے ہی نعمت قرآن امت کو بغیر تکلیف کے حاصل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے جو اسلام سے بیگانے ہیں اور دشمنان خدا ہیں وہ اس میراث سے محروم ہیں اور قرآن کے وارثین کے درجات مختلف ہیں کسی کو اس کے اسرار و رموز سے بہت وافر حصہ نصیب ہوا کسی کو

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اس سے کم اور کسی کو بہت ہی کم۔ حتیٰ

زیں بزم یکے حسب مد طلب کردیکے جام
(ترجمہ: اسی بزم سے بعض کو صرف ایک گھونٹ نصیب ہوا بعض کو ایک جام)

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں لفظ میراث اس لیے لایا گیا ہے کہ میراث میں صحت نسب یا صحت سبب بطریقہ مخصوص ضروری ہے اور یہاں سبب کو طاعت اور نسب فضل رب۔ اہل طاعت بہشتی ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

اولٰئک ھم الوارثون الذین یرثون الفردوس۔
(یہی وہ ہیں جو فردوس کے وارث ہیں)

تو یہی بہشت کے وارث ہیں تو طاعت کے سبب سے اور اصل سبب وراثت بیعت ہے جو بندوں اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہوئی۔ جیسا کہ فرمایا:

ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ۔
(بے شک اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے ان کے نفوس اور مال بہشت کے عوض میں خرید لیا ہے)

یہی وہ ہیں جنھوں نے نفوس و اموال کے ذریعے اطاعت کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اعمال کی جزا کے طور بہشت میں داخل فرمایا اور اہل الفضل صرف اہل اللہ ہیں اور ان سے فضل یہ ہوا کہ انہیں محبت و معرفت سے نوازا۔ چنانچہ فرمایا:

یحبھم ویحبونہ۔
(وہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اس سے محبت کرتے ہیں)

پھر چونکہ سبب کی وراثت صرف ایک ہے وہ ہے زوجیت اور وہ صرف ایک جنس ہے اور وراثت نسبی دو جنس ہیں:

(۱) اصول جیسے آباء و امہات
(۲) فروع جیسے وہ جو اصول سے پیدا ہوں جیسے اولاد، اخوۃ، اخوات اور ان کی اولاد اور چچے اور ان کی اولاد۔ ان میں بعض عصبات بھی ہیں اور اصحاب الفرائض بھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مجموعۂ وارثین تین قسم ہیں:

۱۔ اصحاب الفرائض بالسبب
۲۔ اصحاب الفرائض بالنسب
۳۔ اصحاب الباقی یعنی عصبات

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ایسے ہی اس وراثت کی بھی تین اقسام ہیں۔ چنانچہ فرمایا فَمِنْهُمْ پس ان کے بعض ہیں جنہیں ہم نے برگزیدہ بنایا ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ کتاب اللہ پر عمل ترک کرکے اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں۔ یہ وہ ہیں جن کا امر موقوف ہے، چاہے تو انہیں عذاب کرے چاہے توبہ قبول کرے اس لیے کہ ضروری نہیں کہ تمام وارث کتاب اللہ کی پوری پاسداری کریں کیونکہ بعض اولاد نااہل بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

فخلف من بعدهم خلف ورثوا الکتٰب یأخذون عرض هذا الادنٰی و یقولون سیغفر لنا۔

(اپنے پیچھے ایسے نااہل چھوڑے جو کتاب کے وارث ہو کر اس کے عوض یہی دنیا کا سامان لیتے اور کہتے ہیں بخش دیا جائے گا)

سوال: کتاب کے وارث اور پھر ظالم، یہ وصف عجیب سا ہے۔

جواب: آدم علیہ السلام برگزیدۂ حق تھے۔ چنانچہ فرمایا:

ان اللہ اصطفٰی آدم۔

(بیشک ہم نے آدم علیہ السلام کو برگزیدہ بنایا)

برگزیدہ ہو کر اعتراف کر رہے تھے،

ربنا ظلمنا انفسنا (الآیۃ)

حلِ اشکال

حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ سے پوچھا گیا کہ کیا عارف باللہ سے بھی صدورِ عصیان ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وکان امر اللہ قدرا مقدورا۔

(اور ہے اللہ کا امر مقدر کیا ہوا)

یعنی اس پر حق پہلے سے ہی مقدر ہو چکا جس کا وقوع ضروری ہے۔

ظلم کی اقسام

ظلم کی تین قسمیں ہیں:

(۱) بین الانسان وبین اللہ، ان سب سے بڑا ظلم شرک و کفر و نفاق ہے۔

(۲) ظلم آپس میں

(۳) اپنے آپ پر

یہاں یہی تیسری قسم مراد ہے۔ کما فی المفردات۔

ازالۂ وہم

آیت میں ظلموا کی تعمیم دلالت نہیں کرتی کہ یہ آنے والے اقسام سے افضل و اعلیٰ ہے۔ چنانچہ دوسری آیت میں:

فمنکم کافر ومنکم مومن۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(تم میں بعض کافر ہیں اور بعض مومن)

اس میں کافر کی تقدیم افضلیت کی دلیل نہیں۔ کما فی الاسئلۃ المقحمۃ۔

ف: بعض نے کہا کہ ظالم کی تقدیم اس لیے ہے کہ ظلم بمعنی فسق ہے اور فاسق بہ نسبت دوسروں کے زیادہ ہیں یا اس لیے کہ ظلم بمعنی جہل اور خواہشات نفسانیہ اور یہ دونوں انسان کی جبلی ہیں اور دوسری دو صفات (اقتصاد و سبق) عارضی ہیں۔

نکتہ: فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ظالم کی تقدیم اور سبق کی تاخیر اس لیے ہے کہ سابق بالخیرات کو عجب نہ ہو اور ظالم لنفسہ کو نا امیدی نہ ہو بلکہ اسے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے پُر امید ہونا چاہیے ؎

نیاید از من آلودہ طاعت خالص
ولے برحمت و فضلت امیدواری ہست

ترجمہ: مجھ جیسے آلودہ گناہ سے طاعت نہیں ہو سکی لیکن تیری رحمت اور فضل و کرم کا بہت زیادہ امیدوار ہوں۔

نکتہ: قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ علم میراث کا قانون ہے کہ تقسیم ترکہ میں سب سے پہلے اصحاب الفرائض کا حصہ نکالا جاتا ہے اگرچہ اس کا حصہ تھوڑا ہی ہو اسی لیے یہاں ظالم کا آغاز ہوا اگرچہ وہ دوسری دو قسموں سے کم درجہ ہے۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ تقدیم ظالم از روئے فضل الٰہی اور اس کی تاخیر از روئے عدل و حق ہے اور اللہ تعالیٰ کو فضل عدل سے زیادہ محبوب ہے نیز تاخیر سابق بالخیرات اس لیے ہے کہ ثواب کے لحاظ سے دخول جنان کو قریب تر ہے یا بایں جہت کہ وہ اپنے عمل پر اعتماد نہ کرے اور نہ ہی اسے طاعت پر عجب ہو اس لیے کہ عجب ایک ایسی آگ ہے کہ طاعت کے ہزاروں خرمن ایک منٹ میں جلا کر رکھ دیتا ہے ؎

اے پسر عجب آتشے عجبیست
کرم ساز تنور بولہبیست
ہر کجا شعلہ ازو افروخت
ہرچہ از علم و زہد دید بسوخت

ترجمہ: اے بیٹے! عجب بہت بڑی آگ ہے یہ بولہبی تنور ہے، جہاں اس سے ایک شعلہ اٹھتا ہے وہاں علم و زہد کو جلا کر رکھ دیتا ہے۔

وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ اور بعض ان میں وہ ہیں اکثر اوقات کتاب اللہ پر عمل کرتے ہیں یعنی درمیانہ راہ چلتے ہیں نہ ظالمین سے ہیں نہ سابقین بالخیرات سے۔ الاقتصاد سے ہے بمعنی ہر کام میں میانہ روی۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سوال: اقتصاد (از افتعال) تو فعل بہ تکلف پر استعمال ہوتا ہے نیکی میں تکلف کیسا؟

جواب: ظلم کا ترک انسان کے لیے مشکل کام ہے۔

وَمِنْهُمْ سَابِقٌ یہ سبق سے ہے بمعنے التقدم فی السیر لیکن بطور استعارہ فضیلت کو ترجیح کرنے کے لیے آتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ثواب و جنت و رحمت میں آگے بڑھنے والے ہیں **بِالْخَيْرَاتِ** اعمالِ صالحہ کے ساتھ تعلیم و ارشاد الی العلم والعمل کو ملا کر۔ الخیر وہ شے جس میں ہر ایک کو رغبت ہو جیسے عقل و عدل و فضل اور شے نافع، اس کی نقیض شر ہے۔

بعض اکابر نے فرمایا کہ خیر دو قسم کی ہے:

اقسامِ خیر (۱) کارِ خیر کو عمل میں لا کر شے کو حاصل کرنا۔

(۲) محض فضلِ رب سے تواتر جذبات سے سیر باللہ سیر الی اللہ میں ظالم و مقتصد سے آگے بڑھ جانا۔ اگرچہ ذکر میں ان دونوں کے بعد ہے جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اعلیٰ کا حال ہے کہ آپ جملہ رسل کرام علیہم السلام کے بعد تشریف لائے لیکن سب سے افضل ہیں۔ یہی وجہ ہے آپ شبِ معراج بارگاہِ رب العزت میں تمام انبیاء علیہم السلام سے سبقت لے گئے۔ جیسے آپ نے خود فرمایا اور آپ کی امت تمام امتوں سے آگے بڑھ گئی۔ جیسا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نحن الآخرون السابقون۔

یعنی عالمِ صورت میں ہم سب سے آخر میں ہیں لیکن عالمِ حقیقت میں ہم سب سے پہلے پہنچیں گے۔

نکتہ: حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آیت میں ظالم لنفسہ سے شروع کرنے میں اشارہ ہے کہ اس کا تقرب حق اس کے فضل سے نصیب ہوتا ہے ورنہ ظلم کے ہوتے ہوئے برگزیدگی کیسی۔ اس کے بعد مقتصد فرمایا۔ اس میں اشارہ ہے کہ برگزیدہ وہ ہیں جو خوف و رجا کے درمیان رہتے ہیں مضمون کو سابق بالخیرات پر ختم کرنے میں اشارہ ہے کہ کسی کو اس کی گرفت سے بے خوف نہیں رہنا چاہیے۔ اور یہ سب کے سب بہشت میں جائیں گے از کلمۂ اخلاص کی برکت سے اور بس۔

حدیث شریف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر پر بیٹھ کر فرما رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سابقنا سابق و مقتصدنا ناج و ظالمنا مغفور لہ۔

(ہمارے سابق سابق اور ہمارے مقتصد ناجی اور ہمارے ظالم بخشے ہوئے ہیں)

نکتہ: حضرت ابوبکر بن الوراق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کے مراتب کی وجہ سے اسی ترتیب سے مذکور ہوئے اس لیے کہ انسان کے احوال تین ہیں:

۱۔ معصیت ۲۔ غفلت ۳۔ توبہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

آخر میں قرابت نصیب ہوتی ہے جب گناہ کرتا ہے تو ظالمین کی دہلیز پر قدم رکھتا ہے جب توبہ کرتا ہے تو مقتصدین میں شمار ہوتا ہے جب توبہ قبول ہوتی ہے اور وہ کثرت عبادت و مجاہدہ میں مصروف ہوتا ہے تو سابقین کی جماعت میں داخل ہوتا ہے ۔

ف : سابق دو قسم ہے :

(۱) پیدائش عیش موت میں سابق

(۲) پیدائش میں سابق لیکن عیش میں ظالم اور موت میں سابق ۔

ان دونوں پر ظالم کا اطلاق عارضی ہے کیونکہ پیدائش میں بھی سابق تو مرے بھی سابق تو پھر درمیانی حالت ظالم عارضی ہے بلکہ عبرت تو اس حالت کی ہے جو ازلی و ابدی ہو برزخی حالت کا کوئی اعتبار نہیں اور وہ جو ظالم پیدا ہوا اور ظالم ہو کر زندگی گزاری اور ظالم ہو کر مرا تو وہ کبیرہ کا مرتکب ہوا ۔ ایسے لوگوں کے لیے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا :

شفاعتی لاھل الکبائر من امتی ۔

(میری شفاعت میری اُمت کے اہل کبائر کو نصیب ہوگی)

اس تقریر پر مقتصد وہ ہے جو توبہ کرکے مرے اور سابق وہ ہے جو طاعت میں زندگی بسر کرے اور طاعت میں مرے ۔ یا سابق وہ ہے جس کی نیکیاں زیادہ ہوں کہ وہ نیکیاں اس کی برائیوں کا کفارہ بن جائیں ۔

حدیث شریف

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان گرامی :

اما الذین سبقوا فاولئک یدخلون الجنۃ یرزقون فیھا بغیر حساب ۔

(وہ لوگ جن کی نیکیاں زیادہ ہوں گی وہ بہشت میں داخل ہوں گے اور اس میں انھیں بے حساب رزق دیا جائے گا)

کا یہی مطلب ہے ۔ اور مقتصد وہ ہیں جن کا حساب آسان ہو ۔ اور ظالم وہ ہیں جن کا حساب قیامت میں طویل تو ہو لیکن بالآخر انھیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے بخش دے ۔

تینوں مراتب کے

ان تینوں (ظالم ، مقتصد ، سابق) کے متعلق بہت تقریریں ہیں ، ہم چند ایک یہاں بیان کرتے ہیں :

(۱) ظالم لنفسہ سے وہ شخص مراد ہے جو قرآن مجید پڑھتا ہے لیکن سمجھتا کچھ نہیں۔ مقتصد وہ ہے جو پڑھتا بھی ہے اور اسے سمجھتا بھی ہے ۔ سابق وہ ہے جو پڑھتا ہے سمجھتا ہے اور اس کی تعلیم عام کرتا ہے ۔

(۲) ظالم وہ ہے جو مال کا حریص ہے ۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مقتصد وہ ہے جو دین کا شائق ہے اور سابق وہ ہے جو اپنے رب کے قرب کا شائق ہے۔

(۳) ظالم وہ ہے جو نماز کے لیے مسجد میں اس وقت حاضر ہو جب نماز کھڑی ہو جائے۔
مقتصد وہ ہے جو مسجد میں اذان کے وقت حاضر ہو، سابق وہ ہے جو اذان سے پہلے نماز کیلیے پہنچ جائے۔ پہلا اس لیے ظالم ہے کہ اس نے اجر میں کمی کی (یہ اس کے لیے ہے جو سنتیں پڑھ کر نہ آئے بلکہ غفلت سے وقت گزار دے)

(۴) ظالم وہ ہے جو غفلت و عادۃ پہ عبادت کرے۔
مقتصد وہ ہے جو رغبت و رہبت سے عبادت میں مصروف ہو۔ سابق وہ ہے جو ہیبت الٰہی سے عبادت کرے۔

(۵) ظالم وہ ہے جسے معاش آخرت کے امور سے غافل کرے۔
مقتصد وہ ہے جس کی معاش و معاد دونوں برابر ہوں۔ سابق وہ ہے جس کی معاد معاش پر غالب ہو۔

(۶) ظالم وہ ہے جو گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے لیکن انہیں حلال نہیں سمجھتا اور نہ ہی ان کی تحریم کا انکار کرتا ہے۔
مقتصد وہ ہے جو فرائض و واجبات پر اکتفا کرتا ہے نوافل و مستحبات عمل میں نہیں لاتا۔ سابق وہ ہے جو معاصی سے بچ کر طاعت بکثرت کرتا ہے۔

(۷) ظالم وہ ہے جو عذاب و عتاب کے بعد نجات پاتا ہے۔
مقتصد وہ ہے جو عتاب کے بعد نجات پائے۔ سابق وہ ہے جو قربِ الٰہی کے ساتھ نجات حاصل کرتا ہے۔

(۸) ظالم حرام کا تارک، مقتصد شبہات کا تارک، سابق زاید امور کا تارک۔
(۹) ظالم وہ ہے جس کی برائیاں زیادہ ہوں۔
مقتصد وہ ہے جس کی نیکی اور برائیاں برابر ہوں۔ سابق وہ ہے جس کی نیکیاں غالب ہوں۔
(۱۰) ظالم وہ ہے جس کا ظاہر باطن سے بہتر ہو۔
مقتصد وہ ہے جس کا ظاہر و باطن برابر ہوں۔ سابق وہ ہے جس کا باطن ظاہر سے بہتر ہو۔
(۱۱) ظالم لنفسہٖ وہ ہے جو فتح مکہ کے بعد ایمان لایا۔
مقتصد وہ ہے جو فتح مکہ سے پہلے ایمان لایا۔ سابق وہ ہے جس نے فتح مکہ سے پہلے ایمان لا کر ہجرت کی۔

(۱۲) ظالم سے بدوی مراد ہیں کیونکہ یہ لوگ عموماً جہاد سے محروم رہتے ہیں اور جماعت سے بھی۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مقتصد سے شہری مراد ہیں جبکہ یہ جمعہ و جماعات میں شامل ہوتے رہتے ہیں۔ سابق سے مجاہد فی سبیل اللہ مراد ہیں۔

(۱۳) ظالم وہ ہے جو حلال و حرام کی تمیز نہ کرے۔
مقتصد وہ ہے جو حلال کمائی سے کھائے۔ سابق سے تارکِ دنیا مراد ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اس کی حلال کی کمائی کا حساب ہے اور حرام پر سزا (پھر دنیا کا کیا فائدہ!)

(۱۴) ظالم وہ ہے جو ضرورت سے زیادہ کا طالب ہے۔
مقتصد وہ ہے جو کفایت شعار ہو۔ سابق [illegible] ہے جو صرف اللہ پر بھروسا رکھتا ہے اور ہر وقت عبادت میں مصروف رہتا ہے۔

(۱۵) ظالم وہ ہے جو شفاعت سے نجات پائے۔
مقتصد وہ ہے جو اپنے اعمالِ صالحہ کی وجہ سے بخشا جائے۔ سابق وہ ہے جو خود بھی اپنی نیکی سے نجات پائے اور دوسروں کی شفاعت کر کے بہشت میں لے جائے۔

(۱۶) ظالم وہ ہے جو شہوت و معصیت میں زندگی ضائع کرے۔
مقتصد وہ ہے جو ان دونوں سے زندگی بھر لڑتا رہے۔ سابق وہ ہے جو غلط کاری سے لڑائی کرے اس لیے کہ صدیقین کی غلط کاریوں سے اور زاہدین کی شہوات سے اور تائبین کی تباہ کاریوں سے جنگ ہے۔

(۱۷) ظالم وہ ہے جو دنیا کو ذخیرہ اندوزی کے لیے حاصل کرتا ہے۔
مقتصد وہ ہے جو دنیا سے لذت حاصل کرنے کے لیے کماتا ہے اور سابق وہ ہے جو اسے زاہد بن کر ہاتھ بھی نہیں لگاتا۔

(۱۸) ظالم سے مراد وہ انسان ہے جو ایسے امر کا طالب ہو جس کا اسے حکم نہیں۔ مثلاً رزق (کہ اس کی طلب کا حکم نہیں لیکن ۹۹ فیصد انسان اس کی طلب میں حیران و سرگرداں ہیں)
مقتصد وہ ہے جو مامور بہ و غیر مامور بہ ہر دو کا طالب ہے۔ سابق وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا و محبت کا طالب ہے۔

(۱۹) کبائر کا مرتکب ظالم ہے، صغائر کا مرتکب مقتصد ہے۔ دونوں سے بچنے والا سابق ہے۔ اس کا قائل امر کو شدید ترین معنیٰ میں لے گیا ہے۔

(۲۰) ظالم وہ ہے جو غیر کے عیوب کے درپے ہے لیکن اپنی اصلاح نہیں کرتا۔
مقتصد وہ ہے جو دوسرے کے عیوب کے درپے ہوتا ہے لیکن اپنی اصلاح بھی کرتا ہے۔ سابق وہ ہے جو اپنے عیوب کے درپے ہو کر دوسروں کی اصلاح میں لگا رہتا ہے یا وہ اپنے عیوب کے درپے ہوتا ہے لیکن اسے دوسروں کے متعلق کچھ خبر نہیں ہوتی۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattori

(۲۱) ظالم جاہل ہے، مقتصد متعلم ہے، سابق عالم ہے۔

(۲۲) ظالم وہ ہے جو انصاف لیتا ہے دیتا نہیں۔ مقتصد وہ ہے جو لیتا بھی ہے دیتا بھی ہے۔ سابق وہ ہے جو دیتا ہے لیکن لیتا نہیں۔

(۲۳) ظالم سے طالب نجات، مقتصد سے طالب درجات اور سابق سے طالب مناجات مراد ہے۔

(۲۴) ظالم وہ ہے جو از خود اپنے آپ کو دیکھتا ہے۔ مقتصد وہ ہے جو از خود آخرت کو دیکھتا ہے سابق وہ ہے جو از حق حق کو دیکھتا ہے۔

(۲۵) ظالم وہ ہے جو ہمیشہ خوابِ غفلت میں رہتا ہے۔ مقتصد وہ ہے جو کبھی بیدار ہوتا ہے۔ سابق وہ ہے جو ہمیشہ بیدار ہے۔

(۲۶) زاہد ظالم ہے اس لیے کہ اس نے دنیوی لذات ترک کر کے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے۔ عارف مقتصد ہے اور سابق محب (عاشق باللہ) ہے۔

(۲۷) ظالم ہے وہ جو بلا کے وقت جزع فزع کرتا ہے اور مقتصد وہ ہے جو بلا کے وقت صبر کرتا ہے اور سابق وہ ہے جو بلا سے لذت پاتا ہے۔

(۲۸) ظالم ہے وہ جو دنیا کی طرف مائل ہے۔ مقتصد وہ ہے جو عقبیٰ کی جانب مائل ہے۔ سابق وہ ہے جو اپنے مولا کی طرف مائل ہے ؎

نعیم ہر دو جہاں میکنند بر ما عرض
دل از خیانہ تمنا ندارد الا دوست

ترجمہ: دونوں جہان کی نعمتیں ہمارے سامنے رکھ دیں لیکن ہمارا دل سوائے دوست کے اور کوئی آرزو نہیں رکھتا۔

(۲۹) ظالم ہے وہ جس نے صرف نفس قربان کیا۔ مقتصد وہ ہے جس نے قلب قربان کیا۔ سابق وہ ہے جس نے روح فدا کیا۔

(۳۰) ظالم ہے وہ جسے علم الیقین ہے۔ مقتصد وہ ہے جسے عین الیقین ہے۔ سابق وہ ہے جسے حق الیقین ہے۔

(۳۱) ظالم ہے وہ جو اللہ تعالیٰ کو اپنے نفس کے لیے دوست رکھتا ہے۔ مقتصد وہ ہے جو اسے اس کے لیے دوست رکھتا ہے۔ سابق وہ ہے جو مراد حق پر اپنی مراد ختم کر ڈالے یہاں تک کہ اپنے نفس میں طلب کا وجود مٹا دے بلکہ غلبۂ سلطانِ حق کی وجہ سے مراد کا وجود بھی باقی نہ رکھے۔

(۳۲) ظالم وہ ہے جو آخرت کو ہفتہ میں یوم جمعہ تک انتظار کرتا ہے۔ مقتصد وہ ہے جو صرف ایک یوم کی مقدار، اور سابق وہ ہے جو ہر وقت آنکھوں کے سامنے دیکھتا ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(۳۳) ظالم وہ ہے جو میدانِ علم میں ہے۔ مقتصد وہ ہے جو معرفت کے میدان میں ہے۔ سابق ہے وہ جو میدانِ وجد میں ہے۔

(۳۴) ظالم سے سالک، مقتصد سے مجذوب، سابق سے مجذوب سالک مراد ہے کیونکہ سالک تو خود بخود قریب ہونے والا ہے اور مجذوب حقیقی مقرب ہے اور سالک مجذوب کمالاتِ قرب میں غوطہ زن ہو کر اپنے نفس سے فانی اور اپنے رب کے ساتھ باقی ہے۔

(۳۵) ظالم ہے وہ جو امیدوں کے ڈنڈوں سے مار کھائے ہوئے اور حرص کی تلوار سے قتل کیا ہوا اور بابِ رجا پر لٹایا ہوا ہے۔ مقتصد وہ ہے جو حسرت کے ڈنڈے کھائے ہوئے اور ندامت کی تلوار سے مقتول اور کرم کے دروازے پر لٹایا ہوا ہے۔ سابق وہ ہے جو محبت کے ڈنڈے کھائے ہوئے اور شوق کی تلوار سے قتل کیا ہوا اور ہیبت کے دروازے پر لٹایا ہوا ہے ؎

۱ اگر عاشقی خواہی آموختی
بکشتن فرج یابی از سوختی

۲ مکن گریہ بر گور مقتول دوست
قل الحمد للہ کہ مقبول اوست

ترجمہ: (۱) اگر عاشقی سیکھنا چاہتا ہے تو فرج کو ذبح کرلے۔ عشق کا جلنا نصیب ہوگا۔

(۲) لیکن مقتول دوست پر آنسو نہ بہاؤ بلکہ الحمد للہ کہو کیونکہ وہ مقبول دوست ہے۔

ف: اجزا اقوال میں عام مومنین ہی مراد ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جس نے ظالم لنفسہ سے آدم علیہ السلام اور مقتصد سے ابراہیم علیہ السلام اور سابق سے حضور سید الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مراد لی ہے اس نے درست نہیں کیا۔ پہلے عام مومنین مراد لے کر بعد میں یہ حضرات مراد لیے جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس آیت سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مراد ہے اور وہ حضرات پیغمبر ہیں۔ ہاں ضمائر مومنین کی طرف راجع ہوں تو پھر ضمناً یہ حضرات مراد لیے جا سکتے ہیں۔

سوال: کیا یہ کہنا جائز ہے کہ آدم علیہ السلام ظالم لنفسہ تھے؟

جواب: چونکہ انہوں نے اپنے لیے ربنا ظلمنا الخ کہہ کر خود اعتراف فرمایا تو پھر انہیں ظالم لنفسہ فرمایا ہے۔ اگرچہ بتاویل اس کا اطلاق جائز ہے لیکن ادب کے خلاف ہے۔

باادب باش امام راغب نے فرمایا کہ الظلم یعنی حق سے متجاوز ہونا جو کہ دائرہ کے لیے بمنزلہ نقطہ کے ہے وہ تجاوز قلیل ہو یا کثیر، اسی لیے اس کا اطلاق گناہ صغیرہ و کبیرہ دونوں پر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

آدم علیہ السلام نے بھی اپنے تجاوز کے متعلق اپنے آپ کو ظالم کہا تو شیطان کو بھی اللہ تعالیٰ نے ظالم کہا لیکن ان دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔

بِاِذۡنِ اللّٰهِ صاحب کشف الاسرار نے اسے تینوں کے متعلق کیا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ ظالم کا ظلم اور مقتصد کا قصد اور سابق کی سبقت علم الٰہی اور اس کے ارادہ پر ہے۔ لیکن بہت بڑے اور بزرگ مفسرین نے فرمایا کہ اس کا تعلق سابق سے ہے۔ اب معنی یہ ہے کہ یہ سب کچھ اس کی تیسیر و توفیق و تمکین پر ہے کہ خیر و بھلائی اسی سے ہے۔ اس میں تنبیہ ہے کہ یہ وہ مرتبہ ہے کہ قسمت والے کو نصیب ہوتا ہے جو بہت مشکل سے حاصل ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

امام قشیری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ظالم! اپنا سر اٹھا اس لیے کہ اگرچہ تو نے ظلم کیا لیکن وہ ظلم تیرے اپنے نفس کی شامت سے اور اے سابق اپنا سر جھکا دے اس لیے کہ اگرچہ تو نے میدان جیت لیا لیکن اس میں تیری قوت و طاقت کو کوئی دخل نہیں تجھے جو کچھ ملا محض میرا فضل اور توفیق ہے اور بس۔

تفسیر عالمانہ

ذٰلِكَ وہ سبقت بالخیرات **هُوَ الۡفَضۡلُ الۡكَبِيۡرُ ۝** اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے جسے سوائے اس کے فضل و کرم اور توفیق کے حاصل نہیں ہوتا یا اس سے ایراث و اختیار مراد ہے لیکن اس میں امت کے تمام مومن داخل ہوں گے۔

نکتہ: اسے فضل کبیر اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ قرآن افضل الکتب اور امت بھی افضل الامم السابقہ ہے اسی لیے حق بحقدار رسید کے لحاظ سے افضل افضل کو نصیب ہوا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ظالم کو سابق کے صدقے سے ایراث و اصطفاء و دخول الجنۃ میں اس کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اس میں حکمت دقیقہ یہ ہے کہ اس کا فضل عظیم بھی ظالم کو نصیب ہوگا تو وہ بھی سابق کے صدقے۔

تفسیر عالمانہ

جَنّٰتُ عَدۡنٍ اہل عرب کہتے ہیں : عدن بمکان کذا بمعنے استقر یعنی وہ فلاں مکان میں ٹھہرا۔ اسی سے المعدن ہے بمعنے جواہر کی قرارگاہ (والمعدن) یعنی وہ باغات استقرار و ثبات و اقامت کے لیے ہیں وہاں کوچ کر جانے کا کوئی سبب اور علت نہ ہوگی۔ یہ الفضل الکبیر سے بدل ہے اور سبب کو مسبب کے قائم مقام لایا گیا ہے۔ جنات عدن مبتدا اور اس کا خبر **يَدۡخُلُوۡنَهَا** جمع کی ضمیر اس لیے ہے کہ سابق سے جنس مراد ہے۔

سوال: تم نے صرف سابقین کیوں مراد لیے حالانکہ اگرچہ ان کا ذکر نہیں لیکن ترک کا بھی قرینہ نہیں تو سابقین کی تخصیص کیوں؟

جواب: تاکہ ان کو اپنی کوتاہی کا احساس ہو اور وہ اپنی کمی پوری کرنے کی سعی کریں۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(۳۶) بعض نے کہا کہ اصحاب ثلاثہ سے کافر، منافق، مومن مراد ہیں یا اصحاب المشئمہ و اصحاب المیمنہ اور السابقون الاولون سے جو بھی مراد ہوں۔

(۳۷) منافقین با احسان کی متابعت کرنے والے اور اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔

(۳۸) جو عمل نامہ پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا اور وہ جو دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔

ف: ان اقوال پر ظالم جنت میں داخل نہ ہوگا کیونکہ وہ مومن نہیں۔

سوال: آیت میں اصطفاء کا لفظ اس کا رد کرتا ہے کہ غیر مومن برگزیدہ کیوں!

جواب: یہاں تخلیقی اصطفاء مراد ہوگا۔ اور ان کے ہاں رسل علیہم السلام تشریف لائے اور کتابیں بھی نازل ہوئیں۔ یہ بھی ان کے لیے اصطفاء ہے۔ لیکن پہلے اقوال صحیح تر ہیں اس لیے کہ یہ اکثر اہل علم کا مذہب ہے (کشف الاسرار)

چنانچہ ابو اللیث رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آیت میں اصناف ثلاثہ سے اہل ایمان مراد ہیں۔ ثم اورثنا الکتٰب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی تینوں کتاب (قرآن مجید) دی گئی ہے ایسے ہی یدخلونہا بھی اسی معنیٰ کی تائید کرتا ہے اس لیے کہ اگر صرف دو (مقتصد، سابق) مراد ہوتے تو یدخلانہا فرماتا۔

یہودیانہ سازش

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ آپ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں موجود تھے تو پھر آپ کے ہاں حاضر ہو کر اسلام قبول کیوں نہ کیا؟ کعب احبار رضی اللہ عنہ نے عجیب انکشاف فرمایا۔ وہ یہ کہ میرے والد صاحب مجھے تورات پڑھنے کا حکم فرماتے لیکن اس میں سے چند اوراق پڑھنے کی مجھے اجازت نہ تھی۔ ایک دن میرے والد صاحب کہیں چلے گئے تو میں نے وہی ممنوعہ اوراق کھولے تو ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے بارے میں بہت تعریف لکھی تھی کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ امت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تین حصے بنائے گا، ایک حساب کے بغیر بخشے گا، دوسرے کو آسان حساب کے بعد داخل بہشت فرمائے گا، تیسرے کو ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کی شفاعت سے بخشے گا۔ یہ مضمون دیکھ کر میں نے اسلام قبول کیا اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ مجھے پہلے حصے میں بنا دے اگر اس کا اہل نہ ہوں گا تو دوسرے سے ورنہ تیسرے سے تو محروم نہ ہو جاؤں۔
اس کے بعد میں نے اس کی تائید قرآن مجید میں پائی۔ چنانچہ فرمایا:

ثم اورثنا الکتٰب ۔ الی ان قال یدخلونہا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے جب اللہ تعالیٰ نے ان تینوں قسموں کا ذکر فرمایا اور پھر جنت اور اس کی نعمت اور زینت کے بعد صیغۂ جمع سے بیان فرمایا تاکہ اس کی کثرت کی طرف اشارہ ہو۔ چنانچہ فرمایا جنّٰت عدن (الآیۃ) اس میں تنبیہ ہے کہ بہشت کا واجب کسی استحقاق پر نہیں بلکہ اس کا فضل و کرم ہے۔ پھر جنت کی نعمت بھی مختلف مراتب پر ہوگی اور وہ بھی اس

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کا فضل ہوگا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

ان من اھل الجنۃ من یری اللہ سبحانہ فی کل جمعۃ بمقدار ایام الدنیا مرۃ ومنھم من یراہ فی کل یوم مرۃ ومنھم من ھو غیر محجوب عنہ لحظۃ۔

(قیامت میں بعض لوگ ہر جمعہ سادن اللہ تعالیٰ کی زیارت کرتے رہیں گے وہاں ایک دن ہماری دنیا کے ایام کے برابر ہوگا اور بعض کو روزانہ زیارت ہوگی اور بعض کو لمحہ بھی اللہ تعالیٰ محجوب نہ ہوگا)

تفسیر عالمانہ

یُحَلَّوْنَ تحلیۃ سے ہے بمعنے زیور پہنانا یعنی قیامت میں ان کو سنگار کے آراستہ کرنے پر انھیں زیور پہنائے جائیں گے ہاں وہاں عورتوں اور مردوں میں کوئی فرق نہ ہوگا یعنی قیامت میں ان سب کو زیور پہنائے جائیں گے فِیْهَا بہشتوں میں۔ ھا کی ضمیر جنات کی طرف راجع ہے مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ سونے کے کنگن۔ پہلا مِن تبعیضیہ ہے اور دوسرا بیانیہ۔ اساور، اسورۃ کی اور وہ سوار کی جمع ہے بروزن کتاب وجراب یہ دستوارہ کا معرب ہے۔ اب معنیٰ یہ ہے کہ بعض ان میں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے کیونکہ یہی تمام زیورات سے بہتر ہوں گے۔

سوال: سورہ ھل اتی (دھر) میں وحلوا اساور من فضۃ (اور چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے) اور آیت ہذا میں سونے کے کنگن مذکور ہیں۔ یہ دو آیات آپس میں مخالف کیوں؟

جواب: دونوں (سونے چاندی) پہنانے سے حسن وزینت میں اضافہ ہوگا یا یہ معنی ہے کہ ان کے بعض کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ یہ مراتب میں بلند ہوں گے انھیں مقرب کہا جاتا ہے۔ دوسرے وہ ہیں جن کو چاندی کے کنگن پہنائیں گے یہ ابرار ہوں گے۔

وَّلُؤْلُؤًا منصوب ہے اس کا عطف اساور کے محل پر ہے لؤلؤ بمعنے موتی ہیرا ان کے چکدار ہوتے ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ موتی بھی پہنائے جائیں گے۔

ف: کاشفی مرحوم نے فرمایا یعنی عجم کے بادشاہ پہنتے ہیں۔ ایسے ہی بہشتی لوگوں کو موتی پہنائے جائیں گے۔

ف: بعض قراءتوں میں مجرور ہیں۔ اس کا عطف ذھب پر ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ انھیں ایسے سونے کے زیورات پہنائے جائیں گے جن پر موتیوں کا جڑاؤ ہوگا یا وہ سونا ایسا ہوگا کہ اس کی صفائی موتیوں کی طرح ہوگی کیونکہ موتیوں کا تیار کردہ کنگن نہیں ہوگا۔ ہاں اس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ موتی پرو کر کنگن کی طرح بنا کر پہنائے جائیں۔

ف: بحر العلوم میں ہے ذھب پر عطف ہے اس لیے کہ دو طرح کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ بعض سونے کی جنس سے ہوں گے بعض موتیوں کی جنس سے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی مشکل نہیں اور بہت سے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

دنیوی امور آخرت کے امور کے منافی ہیں اور یہ بھی انھی میں سے ہے۔

وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ○ اور ان کا لباس ریشم سے ہوگا۔ لیکن وہ ریشم دنیا کے ریشم سے نہ ہوگا بلکہ وہ عجیب طرح کا ہوگا جس کا محض نام ریشم ہوگا۔ اور لباس بمعنے وہ جو پہنا جائے۔ جیسے قمیص و چادر و شلوار وغیرہ۔ الحریر وہ کپڑا جو باریک ہو (المفردات) اور وہ جس کا تانا بانا ریشم کا ہو اگرچہ اصل یہ ہے کہ وہ ابریشم پختہ سے ہو تب اسے ریشم کہا جائے (کما فی القہستانی)

مسئلہ: ریشم کا استعمال مردوں کو حرام ہے عورتوں کو جائز۔ مرد اسے جنگ میں استعمال کرسکتے ہیں لیکن اس کے ساتھ نماز ادا نہ کریں ہاں اگر دشمن کا خوف سخت ہو یا کوئی ضرورت ہو مثلاً جسم میں خارش و جرب ہو یا جوئیں دفع کرنا مطلوب ہو تو جائز ہے۔

مسئلہ: اگر ریشم جسم کو نہ چھوئے تب بھی نہ پہنے قمیص کا کاج اور بٹن ریشم کا ہو تو جائز ہے۔ جیسے کپڑوں کو منقش کرنے کے لیے ریشم کے تاگے ڈالے جاتے ہیں اور کالے ریشم کی پٹی آشوب چشم کے لیے باندھنا جائز ہے ایسے شے (برف وغیرہ) کو دیکھنے کے لیے کالا ریشم آنکھ پر باندھنا۔

مسئلہ: ازار بند ریشمی جائز، اور یہ بھی صرف چار انگل کی مقدار تک اجازت ہے۔ بعض نے کہا یہ مقدار ایک جگہ ہو تو اگر مختلف جگہوں پر تھوڑا تھوڑا ہو تو ان کو جمع کرکے چار انگل کی مقدار کر دینا مراد نہیں۔

مسئلہ: امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سر اور پہلو کے نیچے ریشم رکھنا جائز ہے اور صاحبین کے نزدیک ناجائز ہے۔ اسی کو اکثر مشائخ نے لیا ہے۔ دیواروں اور دروازوں پر ریشم لٹکانے میں مذکورہ بالا اختلاف کی طرح ہے۔

مسئلہ: ریشم کے بستر پر بیٹھنا اور ریشم کے مصلے پر نماز پڑھنا جائز ہے اور بچے کے گھوارے پر ریشم کا تہبند رکھنا جائز ہے۔

مسئلہ: جنگ میں مرد کو ریشم پہننے کی عدم کراہت پر اجماع ہے خواہ وہ زیادہ ہو یا کم یا برابر یہی صحیح ہے۔ اس کے برعکس ریشم کا استعمال ناجائز ہے۔ یعنی جس کا تانا بانا ریشمی ہو صرف جنگ میں جائز ہے ورنہ ناجائز۔

مسئلہ: بچے کو ریشم اور سونے وغیرہ کا استعمال مکروہ ہے تاکہ اس کی عادت ہو جائے کیونکہ فعل کا دارومدار عمل کرنے والے پر ہے۔

مسئلہ: جو لباس خلاف سنت ہو وہ بھی مکروہ ہے۔

مسئلہ: روئی، کتان اور اون کا لباس مستحب ہے اور رنگوں میں محبوب تر سفید لباس ہے اور سبز لباس سنت ہے اور سیاہ لباس بھی درست ہے اور سرخ لباس کا کوئی حرج نہیں (زاہدی از قہستانی) اس کا مکمل بیان سورۂ حج میں گزرا ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وَقَالُوْا اور بہشت میں حمد کرتے ہوئے کہیں گے ۔ ماضی کا صیغہ تحقیق کے لیے ہے ۔ یعنی یہ سبب کہیں گے کہ اس کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں دوزخ سے نجات بخشی اور بہشت میں داخل فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ تمام محامد اللہ تعالیٰ کے ہیں وہ جملہ اوصاف کمالیہ کو محیط اور تمام قدرتوں کا مالک ہے اَلَّذِیْٓ اَذْهَبَ وہ جس نے بہشت میں داخل کر کے ہم سے ہٹا دیا عَنَّا الْحَزَنَ (بفتحتین و بالضم و سکون) سب کا ایک معنیٰ ہے یعنے زمین اور نفس کی خشونت جو غم و حزن سے حاصل ہو اور اس کی نقیض الفرح ہے ۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ حزن کو اس لیے حزن کہتے ہیں کہ غم والے اوقات حزن سے بسر ہوتے ہیں اور یہ بہشت میں نہ ہو گا اس لیے کہ جوار حضرت الٰہی میں حزونت نہ ہو گی کیونکہ وہاں خوشی اور سرور ہو گا ۔

ف : یہاں پر حزن کی جنس مراد ہے دنیوی ہو یا اخروی ، جیسے معاش اور زوال نعم اور پیاس اور قوت حلال اور خوف سلطان اور حاسدوں کے خطرہ اور دشمنوں کے بغض اور اعراض و آفات اور وسوسۂ ابلیس اور سیئات اور ردِ طاعات اور بُرے خاتمہ اور موت اور قیامت کی ہولناکیوں اور دوزخ اور پلصراط کے گزر اور جدائی وغیرہ اور تدبیر احوال وغیرہ کا حزن ۔

حدیث شریف میں ہے :

قبور میں لا الٰہ الا اللہ پڑھنے والے کو کوئی شے واجب نہیں یعنی کوئی نیک کرے تو اس کا بدلہ اس کے لیے واجب ہو بلکہ یہ سب اس کا احسان اور فضل و کرم ہے کہ وہ اپنے بندوں کو بہشت اور اس کے درجات عطا فرماتا ہے کیونکہ یہ تمام اس کی پیدا کردہ ہیں اور بندہ اس کا پیدا کردہ ہے تو پھر وہ اپنے مالک سے کون سی شے کا مطالبہ کرتا ہے کہ فلاں امر اس کا اپنا ہے فلہٰذا اس کا بدلہ عطا ہو ۔ (معتزلہ کا عقیدہ غلط ہے کہ بندے کے عمل کی جزا دینا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے ۔ معاذ اللہ)

ف : حضرت ابو سعید الخراز قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اہل معرفت دنیا میں اہل جنت کی طرح ہوتے ہیں جیسا کہ وہ آخرت میں ہوں اسی لیے دنیا میں رہ کر بھی دنیا کے تارک بنتے ہیں وہ بہشتیوں کی طرح دنیا میں حمد و شکر کے ساتھ بلا خوف اور بلا حزن زندگی بسر کرتے ہیں ؎

جنت نقد است اینجا ذوق ارباب حضور
در دل ایشاں نباشد حزن و غم تنگ صدور

ترجمہ : ارباب حضور کو یہاں پر ہی جنت نقد کے طور ہے کیونکہ تنگیٔ صدر سے انہیں نہ کوئی حزن ہے نہ غم ۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّ رَبَّنَا بیشک ہمارا رب باوجود ہماری غلطیوں کے ہم پر احسان فرماتا ہے لَغَفُوْرٌ گناہوں کو بخشتا ہے شَكُوْرٌ بہت ثواب دیتا ہے ۔

قاعدہ : شکر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو معنیٰ ثواب دینے کے ہو گا اور پوری جزا بخشنا ۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تفسیر صوفیانہ تاویلات میں ہے کہ وہ غفور ہے اپنے نفس پر ظلم کرنے والے کے لیے شکور ہے۔ مقتصد (میانہ رو) اور سابق (سبقت کرنے والا) کے لیے ظالم لنفسہ کے متعلق اسم کی تقدیم محض ان کے ضعف احوال پر اظہار نرمی کے لیے ہے۔

تفسیر عالمانہ ربط: اہل جنت نے اللہ تعالیٰ کے لیے ایک اور وصف کا ذکر کیا یعنی اس کے شکر کا۔ چنانچہ کہا اَلَّذِیْٓ اَحَلَّنَا وہ جس نے ہمیں نازل کیا۔

حل لغات: احلنا بمعنی انزلنا کیونکہ حلت بمعنی نزلت آتا ہے حل الاحمال عند النزول سے پھر اس کی تجرید کرکے صرف نزول کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے احل حلولا (نازل ہوا نازل ہونا) واحلہ غیرہ (اور اس نے غیر کو نازل کیا) المحلۃ بمعنی مکان النزول (المفردات)

دَارَ الْمُقَامَةِ ٹھہرنے کی جگہ میں۔ یہ احل کا دوسرا مفعول ہے ظرف نہیں کیونکہ ظروف محدود ہوتی ہیں۔

حل لغات: المقامہ (بالضم) مصدر۔ مثلاً کہا جاتا ہے اقام یقیم اقامۃ ومقامۃ بمعنی دار المقامۃ۔ رہنے سہنے کی جگہ جہاں سے ہمیشہ منتقل نہ ہو سکیں اور نہ ہی وہاں کا مقیم کوچ کا ارادہ رکھتا ہو اور نہ کوئی دوسرا اس کے لیے ایسا ارادہ کر سکے۔

مِنْ فَضْلِهٖ اپنے فضل سے اور انعام و تفضل سے بغیر اس کے کہ ہماری طرف سے اس پر اعمال کی وجہ سے کوئی شے واجب ہو کیونکہ نیکیوں کی توفیق بھی اسی کی دی ہوئی ہے پھر اس پر کوئی شے واجب کیسی۔ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ دخول جنت تو محض اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت سے ہے ہاں درجات کی تقسیم اعمال و حسنات (نیکیوں) سے ہوگی۔ اسے یوں سمجھو کہ ایک شخص کسی کا غلام ہوتا ہے وہ اپنے مالک کی خدمت کرتا ہے خدمت کا بدلہ و عوض اپنے مالک سے نہیں مانگ سکتا ہے اور نہ ہی اسے حق الخدمۃ مانگنے کا حق ہے جب ایک مجازی مالک سے حق الخدمت مانگنے کا غلام کو حق نہیں تو پھر مالک حقیقی سے حقیقی بندہ حق العبادۃ کیسے طلب کر سکتا ہے یا وہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ یہ عوض تو اسے دینا واجب ہے (معاذ اللہ) لیکن معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بندے کی عبادت کا اجر و ثواب دینا واجب ہے (معاذ اللہ)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اَلَّذِیْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ وہ جس نے ہمیں دار الاقامۃ میں اپنے فضل و کرم سے داخل کیا یعنی جملہ احوال کے پردے کھول دئے تو اس میں ہر ظالم و مقتصد اور سابق داخل ہو گیا اور اس مقام میں پہنچے جہاں اللہ تعالیٰ نے ان سب کو نازل فرمایا تو محض اپنے فضل و کرم سے داخل کیا یعنی جملہ احوال کے پردے کھول دئے تو اس میں ہر ظالم مقتصد اور سابق داخل ہو گیا اور اس مقام میں پہنچے جہاں اللہ تعالیٰ نے ان ہر ایک کو نازل فرمایا تو محض اپنے فضل و کرم سے بندے کی جدوجہد کو کسی قسم کا دخل نہ تھا جو بھی اس کے اعمال نے اسے یہاں پہنچایا اگرچہ بہشت میں اعمال صالحہ کے ذریعے داخل ہوا لیکن اعمال صالحہ کی توفیق تو بھی اسی نے دی تو یہ بھی اسی کا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

فضل وکرم ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے:

قبل من قبل لا لعلۃ ورد من رد لا لعلۃ۔

(جسے قبول کیا تو اپنے فضل سے رد کیا تو اپنی مرضی سے، نہ اس میں کوئی سبب ہے نہ علت)

تفسیر عالمانہ لَا یَمَسُّنَا المس لمس کی طرح ہاتھ لگانا۔ کبھی اس کا اطلاق اس پر ہوتا ہے جو انسان کو تکلیف پہنچائے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہمیں نہیں پہنچے گا فِیْهَا دار الاقامۃ کسی بھی وقت نَصَبٌ رنج جسم میں کوئی تھکان نہ کوئی درد جیسے دنیا میں ہوتا ہے وَّلَا یَمَسُّنَا فِیْهَا لُغُوْبٌ۝ اور نہ ہمیں اس میں کوئی سستی ہوگی نہ ڈھیل۔ کیونکہ اس میں کوئی تھکان ہے نہ رکاوٹ بلکہ اس میں دائمی خوشی اور راحت وفرحت ہوگی اور وہ بہشت میں جس شے کو دیکھ کر خواہش کریں گے تو انہیں کہیں جانا نہ پڑے گا بلکہ اپنے کمرے میں ہر شے وافر پائیں گے اور جب کسی شے کو دیکھیں گے تو انہیں آنکھ کو پھیرنے کی ضرورت نہ ہوگی بلکہ وہ شے خود بخود ان کے آگے آجائے گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وفیها ما تشتهیه الانفس وتلذ الاعین۔

(اور اس میں وہ ہوگا جو ان کا جی چاہے گا اور ان کی آنکھوں کا لذت وسرور)

نصب ولغوب میں فرق نصب بمعنے نفس مشقت اور لغوب بمعنے جو نفس سے جوارح کو فتور اور سستی پیدا ہو۔ ابوحیان نے فرمایا کہ لغوب تعب البدن کو لازم ہے۔ کسی نے کیا خوب فرمایا: ؎

علیاء لا تنزل الاحزان ساحتها
لو مسها حجر مسته سراء

ترجمہ: ایسی بلند منزل ہے کہ اس کے آنگن میں غم نازل نہیں ہوتے اگر اسے پتھر پہنچیں تو بھی خوشی پہنچتی ہے۔

ف: ثانی کی نفی اول کی نفی کو مستلزم ہے اور منفی فعل کا تکرار ہر ایک کی نفی کے مبالغہ کے لیے ہے۔

بہشت کا منظر ضحاک رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ جب بہشتی بہشت میں داخل ہوں گے تو انہیں بچے اور خدام ملیں گے ایسے خوبصورت کہ گویا کہ وہ موتی خالص ہیں اس کے بعد انہیں ملائکہ کی ملاقات نصیب ہوگی جو رب العالمین کے ہدایا وتحائف ان کے ہاں پیش کریں گے اور ساتھ ہی بہشتی حلے پہنائیں گے۔ جب بہشتی بہشت میں داخل ہونے کا ارادہ کریں گے تو فرشتہ فرمائے گا ٹھہریئے تاکہ آپ کو انگشتریاں پہنائی جائیں۔ اس کے پاس دس انگشتریاں ہوں گی۔ یہ رب العالمین کی طرح ہدیہ وتحفہ ہوگا ان کی ہر انگلی میں علیحدہ علیحدہ انگشتری ڈال جائے گی۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

انگشتریوں کی تعداد

دس انگشتریوں پر بطریق ذیل لکھائی ہوگی۔ نمبر ۱ پر لکھا ہوگا:

سلام علیکم طبتم فادخلوها خالدین۔

(تم پر سلام اور بہشت میں خوش ہو کر داخل ہو جاؤ اور ہمیشہ رہو)

نمبر ۲ پر لکھا ہوگا: ادخلوها بسلام ذٰلک یوم الخلود۔

(اس میں سلامتی سے داخل ہو اور یہ ہمیشگی کا دن ہے)

نمبر ۳ پر لکھا ہوگا: رفعت عنکم الاحزان والهموم۔

(تم سے حزن و ملال اٹھا لئے گئے)

نمبر ۴ پر لکھا ہوگا: زوجناکم الحور العین۔

(تمہیں حور عین سے بیاہا جائے گا)

نمبر ۵ پر لکھا ہوگا:

ادخلوها بسلام آمنین۔

(بہشت میں سلامتی کے ساتھ امن والے ہو کر داخل ہو جاؤ)

نمبر ۶ پر لکھا ہوگا:

انی جزیتهم الیوم بما صبروا۔

(بے شک میں نے تمہیں آج جزا دی)

نمبر ۷ پر لکھا ہوگا:

انهم هم الفائزون۔ (بے شک وہی لوگ کامیاب ہیں)

نمبر ۸ پر لکھا ہوگا:

صرتم آمنین لا تخافوا ابدا۔

(تم امن والے ہو اور ہمیشہ بے خوف رہو)

نمبر ۹ پر لکھا ہوگا:

رافقتم النبیین والصدیقین والشهداء۔

(تم انبیاء و صدیقین اور شہداء کے رفیق ہو گئے)

نمبر ۱۰ پر لکھا ہوگا:

فی جوار من لا یؤذی الجیران۔

(تم ان کی ہمسائیگی میں ہو جو اپنے ہمسایوں کو ایذا نہیں پہنچاتے)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

پھر فرشتہ کہے گا۔

ادخلوا بسلام امنین۔

(بہشت میں امن والے ہو کر داخل ہو جاؤ)

وہ بہشت میں داخل ہو کر کہیں گے۔

الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن الخ

قدر والے ہی قدر جانتے ہیں

اے جوان مرد! تریاق کی قدر مارگزیدہ جانتا ہے۔ آتش سوزاں کی قدر پروانہ کرے۔ یوسف کے پیراہن کی قدر یعقوب علیہ السلام جانتے ہیں۔ جو بے قدر ہے اسے لاکھ تریاق و دوا دے بیکار سمجھے گا۔ اس مارگزیدہ کو تریاق دو جس کی جان لبوں پر ہے۔ غم خوردہ دل شکستہ کو معلوم ہوگا جب بہشت میں داخل ہوگا اسے بہشت کی قدر معلوم ہوگی۔ اس وقت کہیں گے الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن الخ تھوڑا صبر کیجئے عنقریب ایسے درویش دل ریش کو بہشت میں داخل کریں گے اور ولدان و غلمان اس کے استقبال کے لیے آئیں گے اور اسے بہشت کے بلند تخت پر بٹھائیں گے اور بہترین فرش اس کے آگے بچھائیں گے اس کی محنت کی شب ختم ہوگی اور راحت و سعادت کا سورج افق کرامت سے طلوع کرے گا اور الطاف و کرم مالک کریم کے بندے پر ہوں گے تو وہ ناز و نعم سے کہے گا الحمد للہ الذی الخ ؎

نماند این شب تاریک می رسد سحرش
نماند ابر ز خورشید میرود گذرش

ترجمہ یہ شب تاریک ہمیشہ نہیں رہے گی آخر سحر ہوگی۔ اور سورج پر ہمیشہ بادل نہیں چھائے گا بلکہ چھٹ جائے گا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے انکشاف کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور وہ جو کافر ہیں۔ یعنی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے وجود یا اس کی وحدت کا انکار کیا **لَهُمْ** انہیں اس کفر جو اکبر الکبائر و اقبح القبائح کی وجہ سے **نَارُ جَهَنَّمَ** جہنم کی آگ ہے جس کی مشابہت کوئی آگ نہیں رکھتی **لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ** ان کا دوسری موت سے کوئی فیصلہ نہ ہوگا یعنی ان کے دوزخ میں داخل ہونے کے بعد پھر کوئی موت نہیں آسکے گی وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے **فَيَمُوْتُوْا** جس سے وہ مر کر عذاب سے راحت پائیں اس کا منصوب ہونا اَنْ مقدر کی وجہ سے ہے اس لیے کہ فیموتوا نفی کا جواب ہے **وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا** اور عذاب سے انہیں تخفیف نصیب نہ ہوگی پل بھر تو کیا آنکھ جھپکنے کی مقدار بھی انہیں عذاب سے فرصت نہ دی جائیگی بلکہ جب آگ بجھنے کو آئے گی تو اسے اور جوش دیا جائے گا یعنی ان کے عذاب کی آگ کا جوش کبھی ٹھنڈا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

نہ ہوگا ۔ آگ میں ذرا سا بجھنا محسوس ہوگا تو اس میں اور جوش پیدا کر دیا جائے گا ۔

ازالۂ وہم اس سے یہ وہم نہ ہو کہ آگ کے بجھنے کی دیر ان کو تخفیف مل جائے گی بلکہ اس میں اشارہ ہے کہ ان پر عذاب بدستور رہے گا صرف آگ میں کمی ہو گی تو فوراً پوری کر دی جائے گی ۔ (کما فی الکشف الاسرار)

ف عنہم ' لا تخفف کا نائب فاعل اور من عذابہا محلاً منصوب یا اس کا بالعکس یا اذا ہو تو مرفوع اور فاعل ہے ۔

كَذٰلِكَ اسی شدید جزاء (سزا) خوفناک کے نَجْزِيْ ہم جزا (سزا) دیتے ہیں كُلَّ كَفُوْرٍ ۝ ہر بڑے کافر کو یعنی جو کفر میں یا ناشکری میں بڑا تھا اتنی سخت اور بڑی سزا ہو گی کہ اس جیسی سزا اور کسی کو نہ ہو گی وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا اور وہ کافر دوزخ میں فریاد رسی چاہیں گے

حلِ لغات اصطراخ افتعال از صراخ بمعنے شدت وجدوجہد سے آواز کرنا ۔ اس پر طاء مبالغہ کی ہے جیسے اصطبار و اصطفاء و اصطلاح و اصطیاد ان سب میں طاء مبالغہ کی ہے اور اصطراخ بمعنے کسی مددگار کو فریاد رسی اور شفاعت کے لیے زور سے پکارنا۔

رَبَّنَآ یقولون محذوف ہے ، کہیں گے اے ہمارے پروردگار اَخْرِجْنَا ہمیں آگ سے نکال اور اس کے عذاب سے بچا اور دنیا کی طرف ہمیں واپس کر دے نَعْمَلْ صَالِحًا تاکہ ہم نیک عمل کریں یعنی کفر کی بجائے ایمان لائیں اور معصیت کے بجائے اطاعت کریں۔

سوال . تم نے ایمان کا معنی کہاں سے نکال لیا؟

جواب ، چونکہ اعمال کی قبولیت کا دارومدار ایمان پر ہے اسی لیے ہم نے مشہور عقیدہ کے اعتبار سے ایمان کی قید لگائی ہے۔

غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ان کردار کے بجائے دوسرے وہ اعمال کریں گے جو ان کے غیر تھے۔

سوال یہ لوگ اپنے اعمال کو اب غیر کی قید لگا رہے ہیں حالانکہ اس سے قبل صالح عمل کا اظہار تو کر چکے ہیں۔

جواب ، دنیا میں ہر مذہب بلکہ کفار و مشرکین اپنے اعمال کو صالح نیک سمجھتے تھے لیکن آخرت میں جب ظاہر ہوگا کہ ان کے کردار تو الٹ انہیں جہنم میں لے گئے تو پھر اب انہیں کہنا پڑا کہ ہم جو پہلے عمل کرتے تھے ان کو چھوڑ کر ان کے علاوہ عمل کریں گے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے نیاز مندوں سے کرتے تھے۔

اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں جواب ملے گا اور ان کو توبیخ کی جائے گی ہمزہ انکار کا اور نفی و عطف مقدر جملہ پر ہے جیسا کہ مقام کا تقاضا ہے۔ التعمیر بمعنے زندگی دینا۔ حیات سے عبارت بدن کی مدت کو عمر کہا جاتا ہے ما نکرہ موصوفہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

یا مصدر ہے۔ اس سے زمانہ مراد ہے جیسے کہا جاتا ہے،

آتیک غروب الشمس۔

(میں تیرے پاس غروب شمس کے وقت آؤں گا)

تذکر بمعنی نصیحت لینا۔ اب معنی یہ ہوا کہ کیا ہم نے تمہیں مہلت نہیں دی تھی اور تمہیں زندگی نہیں بخشی تھی جس میں تمہیں نصیحت حاصل کرنے کا بہت زیادہ وقت مل گیا تھا کہ اس میں نصیحت پانے والا بخوبی نصیحت پا سکتا تھا اور اپنے حال کی اصلاح کر سکتا تھا اگرچہ اس میں تھوڑے سے وقت میں اصلاح کر لیتے تو آج بہت بڑی زجر و توبیخ سے بچ جاتے۔ یعنی انسان کو سن بلوغ کے بعد جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے عقل کی نعمت نصیب ہوتی ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ صانع کی مصنوعات میں غور و فکر کرکے سمجھے کہ صرف وہی معبود ہے اور عبادت و طاعت صرف اسی کو لائق ہے پھر جب اٹھارہ بیس سال کی عمر کو پہنچتا ہے تو عقل و فکر کی قوت مضبوط ہو جاتی ہے اس وقت اس پر حجت قائم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد نظر و فکر جدھر استعمال کرے اس کے اختیار میں ہے۔

حدیث شریف میں ہے،

اعذر اللہ الی امری واخر اجلہ حتی بلغ ستین سنۃ۔

(اللہ تعالیٰ بندے کو توبہ و عذر کا وقت دیتا ہے اور اس کی عمر کو بڑھاتا ہے یہاں تک کہ ساٹھ سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے)

(پھر بھی اپنی اصلاح نہیں کرتا) یعنی اتنی بڑی عمر کے باوجود توبہ نہیں کرتا اور نہ ہی اپنی اصلاح کرتا ہے، پھر قیامت میں معذرت کیسی!

نکتہ اور حدیث شریف ساٹھ سال کی تعیین میں اشارہ ہے دوسری حدیث شریف کی طرف، جیسا کہ فرمایا،

اعمار امتی ما بین الستین الی السبعین۔

(میری امت کی عمریں ساٹھ سے ستر سال تک ہیں)

ف، بہت کم ایسے ہیں جو اس عمر سے تجاوز کرتے ہیں۔ ساٹھ سے ستر سال تک نصیحت قبول کرنے کی آخری عمر ہے کیونکہ اس کے بعد ہرم (بڑھاپے) کا دور ہے۔

فرشتے کی پکار حدیث شریف میں ہے،

ان اللہ ملکا ینادی کل یوم ولیلۃ ابناء الاربعین زرع قد دنا حصادہ وابناء الستین ما قدمتم وما عملتم وابناء السبعین ھلموا الی الحساب۔

(جب انسان چالیس سال کو پہنچتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے کھیتی کے کاٹنے کا وقت قریب ہو گیا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

جب ساٹھ سال کا ہوتا ہے تو کہتا ہے وہی پاؤ گے جو تم نے عمل کیے۔ جب ستر سال کا ہو جاتا ہے تو کہتا ہے حساب کے لیے آؤ۔

حکایت غوث اعظم قدس سرہٗ

حضور سیدنا غوث اعظم قدس سرہٗ کے ہاں اگر نوجوان توبہ کے لیے حاضر ہوتا تو فرماتے، تُو نہیں آیا جب تک کہ تجھے بلایا نہیں گیا۔ مشکل سفر سے تُو خود نہیں لوٹا یہاں تک کہ تجھے لوٹایا گیا، اے فلاں! ہم نے تجھے نہیں چھوڑا اس کے لیے جو تُو نے ہمیں چھوڑا اور ہم نے تجھے نہیں بھلایا اس کے لیے جو تم نے ہمیں نہیں بھلایا تو اپنی عزت میں ہے ہم تیری حفاظت میں پھر ہم نے تجھے اپنے قرب کے لیے متحرک کیا اور تیرے انس سے تیرے پاس آئے۔ اور جب آپ کے پاس کوئی بوڑھا توبہ کے لیے کھڑا ہوتا تو فرماتے: اے فلاں! تُو نے خطا کی یہاں تک کہ تُو بوڑھا ہو گیا اور تیرا ہمزاد (جن) سرکش ہو گیا تُو نے ہمیں بچپن سے چھوڑ دیا ہم نے تجھے معذور رکھا تُو ہم سے شباب میں دُور رہا ہم نے تجھے مہلت دی تُو نے بڑھاپے میں ہم سے بغض رکھا ہم تجھ سے بیزار رہے اگر تُو اب واپس آگیا ہے تو ہم تجھے قبول کرتے ہیں ؎

دل ز دنیا زود تر گردد جوانان را خنک
کنگی از سردی آبست مانع کوزہ را

ترجمہ: دنیا سے جوانوں کے دل بہت جلد خوش ہوتے ہیں بڑھاپا سردی کی وجہ سے پانی کو کوزے سے روکتا ہے۔

بڑھاپے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا طریق کار

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب چالیس سال کو پہنچتے یا بڑھاپے کے آثار پاتے تو عبادت کے لیے جدوجہد تیز کر دیتے اور بستر لپیٹ کر شب بیداری میں وقت گزارتے۔ لیکن چالیس سال کی قید اتفاقی ہے اس سے کم سال سے بھی اگر کوئی عبادت میں جدوجہد شروع کر دے تو رکاوٹ نہیں کیونکہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں کیا معلوم کب آجائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو خوابِ غفلت سے بیدار فرمائے۔

وَجَآءَكُمُ النَّذِيرُ اور تمہارے پاس ڈرانے والا آئے۔ اس کا عطف جملہ استفہامیہ پر ہے کہ یہ قد عمرناکم کے معنیٰ میں ہے بایں معنی کہ ہمزہ انکاری جب نفی پر داخل ہو تو تقریر کا فائدہ ہے جیسے:

الم نشرح لك صدرك ووضعنا الخ
(کیا ہم نے تمہارا سینہ نہیں کھولا ...)

اب یہ قد شرحنا الخ کے معنیٰ میں ہے یعنی بیشک ہم نے تمہارا سینہ کھولا۔

ف: آیت میں النذیر (ڈرانے والا) سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ یہی جمہور کا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مذہب ہے یا اس کے ساتھ قرآن اور عقل بھی مراد ہو سکتا ہے کیونکہ یہ دونوں خیر و شر کا فرق بتاتے ہیں یا اس سے رشتہ داروں اور ہمسائیگان اور برادران کی موت یا بڑھاپا مراد ہے ۔ لیکن اس سے بڑھاپا مراد لینا عام نہیں کیونکہ اس میں سارے لوگ شامل نہیں ہو سکتے ۔

ف : امام شافعی مرحوم نے فرمایا اکثر علما کہتے ہیں کہ نذیر سے مراد بڑھاپا ہے اس لیے کہ بڑھاپا انسان کی زندگی کے شعلے بجھا دیتا ہے اور سفینہ آئینۂ ذات پر زنگ لاتا ہے ۔

۱ نوبت پیری چو زند کوس درد
دل شود از خوشدلی و عیش فرد
۲ در تن و اندام در آید شکست
لرزہ کند پاے و سستی چو دست
۳ موے سفید از اجل آمد پیام
پشت خم از مرگ رساند سلام

ترجمہ : (۱) جب بڑھاپا نقارہ بجاتا ہے دل خوشدلی اور عیش سے کمزور پڑجاتا ہے ۔
(۲) جسم اور اعضا میں شکست آجاتی ہے پھر ہاتھ اور پاؤں لرزتے ہیں ۔
(۳) سفید بال اجل کا پیام لاتے ہیں کمر کا ٹیڑھا پن موت کا سلام دیتا ہے ۔

عجوبہ آدم علیہ السلام کی اولاد میں سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کے بال سفید پیدا ہوئے عرض کی : یا الٰہ العالمین ! یہ کیا ہے ؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : یہ دنیا کا وقار اور آخرت کا نور ہے ۔ عرض کی : واہ میرے پروردگار ! اس نور اور وقار میں اضافہ فرما ۔

حدیث شریف میں ہے :
ان اللہ یبغض الشیخ الغربیب ۔
(بے شک اللہ تعالیٰ بوڑھے سیاہ بالوں والے سے بغض رکھتا ہے)

یعنی وہ سیاہ بالوں والا جو سفید بالوں کو سیاہ کرتا ہے ۔ کما فی المقاصد الحسنۃ ۔

اور الکواشی نے لکھا کہ نذیر سے یہ مراد لینا بھی جائز ہے جو انسان کے مختلف دور بدلتے ہیں اس لیے انسان کو ہر دور کے آنے پر متنبہ ہونا چاہیے ۔ اسی لیے اہل اصول نے کہا کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے دو اقوال میں سے صحیح تر یہ ہے کہ حج فرض ہونے کے بعد تاخیر جائز ہے ۔ ہاں اگر گمان غالب ہو کہ اگر اس سال نہ جاؤں گا تو موت آجائے گی تو جلدی کرنا ضروری ہے ۔

مسئلہ : اگر حج سے پہلے فوت ہوا پھر دیکھا جائے گا اگر موت اچانک واقع ہوئی ہے تو گناہ

(بقیہ ۔۔۔ ۹۷۳)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ

بیشک اللہ جاننے والا ہے آسمانوں اور زمین کی ہر چھپی بات کا

عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ

بیشک وہ دلوں کی بات جانتا ہے وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں اگلوں کا

فِي الْاَرْضِ ؕ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ؕ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ

جانشین کیا تو جو کفر کرے اس کا کفر اسی پر پڑے اور کافروں کو ان کا کفر ان کے رب کے یہاں نہیں بڑھائے گا مگر

اِلَّا مَقْتًا ۚ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ

بیزاری اور کافروں کو ان کا کفر نہ بڑھائے گا مگر نقصان تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو اپنے وہ شریک جنہیں اللہ کے

تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي

سوا پوجتے ہو مجھے دکھاؤ انہوں نے زمین میں سے کون سا حصہ بنایا یا

السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ

آسمانوں میں کچھ ان کا ساجھا ہے یا ہم نے انہیں کوئی کتاب دی ہے کہ وہ اس کی روشن دلیلوں پر ہیں بلکہ ظالم آپس

بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ۝ اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ

میں ایک دوسرے کو وعدہ نہیں دیتے مگر فریب کا بیشک اللہ روکے ہوئے ہے آسمانوں اور زمین کو کہ جنبش نہ کریں اور

وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝

اگر وہ ہٹ جائیں تو انہیں کون روکے اللہ کے سوا بیشک وہ حلم والا بخشنے والا ہے

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى

اور انہوں نے اللہ کی قسم کھائی اپنی قسموں میں حد کی کوشش سے کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈر سنانے والا آیا تو وہ ضرور کسی نہ کسی

الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ۝ اسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ

گروہ سے زیادہ راہ پر ہوں گے پھر جب ان کے پاس ڈر سنانے والا تشریف لایا تو اس نے انہیں نہ بڑھایا مگر نفرت کرنا اپنی جان کو زمین میں

وَمَكْرَ السَّيِّئِ ؕ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ؕ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ

اونچا کھینچنا اور برا داؤں اور برا داؤں اپنے چلنے والے ہی پر پڑتا ہے تو کاہے کے انتظار میں ہیں مگر اسی کے جو اگلوں

الْاَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ۝

کا دستور ہوا تو تم ہرگز اللہ کے دستور کو بدلتا نہ پاؤ گے اور ہرگز اللہ کے قانون کو ٹلتا نہ پاؤ گے

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

اور کیا انہوں نے زمین میں سفر نہ کیا کہ دیکھتے ان سے اگلوں کا کیا انجام ہوا اور وہ ان سے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وَكَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا

زور میں سخت تھے اور اللہ وہ نہیں جس کے قابو سے نکل سکے کوئی شے آسمانوں اور نہ

فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ﴿۴۴﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا

زمین میں بے شک وہ علم و قدرت والا ہے اور اگر اللہ لوگوں کو ان کے کیے پر

كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰي ظَهْرِهَا مِنْ دَاۗبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَاۗءَ

پکڑتا تو زمین کی پیٹھ پر کوئی چلنے والا نہ چھوڑتا لیکن ایک مقرر میعاد تک انہیں ڈھیل دیتا ہے پھر

اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿۴۵﴾

جب ان کا وعدہ آئے گا تو بے شک اللہ کے سب بندے اس کی نگاہ میں ہیں

تفسیر عالمانہ اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کے غیب جاننے والا ہے اس کے ساتھ آسمانوں اور زمین کے اندر کی ہر شے کا علم جو شے بندوں سے غیب اور مخفی ہے اسی کا علم اس کو محیط ہے تو پھر اس سے ان کا حال کیسے مخفی ہو سکتا ہے اگر وہ دنیا میں دوبارہ لوٹائے جائیں تب بھی وہی کریں گے جس سے انہیں روکا گیا اِنَّهٗ بے شک وہ اللہ تعالیٰ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ سینے والوں کی باتوں کو جانتا ہے۔

سوال: ذوات الصدور کی بجائے ذات الصدور کیوں کہا؟

جواب: جنس مراد ہے اس لیے کہ ذات ذو کا تثنیہ ہے بمعنی صاحب۔ اب معنی یہ ہوگا کہ ہر صاحب قلب کی ہر پوشیدہ بات کو جانتا ہے۔ یہاں موصوف کو حذف کر کے صفت کو اس کے قائم مقام رکھا گیا ہے جو واردات قلوب پر وارد ہوتے ہیں ان کو صاحب کہا ہے اس لیے کہ یہ واردات قلوب کو لازم اور ان میں حلول کرنے والے ہیں جیسے لبن کو ذوالاناء اور عورت کے بچے یعنی جنین کو ذوالبطن کہا جاتا ہے اسی معنی پر اضافت ادنیٰ ملابست کی وجہ سے ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ مخلصین کے اخلاص اور صادقین کے صدق کو جانتا ہے اس لیے کہ وہ قلوب کے آسمانوں کے غیب ہیں اور وہ منافقین کے نفاق اور منکرین کے انکار کو جانتا ہے اس لیے کہ وہ نفوس کی زمین کے غیب ہیں اس میں وعدہ وعید ہے پہلا جنت و قربت کا دوسرا نار و حرقہ کا حکم ہے۔

بندوں نے عرض کی یا رب! جس میں خیر نہ ہو اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا! جس میں خیر نہ ہوگی اسے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

جہنم میں داخل کروں گا۔

۱ در خلائق روحہائے پاک ہست
روحہائے تیرہ گلناک ہست

۲ واجبست اظہار این نیک و تباہ
ہمچناں اظہار گندمہا ز کاہ

ترجمہ (۱) مخلوق میں روح پاک بھی روح تو گل کا جوڑ ہیں۔
(۲) ان میں نیک اور بُرے کا اظہار ضروری ہے جیسے گندم کو گھاس سے نمایاں کرنا ضروری ہے۔

تفسیر عالمانہ ھُوَ مبتدا اور اس کی خبر اَلَّذِیْ جَعَلَکُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ جس نے تمہیں زمین میں دوسروں کا جانشین بنایا ہے خلائف خلیفہ کی جمع ہے اور خلفاء خلیفت کی، جیسے مستخلف یعنی جانشین یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی زمین کا خلیفہ بنا کر اس کے تصرف کی چابیاں تمہارے سپرد فرمائیں اور تمہیں اس پر مسلط فرمایا ہے اور اس کے منافع تمہارے لیے مباح فرمائے یا یہ معنیٰ ہے کہ تمہیں گزشتہ اُمتوں کے لیے اس زمین پر جانشین بنایا ہے، اور متاعِ دنیا جو ان کے ہاتھ میں تھی اب تمہارے سپرد کر دی ہے تاکہ تم اس کی توحید کا اقرار اور اس کی اطاعت کر کے شکر گزار بندے بنو۔

صـ ۹۶۹ سے آگے

نہ ہوگا اگر موت کے آثار محسوس ہوتے تھے پھر بھی تاخیر کی تو گنہگار ہوگا کیونکہ وسیع علم تھا۔

کیونکہ اس کا دل خود گمراہ ہے اسی لیے اس نے تنگی خود اختیار کی ہے۔

ف: ایک روایت میں ہے کہ جب دوزخی دوزخ میں شور مچائیں گے اور کہیں گے یا الٰہ العٰلمین ہمیں دنیا میں بھیج دے تاکہ ہم نیک عمل کریں اور یہ فریاد ان کی دنیا کی عمر کے مطابق ہوگی پھر اس پر اللہ تعالیٰ جواب میں فرمائے گا، تمہیں میں نے بڑی زندگی عطا فرمائی تھی اور ڈرانے والے بھیجے۔ عرض کریں گے کہ ہم نے زندگی بھی پائی اور ڈرانے والے بھی دیکھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: فَذُوْقُوْا تو دوزخ کا عذاب چکھو۔ فاء امر کی ترتیب کے لیے ہے جو ذوق کو ماقبل سے ملانے کے لیے ہے فَمَا فاء تعلیل ہے لِلظّٰلِمِیْنَ کفر و معاصی سے اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں ان کے لیے نہیں مِنْ نَّصِیْرٍ ۝ مددگاروں سے جو انہیں عذاب سے بچائیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ وہ دنیا میں نیند میں تھے اسی لیے انہیں عذاب کا ذائقہ محسوس نہیں ہوتا تھا جب مر گئے اور مرنے کے بعد اٹھے اور بیدار ہوئے تو اسے چکھ کر محسوس کیا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ زمین میں افاضل و اراذل کے تم نائب ہو۔ افاضل تو اپنے اخلاقِ ربانیہ اور علومِ لدنیہ کے آئینہ میں اس کے جمال و صنائع کو ظاہر کرتے ہیں اور اراذل اپنی حرفت اور ہاتھوں کے کسب سے کمال بدائع کو ظاہر کرتے ہیں۔

ف : یہ بھی ان کی خلافت میں سے ہے کہ بہت سے کام اللہ تعالیٰ نے اپنی اپنی مخلوق میں اپنی خلافت کا نائب بنایا ہے۔ مثلاً روٹی کیلئے گندم کو پیدا کر کے انسان کو اپنی خلافت بخشی کہ وہ اسے پیسے اور روٹی پکا کر کھائے۔ ایسے ہی رُوئی پیدا فرمائی تو انسان کو اپنی نیابت میں یہ طاقت بخشی کہ اسے کات کر کپڑا تیار کر کے پہنے اور پہنائے وغیرہ وغیرہ۔

تفسیر عالمانہ فَمَنْ كَفَرَ پس تم میں جو بھی اس کی نعمتِ خلافت کا کفر کرے گا کہ اپنے خلیفہ بنانے والے کے امر کا خلاف اور اس کے احکام کی خلاف ورزی اور اپنی خواہش کا اتباع کرے گا فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ تو اس کے کفر کا وبال اور سزا اسی پر ہوگی یعنی راندۂ درگاہ اور لعین و ناری ہوگا اور یہ سزا صرف اسے ملے گی اس سے متجاوز ہو کر کسی دوسرے کو سزا نہ ملے گی وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا اور ان کے رب کے ہاں ان کا کفر نہ بڑھائے گا مگر غضب کو۔

حلِ لغات المفردات میں ہے المقت بمعنے البغض الشدید۔ اس کے لیے جو قبیح فعل کا مرتکب ہے یعنی ان کا کفر اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اس میں ہمیشہ سزایاب رہیں گے۔

وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ۝ اور کافروں کا کفر نہیں بڑھایا مگر خسارے کو یعنی آخرت کا گھاٹا جو جنت سے محرومی کا دوسرا نام ہے۔

ف : یہ تکرار تقریر اور تنبیہ کے لیے ہے کہ ان دونوں کے لیے دونوں امر قبیح بالاستقلال بالاصالۃ ہیں اور ان کی تنکیر تعظیم کے لیے ہے یعنی غضبِ عظیم کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی غضب نہ ہوگا اور خسارۂ عظیم کہ اس سے زیادہ خسارہ اور کوئی نہ ہوگا۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ کیا تم نے دیکھا ہے شُرَكَآءَكُمُ اپنے معبودوں اور بتوں کو۔

سوال : شرکائی کے بجائے شرکاءکم کیوں فرمایا؟

جواب : چونکہ انہوں نے بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک اپنے گمانِ فاسد پہ بنا رکھا تھا جس کا کوئی قانون اور ضابطہ نہیں۔

الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ جنہیں تم پکارتے ہو اور پرستش کہتے ہو مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ تمہارا حال یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی پکار و پرستش سے تجاوز کرتے ہو اَرُوْنِيْ مجھے خبر دو مجھے دکھاؤ اور اس کی مجھے خبر کرو۔ یہ معنیٰ اس لیے ہے کہ رؤیت علم اخبار کا سبب ہیں اسی لیے ارادۂ اخبار کے معنیٰ میں ہے اور ارونی اور ہم

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سے بدل الاشتمال ہے گویا یوں کہا گیا ہے کہ مجھے اپنے بتوں کی خبر دے کر مجھے دکھاؤ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ انہوں نے زمین کے اجزاء میں سے کوئی حصّہ مستقل طور پر پیدا کیا ہو، یہاں استفہام بمعنے نفی ہے یعنی زمین میں سے کوئی سی شئے کو تمہارے بتوں نے پیدا کیا ہے اَمْ لَهُمْ کیا ان کے لیے شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ شرکت ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ آسمانوں کے پیدا کرنے میں جس کی وجہ سے وہ الوہیت میں اس کے شریک ہیں اَمْ اٰتَیْنٰهُمْ یا ہم نے انہیں دیا ہے۔ هُمْ کی ضمیر مشرکین کی طرف لوٹانا بھی جائز ہے کِتٰبًا کوئی کتاب جس میں لکھا ہو کہ میں نے انہیں اپنا شریک بنایا ہے فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حجت رکھتے ہیں کہ کتاب بتاتی ہے کہ یہ اس کے شریک بنائے گئے ہیں۔

ربط: دلائل قائم کرنے کے بعد اب بتایا کہ بتوں کی پرستش پر انہیں کس نے ابھارا۔

بَلْ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اِنْ نافیہ ہے يَعِدُ الظّٰلِمُوْنَ نہیں وعدہ کرتے ظالمین یعنی مشرکین، ان سے ان کے بڑے اور سردار مراد ہیں بَعْضُهُمْ بَعْضًا کسی سے، ان سے ان کے چھوٹے اور فرمانبردار مراد ہیں اِلَّا غُرُوْرًا ○ مگر دھوکے کا جس کی کوئی اصل نہیں ہوتی۔ مثلاً کہتے ہیں:

ھؤلاء شفعاؤنا عند اللہ۔

(یہی اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں)

یہ خالص دھوکا ہے۔ اس سے ان کے آراء کی خفت کا اظہار ہے اور یہ بتانا مطلوب ہے کہ ان کے افعال و احوال مذموم اور ان کے ارادے خسیس اور ان کے عقول نقصان میں ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے منہ موڑ کر ما سوی اللہ کی طرف متوجہ ہیں۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ توحید کی تحقیق و تصحیح کرے اور ہر فعل کا فاعل و خالق اللہ تعالیٰ کو سمجھے۔

حکایت: حضرت ذوالنون مصری قدس سرہٗ فرماتے ہیں میں بنی اسرائیل کے جنگل میں چل رہا تھا کہ ایک نوجوان کالے رنگ والی لڑکی کو دیکھا جس کا دامن عشقِ الٰہی سے پُر تھا اور آسمان کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہی تھی، میں نے کہا:

یا اختاہ، السلام علیک۔

جواباً کہا:

وعلیک السلام یا ذوالنون۔

میں نے پوچھا:

من این عرفتنی یا جاریہ۔ (مجھے کیسے پہچانا اے لڑکی؟)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اس نے کہا:

یا بطال ان اللّٰہ تعالیٰ خلق الارواح قبل الاجساد بالفی عام ثم ادارھا حول العرش فما تعارف منھا ائتلف وما تناکر منھا اختلف فعرفت روحی روحک فی ذالک الجولان۔

(اے بندۂ خدا بیشک اللّٰہ تعالیٰ نے ارواح اجسام سے دو ہزار سال پہلے پیدا فرمائے پھر انہیں عرش کے گرد گھمایا جس نے کسی کو پہچانا تو آپس میں محبت کی جو نہ پہچان سکا مختلف ہوا۔ اسی دوران میری روح نے تیری روح کو پہچان لیا تھا)

میں نے کہا:

انی لاراک حکیمۃ علمینی شیئاً مما علمک اللّٰہ۔

(تو دانا معلوم ہوتی ہے مجھے کوئی نصیحت کر دو)

اس نے کہا:

یا ابا الفیض ضع علی جوارحک میزان القسط حتی یذوب کل ما کان لغیر اللّٰہ و یبقی القلب مصفی لیس فیہ غیر الرب فحینئذ یقیمک علی الباب و یولیک ولایۃ جدیدۃ و یأمر الخزان لک بالطاعۃ۔

(اے ابو الفیض اپنے جسم پر انصاف کا ترازو رکھو یہاں تک کہ ما سوی اللّٰہ گل جائے اور تیرا قلب ایسا صاف ہو جائے کہ اس میں سوائے رب کے اور کچھ نہ ہو اس وقت تجھے اس کے دروازے پر قیام نصیب ہوگا اور جدید دوستی میں داخل فرمائے گا اور طاعت کے لیے بالمشافہ حکم فرمائے گا)

میں نے کہا:

یا اختاہ زیدینی۔

(اے بہن! کچھ اور۔)

فرمایا:

یا ابا الفیض خذ من نفسک لنفسک واطع اللّٰہ اذا خلوت یجبک اذا دعوتہ ولن یستجیب الا من قلب غیر غافل وھو قلب الموحد المحقق الذی زال عنہ الشرک مطلقاً۔

(اے ابو الفیض! اپنے لیے اپنے نفس سے کچھ لیجئے خلوت میں اللّٰہ تعالیٰ کی اطاعت کیجئے پھر جب بھی اس سے دعا مانگو گے قبول ہوگی اور جب تمہارا دل غافل ہو تو اس وقت

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

دعا قبول نہ ہوگی اور موحد حقیقی وہ ہے کہ جس کے دل سے مطلقاً شرک مٹ جائے)

؎

اگرچہ آئینہ داری از برائے رخش
ولے چہ سود کہ داری ہمیشہ آئینہ تار
بیا بصیقل توحید ز آئینہ بزدائے
غبار شرک کہ تا پاک گردد از زنگار

ترجمہ : اگر تمہارے پاس آئینہ ہے اس کا چہرہ سیاہ ہے تو کیا فائدہ ، آیئے صیقل سے آئینہ صاف کر لیجئے یعنی شرک کی میل کچیل دور کیجئے تاکہ تمہارا دل ڈھیری گرد وغبار سے صاف وشفاف ہو ۔

إِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بیشک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کو اپنی قدرت سے محفوظ رکھتا ہے ۔ الامساك ارسال کی ضد ہے بمعنے تعلق الشئی وحفظہ ۔ أَنْ تَزُوْلَا یہ کہ زائل ہوں ۔ الزوال بمعنے الذهاب ہر شے کے لیے استعمال ہوتا ہے جو ثابت ہونے کے بعد زائل ہو یعنی اسے گوارا نہیں کہ یہ دونوں اپنی جگہ سے ہٹ جائیں کیونکہ ممکن کا قاعدہ ہے کہ اس کی بقا کے لیے حفاظت ضروری ہے اس معنیٰ پر یمسک کا مفعول لہ ہے یا یہ معنیٰ ہے کہ ان کو زوال سے روکتا ہے کیونکہ امساك بمعنے منع بھی آیا ہے ۔ مثلاً کہتے ہیں ،

امسکت عنہ (میں نے اسے روکا)

اس معنیٰ پر یہ مفعول بہ ہے ۔

وَلَئِنْ زَالَتَا بخدا اگر یہ آسمان وزمین اپنے مراکز ومقامات سے ہٹ جائیں یعنی انھیں چھوڑ جائیں جیسے قیامت میں ہوگا إِنْ نافیہ ہے أَمْسَكَهُمَا نہ روکے گا یعنی نہیں کوئی طاقت جو پھر انھیں اپنے مراکز میں لوٹائے مِنْ أَحَدٍ کوئی ایک من زائدہ ہے اور ہر ایک کے امساک کی تاکید کے لئے ہے مِّنْۢ بَعْدِهٖ ابتدائیہ ہے ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی حفاظت یا زوال کے بعد جملہ قسم اور شرط دونوں کے جواب کے قائم مقام ہے إِنَّهٗ بیشک اللہ تعالیٰ كَانَ ہے حَلِيْمًا حلیم کہ سزا دینے میں عجلت نہیں فرماتا کفار کے کفر کی غلطیوں کی وجہ سے جن کا وہ ارتکاب کرتے ہیں وہ اس لائق ہیں کہ ان پر زمین وآسمان گر جائیں جبکہ ان کا کفر وشرک بڑا سنگین جرم ہے غَفُوْرًا ۝ غفور ہے اس کے لیے جو کلمۂ کفر سے رجوع کرکے کلمۂ توحید کا قائل ہو جائے ۔ حلم بمعنے ہیجان الغضب سے ضبط النفس والطبع کرنا ۔ کما فی المفردات ۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حلیم وصبور میں فرق مجرم عقوبت پر صبور کی گرفت سے مامون نہیں ہوتا اور حلیم کی گرفت سے مامون ہوتا ہے یعنی آخرت میں صبور کی گرفت کا خطرہ رہتا ہے بخلاف حلیم کے کہ اس سے کوئی خطرہ نہیں ہوتا کما فی المفاتیح۔ لیکن یہ اہل ایمان کے متعلق ہے بخلاف کفار کے کہ وہ اس لائق نہیں کہ ان کو کوئی خطرہ نہ ہو۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ الحلیم کا مجازی معنیٰ ہے کہ وہ اپنے بندوں سے اس طرح کرے جو ایک باحوصلہ انسان مجرم کے ساتھ کرتا ہے کہ ان کے جرائم کی کثرت کے باوجود ان کی سزا میں جلدی نہ کرے۔

ف: شرح الاسماء للامام الغزالی رحمہ اللہ میں ہے کہ الحلیم وہ ہے جو عاصیوں کے معاصی اور امر کی مخالفت کو دیکھتے ہوئے اس کا غضب جوش نہ کرے اور نہ ہی غصہ کو عمل میں لائے باوجود بدلہ لینے کی قدرت کے انتقام میں جلدبازی نہ کرے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ اس اسم کے مطابق اپنے عقاید سنوارے کہ لوگوں کی غلطیوں سے درگزر کرے ان کے جرائم سے چشم پوشی کرے بلکہ ہر ہلکے بڑے کے ساتھ احسان کرے۔ یہی انسان کا کمال ہے۔

بدی را بدی سہل باشد جزا
اگر مردے احسن الیٰ من اساء

ترجمہ: برائی کا بدلہ برائی آسان ہے اگر تو جوان مرد ہے تو اس کے ساتھ احسان کر جس نے تیرے ساتھ برائی کی ہے۔

قید سے رہائی ایک آدمی قتل کے کیس میں محبوس تھا اس کے لیے جلد پھانسی کا حکم تھا۔ اُسے روزانہ ہر وقت یہی فکر دامن گیر رہتی تھی۔ ایک رات نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا آپ نے فرمایا کہ آیت مذکورہ (ان اللہ یمسک الخ) پڑھ تجھے نجات مل جائے گی۔ عرض کی: کتنی بار پڑھوں؟ فرمایا: چار سو بار۔ اس نے پڑھنا شروع کیا بیس دنوں میں ختم کی تو اُسے رہائی کا پروانہ مل گیا[1]

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ آسمان و زمین سے ارواح و اجسام مراد ہیں جیسے اللہ تعالیٰ عالم صورت کے بالا و زیر (آسمان و زمین) کی حفاظت فرماتا ہے۔ ایسے ہی ان کے خلاصہ یعنی عالم انسان کی بھی وہی حفاظت فرماتا ہے۔

---

[1] حفاظت حمل وغیرہ: فقیر اویسی کا تجربہ ہے کہ یہی آیت حمل کی حفاظت کے لیے لکھ کر پیٹ سے اوپر باندھی جائے تو حمل گرنے سے محفوظ رہتا ہے۔ ایسے ہی ہر بیماری مثلاً دست، قے وغیرہ کو روکنے کیلئے لکھ کر پانی وغیرہ میں دھو کر پلائی جائے، ان شاء اللہ فائدہ ہوگا۔ اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ف : اس میں اشارہ ہے کہ مجرم اگرچہ سزا کا مستحق ہے لیکن اسم حلیم کا تقاضا ہے کہ اسے سزا نہ دی جائے بلکہ بالکل اس سے درگزر فرمائے۔ آیت پر مداومت سے فضلِ الٰہی اور جسم و روح پہ نزولِ رحمت اور اس کا بقا نصیب ہوتا ہے۔

ف : یاد رہے کہ توحید جملہ عالم کے نظام کا سبب ہے کیا نہیں دیکھتے ہو کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک ایک بندہ بھی اللہ اللہ کہنے والا موجود ہوگا۔ لیکن اس سے وہ بندہ مراد ہے جو حقیقی توحید کا حامل ہو پھر عالم ظہور عالم بطون کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ جب اہلِ توحید دنیا سے اٹھ جائیں گے تو عالم ظہور عالم بطون کی طرف منتقل ہوگا تو عالم دنیا کو فانی کر کے اس کے اجزاء ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے کیونکہ وہ تو اس وقت جسد بلا روح کی مانند ہوگا اور روح جب جسم سے جدا ہو جاتی ہے تو جسم بہت جلد گل سڑ جاتا ہے۔

ف : آیت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بیان ہے کہ وہ آسمانوں اور زمینوں کی حفاظت کیے ہوئے ہے انہیں گرنے نہیں دیتا اور ضائع نہیں ہونے دیتا۔ انسان چونکہ زمین پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے اور یہی زمین و آسمان کا بمنزلہ ستون کے ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ عالم ارواح و اجسام کی حفاظت فرماتا ہے۔

اولیاء کے طفیل دنیا قائم ہے

فتوحات مکیہ میں ہے کہ ہر ولایت و شہر یا بستی میں کسی ولی اللہ کا ہونا ضروری ہے کہ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس ولایت اور شہر یا بستی کی حفاظت فرماتا ہے وہاں کے مقیم مومن ہوں یا کافر۔

قیامت کی آخری نشانی

مروی ہے کہ انسان کا وہ آخری بچہ (کہ جس کے بعد ولادت کا سلسلہ منقطع ہوگا) چین میں پیدا ہوگا۔ جب سلسلۂ تولید منقطع ہو جائے گا یعنی مرد اور عورتیں بانجھ ہو جائیں گے اور وہ ان کو دعوتِ اسلام پیش کرے گا لیکن کوئی بھی اس کی بات نہ مانے گا اور یہ عدمِ تولید کا سلسلہ تمام عالمِ دنیا میں پھیل جائے گا، اور اللہ تعالیٰ اس وقت کے مومن مرد و عورت کو موت دے گا تو اس کے بعد لوگ جانوروں کی طرح ہوں گے جنہیں حلال و حرام کی تمیز نہ ہوگی۔ پھر قیامت قائم ہوگی اور دنیا ویران اور خراب ہو جائے گی۔ پھر جملہ امور آخرت کی طرف منتقل ہو جائیں گے ؎

۱ مدارِ نظم امور جہان انسانست
جمیع اہلِ جہان جسم و جان انسانست

۲ فنائے عالمِ صورت بہ رحلتش مربوط
مقام بود و سعادت کرد بارض ہبوط

ترجمہ (۱) نظم امور کا مدار انسان ہے تمام اہلِ جہان انسان کا جسم و جان نہیں۔

(۲) عالمِ صورت کا فنا اس کے کوچ سے مربوط ہے آسمان کا ٹھہرنا زمین سے ہے جب

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وہ نہ ہوگی یہ بھی نہ ہوگا۔

تفسیر عالمانہ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ اقسم بمعنے حلف۔ یہ قسامۃ سے ہے۔ وہ ایمان (قسمیں) جو مقتول کے اولیاء پر تقسیم ہوتی ہیں پھر ہر حلف قسم کے لیے استعمال ہونے لگا (المفردات) یہ ضمیر مشرکین کی طرف راجع ہے۔ معنیٰ یہ ہے کہ مکہ کے کفار و مشرکین نے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھائیں جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ مصدر حال کے محل میں ہے یعنی درانحالیکہ وہ قسمیں کھانے والے ہیں۔

حلِ لغات: الجھد بمعنے طاقت و مشقت۔ بعض نے کہا الجھد (بالفتح) بمعنے المشقۃ۔ الجھد (بالضم) بمعنے الوسع۔ الایمان (بالفتح) یمین کی جمع ہے بمعنے الحلف الیمین سے مستعار ہے بمعنے دایاں ہاتھ۔ اس لیے کہ قسم کھانے والا اور معاہدہ کرنے والا اسی کو عمل میں لاتا ہے۔ امام راغب نے فرمایا کہ انہوں نے قسمیں کھائیں اور ان میں اتنی جد و جہد کی کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق اسے عمل میں لائیں۔

ف: اہلِ جاہلیت کا طریقہ تھا کہ وہ اپنے آباء و اصنام وغیرہ کی قسمیں کھاتے تھے لیکن جب اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتے تو اسے جہد الیمین (پکی قسم) سے تعبیر کرتے اور یہ ان کے نزدیک بہت سخت قسم تھی۔ جیسا کہ نابغہ نے کہا: ؎

حلفت فلم اترك لنفسك ريبة
وليس وراء الله للمرء مطلب

ترجمہ: میں نے قسم کھائی تیرے لیے میں نے شک کی گنجائش نہیں چھوڑی اور اللہ تعالیٰ کے سوا انسان کا اور کوئی مطلوب بھی نہیں۔

یعنی جیسے اللہ تعالیٰ اعلی المطالب ہے ایسے اس کی قسم تمام قسموں سے اعلیٰ ہے۔

اعجوبہ مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے پہلے جب قریش نے سنا کہ اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ نے اپنے رسل علیہم السلام کی تکذیب کی تو قسم کھا کر کہا لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ بخدا کہ اگر ان کے ہاں کوئی نبی ڈر سنانے والا تشریف لایا لَيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى تو ہوں گے زیادہ ہدایت یافتہ اور بڑے فرمانبردار اور سب سے بہتر دین والے مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ گزشتہ امتوں میں سے یعنی یہود و نصاریٰ وغیرہم میں سے۔ الامم جمع ہے اس سے صرف یہود و نصاریٰ مراد نہیں۔

سوال: اِحدٰی کا اضافہ کیوں، جبکہ من الامم کہنا کافی تھا؟

جواب: اِحدٰی نہ ہوتا تو مِن تبعیضیہ ہو کر بعض مراد ہوتا، اور یہ مقصد کے خلاف ہے۔ کیونکہ یہاں

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

صرف یہود و نصاریٰ کی ایک امت ہی مراد نہیں بلکہ جملہ امتیں مراد ہیں۔

سوال: سورۂ انعام کے اواخر میں ہے ان تقولوا انما انزل الکتب علی طائفتین من قبلنا (تم کہتے کہ ہم سے پہلے دو گروہوں (یہود و نصاریٰ) پر کتابیں اتاری گئیں) پھر فرمایا او تقولوا لو انا انزل علینا الکتاب لکنا اھدی منھم (یا تم کہتے کہ اگر ہمارے اوپر کتاب ہوتی تو ہم ان سب سے زیادہ ہدایت والے ہوتے) یہ دو آیتیں متخالف کیوں؟

جواب: عموم دو گروہوں (مخصوص) کے منافی نہیں کیونکہ سابقہ امم میں سے یہ دونوں بہت زیادہ مشہور تھے ایسے ہی ان کی دو کتابیں دیگر کتب سے مشہور تر تھیں۔ اسی لیے ان کا خصوصیت سے ذکر کیا گیا۔

ف: بعض نے کہا احدی الامم سے وہ امت مراد ہے جو تمام امتوں سے برگزیدہ و افضل ہو کر وہ سب سے زیادہ ہدایت و استقامت والی امت ہے۔ جیسے اہل عرب کہتے ہیں:

للہ امیۃ ھی احدی الدواھی۔

(وہ عظیم مصیبت جو سب سے بڑی ہو)

یا کہتے ہیں:

العظیمۃ واحد سبع۔

(بڑی مصیبتوں میں سات راتوں میں سے صرف ایک رات)

یا کہتے ہیں:

احدی لیالی عاد فی الشدۃ۔

(عاد پر عذاب کی راتوں میں سب سے سخت عذاب والی رات)

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ انسان جبکہ روح و جسد سے مرکب ہے تو اس کی روحانیت کا میلان دین کی طرف اور اس کے جسد کا میلان کفر کی طرف ہے اور اہلِ ایمان و اہلِ کفر اس میلان میں برابر ہیں لیکن کافر کا اگر کسی وقت دین کے کسی امر کی طرف میلان ہو بھی تو نفسانیت کا غلبہ اسے کفر کی وادی سے باہر نہیں نکلنے دیتا کیونکہ اس کا میلان کفر اس میں متأصل ہو گیا ہے اسی لیے وہ عارضی میلان بے اثر ہو کر رہ جاتا ہے ایسے ہی مومن جب بشریت کے غلبہ سے کسی دنیوی امر میں مائل ہوتا ہے تو اسے نورِ ایمان مانع ہو کر ایسے میلانِ دنیوی کو ختم کرواتا ہے۔ ایسے ہی مرید صادق جب اس پر قبض کی شدت ہوتی ہے اور اس کا نفس ریاضت مجاہدہ کی تکالیف سے اکتاتا ہے تو وہ نفسی رخصتی امور کی طرف مائل ہو کر معاہدۂ ایزدی سے ہٹ کر شیطانی عہد و پیمان کی زد میں آ جاتا ہے لیکن بعد کو جب معرضِ وفا کی طرف متوجہ ہو کر ایفائے عہد کے لیے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ارادہ کرلیتا ہے۔ جب اس کا یہ ارادہ پختہ ہو جاتا ہے تو عزیمت اس کا ہاتھ پکڑ کر سلسلہ طلب میں بٹھاتی ہے اس وقت وہ عہد الٰہی کی تجدید کرتا ہے اور ذکر الٰہی میں مشغول ہو جاتا ہے یہاں ذکر کی چال سے باب قلب حضرت حق کے لیے کھل جاتا ہے۔ اس کے بعد باطل خیالات مٹ کر حق کا غلبہ حاصل ہو جاتا ہے

تفسیر عالمانہ

فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيرٌ پس جب ان کے ہاں جب افضل الخلق واشرف الانبیاء والرسل صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے **مَّا زَادَهُمْ** انہیں نہ بڑھایا ڈرانے والے نے **إِلَّا نُفُورًا ۝** مگر نفرت کو یعنی تباعد من الحق والہدی یعنی حق وہدایت سے دوری **اسْتِكْبَارًا فِي الْأَرْضِ** یہ نفورا سے بدل یا مفعول لہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے بغاوت اور ایمان سے تکبر یعنی فرمان حق سے سرکشی۔

ف: بحر العلوم میں ہے الاستکبار بمعنے تجبر جیسے استعظام بمعنے تعظیم لفظاً ومعناً۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مٹی سے پیدا فرمایا ہے اسے لازم ہے کہ اس پہ متجاوز نہ ہو ؎

زخاک آفریدت خداوند پاک
پس اے بندہ افتادگی کن چو خاک

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تجھے مٹی سے پیدا فرمایا، پس اسے بندۂ خدا! مٹی کی طرح عاجزی کر۔

وَمَكْرَ السَّيِّئِ اس کا استکبار نفورا پر عطف ہے یہ دراصل مکروا المکر السیئ تھا موصوف کو وصف کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے۔

حل لغات

تاج المصادر میں ہے کہ المکر بمعنے رات کا تاریک ہونا۔ اسی سے مکر بمعنے معروف مشتق ہے کیونکہ فساد کی کوشش اور دھوکا وفریب بھی مخفی طور ہوتا ہے۔

امام راغب نے فرمایا کہ المکر بمعنے کسی کو حیلہ کرکے اس کے مقصد سے پھیرنا، یہ دو قسم ہے:

۱۔ محمود

۲۔ مذموم

محمود یہ کہ اس کے ذریعے کسی اچھے کام کے حصول کی کوشش کی جائے اسی معنی سے واللہ خیر الماکرین ہے۔

مذموم یہ ہے کہ اس کے ذریعے قبیح امر کے حصول کی کوشش کی جائے۔ آیت میں یہی دوسرا معنی مراد ہے۔ اسی لیے اسے السیئ سے موصوف کیا گیا ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی کے دفع کرنے میں نہ بڑھایا مگر

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بُرے مکر و حیلے نے یعنی انھوں نے برا مکر کیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہید کرنے کے لیے غلط تدبیریں بنائیں۔ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ۔

حلِ لغات

القاموس میں ہے :

حاق یحیق حیقا حیوقا و حیقانا یعنی احاط بہ کاحاق وحاق بہم العذاب احاط و نزل۔ فلاں کو وہ محیط ہوا جیسے وہ اس کو محیط ہوا اور انھیں عذاب نے گھیر لیا اور ان پر نازل ہوا۔

کما فی المختار :

الحیق ہر وہ شے جو انسان کو مکروہ امر گھیر لے۔

اب معنیٰ یہ ہوا اور بُرا مکر محیط ہوا سوائے اس کے اہل کے۔ اس سے خود مکر کرنے والا مراد ہے انھیں یہ سزا بدر میں ملی۔ یعنی بُرا مکر خود مکر کرنے والوں کو محیط ہوا اور ہر بُرے کو اس کی برائی اردگرد سے گھیر لیتی ہے جو کسی دوسرے کے لیے بُرا ارادہ کرتا ہے وہ خود اس میں مبتلا ہوتا ہے۔[1]

ف : بحر العلوم میں ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ مکر برا خود مکر کرنے والے کو چمٹا۔ یہ استثناء مفرغ ہے اسی لیے واجب ہے اس کا مستثنیٰ منہ عام اس کی جنس سے مقدر ہو۔ اب عبارت یوں ہوگی :

ولا یحیق المکر السیئ حیقا الا حیقا باھلہ۔

اسی کی تفسیر حدیث شریف میں ہے :

لا تمکروا ولا تعینوا ماکرا فان اللہ یقول ولا یحیق المکر السیئ الا باھلہ ولا تبغوا ولا تعینوا باغیا فان اللہ یقول انما بغیکم علی انفسکم۔

(اے کافرو نہ مکر کرو نہ مکر کرنے والے کی مدد کرو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : بغاوت کرو نہ باغی کی مدد کرو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے : تمہاری بغاوت تمہارے سر ہوگی)

حدیث شریف میں ہے :

انصر اخاك ظالما او مظلوما۔

(اپنے بھائی کی مدد کرو وہ ظالم ہو یا مظلوم)

سوال : ظالم کی مدد کا حکم کیسا ؟

جواب : ظالم کی مدد کا مطلب یہ ہے کہ اس کی یوں مدد کرو کہ اسے شیطان کے وسوسہ سے بچا ؤ

---

[1] جیسے کہا جاتا ہے : چاہ کن را چاہ در پیش   اویسی غفرلہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کیونکہ وہ اس سے ظلم میں مبتلا ہوگا یعنی وہ ایسا کلام یا کام کرے گا جو نفس کو اچھا لگے گا، اور وہ ابلیس کے بہکاوے میں آجائے گا۔ اس لیے تم اس کی یوں مدد کرو کہ وہ ابلیس کی شرارت سے بچ جائے۔

حدیث شریف میں ہے:

المکر والخدیعة فی النار۔

(مکر و خدیعة جہنم میں ہیں)

یعنی مکر اور دھوکا کرنے والے دوزخ میں ہیں کیونکہ یہ دونوں کام کفار کی عادات سے ہیں اس سے اللہ والے نیک لوگ کوسوں دور بھاگتے ہیں۔ عربی مثل مشہور ہے:

من حفر لاخیه جبا وقع فیه منکبا۔

(جو دوسرے کے لیے کنواں کھودتا ہے وہ خود اس میں اوندھا گرتا ہے)

خلاصہ یہ کہ شر شریر کو ہی نصیب ہوتا ہے۔ ابن یامین کا اس بارے میں ایک قطعہ مشہور ہے جس کے دو بیت ہم نقل کرتے ہیں: ؎

۱ در باب من ز روے حسد یکدو ناشناس
دھا زدند و کردہ تزویر تافتند

۲ ز اعمال نفسہم ہمہ نیکی بمن رسید
و ایشاں جزاے فعل بد خویش یافتند

ترجمہ: (۱) میرے لیے دو حاسدوں نے تدبیر بنائی ایک پھونکتا رہا تو دوسرا بھٹی جلاتا رہا۔

(۲) ان کی نیکیاں مجھے مل گئیں لیکن ان دونوں کو برائی کی سزا نصیب ہوئی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جن کے دل غل وغش سے پاک ہیں اور ہمیں خرابیوں اور غلطیوں میں گرنے سے بچائے۔

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ النظر بمعنی الانتظار ہے۔ تو مکذبین اور مکار انتظار نہیں کرتے **اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ** مگر پہلے لوگوں کی طرح کہ اللہ تعالیٰ کا وہ طریقہ جو امم سابقہ کے لوگوں کے ساتھ برتا کہ ان کے مکذبین اور مکر کرنے والوں کو عذاب میں مبتلا فرمایا۔

حل لغات السنة بمعنی الطریقة۔ اور سنة النبی بمعنی ان کا وہ طریقہ جس پر وہ چلے (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اللہ تعالیٰ سنة بمعنی حکمت۔

فَلَنْ فاء تعلیلیہ ہے جس عذاب کے انتظار کے حکم کا فائدہ مرتب ہوگا اس کی علت بتاتی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

جاری ہے تَجِدَ ہرگز نہ پاؤ گے لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا ۚ اللہ تعالیٰ کے طریقہ میں تبدیلی کہ عذاب کے بجائے رحمت اور معافی عطا فرمائے وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيلًا ۝ اور اللہ تعالیٰ کے طریقہ میں تغیر نہ پاؤ گے کہ مکذبین کے بجائے کسی اور کو عذاب میں مبتلا کرے طریق برہانی کے طور تبدیل و تحویل کے وجود کی نفی مراد ہے ان دونوں تبدیل و تحویل کی تخصیص مستقل طور ان کی نفی کی تاکید مطلوب ہے۔

مسئلہ: آیت میں تنبیہ ہے کہ اگرچہ فروع شرائع میں بظاہر اختلاف ہے لیکن مقصود کے غرض و غایت میں کوئی اختلاف نہیں غرض و غایت ہے نفوس کی تطہیر اور وصول ثواب الی اللہ و جوار الٰہی کیلیے انہیں تیار کرنا۔ کما فی المفردات۔

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ ہمزہ انکار کے لیے ہے واؤ کا عطف مقدر پر ہے کہ اقعد ہے یعنی مشرکین عرب گھروں میں بیٹھے رہیں گے کیا زمین پر چل پھر کر نہیں دیکھتے مثلاً شام و یمن و مصر و عراق میں جب تجارت کے لیے جاتے ہیں فَيَنْظُرُوا اقوام ماضیہ کے سرکشوں کے گھروں اور محلوں کے نشانات کو دیکھیں كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ کیسا ہوا انجام برباد اُن لوگوں کا جو ہو گزرے ہیں مِنْ قَبْلِهِمْ ان سے پہلے انہوں نے رسل کرام علیہم السلام کی تکذیب کی اور ان کے گھروں اور محلوں کے کھنڈرات اور ان کے نشانات موجود ہیں وَكَانُوا اور حالانکہ وہ (جیسے عاد و ثمود و سبا) تھے أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً قوت و طاقت میں ان سے زیادہ یعنی مکہ والے مشرکین سے ان کی طاقت قوت بہت زیادہ تھی اور عمریں بھی ان کی طویل تھیں لیکن انہیں لمبی عمر نے بچایا نہ قوت و طاقت نے وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهُ مِنْ شَيْءٍ۔ الاعجاز بمعنی عاجز کرنا۔ لام و من نفی کی تاکید کے لیے ہے۔ اب معنی یہ ہے کہ یہ ہر طرح سے محال ہے کہ کوئی شے اللہ تعالیٰ کو عاجز کرے اور اس کے حکم سے سرمو ہٹ سکے فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا ام ما نافیہ کی دوسری تاکید ہے اس کلام میں تین تاکیدیں ہیں فِي الْأَرْضِ آسمانوں میں نہ زمینوں میں۔ اس کے حکم سے کسی کو روگردانی کی ہمت نہیں وہ جس پر جیسے چاہے حکم چلائے إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا بیشک وہ بہت علم والا ہے جو کچھ موجود ہے اور جو ہونے والا ہے ہر شے پر اس کی قدرت حاوی ہے اسی لیے ان کے جملہ معاصی کو جانتا ہے انہی کے عمل کے مطابق سزا دے گا وہ ذات جو سابقہ لوگوں کو سزا دے سکتا ہے وہ موجودہ لوگوں کو بھی سزا دے سکتا ہے اگر ان کے اعمال بُرے ہوں گے تو سزا سے نہیں بچ سکیں گے۔

ف: آیت میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو نصیحت فرمائی ہے تاکہ وہ عبرت حاصل کریں سہ

نرود مرغ سوے دانہ فراز
چوں دگر مرغ بیند اندر بند

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۲ پند گیر از مصائب دگراں
تا نگیرند دیگراں ز تو پند

ترجمہ: (۱) وہ پرندہ دانہ کی طرف نہیں جاتا جہاں جانتا ہے کہ وہاں پھانسی لٹکی ہوئی ہے۔

(۲) دوسروں کی مصائب سے نصیحت حاصل کر تاکہ دوسرے تجھ سے عبرت نہ لیں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ ولی اللہ کو کبھی خسارہ نہیں ہوتا اور عدو اللہ کبھی نفع نہیں پاتا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو بہت زیادہ فضل سے نوازتا ہے اور دشمنوں کو تباہ و برباد کرتا ہے اور فضل و کرم میں سب سے بڑا فضل توحید الٰہی ہے ایسے ہی اس کے قہر و غضب اور دشمنی کا سب سے بڑا سبب کفر و شرک ہے۔ بعض اکابر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے گزشتہ امتوں میں جسے قہر و غضب کا نشانہ بنایا تو ان کے آخری حصہ میں پکڑا اور دشمن کا خسارہ عنین (نامرد) کی نامردی کی طرح ہے اور اللہ تعالیٰ کسی کی گرفت کرتا ہے تو اسے اپنی کوئی خاص ضرورت نہیں ہوتی بلکہ بندوں کا فائدہ مطلوب ہوتا ہے اور اس کا غضب کسی میں ایسے موثر ہوتا ہے جیسے نامرد میں نامردی کا مرض کہ جب اس میں وہ مرض موثر ہو کر مستحکم ہو جاتا ہے تو علاج کے قابل ہی نہ رہے تو اس سے فوائد نکاح جیسی لذت اور نسل ختم ہو جاتے ہیں۔ پھر نکاح کے فوائد میں لوگ مختلف حیثیت رکھتے ہیں اگرچہ نکاح مجموعی طور پر اپنے جملہ فوائد پر مشتمل ہے لیکن بعض تمام فوائد حاصل ہوتے ہیں کہ اس سے لذت بھی پاتا ہے اور بچے بھی حاصل کرتا ہے یا صرف لذت پاتا ہے یا صرف بچے حاصل کرتا ہے اور یہ فوائد ایک گروہ کو حاصل ہوتے ہیں تو دوسرے گروہ کو اس کے علاوہ اور بھی نصیب ہوتے ہیں۔ بعض کو مذکورہ بالا دونوں فوائد ملتے ہیں اللہ تعالیٰ کی گرفت مختلف رہی ایک زمانہ میں ایک طرح کا عذاب ہوتا ہے تو دوسروں کو دوسرے طور۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور شفقت ہے کہ بندوں کی اچانک گرفت نہیں فرماتا تاکہ انہیں معلوم ہو کہ اسے عفو و احسان محبوب ہے وہ اخذ و انتقام عمل میں لاتا ہے تاکہ وہ برائیوں سے باز آئیں اور لطف و کرم اور شفقت و رحمت اس کا شیوہ کریمی ہے۔ اس کی رحمت غضب پر سبقت کرتی ہے۔ یہ صرف اس لیے ہے تاکہ انہیں عفو و کرم، عدل و انصاف، قہر و غضب اور جمال و جلال کے درمیان فرق معلوم ہو۔ دنیا و آخرت کی گرفت اور مختلف عذابوں میں مبتلا کرنے سے مومن کی تطہیر مطلوب ہوتی ہے اور کافر کو محض سزا۔ کافر تو تطہیر کے اہل نہیں کیونکہ تطہیر معاصی کے متعلق ہوتی ہے اور کفر تطہیر کے قابل نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان افعال سے بچائے جو عذاب و غضب و عقاب کا سبب بنتے ہیں۔ (آمین)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تفسیر عالمانہ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ اور اگر اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کی گرفت کرے پکڑتا بِمَا كَسَبُوْا ان کے گناہوں کی وجہ سے۔ یعنی بوجہ شرک و کفر و معاصی کے جیسے امم سابقہ کی گرفت ہوئی مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا تو زمین پر کسی کو نہ چھوڑے۔ اظہر یعنی پیٹھ اور ضمیر ارض کی طرف راجع ہے اگرچہ اس کا ذکر صراحۃً نہیں لیکن قرینہ بتاتا ہے کہ گویا وہ مذکور ہے مِنْ دَآبَّةٍ کسی ذی روح کو جو بنی آدم میں سے زمین پر چلنے والے ہیں کیونکہ مکلف صرف یہی ہیں اور حد سے بھی یہی تجاوز کرتے ہیں جیسا کہ اس کا مابعد اسی پر دلالت کرتا ہے یا اس سے جملہ جاندار مراد ہیں کیونکہ مکلفین کی معاصی کی نحوست تمام اہلِ ارض کو لپیٹ میں لے لیتی ہے وہ جنگل میں ہوں یا آبادی میں یا ہوا میں کیونکہ ان کو قحط وغیرہ میں مبتلا فرما دے۔

جرائم کا بُرا نتیجہ: وارد ہے کہ جو بھی کوئی گناہ کرتا ہے تو قیامت میں اس پر تمام انسان اور جانور اور پرندہ و وحش وغیرہ دعویٰ کریں گے یہی وجہ ہے کہ نوح علیہ السلام کے طوفان سے تمام حیوانات تباہ ہوئے سوائے ان کے جو نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے۔ یہ بھی مشرکین کے شرک کی نحوست سے ہوا۔

نکتہ: بعض ائمہ نے فرمایا کہ حیوانات انسان کے گناہ سے تباہ نہیں ہوتے۔ چونکہ ان کو انسان کی خدمت کے لیے پیدا کیا گیا ہے تو جب مخدوم نہ رہا تو خدمت کس کی۔ اس لیے انہیں بھی ہلاک کر دیا جاتا ہے۔

وَلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لیکن انہیں ایک وقت معین تک (جس کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے) مہلت دی جاتی ہے یعنی قیامت تک۔ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ جب ان کی ہلاکت کا وقت آجاتا ہے فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ۝ تو بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دیکھنے والا ہے اسی لیے اس وقت انہیں ان کے اعمال کی جزا و سزا دے گا اگر نیکی ہوگی تو نیک جزا ہوگی اگر برائی ہوگی تو بری سزا ؎

آنرا بلا مع رضا بنوازد
دیں را بلا مع غضب بگدازد

لہ جیسے ہمارے دور میں عام عورتیں گھر کا تمام کاروبار سنبھالنے کے ساتھ ساتھ بچے بھی پالتی ہیں اور اپنے شوہروں کے شانہ بشانہ امور خانہ داری انجام دیتی ہیں یہاں تک کہ کھیتی باڑی وغیرہ جانفروی سے کام کرتی ہیں۔ اویسی غفرلہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کس را بقضائے قدرتش کائے نیست
آنست صلاح خلق کو میسازد

ترجمہ: (۱) کسی کو رضا سے نوازتا ہے تو کسی پر غضب برساتا ہے۔
(۲) کسی کو اس کی قضا سے مقابلہ کی طاقت نہیں اسی کو ہر کام لائق ہے جسے چاہے مخلوق کو نوازے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ ہر انسان سے مواخذہ کے اسباب کا صدور ہوتا ہے لیکن وہ کریم اپنے فضل و کرم سے مہلت دیتا ہے لیکن جب بندہ اس سے باز نہیں آتا تو پھر گرفت فرماتا ہے لیکن پھر بھی بہت سے بندوں کو معاف بھی فرما دیتا ہے۔ آیت میں اللہ تعالیٰ کے حلم کا بیان ہے۔ بندوں کو اپنے حلم کی طرف رہبری فرمائی کیونکہ حلم آفات کا علاج اور اخلاق کے لیے بمنزلہ نمک کے ہے۔

لیڈری کا نسخہ احنف بن قیس اگر قوم کا لیڈر بن گیا تو عقل و حوصلہ کی وجہ سے، یہاں تک کہ اس کے لیے ایک لاکھ تلوار بے نیام رہتی تھی اور لوگ اس کے ہاں آ کر پناہ لیتے۔ اسی لیے حلم میں ضرب المثل ہے۔ کسی نے اس سے پوچھا کہ مجھے مروت کا نسخہ بتائیے۔ کہا: کسب الذم بلا منفعۃ مروت ہی مروت ہے۔

زمخشری کی بلاغات میں سے ہے:

زمخشری کی بلاغات "البأس والجود حاتمی و احنفی والدین والعلم حنیفی و حنفی۔"

اس میں لف و نشر علی الترتیب ہے اس لیے کہ بأس بمعنٰی شجاعت اور جود سخاوت میں ہے اور وہ حاتم کی طرف منسوب ہے کیونکہ شجاعت سخاوۃ النفس سے ہوتی ہے اور سخاوت شجاعت کے بغیر نہیں ہو سکتی اس لیے کہ مال محبوب شے ہے اور اسے وہی خرچ کر سکتا ہے جو اپنے نفس پر غالب ہو اور ظاہر ہے کہ جود حاتم بن عبداللہ بن سعد طائی کی طرف منسوب ہے، اور حلم احنف مذکور کی طرف اور دین سیدنا ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف اور علم حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے: ؎

الفقہ زرع ابن مسعود و علقمۃ
حصادہ ثم ابراہیم دواس
نعمان طاحنہ یعقوب عاجنہ
محمد خابز والآکل الناس

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ترجمہ: (۱) فقہ کو ابن مسعود نے بویا، علقمہ نے اسے کاٹا، ابراہیم نے اسکے دانے صاف کیے۔

(۲) نعمان نے اسے پیسا، یعقوب (ابو یوسف) نے آٹا گوندھا، امام محمد نے روٹی پکائی جسے تمام لوگ کھا رہے ہیں۔

ف: حلم کے لیے ضروری ہے کہ وہ برمحل ہو جیسے کسی نے کہا ہے

أری الحلم فی بعض المواضع ذلة
وفی بعضها عزا یسود فاعله

ترجمہ: بعض مواقع پر حوصلہ ذلت ہوتی ہے لیکن بعض موقعوں پر عزت ہوتی ہے جس کے عامل کو سرداری نصیب ہوجاتی ہے۔

مسئلہ: احسان بھی موقعہ و محل پر ہو احسن ہے ؎

ہر آنکس کہ بر دزد رحمت کند   بہ بازوئے خود کاروان میزند

ترجمہ: جو بھی چور پر رحمت کرتا ہے وہ اپنے ہاتھوں سے قافلہ کو لٹاتا ہے۔

ف: بصیر: رؤیت سے ہر موجود کا ادراک کرنے والا۔ اس اسم کی خاصیت یہ ہے کہ اس سے توفیق نصیب ہوتی ہے۔ جو اسے

خاصیت بصیر: نماز جمعہ سے پہلے سو بار پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کی بصیرت کھول دے گا اور اسے اچھے قول و عمل کی توفیق بخشے گا۔

اللہ تعالیٰ ہماری بصیرت کو ملکوت کی طرف کھول دے اور ہمارے تعلقات عالم ناسوت سے چھڑا دے اور اپنے اسم حلیم کے صدقے ہمارے اوپر حوصلہ فرمائے اور ہمارا خاتمہ بالخیر فرما کر ہمیں اُن لوگوں سے بنا دے جو قلب سلیم سے قیامت میں حاضر ہوں۔

اختتام تفسیر سورۃ الملائکہ (صاحب روح البیان جناب علامہ اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ) تفسیر سورۃ الملائکہ (فاطر) رجب شریف کے آخری دنوں میں سنہ ۱۱۱۰ھ میں ختم ہوئی۔

فقیر اویسی غفرلہ اس سورۃ کے ترجمہ سے شب سوموار مبارک بوقت اذان

تاریخ اختتام ترجمہ نماز عشاء ۱۷ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۰۳ھ میں فارغ ہوا۔ الحمد للہ علی ذلک

وصلی اللہ علی حبیبہ الاکرم وعلی آلہ واصحابہ وبارک وکرم وسلم۔

انا الفقیر القادری محمد فیض احمد اویسی الرضوی غفرلہ ربہ القوی بحرمۃ النبی الامی۔

۱۷ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۰۳ھ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سُوْرَۃُ یٰسٓ مَکِّیَّۃٌ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ اٰیَاتُہَا ۸۳ رُکُوْعَاتُہَا ۵

سورہ یٰسین مکیہ ہے اس میں اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا تراسی آیتیں اور پانچ رکوع ہیں

یٰسٓ ۝۱ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ ۝۲ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝۳ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝۴

حکمت والے قرآن کی قسم بے شک تم سیدھی راہ پر بھیجے گئے ہو

تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ۝۵ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُہُمْ فَہُمْ غٰفِلُوْنَ ۝۶ لَقَدْ حَقَّ

عزت والے مہربان کا اتارا ہوا کہ تم اس قوم کو ڈر سناؤ جس کے باپ دادا نہ ڈرائے گئے تو وہ بے خبر ہیں بیشک

الْقَوْلُ عَلٰۤی اَکْثَرِہِمْ فَہُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝۷ اِنَّا جَعَلْنَا فِیْۤ اَعْنَاقِہِمْ اَغْلٰلًا فَہِیَ اِلَی

ان میں اکثر پر بات ثابت ہو چکی ہے تو وہ ایمان نہ لائیں گے ہم نے ان کی گردنوں میں طوق کر دیئے ہیں کہ وہ ٹھوڑیوں تک ہیں

الْاَذْقَانِ فَہُمْ مُّقْمَحُوْنَ ۝۸ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْہِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِہِمْ سَدًّا

تو یہ اوپر کو منہ اٹھائے رہ گئے اور ہم نے ان کے آگے دیوار بنا دی اور ان کے پیچھے ایک دیوار اور انہیں اوپر

فَاَغْشَیْنٰہُمْ فَہُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ۝۹ وَسَوَآءٌ عَلَیْہِمْ ءَاَنْذَرْتَہُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْہُمْ لَا

سے ڈھانک دیا تو انہیں کچھ نہیں سوجھتا اور انہیں ایک سا ہے تم انہیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان

یُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّکْرَ وَخَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ ۚ فَبَشِّرْہُ بِمَغْفِرَۃٍ

لانے کے نہیں تم تو اسی کو ڈر سناتے ہو جو نصیحت پر چلے اور رحمٰن سے بے دیکھے ڈرے تو اسے بخشش اور عزت

وَّاَجْرٍ کَرِیْمٍ ۝۱۱ اِنَّا نَحْنُ نُحْیِ الْمَوْتٰی وَنَکْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَہُمْ ۚ وَکُلَّ شَیْءٍ

کے ثواب کی بشارت دو بے شک ہم مردوں کو جلائیں گے اور ہم لکھ رہے ہیں جو انہوں نے آگے بھیجا اور جو نشانیاں پیچھے چھوڑ گئے

اَحْصَیْنٰہُ فِیْۤ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ ۝۱۲

اور ہر چیز ہم نے گن رکھی ہے ایک بتانے والی کتاب میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سورہ یٰسٓ مکیہ اور اس کی تراسی آیات ہیں۔

تفسیر عالمانہ یٰسٓ ۝ علیٰ طریق تعدید واقع ہے کہ اسے کسی اعراب سے واسطہ نہیں یا یہ سورۃ کا اسم ہے اور اکثر یہی کہتے ہیں اس اعتبار سے یہ محلاً مرفوع مبتدا محذوف کی خبر ہے کہ در اصل ھٰذا یٰسٓ ہے۔ یا منصوب ہے کہ فعل مقدر کا مفعول بہ ہے کہ در اصل اقرأ یٰسٓ تھا۔ یہ سورۃ کا نام ہے اس کی تائید حدیث شریف سے ہوتی ہے۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف ۱ ان اللہ تعالیٰ قرأ طٰہٰ و یٰسٓ قبل ان خلق آدم بالفی [illegible]

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattori

سمعت الملائكة قالوا طوبیٰ لامة ینزل علیهم هذا وطوبیٰ لالسن تتکلم بهذا وطوبیٰ لاجواف تحمل هذا۔

(اللہ تعالیٰ نے سورۃ طٰہٰ و یٰسٓ کو تخلیقِ آدم علیہ السلام سے دو ہزار سال قبل پڑھا تو ملائکہ نے سن کر عرض کی مبارک ہو اس امت کو جس پر نازل ہوگی اور مبارک ہیں وہ زبانیں جو اسے پڑھیں گی اور مبارک ہیں وہ سینے جو اسے محفوظ رکھیں گے)

حدیث شریف ۲ جب دوستانِ خدا بہشت میں قدم رکھیں گے تو بارگاہِ حق سے آواز آئے گی تم نے قرآن بہت سے لوگوں سے سنا اب مجھ سے بھی سنو، تو اس وقت وہ سورۃ فاتحہ و طٰہٰ و یٰسٓ سنیں گے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كأن الناس لم يسمعوا القرآن حين سمعوا الرحمٰن يتلوه عليهم۔

(گویا انہوں نے اس سے قبل قرآن سنا ہی نہیں جب اسے خود اللہ تعالیٰ پڑھے گا)

کما فی کشف الاسرار۔

تحقیق حروفِ مقطعات

(۱) بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ حروفِ مقطعات اسمائے الٰہیہ ہیں۔ جیسا کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ کہا کرتے:

"یا کٓھٰیٰعٓصٓ یا حٰمٓعٓسٓقٓ"۔

اس لحاظ سے مقسم بہ مجرور اور اس کی قسم مضمر یا منصوب اور اس کا فعل محذوف ہوگا۔ محذوف سے مراد یہ ہے کہ اس کا اثر بالکل باقی نہ رہے۔ اور مضمر سے مراد یہ ہے کہ اگرچہ وہ مذکور نہیں لیکن اس کا اثر باقی ہے۔ مثلاً اللهِ لافعلن اللهَ کو منصوب پڑھنا جائز ہے کہ اس میں نزع الخافض ہے اور مقدر قسم کے فعل کی وجہ سے منصوب ہے یا حرفِ جر کے اضمار کی وجہ سے مجرور ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ مجھے یٰسٓ یعنی اللہ تعالیٰ کی قسم۔

ف: بالارشاد میں ہے کہ قسم کے فعل کا محذوف کرتے وقت مقسم بہ کو منصوب پڑھنا ناجائز ہے کیونکہ اس کا مابعد مقسم بہ ہے اور اہلِ عرب دو قسموں کا ایک جگہ لانے کو برا سمجھتے ہیں جب تک کہ پہلی کا مقصد ختم نہ ہو دوسری کا لانا ناجائز سمجھتے ہیں۔

(۲) بعض اللہ والے حکماء نے کہا کہ یہ ملائکہ کرام کے اسماء ہیں اور یہ چودہ ہیں جیسا کہ طٰسٓمٓ میں گزرا۔

(۳) بہت سے مفسرین جن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی ہیں فرماتے ہیں کہ یٰسٓ کا معنیٰ ہے یا انسان۔ یہ بنو تمیم کی لغت ہے۔ اس سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں غالباً یہ انیسین ہوگا۔ انسان کی تصغیر کیوں؟ اس لیے کہ تصغیر کبھی پیار کے اظہار کے لیے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بھی آتی ہے، کبھی اس سے تعظیم بھی مراد ہوتی ہے اس میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت بھی نہیں اس لیے کہ بولنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہ جو کچھ ادا کرتا ہے بہتر ہے اعلیٰ اور برتر ہے۔ اس میں ہزاروں حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ اس اعتبار سے یٰسٓ میں یا ندائیہ ہے اور سین انیسین کا ایک حصہ ہے۔ اہلِ عرب کا قاعدہ ہے کہ جسے بار بار پکارا جائے تو حرف ندا حذف کر کے منادی کے بعض الفاظ پر اکتفا کرتے ہیں جیسے قسم میں بعض الفاظ مراد لیتے ہیں۔ مثلاً ایمن اللہ میں مَنُ اللہ کہتے ہیں اور یہ خطاب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کی حیثیت سے ہے۔ جیسے انما انا بشر مثلکم میں اظہارِ بشریت مطلوب ہے کہ آپ مجملہ انسانوں میں سے ایک یعنی ان کے ہمشکل[۱] ہیں یہ خطاب "یا انسان" بھی اسی قبیل سے ہے ہاں شرافتِ نبوت و رسالت کے اعتبار سے دوسرے مقام پر یوں خطاب ہوا کہ یا ایہا النبی، یا ایہا الرسول۔

نکتہ: یہ خطاب بشریت اس لیے ہے کہ راز مخفی رہے اور نامحرم محبوب کے جمال و کمال سے اطلاع پائیں جیسا کہ کسی نے کہا: ؎

ارسلانم خوان تا کس نداند کہ کیم

ترجمہ: مجھے ارسلان کے نام سے پکار تاکہ کسی کو معلوم نہ ہو کہ میں کون ہوں۔

(۳) ابن الحنفیہ نے فرمایا کہ اس کا معنیٰ ہے یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسا کہ اس کا مابعد انک لمن المرسلین اس کا مؤید ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

ان اللہ سمانی بسبعة اسماء محمد واحمد وطٰہٰ ویٰس والمزمل والمدثر وعبد اللہ۔

(اللہ تعالیٰ نے میرے سات نام رکھے ہیں:

۱۔ محمد ۲۔ احمد
۳۔ طٰہٰ ۴۔ یٰسٓ
۵۔ مزمل ۶۔ مدثر
۷۔ عبد اللہ)

اس تفسیر کی تائید یوں بھی ہے کہ اہلِ بیت کو آلِ یٰسٓ سے یاد کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک شعر میں ہے: ؎

---

[۱] ہمشکل ہونا حقیقت مختلف ہونے کو ثابت نہیں کرتا۔ اویسی غفرلہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سلام علیٰ آلِ طٰہٰ ویٰس   سلام علیٰ آل خیرالنبیین
ترجمہ : سلام ہو آلِ طٰہٰ و یٰسٓ پر اور خیرالانبیاء کی آل پر

اور کہا گیا ہے : شعر
طٰہٰ   ور کمو یا آل یاسینا
(ترجمہ : تم پر اللہ کا انعام ہو اے آلِ یاسین)

فقیر (صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ) عرض کرتا ہے کہ

صاحبِ روح البیان کی تردید اس سے تائید نہیں ہوتی کہ اس سے فقط اہلِ بیت ہی مراد ہوں کیونکہ اس سے وہ لوگ بھی مراد ہو سکتے ہیں جو سب سے پہلے سورہ یٰسٓ کے برکات سے معزز و مشرف ہوئے۔

(۴) حضرت کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کلامِ عرب میں ایک حرف سے ایک خاص مراد ہوتی ہے مثلاً : شعر

قد قلت لہا قفی فقالت ق

ترجمہ : میں نے اسے کہا ٹھہر جا، اس نے کہا قِ (قفت) یعنی میں ٹھہری۔

اس اعتبار سے حرفِ سین "یا سید البشر" یا "یا سید الاولین والآخرین" کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف :

انا سید ولد آدم (میں اولادِ آدم کا سردار ہوں)

اس تفسیر کی مؤید ہے۔ چنانچہ عرائس البیان میں فرمایا کہ اس سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعریف خود نہیں فرمائی بلکہ خبر دی ہے کہ حق تعالیٰ نے مجھے اس طرح سے مخاطب فرمایا ہے۔

ف : سین از حروفِ اعتدالیہ ہے زبر و بینات کے درمیان اسے توافق و تساوی ہے اعتدال سوائے اس حرف کے کسی اور حرف میں نہیں اسی لیے یہ حرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائق ہے اس لیے کہ عدالتِ حقیقی آپ کو مسلّم ہے توحید میں بھی اور احکامِ شرع میں ہے سہ

تراست مرتبۂ اعتدال در ہمہ حال
کہ در خصائص توحید اعدل از ہمہ
تمکن است ترا در مقام جمع الجمع
بدیں فضیلت مخصوص افضلے از ہمہ

ترجمہ : آپ کو ہر حال میں مرتبۂ اعتدال مسلّم ہے کیونکہ خصائصِ توحید میں آپ تمام سے اعدل ہیں آپ کو مقام جمع الجمع تمکن حاصل ہے۔ اس فضیلت کی وجہ سے آپ سب سے افضل ہیں۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ف : کلمات سابقہ سے قلب القرآن یعنی یٰسٓ شریف کی خوشبو سے خوشبو حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس کی تفصیل سورۃ کے آخر میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(۵) جناب نعمۃ اللہ نقشبندی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اے وہ محبوب جسے یقین کے دریا کے چشمے حاصل ہیں اور ان میں انحراف و تلوین سے صحیح و سالم ہو کر پار پہنچے۔

(۶) شیخ نجم الدین قدس سرہٗ نے فرمایا کہ یہ محبوب علیہ السلام کی نبوت کی برکات اور آپ کے راز مقدس کی قسم ہے۔

(۷) شیخ البقلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ قدرت ازلیہ و سنائے ربوبیت کی قسم ہے۔

(۸) امام قشیری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یٰسٓ کی یا میں یوم میثاق کی طرف اور سین میں راز مع محبوبان کی طرف اشارہ ہے۔ گویا فرمایا کہ مجھے یوم میثاق اور راز محبوبان اور قرآن کی قسم ہے۔

مقطعات کا عام قاعدہ

ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ اوائل سورۃ کے حروف مقطعہ میں اللہ تعالیٰ نے ادراک معانی کی راہ بند کر رکھی ہے ان کے علوم اسی کو خاص ہیں ہم (عوام[1]) اس پر ایمان لائیں اور عقیدہ رکھیں۔ یہ بھی منجملہ قرآن ہے اور ان کے علوم اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کر دیں اور انہیں عبادت کے طور پڑھیں اور اللہ تعالیٰ کا کلام سمجھ کر اس کی فرمانبرداری کریں اور اس کی تعظیم و تکریم میں کوئی کسر نہ چھوڑیں اگرچہ ہم انہیں نہ بھی سمجھیں۔

خواص کا حکم

ینابیع میں لکھا ہے کہ حروف مقطعہ کا ہر حرف اسرار الٰہیہ کا گنجینہ اور غیوب بانیہ کا خزینہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو آگاہی بخشی اور جبریل علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ یہ حروف آپ تک پہنچائیں۔ سوائے اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب اعلیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی ان کے اسرار سے واقف نہیں[2]

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بالمشافہ گفتگو

شیخ ابن نورالدین قدس سرہٗ اپنے بعض واردات میں بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے حروف مقطعات کے متشابہات کے اسرار سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ اور میرے مابین اسرارِ محبت ہیں میں نے عرض کی کہ انہیں اور کوئی جانتا ہے؟ آپ نے فرمایا ! انہیں میرے دادا سیدنا ابراہیم علیہ السلام بھی نہیں جانتے۔ یہ وہ اسرار ہیں کہ ان پر کوئی نبی مرسل مطلع ہوا نہ کوئی ملک مقرب۔

---

[1] خواص اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں جیسا کہ گزرا اور آتا ہے۔

[2] بعض محبوبانِ خدا یعنی اولیاء اللہ کو آگاہی بخشی گئی جس کی تفصیل گزری اور مزید تفصیل فقیر کی کتاب ازالۃ المشتبہات فی الآیات المتشابہات میں ہے۔ اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مذکورہ بالا بیان کی تائید اس قول سے ہوتی ہے کہ بعض اخبار میں آیا ہے **جبریل رہ گیا حیران** کہ جبریل علیہ السلام کٓھٰیٰعٓصٓ لائے تو پڑھا کاف۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، علمت (مجھے اس کا علم ہے)۔ اس نے پڑھا، ھا۔ آپ نے فرمایا، علمت (مجھے اس کا علم ہے)۔ اس نے پڑھا، یا۔ آپ نے فرمایا، علمت۔ اس نے پڑھا، عین۔ آپ نے فرمایا، علمت۔ اس نے پڑھا، صاد۔ آپ نے فرمایا، علمت۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی، کیف علمت ما لم اعلم (آپ نے کیسے معلوم کر لیا جسے میں بھی نہیں جانتا)[1]

فقیر (صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے **تائید مزید از صاحبِ روح البیان** کہ اس میں کسی قسم کا شک نہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کمال کے اس مقام پر پہنچے جہاں بہت بڑے کاملین (انبیاء علیہم السلام) نہ پہنچ سکے چہ جائیکہ ان سے کم مراتب افراد (جیسے جبریل علیہ السلام وغیرہ)۔ جیسے شبِ معراج میں ایسے مراحل و مقامات طے فرمائے جہاں کسی کو کیا مجال۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایسے علوم پر حاوی ہیں جن کی خوشبو بھی انبیاء اور ملائکہ کرام (علیہم السلام) کو نصیب نہ ہوئی۔

جملہ عالم کے علوم حضور علیہ السلام کے علم کے آگے ایک قطرہ فان علوم الکل بالنسبۃ الی علمہ کقطرۃ من البحر فلہ علیہ السلام علم حقائق الحروف بما لا مزید علیہ بالنسبۃ الی ما فوق حد البشر واما غیرہ فلہم علم اوزانہا وبعض حقائقہا بحسب استعداداتہم وقابلیاتہم۔

(تمام کائنات کے علوم حضور علیہ السلام کے علم کے آگے ایسے ہیں جیسے قطرہ کو دریا سے نسبت ہے کیونکہ آپ کو حقائق الحروف کے وہ علوم حاصل ہیں جو کسی فردِ بشر کو حاصل نہیں اگر اوروں کو حاصل ہیں تو حروف کے اوزانات کے علوم یا بعض حقائق جیسے جن کی استعداد و قابلیت ہے)

یہ وہ حقیقت حال ہے جو ہماری سمجھ میں نہیں آتی اللہ تعالیٰ ہی ان مخفی امور اور اسرار کو بہتر جانتا ہے جو اس کی کتاب میں ہیں اور اس کا خطاب سب پر محیط ہے۔

وَالْقُرْاٰنِ مجرور اور مقسم بہ ہے الْحَكِيْمِ ○ بمعنے الحاکم جیسے علیم بمعنے عالم اس لیے وہ جو اس میں احکام ہیں ان کا حکم دیتا ہے یا بمعنے محکم ہے کہ وہ ہر وجہ سے تناقض و عیب و تغیر سے محفوظ ہے چنانچہ فرمایا، وانا لہ لحافظون۔

---

[1] یہ روایت پہلے پارہ میں گزری ہے۔ اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(بیشک ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں)

حکیم وہ کتاب جس کا نظم و نسق و اسلوب اور معنی و مطلب مستحکم ہو یا اس لیے کہ وہ صاحبِ حکمت ہے یعنی حکمت و اسرار پر مشتمل ہے کیونکہ وہ ہر حکمت کا سرچشمہ اور ہر نصیحت کا معدن ہے۔ اس اعتبار سے یہ نسب کا معنی رکھتا ہے جیسے تمار بمعنے ذی تمر۔ یا یہ اس قبیل سے ہے کہ کلام کو متکلم کی صفت بخشی گئی ہے یعنی وہ کلام جس کا قائل حکیم ہے۔

اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ اے اکمل الرسل و افضل الکل، یہاں سے آپ کی ذات کی قسم کے بعد بالمشافہ گفتگو فرمائی۔ یہ جوابِ قسم ہے اور جملہ کفار کے انکار کا رد ہے جب انہوں نے کہا کہ انک لست مرسلا (تم رسول نہیں ہو اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاں کوئی رسول بھیجا)

ف: الارسال کبھی بمعنے تسخیر آتا ہے جیسے ارسال الریح والمطر۔ اور کبھی اس کے بعث کے معنی میں آتا ہے جو با اختیار ہو جیسے ارسال المرسل۔ المفردات

بحر العلوم میں ہے کہ یہ قسم عجائبات سے ہے کہ اس میں بھیجنے والا مقسم یا ذکر نے والا ہے

انجوبہ اور جسے جس کی طرف بھیجا جا رہا ہے وہ مقسم بہ ہیں۔

ف: یہ بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ کی رسالت کی شہادت کے طور ہے جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا: قل کفیٰ باللہ شہیدا بینی و بینکم۔

قاعدہ: اللہ تعالیٰ نے سابقہ کتب میں کسی بھی نبی (علیہ السلام) کی قسم نہیں کھائی۔

خصوصیتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول علیہ السلام کی رسالت کی قسم یٰسٓ والقرآن الحکیم الخ میں کھائی ہے۔ یہ بھی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔ انسان العیون

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

ندانم کدامین سخن گویمت
که والاتری زانچه من گویمت
ترا عز لولاک تمکین بس است
ثنائے تو طٰہٰ و یٰسٓ بس است

ترجمہ: میں نہیں جانتا آپ کی تعریف کن الفاظ سے کروں جو کچھ میں کہتا ہوں آپ اس سے بلند و بالا ہیں۔ آپ کو لولاک کی عزت و عظمت کافی ہے آپ کی ثنا کے لیے طٰہٰ و یٰسٓ کے القاب کافی ہیں۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

شرح شعر سعدی طٰہٰ میں تعریف کا معنٰی یہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو عبادت کے لیے قیام فرماتے یہاں تک کہ آپ کے قدم مبارک متورم ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: طٰہٰ یعنی اے طٰہٰ یعنی طالب شفاعت اور ہادی بشر (صلی اللہ علیہ وسلم) ما انزلنا علیک القراٰن لتشقٰی (ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑیں۔ لتشقٰی یعنی لتتعب بہ فی التعب (تاکہ آپ دکھ میں پڑیں)۔

ف: بعض نے کہا کہ طٰہٰ میں طا کے نو اور ہا کے پانچ عدد ہیں۔ گویا کہا "اے چودھویں کے چاند"۔ اور یٰسٓ کی تعریف کا مفہوم ہم نے اوپر عرض کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی رسالت کی قسم کھائی ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یٰسٓ یعنی یا سید البشر وغیرہ۔ جس کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے اور وہ بھی منجملہ آپ کی تعریف کے ہے۔

عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ؕ یہ خبر دیگر ہے یعنی آپ صراطِ مستقیم پر ہیں کیونکہ آپ توحید اور ان شرائع پر متمکن ہیں جو جنت میں لے جانے والی ہیں اور قربتِ الٰہی اور رضائے خداوندی اور لذت ابدی اور لقائے الٰہی بخشتی ہیں۔ اسی مضمون کو دوسرے مقام پر یوں بیان فرمایا:

انک لعلٰی ھدًی مستقیم۔

(بیشک تم صحیح ہدایت پر ہو)

یعنی تم وہ رسول ہو جن کا راستہ سیدھا اور دین درست اور شریعت پاک اور سیرۃ پسندیدہ ہے۔ کما فی کشف الاسرار۔

سوال: انک لمن المرسلین کے بعد علٰی صراط مستقیم لانے کی کیا ضرورت تھی جبکہ سب کو معلوم ہے کہ رسول (علیہ السلام) ہوتا ہی وہی ہے جو صراطِ مستقیم پہ ہو۔

جواب: تصریح مطلوب ہے تاکہ کلام واحد میں دو صفتیں جمع ہوں یعنی رسالت و استقامت۔ اب معلوم ہوا کہ آپ ان رسل کرام میں سے ہیں جو ایسے راستہ پر ہیں جو ثابت اور سیدھا ہے۔

نکتہ: صراطِ مستقیم کو تنکیر کے ساتھ اس لیے لایا گیا ہے کہ اس کی تفخیم پر تنبیہ ہو یعنی جس راہ پر آپ ہیں اس کی کُنہ تک پہنچنا مشکل ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یٰسٓ سے صراطِ مستقیم تک حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیادت کی طرف اشارہ ہے اور تنبیہ ہے کہ آپ کے کمالات تک کسی کو رسائی نہیں اس لیے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے قسم کے بعد آپ کی رسالت کی گواہی دی۔ انک لمن المرسلین اور ایسے قاب قوسین او ادنٰی کے قرب تک سیدھے راستہ پر ہے بلکہ کمال قرب تک آپ کا کوئی ہم پلہ نہیں۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حدیث شریف چنانچہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل۔

(میرا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسا وقت ہوتا ہے کہ وہاں نہ کسی ملک مقرب کو گنجائش ہے نہ کسی نبی مرسل کو)

کیونکہ ہر نبی علیہ السلام کا صراطِ مستقیم کے لیے مقام معین ہے جیسا کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ شبِ معراج ہر آسمان میں بعض انبیاء علیہم السلام کو دیکھا، یہاں تک کہ فرمایا:

رأیت موسیٰ علیہ السلام فی السماء السادسۃ ورأی ابراہیم علیہ السلام فی السماء السابعۃ۔

(میں نے موسیٰ علیہ السلام کو چھٹے آسمان پر دیکھا اور ابراہیم علیہ السلام کو ساتویں پر)

اس میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک نبی علیہ السلام کا مرتبہ بیان فرمایا۔

تفسیر عالمانہ تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ○ اس کا منصوب ہونا علی المدح ہے۔ فعل محذوف اعنی کے اعتبار سے اصل عبارت یوں ہے:

اعنی الحق ان الحکیم الخ

یہ مصدر بمعنی مفعول یعنی منزل ہے جیسے اہل عرب کہتے ہیں:

ھذا الدرھم ضرب الامیر۔

ضرب بمعنی مضروب ہے یعنی یہ وہ درہم ہے جس پر امیر کی مہر لگی ہوئی ہے اور اس سے قرآن مراد ہے کیونکہ یہ اذہان میں اتنا سما چکا ہے کہ تنزیل کا نام سنتے ہی سب کو یقین ہو جاتا ہے کہ وہ نازل شدہ قرآن ہی ہے اس اعتبار سے گویا وہ عین تنزیل ہے۔

نکتہ: تنزیل میں اس کے کثرتِ نزول کی طرف اشارہ ہے کہ وہ قرآن مجید دوسری کتب کی طرح یکبارگی نہیں بلکہ کرات و مرات بار بار نازل ہوا ہے جس کی مدت تئیس سال ہے۔ مکہ معظمہ میں تیرہ سال اور مدینہ منورہ میں دس سال۔ کبھی آیت کبھی صورت سورت۔ جتنی ضرورت ہوتی اتنا نازل ہوتا۔

العزیز بمعنی الغالب علی جمیع المقدورات۔ یعنی وہ جمیع مقدورات پر غالب اور بہت بڑا ہے کہ جسے کسی کی اطاعت کی ضرورت نہیں۔ اور جو اس کی مخالفت کرے اور قرآن مجید کی تصدیق نہ کرے تو اس سے بدلہ لے سکتا ہے۔

وظیفہ برائے ہر ضرورت اس اسم کی خاصیت یہ ہے کہ صورۃً و حقیقۃً و معناً عزت و غنا نصیب ہوتا ہے جو شخص ہر روز چالیس دن چالیس دفعہ پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرمائے گا، اسے عزت بخشے گا اور مخلوق میں اسے کسی کا محتاج نہ بنائے گا۔

ف: الاربعین الادریسیہ میں ہے یا عزیز بمعنی منیع اور جملہ امور پر غالب کہ اس کے آگے آنے والا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کوئی نہ ہو۔

ہلاکتِ اعداء شیخ سہروردی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ جس نے سات روز مسلسل ایک ہزار بار روزانہ پڑھا اس کا دشمن تباہ و برباد ہو جائے گا۔ اگر لشکر کے منہ پر ستر بار پڑھ کر دم کیا جائے تو دشمن شکست کھا جائے گا۔

خاصیتِ اسمِ رحیم الرحیم یعنی اپنے ایمان دار بندوں پر فضل کرنے والا ان پر قرآن نازل کرکے۔ تاکہ انہیں خوابِ غفلت اور خوابِ نسیان سے بیدار کیا جائے۔ اس اسم کی خاصیت مخلوق کے قلوب میں رقت و رحمت پیدا کرنا ہے۔ جو اس پر سو بار مداومت کرے گا اسے رقتِ قلبی و رحمت حاصل ہوگی۔

دفعِ پریشانی جسے کسی ناگوار واقعہ میں خطرہ ہو تو وہ اس اسم کو اسم رحمٰن سے ملا کر بکثرت پڑھے یا لکھ کر اپنے پاس رکھے۔

ف : الاربعین الادریسیہ میں ہے یا رحیم یعنی اسے ہر فریادی اور دکھ والے پر رحم کرنے والے اور اس کے فریاد رس اور جائے پناہ۔

باغ کے پھلوں میں برکت اس اسم رحیم کو لکھ کر پانی میں دھو کر جس درخت پر ڈالا جائے اس کے پھلوں میں برکت ہوگی۔

برائے حُب اس اسم رحیم کو لکھ کر جسے پلایا جائے تو پینے والے کو پلانے والے کا اشتیاق ہو جائے گا۔ ایسے ہی اسم رحیم کے ساتھ طالب و مطلوب کے ساتھ اس کی ماں کا نام لکھا جائے تو مطلوب کی محبت میں حیران و سرگردان ہو کر طالب کو خود تلاش کرکے لے گا۔ (کذا قال السہروردی)

ف : الارشاد میں ہے یہاں دو اسموں کی تخصیص اس لیے ہے کہ وہ غلبۂ تام اور رحمتِ عام کا مالک ہے اور ان پر ایمان لانے کی ترغیب و تخصیص ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعٰلمین۔

تفسیرِ صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ قرآن مجید نازل کرتا ہے عزیزِ غنی سے جو اس کے نازل کرنے میں کسی کا محتاج نہ ہو اس لیے کہ وہ رحیم ہے اور اس کی رحمت کا تقاضا ہے کہ وہ قرآن کریم کو نازل کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رسی ہے جس کو طالبِ صادق تھامتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عزت و عظمت کے پردوں کی طرف رجوع کرتا ہے۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ وہ بیگانوں کے لیے عزیز اور اہلِ ایمان کے لیے رحیم ہے اگر کسی کے لیے عزیز ہے تو ضروری نہیں کہ اس کے لیے رحیم ہو۔ ہاں جس کے لیے رحیم ہے اس کے لیے عزیز بھی ہے یہی وجہ ہے کہ کافروں کو دنیا میں معلوم نہیں ہو رہا ہے کہ وہ آخرت میں رحیم ہے۔ ہاں اہلِ ایمان کے لیے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

جب دیکھیں گے کہ ان کے لیے کتنا رحیم ہے تب سمجھیں گے سہ

دستِ رحمت نقاب خود بکشید
عاشقاں ذوقِ وصل او بچشید

ماند اہلِ حجاب در پردہ
ببلائے فراق او مردہ

ترجمہ: دستِ رحمت نے خود پردہ کھینچا تو عشاق نے ذوقِ وصال چکھا اہلِ حجاب ہمیشہ پردے میں رہے بلکہ فراق کی بلا میں مرے۔

تفسیر عالمانہ لِتُنْذِرَ تنزیل کے متعلق ہے تاکہ آپ قرآن مجید کے ذریعے ڈرائیں قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ ما نافیہ اور جملہ قوم کی صفت ہے اور ان کی انذار کی محتاجی کی غایت کو بیان کرتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ آپ اس قوم کو ڈرائیں جس کے آباؤ اجداد فترت کی طویل مدت گزارنے کی وجہ سے نہیں ڈرائے گئے اور وہ اہلِ کتاب نہ تھے۔ اس کی تائید وما ارسلنا الیهم قبلك من نذیر (اور ہم نے آپ سے پہلے ان کے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا) یعنی اہلِ عرب۔ اور هو الذی بعث فی الامیین اور ان کانوا من قبل لفی ضلال مبین سے بھی ہوتی ہے۔

ف: ما کو موصول و موصوفہ بھی بنایا جا سکتا ہے کہ یہ لتنذر کا دوسرا مفعول ہے اور اس کا عائد محذوف ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ آپ ڈرائیں اس قوم کو اس عذاب سے جس سے اسے ڈرایا یا وہ عذاب جس سے ان کے آباء و اجداد (بعیدی) کو اسماعیل علیہ السلام کے زمانہ میں ڈرایا۔

سوال: پہلی تفسیر میں آباء کو اقرب اور دوسری میں ان کو ابعد سے تعبیر کرنے کا کیا معنیٰ؟
جواب: تاکہ یہ لازم نہ آئے کہ وہ منذرین و غیر منذرین تھے اس طرح سے معنیٰ غلط ہو جائے گا کیونکہ ان کے آباء اقدمین کے ہاں نذیر آئے بخلاف ان کے آباء اقربین یعنی قریش کے کہ ان کے ہاں نذیر نہیں آئے۔
اس آیت میں اسی کی تائید ہے فرمایا:

افلم یدبروا القول ام جاءهم ما لم یأت اٰباءهم الاولین۔
(کیا انہوں نے اس حکم میں تدبر نہیں کیا ان کے ہاں آیا ہے وہ جو ان کے آباء اول کے ہاں آیا)

سوال: تم نے کہا ہے زمانۂ فترت میں کوئی نبی نہیں آیا حالانکہ یہ تواریخ اور روایات صحیحہ کے خلاف ہے اس لیے کہ ہر زمانہ میں نبی آتے رہے یہاں تک کہ عرب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جیسے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

علیہ السلام کے بعد خالد بنی عبس کے پاس بالخصوص نبی مبعوث ہوئے۔ مورخین لکھتے ہیں ان کا مزار پہاڑ کی چوٹی پر جرجان کی جانب میں موجود ہے اسے خدا سے تعبیر کرتے ہیں اور خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نبی کی صفت سے موصوف فرمایا۔ چنانچہ جب ان کی صاحبزادی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اسے آپ نے فرمایا:

یا بنت نبی ضیعہ قومہ۔

(اے نبی کی صاحبزادی! اس کو اس کی قوم نے ضائع کیا)[1] الاشعۃ اللمعۃ

جواب: اس کے مابین تطبیق یوں ہو کہ امت سے وہ امت مراد ہو جس پر عذاب واقع ہوا اور عذاب سے ان کی جڑ کاٹ دی گئی کیونکہ جس نذیر کے آنے کے بعد امت نے انکار و تکذیب کی وہ عذاب سے تباہ و برباد ہوئی نیز نذیر کا نذیر ہونا کسی خاص علاقہ سے مخصوص نہیں ہوتا بلکہ وہ جملہ عالم کے لیے یکساں ہوتا ہے (واللہ اعلم)

فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۝ اس کا تعلق نفی انذار سے ہے اور اس کا حکم بھی اسی پر مترتب ہے اور ضمیر فریقین کے لیے ہے یعنی ان کے آباء کو کسی نے نہ ڈرایا وہ تو تمام اسی وجہ سے ایمان و رشد و نہج توحید و دلائل بعث سے غافل تھے۔ اور فا علی الحکم المسبب عما قبلہ پر داخل ہے یعنی نفی متقدم اس کا سبب ہے یعنی عدم انذار ان کی غفلت کا سبب ہے۔

حلِ لغات الغفلۃ یعنی کسی کے دل سے معنی کا نکل جانا۔ اور نسیان یعنی اس کے پائے جانے کے بعد چلا جانا۔ بعض نے کہا غفلت یعنی نوم القلب (قلب کی نیند) کیونکہ قلب نیند میں ہو اور زبان بولتی رہے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں اگر وہ بیدار ہو تو زبان نہ بولے تو پھر کوئی فرق نہیں آتا اور قلب کی بیداری کا یہ ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ شاہد و حافظ و رقیب اور اس کے مصالح کیلیے قائم ہو۔ حضرت عارف جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

١ رب تال یتلوہ بالقرات
وھو یفضی بہ الی الخذلان

٢ لعنت این کہ بہر لہجہ و صوت
شود از تو حضور خاطر فوت

٣ فکر حسن غنا برد ہوشت
متکلم شود فراموشت

---

[1] اس نبی یعنی خالد عبسی کی تفصیل فقیر کی کتاب "تاریخ محبوب مدینہ" میں پڑھیے۔ اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۴ نشود بر دل تو تا بنده
کین کلام خدا ست یا بنده

۵ حکم لعنت ز فعل بے اخلاص
نیست با قارئان قرآن خاص

۶ پس عمل کرد درمیان نماز
میکند بر خدائے عرض نیاز

۷ چوں در صدق نیست بازو برو
میکند لعنت آں نماز برو

ترجمہ: (۱) بہت سے قرآن کی تلاوت کرنے والے الٹا رسوائی حاصل کرتے ہیں۔
(۲) اسے ہر لفظ پر لعنت پڑتی ہے جبکہ اس سے حضور قلب مفقود ہو۔
(۳) اچھے لہجہ سے تیرا فکر چھن جاتا ہے خود کلام کا مالک تیرے دل سے بھول جاتا ہے۔
(۴) تیرے دل پر اس کے نور کا پرتو نہیں پڑے گا جس سے تمہیں معلوم ہو کہ یہ اس کا کلام ہے۔
(۵) لعنت کا حکم اس فعل پر ہے جس میں اخلاص نہ ہو اور یہ صرف قاریٔ قرآن سے خاص نہیں۔
(۶) مثلاً نمازی جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ عرض و نیاز میں معروف ہے۔
(۷) اسے اگر خلوص نہیں تو اس پر بھی وہ نماز لعنت کرتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے: غفلت تین اعمال میں ہوتی ہے:
(۱) ذکر اللہ میں
(۲) طلوع فجر تا طلوع شمس
(۳) دین میں

ف: کشف الاسرار میں ہے:
دو انسان غافل ہیں:
(۱) امور دین اور اصلاح دین سے بے خبر۔ یہ دونوں دنیوی کاروبار میں سرمست اور سرگرداں حیران رہ کر شہوات نفسانی میں منہمک اور فکر و عبرت سے دور۔ انہیں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
والذین ھم عن اٰیاتنا غافلون اولٰئک ماوٰھم النار بما کانوا یکسبون۔
(اور وہ لوگ ہماری آیات سے غافل ہیں وہی لوگ جن کا ٹھکانا جہنم ہے بسبب ان کے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کرتوت سے)

حدیث شریف میں ہے:
عجبت لغافل ولیس بمغفول عنہ۔

(میں اس غافل سے متعجب ہوں کہ جس کا ہر لمحہ کا حساب ہوگا)

(۲) دوسرا غافل وہ ہے جو دنیا میں اچھے کاموں اور ترتیب معاشش سے غافل ہو جس کے باطن پر سلطان حقیقت مسلط ہے اور وہ مکاشفہ جلالِ احدیت میں اتنا مستغرق ہے کہ اسے اپنی بھی خبر نہیں اسے دنیا کی خبر ہے نہ آخرت و عقبیٰ سے آگاہی گویا زبانِ حال سے کہتا ہے: ؎

این جہاں در دست عقلست آں جہاں در دست روح
پائے ہمت بر قفائے ہر دو زن سالار زن

ترجمہ: یہ جہان عقل میں گرفتار اور وہ جہان روح میں۔ اسے بھائی! ان دونوں کی گردن پر قابو پالے (کسی کا نہ ہو صرف خدا کا ہو جا اور بس)

صوفیانہ مقولہ: صوفیہ کرام فرماتے ہیں، صوفی کائن بائن ہے ؎

۱ ہر کہ حق داد نور معرفتش
کائن بائن بود صفتش

۲ جان بحق تن بغیر حق کائن
تن ز حق جان ز غیر حق بائن

۳ ظاہر او بخلق پیوستہ
باطن او ز خلق بگسستہ

۴ از دروں آشنا وہمخانہ
وز بروں در لباس بیگانہ

ترجمہ: (۱) جسے اللہ تعالیٰ نور بخشتا ہے وہ کائن بائن ہوتا ہے۔
(۲) تن جان بحق ہے اور بغیر حق کائن ہے تن حق سے جان ہے غیر حق سے بائن ہے۔
(۳) اس کا ظاہر خلق سے پیوستہ ہے لیکن باطن میں وہ خلق سے ٹوٹا ہوا ہے
(۴) اندر سے تو پورا آشنا ہے لیکن باہر سے اپنے لباس سے بھی بیگانہ ہے۔

ف: صوفیہ کرام نے فرمایا کہ یہ صفت درحقیقت بیدار لوگوں کی ہے اگرچہ وہ بظاہر خواب میں ہوں اس لئے کہ عارفین کی آنکھ نہیں سوتی ان کے غیر ہر وقت نیند میں ہیں اگرچہ بیدار ہوں کیونکہ ان کے دل کی آنکھیں بند ہیں۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

وصیّتِ نبی برائے علی (صلی اللہ علیہ وسلم و رضی اللہ عنہ) کی وصیتوں میں ایک یہ بھی ہے:

فرمایا: اے علی! مُردوں کے ساتھ نہ بیٹھنا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: مُردے کون؟ آپ نے فرمایا: جاہل و غافل۔

اے اللہ! ہمیں اہلِ علم و عرفان و ایقان و شہود و عیان سے بنا اور دارین میں ہمیں اپنے لقاء سے مشرف فرما اور ملاحظۂ کونین سے ہمیں چھڑائے۔ (آمین)

لَقَدْ لام قسم کا جواب ہے یعنی واللہ لقد، لہٰذا بیشک **حَقَّ الْقَوْلُ** ثابت و متحقق ہو گیا قول **عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ** ان کے اکثر پر، قوم کے اکثر لوگوں پر جنہیں تم خدا کے عذاب سے ڈراتے ہو یعنی اہلِ مکہ **فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ** ○ وہ ایمان نہیں لائیں گے یعنی باوجود تمہارے ڈرانے کے ان کو دولتِ ایمان نصیب نہ ہو گی فاء ماقبل کے سبب کے حکم پر داخل ہے۔

ف: اہلِ تفاسیر کا اختلاف ہے کہ قول سے اللہ تعالیٰ کا حکم مراد ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے دوزخی ہیں۔ المفردات میں اس سے علمِ الٰہی مراد لیا گیا ہے اور بعض نے اس سے عذاب مراد لیا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ان پر اللہ تعالیٰ نے عذاب واجب کر دیا۔ اور جمہور کہتے ہیں اس سے مراد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو فرمایا:

لاغوینهم اجمعین۔

اور لاملئن جہنم منك و ممن تبعك منهم اجمعین۔

(میں ان سب کو گمراہ کروں گا اور میں تجھے اور تیرے تابعداروں سے جہنم بھروں گا)

اور آیت:

ولکن حقت کلمة العذاب علی الکافرین۔

(لیکن کفار پر کلمۂ عذاب ثابت و واجب ہو گیا)

اور یہ شیطان کے تابعداروں کو لازماً ہونا ہے وہ انسان ہوں یا جن۔ چونکہ اہلِ مکہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا علم ہے کہ وہ اس کی اتباع پر اصرار کریں گے اور کفر پر مریں گے اسی لیے یہ امر ان کو لازم ہو گیا لیکن نہ بایں معنیٰ کہ ان کو مجبور کیا جائے گا بلکہ ان کے اختیاری کفر اور اصرار و عدم تاثر از تذکیر و انذار کی وجہ سے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ قولِ مذکور کا وجوب و تحقق اسی لیے ثابت ہوا کہ وہ کفر پر موت تک مُصِر رہیں گے اسی لیے فرمایا فھم لا یؤمنون، تو یہ درحقیقت اسی تقریر سے متعلق ہے نہ کہ ثبوت قول پر۔

ف: کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ یہ کفر یا شرک پر مریں گے، جیسے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ابوجہل وغیرہ۔

تفسیر صوفیانہ اس مقام کی تحقیق یہ ہے کہ ہر سعید و شقی اپنی اپنی استعداد کے مطابق اس عالم میں قدم رکھتا ہے اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کے مطابق احوال ظاہر فرماتے وہ کسی کو کسی عمل پر مجبور نہیں کرتا جو کوئی اپنی بھلائی پائے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و شکر کرے جو اس کے خلاف پائے تو اپنے آپ پر ملامت کرے اعمال انسان کے علامات تو ہیں لیکن موجبات نہیں۔ امور کا انجام وہی ہوتا ہے جو ابتداء کی تقدیر میں مکتوب ہے۔

حدیث شریف صحیح حدیث میں ہے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن باہر نکلے تو آپ کے دونوں ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں، دائیں ہاتھ والی کتاب کے متعلق فرمایا:

"یہ رب العالمین کی طرف سے ہے اس میں اہلِ جنت کے نام ہیں اور ان کے آباء اور قبائل کے نام ہیں ان میں کمی بیشی نہ ہوگی"۔

پھر بائیں ہاتھ والی کتاب کے بارے میں فرمایا:

"یہ رب العالمین کی طرف سے ہے اور اس میں دوزخ والوں کے نام، ان کے آباء و قبائل کے نام درج ہیں ان میں کمی بیشی نہ ہوگی"۔

پھر آپ نے دونوں کتابوں کو ایک طرف رکھ کر فرمایا:

"تمہارا رب اب فارغ ہو گیا ایک گروہ بہشت میں ہوگا اور ایک دوزخ میں"۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ اہلِ سعادت بہت کم ہیں اور اہلِ شقاوت بہت زیادہ۔ اہلِ سعادت وہ ہیں جنہوں نے ازل میں خطابِ الٰہی اور خطابِ نبی علیہ السلام سن کر جواب دیا۔

نکتہ: اہلِ سعادت اس لیے قلیل ہیں کہ ایجادِ کائنات کا مقصود ہے کہ بندوں میں سے اپنا خلیفہ بنایا جائے اور خلافت کے لائق ایک ہی ہو سکتا ہے اور وہ سوادِ اعظم ہے۔ جسے ہم نے اہلِ سعادت سے تعبیر کیا۔

محمدی شان علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام بعض اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بیداری میں دیکھا اس نے گویا سب اہلِ قرب کو دیکھا اس لیے کہ آپ جملہ اہلِ قرب کے جامع ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جس نے آپ کی اقتداء کی اُسے جملہ انبیاء علیہم السلام کی اقتداء نصیب ہوئی۔

ف: اسلام عمل کا نام ہے اور ایمان تصدیق کا اور احسان رؤیت یا بمنزلہ رؤیت ہے۔ اسی لیے اسلام میں فرمانبرداری اور ایمان میں اعتقاد اور احسان میں اشہاد (مشاہدہ کرنا) شرط ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ف : جو ایمان لایا اس نے دین کے اعلیٰ مراتب کو پا لیا اور جس نے دین کے اعلیٰ مراتب کو پا لیا وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلندی اور عزت کو پہنچا۔ اور جو کفر کرتا ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے نور کو مکمل کرنے والا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

ہر کہ بر شمعِ خدا آرد پُفو
شمع کے میرد بسوزد پوزِ او

ترجمہ : جو شمعِ خدا کو پھونک مار کر بجھاتا ہے شمع تو نہیں بجھ سکتی البتہ پھونک مارنے والے کا چہرہ جل جائے گا۔

ف : جب مشرکین نے یومِ اُحد میں اعلان کیا : اعلُ ھُبل (اے ہبل اونچا ہو) ۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اور ہبل کو ذلیل و خوار کیا۔

ف : ھُبل ان کا بُت تھا جس کی دورِ جاہلیت میں وہ پوجا کرتے تھے۔ اور وہ بت پتھر سے تیار کیا گیا تھا جسے غلبۂ اسلام کے بعد لوگ باب بنی شیبہ کے حصۂ سفل میں پیروں تلے روندتے تھے اور آج وہ سر کے بل پڑا ہے۔

سبق اگر تم اس راز کو سمجھ سکتے ہو تو الحمد للہ ورنہ خاموش رہو کہ خاموشی میں نجات ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے امور میں جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے جملہ عالم میں جو کچھ ہوا یا ہو رہا ہے یہ تمام اس کی حکمت کے ماتحت ہے۔ اس نے ہر شے کو مصلحت کے تحت پیدا کیا ہے اور کرتا رہے گا۔ جو اس نے کیا ہے اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرو جس کا اس نے انکار کیا تم بھی اسے بُرا سمجھو گے، اسے غلط کہنے سے بچو (ورنہ نقصان پاؤ گے)

تفسیر عالمانہ اِنَّا جَعَلْنَا فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ بے شک ہم نے بتقاضائے قہر و جلال بنایا یعنی پیدا کیا ان کی گردنوں میں۔

حلِ لغات : اعناق، عنق کی جمع ہے یعنی گردن۔ اور ھم ضمیر کا مرجع اکثر اہلِ مکہ ہیں۔

اَغْلٰلًا بڑی بیڑیاں۔

حلِ لغات : غُل (بالضم) کی جمع۔ وہ زنجیر جو ہاتھ کو گردن کے اوپر باندھی جائے، عذاب اور تشدد کے طور۔ وہ زنجیر لوہے کی ہو یا کسی دوسری شے کی۔

القہستانی نے لکھا کہ الغُل یعنی لوہے کی وہ زنجیر جس سے ہاتھ اور گردن کو ملا کر ایسا مضبوط باندھا جائے کہ مجرم سر بھی نہ ہلا سکے۔

المفردات میں ہے الغُل یعنی شے کا کسی شے کے درمیان میں ہونا۔ اسی سے ہے الغلل یعنی جاری پانی۔ اور یہ اس سے مخصوص ہے جو مقید ہو اس میں اعضاء درمیان میں رہیں۔ اور کہا جاتا ہے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

غل فلان بمعنی قیّد بہ۔ اسے اس سے مقیّد کیا گیا۔

اور بخیل کو بھی مغلول الید کہتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وقالت الیهود ید اللہ مغلولة غلت ایدیهم۔

(اور یہود نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے بندھے ہوئے

یعنی وہ بخیل ہے (معاذ اللہ) خدا کرے اُن کے ہاتھ بندھے ہوں یعنی ذلیل وخوار رہوں۔ (آمین)

فَهِيَ إِلَى الْأَذْقَانِ فا نتیجیہ یا تعقیبیہ ہے۔ الاذقان ' ذقن کی جمع ہے۔ وہ جبڑوں کی اجتماع گاہ جیسے زنخدان (ٹھوڑی) یعنی بیڑیاں ان کی ٹھوڑیوں تک پہنچیں گی اور ایسی مضبوط جکڑی ہوئی ہوں گی کہ مجرمین ان کے ہوتے ہوئے سر ہلا سکیں گے نہ اِدھر اُدھر دیکھ سکیں گے۔ خلاصہ یہ کہ بیڑیاں ٹھوڑیوں میں ایسی پیوست ہو جائیں گی کہ مجرمین سر ہلا سکیں گے نہ اِدھر اُدھر دیکھ سکیں گے۔

ف: زنجیروں کے ٹھوڑی تک پہنچنے کے دو سبب ہو سکتے ہیں:

(۱) ایسے موٹے اور چوڑے ہوں گے کہ سینہ کو بھر دیں گے جس سے ٹھوڑی تک پہنچنا لازمی امر ہے اسی لیے مجرم سر کو نہ اوپر اٹھا سکے گا نہ نیچے؛ نہ دائیں بائیں پھیر سکے گا۔

(۲) اس لیے کہ وہ زنجیریں دونوں ہاتھوں اور سر کو ملا کر جکڑی جائیں گی اور دونوں زنجیروں کا ٹکراؤ ٹھوڑی کے نیچے ہوگا اور وہ اتنا گاڑھا ہو جائے گا کہ سر ہلانے کی ہمت نہ ہو سکے گی۔

فَهُمْ مُّقْمَحُونَ ○ تو وہ سر کو اٹھائے اور آنکھیں بند کیے ہوں گے۔ الاقماح یعنی سر کو اُوپر اٹھا کر آنکھیں بند رکھنا۔

کہا جاتا ہے۔ قمح البعیر قموحا فهو قامح۔

یہ اس وقت بولتے ہیں کہ جب اونٹ پانی پی کر تالاب کے نزدیک سر اٹھائے پانی سے سیر ہو کر یا اس کے بہت زیادہ ٹھنڈا ہونے کی وجہ سے یا اس کی طبع کی ناپسندیدگی کی وجہ سے۔ اور کہا جاتا ہے:

واقمحت البعیر۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب اونٹ کے سر کو پیچھے کر کے باندھا جائے۔ واقمحہ الغل یہ اس وقت کہتے ہیں جب کسی کو طوق باندھا گیا کہ اس کا سر اوپر کو رہا۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ آیت میں اگرچہ صیغہ ماضی ہے لیکن مراد اس سے زمانہ مستقبل ہے کہ آخرت میں ان کے ساتھ یونہی ہوگا جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا:

وجعلنا الاغلال فی اعناق الذین کفروا۔

(اور ہم کافروں کی گردنوں میں بیڑیاں ڈالیں گے)

مسئلہ: فقہاء کرام نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے کہ سزا کے طور پہ غلام وغیرہ کی گردن میں ڈالا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وغیرہ ڈالا جائے کیونکہ یہ سزا اہل نار کے ساتھ مخصوص ہے۔

مسئلہ: فقہاء کرام نے فرمایا کہ اگر کسی غلام وغیرہ (جیسے شاگرد اور چھوٹے بچے) کے بھاگنے کا خطرہ ہو یا اس کی عادت بن گئی ہو تو سزا کے طور نہیں بلکہ اسے بھاگنے سے باز رکھنے یا حفاظت کی وجہ سے گلے میں پھندا یا زنجیر وغیرہ ڈالی جائے تو بلا کراہت جائز ہے کیونکہ سرکش لوگوں کی حفاظت کے لیے اہل اسلام کا یہ طریقہ رہا۔

ف: جمہور مفسرین نے کہا کہ یہ آیت ان اکثر کفار کے لیے تمثیل ہے جو کفر میں ایسے راسخ الاعتقاد تھے کہ جن کا اس سے ہٹنا ناممکن متصور ہو کر حق کی طرف معمولی طور گردن پھیر کر دیکھنا بھی انہیں برا محسوس ہو، جیسے مذکورہ بالا قیدی کا حال ہے ایسے ہی ان کا کفر میں ابتلاء ہے۔

ف: امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ فھم مقمحون سے مذکورہ بالا طرز کے اونٹ سے کفار کی تشبیہ دی گئی ہے یا ایسے اونٹ سے تمثیل دے کر بتایا گیا ہے کہ وہ کفر میں ایسے منہمک ہیں کہ ان کا حق کا ماننا اور راہ ہدایت پر آنا ناممکن ہے اور ایسے ہی ان کے انفاق فی سبیل اللہ کا حال ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ گفت اغلالاً فھم بہ مقمحون
نیست آن اغلال بر ما از برون

۲ بند پنہان لیک از آہن را بتر
بند آہن را کند پارہ تبر

۳ بند آہن را توان کردن جدا
بند غیبی را نداند کس دوا

۴ مرد را زنبور اگر نیشی زند
طبع او آن لحظہ بر دفعی تند

۵ زخم نیش اما چو از ہستی تست
غم قوی باشد نگردد درد سست

ترجمہ: (۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا اغلالاً فھم مقمحون۔ وہ اغلال ہم سے باہر نہیں۔

(۲) وہ زنجیریں پوشیدہ ہیں لیکن لوہے سے بھی بدتر ہیں بلکہ وہ لوہے کو ریزہ ریزہ کرنے والی ہیں۔

(۳) اس لیے کہ لوہے کی زنجیریں تو ٹکڑا ٹکڑا ہو سکتی ہیں لیکن غیبی بند کے چھڑانے کا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

(۴) اگر کسی کو بچھو ڈس لے، ایک وقت تو وہ اس کے درد کے دفع کرنے میں ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔

(۵) لیکن نفس کا زخم جب خود تمہارے اندر ہو تو اس کا زخم بہت قوی ہوتا ہے اس کے درست ہونے کی اُمید بہت کم ہوتی ہے۔

ف: حضرت نقشبندی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اغلال سے نفسانی آرزوئیں و تمنائیں اور سلاسل سے حرص و طمع بہ نقوش و آرائش دنیائے دنی (کمینی) اور جس سے لذات دنیہ و شہوات بہیمیہ متعلق ہیں مراد ہے۔

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا سدّ بمعنے دیوار و حجاب۔ اسے حفص نے بالفتح اور باقون نے بالضم پڑھا لیکن دونوں کا معنٰی ایک ہی ہے۔ بعض نے فرق کیا ہے وہ یہ کہ جو انسان بنائیں اسے بالفتح پڑھا جائے، اگر خدا تعالیٰ کی تخلیق سے ہو اسے بالضم پڑھا جائے **وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا** اور ہم نے بنائی ان کے آگے دیوار اور ان کے پیچھے دیوار **فَأَغْشَيْنَاهُمْ** تو ہم نے اندھا کر دیا۔ یہاں مضاف محذوف ہے کہ دراصل عبارت یوں تھی، غطینا ابصارھم۔ ہم نے ان کی آنکھیں اندھی کر دیں اور ان پر پردے ڈال دیئے۔ الغشاوۃ وہ شے جس سے پردہ ڈالا جائے **فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ۝** فاء ما قبل کے حکم مسبب پر داخل ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ جو شے کسی شے کو ہر جانب سے گھیر جائے وہ کسی کو نظر نہیں آتی۔

سوال: آیت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف دائیں بائیں نہیں دیکھ سکتے تھے حالانکہ جانبین مراد نہیں بلکہ جمیع جہات مراد ہیں تو پھر آیت میں صرف جانبین کی قید کیوں؟

جواب: چونکہ اشرف الجہات اگلی طرف ہوتی ہے اور ظاہر تر بھی۔ اور پیچھے والی جہت اس کی نقیض ہے اسی لیے ان دونوں کے ذکر کی تخصیص ہوئی، ورنہ جمیع جہات مراد ہیں۔

ف: یہ آیت تمثیل کی تکمیل اور تتمہ ہے۔

اب معنٰی یہ ہوا کہ مذکورہ امور کی وجہ سے یہ لوگ کچھ نہیں دیکھ سکتے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مستقل تمثیل ہو۔ ہے کیونکہ وہ جو ان کے لیے کہا گیا ہے کہ وہ دو دیواروں میں مسدود ہیں ہم نے ان پر ایسے پردے ڈال دیئے ہیں کہ اب وہ کسی شے کو دیکھنے کے لائق نہیں ہیں۔ جب ان کا یہ حال ہے تو پھر وہ حق کے آیات و دلالات کو خاک دیکھ سکیں گے۔

ف: امام (فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ) نے فرمایا کہ آیات و دلائل پر غور و فکر کرنا دو قسم ہے:

(۱) سرے سے آیات و دلائل پر نظر نہ پڑے، اسے اس قیدی سے مثال دی گئی جو ایسا جکڑا ہوا ہو

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

جو خود نہ دیکھ سکتا ہو۔

(۲) وہ جو دیکھنے پر تو قادر ہے لیکن اسے روک دیا گیا ہو، اسے دوسری تمثیل سے سمجھایا گیا ہے کہ جیسے دیوار کہ اس کے باہر سے اندر چیز نظر نہیں آتی۔ ایسے ہی ان کی حالت ہے کہ یہ دلائل و آیات کو دیکھ نہیں سکتے باوجودیکہ وہ بکثرت ہیں لیکن ہیں محروم۔

ف : دلائل و آیات آفاقی ہیں یا انفسی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

سنریہم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسہم ۔

ف : وانا جعلنا فی اعناقہم کے بعد وجعلنا من بین ایدیہم الخ میں اشارہ ہے کہ یہ کفار ان دونوں قسم کی آیات و دلائل کی ہدایت سے محروم ہیں۔

تفسیرِ صوفیانہ محققین فرماتے ہیں کہ آگے کی دیوار سے طول امل و طمع بقا اور پیچھے کی دیوار غفلت از جنایات گزشتہ اور ان پر ندامت و استغفار کی قلت جسے یہ دونوں دیواریں گھیر لیتی ہیں اس کی آنکھیں دلائلِ قدرت کو دیکھنے سے عاجز اور فلاح و ہدایت کی راہ تک پہنچنے سے اندھی ہوتی ہیں۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ خلفہم سدا فاغشینا ہمو
می نہ بینند بند را پیش و پس او

۲ رنگ صحرا دارد آں سدی کہ خاست
او نمی داند کہ آں سد قضاست

۳ شاہد تو سد روئے شاہد است
مرشد تو سد گفت مرشد است

ترجمہ : (۱) سد (دیوار) ان کے پیچھے ہے اس سے ہم نے انہیں چھپایا اسی لیے وہ آگے اور پیچھے کی کوئی نصیحت نہیں دیکھ سکتے۔

(۲) جیسی دیوار ہے صحرا کا بھی وہی رنگ ہے۔ اُسے معلوم نہیں کہ قضا و قدر کا راز کیا ہے۔

(۳) تیرا شاہد محبوب کا چہرہ دیوار ہے تیرا مرشد ہی دیوار ہے۔

شانِ نزول و معجزۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم (۱) مروی ہے کہ ابوجہل نے لات و عزیٰ کی قسم کھائی کہ اگر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے مسجد حرام میں نماز پڑھتے پایا تو میں پتھر سے آپ کا سر پھوڑ دوں گا تاکہ عرب والوں کی جان چھوٹے۔ ایک دن دیکھا کہ آپ حرم کعبہ معظمہ میں نماز ادا فرما رہے ہیں اس ملعون نے پتھر اٹھایا حضور علیہ السلام کے قریب پہنچا پتھر کو اوپر اٹھایا تاکہ آپ کو دے مارے لیکن جونہی اس لعین نے پتھر اوپر اٹھایا تو پتھر اس کی

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

گردن میں پھنس کر اس کے ہاتھوں سے چمٹ گیا ناامید ہو کر لوٹا تو اس کی قوم بنو مخزوم نے ماجرا پوچھا تو صورت حال بتائی۔ اس کی قوم نے بڑی کوشش کے بعد پتھر اس کی گردن سے نکالا۔ یہ آیت اسی کے حق میں نازل ہوئی کہ انا جعلنا فی اعناقھم الا ہم نے ہی اس کی گردن میں ڈالا اور ہم نے ہی ابوجہل کو اس ارادۂ بد سے واپس کیا۔

(۲) ولید بن مغیرہ مخزومی نے قسم کھائی کہ میں اس پتھر سے (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو (نعوذ باللہ) قتل کر ڈالوں گا۔ لیکن جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچا تو وہ اندھا ہو گیا۔ واپس آیا تو اپنے ساتھیوں کو بھی نہ دیکھ سکتا تھا ساتھیوں نے اسے بلا کر حال پوچھا تو اس نے کہا میں اندھا ہو گیا ہوں اللہ تعالیٰ نے اس کے حق میں وجعلنا من بین ایدیھم الخ نازل فرمائی۔

ف: دونوں آیتوں میں ھُم ضمیر جمع کا فروں کی طرف لوٹانا صحیح ہے اگرچہ کام ایک کا ہے کیونکہ ان کا طریقہ ہے کہ فعل کی نسبت جملہ قوم کی طرف ہوتی ہے۔ مثلاً کہتے ہیں:

بنو فلاں فعلوا کذا۔

حالانکہ وہ کام کرنے والا ایک ہوتا ہے۔

وظیفہ غلبہ بر اعداء علماء کرام فرماتے ہیں کہ یہ آیت دشمن کے شر سے بچنے کا بہترین وظیفہ ہے کہ پڑھ کر دشمن پر دم کی جائے ان شاء اللہ دشمن کے شر سے حفاظت رہے گی۔

ہجرت و معجزہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شب ہجرت کفار رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کی غرض سے آپ کے دولتکدہ پر پہنچے آپ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر آرام فرمانے کا حکم فرمایا اور خود وجعلنا من بین ایدیھم سدا من خلفھم الخ پڑھتے ہوئے دولت کدہ سے باہر تشریف لائے۔ کافر ایسے اندھے رہے کہ آپ کو دیکھ بھی نہ سکے اور آپ اس آیت کی برکت سے ان کے شر سے محفوظ ہو کر مدینہ پاک کی راہ لی۔ (کشف الاسرار)

انسان العیون میں ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دولت کدہ سے باہر نکلے تو مٹی مٹھی مبارک میں لے کر اپنے گھر مبارک کے دروازے پر کھڑے ہو کر کافروں کے سروں کی طرف پھینکی اور گھر سے چل پڑے۔ کافر آپ کو دیکھ بھی نہ سکے مٹی پھینکتے وقت آپ پڑھتے تھے یٰسٓ والقرآن الحکیم تا لا یبصرون اللہ تعالیٰ نے کافروں کی آنکھیں گویا اندھی کر دیں کہ وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ دیکھ سکے۔

تفسیر عالمانہ وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ اہل مکہ کو آپ کا ڈرانا نہ ڈرانا برابر ہیں۔ ءانذرتھم الخ اگرچہ جملہ فعلیہ استفہامیہ ہے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

لیکن یہ مصدر مضاف کے معنیٰ میں ہے اور وہ اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے اس اعتبار سے اس سے خبر دینا جائز ہو گیا کیونکہ اب اس کی خبر کی جانب معنیٰ کی طرف کھینچ گئی اسی قانون پر ہے تسمع بالمعیدی خیر من ان تراہ (معیدی کی بات سننا اس کے دیکھنے سے بہتر ہے)

ف: ہمزہ استفہام اور آنذ معنیٰ استواء و تاکید کی تقریر کے لیے ہیں اس لیے کہ استفہام کا معنیٰ استواء و تاکید سے خالی کر لیا گیا ہے جیسے استواء کی خاطر انہیں استفہام سے علیحدہ رکھا گیا ہے جیسے تخصیص کے لیے حرف نداء کو اللهم اغفر لنا ایتها العصابة میں طلب کے معنیٰ سے خالی کیا گیا ہے تو جیسے اس حرف میں نداء کا معنیٰ نہیں ایسے ہی ءانذرتہم میں حرف استفہام کے باوجود استفہام نہیں۔

لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ ایمان نہیں لائیں گے اس لیے اللہ تعالیٰ کے علم قدیم میں ثبت ہے کہ یہ کافر ہو کر مریں گے اور ان کا کفران کے اپنے اختیار سے ہو گا۔ یہ جملہ مستانفہ ما قبل کا مؤکد اور استواء کے معنیٰ کے اجمال کو بیان کرنے والا ہے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے تو اسے انذار کوئی فائدہ نہ دے گا۔

قدری بدمذہب سے حضرت عمر بن عبدالعزیز کا مناظرہ اور آپ کی کرامت

مروی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے غیلان قدری (بدمذہب) کو بلا کر فرمایا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم قدری مذہب کو ترجیح دیتے ہو۔ کیا لوگ غلط کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اے غیلان! سورۂ یٰسٓ کی ابتدائی آیات تا لا یؤمنون پڑھیے۔ غیلان نے پڑھنے کے بعد کہا: اے امیر المؤمنین! مجھے ایسے محسوس ہوتا ہے کہ گویا میں نے اس سے قبل یہ آیات کبھی پڑھی نہیں آپ گواہ ہو جائیے کہ قدری (بدمذہبی) سے توبہ کرتا ہوں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کہا:

> اللهم ان كان صادقا فتب عليه وثبته وان كان كاذبا فسلط عليه من لا يرحمه واجعله آية للمؤمنين۔
>
> (اے اللہ! اگر وہ سچا ہے تو تو اس کی توبہ قبول فرما اور اسے ثابت قدم رکھ اور اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر ایسا آدمی مسلط فرما جو اس پر رحم نہ کرے اور اسے اہل ایمان کے لیے عبرت بنا)

اس کے بعد اسی غیلان (بدمذہب) کو ہشام بن عبدالملک نے گرفتار کر کے اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں میں نے اسے دمشق کے دروازے پر سولی پر لٹکے دیکھا۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سبق حکایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قدری (بدمذہب) کہتے ہیں کہ ہر بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے اس کے جرائم و معاصی اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں نہیں۔

ف : حضرت امام مطرزی المغرب (نام کتاب) میں لکھتے ہیں کہ قدری (بدمذہب) کہتے ہیں کہ القدریہ ایک فرقہ مجبورہ ہے جو ہر امر اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ثابت کرکے جملہ قبائح اسی کی طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ وہ ان سے بلند و بالا اور منزہ و مقدس ہے۔

ربط : انذار قبول نہ کرنے والوں کے بعد ان کا ذکر ہے جو انذار سے فائدہ پاتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ نفع نہ دے گا آپ کا انذار مگر اسے جو قرآن کی اتباع کرے گا تامل کرکے یا اس کے وعظ و تذکیر سے اور وہ شیطان کے قدموں پر چلے یہی مراد کرے گا وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ اور رحمان سے غائبانہ ڈرتا ہے یعنی باوجودیکہ وہ عذاب سے غائب ہے اس لئے اسے کبھی دیکھا نہیں لیکن پھر بھی ڈرتا ہے یا یہ کہ اس سے عذاب غائب ہے کہ ابھی اس کے نزول کا وقت نہیں آیا تب بھی ڈرتا ہے بالغیب مفعول سے حال ہے یا یہ معنیٰ ہے کہ وہ لوگوں کی آنکھوں سے غائب ہے یعنی خلوت میں ڈرتا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دھوکا نہیں کھاتا بلکہ سمجھتا ہے کہ وہ منتقم اور قہار ہے اگرچہ وہ رحیم و غفار ہے پھر اس کے عذاب و غضب سے کس طرح بے خوفی ہو باوجودیکہ اس نے فرمایا بھی ہے کہ ان عذاب ربهم غیر مامون (بیشک تیرے رب کے عذاب سے وہ غیر مامون ہیں)۔

ف : جس پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی کثرت ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہی اسے نصیب ہوتی ہیں تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ کا خوف بھی بہت ہوتا ہے اور پھر اس کو نعمتیں مسلسل نصیب ہوتی رہتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ غائبانہ خشیت رحمان سے نصیب ہوتی ہے ورنہ اس کا تقاضا یہ تھا کہ قہر کے ذکر کے بعد خشیت ہو لیکن باوجودیکہ قہر کا ذکر بھی نہیں ہوتا تب بھی وہ خشیت میں ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے وخشی الرحمٰن اور وہ رحمان سے ڈرتا ہے یعنی نور کی وجہ سے جس کا اسے مشاہدہ ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ کفر و عصیان کا انجام بربادی ہوتا ہے اور اسے شواہد حق سے حلاوت ایمان نصیب ہوتی ہے اور اسے معلوم ہوتا ہے کہ رتبۂ عرفان کی رفعت کتنی ارفع و اعلیٰ ہے۔

تفسیر عالمانہ فَبَشِّرْهُ اسے خوشخبری سناؤ جو قرآن کی اتباع کرتا اور رحمان سے غائبانہ ڈرتا ہے ضمیر واحد کی بوجہ لفظاً مَن کے ہے کہ وہ لفظاً مفرد ہے بِمَغْفِرَةٍ اس کے گناہوں کی بہت بڑی مغفرت وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ۝ اور بہت بڑا اجر یعنی اس کے اعمال صالحہ سے اللہ تعالیٰ کی وہ بہت بڑی خوشنودی کہ جس کا اندازہ کسی کو معلوم نہیں یعنی بہشت لہٰذا اس کے اندر کی وہ نعمتیں جو

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattori

جو اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کے لیے تیار کی ہیں جو اتباع القرآن وخشیۃ الرحمان کے جامع ہیں فاء بشارت کی یا اس کے امر کی ماقبل یعنی اتباع الذکر وخشیۃ کی ترتیب کے لیے ہے۔

صاحبِ روح البیان کی تحقیق فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ تبشیر دو امور کی دو امید پر مرتب ہے مثلاً تامل فی القرآن یا تاثر عن الوعظ ایمان کی طرف پہنچاتا ہے جو مغفرت کا موجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ شرک کے ماسوا جسے چاہے بخش دے اور خشیت حسنات تک پہنچاتی ہے جو اجر کریم کی موجب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

جزاءً بما کانوا یعملون۔

(یہ ان کے اعمال کی جزا ہے)

ف: بعض مشائخ نے فرمایا کہ انذار صرف اصحابِ ذکر پر اثر ڈالتا ہے اس لیے کہ انھیں مذکور (ذاتِ حق) کی عظمت کا مشاہدہ نصیب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وعظ تعظیم وتکریم الٰہی کا ان کے دلوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ جب تعظیم الٰہی میں اضافہ ہوتا ہے تو ان میں عبودیت کا بھی اضافہ ہوتا ہے وہ دنیوی پریشانیوں سے ہٹ کر انس مع الرب حاصل کرتا ہے۔

تفسیرِ صوفیانہ معلوم ہو کہ جنت دارِ جمال وانس وتنزل الٰہی ہے اور نار دارِ جلال وجبروت ہے اسم رب اہلِ جنت کے ساتھ ہے اور اسم جبّار ہمیشہ اہلِ نار کے ساتھ ہے۔

حدیثِ قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ھؤلاء للجنۃ ولا ابالی وھؤلاء للنار ولا ابالی۔

(یہ بہشتی ہیں مجھے کوئی پروا نہیں اور یہ دوزخی ہیں مجھے کوئی پروا نہیں)

ف: اللہ تعالیٰ کو اس لیے پروا نہیں کہ اس کی رحمت غضب پر سبقت کر گئی کہ اہلِ توحید کو رحمت اور اہلِ شرک کو غضب نصیب ہوگا۔ یا رحمت سے عدم سے ایجادی رحمت مراد ہے اس لیے کہ وہ غضب کے سبب یعنی معاصی وکفر سے پہلے ہے اسی لیے اس کی پروا نہیں جو ان دونوں فریقوں کے ساتھ کرے گا۔

ازالۂ وہم اگر عدم المبالاۃ سے مراد وہ ہو جو کسی کو وہم ہوا ہے تو پھر وہ جرائم پر مواخذہ فرماتا اور نہ ہی اپنے آپ کو غضب سے موصوف فرماتا اور نہ ہی کسی کو بطش شدید ہوتی حالانکہ یہ سب مبالاۃ سے ہوگا اور جس سے مواخذہ ہوگا تو بھی اسی مبالاۃ سے (تو پھر کسی وہم کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی پروا نہیں کہ اس طرح ہو یا اس طرح) فتوحاتِ مکیہ۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تفسیر عالمانہ إِنَّا بیشک ہم اپنی کمال قدرت سے ضمیر جمع کی تعظیم یا کثرت صفات کی وجہ سے بعض نے کہا چونکہ احیاء الموتیٰ میں ملائکہ کو کام سپرد ہوتا ہے اسی لیے جمع کا صیغہ لایا گیا ہے لیکن نَحْنُ کی تخصیص اس قول کو رد کرتی ہے۔ بحر العلوم میں ہے کہ ضمیر کا تکرار تاکید کے لیے ہے نُحْیِ الْمَوْتٰی ہم ہی مُردوں کو جلائیں گے مرنے کے بعد اور ان کے اعمال کے مطابق انہیں جزا و سزا دیں گے اس وقت اکرام و انتقام کا مظاہرہ ہوگا کہ اہلِ ایمان کو تعظیم و تکریم سے بہشت میں پہنچایا جائے گا اور اہلِ کفر و معاصی کو ذلیل و خوار کر کے دوزخ میں لایا جائے گا۔

احیاء و موت کیا ہے احیاء جیسے شے کو حس و حرکت کے ساتھ زندہ کرنا۔ اور موت جیسے شے سے روح نکال لینا۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر غنی دولت مند اور بادشاہ ظالم پر میّت کا اطلاق فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

اربع یمتن القلب الذنب علی الذنب وکثرة مصاحبة النساء وحدیثهن و ملاحاة الاحمق تقول له ویقول لك و مجالسة الموتٰی قیل یا رسول اللہ وما مجالسة الموتٰی وقال کل غنی مترف و سلطان جائر۔

(چار باتیں قلب کو مُردہ بنا دیتی ہیں:

(۱) گناہ پر گناہ

(۲) عورتوں کے ساتھ بکثرت مصاحبت اور ان سے باتوں میں لگے رہنا۔

(۳) احمق سے ہنسی مذاق

(۴) مُردوں کی صحبت۔

عرض کیا گیا:

یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مُردوں کی صحبت کا کیا مطلب؟

آپ نے فرمایا:

ہر غنی مترف اور ہر ظالم بادشاہ مُردہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ اقبال و سعادتِ سرمدی کے پانی سے ہم ان قلوب کو زندہ کرتے ہیں جو قساوة سے مر چکے ہیں۔ یہاں پر احیاء مجازاً بمعنے الہدایة ہے۔

تفسیر عالمانہ وَنَكْتُبُ اور ہم لکھتے ہیں یعنی لوحِ محفوظ میں محفوظ اور ثابت کرتے ہیں جیسے کہ دوسری آیت دلالت کرتی ہے یا یہ معنیٰ ہے کہ ہمارے رسل (ملائکہ)

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

یعنی کراماً کاتبین لکھتے ہیں لیکن اس فعل کا اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف ہونا تو بیہا ہے کیونکہ حقیقی آمر وہی ہے مَا قَدَّمُوْا وہ جو نیکی و برائی کا ارتکاب کر چکے ہیں۔

سوال، اعمال کی کتابت پہلے اور احیاء الموتی بعد کو ہوگا لیکن آیت میں کتابت اعمال کی تاخیر ہے کیوں؟

جواب، قیامت میں مقصود احیاء ہے اگر احیاء نہ ہوگا تو کتابت اعمال کا کیا فائدہ!

وَاٰثَارَهُمْ اثر الشیء بمعنے حصول المدلول علی الوجود یعنی ان کے وہ آثار جنہیں انہوں نے حسنات سے باقی رکھی جیسے علم جسے انہوں نے پڑھایا کتاب جو انہوں نے لکھی اور تصنیف و تالیف کی یا مال و اسباب جسے وقف کیا یا تعمیرات چھوڑیں جیسے مساجد، رباطات، پل۔ ایسے ہی دیگر بر و احسان اور نیکی کے امور۔

شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا: ؎

۱ نمرد آنکہ ماند پس از وے بجاے
پل و مسجد و خان و مہمان سراے

۲ ہر آں کو نماند از پسش یادگار
درخت وجودش نیاورد بار

۳ ور گرفت آثار خیرش نماند
نشاید پس از مرگ الحمد خواند

ترجمہ: (۱) وہ نہیں مرا جس نے اپنے پیچھے چھوڑے پل، مسجد، مہمان خانے اور سرائیں۔
(۲) جس کے پیچھے کوئی یادگار نہیں ایسے ہے جیسے درخت تو ہو لیکن اس کا پھل نہ ہو۔
(۳) اگر کوئی مرا ہے لیکن اس کی کوئی اچھی یادگار نہیں تو اس کے مرنے کے بعد فاتحہ خوانی درست نہیں۔

ایسے ہی آثارھم سے برائیاں بھی مراد ہیں جیسے وہ ظالمانہ ٹیکس جو ظالم لوگوں نے عوام پر لگائے، سالانہ ہوں (یا ششماہی) یا ماہانہ۔ اور ایسی گلیاں کوچے کھودنا جن سے عوام کو مصائب کا سامنا کرنا پڑے یا ایسی باتیں جو ذکر الٰہی سے رکاوٹ کا موجب ہوں ایسے ذکر الٰہی میں ایسے طریقے رائج کیے جائیں جو ذکر میں اختلاط یا لہو و لعب کو دخل ہو وغیرہ وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ینبأ الانسان یومئذ بما قدم واخر۔

انسان کو اعمال کی خبر دی جائے گی جن کا وہ مرتکب ہوا اور ان آثار کا پتا دیا جائے جو اس نے اپنے لیے یادگار کے طور پر چھوڑے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۱ ہر کہ بنہد سنت بد اے فتی
تا در افتد بعد او خلق از عمی

۲ جمع گردد بر وے آں جملہ بزہ
کو سری بود است وایشاں دم غزہ

ترجمہ (۱) جو طریقۂ بد مقرر کرتا ہے تاکہ خلق خدا بے خبری سے اس سے نقصان اٹھائیں۔
(۲) اس کا تمام گناہ اس کے اعمالنامے میں لکھا جائے گا۔ اے عزیز! جو بوئے گا وہی اٹھائے گا۔

سبق: عقلمند پر لازم ہے کہ وہ اپنے پیچھے ایسے طریقے نہ چھوڑے جس سے لوگ نقصان اٹھائیں، وہ دینی امور ہوں یا دُنیوی۔ اگر خود نہیں چھوڑتا لیکن برے طریقوں سے راضی ہو کر مرتا ہے تو اسے بھی سزا ملے گی کیونکہ جیسی کرنی ویسی بھرنی ؎

۱ از مکافات عمل غافل مشو
گندم از گندم بروید جو ز جو

۲ کیں چنیں گفتست پیر معنوی
کای برادر ہر چہ کاری بدروی

ترجمہ (۱) عمل کی جزا سے غافل نہ ہو کیونکہ گندم سے گندم ہی پیدا ہوگی اور جَو سے جو۔
(۲) پیر معنوی نے یہی فرمایا ہے اے بھائی جو بوئے گا وہی اٹھائے گا۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ ان آثار سے نمازیوں کا مساجد کو جانا مراد ہے۔ لیکن یوں کہنا مناسب ہے کہ جملہ آثار سے ایک یہ بھی ہے۔ (الارشاد)

حدیث شریف مروی ہے کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مکانات مسجد شریف سے دُور تھے، اُنہوں نے چاہا کہ نقل مکانی کر کے مسجد شریف کے قریب آجائیں، انھیں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ یکتب خطواتکم ویثیبکم علیہا فالزموا بیوتکم۔
(اللہ تعالیٰ تمہارے دور سے آنے وقت قدم لکھواتا ہے اس پر تمہیں بہت بڑا ثواب عطا فرمائے گا لہٰذا تم اپنے دُور والے مکان میں رہو)

مسئلہ: اللہ تعالیٰ بندے کے چل کر آنے جانے کی جزا و سزا کو نہیں چھوڑتا، نیکی کے لیے چل کر آوے یا بُرائی کے لیے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حدیث شریف میں ہے:

اعظم الناس اجرا من یصلی ثم ینام۔

(وہ شخص بہت اجر و ثواب کا مستحق ہے جو نماز پڑھ کر سوتا ہے)

مسئلہ: اس میں اختلاف ہے کہ ایک شخص کا گھر مسجد کے قریب ہے لیکن وہ دور کی مسجد کو چل کر نماز ادا کرتا ہے اس کا ثواب زیادہ ہے یا قریب والی مسجد میں نماز پڑھنے کا۔ بعض نے پہلے کو ثواب میں ترجیح دی ہے کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے:

لا صلوٰۃ لجار المسجد الا فی المسجد۔

(مسجد کے ہمسایہ کی نماز نا قابل قبول ہے جب تک مسجد میں ادا نہ کرے)

اس لیے کہ یہ مسجد کے حق کا احیاء کرتا ہے دوسرا مسجد کی ہمسائیگی کا حق ادا کرتا ہے۔

مسئلہ: قریبی مسجد میں جماعت نہیں ہوتی تو بھی اسی میں نماز ادا کرے اسے جماعت کا ثواب مل جائیگا ہاں اگر حصولِ جماعت کے لیے بعید مسجد میں چلا جائے تو بھی افضل ہے کیونکہ پہلی صورت میں ہمسائیگی میں ادائیگی حقوق کا احیاء ہے لیکن دوسری صورت میں جماعت کے ساتھ ادائیگی سنت کا احیاء ہے۔

مسئلہ: جماعت کا حصول گھر پر ہوتا ہے تو جماعت سے ادائیگی افضل ہے مسجد میں تنہا نماز ادا کرنے سے۔

مسئلہ: بعض فقہاء کرام نے فرمایا کہ ہمسائیگی مسجد کے لیے چالیس گھر ہر جانب سے شمار ہوتے ہیں۔ بعض نے کہا جہاں تک مسجد کی اذان کی آواز پہنچتی ہے[1]

مسئلہ: مجمع الفتاوٰی میں ہے کہ کسی کے پڑوس میں دو مسجدیں ہیں تو اس کے لیے قدیم ترین مسجد میں نماز ادا کرنا افضل ہے اس لیے کہ قدیمی مسجد کی عزت و عظمت بہ نسبت جدید مسجد کے زیادہ ہے اگرچہ بحیثیت مسجد کے دونوں برابر ہیں۔

مسئلہ: جو مسجد زیادہ قریب ہو اس میں نماز ادا کرنا افضل ہے۔

مسئلہ: فقیہ عالم کو اس مسجد میں نماز کے لیے جانا بہتر ہے جہاں نمازی تھوڑے ہوں کیونکہ اس کی وجہ سے اس مسجد میں نمازیوں کا اضافہ ہوگا۔ اگر غیر فقیہ ہو تو وہ مختار ہے جس مسجد میں جانا چاہے جا سکتا ہے۔

مسئلہ: جس مسجد میں فرائض و تراویح کی پابندی ہو اس میں نماز کی ادائیگی افضل ہے۔

مسئلہ: گھر پر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کا ثواب کم ہے بہ نسبت مسجد میں نماز با جماعت ادا کرنے کے۔

---

[1] اس سے سپیکر کے بغیر انسان کی طبعی آواز مراد ہوگی (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب) اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حدیث شریف میں ہے، گھر پر یا بازار (دکان وغیرہ) میں نماز ادا کرنے کی بہ نسبت مسجد میں نماز ادا کرنے کا دگنا ثواب ہے ایک روایت میں ستائیس درجے زیادہ ثواب ہے۔

مسئلہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ دن رات میں کل فرائض سترہ رکعت اور سنن رواتب (مؤکدہ) دس رکعت ہیں ان کو ملانے سے ستائیس رکعات بنتی ہیں۔

مسئلہ: بعض علماء نے فرمایا کہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا واجب ہے۔

حدیث شریف میں ہے، لقد هممت ان آمر رجلا یصلی بالناس و انظر الی اقوام یتخلفون عن الجماعة فاحرق بیوتهم۔

(میرا ارادہ ہوتا ہے کہ کسی کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے اور میں لوگوں کے گھروں میں جا کر دیکھوں کہ کون جماعت سے رہ گیا ہے جماعت میں نہ آنے والوں کے گھروں کو آگ لگا دوں)

مسئلہ: اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ نماز با جماعت نہ پڑھنے والوں کے گھروں کو آگ لگانا جائز ہے کیونکہ رسول علیہ السلام کا معصیت پر ارادہ کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ گناہ ہے۔

انتباہ: جب ترک واجب و سنت مؤکدہ پر گھروں کا جلانا جائز ہے تو پھر ترک فرائض پر کتنی سزا ہوگی۔

حدیث شریف میں ہے:

بشروا المشائین فی الظلم الی المساجد بالنور التام یوم القیامة۔

(اندھیروں میں مسجد کو جانے والوں کو قیامت میں نور تام کی خوشخبری سناؤ)

اس میں اشارہ ہے کہ ہر اندھیری رات نماز با جماعت کے ترک کا عذر نہیں بلکہ شدید اندھیری عذر ہے۔ حدیث پاک میں اطلاق اللفظ اشارہ کرتا ہے کہ جدوجہد افضل ہے ایسے ہی خواہ مخواہ جماعت ترک نہ کرے جب تک قوی عذر نہ ہو۔ جماعت کے ترک کے اعذار وہی ہیں جو مرض کے لیے تیمم روا رکھتے ہیں۔

مسئلہ: مقطوع الید والرجل ہونا عذر ہے بشرطیکہ ہاتھ اور پاؤں کا کٹنا خلاف جہت سے ہو۔

مسئلہ: مفلوج ہونا ایسے ہی چلنے کی طاقت نہ ہونا اور اندھا ہونا سخت بارش، کیچڑ، سخت سردی، سخت آندھی یہ تمام جماعت کے ترک کے اعذار ہیں۔ یہی صحیح ہیں۔

مسئلہ: ظالم بادشاہ وغیرہ کا خوف کہ جس سے جان یا سخت نقصان کا خطرہ ہو۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان لوگوں سے بنائے جو زندگی بھر حکم الٰہی بجا لانے کے لیے کمر بستہ رہتے ہیں۔

وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ تمام امور (جو انسان وغیرہ عمل میں لاتے ہیں) کو ہم نے ضبط اور بیان کیا ہے۔

ف: ابن الشیخ نے فرمایا کہ احصی کا اصل معنی ہے عد (شمار کرنا) پھر بطور استعارہ بمعنی بیان و حفظ ہے کیونکہ گنتی میں اتقن کے لیے کی جاتی ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

المفردات میں ہے الاحصاء کسی شے کو گنتی سے حاصل کرنا۔ کہا جاتا ہے: احصیت کذا۔ الحصیٰ سے ہے کیونکہ اہل عرب گنتی میں کنکریوں کا سہارا لیتے ہیں جیسے ہم انگلیوں سے اشیاء کو گنتے ہیں۔

فِیْٓ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ ۝ عظیم الشان امر میں جو تمام شے کو ظاہر کرنے والی ہے وہ شے زمانہ ماضی کی ہو یا زمانہ مستقبل کی۔ اس سے لوح محفوظ مراد ہے۔ اسے امام اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء و اتباع کی جاتی ہے۔

ف: امام راغب نے فرمایا، امام وہ ہے کہ جس کے اقوال کی اقتداء کی جائے یا افعال کی۔ وہ انسان ہو یا کتاب یا کوئی اور شے۔ اور وہ حق ہو یا باطل۔ اس کی جمع ائمہ آتی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یوم ندعو کل اناس بامامھم۔

(ہر ایک کو ان کے ساتھ بلائیں گے جن کی انہوں نے اقتداء کی ہوگی)

بعض نے کہا کہ ہر ایک اپنے عملنامے کے ساتھ بلایا جائے گا۔

ف: وکل شئ احصینٰہ الخ لوح محفوظ مراد ہے۔ بعض مفسرین نے ایسے کہا ہے۔

ف: الاحصاء میں ترغیب و ترہیب ہے اس لیے محصی کسی حال میں بھی غفلت نہیں کرتا وہ ہر وقت ہر لحظہ ہر آن حرکت و سکون میں نگرانی کرتا ہے۔

تسخیر الخلائق کا وظیفہ اسم محصی تسخیر کی تاثیر رکھتا ہے۔ جو شخص تسخیر القلوب چاہے اسے چاہیے کہ روٹی کے ہر ٹکڑے پر بیس بار پڑھے اور روٹی کے بیس ٹکڑے بنائے[1]۔

سوال: تسخیر الخلائق کا کیا فائدہ؟

جواب: خلق کی ضرر رسانی سے حفاظت، ان سے منافع کا حصول اور ارشاد و رہبری آسانی سے کی جا سکے گی۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا خلق کی تسخیر کرنا اور ان کو اپنی طرف متوجہ کرنا خواہ وظائف و اوراد کے ذریعے ہو یا کسی اور حیلے سے، نہیں کرنا چاہیے[2] کیونکہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے بہترین تسخیر اپنے نفس امارہ کو اپنے قابو میں لانا ہے یہاں تک کہ نفس امارہ ہر حکم کا پابند اور حق کی اتباع میں تابع ہو جس کا نفس امارہ قابو میں نہیں دنیا میں اس جیسا اور کوئی ذلیل نہیں اگرچہ بظاہر لوگوں کا مطاع و مخدوم ہو۔

---

[1] وہ ٹکڑے اپنے لنگر میں ملا کر عوام کو کھلائے۔

[2] فقیر اویسی اور اس کے اسلاف اسی کے قائل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نہ فقیر کبھی ایسا وظیفہ عمل میں لاتا ہے نہ اس کے اسلاف لاتے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وکل شئ یعنی ہر وہ امر جو ہمارے قریب واسطے ہیں احصینٰہ فی امام مبین ہم نے اس کے آثار و انوار لوح محفوظ یعنی اپنے محبوبوں کے قلوب میں ثابت فرمائے ہیں۔

لوح محفوظ کیا ہے انسان کامل کا دل امام مبین اور لوح محفوظ ہے۔ اسی میں انوار الملکوت منقش اور اسرار الجبروت مرتسم ہیں جتنی اس کی وسعت و طاقت ہے اور جیسے کہ عقل کل کو اس کا کشف حاصل ہے۔ لیکن یہ مرتبہ قلب کے تصفیہ کے بعد حاصل ہوتا ہے یہاں تک کہ قلب میں کونین میں سے کسی ایک شے کی ذرہ برابر بھی صورت نہیں ہے اور تصفیہ کا معنیٰ ہے ازالۃ التوہم تاکہ متحقق کا ظہور ہو، جو متوہم اور متحقق کو نہیں جانتا وہ ہمیشہ متحقق سے محروم رہے گا۔ حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا،

؎

۱ سگ ہمی شد استخوان بدہان
کردہ رہ بر کنار آب روان

۲ بسکہ آن آب صاف و روشن بود
عکس آن استخوان در آب نمود

۳ برد بیچارہ سگ گمان کہ مگر
ہست در آب استخوان دگر

۴ لب چو بکشاد سوے آن بستاد
استخوان از دہان در آب فتاد

۵ نیست را ہستی توہم کرد
بہر آن نیست ہست را گم کرد

ترجمہ (۱) ایک کتا ہڈی منہ میں لے کر نہر کے کنارے چل رہا تھا۔
(۲) اسے صاف و شفاف پانی میں ہڈی کا عکس نظر آیا۔
(۳) کتے کو گمان ہوا کہ پانی میں اور ہڈی ہے۔
(۴) کتے نے منہ کھولا کہ اس ہڈی کو بھی اٹھانا چاہا تو منہ والی ہڈی پانی میں گر گئی۔
(۵) جس نے نیست کو ہستی گمان کیا تو نیست کے وہم سے ہستی کو بھی گم کر دیا۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ آئینے کو صاف کرے تاکہ صورۃ الحقیقۃ و حقیقۃ الوجود ظاہر ہو اور اسے کمال عیان و شہود حاصل ہو۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اہل صفوۃ سے بنائے اور کدورات و ہفوات سے بچائے وہ ہمارا مقصود اور ہر علم و عمل میں مدعا ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا
اور ان سے نشانیاں بیان کرو اس شہر والوں کی جب ان کے پاس فرستادے

الْمُرْسَلُوْنَ ۝۱۳ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا
آئے جب ہم نے ان کی طرف دو بھیجے پھر انہوں نے ان کو جھٹلایا تو ہم نے

بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ۝۱۴ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ
تیسرے سے زور دیا اب ان سب نے کہا کہ بیشک ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں بولے تم تو نہیں مگر ہم جیسے آدمی

اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ۝۱۵ قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ
اور رحمٰن نے کچھ نہیں اتارا تم نرے جھوٹے ہو وہ بولے ہمارا رب جانتا ہے کہ بیشک

اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ۝۱۶ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝۱۷ قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا
ضرور ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں اور ہمارے ذمہ نہیں مگر صاف پہنچا دینا بولے ہم تمہیں منحوس سمجھتے ہیں

بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ
بے شک اگر تم باز نہ آئے تو ضرور ہم تمہیں سنگسار کریں گے اور بے شک ہمارے

اَلِيْمٌ ۝۱۸ قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ۭ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ
ہاتھوں تم پر دکھ کی مار پڑے گی انہوں نے فرمایا تمہاری نحوست تو تمہارے ساتھ ہے کیا اس پر بدکتے ہو کہ تم سمجھائے گئے

قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝۱۹ وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ
بلکہ تم حد سے بڑھنے والے لوگ ہو اور شہر کے پرلے کنارے سے ایک مرد دوڑتا آیا بولا اے میری قوم بھیجے

يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ۝۲۰ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝۲۱
ہوؤں کی پیروی کرو ایسوں کی پیروی کرو جو تم سے کوئی نیگ نہیں مانگتے اور وہ راہ پر ہیں

تفسیر عالمانہ

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ اس کے ابتدائی مضمون سے خاص دور تک اشارہ ہے کہ وہ اپنے پیاروں سے کس طرح لطف و کرم اور دشمنوں پر کس طرح غیظ و غضب فرماتا ہے۔

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ مشرکین مکہ کو اصحاب القریہ کا قصہ سنا کر نصیحت فرمائیے تاکہ اس سے بچ جائیں کہیں ان پر وہی عذاب نازل نہ ہو جائے جو اصحاب القریہ پر نازل ہوا تھا۔

ف: الارشاد میں ہے کہ ضرب المثل دو طرح استعمال ہوتی ہے:

(۱) ایک عجیب و غریب کو اس جیسے دوسرے حال کی تطبیق میں، جیسے آیت ہذا میں اسی قانون پر

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

معنی یہ ہوا کہ اصحاب القریہ کی مثال اہل مکہ پر منطبق کیجئے کہ جیسے وہ کفر میں غالی اور تکذیب الرسل پر اصرار کرنے والے تھے ایسے ہی یہ مشرکین ان کے حال کے مطابق ہے۔ اس تقریر پر مثلاً اضرب کا مفعول ثانی اور اصحاب القریہ مفعول اول ہے۔

سوال: مفعول اول کو مؤخر کیوں کیا گیا؟

جواب: تاکہ اس کے ساتھ وہ متصل ہو جو اس کی شرح و تفصیل بتائے۔

(۲) صرف حالت غریبہ کا اظہار مطلوب ہو۔ اس سے اسے کسی دوسرے واقعہ کے ساتھ تنظیر دے کر منطبق کرنا مقصود نہیں ہوتا۔

اب معنی یہ ہوا کہ واقعہ عجیبہ و غریبہ بیان کیجئے کہ مثل کے معاملہ میں بیان کرنے کے لائق ہے۔

ف: اصحاب القریہ سے پہلے مضاف محذوف ہے یعنی مثل اصحٰب القریۃ الخ۔ جیسے واسئل القریۃ میں اہل مضاف محذوف ہے کہ دراصل واسئل اہل القریۃ الخ ہے یہ محذوف ملفوظ سے حال یا عطف بیان ہے۔ القریۃ سے روم کی بستیوں میں سے بستی انطاکیہ مراد ہے۔ انطاکیہ (بالفتح والکسر وسکون النون وکسر الکاف وفتح الیاء المخففۃ) مرکزی شہر جسے عواصم بھی کہا جاتا ہے جس میں چشموں اور پتھروں کے بڑے بڑے قلعے ہیں۔ اس کے اندر پانچ پہاڑ ہیں اور شہر (اس دور میں) بارہ میل تک پھیلا ہوا ہے کما فی القاموس۔ اور اسے انتاکیہ طاء کے بجائے تاء کے ساتھ بھی کہا جاتا ہے اور اسی ملک کے وزن سے اسی طرح شناگی ان کا قصہ شارح الاشواق میں مذکور ہے۔

ف: امام السہیلی نے فرمایا کہ انطاکیہ انطقیس کی طرف منسوب ہے جس نے اس کی بنیاد رکھی اس کے بعد کثرت استعمال کی وجہ سے اور مرور ادوار سے انطاکیہ ہو گیا۔

ف: ان کا یہ قصہ ملوک الطوائف کے ایام میں ہوا۔ (التکملہ)

بحرالعلوم میں ہے انطاکیہ ان شہروں سے ہے جو دوزخی ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

عجوبہ اربع مدائن من مدائن الجنۃ مکۃ والمدینۃ وبیت المقدس وصنعاء الیمن واربع مدائن من مدائن النار انطاکیۃ وعموریۃ وقسطنطینیۃ وظفار الیمن۔

(چار شہر جنتی ہیں:
(۱) مکہ معظمہ (۲) مدینہ طیبہ (۳) بیت المقدس (۴) صنعاء الیمن
اور چار شہر دوزخی ہیں:
(۱) انطاکیہ (۲) عموریہ (۳) قسطنطنیہ (۴) ظفار الیمن)

ف: ظفار بروزن قطام، یمن کا وہ شہر جو صنعاء الیمن کے قریب ہے وہاں کے جزع (بالفتح

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

یعنی وہ کوڑیاں جن میں سیاہی و سپیدی ہو، جو آنکھوں کے مشابہ ہیں، مشہور ہیں۔ انطاکیہ ان چار شہروں میں سے ایک ہے جن میں نصاریٰ کے پادری ہر وقت موجود رہتے تھے اور وہ چار شہر یہ ہیں:

۱۔ انطاکیہ ۳۔ اسکندریہ
۲۔ قدس (۴) رومیہ۔
ان کے بعد قسطنطنیہ۔

ف: خریدۃ العجائب میں ہے کہ رومیۃ الکبریٰ بہت بڑا شہر ہے جس میں ایک عظیم گرجا ہے، جس کا طول تین سو ہاتھ ہے ستون خالص تانبے کے ہیں، جن کا اوپر کا پردہ زرد تانبے کا ہے۔ اس میں ایک ایسا گرجا ہے جو بیت المقدس کی ہیئت پر تیار کیا گیا ہے جس میں ایک ہزار غسل خانے اور ایک ہزار سرائیں ہیں۔ بہرحال رومیہ کبریٰ ایک ایسا شہر ہے جس کے اوصاف کا احاطہ نہیں ہو سکتا نہ ہی اس کے محاسن بیان کئے جا سکتے ہیں۔ یہ رومیوں کے لیے ایسا شہر ہے جیسے افرنگیوں کے لیے فرانس۔

ف: ان کے بادشاہوں کی کرسی اور ان کے امور کا اجتماع اور ان کی دیانت اور اس شہر کا فتح ہونا قیامت کی علامات سے ایک ہے۔

إِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝ یہ اصحٰب القریۃ سے بدل الاشتمال ہے گویا کہا گیا کہ مرسلین کے آنے کے وقت کی انہیں مثال دیجئے۔ یا مضاف مقدر سے بدل ہے گویا کہا گیا کہ انھیں رسل کرام کے آنے کا وقت یاد دلایئے ان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وہ فرستادہ مراد ہیں جنہیں آپ نے اہلِ انطاکیہ کے ہاں بھیجا تھا إِذْ أَرْسَلْنَآ إِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ یہ پہلے اذ سے بدل ہے یعنی اس وقت جبکہ ہم نے اصحاب القریہ کے ہاں دو رسول بھیجے ان سے حضرت یحییٰ و حضرت یونس (علیہما السلام) مراد ہیں۔

سوال: انہیں بھیجا تو عیسیٰ علیہ السلام نے تھا مگر ان کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کیوں کی؟

جواب: چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کو حکم اللہ تعالیٰ نے دیا تھا اس اصل حکم کی وجہ سے اپنی طرف منسوب فرمایا گویا یہ عیسیٰ علیہ السلام کے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے رسول تھے۔

مسئلہ: اس کو ایک فقہ کے مسئلہ سے سمجھیے وہ یہ کہ مؤکل نے وکیل کو کہا کہ تم یہ کام جیسے چاہو کر سکتے ہو۔ اس نے جا کر کوئی وکیل بنا لیا تو اب یہ دوسرا وکیل براہ راست مؤکل کا ہوگا اسے وکیل بھی معزول نہیں کر سکتا، ہاں مؤکل خود اسے معزول کر سکتا ہے۔

فَكَذَّبُوْهُمَا تو پھر انہوں نے ان کی تکذیب کی یعنی رسل کرام ان کے ہاں آئے اور دعوتِ حق پیش کی لیکن انہوں نے بلا سوچے سمجھے نہ صرف رسل کرام کی رسالت کی تکذیب کی ان کی پٹائی بھی کی اور پھر انہیں قید کر دیا فَعَزَّزْنَا ہم نے ان کی قوت بڑھائی۔ یہاں مفعول محذوف ہے جیسا کہ اس کا ماقبل

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اس پر دلالت کرتا ہے۔ اس لیے کہ معزز بہ اور اس کے تدبیرِ لطیف کا بیان مطلوب ہے اسی لیے کہ اس سے حق معزز اور باطل ذلیل ہوتا ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں: عزز المطر الارض۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب بارش مکمل طور پر زمین پر پھیل جائے۔ اور کہتے ہیں:

ارض عزاز۔ یعنی سخت زمین۔ وتعزز اللحم اشتد وعزکانہ حصل یعنی وہ اتنا سختی میں ہے کہ اس تک پہنچنا مشکل ہے۔

تاج المصادر میں ہے: التعزیز والتعزۃ یعنی طاقتور ہونا۔

اسی سے حدیث شریف ہے:

انکم لمعزز بکم۔

یعنی مشدد۔

بثالث تیسرے سے۔ اس سے شمعون الصفا مراد ہیں انہیں شمعون الصفرۃ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ حواریین کے صدر تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام رفع الی السماء کے بعد یہی ان کے خلیفہ و نائب ہوئے۔

ف: والتکملہ میں ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ تینوں مستقل رسول تھے یا نہیں۔ بعض نے تو انہیں رسل و انبیاء مانا ہے بعض نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں سے تھے انہیں عیسیٰ علیہ السلام نے اہل انطاکیہ کے ہاں پیامی بنا کر بھیجا اور چونکہ یہ حکم اللہ تعالیٰ کا تھا اس لیے اسی کی طرف ارسال منسوب فرمایا ورنہ حقیقی طور وہ رسول و نبی نہ تھے ارسال کی نسبت الی اللہ مجازی ہے۔

مسئلہ: اسی سے معلوم ہوا کہ وہ رسول و نبی نہ تھے نہ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانۂ نبوت میں نہ رفع الی السماء کے بعد۔ اسی طرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ ہے:

لیس بینی وبینہ نبی۔

(میرے اور اس کے مابین کوئی نبی نہیں)

اس کا احتمال ایک یہ ہے کہ کوئی نبی مستقل شریعت لے کر نہیں آئے گا۔ یہ مستقل شریعت والی نبوت کے منافی نہیں (اس سے قادیانی مرزائی کی نبوت کی تائید نہیں ہوتی کہ زمانۂ ختم نبوت سے پہلے کا قاعدہ ہے)

فقالوا انہوں نے کہا انا الیکم مرسلون ۝ بیشک ہم سب تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں چونکہ کافروں نے انکار کیا تو ان کے انکار پر شدید تاکیدیں لائی گئی ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ ان کے ایک کی تکذیب گویا کل کی تکذیب ہے بوجہ ان کی ایک بات (اتحاد مذہب حق) کے۔

اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام

رفع الی السماء سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام کی کاروائیاں کروا دی تھیں

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

آسمان پر لے جانا چاہتا ہوں۔ یہ سُن کر آپ نے حواریوں کو مختلف شہروں میں مختلف قوموں کے پاس بھیجنے کا پروگرام بنایا تاکہ خلقِ خدا کو دعوتِ حق دیں ان سب کا رئیس المبلغین شمعون تھا اور ان سب کو شہر نامزد کر کے وصیت فرمائی کہ جب میں آسمان پر چلا جاؤں تو پھر تم اپنے متعینہ علاقے میں چلے جانا اگر تمہیں اس علاقے کی بولی نہ آئے تو تمہیں راستے میں ایک فرشتہ شرابِ[1] خالص کا پیالہ لیے ملے گا وہ پیو گے تو تمہیں اس علاقے کی بولی آ جائے گی۔ ان میں سے دو مبلغوں کو انطاکیہ کو بھیجا گیا۔ وہاں کے لوگ بت پرست تھے۔ کما قال فی کشف الاسرار۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے رفع الی السماء سے پہلے انطاکیہ میں دو مبلغ بھیجے۔ جاتے وقت مبلغوں نے عرض کی کہ ہم تو ان کی بولی نہیں جانتے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے دعا کی، وُہ نیند سے جاگے تو انھیں وہاں کی بولی از بر تھی اور انہیں فرشتوں نے اٹھا کر انطاکیہ میں پہنچا دیا اور وہ اسی وقت اس علاقے کی بولی بولنے لگے جب وُہ شہر کے قریب ہوئے تو بکریوں کے ایک بوڑھے چرواہے سے ملے وہ حبیب نجار تھا اور بُت تراشتا تھا (یہی صاحب یٰسٓ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے سورہ یٰسٓ میں جاء رجل من اقصی المدینۃ الخ سے یاد فرمایا ہے) اس کو مبلغین نے السلام علیکم کہا، پوچھا تم کون ہو؟ فرمایا ہم عیسیٰ علیہ السلام کے مبلغین ہیں ہم تمہارے شہر میں دعوتِ حق پہنچانے آئے ہیں تاکہ تم راہِ راست پر آؤ اور ملتِ پاک کی پیروی کرو یاد رکھو کہ دین حق توحید اور خدائے یکتا کی عبادت کا نام ہے۔ بوڑھے نے کہا، کیا تمہارے پاس اس کی کوئی دلیل (معجزہ) وغیرہ ہے؟ کہا ہاں۔ بوڑھے نے کہا کون سا؟ فرمایا ہم بیماروں کو شفاء دیتے ہیں، مادر زاد اندھوں کو بینا اور برص کے مریضوں کو تندرست کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اذن سے۔ ان کے پاس عیسیٰ علیہ السلام کی دُعا سے وہی تھا جو انبیاء علیہم السلام کے معجزات ہوتے ہیں۔ بوڑھے نے کہا کہ میرا ایک مجنون بیٹا ہے جو میرے گھر میں ہے اس کے علاج سے اطباء و ڈاکٹر عاجز ہیں تم اسے تندرست بنا دو گے؟ فرمایا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ بوڑھا انھیں گھر لے گیا۔ اُنہوں نے بچے کے لیے دعا فرمائی اور اس کے جسم پہ ہاتھ پھیرا تو وہ باذنہٖ تعالیٰ تندرست ہو گیا؂

قدم نہادی بہ ہر دو دیدہ حبا کر دی
بیک نفس دل بیمار را دوا کر دی

ترجمہ: تُو نے قدم رکھا اور آنکھوں سے دیکھا تو میرے بیمار دل کو پل بھر میں دوائی دے کر شفا دے دی۔

---

[1] اس وقت آپ کی شریعت میں شراب حلال تھی پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حبیب نجار ایمان لے آیا

حبیب نجار اپنے بیٹے کی شفا دیکھ کر ایمان لے آیا۔ اس کی خبر آگ کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ ان دونوں کے ہاتھ سے ہزاروں بیماروں نے شفا پائی یہاں تک کہ ملک کے بادشاہ کو خبر ملی اس کا نام حناطیس الرومی یا انطیخس یا شلاحن تھا۔ اس نے ان مبلغین کو بلا کر سوال پوچھا۔ فرمایا، ہم عیسیٰ علیہ السلام کے قاصد ہیں تمہیں رب واحد کی عبادت کی دعوت دینے آئے ہیں۔ کہا، کیا ہمارے معبودوں کے علاوہ کوئی اور رب بھی ہے؟ فرمایا، ہاں وہی رب تو ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا، وہی تمہارا معبود ہے، جو اس پر ایمان لاتا ہے بہشت میں داخل ہوتا ہے اور جو اس سے کفر کرتا ہے وہ دوزخ میں جائے گا۔ پھر وہ ہمیشہ کے عذاب میں مبتلا رہے گا۔ بادشاہ کو اس پر غصہ آگیا اس نے مبلغین کو مارا پیٹا اور جیل بھیج دیا۔ ان کی یہ خبر عیسیٰ علیہ السلام کو ملی، آپ نے تیسرے کو بھیج دیا جس کا نام شمعون تھا تاکہ وہ ان دونوں کی مدد کرے۔ اس کے بعد آپ آسمان پر اٹھا لیے گئے (جیسا کہ بعض نے کہا) شمعون اجنبی بن کر انطاکیہ میں آیا اور بادشاہ کے حاشیہ برداروں کے ساتھ نشست و برخاست رکھی یہاں تک کہ وہ شمعون سے مانوس ہو گئے جس کی بادشاہ کو خبر دی گئی اور بادشاہ بھی شمعون سے مانوس ہو گیا۔ شمعون نے پہلے بادشاہ کے دین کی موافقت ظاہر کی یہاں تک کہ ان کے ساتھ بت کے ہاں بھی چلے جاتے وہاں نماز پڑھتے اور خوب آہ و زاری کرتے وہ سمجھے کہ یہ ان کے دین کا پرستار ہے۔ جیسا کہ شیخ سعدی قدس سرہ سومنات کا قصہ سناتے ہیں کہ وہ بھی اس مندر میں تشریف لے گئے اور اجنبی بنے رہے تاکہ ان کی کیفیت حال سے آگاہی ہو۔

۱ بتک را یکے بوسہ دادم بدست
کہ لعنت برو باد و بر بت پرست

۲ بتقلید کافر شدم روز چند
برہمن شدم در مقالات زند

ترجمہ: (۱) میں نے بت کو بوسہ دیا اور ہاتھ لگایا اور دل میں کہہ رہا تھا بت اور بت پرستوں پر لعنت۔

(۲) چند روز ان کی تقلید میں نہ صرف کافر رہا بلکہ ان کے مقالات زند کا امام بن گیا۔

ایک دن شمعون نے بادشاہ سے کہا: سنا ہے کہ آپ نے دو مردوں کو جیل بھیجا ہے جنہوں نے تیرے معبودوں کے سوا کوئی اور معبود بھی ہے۔ براہ کرم ان دونوں کو بلا کر میرے سامنے لائیے اور ان سے میری بات کرا دیجئے۔ پھر دیکھیے میں انہیں کیسے خاموش کراتا ہوں۔ بادشاہ نے ان دونوں کو بلایا۔

شمعون کی تبلیغ کا اثر

بعض روایات میں ہے کہ شمعون انطاکیہ میں پہنچتے ہی سیدھا ان دونوں کے پاس چلا گیا اور فرمایا کہ تمہارا مشن یوں کامیاب ہوتا کہ تم نرمی

لطف سے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

چو بینی کہ جاہل بکین اندر است
سلامت بتسلیم دین اندر است

ترجمہ: جب دیکھو کہ جاہل غضب میں ہے تو سلامت تسلیم کرنے میں ہے۔

شمعون نے فرمایا: تمہارا حال اس عورت جیسا ہے جس کے ہاں عرصۂ دراز کے بعد بچہ پیدا ہوا اور اس نے اس خوشی میں کہ وہ جلد جوان ہو جائے اُسے روٹی کا ٹکڑا کھلا دیا وہ بچہ فوراً مر گیا۔

بعد کو شمعون بادشاہ کے پاس چلا گیا اور پھر ان دونوں کو مناظرہ کے لیے بلایا جب وہ آئے تو کہا: تمہیں کس نے بھیجا؟ کہا: اُس خدا نے جس نے سب کو پیدا کیا اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ کہا: اس کی کوئی صفت بیان کرو لیکن مختصر جملہ میں۔ کہا: ہمارا خدا وہ ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو ارادہ کرتا ہے اس کا حکم فرماتا ہے۔ شمعون نے کہا: اس کی کوئی دلیل دو۔ کہا: بادشاہ جو آرزو کرے ہم بفضلہٖ تعالیٰ پوری کر دیں گے یہی ہمارے دعوے کی دلیل ہے۔ چنانچہ بادشاہ کے حکم سے ایسا نوجوان بچہ لایا گیا جس کی آنکھوں کا نہ صرف نور ختم ہو چکا تھا بلکہ چشم خانے بھی مٹ کر چہرہ کی طرح چمڑا بن گئے تھے ماتھا چہرہ برابر ہو گیا تھا اُنہوں نے نوجوان کے لیے دعا کی تو آنکھوں کی جگہ پھٹی پھر انہوں نے مٹی کے ڈھیلے بنا کر آنکھوں میں رکھ دیے بفضلہٖ تعالیٰ وہ نوجوان تندرست ہو گیا اور مکمل بینائی سے دیکھنے لگا۔ اس پر بادشاہ متعجب ہوا بادشاہ کو شمعون نے کہا: کیا تمہارے معبود اس طرح کر سکتے ہیں؟ بادشاہ نے کہا: اے شمعون! آپ سے کیا چھپاؤں، حقیقت یہ ہے کہ ہمارے معبود خود ایسے ہیں کہ نہ کچھ دیکھتے ہیں نہ سنتے ہیں اور نہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان۔[1]

مُردے زندہ ہو گئے

بادشاہ نے مذکورہ بالا کرامت دیکھ کر کہا کہ یہاں ایک بچے کو فوت ہوئے سات دن ہو گئے ہیں اس کا باپ جاگیر پر گیا ہوا ہے بچے کو ابھی دفن نہیں کیا گیا اس کے باپ کا انتظار ہو رہا ہے۔ مجھ سے مشورہ لیا گیا تو میں نے بھی اس کے انتظار کا ہی کہا ہے۔ کیا ان مبلغین کا رب اِس مُردہ بچے کو زندہ کر سکتا ہے؟ مبلغین کہنے لگے: کیوں نہیں! بادشاہ کے حکم سے وہ بچہ لایا گیا مبلغین نے کھُلم کھلا دعا کی اور شمعون نے دل میں۔ اس پر وہ مردہ بچہ (باذن اللہ تعالیٰ) زندہ ہو گیا اور کہنے لگا: میری جان نکلی تو مجھے سات دوزخوں میں پھرایا گیا اس لیے کہ میں کفر پر مرا۔ اب میں تمہیں کہتا ہوں کہ شرک سے بچو اور کفر سے توبہ کر کے ایمان لے آؤ۔ ابھی میں آسمان کے دروازے کھلے دیکھ رہا ہوں اور عیسیٰ علیہ السلام اپنے یاروں کی قبولیت کی سفارش کر رہے ہیں اور فرماتے ہیں اے اللہ! ان کی مدد فرما اس لیے کہ وہ میرے قاصد ہیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے زندہ کیا سُن لو میں کہتا ہوں:

---

[1] غور کیجئے ان قاصدوں نے دلیل تو دی تھی قدرتِ خدا تعالیٰ کی لیکن وہ خود قدرت دکھا رہے ہیں! اس سے معلوم ہوا کہ اولیاء کا کرنا درحقیقت اللہ کا کرنا ہے فافہم ولا تکن من الوہابیین۔ اویسی غفرلہٗ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وان عیسٰی روح اللہ وکلمتہ وان ھؤلاء الثلاثۃ رسل رسول اللہ۔

(میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور عیسٰی روح اللہ اور اس کے کلمہ ہیں اور یہ تینوں اللہ تعالیٰ کے رسول کے قاصد ہیں)

بادشاہ نے کہا: وہ تین کون؟

کہا: شمعون اور یہ دو۔

بادشاہ اس سے متعجب ہوا۔ جب شمعون نے کہا کہ بادشاہ اس سے متاثر ہوا ہے تو اپنی تمام حقیقت سنا دی اور کہا کہ واقعی میں بھی عیسٰی علیہ السلام کا قاصد ہوں۔ پھر بادشاہ کو پند و نصیحت کی صرف بادشاہ ایمان لایا لیکن اسے پوشیدہ رکھا تاکہ قوم بگڑ نہ جائے اور سرکش لوگ اسے بادشاہت سے نہ ہٹا دیں۔ دوسری برادری نے ایمان لانے کے بجائے مبلّغین پر پتھر برسائے اور کہا ان سب کا ایک بیان ہے اور طیش میں آکر حبیب نجار کو شہید کر دیا اور اس لڑکے کے باپ کو بھی جس کے مُردہ بچے کو زندہ کیا گیا تھا کیونکہ وہ بھی ایمان لایا تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو بھیجا اس نے چیخ ماری تو وہ سب کے سب مر گئے۔ اس کا مکمل قصہ آگے آئے گا (ان شاء اللہ)

ف: وہب بن منبہ اور کعب الاحبار نے فرمایا کہ بادشاہ بدستور کافر رہا اور یہ سب مل کر قاصدوں کے تعذیب و قتل میں کوشاں ہوئے۔ اس کی تائید یوں ہوتی ہے کہ یہ سرکشی و عناد میں بڑھے اور مکابرہ و معارضہ میں لگے رہے۔ اگر بادشاہ اور بعض قوم ایمان لاتی جیسے بعض نے کہا ہے تو پھر وہ بجائے اس کے مبلّغین کی موافقت کرتے اور ان کی اعانت کرتے ان کی ہر بات مانتے یا یہ کہ انہیں حبیب نجار کی طرح شہید کرتے لیکن اس بارے میں کوئی نقل صریح نہیں ملی۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ الناس علٰی دین ملوکھم (لوگ اپنے بادشاہ کے دین پر ہوتے ہیں) جیسا کہ وہ دلائل و براہین سے واضح ہے۔

قَالُوْا وہ انطاکیہ والے جو ایمان نہیں لائے تینوں سے مخاطب ہوئے اور کہا کہ مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تم نہیں ہو مگر بشر ہم جیسے۔ یہ قصر القلب کے قبیل سے ہے کیونکہ یہ مخاطب کوئی جاہل تو نہ تھے اور نہ ہی بشریت کے منکر تھے لیکن انہیں جاہل و منکر کے قائم مقام قرار دے کر ایسے کہا علاوہ ازیں وہ بشریت و نبوت ایک دوسرے کے منافی سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ انبیاء و رسل بشر نہیں ہوتے۔ اسی لیے

---

[1] کذا قال القشیری

[2] وہابی دیوبندی اہل سنت کے لیے یہی قول نقل کر کے کہتے ہیں کہ سنیوں کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ رسول بشر نہیں ہوتے یہ ان کا بہتان ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ رسول بشر ہوتا ہے لیکن وہ ہماری طرح نہیں ہوتا بلکہ اس کی حقیقت نوری ہوتی ہے۔ اویسی غفرلہ

For more Books click on link.
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

انہوں نے اس حکم کو الٹ دیا اور کہا تم نہیں ہو مگر بشر ہم جیسے، یعنی تم بشریت پر مقصور ہو تمہارے اندر رسالت کا وصف نہیں ہے جس کا تم دعویٰ کرتے ہو اسی لیے تمہیں ہم پر کوئی فضیلت نہیں جو ثابت کرے کہ تم رسالت کے اہل ہو اور ہم نہیں۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ بشروں کی طرف اپنا رسول بنا کر بھیجتا تو ان سے افضل کو بھیجتا یعنی ملائکہ کو۔ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَیْءٍ اور رب رحمان نے نہیں نازل فرمایا کسی شے میں سے نہ وحی آسمانی اور نہ ہی رسول جو پیغام پہنچاتے تو پھر تم کیسے رسول بن گئے اور ہم پر کیسے تمہاری اطاعت واجب ہو گئی یہ مذکور کلام کا تتمہ ہے یہ بھی انکار کو مستلزم ہے اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ۝ نہیں تم مگر اپنے دعوے میں جھوٹے قَالُوْا رَبُّنَا یَعْلَمُ انہوں نے کہا ہمارا رب جانتا ہے وہ علم حضوری کا مالک ہے اِنَّآ اِلَیْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ۝ بیشک ہم تمہاری طرف بھیجے ہوئے رسول ہیں اگرچہ تم ہماری تکذیب کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ کے علم کی گواہی دو اور یہ جملہ قسم کے قائم مقام ہے جبکہ اس سے تاکید مطلوب ہوتی ہے اور اس سے ڈرانا مقصود ہوتا ہے کہ اے خدا کے بندے! تم خدا کے علم کا مقابلہ کر رہے ہو اور لام تاکید کی بڑھائی ان کے شدتِ انکار کا مشاہدہ کرتے ہوئے وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ۝ اور نہیں ہم پر از جہت رب تعالیٰ مگر پہنچانا ظاہر یعنی اللہ تعالیٰ کی رسالت کی تبلیغ جو آیات سے ظاہر ہے اور وہ آیات اس کی صحت کی شاہد ہیں اسی لیے دعویٰ کی دلیل ضروری ہے اور وہ ہم دے چکے اور ہم اپنے عہدے سے بھی بری ہو چکے اسی لیے اب ہم پر کوئی مواخذہ نہیں اور تمہارا مجبور کرنا بھی ہمارے بس میں نہیں کہ ہم تمہیں اپنی صداقت پر مجبور کر سکیں اگر ایمان لاؤ تو فبہا ورنہ تم پر عذاب نازل ہو جائے گا اس میں تعریض ان پر کہ وہ حق کا انکار کر رہے ہیں اور یہ کہ حق مخفی بھی نہیں اور نہ ہی اس کی صحت پوشیدہ ہے بلکہ ان کا انکار محض عناد اور جاہلیت خالصہ ہے۔ قَالُوْٓا جب کفار کے تمام حیلے ختم ہو گئے اور انبیاء کا جواب نہ دے سکے تو کہا اِنَّا تَطَیَّرْنَا بِكُمْ تطیر پرندوں سے فال پکڑنا اس سے ان کا خیال تھا کہ پرندہ صبح کو اڑنے والا خیر کا اور شام کو اڑنے والا شر کا سبب ہے سورۂ نمل میں اس کی تفصیل گزری ہے اس کے بعد ہر نحوست و شوم پر اس کا استعمال ہوتا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے تم سے بری فال لی ہے جیسے جاہلوں کا طریقہ تھا کہ جو امراء کی خواہش نفسانی کے موافق ہوتا اسے بابرکت سمجھتے اگرچہ وہ سراسر شر ہی شر ہوتا اور جو امراء کی نفسانی شہوات کے مخالف ہوتا اسے منحوس سمجھتے اگرچہ سعادۃ دارین کا گنجینہ و خزینہ ہوتا۔

ف: حضرت نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تمہارے آنے کو ہم نے منحوس سمجھا ہے اس لیے کہ جب سے آئے ہو بارش نہیں ہوئی اور ہمیں جتنی پریشانیاں لاحق ہیں تمہاری وجہ سے ہیں فلہٰذا ہمارے ملک سے نکل کر اپنے وطن کو لوٹ جاؤ اور دعوت و تبلیغ کا سلسلہ بھی بند کرو تا کہ اب ہم تم سے کوئی نہ سنیں۔

مسئلہ: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نیک فالی کو اچھا فرماتے لیکن بدفالی کو مکروہ سمجھتے ان میں فرق

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

یہ ہے کہ فال میں اللہ تعالیٰ پر حسنِ ظن ہوتا ہے اور بدفالی میں غیر اللہ پر اعتقاد کیا جاتا ہے۔

حدیث شریف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ کی ہجرت کر کے تشریف لے جا رہے تھے تو راستہ میں آپ کو بریدہ بن اسلم ملا آپ نے نام پوچھا۔ تو اس نے کہا: بریدہ۔ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

برد امرنا وصلح۔

(ہمارا معاملہ آسان اور اچھا ہوگا)

برد یعنی سہل ہے اسی سے ہے:

الصوم فی الشتاء الغنیمۃ الباردۃ۔

(موسم سرما کا روزہ غنیمت باردہ ہے)

یعنی اس موسم میں روزہ رکھنا آسان ہے۔

پھر آپ نے اس سے پوچھا: اے نوجوان! تیرے باپ کا کیا نام ہے؟

عرض کی: ابن اسلم۔

آپ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

سلمنا من کیدھم۔

(ہم ان کے مکر سے بچ کر صحیح وسالم پہنچ گئے)

مسئلہ: فقہ میں ہے اگر ہامہ بولے یا کوئی اور جانور، اس پر کوئی کہے مریض مر جائے گا تو وقت ٹل کافر ہو جائے گا۔

مسئلہ: اگر کوئی سفر کو نکلے لیکن واپس آجائے اور کہے کہ میں کوے کی آواز کی وجہ سے لوٹ آیا ہوں (کہ اس کی آواز سفر کے نقصان پر دلالت کرتی ہے) لوٹنے والا اس غلط عقیدہ کی وجہ سے کافر ہو جائے گا (یہ بعض فقہاء کا مذہب ہے)

حدیث شریف میں ہے: کسی بندۂ خدا کے دل میں بدفالی کا تصور آجائے تو اُسے چاہیے کہ:

انا عبد اللہ ما شاء اللہ لا قوۃ الا باللہ لا یاتی بالحسنات الا اللہ ولا یذھب بالسیئات الا اللہ اشھد ان اللہ علیٰ کل شیٔ قدیر ثم یمضی بوجہہ۔

(میں اللہ کا بندہ ہوں وہ جو چاہے کوئی قوت نہیں سوائے اللہ کی مدد کے حسنات کو وہی لاتا ہے اور برائیوں کو وہی دفع کرتا ہے میں گواہی دیتا ہوں اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے)

پھر چل پڑے یعنی جہاں چاہے چلا جائے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ف: یعنی با کے ساتھ متعدی ہوا ہے اس لیے کہ یہ المرود کے معنی کو متضمن ہے۔

مسئلہ: جو شخص کہیں جانا چاہتا ہے لیکن بری فال کی وجہ سے رک گیا ہے تو جس خطرہ سے وہ رک گیا ہے وہی اسے لاحق ہوگا۔ کما فی عقد الدرر

لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَهُوۡا بخدا اگر تم اپنی باتوں سے نہیں رکو گے **لَنَرۡجُمَنَّكُمۡ** ہم تمہیں سنگسار کریں گے۔ الرجم یعنی پتھروں سے مارنا۔ **وَلَيَمَسَّنَّكُمۡ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيۡمٌ۝** اور تمہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔ یعنی اس گمان میں نہ رہو کہ صرف دو تین پتھر مار کر تمہیں چھوڑ دیں گے بلکہ تمہارے اوپر پتھراؤ جاری رہے گا یہاں تک کہ مر جاؤ، یہی دردناک عذاب ہے یا بسبب سنگساری کے تمہیں دردناک عذاب پہنچے گا۔

ف: بعض نے الرجم سے شتم مراد لی ہے یعنی ہم تمہیں صرف گالی گلوچ دیں گے اور گالی دیتے وقت ضرب شدید کے ذریعے تمہیں موت کے گھاٹ اتاریں گے۔

موچی کی حکایت ایک موچی عطار کی دکان سے گزرا، جونہی خوشبو اس کے دماغ میں پہنچی تو وہ بیہوش ہو کر گر پڑا۔ تماشائی پہنچے۔ چند ایک نے اس کو ہوش میں لانے کی کوشش کی لیکن

شعر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اسے خوشبوئیں سنگھاتے، کوئی فائدہ نظر نہ آیا، حیران تھے کہ یہ بیہوش ہوا کیوں! اس کے اقارب کو مطلع کیا گیا۔ اس کا بھائی آیا اور کتے کی خشک ٹٹی پیس کر ساتھ لایا اور اس کی ناک میں ڈال کر پھونک ماری تو وہ موچی نہ صرف ہوش میں آگیا بلکہ بصحت و عافیت چل پڑا۔

سبق: یہی حال کفار کا ہے، جیسا کہ حضرت جلال الدین رومی قدس سرہ نے مثنوی شریف میں فرمایا: ؎

۱ ناصحان او را بعنبر یا گلاب
می دوا سازند بہر فتح باب

۲ مر خبیثان را نشاید طیبات
در خور و لائق نباشد اے ثقات

۳ چون ز عطر وحی گم گشتند و گم
بد فغان شان تطیرنا بکم

۴ رنج و بیماریست ما را زین مقال
نیست نیکو وعظتان ما را بفال

۵ گر بیاغازید نصحی آشکار
ما کنیم آن دم شما را سنگسار

For more Ebooks click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۶ ما بلغو و لہو فربہ گشتہ ایم
در نصیحت خویش را نسرشتہ ایم

۷ ہست قوت ما دروغ و لاف و لاغ
شورش معدہ است مارا زیں بلاغ

۸ ہر کرا مشک نصیحت سود نیست
لاجرم با بوئے بد خوکرد نیست

۹ مشرکاں را زاں نجس خواندست حق
کاندروں پشک زادند از سبق

۱۰ کرم کو زاد ست در سرگیں اند
می نگرداند بعنبر خوے خود

ترجمہ: (۱) خیر خواہوں نے اس کا علاج عنبر و گلاب سے کیا تاکہ اس کے دماغ کا دروازہ کھلے۔

(۲) لیکن خبیثوں کو خوشبو سے کیا کام، اے معتبر لوگو! ایسی اشیاء اُن کے لائق نہیں۔

(۳) جب انطاکیہ والے طرزِ حق سے گم ہوئے اور گمراہ ہوئے ان سے تطیّرنا بکم (تمہاری وجہ سے نحوست ہے) کی آواز آئی۔

(۴) رنج و بیماری تمہاری ان باتوں سے ہے تمہارے وعظ ہمارے لیے مفید اور اچھے نہیں۔

(۵) اگر تم نصیحتیں شروع کروگے تو ہم تمہیں سنگسار کریں گے۔

(۶) ہم لغو و لہو سے جوان ہوئے تمہاری نصیحتوں سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔

(۷) ہماری غذا جھوٹ لاف و گزاف ہے۔ ہمارے معدے کو تمہاری نصیحت سے نقصان ہے۔

(۸) جسے نصیحت کی مشک سے فائدہ نہیں اسے تو بدبو سے ہی بدخوئی پیدا ہوگی۔

(۹) حق تعالیٰ نے مشرکوں کو نجس (پلید) کہا۔ اندرونی گندگی سے سبق حاصل کیا ہے۔

(۱۰) جو کیڑا گندگی سے پیدا ہو وہ عنبر سے کیسے پیار کرے گا۔

قَالُوْا اہلِ انطاکیہ کو رسل کرام نے فرمایا **طَآئِرُكُمْ** تمہاری شومی کا سبب **مَّعَكُمْ** تمہارے ساتھ ہے ہماری طرف سے نہیں اور وہ تمہارا برا عقیدہ اور برے اعمال ہیں۔

ف: طائر بمعنے ہر وہ شے جسے شوم سمجھا جائے۔

اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ایک ہمزہ استفہامیہ دوسرا شرطیہ ہے کیا اگر تم نصیحت دیے جاؤ اور ڈرائے جاؤ جس میں تمہاری سعادت ہے۔ شرط کا جواب محذوف ہے ماقبل کی دلالت پر سہارا کرکے حذف کیا گیا ہے۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وہ تطیّرتم لو توعدتم بالرجم والتعذیب ہے بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ○ بلکہ تم حد سے بڑھنے والے ہو۔ اس سے اعراض ہے جو شرط کا تقاضا ہے یعنی وہ یہ کہ ان کا وعدہ کرنا شومی کا سبب ہے حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے وہ یہ کہ اے کافرو! معاصی وگناہ میں حد سے تجاوز کرنا تمہاری عادت بن گئی ہے۔ اسی وجہ سے تم نحوست کا شکار ہوئے۔ یا تم ظلم وعدوان میں حد سے متجاوز ہوئے تو تمہیں ڈر اور خطرہ لاحق ہو گیا اور جن کی تعظیم وتکریم کرنا اور جنہیں متبرک بنانا تھا تم انہیں منحوس سمجھنے لگ گئے۔

تفسیرِ صوفیانہ

قوم مذکور سے نفس اور اس کے صفات مراد ہیں کیونکہ وہ طبع کی موافقت میں حد سے تجاوز کرتا ہے اور حق کی مخالفت میں ہوتا ہے۔ اسے نفس کی قید میں مہالک میں گر مرنے کی پروا نہیں ہوتی بلکہ وہ الٹا لوگوں کو بُرے راستہ کی طرف بلاتا ہے ؎

ہر کرا باشد مزاج وطبع سست
او نخواہد ہیچ کس را تن درست

ترجمہ: جس کا مزاج وطبع سست ہو وہ کب تندرست ہو سکتا ہے!

ف: جو نفس سے چھٹکارا پائے گا اور اس کا تزکیہ کرے گا تو کامیاب ہو گا، نہ صرف خود بلکہ اس کے یار دوست بھی کامیاب ہوں گے اسی لیے انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام اسی شغل میں مشغول رہے اور دوسرے لوگوں کو بھی متنبہ فرمایا۔ انہیں گناہوں اور خطاؤں اور اسراف سے دور رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور انہیں اصلاح کے طریقے پر لے جاتے ہیں۔ نصیحت اہل ایمان کو فائدہ دیتی ہے۔

شیخ نوری کی کرامت

خلیل کے غلام نے صوفیہ کرام کے بارے میں خلیفہ بغداد کے سامنے چغلی کھائی کہ وہ (معاذ اللہ) زندیق ہیں اس لیے وہ واجب القتل ہیں۔ خلیفہ سے کہا اگر تو ان کو قتل کرے گا تو یہ بہت بڑا کارنامہ ہو گا اور بہت زیادہ اجر وثواب ہو گا بادشاہ نے اپنے ملک کے صوفیہ کرام کو گرفتار کرا لیا، ان میں حضرت جنید، حضرت شبلی اور حضرت نوری رحمہم اللہ تعالیٰ بھی تھے بادشاہ نے ان کے شہید کرنے کا حکم دیا تو سب سے پہلے حضرت ابو الحسین نوری قدس سرہٗ پیش ہو گئے۔ جلاد نے کہا معلوم ہے تمہیں کہاں لے جا رہے ہیں، آپ نے فرمایا، جتنی دیر میں پہلے میں شہید ہوں گا اتنی دیر میرے ساتھی تو زندہ رہیں گے۔ میں ان کو اپنے اوپر ترجیح دیتا ہوں۔ جلاد نے حیران ہو کر بادشاہ کو جا کر واقعہ سنا دیا۔ بادشاہ بھی سن کر متعجب ہوا اور اس کے تمام حواری بھی۔ قاضی کو فرمایا تم جا کر ان کو آزماؤ۔ قاضی نے فرمایا ان میں سے ایک کو میرے پاس لاؤ تاکہ میں ان سے مسائل پر گفتگو کروں۔ قاضی کے ساتھ گفتگو کے لیے حضرت ابو الحسین نوری قدس سرہٗ بڑھے قاضی نے آپ سے چند فقہی مسائل پوچھے آپ نے دائیں بائیں دیکھ کر پھر دل پر توجہ کی اور تمام سوالات کے جوابات بخوبی سمجھا دیے۔ اس کے بعد فرمایا اللہ تعالیٰ کے بندے اٹھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بولتے ہیں اللہ تعالیٰ کی [illegible] سے ایسی تقریر کی کہ قاضی کو رُلا دیا۔ قاضی نے پوچھا آپ پہلے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

پہلے دائیں بائیں دیکھا پھر دل کی طرف متوجہ ہوئے ۔ کیوں ؟ آپ نے فرمایا : دائیں دیکھا تو فرشتے سے مسائل کا سوال کیا اس نے لاعلمی ظاہر کی پھر بائیں طرف والے سے پوچھا اس نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا ۔ پھر دل کی طرف توجہ کی تو تیرے سوالات منکشف ہو گئے اور وہ جواب میرے دل پر اللہ تعالیٰ سے القاء ہوتے گئے اور میں تجھے جواب دیتا گیا ۔ قاضی نے بادشاہ کو رپورٹ دی کہ اگر یہ زندیق ہیں تو پھر دنیا میں کوئی مسلمان نہیں ۔ خلیفہ نے تمام صوفیہ کرام کو بلا کر عرض کی کوئی ضرورت ہو تو بیان کرو ۔ فرمایا : ہماری ضرورت فقط یہ ہے کہ ہمیں دل سے بھلا دے اور ہمیں اپنے ہدایا قبول کرنے سے معاف فرما ۔ خلیفہ ان کی باتوں سے خوب رویا اور انہیں باعزاز و اکرام روانہ کیا ۔ جب خلیفہ و قاضی میں عدل و انصاف ہو تو وہ حق کی طرف مائل اور صوفیہ کے خدام بن جاتے ہیں ۔

تفسیر عالمانہ

وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ اور آیا شہر انطاکیہ کے دور کے حصہ سے رَجُلٌ ایک عظیم الشان مرد ۔

نکتہ : رجلیت اور تنکیر اس کی عظمت شان کی وجہ سے ہے ورنہ یہ نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں نہ تھا اور اس کا گھر دور انطاکیہ کے دروازہ کے نزدیک تھا ۔

نکتہ : دوری کے ذکر میں اشارہ ہے کہ ان بندگانِ خدا کی تبلیغ کا اثر دور دور تک پھیل گیا یہاں تک کہ آنے والا مرد شہر کے آخری کنارے سے آیا اور وہ شہر بارہ میل تک پھیلا ہوا تھا ۔

یَسْعٰی درانحالیکہ وہ تیز چلتا تھا ۔

حلِ لغات : سعی چلنے اور دوڑنے کی درمیانی چال کا نام ہے کما فی المفردات ۔

نسب رجل مذکور وہ حبیب بن مری نجار تھے جو علماء کے نزدیک صاحب یٰسٓ کے نام سے مشہور ہیں بعض تواریخ میں اسکندر رومی کی نسل سے لکھا ہے اسے نجار اس لیے کہا جاتا تھا کہ وہ بت بناتا تھا ۔

فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ وہ ان رسل کرام کی وجہ سے ایمان لایا اور یہی جمہور کا مذہب ہے حالانکہ حدیث شریف میں ہے :

سباق الامم ثلاثۃ لم یکفروا باللہ طرفۃ عین علی بن ابی طالب وصاحب یٰسٓ و مؤمن آل فرعون ۔

(امتوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے تین ہیں جنہوں نے کبھی کفر نہیں کیا :
۱ ۔ علی ابن ابی طالب (رضی اللہ عنہ)   ۲ ۔ صاحب یٰسٓ   ۳ ۔ مومن آل فرعون)

ف : عدم کفر سے بتوں کو سجدہ نہ کرنا مراد ہے یا یہ کہ اصول شرائع کے خلاف ان سے سرزد نہ ہوا ۔ نیز بت گری سے بت پرستی ثابت نہیں ہوتی ۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

التعریف سہیلی میں ہے کہ وہ نجار تھے لیکن یہ ضروری نہیں کہ جو نجار ہو وہ بت پرست بھی ہو۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے چھ سو سال پہلے آپ پر ایمان لایا۔

نعتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھ کر ایمان لایا

حبیب نجار کے ایمان بمصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا موجب یہ ہوا کہ وہ اہلِ علم تھا اس نے جب اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب پڑھی تو اس میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت دیکھی اور آپ کے مبعوث ہونے کا وقت معلوم کیا تو آپ کا کلمہ پڑھا اور آپ کے سوا کسی اور نبی (علیہ السلام) پر ایمان نہیں لایا۔

پڑھا کلمہ تمہارا یا رسول اللہ

علامہ سہیلی علیہ الرحمۃ نے فرمایا، حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے کلمہ پڑھنے والے یہ حضرات ہیں:

(۱) حبیب نجار

(۲) قس بن ساعدہ مکہ معظمہ میں۔

حدیث شریف میں ہے: "اللہ تعالیٰ قس بن ساعدہ پر رحم فرمائے مجھے امید ہے کہ وہ قیامت میں ایک ہی امت میں اٹھیں گے۔"

(۳) ورقہ بن نوفل ابن عم خدیجہ رضی اللہ عنہا

(۴) زید بن نفیل

(۵) تبع اکبر

قصہ تبع اکبر

تبع اکبر مرحوم مدینہ طیبہ سے گزرا اس کے ساتھ ایک لاکھ تیس ہزار سوار اور ایک لاکھ تیرہ ہزار پیدل لشکر تھا۔ ان میں سے چار سو دانشور، علماء، حکماء نے عہد کیا کہ ہم اس شہر مبارک کو چھوڑنا نہیں چاہتے۔ حکمت معلوم کی گئی تو کہا یہ وہی مقام ہے جہاں نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے تشریف لا کر مقیم ہوں گے۔ تبع اکبر مرحوم نے ان چار سو کو مکانات بنوا دیے اور چار سو لونڈیاں آزاد کر کے ان کے نکاح میں دیں اور انہیں دیگر بہت سے انعام واکرام سے نوازا اور ایک خط لکھ کر سربمہر کر کے ایک بہت بڑے عالم کے سپرد کر کے کہا کہ یہ خط حضور سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش ہو (اگر نہ مل سکیں تو بذریعہ وصیت بعثت در بعثت) اس میں لکھا کہ تبع آپ پر ایمان لایا اور اس نے آپ کے دین کو قبول کیا۔ اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص مکان بنایا اور لکھا کہ جب آپ مدینہ طیبہ میں تشریف لائیں تو اسی مکان میں اجلالِ نزول اور قیام ہو۔ وہ مکان جس میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ قیام فرما تھے وہی درحقیقت نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنا مکان تھا اور ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اسی بڑے عالم کی اولاد سے تھے۔ اس سے

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ثابت ہوا کہ آپ اپنے ہی مکان میں قیام پذیر ہوئے۔ آپ کو اس کی اولاد میں سے کسی سے وہی خط بعثت کے اوائل میں مل گیا تھا یا اس وقت ملا جب آپ ہجرت کرکے مدینہ طیبہ کو تشریف لا رہے تھے تو راستہ میں کسی نے جا کر پہنچایا۔ جب آپ کو وہ خط پڑھ کر سنایا گیا تو آپ نے تین بار فرمایا:

مرحبا بتبیع الاخ الصالح۔

(نیک بخت بھائی تبع مرحبا)

تبع نے بعثتِ نبوی سے ایک ہزار سال پہلے ایمان ظاہر کیا۔

ف: یہ انصارِ مدینہ انہی چار سو علماء حکماء کی اولاد سے تھے۔

تبع کی صاحبزادیوں کے مزارات قبل از اسلام صنعاء یمن میں قبر کھودی گئی تو اس میں دو عورتیں پائی گئیں جن کے اجساد ابھی تر و تازہ تھے ان کے سرہانے چاندی کی تختی پر لکھا تھا:

هذا قبر فلانة وفلانة ابنتي تبع ماتتا وهما تشهدان ان لا اله الا الله ولا تشركان به وعلى ذلك مات الصالحون قبلهما۔

(یہ قبر فلانہ اور فلانہ بنت تبع کی ہے وہ مر گئیں اور گواہی دیتی تھیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتی تھیں اور اسی کلمہ پر صالحین ان سے پہلے فوت ہوئے)

حدیث شریف میں ہے:

من مات وهو يعلم لا اله الا الله دخل الجنة۔

(جو مرا اور اسے علم تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں تو وہ بہشت میں داخل ہوگا)

نکتہ: حدیث شریف میں وهو یؤمن وهو یقول نہیں کہا تاکہ معلوم ہو کہ ہر اہلِ توحید[1] شفاعت کے بغیر بہشت میں داخل ہوگا اگرچہ ان کو ایمان کا وصف نہ بھی ملا ہو، جیسے قس بن ساعدہ وغیرہ کہ ان کے ہاں کسی نبی علیہ السلام کی شریعت موجود نہ تھی کہ اس پر اور اس نبی علیہ السلام پر ایمان لاتے۔ اس توجیہ پر قس رضی اللہ عنہ وغیرہ کو موحد کہیں گے لیکن مؤمن (اصطلاحی) نہیں کہہ سکتے۔ کذا فی الفتوحات المکیہ۔

حبیب نجار کے ایمان کا اظہار حبیب نجار کا ایک جھونپڑا تھا جو شہر سے دور ایک کونے میں، دن کو مزدوری کرتے۔ آدھا مال راہِ خدا میں خرچ کرتے آدھا اپنے عیال کے لیے رکھتے۔ گوشۂ تنہائی میں عباداتِ الٰہی بجا لاتے۔ کسی کو خبر تک نہ تھی۔ یہاں تک کہ جب سنا

---

[1] اس توجیہ سے یہ اصطلاح اہلِ تصوف مراد ہے نہ کہ بہ اصطلاح وہابیہ (خذلہا اللہ تعالیٰ)۔ اویسی غفرلہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کہ عیسیٰ علیہ السلام کے فرستادگان پر اہلِ انطاکیہ ظلم و ستم ڈھا رہے ہیں تو ان کی امداد کے لیے جھونپڑے سے نکل کر ان کے ہاں اظہارِ ایمان کیا۔

اہلِ انطاکیہ کے ظلم کا نمونہ

منقول ہے کہ اہلِ انطاکیہ نے ان اہلِ ایمان کے گھروں پر حملہ بول دیا ایک ایک کو ان کے گھروں سے نکال کر گلے میں رسی ڈال کر باہر کھینچ لائے۔ یہ چالیس تھے اور گلے میں بھی سوراخ کر کے رسیاں ڈالیں اور کھینچتے رہے۔ حبیب نجار پہاڑ کی غار میں عزلت نشین تھے جیسے ابدال پہاڑوں کی غاروں میں عزلت نشین ہوتے ہیں۔ جب سنا کہ اہلِ ایمان پر ظلم و جفا ہو رہا ہے تو خود بخود ان کے ہاں پہنچ گئے۔

قَالَ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے گویا پوچھا گیا کہ حبیب نجار نے آ کر کیا کہا تو فرمایا اس نے کہا یٰقَوْمِ اے میری قوم!

سوال: انھوں نے اپنی قوم سے کیوں خطاب فرمایا؟

جواب: ان کے دل نرم کرنے اور اپنی نصیحت کو قبول بنانے کے ارادہ پر، اور اشارہ سے سمجھایا کہ جو کچھ میں تمہیں کہوں گا اس میں تمہاری بھلائی ہے اور تمہارے لیے کوئی برا ارادہ نہیں رکھتا۔

ف: نیز یہ بھی مشہور ہے کہ وہ اہلِ انطاکیہ میں متقی اور معتدل الاخلاق مشہور تھے۔

اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ○ وہ جو تمہارے ہاں احکام لے کر آئے ہیں وہ حق پر ہیں فلہٰذا ان کی اتباع کرو اور رسالت کا عنوان اس لیے اختیار کیا تاکہ انھیں ان کی اتباع کی طرف میلان ہو۔

ف: مروی ہے کہ جب حبیب نجار آئے تو رسولوں سے پوچھا کہ تم اس وعظ و تقریر پر کچھ مزدوری لیتے ہو؟ فرمایا نہیں بلکہ ہم تو اعلائے کلمۃ الحق کے لیے آئے ہیں سوائے اظہارِ دین کے ہمارا اور کوئی مقصد نہیں۔

اس پر حبیب نجار نے کہا اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ ان کی اتباع کرو جو تم سے سوال نہیں کرتے اَجْرًا اجرت اور مال کا نصیحت و تبلیغ کر کے تم سے کچھ لیں وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ○ اور وہ ہدایت یافتہ ہیں، دین و دنیا کی بھلائی ان کے ہاتھ میں ہے، طریقِ حق پر پہنچے ہوئے اور خیر و بھلائی تک لے جانے والے ہیں۔ اور جو اپنی دعوت و تبلیغ میں متہم نہ ہو اس کی اتباع واجب ہے اگرچہ وہ رسول (پیغمبر) نہ ہو اور یہ تو رسل کرام اور ہدایت یافتہ ہیں۔

ف: جو کہتے ہیں کہ ایغال کلام کا ایسے جملہ پر ختم کرنا جو ایسے نکتے کا فائدہ دے جس پر اس کے بغیر معنیٰ مکمل ہو جائے تو ان کے نزدیک یہ آیت مثال کے طور پر ہے کیونکہ وھم مھتدون کا معنیٰ کسی سہارے کے بغیر مکمل ہے کیونکہ رسول ہوتا ہی وہی ہے جو ہدایت پر ہو۔ لیکن پھر بھی ترغیب کے لیے اور اتباع پر شوق بڑھانے کے لیے کہا گیا۔ من لا یسئلکم ' المرسلین ' سے بدل ہے اور اتبعوا کا

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

معمول ہے اور دوسرا اتبعوا پہلے کے لیے تاکید لفظی ہے۔

ف : الارشاد میں ہے کہ تکرار تاکید کے علاوہ اس طرف متوجہ کرنا ہے کہ جو لوگ طمع و غرض کے بغیر تمہیں دین کی طرف لا رہے ہیں اتباع کے لائق ہیں کیونکہ وہ دنیا و آخرت کے جامع ہیں۔

جاہل ریاکار پیروں کا رد اس میں جاہل پیروں اور ریاکار سجادہ نشینوں کا رد ہے کہ اپنی دکان چمکانے اور دنیا و دولت بٹورنے کے لیے بیوقوف لوگوں اور احمقوں اور پاگلوں کو طرح طرح کے شعبدے دکھاتے ہیں کما فی التاویلات النقشبندیہ۔ ؎

رہ کاروان شیر مردان زنند　　ولے جامۂ مردم اینان کنند
عصاے کلیمند بسیار خوار　　بظاہر چنین زرد روے و نزار

ترجمہ: شیر مردوں کے قافلے لوٹتے ہیں بلکہ اُن کے کپڑے بھی اتار لیتے ہیں۔
عصاے کلیم کی طرح بسیار خور ہیں بظاہر زرد چہرہ اور کمزور نظر آتے ہیں۔

ربط: جب حبیب نجار نے انہیں نصیحت کی تو انہوں نے کہا کہ تو ہمارے دین کا مخالف ہو گیا ہے اور ان رسولوں کا فرمانبردار بن گیا ہے۔ آپ نے ان کے جواب میں فرمایا۔ (باقی مضمون پارہ ۲۳ میں پڑھیے)

الحمدللہ کہ فقیر اویسی غفرلہ نے پارہ نمبر ۲۲ کے ترجمہ سے بروز سوموار ۹ بجے ۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۳ھ میں فراغت پائی۔

وصلی اللہ علی حبیبہ الکریم الرؤف الرحیم سید المرسلین وعلی
آلہ واصحابہ اجمعین۔

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

فہرست مضامین پارہ نمبر 21,22

مضمون	صفحہ
آغاز پارہ نمبر ۲۱	
اتل ما اوحی الیک	۳
عربی معہ ترجمہ	"
آداب تلاوت	۷
وہابی عقیدہ خارجی اصول والے	۱۵
کیسا تھا حضرت علی شیر خدا کا	
مناظرہ	
سایہ مصطفی ﷺ کی نفی کا	۱۸
نکتہ اور جواب	
حافظ قرآن مجید کے فضائل	۲۲
رکوع قل کفی باللہ	۲۷
عربی معہ ترجمہ	۲۸
رکوع وما ھذہ الحیٰوۃ	۳۲
عربی معہ ترجمہ	
تفسیر قرآنی از عکرمہ	۴۷
شرح حزب البحر	۴۹
آغاز سورۃ الروم	۶۱
عربی معہ ترجمہ	
روم کا نسب نامہ	۶۴
فرس کی تحقیق	ایضاً
شاہ فارس کا تعارف	۶۵
حضور علیہ السلام کا والا	۶۵
نامہ بنام قیصر روم	
آخرت میں اہل دنیا کا حال	۷۶
طالبان دنیا	ایضاً
منطق و فلسفہ اور دیگر	۸۳
علوم غیر نافعہ	
رکوع اللہ یبدؤا الخلق	۸۶
عربی معہ ترجمہ	
بہشتی سماع	۹۰
پرویزی ٹولے کا رد	۹۷
سبحان اللہ پڑھنے کے فضائل	۱۰۰
رکوع ومن آیاتہ ان خلقکم	۱۰۱
عربی معہ ترجمہ	
کون کس کے لئے رحمت	۱۰۹
علوم کی اقسام	ایضاً
نیند سے اٹھنے کی دعا	۱۱۳
رکوع ضرب لکم مثلاً	۱۲۶
عربی معہ ترجمہ	۱۲۷
اور یہی تہتر فرقے	۱۳۰
موسوی اکہتر فرقے	ایضاً
عیسوی بہتر فرقے	ایضاً
لیس کمثلہ شیء	۱۳۳
معتقد اہل سنت	۱۳۳
ائمہ اہلسنت کا تعارف	۱۳۵
تقلید شخصی	ایضاً
بد مذاہب کی صحبت سے بچو	ایضاً
سیدنا اویس و ہرم رضی اللہ عنہ	۱۵۳
ملفوظ حضرت علی رضی اللہ عنہ	۱۵۸
لقمان حکیم کا مقولہ	ایضاً
شرک کے اقسام	۱۶۵
رکوع ظہر الفساد فی البر	۱۶۶

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بی معہ ترجمہ ۱۶۷تا
صدف کے اطوار ۱۶۹
موتی نکالنے کا موسم ایضاً
جنگل کے موتی ایضاً
گندم کا دانہ شتر مرغ ۱۷۲
کے انڈے کے برابر تھا
قبور کے مقیم کا احوال ۱۷۵
محبوبانِ خدا کی خدمت کا صلہ ۱۸۱
شیخ شبلی کی کہانی ۱۸۷
بہادر جنت کی یادگار ایضاً
مردے کی کہانی ایضاً
کرامت فاروقی ۱۹۳
کرامت نجاشی بعد الوفا ایضاً
کرامت امام حسین رضی اللہ عنہ ایضاً
رکوع اللّٰہ الّذی خلقکم ۱۹۹
عربی معہ ترجمہ
جوانی نعمت ہے ۲۰۲
خضاب کی ممانعت ایضاً
قیام قیامت کی خبر ۲۰۹

آغاز سورۃ لقمان

عربی معہ ترجمہ ۲۱۶
سرود و غنا کی تحقیق ۲۲۸
سماع کے اقسام ۲۳۳
ریاکار کو چند موعظہ ۲۴۱
اعمال حسنہ کا مقابل ایضاً
رکوع ولقد آتینا ۲۴۳
عربی معہ ترجمہ
حضرت لقمان نبی نہیں تھے ۲۴۵
پاخانہ کرنے کے آداب ۲۵۱
اور حضرت لقمان کی حکمت
ماں کے گستاخ کی سزا ۲۶۳
نوح علیہ السلام کے ایضاً
بے ادب بیٹے کی سزا
لقمان کی موت کا سبب ۲۶۶
عصر کی چار رکعت ۲۷۸
سنت کی فضیلت
دعائے نبوی ۲۷۸
رکوع الم تروا ان اللہ ۲۸۱
عربی معہ ترجمہ
تونگری کا وظیفہ ۲۹۱
تختِ ابلیس کہاں ہے ۲۹۳
وظیفہ برائے غنا ظاہری و باطنی ۲۹۶
لیل و نہار کی وجہ تسمیہ ۲۹۹
شمس و قمر مومن یا کافر ۳۰۰
سورج اور چاند کی موت ایضاً
رکوع الم تر ان ۳۰۲
عربی معہ ترجمہ

آغاز سورۃ السجدہ

عربی معہ ترجمہ ۳۲۳
نور مصطفیٰ ﷺ کن سے پہلے ۳۲۵
حضور حق میں
ملائکہ کے مقامات ۳۳۲
مراتب کی تقسیم
ملک الموت کی موت کا بیان ۳۳۰
رکوع ولو تریٰ اذ ۳۳۵
عربی معہ ترجمہ ۳۳۶تا
دوزخی و بہشتی کا جھگڑا ۳۳۹
دنیوی عذاب کا نمونہ ۳۶۵
رکوع ولقد آتینا موسیٰ ۳۶۸
عربی معہ ترجمہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی شان کمال ۳۷۱
ہدایت کی اقسام ۳۷۲

آغاز سورۃ الاحزاب

عربی معہ ترجمہ ۳۸۱ت۳۸۲
مذہب اہلسنت ۴۰۰
امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا عجیب موقف ایضاً
قلم سے سوال ۴۰۶
رکوع یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ ۴۱۰
عربی معہ ترجمہ ۴۱۱ت
دشمنوں کی شکست کے قصے ۴۱۶
عصر کی قضا کا بیان ایضاً
یثرب کی وجہ تسمیہ ۴۲۸
مدینہ طیبہ کی وجہ تسمیہ ایضاً
جنگ سے فرار کی سزا ۴۳۶
رکوع لَقَدْ کَانَ لَکُمْ ۴۴۱
عربی معہ ترجمہ
تعلق مابین جسم و روح ۴۴۴
عشق انس بن النضر ۴۴۷
رضی اللہ عنہ کا تحفہ
مرغا کی مرغے کے ساتھ کشتی ۴۵۱
تیتر کی بٹیر کیساتھ ایضاً
تیتر کی تیتر کیساتھ کشتی
اونٹ کی اونٹ کے ساتھ کشتی ایضاً
ریچھ کی کتے کے ساتھ کشتی ایضاً
کتے کی کتے کیساتھ کشتی ایضاً
جانوروں پر ظلم ایضاً
ملائکہ کی مدد ۴۶۳
رکوع یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ ۴۶۸
عربی معہ ترجمہ

آغاز پارہ نمبر ۲۲

رکوع ومن یقنت ۴۷۸
عربی معہ ترجمہ
امام زین العابدین کا صبر و تحمل ۴۹۱
ازواج مطہرات ۵۰۱
اولاد رسول ﷺ ۵۰۲
بیٹے بیٹیاں نواسے نواسیاں ایضاً
رکوع اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ ۵۰۳
عربی معہ ترجمہ ۵۰۴ت
حضرت زینب سے حضور علیہ السلام کی محبت کی کہانی ۵۱۲
حضرت زید کا تعارف ۵۱۴
نکتہ دربارہ عدم تولید عائشہ ۵۲۱
گستاخ نبی کا قصہ ۵۲۵
حضور علیہ السلام کے ایک جزا انعام ۵۲۸
چارپائی کے غمخوار ایضاً
اسم چومنے کی برکت ۵۳۱
شیعہ کا جھوٹا عقیدہ ۵۳۷
رکوع یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ۵۳۸
عربی معہ ترجمہ ۵۳۹ت
طلوع شمس سے پہلے وقت کی فضیلت ۵۵۲
موسیٰ علیہ السلام کی وحی ۵۵۶
سید الرسل کی افضلیت کی وجہیں ۵۶۲
حضور علیہ السلام کے بچے ۵۸۳
ام المساکین کس کا لقب تھا ۵۸۹
ازواج مطہرات کی تعداد ۶۰۲
رکوع یاایھا الذین ۶۰۷
عربی معہ ترجمہ

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

احمق کی علامت ۶۱۳
حضرت عمر اور آیت حجاب ۶۱۴
شہید با عشق حاضر و ناظر ۶۲۳
مردہ قبر سے باہر والوں کو جانتا پہچانتا ہے ۶۳۶
نور مصطفیٰ ﷺ آدم علیہ السلام کی پیشانی میں ۶۳۸
امت کو درود کا حکم کیوں ایضاً
حضور ﷺ ہمیں ہمارے نام اور ہمارے قبیلے کا نام جانتے ہیں ۶۴۱
بوقت اذان انگوٹھے چومنے کا ثبوت ۶۵۲
زیارت نبوی کا وظیفہ ۶۶۰
ایذائے رسول ﷺ کا ایک واقعہ ۶۷۳
ولی اللہ کعبہ سے افضل ہے ۶۸۰
رکوع یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ ۶۸۲
عربی مع ترجمہ
حضرت عمر کا درہ ۶۸۳
رکوع یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ ۶۹۸
عربی مع ترجمہ
جہل کے معانی اور اسکی قسمیں ۷۲۰

آغاز سورۂ سبا

عربی مع ترجمہ ۷۲۹ تا ۷۳۰
معروف کرخی کا مقام ۷۵۳
رکوع وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ ۷۵۴
عربی مع ترجمہ ۷۵۵ تا
حضرت سلیمان علیہ السلام کے سفر کا نمونہ ۷۶۵
سلیمانی مکتوب ایضاً
ہوا سلیمان علیہ السلام کے تابع کیسے ہوئی ۷۶۷
سلیمان علیہ السلام کے محلات کی تعداد ۷۷۳
تین سلیمانی دعائیں ۷۷۶
داؤد علیہ السلام کا حلم تحمل ۷۸۳
سلیمان علیہ السلام کی موت کی نشانی ۷۸۶
درندوں سے حفاظت ۸۱۲
رکوع قُلْ اُدْعُوا الَّذِیْنَ ۸۱۳
عربی مع ترجمہ
تحقیق اسم کبیر ۸۱۸
مدرسہ معلم علوم دینیہ کی فضیلت ایضاً
زن و شوہر کو راضی رکھنے کا طریقہ ایضاً
اسم فتاح کی خاصیت ۸۲۳
کن سے پہلے کون ۸۲۹
ہر گل میں ہر شجر میں محمد کا نور ۸۳۰
رکوع وَقَالَ الَّذِیْنَ ۸۳۴
عربی مع ترجمہ
رکوع وَمَآ اَمْوَالُکُمْ ۸۳۸
عربی مع ترجمہ ۸۳۹ تا
تقرب الٰہی کے اسباب ۸۴۱
فقر رسول ﷺ کا نمونہ ایضاً
خرچ کرنے والوں کی فہرست ۸۴۸
بخیل کی علامت ایضاً
رکوع قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُکُمْ ۸۵۸
عربی مع ترجمہ
کعبہ کو ڈھانے والے دھنس جائیں گے ۸۶۵

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

آغاز سورۃ (الملائکۃ) فاطر ۸۶۹
عربی معہ ترجمہ
درد سر اور داڑھ کے درد کا علاج ۸۷۰
جذام کا علاج ایضاً
ارواح انسان ملائکہ سے پہلے ۸۷۱
پروں کی تعداد اور ان کی حکمتیں ۸۷۳
جبریل علیہ السلام کا قد و قامت ایضاً
نبی کا گستاخ واجب القتل شیطان ۸۸۷
سے دوری کا نسخہ
رکوع افمن زین لہٗ ۸۹۰
عربی معہ ترجمہ ۸۹۱تا
بدل جاتی ہیں تقدیریں شاہی ۹۰۵
دریا کی گستاخی اور سختی ۹۱۰
دریا کا ادب اور اس کا انعام
رکوع یاایہا الناس ۹۱۷
عربی معہ ترجمہ
اعجوبہ عصمت انبیا علیہ السلام ۹۲۰
فقیر کسے کہتے ہیں ایضاً
اولیاء اللہ سے نسبت کا فائدہ ۹۲۳
تحقیق سماع موتی ۹۳۱
رکوع الم تر ان اللہ ۹۳۶
عربی معہ ترجمہ ۹۳۷تا
درد اور تھکان کا روحانی علاج ۹۴۵
ضعف بصر کا علاج ایضاً
خدام القرآن کی شان قیامت ۹۴۶
میں درس قرآن کی فضیلت
نصب و لغوب کا فرق ۹۶۳
بہشت کا منظر ایضاً
قدر والے ہی قدر جانتے ہیں ۹۶۵
رکوع ان اللہ علم غیب ۹۷۰
عربی معہ ترجمہ ۹۷۱تا
حلیم و صبور میں فرق ۹۷۷
اولیاء کے طفیل دنیا قائم ہے ۹۷۸
قیامت کی آخری نشانی ایضاً
آغاز سورۃ یٰسین ۹۸۹
عربی معہ ترجمہ
رسول خدا ﷺ سے بالمشافہ گفتگو ۹۹۳
ہلاکت اعداء ۹۹۸
خاصیت اسم رحیم ایضاً
دفع پریشانی ایضاً
باغ کے پھلوں میں برکت ایضاً
برائے حب ایضاً
وصیت نبی برائے علی ۱۰۰۳
وظیفہ غلبہ پر اعداء ۱۰۱۰
ہجرت و معجزہ رسول الہ ایضاً
رکوع و ضرب لہم ۱۰۲۱
عربی معہ ترجمہ
رفع الی السماء سے پہلے عیسیٰ علیہ ۱۰۲۳
السلام کی کارروائیاں
حبیب نجار ایمان سے آیا ۱۰۲۶
شمعون کی تبلیغ کا اثر ایضاً
نعت مصطفیٰ پڑھ کر ایمان لایا ۱۰۳۵
پڑھا کلمہ تمہارا یا رسول اللہ ایضاً
قصہ تبع اکبر ایضاً
اختتام پارہ نمبر ۲۲ ۱۰۳۸

☆☆☆☆☆☆

For more Books click on link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

فیوض الرحمٰن

اردو ترجمہ

تفسیر روح البیان

شیخ القرآن والحدیث فیض ملت حضرت علامہ مفتی

محمد فیض احمد اویسی رضوی مدظلہ

مکتبہ اویسیہ رضویہ
سیرانی روڈ بہاول پور

فیوض الرحمن

فیض ملت محدث وقت شیخ القرآن والحدیث

مترجم

محمد فیض احمد اویسی رضوی مدظلہ

فیوض الرحمٰن

اردو ترجمہ

تفسیر روح البیان

پارہ نمبر 28 27

مصنف

سراج العلمأ زبدۃ الفضلأ حضرت مولانا شیخ **اسماعیل حقی** قدس سرہ

مترجم

شیخ القرآن والحدیث فیض ملت حضرت علامہ مفتی **محمد فیض احمد** اویسی رضوی مدظلہ

ناشر: مکتبہ اویسیہ رضویہ سیرانی روڈ بہاولپور (پاکستان)

نام کتاب فیوض الرحمٰن اردو ترجمہ
تفسیر روح البیان پارہ 28-27
مصنف حضرت علامہ الشیخ اسماعیل حقی حنفی قدس سرہ
مترجم حضرت شیخ القرآن علامہ مفتی محمد فیض احمد اویسی مدظلہ
مصحح الحاج چوہدری مشتاق محمد خان لاہور

سن طباعت 1994
ناشر مکتبہ اویسیہ رضویہ سیرانی روڈ بہاولپور (پاکستان)
باہتمام صاحبزادہ محمد عطاء الرسول اویسی

marfat.ocm

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ○ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ○

ابراہیم نے فرمایا تو اے فرشتو تم کس کام سے آئے بولے ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں

لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ﴿٣٣﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿٣٤﴾

کہ ان پر گارے کے بنائے ہوئے پتھر چھوڑیں جو تمہارے رب کے پاس حد سے بڑھنے والوں کے لیے نشان

فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٣٥﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ

کیے رکھے ہیں تو ہم نے اس شہر میں جو ایمان والے تھے نکال لیے تو ہم نے وہاں ایک ہی گھر

مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿٣٦﴾ وَتَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿٣٧﴾

مسلمان پایا اور ہم نے اس میں نشانی باقی رکھی ان کے لیے جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں

وَفِيْ مُوْسٰٓى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٨﴾ فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ

اور موسیٰ میں جب ہم نے اسے روشن سند لے کر فرعون کے پاس بھیجا تو اپنے لشکر سمیت پھر گیا

وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿٣٩﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ وَهُوَ

اور بولا جادوگر ہے یا دیوانہ تو ہم نے اسے اور اس کے لشکر کو پکڑ کر دریا میں ڈال دیا اس حال میں کہ وہ اپنے آپ کو ملامت

مُلِيْمٌ ﴿٤٠﴾ وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ﴿٤١﴾ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ

کر رہا تھا اور عاد میں جب ہم نے ان پر خشک آندھی بھیجی جس چیز پر گزرتی اسے گلی ہوئی

عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ﴿٤٢﴾ وَفِيْ ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ﴿٤٣﴾

چیز کی طرح کر چھوڑتی اور ثمود میں جب ان سے فرمایا گیا ایک وقت تک برت لو

فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿٤٤﴾ فَمَا اسْتَطَاعُوْا

تو انہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی تو ان کی آنکھوں کے سامنے انہیں کڑک نے آلیا تو وہ نہ کھڑے ہو سکے

مِنْ قِيَامٍ وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ﴿٤٥﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا

اور نہ وہ بدلہ لے سکتے تھے اور ان سے پہلے قوم نوح کو ہلاک فرمایا بیشک وہ

فٰسِقِيْنَ ﴿٤٦﴾ وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ ع ٢

فاسق لوگ تھے اور آسمان کو ہم نے ہاتھوں سے بنایا اور بیشک ہم وسعت دینے والے ہیں اور زمین کو ہم نے فرش کیا تو ہم کیا ہی

الْمٰهِدُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿٤٩﴾ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ

اچھے بچھانے والے اور ہم نے ہر چیز کے دو جوڑ بنائے کہ تم دھیان کرو تو اللہ کی طرف بھاگو بیشک

إِنِّي لَكُم مِّنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ㊿ وَلَا تَجْعَلُوا مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ ۖ إِنِّي لَكُم مِّنْهُ
میں اس کی طرف سے تمہارے لیے صریح ڈر سنانیوالا ہوں اور اللہ کے ساتھ اور معبود نہ ٹھہراؤ بیشک میں اس کی طرف سے تمہارے
نَذِيرٌ مُّبِينٌ (51) كَذَٰلِكَ مَا أَتَى الَّذِينَ مِن قَبْلِهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا قَالُوا سَاحِرٌ
لیے صریح ڈر سنانیوالا ہوں یونہی جب ان سے اگلوں کے پاس کوئی رسول تشریف لایا تو یہی بولے کہ جادوگر ہے یا
أَوْ مَجْنُونٌ (52) أَتَوَاصَوْا بِهِ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ (53) فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَا أَنتَ
دیوانہ کیا آپس میں ایک دوسرے کو یہ بات کہہ مرے ہیں بلکہ وہ سرکش لوگ ہیں تو اے محبوب تم ان سے منہ پھیر لو تو تم پر کچھ
بِمَلُومٍ (54) وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ (55) وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ
الزام نہیں اور سمجھاؤ کہ سمجھانا مسلمانوں کو فائدہ دیتا ہے اور میں نے جن اور آدمی اتنے ہی لیے
إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (56) مَا أُرِيدُ مِنْهُم مِّن رِّزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَن يُطْعِمُونِ (57) إِنَّ
بنائے کہ میری بندگی کریں میں ان سے کچھ رزق نہیں مانگتا اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھانا دیں بے شک
اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ (58) فَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذَنُوبًا مِّثْلَ ذَنُوبِ
اللہ ہی بڑا رزق دینے والا قوت والا قدرت والا ہے تو بے شک ان ظالموں کیلئے عذاب کی ایک باری ہے جیسے ان کے
أَصْحَابِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُونِ (59) فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِن يَوْمِهِمُ الَّذِي
ساتھ والوں کے لیے ایک باری تھی تو مجھ سے جلدی نہ کریں تو کافروں کی خرابی ہے ان کے اس دن سے جس کا وعدہ
يُوعَدُونَ (60) ع
دیئے جاتے ہیں

۳ ع ۱۴ ۲

تفسیر عالمانہ قَالَ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ یہ فرشتے ہیں کسی دوسرے کام کے لئے بھیجے گئے ہیں ان سے فرمایا فَمَا خَطْبُكُمْ تم کون سے بہت بڑے عظیم الشان کام کے لئے بھیجے گئے ہو سوائے خوشخبری کے اس لئے کہ الخطب اکثر ہر اس کام کے لئے ہوتا ہے جو محاورہ میں عظیم الشان ہو بہت تھوڑا ایسا ہوا ہے کہ شدائد و تکالیف میں مستعمل ہوا ہے مثلاً کہا جاتا ہے خطوب الزمان وغیرہ (زمانہ کے حادثات)) اور فاء تعصب کی ہے اس پر متفرع ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ ملائکہ کرام ہیں۔

ایھا المرسلون اے بھیجے ہوئے فرشتو! قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ۔ ہم مجرم لوگوں کی طرف بھیجے گئے وہ لوگ جو جرائم و معاصی میں سرکش اور ان پر اصرار کرتے ہیں۔ ان سے لوط علیہ السلام کی قوم

maarifat.com

مراد ہے۔ فتح الرحمن میں ہے وہ جرائم کے مرتکب ہوتے تھے۔ اور جرائم معاصی و مآثم سے بڑھ کر ہوتے ہیں۔

لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ تاکہ ہم ان پر پھینکیں بعد اس کے کہ ان کی بستیاں الٹ دیں۔ اور انہیں تہ بالا کریں جیسا کہ دوسری سورتوں میں تفصیل آگئی ہے۔ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ گارے کے ڈھیلے جو آگ پر پکائے جائیں اور ان پر ہر ایک مجرم کا نام لکھا ہوا تھا اگر من طین کی قید نہ لگائی جاتی تو وہم ہو تاکہ وہ برف والے ڈھیلے اٹھا کر لائے تھے جیسا کہ ارسلنا کے قرینہ سے سمجھا جا رہا تھا کہ آسمان سے لائے تو وہی ہوں گے اس کا ازالہ فرمایا کہ وہ آگ سے پکائے ہوئے ڈھیلے تھے (مُّسَوَّمَةً) نشان والے۔

حل لغات سوّمت الماشیۃ سے ہے بمعنی میں نے اسے چھوڑا تاکہ گھاس چرے اس کی ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے

فائدہ حضرت سعدی المفتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھے اس لئے من جاء یہاں محذوف ماننا پڑے گا۔ اسے مِنْ عِنْدَ رَبِّكَ یا وہ عذاب کے لئے نشان والے تھے۔ اس وقت انہیں اسومتہ سے ماننا ہوگا۔ بمعنی المعلمۃ یعنی ان پر سفید یا سرخ نشان تھا یا سیماء سے تاکہ وہ زمین کے ڈھیلوں سے ممتاز محسوس ہوں یا مسومہ بمعنی ہر ڈھیلے پر اس کا نام لکھا ہوا تھا جس کے لئے وہ چھوڑا گیا تھا تاکہ وہ ہلاک و تباہ ہو جس پر اس کا نام تھا۔

عندربک تیرے رب تعالیٰ کی طرف سے یعنی اس کے خزانوں سے جن میں اس کے سوا اور کوئی تصرف نہیں کر سکتا۔

لِلْمُسْرِفِيْنَ حد سے بڑھنے والوں کے لئے، فجور ہیں جبکہ انہوں نے اپنی عورتوں سے جماع پر اکتفاء نہ کیا جو ان کے لئے مباح کی گئیں اور وہ لڑکوں سے لواطت کے مرتکب ہوئے۔

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسرفین کا مشرکین بتایا ہے کیونکہ تمام گناہوں سے حد متجاوز اور بڑھ کر اور کوئی گناہ نہیں۔

فَاَخْرَجْنَا تو ہم نے نکالا۔ فاء فصیحہ ہے جو محذوف کو ظاہر کرتی ہے گویا کہا گیا ہے تباشروا یا امر وابہ فاخرجنا انہوں نے اس پر عمل کیا جس کے لئے انہیں حکم تھا تو ہم نے نکالا اپنے حکم سے فاسر باھلک الخ (لوط کو اپنے اہل کو لے جایئے) اس معنی پر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دینا ہے جبریل علیہ السلام کا قول نہیں۔

فائدہ حضرت کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ یہ الٹنے والی

بستیوں پر عذاب کرنے آئے ہیں اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو تباہ کریں گے تو آپ کو اپنے برادر زادہ حضرت لوط علیہ السلام پر رحم آیا اور سوچا کہ ان پر ایسے عذاب میں کیا گزرے گی۔ تو ملائکہ کرام نے فرمایا فکر نہ کیجئے لوط علیہ السلام اور ان کی صاجزادیاں عذاب سے محفوظ رہیں گے۔ اور فاخرجنا کا یہی مطلب ہے من کان فیہا وہ جو اس میں ہیں یعنی قوم لوط میں جو ہیں وہ پانچ تھے جیساکہ تفسیر الکاشفی میں ہے ان کا ذکر نہ کرنا ان کی شہرت کی وجہ سے ہے۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ مومنین میں سے جو حضرت لوط علیہ السلام پر ایمان لائے۔ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ تو نہ پایا ہم نے اس بستی میں سوائے اہل بیت کے مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اسلام لانے والوں میں سے وہ یہ تھے۔

حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی دو صاجزادیاں لیکن آپ کی زوجہ وہ کافرہ تھی اسی طرف حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے اشارہ فرمایا۔

بایدان یار گشت ہمسر لوط
خاندان نبوتش گم شد

سگ اصحاب کہف روزے چند
پے نیکاں گرفت مردم شد

ترجمہ (۱) حضرت لوط علیہ السلام کی ہمسر (زوجہ) بروں کے ساتھ رہی تو خاندان نبوت سے اس کا نام ختم ہو گیا۔
(۲) اصحاب کہف کے کتّا نے چند روز نیکوں کے قدم پکڑے تو آدمی بن گیا۔

فائدہ بعض نے کہا حضرت لوط علیہ السلام اور آپ کے اہل بیت میں سے جنہوں نے نجات پائی وہ کل تیرہ تھے۔ بعض کہتے ہیں قوم لوط میں سے صرف ایک فرد ایمان لایا تھا آپ نے انہیں بیس سال تبلیغ فرمائی۔

انبیاء علیہم السلام کے امتیوں کی گنتی علماء فرماتے ہیں کہ قیامت میں بعض انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ان کی امت آئے گی بعض کے ساتھ ان کی قوم، بعض کے ساتھ ان قبیلہ ہوگا بعض کے ساتھ اس کا بیٹا اور صرف ایک فرد اور ہوگا اور بعض وہ ہوں گے جن کی کسی نے بھی تابعداری نہ کی ہوگی۔ اور ان کی دعوت کو کسی نے قبول تک نہ کیا۔ یہ اس وقت ہوگا جہاں کی حاضری سخت اور تاریکی پھیلی ہوگی۔ یعنی قیامت کے دن۔

مسئلہ آیت میں اشارہ ہے مومن و مسلم صدقاً و ذاتاً متحد ہیں لیکن مفہوماً متحد نہیں کیونکہ مسلم مومن سے عام ہے۔ ہر مومن مسلم ہے لیکن ہر مسلم مومن نہیں۔

فائدہ کبھی عام و خاص ایک مادہ میں متحد ہو جاتے ہیں۔

marfat.ocm

فائدہ بعض نے کہا کہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے لیکن حکم مخبر پر یقین کرنا اور قبول کرنا اور مخبر کو سچا ماننا اور اسلام خضوع و انقیاد کا نام ہے یعنی احکام کو قبول کرنا اور ان پر یقین کرنا یہی تصدیق کی حقیقت ہے جیسے اس سے مخفی نہیں جسے اولیٰ عقل و تامل ہے اور اس کا انکار مکابرہ ہے۔

وَتَرَكْنَا فِيهَا اور اس بستی میں ہم نے نہ چھوڑی آیتہ کوئی علامت جو ان پر پتھروں سے پہنچے ہوئے عذاب پر دلالت کرتی ہے یا ان کا وہ سیاہ پانی بدبودار جو ان کی زمین سے نکلا۔

لِلَّذِينَ يَخَافُونَ الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ان لوگوں کے لئے جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں۔ یعنی ان کا حال یہ ہے کہ وہ عذاب سے ڈرتے ہیں بوجہ ان کی سلامتی فطرت اور رقت قلبی کے نہ ان کے ماسوا وہ لوگ جن کے دل سخت ہیں وہ تو اسے کچھ نہیں سمجھتے جیسا کہ ہم نے بہت سے حجاج کو دیکھا کہ جب وہ حضرت صالح علیہ السلام کے شہروں سے گزرتے ہیں تو پرواہ تک نہیں کرتے حالانکہ حضور نبی پاک ﷺ جب ایسے مقامات سے گزرتے تو گریہ فرماتے اور سر مبارک کو جھکا کر چلتے اور دوسروں کو بھی رونے کا حکم فرماتے اور فرماتے رونا نہیں آتا تو رونے والی صورت بنا کر یہاں سے گزرو۔

فائدہ آیت میں دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑی قدرت کا مالک ہے کہ وہ دین کے مددگاروں کی مدد کرتا ہے اور اپنے دشمنوں سے بدلہ لیتا ہے اگرچہ دیر سے۔

حب درویشاں آیت میں دلیل ہے کہ وہ باب نجات اور حشر مع اہل الفلاح و اہل الرشاد کا دارومدار اللہ والوں سے محبت اور حسن اتباع میں ہے لیکن وہ ان سے معنوی اتصال سے نصیب ہوتا ہے نہ کہ ظاہری نشست و برخاست سے ورنہ نوح و لوط علیہما السلام کی ازواج نجات پا جاتیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں فرمایا ادخلا النار مع الداخلین (تم دونوں دوزخ میں داخل ہونے والوں کے ساتھ دوزخ میں داخل ہو جاؤ)

سبق عاقل پر لازم ہے کہ کامل کی اتباع کرے اور اہل فساد و اہل قصور سے دور رہے۔ بالخصوص فسادی عورتوں سے کہ وہ ناقصات العقل والدین اور ناقصات الشہادت والمیراث ہیں ان میں بہت سی ایسی ہیں کہ جن پر نفسانیت و شیطانیت کا غلبہ ہوتا ہے بالخصوص ایک فسادی عورت دوسری کے ساتھ ملے تو فساد میں اضافہ کرتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ قوم مجرم اور مسرف وہ نفس اور اُس کی صفات ذمیمہ ہیں۔ اذکارو

ریاضات نفس اور اس کے اوصاف کو تباہ کر سکتے ہیں اور شخص انسانی کے شہر میں مسلمان صرف قلب سلیم اور اس کے اوصاف حمیدہ ہیں یہی ہلاکت سے سالم رہتے ہیں۔ جب نفس اور اس کے صفات ذمیمہ مٹ جاتے ہیں تو نفس کا تزکیہ اور اس کے اخلاق کی تہذیب دلیل بنتی ہے اور وہ لوگ جو عذاب دردناک سے ڈرتے ہیں ان کو قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا کی وعید سے عبرت حاصل ہوتی ہے لیکن یہ تزکیہ اگرچہ اس کا حصول خارجی اسباب وسائط سے ہوتا ہے لیکن درحقیقت یہ بھی فضل الٰہی پر منحصر ہے ورنہ ہر ایک کو حاصل ہوتا جو اسباب پر عمل کرتا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جن کے نفوس مطمئنہ راضیہ مرضیہ ہیں (آمین)

تفسیر عالمانہ وَفِيْ مُوْسٰى اور موسیٰ علیہ السلام میں۔ اس کا عطف وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ پر ہے۔ اس معنی پر ابراہیم و لوط علیہما السلام کا قصہ جملہ معترضہ کی طرح ہے اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی ہے کہ اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو آپ سے پہلے بھی اسی طرح ہوتا رہا اور کافروں کو ڈر سنایا جا رہا ہے کہ تمہارے سے پہلے ایسے لوگ گزرے ہیں جنہیں ہم نے تباہ کیا وہ بھی تمہاری طرح انبیاء علیہما السلام کی تکذیب کرتے تھے جیسے قوم لوط ہلاک ہوئی یا اس کا عطف وترکنا فیہا ایتہ پر ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیج کر دکھا دیا کہ موسیٰ علیہ السلام ایمان داروں سمیت نجات پا گئے۔ اور فرعون اپنی قوم سمیت تباہ برباد اور غرق ہوا۔ اس میں اے کفار مکہ تمہارے لئے عبرت ہے یہ ایسے ہے۔ یہ اس عبارت کی طرح ہے۔ حلقتہا تبناً و ماء بارداً میں نے اسے گھاس کھلایا اور ٹھنڈا پانی پلایا یعنی سقیتہا (معناً محذوف ماننا پڑے گا کیونکہ پانی کھلایا نہیں پلایا جاتا ہے) ورنہ فی موسی ترکنا کا معمول نہیں بن سکتا' کیونکہ ترکنا فی موسی ایتہ صحیح نہیں ہو سکتا جیسے ترکنا فی تلک القری صحیح ہے اس لئے کہ یہاں ترک سے البقاء مراد ہے اور موسیٰ علیہ السلام کے لئے اس لئے صحیح نہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام نہ رہے تو پھر ا نہیں جو نجات جیسے انعامات ملے وہ کیسے باقی رہ سکتے ہیں۔

اذ ارسلناہ (جب ہم نے انہیں بھیجا اس کا منصوب ہونا آیت محذوفہ سے ہے ای کائنۃ وقت ارسلنا دوسری تقریر پر یہ جعلنا کا ظرف ہے الی فرعون فرعون والی مصر کی طرف بسلطان مبین ساتھ دلیل ظاہر کے وہ جو ظاہر ہوئے ان سے معجزات باہرہ جیسے عصا اور ید بیضا وغیرہ ہما سلطان مصدر ہے اور مصدر کا استعمال

تعدد پر بھی ہوتا ہے۔ فَتَوَلّٰی بِرُكْنِهٖ (تو وہ پھر اپنی جانب) یعنی گردن پھیری اس سے اعراض روگردانی مراد ہے یعنی ایمان سے منہ موڑا اور ہٹ گیا التولی بمعنی الاعراض (روگردانی) ہے اور برکنہ کی باء تعدیہ کی ہے جیسے ونای بجانبہ میں باء تعدیہ کی ہے اس لئے کہ اس نے نای کو متعدی کیا ہے بمعنی بعد اس تقریر رکن بمعنی طرف وجانب ہوا اس سے مراد اس کی اپنی ذات ہے اس لئے کہ طرف الشئی اور اس کی جانب سے شے کا نفس مراد لیا جاتا ہے اور اصطلاح میں ہے کہ رکن الشئی بمعنی الجانب والا قوی جیسے کاندھا انسان کے لئے بعض نے کہا اس نے روگردانی کی ساتھ اس کے جس سے اسے قوت حاصل تھی ملک لشکر کیونکہ رکن بمعنی مایر کن الیہ الانسان وہ شے جس کی طرف انسان مائل ہو اور وہ مال اور لشکر اور قوت ہی ہو سکتی ہے بہر حال رکن لشکر کے لئے مستعار (مجاز) ہے کیونکہ لشکر کو اس رکن (ستون) سے مشابہت ہے جس سے مکان کی بنیاد قوت پکڑتی ہے اس معنی پر باء سببیہ یا ملابستہ ومصاحبتہ کی ہے۔

وقال اور فرعون نے کہا موسیٰ علیہ السلام سَاحِرٌ جادوگر ہیں اور جادو خوارق عادات پر چشم بندی کرتا ہے۔ اور مجنون یا مجنون ہے کہ اپنے انجام کی فکر نہیں کرتا المجنون بمعنی ذوالجنون ' جنون بمعنی زوال العقل وفساد یعنی عقل کا زائل اور فاسد ہو جانا ' موسیٰ علیہ السلام سے جو خوارق عادات کے طور صادر ہوئے انہیں فرعون نے گویا کی طرف منسوب کیا اور سوچا یہ کہ یہ امور ان کے اپنے اختیار و سعی سے ہے یا کسی دوسرے کی مدد سے ظاہر کرتے ہیں۔

فائدہ ابو عبیدہ نے فرمایا کہ "او" بمعنی "واو" ہے کیونکہ انہوں نے وہ دونوں (سحر۔ جنون) موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کئے یہ ایسے ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا الی مأۃ الف او یزیدون وہ لاکھ یا ان سے زائد کی طرف بھیجے گئے جیسے اس آیت میں "او" بمعنی واو ہے۔ ایسے ہی آیت مذکورہ میں او بمعنی واؤ ہے)

فرعون کی حماقت بزرگوں نے فرمایا کہ فرعون کا موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر اور مجنون کی طرف منسوب کرنا اس کی حماقت بلکہ جہالت کی دلیل ہے اس لئے کہ اس نے آپ کو دو متضاد باتوں سے منسوب کیا کیونکہ ظاہر ہے کہ جادوگر عقل تام اور ذہن وذکاء و خوب ادراک کرنے والا ماہر اور حذاقت وافر کا مالک ہوتا ہے اور دیوانگی زوال عقل کی نشانی ہے۔ کمال عقل وزوال عقل کا اجتماع کیسا۔

فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ (تو ہم نے اسے پکڑا اور اس کے لشکر کو پھر ہم نے انھیں دریا میں پھینکا)

حل لغات النبذ بمعنی القاء الشی وطرحہ الخ شے کو بیکار کر کے پھینک دینا اب معنی کہ ہم نے انھیں بحر قلزم میں پھینکا باوجودیکہ بہت تھے ایسے پھینکے گئے جیسے تمھارا کوئی کنکریاں ہاتھ میں لے کر دریا میں پھینک دیتا ہے اور وہ ان کا کوئی خیال تک نہیں کرتا بس ایسے ہی پھینکتا جا رہا ہوتا ہے وھو ملیم اور وہ خود کو ملامت کرتا تھا یعنی جب ہم نے اسے پکڑا تو اس کا حال یہ تھا کہ وہ اپنی ہر چھوٹی بڑی غلطی کو ملامت کرتا تھا اس لئے ہر صاحب ذنب (گناہ) کی مقدور پر ملامت کیا جاتا ہے۔

فائدہ حضرت کاشفی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا کہ ملیم بمعنی مستحق ملامت یا خود کو ملامت کرنے والا کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام سے کیوں اعتراض کیا اور کیوں انہیں ساحر مجنون کہا اسی لئے وہ مرتے وقت کہہ رہا تھا۔ آمنت انہ الخ (میں ایمان لایا)

بگو آنچہ دانی سخن سودمند　　وگر ہیچ کس را نیاید پسند
کہ فردا پشیماں بر آرد خروش　　کہ آوخ چرا حق نکردم بگوش

ترجمہ: ۱۔ کہہ وہ جو سودمند سخن جانتا ہے اگرچہ کسی کو پسند نہ آئے۔

۲۔ کہ کل پشیمان ہو کر فریاد کرے گا کہ نصیحت حق کو میں نے کیوں نہ سنا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں موسیٰ قلب کی طرف اشارہ ہے کہ اسے فرعون نفس کی طرف بھیجا گیا ساتھ دلائل کے یعنی لا الہ الا اللہ کا عصاء کہ جس کا اعجاز ظاہر ہے بایں طور کہ وہ جو جتنا بہتان تراشتے ہیں سب کو نگل جاتا ہے۔ یعنی بناوٹی جادوؤں کو فرعون کے جادوگر یعنی نفس کی تمام صفات ذمیمہ کو فرعون نفس نے اعجاز و ایمان سے روگردانی کی طرف اپنی تمام صفات کے تو اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا و قہر و جلال کے دریا میں غرق کر دیا (ہم مالک متعال کے غضب سے پناہ مانگتے ہیں) اس لئے کہ فرعون نفس موسیٰ قلب کی طرف جنون ہے حالانکہ موسیٰ قلب مجنون نہ تھا بلکہ مجذوب تھا کیونکہ ان دونوں میں فرق ہے اس قدرت الٰہی کے مشاہدہ سے ماسوی اللہ سے بے خبر ہو جائے۔ مجذوب کی عقل اللہ تعالیٰ کے ہاں پوشیدہ اور اس کے شہود سے نعمت یافتہ اور اس کے حضور میں مقیم اور اس کے جمال میں مصروف ہے

یہی وہ لوگ جو عقول کے بغیر اصحاب عقول ہیں۔

مجذوب کی قسمیں مجذوب تین قسم ہیں۔

۱۔ جس کی عقل پر واردات کا غلبہ ہو اس پر واردات کا حکم چلتا ہے یہی وجہ ہے وہ ہر حال میں واردات سے مغلوب رہتا ہے اس پر انہیں واردات کا تصرف ہوتا ہے جب تک وہ اسی حال میں ہے اس کی اپنی کوئی تدبیر نہیں ہوتی۔

۲۔ اس کی عقل تو روک دی جاتی ہے لیکن عقل حیوانی اس کے پاس ہوتی ہے جس سے وہ کھاتا پیتا تصرف کرتا ہے لیکن بلا تدبیر اور بغیر سوچ سمجھے ایسے لوگوں عقلاء المجانین کہا جاتا ہے کیونکہ یہ دوسرے (حیوانات) لوگوں کی طرح عیش طبعی سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔

۳۔ اس دائمی طور واردات نہیں کبھی زائل ہو جاتے ہیں کبھی آجاتے ہیں جب اس سے واردات زائل ہو جاتے ہیں تو وہ لوگوں میں اپنی عقل سے ہی وقت بسر کرتا ہے امور کی صحیح تدبیر کرتا ہے جو کچھ کہتا ہے صحیح عقل سے کہتا ہے تدبیر اور سوچ بچار سے کلام کرتا ہے وہ عام لوگوں کی طرح ہوتا ہے یہ صاحب القدم المحمدی ہوتا ہے کیونکہ حضور نبی پاک ﷺ نزول وحی کے وقت تو اپنے سے فارغ ہو جاتے لیکن جب وحی سے فراغت پاتے تو لوگوں کو وحی کا پیغام سناتے۔

مسئلہ مجاذیب سے آداب شرعیہ کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ عقول سے فارغ ہوتے ہیں کیونکہ ان پر امر الہی سے ایک عظیم الشان ورود کا غلبہ ہوتا ہے۔

ہر کہ کرد از جام یک جرعہ نوش نہ ادب ماند در وے نہ عقل و ہوش

ترجمہ: جس نے جام (عشق) کا ایک گھونٹ پیا اسے نہ ادب کا خیال رہا نہ عقل و ہوش

مسئلہ ۱۔ مجاذیب کا حکم اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی ہے جو حالت شہود اور نعت استقامت میں مر گیا وہ حیوان (جانور) کی طرح ہے کہ از حکم طبعی کھاتا پیتا اور جماع کرتا ہے اس پر کوئی قید نہیں اور نہ اس پر کوئی مطالبہ کیونکہ ان پر ہر وقت کشف طاری رہتا ہے جیسے حیوانات پر مثلاً ایسے میت پر جانوروں کی طرح حالات منکشف ہیں کیونکہ جب اس کی نعش اٹھا کر چلتے ہیں تو میت کہتی جلدی لے چلو (اگر وہ سعید ہے) اگر وہ شقی (کافر وغیرہ) ہے تو کہتی ہے یارو مجھے کہاں لے جا

رہے ہو ایسے جس کی عقل نہ ہو (مجذوب کی طرح) تو اس کا حکم بھی میت کا ہے کیونکہ اس کا مردوں (اموات) میں شمار ہوتا ہے یہ ان سعادت مندوں میں سے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ راضی ہے۔

فائدہ اکثر مجنوں لوگ مکاشفات و مشاہدات سے ہوتے ہیں یعنی وہ لوگ امور غیبیہ و احوال ملکوتیہ کا مکاشفہ اور وہ امور جو عام لوگوں سے مخفی ہیں وہ ان کا مشاہدہ کرتے ہیں اور یہ دولت انہیں مجاہدہ کے بغیر نصیب ہوتی ہے اسی سے ہی وہ دائرہ عقل سے خارج ہوتے ہیں کیونکہ ایسے لوگ اچانک کی فتح کے متحمل نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ اس کے لئے پہلے سے تیار نہیں ہوتے اسی لئے اس حالت کے بعد ان لوگوں کا دائرہ عقل میں داخل ہو جانا مشکل ہو جاتا ہے ہاں اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ایسے حضرات بھی ہیں جن پر وہ حالت بھی طاری ہوتی ہے لیکن عقل کی بقاء بھی قبول کر لیتے ہیں اور وہ اپنے حال پر غالب بھی رہتے ہیں ایسا نہیں کہ ان پر حال کا غلبہ ہو جائے پہلا اہل نہایت سے ہے دوسرا اہل ہدایت سے اور اللہ تعالیٰ تو جملہ امور پر غالب ہے (وہ جیسے چاہے مالک ہے)

تفسیر عالمانہ وفی عاد یعنی قوم عاد میں آیات ہیں اس کا عطف فی الارض پر ہے وجعلنافیھم آیتہ پر اس تقدیر پر وہ وترکنافیھاایتہ کا معطوف ہوا۔ اذارسلناعلیھم جبکہ ہم نے ان پر یعنی ان کے نفوس پر بھیجی اصالت اور ان کے گھروں اور ان کے اموال اور جانوروں پر تبعاالریح العقیم آندھی سخت۔

حل لغات العقیم العقم سے ہے اگر بالضم ہو تو بمعنی وہ عارضہ جو رحم میں واقع ہوتا ہے تو پھر وہ بچہ کے ٹھہرنے کو قبول نہیں کرتی۔ (قاموس) اور آندھی کو اس سے اس لئے موصوف کیا گیا ہے۔ کہ اس نے انہیں تباہ و برباد کر دیا اور جڑ سے اکھیڑ دیا اس معنی پر العقیم بمعنی المعقم یا العاقم ہے اس میں استعارہ تبعیہ ہے کہ ان کے اہلاک (ہلاک کرنا) کہ عورتوں کی ارحام سے تشبیہ دی گئی ہے جو بچے نہیں جنتی اور نہ اس کے قابل رہتی ہیں پھر مشبہ بہ کا مشبہ پر اطلاق کیا گیا ہے اس سے العقیم مشتق ہے یا الریح کو العقیم سے اس لئے موصوف کیا گیا ہے کہ وہ کسی قسم کی خیر و بھلائی کے نہ ہونے کی وجہ سے اسے عورت کے بانجھ پن سے تشبیہ دے کر اس پر اس کا اطلاق کیا گیا ہے اس معنی پر العقیم بمعنی العاقم (از فعل لازم ہو گا)

فائدہ بحر العلوم میں ہے کہ ممکن ہے کہ اسے اس لئے العقیم موصوف کیا گیا کہ وہ عورتوں کے بچے نہ جننے کا

marfat.ocm

سب بنی کہ انہیں تباہ برباد کر دیا کہ نہ ہوں گی نے بچے جنیں گی۔

فائدہ ایسی ہوا (آندھی) عذاب شمار ہوتی ہے یہی النکباء ہے بقول سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ یہ وہ ہوا ہے جو کھیتیاں جلا کر راکھ بنا دیتی ہے وہ ہواؤں کے درمیان یا صبا و شمال کے درمیان ہوتی ہے۔

فائدہ یہ الدبور ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا اس کی تائید حضور سرور عالم ﷺ کے ارشاد گرامی سے ہوتی ہے آپ نے فرمایا نصرت بالصبا واھلکت عاد بالدبور میں صبا سے مدد دیا گیا اور عاد کی قوم دبور سے تباہ ہوئی۔

فائدہ الصباء وہ ہوا ہے جو مشرق سے آتی ہے۔

فائدہ حضرت ابن المسیب رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ (العقیم) جنوب کی وہ ہوا جو شمال کی بالمقابل ہے اور شمال کی وہ ہوا ہے جو شمال سے آتی ہے اور مشرق کو متوجہ ہوتی ہے ما تذر نہ چھوڑتی تھی۔

حل لغات اہل لغت کہتے ہیں ذرہ کی ای دعہ اسے چھوڑ یعنی چھوڑنے کے معنی میں آتا ہے لیکن وذرا مصدر نہیں آیا دراصل وذر یذر تھا۔ ہجو۔ وسع یسع لیکن نہ اس کی ماضی مستعمل ہوتی ہے نہ مصدر اور نہ اسم فاعل۔

مِنْ شَیْءٍ اَتَتْ عَلَیْهِ کسی شے کو کہ وہ جس پر آئی یعنی ان کے نفوس اور گھروں اور اموال اور جانوروں پر۔ الا جعلتہ کالرمیم۔ مگر اسے بنا دیا مثل چورہ چورہ ہونے والی ہڈیوں یعنی اس شے کی طرح جو ٹوٹ کر چورہ چورہ ہو جائے۔

حل لغات الرمیم ہر وہ شے جو ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گل سڑ کر چورہ چورہ ہو جائے وہ ہڈی ہو یا گھاس یا کوئی شے اور (القاموس) میں ہے رم العظم یرم رمۃ (بالکسر) ہڈیوں سے مخصوص ہے اور بالضم پرانی رسیوں سے۔ الرم (بالکسر) لکڑیوں اور سوکھا اور تر گھاس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے سے خاص ہے۔

تفسیر صوفیانہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ عاد کی قوم پر آندھی نہ بھیجی مگر میری اس

انگشتری کی طرح۔ یعنی تباہ کرنے والی آندھی زمین کے نیچے اسے صرف اتنا قدر نکالا گیا جتنا کہ میری انگشتری کا سوراخ ہے تو اس نے اسے تباہ و برباد کر دیا۔ اس میں اشارہ ہے کہ وہ ہوا بہت تیز اور سخت تر تھی۔ اور زمین کے نیچے ہونے میں خواہشات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ وجود کی زمین کے نیچے سے نکلتی ہیں اور واقعی یہ بہت سخت ہیں وہ آندھی ایسی تھی کہ جن آبادیوں اور گھروں پر چلی انہیں ملیامیٹ کر کے چٹیل میدان بنا دیا۔

دوسری صوفیانہ تقریر اس میں جلال الٰہی اور اس کے قہر کی طرف اشارہ ہے کہ جب وہ آتا ہے تو نفوس کو ظاہری ہلاکت سے درکنار کر دیتا ہے کہ ان کے اوصاف مٹ کر رہ جاتے ہیں یہاں تک کہ ان میں کوئی بھی مذموم اوصاف باقی نہیں رہتے اسی لئے صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ الریح العقیم اجسام کے جنگلوں اور العاصف والقاصف دریاؤں میں چلتی ہیں۔

حدیث شریف اسی لئے حضور سرور عالم ﷺ جب شدید آندھی چلتی تو آپ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے۔

سبق دانش مند پر لازم ہے کہ وہ مہلکات (ہلاک کرنے والی اشیاء) سے پناہ مانگے کیونکہ جب صوری ہلاکت سے نفوس قبل از کمال ہلاک ہو جاتے ہیں تو انسان کی حقیقی تجارت کو خسارہ آجاتا ہے ایسے ہی جب قلب ہلاک ہو جائے کیونکہ اس کے بعد انسان کا زندہ رہنا بے سود ہے۔

حکایت سیدنا حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگوں نے عرض کی کہ ہمارے دل سو گئے ہیں کہ آپ کے وعظ و نصیحت ان پر کوئی اثر نہیں کرتے آپ نے فرمایا سو نہیں گئے اگر سو جاتے تو انہیں بیدار کیا جا سکتا تھا لیکن وہ تو مردہ ہو چکے ہیں کہ جنہیں حرکت دینے پر اٹھانا مشکل ہو گیا ہے حضرت مولانا جامی قدس سرہ نے فرمایا۔

اے بمہد بدن چو طفل صغیر ماندہ در دست خواب غفلت اسیر
پیش ازاں کت اجل کند بیدار گر نمردی ز خواب سر بر آر

ترجمہ ۱۔ بدن کے گہوارہ میں چھوٹے بچے کی طرح آرام کرنے والے اور خواب ہاتھ کے قیدی۔
۲۔ اس سے پہلے کہ تجھے اجل (موت) بیدار کرے اگر تو مر نہیں گیا تو (خواب غفلت) سے سر باہر کر۔

حکایت محمد بن حامد رحمۃ اللہ علیہ احمد بن خضرویہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نزع روح کے وقت ان کے سرہانے

marfat.ocm

بیٹھے تھے اس وقت ان کی پچانوے سال عمر تھی اور وہ مرتے وقت فرما رہے ہیں کہ اب میرے تالے کھلیں گے نامعلوم سعادت کے کھلتے ہیں یا شقاوت کے۔

حکایت خلف بن سالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو علی بن المحتوہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا کہ آپ کا ٹھکانہ کہاں ہے فرمایا کہ جہاں باعزت اور ذلیل برابر ہیں میں نے پوچھا وہ کہاں ہے فرمایا گورستان میں نے کہا آپ وہاں گھبراتے بھی نہیں حالانکہ رات اندھیری ہوتی ہے اور پھر گورستان میں تنہائی فرمایا کہ لحد (قبر کے اندر) کی اندھیری کو یاد کرتا ہوں تو مجھ پر گورستان میں اندھیری میں بسر کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ میں نے پوچھا کہ گورستان میں آپ نے کبھی ایسی شے بھی دیکھی جس سے آپ کو گھبراہٹ محسوس ہو فرمایا مجھے آخرت کی ہولناکیوں کا تصور ایسی گھبراہٹوں کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتا۔

فائدہ گورستان میں ایک قبر پر لکھا ہوا تھا۔

مقیم الی ان یبعث اللہ خلقہ   لقائک لا یرجی وانت قریب
یزید بلاء کل یوم ولیلتہ   ویبلی کما تبلی وانت حبیب

ترجمہ ۱۔ تو قبر میں مقیم رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو حساب کے لئے اٹھائے تیرے دیدار کی امیدیں ختم ہو چکیں حالانکہ تو قریب ہے۔

۲۔ ہر رات دن تجھ پر بلاؤں کا اضافہ ہو گا اور دوسرے لوگ گل سڑ گئے تو بھی گل سڑ جائے گا حالانکہ تو دنیا میں بہت بڑا محبوب انسان تھا[1]

تفسیر عالمانہ وَفِیْ ثَمُوْدَ اور صالح علیہ السلام کی قوم ثمود میں آیات ہیں یا ہم نے ان میں آیات بنائے۔ اِذْ قِیْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا (جب انہیں کہا گیا کہ نفع اٹھاؤ) حیات دنیا سے حَتّٰی حِیْنٍ نزول عذاب کے وقت تک اس سے وہ تین دنوں میں سے آخری دن تک مراد ہے اور وہ بدھ جمعرات جمعہ تھا اس لئے کہ انہوں نے بدھ کے دن حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو قتل کیا تو پھر ہفتہ کی صبح کو تباہ برباد ہوئے۔ تَمَتَّعُوْا فِیْ دَارِكُمْ

---

[1] (عموی طور کہا گیا ہے انبیاء اولیاء کا اس پر قیاس نہ کرنا ورنہ وہابی ہو جاؤ گے۔ اویسی غفرلہ)

marfat.ocm

ثلاثۃ ایام کی یہی تفسیر مشہور ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام کا علم غیب مروی ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ ان تینوں دنوں میں پہلے دن تمہارے چہرے زرد دوسرے دن سرخ تیسرے دن سیاہ ہو جائیں گے۔ اس کے بعد صبح کے وقت تم پر عذاب نازل ہو گا چنانچہ ایسے ہی ہوا جیسے آپ نے فرمایا اس لئے کہ انہیں ہر دن برے حال میں ترقی ہوتی تھی کیونکہ ظاہر ہے سفید رنگ ہی زرد پھر سرخ پھر سیاہ ہوتا ہے۔

شیعوں کے سیاہ لباس کی مذمت سیاہی قہر و جلال کی علامت ہے اور جہنم کا بھی یہی رنگ ہے کیونکہ وہ سخت سے سخت تر سیاہ ہے اور قوم صالح (یعنی ثمود) ہلاک ہوتے ہی جہنم کے رنگ میں چلے گئے کیونکہ وہ ان کے ٹھہرنے کی جگہ تھی (نعوذ باللہ) فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ (تو انہوں نے اپنے رب کے امر سے سرکشی کی) یعنی فرمانبرداری سے منہ موڑ کر اپنے کاروبار میں مشغول ہو گئے۔

حل لغات اہل لغت کہتے ہیں عتا عتوا و عتیا و عتیا بمعنی استکبر (تکبر کیا) اور حد تجاوز ہوا فھو عات و عتبی اور وہ سرکش ہے اور امر ربھم سے مراد وہ حکم ہے جس کے وہ مامور تھے جو انہیں حضرت صالح علیہ السلام نے سنایا کہ اعبدواللہ (اللہ کی عبادت کرو) فزروھا تاکل فی ارض اللہ (اونٹنی کو چھوڑ دو وہ اللہ کی زمین کھائے گی)

فائدہ امر ربھم سے شان ربھم مراد ہے یعنی انہوں نے رب کے دین کے معاملہ میں سرکشی کی یا یہ معنی ہے کہ ان سے اللہ تعالیٰ کے گھر کے بارے میں سرکشی صادر ہوئی کہ انہیں عبادت اور اونٹنی کو اپنے اعمال پہ چھوڑ دینے کا حکم تھا یہی ترک ان کی سرکشی کا سبب بنا۔ (بحر العلوم)

فائدہ فاء عاطفہ نہیں کہ اس کا عطف قیل لھم پر کیونکہ ان کی سرکشی تمتع کے بعد نہیں بلکہ پہلے تھی بلکہ یہ فاء تفسیر اور جمال کی تفصیل ہے یعنی وہ اجمال جو فی ثمود الخ میں ہے یعنی اجمالاً فرمایا کہ ہم نے ثمود میں آیت بنائی اب اس کی تفصیل بتائی کہ وہ ایسے ویسے تھے تو پھر ہم نے ان سے ایسا ایسا کیا۔

فائدہ شرح رضی میں ہے کہ فاء جملوں کے لئے عاطفہ ہے اور وہ کبھی یہ فائدہ دیتی ہے کہ اس کے بعد وہ کلام جو

marfat.ocm

مذکورہ ہے وہ مرتب ہے اپنے ماقبل مذکور پر اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا اس کا مضمون بھی ماقبل کے مضمون کے زمانہ کے بعد ہے۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ (توانہیں کڑک نے پکڑا)

قصہ قوم ثمود منقول ہے کہ جب قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے سنا کہ چہرے ایسے ویسے ہوں گے پھر وہ واقعی ان کے چہرے اسی طرح ہونے لگے انہوں نے صالح علیہ السلام کو شہید کرنے کے لئے ارادہ کیا انہیں اللہ تعالیٰ نے بچالیا۔ اور وہ فلسطین کو چلے گئے اور ان بدبختوں نے چوتھے دن کفن پہنے اور جسموں پر خوشبو لگائی لیکن ہوا کیا ان پر حضرت جبریل علیہ السلام نے چیخ ماری جیسا کہ دوسری آیت میں اس کی تصریح ہے کہ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ اس چیخ پر وہ ہلاک و تباہ ہو گئے یہاں پر الصاعقہ سے آواز (چیخ) مراد ہے نہ کہ اس کا حقیقی معنی جو کہ وہ آگ جو آسمان سے اتر کر جس پر پڑے اسے جلا کر راکھ بنا دیتی ہے۔

فائدہ بعض نے کہا آسمان سے وہ زمین کے جملہ جلانے والی اشیاء کی آواز اور زمین کی جملہ آواز کے برابر آواز تھی اسی لئے سن کر ان کے دل پھٹ گئے بعض نے کہا کہ وہ حقیقی صاعقہ سے جل کر راکھ ہوئے کیونکہ وہ آسمان سے آئی اور انہیں تباہ و برباد کر دیا۔

وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اور وہ اسے دیکھتے تھے) یعنی آنکھوں سے انہیں عذاب نظر آ رہا تھا کیونکہ وہ آگ ان کے سامنے کھلم کھلا آئی اس لئے یہاں نظر سے آنکھوں سے دیکھنے کا حقیقی معنی مراد ہے اور اسی معنی کو ترجیح ہے اس میں صاعقہ کا حقیقی معنی مراد لیا جا سکتا ہے کیونکہ انہوں نے آنکھوں سے عذاب دیکھا تو آگ دیکھی جاتی ہے نہ آواز۔ وہ کان سے سنی جاتی ہے اور صاعقہ کے حقیقی معنی کے ساتھ صیحہ (چیخ) کا پایا جانا بھی ممکن ہے کیونکہ آگ کے ساتھ جبریل علیہ السلام چیخ ماری ہوگی۔

فائدہ بعض نے کہا کہ یہاں نظر بمعنی وہ عذاب موعود کا انتظار کرتے تھے جب انہوں نے اس کی علامات کا مشاہدہ کیا کہ انہی دنوں ان کے چہرے بگڑنے لگے۔ بعض نے کہا کہ جب چیخ سنی تو وہ متحیر ہوتے تھے۔ یعنی (ینظرون) بمعنی (یتحیرون) ہے۔

فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ (تو پھر انہیں کھڑے ہونے کی طاقت نہ رہی) یہ اس قول باری تعالیٰ کی طرح

marfat.ocm

ہے کہ فرمایا فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِھِمْ جٰثِمِیْنَ تو وہ ہوئے گھروں میں گھٹنے کے بل پڑے ہوئے تھے۔ یعنی زمین پر ایسے چپٹے کہ پھر وہ کھڑے ہونے اور حرکت نہیں کر سکتے تھے چہ جائیکہ وہ بھاگ سکیں۔ القیام القعود کی نقیض ہے۔ وَمَا کَانُوْا مُنْتَصِرِیْنَ نہ تھے وہ دوسروں سے مدد لینے والے جیسے وہ خود اپنی ذات کی مدد سے خود بھی رکے ہوئے تھے۔ تاج المصادر میں ہے الانتصار بمعنی انصاف چاہنا۔

وَقَوْمَ نُوْحٍ اور ہم نے قوم نوح کو ان سے پہلے ہلاک کیا اِنَّھُمْ کَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ (بیشک تھی وہ قوم فاسق) یعنی حد سے نکلنے والے جس میں وہ تھے یعنی کافر و نافرمان تھے یہ ان کے ہلاک کی علت ہے۔

فائدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے رسل کرام بھیجے اور احکام مشروع فرمائے اور حدود مقرر فرمائیں جو بھی شارع کی حدود سے متجاوز ہوتا ہے۔ وہ فاسق ہو کر شیطان کا اطاعت گزار ہو جاتا ہے۔

فائدہ معصیت کے وقت وہ فرشتہ جو اہل ایمان کے لئے مقرر ہے وہ دور ہو جاتا ہے جب بندہ خود کو نفس و شیطان کے سپرد کرتا ہے تو وہ ہلاک ہو جاتا ہے اسے نار و عذاب و بلاء کے سپرد کر دیا جاتا ہے اور یہ جو کچھ کرتا ہے اپنے اندر سے کرتا ہے کیونکہ انسان کے خارج از وجود تو کوئی شے نہیں تو عذاب اس کے اوصاف و افعال و اخلاق کی صورت ہے جو اس کی معصیت سے اس کی طرف لوٹتے ہیں ایسے ہی ثواب بھی اس کے اوصاف و اخلاق و عادات ہیں جو اطاعت الٰہی سے اس کی طرف لوٹتے ہیں۔

سوال جب یہ امور بندے کے اپنے احوال ہیں کہ ہدایت بھی اس کی اپنی تیار کردہ شے ہے اور گمراہی بھی تو پھر انبیاء و رسل علیہما السلام کے ارسال اور اولیاء کرام کے ارشاد کی کیا ضرورت ہے۔

جواب یہ بھی بندے کے احوال سے ہیں بخلاف مخالفین کے کہ اگرچہ وہ بھی ایک تجلی ہے لیکن انبیاء علیہما السلام کے حقائق اس کی تجلی کو تقاضا کرتے ہیں جو ان کے موافق ہو۔ مخالفین کی تجلی ان کے لئے حیرت بن جاتی ہے اگر وہ اس تجلی کا حق ادا کرتے تو پھر وہ کسی طرف لوٹنے کے محتاج بھی نہ تھے اس لئے کہ جب اس پر امر تکلیفی وارد ہوا تو یا تو وہ امراس کے امر ارادی کے موافق ہو گا یا ناموافق ہو گا تو مکلف کو اسم مضل کے دائرہ سے منتقل کر کے اسم ہادی کے دائرہ میں داخل کیا جاتا ہے اور یہ انتقال اس کے احوال عین سے ہے اگر وہ امر الٰہی اس کے امر ارادی اس

marfat.ocm

کے موافق ہو تو تکلیف کا معنی یہی ہے کہ یہ بھی اس کے عین کے احوال سے ہے' نیز اسی میں شقی و سعید کی تمیز ہو گی (اسے اچھی طرح سمجھ لے) تجھے سعادت نصیب ہو گی بلکہ عمر بھر اس میں جدوجہد کرتا رہ تاکہ تجھے دوسری جانب سے نکل کر کے دائرہ احباب میں داخل کیا جائے نہ تو تو دنیا سے مغرور ہو اور نہ ہی طویل عمری سے جیسے کفار و فساق کو دھوکا لگا ہے تاکہ تجھے وہ صاعقہ و طوفان نہ پہنچے جیسے انہیں پہنچا حالانکہ موت کا صاعقہ و حوادث کا طوفان تو ہر ایک کو پہنچتا ہے تو پھر تجھ پر جب واقع ہوں گے تو پھر تو اپنی جگہ اٹھنے کی طاقت بھی نہ رکھے گا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے بوستاں میں فرمایا جس کا خلاصہ حکایت یہ ہے کہ:

"ایک بوڑھا جو چلنے پھرنے سے عاجز تھا حکیم (طبیب) کے پاس آیا اور کہا کہ جناب مجھے کوئی ایسی دوائی کھلایئے جس سے میں جوان بن جاؤں۔ حکیم صاحب (طبیب) نے فرمایا بابا! اب جوانی کے خیالات دل سے اتار دے اور نہ ہی گئی جوانی واپس لوٹ سکتی ہے۔ جوانی کے ایام تو تو نے جہالت (بے خبری) میں گنوا دیئے' پانی سر سے اوپر آگیا اب ہاتھ پاؤں مارنے کا کیا فائدہ؟"

سفید بال آئے تو سمجھو کہ اب جوانی الوداع چاہتی ہے اس کے بعد تمام ہوا و ہوس کا تصور جنون ہے بلکہ چند روز بعد قبر کے اندر جانا ہو گا وہ لوگ جو ابھی پیدا نہیں ہوئے وہ تمہاری قبور سے گزریں گے تمہارا نام و نشان تک باقی نہ ہو گا۔

بوڑھا طبیب کی باتیں سن کر گویا کہتا تھا!

دریغا کہ فصل جوانی رفت   بلہو و لعب زندگانی برفت
دریغا چنیں روح پرور زماں   کہ بگذشت برما چوں برق ایماں
زسودد کے آں پوشم وایں خورم   نپرداختم تا غم دیں خورم
دریغا کہ مشغول باطل شدم   زحق دُور ماندیم وغافل شدیم

ترجمہ ۱۔ افسوس کہ جوانی کی بہار گئی لہو و لعب میں زندگی گئی۔

۲۔ افسوس ایسا روح پرور زمانہ ہاتھ سے نکل گیا۔ ایسے گزرا جیسے یعنی بجلی۔

۳۔ اسی خیال میں کہ کیا پہنوں اور کیا کھاؤں گا اس میں مشغول نہ ہوا کہ دین کا غم کھاتا

marfat.ocm

۴۔ افسوس کہ باطل میں مشغول رہا۔ حق سے دور اور غافل رہا۔

تفسیر عالمانہ وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا (اور ہم نے آسمان بنائے) اسماء کا منصوب ہونا بوجہ اشتغال کے ہے کہ دراصل و بنینھا السماء بنینٰہا تھا۔ یعنی ہم نے آسمانوں کو بنایا درانحالیکہ ہم متلبس ہیں۔ باید ساتھ قوت کے یہ فاعل سے حال ہے یا متلبس محذوف ہے اور اید بمعنی قوت ہے اس معنی پر یہ مفعول سے حال ہے یہ بھی جائز ہے کہ باء سببیہ ہو یعنی ہم نے انہیں بنایا بسبب اپنی قدرت کے اس معنی پر یہ بنینا کے متعلق ہو گا اس کا متعلق محذوف نہ ہو گا اور قوت بمعنی قدرت ہے اس لئے قوت کا اطلاق مضبوطی اعضاء اور ان کی سختی (جو کہ ضعف کی نقیض ہے) پر ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ایسی صفات سے منزہ اور پاک ہے اور قدرت وہ صفت ہے جس سے زندہ شے کسی فعل کے کرنے اور اس کے ترک پر بالارادہ متمکن ہو سکے۔

فائدہ کاشفی نے فرمایا کہ اید سے قوت ایسہ مراد ہے بعض نے کہا یہ معنی کیا کہ ہم پیدا کرنے کی قوت رکھتے ہیں۔

حل لغات اید آدیئید سے ہے بمعنی اشتد و قوی (القاموس) میں ہے الاد بمعنی الصلب والقوۃ جیسے الاید بمعنی الصلب والقوۃ ہے اسی سے آیدتہ موایدۃ وایدتہ تائیدا فہو موید ہے بمعنی قویتہ بمعنی اسے قوت دی امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ چونکہ ہاتھ میں قوت ہے اسی لئے کہا جاتا ہے۔ انا ایدک میں تیرا ہاتھ ہوں ایدتک میں نے تیرا ہاتھ مضبوط کیا وانا الموسعون اور ہم ہی وسعت دینے والے ہیں یعنی قادر ہیں۔

حل لغات المرسعون الوسع سے ہے بمعنی طاقت۔ المتوسع بمعنی علی الاتفاق قادر اور تاج المصادر میں لکھا ہے کہ الایساع بمعنی دولت مند ہونا اور مکمل طور غنی ہونا مثلاً کہا جاتا ہے اوسعاللہ علیک بمعنی اغناک (اللہ تجھے غنی بنائے) اور الموسعون حال موکدہ ہے یا تذئیل ہے کہ اس سے ثابت کرنا ہے کہ اس کا رزق ہر شے کو وسعت سے پہنچتا ہے چہ جائیکہ صرف انے آسمان بنانے تک محدود سمجھا جائے یا لموسعون کا معنی یہ ہے کہ وہ آسمانوں کو وسعت دینے والا ہے یعنی انہیں بہت بڑا فراخ بنایا ہے یا اسے وسیع بنایا جو آسمانوں اور زمینوں کے درمیان ہے یا معنی یہ ہے کہ وہ رزق میں وسعت دیتا ہے جب بنینا بمعنی خلقنا

ہو جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ آسمان میں تمہارے رزق ہیں۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ کہ اور رزق کی وسعت یہ اسم واسع کی تجلیات سے ہیں والارض فرشناھا (اور ہم نے زمین بچھائی) یہ دراصل وفرشنا الارض تھا یعنی ہم نے کعبہ شریف کے نیچے سے شروع کر کے زمین بچھائی جس کی مسافت پانچ سو سال ہے تاکہ انسان اس میں ٹھہریں اور اس پر ایسے چلیں پھریں جیسے ایک اپنے بستر اور بچھونے پر کروٹ بدلتا ہے۔ فَنِعْمَ الْمَاهِدُوْنَ (تو ہم کیسے اچھے بچھانے والے ہیں) یہاں مخصوص بالمدح نحن محذوف ہے اور مبتداء و خبر کو محذوف کیا گیا ہے لیکن ان کا قائم مقام کوئی شے نہیں۔

زمین کی ہیئت کی تحقیق زمین کی ہیئت اور شکل و صورت میں علماء کرام کا اختلاف ہے بعض نے کہا کہ وہ مبسوط مستویت السطح چار جہتوں (مشرق۔ مغرب۔ شمال۔ جنوب) میں ہے بعض کا خیال ہے کہ وہ دسترخوان کی طرح ہے۔ بعض کہتے ہیں طبل کی شکل میں ہے بعض نے اس کے نصف کرہ کو قبتہ کے مشابہ کہا ہے اور آسمان اس کے اطراف پر رسوار ہے بعض نے کہا زمین کا وسط مقعرہ (گڑھے) کی طرہ ہے جیسے پیالہ ہو لیکن جمہور کہتے ہیں زمین متدیر (دائرہ دار) کرح کی طرح ہے اور اسے چار سو آسمان گھیرے ہوئے ہے جیسے انڈے کو چھلکایوں سمجھئے کہ انڈے کی زردی زمین ہے اور اس کی سفیدی آسمان ہے اور اس کی جلد بمنزلہ دوسرے آسمان کے ہے لیکن زمین کا طول انڈے کی طرح (لمبائی میں لمبی اور چوڑائی میں کم) نہیں بلکہ وہ ایسے متدیرہ (دائرہ دار) ہے جیسے گیند جو ہر طرف سے گول اور صاف یہاں تک بعض مہندسین نے کہا کہ اگر زمین (بطور خیال) کا چہرہ اتار لیا جائے تو فرق نہیں پڑتا اس لئے اس چہرے کے اترنے کے بعد اس کا اور چہرہ آگے آئے گا ایسے ہی اگر اس کے ملک اندلس میں سوراخ نکالا جائے تو اس کا اثر چین کی زمین پر بھی پڑے گا۔

زمینیں کتنی ہیں زمین کی گنتی میں بھی اختلاف ہے بعض اخبار میں ہے کہ ان کی بعض دوسری بعض کے اوپر ہیں اور ہر زمین کی موٹائی پانچ سو سال کی ہے یہاں تک کہ بعض نے ہر زمین کے کھیتوں کے عجائب و غرائب شکل و صورت سے بیان کئے ہیں اور ہر زمین کا مخصوص نام بتایا ہے جیسے ہر آسمان کا علیحدہ علیحدہ نام بتائے گئے ہیں بعض نے کہا چوتھی زمین پر اہل نار کے سانپ ہیں اور چھٹی میں اہل نار کے پتھر ہیں۔

marfat.ocm

زمین کے ہر طبقہ پر انبیاء علیہم السلام کے ہمنام

حضرت عطا بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جو انہوں نے خلق سبع سموت اور من الارض مثلھن کے تحت نقل فرمایا کہ

فی کل ارض ادم کادمو نوح مثل نوح وابراھیم کابراھیم

(ہر زمین میں آدم ہے تمہارے آدم جیسا اور نوح ہے نوح جیسا اور ابراہیم ہے ابراہیم جیسا)

فائدہ اور یہ بات کوئی عجیب تر نہیں جو فلاسفر کہتے ہیں کہ سورج اور چاند بے شمار ہیں کیونکہ ہر اقلیم میں علیحدہ علیحدہ سورج اور چاند اور ستارے ہیں۔

سات زمینیں قدماء نے فرمایا کہ زمینیں سات ہیں اور ایک دوسری سے ملی اور چمٹی ہوئی ہیں اور اقالیم سات ہیں ان کی تقسیم کے مطابق لیکن ان میں مطابقت و مکالیت ضروری نہیں اہل اسلام اہل نظر کا میلان اسی طرف ہے۔ بعض نے سات زمینیں مانی ہیں لیکن وہ کہتے ہیں کہ ان کے طبقات اونچے نیچے ہیں جیسے سیڑھیوں کے درجات ہیں۔ بعض نے کہا زمین پانچ مناطق پر منقسم ہے وہ مناطق یہ ہیں۔

۱۔ شمالیہ ۲۔ جنوبیہ ۳۔ مستویہ ۴۔ معتدلہ ۵۔ وسطی

زمین کا مبلغ زمین کے مبلغ اور کمیت میں اختلاف ہے مکحول سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں اقصی دنیا سے ادنی تک پانچ سو سال کی مسافت ہے دو سو سال کی مسافت دریا میں اور دو سو سال کی مسافت میں کوئی ساکن نہیں اسی سال کی مسافت میں یاجوج و ماجوج ہیں اور بیس سال کی مسافت میں باقی تمام مخلوق ہے۔

فائدہ حضرت قتادہ نے فرمایا کہ زمین ۲۴ ہزار فرسخ ہے اس سے سودان کا ملک بارہ ہزار فرسخ اور روم کا آٹھ ہزار فرسخ اور عجم و ترک کا تین ہزار فرسخ اور عرب کا ایک ہزار فرسخ ہے۔

فائدہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ سودان کی چوتھائی آبادی کپڑے نہیں پہنتے اور یہ تمام لوگوں سے گنتی میں زیادہ ہیں۔

فائدہ بطلیموس نے کہا کہ زمین کا کل رقبہ دو لاکھ اٹھاسی ہزار فرسخ ہے اگر یہ قول حق ہے تو وحی و الہام ہے اگر

marfat.ocm

قیاس یا استدلال ہے تب بھی حق کے قریب ہے ہاں قتادہ و مکحول کے اقوال یقینی نہیں کہ جس سے غیبی بات پر اعتبار کیا جا سکے (خریدۃ العجائب)

ومن کل شئی موجودات کی ہر جنس سے شے سے جنس مراد ہے۔ بعض نے کہا حیوان مراد ہیں۔

خلقنا زوجین ہم نے جوڑا بنایا یعنی دو مختلف نوع بنائے مثلاً نر مادہ اور آسمان و زمین اور لیل و نہار اور شمس و قمر اور سرما و گرما اور برو بحر اور نرم زمین اور پہاڑ اور انس و جن اور نور و ظلمت اور سیاہ سفید اور دنیا و آخرت اور ایمان و کفر اور سعادت و شقاوت اور حق و باطل اور میٹھا اور کڑوا اور موت و حیات اور تر اور خشک اور جامد و نامی (بڑھنے والی شے) ڈھیلے اور کھیتی اور ناطق و خاموش اور حوصلہ و قہر اور سخاوت و بخل اور عزت و ذلت اور قدرت و عجز اور قوت و ضعف اور علم و جہل اور صحت و بیماری اور دولت مندی اور غریبی اور ہنسنا اور رونا اور خوشی و غمی اور اوپر اور نیچا اور دایاں اور بایاں اور آگے اور پیچھے اور گرمی اور سردی وغیرہ وغیرہ

حل لغات امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہر دو قرینوں میں سے نر و مادہ از حیوانات کو جن کے ایک دوسرے سے ملاپ سے نسل بڑھے ان ہر ایک کو ایک دوسرے کے لئے زوج کہا جاتا ہے اور ان کے غیر کو جو محض ایک دوسرے کے قرین ہوں ان کو بھی زوج کہتے ہیں جیسے جوتا (کا جوڑا) ایسے ہی موزے ایسے ہی ہر وہ دو چیزیں جو آپس میں مماثل یا متضاد ہوں انہیں بھی زوج کہا جاتا ہے۔

فائدہ آیت میں تنبیہہ ہے کہ ہر شے مرکب ہے جوہر و عرض اور مادہ و صورت سے کوئی ایسی شے نہیں کہ ان اشیاء سے مرکب نہ ہو کیونکہ مرکب ہے اور اس کا تقاضا ہے کہ یہ کس صانع کی مصنوع ہے اسی میں انسان کو تنبیہہ ہے جو صانع ہے وہ فرد واحد ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ومن کل شئ الخ میں اشارہ فرمایا ہے کہ عالم میں ہر شے کا جوڑ ہے خواہ اس کی ضد سے یا مماثل سے یا ترکیب سے بلکہ کوئی شے ترکیب از صورت و مادہ خالی نہیں اور جو دو چیزیں اس طرح کی ہوں وہ زوجین ہیں۔

فائدہ حضرت فراز قدس سرہ نے فرمایا کہ اس سے ربوبیت اور وحدانیت کا معنی ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو جوڑا جوڑا بنایا تاکہ واضح ہو کہ صرف بنانے والا واحد ہے اور بس۔

لعلکم تذکرون (تاکہ تم نصیحت حاصل کرو) یعنی یہ جو کچھ مذکور ہو یعنی بناء و فرش اور خلق الازواج ہم

marfat.ocm

نے اس لئے کیا تاکہ تم نصیحت حاصل کر کے سمجھو کہ ہر شے کا خلاق و رازق صرف وہی ہے اور صرف وہی عبادت کا مستحق ہے پھر وہی تم سب کو قیامت میں لوٹائے گا اسی لئے اس کے تقاضا کے مطابق عمل کرو۔ خلاصہ یہ کہ تم نصیحت حاصل کرو اور یقین کرو کہ وحدانیت خواص ممکنات سے نہیں اور صرف میں ہی واجب بالذات ہوں اور واجب انقسام تعدد کے قابل نہیں۔

ذر تش از قسمت و تعدد چاک — وحدت او مقدس از اشراک
از عدد دم مزن کہ او فرد است — کہ عدد بہر فرد در خور د است
احد ست و شمار از و معزول — صمد است تبار از و مخذول

ترجمہ ۱۔ اس کی ذات تقسیم و تعدد سے پاک ہے اس کی وحدت اشراک سے مقدس ہے۔

۲۔ اس کے لئے تعدد کا دم نہ مار کہ وہ فرد ہے فرد کو تعدد لائق نہیں۔

۳۔ وہ اکیلا ہے اس سے تعدد دور ہے وہ صمد ہے کنبہ کو اس سے کیا تعلق

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہر شے کا خالق ہے عالم ملک یعنی عالم اجسام اس کا زوج (جوڑا) عالم ملکوت یعنی عالم ارواح ہے تاکہ عالم جسمانی عالم ملکوت سے قائم ہو اور عالم ملکوت صرف قدرت الہیہ کے ہاتھ میں ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو کہ تم اس طریق سے حضرت الہیہ سے آئے ہو اور اسی طریق سے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹو گے۔

تفسیر عالمانہ فَفِرُّوْا اِلَى اللّٰهِ تو اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگو۔ فرمایئے اے محبوب محمد ﷺ جب یہ بات ہے تو تم اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگو۔ ایمان کے یہی تقاضے ہیں تاکہ تم اس کے عقاب سے نجات اور اس کے ثواب حاصل کر سکو یعنی ایمان طاعت الٰہی کو فرار الی اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس میں تنبیہ ہے کہ انسان کے ارد گرد عقاب ہی عقاب ہے۔ اگر اسے کوئی پناہ گاہ ہے تو وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور بس۔

تفسیر صوفیانہ بعض اکابر نے فرمایا کہ اے وہ لوگو جو تم اللہ تعالیٰ سے بھاگ کر تعلقات کونین سے چمٹے ہوئے ہو۔ نعت شوق و محبت و تجرد سے وجود اور مطلقاً ماسوی اللہ تعالیٰ کے تعلقات کو توڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑو۔ جس کا

marfat.ocm

قرار درست ہو گا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ قرار پائے گا۔ نیز اس سے اس کی طرف بھاگو یہاں تک اس میں فنا ہو جاؤ اس لئے کہ حادث قدیم کو دیکھتے ہوئے فنا پا جاتا ہے۔

فائدہ حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ماسوی اللہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف اور معصیت سے اطاعت کی طرف اور جہل سے علم کی طرف اور عذاب سے رحمت کی طرف اور اللہ تعالیٰ کے غصہ و غضب سے اس کی خوشنودی کی طرف بھاگو۔

فائدہ حضرت محمد بن حامد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا فرار کی حقیقت وہ ہے جو نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنی پناہ گاہ تجھے بنایا۔

حدیث شریف نیز حدیث سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ نے عرض کی اے اللہ میں تیرے ساتھ تجھ سے پناہ مانگتا ہوں یہی انتہائی فرار الی اللہ ہے

فائدہ حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ففروا الی اللہ کا معنی یہ ہے کہ اس طرح چلو جیسے تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے علم میں مقدر ہے نہ اپنے علم و حرکات و نفوس کے مطابق۔

شرح حدیث شریف کسی سے حضور نبی پاک ﷺ کے ارشاد گرامی کہ "سفر کرو تندرست رہو گے" کا پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم میری طرف سفر کرو مجھے پہلے ہی قدم پر ملو گے۔ اس کے بعد دلیل میں پڑھا ففروا الی اللہ

ہیچ کس در تو نیاویخت ز خود نگریخت
ہیچ کس با تو نپیوست کہ ز خود نبرید

ترجمہ کوئی بھی جب تک اپنے سے نہیں بھاگا تجھے نہیں پا سکا۔ تیرے سے کوئی بھی متعلق نہ ہو سکا جب تک خود سے علیحدہ نہ ہو۔

فائدہ صوفیانہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ فرار ایک مقام ہے جو سالکین کو راہ حق میں راستہ پر آتا ہے یعنی وہ

marfat.ocm

بھی دوست کی ایک منزل ہے جہاں سالکان راہ خدا پہنچ کر مقصد کو پاتے ہیں۔ اس کی علامت یہ ہے کہ اس منزل تک پہنچنے کے بعد سالک ہر وقت خود کو گھاٹے میں دیکھتا ہے اور اپنی ہر بات میں شکایت پاتا ہے (کہ ممکن ہے غلط ہو) اپنے ہر نیک عمل میں کوتاہی سمجھتا ہے اسے اپنے اپنے اعمال پر کسی قسم کا بھروسہ نہیں ہوتا اپنے میں اخلاص کے باوجود اخلاص کی کمی سمجھتا ہے کوئی دولت ظاہری باطنی پاتا ہے تو اسے یہ تصور ہوتا ہے کہ یہ اس کا فضل محض اور حکم ازل سے ہے اس میں اپنی کوشش اور کردار کو دخیل نہیں سمجھتا۔ اسی کو نفس کی موت کہا جاتا ہے۔ دنیا کا قانون ہے کہ زندہ مردے کی میراث پاتا ہے لیکن اس گروہ کا انوکھا طریقہ ہے کہ مردہ (سالک) زندہ (حق تعالیٰ) سے میراث (فیض) پاتا ہے۔

حضرت صدیق اکبر کی فضیلت حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا جو دنیا میں کسی مردہ (یعنی حق میں مستغرق اور دنیوی امور کے تعلق سے لاتعلق) کو دیکھنا چاہے تو وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کرے۔

تفسیر عالمانہ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ بیشک میں تمہارے لئے کھلا ڈرانے والا ہوں یعنی ان ڈرانے والوں میں سے ہوں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہوتے ہیں۔ آپ کے منذر ہونے پہ علامت ہے کہ آپ نے معجزات دکھائے یا یہ کہ اللہ کے عذاب کو ظاہر کرنے والا ہوں۔

نکتہ اللہ تعالیٰ کا حکم کہ حضور سرور عالم ﷺ امت کو ڈرائیں اور اس کی طرف بھاگنے کا فرمائیں اس میں اشارہ ہے کہ جب آپ از خود نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا رہے ہیں تو وہ کریم وعدہ کریمہ سے ہر اس شخص کو نواز رہا ہے جو اس کی طرف بھاگیں گے تو مطلوب پائیں گے۔

وَلَا تَجْعَلُوا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا معبود نہ بناؤ۔ عقاب وعذاب سے بھاگ کر اللہ تعالیٰ کی طرف جانے کی نہی کا موجب وہی ہے گویا یہ معنی ہے کہ اے میرے بندوں میری طرف بھاگنے کا مطلب یہ ہے کہ میرے ساتھ دوسرے کے لئے معبود ہونے کا اعتقاد نہ رکھو بلکہ زبان تک نہ لاؤ کہ میرے سوا کوئی اور بھی معبود ہے۔

انی لکم بیشک تمہیں اس سے کہ تم دوسرے کو معبود بناؤ۔ نذیر مبین کھلم کھلا ڈرانے والا

لہ (کشف الاسرار ۱۲)

marfat.ocm

ہوں۔ اس میں ماقبل یعنی فرار من العقاب الی اللہ کی تاکید ہے لیکن بطریق تکرار نہیں بلکہ نہی عن السبب اور ایجاب الفرار من العقاب الی اللہ کے ساتھ۔

فائدہ برہان القرآن میں ہے کہ پہلا ترک طاعت سے دوسرا شرک باللہ سے متعلق ہے اس طرح سے تکرار لازم نہ آیا۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ معرفت بالواحدانیت میں دوسرے کو معبود نہ بناؤ یعنی نفوس و خواہشات نفسانی اور دنیا و آخرت کو کہ تم انہیں کی عبادت یعنی اس طرف مائل ہو اور ان میں رغبت کرو کیونکہ ان سے اعراض (روگردانی) کا نام ہے کہ ان سے بالکل قطع تعلق اور فرار الی اللہ ہو کیونکہ جس کا فرار الی اللہ صحیح ہو گیا اس کا اقرار مع صحیح ہو گیا یہی کمال توحید ہے انی لکم نذیر مبین کا معنی ہے کہ میں تمہیں بعد و فراق اور دوئی کے دردناک عذاب سے ڈراتا ہوں کہ تم نے اس کے ساتھ وجود میں شریک ٹھہرایا اس جرم کو نہیں بخشا جو اس کے شریک کیا جائے۔

تفسیر عالمانہ کذلک امر اسی طرح ہے یعنی وہ معاملہ جو سابقہ امتوں نے اپنے رسل کرام علیہم السلام کی تکذیب کے علاوہ انہیں کبھی جادوگر کہتے ہیں اور کبھی مجنوں۔ چنانچہ خود فرمایا کہ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ نہیں آیا ان کے پاس جو ان سے پہلے گزرے ہیں رسول (علیہ السلام) میں سے الا قالوا مگر انہوں نے اپنے رسول علیہ السلام کے لئے کہا ساحر اور مجنون وہ جادوگر ہے یا مجنون ہے۔ یعنی جب انہیں ان کے نبی علیہ السلام نے معجزہ دکھایا تو کہہ دیتے یہ تو جادوگر ہے فلہذا اے حبیب محمد ﷺ آپ کی یہ لوگ تکذیب کر رہے ہیں تو اپنی قوم کا غم نہ کھائیے۔

اتواصوا به کیا انہوں نے اس کی وصیت کی ہے۔ یہ ہمزہ انکار و تعجب کا ہے یعنی ان کے حال اور معاملات سے تعجب ہے کہ باوجود یہ کہ ان مکذبین کو عرصہ گزر گیا وہ بکواسات جو انہوں نے اپنے انبیاء علیہما السلام کے لئے کئے تھے وہ بھولے بھلائے سے ہو گئے یہاں تک کہ کسی عقلمند کے ذہن میں وہ کلمات نہیں آ سکتے تھے کہ وہ ان جیسی انبیاء علیہم السلام کے حق میں ایسی بکواس کرے لیکن یہ لوگ صدیوں بعد بھی وہی بکواس کر رہے ہیں۔ تو اس کا یہی مطلب ہوا کہ گویا ان کے آباء و اجداد اسی طرح کی وصیت کرتے چلے آئے کہ جب بھی کوئی نبی علیہ السلام اس طرح کا دعوی

marfat.ocm

کرے تو تم اسطرح بکواس کرنا وغیرہ وغیرہ۔ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ۔ بلکہ وہ سرکش قوم تھی۔

ربطہ یہ انکے اس معاملہ سے (کہ ان کا شر پر متفق ہونے کا اس پر مدار ہے کہ بعد زمانہ اور ایک دوسرے کو نہ ملنے کے باوجود گویا وہ ایک دوسرے کو وصیت کرتے چلے آئے) روگردانی کر کے بتاتا ہے کہ ان کا ایسی بکواسات کرنے کا موجب کچھ اور ہے جو وہ اس سے بھی قبیح و شنیع تر ہے وہ ہے ان کی جبلت خبیثہ میں طغیان اور سرکش ہونا یہ وجہ نہیں کہ وہ ایسی بکواسات کرنے کی ایک دوسرے کو وصیت کرتے چلے آنا جو ان کی طبائع کا تقاضا کو دخل نہ ہو یہ نہیں بلکہ وہی وجہ ہے جو ہم نے بتائی یعنی ان کی طبائع میں طغیان و سرکشی کا رچ جانا اور راسخ ہونا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے نفوس متمردہ والے پہلے دور کے ہوں یا آخری دور کے سب کی جبلت و طبیعت میں یہ سرکشی گھسی ہوئی ہے اور انکار ان کا طبعی شیوہ ہے اور تکبر گویا ان میں رچ گیا ہے کوئی رسول ہو جو بھی وحی ظاہر لائے یا کوئی ولی اللہ باطنی الہام ربانی سنائے یہ ان سب کا انکار کریں گے اور کہیں گے یہ تو جادوگر ہے اس نے ہم پر جادو کر دیا ہے یا مجنون ہے اسی لئے اس کی کسی بات کا اعتبار نہیں کیونکہ ان کے سب میں تمرد اور تکبر طبیعت بن چکا ہے گویا وہ ایک دوسرے کو اس کی وصیت کرتے رہتے ہیں بلکہ یہ سرکش لوگ ہیں انہوں نے یہ سرکشی اور طغیان اسباب وسعت اموال اور کثرت نعمت اور دنیوی خوش حالی اور کاروبار سے پائے ہیں۔

کسی شاعر نے کہا۔

ان الشباب والفراغ والجدہ
مفسدۃ للمرء ای مفسدہ

ترجمہ بیشک جوانی اور فارغ البالی اور بیکاری انسان کے لئے بہت بڑا فساد ہے۔

فائدہ ان لوگوں نے ان اسباب کے مقتضیات کو الٹ دیا اس لئے ان پر لازم تھا کہ جوانی اور دولت مطلوب حقیقی کے حاصل کرنے میں صرف کرنا تھا جیسا کہ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا کہ

عشق و شباب و رندی مجموعہ مراد است
چوں جمع شد معانی گوے بیان توان زد

ترجمہ عشق و شباب اور رندی مجموعہ مراد ہیں جب جمع ہو جائیں تو معانی کی گیند بیان کی جا سکتی ہے۔

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ تو ان کی جنگ سے روگردانی فرمائیے کیونکہ ان کو بار بار دعوت دی جاچکی ہے اور یہ انکار ہی انکار کئے جارہے ہیں اور تکبر کے سوا ان سے کوئی بات صادر نہیں ہوتی جب تک آپ کو ان کے ساتھ جنگ و جہاد کا حکم صادر نہ ہو ان کو مکافات عمل (کردار کا بدلہ دینا) سے روگردانی فرمائیے۔

تفسیر صوفیانہ فتح الرحمن میں ہے کہ ان پر حد زائد حرص اور حسرتوں میں ان کے نفوس کے پھنسنے سے رو گردانی فرمائیے اور الواسطی نے فرمایا کہ ان کو ان کی ازلی سعادت و شقاوت کے حال پر چھوڑیئے (کہ جو کچھ ان کے ازل میں لکھا جاچکا ہے انہیں وہی ملے گا۔ آپ نے حق و باطل کا امتیاز بتادیا اب ان کی قسمت)

فما انت بملوم پس آپ پر کوئی ملامت نہیں اگر ان سے روگردانی فرمائیں گے کیونکہ آپ نے اپنے طور ان کو افہام و تفہیم فرمائی اور بہت ہی کوشش فرمائی ہے اور تبلیغ و ابلاغ کے تمام راستے اختیار فرمائے ہیں۔

حل لغات اللوم والملامہ بمعنی کسی کو سرزنش کرنا

فائدہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اپ ان سے روگردانی فرمائیے اس لئے کہ جس سے آپ کی محبت ہے آپ اس میں ہدایت پیدا نہیں کر سکتے اور نہ ہی اس تخلیق ہدایت کے عجز سے آپ پر کوئی ملامت ہے کیونکہ آپ کا کام تھا پیغام پہنچانا اور ظاہری اسباب کا استعمال کرنا وہ آپ کر چکے بلکہ آپ نے اس کا حق ادا کر دیا۔ اب شہود العین آپ کے ذمہ نہیں تبلیغ رسالت میں اس کی شرط ہے۔

وذکر اور وعظ و نصیحت کیجئے اسے بالکل نہ چھوڑیئے۔ یہاں ھم ضمیر محذوف اس لئے ہے کہ ان کا معاملہ اتنا واضح ہے کہ ان کی ضمیر ظاہر کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ فان الذکری تنفع المومنین اس لئے کہ پند و نصیحت اہل ایمان کو نفع دیتی ہے یعنی ان لوگوں کو جن کے لئے ایمان مقدر ہے یا انہیں جو بالفعل مومن ہیں۔ کیونکہ وعظ و نصیحت سے ان کی بصیرت و قوت فی الیقین میں اضافہ ہوتا ہے یعنی کافروں کی سرکشی و عناد اور انکار سے اہل ایمان کی نصیحت سے دست بردار نہ ہو بلکہ ایسے ہی وعظ و نصیحت میں مصروف رہیے اس لئے کہ وعظ و نصیحت کے بہت بڑے فوائد ہیں مثلاً نصیحت قلوب کو نرم کرتی ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ ہر مومن سے صدور گناہ ہوتا ہے اور وہ لحظہ بہ لحظہ اپنی عادت پر مجبور ہوتا ہے

کیونکہ مومن مفتون اور فراموشی طبیعت ہے اسے جب نصیحت کی جائے تو وہ اس کے لائق ہے۔

فائدہ حدیث قدسی گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مطیعین کو میرے بہت بڑے ثواب کی یاد دلایئے۔ عارفین کو وہ امور یاد دلایئے جنہوں نے انہیں میری آزمائش سے روگردانی کرائی ہے اور بعض نے کہا کہ بے فرمانوں کو میرا عذاب یاد دلایئے تاکہ میری مخالفت سے باز آجائیں اور مطیعین کو میرے بڑے ثواب یاد دلایئے تاکہ طاعت و عبادت میں بڑھیں اور عشاق کو میرے وہ شاہد کے انوار جمال و جلال یاد دلایئے جو انہیں غیب اور غیب الغیب میں نصیب ہوئے تھے تاکہ بذل الوجود و طلب المفقود میں بڑھیں۔

دس چیزوں کی یاد فصول میں مذکور ہے کہ کلام مذکور دس چیزوں پر مشتمل ہے تاکہ سامعین کو نفع حاصل ہو۔

۱۔ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلایئے تاکہ وہ اس کا شکر کریں۔

۲۔ دکھ اور تکالیف کا ثواب بتائیں تاکہ صبر کر سکیں۔

۳۔ گناہوں کا سزا و عذاب سنائیں تاکہ گناہوں سے باز آجائیں اور ان سے توبہ کریں۔

۴۔ شیطان کے مکر وہ فریب بتائیں تاکہ اس میں دل نہ لگائیں۔

۵۔ دنیا کی بے ثباتی اور بے وفائی سمجھائیں تاکہ اس میں دل نہ لگائیں۔

۶۔ موت کو ہر وقت یاد رکھا جائے تاکہ روانگی کی تیاری جاری رکھی جاسکے۔

۷۔ قیامت کو زیادہ سے زیادہ یاد دلایا جائے تاکہ اس کے لئے زاد راہ جمع کیا جاسکے۔

۸۔ دوزخ کے عذاب کے حالات بتائے جائیں تاکہ ان سے بچ سکیں۔

۹۔ بہشت کی نعمتیں سنائی جائیں تاکہ انہیں رغبت ہو۔

۱۰۔ ہر بات کو خوف و رجاء کے درمیان میں رکھا جائے یعنی کبھی اللہ تعالیٰ کی عظمت و ہیبت کا تصور دلایا جائے تاکہ اس کا خوف دل میں پیدا ہو اور کبھی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مہربانی بتائی جائے۔ تاکہ اس سے امیدوار ہو جو پند و نصیحت ان دس امور پر مشتمل ہو تو اہل ایمان کو اس سے بہت بڑا فائدہ نصیب ہوگا بالخصوص وہ عالم دین ایسی بتائے جو خود کو ان کا عامل بناتا ہو کیونکہ عالم باعمل کی بات زیادہ موثر ہوتی ہے بہ نسبت اس کے جو بے عمل ہو۔

سوال بے عمل عالم کی بات کا خاک اثر ہوگا جب وہ خود عمل نہیں کرتا پھر اس کی وعظ و نصیحت کا کیا فائدہ؟

marfat.ocm

جواب یہ ہم نے از خود نہیں بلکہ بزرگوں نے ایسے فرمایا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

مرد باید کہ گیرد اندر گوش در نوشتہ باشد پند بر دیوار

ترجمہ لازم ہے کہ نصیحت حاصل کی جائے خواہ وہ نصیحت دیوار پر ہی لکھی ہوئی ہو۔

اور جو سن کر بھی عمل میں لانے کی کوشش کرے تو وہ فائدہ پا سکتا ہے اس میں کسی کو اعتراض نہیں ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

ان فی ذلک لذکری لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو شھید

ترجمہ بیشک نصیحت اس کے لئے ہے جو اس کی طرف کان لگائے درانحالیکہ وہ مکمل طور متوجہ ہو۔

تفسیر عالمانہ وما خلقت الجن والانس (اور ہم نے جن وانس کو پیدا نہیں کیا) الا لیعبدون مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں۔

فائدہ امام یعقوب نے اس طرح پڑھا ہے ایسے ہی یطعمولی ویستعجلونی یاء کو باقی رکھ کر جیسا کہ اس کی تحقیق آئے گی (انشاء اللہ) یعنی بحالت وصل وفصل ہر دونوں میں یاء متکلم کو باقی رکھنا اور باقی قراء نے ہر دونوں حالتوں میں حذف کیا ہے۔

فائدہ عبادت عبودیت سے زیادہ بلیغ ہے اس لئے عبودیت بمعنی (ذلت) ظاہر کرنا ہے اور عبادت ہر درجہ کی عاجزی کرنا اور اسکا مستحق وہی ہے جو حد درجہ کی فضیلت رکھتا ہو۔ بعض اکابر نے فرمایا کہ عبادت ذاتیہ ہے مخلوق کے لئے ہے کیونکہ وہ لغت عربیہ میں ذلت کو کہا جاتا ہے۔

نکتہ افعال مخصوصہ (مثلاً عبادات وصفیہ) کا اسی لئے مکلّف بنایا تاکہ اس ذلت ذاتیہ پر تنبیہہ ہو یہاں تک کہ وہ اپنے رب خالق کے لئے عجز وانکسار کریں بطریق مشروع۔

نکتہ انسان وجن کو عبادت کے لئے پیدا کرنے کا معنی یہ ہے کہ انہیں پیدا کیا درآنحالیکہ ان میں مکمل استعداد ہے اور مکمل قدرت ہے اور وہ ان سے عبادت مطلوب ہے کہ غایت کی ترتیب کو جو کہ وہ اس کا ثمر ہے بمنزلہ ترتب

marfat.ocm

فرض کے قرار دیا گیا ہے جو کہ وہی اس کی غرض اصلی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے افعال کا تتبع غایات جلیلہ سے ہے۔ جس میں کسی کو اختلاف نہیں (اگرچہ وہ اس سے پاک ہے کہ اس کے افعال معلل بالاغراض ہوں) کیوں نہ ہو جبکہ وہ رحیم و کریم ہے اور یہ بندوں کے لئے رحمت اور عبادت اس کے فضل و احسان کا سبب ہے اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کسی غرض و غایت کے محتاج نہیں ہیں یعنی یوں کہا جائے کہ فلاں امر اللہ تعالیٰ کے فلاں فعل کا باعث ہے کہ اگر وہ نہ ہوتا تو یہ نہ ہوتا تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ اس کے کمال کی غایت یہی فعل ہے حالانکہ وہ کسی وجہ کے بغیر ہی کامل ہے۔ اور بمعنی نہایت کمالیہ کی حیثیت سے اس کی طرف فعل فاعل حق کا پہنچتا تو بھی افعال سے اس کی نفی نہیں ہوتی بلکہ وہ کل کے کل اسی طریق سے جاری ہوتے ہیں اور اسی اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی وصف حکمت سے مشہور ہے۔

فائدہ فقہاء اہل لغت نے اسی طرح تعلیل کا معنی بتایا ہے اور اسی سے ہی لام کا معنی مستحق ہوتا ہے ہاں فاعل کا ارادہ مقتضیات لام سے نہیں تاکہ لازم آئے کہ بعض انس و جن سے تو عبادت کا صدور نہیں ہوتا تو پھر ارادہ الٰہی کہاں گیا اسی طرح سے تخلف المراد از ارادہ لازم نہ آیا کیونکہ بعض انس و جن کا غایت تک نہ پہنچنا باوجودیکہ اس کے پاس مبادی الاسباب اور ایسے مقدمات موجود تھے جو اسے غایت تک پہنچا سکتے تھے۔ لیکن اس نے استعمال ہی نہ کئے اس اعتبار سے نہیں کہا جا سکتا کہ ان کے لئے غایت کہاں گئی اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی ایک اور آیت میں فرمایا کہ "کتاب اَنْزَلْنَاهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ یہ کتاب ہم نے تمہاری طرف اسی لئے نازل کی تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے جائیں اسی طرح نظائر بے شمار ہیں (الارشاد)

مفتی سعدی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا یہاں پر لام اپنے حقیقی معنی پر ہے (اسے غور سے دیکھ لو) خلاصہ یہ کہ لام لیعبدون میں اس سبب کا اثبات ہے جو حق کا موجب ہے اور یہ لام شرعاً حکمت و سبب کی اور عقلاً علت کی ہے۔

مولانا رمضان کی تقریر حضرت مولانا رمضان رحمتہ اللہ علیہ نے شرح عقائد میں لکھا کہ اللہ تعالیٰ کا استکمال اپنے فعل سے جائز بلکہ واقع ہے مثلاً جب اس نے عالم کو پیدا فرمایا تو کمل موحدیت و معروفیت استکمال فرمایا چنانچہ ارشاد وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ لا ای لیعرفون سے ظاہر ہوتا ہے اور یہ کمل

اضافی ہے اور اس کا خلو (خالی ہونا) بھی ہو سکتا ہے۔

فائدہ مقصود الٰہی از ہمہ کمل جلاد استجلاء ہے کہ انسان کامل (اولیاء و انبیاء) میں جمعاً و تفصیلاً ظاہر ہو اور عالم میں صرف تفصیلاً ظاہر ہو۔

سوال طلب مقصود استکمال نہ ہوا بلکہ نقصان کا داعی ہے جیسا کہ اہل کلام کا قاعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال معلل باغراض نہیں۔

جواب یہ استکمال از فعل غیر کے لئے ہے نہ کہ اپنے صفات سے اور یہاں کا استکمال اپنے فعل سے ہے فلہذا اعتراض نہیں ہو سکتا (تفسیر الفاتحہ لصدر الدین القنوی قدس سرہ اور ایسے ہی بعض شروح فصوص الحکم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک کمال ذاتی ہے دوسرا کمال اسمائی ہے اور استکمال یا بغیر کمال ذاتی کے لئے ممتنع ہے اسمائی کے لئے جائز ہے کیونکہ آثار اسماء کا ظہور مظاہر کونیہ کے بغیر ممتنع ہے۔ حضرت مولانا جامی قدس سرہ نے فرمایا۔

وجود قابل شرط کمال اسمائیست
وہ گرنہ ذات نباشد بغیر متکمل

ترجمہ وجود قابل کمال اسماء کے لئے شرط ہے ورنہ ذات کو کوئی ضرورت نہیں کہ وہ بغیر متکمل نہ ہو اور فرمایا۔

ای ذات رفیع تو نہ جوہر نہ عرض
فضل و کرمت نیست معلل بغرض

ترجمہ تیری ذات بلند ہے نہ تو جوہر نہ عرض تیرا فضل و کرم کسی غرض کے ساتھ معلل نہیں۔

شرح یعنی حق سبحانہ بحسب کمال ذاتی وجود عالم و عالمیان سے مستغنی ہے جیسا کہ فرمایا کہ واللہ ھو الغنی
لیکن چونکہ کمال اسمائی وجود اعیان ممکنات پر موقوف ہے اسی لئے اسے پیدا فرمایا۔

ترجمہ تاکہ خود ہو ساتھ جملہ اوصاف کے ظاہر واجب ہے کہ ممکن درمیان میں آئے۔
ورنہ اس کا کمال ذاتی آدمیوں سے فرد اور غنی ہے جیسا کہ اس نے خود بیان فرمایا۔

فائدہ اشاعرہ نے اس توجیہہ کا انکار کیا ہے یعنی یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال معلل بالاغراض ہیں اور اس کی تاویل کی جائے کہ ذات تو معلل بالاغراض نہیں اسماء ہیں اشاعرہ کے نزدیک یہ توجیہہ صحیح نہیں اگرچہ فی الوقع لفظاً صحیح

marfat.ocm

ہو لیکن جب ہم تمسک کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ منافع سے ہر طرح سے مستغنی ہے۔ تو کوئی شے اس کے لئے نافع ہو کر اس کی طرف کیسے راجع ہو کیونکہ وہ قادر ہے کہ کسی تک نفع پہنچائے بغیر کسی فعل کے واسطہ کے اس معنی پر اشاعرہ کے نزدیک معلل بالاغراض کی کوئی صورت نہیں اور وہ لیعبدون لام التعلیل کو استعارہ تبعیہ بناتے ہیں عبادت بندگان کو تشبیہ دی گئی ہے ساتھ اس کے کہ فرض کی جائے کوئی اسی علت جو اس کی خلق پر مرتب ہو۔

فائدہ اکثر فقہاء و معتزلہ کہتے ہیں کہ معلل بالاغراض افعال اللہ کو کہا جا سکتا ہے کیونکہ ان کے منافع اللہ تعالیٰ کی طرف راجع نہیں بلکہ مخلوق کی طرف راجع ہیں کیونکہ کسی فعل کا غرض سے خالی ہونا عبث ہے اور اللہ تعالیٰ حکیم سے عبث کا ہونا محال ہے۔ (مشارق الانوار لابن الملک)

فائدہ ابن الشیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا معتزلہ کا عقیدہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال معلل بالاغراض ہیں ان کا استدلال اسی آیت وماخلقت الجن والانس الخ سے ہے اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مراد اس کے ارادہ کے خلاف ہو جائے تو جائز ہے جب وہ مراد بندوں کے افعال اختیاریہ سے ہو ان کا یہ استدلال بھی اسی آیت سے ہے طریق استدلال یہ ہے کہ لام التعلیق (لیعبدون) میں بتائی جاتی ہے کہ اس کی وضع اس لئے ہوئی ہے کہ وہ اس پر داخل ہو جو کسی دوسرے فعل کی غرض ہو۔ اب مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا انس و جن کے پیدا رنے کی غرض، ان کا اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے پھر ظاہر ہے کہ بعض (انس و جن) نے عبادت نہیں کی تو یہ ان کا عبادت نہ کرنا اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے خلاف ہو گیا یہی ہم (معتزلہ) کہتے ہیں۔

جواب از اہلسنّت جب کہ قطعی دلیل موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی کام کسی غرض پر ہوتا ہے تو اسی لئے لازم ہے کہ اس لام (لیعبدون) کی تاویل کی جائے (ایسے ہی جہاں لام تعلیل افعال تعلیل افعال الٰہی میں واقع ہو) اور اس کی تقریر یوں کی جائے کہ وہ حکمتیں و مصلحتیں جو فعل الٰہی سے مرتب ہوتی ہیں اور یہ حکمتیں فعل کی غایت ہوتی ہیں جس کے لئے وہ ہیں اس حیثیت سے کہ اگر یہ فعل۔ غیر اللہ سے صادر ہوتا تو اس کی یہ غایت و غرض ہوتی اسے غرض حقیقی سے تشبیہ دے کر اس پر لام تعلیل داخل ہوتی ہے جو غرض پر دلالت کرتی ہے بوجہ اسی تشبیہ کے اسی وجہ سے اس پر اس غرض کا اطلاق ہوتا ہے یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ مافی الارض کی تخلیق سے غرض لوگوں کا انتفاع ہے جیساکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا خلق لکم مافی الارض جمیعا (جو زمین میں ہے وہ سب

تمہارے لئے پیدا کیا) یہ جواب اس لام سے حاصل ہوتا ہے۔ جو غایت مرتب علی الفعل پر مرتب ہے اور وہ الا لیعبدون میں تعلیل کا نفع نہیں دیتی اس لئے کہ عبادت خلق کثیر از جن وانس پر غایت مرتب نہیں ہو سکتی یہاں تک کہ کہا جائے کہ اسے غرض سے تشبیہ دی گئی بایں حیثیت کہ فعل اس (غایت) کی طرف پہنچانے والا ہے اور وہ (غایت) اس فعل پر مرتب ہے اس معنی پر غایت پر غرض کا اسم اطلاق کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے ہی اس پر لام غرض کی داخل ہوئی ہے لیکن یہ اگر مکمل ہو تو یہ معتزلہ کے استدلال ثانی کا بھی جواب یہی ہے کیونکہ یہ اس معنی پر مبنی ہے کہ مدلول اللام کالفی نفس الامر غرض ہے اور وہ شے جو علی طریق التشبیہ غرض ہو وہ مراد نہیں ہوتی اس تقریر پر عدم ترتب غرض کا علی الفعل سے تخلف المراد عن الارادہ لازم نہیں آتا اسی لئے معتزلہ کا استدلال صحیح نہ ہوا۔

فائدہ مصنف (شرح مشارق الانوار رحمۃ اللہ علیہ) نے اس جواب کی طرف اشارہ کیا ہے اپنی اس تقریر میں کہ اللہ تعالیٰ نے جن وانس کو ایسی صورت میں پیدا فرمایا جو وہ متوجہ الی العبادت اور اس کے لئے مستعد ہے اس معنی پر ان کی تخلیق کو عبادت کا مغیا (غایت کا مفعول) بنایا۔ خلاصہ یہ کہ جن وانس کی تخلیق پر عبادت غایت مترتبہ نہیں چہ جائیکہ اسے غرض و مراد بنایا جائے تاکہ عدم ترتب علی خلقھا (جن وانس) سے تخلف المراد عن المراد لازم آئے (جیسے معتزلہ نے سمجھا)

سوال اگر یہ بات نہیں تو پھر لام لیعبدون (غایت) پر داخل کیوں ہوئی حالانکہ اس کا حق ہے کہ وہ غرض پر داخل ہو یا مشبہ پر کیونکہ وہی مرتب علی الفعل ہوتا ہے اور اس کالفی الجملہ موجب وحامل ہوتا ہے۔

جواب چونکہ اسے غایت مرتبہ سے مشابہت ہے اسی لئے اس پر داخل ہوئی کیونکہ انس وجن کی تخلیق ایسی صورت پہ پیدا کیا گیا جو متوجہ الی العبادت اور اس کی صلاحیت و قابلیت اور اس کی قدرت وطاقت رکھتی ہے اسی لئے اس پر لام داخل ہوئی اور ان کی تخلیق اسی صورت کے ساتھ یہ بات ملائی گئی کہ وہ دلائل سمعیہ و عقلیہ سے رہبری حاصل کریں کہ وہ عبادت کے لئے ہی پیدا کئے گئے ہیں اس اعتبار سے گویا انہیں پیدا ہی عبادت کے لئے کیا گیا ہے۔ اور یہ ان کی تخلیق پر غایت مترتبہ ہے اسی لئے اس پر غایت کا اطلاق ہو کر اس پر لام الغایت داخل ہوئی اس میں ان کی تخلیق اسی صورت پر پیدا کرنے میں مبالغہ ہو۔

marfat.ocm

کہ ان کی تخلیق گویا ہے ہی تحصیل عبادت کے لئے اسی لئے مصنف (شرح مشارق الانوار) نے فرمایا کہ اگر اس آیت کی لام کو اپنے حقیقی معنی میں رکھا جائے تو اس میں منع و ابطال لازم آئے گا۔ اور دو آیتوں میں تعارض ہو جائے گا مثلاً جو لوگ جہنم کے لئے پیدا کئے گئے تو ان کے لئے کہنا پڑے گا وہ عبادت کے لئے پیدا نہیں کئے گئے (حالانکہ یہ مطلب و مفہوم غلط ہے[لہ]

فائدہ بحر العلوم میں ہے کہ میں نے ان دونوں گروہوں (انس و جن) کو پیدا نہیں کیا مگر عبادت کے لئے۔ عبادت بمعنی بندے کا قیام اس کے ساتھ کہ جس سے وہ عبادت کرے اور اسے اوامر و نواہی کی تابعداری کے لئے مکلف بنایا جانا یا آیت کا معنی یہ ہے کہ میں نے انہیں پیدا نہیں کیا مگر اس لئے کہ میں ان سے عبادت کا مطالبہ کروں۔ اور وہ مطالبہ اس کی کتابوں میں ہے جو اس نے انبیاء علیہم السلام پر نازل فرمائیں یہ تقدیر صحیح ہے یعنی لیعبدون کا تعلق طلب سے ہے اور ارادہ سے نہیں اور اس تخلف المراد عن الارادہ بھی لازم نہیں آتا کیونکہ طلب مطلوب کے وجود کو مستلزم نہیں بخلاف ارادہ کے کہ اس کے لئے مراد کا ہونا ضروری ہے جیسے اپنے مقام پر اس کی تحقیق ہو چکی ہے۔

خلاصہ جو کچھ علماء کرام نے اس آیت کے معنی میں فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وما امروا الا لیعبدوا یہ مامور نہیں ہیں مگر اس کے کہ وہ عبادت کریں ایک معبود کی یہی اہلسنت کے مذہب کے مطابق ہے کیونکہ اگر وہ صرف عبادت کے لئے پیدا کئے جاتے تو وہ آنکھ جھپکنے کی مقدار میں بھی نافرمانی نہ کرتے ہاں وہ امر تکلیفی طلبی نہ کہ ارادی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں ورنہ مراد ارادہ کے خلاف ہرگز نہ ہوتا اگر وہ امر ارادی ہوتا چونکہ عاصی (نافرمان) کے عین میں حضرت علمیہ میں استعداد کی تکلیف ثابت ہے اس لئے اس کی طرف امر تکلیفی متوجہ ہوا لیکن اس کے عین میں مامور بہ کی استعداد نہیں تھی اسی لئے اس سے مامور بہ متحقق نہ ہوا۔ اسی لئے اس سے معصیت و مخالفت صادر ہوتی ہے۔

سوال پھر اسے مکلف بنانے کا کیا فائدہ جب وہ جانتا تھا کہ اس سے مامور بہ کا وقوع نہیں ہو گا۔

جواب امتیاز مطلوب ہے کہ ان میں کس میں استعداد قبول امر ہے اور کس میں نہیں تاکہ سعادت و شقاوت

[لہ] (حواشی ابن الشیخ)

marfat.ocm

ظاہر ہوں اور معلوم ہو کہ ان میں سعید کون ہے اور شقی کون؟

فائدہ بعض نے کہا اس (انس و جن) سے بھی ان کی جنس سعداء و اشقیاء مراد ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ آیت کے عموم سے ہے مجنون مستثنیٰ ہیں یہ بھی دلیل ہے کہ مذکورہ بالا تقریر صحیح ہے نیز اس کی تائید ولقد ذرانا جهنم كثيرا من الجن والانس ہوتی ہے کہ اس میں بچے اور پاگل مستثنیٰ ہیں۔

سوال عبادت کیلئے خلق الجن والانس کی علت ہے۔ اگر ایسے ہوتا تو بہت سے لوگ عبادت سے محروم نہ ہوتے۔

جواب ممکن ہے یہاں پر مخصوص لوگ مراد ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قراۃ دلالت کرتی ہے کہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونَ اگر عام بھی مراد ہو تو اس سے وہ لوگ مراد ہوں جو تکلیف کی قابلیت و صلاحیت رکھتے ہیں جیسا کہ حضور سرور عالم ﷺ کی حدیث ہے کہ مامن مولود الا ویولد علی الفطرۃ کوئی بچہ پیدا نہیں ہوتا مگر پیدا ہوتا ہے فطرت پر۔

فائدہ لیعبدون میں عبادت سے معرفت مراد ہو تو پھر کوئی اشکال نہیں کیونکہ معرفت کفار کو بھی حاصل ہے جیسا کہ فرمایا کہ ولئن سالتهم من خلق السموت والارض ليقولن الله اگر ان سے پوچھو کہ کس نے آسمان و زمین پیدا کئے تو کہیں گے اللہ۔

فائدہ حضرت مجاہد نے فرمایا اور امام بغوی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسی کو اختیار فرمایا وہ یہ کہ لیعبدون بمعنی لیعرفون ہے اس کا ذیل کی حدیث قدسی پر ہے۔

كنت كنزا مخفيا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لاعرف (روح البیان ص ۱۷ ج ۹) میں مخفی خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق پیدا کی تاکہ میری پہچان ہو۔

سوال اگر معرفت مراد ہوئی تو لیعبدون کے لانے کا کیا فائدہ؟

جواب یہ اطلاق السبب علی المسبب کے قبیل سے ہے تاکہ تنبیہ ہو کہ معرفت وہ معتبر ہے جو عبادت سے

حاصل ہو نہ کہ دوسرے طریقوں سے جیسے فلاسفہ کی معرفت وغیرہ[1]۔

فائدہ بعض نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ میں نے انہیں پیدا نہیں مگر عبادت کے لئے اپنے اختیار سے تاکہ میرے ہاں سے شرافت و کرامت حاصل کریں اور میں نے اس پر انہیں مجبور نہیں کیا کیونکہ اگر میں انہیں عبادت پر مجبور کروں تو ان سے عبادت حاصل ہو جاتی لیکن مجھے نہ ان کی ضرورت ہے اور نہ ان کی عبادت کی۔

خلاصہ تطلفاً و اختیاراً انہیں عبادت کے لئے پیدا کیا گیا نہ کہ جبلت و اجباراً جسے اللہ تعالیٰ توفیق بخشا اور سیدھے راستہ پر لگاتا ہے تو وہ اس عبادت کو بجالاتا ہے جس کے لئے اسے پیدا کیا گیا ہے اور جسے وہ ذلیل و خوار کرے اور اپنے دروازے سے ہٹائے تو وہ محروم ہو کر ایسے عمل کرتا ہے جس کے لئے اسے پیدا نہیں کیا۔

حدیث شریف عمل کرو ہر وہ جسے اللہ تعالیٰ سے آسانی نصیب ہوتی ہے تو وہ وہ عمل کرتا ہے جس کے لئے پیدا کیا گیا[2]۔

تفسیر صوفیانہ حضرت الشیخ نجم الدین وایہ قدس سرہ نے اپنی تاویلات میں لکھا کہ وہ خلقت الجن الخ میں نے انس و جن کو اسی لئے پیدا فرمایا تاکہ وہ میری عبادت کریں کیونکہ میری معرفت کا موتی صدف عبودیت میں امانت رکھا ہوا ہے اور میری معرفت دو قسم ہے۔

۱۔ معرفت صفت جمال ۲۔ معرفت صفت جلال

اور وہ ہر دونوں مظہر ہیں اور عبودیت دونوں مظہروں کی یا فرمانبرداری کرتی ہے یا بے فرمانی جو تسلیم و رضا سے فرمانبرداری کرتا ہے جیسے اسے حکم ہے تو وہ صفت جمال لطف کا مظہر ہے اور جو انکار و استکبار سے سرکشی کرتا اور بے فرمانی کرتا ہے تو وہ صفت جلال و قہر کا مظہر ہے۔ اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ میں نے مقبول بندے پیدا فرمائے تاکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر کے صفت جمال و لطف کے مظہر کے مظہر بنیں۔ اور مردود کو پیدا فرمایا تاکہ خواہشات نفسانی کی عبادت کر کے صفت جلال و قہر کے مظہر بنیں اسی معنی پر ہی میں نے انہیں پیدا کیا۔

فائدہ حکمت ایزدی کا تقاضا نہیں کہ سب کے سب توحید و عبادت و اخلاص و اقبال کلی علی اللہ پر متفق ہوں اس طرح سے امر معاش میں خلل ہوتا اسی لئے کہا گیا ہے لا الحمقی لخربت الدنیا اگر احمق (دنیادار) نہ

---

[1] (الارشاد ۱۲)

[2] (عین المعانی ۱۲)

marfat.ocm

ہو تا تو دنیا کا معاشرہ بگڑ جاتا۔ اسی لئے غضب الٰہی کا ہونا ضروری ہے تاکہ مرتبہ شمل الہاان دست قدرت) کی تکمیل ہو اگرچہ اس کے دونوں مبارک ہاتھ دائیں ہیں لیکن ہر دونوں کا حکم ایک دوسرے کے خلاف ہے۔ اس معنی پر زمین تمام اس کے قبضہ قدرت میں ہے اور ساتوں آسمان اس کے دائیں ہاتھ (قدرت) میں لپیٹے ہوئے ہیں اسی لئے حکمت الٰہی کا تقاضا ہوا کہ ہر ان امر کا ظہور ہو جو جس ہاتھ (قدرت) سے منسوب ہیں۔ ایک کی طرف سعادت مندوں کی رحمت و جنت منسوب ہے دوسرے کی طرف بدبختوں کے لئے قہر و غضب اور ان کے لوازمات اور ہر دونوں کے مقتضی دنیا میں موجود ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کی شان کریمہ تخلیق سے مقصود اصلی تخلیق سے انسان کامل کا وجود ہے وہی جمال و کمال حق کا آئینہ ہے اور وہ موجود ہوئے۔ (یعنی حضور سرور عالم ﷺ) اور سواد اعظم سے بھی مراد وہ ہے جو حق پر ہو خواہ ایک ہو۔

عجیب تفسیر امام واحدی رحمہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لیعبلون بمعنی لینحضوالی ویتنللوالی یعنی اہل معانی کے نزدیک آیت کا معنی یہ ہے کہ انس و جن کو اس لئے پیدا کیا گیا تاکہ وہ میرے لئے عجز و نیاز اور تواضع و انکسار کا اظہار کریں اور عبادت کا معنی بھی لغت میں ذلت و انقیاد ہے اور تمام مخلوق انس و جن اللہ تعالیٰ کی قضاء کے آگے سر خم اور اس کی مشیت کے سامنے سر نیاز جھکائے ہوئے ہے کہ جیسے چاہا پیدا کیا اور وہ رزق بخشا جو اس کا فیصلہ ہوا کسی کو کوئی طاقت نہیں کہ وہ اس سے سرتابی کرے جس پر اسے پیدا کیا گیا۔

تفسیر ابن عباس سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ لیعبلون بمعنی بالعبودیته طوعاوکرھا یعنی انس و جن کو اس لئے پیدا کیا گیا تاکہ وہ طوعا و کرہا عبودیت کا اقرار کریں یعنی اہل ایمان طوعا عبودیت کا اقرار کرتے ہیں اور اہل کفر کرہا یعنی اس جبلت پر جس پر ان کی خلقت (تخلیق) ہے وہی وحدانیتہ اللہ اور اس کا تخلیق میں منفرد ہونے اور اس کے استحقاق عبادت پر دلالت کرتی ہے اس معنی پر تمام مخلوق اس کی عبادت گزار ہے اسی پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ ولہ مافی السموات ومافی الارض کل لہ قانتون اور اسی کے لئے ہے جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے سب کے سب اسی کے فرمانبردار ہیں (طوعا یا کرھا) اس معنی پر کہ ان میں دلائل حدوث پائے جاتے ہیں جن سے لازم آتا ہے کہ وہ مربوب و مخلوق اور کسی کے تابع ہیں۔ التیسیر

یہ وہ اقوال ہیں جو اس باب میں مذکور ہوئے۔

نکتہ جن و انس کی تخلیق کو عبادت کے حصر میں اشارہ ہے کہ ربوبیت صرف اللہ تعالیٰ اور عبودیت مخلوق کے لائق ہے اور یہ ان کے مخصوص ترین اوصاف سے ہے یہاں تک کہ کہا گیا ہے کہ عبودیت رسالت سے افضل ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کے لئے فرمایا اسری بعبدہ اپنے عبد مقدس کو سیر کرائی برسولہ) نہیں فرمایا اور اسی لئے اشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ ہیں۔ عبدہ ورسولہ سے مقدم ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا ربوبیت کا دعوی کرتا ہے وہ اس آیت کی تہدید سے خوف رکھے کیونکہ جمیع کمالات اللہ تعالیٰ کے ہیں اگرچہ عبد سے ظاہر ہوں تو وہ عبد صرف مظہر ہے اور بس ورنہ ظاہر صرف وہی اللہ تعالیٰ اور اس کے کمالات ہیں۔

عبادت کی قسمیں عبادت دس قسم ہے۔

۱۔ نماز ۲۔ زکوۃ ۳۔ روزہ ۴۔ حج ۵۔ قراۃ القرآن ۶۔ ہر حال میں ذکر اللہ ۷۔ طلب الحلال ۸۔ قیام بحقوق المسلمین و حقوق الصحبت ۹۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ۱۰۔ اتباع السنت اور یہی آخری قسم سعادت کی کنجی اور محبت الٰہی کی علامت ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ

ترجمہ فرمایئے اگر اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو تمہیں اللہ تعالیٰ محبوب بنائے گا۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہ نے فرمایا۔

یا نبی اللہ السلام علیک انما الفوز و الفلاح لدیک
گر نرفتم طریق سنت تو ہستم از عاصیان امت تو
ماندہ ام زیر بار عصیان پست رفتم از پائے اگر نگیری دست

ترجمہ ۱۔ اے نبی ﷺ آپ پر سلام ہو بیشک کامیابی اور فلاح آپ کے ہاں ہے۔

۲۔ میں آپ کی سنت کو اپنا طریقہ نہ بنا سکا میں بھی آپ کی عاصی امتیوں میں سے ایک ہوں۔

۳۔ میں گناہوں کے زیر دبا ہوا ہوں پاؤں کے بل گر جاؤں گا اگر آپ نے دستگیری نہ کی۔

marfat.ocm

سبق بندوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے پروردگار کی عبادت اور اپنے خالق کے سامنے عجز و نیاز کریں جس طریق سے ہو فرائض ہوں یا واجبات سنن ہوں یا مستحبات اس طور سے جیسے اس کا حکم ہے کہ انہیں یوں ادا کیا جائے جب فرائض کو مکمل طور ادا کر لے تو درمیان دو فرضوں کی ادائیگی کے نوافل زائدہ میں لگ جائے جتنے نوافل پڑھ سکتا ہے۔

فائدہ اللہ تعالیٰ کے کسی فرمودہ عمل کی تحقیر نہ کرے کیونکہ اس نے جسے بھی بنایا ہے حقیر کر کے نہیں بنایا اور نہ ہی اس نے حقیر شے کو بندوں پر واجب فرمائی کیونکہ اس نے جو عمل بھی بندوں پر واجب فرمایا ہے تو اس کے علو شان و عظمت کمال کے پیش نظر۔ ورنہ وہ اس پر بندوں کو مکلف ہی نہ بناتا۔ جب بندہ فرائض کی ادائیگی میں پابندی کرتا ہے تو وہ اس امر کی مداومت کر رہا ہے تو اللہ تعالیٰ کی محبوب ترین شے جو اس کے قریب کرنے والی ہے پر مداومت کر رہا ہے۔

قدسی حدیث شریف میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بندہ میرے قریب نہیں ہو سکتا اس عمل کے ساتھ جو مجھے زیادہ محبوب ہو سوائے فرائض کے جو میں نے ان پر فرض کئے اور بندہ نوافل کے ذریعے میرے قریب ہوتا ہوا ایسا مقرب ہو جاتا ہے کہ میں اسے محبوب بنا لیتا ہوں۔ جب وہ میرا محبوب ہو جاتا ہے تو میں اس کے کان ہوتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اگر وہ مجھ سے کوئی شے مانگے تو میں اسے ضرور دیتا ہوں اگر مجھ سے وہ پناہ مانگے تو میں ضرور بہ ضرور اسے پناہ دیتا ہوں اور میں کسی امر میں متردد نہیں ہوا حالانکہ میں سب کچھ کر سکتا ہوں مثلاً اس تردد کے کہ میں اپنے بندے کی روح قبض کروں جبکہ وہ موت سے کراہت کرتا ہے اور مجھے اس کی ناگواری ناگوار ہے۔

فائدہ قرب اول سے قرب فرائض اور قرب ثانی سے قرب نوافل مراد ہے۔

سبق غور فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ کو بندے سے کتنی محبت ہے اور قوت سماعت و بصارت اور ہاتھ اور پاؤں میں کتنی قوت بخشتا ہے اس امر کی ادائیگی سے جو اس کی موجب ہے فرائض و نوافل سے۔

مسئلہ فرائض کی تکمیل سے قبل نوافل صحیح نہیں ہاں نوافل سے عین فرائض ہیں یہی وجہ ہے کہ فرائض کا

نقص نوافل سے پورا کیا جاتا ہے۔

قدسی حدیث شریف اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے کی نماز کو دیکھو وہ کامل ہے یا ناقص اگر کامل ہے تو کامل لکھو اگر ناقص ہے تو پھر فرماتا ہے کہ دیکھو کوئی اس کے نوافل بھی ہیں اگر اس کے نوافل ہوں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے کے فرائض نوافل سے کامل بناؤ۔

فائدہ اس طرح سے اس کے فرائض کی تکمیل نوافل سے ہوتی ہے۔

مسئلہ کوئی نوافل نہیں جن کا اصل فرائض نہ ہوں اگر نوافل کے اول و آخر میں فرائض نہ ہوں اور مستقل طور علیحدہ نوافل پڑھے گئے تو وہ مستقل عبادت ہوتی اسے علماء الظواہر بدعت سے تعبیر کرتے ہیں۔[1]
ان کی دلیل یہ آیت ہے **ورھبانیۃ ابتدعوھا** اور رہبانیت کی بدعت شروع کی۔

جواب از اویسی غفرلہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بدعت سے ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ ان کے نہ نبھانے اور مداومت نہ کرنے کی مذمت فرمائی ہے۔ چنانچہ اس کے بعد **فما رعوھا حق رعایتھا** تو انہوں نے اس کی رعایت کا حق ادا نہ کیا اس سے تو واضح ہوتا ہے کہ اللہ ان کے اس جدید عمل پر خوش تھا لیکن ان کے چھوڑ دینے سے ناراض ہوا اسی لئے حضور نبی ﷺ نے فرمایا **احب الاعمال الی اللہ لو ومھا وان قل** بہترین عمل وہی ہے جس پر مداومت کی جائے اگرچہ وہ قلیل ہے اللہ تعالیٰ کو بھی یہی زیادہ محبوب ہے یہی وجہ ہے کہ ہم اہلسنت اپنے معمولات پر مداومت کرتے ہیں وہابیوں کا کہنا شرعی اصول سے جائز تو ہیں لیکن ان پر مداومت نہ کرو تاکہ عوام انہیں واجب نہ سمجھ لیں اگر ہم ان کی بات مان لیں تو بتایئے اللہ تعالیٰ کے منشا کے خلاف ہو گا یا نہ نامعلوم ان کی عقل میں کیوں کمزوری پڑ گئی۔ کہ اللہ تعالیٰ ان کی مداومت سے محبت کرتا ہے اور وہ بزعم خویش اور افتراء علی المومنین کی بناء پر ایک وہمی امر سے اللہ تعالیٰ کے محبوب عمل سے خود بھی روگردان ہیں اور دوسروں کو بھی **مناع للخیر** ہو کر روکتے ہیں۔ تفصیل فقیر کی کتاب "العصمۃ عن البدعت اور تحقیق البدعت" میں ملاحظہ ہو۔

---

[1] جیسے ہمارے دور میں غیر مقلد وہابی کثرت عبادت (نوافل) کو بدعت سیہ کہتے ہیں ان کے رد کے لئے فقیر کی کتاب "خیر القسمۃ فی ان کثرۃ العبادات لیست بدعت (آسان نام) کثرت عبادت بدعت نہیں" پڑھیئے۔ اویسی)

اله وهم یہ وہم کہ یہ بدعات نہیں تو ہم کہتے ہیں وہ بدعات حسنہ ہیں جسے رسول اللہ ﷺ اجرو ثواب کا
ہ فرمارہے ہیں۔

ی غفرلہ کی تائید از امام

عیل حقی صاحب روح البیان قدس سرہ صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ

سماها رسول الله صلی الله علیه وسلم سنته حسنته والذی سنتها له اجرها واجر
ن عمل بها الی یوم القیمته من غیر ان ینقص من احورهم شئی

اور رسول اللہ ﷺ نے اس بدعت کا نام سنت بتایا چنانچہ فرمایا کہ جس نے اس بدعت کا اجراء کیا
سے بھی اجرو ثواب ہے اور اسے بھی جس نے اس پر عمل کیا تا قیامت (اسے ثواب ملتا رہے گا) بغیر اس کے کہ ان
ل کرنے والوں کے عمل میں کمی کی جائے۔

ائدہ چونکہ نوافل میں وہ قوت نہیں جو فرائض میں ہے اسی لئے وہ فرائض کے مقام نہیں ہو سکتیں لیکن ان
کے نفوس میں فرائض ہیں (کہ جب انہیں شروع کیا جائے گا یا اپنے اوپر واجب قرار دی جائیں گی وہ واجب ہوں گی
فلہذا وہ فرائض کے قائم مقام کھڑی ہو سکتی ہیں تاکہ فرائض کو فرائض سے پورا کیا جاسکے جیسے نفل کہ ان کا حکم ان کے
اصل (فرائض) کا ہے اسی لئے وہ فرائض کے مطابق اعمال پر مشتمل ہیں ذکر میں رکوع و سجود میں حالانکہ یہ دراصل

بدعت حسنہ دراصل سنت ہے سیدنا مجدد الف ثانی امام ربانی رحمتہ اللہ تعالٰی علیہ اور اس طرح کے دیگر
اکابر ائمہ و مشائخ کی بعض عبارات سے ثابت ہوتا ہے کہ بدعت کوئی شے نہیں ہر فعل سنت ہے تو اس کا مطلب یہ
ہے کہ ان کی قوت اجتہاد اور وفور فہم کا اپنا مرتبہ ہے کہ وہ ہر جدید فعل (بدعت) کو احادیث مبارکہ سے مستنبط کر سکتے
ہیں اسی لئے انہیں ہر فعل کی اصل حدیث نظر آتی ہے جیسے بعض اکابر آئمہ و مشائخ نے کہا کہ قرآن کی کوئی آیت
منسوخ نہیں تو اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ ان کی قوت استباط اتنا ارفع و اعلیٰ ہے کہ وہ ہر آیت کا کوئی نہ کوئی صحیح
محمل بیان کر سکتے ہیں بخلاف ہمارے جیسے عوام کے کہ ہم آیات منسوخہ ہی مانیں گے ایسے ہی وہ بدعات حسنہ جو
ہمارے عقول و فہوم میں بدعات ہیں۔ (اکابر آئمہ و مشائخ کے نزدیک بدعت نہیں سنت ہیں اس قاعدہ کو ذہن میں رکھ
کر اب صاحب روح البیان کا جواب سنئے جو انہوں نے صدیوں پہلے فقیر اویسی غفرلہ کے مذکورہ بالا مضمون کی تائید میں
لکھ گئے (فافہم ولا تکن من الوہابین)

نوافل ہیں اور تمام امور جو فرائض میں فرض وواجب ہیں نوافل میں بھی وہی ہیں۔

اعلیٰ درجہ کی اتباع ہم رسول اللہ ﷺ کے سنن مبارکہ کی اتباع و اقتدا پر مامور ہیں انہی سنن پر عمل کرنا اور ان پر مداومت کرنا خود کو بھی اجر ہے اور آنے والی نسلوں میں جو بھی ان پر ہماری وجہ سے عمل کرے گا ان کا ثواب بھی ہمیں ملے گا۔[1]

ترک بدعت کی نیت ہاں اگر کوئی شخص کسی جدید عمل پر اس ارادہ پر عمل نہیں کرتا کہ اس طرح سے رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا تو وہ اس اتباع کی نیت پر ماجور ہو گا۔[2]

شفیق نبی ﷺ حضور سرور عالم ﷺ کو اپنی امت پر شفقت کی بناء پر انہیں تکلف میں پڑنا گوارا نہ تھا کیونکہ جس نے جدید فعل طریقہ بدعت کا اجراء کیا تو گویا اس نے تکلف کیا (مثلاً رسول اللہ ﷺ نے قرآن جمع نہیں کیا اور نہ ہی اسے تیس پاروں پر تقسیم کیا اور نہ ہی اس پر اعراب وغیرہ لگانے کا حکم دیا وغیرہ وغیرہ) (اضافہ اویسی غفرلہ ۱۲) تو اصلی سنت رسول ﷺ پر عمل اولیٰ ہے مثلاً رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں مٹی پر نماز پڑھی یہ فرش و فروش اور اس کی پختگی پکی اینٹیں چپس اور اس پر دریاں قالین وغیرہ بچھا کر نماز پڑھنے سے مٹی پر نماز پڑھنا اولیٰ ہے لیکن مجھے آج کوئی مرد مجاہد عاشق سنت مصطفیٰ ﷺ دکھایئے جو مسجد کچی میں اور فرش مٹی پر نماز پڑھتا ہو تو میں اس کے قدم چوم لوں بشرطیکہ وہ اہل سنت سے ہو۔ لیکن وہابی دیوبندی ان تمام امور کو بدعت ماننے

---

[1] مثلاً دور حاضرہ داڑھی مونڈنے کی علامت بن چکی ہے بلکہ داڑھی والوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے اس پر مداومت کرنا ایسے ہی نبی پاک ﷺ کی دوسری سنتیں بلکہ فقیر اویسی تو سمجھتا ہے کہ آج ہر سنت پر مداومت کرنا سو شہیدوں کا ثواب حاصل کرنا ہے۔ ۱۲)

[2] (لیکن وہابیہ تو اس ضد سے کہ یہ اہلسنت کے معمولات اور اولیاء اللہ کے رسومات ہیں ضد سے بدعت سیئہ کی تہمت لگا کر نہ صرف چھوڑتے بلکہ دنگا فساد پر اتر آتے ہیں حالانکہ ماسوائے معمولات اولیاء اور متعلقات نبی مصطفیٰ ﷺ کے دوسرے امور بھی چھوڑ دیں تاکہ یقین ہو کہ واقعی یہ عاشق سنت ﷺ ہیں مثلاً (قرآن پر اعراب۔ مسجد کے مینار۔ محراب پکی مساجد۔ رنگ و روغن۔ پکا فرش۔ دریاں بچھانا۔ قالین وغیرہ بچھانا۔ مدارس کھولنا اور اس میں کئی طریقے مروج کرنا۔ کتب تصانیف کرنا۔ انہیں شائع کرنا وغیرہ وغیرہ مزید گنتی و شمار۔ فقیر کی کتاب "العصمة عن البدعة" میں ملاحظہ ہو۔ فقیر اویسی)

کے باوجود کبھی نہیں چونکتے لیکن چونکتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ کے متعلقات اور اولیاء کرام کے معمولات پر اور بس۔ (اضافہ اویسی غفرلہ)۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ کی اصلی سنت پر عمل اولیٰ ہے اور جو اسی ارادہ پر تکلفات سے بچ کر (مسجد میں مٹی پر نماز پڑھتا ہے) تخفیف بنوی کے مطابق تو (مسجد میں فرش و فروش کا) ترک اولیٰ ہے اسی لئے ہم کہتے ہیں ایسی صورت میں اتباع رسول ﷺ میں (مثلاً قرآن کے حروف پر اعراب اور نقطے وغیرہ نہ لگانا) (اضافہ اویسی غفرلہٗ) ترک اولیٰ ہے اور بدعت حسنہ۔ اگرچہ سنت اس کا اصل ہے کو ترک میں بہت بڑا اجرو ثواب ہے (جیسے مسجد میں محراب نہ لگانا اور اوپر مینار نہ بنانا۔ پکی مسجد نہ بنانا مسجد کے ارد گرد دیوار نہ کھینچنا وغیرہ) (اضافہ اویسی غفرلہٗ)

سبق اے عاشق رسول ﷺ اپنا حال رسول اللہ ﷺ کے احوال مبارکہ پر ڈھال (محبوب خدا اور ولی اللہ بن جائے گا) (اضافہ اویسی غفرلہٗ)

حکایت حضرت امام حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے عمر بھر تربوز نہیں کھایا۔ آپ سے اس کے ترک کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا مجھے کوئی اور روایت ایسی نہیں ملی کہ آپ نے کس کیفیت سے تناول فرمایا (کاٹ کر یا کس طرح وغیرہ وغیرہ) جب مجھے کیفیت ہی معلوم نہیں تو میں اسے کس طرح خلاف سنت کروں)

(اللہ اللہ یہ ہیں سچے عاشق رسول ﷺ جو صاحبان رات دن بدعت کا رٹ لگاتے ہیں انہیں چاہیے کہ وہ سوڈا کی بوتلیں (کوکاکولا، سیون اپ، پیپسی کولا، شیزان) وغیرہ پینی ترک کر دیں۔ پانی میں برف اور برف میں دودھ اور چاء اور کیک رس، ڈبل روٹی، پلاؤ زردے، قورمہ وغیرہ ترک کر دیں۔ کیونکہ زمانہ نبوی میں ان کا وجود تک نہ تھا حالانکہ امام حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے تربوز کی کیفیت نہ جاننے پر اسکا کھانا ترک کر دیا حالانکہ تربوز کا وجود زمانہ بنوی میں تھا اور مذکورہ بالا اشیاء اور ان کے علاوہ دیگر ہزاروں اشیاء کا تو وجود ہی نہ تھا نہ اصل نہ نقل لیکن یار لوگ بغیر پوچھے کسی نہ کسی تاویل کے تحت بدعات کو کھائے جا رہے ہیں۔ ایسے ہی آج ان کو صرف گدھا اور اور اونٹنی اور خچر پر سواری کرنی چاہیئے اس لئے کہ زمانہ بنوی میں صرف یہی سواریاں تو تھیں لیکن یار لوگ ہوائی جہاز۔ ریل۔ بس۔ کار۔ موٹر سائیکل۔ وغیرہ کی سواری کرتے ہیں۔ اور وہی تاویل پیش کرتے ہیں جو ہم اہلسنّت اپنے معمولات میں پیش کرتے ہیں۔

marfat.ocm

علمائے امت محمدی علی صاحبہم الصلوۃ والسلام اسی لئے مصطفیٰ ﷺ کی امت کے علماء کو دوسری امت کے علماء پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ امام عالی مقام حضرت امام احمد حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ عمل قرآن مجید کی آیت ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی سے سمجھا اور آیت لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ سے اسے مستحق کیا۔

فائدہ جب رسول اکرم ﷺ کی قولی فعلی۔ سنن لا تعد و لا تحصیٰ (ان گنت) ہیں تو پھر ہم ان سے ہی فراغت نہیں پا سکتے تو ایزادات کے تکلف میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے امت کو چاہیئے کہ تکلفات کے در پے نہ ہو بلکہ سنن مقدسہ پر خود کو ڈھالیں۔ (وما علینا الا البلاغ)

تفسیر عالمانہ ماارید منھم میں ان جن و انس سے کسی وقت بھی ارادہ نہیں رکھتا من رزق رزق سے اپنے لئے اور نہ ان کے لئے اور نہ ان کے غیروں کے لئے جو اس سے اپنی کمائی سے حاصل کرتے ہیں۔

وماارید ان یطعمون اور میں نہیں ارادہ رکھتا کہ وہ مجھے کھلائیں اور نہ ہی ان کے لئے ا ان یطعمون دراصل ان یطعمونی یا متکلم ہے۔

فائدہ اس میں اللہ تعالیٰ کی شان عالی کا بیان ہے کہ وہ دوسرے حکام کی طرح نہیں جو اپنے ماتحتوں کے ساتھ ہوتے ہیں کہ وہ ان کی سرپستی اس لئے کرتے ہیں کہ بوقت ضرورت وہ ان کے کام آئیں اور ان کی معشیت میں ان کا ہاتھ بٹائیں اور ان کی زندگی کی خوراک وغیرہ میں ان کے لئے کمائیں کیونکہ ان کے بعض ایسے ہوتے ہیں جن کی معاش کا دارومدار ان کے ماتحتوں کی کمائی پر ہوتا ہے بعض ایسے ہوتے ہیں کہ جنہیں معاشی لحاظ سے تو کوئی کمی نہیں ہوتی لیکن دوسری ضروریات مثلاً کھانا پکانا اور اس کی اصلاح اور ان کے سامنے کھانا لانا وغیرہ وغیرہ کی ضرورت رکھتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ بندوں کے ہر معاملے سے مستغنی ہے اور نہ ہی اسے بندوں سے کوئی منفعت ہے وہ جو کچھ کرتے ہیں وہ سب ان کے اپنے فوائد کے لئے ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ میرا ارادہ ان (جن و انس) کے متعلق یہ نہیں کہ میں ان سے تحصیل رزق کروں اپنے لئے یا ان کے لئے نہ ہی اس کی تیاری کے لئے مجھے ان کے ہاتھ بٹانے کی ضرورت ہے بلکہ میرا ہی فضل و کرم ہے کہ میں انہیں رزق اور ان کی دیگر ضروریات پوری کرتا ہوں اور ان کی معاش درست رکھتا ہوں۔ بس ان کا کام تو یہ ہے کہ وہ میری عبادت میں مشغول رہیں باقی تمام امور میں نے اپنے فضل سے اپنے ذمہ

و کرم لگائے ہیں۔

فائدہ آیت میں ان کے بتوں پر تعریض ہے کہ وہ بت پرست الٹا بتوں کے لئے کھانے پینے کی اشیاء لاتے لیکن بارہا ایسے ہوا کہ بتوں کے آگے طعام رکھ کر چلے گئے۔ بتوں نے کیا کھانا ہوتا اور اسے کتے آکر کھاتے پھر ان پر پیشاب بھی کرتے اور چلے جاتے اور ان کتوں کو روکنے والا بھی کوئی نہ ہوتا۔

قدسی حدیث شریف میں ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ بندے سے کہے گا میں نے تیرے سے طعام مانگا تو نے مجھے نہ کھلایا یعنی میرے بندے نے مانگا تو نے اسے نہ کھلایا۔ یہ معنی اس لئے کیا ہے کہ طعام کا سوال اور رزق کا سوال اللہ تعالیٰ سے محال ہے۔

ان اللہ ھو الرزاق بیشک اللہ تعالیٰ رزق رساں ہے ان سے رزق کے عدم ارادہ کی تعلیل ہے یہ قصر الصفت علی الموصوف کے قبیل سے ہے بمعنی اسکے سوا اور کوئی رازق نہیں جو کسی رزق کے محتاج کو کچھ دے سکے اس میں بھی اشارہ ہے کہ وہ ہر ایک سے مستغنی ہے۔

ذوالقوۃ المتین وہ جمیع مخلوق پر سخت طاقت والا ہے یہ بندوں سے اپنے کام میں لگانے اطعام کے متعلق ان سے مدد لینے کے عدم ارادہ کی تعلیل ہے اس لئے کہ جو دوسروں سے جملہ امور میں مدد لیتا ہے تو وہ عاجز ہوگا اسے کسی قسم کی قوت حاصل نہ ہوگی۔

حل لغات المتین بمعنی شدید القوت یہ متانت سے ہے بمعنی شدت القدرت اس لئے کہ قوت بمعنی تمام القدرت اور متانت بمعنی شدت القدرت اور مرفوع ہے کہ نعت ہے رزاق کی یا دو کی یا خبر بعد خبر ہے۔

فائدہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ تمام مخلوق کا رازق اور تخلیق ارزاق اور مرزوقین میں بڑی قوت والا ہے۔

قوت کی اقسام

۱۔ قوت کا استعمال کبھی قدرت کی معنی میں ہوتا ہے۔

۲۔ کبھی وہ تیاری جو شے میں موجود ہو۔

۳۔ وہ شے جو بدن میں تیار ہے۔

۴۔ قلب میں۔

فائدہ ذو القوۃ المتین عام ہے ہر وہ قدرت جو اللہ تعالیٰ میں ہے اور وہ جو مخلوق کے لئے بنائی ہر دونوں پر قوت کا اطلاق ہوتا ہے۔

سوال پہلے تم خود کہہ آئے ہو کہ قوت دراصل جسم کی شدت و صلابت سے عبارت ہے اس کی نقیض ضعف ہے اور اللہ تعالیٰ ایسی صفات سے منزہ و مقدس ہے۔

جواب اللہ تعالیٰ کے لئے قوت بمعنی قدرت کاملہ ہے یا اس سے اس کے مظاہر اسماء و صفات جو بھی ہوں کے قوی مراد ہیں۔

فائدہ المتین بمعنی کمتف (مکمل) پشت والا۔ اسی سے المتن ہے بمعنی پشت اس سے تشبیہ دے کر زمین کو بھی متن کہا جاتا ہے۔ متنتہ بمعنی ضربت متنتہ (میں نے اس کی پیٹھ کو مارا اور متن بمعنی قوی متنتہ بمعنی وہ بڑی قوت والا ہو گیا ہے۔

فائدہ ترجمہ اشف میں ہے کہ قوی و متین کا مطلب یہ ہے کہ اس کی قدرت قاہرہ اس کی قوت بالغہ کی دلیل ہے اور شدت قوت اور متانت قدرت کی برہان ہے اب معنی یہ ہوا کہ نہ اللہ تعالیٰ کی کارسازی کی قوت میں کمی ہے اور نہ ہی اس کی روزی رسانی اور بندہ نوازی میں قصور ہے۔

رساند رزق ہر و بجیکہ شاید   بسازد کارہا نوعے کہ باید
بروزی بے نوریا نرا نوازد   برحمت بے کساں را کار سازد

ترجمہ اس طرح روزی پہنچاتا ہے جیسے لائق ہے کام بناتا ہے جیسے چاہئے۔ بے نواؤں کو روزی سے نوازتا ہے بیکسوں کی رحمت خاص سے کارسازی کرتا ہے۔

رزق کے اقسام بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی رزق کئی اقسام پر مشتمل ہے۔

۱۔ بعض کو ایمان سے نوازتا ہے۔ ۲۔ بعض کو ایقان سے۔ ۳۔ بعض کو عرفان سے۔ ۴۔ بعض کو بیان سے ۵۔ بعض کو عیان سے یہ اہل عطف و سعادت ہیں۔ ۶۔ بعض کو خذلان (رسوائی) سے۔ ۷۔ بعض کو محرومی سے۔ ۸۔ بعض کو طغیان (سرکشی) سے ۹۔ کفران سے یہ اہل قہر و شقاوت ہیں۔

سبق عقلمند کو روزی کا طالب اور پھر اس سے اس کی محرومی سے اور بچے کے عجز و ضعف کے باوجود اسے مسلسل

روزی پہنچنے سے عبرت پکڑو اور یقین کرو کہ رزق طالب ہے مطلوب نہیں۔

فائدہ امام غزالی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رزق اور رزق کی جملہ اشیاء پیدا فرما کر بندوں کو پہنچائیں اور ان میں ایسے اسباب پیدا فرمائے جن سے وہ اس رزق سے نفع اٹھا سکیں۔

دو رزق رزق دو ہیں۔ ۱۔ ظاہری ۲۔ باطنی

ظاہری ابدان کے لئے قوت والی اشیاء اور طعام وغیرہ اور باطنی معارف و مکاشفات یہ قلوب و اسرار کو نصیب ہوتے ہیں اور یہی پہلے یعنی ظاہری سے اشرف اور برگزیدہ ہے کیونکہ اس کا ثمرہ ابدی حیات ہے اور ثمرہ رزق ظاہر کا جسمانی قوت اور وہ تھوڑی مدت تک اور اللہ تعالیٰ ہر دونوں رزقوں کو اپنی مخلوق کا متولی ہے اور اپنے فضل و کرم سے ہر دونوں رزق اپنے بندوں تک پہنچاتا ہے جیسے چاہتا ہے کہ کسی کو فراخی بخشتا ہے کسی کو تنگی۔

اسم رزاق کے فوائد اس وصف (رزاق) سے بندے کو دو قسم کے حظ نصیب ہوتے ہیں۔

۱۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کے سوا اور کوئی رزاق نہیں اسی لئے رزق کے بارے میں صرف اسی کی منتظر رہے اور اسی پر توکل کرے۔

حکایت حضرت حاتم (اصم) رحمتہ اللہ علیہ کو کسی نے کہا کہ آپ کہاں سے کھاتے ہیں فرمایا اللہ تعالیٰ کے خزانہ سے۔ اس نے کہا کیا اللہ تعالیٰ آسمان سے روٹی گراتا ہے۔ فرمایا اگر زمین نہ ہوتی تو وہ واقعی رزق آسمان سے گراتا۔ پھر اس نے سوال کیا کہ تم کہتے ہو کہ اس کا کلام بھی ہے آپ نے فرمایا ہاں صرف وہی آسمان سے زمین پر اترتا ہے اس نے کہا مجھے آپ سے جھگڑا کرنے کی طاقت نہیں۔ آپ نے فرمایا درست ہے باطل حق کے سامنے کب ٹھہر سکتا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ بندے کو علم ہادی اور رہبر زبان اور خرچ کرنے والا' صدقہ دینے والا ہاتھ عطا فرماتا ہے۔ یہی اس کے رزق کے قلب تک پہنچنے کے اسباب ہیں کیونکہ اچھے اقوال و افعال سے قلب رزق پاتا ہے جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے پیار کرتا ہے تو بندوں کی حاجات اسی کی طرف لے جانے کے اسباب بناتا ہے ایسے بندے اللہ تعالیٰ کے رزق مخلوق تک پہنچانے کے واسطہ و ذریعہ ہوتے ہیں جسے یہ وصف نصیب ہے اس نے فضل الٰہی سے واحد حظ (نصیبہ) پایا۔

حدیث شریف نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ خازن امین جو مامور بہ کو بہ طیب خاطر ادا کرتا ہے (یعنی خیانت نہیں کرتا) تو وہ بھی صدقہ دینے والوں میں سے ہے۔

فائدہ محبوبان خدا (اغنیاء) کے ہاتھ اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں جس نے اپنا ہاتھ کو ارزاق الابدان کا اور زبان کو

ارزاق القلوب کا خزانہ بنایا تو وہ صفت رزاق سے وافر نصیبہ پائے گا۔

عبدالرزاق اللہ تعالیٰ کا بندہ عبدالرزاق وہ ہے جس کے رزق میں اللہ تعالیٰ وسعت پیدا فرمائے اور وہ اس کے بندوں پر خرچ کرے اور یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر ہے کہ جس کے لئے رزق فراخ فرمائے کیونکہ برکت و وسعت اور فراخی اس نے اپنے قدموں تلے رکھی ہوئی ہے اور وہ کسی کو نہیں ملتی جب تک وہ کسی کو عطا نہ فرمائے اور اسے خیر و بھلائی سے نہ نوازے۔

خواص اسم رزاق

۱۔ فراخی رزق کے لئے نماز فجر سے پہلے اپنے گھر کے ہر کونے میں دس دس بار یہ اسم پڑھے دائیں کونے سے جانب قبلہ سے شروع کرے اور رخ قبلہ کی طرف رکھے۔ ہر کونے میں دس بار پڑھے۔

۲۔ اربعین اور ۔یہ میں ہے کہ " سُبْحَانَکَ یَارَبَّ کُلِّ شَیْءٍ وَّوَارِثِہٖ وَرَازِقِہٖ حضرت سہروسعد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ یہ دعا حکام (افسران) یا بادشاہان (صدر و وزراء اور گورنران) سے کام نکلوانے کے لئے تیر بہدف ہے۔ مذکورہ بالا دعا (جس سے کام لینا ہے) کے بالمقابل سترہ بار پڑھے اس پر مداومت یہی کام دیتی ہے۔

۳۔ جو اسے روزانہ منہ نہار بیس بار پڑھ لیا کرے اس کا ذہن تیز ہو گا۔ بہت بڑی باریک اور گہری باتوں کو منٹوں میں سمجھ سکے گا۔

فائدہ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے ان دونوں اسموں کی شرح میں فرمایا کہ القوی کی قوت الٰہی قدرت تامہ پر اور المتین کی متانت شدت القوت پر دلالت کرتی ہے اللہ تعالیٰ چونکہ بہت بڑی قدرت والا ہے اسی لئے قوی ہے اور وہ شدید القوت ہے اسی لئے متین ہے۔ بہر حال ہر دونوں میں قدرت کاملہ ہی مطلوب ہے۔

عبدالقوی وہ ہے جسے شیطان اور اس کے لشکر پر اللہ تعالیٰ کی قوت سے قوت و قہر رکھتا ہو اور شیطان کا لشکر نفس کو غضب و شہوت اور خواہشات نفسانیہ پر قوت دیتا ہے اور یہ عبدالقوی شیاطین الجن والانس جیسے دشمنوں پر ایسا قہر و غضب رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کوئی بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا وہ سب پر قہر و غلبہ رکھتا ہے جو بھی اس کے مقابلہ میں آئے گا مغلوب ہو کر رہے گا۔

عبدالمتین وہ جو دین میں مضبوط ہو کوئی اس کے اغواء (گمراہ کرنا) کا ارادہ کرے گا اس سے وہ متاثر نہیں

لے گا اور نہ ہی حق کے امور سے اسے کوئی ڈگمگا سکے گا بوجہ اس کی شدت کے کیونکہ تمام مضبوطوں سے مضبوط تر ہو گا۔ عبدالقوی وہ ہر شے پر اثر انداز ہوتا ہے اور عبدالمتین کسی سے اثر قبول نہیں کرتا۔

فائدہ حضرت ابو العباس زورقی قدس سرہ نے فرمایا قوی وہ ہے جس کی ذات وصفات و افعال میں کسی قسم کا ضعف نہ پہنچے اور نہ ہی اسے کوئی تھکان اور نہ سستی اور نہ ہی اسے عجز لاحق ہو اور نہ قصور نہ کسی کام کے توڑنے میں اور نہ کسی کو جاری کرنے میں۔

فائدہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ قوی قوت سے ہے حول کے باطن کے مابین کا وسط اور ظاہری قدرت کیونکہ عمل کے باطن کا ہر اول حال حول کہلاتا ہے پھر جو اعضاء میں محسوس کی جائے اور اس کا نام نام قوت ہے اور عمل کے ظہور بصورت گرفت کا نام طاقت ہے۔ اور اسے عمل میں لانے کو قدرت کہا جاتا ہے اسی لئے لاحول ولاقوۃ میں دونوں لفظ لائے گئے۔ یہ اور یہ فہم کے قریب کرنے کے لئے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ صفات مخلوقین سے منزہ ہے جسے معلوم ہو گا کہ وہ قوی ہے تو وہ اپنی طاقت و قوت کو سمجھ سکے گا اور اس تمثیل سے قریب کرنے سے تدبیر کو ساقط کرنا پڑے گا۔ اور اپنی طاقتوں کا اس کے سامنے مظاہرہ نہیں کرے گا اور نہ ہی اس کے بالمقابل کوئی دعوی کرے گا بلکہ یہ اس کا احسان عظیم سمجھے گا کہ یہ اس کا بندہ ہے اس طرح خلق خدا سے اس کے دل سے خوف اٹھ جائے گا اور دنیوی خیالات دور ہو جائیں گے۔ اور اس کے اندر قوت ایزدی اثر انداز ہو گی اس لئے اسے کسی ملامت گر کی ملامت سے خوف نہ ہو گا اور نہ ہی اپنے امور میں کسی وقت کمزور ہو گا۔

خاصیت اسم قوی اس اسم قوت کی خاصیت یہ ہے کہ اس کے وجود میں اس کی قوت کا ظہور ہوتا ہے جو بھی ضعیف ہمت والا اسے پڑھتا ہے تو وہ ذو قوت ہو جاتا ہے اگر کمزور جسم والا اسے پڑھے تو بھی طاقت ور ہو گا۔ اگر ظالم کے ہلاک کرنے کے ارادہ پر کوئی مظلوم اسے ہزار بار پڑھے تو ظالم ہو جائے گا اور مظلوم کا ظالم کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔

المتین وہ اسم ہے کہ اسے قوت کمال حاصل ہے اس حیثیت سے کہ نہ اس کا کوئی معارض ہے' اور نہ کوئی شریک اور نہ اس کا کوئی مقابل اپنی قوت میں وہ ضعف کو قبول نہیں کرتا اور نہ اس کے امر کو کوئی شے مانع ہے بلکہ وہ غالب ہے کسی سے مغلوب نہیں ہوتا اپنی قوت میں کسی مادہ کا محتاج ہے نہ سبب کا جو اس کی قوت کی عظمت اور اس کی متانت کو جان لیتا وہ کسی سے خوفزدہ نہیں ہوتا اور نہ ہی کسی سے اس کی ہمت ہارتی ہے اللہ تعالیٰ پر سہارا کی وجہ سے

marfat.ocm

اور اس پر اعتماد ہے۔

خاصیت اسم المتین اس اسم کی خاصیت یہ ہے کہ اس کے یاد کرنے والے کے لئے اسم قوی کو ساتھ ملا کر پڑھنے سے پڑھنے والے میں قوت کا ظہور ہوتا ہے اگر نوجوان مرد و عورت زانی پر دس بار پڑھے جائیں تو وہ زنا سے تائب ہو جائیں گے۔

تفسیر عالمانہ فان للذین ظلموا تو ظالموں کے لئے یعنی جنھوں نے اپنے نفوس پر ظلم کیا کہ انہیں رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کر کے دائمی عذاب کے لئے پیش کیا یا تصدیق کے تکذیب کو رکھا اس سے اہل مکہ مراد ہیں۔

ذنوبا۔ عذاب کا وافر حصہ۔ مثل ذنوب اصحابھم مثل ان کے دوستوں کے وافر حصہ عذاب کے یعنی وہ امتیں جن کا ذکر اوپر ہو چکا جیسے انہیں عذاب کا وافر حصہ ملا ان کو بھی ملے گا۔

حل لغات اس ذنوب سے ہے جو بڑا ڈول پانی سے بھرا ہوا تقسیم کیا جائے جیسے کہا گیا ہے۔

لنا ذنوب و لکم ذنوب فان ابیتم فلنا القلیب

(ہمارے لئے بڑا ڈول اور تمہارے لئے بھی۔ اگر انکار کرو گے تو پھر سالم کنواں ہمارا ہی ہے)

المفردات میں ہے کہ الذنوب مع ڈول جو پانی سے پر ہو پھر نصیب (حصہ) کے لئے استعارہ کیا گیا جیسے السجل استعارہ کیا گیا بمعنی الدلو العظیم (بڑا ڈول) القاموس میں ہے کہ الذنوب بمعنی بڑے دم والا گھوڑا طویل اشرالیام کو بھی الذنوب کہا جاتا ہے اور ڈول کو بھی اور وہ ڈول کو جس میں پانی ہو یا وہ ڈول جو پانی سے پر ہو اگر پانی سے پر نہ ہو تو بھی اسے ذنوب کہا جاتا ہے بمعنی الحظ والنصیب اس کی جمع اذنبہ و ذنائب اور ذناب آتی ہے۔

فلا یستعجلون تو وہ مجھ سے عجلت نہیں کرتے۔ دراصل یستعجلونی تھا یاء متکلم کے ساتھ یعنی مجھ سے یہ مطالبہ نہ کریں کہ میں عذاب کے لانے میں عجلت کروں حالانکہ ان کے لئے وقت مقرر ہے اور وہ ان پر یقینی طور نازل ہو گا۔

حل لغات یہ استعجلہ اس سے اس عجلت اور اس کا اسے حکم دیا اور کہا جاتا ہے استعجلہ۔ اس سے وقوع کے لئے عجلت طلب کی اسی سے قول اللہ تعالیٰ۔ اتی امر اللہ فلا تستعجلوہ اللہ تعالیٰ کا امر آئے گا تو عجلت نہ کرو۔

فائدہ یہ متی ھذا الوعد ان کنتم صٰدقین کا جواب ہے۔

شان نزول نظر بن حارث عذاب کو عجلت سے مانگتا تھا اللہ تعالیٰ نے اسے بدر تک مہلت دے دی اس کے بعد بدر میں قتل کر دیا گیا اور فی النار والسقر ہوا پہلے اسے بدر میں عذاب ملا پھر جہنم میں فویل للذین کفروا تو خرابی ہے کافروں کے لئے۔

حل لغات **الویل** بمعنی سخت عذاب و شقاوت و ہم و غم اور ایک وادی کو کہا جاتا ہے جو جہنم میں ہے۔

سوال اسم ضمیر کے بجائے اسم موصول کیوں لایا گیا۔

جواب ویل کو ان لوگوں کے لئے پختہ کرتا ہے جو کافر ہیں ان کے کفر کی وجہ سے اور اس طرح حکم کے علت بھی ظاہر ہو جاتی ہے فاء اس حکم کو مرتب کرنے کے لئے ہے جن کے لئے ویل ہے یعنی ان کے لئے دردناک عذاب ہے جیسے پہلی فاء ترتیب نہی عن الاستعجال علی العذاب کے لئے ہے من یومہم الذی یوعدون ان کے اس دن کے لئے جس کا وعدہ دیئے جاتے ہیں۔ من تعلیلیہ ہے یعنی انہیں یوم بدر سے ڈرایا جاتا یا قیامت کے دن سے یہی زیادہ مناسب ہے۔ جیساکہ آنے والی سورۃ میں ہے اور پہلا زیادہ موافق ہے ما قبل کے لئے اس حیثیت سے کہ وہ دنیوی عذاب سے ہیں یعنی عذاب آنے والا ہے اور آنے والی قریب ہی ہوتی ہے جیسے مشہور ہے کہ قیامت آئے گی اگرچہ دیر سے لیکن آئے گی ضرور۔ عمر اگرچہ دراز ہو لیکن جب موت آئے گی تو اس درازی عمر کا کیا فائدہ۔ حضرت نوح علیہ السلام نے دنیا میں ایک ہزار سال عمر بسر فرمائی لیکن آج ہزاروں سال گزر گئے ہم کہتے ہیں کہ وہ کسی زمانہ میں تھے آخر دنیا سے کوچ کر گئے۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ توبہ میں وانابتہ (رجوع الی اللہ) میں جلدی کرے یہاں تک اللہ تعالیٰ کو نافرمان ہو کر نہ ملے اور موت میں عجلت نہ کرے کیونکہ اس نے لامحالہ آنا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ تمہارا کوئی ایک موت کی آرزو نہ کرے اور نہ ہی اس کے لئے دعا مانگے قبل اس کے کہ وہ آئے کیونکہ جب کوئی مرتا ہے تو اس کے خود کردہ اعمال منقطع ہو جاتے ہیں اور اس کی عمر کو کوئی شے نہیں بڑھاتی سوائے خیر و بھلائی کے۔

فائدہ یعنی اگر وہ نیک ہے تو اس کی خیر و بھلائی میں اضافہ ہو گا اگر وہ گنہ گار ہے تو ممکن ہے اسے اللہ تعالیٰ توبہ وانا

marfat.ocm

اے کہ پنجاہ رفت و در خوابی　　　　مگر ایں پنجروز دریابی

ترجمہ　اے فلاں تیری پچاس سال عمر ہو گئی تا حال تو خواب میں ہے لیکن یاد رکھ تجھے صرف یہی پانچ دن ملیں گے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ فان للذین ظلموا الخ بیشک وہ لوگ جو اہل قلوب ہیں انہوں نے اپنے قلوب پر ظلم کیا بایں طور کہ انہوں نے انہیں حسب دنیا میں ملوث کیا حالانکہ وہ حب الہی کا خزانہ تھیں جیسے ارباب نفوس کو حصہ وافر ملا ان کو بھی نفوس کی جمیع صفات کا وافر حصہ ملے گا یعنی قلب کا فساد اس قدر ہوتا ہے جس قدر نفس کی صفات ہیں کہ قلب کی خرابی کے بعد نفس کے صفات جگہ لے لیتے ہیں کیونکہ جب قلب درست ہو تو تمام جسم درست رہتا ہے اگر وہ فاسد ہو جائے تو تمام جسم فاسد ہو جاتا ہے اسی لئے اے لوگو قلب فاسد کرنے میں عجلت نہ کرو پس خرابی ہے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے قلب کو فاسد کر کے اپنے رب کی نعمتوں کی ناشکری کی اس دن کے لئے جس کا وعدہ دیئے جاتے ہیں کہ جنہوں نے قلب کو فاسد کیا اس کا تمام جسم خراب ہو گا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عصمت و حفاظت کا سوال کرتے ہیں۔

تاریخ فراغت از تفسیر ذاریات

از صاحب روح البیان قدس سرہ خلاق کائنات کی مدد سے سورۃ ذاریات کی تفسیر اواخر جمادی الاخرہ سن ۱۱۱۴ ہجری میں میں ختم ہوئی

ترجمہ سے اویسی غفرلہ کی فراغت فقیر اویسی غفرلہ نے ذاریات کی تفسیر کے ترجمہ سے ۴ شعبان سن ۱۴۰۸ ہجری شب چہار شنبہ قبل صلوۃ العشاء جامعہ رسولیہ شیرازیہ لاہور دوران تدریس دورہ تفسیر فراغت پائی۔ غفرلہ و کرمہ اللہ تعالیٰ

آخر مارقمہ قلم الفقیر القادری ابی الصالح **محمد فیض احمد** اویسی رضوی غفرلہ

بہاولپور حال وارد لاہور پاکستان

۸ـ۸ـ۴ ہجری　　　سن ۱۹۸۸ـ۳ـ۲۳

فصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الکریم الامین وعلی الہ واصحابہ اجمعین

marfat.ocm

سُوْرَةُ الطُّوْرِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اٰيَاتُهَا ۴۹ رُكُوْعَاتُهَا ۲

سورہ طور مکیہ ہے اس میں اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا انچاس آیتیں اور دو رکوع ہیں

وَالطُّوْرِ ① وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ② فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ③ وَالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ④ وَالسَّقْفِ

طور کی قسم اور اس نوشتہ کی جو کھلے دفتر میں لکھا ہے اور بیت معمور اور بلند

الْمَرْفُوْعِ ⑤ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ⑥ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ⑦ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ⑧

چھت اور سلگائے ہوئے سمندر کی بیشک تیرے رب کا عذاب ضرور ہونا ہے اسے کوئی ٹالنے والا نہیں

يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ⑨ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ⑩ فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ⑪

جس دن آسمان ہلنا سا ہلنا ہلیں گے اور پہاڑ چلنا سا چلنا چلیں گے تو اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے

الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ⑫ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ⑬ هٰذِهِ

وہ جو مشغلہ میں کھیل رہے ہیں جس دن جہنم کی طرف دھکا دے کر دھکیلے جائیں گے یہ ہے

النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ⑭ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ⑮

وہ آگ جسے تم جھٹلاتے تھے تو کیا یہ جادو ہے یا تمہیں سوجھتا نہیں

اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑯

اس میں جاؤ اب چاہے صبر کرو یا نہ کرو سب تم پر ایک سا ہے تمہیں اسی کا بدلا جو تم کرتے تھے

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ⑰ فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَوَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ

بے شک پرہیزگار باغوں اور چین میں ہیں اپنے رب کی دین پر شاد شاد اور انہیں ان کے رب نے

عَذَابَ الْجَحِيْمِ ⑱ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑲ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى

آگ کے عذاب سے بچا لیا کھاؤ اور پیو خوشگواری سے صلہ اپنے اعمال کا تختوں پر تکیہ لگائے جو قطار

سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ⑳ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ

لگا کر بچھے ہیں اور ہم نے انہیں بیاہ دیا بڑی آنکھوں والی حوروں سے اور جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان

بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ كُلُّ

کی پیروی کی ہم نے ان کی اولاد ان سے ملا دی اور ان کے عمل میں انہیں کچھ کمی نہ دی سب

امْرِیٍٔ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ㉑ وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ㉒ يَتَنَازَعُوْنَ

آدمی اپنے کیے میں گرفتار ہیں اور ہم نے ان کی مدد فرمائی میوے اور گوشت سے جو چاہیں ایک دوسرے

فِيهَا كَأْسًا لَّا لَغْوٌ فِيهَا وَلَا تَأْثِيمٌ ﴿٢٣﴾ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ

لیتے ہیں وہ جام جس میں نہ بیہودگی اور نہ گنہگاری اور ان کے خدمت گار لڑکے ان کے گرد پھریں گے گویا وہ موتی ہیں

لُؤْلُؤٌ مَّكْنُونٌ ﴿٢٤﴾ وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٢٥﴾ قَالُوا إِنَّا كُنَّا قَبْلُ

چھپا کر رکھے گئے اور ان میں ایک نے دوسرے کی طرف منہ کیا پوچھتے ہوئے بولے بیشک ہم اس سے

فِي أَهْلِنَا مُشْفِقِينَ ﴿٢٦﴾ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا وَوَقَانَا عَذَابَ السَّمُومِ ﴿٢٧﴾ إِنَّا كُنَّا

پہلے اپنے گھروں میں سہمے ہوئے تھے تو اللہ نے ہم پر احسان کیا اور ہمیں لو کے عذاب سے بچا لیا بیشک ہم نے اپنی پہلی

مِن قَبْلُ نَدْعُوهُ ۖ إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ ﴿٢٨﴾ فَذَكِّرْ فَمَا أَنتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ

زندگی میں اس کی عبادت کی تھی بیشک وہی احسان فرمانے والا مہربان ہے تو اے محبوب تم نصیحت فرماؤ کہ تم اپنے رب کے

بِكَاهِنٍ وَلَا مَجْنُونٍ ﴿٢٩﴾ أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهِ رَيْبَ الْمَنُونِ ﴿٣٠﴾

فضل سے نہ کاہن ہو نہ مجنون یا کہتے ہیں یہ شاعر ہیں ہمیں ان پر حوادث زمانہ کا انتظار ہے

قُلْ تَرَبَّصُوا فَإِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُتَرَبِّصِينَ ﴿٣١﴾ أَمْ تَأْمُرُهُمْ أَحْلَامُهُم بِهَٰذَا

تم فرماؤ انتظار کیے جاؤ میں بھی تمہارے انتظار میں ہوں کیا ان کی عقلیں انہیں یہی بتاتی ہیں

أَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ﴿٣٢﴾ أَمْ يَقُولُونَ تَقَوَّلَهُ ۚ بَل لَّا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٣﴾ فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ

یا وہ سرکش لوگ ہیں یا کہتے ہیں انہوں نے یہ قرآن بنا لیا بلکہ وہ ایمان نہیں رکھتے تو اس جیسی ایک بات

مِّثْلِهِ إِن كَانُوا صَادِقِينَ ﴿٣٤﴾ أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ﴿٣٥﴾

تو لے آئیں اگر سچے ہیں کیا وہ کسی اصل سے نہ بنائے گئے یا وہی بنانے والے ہیں

أَمْ خَلَقُوا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ ۚ بَل لَّا يُوقِنُونَ ﴿٣٦﴾ أَمْ عِندَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ

یا آسمان اور زمین انہوں نے پیدا کیے بلکہ انہیں یقین نہیں یا ان کے پاس تمہارے رب کے خزانے

هُمُ الْمُصَيْطِرُونَ ﴿٣٧﴾ أَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَسْتَمِعُونَ فِيهِ ۖ فَلْيَأْتِ مُسْتَمِعُهُم بِسُلْطَانٍ

ہیں یا وہ کڑوڑے ہیں یا ان کے پاس کوئی زینہ ہے جس میں چڑھ کر سن لیتے ہیں تو ان کا سننے والا کوئی روشن

مُّبِينٍ ﴿٣٨﴾ أَمْ لَهُ الْبَنَاتُ وَلَكُمُ الْبَنُونَ ﴿٣٩﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُم مِّن مَّغْرَمٍ

سند لائے کیا اس کو بیٹیاں اور تم کو بیٹے یا تم ان سے کچھ اجرت مانگتے ہو تو وہ چٹی کے بوجھ میں دبے

مُّثْقَلُونَ ﴿٤٠﴾ أَمْ عِندَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ﴿٤١﴾ أَمْ يُرِيدُونَ كَيْدًا ۖ فَالَّذِينَ

ہیں یا ان کے پاس غیب ہیں جس سے وہ حکم لگاتے ہیں یا کسی داؤں کے ارادہ میں ہیں تو

كَفَرُوا هُمُ الْمَكِيدُونَ ﴿۴۲﴾ أَمْ لَهُمْ إِلَٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۴۳﴾
کافروں ہی پر داؤں پڑنا ہے یا اللہ کے سوا ان کا کوئی اور خدا ہے اللہ کو پاکی ان کے شرک سے
وَإِنْ يَرَوْا كِسْفًا مِنَ السَّمَاءِ سَاقِطًا يَقُولُوا سَحَابٌ مَرْكُومٌ ﴿۴۴﴾ فَذَرْهُمْ حَتَّىٰ
اور اگر آسمان سے کوئی ٹکڑا گرتا دیکھیں تو کہیں گے تہ بہ تہ بادل ہے تو تم انہیں چھوڑ دو یہاں تک
يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي فِيهِ يُصْعَقُونَ ﴿۴۵﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَلَا
کہ وہ اپنے اس دن سے ملیں جس میں بیہوش ہونگے جس دن ان کا داؤں کچھ کام نہ دے گا اور نہ ان
هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿۴۶﴾ وَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا عَذَابًا دُونَ ذَٰلِكَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ
کی مدد ہو اور بیشک ظالموں کے لیے اس سے پہلے ایک عذاب ہے مگر ان میں اکثر کو
لَا يَعْلَمُونَ ﴿۴۷﴾ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا ۖ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ
خبر نہیں اور اے محبوب تم اپنے رب کے حکم پر ٹھہرے رہو کہ بیشک تم ہماری نگہداشت میں ہو اور اپنے رب
تَقُومُ ﴿۴۸﴾ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ ﴿۴۹﴾
کی تعریف کرتے ہوئے اس کی پاکی بولو جب تم کھڑے ہو اور کچھ رات میں اس کی پاکی بولو اور تاروں کے پیٹھ دیتے

تفسیر عالمانہ والطور قسم ہے طور کی

حل لغات واؤ قسمیہ ہے۔ **الطور** سریانی لغت میں پہاڑ کو کہتے ہیں بعض نے کہا وہ فصیح عربی ہے اسی لئے اسے جوالیقی نے معربات میں نہیں لکھا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا طور ہر اس پہاڑ کو کہا جاتا ہے جس پر کھیتی اگے۔ ؎ لومر بالطور بعض ناعقته ماانبتت الطور فوقه ورقه

ترجمہ اگر بعض ناعقہ طور سے گزریں تو طور اپنے اوپر ایک پتہ بھی نہ اگائے۔

فائدہ بعض نے کہا یہاں وہ بڑے پہاڑ مراد ہیں جو زمین کے اوتاد (میخیں) ہیں ان میں منافع بھی ہیں اور انگوریاں بھی اگتی ہیں بعض نے کہا وہ جبل محیط مراد ہے جو زمین کو گھیرے ہوئے ہے لیکن مشہور تر یہ ہے کہ یہاں وہی مخصوص پہاڑ ہے جسے طور سیناء کہا جاتا ہے وہ مبارک پہاڑ مدین میں ہے اس کا نام زبیر ہے اسی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی قسم یاد فرمائی ہے کیونکہ سماع خطاب کے وقت محبوبان خدا

کے یہاں قدم لگے اور محبوبان خدا کے قدم پر بہت سے اللہ والوں پر ورود تجلیات ہوتے ہیں جن پر اس گھڑی ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

فائدہ خریدۃ العجائب میں لکھا ہے کہ جبل طور سینا شام ومدین کے درمیان واقع ہے بعض نے کہا وہ ایلہ کے قریب ہے وہی جگہ ہے جہاں موسی علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے جب موسی علیہ السلام اس جگہ تشریف لاتے تو آپ پر بادل نازل ہوتا تو اس میں داخل ہو کر اللہ ذوالجلال والاکرام سے کلام کرتے۔ یہ وہی پہاڑ ہے جو تجلی سے جل گیا تھا اور یہیں پر موسی علیہ السلام بیہوش ہوئے تھے۔ جب اس پہاڑ کو توڑا جائے تو اندر سے ہمیشہ عوسج (کانٹے دار) درخت ظاہر ہو جاتے ہیں۔ یہودیوں کا عوسج (کانٹے دار) درخت کی تعظیم اسی وجہ سے ہے اسی درخت کو اسی عوسج کو شجرۃ الیہود کہا جاتا ہے۔

فائدہ العوسج عوسجہ کی جمع ہے بمعنی کانٹے دار (قاموس)

وکتاب مسطور اور اہتمام کے ساتھ لکھی ہوئی کتاب کی قسم

حل لغات لسطر بمعنی لکھے ہوئے حروف کی ترتیب۔ اس سے قرآن یا الواح موسی (علیہ السلام) مراد ہیں اور یہی زیادہ مناسب ہے۔ طور کی مناسبت سے یا وہ جو لوح محفوظ میں لکھا جاتا ہے اور لوح محفوظ کی آخری سطر یہ ہے۔

سبقت رحمتی علی غضبی من اتانی بشہادۃ ان لا الہ الا اللّٰہ ادخلہ الجنتہ

ترجمہ میری رحمت میرے غضب پر سبقت کر گئی جو میرے ہاں لا الہ الا اللّٰہ شہادت لائے گا۔ میں اسے بہشت میں داخل کروں گا۔

یا وہ جو کراماً کاتبین لکھتے ہیں وہ انہیں قیامت میں لکھا ہوا کھول کر دکھائیں گے بعض انہیں دائیں ہاتھ سے لیں گے بعض بائیں سے اس کی نظیر ارشاد گرامی لہ یوم القیمتہ کتابا یلقاہ منشورا اور ہم انہیں قیامت کے دن کتاب نکال کر دیں گے جو وہ انہیں کھلا ہوا پائیں گے۔ فی رق منشور کھلے ہوئے صحیفے میں۔

حل لغات الرق وہ چمڑا جس میں لکھا جائے کاغذ کی طرح ہوتا ہے اس صحیفہ کے لئے استعارہ کیا گیا ہے جس میں کچھ لکھا جائے اور اسے رق اس لئے کہتے ہیں وہ مرقق (لکھنے کے لائق ہوتا ہے) اب اس کی غالب استعمال جانوروں کے چمڑوں کے لئے ہوتی ہے (فتح الرحمن) القاموس میں ہے کہ الرق بالکسر وہ نرم چمڑا جس میں

marfat.ocm

کچھ لکھا جائے اس کی نقیض الغلیظ یعنی رقیق اور سفید صحیفہ۔ اور المنشور بمعنی المبسوط المطوی (لپٹا ہوا) کی نقیض۔ امام راغب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ نشر الثوب والصحیفۃ السحاب والنعمۃ والحدیث بمعنی کپڑے اور صحیفہ اور بادل اور بات کا کھلنا۔ بعض نے کہا منشور بمعنی وہ کھلا ہوا۔ (خط وغیرہ) جس پر مہر نہ ہو اور ان کی تنکیر تعظیم کے لئے ہے یا اشارہ ہے کہ یہ وہ چیزیں ہیں جنہیں لوگ نہیں جانتے۔ اب معنی یہ ہوا کہ قسم ہے لکھی ہوئی کتاب کی جو صحیفے میں ہے کہ وہ کھلے گی پڑھنے کے وقت اگر یہ لوح محفوظ میں لکھی ہوئی شے مراد ہے تو اسے الرق المنشور کہنا مجاز ہو گا کیونکہ لوح محفوظ کو اللہ تعالیٰ نے سفید موتی سے پیدا فرمایا اور اس کے دونوں کنارے سرخ اور اس کی قلم نور اور کتاب نور اور اس کی چوڑائی آسمان و زمین کے درمیانی مسافت کے برابر ہے اس میں اللہ تعالیٰ ہر دن میں تین سو سات بار دیکھتا ہے ہر نظر پر کئی امور پیدا فرماتا ہے وہ مارتا جلاتا ہے‘ عزت و ذلت دیتا ہے جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔

والبیت المعمور اور بیت المعمور کی قسم یعنی کعبہ کی جو حجاج (بن یوسف) اور کاریگروں اور ان کے قریب رہنے والوں کی تعمیر یا اس سے ضراح مراد ہے جو بیت المعمور کا نام ہے۔

فائدہ حضرت سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وہ ساتویں آسمان میں ہے اس کا نام عروب ہے۔

فائدہ حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جو سبحان اللہ وبحمدہ کہتا ہے تو اس کیلئے نور سے پر ہو جاتا ہے۔ عروب اور حریب کے درمیان میں حریب (ساتویں زمین کو کہا جاتا ہے) اور وہ کعبہ معظمہ کے بالمقابل ہے اس کی آبادی فرشتوں کا ڈھانچا ہے یعنی اس کے ارد گرد فرشتے ہی فرشتے ہیں اس کی روزانہ ستر ہزار فرشتے زیارت کرتے ہیں وہ اس کا طواف کرتے اور نمازیں پڑھتے ہیں جو ایک دفعہ حاضر ہوا وہ ہمیشہ کے لئے دوبارہ حاضر نہ ہو گا اور انسان کے شب و روز کی تعداد بھی یہی ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ قلب کی تخلیق بیت المعمور سے ہوئی بعض نے کہا کہ انسان کا باطن بیت المعمور کی طرح ہے اور یہ سانس اس کے ملائکہ ہیں جو روزانہ اس میں آتے جاتے ہیں (جو سانس ایک دفعہ آیا گیا وہ پھر نہیں آئے گا)

شب معراج اور بیت المعمور اخبار المعراج میں ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے شب معراج بیت المعمور کو ساتویں آسمان میں دیکھا اس کے آگے دریا ہے ملائکہ کو حکم ہے کہ وہ اس میں غوطہ لگا کر نکلیں پھر پر ہلائیں ان کے ہر قطرے سے اللہ تعالیٰ فرشتہ پیدا فرماتا ہے جو بیت المعمور کا طواف کرتا ہے اور میں نے اس

marfat.ocm

بیت المعمور کا نام بیت المعمور کا نام ضراح (بضم الضلوا الجمہ) ہے کیونکہ وہ آواز کرتی ہے اور بہت دور ہے اسی سے ہے اس لئے کہ وہ ساتویں آسمان میں ہے (الفرح بمعنی الابعاد دور کرنا) والتحنیہ علیحدہ کرنا اہل عرب کہتے ہیں ضرحہ بمعنی بعدہ و نحاہ (اسے دور کیا اور ہٹایا) واماہ فی ناحیتہ اور اسے ایک کنارے میں پھینکا) وافرحہ عنک اور اس نے اسے تجھ سے دور کیا۔ الفریح بمعنی السعید وہ ایک گھر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے یاقوت سے بنایا اور اسے بیت اللہ تعالیٰ (کعبہ) کی جگہ پر اتارا اس کے اردگرد آدم علیہ السلام اور اپ کی اولاد طوفان نوح تک طواف کرتی رہی۔ پھر اسے اللہ تعالیٰ نے آسمان میں اٹھالیا جس کا طول آسمان و زمین کی درمیانی مسافت کے برابر ہے۔

فائدہ بعض نے کہا وہ ساتویں آسمان میں ہے یہ اس کے منافی نہیں جو کہا گیا ہے کہ ہر آسمان میں کعبہ معظمہ کے بالمقابل ایک گھر ہے۔

تفسیر صوفیانہ صاحب روح البیان نے فرمایا کہ فقیر (صاحب روح البیان رحمتہ اللہ علیہ) کو کشف سے معلوم ہوا کہ بیت المعمور ساتویں آسمان کے انتہاء میں ہے۔ اس میں مقام قلب کی طرف اشارہ ہے کہ جیسے قلب جسم میں بمنزلہ اعراف کے ہے اور روح و جسم کے درمیان برزخ ہے جیسے بہشت اور دوزخ کے درمیان اعراف برزخ ہے تو ایسے ہی بیت المعمور بھی عالم طبعی (کرسی اور عرش) اور عالم عنصری (ساتوں آسمان) اور ان کے ماسواء کے درمیان برزخ ہے۔

فائدہ یہ اس کے منافی نہیں کہ ہر آسمان میں کعبہ معظمہ کے بالمقابل بیت ہے اس سے خود بیت المعمور مراد نہیں بلکہ ہر آسمان میں جو گھر ہے وہ بیت المعمور کی شکل و صورت میں ہے یہ ایسے ہے جیسے کعبہ معظمہ تو ایک ہے لیکن ہر شہر و قصبہ و دیہات میں بھی مسجدیں کعبہ نہیں بلکہ اس کی طرح عبادت گاہیں ہیں تو پھر جیسے کعبہ کو ام المساجد کہا جاتا ہے اور تمام مساجد کعبہ کی صورت اور طور طریق ہیں تو ایسے ہی بیت المعمور جملہ بیوت السماء کی اصل ہے طواف و زیارت میں اسی لئے حضور سرور عالم ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت المعمور میں ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے دیکھا اور وہ بیت المعمور کعبہ معظمہ کے بالمقابل ہے اس میں ملائکہ حج ادا کرتے ہیں اور بعض نے کہا کہ بیت المعمور سے مراد قلب المومن ہے اور اس کی تعمیر و معرفت و اخلاص سے ہوئی ہے جو قلب کہ جس میں وہ نہیں تو وہ قلب ویران گھر کی طرح ہے بلکہ یوں کہو کہ ایسے غافل انسان میں قلب ہے ہی نہیں۔

تفسیر عالمانہ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ اور قسم بلند چھت کی یعنی آسمانوں کی قسم جو زمین سے اونچا ہے۔ جس کی درمیانی مسافت (٥٠٠) پانچ سو سال کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وجعلنا السماء سقفًا محفوظا اور ہم نے آسمان محفوظ چھت بنائی یعنی آسمان کی قسم جو مجمع انوار حکمت و مخزن اسرار فطرت ہے یا اس سے عرش معلی ہے۔ اس لئے کہ عرش بہشت کی چھت کی چھت ہے اور عالم اجسام کو ایسے محیط ہے جیسے چھت مکان کو محیط ہوتی ہے۔

فائدہ یہ مواقع مذکورہ کا حسن کسی سے مخفی نہیں جو اجتماع مذکور میں مذکور ہوا کہ چھت کا مکان سے کیسے اجتماع ہو تا اور بر تقدیر ثانی کہ اس سے مراد عرش ہے تو اس کا اجتماع بیت المعمور سے کیسے ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ایسے قریب ہیں جیسے گھر اور چھت۔ والبحر المسجور اور قسم ہے سلگائے ہوئے دریا کی۔ المسجور بمعنی المملو بمعنی پر ہے اس سے بحر محیط مراد ہے جو دنیا کے تمام دریاؤں کا مادہ ہے وہ متصل ہیں یا منفصل وہ دریا ہے جس کا کنارہ نہیں جس کی گہرائی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور تمام دنیا کے دریا اس سے نکلے ہیں اس بحر محیط میں ابلیس لعین کا تخت ہے اسی دریا میں شہر ہیں جو اس کے پانی پر آباد ہیں اس کے مقیم جنات ہیں زمین کے چوتھا حصہ ویران کے بالمقابل ہے اس میں بڑے بڑے محلات ہیں جو اس دریا کے پانی پر تیرتے ہوئے نظر آتے ہیں کبھی چھپ جاتے ہیں اس سے عجیب صورتیں اور عجیب و غریب شکلیں ظاہر ہوتی ہیں اور پھر وہ اس میں غائب ہو جاتی ہیں اس دریا میں ہی مرجان کے درخت اگتے ہیں جیسے دوسرے درخت زمین میں اگتے ہیں اس میں آباد جزیرے ہیں اور کچھ خالی جزیرے بھی جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

حل لغات القاموس میں ہے کہ سجر التنور بمعنی احماہ اس نے تنور کو گرم کیا وسجر النہر بمعنی ملاہ (نہر کو پُر کیا) المسجور بمعنی سلگایا ہوا اس کی نقیض الساکن ہے یہی اللہ تعالیٰ کا قول مبارک ہے۔ واذا البحار سجرت (اور جب دریا سلگائے جائیں گے)

فائدہ اس سے دریا کی جنس مراد ہے اور دنیا کے بڑے دریا سات ہیں ایسے ہی بڑی نہریں بھی سات ہیں جس میں بہت زیادہ پانی ہو اسے بحر (دریا) کہا جاتا ہے۔

احادیث مبارکہ ١۔ مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں دریاؤں کو آگ بنادے گا جو جہنم میں سلگائے جائیں

گے۔

۲۔ تمہارا کوئی بھی دریا میں سوار نہ ہو سوائے نمازی اور عمرے والے اور حج پڑھنے والے کے۔

فائدہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر دریا کے نیچے آگ ہے یا آگ کے نیچے دریا ہے یا دریا آگ میں ہے یہ دریا جو دنیا میں یا زمین میں ہیں۔

فائدہ سیدنا علی اور حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ دریا عرش کے نیچے ہے۔ جس کی گہرائی ساتوں آسمانوں تا ساتوں زمینوں کی گہرائی کے برابر ہے اس کا پانی گاڑھا ہے اسے بحر الحیوان کہا جاتا ہے وہ بحر مکفوف ہے یعنی بہنے سے روکا گیا ہے اسی سے مردوں پر پانی منی کی طرح نفخۂ اولیٰ کے بعد چالیس دن برسایا جائے گا جس سے وہ قبور میں سے باہر ایسے نکلیں گے جیسے انگوری اگتی ہے اسی کو بعض مشائخ نے احیاء اللہ الموتی پر محمول کیا ہے یعنی جیسے بارش سے انگوری اگتی ہے ایسے ہی مردے اس پانی سے زمین کے اندر ظاہر ہوں گے انہیں اللہ تعالیٰ نئی تخلیق سے پیدا کرے گا جس سے وہ انگوری کی طرح زمین سے نکلیں گے۔ اور یہ اس کے منافی نہیں کہ وہاں ظاہری پانی ہو کیونکہ اس دنیا میں بھی تو انسان منی سے پیدا کیا گیا ہے وہاں بھی اس پانی کی صورت منی جیسی ہو گی۔ جس سے انسان انگوری کی طرح زمین سے نکلے گا اللہ تعالیٰ کی ہر شے میں عجیب و غریب حکمت ہوتی ہے۔

فائدہ بعض نے کہا کہ وہ آسمان دنیا کا دریا ہے اور وہ ایک موج مکفوف ہے اگر وہ نہ ہو تو سورج دنیا کو جلا کر راکھ بنا دے۔

تفسیر صوفیانہ ارباب تحقیق فرماتے ہیں کہ طور سے نفس مراد ہے جیسے موسیٰ سے قلب مراد ہے اس طور پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندہ (خاص) مناجات کرتا ہے اور کتاب مسطور ایمان ہے کہ وہ رق منشور یعنی قلب میں قلم رحمت ازلی سے لکھا ہوا ہے جیسا کہ فرمایا کتب فی قلوبھم الایمان اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب میں لکھا) اور بیت سے عارفین کے اسرار مراد ہیں کہ جنہوں نے تجلیات سبحانی کی نگاہوں سے آبادی پائی اور سقف مرفوع سے روح رفیع القدر والدرجات الی الحضرہ مراد ہے کہ وہ خانہ دل کی چھت ہے اور بحر مسجور سے وہ دل مراد ہے جو آتش محب سے جل گئی۔

marfat.ocm

شان محبوب مصطفیٰ ﷺ حضرت عبدالعزیز کی قدس سرہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے طور کی قسم فرمائی اور پہاڑ ہے لیکن اس سے حضور نبی پاک ﷺ مراد ہیں کہ اپ امت میں وہ ان پہاڑوں کی طرح ہیں جو زمین میں ہوتے ہیں تو زمین برقرار ہے ایسے ہی حضور سرور عالم ﷺ امت میں ہیں تو امت آباد ہے اور ان کا دین قیامت تک جاری ہے اور اللہ تعالیٰ نے کتاب مسطور کی قسم یاد فرمائی اس سے وہ کتاب مراد ہے جو اللہ تعالیٰ سے نازل کردہ ہے جو لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے فی رق منشور سے مصاحف مراد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے بیت المعمور کی قسم یاد فرمائی تو اس سے بھی ہمارے نبی پاک ﷺ مراد ہیں اس لئے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے گھر ہیں جو ہزاروں کرامات سے آباد ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں شاد و مسرور اور مشکور ہیں اور سقف مرفوع کی قسم یاد فرمائی تو اس سے بھی ہمارے نبی پاک ﷺ کا سر مبارک مراد ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو سقف مرفوع اور کونین میں مشہور اور منار پر مذکور بنایا اور بحر مسجور کی قسم یاد فرمائی اس سے حضور عربی محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات اقدس کی عموما اور سر مبارک کی خصوصا قسم فرمائی اور آپ کے قلب اقدس کی نور ضیاء کی وجہ سے اور کتاب کی حجت کی وجہ سے اور وہ مصاحف میں مسطور ہے۔ حبیب نے حبیب کی قسم یاد فرمائی اس سے بڑھ کر اور کوئی قسم نہیں۔

صاحب روح البیان کے پیرو مرشد قدس سرہما کی تقریر دلپذیر میرے مرشد کریم روح اللہ روحہ (اللہ تعالیٰ ان کی روح کو خوش رکھے) نے الاتحلت البرقیات اپنی تصنیف لطیف میں تحریر فرمایا کہ قسم ہے طور کی یعنی طور الہویت الذاتیہ الاحدیہ الفردیہ کی جو کل شے سے مجرد ہے اور طور الحقیقتہ الجمعیتہ الصمدیہ کی جو جمیع سے مطلق ہے اور قسم ہے کتاب کی یعنی کتاب الوجود کی کہ جس میں شئون ذاتیہ کمالیہ وجودیہ امکانیہ اور کلمات الاعیان العلمیہ الجلالیہ والجمالیہ الوجوبیہ والامکانیہ اور آیات الارواح والعقول المجوہ القہریہ اور اللطیفہ اور سور الحقائق والصور المثالیہ الحیہ المقربہ والبعدہ لکھی ہوئی ہیں۔ رق میں یعنی رق النفس الرحمانی والامر الربانی میں منشور ہیں یعنی ماہیات الممکنات وحقائق الکائنات کھلے ہوئے ہیں۔ اعیان الجزوات وصور المثلات پر فیض اقدس اور تجلی ذاتی کے ساتھ اولا جو اس سے حاصل ہوئے کلیات التعینات والصورات اور ساتھ فیض المقدس اور تجلی صفائی و افعالی سے ثانیا' جو اس سے متحقق ہوئے جزئیات التشخصات والتمیزات والقرآن والفرقان والرسمی اپنے تمام حروف و کلمات و آیات اور سورتوں سے وہ نہیں ہے مگر ذکر اور قرآن

marfat.ocm

مبین اور یہ مخلوق کے ہاتھ سے لکھا ہوا ہے اور ان کے خط سے مسطور ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ سے مکتوب اور اس کے خط سے مسطور ہے اسی لئے وہ واجب التعظیم ہے اور لازم التکریم ہے اور اس کے ساتھ تعظیم و توقیر سے پیش آنا چاہئے یہاں تک کہ اسے صرف وہ ہاتھ لگائیں جو پاک ہوں یعنی بے وضو ہاتھ نہ لگائے افسوس ہے اس پر جس نے اسے کتاب الٰہی رسمی بھی جانا اور اس کی تعظیم و توقیر بھی کی لیکن کتاب الٰہی حقیقی سے غافل رہا اور اس کی حقیقی تعظیم و توقیر نہ کی بلکہ اس کی اہانت و تحقیر کے درپے رہا اور اس کی سعادت مندی پر اسے مبارک ہو جس نے اسے ہر دونوں طرح سمجھا اور ان پر دونوں سے غفلت نہ کی اور نہ ہی ان کی شان کے متعلق کوتاہی کی بلکہ تعظیم و تکریم سے اس کا اعزاز و اقدام کیا۔ اس نے شرعی احکام کے سامنے سر جھکایا کہ لفظی قرآن کے یہی احکام ہیں فلہٰذا سر تسلیم خم ہے اور اس کی حقیقت کو بھی مانا کہ قرآن مجید و فرقان کا یہ ارشاد ہے اس کے ہر مرتبہ کا حق ادا کرتا ہے اور ہر منزل کے قرض پورے کرتا ہے ہر مقام کو عدل و انصاف سے مکمل کرتا ہے جو رو ستم اور ظلم سے کنارہ کش ہوتا ہے۔

فائدہ فقیر (صاحب روح البیان رحمتہ اللہ) کہتا ہے کہ اس کتاب میں بڑی چوڑی تفصیل ہے حقیقی کی بھی اور مجازی کی بھی ہم نے تو ایک مختصر سا خاکہ پیش کیا ہے اور مناسبت مقام کے لحاظ سے تھوڑا سا عرض کر دیا ہے۔ (اللہ تعالیٰ سے سوال ہے کہ وہ اپنے علم نافع سے جامع الانتفاع ہے)

تفسیر عالمانہ ان عذاب ربک لواقع بیشک تیرے رب کا عذاب واقع ہونے والا ہے یعنی یقیناً واقع ہو گا یہ قسم کا جواب ہے۔

فائدہ فتح الرحمن نے فرمایا یہاں پر عذاب اخرت مراد ہے نہ کو دنیوی اسی طرف (تفسیر) الارشاد میں سورۃ مقدمہ (الذاریات) کے آخر میں بیان فرمایا مالہ من دافع (اس کو کوئی دفع کرنے والا نہیں) یعنی کون ہے جو اس کے عذاب کو دفع کر سکے یہ اللہ تعالیٰ کے دوسرے قول لا مردلہ من اللّٰہ (کوئی اسے رد کرنے والا نہیں) کی طرح ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے عذاب کو کوئی روک نہیں سکتا لامحالہ واقع ہو گا۔

فائدہ یہ ان کی دوسری خبر ہے۔

دفع و رفع میں فرق دفع و رفع میں یہ فرق ہے کہ دفع (دال کے ساتھ) وقوع سے پہلے واقع ہوتا ہے۔ رفع

marfat.ocm

(راہ کے ساتھ) وقوع کے بعد مستعمل ہوتا ہے۔

فائدہ ان امور سے قسم یاد کرنے کی تخصیص یہ ہے کہ بہت بڑے امور ہیں اس لئے کہ یہ قدرت الٰہی کی عظمت اور اس کے کمال علم پر اور اس کی حکمت پر دلالت کرتے ہیں جو بندوں کے اعمال کی تفاصیل اور ضبط کے محیط اور اس کی ان اخبار کے صداقت کی شاہد ہے جو منجملہ ان کے یہی مقسم بہا ہیں۔

حکایت حضرت جبیر بن مطعم (رضی اللہ عنہ) (اسلام سے پہلے) فرماتے ہیں کہ میں مدینہ پاک میں آیا تاکہ رسول اللہ ﷺ سے بدر کے قیدیوں کے بارے میں گفتگو کروں میں آپ کو نماز فجر میں ملا آپ سورت طور پڑھ رہے تھے آپ کی آواز اتنی بلند تھی کہ مسجد سے باہر سنی جا رہی تھی۔ جب آپ ان عذاب ربک لواقع تک پہنچے تو ایسے پردرد طریق سے پڑھ رہے تھے کہ سامعین کے قلوب پھٹتے ہیں۔ یہی وہ پہلی بات ہے جو اسلام کے لئے میرے دل میں بیٹھ گئی میں اس لئے مسلمان ہوا کہ کہیں مجھ پر عذاب واقع نہ ہو یہاں تک کہ مجھے گمان ہو گیا کہ یہاں سے نہ اٹھ سکوں گا اور مجھ پر واقع ہو جائے۔

فائدہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ سے بھی اسی طرح ہوا کہ آپ دار ارقم تک پہنچ گئے تو حضور سرور عالم ﷺ سے سورہ طٰہٰ پڑھتے سنا تو آپ کا دل نرم ہو گیا تو مسلمان ہو گئے۔

فائدہ قلوب قبولیت کے لئے تیار ہیں اور معمولی شے متاثر کرتی ہیں خصوصاً جب قرآن کریم واعظ ہو اور پڑھنے والے خود مصطفیٰ کریم ﷺ یا آپ کے وارث اولیاء ہوں' ہاں سخت دل میں ایسے وعظ اثر نہیں کرتا ابو جہل اور جیسے قلب ہوں۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا۔

آہنی را کہ موریانہ بخورد   نتواں بردازو بصیقل زنگ
باسیاہ دل چہ سود گفتن وعظ   نہ رود میخ آہنیں در سنگ

ترجمہ جس پتھر کو زنگ کھا جائے اس سے صیقل کے ساتھ زنگ ہٹائی نہیں جا سکتی

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ فقدان کے ساتھ اہل عذاب کو عذاب ہوتا ہے کیونکہ سخت سے سخت حجاب کی ذلت ہے۔ حضرت سری سقطی قدس سرہ دعا میں عرض کرتے تھے۔ اللھم مھما عذبتنی بذل

الحجاب

اے اللہ مجھے ذلت کے حجاب کے عذاب سے بچانا۔

اس لئے حجاب ضرور واقع ہو گا اور سب سے بڑا حجاب نفس کا حجاب ہے اور وہ بندے کے دفع کرنے کا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہی ہو سکتا ہے جیساکہ فرمایا الاھن رحم ربی (مگر جس پر رحم فرمائے میرا پرورد گار)

حکایت حضرت عبداللہ المغازی رحمت اللہ تعالیٰ علیہ بلاد مغرب میں اشبیلیہ میں سے ایک مرد خدا تھے ایک دور میں انہیں پراگندگی نے گھیرا ہوا تھا۔ ایک عورت ان کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی مجھے اشبیلیہ میں پہنچادو میں اپنی برادری سے نجات چاہتی ہوں آپ بہت قوت اور طاقت کے مالک تھے عورت کی گردن پکڑی اور اسے شہر شلار سے باہر لے آئے جب خلوت میں بیٹھے وسوسہ شیطان کا غلبہ ہوا عورت بھی نہایت حسین جمیل تھی خود عورت بھی مجامعت کے وسوسہ میں مبتلا ہو گئی تقاضائے بشریہ سے برائی کا ارتکاب ہو جاتا اور اس وقت عورت تو ان کے ہاتھ میں اس طرح جیسے قصاب کے قبضہ میں بکری جیساکہ شیخ سعدی قدس سرہ نے ایک حکایت لکھی کہ۔

شنیدم کہ گو سفندے را بزرگے رہانید از دہان دوست گرگے

شباں کہ کارد بر حلقش بمالید رواں گو سفند از دے بنالید

کہ از چنگال گرگم در ربودی چو دیدم عاقبت گرگم تو بودی

ترجمہ میں نے سنا ہے کہ کسی بزرگ نے بکری بھیڑیئے سے چھڑالی۔

رات کو بکری کے گلے پر چھری پھیری تو بکری رو پڑی۔

کہ تو نے مجھے بھیڑیئے سے بچالیا لیکن کیا خبر تو بھی بھیڑیا ثابت ہوا۔

حضرت عبداللہ مذکور نے دل میں سوچا کہ یہ عورت میرے ہاتھ میں امانت ہے اور خیانت تو حرام ہے اوھر نفس کی شرارت زوروں پر ہے خطرہ ہے کہ نفس غالب نہ ہو جائے اور گناہ کا ارتکاب کر لوں۔ آلۂ مردمی وذکر پر پتھر مار کر کہا النار ولا العار (نار سے عار بھلی)

فائدہ ان کا رجوع الی الحق (ولایت کا حصول) کا سبب یہی ہوا انہی دنوں حج کو جانے کا ارادہ فرمایا اور پھر اپنے زمانہ

marfat.ocm

کے اولیاء میں بے مثال ولی کامل مشہور ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے کہ کس طرح نفس امارہ سے نجات پائی اگر وہ خود کو نفس امارہ کے سپرد کر دیتے تو ان سے برائی کا ارتکاب ہو جاتا جو ان کے لئے دنیا و آخرت سے عذاب کا سبب بنتا۔ آخرت کا عذاب تو ظاہر ہے اور دنیا میں یوں کہ جس فعل کا ارتکاب ہو اس سے انسان کی بدشہرت ہو جاتی ہے اور ہر فعل قبیح اور عمل شنیع کی بدشہرت بھی حکمی عذاب اور معنوی نار ہے اور صوری عذاب بھی اسی معنوی عذاب کا اثر ہے جو انسان پر آخرت میں ظاہر ہو گا۔

تفسیر عالمانہ یوم تمود السماء اس دن کہ آسمان

فائدہ یہ ظرف ہے عذاب کے وقوع کی کیفیت اور اس کی ہولناکی کے کمال اور وہاں کی سخت گھبراہٹ بیان کرنے کے لئے ہے اور یہ وقوع لازماً ہو گا جسے کوئی شے نہیں روک سکتی اور دفع وہم کے لئے ہے کہ ممکن ہے کہ ایسا عذاب کسی اور دن میں ہو یا کوئی اسے روک کر کسی دوسرے دن میں واقع کرا دے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب کسی وقت بھی نہیں روکا جا سکتا۔

حل لغات المور بمعنی الاضطراب اور آنے جانے میں تردد اور بہت تیز جاری ہونا یعنی اس دن آسمان بہت تیز ہلے گا اور ٹکڑے ہو کر ایسے چلے گا جیسے چکی چلتی ہے اور اپنے اوپر رہنے والوں کو نیچے پھینک کر ایسے خالی کر دے گا جیسے کشتی انسانوں سے خالی کر دی جاتی ہے۔ بعض نے کہا اس کے تھرتھرانے سے اس کے اجزاء ایک دوسرے میں گھس جائیں گے اور آپس میں رل مل جائیں گے کہ اوپر نیچے کے اجزاء کی کوئی خبر نہ ہو گی اور آسمانوں کو اس حالت میں بنانے والے ملائکہ کرام ہونگے اور یہ محض عذاب خداوندی کے خوف سے ہو گا۔ (خدا پناہ)

وسیر الجبال سیرا (اور پہاڑ خوب چلتے نظر آئیں گے) یعنی روئے زمین کو چھوڑ کر اڑتی ہوئی غبار کی طرح ہو جائیں گے اور بعض نے کہا پہاڑ بادلوں کی طرح اوپر کو اڑ کر پھٹ جائیں گے اور دھنی ہوئی اون کی طرح ہو جائیں گے اور یہ بھی عذاب الہٰی کی وجہ سے ہو گا۔

تفسیر صوفیانہ یہی حالت اس سالک کی ہے جب وہ فناء کے وقت تجلی حق سے سرشار ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کے اپنے وجود کا اس وقت کوئی نشان باقی نہیں رہتا۔

marfat.ocm

فائدہ دونوں فعلوں کو مصدر سے مؤکد کرنے ان کی غرابت اور اپنی حدود معہود کے خروج کی وجہ سے ہے یعنی آسمان خوب اور ایسے عجیب طریق سے تھر تھرائے گا اور پہاڑ ایسے عجیب طریقہ سے غبار بن کر اڑے گا کہ ان کی کنہ کو کوئی نہیں جان سکتا۔

تفسیر عالمانہ فویل للمکذبین (پس جھٹلانے والوں کے لئے خرابی ہے)

فائدہ فا فصیحہ ہے جملہ شرط محذوف کا جواب ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ جب مورو سیر مذکور واقع ہو گی یا جب ایسے ہو گا جیسے مذکور ہوا تو بہت بڑی خرابی اور شدت عذاب ہو گی اس دن جب واقع ہو گی اس سے دیگر اہل کبائر غیر مکذبین کے متعلق سوال نہ ہو کہ انہیں عذاب اور خرابی نہ ہو گی واقع نہ ہو گی کیونکہ ویل اور شدت عذاب ان سے مخصوص ہے جو اللہ و رسول اللہ ﷺ اور یوم جزاء کے مکذبین ہیں اہل ایمان عصاۃ کو ایسا عذاب نہ ہو گا ان کے لئے دیگر قسم کا عذاب ہے۔

الذین ھم فی خوض (جو غور و خوض میں ہیں) یعنی عجیب قسم کے اباطیل و اکاذیب میں غور و خوض میں ہیں کہ کبھی قرآن سے استہزاء کرتے ہیں اور کبھی نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی تکذیب اور کبھی بعثت کا انکار کرتے ہیں۔

حل لغات فتح الرحمن میں ہے کہ الخوض بمعنی اباطیل میں خبطی باتیں کرنا اسے پانی میں غوطہ لگانے سے تشبیہ دی گئی ہے اور حواشی الکشاف میں ہے الخوض کا اطلاق اکثر معانی میں ہوتا ہے یہ ہر شے میں غور و فکر کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن اکثر اباطیل میں غور کرنے کے لئے مستعمل ہوتا ہے جیسے الاحضار کہ اس میں ہر شے کو حاضر کرنے کی صلاحیت ہے لیکن اس کا اکثر استعمال عذاب کو حاضر کرنے کے لئے ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا لکنت من المحضرین

فائدہ فی خوض مکذبین کی تخصیص کے لئے قمر صفت نہیں اور نہ ان کی غیروں سے امتیاز کے لئے ہے بلکہ اس سے صرف ان کی مذمت مطلوب ہے جیسے الشیطان الرجیم میں الرجیم کی صفت شیطان کی مذمت کے

لئے ہے۔

یلعبون اپنے کفر کی وجہ سے مشغول ہوتے ہیں یوم یدعون الی نار جہنم دعا اسی دن جہنم کی طرف خوب دھکیلے جائیں گے)

حل لغات الدع بمعنی سخت دھکا دینا۔ یہ قے کرنے والے کی آواز دع دع سے ہے یعنی کافروں کو جہنم کی طرف خوب دھکے دے دے کر دھکیلا جائے گا جبکہ ان کے ہاتھ گردنوں سے بندھے ہوں گے اور ان کی پیشانیاں پاؤں کی طرف ہوں گی اور انہیں منہ اور گدیوں کے بل جہنم کی طرف دھکیلا جائے گا۔

فائدہ لفظ یوم یا پہلے یوم سے بدل ہے یا قول کا ظرف ہے جو ھذالنار سے پہلے مقدر ہے یعنی کہا جائے گا اور کہنے والے جہنم کے داروغے ہوں گے یہی جہنم ہے۔

التی کنتم وہ جس کی تم دنیا میں بھا تکذبون کے متعلق ہے (تکذیب کرتے تھے) حالانکہ اس کے متعلق وحی خداوندی نے واضح طور خبر دی تھی۔ افسحر ھذا (تو کیا یہ جادو ہے) یہ انہیں توبیخ اور زجر ہے جبکہ وہ دنیا میں ایسی خبر سن کر کہتے تھے یہ تو جادو ہے خبر کی تقدیم میں اشارہ ہے کہ ان کے انکار کا مطمح نظر اور اس کا دارومدار اسی پر ہے گویا انہیں یوں کہا گیا کہ قرآن کریم کو جو تم جادو کہتے تھے اب اس کا صلہ تمہیں یہی ملا ہے کہ تم جہنم میں دھکیلے جا رہے ہو۔ خلاصہ یہ کہ انہیں دھکیلتے وقت کہا جائے گا کہ کیا یہ جادو ہے جسے تم دیکھ رہے ہو۔

فائدہ فاء سببیہ ہے عاطفہ نہیں ہے یہ اس لئے ہے تاکہ انشاء کا اخبار پر عطف لازم نہ آئے اور یہ استفہام ان کے اس قول کا سبب نہیں جو وحی الٰہی کو سحر کہتے تھے کیونکہ مصداق وہ ہوتا ہے جو کسی شے کی تصدیق کرے اور احوال اور ان کے مشاہدات انبیاء علیہما السلام کے وحی کے اخبار کی تصدیق کرتے ہیں یعنی اے کافر (جو کچھ تم اب عذاب نار دیکھ رہے ہو یہ حق ہے۔ انتم لا تبصرون یا تم نہیں دیکھ رہے یعنی مخبر عنہ کے دیکھنے سے اندھے ہو جیسے تم اس کی خبر سے دنیا میں اندھے رہے یا کیا تمہاری آنکھیں مخبر عنہ کے دیکھنے سے بند ہیں جیسے دنیا میں اس کی خبر سے بند رہیں تمہارے اپنے خیال پر جیسے کہ تم کہتے تھے کہ سکرت ابصار نا بل مخن قوم مسحورون (ہماری آنکھیں باندھی گئیں بلکہ ہم پر جادو ہو گیا ہے اصلوھا (اس میں داخل ہو جاؤ) اور اس کی گرمی اور سختیاں جھیلو) فاصبروا اولا تصبروا صبر کرو یا نہ کرو۔ صبر اور عدم صبر کا جیسے چاہو مظاہرہ کرو

marfat.ocm

تمھیں جہنم سے چھٹکارا نہیں یہ ان کی امید ختم کرنے کے لئے ہے **سواء علیہم** (تم پر برابر ہے) مبتداء محذوف کی خبر ہے جس پر **اصبروا اولا تصبروا** دلالت کرتا ہے۔

حل لغات سَوَاءٌ اگرچہ بمعنی مُستوٍ ہے لیکن یہ دراصل بمعنی الاستواء ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ تم پر دونوں امر برابر ہیں صبر کرو یا چیخو چلاؤ تمھیں کسی قسم کا فائدہ نہ ہو گا اس سے نہ تم سے عذاب دفع ہو گا اور نہ ہی اس سے تخفیف پاؤ گے۔ ہاں دنیا میں ایسا ضرور تھا کہ انسان کو دکھ اور تکلیف پر صبر کرنے سے کچھ فائدہ ہو جاتا تھا لیکن یہاں تو اس کی امید بھی نہ رکھو۔

فائدہ جو شخص دنیا میں طاعات پر صبر کرے تو اسے قیامت میں کسی قسم کی گھبراہٹ نہ ہوگی اگرچہ صبر سخت کڑوا ہے لیکن اس کا ثمر شہد و شیریں ہے۔

انما تجزون بما کنتم تعملون (بیشک تم اپنے اعمال کی جزاء دیئے جاؤ گے) یہ استواء کی تعلیل ہے کیونکہ ایسی سزا انہیں کفر اور ان اعمال قبیحہ کی وجہ سے جن کا وہ دنیا میں ارتکاب کرتے تھے کیونکہ اس نے حتمی طور واقع ہونا ہے جس کی انہیں دنیا میں وعید سنائی گئی تھی۔ **لامتناع الکذب علی اللہ** کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کذب ممتنع ہے۔ اسی لئے ان کو صبر کرنے نہ کرنے سے کسی قسم کا فائدہ نہ ہو گا۔

فائدہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ تمھیں ان اعمال کی جزا و سزا ملے گی جو تم دنیا میں کرتے تھے نہ ان کی جو تم آخرت میں کرو یعنی صبر و خشوع اور عاجزی وزاری اور دعا وغیرہ سے انہیں کسی قسم کا کوئی فائدہ نہ ہو گا خلاصہ یہ کہ انہیں قیامت میں کہا جائے گا۔ کہ دفع ہو جاؤ میرے ساتھ کوئی بات نہ کرو۔

تفسیر صوفیانہ نار دو قسم ہے۔

۱۔ صوری اہل شرک جلی اور ان کے ملحق وہ عاصی جو کبائر کا ارتکاب کرتے تھے کو نصیب ہو گی۔

۲۔ معنوی اہل شرک خفی اور انہیں جو ان کے حکم میں ہیں یعنی اہل حجاب کو نصیب ہو گی ان پر دونوں گروہوں کو خرابی ہو گی اس دن جبکہ طالب مطلوب کو پائے گا۔ اور محب و محبوب کو لیکن انہیں عذاب جہنم اور عذاب بعد و فراق اور سعادت عظمیٰ اور رتبہ علیا سے محرومی نصیب ہو گی۔

سبق عاقل پر لازم ہے دنیا کے انہماک مشغولی اور اس میں لہو و لعب سے بچے کیونکہ غفلت خالق البریات سے یہ حسرات کی آگ بھڑکاتی ہے۔

فائدہ آیت میں خوف کے مراتب کی طرف اشارہ ہے جسے آنے والی آیت میں وجاء (امید از رحمت حق) کا اشارہ ہے اس لئے ناامیدی اور مایوسی از رحمت حق کفر ہے اس لئے امن عاجزوں سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے متعلق عجز کا اعتقاد کفر ہے ایسے ہی ناامیدی لیئمون سے ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے متعلق لیمی کا عقیدہ کفر ہے۔

فائدہ جس چراغ میں تیل نہ ہو وہ چراغ روشنی نہ دے گا اگر تیل ہو لیکن آگ نہ ہو تب بھی روشنی نہ دے گا اسی طرح خوف کو آگ اور رجاء کو تیل اور ایمان کو چراغ کی بٹ اور دل کو چراغ دان سمجھو تو جب خوف و رجاء جمع ہوں تو چراغ حاصل ہوتا ہے جس میں روغن ہو جو بقاء پر مدد کرتا ہے نیز اس میں آگ ہے جو روشنی کا سبب ہے جو ایمان ان دونوں سے معمور ہو اس میں بقا بھی ہے اور روشنی بھی اور مومن ایسی روشنی سے ہی راہ پاتا ہے اور ایسی بقاء سے ہی مداومت پاتا ہے (واللّٰمولی التوفیق) اللہ تعالیٰ ہی توفیق کا مالک ہے۔

تفسیر عالمانہ ان المتقین بیشک متقی لوگ یعنی وہ جو کفر و معاصی سے بچتے ہیں۔ فی جنٰت وعیون وہ باغات اور چشموں میں ہوں گے۔

حل لغات النعیم بمعنی خوش حالی اور آسائش اور نعمتوں اور دولتوں سے بھرپور ہونا یہ نعمۃ (بالفتح) کا اسم ہے۔ امام راغب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ النعیم بمعنی نعمت کثیر اور وہ خوش حالی جس میں ہر قسم کی نعمت ہو اور خوش گوار عیش ہو اہل عرب کہتے ہیں۔ نعمہ تنعیما اس نے فلاں کو خوشگوار عیش والا بنایا۔ البحر میں ہے التنعم بمعنی ان کھانے پینے کی چیزوں کا استعمال جن میں نزاکت اور نرمی ہو۔ اب معنی یہ ہوا کہ متقین ان ایسی جنات و نعیم میں ہوں گے جو اپنی صفات میں کامل ہیں۔

فائدہ تنوین تفخیم کا ہے یا ایسی جنات و نعیم میں ہوں گے جو صرف ان سے مخصوص ہوں گے واؤ تنویع کے لئے ہے یعنی یہ بتاتا ہے کہ متقین کو جنات و نعیم ہر دونوں قسموں میں سے قسم و قسم کی نعمتیں و راحتیں نصیب ہوں گی اس میں اس وہم کا ازالہ ہے کہ جنت اگرچہ بہترین اور برگزیدہ مقام ہے لیکن ضروری نہیں کہ اس کا داخلہ آرام و عشرت

کے لئے ہو بلکہ بسا اوقات اس کا داخلہ اس کی صفائی ستھرائی اور حفاظت اور نگرانی کے لئے ہوتا ہے۔ جیسے انگور و دیگر اشجاء کا (ناطور) نگران (مالی) باغات میں ہوتا ہے۔ تو آرام و عشرت کے لئے نہیں بلکہ خدمت کے لئے تو اس وہم کو زائل کرنے کے لئے نعیم کا اضافہ کیا گیا۔

فائدہ الناطور بالطاء المہملہ بمعنی انگور و کھجور کے درختوں کا محافظ عجمی لفظ ہے (القاموس) خلاصہ یہ کہ نعیم کا اضافہ اسی لئے ہے کہ متقین کا بہشت کا داخلہ آرام و عیش اور راحت و سکون کے لئے ہوگا نہ کہ نوکروں و خدام کی طرح کہ وہ وہاں کام کے لئے مقرر ہوتے ہیں۔

فاکھین عیش کرنے اور لذت پانے والے شاداں و فرحاں ہوں گے۔

حل لغات القاموس میں ہے کہ الفاکہ بمعنی صاحب الفاکہہ (میوے والا) اور خوش خرم باغ و بہار ہنسنے کھیلنے والا بہترین آرام و عیش سے وقت بسر کرنے والا جیسے الناعمہ والمنعمہ بمعنی بہترین عیش و عشرت بمااتاھم ربھم ان کرامات دائمی سے جو انہیں ان کا پروردگار عطا فرمائے گا۔

حل لغات فتح الرحمان میں ہے بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص ناز و نعم ظاہری سے بھرپور ہوتا ہے لیکن اس کا دل کسی دوسری جگہ ہوتا ہے (جس سے اس کا وہ عیش لنغص اور ناخوشگوار ہوتا ہے لیکن یہاں فاکھین میں اشارہ فرمادیا کہ متقین کا بہشت میں ہونا صرف اور صرف اور خالص سرور و راحت و فرحت اور لذت ہی لذت ہو گی۔ اور ان نعمتوں سے لذت ہی لذت محسوس کریں گے بھوک و پیاس دفع کرنے کے لئے نہ ہو گا (کیونکہ وہاں بھوک پیاس ہو گی ہی نہیں) و وقاھم ربھم عذاب الجحیم اور ان کا پروردگار انہیں دوزخ سے بچائے گا۔

حل لغات الوقایتہ بمعنی شۓ کو اس سے بچانا جو اسے اذیت و ضرر پہنچائے الجحیم الجحد سے ہے آگ کی سخت جلن۔ اسی سے الجحیم ہے کہ جہنم کا ایک نام ہے۔ وقاھم کا عطف اتاھم پر ہے اور ما مصدریہ ہے یعنی وہ بہشت میں اس لئے لذت پائیں گے کہ انہیں اللہ تعالیٰ ہر طرح کی نعمتیں عطا فرمائے گا اور انہیں جہنم ے عذاب سے بچائے گا۔ اگر ماموصولہ ہو تو معنی ہو گا وہ لذت میں ہوں گے اس کے ساتھ جو انہیں

marfat.ocm

رب تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوگی اور جہنم سے بچاؤ لیکن موصول کا عائد نہیں اور لفظ رب کا اظہار اضمار کے بجائے اور رب کا ھُمْ (متقین) کی طرف مضاف کرنے میں ان کی تشریف (تکریم واعزاز) اور تعلیل کا اظہار ہے۔

کلوا واشربوا (کھاؤ اور پیو) یعنی بہشت میں رہنے والے فرشتے کہیں گے ہمیشہ خوب کھاؤ پیو۔

ھنیاء مصدر محذوف کی صفت ہے کہ دراصل طعاما وشرابا ھنیئا یعنی مفعول بہ محذوف کی صفت ہے۔

نکتہ ماکول ومشروب کا عدم ذکر دلالت کرتا ہے کہ وہاں قسم وقسم کھانے اور پینے کی اشیاء بکثرت ہوں گی۔

حل لغات الہنی والمرئ صفت کے صیغے ہیں ھنوا الطعام ومرا یعنی طعام ہضم ہوا اور خوشگوار ہوا یعنی ایسا خوشگوار کہ اس میں کھنلوث نہ ہوگی یعنی ایسا بہترین طعام وغیرہ ہوگا جس میں نہ بدہضمی ہو اور نہ بیماری بلکہ جملہ بلیات وآفات سے محفوظ ہوگا جیسے دنیا میں ہوتا ہے۔ ابن الکمال نے فرمایا کہ اس سے ہے ترکی زبان میں بھنے ہوئے گوشت پر بولتے ہیں۔ ہنئی (خوشگوار گوشت بچ جاتا ہے) بما کنتم تعملون سبب یا اس کے مقابلہ میں وہ ہے جو تم عمل کرتے تھے۔

فائدہ فتح الرحمن میں ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ بہشت اور اس کی نعمتیں اعمال مرتب ہو سکتے ہیں لیکن یہ عقیدہ ہو اس کا داخلہ محض رحمت الٰہی پر اور اس کے فضل وکرم کے ڈھانپنے پر ہوگا اور بہشت کا کھانا پینا اور ان کی خوشگواری بہشت میں داخل ہونے کی شرط ہے اور اعمال صالحہ سے اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں کہ وہ بندوں کو لازما بہشت کی نعمتیں عطا فرمائے۔ البتہ یہ ہے کہ اعمال اس کی علامت ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ فلاں کو فلاں پر عمل صالح پر یہ جزا ملے گی اور فلاں کو فلاں برائی پر سزا ہوگی۔ اسی لئے ثواب وعقاب اعمال کے ارتکاب پر معلق فرمایا۔

فائدہ امام زاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اعمال وکردار پر جزاؤ سزا مرتب فرمائی۔ لیکن درحقیقت یہ سب کچھ اس کے فضل وکرم پر ہوگا ورنہ کل قیامت میں ہمارے اعمال اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے مقابلہ میں کیا وقعت رکھیں گے۔

ندارد فعل من از زور بازو کہ با فضل تو گردد ہم ترازو

marfat.ocm

بفضل خویش کن فضل مرا یار بعدل خود بکن بافعل من کار

ترجمہ میرا کام زور بازو سے نہ ہو گا کہ تیرے فضل کے مقابلہ میں ترازو پر آئے۔

فائدہ حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اعمال کی جزا اگر کل و شرب بھی ہو تب بھی اعمال کی جزا نہ ہو گی بلکہ اس کا فضل و کرم ہے اور وہی فضل اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرمایا۔ وسقاھم ربھم شرابا طھورا اور ان کا رب انہیں شراب طہور پلائے گا۔ اور مکاشفہ و مشاہدہ کی دیدار کا شراب ہو گا۔

مُتَّكِئِينَ (تکیہ لگائے ہوئے) یہ کلوا اشربوا کی ضمیر سے حال ہے بمعنی معتمدین و مستندین تکیہ کرنے اور ٹیک لگانے والے علی سرر اوپر تختوں کے

حل لغات سرر سریر کی جمع ہے وہ شے جس پر بیٹھا جائے یہ سرور سے ہے اس کے لئے بولتے ہیں جو صاحب نعمت ہو اور میت کے تختہ کو اسی سے تشبیہ دے کر اسے سریر کہتے ہیں تو وہ صرف صوری مشابہت سے یا نیک فالی سے کہ اسے رجوع الی اللہ سے سرور نصیب ہوتا ہے اور اس چھٹکارا سے جو اسے دنیا کی قید سے حاصل ہوا جن کا حدیث شریف "الدنیا سجن للمومن دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے) کی طرف اشارہ ہے۔

مصفوفہ (صف بستہ ہو کر) کہ ایک دوسرے کے قرب میں صف بستہ ہوں گے یا بمعنی سونے اور چاندی اور جواہر سے مزین ہوں گے۔

فائدہ ظاہر یہ ہے کہ یہ سرر اس بناء پر ہے کہ ان ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ متعدد اور بکثرت تخت ہوں گے۔ جو ان کے ملاقاتیوں کے لئے ان کے محلات میں بچھے ہوں گے جب ان کے ملاقاتی انہیں ان کے محلات میں ملنے آئیں گے۔ الکلبی نے فرمایا کہ وہ تخت صف بستہ ہوں گے جن کے بعض کا طول آسمان کی جانب سو گز ہو گا اور ملاقات کے وقت ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوں گے جب وہ ان پر بیٹھیں گے تو وہ تختے نیچے ہو کر ان کے قریب ہو جائیں گے۔ جب وہ ان پر آرام سے بیٹھ جائیں گے تو پھر وہ بدستور اونچے ہو جائیں گے۔ وَزَوَّجْنَاهُم بِحُورٍ عِينٍ اور ہم انہیں حوروں بڑی آنکھوں والیوں سے نکاح کر دیں گے۔

marfat.ocm

حل لغات الحور حور کی جمع اور العین عیناء کی جمع ہے۔ الحَور سے اس لئے موسوم ہوئی کہ آنکھیں انہیں دیکھ کر حیران ہو جاتی ہیں اور العین اس لئے کہ حسن و جمال کے ساتھ ان کی بڑی آنکھیں ہیں جو ان کے جمال کی مناسبت سے خوب ہیں باء تعدیت کی ہے حالانکہ تزویج بدو مفعول بلا واسطہ متعدی ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا زوجنٰها (ہم نے تمہارا ان سے بیاہ کیا) لیکن یہاں چونکہ تزویج وصل والصاق کے معنی کو متضمن ہے یا باء سببیہ ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے انہیں تمہارے ساتھ تمہاری ازواج بنائیں۔ ان کے سبب سے کیونکہ زوجیت کا مفہوم ان کا حوروں کے ساتھ ملائے بغیر نہیں لوا ہو سکتا یعنی تزویج یہاں اپنے معنی میں مستعمل نہیں یعنی یہاں نکاح یا عقد نکاح کے معنی میں نہیں بلکہ اس معنی میں ہے کہ ہم نے انہیں تمہاری ازواج بنائیں۔ اس معنی پر یہ ہر دو مفعول متعدی نہ ہو گا اسی لئے امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کا معنی وقرناهم بهن (اور ہم نے تمہیں ان کے ساتھ ملا لیا ہے)

سوال قرآن میں وزوجناهم حوراء کیوں نہیں جیسے کہا جاتا ہے زوجته امراة میں نے اس کا عورت سے نکاح کیا۔

جواب تاکہ تنبیہ ہو کر حوروں کی یہ تزویج (نکاح) اس متعارف طریق سے نہ ہو گا جیسے عورتوں سے عقد نکاح ہوتا ہے اور فتح الرحمن میں بھی زوجنا کا معنی قرنا لکھا ہے اس لئے کہ جنت میں اسی دنیوی عرفی جیسا نکاح وغیرہ نہ ہو گا یعنی جنت دار التکالیف نہیں ہاں آخرت میں صرف ایک دوسرے کو قبول کرنا ہو گا اور بس نہ یہ کہ دنیاوی نکاح کی طرح ایک دوسرے سے عقد ہو گا۔

الواقعات المحمودیہ میں ہے کہ بہشت تو ضیافت گاہ ہے وہاں احباب کو ضیافت دی جائے گی اور اس میں عیش و عشرت کریں گے لیکن حوریں غیر محارم کے سامنے ظاہر نہ ہوں گی۔

نکتہ فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ ان کا ظاہر نہ ہونا بحیثیت حرمت کے نہیں بلکہ غیرت سے ہو گا اس لئے کہ اہل الرجل میں اشارہ ہے کہ اس کا اہل اس کے مخفی راز سے ہو گا اسی لئے غیرت الٰہیہ کا تقاضا یوں ہوا کہ وہ انہیں غیر محارم کے سامنے ظاہر نہ ہونے دے جیسے راز نااہل کے سامنے افشاء کرنے کا نہیں ایسے ہی اہل خانہ

غیر کو ظاہر کرنے کے نہیں کیونکہ حلت و حرمت از قبیل تکلیف ہے اور بہشت دارا تکلیف نہیں وہاں تو صرف اور صرف لذت ہی لذت ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (اور وہ جو ایمان لائے) یہ مبتداء اور اس کی خبر اَلْحَقْنَا بِهِمْ ہے۔ واتبعتهم ذريتهم (اور ان کی اولاد ساتھ ملحق ہوئی) اس کا عطف امنوا پر ہے اور ذریت سے ان کی اولاد (نسل) مراد ہے۔ بایمان ایمان کے ساتھ اتباع سے متعلق ہے اس کی تنکیر تقلیل کی ہے یعنی ایمان کی کوئی ذرہ برابر شے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ایمان میں اعمال شرط نہیں اور یہاں یہ مراد ہے کہ ایمان کی قلیل ثمرات اور معمولی سی مقدار بھی الحاق باء کے لئے کافی ہے تو تقلیل تحقیر کے معنیٰ میں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ان کی اولاد ان کے تابع ہوگی۔ معمولی سے ایمان کی وجہ سے اگرچہ وہ ان کے رتبہ ایمان تک نہ پہنچے یہ قید اس حکم کے لئے ہے کہ ایمان کامل بالاصالت ہو نہ یہ کی ان کی وجہ سے ایمان الحاق۔

اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ اور ہم ان کے ساتھ ان کی اولاد کو لاحق کریں گے یعنی چھوٹی بڑی اولاد کو ان کے درجات تک پہنچائیں گے۔

حدیث شریف حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی اولاد کو بلند درجات عطا فرمائے گا۔ تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں یعنی ان کے سرور و فرحت کی تکمیل ہو اس کے بعد آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

مسئلہ اس سے ثابت ہوا کہ چھوٹی اولاد ماں باپ میں اس کے حکم میں ہے جو مومن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جب آخرت میں اپنے آباء مومن سے انہیں لاحق فرمائے گا تو دنیا میں بھی ان کا یہی حکم ہو۔

مسئلہ فتح الرحمن میں ہے کہ اہل ایمان کو ان کی بڑی چھوٹی اولاد لاحق ہو گی بڑی تو بوجہ ان کے اپنے ایمان کے اور چھوٹی اس لئے کہ ان کے آباء دولت ایمان سے سرشار ہیں کیونکہ چھوٹے بچوں کو ماں باپ میں ان کے ساتھ لاحق کیا جاتا ہے جو مومن ہو یہی امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ تعای علیہ کا مذہب ہے اور امام شافعی و امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے اور امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے ماں باپ کے اسلام سے اولاد کو اس کے لاحق فرمایا ہے اس کی ماں کے اسلام سے نہیں لیکن امام احمد رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر اس کا باپ دار الاسلام میں فوت ہوا ہو تو اولاد کو اس

marfat.ocm

کے لاحق کیا جائے گا ورنہ نہیں یہ ان کے مذہب کے منقولات سے ہے۔ ائمہ ثلاثہ اس کے خلاف ہیں۔

مسئلہ چھوٹے بچے قبل بلوغ مسلمان ہونے اور مرتد ہونے کے حکم میں اختلاف ہے آئمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں اس کا اسلام وارتداد کا حکم صحیح ہے اور امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہر دونوں صحیح نہیں۔

مسئلہ ہدیتہ المہدیین میں ہے کہ اس عاقل لڑکے کا قابل قبول ہے جو بیع میں سلب والا اور شراء میں نفع کمانے کا شعور رکھتا ہو یہی استحسان ہے یہاں تک کہ ایسا مسلمان لڑکا اپنے اقارب کفار کی وراثت نہیں پائے گا اور جب مرجائے تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور استحساناً اس کا ارتداد صحیح سمجھا جائے گا یہی امام ابو حنیفہ و امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے ہاں اسے احسن وجود پر مجبور کیا جا سکتا ہے لیکن اسے ارتداد میں قتل نہ کیا جائے گا کیونکہ یہ اہل عقوبت سے نہیں۔

مسئلہ الاشباہ میں ہے بہت سے لوگ ارتداد میں قتل نہیں کیے جاتے مثلاً جس کا اسلام تبعاً ہو یعنی وہ اولاد ماں باپ کی وجہ سے مسلمان سمجھے گئے یا جس کے متعلق شبہ ہو ایسے ہی دودھ پینے والے بچے کو بلا اتباع مسلمان سمجھا جائے گا جب وہ دار الاسلام میں لقیط پایا جائے۔

مسئلہ الہدیہ میں ہے کہ وہ بچہ جو کسی کو غنیمت کے حصہ میں دار الحرب سے ملا ہو کیونکہ وہ اب مسلمان سمجھا جائے گا بوجہ اپنے مولی مسلم کی اتباع کے بخلاف تقسیم سے پہلے کے کہ وہ اس وقت اپنے ماں باپ کے دین پر سمجھا جائے گا۔

مسئلہ الفتوحات المکیہ میں ہے کہ وہ بچہ جو دار الحرب سے قید میں آیا ہے جب مرجائے اور اسے تمیز ہے نہ عقل تو اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی کیونکہ وہ فطرۃ اسلام پر ہے یہ اس سے افضل ہے کہ کہا جائے کہ اس پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے اس لئے کہ طفل کا مادہ طفل ہے جس کا معنی ہے کہ وہ شے جو آسمان سے صبح شام اترے یہ شے بوند اور شبنم سے بھی کم ہوتی ہے جب وہ ایسے ضعف میں ہے تو وہ رحم کے زیادہ لائق ہے اور اس پر رحم کی یہی صورت ہے کہ اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے اس معنی پر بچہ پر ہر اعتبار سے نماز جنازہ پڑھی جائے۔

مسئلہ اگر کوئی بچہ دار السلام میں داخل ہوا اگر اس کے ساتھ ماں باپ میں سے کوئی ہے تو وہ ان کے دین پر سمجھا

marfat.ocm

جائے گا اگر اس کے ماں باپ میں سے کوئی اس حالت میں فوت ہوا تو اس بچہ کو ان کے دین کا سمجھا ہو گا (الہدایہ)

مسئلہ اگر صورت مذکورہ میں اس کے ساتھ ماں باپ میں سے کوئی ساتھ نہیں آیا تو اسے دار السلام کی اور مولی کی اتباع کی وجہ سے مسلمان سمجھا جائے گا۔

مسئلہ اگر بچہ کا ماں باپ کوئی ایک دار الحرب میں مسلمان ہو گیا تو بچہ بھی اس کی وجہ سے مسلمان متصور ہو گا۔

بچہ اگر ان میں کوئی ایک دار السلام میں مسلمان ہوا پھر بچہ قیدی ہو کر آیا تو وہ مسلمان متصور ہو گا۔

وما التناھم (اور ہم نہیں گھٹائیں گے) آباء کے ساتھ ان کے الحاق سے ورنہ وہ ان کے ساتھ بغض رکھتے (کہ یہ اولاد ان کے درجات آخرت میں کمی کا سبب بنیں گی) (عین المعانی)

حل لغات یہ اَلت یاُت ہچوں ضرب مضرب اور قاموس میں ہے التہ حقلیالتہ بمعنی نقصہ یعنی اس کا حق گھٹایا ایسے ہی آلت ایلاتا من کلھم ان کے اعمال کے ثواب سے من شئی کوئی شے پہلا من التنا کے متعلق ہے اور دوسرا زائدہ ہے اب معنی یہ ہوا کہ ہم ان کے اعمال میں سے کوئی سے کم نہ کریں گے کہ ان کے اعمال کا کچھ ثواب ان کی اولاد کو دے دیں تاکہ ان کا ثواب کم ہو جائے جس سے وہ اپنے بلند درجات سے نیچے آ جائیں بلکہ ان کی اولاد کے درجات ان کے درجات کے ساتھ بلند کر دیں گے یہ محض اس کا فضل و احسان ہو گا یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اہل ایمان کی اولاد کے درجات بلند کروں گا محض اپنے فضل و کرم سے۔

فائدہ حضرت شیخ الاسلام حسین مروزی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد احمد بن ابو علی سرخی رحمتہ اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ایمان و عمل سوائے فضل لم یزل کے نصیب نہیں ہوتا۔

در فضل خدا بند دل خویش مدام
تا فضل نباشد نبود کار تمام

ترجمہ فضل خدا میں ہمیشہ دل کو مقید رکھ جب تک اس کا فضل نہ ہو گا کام تمام نہ ہو گا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ ﷺ

marfat.ocm

سے اپنے ان دو بچوں کے بارے میں سوال کیا جو جاہلیت میں فوت ہوئے آپ نے فرمایا وہ جہنم میں ہیں یہ بات بی بی کو ناگوار گزری تو آپ نے فرمایا اگر تو ان کے رہنے کی جگہ دیکھتی تو تو خود ان سے کراہت کرتی پھر پوچھا کہ وہ بچے جو آپ سے ہوئے فرمایا وہ بہشت میں ہیں کیونکہ اہل ایمان اور ان کی اولاد بہشت میں ہوں گے اور مشرکین اور ان کی اولاد دوزخ میں (عین المعانی)

مسئلہ امام محمدؒ فرمایا کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اولاد المشرکین والمسلمین کے بارہ میں توقف فرماتے تھے لیکن مختار یہ ہے کہ مسلمانوں کے بچے بہشت میں ہوں گے۔

ازالہ وھم وہ جو مروی ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک انصاری بچے کی نماز جنازہ کے لئے بلائے گئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا مبارک ہو اس بچے کو کہ وہ بہشت کی چڑیوں سے ہے آپ نے فرمایا کیا تو اس کے سوا کوئی اعتقاد نہیں رکھتی حقیقت یہ ہے اس پر کوئی یقین نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بہشت پیدا فرما کر اس کے لائق بندے پیدا فرمائے اور دوزخ پیدا فرما کر اس کے لائق بھی بندے پیدا فرمائے تو اس روایت کا مقصد یہ ہے کہ یقیناً وہ شخص بہشت میں داخل ہو گا۔ (شرح المشارق لابن الملک)

مسئلہ حضرت مولانا رمضان (آفندی) شرح عقائد میں لکھتے ہیں کہ کسی معین شخص کے لئے دوزخی و بہشتی کا حکم نہ لگایا جائے بلکہ عمومی طور کہا جائے کہ اہل ایمان میں بہشتی اور کفار دوزخی ہیں ایسے ہی ان کی چھوٹی اولاد ان کے تابع ہے۔ بعض نے کہا کہ کفار کی چھوٹی اولاد بہشت میں ہو گی کیونکہ ان کا کوئی گناہ نہیں تو پھر دوزخی کیوں۔ بعض نے کہا وہ اعراف میں ہوں گے اس کی وہی غیر یقینی امر بوجہ عدم علم ان کے خاتمہ کے۔

مسئلہ جب مسلمان کا بچہ فوت ہو تو اس کے خاتمہ بر ایمان کا قول ہو گا بوجہ اپنے باپ کی اتباع کے ہاں یہ بھی ہے کہ مطلقاً باپ کے تابع کہا جائے کہ اس کے باپ کے خاتمہ کا بھی تو علم نہیں۔

مسئلہ بعض نے کہا کہ کفار کی چھوٹی اولاد بہشت میں اہل اسلام کی خدام ہو گی (ہدیتہ المہدیین) لیکن اکثر اس پر ہیں کہ یہ دوزخ میں ہوں گے اپنے آباؤ کی اتباع میں بعض نے کہا یہ بہشت میں ہوں گے کیونکہ وہ غیر مکلف تھے ایک گروہ نے اس میں توقف فرمایا یہی ظاہر ہے (شرح المشارق لابن الملک)

مسئلہ ایک قول یہ ہے کہ مجنونوں اور چھوٹے بچوں اور اہل فترت کی قیامت میں ان کی جنس سے پیغمبر بھیجا جائے گا وہ انہیں ایمان کی دعوت دے گا اور مومن کا امتحان یوں ہو گا۔ کہ اسے حکم ہو گا کہ وہ خود کو دوزخ میں پھینکے اگر اس دعوت کو وہ قبول کرلے گا اور خود کو دوزخ میں ڈالنے سے نہیں بچائے گا تو وہ خالص مومن ہو گا کیونکہ اس کے سامنے جو نار ہو گی وہ حقیقی نار نہ ہو گی۔ اگر وہ بچائے گا تو وہ کافر ہو گا اور اسے دوزخ میں بھیجا جائے گا۔

تفسیر صوفیانہ شیخ روزبہان البقلی قدس سرہ تفسیر عرائس البیان میں اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ فطرت ذریت کی عدم سے سلیمہ اور ظاہرہ اور معرفت الٰہی کو قبول کرنے والا پیدا کیا گیا کہ وہ اضداد کی صحبت سے متغیر نہ ہو جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر مولود فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اسے ماں باپ یہودی بنائیں یا نصرانی یا مجوسی جب وہ اپنی صفت اول پر باقی رہے تو اس کی طرف نور حق کا فیض پہنچتا ہے۔ اگرچہ اس کے اعمال کی تکذیب نہ بھی ہو تب بھی اسے آباء و امہات اہل ایمان کے درجات تک پہنچا دیا جاتا ہے کیونکہ یہیں پر ارواح و عقول و قلوب تکمیل پاتے ہیں اور کشف مشاہدہ کے وقت انہیں معرفت الٰہی نصیب ہوتی ہے اور انوار جلال حق ان پر ظاہر ہوتا ہے۔ اور وصال الٰہی سے درکنار ہوتے ہی۔ یہی حال ان مریدین کا ہے جو عارفین کے پاس رہتے ہیں جو کہ وہ اپنے اکابر و مشائخ کے درجات پالیتے ہیں جبکہ وہ ان کے احوال پر ایمان رکھیں اور ان کے کلام کو قبول کریں جیسا کہ حضرت روم قدس سرہ نے فرمایا کہ جس نے ہمارے احوال پر ایمان قبول کیا اور ہماری باتوں کو مانا (جو کہ ستر پردوں میں محجوب ہے) تو ایسا شخص ہمارا ہے۔

حدیث شریف نبی پاک ﷺ نے فرمایا جو کسی قوم سے محبت کرتا ہے وہ انہیں سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ جو اطاعت کرتا ہے اللہ اور رسول ﷺ کی تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین میں سے۔ (پ۵ع۶)

marfat.ocm

سبق اس سے تعجب نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی انہیں اعلیٰ درجات تک پہنچاتا ہے۔ جب وہ منازل وحشت میں ہوں تو وہ انہیں بلند درجات نصیب فرماتا ہے تو پھر مقام وصل تک کیوں نہ پہنچائے گا۔

فائدہ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ اس سے ظاہر ہو گیا انبیاء صوریہ و معنویہ کا آباء کے درجات پر پہنچنے میں ایمان شرعی و توحید عقلی کی ضروری ہے اطفال المشرکین کو اس سے کوئی حصہ نصیب نہ ہو گا تو پھر وہ جنت میں کیسے داخل ہو سکتے ہیں ہاں مومن کے ساتھ مومن ہی بہشت میں داخل ہو سکے گا کہ وہ ہم جنس ہیں اور ایمان فطری کا دارا لتکلیف میں کوئی اعتبار نہیں ایسے ہی دار الجزاء ہیں اللہ تعالیٰ ہی اپنے اسرار کو خوب جانتا ہے اور اسی سے ہی ہم انبیاء سے لاحق ہونے کی امید رکھتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ کل امری ہر عاقل بالغ مکلّف مرد (بما کسبت) کے ساتھ اس کے کہ اس نے عمل کیا نیک یا برا۔ رھین پابند ہے قیامت میں کہ اپنے اعمال کی جزاء سزا پائے گا۔ اس سے اسے نجات نہ ہو گی۔ اور نہ ہی اس سے کسی دوسرے کے عمل کی وجہ سے مواخذہ ہو گا۔

فائدہ عورت عاقلہ بالغہ مکلفہ کا بھی یہی حکم ہے (تفسیر الکاشفی)

فائدہ الرھن وہ شے جو قرضہ میں اعتماد کے طور کسی کے ہاں رکھی جائے چونکہ رہن میں احتباس (قید) کا مفہوم مقصود ہے اسی لئے ہر محبوس کو کہا جائے گا وہ جس طرح کا بھی ہو۔

فائدہ ابن شیخ نے فرمایا کہ ماکسبت میں ما مصدریہ ہے اور الفعیل (رہین) بمعنی مفعول (مرھون) ہے اور عمل صالح انسان پر بمنزلہ قرض کے ہیں بایں طور کہ اس سے اس کا مطالبہ کیا جائے گا اور انسان کا نفس اس میں گروہ رکھا ہوا ہے کہ جیسے مرتہن کے ہاں جب تک قرض کی ادائیگی نہ ہو گی اس سے رہن کا ملنا مشکل ہے ایسے ہی جب تک اللہ تعالیٰ کے ہاں بندے کے عمل صالح نہ پہنچیں گے اس وقت تک اس کا نفس مرہو نہ نجات پا سکے گا۔ اب معنی یہ ہوا کہ ہر مرد اللہ تعالیٰ کے ہاں عمل صالح کے ساتھ مرہون (رہن رکھا ہوا) ہے جو کہ عمل صالح اس پر بمنزلہ قرض کے ہیں کہ جب تک اللہ تعالیٰ کے ہاں عمل صالح نہیں پہنچیں گے اور بندہ یہ قرض ادا نہ کرے گا۔ جیسے کہ اس سے اس کا مطالبہ ہے تب تک اس کی گردن رہن سے آزاد نہ ہو گی اگر ادا نہ کرے گا تو ہلاک ہو گا اسی معنی میں ہے وہ فرمان

marfat.ocm

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو اپ نے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ ہر وہ گوشت بہشت میں داخل نہ ہو گا جو حرام سے اگا ہے ایسے گوشت کو آگ بہتر ہے۔

اے کعب بن عجرہ لوگ دو قسم ہیں۔

١۔ اپنے نفس کو بیچ کر تباہ و برباد کرنے والے۔

٢۔ اپنے نفس کو خرید کر آزاد کرنے والے

فائدہ حضرت مقاتل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہاں نفس سے کافر و مشرک مراد ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ ہر کافر ساتھ اس کے کہ اس نے شرک کا عمل کیا۔ دوزخ میں رہن رکھا ہوا ہے اس لئے کہ مومن مرتہن نہیں جیسا کہ دوسرے مقام پہ فرمایا کہ کل نفس بما کسبت رھینۃ الا اصحاب الیمین ہر نفس اپنے کردار میں گروی ہو گا سوائے اصحاب الیمین کے۔

عالمانہ تفسیر دیگر آیت کی ایک اور طریقے سے تفسیر کی جاتی ہے وہ یہ کہ الرھین فعیل بمعنی فاعل ہو۔ اب معنی یوں ہو گا کہ نفس ساتھ اس کے کہ اس نے عمل کیا راھین ہے یعنی دائم ثابت مقیم ہے اگر نیکی کی ہے تو ہمیشہ بہشت میں ہو گا اگر برے عمل کئے تو ہمیشہ دوزخ میں ہو گا۔ اس لئے کہ دنیا میں اعیان کے دوام سے اعمال کا دوام ہوتا ہے کیونکہ عرض جوہر سے ہی باقی رہ سکتا ہے۔ اور اس کے بغیر وہ موجود ہو ہی نہیں سکتا۔ اور آخرت میں دوام اعیان ہو گد اس لئے اللہ تعالیٰ ہی اعمال کو باقی رکھنے والا ہے اور اعیان کا بقاء اعمال کے بقاء سے ہے۔

فائدہ الارشاد میں ہے کہ مقام کی مناسبت میں یہی معنی زیادہ مناسب ہے اس لئے دوام کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اور اس کے اعمال کے درمیان مفارقیت نہ ہو اور یہ بھی ضروری ہے کہ آباء کے اعمال کے ثواب میں بھی کمی واقع نہ ہو اس تقریر پر جملہ ماقبل کی تعلیل ہو گی۔

تفسیر عالمانہ وامددناھم اور ہم ان کی مدد کریں گے۔

حل لغات المد بمعنی الجر کھینچنا الامداد اکثر محبوب امور میں مستعمل ہوتا ہے۔ المدد مکروہ میں الامداد بمعنی مدد کرنا مدد دینا۔ القاموس میں ہے الامداد بمعنی تاخیر الاجل اور یہ کہ غیر کی جماعت کو لشکر

marfat.ocm

سے مدد پہنچانا و بمعنی الاعطاء والاستناشہ۔ بفاکھتہ ساتھ میواؤں ہر طرح کے ہر وقت نعمتوں میں سے جس طرح وہ چاہیں گے۔ ولحم ممایشتھون اور ایسے ہی گوشت میں سے جو وہ چاہیں گے وہ اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ اور ہم ان کی کمی نہیں کریں گے۔ نقصان کی نفی کا تقاضا ہے کہ آباء و ابناء انعلات میں برابر ہو جائیں گے اسے یوں دفع کیا کہ یہ برابری تک محدود نہیں بلکہ آگے جو امداد ہو گی وہ بھی ان کے ثواب کی وجہ سے ہو گی یعنی اولاد بہر حال آباء کی طفیلی رہے گی۔

فائدہ فاکھتہ کی تنوین تکثیر کی ہے یعنی اتنے میوے کہ ختم نہیں ہوں گے کہ جب کھا کر فارغ ہوں گے تو فوراً اس جیسا میوہ اور تیار اس کے سامنے ہو گا۔ اور مایشتھون میں عموم ہے گوشت کے اقسام کے لئے نہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب تم بہشت میں کسی پرندے کا گوشت چاہو گے تو وہ بھنا ہوا ہو کر تمہارے سامنے آ کر گرے گا اور بعض نے کہا کہ بہشت میں بہشتی کے سامنے پرندہ حاضر ہو گا تو وہ اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے بھون کر کھا کر فارغ ہو گا تو وہی پرندہ اڑ کر نہر میں جا پہنچے گا۔ یتنازعون (اور بہشت میں ایک دوسرے کو دیں گے)۔

حل لغات النزع بمعنی شے کو اپنی جگہ سے دوسری طرف کھینچنا جیسے قوس کو درمیان سے کھینچ کر دوسری طرف لے جانا التنازع والمنازعتہ بمعنی المجاذبتہ کبھی اسے مخاصمت و مجاولت سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور یہاں پر التنازع بمعنی تعاطی و تداول ہے علی طریق استجاذب یعنی ایک دوسرے سے کھینچ کر شے کو لینا اور یہ تجاذب (کھینچنا بھی) محبت و سرور میں زیادتی کے ساتھ بطور ہنسی مذاق ہو گا جیسے دوست ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہیں اور اس میں بھی ایک قسم کی لذت ہو گی کیونکہ بہشت میں مخاصمت اور لڑائی جھگڑا نہ ہو گا۔ اب معنی یہ ہوا کہ بہشت میں ایک دوسرے سے اشیاء لیں گے اور دیں گے حالانکہ وہ اس میں بیٹھے ہوں گے یہ ان کی کمال رغبت و اشتیاق کی طرف اشارہ ہے جیسے تنازع کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے خلاصہ یہ کہ بہشت میں بہشتی اشیاء ایک دوسرے کو دیں گے بھی اور لیں گے بھی کاسا بہشتی کے شراب سے بھرے ہوئے پیالے۔ بمعنی وہ پیالہ کہ جس میں شراب ہو جس میں شراب نہ ہو اسے کاس نہیں کہیں گے۔ جیسے جس دسترخوان پر طعام ہو تو اسے مائدہ کہیں گے اگر طعام نہ ہو تو پھر اسے مائدہ نہیں کہا جائے گا۔ یہ معنی اس کے محل کی وجہ سے ہے چونکہ کاس مونث اور مہموز اس

marfat.ocm

لئے اس کے لئے ضمیر مونث کی لائی گئی ہے چنانچہ فرمایا لا لغو فیہا اس کے پینے میں لغو باتیں نہ ہوں گی۔ یعنی وہ پیالہ پیتے ہوئے ایسی بات نہ کریں گے جو گھٹیا قسم کی ہو۔

فائدہ حضرت عطاء نے فرمایا کہ یہ پینا شرابا طہورا کا جنت عدن میں ہو گا۔ اور اس کے ساقی ملائکہ ہوں گے اور ان کا شرب ذکر الٰہی اور ان کی ریحان خوشبو تحیہ من عند اللہ ہو گا جو نہایت بابرکت اور خوشبو ناک ہو گا اور وہ سارے لوگ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوں گے۔

حل لغات امام راغب نے فرمایا کہ اللغو وہ کلام جو غیر معتبر ہو یعنی بات جو بغیر سوچے اور بغیر غور و فکر کے کہی جائے اسے لغا جیسا سمجھا جاتا ہے اور لغا بمعنی چڑیوں اور اسی طرح کے دوسرے پرندوں کی آواز۔

ولا تاثیم اور گناہ کی بات کرنا یعنی ایسا کام کرنا جس کا مرتکب گنہ گار ہو یعنی گناہ کی طرف منسوب ہو اگر اسے دارا لتکالیف میں کرتا ہے جھوٹ۔ گالی دینا اور بکواسات جیسے دنیا میں شراب خوروں کی عادت ہوتی ہے بلکہ بہشت میں شرابا طہورا پی کر دانائی اور حکمت اور بہترین کلام کریں گے۔ اور وہ کام کریں گے جو معزز شخصیتیں کرتی ہیں کیونکہ بہشت میں عقول شراب پی کر بحال رہیں گی زائل نہیں ہوں گی یہ ایسے ہو گا جیسے دنیا میں معرفت والوں کو معرفت کا نشہ ہوتا ہے یہ لوگ دنیا میں معارف و حقائق کی باتیں کرتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ حضرت البقلی قدس سرہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے پینے میں انہیں ان شراب کے پیالوں سے موصوف فرمایا ہے جو انہیں منازعت اور مزید قرب کے شوق تک پہنچادے پھر ان کے شراب کی یہ وصف بتائی کہ وہ انہیں تمکین و استقامت فی السکر تک پہنچادے گا ان کا حال نہ تو شطح تک پہنچے گا اور نہ جنگ جوئی تک اور ان کا وہی حال ہو گا جو دنیا میں معرفت کے نشہ والوں کا تمام مخلوق کے سامنے ہوتا ہے اور جمیع معانی میں اہل حضرات کا دنیا والوں کے حال جیسا نہیں ہوتا۔

فائدہ کبھی خواب میں اکل و شراب ہوتا ہے غلبہ روحانیت کی وجہ سے اس کا حکم جسم میں اثر دکھاتا ہے جیسے بعض اکابرین نے فرمایا کہ عیش مع اللہ وہ قوت ہے جسے بندہ خواب میں کھا کر بھوک محسوس نہیں کرتا۔ اسی طرف رسول اکرم ﷺ نے اشارہ فرمایا۔

اِنِّیْ لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ اِنِّیْ اَبِيْتُ عِنْدَ رَبِّیْ يُطْعِمُنِیْ وَيَسْقِيْنِیْ (روح البیان)
میں تمہارے جیسا نہیں میں اپنے پروردگار کے ہاں وقت گزارتا ہوں وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔

فائدہ اس سے وہی سیر لور تازگی ہے جو کھانے پینے سے حاصل ہوتی ہے یعنی آپ ﷺ بھوکے ہو کر آرام فرماتے تو خواب میں دیکھا کہ آپ نے کھایا پیاء بیدار ہوئے تو سیر شکم تھے۔

اولیاء کی شان ایسے ہی بعض اولیاء کرام کے ساتھ ہوا بوجہ وراثت از نبی اکرم ﷺ کہ ان سے بیداری کے بعد اس طعام کی تین دن تک خوشبو پائی گئی لور لوگ اسے برابر سونگھتے رہے۔

فائدہ نبی اکرم ﷺ لور آپ کے وارث (ولی اللہ) کے سوا عام انسان جب خواب میں دیکھتا ہے کہ اس نے کچھ کھایا پیا ہے جب بیدار ہوتا ہے تو وہ بدستور بھوکا ہوتا ہے اگرچہ خواب صحیح ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ خواب نبوت کے چھیالیسویں حصے میں سے ہے۔

تحقیق صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ بہت سے خواب سے اٹھ کر سیری کا دعوی کرنے والے درحقیقت وہ بھوکے ہی ہیں کیا تم خود گواہ نہیں ہو کہ بہت سے عوام خواب میں خوب سیر ہو کر کھاتے ہیں لیکن بیدار ہوئے تو بدستور بھوکے ہوتے ہیں یہی اہل تلوین کا حال ہے جو اس معرفت کے شراب سے ایک گھونٹ پی لیتے ہیں تو بہت بڑے لمبے چوڑے دعاوی کرتے رہتے ہیں۔ جیسے ہم نے اپنے بعض معاصرین کو دیکھا اسے معلوم نہیں کہ اہل تمکین کا حال نائم (نیند والے) جیسا ہے جو شراب کی بو کے نشہ سے مست ہے اس کی طرح کیسے ہو سکتا ہے۔ جو خود شراب پی کر مست ہوتا ہے پھر تم کہاں اور اہل حیقیت کہاں اے برادر تو اپنی حد پہچان۔ حد سے متجاوز نہ ہو اس لئے کہ حد سے تجاوز لغو و تاثیم کے قبیل سے ہے۔

حضرت خجندی قدس سرہ نے فرمایا۔

از عشق دم مزن چوں گشتی شہید عشق دعوائے ایں مقام درست از شہادت است

ترجمہ عشق کا دم نہ مار جب تو شہید عشق نہیں ہوا۔ اس مقام کا دعوی شہادت سے بہتر ہے۔

تفسیر عالمانہ ویطوف علیہم اور ان پر گشت کریں گے۔

marfat.ocm

حل لغات الطواف بمعنی شے کے ارد گرد پھرنا اسی سے ہے الطائف وہ شخص جو کعبہ کے ارد گرد گھومتا ہے اب معنی یہ ہوا کہ اہل جنت کے ارد گرد پیالے شراب کے لے کر یا خدمت کے لئے گشت کریں گے۔ غلمان لهم ان کے غلمان

حل لغات غلمان غلام کی جمع ہے اٹھتی جوانی والا جوان یعنی بہشتیوں کے مخصوص غلام۔

سوال جب وہ غلام صرف انہیں کے ہوں گے تو غلمانهم کیوں نہیں لام کے اضافہ (زائدہ) کی کیا ضرورت ہے۔

جواب تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ ان سے وہ چھوکرے مراد ہوں گے جو دنیا میں ان کے خادم رہے تو اس سے ان چھوکروں کو خطرہ لاحق ہو تاکہ افسوس کہ ہم دنیا میں بھی خدام رہے اور آخرت میں بھی تو اس طرح سے ہم دارین میں دوسروں کے تابع رہے۔ ان کے اس وہم و حزن کو دور کرنے کے لئے فرمایا کہ ان سے وہ خدام مراد ہیں جو بہشت میں ان کے لئے مخصوص ہیں (جو ان دنیا والوں کی قسم سے نہیں (یہ آزاد ہو گئے اب یہ بھی آخرت میں دوسرے لوگوں کی طرح مخدوم ہوں گے)

فائدہ غلمان کی تنکیر سے معلوم ہوا کہ جو بھی بہشت میں داخل ہو گا اسے ایسے خدام ملیں گے جن سے وہ پہلے متعارف نہ ہو گا۔ (حواشی سعدی المفتی)

كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنَ گویا وہ خالص موتی ہیں۔ یہ غلمان سے حال ہے اس لئے کہ وہ غلمان اس سے موصوف ہیں یعنی گویا وہ غلمان سفیدی و صفائی خالص ہوتی ہیں گویا ابھی صدف سے نکلے ہیں کیونکہ موتی تازہ احسن اور صاف تر ہوتا ہے اس لئے کہ اسے نہ تو کسی ہاتھ نے چھوا ہے اور نہ اس پر غبار پڑی ہے۔ خلاصہ یہ کہ غلمان گویا صفائی اور لطافت میں وہ موتی ہیں جو صدف میں تازہ نکلتے ہیں کہ انہیں کسی کا ہاتھ نہیں لگا۔

فائدہ مکنون بمعنی مخزون بھی ہو سکتا ہے اس لئے کہ خزانہ میں اس موتی کو رکھا جاتا ہے جو قیمتی ہو۔

حدیث شریف حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ یہ حال تو خادم کا ہے تو مخدوم کیسے ہوں گے

فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے مخدوم کی خادم پر ایسی فضیلت ہے جیسے چودھویں کے چاند کی تمام ستاروں پر۔

حدیث شریف حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ ادنیٰ درجہ کے بہشتی کی شان یہ ہوگی کہ جب وہ اپنے خدام میں سے کسی خادم کو بلائے گا تو دروازہ پر ایک ہزار خادم جواب دے گا۔ لبیک لبیک (حاضر جناب حاضر جناب)

تفسیر عالمانہ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اور وہ ایک دوسرے سے متوجہ ہوں گے۔

فائدہ مروی ہے کہ بعض بہشتی دوسرے کے پاس آکر یَتَسَآءَلُوْنَ (پوچھیں گے) یعنی ایک دوسرے سے حال واحوال پوچھیں گے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ سے کیا انعامات نصیب ہوئے یہ بھی لذت اور اعتراف کے طور ہوگا کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف عظیم نعمتیں نصیب ہوئی ہیں جیسے عموماً اہل مجلس کا طریقہ ہوتا ہے کہ اکٹھے ہوتے ہیں تو ایک دوسرے سے حالات پوچھتے ہیں اور جو ان پر بیت وقت گزرتا ہے اس کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ ایک دوسرے سے مانوس ہونا ہے اور یہ اس وقت یوں ہوگا کہ ہر دونوں سائل بھی ہوں گے اور مسئول بھی۔ یہ مطلب نہیں کہ ان میں بعض مخصوص سائل ہوں گے اور بعض مخصوص مسئول۔

قالو کہیں گے یعنی وہ مسئول جو در حقیقت ہر دونوں ایک دوسرے کے مسئول ہیں۔

انا کنا قبل بیشک ہم دخول جنت سے پہلے **فی اھلنا** اپنے اہل خانہ کے درمیان دنیا میں تھے **مشفقین** سہمے ہوئے۔ دل سے گھبرائے ہوئے کہ ہم دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے گناہوں میں مبتلا رہے اور اس کی طاعت سے کوسوں دور رہے نامعلوم اب کیا بنتا ہے۔ یا یہ کہ ہم اپنے انجام سے بے خبری کی وجہ سے خطرہ میں تھے۔

نکتہ اہل کی قید میں اشارہ ہے کہ اہل عیال میں امن و سلامتی ہوتی ہے لیکن وہ بندگان خدا اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے تھے کہ اپنے اہل و عیال میں رہ کر بھی خوف خدا سے غافل نہ تھے جب ایسے امن و سلامتی کے وقت ان کا یہ حال تھا تو باقی اوقات میں ان کا کیا حال ہوگا بہر حال وہ ہر وقت خدا کے خوف میں رہتے تھے۔

marfat.ocm

فائدہ حضرت سعدی المفتی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اولیٰ یہ ہے کہ جملہ اولیٰ کو اس پر محمول کیا جائے کہ وہ خلق خدا پر بہت زیادہ شفقت کرتے تھے جیسے دوسرے جملہ میں تعظیم امرالٰہی کی طرف اشارہ بتاتا ہے۔

نکتہ ان دونوں کاموں کے درمیان حرف عطف کے ترک میں اشارہ کیا گیا ہے کہ دوسرا جملہ پہلے کا بیان ہے اس میں مبالغہ ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہیں کہ کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔

تحقیق صاحب روح البیان قدس سرہ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ یہ کلام ہیں کہ ہماری شان اپنی قوم یا قبیلے میں ایسے ایسے ہے[1]

گویا وہ دنیا اپنی قوم و قبائل میں اشفاق کی صفت سے موصوف تھے اس میں تعریض ہے کہ بعض لوگ ایسے نہیں تھے۔

ویدل علی ھذا ان الاھل یفسر بالا زواج والاولاد وبالعبید والاباء وبالاقارب وبالاصحاب والمجموع (کمافی شرح المشارف لابن الملک)

یہ دلیل ہے اس کی کہ لفظ اہل کی تفسیر ازواج و اولاد اور غلاموں اور کنیزوں اور قریبی رشتہ داروں اور دوستوں اور تمام برادری سے کی جا سکتی ہے۔ (ص۱۹۶ج۹روح البیان)

فمن اللہ تو اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا علینا رحمت فرما کر اور حق کی توفیق دے کر۔

فائدہ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ یہاں من و انعام سے بہشت اور اس کی نعمتیں مراد ہیں جیسے اگلی آیت ووقانا عذاب السموم دلالت کرتی ہے اور اس نے ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچایا یعنی دوزخ کے اس عذاب سے بچایا جس کے اثرات مسام تک پہنچیں گے۔ یعنی جسم کے سوراخوں میں جیسے ناک و منہ کان وغیرہ۔ دھوئیں کے اثرات کی طرح وہ گرم دھواں جو مسام میں داخل ہو جاتا ہے اسے سموم کہا جاتا ہے اور جہنم کو اس سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ اس کا عذاب سموم کی طرح مسام میں اثر کرے گا۔

---

[1] (ردِ شیعہ :۔ لفظ اہل بیت عرف اولاد فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لئے اطلاق کے قائل ہیں ان کا یہ دعوی قرآنی محاورہ کے خلاف ہے چنانچہ روح البیان ص۱۹۶ج۹ میں فرمایا۔ اویسی غفرلہ)

المفردات میں ہے کہ السموم وہ گرم ہوا جو جسم میں زہر کی طرح اثر کر جائے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت البقلی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ یہ اس قوم کے شکر کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ کے دیدار سے سرشار ہو کر کہیں گے کہ ہم دنیا میں فراق اور یوم قیامت میں ہجر سے خوفزدہ تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسے جلانے اور مٹانے والے عذاب سے بچالیا اور ان کا یہ قول دیدار کے اول اوقات میں ہو گا جب وصال کے مزے لوٹیں گے اور اس پر انہیں ایک عرصہ گزر جائے گا۔ تو پھر یہ بات بھول جائیں گے۔

فائدہ حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اشفاق زیادہ نرم سے خوف سے اور خوف سخت تر ہے۔ بعض نے فرمایا کہ اشفاق اولیاء کرام کے لئے اور خوف عام اہل ایمان کو ہوتا ہے اور حضرت الواسطی قدس سرہ نے فرمایا کہ اہل ایمان نے دعا اور شفقت کا لحاظ کیا لیکن یہ نہ جانا کہ وسائل متوسلین کو حقیقت سے منقطع کر دیتے ہیں اور اس ذات کے ادراک سے محجوب ہو جاتے ہیں جس کے ہاں اس کے اور کوئی وسیلہ نہیں۔

تفسیر عالمانہ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ بیشک ہم تھے دیدار الٰہی اور اس کی طرف رجوع کرنے سے پہلے اس سے ان کی دنیا مراد ہو گی۔ یعنی ہم دنیا میں یوں تھے۔ ندعوہ ہم اس کی عبادت کرتے اور وہ دوزخ سے بچنے کا سوال کرتے تھے۔ انہ ھو البر الر بیشک وہ محسن ہے الرحیم بہت بڑی رحمت والا ہے کہ جو بندہ اس کی عبادت کرتا ہے وہ اسے ثواب بخشتا ہے اور جو اس سے سوال کیا جائے وہ عطا فرماتا ہے۔

تحقیق البر امام راغب قدس سرہ نے فرمایا البحر کی نقیض ہے اس میں توسع متصور ہوتا ہے اسی سے ہے البر بمعنی فعل الخیر میں توسع یہ کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتا ہے مثلاً انہ ھو البر الرحیم بیشک وہ محسن و رحیم ہے اور کبھی اس کی نسبت بندے کی طرف بھی ہوتی ہے مثلاً بر العبد بندے میں طاعت الٰہی میں وسعت دکھائی یعنی بکثرت اطاعت کی خلاصہ یہ کہ بندے کی طرف منسوب ہو تو طاعت کی کثرت مراد ہو گی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو تو کثرت ثواب مراد ہو گی۔

بِرّ کی اقسام بِرّ کی نسبت عبد کی طرف ہو تو اس کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ اعتقاد ۲۔ اعمال

marfat.ocm

فرائض و نوافل اور برالوالدین یعنی ان پر احسان میں توسع اس کی ضد عقوق ہے۔

فائدہ شرح الاسماء الحسنیٰ میں ہے کہ بر رحیم کو جس سے جانتا تو وہ ہر چھوٹی بڑی مراد میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے گا اور وہ بھی اپنی رحمت اور فضل و کرم سے اس کی مراد پوری فرمائے گا۔

فائدہ حکم ابن عطاء میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تجھے عطا فرمائے گا تو تیرے سامنے اپنا بڑا احسان و فضل لائے گا اور جب تجھ سے کوئی شے روکے گا تو تیرے سامنے اپنا قہر و جلال اور عظمت لائے گا وہ ہر حالت میں تجھے اپنے لطف سے نوازتا ہے کبھی جمال سے کبھی جلال سے اور وہی اپنے لطف خاص سے تیری طرف متوجہ ہے۔ جس طرح سے بھی ہو ہاں تجھے وہ بات ناگوار گزرتی ہے جب وہ تجھے تیرا مقصد پورا نہیں کرتا حالانکہ وہ بھی تیرے لئے لطف و کرم ہے جسے تو نہیں سمجھتا اگر تو اسے سمجھ جائے تو اسے تجھے۔ جس حال میں رکھا ہے تو اس کا شکر کرتا۔

فائدہ حضرت ابو عثمان مغربی قدس سرہ نے فرمایا کہ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کے ساتھ مقام شکر میں ہے اگرچہ ان کا گمان ہے کہ وہ مقام صبر میں ہیں۔

فائدہ حضرت ابراہیم الخواص رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فقیر فقیر کے لئے صحیح نہیں ہوتا جب تک دو خصلتیں نہ ہوں۔

۱۔ اللہ پر بھروسہ ۲۔ اس کا شکر

اس پر کہ جو دنیا میں اس نے نہیں عطا فرمایا اور دوسرے کو اس میں مبتلا کر دیا اور فقر کی تکمیل نہیں ہوتی جب تک یہ مقام نصیب نہ ہو کہ وہ یہ سمجھے کہ اس کا مقصد پورا نہ ہوا اس میں اس کی بہتری ہے بجائے اس کے کہ اس کا مقصد پورا ہوتا اس مرتبہ اس کے صدق کی علامت یہ ہے کہ منع المقصد میں لذت محسوس کرے بہ نسبت عطاء المقصد کے۔

فائدہ صوفیانہ اسم البر کے تقرب کی ایک علامت یہ ہے کہ بندے کو اللہ تعالیٰ کے احسان سے محبت اور تدبیر کا ترک ہو۔ مثلاً یہ تصور کہ میں فلاں کام کروں گا تو وہ اکرام فرمائے گا اور دوسری علامت یہ ہے کہ بندہ دعا کی کثرت کرے چنانچہ فرمایا انا کنا من قبل ندعوہ انہ ھو البر الرحیم تیسری علامت عبداللہ کو نفع

marfat.ocm

پہنچانے کی عادت بنائے اور ان پر شفقت کرے اس لئے البر (احسان) یہی ہے کہ وہ اندر (مخلوق) کو نقصان نہ دے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ واقبل بعضھم یعنی قلب و روح نفس کی طرف متوجہ ہو کر ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم سیر و سلوک سے پہلے اپنے اہل یعنی عالم انسانیت میں ڈرنے والے تھے یعنی صفات بہیمیہ و سبعیہ و شیطانیہ کی صفات اور شہوات دنیویہ سے خوفزدہ تھے کیونکہ یہی قہر حق کی ہواؤں کے چلنے کی جگہیں ہیں۔

فمن اللہ علینا تو اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا اور ہمیں اپنے قہر کی سموم سے بچایا اگر اس کا فضل و کرم نہ ہوتا تو ہم اپنی جدوجہد اور کوشش سے نہ بچ سکتے بلکہ اس سے پہلے ہم اس کی عبادت کرتے اور اس کی توفیق سے اس کی طرف تضرع کرتے طلب نجات و تحصیل البرکات میں بیشک وہی محسن ہے اس کا جو اسے پکارے اور رحیم ہے اس کے لئے جو اس کی طرف رجوع کرے۔

تفسیر عالمانہ فَذَكِّرْ (تو نصیحت کیجئے)

ربط ابن الشیخ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے اور اپنے اہل و عیال میں رہ کر بھی خوف خداوندی میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور چونکہ نبی اکرم ﷺ ان لوگوں کو ڈرانے پر مامور ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اس لئے اس کے بعد فرمایا فذکر (فاء کے ساتھ)

شان نزول حضرت کاشفی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ایک بہتان تراش جماعت مکہ معظمہ کے گرد و نواح میں ایسی تھی جو رسول اللہ ﷺ پر بہتان تراشی کے لئے عرب کے قبائل کے ہاں جا کر کہتے تھے کہ یہ جو رسالت و نبوت کا دعوی کر رہے ہیں یہ تو کاہن اور مجنوں اور ساحر و شاعر ہیں حضور نبی پاک ﷺ ان کی ان باتوں سے غمگین رہتے تھے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ فذکر یعنی جس منصب پر آپ ہیں اس پر ثابت قدم رہیئے جو کچھ آپ پر آیات نازل ہوتی ہیں آپ ان مشرکین کو سناتے جایئے اور ذکر حکیم کی نصیحت کرتے رہیئے اور ان

کی باتوں کی طرف کان نہ لگایئے ان کی باتوں میں کسی قسم کی خیر نہیں یا بطلان سے پر ہیں۔

فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ تو تم اپنے پروردگار کی نعمتوں سے نہیں ہو۔ نعمت کو تاء سے لکھ کر وقف کیا جاتا ہے تو ہاء پڑھی جاتی ہے یہ وقف کر کے پڑھنا ابن کثیر و ابو عمرو اور کسائی و یعقوب کا مذہب ہے۔

فائدہ باء سببیّہ ہے یعنی سبب اس انعام کے جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر کیا ہے یا تم کاہن نہیں ہو درانحالیکہ آپ پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہے اس معنی پر یہ حال لازمہ ہے اس ضمیر سے جو کاہن میں معنوی ہے۔ اس لئے کہ حضور علیہ العلوۃ والسلام اس حال سے کبھی جدا نہیں ہوئے (یعنی آپ پر ہر وقت اللہ تعالیٰ کے انعلمات ہیں) اس تقریر پر باء ملابستہ کی ہو گی اور اس کا عامل نفی کا معنی ہو گا یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ پر صدق النبوۃ زیادہ العقل کا انعام فرمایا۔

فائدہ حضرت کاشفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ بانعام پروردگار خود یعنی اللہ تعالیٰ کی حمد و نعت سے یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ باء قسمیہ ہو۔

بِكَاهِنٍ کاہن مثلاً وہ ظالم کافر (اللہ تعالیٰ انہیں غارت کرے) حضور سرور عالم ﷺ (بدعتی ہیں) یعنی بدعت کی باتیں بتاتے ہیں (معاذ اللہ) اور وحی کے بغیر کل کی خبریں دیتے ہیں۔ المفردات میں ہے کاہن وہ ہے جو صرف گمانسے زمانہ ماضی کی مخفی خبریں دے اور عراف وہ جو زمانہ مستقبل کی مخفی خبر دے اور یہ دونوں طریقے اس گمان پر مبنی ہیں جن میں خطاء و صواب ہر دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔

حدیث شریف حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ جو کاہن و عراف کے پاس آیا اور اس کی بتائی ہوئی خبر کی تصدیق کی تو اس نے اس کے ساتھ کفر کیا جو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل فرمایا۔

حل لغات اہل عرب کہتے ہیں وکہن فلاں کہانتہ بمعنی تعاطی۔ اس نے تعاطا کیا وکہن وہ جو اس فن سے خصوصیت رکھتا ہے اور تکہن وہ جو اس فن کا دم بھرے۔ القاموس میں ہے لکہن لہ جعل وتھرو کرم کی طرح ہے کہانت بالفتح و تکہن تکہناً و تکہیناً وہ شخص کہ جس کے لئے غیب کا فیصلہ بتایا گیا فھو کاھن اس کی جمع وکہان آتی ہے اس کی صفت کو ا لکہانت (بلاکسر) کہا جاتا ہے

ازالہ وھم ابن الملک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کا یہ ارشلو کہ جو اعراف کے پاس گیا اور اس

marfat.ocm

سے اپنی گزشتہ خبر کا سوال کیا تو اس کی چالیس راتوں کی نمازیں قبول نہ ہوں گی۔ المفردات وہ جو چوری شدہ مال چھپے ہوئے مال کی خبر دے ایسے ہی کاہن کے پاس جانے کا حکم ہے لیکن یہ اس وقت ہے جب ان کے پاس سچ مچ اسی طرح جائے جس کا ذکر حدیث شریف میں ہوا اگر وہ ان کے ہاں ان سے مذاق۔ استہزاء یا ان کی تکذیب کے طور گیا تو اس پر وہ حکم نہ ہوگا جو ابھی حدیث شریف میں مذکور ہوا کیونکہ دوسری حدیث شریف میں ہے کہ جس نے کاہن کی تصدیق کی تو اس کی چالیس راتوں کی نمازیں قبول نہ ہوں گی۔

سوال یہ تو اس حدیث شریف کے خلاف ہے کہ حضور سرور کونین ﷺ نے فرمایا کہ جو کاہن کی تصدیق کرتا ہے وہ کافر ہو گیا اس کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل کیا۔

جواب میں (یعنی ابن الملک قدس سرہ) کہتا ہوں کہ ان دونوں کے درمیان تطبیق میرے لئے یوں روشن ہوئی ہے کہ کاہن کا تصدیق کنندہ کافر ہے جب اسکا یہ اعتقاد ہو کہ وہ کاہن غیب (ذاتی طور مستقلاً) جانتا ہے جب اس کا یہ اعتقاد ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام کردہ ہے جن سے وہ القاء کرتے ہیں جو ملائکہ سے سنتے ہیں اس اعتقاد پر کاہن کی تصدیق کرے تو وہ کافر نہ ہوگا۔

مسئلہ ہدیتہ المہدیین میں ہے کہ جو کہے کہ میں مسروقات کو جان لیتا ہوں کافر ہو جائے گا اگر کہے کہ میں جنات کی خبر دینے میں مسروقات (چوری شدہ چھپی ہوئی اشیاء) کو جان لیتا ہوں تو بھی کافر ہو گیا کیونکہ جن بھی انسان کی طرح غیب نہیں جانتے[ل]۔

ولا مجنون اور نہ ہی (آپ) مجنوں ہیں۔ مجنوں وہ جس میں جنوں کی بیماری ہو یعنی عقل کا زوال یا اس میں فساد آجاتا ہے المفردات میں ہے کہ جنون وہ بیماری ہے جو عقل و نفس کے درمیان حائل ہو جائے التعریفات

[ل] ۔ انبیاء علیہما السلام کا غیب جاننا وحی سے ہوتا ہے۔ اور اولیاء کرام کا الہام سے اسی لئے ان کے لئے عقیدہ رکھنا عین اسلام ہے چونکہ عراف 'کاہن' جادوگر وغیرہ کا غیب جاننا از خود ہے یا کسی فن و کاریگری سے ہے جس کا دین الٰہی سے کوئی تعلق نہیں (اگرچہ تخلیق کے اعتبار سے اس کا تعلق بھی اللہ تعالیٰ سے ہے۔ لیکن یہ شے دیگر ہے) اسی لئے اس کی تصدیق کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ انبیاء و اولیاء کا کاہنوں' ساحروں وغیرہ پر قیاس کرنا وہابیوں دیوبندیوں کا

میں ہے کہ جنون وہ بیماری ہے جس میں عقل میں ایسا فتور پیدا ہو جاتا ہے جو عقل کے طریقہ پر افعل واقوال کے جاری ہونے کو روکتا ہے کبھی اس کے افعال واقوال عقل کے مطابق بھی واقع ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ کبھی کبھی ہو تا ہے۔

مسئلہ امام ابو یوسف رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اس کی یہ حالت اگر اکثر سال رہتی ہے تو یہ مطبق ہے اگر اس سے کم ہے تو یہ غیر مطبق ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ انسان کی طبیعت حقیقت دین سے متنفر اور حب دنیا اور اس کی زینت کی خوگر ہے اور اس کی شہوات اور اس کے نقش و نگار پر فریفتہ اور وہ جوہر روحانی (کہ فطرۃ اسلام پر انسان کو بنایا گیا ہے) انسان میں بالقوہ ایسے امانت رکھا ہوا ہے جیسے موتی خزانوں میں وہ نہیں نکل سکتا۔ جب تک اس میں جدوجہد بلیغ اور سعی تام بقانون شریعت و متابعت النبی ﷺ اور آپ کی رہبری نہ ہویا پھر آپ کے وارثین یعنی اولیاء کرام اور علماء ربانیین الراسخین فی العلم یعنی مشائخ کرام جو آپ کے راستہ پر چلنے والے ہیں کی رہبری نصیب ہو اور یہ ہر زمانہ میں ہوتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ عام مخلوق کا دعوی اسلام کے باوجود اولیاء کرام کی سیرت اور طریقوں کے منکر ہیں یعنی اکثر ورنہ بہت سے اللہ تعالیٰ کے بندے اولیاء کرام کے عاشق اور ان کے پیروکار ایسے منکرین ترک دنیا اور گوشہ نشینی اور خلق سے دوری اور رجوع الی اللہ و طلب حق سے کوسوں دور ہیں ہاں جن کے قلوب میں ایمان لکھ دے اور اس کی اپنی روح سے مدد فرمائے تو ایسے لوگوں میں صدق فی الطلب اور اچھا ارادہ جو وہ بیج عطا فرماتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے اور یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ جسے چاہے عطا فرمائے ورنہ انسان کی طبیعت کا تقاضا تو یہ ہے کہ وہ دین سے ایسے نکل جائے جیسے تیر کمان سے اگرچہ ایسے لوگ نمازیں بھی پڑھتے ہیں روزے بھی رکھتے ہیں بلکہ ان کا گمان یہ ہے کہ وہ مسلمان نہیں لیکن یہ لوگ تقلیدی مسلمان ہیں نہ کہ تحقیقی۔ ہاں فضل الہی پر تو پھر جس کا اللہ تعالیٰ سینہ اسلام کے لئے کھول دے تو پھر ایسا خوش قسمت انسان اپنے پروردگار کے نور پر ہوتا ہے۔

شان اور کمال رسول ﷺ کا بیان فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ آیت میں رسول اللہ ﷺ کی شرافت اور بزرگی کا بیان ہے اس لئے کہ کافروں کو خود اللہ تعالیٰ نے جواب دیا اور بجائے رسول اللہ ﷺ کے خود کافروں کی تردید فرمائی اور اس کی یہ تصریح (بالالتزام) بھی ہے کہ تذکیر کے امر کا تعلق

marfat.ocm

وحی سے ہے اگرچہ کمال عقل وصدق فی القول کا تقاضا ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ کاہن نہیں اور نہ ہی مجنون ہیں اور یہ نفی صرف ظاہر الحال پر ہے لیکن در حقیقت دفع وہم و تمکین التصدیق سے خالی نہیں یہ ایسے ہے جیسے ہم کلمہ شہادت میں کہتے ہیں لَآ اِلٰہَ اس میں اس موسوی وجود کی نفی ہے جس کا ان کو وہم تھا ورنہ اثبات کے سوا تو کچھ تھا بھی نہیں (ورنہ لا الٰہ کہلوانے کی کیا ضرورت تھی) اللہ ہی پروردگار ہے۔

سیدے کز وہم قدرش برتراست   خاک پائش چرخ را تاج سرست

ترجمہ   وہ سردار (ﷺ) ہیں کہ جن کی قدر و منزلت وہم سے بلند و بالا ہے آپ کے قدموں کی خاک چرخ کے سر کی تاج ہے۔

تفسیر عالمانہ   اَمْ یَقُوْلُوْنَ (بلکہ وہ کہتے ہیں)

تحقیق لفظ ام   ان آیات میں لفظ ام بار بار آیا ہے یہ منقطعہ ہے بمعنی بل اور ہمزہ بھی اور ہمزہ بمعنی انکار اور بغوی نے خلیل سے نقل کیا ہے۔ کہ سورہ طور کا لفظ ام کلمہ استفہامیہ ہے عاطفہ یعنی منقطعہ نہیں اور برہان القرآن میں ہے کہ سورت طور میں لفظ ام پندرہ بار آیا ہے اور ہر بار کفار پر الزام لگایا لیکن ان کے ہاں سے کوئی جواب نہ ملا اور عین المعانی میں ہے کہ لفظ ام سورت الطور میں پندرہ بار واقع ہوا ہے اور یہ ہر جگہ استفہامیہ ہے چار مقامات پہ توبیخ کی تحقیق کے لئے ہے بمعنی بل وہ چار یہ ہیں۔

۱۔ اَمْ یَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ   ۲۔ اَمْ یَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ

یہ دونوں باتیں کافروں نے حضور سرور عالم ﷺ کے لئے کہیں۔

۳۔ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ   ۴۔ اَمْ یُرِیْدُوْنَ کَیْدًا اور یہ دونوں کام انہوں نے کئے۔

ان چاروں کے سوا باقی سب کے سب انکار کے لئے ہیں اور فتح الرحمن میں ہے کہ اس سورۃ (طور) میں تمام ام استفہامیہ ہیں عاطفہ نہیں۔

سوال   اللہ تعالیٰ سے استفہام کیسا حالانکہ وہ تو سب کچھ جانتا ہے۔

جواب   کفار کی تفضیح اور توبیخ مطلوب ہے یہ ایسے ہے جیسے کسی دوسرے کو کہے اجاھل انت حالانکہ وہ

اسے جانتا ہے کہ واقعی وہ جاہل ہے لیکن یہ کلمہ اس کی تقبیح (اظہار قباحت) اور توبیخ (جھڑکنا) کے طور کہتا ہے شاعر (وہ شاعر ہیں) شعر اور شاعر کا معنی سورۃ یٰسین شریف کے اواخر میں تفصیل کے ساتھ گزرا ہے۔

فائدہ امام مرزوقی شارح الحماسہ نے لکھا ہے کہ شعراء کا مرتبہ بلغاء سے موخر ہے اس لئے کہ عرب کے نزدیک منظوم کلام کا مرتبہ موخر ہے کیونکہ شاہان عرب قبل اسلام وبعد اسلام خطابت کی وجہ سے عوام سے برگزیدہ سمجھے جاتے اور حکومت چلانے کے لئے حکایت کو اعلی اسباب اور شعر کو وہ ایک معمولی شے سمجھتے تھے علاوہ ازیں شعر بھی اور ایک تجارتی شے ہے اس میں ایک خرابی یہ ہے کہ طمع کے وقت شاعر لئیم کو کریم سے تعبیر کرتا ہے اگر اسے کسی سے انعام نہ ملے تو وہ اسے لئیم کہتا ہے اور نثر کے نظم پر فوقیت کی دلیل نزول قران ہے کہ یہ نثر میں ہے اگر نظم کو کوئی شرف حاصل ہوتا تو یہ منظوم نازل ہوتا اور پھر حضور سرور عالم ﷺ کے زمانہ کو فصاحت کا زمانہ کہا جاتا ہے (اگر نظم کی کوئی شرافت ہوتی تو نظم کا زمانہ کہلاتا) کذا ذکرہ صاحب روضۃ الاخیار)

سوال اگر واقعی شرافت نثر میں ہے تو پھر کافروں نے حضور سرور عالم ﷺ کو شاعر اور قرآن کو شعر کیوں کہا۔

جواب کافروں کا گمان تھا کہ حضور ﷺ اپنی تبلیغ سے کچھ اجر وانعام کے طالب ہیں اسی لئے آپ کو ان کی تردید میں کہنا پڑا قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا (فرمایئے میں تم سے اجر وانعام نہیں مانگتا) اسی لئے کافروں نے سمجھا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام بمنزلہ شاعروں کے ہیں کہ جیسے وہ اپنی شعر گوئی سے مال بٹورتا ہے ایسے ہی (معاذاللہ) آپ کو بھی مال جمع کرنے کی فکر ہے اور چونکہ وہ شعر کو ایک معمولی شے سمجھتے ہیں اسی لئے قرآن کو اسی کھاتہ میں سمجھ کر اسے شعر کہہ دیا اور کہا کہ یہ قرآن کسی قطار میں نہیں۔

سوال اہل عرب شعر کو کب غیر معتبر شے سمجھتے بلکہ وہ تو اسے اعلی مرتبہ دیتے تبھی تو قصائد کو کعبہ معظمہ میں لٹکاتے (جیسے سبعہ معلقہ کی وجہ تسمیہ مشہور)

جواب یہ ان کے کمال عناد سے ہوتا یا شاعر کو بمنزلہ اہل خطابت سے سمجھنے والے پہلے دور کے لوگ تھے بعد والوں نے اسے غیر معتبر قرار دے دیا (اسے سمجھ لے یہ بیان سورہ یٰسین میں نہ تھا اس مقام پر ابھی میرے ذہن پر القاء

marfat.ocm

ہوا ہے)

نکتہ ابن الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اَمْ یَقُوْلُوْنَ الخ ترقی کے باب سے ہے کہ کافروں نے پہلے حضور سرور عالم ﷺ کو کاہن و مجنون کہا پھر شاعر کیونکہ شعر میں کہانت و جنون کی بہ نسبت جھوٹ کو زیادہ دخل ہے اسی لئے مقولہ مشہور ہے کہ احسن الشعر اکذبہ (وہ شعر زیادہ اچھا ہو گا جس میں جھوٹ زیادہ ہو گا) اسی لئے کافر کہتے کہ ہم رسول اکرم ﷺ کا اس لئے مقابلہ نہیں کرتے کہ کہیں وہ شعر سے ہم پر غلبہ نہ پالیں یعنی جھوٹ سے (معاذ اللہ) ہمیں صبر کرنا چاہئے اور اس کی موت کا انتظار کرنا چاہئے کیونکہ جیسے پہلے شعراء مر گئے یہ بھی مر جائیں گے تو پھر جس طرح پہلے شاعروں کی موت کے بعد ان کے رفقاء تتر بتر ہو گئے اس کے یاروں کا بھی یہی حال ہو گا یہ بھی ممکن ہے کہ جیسے اس کا باپ (حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جوانی میں فوت ہوا یہ بھی جوانی میں فوت ہو اسی لئے قرآن نے ان کی بات یوں بتائی کہ نتربص بہ ریب المنون (ہم اس کے لئے بری موت کا انتظار کرتے ہیں)

حل لغات التربص بمعنی الانتظار الریب بمعنی وہ شے جو نفوس میں قلق و اضطراب پیدا کرے حوادث دہر و انقلاب زمانہ سے اس تقریر پر ریب بمعنی رائب ہے یہ رابہ الدہر و ارابہ بمعنی اقلقہ سے ہے۔ بعض نے کہا اسے ریب اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ ایک حال پر نہیں رہتا۔ ریب بمعنی شک کی طرح وہ متزلزل رہتا ہے امفردات میں ہے کہ ریب الدہر بمعنی صروفہ اور ریب اس توہم کے لئے ہوتا ہے جو ناگوار امر سے ہو اور اسی میں ہے ریب بمعنی کسی شے میں کسی امر کا توہم پھر وہ وہم اس شے سے کھل جائے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا لاریب فیہ اور الارابتہ کسی شے میں ایسا شک کہ وہ کسی طرح سے منکشف نہ ہو اور یتربص بہ ریب المنون کو اس لئے ریب نہیں کہا گیا کہ اس کے ہونے میں شک ہے بلکہ اس حیثیت سے کہ اس کا حصول کے وقت شک ہے اس لئے کہ انسان موت کے حصول کے وقت میں شک میں ہے نہ کہ اس کے وقت یا اس کے ہونے میں اسے کسی قسم کا شک ہے۔ اسی قاعدہ پر شاعر نے کہا۔

الناس قد علموا ان لا بقاء لھم لو انھم عملوا مقدار ما علموا

ترجمہ لوگوں کو معلوم ہے یہ انہیں بقاء نہیں کاش وہ اپنے علم کی مقدار پر عمل کرتے۔

marfat.ocm

اور المنون بمعنی الدہر والموت واحسان جتلانے کے لئے بکثرت آتا ہے جیسے المنونہ وہ عورت جس سے نکاح کیا جائے اس کے مال کی وجہ سے تو وہ ہر وقت اپنے شوہر کو اپنے مال کا احسان جتلائے ایسے ہی المنانہ

فائدہ بعض نے کہا کہ آیت میں المنون بمعنی الموت ہے ریب سے اس کے دکھ درد مراد ہیں یہ دراصل فعول کے وزن پر ہے منہ سے ہے بمعنی قد اس لئے کہ جیسے دہر انسان کے قوٰی کو کاٹتا ہے ایسے ہی لور عمر کو کاٹتی ہے۔ المفردات میں ہے کہ المنون المنیتہ (الموت) کے لئے ہے اس لئے کہ موت عدد کو گھٹاتی اور مدد کو کاٹتی ہے اور ریب المنون منصوب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ کفار کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی موت کا انتظار کریں کہ یہ بھی مریں گے جیسے دوسرے شعراء (زہیر۔ نابغہ۔ طرفہ وغیرہم) مرگئے۔ یاہم ان کے لئے اوجاع الموت کا انتظار کریں کہ جیسے اس کا باپ جوانی میں فوت ہوا یہ بھی فوت ہو جائیں گے ان کی آرزو ایسے تھی جیسے بچے مکتب میں اپنے استاد کی موت کی تمنا کرتے ہیں تاکہ اس سے انہیں نجات ملے افسوس ہے اس بچے پر جو مکتب میں اپنے دینی استاد کی موت چاہتا ہے ایسا بچہ تحصیل الیقین سے محروم رہتا ہے۔

قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِیْنَ (فرمایئے انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں سے ہوں ﷲ میں تمہاری موت کا منتظر ہوں جیسے تم ہو یہ امر تہدیدی ہے)

حل لغات امام راغب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ التربص بمعنی کسی کا اپنے سامان کے لئے انتظار کرنا ہے کہ مہنگا ہو جائے یا کسی ایسے امر کا انتظار کہ جس کا زوال یا حصول مقصود ہو۔

فائدہ اس میں کفار کے ہلاک کرنے کا وعدہ کریمہ ہے۔ تفسیروں میں ہے کہ یہ سب کے سب رسول اللہ ﷺ کے وصال مبارک سے پہلے فوت ہوئے۔

فائدہ ہمارے دور کے بعض وزراء کا یہی حال ہوا جو بعض اولیاء کرام کی اہانت کرتے ہوئے انہیں شہربدر کر دیا اور اس کا خیال تھا کہ وہاں جاتے ہی مرجائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ خود وزیر بری موت مرا کہ نہ خود قتل

marfat.ocm

کیا گیا بلکہ اس کے ساتھ ہزاروں خلق خدا بھی ماری گئی۔

فائدہ آیت میں اشارہ ہے کہ امور میں انتظار کرنی چاہئے اور خلق خدا کو اللہ تعالیٰ اور توکل علی اللہ کی دعوت دینی چاہئے اور انہیں سمجھنا چاہئے کہ جو کچھ اس کا فیصلہ ہے اس کے سامنے سر تسلیم خم لازمی ہے اور اس کے احکام کو ماننا بھی ضروری ہے جو اس نے مقبولین اور مردودین کے لئے جاری کئے کیونکہ وہی ہوتا ہے جس کا ازل میں فیصلہ ہو چکا۔

اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ (کیا انہیں ان کے عقول حکم دیتے ہیں) ان کی باتوں کو چھوڑیئے جو ٹیڑھی اور متناقض باتیں بتاتے ہیں اور انہیں ان کی ان باتوں میں رہنے دیجئے جو ان میں اس سے بھی قبیح ترین ہیں۔ یعنی وہ سفہاء ہیں اور وہ اہل تمیز میں سے نہیں ہیں۔

حل لغات احلام بمعنی عقول۔ امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ درحقیقت علم عقل نہیں لیکن اہل تفاسیر اسے عقل سے تعبیر کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ علم عقل کے مسببات سے ہے العلم بمعنی ہیجان الغضب سے نفس و طبع کا ضبط کرنا لہٰذا ان متناقض باتوں کا اس لئے کہ کاہن تو سمجھ دار او دقیق النظر فی الامور ہوتا ہے اور مجنون کی عقل پر پردے ہوتے ہیں اور اس کی فکر میں خلل ہوتا ہے اور شاعر موزوں متسق اور خیال کر کے گفتگو کرتا ہے تو پھر تمام صفات ایک شخص میں کیسے جمع ہو سکتے ہیں۔

فائدہ احلام کی طرف امر کی نسبت مجازی ہے بوجہ علاقہ سببتہ ان کے متناقص کلام کی ادائیگی کی وجہ سے امر کی نسبت اس کی طرف ہوئی جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمایا اصلوتک تامرک ان نترک ما یعبد اباءنا (کیا تمہیں نماز حکم دیتی ہے کہ ہم وہ چھوڑ دیں جو ہمارے آباء و اجداد پوجا کرتے تھے) یہ کہ استعارہ مکنیہ کے طور کہا جائے کہ احلام امر کرتے ہیں الکواشی میں ہے کہ احلام کو آمرہ مجازاً کہا گیا ہے۔ چونکہ یہ ضعیف ہے اس لئے اس کی جمع جمع قلت پر آئی ہے۔

حل لغات القاموس میں ہے الحلم بالضم و بضمتین بمعنی رؤیا (خواب) اس کی جمع احلام ہے الحلم (بالکسر) بمعنی حوصلہ و عقل اس کی جمع حلام و حلوم ہے اسی سے ہے ام تامرھم احلامھم اس کی صفت حلیم اور اس کی جمع حلماء و احلام ہے۔

marfat.ocm

فائدہ چونکہ قریش خود کو عقل مند و دانش ور سمجھتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی تحقیر فرمائی کیونکہ ان کے عقول کو معرفت حق نصیب نہ ہوئی تو پھر وہ کیسے عقل مند و دانش ور ہوئے۔

فائدہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہا گیا کہ آپ کی قوم ایمان نہ لائی حالانکہ وہ عقلمند لوگ تھے آپ نے فرمایا کہ انہیں توفیق ایزدی نصیب نہ ہوئی۔

عقل کی تخلیق

حدیث شریف میں ہے جب اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا تو اسے فرمایا پیچھے ہٹ جا وہ پیچھے ہٹ گیا پھر فرمایا آگے ہو جا وہ آگے ہو گیا اور فرمایا کہ میں نے اپنے نزدیک تیرے سے بڑھ کر کوئی مخلوق پیدا نہیں فرمائی تیری وجہ سے میری عبادت ہو گی تیری وجہ سے کسی کو دوں گا اور تیری وجہ سے کسی کو پکڑوں گا۔

فائدہ حضرت ابو عبد اللہ المغربی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے عقل کو ایسے فرمایا تو اسے عجب پیدا ہو گیا تو اسے فوراً سزا دے دی اور کہا گیا ذرا توجہ سے دیکھ دیکھا تو اپنے سے بہتر شے نظر آئی پوچھا تو کون؟ کہا میں وہ نہیں کہ میرے بغیر تو قائم نہیں ہو سکے گا پوچھا تیرا کیا نام ہے کہا توفیق (ایزدی)
مثنوی شریف میں ہے۔

جز عنایت کشاید چشم را   جز محبت کے نشاند خشم را
جہد بے توفیق خود کس را مباد   در جہاں واللہ اعلم بالرشاد

ترجمہ ۱۔ عنایت ایزدی کے بغیر کون آنکھ کھول سکتا ہے محبت کے بغیر غضب الٰہی کون ہٹا سکتا ہے۔
۲۔ توفیق کے بغیر کسی کو جہان میں جدوجہد نصیب نہ ہو اللہ تعالیٰ ہی ہدایت کو خوب جانتا ہے۔

حکایت مروی ہے کہ صفوان بن امیہ نے فخراً کہا میں صفوان بن امیہ بن خلف بن فلاں ہوں اس کی خبر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچی آپ نے غضبناک ہو کر اس کی طرف آدمی بھیجا کہ اسے لے آئیں۔ جب وہ لایا گیا تو آپ نے فرمایا تجھے تیری ماں روئے تو نے کیا کہا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہیبت سے وہ نہ بول سکا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود فرمایا اگر تیرے پاس تقویٰ ہے تو سمجھ لے تجھ پر اللہ تعالیٰ کا کرم ہے اگر تیرے پاس صرف عقل ہے تو تیرے پاس ایک اصل ہے اگر تیرے پاس حسن خلق ہے تو تجھے مروت نصیب ہے ورنہ تو کتے سے بھی بد تر

marfat.ocm

ہے۔

اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ یا وہ سرکش لوگ ہیں جو ظہور حق کے باوجود وہ مکابرہ و عناد میں حد سے تجاوز کرنے والے ہیں وہ ہدایت و ارشاد اور سیدھے راستے کے قریب بھی نہیں جاتے اسی لئے وہ جو کچھ ہو سکتا جھوٹ بول دیتے ہیں جو عقل و گمان سے بھی باہر ہوتا ہے۔

یہی مذمت کو زیاں موزوں اور تسلی کے لئے یہی بلیغ تر ہے۔ اس لئے کہ جو بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے سرکشی کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں آگیا۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ (کیا وہ کہتے ہیں کہ یہ اس نے از خود گھڑا ہے) بری بات میں یہ زیادہ بلیغ کی طرف ترقی ہے وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے متعلق کہتے تھے کہ آپ معاذ اللہ قرآن از خود بنا کر کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یہ اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے (معاذ اللہ)

حل لغات التقول (تکلف سے بات کرنا) یہ اکثر جھوٹی باتوں میں مستعمل ہوتا ہے اب معنی یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن از خود بنایا ہے کفار کا ایسا کہنا سراسر غلط ہے۔

بل لا یومنون (بلکہ وہ ایمان نہیں لاتے) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔

فائدہ الارشاد میں ہے کہ وہ اپنے کفر و عناد کی وجہ سے ایسی جھوٹی باتیں کہتے تھے جیسا کہ سب کو اس بطلان کا علم ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ ایک عربی تھے لیکن ایسا کلام پیش کیا کہ جس کی نظیر عرب و عجم میں کوئی بھی نہیں پیش کر سکتا اور ان کے عناد کی طرف اشارہ فرمایا کہ وہ خود بھی بطلان کو جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم متناقض باتیں کہہ رہے ہیں۔

فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖ تو لائیں وہ کوئی ایسی ایک بات جو اس جیسی ہو) یعنی اگر ایسی بات جیسے ان کا گمان ہے کہ رسول اللہ کاہن یا مجنون یا شاعر ہیں (مَعَاذَ اللّٰه) اور رسالت کا دعوی جھوٹا کرتے اور قرآن از خود بناتے ہیں تو یہ لائیں قرآن مجید جیسا کلام جس میں قرآن مجید جیسا نظم و معنی ہو۔

فائدہ التکملہ میں ہے کہ مشہور یہ قرآۃ ہے کہ بحدیث مثلہ حدیث کی تنوین اور ضمیر کا مرجع قرآن ہے

marfat.ocm

فائدہ الجمدری سے مروی ہے کہ انہوں نے بحدیث مثلہ کو اضافت کے ساتھ پڑھا ہے اب ضمیر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف راجع ہوگی۔

اِنۡ کَانُوۡ صٰدِقِیۡنَ (اگر وہ سچے ہیں) اپنے گمان میں کیونکہ ان کا صدق اس امر کا داعی ہے کہ وہ قرآن جیسی کتاب لائیں کیونکہ ظاہری بشریت اور عربیت میں رسول اللہ کے ساتھ مشارکت رکھتے ہیں علاوہ ازیں انہیں خطبات واشعار میں طویل مہارت و ممارت بھی ہے اور اسالیب نظم و نثر کو بھی وہ خوب جانتے ہیں حفظ و وقائع وایام بھی انہیں خوب یاد ہیں اور ظاہر ہے شے پر قدرت شے کو لانے کے موجبات سے ہے اور امر کے اسباب بھی اسی طرح تقاضا کرتے ہیں۔

فائدہ قرآن کا اعجاز الفاظ کی وجہ سے ہے کہ اس میں فصاحت و بلاغت ہے اور معنی کی وجہ سے بھی اور مادہ الفاظ سے نہیں کیونکہ مادہ الفاظ تو وہی ہے جو عرب کے الفاظ کا ہے کہ اس کے بھی وہی الفاظ ہیں جو اہل عرب کے ہیں اس لئے فرمایا قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا اس میں تشبیہ ہے کہ عنصر میں متحد ہیں (کلام عرب اور قرآن) کیونکہ اس کی عبارات کی نظم وہی ہے جس سے اہل عرب اپنی عبارات بناتے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید لفظ اور معنی ہر دونوں لحاظ سے معجزہ ہے کیونکہ یہ بلغاء کے کلام سے بلاغت کے حد کمال میں ممتاز ہے۔

بلاغت کے بارہ وجوہ ۱۔ ایجاز اللفظ ۲۔ التشبیہ القریب ۳۔ الاستعارہ البدیعہ ۴۔ تلاؤم الحروف و الکلامات ۵۔ فواصل الآیات ۶۔ تجانس الالفاظ ۷۔ تعریف القصص والاحوال ۸۔ تضمین الحکم والاسرار ۹۔ البالغہ فی الاسماء والافعال ۱۰۔ حسن البیان فی المقاصد والاغراض ۱۱۔ تمہید المصالح والاسباب ۱۲۔ الاخبار عما کان ومایکون۔ (جو ہو اور ہو گا سب کی خبر دینا)

اَمۡ خُلِقُوۡا مِنۡ غَیۡرِ شَیۡءٍ (یا وہ غیر شے سے پیدا کئے گئے ہیں) من ابتداء الغایت کا ہے یعنی یا وہ پیدا کئے گئے ہیں اور اس تقدیر بدیع و شکل عجیب بغیر پیدا کرنے والے کے پیدا کئے گئے ہیں اس معنی پر من سببیۃ ہے۔

فائدہ الکاشفی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کیا وہ بغیر کسی شے کے پیدا کئے گئے ہیں یعنی ماں باپ کے بغیر مطلب یہ ہے کہ آدمی اور آدمی زادے ہیں پتھر نہیں کہ کچھ نہ سمجھ سکیں

اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ یا وہ خالق ہیں اپنی ذاتوں کے اسی لئے وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے۔

اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَّا یُوْقِنُوْنَ (کیا انہوں نے زمین و آسمان پیدا کئے بلکہ وہ یقین نہیں رکھتے) یعنی جب ان سے سوال ہو کہ تمہیں اور آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا تو کہیں گے اللہ لیکن جو کچھ کہتے ہیں اس پر ان کا یقین نہیں ورنہ وہ اللہ کی عبادت سے روگردانی نہ کرتے الایقان بمعنی گمان ہونا (یقین کرنا)

اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ کیا ان کے پاس تیرے پروردگار کے خزانے ہیں۔

حل لغات خزائن خزانہ (بالکسر) کی جمع ہے بمعنی خزن کی جگہ اہل عرب کہتے ہیں خزن المال بمعنی احروزہ یعنی اسے جمع کیا اور اسے خزانہ میں رکھا۔

فائدہ یہاں مضاف محذوف ہے دراصل خزائن رزقہ ورحمتہ تھا یعنی ان کے تیرے پروردگار کے رزق و رحمت کے خزانے ہیں یہاں تک جسے بنوت دے جس سے چاہیں روک دیں یعنی کیا ان کے پاس اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت کے خزانے ہیں یہاں تک کہ وہی اختیار کرتے ہیں جہاں اس کی حکمت کے اختیار کا تقاضا ہے۔

اَمْ هُمُ الْمُصَیْطِرُوْنَ کیا وہ جملہ امور پر غالب ہیں کہ جیسے چاہیں اس کی تدبیر بنائیں یہاں تک کہ امور ربوبیت کی تدبیر کرنا چاہیں تو کریں اور امور کو اپنے ارادہ و مشیت پر جس طرح چاہیں بیان کریں۔

فائدہ عین المعانی میں ہے کہ کیا یہ رب ہیں اور لوگوں پر مسلط ہیں جو اپنے ارادوں پر جیسے چاہیں انہیں مجبور کریں۔

حل لغات اَلْمُسَیْطِرُوْن کا مادہ المسطر ہے گویا وہ مسلط علیہ پر ایسی لکیر کھینچ دیتے ہیں کہ وہ اس سے آگے تجاوز نہ کریں کشف الاسرار میں ہے کہ المسیطر بمعنی وہ مسلط قاہر جو کسی کے امر و نہی کے ماتحت نہ ہو وہ خود مختار ہو وہ جس طرح چاہے کرے۔ تصیطر (بالسین والصاد) علی فلاں بمعنی مسلط ہے۔ القاموس میں ہے کہ المسیطر بمعنی الرقیب الحافظ والمتسلط اور المسطر بمعنی الصّف من شیٔ اور الکتاب والشجر اور اس کے خط میں تبدیلی کی ہے یعنی

marfat.ocm

اور تصیطر و تسیطر کا ایک ہی معنی ہے۔

اَمۡ لَهُمۡ سُلَّمٌ (کیا ان کے لئے سیڑھی ہے) جو آسمان کی طرف نصب کی گئی ہے یعنی کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے کہ جس پر چڑھ کر آسمان تک پہنچ جاتے ہیں۔

حل لغات امام راغب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ السلم بمعنی وہ شے کے ذریعے اونچے مکانوں پر چڑھا جا سکے (جسے سیڑھی۔ لفٹ وغیرہ) جس سے سلامتی کی امید رکھی جا سکے اب عام ہے اس شے کے لئے جو سبب بنے اونچی شے تک پہنچنے کا جس قسم کا سبب بھی ہو۔

ربط ابن الشیخ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے جمیع احتمالات عقلیہ کو باطل فرمایا کہ ان کے ہاں کوئی بھی ایسی تدبیر نہیں جس سے وہ رسول اللہ اکرم ﷺ کی تکذیب اور آپ کی نبوت کا انکار کر سکیں تو باقی ایک ذریعہ رہتا تھا وہ ہے سماع و مشاہدہ از خدا اور وہ ان کے لئے سب سے بڑا استحالہ (محال) ہے اسی لئے اب بطور تہکم فرمایا کہ کیا ان کے پاس آسمان پر چڑھنے کی سیڑھی ہے کہ جس پر چڑھ کر یستمعون فیہ یستمعون الصعود کے معنی کو متضمن ہے اسی لئے لفظ فی سے اسے استعمال کیا گیا ہے۔

ترکیب فیہ محذوف کے متعلق ہے اور یستمعون سے حال ہے یعنی وہ سنتے ہیں اس سیڑھی میں چڑھتے ہوئے اور یستمعون کا مفعول محذوف ہے وہ ہے الی کلام الملائکتہ وما یوحی الیھم من علم الغیب الخ وہ کلام ملائکہ اور وحی اعلم غیب جو ان کی طرف وحی جاتا ہے کو سنتے ہیں یہاں تک کہ جان لیتے ہیں جو امور ہونے والے ہیں جو یہ جھوٹا افتراء کرتے بکواسیں کر رہے ہیں۔ اور خالی خیالی باتوں پر آس لگائے بیٹھے ہیں یعنی ان کے پاس ان امور میں کچھ بھی نہیں فلہذا یہ اپنی باتوں میں جھوٹے کذاب ہیں)

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ فیہ بمعنی علیہ ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے قول فی جذوع النخل میں فی بمعنی علی ہے۔

فَلْيَأْتِ تو لائے باء جو آنے والی ہے وہ تعدیہ کی اور امر تعجیز کا ہے۔

مستمعھم ان کا سننے والا جو دعوی کر کے کہے کہ میں آسمان پر گیا اور فلاں غیبی بات سن لی ہے۔ بسلطٰن

marfat.ocm

مبین دلیل کھلی۔ ایسی واضح دلیل لائے جس سے اس کے سننے کی تصدیق کرے یعنی ایسی روشن حجت لائے جو اس کی گواہی دے کہ واقعی اس نے آسمان سے فلاں غیبی بات سنی ہے۔

اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ کیا اس کے لئے لڑکیاں اور تمہارے لئے لڑکے ہیں) یہ ان کے لئے ایک عقیدہ کا انکار ہے وہ یہ کہ انہوں ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں سمجھ رکھا تھا جس سے انہیں خود بھی نفرت اور سخت کراہت تھی یا ان کی بیوقوفی و سفاہت کا اظہار ہے اور ان کی کم عقلی کا واضح اور بین ثبوت ہے اور واضح کرنا ہے کہ جن لوگوں کا ایسا عقیدہ ہو انہیں عقلمند سمجھنا کیسا پھر ایسے لوگوں کا عالم ملکوت کی طرف پہنچنا کب ممکن ہے اور وہ اسرار غیبیّہ کیا سمجھ سکیں گے جب کہ وہ اپنے خالق کو اپنے سے بھی کمتر سمجھیں کہ جو شے انہیں خود پسند نہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ اور جب ان کے کسی کو اس کے گھر میں لڑکی کی پیدائش کی خبر سنائی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا اور وہ غصہ پینے والا ہوتا ہے) لیکن وہ لڑکی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے کو بعید از قیاس نہیں سمجھتا اس طرح ان کے احمقانہ اقوال بے شمار ہیں یہاں خطاب کی طرف التفات تشدید کے لئے ہے کہ یہ بہ نسبت اس کے زیادہ شدید ہے جو غائب کے صیغہ میں ام منقطعہ انکار و توبیخ لایا گیا۔

اَمْ تَسْئَلُهُمْ اَجْرًا (کیا تم ان سے اجر مانگتے ہو) اس میں رسول ﷺ سے خطاب کی طرف رجوع اور ان سے اعراض ہے یعنی اے حبیب کریم ﷺ کیا آپ ان سے تبلیغ رسالت پر ان سے کوئی تاوان یا اجر کا سوال کرتے ہیں فهم تو وہ اسی وجہ سے من مغرم تاوان سے بھی سخت تاوان کے التزام سے۔

حل لغات المغرم مصدر میمی بمعنی الغرم ہے یہاں مضاف مقدر (محذوف) الکشاف میں ہے الغرم ہر وہ شے جو کسی پر لازم کی جائے جو اس پر لازم نہ ہو فتح الرحمن میں ہے وہ شے جس کی ادائیگی ضروری ہو۔ المفردات میں ہے الغرم وہ جو انسان پر ضرر کے طور مال کا تاوان مقرر کیا جائے بغیر اس کے کہ اس سے کسی قسم کا جرم صادر نہ ہوا ہو ایسے ہی المغرم اور الغریم کا اس پر اطلاق ہوتا ہے جس کا کسی پر قرض ہو یا جس پر کسی کا قرض ہو۔

مثقلون (بوجھل ہیں) ان پر بار گراں ہے اسی لئے آپ کی اتباع نہیں کرتے غرضیکہ ان کے ہاں کوئی عذر نہیں یاد رہے کہ دین دنیا کے عوض نہیں بیچا جا سکتا۔

marfat.ocm

زیاں می کند مرد تفسیر دان		کہ علم و ادب می فروشد بنان

ترجمہ وہ تفسیر دان (مولوی) نقصان کر رہا ہے جو علم و ادب کو روٹی کے عوض بیچ ڈالتا ہے۔

فائدہ ہر اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم ہے جیسا کہ فرمایا کہ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ نہیں ہے کوئی اجر مگر وہ اللہ تعالیٰ پر ہے اس کی متعدد مقلات پر تحقیق ہو چکی ہے۔

اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَیْبُ کیا ان کے پاس غیب ہے یعنی لوح محفوظ ہے کہ جس پر غیوب مثبت ہیں فَهُمْ یَکْتُبُوْنَ تو (جو اس میں سے ہے) وہ لکھ لیتے ہیں یہاں تک کہ وہ اثبات و نفی میں سے جو کچھ بولتے ہیں اسی سے بولتے ہیں۔

حضرت علامہ کاشفی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پھر وہ لکھتے ہیں جو رسول اکرم ﷺ کی خبریں ہیں۔ از امر قیامت و بعث کہ وہ باطل ہیں (معاذ اللہ) یا لکھتے ہیں کہ آپ کی موت کب واقع ہو گی۔

اَمْ یُرِیْدُوْنَ کَیْدًا (کیا وہ مکر و حیلہ کا ارادہ رکھتے ہیں) یعنی وہ ان مقلات فاسدہ پر اکتفا نہیں کرتے ہیں ساتھ ہی ارادہ رکھتے ہیں کہ آپ کے ساتھ مکر و فریب اور بری تکلیفیں پہنچائیں جیسا کہ انہوں نے دار الندوہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکر و فریب کا پروگرام بنایا کہ وہ آپ کو شہید کر دیں یا قید میں ڈال دیں یا شہر بدر کر دیں۔

حل لغات الکید وہ امر جو جس پر نازل ہوئے اسے تکلیف پہنچائے فی نفسہ وہ فعل حسین ہو یا قبیح۔

فائدہ اس معنی پر معطوف میں استفہام تقریری اور معطوف علیہ میں انکاری ہے بعض نے کہا کہ الکید ایک قسم کے حیلے کا نام ہے التعریفات میں ہے کہ الکید بمعنی خفیہ طور کسی کے لئے ضرر رسائی کا ارادہ کرنا اگر اس کی نسبت مخلوق کی طرف ہو تو یہ حیلہ سیۂ ہو گا اگر اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو بمعنی حق کی تدبیر تاکہ مخلوق کو اعمال کی سزا دی جائے۔

فائدہ حضرت سعدی المفتی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ بھی اخبار از غیب ہے اس لئے کہ یہ سورت مکیہ ہے اور کفار کا مکر و فریب شب ہجرت میں واقع ہوا۔

سوال ممکن ہے کہ یہ سورت (طور) اسی رات نازل ہوئی ہو۔

جواب حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ثابت ہے کہ اس کے بعد مکہ معظمہ میں سورۃ الملک نازل ہوئی ہے بلکہ اس کے علاوہ دیگر اور سورتیں بھی (فلہذا ثابت ہوا کہ سورت طور پہلے نازل ہوئی اور یہ خبر غیبی ہے اور یہ بھی مافی الغد کے علوم میں سے ایک ہے جسے وہابی دیوبندی شرک سے تعبیر کرتے ہیں تفصیل کے لئے دیکھئے فقیر کی کتاب نور الہدیٰ فی علوم مَاذَا تَکْسِبُ غَدًا) اویسی غفرلہ)

فَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا ھُمُ الْمَکِیْدُوْنَ (تو کافر خود ہی مکرو فریب کی زد میں آگئے) یہ قصر اضافی ہے یعنی جنہوں نے آپ کو مکرو فریب میں پھنسا چاہا وہ خود مکرو فریب کے گھیرے میں آگئے یا مکرو فریب کا وبال ان کی طرف لوٹے گا نہ وہ ذات کہ جس کے لئے انہوں نے مکرو فریب کے پروگرام بنا رکھے ہیں کیونکہ یہ ذات ان پر غالب اور غالب رہے گی قولاً بھی فعلاً بھی حجت کے لحاظ سے بھی تلوار سے بھی۔ یا یہ کہ وہ کفار مغلوب ہوں گے یہ الکید سے ہے مثلاً کہا جاتا ہے کہ ہدتہ کدتہ اور مراد یوم بدر ہے اسی دن ان کے بڑے۔ بڑے کافر مارے گئے یہاں تک کہ ابو جہل بھی۔ یعنی ان کے ساتھ یہ خفیہ تدبیر کلمات ام کی گنتی کے مطابق کے سالوں کے انتظار پر ہوگی چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ واقعہ بدر ہجرت کے دوسرے اور نبوت کے پندرھویں سال میں ہوا (اور یہ بھی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے علم غیب مافی الغد کی دلیل ہے)

اَمْ لَھُمْ اِلٰہٌ غَیْرُ اللّٰہِ کیا ان کا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود ہے جو ان کی مدد کرے اور انہیں عذاب سے بچائے۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کی تنزیہ ہے۔ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ اس میں سے جو اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں اس معنی پر ما مصدریہ ہوگا یا معنی یہ ہے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ ہے ان کی اس شرکت سے جو اس کے ساتھ شریک بناتے ہیں اس معنی پر ما موصولہ ہوگا اور مضاف عائد کی طرح مقدر ہوگا۔

بر ذیل عزتش ننشیند غبار شرک   باوحدتش کے دم شرکت چہ سان زند
ہر گاہ افگنند بو منعش خیال را   دست کمالش آتش غیرت دراں زند

ترجمہ اس کی عزت کے دامن پر شرک کی غبار نہیں بیٹھتی اس کی وحدت کے ساتھ طاقت ہے کہ وہ شرکت کا

جب وہ اس کے وصف سے کوئی خیال بھی لاتے ہیں تو اس کے کمال کا ہاتھ وہاں پر آتش غیرت ڈال دیتا ہے۔

وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا (اور اگر دیکھتے ہیں کوئی ٹکڑا) مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا (آسمان سے ان پر گرنے والا ان کے عذاب کرنے کے لئے)

فائدہ عین المعانی میں ہے ٹکڑا عذاب کا یا ٹکڑا آسمان کا یا اس کی جانب سے۔

حل لغات الکسف سے ہے بمعنی التغطیۃ (ڈھانپنا الکثوف کی طرح) القاموس میں ہے الکسفۃ (بالکسر) بمعنی شے کا ٹکڑا اس کی جمع کسف و کسف آتی ہے المختار میں ہے کہ الکسف والکسفۃ ایک شے ہے۔

يَّقُوْلُوْا کہیں گے اپنی بہت زیادہ سرکشی اور عناد کی وجہ سے۔

سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ بادل ہے تہ بہ تہ گاڑھا یا ایک دوسرے پر جمع شدہ یعنی وہ ایسی سرکشی میں ہیں کہ اگر ہم ان پر ان کے کہنے پر گرا دیں جیسے وہ کہتے ہیں اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا یا تو ہم پر آسمان گرا دے جیسے تیرا گمان ہے تو کہیں گے یہ گاڑھا بادل ہے کہ اس نے ایک دوسرے مل کر ہمارے اوپر بارش برسائے آرہا ہے اس کی تصدیق ہرگز نہ کریں گے کہ یہ ٹکڑا عذاب کا گرنے والا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ بیشک اگر وہ کوئی آیت دیکھیں تو اس پر ایمان نہیں لائیں گے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیں یہاں تک کہ وہ اسے آنکھوں سے دیکھیں تو قَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا کہیں گے ہماری آنکھوں پر جادو کیا گیا ہے یہ معائنہ و مشاہدہ نہیں۔

تفسیر عالمانہ فَذَرْهُمْ تو انہیں چھوڑیئے ان سے جنگ نہ کیجئے اس لئے کہ ابھی تم جنگ پر مامور نہیں ہوئے فلہذا ان سے بدلہ نہ لیجئے۔

حَتّٰى يُلٰقُوْا (یہاں تک کہ ملیں) معائنہ کریں اور آنکھوں سے دیکھیں۔ يَوْمَهُمُ (اپنے دن کو) مفعول بہ ہے ظرف نہیں۔

الَّذِىْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ (وہ کہ جس میں بیہوش کئے جائیں گے) ہلاک و تباہ ہوں گے یہ بصیغہ مجہول ہے۔

marfat.ocm

حل لغات یہ صعقتہ الصاعقۃ (اسے کڑک نے ہلاک کیا) سے ہے یا اصعقتہ سے ہے بمعنی اماتہ (اسے مار ڈالا اور ہلاک و تباہ کیا) المختار میں ہے کہ صعق (بالکسر) الرجل صعقتہ وہ شخص کہ جس پر بیہوشی طاری کی گئی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَصَعِقَ مَنْ فِي الْأَرْضِ تو وہ جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں مرجائیں گے اور اس سے وہ دن مراد ہے کہ جس میں انہیں قتل سے موت نے گھیرا یعنی یوم بدر اس سے نفخۂ اولیٰ مراد نہیں جیسے بعض مفسرین نے سمجھا ہے اس لئے کہ اس وقت ہر زندہ آدمی نے مرنا ہے۔

فائدہ ابن الشیخ نے فرمایا کہ اس جواب مذکور میں اشارہ ہے کہ جو لوگ عنقریب مغلوب ہوں گے حجۃ الاسلام سن کر مبہوت ہوں گے اور ان پر طعن و تشنیع عناد و مکابرہ سے بھی نہیں کیونکہ اگر ہم ان کی ہر طلب اور سوال کا جواب دیتے جائیں تو ان سے بھی عناد و مکابرہ کے سوا کچھ ظاہر نہ ہو گا اسی لئے ان کی طلب کو فذرھم سے کہہ کر ان کو اپنے حال پر چھوڑ دینے کا حکم فرمایا ہے۔

يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا (اس دن انہیں ان کی کوئی تدبیر نہ بچا سکے گی یعنی انہیں عذاب سے بچانے کی کوئی تدبیر کام نہ دے گی خلاصہ یہ کہ اس دن انہیں ان کو کوئی تدبیر فائدہ نہ دے گی وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ اور نہ مدد دیئے جائیں گے۔ ان سے رفع عذاب میں غیر سے انہیں کوئی مدد نہ پہنچ سکے گی۔

وَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا اور بیشک ظالموں کے لئے یعنی ان ظالموں (ابو جہل اور ان کے ساتھیوں کے لئے۔ عَذَابًا دیگر عذاب ہے دُونَ ذَٰلِكَ اس کے سوا یعنی اس کے سوا جو انہیں بدر میں قتل سے پہنچا ہے یا اس سے قبل جو قحط میں سات سال مبتلا رہے جیسے سورہ دخان میں گزرا ہے یا اس سے قبر کا عذاب مراد ہے اور اس کے ما بعد سے عذاب آخرت۔

وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ اور لیکن ان کے اکثر لَا يَعْلَمُونَ معاملہ کو نہیں جانتے جیسے مذکور ہوا کیونکہ یہ جہالت اور غفلت میں بڑھے ہوئے ہیں یا یہ معنی ہے کہ یہ قطعاً صفر ہیں بالکل کوئی شے جانتے ہی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ سب کچھ جاننے کے باوجود پھر بھی کفر پر بوجہ عناد اصرار کرتے ہیں اسی لئے کہا جاتا ہے کہ بے عمل عالم اور جاہل برابر ہیں۔

marfat.ocm

فائدہ بعض اکابر نے فرمایا کہ علم دو ہیں۔

۱۔ اس کی غذا کی طرح ضرورت ہے اسی لئے اسے اتنا حصول ضروری ہے جتنا غذا اسے زندگی بسر کی جاسکتی ہے وہ ہیں احکام شرعیہ ان کا ضرورت کے مطابق یاد رکھنا ضروری ہے یعنی زندگی میں جس شعبہ سے تعلق ہے اس شعبہ کے مسائل و احکام شرعیہ سیکھنا لازم ہے مثلاً تاجر کو تجارت کے وغیرہ وغیرہ۔

۲۔ وہ علم کہ جس کی کوئی حد نہیں وہ ہے کہ جس کا عرفان الٰہی سے تعلق ہے ایسے ہی قیامت کے متعلقات کا علم اس لئے کہ قیامت کے ہر موطن کا علم انسان کو اس کی استعداد کے لائق بنائے گا اس لئے کہ ان مواطن میں بلندی مراتب صرف اور صرف حق تعالیٰ کی ذات کا وسیلہ ہیں یہی قیامت کا دن ہے (اسی لئے ذات کے علم کے ساتھ اس کے وسیلہ کا علم بھی لازمی ہوتا ہے)

سبق عقل مند پر لازم ہے کہ کامل آگاہی حاصل کرے اور خود کو قیامت کے سوالات پر جوابات کے لئے تیار رکھے یعنی اسے علم ہو کہ قیامت میں فلاں موطن پر مجھ سے سوال ہو گا تو میں نے اس کا یہ جواب دینا ہے کیونکہ جوابات صحیحہ کے بعد ہی بہشت نصیب ہوگی اور بہشت ہی تو دیدار الٰہی کا وسیلہ ہے اسی لئے ہم قیامت کے متعلقات کا علم ذات باری تعالیٰ کے علم کے ساتھ لاحق کیا ہے۔

مسئلہ آیت میں عذاب قبر کا اثبات اس لئے کہ اللہ تعالیٰ بعد مکلف کو قبر میں زندہ کر کے اس میں دنیوی عقل ڈالے گا تاکہ وہ سمجھ سکے گا کہ اسے کس طرح کا سوال ہو رہا ہے اور وہ اس کا کیا جواب دیتا ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکیرین سے سوال

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب رسول ﷺ نے فتنہ میت فی القبر کی خبر دی (کہ قبر میں ہر میت سے آزمائش ہوگی) اور اس سے منکر نکیر سوال کریں گے اور منکر نکیر دو فرشتے ہیں تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیا قبر میں ہمیں عقل لوٹا دی جائے گی یا نہ آپ نے فرمایا لوٹا دی جائے گی حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ پھر میں ان سے نپٹ لوں گا بخدا خود میں ان سے سوال کروں گا اور کہوں گا میرا رب تو اللہ تعالیٰ ہے بتاؤ تمہارا رب کون ہے۔

marfat.ocm

منکرین حدیث اور عذاب قبر ملحدین اور بعض وہ لوگ جو اسلام کا دعوی کر کے فلاسفہ سے مذہبی رشتہ جوڑتے ہیں۔ (جیسے نیچری۔ چکڑالوی۔ پرویزی وغیرہ) عذاب قبر کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

ابو جہل کا قبر میں برا حال کسی (عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما)[1] نے دیکھا کہ میدان بدر میں (جہاں وہ مقتول ہو کر گڑھے میں مدفون ہوا) گڑھے سے باہر نکلا اور اس کے گلے میں آگ کی زنجیر ہے جس کے کنارے سیاہ سانپ نے تھامے ہوئے تھے۔ گڑھے سے نکلتے ہی پانی مانگا پھر اسے سانپ نے سخت جھٹکا دے کر گڑھے میں داخل کیا۔

فائدہ عذاب قبر گناہوں کی مناسبت سے مختلف طریق سے ہوتا ہے اکثر عذاب قبر پیشاب کے قطرات سے ہوتا ہے اس سے بچنا لازم ہے۔

فائدہ عذاب قبر کو تمام جاندار سن لیتے ہیں سوائے جن و انسان کے۔

عذاب قبر سے بچنے کی دعا حضور نبی پاک ﷺ اکثر یہ دعا پڑھا کرتے۔

اللھم انی اعوذبک من عذاب القبر و من عذاب النار و من فتنة المحیا والممات و من فتنة المسیح الدجال

عذاب قبر سے نجات کے اسباب اہل ایمان کو قبر کی ہولناکیوں اور اس کے فتنے سے پانچ چیزیں نجات بخشتی ہیں۔

۱۔ جہاد کے میدان میں حاضری اگرچہ شب و روز۔ ۲۔ راہ خدا میں شہید ہونا۔ ۳۔ سورۃ الملک (جو اسے روزانہ پڑھے گا اسے فتنہ قبر سے امان نصیب ہو گی۔ ۴۔ پیٹ کی بیماری سے موت آنے پر قبر کا عذاب نہیں ہو گا اس سے اسہال اور دست چل جانے والی بیماری مراد ہے۔ ۵۔ وقت سعید (نصیب) حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن یا رات میں مرے گا وہ قبر کے فتنہ سے محفوظ رہے گا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں لغزشوں سے بچائے اور خلل سے محفوظ رکھے اور قبر و قیامت

---

[1] (الحاوی للفتاوی ۲)

marfat.ocm

میں امن و سلامتی سے رکھے اور موت کے وقت ہمیں اپنی رحمت کی خوشخبری سے نوازے اور فضل و کرم بخشے۔ (بجاہ النبی الامین والانبیاء والمرسلین والملائکۃ المقربینؑ)[1]

تفسیر عالمانہ وَاصۡبِرۡ لِحُكۡمِ رَبِّكَ (اور اپنے رب کے حکم کے لئے صبر کیجئے) کہ انہیں موعود یوم تک مہلت دی جارہی ہے اور آپ پر باوجود یہ کہ دکھ درد اور غم و الم شدید برس رہے ہیں اور وہ بھی دشمنوں کے سامنے تو کوئی حرج نہیں آپ ان کے مکر و فریب سے تنگی محسوس نہ فرمایئے۔

فائدہ اللہ تعالیٰ کا اپنے حبیب اکرم ﷺ کو کفار کے ایسے ظلم و ستم پر بھی صبر کی تلقین میں حکمت ہے (نہ اس معنی پر کہ کفار آپ کو ستاتے رہیں اور خاموش رہیں تاکہ جی بھر کر ظلم کرلیں) کیونکہ صبر میں ایسی لذت ہے کہ کفار کی اذیتیں اور ان کے ظلم و ستم اس کے سامنے ہیچ ہیں۔ کیونکہ صبر کا حکم جس ذات نے فرمایا وہ ذات کیسی ہے (اسے اچھی طرح سمجھ لے)

فَاِنَّكَ بِاَعۡيُنِنَا تو آپ میری نگرانی اور حفاظت و حمایت میں ہیں آپ جہاں بھی ہوں ہم آپ کی نگرانی اور حفاظت فرماتے ہیں۔ اعین (عین کی) جمع ضمیر کے لئے ہے اس میں حفاظت میں خصوصی توجہ اور کثرت اسباب کا اظہار ہے تاکہ حبیب و کلیم کے درمیان فرق معلوم ہو کہ کلیم کے لئے ضمیر اور لفظ عین واحد لایا گیا ہے چنانچہ فرمایا لتصنع علی عینی

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ازل میں تیرا کوئی حکم نہیں کیونکہ ہماری ازلی حکم کسی قسم کا تغیر نہیں اس پر صبر کرو یا نہ ہاں اگر میرے فیصلہ پر صبر کرو گے تو صابرین جیسا بے شمار ثواب پاؤ گے کیونکہ تم میری نگرانی میں ہو اسی لئے اپنے ازلی احکام کے لئے صبر کرنے پر ہم تمہاری مدد کریں گے جیسا کہ فرمایا واصبر وماصبرو الا اللّٰہ صبر کیجئے اور صبر صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔

نکتہ حضرت البقلی قدس سرہ عرائس البیان میں فرمایا کہ ربک صیغہ غیبت سے اس لئے ہے کہ اس وقت

---

[1] (یہ صاحب روح البیان ص ٢٠٦ ج ٩ کے اپنے کلمات ہیں۔ بفضلہ تعالیٰ ہم اہلسنت بھی اپنی دعاؤں کے آخر میں ایسے کلمات کا اضافہ کرتے ہیں جنہیں وہابیہ شرک سے تعبیر کرتے ہیں (هُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَعۡقِلُوۡنَ) اویسی غفرلہ)

آپ مقام تعرفتہ العبودیت میں تھے اور رسالت حالت مشقت کی مقتضی ہے اسی لئے آپ کو اللہ تعالیٰ نے صبر کا حکم فرمایا جب آپ پر یہ حال ثقیل محسوس ہوا تو پھر مقام غیبت سے مقام مشاہدہ میں اپ کو بلایا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا فانک باعیننا یعنی جریان احکام میں آپ کو ٹیڑھے پن سے ہم خود محفوظ رکھیں گے یہاں تک کہ آپ ہمارے لئے ہمارے میں مستقیم رہیں گے اور ہم آپ کو نعت محبت و عشق کے ساتھ جمیع عیون صفات و ذات سے دیکھیں گے اور انہی سے ہم شوق سے تجھے دیکھا کریں گے اور اپنی خصوصی نگرانی سے اپ کی نگرانی کریں گے یہاں تک حدوث کی کوئی شے اپ کو ہم سے متغیر نہ کر سکے گی اور آپ سے ہم تمام قہر کے طوق ہٹالیں گے کیونکہ اپ ہماری محبت والی آنکھوں میں ہیں بلکہ آپ ہمارے الطاف کی گود میں ہیں۔

سبق غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے لئے اعین کا ذکر فرمایا اس لئے کہ جسم میں آنکھوں سے بڑھ کر کوئی شے بزرگ برگزیدہ نہیں اور جو اللہ تعالیٰ کا خاص ہو گیا وہ اس کی حفاظت میں آگیا اور جو حفاظت میں آیا تو اسے مشاہدہ نصیب ہو گیا اور جسے مشاہدہ نصیب ہوا وہ خود ذات سے جڑ گیا بلکہ اس سے واصل اور غیر سے منقطع ہو گیا اور جو غیر سے منقطع ہو گیا اسے وہ عیش نصیب ہو گا۔ جو ربانی لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔

حکایت ایک ولی اللہ کہتا ہے کہ میں ایک دفعہ حضرت ابراہیم بن ادہم قدس سرہ کے ہاں تھا تو لوگوں نے شکایت کی کہ اے ابو اسحق شیر نے ہمارا راستہ روک رکھا ہے شیر کے پاس حضرت ابراہیم تشریف لائے اور فرمایا اے ابو الحارث اگر تجھے ہمارے لئے حکم ہے تو کر جو تجھے حکم ہوا ہے اگر تجھے ہمارے متعلق کوئی حکم نہیں تو ہمارے راستہ سے ہٹ جا شیر سن کر راستہ سے ہٹ گیا بلکہ بڑبڑاتا ہوا چلا گیا=

فائدہ المملہ سینے میں آواز کا دہرانا اس پر تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ صبح و شام یہ دعا کیوں نہیں پڑھتے۔

اللھم احرسنا بعینک التی لاتنام واحفظنا برکنک الذی لایرام وارحمنا بقدرتک علینا فلا تھلکو انت ثقتنا ورجائنا

ترجمہ اے اللہ تعالیٰ اپنی اس حفاظت سے محفوظ فرما جو کبھی غافل نہیں ہوتی اور اپنی طاقت سے محفوظ رکھ جسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اور اپنی قدرت سے ہم پر رحم کر اور ہمیں ہلاک نہ کر تو ہمارا بھروسہ اور ہماری امید ہے۔

حکایت حضرت الخواص رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ میں مکہ معظمہ کو جا رہا تھا کہ ایک ویرانہ میں رات کو پہنچا اس میں بہت بڑے شیر اور درندے جانور تھے مجھے خوف ہوا اچانک ہاتف نے آواز دی گھبرائیں نہیں تیرے گرد ستر ہزار فرشتے نگرانی کر رہے ہیں۔

فائدہ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ ممکن ہے یہ مخصوص حفاظت مخصوص دعاؤں کے ورد کی وجہ سے ہو جس پر وہ التزام فرماتے تھے۔

وظیفہ حفاظت از بلیات وغیرہ حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص صبح کے وقت پڑھ لیا کرے اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطٰن الرجیم سہ ۳ بار اور تین آیات آخر سورۃ الحشر ھو اللہ لذی لا الہ الا ھو الخ تو اس کی ستر ہزار فرشتے نگرانی کرتے ہیں اسی طرح شام کو پڑھ لیا کرے تو بھی اس کی ستر ہزار فرشتے نگرانی کریں گے۔

فائدہ ممکن ہے کہ حضرت خواص کی یہ حفاظت اس لئے ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب تھے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

گنبد خضراء پر ملائکہ کی حاضری نبی پاک ﷺ کے مزار اقدس پر ہر صبح کو ستر ہزار فرشتے اترتے ہیں۔ جو مزار پر شام تک پر پھیلائے رہتے ہیں اسی طرح شام تک مزار پر رہ کر اوپر کو جاتے ہیں تو ستر ہزار اور ملائکہ اترتے ہیں وہ بھی اسی طرح کرتے ہیں جو صبح والے ملائکہ کرتے رہے۔ اسی طرح تاقیامت ہوتا رہے گا۔

وسبح اور اللہ تعالیٰ کی تنزیہ بیان کی جائے اس سے جو اس کے لائق نہ ہو درانحالیکہ تم متلبس ہو۔ بحمد ربک اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی ان نعمتوں پر کہ حد و حساب سے باہر ہیں۔ حین تقوم جب تم کھڑے ہو یعنی تم جس مقام پر کھڑے ہو۔

فائدہ حضرت سعید بن جبیر و عطا رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب تم اپنی مجلس سے کھڑے ہو تو کہو سبحانک اللھم وبحمدک درانحالیکہ اس کی حمد کے ساتھ متلبس ہو اگر وہ اچھی مجلس ہو گی تو اس کے حسن و جمال میں اضافہ ہو گا اگر اچھی مجلس نہ ہو گی تو یہ تسبیح وحمد اس کا کفارہ بن جائے گی۔

marfat.ocm

حدیث شریف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی کسی مجلس میں ہو اور اس میں اس کی اس سے لغط (غین معجمہ وطاء مہملہ) بمعنی ردی۔ قبیح کلام ایسے ہی وہ بات جو اصوات کے اختلاط سے سمجھ نہ آئے ہو تو اسے چاہئے کہ اٹھنے سے پہلے کہے سبحانک اللھم وبحمدک اشھدان لا الہ الا انت استغفرک واتوب الیک تو یہ کلمات اس کی دو مجلسوں کے درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہو جائیں گے۔

فائدہ فتح القریب میں ہے تو اس کے گناہ بخشے جائیں گے یعنی وہ صغائر جو حقوق العباد سے متعلق نہیں جیسے غیبت۔

فائدہ حضرت ضحاک اور بیع نے فرمایا کہ جب تم نماز کے لئے اٹھو تو کہو سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَآ اِلٰہَ غَیْرُکَ

فائدہ الکلبی نے فرمایا کہ اس سے ذکر لسانی مراد ہے کہ جب تم سونے کے بعد بستر سے اٹھ کر یہاں تک کہ تم نماز میں داخل ہو۔

حدیث شریف حضرت عاصم بن حمید سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ حضور رسول اکرم ﷺ رات کے وقت نیند سے جاگتے تو کیا کہتے تھے فرمایا جب کھڑے ہوتے تو تکبیر دس بار اور تحمید دس بار او تہلیل دس بار اور استغفار دس بار اور کہتے اللھم اغفرلی واھدنی وارزقنی وعافنی اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھے ہدایت دے اور رزق اور عافیت دے۔ اور تعوذ پڑھتے قیامت کے دن کی تنگی سے۔ وَمِنَ الَّیْلِ فَسَبِّحْہُ اور رات کو اللہ تعالٰی کی تسبیح کیجئے۔

نکتہ رات کی تسبیح و عبادت کو علیحدہ ذکر کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ رات کی عبادت میں زیادہ مشقت اور ریاء سے دور تر ہے جیساکہ اللیل کا ذکر عبادت سے پہلے معلوم ہوتا ہے۔

صاحب روح البیان کا بیان کردہ نکتہ فقیر (صاحب روح البیان رحمتہ اللہ تعالٰی علیہ) کہتا ہے کہ رات

marfat.ocm

ہی تو معراج کا زمانہ ہے اور نماز خود معراج معنوی ہے جو چاہتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ معراج میں شریک ہو تو اسے چاہیئے کہ وہ رات کو ایسے وقت میں نماز پڑھے جب لوگ نیند کر رہے ہوں یعنی آدھی رات کو کہ یہی لوگوں کی غفلت کا وقت ہے اور شرافت و بزرگی بھی اسی وقت کو نصیب ہوتی ہے۔ اور حضور نبی پاک ﷺ کو معراج اسی وقت میں ہوئی۔ صبح کو بھی یہی وقت اقرب ہے کیونکہ اس کے بعد ہی بعض لوگ اپنی ضروریات کے لئے جاگ اٹھتے ہیں اگرچہ سحر کے وقت کے فضائل بکثرت ہیں لیکن یہ وقت بھی سحر کے فضائل سے کم نہیں۔

وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ (اور ستاروں کے پیٹھ پھیرنے کے وقت)

حل لغات ادبار بکسر الہمزہ مصدر ہے ادبر کا النجوم نجم کی جمع ہے۔ بمعنی ستارہ طلوع کرنے والا نجم نجوما و نجما بمعنی طلع۔ اب معنی یہ ہوا کہ آخری رات میں ستاروں کے پیٹھ پھیرنے یعنی صبح کی روشنی کی وجہ سے غائب ہونے کا وقت۔

فائدہ بعض نے کہا کہ تسبیح من اللیل سے عشائین (مغرب عشاء کی نماز مراد ہے اور ادبار النجوم سے فجر کی نماز مراد ہے۔

احناف کی تائید آیت میں دلیل ہے کہ صبح کی نماز تاخیر سے افضل ہے اس لئے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے حکم فرمایا کہ ستاروں کے ادبار یعنی گم ہونے کے بعد دو رکعت پڑھی جائیں اور ظاہر ہے کہ ستاروں کی گمشدگی پر ہی اسفار (روشنی) ہوگی (امام ابو اللیہ نے اپنی تفسیر میں یہی فرمایا ہے) اور اکثر مفسرین نے فرمایا کہ ادبار النجوم سے فجر کی دو سنتیں مراد ہیں وہ اس لئے کہ ستارے صبح کی روشنی سے ہی گم ہوں گے تو پر دو گلنہ پڑھتا ہوگا اور وہ ان دو رکعتوں کے علاوہ ہیں جو فرض ہیں۔

فائدہ حدیث شریف میں ہے کہ فجر کی دو رکعت یعنی دو فرضوں سے پہلے دنیا اور دنیا کی تمام اشیاء سے بہتر ہیں۔

فائدہ آیت میں دو رکعت کے ثواب کی عظمت کا بیان ہے۔

تحقیق صاحب روح البیان قدس سرہ فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ ہمارے احناف کا استدلال کہ ادبار رالنجوم کے بعد دو رکعت سنت مراد ہیں یہ ان روایات کے مخالف ہے اس لئے کہ یہ دو

marfat.ocm

رکعت سنت اول وقت یعنی ستاروں کی موجودگی میں پڑھی جاتی ہیں احادیث اسی کو ترجیح دیتی ہیں۔ جو روایات ہیں ہاں فرائض کا اول وقت میں پڑھنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے (اسی کو وہابی غیر مقلد اور نجدیوں نے اپنایا ہوا ہے) لیکن ان کا یہ قول اس آیت کے خلاف ہے کیونکہ جب یہ صبح کی نماز پڑھتے ہیں اس وقت ادبار النجوم نہیں ہوتا ہاں احناف کے قول کے مطابق ہے کہ ان کے نزدیک صبح کی نماز میں اسفار ہو اور اسفار تب ہو گا جب ادبار النجوم ہو گا۔

فائدہ حضرت سہل قدس سرہ نے فرمایا کہ دو رکعت فرض بوقت فجر اپنے پروردگار سے خلوص کے ساتھ پڑھ اور ہر صبح و شام اس ذات سے غافل نہ ہو جو ہر وقت تیرے ساتھ احسان اور تیری حفاظت سے غافل نہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وسبح الخ میں رات اور دن میں ذکر پر مداومت و ملازمت کی طرف اشارہ ہے ہم سورۃ ق کے آخر میں تفصیل کے ساتھ اس کا بیان کر چکے ہیں۔

فائدہ پیری مریدی کا بعض اکابر مشائخ نے فرمایا کہ یہ مرید کی بے ادبی و گستاخی میں شمار ہے کہ اپنے شیخ (پیرو مرشد) کو کہے کہ مجھے اپنے جیسا بنا دے اس لئے کہ جب وہ خدمت کا دم بھرتا ہے تو پھر مخدوم بننے کی خواہش کیوں۔ یہ تو شیخ سے خدمت لینے اور اس پر تہمت باندھنے کے مترادف ہے دیکھئے حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے کیسے حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ کو سمجھایا جب اس نے کہا مرافقتک فی لجنته (میں جنت میں آپ کی رفاقت چاہتا ہوں) تو آپ نے فرمایا اعنی علی نفسک بکثرۃ السجود (بکثرت سجود سے میری مدد کر) رسول اکرم ﷺ نے صحابی کو اس کے مقصد سے ایسی طرف پھیرا جو راحت سے ہٹاتی اور مشقت میں ڈالتی ہے۔

فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ طریقہ سالکین میں فتح سے پہلے ریاضت ضروری ہے اور مجذوبین کے طریقہ میں ایسی بات نہیں اللہ تعالیٰ علیم حکیم ہے۔

فائدہ حدیث شریف میں ہے کہ جسے خوف ہو کہ وہ رات کو تہجد کے لئے نہیں اٹھ سکے گا اسے چاہئے کہ وہ اول شب میں ہی وتر پڑھ کر سوئے اگر اسے امید ہے کہ وہ آخر شب کو نیند سے اٹھ کر کھڑا ہو گا تو اسے وتر آخر شب میں پڑھنے چاہئیں کیونکہ شب آخر کی نماز اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کی حاضری والی نماز ہے اور یہی افضل ہے یعنی وتر کا آخری

شب میں پڑھنا۔

مسئلہ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ تہجد حضور نبی پاک ﷺ پر فرض تھی اسی لئے آپ وتر آخر شب میں پڑھتے ایک تو اسی لئے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں یا اس لئے کہ آپ نے شب معراج وتر نیند سے جاگ اٹھنے کے بعد پڑھے تھے اسی لئے آپ نے اسی یاد کو تازہ کرنے کے لئے ہر شب میں وتر تاخیر سے پڑھتے تھے۔

نکتہ سورۃ طور کو الادبار النجوم پر ختم کر کے سورۃ النجم کا النجم سے ابتداء کرنا حسن انتہاء وابتداء کی طرف اشارہ ہے۔ علاوہ دیگر اسرار جو اہل تحقیق سے مخفی نہیں۔

فراغت صاحب روح البیان رحمتہ اللہ علیہ صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ سورۃ طور کی تفسیر اللہ غفور جل جلالہ کی مدد سے رجب الفرد کے آواخر ۱۱۱۴ء ہجری میں ختم ہوئی۔

بفضلہ تعالیٰ اور بمدد رسول اللہ ﷺ و بطفیل حضور غوث جیلانی قدس سرہ۔

فقیر اویسی سورۃ طور کی تفسیر کے ترجمہ ۲۷۔۲۸ رمضان المبارک (عرب) سن ۱۴۰۸ ہجری میں بحالت اعتکاف مسجد نبوی شریف میں فارغ ہوا۔

انالفقیر القادری۔ **محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ۔**

بہاول پور پاکستان وارد مدینہ طیبہ معتکف باب عبدالجید ۱۴ مئی ۱۹۸۸ء۔ ۲۸ رمضان (عربی) ۲۷ رمضان

سُوْرَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | اٰيَاتُهَا ٦٢ رُكُوْعَاتُهَا ٣
سورۃ النجم مکی ہے اس میں | اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے | باسٹھ آیتیں اور تین رکوع ہیں

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ① مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ② وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ③
اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب یہ معراج سے اترے تمہارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں
اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ④ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ⑤ ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى ⑥ وَهُوَ بِالْاُفُقِ
کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے انہیں سکھایا سخت قوتوں والے طاقتور نے پھر اس جلوہ نے قصد فرمایا اور وہ آسمان بریں
الْاَعْلٰى ⑦ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ⑧ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ⑨ فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا
کے سب سے بلند کنارہ پر تھا پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا پھر خوب اتر آیا تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم اب
اَوْحٰى ⑩ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ⑪ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ⑫ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ⑬
وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا تو کیا تم ان سے انکے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو اور انہوں نے تو وہ دو بار دیکھا
عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ⑭ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ⑮ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ⑯
سدرۃ المنتہٰی کے پاس اس کے پاس جنت الماوٰی ہے جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا
مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ⑰ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ⑱ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ
آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی بے شک اپنے رب کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں تو کیا تم نے دیکھا لات
وَالْعُزّٰى ⑲ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ⑳ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ㉑ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ
اور عزٰی اور اس تیسری منات کو کیا تم کو بیٹا اور اس کو بیٹی جب تو یہ سخت بھونڈی
ضِيْزٰى ㉒ اِنْ هِيَ اِلَّا اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَا اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ
تقسیم ہے وہ تو نہیں مگر کچھ نام کہ تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں اللہ نے ان کی کوئی
سُلْطٰنٍ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ
سند نہیں اتاری وہ تو نرے گمان اور نفس کی خواہشوں کے پیچھے ہیں حالانکہ بیشک ان کے پاس انکے رب
الْهُدٰى ㉓ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ㉔ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى ㉕ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ
کی طرف سے ہدایت آئی کیا آدمی کو مل جائے گا جو کچھ وہ خیال باندھے تو آخرت اور دنیا سب کا مالک اللہ ہی ہے اور کتنے ہی

ع ٢٥

فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ

فرشتے ہیں آسمانوں میں کہ ان کی سفارش کچھ کام نہیں آتی مگر جب کہ اللہ اجازت دے دے جس کے لیے چاہے

وَيَرْضٰى ﴿٢٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ﴿٢٧﴾

اور پسند فرمائے بے شک وہ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ملائکہ کا نام عورتوں کا سا رکھتے ہیں

وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ

اور انہیں اس کی کچھ خبر نہیں وہ تو نرے گمان کے پیچھے ہیں اور بیشک گمان یقین کی جگہ کچھ کام نہیں

شَيْـًٔا ﴿٢٨﴾ فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿٢٩﴾

دیتا تو تم اس سے منہ پھیر لو جو ہماری یاد سے پھرا اور اس نے نہ چاہی مگر دنیا کی زندگی

ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ

یہاں تک ان کے علم کی پہنچ ہے بے شک تمہارا رب خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بہکا اور وہ خوب

بِمَنِ اهْتَدٰى ﴿٣٠﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا

جانتا ہے جس نے راہ پائی اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں تاکہ برائی کرنے والوں کو ان

بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ﴿٣١﴾ اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ

کے کیے کا بدلہ دے اور نیکی کرنے والوں کو نہایت اچھا صلہ عطا فرمائے وہ جو بڑے گناہوں اور بے حیائیوں

الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ

سے بچتے ہیں مگر اتنا کہ گناہ کے پاس گئے اور رک گئے بے شک تمہارے رب کی مغفرت وسیع ہے وہ تمہیں

اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ

خوب جانتا ہے تمہیں مٹی سے پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں حمل تھے تو آپ اپنی جانوں کو ستھرا

هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿٣٢﴾ اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ تَوَلّٰى ﴿٣٣﴾ وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى ﴿٣٤﴾ ع ٢ ٦

نہ بتاؤ وہ خوب جانتا ہے جو پرہیزگار ہیں تو کیا تم نے دیکھا جو پھر گیا اور کچھ تھوڑا سا دیا اور روک رکھا

اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ﴿٣٥﴾ اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى ﴿٣٦﴾ وَاِبْرٰهِيْمَ

کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے تو وہ دیکھ رہا ہے کیا اسے اس کی خبر نہ آئی جو صحیفوں میں ہے موسیٰ کے اور ابراہیم کے

الَّذِيْ وَفّٰٓى ﴿٣٧﴾ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴿٣٨﴾ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿٣٩﴾

جو احکام پورے بجا لایا کہ کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسری کا بوجھ نہیں اٹھاتی اور یہ کہ آدمی نہ پائے گا مگر اپنی کوشش

وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَىٰ (۴۰) ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفَىٰ (۴۱) وَأَنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُنْتَهَىٰ (۴۲)
اور یہ کہ اس کی کوشش عنقریب دیکھی جائیگی پھر اس کا بھرپور بدلا دیا جائے گا اور یہ کہ بیشک تمہارے رب ہی کی طرف
وَأَنَّهُ هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكَىٰ (۴۳) وَأَنَّهُ هُوَ أَمَاتَ وَأَحْيَا (۴۴) وَأَنَّهُ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ
انتہا ہے اور یہ کہ وہی ہے جس نے ہنسایا اور رلایا اور یہ کہ وہی ہے جس نے مارا اور جلایا اور یہ کہ اسی نے دو جوڑے بنائے
وَالْأُنْثَىٰ (۴۵) مِنْ نُطْفَةٍ إِذَا تُمْنَىٰ (۴۶) وَأَنَّ عَلَيْهِ النَّشْأَةَ الْأُخْرَىٰ (۴۷) وَأَنَّهُ هُوَ أَغْنَىٰ
نر اور مادہ نطفہ سے جب ڈالا جائے اور یہ کہ اسی کے ذمہ ہے پچھلا اٹھانا اور یہ کہ اسی نے غنیٰ
وَأَقْنَىٰ (۴۸) وَأَنَّهُ هُوَ رَبُّ الشِّعْرَىٰ (۴۹) وَأَنَّهُ أَهْلَكَ عَادًا الْأُولَىٰ (۵۰) وَثَمُودَ فَمَا أَبْقَىٰ (۵۱)
دی اور قناعت دی اور یہ کہ وہی ستارہ شعریٰ کا رب ہے اور یہ کہ اسی نے پہلی عاد کو ہلاک فرمایا اور ثمود کو تو کوئی باقی نہ چھوڑا
وَقَوْمَ نُوحٍ مِنْ قَبْلُ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا هُمْ أَظْلَمَ وَأَطْغَىٰ (۵۲) وَالْمُؤْتَفِكَةَ أَهْوَىٰ (۵۳)
اور ان سے پہلے نوح کی قوم کو بیشک وہ ان سے بھی ظالم اور سرکش تھے اور اس نے الٹنے والی بستی کو نیچے گرایا
فَغَشَّاهَا مَا غَشَّىٰ (۵۴) فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكَ تَتَمَارَىٰ (۵۵) هَٰذَا نَذِيرٌ مِنَ النُّذُرِ الْأُولَىٰ (۵۶) أَزِفَتِ
تو اس پر چھایا جو کچھ چھایا تو اے سننے والے اپنے رب کی کونسی نعمتوں میں شک کریگا یہ ایک ڈر سنانے والے ہیں اگلے ڈرانیوالوں کی طرح
الْآزِفَةُ (۵۷) لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ كَاشِفَةٌ (۵۸) أَفَمِنْ هَٰذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ (۵۹)
پاس آئی پاس آنے والی اللہ کے سوا اس کا کوئی کھولنے والا نہیں تو کیا اس بات سے تم تعجب کرتے ہو
وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ (۶۰) وَأَنْتُمْ سَامِدُونَ (۶۱) فَاسْجُدُوا لِلَّهِ وَاعْبُدُوا ۩ (۶۲) السجدة
اور ہنستے ہو اور روتے نہیں اور تم کھیل میں پڑے ہو تو اللہ کے لیے سجدہ اور اس کی بندگی کرو

ع ۳ ۲۰ ۷

تفسیر عالمانہ والنجم (قسم ہے ستارے کی) یہی وہ پہلی سورت ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم (مکہ) میں مشرکین کیموجودگی میں کھلم کھلا اور علی الاعلان پڑھا اور تمام مشرکین سنتے رہے اور یہ سورۃ رمضان میں اور نبوت کے پانچویں سن ۵ میں نازل ہوئی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آیت سجدہ تک پہنچے تو ابولہب کے سوا تمام مشرکین اور اہل ایمان از انس و جان سب نے سجدہ کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ ابولہب نے مٹھی اٹھا کر ماتھے کو لگائی اور کہا مجھے اتنا کافی ہے چونکہ وہ بوڑھا تھا سجدہ نہیں کر سکتا تھا اسی لیے ایسا کیا ایک روایت میں ہے کہ سجدہ نہ کرنے والا امیہ بن خلف تھا

اور یہ دونوں روایتیں ایک دوسری کے مخالف ہیں اس لئے کہ سجدہ نہ کرنے والے متعدد ہوں گے کسی نے ازراہ تکبر سجدہ نہ کیا۔ اور کسی نے عجز سے ابولہب نے ازراہ تکبر سجدہ نہ کیا تو امیہ بن خلف بوجہ عجز کے۔

سوال حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ کافر جس نے نزول آیت نجم کے وقت سجدہ نہ کیا وہ کافر ہو کر مقتول ہوا اور ابولہب تو مقتول ہو کر نہیں مرا تھا۔

جواب ممکن ہے کہ قتل بمعنی مطلق موت مراد ہو۔

کفار نے سجدہ کیوں کیا کفار نے سجدہ اس لئے کیا کہ جب حضور سرور عالم ﷺ نے اَفَرَءَیۡتُمُ اللّٰتَ وَالۡعُزّٰی وَمَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الۡاُخۡرٰی پڑھا تو شیطان نے ساتھ ملا دیا تلک الغرانیق العلی وان شفاتھن ترجی (وہ بت بڑی بلند قدر شخصیات ہیں اور ان کی شفاعت کی امید کی جا سکتی ہے) (جیسا کہ سواۃ الحج میں تفصیل گزری) کفار نے گمان کیا کہ یہ الفاظ بھی قرآن مجید کے ہیں تو اپنے بتوں کی عظمت سن کر سجدہ کیا اس سے مسلمان متعجب ہوئے کہ یہ کفار ایمان کے بغیر سجدہ کر رہے ہیں کیونکہ مسلمانوں نے شیطانی کلمہ تلک الغرانیق العلی) نہیں سنا تھا اور الغریق العلی سے بت مراد لیے۔ الغرانیق پانی کے پرندوں کو کہا جاتا ہے کیونکہ وہ غرنوق (بکسر العین والمعجہ واسکان الراء پھر نون معجمہ مفتوحہ کی جمع ہے یہ غرنوق (بضم الغین وضم النون) یا غرنیق (بضم الغین وفتح النون) کی جمع ہے بمعنی وہ پرندہ جس کی گردن لمبی ہے یعنی کرکی سے بتوں کو تشبیہ دی گئی ہے اور وجہ تشبیہ یہ ہے کہ جیسے یہ پرندہ لمبی گردن والا آسمان کی طرف بلند کئے یہ بت بھی بلند قدر ہیں۔

فائدہ سورت نجم وہ پہلی سورۃ کاملہ ہے جس میں سجدہ تلاوت ہے۔

سوال سورہ اقراء بھی پہلی سورۃ ہے جس میں سجدہ تلاوت ہے اور اس کے سب سے پہلے نازل ہونے میں سب کا اتفاق ہے اور تم سورہ نجم کہہ رہے ہو۔

جواب ہماری مراد یکبارگی نازل ہونا ہے کہ جس کا اول و آخر بیک وقت نازل ہوا بخلاف سورۃ اقراء کہ اس کا پہلا حصہ تو سب سے پہلے نازل ہوا لیکن آخری حصہ عرصہ کے بعد۔

فائدہ النجم میں واؤ قسمیہ ہے۔

قرآن کی قسموں کی قِسمیں ارباب معانی فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں قَسم دو قِسم ہے۔

۱۔ ذات و صفات باری تعالیٰ جیسے فوربک اور فبعزتک والقرآن المجید ایسے وہ حروف تہجی جو سورتوں کے اوائل میں ہیں انہیں بھی ان کے ہر حرف میں اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کی طرف اشارہ ہے۔

۲۔ مخلوق کی قَسم وہ چار قِسم ہے۔

(۱) اظہار قدرت کے لئے جیسے والذاریات والمرسلات والنازعات اسی طرح کی دوسری قسمیں ان کی قسم اس لئے یاد فرمائی تاکہ بندوں کو تنبیہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کتنا قدرت والا ہے کہ وہ ایسی زبردست اشیاء کا بھی خالق ہے۔

(۲) قیامت کی قسم اس سے اس کی ہیبت کا اظہار ہے جیسے لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ (قسم ہے قیامت کے دن کی) اس کی قسم اس لئے یاد فرمائی ہے تاکہ اس دن کی ہیبت بندوں کے ذہن میں اترے۔

(۳) اظہار نعمت کے لئے تاکہ بندے سمجھیں کہ ایسی بڑی نعمت ہمیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے تاکہ وہ اس کی نعمتوں کا شکر ادا کریں جیسے وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ (قسم ہے انجیر اور زیتون کی)

(۴) جس کی قسم یاد فرمائی گئی اس کی عزت و عظمت کا اظہار ہو جیسے لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ (مجھے اس شہر یعنی مکہ کی قسم) ایسے ہی وطور سینین (اور مجھے طور سینا کی قسم) اور وہذا البلد الامین (اور مجھے اسی امن والے شہر کی قسم) ایسے ہی رسول اکرم ﷺ کو کہنا لعموک (مجھے تیری عمر کی قسم) اور یہ عرب کی عادت کے مطابق ہے کہ وہ جس کی قسم کھاتے ہیں تو اس سے اس کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے۔

فائدہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے کسی مخلوق کی قسم یاد فرمائی ہے وہاں لفظ رب محذوف ہو گا جیسے والنجم دراصل ورب النجم ہے ایسے ہی والذاریات کہ دراصل ورب الذاریات ہے وغیرہ وغیرہ۔

النجم سے کیا مراد ہے نجم سے ثریا مراد ہے کیونکہ یہی اسم اس پر غالب ہے کہ اہل عرب جب مطلق نجم بولتے ہیں تو ثریا (کہکشاں) مراد لیتے ہیں جیسے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ماطلع النجم قط وفی

الارض من العاھتہ شئی الا رفع زمین پر اگر کوئی عاھہ وغیرہ ہوگی تو النجم کے طلوع سے وہ رفع (اٹھ) جاتی ہے۔) آپ نے یہاں پر النجم سے ثریا مراد لی ہے اس پر جملہ علماء کا اتفاق ہے اور الثریا (کہکشاں) ستاروں سے معلوم کی جاتی ہے اور اس کی علامت یہ بھی ہے کہ **کہکشاں کتنے ستاروں کا مجموعہ ہے** کہکشاں ست ستاروں کا مجموعہ ہے ان میں ساتواں ستارہ باریکی کی وجہ سے کم بہت نظر آتا ہے حقیقت یہ ہے کہ کہکشاں بارہ ستارے ہیں ان سب کو رسول اکرم ﷺ اپنی ظاہری آنکھ مبارک سے دیکھتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی آنکھ میں بہت بڑی قدرت رکھی تھی۔[1]

فائدہ عین المعانی میں ہے کہ یہ ست ستارے ظاہر میں ساتواں باریک ہے اس سے چشم انسان کی بینائی کی آزمائش کی جاتی ہے قریش اس سے لوگوں کی بینائی کی آزمائش کرتے تھے اور کہتے احسن النجم فی السماء الثریا (آسمان میں حسین تر ستارہ کہکشاں ہے) اور زمین کی آسمان کی زینت ثریا (کہکشاں) ہے اس کی طلوع و سقوط کے وقت دو حلتیں ہیں۔

(۲) جب اس کا طلوع صبح کو ہوگا تو کہکشاں کی صبح صیف سے ہوگی جس وقت اس کا طلوع شام کو ہوگا تو اس کی صبح شتار میں ہوگی۔

کسی شاعر نے کہا

طلع النجم غدیہ   ابتغی الراعی شکیہ

ترجمہ صبح کو طلوع ہوا تو راعی نے ریوڑ تلاش کیا۔

یا ستارے کی جنس اور اس کا سقوط مراد ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اذا ھوی (جب وہ غروب و طلوع کرے)

حل لغات اہل عرب کہتے ہیں ھوی یھوی ھویا از باب ضرب اور ہویا بروزن قبول یہ اس وقت بولتے ہیں جب ستارہ غروب کرے اس لئے الھویُ بمعنی اوپر سے نیچے گرنا ھُویّ بروزن دخول یہ اس وقت بولتے ہیں جو نیچے سے اوپر کو چڑھے اور اذا کا عامل قسم محذوف ہے یعنی اقسم کیونکہ اذا مطلق کے

---

[1] اسی بڑی قدرت پر اور نبوت کی طاقت کی بناء پر ہمارا عقیدہ ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ ذرہ کائنات کو ایسے دیکھ رہے ہیں کہ رائی کا دانہ ہاتھ کی ہتھیلی پر ولکن الوہابیۃ قوم لا یعقلون اویسی غفرلہ)

marfat.ocm

وقت کے معنی میں لے استقبال کے معنی سے خالی کر لیا گیا ہے جیسے کہا جاتا ہے۔ اٰتیتک اذا احمر البسر (میں تیرے پاس اس وقت آؤں گا جب کھجور سرخ ہو گی) اس سے وہ اعتراض نہ ہو گا کہ اقسم حال کا عمل اذا مستقبل میں کیوں (ہم نے کہہ دیا ہے کہ مستقبل کا معنی اذا میں ہے ہی نہیں) یعنی یہ سوال کہ قسم میں انشاء ہے اور انشاء حال ہے اور اذا اصل مستقبل کے لئے آتا ہے ہماری مذکورہ بالا تقریر سے سوال اٹھ گیا اب معنی یہ ہو گا کہ ہم قسم یاد کرتے ہیں ستارے کے اس زمانہ کے بعد میں داخل ہونے کے وقت کی۔

نکتہ اللہ تعالیٰ نے ستارے کے اس وقت کی قسم اس لئے یاد فرمائی ہے کہ دینوی کاروبار والے لوگ ستارے کے اس وقت میں دخول کے وقت سفر کا راستہ پاتے ہیں گویا یوں کہا گیا ہے کہ قسم ہے اس ستارے کی جس سے مسافر جنگلوں میں سیدھا راستہ پاتے ہیں اور کشتی صحیح سمت کو چلتی ہے۔

ماضل صاحبکم (تمہارا صاحب بے راہ نہیں چلا) یہ قسم کا جواب ہے یعنی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام حق کے رستہ (یعنی آخرت کی راہ) سے بے راہ نہیں چلے)

وہابی و دیوبندی فرقہ یہ لوگ ووجدک ضالا میں ضالا کو ضلال سے مشتق کر کے گمراہ کا معنی کرتے ہیں صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ صدیوں سے پہلے ان کے رد میں لکھتے ہیں۔ (اضافہ اویسی غفرلہ)

(وھذا دلیل علی ان قولہ ووجدک ضالا لیس من ضلال الغی ص۲۱۰ ج۹)

یہ اس کی دلیل ہے کہ ووجدک ضالا ضلال بمعنی غی (گمراہی سے مشتق نہیں)

عقیدہ اسلامیہ ہمارا عقیدہ ہے کہ حضور نبی پاک ﷺ وحی سے پہلے اور بعد کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہے اور اللہ تعالیٰ کی توحید بیان فرماتے رہے اور قبیح امور سے محفوظ رہے۔

فضیلت سید عالم ﷺ اس میں رسول پاک ﷺ کی فضیلت کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے حق میں فرمایا وعصی ادم ربہ فغوی اور اپنے حبیب ﷺ کے حق میں کہا۔ ما ضل صاحبکم وما غوی

حل لغات الغی جہل مرکب کو کہا جاتا ہے۔ امام راغب رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ غی اعتقاد فاسد کے جہل کو

کہا جاتا ہے اس لئے جہل کبھی انسان کے اندر ہوتا ہے لیکن اس کے لئے اعتقاد صالح وفاسد کا تصور نہیں ہوتا لیکن کبھی وہ اعتقاد فاسد سے ہوتا ہے اسی دوسرے کا نام الغئی ہے اس کا ضل پر عطف عطف الخاص علی العام کے قبیل سے ہے اعتقاد کے متعلق اہتمام کے اظہار کی بناء پر۔

الغی والضلال کے درمیان فرق اس میں اشارہ ہے کہ غی اور ضلال کے درمیان فرق ہے وہ ایک شے نہیں (جیسے بعض جاہلوں نے سمجھ رکھا ہے) اس لئے کہ الغوایہ بالخصوص خطائی الاعتقاد میں ہے اور الضلال اعم ہے اس کا اطلاق خطائی الاقوال والافعال اور ان اعتقاد میں خطاء پر ہوتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے مشروع فرمایا اور بتایا کہ یہ امور میری عبادت کے لائق ہیں۔ اب معنی یہ ہوا کہ رسول اکرم ﷺ نے ہرگز کوئی باطل اعتقاد نہیں رکھا بلکہ آپ ہمیشہ غایت ہدایت و ارشاد پر رہے۔ اور ان تمام امور باطلہ سے حضور ﷺ منزہ اور پاک جن کا کفار وہم کر رہے ہیں کہ معاذ اللہ آپ ضلال و غوایت میں ہیں۔

شان نزول کافر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے آباء کے دین سے ہٹ کر گمراہ ہو گئے اور صحیح راستے سے بھٹک گئے ہیں اور اپنی طرف سے باتیں گھڑ کر گمراہ کر رہے ہیں۔ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ نے سالم سورہ نازل کر کے اپنی عظمت و بزرگی ظاہر فرمائی اور کافروں کا رد فرمایا۔

فائدہ یہ خطاب کفار کو ہے۔

صاحبکم کہنے کے وجوہ حضور نبی پاک ﷺ کو کافروں کا صاحب اس لئے کہا گیا کہ کفار آپ کے عرصہ دراز تک ہم صحبت رہے اور آپ کے تفصیلی حالات سے باخبر تھے اور آپ کے ہر معاملہ پر انہیں مکمل آگاہی تھی اس سے آپ کی مکمل برات کا اظہار ہے کہ اے کافرو جو کچھ تم سمجھ رہے ہو بالکل غلط ہے بلکہ تمہارے صاحب کے لئے تمہاری صحبت خود بتاتی ہے کہ آپ نہایت ہدایت و رشد پر ہیں بلکہ تم عرصہ دراز تک ان کی صحبت میں رہے تم ان کے حالات کا مشاہدہ کر چکے ہو۔ بلکہ تم خود ان کے محاسن و کمالات کے قائل بلکہ گواہ ہو یہ بات تقاضا کرتی ہے کہ آپ مجسم رشد و ہدایت ہیں۔

فائدہ حضرت کاشفی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ حضور نبی پاک ﷺ کو صاحب کہنا اس لئے تھا کہ

marfat.ocm

آپ مامور من اللہ تھے کہ کافروں کو دعوت حق دینے کے لئے ایک عرصہ تک ان کی صحبت میں گزارا۔ امام راغب کے قول کی تائید للارشاد (تفسیر) سے بھی ہوتی ہے کہ عرف میں صاحب اس کو کہا جاتا ہے جو کسی کی صحبت میں عرصہ دراز تک رہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمایا کہ ثم تتفکر وا ما بصاحبکم من جنتہ (پھر فکر کرو کہ تمہارے صاحب میں جنون نہیں اس میں تنبیہہ ہے کہ اے کافرو کہ تم حضور نبی پاک ﷺ کی صحبت میں ایک عرصہ تک رہے اور ان کے حالات کو خوب جانتے ہو بلکہ ان کے ظاہر و باطن کو خوب سمجھتے ہو اور تم نے ان کی زندگی مبارک میں کوئی گھبلا پن اور جنون نہیں پایا (تو پھر اب کس منہ سے کہتے ہو کہ وہ ایسے ویسے ہیں (معاذ اللہ)

اذا ہویٰ کے نکتے ستارے کی قسم مخصوص وقت سے یاد فرماتے ہیں اشارہ ہے کہ مسافر اس سے راستہ ہی ایسے وقت مخصوص میں پاتے ہیں ورنہ جب وہ وسط السماء میں ہو گا تو مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کا پتہ نہ چلے گا اس طرح سے مسافروں کو کوئی راستہ نہ ملے گا (بخلاف طلوع کے بعد اوپر چڑھنے اور زوال کے بعد غروب کے طرف چلنے کہ اس وقت راستہ حاصل کرنا شمال و جنوب اور مشرق و مغرب کو اچھی طرح معلوم کیا جا سکتا ہے۔

علاوہ ازیں اسے آنے والے مضمون سے بھی مناسبت ہے کہ اللہ تعالیٰ جبریل علیہ السلام کے لئے افق اعلیٰ سے اترنا اور حضور علیہ السلام کے قریب ہونے کا ذکر ہے۔

فائدہ حضرت سعدی المفتی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ستارے کے غروب ہونے کے وقت کی قسم میں اللہ تعالیٰ کی صنعت و قدرت کی قوی دلیل ہے کہ وہ کتنا عظیم قدرت کا مالک ہے جس نے ایسے ستارے کو بھی زوال تک پہنچایا اس کی تائید حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول سے ہوتی ہے۔ کہ انہوں نے فرمایا۔ انی لا احب الافلین (میں گم ہونے والوں سے محبت نہیں کرتا)

لطیفہ ابن الشیخ رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے حواشی میں لکھا کہ ستارے کی قسم میں اس کی تعظیم مراد ہے اس میں ان کو تنبیہہ ہے جو اس کی پرستش کرتے ہیں کہ جب یہ ستارہ ڈوبتا ہے یہ اس کے عجز کی دلیل ہے تو پھر اے بیوقوفو تم ایسے عاجز کی پرستش کرتے ہو (اس کی عبادت کرو جو اس کا بھی رب ہے اور سب کا خالق ہے)

سوال ہویٰ میں ستارے کے غروب کا ذکر تو ہے اس کے طلوع کا ذکر کیوں نہیں اور تم تفسیر میں دونوں معانی مراد

لے رہے ہو۔

جواب خود النجم اس کے طلوع کی دلیل ہے کیونکہ النجم کہتے اسی ستارے کو ہیں جو طلوع کرے۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ **کی بہترین تقریر** حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ

- نجم سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں جب آپ شب معراج واپس ہوئے **الھوی** بمعنی **انزول** ہے۔

ابولہب کی شرارت اور حضور ﷺ کے اختیار کا بیان مروی ہے کہ جب یہ سورت مبارکہ نازل ہوئی تو حضور سرور عالم ﷺ نے کفار قریش کو سنائی عتبہ بن ابی لہب نے کہا کہ میں نے اب النجم سے کفر کیا اور اس کا بھی منکر ہوں جو قریب ہوا اور نیچے کو اترا۔ حضور نبی پاک ﷺ کی ایک صاحبزادی اس کے نکاح میں تھی اس نے طلاق دے دی۔ اس وقت حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا **اللھم سلط علیہ کلباً من کلابک** (اے اللہ! اپنے کتوں میں سے کسی ایک کو اس پر مسلط فرما) اس کے بعد عتبہ اپنے باپ ابولہب کے ساتھ شام کے ملک کی طرف تجارت کے لئے گیا ایک جگہ رات کو شب باشی کی اس جگہ کے قریب راہب کی رہائش گاہ تھی۔ راہب نے ان قریشیوں سے کہا یارو یہاں نہ ٹھہرو یہ درندوں کی آبادی ہے کہیں وہ تمہیں گزند نہ پہنچائیں اگر رہنا ہے تو درندوں کا بچاؤ خود سوچ لو۔ ابولہب نے اپنے ساتھیوں سے کہا یارو میرے بیٹے پر خصوصیت سے نگرانی کرنا مجھے خطرہ ہے کہ اسے (حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی دعا اثر نہ کر جائے) چنانچہ ابولہب کی اپیل پر تمام اس کے ساتھی ابولہب کے بیٹے کو گھیرے ڈال کر سوئے اور خصوصی نگرانی بھی کرتے رہے لیکن اللہ تعالیٰ نے آدھی رات کو ان پر نیند مسلط کر دی اور ایک شیر آیا اور صرف ابولہب کے بیٹے کو درمیان میں سے اٹھا کر ایک طمانچہ مارا اسی سے اس کی جان نکال دی[لہ]۔

نکتہ عتبہ بن ابی لہب کو مار کر چھوڑ دیا اسے اس لئے نہ کھایا کہ شیر کے نزدیک گستاخ رسول نجس بلکہ خبیث شے

[لہ] ۔ ایک بدترین کافر ابولہب کو بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کمال اختیار اور استجابت کا یقین ہے لیکن وہابی دیوبندی تاہنوز چکر میں ہے کہتا ہے محمد کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا (تقویۃ الایمان) سچ ہے۔ (الوہابیۃ قوم لا یعقلون) وہابی بے عقل جانور ہے۔ ۱۲ اویسی غفرلہ)

ہے۔ (اس سے گستاخان رسول ﷺ کے متعلق عبرت کریں کہ گستاخ کتنا ہی دنیا میں بلند قدر ہو لیکن وہ درحقیقت پلید اور خبیث ترین مخلوق ہے تفصیل کے لئے فقیر اویسی غفرلہ کی کتاب گستاخوں کا برا انجام پڑھیئے۔

علماء ذی وقار آیت میں ایک دیگر تاویل کا احتمال بھی ہے وہ یہ کہ ستارہ سے مراد نمازی ہے جب وہ سجدہ کرے اور وہ نمازی ہے جب وہ شہید ہو اور وہ عالم جب فوت ہو کر مزار میں مدفون ہو۔

یہ تمام نجوم اور اس کی تائید احادیث مبارکہ سے ہوتی ہے۔

احادیث مبارکہ (۱) حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا علماء امتی کالنجوم بہا یھتدی فی البر والبحر ، میری امت کے علماء ستاروں کی طرح ہیں کہ ان سے جنگلوں اور دریاؤں میں ہدایت حاصل ہوتی ہے۔

فائدہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نجم سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مراد ہیں کہ جب ان کا وصال ہو جائے جیسا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا۔

(۲) اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم میرے صحابہ ستارے ہیں ان کے جس کی اقتداء کرو گے ہدایت پاؤ گے۔ اور نجم سے علماء اسلام مراد ہیں۔

(۳) حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا۔

العلماء نجوم الارض (علماء اسلام زمین کے ستارے ہیں)

فائدہ بعض نے فرمایا کہ نجم سے نور معرفت کی ایک قسم ہے جب کسی قلب میں وارد ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ اس کے نور کی مثال ایسے ہے جیسے مشکوۃ میں چراغ

نجم سے قلب محمد ﷺ مراد ہے حضرت کاشفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ محققین نے فرمایا کہ ستارہ کی قسم سے حضور سرور عالم ﷺ کے قلب کی قسم مراد ہے جو فلک توحید میں ماسوی اللہ سے منقطع ہو گئی ہے۔

فائدہ النجم سے نجم الہام بھی مراد ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے الہام کے ستارے کی قسم یاد فرمائی جب وہ صحائف

marfat.ocm

غیوب سے معاون قلوب میں جاگزین ہوا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اخفش نے کہا کہ النجم وہ گھاس کہ جس کی پنڈلی نہ ہو اور ھویٰ سے مراد اس کا زمین پر گرنا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ (گھاس اور درخت سجدہ کرتے ہیں)

اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ محبت کا وہ دانہ اگاتا ہے جو دائمی اور تغیر سے منزہ اور تبدل سے مقدس ہوتا ہے اور وہ آسمان ذات مطلقہ کلیئہ جمیع احاطیہ کے بلغات سے گرتا ہے اس کے حبیب نبی ﷺ کے قلب کی زمین پر اور آپ کا قلب نباتات ولایت و رسالت کے قابل ہے اور وہ رسالت و نبوت کے بیج ریاحین الحقائق قرآنیہ و شقائق تجلیات ربانیہ اور ازہار تنزلات حقانیہ کے ظہور کے موجبات اور لطائف احسانیہ عرفانیہ جیسے مشاہدات و مکاشفات و معانیات اور ان جیسے دیگر امور کے مراکز سے ہے۔

فائدہ جواب قسم مَاضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ہے۔

دیوبندیوں وہابیوں اور ان کے ہم نواؤں کو دعوت غور و فکر حضور نبی پاک ﷺ کے متعلق صاحب روح البیان قدس سرہ مضمون ذیل فیصلہ کن لکھا ہے جس سے حق و باطل کا امتیاز ہو سکتا ہے۔

وَبِهٖ يُشِيْرُ اِلٰى اَنَّ وُجُوْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا كَانَ اَوَّلُ نُوْرٍ وُحْدَانِيٍّ وَبِيطٍ عَلَوِيٍّ لَطِيْفٍ شَعْشَانِيٍّ تَجَلّٰى بِهِ الْحَقُّ وَتَعَلَّقَتْ بِهِ الْقُدْرَةُ الْقَدِيْمَةُ الْاَزَلِيَّةُ مِنْ غَيْرِ وَاسِطَةٍ كَمَا اَخْبَرَ مِنْهُ بِقَوْلِهٖ اَنَا مِنَ اللّٰهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ مِنِّيْ وَلَيْسَتْ فِيْهِ ظُلْمَةُ الْوَسَائِطِ الْاِمْكَانِيَّةُ الْمُوْجِبَةُ لِلضَّلَالَةِ الْمُنْتِجَةُ لِلْغَيِّ بَلْ هُوَ عَلٰى نُوْرِيَّتِهِ الْاَصْلِيَّةِ الْبَسِيْطَةِ الشَّعْشَانِيَّةِ الْمُقْتَضِيَّةِ لِلْهُدٰى وَالتَّقْوٰى الْمُسْتَدْعِيَةِ لِلرُّشْدِ وَالنُّهٰى بَاقٍ كَمَا هُوَ مَا اَثَّرَتْ فِيْهِ مُصَاحِبَتُكُمُ الطَّبْعِيَّةُ وَلَا مُخَالَطَتُكُمُ الصُّوْرِيَّةُ الْعُنْصُرِيَّةُ وَمَا ضَلَّ بِاَمْرِ الطِّيْنِيَّةِ وَمَا غَوٰى بِحُكْمِ الْبَشَرِيَّةِ فَاِنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَائِمٌ بِالْحَقِّ خَارِجٌ عَنِ الطَّبْعِ كَمَا اَخْبَرَ بِمَنْ نَفْسَهُ الشَّرِيْفَةُ بِقَوْلِهٖ لَسْتُ كَاَحَدِكُمْ اَبِيْتُ عِنْدَ رَبِّيْ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِيْ وَهٰذَا يَدُلُّ عَلٰى قِيَامِهٖ بِالْحَقِّ وَخُرُوْجِهٖ

عن الطبع واحکامه ؕ (روح البیان ص ۳۱ ج ۹)

ترجمہ اس میں رسول اللہ ﷺ کے وجود کی طرف اشارہ ہے کہ اپ ہی اول نور وحدانی اور بسیط علوی لطیف منور اور روشن ہیں آپ سے ہی حق تعالیٰ جلوہ گر ہوا آپ سے ہی قدرت قدیمہ ازلیہ بلاواسطہ متعلق ہوئی جیسے خود آپ نے خبردی کہ میں اللہ سے ہوں اور جملہ مومنین مجھ سے آپ وسائط امکانیہ کی ظلمت نہیں جو گمراہی کے موجبات اور گمراہی کی نتیج ہیں بل آپ نورروانیہ اصلیہ ۔سیدہ منورو روشن پر ہیں جو ہدایت و تقوی کی مقتضی اور رشد و عقلمندی کی داعی ہے۔ آپ اسی طرح باقی ہیں جیسے تھے آپ میں تمہاری مصاحبت طبعیہ اور ظاہر دل گزارنا عنصری اثر انداز نہیں ہوئی اور آپ امر طبعیہ سے بے راہ نہیں ہوئے اور دوسری راہ چلے حکم بشریہ کی وجہ سے آپ ﷺ حق کے ساتھ قائم اور طبع سے خارج ہیں جیسے آپ نے اپنی خبر خود دی ہے کہ تمہارے ایک جیسا نہیں میں اپنے رب کے ساتھ وقت بسر کرتا ہوں وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے یہ دلیل ہے کہ آپ قائم بالحق ہیں اور طبع اور اس کے احکام سے خارج ہیں۔

نکتہ النجم فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ لفظ النجم کے نون کے بحساب ابجدہ پچاس اور جیم کے تین کل میزان ترپن ۵۳ ہوئے اور میم کے چالیس ہیں اس میں اشارہ ہے کہ سرور عالم ﷺ چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے اور خاتم النبین بنائے گئے اور دعوٰی نبوی کے بعد مکہ مکرمہ میں تیرہ سال مقیم رہیں گے اس کا کل میزان ترپن ۵۳ ہوا۔

نجم حضور علیہ الصلوۃ والسلام ہیں اور اس کا نکتہ آیت ہذا میں اللہ تعالیٰ نے حضور سرور عالم ﷺ کو نجم بتایا جیسے دوسری آیت میں آپ کو سراج منیر کہا ہے اس لئے کہ آپ کے نورانی چہرہ اور علمی ضیاء سے روشنی حاصل کی جاتی ہے اور هوى میں اشارہ ہے کہ یہ ستارہ مکہ معظمہ سے مدت مذکورہ کے بعد غروب فرما کر مدینہ طیبہ کو ہجرت فرمائے گا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس ستارہ کے عدم ضلال وغی کی قسم یاد فرمائی اس لئے کہ اس ستارہ کا غروب و حرکت راشد مہدی ہے کیونکہ اس کی حرکت بامر واذن الہی ہے جب اس نے مکہ مکرمہ سے غروب فرمایا تو قریش پر ظلمت چھاگئی اور وہ ظلمت شدیدہ کی لپیٹ میں آگئے۔ اور مدینہ میں اس کا طلوع ہوا تو اہل ایمان پر زمین چمک اٹھی یہاں تک کہ ہجرت کے دوسرے سال میں بدر تام میں پہنچ گئے اور حبیب خدا ﷺ کے نور

marfat.ocm

کے نیچے بدر میں دشمنوں پر نور نصرت سے منور ہوئے اور ان کے دشمنوں کا حال یہ ہوا کہ وہ ظلمت عدم کو سدھارے اس سے مَاكَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَاكَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ اللہ تعالیٰ کے لائق نہیں کہ وہ انہیں عذاب دے درآنحالیکہ آپ ان میں ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ عذاب دے درانحالیکہ وہ استغفار کرنے والے ہوں۔ اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ارشاد گرامی لاتقوم الساعتہ حتی لایقال فی الارض اللہ اللہ قیامت قائم نہ ہو گی یہاں تک کہ زمین پر اللہ اللہ کہا جائے کا راز ہو الیعنی دائمی ذکر کرنے والے اس سے حضور علیہ الصلوۃ والسلام خود مراد ہیں اور ارض سے مکہ مکرمہ کی سرزمین مراد ہے اور ظاہر ہے کہ آپ کے مکہ مکرمہ کی روانگی کے بعد اور قریش کا شرک پر اصرار کی وجہ سے ان پر بدر میں قیامت برپا ہوئی جیسے دنیا میں دائمی اہل ذکر کے انقطاع سے قیامت ہو جائے گی۔

انتباہ اس سے ثابت ہوا کہ لوگ اہل ذکر و حضور کی قدر و منزلت نہیں جانتے جب وہ ان میں موجود ہوتے ہیں بلکہ وہ حتی الامکان ان کے ساتھ دشمنی اور بغض و عداوت سے پیش کرتے ہیں اور ہو سکتا ہے تو وہ انہیں اذیت پہنچاتے ہیں حالانکہ یہی بات ان کے لئے ہلاکت کی موجب ہے کیونکہ یہی اللہ والے تو ان کے لئے ملکوت ہیں اور قاعدہ ہے کہ ملک و اجسام سے ملکوت و ارواح کے انقطاع سے ملک تباہ اور اجسام میں بربادی آجاتی ہے کیونکہ ملکوت و ارواح ان کی بقاء کا سبب اسی لئے ہم اہلسنت کہتے ہیں کہ

ان للہ رجالاً مستصرخین فی اقطار الدنیا ولو فی دار الحرب فانہ لابد للوجود من فیض البقاء والامداد (روح البیان ص ۲۴۲ ج ۹)

بیشک اللہ تعالیٰ کے ایسے مرد بھی ہیں جو دنیا میں تصرف کرتے ہیں اگرچہ وہ دار الحرب میں ہوں کیونکہ فیض بقاؤ امداد کا وجود ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کی مزید فضل سے وجودی مدد فرمائے اور اپنے وصل و شہود کے وصل کا شرف بخشے بحرمت النجم وہویہ و نجودہ۔ آمین۔

تفسیر عالمانہ (وما ینطق عن الھویٰ) (اور وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتا)

حل لغات اہل لغت کہتے ہیں نطق ینطق نطقاو منطقاو نطوقا بمعنی تکلم (بولا) آواز اور حروف سے جن سے

معانی سمجھے جائیں (القاموس) اسی لئے یہ اللہ تعالیٰ کے لئے مستعمل نہیں ہوتا اس لیئے صوت وحروف سے بولنا مخلوق کا خاصہ ہے۔

الھوی مصدر ہو یہ "کا ازباب علم معنی احبہ واشتہاہ اس سے محبت کی اور اسے چاہا اب اس کی غالب استعمال ان شہوات و مستلذات کے لئے ہوتی ہے جس میں کوئی شرعی سبب نہ ہو اسی لئے بدعتی کو صاحب الھو کہا جاتا ہے کیونکہ اس کا میلان اس امر کی طرف ہے جس میں کوئی شرعی سبب نہیں صرف اپنی خواہش سے اس کی طرف مائل ہے اس سے ثابت ہوا کہ ھویٰ مخصوص مذموم خواہش کا نام ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کرام علی نبینا و علیہما السلام کو ھویٰ سے روکا ہے چنانچہ داؤد علیہ السلام کو فرمایا ولا تتبع الھویٰ (اور خواہش کی تابعداری نہ کرو) اور ہمارے نبی پاک ﷺ کو فرمایا ولا تتبع اھوائھم (تم ان کی خواہشات کی تابعداری نہ کرو) نہ ہی کبھی نبی پاک ﷺ کا خواہش کی طرف میلان ہوا۔

حدیث شریف حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا مااطلی بنی قط (کسی نبی علیہ السلام نے خواہش نفسانی نہیں کی)

حل لغات اہل لغت کہتے ہیں اطلی الرجل یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی خواہش نفسانی کی طرف مائل ہو۔

حکایت گستاخ نبوت بعض اکابر مشائخ سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ میں ایک نااہل مجلس میں تھا۔ ان میں ایک نے بہت باتیں کیں یہاں تک کہ کہہ بیٹھا کہ خواہش نفسانی سے کوئی خالی نہیں یہاں تک خود نبی ﷺ (معاذ اللہ) کیونکہ آپ نے خود فرمایا ہے۔ حبب الی من دنیاکم ثلاث الطیب والنساء وقرۃ عینی فی الصلوۃ (میرے لئے تین چیزیں محبوب بنائی گئی ہیں)

۱۔ خوشبو ۲۔ عورتیں ۳۔ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں۔

میں نے اس سے کہا تجھے اللہ تعالیٰ سے شرم کرنی چاہیئے اس لئے کہ حضور نبی پاک ﷺ نے مااحببت نہیں بلکہ حبب فرمایا ہے تو ان پر ملامت کیسی جبکہ آپ کے دل میں یہ محبت مجانب اللہ ڈالی گئی ہے اس کی اس نامعقول بات سے مجھے سخت غم لاحق ہوا اس کے بعد میں مجھے رسول اللہ ﷺ نے خواب میں

marfat.ocm

زیارت سے مشرف فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ غم نہ کر ہم نے اس نالائق کا کام تمام کر دیا۔ بیداری کے بعد میں نے سنا کہ وہ شخص اپنی جاگیر کی طرف گیا تو راستہ میں قتل کر دیا گیا۔[1] ہم اللہ تعالیٰ سے انبیاء علیہما السلام اور ان کے وارثین اولیاء پر جرات کر کے گستاخی سے پناہ مانگتے ہیں۔

فائدہ چونکہ نطق صدور کے معنی کو متضمن ہے اسی لئے اسے عن سے متعدی کیا جاتا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ حضور نبی پاک ﷺ سے قرآن سے کلام کا صدور اپنی خواہش اور رائے سے ہرگز نہیں کیونکہ اس میں نفی النطق عن الہویٰ کا استمرار مراد ہے نہ آپ سے استمرار النطق کی نفی ہے۔

فائدہ بعض علماء نے کہا کہ یہاں پر عن بمعنی باء ہے یعنی ما ینطق بالہوی۔ (نبی پاک ﷺ خواہش کے ساتھ نہیں بولتے) یہ محاورہ عرب میں عام ہے جیسے کہا جاتا ہے رمیت عن القوس ای بالقوس۔ میں نے قوس کے ساتھ تیر پھینکا بلکہ قرآن مجید میں ہے کفار نے کہا وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ ای بقولک تیری بات سے ہم آباء واجداد کے بتوں کو چھوڑنے والے نہیں۔

---

[1] (یہ حکایت صاحب روح البیان رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے متعدد مقامات پہ نقل فرمائی ہے اس کے نتائج فقیر اویسی غفرلہ اب عرض کرتا ہے۔

۱۔ نبی کریم ﷺ پر بدگمانی کرنا کفر ہے۔

۲۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے بظاہر اطوار ہمارے جیسے ہیں لیکن انہیں اپنے اوپر قیاس کرنا گمراہی ہے۔

۳۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام ہر امتی کے حالات سے آگاہ ہیں کوئی باادب ہے تو اس سے خوش ہیں کوئی بے ادب ہے تو

۴۔ دنیا میں سخت سزا دینے کے مجاز ہیں چاہیں تو سزا دیں چاہیں تو معاف فرما دیں۔

۵۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے کسی بھی معاملہ کو معمولی نہیں سمجھنا چاہئے۔

۶۔ اولیاء کرام کا وہی حکم ہے جو نبی پاک ﷺ کا ہے کیونکہ یہ حضرات آپ کے حقیقی وارث ہیں لیکن واقعی وہ ولی اللہ ہو جنہیں خود ولایت کا دعویٰ ہے یا رسول اللہ ﷺ کے طریقہ سنت کے بالعکس عمل کرتے ہیں ان کا یہ حکم نہیں (واللہ اعلم) اویسی غفرلہ

فائدہ ابن الشیخ نے فرمایا کہ پہلے لفظ ماضی سے یعنی ماضل وما غوٰی ہے پھر صیغہ مضارع سے یعنی ما ینطق عن الھوٰی میں حضور سرور عالم ﷺ کے قبل بعثت و بعد بعثت کے حال کا بیان ہے۔ یعنی آپ نہ گمراہ ہوئے جب تمہارے سے لے کافر و علیحدہ ہوئے اور تمہارے معبودوں سے بھی قبل اس کے کہ آپ تو رسول ہو کر مبعوث ہوئے اور نہ ہی اب خواہش سے بولتے ہیں جب تمہارے سامنے اپنے رب تعالیٰ کی آیات تلاوت کرتے ہیں۔

تردید از صاحب روح البیان قدس سرہ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ الشیخ کی تقریر میں بعد ہے جیسا کہ مخفی نہیں ظاہر یہ ہے کہ صیغہ ماضی کفار کے قول کی وجہ سے ہے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے متعلق کہا ضلّ وغوٰی تو ماضی ان کے ظن فاسد کے تحقیق کے لئے ہے اور مضارع باعتبار تجددنی کل حال کے لئے ہے (واللہ تعالیٰ اعلم بکل حال)

تفسیر عالمانہ ان ھو "نہیں وہ جو" حضور نبی پاک ﷺ قرآن سے بولتے ہیں۔ الا وحی مگر وحی من اللہ وحی جو آپ پر جبریل علیہ السلام کے واسطہ سے ہوئی ہے یہ وحی کے صفت مؤکدہ ہے جو مجاز کے احتمال کو رفع کرتی ہے اور استمرار تجددی کا فائدہ دیتی ہے یعنی وحی کو یوحی سے موصوف ایک فائدہ یہ ہے کہ اس میں تنبیہہ ہے کہ یہ حقیقی وحی ہے ایسا نہیں کہ اسے مجازاً وحی کہا جائے کیونکہ وحی کبھی مجازاً اسمی ہوتی ہے بمعنی الکتب الاعلٰی اور کبھی مصدری معنی میں آتی ہے اور اس کے کئی معانی ہیں۔

۱۔ ارسال ۲۔ الہام ۳۔ کتابتہ ۴۔ کلام ۵۔ اشارہ ۶۔ افہام

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی ذات و صفات و افعال سے فانی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ باقی ہو گئے تھے اس میں نہ اسم باقی رہا نہ رسم نہ اثر اور نہ عین جو کچھ بولتے نہ بشریت سے اسی لئے آپ میں خطرات شیطانیہ و ہواجس نفسانیہ وہم کے اجراء کا وہم بھی نہیں کیا جا سکتا ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ جو واصل باللہ ہے وہ جو کچھ بولتا ہے وہ شریعت ہے کیونکہ وہ محفوظ ہوتا ہے جیسے نبی پاک ﷺ معصوم ہیں۔

تردید وہابیہ نجدیہ دیوبندیہ ان فرقوں کا منشور ہے کہ وہ اولیاء کرام کے اوراد و ظائف پڑھنا حرام اور بدعت ہیں بجائے فائدہ کے۔ اسلام کے لئے ضرر رساں ہیں اسی لئے نجدی اوراد و ظائف یہاں تک کہ دلائل

marfat.ocm

الخیرات اور قصیدہ بردہ شریف وغیرہ کو جہاں دیکھتے ہیں چھین کر جلا دیتے ہیں ان کی تردید میں صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا۔[1]

قال بعض الکبار من وضع من الفقراء وردًا من غیر الوِرد فی السنته فقد اساء الادب مع اللہ ورسولہ الا ان یکون ذلک بتعریف من اللہ فیعرفہ خصائص کلمات یجمعھا فیکون حینئذٍ متمثلاً لا مخترعًا وذلک مثل حزب البحر للشاذلی قدسرہ[2]

ترجمہ بعض کبار مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس فقیر نے کوئی ورد جاری کیا جس کا ثبوت سنت (حدیث) میں نہیں تو اس نے اللہ و رسول ﷺ کی بے ادبی کی ہاں اگر اس کی تعریف کا اللہ تعالیٰ سے اشارہ ہے جسے وہ اشارہ سے خصوصیات سمجھ کر ورد جاری کیا تو وہ فرمانبردار متصور ہوگا نہ کہ اختراع کرنے والا جیسے حزب البحر شاذلی کا تیار کردہ وظیفہ۔

حزب البحر شریف کی وجہ تسمیہ حضرت شاذلی قدس سرہ بحر القلزم کا حج کے لئے سفر کر رہے تھے۔ آپ کے ساتھ ایک نصرانی بھی تھا باد مخالف نے آپ کو آپ کے رفقاء کو چند روز تک روکے رکھا۔ آپکو خواب میں رسول اللہ ﷺ نے یہی حزب البحر تلقین فرمایا آپ نے اسے پڑھ کر نصرانی کو کہا کہ اب چلو نصرانی نے کہا باد مخالف ہے آپ نے فرمایا باد مخالف نہیں ہے چلو تو سہی اب وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا اس پر نصرانی مسلمان ہو گیا۔

(اسی طرح ہر ورد و وظیفہ کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہے۔)

فائدہ یہی حال الہام و تعریف کا ہے جو عدم بیداری میں نصیب ہوتا ہے۔

حکایت حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ نے ایک صدی پہلے فرمایا کہ میرے بعد نفس من انفاس اللہ پیدا ہوگا

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ ۱۲)

[2] روح البیان ص ۲۱۳ ج ۹)

marfat.ocm

یعنی حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی قدس سرہ چنانچہ اسی طرح ہوا جیسے آپ نے فرمایا تھا (کذا قال صاحب المثنوی)[ل]

تفسیر عالمانہ علّمہ

سکھلایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن یعنی قرآن آپ پر نازل کیا اور آپ کے سامنے پڑھا اور بیان کیا یہ اس وقت ہے جب وحی بمعنی الکتاب ہو اگر بمعنی الہام ہو تو تعلیم سے مراد اس کا آپ کے قلب اقدس تک پہنچانا مراد ہو گا جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا نزل بہ الروح الامین علی قلبلک (اسے روح امین نے آپ کے قلب اقدس پر اتارا)

شَدِيْدُ الْقُوىٰ (بہت بڑی قوت والے نے) یہ اضافت الصفت الی الفاعل کے قبیل سے ہے (جیسے حسن الوجہ) اس کا موصوف محذوف ہے یعنی تلک شدید القوی (وہ فرشتہ جو بڑی قوت والا) اس سے حضرت جبریل علیہ السلام مراد ہیں کیونکہ یہی خوارق کے اظہار کے سبب ہیں۔

[ل] (اشعار مثنوی مع ترجمہ یعنی حضرت مولانا رومی قدس سرہ نے اپنی مثنوی شریف میں اشعار میں واقعہ بالتفصیل لکھا ہے وہ یہ ہے۔

لوح محفوظست اورا پیشوا   از چہ محفوظست محفوظ از خطاء
نے نجومست و نے رملست و نہ خواب   وحی حق واللہ اعلم بالصواب
ازپے روپوش عامہ دربیان   وحی دل گویند اورا صوفیاں
وحی دل گیرش کہ منظر گاہ اوست   چوں خطا باشد چو دل آگاہ اوست
مومنا بنظر بنور اللہ شدی   از خطاؤ سہو ایمن آمدی

ترجمہ ۱۔ لوح محفوظ ہے اس کا پیشوا ہے اگرچہ محفوظ ہے تو محفوظ ہے خطا سے

۲۔ نہ نجوم ہے نہ رمل ہے نہ خواب وحی حق ہے واللہ اعلم بالصواب

۳۔ عوام سے وہ روپوش رہتے ہیں اسے دل کی وحی کہتے ہیں صوفیاء کرام

۴۔ وحی دل گیر اس کی منظر گاہ ہے خطا کیسے ہو جب دل آگاہ ہے۔

marfat.ocm

حضرت جبریل علیہ السلام کی قوت کا بیان

١۔ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیوں کو تحت الثری ایک پر پر اٹھا کر آسمان پر لے گئے یہاں تک کہ اہل السماء نے ان کے کتوں کے بھونکنے اور مرغ کی آواز کو سنا۔

٢۔ ثمود کی قوم کو ایک ہی چنگھاڑ سے ایسا پچھاڑا کہ وہ سب کے گھٹنوں کے بل پڑے تھے۔

٣۔ حضرت عیسی علیہ السلام کو ابلیس کے ساتھ زمین کے بعض گوشوں کا ذکر سنتے ہی جبریل علیہ السلام نے ایک پر کے جھونکے سے نینوا کے پہاڑ کے آخری حصہ تک پہنچا دیا۔

۴۔ انبیاء علیہما السلام کے ہاں حاضری کے وقت سدرۃ المنتہی سے آنکھ جھپکنے کی مقدار میں آتے جاتے۔

ذومرۃ صاحب قوت یعنی ان کے عقل ورای میں استحکام اور دین میں متانت ہے۔

حل لغات المفردات میں ہے امررت الحبل بمعنی فتلتہ میں نے رسی کو بٹا المرير والمر یعنی المفتول (بٹی ہوئی شے) اسی سے ہے ذومرہ یعنی جبریل علیہ السلام اور المریرہ وہ رسی جو سخت بٹی ہوئی ہو۔

فاستوی تو برابر ہوا بطریق تفسیر اس کا عطف علمہ پر ہے اسی لئے مالوحی تک طریق تعلیم کی کیفیت کا بیان ہے یعنی جبریل علیہ السلام قائم ہوئے اور اپنی اس اصلی صورت میں قرار پائے جس پر انہیں پیدا کیا گیا۔

حضرت جبریل علیہ السلام کے پر حضرت جبریل کے چھ سو پر ہیں جو موتیوں سے مزین ہیں اس سے وہ صورت مراد نہیں جس میں متمثل ہو کر وحی لے کر دحیہؓ کلبی امیر العرب کی صورت میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں مہمانوں کی صورت میں آئے یا داؤد علیہ السلام کی خدمت میں خصم کی شکل میں آئے وہ اس لئے کہ حضور علیہ السلام چاہتے تھے کہ جبریل علیہ السلام کو اصلی صورت میں دیکھیں چنانچہ آپ جبل حراء (جسے جبل نور کہا جاتا ہے) جو کہ مکہ معظمہ کے قریب ہے۔

پر رونق افروز تھے تو فرمایا میں ٹھہر گئے اور وحی قلوب کے لئے مقرر ہو گئے اسی لئے آپ کو روح القدس کہا جاتا ہے یعنی حیات القلوب کے لئے آپ کی وحی ایسے تھی جیسے جسم کے لئے حیات کا سبب روح ہے اس معنی پر ان کے سات سو پروں کی چھ سو جنہوں نے زمین کو مغرب تک بھر دیا اور تمام کناروں پر چھا گئے اسے دیکھ کر حضور علیہ السلام ایسے بیہوش ہو کر گرے جیسے حضرت موسی علیہ الصلوۃ والسلام جبل طور میں بیہوش ہو کر گرے تھے۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام زمین پر انسانی شکل میں نازل ہوئے اور آتے ہی رسول اکرم ﷺ کو گلے

---

marfat.ocm

لگیا۔ اور آپ کے چہرہ اقدس سے گرد و غبار صاف کی۔

نکتہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام دنیا میں فانی جسد کے ساتھ تھے اور ایسا فانی جسد ان اشیاء کا متحمل نہیں جو اطوار عقل سے وراء ہے اس میں ایک یہی ہے کہ فرشتہ اپنی اصلی صورت میں حاضر ہو ورنہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا تو وہ کمال ہے جو اس دنیا میں ذات باری تعالیٰ کو انہی ظاہری (بشری) آنکھوں سے بلا حجاب دیکھا۔

فائدہ زمین پر جبریل علیہ السلام کو اصلی صورت میں کسی نے نہیں دیکھا سوائے ہمارے نبی پاک ﷺ کے کہ آپ نے انہیں دو بار دیکھا ایک دفعہ زمین پر دوسری دفعہ آسمان پر سدرۃ المنتہیٰ پر شب معراج میں جس کی تفصیل آئے گی۔ (انشاء اللہ)

حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا مروی ہے کہ سیدنا امیر حمزہ ابن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضور ﷺ کو عرض کیا کہ مجھے حضرت جبریل کی صورت اصلیہ دکھائیے آپ نے فرمایا کہ آپ اسے نہیں دیکھ سکیں گے۔ عرض کی کچھ بھی ہو میں انہیں دیکھوں گا ضرور۔ آپ نے فرمایا ٹھہریئے اسی وقت جبریل علیہ السلام نازل ہو کر کعبہ کے قریب اس لکڑی پر بیٹھ گئے جس پر کفار طواف کے وقت کپڑے اتار کر رکھا کرتے آپ نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا اس لکڑی کی طرف دیکھیئے حضرت حمزہ نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا کہ ان کے دونوں قدم زبرجد اخضر کے پر ہیں بس اتنا دیکھتے ہی بیہوش ہو کر گر پڑے۔

فائدہ بعض روایات میں ہے کہ انہیں گھوڑے پر سوار دیکھا اور دنیا آپ کے کاکلھا اور آپ کے چہرے میں رونے سے اتنی گہری جھریاں تھیں کہ اگر ان میں کشتیاں چلائی جائیں تو چل سکتی تھی۔

نکتہ حضور سرور عالم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو اصلی صورت میں دو بار اس لئے دیکھا تاکہ آپ کے امر نبوت کی تکمیل ہو۔ ایک دفعہ عالم کون و فساد میں دوسرا منزہ اور اعلیٰ ترین مقام میں۔

نکتہ حضرت جبریل علیہ السلام پہلے اصلی صورت میں اس لئے دکھائے گئے تاکہ آئندہ جو دحیہؓ کلبی کی صورت میں آئیں تو یقین ہو کہ واقعی یہ وہی ہیں جو اصلی صورت میں نظر آئے تھے اسی لئے جب بھی حضرت جبریل علیہ السلام کو آپ دیکھتے تھے تو آپ کو اس میں کسی قسم کا اشتباہ نہ ہو تاکہ یہ کون ہے۔

سوال کشف الاسرار میں ہے کہ اگر کوئی کہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ فرشتے اپنی صورت میں تبدیلی کر کے دوسری صورت میں آتا تھا کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو تغیر الصور کی قدرت ہے کیونکہ تم نے کہا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام حضور ﷺ کی خدمت میں بھی کسی مرد (دحیہ کلبی) کی شکل میں حاضر ہوتے اور کبھی اصلی شکل میں اور یہ بھی ہے کہ قریش مکہ کے ہاں (ابلیس لعین شیخ نجد کی صورت میں آتا تھا)

جواب ۱ تغیر صورت بمعنی تغیر ترکیب و تالیف یہ تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو قدرت نہیں ہاں جبریل علیہ السلام کا آدمی کی شکل میں آنا یہ دراصل اللہ تعالیٰ کی صنعت سے تھا نہ کہ جبریل امین علیہ السلام کی اپنی ذاتی قدرت سے اور وہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت میں مختلف اطوار سے اس لئے حاضر ہوتا تاکہ آپ کو یقین ہو کہ یہ وہ قدرت ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں وہ یہی کہ جبریل علیہ السلام کبھی تو ایسے ہوتے کہ تمام کناروں پر چھا جاتے لیکن کبھی ایک چھوٹے سے مکان میں سما جاتے۔

جواب ۲ ابلیس کا شیخ نجدی کی شکل میں آنا وہ صرف دیکھنے والوں کی خیالی صورت تھی نہ کہ تحقیقی یہ ایسے ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں لوگوں کو رسیوں اور لکڑیوں کے سانپ نظر آئے وہ خیال امر تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فاذا حبالھم وعصیھم یخیّل الیہ من سحرھم انھا تسعی اچانک ان کی رسیاں اور لکڑیاں جادوگروں کے جادو سے سانپ خیال کی جاتی تھی کہ وہ دوڑ رہی ہیں۔

فائدہ آکام المرجان میں ہے کہ قاضی ابو یعلی نے فرمایا کہ شیاطین میں تغیر خلق کی طاقت نہیں اور نہ ہی یہ طاقت رکھتے تھے۔ کہ وہ انسانوں جانوروں اور پرندوں کی صورتوں میں آسکیں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو کوئی کلمات بتائے یا کوئی ایسا فعل سمجھائے کہ جسے وہ عمل میں لائے تو اللہ تعالیٰ اسے ایک صورت سے دوسری صورت میں تبدیل فرمادے پھر اس کے لئے کہہ سکتے ہیں۔ کہ وہ اس پر قادر ہے کہ وہ وہی قول کہہ کر یا وہی فعل عمل میں لا کر بطریق عادت ایک صورت سے دوسری میں آسکتا ہے ایسا نہیں کہ وہ ذاتی طور اس صورت کو تبدیل کرے یہ محال ہے کیونکہ ایک صورت سے دوسری صورت میں منتقل ہونا انسانی ڈھانچہ کو توڑنا اور اجزاء کو متفرق کرنا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا کیونکہ جب ڈھانچہ ٹوٹ جائے گا تو حیات باقی نہ رہے گی بہر حال ایسا ہونا محال ہے کہ ایک

marfat.ocm

وجود دوسرے وجود میں آجائے ہاں ملائکہ کا مختلف شکلوں میں متشکل ہونا اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت ہے۔

فائدہ والحی الاسکوبی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا جو کہتا ہے کہ جبریل علیہ السلام متمثل ہوئے یا ابلیس متشکل ہوا تو اس کی مراد یہ نہیں کہ انہوں نے از خود ایسا کیا ہے اور وہ اپنی ذاتی طاقت سے ایسے ہو گئے ہیں بلکہ اس کی مراد یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ سے قدرت عطا ہوئی جس سے وہ متمثل و متشکل ہوئے جیسے وہ چاہتے اس طرح سے دو قولوں میں (بعض نے کہا متمثل ہو سکتے ہیں بعض نے کہا نہیں) منافات نہیں خلاصہ یہ کہ متمثل و متشکل ہونا اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اسباب سے عقیدہ رکھنا حرج نہیں۔[1]

سوال انسان العیون میں ہے کہ اگر کوئی سوال کرے کہ جس وقت جبریل علیہ السلام واصلی شکل کو چھوڑ کر دحیہ کلبی یا کسی اور آدمی کی شکل میں تشریف لائے تو روح تو اس شکل میں ہے تو پھر اصلی کو ہم زندہ سمجھیں یا مردہ۔

جواب آنے والے (دحیہ کلبی یا دوسری شکل میں روح نہیں بلکہ وہ جسد ہوتا تھا جو اس شکل میں متشکل ہوتا جس میں تصرف تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جنات کی طرح ملائکہ کرام کو بھی طاقت دے رکھی ہے۔ کہ وہ جس شکل میں متشکل ہونا چاہیں ہو جائیں۔ اس تقریر پر وہ ایک جسم (جبریل) ہوگا جس نے دوسری شکل اختیار کرلی ہوتی اسی لئے حضرت امام حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فرشتے کا مرد کی شکل ہونے کا یہ معنی نہیں کہ ان کی ذات رجولیت میں تبدیل ہو گئی بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اس صورت میں ظاہر ہوئے اس لئے کہ جس ذات سے انہوں نے گفتگو کرنی ہے وہ اسی شکل سے مانوس ہیں اس سے بھی ثابت ہوا کہ جبریلی صورت زائدہ نہ زائل ہوتی اور نہ ہی مٹ جاتی بلکہ صرف دیکھنے والے سے پوشیدہ ہو جاتی۔

غالی شیعوں کا رد اس سے غالی شیعوں نے استدلال کیا ہے کہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ حضرت علی اور ان کی اولاد (بارہ ائمہ) رضی اللہ عنہم) کی شکل میں ظاہر ہوتا تھا (معاذ اللہ) یہ عقیدہ اتنا غلط ہے کہ جو ہمارے دور کے شیعہ کو بھی

---

[1] (ہم اہلسنت کا موقف ہے جو دور حاضرہ میں اختلاف چل رہا ہے کہ حضور نبی پاک ﷺ اور اولیاء کرام مدد کرتے ہیں ہم کہتے ہیں کرتے ہیں وہابی نجدی دیوبندی ایسے عقیدہ کو شرک کہتے ہیں تو اس کا وہی جواب ہے جو اوپر گزرا

marfat.ocm

قبول ہے (کسی شیعہ کا یہ عقیدہ ہے تو فقیر کو مطلع کرے فقیر اس کا مدلل جواب پیش کرے) اویسی غفرلہ

فائدہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فرشتہ (جبریل علیہ السلام مثلاً) کے اجسام متعدد ہو جاتے ہیں نیز۔ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روح ملک (فرشتہ) کو ایسی قوت عطا فرمادی کہ وہ متعدد اجسام میں متصرف کرے جو اس کا اصلی جسم میں تصرف بھی مقصود نہ ہو بلکہ موجود رہے جیسے ابدال (اولیاء) کو قوت بخشی۔

ابدال کی قوت کا بیان وہابی غیر مقلد اور نجدی سرے سے ابدال وجود کے منکر ہیں اگرچہ اولیاء کو مطلقاً مانتے ہیں لیکن ان کے تصرفات کے عقیدہ کو شرک کہتے ہیں ان کی تردید میں صاحب روح البیان صدیوں پہلے لکھ دیا۔ (اویسی غفرلہ)

لانهم یرحلون الی مکان یقیمون فی مکانهم شبحًا اخر شبیها تشبحهم الاصلی بدلا منه (روح البیان ص ۲۱۵ ج)

ترجمہ وہ ایک دوسری جگہ کی طرف منتقل ہو جاتے اور اپنی جگہ دوسرا جسم چھوڑ جاتے ہیں جو ان کے اصلی جسم کے مشابہ اور اس کا بدل ہوتا ہے۔

اس کے بعد چند حکایات نقل کرنے سے پہلے لکھتے ہیں کہ حضرت ابن السبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے الطبقات میں لکھا کہ۔

اِنَّ کَرَامَاتِ الْاَوْلِیَاءِ اَنْوَاعٌ وَعَدَّ مِنْهَا اَنْ یَّکُوْنَ لَهٗ اَجْسَادٌ مُتَعَدِّدَةٌ قَالَ وَهٰذَا هُوَ الَّذِیْ یُسَمِّیْهِ الصُّوْفِیَّةُ بِعَالَمِ الْمِثَالِ وَمِنْهُ قِصَّةُ قَضِیْبِ الْبَانِ وَغَیْرِهٖ اَیْ کَوَاقِعَةِ الشَّیْخِ عَبْدُ الْقَادِرِ الطَّبْطَوْطِیُّ فَقَدْ ذَکَرَ الْجَلَالُ السُّیُوْطِیُّ اِنَّهٗ رُفِعَ اِلَیْهِ سُؤَالٌ فِیْ رَجُلٍ حَلَفَ بِالطَّلَاقِ اِنَّ وَلِیَ اللّٰهِ الشَّیْخَ عَبْدُ الْقَادِرِ الطَّبْطُوْطِیُّ بَاتَ عِنْدَهٗ لَیْلَةَ کَذَا فَحَلَفَ اٰخَرُ بِالطَّلَاقِ اِنَّهٗ بَاتَ عِنْدَهٗ تِلْکَ اللَّیْلَةَ بِعَیْنِهَا فَهَلْ یَقَعُ الطَّلَاقُ عَلٰی اَحَدِهِمَا فَاَرْسَلْتُ قَاصِدًا اِلَی الشَّیْخِ عَبْدُ الْقَادِرِ فَسَاَلَهٗ مِنْ ذٰلِکَ فَقَالَ لَوْ قَالَ اَرْبَعُوْنَ اِنِّیْ مَوْجُوْدٌ عِنْدَهُمْ لَصُدِّقُوْا فَاَفْتَیْتُ بِاَنَّهٗ لَا حِنْثَ عَلٰی وَاحِدٍ مِّنْهُمَا لِاَنَّ تَعَدُّدَ

marfat.ocm

الصُّوَرِ بِالتَّخَيُّلِ وَالتَّشَكُّلِ مُمْكِنٌ كَمَا يَقَعُ لِلْجَانِّ۔[1] (روح البیان ص ۲۲۹ ج ۹)

ترجمہ اولیاء کرام کی کرامات کئی قسم ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ان کے اجسام متعدد ہو جائیں فرمایا یہ وہی اصطلاح ہے جسے صوفیاء کرام عالم مثال سے تعبیر کرتے ہیں اسی سے ہے قضیب البان رحمۃ اللہ تعالیٰ وغیرہ کے واقعات ہیں جیسے حضرت شیخ عبد القادر طحطوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا واقعہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا۔ کہ ان سے ایک سوال ہوا کہ ایک شخص نے قسم کھائی کہ شیخ عبد القادر طحطوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فلاں شب اپنے گھر میں تھے اگر غلط ہو تو اس کی عورت کو طلاق دوسرے نے بھی یہی قسم کھائی سوال ہوا کہ ان میں کس کی عورت کو طلاق واقع ہو گی سیوطی نے فرمایا میں نے شیخ عبد القادر طحطوطی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آدمی بھیج کر پوچھا تو آپ نے فرمایا یہ تو دو ہیں اگر چالیس اشخاص ایسے کہتے تو بھی میں ان کے گھر موجود ہوتا اور وہ اپنی قسم میں سچے ہوتے اس کے بعد میں نے فتویٰ لکھا کہ ان دونوں میں کسی کی عورت کو طلاق نہ ہو گی۔ کیونکہ صورتوں کا متعدد ہونا تخیل و تشکل ممکن ہے۔ جیسے جنات کے لئے ہوتا ہے۔

حکایت امام شعرانی قدس سرہ نے فرمایا کہ مجھے الشیخ محمد الخضری کے ایک صحبت یافتہ نے فرمایا کہ شیخ نے ایک دن میں پچاس مقامات پر جمعہ کا خطبہ پڑھا اور انہیں امام بن کر نماز بھی پڑھائی۔

حکایت حضرت الشیخ حسین ابو علی جو مصر (محروسہ) میں مدفون ہیں کے ایک مرید صادق نے خبر دی کہ مختلف شکلوں میں متشکل ہونا ان کی عادت بن گئی تھی کہ رات اور دن میں کئی صورتیں اختیار فرما لیتے تھے۔ یہاں تک کبھی درندوں کی شکل میں اور کبھی جانوروں کی صورتوں میں۔ ایک دفعہ آپ کا ایک دشمن آپ کو شہید کرنے آیا تو دیکھا کہ آپ پہلے سے تلوار سے ٹکڑے ہوئے پڑے ہیں رات کا وقت دشمنوں نے آپ کے وہی ٹکڑے اٹھا کر کہیں دور ایک ٹیلے پر چھوڑ آئے لیکن صبح کو دیکھا تو آپ بدستور اپنے مسکن میں موجود ہیں اور کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں۔

فائدہ جواہر الشعرانی میں ہے کہ

---

[1] (اسی مضمون کو شیخ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اتنا بڑھایا کہ وہ ایک مستقل رسالہ ہو گیا اس کا نام رکھا "المنجلی" فی تطور الولی" فقیر نے اس کا ترجمہ اردو اور حاشیہ لکھ کر نام رکھا "ولی اللہ کی پرواز" پھر ایک مستقل تصنیف خود لکھی بنام "الانجلاء فی تطور الاولیاء"

marfat.ocm

[1] وَصُوْرَةُ التَّطَوُّرِ اَنْ يُّقَدِّرَ اللّٰهُ الرُّوْحَ عَلٰى تَدْبِيْرِ مَاشَاءَتْ مِنَ الْاَجْسَامِ الْمُتَعَدِّدَةِ بِخِلْعَتِهٖ كُنْ فَلِلْاَوْلِيَاءِ ذٰلِكَ فِي الدُّنْيَا بِحُكْمِ خَرْقِ الْعَادَةِ وَاَمَّا فِي الْاٰخِرَةِ فَاِنَّ نَفْسَ نَشْاَةِ اَهْلِ الْجَنَّةِ تُعْطٰى ذٰلِكَ فَيُدَبِّرُ الْوَاحِدُ الْاَجْسَامَ الْمُتَعَدِّدَةَ كَمَا يُدَبِّرُ الرُّوْحُ الْوَاحِدُ سَائِرَ الْاَعْضَاءِ الْبَدَنِ فَتَكُوْنُ تَسْمَعُ وَاَنْتَ تُبْصِرُ (تَبْطِشُ وَتَمْشِيْ وَنَحْوُ ذٰلِكَ)(روح البیان ص ۲۱۶ ج ۹)

ترجمہ تطور کی صورت یہ ہے کہ روح جو چاہے اجسام متعدد کی تدبیر بنائے اسے (خلعۃ) کن نصیب ہوئی دنیا میں اولیاء کو ایسی خرق عادت حاصل ہے اور آخرت میں تو ہر شخص ایسی طاقت دیا جائے گا ایک جسم متعدد اجسام تدبیر کرے گا ایسے جیسے ایک روح سارے جسم میں بیک وقت تصرف کرتا ہے۔ وہ بیک وقت سنتا ہے دیکھتا ہے پکڑتا ہے چلتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

فائدہ وَالَّذِیْ اَعْطَاہُ الْکَشْفُ الصَّحِیْحُ اَنَّ اَجْسَامَ اَھْلِ الْجَنَّۃِ تَنْطَوِیْ فِیْ اَرْوَاحِھِمْ فَتَکُوْنُ الْاَرْوَاحُ ظُرُوْفًا لِلْاَجْسَامِ عَکْسُ مَاکَانَتِ الدُّنْیَا فَیَکُوْنُ الظُّھُوْرُ وَالْحُکْمُ فِی الدَّارِ الْاٰخِرَۃِ لَا لِلْجِسْمِ لِلرُّوْحِ وَلِھٰذَا یَتَحَوَّلُوْنَ فِیْ اَیِّ صُوْرَۃٍ شَاءَ کَمَا ھُوَ الْیَوْمُ عِنْدَنَا لِلْمَلٰئِکَۃِ وَعَالَمِ الْاَرْوَاحِ (روح البیان ص ۲۱۶)

ترجمہ ایک کشف یہ نصیب ہوا کہ اہل جنت کے اجسام ان کی ارواح میں لپیٹے جائیں گے یعنی دنیا کے برعکس آخرت میں ظہور اجسام کا نہ ہوگا بلکہ ارواح کا اسی لئے وہ جیسے چاہیں پھرتے گھومتے نظر آئیں گے جیسے آج ہمارے لئے ملائکہ وعالم ارواح۔

عالم مثال کی تحقیق عالم مثال اجسام وارواح کے درمیان ایک عالم ہے جو عالم اجساد سے لطیف اور عالم ارواح کثیف ہے ارواح متجسد ہو کر عالم مثال میں مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتی ہیں یہ جواب حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے جواب سے بہتر ہے۔ جو انہوں نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام کی اصلی صورت صورت حاضر میں مندرج (پوشیدہ) ہو جاتی ہے۔

---

[1] (اس سے الیواقیت والجواہر مراد ہے (اویسی غفرلہ ۲))

marfat.ocm

فائدہ حضرت جبریل علیہ السلام مدینہ طیبہ میں ہی دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکل میں آتے تھے کیونکہ دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوہ بدر کے بعد مسلمان ہوئے۔ خود بدر میں بھی وہ شریک نہ تھے۔ یہ اس لئے کہ دحیہ کلبی جب کفر کی حالت میں تھے اس وقت جبریل علیہ السلام کا ان کی شکل میں آنا ناموزوں تھا۔

فائدہ حضرت شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ دحیہ کلبی اپنے زمانہ میں بہت بڑے حسین و جمیل تھے اس میں اشارہ تھا گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محبوب جبریل علیہ الصلوۃ والسلام کا اس صورت میں حسین و جمیل میں آنا بتا رہا ہے اور آپ کے اور میرے درمیان سفیر وہ حسن و جمال ہے جو میرے پاس ہے اس سے حضور نبی پاک ﷺ کو خوش رکھنا مطلوب تھا بالخصوص ان احکامات کے وقت جو مبنی بر وعیدات ہوتے تھے کیونکہ اس سے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو ان محرمات سے سکون ملتا تھا۔ جو لوگوں کے زجر و توبیخ کے موجبات تھے۔ یہ بات موزوں تو ہے لیکن یہ اس وقت ہے کہ ہر وقت جبریل علیہ السلام کا اسی صورت میں آنا ثابت ہوا حالانکہ برعکس ہے کہ کبھی دحیہ کلبی کے علاوہ دوسری صورتوں میں بھی آیا جایا کرتے تھے۔[1]

فائدہ ملائکہ کرام میں جو پر ہوتے ہیں وہی ان کی قوت روحانیہ و صفت ملکیہ ہے نہ یہ کہ اس طرح کے پر جو پرندوں میں ہوتے ہیں اور یہ اس کے منافی بھی نہیں کہ ان کا ایک پر مشرق و مغرب پر چھا جاتا تھا (کذا ذکرہ السہیلی)

صاحب روح البیان رحمتہ اللہ علیہ کی تحقیق فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ یہ عقلاً محال نہیں کہ کہا جائے کہ وہ پر قوت روحانی کا نام ہے اور وہ پرندوں کے پروں کی طرح بھی ہو تو حرج کیا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ پر ان پرندوں کی طرح نہ ہوں وغیرہ وغیرہ۔ کیونکہ معقولات محسوسات کے ارد گرد گھومتے ہیں ان میں موافقت پیدا کرنا حکمت کے لئے زیادہ موزوں اور قدرت کے لئے زیادہ اچھا ہوتا ہے اس کی تحقیق سورۃ الملائکہ میں بیان ہو چکی ہے اس میں تو کسی اہل عقل کو کلام نہیں۔ البتہ اس میں کلام ہے کہ جبریل علیہ السلام کے پر چھ سو ہیں یا ان سے کم و بیش۔ مجھے اس میں کوئی تحقیق نہیں ہوئی اور نہ ہی کسی محقق سے اس کی تصریح ملی ہے اور نہ ہی اشارات

---

[1] (جیسے حضرت عمر والی روایت جو مشکوٰۃ شریف کی پہلی حدیث ہے اس میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام اجنبی صورت میں آتے تھے اویسی غفرلہٗ)

marfat.ocm

سے معلوم ہوا ہے ہاں نبی پاک ﷺ سے اس کی تحقیق ہو سکتی ہے کیونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ سے ہی معلومات حاصل تھے آپ اپنے طور کچھ نہیں فرماتے تھے اور نہ ہی تخمینہ کے طور پر کچھ کہتے لیکن آپ کو معراج رات کو ہوئی اور وہ بھی فناء تام سے اور رات مظہر الفناء نہ کہ دن کہ وہ مظہر البقاء ہے۔

فناء کے سات مقام فناء کے مراتب سات اسماء کے مراتب پر ہیں اور اسماء سے سات اسماء باری تعالیٰ مراد ہیں جن کا ساتواں اسم القیوم ہے اس لئے حرم مکہ کے سات مینار ہیں۔ (یہ اس وقت جب صاحب روح البیان کا زمانہ تھا) کیونکہ بقاء کا راز حرم نبوی میں ظاہر ہونا اسی لئے اسکے پانچ مینار ہیں۔ (بزمانہ صاحب روح البیان قدس سرہ) اور یہ پانچ اسماء بارہ کا بقایا ہیں (یعنی سات فناء کے مراتب پر اور پانچ بقاء کے مراتب پر کل بارہ ہوئے ان پانچ اسماء کا آخری اسم احد صمد ہے اور سات اسماء میں سے ہر ایک کا تفصیلی اعتبار سے سو سو کا مرتبہ ہے جیسا کہ اسماء حسنیٰ کا مع احدیت الجمع کا قاعدہ ہے تو اس کا جمع کرنے پر سات سو ہوئے۔

جبریل علیہ السلام مقام فناء پہ تھے نہ کہ حضور ﷺ کیونکہ آپ مقام بقاء میں تھے یہی وجہ ہے کہ جبریل علیہ السلام سدرۃ المنتہیٰ پر ٹھہر گئے اور عرض کی۔

لودنوت انملتہ لاحترقت

اور حضور ﷺ وہاں سے آگے بڑھ کر عرش الٰہی تک پہنچے اس اعتبار سے حضرت جبریل علیہ الصلوۃ والسلام پر غلبہ پالیا اور جبریل علیہ السلام کی سیر حضور ﷺ کی سیر کے مقابلہ میں مقہور و مغلوب ہوئی تو جبریل علیہ السلام کی سیر کی انتہا اس قیوم تک پہنچی اور وہ اپنے مقام میں اس زمین پر نہیں سما سکتا اب میں آسمان کی طرف دیکھتا ہوں چنانچہ آپ نے آسمان کی طرف دیکھا تو حضرت جبریل علیہ السلام اصلی شکل میں مشرق سے ظاہر ہوئے (صورتاً و معناً) صورتیں تھیں۔ حضور علیہ السلام کی سیر اسم قہار تک تھی اس لئے آپ نے جبریل علیہ السلام کی محصور اشیاء کو بھی محصور کر لیا اس لئے آپ کے سات سو معنوی پر تھے۔

ملکوتی قوت سے نبوت کی قوت بڑھ کر ہم اہلسنت کہتے ہیں کہ جہاں ملکوت کی انتہا ہوتی ہے وہاں سے نبوت کی ابتداء ہوتی ہے اس قاعدہ کو صاحب روح البیان ایک عرصہ پہلے لکھ گئے وہ یہ:

فظھر ان القوۃ النبویۃ ازید من القوۃ الملکیتہ لانھا القوۃ الالھیتہ

marfat.ocm

ترجمہ معلوم ہوا کہ بنوت کی طاقت ملکیہ کی طاقت سے کئی گنا زائد ہے اسی لئے بنوت میں قوت الیہ ہے۔

دلائل قرآن اس قاعدہ کی دلیل میں فرمایا کہ وقد قال اللہ تعالٰی ید اللہ فوق ایدیھم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔

حضرت جبریل علیہ السلام کا نبی علیہ السلام سے فیض پانا یہ بھی ہم اہلسنت کا قاعدہ ہے جسے صاحب روح البیان قدس سرہ نے یوں بیان فرمایا۔

[ح] وان جبریل لکونہ من الایدی انما یستفید الیہ والقوۃ من النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم وقوتہ فاعرف ذلک وکن من الموقنین ولا تکنْ من الوہابین وھم الخوارج فی زماننا

ترجمہ جبریل علیہ السلام ہاتھوں سے ہے وہ نبی ﷺ سے استفادہ کرتے ہیں یعنی جبریل علیہ السلام بھی ہمارے نبی پاک ﷺ کے فیض کے محتاج ہیں اسے اچھی طرح سمجھ اور یقین کر (وہابی نہ بن)

تفسیر عالمانہ وھو بالافق الاعلی (اور وہ اعلی کنارہ پر تھے) یہ استواء کے فاعل سے حال ہے۔

حل لغات الافق وہ دائرہ جو فلک کی جو شے دیکھی جاتی ہے اور جو نہیں دیکھی جاتی کے درمیان فصل کرے یہاں افق اعلی سے مطلع الشمس مراد ہے جیسے افق دونی سے مغرب مراد ہے اب معنی یہ ہوا کہ حالانکہ وہ جبریل علیہ السلام افق شمس میں یعنی دنیا کے انتہائی حصہ یعنی مطلع الشمس کے نزدیک تھے یعنی اس کنارہ بلند تراز آسمان پر تھے یعنی مطلع الشمس کے نزدیک۔

فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ شمس کا مطلع و مغرب انسان کے سر اور پاؤں کی طرح ہے اگرچہ زمین کی شکل گیند جیسی ہے جیسا کہ گزرا اس کی مثل انسان کی روح و جسم کی ہے اور روح عالم علوی سے ہے اور جسم عالم سفلی سے ہے۔ روح نے عالم علوی سے طلوع کر کے عالم جسم میں غروب کیا۔

ثم دنا۔ (پھر قریب ہوا) یعنی نبی علیہ السلام کے ہاں قریب ہونے کا ارادہ کیا در انحالیکہ آپ غار حراء میں

ح۔ اضافہ اویسی غفرلہ

marfat.ocm

تحہ[1]

---

[1] (غار حراء میں ہر شب کو دیوان صالحین میں محبوبان خدا کا اجتماع ہوتا ہے اس کی تفصیل الابریز شریف میں یوں ہے۔

دیوان صالحین غار حرا پر زمانہ قدیم سے منعقد ہوتا چلا آیا ہے جس میں امور عالم طے کیے جاتے ہیں رحمت عالم ﷺ کی بعثت سے پہلے یہ دیوان ملائکہ سے معمور تھا پھر بعثت کے بعد امت مرحومہ کے اولیاء رفتہ رفتہ اس منصب پر فائز ہوتے رہے۔ اور وہ ملائکہ آسمان پر جاتے رہے یہاں تک کہ دیوان اولیاء امت سے معمور ہو گیا اور اہل دیوان میں کوئی فرق باقی نہ رہا اس کا انعقاد یوں ہوتا ہے۔ کہ غوث کی نشست بیرون غار بایں طور ہوتی ہے کہ مکہ معظمہ ان کے دائیں شانے کے پیچھے اور مدینہ شریف بائیں زانوں کے سامنے اور چار قطب دائیں طرف اور تین بائیں جانب اور وکیل سامنے ہوتا ہے جس کو قاضی دیوان کہتے ہیں۔ یہ غوث کی خدمت میں حاضرین دیوان کی درخواستیں پیش کرتے ہیں بحکم غوث الاقطاب سب فیصلے صادر فرماتے ہیں کچھ عملہ ان ساتوں قطب میں سے ایک کے ماتحت ہوتا ہے وکیل کے پیچھے صفیں ہوتی ہیں پہلی صف بشکل دائرہ دائیں طرف کے چوتھے قطب سے شروع ہو کر بائیں جانب کے اقطاب پر ختم ہوتی ہے اسی طرح باقی ماندہ صفیں بشکل دائرہ ہوتی ہیں اس دیوان میں کبھی کبھی مالک کونین شہنشاہ دارین ﷺ رونق افروز ہو کر غوث کی نشست گاہ پر تشریف فرما ہوتے اور انہیں سے کلام فرماتے ہیں۔ غوث وکیل کی جگہ چلے جاتے ہیں اور وکیل صف میں داخل ہو جاتے ہیں۔ بروقت تشریف آوری آپ کے ساتھ ایسے انوار ہیبت و جلال کا ہجوم ہوتا ہے جو دیکھنے والوں کو خاکستر کر ڈالیں مگر اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو ان کے تحمل کی طاقت عطا فرماتا ہے پھر بھی آپ کی موجودگی میں جو امور صادر ہوتے ہیں ان کو محفوظ کرنے والوں کی تعداد قلیل ہوتی ہے اسی طرح آپ کے تشریف لے جانے کے بعد غوث کے ساتھ ایسے انوار ہوتے ہیں جن کی وجہ سے اہل دیوان کو غوث سے قریب ہونے کی تاب نہیں ہوتی۔ فاصلے پر بیٹھتے ہیں۔ اس دیوان کے انعقاد کا وقت وہی ساعت گھڑی ہے جس میں سرور انبیاء محبوب کبریا ﷺ نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے اس دنیا کو سرفراز فرمایا تھا یعنی شب کے آخری تہائی حصہ میں جو خاص طور پر دعا کی مقبولیت کا وقت ہے۔

اور ہر شب کے اسی حصے میں رب العزت جل جلالہ آسمان دنیا پر خاص تجلی فرما کر ندا فرماتا ہے کوئی دعا کرنے والا کہ اس کی دعا کو قبول کروں۔ ہے کوئی سوال کرنے والا کہ اس کو عطا فرماؤں۔ ہے کوئی مغفرت طلب کرنے .

marfat.ocm

حل لغات الدنو بمعنی بالذات یا بالحکم قریب ہونا یہ زمان و مکان اور منزل میں مستعمل ہوتا ہے (المفردات) متدلی۔ تو۔

حل لغات فَتَدَلّٰی تو بمعنی لاسترلال مع تعلق یعنی جبرئیل علیہ السلام رفیق اعلیٰ سے رسول اللہ ﷺ

بقیہ حاشیہ گذشتہ: واللہ کہ اس کی مغفرت فرمائیں۔

اگر کوئی شخص اس مبارک وقت میں بیدار ہونا چاہے تو علمائے کرام نے اس کے واسطے ایک عمل تحریر فرمایا ہے۔ جس کے کرنے سے اس وقت مسعود میں آنکھ کھل جائے گی۔

وہ یہ ہے کہ سوتے وقت سورت کہف شریف کی آخری چار آیتیں پڑھ کر بارگاہ الٰہی میں عرض کرے کہ پروردگار اس سہانی گھڑی میں بیدار فرمادینا جس میں ماہتاب رسالت نے طلوع فرمایا تھا وہ آیات یہ ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا خٰلِدِیْنَ فِیْهَا
لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ
كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰۤى اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ
كَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا

ترجمہ بے شک جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے فردوس کے باغ ان کی مہمانی ہے وہ ہمیشہ ان ہی میں رہیں گے ان سے جگہ بدلنا نہ چاہیں گے تم فرماؤ اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لئے سیاہی ہو تو ضرور سمندر ختم ہو جائے گا اور میرے رب کی باتیں ختم نہیں ہوں گی اگر جو ہم سیاہی اس کی مدد کو لے آئیں تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک معبود تو جسے اپنے رب سے ملنے کی امید ہو اسے چاہئے کہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے۔

ہر غوث کے دو وزیر ہوتے ہیں غوث کا لقب عبداللہ ہوتا ہے اور زبردست راست عبدالرب اور وزیر دست چپ عبدالملک کے ساتھ لقب ہوتے ہیں اس سلطنت میں وزیر دست چپ وزیر راست سے اعلیٰ ہوتا ہے بخلاف سلطنت دنیا۔ کیوں؟ اس لئے کہ یہ سلطنت قلب ہے اور قلب جانب ہوتا ہے (مزید تفصیل و عجیب و غریب

marfat.ocm

جھکے ہاں آئے باوجودیکہ وہ افق اعلیٰ سے متعلق رہے۔ یہ اس محاورہ سے ہے تدلت الثمرۃ (پھل لٹکا) اور دلّی رجلیہ من السریر تخت (چارپائی وغیرہ) سے پاؤں لٹکائے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اگر تم نیچے والی زمین پر رسّی لٹکاؤ تو وہ اللہ پر یعنی اس کے علم و قدرت و سلطنت پر اترے گی کیونکہ اس کا علم و قدرت اور سلطنت پر جگہ ہے) کہا جاتا ہے۔ ادلی دلوہ (اس نے اپنا بوکہ لٹکایا) الدالی وہ ثمر جو لٹکا ہوا ہو۔ جسے فارسی میں اونک کہتے ہیں فکان قاب قوسین تو ان کے درمیان کی امتداد کی مقدار یعنی ان کے مابین مسافت بمقدار قاب قوسین تھی۔

حل لغات قوسین قسی العرب سے ہے بمعنی مقدار یعنی ان کے قرب کی مسافت

سوال قوسین کے ذکر کی کیا ضرورت تھی؟

جواب چونکہ قرآن مجید لغت عرب میں نازل ہوا ہے اور عرب کی عادت ہے وہ اشیاء کی مسافت قوسین سے بتائے (کیونکہ) اس وقت سوا اس کے کوئی مسافت بتانے کا کوئی اور آلہ ان کے ہاں مروج نہ تھا اسی لئے قوسین کا ذکر فرمایا۔

فائدہ معالم التنزیل میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور جبریل علیہ السلام کے درمیان قوسین کی مقدار مسافت تھی یعنی اتنی مقدار جو کمان اور وتر (اس کے تانگے) کے درمیان ہوتی ہے۔

سوال قوسین تشبیہ کے ساتھ کیوں؟

جواب چونکہ قوس اور وتر لازم و ملزوم ہیں اسی لئے قوس (کمان) کو وتر پر غلبہ دے کر قوسین کہا گیا جیسے شمس و قمر کو قمرین اور ابوبکر کو عمرین کہا جاتا ہے اس میں قرب کی تاکید مطلوب ہے۔

فائدہ عرب کا دستور تھا کہ جب دو شخص آپس میں صلح و صفائی اور کوئی معاہدہ کرتے تو اپنی دو کمانیں لے کر ایک دوسرے سے ملا دیتے اس میں اشارہ ہو تاکہ وہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کی حمایت کریں گے۔

فائدہ بعض قوسین بمعنی ذراعین کیا ہے اور ذراع (ہاتھ کو قوس سے اس لئے تعبیر کرتے ہیں کہ ہاتھ سے ماپی

ہوئی شے کا اندازہ کیا جاتا ہے لیکن اس وقت قرب اتصال اور بعد کا اعتبار نہ ہو گا کہ جس سے افادہ و استفادہ کا مفہوم نکالا جاسکے اس سے وہ حد مراد ہے جو احباء یاوب کی نشست ہوتی ہے۔

اَوْ اَدْنٰی یا اس سے تم یعنی اے مخاطبو یا تمہارے اندزہ پر یا وہ قوسین سے بھی کم مقدار میں تھے یہ او یزیدون کی طرح کیونکہ اللہ تعالیٰ سے تشکیک محال ہے تو یہ رو شک کے لئے ہے تو بندوں کی جہت سے)

فائدہ یہ اس قاعدہ پر جو لعل میں ہے کہ وہ بھی بندوں کے لئے امید کے لئے معنی میں آیا ہے اور قرآن میں متعدد مقامات میں ہے یعنی اے مخاطبو!! اگر تم میں سے کوئی انہیں دیکھتا تو کہتا کہ قرب میں قاب قوسین کی مقدار تھی یا اس سے بھی کم تم پر قرب کی مقدار میں التباس پڑ جاتا۔

فائدہ ثُمَّ دَنٰی سے رد اولی اتصال کی تمثیل کے لئے ہے اور تحقیق اس کی کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی طرف جو کچھ وحی کیا گیا اسے آپ نے قرب کی وجہ سے خوب سنا وہاں بعد نہ تھا کہ آپ پر وحی کے الفاظ کا التباس ہو جاتا۔

فائدہ بعض نے کہا اسے حقیقی معنی پر محمول کیا ہے وہ یہ کہ جب جبریل علیہ السلام حضور سرور عالم ﷺ کے قریب ہوئے تو التباس ہونے لگا جب قاب قوسین کی مقدار تک قریب ہوئے تو آپ نے اسی صورت میں دیکھا جس میں آپ انہیں اکثر اوقات میں دیکھا کرتے تھے کہ کسی قسم کا شک و شبہ کی گنجائش نہ رہی اس کے متعلق دیگر طرح کی گفتگو ہے جو ان آیات کے اختتام پر عرض کروں گا۔ (ان شاء اللہ)

فاوحیٰ تو جبریل علیہ السلام نے وحی پیش کی۔ اِلٰی عَبْدِہٖ اللہ تعالیٰ کے عبد مقدس کی طرف۔

سوال یہ ضمیر اضمار قبل الذکر کے قبیل سے ہے وہ تو نحو کے قاعدہ پر صحیح نہیں۔

جواب جہاں پر مرجع میں اعلیٰ درجہ کا ظہور ہو وہ اضمار قبل الذکر صحیح ہوتا ہے جیسے قرآن مجید میں ہے مَا تَرَکَ عَلٰی ظَہْرِھَا مِنْ دَآبَّۃٍ (زمین کی پیٹھ پر کوئی جانور نہ چھوڑا) یہ ضمیر الارض کی طرف راجع ہے۔

فائدہ عبد جو اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت کی وجہ سے مشرف ہے اس سے حضور نبی پاک ﷺ مراد ہیں جیسے

marfat.ocm

دوسرے مقام پہ فرمایا۔ سبحان الذی اسری بعبدہ (پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے عبد کو سیر کرائی)

ما اوحیٰ وہ جو وحی کی ان امور عظیمہ سے جسے بیان نہیں کیا جا سکتا یا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کے واسطہ سے عظیم امور کی وحی فرمائی۔

ما رایٰ وہ جو دیکھا یہ ما موصولہ ہے اس کا عائد محذوف ہے دراصل ما راہ ببصرہ وہ جو آنکھوں سے جبریل علیہ السلام کو دیکھا یعنی آپ کے قلب اقدس نے جبریل علیہ السلام کو دیکھ کر یوں کہا کہ میں نے تجھے نہیں پہچانا۔ اگر ایسا کہتے تو جھوٹے ہوتے اس لئے ماننا پڑے گا کہ آپ نے جبریل علیہ السلام کو جیسے آنکھ سے دیکھ کر پہچانا ایسے ہی دل سے جانا کہ یہ جبریل علیہ السلام ہیں۔

فائدہ بعض نے کہا کہ کذب مخففاً و مشدداً ہر دونوں طرح کا ایک ہی معنی ہے جس نے اسے مخففاً پڑھا تو اس نے کہا کہ ما موضع النصب میں بنزع الخافض کہ یہ دراصل یوں تھا ما کذب فوادہ راہ ببصرہ یعنی جو کچھ آپ نے آنکھ سے دیکھا اسے دل نے نہ جھٹلایا آپ کے لئے یہ اس لئے کہا گیا کہ اگر آپ کہتے کہ میں نے تجھے نہیں پہچانا اور نہ ہی مجھے تیرے متعلق اعتقاد ہے کہ تم جبریل علیہ السلام ہو تو اس سے آپ کا جھوٹا ہونا ثابت ہوتا۔

افتمارونہ علی مایریٰ (کیا تم ان کے دیکھے ہوئے پر ان سے جھگڑتے ہو) یعنی کیا تم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی تکذیب کرتے ہوئے جھگڑتے ہو اس بارہ میں جو انہوں نے جبریل علیہ السلام کی صورت دیکھی ہے فاء کا عطف محذوف پر ہے یا معنی یہ ہے کہ کیا بعد ان امور کے مذکور کے جو جھگڑے کے منافی ہیں تو ان سے جھگڑتے ہو اس معنی پر فاء تعقیبیہ ہو گی۔

شان نزول جب حضور سرور عالم ﷺ نے قریش مکہ کو جبریل علیہ السلام کے دیکھنے کی خبر دی تو وہ اس سے تعجب کرنے لگے۔

حل لغات المماراۃ والمراء بمعنی باطل طور جھگڑنا اس کا حق یہ تھا کہ وہ فی سے متعدی ہو جیسے کہا جاتا ہے جادلتہ فی کذا میں نے اس سے اس بات میں جھگڑا کیا لیکن چونکہ غلبہ کے معنی کو متضمن ہے اسی لئے بلاواسطہ متعدی ہے کیونکہ جھگڑنے والا اپنے فعل سے خصم پر غلبہ کا قصد کرتا ہے اہل عرب کہتے ہیں کہ اس اشتقاق

marfat.ocm

(مری الناقۃ) اونٹنی کا ظاہر کرنا گویا وہ ہر دو متخاصمین چاہتے ہیں کہ جو کچھ اس کے اندر ہے وہ ظاہر کرے کہا جاتا ہے مریت الناقتہ یعنی میں نے اونٹنی کے پستانوں کو ہاتھ لگایا تاکہ دودھ دے اور کہتے ہیں مریت الفرس میں نے گھوڑے سے وہ نکالا جو اس کے ہاں دوڑنا وغیرہ۔

سوال فقیر (صاحب روح البیان) کہتا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ مارآی ہو (ماضی کے بجائے مضارع) مایری بظاہر نامناسب ہے۔

جواب ۱ چونکہ رویت کا اثر باقی رہا اسی لئے یَرٰی (مضارع) مناسب ہے۔

جواب ۲ چونکہ جبرئیل علیہ السلام کو دیکھنا حضور سرور عالم ﷺ کے لئے تا وصل دائمی رہا۔ اسی لئے (یَرٰی) مضارع موزوں ہے اگرچہ غیر صورت اصلیہ پر رویت رہی تب بھی دائمی تھی۔

تفسیر حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سیدنا حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ و دیگر ایک جماعت نے فرمایا کہ عَلَّمَہٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی سے مراد خود ذات باری تعالیٰ ہے اور یہ وصف کمال قوت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے موزوں ہے۔ اور ذُوْمِرَّۃٍ بھی وہی ہے کہ وہی وہ احکام الامور واقضیا ہے اس میں وہ جگہ بھی بتائی جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو بلاواسطہ علم سے نوازا۔

فاستوی یعنی حضور نبی پاک ﷺ قائم ہوئے درانحالیکہ آپ افق اعلیٰ یعنی آسمانوں کے اوپر تھے پھر قریب ہوئے حضور سرور کونین ﷺ بارگاہ احدیت یعنی بارگاہ الوہیت کے مقرب ہوئے مرتبہ و منزلت میں اس سے کوئی جگہ اور منزل مراد نہیں بلکہ مرتبہ مراد ہے۔

فتدلی تو حضور سرور عالم ﷺ نے عاجزی دکھائی کہ اسی وقت بارگاہ حق میں سر بسجود ہوئے چونکہ آپ نے یہ مرتبہ سجدہ کی وجہ سے پایا اسی لئے پھر دوبارہ سجدہ شکر کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو وہ بندہ قریب تو ہوتا ہے جو سجدہ کرتا ہے۔

کان قاب قوسین اس قربت کی تاکید اور محبت کی تقریر ہے اور اس قرب کو ایک تمثیل سے سمجھایا جو اہل عرب کے عظیم لوگوں کی عادت تھی کہ جب کسی عہد و پیمان میں ایسی توثیق و تاکید کرتے ہیں کہ جس میں ضہ

بغض و عداوت کو گنجائش نہ ہو تو ہر دونوں اپنی کمانیں لاتے پھر وہ کمانیں آپس میں ملا دیتے پھر دونوں اپنے ہاتھ ملا کر دونوں کمانوں سے ایک تیر پھینکتے اس میں اشارہ ہوتا کہ ان دونوں کا آپس اتحاد و اتفاق ہے یہاں تک کہ ان کی رضا و رنج ایک ہو گا کہ اس کا راضی ہونا دوسرے کی رضا ایک کا غصہ دوسرے کا غصہ۔ اس آیت میں گویا واضح کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت و قربت حضور سرور عالم ﷺ کے مطابق ہے کہ جو رسول اللہ کا مقبول ہے وہ خدا تعالیٰ کا مقبول ہے جو ان کا مردود ہے وہ اللہ تعالیٰ کا راندہ ہوا ہے (اسی طرح جملہ امور)

تفسیر صوفیانہ محققین نے فرمایا کہ دنا میں حضور نبی پاک ﷺ کا نفس مقدس اور تدلّٰی بمنزلہ قلب اطہر کے کان قابَ قوسین مقام روح طیب اور اوادنیٰ بمنزلہ سر منور کے ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ آپ کا نفس مقدس خدمت حق میں اور دل منور منزل محبت میں اور روح اقدس مقام قربت میں اور سر پاک مرتبہ مشاہدہ میں ہے۔

علامہ نوری قدس سرہ کی تقریر کسی نے حضرت ابوالحسن نوری قدس سرہ سے اس آیت کا مطلب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ جہاں جبریل علیہ السلام دم نہیں مار سکتے نوری بیچارہ (رحمۃ اللہ علیہ) کیا لب کشائی کر سکتا ہے۔

خیمہ بروں زد ز حدود جہات   پردہ او شد تتق نور ذات
تیرگی ہستی ازو دور گشت   پردگی پردۂ آں نور گشت
کیست کزاں پردہ شود پردہ ساز   زمزمۂ گوید ازاں پردہ باز

ترجمہ ۱۔ حدود جہات سے باہر آپ نے خیمہ لگایا پردہ ہٹ گیا تو نور ذات سامنے آگیا۔
۲۔ ہستی کی تاریکی آپ سے دور ہو گئی پردہ کی پردہ داری نور ہو گئی۔
۳۔ کون ہے جو اس پردہ کو پھر پردہ دے بلکہ پردہ باز خود زمزمہ گو ہے۔

فائدہ اس میں دلیل ہے کہ دنا کی ضمیر حضور سرور عالم ﷺ کی طرف لوٹتی ہے۔

حدیث شریف حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ جب مجھے آسمانوں کی معراج ہوئی تو مجھے میرے رب تعالیٰ نے اپنے قریب کیا یہاں تک کہ میرے اور اس کے درمیان قاب قوسین یا اس سے قریب تر کا فاصلہ تھا مجھے کہا

گیا کہ میں نے آپ کی امت کو آخر الامم بنایا کہ دوسری امتوں کی فضاحت ان کے سامنے ظاہر کروں لیکن ان کی فضاحت ان کے سامنے ظاہر نہ ہو کیونکہ یہ ان سب کے بعد آئی ہے۔

فائدہ صوفیانہ بعض اکابر نے فرمایا کہ دنیٰ میں عروج و وصول کی طرف اشارہ ہے اور تدلّٰی میں نزول و رجوع کی طرف اور قرب قوسین بمنزلہ نتیجہ کے ہے اس میں اشارہ ہے کہ آپ عالم صفات تک واصل ہیں جس کا اشارہ اللہ الصمد میں ہے اور اونیٰ میں اشارہ ہے کہ آپ عالم ذات تک واصل ہیں جس کا اشارہ اللّٰہ احد میں ہے جو سورۃ اخلاص میں واقع ہے خلاصہ یہ کہ ثم دنیٰ سے ثابت ہوا کہ خلق سے حق کے قریب ہوئے او تدلی میں اشارہ ہے کہ آپ حق سے خلق کی طرف لوٹے کان قاب قوسین مرتبہ وحدت احدیہ میں ہے جو صرف غیب ذات حق سے مخصوص ہے یہاں دو امر ثابت ہوئے۔

۱۔ قاب قوسین کے مرتبہ تک پہنچنا اور وہ صرف فناء فی الصفات سے ہوتا ہے۔

۲۔ مرتبہ اوادنی تک پہنچنا اور یہ ذات و صفات میں فنا پانے سے ہوتا ہے اگر اللہ کسی پر کسی نزول و بقاء آسان فرمائے تو ان دونوں جہتوں میں اس کا امر کامل و مکمل ہوتا ہے بخدا ایسے مرتبہ و مقام والے بہت کم ہیں۔

فائدہ بعض نے کہا کہ دنی الخ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے کشف الاسرار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بندے کے قریب ہونا دو طرح ہے۔

۱۔ اس کی دعا مستجاب فرمائے اور اس کی ہر آرزو پوری کرے اور اس کے مراتب بلند فرمائے جیسا کہ فرمایا فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان میں قریب ہوں اور دعا مانگنے والوں کی دعا قبول کرتا ہوں۔

۲۔ دنو بمعنی القرب فی الحقیقت جو ان معانی مذکور کے ماسوا ہے جیسے فرمایا دنی فتدلی الخ اب معنی یہ ہوا کہ جبار رب العزت قریب ہوا فتدلی یعنی قرب میں یہاں تک بڑھا کہ حضور سرور عالم ﷺ کے قریب قاب قوسین کی مقدار میں تھا یا اس سے قریب تر۔

ازالہ وہم یہ دنی فتدلی اسی طرح کا ہے جیسے اس کا ہر شب کو تہائی رات آخری میں آسمان دنیا میں اس کا نزول اجلال ہوتا ہے اور محققین کے نزدیک مقام تنزل سے ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے لطف و کرم فرماتا اور ان کو خطاب سے نوازتا ہے یعنی خود اپنی ذات ان امور کا اطلاق فرماتا ہے جو بندے اپنے لئے استعمال

کرتے ہیں اس معنیٰ پر وہ اخلاق بندوں کے لئے حقیقی معنی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے مجاز (انسان العیون)

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی تفسیر سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے قاضی ابوالفضل نے کتاب الشفاء میں نقل فرمایا۔ کہ اس دنو کی حد بندی نہیں نبی کریم ﷺ کا اللہ تعالیٰ کے قریب ہونا آپ کی عظمت شان اور شرافت مرتبہ کا اظہار اور اشراق انوار معرفت اور مشاہدہ اسرار غیبت وقدرت ہے اور اللہ تعالیٰ کا قرب یہ ہے کہ وہ آپ پر احسان عظیم اور آپ سے انس اور کشادگی اور آپ کا اعزاز و اکرام فرماتا ہے۔

فائدہ فتح الرحمن میں ہے کہ جس نے ضمائر جبریل علیہ السلام کے بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے ہیں اس نے کان قاب قوسین الخ سے مراد نہایت قرب ولطف المحل و اتضاح المعرفت و اشراف علی الحقیقت برائے رسول اللہ ﷺ مراد لی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں اجابت و الرغبت وقضاء المطالب والے تھے آپ کی ہر بات قبول اور ہر طرح کے احسان سے نوازے ہوئے اور ہر مقصد پورا کردیئے جانے والے ہیں۔ جیسا کہ فاوحی الی عبدہٖ مااوحی میں اشارہ ہے۔

فائدہ الاسئلۃ المقحمۃ میں ہے فاوحیٰ الخ میں اجمال ہے اس کی تفسیر نہیں فرمائی کہ کیا وحی کی کیونکہ سب کا ذکر باعث طوالت تھا اجمالی فرمادیا۔ جس کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔

فائدہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کی تفصیل بندوں سے مخفی رکھی کہ یہ وہ اسرار ہیں کہ ع کراما کاتبین راہم خبر نیست۔ کراما کاتبین یعنی (کسی کو بھی خبر نہیں)

نکتہ اور یہ بھی محبت و معرفت وعلو مرتبہ وبلندی درجات کے خواص سے ہے کہ محبوبوں کے درمیان کچھ اسرار اور راز و نیاز بھی ہوتے ہیں کہ جس پر اجنبی اور اغیار مطلع نہیں ہوئے۔

حدیث لی مع اللہ حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا۔

لی وقت مع اللہ لا یطلع علیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل (روح البیان ص ۲۷۰ ج ۹)

میرا ایک وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا ہے کہ اس پر نہ کوئی ملک مقرب اور نہ کوئی نبی مرسل آگاہ ہو سکتا ہے۔

فائدہ میں نے شیخ ابو علی فارسی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا آپ نے فرمایا کہ آیت ہذا میں ایک ایسا راز ہے کہ

marfat.ocm

اسے کھولا جائے تو طوالت ہو گی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے چند اسرار علم بندوں سے مخفی رکھے صرف اپنے محبوب نبی ﷺ کو بتائے تاکہ کوئی اور اس پر مطلع نہ ہو اس لئے تمام مخلوق کا علم قاصر ہے کہ وہ سرادق عبودیت کی سیر کر سکے اگر اس پر چلیں گے بھی تو بھی تھک کر رہ جائیں گے اس کی مثال وہ ہے جو حضور سرور عالم ﷺ نے بعض اسرار حضرت معاذ رضی اللہ عنہ پر منکشف فرمائے انہوں نے عرض کی یارسول اللہ دوسروں کو بھی بتاؤں آپ نے فرمایا ان کو نہ بتانا تاکہ عمل سے رہ کر صرف انہی باتوں پر سہارا کر لیں۔

لا مکتم السر الا کل ذی خطر   والسر عند کرام الناس مکتوم
والسر عندی فی بیت لہ غلق   قد ضاع مفتاحہ والباب مختومٌ

ترجمہ   صاحب مراتب ہی راز پوشیدہ رکھتے ہیں اور اچھے لوگوں کے ہاں راز مخفی رہتے ہیں۔ میرے نزدیک راز ایسے گھر میں ہونا چاہئے جس پر تالہ لگا کر اس کی چابی کردی جائے اور دروازہ کو سر بمہر کر دیا جائے۔

کسی اور بزرگ نے فرمایا۔

بین المحبین سر لیس یغشہ   قول ولا عمل للخلق یحکیہ
سر یمازجہ انس یقابلہ   نور تحیر فی بحر من التیہ

ترجمہ   محبوں کے درمیان راز ہوتا ہے جسے مخلوق کو نہ قول بیان کرتا ہے نہ عمل۔ راز کو صرف انس موافقت کرتا ہے وہ ایسا نور ہے کہ جنگلوں میں کسی دریا میں ہمیشہ متحیر ہو کر رہ جاتا ہے۔

کسی اور بزرگ نے کہا۔

دردیکہ من از عشق تو دارم حاصل   دل داند و من دانم

ترجمہ   وہ درد جو مجھے تیرے عشق سے حاصل ہوا ہے وہ صرف میرا دل جانتا ہے بس میں ہی جانتا ہوں یا میرا دل۔

فاوحی الی عبدہ مااوحی کی تفاسیر   ا۔ حضرت کاشفی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ بہتر ہے کہ ہم اس کے درپے نہ ہوں خدا جانے اور مصطفیٰ ﷺ

marfat.ocm

۲۔ بعض علماء نے فرمایا کہ اس کے متعلق جو روایت میں آیا ہے اتنا قدر بیان کرنے میں حرج نہیں تفسیر جواہر (مصنفہ کاشفی رحمتہ اللہ علیہ) میں تفصیل سے عرض کیا گیا ہے یہاں صرف تین وجوہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

۱۔ وحی کا مضمون یہ تھا کہ اے محبوب ﷺ اگر میں آپ کی امت سے عتاب کرنے کو دوست نہ رکھتا تو ان سے حساب نہ لیتا یعنی ان سے حساب لینا بھی میری محبت کی دلیل ہے کہ میں ان کو عتاب کروں گا تو بھی ان سے میری محبت کی دلیل ہے اگر ان سے محبت نہ ہوتی تو کبھی ان سے حساب نہ لیتا۔

۲۔ اے محمد انا وانت وماسویٰ ذلک خلقتہ لاجلک (روح البیان ص ۲۲ ج ۹ — و تفسیر احمدی ص ۲۲۹ اویسی غفرلہ)

ترجمہ اے محبوب (محمد ﷺ) میں اور تو ان کے ماسوا جو کچھ ہے وہ میں نے صرف آپ کے لئے پیدا کیا ہے۔ اس کا حضور نبی پاک ﷺ نے جواب عرض کیا۔

انت وانا وماسوٰی ذلک ترکتہ لاجلک

ترجمہ تو اور میں اس کے سوا باقی سب کچھ میں نے تیرے لئے چھوڑا۔

۳۔ اے حبیب ﷺ آپ کی امت میری طاعت بجالاتی ہے لیکن گناہ بھی کرتی ہے ان کی اطاعت تو میری رضا کے لئے ہے لیکن ان کی معصیت میری قضا ہے جو عمل ان کا میری رضا کے لئے ہو گا اگرچہ تھوڑا اور کمی کے ساتھ سہی وہ میں ان سے قبول کرلوں گا اور وہ برائی جو میری قضاء سے ان سے سرزد ہوئی ہے اگرچہ بہت زیادہ سہی تب بھی انہیں معاف کروں گا اسی لئے کہ میں رحیم ہوں[1]

۴۔ بعض نے کہا کہ اس وحی کا مضمون یہ تھا کہ ان الجنتہ محترمنہ علی الانبیاء حتی تدخلھا وعلی الامم حتی تدخل امتک (روح البیان) ص ۲۱ ج ۹)

ترجمہ انبیاء علیہما السلام پر بہشت کا داخلہ بند ایسے ہی ان کی امتوں پر یہاں تک کہ آپ کی امت اس میں داخل نہ ہو۔

۵۔ بعض نے کہا کہ اس کا مضمون یہ تھا کہ مخلوق سے ناامید ہو جاؤں کیونکہ ان کے ہاتھ میں کچھ نہیں اور میری

---

[1] (تفاسیر دیگر۔ تفسیر صاوی میں ہے کہ وحی سے وہ عظیم الشان باتیں مراد ہیں جن کے نہ الفاظ متحمل ہو سکتے ہیں نہ مخلوق میں کوئی ایسا ہے جو انہیں سمجھ سکے ص ۲۲۸ اویسی غفرلہ)

محبت اختیار کر اس لئے تمہارا لوٹنا میرے ہاں ہے اور دنیا سے دل کو نہ لگاؤ کیونکہ میں نے تمہیں اس کے لئے پیدا نہیں کیا۔

۶۔ بعض نے کہا وہ وحی یہ تھی کہ دنیا میں گزاروں جیسے چاہوں بالآخر تم نے مرنا ہے اور جس سے محبت چاہے محبت کر اور بالآخر اسے چھوڑنا اور اس سے جدا ہونا پڑے گا اور جو چاہوں عمل کر لو اس پر تمہیں جزا و سزا ملے گی۔

۷۔ بعض نے وہ وحی الم یجدک یتیما فاوحیٰ تا ورفعنا لک ذکرک ہے۔

امت کی شکایت حضور ﷺ نے فرمایا کہ شب معراج اللہ تعالیٰ نے متعدد شکایات کیں ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔

۱۔ میں نے تو انہیں کل کا مکلف نہیں بنایا لیکن وہ مجھ سے کل کی روزی کا بھی مطالبہ کرتے ہیں۔

۲۔ میں نے ان کا رزق غیروں کے سپرد نہیں کیا لیکن وہ میرے کام کو دوسروں کے سپرد کرتے ہیں۔

۳۔ رزق میرا کھاتے ہیں لیکن شکر میرے غیر کا کرتے ہیں میری خیانت کرتے ہیں لیکن میرے غیر سے صلح رکھتے ہیں۔

۴۔ عزت صرف میرے پاس ہے اور میں انہیں عزت دیتا بھی ہوں لیکن میرے غیر سے عزت طلب کرتے ہیں۔

۵۔ میں نے جہنم تو کافروں کے لئے تیار کی ہے لیکن یہ کوشش کرتے ہیں کہ خود کو جہنم میں ڈالیں اور فرمایا کہ اے حبیب ﷺ امت کو فرمایئے کہ تم کسی کا احسان مند ہونا چاہتے ہو تو اس کا میں زیادہ لائق ہوں کہ میری تم پر ان گنت نعمتیں ہیں اور اگر تم زمین و آسمان میں کسی سے ڈرتے ہو تو اس کے لائق بھی میں ہوں اس لئے میں ہی کامل قدرت کا مالک ہوں اور اگر تم کسی سے امیدوار ہونا چاہتے ہو تو وہ بھی میں ہوں کہ میں تمہارے ظلم و جفا برداشت کر رہا ہوں اس کے باوجود کہ تم جفا کرتے ہو لیکن میں وفا کرتا ہوں اگر تم کسی کے لئے مال و جان نثار کرنا چاہتے ہو تو بھی اس کا میں مستحق ہوں کیونکہ میں تمہارا معبود ہوں اگر تم کسی کو اپنے وعدہ کا سچا سمجھتے ہو تو بھی وہ میں ہوں اس لئے کہ میں ہی وعدے کا سچا ہوں۔

۶۔ بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے وحی میں فرمایا کہ اے محبوب محمد ﷺ میں آپ کی امت کو بہت زیادہ مال و اسباب اس لئے نہیں دیتا تاکہ قیامت میں ان کا حساب کتاب لمبا نہ ہو اور ان کی عمریں طویل اس لئے نہیں بنائیں

marfat.ocm

تاکہ ان کے قلوب سخت نہ ہو جائیں اور طویل عمری سے نہ اکتا جائیں اور ان کو اچانک اس لئے نہیں مارتا تاکہ دنیا سے توبہ کے بغیر رخصت نہ ہوں اور دوسرے امتوں سے انہیں اس لئے بعد کو پیدا کیا تاکہ انہیں قبور میں زیادہ مدت نہ ٹھہرنا پڑے۔

۷۔ بعض نے کہا اس وحی سے وہی مراد ہے بعض نے کہا اس سے وہی مراد ہے جو احادیث سے ہے اور قیامت کی ہولناکیاں جو احادیث واخبار میں مروی ہیں وغیرہ وغیرہ اسی لئے حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم ہنستے کم اور روتے بہت۔

تفسیر امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاوحی الی عبدہ الخ سے وہ وحی مراد ہے جو بلا واسطہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم ﷺ کو فرمائی اس لئے کہ اس میں کچھ وضاحت نہیں کہ کیا وحی کی یہ ایک راز ہے جو صرف وہی جانتا ہے جس نے دیا اور جس نے لیا آخرت میں ظاہر ہو گا جو امت کے لئے آپ کو اذن شفاعت ہو گا۔

البقلی قدس سرہ کی تفسیر سیدنا امام جعفر صادق رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس وحی خفی کا راز عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک مخلوق میں سے کوئی بھی نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم ﷺ کو کیا وحی کی کیونکہ محبوب و محب کے درمیان ایک راز ہوتا ہے جس سے سوائے ان کے اور کوئی آگاہ نہیں ہوتا بلکہ میرا خیال ہے کہ اگر وہ راز افشاء کرتا تو تمام اولین و آخرین اس کے ثقل سے مرجاتے وہ ایسا وردو ثقیل ہے جو صرف اور صرف محبوب خدا ﷺ نے قوت ربانیہ ملکوتیہ لاہوتیہ سے اٹھایا اور وہ قوت اللہ تعالیٰ نے ہی اپنے محبوب ﷺ کو پہلے سے ہی عطا فرما رکھی تھی اگر وہ قوت نہ ہوتی تو آپ ذرہ برابر بھی برداشت نہ فرما سکتے کیونکہ وہ عجیب خبریں اور اسرار ازلی تھے اگر ان میں کوئی ایک ظاہر ہو جائے تو احکام معطل اور تمام ارواح و اجسام ختم اور تمام رسول مٹ جائیں اور تمام عقول و علوم اور فہوم بے نام و نشان ہو جائیں[1]

معراج کی شب عطیہ علوم کے اقسام فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ اس شب

---

[1] (لمعات میں ہے کہ وہ وحی تین چیزیں تھیں۔

۱۔ فرضیت نماز ۲۔ بقرہ کی آخری آیت ۳۔ امت کے سوائے شرک کے تمام گناہ معاف (حاشیہ جلالین ص ۲۲۷))

(معراج) اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کو کئی قسم کے علوم عطا فرمائے۔

۱۔ تمام امت تک پہنچادو یہ وہی احکام و شرائع ہیں جو حضور سرور عالم ﷺ نے تمام امت تک پہنچائے۔

۲۔ خواص تک پہنچاؤ یہ معارف ایسے تھے جو حضور سرور عالم ﷺ کی امت کے خواص کاملین کو نصیب ہوئے۔

۳۔ اخص لاخواص تک پہنچاؤ یہ حقائق و نتائج علوم ذوقیہ تھے جو مخصوص حضرات کو نصیب ہوئے۔

۴۔ ایک ایسی قسم بھی تھی جو صرف اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ مخصوص رکھے اور بس یہ وہی راز و اسرار تھے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے حبیب ﷺ کے درمیان ہیں جن کا اشارہ لی مع اللہ وقت الخ میں ہے کیونکہ خاص علیہ اور پوشیدہ راز تھا جسے افشاء نہ کیا گیا۔ ایسے ہی حضور ﷺ کے وارثین کاملین کا حال ہے کہ انہیں اس مقام سے کچھ حصہ نصیب ہوتا ہے تو وہ کسی کو نہیں بتاتے آخرت میں اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔

ان کے سامنے ان کا محل نہیں ہوتا جس میں وہ راز افشاء کریں یا تو وہ صرف اور صرف اسی سے خاص راز تھا جو دوسرے کے بتانے کا نہ تھا یا اس کے قریب کوئی دوسرا ایسا نہ تھا جسے اس راز مخفی کی صلاحیت و اہلیت ہو اور یہ زمانہ کے مطابق ہوتا ہے مثلاً پہلے زمانہ میں رسل کرام علیہما السلام تشریف لائے اور رسالت کا پروگرام بھگت کر تشریف لے گئے لیکن اپنی امت میں کسی کو رسالت نہ دی کیونکہ ان میں کسی ایک کو صلاحیت و اہلیت نہ تھی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مقام جمعیت جامعہ کا تمام مظہریات پر احسان فرمایا اس میں جبریل علیہ السلام کا واسطہ ہے نہ میکائیل کا تجلی یا وحی فرمائی صورت وحی میں اپنے اس عبد مقدس کو جو اس کی ہاہویت مطلقہ کی طرف مضاف ہے ساتھ حقائق کے جو حکم وحدت کا عین ہے ساتھ احدیت جمیع جمع اعیان ظاہرہ مشہودہ اور حقائق باطنہ غیبیہ مفقودہ کے جو کون (موجودات) میں موجود ہے اس تعین و جمع و اطلاق کے عین سے مطلقاً ماکذب الفواد مراد ہے۔

تفسیر ماکذب الفواد الخ اس روایت سے اگر جبریل علیہ السلام مراد ہیں تو حضور سرور عالم ﷺ نے ان

marfat.ocm

کے عین کو دیکھا اور وہ بھی اس ظاہری آنکھ مبارک سے۔

شب معراج میں رویت باری تعالیٰ کی تحقیق اگر رویت سے رویت باری تعالیٰ مراد ہے تو اس میں اختلاف ہے کہ شب معراج میں حضور سرور عالم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو اس آنکھ ظاہری سے دیکھا یا قلب اطہر سے بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں رویت پیدا فرمائی۔ اسی سے آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ اب معنی یہ ہوا کہ دل نے نہ جھٹلایا اسے جو دل نے دیکھا یعنی آپ کے قلب نے یہ نہ کہا کہ میں نے ہاجس شیطانی دیکھا (معاذ اللہ) کیونکہ آپ کی شان کے لائق نہیں کہ ایسا کہیں کہ آپ کہیں کہ اپ اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھیں (معاذ اللہ) بلکہ آپ کے دل کو یقین تھا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو ظاہری آنکھوں پاک سے دیکھا جیسا کہ خود حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلامی سے نوازا اور مجھے دیدار سے اور فرمایا میں نے اپنے رب کو حسین ترین صورت یعنی صفت میں دیکھا۔

فائدہ حضرت انکواشی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آنکھ سے دیدار کی دلیل نہیں بن سکتی اس لئے کہ رویت سے مراد رویت قلبی ہو کہ معرفت میں اضافہ ہوا ہو۔

تردید از صاحب روح البیان قدس سرہ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے رویت کو ہم کلامی کے مقابلہ میں لانا دلالت کرتا ہے کہ اس سے آنکھ سے دیکھنا مراد ہے اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام نے رویت عینی کا سوال کیا تو روکے گئے تو اب اس کا یہی تقاضا ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی فضیلت ثابت ہو تو رویت عین سے تاکہ معلوم ہو کہ جس امر سے موسیٰ علیہ السلام کو منع کیا گیا وہی حضور ﷺ کو عطا ہوا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا دیدار ظاہری آنکھ مبارک سے۔

فائدہ اس میں شک نہیں دیدار الٰہی قلب سے یہ ہے کہ دنیا و مافیہا سے علیحدگی ہو اور اس امر میں تمام انبیاء علیہم السلام مشترک نہیں بلکہ اولیاء کرام کو بھی قلبی رویت نصیب ہو جاتی ہے اور یہ صحیح روایت سے ثابت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مدہوش ہو کر طور پر گرے تو آپ کو قلبی رویت الٰہی نصیب ہو گئی تھی اور اسے اضافہ معرفت محمول کرنا کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

marfat.ocm

سوال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جو گمان رکھتا ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ نے خدا تعالیٰ کو دیکھا تو وہ اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا افتراء کرتا ہے۔

جواب کشف الاسرار میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نفی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور سرور عالم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو اس ظاہری آنکھ مبارک سے دیکھا اور علم اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ مثبت ونافی کا معارضہ ہو تو مثبت کو ترجیح ہوتی ہے کیونکہ نافی اس لئے نفی کر رہا ہے اس نے سنا نہیں اور مثبت اس کا اثبات کرتا ہے کہ اس نے سنا اور جانا بھی۔

فائدہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے حضور سرور عالم ﷺ سے سوال کیا کہ کیا آپ نے رب تعالیٰ کو دیکھا ہے آپ نے فرمایا وہ نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا تھا یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات نسبتوں اور اضافات مجرو ہے اور نور مجرو نہیں دیکھا جاسکتا۔ اس کی تحقیق پہلے گزر چکی ہے۔

فائدہ عین المعانی میں ہے کہ رویت عین ہم نے اجماع سے ثابت کیا ہے۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ بعض نے کہا ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو آنکھ سے نہیں قلب سے دیکھا تو یہ قول سنت کے خلاف ہے اور مذہب صحیح کے بھی مخالف ہے کیونکہ صحیح مذہب یہ ہے کہ سرور عالم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو سر مبارک کی چشمان اقدس سے دیکھا ہے۔

مسئلہ الکواشی میں ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیکھنا عقلاً محل ہے اور سوائے حضور سرور عالم ﷺ کے کسی دوسرے کو دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیکھنا محال ہے یہی عقیدہ رکھنا چاہیے۔

مسئلہ ابن الشیخ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیکھنا جائز ہے کیونکہ آخرت میں دیدار کی دلیل جواز کی کوئی تخصیص نہیں۔ اسی لئے اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ رویت عبد کی قدرت سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ارادت (دکھانے) پر ہے اگر دیدار کا علم آنکھ سے ہو جائے تو آنکھ سے دکھانا متصور ہوگا اگر قلب سے ہو تو وہ قلب کی معرفت کہلائے گی۔ اللہ قادر ہے کہ وہ مدرک المعلوم فی البصر پیدا کردے جس سے دیدار کا علم حاصل ہو جائے جیسے وہ قلب

میں معرفت کے پیدا کرنے پر قادر ہے۔ (ایسے ہی آنکھ میں بھی) خلاصہ یہ کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اختلاف چلا آ رہا ہے۔ اور یہ بھی واضح ہے کہ اختلاف فی الوقوع دلالت کرتا ہے کہ دیدار الٰہی دنیا میں جائز ہے۔ (ورنہ اختلاف نہ ہوتا)

حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دعوی سیدنا حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بخدا حضور نبی پاک ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو شب معراج دیکھا تھا۔

حضرت امام احمد حنبل رحمتہ اللہ علیہ کا مذہب حضرت نقاش حضرت امام احمد حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتے تھے کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث کے موافق کہتا ہوں کہ حضور سرور عالم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو ظاہری آنکھ مبارک سے دیکھا دیکھا دیکھا۔ یہ کہتے کہتے آپ کی سانس ختم ہو گئی[1] کلام سرمدی یوں ہے۔

بے نقل شنید خداوند جہانرا بے جہت دید

(خداوند جہان کا کلام بلا نقل سنا اور بے جہت دیکھا)

دران دیدن کہ حیرت حاصلش دلش در چشم و چشمش در دلش بود

ترجمہ اس دیکھنے میں خود اسے حیرت تھی کہ اس کا دل آنکھ میں آ گیا یا آنکھ دل میں چلی گئی۔

لہ (ہمارا بھی یہی عقیدہ ہے کہ حضور نبی پاک ﷺ نے ان ظاہری مبارک آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوئے چنانچہ ہمارے دلائل ملاحظہ ہوں۔

۱۔ روی عن ابن اسحاق ان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارسل الی ابن عباس یسئالہ ہل رآی محمد (ﷺ) ربہ فقال نعم۔

۲۔ روی ذلک عنہ من طرق وقال اللہ اختص موسی بالکلام وابراهيم بالخلّته ومحمد بالرؤيته۔

۳۔ امام الماوردی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا قیل ان اللہ قسم کلامہ ورویتہ بین موسی ومحمد ﷺ فرآہ محمد (ﷺ) مرتین وکلمہ موسیٰ مرتین۔

(بقیہ حاشیہ [illegible] آگے)

فائدہ بعض اکابر مشائخ نے فرمایا کہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے دیدار نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہاں اس کا کسی کو عرفان نہیں ورنہ اسے دیکھتے تو ہیں لیکن اسے پہچانتے نہیں کیونکہ وہ اس شان سے ہے وہاں عقل کو رسائی نہیں اور ہمیشہ خود مخلوق اس کے آگے حجاب ہے ورنہ وہ ذات دنیا و آخرت میں کیفیت سے منزہ و مقدس ہے۔

بقیہ حاشیہ گذشتہ

وَحَكَى أَبُو الْفَتْحِ الرَّازِيُّ وَأَبُو اللَّيْثِ الْحِكَايَةَ عَنْ كَعْبٍ وَرُوِيَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ اجْتَمَعَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَكَعْبٌ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ أَمَّا نَحْنُ بَنُو هَاشِمٍ فَنَقُولُ إِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ رَأَى رَبَّهُ مَرَّتَيْنِ فَكَبَّرَ كَعْبٌ حَتَّى جَاوَبَتْهُ الْجِبَالُ فَقَالَ إِنَّ اللهَ قَسَمَ رُؤْيَتَهُ وَكَلَامَهُ بَيْنَ مُحَمَّدٍ وَمُوسَى فَكَلَّمَ مُوسَى وَرَآهُ مُحَمَّدٌ بِقَلْبِهِ۔

۴ عَنِ ابْنِ عَطَاءٍ فِي قَوْلِهِ أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ قَالَ شَرَحَ صَدْرَهُ لِلرُّؤْيَةِ وَشَرَحَ صَدْرَ مُوسَى لِلْكَلَامِ۔

۵ وَقَالَ الْحَسَنُ عَلِيُّ بْنُ إِسْمٰعِيلَ الْأَشْعَرِيُّ وَجَمَاعَةٌ مِنْ أَصْحَابِهِ أَنَّهُ رَأَى اللهَ بِبَصَرِهِ وَعَيْنَيْ رَأْسِهِ وَقَالَ كُلُّ آيَةٍ أُوتِيَهَا نَبِيٌّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ عَلَى نَبِيِّنَا وَعَلَيْهِمُ السَّلَامُ فَقَدْ أُوتِيَ مِثْلَهَا نَبِيُّنَا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ وَخُصَّ مِنْ بَيْنِهِمْ بِتَفْضِيلِ الرُّؤْيَةِ

۶۔ بمقتضائے محبت اللہ جل شانہ و وسعت ظرف حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کہ آپ متحمل ہیں اس لئے کوئی استبعاد و استنکار نہیں۔

۷۔ قَالَ الْقَاضِي أَبُو الْفَضْلِ رَحِمَهُ اللهُ عَلَيْهِ أَنَّ رُؤْيَتَهُ تَعَالَى فِي الدُّنْيَا جَائِزٌ عَقْلًا وَلَيْسَ فِي الْعَقْلِ مَا يُحِيلُهَا وَالدَّلِيلُ عَلَى جَوَازِ فِي الدُّنْيَا سُؤَالُ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ مُهَادُ مُحَالٌ أَنْ يَجْهَلَ دَمَا سَأَلَ عَنْهُ مَا لَا يَجُوزُ عَلَيْهِ بَلْ لَمْ يَسْأَلْ إِلَّا جَائِزًا غَيْرَ مُسْتَحِيلٍ وَلٰكِنَّ وُقُوعَهُ وَمُشَاهَدَتَهُ مِنَ الْغَيْبِ الَّذِي لَا يَعْلَمُهُ إِلَّا مَنْ عَلَّمَهُ اللهُ فَقَالَ لَهُ لَنْ تَرَانِي أَيْ لَنْ تُطِيقَ وَضَرَبَ اللهُ بِالْذُلِهِ مَثَلًا بِمَا هُوَ أَقْوَى مِنْ جِثَّةِ مُوسَى وَأَثْبَتَ وَهُوَ الْجَبَلُ وَكُلُّ هٰذَا لَيْسَ فِيهِ مَا يُحِيلُ رُؤْيَتَهُ فِي الدُّنْيَا وَلَا حُجَّةَ لِمَنِ اسْتَدَلَّ عَلَى مَنْعِهَا بِقَوْلِ اللهِ لَا تُدْرِكُهُ أَيْ لَا تُحِيطُ بِهِ بِقَوْلِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَقِيلَ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَ

(بقیہ حاشیہ)

انما یدرکہ المبصرون لکان التاویل قیل لا تدرکہ ابصار الکفار وقیل لا تدرکہ الابصار فی الدنیا

خلاصہ یہ کہ حضور سرور عالم ﷺ کو ذات باری تعالیٰ کا مشاہدہ آپ کے مراتب علم کا انتہائی مرتبہ ہے کیونکہ علم حواس کے تابع ہے جب مطلوب اپنے کمال کو پہنچ جائے تو تابع بھی اسی کمال تک پہنچ جاتا ہے اس معنی پر تمام موجودات حضور سرور عالم ﷺ کے علم مبارک سے خارج نہیں جو اس کے خلاف دعویٰ کرتا ہے اس کا صرف دعوی اور ادعائے محض ہے۔ دور حاضرہ میں حضور نبی پاک ﷺ کو دیدار الٰہی کا وہابیوں غیر مقلدوں کو انکار ہے مختصر دلائل عرض کر دیئے گئے ہیں لیکن افسوس ہے کہ بعض بد قسمت سرے سے معراج جسمانی کے منکر ہیں جیسے مرزائی نیچری چکڑالوی پرویزی وغیرہ فقیر چند مختصر دلائل پیش کرتا ہے پہلی دلیل قرآن مجید میں موجود ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ

ترجمہ پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے مسجد اقصی تک وہ جس کے گرداگرد ہم نے برکت رکھی ہے کہ ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں بیشک وہ سنتا دیکھتا ہے۔

دلائل از آیات

۱۔ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ کو معراج جسم مع روح ہوئی کیونکہ عبد کا لفظ روح مع الجسم پر بولا جاتا ہے نہ تنہا روح اور جسم چنانچہ سورہ جن میں ہے وانہ لما قام عبد اللہ یدعوہ کادوا یکونون علیہ لبدا (جب اللہ کا بندہ یعنی رسول اللہ ﷺ عبادت کے لئے قیام فرماتے ہیں جن ان پر ٹوٹ پڑتے ہیں تاکہ آپ کی ذات سے قرآن شریف سنیں) اور سورہ مریم میں ہے ذکر رحمت ربک عبدہ زکریا (یہ ذکر اس رحمت کا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے زکریا پر کی تھی)

۲۔ کلمہ 'ایاتنا' نیز اس بات پر شاہد ہے کہ جو نشانیاں پروردگار عالم نے اپنے حبیب ﷺ کو دکھائی ہیں وہ

marfat.ocm

(بقیہ حاشیہ آگے)

(بقیہ حاشیہ)

سب کی سب حالت بیداری میں تھیں اگر حالت خواب میں معراج ہوتی تو پھر اس معجزہ اور نشانیوں کو کفار لوگ کیوں عقل سے بعید سمجھ کر انکار کرتے اور بعض مسلمانوں کی نوبت کیونکہ کفر تک پہنچتی اس لئے کہ خواب کی بات ہے تو کسی فرد بشر کو انکار نہیں ہو سکتا۔

۳۔ سبحان الذی کے استعمال کی وجہ بھی یہی ہے کہ جب انسان کی عقل نے اس امر کو محال سمجھا تو اس میں قادر مطلق پر عدم قدرت و عجز کا الزام لگتا ظاہر ہوا تو اللہ تعالیٰ نے کہا کہ میری ذات عجز اور دہر ایک نقص سے پاک و منزہ ہے اور یہ عقل کی نارسائی کا سبب ہے کہ اس امر کو محال سمجھتا ہے اور خداوند کریم پر یہ امر محال نہیں۔

۴۔ صاحب تفسیر حسینی نے بایں طور معراج جسمانی ثابت کیا ہے کہ سمیع اور بصیر مستمع اور مبصر کے معنی میں ہے یعنی حضرت محمد ﷺ کو اپنا کلام سنایا اور اپنی قدرت لازوال کی نشانیاں دکھائیں۔

۵۔ بعض مفسیرین نے انہ کی ضمیر کو اپ کی ذات کی طرف پھیرا ہے (روح البیان اور روح المعانی) نفحات الانس میں مذکور ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ خطاب سنتے تھے جو ان سے کیا اور وہ چیز دیکھتے تھے جو ان کو دکھائی۔

۶۔ کلمہ اسری بعبدہ بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے کیونکہ عبد جسم مع روح کے بولا جاتا ہے اگر خواب میں معراج ہوتی تو اسری بر وجہ کہا جاتا ہے۔

دوسری ایت سورہ نجم میں اللہ تعالیٰ نے بایں طور فیصلہ کر دیا ہے کہ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى یعنی بیشک دیکھا محمد رسول اللہ ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام کو ایک بار سدرۃ المنتہی میں درخت کے پاس۔ اس کے نزدیک جنت الماوی تھا جو پرہیزگاروں اور متقیوں کی آرام کی جگہ ہے اور قَابَ قَوْسَيْنِ مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَاطَغٰى یعنی آپ کی نظر مبارک دائیں بائیں نہ پھری اور نہ ہی حد سے نظر مبارک نے تجاوز کیا۔ یہاں تک کہ آپ نے قرب حاصل کیا لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى قسم خدا کی کہ دیکھیں محمد رسول اللہ ﷺ نے رات معراج میں اپنے رب کی بڑی نشانیاں جیسے عرش عظیم و لوح محفوظ و کرسی و رفرف و سدرۃ المنتہی و اصلی صورت جبرائیل علیہ السلام اور طرح طرح کے عجائبات ملکی و ملکوتی آنحضور علیہ الصلوۃ والسلام نے مشاہدہ کئے۔

۳۔ آیت شریف وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِیْ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ الخ بھی ہماری دلیل ہے۔ کیونکہ اس سے صاف ثابت ہوا کہ آپ کی ذات بابرکت کو معراج جسمانی ہوئی چنانچہ کتاب بخاری تفسیر سورہ بنی

(بقیہ حاشیہ)

اسرائیل میں ہے۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْیَا الَّتِی اَرَیْنَاکَ اِلَّا فِتْنَۃً لِّلنَّاسِ قَالَ ہِیَ رُؤْیَا عَیْنٍ اُرِیْہَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْلَۃَ اُسْرِیَ بِہٖ (الحدیث) اس ایت واثر سے معلوم ہوا کہ اگر خواب میں معراج ہوئی تو پھر فتنتہ للناس کہنے کی کیا ضرورت تھی اس کانشانی اور معجزہ کیوں کہا جاتا۔

۴۔ احادیث مشہورہ متواتر بھی اسی پر شاہد ہیں کہ آپ کی ذات بابرکات کو معراج جسمانی ہوئی چنانچہ بخاری و مسلم و ابوداؤد و ابن ماجہ و شفا قاضی عیاض وغیرہ کتب احادیث میں ان صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے روایات مذکور ہیں۔

۱۔ ابی ابن کعب ۲۔ اسامہ بن زید ۳۔ انس بن مالک ۴۔ بریدہ ۵۔ بلال بن حملہ ۶۔ بلال بن سعد ۷۔ جابر بن عبداللہ ۸۔ حذیفہ بن الیمان ۹۔ سمرہ بن جندب ۱۰۔ سہل بن سعد ۱۱۔ شداد بن اوس ۱۲۔ صہیب بن سنان ۱۳۔ عبداللہ بن عباس ۱۴۔ عبداللہ بن عمر بن خطاب ۱۵۔ عبداللہ بن عمرو ۱۶۔ عبداللہ بن زبیر ۱۷۔ عبداللہ بن اوفی ۱۸۔ عبداللہ بن سعد ۱۹۔ عبداللہ بن مسعود ۲۰۔ عبدالرحمن بن عابس ۲۱۔ عباس بن عبدالمطلب ۲۲۔ عثمان بن عفان ۲۳۔ علی بن ابی طالب ۲۴۔ عمر بن خطاب ۲۵۔ مالک بن صعصعہ ۲۶۔ ابوبکر صدیق ۲۷۔ ابوالحمراء ۲۸۔ ابو ایوب انصاری ۲۹۔ ابوہریرہ ۳۰۔ ابوالدرداء ۳۱۔ ابوذر غفاری ۳۲۔ ابو سعید الخدری ۳۳۔ ابو سفیان ۳۴۔ ابو سلمہ ۳۵۔ ابو سلمی الراعی ۳۶۔ ابو یعلی الانصاری ۳۷۔ اسماء بنت ابی بکر ۳۸۔ عائشہ ام المومنین ۳۹۔ ام کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ ۴۰۔ ام سلمہ ام المومنین ۴۱۔ ام ہانی ۴۲۔ ابو حجلہ وغیرہ سے مذکور ہیں۔

۵۔ تمام علمائے دین محققین کا اس پر اتفاق ہے کہ آنحضور ﷺ کو معراج جسمانی ہوئی تھی چنانچہ شاہ ولی اللہ نے اپنی تصنیف حجتہ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ وَاُسْرِیَ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی ثُمَّ اِلٰی سِدْرَۃِ الْمُنْتَہٰی وَاِلٰی مَاشَآءَ اللّٰہُ وَکُلُّ ذٰلِکَ بِجَسَدِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْیَقْظَۃِ (حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے بیت اللہ شریف سے بیت المقدس اور بیت المقدس سے سدرۃ المنتہی تک رات میں ہی مع جسم مبارک بیداری میں سب جگہ سیر کیا جہاں جہاں خداوند کریم نے چاہا اور شفاء (ص ۵۷ ج ۱) اور زادالمعاد (ص ۹۱ ج

(بقیہ حاشیہ آگے)

marfat.ocm

(بقیہ حاشیہ)

۱) میں لکھا ہے کہ الحق الذی قلیہ اکثر الناس ومعظم السلف وعامتہ المتناخرین من الفقہاء والمحدثین والمتکلمین انہ اسری بجسدہ صلی اللہ علیہ وسلم (بڑا گروہ حقہ میں سلف وخلف و فقہاء محدثین کا اسی حق بات پر ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو معراج شریف جسم سے ہوا اور جو شخص حدیث کا مطالعہ کرے اس کو خود معلوم ہو جائے گا اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب مدارج النبوت میں لکھا ہے۔ وخیر المعراج ای بجسد المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم یقظتہ الی السماء ثم الی ماشاء اللہ تعالیٰ فی المقامات العلی ای حدیث بطرق متعددۃ فمن رد ای ذالک ولم یومن بمعنی ذلک الاثر فھو ضال مبتدع ای جامع بین الضلالتہ والبدعتہ (معراج جسمی حضور ﷺ کا آسمان تک حالت بیداری میں ہے۔ پھر جہاں خداوند کریم نے چاہا مقامات بلند پر پہنچایا یہ بات حق ہے۔

۲۔ حدیث جو درباره معراج وارد ہے وہ متعدد اسناد سے مروی ہے جس نے اس حدیث کو رد کیا اور ایمان نہ لایا وہ گمراہ اور بدعتی ہے۔ چنانچہ مدارج النبوت میں مسطور ہے کہ اسراء کہ بردن آنحضرت است از مکہ مسجد اقصی است بکتاب اللہ و منکر آں کافر است واز آنجا بردن کہ معراج نام داشت ثابت است باحادیث مشہورہ کہ منکر آں مبتدع وفاسق و مخذول است الخ اور صاحب شفاء (ص ۵۸ ج ۱) میں لکھتے ہیں کہ آنحضور علیہ الصلوۃ والسلام کو تمام معراج جسمی ہوئی ہے اس پر قرآن مجید کی آیت ظاہراً دلالت کرتی ہے اور احادیث صحیحہ بھی اس بات پر شاہد ہیں۔

فائدہ دلائل عقلیہ سے بھی محال نہیں۔

سوال حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا معراج جسمانی کی منکر تھیں (نعوذ باللہ من ذالک) ان لوگوں کا کہنا بالکل غلط ہے کیونکہ صحیح مسلم باب معنی قول اللہ عزوجل ولقد راٰہ نزلتہ اخری ھل رای النبی صلی اللہ علیہ وسلم ربہ لیلتہ اسراء کے تحت میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جناب آقائے نامدار نے رات معراج میں خداوند کریم کو دل کی آنکھ سے دیکھا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اپ کی ذات اقدس نے اللہ تعالیٰ کو جسم اطہر کی آنکھ سے دیکھا (ہکذا فی شفاء قاضی عیاض)

سوال سیرت ابن اسحق وابن ہشام وغیرہ نے حدیث نقل کی ہے وحدثنی بعض ال ابی بکر ان

(بقیہ حاشیہ)

عائشہ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانت لقول ما فقد جسد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولکن اللہ اسری بروحہ الخ ابن اسحق نے کہا کہ آل ابی بکر سے کسی نے مجھے بیان کیا کہ عائشہ زوجہ آنحضور علیہ الصلوۃ والسلام فرماتی ہیں کہ آنحضور ﷺ کا جسد مبارک گم نہیں ہوا بلکہ آپ کی ذات کے روح پاک کو اللہ تعالیٰ رات کے وقت لے گیا۔

جواب اس حدیث کے متن میں علت قادحہ موجود ہے کیونکہ ما فقد کی جگہ ما فقدت بھی ایک روایت میں وارد ہے چنانچہ شفاء میں ہے۔

جواب ۲ اس کی اسناد میں انقطاع اور راوی مجہول ہے۔

جواب ۳ ابن وجیہ نے التنویر میں کہا کہ یہ حدیث موضوع ہے اور امام شافعیہ ابوالعباس بن سریج نے کہا کہ یہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ یہ حدیث صحیح کے رد کرنے کے لئے وضع کی گئی ہے۔

جواب ۴ مورخین نے لکھا ہے کہ واقعہ معراج ابتداء اسلام میں ہوا ہے تو اس وقت سیدہ عائشہ صدیقہ پیدا ہی نہیں ہوئی تھیں اور بعض روایات میں ہجرت سے پانچ سال پہلے اور بعض روایات میں ایک سال پہلے معراج کا واقعہ ہوا ہے اور ہجرت کے وقت بی بی صاحبہ کی عمر پانچ سال یا آٹھ سال تھی کہ آنحضرت ﷺ کے دولت خانہ مدینہ منورہ میں آکر رونق افروز ہوئیں۔

جواب ۵ بی بی صاحبہ نے یہ بات اپنے مشاہدہ سے نہیں فرمائی بلکہ سنی سنائی بیان کر دی جس کی کوئی اصل نہیں اور نہ ہی روایت کا ضبط ہونا اس عمر میں عند المحدثین تسلیم کیا جاتا ہے چنانچہ شفاء شریف میں مذکور ہے۔ اما قول عائشتہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ما فقدت جسدہ فعائشتہ کم تتحدث بہ عن مشاھدۃ لانہا لم تکن حینئذ زوجتہ ولا فی سن ومن یضبط الخ

جواب ۶ اس حدیث کا ذکر کتب صحاح مشہورہ میں نہیں پایا گیا اور اگر اس حدیث کو صحیح مان بھی لیا جائے تو یہ حدیث صحیحہ متواترہ و مشہورہ کا ہرگز ہرگز مقابلہ نہیں کر سکتی مزید تحقیق فقیر کی کتاب "معراج حبیب کبریا" میں پڑھیئے۔ (بقیہ حاشیہ آگے)

marfat.ocm

(بقیہ حاشیہ گذشتہ)

سوال مرزائی کہتے ہیں کہ کسی بھی انسان کا آسمان کی طرف جانا محال عقلی ہے اسی لئے وہ عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ اٹھائے جانے اور اب ان کے آسمان پہ زندہ ہونے اور پھر قرب قیامت میں ان کے واپس تشریف لانے کے منکر ہیں۔

جواب اللہ کریم کی ذات ہر امر پر قادر ہے اس کی شان کے آگے بعید نہیں اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے پیدا کیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا فرمایا اور مائی حوا علیہا السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے نمودار کیا اور حضرت ذکریا علیہ السلام (باوجودیکہ وہ بہت بوڑھے تھے ان کی زوجہ بھی عقیمہ تھی) کو فرزند ارجمند عطا فرمایا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جسم عنصری کو آگ جلتی ہوئی سے محفوظ رکھا اسی طرح عصائے موسیٰ علیہ السلام کو اژدہا بنا دیا اور اونٹنی کو پتھر سے نکال کر دکھایا اور منتہی الارب میں ہے کہ سمندری کیڑا آگ میں رہتا ہے نہ مرتا ہے۔ اور حیات الحیوان ص ۳۴۳ ج ۲ میں لکھا ہے کہ شتر مرغ آگ کا چنگار انگل جاتا ہے۔ اس کا پیٹ چنگارا بجھا دیتا ہے۔ اور وہ چنگارا اس کو نہیں جلاتا۔ اصل عبارت یوں ہے کہ وتبتلع الجمر فیکون جوفها هو العامل فی اطفائه ولا یکون الجمر عاملا فی احراقه الخ ایسی کروڑہا مثالیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح وہ چاہتا ہے کرتا ہے اس کے لئے کوئی مشکل نہیں۔ اگر انسانی عقل ادراک نہیں کر سکتی تو اس کا اپنا قصور ہے نیز ایسے امور کو ناممکن اور محال خیال کرنا خدائے تعالیٰ کی ذات کے لئے اس کے قادر مطلق ہونے پر عیب لگاتا ہے۔ انسان کے لئے واجب ہے کہ خدا کے امور میں چون و چرا نہ کرے بعض ہندسہ دانوں نے بعلم ہندسہ ثابت کر دیا ہے کہ آپ کی ذات نے بیت المقدس سے فلک اعظم بجسم عنصری سیر کی ہے۔ اور جغرافیہ دان بتاتے ہیں کہ زمین کا قطر تقریباً آٹھ ہزار میل ہے اور آفتاب کا قطر زمین کے قطر سے سوگنا سے بھی زیادہ ہے مگر باوجود اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ جب صبح کو پہلے سورج کا بالائی کنارہ نمودار ہوتا ہے تو اس کے بعد کیسے جلد اس کا کنارہ زیریں نظر آ جاتا ہے۔ اور سرعت جسد مبارک میں سرعت کا پایا جانا ممکن نہیں کیونکہ آپ کا جسم نور تھا اور قاعدہ ہے کہ اس ظاہری روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی ثانیہ بیان کی جاتی ہے حالانکہ تمام نور حضور اقدس ﷺ کے نور ہی کے پرتو ہیں لہٰذا حضور کے جسم اطہر میں جو نورانی جسم ہے ایسی حرکت کا حصول بطریق اولیٰ ممکن ہے اور قرآن مجید و کتب حدیث سے یہ بات ظاہر ہے کہ آنحضور ﷺ کا وجود مبارک لطیف تھا۔ چنانچہ

marfat.ocm

(بقیہ حاشیہ آگے)

(بقیہ حاشیہ گذشتہ)

حکیم ترمذی نے نوادر الاصول ص ۶۸ میں ذکوان سے حدیث بیان کی ہے اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ یَکُنْ یُرٰی لَہٗ ظِلٌّ فِیْ شَمْسٍ وَلَا قَمَرٍ قَالَ ابْنُ سَبُعٍ مِنْ خَصَائِصِہٖ اَنَّ ظِلَّہٗ کَانَ لَا یَقَعُ عَلَی الْاَرْضِ وَاَنَّہٗ کَانَ نُوْرًا وَکَانَ اِذَا مَشٰی فِی الشَّمْسِ اَوِالْقَمَرِ لَا یُنْظَرُ لَہٗ ظِلٌّ الخ حکیم ترمذی نوادر الاصول میں بروایت ذکوان نقل کیا ہے کہ آپ کا سایہ نظر نہ آتا تھا اس کی مزید تحقیق فقیر کے رسالہ "بے سایہ رسول" میں ہے اور اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ بھی اسی امر پر شاہد ہے اور قرآن مجید میں ہے قَدْ جَآءَکُمْ مِنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتَابٌ مُّبِیْنٌ اور حدیث مواہب لدنیہ بروایت جابر بن عبد اللہ انصاری ہے کہ کہا جابر نے کہ میں نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ سب اشیاء سے اول اللہ تعالیٰ نے کس چیز کو پیدا کیا تو فرمایا آپ نے یا جابر ان اللہ تعالیٰ خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْیَاءِ نُوْرَ نَبِیِّکَ مِنْ نُوْرِہٖ الخ اور اس حدیث کو امام عبد الرزاق نے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔

کلیم کہ چرخ فلک طور اوست
ہمہ نورہا پرتو نور اوست

خلاصہ یہ کہ جسم مبارک ہمارے آقائے نامدار ﷺ کا نوری تھا جسے مفصل طور فقیر نے "نبی نور" میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا جسم مبارک لطیف تھا نہ کہ کثیف چونکہ اس جسم نورانی کا سایہ نہ تھا پس آسمان کی طرف جانا محال عقلی نہیں۔

عقلی دلیل رسول اللہ ﷺ کے لئے معراج جسمانی کے منکرین خلائی مسافرین کی کہانی پڑھ کر سوچیں کہ معراج رسول ﷺ کا انکار کر کے کون سے دین کی خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔ اخبارات میں چھپا تھا کہ روس نے خلائی سفر کا سمونٹ میجر یوری لگارین کو راکٹ میں سوار کر کے راکٹ فضا میں چھوڑا اور چاند کی دنیا میں بھیجا اور وہ بھی کامیاب رہا۔ پیغام رسانی اور ٹیلی ویژن نظام قائم کرنے کے لئے ٹیلی اسٹار یعنی جو مصنوعی سیارہ فضا میں چھوڑا گیا اس کا وزن ایک سو ستر پونڈ تھا جس کا رقبہ ایک سو چونتیس انچ ہے۔ کرہ ارض سے جس کی انتہائی بلندی تین ہزار چار سو پچاس میل ہے اور کم از کم پانچ سو پچھتر (۵۷۵) میل ہے ٹیلی اسٹار کے بعد پھر پچیس سے زائد سیارے فضا میں چھوڑے گئے۔ پھر روس کے دو اور خلاء باز مسافر میجر نکولائی اور لفٹنٹ کرنل پاپوج بھی یکے بعد دیگرے فضا میں جا

(بقیہ باقی حاشیہ آگے)

marfat.ocm

فائدہ بعض اکابر مشائخ نے فرمایا کہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے دیدار نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہاں اس کا کسی کو عرفان نہیں ورنہ اسے دیکھتے تو ہیں لیکن اسے پہچانتے نہیں کیونکہ وہ اس شان سے ہے کہ وہاں عقل کو رسائی نہیں اور ہمیشہ خود مخلوق اس کے آگے حجاب ہے ورنہ وہ ذات دنیا و آخرت میں کیفیت سے منزہ و مقدس ہے۔

(باقی صفحہ گذشتہ)
پہنچے۔ جہاز کے خلائی مسافروں کا بیان ہے کہ جب ہم ایک ہفتہ کے بعد چاند کے قریب پہنچے تو یہ معلوم ہو رہا تھا کہ پھر ہم مادہ گیتی کے آغوش میں پہنچنے والے ہیں کیونکہ وہاں اونچے اونچے پہاڑ بڑے بڑے دریا وسیع میدانوں اور دیواروں کا نظارہ بالکل ہمیں کا سا تھا کپتان سے معلوم ہوا کہ یہ آثار قمر کی آبادی کے ہیں تو ہم لوگوں کی مسرت کی انتہاء نہ رہی الغرض دو گھنٹے بعد ہمارا جہاز کرہ قمر کے اس وسیع میدان میں آہستہ آہستہ اترا جسے وہاں کی زبان میں سوشان یعنی تختہ گل کہتے ہیں زمین پر جس کا وزن ایک من ہو۔ کرہ قمر میں پہنچ کر اس کا وزن دس سیر ہو جاتا ہے پھر وہاں ایک خاص قسم کے جانور ملے جو شکل و صورت میں تو انسان تھے لیکن اعضائے بدن میں بہت کچھ فرق تھا یعنی بجائے دو ٹانگوں کے ان لوگوں کی صرف ایک ٹانگ تھی اور جب یہ مخلوق چلتی ہے تو اپنی ٹانگ کو آگے نہیں بڑھاتی بلکہ سارا جسم ایک ستون کی طرح اوپر بلند ہو جاتا ہے اور جس طرف جی چاہتا ہے وہ اوپر ہی اوپر تیرتا ہوا چلا جاتا ہے۔ اس کی ٹانگ میں کوئی جوڑ بھی نہیں۔ اسے جسم سے بغیر کاٹے ہوئے علیحدہ بھی کر سکتے ہیں۔ ان لوگوں کی چار چار آنکھیں دو رخساروں پر اور دو پشت پر ہاتھ انسانوں کی طرح ہیں لیکن نہایت کمزور، ان کے جسم پر سنہرے بال کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ جو وقت گفتگو کھڑے ہو جاتے ہیں جس سے دیکھنے والے پر ہیبت طاری ہو جاتی ہے۔ جس وقت ہمارا جہاز قمر میں پہنچا تو یہ لوگ کثیر تعداد میں جہاز کے گرد جمع ہو گئے جو چاند کے اشرف المخلوقات ہونے کا فخر کرتے ہیں پھر روس کے دو خلاء باز مسافر بخیریت تمام چاند کی دنیا کا سفر کر کے تیسرے دن واپس آئے ماسکو میں دونوں خلابازوں کا شاندار خیر مقدم کیا گیا ان خلابازوں نے بتایا کہ ساڑھے اٹھائیس منٹ میں سیارہ ساری دنیا کا ایک چکر لگا لیا کرتا تھا۔ اسی طرح مسلسل تین دن تک چکر لگاتا رہا۔

(اس سے وہابی (غیر مقلد سوچیں کہ سید عالم ﷺ کے متعلق دیدار الٰہی کا تمہارا انکار کس کھاتہ میں جا رہا ہے۔ اویسی غفرلہ ایسے ہی دوسرے فرقے جو دیدار الٰہی برائے نبی مکرم ﷺ کے منکر ہیں جیسے مرزائی چکڑالوی خاکساری پرویزی وغیرہ۔ ۱۲) (حاشیہ ختم)

marfat.ocm

صاحب روح البیان قدس سرہ کی تحقیق فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دارین میں اس سے بلند و بالا ہے کہ اس کی کوئی کیفیت بیان کی جائے ہاں دنیا و آخرت کا فرق محض کثافت و لطافت کی وجہ ہے اس لئے کہ دنیا میں سوائے نبی پاک ﷺ کے کسی کو دیدار ہوتا ہے تو سر مجرد سے اور آخر میں تو اس کا برعکس معاملہ ہے کہ وہاں قلب قالب جسم سے منقلب ہو جائے گا۔ یعنی وہاں جسم وہ کام کرے گا جو آج یہاں دنیا میں سر اور قلب کام کرتا ہے وہ نبی پاک ﷺ کو دنیا میں رویت باری تعالیٰ نصیب ہوا تو پھر آپ کی آخرت میں لطافت کا کیا کہنا اور رویت باری تعالیٰ کے متعلق آپ کی ذات کو کیا کیا نصیب ہو گا اسی لئے ماننا پڑے گا کہ حضور سرور عالم ﷺ کو دارین میں جو شہود نصیب ہوا وہ مکمل ترین شہود ہے کہ آپ نے اپنے پروردگار کو سر و روح سے صورت جسم میں دیکھا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ کی بصر ملکوتی و ملکی ایک ہو گئی تھیں اسی لئے آپ نے ملکوتی بصر سے حق کے باطن کو من حیث اسمہ الباطن دیکھا اور ملکی بصر سے اللہ تعالیٰ کے حق کے ظاہر کو کہ من حیث اسمہ الظاہر دیکھا اور احدیث جمع القوتین یعنی ملکوتیہ و ملکیہ سے حقیقت جمعیت متعینہ بجمیع التعینات العلویہ والروحانیہ والسفلیہ والجسمانیہ کو مع اطلاقہ عین ہویتہ المطلق عن التعین واللاتعین والاطلان میں دیکھا۔

نکتہ البقلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور سرور عالم ﷺ کے رویۃ الفواد کا ذکر فرمایا لیکن عین کا نام نہ لیا اس لئے کہ عین کی رویت اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کے درمیان راز ہے یہ اپنی غیرت و محبت کا ثبوت دیتے ہوئے عین کا بیان نہ فرمایا اس لئے فواد کی رویت عام ہے۔ اور روایت البصر خاص ہے اور اسی رویت بصری سے اللہ تعالیٰ نے کھلم کھلا محبوب کو دیدار کرایا تو حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو نور ذات و صفات کا سرمہ لگا کر دیکھا اور دیکھا اور دیکھا تو سیر ہو کر دیکھا اور کھلم کھلا دیدار کے وقت آپ کا سارا جسم رحمانیہ چشمان پاک تھیں اس دیکھنے اور فواد کے دیکھنے میں کوئی فرق نہ تھا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس ابہام کو دور کر کے واضح فرمایا ما کذب الفواد ما رای (وہ جو محبوب نے دیکھا دل نے نہ جھٹلایا) یہاں تک کہ گمان کرنے والا گمان بھی نہ کرے کہ جو کچھ آنکھ مبارک نے دیکھا وہ قلب کے دیکھنے کی طرح نہ تھا بلکہ یہی ہوا کہ قلب اس کی تصدیق کر رہی تھی کہ

marfat.ocm

جو کچھ چشمان مبارک نے دیکھا حق ہے سچ ہے اگرچہ اس وقت محبوب کا باطن ظاہر نہ تھا اور ظاہر بجمیع شعراتہ و ذرات وجود باطن تھا ویسے بھی عاشق صادق کے آگے رویت حق میں حجاب نہیں ہوتا یعنی اس کی رویت میں محبوب کے وجود سے کوئی شے اوجھل نہیں ہوتی اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی رویت حق میں کمال مبالغہ فرمایا کہ (ماکذب الفواد الخ)

حدیث شریف خود حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ۔

رایت ربی بعینی وقلبی (رواہ) مسلم فی صحیحہ (روح البیان ص ۲۲۳ ج ۹)

میں نے اپنے رب تعالیٰ کو آنکھ اور قلب سے دیکھا۔

فائدہ ابن عطاء رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جو کچھ آنکھ نے دیکھا قلب نے اس کے خلاف عقیدہ نہ رکھا اور فرمایا کہ ضروری نہیں کہ جو کچھ آنکھ دیکھے اس سے قلب کو بھی اس کے ادراک سے سکون ہو کیونکہ بہت سی آنکھوں دیکھے کہ بہت سے ستر حمل الوارد سے مضطرب ہو جاتا ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کا کمال ہے کہ اللہ کے دیدار سے آپ کا دل اور عقل اور حس بحال رہے کسی قسم کی کمی نہیں آئی کہ جس سے آپ کا قلب اطہر اس کے خلاف تصور فرماتا اس سے معراج کی حقیقت اور دیدار الٰہی کے مشاہدہ کی صحت ثابت ہوتی ہے۔

تفسیر عالمانہ افتمارونہ علی مایری تو کیا تم حضرت محمد عربی ﷺ سے جھگڑتے ہو اس امر میں جو انہوں نے دیکھا شب معراج میں۔

فائدہ ان کا جھگڑا بیت المقدس کی صفت اور قافلہ کے بارہ میں تھا جبکہ انہوں نے یہی دونوں سوال کئے۔

فائدہ بعض نے کہا کہ اے کافرو تم رسول اللہ ﷺ سے دیدار الٰہی کے بارے میں جھگڑتے ہو کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا یا نہ اور وہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ دیدار الٰہی کے متعلق بھی جھگڑتے رہے اور اس کا انکار کرتے رہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس آیت میں ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو مخلوق سے مشغول ہو کر حق سے محجوب ہیں اور ان کے اس جھگڑے کی طرف بھی اشارہ ہے جو شہود الحق بدون الحق میں جھگڑا کرتے ہیں

کیونکہ وہ بیچارے شہود وحدت حقیقیہ کے بغیر کثرۃ اعتباریہ کے مقام میں گرفتار ہیں۔ (اللہ تعالٰی ہم سب کو عذاب جحیم یعنی اپنی ذات سے محجوب ہونے اور نار کی شدت لہب والتہاب (شعلے) سے پناہ دے۔ آمین

تفسیر عالمانہ ولقدراہ نزلتہ اخری اور بیشک اسے آپ نے دوبارہ دیکھا ضمیر بارز جبریل علیہ السلام کی طرف عائد ہے اور نزلتہ منصوب ہے مرۃ (ظرف) کی وجہ سے اس لئے کہ فعلتہ کا مصدر فعل سے مرۃ (نوبت) کے لئے آتا ہے اسی لئے اس کو اصلی صورت میں دوبار دیکھا اترتے ہوئے اور وہ اس لئے کہ حضور سرور عالم ﷺ کئی بار اوپر گئے اور آئے جب نماز کی تخفیف کی کیفیت پیش آئی جبکہ پہلے پچاس بار پھر تخفیف ہوئی کہ پانچ نمازیں رہ گئی۔ تو لازم ہے کہ جب ہر تخفیف کے لئے اوپر تشریف لے جاتے تو نیچے بھی اترنا ہوتا اسی اترنے کے اوقات میں حضرت جبریل علیہ السلام کو اصلی صورت میں دیکھتے رہے۔

تفسیر عالمانہ عندسدرۃ المنتہی (سدرۃ المنتہی کے نزدیک) سدرۃ المنتہی جبریل علیہ السلام کی قیام گاہ ہے اور وہ حضور علیہ السلام کے لئے عرش معلی جاتے وقت بھی یہاں رہ گئے تھے۔ اور عرض کی نوت انملتہ لاحترقت اگر میں انگلی کے برابر آگے بڑھوں تو جل جاؤں گا۔

جبریل علیہ السلام کے پر حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ میں نے سدرۃ المنتہی کے نزدیک جبریل علیہ السلام کو دیکھا ان کے چھ سو پر ہیں اس سے موتی اور یاقوت جھڑتے تھے۔

فائدہ عند ظرف ہے جو کہ رای کے متعلق ہے یا مفعول سے حال ہے اس سے جبریل علیہ السلام مراد ہیں کیونکہ جبریل علیہ السلام مخلوق ہیں (اور یہ مخلوق کی شان ہے کہ وہ کسی مکان کے نزدیک ہو) اور یہ بھی ہے کہ جبریل علیہ السلام کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے مخصوص مکان میں دیکھا جسے سدرۃ کہا جاتا ہے۔ سدرہ بیری کا درخت ہے جو ساتویں آسمان میں عرش کی دائیں جانب ہے جس کے ثمر ہجر کے ستونوں اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کے برابر تھے اسی کی جڑ سے وہ نہریں جاری ہوتی ہیں جن کا ذکر اللہ تعالٰی نے قرآن مجید میں بیان فرمایا اگر ستر سال سوار اس کے سایہ تلے چلیں تب بھی اس کا سایہ ختم نہ ہوگا۔

فائدہ المنتہی مصدر میمی ہے بمعنی الانتہاء (کذا قال الزمخشری) یا اسم مکان ہے بمعنی انتہا کا مقام گویا وہ

marfat.ocm

جنت کے منتہی کے مقام پر ہے۔

سدرۃ المنتہی کے متعلق اقوال ۱۔ بعض نے کہا کہ یہ وہ مقام ہے جہاں فرشتوں کو آگے سے تجاوز کی اجازت نہیں اس لئے کہ جبریل علیہ السلام فرشتوں کے رسول (پیغمبر) ہیں جب وہ اس کے آگے نہیں جاسکتے تو پھر اس کے ماسوا کسے طاقت ہے کہ آگے بڑھ سکے گویا یہ جبریل علیہ السلام کا آخری مقام ہے اور وہ حضور سرور عالم ﷺ کے لئے بمنزلہ وسیلہ کے ہیں تو جیسے جنات عدن میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ آپ کی امت کے خاص لوگ بھی مشترک ہیں لیکن ان کو طاقت کہاں کہ وہ آپ کے مخصوص مقام سے آگے بڑھ سکیں ایسے ہی جبریل علیہ السلام سے دوسرے فرشتے اس کے مقام مخصوص سے اگے نہیں بڑھ سکتے۔

۲۔ بعض نے کہا کہ یہ وہ مقام ہے جہاں مخلوق کے علم و اعمال کی انتہا ہوتی ہے یعنی کسی کو علم نہیں کہ اس کے آگے کیا ہے وہ اس لئے کہ اعمال صالحہ علیین میں ہیں اور اعمال فرشتوں کے ہاتھوں سے ہی اوپر جاتے ہیں جب فرشتے اس کے آگے نہیں بڑھ سکتے (جیسے اوپر مذکور ہوا) تو اعمال کیسے اس کے آگے جاسکیں گے۔

فائدہ لیکن اعمال صالحہ سے عوام کے اعمال مراد ہیں ورنہ خواص کے اعمال اس سے آگے بڑھ کر عالم ارواح سے متجاوز کر کے مستوای عرش تک پہنچتے ہیں بلکہ اس سے بھی آگے کہ جسے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا کیونکہ ان خواص امت کے اعمال صالحہ خلوص سے ہوتے ہیں جو ملائکہ کے ہاتھوں میں نہیں دیئے جاتے اسی لئے یہ مخصوص اعمال وہاں پہنچتے ہیں جہاں ان کے سوا کسی دوسرے کی گنجائش نہیں۔

۳۔ بعض نے کہا کہ یہ وہ مقام ہے جہاں شہداء کی ارواح ہیں کیونکہ وہ ارض الجنان (بہشت کی دھرتی) میں ہیں۔

۴۔ بعض نے کہا کہ یہ وہ مقام ہے جہاں سے احکام زمین پر نازل ہوتے ہیں پھر بندگان سے ان کے مطابق اعمال ہوتیں ہی تو صرف ان کے آثار پھر وہاں پہنچتے ہیں۔

حدیث شریف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب شب معراج حضور سرور عالم ﷺ سدرہ میں تشریف لے گئے تو آپ سے عرض کی گئی کہ یہاں کوئی نہیں آسکتا سوائے آپ کے اور آپ کے اس امتی کے جو آپ کی سنت مقدسہ پر عمل کرتا ہے۔

۵۔ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ سدرہ عرش کی اصل یعنی حاملین عرش کے سروں کے اوپر کی جگہ کا

نام ہے اور مخلوق صرف یہاں تک پہنچ سکتی ہے اس کے آگے وہ غیب ہے جسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا (ہاں جو عرش کے پار گیا تو اس کی بات ہی کیا)

۶۔ خلاصہ یہ کہ وہ شجرہ طوبیٰ ہے حضرت مقاتل رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سدرہ وہ شجرہ طوبیٰ ہے اگر کوئی سوار بہترین گھوڑے پر سوار ہو کر اس کے کنارے چلتا جائے تو بڑھاپے تک چلتا رہے۔ تب بھی اس کے کنارہ تک نہ پہنچے گا۔

سدرہ کا نور وہ سدرہ (بیری کا درخت) بہشتیوں کے زیورات اور پوشاک اور ہر قسم کے الوان (رنگ) سے لدی ہوئی اس کا ایک پتہ اگر زمین پر لایا جائے تو زمین نور علیٰ نور روشن ہو جائے گی۔[1]

فائدہ بعض نے کہا کہ سدرہ کی المنتہیٰ کی طرف اضافت اضافت الشی الی المکان کے قبیل سے ہے جیسے کہا جاتا ہے اشجار البستان (باغ کے درخت) اور المنتہی اس وقت ایک جگہ کا نام ہے جہاں سے فرشتے تجاوز نہیں کرتے یا یہ اضافتہ المحل الی الحال کے قبیل سے ہے جیسے کتاب الفقہ (کتاب محل اور فقہ حال ہے جیسے یہ اضافت جائز ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ کی اضافت بھی جائز ہے) دراصل معنی یوں ہو گا کہ وہ سدرہ کہ جہاں علوم کا منتہی ہے یا یہ اضافہ الملک الی المالک کے قبیل سے ہے بخلاف الجار والمجرور کے کہ وہ دراصل سدرۃ المنتہیٰ الیہ ہے ہ (ضمیر) کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے خود اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے الی ربک المنتہی تیرے رب کی طرف سے منتہی ہے اور سدرہ کا اس کی طرف اضافت ایسے ہے جیسے بیت کی طرف اضافت ہے یعنی یہ اضافت تشریف و تعظیم کے لئے ہے۔

فائدہ بعض نے کہا وہ جو یہاں دیکھا گیا وہ اللہ تعالیٰ کی ذات تھی اب معنی ہوا کہ حضور سید عالم ﷺ نے اپنے پروردگار کو دیکھا دوبار جیسے موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے دوبار کلام سے نوازا۔ اس سے ثابت ہوا کہ دوسری رویت بھی پہلی رویت کی طرح تھی یعنی نزول دونو کے لحاظ سے۔

فائدہ اس تقریر پر عند مفعول سے حال نہ ہو جبکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات مراد لی گئی ہے کیونکہ وہ کریم زمان و مکان سے منزلہ اور پاک ہے اس وقت یہ کہا جائے کہ عندر آی کے متعلق ہے اور بس اب معنی یہ ہو گا کہ

---

[1] سدرہ کے پتے کی نورانیت پر ایمان رکھنے والے حقیقت محمدیہ کے انوار کے منکرین کو دعوت فکر ہے۔ اویسی

(۱۲ ـ ا ـ

marfat.ocm

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو سدرۃ المنتہیٰ کے نزدیک دوبار دیکھا اس اعتبار سے عندر آی کے متعلق ہونا مناسبت ہے کیونکہ اس کا تعلق رویت سے ہے نہ کہ مری سے جیسے ہم کہتے ہیں الھلال (میں نے چاند دیکھا) اس پر سوال ہوا کہ این رایت میں نے اسے فلاں درخت کے نزدیک دیکھا ہے (اس میں عند کا تعلق مری (دیکھے ہوئے چاند) سے نہیں بلکہ رویت سے ہے ایسے ہی عند سدرۃ المنتہیٰ میں بھی عند کا تعلق راٰی سے ہے نہ کہ مری (اللہ تعالیٰ سے)

فائدہ ابن برجان نے کہا کہ اس سے اسراء دوبار مراد ہے پہلا دل سے دوسرا آنکھ سے اور چونکہ یہ حاصل نہیں ہوتا جب تک مسافات بعد طے نہ ہوں اور مسافات بعد سے حجابات مراد ہیں تاکہ اس حیثیت سے ہو جائے جسے بشر دیکھ سکے اسی لئے اسے نزلہ اخری سے تعبیر فرمایا اور وقت کو مکان سے معین فرمایا اسی لئے فرمایا عند سدرۃ المنتہیٰ (تفسیر المناسبات)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول گرامی حضرت کعب احبار سے وکیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رب تعالیٰ کو دوبار دیکھا اس کی دلیل میں فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دوبار کلام کیا۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کا دوبار دیدار کیا۔ جب یہ بات ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پہنچی تو فرمایا اس کلام کی ہیبت سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے عرض کی گئی اے ام المومنین (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا ولقدراہ نزلتہ اخری فرمایا کہ یہی سوال میں نے رسول اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تو فرمایا میں نے جبریل علیہ السلام کو اصلی صورت و خلقت میں افق میں اترتا ہوا دیکھا۔

صاحب روح البیان کا بیان فقیر (روح البیان رحمتہ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ یہ مقام نہایت ہی سخت ہے کیونکہ اس میں احتمالات ہیں۔

مسئلہ جو نفس معراج تا مسجد اقصیٰ کا منکر ہو وہ کافر ہے کیونکہ اتنا قدر نص قطعی سے ثابت ہے چنانچہ فرمایا سبحان

---

[1] (حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رائے گرامی کے جوابات فقیر نے حاشیہ پر لکھ دیئے ہیں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ

marfat.ocm

اَلَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ الخ

مسئلہ جو آسمانوں کی طرف جانے کی معراج کا منکر ہے وہ گمراہ ہے کیونکہ یہ حدیث مشہور سے ثابت ہے۔

چونتیس (۳۴) بار معراج سیدنا الشیخ الاکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضور سرور عالم ﷺ کو چونتیس بار معراج ہوئی۔ ایک بار جسم سے تینتیس بار خواب میں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں رد ہے ان کا جو تعجب کرتے ہیں بوجہ اپنے حجاب کے رسول اللہ ﷺ کے شہود حضرت الہیہ کے متعلق مظاہر کونیہ وجلیہ غیبیہ میں ان کا یہ تعجب ان کی بیوقوفی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم ﷺ کے لئے اپنی حضوری کی کوئی قید نہیں لگائی اور نہ مشاہدہ کی کوئی پابندی ہے بلکہ انہیں پوشیدہ وعلانیہ طور بار بار ہر گھڑی اللہ تعالیٰ اپنے دیدار سے شرف یاب فرماتا ہے بلکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی شان یہ ہے کہ لمحہ بھر بھی اللہ تعالیٰ سے محجوب اور غائب نہیں ہوتے آپ تو مقام فناء کی وجہ سے بار بار مقام احدیت میں مشاہدہ کرتے رہے ہیں اور دوبارہ مقام واحدیت میں مقام بقاء کی وجہ سے مشہد احدی سے مشہد واحدی (جسے سدرۃ المنتہی سے تعبیر کیا گیا ہے) کی طرف نزول کرتے ہوئے اور سدرۃ المنتہی سے کثرت کا شجرہ مراد ہے کہ جس سے کثرت کی ابتداء اور بحسب اعمال و اقوال و افعال و احوال وہاں تک مظاہر کا انتہا ہے اور شجرۃ الکثرۃ کو سدرۃ المنتہی سے اس لئے تشبیہ دی گئی ہے کہ اس سے اظلال و اغصان کی کثرت ظاہر ہوتی ہے یہی واحدیت یعنی کثرت کے شجرہ کا حال ہے کہ اس سے تعینات و تکثرات کا ظہور ہوا اور وجود عینی خارجی کے ساتھ متعینات کے سائے پھوٹے۔

فائدہ حضرت البقلی قدس سرہ نے فرمایا کہ نہ رویت اولی رویت ثانیہ سے کم تھی اور نہ ہی رویت ثانیہ رویت اولی سے زیادہ مکشوف تھی تم کیا سمجھ رہے ہو۔ عزیزو یوں کہو اگر اس کے اہل ہو تو) کہ حضور سرور عالم ﷺ نے اپنے رب تعالیٰ کو حضرت سے رجوع کے بعد اپنے لحاف میں دیکھا تو پھر اسی ساعت میں دوبارہ دیکھا جس میں اسی رویت سے قلب لمحہ بھر بھی غائب نہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا ہے کہ جو کچھ محبوب ﷺ نے عالم امکان میں دیکھایا جو کچھ سدرۃ المنتہی میں دیکھا وہ شے واحد ہے اس لئے کہ وہاں قدم وجلال کا ظہور تھا اور وہ ظہور نہ مکان

marfat.ocm

سے متعلق تھا اور نہ زمان سے کیونکہ قدم مکان و جہات سے منزہ ہے اور وہ دیدار ایسا تھا کہ بندہ بھی امکان میں تھا اور رب تعالیٰ بھی (گویا) مکان میں تھا اور یہ اس کے کمل تنزیہ اور عظیم لطف ہے کہ اپنے عبد مقدس کے قلب پر متجلی ہوا اور انحالیکہ وہ عالم امکان میں ہے اور اس کا عبد مقدس امکان میں یہاں عقل کی دال نہیں گلتی اور علم بھی حیران و سرگردان ہے کیونکہ عقول اس کے سمجھنے سے عاجز اور اوہام متحیر اور قلوب سرگردان و حیرن اور ارواح بھی اور اسرار گم۔

رفعت شان حبیب ﷺ آیت میں شرافت حبیب ﷺ کو دو بار سدرۃ المنتہیٰ پر دیکھا تو اس سے قبل آپ کا خیال تھا کہ جو کچھ میں نے پہلی بار دیکھا ممکن ہے عالم امکان میں ویسا نہ ہو کیونکہ آپ کو علم تھا کہ اللہ تعالیٰ ایسے امور سے بالکل منزہ اور پاک ہے اور جب آپ کو دو بار عالم امکان میں اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوئی تو آپ کو یقین ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو حدوث و امکان حجب نہیں ہو سکتے اور بڑے لوگوں کی عادت ہے کہ جب کوئی انہیں ملنے آتا ہے تو الوداع کے وقت اسے حتی الباب (دروازہ تک) الوداع کرتے ہیں جب وہ ملاقاتی ذی وقار شخصیت ہو (بلا تمثیل) اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم ﷺ سے کمال محبت کے اظہار کی بناء پر ایسے ہی کیا (کہ سدرۃ المنتہیٰ کی قید لگائی وہ بوجہ عرف کے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے لئے سدرۃ المنتہیٰ کیسی)

فائدہ حقیقی اشارہ یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم ﷺ کو مقام التباس سے آگاہ فرمایا ہے دیدار کے معاملہ میں التباس کر کے خفیہ تدبیر فرمائی تاکہ غیروں کا راز سے آگاہی نہ ہو اس سے واضح ہوا کہ شجرہ سدرۃ المنتہیٰ سے حق تعالیٰ ایسے ظاہر ہوا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے شجرہ عناب سے متجلی ہوا تاکہ محبوب ﷺ کو مکمل طور پہچان ہو کیونکہ وہ عارف نہیں ہوتا جو اپنے محبوب کو مختلف لباسوں میں دیکھ کر نہ پہچان سکے۔

تفسیر عالمانہ عِندَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ (اس شجرۃ سدرہ کے نزدیک جنت الماوی ہے)

ربط اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ سدرۃ المنتہیٰ کی عظمت و شرافت بیان فرمائے تو فرمایا عندھا جنتہ الماویٰ ھاء کی ضمیر سدرہ کی طرف لوٹتی ہے اور جملہ حالیہ ہے بعض نے کہا کہ احسن یہ ہے کہ جانئے کہ ظرف حال ہے

اور جنۃ الماویٰ اس کا فاعل (محلاً) مرفوع ہے اور جنت کی الماویٰ کی اضافت مسجد الجامع کی طرح ہے یعنی وہ جنت جس میں متقین پناہ لیں گے یعنی اس میں تشریف لائیں گے اور اس کی طرف ارواح شہداء لوٹیں گے یعنی جنت الماوی متقین کی آرام گاہ ماوی یا ارواح کا مکان ہے یا اس لئے کہ اس میں آدم و حواء (علی نبینا و علیہما السلام) ٹھہرے۔

حل لغات اہل عرب کہتے ہیں اویت منزلی (میں اپنے گھر میں ٹھہرا) اس کا مصدر اویا (داوی) باب ہے یعنی میں گھر کو لوٹا اس میں خود اترا۔ الماوی بمعنی المکان۔

فائدہ حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہ نے فرمایا کہ حضرت آدم علی نبینا و علیہ السلام اس جگہ میں اترے جہاں جبریل علیہ السلام ٹھہرے تھے اب وہ اولاد آدم (علیہ السلام) کے لئے برزخ کی حیثیت رکھتی ہے۔ آدم علیہ السلام کے تشریف لانے کے بعد جبریل علیہ السلام سدرۃ المنتہیٰ میں آگئے اور یہ جنت ذاتی طور دائماً نہیں اسی لئے آدم علیہ السلام کا وہاں سے نکلنا ہوا جبکہ انہیں ابلیس نے دھوکہ دیا کہ اپ اس میں ہمیشہ نہیں رہیں گے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے فرشتہ ہونے کی استدعا کریں پھر آپ کو اس نے خلد میں دائمی رہائش اور جبریل علیہ السلام کے ساتھ بقاء کی اپیل کی رغبت دلائی۔

جنت کیا ہے جنت کی چوڑائی آسمانوں اور زمینوں (چودہ طبقات) کے برابر ہے اس کا تقاضا ہے کہ جو اس میں داخل ہوا اسے دوام حاصل ہو جائے اور اس سے نکلنا محال ہو کیونکہ وہاں کون و فساد کو دخل نہیں اللہ تعالیٰ نے اس کی وصف بتائی کہ عطاءھا غیر مجذوذ اس کی عطا غیر منقطع ہے خلاصہ یہ کہ بہشت کی صرف چوڑائی چودہ طبقات کے برابر ہے اور اس کی زمین کرسی ہے وہ کرسی چودہ طبق سے بھی وسیع ہے۔ اس کی چھت عرش الٰہی ہے جو جملہ جہانوں کو محیط بلکہ خود آٹھویں بہشتوں کو بھی۔

آدم علیہ السلام کس بہشت سے نکلے جس بہشت سے آدم علی نبینا و علیہما السلام نکلے تھے وہ ان آٹھوں کی غیر ہے۔ (کذا قالہ الشیخ ایضاً فی تلقیح الاذہان)

تفسیر صوفیانہ حضرت نجم الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تاویلات میں لکھا کہ اس میں اس جنت عالیہ کی طرف اشارہ ہے جس میں مقعد صدق کی جگہ ان مجنونوں، عاشقوں کو قید میں رکھا جاتا ہے جو انانیت سے فارغ ہیں وہ

marfat.ocm

مقعد صدق مالک مقتدر کے ریب میں ہیں اور عندھا میں اس ہویت کی طرف اشارہ ہے جو شجرہ واحدیت کے قریب ہے جسے سدرۃ المنتہی کہا جاتا ہے کیونکہ وہاں ان شہداء کی ارواح پہنچتی ہیں جن کو صدق و اخلاص کی تلواروں اور ریاضات و مجاہدات کے نیزوں سے شہید کیا جاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ اذ یغشی السدرۃ ما یغشی (جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا) سدرۃ المنتہی کی عظمت کے اظہار کا دوسرا مضمون ہے۔ اذالسدرہ آدمی کا ظرف زماں ہے اس لئے کہ اس کے بعد جملہ منفیہ ہے اور قاعدہ ہے کہ ما کا مابعد اس کے ماقبل پر عمل نہیں کر سکتا۔

حل لغات الغشیان بمعنی التغلیہ والستر یعنی چھپانا۔ چھا جانا۔ اسی سے ہے الغواشی اور مضارع کا صیغہ حکایت حال ماضی کے لئے ہے تاکہ اس کی صورت بدیعہ کا تصور ذہن میں خوب اترے تاکہ معلوم ہو کہ وہ چھا جانا بطریق تجدد دائماً ہوتا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ حضور سرور عالم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو سدرۃ المنتہی پر دیکھا تو وہ سدرہ پر چھائے ہوئے ہیں اور ایسے کہ اس کی کنہ بیان نہیں ہو سکتی اور نہ اس کا بیان ہو سکتا ہے نہ کیفیت کے لحاظ سے نہ کمیت کے اعتبار سے۔

حدیث شریف سدرۃ المنتہی کو مختلف رنگ ڈھانپے ہیں نامعلوم وہ کیا تھا اللہ کی مخلوق کو طاقت نہیں کہ اسے بیان کر سکے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ سدرۃ المنتہی کو رفرف نے ڈھانپ رکھا تھا۔

فائدہ رفرف سبز رنگ کے پرندوں کی ایک جماعت کو کہا جاتا ہے۔

فائدہ بعض نے کہا اسے سونے کے مختلف پتنگوں اور ٹڈیوں نے ڈھانپ رکھا تھا۔ چنانچہ علامہ کاشفی رحمۃ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ سدرۃ المنتہی کے ارد گرد اڑنے والے فرشتے گھومتے رہتے ہیں ایسے محسوس ہوتے ہیں کہ گویا وہ سنہری رنگ کے پتنگے ہیں۔

فائدہ بعض نے کہا اسے اللہ تعالیٰ کے انوار کی تجلیوں نے ڈھانپ رکھا تھا جبکہ اس پر ایسی تجلیاں ڈالی جاتی ہیں

marfat.ocm

جیسے کوہ طور پر ڈالی گئی تھیں لیکن چونکہ وہ پہاڑ سے زیادہ مضبوط اور قوی تر ہے اس لئے اسے وہ صورت پیش نہیں آئی جو پہاڑ کو آئی کہ صرف ایک جلوے سے پاش پاش ہو گیا تھا وہ اس لئے کہ پہاڑ عالم ملک میں تھا اور یہ ملک ضعیف ہے اور سدرۃ المنتہیٰ عالم ملکوت میں ہے اور وہ قوی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ وہ جلوے دیکھ کر بیہوش نہ ہوئے جب جبریل علیہ السلام کو دیکھا جیسے اسے افق اعلیٰ میں دیکھ کر بیہوش ہوئے کیونکہ اس وقت آپ کو قوت تمکین حاصل تھی اور جسم اطہر لطافت کی انتہاء پر تھا۔

فائدہ بعض نے کہا کہ سدرۃ المنتہیٰ کو ڈھانپنے والے وہ ان گنت فرشتے تھے جو درخت پر بیٹھنے والے کوؤں کی طرح سدرۃ المنتہیٰ کو ڈھانپے ہوئے تھے اور عبادت حق میں مصروف تھے یا وہ اس کی زیارت کو آتے ہیں جیسے انسان کعبۃ اللہ کی زیارت کی حاضری دیتے ہیں۔

عظمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تیرے قربان بعض نے کہا کہ یہ وہ فرشتے تھے جو شب معراج حضور سرور عالم ﷺ کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے تھے وہ اتنے کثیر التعداد تھے کہ سدرۃ المنتہیٰ پر چھا گئے اور

(حاشیہ: اویسی غفرلہ کہتا ہے کہ وہ ظاہر میں بیہوشی لیکن باطن میں استغراق مشاہدہ انوار و تجلیات حق تھا جس کے وسیلہ سے جبریل علیہ السلام نے بھی نجات پائی۔ مولانا رومی قدس سرہ نے فرمایا۔

نقش احمد زاں نظر بیہوش گشت
بحر او از بہر کیفیت پر جوش گشت

ترجمہ اس نظر کیمیا سے احمد ﷺ کا ظاہر بیہوش ہوا ان کا دریا اس منظر کیفیت سے بے جوش میں ہوا۔

فائدہ شیخ عبداللطیف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس شعر کی شرح میں فرماتے ہیں ظاہرا آں سرور کائنات مفخر موجودات ﷺ ازاں بیہوش شد اما بحر حقیقت او ﷺ از جبرائیل پر جوش گشت چنانچہ بقاء کف از جوشش بحر ست بقاء جبرئیل از باطن محمد یست اگر از باطن او صلی اللہ علیہ والہ وسلم مدد نبودے جبرائیل مضمحل شدے —— مولانا رومی قدس سرہ نے فرمایا۔

احمد اء بکشاید آں پر جلیل
تا ابد مدہوش ماند جبریل

(جبریل تا دم زیست بیہوش رہیں (علیہ السلام) اگر محمد عربی ﷺ اپنا پر یعنی پردہ ہٹادیں)

وہ اللہ تعالیٰ سے حضور سرورِ عالم ﷺ کی زیارت کے لئے اجازت لے کر حاضر ہوئے تھے۔

فائدہ بعض نے کہا کہ جب وہ سدرۃ المنتہیٰ کی حاضری دیتے ہیں تو خالی ہاتھ نہیں آتے بہشت کے طبقات کو اسرار و رموز سے پر کر کے سدرۃ المنتہیٰ پر نچھاور کرتے ہیں اب بھی قربِ الٰہی کے ارادہ پر وہی اسرار و رموز نچھاور کر رہے تھے۔

عطائے خدا برائے مصطفیٰ ﷺ

حدیث شریف حضور سرورِ عالم ﷺ کو سدرۃ المنتہیٰ کے نزدیک تین چیزیں عطا ہوئیں۔

۱۔ پانچ نمازیں ۲۔ خواتیم سورۃ البقر ۳۔ تمام امت (جو اللہ تعالیٰ کے سات کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے) کی بخشش۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں مظاہر اسمائیہ و صفائیہ جمالیہ لطیفیہ و جلالیہ قہریہ جو شجرہ واحدیہ جس کا نام سدرۃ المنتہیٰ کو ڈھانپے ہوئے ہیں کہ جن کی نہ گنتی ہو سکتی ہے اور نہ شمار کیونکہ ان کے مصادر غیر منتہی ہیں) کی عظمت کا اظہار ہے یاد رہے کہ مصادر غیر منتہی اس لئے ہیں کہ اسماء بحسب الجزئیات غیر منتہی ہیں اگرچہ من حیث الکلیات منتہی ہیں لیکن سدرۃ المنتہیٰ کی اور ان کے عمود دستونوں) کی حقیقت پوشیدہ اور چھپی ہوئے ہے بوجہ ان کی ٹہنیوں اور پتوں اور پھولوں کی کثرت کے۔ یہی بات شجرہ کی ذاتی وصف اور اس کی قدر و قیمت کی جلالت پر دلالت کرتی ہے کیوں نہ ہو جب کہ صوفیا کرام کا عقیدہ ہے کہ الواحدیت من حیث الحقیقت احدیت کی عین اور بحیثیت اعتبار عقلی غیر ہے اسے اچھی طرح سمجھ لے تاکہ تیرے ہاتھ حقیقت بلکہ طریقت و شریعت کا دامن تیرے ہاتھ سے نہ نکل جائے۔

نکتہ حضرت البقلی قدس سرہ نے فرمایا ڈھانپنے کی حقیقت کو اس لئے مخفی رکھا گیا کہ وہاں عقول کی رسائی ناممکن ہے کہ اسے کیا شے ڈھانپتی ہے اور کیسے۔ قاعدہ ہے کہ قدم علول فی الاماکن سے منزہ ہے اور چونکہ سدرۃ کا درخت اللہ تعالیٰ کے ظہور کا آئینہ ہے اسی لئے اسے پوشیدہ رکھنے میں لطافت ہے کہ اس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور وہ اولیاء اللہ جو عرفان کے بعد کہتے ہیں ہمارا اس پر ایمان ہے۔

مازاغ البصر (آنکھ کسی طرف نہ پھری)

حل لغات الزیغ بمعنی استقامت سے ہٹنا یعنی جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے دیکھا اس سے آپ کی آنکھ معمولی طور بھی نہ پھری۔ وماطغی (اور نہ حد سے بڑھی) یعنی حد سے نہ بڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ باوجود یہ کہ وہاں ایسے امور تھے جو مشاہدہ سے ہٹانے کے لئے زور پر تھے لیکن یہ حضور سرور عالم ﷺ کا کمال ہے کہ مشاہدہ میں کمی نہ آنے دی بلکہ اسے مضبوط اور یقین کے ساتھ صحیح سالم رکھا جن عجائبات کے دیکھنے پر آپ مامور تھے۔ اس برابر نگاہ کو ادھر ادھر نہ جانے دیا پورے استحکام وضبط سے اسے حاصل فرمایا اس کے خلاف ادنی سے ادنی کمی کا شائبہ بھی نہیں ہونے دیا۔

دیدار الٰہی چشمان مبارک کو بیداری میں معراج کی دلیل

اس آیت میں دلیل ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ کو دیدار الٰہی ان ظاہری چشمان مبارک سے اور بیداری میں ہوا کیونکہ یہ قلبی دیدار ہوتا تو فرماتا مازاغ القلب الخ

سوال ممکن ہے اس سے بصر قلب مراد ہو۔

جواب یہ مجاز ہے اور مجازی معنی کے لئے قرینہ ضروری ہوتا ہے اور یہاں بصر قلب کے معنی میں لے جانے کا کوئی قرینہ نہیں اسی لئے حضرت علامہ کاشفی رحمتہ اللہ علیہ نے آیت کا معنی کیا ہے کہ حضور محمد عربی ﷺ کے اس دیکھنے کی اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی ہے کہ کیسے حسن ادب و علم ہمت سے دیکھا کہ اس رات (معراج) میں ذرہ کائنات کی طرف معمولی التفات بھی نہ فرمایا اور دیدہ دل کو بجز مشاہدہ جمال الٰہی کے کسی طرف نہ کھولا۔

در دیدہ کشیدہ کحل مازاغ نے راغ نگاہ کردونے باغ
میراند براق عرش پرواز تا حجلۂ نازو پردۂ راز
پس پردہ زپیش دیدہ برخاست بے پردہ بدید آنچہ دل خواست

ترجمہ ۱۔ مازاغ کا سرمہ آنکھ مبارک میں ڈال دیا پھر نہ جنگل کی طرف توجہ کی نہ باغ کی طرف۔

۲۔ براق کو عرش کی طرف پرواز دیتے ہوئے حجلہ ناز اور پردہ راز تک تشریف لے گئے۔

س۔ پس پردہ محبوب حقیقی آنکھوں کے سامنے آگیا پھر بے پردہ دیکھا جیسے آپ کا جی چاہتا تھا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ حقیقی فقر کلی کی حقیقت تک پہنچ چکے تھے۔ اور فقر کلی کی حقیقت یہی کہ انسان ماسوی اللہ سے کلی طور مطلقاً فارغ ہو جائے اسی لئے اپ نے فرمایا **الفقر فخری** اور اس سے بڑھ کر اور اونچا مرتبہ اور کیا ہو گا کہ بندہ اپنے وجود کلی مجازی سے فارغ ہو کر وجود حقیقی کے ساتھ قائم ہو جائے اور اس میں اپنے آقا کے صفات کا مظہر ہو جائے یہاں تک کہ کہا جائے یہی بندہ خدا ہے یعنی صرف اس کا بندہ نہ کہ کوئی اور (اگر ہیں تو اس کے طفیل) اب معنی یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی چشمان مبارک نے ملک جسمانی میں نہ ملک دنیا کی طرف مائل اور نہ اس کی زینت کی طرف راغب اور نہ ان کے نقش و نگار کی طرف اور نہ اس کے جاہ و جلال کی طرف جھانک کر دیکھا اور نہ حد سے بڑھی آپکی ملکوتی روحانی نظر عالم آخرت کی طرف اور نہ ان کی نعمتوں اور درجات و قربات و عرفات کی طرف بلکہ ہر دونوں کلی طور اور حقیقی اجتماع کی حیثیت سے متحدہ مجتمع رہیں بغیر کمی اور کوتاہی کے شہود حق اور اس کے اسماء و صفات و عجائبات تجلیات ذاتیہ و غرائب تنزلات صفائیہ پر۔

دوسری تفسیر صوفیانہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ **مازاغ** بمعنی حضور سرور عالم ﷺ کا عین ظاہر نہ پھرا کثرت اسمائیہ کی طرف بلکہ وحدت ذاتیہ اور غرائب تنزلات سے کمال قیام کے ساتھ قائم رہا ساتھ شہود مرتبتین کے اور اپنے علم کے احاطہ کی وجہ سے ساتھ دونوں مرتبوں کے (اسے اچھی طرح سمجھ لے ورنہ ندامت اٹھائے گا)

فائدہ حضرت البقلی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رویت ثانیہ کے متعلق ہے ورنہ رویت اولی میں سوائے ذات باری تعالیٰ کے اور کوئی شے نہ تھی اسی لئے وہاں آنکھ جھپکنے وغیرہ کا ذکر نہیں۔

شان مصطفیٰ ﷺ کا بیان آیت میں حبیب خدا سرور عالم ﷺ کے کمال تمکین کا بیان ہے جو آپ کو محل استقامت اور شوق مشاہدہ رب میں نصیب ہوا کہ اس وقت آپ نے سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اور کسی طرف توجہ نہ فرمائی حالانکہ وہ مقام بہت بڑا برگزیدہ اور فضیلت سے بھرپور تھا۔

حبیب و کلیم کا فرق کشف الاسرار میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب دیدار چاہا اور عرض کی ارنی

انظر الیک مجھے دیدار سے مشرف فرما تاکہ میں تجھے دیکھوں اللہ تعالیٰ نے اسے صمصام غیرت سے لن ترانی (تو مجھے ہرگز نہ دیکھ سکے گا) کے جواب سے نوازا۔ جب اس سوال پر انہیں ملا جو ملنا تھا تو عرض کی تبت الیک (میں نے تیری طرف رجوع کیا) لیکن جب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی باری آئی تو آپ کی آنکھ مبارک میں تمدن عینیک کی غیرت کا سرمہ لگایا یعنی اے حبیب ﷺ میرے غیر کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھنا) تو حضور سرور عالم ﷺ نے بھی اپنی چشمان مبارک پر مازاغ البصر وماطغی کی پٹی باندھ کر زبان حال سے (گویا) عرض کیا۔

بر بندم چشم خویش و نکشایم نیز
تاروز زیارت تو اے یار عزیز

ترجمہ آنکھ بند کرتا ہوں اور کھولتا بھی نہیں اے محبوب روز زیارت تک یونہی رہوں گا۔

اسی لئے جب حضور سرور عالم ﷺ بارگاہ حق میں پہنچے تو پھر جلال و جمال کے تمام جلوے آپ کے سامنے کر دیئے گئے جیسے ماکذب الفواد میں بیان فرمایا۔

ہمہ تنم ذکر گرود چو باتو راز کنم
ہمہ کمال تو بینم چوں دیدہ باز کنم

ترجمہ جب تجھ سے راز کی بات کہوں میرا سارا جسم ذکر ہو جائے تیرا جملہ کمال دیکھوں جب آنکھ کھولوں۔

ان تذکرتہ فکلی قلوب
او تاملتہ فکلی عیون

ترجمہ جب تجھے یاد کرتا ہوں تو میرا تمام جسم قلب ہوتا ہے جب تامل کرتا ہوں تو میرا تمام جسم آنکھیں ہوتی ہیں۔

واپسی موسی علیہ السلام از کوہ طور مروی ہے کہ جب موسی علیہ السلام مناجات حق سے واپس لوٹے تو آپ کے ساتھ ہیبت الٰہی کا نور اور عظمت حق کا ایسا اثر تھا کہ جو بھی آپ کو دیکھتا اندھا ہو جاتا۔

واپسی حبیب خدا ﷺ از معراج جب حضور سرور عالم ﷺ مشاہدات حق سے فارغ ہو کر واپس لوٹے تو آپ کے چہرہ اقدس پر نور الٰہی کے آثار تھے کہ جو بھی آپ کی زیارت سے مشرف ہوتا اس کی بینائی

marfat.ocm

میں تیزی آجاتی۔

فرق کیوں دراصل حضرت موسیٰ علیہ السلام اہل تکوین کے مقام میں تھے اور حضور سرور عالم ﷺ ارباب تمکین کے مقام میں تھے۔

تفسیر عالمانہ لقد رَاٰی من اٰیاتہ ربہ الکبری (بیشک اپنے رب تعالیٰ کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں۔ بخدا رسول اللہ محمد ﷺ نے شب معراج وہ آیات دیکھیں جو سب سے بڑی اور عظیم الشان تھیں اسی شب آپ کو ملک و ملکوت کے ایسے عجائبات دکھائے گئے جنہیں بیان نہیں کیا جاسکتا۔

فائدہ من آیاتہ الخ حال ہے اپنے ذی الحال سے مقدم ہے اور لفظ من بیانیہ ہے۔ اس لئے کہ اس مقام کو یوہی مناسبت ہے کیونکہ یہاں تعظیم اور مبالغہ مطلوب ہے اسی لئے اسے تبعیض سے بنایا گیا حالانکہ یہ مفعول نہ ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ الکبری آیات کی صفت اور مفعول بہ محذوف ہو جو کہ شیا عظیما ہے اب مطلوب یہ ہوا کہ رآی شیئا عظیما من آیات ربہ۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ من زائدہ ہے لیکن یہ اخفش کے مذہب پر۔

معراج کی شب کون سی تھی حضور سرور کونین ﷺ کو معراج ستائیسویں رجب ہوئی اسی پر اکثر علماء ہیں اور سن ۱۲ نبوت تھی یعنی ہجرت سے کچھ پہلے (تفسیر المناسبات) لیکن یہاں اشکال ہے وہ یہ کہ سورہ (النجم) نبوت کے پانچویں سال نازل ہوئی ہے جیسے سورت کے اول میں ہم نے عرض کیا ہے (جس کا حل کوئی نہیں)۔

رفرف مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ اسی شب رسول اللہ ﷺ نے سبز رنگ رفرف دیکھی جو افق کے کناروں کو چھائی ہوئی تھی۔ آپ نے اس پر سوار ہو کر سدرۃ المنتہی کو عبور فرمایا اور رفرف بچھونے کو کہا جاتا ہے یہ دراصل بصورت ہمت حبیب ﷺ ہے۔ جو وہ خود ایسی بسیط و عریض ہے جو مطلقاً جملہ آفاق کو محیط ہے اسی لئے کہ حضور سرور عالم ﷺ عالم بسیط کے سفر میں ہیں اور وہاں وہی پہنچ سکتا ہے جو آپ جیسا کوئی عالم ہمت ہو۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

لہ ھمم لا منتھی لکبارھا وہمتہ الصغری رحل من الدھر

ترجمہ آپ کی بہت بڑی ہمتیں ہیں ان کی بڑی بڑی ہمتوں کی تو کوئی انتہا نہیں آپ کی چھوٹے سی ہمت بھی

marfat.ocm

زمانہ بھر سے بزرگ تر ہے۔

کیا کیا دیکھا؟ شب معراج رسول اکرم ﷺ نے ملائکہ کے ایک بہت بڑے گروہ کو دیکھا اور سدرۃ المنتہی کو دیکھا اور جنت الماوی کو دیکھا اہل ایمان کے لئے جو جنت میں انعامات مقرر ہیں وہ بھی ملاحظہ فرمائے اہل الطغیان اور اہل ظلم کے لئے جو دوزخ میں مقرر ہے وہ بھی معائنہ فرمایا اور انوار دیکھے اور دیگر امور دیکھے جہاں افکار کی رسائی نہیں ہمارے جیسے دیکھیں تو آنکھیں چندھیا جائیں اور یہ ان کے حضرات انبیاء علیہما السلام سے ملاقائیں ہوئیں۔ ہر ایک کی ملاقات میں بہت بڑی رفیق اور جلیل القدر امر کی طرف اشارہ ہے کنائیے ہوئے اور ان کی بہترین حالت اور بزرگ ترین کیفیت سے ملاقاتیں ہوئیں۔

انبیاء علیہما السلام کی زیارت سے تعبیرات ابوالقاسم امام السہیلی رحمتہ اللہ علیہ نے الروض الانف میں لکھا کہ میری تحقیق یہ ہے تعبیرات کے سمجھنے کا ماخذ علم التعبیر ہے اور وہ بھی علم النبوت کا شعبہ ہے اور اہل التعبیر کہتے ہیں کہ جس نے کسی کسی نبی علیہ السلام کو خواب میں بچشم خود کسی حالت میں دیکھا تو وہ اس کی اپنی حالت سے مشابہت کی وجہ سے ہو گا نرمی دیکھی یا سختی یا دیگر وہ امور جو انبیاء علیہم السلام کے متعلق قران مجید میں مذکورہ ہیں مثلاً کسی نے حضرت آدم علیہ السلام کو کسی جگہ حسن و جمال میں دیکھا اگر وہ حکومت کے لائق ہے تو وہ بہت بڑے مالک کا بادشاہ (حاکم افسر) بنے گا کیوں کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا انی جاعل فی الارض خلیفہ الخ ایسے ہی جس نے نوح علیہ السلام کو دیکھا تو وہ طویل العمر ہو گا اور زندگی آرام سے بسر کرے گا۔ لیکن اسے لوگوں شدت اور ایذائیں بھی پہنچیں گی لیکن وہ ان پر فتح یاب ہو گا اور جس نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو وہ اپنے باپ کی نافرمانی کرے گا لیکن اسے حج کی سعادت نصیب ہو گی اور وہ دشمنوں پر فتح پائے گا اور اسے کسی ظالم بادشاہ سے ہولناکی اور شدت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لیکن یہ اس پر فتح پائے گا جس نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو اس پر جھوٹا بہتان تراشا جائے گا اور اس پر ظلم بھی ہو گا اسے تکلیف بھی پہنچے گی اسے قید بھی کیا جائے گا لیکن بعد کو کسی ملک کا بادشاہ (یا حاکم۔ افسر) بن کر کامیاب زندگی بسر کرے گا۔ جس نے موسی وہارون علیہما السلام کو دیکھا تو اس کے ہاتھوں کسی جابرو سرکش کی ہلاکت ہو گی کسی نے سلیمان علیہ السلام کو دیکھا تو وہ قضاؤ بادشاہی حاصل کرے گا یا اسے علم الفقہ نصیب ہو گا۔ جس نے عیسی علیہ السلام کو دیکھا تو وہ برکت والا نفع رساں کثیر الخیر اور اللہ تعالیٰ کی رضا میں کثیر السفر رہے گا جس نے حضور

marfat.ocm

سرور عالم ﷺ کو دیکھا اس خواب میں اسے کوئی ناخوشگوار بات محسوس نہ ہوئی ہو تو وہ خفیف الحال زندگی بسر کرے گا۔ اگر اس نے آپ کو سیراب و شاداب علاقہ میں دیکھا تو شادمان و فرحان ہو کر زندگی بسر کرے گا اگر مظلوم قوم میں دیکھے تو اس قوم کو غیبی مدد نصیب ہو گی۔

معراج کہاں ہوئی حضور سرور عالم ﷺ کو معراج مکہ معظمہ میں ہوئی جو حرم الٰہی اور امن کی جگہ اور اس کے ساکنین اللہ تعالیٰ کے ہمسائے ہیں کیوں یہاں اس کا گھر (کعبہ معظمہ) ہے۔ انبیاء میں سب سے پہلے جس نے اسے دیکھا وہ آدم علیہ السلام ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے امن و ہمسائیگی میں تھے لیکن اس سے انہیں دشمن ابلیس نے نکالا۔ قصہ (معراج) سے آدم علیہ السلام کے ساتھ حضور سرور عالم ﷺ کی حالت اولی کو تشبیہ دینی ہے کہ آپ کو بھی دشمنوں نے حرم الٰہی اور امن سے نکالا اس سے آپ کو کرب اور غم لاحق ہوا ایسے ہی ادم علیہ السلام کے ساتھ ہوا جیسے پہلے گزرا اسی لئے قصہ معراج کو آدم علیہ السلام سے تشبیہ دی گئی۔

آسمان پر انبیاء سے ملاقات کے نکات حضرت آدم علیہ السلام کی ملاقات پہلے آسمان میں ہوئی تو دیکھا کہ آپ کو نیک اور بری ارواح گھیرے ہوئے ہیں اس معنی پر آدم علیہ السلام کی ملاقات پہلے آسمان میں تسلیم کرنی ہو گی کہ آپ ارواح کے دونوں گروہوں کو دیکھ رہے تھے ارواح سداء کا تو آسمان میں ہونا حق ہے لیکن ارواح اشقیاء آسمان میں نہیں کیونکہ اشقیاء کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے اور نہ ہی وہ آسمانوں میں داخل ہو سکتے ہیں۔

دوسرا آسمان حضرت یحیٰی و حضرت عیسیٰ علیہما السلام سے دوسرے آسمان پر ملاقات ہوئی کیونکہ ان دونوں کا امتحان ہوا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اس لئے کہ یہود نے ان کی تکذیب کی اور اذیتیں پہنچائیں بلکہ شہید کرنے کا پروگرام بنایا جس پر اللہ نے انہیں آسمان پر اٹھالیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو (بزعم خویش) یہودیوں نے شہید کر ڈالا ایسے ہی حضور سرور عالم ﷺ کی حالت ثانیہ یعنی مدینہ طیبہ کو ہجرت کرنے کے بعد امتحان ہوا کہ اس میں آزمائش کا سبب یہودی بنے اور آپ کو اذیتین پہنچائیں اور آپ کے دشمنوں کی مدد کی اور آپ پر بڑے پتھر پھینکنے کا پروگرام کیا تاکہ اپ کو شہید کر ڈالیں لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو نجات بخشی۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نجات سے نوازا ایسے ہی یہودیوں نے آپ کو بکری کے گوشت میں زہر ملا کر کھلانے کی کوشش کی کچھ اس کے اثرات بار بار

marfat.ocm

عود کرتے یہاں تک کہ وصال کے وقت اس کے اثر سے آپ کی رگ کٹ گئی جیسے آپ نے اس کے اثر کا ذکر وصال سے پہلے بیان فرمایا۔

چوں سفیہاں راایں کاروکیا　　　لازم آمد یَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِیَآءَ

ترجمہ 　جب بیوقوفوں کو ایسا کام اور بیوقوفی ہوتی ہے لازم آیا کہ انبیاء علیہم السلام کو شہید کرتے ہیں۔

صوفیانہ فائدہ 　حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دنیا خرچ کرنے والی شے ہے اسی لئے وہ خرچ کی طرف میلان رکھتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرکے مستغنی ہو لوگ اس کے محتاج ہوں گے۔

تیسرا آسمان 　حضور سرور عالم ﷺ نے تیسرے آسمان پر یوسف علیہ السلام سے ملاقات کی یوسف علیہ السلام کی حالت سے مشابہت کی وجہ ہے وہ اس طرح کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے گھر سے نکالا لیکن پھر بعد کو یوسف علیہ السلام نے ان پر غلبہ پالیا۔ اس کے باوجود آپ نے بھائیوں سے درگزر فرمایا چنانچہ قرآن مجید میں ہے لاتثریب علیکم الیوم ایسے ہی حضور پاک ﷺ نے یوم بدر اپنے اکثر ان رشتہ داروں پر غلبہ پالیا جنہوں نے آپ کو مکہ معظمہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کیا ان میں اپ کا چچا حضرت عباس اور چچازاد عقیل بھی تھے آپ نے ان رشتہ داروں میں سے بعض کو چھوڑ دیا بعض سے فدیہ لیا اس کے بعد پھر مکمل طور پر فتح مکہ کے موقعہ پر ان پر فتح پائی۔ آپ نے سب کو جمع کرکے اسی طرح فرمایا۔ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ اے قریشیو میں تمہیں اب وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا لاتثریب علیکم الیوم الخ

چوتھا آسمان 　حضور سرور عالم ﷺ کو چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام کی ملاقات ہوئی وہ اسی مکان میں جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے ورفعناہ مکانا علیا (اور ہم نے انہیں بلند مکان پر اونچا کیا) اور حضرت ادریس علیہ السلام نے سب سے پہلے قلم سے لکھا اور یہ آپ کی چوتھی حالت کی طرف اشارہ ہے بلکہ بلند مرتبت کی تصریح ہے یہاں تک کہ آپ سے دنیا بھر کے بڑے بڑے شہنشاہ لرزہ براندام تھے اور ان کو خطوط لکھ کر اپنی طاعت کی دعوت دی یہاں تک کہ ابو سفیان (بحالت کفر) نے جب وہ رومی بادشاہ کے پاس تھا جبکہ رسول اللہ ﷺ کا والا نامہ تشریف لایا ہرقل کو جس خوف و خشیت کی حالت میں دیکھ کر کہا کہ ابن ابی کبشہ کا

marfat.ocm

معللہ اتنا پر زور ہے کہ اس سے ابن ابی الاصفر بھی خوف زدہ ہیں۔

فائدہ ہرقل بروزن بسل و زبرج اور نبی پاک ﷺ نے قلمی دعوت تمام بادشاہوں کو دی بعض تو تابع فرمان ہوئے جیسے نجاشی (بالتخفیف) و ملک عمان اور بعض نے تابعداری ظاہر کی اور تحائف بھجوائے جیسے ہرقل اور مقوقس شلہ مصر۔ بعض نے نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پر فتح یاب فرمایا یہی مکانا علیا ہے اور خط جلی ہے جو حضرت ادریس علیہ السلام کو عطا ہوا تو آپ کو بھی نصیب ہوا۔

چھٹا آسمان پانچویں آسمان کا ذکر مفسر رحمتہ اللہ علیہ نے نہیں فرمایا فقیر عرض کرتا ہے کہ یہاں پر حضرت موسی علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اس میں اشارہ تھا موسی علیہ السلام کی حالت سے مشابہت کی طرف کہ جیسے انہیں شام کے جبابرہ سے جنگ کا حکم ہوا چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے موسی علیہ السلام نے ان پر غلبہ پایا اور بنی اسرائیل کو ان کے دشمنوں پر غلبہ دلا کر انہی کی جگہوں اور شہروں میں آباد کر دکھلایا ایسے ہی نبی پاک ﷺ نے بھی شام کے لوگوں کے ساتھ تبوک میں جنگ کی اور دومتہ الجندل پر غلبہ پایا کہ وہ صلح پر مجبور ہو گیا۔ یہاں تک کہ اس نے جزیہ دیا جب وہ قیدی ہو کر آیا اور رسول پاک ﷺ نے مکہ فتح کر کے اپنے یاروں کو اسی شہر میں اسی طرح داخل کیا جیسے ان کے دشمنوں نے شہر مکہ سے نکالا تھا۔

ساتواں آسمان یہاں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اس میں دو حکمتیں تھیں۔

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور سے ٹیک لگا کر بیٹھے تھے یاد رہے کہ بیت المعمور کعبہ معظمہ کے بالمقابل آسمان میں ہے ملائکہ کرام اسی میں حج کرتے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسی لئے یہاں قیام تھا بوجہ مناسبت کعبہ معظمہ کے کہ اسے آپ نے تعمیر کر کے لوگوں کو حج کا اعلان فرمایا۔

۲۔ حضور سرور عالم ﷺ کے آخری احوال میں حجتہ الوداع ہے کہ اس سال اپ کے ساتھ ستر ہزار مسلمانوں نے حج ادا کیا۔

فائدہ اہل تاویل فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حج کا اعلان اس لئے کیا کہ کعبہ کی تعمیر کرنے والے آپ ہیں تو اعلان بھی آپ کریں۔

marfat.ocm

سوال امام (فخرالدین رازی) فرماتے ہیں کہ آیت سے شب معراج رویت باری تعالیٰ کا ثبوت ملتا ہے حالانکہ یہاں تو آیات اللہ کا ذکر ہے یعنی مطلب یہ ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی ایات دیکھیں نہ کہ خود اللہ تعالیٰ کو۔ نیز اس ایت میں معراج کا قصہ ختم کیا تو رو یتہ الایات پر اور سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ میں آیت کے دکھانے کا وعدہ تھا تو اس سے اتنا ثابت ہوا کہ معراج کی شب میں آیات دکھانے کی بات تھی نہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات دکھانے کی کیونکہ اگر اس سے بڑھ کر کوئی اور شے ہوتی تو اسی پر معراج کا قصہ ختم کیا جاتا اس سے معلوم ہوا کہ آیت کے دکھانے پر معراج کا اختتام بتاتا ہے کہ معراج میں دیدار الٰہی نہیں ہوا۔

جواب فقیر (صاحب روح البیان) کہتا ہے کہ رو یتہ الایات دیدار الٰہی کو بھی مشتمل ہے اس لئے کہ شیخ اکبر قدس سرہ الاکبر الفلوک (کتاب) میں لکھتے ہیں رویت و ادراک باری تعالیٰ متعذر ہے باعتبار تجرد الذات عن المظاہر والنسب والاضافات کے ورنہ مظاہر اور من وراء حجابیت المراتب کے ہو تو پھر ممکن ہے جیسے کہا گیا ہے۔

کالشمس تمنعک اجتلاعک وجہیا فاذااکتست برقیق غیم اکمنا

ترجمہ جیسے تجھے سورج تیز روشنی اس کے چہرے کو دیکھنے سے روکتی ہے لیکن جب وہ بادل کا کپڑا اوڑھ لے تو پھر اسے دیکھنا ممکن ہو جاتا ہے۔

فائدہ آیات کبریٰ دیدار الٰہی کو اس لئے مشتمل ہیں کہ چونکہ وہ آیات ملکوتیہ ہیں اور ان کا مرتبہ آیات ملکیہ سے بڑھ کر ہوتا ہے حضور نبی پاک ﷺ کو ان کا بھی مشاہدہ کرایا تاکہ رویت جمیع مراتب و مشاہد میں مکمل ہو ایسا ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ کریم معزز مہمان کو گھر پر بلائے اور خود چھپ کر بیٹھ جائے جب اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم ﷺ کو ایوان خاص میں مہمان بنا کر بلایا پھر یہ ناممکن بلکہ نہایت قبیح بات ہے کہ خود کو چھپا کر دیدار سے نہ نوازا ہو (فلہذا یقیناً ثابت ہوا کہ حضور نبی پاک ﷺ دیدار الٰہی سے مشرف ہوئے)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کچھ آیات الکبریٰ ہیں اور کچھ صغریٰ۔ کبریٰ تو یہی صفات قدیمہ ازلیہ ہیں جنہیں آئمہ اسلام سات صفات سے تعبیر کرتے ہیں۔

۱۔ حیات ۲۔ علم ۳۔ قدرت ۴۔ ارادہ، ۵۔ سمع ۶۔ بصر ۷۔ کلام

marfat.ocm

آیات صغریٰ اسمائے ایسے ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وللہ الاسماء الحسنی۔

نکتہ صفات آیات کبریٰ اور اسماء آیات صغریٰ بایں معنی ہیں کہ صفات اسماء کی مصادر و مراجع ہیں مثلاً اسم حی کا مرجع فی الوجود حیات ہے ایسے ہی علیم کا مرجع فی الوجود علم ہے اور قادر کا مرجع فی الوجود قدرت ہے دوسرا یہ بھی ہے کہ اسماء صفات کے مظاہر ہیں مثلاً اسم حی کا وجود میں افعال مرجع ہیں اور افعال اسماء کے اور آثار افعال کے مظاہر ہیں۔

سوال قرآن مجید میں صرف آیات کبریٰ کی تخصیص کیوں صغریٰ کا ذکر بھی ہوتا ہے حالانکہ وہ آیات ایسے ہیں جیساکہ فرمایا قل ادعو اللّٰہ اودعو الرحمن ایاما تدعو افلہ الاسماء الحسنی۔

جواب آیات کبریٰ کا شہود آیات صغریٰ کے شہود کو متلزم ہے اسی لئے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے پر صفت حیات و علم و قدرت سے متجلی ہوتا ہے تو بندہ زندہ ہوتا ہے۔ اس کی صفت حیات سے اور علیم ہوتا ہے صفت علم سے اور قدیر ہوتا ہے صفت قدرت سے۔

شان ارفع مصطفیٰ ﷺ جب اللہ تعالیٰ حبیب اکرم ﷺ کو جمعیت وحدانیت کے آسمان کی طرف معراج کرائی تو انہیں نور الفردانیہ میں داخل کر کے پہلے حق سبحانہ تعالیٰ ان صفات کبری کی صورت میں جلوہ گر ہوا اور یہی صفات مفاتیح الغیب ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اسی لئے۔

صارت حیاته مادة حیات العالم کله علویته وسفلیته وروحانیته وجسمانیته معدنیته ونباتیته وحیوانیته وانسانیته کما قال وما ارسلنک الا رحمته للعالمین وقال لولاک لما خلقت الافلاک وقال علیه السلام انا من الله والمومنون منی (روح البیان) (ص ۲۳۲ ج ۹)

ترجمہ آپ کی حیات جملہ عالم کی حیات کا اصل مادہ ہے عالم علوی ہوں یا سفلی' روحانی ہو یا جسمانی نباتی ہوں یا حیوانی و انسانی جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے تو آپ کو جملہ عالمین کی رحمت بنا کر بھیجا ہے اور فرمایا آپ نہ ہوتے میں افلاک کو پیدا نہ کرتا اور حضور علیہ الصلوۃ واسلام نے فرمایا۔ میں اللہ سے ہوں اور تمام مومن مجھ سے۔

marfat.ocm

علم کلی کا حافظ نبی ﷺ ہمارا عقیدہ ہے کہ حضور نبی پاک ﷺ جملہ کائنات کے علوم باعطائے تعالیٰ جانتے ہیں یہی عقیدہ اسلاف رحمہم اللہ کا ہے جیسا کہ صاحب روح البیان نے لکھا کہ:۔

وکذا صار علمه محيطا بجميع المعلومات الغيبته الملكوتيته كما جاء فی حديث اختصام الملائكه انه قال فوضع كفه على كتفی فوجدت بردہ بين شدی فعلمت علم الاولين والاخرين وفی روايته علم ما كان وما يكون

(روح البیان ص ۲۳۲ ج ۹)

ترجمہ ایسے ہی آپ کا علم جمیع مغیبات معلومہ ملکوتیہ کو محیط ہے جیسے ملائکہ کے اختصام والی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی ہتھیلی میرے دونوں کاندھوں پر رکھی میں نے اس کی ٹھنڈک محسوس کی اپنے پستانوں کے درمیان تو میں نے اولیں و آخرین کو جان لیا۔ ایک روایت میں ہے آپ نے ماکان ومایکون جان لیا۔

اختیار سید عالم اور آدم علیہ السلام

سید ولد آدم ﷺ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قدرت سے حضور سید عالم ﷺ نے اپنی قدرت سے جملہ جابروں اور سرکشوں کی گردنیں توڑ ڈالیں اور بہت بڑے سرداروں کے سر تلوار سے کاٹ ڈالے اور ان کے محلات اجاڑ دیئے اور ان کے قلعہ جات ویران فرمادیئے کہ اب نہ ان کا نشان ہے اور نہ خود ان کا نام ملتا ہے اور پھر اسی تجلی جمعی کلی احاطی کی برکت سے آدم علیہ السلام حضور سید عالم ﷺ کی تابعداری میں آگئے۔ یہاں تک کہ ان کی خلافت درحقیقت حضور علیہ السلام کی خلافت تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام عزیز میں خبر دی ہے انی جاعل فی الارض خلیفه میں زمین پر اپنا نائب بناؤں گا۔

ملائکہ نے سجدہ کس کو کیا واسجد الله الملائكه لتلألؤ نوره الوحدانی فی وجه آدم

یہ تحقیق ہے لقد رآی من ايات ربه الكبری کی[1]

لام جواب قسم اور من زائد ہے۔

روح البیان ص ۲۳۲ ج ۹۔ اور ملائکہ کو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے سجدہ کا حکم اس لئے دیا کہ ان کے چہرہ میں نور وحدانی تھا)

marfat.ocm

فائدہ حضرت البقلی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور سرور عالم ﷺ کو ایسی بڑی آیات دکھائیں جو رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی اور کو یہ مقام نصیب نہ ہوا وہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوت جباریہ ملکوتیہ کا لباس پہنایا تھا جیساکہ فرمایا لقدر آی من ایات ربہ الکبریٰ وہ دراصل ظہور آیات میں ظہور انوار صفات کی وجہ سے ہوا اور وہ آیات ایسی ہیں کہ اگر کوئی انہیں دیکھے تو انہی کے دیکھنے میں مستغرق ہو جائے لیکن چونکہ حضور سرور عالم ﷺ کو بحر ذات و صفات کملاً استغراق حاصل تھا اسی لئے آپ کی نظر دوسری آیات کبرلی کی طرف بہت کم اٹھی اور ابن عطار رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے آیات کبری کو دیکھا لیکن انہیں اتنا بڑا تصور نہ کیا یہ آپ کی کبر ہمت و علو مرتبت کی دلیل ہے کہ آپ کبیر متعال جل جلالہ سے واصل تھے۔

تفسیر عالمانہ افرائیتم اللات والعزی ومناۃ الثالثۃ الاخریٰ (تو کیا تم نے لات وعزی اور تیسرے منات کی خبر دی یہ دونوں بت تھے جن کی وہ پرستش کرتے تھے۔

تحقیق اللات یہ طائف کے بنو ثقیف کا تھا یہ دراصل لویۃ تھا پھر یاء کو ساکن کر کے حذف کر دیا گیا التقاء ساکنین کی وجہ سے باقی لوۃ بچا پھر واؤ الف سے تبدیل کی گئی متحرک ہونے اور ما قبل کی وجہ سے لاۃ ہوا۔ خلاصہ یہ کہ لاۃ بروزن فعلۃ لوی سے ہے کیونکہ وہ اس پر ٹوٹ پڑتے اور اس کا طواف کرتے اور آدمی کی صورت میں تھے۔

فائدہ حضرت سعدی المفتی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ تو کسائی کی قرات پر ہے کہ وہ اللاۃ میں وقف کے وقت تاء کو ہاء پڑھتا ہے اس کے سوا باقی قراء تاء پر وقف کرتے ہیں تو تاء سے اس معنی پر وہ لوی سے ماخوذ نہ ہو گا۔

جواب ہم نہیں مانتے کہ وہ لات پر وقف کے وقت تاء پڑھتے ہوں بلکہ وہ بھی وقف کے وقت تاء کو ہاء پڑھتے ہیں۔

تحقیق العزی الاعز کی تانیث ہے یہ غطفان قبیلہ کا تھا یہ ایک کیکر کا درخت تھا جس کی لوگ پوجا کرتے تھے۔

حکایت حضور سرور عالم ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا تاکہ اس درخت کو

کاٹ ڈالیں حضرت خالد نے بت کو کہا۔

یاعزی کفرانک لا سبحانک انی رایت اللہ اھانک

ترجمہ یا عزیٰ تیرے ساتھ کفر کرنا ضروری ہے نہ کہ تیری تسبیح میں اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہوں اس نے تیری اہانت کی ہے۔

ان کے اس جملہ کہنے پر بت کی جڑ سے ایک شیطانہ نکلی۔ بال بکھرے ہوئے سر پر ہاتھ رکھے ہوئے تھی اور ھی تو لول ہائے ہائے کہہ رہی تھی۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے تلوار سے اسے ٹکڑے کر دیا اس کے بعد انہوں نے حضور سرور عالم ﷺ کو خبر دی تو آپ نے فرمایا اب ہمیشہ تک اس کی پوجا نہ ہوگی۔

فائدہ القاموس میں ہے کہ العزیٰ کو سب سے پہلے ظالم بن اسعد نے ذات عرق (جگہ کا نام ہے) اوپر سے تیار کر کے البستان (جگہ کا نام) میں لے آیا اس کے اوپر گھر بنایا جس کا اس نام رکھا لوگ بت سے آواز سنتے تھے حضور سرور عالم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا انہوں نے وہ گھر توڑ دیا اور سمر کے درخت سے بنے ہوئے بت و جلا دیے۔

منات یہ پتھر کا بت ہذیل و خزاعہ کا تھا اسے منات اس لئے کہتے ہیں کہ حج کی قربانیوں کا خون یہاں بہلیا جاتا۔

فائدہ تمنی معنی پانی والی شے کو بہانا اسی سے منی ہے۔

حکایت انسان العیون میں ہے کہ مناس اوس و خزرج کا بت تھا اس کے توڑنے کے لئے حضور سرور عالم ﷺ نے سعد بن زید الاشہلی رضی اللہ تعالیٰ کو بیس سوار ساتھ دے کر بھیجا۔ جب یہ حضرات بت کے قریب پہنچے تو بت کے نگران (خادم) نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے پوچھا کس لئے تشریف لائے ہو فرمایا منات (بت) کو توڑنے آئے ہیں کہا تم کہاں اور بت کی شان۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سیدھے بت کے سر پر پہنچے اس سے ایک ننگی اور سیاہ رنگ عورت اجڑے ہوئے بالوں والی بت سے باہر ہائے ہائے پکارتی اور سینہ سرکوبی کرتی نکلی بت کے خادم (نگران) نے کہا اے منات اپنے نافرمانوں سے نبٹ لے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فوراً اسے قتل کر کے اس کا

marfat.ocm

گھر اجاڑ دیا۔

نکتہ المناۃ کو ثالثہ کہنا تاکید کے لئے ہے کیونکہ اس کا جب پیچھے ڈالا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ تیسرا بھی وہی ہے یعنی بت ہے اور الاُخریٰ کی صفت ہے اسے موصوف کرنا اس کی مذمت کے لئے ہے کہ یہ پیچھے والا نہایت حقیر المقدار ہے یعنی وہ منات تیسرا جو حقیر و ذلیل ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ اُخری کا لفظ کمزوروں کے لئے مستعمل ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا قالت اخراھم لاولٰھم پچھلا گروہ پہلے کو کہے گا یعنی کمزور لوگ قیامت میں اپنے لیڈروں (سرداروں) کو کہیں گے۔

فائدہ ابن الشیخ نے فرمایا کہ الاُخریٰ الآخر (فتح الخاء) کی تانیث ہے وہ دراصل تاخر فی الوجود کے لئے مستعمل ہوتا ہے اب اسے نقل کر کے مغاریت مع الاشتراک مع الموصوف کے لئے بولتے ہیں لیکن آیت میں یہ معنی عرفی مراد نہیں کیونکہ منات میں یہ مشارکت نہیں کہ یہ صرف وہ تیسرا ہے کہ جس کی الاُخریٰ صفت ہے بلکہ اسی معنی مذکور (اصلی) میں مستعمل ہے۔

فائدہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لات و عزیٰ کو اولیت حاصل ہے اور یہ منات ان کے رتبے کے لحاظ سے تیسرا ہے بایں معنی کہ عزیٰ ایک درخت ہے اور وہ نبات کے اَقسام سے ہے اور وہ پتھر سے اشرف ہے اور وہ منات پتھر و جماد سے ہے اور وہ رتبہ کے لحاظ سے کم ہے۔

فائدہ اہل عرب کا پروگرام تھا کہ وہ بتوں کے اچھے نام رکھ کر انہیں پوجیں اسی لئے ایک کا نام اللہ رکھا لیکن اللہ تعالیٰ کے تقدس سے ان کی زبان پر اللہ کے بجائے اللات جاری ہوا اور دوسرے کے لئے ان کا ارادہ ہوا کہ اس کا نام العزیز رکھیں لیکن ان کی زبان پر العزیٰ جاری ہو گیا ایسے ہی تیسرے کا نام المان رکھا لیکن المنات مشہور ہو گیا۔

فائدہ امام راغب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اللات دراصل اللاہ تھا اسی سے ہاء کو حذف کر کے تاء داخل کر دی اسی سے وہ اس کی مدح و ثناء تصور کرتے لیکن چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے کم مرتبہ مانتے ایسی لئے اللہ کے بجائے اللات کہتے وہ اس سے اللہ تعالیٰ کا تقرب کرتے یعنی سمجھتے کہ ان کی پرستش ہمیں اللہ کے قریب کر دے گی۔[1]

---

[1] شیعوں کو مبارک ہو کہ وہ اس فعل شنیع سے منات کی بجا کا اقرار کرتے ہیں۔ اویسی غفرلہ) (لکہ حاشیہ آ...

حل لغات ضیزی بروزن فعلی الجور یہ دراصل ضیزی (بضم الضاد) از ضازنی الحکم ۔ضیز، ضیز (بمعنی جار و ضازہ بمعنی حقہ (ضیزہ) یعنی اسے خسارہ میں ڈالا حقیر کیا اور کم کیا تھا لیکن ضیزی کی ضاد مکسور ہوتی ہے تاکہ یائ بچ رہے جیسے ابیض میں کہا گیا ہے کہ دراصل بیض (بضم الباء) کیونکہ وہ ابیض کی جمع ہے جیسے حمر احمر کی جمع ہے وہ اس لئے کہ وصف میں فعلی (بالکسر) نہیں آتی۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے لوگوں سے شرک کرنے سے ناگواری کی طرف کہ تم ایک طرف تو بعض ظاہری باتوں میں شرک کرتے ہو اور بعض کو چھوڑتے ہو یعنی اپنے لئے روح کو خاص اس کی جمیع مرادیں پوری کہتے ہو بلکہ اس کے ہر فرمان کے پابند ہو اس کے اوامر و نواہی کے سامنے مکمل طور سرنگوں ہو طرفہ یہ کہ ایسے خبیث کو اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے جو ظالم لوگ کہتے ہیں جو عدل کی کاروائی کرتے ہیں یہ بھونڈی تقسیم ہے نہ اس میں عدل ہے اور نہ تم عادل کہلانے کے حق دار ہو۔

تفسیر عالمانہ ان ھی (نہیں ہے یہ) ضمیر اصنام کی طرف راجع ہے یعنی بت نہیں الوہیت کے لائق جن کی تم پرستش کرتے ہو اور نہ ہی اس لائق ہیں کہ انہیں الہ کہا جائے الا اسماء (مگر کچھ نام) یعنی صرف نام ہی نام ہیں ان کے ماتحت مسمیات نہیں یعنی ان میں الوہیت کے معنی کا معمولی اشارہ بھی نہیں یہ اس محاورہ سے ہے جو کسی ایسے لقب سے ملقب کیا جائے جس میں مدح اور فخامت شان کا مقصود ہو تو اس کے لئے کہا جاتا ہے ماھو الا اسم وہ تو صرف نام ہی ہے اس کی حقیقت کوئی نہیں۔ حضرت جامی قدس سرہ نے فرمایا۔

مرد جاہل جاہ گیتی را لقب دولت نہد
ہم چناں آماس بیند طفل گوید فربہیست

ترجمہ مرد جاہل کو گیتی جاہ کا لقب دے کر اس کے لئے دولت ثابت کی جائے تو وہ ایسے ہے جیسے چھوٹا بچہ سوج کو دیکھ کر کہے کہ یہ موٹاپن ہے۔

ابناء الزمان کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا۔

شکل ایشاں شکل انسان فعل شان فعل سباع

marfat.ocm

ہم ذئب فی ثیاب او ثیاب فی ذئاب[1]

ترجمہ ان کی شکل و صورت و انسانوں جیسی ہے لیکن کردار درندوں جیسا ہے وہ تو بھیڑیئے کپڑے پہنے ہوئے یا کپڑے بھیڑیوں کو لپیٹے ہوئے ہیں۔

ترجمہ ان کی شکل و صورت و انسانوں جیسی ہے لیکن کردار درندوں جیسا ہے وہ تو بھیڑیئے کپڑے پہنے ہوئے یا کپڑے بھیڑیوں کو لپیٹے ہوئے ہیں۔

فائدہ کافروں کا بتوں کو الہ کہنا صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے اور بس۔

سمیتموھا (جن کے تم نے رکھ لئے ہیں) یہ اسماء کی صفت ہے اور ضمیر اصنام کی طرف راجع ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ تم نے ان کے نام بنائے ورنہ ان کے لئے کوئی نام نہیں کیونکہ نام رکھنے میں اسم اور مسمّٰی کے درمیان نسبت کا ہونا ضروری ہے اس لئے کہ جب نسبت کا اسم کی طرف قیاس کیا جائے تو اس کا معنی یہ ہو گا کہ اسم کو مسمی اس کا اسم بنایا گیا ہے اور جب اس کا مسمی کی طرف قیاس کیا جائے تو معنی ہو گا کہ وہ مسمی اس اسم کے لئے مسمی ہے اور یہاں بتوں کا معاملہ ہر دونوں جانبوں سے ہے۔

نکتہ یہاں صرف اسم کی نسبت کا ذکر تو ہے لیکن مسمی کا نہیں اس کی وجہ بھی حاضر ہے کہ جنہیں مشرکوں نے معبود نام رکھ لیا ہے وہ صرف نام ہی ہیں مسمیات ہیں ہی نہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمایا **ما تعبدون من دونہ الا اسماء سمیتموھا** جس کی تم عبادت کرتے ہو وہ تو بس نام ہی ہیں جو تم نے رکھ لئے ہیں اس کا مطلب ہرگز نہیں کہ مسمیات تو ہیں لیکن وہ ان اسماء کے نام رکھنے کے مستحق نہیں خلاصہ یہ کہ یہ اسماء مسمیات سے خالی ہیں تمہاری وضع کی کوئی حقیقت نہیں۔

انتم واباؤکم تم اور تمہارے آباء بوجہ تمہاری خواہشات کے مقتضی کے **ماانزل اللہ** نہیں نازل کیا اللہ

---

[1] ۔ ہمارے دور میں یہ شعر تبلیغی جماعت والوں پر فٹ آیا ہے جبکہ ان کو شکل و صورت سے دیکھو تو خضر رہ معلوم ہوتے ہیں لیکن کردار کا حال اتنا گرا ہوا کہ یہود و ہنود بھی پناہ مانگیں فقیر اویسی غفرلہ نے ان کے لئے ایک کتاب لکھی ہے تبلیغی جماعت کے کارنامے)

marfat.ocm

تعالیٰ نے ان کی قسمیہ کی صحت کے متعلق۔

من سلطان کوئی دلیل ایسا برہان کہ تم تمام قرآن پڑھ کر سمجھ کرتا سکو (کہ تمہارے معبودوں کی حقانیت کی دلیل ہے) یہاں پر انزل الف کے ساتھ ہے اور سورۃ اعراف میں تشدید سے ہے۔

ان یتبعون نہیں تابعداری کرتے۔ اس میں صیغہ غائب کی طرف التفات بے خبر دیتا ہے کہ ان قبائح کے تعدد کا تقاضا یہی ہے کہ ان سے اعراض کیا جائے اور اس میں دوسروں کو ان کی جنایات کی حکایت بتاتا ہے اب معنی یہ ہوا کہ یہ اتباع نہیں کرتے اس میں جو مذکور ہوا ہے یعنی صرف نام رکھنا اور اس کے موجب پر عمل کرنا نہیں۔

الاظن مگر گمان یعنی صرف وہم ہے یعنی جس پر وہ ہیں وہ حق نہیں بلکہ باطل توہم ہے۔

وماتھوی الانفس اور وہ جو ان کے نفوس امارہ بالسوء خواہش کرتے ہیں اس تقریر پر ما موصولہ ہے مصدریہ بھی ہو سکتا ہے الف لام بدل از اضافت ہے اس کا عطف ظن پر ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ نہیں یہ بت جن کی تم پرستش کرتے ہو ساتھ گمراہی اپنے نفوس شہوانیہ اور اپنے عقول ضعیفہ ہیولانیہ کی جہالت کے مگر وہی صورتوں کے نام ان کے مسمیات بالکل نہیں انہیں تمہارے اوہام ضعیفہ نے گھڑا ہے اور تمہارے بیمار عقول جن میں وہم و خیال کی ملاوٹ ہے گھڑا کیا ہے اور تمہارے یہ خیال اور اوہام تمہارے آباء و اجداد کے ساتھ ملتے جلتے ہیں۔ اصحاب طلب اور ارباب کشف و قرب کی نظروں میں ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں بلکہ ان کے ہاں ان کا کوئی وجود اور نشان نہیں بلکہ یہ اس لکڑی کی مثل ہیں جو دیوار کے سہارے پر ہو اللہ تعالیٰ نے اصنام نفسیہ اور ہوائیہ و دنیویہ میں کچھ نہیں بنایا اور نہ ان میں تصرف فی الاشیاء کی ترکیب رکھی ہے کہ یہ ایجاد و اعدم اور قہر و لطف اور نفع و نقصان کر سکیں اور اشیاء علوی ہوں یا سفلی ہوں جملو ہوں نباتات حیوان ہوں یا انسان سب کی اسماء الیہہ کی مظاہر اور صفات ربانیہ جلالیہ یعنی لطفیہ و قہریہ کی جولانگاہ ہیں سب میں حق تعالیٰ کا جلوہ ہے لیکن بحسب الکلیہ نہ بحسبہ بخلاف حضرت انسان کامل کے کہ اس میں حق کا جلوہ ہے بحسب الکلیتہ المجوعیہ اسی لئے یہ زمین پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے اور اے جاہلو ظالمو تم نہیں ان صفات الیہہ کی نہ تو اتباع کرتے ہیں اور نہ ہی اشیاء میں ان حقائق روحانیہ اور اسرار ربانیہ (جو ہر حجر اور ڈھیلے میں امانت رکھے ہوئے ہیں) کا مشاہدہ کرتے ہو بلکہ تم شہوانیہ کی اتباع اور جسمانیہ ظلمانیہ پر التزام کی وجہ سے ان لطائف روحانیہ کے ادراک سے اعراض کرتے

ہو اور نہ تم عواطف رحمانیہ کے مشاہدہ کی طرف متوجہ ہوتے ہو بلکہ اپنے مظنونات ظن فاسد اور موہومات وہم کاسد کی اتباع کرتے ہو اور صرف ان خواہشات نفسانی کو ہی چاہتے ہو جو رضائے حق سے کوسوں دور ہیں اور یہی بہت بڑا خسارہ ہے اور حق کے مقابلہ میں گمان کا کیا کام۔

حکایت سیدنا جنید بغدادی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ میں نے ستر عارف ایسے دیکھے جو صرف وہم سے مار کھا گئے یعنی ان کو وہم تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل کر چکے ہیں اس لئے سارے کے سارے حقیقۃ الحق کے ادراک سے دور کئے گئے اور حق کو نہ پا سکے۔ اور وہ ان کی قدرت تھی بھی کیا جو اس کو پاتے وہ تو ایسی باتوں سے بلند و بالا ہے اسی لئے فرمایا وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر کا حق ادا نہ کیا۔

فائدہ اسی لئے حضرت الواسطی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سلطان العارفین ابو یزید بسطامی قدس سرہ پر جرات کر کے کہا کہ سب کے سب توہم پر مرے یہاں تک کہ بایزید قدس سرہ بھی۔ یہ اپ نے تواضع سے فرمایا۔

سبق حضرت البقلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اے عاقل جو اللہ تعالیٰ سے دھوکہ کھا کر ہلاک ہوتے ہیں ان سے بچ کے رہ کیونکہ انہیں کئی شکلیں پیش آئیں اور کوئی راستے ان کے سامنے آئے جو ان کے دماغوں کے پروں پر پہنچے تو انہوں نے گمان کیا کہ وہ مکاشفات الغیوب اور نوادر لقب ہیں اور ان کا دعوی تھا کہ یہ عالم الملکوت اور انوار الجبروت سے ہیں حالانکہ (ایسا نہ تھا) وہ اتباع نہیں کرتے مگر اپنے نفوس کے خواہشات کی اور شیاطین کے دام تزویر کی جن سے کئی شکلیں اور صورتیں ان کے سامنے آئیں اور شیاطین نے سنوار کے دکھایا کہ یہ حق ہے حالانکہ حق تعالیٰ اشکال و تمثل سے منزہ ہے۔ اے دوست جاہلوں کی صحبت سے بچنا وہ حق کو تو جانتے نہیں لیکن دعوی ہے حق شناسی کا۔ ایسے لوگ ہمارے زمانہ میں بہت ہیں جو مشاہدہ الٰہی کے مدعی ہیں حالانکہ مشاہدہ حق تو صرف اولیاء اللہ کا حق ہے وہ دشمنوں کے آگے مکشوف نہیں ہوتا۔

تفسیر عالمانہ ولقد جاءهم من ربهم الهدیٰ اور بیشک ان کے ہاں ان کے رب سے ہدایت آئی) یہ یتبعون کے فاعل سے ہے یا جملہ معترضہ ہے جو بھی ہو اس میں اتباع الظن اور خواہشات نفسانی کی پیروی کے بطلان کی تاکید اور ان کی حالت کی زیادتی قباحت کا اظہار ہے اس لئے کہ ظن اور ہوائے نفسانی جو بھی اتباع کرے

marfat.ocm

قبیح ہے اور اس سے قبیح تر ہے جسے اللہ تعالیٰ ارسال رسل و انزال کتب سے ہدایت دے اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت رسول اللہ ﷺ اور قرآن کریم سے تھی اور وہ ان سے دور ہیں فلہذا انہیں ہدایت کا حصول کیسے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ ان کی استعداد فطری غیر مجعول فاسد ہو گئی بوجہ ان کے تلبس کے ساتھ ملابس صفات حیوانیہ عنصریہ کے اور ان کے انہماک کے غواشی ظلمانیہ ہیہ میں باوجودیکہ ان کے ہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسباب و موجبات ہدایت آئے یعنی نبی پاک ﷺ اور قرآن و دیگر معجزات ظاہرہ اور خوارق روشن جو آپ کی نبوت کی صداقت اور آپ کی رسالت کی صحت پر دلالت کرتے ہیں لیکن یہ اتباع نفس اور خواہشات نفسانیہ کی موافقت میں مشغول اور جو ان کا ولی و مولیٰ ہے کی طرف متوجہ ہونے سے روگردان رہے اس لئے کہ انہیں ہدایت نصیب ہونی تھی عالم دنیا میں نہ کہ یوم ازل میں اور یہ درست ہے کہ جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ازل میں نور ہدایت نہیں لکھی اسے دنیا میں بلکہ ہمیشہ تک کچھ نصیب نہ ہو گا لیکن اسباب کی تلاش کی تو عام اجازت تھی۔

فائدہ ھدی (ہدایت) ھوی (خواہشات نفسانیہ کی نقیض ہے اس لئے ہدی کی اتباع ضروری ہے۔ اس لئے بعض اکابر نے فرمایا کہ کسی ولی اللہ کو کرامت نصیب نہیں ہوتی سوائے وراثت از انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وارث ولی ہوا پر اڑنے اور پانی میں تیرنے قدرت نہیں رکھتا۔ بخلاف امام انبیاء ﷺ کے وارث کے کہ اسے ہوا پر اڑنے اور پانی میں تیرنے کی قدرت ہوتی ہے بوجہ ان کے لئے عموم مقام کے۔

حدیث شریف اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یقین میں اضافہ ہوا تو وہ ضرور ہوا پر اڑتے یعنی قوت یقینیہ کے موجب کی وجہ سے نہ بموجب صدق میری اتباع کے۔

ازالہ وہم اس سے ہمیں شک نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ السلام تمام ان اولیاء سے یقین میں قوی تر ہیں جو ہوا میں اڑتے ہیں بلکہ انہیں آپ سے کوئی نسبت نہیں کیونکہ آپ ان رسل کرام علیہم السلام جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اولوالعزم ہیں لیکن حضور ﷺ کی امت کے اولیاء کرام ہوا میں اڑتے ہیں تو بوجہ رسول اکرم ﷺ کی اتباع کے نہ کہ بوجہ زیادتی یقین پر یقین عیسیٰ علیہ السلام کے اور یہ بھی یاد رہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ

marfat.ocm

السلام حضور سرور عالم ﷺ کی اتباع میں جمیع اولیائے امت حبیب ﷺ سے زیادہ صادق ہیں اسی لئے ہمارا عقیدہ ہے کہ خود ان کو ہوا میں اڑنے کی قدرت حاصل تھی اگرچہ اپ نے اس عمل کو ترک فرمایا۔

ہوامیں اڑنے کانسخہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے ہوامیں اڑنے کانسخہ یوں بتایا۔ کہ لا یمشی فی الھوا الا من الھوی (ہوا پروہی اڑتا ہے جو خواہشات نفسانیہ ترک کرتا ہے)

ہوا و ہوس را نماند استیز چو بیند سر پنجہ عقل تیز

ترجمہ ہوا و ہوس کو جنگ کی طاقت نہیں رہتی جب عقل کا پنجہ تیز دیکھتا ہے۔

تفسیر عالمانہ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى (کیا انسان کے لئے وہی ہے جو وہ آرزو کرے) ام منقطعہ اور اس میں بل الانتقال کا معنی ہے مطلب یہ کہ وہ جس حال میں ہیں اسی کا استناد تو ہم اور ہوائے نفس پر ہے اور جو اس طریق پر ہو اسے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ ہمزہ انکار و نفی کے لئے ہے۔

حل لغات التمنی بمعنی کسی شے کو نفس پر مقدر و مصور کرنا وہ کبھی تخمین (اندازہ) اور ظن سے ہوتا ہے اور کبھی رویت اور بناء علی الاصل سے لیکن چونکہ اکثر تخمین سے ہوتا ہے اسی لئے ایسے کذب سے زیادہ سے زیادہ سامنا ہوتا ہے اور تمنا اکثر ان میں ہوتی ہے جن کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ اب معنی یہ ہوا کہ انسان کے لئے ضروری نہیں کہ جو آرزو کرے وہی اسے حاصل ہو جائے اور جو اس کا نفس خواہش کرے وہ پوری ہو جائے منجملہ ان کے ان کا اپنے معبودوں سے شفاعت کا طمع کرنا اسی طرح دیگر وہ امور جن کا وجود ہی نہیں۔

ما کل یتمنی المرء یدرکہ تجری الریاح بما لا تشتھی السفن

ترجمہ ضروری نہیں جو بھی کوئی آرزو کرے اسے حاصل کرلے کیا نہیں دیکھتے کہ جن ہواؤں کو کشتیاں نہیں چاہتیں بسا اوقات وہی چل پڑتی ہیں۔

فائدہ حضرت علامہ کاشفی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کیا انسان یعنی کافر کے لئے ضروری ہے کہ وہ جو چاہے بتوں کی شفاعت یا جو کچھ وہ کہے کہ نبوت فلاں کو ملتی اور فلاں کو نہ ملتی وغیرہ وغیرہ۔

فائدہ بعض نے کہا کہ کیا انسان کے لئے ضروری ہے کہ جو وہ چاہے کہ اسے لمبی عمر ملے اور مرنا نہ ہو اور نہ ہی

مرنے کے بعد میدان محشر میں اٹھنا ہو۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ انسان کمال مراتب کی استعداد ہے یعنی انانیت کی فناء اور ہویت باللہ کی لقاء کی اس میں استعداد ہے لیکن بوجہ ان لذات جسمانیہ و رحمانیہ میں مشغول ہونے کے اسے بعض اوقات علائق جسمانیہ کی آفات اور علائق روحانیہ کی فترات حاصل ہوتی ہیں جن کی وجہ سے وہ مطلوب تک پہنچنے سے محروم ہو جاتا ہے اور اسے ہر آرزو حاصل نہیں ہوگی کیونکہ ہر ایک کو وہی ملتا ہے جو اس کے لئے تقدیر میں لکھا ہے مثلاً جس کے لئے لکھا ہے کہ وہ اس کے سیدھے ہاتھ سے مظہر لطف پیدا ہو گا تو پھر اسے کیا امکان کہ اپنے آپ کو مظہر القہر بنا سکے اور جو اس کے بائیں ہاتھ سے مظہر القہر پیدا ہوا اسے کیا طاقت کہ وہ خود کو مظہر اللطف بنا سکے۔

توان پاس کردن ززنگ آئینہ　　ولیکن نیاید زسنگ آئینہ

ترجمہ آئینہ کو زنگ سے صاف کرنا آسان ہے لیکن پتھر کو آئینہ نہیں بنایا جاسکتا۔

فائدہ ہاں وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہے جسے مخلوقیت سے کوئی تعلق نہیں وہ چاہے تو ضدین کو جمع کرے مثلاً وہ اول بھی ہے اور آخر بھی اور ظاہر بھی اور باطن بھی یعنی وہ اپنی آخریت کے عین میں اول اور باطنیت کے عین میں ظاہر ہے۔

حکایت حضرت خراز قدس سرہ سے سوال ہوا کہ اپ نے اللہ تعالیٰ کو کیسے پہچانا فرمایا ضدین کو جمع کرنے سے کیونکہ حقیقت متوحدہ ہے لیکن تعین و ظہور متعدد ہیں اور حقیقت کا تعینات کی منافات وحدت ہویت میں کہ قادح (نقصان دہ) نہیں جیسے زوجیت و فردیت باوجودیکہ (نقیضین) ہیں لیکن عدد ہونے میں ایک دوسرے کے منافی نہیں ایسے ہی سواد (سیاہی) و بیاض (سفیدی) نقیضین ہیں لیکن مطلق رنگ کہلوانے میں ایک دوسرے کے عین ہیں۔

فائدہ حضرت حسین (ولی اللہ) رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اختیار طلب ربوبیت کی طلب ہو اور خروج عین العبودیت کی تمنا ہو تو بہتر ہے بندوں کو اللہ تعالیٰ کی سزا و عذاب تب ہوتا ہے کہ جب وہ اپنی تمناؤں اور آرزوؤں پر کامیابی پاتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰی اللہ تعالیٰ کے ملک میں اُولیٰ و آخرت۔

marfat.ocm

ربط اس انتفاء (نفی) کی تعلیل ہے جو کہا گیا ہے کہ ہر ایک کو ضروری نہیں کہ اسے ہر آرزو تمنا یقینا مل جائے اس لئے کہ امور آخرت و اولی سب کے سب اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں اور اسی خصوصیت کا تقاضا ہے کہ کسی بندے کو ہر وہی امر حاصل ہو جائے جو وہ چاہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہی جملہ عالم پر غلبہ ہے وہ عالم ملک ہو یا ملکوت عالم آخرت ہو یا عالم دنیا معنی یہ ہے کہ کوئی انسان کسی شے کا مالک نہیں کہ وہ اپنے ہر مقصد مطلوب کو حاصل کرے بلکہ آخرت کا ملک اللہ تعالیٰ کے سیدھے ہاتھ میں ہے اس کے مقتضی پر اسے اعمال صالحہ و افعال حسنہ کی توفیق نصیب ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ یہ توفیق اپنے اسم واہب سے اسے عطا فرماتا ہے جیسے خود چاہتا ہے کہ وہ اس کے لطف و جمال کا مظہر ہو اور ملک دنیا اللہ تعالیٰ کے بائیں ہاتھ (قدرت) میں ہے وہی داعی ہے بندے کے لئے اسباب دنیا کا حصول یعنی حب دنیا و نیۃ (خیس) جس سے گناہ و خطا اور نفس خبیثہ کی اتباع نتیجہ نکلتی ہے اور ایسے کم بخت کو ہی طبیعت لئیمہ کی موافقت کی فکر دامن گیر رہتی ہے یہ اسباب اس بندے کو اسم مقسط سے حاصل ہوتے ہیں جس کے لئے وہ چاہتا ہے کہ وہ اس کی صفت قہر و جلال کا مظہر ہو اس سے نہ اس کے ملک میں کمی آتی ہے اور نہ اضافہ ہوتا رب رحمن کے ہر دونوں ہاتھ (قدرت) میں پر ہیں اور ہر وقت خرچ کرتے رہتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا (اور کتنے فرشتے آسمانوں اور زمینوں میں ہیں جو ان کی شفاعت کسی کو کام نہ آئے گی اس میں کافروں کے طمع کی جڑ کاٹنی ہے جو انہیں خیال تھا کہ ملائکہ کرام ان کی شفاعت کریں گے۔

نکتہ ملائکہ کرام کی شفاعت کی نفی میں اشارہ ہے کہ جب ایسی مقرب جماعت تمہاری شفاعت نہ کرے گی تو تمہارے بت بطریق اولی اس لائق ہیں کہ وہ کسی کی شفاعت کر سکیں۔

فائدہ کم خبریہ تکثیر کا فائدہ دیتا ہے علی الابتداء محلاً مرفوع ہے اور خبر اس کے بعد والا جملہ منفیہ ہے۔

سوال ملک مفرد اور شفاعتہم میں اس کے لئے ضمیر جمع کیوں؟

جواب ملک لفظاً مفرد اور معناً جمع ہے اسی لئے اس کے معنوی اعتبار پر ضمیر جمع لائی گئی۔ اب معنی یہ ہوا کہ بہت

marfat.ocm

سے فرشتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں لیکن ان کی شفاعت کسی کو نہیں بچائی۔ کسی وقت میں بھی یا شیئاً بمعنی احداً یعنی کسی کو بھی ان کی شفاعت کوئی نفع نہ دے گی۔

وہابیت کا ازالہ بظاہر یہاں یہ ثابت ہوا کہ شفاعت ملائکہ کا (اسی طرح انبیاء و اولیاء) کی شفاعت کا عقیدہ غلط ہے تو اس وہم کے ازالہ میں صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ نے واضح الفاظ میں فرمایا کہ۔

ولیس المعنیٰ انهم یشفعون فلا تنفع شفاعتهم بل معناه انهم لا یشفعون لانه لا یوذون لهم کماقال الله تعالیٰ (ص ۲۴۷ ج ۹)

ترجمہ اس کا یہ معنی نہیں کہ وہ شفاعت تو کریں لیکن کافروں کو نفع نہ دے گی بلکہ معنی یہ ہے کہ کافروں کے لئے انہیں شفاعت کی اجازت ہی نہیں ہو گی۔

الا من بعد ان یاذن اللہ مگر بعد اس کے کہ اللہ جن کے لئے شفاعت کی اجازت بخشے۔ لِمَنْ يَّشَآءُ (جس کے لئے چاہے) کہ وہ اس کے لئے شفاعت کریں (وَيَرْضٰى) اور پسند کرے اور اسے شفاعت کا اہل دیکھے اہل توحید و ایمان میں سے اور ان کے ماسوا کفار اور اہل طغیان سے اس شفاعت کی نعمت سے محروم ہیں بلکہ شفاعت کی دولت سے کوسوں دور جب فرشتوں کی یہ حالت ہے تو پھر بتوں کے متعلق خود سمجھ لیجئے۔

تفسیر صوفیانہ اس آیت میں اشارہ فرشتہ یعنی روح انفس امارہ بالسوء کے متعلق شفاعت کرے گا اس امید پر کہ وہ اوصاف ذمیمہ سے دور ہو کر مقام فناء و بقا حاصل کرے لیکن اس کی یہ شفاعت نفس کو فائدہ نہ دے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم قدیم میں ہے کہ نفس میں اپنے مقام سے ترقی کی استعداد ہرگز نہیں ہاں رقیق الحجاب نفس کے لئے شفاعت کی امید کی جا سکتی ہے کہ وہ فیض الٰہی کو قبول کرنے کے لئے مستعد ہو جائے کیونکہ ایسے نفس کی فطرت اولی میں صفائی ہے۔ اور اس میں مقامات علیہ کی ترقی کے لئے موافقت طبع و مخالفت شرع سے نکلنے اور مخالفت شریعت و مخالفت طبیعت میں دخول کے ساتھ قابلیت کبریٰ بقاء ہے۔

تفسیر عالمانہ ان الذین لا یومنون بالاخرۃ (بیشک وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور نہ ہی کفر و معاصی پر جو اس میں عذاب ہونے کے قائل نہیں لیسمون الملائکۃ ملائکہ کا نام

marfat.ocm

رکھنے ہیں حالانکہ وہ مطلقا نقصان کے ہر نشان سے منزہ ہیں۔ یعنی ہر ایک کا نام رکھتے ہیں تَسْمِيَّةَ الْاُنْثٰى عورتوں جیسا نام رکھنا منصوب ہی اس لئے کہ مصدر محذوف کی صفت ہے کہ دراصل تسمیتہ مثل تسمیتہ الانثی تھا مثلاً کہتے ہیں مَلَآئِكَةُ بَنَاتُ اللّٰهِ (فرشتے اللہ تعالٰی کی بیٹیاں ہیں) معاذ اللہ۔ یہی عورتوں کے نام پر نام رکھنا ہے ملائکہ کا الملائکہ میں الف لام تعریف استغراق کا ہے۔

نکتہ یہاں صرف ایمان کے ذکر میں اشارہ ہے کہ یہ لوگ نہایت درجہ کی شقاعت و فظاعت میں ہیں اور آخرت کے عذاب کے بہت زیادہ حق دار ہیں اور یہ جرات وہی کرتا ہے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔

سوال یہ ایت اس مضمون کے خلاف ہے جبکہ وہ کہتے تھے کہ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآئُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (یہ اللہ تعالٰی کے ہاں ہمارے سفارشی ہوں گے) ان کی سفارش پر امید رکھنا ان کا آخرت پر ایمان کی دلیل ہے علاوہ ازیں وہ اپنے مردوں کی قبور پر سواری باندھ کر کہتے ہیں کہ یہ کل قیامت میں اسی سوری پر سوار ہو کر میدان حشر میں آئے گا۔

جواب ان کا مرنے کے بعد اٹھنے کا عقیدہ ہرگز نہیں تھا اور هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآئُنَا اس لئے کہتے کہ اگر بالغرض اٹھنا ہو تو یہی بت ہماری سفارش کر کے بچالیں گے جیسا کہ اللہ تعالٰی نے ایک مقام پر ان کی اس بات کی تصریح فرمائی ہے چنانچہ فرمایا وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّىٓ اِنَّ لِىْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى اور میرا گمان ہے کہ قیامت قائم نہ ہوگی اور اگر میں اپنے رب کی ہاں لوٹایا گیا تو اس کے ہاں میرے لئے بہت بھلائی ہے نیز آخرت کے بارے میں ان کا عقیدہ اس طریقہ سے نہیں تھا جس عقیدہ کو انبیاء و رسل علیہم السلام بتاتے بلکہ ان کی کچھ بناوٹی اور خود ساختہ باتیں تھیں فلہذا ان کا ایمان نہ لانا اسی عقیدہ رسل علیہم السلام سے انکار کی وجہ سے ہے۔

مسئلہ ملائکہ کرام نہ نر ہیں نہ مادہ

حدیث شریف حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس جبریل علیہ السلام پہلی وحی لے کر آئے تو

انہوں نے مجھے وضو کا طریقہ بتایا اور نماز سمجھائی جب وضو سے فارغ ہوئے تو پانی کا چلو ہاتھ میں لے کر فرج پر پانی چھڑکا۔

ازالہ وہم اس سے اصل فرج مراد نہیں بلکہ فرج کی جگہ جو انسانوں میں ہوتی ہے اس لئے کہ فرشتوں میں فرج کہاں اور فرشتوں میں فرج نہیں اگرچہ انہیں انسانوں کی صورت میں تصور کیا جائے تب بھی وہ مرد نہ عورت۔

سوال یہ دلیل کمزور ہے وہ اس لئے ممکن ہے آلہ ہو لیکن عورتوں اور مردوں کے آلہ کی طرح نہ ہو جیسے خنثیٰ کے بارے میں ہے اگرچہ خنثیٰ میں فرج نہیں لیکن پھر بھی کہا جاتا ہے کہ اس کے لئے فرج ہے بعض نے کہا کہ ان میں فرج نہیں لیکن وہ جگہ تو ہے اسی جاہ پر پانی چھڑکنا مراد ہے[1]

وَمَا لَهُم بِهِۦ عِلۡمٌ (اور انہیں اس کا علم نہیں) یہ یَسۡمَعُوۡنَ کے فاعل سے حاصل ہے یعنی وہ جنوں کا نام تو رکھتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ کہتے ہیں اس کا انہیں علم تک نہیں۔ اِنۡ یَّتَّبِعُوۡنَ اس میں وہ تابعداری نہیں کرتے۔

سوال یہ مضمون پہلے گزر اب دوبارہ کیوں اس سے تکرار لازم آتا ہے۔

جواب اس میں تکرار نہیں اس لئے کہ پہلا ان کی لات و منات کی عبادت سے متصل ہے دوسرا ان کی ملائکہ کی عبادت سے۔

اِلَّا الظَّنَّ (مگر ظن فاسد کی)

وَاِنَّ الظَّنَّ (اور بیشک ظن کی جنس) جیسا کہ اس کا اضمار کے بجائے اظہار سے معلوم ہوتا ہے لَا یُغۡنِیۡ مِنَ الۡحَقِّ شَیۡـًٔا حق سے کوئی کام نہیں دیتا۔

حل لغات حق شے کی حقیقت کو کہا جاتا ہے کہ اس کا ادراک معتبر صرف علم سے ہوتا ہے اور ظن کا کوئی اعتبار

---

[1] ـ فقیر اویسی غفرلہ کہتا ہے کہ فتمثل لها بشرا سويا کے صریح الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ملائکہ بشریت کاملہ میں تشریف لاتے ہیں تو ان میں فرج کا ہونا کاملیت کے منافی ہے اسی لئے ماننا پڑے گا کہ فرج سے اس کی حقیقت مراد ہو (واللہ تعالیٰ اعلم)

نہیں معارف حقیقہ میں ہاں اس کا عملیات میں کچھ اعتبار ہے اور ان امور کو بھی فائدہ دیتا ہے جو عملیات کی طرف پہنچاتے ہیں جیسے اصول فقہ کے مسائل۔

فائدہ اس میں ظن کی مذمت ہے اور دلیل ہے کہ مقلد[1] کا ایمان غیر معتبر ہے۔

فائدہ بعض نے کہا کہ یہاں الحق سے مراد علم ہے یعنی ظن علم کے قائمقام نہیں ہو سکتا۔

فائدہ بعض نے کہا کہ الحق سے مراد عذاب ہے یعنی ان کا گمان انہیں عذاب الہی سے نہیں بچائے گا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں سالکین راہ ہدیٰ کو تحریض اور طالبین راہ حق کو تحریص ہے کہ وہ سعی اور جدوجہد کریں سیر الی اللہ میں منازل سفلیہ طے کر کے اور مقامات علویہ کی تصحیح سے تاکہ عین الجمع تک پہنچ سکیں اور بحر توحید میں مستغرق ہوں اور حقائق و معانی کا مشاہدہ کر سکیں ساتھ نور وحدت حقیقت ذاتیہ کے جو ظلمت کثرت کو دفع کرتی ہے اور وہ کثرت جو اسمائے الہیہ کی طرف منسوب ہے۔

فائدہ صوفیانہ یاد رہے کہ حضرت شہود میں افراد (اولیاء) مختلف المقامات ہیں اگرچہ سب حق پر ہیں اور اس میں انہیں کسی قسم کی کمی نہیں کیونکہ وہ اپنے حقائق میں مشاہدہ کرتے ہیں اگر وہ ذات کا مشاہدہ کرتے تو پھر فضیلت میں برابر ہوتے۔

فائدہ بعض اکابر مشائخ نے فرمایا کہ بہت سے لوگ کشف خیالی کا شکار ہو جاتے ہیں کیونکہ خیالی قطعی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا جب تک اس کے ساتھ کسی دوسرے اس علم سے تائید نہ ہو جو اس کے سوا ہو کیونکہ خیال پر کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا ہے اس لئے کہ اس کی کوئی حقیقت بلکہ وہ تو دو حقیقتوں کے درمیان ایک برزخی امر ہے دو حقیقتوں سے معنی مجردہ اور محسوسات مراد ہیں اسی وجہ سے خیال میں غلطی ہو سکتی ہے۔

فائدہ کشف خیالی کی طرف حضور ﷺ کا اشارہ بھی قابل غور ہے کہ خیال کشف میں اصابت و خطاء ہر

---

[1] اسی لئے اہلسنت کے نزدیک اعتقادیات میں تقلید نہیں ہوتی مسائل و احکام شرعیہ میں تقلید ہوتی ہے اور وہ یہاں مراد نہیں تفصیل فقیر کی کتاب "تقلید شخصی" میں ہے اویسی غفرلہ)

دونوں کا احتمال ہوتا ہے مثلاً

جبریل علیہ السلام صورت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا لائے

ایک دفعہ حضرت جبریل علیہ السلام حضور سرور عالم ﷺ کی خدمت میں حضرت ام المومنین سید عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شکل مبارک کی تصویر ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر حاضر ہوئے۔ اور عرض کی یہ آپ کی زوجہ محترمہ ہیں آپ نے فرمایا اگر یہ اللہ تعالیٰ سے لائے ہو تو قبول ہے۔

فائدہ اگر حضرت جبریل علیہ السلام وحی لانے والی معہودہ کیفیت سے حاضر ہوتے جو حضور سرور عالم ﷺ کو ہمیشہ محسوس ہوتا تھا یا بطریق معانی مجردہ کے حاضر ہوتے جو یقین و علم کا موجب ہے تو اپ کو اس طرح کا جواب نہ دینا پڑتا جو تردد محتمل کا حامل ہے۔ جو حضرت الجیل حقیقتا کا مقتضی ہے۔

سیراب کن ز بحر یقین جان تشنہ رالجیل
زیں بیش خشک لب منیش بر سراب ریب

ترجمہ بحر یقین سے پیاسی جان کو سیراب کر اس سے زائد خشک لب ہو کر شک کے سراب پر بیٹھا نہ رہ۔

تفسیر عالمانہ فَاَعْرِضْ عَمَّنْ تَوَلّٰی عَنْ ذِکْرِنَا (اے محبوب ﷺ اس سے منہ پھیر لیجئے جو ہمارے ذکر سے روگردانی کرتا ہے) کیونکہ ہمارا ذکر علم یقینی کے لئے مفید ہے اور وہ اپ کی دعوت سے روگردانی کر رہا ہے اور اس پر ایمان نہیں لاتا۔ ذکر سے قرآن مراد ہے جو علوم اولیں و آخرین کو حاوی ہے اور وہ آخرت کے امور کی یاد دہانی کراتا ہے آپ اس کے اسلام لانے میں تکلف نہ کیجئے یا اس سے منہ پھیر لیجئے ہمارے ذکر سے مکمل طور روگردان ہے حالانکہ ہمارا ذکر امور آخرت کی مکمل طور نشاندہی کرتا ہے اور جو اس میں مرغوب و پسندہ باتیں اور جو ناپسند و ناگوار امور ہیں کی پوری رہبری کرتا ہے۔

وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا اور وہ صرف حیوۃ دنیا کا ہی ارادہ رکھتا ہے) اور وہ اس پر خوش ہے وہ اس کے فوائد و منافع جمع کرنے کی فکر میں ہے۔

فائدہ اس سے اپ کو ایسے بدبخت کو دعوت دینے اور اس کے لئے تکلف کرنے سے نہی مراد ہے کیونکہ جو

marfat.ocm

شخص ذکر الہی یعنی قرآن سے روگردان اور دنیا میں اتنا منہمک ہے کہ اس کا انتہائی مقصد اور سعی کا دارومدار ہی دنیا ہے اور یہ دعوت الناس اس کا مخالفت پر ابھارتی ہے بلکہ عناد اور اصرار علی الباطل میں بڑھتا ہے (تو پھر اسے دعوت دینے کا کیا فائدہ)

سوال جب ان سے دعوت کی نہی فرمائی تو پھر ان سے جنگ و جدال کے حکم کا کیا معنی؟

جواب ان کا قرآن کے احکام سے اعراض اور مناظرہ پر تل جانا جنگ کا جواز پیدا کرتا ہے اس معنی پر یہ آیت قتال سے منسوخ نہ ہو گی۔ اب معنی یہ ہوا کہ کفار سے منہ پھیر لیجئے ان پر حجۃ و دلائل اور براہین قائم کرنے کی کوشش نہ فرمایئے کیونکہ وہ ان سے کسی قسم کا نفع نہ پائیں گے بلکہ ان کے ساتھ جنگ کیجئے بلکہ ان کا مکمل طور قلع قمع فرمایئے۔

تفسیر صوفیانہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ اس نے اپنا سرمایہ ضائع کیا اس شخص کو نصیحت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ جو دنیا کا طالب و راغب ہے اس لئے کہ دنیا میں مشغول ہوتا ہے جو اعراض عن اللہ کا عادی ہو گیا ہے۔

باسیہ دل چہ سود گفتن وعظ
نرود میخ آہنیں در سنگ

ترجمہ سیاہ دل کو وعظ کہنے کا کیا فائدہ اس لئے کہ پتھر کے اندر لوہے کی میخ نہیں جا سکتی۔

طبیب القلوب والارواح نبی پاک ﷺ ابن الشیخ نے فرمایا کہ حضور نبی پاک ﷺ قلوب کے لئے بمنزلہ طبیب کے ہیں کہ جس طرح اطباء بیماروں کا علاج کرتے ہیں آپ ایسے ہی قلوب کا علاج فرماتے ہیں قاعدہ ہے کہ جب مریض کا علاج غذا سے ممکن ہو تو اس مرض کا ازالہ معمولی دوا سے ممکن ہو تو اسے زیادہ طاقت والی دوا سے علاج نہ کیا جائے اور نہ ہی اسے داغا جائے اسی لئے حضور نبی پاک ﷺ نے ذکر کا حکم فرمایا لا الہ الا اللہ کی کثرت کرو کیونکہ اسی سے دلوں کو اطمینا (چین و قرار) نصیب ہوتا ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے غذا سے نفوس کو چین اور قرار ملتا ہے اس ارشاد گرامی سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ جیسے اور بزرگوں نے فائدہ اٹھایا جس نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا یعنی ذکر الہی کی طرف خصوصی توجہ نہ دی۔ تو اسے دلیل دے سمجھایا چنانچہ فرمایا اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا (کیا انہوں نے غور و فکر نہیں کیا) قُلِ انْظُرُوْا الخ (فرمایئے دیکھو غور سے) افلا

marfat.ocm

يَنْظُرُوْنَ الخ (تو کیا وہ نہیں دیکھتے) اور جنہوں نے ذکر سے بالکل فائدہ نہ اٹھایا تو انہیں وعدہ وعید اور تہدید سے دھمکایا اور جس نے بالکل ہی روگردانی کی تو اس کے لئے فرمایا کہ یہ ناقابل علاج ہے اسی لئے اس کے علاج سے منہ پھیر لیجئے بلکہ وہ عضو فاسد کاٹ دو تاکہ اس سے تندرست عضو خراب نہ ہو۔ فَاَعْرِضْ عَمَّنْ تَوَلّٰی الخ اسی طرف اشارہ کرتا ہے جو ہم نے عرض کیا۔

فائدہ اس سے اس شخص سے اعراض مراد ہے جو دلائل وجود باری تعالٰی اور اس کی وحدت اور اس کی جملہ صفات کی طرف توجہ نہیں دیتا وَلَمْ يُرِدْ الخ میں ان کے حشر کے انکار کی طرف اشارہ ہے اور جو حشر اور حساب کا قائل نہیں تو اسے نہ خوف خدا ہو گا اور نہ ہی اپنی عادت سے باز آئے گا اور نہ ہی اللہ تعالٰی کی ذات و صفات کے لئے دلائل عمل میں لائے گا اسے اس کا عرفان نصیب نہ ہو گا اسی لئے وہ اس کے رسول پاک ﷺ کی اتباع نہ کرے گا اور نہ ہی اسے رسول پاک ﷺ کا کوئی ارشاد فائدہ دے گا اسی لئے ایسے کو دعوت دینے کا کوئی فائدہ نہیں اسی لئے ایسے کا علاج ہی بے سود بلکہ ایسے کے ساتھ جنگ و جدال بہتر۔

تفسیر صوفیانہ جو اپنے سید (آقا و مولی پیر مرشد) سے دوری اختیار کرتا ہے وہ حیات دنیا کا طالب ہے اور جو زہد و ورع اور تقوی کشف و کرامات خوارق العادات میں لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے اور شہرت طلبی اور حصول جاہ و مال میں مشغول ہے تو وہ لَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا کے زمرہ میں ہے اس کے تمام اموال ضائع اور اس کے تمام اقوال و افعال برباد ہو گئے اللہ تعالٰی کے ہاں اسے کوئی نفع نصیب نہ ہو گا نہ ہی کسی قسم کا ثمرہ پائے گا۔

ز عمرو اے پسر چشم اجرت مدار
چو در خانہ زید باشی بکار

ترجمہ عمرو سے اے عزیز اجرت کی امید نہ رکھ جب تو زید کے گھر میں اس کے کام میں مشغول ہے جسے بعض اوقات کشف ہو جاتا ہے وہ اس سے دھوکہ نہ کھائے اور اہل دنیا کا اس پر ٹوٹ پڑنا (یعنی ان کی آمد و رفت یعنی ان کا معتقد ہو جانا) بھی ایک فریب ہے کیونکہ یہ تو یوں سمجھو کہ اسے دینی عبادت کا دنیا میں ثمرہ ملا اسے آخرت میں کوئی فائدہ نہیں کیا اس میں ابلیس کا حال معلوم نہیں کہ اس نے تو ہزار عبادت کی پھر اس سے کفر سرزد ہوا تو اس نے قیامت قائم ہونے تک زندہ رہنے کی مہلت مانگی تو اللہ تعالٰی نے مہلت دے دی یہی مہلت اسی عبادت کا ثمرہ ہے جو اسے حیات دنیوی میں مل گیا۔

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ ذٰلِكَ (یہ امر دنیا) بحر العلوم میں ہے یہ ارادہ دنیا اور اسے آخرت پر ترجیح دینا الارشاد میں ہے یہ اشارہ ان کے اس حال کی طرف ہے جو انہیں ان امور تک پہنچایا کہ رو گردان ہوئے اور حیات دنیا کو ہی اپنا مطلب اور ماوی و مراد سمجھا۔

مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ان کے علم کا مبلغ (انتہا) کہ اس سے آگے تجاوز نہیں کرتے یہاں تک کہ انہیں دعوت وارشاد (رہبری) فائدہ دے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (وہ جلوہ دنیا کے صرف ظاہر کو جانتے ہیں) وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ (اور وہ آخرت سے بالکل غافل ہیں)

حل لغات المبلغ اسم مکان ہے اور اس کی ضمیر معنی من کی وجہ سے ہے (اس لئے کہ من معنا جمع ہے) جیسے گزشتہ عبارات میں اس کے لئے ضمیر مفرد کی ہے (اس لئے کہ من لفظاً مفرد ہے) اور علم سے وہ مطلق ادراک مراد ہے جو ظن فاسد کو شامل ہے اور جملہ معترضہ ان کی ہمت علی الدنیا میں مقصود ہونے کی تاکید ہے۔

مذمت دنیا دنیا ہمیں اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام مخلوق میں سے مبغوض ترین شے ہے جیسے کہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں مبغوض ترین دنیا سے بڑھ کر کوئی شے نہیں پیدا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے جب بھی اسے دیکھا مبغوض ہی دیکھا (کذا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

فائدہ دنیا کی ذلت و خواری کا معنی یہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے مقصود بالذات نہیں بنایا بلکہ مقصود کے ایصال کا ذریعہ اور سبب بنایا ہے اسی لئے حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا دنیا پل ہے اسے عبور کرو اس پر تعمیر نہ کرو۔

سوال اگر یہ حصول مقصد کا ذریعہ اور وسیلہ ہے تو پھر اس پر لعنت کرنا کیوں مباح ہے مقاصد کی طرح وسائل بھی تو اچھی شے ہوتے ہیں۔

جواب اس دنیا کو لعنت کرنا مباح ہے جو اللہ تعالیٰ سے دور کردے اور ایسا انہماک پیدا ہو جائے کہ اس سے اللہ تعالیٰ یاد تک نہ رہے جیسے بعض مشائخ کرام نے فرمایا کہ جو شے بھی تجھے اپنے مولی سے دور رکھے وہی تیری دنیا ہے اور وہ تیرے لئے نحوست ہے۔

دنیا کی مدح وہ دنیا (کوئی شے) اللہ تعالیٰ کا قرب پیدا کرے اور عبادت میں مدد دے وہ ممدوح ہے جیسے حضور

سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ دنیا کو گالی مت دو کیونکہ یہ مومن کی بہتر سواری ہے کہ اس پر سوار ہو کر وہ خیرو بھلائی کو پہنچتا ہے اور اسی سے شر سے بچ جاتا ہے۔

اعجوبہ جب کوئی دنیا پر لعنت کرتا ہے تو اس پر دنیا لعنت کرتے ہوئے کہتی ہے کہ تجھ پر خدا کی لعنت ہو کہ تو خود بھی اپنے پروردگار کا نافرمان ہے۔

مثنوی شریف میں ہے۔

چیست دنیا از خدا غافل بدن ‏ ‏ ‏ نے قماش و نقرہ و میزان وزن
مال را کز بہر دیں باشی حمول ‏ ‏ ‏ نعم مال صالح خواندش رسول ﷺ
آب در کشتی ہلاک کشتی است ‏ ‏ ‏ آب اندر زیر کشتی پشتی است
چونکہ مال و ملک را از دل براند ‏ ‏ ‏ زاں سلیماں (علیہ السلام) خویش جز مسکین نخواند

ترجمہ ۱۔ دنیا کیا ہے خدا سے غافل ہونا نہ کھیل ہے نہ چاندی نہ دنیا کی ترازو اور عورت۔

۲۔ مال کو اگر دین کے لئے اٹھا رہا ہے یہ اچھا مال ہے اسے رسول اللہ ﷺ نے اچھا کہا ہے۔

۳۔ پانی کشتی میں ہو تو کشتی کی ہلاکت ہے پانی کشتی کے نیچے ہو تو کشتی کا مددگار ہے۔

۴۔ چونکہ سلیمان علیہ السلام نے مال کو دل سے دور کر دیا اس لئے خود کو مسکین جتلایا۔

دنیا اہل دنیا کی ماں ہے بعض اکابر مشائخ نے فرمایا کہ جو دُنیا کی مذمت کرتا ہے وہ اپنی ماں کا نافرمان اور عاق ہے اس لئے مانا کہ جمیع خرابیاں اور شرور لوگ دنیا کی طرف منسوب کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ فعل دنیا کا نہیں بلکہ اسکی اولاد (اہل دنیا) کا ہے کیونکہ شر کا ارتکاب مکلف کرتے ہیں اور دنیا کا کوئی فعل نہیں کیونکہ یہ تو انسان کی سواری کیا مانند ہے اسی سے وہ خیر و بھلائی حاصل کرتا ہے اسی سے شر سے نجات پاتا ہے بلکہ دنیا چاہتی ہے کہ اس کی اولاد (اہل دنیا) میں سے کوئی بھی بدبخت نہ ہو یہ تو اپنی اولاد (اہل دنیا) پر بہت بڑی مہربان ہے بلکہ خطرہ میں رہتی ہے کہ اسے اس کی سوکن گرفت میں نہ لے لے بغیر کسی تیاری کے حالانکہ دنیا نے انہیں جنا نہیں یعنی حقیقی ماں نہیں اس کے باوجود وہ اپنی اولاد (اہل دنیا) کو اپنی تربیت سے عبث نہیں چھوڑتی۔

فائدہ یہ بھی اولاد (اہل دنیا) کی نافرمانی ہے کہ وہ خیر و بھلائی کو آخرت کی طرف منسوب کرتے ہیں اور نیک اعمال

کرتے ہیں تو بھی کہتے ہیں کہ یہ آخرت کے اعمال ہیں حالانکہ وہ اعمال صالحہ بھی تو دنیا میں کیۓ دنیا کو تو الٹا وہ مصیبت اجر میں ملتی ہے جو اس کی اولاد (اہل دنیا) میں یا ان سے سرزد ہوتی ہے اسی لئے لازم آیا کہ جو دنیا کی مذمت کرتا ہے غیر منصف بلکہ جاہل ہے اپنی ماں کا حق نہیں سمجھتا اور جو ایسا ہو تو وہ آخرت سے جاہل تر ہے۔

فائدہ ارادہ و قصد ایک شے ہے یہ ایک قصد قلبی ہے جو انسان کے قلب میں اللہ تعالیٰ کے ابھارنے سے ابھرتا ہے اگر یہ قصد و ارادہ فجور ہو تو اللہ تعالیٰ بندے کے دل میں فجور اور فسق کا الہام فرماتا ہے جیسا کہ فرمایا فالھمھا فجورھا وتقوھا تو نفس کو اللہ تعالیٰ نے فجور و تقویٰ کا الہام فرمایا اور یہ کارروائی اسم مضل اور قبضہ جلال اور قہر کے ہاتھ سے ہوگی اس کا خادم شیطان (ابلیس) ہوتا ہے اگر بندے کا قصد و ارادہ تقویٰ کا ہو تو وہ کارروائی اسم ہادی اور قبضہ جمال اور لطف کے ہاتھ سے ہوگی اور اس کا خادم فرشتہ ہوتا ہے پہلا عالم عدل سے اور دوسرا عام فضل سے ہے۔ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا اور تیرے رب کا کلمہ صدق و عدل کے لحاظ سے مکمل ہے۔

نیت کی قسمیں

۱۔ انسان کی نیت کا متعلق دنیا زبان اور قلب دونوں سے ہو تو یہ نیت بھی بری ہے اور عمل بھی۔

۲۔ اس کا متعلق آخرت تو صرف زبان پر ہو لیکن قلب پر دنیا ہو تو یہ نیت اور عالم بدترین ہیں۔

۳۔ اس کا متعلق ذات الٰہی زبان اور قلب پر ہو یہ نیت سب سے بہتر اور اعلیٰ ہے پہلا کفار کا دوسرا منافقین کا تیسرا ابرار کا چوتھا مقربین کا حال ہے۔

اصول فقہ اور تصوف اللہ تعالیٰ نے مقربین کا حال عبارت النص سے ان کے غیر کو اشارہ سے بیان فرمایا ہے اس ارشاد اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (ہم نے جو کچھ زمین پر بنایا ہے وہ اس کی زینت ہے تاکہ ہم انہیں آزمائیں کہ ان میں کون ہے اچھے اعمال والا اور مقربین وہ ہیں جو ارض وجود کے جمیع ما فیہا سے بھاگ کر اللہ تعالیٰ کی طرف گئے ہیں سوائے اس ذات کریم کے انہوں نے کسی کی طرف توجہ نہیں کی اور اپنے مالک و مولیٰ سے سوائے اس کے اور کسی کو خیال تک نہ لائے اسی لئے یہی لوگ نیت و عمل کے لحاظ سے احسن ہیں یہ سیدھا راستہ ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کہو اھدنا الصراط المستقیم

صِراطَ الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین (آمین) اے اللہ سیدھا راہ دکھاوہ سیدھا راستہ ان لوگوں کا جن پر تیرا انعام ہے نہ ان لوگوں کا جن پر تیرا غضب ہے اور نہ گمراہوں کا (قبول کر اے اللہ)

تفسیر عالمانہ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰی (بیشک تیرا رب وہی زیادہ جانتا ہے اسے جو سیدھے راستہ سے بھٹکا ہوا اور اسے جو راہ یافتہ ہے) یہ امر بالاعراض کی تعلیل ہے۔

سوال اَعْلَمُ کا تکرار کیوں؟

جواب زیادہ تقریر اور اس تباین معلومین کے کمال کی خبر دینا مطلوب ہے اور مَنْ ضَلَّ سے مراد ہے جو گناہوں پر اصرار کرتا ہے اور ہدایت کی طرف ہرگز رجوع نہیں کرتا۔ اور مَنِ اهْتَدٰی سے مراد وہ ہے جو ہدایت یافتگی کے لائق ہے اور اعلم بمعنی علم میں وسعت والا ہر اس کو خوب جانتا ہے جو گمراہی سے ہٹنے کا ہمیشہ تک نام نہیں لیتا۔ اور اسے بھی خوب جانتا ہے جو فی الجملہ ہدایت کو قبول کرتا ہے اسی لئے اے حبیب ﷺ ان کی دعوت میں تکلف نہ فرمایئے کیونکہ یہ لوگ قبیل اول سے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ اس میں نفس امارہ کافر اور یہود صفات کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ وہ دعوت الٰہی کو قبول نہیں کرتے کیونکہ ان سے دعوت کے قبول کرنے کی استعداد ہی ختم ہے پس جو ازل سے ہی مظہر قہر ہے وہ ہمیشہ تک مظہر لطف نہیں ہو سکے گا ایسے ہی بالعکس۔

حدیث شریف قدسی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے بہشت اور اسکے اہل پیدا کئے اور دوزخ اور اس کے اہل بھی۔ خوش قسمت ہیں وہ جنہیں میں نے بہشت کے لئے پیدا اور خرابی اسے جسے میں نے دوزخ کے لئے بنایا۔

فائدہ۔ بعض مشائخ اکابر نے فرمایا کہ نفس شرارت نہیں کرتا مگر اپنے ساتھی کی لجاجت کی وجہ سے لجاجت یہ ہے کہ کسی شے کے روکنے کی طاقت نہ ہو اور اس کی مخالفت بمنزلہ اکراہ کے ہے اور مکرہ (مجبور) پر شرعاً اور عقلاً مواخذہ نہیں اسی لئے حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا خیر عادت اور شر لجاجت سے ہے اس میں اسے بشارت ہے جو حضور سرور کونین ﷺ کے امور کو جانتا ہے اس میں خبر دی گئی ہے کہ نفس ذاتی طور اچھا ہے اس لئے کہ اس کا

marfat.ocm

باپ روح قدسی ہے اور وہ پاک ہے ہاں شرارت قبول کرتا ہے تو ساتھی کی لجاجت سے حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے اس کا شر ذاتی نہیں بلکہ عارضی بتایا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۙ (اور اللہ تعالیٰ کے لئے وہ جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے) تخلیقاً و ملکاً کہ اس کے غیر کے لئے بالکل نہ استقلالاً نہ اشتراکاً لیجزی تاکہ جزا دے اعلم کے مدلول سے متعلق ہے اور اس کے درمیان جملہ معترضہ سے ما قبل کی تقریر ہے کیونکہ ہر شے اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور اس میں ہر شے کا علم ہے وہ ہر ایک کے حالات سے آگاہ ہے اسی لئے فرمایا اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ کیا وہ نہیں جانتے کس نے پیدا کیا تو گویا کہا گیا ہے اللہ تعالیٰ گمراہ کو بھی جانتا ہے اور ہدایت یافتہ کو بھی اور ان دونوں کی حفاظت فرماتا ہے تاکہ جزا دے الذین ساؤا انہیں جنہوں نے برائی کی بما عملوا ساتھ اس کے کہ انہوں نے عمل کیا یعنی جنہوں نے گمراہی کا عمل کیا اور اساءة سے تعبیر کرنا اس کے حال کا بیان ہے یا باء سببیہ ہے یعنی بسبب اس کے کہ انہوں نے عمل کیا یہ ان ہر دونوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کے علم کا نتیجہ ہے یعنی ان کے حسب حال انہیں جزا ہو گی اس علت سے جو غائب ہے اس پر لام علت کی داخل کی گئی اس معنی پر ہر دونوں کا اعلم سے متعلق ہونا صحیح ہے۔

ہیں مراقب باش گر دل بایدت کز پے ہر فعل چیزے زایدت

ترجمہ خبردار ہوشیار رہ اگر تجھے دل ہوشیار حاصل ہے کیونکہ ہر فعل پر کوئی نہ کوئی جزا ملے گی۔

وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا اور جزا دے گا انہیں جنہوں نے نیک کام کئے۔ بِالْحُسْنٰى ساتھ ثواب کے اچھے یعنی بہشت الحسنی زیادہ مطلقہ کے لئے ہے۔ باء تو ریہ کی ہے الجزاء یا الحسنی انہیں ان کے اعمال کے سبب سے ہو گی اب باء سببیہ و مقابلہ کی ہو گی اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ (وہ جو کبیر گناہوں سے بچتے ہیں) یہ الذین احسنوا کی صفت یا بدل ہے۔

فائدہ حضرت سعدی المفتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اَلَّذِيْنَ الخ کو مقصود بالنسبۃ بنانا اور لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا الخ کو حکم متروک میں رکھنا اچھا نہیں اور عبارت اس کے برعکس ہو تو بہتر ہے فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) نے فرمایا کہ عبارت صحیح ہے کیونکہ اجتناب عن کبار تخلیہ (بالخاء المعجمہ) ہے اور یہ (تحلیہ (بالحاء) سے مقدم ہوا کرتی ہے اسی لئے یہ مقصود بالنسبۃ ہے اور صیغہ استقبال اس کا صلہ ہے موصوف کا صلہ نہیں یا مبدل منہ

marfat.ocm

ہے تجدد الاجتناب واستمرار کے لئے ہے اس میں اشارہ ہے کہ ترک معصیت وارتکاب المحرمات ہوں یا ترک الواجبات) مومن کا ہمیشہ کا شیوہ ہے وہ ہر حالت می اجتناب کرتا رہتا ہے بلکہ وہ اپنی عادت بنالیتا ہے اسی لئے وہ بہتر ثواب کا مستحق ہے کیونکہ جو کسی وقت تو ترک معصیت کرے لیکن پھر ہمیشہ برائیوں کا مرتکب ہو وہ ایسے ثواب احسن کا مستحق نہیں۔

مسئلہ کبائرُ الاثم وہ ہیں جن پر عذاب مرتب ہو یعنی جن کے لئے احادیث مبارکہ میں وعید وارد ہے بالخصوص شرک اور زنا مطلقاً بالخصوص اپنے ہمسایہ کی دعوت سے اور قتل النفس مطلقاً بالخصوص اولاد (جیسے جاہلیت کے دور میں کفار کی عادت تھی) یعنی زندہ درگور کرنا۔

فائدہ گناہ کبیرہ وہ ہے جس پر استغفار کی جائے جیسا کہ حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا استغفار سے کبیرہ نہیں رہتا اور نہ ہی وہ صغیرہ جسے بار بار کیا گیا۔

حدیث شریف حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا حقارت کئے ہوئے گناہوں (کبائر) سے بچو۔

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ کبائر ستر ہیں یہی تحقیق اقرب ہے۔ حٰمٓ عٓسٓقٓ اسی مضمون کی آیت کے ماتحت میں اس کی مکمل تفصیل گزری ہے۔

وَالْفَوَاحِشَ (اور فاحشات سے) اور وہ جو کبیر گناہوں میں فاحشہ ہیں بالخصوص زنا قتل وغیرہ ہملیہ از قبیل التخصیص بعد التعمم ہیں۔ امام راغب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ الفحش والفحشاء والفاحشہ وہ افعال واقوال جو بہت بڑے قبیح ہوں۔ الا اللمم مگر چھوٹے گناہ۔

حل لغات اِلَّا اللَّمَمَ معنی گناہوں کے قریب جانا جنہیں صغیرہ گناہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اہل عرب کہتے ہیں الممت بکذا اس پر نازل ہوا اور بغیر وقوع کے میں اس کے قریب ہوا۔ والم الغلام لڑکا بلوغت کے قریب ہوا۔ یہ استثناء منقطع ہے کیونکہ ملم سے صغیرہ گناہ مراد ہیں۔ اور وہ کبیرہ گناہوں میں داخل نہیں اب معنی ہوا وہ جو قلیل وصغیر ہیں۔

مسئلہ جو کبیرہ گناہوں سے بچتا ہے اس کے صغیرہ معاف ہو جاتے ہیں یعنی پانچوں نمازوں کی ادائیگی اور جمعہ سے

marfat.ocm

دوسرے جمعہ تک لور رمضان سے دوسرے رمضان تک اپنے درمیانی مدت کے گناہ و معاف کرا دیتے ہیں جو کبیر گناہوں سے اجتناب کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہیں لور فرمایا إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ اگر تم ان برائیوں سے اجتناب کرو گے جن سے تم روکے جاتے ہو تو ہم تمہارے گناہ معاف کر دیں گے۔

مسئلہ بعض نے کہا اس سے (اجنبی عورت۔ بے ریش لڑکے وغیرہ پر) اچانک پہلی نگاہ کے بعد دوسری نگاہ کو گنہ کہا جائے گا۔

مسئلہ (اجنبی عورت لور بے ریش لڑکے) کو اشارہ اور بوسہ بھی صغیرہ گناہ ہے۔

شان نزول مروی ہے کہ حضرت نبہان تمار (کھجور بیچنے والا) کے پاس ایک عورت کھجور خریدنے آئی اسے کہا کہ دوکان کے اندر ہیں جب وہ دوکان کے اندر گئی تو اُسے گلے لگا کر بوسہ دیا بی بی نے کہا تو اپنے بھائی کی خیانت کی اور مطلب بھی پورا نہ ہوا وہ سن کر نادم ہوا دربار گاہ رسول اللہ ﷺ میں حاضر ہوئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

مسئلہ بلا ارادہ دل پر گناہ کا خیال بھی لمم (صغیرہ گناہ) ہے فعل بالقوہ ہو یا بالفعل نہ ہو۔

مسئلہ بعض نے کہا جس گناہ پر اللہ تعالیٰ نے حد مقرر نہیں فرمائی اور نہ ہی عذاب کی وعید سنائی ہے وہی لمم (صغیرہ گناہ) ہے۔

مسئلہ بعض نے کہا جو کوئی گناہ میں وقفہ کے بعد مبتلا ہو جائے اور وہ اس کے ارتکاب کا ارادہ رکھتا ہو وہی لمم (صغیرہ) گناہ ہے یعنی اس گناہ کی نہ اس کی عادت ہے اور نہ وہ اس پر قائم رہتا ہے۔

مسئلہ حضرت محمد بن الحنفیہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہر وہ جو تم خیر و شر کا صرف ارادہ کرتے ہو وہی لمم ہے جیسا کہ حضور سرور عالم ﷺ کی حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ شیطان کے لئے لمہ (گناہ کا خیال ڈالنا) ملک کے لئے بھی لمہ نیکی کا ارادہ ڈالنا۔ شیطان کے لمہ کا نام وسوسہ اور ملک (فرشتہ) کے لمہ کا نام الہام ہے۔

marfat.ocm

مسئلہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اللمم کا مطلب یہ ہے کہ کسی وقت فاحشہ کا ارتکاب ہو جائے تو فوراً توبہ کرلے اس پر قائم نہ رہے کیونکہ اللہ تعالیٰ قبول کرنے والا ہے اس کی تائید حضور سرور عالم ﷺ کے ارشاد گرامی سے ہوئی فرمایا کہ اگر لمم (چھوٹے گناہ) بخشتا ہے تو بڑے گناہ بھی بخش دے بتایئے تیرا کون سا بندہ ہوگا جس سے کوئی نہ کوئی (چھوٹا ہی سہی) گناہ نہ ہوتا ہو۔

فائدہ اس معنٰی پر یہ استثناء متصل ہوگا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا لمم کی تفسیر میں سب سے بڑھ کر یہ روایت ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم پر زنا کا حصہ لکھا ہے پس آنکھوں کا زنا برائی سے دیکھنا اور زبان کا زنا برا کلمہ بولنا اور ہونٹوں کا زنا بیگانی عورت اور بے ریش لڑکے کو بوسہ دینا اور ہاتھوں کا گناہ برائی کے لئے پکڑنا اور پاؤں کا گناہ برائی کے لئے چلنا ہے نفس آرزو کرتا اور خواہش کرتا ہے۔ اور فرج النسب کی تصدیق کرتا ہے یا جھٹلاتا ہے اگر فرج اس کی خواہش پر عمل کرتا ہے تو وہ محض زناتی ہوگا ورنہ وہ لمم (صغیرہ گناہ) ہوگا۔

مسئلہ الاسئلہ الا قمہ میں ہے کہ حقیقت یہ ہے کہ ہر گناہ کبیرہ ہے کیونکہ ہر گناہ امر الٰہی کی مخالف سے ہوتا ہے صرف فرق یہ ہے کہ اضافی اعتبار سے ان میں بعض بڑے ہیں اور بعض کم۔

مسئلہ سب سے بڑا کبیرہ گناہ شرک ہے اور لمم بھی منجملہ کبائر و فواحش کے ہے۔ لیکن یہاں مراد وہی لمم ہے جو کبیرہ کر کے بندہ فوراً توبہ کرے یہی مجاہد اور حسن اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کا قول ہے ان میں سے سیدنا ابو ہریرہ ہیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

اِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَۃِ (بیشک تیرا رب بہت وسیع بخشش والا ہے) یہاں تک کبائر کے اجتناب پر صغائر بخش دیتا ہے الا اللمم کے استثناء کی تعلیل اور تنبیہہ ہے کہ صغائر پر مواخذہ نہ کرے۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ گناہ بھی نہیں بلکہ وہ گناہ ہے لیکن مواخذہ نہ کرنا مغفرت ربانیہ کی وسعت کی وجہ سے ہے۔

تفسیر صوفیانہ کبائر کے تین مراتب ہیں۔

۱۔ نفس امارہ بالسوء کی محبت

marfat.ocm

۲۔ نفس کی آگ کو بھڑکنے والی خواہش کی محبت

۳۔ حب دنیا جو ہر گناہ کی جڑ ہے اور ان ہر تینوں کو فاحشہ لازم ہے کسی وقت بھی ان سے جدا نہیں ہوتی مثلاً محبت النفس الامارہ بالسوء کی فاحشہ طبیعت کے موافق اور شریعت کے مخالف ہے اور محبت الھویٰ کی فاحشہ یہی حب دنیا اور اس کی شہوات ہیں اور حب دنیا کی فاحشہ وہ اعراض عن اللہ اور ماسویٰ کی طرف متوجہ ہونا ہے۔

فائدہ الاالمم سے مراد تھوڑا سا بقدر بشریت نفس و ھویٰ اور دنیا کی طرف میلان جیسے بدن کو آرام پہنچانا اور حظوظ دنیا سے تھوڑا سا اتنا حاصل کرنا کہ جس سے حقوق کی ادائیگی ہو سکے نہ یہ کہ حظوظ نفسانیہ پورے کیۓ جائیں اس لۓ حقوق ادا کرنے والا مغفور اور حظوظ کی طرف بھاگنے والا مغرور ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَۃِ (بیشک تیرا رب وسیع المغفرت ہے) یہ بھی اسکی وسعت مغفرت ہے کہ وجود مجازی کو نور وجود حقیقی سے ڈھانپتا ہے کہ ماسوتیت سے فناء دے کر لاھو تیتہ کی بقاء عطا فرماتا ہے۔

فائدہ بعض اکابر مشائخ نے فرمایا کہ جسے معاشرہ حکم مشروع سے اپنا تابع بنالے جیسے بندوں کے مصالح پر جدوجہد اور مخلوق کے کسی فرد پر اس نعمت سے فائدہ پہنچانا تو وہ عبودیت الٰہی سے خارج نہ ہو جاۓ گا کیونکہ وہ ایسی ادائیگی ہیں جو اس پر منجانب اللہ واجب ہے۔

فائدہ ایسے بندے کی بندگی (خدمت گاری) جو اس بندے میں امر الٰہی سے پیدا ہوئی ہے تو یہ بھی عبودیت سے بندے کو خارج نہیں کرتی ہاں وہ جو کسی کی غلامی اور خدمت محض نفسانیت کی غرض سے بجالاتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے امر کی معمولی سی خوشبو بھی نہیں تو یہ اس کی عبودیت میں رخنہ انداز ہو گی اس وقت بندے پر لازم ہے کہ وہ حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرے۔

فائدہ بعض عارفین نے فرمایا کہ یہ تو محال ہے کہ جس عمل پر اللہ تعالیٰ نے بندے کو وعید سنائی ہے اور وہ اس کا ارتکاب کرے اگر مرتکب ہو بھی اس کا کم از کم احساس ہو تو دل میں ندامت تو محسوس کرے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ توبہ ندامت کا نام ہے۔

فائدہ اس بندے کو ندامت لاحق ہوئی تو لازماً اس نے توبہ کرلی۔

سبق بندے پر لازم ہے کہ وہ مخالفت الٰہی سے کراہت کرے اور کسی وقت بھی اس سے راضی نہ ہو یعنی یہ فعل (مخالفت الٰہی) سے اسے مکروہ محسوس ہو اور اتنا ضرور سمجھے کہ یہ فعل گناہ ہے۔

فائدہ عمل صالح جسے نصیب ہو وہ خوش قسمت ہے برائی کا مرتکب نہایت برا ہے اور بعض ایسے ہوتے ہیں جو نیکی اور برائی ہر دونوں کا ارتکاب کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کی اللہ تعالیٰ توبہ قبول کر لیتا ہے جیسا کہ فرمایا۔ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرے یعنی اگر وہ توبہ کریں تو اللہ تعالیٰ قبول کرے گا۔ اور اللہ غفور و رحیم ہے۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ وہ ان معاصی سے ندامت ظاہر کرے جو اس سے سرزد ہوئی ہیں اور صرف رب کریم کی رحمت پر بھروسہ نہ رکھے اگرچہ وہ واسع المغفرت ہے کیونکہ جیسے وہ غفور و رحیم ہے وہ سخت گرفت والا بھی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دنیا و دین آخرت میں عفو و عافیت کا سوال کرتے ہیں)

تفسیر عالمانہ هو وہ اللہ تعالیٰ اعلم تمہیں خوب جانتا ہے بکم تمہارے احوال کو بھی اذانشاکم جب تمہیں پیدا کیا یعنی تمہارے باپ آدم علیہ السلام کی پیدائش کے ضمن میں تمہاری تخلیق کی من الارض زمین سے (یہاں تمام انسانوں کی اجمالی تخلیق مراد ہے) واذانتم اجنتہ اور جب کہ تم جنین تھے۔ فی بطون امہاتکم تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں تھے مختلف اطوار سے تمہاری ترتیب ہوئی اسی لئے اس پر تمہارا کوئی حال اور عمل مخفی نہیں۔ منجملہ اس کے لمم (صغیرہ و کبیرہ) بھی کہ اگر وسعت مغفرت واسطہ نہ ہوتی تو تم پر اس کا وبال و ضرر پہنچتا۔

حل لغات اجنتہ جنین کی جمع ہے جیسے اسرۃ سریر کی جمع آتی ہے الجنین بچہ جب تک ماں کے پیٹ میں رہے وہ فعیل بمعنی مفعول ہے بمعنی مدفون مستتر الجنین بمعنی کسی شے میں مدفون اور اس میں چھپا ہوا جنہ سے ہے بمعنی سترہ (اس نے اسے چھپایا) جب ماں کے پیٹ سے باہر آ جائے پھر اسے جنین نہیں بلکہ ولد کہا جائے گا یا سقط (اگر مردہ نکلے)

مسئلہ الاشباہ میں ہے کہ جنین وہ ہے جو ماں کے پیٹ میں ہو جب باہر آ جائے اگر نر ہے تو اسے صبی اور رجل

بھی کہا جاتا ہے جیسے آیت المیراث میں ہے بلوغت تک یہی نام ہو گا پھر اسے غلام کہا جائے گا۔ انیس (۱۹) سال تک پھر شباب (نوجوان) چونتیس (۳۴) سال تک پھر کہل الکون (۱۵) سال تک پھر شیخ آخر العمر تک اسی نام سے موسوم رہے گا یہ لغوی اعتبار ہے اور شرعاً اسے بلوغت تک غلام اس کے بعد شباب و فتی (نوجوان) تیس سال تک اس کے بعد کہل پچاس سال تک اس کے بعد آخر العمر تک شیخ (بوڑھا) کہا جائے گا۔ (تفصیل ایمان البرازیہ میں ہے)

سوال جب ماں کے پیٹ میں رہنے والے بچے کو جنین کہا جاتا ہے اور وہ پہلے اجنۃ کہا ہے پھر فی بطون امہاتکم کہنے کا کیا معنی؟

جواب اللہ تعالیٰ کے کمال علم و قدرت کا بیان کرنا مطلوب ہے کہ بطون الامہات (ماؤں کے پیٹ) نہایت ہی اندھیروں میں ہیں اور جس ذات پر جنین کا حال مخفی نہیں اسی سے دیگر اشیاء کیسے مخفی رہ سکتی ہیں۔

فلا تزکوا انفسکم (تو اپنے نفوس کی صفائی بیان نہ کرو) فاء نہی کی ترتیب عن تزکیۃ النفس کے لئے ہے اوپر گزرا ہے کہ لمم (صغیرہ گناہوں پر مواخذہ نہیں نہ بایں معنی کہ وہ گناہ نہیں بلکہ یہ محض اللہ تعالیٰ کی وسعت المغفرت سے ہے اور وہ جانتا ہے کہ بندوں سے اس قسم کے گناہ سرزد ہوں گے تو جب تمہارا یہ حال ہے تو پھر تم اپنی صفائی ستھرائی اور نفوس کا گناہوں کا پاکیزہ ہونے کا دم نہ مارو یا اس کا دم نہ مارو جو عمل میں ستھرائی اور خیرو بھلائی میں زیادتی نصیب ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی مغفرت پر شکر کرو یعنی اپنی بے گناہی اور اپنی زیادہ خیرو بھلائی اور اپنے بہت زیادہ اوصاف بیان نہ کرو۔

فائدہ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو ہر نفس کا علم ہے کہ وہ کیا کرتا ہے اور کیا کرے گا تو پھر تم اے خدا کے بندو اپنی صفائی کا ذکر نہ کرو اور نہ ہی اپنے نفوس کو پاک و صاف بتاؤ کہ وہ گناہوں سے بالکل پاک ہیں اور نہ ہی ان کے اچھے اعمال کی تعریف کرو کیونکہ تجلیہ و تخلیہ بھی وہی معتبر ہے جو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو اور وہ اللہ تعالیٰ خود تمہارے احوال و اعمال کو خوب جانتا ہے تو پھر تزکیہ (نفس کی صفائی کے اظہار کا کیا معنی)

ہماں بہ گر آ ستن گوھری   که ہم چوں صدف سر بخود دربری
اگر مشک خالص نداری مگوی   وگر ہست خود فاش گردد ببوی
منہ آب زر جان من بر پشیز   کہ صراف دانا نگیرد بچیز

marfat.ocm

ترجمہ ۱۔ اگر تو کامل جوہر ہے تو خاموش رہ صدف کی طرف سر بغل میں دیا۔

۲۔ اگر تیرے پاس خالص مشک نہیں تو کسی کو نہ کہہ اگر ہے تو وہ خود خوشبو سے ظاہر ہو گی۔

۳۔ آب زر کو تلنبے پر نہ رکھ اسے داناٹیڈی کے برابر بھی نہ خریدے گا۔

فائدہ اگر کوئی اور اس کی مدح اور صفائی کرے تو اس کے لئے حدیث شریف میں وارد ہے۔ حضور سرور عالم ﷺ مدح کرنے والوں (یعنی ایسی مدح کریں جو ممدوح میں نہیں) کے منہ پر مٹی پھینکو۔

فائدہ مٹی پھینکنے کا حقیقی معنی ہے یا مجاز ہے کہ انہیں ایسی مدح سے روک دو تاکہ ممدوح مغرور نہ ہو جائے تو پھر تکبر میں مبتلا ہو جائے۔ بعض نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے مدح پر کچھ نہ دو یا معنی یہ ہے کہ انہیں کچھ دو تاکہ ان کی زبان اس سے بند ہو کہ پھر وہ تمہاری ہجو نہ کر ڈالیں۔

فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ مال ایک حقیر شے ہے مٹی کی طرح۔

مدح کی اقسام حضرت ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مدح تین قسم ہے۔

۱۔ منہ پر مدح کرنا اس سے تو روکا گیا ہے۔

۲۔ غائبانہ مدح کرنا اور جس کی تعریف کی جائے اور خیال کرے کہ اسے معلوم ہو جائے اس سے بھی روکا گیا ہے۔

۳۔ مدح کرنا لیکن یہ پرواہ نہ ہو کہ اسے معلوم ہو یا نہ تو جائز ہے مثنوی شریف میں ہے۔

خلق ما در صورت خود کرد حق   وصف ما از وصف او گیرد سبق
چونکہ آں خلاق شکر و حمد جوست   آدمی را مدح جوئی نیز خوست
خاصہ مرد حق کہ در فضیلت جست   پر شود زاں باد چوں خیک درست
ورنہ باشد اہل زاں باد دروغ   خیک بدریدست کے گیرد فروغ

ترجمہ حق نے اپنی صورت پر ہمیں بنایا ہماری صفات اس کی صفات سے سبق لیتے ہیں۔

۲۔ چونکہ وہ خالق شکر و حمد چاہتا ہے آدمی بھی اپنی مدح سننا چاہتا ہے۔

۳۔ بالخصوص مرد حق کہ فضل سے بھرپور ہے اسی لئے اپنی مشک کو ہوا سے پر دیکھتا ہے۔

marfat.ocm

ہے۔ ورنہ دوسرے لوگ جھوٹی ہوا ہیں اس لئے جب ان کی مشک پھٹی تو تمام رونق ختم۔

مسئلہ موت کے بعد (جائز) مدح میں کوئی حرج نہیں جب حد سے متجاوز نہ ہو جیسے اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مدح میں روافض تجاوز کرتے ہیں۔

هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى وہ اسے خوب جانتا ہے جو تمام گناہوں سے بچتا ہے یہ جملہ مستانفہ اور نہی (جملہ سابقہ) کی تقریر کرتا ہے اور خبر دیتا ہے کہ ان میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو تمام گناہوں سے بچتے ہیں۔

شان نزول بعض نے کہا کہ ان میں بعض ایسے لوگ تھے جو اعمالِ صالحہ کے پابند تھے لیکن کہتے کہ ہماری نمازیں روزے اور حج ان کے لئے یہ نازل ہوا۔

فائدہ یہ اس وقت ہے جب ان کی یہ عبادت بطریق اعجاب و ریاء کے ہو۔ ہاں اگر عقیدہ ہو کہ اعمال صالحہ تو ہم سے اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کے فضل و کرم سے ادا ہوئے اس سے وہ مدح و ثناء کی کسی سے امید نہیں رکھتے تو وہ اس گروہ میں سے نہیں اس لئے کہ طاعت الٰہی بجالانے پر مسرت اور خوشی طاعت اور اس کا ذکر شکر میں داخل ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ انسان کا اپنے متعلق علم اجمال اور اللہ تعالیٰ کا اس کے متعلق علم تفصیلی ہے اور مکمل تر اور اس کے علم اجمالی کو بھی مشتمل ہے نیز انسان کا اپنے متعلق علم اپنے قوائے بشریہ سے ہے اور وہ قُویٰ متناہی ہیں اسی لئے اس کا علم اپنے قویٰ کے مطابق متناہی ہوا اور اللہ تعالیٰ کا اس کے متعلق علم مطلق ہے کیونکہ اس کی ذات کا عین ہے مقام الواحدیت میں اور یہ علم اس کی ذات کے علم مقام الاحدیت میں اور علم مطلق علم مقید سے احوط اور جامع تر ہے نیز انسان صورت اللہ پر پیدا شدہ ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر بنایا۔ دوسری روایت میں ہے عَلٰى صُوْرَتِ الرَّحْمٰنِ آدم کو صورت رحمٰن پر بنایا اور اللہ تعالیٰ اپنی صورت کو جانتا ہے کہ اس کی ذات صورت سے منزہ اور شکل سے مقدس ہے اور انسان صورت کو اس کیفیت سے نہیں جانتا جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا جیسا کہ فرمایا وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ انہوں نے اس کی قدر نہ کی جسے اس حق ہے۔ ہاں جب اپنے علم مقید سے فنا پائے اور اللہ تعالیٰ کے علم مطلق میں بقا حاصل کرے تو پھر اسے اپنا

علم ہو گا۔

فائدہ یہی ہے تحقیق اس معنٰی کی کہ وہی اعلم ہے نیز اَعۡلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی کا معنی یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے ماسوا سے ڈرتا ہے اس حیثیت سے کہ اس نے ماسوا کو اپنے لئے خالقت کا سبب بنایا ہے تاکہ جو علم و عمل صادر ہو تو وہ سب اسی کی طرف منسوب ہو کیونکہ وجود میں وہی مؤثر ہے اور اسی سے ہی فیض و فضل اور خیر و جود ہے۔

تفسیر عالمانہ اَفَرَءَیۡتَ الَّذِیۡ تَوَلّٰی کیا تم نے اسے دیکھا جس نے منہ پھیرا اتباع حق سے اور اس پر ثابت قدمی سے۔

وَاَعۡطٰی قَلِیۡلًا اور تھوڑی سی شے دی اپنے مال سے رشوت کے لئے اس سے ہی اس پر عذاب کا بوجھ اٹھانا پڑے گا۔

واکدی اور کاٹا اپنا عطیہ اور بخل سے اسے روکا۔

حل لغات یہ اکدی الحافر سے ہے جب جانور کا کھر کاٹ دیا جائے جب وہ پتھر کی طرح سخت ہو جائے (جیسے انسان کے زائد ناخن کاٹ دیئے جاتے ہیں) اتنا کہ پھر اس کے آگے کاٹنا مشکل ہو جائے پھر اس شخص کے لئے مستعمل ہوتا ہے جو کسی شے کو طلب کرے لیکن اسے نہ حاصل کر سکے اور نہ اسے مکمل کر سکے اور نہ اس کے آخر تک پہنچ سکے۔ القاموس میں ہے اکدی بمعنی بخل اور قل خیرہ یعنی اس نے بخل کیا یا اس کی بھلائی کم ہو گئی یعنی مال کم ہو گیا او قلل عطاؤہ اس نے اپنی عطا کم کر دی اور تاج المصادر میں ہے اکدی بمعنی قطع القلیل تھوڑا سا کاٹا۔

شان نزول ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئی وہ حضور سرور عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی مجلس میں آپ کی باتیں سنتا تھا حضور سرور عالم ﷺ کو اس کے ایمان لانے کی امید ہو گئی اسے اس آمدورفت پر مشرکین نے عار دلائی اور طعن و تشنیع کی اور کہا تو اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ رہا ہے اور گمراہ ہو گیا ہے اس نے جواب دیا کہ میں تو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ اس پر ایک مشرک نے کہا کہ تجھ پر جو عذاب آئے گا اسے

میں اٹھالوں گا اور آخرت کی جتنی تکلیفیں تجھ پر آئیں گی میرے ذمہ ہو گئیں بشرطیکہ اس کے عوض میں مجھے تھوڑا سا مال دے دے۔ اس کے بعد اس نے حضور سرور عالم ﷺ کے پاس آنا جانا چھوڑ دیا اور آپ کے وعظ اور کلام مبارک کو سننا ترک کر دیا اور جس نے وعدہ کیا تھا اسے بھی پوری شرط کے مطابق مال نہ دیا یہ نہ دینا بوجہ بخل تھا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت فرمائی۔

فائدہ یہ مذمت محض سبب کی وجہ سے ہے یعنی بخل سے۔

فائدہ اس سے یہ وہم نہ ہو کہ متولی (اعراض کنندہ) کے فعل کی مذمت کے لئے آئی حالانکہ متحمل مذکور کو عطاء نہ کرنا تو مذموم نہیں تو پھر اس کی مذمت کیسی ہوئی ہم اس وہم کو پہلے لکھ چکے ہیں کہ بخل کی مذمت ہے اور بخل جس میں بھی ہو مذموم ہے کافر ہو یا غیر کافر۔

فائدہ علامہ کاشفی رحمتہ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ یوں لکھا کہ اور باقی کو باز رکھا یعنی نہ دیا تو اس نے اپنے میں بخل و جہل کو جمع کیا۔

صاحب روح البیان قدس سرہ کی تحقیق فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ آیت ظاہراً تو نازل ہوئی ہے تَوَلّٰی (روگردانی) اور اس برے اعتقاد کی مذمت پر کہ قیامت میں اس کا بوجھ (گناہوں اور کفر کا) کوئی دوسرا اٹھالے گا جیسے آنے والی آیت سے ظاہر ہے اور اَعْطٰی قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى متولی (روگردان اور معطی (عطا کنندہ) اور متحمل گناہوں کے اٹھانے کا وعدہ کرنے والے کے درمیان معاہدہ کے حال بیان ہے اور اسکے بخل کی اس میں کوئی مذمت نہیں لیکن ایسا کہنا خالی از تحکم نہیں کیونکہ اس نے بخل تو کیا ہے اگرچہ غلط عقیدہ کی بناء پر سہی۔

فائدہ حضرت مقاتل نے فرمایا کہ ولید بن مغیرہ نے حضور سرور عالم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر کچھ مال خرچ کر کے ہاتھ روک لیا لیکن اس قول کا سابق آیات سے ارتباط نہیں رہتا۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ وہ سالک جو اثنائے سلوک میں رک جائے اور سیر الی اللہ سے بشریت اور لذات حیوانیہ کی طرف رجوع کرے بسبب ان تکالیف کے جنہیں وہ اپنے لئے شامت سمجھ بیٹھا جیسے مجاہدات بدنیہ

اور ریاضات نفسانیہ حالانکہ اس نے طریق سیر و سلوک میں عمر کا اچھا خاصہ راس المال خرچ کیا لیکن بعد کو بخل کر کے خرچ کرنے سے ہاتھ روکا لیا اور طریق اور اجتہاد فی اللہ سے نہ صرف ہٹ گیا بلکہ بقایا عمر تحصیل الذات حیوانیہ بشریہ اور شہوات کو پورا کرنے اور دنیا زیز خسیسہ میں گنوادی۔ یہ صرف عدم استعداد للوصول والوصال کی وجہ سے ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہیں ترقی کے بعد تنزل اور معرفت کے بعد بیگانگی سے۔

اندریں رہ می تراش و می خراش
تادم اخر دمی فارغ مباش

ترجمہ اس راہ میں خوب دوڑ دھوپ کر آخری دم تک فارغ نہ ہو۔

تفسیر عالمانہ اَعِنْدَهٗ کیا اس کے پاس ہے عِلْمُ الْغَیْبِ فَهُوَ یَرٰی (غیب کا علم کہ جس سے وہ دیکھتا ہے) فاء سببیہ ہے اور رویت قلبی مراد ہے یعنی کیا اس کے پاس امور غیبیہ میں ان کے ایک یہ کہ اس کے گناہوں کا بوجھ قیامت میں کوئی دوسرا اٹھالے گا تو کیا وہ جانتا ہے کہ اس کا وہ ساتھی واقعی اس کا بوجھ اٹھالے گا۔

فائدہ ابن الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ارءیت بمعنی اخبرت اعندہ علم الغیب اس کا مفعول ثانی ہے اب معنی یہ ہوا کیا تم نے خبر دی ہے کہ یہ معطی و مکدی (مانع) کے پاس کیا کوئی غیب کا علم ہے یعنی غیب وہ شے ہے جو اس سے پوشیدہ ہے جیسے امور آخرت تو کیا وہ جانتا ہے کہ اس کا ساتھی اس کے گناہوں کا بوجھ قیامت میں اٹھالے گا اس تقریر پر یری بمعنی یتلم ہے اس کے دونوں مفعول محذوف ہیں۔ جیسا کہ محل مقام دلالت کرتا ہے۔
ام کیا وہ جاہل لَمْ یُنَبَّاْ خبر نہیں دیا گیا بِمَا فِیْ صُحُفِ مُوْسٰی وہ جو صحف موسیٰ (علیہ السلام) میں ہے یعنی تورات کے مضامین ہیں۔

حل لغات امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صحیفہ بمعنی المبسوط من کل شے جیسے صحیفۃ الوجہ اور وہ شے جس میں مضامین لکھے جاتے تھے اس کی جمع صحائف و صحف آتی ہے اور مصحف جو صحف مکتوبہ کا جامع ہو۔ حضرت القہستانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مصحف (مثلث المیم) وہ جو جس میں قرآن و صحف جمع کیے جائیں۔ وَاِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰۤی اور صحف ابراہیم جس نے مکمل کیا۔ ابراہیم کا عطف موسیٰ پر ہے۔ وَفّٰۤی یعنی وفروا تم یعنی ابراہیم علیہ السلام جس امر میں مبتلا ہوئے یعنی کلمات سے آزمائے گئے تو اس میں کامل اترے یعنی امن ایزدی میں کامیاب ہوئے

marfat.ocm

جیسے سورۃ البقرہ میں گزرا یا یہ معنی ہے کہ انہیں جو حکم کیا گیا اسے انہوں نے بغیر کمی اور نقصان اور ترک کے مکمل کیا۔

حل لغات یہ لیے کہا جاتا ہے لوفاہ حقہ اس نے اس کا پورا حق ادا کیا واوفاہ بمعنی اسے کامل وافی عطا کیا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وفی کی تشدید تکثیر اور مبالغہ فی لوفاء کے لئے ہو یعنی جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے معاہدہ کیا اسے خوب نبھایا۔

نکتہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تخصیص اس لئے ہے کہ جو آزمائشیں آپ پر آئیں کسی اور پر نہیں آئیں تو صبر کا کمال ہے کہ اف تک نہ کی جیسے نار نمرود پر صبر دکھایا۔

حکایت حضرت جبریل علیہ السلام سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ہاں اس وقت حاضر ہوئے جب آپ کو آگ میں ڈالا جا رہا تھا عرض کی الک حاجتہ کیا آپ کو کوئی ضرورت ہے فرمایا ہے لیکن تیرے ہاں نہیں۔

فائدہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح ولد (صاحبزادے) پر بھی خوب صبر کیا ایسے ہی ہجرت اور اپنے اہل (بیوی) ولد (بیٹا) کو ایسی وادی میں چھوڑنے پر جس میں کسی قسم کی کھیتی نہ تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مہمان نوازی مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہر دن میں تین میل تک چل کر مہمان کو تلاش کر کے گھر لاتے اگر مل جاتا تو اس کی خوب مہمان نوازی فرماتے اگر نہ ملتا تو آپ روزہ کی نیت فرما لیتے۔ اس کے لئے کسی نے کیا خوب مسجع مقفیٰ عبارت لکھی کہ

وفی ببذل نفسہ للنیران وقلبہ للرحمن وولدہ للقربان ومالہ للاخوان

ابراہیم علیہ السلام نے اپنی جان آگ میں جھونک دی اور آپ کا دل رب رحمن کے ساتھ تھا اور بچے کو راہ خدا میں قربان کر دیا۔ اور مال بندگان خدا پر صرف کر دیا۔

حدیث قدسی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ابن آدم چار رکعت دن کے اول حصے میں پڑھ لے میں آخری دن تک تیری کفالت کروں گا۔

حدیث نبوی مروی ہے کہ حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں خبر نہ دوں کہ اللہ تعالیٰ نے

اپنے خلیل کے لئے کیوں فرمایا کہ اس نے کامل وفاء کی۔ فرمایا اس لئے کہ وہ ہر صبح و شام کو پڑھتے تھے فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ (دو آیات تک) یعنی ایک آیت یہی اور دوسری وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ عَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ امام احمد نے اپنی سند میں تین آیات کا ذکر فرمایا ہے (عین المعانی)

حدیث شریف حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے کتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں فرمایا ایک سو چار ان میں دس صحیفے حضرت آدم علیہ السلام پر اور پچاس صحیفے حضرت شیث علیہ السلام پر اور تین صحیفے حضرت ادریس علیہ السلام پر اور دس حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اور چار کتابیں (قرآن۔ تورات۔ انجیل۔ زبور) ہیں میں نے عرض کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں کیا تھا فرمایا مثال ان میں ایک یہ ہے کہ اے فریب خوردہ مغرور میں نے تمہیں اس لئے نہیں دنیا میں پیدا کیا کہ تو مال جمع کرتا رہ بلکہ اس لئے پیدا کیا ہے تاکہ تو مظلوم کی دعوت (بلاوے) کو مدد کے لئے رد نہ کرے میں بھی رد نہیں کرتا۔ اگرچہ کافر ہو اور ان امثال میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عاقل پر لازم ہے کہ وہ اپنی عقل سے مغلوب نہ ہو وہ اپنی ساعات کو تقسیم کرے ایک ساعت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات کے لئے اور صنع الٰہی میں خود فکر کے لئے ایک ساعت اپنے نفس سے محاسبہ کے لئے کہ کیا گزارا اور آئندہ کیا پروگرام ہے ایک ساعت اپنی خوراک حلال کمائی سے حاصل کرنے کے لئے اور عاقل پر لازم ہے کہ وہ اپنے دور کو خوب سمجھے اپنے حالات پر کنٹرول کرے اپنی زبان کو قابو میں رکھے جسے معلوم ہے کہ اس کی باتوں کو بھی لکھا جاتا ہے تو سوائے اس کے کہ ضروری امر ہے کوئی بات بھی نہیں کرتا۔

فائدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں کے مضامین ہم سورۃ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى کے آخر میں بیان کریں گے۔

سوال حضرت ابراہیم علیہ السلام تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے گزرے ہیں ان کا اسم گرامی پہلے ہوتا یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اسم گرامی کی تقدیم کیوں؟

جواب چونکہ ان کے صحیفے کی ایک مستقل کتاب تورات تھی اور وہ ان (اہل کہ) کے ہاں مشہور تر اور کثیر الرائج تھی) نیز فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ یہاں ترقی من الاقرب الی الابعد عمل میں لائی گئی ہے

کیونکہ اقرب زیادہ معروف ہوتا ہے نیز حضرت موسی علیہ السلام مستقل کتاب والے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر مستقل کتاب نہیں بلکہ صحیفے اترے تھے۔ یہاں کتاب کی وجہ سے حضرت موسی علیہ السلام کا ذکر خیر پہلے آیا (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (یہ کہ کوئی نہیں اٹھائے گا کسی دوسرے کا بوجھ) یہ اصل میں ان لا تزر الخ تھا۔ ان مخففہ من المثقلہ ہے اور ضمیر شان ہو اس کا اسم محذوف جملہ منفیہ اس کی خبر اور جملہ محلاً مجرور ہے کہ فی صحف موسیٰ سے بدل ہے یا مرفوع ہے کہ مبتداء محذوف کی خبر ہے گویا پوچھا گیا کہ ان کے صحیفوں میں کیا تھا تو جواب ملا کہ یہ تھا کہ کوئی نفس کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور نہ ہی ایک کے گناہ سے دوسرے کے گناہ کا مواخذہ ہو گا تاکہ وہ عذاب اور سزا سے نجات پا جائے۔ الوازرة سے مراد وہ ہے جس سے گناہ اور بوجھ کے اٹھانے کی امید کی جا سکتی ہے نہ وہ کہ وہ گناہ کرے اور خود بوجھ اٹھائے کیونکہ یہاں اسی کی بات ہے جو خود گناہوں سے فارغ ہو ورنہ جو خود گناہوں کے بوجھ تلے دبا ہوا وہ دوسرے کا گناہ کیا اٹھائے گا اس میں اس شخص کا رد بھی ہے جو ولید کے گناہوں کے بوجھ اٹھانے کو تیار ہو گیا تھا۔

سوال یہ مضمون آیت كَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ جس نے کسی کو ناحق قتل کیا یا زمین پر فساد پھیلایا تو گویا اس نے تمام کو قتل کیا (کیونکہ اس آیت میں گویا تمام لوگوں کے قتل کا بوجھ اس قاتل پر رکھ دیا گیا ہے۔

جواب آیت میں یہ کہا ہے کہ تمام لوگوں کے قاتلین کا گناہ اس کے سر پر ہو گا بلکہ یہاں تو یہ بتایا گیا ہے کہ اس پر قتل (کہ جس سے اسے روکا گیا) اس کے گناہ سے بڑھ کر یہ گناہ ہو گا کہ وہ دوسرے لوگوں کو قتل کرنے کا سبب اور رہبر بن رہا ہے تو یہ دونوں گناہ بھی اس کے پانے ہیں کہ اس کے سر ہوں گے یہ نہیں کہ اوروں کے گناہوں کا بوجھ اس کے سر پر رکھا جائے گا۔ اسی طرح حدیث شریف من سن سنته سیئته فعلیه وزرها و وزر من عمل لها الی یوم القیمته (جس نے برے طریقے کی ابتداء کی تو اس پر گناہ ہو گا اور اس کا بھی جو اس کے دیکھا دیکھی گناہ کیا قیامت تک) کا مطلب بھی یہی ہے کہ یہ بوجھ جو اسے نصیب ہو گا دوسروں کے گمراہ کرنے کے

maarifat.com

سبب اور دلالت کی وجہ سے جو اس کا اپنا گناہ ہے (نہ یہ کہ کسی دوسرے کا اس کے سر پر رکھا جائے گا)

وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی اور یہ کہ نہیں ہے انسان کے لئے مگر وہ جو اس نے خود کام کیا) یہ پہلے ان کی طرح مخففہ من المثقلہ ہے اس کا عطف اسی پر ہے وَلِلْاِنْسَانِ لَیْسَ کی خبر اور اِلَّا مَا سَعٰی میں مصدریہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ ان موصولہ ہو۔

حل لغات السعی بمعنی اتنا چلنا جسے دوڑنا نہ کہا جا سکے کسی کام میں جدوجہد کرنے کو بھی السعی کہلاتا ہے وہ کام اچھا ہو یا برا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ شان یہ ہے کہ انسان کے لئے آخرت میں نہیں مگر وہی سعی جو اس نے دنیا میں کی یعنی عمل اور نیت یعنی جیسے کوئی کسی کے گناہ سے نہ پکڑا جائے گا ایسے ہی کسی کا ثواب دوسرے کو نہ دیا جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ کوئی کسی دوسرے کے فعل سے نفع نہ اٹھا سکے گا۔ جبکہ پہلے بیان ہوا کہ کوئی کسی دوسرے کا نقصان دفع نہ کر سکے گا۔

سوال اس آیت سے (معتزلہ کے مذہب کی صداقت) ثابت ہوتی ہے کہ قیامت میں کسی کو کوئی فائدہ نہ دے سکے گا (اور نہ ہی مرنے کے بعد کسی کو کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے[1])

جوابات (۱) اس کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ کرے کوئی اور اسی کا کیا ہوا دوسرے کو نفع پہنچائے یہ اگرچہ آیت کا مفہوم صحیح لیکن۔

وهذا منسوخ الحکم فی هذه الشریعته بقوله تعالٰی والحقنابهم ذریتهم وما ألتناهم من عملهم من شئی (روح البیان ص ۲۴ ج ۹)

ترجمہ یہ اس شریعت میں منسوخ الحکم ہے بحکم والحقناھم الخ ہم نے ان کی ذریت ان کے ساتھ ملا دی اور ان کے اعمال میں بھی کمی نہ کی۔

۲۔ دوسری آیت سے صراحۃً ثابت ہوا کہ آباء کے اعمال صالحہ مقبولہ کی برکت سے ان کی اولاد کو آباء کے پلڑے میں

---

[1] یہ ایت اگر مووّل ہے لیکن معتزلہ کے مذہب کو سامنے رکھ کر موجودہ دور کے معتزلہ نجدی۔ وہابی۔ دیوبندی۔ مودودی۔ مرزائی کے مذہب کا موازنہ کیجئے ۱۲

ڈالا جائے گا اور اللہ تعالیٰ آباء کی شفاعت ان کی اولاد کے حق میں قبول فرمائے گا ایسے ہی ابناء کی شفاعت آباء کے حق میں اس کی آیت اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا (تمہارے آباء و ابناء سے بعض ایسے ہیں جنہیں تم نہیں جانتے کہ ان میں سے کون تمہارے نفع کے لئے تمہیں زیادہ قریب ہے[1]) سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

قول و عکرمہ حضرت عکرمہ (تلمیذ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ حکم حضرت ابراہیم و موسیٰ علی نبینا و علیہما السلام کی امت کے لئے تھا اور امت مصطفیٰ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے یہ شرف بخشا ہے کہ انہیں اپنے عمل کے ثواب کے علاوہ دوسروں کے عمل سے بھی ثواب ملتا ہے۔

حکایت نمبر ۱ حضور سرور عالم ﷺ کے حضور میں ایک عورت نے کجاوے سے بچہ کو نکال کر عرض کی یارسول اللہ اس کا حج ہو جائے گا آپ نے فرمایا ہاں لیکن اس کا ثواب تمہیں ملے گا۔

حکایت نمبر ۲ حضرت ربیع بن انس نے فرمایا کہ یہ کافر کے لئے ہے کہ اسے غیر کا نیک عمل مرنے کے بعد کوئی فائدہ نہ دے گا لیکن مومن کو اپنے عمل کے ثواب کے علاوہ اگر کوئی دوسرا اس کے لئے عمل کر کے ثواب اسے بخش دے تو بھی اس کے لئے وہ ثواب فائدہ دے گا[2]

استدلال حضرت ربیع بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دعویٰ میں استدلال فرمایا کہ ان عائشہ

---

[1] واضح ہوا کہ ہمیشہ بدمذاہب اپنے دلائل کی دیوار منسوخہ آیات و احادیث سے کھڑی کرتے چلے آئے ہیں۔ اس آیت کے منسوخ ہونے کے باوجود معتزلہ کی تاحال وہی ضد ہے کہ اموات کو احیاء کسی قسم کا فائدہ نہیں پہنچا سکتے اور دور حاضرہ کے معتزلہ نے آگے بڑھ کر کہہ دیا کہ نہ ہی مردے زندوں کو کسی قسم کا فائدہ پہنچا سکتے)

[2] اسی لئے تو فقیر اویسی غفرلہ کہتا ہے کہ یہ لوگ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں یہ کہتے ہیں کہ اہل قبور کو ہم فائدہ دے نہ سکتے ہیں اور نہ ہی اہل قبور زندوں کو کوئی فائدہ دے سکتے ہیں تو یہ کافروں کے لئے ہے ہم سنی مسلمان عقیدہ رکھتے ہیں کہ احیاء اہل اموات کو فائدہ (ثواب) پہنچا سکتے ہیں اور اہل قبور احیاء کو فیض دے سکتے ہیں اس لئے کہ یہ دونوں سے محروم ہیں اور ہم اہلسنت جانبین سے افادہ و استفادہ کے قائل ہیں کہ عوام کو ایصال ثواب پہنچاتے ہیں اور انبیاء و اولیاء کے مزارات سے فیض حاصل کر

marfat.ocm

اعتکفت عن اخیھا عبدالرحمن رضی اللہ عنہ بعد موتہ واعتقت عنہ (روح البیان ص ۲۴۷ ج ۹)

استدلال از حدیث صحیح حضور سرور عالم ﷺ کو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ میری ماں فوت ہو گئی ہے تو کیا میں اس کے لئے صدقہ و خیرات کروں آپ نے فرمایا ہاں عرض کی کون سا صدقہ افضل ہو گا فرمایا پانی پلانا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کنواں کھدوا کر وہ راہ خدا میں وقف فرمایا۔

جواب نمبر ۳ حضرت امام قرطبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تذکرہ میں لکھا کہ وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی میں ایک احتمال یہ ہے کہ صرف برائیوں کے لئے ہے جیسا کہ حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے۔ حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ بندہ جب نیکی کا ارادہ کرتا ہے اور ابھی اسے عمل میں نہیں لاتا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کے لئے دس سے سات سو (زائد) نیکیاں لکھ دی گئی ہیں اور جب وہ برائی کا ارادہ کرتا ہے لیکن عمل میں نہیں لاتا تو فرمایا اس میں اس کے لئے برائی کے لکھنے کا حکم نہیں فرماتا جب تک عمل میں نہ لائے جب عمل میں لاتا ہے تو صرف ایک برائی لکھی جاتی ہے اس کی تصدیق قرآن مجید کی آیت میں مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَۃِ فَلَہٗ عَشْرُ اَمْثَالِھَا جو ایک نیکی لائے تو اس جیسی اس کے لئے دس ہیں) میں ہے اور یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے اور بس اور طریقہ عدل تو یہ ہے کہ انسان کو وہی ملے جو وہ خود عمل کرے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے وہ عطا فرمایا جو اس نے نہیں کیا تو یہ زائد عطیہ فضل الٰہی ہوا کہ ایک نیکی پر بندے کو دس سے سات سو تک بلکہ لاکھوں سے بڑھ کر ثواب مفت حاصل ہو جبکہ وہ بچوں کو بغیر عمل کے بہشت میں داخل فرمائے گا تو پھر ایسے بندے کو اگر بخش دے جسے کسی دوسرے کا عمل وسیلہ بنا ہے تو کون سا حرج ہے۔

خلاصہ جوابات یہ کہ جو کچھ بندے کے اپنے عمل سے عطا کیا وہ اس کا عدل اور جو اسے دوسرے کے عمل سے بخشا یہ اس کا فضل اور اس کے فضل و کرم کا کوئی گناہ وہ نہیں اور نہ اس کی حد اور نہ اس کا حساب ہے کیونکہ وہ نیکیاں عطا فرماتا اور برائیوں سے تجاوز فرماتا ہے۔

فائدہ نفس و طبیعت کا مرتبہ ایسے ہی شریعت و طریقت کا طریق اول سے ہے اور روح و سر کا مرتبہ ایسے ہی معرفت و حقیقت کا طریقہ ثانیہ سے ہے۔

marfat.ocm

نکتہ الاسئلۃ المقحمۃ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ نجات کا اصل مقرر کردہ حکم شرع میں ہے اس لئے کہ نجات اصلیہ کا وعدہ قرآن و حدیث میں عمل صالح سے ہے جزاؤ مکافات پر یہی نجات مشروط ہے ہاں وہ نجات جو مکافات و جزاء سے مشروط نہیں وہ اس کا محض فضل و کرم ہے وہ اپنے لطف عمیم و رحمت عظیم سے بخشے گا جسے بخشے گا اس کی تفسیر رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہے کہ میں نے اپنی شفاعت ذخیرہ بنا کر رکھی ہے اپنی امت کے اہل کبائر کے لئے کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ متقین مومنین کے لئے ہوگی نہیں ہرگز نہیں بلکہ وہ خطائیں ملوثین کے لئے خاص ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ کتاب کی تفسیر رسول اللہ ﷺ کے سپرد ہے۔

تین آیات کا اشکال اور اس کے جوابات

میں نے امام ابو بکر فارسی سے سمرقند میں سنا فرماتے کہ میں نے استاد ابو اسحق اسفرائنی سے سنا وہ فرماتے ہیں عبداللہ بن طاہر امیر خراسان نے حسن بن الفضل البجلی (رحمہم اللہ تعالیٰ) عرض کی کہ مجھ پر تین آیات کا اشکال ہے اپ ان کا حل فرمائیں تاکہ بیمار قلب کو شفا نصیب ہو۔

آیت ١ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا فَأَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ تو صبح کو ندامت والوں میں سے ہوا اور حدیث شریف میں ہے کہ الندم توبتہ توبہ ندامت کا نام ہے لیکن قابیل کے حق میں یہ ندامت توبہ نہ ہوئی۔

آیت ٢ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کل یوم ھو فی شان ہر دن وہ نئی شان میں ہے اور حدیث شریف میں ہے قلم خشک ہو گئی اس سے جو قیامت تک پہنچنے والا ہے۔

آیت ٣ فرمایا اِنَّ لیس لِلاِنسانِ اِلَّا مَا سَعٰی (دوسری) جگہ فرمایا اَضْعَافًا مُّضَاعَفَتہ آپ نے فرمایا کہ ندامت کا توبہ ہونا آدم علیہ السلام کی شریعت میں نہ تھا اور نہ ہی دوسری امم کے لئے یہ صرف آنحضرت ﷺ کا خاصہ ہے دوسرا قابیل کی ندامت قتل ہابیل سے نہ تھی بلکہ کافی دیر اسے سر پر اٹھانے سے تھی اور پتہ نہ چلتا تھا کہ وہ اس کے ساتھ کیا کرے کیونکہ یہی سب سے پہلا قتل تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے کوّا بھیجا تاکہ اس کو دکھائے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کیسے چھپائے۔

جواب آیت ٢ کل یوم ھو فی شان میں شان مذکور میں وہ ابتدائی تقدیر مراد ہے اس کے بعد تقدیر کا

ظہور اپنے وقت پر ظاہر ہوتا ہے۔

جواب آیت ۳ لیس للانسان میں عدل و مجازات کا ذکر ہے کہ وہ جیسے چاہے کہ ایک نیکی کی دس جزا دے لیکن اضعافا مضاعفا اس کا فضل ہے اور مہربانی اس میں عدل و مجازات کو دخل نہیں حضرت عبداللہ بن طاہر کھڑے ہوئے اور حضرت حسن الفضل البجلی کے سر کو چوما اور پچاس ہزار درم نذرانہ پیش کیا۔

ردوہابیہ اور دیوبندیہ ہمارے دور میں اہلسنّت کا دستور ہے کہ میت کے آگے نعت خوانی اور ذکر الٰہی کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ یہ بدعت اور حرام ہے فقیر اویسی غفرلہ نے اس کے رد میں ایک کتاب لکھی ہے "تنزالجوائز علی الاذکار امام الجنائز" اسی کی تائید صاحب روح البیان صدیوں پہلے لکھ گئے[1] ذکر الخرائطی فی کتاب الثبور قال سنته الانصار اذا حملو املیّت ان یقرؤا من القراۃ ولذا کان علی الذاکر ان ینوی التلاوۃ والذکر معًا حتی یثاب بثواب التلاوۃ فحیث من القرآن من الذکر منہ (روح البیان ص ۲۴۸ ج ۹)

ترجمہ خرائطی نے کتاب الثبور میں لکھا کہ انصار (صحابہ) کی عادت تھی کہ جب میت اٹھاتے تو قرآن پڑھتے اسی لئے ذکر کرنے والے کو ضروری ہے کہ وہ تلاوت کی نیت کرے اور ساتھ ہی ذکر کی تاکہ دونوں ثواب ملیں کیونکہ ذکر کا طریقہ قرآن سے حاصل ہوا۔

کسی نے خوب ابیات کہے۔

ذر والدیک وقف علی قبریھما مکاننی بک قد الیھما

ترجمہ والدین کی قبر کی زیارت کر اور وہاں کچھ دیر بیٹھ وہ تیرے ساتھ ہیں جو تو پڑھتا ہے انہیں ملتا ہے۔ یہاں تک کہا۔

وقرات من آی الکتاب بقدر ما تسطیعہ وبعثت ذاک الیھما

ترجمہ تونے جتنی آیات قرآنی پڑھیں ان کو بھیج دے۔

ابن تیمیہ کا عقیدہ ابن تیمیہ کے متعلق کہا۔

marfat.ocm

فمن اعتقد ان للانسان لا ننفع الا بعمله (روح البیان ص ۲۴۸ ج ۹)
بعض کا اعتقاد ہے کہ انسان کو صرف اپنے عمل سے فائدہ ہو گا۔

ابن تیمیہ کا رد فقد خرق الاجماع وذلک باطل من وجوه کثیرہ یعنی ابن تیمیہ نے اجماع کو توڑ ڈالا یعنی اجماع کے خلاف کیا اس کی تردید کی چند وجوہ ہیں۔

۱۔ انسان دوسرے کی دعا سے نفع پاتا ہے یہ دلیل ہے کہ ایک دوسرے کے عمل سے نفع حاصل ہو سکتا ہے۔

۲۔ حضور سرور عالم ﷺ قیامت میں اہل موقف سے شفاعت فرمائیں گے۔ پھر اہل جنت کی دخول جنت کے لئے اور اہل کبائر کی جہنم سے نکالنے کی۔ یہی غیر کی سعی سے دوسرے کو فائدہ پہنچنے کی دلیل ہے۔

۳۔ ہر نبی علیہم السلام اور نیک انسان کو شفاعت کا اذن ہو گا یہ بھی غیر سے نفع حاصل کرنے کی دلیل ہے۔

۴۔ ملائکہ اہل ارض کے لئے دعاؤ استغفار کرتے ہیں یہ بھی غیر کے عمل سے نفع حاصل کرنے پر دلالت کرتا ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ محض اپنی رحمت سے بہت سے ان لوگوں کو دوزخ سے نکالے گا جنہوں نے ایک نیک عمل بھی نہ کیا ہو گا۔ یہ بھی بغیر عمل کے نفع پانے کی ایک دلیل ہے۔

۶۔ اہل ایمان کی اولاد اپنے آباء کے اعمال کی وجہ سے بہشت میں جائیں گے یہ غیر کے عمل سے نفع پانا ہے۔

۷۔ میت کی طرف صدقہ دیا جائے یا اس کے لئے غلام آزاد کیا جائے اسے ثواب ملتا ہے اور اس کا ثبوت سنت رسول ﷺ اور اجماع کے نص سے ثابت ہے یہ بھی غیر کے عمل سے نفع پانا ہے۔

۸۔ کسی پر حج فرض ہوا اور بغیر ادائیگی کے فوت ہو جائے اور اس کی جانب سے اس کا متولی حج کرے تو میت سے فرضیت کی ادائیگی ہو جائے گی یہ بھی سنت رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔

۹۔ کسی پر قرض ہو اس کی طرف سے کوئی دوسرا ادا کر دے تو قرض ادا ہو جائے گا جیسے حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا مقولہ مشہور ہے فرمایا کہ اذا انا مت فیغسلنی فلاں ای من الدین جب میں مر جاؤں تو فلاں شخص کو چاہیے کہ وہ مجھے نہلائے یعنی قرض سے یعنی میرے قرضہ جات وہی اتارے یہ بھی غیر کے عمل سے نفع پانا ہے۔

۱۰۔ کسی پر لوگوں کے حقوق و مظالم ہوں اور مجموعی طور اسے لوگ معاف کر دیں تو معاف ہو جائیں گے۔

۱۱۔ ہمسایہ نیک سے زندگی میں اور موت کے بعد نفع اٹھایا جاتا ہے جیسے حدیث شریف میں ہے۔

۱۲۔ اہل ذکر کی مجلس کی برکت پر اس آدمی پر اللہ تعالیٰ رحم فرماتا ہے جو ان میں آکر بیٹھا حالانکہ وہ اہل ذکر نہیں اور نہ ہی ذکر کی نیت سے ان کے ساتھ بیٹھا بلکہ کسی اور کام کی غرض سے بیٹھ گیا حالانکہ اعمال کا دارومدار نیات پر ہے باوجودیکہ ایں ہمہ اس بیٹھنے والے کی بخشش ہو سکتی ہے تو میت کی بھی۔

۱۳۔ میت پر نماز جنازہ اور اس کے لئے دعا مانگنا بھی میت کو فائدہ دیتا ہے یہ بھی سب کچھ عمل غیر سے فائدہ پہنچ رہا ہے ان جیسے نظائر بے شمار ہیں بلکہ ثواب کے تضاعف (دوگنا ہونا) کی ایات بھی بکثرت ہیں اسی لئے وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى کی تاویل ضروری ہے کیونکہ اس میں غیر کے عمل سے پانے کی نفی اور حصر بحرف استثناء سے حصر ہے کہ انسان صرف اور صرف اپنے اعمال سے نفع پائے گا اور بس اور اسے وہی جزا ملے گی جو اس نے خود عمل کیا ہے اس پر کچھ اضافہ از عمل الغیر نہ ہو گا۔

سوال جب ایت میں صریح حکم ہے کہ غیر کا عمل کوئی فائدہ نہ دے گا پھر بے جا تاویلیں کیوں حالانکہ قانون ہے کہ جو بات صریح نص اور سنت اور اجماع کے خلاف ہو وہ عمل ناقابل قبول ہے۔

جواب ۱ آیت اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى منسوخ ہے۔[۱]

جواب ۲ آیت صرف کفار کے لئے ہے۔

جواب ۳ آیت میں عدل کی بات ہے ہم اس کے فضل کی بات کرتے ہیں اور عدل و فضل کی تحقیق پہلے عرض کر چکے ہیں۔

جواب ۴ دوسرے کے عمل سے بھی اس وقت فائدہ حاصل ہوتا ہے جب دوسرا بھی اس کے لئے نیت کرے کہ یہ عمل میں فلاں کے لئے کرتا ہوں یہ گویا اب اس فعل کے کرنے سے اس کا وکیل اور نائب ہے اس معنی پر اس کا کرنا گویا اسی کا کرنا ہے۔

جواب ۵ غیر کے عمل سے اس وقت فائدہ نہیں جب غیر اس کا اہل نہ ہو اگر اہل ہو یعنی مومن ہو صالح ہو تو

marfat.ocm

اس معنی پر غیر کا کرنا نہیں بلکہ اصل کا کرنا ہے کیونکہ اس کی سعی دوسرے کی سعی کے تابع ہے تو گویا اس نے اس عمل کی سعی اس نے خود ہی کی ہے اس لئے کہ ایمان کا تعلق بڑا گہرا تعلق بلکہ ایک دوسرے سے قریبی تعلق ہے۔

۴۔ حدیث شریف حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ مومن کی مثال جبکہ وہ دوسرے مومن سے محبت اور رحم اور پیار کرتا ہے ایسے ہے جیسے جسم کہ اس کے کسی حصہ میں شکایت ہو تو تمام جسم بے قرار ہوتا ہے اسے نیند آتی ہی نہیں بلکہ بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

۵۔ حدیث شریف حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ مومن مومن کے لئے بمنزلہ دیوار کے ہے جو ایک حصہ دوسرے حصہ کو مضبوط کرتا ہے آپ نے اسے مثال دے کریوں سمجھایا کہ اپ کے ہاتھ کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں بھی ضم کر دیا۔

فائدہ اس معنی پر جو بھی کسی دوسرے مسلمان کے لئے عمل کی سعی کرتا ہے تو گویا وہ اپنے بھائی کے عضو کو مضبوط کر رہا ہے بلکہ اس کی کمی پوری کر رہا ہے اس تقریر پر اس کا سعی کرنا گویا دوسرے کا خود سعی کرنا ہے۔

خلاصتہ المرام خلاصہ یہ کہ ایک کا دوسرے کو نفع پہنچانے کا دارومدار ایمان و عمل صالح ہے کیونکہ ان کے سوا کسی کو کوئی نفع نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی کو ایمان (جانبین) کے بغیر کتنا ہی نفع دے کوئی نفع نہ[1] ہو گا۔

۶۔ ہدایہ کتاب فقہ حنفی کا حوالہ ہدایہ میں اول باب الحج عن الغیر میں ہے کہ الانسان لہ ان یجعل ثواب عملہ بغیر صلوۃ او صوما او صدقہ او غیر ھا عند اھل السنتہ و جماعتہ

(روح البیان ص۲۴۹ ج۹)

یعنی میت بھی مومن ہو اور جو ثواب پہنچائے وہ بھی مومن ہو اگر خدانخواستہ میت کافر مرتد ہو تو ثواب نہ پہنچے گا اگر ثواب بھیجنے والا مرتد کافر ہو تو بھی میت مومن کو ثواب نہ ملے گا اسی لئے وہابی دیوبندی ثواب پہنچانے کی تمام صورتوں کو بدعات اور رسوم کہہ کر ٹھکرا دیتے ہیں۔ سو وہ بھی سچے ہیں۔ کیونکہ وہ ابن تیمیہ کے عاشق ہیں یا پھر وہ اپنے مردے کو مومن نہیں سمجھتے یا خود۔ ورنہ قبور میں اموات کو ثواب کی اتنی ضرورت ہے جتنی زندہ انسان کو دنیوی زندگی میں ضروریات زندگی کی)

marfat.ocm

ترجمہ انسان اپنے عمل کا ثواب غیر کو دے سکتا ہے نماز ہو یا روزہ صدقہ ہو یا کوئی اور شے یہ اہل سنت کا مذہب ہے۔

۱۷۔ امام اعظم ابو حنیفہ کا مذہب فتح الرحمن میں ہے کہ اس مسئلہ میں آئمہ کا اختلاف ہے کہ غیر کا وہ عمل جو قربت الٰہی کی نیت سے کیا جاتا ہے جیسے نماز روزہ اور قراۃ القرآن اور صدقہ غیر کے لئے جائز ہے جیسے مسلم میت کے لئے ہدیہ کیا جاتا ہے یعنی اس کا ثواب میت کو بخشا جاتا ہے امام ابو حنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں کہ میت کو ثواب پہنچتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور رحمت سے میت کو فائدہ پہنچتا ہے لیکن امام مالک و شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا صدقہ و عبادت مالیہ اور حج کا ثواب میت کو پہنچتا ہے ان کے سوا دیگر عبادات جیسے نماز روزہ قراۃ القرآن وغیرہ کا ثواب نہیں پہنچتا اس کا ثواب صرف اور صرف خود عمل کرنے والے کو ملے گا اور بس۔

معتزلہ کا مذہب معتزلہ کہتے ہیں کہ انسان کو لائق نہیں کہ وہ اپنے عمل کا ثواب مطلقاً غیر کو دے اور نہ ہی دوسرے کو اس کا ثواب ملے گا اور نہ ہی اس سے اسے کوئی نفع ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وان لیس للانسان الا ما سعی اور چونکہ ثواب سے مراد جنت ہے اور بندے کو کب اختیار ہے کہ وہ کسی کو بہشت عطا کرے بلکہ وہ جنت کا تو خود اس کے لئے بھی کوئی اختیار نہیں۔[1]

۱۸۔ مسئلہ فقہیہ سے استدلال اس شخص کے بارے میں اختلاف ہے جس پر حج فرض تھا اور نہ بغیر ادا کئے مر گیا تو امام ابو حنیفہ و امام مالک رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ موت سے اس کا حج ساقط ہو گیا اس کی طرف سے کوئی حج نہ پڑھا جائے ہاں اگر وصیت کر کے مرا تو پھر اس کی طرف سے حج پڑھنے سے اس کی ادائیگی متصور ہوگی اور امام

---

[1] کتنی کمزور دلیل ہے معتزلہ کی لیکن ہم ان کو کیا جواب دیں جب وہ ہیں نہیں ہمیں تو ان کے لئے عوام کو آگاہ کرنا ہے جو معتزلہ کے اصول پر عمل کرتے ہوئے ایصال و ثواب کے تمام صورتوں کو بدعت اور رسوم کہہ کر خود بھی محروم ہیں اور دوسرے اہل اسلام کو مختلف وسوسہ سے محروم کرنے کی سعی خام کرتے ہیں اور ظالم خود کو کہلواتے بھی ہیں اہلسنت اور حیرانی یہ ہے کہ ان جملہ امور کو حرام بھی کہتے ہیں اور کھاتے بھی ہیں تو ہپ ہپ کر کے (ہیں عجب کھانے غرانے والے ۱۲)

marfat.ocm

شافعی و امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے حج ساقط نہ ہوگا اس کے مال سے حج ادا کرنا ضروری ہے۔

مسئلہ جس نے خود حج نہیں پڑھا حالانکہ اس پر حج فرض ہے تو کیا دوسرے کی طرف سے حج بدل پڑھ سکتا ہے امام ابو حنیفہ و امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ وہ حج بدل ہو جائے گا لیکن مکروہ ہے امام شافعی و امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جائز نہیں اگر ہوگا تو اس کا اپنا حج ہو جائے گا۔

مسئلہ نماز عبادت بدنیہ ہے اس میں نیابت (دوسرے کی طرف سے ادا کرنا) ناجائز ہے نہ مال سے نہ بدن سے اس پر تمام آئمہ کا اتفاق ہے۔

۱۹۔ مسئلہ اسقاط امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب کوئی مرے اور اس پر چند نمازیں فرض ہیں تو اس کی ہر نماز کے عوض گندم کا نصف صاع یا کھجور یا جو کا ایک صاع یا اس کی قیمت فقراء مساکین کو فدیہ کے طور دیا جائے۔

مسئلہ ضروری نہیں کہ مساکین فقراء کی گنتی معین ہو خواہ ایک ہی کو دے دیا جائے جائز ہے خواہ وہ متعدد صلوت کا فدیہ ہو۔

مسئلہ ایک نماز کا فدیہ ایک ہی مسکین کو دیا جائے ایک سے زائد پر تقسیم نہ ہو۔

مسئلہ اسقاط کی ایک شرط یہ ہے کہ مرنے والے نے وصیت کی ہو۔

مسئلہ اگر وصیت کر کے نہ مرا ہو تو ورثہ کو تبرعاً (احساناً) اسقاط کے لئے فدیہ دینا جائز ہے۔ (ان پر لازم اور ضروری نہیں) یہ صرف امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک ہے خلافاً للائمہ الثلاث۔

۲۰۔ حکایت مروی ہے کہ ایک شخص نے حضور سرور عالم ﷺ سے سوال کیا کہ میں اپنے والدین کی ان کی زندگی میں ان کی خوب خدمت کرتا تھا لیکن اب وہ فوت ہو گئے ان کی کیا خدمت کروں آپ نے فرمایا ان کے لئے اپنی نماز کے ساتھ نماز (دوگانہ) پڑھ اور اپنے روزے کے ساتھ ان کے لئے (دوسرے ایام میں نفلی) روزے رکھ (رواہ دار قطنی) عن علی رضی اللہ عنہ۔

marfat.ocm

فائدہ یہ حدیث امام ابو حنیفہ کے لئے حجت اور تائید ہے ان کے اس مسئلہ کی کہ آپ نے فرمایا کہ عبادت بدنیہ بھی میت کے ایصال ثواب میں جائز ہے (خلافاً للشافعی رحمتہ اللہ علیہ) جیسا کہ گزرا۔

۲۱۔ حدیث شریف حضور سرور عالم ﷺ دو مینڈھے ذبح فرماتے اپے لئے ایک اور دوسرا اہل ایمان امتیوں کے لئے (متفق علیہ)۔

طریقہ استدلال اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ وہ ایک دنبہ جو حضور سرور عالم ﷺ اپنی امت کے اہل ایمان کے لئے کرتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ۔

جعل ثوابه لها وهذا تعليم منه عليه السلام بان الانسان ينفعه عمل غيره والاقتداء به عليه السلام هو الاستمساك بالعروة والوثقى (روح البيان ص۲۵۰ ج۹)

ترجمہ اس کا ثواب اس کے لئے کیا اور یہ حضور علیہ السلام کی تعلیم ہے کہ انسان کو غیر کا فائدہ دیتا ہے حضور علیہ السلام کی اقتداء ہی عروہ وثقیٰ ہے۔

فائدہ حضرت حسن رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ میں نے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ آپ بھی دو دنبے ذبح فرماتے اور فرمایا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے ایسے ہی وصیت فرمائی کہ ایک دنبہ آپ ﷺ کے لئے ذبح کیا کروں۔

۲۲۔ حدیث شریف مروی ہے کہ جو شخص قبرستان سے گزرتے ہوئے گیارہ قل ھو اللہ شریف پڑھ کر اہل اموات کو بخشے تو اسے مردگان کی گنتی کے برابر ثواب نصیب ہوگا (رواہ الدار قطنی عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ مرفوعاً)

فائدہ یہ حدیث شریف بھی سیدنا ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب کی مؤید ہے کہ تلاوت قرآن کا ثواب غیر کو بخشا جا سکتا ہے (خلافاً للشافعی) جیسا کہ گزرا۔

marfat.ocm

۴۳۔ حکایت حضرت شیخ الفقیہ القاضی الامام مفتی الانام عزالدین بن عبد السلام زندگی بھر فتویٰ دیتے رہے کہ زندوں کی طرف سے بھیجا ہوا قرآن پڑھنے کا ثواب نہیں پہنچتا وہ بھی حجت میں آیت ان لیس للانسان الا ماسعی پیش کرتے جب فوت ہوئے تو ان سے آپ کے کسی اہل مجلس نے پوچھا کہ آپ تو فرماتے تھے کہ میت کو زندہ کا قرآن پڑھنے کا ثواب نہیں پہنچتا اب تمہارا کیا خیال ہے فرمایا کہ وہ میرا فتویٰ دنیا میں تھا لیکن اب مجھے معلوم ہوا کہ ثواب پہنچتا ہے اسی لئے میں نے اپنے فتویٰ سے رجوع کر لیا جب میں نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی وسعت دیکھی ہے۔

مسئلہ بعض نے کہا کہ پڑھنے والے کو پڑھنے کا اور مردے کو سننے کا ثواب پہنچتا ہے اسی لئے سننے والے پر رحمت باری ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (جب قرآن پڑھا جائے تو اسے سنو اور چپ کرو امید کرو کہ تم پر رحمت ہو گی)

فائدہ امام قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بعید نہیں کہ میت کو قرآۃ و استماع (سننے) پر دونوں ثواب عطا فرمائے۔

مسئلہ میت قبر میں ہو اور اس کے لئے کسی دوسری جگہ قرآن پڑھ کر ثواب بخشا جائے تب بھی اسے اس کا ثواب پہنچتا ہے جیسے صدقہ و استغفار کا ثواب اسے پڑھنے سے پہنچتا ہے اس کی وجہ ظاہر ہے کہ قرآن دعا و استغفار و تضرع اور عجز و انکسار کا مجموعہ عبادات ہے اور قرآن کی تلاوت سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا قرب کسی عبادت سے نہیں ہو سکتا ہے۔

ردالمنکرین فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) نے فرمایا کہ اس میں حجت ہے اس پر جو کہتا ہے کہ فرض نمازوں کے بعد (یہ رواج صاحب روح البیان کے زمانہ میں ہو گا ممکن ہے اب بھی کہیں ہو کہ) امام صاحب آیۃ الکرسی پڑھتے اور دوسرے مقتدی سنتے ہیں اس سے امام کو پڑھنے کا اور مقتدیوں کو سننے کا ثواب ملتا ہے لیکن منکرین

marfat.ocm

کہتے ہیں (چونکہ یہ بدعت ہے) فلہذا ناجائز ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ امام آہستہ پڑھے تاکہ دوسرے مقتدی بھی پڑھیں۔[1] (ہم کہتے ہیں کہ صاحب روح البیان نے مخالفین کے اس قول سے استدلال کیا ہے کہ جب زندہ آدمی کے ثواب کے سبب زندہ کو ثواب مل سکتا ہے۔ تو مردہ اس کا زیادہ مستحق ہے۔ یعنی مؤذن کی قراۃ سے حاضرین کو فائدہ ملا تو یونہی زندہ کے عمل سے مردے کو ثواب ملتا ہے جب یہ قاعدہ مُسلم ہے تو ایصال ثواب کا انکار جہالت ہے۔

۲۲۔ حکایت ایک عورت فوت ہو گئی اسے کسی جاننے والی عورت نے خواب میں دیکھا کہ اس کے ہاں تخت

ہم اہلسنت ایصال ثواب پر اس لئے زور دیتے ہیں کہ انسان کو اپنے اعمال کی سزا ملتی ہے اور وہ بھی سخت کچھ دنیا میں کچھ مرنے کے بعد ایصال ثواب سے نجات ملنے کا امکان ہے مثلاً نماز ہے اس کے متعلق قرۃ العیون میں ہے کہ اس کے ترک کرنے پر دنیا میں چھ عذاب ملتے ہیں۔

۱۔ عمر میں برکت کم ہو جائے گی۔ ۲۔ نیکیوں کی چمک چہرے سے چھین لی جائیگی

۳۔ کسی بھی عمل کا ثواب نہیں ملے گا۔ ۴۔ اس کی دعائیں نامقبول ہوں گی۔

۵۔ لوگوں کے سامنے ذلیل ہو گا۔ ۶۔ نیک بندوں کی دعائیں اس کے حق میں قبول نہ ہوں گی۔

موت کے وقت کے تین عذاب

۱۔ ذلت کے ساتھ ۲۔ بھوکا ۳۔ اور شدید پیاس سے مرے گا۔

قبر کے تین عذاب

۱۔ قبر شدت سے دبائے گی جس سے پسلیاں ٹوٹ کر ایک دوسرے میں پیوست ہو جائیں گی۔ ۲۔ قبر میں آگ ہو گی۔ ۳۔ ایک بہت ہی زبردست اور خوفناک سانپ قیامت تک روزانہ پانچ مرتبہ مارے گا جس سے ہر بار بے نمازی ستر ہزار (۷۰۰۰۰) زمین میں دھنس جائے گا۔

قیامت کے تین عذاب

۱۔ جہنم کی آگ کا بول جہنم کی طرف ہانک کر لے جائے گا۔ ۲۔ بوقت حساب اللہ عزو جل چشم غضب سے دیکھے گا تو چہرے کا گوشت جھڑ جائے گا۔ شدت کے سات حساب ہو گا۔ ۳۔ اور جہنم کا حکم سنایا جائے گا)

marfat.ocm

بچھا ہوا ہے اور ان کے نیچے نور کے برتن ڈھکے ہوئے نظر آئے پوچھنے پر فرمایا کہ یہ وہ ہدیئے تھے تحفے و خیرات و صدقات اور قرآن خوانی (وغیرہ) ہیں جو میری اولاد اور زوج وغیرہ نے گزشتہ شب بھیجے ہیں یعنی قرآن خوانی کرائی اور اس کا ثواب مجھے بھیجا) اس عورت نے اس کے شوہر سے خواب ذکر کیا تو اس نے کہا ہاں میں نے گزشتہ رات کچھ قرآن مجید پڑھ کر اپنی زوجہ کو ایصال ثواب کیا ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں سوائے تین عملوں کے۔

۱۔ صدقہ جاریہ ۲۔ وہ علم جس سے نفع اٹھایا جائے۔ ۳۔ اولاد صالحہ جو اس کے لئے دعا مانگتے ہیں۔

مسئلہ امام القرطبی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ تلاوت قرآن بھی بمنزلہ دعا کے ہے اور یہ اولاد سے اور دوست اور ساتھی اور جملہ اہل ایمان کی طرف سے ہدیہ بن کر میت کو پہنچتے ہیں۔

شرح الحدیث حضرت ابن الملک حدیث ہذا کی شرح فرماتے ہیں کہ (جب انسان مرجاتا ہے اور اس کے جملہ اعمال منقطع ہو جاتے ہیں) اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اپنے جدید عمل منقطع ہو جاتے ہیں کیونکہ مرنے کے بعد نہ وہ خود کچھ کرتا ہے نہ اس کے لئے ثواب ملتا ہے (سوائے تین کے)

۱۔ صدقہ جاریہ جسے وقف کر کے فی سبیل اللہ کوئی شے دے جانا۔

۲۔ وہ علم جس سے نفع اٹھایا جائے یعنی احکام مستنبط نصوص سے لیکن یہاں عام ہے جو مرنے کے بعد چھوڑ جائے تصنیف یا علوم شرعیہ کی تعلیم دے کر شاگرد وغیرہ۔ اور وہ جو چیزیں جن کی عملی لحاظ سے ضرورت ہے۔

فائدہ علم کی قید لگانا کہ وہ علم کہ جس سے نفع اٹھایا جائے اس لئے ہے کہ جس علم سے نفع نہ اٹھایا جائے وہ اس درخت کی مانند ہے جس کا کوئی ثمر نہ ہو۔

۳۔ نیک اولاد جو اس کے لئے دعا مانگتے ہیں۔

فائدہ اولاد میں نیک کی قید اس لئے ہے کہ بری اولاد کا گناہ والدین کو نقصان نہیں دیتا۔

مسئلہ بری اولاد کا گناہ ماں باپ کو نہیں پہنچتا جب اس نے اولاد کو برائی کی تربیت کا ارادہ نہ کیا ہو۔

marfat.ocm

نکتہ اولاد کے لئے دعا کی قید اس لئے ہے تاکہ اولاد اپنے ماں باپ کی دعامیں ترغیب ورنہ اولاد صالحہ جو بھی نیکی کا کام کرے گی ماں باپ کو ثواب ملے گا اولاد اس کی نیت کرے یا نہ جیسے کوئی درخت ثمردار بوئے اس سے جتنے لوگ پھل کھائیں گے اس کا ثواب درخت لگانے والے کو بھی ملے گا خواہ اس کی نیت ہو یا نہ ہو ایسے ہی اولاد صلح کی نیکیوں کا ثواب ماں باپ کو ملے گا اس سے اس کی نیت انہیں ہو یا نہ ایسے ہی اولاد صالحہ باپ کے لئے دعا مانگے یا نہ ان کے والدین کو اس کے نیک کاموں سے ثواب ملے گا۔ جیسے درخت ثمردار سے ثمر کھانے والوں سے درخت بونے والے کو ثواب پہنچے گا ثمر کھانے والا اس کے لئے دعا مانگے یا نہ۔

مسئلہ جہاں اولاد کے باب میں باپ کی تصریح ہے اور ماں کا ذکر نہیں تب بھی ماں ان تمام احکام میں باپ کے برابر ہے (جیسا کہ اصول کا قاعدہ ہے کہ ان دو کے احکام برابر ہیں خواہ ان میں کسی کا ذکر ہو یا نہ)

مسئلہ بعض اکابر مشائخ نے فرمایا کہ نکاح تمہارے نبی پاک ﷺ کی سنت ہے اس سے روگردانی نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ تمہیں وہ اولاد عطا فرمائے جو تمہارے مرنے کے بعد تمہارے قائم مقام ہو تاکہ تیرے مرنے کے بعد تیرے اعمال منقطع نہ ہو جائیں کیونکہ ابن آدم کے مرنے کے بعد اعمال (خود کردہ) منقطع ہو جاتے ہیں سوائے تین کے:۔

۱۔ صدقہ جاریہ ۲۔ علم کہ جس کی وہ عوام اہل اسلام میں نشر و اشاعت کر گیا۔ ۳۔ اولاد صالحہ جو اس کے لئے دعا مانگے۔

نکتہ صدقہ میں جاریہ (جاری رہنے والا) کہ قید لگائی ہے اس سے فی[1] سبیل اللہ پانی کو خرچ کرنے کی افضلیت کا اشارہ ہے اسی لئے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنی ماں کے لئے کنواں کھدوایا۔

سوال اگر کہوں کہ اس حدیث شریف اور دوسری حدیث شریف میں ہے کہ من سن سنته حسنته فله اجرها واجر من عمل بها الی یوم القیمته جس نے نیک طریقہ جاری کیا اسے اس کا ثواب ملے گا اور اس کے ساتھ اجر ملے گا جس نے اس پر عمل کیا تاقیامت اور حدیث شریف میں ہے کہ حضور سرور عالم

---

[1] لہ اسی لئے ہمارے اہل سنت فاتحہ کے ختم کے وقت پانی بھی رکھتے ہیں تاکہ اس حدیث شریف پر عمل ہو ۱۲)

marfat.ocm

ﷺ نے فرمایا من مات بختم علی عملہ الا المرابط فی سبیل اللہ فانہ ینمولہ عملہ الی یوم القیمتہ جس کا دنیا سے کوچ ہوا۔ تو اس کے اعمال ختم ہو گئے سوائے مرابط فی سبیل اللہ کے (اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد گھوڑا باندھنے والا یا سرحدوں کی حفاظت کرنے والا) کہ قیامت تک اس کی نیکی بڑھتی رہے گی) کے درمیان میں مطابقت کیسے ہو؟

جواب ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ حدیث (جو سوال میں پہلے لکھی گئی ہے) میں سنت واقع ہے تو اس سے سنت مسنونہ مراد ہے۔ جس میں سے علم بھی ہے کہ جس سے نفع اٹھایا جائے گا اور جس حدیث میں ہے کہ المرابط فی سبیل اللہ تو اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے ثواب میں (جو اس نے آخرت کے لئے بھیجا ہے) قیامت تک برکت ہوتی رہے گی اور وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بڑھتا رہے گا۔

فائدہ اور وہ حدیث شریف جو ہم نے نقل کی ہے کہ مرنے کے بعد تین اعمال سے ثواب ملتا رہے گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عامل کے مرنے کے بعد اس کے لئے ثواب حادث ہوتا رہے گا اور وہ جدید حادث ہونے والا عمل (ثواب) اس کے لئے منقطع نہ ہو گا کیونکہ وہ اس کا سبب تھا جو اس کی وفات کے بعد اسے ملے گا۔

خلاصہ وہ عمل جو وہ خود کرتا رہا وہ تو منقطع ہو جائے گا اور وہ عمل جو دوسرے کے کرنے کی طرف منسوب ہے وہ منقطع نہ ہو گا۔

مسئلہ عمل کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ جس کو ایصال ثواب کرتا ہے اس کی مراد دل میں لے یا زبان سے کہے (خصوصیت سے)

فائدہ بعض نے کہا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جو عمل بندے کے اپنے لئے ہوں وہ منقطع ہو جاتے ہیں ورنہ بعض ایسے اعمال بھی ہیں جو وہ اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہیں جیسے روزہ جس کے متعلق حدیث میں الصوم لی وانا اجزی بہ روزہ میرے لئے ہے اور میں اس کی جزا ہوں یعنی اس کا ثواب محض اللہ تعالیٰ کی فضل ہے اور وہ ہے اس کا دیدار۔

ازالہ وہم بعض لوگوں نے اس حدیث شریف سے استدلال کیا ہے کہ روزہ تو عامل سے مخصوص ہے لیکن

اسے ثواب بے شمار نصیب ہو گا اور اللہ تعالیٰ کا اپنے لئے مخصوص کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جو اس نے کسی پر ظلم وغیرہ کیا تو اس سے اس کا مواخذہ نہ ہو گا یہ استدلال بالکل غلط اور مردود ہے اس لئے کہ حقوق کا مواخذہ ہو گا خواہ وہ روزہ رکھنے والا ہو یا کوئی اور۔

فائدہ بعض نے کہا کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے لئے وہ روزہ خاص ہے جو کسی کو معلوم نہ ہو اور نہ ہی ملائکہ کاتبین کے صحیفوں میں لکھا ہو اللہ تعالیٰ ایسا روزہ چھپا رکھے گا تاکہ بندے کے لئے عذاب سے ڈھال بن سکے کسی کے حقوق یا خرابیاں اس پر آئیں تو اس روزے کی برکت سے اس سے وہ دور ہوں اور وہ روزہ اسے بچائے پھر وہ برائیاں نہ برائیوں والوں کو نقصان پہنچا سکیں اور نہ اس کو یہی تاویل اچھی ہے جو ہر قسم کے تعرض کو اٹھاتی ہے

آیت ہذا پر صاحب روح البیان قدس سرہ نے خوب لکھا اسی لئے فقیر کا اضافہ سونے پر سہاگہ کا کام دے گا (انشاء اللہ) اور یہ ایک مستقل رسالہ ہے اسی لئے اس کا اردو نام "مردہ کا فائدہ" اور عربی نام "نشر الرحمات علی من مات" وھی ھذا بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ لاہلہ والصلوۃ لاہلہا وعلی آلہ عالم برزخ (قبر) اور آخرت میں انسان کو اپنا عمل صالح (خالص) کام دے گا اس کی تو کہنے کی ضرورت نہیں۔ اسی لئے جو لوگ دنیوی زندگی اعمال صالحہ مع اعتقادات صحیحہ زندگی بسر کر کے قبر میں جاتے ہیں وہ قبر میں چین سے گزارنے کے بعد آخرت میں بے حساب و کتاب جنت الفردوس میں رہائش حاصل کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے شاداں فرحاں رہتے ہیں اس کے متعلق بکثرت واقعات ہیں جنہیں فقیر نے "جنت کی سیر" کتاب میں لکھ دیا ہے۔ ایسے ہی جو لوگ دنیا میں زندگی غلط کاریوں اور گناہوں میں بسر کرتے ہیں وہ قبر میں تا حساب و کتاب عذاب اور سخت سزاؤں میں مبتلا رہتے ہیں پھر حساب و کتاب کے بعد نامعلوم کیسے ہو۔ اسی لئے حضور نبی پاک ﷺ اپنے یاروں کو نصیحت فرماتے وقت معمولی سے معمولی گناہ سے بچنے تک سے ڈراتے ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ جو حضور نبی پاک شہ لولاک ﷺ کی محبوب ترین بیوی تھیں فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ مجھ سے ارشاد فرمایا کہ یاعائشتہ ایاک ومحرقات الذنوب اے عائشہ! جو چھوٹے چھوٹے اور حقیر گناہ معلوم ہوتے ہیں ان سے بھی بچتی رہو۔ فان لھا من اللہ طالبا کیونکہ ان چھوٹے گناہوں پر بھی اللہ کی (ابن ماجہ، دارمی، بیہقی

marfat.ocm

طرف سے گرفت ہو سکتی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول یہی طریقہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا رہا چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے شہر (بصرہ) والوں کو ایک نصیحت فرمائی اِنَّكُمْ لَتَعْمَلُوْنَ اَعْمَالًا کہ تم بہت سے ایسے کام کرتے ہو کہ هِيَ اَدَقُّ فِيْ اَعْيُنِكُمْ مِنَ الشَّعْرِ جو تمہاری نظر میں بال سے بھی زیادہ باریک ہیں حالانکہ كُنَّا نَعُدُّهَا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمُوْبِقَاتِ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ان کو مہلکات میں شمار کرتے تھے۔ یعنی جن کاموں کو آج تم معمولی گناہ سمجھتے ہو انہیں ہم آقائے نامدار ﷺ کے زمانہ میں بہت بڑا گناہ سمجھتے تھے۔

تبصرہ اویسی غفرلہ معمولی گناہ اور سخت سزا کے مفہوم کو ہمارے مسلمان نہیں سمجھیں گے۔ فقیر ایک مثال سے سمجھاتا ہے مثلاً آج کل آپ روز مرہ دیکھتے ہیں کہ بیٹا کہتا ہے کہ میں نے کوئی ایسی بات نہیں کی تھی کہ والد صاحب خفا ہوں معمولی سی بات تھی اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ بیٹے کی اپنی نظر میں وہ ایسی تھی کہ اس پر وہ خفا ہو گیا بلکہ یہ بھی ہوتا ہے کہ باپ مارتا پیٹتا ہے حتیٰ کہ گھر سے نکال دیتا ہے۔ جلیل القدر صحابی جناب رسول اللہ ﷺ کی کوئی بات نقل کر رہے تھے بیٹے نے اس کی ناپسندیدگی ظاہر کی صحابی نے قسم کھائی کہ میں تجھ سے کبھی نہ بولوں گا۔ اور واقعی پھر کبھی نہ بولے۔

گناہوں کی سزا کا نمونہ لوگ گناہ کر کے سمجھتے ہیں کہ اللہ غفور و رحیم بخش دیگا واقعی وہ غفور و رحیم ہے لیکن گرفت بھی فرماتا ہے تو بھی سخت صرف ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔

روایت میں ہے کہ ایک عورت نے بلی کو محبوس کر رکھا تھا اس کو نہ کھلاتی اور نہ پلاتی آخر کار وہ بلی مر گئی تو خدا تعالیٰ نے اسی گناہ کے سبب اسے دوزخ میں ڈال دیا۔

فائدہ بلی جو ایک حیوان ہے اس پر ظلم کرنے سے وہ عورت جہنم میں ڈالی گئی تو جو لوگ انسانوں کو ستاتے ہیں یا قتل کرتے ہیں ان کا کیا حال ہو گا ایسے ہی ان لوگوں کا کیا حال ہو گا جو جانوروں کو ایک دوسرے سے لڑا کر ان کے ایک دوسرے کی جان کھا جاتے ہیں جیسے مختلف کشتیاں (مرغ۔ بٹیر۔ کتا۔ ریچھ۔ اونٹ وغیرہ) اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ایسے

تمام کبیرہ و صغیرہ گناہوں سے بچائے۔

([illegible])

ایصال ثواب اللہ تعالیٰ کے قوانین و اصول اٹل ہیں جس عمل کی جو جزاو سزا مقرر فرمائی ہے وہ اپنی جگہ حق ہے لیکن ہم وہ امت ہیں کہ جن کا وارث خدا تعالیٰ کا محبوب ہے۔ انہوں نے اپنی امت کو مرنے سے پہلے خوب اور خوب سمجھایا کہ قبر کا سفر پر کٹھن ہے اس کے لئے بہت بڑا سرمایہ درکار ہے اسی لئے اس دنیا میں کمالو جتنا چاہوں کیونکہ الدنیا مزرعۃ الآخرۃ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور چونکہ امت کے آپ بہت زیادہ غم گسار و غم خوار ہیں اسی لئے جانے والے ورثہ کو بہت سے اصول و قواعد بتائے کہ جن کو عمل میں لانے سے میت کی نجات کا سبب بن سکتے ہیں ان اصول و ضوابط کے مجموعہ کا نام ایصال ثواب ہے۔ جس کے کئی شعبے ہیں جو بفضلہ تعالیٰ سب کے سب اہلسنت کو نصیب ہیں اور محروم ہیں وہ جو ان شعبہ جات کو بدعات کے کھاتہ میں ڈال کر اپنے مروں کو قبر کے گڑھے میں پھینکنے کے بعد تو ان سے ایسے مایوس ہوتے ہیں جیسے وہ ان کے کچھ حقدار بھی نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یَئِسُوْا کَمَا یَئِسَ الْکُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ (وہ ناامید ہیں جیسے کافر اہل قبور سے ناامید ہیں)

ایصال ثواب کا منکر کون؟ جیسے روح البیان میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے کہ اس کے منکر دور سابق میں معتزلہ فرقہ تھا اب صرف اہل علم ہی ان کا نام جانتے ہیں ورنہ اسی دنیا میں رہنے والے مسلمانوں نے مذہبی راجد ھانی دیکھی وہ شان و شوکت تھی کہ عباسی بادشاہ تک ان کے غلام بے دام تھے بلکہ ان کے نظریات کو سرکاری مذہب قرار دیا گیا انکے منکرین کو سرعام پھانسی پر لٹکایا جاتا ان کے نظریات کے انکار پر اہلسنت کے جلیل القدر امام حنبل رضی اللہ عنہ جیسوں کو کوڑوں کی سخت مار پڑتی تھی لیکن الحمد اللہ ! اہلسنت حق مذہب ہے بے نیاز رب تعالیٰ نے ان کی ایسی بیخ کنی فرمائی کہ آج تک کے مذہب کی بات کرنا مذہبی جرم ہے لیکن ابلیس خبیث بڑا مکار و فریبی ہے۔ اس نے معتزلہ کے نظریات کو شرک و بدعت کا لبادہ پہنا کر ایصال ثواب کی تمام مروجہ طریقوں کو روکنے کی ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے اور معتزلہ کے اصول وہابیت دیوبندیت ' نجدیت ' مودودیت کے روپ میں ابھار رہا ہے مثلاً عرس گیارہویں سالیانہ (جمعراتیں) قل ' تیجہ چہلم ' فاتحہ ' ختم وغیرہ یہ سب ایصال ثواب ہی تو ہیں صرف نام بدلے ہیں اور شرعی اصول ہے کہ نام بدلنے سے کام نہیں بگڑتا لیکن اللہ پناہ دے کہ ان امور کو مذکورہ بالا پارٹیوں کے سامنے ذکر کرو تو مسلمان کو یوں دیکھیں گے گویا یہ ان کے جانی دشمن ہیں لیکن کھانے کے بھی استاد ہیں کہ اگر ان امور سے منسوب اشیاء خوردنی

(جاء الحق [illegible])

سامنے لاؤ تو ہپ ہپ کر کے کھا جائیں گے ڈکار بھی نہ لیں گے۔ فقیر اویسی غفرلہ نے ان کے اصول "ابلیس تا دیوبند" میں لکھے ہیں۔ اور ایصال ثواب کی جملہ صورتوں پر علیحدہ علیحدہ کتب و رسائل لکھے ہیں یہاں مختصراً کچھ عرض کر دوں تاکہ ان پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ کی رحمت پر امید رکھنی چاہئے کہ ہمارے جانے والے مسافر کو رحمت حق نصیب ہو گی۔

تلقین قبر پر تلقین کے کلمات پڑھنا سنت ہے اگر کوئی صاحب قبر پر بیٹھ کر کلمات ذیل کہے تو میت کا بہت بڑا بھلا ہو گا۔

کلمات تلقین اذکر ماخرجت علیه من الدنیا شهادة ان لا اله الا الله وان محمد اعبده ورسوله (علیه الصلوة والسلام) ذالک رضیت بالله ربا وبالاسلام دینا وبمحمد علیه الصلوة والسلام نبیا وبالقرآن اماما یا فلاں بن فلاں اس جگہ میت اور ان کے والد کا نام یاد کر کے کہے قل لا الہ الا اللہ تین بار پھر کہا جائے قل ربی الله ودینی الاسلام ونبی محمد علیه الصلوة والسلام واعلم ان هذین الذین اتیاک اویاتیانک انما هما عبدان لله لا یضران ولا ینفعان الا باذن الله فلا تخف ولا تحزن واشهد ان ربک الله ودینک الاسلام ونبیک محمد علیه الصلوة والسلام ثَبَّتَنَا اللّٰه وایاک بالقول الثالت فی الحیوة الدنیا وفی الاخرة انه هو الغفور الرحیم

(اس عربی عبارت کے ترجمہ کی ضرورت نہیں اس لئے میت خواہ کسی ملک کا ہو قبر میں عربی سمجھتا اور بولتا ہے تفصیل فقیر کی کتاب "زیارت رسول اور قبر")

فائدہ اگر کلمات مذکورہ یاد نہ ہو سکیں تو قبر پر اذان پڑھ دیں یہی تلقین ہے اسے بھی مخالفین بدعت کے کھاتہ میں ڈالتے ہیں دلائل درکار ہوں تو فقیر کی کتاب "اذان بر قبر" کا مطالعہ کیجئے۔

قرآن خوانی ہم اہلسنت مردہ کے لئے قرآن خوانی پر بہت بڑا زور دیتے ہیں یہاں تک کہ قبر پر حافظ بٹھاتے ہیں

marfat.ocm

خود پڑھتے ہیں دوسروں سے ثواب تلاوت قرآن زیادہ سے زیادہ حاصل کرتے ہیں اسے بدعت کہنے والے کہتے رہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس طریقہ سے اہل قبر میں مالا مال ہو جاتا ہے۔ جس سے اس کی برزخی زندگی میں بہت بڑا سکون نصیب ہوتا ہے۔ جس کی ایک حکایت گزری ہے قرآن کی برکات میں ایسا ہونا لازمی امر ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ وھذا کتاب انزلناہ مبارکا اور اس کتاب کو ہم نے بابرکت بنا کر اتارا ہے۔ [illegible]

ختم قرآن کی برکتیں حضرت علامہ اسمٰعیل رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔ عن حمید الاعرج قال من قرأ القرآن وختمہ ثم دعا امن علی دعائہ اربعتہ آلاف ملک ثم لا یزالون یدعون لہ ویستغفرون ویصلون علیہ الی المساء اوالی الصباح (تفسیر روح البیان پ ۷ سورہ انعام) یعنی حضرت اعرج سے مروی ہے کہ جو شخص قران پاک ختم کرے اور پھر دعا مانگے تو اس کی دعا پر چار ہزار فرشتے آمین کہتے ہیں۔ اور پھر ہمیشہ اس کے لئے صبح و شام دعا کرتے ہیں اور دعا مغفرت مانگتے رہتے ہیں اور ایک حدیث پاک میں ہے کہ قرآن پاک کے ایک حرف کے پڑھنے سے دس نیکیاں ملتی ہیں اور الم ایک حرف نہیں بلکہ الف ایک حرف ہے۔ لام دوسرا حرف ہے اور میم تیسرا حرف ہے تو وہ شخص صرف الم پڑھے گا اس کو تیس نیکیاں ملیں گی۔ (الحدیث)

فائدہ اس حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ قران پاک پڑھنے کا بڑا ثواب ہے۔

۲۔ قران پاک پڑھنے کے بعد دعا قبول ہوتی ہے۔ اور چونکہ انسان کے مرنے کے بعد اس کے ایصال ثواب میں قرآن خوانی ہوتی ہے اور ختم شریف کے وقت قرآن شریف ہی پڑھا جاتا ہے لہٰذا اس وقت کی دعا میت کے حق میں مفید اور اس کی بخشش کا سبب بن جاتی ہے لیکن جس برادری کو اپنے مردے کو بخشوانے کا خیال تک بھی نہ ہو تو اس کا کیا علاج ہم تو ان مسلمانوں کو عرض کر رہے ہیں جو چاہتے ہیں کہ ہمارے مردگان قبور میں بخشے جائیں بلکہ ایسا ارام نصیب ہو کہ تا قیام قیامت پر سکون اور پر وقار رہیں اور وہ اپنے اعمال صالحہ سے ورنہ اہل میت قرآن خوانی وغیرہ سے مردے کی ڈوبتی ناؤ ترائیں۔

دلائل از احادیث مبارکہ چند دلائل صاحب روح البیان نے لکھے ان میں سے ہم صرف احادیث مبارکہ اور چند واقعات پر اکتفا کرتے ہیں۔

(باقی حاشیہ آگے)

marfat.ocm

۱۔ حضرت سعد رضی تعالیٰ عنہ بارگاہ رسالت ﷺ میں عرض کیا کہ میری ماں فوت ہو گئی ہے پس کون سا صدقہ بہتر ہے۔ آپ نے فرمایا "پانی" فحفر بئر لو قال ھذہ لام سعد پس حضرت سعد نے ایک کنواں کھدو لیا لور کہاکہ یہ کنواں سعد کی ماں کے لئے ہے (ابو داؤد ص ۲۳ مشکوۃ ص ۱۶۹)

۲۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے بارگاہ نبوی میں عرض کیا کہ میری والدہ اچانک فوت ہو گئی ہیں لور میراخیال ہے کہ اگر وہ کلام کرتیں تو صدقہ کی تلقین کرتیں۔ اب اگر آپ اجازت دیں تو میں ان کی طرف سے صدقہ کروں آپ نے فرمایا نعم تصدق عنہا ہاں تم ان کی طرف سے صدقہ کرو۔ (بخاری شریف ص ۳۸٦)

۳۔ حدیث شریف میں ہے من قرء الاخلاص احد عشر مرۃ ثم وھب اجرھا للاموات اعطی من الاجر بعد الاموات (رواہ دار عن انس بن مالک مرسلا۔ اویسی غفرلہ) یعنی جو شخص گیارہ بار سورہ اخلاص پڑھے اور پھر اس کا ثواب مردوں کو بخشے تو اس کو تمام مردوں کے برابر ثواب ملے گا۔ (درمختار و روح البیان تحت آیت وان لیس للانسان الخ پ ۲۷ رکوع ۲ سورہ نجم)

۴۔ حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا میں اپنے فوت شدہ والد کی طرف سے غلام آزاد کر سکتا ہوں فرمایا۔ "ہاں" (شرح الصدور ص ۱۲۹)

۵۔ ایک دفعہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کسی مرید کا رنگ اچانک متغیر ہو گیا آپ نے سبب پوچھا تو اس نے کہاکہ ابھی ابھی میں نے کشف کی حالت میں اپنی ماں کو دوزخ کی آگ میں جلتے ہوئے دیکھا ہے۔ حضرت جنید نے ایک ہزار بار کلمہ شریف کبھی پڑھا تھا۔ یہ سمجھ کر کہ بعض روایت میں اس قدر کلمہ کے ثواب پر مغفرت کا وعدہ کیا گیا ہے آپ نے جی ہی جی میں اس مرید کی ماں کو بخش دیا لور اسے اطلاع نہ دی تھوڑی دیر کے بعد آپ کیا دیکھتے ہیں کہ وہ نوجوان خوش لور بشاش ہے۔ آپ نے سبب پوچھا تو اس نے عرض کیا کہ اب میں نے اپنی ماں کو جنت میں دیکھا ہے اس پر آپ نے فرمایا کہ اس نوجوان کے مکاشفہ کی صحت تو مجھ کو حدیث سے معلوم ہوئی اور حدیث کی تصحیح اس کے مکاشفہ سے ہو گئی۔ (مظاہر حق ص ۳٦۸ ج ۱)

٦۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا جب جنت میں ایک درجہ بڑھاتا ہے تو بندہ عرض کرتا ہے کہ یا اللہ یہ درجہ مجھے کیسے ملا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

marfat.ocm

باستغفار ولدک تیرے درجے کی یہ بلندی تیری اولاد کے تیرے لئے استغفار کی وجہ سے ہے (شرح الصدور ص ۱۲۷)

[illegible]

فائدہ ان تمام روایات و حکایات سے ایصال ثواب کے فوائد و منافع واضح ہوئے انہیں مخالفین کے علماء نے بھی اپنی کتابوں میں لکھا ہے صرف نمونہ ملاحظہ ہو۔

۱۔ مولوی اسماعیل دہلوی لکھتے ہیں کہ "نہ پندارند کہ نفع رساں نیدن باموات بالطعام وفاتحہ خوانی خوب نیست چہ ایں معنی بہتر وافضل است" یعنی کوئی یہ خیال نہ کرے کہ مردوں کو طعام اور فاتحہ خوانی کے ساتھ نفع پہچانا اچھا نہیں کیونکہ یہ بات بہتر وافضل ہے (صراط مستقیم)

۲۔ مخالفین کے پیرو مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی فرماتے ہیں کہ "نفس ایصال ثواب ارواح واموات ہیں کسی کو کلام نہیں (اگر) اس میں بھی تحقیق وتعین کو موقوف علیہ ثواب کا سمجھے یا واجب فرض اعتقاد کرے تو ممنوع ہے اور اگر یہ اعتقاد نہیں بلکہ کوئی مصلحت باعث ہیئت کذائیہ ہے تو کوئی حرج نہیں (فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۱۱)

کھانا سامنے رکھ کر دعا مانگنا اور کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا یا دعا مانگنا یہ بھی جائز اور احادیث سے ثابت ہے۔

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں کچھ خرمے حضور ﷺ کی خدمت میں لایا اور عرض کیا حضور ﷺ دعائے برکت فرمائیں۔ ثُمَّ دَعَالِي فِيهِنَّ بِالْبَرَكَةِ پھر آپ نے دعائے برکت فرمائی۔ (مشکوۃ شریف ص ۵۴۲)

۲۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہ نے حضرت ام سلیم سے حضور ﷺ کی سخت بھوک کا حال بیان کیا تو انہوں نے جو کی چند روٹیاں پکائیں اور حضور ﷺ کے سامنے لاکر پیش کیں۔ حضور ﷺ نے ان روٹیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کیا اور ایک برتن میں سے گھی ان میں ٹپکایا اور پھر ان پر دعا کی قسم کے الفاظ پڑھے (مشکوۃ شریف ص ۵۴۷)

[illegible]

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر لشکر اسلام میں کھانا کم ہو گیا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے حکم دیا کہ جو بچا ہوا کھانا کسی کے پاس ہو لے آئے چنانچہ ایک دسترخوان پر روٹی اور کھجور

وغیرہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے جمع کی گئی فدعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالبرکتہ ۔ پس حضور ﷺ نے کھانے پر برکت کی دعا فرمائی۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۳۸)

عقلی دلیل سب جانتے ہیں کہ کھانا شروع کرتے وقت (جو کھانا کھانے والے کے سامنے ہی ہوتا ہے) بسم اللہ شریف پڑھنے کا حکم ہے (ملاحظہ ہو مسلم شریف و ابوداؤد شریف) اور بسم اللہ بھی قرآن پاک کی آیت ہے تو اگر کھانا سامنے رکھ کر قرآن پاک کی ایک آیت پڑھنی جائز ہے۔ تو چند آیات ملا کر پڑھنی بھی جائز ہیں۔ باقی رہا ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا ثبات تو اس کے لئے درج ذیل حدیث ملاحظہ ہو۔

حدیث شریف میں ہے۔ انہ کان اذا دعا جعل بطن کفیہ الی وجھہ (جامع صغیر للسیوطی) (جب حضور ﷺ دعا مانگتے تو ہتھیلیوں کو اٹھا کر چہرہ اقدس کی طرف لے جاتے۔

دن مقرر کرنا ایصال ثواب کے لئے تیسرا دن مقرر کر کے فاتحہ خوانی کا اہتمام کرنا یہ بھی جائز اور اسلامی احکامات کے عین مطابق ہے اور مخالفین دن مقرر کرنے کو جو ناجائز کہتے ہیں وہ قطعی طور پر غلط اور بے بنیاد ہے ایک بات خاص طور پر ذہن نشین رکھیں وہ یہ کہ ہمارے نزدیک دن مقرر کرنا نہ فرض ہے نہ واجب اور نہ ہی ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ دن مقرر کئے بغیر دوسرے دنوں میں ایصال ثواب نہیں کیا جا سکتا۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ ایصال ثواب اور فاتحہ خوانی جس دن بھی کر لی جائے جائز و روا ہے۔ البتہ دن اس لئے مقرر کر دیا جاتا ہے تاکہ لوگوں کو یاد رہے اور جمع ہونے میں سہولت ہو جیسا کہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ "رہا تعین تاریخ تو یہ بات تجربہ سے معلوم ہوئی ہے کہ جو امر کسی خاص وقت میں معمول ہو اس وقت وہ یاد آجاتا ہے اور ضرور ہو رہتا ہے نہیں تو سالہا سال گزر جاتے ہیں بھی خیال بھی نہیں ہوتا (فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۸)" اب دن مقرر کرنے کے جواز میں احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ حضرت شقیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کان عبداللہ ابن مسعود یذکرون الناس فی کل خمیس یعنی حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر جمعرات کے دن لوگوں کو وعظ فرمایا کرتے تھے۔ (بخاری شریف و مسلم شریف و مشکوٰۃ شریف)

۲۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ سے پیر کے دن روزہ رکھنے کا سوال کیا گیا تو

(باقی حاشیہ آگے)

marfat.ocm

(حاشیہ گذشتہ)

آپ نے فرمایا فیہ ولدت وفیہ انزل علی اسی دن میں پیدا ہوا ہوں اور اسی دن مجھ پر قرآن پاک اترنا شروع ہوا۔ (مسلم شریف و مشکوۃ شریف) ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ دن مقرر کرنا حضور ﷺ اور صحابہ کرام کی سنت ہے اور اس کا ناجائز یا شرک و بدعت کہنا انتہائی جہالت و بے دینی ہے۔

۳۔ حضرت ابوداؤد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا اکثروا الصلوۃ علی یوم الجمعہ یعنی جمعہ کے دن مجھ پر درود پاک زیادہ پڑھا کرو (ابن ماجہ)

۴۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عورتوں کی درخواست پر ایک دن مقرر کر کے انہیں وعظ و نصیحت فرمائی (بخاری شریف)

۵۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھے ہر مہینے میں تین دن پیر منگل اور بدھ کو روزہ رکھنے کا حکم دیا اور ایک روایت میں جمعرات، جمعہ، ہفتہ کے دنوں کا ذکر آیا ہے (ابو داؤد، مشکوۃ شریف، نسائی شریف) اور تمام فرائض و احکام اسلامی نماز، روزہ، حج، زکوۃ اور قربانی وغیرہ مقرر وقت پر ہی ادا کئے جاتے ہیں جس سے صاف طور پر ظاہر و واضح ہے کہ نیک کاموں کے لئے دن مقرر کرنا جائز ہے۔ اور جو لوگ دن مقرر کرنے کو ناجائز قرار دیتے ہیں وہ خود شادی کے دن مقرر کرتے ہیں۔ تبلیغی جلسوں کے دن مقرر کرتے ہیں سالانہ اجتماعات کے دن مقرر کرتے ہیں۔ مدرسوں میں امتحانات و تعطیلات کے دن مقرر کرتے ہیں جب وہ ایسے موقعوں پر خود دن مقرر کرتے ہیں تو تیجا شریف کے لئے دن مقرر کرنے کو وہ کیسے ناجائز قرار دے سکتے ہیں۔

انتباہ فقہائے کرام نے میت کے گھر کے کھانے اور دعوت کو بالاتفاق ناجائز قرار دیا ہے جیسا کہ اس سلسلے میں علامہ ابن ہمام کا فتویٰ "فتح القدیر" میں علامہ قہستانی کا فتویٰ 'جامع الرموز' میں حضرت ملا علی قاری کا فتویٰ "مرقات" میں 'علامہ طاہر بن احمد حنفی کا فتویٰ "خلاصۃ الفتاویٰ" میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا فتویٰ "مدارج النبوت" میں اور اعلیحضرت رضی اللہ عنہ کا فتویٰ "احکام شریعت" میں درج ہے کہ یہ دعوت نہ تیسرے روز میں جائز ہے نہ ساتویں دن اور نہ چالیسویں میں۔

جوابات ۱۔ دعوت خوشی میں ہوتی ہے غمی میں نہیں۔

۲۔ دعوت بالعموم دکھاوے کے لئے ہوتی ہے یا ضد بازی سے کی جاتی ہے۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

marfat.ocm

۳۔ بعض جگہ تیجا شریف میں یتیموں کے مال سے دعوت کے لئے کھانا تیار کرایا جاتا ہے جو قطعاً حرام ہے۔

۴۔ بعض جگہ ورثا موجود نہیں ہوتے اور ان سے اجازت بھی نہیں لی جاتی اور میت کے گھر دعوت کے لئے کھانا تیار کروا دیا جاتا ہے حالانکہ دوسروں کے مال میں بغیر اجازت کے تصرف کرنا جائز نہیں بعض جگہ قرض لے کر دعوت کی جاتی ہے کیونکہ برادری میں بے عزتی ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے پس فقہاء کرام نے ان وجوہات کو مد نظر رکھتے ہوئے اہل میت کے کھانے اور دعوت کو ناجائز اور مکروہ قرار دیا ہے اس سے بعض کم عقلوں نے سمجھ لیا کہ چونکہ تیجا شریف میں دعوت جائز نہیں لہذا تیجا کرنا سرے سے ناجائز و منع ہے حالانکہ یہ ایک ان کی صریح طور پر جہالت و حماقت ہے فقہائے نے صرف دعوت کو مکروہ و ناجائز قرار دیا ہے تیجا شریف کو نہ مکروہ کہا ہے اور نہ ہی اس سے منع کیا ہے پتہ نہیں مخالفین کے دماغوں میں گوبر بھرا ہوا ہے کہ یہ اتنی بات بھی نہیں سمجھ سکتے کہ تیجا اور چیز ہے اور اس میں دعوت کرنا اور چیز ہے اور فقہائے کرام نے دعوت سے منع کیا ہے۔ تیجا سے منع نہیں کیا اور اعلیحضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ بھی اس بات پر مبنی ہے کہ "تیجا شریف" ناجائز نہیں۔ دیکھئے عید والے دن لوگ کہیں جوا کھیلتے ہیں اور کہیں سینما دیکھتے ہیں کہیں ناچ تماشہ دیکھتے ہیں اور کہیں کھیل کود میں مشغول رہتے ہیں اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ چونکہ اس دن میں خلاف شرع کام ہوتے ہیں لہذا سرے سے عید کا منانا ہی حرام ہے تو جس طرح اس کی یہ جہالت ہے اسی طرح اگر کوئی تیجا شریف کو محض اس لئے ناجائز و حرام کہتا ہے کہ اس میں دعوت وغیرہ کا اہتمام کیا جاتا ہے جو شریعت نے خوشی میں رکھی ہے تو یہ اس کی حماقت ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنے چچا محترم حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایصال ثواب کیا چنانچہ "انوار ساطعہ" ص ۳۲ پر لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے امیر حمزہ کے لئے تین دن اور دسویں دن اور چالیسویں روز اور چھٹے مہینے اور بارھویں دن صدقہ دیا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جنہیں مخالفین اپنا رہبر و پیشوا تسلیم کرتے ہیں ان کا تیجا ہوا جس کا تذکرہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب نے اپنے ملفوظات ص ۸۰ میں اس طرح فرمایا ہے کہ تیسرے دن لوگوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ شمار سے باہر تھا۔ قرآن پاک کے ۸۱ ختم شمار میں آئے اور اس سے زیادہ بھی ہوں گے اور کلمہ طیبہ کا انداز نہیں۔

فائدہ جب حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے خود تیجا کیا ہے تو اس کو ناجائز و بدعت کہنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔

(حاشیہ ختم)

marfat.ocm

تفسیر صوفیانہ حضرت بقلی قدس سرہ نے فرمایا کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ صورت انسانیہ کے لئے نہیں مگر وہ جو کوشش کرے ان اعمال کے لئے جو ریاء و سمعہ سے پاک ہیں ان کا ثواب اسی کی طرف لوٹے گا یعنی درجات جنان نصیب ہوں گے وہ جو محض فضل الہی سے ہو گا کہ اسے مشاہدات و قربات حق نصیب ہوں گے تو یہ اس روح اور روحانی کے لئے ہوتا ہے جو اس صورت انسانیہ میں ہے جب اسے درجات الجنان نصیب ہوتے ہیں کہ جو کہ وہ اس کے اعمال صالحہ کی جزا ہے تو وہ اس سے نفع اٹھاتا ہے ساتھ اس کے کہ اس کی روح اللہ تعالیٰ کے فضل سے پاتی ہے وہ جو کہ کشف حجاب جمال سے متعلق ہے نیز انسان پر وہ لازم ہے جو انسان کے لائق ہے اعمال سے باقی رہا اللہ تعالیٰ کا فضل جیسے مشاہدہ و قرب حق تو وہ عطا کرتا ہے جس کے لئے چاہتا ہے جب کسی کو مشاہدہ حق نصیب ہوتا ہے اور وہ اس سے نفع حاصل کرتا ہے تو وہ اس کا کسی سے معاملہ نہیں بلکہ فضل ایزدی ہے جو اسے عطا ہوا اگرچہ یہ جتنا ہی اس سے نفع اٹھائے۔

فائدہ حضرت ابن عطار رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ انسان کی سعی میں سے ہے جس کی وہ نیت کرے اگر اس کی سعی رضائے رحمن کے لئے ہے تو اسے اللہ تعالیٰ رضوان عطا فرمائے گا اگر اس کی سعی ثواب و عطا اور اجر کے بدلہ لینے کے لئے ہے۔ تو اسے وہی ملے گا۔

فائدہ حضرت نصر آبادی نے فرمایا کہ انسان کی سعی سلوک میں نہ کہ طریق تحقیق میں جب محقق ہو جائے گا تو سعی خود بخود ہو گی نہ یہ کہ اسے سعی کرنی پڑے گی۔

سوال حضرت جامی رحمتہ اللہ علیہ کا شعر ذیل۔

سالکاں بے کشش دوست بجائے نرسند سالہا گرچہ دریں راہ تگ و پوئے کند

ترجمہ سالک دوست کشش کے بغیر منزل تک نہیں پہنچ سکتے اگرچہ سالہا سال اس راہ میں دوڑتے رہیں۔ تمہاری تقریر بالا کے خلاف ہے۔

جواب یہ شعر ہماری تقریر بالا کے منافی نہیں کیونکہ ہم تو کہتے ہیں جذبہ الٰہیہ کے بغیر سعی بے کار ہے ہاں ہم یہ ضرور کہتے ہیں کہ سعی کی نسبت سالک کی طرف ہے اور جذبہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے باقی رہا ان ہر دونوں کا منتہی تو وہ ہر دونوں اللہ تعالیٰ سے ہیں کیونکہ متحقق مسئلہ ہے کہ ہر ایک کی حرکات و سکنات اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔

فائدہ کبھی راستہ دو طرح ہوتا ہے جیسے حج کا رستہ دریائی بھی صحرائی بھی (اب تو تیسرا ہوائی بھی ہے) اور طریق حق صرف ایک ہے (المعیتہ الوحدانیہ کی حیثیت سے ورنہ طرق حق تو مخلوق کے سانسوں کے برابر ہیں بہر حال جو راستہ طے ہوگا اس پر وصل نصیب ہوگا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَھٰی اور بیشک تیرے رب کی طرف منتہی ہے لیکن وصل وصل میں فرق ہے جیسے آنکھ کی بینائی میں فرق ہے کہ کوئی تیز نگاہ کے مالک ہیں تو دور دور تک دیکھتے ہیں کوئی ضعیف البصر ہیں تو نزدیک سے بھی کم دکھائی دیتا ہے اگرچہ دیکھی ہوئی شے ایک ہو تب بھی دیکھنے والے کی قوت وضعف کو ضرور دخل ہے۔

فائدہ کبھی اللہ تعالیٰ سالک کو اس کے بعد بھی منزل مقصود تک پہنچاتا ہے کیونکہ اس سعی کا حاصل یہی تھا اس کی تحقیق اپنے مقام پہ گزری ہے ہم اللہ تعالیٰ سے غایت المطالب تک پہنچنے کا سوال کرتے۔ طفیل اس کے اسم واھب کے۔

تفسیر عالمانہ وَاَنَّ سَعْیَہٗ (اور بیشک وہ اپنی سعی کو) یعنی انسان کی سعی اس سے اس کا عمل مراد جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَنَّ سَعْیَکُمْ لَشَتّٰی (بیشک تمہارا عمل مختلف ہے) یہ اپنی خبر سے مل کر ماقبل کا اَنْ لَّا تَزِرُ وَازِرَۃٌ الخ معطوف الیہ ہے معنی یہ ہے کہ یہ تمام صحف میں مذکور ہیں۔

سوف یری عنقریب دیکھے گا یعنی اس کو پیش کیا جائے گا اور قیامت کے دن اس کے صحیفے (عمالنامہ) اور میزان کھل جائے گا۔

حل لغات اُرِیْتُ الشَّیْءَ بمعنی عرضتہٗ ہے یعنی وہ شے اس کے سامنے رکھ دی۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ سعی میں انسان کے کئی مراتب ہیں ہر مرتبہ کے مطابق سعی فی الحال وفی المآل پائے گا۔

۱۔ سعی کا پہلا مرتبہ مرتبۃ النفس ہے اس مرتبہ میں اس کی سعی مخالفات شرعیہ و موافقات طبیعہ سے نفس کے ساتھ تزکیہ کرنا کیونکہ علاج بالضد مفید ہوتا ہے اور اس سعی کا اثر اور نتیجہ ان جنات کا حصول جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور حور قصور اور غلمان ملیں گے جیسے قرآن میں متعدد مقامات پہ اس کا ذکر آیا ہے۔

marfat.ocm

۲۔ تصفیتہ القلب ظلمات بشریہ کی گرد و غبار اور کدورات طبیعہ کے پردوں سے اس سعی کا اثر و نتیجہ حب دنیا اور اس کی شہوات و لذات اور اس کے نقش و نگار کا جو اس کے اندر فوائد و مضار کے خیالات کا ترک۔

۳۔ سر کو صفات الہیہ و اخلاق ربانیہ سے سنگارنا اس کا اثر و نتیجہ تجلیات صفاتیہ و اسمائیہ کے شواہد کا حصول۔

۴۔ روح کا سنگارنا تجلیات ذاتیہ و مشاہدات حقانیہ سے اس کا اثر و نتیجہ اپنی انانیت کے فناء ہو۔ تہ احدیہ مطلقہ عن التقلید والاطلاق والا تقیید والاطلاق میں بقاء پانا۔

فائدہ حضرت واسطی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں اشارہ ہے کہ انسان اس لائق ہے کہ اس کی کوئی سعی قبول نہ ہو اور نہ ہی اس کی سعی پر کوئی اجر و ثواب ملے (اس کی تشریح) میں حضرت سہل رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو معلوم ہو گا کہ وہ اس لائق تھا کہ حق کی صلاحیت نہ رکھتا تھا اور اسے اب معلوم ہو گا کہ وہ کس وجہ سے اس کی سعی قبول ہوئی ہے وہ یہی ہے کہ اگر اسے فضل ربانی نصیب نہ ہو تا تو اپنی سعی کے ساتھ ہلاک و تباہ ہو جاتا۔

تفسیر عالمانہ ثُمَّ یُجْزٰٮهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰی (پھر وہ اپنی سعی پر جزا دیا جائے گا پوری جزاء) یعنی انسان کو اس کی سعی پر اس کے عمل کی جزاء ملے گی۔

حل لغات اہل عرب کہتے ہیں جزاہ اللہ بعملہ و جزاہ علی عملہ اور کبھی جر کا حرف حذف بھی کرتے ہیں اور الجزاء الاوفی بمعنی کامل اور پوری جزاء اگر نیکی ہو گی تو بھی جزائے خیر کامل ملے گی اگر برائی ہو گی تو بھی سزا کامل ملے گی اور الجزاء الاوفی مفعول مطلق نوعی ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت الوراق رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان لیس للانسان الا ما سعی بلندی کے لئے وان سعیہ سوف یری متوسط کے لئے ثم یجزاہ الاوفی منتہی کے لئے یاد رہے کہ منتہی کی دو نہایات ہیں۔

۱۔ باعتبار الفناء ۲۔ باعتبار البقاء

فناء میں جو جزاء نصیب ہوتی ہے وہ ہے شہود اور بقاء میں جو جزاء نصیب ہوتی ہے وہ ہے تربیتہ الجسد والوجود

marfat.ocm

لیکن ابتدائے سلوک میں مباحات کا ترک سے ہوتا ہے کہ مباحات مشروعہ جیسے خوراک اور پانی کی لذتیں اور لباس اور نکاح ایسے ہی دنیا اور اس کے اسباب کی معیشت مباحہ کا ترک عالم وحدت میں اس کے تحقق سے سالک کو عالم کثرت میں لوٹایا جاتا ہے لیکن عالم کثرت سے ضرر نہیں پہنچتا۔

تفسیر عالمانہ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى (اور بیشک تیرے پروردگار کی طرف منتہی ہے۔

حل لغات المنتہی مصدر بمعنی الانتہاء ہے یعنی خلق کا انتہا رجوع الی اللہ وقت یعنی موت کے بعد مستقلا اللہ تعالیٰ کی طرف ہی رجوع ہوگا نہ کہ کسی دوسرے کی طرف نہ مستقلاً نہ اشتراکاً وہی ان کے اعمال کی انہیں جزا دے گا۔

تفسیر صوفیانہ حقیقت یہ ہے ابتداء و انتہاء ہر حال میں ہی اللہ تعالیٰ کی طرف خلق کا رجوع ہے چنانچہ خود فرمایا الا الی اللہ تصیر الامور خبردار اللہ تعالیٰ کی طرف امور لوٹتے ہیں کیونکہ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ مثنوی شریف میں ہے۔

دست بربالائے دست ایں تاکجا تا بیزدان کہ الیہ المنتہی
کاں یکے دریاست بے غور و کراں جملہ دریاہا چو سیلے پیش آں
حیلہا و چارہا گر اژدہاست پیش الا اللہ آنہا جملہ لاست

ترجمہ ۱۔ ہاتھ کے اوپر کہاں سے کہاں ہیں اللہ تعالیٰ تک ہی اس کی انتہا۔
۲۔ ایک وہ دریا ہے جس کا کنارہ نہیں نہ گہرائی معلوم ہے تمام دریا اس کے آگے ایک معمولی سیلاب ہیں۔
۳۔ حیلے چارے سارے ختم وہ اژدہا ہے الا اللہ کے آگے لا ہے

فائدہ حضرت ابن عطاء نے فرمایا کہ جس کے لئے اس سے ابتداء اس کی انتہا بھی اس کی طرف ہوگی جب بندہ معرفۃ الربوبیت تک پہنچ جاتا ہے تو اس سے ہر فتنہ بھاگ جاتا ہے پھر اس کا اپنا کوئی ارادہ نہیں چلتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر اس کا ہر کام ہوتا ہے۔

فائدہ حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) سے پوچھا گیا کہ توحید کیا ہے فرمایا کہ اگر یہ عقیدہ ہو کہ ہر شے کا معلّل وہی

ہے جیسا کہ اس نے خود فرمایا هوالاول اسی سے ہی معلولات طلب کئے جاتے ہیں اسی سے ابتداء ہے اسی کی طرف انتہاء ہے معلولات سب چلی جائیں گی صرف معلّل بہارہ جائے گا۔

فائدہ بعض اکابر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر سب سے بڑی دلیل یہ ہے (اگر کسی کو کشف بھی نصیب نہ ہو تب بھی وہ یہ دلیل مانتا ہے) کہ جو فلاسفہ و ہیئت دان مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام علتوں کی علت ہے یہ توحید ذاتی ہے کہ اس سے اس کے ساتھ کسی شریک کا ماننا لازم نہیں آتا لیکن چونکہ یہ صفت شرع میں واقع نہیں ہوئی لہٰذا اس پر اس کا اطلاق ناجائز ہے (مثلاً کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ علتہ العلل ہے) ہم اس صفت سے پکاریں گے نہ اس پر اس کا اطلاق کریں گے اسے اچھی طرح سمجھ لے۔

تفسیر عالمانہ وانہ اور بیشک وہ اللہ تعالیٰ واحد لا شریک ہے۔ اضحک ہنسایا وابکیٰ اور رلایا

حل لغات الضحک بمعنی منہ کا کھل جانا اور سرور النفس سے دانتوں کا زیادہ ظاہر ہو جانا۔ ضحک کے وقت دانتوں کے ظاہر ہونے کی وجہ سے ان کے مقدمات کا نام بھی الضواحک ہے۔ البکاء (بالمد) حزن سے آنسو بہنا اور آواز کرنا۔ اگر رونے کی آواز زیادہ ہو تو اسے الرغاء کہا جاتا ہے اور اس طرح کے تمام صیغے (ابنیہ) صوت (آواز) کے لئے موضوع ہیں اور البکاء (بالقصر) اس وقت بولتے ہیں جب حزن زیادہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فلیضحکو قلیلا و یبکو کثیرا (چاہئے کہ تھوڑا ہنسیں اور زیادہ روئیں) اس میں فرح و سرور کی طرف اشارہ ہے اور بتایا گیا ہے کہ قہقہہ نہ ہو تو ضحک میں کوئی حرج نہیں اور گریہ بکثرت ہو اگرچہ اس میں آنسو نہ بہہ سکیں۔ (المفردات)

فائدہ معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ضحک اور گریہ کی قوت انسان میں پیدا فرمائی ہے اس سے سرور و حزن مراد ہے گویا فرمایا فرح و حزن اسی لئے کہ فرح میں ضحک اور حزن میں بکاء ہوتا ہے یا کم از کم اس میں فرحت نہیں ہوتی اور ضحک سے مراد یہ ہے کہ ایمان صالحہ سے بندے کو خوش فرماتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ ۱۔ اضحک بمعنی دنیا میں اہل نعمت کو ہنسایا اور ابکی بمعنی شدت و تکلیف میں زندگی بسر کرنے

marfat.ocm

والوں کو رلایا۔

۲۔ جنت میں اہل جنت کو ہنسائے گا اور نار میں اہل نار کو رلائے گا۔

۳۔ زمین کو انگوری سے ہنساتا ہے اور آسمان کو بارش سے رلاتا ہے۔

۴۔ درختوں کو انوار (بہار) سے ہنساتا ہے اور بدلوں کو بارش کے قطروں سے رلاتا ہے۔

۵۔ کاغذوں کو لکھائی سے ہنساتا اور اقلام کو سیاہی سے رلاتا ہے۔

٦۔ بندروں کو ہنساتا اور لونڈوں کو رلاتا ہے۔

۷۔ وعدہ سے ہنساتا اور وعید سے رلاتا ہے۔

۸۔ مطیع کو رضا سے ہنسائے گا اور عاصی کو غضب سے رلائے گا۔

۹۔ عارفین کے قلوب کو حکمت سے ہنسایا اور ان کی آنکھوں کو وعظ و عبرت سے رلایا۔

۱۰۔ قلوب اولیاء کو انوار معرفت سے ہنسایا اور اعداء کے قلوب کو غصہ کی ظلمات سے رلایا۔

۱۱۔ مستانسین کو موت کی نرگس اور قربت کی یاسمین اور شمائل جملی کی خوشبو سے ہنسایا اور مشتاقین کو رلایا اپنی عظمت و جلال کے ظہور سے۔

۱۲۔ اقبل علی الحق سے (سالک) کو ہنسایا اور مخالف کو حق کی روگردانی سے رلایا۔

۱۳۔ دانتوں کو ہنسایا اور جنان (قلوب) کو رلایا۔

۱۴۔ بالعکس یعنی قلوب کو ہنسایا اور دانتوں کو رلایا۔

کسی شاعر نے کہا۔۔۔۔

السن تضحک والاحشاء تحترق   وانما ضحکہا زور و مختلق
یا رب باک بعین لا دموع لہا   ورب ضا حکسّن تلبہ رمق

ترجمہ دانت ہنستے ہیں لیکن آنتیں جل کر راکھ ہو گئی ہیں اور اس کا ہنسنا محض مکر اور دھوکہ ہے۔ بہت سے رونے والے آنکھوں سے روتے ہیں۔ لیکن ان میں آنسو نہیں ہوتے اور بہت دانتوں سے ہنستے ہیں لیکن ان میں جان نہیں ہوتی۔

marfat.ocm

۱۵۔ تجلی لطف جمالی سے قلب منور کو لطف جمالی سے ہنساتا اور تجلی قہری جلالی سے نفس مظلم کو ظلمت قہر و جلال سے رلاتا ہے۔

۱۶۔ ہنساتا ہے نفس کو اس تجلی جلالی سے جو قلب پر پڑتی ہے وقت ظلمت نفس کے قلب پر اور رلاتا ہے قلب کو ساتھ اس تجلی جمالی کے جو نفس پر پڑتی ہے جب انوار قلب کا غلبہ نفس پر ہوتا ہے۔

مسئلہ آیت میں دلیل ہے کہ جو عمل بھی انسان کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی قضاؤ تخلیق سے ہوتا ہے یہاں تک کہ ہنسنا اور رونا بھی۔

حدیث شریف ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک ایسی قوم پر گزر ہوا جب بہت ہنس رہے تھے آپ نے فرمایا اگر وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم بہت روتے اور تھوڑا ہنستے اس کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہی ہنساتا رلاتا ہے۔ پھر جبریل علیہ السلام ان لوگوں کی طرف لوٹے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں ابھی چالیس قدم نہیں چلا تو جبریل علیہ السلام میرے ہاں آئے اور عرض کی کہ آپ ان لوگوں کے ہاں تشریف لے جاکر فرمایئے کہ وہی ہنساتا رلاتا ہے۔

کیا ملائکہ ہنستے بھی ہیں؟ حضرت طاہر المقدسی سے سوال ہوا کہ کیا ملائکہ ہنستے بھی ہیں فرمایا عرش کے نیچے والے اس وقت سے نہیں ہنستے جب سے اللہ تعالیٰ نے دوزخ پیدا فرمائی ہے۔

حدیث شریف سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ کیا حضور سرور عالم ﷺ کے صحابہ ہنستے بھی تھے فرمایا ہنستے تھے لیکن ان کے ایمان مضبوط پہاڑوں سے بھی مضبوط تر تھے۔

حدیث شریف حضرت سماک بن حرب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ رسول اللہ ﷺ کی مجلس پاک میں کبھی بیٹھتے تھے فرمایا ہاں پھر فرمایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مجلسوں میں اشعار بھی پڑھے جاتے اور جاہلیت کی یادیں بھی ہوتی تھیں ان کو یاد کر کے صحابہ کرام ہنستے تھے اور جب وہ ہنستے تو حضور سرور عالم ﷺ تبسم فرماتے۔

حکایت حضرت یحییٰ و عیسیٰ علیہم السلام کی ملاقات ہوئی تو عیسیٰ علیہ السلام نے یحییٰ علیہ السلام کے سامنے

marfat.ocm

تبسم فرمایا یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا میں تجھے لاپرواہ پاتا ہوں کیا آپ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے امن میں ہیں اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ کو تیوری چڑھائے دیکھتا ہوں کیا آپ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہیں فرمایا ہم دونوں اپنے موقف پر ہیں۔ یہاں تک کہ وحی کا جو حکم ہو گا اس پر عمل ہو گا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی طرف وحی فرمائی کہ میری تم دونوں میں محبت ہے کہ تم میرے ساتھ نیک گمان رکھتے ہو۔

فائدہ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ میں تم سے طلق بسام خوش اور راضی ہوں۔

فائدہ حضرت حسن نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ابن آدم تو ہنس رہا ہے حالانکہ تیرا کفن تیرے لئے دھوبی کے پاس دھلائی کے لئے جا چکا ہے۔

حکایت حضرت نوح علیہ السلام سیدنا نوح علیہ السلام تین سو سال روئے صرف اس بات سے کہ اپنے بیٹے کے لئے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا ان ابنی من اھلی بیشک میرا بیٹا میرے اہل سے ہے۔

فائدہ حضرت کعب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے میں آنسو بہاؤں میرے لئے وہی بہتر ہے کہ میں سونے کا پہاڑ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لٹاؤں۔

نسخہ روحانی بہتر گریہ قلب کا ہے نہ صرف آنکھوں سے آنسو بہانا۔

براں از دو سر چشمہ دیدہ جوئے ور آلائشے داری از خود بشوئے

ترجمہ سر کی آنکھوں کے چشمہ سے پانی بہا اگر آلائش رکھتا ہے تو اسے خود دھو۔

"امات واحیا" (اس نے مارا اور جلایا) اس کے سوا کوئی مارنے اور جلانے کی قدرت نہیں رکھتا نہ تخلیقاً نہ کسباً" اور قاتل کا کام صرف جسمانی بنیاد کا توڑنا اور اس کے اتصال کو متفرق کرنا ہے مقتول کی موت دراصل اللہ تعالیٰ کے فعل سے ہے جیسے زندوں کو موت دینے کے لئے اس کا طریقہ ہے خلاصہ یہ کہ انسان (قاتل) کا کام انسانی ڈھانچہ کو توڑنا ہے یہ کام بندے کا ہے ورنہ اماتت (مارنا) اللہ تعالیٰ کا کام ہے خلاصہ یہ کہ احیاء اماتت پر صرف وہی اللہ تعالیٰ قادر ہے کسی کو مارتا ہے تو ہی جب اس کا وقت آجاتا ہے اور دنیا میں رہنے کے اوقات اس کے ختم ہو جاتے ہیں اور قبر میں بھی وہی زندہ کرتا ہے یا یہ کہ موت کے اسباب وہی تیار فرماتا ہے اور حیات کے بھی۔

marfat.ocm

تفاسیر اماتت واحییٰ ۱۔ علماء کرام نے فرمایا کہ معنی یہ ہے کہ کافروں کو اجنبیت (اللہ تعالیٰ کی معرفت سے محرومی) کی موت سے مارا اور اہل ایمان کو معرفت سے زندہ کیا۔

۲۔ بعض نے کہا کہ یہاں موت سے جہل اور علم سے حیات مراد ہے۔

۳۔ بعض نے فرمایا موت سے بخل اور حیات سے جود و سخا مراد ہے۔

۴۔ بعض نے کہا موت سے عدل و فضل اور حیات سے منع و اعطاء مراد ہے۔

۵۔ بعض نے کہا موت سے قحط اور حیات سے خوش حالی۔

۶۔ بعض نے کہا اماتت سے آباء کی موت اور احیاء سے اولاد کی عطاء۔

۷۔ بعض نے کہا اس سے ایقاظ بیدار کرنا اور انام (نیند دینا)

۸۔ بعض نے کہا اس سے نطفہ اور نسمہ نطفہ سے اولاد کی طرف منتقل کرنا مراد ہے۔

۹۔ محققین نے فرمایا کہ موت سے ہیبت اور حیات سے انس۔

۱۰۔ بعض نے کہا موت سے استتار اور حیات سے تجلی مراد ہے۔

۱۱۔ امام قیشری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نفوس زاہدوں کو آثار مجاہدات سے مارا اور قلوب عارفین کو انوار مشاہدات سے زندہ کیا۔

۱۲۔ فناء فی اللہ کی موت دے کر بقاء باللہ کا پیالہ پلایا۔

۱۳۔ نفس شہوات جسمانیہ اور نعرات حیوانیہ سے مارا اور قلب کو صفات روحانیہ و اخلاق ربانیہ سے زندہ کیا۔

۱۴۔ نفس کو قلب کے غلبہ سے مار کر قلب کو زندہ کیا۔

۱۵۔ قلب کو استیلائے نفس سے مار کر پھر اسے (قلب کو) زندہ کیا۔

فائدہ یہ مختلف احکام اس وقت تک ہیں جب قلب مقام تلوین میں ہو۔ جب قلب ترقی کر کے مقام اطمینان و تمکین میں پہنچتی ہے تو پھر وہ نفس سے مغلوب نہیں ہوتی بلکہ اس کے بعد نفس ہمیشہ کے لئے اس سے مغلوب رہتا ہے یہاں تک کہ نفس بامر ربی قلب کے قہر کے تحت مر جاتا ہے۔

نکتہ فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ۔

marfat.ocm

۱۔ اماتت کو احیاء پر مقدم کرنا فاصلہ کی رعایت کے لئے ہے۔

۲۔ نیز اشارہ ہے کہ نطفہ (عدم) پہلے اور نسمہ (وجود) بعد کو ہے۔

۳۔ نیز قلب کی قلب اس کی حیات سے پہلے ہے۔

۴۔ جسم کی موت قبر حیات سے پہلے ہے۔

۵۔ تقدیم الموت میں قہر کے اثر کے اظہار میں عجلت کی گئی تاکہ مخاطبین کو انتباہ ہو۔

۶۔ عدم وجود سے پہلے ہے۔

۷۔ وجود کا فنا عدم ہے اسی لئے دو موتوں کے درمیانی حیات پر دھوکہ نہ کھانا چاہیے اور اس وجود کے قریب میں نہ آئیے جو دو عدموں کے درمیان میں ہے (اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے)

تفسیر عالمانہ وانہ اور بیشک اسی اللہ تعالیٰ نے خلق الزوجین (دو جوڑے پیدا کئے) انسان سے دو صنف (مرد۔ عورت) پیدا کئے۔ بعض تفاسیر میں ہے کہ ہر حیوان سے دو صنف پیدا کئے۔

فائدہ یاد رہے کہ ہر حیوان نطفہ سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ بعض صرف ہوا سے پیدا ہوتے جیسے مرغی کا انڈا جو مرغی سے پیدا ہوا ہے۔ یہ دراصل مرغ کی ہوا سے پیدا شدہ ہے کیونکہ مرغ کی منی نہیں بلکہ مرغی سے جفتی کے وقت اس کی رحم میں ہوا ابھرتا ہے۔

اذا تمنی (جب ڈالا جائے) رحم ڈالا جائے یعنی منی رحم میں ڈالی جائے۔

فائدہ آدم و حوا و عیسیٰ علی نبینا و علیہما السلام اس سے مستثنیٰ ہیں۔

حل لغات یہ اَمۡنٰی یمنی امناء سے ہے بمعنی منی لانا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا افرایتم ماتمنون توکیا تم نے دیکھا وہ جو تم منی لائے ہو) القاموس میں ہے کہ منی و امنی کا ایک ہی معنی ہے یا تمنی کا معنی ہے وہ بچہ جو مقدر کیا جائے گا یہ مناہ اللہ بمعنی قدرہ اللہ تعالیٰ نے اسے مقدر فرمایا اس لئے کہ ہر نطفہ بچہ مقدر نہیں ہوتا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا زوج یعنی روح کو اس لئے کہ روح میں صفات فاعلیہ

ہیں اور پیدا زوجہ یعنی نفس کو کیونکہ یہ صفت انفعالیت سے موصوف ہے تاکہ حاصل ہو قلب کو روح و نفس کے مقدمہ سے نتیجہ صادقہ صالحہ واسطے مطالب دنیویہ واخرویہ کے نطفہ سے جو واقع ہونے والا یعنی ٹھہرنے والا ہے رحم ارادہ ازلیہ میں اذا تمنی جب متحرک ہوا ٹپکا رحم ارادہ ازلیہ قدیمہ میں اور جب مقدر کرنے والے نے حکمت بالغہ سے اسے مقدر کیا۔

نکات ۱۔ الذکر مقدم ہے محض فاصلہ کی وجہ سے۔

۲۔ شرف ربی (کہ مذکر مؤنث سے اشرف ہے) اگرچہ عالم کی اصل انوثت (مونث) ہے اسی لئے اس کے تمام میں اسی نے سرایت کیا ہوا ہے۔

۳۔ عورت میں حسن کا جلوہ بہت ہے اسی لئے وہ (مرد) اکابر کی محبوب ہے یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنت شعیب علیہ السلام سے نکاح کے لئے خود کو دس سال تک مزدور بننا قبول فرمایا بلکہ جماع کے وقت بہت سے بڑے بڑے بادشاہ بھی عورت پر ساجد (سجدہ گزار کی ہیئت میں پڑے ہوتے ہیں)

۴۔ جملہ عوالم کو نکاح صوری و معنوی ضروری ہے اسی لئے نصف مخلوق مذکر اور نصف مونث ہے اگر چاہو تو اسے یوں تعبیر کرو کہ نصف فاعل ہے اور نصف قابل اور انسان ان دونوں حقیقتوں کے درمیان برزخ ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاَنَّ عَلَیۡہِ اور بیشک اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم ہے النَّشۡاَۃَ الۡاُخۡرٰی پیچھا اٹھانا یعنی دوسری تخلیق یعنی موت کے بعد زندہ کرنا اپنے وعدہ کو پورا کرنے پر اس کا یہ معنی نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ پر واجب ہے جیسا کہ لفظ علٰی کے ظاہر سے وہم پڑتا ہے۔

نکتہ آیت میں تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ وہ آخرت میں جزاؤ سزا کے لئے اٹھائے اور مومن کو بھی اسی لئے کمال لائق تک تدریجاً پہنچایا اگر وہ اسے اس دنیا میں جزاؤ سزا دے تو دنیا تو تنگ جگہ ہے وہ تو صرف ایک ہی جزاؤ سزا تک ختم ہو جائے گی پھر باقی جزاؤ سزا اسے کس علاقہ میں ملے۔

سبق جو اپنے اعمال و احوال کی جزا اسی دنیا میں طلب کرتا ہے وہ بہت بڑا کرتا ہے بلکہ بارگاہ حق کا بے ادب ہے اور اس جگہ میں اسے عمل میں لانے والا ہے جو اس کی حقیقت ہیں۔ ہاں جب کوئی بندہ اپنی عبودیت میں استقامت

marfat.ocm

دکھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا نتیجہ اسے دنیا میں دکھلوے یا کوئی اس کو کسی کرامت سے نواز دے تو ادب یہی ہے کہ وہ اسے قبول کرے اگر وہ حظوظ کے شوائب سے پاک ہو۔

سبق بھلائی اسی میں ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لئے چاہے۔

فائدہ نشاۃ الاخری کمال فناء صوری پر مرتب ہے ساتھ استعداد اور قبول الروح کی تیاری کے ایسے ہی نشاۃ اخری معنوی یعنی بقاء اور صفات الٰہیہ سے موصوف ہونا موقوف ہے تمام فناء معنوی اور اوصاف بشریہ سے بالکل خالی ہو جانے پر ساتھ استعداد اور قبول الفیض کی تیاری کے۔ خلاصہ یہ کہ دونوں نشائتوں میں صحت المزاج کا ہونا ضروری ہے کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جب جنین (بچہ) ماں کے پیٹ میں فاسد ہو جائے تو گر جاتا ہے بلکہ جب رحم میں فساد ہو تو وہ علوق (نطفہ) کو قبول ہی نہیں کرتی۔

فائدہ اسی النشاۃ الاخری کی طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اشارہ فرمایا کہ ملکوت السموت میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک کہ کوئی دوبارہ ولادت نہ پائے اور ملکوت السموت سے ان کے حقائق و اسرار و انوار مراد ہیں اس معنی پر ہی ہر نبی وولی انہی حقائق و اسرار و انوار کا وارث ہے اور یہ ولوج (دخول) و ولادت ان سب کے لئے متحقق ہے۔[1]

تفسیر عالمانہ وانہ اغنیٰ اور بیشک اس نے غنی کیا یعنی لوگوں کو مال دے کر غنی کر دیا۔

واقنی اور قناعت دی (یعنی قنیہ عطا کیا۔ القنیہ بمعنی وہ اصل بنایا جائے مال سے اور ذخیرہ کیا جائے بایں طور کہ اس سے ثمر حاصل کرنے اور اس کے بڑھنے کی وجہ سے اس کی حفاظت کا ارادہ کیا جائے کہ کہیں وہ ملکیت سے نکل نہ جائے کہاوت کے طور کہا جاتا ہے۔

تقتنی من کلب سوء جروا

حل لغات عربی کہتے ہیں قنوت الغنم وغیرہا وقنیتہا قنیۃ وقنیہ جب کوئی اسے اپنے لئے ذخیرہ بنا

---

[1] یہ ہیئت وہابیوں دیوبندیوں اور ان کے ہمنوا فرقوں کو نہ صرف قبول ہے بلکہ اس کے لٹو ہیں جبکہ وہ محبوبان خدا کے ہاتھ پاؤں چومنے اور نیاز مندی کو شرک کہتے ہیں لیکن جماع کے وقت عورت کے آگے سجدہ ریزی کے وقت توحید کا کیا بنتا ہو گا۔ (واللہ اعلم)

marfat.ocm

کر رکھے اس سے تجارت کا ارادہ نہ ہو (تاج المصادر میں ہے کہ الاقتناء بمعنی سرمایہ دنیا خوشنود کرنا

تفاسیر ۱۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اغنی بمعنی لوگوں کا کفایت اور اموال سے غنی کیا اور اقنی بمعنی اعطی القنیۃ یعنی وہ چیزیں جو کفایت کے بعد ذخیرہ کرتے ہیں۔

۲۔ الضحاک نے کہا غنی کیا ساتھ سونے چاندی اور کپڑوں اور مسکن سے اور بے نیاز کیا ساتھ اونٹوں افضل واشرف ہیں۔

۳۔ اقنٰی بمعنی ارضی یعنی اس نے تمہیں راضی کرنے کی استعداد ذخیرہ کے طور دی۔

۴۔ زیادہ موافق آیات مشتملہ یہی ہے اور صنعۃ الطباق کا تقاضا بھی ہے کہ یہاں پر اغنی بمعنی افقر ہو یعنی تنگ دست بنایا۔ اس معنی پر اقنی کا ہمزہ سببیہ ہوگا بمعنی ازالہ القنیۃ جیسا کہ المفتی السعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

فائدہ سیدنا جنید قدس سرہ نے اسی کو اختیار فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ بعض کو غنی بنایا اور بعض کو فقیر تنگدست۔

تفسیر صوفیانہ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قلب سلیم (جو دین حق پہ ثابت قدم ہے کو فیض سے مستفیض فرماتا ہے جیسے حضور سرور عالم ﷺ کی دعا ہے۔

اللھم ثبت قلبی علی دینک (اے اللہ اپنے دین پر میرے قلب کو ثابت رکھ)

فائدہ قلب پر فیض الٰہی کے ابقاء کا یہ معنی ہے کہ وہ اس فیض الٰہی سے محروم نہ ہو اور کسی وقت نفس لمارہ بالسوء کی ظلمت کے غلبہ سے مضمحل نہ ہو جائے کہ نفس اس پر قبضہ جمالے کیونکہ فیض الٰہی سے وہ قلب متمکن ہے اور تلون سے محفوظ ہے ہاں قلب متلون میں چونکہ تمکن نہیں ہوتا اسی لئے بعض اوقات ظلمت النفس سے مکدر ہو جاتی ہے اور اسے جو فیض الٰہی نصیب ہوتا ہے اس سے زائل ہو جاتا ہے یہی اقنی کا معنی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے قلب میں اس نور کو بطریق ذخیرہ کے رکھا ہے۔

مسئلہ آیت سے ثابت ہوتا ہے اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے اموال واسباب کی ذخیرہ اندوزی جائز ہے ہاں بیکار اشیاء کو باقی مباح نہیں جیسے بلافائدہ کتے پالنا گھر میں چھوڑنا۔

marfat.ocm

مسئلہ کھیتی اور جانوروں (بھیڑ بکریوں) کی حفاظت کے لئے کتا رکھنا جائز ہے (ریچھ کے ساتھ لڑانے اور دوڑانے و دیگر فضول امور کے لئے کتا پالنا حرام ہے تفصیل دیکھئے (حقوق جانوراں)[1]

فائدہ نفس امارہ باؤلے کتے سے بھی سخت تر ہے۔ روح نامی کو باقی رکھنے کے لئے نفس امارہ کی پرورش ہے بدترین کلام ہے اس میں کسی قسم کی بھلائی نہیں ہے تمہیں مرتبہ نفس اور طبیعت کا علم نہیں کہ وہ اس روح کے ساتھ کب باقی رہ سکتے ہیں اور نہ ہی نشاۃ جنانیہ میں انسان کامل کے ساتھ ان اشیاء کا گزارہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جنان تو ایسے ہے جیسے خوشبو کی رکھوالی اور باغ باغیچہ کی حفاظت کی جاتی ہے کیونکہ جنان میں صرف روح طیب اور جسد نظیف ہی رہ سکتا ہے اور بس۔

تفسیر عالمانہ وَاَنَّهٗ رَبُّ الشِّعْرٰى اور بیشک وہ شعری (ستارہ) کا رب ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان کے معبود کا بھی رب ہے اسی لئے تمہیں چاہیئے کہ رب کی عبادت کرو نہ کہ مربوب کی۔

تحقیق الشعری شعری ایک روشن ستارہ ہے جو جوزاء کے پیچھے ہوتا ہے اسے عبور (بالمہملہ) بروزن صبور بھی کہتے ہیں اور یہ غمیصاء سے زیادہ چمکدار ہے۔

فائدہ الغمیصاء بالغین المعجمہ المضمومہ وفتح المیم اوالصاد المہملہ۔ یہ دو شعریوں کا ایک ہے یاد رہے کہ شعری دو ہیں۔

۱۔ شعری یمانیہ اسے الشعر العبور کہتے ہیں ۲۔ شعری شامیہ اسے شعری غمیصاء کہتے ہیں۔ ان کے درمیان المجرہ فاصل ہے۔ اہل عرب کا خیال ہے کہ یہ دونوں شعریاں سہیل کی بہنیں ہیں اور یہ تینوں اکٹھے تھے۔ سہیل نے یمن کو جانے کا ارادہ کیا تو عبور اس کے پیچھے چل پڑی۔ المجرہ کو عبور کر کے سہیل سے جا ملی (اسی لئے اسے العبور کہا جاتا ہے) لیکن غمیصا اپنی جگہ پر ٹھہر کر سہیل کی جدائی سے روتی رہی یہاں تک کہ اس کی انکھوں کا نور کمزور پڑ گیا اسی وجہ سے اس کی چمک عبور سے کم ہے (اسی لئے اسے غمصاء کہا جاتا ہے) الغمص فی العین وہ آنکھ سے رمص بہتی ہے۔ غمصت (بالکسر) عینہ غمصا شعری۔

شعری کا پجاری شعری (العبور) کو قبیلہ خزاعہ پوجتا تھا اس کی پرستش کی رسم ابو کبشہ نے ڈالی تو قریش کا ایک

---

[1] (تصنیف فقیر اویسی غفرلہ)

marfat.ocm

سردار (لیڈر) تھا اپنی قوم کو کہا کہ دوسرے ستارے آسمان تو عرض میں طے کرتے ہیں لیکن یہ ستارہ طول میں طے کرتا ہے اس کی نظیر ستاروں میں نہیں اسی لئے یہ پرستش کے لائق ہے۔ چونکہ اسی ابو کبشہ نے پرستش میں قریش کی مخالفت کی یعنی پتھروں کے بجائے ستارہ کی پوجا کی اسی لئے وہ ان کا مخالف ٹھہرا تو اس مناسبت سے وہ حضور نبی پاک ﷺ کو ابن ابی کبشہ کہتے تھے اس اعتبار سے نہیں کہ آپ کی نسبت کا تعلق ابو کبشہ سے ہے اگرچہ یہ نسبی کے لحاظ سے صحیح ہے لیکن ان کا اپ کو ابن ابی کبشہ (آپ کی امہات کے اجداد میں سے تھا) اس لئے کہتے کہ وہ بھی ان کا بت پرستی میں مخالف تھا کہ اس نے پتھروں کی پرستش ترک کردی تو آپ نے بھی پتھروں کی مخالفت کر کے ایک لاشریک خدا کی عبادت کی۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ شعری نفس ہے اس کا نام کلب الجبار ہے اس کی پرستش خزاعہ نے کی یعنی اہل ہوا (خواہشات کے بندے) اور ابو کبشہ یعنی اہل البدع فلاسفہ و زنادقہ میں سے۔

تفسیر عالمانہ وَاَنَّهٗۤ اَهۡلَكَ عَادَ اِۨلۡاُوۡلٰی اور بیشک اس نے ہلاک کیا پہلی قوم عاد کو۔ اس سے ہود علیہ السلام کی قوم مراد ہے جو تیز آندھی سے تباہ ہوئی اور اور عاد الاخری ارم تھی بعض نے کہا الاولیٰ بمعنی القدماء کیونکہ نوح علیہ السلام کی قوم کی بربادی کے بعد یہی سب سے پہلے تباہ و برباد ہوئے۔ یعنی یہاں عاد سے جملہ وہ لوگ مراد ہیں جو عاد بن ارم بن عوص بن سام بن نوح علیہ السلام سے منسوب ہیں اور انہیں اولیت سے موصوف کرنے میں عاد اخیرہ سے احتراز مطلوب نہیں بلکہ ان سے پہلے زمانہ میں پہلے ہلاک ہونے کی وجہ سے ہے جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے کہ نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد تمام قوموں میں سب سے پہلے یہی لوگ ہلاک ہوئے۔

فائدہ التکملہ میں ہے کہ الاولی سے عاد کو موصوف کرنے میں دلیل ہے کہ قوم عاد اور بھی تھی اولی تو عاد بن ارم یعنی قوم ہود ہے اور دوسری ان کی اولاد ہے جن کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اریحاء میں جنگ کی یہ ہزیلہ بنت معاویہ کی نسل سے ہیں اور یہ وہی ہریلہ ہے جس نے قوم عاد سے مع الابناء نجات پائی اس کے بناء کے نام یہ ہیں۔

۱۔ عمر ۲۔ عمرو ۳۔ عامر ۴۔ عتید اور الہریلہ عمالیق میں سے تھی۔

وثمود اور ثمود کو اس کا عطف عاد پر ہے کیونکہ اس کا مابعد اس پر عمل نہیں کر سکتا اس لئے ما نافیہ کا قاعدہ یہی ہے کہ وہ اپنے ماقبل پر عمل کرنے سے روکتا ہے ثمود سے قوم صالح (علیہ السلام) مراد ہے جسے اللہ تعالیٰ نے صیحہ (چنگاڑ

marfat.ocm

سے تباہ کیا)

فما ابقی (تو) فریقین میں سے کسی کو (نہ بچایا) یہ بھی جائز ہے کہ کہا کہ ان پر کسی کو باقی نہ رکھا۔

فائدہ اس معنی پر یہاں ابقاء معنی الترحم بخشودن (بخشانا) ہے (یعنی ان پر رحم نہ کیا) اور یہ بھی سچ کہ وہ رحم کے قابل نہیں ہے کیونکہ وہ اہل غضب ہے اور وہ اہل لطف ہوتا ہے نہ کہ اہل قہر پر۔

فائدہ اس میں تربیت کی طرف اشارہ ہے کہ پہلے ان کو نرمی سے سمجھایا گیا پھر عتاب سے پھر عقاب سے اس طرح سے کوئی نہ سمجھے تو اسے تنبیہہ کی جائے پھر ازالہ پھر اہلاک یعنی تباہی و بربادی۔ یہی اللہ تعالیٰ کا طریقہ رہا اور ہے کہ مخلوق کو اسی ترتیب سے سمجھاتا ہے۔

سبق بندوں پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنے غلاموں، نوکروں اور لونڈیوں اور خدمت گاروں کو یونہی تنبیہہ کریں اور اسی طرح ان کی نگرانی کریں۔

وقوم نوح اور قوم نوح (علیہ السلام) اس کا عطف بھی اسی پر ہے۔

من قبل ان سے پہلے یعنی عاد و ثمود کے ہلاک و تباہ کرنے سے پہلے۔

انہم بیشک تھے وہ نوح علیہ السلام کے لوگ (قوم)

کانوا ھم اظلم بہت زیادہ ظلم اپنے نبی علیہ السلام کے لئے۔

واطغیٰ اور زیادہ سرکش بہ نسبت ان دوسرے دو گروہوں کے کیونکہ نبی (نوح) علیہ السلام کو بہت زیادہ اذیت پہنچاتے اور لوگوں کو ان سے متنفر کرتے تھے اور اپنے بچوں کو ڈراتے تھے کہ وہ ان کی کوئی بات نہ سنیں اور وہ ظالم حضرت نوح علیہ السلام کو بہت سخت ضرر پہنچاتے یہاں تک کہ ان کی مارپٹائی سے آپ کی کوئی حس و حرکت باقی نہ رہتی اور نہ ہی اپ کی کوئی بات ان پر مؤثر ہوئی۔ حالانکہ آپ نے قوم کو تقریباً ایک ہزار سال نصیحت فرمائی۔ آپ پر محض چند افراد ایمان لائے۔

باسیہ دل چہ سود گفتن وعظ
نرود میخ آہنیں در سنگ

ترجمہ سیاہ دل کو وعظ سنانے کا کیا فائدہ سخت پتھر میں لوہے کی میخ داخل نہیں ہوتی۔

تفسیر صوفیانہ اس میں صفات قلب کی تباہی کی طرف اشارہ ہے کہ جب تک وہ سفینہ توحید میں جاگزیں نہ ہو اس کا یہی حال ہوتا ہے ایسے لوگ مذبذب ہوتے ہیں اور قلب و نفس کے درمیان میں پھرتے رہتے ہیں مشاہدہ کثرت سے یہ لوگ قلب پر ظلم کرتے رہتے ہیں بلکہ وہ نفس اور اس کی صفات کی طرف میلان کی وجہ قلب کے طاغی و باغی ہوتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ والمؤتفکۃ اور الٹی بستی کو۔ اس سے قوم لوط علیہ السلام کی بستیاں مراد ہیں۔

حل لغات ائتفکت باھلھا بمعنی لعم یعنی (بستیوں نے اپنے مکینوں کو الٹ دیا یہ منصوب ہے اس کا عطف عاد ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے الٹی ہوئی بستیوں کو تباہ و برباد کیا بعض نے کہا یہ اھوٰی کے مفعولیت کی وجہ سے منصوب ہوئی ہے یعنی ان بستیوں کو اللہ تعالیٰ نے الٹا کر کے گرایا بعد اس کے کہ انہیں جبریل علیہ السلام کے پروں کے ذریعے آسمان کی طرف اٹھایا۔ اھواء بمعنی نیچے گرانا۔ پھینکنا۔ الزجاج نے فرمایا کہ انہیں جہنم میں گرایا۔

فغشاھا ما غشا (تو ان پر چھایا جو کچھ چھایا) قسم و قسم کا عذاب۔ حضرت کاشفی رحمتہ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ کیا کہ ان شہروں کو پہنایا جو کچھ پہنایا۔

فائدہ اس میں وہ تہویل و تفظیع ہے جس کا نہ اندازہ ہو سکتا ہے نہ غایت و انتہا معلوم ہو سکتی ہے۔

فائدہ ماغشیٰ مفعول ہے اگر تضعیف غشّٰی کی تعدیہ کے لئے ہو۔ اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پہنایا جو کچھ عذاب پہنایا جیسے جڑے ہوئے اور نشان دار پتھر۔ اس تقریر پر فعل اول کے دونوں مفعول مذکور ہوں گے اور دوسرے کے دونوں محذوف۔ اگر یوں کہیں کہ تضعیف غشی کی مبالغہ بمعنی ستر ہے تو پھر لفظ ما اس کا فاعل ہے جیسے دوسری آیت فغشیھم من الیم ما غشیھم (تو انہیں دریا میں سے وہ چھایا جو کچھ چھایا) میں ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں قالب (جسم) کی بستی اور اس کے انقلاب کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اعلیٰ کمال سے اسفل نقصان کی طرف اور اعتدال المزاج سے انحراف کی طرف پھینکا کیونکہ نفس کے ظلم کرنے کا سبب یہی ہے کہ اس سے ہی حظوظ و شہوات پورے ہوتے تھے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وکم اھلکنا من قریۃ بطرت معیشتھا ہم نے بہت سی وہ بستیاں تباہ کر ڈالیں جن کی معیشت زوروں پر تھی)

تفسیر عالمانہ فبای الاء ربکما تتماری (تو پھر تو اپنے رب کی کون سی نعمتوں پر شک کرے گا)

حل لغات آلاء بمعنی نعمتیں اس کا واحد اِلٰی وَاَلٰی وُاُلٰی ہے استرازی الامتراء المماراة اس میں جھگڑنا جس میں شک اور تردد نہ ہو۔ تاج المصادر میں ہے کہ التماری بمعنی شک کے ساتھ ہونا اور ایک دوسرے سے لڑنا جھگڑنا۔

فائدہ فعل کا اسناد واحد کی طرف ہے باعتبار اس کے تعدد کے بحسب اس کے متعلق کے متعدد ہونے کے۔

خطاب کس کو یہ خطاب اگر حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو ہے تو اس میں تعریض ہے دوسروں کے لئے جیسے لئن اشرکت لیحبطن عملک اگر تو شرک کرے گا تو تیرا عمل اکارت ہو جائے گا یہ خطاب ہر ایک کو ہے۔ (جیسے امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ نے ترجمہ کیا ہے)

سوال تمام امور کو نعمتیں کہا گیا ہے حالانکہ ان میں بعض امور تو عذاب بھی ہیں اور تکلیفیں بھی۔

جواب عذاب اور تکلیفیں بھی نعمتیں ہیں کہ ان کے ذریعے انبیاء و مومنین کی مدد کی گئی مردود اعداء سے بدلہ لیا گیا اور ان میں عبرت اور نصیحت بھی ہے عبرت حاصل کرنے والوں کے لئے (تو یہ بھی ایک قسم کی نعمت ہوئی)

فائدہ بحر العلوم (تفسیر) میں ہے کہ دشمنوں کو ہلاک کر کے اہل ایمان کا ان کی صحبت اور شر اور مکر و فریب سے بچ جانا بہت بڑی نعمت ہے جو صرف اور صرف اہل ایمان کو نصیب ہوتی ہے۔ المتنبی نے کہا!

ومن نکد الدنیا علی الحر ان یری عدوا لہ ما من صداقتہ بد

ترجمہ جس نے دنیا سے دکھ دیکھے ہیں تو ایسے سمجھدار کو لائق ہے کہ وہ اسے اپنا دشمن سمجھے اور اس بات کی صداقت کے بغیر کوئی چارہ نہیں اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے دشمنوں کو تباہی کے بعد حمد کا حکم فرمایا فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ تو اللہ تعالیٰ کی حمد کہ جس نے ہمیں ظالم قوم سے نجات بخشی۔ اور خود بھی اس پر حمد فرمائی محض بندوں کی تعلیم کے لئے چنانچہ فرمایا فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ تو اللہ تعالیٰ نے ظالم قوم کی جڑ کاٹ دی اور اللہ تعالیٰ کی رب العالمین کی حمد ہے)

marfat.ocm

اسی لئے حضور سرور عالم ﷺ نے سجدہ شکر ادا فرمایا جب غزوہ بدر میں ابو جہل کا سر کٹا ہوا دیکھا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ان بہت بڑی نعمتوں کے عطیہ پر شکر ضروری ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے نعمت کہا اور ان کا نعمت نام رکھا ہے اور وہ مشتمل ہیں مواعظ و زواجر کی نعمتوں پر اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ ان میں شک و شبہ بھی نہ ہو اور یہ خطاب امت کے افراد کو ہے اور نبی پاک ﷺ بھی امت میں مشتمل ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو امت کہا۔ اِنَّ اِبۡرٰهِیۡمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا ابراہیم علیہ السلام امت تھے فرمانبردار۔ اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ اے حبیب محمد (ﷺ) تم اللہ تعالیٰ کی کون سی نعمتوں پر شک اور جھگڑا کرو گے تو جیسے میں نے دوسرے انبیاء و رسل علیہما السلام اور ان کے اولیاء کی مدد اور ان کے دشمنوں کو تباہ برباد کیا ایسے ہی آپ کی اور آپ کے دوستوں کی مدد کروں گا اور آپ کے دشمنوں کو تباہ برباد کروں گا اس کے بعد آپ کے دل میں کوئی تنگی محسوس نہ ہو اور نہ ہی کوئی حرج اس سے جو تم اس قوم کی سرکشی اور عناد و استکبار پر اصرار ملاحظہ فرماتے ہو۔

تفسیر عالمانہ هٰذَا نَذِیۡرٌ مِّنَ النُّذُرِ الۡاُوۡلٰی یہ پہلے ڈر سنانے والوں میں سے ہے۔ ھذا کا اشارہ قران مجید کی طرف ہے النذیر مصدر ہے یعنی قرآن جسے تم دیکھ رہے ہو۔ یہ ان انذرات متقدمہ میں سے ہے جن کا انجام تم سنتے رہتے ہو یا ھذا کا اشارہ حضور سرور عالم ﷺ کی طرف ہے اور النذیر بمعنی المنذر ہے یعنی نبی پاک ﷺ منجملہ ان ڈر سنانے والوں میں سے ہیں جو پہلے گزر چکے ہیں۔ الاولی مفرد بمعنی جمع ہے فواصل کی رعایت پر واحد لایا گیا ہے اور اے کافرو تم قوم سابقین کے حالات سے آگاہ ہو۔ (تم بھی ضد پر رہو گے تو عذاب میں مبتلا ہو گے)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ اشارہ قران اور نبی آخر الزمان ﷺ کی طرف ہے اور انہیں کتب متقدمہ اور رسل کرام سابقہ کے ڈرانے سے تشبیہ دی گئی فقیر (صاحب صاحب روح البیان قدس سرہ) فرماتے ہیں کہ اس میں انبیاء علیہما السلام کے وارثین کے انذار کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ہر وہ جو بعد کو حق تعالیٰ کا پیغام سنانے والا ہے وہ النذر الاولی سے ہی ہے کیونکہ وہ دعوت الی اللہ و کلمہ حق میں ایک ہیں اور وہ انذرات جو انہیں الہام کے طور حاصل ہوتے ہیں بلحاظ زمانہ و مشرب کے وہ وہی ہوتے ہیں جو سابقین انبیاء و اولیاء کو نصیب ہوئے مبارک باد ہو اس خوش قسمت کو جو ان کی اتباع کرتا ہے اور شومی قسمت اس کی جو ان کی مخالفت کرتا ہے۔

marfat.ocm

بگو آنچہ دانی سخن سود مند   وگر ہیچ کس رانیاید پسند
کہ فردا پشیماں بر آرد خروش   کہ آوخ چرا حق نکردم نیوش
بگمراہ گفتن نکو میر وی   گناہ بزر گست و جور قوی
مگو شہد شیریں شکر فائقست   کسے راکہ سقمونیالائق است
چہ خوش گفت یک روز دارو فروش   شفاء بایدت داروئے تلخ نوش

ترجمہ ۱۔ جو سودمند سخن ہے کہہ ڈال اگرچہ کسی کو ناپسند ہو۔

۲۔ کل پشیماں فریاد کرے گا کہ افسوس میں نے حق کیوں نہ سنا۔

۳۔ گمراہ کو کہنا تو ٹھیک کر رہا ہے بڑا گناہ اور سخت ظلم ہے۔

۴۔ یہ نہ کہہ کے شہد اور شکر مفید ہے جسے سقمونیا لائق ہو۔

۵۔ دارو فروش نے ایک دن کیا خوب کہا کہ شفا چاہیے تو کڑوی دوائی پی۔

تفسیر عالمانہ ازفت الازفتہ (قیامت قریب ہے)

نکتہ کفار مکہ کے عذاب کو قیامت تک مؤخر کرنے میں نبی پاک ﷺ کی تعظیم و تکریم ہے اگرچہ مختصرا دنیا میں بھی انہیں عذاب ہو لیکن مکمل عذاب ان کو قیامت میں ہی ہو گا۔

فائدہ لام عہد کی ہے اسی لئے اس کے بغیر بھی اس سے خبر دینا جائز ہے بوجہ کسی آزفہ کے قرب کے۔

سوال آزفہ معہود کے قرب کی خبر دینے کا فائدہ کوئی نہیں ہے۔

جواب اس سے ایک فائدہ تاکید اور انذار کی تقریر ہے۔

حل لغات الازف بمعنی ضیق الوقت (وقت کی تنگی) وقت ساعت کے قرب کی وجہ سے اسی لئے قیامت کو ساعت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اہل عرب کہتے ہیں ازف الرجل ہمچوں فرح ازفا و ازوفا بمعنی وفا یعنی قریب ہوا اور ازف (محرکہ) بمعنی الضیق (تنگی) (القاموس) اب معنی یہ ہوا کہ وہ قیامت جو قرب سے موصوف ہے وہ قریب

marfat.ocm

ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے قرب کی یوں خبر دی کہ اقترب الساعتہ یعنی اس میں دلالت ہے کہ قیامت میں کمال قرب ہے اس لئے کہ افتعال کے ابواب میں مبالغہ ہوتا ہے اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ آیت میں اشارہ ہے قیامت کے کمال قرب کی طرف بوجہ قرب کے موصوف بہ سے منسوب ہونے کے۔

لَیۡسَ لَهَا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کھولنے والا نہیں یعنی کوئی ایسا نفس نہیں جو اسے کھول سکے سوائے اللہ تعالیٰ کے کشف بمعنی اسے زائل کرنا اور اپنے وقت مقدر کی طرف لوٹانا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے اس کا کھولنا ضرر کے کشف کی طرح نہیں کہ اسے بالکل زائل کر ڈالے۔ الکاشفہ اسم فاعل اور اس میں تاء تانیث کی ہے اس کا موصوف محذوف ہے اب معنی یہ ہوا کہ اب کوئی نفس کاشفہ نہیں جو اسے موخر کر سکے سوائے اللہ تعالیٰ کے صرف وہی اسے موخر کرنے والا ہے یا یہ کہ اس کے وقت کو صرف وہی کھولنے والا ہے کاشفہ بمعنی عالمہ ہے۔

حل لغات کشف سے ہے۔ بمعنی شے کی حقیقت کا جاننا کسی کو معلوم نہیں کہ وہ کب ظاہر کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا کہ لَا یُجَلِّیۡهَا لِوَقۡتِهَاۤ اِلَّا هُوَ اسے کوئی روشن نہیں کرے گا سوائے اللہ تعالیٰ کے یعنی اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ اس معنی پر کاشفہ مصدر ہے عاقبہ و خائنہ کی طرح یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تا مبالغہ کی طرح علامت کی طرح یہ مقام انکار کرتا ہے کہ یہ ایسا مبالغہ ہو کہ کسی کو کسی طریقہ سے علم نہ ہو کیونکہ اس میں مسئلہ اپنے مقام پر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے دوسرے کو بھی اس کے علم کا احتمال ہے (جیسا کہ فقیر نے حاشیہ پر چند حوالاجات لکھ دیئے اور اس سے قبل متعدد مقالات پہ تحقیق لکھی ہے)

تفسیر صوفیانہ آیت میں قیامت کبریٰ کے قرب کی طرف اشارہ ہے کہ وہ صدمہ سخت ضرور ہو گا اس سے وہ حقیقت مثلی کا ظہور مراد ہے جو ان اولیاء کرام کو نصیب ہوتی ہے جو اپنے نفوس سے فنا پا چکے اور متوجہ الی اللہ ہیں بوجہ جمع الہمت اور قوت عزیمہ کے اہل حجاب میں سے کوئی ایسا نہیں جو اسے کھول سکے اسے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کھولتا ہے اور اہل حجاب سے کھلے بھی کیسے۔ جب وہ بحر غفلت میں مستغرق اور شہوات کے گڑھوں میں ہلاک و تباہیں۔ یاد رہے کہ انسان ہر آن اور ہر زمان فانی ہے اسے کسی قسم کا شعور نہیں کاش یہ اپنی غفلت کے پردے ہٹا کر لقاء دیدار الہی سے مشرف ہوتا اسی لئے مشائخ فرماتے ہیں۔ عارفین کے لئے ہر وقت قیامت ہے کیونکہ وہ شہود امر میں ہیں جیساکہ وہ ہے اہل شہود کو قیامت ظاہری کے وقوع کی حاجت نہیں اسی لئے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے

marfat.ocm

فرمایا کہ اگر پردے کھل جائیں تب بھی میرے یقین میں اضافہ نہ ہوگا۔ مبارک ہو اسے جس کے یقین میں اضافہ ہوا[1] اور وہ حق الیقین کے درجہ تک پہنچے اور مقام التحقیق میں جاگزین ہو اور اللہ تعالیٰ ہی معین و مددگار ہے۔

تفسیر عالمانہ أَفَمِنْ هَٰذَا الْحَدِيثِ تو کیا نہیں اس سخن سے یعنی قرآن سے تعجبون تم تعجب کرتے ہو انکار سے۔

فائدہ امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ العجب والتعجب وہ حالت جو انسان کو شے کی سبب کی جہالت سے لاحق ہوتی ہے اسی لئے حکماء نے فرمایا کہ تعجب وہ امر ہے کہ جس کا سبب معلوم نہ ہو۔

وتضحکون (اور تم ہنستے ہو) استہزا کے طور باوجودیہ کہ ایسا کرنا بعید از عقل ہے۔

فائدہ امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ الضحک استہزاء کے لئے استعارہ کے طور ہے جیسے کہا جاتا ہے ضحکت منہ میں نے اس کے ساتھ استہزاء کیا۔

ولاتبکون اور مت روؤ حزن سے اس پر کہ تم نے اس کی شان میں کوتاہی کی اور اس خوف سے کہ تمہیں بھی وہی عذاب نہ گھیر لے جو سابقہ امم کو عذاب گھیر جاتا تھا۔

حدیث شریف ۱ مروی ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد نبی پاک ﷺ کو کبھی ہنستے ہوئے نہ دیکھا گیا۔

حدیث شریف ۲ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی و اہل صفہ رو پڑے یہاں تک کہ ان کے آنسو چہروں پر بہنے لگے جب نبی پاک ﷺ نے ان کے رونے کی آواز سنی تو آپ نے بھی گریہ فرمایا پھر آپ کے گریہ سے ہم سب رو پڑے آپ نے فرمایا کہ وہ شخص دوزخ میں ہرگز داخل نہ ہوگا۔ جو خوف خدا سے رویا اور وہ بہشت میں ہرگز داخل نہ ہوگا جو معصیت پر مصر (اصرار کرنے والا) ہو یہاں اگر تم سے گناہ نہ ہوگا تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم لائے گا جس سے گناہ سرزد ہو تو انہیں اللہ تعالیٰ بخش دے گا۔

---

[1] حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چونکہ پہلے سے ہی یقین مستحکم حاصل ہے اسی لئے انہوں نے فرمایا

حدیث شریف ۳ حضور سرور عالم ﷺ کی خدمت میں حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ ہم بنی آدم کے ہر عمل کا وزن کرسکتے ہیں سوائے گریہ کے کیونکہ اللہ تعالی بندے کے ایک آنسو سے جہنم کی آگ کے بہت بڑا دریا بجھاتا ہے۔

حدیث شریف ۴ میں ہے کہ یہ قرآن حزن کے ساتھ نازل ہوا جب اس کی تلاوت کرو تو گریہ کرو اگر نہ آئے تب بھی رونی شکل بناؤ۔ اس کیوجہ یہ ہے کہ حزن سرور تک اور گریہ مخک تک پہچاتا ہے۔ حضرت صائب نے فرمایا!

منال اے ساکن بیت الحزن از چشم تاریکی
کہ خواہد صیقلے گشت از جمال روشن یوسف

ترجمہ بیت الحزن وغم کے گھر میں بسنے والوں مت روؤ تاریکی چشم سے کہ کبھی صیقلہ نصیب ہو گا اور تو جمال یوسف ہے۔

اور فرمایا

خندہ کردن رخنہ در قصر حیات افگندنست
خانہ دربستہ باشد تا غمین باشد کسے

ترجمہ ہنسی مذاق زندگی کے محل میں رخنہ ڈالتا ہے گھر کا دروازہ بند رکھ تاکہ کسی کے غم میں اضافہ نہ ہو۔

وانتم سامدون اور تم غافل و متکبر ہو۔

حل لغات سمد البعیرانی المسیر سے ہے یعنی (اونٹ سر اونچا کر کے چلا) امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ السامد بمعنی لاھی (لہو کرنے والا) اور سر کو اونچا کرنے والا یا سامدون بمعنی مغنون (گانا بجانے والے) تاکہ تم لوگوں کو اس کے سننے سے محروم کرو۔ یہ سمود سے ہے بمعنی الغناء لغت حمیر میں اور کفار مکہ کی عادت تھی کہ جب کوئی قرآن سنتا تو اس کے آگے سرود اور لہو ولعب کی چیزیں سامنے لاتے تاکہ وہ قرآن نہ سن سکے یا سامدون بمعنی خاشعون جامدون ہے السمود سے ہے بمعنی الجمود والخشوع اور جملہ لاتبکون کے فاعل سے حال ہے صرف اتنا

marfat.ocm

خیال ضرور رہے کہ اس میں مضمون وجہ اخیر سے متعلق ہے اور صرف معنی کو مقید کرتا ہے پھر انکار نفی بکاء و سمود ہر دونوں اکٹھے پر وارد ہے مقام کے حق کی بناء پر پہلا زیادہ بہتر ہے (اسے اچھی سوچ کر سمجھ) (الارشاد)

فاسجدوا للہ واعبدوا تو اللہ تعالیٰ کے لئے سجدہ کرو اور اسی کی عبادت کرو) فاء ترتیب الامر کے لئے ہے۔ یا اس کا موجب ہے جیسا مقرر ہو چکا ہے کہ ان کا قرآن کا انکار کر کے مقابلہ باطل ہے اور ایسے ان کا اس سے استہزاء بھی بلکہ اس پر ایمان لانا اور اسے قبول کرنا ضروری اور واجب ہے اور اس کی تلاوت خشوع و خضوع سے لازمی ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ جب امر ایسے ہے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کے لئے سجدہ کرو جس نے قرآن نازل کیا۔ اور اسی کی عبادت کرو اور اس کے غیر کی عبادت نہ کرو فرشتے کی نہ کسی بشر کی چہ جائیکہ پتھروں کی جو نفع دیتے ہیں نہ نقصان جیسے بت اور ستارے۔

فائدہ عین المعانی میں ہے کہ سجدہ کرو نماز میں لیکن صحیح تر یہ ہے کہ یہ ایک مستقل سجدہ کا حکم ہے یعنی سجدہ تلاوت۔

مسئلہ سجدہ کا محل یہی آیت (آخری) ہے امام ابو حنیفہ اور اور امام شافعی علیہ الرحمۃ اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور یہی قول سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے صحیح سند سے ثابت ہے کہ آپ نے سورہ نجم میں اسی مقام پہ سجدہ فرمایا۔

فائدہ جو سورہ نجم میں سجدہ کا قصہ ہے وہ اسی مقام پہ ہوا یعنی حضور سرور عالم ﷺ نے تلاوت سورۃ نجم کی فراغت پر سجدہ فرمایا اس پر قریش نے بھی کیا آپ کے ساتھ تمام مسلمانوں اور مشرکوں نے سجدہ کیا بلکہ تمام انسانوں اور جنوں نے بھی جیسا کہ گزرا۔

فائدہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہاں سجدہ تلاوت نہیں ہے جیسا کہ زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ نے سورہ نجم تلاوت فرمائی۔ تو سجدہ نہیں[1] کیا۔

---

[1] ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ ضروری نہیں کہ اسی وقت کیا ہو بلکہ بعد کو پھر فرمایا ہو جیسا کہ مسئلہ شرعیہ بھی اسی طرح ہے کہ تلاوت کے وقت سجدہ ضروری نہیں بلکہ تلاوت کی فراغت کے بعد جب چاہے سجدہ کر سکتا ہے)

marfat.ocm

فائدہ حضرت کاشفی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ تلاوت کے سجدات میں سے بارھواں سجدہ ہے فتوحات مکیہ میں ہے کہ یہ سجدہ عبادت ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اسم میں عاجزی و ذلت کا حکم فرماتا ہے اور اس منزل کو سوائے سالکان طریقت کے کوئی طے نہیں کرسکا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات بقلی میں ہے کہ جب ایام وصل قریب ہوں تو اسے سالکان راہ خدا اشتیاق میں اضافہ کرو اور بذل وجود اور زمین پر ماتھا رگڑنے میں جلدی کرو اور رب الارباب کی عبادت کرو کہ اس نے وجود سے کشف نقاب فرمایا۔

فائدہ میرے شیخ و مرشد قدس سرہ نے اپنی تصنیف "البرقیات" میں فرمایا کہ اسجدوا الخ اللہ تعالیٰ کے لئے سجدہ اور عبادت کرو اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہ کہ اپنے نفوس کے ساتھ جب تم اسے سجدہ کرو یا عبادت کرو سجدہ قالب سے فرمانبرداری کرکے اور اس کی عبادت ہو تو مرتبہ شریعت میں اذعان سے اور سجدہ قلب ہو تو فناء پا کر اور اس کی عبادت ہو تو خود کو ہلاک کرکے مرتبہ حقیقت میں یہاں تک کہ تمہارے سجدے اور تمہاری عبادت صرف اور صرف قربت الی اللہ کی نیت پر ہو مرتبہ اولی میں اور یہ قصد ہو کہ وصال الٰہی نصیب ہو مرتبہ ثانیہ میں اسی طرح سے تم مرتبہ اولی میں مقربین سے اور مرتبہ ثانیہ میں واصلین سے ہو جاؤ گے یہ شان ان بندگان رحمن کی ہے جو خالص مخلص موحد اور فانی فاللہ وباقی باللہ ہیں ان کے ماسوا اور بزرگوں کی اطاعت و عبادت محض نفسانی اور خواہشات پر مبنی ہوتی ہے۔

مقام شریعت میں ایسے لوگوں کا شوائب نفسانیہ سے خالص مخلص ہونا مشکل ہوتا ہے اور مقام حقیقت میں شوائب غیریت سے صاف وصفاف ہوتی تو اور زیادہ مشکل ہے۔

فائدہ سجدہ قالب (جسم) اور اس کی عبادت اس کے سبب و محل و موطن کے انقطاع سے منقطع ہو جاتی ہے کیونکہ وہ حادث اور فانی و زائل ہے ہاں سجدہ قلب اور اس کی عبادت (یعنی فناء فی اللہ ہوا زوابدا بحسب نفس خود اگرچہ ایسا خوش قسمت (فانی ہوتا ہے کسب نفس) باقی باللہ ہوتا ہے بوجہ تحلیتہ الوجود کے) غیر منقطع بلکہ اپنے سبب کی وجہ سے دائمی اور اپنے محل و موطن کی بقاء کی وجہ سے ازلاً وابداً باقی ہوتا ہے۔

فائدہ وضع سجدہ اور عبادت قالبیہ سے مقصود صرف اور صرف یہ ہے شہود سجدہ اور عبادت قلبیہ نصیب ہو جائے اسی لئے حضور نبی پاک ﷺ کو تین چیزیں محبوب تھیں۔ ۱۔ خوشبو ۲۔ عورتیں ۳۔ صلوۃ پہلی سے تو اس لئے کہ اس میں فی نفسہ انس و محاضرہ کا ذوق پایا جاتا ہے۔ دوسری میں قربت و وصل کا ذوق ہے۔ تیسری میں مکاشفہ و مشاہدہ کا ذوق پایا جاتا ہے۔

marfat.ocm

اور یہ تینوں اذواق سے انس و متحقق ہوتا ہے اور انسان سے ہے انسان سے وہ حقیقی انسان مراد ہے جس میں الحضورۃ الالہیہ کا سرّ (راز) متحقق ہے اور وہ نور الحضرہ الالہیہ سے منور ہے اور در حقیقت انسانیت سے ہی انسان نفع اٹھاتا ہے بلکہ ایسے انسان کامل کو ہی انسانیت کا حصہ وافر اور ذوق کامل نصیب ہوتا ہے۔

فائدہ ہاں انسان حیوانی (جیسے ہم عوام) اسے اسی تحقق مذکور سے کوئی حصہ حاصل نہیں اور نہ ہی اس انتفاع سے کوئی حصہ پاتا ہے بلکہ اس کی قسمت میں شہوات بہیمیہ ہیں اور انسان اول یعنی حقیقی انسان اعلیٰ علیین سے ہے دوسرا اسفل السافلین میں اور ان دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے جیسے آسمان و زمین میں بوجہ کمال بلندی کے پہلا انسان یعنی کامل متحقق کھانے پینے سے ملائکہ کی طرح ہے مستغنی ہے وہ اذواق روحانیہ اور تجلیات ربانیہ میں گزر اوقات کرتے ہیں اور وہ مدت دراز تک یہ نہیں کہ ان کے لئے یہ اذاق و تجلیات چند لمحات کے لئے ہوتے ہیں جیسے بعض بزرگوں اولیاء کے لئے ہوا۔ دوسرا یعنی عام انسان چونکہ کمال درجہ کے تسفل میں ہے اسی لئے وہ جانوروں کی طرح کھاتا پیتا ہے اور دن رات میں نہ صرف ایک بار پر اکتفاء کرتا ہے بلکہ بار بار کئی بار کھاتا پیتا ہے اگر نہ کھائے پیئے تو نہ صرف سخت پریشان ہو جاتا ہے بلکہ ضعف و نقاہت سے نڈھال پڑ جاتا ہے ایسے کو کھانے پینے کی کمی ہلاکت کے گھاٹ اتارتی ہے۔

حکایت دو شخصوں کا ذکر ہے جو ان میں ایک موٹا تھا دوسرا کمزور دونوں کو جیل خانہ میں ایک مدت تک کسی تہمت کی وجہ سے رکھا گیا اور انہیں کھانا پینا نہ دیا گیا ہفتہ کے بعد معلوم ہوا کہ وہ اس جرم سے بری ہیں جب جیل خانہ کھولا گیا تو موٹا مر گیا تھا اور دبلا پتلا زندہ تھا۔

فائدہ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ جب کھانے کے عادی کو کھانا نہ ملے تو مرجاتا ہے۔

فراغت از تفسیر سورت نجم اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے سورہ نجم کی تفسیر ۱۱ ماہ رمضان سن ۱۱۱۴ ہجری میں فراغت ہوئی۔

فراغت از ترجمہ فقیر اویسی غفرلہ سورہ نجم شریف کے ترجمہ سے ۱۶ ذوالعقدہ مبارکہ سن ۱۴۰۸ ہجری بروز جمعہ شریف پونے ۹ بجے دن کو فراغت پائی فالحمد للہ علی ذلک۔

۸-۱۱-۱۴ مطابق ۸۸-۸-۱

سُوْرَةُ الْقَمَرِ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ⓪ — اٰیاتها ٥٥ رکوعاتها ٣

سورہ قمر مکی ہے اس میں پچپن آیتیں اور تین رکوع ہیں — اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ① وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ②

پاس آئی قیامت اور شق ہو گیا چاند اور اگر دیکھیں کوئی نشانی تو منہ پھیرتے اور کہتے ہیں یہ تو جادو ہے چلا آتا

وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ③ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا

اور انہوں نے جھٹلایا اور اپنی خواہشوں کے پیچھے ہوئے اور ہر کام قرار پا چکا ہے اور بیشک ان کے پاس وہ خبریں آئیں جن میں کافی

فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ④ حِكْمَةٌ ۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ⑤ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى

روک تھی انتہا کو پہنچی ہوئی حکمت پھر کیا کام دیں ڈر سنانے والے تو تم ان سے منہ پھیر لو جس دن بلانے والا ایک سخت

شَيْءٍ نُّكُرٍ ⑥ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ⑦

بے پہچانی بات کی طرف بلائیگا نیچی آنکھیں کیے ہوئے قبروں سے نکلیں گے گویا وہ ٹیڑی ہیں پھیلی ہوئی

مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ۭ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ⑧ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ

بلانے والے کی طرف لپکتے ہوئے کافر کہیں گے یہ دن سخت ہے ان سے پہلے نوح کی قوم نے جھٹلایا تو

فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ ⑨ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ⑩

ہمارے بندہ کو جھوٹا بتایا اور بولے وہ مجنون ہے اور اسے جھڑکا تو اس نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں مغلوب ہوں تو میرا

فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ⑪ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى

بدلہ لے تو ہم نے آسمان کے دروازے کھول دیے زور کے بہتے پانی سے اور زمین چشمے کرکے بہا دی تو دونوں پانی مل گئے اس مقدار

اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ⑫ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ⑬ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ

پر جو مقدر تھی اور ہم نے نوح کو سوار کیا تختوں اور کیلوں والی پر کہ ہماری نگاہ کے روبرو بہتی اس کے صلہ میں جس

كَانَ كُفِرَ ⑭ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ⑮ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ⑯

کے ساتھ کفر کیا گیا تھا اور ہم نے اسے نشانی چھوڑا تو ہے کوئی دھیان کرنیوالا تو کیسا ہوا میرا عذاب اور میری دھمکیاں

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ⑰ كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ

اور بیشک ہم نے قرآن یاد کرنے کے لیے آسان فرما دیا تو ہے کوئی یاد کرنے والا عاد نے جھٹلایا تو کیسا ہوا میرا عذاب اور میرے

وَنُذُرِ ⑱ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ⑲ تَنْزِعُ النَّاسَ

ڈر دلانے کے فرمان بیشک ہم نے ان پر ایک سخت آندھی بھیجی ایسے دن میں جس کی نحوست ان پر ہمیشہ کے لیے رہی لوگوں کو یوں دے

كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ۝٢٠ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ۝٢١ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا

مارتی تھی کہ گویا وہ اکھڑی ہوئی کھجوروں کے ڈنڈ ہیں تو کیسا ہوا میرا عذاب اور ڈر کے فرمان اور بیشک ہم نے آسان

ع ۲۲

الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝٢٢ كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ ۝٢٣ فَقَالُوا أَبَشَرًا

کیا قرآن یاد کرنے کے لیے تو ہے کوئی یاد کرنے والا ثمود نے رسولوں کو جھٹلایا تو بولے کیا ہم اپنے میں

مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهُ إِنَّا إِذًا لَّفِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ ۝٢٤ أَؤُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْ بَيْنِنَا

کے ایک آدمی کی تابعداری کریں جب تو ہم ضرور گمراہ اور دیوانے ہیں کیا ہم سب میں سے اس پر ذکر اتارا گیا بلکہ یہ

بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌ ۝٢٥ سَيَعْلَمُونَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْأَشِرُ ۝٢٦ إِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ

سخت جھوٹا اترونا ہے بہت جلد کل جان جائیں گے کون تھا بڑا جھوٹا اترونا ہم ناقہ بھیجنے والے ہیں ان کی

فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ۝٢٧ وَنَبِّئْهُمْ أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ كُلُّ

جانچ کو تو اے صالح تو راہ دیکھ اور صبر کر اور انہیں خبر دیدے کہ پانی ان میں حصوں سے ہے ہر حصہ پر وہ

شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ۝٢٨ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَىٰ فَعَقَرَ ۝٢٩ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي

حاضر ہو جس کی باری ہے تو انہوں نے اپنے ساتھی کو پکارا تو اس نے لیکر اس کی کونچیں کاٹ دیں پھر کیسا ہوا میرا عذاب

وَنُذُرِ ۝٣٠ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ ۝٣١

اور ڈر کے فرمان بے شک ہم نے ان پر ایک چنگھاڑ بھیجی جبھی وہ ہو گئے جیسے گھیرا بنانے والے کی بچی ہوئی گھاس سوکھی روندی ہوئی

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝٣٢ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ بِالنُّذُرِ ۝٣٣

اور بیشک ہم نے آسان کیا قرآن یاد کرنے کے لیے تو ہے کوئی یاد کرنے والا لوط کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا

إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا إِلَّا آلَ لُوطٍ ۖ نَّجَّيْنَاهُمْ بِسَحَرٍ ۝٣٤ نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ۚ

بے شک ہم نے ان پر پتھراؤ بھیجا سوائے لوط کے گھر والوں کے ہم نے انہیں پچھلے پہر بچا لیا اپنے پاس کی نعمت فرما کر ہم

كَذَٰلِكَ نَجْزِي مَنْ شَكَرَ ۝٣٥ وَلَقَدْ أَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ۝٣٦ وَلَقَدْ

یونہی صلہ دیتے ہیں اسے جو شکر کرے اور بے شک اس نے انہیں ہماری گرفت سے ڈرایا تو انہوں نے ڈر کے فرمانوں میں

رَاوَدُوهُ عَنْ ضَيْفِهِ فَطَمَسْنَا أَعْيُنَهُمْ فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذُرِ ۝٣٧ وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ

شک کیا انہوں نے اسے اس کے مہمانوں سے پھسلانا چاہا تو ہم نے ان کی آنکھیں میٹ دیں فرمایا چکھو میرا عذاب اور ڈر کے فرمان

بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ۝٣٨ فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذُرِ ۝٣٩ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ

اور بیشک صبح تڑکے ان پر ٹھہرنے والا عذاب آیا تو چکھو میرا عذاب اور ڈر کے فرمان اور بیشک ہم نے آسان کیا قرآن یاد کرنے

لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (٤٠) وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ (٤١) كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا
کے لیے تو ہے کوئی یاد کرنے والا اور بیشک فرعون والوں کے پاس رسول آئے انہوں نے ہماری سب نشانیاں جھٹلائیں
كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ (٤٢) اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ
تو ہم نے ان پر گرفت کی جو ایک عزت والے اور عظیم قدرت والے کی شان تھی کیا تمہارے کافر ان سے بہتر ہیں یا کتابوں میں تمہاری
فِى الزُّبُرِ (٤٣) اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ (٤٤) سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ (٤٥)
چھٹی لکھی ہوئی ہے یا یہ کہتے ہیں کہ ہم سب مل کر بدلہ لے لیں گے اب بھگائی جاتی ہے یہ جماعت اور پیٹھیں پھیر دیں گے
بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ (٤٦) اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِىْ ضَلٰلٍ
بلکہ ان کا وعدہ قیامت پر ہے اور قیامت نہایت کڑی اور سخت کڑوی بے شک مجرم گمراہ اور دیوانے ہیں
وَّسُعُرٍ (٤٧) يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِى النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ (٤٨) اِنَّا كُلَّ شَىْءٍ
جس دن آگ میں اپنے مونھوں پر گھسیٹے جائیں گے اور فرمایا جائے گا چکھو دوزخ کی آنچ بیشک ہم نے ہر
خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ (٤٩) وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ (٥٠) وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ
چیز ایک اندازہ سے پیدا فرمائی اور ہمارا کام تو ایک بات کی بات ہے جیسے پلک مارنا اور بیشک ہم نے تمہاری وضع کے
فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (٥١) وَكُلُّ شَىْءٍ فَعَلُوْهُ فِى الزُّبُرِ (٥٢) وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ (٥٣)
ہلاک کر دیئے تو ہے کوئی دھیان کرنے والا اور انہوں نے جو کچھ کیا سب کتابوں میں ہے اور ہر چھوٹی بڑی چیز لکھی ہوئی ہے
اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِىْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ (٥٤) فِىْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ (٥٥)
بیشک پرہیزگار باغوں اور نہروں میں ہیں سچ کی مجلس میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے حضور

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ (قیامت قریب آگئی)

حل لغات اَلْاِقْتِرَابُ بمعنی نزدیک آنا۔

الساعۃ اجزائے زمانہ کا ایک جز قیامت کو اس سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ اسے اس سے مشابہت ہے چند وجوہ سے۔

۱۔ اس میں حساب و کتاب نہایت تیزی سے ہو گا۔

۲۔ دنیا آخری گھڑی پر واقع ہو گی۔

۳۔ معمولی سی گھڑی میں ایک عظیم واقعہ ہو گا وغیرہ وغیرہ۔

اس کے دیگر وجوہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں اب معنی یہ ہوا کہ قیامت قریب آگئی اور اس کے قیام و وقوع کا وقت قریب ہو گا کیونکہ دنیا کے باقی تھوڑے لحات رہ گئے ہیں جیسے حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ دنیا کے کل لحات اللہ تعالیٰ نے نہایت تھوڑے بنائے ہیں اس کے نہایت ہی تھوڑے لحات رہ گئے ہیں۔

فائدہ اس کی مثل ایسے ہے جیسے کنوئیں کا صاف پانی نکل لیا جائے باقی اس کا میلا گدلا پانی بچ گیا ہو۔

فائدہ اقتراب کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ بہت اوقات گزر گئے باقی تھوڑے رہ گئے ہیں وہ عنقریب گزار جائیں گے اس کا بیان یہ ہے کہ یوم سنبلہ کچھ زیادہ گزر گیا ہے اور اس کی کل مدت سات ہزار سال ہے اور یہ صحیح ہے کہ ایک یہ امت ایک ہزار سال کے بعد چار سو سال نہایت پانچ سو سال سے۔ آگے نہ بڑھے گی کیونکہ اس سے اگے کے تعلق روایات نہیں ملتیں اور اہل سنت کے اہل ظواہر و اہل بواطن کے براہین و شواہد کا تقاضا بھی یہی ہے۔

حدیث شریف قرب قیامت کی ۱۔ حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا۔

الآیات بعد المائتین (بڑی آیات دو سال کے بعد ہوں گی)

۲۔ والمھدی بعد المائتین (مھدی کی آمد دو سو سال کے بعد ہو گی)

marfat.ocm

۳۔ فتنتہی دورۃ السنبلتہ بظھور عیسیٰ علیہ السلام فیکون آدم فاتحہا وعیسیٰ خاتمھا (روح البیان ص ۲۴۲ ج ۹)

عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور پر سنبلہ کا دورہ ختم ہو گا اس کے فاتح آدم علیہ السلام اور خاتم عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

فائدہ اس سے ثابت ہوا کہ آدم ہمارے نبی علیہم السلام قیامت کی علامات میں سے ہیں جیسے حضور علیہ السلام نے فرمایا میری اور ساعت کی مثال گھوڑے کی دو رسیوں سی ہے جب آپ قیامت کی نشانیوں سے ہیں تو چاند کے ٹکڑے ہو جانے کا معجزات حق ہیں۔

سوال فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ اگر کوئی کہے کہ دنیا کی کل عمر کتنی ہے اس بارہ میں علماء کرام کیا فرماتے ہیں۔

جواب اس پر سب متفق ہیں کہ دنیا حادث ہے لیکن اس کی عمر کے متعلق کوئی قطعی فیصلہ نہیں فرمایا لیکن مجھے کچھ معلوم ہوتا ہے (واللہ اعلم بحقیقتہ الحال) کہ اس کی کل مدت تین سو ساٹھ ہزار سال ہے کیونکہ اس کی مثال سنبلہ کے دورہ سے دی گئی ہے جو کہ ایک جمعہ دوسرے جمعہ کو ختم ہوتا ہے یعنی اس کے کل سات دن ہیں اور اس کا ہر دن آخرت کے دن کے برابر ہے اور آخرت کا ایک دن ایک ہزار سال کے برابر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وان یوما عندربک کالف سنتہ اور تیرے رب کے ہاں اس کا ایک دن ایک ہزار سال کی طرح ہے) اور سب کو معلوم ہے کہ مہینے کا اندازہ جمعہ سے لگایا جاتا ہے اور مہینے ہی سے سال بنتا ہے اسی پر محمول ہے وہ جو سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ الدنیا جمعتہ من جمعات الاخرۃ (جمعہ آخرت کے جمعات سے ایک ہے اور وہ ہفتہ کا ہوتا ہے یعنی ایک جمعہ کی مدت سات ہزار سال ہوئی اور اس کے چھ ہزار ایک سو سال گزر گئے اب اس کے باقی چند سال ہیں اس پر ایک وقت آئے گا جس میں ایک آدمی بھی توحید والا نہ ہو گا۔

دنیا بولی آدم علیہ السلام سے مروی ہے کہ دنیا آدم علیہ السلام سے مخاطب ہوئی اور کہا اے آدم علیہ السلام آپ تشریف لائے لیکن کہ میرا شباب ختم ہو گیا یعنی اس وقت دنیا کا ساٹھ ہزار سال ختم ہو چکا تھا یہ اجمالی ذکر ہے جو

ہم نے عرض کیا اور ہمیں شک نہیں کہ اب انسان کی ساٹھ اور ستر کے درمیان گردن توڑ دی جاتی ہے۔ (یعنی موت واقعہ ہو جاتی ہے) اور آدم علیہ السلام جب تشریف لائے تو دنیا کی اکثر عمر ختم ہو چکی تھی اس کا باقی تھوڑا وقت رہ گیا تھا اسی پر محمول ہے وہ قول جو مشہور ہے کہ دنیا کی کل عمر ستر ہزار سال ہے (اسے اچھی طرح یاد کر لے) بہر حال قیامت لوگوں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک قریب ہے کیونکہ ہر آنے والا قریب ہوتا ہے اگرچہ اس کی مدت کتنی طویل کیوں نہ ہو تو پھر جس کی واقعی مدت قلیل ہو تو پھر اسے کیوں نہ قریب کہا جائے۔

سوال تم نے کہا کہ قیامت لوگوں کے نزدیک ہے حالانکہ قرآن فرماتا ہے انهم یرونه بعیدا ونراه قریبا (وہ اسے بعید دیکھتے ہیں ہم اسے قریب دیکھتے ہیں)

جواب یہ بعد بہ نسبت منکرین غافلین کے ہے اور ان کا کوئی اعتبار نہیں۔

نکتہ قیامت کو قریب کہنا مکلف (انسان کو ڈرانا) اور اسے طاعت کے لئے برانگیختہ کرنا ہے اور اسے متنبہ کرنا ہے کہ قیامت امور کونیہ میں سے اہل سموت وارض کے لئے ایک عظیم امر ہے۔

مسئلہ قیام قیامت کے وقت کی تعین کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے بندوں میں سے کسی کو اس کا علم نہیں[1]۔ کیونکہ بہتری اسی میں ہے کہ انہیں اس کا علم نہ ہو اسی مصلحت کے تحت ہر نبی علیہ السلام نے اپنی امت کو دجال سے ڈرایا۔

حدیث حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے تیس کذاب (دجال) آئیں گے ان سے بچ کر رہنا الخ۔

فائدہ کذابین سے دجاجلہ (دجال کی جمع) مراد ہیں یعنی گمراہ سربراہ۔

فائدہ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ اس میں شک نہیں کہ ہر نبی علیہ السلام نے اپنی امت کو

---

[1] بندوں سے ہم عوام مراد ہیں خواص بالخصوص امام الانبیاء ﷺ کو قیام قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہے اور ان کے طفیل بعض کاملین اولیاء کرام کو بھی)

marfat.ocm

دجال جیسے گمراہوں سے ڈرایا ہے کیونکہ اس جیسے دجال سے کوئی زمانہ خالی نہیں گزرا اور نہ ان سب کو یقین تھا کہ قیامت قائم ہو گی حضور خاتم النبین ﷺ کے ظہور اور آپ کی ختم الامم کے بعد یہ بھی علم تھا کہ دجال اعور (بھینگا) کذاب حضور سرور ﷺ کے زمانہ اقدس کے بعد آئے گا بلکہ سب کو معلوم ہے کہ یہ معین دجال سن ۱۲۰۰ ہجری کے بعد آئے گا (واللہ اعلم)

فائدہ ہر کذاب جو قیامت سے پہلے آئے گا تو اس سے مراد دجال کے مقدمات مراد ہیں خواہ وہ حضور سرور عالم ﷺ کی بعث مقدسہ سے پہلے ہو یا بعد کو (لیکن وہ خاص معین دجال قرب قیامت میں سیدنا عیسی علیہ السلام کے نزول از اسمان سے پہلے آئے گا اس کا بھی علم حضور سرور عالم ﷺ کو ہے جیسے ہر وہ اہل صدق جو قیامت سے پہلے ہوں گے وہ امام مہدی رضی اللہ عنہ کے مقدمات سے ہیں۔

وانشق القمر اور چاند چر گیا۔

حل لغات الانشقاق بمعنی شگافتہ شدن چر جانا۔

ردّ مودودی و نیچری صیغہ ماضی دلالت کرتا ہے کہ نبی پاک ﷺ کے زمانہ اقدس میں چاند چر چکا اس پر حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کی قرات بھی دال ہے حالانکہ اس کے قریب ہونے کے ایات میں سے ہے کہ بیشک چاند چر گیا۔

الاان الساعتہ قد اقتربت اون القمر قد انشق علی عھد نبیّکم (روح البیان ص ۲۴۳ ج ۹)

ترجمہ خبردار قیامت قریب ہو گئی چاند پھٹ گیا اور یہ حضور ﷺ کے زمانہ اقدس میں پھٹا تھا۔

تعارف حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ وہ جلیل القدر صحابی ہیں جنہیں رسول اللہ ﷺ کا راز دان ہونے کا شرف حاصل تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے راز دان تھے ایسے ہی حضرت حذیفہ یہی عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قول ہے ایسے ہی آنے والے تمام اہل حق کا ایسے ہی جملہ مفسرین کرام نے اسی آیت کی تفسیر میں کہا ہے اب اس کا کیا اعتبار جو کہتا ہے کہ انہ سینشق یوم القیامتہ کہ وہ قیامت میں ہو گا جیسے آیت اذا السماء انشقت میں مراد ہے

marfat.ocm

کہ آسمان پھٹ نہیں گیا بلکہ قیامت میں پھٹے گا۔

مخالفین نے کہا شق القمر کے منکرین نے انشق القمر میں صیغہ ماضی کا یہ جواب دیا کہ صیغہ ماضی تحقیق للامر کے لئے ہے (جیسے علم معانی کا قاعدہ ہے)

جواب از اہلسنت ۱۔ ہم منکرین کے جواب میں کہتے ہیں کہ شق القمر دو دفعہ ہوا۔

(۱) حضور سرور عالم ﷺ کے زمانہ اقدس میں جو دلیل تھی اس امر کی قیامت قریب ہے۔

(۲) قیامت میں جب آسمان پھٹیں گے۔

۲۔ امام ابن الحجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں لکھا کہ شق القمر اور جنین الجذع (کھجور کے خشک تنہ کا رونا) ایسی احادیث ہیں جن کی نقل مستفیض ہے جو قطعی (یقین) کا فائدہ بخشتی ہیں لیکن یہ ان کے ہاں قابل قبول ہو گا جو طرق الحدیث سے آگاہ ہو گا (جو مودودی اور نیچری مذہب والوں اور دور حاضرہ کے پروفیسوں۔ ڈاکٹروں کی طرح چند اردو۔ انگریزی کتابوں کے مطالعہ کے بعد انکار کر دے تو وہ مجبور ہے) اویسی غفرلہ۔

۳۔ الطیبی نے فرمایا کہ ابو اسحاق زجاج نے بیس سے ایک کم احادیث اپنی تفسیر میں ایسی باسند روایات نقل فرمائی ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ سے شق القمر ثابت ہے۔

۴۔ حضرت سید شریف رحمۃ اللہ علیہ کی شرح المواقف میں ہے کہ۔

ھذا متواتر (رواہ جمع کثیر من الصحابۃ کابن مسعود وغیرہ (روح البیان ص ۲۶۳ ج ۹)

یہ متواتر ہے اسے صحابہ کی بہت بڑی جماعت نے روایت کیا جیسے ابن مسعود وغیر (رضی اللہ عنہم)

فائدہ حضرت سعدی المفتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حدیث من کذب علی متعمد فیتبوا مقعدہ من النار کو محدثین نے متواتر نہیں مانا حالانکہ اسے ساتھ راویوں نے یا ان سے اکثر نے روایت کیا ہے اور یہ راوی بھی صحابی ہیں اور ان میں دس روایات تو متواتر ہیں تو پھر یہ روایت شق القمر کیسے متواتر ہو سکتی ہے۔

۵۔ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) نے فرمایا کہ ابن الصلاح اور ان کے متبعین نے فرمایا کہ من کذب

علی الخ متواتر ہے۔

اصول الحدیث ہاں اسے متواتر نہ کہنا اس معنی پر ہے کہ بعض وہ روایات جو ایک جماعت نے روایت کیا جمع کثیر نہ ہوں اگر ہوں تو اس میں وہ شرائط نہ ہوں جو متواتر کے لئے ہیں (اویسی غفرلہ کہتا ہے کہ حدیث شق القمر کو متواتر نہ ماننا روایت الفاظ کے اعتبار سے ہے ورنہ ز معنا تو لازما متواتر ہے تحقیق حاشیہ میں ہے۔

شق القمر کا واقعہ امام زاہدی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک رات ابو جہل اور چند یہودی حضور سرور عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ابو جہل نے کہا اے محمد ﷺ ہمیں کوئی معجزہ دکھلایئے ورنہ تمہارا سر تلوار سے قلم کر لیں گے (معاذ اللہ) آپ نے فرمایا تو چاہتا کیا ہے ابو جہل نے دائیں بائیں دیکھ کر سوچا کہ کیا عرض کروں کوئی ایسا معجزہ طلب کروں جو بالکل مشکل ہو یہودیوں نے کہا وہ چونکہ ساحر ہیں اسی لئے انہیں کہو کہ وہ چاند دو ٹکڑے کر دیں کیونکہ جادو صرف زمین پر ہو سکتا ہے اور جادو گر آسمان میں تصرف نہیں کر سکتا۔ ابو جہل نے کہا اے محمد ﷺ چاند چیر دے۔ آپ نے چاند کی طرف شہادت کی انگلی اٹھائی اور اشارہ فرمایا تو چاند چر گیا یعنی دو ٹکڑے ہو گیا۔ ایک ٹکڑا اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا دوسرا دوسری جگہ پر چلا گیا پھر ابو جہل نے کہا آپ اسے فرمایئے کہ آپس میں مل جائے آپ نے اشارہ فرمایا تو وہ دونوں ٹکڑے آپس میں مل گئے۔

حضرت عطار رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔

مہ را انگشت رو بشگافتہ مہر از فرمانش از پس تافتہ

ترجمہ چاند آپ کی انگلی سے نہیں پھٹا بلکہ آپ کے حکم سے سورج بھی واپس لوٹ آیا۔

مثنوی شریف میں ہے۔

پس قمر کہ امر بشنید و شتافت پس دو نیمہ گشت بر چرخ و شکافت

ترجمہ ہر چاند نے آپ کا حکم سنا تو دوڑا آسمان پر ہی دو ٹکڑے ہو کر (باری باری) حاضر ہوا۔

حضرت جامی قدس سرہ نے فرمایا۔

چو مہ را بر سر تیر اشارت ز راز سابئہ معجز بشارت

marfat.ocm

دو نوں شد میم در حلقہ ماہ   چہل را ساخت لو شصت از دو پنجاہ
بلے چوں داشت دستش بر قلم پشت   رقم زد خط شق بر مہ بر انگشت

ترجمہ   جب چاند کو تیر اشارہ مارا انگلی مبارک جو معجزہ کی بشارت والی ہے۔

۲۔ دو نوں ہوئے میم حلقہ چاند میں۔ چالیس کو لب کے ساتھ بنایا دو پنجاہ سے۔

۳۔ لیکن چونکہ لب قلم سے ہاتھ کو پشت دی تو انگلی پر انگلی ماری تو وہ چر گیا۔

یہودی مسلمان ہو گیا   حضور سرور عالم ﷺ شق القمر کا معجزہ دیکھ کر یہودی مسلمان ہو گیا لیکن ابو جہل نے کہا نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ہماری آنکھوں پر جادو کر کے ہمیں چاند دو ٹکڑے کر دکھایا۔

چاند دو ٹکڑے   بعض مفسرین نے فرمایا کہ قریش کے بعض روسا (لیڈر) چودھویں شب کو حضور سرور عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی آپ چاند دو ٹکڑے کر دیں ہم آپ پر ایمان لائیں گے اگر آپ سچے ہیں تو کر دکھائیں آپ نے چاند کی طرف انگلی کا اشارہ کیا اور حکم فرمایا کہ چاند دو ٹکڑے ہو جا چنانچہ وہ دو حصوں پر منقسم ہو گیا ایک حصہ اپنی جگہ سے چلا گیا ایک حصہ اپنی جگہ پر رہ گیا۔

فائدہ   حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حراء کو چاند کے دو حصوں کے درمیان دیکھا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ چاند کے دونوں حصے اپنی جگہ سے چلے گئے۔

فائدہ   بعض نے کہا کہ ایک حصہ مشرق کو گیا دوسرا مغرب کو اس پر تھوڑی دیر کے لئے زمین پر تاریکی چھا گئی اس کے بعد دونوں مل کر آسمان پر طلوع ہوئے جیسے پہلے تھا حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا اشھدوا اشھدوا گواہ ہو جاؤ۔ گواہ ہو جاؤ۔ یہ منظر دیکھ کر کفار قریش نے کہا سحر کم ابن ابی کبشہ ابن ابی کبشہ نے تم پر جادو کیا۔

سارا جہاں گواہ   بعض کفار نے کہا کہ اگر (حضرت) محمد (ﷺ) نے ہم پر جادو کیا تو کیا سارے جہان پر جادو کیا ہے روئے زمین سے آنے والوں سے پوچھئے چنانچہ اطراف سے آنے والوں سے سوال ہوا تو سب نے گواہی دی کہ فلاں وقت میں چاند دو ٹکڑ ہو گیا تھا اور ہم نے اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا۔

marfat.ocm

تردید وہمیوں کی اس سے ثابت ہوا کہ چاند کا دو ٹکڑے ہونا صرف اہل مکہ کے ساتھ نہ تھا بلکہ یہ منظر جملہ اہل آفاق نے دیکھا اس سے اوہام پرستوں کا رد ہو گیا اور ان کے اوہام اور تردید ملاحظہ ہو۔

بعض ملحدوں نے کہا کہ چاند پھٹ جاتا تو اسے جملہ اہل ارض دیکھتے لیکن جملہ اہل الارض کی شہادت کی تصریح کہیں نہیں اس کا اصلی جواب اوپر مذکور ہوا لیکن ملحدوں کو جوابات (ذیل) دینا صحیح نہیں مثلاً کہنا کہ چونکہ ایک جماعت (کفار) نے شق القمر کا سوال کیا فلہذا صرف ان کو نظارہ دکھایا گیا (یہ جواب صحیح نہیں اس لئے اگر دوسرے مقلات کو نظر نہ ایا ہو تو حرج کیا ہے۔ جب مقصد صرف سائلین کو منظر دکھانا سو وہ دکھایا گیا (یہ جوب بھی صحیح نہیں کیونکہ یہ منظر عام تھا اگرچہ منازل (مطالع) مختلف تھے تو کیا ہوا) اور مثلاً یہ کہنا کہ چونکہ یہ منظر رات کے وقت دکھایا اور ایسے وقت میں جب رات کا کافی حصہ گزر چکا تھا اور بڑے بڑے لوگ اس وقت نیند میں تھے (انسان العیون) (یہ جواب صحیح نہیں کیونکہ رات کا وقت کافی گزر جانے سے کب لازم آتا ہے کہ منظر عام نہ ہو اور یہ کب لازم آتا ہے کہ اس وقت تمام لوگ سو رہے ہوں ان میں بعض بیدار ہوتے ہیں بعض نیند میں)

فائدہ الاسلہ الا قمہ میں ممکن ہے اس رات بعض مقامات پہ بادل یا گردو غبار اور آندھی شدید ہو جس کی وجہ سے بعض کو یہ منظر نظر آیا اور بعض کو نہیں (لیکن تھا منظر عام) ہاں یوں کہا جائے کہ کہ اگر شق القمر کا منظر تھا تو عام لیکن اس کی خبریں جملہ آفاق سے متواتر منقول نہیں اور نہ ہی اس خبر میں عرب و عجم جملہ آفاقی لوگ متفق ہو سکے قریبی اور بعیدی دیکھنے والوں سب کا اتفاق منقول نہیں اسی لئے اس میں اختلاف ہوا جیسے معراج کے واقعہ میں اختلاف ہوا تھا اور یہ اختلاف اسی طرح کا ہے جیسے شب معراج رویت باری تعالیٰ کے متعلق اختلاف ہے اسی طرف امام سکی قدس سرہ نے اپنے قصیدہ تائیہ میں اشارہ فرمایا۔

وبدر الدجی انشفق نصفین عندنا ارادت قریش منک اظہار ایتہ

ترجمہ چودھویں کا چاند ہمارے نزدیک دو حصے ہوا اس لئے کہ آپ سے قریش نے اظہار معجزہ چاہا۔ اور صاحب القصیدہ البردہ قدس سرہ نے فرمایا۔

اقسمت بالقمر المنشق ان لہ من قلبہ نسبتہ مبرورۃ القسم

ترجمہ ٹوٹے چاند کو میں نے قسم کھا کر کہا کہ میرے قلب کو بھی تیرے ساتھ نسبت ہے (اور اس قسم کی تصدیق

marfat.ocm

میرا قلب ہے)

اور صاحب الہمزیہ قدس سرہ نے فرمایا۔

شق عن صدرہ وشق لہ البد   رومن شرط کل شرط جزاء

ترجمہ آپ کا سینہ شق ہوا اور چودھویں رات کا چہرہ دو نیم ہوا یہ ہر شرط کی جزاء کے قبیل سے ہے۔

شرح یعنی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا شق صدر ہوا تو آپ کی خاطر چودھویں شب کا چاند پھٹا وہ اس لئے کہ ہر شرط کی جزاء ہوتی ہے کیونکہ جب آپ کا شق صدر ہوا تو گویا اس کی جزا ملی کہ اپ کی خاطر چاند دو نیم ہوا جو بظاہر ایک بڑا ہے اور یہ آپ کے بڑے معجزات سے ہے بلکہ قرآن کے بعد یہی بڑا معجزہ جیسے حضرت صائب قدس سرہ نے فرمایا۔

ہر محنتے مقدمہ راحتے بود   شد ہم زباں حق چو زباں کلیم سوخت

ترجمہ ہر محنت راحت کی مقدمہ ہے وہ رب تعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہوئے جب ان کی زبان انگارے سے جلی۔

کلیم و حبیب و ﷺ کے معجزہ میں فرق حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا مبارک نے دریا چیر دیا لیکن حبیب خدا ﷺ نے قمر چیر دیا۔ سب کو معلوم ہے کہ دریا چیر دینا اتنا تعجب خیز امر نہیں کیونکہ دریا انسان کی سواری ہے اور وہ ملموس (ہاتھ وغیرہ لگایا ہوا) ہے کہ وہاں انسان کا ہاتھ پہنچ سکتا ہے اور انسان قصداً اپنا اثر ڈال سکتا ہے لیکن تعجب خیز امر یہ ہے کہ چاند چیر دیا جائے جس کی حقیقت تک (تاہنوز) انسان کی دریافت عاجز ہے اور وہاں انس و جن کا ہاتھ پہنچنا مشکل امر ہے۔

شق الصدر کا قصہ بی بی حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ (وہ حلیمہ جو حضور سرور عالم ﷺ کی رضائی ماں ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) یہ بنو سعد بن بکر کی بنات سے تھیں اپنی اولاد و ازواج سمیت بعثت کے بعد مسلمان ہو گئیں تھیں ایک دن حضور سرور عالم ﷺ اپنے رضائی بھائیوں کے ساتھ بکریاں چرانے چلے اس وقت آپ کی پانچ سال عمر مبارک تھی جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہے جب دوپہر ہوئی بی بی حلیمہ خود فرماتی ہیں کہ میرا بیٹا دوڑتا ہوا آیا درانحالیکہ وہ پسینہ سے عبور تھا روتا ہوا کہتا تھا اے اماں اے ابا مدد کو پہنچو ۔ ہمارے قریشی بھائی کو پہنچو تو جب اسے ملو گے تو اسے مردہ پاؤ گے میں نے کہا بیٹے کیا بات ہے کہا کہ ہم بکریوں کے

marfat.ocm

ریوڑ میں دوڑتے کھیلتے جا رہے تھے کہ اچانک اسے ایک نوجوان نے اچک لیا اور اسے پہاڑ کی چوٹی پر لے گیا اور ناف تک اس کا سینہ چیر دیا ہمیں تو وہ مقتول محسوس ہوا بی بی حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں میں اور میرا شوہر دوڑ کر پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے تو دیکھا آپ بیٹھ کر آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں جیسے کسی کو آنکھیں پھاڑ کر دیکھتا ہے اور ساتھ ہی تبسم فرما رہے ہیں میں نے آپ کو گلے لگایا اور دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور کہا میری جان قربان آپ کو کیا پیش آیا فرمایا امی خیر ہے گھبراؤ مت۔ دراصل بات یہ ہے کہ میں اور میرا بھائی حمزہ یہاں کھڑے کھیل رہے تھے کہ اچانک دو جوان آئے جن پر سفید کپڑے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ دو سفید پرندے تھے گویا وہ گدھ ہیں۔ ایک روایت میں ہے گویا وہ کرکی (پرندہ) ہیں ان سے دو فرشتے سیدنا جبریل و سیدنا میکائیل علیہما السلام تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ تین فرشتے یعنی حضرت جبرائیل و حضرت میکائیل و حضرت اسرافیل (علی نبینا علیہم السلام) تھے۔

نکتہ جبرائیل علیہ السلام تو اس لئے کہ آپ ملک الوحی ہیں جو حیات القلوب ہے اور میکائیل علیہ السلام اسی لئے کہ آپ ملک الرزق ہیں جو حیات الاجسام ہے اور اسرافیل علیہ السلام جو مطلقاً مظہر الحیات ہیں۔

بقایا واقعہ جب وہ فرشتے آئے تو ان کے ایک ہاتھ میں چاندی کا لوٹا اور دوسرے ہاتھ میں زمرد اخضر کا تھال جو برف سے بھرا ہوا تھا۔

فائدہ یہاں ثلج الیقین (یقین کی ثلج) (برف) مراد ہے مجھے میرے ساتھیوں کے درمیان اٹھا لیا اور پہاڑ کی چوٹی پر لے گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ وادی کے کنارے پر لے گئے اور ایک نے مجھے نہایت آرام سے لٹا کر سینہ چاک کیا اور یہ منظر میں آنکھوں سے دیکھتا رہا لیکن اس سے مجھے اس کا احساس نہ ہوا اور نہ ہی درد ہوا پھر اس نے میرا شکم اطہر میں ہاتھ ڈال کر آنتیں مبارک نکالیں انہیں برف سے دھویا اور خوب دھویا دھو کر ڈال کر آنتیں مبارک نکالیں انہیں برف سے دھویا اس نے پہلے سے کہا ہٹ جا اب میں برف سے وہ کرتا ہوں جو میرے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اس نے مجھے اپنے قریب کر کے میرے شکم اطہر میں ہاتھ ڈال کر میری قلب اطہر نکالا اور اسے دو ٹکڑے کر دیا اس میں سے ایک سیاہ لوتھڑا نکال کر پھینکا اور کہا ھذا للشیطان یہ شیطان کا حصہ تھا یعنی اس کے وسوسہ ڈالنے کا مرکز یعنی وہ جگہ جہاں وہ باتیں القاء کرتا جو آپ کی شان کے لائق نہ تھیں۔

سوال ایسی غلیظ شے نبی علی السلام میں توبہ توبہ۔

marfat.ocm

جواب اللہ تعالیٰ نے آپ کو کامل بشر پیدا فرمایا تو اس میں یہ مقام بھی تھا جو شیطانی القاء کا مرکز تھا جسے آپ کے قلب اطہر سے ہٹایا (اگر آپ میں وہ ٹکڑا نہ ہوتا تو اپ ناقص بشر ہوتے اور نبی کریم ﷺ ہر نقص اور کمی سے پاک اور منزہ ہیں)

فائدہ ایسے ہی حضور سرور عالم ﷺ کے وارثین کاملین (اولیاء) کے دل سے اسی مرکز شیطانی کو جلی ہوئی سیاہ قے کے ذریعے سے باہر پھینکا جاتا ہے جو کہ وہ نور توحید کو گھیرے ہوئے ہوتا ہے۔

قاعدہ شے کے وجود سے ضروری نہیں کہ اس کے نتیجے کا بالفعل صدور بھی ہو اگر حضور سرور عالم ﷺ میں وہ شیطانی مرکز تھا تو ضروری نہیں کہ اپ سے بالفعل شیطانی القاء کا صدور بھی ہوا ہو۔

سوال اگر کوئی سوال کرے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مرکز (جو القائے شیطانی کے قابل ہے) پیدا ہی کیوں کیا جبکہ آپ کی ذات مقدسہ انتہائی منزہ و مقدس تھی اور پھر اس کا پیدا کرنا ممکن بھی تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ سے کون سا امر ناممکن ہے۔

جواب پہلے عرض کیا گیا ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے کامل انسان پیدا فرمایا اور یہ لوتھڑا بھی منجملہ اجزائے انسان میں سے تھا اسے پیدا کر کے تخلیق انسان کی تکمیل ہوئی اس کے بعد نکال لیا گیا اس میں آپ کی تعظیم و تکریم ہوئی۔ اگر اپ میں وہ لوتھڑا نہ ہوتا تو ایک طرف آپ کے اجزائے انسانی میں نقص ہوتا اور اللہ تعالیٰ کو آپ میں کوئی نقص و عیب گوارہ نہیں اور پھر اسے نکالا نہ جاتا تو آپ کی تکریم و عظمت شان کا اظہار نہ ہوتا۔

سوال مشہور روایات میں ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ مختون پیدا ہوئے ار ختنہ کے ٹکڑا کا نہ ہونا بھی تو اجزائے انسانی کی کمی کا موجب ہے لیکن وہ تو عظمت شان سمجھا گیا اور اس کے نہ ہونے میں بھی یہی عظمت و کرامت کا ظہور ہوتا۔

جواب ختنہ کے ٹکڑے کے ہونے میں کاٹتے وقت ستر کھولنا ضروری تھا اور یہ عیب دیگر کے علاوہ تنزہات نبوت کے خلاف تھا اور آپ کو بھی ستر کا کھلنا سخت ناگوار تھا (جیسے کعبہ کی تعمیر کے قصہ سے عیاں ہے) اور سب کو معلوم ہے کہ ختنہ کا ٹکڑا کا نہ ہونا عظمت شان سمجھا جاتا ہے (اور شیطانی ٹکڑا پیدا کرنا اضافہ حسن و کمال ہے جیسے ناخنوں کا ہونا پھر

marfat.ocm

انہیں کاٹنا حسن میں اضافہ کا موجب ہے اگر وہ پیدائشی نہ ہوں تو عیب ہے ایسے ہی حظہ شیطان کو سمجھئے)

بقایا قصہ حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ پھر میری آستین مبارک کو اس شے سے پر کیا جو اس کے پاس تھی یعنی حکمت و ایمان کا (نور) اس کے بعد میری انتیں پاک اپنے مقام میں رکھ کر ایسے نور کی مہر لگائی کہ جو دیکھنے والوں کو حیران کر رہی تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک فرشتہ میری طرف متوجہ ہوا اس کے ہاتھ میں مہر تھی جس میں نور کا شعاع تھا اسے میرے دو کاندھوں مبارک اور پستان اقدس کے درمیان رکھا۔

سوال ایک مہر کی بات مشہور ہے تم ایک اور مہر کہاں سے نکال لی۔

جواب مہر کے تعدد کو کیا شے مانع ہے یہ قلب کی مہر تھی جو سینہ اقدس اور کاندھوں کے درمیان کی حفاظت کے لئے رکھی گئی اس میں آپ کی حفاظت میں مبالغہ ہے عقل ابھی اس مہر کا ہونا ممکن ہے اس لئے کہ سینہ مبارک قلب کا قریبی برتن ہے اور جسم مبارک اس کا بعیدی برتن ہے (اور فرق ظاہر ہے)

نکتہ مہر کو دو کاندھوں کے درمیان میں رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ یہی جگہ بہ نسبت دیگر جسم کے قلب کو قریب تر ہے علاوہ ازیں یہی ابلیس کی سونڈ کی جگہ ہے کیونکہ دشمن ہمیشہ گھر میں پیچھے کے حصے سے داخل ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ سنگی اسی جگہ پر لگائی جاتی ہے۔

فائدہ حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا اسی مہر کی ٹھنڈک میں عروق (رگوں) اور مفاصل (جوڑوں میں) محسوس کرتا ہوں۔

تیسرے فرشتہ کی کارروائی تیسرا فرشتہ اٹھا اس نے دونوں کو ہٹا کر اللہ تعالیٰ کا وعدہ مکمل فرمایا اس نے مجھے اپنے قریب لا کر میرے سینے کے چرنے کی جگہ سے تا آخر اپنا ہاتھ پھیرا اور چرے ہوئے مقام کو مکمل طور پر جوڑ دیا اور یہ سارا منظر میں نے آنکھوں سے دیکھا۔

فائدہ سینوں میں چیر کا نشان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم نے دیکھا ایسے معلوم ہوتا جیسے سینہ مبارک کو سوئی سے سی دیا گیا ہو جو دراصل حضرت جبرئیل علیہ السلام (تیسرے فرشتے) کے ہاتھ پھیرنے کا نشان تھا پھر مجھے انہوں نے

marfat.ocm

آرام سے زمین پر لٹا دیا۔

نبی علیہ السلام کا وزن مبارک پھر ملائکہ میں سے پہلے (جس نے میرا سینہ چیرا تھا) کہا کہ انہیں تولو آپ کی امت میں سے دس آدمیوں سے مجھے وزن کیا گیا تو میں ان سے بڑھ گیا پھر کہا بیس آدمیوں کے ساتھ تولو میں ان کے ساتھ تولا گیا تو میں ان سے بڑھ گیا پھر کہا سو آدمیوں سے تولو تو بھی میں بڑھ گیا پھر کہا ایک ہزار سے تولو تب بھی میں بڑھ گیا کہا کہ چھوڑو اگر تمام امت سے تولا جائے تو بھی بڑھ جائیں گے۔

صاحب روح البیان رحمتہ اللہ علیہ کا پر ذوق بیان فقیر (صاحب روح البیان رحمتہ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ اس وزن میں بڑھ جانے کا اشارہ ہے کہ آپ موجودات کے جیسے مجموعی طور افضل ہیں ایسے ہی ان کے ہر ہر فرد سے یہ جو کسی نے کہا (ہو گا) کہ آپ مجموعی طور تو افضل ہیں لیکن ہر فرد سے علیحدہ علیحدہ ہیں یا نہیں اس میں توقف ہے لیکن اس تفصیل میں توقف کرنے والا حضور سرور عالم ﷺ کی شان عالی سے اپنی جہالت کا ثبوت دے[1] رہا ہے۔ ایسا شخص اس لئے جاہل ہے کہ اسے معلوم نہیں کہ حضور سرور عالم ﷺ مجموعہ اسماء الٰہیہ کی احدیت اور برزخیت ہیں (اچھی طرح سمجھ لے ورنہ وہابی ہو جاؤ گے) اویسی غفرلہ۔

ملائکہ کرام محبوب خدا ﷺ کے عاشق حضور سرور عالم نے فرمایا کہ۔

ثم انکبوا علی وقبلوا راسی وعینی وقالوا یا جیباہ انک لو تدری ما یراد بک من الخیر قرت عیناک (روح البیان)

ترجمہ انہوں نے لوٹایا اور سر آنکھوں کو چوم کر عرض کی اے محبوب آپ کو علم ہوتا تو اس میں کتنا خیر و برکت ہے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں۔

تبصرہ اویسی غفرلہ ملائکہ کرام نے اپنے علم کے مطابق کہا ورنہ کیا حضور علیہ الصلوۃ والسلام اپنی مراد سے آگاہ نہ تھے (حاشا و کلا)

---

[1] اگر یہی بات امام اہلسنت فاضل بریلوی شاہ احمد رضا قدس سرہ فرمائیں تو لوگ چڑتے ہیں حالانکہ وہ چڑتے ہیں جو اس قسم کے جاہل ہیں جنہیں صاحب روح البیان قدس سرہ جاہل لکھ رہے ہیں۔ اویسی غفرلہ)

بقیہ قصہ حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ ملائکہ کرام مجھے یہاں چھوڑ کر اڑتے ہوئے آسمانوں کی طرف چلے گئے جنہیں میں ابھی آنکھ کھول کر دیکھ رہا تھا۔ اور آسمانوں کے جس مقام میں داخل ہوئے ہیں اگر آپ (حلیمہ رضی اللہ عنہا) چاہیں تو دکھادوں[لہ]۔

شق صدر کتنی بار ہوا؟ حضور سرور عالم ﷺ کا شق صدر بار بار باتکرار ہوا۔

۱۔ حظ الشیطان کے اخراج کے لئے (جیسے اوپر مذکور ہوا) کیونکہ وہ ٹکڑا آپ کے جسم اطہر میں رہنے کے لائق نہ تھا۔

۲۔ وحی کے ابتداء میں تاکہ اپ (کی بشریت) وحی کے بوجھ اٹھانے کے لائق ہو سکے۔

۳۔ معراج کی شب تاکہ آپ (کی بشریت) اسرار و رموز کی حامل ہو سکے۔

فائدہ یہی شرح معنوی حضور سرور عالم ﷺ کے کاملین امت کے لئے بھی ہے اور حصول فیض الٰہی کے حصول کے لئے یہ ضروری اور نہایت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کے لئے آسان فرمائے۔

شق القمر کا بقیہ یہاں ایک بات سمجھنا ضروری ہے بعض نے کہا کہ شق القمر واضح ہو لے۔ مثنوی شریف کے شعر ذیل کو اس پر محمول کیا جائے تو بعید نہیں۔

سایہ خواب آرد ترا ہمچوں سمر   چوں بر آید شمس شق القمر

ترجمہ سایہ تجھے نیند میں لاتا ہے درخت کی طرح۔ جب سورج نمودار ہوتا ہے تو چاند چھپ جاتا ہے۔

شرح یعنی امر واضح اور ظاہر ہو گیا وہ یوں کہ قیامت کے قریب ہونے پر مخفی امر منکشف ہو جائے گا اور چھپی بات کھل کر سامنے آجائے گی اور حق و باطل ہر وجہ سے کھل جائیں گے۔

حدیث شرح حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ جب زمانہ قیامت قریب ہو جائے گا تو مومن کا

(حاشیہ لہ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ حضور سرور عالم ﷺ اعلان بنوت سے پہلے بے خبر تھے ان کی جہالت بلکہ سفاہت ہے یا تو وہ ایسے واقعات اور صحیح روایات کا انکار کر کے منکرین حدیث ہونے کا اعلان کریں ورنہ ہم تو پہلے سمجھ چکے ہیں کہ وہی پرانے شکاری (یہودی) ہیں جن کے جال ہیں نئے نئے۔ اویسی غفرلہ)

marfat.ocm

(تقریباً) ہر خواب جھوٹا نہ ہو گا خلاصہ یہ کہ آخری زمانہ (قرب قیامت) میں ہر امر واضح اور حقیقت کا ظہور ہو جائے گا۔

نکتہ یہی وجہ ہے کہ اخری دور کے سالک کے سامنے تھوڑے سے عرصہ میں وہ امور منکشف ہو جائیں گے جو امم سابق میں مدتوں ظاہر نہیں ہو سکتے تھے۔

نکتہ مذکور کی (دلیل) اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کے بارے میں فرمایا یوم تبلی السرائر اس دن کہ راز تو جب وہ زمانہ قریب ہو گا تو وہ بھی قریب ہو گا تو وہ بھی یوم قیامت کے حکم میں ہو گا اسی لئے امور زیادہ کشوف اور پوشیدہ باتیں زیادہ ظاہر ہوں گے۔

نثار تیری چہل پہل پہ ہزاروں عیدیں حضرت البقلی قدس سرہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا ارواح انبیاء و مرسلین اور ملائکہ مقربین اور اولیاء عارفین اور جملہ صالحین کو جمال الہٰی اور وصال ربانی اور جوار رحمانی نصیب ہو گا لیکن اس وقت محبوب محمد ﷺ دنیا میں تشریف لائیں گے جب آپ تشریف لائے تو اس پر کفار و مشرکین کو شک ہوا کہ کیا یہ وہی ہیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی نبوت کی صداقت پر شق القمر کا معجزہ ظاہر فرمایا تاکہ انہیں معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ کریمہ ہے کہ وہ قیامت لائے گا کہ جس میں آیات الہٰی اور اس کی صفات وفات کے آیات کے غرائب کا ظہور و صدور ہو گا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ساعت یعنی قیامت دو ہیں۔

۱۔ کبریٰ۔ یہ عام ہے یعنی جملہ مخلوق کے لئے ہے اسی کے لئے فرمایا کہ قیامت قریب ہو گئی۔

۲۔ صغریٰ۔ اور یہ خاص سالکین الی اللہ کے لئے ہے کہ ان سے اوصاف بشریہ اور علائق طبعیہ کا رفع ہو گا اور خاص ہے سائرین فی اللہ کے لئے جنہیں اوصاف الٰہیہ و اخلاق ربانیہ سے نوازا جائے گا اور خاص ہے راجعین من الحق الی خلق کے جنہیں فنائے خلقانی کے بعد بقاء حقانی اور مقام فرق کے بعد مقام حق نصیب ہو گا۔

قیامت ہروقت قائم ہے یہ قیامت صغریٰ ان کے اہل کے لئے ہر وقت اور ہر آن قائم ہے اللہ تعالیٰ کی ایک تجلی جلالی ہے جو فناء کرتی ہے پھر دوسری تجلی جمالی اٹھتی ہے تو وہ بقاء بخشی ہے اسی طرف حضور سرور عالم

marfat.ocm

ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ۔

من مات فقد قامت قیامتہ (جو مرتا ہے اس کے لئے قیامت قائم ہو جاتی ہے)

انشق القمر یعنی قلب سالک کا قمر پھٹ گیا نفس مظلمہ کی تاریکیوں سے غلبہ نور شمس فلک الروح کی وجہ سے بہر حال ایسی قیامت قائم ہوئی اس قلب پر جو حی منور ہے ساتھ نور الہٰی کے ورنہ وہ قیامت خاص تو واقع ہوگی جب موت آئے گی پھر حشر و نشر ہو گا اچھی طرح سمجھ لے اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جو ایسی بات پر تعجب کرتے اور ہنستے اور روتے ہیں۔

(اللہ تعالیٰ توفیق اور مدد دینے والا ہے)

تفسیر عالمانہ وان یروا اور اگر وہ قریش دیکھیں آیتہ اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے کوئی آیت جو اس کی قدرت اور حضور نبی پاک ﷺ کی صدق نبوت پر دلالت کرتی ہے جیسے شق القمر اور اس جیسے اور معجزات۔

فائدہ وہ امر جو انبیاء علیہم السلام (خرقاً للعادۃ) لائیں۔ اسے معجزہ اس لئے کہا جاتا ہے (کہ معجزہ کا معنی عاجز کرنے والا) چونکہ مخلوق اس جیسا امر لانے سے عاجز ہے۔ اسی لئے اس نام سے موسوم ہوا۔

یعرضوا اس میں تامل (غور و فکر) سے روگردانی کرتے ہیں کہ اس کی حقیقت اور اس کی طبقاتی بلندی کو سمجھ کر ایمان لاتے (لیکن نہیں معجزات میں غور و فکر کا نام تک نہ لیا)

ویقولوا اور کہتے ہیں یہ تو سحر مستمر دائمی جادو ہے ایسے ہی ایسے لوگوں سے کاری ہوتا رہتا ہے اور (حضرت) محمد (ﷺ) اسی دستور کے مطابق جادو کر رہے ہیں جیسے دوسرے جادوگر جادو کیا کرتے ہیں (معاذ اللہ)

حل لغات استمرار بمعنی اطراد ہے کہا جاتا ہے اطر والشئی بمعنی اتبع بعضہ بعضا وجری اس کا بعض بعض کے پیچھے آیا اور جاری ہوا۔

فائدہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے اس سے قبل بھی کئی معجزات مسلسل دیکھے تھے اسی لئے تو تسخیر کے بعد مستمر کہا (تردید المنکرین) اس سے ثابت ہوا کہ شق القمر واقع ہوا نہ یہ کہ قیامت میں واقع ہو گا (جیسے آج کل کے

marfat.ocm

منکرین کہتے ہیں) اس لئے کہ اگر شق القمر دوسرے معجزات کی جنس سے نہ ہوتا تو اس مقام پر اسے ذکر کرنا مناسب نہ ہوتا نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ تمام لوگوں اور تمام شہروں میں تھا (یہ نہیں کہ صرف عرب اور وہ بھی صرف اہل مکہ کے لئے) اور جس کی نگاہ پڑی اس نے اسی شب کو دو ٹکڑے دیکھا

فائدہ بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ انہوں نے کہا کہ یہ ایسا جادو دائمی ہے جو زمین و آسمان تک جاری و ساری ہے۔

حل لغات یہ بھی جائز ہے کہ کہا جائے کہ استمرار از مرۃ (بالکسرہ) بمعنی القوہ کہا جاتا ہے امررتہ فاستمر میں نے اسے مضبوط کیا تو وہ مضبوط ہو گیا یعنی استمرار بمعنی استحکام ہے یعنی یہ جادو ایسا قوی و مستحکم ہے کہ اس کا ازالہ ناممکن ہے یا یہ ایسا قوی اور سخت ہے جو ہر جادو پر غالب ہے یا مستمر بمعنی ذاہب ہے۔ یعنی یہ معجزہ چلا جائے گا اور تھوڑے عرصہ کے بعد مٹ جائے گا یہ ان کی اپنے لئے طفلانہ تسلی اور خیالی دلاسہ تھا اس وقت مستمر مرور (جانا) سے ہو گا۔

وکذبوا اور تکذیب کی نبی پاک ﷺ کی اور ان معجزات کی جو اللہ تعالیٰ نے رسول کے ذریعہ ظاہر فرمائے۔

وَاتَّبَعُوٓا اَهْوَآئَهُمْ اور ان شہوات کے پیچھے لگے ہو جو انہیں شیطان حق سے پھیر کر باطل کی طرف لانے کے لئے سنگار کر کر دکھائے حالانکہ ان کے سامنے حق ظاہر اور واضح تھا یا یہ معنی ہے کہ انہوں نے اس معجزہ کی تکذیب کی جو ابھی مذکور ہوا یعنی شق القمر کی اور اپنی شہوات و خواہشات کی اتباع کی اور کہا کہ چاند پر جادو کیا گیا ہے یا چاند اپنی حالت پر ہے لیکن ہماری آنکھوں پر جادو ہوا ہے چاند کا کچھ نہیں بگڑا یا چاند گرہن ہوا ہے اور یہ جو دو ٹکڑے نظر آئے جو کوئی اور شے تھی جو آسمان کے کناروں سے ظاہر ہوتی ہے یہ ان کی باطل خواہشات اور خیالی تصورات تھے۔

بدگمانی لازم بدباطناں افتادہ است
گوشہ از خلق جاکردم کمین پنداشتند

ترجمہ بدگمانی بدباطنوں کو چمٹتی ہے میں نے گوشہ تنہائی کو عافیت سمجھا انہوں نے کہ یہ چھپ کر کسی پر حملہ کرنے کے لئے تنہائی میں بیٹھا ہے۔

marfat.ocm

نکتہ ماضی کے بجائے یعرضوا و یقولوا کو مستقبل میں لانے میں اشارہ ہے کہ ان کی یہ پرانی علوت ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی محجوب او بجر دنیا اور اس کی شہوات میں مستغرق ہیں۔ جب ان پر خاطر رحمانی میں سے مع اقبال الی اللہ و متابعت الرسول ﷺ و ترک حب دنیا و رفع الشہوات کا کچھ ظاہر ہوتا ہے تو وہ اس خاطر رحمانی سے روگردانی کرتے ہیں بلکہ وہ اس کی بالکل نفی کر دیتے ہیں اور ہر طرح سے اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کچھ بھی بلکہ الٹا پہلے سے زائد حسب دنیا و متابعت نفس و موافقت شہوات میں غرق ہو کر اس کی تکذیب کرتے ہیں۔

تعبیر خواب کسی نے خواب میں دیکھا کہ اوپر تو خرقہ فقر پہنایا گیا ہے لیکن اس کے اندر یعنی جسم پر ریشمی قمیض ہے یعنی اوپر سے فقر کا لباس اور اندر ریشمی۔ تو یہ اس کی دلیل ہے کہ اس کے فقر کا محض دعوی ہے اور ظاہر اتقاء کا صرف پروگرام ہے اس سے اسے حقیقتاً کوئی فائدہ نہیں ہے۔

تفسیر عالمانہ وکل امر مستقر اور ہر امر مستقر ہے یعنی یہ جملہ امور اپنی انتہا کو پہنچیں گے جو اپنے مقصد پر قرار پکڑیں گے ان میں سے نبی پاک ﷺ کا معاملہ بھی ہے کہ وہ اپنی غایت پر اس کی حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی اور ان کا شان بلند و بالا ہو گا۔

نکتہ مستقر کو للبہم لانے میں تنبیہہ ہے کہ وہ اپنے حال کے ظہور کے لحاظ سے ایسا کامل ہے کہ جس کی تصریح کی ضرورت بھی نہیں یا یہ کہ ان کافروں کا اور حضور ﷺ کا معاملہ مستقر ہے یعنی عنقریب ثابت اور اپنی جگہ پر قرار پکڑے گا کہ کسے دنیا میں رسوائی اور کس کی منجانب اللہ مدد ہوتی ہے کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جب شے اپنی انتہا کو پہنچتی تو ثابت ہوتی اور قرار پاتی ہے یہاں استقرار سے اس کا ملزوم یعنی انتہاء الی الغایت مراد ہے کیونکہ اس وقت ہی ہر شے کی حقیقت انتہاء کو پہنچ کر ظاہر کرتی ہے کہ خیر ہے شر۔ حق ہے یا باطل خواہش نفسانی ہے یا حجت قوی پھر پتہ چلتا ہے کہ حقیقی بات منکشف ہو گئی لیکن شبہات والتباسات ختم ہو گئے قاعدہ ہے کہ عواقب (انتہائی امر) پر ظاہر ہوتے ہیں۔

فائدہ اس میں وعید ہے مشرکوں کو اور وعدہ بشارت ہے حضور نبی پاک ﷺ اور اہل ایمان کو اس کی نظیر

marfat.ocm

لکل نبامستقر وسوف تعلمون (ہر ایک کے لئے قرار گاہ ہے اور تم عنقریب جان لوگے) یعنی کوئی مدت کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو منتہی تک ضرور پہنچے گی اور اس کی حقیقت ضرور منکشف ہوگی پھر معلوم ہو گا کہ حق کیا ہے اور باطل کیا۔

فائدہ عین المعانی میں ہے کہ ہر وہ وعدہ جو انہیں اللہ تعالیٰ نے دیا ہے وہ اپنے وقت پر ضرور ہو گا اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ امر محمد (ﷺ) سے روح اور امر ابی جہل سے نفس مراد ہے اور ان ہر دونوں کی انتہا و غایت ہے جہاں وہ قرار پکڑیں گے یا تو بواسطہ تخلق بالاخلاق الالٰہیہ سعادت ابدیہ نصیب ہو گی یا بسبب اتصاف بالصفات البشریہ الحیوانیہ شقاوت دائمہ حاصل ہو گی۔

تفسیر عالمانہ ولقد جاءھم بخدا ان کے ہاں آئی ہیں۔ یعنی اہل مکہ کے ہاں قرآن میں آئی ہیں۔ من الانباء خبروں میں سے۔

حل لغات الانباء نباء کی جمع ہے وہ خبر جس سے عظیم فائدہ ہو جس سے علم یقینی یا ظن غالب حاصل ہو در اصل ہر خبر کو نباء نہیں کہا جاتا۔ تاکہ کہا جائے کہ یہ ان اخبار ثلاثہ کو متضمن ہے یعنی قرون خالیہ و اخبار اور وہ خبریں جو عذاب الکفار سے موصوف ہیں اس معنی پر لام مضاف الیہ کی عوض اور مابعد سے حال ہے۔

مافیہ مزدجر وہ جو اس میں عذاب دینے کی جھڑکیاں ہیں۔

فائدہ اگر الانباء سے قرون گزشتہ مراد ہیں یا وعید ہے تو الانباء سے آخرت کی خبریں مراد ہیں یا مزدجر بمعنی عذاب کی جگہ لیکن اس وقت لفظ فی تجرید یہ ہو گا۔ اب معنی یہ ہوا کہ وہ فی نفسہ زجر و توبیخ کی جگہ ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں ہے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ یعنی رسول اللہ ﷺ فی نفسہ اسوہ حسنہ ہیں۔

قاعدہ صرفیہ[1] مزدجر میں تاء افتعل دال سے تبدیل ہوئی کیونکہ علم الصرف کا قاعدہ ہے کہ تاء افتعل سے پہلے فاء کے مقابلہ

---

[1] قواعد صرفیہ کی مزید تفصیل فقیر کی تصانیف شرح ابواب و فیاضی شرح زرادی و صرف لمکی میں دیکھئے)

marfat.ocm

دال۔ ذال زاء واقع ہو تو بوجہ مناسبت فی المخرج یا تناسب کو حاصل کرنے پر تاء ان حروف سے تبدیل ہو جاتی ہے کیونکہ تاء مہموسہ اور یہ حروف (دال۔ ذال۔ زاء) مجہورہ ہیں یعنی مزدجر دراصل مز تجر تھا اس لئے کہ یہ الزجر سے ہے تاء دال سے تبدیل ہوئی کیونکہ زاء حرف مجہور اور تاء حرف مہموس اور ذال جر میں زاء اور مخرج میں تاء کے مناسب ہے۔

حل لغات اہل عرب کہتے ہیں کہ زجرہ وازدجرہ بمعنی نہاہ عن السوء۔ اسے برائی سے روکا اور اسے نصیحت کی صرف فرق یہ ہے کہ افتعل ازدجر میں مبالغہ ہے اور فعل (زجر) میں نہیں۔ امام راغب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ الزجر بمعنی آواز دے کر روکنا کہا جاتا ہے۔ زجرتہ فانزجر" میں نے اسے روکا تو وہ رک گیا پھر کبھی مطلقا الطرد (روکنا) کے معنی میں مستعمل ہونے لگا اور کبھی آواز کے روکنے پر اور قول باری تعالیٰ مُزْدَجِرٌ بمعنی (گناہوں) کے ارتکاب سے روکنا حکمتہ بالغتہ یہ بالغہ ہے یعنی اس کی غایت حکمت تک پہنچتی ہے اس میں کسی قسم کا خلل اور نقصان نہیں یا یہ انداز و نہی و وعظ کی انتہا کو پہنچتی ہے یہ باء سے بدل یا مبتداء محذوف کی خبر ہے (القاموس) میں ہے کہ الحکمتہ (بالکسر) بمعنی ۱۔ العدل ۲۔ العلم ۳۔ الحلم ۴۔ النبوت القرآن (المفردات) میں ہے الحکمتہ بمعنی علم و فعل میں اصابتہ الحق (حق کے عین مطابق ہونا) اللہ تعالیٰ کی طرف حکمت منسوب ہو تو معرفت الاشیاء یا انہیں نہایت مضبوطی سے پیدا کرنا اور انسان کی طرف منسوب ہو تو بمعنی معرفت الموجودات و فعل الخیرات اور جب قرآن کو حکیم سے موصوف کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حکمت کو متضمن ہے یعنی اس میں امور علمیہ و عملیہ ہر دونوں ہیں اور حکمت منطوق بہا سے علوم شرعیہ اور الطریقہ مراد ہے اور حکمت مسکوت عنہا سے وہ اسرار الحقیقت مراد ہیں جن سے علماء الرسوم اور عوام (جتنا ان کے لائق ہے) آگاہ ہیں ایسی حکمت انہیں یا نقصان پہنچاتی ہے یا ہلاک و تباہ کر ڈالتی ہے۔

فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ تو انہیں ڈرانے والے کسی شے سے نہ بچا سکیں گے یہاں اغناء کی نفی ہے اور اس کا مفعول محذوف ہے دراصل عبارت لم تغن النذر شیئا تھا (انہیں ڈرانے والوں نے کسی شے سے نہ بچایا) یا استفہام انکاری ہے تو ما منصوبہ ہے اور تغن کا مفعول بہ مقدم ہے یہ دراصل ای اغناء تغنی القدر تھا یعنی جب یہ نذر

marfat.ocm

کی مخالفت و تکذیب کرتے ہیں تو کون سے اغناء کے بل بوتے پر یعنی اس سے انہیں کوئی فائدہ نہ ہو گا جیسے دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَا تُغْنِی الْاٰیٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ اور آیات و نذر اس قوم کو کوئی فائدہ نہ دیں گے جو ایمان نہیں لاتے) النذر نذیر کی جمع ہے بمعنی المنذر ہے یا مصدر ہے بمعنی الانذر

تفسیرِ صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ قلب منذر کے ڈرانے سے نفوس متمردہ کو کوئی فائدہ نہ ہو گا کیونکہ روح منذر و القرآن کا اور قلب منذر الحقیقت کے مظہر۔

تفسیر عالمانہ فَتَوَلَّ تو ان سے منہ پھیر لیجئے کیونکہ آپ کو معلوم ہے کہ انذار ان میں اثر نہ کرے گا اور نہ ہی اس سے انہیں کوئی فائدہ ہو گا۔ فاء سببیّہ ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ ان سے جنگ کے حکم کے نزول تک منہ پھیر لیجئے اور ان کی سزا کا انکار فرمایئے۔

یَوْمَ یَدْعُ الدَّاعِ اس دن کہ پکارنے والا پکارے گا۔

حل لغات یہ دراصل یَوْمَ یَدْعُوالدَّاعِیْ داو اویاء کے ساتھ تھا جب لفظ یدعو کی واؤ اجتماع الساکنین کی وجہ سے گری تو لکھنے میں گرا دی گئی تاکہ لفظی مناسبت بحال رہے اور الداعی کی یاء محذوف کر کے کسرہ پر (تخفیف کے طور) اکتفا کیا گیا ہے۔ بعض نے کہا الداعی میں کو تخفیفاً میں مبالغہ کے طور ہوئی (اگرچہ انتظار ساکنین نہیں لیکن) ال (الف لام الداعی والا) کو تنوین کے قائم مقام سمجھ کر یاء محذوف کر دی گئی۔

قاعدہ قاعدہ ہے جیسے یاء تنوین سے التقاء ساکنین کی وجہ سے محذوف ہوتی ہے ایسے ہی اس کے قائم مقام کے وقت بھی یوم منصوب ہے یخرجون یا الداعی سے حضرت اسرافیل علیہ السلام مراد ہیں کہ وہ صخرہ بیت المقدس پر کھڑے ہو کر صور پھونک کر تمام مرنے والوں کو پکاریں گے۔ اور کہیں گے ایتہا العظام العالیہ واللحوم المتمرقہ والشعور المتفرقہ ان اللہ یامرکن ان تجتمعن لفصل القضاء (روح البیان ص ۲۴۹ ج ۹) اے پرانی ہڈیو اور متفرق گوشت کے ٹکڑو اور متفرق بالو تمہیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ تم فیصلہ ربانی کے لئے جمع ہو جاؤ۔

فائدہ بعض نے کہا کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے اور حضرت جبریل علیہ السلام ندا دیں گے در

ندء کے الفاظ وہی ہیں جو اوپر مذکور ہوئے جو بھی ہو یہاں دعاء (پکارنا) حقیقی معنی میں ہے۔ بعض نے کہاکہ یہ امر کن فیکون کی طرح مجاز ہے یعنی قیامت میں پکارنا اور اموات کو لوٹانا ایسے ہے کہ ابتداءً تکوین میں لفظ کن کہا گیا جبکہ اس وقت نہ داعی اسرافیل ہوں گے نہ کوئی اور بلکہ یہاں دعاء سے مراد فقط مشیت باری تعالیٰ ہے۔

سوال اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت مراد ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے ارادہ مرد کا تخلف لازم آتا ہے۔

جواب اس سے تخلف لازم نہیں آتا داعی مطاع کی دعا (پکار) سے اجابت پر تخلف لازم نہیں۔

فائدہ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے اسے حقیقی معنی میں رکھنا اولیٰ ہے کیونکہ اسرافیل علیہ السلام مظہر الحیات ہیں اور ان کے ہاتھ میں صور بھی منجانب اللہ عطا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کو بعض اشیاء کو بعض سے مربوط بھی فرماتا ہے اگرچہ سب کچھ اسی کے ارادہ و مشیت پر ہوتا ہے۔

اِلٰی شَیْءٍ نُّکُرٍ طرف شے ناگوار۔

حل لغات النکر (بضمتین) بروزن فعل صفت ہے اسے بسکون الکاف بھی پڑھا گیا ہے ہر دونوں بمعنی منکر لطبع یعنی وہ شے جو نفوس کو ناگوار ہو بوجہ اس سے مانوس نہ ہونے اس سے قیامت کی ہولناکی مراد ہے اس سے منکر نکیر ماخوذ ہیں یعنی وہ دو فرشتے جو ہر قبر میں آئیں گے چونکہ وہ میّت کے لئے غیر معہود ہیں اسی لئے انہیں منکر نکیر کہا جاتا ہے۔

خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ نیچے ہوں گی ان کی آنکھیں (یہ) یَخْرُجُوْنَ (سے حال ہے) یَخْرُجُوْنَ نکلیں گے حال کی تقدیم اس لئے ہے کہ عامل فعل وہ فعل ہر طرح سے متصرف ہے (آگے ہو یا بعد کو) مِنَ الاجداث قبروں سے۔

حل لغات جذث (بحرکتہ) کی جمع ہے بمعنی القبر یعنی قبروں سے نکلیں گے تو ان کا حال یہ ہو گا کہ ان کی آنکھیں ہولناکی اور عذاب کو دیکھنے کی وجہ سے نیچے ہوں گی۔

الخشوع عاجزی اکثر اس کا استعمال اسی عاجزی میں ہوتا ہے جو اعضاء میں ہو الضراعہ (عاجزی) کا اکثر استعمال قلب میں ہوتا ہے جیسے مروی ہے کہ اذا ضرع القلب خشعت الجوارح جب

قلب عاجز ہو تو اعضاء بھی عاجزی والے ہوتے ہیں۔

نکتہ صرف آنکھوں کو خشوع سے اس لئے مخصوص کیا گیا ہے کہ اس وقت خشوع کا اظہار آنکھوں سے زیادہ ہو گا بہ نسبت دوسرے اعضاء کے ایسے ہی حیاء یا خوف وغیرہ بھی آنکھوں سے زیادہ ظاہر ہوتا ہے بہ نسبت دوسرے اعضاء کے۔

کانھم جراد گویا وہ ٹڈیاں ہیں ان سے صرف تشبیہ دی گئی ہے۔

حل لغات جراد بمعنی ٹڈی۔ اسے جرد اس لئے کہا جاتا ہے کہ زمین کی کھیتی کھا کر اسے صاف کر دیتی ہے اہل عرب کہتے ہیں ارض مجرودۃ یعنی ٹڈی اس کے اوپر کی کھیتی کھا گئی ہے اب وہ صاف ہے۔ (المفردات)

منتشر پھیلی ہوئیں کثرت اور موج در موج ہونے اور زمین کے کناروں میں پھیلنے کی وجہ سے ایسے ہی کہا گیا ہے۔

کالفراش المبثوث پھیلے ہوئے پروانوں کی طرح۔

مھطعین الی لداع بلانے والے کی طرف تیز دوڑنے والے ہوں گے۔ یہ بھی حال ہے یعنی درانحالیکہ وہ داعی کی جانب تیز دوڑنے والے ہوں گے گردن کو اوپر کر کے یا اس کی طرف اسے دیکھنے والے ہوں گے اس سے آنکھیں نہ ہٹائیں گے۔

حل لغات اہل عرب کہتے ہیں ہطع الرجل (اس نے کسی کی طرف آنکھیں لگا کر دوسری طرف نہ ہٹائیں) اھطع تیز دوڑتے وقت اس نے گردن دراز کر کے سیدھا رکھا۔ (الجوہری ۱۲)

تفسیر صوفیانہ اس میں نفوس کی ابصار کی ذلت کی اشارہ ہے کہ وہ بھی جب دنیا سے ایسے ہو جاتی ہیں اور ابصار قلوب کی روشنی بجھ جانے کی طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ شواہد الحق سے محروم ہیں اور نفوس روئیہ کی طرف اشارہ ہے کہ وہ صفات رذیلہ کی قبور سے نکلتے ہیں تو ان کا حال حریص ٹڈی جیسا ہوتا ہے کہ وہ قلب کی کھیتی (اخلاق روحانیہ) کے کھانے کی حرص ہے۔ وہ نفوس روئیہ پھیل جاتے ہیں روح کے کھیتوں اور قلب کے باغات میں فساد و افساد کے ساتھ۔ اور تم دیکھتے ہو ایسے نفوس خبیثہ کو جلدی کرنے والے شہوات نفسانیہ اور لذات جسمانیہ کے داعی کی طرف

marfat.ocm

اس کی دعوت کے راغب اور اس کی طلب میں متوجہ۔

تفسیر عالمانہ یقول الکٰفِرون کافر کہیں گے جملہ مستانفہ ہے جواب ہے اس سے جو پیدا ہوا یوم کی ہولناکی اور لوگوں کی بدحالی سے گویا سوال ہوا کہ اس وقت لوگ کیا کہیں گے جواب ملا کافر کہیں گے۔

ھذایوم عسر یہ دکھی دن ہے یہ دن ہم پر سخت ہے قبور سے نکل کر چالیس سال کھڑے کھڑے رہیں گے ہمیں اس دن کی مشقت سے بچا اگرچہ جہنم میں بھیج کر پھر حساب کے لئے مامور ہوں گے۔

نکتہ اس قول کو کفار کی طرف اسناد میں اشارہ ہے کہ اہل ایمان کو قبور سے اٹھنے کے بعد کوئی تنگی اور شدت نہ ہو گی بلکہ ایمان و اعمال صالحہ کی برکت سے وہ دن ان پر آسان ہو گا بلکہ وہ پاک وصاف اور محفوظ ہوں گے اس سے وہ حضرات مراد ہیں جن کے بواطن گمراہ کن شبہ سے اور ان کے ظواہر مخالفات شرع سے آلودہ نہ ہوں گے وہ ایسے امن میں ہوں گے کہ ان پر انبیاء علیہم السلام رشک کریں گے صرف اس میں کہ وہ امن میں ہیں اور انبیاء علیہم السلام کو امتوں کی وجہ سے خوف ہو گا انبیاء رسل علیہم السلام اپنی اپنی امتوں سے خائف ہوں گے کہ نامعلوم ان کے ساتھ ایسے ایسے ہو گا اور یہ لوگ امن و سلامتی میں ہیں کیونکہ انبیاء و رسل علیہم السلام کی جبلی علوت بنائی ہے کہ وہ مخلوق کے لئے شفقت کریں اس لئے وہ قیامت میں کہیں گے۔ سلّم سلّم (اے اللہ انہیں سلامتی دے) ورنہ ان پر تو کسی قسم کی چھوٹی بڑی کوئی گھبراہٹ نہ ہو گی۔ اس لئے وہ عاقبت کے خوف سے پر امن ہیں۔

تفسیر صوفیانہ اس میں کفار النفوس اللئیمہ کی طرف اشارہ ہے کہ وہ لسان حال سے قیامت میں کہیں گے کیونکہ زبان کی مقال انہیں کوئی فائدہ نہ دے گی بوجہ اضطراب کے جب فضیحت و قطعیت دیکھیں گے دن بھر اون کہ جس میں ہماری نجات اور اس سے ہمارا افرار مشکل ہے ہمیں کسی قسم کی نجات نصیب نہ ہو گی اور نہ کہیں جائے پناہ ملے گی سوائے روح قلب کی رسی کو مضبوط تھامنے کے اور جو کچھ وہ زبان حال سے کہہ رہے ہوں گے زبان مقام سے نہ کہہ سکیں گے کیونکہ وہ جھوٹی تمناؤں میں اپنی افسلو ضائع اور برباد کر چکے ہوں گے انہوں نے دنیوی فاسد آرزوؤں کو اختیار کیا تھا اور اچھے مطالب اخروی پس پشت ڈال دیئے تھے۔

سبق عقل مندر پر لازم ہے کہ وہ باقی کو فانی پر ترجیح دے اور آرزوؤں سے دھوکہ نہ کھائے بلکہ موت سے پہلے

marfat.ocm

خلاص و نجات کے اسباب کے لئے جدوجہد کرے تاکہ اسے آخرت کی نعمتیں اور درجات نصیب ہوں ورنہ جب معاملہ ہاتھ سے نکل گیا تو کل قیامت میں خالی ہاتھ ہو گا اس وقت افسوس اور ہائے ہائے پکارنا کام نہ دے گا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے داعی کو لبیک پکارے اور قرآن اور اسے قبول کر کے عمل صالح سے مشرف ہوئے فنائے صوری سے پہلے فنائے معنوی ہم پر آسان فرمائے اسی کے ہاتھ میں رد کرنے اور قبول کرنے کے امور ہیں۔

تفسیر عالمانہ کذبت قبلھم قوم نوح ان سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم نے تکذیب کی۔ یعنی اے (محبوب) محمد ﷺ آپ کی قوم سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم نے تکذیب کا کام کیا یا انہوں نے نوح علیہ السلام کو جھٹلایا۔ اس معنی پر مفعول محذوف ہے۔

ربط اب وہ بعض اخبار بتلاتے ہیں جن سے تکذیب کا فعل سرزد ہوا جو ان کے لئے زجر و توبیخ کا سبب بنا اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دینا ہے۔

فکذبوا عبدنا تو انہوں نے ہمارے عبد مقدس کو جھٹلایا یعنی نوح علیہ السلام کو۔ یہ اس مبہم تکذیب کی تفسیر ہے جو سابقہ جملہ میں تھی جیسے دوسرے مقام پہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ونادی نوح ربہ فقال رب الخ (اور نوح علیہ السلام پکارا تو کہا اے میرے پروردگار الخ) ان دونوں مقامات پر مکذب (جس کی تکذیب کی گئی) ایک ہے اور ذکر میں فاء تفصیلیہ تفسیریہ تعقیبیہ ہے کیونکہ ہمیشہ تفصیل اجمال کے بعد ہوتی ہے۔

نکتہ نوح علیہ السلام عبودیت سے موصوف کر کے اسے جمع متکلم کی ضمیر کی طرف اضافت میں ان کے عظمت مطلوب ہے اور اس کا مرفوع علاء ہے اس میں مُکَذِّبِیْنَ (تکذیب کرنے والوں کی تشنیع میں تاکید ہے کیونکہ بادشاہ کے غلام کی تکذیب شنیع تر ہے بہ نسبت کسی عام کے غلام کی تکذیب کے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ عبودیت سے بڑھ کر کوئی شے اشرف نہیں اس لئے یہ ایسی ذلت ہے کہ جس کے بالمقابل (بلندی) میں مقام ربوبیت ہے جو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے جیسے عبودیت عبد سے ہی خاص ہے اور تواضع سے بھی یہی مراد ہے اور تملق (خوشامد) کی غیر ہے اس لئے تملق (خوشامد) کا

کوئی اعتبار نہیں۔

حدیث شریف حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا انا سید ولد لادم ولا فخر میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور اس کا مجھے فخر بھی نہیں۔ ”یعنی رسالت سے کوئی فخر نہیں اگر فخر ہے تو عبودیت سے ہے اور بالخصوص اس فقر سے ہے جس میں وجود مجازی سے بالکل خارج ہونا پڑتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وقالوا اور حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق کہا کہ تم تو مجنون مجنوں ہو۔ یعنی انہوں نے صرف تکذیب پر اکتفانہ کیا بلکہ نوح علیہ السلام کو جنون اور عقل میں خلل کی طرف منسوب کیا اور یہ تکذیب میں مبالغہ ہے کیونکہ بعض کذب ایسے ہوتے ہیں جو ایسی خبر دیتے ہیں جو عقل کے موافق ہوئی ہے اور بعض وہ ہوتے ہیں جو ایسی خبر دیتے ہیں جو عقلاً ناقابل قبول ہوتی ہے بلکہ اس سے عقل کو انکار ہوتا ہے۔

وازدجر اور جھڑکے گئے۔ اس کا عطف قالوا پر ہے اور یہ کلام اللہ سے ہے یعنی نوح علیہ السلام کو مختلف اذیتیں سے کر تبلیغ سے روکا گیا مثلاً گالی دیں گئیں مارا پیٹا گیا گلا گھونٹا گیا۔ سنگساری سے دھمکایا گیا وغیرہ وغیرہ۔

حل لغات امام راغب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ازدجر بمعنی طرد ہٹائے گئے اور زجر میں اس کا استعمال یوں ہے کہ مطرود کو آواز دے کر جھڑکا جائے مثلاً کہا جائے اعزب عنی مجھ سے دور ہو جا۔ تنخ ہٹ جا۔ وراءک پیچھے ہو جا۔ بعض نے کہا کہ یہ بھی ان کی منجملہ باتوں سے ہے یعنی کہتے ہیں کہ وہ مجنون ہے اسے جنات نے دھکیلا اور اس نے اس کی عقل خراب کر ڈالی ہے اور اس میں تصرف کر کے اس کی عقل اڑا دی اور دل چھین لیا وغیرہ وغیرہ۔

تفسیر صوفیانہ نمبر۱ اس میں اشارہ ہے کہ ہر داعی حق پر ہے اور حق داعی کے لئے ناچار ہے کہ اس کی تکذیب ہو جبکہ مکذبین کی کثرت اور اہل بدعت اور باطل پرستوں کا غلبہ ہو اور خواہشات و طغیان والوں کی بہتات ہو اور ہر زمانہ اور ہر دور میں رہا اور رہے گا۔

تفسیر صوفیانہ نمبر۲ آیت میں نوح سے روح، قوم سے نفس امارہ اور اس کی صفات مراد ہیں یعنی نفس امارہ اور اس کی صفات روح کی دعوت الی اللہ کو قبول نہیں کرتیں کیونکہ وہ شہوات و لذات میں سخت منہمک ہیں اور ایسوں

marfat.ocm

سے مالوفات (الفت والی اشیاء کا ترک کرانا مشکل اور سخت مشکل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی جمیع حالات و مقامات میں معین و مددگار ہے۔

این جہان شہوتی بت خانہ ایست   انبیاؤ کافراں رالانہ ایست
لیک شہوت بندہ پاکاں بود   زر نسوزد زانکہ نقد کان بود۔

ترجمہ ١۔ یہ جہاں شہوت خانہ ہے انبیاء کافروں کو آپس میں کوئی مناسبت نہیں۔
٢۔ لیکن بندگان پاک کی شہوت ایسے ہے جیسے زر کو کوئی ضرر نہیں جب کان میں ہو۔

ذلت الارواح من اشباحها   عزة الاشباح من ارواحها

ترجمہ ارواح کی ذلت اشباح سے ہے اور اشباح کی عزت ارواہ سے ہے۔

کم نشیں بر اسپ توسن بے لگام   عقل و دین را پیشوا کن والسلام

ترجمہ سرکش گھوڑے پر لگام کے بغیر نہ بیٹھ عقل و دین کو امام بنا (والسلام)

فدعا ربه تو اس نے اپنے رب کو پکارا یعنی جب نوح علیہ السلام کو دعوت سے جھڑکا گیا تو اپنے رب کو پکارا اور تبلیغ میں انہیں ساڑھے نو سو سال گزرے تو اپنے رب سے دعا کی انی مغلوب بیشک میں مغلوب ہوں۔ اپنی قوم جہت سے مجھے ان سے بدلہ لینے کی قدرت نہیں۔

فانتصر تو ہی ان سے میرا بدلہ لے۔ یہ اس لئے کہا کہ بہت بڑی محنت و مشقت کے بعد جب انہیں ان سے مایوسی ہوئی تو ایسے کہا۔

فائدہ مروی ہے کہ قوم کا یہ حال تھا کہ ان کا کوئی ایک آدمی آکر نوح علیہ السلام کا گلا گھونٹ دیتا یہاں تک کہ آپ بیہوش ہو کر گر پڑتے جب ہوش میں آتے تو کہتے اللهم اغفر لقومی فانهم لا یعلمون اے اللہ میری قوم کو بخش دے اس لئے کہ وہ بے علم ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے لئے دعا کا حکم فرمایا تو آپ نے دعا فرمائی تو ان کی تباہی کے لئے دعا قبول ہوئی جیسا کہ سورۃ الصافات میں ہے۔

ولقد نادانا نوح فلنعم المجیبون

marfat.ocm

(اور بیشک ہمیں نوح علیہ السلام نے پکارا تو ہم کیسے بہتر دعا قبول کرنے والے ہیں۔

ففتحنا ابواب السماء تو ہم نے آسمان کے دروازے کھول دیئے۔ یعنی عذاب کے لئے از طرف پانی کے اجراء کے مقام کے ہم نے آسمان کے دروازے کھول دیئے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا بِمَاءٍ مُّنْہَمِرٍ ساتھ پانی برسنے والے کے۔

حل لغات المنہمر بمعنی صب الدمع والماء (آنسو اور پانی کا بہنا) کہاجاتا ہے ہمرہ یہمرہ بمعنی صبہ۔ اسے بہایا۔ ہمروانہمر بمعنی انسکب وسال۔ پانی بہا۔ اب معنی یہ ہوا کہ بہت سخت اور زیادہ پانی بہنے والا جیسے مشکیزہ ایسا پانی بہے کہ رکنے کا نام نہ لے چنانچہ چالیس دن تک مسلسل زور سے پانی چلتا رہا اور وہ برف کی طرح ٹھنڈا اور سفید تھا یہ پانی کی کثرت و وفرت کی اور زیادہ سے زیادہ بہنے کی تمثیل ہے بماء کی باء استعانت کی ہو اور الماء ابواب السماء کے کھلنے کا آلہ ہو۔ اور یہی ظاہر ہے یا باملامت کی ہو۔

فجرنا الارض عیون اور ہم نے کل زمین کو چشمہ بنا کر بہادیا۔ گویا وہ زمین چشمے بن کر بہہ رہی تھی اور زمین کا پانی کھولتے پانی کی طرح گرم تھا۔ یہ دراصل جعلنا عیون الارض اسے مفعولیت سے بدل کر تمیز بنایا گیا تاکہ مقام مبالغہ کا حق ادا ہو۔ کیونکہ اگر یہ فجرنا عیون الارض (ہم نے زمین کے چشمے بہائے) کہتا صحیح تھا لیکن اس میں وہ مبالغہ نہیں جو فجرنا الارض عیونا میں ہے کیونکہ اس وقت معنی یہ ہے کہ ہم نے زمین کے ذرہ ذرہ کو چشمے بنا کر بہادیا) ظاہر ہے کہ اس میں خوب مبالغہ ہے فالتقی الماء تو ٹکرا یعنی آسمان و زمین کے پانی آپس میں ملے زمین کا پانی چالیس گز اوپر پہاڑوں پر بلند ہوا۔

سوال فالتقی الماء میں مفرد کیوں لایا گیا حالانکہ الماء آن ہونا چاہئے۔ ایک زمین کا پانی دوسرا آسمان کا۔

جواب ان دونوں کا آپس میں ٹکرنا بوجہ مجاورت اور تقارب (قرب) کے نہ تھا بلکہ بطریق احتیاط و اتحلو کے تھا۔

عَلٰی مر قدقد۔ اوپر ایسے مار کے جیسے اللہ تعالے نے مقدر فرمایا تھا یعنی ہونے والا تھا اوپر ایسے حال کے جیسے بغیر کسی تفاوت کے اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمایا یا ایسی حالت کے جو مقدر اور برابر کی گئی یعنی وہ پانی جو آسمان سے اترا وہ اتنا تھا جو زمین سے نکلا تھا یا اوپر اس امر کے جسے اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمایا تھا یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ مقدر فرمایا تھا کہ قوم نوح علیہ السلام طوفان سے غرق ہوگی۔ اس تقریر پر لفظ علی تعلیلیہ ہے۔

marfat.ocm

نکتہ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ یہ عذاب عام پانی کی صورت میں اس لئے واقع ہوا کہ پانی کا اشارہ علم کی طرف ہے جب انہوں نے نوح علیہ السلام کے علم سے نفع نہ اٹھایا باوجود یہ کہ آپ ان میں بہت طویل عرصہ رونق افروز رہے اور لوگ اپنے ارواح اس دریا میں غرق نہ کر سکے تو پانی کے عذاب میں گرفتار ہوئے یہاں تک کہ ان کے اجسام غرق ہو گئے۔

اعجوبہ طوفان کی تاثیر ہر تیس سال کے بعد ایک بار ظاہر ہوتی ہے لیکن معمولی طور پر وہ اس طرح کہ بارش موسلادھار ہوتی ہے جس سے بعض بستیاں اور گھر بہ جاتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وحملناہ اور ہم نے نوح علیہ السلام اور آپ پر ایمان والوں کو اٹھالیا علی ذات الواح تختوں والیوں پر یعنی کشتیوں پر جو چوڑی لکڑیوں سے تیار کی گئی تھیں۔

حل لغات الواح لوح کی جمع ہے وہ صحیفہ جو چوڑا ہو لکڑی کا ہو یا ہڈی کا اور نوح علیہ السلام کی کشتی ساگوان کے درخت کی تھی۔ ساگوان ایک لمبا درخت ہے جو ہند میں پیدا ہوتا ہے یا وہ کشتی شمشاد کے درخت کی تھی۔ بعض کہتے ہیں وہ جوز سے تیار کی گئی تھی ودسرہ اور میخون سے

حل لغات دسرہ سار کی جمع ہے دسر سے ہے بمعنی قہر و جر سے کس شے کو بہت سخت دفع کرنا مثلاً کہا جاتا ہے دسرہ بالرمح اس نے اسے تیر سے سخت طریق سے دفع کیا۔

مسئلہ مروی ہے کہ عنبر میں زکوٰۃ نہیں اس لئے کہ یہ وہ شے ہے جسے دریا زور دار طریق باہر پھینکتا ہے اور میخون کو دسر اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان سے کشتی کے سوراخ مدفوع (دفع کئے ہوئے) ہوتے ہیں۔

فائدہ عین المعانی میں ہے کہ میخوں سے کشتی مضبوط بنائی گئی یا دسر کو اس لئے دسر کہا جاتا ہے کہ اسے ٹھوکنے سے دفع کیا جاتا ہے۔

فائدہ ذات الواح ودسر کشتی کی صفت ہیں۔ یہ اپنے موصوف کے قائم مقام واقع ہوئے ہیں کہ ان کا نام لے کر کشتی مراد لی گئی ہے جیسے مستوی القامت عریض الاظفار بول کر انسان مراد لیا جاتا ہے۔

marfat.ocm

تجری باعیننا ہماری آنکھوں کے سامنے چلتی تھی۔ یعنی ہماری حفاظت سے محفوظ تھی مودع کے لئے کہا جاتا ہے۔

عین اللہ علیک تجھ پر اللہ تعالیٰ کی حفاظت۔ یا بمعنی اولیائنا جیسے اللہ تعالیٰ کے ولی کی وفات (وصال) کے وقت کہا جاتا ہے مات عین من عیون اللہ (اللہ تعالیٰ کی ذات کے اولیاء سے ایک ولی فوت ہو گیا۔ جزاء لمن کان کفر اس کی جزاء ہے جو کافر۔ مفعول لہ ہے اس کا جو ابواب السماء کے فتح اور اس کے مابعد مذکور ہوا اور کفر کفران النعمت سے ہے یعنی ہم نے یہ مذکور نوح علیہ السلام کے اجر و ثواب کے لئے کیا اس کے لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت تھے جس کی کافروں نے ناشکری کی کیونکہ ہر نبی (علیہ السلام) اپنی امت کے لئے نعمت و رحمت ہوتا ہے اس نعمت پر نوح علیہ السلام نعمت کفورہ ٹھہرے۔

حکایت کسی نے ہارون الرشید کو کہا الحمدللہ علیک ہارون الرشید نے کنایہ کلمات کیسے کہا چونکہ آپ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں اسی لئے میں نے آپ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی حمد کی۔ وَلَقَدْ تَّرَکْنٰهَا اور بیشک ہم نے کشتی کو چھوڑا۔

ایتہ نشانی بنا کر تاکہ جو بھی اس کی خبر سے آگاہ ہو تو وہ عبرت حاصل کرے۔

فائدہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اسے اللہ تعالیٰ نے یاقروی (بلاد الجزیرہ کی ایک بستی کا نام ہے) میں بعض نے کہا جبل جودی میں عرصہ دراز تک محفوظ رکھا۔ یہاں تک کہ اس امت (مصطفویہ علی صاحبہا التحیۃ والسلام) کے اوائل میں لوگوں نے اس کشتی کی زیارت[1] کی ورنہ بہت سی کشتیاں ایک عرصہ کے بعد راکھ ہو جاتی ہیں۔

(حاشیہ[1] یہ کشتی بچ رہی معجزہ تھا حضرت نوح علیہ السلام کا ایسے ہی حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس غرق شدہ کشتی کو پار لگایا وہ بھی تا حال بغداد میں موجود ہے۔ ایک بزرگ حلفیہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے خدا تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر سچ سچ عرض کرتا ہوں کہ بغداد شریف سے تیس میل کے فاصلہ پر دریائے دجلہ کے کنارے پر ایک چھوٹی سی بستی ہے جس کا نام "زیارت سفینہ" ہے بغداد شریف سے بستی مذکور کو سڑک جاتی ہے بسیں عام چلتی ہیں۔ ہر بس والا آواز دیتا ہے زیارت سفینہ تمام عرب کے علاقوں کا تفصیل سے دورہ کیا اور ہر زیارت کے لئے پہنچا اور

(باقی حاشیہ آگے

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ   کذبت عادہ   عاد نے تکذیب کی۔ عاد سے ہود علیہ السلام کی قوم مراد ہے۔ یہاں ان کی تکذیب کی کیفیت کے درپے نہیں ہوئے اختصار کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ عذاب کے زجر و توبیخ میں جلدی ہو۔

فکیف کان عذابی ونذر   تو کیسے میرا عذاب اور ڈراؤنے امور ہیں اس میں قلوب سامعین کو اس طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ جو ان کی طرف القاء کیا جائے اس طرف کان لگائیں اگرچہ اس کا ذکر نہیں آیا یہ اس کی تہویل و تعظیم کے لئے نہیں ان کی عجیب حال کا اظہار فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ وہ اتنا نالائق تھے کہ ایسے عذاب و نذر کے باوجود ان کا حال پہلے کی طرح رہا گویا کہا گیا ہے عاد نے تکذیب کی تو تم نے کچھ سنایا تو سنو میرا عذاب اور انذرات انہیں کیسے ہوئے۔ نذر   نذیر کی جمع ہے بمعنی انذار ہے۔

انا ارسلنا علیھم ریحا صرصرا   بیشک ہم نے ان پر بھیجی تیز آندھی۔ یہ جملہ مستانفہ ہے جو پہلے اجمالی بیان تھا اب اس کی تفصیل ہے۔

حل لغات   صرصر   الصر سے ہے بمعنی البرد۔ ٹھنڈک یا   صر الباب والقلم   یعنی دروازہ و قلم کی آواز۔ اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے ان پر مسلط کی ٹھنڈی ہوا یا مسلط کیا سخت اور شدید تر آواز اور آندھی اس سے دبور یعنی مغرب والی آندھی مراد سورۃ   فصلت   وغیرہ میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

فی یوم نحس   منحوس دن میں نحس۔ سعد کی نقیض ہے۔

مستمر   ہمیشہ یوم کی صفت ہے یا نحس کی یعنی وہ دن کہ جو ہمیشہ نحس ہے کافروں کے لئے یا ہمیشہ اور تمام

(بقیہ حاشیہ گزشتہ)

تفصیل معلوم کی۔ میں نے سفینہ غوث اعظم آنکھوں سے دیکھا ایک جنگلہ ہے اوپر ٹین کا چھپر ہے اس میں سفینہ محفوظ ہے۔ خدام حضور غوث اعظم کی کرامت بیان فرماتے ہیں کہ وہی بیڑا ہے جو خدا کے حکم سے بارہ سال کے بعد آپ نے باہر نکالی تھی اور مائی صاحبہ کا لڑکا برات اور دلہن کے ساتھ دریا سے زندہ باہر نکل آیا تھا۔ مزید تفصیل "بڑھیا کا بیڑا" تیرنا کی تاریخ و تحقیق و دلائل فقیر کی کتاب "بڑھیا کا بیڑا اور غوث اعظم" عربی "احیاء الموتی بعد السنین بدعاء محی الدین

marfat.ocm

لوگوں کے لئے اس لئے کہ عام لوگ ہر ماہ کے آخری بدھ کو منحوس سمجھتے تھے۔

بدھ کی نحوست ابن الشیخ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بعض لوگوں میں ہر ماہ آخری بدھ منحوس مشہور ہے ان کا استدلال اسی آیت یوم نحس مستمر سے ہے لیکن یاد رہے کہ بدھ کی نحوست ہر مفسد کے لئے ہے نہ کہ مصلح کے کیونکہ اس کی نحوست نے نہ انبیاء علیہم السلام پر اثر ڈالا اور نہ ہی ان کے اتباع اہل ایمان پر۔

فائدہ الروضہ میں ہے کہ بدھ کافروں کے نزدیک منحوس تھا لیکن ضروری نہیں کہ اس کا اثر بھی ظاہر ہو ہاں ہر ماہ کا آخری بدھ منحوس ہوتا ہے۔

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ بدھ ہر ماہ میں دائما منحوس دن ہے شاعر نے کہا۔

بقدر للمیکر قال سوء ووجھکلر بعاء لا یدور

ترجمہ تیرا دیدار ہر صبح کرنے والے کے لئے برا ہے لیکن تیرا چہرہ تو بدھ دائمی منحوس جیسا ہے۔

مسئلہ بعض بدھ کے دن نہانا بہتر ہے اس لئے کہ اسی دن عالم دنیا کے پانیوں کے ساتھ بہشت کا پانی ملایا جاتا ہے۔

مسئلہ ہر نیا کام بھی بدھ کو شروع کیا جائے اب معنی یہ ہوا کہ ان پر ہمیشہ نحوست چھائی رہی اور چھ دن تک دراز ہوئی یہاں تک کہ وہ سب کے سب تباہ و برباد ہوئے۔ اس معنی پر یوم بمعنی الحین بحسب الزمان تھا۔ یا معنی یہ ہے کہ وہ عذاب ان کے چھوٹے سب کو شامل تھا اس تقریر مستمر بمعنی مطرد ہے ساتھ نسبت کے طرف اشخاص کے یا معنی یہ ہے کہ اس کی کڑواہٹ سخت تھی۔

فائدہ اس عذاب کی ابتداء مہینے کے آخری بدھ سے ہوئی یعنی ان پر عذاب کا آغاز مہینے کے آخری ایام کے بدھ کی صبح سے شروع ہو کر اسی ماہ کے دوسرے بدھ جو مہینے کا وہی آخری تھا) کے غروب تک مسلسل عذاب جاری رہا۔

فائدہ مروی ہے کہ ان کے آٹھ دنوں کے عذاب کا آخری دن بدھ تھا اور وہی صفر کے مہینے کا آخری تھا یہی حسوم ہے جس کا ذکر سورہ الحاقہ میں ہے۔

تنزع الناس (نکالتی تھی لوگوں کو) یہ ریحا کی صفت ہے۔ یعنی آندھی انہیں باہر نکال کر پھینک مارتی

marfat.ocm

تھی۔

فائدہ مروی ہے کہ انہوں نے بڑے گہرے گڑھے کھودے اور خندقیں بنائیں اپنے بعض کو بعض سے باندھ دیا لیکن آندھی نے سب کو مردہ بنا کر باہر نکال پھینکا۔ مقاتل نے فرمایا کہ ان کی ارواح اجسام سے آندھی نے باہر نکالیں۔ سہیلی نے فرمایا اسی طرح کی تیز آندھی سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل چلتی رہی تاکہ ان کو کوئی نجات پا کر بچ نہ جائے جو بھی غاروں اور خندقوں میں تھے آندھی نے سب کو تباہ برباد کیا کوئی ان کا باہر تھا یا کوئی گھروں میں تھا یا جو غاروں میں تھے ان پر غاروں کی دیواریں دے ماریں اور وہ وہیں غاروں میں خندقوں میں بھوکے پیاسے مر گئے اسی لئے فرمایا۔

فھل تری لھم من باقیۃ تو کیا کوئی ایک تم باقی بچا ہوا دیکھتے ہو۔ یعنی کیا کسی ایک کی ایسی تیز آندھی آٹھ دن مسلسل تیز چلنے والی سے بچنے کی امید رکھ سکتے ہو۔

کانھم اعجاز نخل مستقعر گویا وہ پرانی کھجور کے تنے اکھڑے پڑے ہیں۔ الناس سے حال ہے۔

حل لغات اعجاز عجز کی جمع ہے انسان کا پچھلا حصہ اسی سے اس کے غیر کو تشبیہ دیتے ہیں اسی سے العجز (عاجزی) ہے کہ وہ انسان کو مؤخر الامور تک پہنچاتی ہے۔ النخل جنس کھجور کی اس کے واحد کے فرق کرنے کے لئے تاء کا اضافہ کر کے کہتے ہیں۔ نخلتہ لفظاً مفرد ہے لیکن اس کی اکثر استعمال جمع پر آتی ہے معنی جنس کے اعتبار سے۔ المنقعر بمعنی المنقلع اپنی جڑ سے اکھڑے ہوئے اہل عرب کہتے ہیں۔ قعرت النخل میں نے کھجور کو جڑ سے اکھیڑا فانقعرت تو وہ اکھڑ پڑی۔ المفردات میں المنقعر بمعنی زمین کے گڑھے میں جانے والا اس سے مراد یہ ہے کہ وہ خندقوں سے اکھڑ کر پھر زمین میں ایسے دھنسے پڑے جیسے کھجور جڑ سے اکھیڑ کر پھر زمین میں دھنسی پڑی ہوتی ہے یہاں تک اب ان کی نہ کوئی نشانی ملتی ہے نہ کوئی اثر۔ معنی یہ ہے کہ وہ اپنے گڑھوں سے اکھڑ کر باہر پڑے تھے۔

فائدہ بعض نے کہا کہ انہیں کھجور کے ان تنوں سے تشبیہ دی گئی ہے جو جڑھوں سے نکل کر پڑے ہوں اور ان کی ٹہنیاں ناپیدا ہوں کیونکہ آندھی پہلے ان کے سر جدا کر کے کہیں پھینکتی ہے پھر ان کے اجسام سروں کے بغیر پڑے نظر آتے تھے۔

فائدہ بعض نے کہا کہ آندھی انہیں

فائدہ اس میں اشارہ کہ وہ بہت بڑی قوت و طاقت کے مالک تھے اور زمین پر ایسے قابض تھے کہ ان کا وہاں سے چلے جانے کا بظاہر کوئی امکان محسوس نہیں ہوتا تھا کہ وہ اپنی قوت و طاقت کے بل بوتے گویا زمین کے اندر قدم جمائے ہوئے تھے اور وہ آندھی کا پر زور مقابلہ کر رہے تھے لیکن جب اندھی نے انہیں تباہ کیا تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ گویا وہ کھجور کے تنے اکھیڑ کر اندھے گرا دیئے گئے ہیں۔

فائدہ حضرت ابو اللیث رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں منہ کے بل گرا کر تباہ و برباد کیا گویا وہ کھجور کے تنے ہیں انہیں کھجور کے اکھڑے ہوئے تنے سے تشبیہ دی گئی ہے ان کے قد کی طوالت کی وجہ سے۔

فائدہ حضرت مقاتل نے فرمایا ان ہر ایک کا قد بارہ گز تھا۔

فائدہ روایت الکلبی میں فرمایا کہ ہر ایک کا قد ستر ستر گز تھا جب انہیں ان کے نبی پاک ﷺ نے آندھی کا کہا تو ان سے استہزاً کہا وہ ہمارا کیا بگاڑے گی اس کے باوجود پھر بھی احتیاطاً فضائیں نکل گئے اور اس میں گڑھے کھود کر گھٹنوں تک زمین کے اندر داخل ہو گئے۔ پھر نبی علیہ السلام کو کہا اب آندھی سے کہو کہ وہ ہمیں اٹھا لے جائے۔ جب آندھی آئی تو وہ زمین کے نیچے سے انہیں اٹھایا اور دو دو کو اکٹھے کر کے آسمانوں کی طرف لے جا کر ایک دوسرے سے ٹکرا کر نیچے پھینکتی اسی سے وہ ریزہ ریزہ ہو جاتے جب ایک جوڑا زمین سے آسمان کی طرف اٹھتا تو دوسرے اس تماشہ کو آنکھوں سے دیکھتے رہتے۔ یہاں تک کہ سب کو ایسے ہی کیا اور سب کو مٹی اور ریت میں ملا دیا اور جب وہ زمین میں آکر گرتے اور مٹی میں مٹی ہوتے تو ان کے رونے کی آواز دل میں سنائی دیتی۔

فائدہ نخل کے لفظ کی تذکیر کی وجہ سے اس کی صفت صیغہ مذکر لایا گیا ہے ایسے ہی کبھی اس کے لئے مونث کا صیغہ صفت بنایا اس کے معنیٰ کی وجہ سے جیسے دوسری جگہ فرمایا۔ اعجاز نخل خاویتہ (گویا وہ تنے ہیں۔ کھجور کے گرے ہوئے) اور فرمایا جائتھا ریح عاصف اور فرمایا وسلیمان الریح عاصفتہ یعنی ریح کو لفظ کے اعتبار سے مذکر ہے تو اس کی صفت صیغہ مذکر لائی گئی اور معناً جمع ہے تو اس کی صفت صیغہ مونث لائی گئی۔

فکیف کان عذابی ونذر تو کیسے ہے میرا عذاب اور میرے ڈر۔ عذاب ہولناکی کا اظہار ہے

marfat.ocm

ان کے بیان کے بعد ان کے معاملہ سے تعجب دلانے کیلئے فرمایا اسی لئے اس میں تکرار نہیں (الارشاد) بیان القرآن میں فرمایا کہ عاد کے قصہ میں **فکیف کان عذابی ونذر** تکرار اس لئے ہے کہ پہلا دنیا میں دوسرا عقبیٰ میں ہوگا جیسا کہ اسی قصہ میں فرمایا کہ **ولنذیقنھم عذاب الخزی فی الحیواۃ الدنیا ولعذاب الاخرہ اخزی** ۔ اور ہم انہیں حیات دنیا میں رسوائی کا عذاب چکھائیں گے اور آخرت کا عذاب زیادہ رسواکن ہے بعض نے کہا کہ پہلا فکیف کان الخ انہیں ہلاک وتباہ کرنے سے پہلے کہا گیا۔ دوسرا ان کے ہلاک وتباہ ہونے کے بعد دوسروں کو ڈرانے کے لئے کہا گیا ہے۔

ولقد یسرنا القران للذکر فھل من مدکر اور ہم نے قرآن کو آسان کیا ذکر کے لئے تو کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا اس کی تفسیر اور مطلب وہی ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا۔

تفسیر صوفیانہ! آیت میں اہل نفوس امارہ کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ وہ جو شہوات جسمانیہ میں منہمک ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے محجوب ہو گئے اور اس کے لطف وکرم کے موائدو دستر خوان سے محفوظ ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کی خواہشات ظلمانیہ اور بدعات شیطانیہ کی آندھی بھی محجوب ہونے کے منحوس دن میں اور وہ ان پر مسلط کر دی اس سے وہ ذلت و رسوائی کی زمین پر گرے گویا وہ گرے ہوئے کھجور کے تنے ہیں جو زمین کے اندر سے زمین کے اوپر گرے پڑے ہیں ان اجسام کی طرح کہ جن کے سر نہ ہوں ہم اللہ تعالیٰ کی قہر کی تجلیات اور اس کے عذاب کے تسلط سے اس کے دن اور مہینے میں واقع ہونے سے پناہ مانگتے ہیں۔

سبق! عاقل پر لازم ہے کہ وہ اس نصیحت سے نصیحت اور اس آیت کبریٰ سے عبرت حاصل کرے۔

چو برگشتہ بختے در افتد بہ بند
از و نیک بختاں بگیرند پند
تو پیش از عقوبت در عفو کوب
کہ سودے ندارد فغاں زیر چوب

ترجمہ! کوئی بدبخت قید میں پھنسے تو اس سے نیک بخت لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

(2) سزا سے پہلے معافی کا دروازہ کھٹکھٹا ڈنڈا لگنے پر فریاد کام نہ دے گی۔

مسئلہ اگر عین سکرات کے وقت کوئی ایمان لائے یا اس وقت توبہ کرے تو نہ ایمان قبول ہوگا اور نہ توبہ قبول ہوگی۔

فرا شو چو بینی در صلح باز کہ ناگہ در توبہ گردد فراز

مرو زیر بار گناہ اے پسر کہ حمال عاجز بود در سفر

ترجمہ ! آگے بڑھ جب دیکھ رہا ہے کہ صلح کادروازہ کھلا ہے کہ اچانک توبہ کادروازہ بند ہو گا۔

(2) اے مرد گناہوں کے بوجھ تلے نہ جاکہ بوجھ والا سفر میں تنگ کرتا ہے۔

جیساکہ وارد ہے کہ خفف الحمل فان العقبة کھؤد بوجھ ہلکا کر کیونکہ آگے کی منزل پر کٹھن ہے۔

پئے نیک مرداں بباید شتافت
کہ ہرکیں سعادت طلب کرد یافت
و لیکن تو دنبال دیو خسی
ندانم کہ در صالحاں کے رسی

ترجمہ ! نیک لوگوں کے پیچھے دوڑ کیونکہ جس نے سعادت طلب کی اس نے ضرور پایا۔

(2) لیکن تو تو نالائق شیطان کے پیچھے ہے پھر مجھے معلوم نہیں ہو سکا کہ نیک بختوں کے دروازے تک کب پہنچے گا

فائدہ ! عاد کا آندھی سے تباہ ہونے کا سبب ایک یہ بھی تھا کہ انہیں صرف اور صرف قوت پر ناز تھا لیکن معلوم نہ تھا کہ آندھی ان کی طاقت و قوت سے بڑھ کر قوت و طاقت رکھتی ہے اسی سے ہی اللہ تعالیٰ نے ان کی جڑ کاٹی تاکہ آنیوالی نسلوں کو ان سے عبرت حاصل ہو تاکہ وہ اپنی قوت و طاقت پر ناز نہ کریں۔

تفسیر صوفیانہ ! ریح سے مراد خواہش نفسانی ہے ایسی آندھی (خواہش نفسانی سے چھٹکارا) یونہی ہے کہ خواہشات کو ترک کیا جائے اور راہ ہدایت حق پر چلا جائے ہم اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل عظیم کا سوال کرتے ہیں۔

فائدہ ! تفسیر ابوالیث میں ہے کہ وہ کشتی (نوح علیہ السلام) پہاڑ پر موجود رہی رسول اکرم ﷺ کے اعلان نبوت کے ابتدائی زمانہ میں پہاڑ پر موجود تھی بعض نے کہا کہ نوح علیہ السلام کی کشتی کی ایک لکڑی بچ گئی وہ کعبہ معظمہ میں تاحال موجود ہے اور یہ ساگوان کی ہے جسے بویا گیا تو پھوٹ پڑی چالیس سال تک سبز رہی پھر کاٹی گئی یہاں تک کہ چالیس سال پڑی رہی بعض نے کہا تاحال کشتی کا ایک تختہ جودی پہاڑ پر موجود ہے۔

تردید از صاحب روح البیان رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ ! یہ کہنا کہ وہ تاحال موجود ہے۔ اگر وہ عبرت کیلئے ہے

marfat.ocm

ہم مان لیتے ہیں اگر یہ کہا جائے کہ وہ چونکہ فضیلت والی ہے اسی لئے تاحال باقی ہے یہ علت صحیح نہیں اس لئے کہ وہ ہمارے نبی پاک ﷺ کے منبر مبارک سے بڑھ کر نہیں جو کہ مدینہ طیبہ میں تھا جسے آگ نے جلا دیا دیمک نے کھالیا (اگر فضیلت کی بناء پر کوئی شے باقی رہتی تو منبر بھی تاحال رہتا۔ **تبرک کا ثبوت** منبر رسول ﷺ کی لکڑی جو جلنے سے بچی یا دیمک کے کھانے سے بچ گئی۔

فاتخذت مشطا و نحوه مما يتبرک به (روح البیان ص ٢٧٣ ج ٩)

تو ان کے کنگھے وغیرہ تیار کئے گئے جن سے تبرک حاصل کیا گیا۔

مقام ابراہیم ایسی بات ہوتی تو مقام ابراہیم کا اصلی اثر باقی رہتا حالانکہ وہ تو پتھر ہے جو نہ مٹنے کے باوجود ہاتھ لگانے کی کثرت سے اس کا اثر نہ رہا بلکہ صحیح تر یہ ہے کہ خود اصلی پتھر بھی باقی نہ رہا۔ اب جو مقام ابراہیم میں پتھر مشہور ہے وہ صرف وہی اصلی جگہ کا نام ہے اسے اچھی طرح سمجھ لے۔

فائدہ عین المعانی میں ہے ہم نے غرق عام کو چھوڑا اس معنی پر ضمیر کا مرجع غرق عام ہے اس تقریر پر یہ اضمار قبل الذکر کے قبیل سے ہے اور یہ قرآن مجید میں دوسرے مقام میں آیا ہے انها تذكرة نصیحت ہے۔

فائدہ بعض نے کہا کہ ہم نے کشتی کو باقی چھوڑا تاکہ لوگ عبرت حاصل کریں کیونکہ اس سے پہلے لوگ کشتی کو نہ جانتے تھے اس کے بعد کشتیاں بنانے لگے اسی لئے یہ کشتیاں گویا لوگوں کے لئے عبرت ہیں نیز لوگوں نے ہی ایسا پانی دیکھا تھا اگر زمین پر ہوتا تو صرف بحر محیط تھا اس لئے کہ طوفان کا پانی زمین نے نگل لیا۔ لیکن جو آسمان سے پانی آیا تھا وہ بعد کو دریا بنا دیئے گئے۔ اور بحر محیط اس سے پہلے تھا بلکہ زمین کا اصل یہی بحر محیط ہے کہ اس کی جھاگ سے زمین تیار کی گئی اسی طرف اشارہ ہے۔ كان عرشه على الماء تھا اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر۔ یعنی میٹھے پانی پر اور دریا سات ہیں ان میں ایک بحر محیط بھی ہے۔ بعض نے بحر محیط ان سات دریاؤں میں شمار نہیں کیا بلکہ فرمایا یہ ان ساتوں دریاؤں کے علاوہ ہے۔

نوح علیہ السلام نجار ترکھان تھے حضرت نوح علیہ السلام نے نجار (ترکھان کا کام کرنے والے) تھے جبریل علیہ السلام نے آپ کو سفینہ (کشتی) بنانا سکھلایا تھا فهل من مدكر تو کیا ہے کوئی عبرت حاصل کرنے والا، اس

آیت حقیقہ کو دیکھ کر عبرت حاصل کرے تو اس کے دل میں خوف خدا پیدا ہو اور گناہ کرنا چھوڑ دے۔

حل لغات مذکر دراصل مذتکر تھا بروزن مفتعل الذکر سے۔ ذال میں مدغم ہوئی پھر ذال دال ہو کر دال مشددہ ہو گئی۔

فکیف کان عذابی ونذر تو کیسے ہے میرا عذاب اور ڈرانا۔ یہ استفہام تعظیم و تعجب کا ہے یعنی وہ اسی ڈراونی کیفیت سے تھی جس کی وصف نہیں ہو سکتی۔

حل لغات النذر نذیر کی جمع ہے بمعنی انذار دراصل نذری تھا یاء متکلم محذوف ہوئی کسرہ پر اکتفا کرتے ہوئے۔

نکتہ عذاب واحد اور نزر جمع میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت غالب ہے اس لئے کہ انذار میں اشفاق بھی اور رحمت بھی تو فرمایا میری طرف ان کو انذرات آتے رہے جس میں نعمتیں بھی ہیں اور رحمت بھی جو مسلسل ان پر وارد ہوتی رہیں لیکن جب انہیں ان چیزوں نے نفع نہ دیا تو یکبارگی انہیں عذاب نے گھیر لیا اس معنیٰ پر نعمتیں بکثرت ہوئیں اور عذاب واحد ہے۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ بخدا ہم نے قرآن کو آسان کیا یہ جملہ قسمیہ ہے جو ساروں قصوں کے اواخر میں واقع ہوا ہے اس میں تنبیہہ ہے کہ ہر قصہ اوکار (نصیحت حاصل کرنا) اور ازجار (جھڑکنا) کے لحاظ سے مستقل ہے یہ نہیں کہ صرف ایک ہی عبرت دلانے کے لئے ہے اور باقی ویسے ہی نہیں اب معنی یہ ہوا کہ بخدا ہم نے قرآن آسان کیا ہے تمہاری قوم کے لئے بایں طور کہ اسے ان کی زبان نازل کیا ہے جیساکہ دوسرے مقام پر فرمایا کہ فانما یسرنا بلسانک (اسے ہم نے آسان کیا تمہاری بولی میں) اور اسے ہم نے مختلف مواعظ اور عبرتوں سے سنگار اور قسم وقسم کے وعدے اور وعیدیں بیان فرمائیں۔

فائدہ حضرت حسن حضور سرور عالم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اگر فرمان الٰہی وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ نہ ہوتا تو کوئی انس و جن اسے پڑھنے کی طاقت نہ رکھتا

فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ تو کیا ہے کوئی نصیحت کرنے والا۔ یہ انکار و نفی نصیحت حاصل کرنے والے کے لئے ہے

marfat.ocm

یہ بلیغ اور موثر کد ترین وجہ ہے اس حیثیت سے کہ نصیحت کرنے والوں میں سے کسی کو طاقت نہیں کہ وہ جواب میں کہہ سکے نعم (ہاں)

حدیث شریف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے یہ آیت حضور سرور عالم ﷺ کے سامنے فَهَلْ مِنْ مُّذَّكِرٍ (ذال کے ساتھ) پڑھا تو آپ نے فرمایا فهل من مدكر (دال کے ساتھ) ۔

فائدہ بربان القرآن میں ہے کہ ان چاروں قصوں (قصہ قوم نوح و عاد و ثمود (لوط) کو فَكَيْفَ كَانَ الخ پر اس لئے ختم کیا تاکہ معلوم ہو کہ ہر قصہ تخویف و تحذیر اور جو ان میں وعظ و نصیحت ہے اس سے حافظ قرآن اور تلاوت کنندہ وغیرہ وغیرہ ہر ایک نصیحت حاصل کر سکتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ ١ آیات میں اشارہ ہے کہ نوح قلب نفس امارہ کے ہاتھ میں صفات بشریہ کے غلبات سے مغلوب ہے یہاں تک کہ اپنے رب تعالیٰ کو پکارا تو اس نے دعا قبول کرلی تو اس کی صفات روحانیہ نفس کی صفات حیوانیہ پر ظلمانیہ پر غالب ہو گئیں بایں طور کہ ارواح علویہ کے آسمان سے رأفت و رحمت و کرامت کا پانی برسایا اور ارض بشریہ سے عیون المعارف والحقائق جاری کیئے تو قلب کی قوم جسے نفس اور اس کے صفات سے تعبیر کیا جاتا ہے تباہ و برباد ہو گئی اور قلب کو سفینہ صفات روحانیہ کے ذریعہ نجات بخشی۔

تفسیر صوفیانہ ٢ اس میں ایک اور اشارہ بھی ہے وہ یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کسی پر کشف و عیان کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کی روح کو فناء کی طرف جھانکنے کا موقعہ بخشتا ہے۔ پھر اسے اللہ تعالیٰ عصمت کی کشتی میں داخل کر کے اسے شمال کی طرف جاری کر دیتا ہے۔

فائدہ یاد رہے کہ انبیاء و اولیاء وعلی نبینا وعلیہم السلام اللہ تعالیٰ کی عنایت کی کشتیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بندے ان کا دامن پکڑ کر ضلالت کے دریاؤں اور شقاوت کی ظلمات میں ڈوب کر مرنے سے نجات پاتے ہیں کیونکہ یہ حضرات اس کی حسن عنایت سے اور خصوص نگرانی سے محفوظ ہیں پھر جو بھی ان کے طریقوں پر چلتا ہے وہ بھی نیران و طغیان سے نجات پا کر جوار رحمت میں داخل ہو جاتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے۔

ایں چنیں فرمود آں شاہ رسل کہ منم کشتی دریں دریائے کل
باکسی کو در بصیرت ہائے من شد خلیفہ راستی بر جائے من
کشتی نوحیم در دریائے کہ تا او نگردانی بر جائے من

ترجمہ ۱۔ شاہ رسولاں ﷺ نے ایسے ہی فرمایا ہے کہ اس دریائے کل میں کشتی ہوں۔

۲۔ جو میری بصیرتوں سے واقف ہے وہی میری جگہ پر میرا نائب ہے۔

۳۔ میں کشتی نوح ہوں میری جگہ سے منہ نہ پھیرو۔

ہم اللہ تعالیٰ سبحانہ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں سفینہ شریعت میں محفوظ رکھے اعتماد بر عقل و خیال سے ہمیں کھوٹ اور گمراہی سے بچائے (آمین)

تفسیر عالمانہ كذبت ثمود بالنذر (ثمود نے نذر کی تکذیب کی) نذر سے انذارات اور وہ مواعظ مراد ہیں جو انہوں نے صالح علیہ السلام یا دوسرے رسل علیہما السلام سے سنے اس لئے کہ ایک کی تکذیب گویا کل کی تکذیب کی ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام شرائع (عقائد و اصول) میں سب ایک ہیں۔

فقالوا ابشرًا منا تو کہا گیا بشر کی جو ہمارے سے ہیں جو کہ وہ ہماری جنس سے ہیں بشرا کا منصوب ہونا فعل مقدر سے ہے جس کی اس کا ایک مابعد تفسیر کرتا ہے اس معنی پر انہام کا حرف فعل پر داخل ہے اگرچہ محذوف ہے جیسے استفہام کا قانون ہے کہ وہ فعل پر داخل ہوتا ہے۔

واحدا (ایک کی) یعنی وہ اکیلا ہے اس کا کوئی تابعدار نہیں وہ عوام میں سے ہے اسے کسی قسم کا ہم پر شرف نہیں (تو پھر ہم کیوں اس کی تابعداری کریں۔

سوال واحدا بشرا کی صفت کو منا سے مؤخر کیوں کیا گیا۔

جواب تاکہ تنبیہہ ہو جنسیت اور وحدت اتباع سے روکتی ہے اگر اسے مقدم کیا جاتا تو یہ نکتہ معلوم نہ ہوتا۔ تبعہ ہم اس کے حکم کی اتباع کریں۔

marfat.ocm

انا اذا (بیشک ہم اس وقت ہوں گے) یعنی بالفرض والتقدیر ہم ان کی اتباع کریں حالانکہ وہ ایک ہے اور ہم بہت بڑی جماعت ہیں اور پھر وہ بادشاہ بھی نہیں جیسے کافروں کا اعتقاد تھا کہ وہ رسول ہو جو دنیاؤ دولت اور جاگیری کا مالک ہو یعنی وہ بشریت و رسالت کا اجتماع ممتنع سمجھتے تھے[لہ]

لفی ضلال وسعر البتہ گمراہی اور جنون میں۔ یعنی راہ حق سے ہٹے ہوئے اور پاگل کیونکہ یہ تقاضائے عقل سے بعید ہے۔

فائدہ بعض نے کہا کہ کافروں نے ان کو یہ جواب اس لئے دیا کہ نبی علیہ السلام نے انہیں کہا تھا کہ تم میری اتباع نہیں کرتے فلہٰذا تم رہ صواب سے ہٹے ہوئے ہو۔

فائدہ سعر سعیر کی جمع ہے بمعنی آگ۔ چونکہ وہ سرکش تھے اسی لئے وہ ان سے نرم بات کرنے کے بجائے سخت جواب دیا اور کہا کہ اگر ہم تمہاری اتباع کریں تو ہم ایسے ہوں گے چنانچہ اس سے بڑھ کر کہا۔

القی الذکر کیا القاء کیا گیا ہے ذکر یعنی کتاب و وحی۔

علیہ من بیننا اس پر ہمارے درمیان حالانکہ ہمارے دور میں اور لوگ ایسے ہیں جو اس سے اس کے زیادہ مستحق ہیں۔ استفہام انکاری ہے من بیننا علیہ کی ضمیر سے حال ہے یعنی صرف یہی آل ثمود میں رسالت کا مخصوص کیوں حالانکہ اس سے بڑھ کر مال و احوال میں اور بھی بہت ہیں۔

بل ھو کذاب اشر بلکہ وہ تو جھوٹا اور خود پسند ہے اسی لئے یہ نہیں جیسے یہ کہتے ہیں کہ میں رسول ہوں بلکہ بات یہ ہے کہ وہ ایسے ایسے ہیں (معاذ اللہ) اسے خود پسندی نے ہمارے سے اونچے ہونے پر ابھارا ہے جو کہ ایسے دعوی کرتا ہے۔

حل لغات اشر اسم فاعل ہے فرح کی طرح بمعنی خود پسند۔ جنگ جو سبکسار (ہلکی طبیعت والا معمولی ذہن

[لہ] اب یہ الزام دیوبندی وہابی اہلسنت پر لگاتے ہیں حالانکہ اہلسنت کا عقیدہ یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام بشر ہوتے ہیں ہاں عام بشر اور ان میں یہ فرق ہے کہ ان کی حقیقت نور ہے اور بشریت کو بھی انہوں نے عبودیت کا ایسا کیمیا لگایا کہ وہ ان کی بشریت بھی نور ہو گی اور نورانیت و بشرانیت میں منافات بھی نہیں مثلاً ملائکہ نور ہیں لیکن وہ بشری

marfat.ocm

کامالک) ازباب علم دراصل اشر بمعنی تجبر یعنی جابر ہونا و نشلا اس گھوڑے کو جو سرکش اور تند خو ہو کو فرس اشر کہتے ہیں۔

سیعلمون غداً من (کل معلوم کریں گے کہ وہ کون ہے) یہ استفہام ہے۔

الکذاب الاشر ا جو کذاب اور خود پسند ہے۔ یہ حکایت ہے اس کی جو صالح علیہ السلام نے فرمایا ان کو وعدہ وعید کے طور۔

فائدہ سین مضمون جملہ کو قریب کرنے اور تاکید کے لئے ہے الغد وہ دن جو آج کے دن کے متصل ہے اس سے نزول عذاب کا وقت مراد ہے جو زمانہ مستقبل ہو گا اس سے کوئی خاص معین یوم مراد نہیں اور نہ ہی یوم قیامت مراد ہے کیونکہ انا مرسلو الناقتہ الخ جملہ متانفہ ہے جو کہ حتمی مبادی الموعود کے بیان کے لئے ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ عنقریب انہیں معلوم ہو گا کہ کذاب خود پسند کون ہے کہ اس کے اونچا ہونے کی اور جابر بننے کی کوشش ہے صالح علیہ السلام یا وہ قوم جس نے ان کی تکذیب کی۔ اس میں صالح علیہ السلام کی بزرگی کا بیان ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے ان کے وصف کی نفی کی۔ جس سے کفار نے آپ پر الزام لگایا یعنی کذاب واشر کہا۔ اب معنی یہ ہوا کہ اے صالح علیہ السلام آپ نہ کذاب ہیں نہ خود پسند بلکہ وہی ہیں۔

انا مرسلو الناقتہ ہم اونٹنی چھوڑنے والے ہیں یعنی اس پہاڑ سے نکالنے والے ہیں جو زمین پر پھیلا ہوا ہے یا وہ پہاڑ ہے جو ایک ہی پتھر سے پیدا کیا گیا ہے یا وہ اونچا پہاڑ مراد ہے جو تنہا دور کھڑا ہو۔ وہ دوسرے پہاڑوں میں ملا ہوا نہ ہو جو منجملہ ان سے شمار نہ ہو (القاموس)

فائدہ مروی ہے کہ کافروں نے از راہ سرکشی صالح علیہ السلام سے سوال کیا کہ اس پہاڑ جو تنہا کھڑا ہے کے ایک کنارے کے پتھر سے (اسے الکاثبہ کہا جاتا ہے) ایک سرخ رنگ کی بڑے پیٹ والی حسین بالوں والی دس ماہ کی گابھن نکال دیں۔ اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ اونٹنی ہم نکال دیں گے جیسے تم نے چاہا۔

فتنتہ لھم تمہارے لئے وہ امتحان و آزمائش ہو گی کیونکہ معجزہ ایک آزمائش اور امتحان ہوتا ہے۔ اسی سے امتیاز ہوتا ہے کہ عذاب الٰہی سے کون بچ گیا۔

فارتقبھم تو ان کا انتظار کیجئے اور دیکھئے وہ کیا کرتے ہیں۔

marfat.ocm

واصطبر اور صبر کیجئے ان کی اذیتوں پر بہت بڑا صبر۔

ونبهم اور انہیں خبر دیجئے۔

ان الماء قسمته بینهم بیشک پانی تقسیم شدہ ہے ان کے درمیان ایک دن اونٹنی کے لئے ایک دن کے لئے اس معنی پر پانی تقسیم شدہ ہو گا۔

فائدہ قسمته مصدر بمعنی مفعول ہے جیسے ضرب الامیر میں مصدر بمعنی مفعول ہے هم ضمیر مذکر۔ تغلیبا عقلاً کی وجہ سے ہے۔

کل شرب ہر حصہ پانی کا یا نفع اٹھانے کی باری۔

محتضر حاضر کی ہوئی ہے یعنی اس کو اس کا صاحب حاضر ہو گا اس کا معنی یہ نہیں کہ پانی کے دو حصے کئے جائیں گے ایک حصہ قوم کا اور ایک حصہ اونٹنی کا بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ کیا جائے پانی کے گھاٹ کو بطریق باری باری کے جو اپنی باری کے دن میں قوم آئے تو دوسرے دن اونٹنی اپنی باری میں۔

سوال کامل دن اونٹنی کے لئے کیوں؟

جواب چونکہ اونٹنی عظیم الجثہ تھی جسے دیکھ کر ان کے جانور بھاگ جاتے یا پانی تھوڑا تھا جسے ایک ایک ہی باری والے کو کام آسکتا تھا۔

فنادوا تو قوم ثمود نے پکارا **صاحبکم** اپنے ساتھی کو یعنی قدر بن سالف کو (بضم القاف والدال المہملہ) یہی ثمود کی قوم میں منحوس تر تھا اسی لئے عرب جزار کو قدار کہا کرتے اسی قدار کے ساتھ تشبیہ دے کر۔ کیونکہ اسی بدبخت نے اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں جیسے آئے گا (انشاء اللہ) چھوٹے قد کا تھا اور بہت بڑا شریر تھا۔ اس کی آنکھیں نیلی تھیں۔ اشقر احمر (سرخ رنگ) تھا اس کا لقب احیمر ثمود تھا۔ احمر کی تصغیر تحقیر کے طور ایسے ہی مشہور تھا۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ اسے احمر ثمود بھی کہا جاتا ہے بعض نے کہا کہ عاد کی قوم میں یہی منحوس تر تھا یعنی علو آخرہ کا منحوس سمجھتے رہیں گے اس سے سجلوندی کے سوال کا جواب بھی ہے جو عین المعانی میں مذکور ہے اسے زہیر

marfat.ocm

نے اپنے شعر میں ذکر کیا ہے۔

فتنتج لکم غلمان اشأم کلھم　　کاحمر عاد ثم ترضع فتطم

ترجمہ تمہارے تمام بچے منحوس پیدا ہوئے احمر عاد کی طرح پھر دودھ پئیں گے اور دودھ چڑائے جائیں گے۔

فائدہ بعض نے کہا یہ غلط ہے اس لئے کہ اس سے مراد وہی احمر ثمود ہے۔

فتعاطی فعقر تو وہ شروع ہوا اور کوچیں کاٹیں۔

حل لغات التعاطی بمعنی اجتراء (جرات کرنا) اس لئے تعاطی کا اصل ہے کسی شے کو بتکلف حاصل کیا جائے۔ اور وہ شے کہ جس میں بتکلف کیا جائے تو ضروری ہے کہ وہ شے ایسی ہو جو ہولناک ہے اسے کوئی ہاتھ نہ لگا سکے جب تک اس میں جرات نہ ہو اسی مجازی معانی کے لحاظ سے تعاطی کے بعد فاء تعقیب کی لائی گئی ورنہ عقر نفس مباشرۃ قتل اور اس کے درپے ہونے پر متفرع نہیں ہو سکتا۔ (العقر بمعنی پیچھا کرنا) بل لغت کہتے ہیں۔ عقر البعیر والفرش فانعقر یعنی اونٹ اور گھوڑا کی کونچیں کاٹیں تو وہ کٹ گئیں۔ از باب ضرب۔ اب معنی یہ ہوا کہ قدار نے جرات کی بہت جرات ایک بہت بڑے امر پر جس میں ذرہ بھر بھی کمی کوتاہی نہ کی تو اونٹنی کی کوچیں کلٹ ڈالیں۔

فائدہ حضرت کاشفی رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا کہ اونٹنی کی کونچیں کاٹنے کی محرک دو عورتیں تھیں۔

۱۔ عنیزہ ام غنم　　۲۔ صدوق بنت المختار۔

اور دوسری تفاسیر میں صدوق کے بجائے صدقہ لکھا ہے۔

اونٹنی کے قتل کا قصہ قوم صالح کے جانوروں کو اونٹنی نے ضرر پہنچائے تو صدوق (عورت) نے اپنے چچازاد مصدع بن دہر کو اپنی ملاقات کا وعدہ کیا اور عنیزہ اپنی لڑکیوں میں سے ایک کے ساتھ نکاح کا قدار کو کہا ہر دونوں چشمہ کے راستہ پر ایک پوشیدہ مقام پر چھپ کر بیٹھ گئے۔ جب اونٹنی پانی پی کر واپس لوٹی تو مصدع نے اسے تیر کا نشانہ بنایا یہاں تک کہ اونٹنی کے پاؤں میں تیر خوب چبھ گیا۔ قدار اپنی چھپی ہوئے جگہ سے اٹھ کر باہر آیا اور تلوار سے اونٹنی کی کونچیں کاٹیں۔

فنادوا تو لوگوں نے قدار کو پکار کر کہا کہ اب اونٹنی تیری گزرگاہ کے قریب آگئی یا یہ کہ جب قدار نے اس

marfat.ocm

کے قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اس پر ہیبت چھا گئی اس پر انہوں نے اسے پکار کر ہمت بندھوائی یا یہ کہ مصدع نے تیر مار کر پکارا کہ پکڑو ناقہ کو اور اسے قتل کرو چنانچہ قدار نے اس پر حملہ کیا تو اونٹنی گر پڑی پھر اسے سب نے مل کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا پھر اس کا گوشت آپس میں تقسیم کیا۔

اونٹنی کا بچہ جب اونٹنی کا بچہ آیا تو اس نے تین آوازیں کیں پھر آسمان پر اڑ گیا بعض نے کہا کہ وہ بھی قتل کر دیا گیا پھر تین روز کے بعد ان پر عذاب نازل ہوا۔ فکیف کان عذابی ونذر تو پھر کیسے ہے میرا عذاب ونذر اس سے حضرت جبریل علیہ السلام کی چیخ مراد ہے اور یہی ان کے گندے کرتوت کی کامل سزا تھی کیونکہ بچے کی چیخ کا سبب ان کے کرتوت بنے کہ نہ وہ اونٹنی کو قتل کرتے اور نہ وہ اس عذاب کے مستحق بنتے۔

حدیث شریف جو بھی ماں بیٹے کے درمیان جدائی ڈالے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کے اور اس کے دوستوں کے درمیان جدائی ڈالے گا۔ (المقاصد الحسنہ للسخاوی رحمتہ اللہ علیہ)

فکانوا تو ہو پڑے اس چیخ سے حالانکہ اس سے پہلے بہت بڑی رونق اور عیش و عشرت میں تھے۔ کھشیم المتظر گھیرا بنانے والی گھاس سوکھی روندی ہوئی کی طرح۔

حل لغات الهشم نرم شے کو توڑنا جیسے انگوری وغیرہ۔ الهشیم بمعنی المهشوم یعنی المکسور (توڑی ہوئی) وہی درخت وغیرہ کی قسم سے توڑی ہوئی (روندی ہوئی شے) الحظر بمعنی جمع الشئی فی الحظر کسی شے کو اکٹھا کرنا) حظرہ میں الحظور بمعنی الممنوع المتحنظر بکسر الظاء۔ وہ شے جو حظرہ میں کام کرے اور شے کو درست کرے۔ الجوہری نے فرمایا کہ الحظیرہ وہ جھونپڑہ جو درخت وغیرہ سے سردی اور گرمی سے بچانے کے لئے اونٹ کے لئے تیار کیا جائے۔ اب معنی یہ ہوا کہ مثل درخت سوکھے کے جسے جھونپڑے بنانے والے کے لئے بنایا یا گھاس سوکھی جسے صاحب حظیرہ نے اپنے جانوروں کے لئے جمع کیا۔ ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر اور بیشک ہم نے قرآن آسان کیا ذکر کے لئے کیا کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا۔

تفسیر صوفیانہ آیات میں اشارہ کہ ثمود امارہ بالسوء اور اس کے اسی معاملہ کی طرف جو اس نے نذیر یعنی قلب کے ساتھ کیا کیونکہ قلب تو اسے دعوت دیتا ہے کہ صفات بشریہ سے فارغ ہو کر صفات روحانیہ سے موصوف ہو

marfat.ocm

جا لیکن نفس بلاتا ہے کہ اس کے صفات میں ڈھل جا اس کی وجہ یہ ہے کہ روح و نفس بہن بھائی ہیں بلکہ نفس قلب کی بہن ہے۔ اور قلب (دل) انسان کے پیٹ کی بائیں جانب ہے اسی طرح نفس قلب دعوت دیتا ہے کہ اس کے رتبہ کو اپنے سے مقدم رکھے اور جسم میں اسے تصرف کی اجازت دے ایسے ہی ان قویٰ بشریہ و طبعیہ ہر چیز پر قلب حاوی ہے اور نفس چاہتا ہے کہ قلب کا مرتبہ مؤخر رہے وجہ یہ ہے کہ کہ قلب روح و نفس کے ازدواج (اکٹھے ہونے) سے پیدا ہوا اور قاعدہ ہے کہ نفس کو قلب کے رتبہ سے تقدم پر قلب کی اتباع سے اسے نفرت ہو گی اور نہ ہی وہ اس کے اوامر کی پرواہ کرے گا اور یہ سب کو معلوم ہے کہ حسب کا شرف نسب کے شرف پر مقدم ہے اسی لئے حکماء نے فرمایا کہ تونگری ہنر سے ہے نہ کہ مال سے اور بزرگی عقل سے ہے نہ کہ سال سے۔ اسی لئے کسی شاعر نے کہا۔

وما ینفع الاصل من هاشم　　اذا کانت النفس من باهله

ترجمہ　ہاشم (قریشی) کو اصل (نسب) سے کوئی فائدہ نہیں جب اس کا نفس باہلہ قبیلہ کی خواہشات کا خوگر ہو۔

فائدہ　باہلہ عرب کا خساست و دناءۃ (روی ہونا) میں ایک مشہور قبیلہ۔

بہر حال نفس نے نذیر (قلب) کے ساتھ خطاء کی اور نفس ہے بھی خطاء کا پتلا۔ اس نے قلب کے ساتھ اونٹنی نکال کر آزمائش کی اس کی وجہ یہ ہے کہ قلب و نفس کی حقیقت دراصل ایک شے ہے متعدد شے نہیں صرف صفات مختلفہ کے ورود سے مختلف نام پائے جب کسی کی حقیقت حق کی طرف کامل طور پر متوجہ ہوتی ہے تو اسے مطمئنہ سے موسوم کیا جاتا ہے اگر وہ طبیعت بشریہ کی طرف کامل طور پر متوجہ ہوتی ہے تو اسے امارہ کہا جاتا ہے اگر وہ کبھی حق کی طرف اور کبھی طبیعت بشریہ کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو اسے لوامہ سے موسوم کیا جاتا ہے اس معنی پر ثمود (نفس) نے از جہت مکر و استکبار صالح رسول قلب سے مطالبہ کیا کہ وہ حضرۃ الروح سے سوال کرے کہ وہ نفس امارہ کے بلند و بالا پہاڑ سے ناقۂ نفس مطمئنہ نکالے بایں طور کہ اس کے اماریۃ کی صفت سے نکال کر اسے صفت اطمینان میں لے جائے تو صالح رسول قلب نے حضرت روح سے اپنا مقصد طلب کیا تو اس نے اپنی قدرت و حکمت کے اظہار کے لئے اسے پورا کیا یہاں تک کہ انوار روح غالب اور ظلمات نفس بجھ گئے جیسے سورج کے طلوع سے رات کی تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں اور نفس مطمئنہ کا گھاٹ مخصوص تھا یعنی معارف و حقائق ایسے ہی نفس کا بھی یعنی مشارب جسمانیہ تو خواہشات نے اپنے اعوان اور نفس امارہ چونکہ مقام اطمینا میں کامل قدرت نہ رکھتا تھا کہ وہ تنہا اس پر قابو پا جائے

marfat.ocm

کیونکہ اس میں بقیہ تکوین موجود تھا اگر مقابلہ کرتا تو حضرۃ القمر و خذلان میں مٹ جاتا بلکہ نار قطیعہ و ہجران سے جل کر راکھ ہو جاتا جیسے کہ فرمایا فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ۔

تو جو اہل ذکر و قرآن سے ہوتا ہے یعنی اسے شہود جمعی نصیب ہوتا ہے تو وہ اس فراق و ہجران سے عبرت حاصل کرتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ وہ نہایتہ الاطمینان علی الاطلاق تک پہنچ جائے اگرچہ نفس اماریتہ سے مطمینہ کی طرف تبدیل بھی ہو جائے تب بھی اس کے مکر و فریب سے ڈرنا چاہیے اور اسے مطمئنہ سے اماریتہ کی طرف بدل جانے میں وہ دیر نہیں کرتا اگر خود کو اس کی طبع کے سپرد کر دیا جائے تو وہ اپنی بری عادت کی طرف لوٹنے میں دیر نہیں لگاتا جیسے بلعام اور برمیصیا کا حال سب کو معلوم ہے اسی لئے حضور سرور عالم ﷺ نے دعا میں عرض کیا مجھے میرے نفس کے سپرد نہ کر ایک لحہ بلکہ اس سے بھی کم وقت میں۔

فائدہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہ نے فرمایا کہ نفس کو حق کی ہرگز الفت نہیں کیا نہیں دیکھتے ہو کہ ذمی اگرچہ خراج قبول بھی کر لے تو اسے بھی مسلم کے ساتھ اسلامی الفت اصلاح الفت نہ ہو گی ایسے ہی کوے کے بچے کو بچپن سے ہی پالو تب بھی اس کی عادت سے توحش نہ جائے گا بہر حال نفس اصلاح اور نیکی اور لطف و کرم کے لائق نہیں اور اسے تو ہر تنگی اور مجاہدات و ریاضات میں دبائے رکھنا ضروری ہے یہاں تک کہ موت آئے یعنی روح جسم سے نکلے اسی لئے مثنوی شریف۔

اندریں رہ می خراش و می تراش
تا دم آخر دمی فارغ مباش

ترجمہ اس راہ پر خراش و تراش میں لگا رہ آخر سانس تک نکما نہ بیٹھ۔

فائدہ اس سے ہی معلوم ہوا جو صوفیائے کرام نے فرمایا کہ وردالاستغفار لا یسقط بحال استغفار کسی حال میں ساقط نہیں ہوتا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فسبح بحمد ربک واستغفرہ تو اپنے رب کی تسبیح و حمد کے ساتھ کر اور استغفار کر۔ اگرچہ فتح مطلق ظاہر ہو۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں علماء باعمل و ادیب باداب بنائے بطفیل اپنے نبی علیہ السلام پر خصوصی اسرار و رموز کے۔

تفسیر عالمانہ کذبت قوم لوط بالنذر لوط کی قوم نے ڈرانے کی تکذیب کی۔ نذر سے انذارات یا

منذرین (ڈرانے والے) مراد ہیں۔ جیسے گزرا۔ اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا بیشک ہم نے ان پر پتھراؤ کیا یعنی ہوا جس میں پتھر تھا یعنی ان پر ہوا پتھراؤ کرتی تھی وہ پتھر مٹھی بھر سے کم تھے۔

حل لغات الحصب بمعنی چھوٹی کنکریاں مارنا اسی لئے المحصب بمعنی پتھروں کے مارنے کی جگہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول حصبوا المسجد (مسجد میں کنکری پھینکی) اسی سے ہے الحاصب اسم فاعل بمعنی رامی الحصباء (پتھراؤ کرنے والا) اس کی تذکیر اس لئے ہے کہ پھینکو کا اسناد مذکر کی صرف الریح مونث سماعی ہے اسے عذاب کی تاویل سے صیغہ مذکر لایا گیا۔

پتھراؤ کیوں فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ شاید انہیں پتھراؤ کے عذاب میں اس لئے مبتلا کیا کہ انہیں لواطت سے روکا گیا تو نہ رکے بلکہ انہوں نے اپنے نطفے غیر محل الحرث میں پھینکے تو اللہ تعالیٰ نے پتھروں کے عذاب میں مبتلا کیا اسی لئے امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا لوطی کو سنگسار کیا جائے اگرچہ وہ غیر محصن ہو۔ علاوہ ازیں وہ مجلسیں بنا کر بیٹھتے اور ان کے ہر ایک کے پاس پیالہ کنکریوں سے پر ہوتا تھا جب ان کے قریب مسافر گزرتا تو اسے کنکری مارتا جسے کنکری لگ جاتی اسے وہ اپنے لائق سمجھتا۔

ہوا کا عذاب کیوں؟ انہیں آندھی کے عذاب میں اس لئے مبتلا کیا گیا کہ وہ اپنی مجلسوں میں کھلم کھلا زیادتی کرتے اس سے ذرہ برابر بھی حیا نہ کرتے۔

لواطت کی سزا انہیں اس لئے الٹا کیا گیا کہ وہ لواطت کے وقت بے ریش لڑکوں کو الٹا سلاتے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے اعمال کے مطابق سزا دی اور چونکہ انہوں نے حقیقۃ کو الٹا دیا اور برعکس کیا بایں طور کہ محل الحرث کو چھوڑ کر دبر میں پانی گرایا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں الٹا دیا۔

الا آل لوط مگر لوط علیہ السلام کے گھر والے جو عذاب سے بچ گئے تھے وہ صرف تیرہ تھے بعض نے کہا وہ حضرت لوط علیہ السلام اور آپ کی دو صاحبزادیاں تھے کشف الاسرار میں ہے کہ اپ کی صاحبزادیاں اور آپ کی وہ ازواج مطہرات جو اپ پر ایمان لائیں۔ نجیناھم ہم نے انہیں نجات دی۔ بسحر سحر میں کسی اسحار کے ایک سحر ہیں۔

marfat.ocm

حل لغات سحررات کے آخری لمحات یعنی رات کا آخری چھٹا حصہ۔ المفردات میں ہے۔ السحر بمعنی آخر اللیل سیاہ کے وہ لمحات جو دن کی صفائی میں ملے ہوں۔ اب اس کے لئے بمنزلہ اسم کے ہو گیا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ حال ہو بمعنی المتلبس بسحر

حضرت لوط علیہ السلام کا شہر سے باہر تشریف لے جانا مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ وہ اپنے گھر والوں کو لے کر رات کے حصے میں اپنے گھر سے باہر تشریف لے جائیں آپ باہر تشریف لے گئے تو سحر کے وقت آپ کی قوم پر عذاب نازل ہوا۔ اس معنی پر یہ استثناء منقطع ہو گا کیونکہ وہ علیہم کی ضمیر سے استثناء ہے اور ضمیر کا مرجع مکذبین ہیں جو قوم لوط سے تھے اس تقریر پر لوط علیہ السلام کے گھر والے اس میں داخل نہیں کیونکہ آل لوط سے وہ لوگ مراد ہیں جو آپ کے دین میں آپ کے تابع ہوئے۔

نعمتہ من عندنا نعمت (انعام ہے ہماری طرف سے) نجینا کی علت ہے یہ بھی ہے کہ نجینا کا (مصدر) مفعول مطلق ہو معنی کے لحاظ سے کیونکہ ان کا نجات پانا بھی ایک قسم کا انعام تھا۔

کذلک مثل اسی عجیب جزاء کے۔ یجزی من شکر جو شکر گزار ہم جزا دیتے ہیں یعنی ہمارا انعام ایمان و طاعت کی وجہ سے ہوتا ہے یعنی ہم اہل ایمان کو یونہی نجات دیتے ہیں۔

ولقد انذرھم اور لوط علیہ السلام نے انہیں ڈرایا بطشتنا ہماری سخت گرفت سے عذاب کے ساتھ فتماروا تو انہوں نے شک کر کے تکذیب کی۔ بالنذر سنانے والوں کی۔ درانحالیکہ انہوں نے شک کیا تو تکذیب کی۔ تماری تکذیب کے معنی کو متضمن ہے اسی لئے اسی کی طرح متعدی ہے۔

حل لغات تماروا کا مادہ المریہ ہے یہ دراصل تماریوا تھا بروزن تفاعلوا بقاعدہ صرفیہ تماروا ہوا۔ ولقد راودوہ عن ضیفہ اور بیشک (انہوں نے اسے مہمان ورغلایا)

حل لغات المراودۃ بمعنی کسی کو اپنے ارادہ کی طرف کھینچنا اور وہ کھچا کھچا تمہارے ارادہ میں آ جائے اپنے ارادہ کو ترک کر کے۔ اس کی تحقیق سورۃ یوسف میں گزری ہے۔

الضیف (مہمان) اب معنی یہ ہوا کہ بیشک انہوں نے لوط علیہ السلام سے چاہا کہ وہ انہیں اپنے مہمانوں پر

marfat.ocm

قدرت دے دیں اور وہ مہمان ملائکہ تھے جو نوجوان لڑکوں کی شکلوں میں تشریف لائے ان میں حضرت جبریل علیہ السلام بھی تھے ان سے ان کا ارادہ برائی تھا۔ اس گمان پر کہ یہ بشر ہیں۔ فطمسنا اعینم تو ہم نے ان کی آنکھیں مٹادیں۔

حل لغات الطمس بمعنی المحو (مٹانا) شے کو جڑ سے اکھاڑ کر اس کا نشان تک ختم کر دینا یعنی ان کی ہم نے آنکھیں جسم کے چمڑے کے برابر کر دیں دوسرے چہرے کی طرح کہ چشم خانہ کا نشان تک نہ رہا۔

فائدہ مرویہ ہے کہ جب وہ لوط علیہ السلام کے گھر میں اچانک داخل ہوئے تو جبریل علیہ السلام نے ان پر پر مارا تو اندھے ہو کر گھر میں حیران پھر رہے تھے انہیں دروازہ کی راہ ملتی تھی یہاں تک کہ حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں خود دروازے سے باہر نکالا۔

حل لغات الصعق وہ مار جس میں آواز نہ ہو۔ فذوقوا تو چکھو یعنی ہم نے فرشتوں کی زبان سے کہا چکھو۔ عذابی ونذر میرا عذاب اور ڈر۔ اس سے الطمس مراد ہے کیونکہ یہ بھی منجملہ ان کے لئے ہے جن سے وہ ڈرائے گئے۔

فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ طمس مسخ الابصار کے نتائج سے ہے اس لئے قرآن مجید میں ہے ونحشرہ یوم القیمتہ اعمیٰ اور ہم اسے قیامت میں اندھا کر کے اٹھائیں گے اس لئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اعراض کیا اور اس کی طرف ذرہ بھر بھی توجہ نہ کی۔ ولقد صبحھم بکرۃ لوران کے ہاں صبح کی۔

حل لغات الصبیح بمعنی صبح کے وقت کسی کے پاس انا یعنی وہ ان کے پاس صبح کے وقت لیا۔

عذاب (عذاب) اور پتھراؤ۔ مستقر۔ استقرار والا یعنی ان پر مستقر اور ایسا ثابت ولازم ہوا کہ کسی وقت بھی ان سے جدا نہ ہوتا تھا یہاں تک کہ انہیں کھینچ کر جہنم میں لے گیا۔ یعنی دائمی عذاب جو عذاب آخرت تک متصل رہا۔

فائدہ استقرار کی صفت میں اشارہ ہے کہ ما قبل کا عذاب ممس وغیرہ اس عذاب تک متصل رہا۔ خلاصہ یہ کہ وہ عذاب کہ جس نے ان کی بستیاں الٹ دیں اور انہیں اونچا نیچا کیا اور ان پر پتھراؤ ہوا غیر ہے اس عذاب کا جو ان کی آنکھوں کو مٹایا گیا کیونکہ یہ تو دنیوی عذاب تھا یہ عذاب آخرت تک متصل نہ تھا ہاں پتھراؤں اور خسف عذاب کے

marfat.ocm

آخرت سے متصل تھا۔ جیسے حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا جو مرا اس کے لئے قیامت قائم ہو گئی یعنی موت کا زمانہ قیامت کے زمانے کو متصل ہے جیسے دنیا کے بعض زمانے دوسرے زمانوں کو متصل ہوتے ہیں یعنی انہیں سخت عذاب میں مبتلا کرنے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں کیا گیا۔

فذوقوا عذابی ونذر تو چکھو میرے عذاب اور نذر کو۔ یہ حکایت ہے اس کی کہ پھر انہیں کیا کہا گیا۔

ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر۔ اور البتہ ہم نے ذکر کے لئے قرآن آسان کیا تو کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔ اس کا بیان پہلے گزرا۔ اس میں استیناف تنبیہ کے لئے اور آگاہ کرنے کے لئے تاکہ ان پر سہو غفلت نہ چھا جائے۔ یہی وجہ ہے فبای الاء ربکما تکذبان اور وویل یومئذ للمکذبین کے تکرار میں۔ ایسے ہی جمل واقعات واخبار و قصص و مواعید و زواجر و قواطع کا تکرار ہے تو اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کیونکہ قاعدہ ہے تکرار سے معانی میں کانوں اور قلوب قرار پکڑتے ہیں اور سینہ میں مضمون خوب سماتا ہے جوں جوں مضمون کا تکرار ہو گا جونہی قلب میں مضبوط سے مضبوط تر قرار پکڑے گا اور سینے میں زیادہ سے زیادہ جاگزین ہو گا اور فہم میں سخت سے سخت تر راسخ ہو گا اور نسیان و سہو سے بہت زیادہ دور ہو گا۔

تفسیر صوفیانہ قصہ میں اشارہ ہے کہ لوط روح کا معاملہ اپنی قوم نفس امارہ کے ساتھ معاملہ عذاب کا اور لوط روح کو نجات دینے کا معاملہ بسبب۔

اس کی صفات روحانیہ کے ہے اور قوم (نفس) کو تباہ کرنا ان کی صفات بشریہ و طبیعہ کی وجہ سے ہے جس پر شہوت بہیمہ کا غلبہ ہو یعنی جماع کی شہوت غالب ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس صفت کو دبائے اور ذکر لا الہ الا اللہ کے پتھر سے اسے توڑے اور اس صفت کا اس کی ضد سے علاج کرے یعنی صفت پاکدامنی سے جو کہ وہ بھی ایک ہیئت ہے قوت شہویہ کے لئے جو فجور کے درمیان واسطہ ہے جو اس قوت شہوانیہ پر غالب ہے اور یہ خمود کے لئے بھی واسطہ ہے اور خمودیہ تفریط والی قوت ہے قوت شہوانیہ سے کیونکہ عفیف (پاکدامن) وہ ہوتا ہے جو شرع و مروت کے موافق امور سرانجام دیتا ہے بخلاف اہل شہوت کے (کہ وہ شرع و مروت سے کام سرانجام نہیں دیتا) اور شہوت وہ حرکت ہے جو نفس کی طلب پر چاہنے والے کے عین ارادہ اور نفس کے حال کے عین موافق ہو افراط ہو یا تفریط اسی لئے شہوت کی اصلاح ضروری ہے جمیع قوی و صفات میں کیونکہ یہی شہوت تو ہے جو لوگوں کو فسق و فجور پر ابھارتی اور انہیں فتنوں میں ڈالتی اور ان کے درمیان شر و فساد برپا کرتی ہے۔ ؎

نمی تازد نفس سرکش چناں ⁂ کہ عقلش تواند گرفتن عناں

ترجمہ نفس سرکش تیز دوڑتا ہے اس کی باگ عقل ہی پکڑ سکتا ہے۔

تفسیر عالمانہ ولقد جاء اٰل فرعون النذر اور بیشک فرعون والوں کے پاس ڈرانے والے آئے۔

سوال فرعون والوں کا نام تو لیا لیکن اس کا ذکر کیوں نہیں؟

جواب چونکہ وہ سب کو معلوم اور معروف زمانہ ہے اسی لئے وہ نذر کے زیادہ لائق تھا اس لئے اس کے نام ظاہر کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ اب معنی یہ ہوا کہ بخدا فرعون والوں ڈرانے والے امور موسیٰ و ہارون علیہم السّلام کی طرف سے آئے گویا پوچھا گیا کہ پھر فرعون والوں نے کیا جواب دیا تو فرمایا گیا۔ کذبوا بایتنا کلھا انہوں نے ہماری تمام آیات کی تکذیب کی۔ کذبوا بایتنا (انہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی) آیات سے نو معجزے مراد ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ ید بیضاء ۲۔ عصائے موسیٰ علیہ السلام ۳۔ طوفان ۴۔ ٹڈی ۵۔ جوئیں ۶۔ مینڈک ۷۔ خون
۸۔ موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے لکنت کا کھل جانا ۹۔ دریا کا چر جانا۔

فاخذناھم تو ہم نے انہیں تکذیب کے وقت عذاب میں مبتلا کیا۔

اخذ عزیز گرفت کرنا بری قوت والے کی کہ جس پر کوئی غالب نہ ہو سکے مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عزیز مقتدر ہے اسی لئے انہیں ان کی تکذیب پر گرفت کی جسے کوئی مانع نہ روک سکا اور عذاب سے انہیں بحرالقلزم اور نیل میں غرق مراد ہے۔

نکتہ فرعون کو دریا میں ڈبونے کا عذاب اس لئے کہ اسے موسیٰ علیہ السلام پانی سے تابوت (صندوق) میں دستیاب ہوئے اس نے نہ پانی کا شکریہ ادا کیا اور نہ ہی موسیٰ علیہ السلام جیسی نعمت ملنے پر شکر کیا تو اس پر وہ نعمت پلٹا کھا کر عذاب بن گئی کہ اسے اور اس کی قوم کو اللہ تعالیٰ نے پانی میں غرق کیا حالانکہ پانی حیات کا (زندگی) کا سبب ہے جو دوسروں کے لئے حیات کا سبب بنتا ہے لیکن فرعون اور اس کی قوم کے لئے عذاب (موت) کا سبب بنا۔

نکتہ آل لوط کے لئے طمس کو عذاب کہا اور طوفان وغیرہ کو آیات کہا فرعون کے لئے فرق ظاہر ہے کہ طمس وغیرہ واقعی آل لوط کے لئے عذاب تھا لیکن آل فرعون کے لئے مذکورہ آیات بعض امور عذاب تھے اور بعض امور صرف معجزہ کے طور پر دکھائے گئے۔

اکفارکم اے عربو کیا تمہارے کفار۔ خیر اللہ تعالیٰ کے ہاں قوت و شدت اور گنتی کے لحاظ سے بہتر ہیں۔ من اولٰئکم انہیں کفار سے جو ابھی کئے گئے یعنی قوم نوح و ہود و صالح و لوط و آل فرعون معنی یہ ہے کہ

ان پر عذاب نازل ہوا باوجودیکہ وہ تمھارے سے امور مذکورہ میں بہتر تھے تو کیا تمھیں طمع ہے کہ تم پر عذاب نازل نہ ہو گا جیسے ان پر ہوا حالانکہ تم ان سے مرتبہ کے لحاظ سے شریر تر اور حال کے اعتبار سے بدتر ہو۔ ام لکم براۃ فی لزبر کیا تمھارے لئے صحیفوں میں برات (بری ہونا) ایک تبکیت سے دوسری تبکیت کی طرف دوسری وجہ سے انتقال فرمایا یعنی اے کفار عرب بلکہ یہ بات ہے کہ کیا تمھارے لئے کتب سماویہ میں لکھ دیا گیا ہے۔ کہ تم اس عذاب سے امن میں ہو جو تمھارے کفر و معاصی کی وجہ سے نازل ہونے والا ہے اسی لئے تم اپنے گناہوں پر اصرار کر رہے ہو اور اسی برآت (بری ہونا) سے عذاب الٰہی سے امن میں ہو۔ خلاصہ یہ کہ تمھارے لئے کتب سماویہ میں اس قسم کا کوئی حکم نازل نہیں ہوا کہ جو بھی تم سے کفر ے تو وہ عذب الٰہی سے امن میں ہو گا۔

ام یقولون یا وہ جہالت سے کہتے ہیں نحن جمیع منتصر ہم سب سے بدلہ لیں گے یہ تبکیت والتفات ہے اور خبر دی جا رہی ہے ان کے حال کے مقتضی کی اور ان سے اعراض اور انہیں مرتبہ خطاب سے گرا دیا گیا ہے ان کے قبائح کا ذکر کر کے دوسروں کو عبرت دلائی گئی ہے۔

حل لغات کہا جاتا ہے اس نے دشمن کو روکا تو وہ رک گیا اب معنی یہ ہوا بلکہ بات یہ ہے کہ کیا وہ اپنی شوکت کے بل بوتے پر یہی کہتے ہیں کہ ہم طاقتور ہیں اور ہمارے امور و آراء مضبوط ہیں نہ کوئی ہمارا کچھ بگاڑ سکتا ہے اور نہ کوئی ہمیں نقصان پہنچا سکتا ہے یا معنی یہ ہے کہ دشمنوں (کافروں) سے بدلہ لینے والے ہیں نہ ہم پر کوئی غالب ہے اور نہ ہی کوئی ہمیں روک سکتا ہے یا معنی یہ ہے کہ ہم بدلہ لیں گے تمھارے بعض کو بعض پر غالب کر کے اپنی مدد سے بایں طور کہ افتعل بمعنی تفعل ہے جیسے اختصم بمعنی تخصم آتا ہے اور منتصر مفرد بمعنی الجمع ہے۔

ابو جہل کی فرعونیت مروی ہے کہ بدر کی لڑائی سے پہلے ابو جہل نے ایک کمیت گھوڑا پال رکھا تھا جسے روزانہ کئی سیر جوار کے دانے کھلاتا اور کہتا تھا کہ اسی پر سوار ہو کر (حضرت) محمد ﷺ کو قتل (شہید) کروں گا۔ جب بدر کے دن اس پر سوار ہوا تو قسم کھا کر مذکورہ بالا بات کہی اور کہا آج ہم (حضرت) محمد ﷺ اور ان کے اصحاب سے بدلہ لیں گے لیکن معاملہ یوں ہوا کہ یوم بدر اصحاب محمد ﷺ نے اسے قتل کیا اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کا سر کاٹ کر اسے کھینچتے ہوئے حضور سرور عالم ﷺ کے حضور میں آئے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں کفار یعنی نفس امارہ کے صفات اور اس کے مختلف الانواع کی طرف اشارہ ہے جیسے بہیمتہ و سبعیتہ و شیطانیہ و ہوائیتہ و حیوانیتہ اور اس کے بعض کے ذریعے سے بعض کی مدد اور بعض سے بدلہ لینا بعض دوسروں کی معاونت کی طرف بھی اشارہ ہے۔

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ سیھزم الجمع عنقریب جماعت شکست کھائے گی ان کے قول مذکور کا ردو ابطال ہے اور سین تاکید کا ہے۔ الجمع سے قریش مکہ کی جماعت مراد ہے۔

ویولون الدبر اور پیٹھ پھیریں گے واحد (دبر) سے جنس یعنی جمع مراد ہے یعنی جنگ سے شکست کھا کر بھاگیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ اور اہل ایمان کی مدد کرے گا چنانچہ یوم بدر میں ایسے ہی ہوا۔

معجزہ حضرت سعید بن المسیب فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سنا کہ جب آیت سیھزم الجمع ویولون الدبر اتری تو میں سوچتا رہا کہ نامعلوم الجمع سے کوئی جماعت مراد ہے۔ جب حضور سرور عالم ﷺ نے بدر کے ایام میں درع (زرہ) پہنی تو فرما رہے تھے سیھزم الجمع الخ اس سے میں نے معلوم کیا کہ اس سے مراد قریش مکہ ہیں۔

علم غیب کا ثبوت حضرت اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ بھی حضور سرور عالم ﷺ کے معجزات سے ہے لانہ اخبر عن غیب فکان کما اخبر اس لئے کہ حضور نبی پاک ﷺ نے غیبی خبر دی تو ویسے ہوا جیسے آپ نے فرمایا۔

فائدہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نزول آیۃ یہ سزا ان کی مکمل نہ سمجھو بلکہ قیامت میں ہی اصلی عذاب انہیں ملے گا یہ عذاب تو بمنزلہ مقدمۃ الجیش کے ہے۔

والساعتہ اور قیامت اسم ظاہر بجائے اسم ضمیر کے اس کی ہولناکی پر تیار رہنے کے لئے ہے۔ ادھی بہت زیادہ ہولناک۔

حل لغت الداھیہ وہ ہولناک امر کہ جس سے نجات کی کوئی راہ نہ ہو۔

وامر اور سخت تر کڑوی ہے۔ خلاصہ یہ کہ قیامت کا میدان میدان بدر سے زیادہ ہولناک ہے اور اس کا عذاب بدر کے عذاب سے شدید و عظیم تر ہے کیونکہ دنیا کا عذاب زیادہ سے زیادہ قید و قتل اور شکست وغیرہ ہے اور یہ آخرت کے عذاب کا ایک معمولی نمونہ ہے جیسے دنیا کی آگ آخرت کی آگ کا سترھواں حصہ ہے۔

ان المجرمین بیشک مجرم (کافر و مشرکین پہلے اور پچھلے) فی ضلال وسعر گمراہی اور جنون میں ہیں یعنی ہلاکت اور جلانے والی آگ میں ہیں۔

حل لغات التسعیر بمعنی آگ کا سخت سے سخت تر جلانا بعض نے کہا ضلال بمعنی دنیا میں حق سے دوری اور آخرت میں جہنم کی آگ مراد ہے۔

یوم یسبحسون اس دن کے کھینچے جائیں گے یوم منصوب ہے یا تو ضلال کے معنی و مفہوم سے۔ اب

marfat.ocm

معنٰی یہ ہوا کہ اس دن وہ ہوں گے ہلاک اور آگ میں کھینچے جائیں گے۔ فی النار آگ میں علی وجوھھم اپنے چہروں کے بل یا یوم منصوب ہے مقدر سے جو اس کے بعد ہے یعنی یُسۡحَبُوۡنَ انہیں کہا جائے گا ذوقوا مس سقر چکھو پہنچنا سقر (جہنم) کا۔

حل لغات سقر جہنم کا علم (نام) ہے اسی لئے غیر منصرف ہے بعض نے کہا کہ اس کے پانچویں طبقے کا نام ہے یہ سقر تہ النار سے ہے بمعنی بوختہ ای غیرتہ اس نے اسے متغیر کیا گیا۔

حل لغات المس اللمس کی طرح ہے بمعنی ظاہر البشرہ (چمڑہ) کو کسی شے کا پہنچنا۔ ملنا اب معنی یہ ہوا کہ جہنم کی گرمی اور اس کا ورد جھیلو اس لئے کہ اس کا پہنچنا ہی درد و الم کا موجب ہے اس معنی پر مس سقر اس کے درد سے بعلاقہ سببیہ مجاز ہے۔ القاموس میں ہے کہ مس سقر چکھو یعنی اس کا پہلا درد جو تمہیں اس سے پہنچے۔

حدیث شریف حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ قیامت میں سب سے پہلے شہید کے متعلق فیصلہ ہو گا اسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لایا جائے گا اللہ تعالیٰ اسے اپنی نعمتیں جتلائے گا وہ انہیں یاد کرے گا پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے دنیا میں کیا عمل کیا شہید کہے گا کہ میں تیرے راستہ میں لڑا یہاں تک کہ شہید ہوا اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے اس لئے کہ تو نے اس لئے جنگ کی کہ لوگ تجھے کہیں کہ یہ بہت بڑا جنگجو ہے سو ایسے کہا گیا پھر حکم فرمائے گا کہ اسے منہ کے بل کھینچو یہاں تک کہ وہ جہنم میں پھینکا جائے گا اس کے بعد وہ مرد حاضر ہو گا جس نے اللہ تعالیٰ کے لئے مختلف قسم کے اموال خرچ کئے اسے لایا جائے گا اسے بھی اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں جتلائے گا وہ جان لے گا پھر اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا دنیا میں تو نے میرے لئے کیا عمل کیا عرض کرے گا میں نے خرچ کے لائق کوئی شے نہ چھوڑی تمام تیری راہ میں خرچ کر دیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے اس لئے کہ تو نے اس ارادہ پر خرچ کیا کہ لوگ تجھے سخی کہیں سو تجھے کہا گیا پھر حکم ہو گا اسے کھینچ کر جہنم میں پھینکو چنانچہ اسے بھی جہنم میں دھکیلا جائے گا اس کے بعد ایک عالم کو لایا جائے گا جس نے علم اور قرآن پڑھا اسے بھی اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں جتلائے گا۔ وہ انہیں معلوم کرے گا پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے دنیا میں کیا عمل کیا عرض کرے گا علم پڑھا قرآن پڑھا اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا تو جھوٹا ہے تو نے اس لیے علم پڑھا کہ لوگ کہیں کہ فلاں عالم ہے فلاں قاری ہے سو کہا گیا حکم ہو گا اسے منہ کے بل کھینچ کر جہنم میں پھینکو تو اسے کھینچ کر جہنم میں پھینکا جائے گا۔

marfat.ocm

سعدون ولی اللہ کی کرامت حضرت عطاء اسلمی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ ایک دن میں اپنے دوستوں کے ساتھ نکلا تاکہ ہم استسقاء کی نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے بارش مانگیں راستہ میں حضرت سعدون سے ملاقات ہوئی فرمایا کہ اے عطاء قلوب سماویہ کے ساتھ جا رہے ہو یا قلوب روضیہ کیساتھ میں نے کہا قلوب سماویہ سے۔ فرمایا اے عطا ٹیڑھا نہ ہو اس لئے ناقد بصیر ہے میں شرمندہ ہوا جب ہم نے دعا مانگی تو بارش نہ ہوئی میں نے انہیں کہا آپ دعا فرمائیں تاکہ بارش ہو اس نے آسمان کی طرف منہ کر کے کہا۔

ولی اللہ کلوسیلہ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر کہا۔ بحرمتہ ماکان بینی وبینک البارحتہ ان تسقینا۔ اے اللہ تعالیٰ اس معاہدہ کے صدقے بارش عطا فرما جو میں اور آپ نے کیا یہ کلمات ختم نہ ہوئے تو بارش ہوئی اس کے بعد وہ رو پڑے اور لوٹ گئے۔

تفسیر صوفیانہ دراصل تصحیح نیت ضروری ہے اور تطہیر قلب بھی یعنی غیر سے اعراض اور اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص ہو وہ جو نفس کے صفات میں گرفتار اور حق سے روگردان اور دنیا کی طرف متوجہ اور شہوات میں منہمک ہو تو وہ بعد و فراق کی عرف کھینچا جائے گا اور وہ رسوائی و جدائی کی نار کی گرمی چکھے گا۔

تفسیر عالمانہ ان کل شیئٍ بیشک ہم نے ہر شے کو۔ کل شئی منصوب ہے ساتھ فعل مقدر کے جس کی تفسیر اگلا فعل کرتا ہے۔

خلقناہ ہم نے اسے پیدا کیا درانحالیکہ وہ شے متلبس ہے۔ ساتھ قدر متعین کے جیسے ہی اس کی حکمت کا تقاضا تھا کہ جس پر امر تکوین دائر ہوتا ہے قدر بمعنی تقدیر ہے بمعنی شے کی صورت و شکل اور اس کی شکل ظاہر وباطنہ کو اس مقدار مخصوص پر برابر کرنا جیسے اس کی حکمت کا تقاضا ہے اور اس پر وہ منفعت مرتب ہے جو اس کی مخلوق کے لئے ہے یا معنی یہ ہے کہ ہم اس شے مقدر کو پیدا کیا جیسا کہ اس کے وقوع سے پہلے لوح محفوظ میں لکھا ہوا تھا اس میں کوئی تبدیلی و تغیر نہیں۔

marfat.ocm

قضی اللّٰہ امرا و جف القلم   سر بر خط لوح ازلی دارد خموش

ترجمہ   اللہ کا فیصلہ ہو گیا اور قلم خشک ہو گیا لوح ازلی کے خط کا راز خاموش ہے۔

کز ہرچہ قلم رفتہ در نکشند

ترجمہ   جو قلم سے نکلا اس سے قلم نہیں کھینچے۔

مسئلہ   قدر سے اللہ تعالیٰ کی وہ تقدیر جو اس کے علم ازلی میں ہے جسے اس نے لوح محفوظ میں لکھا وہی قدر جو قضاء کے ساتھ مستعمل ہوتی ہے خلاصہ یہ کہ قضاء وہ ہے جو شے مخلوق ہو گی وہ سب یکجا لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے اور قدر وہ ہے جو بعد حصول شرائط کے اعیان میں موجود ہے اسی لئے اسے خلقنا سے تعبیر فرمایا کہ اس کا تعلق وقت معین میں وجود ظاہری سے ہے۔

حدیث مبارکہ   ۱۔ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جمیع مخلوق تقدیر زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے لکھی حالانکہ اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔

۲۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہر شے اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہے یہاں تک ہر طاقت و عاجزی۔

۳۔ نبی پاک شہ لولاک ﷺ نے فرمایا کوئی عبد مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ چار چیزوں پر ایمان نہ لائے گا۔

۱۔ گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور گواہی دے کہ میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے۔

۲۔ ایمان لانے مرنے کے بعد اٹھنے پر۔

۳۔ اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لائے یعنی کڑوی میٹھی تقدیر پر۔

مسئلہ   کشف الاسرار میں ہے کہ اہلسنت کا مذہب یہ ہے کہ نیکی اور برائی اگرچہ بندے کا فعل ہے اور اسی کو ثواب وعذاب ہو گا لیکن اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اس کی قضاء قدر سے جیسا کہ اس نے خود فرمایا قل من عنداللّٰہ فرمایئے ہر ایک کام اللہ تعالیٰ سے ہی ہے۔

marfat.ocm

۴۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ ہر تقدیر بھلی اور بری اللہ تعالیٰ سے ہے۔

مسئلہ آیت میں معتزلہ و خوارج کا رد ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہم نے ہر شے یعنی ہر وہ موجود (جو ازل میں میرے علم و عین میں ہے) کو مقدار معین پر ہم نے پیدا کیا جیسے فرمایا اعطی کل شئی خلقہ ثم ھدی یعنی ہر شے پیدا ہوئی اس کی ذاتی استعداد کے مقتضا اور اس کی قابلیت اصلیہ ازلیہ پر اس سے نہ کچھ زیادہ ہوگا نہ کم جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس وجود کے سوا اور کسی دیگر وجود کا امکان نہیں کیونکہ اگر مانا جائے کہ ہے تو سہی لیکن اس نے ظاہر نہیں کیا تو لازم آتا ہے کہ وہ بخیل ہے (معاذ اللہ) حالانکہ وہ جواد ہے اور لازم آتا ہے کہ وہ اس کے ظاہر کرنے سے عاجز ہے (معاذ اللہ) حالانکہ وہ قادر ہے۔

تفسیر عالمانہ وما امرنا اور ہمارا امر نہیں۔ کسی امر کے لئے جسے ہم چاہیں پیدا کرنا الا کلمح البصر مگر وہ آنکھ جھپکنے کی طرح یعنی ایک ہی کلمہ سے شے موجود ہو جاتی ہے اسے دوبارہ کہنے کی حاجت ہی نہیں ہوتی وہ کلمہ کن ہے یہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ امر یکبارگی کا فعل ہے یعنی ایجاد کہ جس میں دوسرا فعل شامل ہے اور نہ کسی کی معاونت کی حاجت۔

فائدہ لمح البصر مراد آسان اور جلدی کیونکہ لمح البصر جھپکنا بہت جلدی ہوتا ہے اب لمح البصر کا معنی ہوا بہت جلد۔

حل لغات القاموس میں ہے لمح الیہ منع کی طرح بمعنی آنکھ نے جھٹکا لگایا۔ الم کا بھی یہی معنی ہے (المفردات) میں ہے کہ اللمح بمعنی بجلی کا چمکنا کہا جاتا ہے۔ رایتہ لمحتہ برق میں نے اسے بجلی کی چمک کی طرح دیکھا یا اتنا مقدار دیکھا۔

ربط حضرت ابن الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ چونکہ سابق آیات کفار مکہ کی وعیدات پر مشتمل تھیں کہ انہیں ہلاک کیا جائے گا جلدی یا دیر سے اور اہل ایمان کے وعدہ خیر پر بھی مشتمل تھیں کہ ان کے لئے کفار سے بدلہ لیا

marfat.ocm

جائے گا۔ اب انا کل شئی خلقنا فرماکر اس وعید ووعد کی تاکید فرمائی کہ یہ وعد وعید حق اور سچ ہیں اور یہ وعدہ ووعید لوح محفوظ میں مثبت اور اللہ تعالیٰ کے ہاں مقدر ہیں اس میں اضافہ ہو گا نہ کمی اور یہ اللہ تعالیٰ کیلئے ہے بھی آسان کیونکہ اس کی قضاء کا امر مخلوق کی تخلیق آنکھ جھپکنے سے زیادہ تیز ہے۔

فائدہ بعض مشائخ اکابر نے فرمایا کہ کن کے امر سے کاف نون مراد نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا وہ امر مراد ہے جس سے ظہور الاشیاء ہوا کن اسی معنیٰ کا پردہ وحجاب ہے۔

ردوہابیہ دیوبند ہم اہل سنت کہتے ہیں کہ انبیاء اولیاء اللہ تعالیٰ کے مظاہر صفات وافعال ہیں یہاں تک کہ کن کے بھی اسے دیوبندی وہابی شرک سمجھتے ہیں صاحب روح البیان رحمتہ اللہ علیہ ہر انسان میں کن کی طاقت ثابت کر رہے ہیں تو پھر صاحب روح البیان رحمتہ اللہ علیہ ان کے نزدیک ڈبل مشرک ہوئے۔

چنانچہ فرمایا۔

وکل انسان لہ فی باطنہ قوۃ کن ومالہ فی ظاہرہ الا المعتاد وفی الاخرۃ یکون حکم کن منہ فی الظاہر وقد یعطی اللہ ذلک لبعض الرجال فی ھذہ الدار بحکم الارث لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانہ تصرف بہا فی عدۃ مواطن منہا قولہ فی غزوۃ تبوک کن اباذر فکان اباذر۔ ([illegible])

ترجمہ ہر انسان کے باطن کن کی قوت ہے اس کے لئے اب سوائے معتاد کے کوئی شے ظاہر نہیں آخرت میں کن کا امر ہو گا بعض اولیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں کن کا امر دیا ہے رسول اللہ ﷺ کی وراثت میں وہ اس سے کئی مقامات پر تصرف کرتا ہے جیسے آپ نے تبوک میں ظاہر فرمایا اور کہا ہو جا ابوذر وہ ابوذر ہو گیا۔

حضرت انسان کی عزت کا کیا کہنا یاد رہے کہ یہ کن کا تصرف صرف حضرت انسان کو عطا ہوا ہے اور یہ اسی سے ہی مخصوص ہے حضرات ملائکہ کرام وغیرہ کو وہ مرتبہ عطا نہیں ہوا اس لئے نیابت وخلافت حضرت انسان کو عطا ہوئی ہے نہ کہ ملائکہ کرام وغیرہ ھم کو۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اور نہیں ہے ہمارا اشیاء کل کی کل علوی سفلی کے لئے تجلی کا امر مگر

marfat.ocm

ایک ہی جعل کے ساتھ یعنی وہ وحدانی الوصف ہے اس میں کثرت نہیں ہاں متجلّٰی لہٗ کی کثرت سے کثیر ہو جاتا ہے اور بحسب الصورۃ الواحدۃ مرائی کثیرہ میں ظاہر ہو جاتا ہے شے کبیر ہے تو وہ کبیر ہو گا صغیر ہے تو وہ صغیر ہو گا مستطیل ہے تو وہ مستطیل ہو گا وہ مستدیر ہے تو وہ مستدیر ہو گا اور وہ صورت اپنی اسی اصلی حالت میں ہو گی جس طرح اسے پہلے پیدا کیا گیا اس میں تغیر و تبدل نہ ہو گا جیسے دیکھنے والا ایک لمحہ میں اس شے کو دیکھتا ہے جو اس کی آنکھ محاذی (بالمقابل) ہوتی ہے۔

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ اور بیشک ہم نے تمہارے گروہ ہلاک کئے یعنی کفر میں تمہارے جیسے وہ کفار جو تمہارے سے پہلے گزرے ہیں۔

حل لغات شیعہ وہ جس سے انسان قوت پکڑے اور اس سے اس کا پھیلاؤ ہو (المفردات) (القاموس) میں ہے کہ شیعۃ (بالکسر) الرجل۔ بمعنی کسی مرد کے اتباع و انصار (تابعدار اور یار و مددگار) اور ایک علیحدہ گروہ اس کا اطلاق واحد تثنیہ۔ جمع مذکر مونث سب پر ہوتا ہے۔

فھل من مدکر تو کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا جو اس سے نصیحت حاصل کر کے اللہ تعالیٰ سے ڈرے۔

تفسیر عالمانہ اس میں اشارہ ہے کہ ہم نے ہی اپنی قدرت ازلی اور حکمت بالغہ سے انہیں ہلاک کیا اور تمہارے جیسوں کو فناؤ تباہ کیا اے ارباب النفوس الامارہ اور اے اصحاب القلوب الجوالہ یا تو موت طبعی سے یا موت ارادی سے تو تم میں کوئی ہے عبرت کرنے والا جو اس سے عبرت حاصل کرے اور اپنے لئے وہ اختیار جو اسے لائق تر ہے۔

تفسیر عالمانہ کل شئی فعلوہ اور ہر وہ شے جو انہوں نے کیا کفر و معاصی سے وہ تفصیل سے لکھا ہوا ہے فی الزبر صحیفوں یعنی حفظہ فرشتوں کے دفتروں میں۔

فائدہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سابقہ امم کے اعمال و افعال ان کے انبیاء علیہم السلام کی کتب میں لکھے ہوئے ایسے ہی ہمارے نبی پاک ﷺ پر نازل شدہ کتاب (قرآن) میں آپ کی امت کے کافروں کے اعمال و افعال لکھے ہوئے ہیں۔

marfat.ocm

کل صغیر و کبیر ہر چھوٹا بڑا عمل۔ **مستطر** لکھا ہوا ہے لوح محفوظ میں تفصیل کے ساتھ۔

حل لغات کہا جاتا ہے استطرہ کتبہ اس نے اسے لکھا۔ (القاموس)

نسخہ روحانی حضرت یحیٰ بن معاذ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جسے معلوم ہے کہ اس کے افعال و اعمال مشہد الصدق میں حاضر ہوں گے اور ان کی جزاو سزا ملی گی تو وہ اپنے اعمال و افعال کی اصلاح میں کوشش کرتا ہے اور اپنے اوپر استغفار لازم کرتا ہے ان غلطیوں سے جو اس سے سرزد ہوئیں۔

حدیث شریف حضور نبی کریم ﷺ نے چھوٹے گناہوں کی ایک مثال دی فرمایا کہ چھوٹے چھوٹے گناہوں کی مثال اس قوم کی ہے جو جنگل میں اترے اور تمام لوگ جمع ہوں ان کا ہر ایک لکڑیاں کرنے کے لئے چل پڑے یہاں تک کہ ہر ایک کی لکڑیاں جمع ہوئیں تو وہ ایک ڈھیر بن گیا پھر وہ اسے جلا کر ہی روٹی پکا سکتے ہیں ایسے ہی بندے میں چھوٹے چھوٹے گناہ جمع ہو کر تباہ و برباد کر دیتے ہیں ہاں اللہ تعالیٰ سے ان کی مغفرت چاہے تو بچ جائے گا اسی لئے چھوٹے چھوٹے گناہوں سے بچو۔ اس لئے اس کی بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے پرسش ہوگی کسی نے کیا خوب کہا۔

خل الذنوب صغیرھا   وکبیرھا ذاک التقی
واصنع کماش فوق   ارض الشکوک یحذر مایری
لا تحقرن صغیرۃ   ان الجبال من الحصی

ترجمہ ۱۔ چھوٹے بڑے گناہ چھوڑ یہی پرہیزگاری ہے۔

۲۔ چلنے والے کی طرح وہ جب زمین پر کانٹا دیکھتا ہے تو اس سے ہٹ جاتا ہے۔

۳۔ چھوٹے گناہ حقیر نہ سمجھ کیونکہ پہاڑ چھوٹی کنکریوں سے تیار ہوا ہے۔

تفسیر عالمانہ **ان المتقین** بیشک کفر و معاصی سے بچنے والے۔ **فی جنات** عظیم الشان باغات میں ہوں گے ان باغات کی نعمتوں اور جو ان کے اندر ہے کا وصف بیان نہیں ہو سکتا۔ **ونھر** اور نہروں میں ہوں گے یعنی پانی شراب طہور شہد دودھ کی نہریں۔ واحد کا صیغہ ہر ایک علیحدہ علیحدہ جنس کی وجہ سے ہے اسم جنس واحد پر

marfat.ocm

اکتفاء کیا گیا آیات کے فواصل کی وجہ سے۔

فی مقعد صدق صدق کی بیٹھک میں۔ خبر کے بعد خبر اور یہ اضافت اضافۃ الصفۃ الی الموصوف کے قبیل سے ہے۔ **الصدق** بمعنی الجودۃ یعنی کھرا ہونا۔ یعنی اپنی وہ پسند کے مکان میں ہوں گے اور مجلس حق میں جو لغو و تاثیم سے سالم ہو گی بخلاف مجالس دنیا کے کیونکہ بہت کم ایسی مجلسیں ہوتی ہیں جن میں لغو و تاثیم نہ ہو۔

عند ملیک مالک کے نزدیک۔ عند سے منزلت و مرتبت کا قرب مراد ہے نہ کہ قرب مکان و مسافت۔ الملیک مالک سے بلیغ تر ہے فارسی میں بمعنی پادشاہ تنکر تعظیم کی ہے اب معنی یہ ہوا کہ درانحالیکہ وہ متقین مالک عزیز (غالب) کے مقرب ہوں گے اور اس کا ملک اتنا وسیع ہے کہ اس کی وسعت کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ ملک و ملکوت کی کوئی شے ایسی نہیں جو اس کے قبضہ میں نہ ہو تو جو اس کا مقرب ہو گا اسی کو اس سے بڑھ کر اور کیا مرتبہ چاہیے بلکہ اس پر تو اور لوگ رشک کریں گے اور اس کی سعادت کا کیا کہنا۔

مقتدر وہ قادر ہے کہ اسے کوئی شے عاجز نہیں کر سکتی اور اس کے امر سے اوپر کوئی اور ہے اور وہ اقتدار میں عالی قدر ہے۔

تفسیر صوفیانہ (۱) تاویلات نجمیہ میں ہے کہ متقین باللہ عما سویٰ اللہ وصال کی جنات اور میاہ المعرفۃ والحکمۃ کی انہار میں غوطہ زن ہیں ان سے معارف کے موتی اور لالی کے جوہر نکال لاتے ہیں اور وہ مقعد صدق میں ہیں اور وہ مقام الوحدۃ الذاتیہ ہے مقام العندیہ کے نزدیک جیسے حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں گزارتا ہوں وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ متقی اللہ تعالیٰ کے ہاں تقریب و تخصیص حاصل کر لیتے ہیں کل قیامت میں اللہ تعالیٰ کے مقربین کی دار میں انہیں قیام نصیب ہو گا۔ اور حضور نبی پاک ﷺ ابیت عند ربی کے حکم کے مطابق اس دار کے مخصوص قرب میں ہوں گے جب ایسے لوگوں کو یہ مرتبہ نصیب ہو گا تو وہ ناز کریں گے اور اس دار خاص کے پایہ اول کی انتہاء سے آگاہی نہ ہو سکے گی چہ جائیکہ اس کے اعلیٰ پایۂ کے انتہاء سے آگاہی حاصل کی جا سکے۔

ای مجرم سرلایزالی مرات جمال ذی الجلال
مہمان ابیت عند ربی صاحب دل لاینام قلبی

marfat.ocm

از قربت حضرت الٰہی ہستی مشابہ کہ خواہی
قربیکہ عبارتش نسنجد در حوصلہ خرد نگنجند
گم گشتہ بود عبارت آنجا بلکہ نرسد عبارت آنجا

ترجمہ ۱۔ اے لایزال کے محرم راز اے ذوالجلال کے جمال کے آئینہ۔
۲۔ ابیت عندربی کے مہمان صاحب دل کہ آپ کا دل نہیں سوتا۔
۳۔ حضرت الٰہی کی قربت میں ہے ہستی کے مشابہ ہے اور تمہیں کیا چاہیئے۔
۴۔ ایسا قرب کہ اس کی تعبیر نہیں ہو سکتی حوصلہ خرد میں نہیں سماتا۔
۵۔ وہاں عبادت گم ہے بلکہ عبادت وہاں پہنچ نہیں سکتی۔

تفسیر صوفیانہ (۲) آیت میں اشارہ ہے کہ تقویٰ بندے کو جنات الدرجات اور انہار العلوم والمعارف الحقیقتہ الالٰہیہ تک پہنچاتا ہے اس کے بعد مقام صدیقین کی طرف پھر مقام وحدۃ ذاتیہ جن کی طرف عندیہ میں اشارہ تک لے جاتا ہے اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مکان کی مدح صدق سے فرمائی اس میں صرف اہل صدق ہی بیٹھتے ہیں اور وہ مقام ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء سے وعدہ فرمایا ہے یعنی انہیں اپنے چہرہ کریم کی طرف دیکھنا مباح فرمایا ہے اور اس جگہ کی قیمت و عزت نہ تو مرغ بریان ہیں اور نہ جوئے رواں اور نہ خیرات حسان بلکہ صرف اور صرف دیدار ہے۔ جیسے صدف کی قیمت در شاہوار ہیں اور بس جیسے کہا گیا ہے۔

وما عہدی بحب تراب ارض ولکن من یحل بہا حبیب

ترجمہ مجھے اس زمین کی مٹی سے محبت نہیں مجھے تو اس محبوب سے محبت ہے جو اس میں مقیم ہے۔

فائدہ خوش قسمت ہیں ان اہل ایمان کے عیش جو اس مجلس انس و حظیرہ قدس کے لئے انتظار کی آنکھیں لگا کر کعبہ دیدار تک پہنچے۔ اور رضاؤ خوشنودی کی خلعت پہنی اور چشمہ وفائے شربت سرور پر انہیں عیش بے عتاب اور نعمت بے حساب اور دیدار بے حساب نصیب ہوا۔

بہشت کا داخلہ حضرت صالح ابن ابان حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہما راوی نے آیت کی تفسیر میں

فرمایا کہ اہل جنت دن میں دو بار جبار تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوں گے اور اس کے سامنے قرآن پڑھیں گے اور ہر ایک اپنی نامزد مجلس میں بیٹھے گا اور میری نشستگاہ موتیوں اور زمرد اور یاقوت اور سونے اور چاندی کی ہے اور نشستگاہیں انہیں اعمال کا بدلہ میں نصیب ہوں گے لیکن اس نشست گاہ سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی نہ ہوں گی جیسے وہ قرآن پڑھنے سے خوش ہوں گے اور آنکھیں ٹھنڈی کریں گے اور اس سے بڑھ کر اور کوئی شے نہ سنیں گے۔ اور نہ ہی حسین تر کوئی شے اس سے بڑھ کر انہیں نظر آئے گی۔ پھر واپس اپنی سابق پر آجائیں گے درانحالیکہ خوش خرم اور باغ بہار ہوں گے اس جیسے منظر سے ان کی آنکھیں کہیں ٹھنڈی نہیں ہوں گی۔ اسی طرح یہ منظر ہر روز سے بڑھ کر ہو گا۔

فائدہ بعض نے کہا کہ آیت میں وہ لوگ مراد ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے دیدار سے نہ تو جنت کی حاجت ہو گی اور نہ ہی اور نعمتیں اور نہ ہی کوئی اور شے۔

فائدہ البقلی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اے برادر یہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں جو دنیا و آخرت میں غرباء کہلاتے انہیں منازل میں غریب یعنی عجیب تر منزلیں نصیب ہوں گی یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بیٹھیں گے اس مجلس کو صرف وہ جانتے ہیں جو اس کی طلب میں سچے ہیں یعنی معرفت کے وہ فقراء جن کے متعلق حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا ان میں وہ فقراء ہیں جو اللہ تعالیٰ کے جلیس (ہمنشیں) ہیں۔

غریب کا معنیٰ حضرت بایزید بُسطامی قدس سرہ سے غریب کا معنیٰ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ جسے دنیا میں مخلوق تلاش کرے تو وہ نہ ملیں گے اگر اسے فرشتہ مالک دوزخ میں تلاش کرے تو نہ ملیں اور جنہیں جنت فرشتہ رضوان تلاش کرے تو نہ ملیں عرض کی گئی تو اے بایزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہاں پائیں گے تو پڑھا اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ الخ

سبق صدق و خدمتہ الصادقین لازم ہے تاکہ انسان اس مطلب جلیل کو حاصل کر سکے۔

صدق کے مراتب صدق کے چند وجوہ مراتب ہیں۔

ا۔ صدق فی القول زبان سے یعنی زبان کو جھوٹ سے بچانا کیونکہ گناہوں میں قبیح ترین گناہ ہے۔

حدیث شریف حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ تاجر تو کافر ہیں عرض کی گئی تو کیا حضور تجارت اللہ

تعالیٰ نے حلال نہیں بتائی چنانچہ فرمایا احل اللہ البیع اللہ تعالیٰ نے بیع حلال فرمائی ہے فرمایا ہاں لیکن وہ تاجر جو قسم کھاتے ہیں اور گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں۔

حدیث شریف نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ جھوٹ رزق گھٹاتا ہے۔

حدیث شریف چار چیزیں ایسی ہیں جس کے اندر ہوں تو وہ منافق ہے اگرچہ روزہ رکھے نماز پڑھے اور گمان رکھے کہ وہ مسلمان ہے۔

۱۔ بات کرے تو جھوٹ بولے۔ ۲۔ وعدہ کرے تو خلاف کرے۔

۳۔ امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔ ۴۔ جھگڑا کرے تو حد سے متجاوز ہو۔

(۲) صدق فی الحال تو یعنی حال کو ان امور سے بچائے جو اسے نقصان پہنچائیں مثلاً جب عزم کرے تو اس شے سے بچے جو اس کے عزم میں حائل ہو۔

فائدہ حال تسلیم و توکل وغیرہما سے ہے اس میں صدق یہ ہے کہ عزیمت پر مداومت کرے اور نقض سے احتراز کرے۔

فائدہ اہل سلوک صدق الحال میں بہت زیادہ اہتمام کرتے ہیں۔

حکایت ایک سالک بہت بڑا وجدی اور جذباتی تھا۔ ایک دن حرم شریف سے باہر جاتے وقت خرقہ شیخ حرم کے ہاں چھوڑ گیا اور کہا کہ میرا اب کا وجد اور چیختا چلانا ایک عورت کے لئے تھا جس سے مجھے عشق ہو گیا ہے اس لئے اب میں خرقہ پہننے کے لائق نہیں رہا اگر پہنوں گا تو میرا حال کاذب ہو گا کہ لباس عشاق کو پہنوں اور دل اغیار میں لگاؤں پھر چند دنوں کے بعد واپس آکر خرقہ شیخ الحرم سے سنبھال کر کہا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے عورت سے بچا کر مجھے اپنے حال کی طرف لوٹا دیا۔[1]

---

[1] آخری آیت کی مناسبت سے ایک میں بھی عرض کر دوں۔

حکایت زہر الریاض میں ہے حضرت ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں ایک دن میں خانہ کعبہ میں داخل ہو گیا میں نے وہاں ستون کے قریب ایک برہنہ نوجوان مریض کو پڑے دیکھا جس کے دل سے رونے کی آوازیں نکل رہی

بقیہ [illegible]

marfat.ocm

مرید کا صدق مرید کا صدق فی الحل ہے مرید کا اپنے شیخ کے ساتھ پکی ارادت جس کی کوئی حرکت شیخ کے ارادہ کے خلاف واقع ہو وہ اپنی ارادت میں جھوٹا ہے (لیکن ایسے مرید آج کہاں اور شیخ بھی سچا ہو اگر وہ بھی صرف کاروباری ہو تو پھر جیسا شیخ ویسا مرید۔

سچا مرید سچا مرید وہ ہے جو اپنے شیخ کے ارادہ میں خود کو فنا کر دے جونسا مرتبہ ہو قال ہو یا حال اس طرح وہ صدق حاصل کرے گا اور وہی اس کے لئے باعث نجات اور موجب رفع الدرجات ہو گا۔ شاعر نے کہا۔

سیعطی الصادقین بفضل صدق نجات فی الحیاۃ وفی الممات

ترجمہ عنقریب اللہ تعالیٰ فضل صدق کی وجہ سے حیات و ممات میں نجات بخشے گا۔

نعرہ رسالت کا ثبوت اس شعر کا شان ورد یہ ہے کہ تین بھائی ملک شام میں رہتے تھے وہ جہاد کی نیت سے جنگ لڑ رہے تھے انہیں رومیوں نے گرفتار کر لیا انہیں بادشاہ نے کہا نصرانی ہو جاؤ میں تمہیں بادشاہ بنا دوں گا۔ اور اپنی لڑکیوں کا نکاح بھی تم سے کر دوں گا۔ انہوں نے انکار کیا اور کہا یا محمداہ اے ہمارے محمد عربی (ﷺ) ہماری مدد فرماؤ) دو کو تو اس نے کھولتے ہوئے زیتون کے تیل میں ڈال دیا اور تیسرا ایک امیر کے سپرد کر کے اس پر حسین و جمیل لڑکی مسلط کر دی۔ وہ نوجوان دن کو روزہ رکھتا اور رات کو عبادت میں گزار دیتا اس کی اس کیفیت کو دیکھ کر لڑکی مسلمان ہو گئی پھر وہ دونوں ملک شام کی طرف روانہ ہو پڑے انہیں ان کے دونوں شہید بھائی ملائکہ کرام کے ساتھ رات کے وقت ملے اور ان دونوں کا نکاح کر دیا بھائی نے بھائیوں سے حال پوچھا تو کہا کہ جب سے تو نے ہمیں

تھیں۔ میں نے اس کے قریب جا کر اسے سلام کیا اور پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں ایک غریب الوطن عاشق ہوں۔ میں اس کی بات سمجھ گیا اور میں نے کہا میں بھی تیری طرح ہوں۔ وہ رو پڑا اس کا رونا دیکھ کر مجھے بھی رونا آ گیا۔ اس نے مجھے دیکھ کر کہا تم کیوں رو رہے ہو؟ میں نے کہا اس لئے کہ تیرا اور میرا مرض ایک ہے اس نے چیخ ماری اور اس کی روح پرواز کر گئی۔ میں نے اس پر اپنا کپڑا ڈالا اور کفن لینے چلا آیا جب میں کفن لے کر واپس پہنچا تو وہ نوجوان وہاں نہیں تھا۔ میرے منہ سے بے ساختہ سبحان اللہ نکلا۔ تب میں نے ہاتف غیبی کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا' اے ذوالنون! اس کی زندگی میں شیطان اسے ڈھونڈتا تھا مگر نہ پا سکا۔ رضوان جنت اسے تلاش کے باوجود نہ پا سکا۔ میں نے پوچھا وہ پھر کہاں گیا؟ جواب آیا فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر اپنے عشق اور کثرت عبادت اور تعجیل توبہ سے وہ اپنے قادر رب العزت کے حضور پہنچ گیا ہے)

([illegible])

کھولتے تیل میں دیکھا تو ہم اس کے بعد جنت الفردوس میں ہی چلے گئے۔ اب ہمیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے نکاح کے لئے بھیجا ہے اور یہ دونوں نوجوان اس واقعہ میں ملک شام میں بہت مشہور ہوئے یہاں تک کہ شعراء نے ان کے متعلق اشعار لکھے۔ ان میں سے ایک وہی ہے جو اوپر مذکور ہے۔

صوفیانہ لباس کی تشریح سیدنا جنید بغدادی قدس سرہ نے فرمایا کہ امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرمایا کہ صوف کے تین حروف ہیں ص صدق اور صبر اور صفا کی اور واؤ وُدّ ودُود اور وفاء فقر و فرد اور فناء کی جس میں یہ صفات نہ ہوں وہ صوفی نہیں۔

فائدہ حضرت سہل رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صوفیہ کی پہلی خیانت یہی ہے کہ وہ حدیث نفس میں مبتلا ہو۔

فائدہ حضرت فتح الموصلی رحمتہ اللہ علیہ سے سوال ہوا کہ صادق کون ہے فرمایا وہ ہے جو لوہے کی بھٹی سے گرم لوہا باہر نکالے لیکن اس کے ہاتھ کو آگ بھی نہ لگے اور فرمایا یہ اس کے صدق کی دلیل ہے۔

فائدہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ صادق دن میں چالیس بار تبدیل ہوتا ہے لیکن ریاکار چالیس سال اپنے حال سے نہیں بدلتا اس لئے عارفین کا اللہ تعالیٰ سے مطلب ہے صدق و عبودیت اور قیام بحق الربوبیۃ بغیر حظ نفس کی رعایت کے۔ ان کے ماسوا باقی کتنا عابد و زاہد و عالم ہوں وہ حظوظ النفس اور اغراض کو نہیں چھوڑتے ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

فراغت صاحب روح البیان رحمتہ اللہ علیہ

از تفسیر سورۃ القمر شریف صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ سورۃ القمر اللہ تعالیٰ کی مدد سے ۲۳ شوال ۱۱۳۴ سن ہجری میں فراغت ہوئی۔

اویسی غفرلہ فقیر اویسی غفرلہ نے سورۃ القمر کی تفسیر کے ترجمہ سے ۲ ذوالحجہ شریف سن ۱۴۰۸ ہجری مطابق ۱۲ جولائی سن ۱۹۸۸ بروز اتوار سوا چار بجے شام کو فراغت پائی الحمد للہ علیٰ ذلک۔

وصلی اللہ علی حبیبہ الاکرم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین وبارک وسلم۔

الفقیر القادری ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ۔

marfat.ocm

سورۃ الرحمٰن مدنیۃ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ آیاتھا ۷۸ رکوعاتھا ۳

سورۂ رحمٰن مدنی ہے اس میں اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا اٹھتر آیتیں اور تین رکوع ہیں

الرَّحْمٰنُ ① عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ② خَلَقَ الْاِنْسَانَ ③ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ④ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ

رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا ماکان مایکون کا بیان انہیں سکھایا سورج اور چاند

بِحُسْبَانٍ ⑤ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ⑥ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ⑦

حساب سے ہیں اور سبزے اور پیڑ سجدہ کرتے ہیں اور آسمان کو اللہ نے بلند کیا اور ترازو رکھی

اَلَّا تَطْغَوْا فِى الْمِيْزَانِ ⑧ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ⑨

کہ ترازو میں بے اعتدالی نہ کرو اور انصاف کے ساتھ تول قائم کرو اور وزن نہ گھٹاؤ

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ⑩ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ⑪ وَالْحَبُّ

اور زمین رکھی مخلوق کے لیے اس میں میوے اور غلاف والی کھجوریں اور بھس کے

ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ⑫ فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ⑬ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ

ساتھ اناج اور خوشبو کے پھول تو اے جن و انس تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے اس نے آدمی کو بنایا بجتی

كَالْفَخَّارِ ⑭ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ⑮ فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ⑯

مٹی سے جیسے ٹھیکری اور جن کو پیدا فرمایا آگ کے لوکے سے تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے

رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ⑰ فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ⑱ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ⑲

دونوں پورب کا رب اور دونوں پچھم کا رب تو تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے اس نے دو سمندر بہائے کہ

بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ⑳ فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ㉑ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ㉒

دیکھنے میں معلوم ہوں ملے ہوئے اور ہے ان میں روک کہ ایک دوسرے پر بڑھ نہیں سکتا تو اپنے رب کی کون سی نعمت جھٹلاؤ گے ان میں سے موتی اور

فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ㉓ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِى الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ㉔ فَبِاَىِّ اٰلَآءِ

مونگا نکلتا ہے تو اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے اور اسی کی ہیں وہ چلنے والیاں کہ دریا میں اٹھی ہوئی ہیں جیسے پہاڑ تو اپنے رب کی

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ㉕ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ㉖ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ㉗

کونسی نعمت جھٹلاؤ گے زمین پر جتنے ہیں سب کو فنا ہے اور باقی ہے تمہارے رب کی ذات عظمت اور بزرگی والا

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (۲۸) یَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ

تو اپنے رب کی کون سی نعمت جھٹلاؤ گے اسی کے منگتا ہیں جتنے آسمانوں اور زمین میں ہیں اسے ہر دن ایک کام ہے

شَاْنٍ (۲۹) فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (۳۰) سَنَفْرُغُ لَکُمْ اَیُّهَ الثَّقَلٰنِ (۳۱) فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا

تو اپنے رب کی کون سی نعمت جھٹلاؤ گے جلد سب کام نبٹا کر ہم تمہارے حساب کا قصد فرماتے ہیں اے دونوں بھاری

تُکَذِّبٰنِ (۳۲) یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ

گروہ تو اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے اے جن و انسان کے گروہ اگر تم سے ہو سکے کہ آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل

وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ (۳۳) فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (۳۴)

جاؤ تو نکل جاؤ جہاں نکل کر جاؤ گے اسی کی سلطنت ہے تو اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے

یُرْسَلُ عَلَیْکُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ۬ وَّ نُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ (۳۵) فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (۳۶)

تم پر چھوڑی جائیگی بے دھوئیں کی آگ کی لپٹ اور بے لپٹ کا کالا دھواں تو پھر بدلا نہ لے سکو گے تو اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ

فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَکَانَتْ وَرْدَةً کَالدِّهَانِ (۳۷) فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (۳۸)

گے پھر جب آسمان پھٹ جائیگا تو گلاب کے پھول سا ہو جائیگا جیسے سرخ نری تو اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے

فَیَوْمَئِذٍ لَّا یُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ (۳۹) فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (۴۰) یُعْرَفُ

تو اس دن گنہگار کے گناہ کی پوچھ نہ ہوگی کسی آدمی اور جن سے تو اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے مجرم اپنے

الْمُجْرِمُوْنَ بِسِیْمٰهُمْ فَیُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِیْ وَالْاَقْدَامِ (۴۱) فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (۴۲)

چہرے سے پہچانے جائیں گے تو ماتھا اور پاؤں پکڑ کر جہنم میں ڈالے جائیں گے تو اپنے رب کی کون سی نعمت جھٹلاؤ گے

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ یُکَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ (۴۳) یَطُوْفُوْنَ بَیْنَهَا وَبَیْنَ حَمِیْمٍ اٰنٍ (۴۴)

یہ ہے وہ جہنم جسے مجرم جھٹلاتے ہیں پھیرے کریں گے اس میں اور انتہا کے جلتے کھولتے پانی میں

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (۴۵) وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ (۴۶) فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا

تو اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے اور جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرے اس کے لیے دو جنتیں ہیں تو

تُکَذِّبٰنِ (۴۷) ذَوَاتَاۤ اَفْنَانٍ (۴۸) فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (۴۹) فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ (۵۰)

اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے بہت سی ڈالوں والیاں تو اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے ان میں دو چشمے بہتے ہیں

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (۵۱) فِیْهِمَا مِنْ کُلِّ فَاکِهَةٍ زَوْجٰنِ (۵۲) فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا

تو اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے ان میں ہر میوہ دو دو قسم کا تو اپنے رب کی کونسی نعمت

۲ ع ۱۰ ۱۲

تُكَذِّبٰنِ (٥٣) مُتَّكِـِٕیْنَ عَلٰی فُرُشٍۭ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ وَجَنَا الْجَنَّتَیْنِ دَانٍ (٥٤)
جھٹلاؤ گے اور ایسے بچھونوں پر تکیہ لگائے جن کا استر قناویز کا اور دونوں کے میوے اتنے جھکے ہوئے کہ نیچے
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (٥٥) فِیْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ۙ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ
چن لو تو اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے ان بچھونوں پر وہ عورتیں ہیں کہ شوہر کے سوا کسی کو آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتیں ان سے پہلے
وَلَا جَآنٌّ (٥٦) فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (٥٧) كَاَنَّهُنَّ الْیَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ (٥٨) فَبِاَیِّ اٰلَآءِ
انہیں نہ چھوا کسی آدمی اور نہ جن نے تو اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے گویا وہ لعل اور مونگا ہیں تو اپنے رب
رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (٥٩) هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (٦٠) فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (٦١)
کونسی نعمت جھٹلاؤ گے نیکی کا بدلہ کیا ہے مگر نیکی تو اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے
وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ (٦٢) فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (٦٣) مُدْهَآمَّتٰنِ (٦٤) فَبِاَیِّ اٰلَآءِ
اور ان کے سوا دو جنتیں اور ہیں تو اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے نہایت سبزی سے سیاہی کی جھلک دے رہی ہیں
رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (٦٥) فِیْهِمَا عَیْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ (٦٦) فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (٦٧) فِیْهِمَا
تو اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے ان میں دو چشمے ہیں چھلکتے ہوئے تو اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے ان میں
فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ (٦٨) فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (٦٩) فِیْهِنَّ خَیْرٰتٌ حِسَانٌ (٧٠)
میوے اور کھجوریں اور انار ہیں تو اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے ان میں عورتیں ہیں عادت کی نیک صورت
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (٧١) حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ (٧٢) فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
کی اچھی تو اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے حوریں ہیں خیموں میں پردہ نشین تو اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے
تُكَذِّبٰنِ (٧٣) لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ (٧٤) فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
ان سے پہلے انہیں ہاتھ نہ لگایا کسی آدمی۔ اور نہ جن نے تو اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے
تُكَذِّبٰنِ (٧٥) مُتَّكِـِٕیْنَ عَلٰی رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِیٍّ حِسَانٍ (٧٦) فَبِاَیِّ اٰلَآءِ
تکیہ لگائے ہوئے سبز بچھونوں اور منقش خوبصورت چاندنیوں پر تو اپنے رب کی کون
رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (٧٧) تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ (٧٨)
سی نعمت جھٹلاؤ گے بڑی برکت والا ہے تمہارے رب کا نام جو عظمت اور بزرگی والا

ع ٣ ٢٣ ١٣

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ اَلرَّحْمٰنُ مبتدا اس کا مابعد اس کی خبر ہے یعنی وہ جو کامل رحمت والا ہے جیسے ایک دعا میں ہے رحمن الدنیا ورحیم الاخرۃ دنیا میں رحمن اور آخرت میں رحیم ہے اس لئے کہ دنیا میں اس کا رزق عام ہے۔

ع ادیم زمیں سفرۂ عام اوست ✿ بریں خوان یغما چہ دشمن چہ دوست

ترجمہ تمام روئے زمین اس کا عام دسترخوان ہے اس دسترخوان پر دوست و دشمن برابر ہیں۔

اور آخرت میں صرف اہل ایمان کو عفو سے نوازے گا۔ رحمٰن کا معنیٰ ہوا وہ بہت بڑی بخشش والا کہ اس کی رحمت ہر چیز کو پہنچتی ہے۔

الرحمتہ دراصل بمعنی العطف والحنو ہے بمعنی میل روحانی اسی سے الرحم ہے کہ وہ اپنے مافیہا کی طرف جیسا منعطف ہے اللہ تعالیٰ کے لئے بمعنی الرادۃ الخیر اوالانعام ہے اس لئے اس کا انعطاف کا معنی یہی ہے کہ وہ کسی کو ان دونوں میں سے کسی ایک ساتھ نوازتا ہے۔

فائدہ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ الرحمٰن بمعنی العطوف علی العباد بالایجاد بندوں پر مہربان ہے چند وجوہ سے۔
۱۔ ایجاد میں سے ۲۔ ہدایتہ الی الایمان والاسباب السعادت ۳۔ آخرت میں سعادت بخشے گا۔ ۴۔ اپنے چہرے اقدس پر نگاہ ڈالنے کی اجازت عطا فرمائے گا۔

نکتہ چونکہ یہ سورت (الرحمٰن) کامل نعمتوں کی گنتی پر شامل ہے کہ اس میں نعمتوں دنیویہ و اخرویہ و جسمانیہ و روحانیہ مذکور ہوئی ہیں اسی لئے اس کی طرز بدل کر الرحمٰن سے آغاز فرمایا یہ اسم الذات ہے اور اسماء الصفات کا جامع ہے اسی کی طرف ہی (اسم اللہ کے بعد) مختلف نعمتیں مسند ہوتی ہیں۔

ربط چونکہ اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں میں سے عظیم الشان نعمت ہے کیونکہ سعادات کا مدار انہی پر ہے اسی لئے نبی پاک ﷺ نے فرمایا میری امت کے برگزیدہ لوگ قرآن کے حفاظ ہیں یعنی اس کی تلاوت پر مداوت کرنے والے اور اصحاب اللیل یعنی شب بیدار اور فرمایا تمہارے میں بہتر وہ ہے جو قرآن پڑھے اور پڑھائے اور قرآن مجید جمیع کتب سماویہ کے جمیع حقائق موجود ہے اور اس کی تعلیم رحمت واسعہ کے آثار سے ہے اسی لئے اسی سے ہی اس کا آغاز فرمایا کہ علم سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کو سکھایا۔ القرآن قرآن مجید بواسطہ جبریل علیہ السلام پھر بواسطہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ امت کو۔

فائدہ حضرت کاشفی رحمتہ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ لکھا کہ اس کا سیکھنا اور دوسروں کو سکھانا آسان فرمایا۔

نکتہ حضرت عطاء رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو کل اسماء سکھائے اور ارادہ

marfat.ocm

نے آدم علیہ السلام کو اسماء سکھائے اور انہیں ملائکہ پر فضیلت بخشی وہی ذات ہے جس نے تمہیں قرآن سکھایا اور تمہیں تمام امتوں پر فضیلت بخشی پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے کب قرآن سکھایا تو فرمایا کہ درحقیقت انہیں ازل سے قرآن پڑھایا لیکن ایجاد کے وقت ظاہر فرمایا اسی سے معلوم ہوا کہ اگرچہ بظاہر قرآن کی تعلیم کا واسطہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں لیکن درحقیقت بلاواسطہ وجہ خاص کے ساتھ خود پڑھایا (جس کی وضاحت ہم آگے چل کر عرض کریں گے

تفسیر صوفیانہ (۱) بعض نے کہا علم القرآن یعنی جمیع مستعدین کو ازل میں استعداد کامل عطا فرمائی اسی لئے علم القرآن فرمایا علم الفرقان نہیں فرمایا جیسے اس کے دوسرے ارشاد میں ہے۔ تبارک الذی نزل الفرقان اسی لئے کہ کلام الٰہی باعتبار الجمع والبدایہ کے قرآن اور باعتبار الفرق والنہایتہ کے فرقان ہے وہ اس معنی پر موقوف نہیں خلق الانسان و خلق تعلیم البیان سے پہلے بیان فرمایا۔

تفسیر صوفیانہ (۲) اس میں اشارہ ہے کہ تعلیم و تسہیل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے نہ کہ معلمین (اساتذہ) حفاظ سے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اسماء کی تعلیم دی اور اس کی تعلیم کی انہیں توفیق بخشی اور اس پر اپنے اذن و عطا سے آسان کیا اور داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زرہ بننا سکھایا جیسے خود فرماتا ہے۔ وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُم ہم نے اسے تمہارے پہننے کی چیز کا علم دیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو علم طب سکھایا جیسے فرمایا وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ اور اسے اللہ تعالیٰ کتاب و حکمت سکھائے گا اور خضر علیہ السلام کو علم لدنی سکھایا چنانچہ فرمایا۔ وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا اور ہم نے اسے اپنی طرف سے علم بخشا۔ اور ہمارے نبی پاک ﷺ کو قرآن عطا فرمایا وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ اور تجھے سکھایا وہ جو تم نہ جانتے تھے۔ وعلمہ ای الانسان البیان اور اس انسان کو بیان سکھایا۔

فائدہ فتح الرحمٰن میں ہے کہ یہ اس عقیدہ کی دلیل ہے کہ قرآن غیر مخلوق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی کتاب میں چون ۵۴ مقامات میں اس کا ذکر فرمایا ہے ان میں کوئی ایسی جگہ نہیں جس میں لفظ خلق کی تصریح ہو بلکہ اشارہ تک بھی نہیں اور انسان کا ذکر اٹھارہ مقامات پہ ہے ان کے ہر ایک میں اس کے خلق کی دلیل ہے اسی لئے اس سورت میں ان دونوں کو ایک جگہ ملا کر بیان فرمایا ہے۔ (کذا قال مولانا ابو السعود رحمتہ اللہ علیہ) اس کے بعد فرمایا گیا خلق الانسان وعلمہ البیان انسان کو پیدا فرمایا اور اسے بیان سکھایا۔ اس میں معلم کا بیان اور کیفیت تعلیم کا ذکر ہے خلق انسان سے اس کی وہ تخلیق جس پر وہ ہے۔ مثلاً اس کے قوی ظاہر ہو جانے۔

حل لغات بیان بمعنی اظہار مافی الضمیر امام راغب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ البیان بمعنی کسی شے کو تمل ظاہر کرنا وہ نطق سے عام ہے اس لئے کہ نطق صرف انسان سے خاص ہے اور کلام کو اس لئے بیان کہا جاتا ہے کہ وہ معنی مقصود کو کھولتا اور ظاہر کرتا ہے۔

فائدہ تعلیم البیان سے یہ مراد نہیں کہ وہ صرف اپنے مافی الضمیر کو ظاہر کر سکتا ہے بلکہ وہ اپنے علاوہ دوسرے کے مافی الضمیر کے مطلب کو سمجھ کر بھی ظاہر کر سکتا ہے اس لئے اس پر تعلیم القرآن دائر ہے انسان سے جنس انسان مراد ہے جو اس کے جملہ اقسام و افراد کو شامل ہے۔

فائدہ تفسیر بحر العلوم میں ہے کہ خلق الانسان بمعنی آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے انہیں مختلف اسماء لغات (سب کے سب) سکھلائے۔

آدم علیہ السلام کی بولیاں حضرت آدم علی السلام سات لاکھ بولیاں بولتے تھے ان سب سے برگزیدہ عربی بولی تھی۔

تفسیر صوفیانہ فقیر (صاحب روح البیان رحمتہ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر لغت کا متکلم ہے اور اس کی تعلیم واسطہ سے ہو یا بلاواسطہ۔

سوال وہ لغات کا متکلم ہے جبکہ کلام نفسی ہر طرح کے لباس سے منزہ ہے؟

جواب بات تو یہی ہے لیکن مراتب تنزلات و استرسالات میں اس کلام کا کسی نہ کسی لباس میں ہونا ضروری ہے اس معنی پر کلام نفسی کے لئے لغت عربی ایک عارضی لباس کی طرح ہے اس کا ذائقہ ہم بھی چکھتے ہیں جب الہام و خطاب سے ہمیں نوازا جاتا ہے کہ کبھی وہ الہام عربی میں ہوتا کبھی فارسی میں کبھی ترکی میں بلاواسطہ یا بواسطہ ملک (فرشتہ) باوجودیکہ الہام کے وقت کسی کو نہ دیکھا بھی نہیں جاتا۔

تفسیر عالمانہ الشمس والقمر بحسبان (سورج اور چاند حساب کے ساتھ ہیں) یہ مبتدا و خبر ہیں۔

حل لغات الحسبان بالضم مصدر ہیں بمعنی حساب غفران و رجحان کی طرح کہا جاتا ہے حسب بمعنی عدہ (اسے گنا) از باب نصر الحساب (بالکسر) والحسبان (بالضم) الحسبان (بالکسر) بمعنی ظن از باب حسب (بالکسر) بمعنی گمان کیا۔ اب معنی یہ ہوا کہ سورج اور چاند حساب مقدر سے اپنے بروج و منازل میں چلتے ہیں۔ کائنات سفلی کے امور کا نظام انہی سے ہے اسی لئے فصول و اوقات مختلف ہیں۔ پھر انہیں سے ہی سال و ماہ (اور ہفتے۔ دن۔ رات) اور حساب

marfat.ocm

کچھ کم کا ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں فلک البروج کے شمس اور کرہ قلب کے قمر اور ان کی بروج تجلیات ذاتیہ ومنازل تجلیات اسمائی وصفائی کی سیر کی طرف اشارہ ہے اور ان ہر ایک سیران ہر ایک کی استعداد پر حساب معلوم وامر مقسوم سے ہے۔

تفسیر عالمانہ والنجم وہ انگوریاں جو زمین سے ظاہر ہوتی ہیں اور ان کی پنڈلی نہیں ہوتی جیسے انگور اور کدو وغیرہ۔ والشجر۔ درخت وہ جس کی پنڈلی ہو اور ہر وہ شے جو ظاہر ہو اور اپنے طریقہ سے منقطع نہ ہو وہ شجر ہے۔

یسجدان سجدہ کرتے یعنی اپنے رب تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں ہر اس امر میں جو ان کے لئے اس کی مراد ہے۔

طبعًا ساجد مکلّف کی طرح (طوعًا) یا سجدہ کرتا ہے اس کا سایہ جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمایا ۔تتفیؤا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْیَمِیْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ (مائل ہوتا ہے اس کا سایہ دائیں بائیں اللہ تعالیٰ کے لئے سجدہ کرنے والا ہو کر)

فائدہ علماء فرماتے ہیں ہمیں ان کے سجدہ کرنے کا وقوف نہیں جیسے ان کی تسبیح وہ جانے اور ان کے ساجد وسابح۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ولکن لا تفقھون تسبیحھم (اور تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے)

نکتہ دو آسمانی نعمتوں کے مقابلہ میں دو زمین کی نعمتوں کا فرمایا یعنی سورج وچاند دو آسمانی نعمتیں ہیں تو نجم وشجر زمین کی نعمتیں ہیں۔ نجم وشجر ہر دونوں نبات کے قبیل سے ہیں جو کہ رزق کا اصل ہیں یعنی دانے۔ پھل۔ گھاس جانوروں انہی سے ہے۔

نکتہ پہلے جملوں کو عطف ہے اس لئے خالی رکھا گیا ہے کہ ان میں نعمتوں کا شمار کیا جارہا ہے تاکہ انسان شکر میں کوتاہی نہ کرے۔ یہ ایسے ہے جیسے کہا جاتا ہے زید اغناک بعد فقر اعزک بعد ذل کثرک بعد قلۃ فعل بک مالم یفعل احد باحدہ فقر کے بعد تجھے غنی کیا ذلت کے بعد تجھے عزت دی قلت کے بعد تجھے کثرت بخشی تیرے ساتھ وہ احسانات فرمائے جو کسی دوسرے کو نصیب نہ ہوئے۔

سوال النجم کا عطف ماقبل پر کیوں یہاں بھی نعمتوں کا شمار کیا جارہا ہے؟

جواب تقابل کی وجہ سے اس لئے کہ الشمس والقمر علوی نعمتیں ہیں اور النجم والشجر سفلی اور یہ نعمتیں علوی ہوں

marfat.ocm

یا سفلی سب کی امر الٰہی کی فرمانبردار ہیں۔

سوال پہلی نعمتوں کو جملہ فعلیہ سے (مثلاً علم القرآن۔ خلق الانسان۔ علمہ البیان) اور ان نعمتوں کو جملہ اسمیہ سے کیوں (مثلاً الشمس والقمر الخ)

جواب یہ نعمتیں (چار۔ سورج۔ چاند۔ انگوری۔ درخت) انسان کی ذات وصفات کی متغایر ہیں اسی لئے نظم (عبارت) کو بدل دیا تاکہ ان کے تغایر وضعی وطبعی اور صوری ومعنوی کا تحقق ہو۔

تفسیر صوفیانہ اس میں نجم (عقل) کے سجود کی طرف اشارہ ہے کہ اسی سے ہی انسان معرفت اشیاء حاصل کرتا ہے اور یہ حقائق الٰہیہ ومعارف ربانیہ کے سامنے لاشے اس لئے ہے کہ اس میں ان کی ان کے ادراک کی قوت نہیں اور نہ ہی ذاتی طور وہ ان کے لئے مستعد ہے بطریق کشف وشہود یہ فیض الٰہی سے استفاضہ کی ہمت نہیں رکھتا اور شجر فکر کے سجود کی طرف اشارہ ہے کہ وہ فکر قوائے وہمیہ واہمیہ وخیالیہ تیار کیا گیا ہے۔ قوۃ مزاجیہ عنصریہ میں اور یہ بھی حقائق جیساکہ یہ ہیں کے ادراک پر قدرت نہیں رکھتا۔ اسی لئے کہا جاتا ہے عقل وفکر کون کے سراوق کے ارد گرد گھومے۔ جب مکون کو دیکھا تو پگھل گئے کیوں نہ ہو جبکہ یہ دونوں حصر الخلقیۃ والحدوث کے تحت محصور پیدا کئے گئے ہیں۔ پھر محدث مخلوق خالق قدیم کی معرفت کیسے حاصل ہو۔ خود فرماتا ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر کا حق نہ کیا۔

والسماء رفعها (اور اللہ تعالیٰ نے آسمان کو بلند کیا) اس کا منصوب ہونا فعل محذوف سے ہے جس کی فعل مذکور تفسیر کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو محلاً بلند وبالا بنایا ہے جیساکہ محسوس ومشاہد ہے اور رتبتہ بھی کہ اپنے احکام وقضایا کا مرکز بھی آسمان ہے کہ وہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلے زمین پر اترتے ہیں اور وہ ملائکہ کی رہائش گاہ بھی ہے۔

فائدہ بعض نے کہاکہ اس کے سفل (نیچے یعنی زمین) سے اوپر کی طرف چھت کی طرح بنایا بندوں کی مصلحتوں کے لئے زمین وآسمان کے درمیانی خلاء پانچ سو سال کی مسافت ہے اس لئے آسمان دھواں ہے زمین کے پانی نے جوش مارا تو وہ دھواں آسمان کی صورت بن گیا۔ **ووضع المیزان** (اور رکھا ترازو) یعنی عدل جاری کیا اور اس کا حکم فرمایا کہ ہر حقدار کو پورا حق ملے تاکہ امر عالم کا نظام صحیح اور مضبوط ومستحکم ہو جیسے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

marfat.ocm

کہ عدل سے ہی آسمان و زمین قائم ہیں۔

المیزان کی تفاسیر ۱۔ المیران سے قرآن مراد ہے۔

۲۔ جس سے ہی اشیاء کی مقدار معلوم کی جائے وزن سے ہو یا کیل سے وغیرہ وغیرہ اب معنی یہ ہوا کہ ہر وہ شے کہ جس سے اشیاء وزن کی جائیں اور ان کی مقدار پہچانی جائے وضع کر کے اور زمین پر نیچے رکھ کہ کہ اس سے ہی اپنے بندوں کے احکام اور ان کے فیصلے معلق فرمائے برابر اور عدل سے کہ لینے دینے میں کسی قسم کی کمی بیشی نہ ہو۔

فائدہ حضرت سعدی المفتی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ان لا تطغوا فی المیزان واقیموا الوزن الخ اس معنی کو زیادہ موزوں ہیں اسی لئے اس پر اکتفا کیا اور زمخشری بھی اسے اس پر اقتصار کیا۔

فائدہ حضرت الکاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میزان وضع فرمایا اور اسے پیدا کیا یا نازل فرمایا یا الہام فرمائی مخلوق پر اس کی کیفیت ایجاد تاکہ اسی سے ایک دوسرے کو انصاف دیں اور لیں یہ نوح علیہ السلام سے شروع ہو اور نہ اس سے پہلے وزن اور کیل نہ تھا اور نہ ہی ناپ تھی۔ اس آیت کے تحت حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم (علیہ السلام) کو حکم فرمایا اے ابن آدم دوسروں کے لئے انصاف کر جیسے تو خود اپنے لئے انصاف چاہتا ہے اس لئے عدل ہی میں لوگوں کی بہتری ہے۔

ان لا تطغوا فی المیزان (ترازو میں بے اعتدالی نہ کرو) ان ناصبہ لا نافیہ ہے اور لام علت کی مقدر وضع المیران سے متعلق ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ترازو اس لئے رکھا تاکہ اس میں بے اعتدالی نہ کرو اور حد سے نہ بڑھو اور عدل سے تجاوز نہ کرو اور راستی کے ساتھ معاملات کرو۔

حل لغات ابن الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ الطغیان بمعنی حد سے تجاوز کرنا جس نے کہا کہ المیران بمعنی عدل ہے اس نے طغیان بمعنی ظلم کیا ہے اور جس نے میزان سے برابری کا آلہ مراد لیا ہے تو اس نے طغیان بمعنی بخس بمعنی نقص (گھاٹا) لکھا ہے۔

چوں ترازوئے تو کج بود و دغا   رست چوں جوئی ترازوئے جزا

ترجمہ جب تیرا ترازو ٹیڑھا اور کھوٹا ہے تو پھر تو خود کیوں سیدھی اور راست کا طالب ہے۔

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ   **واقیموا الوزن بالقسط** (اور انصاف کے ساتھ تول قائم رکھو) یعنی عدل سے وزن قائم کرو یعنی اسے عدل سے سیدھا رکھو۔

حل لغات   المفردات میں ہے کہ الوزن بمعنی شے کی مقدار کی معرفت اور عوام میں وزن کی پہچان ترازو کے ساتھ تولنے سے ہوتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ   **واقیموا الوزن الخ**   میں اشارہ ہے کہ انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے جمیع اقوال و افعال میں عدل و انصاف کو مدنظر رکھے۔

تفسیر عالمانہ   **ولا تخبسروا المیزان** (اور زون کو نہ گھٹاؤ)

حل لغات   اہل لغت کہتے ہیں خسرت الشئی (بالفتح) واخسرتہ میں نے اسے گھٹایا از باب ضرب الخسرہ الاخسار بمعنی النقص گھٹایا۔ اب معنی یہ ہوا کہ وزن کو نہ گھٹاؤ کیونکہ اس کا حق یہ ہے کہ اسے برابر رکھا جائے اسلئے کہ اس کی وضع کی اصلی غرض یہی ہے یعنی برابر رکھنا۔

فائدہ   خسر (بالکسر) گھٹانا یا بیچ میں (المختار) یعنی بیچ کے گھاٹے کے وقت سین کو مکسور پڑھا جائے گا۔ (القاموس) میں ہے کہ خسر ہجوں فرح و ضرب بمعنی ضل (راہ سے ہٹنا)

فائدہ   سعدی المفتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مراد یہ ہے کہ اس شے کو نہ گھٹاؤ جو میزان میں ہے نہ کہ خود میزان کو پہلے اللہ تعالیٰ نے تسویہ (عدل) کا حکم دیا اب طغیان سے نہی فرمائی یعنی حد سے تجاوز اور زیادتی نہ کرو اس کے بعد خسران سے روکا یعنی وزن میں کمی بیشی نہ کرو۔

نکتہ   المیزان کے تکرار میں تنبیہ ہے کہ اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ سخت سے سخت تاکید فرماتا ہے کہ اس کے استعمال میں عدل و انصاف سے کام لو۔ اس معاملہ میں گویا خصوصی ترغیب فرمائی گئی ہے۔

فائدہ   حضرت کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ اہل ترازو کو اس میں تاکید اس لئے ہے کہ قیامت میں اعمال کے ترازو

marfat.ocm

سے شرمندگی نہ ہو۔

ہر جو ہر حبہ کہ بازوئے تو   کم کند از کید ترازوی تو
ہست یکایک ہمہ برجائے خویش   روز جزا جملہ بیارند پیش
با تو نمایند نہانیت را   کم وہی و بیش ستانیت را

ترجمہ ١۔ ہر جو اور ہر دانہ تیرا بازو ہیں کم کرے گا تیری تدبیر کی ترازو کو۔

٢۔ ہر ایک اپنی جگہ پر قائم ہے سب کو قیامت میں تیرے آگے لائیں گے۔

٣۔ تیری پوشیدہ کارروائی کو ظاہر کریں گے تو کم دیتا تھا یا زیادہ لیتا تھا۔

حکایت حضرت مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ کے ایک ہمسایہ پر سکرات طاری تھی۔ آپ تشریف لے گئے عرض کرتا تھا کہ میرے سامنے دو بڑے پہاڑ ہیں مجھے حکم ہوتا ہے کہ تو ان پر چڑھ فرمایا میں نے اس کے گھر والوں سے اس کا کردار پوچھا تو کہا گیا کہ اس کے دو ترازو تھے ایک سے دیتا تھا دوسرے سے لیتا تھا فرمایا میں نے دونوں منگوا کر توڑ دیئے پھر اس سے پوچھا تو کہا اب سختی اور بڑھ گئی۔

فائدہ المفردات میں ہے کہ ولا تخسروا المیزان کے دو مطلب ہیں۔

١۔ وزن میں عدل و انصاف کی جدوجہد اور دینے لینے میں ظلم کا ترک۔

٢۔ ایسا دینا لینا جو قیامت میں خسارہ کا موجب بنے اس سے احتراز یہی مراد ہے اس کی جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا فمن خفت موازینہ (تو جس کے اعمال ہلکے ہوں گے) ہر دونوں ایک دوسرے کو لازم و ملزوم ہیں۔

قاعدہ ہر خسران جو قرآن میں مذکور ہوا اس سے یہی اخری معنی مرد ہے نہ وہ خسران جو کاروبار دنیوی اور تجارات بشریہ سے متعلق ہے۔

تفسیر صوفیانہ فقیر (روح البیان رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہے کہ میزان کو وضع الارض اور رفع السماء کے درمیان میں لانے میں عدل کی طرف اشارہ ہے کہ اسی سے ہی آسمان و زمین قائم ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے اور اشارہ ہے روح و جسد کے درمیان عدل ضروری ہے تاکہ دونوں حد اعتدال میں رہیں ایک دوسرے پر متجاوز نہ

marfat.ocm

ہوں اور اعتدال حقیقی افراط و تفریط جو عقلاً و شرعاً و عرفاً مذموم ہیں کی دونوں طرفوں ٹھہرنے کا نام ہے اور اس کے موزونات امور علیہ میں جو عقل کی کسوٹی سے برابر اور صحیح سمجھے جاتے ہیں وہ عقل جس کا مدار استعداد ذاتی پر ہے۔

تفسیر عالمانہ والارض وضعها (اور زمین رکھی) پانی پر نیچے کر کے بچھایا اور دراز کیا۔

حل لغات الانام وہ جمع ہے جس کا اپنے لفظ سے واحد کا صیغہ نہیں اس سے مطلق مخلوق مراد ہے جن وغیرہ جو زمین میں بستے ہیں (القاموس)

فائدہ زمین بچھونے اور بستر کی طرح ہے اس پر مخلوق چلتی پھرتی اور تصرف کرتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے صرف انسان مراد ہیں۔ جیسا کہ دین کا شعر دلالت کرتا ہے۔

مبارک الوجه يستسقى الغمام به　　ما فی الانام له عدل ولا مثل

ترجمہ حضور سرور عالم ﷺ مبارک چہرے والے ہیں آپ کے وسیلہ سے بارش طلب کی جاتی ہے لوگوں میں اپ کے برابر کا کوئی نہیں اور نہ ہی آپ کی کوئی مثل ہے۔

فائدہ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایام سے ہر ذی روح مراد ہے کیونکہ ہر ذی زمین پر نیند کرتا ہے بعض نے کہا یہ ونم الذباب بمعنی ھمس سے ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں ارض بشریہ کی درازی کی طرف اشارہ ہے تاکہ ہر قبیلہ اپنی مناسبت سے اس میں زندگی بسر کرے۔ اہل نفوس کی عشرت ہے شہوات حیوانیہ ولذات جسمانیہ پورا کرنا اصحاب قلوب کی عشرت ہے واردات قلبیہ والہامات غیبیہ حاصل کرنا ارباب وارواح علویہ کی عشرت ہے۔ تجلیات روحانیہ اور محاضرات ربانیہ سے مشرف ہونا صنادید الاسرار ہویۃ القدسیہ کی عشرت ہے۔ تجلیات ذاتیہ احدیہ ربانیہ مصنیہ یعنی ماسوی اللہ سے فنا کرنے والی سے سرشار ہونا۔

تفسیر عالمانہ فیها فاکهة اس میں میوے ہیں مختلف قسم کے جن سے لذت حاصل کی جائے۔ فاکهة کا لفظ میوہ جات کے مختلف اقسام کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ والنخل ذات الاكمام (اور کھجوریں

marfat.ocm

ہیں غلاف والی)

حل لغات اکمام کھجور کے ثمرات کے برتن ان کے کھلنے سے پہلے اوپر کے غلاف یعنی کھجور کے خوشے غلاف میں ہیں۔ اکمام (کم بالکسر) کی جمع ہے وہ غلاف جو کھجور کے ثمرات کے اوپر ان کے ابتدائی ظہور کے وقت ہوتا ہے جب تک ثمرات ظاہر نہیں ہوتے وہ غلاف ان کے اوپر ہوتے ہیں۔ النخل بمعنی کھجور کا درخت یا کم بمعنی وہ شے جو کسی دوسری شے کو چھپائے از باب نصر یعنی کم یکم (بضم الکاف) وہ جو ثمر کو چھپائے از قسم لیف (چھال) یا از قسم سقف و کفری (گری اور ثمر) کیونکہ اس سے بھی کموم (چھپی ہوئی شے میوہ کھجور) کی طرح فائدہ اٹھایا جاتا ہے یعنی کھجور کے میوہ اور جمار (گری) سے بھی جدوع سے بھی لیف بمعنی وہ جو جدع کو چھپائے السعف بمعنی الجماء یعنی کھجور کی گری کے کیڑے یعنی کھجور کی گری کے کیڑے یعنی کھجور کے درخت کا دل الکفری بمعنی ثمر (والحب اور اناج) یعنی زمین میں دانے ہیں۔ الحب ہر وہ شے جو غذا کا کام دے جیسے گندم۔ جو وغیرہ وغیرہ۔ ذوالعصف (بھس والا) کھیتی کے پتے یا خشک انگوری کے پتے جیسے بھوسہ۔

حل لغات حضرت کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ العصف وہ گھاس جس سے دانہ جدا کیا جائے۔ المفردات میں ہے کہ العصف والعصیف وہ جو کھیتی سے صاف کیا جائے تاج المصادر میں ہے کہ العصف بمعنی کھیتی کے پتے کا کاٹنا۔

والریحان (اور خوشبودار پھول)

حل لغات المفردات میں ہے الریحان ہر وہ شے جس میں خوشبو ہو۔ بعض نے کہا الریحان بمعنی الرزق پھر ہر کھائے جائے دانے کو ریحان کہا جانے لگا جیسے اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی والحب ذوالعصف والریحان

حکایت ایک اعرابی سے پوچھا کہاں جاتے ہو جواب دیا۔ الی ریحان اللہ یعنی رزق الٰہی کی تلاش میں دراصل اس کا حقیقی معنی وہی ہے جو ہم نے بیان کیا حضرت ابن عباس اور مجاہد و ضحاک نے فرمایا کہ لغت حمیر نے ریحان بمعنی رزق ہے یہاں پر یا رزق کا معنی مراد ہے یا خوشبودار شے جیسے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ الریحان هو ریحانکم الخ ریحان وہ تمہارے خوشبو جسے سونگھا جاتا ہے اور ہر وہ انگوری لور۔

marfat.ocm

پھول جس میں خوشبو ہو۔

مسئلہ فقہاء کرام کے نزدیک الریحان وہ شے جس کی ٹہنی میں اسی طرح خوشبو ہو جیسے چنبیلی وغیرہ (المغرب) ابن الشیخ نے فرمایا کہ ہر وہ سبزی جو خوشبو دار ہو وہ ریحان ہے اس لئے کہ انسان اس کی خوشبو سونگھتا ہے لل عرب کہتے ہیں راح الشئی یراحہ یریحہ واروح الشئی یریحہ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شے کی خوشبو پائے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جس نے کسی کو معاہدہ کے باوجود قتل کر دیا تو وہ جنت کی شوشبو نہ پائے گا۔

فائدہ روایت میں لم یرح بھی ہے راحہ یریحہ سے الریحان دراصل ریوحان تھا بروزن فیعلان روح سے واؤ یاء سے تبدیل ہو کر اس میں مدغم ہوئی پھر عین کلمہ کو تخفیفا حذف کیا گیا جیسے میت میں (عین کلمہ محذوف ہوا) یہ فوعلان کے وزن پر ہے اس کی واؤ یاء سے تخفیفا تبدیل ہوئی یا الروحان کے فرق کرنے کے لئے اسے ایمان پڑھا گیا۔ الروحان وہ شے جس کے لئے روح ہو۔

فبای الاء ربکما تکذبن (تو تم اپنے رب کی کس نعمت کو جھٹلاؤ گے) یہ خطاب ثقلین جن و انس) کو ہے جس پر للانام دلالت کرتا ہے کیونکہ نام کا اطلاق عموما جن و انس پر ہوتا ہے اور عنقریب صراحتہ فر ے گا ایھا الثقلان (اے جن و انس) ایسے ہی دونوں کے ابوین کی تصریح بھی دلیل ہے جیسے فرمایا لم الانسان الخ اور خلق الجان الخ ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ یہ خطاب جن و انس ہر دونو ں کو ہے۔

حل لغات آلاء بمعنی اس کا واحد اِلیٰ۔ اَلیٰ۔ الو۔ الی۔ اِلیٌ ہے (القاموس)۔ بحر العلوم میں ہے۔ آلاء وہ ظاہری و باطنی نعمتیں جو فریقین کو نصیب ہوئیں۔ اس سے اس کی خطاء واضح ہوتی جو کہتا ہے کہ الاء صرف ظاہری نعمتوں کا نام ہے اور النعماء باطنی نعمتوں کو کہا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ (آلاء و ء) اسود لیوث۔ فلک ۔ سفن وغیرہ وغیرہ کی طرح الفاظ مترادفہ سے ہیں۔

فائدہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ الآء نعمتیں ظاہری ہوں والنعماء اور نعمتیں باطنی ہوں اور آیات متوالیہ ہوں یہ سب کی سب دلالت کرتی ہیں کہ اہل ظواہر کو ظاہری نعمتیں نصیب ہوئیں نعمتوں کی تکذ ، کا معنی ان کے لئے ہے

marfat.ocm

کہ انہوں نے ان نعمتوں کی ناشکری کی اور اس ناشکری کو تکذیب سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ آلاء مذکورہ کے دلائل بتاتے ہیں کہ وہ ایمان لانا واجب ہے اور شکر ضروری گویا یہ ان کی شاہد تھیں تو ان کی ناشکری گویا تکذیب ہے جب امر ایسے ہے جیسے مذکور ہوا تو پھر اپنے مالک ومربی کی نعمتوں کے کس فرد کی تم تکذیب کرتے ہو باوجودیہ کہ اس کی ہر نعمت کا ہر فرد اس کے صدق پر شاہد وناطق ہے اس تقریر استفہام تقریری ہو گا یعنی برانگیختہ کرتا ہے کہ تم ان نعمتوں کا اقرار کرو اور تم پر ان نعمتوں کا شکر واجب ہے۔

حدیث شریف سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور نبی پاک ﷺ نے ہمارے سامنے سورۃ الرحمٰن شریف تلاوت فرمائی اور اسے آخر تک پڑھ کر فرمایا کہ تمہارے سکوت (خاموشی) پر تعجب ہے تم سے تو جن بھلے کہ انہوں نے ایک دفعہ مجھ سے سورہ رحمن سنی تو جب میں فبای الاء ربکما تکذبن پڑھتا تو کہتے ولا بشئی من نعمک ربنا نکذب فلک الحمد اے ہمارے پروردگار ہم تیری نعمت کو نہیں جھٹلاتے اور تیرے لئے حمد ہے۔

فائدہ بحر العلوم میں ہے کہ اس میں واضح دلیل ہے کہ آلاء ہر قسم کی نعمتوں کو شامل ہے ظاہری ہوں یا باطنی اسے صرف ظاہری نعمتوں سے مقید نہیں کیا جاسکتا جیسے بعض اوہام کا خیال ہے۔

مسئلہ آکام المرجان میں ہے کہ جنات بھی مکلّف ہیں جیسے کہ آیت سے ثابت ہوتا ہے اور اس میں کسی اہل نظر کا خلاف نہیں سوائے حشویہ فرقہ کے۔ ان کا گمان ہے کہ وہ اپنے افعال کو اضطرارا عمل میں لاتے ہیں لیکن وہ مکلّف نہیں۔

ردالحشویہ حشویہ کے رد میں ایک دلیل قرآنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں شیاطین کی مذمت فرمائی اور انہیں ملوث فرمایا اور ان کی گمراہیوں اور شرارتوں سے بچنے سے ڈرایا اور ان کے لئے آخرت میں عذاب تیار کی خبر دی اور قاعدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے لئے یہ امور بتاتا ہے جو اس کے اوامر ونواہی کے مکلّف ہو کر مخالف ہو یا کبائر کا مرتکب ہو اور اس کے محارم کی ہتک کرے ساتھ اس قدرت کے کہ وہ اس کے خلاف نہ کرے۔

دلیل (۲) (دوسری دلیل حشویہ کے رد میں) یہ ہے کہ دین نبی پاک میں ہے شیاطین پر لعنت کرنا اور ان کا

marfat.ocm

حال بیان کرنا اور بتانا کہ وہ شیاطین شرو معاصی کی طرف بلاتے ہیں اور ان کے لئے وسواس ڈالتے ہیں۔

سوال سورہ الرحمٰن میں اس کلمہ "فبای الاء ربکما تکذبن" کا بار بار تکرار کیوں؟

جواب تاکہ غفلت دور ہو اور حجت و دلیل میں تاکید ہو اور نعمت کی تذکیر اور کرامت کی تقریر ہو جیسے تم کسی کو کہتے ہو کہ کتنی نعمتیں تمہارے لئے ہیں کتنا کتنا ایسے تو کب کسی کو بکثرت نعمتوں سے نوازو اور وہ ان کا انکار کرے تو تم اسے کہتے ہو کیا تو فقیر (تنگدست) نہ تھا۔ میں نے تجھے غنی کیا تو کیا تو اس کا انکار کر سکتا ہے کیا تو ننگا نہ تھا میں نے تجھے کپڑے پہنائے تو کیا اس کا تو انکار کر سکتا ہے کیا تو کمزور نہ تھا میں نے تجھے قوت والا بنایا تو کیا تو اس کا کا انکار کر سکتا ہے وغیرہ وغیرہ شاعر نے کہا۔

لاتقطعن الصدیق ماطرفت عیناک من قول کاشح اشر
ولا تملن من زیادۃ ذرہ وذرہ ذر ثم ذر وذر

ترجمہ دوستوں سے جدائی نہ کر جب تک تیری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کسی بات سخت شرارتوں کی طرح دوست سے ملال نہ کر اس کی زیارت کر اور بار بار زیارت کر۔

فائدہ برہان القرآن میں ہے کہ اس آیت فبای آلاء ربکما تکذبن کا تکرار اکتیس (۳۱) بار ہوا ہے نو بار ان آیات کے بعد جن میں خلق الٰہی کے عجائبات و بدائع صنعت کی تعداد اور مبداء الخلق و معاد کا ذکر ہے اور سات بار ان آیات کے بعد جہاں نار اور اس کے شدائد کا ذکر ہے۔ دوزخ کے ساتوں دروازوں کے مطابق ان کے بعد نعمتوں کی تذکیر بہتر ہے کیونکہ دوزخ کا خوف اور اس سے بچنا بھی نعمت ہے مذکورہ نعمتوں کی ہم پلہ ہے اس لئے کہ دوزخ دشمنان خدا کے لئے ہے۔ جب کوئی یہ سن کر بچ جائے کہ میں کیوں دشمن خدا بنوں تو نہ صرف نعمت ہے بلکہ بڑی نعمتوں سے بھی بڑی ہے ان ساتوں آیات کے بعد آٹھ بار یہ آیت واقع ہے بہشت کے اوصاف بیان کرنے اور ان کے اہل کے ذکر کے بعد بہشت کے آٹھوں دروازوں کے مطابق اس کے بعد دو اور بہشتوں کے بعد جو ان آٹھوں کے سوا ہیں جو ان آٹھوں بہشتوں کا عقیدہ رکھ کر ان کے موجبات کے مطابق عمل کرے گا اللہ تعالیٰ اسے یہ سب جنت عطا فرمائے گا اور ساتھ ہی دوزخ کے ان ساتوں دروازوں سے بچائے گا۔

marfat.ocm

لطیفہ اَلرَّحْمٰن سورت کا آلٓ اس سورۃ جلیلہ کا عنوان ہی دلالت کرتا ہے کہ یہ کلمات اکتیس (۳۱) بار آئیں گے ابجد کے حساب سے الف کا ایک اور لام کے تیس تو کل اکتیس ہوئے۔

تفسیر عالمانہ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ (انسان کو پیدا کیا ٹھیکری کی طرح بجتی ہوئی مٹی سے (انسان کو خشک مٹی سے ٹھیکری کی طرح پیدا کیا یعنی وہ مٹی جو ہاتھ مارنے سے آواز دے۔

حل لغات الصلصال غیر مطبوخ ناپختہ مٹی جس میں صلصلہ (آواز) یعنی اس کی خشکی کی وجہ سے آواز سنائی دے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم ﷺ سے صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جس وقت اللہ تعالیٰ وحی کا کلام فرماتا ہے تو اہل سماوات اس کی آواز سے گھنٹی سی آواز سنتے ہیں جو صاف ستھرے پتھر پر پڑی ہو۔

الفخار یعنی آگ سے پکائی ہوئی مٹی۔ ٹھیکری سے تشبیہ بوجہ اس کی خشکی کے ہے جب ٹھونکی جائے گی گویا وہ صور ہے جو بکثرت بجانے والے کے بجانے سے بجتی ہے یا اس لئے کہ وہ اجوف (خالی پیٹ) ہے۔

تخلیق آدم اللہ تعالیٰ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا پھر اسے گارہ بنایا پھر وہ کالی سیاہ مٹی بو والی مٹی ہو گئی۔ پھر بجتی ہوئی مٹی کی طرح ہوئی اس پر غم و حزن کا پانی ڈالا اسی لئے تم بنو آدم کو اکثر مغموم و محزون دیکھو گے یہ اس کے منافی نہیں کہ آیت ایک کا بیان کرتی ہے تو دوسرے وقت دوسرے کا۔

وخلق الجان اور جن یا ابوالجن یا ابلیس کو پیدا فرمایا یہ ضحاک کی تفسیر ہے اور الکشف میں ہے کہ الجان سے ابوالجن مراد ہے جیسے انسان سے ابوالانس مراد ہے اور ابلیس تو ابو الشیاطین ہے۔

من مارج شعلے سے جو دھوئیں صاف ہو کر نکلتا ہے حضرت مجاہد نے فرمایا کہ مارج وہ شعلے سرخ و زرد اور سبز آپس میں مل کر آگ کے اوپر سے نکلتے جب آگ جلائی جاتی ہے۔

حل لغات کہا جاتا ہے مرج امر القوم قوم کا معاملہ رل مل گیا یہ اس وقت بولتے ہیں جب ان کا معاملہ مخلوط اور مضطرب ہو جائے۔

marfat.ocm

فائدہ کشف الاسرار میں ہے جن کو آگ کے مذکور شعلے سے اور ملائکہ کو اس کے نور (روشنی) سے اور شیاطین کو اس کے دھوئیں سے۔ بعض نے کہا جان کو اس آگ سے پیدا کیا جو آگ سے کلہ رقیقہ اور آسمان کے درمیان ہوتا ہے اسی میں ہی بجلی ہوتی ہے اور آسمان اسی کلہ رقیقہ کے آگے ہی دیکھا جاتا ہے۔

فائدہ فتوحاتِ شریف کے سفر ثانی کے باب نہم میں ہے کہ مارج وہ آگ جو ہوا سے ملی ہوئی ہو اسے ہوائے مشتعل (شعلہ والی ہوا) اس معنی پر جان دو عنصر سے پیدا ہوا آتش اور ہوا۔ اور آدم بھی دو عنصر سے بنا ہے پانی اور مٹی۔ جب پانی اور مٹی اکٹھے ہوتے ہیں تو طین (گارا) کہا جاتا ہے اور جب ہواؤ آتش اکٹھے ہوتے ہیں تو اسے مارج کہا جاتا ہے تو جیسے پانی رحم میں پڑنے سے بشر بنتے ہیں اور جن کی مادہ کے رحم میں ہوا پڑنے سے جن بنتے ہیں۔

فائدہ جان و آدم کی تخلیق کے درمیان ساٹھ ہزار سال کی مسافت ہے۔ فبای آلاء ربکما تکذبن (تو اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو ٹھکراؤ گے) وہ جو تم کو اس نے عطا فرمائیں تمہاری تخلیق کے علاوہ تم پر نعمتوں کی برش برسادی یہاں تک کہ تمہیں افضل المرکبات اور خلاصۃ الکائنات بنایا۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حقیقت انسان الروح پر اللہ تعالیٰ نے تجلی ڈالی صفۃ صلصال اللطف والجمال کی صورت میں اور حقیقت ابلیس النفس پر صفۃ مارج القہر والجلال کی صورت میں تو ایک ان کا صورۃ لطف کا مظہر بنا دوسرا صورۃ قہر کا تو پھر اسے روح لطیف اور نفس خبیث تم کونسی نعمتوں کی تکذیب کرو گے کیونکہ تمہارے ہر ایک نے لطف و قہر اور طیب و خبث کا ذائقہ چکھا جس پر تم پیدا کیے گئے۔

تفسیر عالمانہ رب المشرقین ورب المغربین (وہ مشرقین و مغربین کا رب ہے) یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے یعنی وہ جس نے افاعیل بدلیہ بنائے وہی صیف وشتاء کے مشرقین و مغربین کا رب ہے۔

فائدہ اس سے لازماً ثابت ہوا کہ جیسے مشرقین و مغربین کا رب ہے ایسے ہی ان کے درمیان کی جملہ کائنات کا بھی رب ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ غایت ارتفاع و غایت انخفاض کا ذکر ان کے مابین کے ذکر کو لازم ہے جیسے ایک بہت بڑے ملک کی شاہی والے کے لئے کہو کہ وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے اس کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ مشرق و مغرب کے

marfat.ocm

درمیان کے تمام ممالک کا مالک ہے۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ مشرقین میں ایک مشرق وہ ہے جس میں سورج سال کے طویل دنوں میں طلوع کرتا ہے (یعنی موسم گرما) اور دوسری مشرق وہ ہے جس میں سورج سال کے چھوٹے دنوں میں طلوع کرتا ہے (یعنی موسم سرما) ان ہر دونوں کے درمیان سورج کی (ایک سو اسی) (۱۸۰) مشرق ہیں ایسی ہی مغربین کو سمجھ لیجئے۔

ازالہ وھم وہ جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ مشرق و مغرب کے درمیان قبلہ ہے تو وہ اہل مشرق کے لئے ہے یعنی اہل مشرق کے لئے قبلہ یہ ہے کہ مغرب الصیف کو دائیں جانب اور مشرق اشتاء کو بائیں جانب رکھا جائے تو درمیانی حصہ کو قبلہ کی سمت ہے (فبای الاء ربکما تکذبن) (تو اپنے پروردگار کی کونسی نعمتوں کی تم تکذیب کروگے) جو ان مشرقین و مغربین میں فوائد پیدا فرمائے ہیں کہ جن کا شمار نا ممکن ہے مثلاً ہوا کا معتدل ہونا، فصول مختلف ہونا اور ہر فعل کے وقت میں اس کے مناسب حوادثات وغیرہ وغیرہ۔

تفسیر عالمانہ مرج البحرین (چھوڑا دو دریاؤں کو)

حل لغات اہل لغت کہتے ہیں مرجت الدابۃ (میں نے جانور کو گھاس کے لئے چھوڑا) اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے دو دریا میٹھا و کڑوا چھوڑے یعنی دو دریاؤں کو راستہ دیا کہ ایک خوشگوار اور میٹھے پانی والا ہے دوسرا کڑوا اور شور۔

یلتقیٰن (آپس میں ٹکرتے ہیں) البحرین سے حال ہے۔ حال مقدرہ کے قریب ہے یعنی ایک دوسرے کے قریب قریب بہتے ہیں اور ان دونوں کی سطحیں ایک دوسرے کو مس کرتی ہیں۔ دونوں کے منظر میں کوئی فاصلہ نہیں وہ یہ کہ دجلہ دوسرے دریا میں داخل ہو کر اسے چیرتا ہوا کئی میلوں تک چلا جاتا ہے لیکن دونوں کے ذائقہ و مزہ میں کسی قسم کا تغیرہ و تبدل نہیں آتا۔

فائدہ بعض نے کہا اللہ تعالیٰ نے بحر فارس و روم بحر محیط میں ملاتا ہے کیونکہ یہ دونوں بحر محیط کی جھیلیں ہیں دونوں اسی سے جدا ہوتی ہیں۔

حضرت سعدی المفتی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس تقریر پر یَلْتَقِیٰنِ یا حال مقدرہ ہے اگر یہ مراد ہے کہ ان

marfat.ocm

دونوں کو بحر محیط کی طرف چھوڑتا ہے یا معنی یہ ہے کہ بحر محیط سے نکل کر چھوڑتا ہے بہر حال ہر ایک کے لئے توجیہ ہے۔

بینهما برزخ دونوں کے درمیان آڑ ہے اللہ تعالی کی قدرت یا آڑ ہے زمین سے۔

حل لغات برزخ دو چیزوں کے درمیان حائل (آڑ) اس لئے قبر کو برزخ کہا جاتا ہے کہ وہ دنیا و آخرت کے درمیان حائل ہے اور وسوسہ کو بھی برزخ کہتے ہیں کہ وہ ایمان کے لئے آڑ ہے درمیان شک و یقین کے۔

لا یبغیٰن ایک دوسرے پر نہیں چڑھتے رل مل کر یا ایک دوسرے کی خاصیت کو باطل کر کے ورنہ اختلاط کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے ذائقہ میں تبدیلی آجاتی لیکن وہ دونوں اپنی اصلی حالت پر رہتے ہیں۔ اختلاط سے لمحہ بھی ان کا ذائقہ نہیں بدلتا یا معنی یہ ہے کہ وہ اپنی حدود سے متجاوز نہیں ہوتے کہ ایک دوسرے کے درمیان خالی زمین پڑی ہو تو کوئی بھی اس خالی جگہ پر نہیں چل سکتا۔ بلکہ خالی جگہ پر لوگ آباد رہتے ہیں اور یہ ان کو غرق نہیں کرتے۔

فائدہ بغی یا تو ابتغاء بمعنی طلب کے ہے یعنی اپنے مقدر کے ماسوا اور کچھ طلب نہیں کرتے۔ فبای الاء ربکما تکذبن (تو تم اپنے پروردگار کی کونسی نعمتوں کی تکذیب کرو گے) کیونکہ دریاؤں میں کوئی ایسی شے نہیں جو تکذیب کے قابل ہو بلکہ یہ دونوں فوائد اور عبرتوں سے بھرپور ہیں۔

یخرج منهما اللؤلؤ والمرجان ان دونوں سے لولو مرجان نکلتے ہیں۔

حل لغات اللُؤلُؤ (موتی) مرجان (سرخ مونگے) مشہور ہیں بعض کہتے ہیں اسے دریا میں جنات ڈالتے ہیں۔

فائدہ خریدۃ العجائب میں ہے کہ لولو بحر ہند و فارس میں پائے جاتے ہیں اور مرجان دریا میں درخت کی طرح اگتے ہیں۔ (اذا کلس المرجان عقد الزئبق) بعض سفید ہوتے ہیں بعض سرخ بعض سیاہ اس کا سرمہ بنا کر آنکھ میں ڈالا جائے تو بینائی کو قوت بخشتا ہے اور آنکھ کی رطوبت کو چوستا (سکھاتا) ہے بعض نے کہا لولو چھوٹے موتی اور مرجان بڑے موتی کو کہا جاتا ہے۔

marfat.ocm

تحقیق البحرین اگر بحرین سے بحر فارس و بحر روم مراد ہوں منہما تاویل کی ضرورت نہیں کیونکہ لولو مرجان انہیں سے ہی نکلتے ہیں کیونکہ یہ ہر دونوں نمکین ہیں اور سات دریاؤں میں مٹھاس تو ہے نہیں مگر یہ اس قول کے خلاف ہے جو کہتا ہے کہ آیت میں مراد یہ ہے لولو مرجان فارس و روم کے نمکین دریاؤں سے اور چین کے میٹھے دریاؤں سے نکلتے ہیں۔ بحر العلوم میں ہے کہ لولو بحر فارس سے اور مرجان بحر روم سے نکلتا ہے یعنی اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر دونوں ان دونوں سے مخصوص ہیں۔ اگر دو دریاؤں سے مراد نمکین اور میٹھا مراد ہے تو اس وقت لولو مرجان کے نکلنے کی نسبت بحرین کی طرف ہو گی حالانکہ یہ صرف نمکین دریا سے نکلتے ہیں یا یہ کہ تمام دریا سے بھی نہیں نکلتے بعض جگہوں پر ہوتے ہیں تو یہ نسبت ایسے ہو گی جیسے کہا جاتا ہے بچہ ماں باپ سے پیدا ہوا حالانکہ پیدا تو صرف ماں سے ہوتا ہے (یہی تقریر مناسب تر ہے) یا یہ کہا جائے کہ لولو مرجان دو دریاؤں (نمکین و میٹھے) کے ملنے کی جگہ سے نکلتے ہیں پھر یہ بھی دو معنوں کا احتمال رکھتا ہے۔

۱۔ ملتقی اسم مکان اور خروج بمعنی انتقال از باطن بطرف ظاہر جمہور فرماتے ہیں کہ لولو مرجان کھاری پانی کی ان جگہوں سے نکلتے ہیں جہاں نہریں اور میٹھا پانی پڑتا ہے۔ اس معنی پر اس کا اسناد دونوں کی طرف مناسب ہے اور یہی (غواص) غوطہ خوروں (موتی نکالنے والوں) میں مشہور ہے۔

۲۔ ملتقی مصدر میمی ہے بمعنیٰ الالتقاء والخروج یعنی الحدوث بمعنی الوجود یعنی لولو مرجان ان دونوں کے التقاء و اجتماع سے پیدا ہوتے ہیں جیسے رازی نے فرمایا اس معنی پر پانی میٹھا نمکین کے لئے لقاح کی طرح ہو گا۔

فائدہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان کے مولی اور شاگرد عکرمہ سے مروی ہے کہ یہ اشیاء دریا میں نزول بارش کے وقت پیدا ہوتی ہیں کیونکہ صدف بارش کے وقت منہ کھول دیتی ہیں تو اصداف بمنزلہ ارحام کے ہیں نطفوں کے لئے اور دریا کا پانی مثل غذا حاصل کرنے والے جسم کی طرح ہے۔

فائدہ یہ دلیل ہے اس مشہور قول کی کہ بارش نہ ہو تو قحط پڑ جاتا ہے اور مچھلیاں ست پڑ جاتی ہیں اور اصداف میں کمی آجاتی ہے نایاب ہو جاتے ہی۔ یہ بھی معلوم ہو کہ منہما کی ضمیر بحرین کی طرف باعتبار جنس کے ہے اس میں سوچ بچار کیجئے) فبای الاء ربکما تکذبن (تو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کی تکذیب کرو گے) اس لئے کہ دریاؤں کے جواہر سے تم آرائش کرتے اور ان کی خرید و فروخت سے فوائد و منافع حاصل کرتے ہو

marfat.ocm

یہ اس کی ظاہری نعمتیں ہیں تو پھر تم اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں میں سے کون سی نعمتوں کی تکذیب کرو گے۔

فائدہ بعض نے کہا کہ اس سے ایک دریا آسمانی دوسرا دریا زمینی مراد ہے کیونکہ یہ دونوں ہر سال ملاقی ہوتے ہیں لیکن ان کے درمیان برزخ آڑ ہے جو آسمان کے دریا کو نیچے برسنے سے اور زمین کے دریا کو اوپر چڑھنے سے روکتا ہے۔ دریائے فلک کے قطرات زمین کے دریا میں گر کر صدف کے منہ میں موتی بن جاتے ہیں اور اسی میں پکتے ہیں پنجتن پاک (صلی اللہ علی نبینا و علیہم وسلم) بعض نے کہا بحرین علی و فاطمہ برزخ نبی پاک ﷺ ہیں ان دریاؤں سے وہ موتی نکلے یعنی امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

تفسیر صوفیانہ (۱) بعض نے کہا کہ بحرین سے عقل و ہوائے نفسانی مراد ہے ان کے درمیان برزخ لطف الٰہی ہے ان سے توفیق و عصمت ظاہر ہوتی ہے۔ بعض نے کہا بحرین سے معرفت و معصیت مراد ہے اور برزخ سے عصمت مراد ہے ان سے شوق و توبہ ظاہر ہوتے ہیں۔ یبغیٰن سے مطلب یہ ہے کہ معصیت معرفت پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ بعض نے کہا کہ بحرین سے دنیا و آخرت مراد ہے اور برزخ قبر ہے۔ بعض نے کہا کہ بحرین سے حیات و وفات مراد ہے اور برزخ اجل ہے۔ بعض نے کہا بحرین حجتہ و شبہتہ ہے اور برزخ نظر ہے ان سے حق و صواب ظاہر ہوتا ہے۔

فائدہ حضرت امام قشیری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بحرین سے خوف و رجا مراد ہے یا قبض و بسط اور برزخ قدرت بے علت ہے اور لولوء سے احوال صافی اور مرجان طلائق وافی ہیں۔ کشف الاسرار میں اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عوام کے بحرین خوف و رجا بن جاتے ہیں۔

ان سے گوہر زہد و ورع و طاعت تقویٰ ظاہر ہوتے ہیں اور خواص کے بحرین قبض و بسط میں ان سے جواہر فقر و وجد پیدا ہوتے ہیں اور انبیاء و صدیقین کے بحرین انس و ہیبت ہیں ان سے گوہر فنا ظاہر ہوتا ہے تاکہ ان کا صاحب منزل بقا تک پہنچ سکے۔

ز قعر بحر فنا گوہر فنا یابی   وگرنہ غوطہ خوری ایں گہر کجا یابی

ترجمہ بحر فناء کی گہرائی سے فناء کا گوہر پاؤ گے اگر غوطہ نہ لگاؤ گے تو یہ گوہر کہاں سے پاؤ گے۔

تفسیر صوفیانہ (۲) بعض اکابر نے فرمایا کہ اس میں بحر روح کے اس مروج و حرکت کی طرف اشارہ ہے جو وہ تجلیات ذاتیہ سے متحرک ہوتا ہے اور بحر قلب کے مروج و حرکت کی طرف جو وہ تجلیات صفاتیہ سے متحرک ہوتی ہے اور یہ دونوں مقام وحدت مع بقائے برزخ معنوی میں جمع ہوتے ہیں ان کے درمیان یہی مقام وحدت مع بقاء برزخ ہے جس کی وجہ سے بحر روح پر نہیں چڑھ گزرتا اس لئے کہ اسے نزول بالکلیہ حاصل نہیں تاکہ بحر القلب کی خاصیت نہ مٹ جائے اور نہ ہی بحر القلب کی خاصیت ختم نہ ہوجائے۔ جیسا کہ فرمایا وما منا الا لہ مقام معلوم اور ہمارے ہاں ہر ایک کا مقام معلوم ہے۔ بحر روح و بحر قلب کے التقاء سے بحر روح کی گہرائیوں سے تجلیات صفاتیہ کے مرجان ظاہر ہوتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ (۳) بعض نے کہا کہ بحرین میں بحر القدم والحدوث کی طرف اشارہ ہے اور بحر القدم میٹھا ہے بحیثیت قدم کے اور بحر الحدوث نمکین ہے بحیثیت علل الحدوثیتہ کے ان کے درمیان غلبہ وحدانیت کا برزخ ہے۔ بدیں وجہ یہ دونوں ایک دوسرے سے نہیں ملتے کیونکہ اللہ تعالیٰ حلول فی الاماں اور استقرار فی المواطن سے منزہ ہے۔ بحر القدم سے قرآنی اور اسماء مغفرت اور بحر الحدوث سے علم و ظلمۃ ظاہر ہوتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ (۴) بحر القلب جو کہ وہ بحر الاخلاق المحمودہ ہے اور بحر النفس جو کہ بحر الاخلاق المذمومہ ہے کی طرف اشارہ ہے اور ان کے عدم اختلاط کا مطلب یہ ہے کہ نہ قلب نفس ہو سکتا ہے اور نہ نفس قلب ہو سکتا ہے کیونکہ ان کے درمیان عقل و علم و شریعت و طریقت برزخ ہیں۔ جب نفس مطمئنہ ہوجاتا ہے تو اس سے اور قلب سے ایمان و ایقان صفائی اور نور و طمانیت ظاہر ہوتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ (۵) حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ عبد و رب کے درمیان دو بحر عمیق ہیں۔

۱۔ بحر النجات یعنی قرآن جو اس سے متعلق ہوا وہ نجات پا گیا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعا سب کے سب اللہ تعالیٰ کی رسی کو چمٹ جاؤ۔

۲۔ بحر الہلاک۔ یعنی دنیا جو اس کی طرف جھکا وہ ہلاک ہوا۔

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ وله الجوار (اور اس کے لئے کشتیاں ہیں) لام کے معنی ہیں۔

۱۔ لام ملک کی ہے۔

۲۔ لام امتنان و تعجب کی ہے جیسے کہا جاتا ہے للہ انت اللہ درک (اللہ تعالیٰ کے لئے تجھے اللہ سے انعام ہے) کشف الاسرار۔

حل لغات الجوار (بکسر الراء) دراصل الجواری (بالیاء) تھا معنی کشتیاں جاریۃ کی جمع صفت کو موصوف کے قائم مقام کھڑا کیا گیا ہے۔

فائدہ ابن الشیخ نے فرمایا کہ ارکان چار ہیں۔

۱۔ مٹی ۲۔ پانی ۳۔ ہوا۔ ۴۔ آگ

ان کی تفصیل اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمائی کہ خلق الانسان من صلصال "انسان کو بجتی مٹی سے پیدا کیا اس میں اشارہ فرمایا کہ مٹی اصل المخلوق اور برگزیدہ و مکرم اور عجیب الشان ہے اور فرمایا خلق الجان من مارج من نار (جان کو سیاہ نار سے پیدا فرمایا) اس میں اشارہ ہے کہ آگ بھی دوسری اصل المخلوق اور عجیب الشان ہے اس کے بعد فرمایا کہ یخرج منهما اللؤلؤ والمرجان ان سے لولو و مرجان نکلتے ہیں) اشارہ فرمایا کہ پانی بھی اصل المخلوق میں سے ہے اور اس کی اللہ تعالیٰ کے ہاں قدر و قیمت ہے۔ اس کے بعد ہوا کا بیان فرمایا کہ اس میں کشتیوں کے چلانے میں بہت بڑی تاثیر ہے باوجودیکہ کشتیاں پہاڑوں جیسی ہیں لیکن ہوا انہیں اٹھا کر دریا کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے پھینک مارتی ہے اسی لئے اس کا خصوصی طور پر ذکر فرمایا کہ دریاؤں میں جو کام ہوا کرتی ہے وہ کسی فرد بشر کے بس میں نہیں ہے اس کا انہیں اعتراف بھی ہے اسی لئے وہ کہتے ہیں۔ لک الفلک ولک الملک (کشتی بھی تیری ملک بھی تیرا) اور جب غرق ہونے کا انہیں خطرہ ہوتا ہے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں۔ کشتی کو جاریہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کا کام جاری ہوتا ہے اور اپنے مالک کے امور سر انجام میں سعی کرتی ہے المنشأٰت انھی ہوئی تھی۔

حل لغات یہ انشاء سے ہے بمعنی رفعہ اسے اونچا کیا گیا الشرع (بضمتین) شراع کی جمع ہے بمعنی

marfat.ocm

بادبان یا منشاء بمعنی پانی میں اٹھی ہوئی ہے۔ اب یہ ہوا کہ یہ جس کام کے لئے بنائی ہوئی ہیں۔ اسی مطابق پانی میں اٹھی ہوئی ہیں۔[1]

یعنی وہ کشتیاں پانی پر اٹھی ہوئی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اسی مقصد (انسانی) کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ فی البحر کالاعلام دریاؤں میں بلند و بالا پہاڑوں کی طرح ہیں یعنی وہ پہاڑ جو اونچے اور موٹے ہوں یہ المنشات کی ضمیر سے حال ہے یعنی دریاؤں میں کشتیاں یونہی ہیں جیسے جنگلوں میں پہاڑ یا جیسے جنگلوں میں اونٹ ہیں ایسے ہی دریاؤں میں کشتیاں۔ فبای الاء ربکما تکذبن (تو اپنے رب کی کونسی نعمتوں کی تکذیب کرتے ہو) کشتیوں کے مواد کی تخلیق سے یا ان کے حاصل کرنے کے طریقوں سے یا ان کی ترکیب کی کیفیت سے یا ان کے دریاؤں کے اجزاء سے کہ خشک لکڑی کے باوجود تھوڑے سے وقت میں سفر طویل طے کرتی ہیں یا جن کی وساطت سے بڑے بڑے معاملات و امور تجارات طے کرنے سے تمہیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی تخلیق و جمع و ترتیب پر کوئی بھی قادر نہیں۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اٹھی ہوئی شریعت و طریقت کی کشتیوں کے احکام شریعت آداب طریقت کے جریان کی طرف اشارہ ہے کہ وہ بحر الحقیقتہ میں چلتی ہیں ایسے بڑے اونچے پہاڑ ہوں اور وہ طاعات و عبادات کثیرہ کے منافع سے پر ہیں مقتضائے شریعت و روادت قلبیہ و الہامات غیبیہ پر بمطابق قانون ارباب طریقت کے (تاویلات نجمیہ)

تفسیر عالمانہ کل من علیها فان جتنا زمین پر ہیں سب کو فنا ہے ہاء (ضمیر) غیر مذکور سے کنایہ ہے جیسے کسی بیوقوف کو کسی کام سے روکے تو کہے جری الیہ اب معنی یہ ہوا کہ جتنا زمین پر حیوانات و مرکبات ہیں من دونوں وجہوں پر تقیباً ہے ان سے ثقلین (انس و جن) مراد ہیں کیونکہ رمی ان سب کو فنا ہے۔

۱۔ **عجوبہ** جب یہ آیت نازل ہوئی تو ملائکہ کرام نے کہا کہ بنو آدم مٹ جائیں گے اس کے بعد جب کل نفس ذائقته الموت اتری تو انہیں یقین ہوا کہ وہ خود بھی مٹ جائیں گے کیونکہ وہ اجسام لطیفہ اور ارواح ہیں جو ان کے ان اجسام لطیفہ سے ایسے متعلق ہیں جیسے انسان کی ارواح ان کے اجسام کثیفہ سے متعلق ہیں ہاں ارواح مجردہ کو فنا نہیں۔ وَيَبْقَىٰ وَجهُ ربك اور باقی ہے تیرے رب کی ذات۔

وجہ کے وجوہ وجہ سے ذات مراد ہے جیسے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے کہا جاتا ہے کرم

---

marfat.ocm

[1] سعدی المفتی رحمۃ اللہ علیہ

اللہ وجہہ (اللہ تعالیٰ ان کی ذات کو مکرم بنائے) عضو معروف کا نام وجہ ہے لیکن بطور استعارہ ذات پر بولا جاتا ہے کیونکہ وہ اشرف الاعضاء و مجمع الشاعر اور سجود کا مقام اور آثار الخشوع کا مظہر ہے۔

فائدہ جب تم جہات الموجودات پر غور کرو گے اور ان کے وجوہ پر فکر کرو گے تو یقین کرو گے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا (اس کی اس جہت کے جو اسے متصل ہے) باقی سب کو فنا ہے۔

۲۔ حضرت سعدی المفتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وجہ بمعنی اقصد ہے یعنی مقصود اور وہ شے جو اللہ تعالیٰ کے ارادہ میں ہے اور جہات بمعنی مقاصد آتا جس نے جہت سے وہ جہت مراد لی ہے جو اللہ تعالیٰ کے متصل ہے اس میں ایک قسم کا صلح ہے۔ ہاں اس میں جہت سے مقصد لیا جائے اضافت بیانیہ ہو تو اب مطلب یہ ہو کہ وہ جہت جس کی طرف ہر ایک متوجہ ہو (تو مطلب صحیح ہو سکتا ہے)

۳۔ الشیخ ابن نور الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ماہیات تین قسم ہیں۔

۱۔ واجب الوجود ۲۔ ممتنع الوجود ۳۔ ممکن الوجود

واجب الوجود تو وجود بحت (خالص) ہے ممتنع عدم محض ہے۔ ممکن الوجود وجود عدم ہر دونوں سے مرکب ہے اس لئے کہ اس کے وجود میں ماہیتہ عارضہ ہے اور وہ ماہیت بھی امر اعتباری اور خارج میں معدوم ہے من حیث ھو ھو وجود کے قابل نہیں اور اس کا وجود من حیث ھو ھو عدم کے قابل نہیں۔ اس معنی پر ممکن وجد و مخلوق ہے وجود و عدم سے اور یہی جمعیتہ وجود و عدم کے قابل ہے اس سے قاضی بیضاوی کے قول کا مطلب ظاہر ہوا کہ انہوں نے فرمایا اگر غور کرو گے تو تمہیں سب کے سب اللہ تعالیٰ کے ماسوا فانی نظر آئیں گے اور اس کی حقیقت بھی واضح ہو گئی جو حضرت شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا کل شئی ھالک الا وجہہ کی ضمیر شئی کی طرف راجع ہے ذوالجلال والاکرام صاحب جلال والاکرام کا) یہ وجہ کی صفت ہے وہ استغناء مطلق والا ہے یا وہ ذات و صفات میں عظمت والا ہے یا فضل تام والا ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کی عظیم صفات میں سے ہیں۔

حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ ہمیشہ کہا کرو یا ذالجلال والاکرام۔ **فائدہ** تاج المصادر میں ہے کہ الفاظ بمعنی ملازمت کرنا اور بارش کا ہمیشہ ہونا ایسے ہی الحاح اور القاموس میں ہے کہ اللفظ بمعنی اللزوم والحاح اسی سے ہے وہ جو حضور سرور عالم ﷺ نے اس شخص سے فرمایا جس سے آپ کا گزر ہوا اور وہ نماز پڑھ رہا تھا اور کہہ رہا

marfat.ocm

تھا یا ذوالجلال والاکرام تو فرمایا تیری دعا قبول تیری دعا قبول۔ انہی دو کلمات سے دعا کی استجابت کی امید رکھنی چاہیے۔

نکتہ سب کی سب مخلوق فناء کے بعد ان اسماء کے ذکر میں اشارہ ہے کہ وہ کریم ان کی فناء کے بعد بھی ان پر لطف وکرم فرمائے گا جس کی طرف یہ ارشاد اشارہ کرتا ہے فبای الاء ربکما تکذبن تو تم اپنے رب کی کون سی نعمتوں کی تکذیب کرو گے اس لئے کہ بندوں کو حیات ابدیہ سے زندہ کر کے انہیں نعم مقیم سے نوازنا بہت بڑی نعمتوں میں سے ہے۔

سوال طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ربک میں ضمیر مخاطب اور تکذبن میں ضمیر مخاطب تثنیہ یہ کیوں حالانکہ مخاطب ایک ہے۔

جواب پہلے میں تعمیم کا اقتضاء ہے کہ وہ ہر مخاطب کے لئے صلاحیت رکھتا ہے کہ اس عظیم امر کو سمجھے اس میں ثقلین بطریق اتم واکمل شامل ہیں لیکن دوسرے میں یہ بات نہیں اسی لئے وہ بدستور تثنیہ کی ضمیر لائی گئی۔

تفسیر صوفیانہ کل من علیہا الخ میں اشارہ ہے کہ ارض بشریہ پر جو بھی ہے سب پر موت ہے خواہ موت طبعی سے شہوات حیوانیہ اور لذات جسمانیہ میں غرق ہو کر یا موت ارادی سے صفات روحانیہ سے متلبس ہو کر من ذوی العقول میں تغلب ہے ان کی جن کے عقول آفات قوۃ وہمیہ وخیالیہ سے سالم ہے اس لئے کہ وہ اپنی فطرت کی پاکیزگی اور طینت کی بقاء کی وجہ سے تجلیات الٰہیہ سے باقی ہیں ویبقی وجہ الخ میں اشارہ ہے کثرۃ نسبیہ اسمائیہ کی فنا اور وحدۃ الحقیقۃ الذاتیہ جو صفت جلالیہ قہریہ وجمالیہ اللطیفہ سے موصوف ہے کی بقاء کی طرف تو پھر تم کون سی ان کی نعمتوں کی تکذیب کرو گے جو مذکور ہوئیں مثلاً حیات مجازیہ کی فناء حیات حقیقیہ کا بقا وصفت لطیفہ کا اظہار مستحق لطف کے لئے اور صفت قہریہ کا اظہار مستحق قہر کے لئے جو اس کا علم محیط ہے کہ کون کس صفت کا مستحق ہے اگر وہ بظاہر رسم الوجود پر ہے کیونکہ کسی دوسرے کے وجود سے قائم ہے درحقیقت وہ فانی ہے اس لئے کہ وہ قائم بنفسہ نہیں اور نہ ہی درحقیقت اس کا کوئی نفس ہے کیونکہ وجود حقیقی تو قدیم ذات کا ہے اسی لئے اپنی ذات کی ثناء فرمائی کہ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ حضرت شیخ مغربی قدس سرہ نے فرمایا۔

سایہ ہستی می نماید لیک اندر اصل نیست

marfat.ocm

نیست راز ہست شناختی یابی نجات

ترجمہ سلبیہ کی ہستی نظر آتی ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ نیست ہے جب تک نیست و ہست کی پہچان نہ ہوگی نجات نہ پا سکے گا۔

حضرت جامی قدس سرہ نے فرمایا۔

تو در میانہ ہیچ ہر چہ ہست اوست
ہم خود الست گوید و ہم خود بلیٰ کند

ترجمہ تو درمیان میں کچھ نہیں ہے تو وہی ہے وہی الست بھی خود کہتا ہے بلی بھی خود۔

مژدہ بہار وجہ الباقی میں عشاق القلوب کو تسلی دینا ہے کہ اے عاشقو میں تمہارے لئے باقی ہوں غم نہ کھاؤ وہ جو تم نے دنیا میں میرے جمال کا کشف پایا وہ تمہیں نصیب ہو گا اور بلا حجاب تمہیں ایسے ہی نصیب ہوتا رہے گا ذوالجلال میں لفل محبت واہل ہیبت کو برانگیختہ کرنے کے لئے ہے۔

حبیب ﷺ کی خصوصیت ضمیر خطاب واحد میں اپنے محبوب ﷺ کی طرف اشارہ فرمایا کہ اے محبوب کشف الوجہ تیرے لئے ہمیشہ مکشوف رہے گا اور میں تمہیں ہمیشہ اپنا چہرہ دکھاتا رہوں گا اور تیرے تابعدار لور عشاق باکمل تیری لتباع میں سرشار ہوتے رہیں گے یعنی وہ میرے چہرے پر نگاہ ڈالتے رہیں گے لیکن تیرے طفیل یعنی چہرے کا حجاب اٹھے گا تو تیرے لئے پھر دوسرے بھی تیرے طفیل سرشار ہو جائیں گے۔

شان صدیقی وجو دالباقی سب کا سب وجہ ہے ہاں تجلیات میں تفاوت ہے حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خصوصی تجلی سے نوازے گا اور باقی اہل ایمان کو عام تجلیٰ سے۔

تفسیر عالمانہ یسئالہ چاہتے اور مانگتے ہیں اس سے من فی السموت والارض وہ جو تمام ہیں آسمانوں لور زمینوں میں وہ جو ان کی اپنی ذاتی ضروریات ہیں بلکہ اپنے وجود میں حدوث و بقاء کے لحاظ سے بلکہ اپنے جملہ احوال میں دائما زبان قال سے یا حال کیونکہ وہ تمام من حیث الحقائق استحقاق الوجود سے دور ہیں اور وہ جو

marfat.ocm

وجود کے کمالات اس پر متفرع ہیں اپنے وجود میں ایسے محتاج ہیں کہ اگر ایک آن کے لئے بھی ان سے عنایت الیہ کا تعلق منقطع ہو جائے تو انہیں وجود کی بو بھی نصیب نہ ہو اسی لئے وہ ہر آن اور ہر لحظہ وہ اپنی استدعاء و سوال میں اسی حال میں ہیں۔

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اہل السماء اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا اور اہل ارض رزق و مغفرت ہر دونوں کا سوال کرتے ہیں۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ اہل ایمان کے دو گروہ ہیں۔

۱۔ عابد ۲۔ عارف

ہر ایک کا سوال اس کی ہمت کی مقدار پر ہے اور اس کی نوازش اس کے حوصلہ کرم کے لائق ہے۔

ہر کسے از ہمت والائے خویش
سود برد در خور کالائے خویش

ترجمہ اپنی بلندی ہمت سے نفع پائے گا وہ اپنے سامان کے مطابق۔

نکتہ عابد کچھ اور چاہتا ہے لیکن عارف خود خدا کو چاہتا ہے۔

حکایت حضرت احمد حواری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تو فرمایا کہ اے احمد ہر ایک مجھ سے چاہتا ہے لیکن بایزید خود مجھے چاہتا ہے۔

فسرت الیک فی طلب المعالی
وسار سوای فی طلب المعاش

ترجمہ میں تیری طرف چلا بلندیوں کی طلب میں دوسرے صرف معاش کی طلب میں ہیں۔

کل یوم ہر وقت از اوقات اس سے یوم الٰہی وہی آن ہے جو غیر منقسم ہے وہ در حقیقت وقت کا بطون ہے۔ ھو وہ اللہ تعالیٰ فی شان شانوں میں سے ایک شان میں ہے۔

marfat.ocm

تفاسیر شان منجملہ ان کے ایک یہ ہے جس کا وہ سوال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر آن میں بہت سے اشخاص کو پیدا کرتا ہے اور بہتوں کو مارتا ہے بہت بڑے احوال لاتا ہے اور بہت سے احوال لے جاتا ہے۔ مثلاً غنا و فقر اور عزت و ذلت اور نصب و عزل اور صحت و مرض وغیرہ بتقاضائے حکمت جو بندوں کی مصلحتوں پر مبنی ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے کہ وہ گناہ بخشے دکھ دور کرے ایک قوم کو ترقی دے دوسروں کو ذلت دے۔

۲۔ حضرت حسین بن الفضل نے فرمایا شان یعنی مقادیر کو مواقیت کی طرف لانا۔

۳۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوح پیدا فرمائی جو سفید خالص موتیوں کی جس کا یاقوت سرخ تھا اور قلم نور کی اور کتاب بھی نور کی اس کو روزانہ تین سو ساٹھ بار نظر عنایت سے نوازتا ہے اس پر لکھا ہے کہ وہی پیدا کرتا ہے وہی مارتا ہے وہی زندہ کرتا ہے وہی عزت دیتا ہے وہی ذلت دیتا ہے وہی کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے اسی لئے فرمایا ہے كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ

حدیث شریف سے تائید ملتی ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ بیشک رب تعالیٰ اپنے بندوں کو نظر عنایت سے نوازتا ہے وہی ابتداءً پیدا کرتا ہے وہی سب کو لوٹائے گا وہ جس سے محبت کی اسے پیدا فرمایا۔

محبت الٰہی کا مطلب یہی اللہ تعالیٰ کی محبت ہے کہ وہ ہر روز ایک ہزار نفوس پیدا کرتا ہے اور ایک ہزار کو موت دیتا ہے۔

سبق جب حیات فانیہ کے بعد حیات باقیہ میں بہتری ہے تو پھر تیرا کیا خیال ہے کہ حیات باقیہ میں کتنی بھلائیاں ہوں گی۔

اعجوبہ حضرت ابن عیینہ نے فرمایا کہ دھر کل کا کل اللہ تعالیٰ کے ہاں صرف دو دن ہے ایک وہی جو دنیا کی کل مدت ہے اس کی شان اس میں امر و نہی و اماتہ۔ احیاء۔ اعطاء۔ منع۔ دوسرا یوم آخرت یعنی یوم القیمۃ اس میں یہ شان ہے۔ جزاء۔ حسب۔ ثواب۔ عقاب

marfat.ocm

شان نزول حضرت مقاتل نے فرمایا کہ یہ آیت یہودیوں کے حق میں نازل ہوئی انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے دن کا کوئی حساب نہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہی آیت نازل فرمائی۔

فائدہ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ کے مدلول کی ظرف (مفعول فیہ) ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہر یوم امور کو پھیرتا ہے۔ اور ہر یوم انہیں پیدا فرماتا ہے وغیرہ وغیرہ (بحر العلوم)

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ تو اپنے رب کی کون سی نعمتوں کی تم تکذیب کرو گے جبکہ تم اپنے اوپر کے احسانات کا مشاہدہ کر رہے ہو۔

تفسیر صوفیانہ (۱) بحر الحقائق میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ ہر ہر نفس پر ہر آن میں تجلی حق ہو رہی ہے وہ تجلی جو اس کی استعداد کے مطابق ہے اور تجلیات کی کوئی انتہا نہیں تو تم اپنے پروردگار کی کونسی تجلی کی تکذیب کرتے ہو کہ اس نے تمہاری مطلوب صورتوں پر تجلی ڈالی کہ تمہیں کم سے وجود بخشا اور تمہارے محبوب وجود کو پیدا فرمایا۔

کل یوم فی شان چہ شانست — ہر زماں جلوہ دیگر شود از پردہ عیاں
جلوہ حسن ترا غایت وپایانے نیست — یعنی اوصاف کمال تو ندارد پایاں

ترجمہ ۱۔ کل یوم ہو فی شان کیا ہے کہ ہر ان پردہ سے دوسرا جلوہ عیاں ہوتا ہے۔
۲۔ تیرے حسن کے جلوؤں کی غایت وانتہا نہیں یعنی تیرے کمال کے اوصاف کی انتہا نہیں ہے۔

تفسیر صوفیانہ (۲) حضرت البقلی قدس سرہ نے فرمایا کہ اس سے وہ سوال کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں یعنی ملائکہ کرام سب کے سب بقدر مقامات خود (اور زمین میں رہنے والے) چاہنے والا اپنی آرزو چاہتا ہے مثلاً خائف بعد و حجاب سے نجات چاہتا ہے اور راجی محل فرح تک پہنچنا چاہتا ہے مطیع قوت عبادت و ثواب اطاعت چاہتا ہے عارف مزید معرفت مانگتا ہے محب وصال اور مشتاق دیدار عاشق بحر شہود میں استغراق چاہتا ہے اور جاہل وہ علم جو اسے اس سے حاجب ہو اور عالم وہ علم جو اس کی عرق بخشے ایسی ہی ہر قوم اپنے مراتب و مقامات کے مطابق مانگتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر آن نئی شان میں ہے اور شان بمعنی حال اور امر عظیم ہے۔

تفسیر عالمانہ سَنَفْرُغُ لَكُمْ جلد ہی ہم تمام امور نبٹا کر ہم تمہارے حساب کا قصد کریں گے۔

marfat.ocm

اس سے قیامت کا دن مراد ہے کہ شؤن وقت جس کی طرف کل یوم ھو فی شان میں اشارہ کیا گیا ہے۔ انتہا کے وقت کہ اس وقت صرف ایک ہی شان ہو گا یعنی جزاء مجاز مرسل پر اسے فراغ سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ فراغت کو تجرد لازم ہے اس مشغولی سے فراغت مراد نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ایک ہی حال سے دوسرا حال مشغول نہیں کرتا۔ بعض نے کہا کہ تہدید والے کے اس قول کا استعارہ ہے جو اپنے فریق کو کہا عنقریب میں تیرے لئے فارغ ہو کر ایسے امر میں تجھے مشغول کروں گا کہ تجھے اور کسی حال کی طرف توجہ نہ ہو گی اس سے مکمل سزا دینا اور بدلہ لینا مراد ہے اور یہ خطاب مجرمین کو ہے بخلاف پہلے کہ وہ صرف مجرموں کو نہیں بلکہ عام ہے اَیُّھَا الثَّقَلَانِ (اے جنو اور انسانو)

حل لغات امام راغب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ الثقل والخفہ ایک دوسرے کی نقیض ہیں جو تول اور مقدار میں ترجیح پا جائے اسے ثقیل کہا جاتا ہے دراصل اس کا استعمال اجسام میں ہوتا ہے اور اسے معانی میں بھی استعمال کرتے ہیں مثلاً کہتے ہیں اثقلہ الغرم والوزر اس کے جرم و زر زیادہ وانی ہیں لیکن یہاں پر انس و جن مراد ہیں انہیں ثقل اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ زمین کے بوجھ ہیں یعنی انہیں سواری کے بوجھ سے تشبیہ دی گئی ہے اور حواشی ابن الشیخ میں ہے کہ زمین کو اس سواری سے تشبیہ دی گئی ہے جو بوجھ اٹھائے اور انس و جن گویا اس کے بوجھ ہیں ان کے ماسوا گویا فضول ہیں یا ان کی آراء وزنی ہے یا مکلف ہونے کی وجہ سے وزنی ہیں یا زمین پر ان کی عظمت شان کی وجہ سے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے "میں تمہارے لئے دو بوجھ چھوڑے جا رہا ہوں۔ کتاب اللہ اور عترت" حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ انہیں ثقلین اس لئے کہا گیا کہ وہ گناہوں کی وجہ سے بوجھل ہیں یا اس لئے کہ ان میں بوجھ ہے کیونکہ وہ وجود میں سب سے ان کا عین موخر ہے اس لئے کہ بوجھ والی شے پیچھے ہوتی ہے جیسے ہلکی شے کی علامت ہے جلدی آنا اور انس و جن سے ثقیل تر ہے۔ فبای الاء ربکما تکذبن تو اپنے رب کی کون سی نعمتوں کی تکذیب کرو گے۔ منجملہ کہ وہ تنبیہہ ہے جو انہیں قیامت میں پیش آئے گا ڈرانے کے لئے اس سے حساب کی طرف لے جائے اپنے قول و اعمال سے۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ اس سورت کی بعض آیات میں شدائد و عذاب اور ناز و نعمت کا ذکر دو دو جہول سے ہے۔

marfat.ocm

۱۔ ان کا نشانہ اہل ایمان نہیں بلکہ صرف کفار ہیں کیونکہ وہ نعمت سے شکر عظیم کی مقتضی ہے۔

۲۔ اس سے ڈرانا بھی ایک عظیم نعمت ہے کیونکہ انسان جس شے سے ڈرتا ہے اس میں زیادہ جدوجہد کرتا ہے بہ نسبت اس کے کہ جس میں اسے رغبت ہو۔

تفسیر عالمانہ یا معشر الجن والانس اے جن وانس کے گروہ۔ اس سے وہی ثقلان مراد ہیں اب انہیں ان کے اسماء جنس سے خطاب کیا گیا ہے زیادہ تقریر کی وجہ سے اور کیونکہ افعال شاقہ میں پر قدرت میں زیادہ مشہور ہیں انہیں اسی طریقہ سے خطاب کیا گیا ہے جو ان کی قدرت کی طرف اشارہ کرتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ ان کی قدرت اس کی طاقت نہیں جس کے وہ مکلّف بنائے گئے ہیں۔

حل لغات معشر بمعنی عظیم جماعت اس نام سے اس لئے موسوم ہیں کہ وہ غایت کثرۃ میں ہیں کیونکہ معشر کا مادہ عشر ہے اور وہ گنتی میں کامل اور کثیر ہے کہ اس کے بعد اور کوئی عدد نہیں اگر ہے تو اس سے مرکب ہو گا مثلاً کہا جاتا ہے احد عشر (۱۱) اثنا عشر (۱۲) عشرون (۲۰) ایسے ہی ان کے آگے کے ہندسے مثلاً ۲۲۔ ۲۳ وغیرہ وغیرہ جب معشر کہا جائے گا تو گویا کہا گیا ہے کہ وہ محشر یعنی جماعت کثیرہ کا محل ہے۔

سوال اس آیت میں جن کی تقدیم کیوں؟

جواب تخلیق میں وہ انس سے مقدم ہے اسی لئے اب یہاں بھی مقدم کیا گیا۔

سوال قل لئن اجتمعت الانس والجن الخ فرمایئے اگر انس وجن جمع ہو جائیں الخ میں انس کی تقدیم کیوں؟

جواب انسان کی فضیلت و شرافت کی وجہ سے اس لئے کہ تقدیم افضلیت کو چاہتی ہے؟

ربط ابن الشیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت میں صرف ان کے حساب و جزا کے لئے فارغ ہو کر بیٹھیں گے یعنی حساب لیں گے اور جزاء دیں گے پھر اس پر انہیں تہدید فرمائی کہ اس کے شدید اہتمام کی وجہ سے تو اس سے ایک وہم پیدا ہوا کہ اس کا اتنا اہتمام کے باوجود پھر ہو گا کیا جواب میں فرمایا اللہ تعالیٰ کو اس

marfat.ocm

پر قدرت حاصل ہے کیونکہ وہ سب کے سب اس کے قبضہ قدرت میں ہیں اور ان پر صرف اسی کا تصرف ہے کئی بھی اس سے چوک نہ جائے گا اسی لئے اس میں ان کی عجلت طلبی کے باوجود ان پر قیامت جلد تر قائم نہ کی کیونکہ عجلت وہ کرتا ہے جسے خوف ہو کہ وہ کام اس سے فوت ہو جائے گا اسی قدرت پر اس نے دہر کو دو مدتوں پر تقسیم کیا۔

۱۔ مدت ایام دنیا ۲۔ مدت یوم القیمۃ

پہلے مدت کو تکلیف اور آزمائش کے ایام بنائے دوسری مدت کو حساب و جزاء کا دن مقرر فرمایا اور ہر دونوں مدتوں کو مصائب و تکلیف کا مرکز اور دکھوں اور دردوں کا سرچشمہ بنایا کہ ہر دو ثقلین میں سے کسی ایک کو بھی اس سے بھاگنے کا کوئی چارہ نہیں جو کچھ اس نے فیصلہ کیا ہے اسے ان سب کو بھگتنا پڑے گا۔

فائدہ یامعشر الجن الخ کا تعلق سنفرغ لکم الخ سے ہے اس معنی پر یہ دونوں گویا کلام واحد ہیں ان استطعتم اگر طاقت رکھتے ہو۔

سوال ان استطعتما کہا ہوتا جیسا کہ سیاق کلام کا تقاضا ہے۔

جواب چونکہ ہر دونوں گروہ مستقل ایک بہت بڑی جماعت ہے اسی لئے ان کی کثرت کے پیش نظر صیغہ جمع کیا گیا جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا فاذاھم فریقان یختصمون پس اس وقت وہ دو گروہ ہوں گے (ایک دوسرے سے جھگڑیں گے) یہاں فریقان کے کثیر گروہ کے پیش نظر یختصمون کہا یعنی جیسے یہاں فریقان کو ایک مستقل جماعت قرار دیا گیا ہے ایسے ہی ان استطعتم جمع کا صیغہ جماعت کے پیش نظر ہے پھر یرسل علیکما تثنیہ کی ضمیر ثقلین کے لفظ کے اعتبار سے ہے ان استطعتم بمعنی ان قدرتم ہے یعنی اگر تم قدرت رکھتے ہو ان تنفذوا من اقطار السموت والارض اگر تم آسمانوں اور زمینوں کے کناروں کو پار کر جاؤ۔

حل لغات القاموس میں ہے النفاد بمعنی جواز عن الشئی الخ کسی شے کا دوسری شے سے تجاوز ہونا اور اس سے چھوٹ جانا نفوذ کا بھی یہی معنی ہے اور تیر کا کمان کے درمیان میں رل مل جانا اور اس کا ایک کنارے سے دوسرے کنارے سے نکل جانا اور اس کا آپس میں اثر کرنا ایسے ہی نفذ اور نفذھم بمعنی جازھم۔ وہ ان سے تجاوز کر گیا اور ان کے پیچھے ہونا ایسے ہی انتفذھم النافذ بمعنی جمیع امور میں گزرنے والا۔ القطار قطر

(بالضم) کی جمع ہے بمعنی الجانب۔ اب معنی یہ ہوا کہ تم آسمانوں اور زمینوں کے کناروں سے نکل جاؤ اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر سے بھاگ کر۔ فانفذوا تو ان سے نکلو یعنی میرے عذاب سے خود کو چھڑالو۔ یہ امر تعجیز کا ہے مطلب یہ کہ نہ تو تم اللہ تعالیٰ سے چوک سکتے ہو اور نہ اسے عاجز کر سکتے ہو کہ وہ تم پر قضاؤ قدر کا اجراء نہ کر سکے۔ لاتنفذون قدرت نہیں رکھو گے اوپر جاری کرنے کے الابسلطن مگر ساتھ قوت وقہر کے اور تم اس لئے علیحدہ اور دور رہو۔

فائدہ مروی ہے کہ فرشتے آسمانوں سے اتر کر جملہ مخلوق کو گھیر لیں گے اسی سے انس وجن بھاگیں گے پھر جہاں جائیں گے انہیں فرشتے گھیرے میں لئے ہوں گے پھر انہیں فرشتے یہی ایت پڑھ کر سنائیں گے تو جیسے تم قیامت میں اس سے کہیں نہیں بھاگ سکو گے ایسے ہی دنیا میں ہر ایک کو موت اور قضاؤ قدر نہیں چھوڑے گی۔ فبای الاء ربکما تکذبن تو اپنے رب کی کون سی نعمتوں کی تکذیب کرو گے تنبیہ وتحذیر کی نعمتوں کو یا مسابلہ درگزر اور عفو کر کے جبکہ وہ قادر ہے کہ وہ تمہیں عذاب میں مبتلا کردے یرسل علیکما شواظ چھوڑتا ہے تم پر چنگاری خالص کہ جس میں دھواں نہ ہو یا اس میں آگ کا دھواں اور گرمی نہ ہو (القاموس)۔

فائدہ حضرت سعدی المفتی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ واللہ اعلم یہ جملہ مستانفہ ہے (یا کیونکہ) سوال الداعی الی الہرب والفرار کا جواب ہے اور یہ اس وقت ہو گا جب لوگوں کو میدان حشر میں جمع کیا جائے گا جیسا کہ مروی ہے کہ تم پر دھوئیں کے بغیر آگ کا شعلہ چھوڑے گا تاکہ تمہیں میدان حشر کی طرف چلائے من نارٍ آگ سے یہ یرسل کے متعلق ہے اور اس میں تنوین تفخیم کی ہے ونحاس اور دھواں یا تانبا پگھلا ہوا جو ان کے سروں پر ڈالی جائے۔

حل لغات المفردات میں ہے کہ النحاس بمعنی دھوئیں بغیر آگ کا شعلہ اور اس میں اس کے رنگ کو تانبا سے تشبیہ دی گئی ہے القاموس میں ہے کہ النحاس (مثلثہ) ہے۔ حضرت ابو العباس الکواشی نے فرمایا کہ النحاس بمعنی القطر (تانبا) اور النار (آگ) اور وہ چنگاری جو پگھلے ہوئے تانبہ سے اڑے یا گرم لوہے کی چنگاری جب انہیں آگ سے پگھلا جائے یا لوہے کو آگ دے کر نرم کیا جائے فلا تنتصران تو تم اس کے عذاب سے نہیں روک سکو گے۔ فبای الاء ربکما تکذبن تو تم اپنے پروردگار کی کون سی نعمتوں کی تکذیب کرو گے حالانکہ ان کے

منافع کثیرہیں ان کے مذکورہ بیان سے خبردینا تمہیں اس شرط پر زجروتوبیخ ہے جو تمہیں اس کے عذاب کی طرف لے جلئے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ طاعت و عبادت کے انوار کے شعاع ہر طرف ہیں اور اس میں انس الروح جنات کی طرف اور ظلمات المعصیت کے تراکم اور سرکش اور سلاسل الطغیان اور اغلال العصیان کی طرف اشارہ ہے کہ وہ بھی ہر طرف ہیں اور اس میں جن نفس مظلمہ کے وجود اور ان کی سرکش گردنوں کی طرف اشارہ ہے کہ وہ طاعت و فرمانبرداری سے انکاری ہیں پس تم اپنے پروردگار کی کون سی نعمتوں کی تکذیب کرو گے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس دن اپنے فرمانبردار بندوں پر انعام کرتا ہے اور بے فرمان اور سرکش بندوں سے اسی دن بدلہ لیتا ہے کیونکہ سرکشوں سے بدلہ لینا بھی احباب پر ایک قسم کی نعمت ہے اس لئے ان سے بدلہ لینے کے بعد حمد کا ذکر فرمایا۔ کما قال فقطع دابر القوم الذین ظلموا والحمدلله رب العالمین تو ظالم قوم کی جڑ کٹ گئی۔ اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ رب العالمین کے لئے ہیں اور کمال انتقام یہ ہے کہ نفس امارہ کی تمام صفات کاٹ دی جائیں۔

تفسیر عالمانہ یعرف المجرمون بسیماھم مجرم اپنی علامت سے پہچانے جائیں گے۔

حل لغات ایسا اور سیماء بالکسر والمد بمعنی العلامۃ اور جملہ مستانفہ تعلیل کے قائم مقام ہے سوال کے نہ ہونے کی وجہ سے بعض نے کہا ان کی علامت چہروں کی سیاہی اور آنکھوں کا نیلہ ہونا۔ بعض نے کہا کہ ان کے چہروں سے غم و حزن ظاہر ہو گا جیسے نیک لوگ اس کے برعکس علامات سے پہچانے جائیں گے۔ یعنی ان کے چہرے نورانی اور خوش و خرم ہوں گے۔ فیوخذ بالنواصی والاقدام تو پکڑے جائیں گے پیشانیوں اور قدموں سے۔

حل لغات النواصی ناصیہ کی جمع ہے بمعنی سر کا اگلا حصہ اس سے اس کے بال مراد ہیں اور جار مجرور فاعل کے قائم مقام ہے۔ اخذہ یہ اس وقت بولتے ہیں جب ماخوذ کا گرفتار کرنا مطلوب ہو اس سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد خذوا حذرکم (اپنے ہتھیار لے لو) وغیرہ۔ اخذبہ یہ اس وقت بولتے ہیں جب مقصود کے کسی متعلق کا پکڑنا مطلوب

marfat.ocm

ہو اسی سے ہے قول باری تعالیٰ لاتاخذ بلحیتی ولا براسی (میری داڑھی اور سر نہ پکڑ) اور مستغیث کہتا ہے۔ خذبیدی اخذ اللہ بیدک (مجھے مدد میں کام آ اللہ تعالیٰ تیری مدد میں کام آئے۔ اب معنی یہ ہوا کہ فرشتے ان کی پیشانیوں یعنی سر کے بالوں کو پکڑ کر اور قدموں کو کھینچ کر انہیں جہنم میں ڈالیں گے یا کبھی انہیں جہنم کی طرف پیشانی کے پکڑ کر لے جائیں گے اور کبھی انہیں منہ کے بل کھینچیں گے یا ان کی پیشانیوں اور پاؤں کو بیڑیوں سے جکڑ کر پٹھوں سے باندھ کر جہنم کی طرف لے جائیں گے فبای الاء ربکما تکذبن۔ تو تم اپنے رب کی کونسی نعمتوں کی تکذیب کرو گے۔ عاقبۃ الکفو والعصیان کے بیان اور اس کی تحذیر سے کیونکہ یہ بھی لطف اور نعمت اور بہترین لطف و نعمت ہے فاذا انشقت السماء تو قیامت جب آسمان پھٹ کر قیامت کی وجہ سے ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں گے یا اس میں سوراخ پڑ جائیں گے تو دروازوں کی طرح ہو جائیں گے ملائکہ کے نزول کے لئے جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمایا کہ ویوم تشقق السماء بالغمام و تنزل الملائکۃ تنزیلا اور بادلوں آسمان پھٹ جائیں گے اور ملائکہ کا خوب نزول ہو گا۔

حدیث شریف میں ہے کہ آسمان نار جہنم سے پھٹیں گے تو وہ ان سے ظاہر ہو گی فکانت وردۃ تو ہو جائیں گے سرخ گلاب کی طرح رنگ میں وردۃ ایک مشہور پھول جسے سونگھا جاتا ہے اس کا اکثر استعمال گلاب پر ہوتا ہے۔

ولو کنت وردا لونہ
ولکن ربی شانتی بسوادیا

ترجمہ اگر تو گلاب ہے تو تیرے رنگ نے مجھے عاشق بنا دیا لیکن میرے مالک نے مجھے عیب دار۔

فائدہ . بعض نے کہا کہ اصلی رنگ آسمانوں کا سرخ ہے حوائل کی وجہ سے بندوں کو سیاہ نظر آتا ہے۔ اور نار جب آسمان کے نیلے رنگ سے مخلوط ہوتی ہے تو اس کا سرخ رنگ پیدا کر دیتی ہے۔

کالدھان "تری کی طرح" یہ دوسری خبر ہے یعنی زیتون کی تری کی طرح وہ پھول کی سرخی میں ہو گی اور تیل کے جاری ہونے میں بھی پہاڑ پگھل کر جاری ہو جائیں گے جیسے تیل پگھلا ہوا بہتا ہے تو وہ سرخ ہو جائے گا جہنم کی حرارت سے اور وہ رقت و پگھلنے میں تیل کی طرح ہوں گے۔ دھان یا تو دھن (تیل) کی جمع ہے یا اس کا نام ہے جس سے تیل بنایا جاتا ہے یعنی سالن یعنی وہ شے جس سے سالن بنایا جائے اذا کا جواب محذوف ہے یعنی ایسے احوال و

marfat.ocm

اہوال ہوں گے جنہیں بیان نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اس کے لئے کوئی عبارت پیش کی جا سکتی ہے۔

فائدہ حضرت سعدی المفتی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا اذا کا جواب محذوف ہے یعنی ایسے ہولناک امور ہونگے جنہیں بیان نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی کوئی اسے بیان کر سکتا ہے یا اسی محاورہ سے ہے کہ کوئی کہے کہ میں نے ہولناک امر دیکھا ہے یہی وجہ ہے کہ ایسے جملے ماقبل کا سبب بنتے ہیں اس لئے کہ شعلوں کو چھوڑنا ایسے ہولناک امور کا سبب بنیں گے یا ان کا دیکھنا ہی ہولناکی ہوگی۔

فبای الاء ربکما تکذبن (تو تم کون سی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی تکذیب کرو گے) جن کی عظمت شان کا کیا کہنا فیومئذ تو اس دن جس میں آسمان پھٹ جائیں گے جیسے کہ مذکور ہوا۔ لا یسئال عن ذنبہ انس ولا جان اپنے گناہ سے انس و جان سے سوال نہ ہو گا کیونکہ وہ خود بخود انہی علامات سے پہچانے جائیں گے اسی لئے مذنب وغیرمذنب کے امتیاز کے متعلق کوئی ضرورت نہ ہوگی کہ سوال ہو کہ یہ کس گناہ کی سزا بھگت رہے ہیں تاکہ اہل محشر کو اطلاع دی جا سکے۔ یہ قبور سے نکلتے ہی ہو گا اور موقف میں پہنچنے تک اپنی نشانیوں سے جائیں گے اور فوج در فوج جائیں گے جیسے ان کے مراتب ہوں گے۔

سوال اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے فوربک لنسئلنھم اجمعین تیری رب کی قسم ہم ان سے سوال کریں گے اس جیسی آیات سے تو ثابت ہوتا ہے کہ فوج در فوج نہیں بلکہ اجتماعی حیثیت میں ہوں گے۔

جواب یہ آیات ان کے لئے حساب و جزا کے متعلق ہیں۔

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ان سے سوال نہ ہو گا کہ کیا تم نے یہ عمل کیا تھا یا نہ کیونکہ ان کے اعمال کو ان سے وہ خوب جانتا ہے نیز انہی سے ہے ان سے سوال و شفاء و راحت کے طور پر سوال نہ ہو گا بلکہ انہیں تقریع و توبیخ کے طور ہو گا۔

سوال ذنبہ کی ضمیر واحد کیوں حالانکہ وہ بکثرت ہوں گے۔

جواب ضمیر واحد بوجہ ان کے فرد من الافراد کی وجہ سے ہے اور یہ ضمیر انس کے لئے ہے کیونکہ انس کے افراد

marfat.ocm

میں سے ایک فرد مراد ہے۔ ایسے ہی تمام جملہ کا معنی یہ ہو گا کہ ان کے ہر ایک انس اور ہر جن سے سوال نہ ہو گا۔ جان سے جن مراد ہے جیسے کہا جاتا ہے۔ تمیم اس سے ان کا ایک فرد مراد ہوتا ہے **یطوفون بینھما** اور جو نار انہیں جلائے گی اسکے درمیان پھرتے ہوں گے۔ **وبین حمیم اٰن** اور درمیان گرم پانی کے درمیان **حمیم اٰن** سے وہ پانی گرم جو گرمی میں انتہا کو پہنچتی ہو گی جو ان پر ڈالی جائے گی یا اس سے انہیں پلایا جائے گا یعنی ان پر پھیریں گے گرم پانی سے نار جہنم تک اور نار جہنم سے گرم پانی تک اس سے انہیں دہشت ہو گی اور پیاس بھی۔

حل لغات أَنّٰی یَأْنِیْ فَهُوَ آنٍ قَضٰی یَقْضِیْ فَهُوَ قَاضٍ کی طرح ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شے اپنی انتہا کو پہنچے اور وہ گرمی اور پیپ میں انتہا کو پہنچی ہو گی۔

فائدہ حضرت امام ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان پر پیاس مسلط کی جائے گی پھر انہیں زقوم کے درخت کی طرف لایا جائے گا وہ زقوم جس کے گابھے شیاطین کے سروں کی طرح ہوں گے وہ اسے کھائیں گے وہ ان کے حلقوم کو پکڑ لے گا اس پر وہ پانی مانگیں گے تو ان کو یہی گرم پانی لا کر پلایا جائے گا جب وہ اس پانی کو منہ کے قریب لائیں گے تو اس کی گرمی ان کے چہروں کے گوشت نوچ لے گی۔ مجبوری سے پئیں گے تو وہ پانی ان کے پیٹوں میں جوش مارے گا تو جو کچھ ان کے اندر ہو گا وہ تمام باہر آ جائے گا اس کے بعد پھر انہیں پیاس ستائے گی تو کسی وقت انہیں زقوم کی طرف لایا جائے گا تو کسی وقت گرم پانی کی طرف۔

فائدہ حضرت کعب الاحبار نے فرمایا کہ جہنم میں ایک وادی ہے جس میں اہل نار کا پیپ جمع ہوتا ہے وہ بیڑیوں میں جکڑ کر اس وادی میں ڈبو دیئے جائیں گے یہاں تک کہ ان کے جوڑ جوڑ کٹ کر باہر نکلیں گے، پھر اللہ تعالیٰ ان کے لئے نئی تخلیق فرمائے گا پھر جہنم میں ڈالے جائیں گے۔

فبای الاء ربکما تکذبٰن تو تم اپنے رب کی کون سی نعمت کی تکذیب کرو گے۔ اور اس میں اشارہ ہے کہ اس جملہ کا تکرار اس لئے ہے کہ تاکہ معلوم ہو کہ یہ تمام امور نعمتیں ہیں اور اظہار اس لئے تاکہ آزمائش کے موجبات سے زجر و توبیخ ہو تاکہ بندے کفر و معاصی میں مبتلا نہ ہوں بخلاف جو سورۃ کے اول میں کل یوم الخ تک بیان کیا گیا۔ اس میں یہ بات مطلوب نہیں کیونکہ ان میں ان نعمتوں کا بیان ہے جو بندوں کو دنیا میں موصول ہوئیں

marfat.ocm

ایسے ہی ان کا اظہار اس لئے ہے تاکہ بندے شکر کریں اور تاکہ اس میں مداومت پر برانگیختگی ہو۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جو لوگ مخالفت شرع اور صفات ذمیمہ اور اخلاق رذیلہ میں طبع کی موافقت میں پیش پیش ہیں یہی لوگ نار مخالفات شرعیہ و موافقات طبیعیہ اور حمیم ان کے درمیان پھر رہے ہیں کیونکہ یہ چیزیں پیاس نہیں بجھاتیں اور نہ اس سے پیاسہ کو سیرابی ہوتی ہے ہاں دنیا و آخرت میں انسان کو صرف اور صرف علم قطعی اور کشف صحیح ہے اہل کے علوم کو دیکھ لو کہ وہ جہل کے حکم میں ہیں اس لئے ایسے علوم والے شہوت و لذات میں غرق اور اوہام و خیالات میں غوطہ زن ہیں۔

حکایت حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوئی تو تنبیہہ فرمائی (کہ علوم جدلیہ کوئی شے نہیں) خود فرمایا کہ وہ علوم و فنون جن میں زندگی کا کچھ حصہ صرف کیا ان کے پڑھنے پڑھانے میں عمر ضائع کی تو وہ آخرت میں کسی قسم کا فائدہ نہ دیں گے اس کے بعد علوم صوفیہ کی طرف متوجہ ہوئے اب انہیں یقین ہوا کہ علم تصوف سے بڑھ کر نافع تر کوئی علم نہیں کیونکہ اس علم کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات و حقائق القرآن اور اس کے اسرار و رموز سے ہے اسی لئے بغداد کی بڑی یونیورسٹی (نظامیہ) کی تدریس چھوڑ کر اس علم کی تحصیل میں چل پڑے یہاں تک کہ صوفیہ کرام سے بہت بڑا ذوق پایا اور ان کی صحبت بابرکت سے جن مراتب کو پہنچے سب کو معلوم ہیں۔

ملفوظ بایزید بسطامی حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ نے فرمایا کہ تم نے مردوں سے علوم حاصل کئے ہم حی الذی لایموت سے۔

فائدہ شیخ الاسلام امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت نجم الدین کبریٰ سے پوچھا تم نے رب کو کیسے پہچانا فرمایا ان واردات سے جو اللہ تعالیٰ سے ہمارے قلوب پر وارد ہوتے ہیں جن کے نفوس تکذیب نہیں کر سکتے۔

نفس نار جہنم کی طرح ہے اس میں نار شہوات و حمیم جہالات میں جو اسے دنیا میں اس کے اوصاف ذکیہ سے تزکیہ کرتا ہے وہ قیامت میں احتراق و افتراق سے نجات دے گا (ہم سوء حال و سیئات الاعمال و قبائح الاحوال سے پناہ مانگتے ہیں۔

نمی تازد ایں نفس سرکش چناں   کہ عقلش تواند گرفتن عناں
کہ بانفس و شیطاں بر آید بزور   مصاف پلنگاں نیاید ز مور

ترجمہ یہ نفس سرکش ایسے نہیں دوڑتا کہ اس کی عقل باگ پکڑ کر روک سکے۔

marfat.ocm

نفس وشیطان سے کس کا مقابلہ شیروں کی جنگ میں چیونٹی کی کیا مجال۔

تفسیر عالمانہ ولمن خاف مقام ربہ جنتن (اور جو اللہ تعالیٰ کی عاجزی سے ڈرتا ہے اس کے لئے ہے۔

ربط دنیا میں موصول شدہ نعمتیں دنیویہ و دینیہ کے ذکر کے بعد اب ان نعمتوں کا ذکر فرماتے ہیں جو آخرت میں عطا ہوں گی۔

حل لغات المقام اسم مکان ہے اس سے اللہ تعالیٰ کے سامنے بندوں کا حساب کے لئے کھڑے ہونے کی جگہ مراد ہے جیسے فرمایا یوم یقوم الناس لرب العالمین۔ اس دن کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے کھڑے ہوں گے یہ اضافت اختصاص کی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کا ملک نہ ہو گا۔

صدیق اکبر کا تقوی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی کہ ایک دفعہ پاس سے آپ نے دودھ نوش فرمایا بعد کو معلوم ہوا کہ یہ ناشروع ہے تو آپ نے فوراً قے کر کے نکال دیا جب حضور سرور عالم ﷺ نے سنا تو فرمایا کہ اے صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) یہ آیت آپ کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

فائدہ اب یہ آیت عام ہے کہ جو کوئی برائی کا ارادہ کرے لیکن اللہ تعالیٰ کے خوف سے اسے چھوڑ دے تو اس کو بھی یہی انعام نصیب ہو گا جو آیت ھذا میں مذکور ہے۔

تفاسیر جنتان جنتن دو باغ ہیں۔

۱۔ ایک خائف انسان کے لئے ایک خائف جن کے لئے کیونکہ خطاب ہر دونوں کو ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہر ایک جن و انسان کے لئے دو علیحدہ علیحدہ باغ ہیں۔

۲۔ یا ہر انسان کو دو جنتیں ملیں گی ایک عقیدہ صحیحہ کے انعام دوسری اعمال صالحہ کے انعام ہیں۔

۳۔ ایک اعمال صالحہ کے فعل پر دوسری معاصی (گناہوں) کے ترک پر۔

۴۔ ایک جنت اعمال کے ثواب دوسری محض فضل ربی سے۔

marfat.ocm

۵۔ ایک جنت روحانی دوسری جنت جسمانی ایسے ہی آگے جہاں بھی دو کا ذکر ہے اس سے یہی مراد ہے۔

۶۔ الموضح میں فرمایا کہ بہشت میں دو باغ عطا فرمائے گا ہر ایک باغ اتنا طویل ہو گا کہ اس کی مسافت طولاً و عرضاً سو سال ہو گی اور ہر دو باغات کے درمیان میں خوش منظر سرائیں اور دلکش حوریں ہوں گی۔

۷۔ حضرت استاذ قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک جنت باعجلت یعنی لذت مناجات ولذت بحقائق المشاہدات اور ان کے وہ واردات جو قلب پر وارد ہوں گے دوسری موجلہ (عرصہ کے بعد) وہی کہ جس کا آخرت میں وعدہ ہے۔

پہلی تفسیر کا رد اور اس کا جواب بحر العلوم میں جو فرمایا کہ دو باغ کی مراد یہ ہے کہ ایک جنات کو ایک انسانوں کو۔ اس پر سوال وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ حدیث شریف میں ہے حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ اہل ایمان جنات کو ثواب بھی ہو گا اور عذاب بھی لیکن وہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے ساتھ جنت میں نہیں رہیں گے بلکہ وہ اعراف میں ہوں گے۔ اعراف بہشت کی دیوار کا نام ہے کہ جس میں نہریں جاری ہیں۔ ان میں اشجار و اثمار (پھل فروٹ) پیدا ہوتے ہیں۔

فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ احقاف کے اواخر میں تحقیق گزری ہے کہ مذہب حق یہ ہے کہ جنات بنی آدم کے حکم میں ہیں کہ وہ بھی مکلف ہیں انہیں ثواب و عذاب ملے گا۔ اس لئے کہ بنو آدم کی طرح مکلف ہیں اگرچہ ہم نہیں جانتے کہ ان کے ثواب کی کیفیت کیا ہے (تفصیل مطلوب ہو تو سورہ احقاف کے اسی مقام کی طرف رجوع کیجئے) فبای الاء ربکما تکذبن تو تم اپنے پروردگار کی کون سی نعمتوں کی تکذیب کرو گے۔

حکایت حضرت محمد بن حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات سو رہا تھا کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا میں نے پوچھا دیکھو کون ہے کہا گیا کہ خلیفہ وقت بلاتا ہے میں گھبرا گیا کہ نامعلوم کیا حکم ہو۔ جب میں خلیفہ کے پاس گیا تو کہا کہ میں نے آپ کو ایک مسئلہ کے لئے بلایا ہے وہ یہ کہ میں نے کہا ام محمد یعنی زبیدہ میں امام عادل ہوں اور امام عادل بہشتی ہوتا ہے اس نے کہا تو ظالم اور گنہ گار ہے تو نے اپنی گواہی خود دے کر اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھا ہے تو نے خود پر جنت حرام کر دی ہے۔ امام محمد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اسے کہا کہ کیا تو کبھی کوئی گناہ کر کے اللہ تعالیٰ سے ڈرا اسی وقت یا بعد کو کہا ہاں میں تو اللہ تعالیٰ سے بہت سخت ڈرتا رہتا ہوں میں نے کہا میں گواہی دیتا ہوں

marfat.ocm

تیرے لئے نہ صرف ایک جنت بلکہ دو جنتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ولمن خاف مقام ربہ جنتٰن یہ سن کر مجھ پر مہربانی فرمائی اور کہا شکریہ اب بیشک گھر جا سکتے ہیں جب میں گھر پہنچا تو خواب میں چودھویں چاند کو دیکھا جو میری طرف بہ عجلت آ رہا ہے اور کوئی کہہ رہا ہے یہی وہ مقام ہے جہاں بندے اللہ کے ہاں حاضر ہوں گے جب پردے کھل جائیں گے اور حقائق الامور ظاہر ہوں گے ظہور قدرت و جبروت کی وجہ سے انبیاء و اولیاء سب کے سب خاموش ہوں گے۔

سبق قیامت کے ہولناک مقام کی حاضری سے ہر وقت خوف رکھنا ضروری ہے۔

ملفوظ مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ حضرت مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دل میں خوف نہ ہو وہ اس گھر کی طرح ہے جس کا مالک گھر میں نہ ہو تو پھر جیسے گھر مالک کے بغیر جلد تر ویران ہو جاتا ہے ایسے وہ دل جس میں خوف خدا نہ ہو وہ بھی جلد تر ویران ہو جائے گا۔

دل آباد کس کا دل کی آبادی کی علامت یہ ہے کہ دل کو خوف خداوندی سے پر کرے اخلاق کو مہذب اطراف کو باادب بنائے۔

نکتہ حضرت ابوالقاسم حکیم نے فرمایا خالق سے خوف اور شے ہے مخلوق سے خوف دیگر شے ہے جو مخلوق سے ڈرتا ہے تو اس سے بھاگتا ہے لیکن جو خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہے وہ اس کے قریب ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا ففروا الی اللہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگو) جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اس کے پاس شہوت و دنیا و دولت نہیں آتی جو اسیر شہوت ہو اس سے خوف خداوندی اسباب باندھ کر چلا جاتا ہے اور شیطان کے پنجہ میں گرفتار ہو جاتا ہے پھر وہ اسے جیسے چاہے استعمال کرے۔

حکایت ابلیس با یحیٰی علیہ السلام حضرت یحیٰ علیہ السلام کا ابلیس پر گزر ہوا تو دیکھا کہ وہ بیڑیوں سے جکڑا ہوا ہے اور وہ بیڑیاں اس کے ہاتھ میں رنگ برنگی ہیں پوچھا ابلیس یہ کیا؟ عرض کی یہ ابنائے آدم کی شہوات ہیں انہیں سے ہی انہیں پھانستا ہوں اور پھر جیسے چاہتا ہوں استعمال کرتا ہوں۔ یحیٰ علیہ السلام نے ابلیس سے پوچھا کہ کوئی ایسی چیز تجھے معلوم ہے کہ جس سے کسی (مجھ جیسے) کو پھانس سکے عرض کی ہاں طعام سیر ہو کر کھانے والے کو بہت جلد پھنساتا ہوں حضرت یحیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس روز میں نے عہد کیا کہ سیر ہو کر کھانا نہیں کھاؤں گا۔ ابلیس نے سیر ہو کر

marfat.ocm

طعام کھانے سے پھسلانے کا سبب بھی بتایا کہ سیر ہو کر کھانے والا نماز اور ذکر اللہ سے غافل ہو جاتا ہے۔ اگرچہ تھوڑی دیر کے لئے سہی۔

فضیلت خوف خداوندی کسی بزرگ سے سوال ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بے خوف زدگان کو کیا انعام عطا فرمائے گا فرمایا کہ اگر خوف و غم واندوہ محض رضائے الٰہی پر مبنی ہو تو ابھی حالت نزع میں ہو گا تو اللہ تعالیٰ شراباً طہوراً کا کلمہ اس کے ہاتھ پر رکھے گا جس پر لکھا ہو گا اَنْ لَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ یہ کہ خوف نہ کرو اور نہ غم کھاؤ اور تمہیں بہشت کی بشارت ہو۔

اندوہ غریباں بسر آید روزے
در کار غریباں نظر آید روزے

ترجمہ غریبوں کے غم آخر ختم ہوں گے غریبوں کے کام پر کبھی نظر کرم ہو گی۔

چار بہشت اندوہگینوں اور خوف زدگان کو چار بہشتیں نصیب ہوں گی۔ دو بہشت چاندی کی دو بہشت سونے کی جیسے حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ دو جنتیں چاندی کی ہیں کہ اس کے برتن اور وہ جو ان میں ہے وہ تمام چاندی کا ہے اور دو جنتیں سونے کی کہ اس کے برتن اور جو ان میں ہے وہ تمام سونے کا ہے۔

تفسیر صوفیانہ ملفوظات نعیمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ جو مقام شہود سے اپنی بقا کے لئے ڈرتا ہے کیونکہ شہود حقیقی شاہد کو شاہدیت سے مشہود میں فانی کر کے شہود کے مراتب کے آخری مرتبہ میں بقا بخشتا ہے اس لئے کہ شاہد کے اوائل مشاہدہ میں کوئی لذت نہیں اسی طرف اشارہ حضور ﷺ کے اس ارشاد کا جو آپ نے دعا میں کہا اللھم ارزقنا لذۃ النظر الی لقائک (اے اللہ اپنے دیدار کی لذت نظر عطا فرما) اس معنی پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فرمایا کرتے تھے کلمینی یا حمیرا (اے حمیرا باتیں سنا) یہ اس وقت فرماتے جب آپ اپنی حس سے تبلیغ وارشاد کے لئے غائب ہو جاتے۔

فائدہ جنتان سے ایک نغمہ المشہود میں جنۃ الفناء اور دوسری مشہود کے ساتھ جنۃ البقاء مراد ہے اور مقام ربہ سے مقام شہود ربہ مراد ہے یعنی یہاں شہود مضاف محذوف ہے۔

marfat.ocm

فبای الاء ربکما تکذبان تو تم اپنے پروردگار کی کون سی نعمتوں کی تکذیب کرتے ہو۔ نعمۃ الفناء فی اللہ کی یا نعمۃ البقاء باللہ کی۔ ذواتا افنان (بہت بڑی ڈالوں والیاں) یہ جنتان کی صفت ہے درمیان میں جملہ معترضہ ہے اس میں تنبیہہ ہے کہ موصوف وصفت ہر دونوں کی تکذیب انکار و توبیخ کا موجب ہے۔

حل لغات ذواتا ذات کا تثنیہ ہے بمعنی صاحبہ اصل کی عرف رد کر کے کہ اس کا اصل ذویۃ تھا ذوی کی مونث ہے اگر ذات ہو جیسے عام مشہور ہے تو ذاتا ہونا چاہئے الافنان فن کی جمع ہے یعنی وہ قسم و قسم کے اشجار و اثمار والے ہیں یا فنن کی جمع ہے بمعنی طول میں سیدھی ٹہنی والا یا وہ ٹہنیاں جو درخت کی شاخ سے پھیلیں ایسے درختوں کی تخصیص اس لئے کہ وہ درخت پھلوں والوں دراز ٹہنیوں والے اور دراز شاخوں والے جن سے زیادہ سے زیادہ پھل حاصل ہوں گے اور بڑے بڑے سائے ہوں گے اس وصف سے موصوف کرنے میں علی سبیل الکنایہ انہیں نصیحت کرنا مطلوب ہے گویا کہا گیا ہے کہ وہ درخت پتوں والے اور پھلوں والے اور سائے والے ہوں گے۔

فبای الاء ربکما تکذبان تو تم اپنے رب کی کونسی نعمتوں کی تکذیب کرتے ہو کیونکہ ان میں کوئی ایسی شے نہیں جو تکذیب کے قابل ہو۔

فیہما عینان تجریان ان میں دو چشمے جاری ہوں گے یہ جنتان کی دوسری صفت ہے فبای الاء ربکما تکذبان الخ کو درمیان میں لایا گیا حالانکہ ان صفات میں کوئی فاصلہ نہیں جو عذاب کے متعلق ہیں یعنی یرسل علیکما شواظ من نار ونحاس میں باوجود یہ کہ یہ صفات ایک دوسرے کی غیر ہیں اور بہشت کی نعمتوں میں تغایر بھی نہیں (تو فاصلہ محض ان کے اہتمام بالشان کی وجہ سے ہو گا) یعنی ان باغات میں پانی کی نہریں جاری ہیں کہ ان کے پانی میں بدبو نہیں ہے اور نہریں ویسے چلیں گی جیسے ان کا صاحب چاہے گا اگر وہ اوپر کی منزل کے لئے چاہے گا تو پانی اوپر کو چلے گا اور اگر وہ نیچے کو چاہے گا تو پانی نیچے چلے گا جیسا کہ انہار الجنۃ کا خاصہ ہے۔

فائدہ یہاں حذف المفعول نہیں بعض کہتے ہیں کہ وہ نہریں مشک کے پہاڑ سے جاری ہوتی ہیں۔

فائدہ حضرت ابن عباس اور حسن رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ وہ نہریں صاف پانی سے چلیں گی ایک نہر تسنیم کی دوسری سلسبیل کی۔

marfat.ocm

فائدہ حضرت ابو بکر وراق رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ دو نہریں اس کے لئے چلیں گی جس کی دنیا میں خدا سے دونوں آنکھیں بہاتی رہیں۔

ابران ازدو سرچشمہ دیدہ جوئی
ولا گشے زاری از خود بشوئی

نریزد خدا آبروئے کسے
کہ ریزد گناہ آب چشمش بسے

ترجمہ آنکھوں کے سرچشمے کو جاری کر آلائش رکھتا ہے تو اسے اپنے سے دھوڈال۔

۲۔ اللہ تعالیٰ اس بندے کی بے عزتی نہیں کرے گا جس کی آنکھیں آنسو سے گناہ دھوڈالتی ہیں۔

فبای الاء ربکما تکذبن تو اپنے پروردگار کی تم کون سی نعمتوں کی تکذیب کرتے ہو۔

تفسیر صوفیانہ اس میں جنت الفناء کی جنت کی طرف اشارہ ہے کہ اس میں ایک چشمہ ہے جس سے آب حیات جاری ہوتا ہے یعنی البقاء بعد الفناء اور جنت البقاء میں ایک چشمہ ہے اس سے علم و معرفت و حکمت کا پانی جاری ہوتا ہے اور البقا بعد الفناء انواع المعارف والحکم واصناف الموائد والنعم کو مستلزم ہے تو تم اے اصحاب السکر والغیبتہ اور یاد ربا ب الصحو والحضور اللہ تعالیٰ کی کون سی نعمتوں کی تکذیب کرتے ہو (تاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ فیہما من کل فاکھتہ زوجان ان میں ہر قسم کے میوے ہیں دو طرح کے۔

۱۔ معروف ۲۔ غیر معروف جنہیں کسی نے دیکھا نہ سنا ہو' یا

۱۔ تر ۲۔ خشک' یا

۱۔ میٹھے ۲۔ کھٹے

بعض نے کہا وہ دو رنگے ہوں گے بعض نے کہا وہ صرف منظر کے لحاظ سے دو رنگے ہوں گے نہ کہ ذائقہ کے اعتبار سے۔

اعجوبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ دنیا کا کوئی بھی کڑوا یا میٹھا میوہ نہ ہو گا جو بہشت میں نہ

marfat.ocm

ہو یہاں تک کہ حنظل (کڑوے پھل کا نام) مگر ہر کڑوا (میوہ دنیوی) بہشت میں میٹھا ہو جائے گا کیونکہ بہشت ہر شے طاعات کی حلاوت سے پیدا کی گئی ہے اسی لئے اس میں وہ کڑواہٹ نہ ہوگی جو سبآت کی کڑواہٹ سے ہو جیسے زقوم وغیرہ علاوہ ازیں جنت دارالجمال ہے اسی لئے اس میں سیاہ رنگ نہیں پایا جائے[1] گا کیونکہ سیاہ آثار الجلال سے ہے اور جنتان ایک اور صفت ہے۔

فبای الاء ربکما تکذبن تم اپنے رب کی کون سی نعمتوں کی تکذیب کرتے ہو۔ ان لذیذ نعمتوں میں سے۔

متکئین سہارا کئے ہوئے ہوں گے۔ یہ خائفین سے حال ہے۔ جمع کا صیغہ مَنْ کے معنیٰ کی وجہ سے ہے اب معنی یہ ہوا کہ انہیں دو جنتین حاصل ہوں گی۔ تو وہ بہشت میں ایسے بیٹھے ہوں گے۔ جیسے بادشاہ راحت اور ٹھاٹھ باٹھ سے بیٹھتا ہے درانحالیکہ وہ آرام کر رہے ہوں گے علی فرش اوپر بستروں کے۔

حل لغات فروش (بالکسر) کی جمع ہے وہ شے جو فرش پر بنائی جائے اور بچھائی جائے بیٹھنے اور نیند کے لئے دراز کی جائے۔ بطائنہا اس کا اندر کا حصہ۔

حل لغات بطانہ (بالکسر) کی جمع ہے کپڑے سے بنایا ہوا اندر کا حصہ ظہارۃ کے خلاف فارسی میں بمعنی آستر من استبرق ریشم سے نافع سے ورش (قاری) نے اور یعقوب سے رویس (قاری) نے استبرق کو محذوف الالف و کسرالنون پڑھا ہے اور ہمزہ کی حرکت نون کو دے کر باقی قراء نے نون ساکن اور ہمزہ (مکسور) قطعی سے پڑھا ہے۔

حل لغات استبرق گاڑھا ریشم بعض نے کہا یہ استعمال کا ہے از بریق بمعنی اضاءۃ بعض نے کہا البرقہ سے بمعنی اجتماع الالوان پھر اسے اسم بنا کر اسے معرب قرار دیا گیا۔ اس کی تحقیق سورۃ الدخان میں گزری ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ دیباج ثخین گاڑھے ریشم کے بستر بچھے ہوں گے جن کے اندر کا حصہ کپڑے کا ہوگا اس سے اس کے ظہارت (باہر کے حصے کا خود اندازہ لگایئے کہ وہ کیسا اشرف واعلیٰ ہوگا۔

حدیث شریف حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہشتی رومال اس

---

[1] شیعوں کو مبارک ہو کہ وہ سیاہ رنگ کو مرغوب ہے اسی لئے نہ وہ بہشت میں جائیں گے نہ انہیں مرغوب لباس ملے گا سیاہ لباس کی تحقیق فقیر کی کتاب چشمہ نور افزا میں ہے ۱۲)

marfat.ocm

حلہ (دنیوی پوشاک) سے حسین تر نہیں۔

فائدہ رومال کا ذکر فرمایا تاکہ تنبیہہ ہو کہ جب بہشت میں ایک لونی (رومال) کا یہ حال ہے تو پھر اعلیٰ (پوشاک کے لوازمات) کا کیا حال ہو گا۔

فائدہ بعض نے کہا کہ بستر کا باہر کا حصہ سندس یا نور سے ہوں گے یا وہی ہو جو خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا فلا تعلم نفس ما اخفی لهم من قرة اعین کوئی نہیں جانتا وہ جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا رکھی ہیں۔

وجنی الجنتان دان اور جنتوں کے چننے لائق میوے قریب ہوں گے۔

حل لغات جنٰی اسم بمعنی الجنی جیسے قبض المقبوض۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

ھذا جنای وخیارہ فیہ
وکل جان یدہ الی فیہ

ترجمہ یہ میرا چنا ہوا ہے اس کا پسندیدہ میوہ اس میں ہے ہر چننے والے کا ہاتھ اس کے منہ کی طرف ہے۔ دان دنوں سے ہے بمعنی قرب دراصل دانو تھا غاز کی طرح کہ وہ بھی دراصل غازو تھا وہ پھل جو چنے جائیں اور ایسے قریب کہ انہیں کھڑے بیٹھے اور لیٹے چنا جا سکے۔

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا درخت خود بخود جھک جائے گا اس کا میوہ اللہ کا ولی (بہشتی) چاہے کھڑے ہو کر توڑے چاہے بیٹھ کر چاہے لیٹ کر۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا پھر وہ لوٹے گا بھی نہیں اور نہ ہی اس میں کانٹے ہوں گے۔

اعجوبہ منقول ہے کہ جب بہشتی تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے جی چاہے گا کہ فلاں میوہ ہو تو درخت کی ٹہنی خود بخود جھک جائے گی جتنا چاہے گا اتنا میوہ اس کے منہ میں پہنچ جائے گا۔

قاعدہ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ قرب و بعد کی قید کثافت کے لئے ہے بہشت میں کثافت نہیں اور وہاں کے مقیمین (انسان وغیرہ) کے اجسام بھی نورانی اور لطیف ہوں گے ایسے جیسے ارواح ہیں۔ جس نے کہا خوب کہا۔

بعد منزل نبود در سفر روحانی

ترجمہ سفر روحانی میں منزل بعید نہیں ہوتی۔

نکتہ دنیا میں اطاعت مطیع کے طبیعت کے موافق ہوتی ہیں ایسے ہی جنت کے ثمرات بھی اس کی طبع کے موافق ہو جائیں گے یعنی بلامشقت حاصل ہوں گے تو جیسے انہیں چنے توڑے کسی طرح کی اسے تکلیف نہ ہو گی بلکہ توڑنے اور چننے کی تکلیف بھی اس کے لئے گوارہ نہیں اس کے منہ میں میوے خود بخود پہنچ جائیں گے (جیسے کہ بعض نے کہا)

فبای الاء ربکما تکذبن تو کونسی نعمتوں کی تکذیب کرتے ہو) ان لذیذ اور باقی رہنے والی نعمتوں میں سے۔ فیھن وہ جنتوں میں جن پر جنتن دلالت کرتا ہے جیساکہ معلوم ہوا کہ ثقلین کے خائفین کے لئے جنتان (دو جنتیں) ہیں یا ہر خائف کے لئے حسب تعداد اعمال جنتہ ہو گی اور ان کے جمع کا صیغہ متکئین کی وجہ سے ہے۔ قاصرات الطرف۔ شرم و حیاء سے آنکھیں نیچے رکھنے والی ہوں گی۔ اسم فاعل کی اضافت اپنے منصوب کی طرف تخفیفاً ہے اور قصر کا تعلق (یعنی علی ازواجہن) محذوف ہے کہ اس کا علم سب کو ہے اب معنی یہ ہوا کہ ان کے لئے عورتیں ہوں گی۔ جنہوں نے اپنے شوہروں پر آنکھیں باندھ رکھی ہوں گی غیروں کی طرف ان کا دھیان جائے گا بھی نہیں اور کہیں گی خدا کی قسم ہمیں تو تیرے جیسا حسین ترین نظر ہی نہیں آتا اس ذات کی حمد و ثناء و شکر ہے کہ اس نے تجھے ہمارا شوہر اور ہمیں تیری زوجات منتخب فرمایا ہے اور آنکھوں کا قصر شرم و حیا اور غمزۂ عشوہ کے طور ہو گا چونکہ قصر الطرف کا معنی شرم و حیا اور مزہ و حشوہ کے طور پر ہو گا اس لئے اب معنٰی یہ ہوا کہ بہشت کی کنیزیں نازنیں ہیں ناز نخرہ کی وجہ سے آنکھیں شکستہ ہیں۔ بعض نے قاصرات الطرف کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اپنے غیروں کی انکھیں خود پر بند کرنے والی کیونکہ وہ ایسی حسین ہیں جب انہیں کسی نے ایک بار دیکھ لیا تو پھر اس کی نگاہ دوسری طرف پھیرنے کو جی نہیں چاہے گی بوجہ ان کے حسن کے کمال کے۔ لم یطمثھن انس قبلھم ولا جان انہیں ہاتھ لگایا ان سے پہلے کسی انسان اور جن نے یہ قاصرات الطرف کی صفت ہے کیونکہ یہ اضافت

marfat.ocm

لفظی ہے۔

حل لغات اہل لغت کہتے ہیں طمشت المرأۃ (از باب ضرب) یہ اس وقت بولتے ہیں جب اسے کوئی خود آلود کر کے اس کی بکارت توڑے اس معنی پر دراصل الطمث بمعنی الجماع ہوا یعنی وہ جمع جو باکرہ لڑکی کے خون نکلنے کا موجب ہو پھر ہر جماع پر اس کا اطلاق ہونے لگا اگرچہ اس سے خون ظاہر بھی نہ ہو (القاموس) میں ہے کہ الطمث بمعنی المس۔ اب معنی یہ ہوا کہ انہیں کسی انس و جن نے ہاتھ نہیں لگایا۔ جنیات میں یا انسیات اپنے شوہروں کے سوا اس سے قبل انہیں کسی نے ہاتھ تک نہ لگایا یہ معنی ہم نے قاصرات الطرف سے سمجھا ہے کہ وہ حوریں جن انسانوں کے لئے مقرر ہیں کسی انسان کا ہاتھ ان تک نہ پہنچا ہو گا اور وہ جو جنات کے لئے مقرر ہیں ان پر کسی جن نے تصرف نہیں کیا ہو گا وہ الریاض الانف کی طرح ہوں گی (یعنی اس باغ کی طرح جس میں کبھی کوئی جانور چرنے کے لئے نہ گیا ہو) اس میں ان کے باکرہ ہونے کی ترغیب ہے کیونکہ ثیبات (شادی شدہ یعنی غیر باکرہ) کی بہ نسبت باکرہ (دوشیزاؤں) سے زیادہ رغبت ہوتی ہے۔

فائدہ اس سے ثابت ہوا کہ جنات بھی اہل جنت ہیں اور وہ انسانوں کی طرح جماع کرتے ہیں لیکن ان میں انسانوں کی طرح پانی (منی) نہیں۔ ہم نے جنات کو اس لئے شامل رکھا ہے کہ آیت میں خطاب ثقلین کو ہے اور مضمون احسان جتلانے کے لئے ہے۔ جس میں صرف انسان کو احسان جتلانا ہوتا تو خطاب ثقلین کو نہ ہوتا بلکہ صرف انسان کو ہوتا۔

فائدہ اس منت (احسان) سے ثابت ہوا کہ وہ جماع تو کرتے ہیں لیکن ان سے پانی (منی) کے بجائے ہوا خارج ہوتی ہے اسی ہوا سے ہی ان کی مونثات میں علوق (بچہ کے ڈھانچے کا پہلا حصہ) تیار ہوتا ہے (فتوحات مکیہ)

مسئلہ اس سے ثابت ہوا کہ جنیہ سے انسان کا نکاح ناجائز ہے اسی طرح بالعکس یہی جمہور کا مذہب ہے (ان میں سے ایک صاحب آکام مرجان ہیں) ۱

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا مخنث (ہیجڑے) جنوں کی اولاد ہیں اس لئے کہ اللہ (جل جلالہ) ورسولہ (ﷺ) نے روکا ہے کہ بحالت حیض جماع مت کرو جب کوئی (غلطی یا عمدًا) ایسے وقت جماع

marfat.ocm

کرتا ہے تو شیطان اس سے سبقت کر جاتا ہے اس سے عورت حاملہ ہوتی ہے تو بچہ مخنث (ہیجڑا) جنتی ہے یہی امام مجاہد کا قول ہے۔

مسئلہ جب مرد عورت سے جماع کرے اور بسم اللہ نہ پڑھے تو شیطان اس کے ذکر کو لپیٹ کر جماع میں اس کے ساتھ شریک رہتے ہیں۔

فائدہ لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جنات بھی انسان کی طرح جماع کرتے ہیں یہ حیض میں اور بسم اللہ پڑھنے سے جماع کرنے کی تحذیر ہے ایسے جیسے طعام کھاتے وقت بسم اللہ نہ پڑھنے سے شیطان کی شرکت کا کہا گیا ہے وغیرہ وغیرہ تو اس سے حقیقی شراکت مراد نہیں بلکہ اس فعل میں فعل ترک کے فساد و ضرر کا اظہار ہے تاکہ بندے غلط رویہ سے بچ جائیں (والعلم عند اللہ)

فائدہ قاصرات الطرف سے وہ حوریں مراد ہیں جو بہشت میں ہیں اور بہشت میں پیدا کی گئی ہیں نہ وہ کسی کام میں مصروف ہیں اور نہ ہی انہیں کوئی ہاتھ لگاتا ہے یہی جمہور کا مذہب ہے لیکن شعبی و کلبی نے کہا کہ اس سے یہ دنیوی وہ عورتیں مراد ہیں جن سے نشاۃ ثانیہ میں جماع نہیں ہوا وہ دنیا میں ثیب (بیوہ) ہو کر فوت ہوئیں یا باکرہ ہو کر۔

فبای الاء ربکما تکذبٰن تم اپنے پروردگار کی کون سی نعمتوں کی تکذیب کرتے ہو) یہ وہی نعمتیں ہیں جن سے تم ہی نفع اٹھاؤ گے (تو پھر تکذیب کیوں)

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ جنت میں فانی فی اللہ باقی باللہ حضرات کے لئے حوریں ہیں یعنی تجلیات ذاتیہ و معارف الہیہ و حکیم ربانیہ و اغیار کی نگاہوں سے مستور (پوشیدہ) ہیں نہ تو وہ عالم باہر پھرتی رہتی ہیں نہ ہی اپنے ازواج کے سوا غیروں کو نظر آتی ہیں بلکہ ان پر انس (الروح) جھانک کر دیکھ سکتا ہے اور یہی جان (النفس) ان کے اپنے میں بقاء اور ظلمت نفس اور کثافت طینت کی وجہ سے۔

تفسیر عالمانہ کانھن الیاقوت والمرجان گویا وہ یاقوت و مرجان ہیں۔ یہ قاصرات الطرف کی صفت المرجان کی تحقیق پہلے گزر چکی ہے۔

حل لغات الیاقوت وہ ایک سخت اور خشک اور صاف و شفاف پتھر ہے۔ وہ کئی قسم ہے سرخ، سفید،

marfat.ocm

زرد، سبز، نیلا۔ وہ ایسا پتھر ہے اس پر آگ اثر انداز نہیں ہوتی کہ دھنیت کی کمی کی وجہ سے اس میں سوراخ نہیں ہو سکتا اس کی غلیظ رطوبت کی وجہ سے ٹھنڈک اس پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ اس کی صلابت (سخت ہونا) کی وجہ سے بلکہ ہر روز اس کے حسن میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور نایاب اور قلیل الوجود ہے بالخصوص سرخ یہ اعلیٰ درجہ کا یاقوت ہے۔ اس کے بعد زرد اور یہ نار پر بہت زیادہ وقت بسر کر سکتا ہے بخلاف اس کی دوسری قسموں کے اور سبز تو آگ پر وقت بسر نہیں کر سکتا۔

فائدہ فن طب میں ہے کہ یواقیت میں قیمتی یاقوت رمانی ہے اور وہ ہے جس کے رنگ میں آگ کی ملاوٹ ہو گی یعنی سرخ۔

یاقوت کے فوائد

۱۔ یاقوت کا نگینہ پہننے والا طاعون سے محفوظ رہتا ہے اگرچہ تمام لوگ اس کی لپیٹ میں ہوں۔

۲۔ ایسا شخص آسمانی بجلی (جلانے والی) سے محفوظ ہو گا۔

۳۔ غرق (دریا وغیرہ) سے حفاظت۔

۴۔ یاقوت کامل یا اس کا کچھ حصہ کسی کی انگشتری یا ویسے اس کے پاس ہے تو وہ یاقوت بادشاہوں (افسروں) اور عوام کی نظروں میں معظم و معزز ہو گا۔

۵۔ یاقوت کا مرجان دافع ضرر زہر ہے۔

۶۔ قوت میں اضافہ کرتا ہے۔

فائدہ آیت میں معنی یہ ہے کہ وہ حوریں یاقوت کے مشابہ ہیں لبوں کی سرخی میں اور بیاض البشرہ اور اس کی صفائی میں مرجان کی طرح ہیں یعنی چھوٹے اور چمکیلے موتیوں کی طرح ہیں کیونکہ چھوٹے موتی بہ نسبت بڑے موتیوں کی چمک دمک میں زیادہ روشن اور بارونق ہوتے ہیں۔

فائدہ قتادہ نے فرمایا کہ وہ حوریں یاقوت کی صفائی والی اور مرجان کی سفید والی ہوں گی۔

حدیث شریف (۱) صفۃ الجنۃ میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ

marfat.ocm

ﷺ نے فرمایا ہر مرد کی دو زوجہ ہوں گی ہر زوجہ پر ستر حلّے (پوشاکیں) ہوں گی جن کی پنڈلی کا مغز ان کے خون گوشت اور چمڑے سے باہر نظر آئے گا۔

حدیث شریف (۲) حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا پہلا گروہ جو بہشت میں داخل ہو گا تو چودھویں رات کے چاند کی طرح ان کے چہرے چمکتے ہوں گے ان کے بعد وہ داخل ہوں گے جن کے چہرے روشن ترین ستارے کی طرح ہوں گے ان کے ہر ایک کا قلب ایک دوسرے کے عین مطابق ہو گا ان میں کسی قسم کا اختلاف و تناقص نہ ہو گا ان ہر ایک کے لئے دو زوجہ ہوں گی ان ہر ایک کے حسن کا یہ حال ہو گا کہ ان کی پنڈلیوں کا مغز ان کے گوشت اور خون سے باہر نظر آئے گا وہ لوگ صبح و شام میں تسبیح کرتے رہیں گے نہ بیمار ہوں گے اور نہ ہی ناک کی ریزش اور کھنگار کی آلائش پائیں گے اور نہ ہی تھوکیں گے ان کے برتن چاندی سونے کے ہوں گے ان کے کنگھے سونے کے اور کستوری کا لوبان جلائیں گے ان کی اپنی ذاتی مشک خالص مشک سی ہو گی۔

حدیث شریف (۳) حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا بہشتی کی حور (بہشتی عورت) کے حسن کا یہ حال ہو گا کہ اس کی پنڈلی کی سفیدی (چمک) ریشمی ستر حلوں (پوشاکوں) کے باہر نظر آئے گی۔ اور پنڈلی کا مغز بھی اللہ تعالیٰ انہیں عورتوں کے لئے فرماتا ہے کانھن الیاقوت والمرجان گویا یاقوت و مرجان ہیں۔

فائدہ یاقوت تو وہ پتھر ہے کہ اگر اس میں دھاگہ داخل کر کے دیکھا جائے تو وہ دھاگا باہر سے صاف نظر آئے گا۔ حضرت عمرو بن میمون رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ایک حورعین ستر حلے (پوشاکیں) بھی پہنے تب بھی اس کی پنڈلی کی صفائی باہر سے ایسے نظر آئے گی جیسے سرخ شراب صاف صفاف سفید گلاس سے۔ فبای الاء ربکما تکذبن تو تم اپنے پروردگار کی کونسی نعمتوں کی تکذیب کرتے ہو۔ ان نعمتوں کی جو تمہاری نظر سے متعلق اور ان سے تم متمتع ہوں گے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ یہ حوریں عرفانیہ و حسناء احسانیہ تجلیات۔ سط و انشراح کی یاقوتی تجلیات اور جمال و کمال کی تجلیات کی مرجان ہیں جن کے ہونٹوں کی سرخی کی لطافت یاقوت احمر جیسی ہے اور فطرت کی طراوت مرجان ابیض کی طرح تو تم اپنے پروردگار کی کون سی نعمتوں کی تکذیب کرتے ہو۔ مشبہ کی یا مشبہ بہ کی۔

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ هل جزاء الاحسان الا الاحسان احسان کی جزاء نہیں مگر احسان۔

قاعدہ لفظ هل لفظ چار کے وجوہ ہیں۔

۱۔ بمعنی قَدْ اللہ تعالٰی نے فرمایا هل اتی

۲۔ بمعنی للامر اللہ تعالٰی نے فرمایا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ بمعنی فَانْتَهُوْا (تم رک جاؤ)

۳۔ بمعنی استفہام اللہ تعالٰی نے فرمایا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّاوَعَدَرَبُّكُمْ حَقًّا تو کیا تم نے پایا حق اسے جو تمہارے رب نے تمہارے ساتھ کیا تھا۔

۴۔ بمعنی جحد (انکار) جیسے اسی آیت میں ہے کہ فرمایا هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ احسان کی جزاء نہیں مگر احسان ثواب ہیں۔

حدیث شریف حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے یہی آیت پڑھ کر پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا ہم نے کہا اللہ ورسولہ اعلم اللہ تعالٰی اور اس کا رسول ﷺ خوب جانتے ہیں۔ فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا نہیں جزاء اس کی جسے میں معرفت و توحید سے نوازوں مگر یہ کہ میں اسے اپنی جنت اور خطیرۂ قدس میں ٹھہراؤں اپنی رحمت اور فضل و کرم سے۔

فائدہ حضرت کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ نیکی کی جزاء نیک ہے طاعات کی جزاء بلند درجات کی صورت میں عطا ہوگی اور شکر کا بدلہ دیں گے بہت زیادہ اور نفوس کو فرحت و سرور بخشیں گے اور توبہ قبول فرمائیں گے اور دعا مستجاب ہوگی۔ سائل کو عطا نصیب ہوگی اور استغفار والے کو مغفرت اور جو دنیا میں اللہ تعالٰی سے خوف کرے گا اسے آخرت میں امن ملے گا اور فانی فی اللہ ہوگا اسے باقی باللہ بنائیں گے۔

هر کہ در راہ محبت شد فنا یافت از بحر لقا در بقا
هر کرا شمشیر شوقش سر برید میوۂ وصل از درخت شوق چید

ترجمہ ۱۔ جو راہ محبت میں فانی ہوا اس نے بحر بقا کے موتی پائے۔

۲۔ شوق کی تلوار نے سر کاٹا اس نے درخت شوق میوہ وصل چنا۔[1]

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(حاشیہ لہ یہ عشق الٰہی سے سرشار ہونے والوں کے لئے ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف ایسے مائل ہوئے کہ انہیں ماسوی اللہ کی پرواہ تک نہیں ہوتی اور عشق کا یہی دستور ہے کہ جب کسی کو کسی سے عشق ہو جاتا ہے تو پھر وہ معشوق کے سوا کسی طرف التفات نہیں کرتا اس کی ایک مثال حضرت زلیخا رضی اللہ عنہ کی ہے کہ انہوں نے یوسف علیہ السلام کی محبت میں اپنا حسن اور مال و دولت قربان کر دیا۔ زلیخا کے پاس ستر اونٹوں کے بوجھ کے برابر جواہر اور موتی تھے جو عشق یوسف میں نثار کر دیئے۔ جب بھی کوئی یہ کہہ دیتا ہے کہ میں نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا ہے تو وہ اسے بیش قیمت ہار دے دیتی یہاں تک کہ کچھ بھی باقی نہ رہا۔ اس نے ہر چیز کا نام یوسف رکھ چھوڑا تھا اور فرط محبت میں یوسف علیہ السلام کے سوا سب کچھ بھول گئی تھی۔ جب آسمان کی طرف دیکھتی تو اسے ہر ستارے میں یوسف کا نام نظر آتا تھا۔

کہتے ہیں کہ جب زلیخا ایمان لائی اور حضرت یوسف علیہ السلام کی زوجیت میں داخل ہوئی تو سوائے عبادت و ریاضت اور توجہ الی اللہ کے اسے کوئی کام نہ تھا اگر یوسف علیہ السلام اسے دن کو اپنے پاس بلاتے تو کہتی رات کو آؤں گی اور رات کو بلاتے تو دن کا وعدہ کرتی۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا زلیخا!!! تو تو میری محبت میں دیوانی تھی جواب دیا یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب میں آپ کی محبت کی ماہیت سے واقف نہ تھی۔ اب میں اپ کی محبت کی حقیقت پہچان چکی ہوں اس لئے اب میری محبت میں تمہاری شرکت بھی گوارہ نہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا مجھے اللہ نے اس بات کا حکم فرمایا ہے اور مجھے بتلایا ہے کہ تیرے بطن سے اللہ تعالیٰ دو بیٹے عطا کرے گا اور دونوں کو نبوت سے سرفراز فرمایا جائے گا۔ زلیخا نے کہا اگر یہ حکم خداوندی ہے اور اس میں حکمت الٰہی ہے تو میں سر تسلیم کرتی ہوں۔

یا اس کی مثال حضرت مجنوں علیہ الرحمتہ کی ہے چنانچہ مجنوں سے کسی نے پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ بولا لیلیٰ!۔ ایک دن اس سے کسی نے کہا کیا لیلی مر گئی مجنوں نے جواب دیا لیلی نہیں مری وہ تو میرے دل میں ہے اور میں ہی لیلی ہوں' ایک دن جب مجنوں کا لیلیٰ کے گھر سے گزر ہوا تو وہ ستاروں کو دیکھتے ہوئے گزرنے لگا کسی نے کہا نیچے دیکھو شاید تمہیں لیلیٰ نظر آجائے۔ مجنوں بولا میرے لئے لیلیٰ کے گھر کے اوپر چمکنے والے ستارے کی زیارت ہی کافی ہے۔

عشق الٰہی کی محبت کی ابتداء اور انتہا جب منصور حلاج کو قید میں اٹھاون دن گزر گئے تو جناب شبلی رحمتہ

marfat.ocm

(باقی آگے)

اللہ علیہ نے ان کے پاس جاکر دریافت کیا اے منصور محبت کیا ہے منصور نے جواب دیا آج نہیں کل یہ سوال پوچھنا جب دوسرا دن ہوا اور انہیں قید سے نکال کر مقتل کی طرف لے جایا جارہا تھا تو منصور نے شبلی کو دیکھ کر فرمایا شبلی محبت کی ابتداء جلنا اور انتہا قتل ہونا ہے۔

حکایت ایک آدمی دریائے فرات میں نہا رہا تھا اس نے سنا کہ کوئی شخص یہ آیت پڑھ رہا ہے وَامۡتَازُوا الۡيَوۡمَ اَيُّهَا الۡمُجۡرِمُوۡنَ (اے مجرمو! آج علیحدہ ہو جاؤ) یہ سنتے ہی وہ تڑپنے لگا اور ڈوب کر مر گیا۔

محمد بن عبداللہ بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں میں نے بصرہ میں ایک بلند مقام پر کھڑے ہوئے ایک نوجوان کو دیکھا جو لوگوں سے کہہ رہا تھا کہ جو عاشقوں کی موت مرنا چاہے اسے اس طرح مرنا چاہئے (کیونکہ عشق میں موت کے بغیر کوئی لطف نہیں ہے) اتنا کہا اور وہاں سے خود کو گرایا' لوگوں نے جب اسے اٹھایا تو وہ دم توڑ چکا تھا۔
جناب جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ تصوف اپنی پسند کو ترک کر دینے کا نام ہے۔

عاشق کی پہچان ایک شیخ سے عاشق کے متعلق پوچھا گیا انہوں نے کہا عاشق میل ملاپ سے دور' تنہائی پسند' غور و فکر میں ڈوبا ہوا اور چپ چاپ رہتا ہے۔ جب اسے دیکھا جائے وہ نظر نہیں آتا جب بلایا جائے تو سنتا نہیں۔ جب بات کی جائے تو سمجھتا نہیں لو جب اس پر کوئی مصیبت آ جائے تو غمگین نہیں ہوتا' وہ بھوک کی پرواہ اور برہنگی کا احساس نہیں رکھتا۔ کسی کی دھمکیوں سے مرعوب نہیں ہوتا' وہ تنہائی میں اللہ تعالیٰ سے التجائیں کرتا ہے اس کی رحمت سے انس و محبت رکھتا ہے وہ دنیا کے لئے دنیا والوں سے نہیں جھگڑتا۔
جناب ابو تراب بخشی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے عشق کی علامات میں یہ چند شعر کہے ہیں۔

لا تخدعن فلل حبیب دلائل ولدمن دیہ تحف الحبیب وسائل
منہا تنعمہ بمر بلائہٖ وسرورہ فی کل ما ہو فاعل
فالمنع منہ عطیتہ مقبولتہ والفقر اکرام وبرّ عاجل
ومن الدلائل ان یریٰ فی عزمہٖ طوع الحبیب وان الحّ العاذل
ومن الدلائل ان یریٰ متبسمًا والقلب فیہ من الحبیب بلائل
ومن الدلائل ان یریٰ متعجمًا لکلام من یخطی لدیہ السائل

(خزینہ جامی)

marfat.ocm

ومن الدلائل ان یری متقشفا   متحفظاً من کل ما ھو قائل

ترجمہ   ۱۔ تو دھوکہ نہ دے کیونکہ محبوب کے پاس دلائل اور عاشق کے پاس محبوب کے تحفوں کے وسائل ہیں۔

۲۔ ایک علامت یہ ہے کہ وہ اپنی تلخ آزمائش سے لطف اندوز ہوتا ہے اور محبوب جو کرتا ہے وہ اس پر خوش ہوتا ہے۔

۳۔ اس کی طرف سے منع کرنا بھی عطیہ ہے اور فقر اس کے لئے عزت افزائی اور ایک فوری نیکی ہے۔

۴۔ ایک علامت یہ ہے کہ وہ محبوب کی اطاعت کا پختہ ارادہ رکھتا ہے اگر اسے ملامت کرنے والے ملامت کریں۔

۵۔ ایک علامت یہ ہے کہ تم اسے مسکراتا ہوا پاؤ گے اگرچہ اس کے دل میں محبوب کی طرف سے آگ سلگ رہی ہوتی ہے۔

۶۔ اور ایک علامت یہ ہے کہ تم اسے خطاکاروں کی گفتگو سمجھتا ہوا پاؤ گے۔

۷۔ ایک علامت یہ ہے کہ تم اسے ہر اس بات کا حفاظت کرنے والا پاؤ گے جسے وہ کہتا ہے۔

حکایت   حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک جوان کے قریب سے گزرے جو باغ کو پانی دے رہا تھا، اس نے آپ سے کہا اللہ سے دعا کیجئے۔ اللہ تعالیٰ مجھے ایک ذرہ اپنے عشق کا عطا فرمادے۔ آپ نے فرمایا ایک ذرہ بہت بڑی چیز ہے تم اس کے تحمل کی استطاعت نہیں رکھتے۔ کہنے لگا اچھا آدھے ذرہ کا سوال کیجئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے سوال کیا اے اللہ! اسے آدھا ذرہ اپنے عشق کا عطا فرمادے۔ اس کے حق میں یہ دعا کر کے آپ وہاں سے روانہ ہو گئے۔

کافی مدت کے بعد آپ پھر اسی راستہ سے گزرے اور اس جوانؑ کے متعلق سوال کیا لوگوں نے کہا وہ تو دیوانہ ہو گیا۔ اور کہیں پہاڑوں کی طرف نکل گیا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رب سے دعا کی اے اللہ! میری اس جوان سے ملاقات کرادے، پس آپ نے دیکھا وہ ایک چٹان پر کھڑا آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا آپ نے اسے سلام کہا مگر وہ خاموش رہا۔ آپ نے کہا مجھے نہیں جانتے میں عیسیٰ ہوں؟ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اے عیسیٰ جس کے دل میں میری محبت کا آدھا ذرہ موجود ہو وہ انسانوں کی بات کیسے سنے گا مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم

marfat.ocm

اگر اسے آری سے دو ٹکڑے بھی کر دیا جائے تو اسے محسوس نہ ہو گا۔

جو شخص تین باتوں کا دعویٰ کرتا ہے خود ان کو تین چیزوں سے پاک نہیں رکھتا تو اس کا دعویٰ باطل ہے۔

۱۔ جو شخص ذکر خدا کی حلاوت پانے کا دعویٰ کرتا ہے مگر دنیا سے بھی محبت رکھتا ہے۔

۲۔ جو اپنے اعمال میں اخلاص کا دعویٰ کرتا ہے مگر لوگوں سے اپنی عزت افزائی کا خواہش مند ہے۔

۳۔ جو اپنے خالق کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے مگر اپنے نفس کو ذلیل نہیں کرتا۔

فرمان نبوی ہے کہ میری امت پر عنقریب ایسا زمانہ آنے والا ہے جب وہ پانچ چیزوں سے محبت کریں گے اور پانچ چیزوں کو بھول جائیں گے۔

۱۔ دنیا سے محبت رکھیں گے' آخرت کو بھول جائیں گے۔

۲۔ مال سے محبت رکھیں گے' آخرت کو بھول جائیں گے۔

۳۔ مخلوق سے محبت رکھیں گے مگر خالق کو بھول جائیں گے۔

۴۔ گناہوں سے محبت رکھیں گے مگر توبہ کو بھول جائیں گے۔

۵۔ مکانوں سے محبت رکھیں گے اور قبر کو بھول جائیں گے۔

حضرت منصور بن عمار رحمتہ اللہ علیہ نے ایک جوان کو نصیحت کرتے ہوئے کہا اے جوان تجھے تیری جوانی دھوکے میں نہ ڈالے' جتنے جوان ایسے تھے جنہوں نے توبہ کو موخر اور اپنی امیدوں کو طویل کر دیا۔ موت کو بھلا دیا اور یہ کہتے رہے کہ کل توبہ کر لیں گے پرسوں توبہ کر لیں گے یہاں تک کہ اسی غفلت میں ملک الموت آ گیا اور اندھیری قبر میں جا سوئے' نہ انہیں مال نے' نہ غلاموں نے' نہ اولاد نے اور نہ ہی ماں باپ نے کوئی فائدہ دیا فرمان الٰہی لاینفع مال ولا بنون الخ مومن کو چاہیے کہ ہر گھڑی توبہ کرتا رہے اور گزشتہ گناہوں سے شرماتا رہے' تھوڑی سی متاع دنیا پر راضی رہے' دنیاوی مشاغل کو بھول کر آخرت کی فکر کرے اور خلوص قلب سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا رہے۔

ایک بخیل منافق ایک منافق انتہائی بخیل تھا' اس نے اپنی بیوی کو قسم دی کہ اگر تو نے کسی کو کچھ دیا تو تجھ پر طلاق ہے۔ ایک دن ایک سائل ادھر آ نکلا اور اس نے خدا کے نام پر سوال کیا' عورت نے اسے تین روٹیاں دے دیں

' واپسی میں اسے وہی بخیل مل گیا اور پوچھا تجھے یہ روٹیاں کس نے دی ہیں؟ سائل نے اس کے گھر کے متعلق بتایا کہ مجھے وہاں سے ملی ہیں بخیل تیز قدموں سے گھر کی طرف چل پڑا اور گھر پہنچ کر بیوی سے بولا میں نے تجھے قسم نہیں دی تھی کہ کسی سائل کو کچھ نہیں دینا؟ بیوی بولی سائل نے اللہ کے نام پر سوال کیا تھا لہٰذا میں رد نہ کر سکی۔

کنجوس نے جلدی سے تنور بھڑکایا ' جب تنور سرخ ہو گیا تو بیوی سے کہا اٹھو اللہ کے نام پر تنور میں داخل ہو جا۔ عورت کھڑی ہو گئی اور اپنے زیورات لے کر تنور کی طرف چل پڑی کنجوس چلایا کہ زیورات تو یہیں چھوڑ جا۔ عورت نے کہا آج میرا محبوب سے ملاقات کا دن ہے میں اس کی بارگاہ میں بن سنور کر جاؤں گی۔ اور جلدی سے تنور میں گھس گئی۔ اس بدبخت نے تنور کو بند کر دیا۔ جب تین دن گزرے گئے تو اس نے تنور کا ڈھکنا اٹھا کر اندر جھانکا مگر یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ عورت اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اس میں صحیح و سالم بیٹھی ہوئی تھی ہاتف غیبی نے آواز دی کیا تجھے علم نہیں کہ آگ ہمارے دوستوں کو نہیں جلاتی۔

سیدنا شبلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود فرماتے ہیں کہ ایک رات میں نے نبی ﷺ کے دیدار بحت اسرار سے خواب میں مشرف ہوا۔ آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا بسر حاتی! جانتے ہو اللہ نے تمہیں تمہارے ہم عصروں سے بلند مقام کیوں دیا ہے؟ میں نے عرض کی نہیں یا رسول اللہ آپ نے فرمایا اس لئے کہ تم نیکوں کی خدمت کرتے ہو دوستوں کو نصیحت کرتے ہو میری سنت اور اہل سنت سے محبت رکھتے ہو اور اپنے دوستوں سے حسن سلوک روا رکھتے ہو۔

فرمان نبوی ہے جس نے میری سنت کو زندہ کیا اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ قیامت کے دن میرے ساتھ ہو گا۔

شرعتہ الاسلام اور آثار مشہورہ میں ہے جب مذہب میں فتنے پیدا ہو جائیں اور خلوق میں پراگندگی رونما ہو جائے اس وقت حضور ﷺ کی سنت پر عمل پیرا ہونے کا ثواب سو شہیدوں کے اجر کے برابر ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا میری تمام امت جنت میں جائے گی مگر جس نے انکار کیا ' عرض کی گئی حضور! انکار کس نے کیا؟ آپ نے فرمایا جس نے میرا اتباع کیا وہ جنت میں جائے گا جس نے میری نافرمانی کی اس نے گویا انکار کیا ' ہر وہ عمل جو میرے طریقے کے مطابق نہیں وہ گناہ ہے۔ (جاری)

marfat.ocm

ایک عارف باصفا کا ارشاد ہے اگر تو کسی شیخ کو ہوا پر اڑتا ہوا یا پانی پر چلتا ہوا یا آگ وغیرہ کھاتا ہوا دیکھے لیکن وہ عمداً اللہ کے کسی فرض یا نبی کی کسی سنت کا تارک ہو تو وہ جھوٹا ہے اس کا دعویٰ محبت باطل ہے اور یہ اس کی کرامت نہیں استدراج ہے۔ (وہ خرق عادت جو کسی غیر مسلم سے سرزد ہو)

حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ کوئی شخص بھی اللہ تک اس کی توفیق کے بغیر نہیں پہنچا اور اللہ تک پہنچنے کا راستہ محمد ﷺ کی اقتداء و اتباع ہے۔

حضرت احمد الحواری رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اتباع سنت کے بغیر ہر عمل باطل ہے۔ شرعتہ الاسلام فرمان نبوی ﷺ ہے کہ جس نے میری سنت کو ضائع کیا اس پر میری شفاعت حرام ہے۔

اللہ کا دیوانہ عاشق ایک شخص نے ایک دیوانے سے ایک ایسا عمل سرزد ہوتے دیکھا جو خلاف توقع تھا وہ حضرت معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچا اور واقعہ کہہ سنایا آپ نے کہا اللہ کے بہت سے عشاق ہیں، کچھ چھوٹے ہیں کچھ بڑے، کچھ عقلمند ہیں اور کچھ دیوانے ہیں جس شخص کو تم نے دیکھا ہے وہ اللہ کا عاشق دیوانہ ہے۔

حکایت حضرت جنید کہتے ہیں کہ ہمارے شیخ سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ بیمار ہو گئے ہمیں ان کی بیماری کے اسباب کا پتہ نہیں چل رہا تھا، کسی نے ہمیں ایک حکیم حاذق کا پتہ بتلایا ہم ان کا قارورہ اس حکیم کے پاس لے گئے وہ حکیم کچھ دیر توجہ سے اسے دیکھتا رہا پھر بولا یہ کسی عاشق کا قارورہ نظر آتا ہے یہ سنتے ہی میں بیہوش ہو گیا اور بوتل میرے ہاتھ سے گر گئی، جب میں نے سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ کو واپس آکر واقعہ بتلایا تو انہوں نے تبسم فرمایا اور فرمایا اسے اللہ سمجھائے! اس نے یہ کیسے معلوم کر لیا میں نے پوچھا کیا محبت کے اثرات پیشاب میں بھی ظاہر ہوتے ہیں آپ نے فرمایا ہاں۔

حضرت فضیل رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے، جب تجھ سے پوچھا جائے تو اللہ سے محبت کرتا ہے تو چپ ہو جا کیونکہ اگر تو نفی میں جواب دے گا تو یہ کفر ہو گا اور اگر ہاں کہے گا تو تیرے اندر عاشقوں جیسے کوئی صفت ہی موجود نہیں ہے (اسی طرح تو جھوٹا سمجھا جائے گا) بس خاموشی اختیار کر کے ناراضگی سے بچ جا۔

حضرت سفیان رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کے دوست کو دوست رکھتا ہے وہ اللہ کو دوست رکھتا ہے

marfat.ocm

([illegible])

اور جو اللہ تعالیٰ کے احترام کرنے والے کا احترام کرتا ہے وہ اللہ کا احترام کرتا ہے۔

حضرت سہل رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے حب خدا کی نشانی حب قرآن ہے حب خدا اور حب قرآن کی نشانی حب نبی ہے اور حب نبی کی نشانی نبی کی سنت سے محبت ہے اور حب سنت کی نشانی آخرت کی محبت ہے' آخرت کی محبت دنیا سے بغض کا نام ہے اور دنیا سے بغض کی نشانی معمولی مال دنیا پر راضی ہونا اور آخرت کے لئے دنیا کو خرچ کرنا ہے۔

حضرت ابوالحسن زنجانی رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے 'عبادت کی بنیاد تین چیزیں ہیں آنکھ دل زبان آنکھ عبرت کے لئے ہے دل غور و فکر کے لئے اور زبان سچائی کا گہوارہ اور ذکر و تسبیح کے لئے ہو' چنانچہ فرمان الٰہی ہے۔ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (تم اللہ کا بہت زیادہ ذکر کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح بیان کرو)

حکایت حضرت عبداللہ اور احمد بن حرب ایک جگہ گئے احمد بن حرب نے وہاں خشک گھاس کا ایک ٹکڑا کاٹا' حضرت عبداللہ نے حضرت احمد بن حرب سے کہا تجھے پانچ چیزیں حاصل ہو گئیں تیرے اس فعل سے تیرا دل اللہ کی تسبیح سے غافل ہوا' تو نے اپنے نفس کو اللہ کے ذکر کے ماسوا کاموں کی عادت ڈالی تو نے اپنے نفس کے لئے ایک راستہ بنایا جس میں وہ تیرے پیچھے پڑے گا' تو نے اسے اللہ کی تسبیح سے روکا اور قیامت کے لئے اپنے نفس کو رب کے سامنے ایک حجت دے دی۔

حضرت شیخ سری رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں میں نے شیخ جرجانی کے پاس پسے ہوئے ستو دیکھے' میں نے پوچھا آپ ستو کے علاوہ اور کچھ کیوں نہیں کھاتے؟ انہوں نے جواب دیا میں نے کھانا چبانے اور ستو پینے میں ستر تسبیحوں کا اندازہ لگایا ہے چالیس سال ہوئے میں نے روٹی کھائی ہی نہیں تاکہ ان تسبیحوں کا وقت ضائع نہ ہو۔

حضرت سہل بن عبداللہ رحمتہ اللہ علیہ پندرہ دن میں صرف ایک مرتبہ کھانا کھاتے اور جب ماہ رمضان آتا تو مہینے میں صرف ایک مرتبہ کھانا کھاتے' بعض اوقات تو وہ ستر دنوں تک بھی کچھ نہ کھاتے۔ جب آپ کھانا کھاتے تو کمزور ہو جاتے اور بھوکے رہتے تو قوی ہو جاتے تھے۔

حضرت ابو حماد الاسود رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ تیس برس کعبہ کے مجاور رہے مگر کسی نے انہیں کھاتے پیتے

(حاشیہ جاری)

marfat.ocm

نہیں دیکھا اور نہ ہی وہ ایک لمحہ اللہ کے ذکر سے غافل رہے۔

حکایت حضرت عمرو بن عبید رحمتہ اللہ علیہ تین کاموں کے علاوہ کبھی گھر سے باہر نہ نکلتے نماز باجماعت کے لئے، مریضوں کی عیادت کے لئے اور جنازوں میں شرکت کے لئے، اور وہ فرماتے ہیں میں نے لوگوں کو چور اور رہزن پایا، عمر ایک عمدہ جوہر ہے جس کی قیمت کی تصور نہیں کیا جا سکتا لہذا اس سے آخرت کے لئے خزانہ کرنا چاہئے اور آخرت کے طلب گار کے لئے ضروری ہے کہ وہ دنیا میں ریاضت کرے تاکہ اس کا ظاہر اور باطن ایک ہو جائے، ظاہر و باطن اختیار حاصل کئے بغیر حالت کا سنبھالنا مشکل ہے۔

حکایت حضرت شبلی رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ابتدائے ریاضت میں جب مجھے نیند آتی ہے تو میں آنکھوں میں نمک کی سلائی لگاتا، جب نیند زیادہ تنگ کرتی تو میں گرم سلائی آنکھوں میں پھیر لیتا۔

حضرت ابراھیم بن حاکم رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے، میرے والد محترم کو جب نیند آنے لگتی تو وہ دریا کے اندر تشریف لے جاتے اور اللہ کی تسبیح کرنے لگتے جسے سُن کر دریا کی مچھلیاں اکٹھی ہو جاتیں اور وہ بھی تسبیح کرنے لگتیں۔

حضرت وہب منبہ رحمتہ اللہ علیہ نے رب سے دعا مانگی، میری رات کی نیند اڑا دے۔ اللہ نے ان کی دعا قبول کی اور انہیں چالیس برس تک نیند نہ آئی (اس طرح تمام راتیں انہوں نے عبادت میں بسر کیں)

حضرت حسن حلاج رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے جسم کو ٹخنوں سے گھٹنوں تک تیرہ جگہوں سے بیڑیوں میں جکڑ رکھا تھا اور اسی حالت میں وہ دن رات میں ایک ہزار رکعت نفل ادا کرتے تھے۔

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ ابتدائے حال میں بازار میں جاتے اور اپنی دکان کھول کر اس کے آگے پردہ ڈال دیتے اور چار سو رکعت نفل ادا کر کے دکان بند کر کے گھر واپس آ جاتے۔

حضرت حبشی بن داؤد رحمتہ اللہ علیہ نے چالیس سال عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی۔

لہذا ہر مومن کے لئے ضروری ہے کہ وہ باوضو رہے، جب بے وضو ہو جائے تو فوراً وضو کر کے دو رکعت نفل ادا کرے، ہر مجلس میں قبلہ رو بیٹھے، حضور دل اور مراقبہ کے ساتھ یہ تصور کرے کہ وہ حضور ﷺ کے سامنے مواجہہ شریف میں بیٹھا ہے، تحمل اور بردباری کو اپنے افعال میں لازم رکھے، دکھ جھیلے مگر برائی کا بدلہ برائی سے

(جاری)

marfat.ocm

نہ دے' گناہوں سے استغفار کرتا رہے' خود بینی اور ریا کے قریب نہ جائے کیونکہ خود بینی شیطان کی صفت ہے' اپنے آپ کو حقارت سے اور نیک لوگوں کو احترام سے دیکھے اس لئے کہ جو شخص نیکوں کے احترام کو نہیں جانتا اللہ تعالیٰ اسے ان کی صحبت سے محروم کر دیتا ہے اور جو شخص عبادت کی حرمت و عظمت کو نہیں جانتا اللہ تعالیٰ اس کے دل سے عبادت کی شیرینی نکال لیتا ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض سے ایک سوال حضرت فضیل بن عیاض رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا گیا اے ابو علی! آدم نیک کب ہوتا ہے۔ فرمایا جب اس کی نیت میں نصیحت' دل میں خوف' زبان پر سچائی اور اس کے اعضاء سے اعمال صالحہ کا صدور ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے شب معراج نبی ﷺ سے فرمایا اے احمد (ﷺ) اگر آپ کو تمام لوگوں سے زیادہ پرہیزگار بننا پسند ہے تو دنیا سے بے رغبتی اور آخرت سے رغبت کیجئے۔ آپ نے عرض کی الہٰ العلمین! دنیا سے بے رغبتی کیسے ہو؟ فرمان الہٰی ہوا دنیا کے مال سے بقدر ضرورت کھانے پینے اور پہننے کی چیزیں لے لیجئے اور بس؟ کل کے لئے ذخیرہ نہ کیجئے اور ہمیشہ میرا ذکر کرتے رہیے حضور ﷺ نے دریافت فرمایا ذکر پر دوام کیسے ہو؟ جواب ملا لوگوں سے علیحدگی اختیار کیجئے' نماز کو اور بھوک کو اپنی غذا بنایئے۔ فرمان نبوی ہے! دنیا سے کنارہ کشی جسم و جان کی تازگی ہے اور دنیا میں رغبت میں غم و اندوہ کی فراوانی ہے' دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے اور کنارہ کشی ہر خیرو برکت کی بنیاد ہے۔

دل کی بیماری کا علاج ایک صالح شخص کا ایک جماعت کے پاس سے گزر ہوا وہاں ایک معالج بیماریوں اور دوائیوں کا ذکر کر رہا تھا' صالح جوان نے پوچھا اے جسموں کے معالج! کیا تیرے پاس دلوں کا بھی علاج ہے' وہ بولا ہاں بتاؤ' دل میں کیا بیماری ہے؟ صالح جوان نے کہا گناہوں کی ظلمت نے اسے سخت کر دیا ہے۔ معالج نے کہا اس کا علاج صبح و شام گریہ و زاری' استغفار' رب غفور کی اطاعت میں سعی اور اپنے گناہوں پر معذرت طلبی ہے' دوا تو یہ ہے' شفاء رب کے پاس ہے' وہ صالح جوان اتنا سنتے ہی بے حال ہو گیا اور کہنے لگا تم واقعی اچھے طبیب ہو' تم نے لاجواب علاج بتلایا۔ معالج نے کہا یہ اس دل کا علاج ہے جو تائب ہو کر اپنے رب کے حضور آ گیا ہو۔

دو آقاؤں کی خدمت ایک شخص نے ایک غلام خریدا غلام نے کہا اے مالک میری تین شرطیں ہیں۔

marfat.ocm

(زحاشیہ جاری)

نسخہ روحانی خلاصہ احسان از عبد فناء فی اللہ اور مولی سے اعطاء الوجود الحقانی۔

سبق ہر آن اور ہر وقت احسان کا دامن تھامو اللہ تعالیٰ محسن کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔

[illegible]

۱۔ جب نماز کا وقت آئے تو مجھے اس کے ادا کرنے سے نہ روکنا۔

۲۔ دن کو مجھ سے جو چاہو کام لو مگر رات کو نہیں۔

۳۔ مجھے ایسا کمرہ دو جس میں میرے سوا کوئی نہ آئے۔

مالک نے تینوں شرطیں منظور کرتے ہوئے گھر میں رہنے کے لئے کوئی کمرہ پسند کر لو' غلام نے ایک خراب سا کمرہ پسند کر لیا۔ مالک بولا تو نے خراب کمرہ کیوں پسند کیا۔ غلام نے جواب دیا اے مالک یہ خراب کمرہ اللہ کے یہاں چمن ہے۔ چنانچہ وہ دن کو مالک کی خدمت کرتا اور رات کو اللہ کی عبادت میں مشغول ہو جاتا۔ ایک رات اس کا مالک وہاں سے گزرا تو اس نے دیکھا کمرہ منور ہے غلام سجدہ میں ہے اور اس کے سر پر ایک نورانی قندیل معلق ہے اور وہ آہ و زاری کرتے ہوئے کہہ رہا ہے' یاالٰہی! تو نے مجھ پر مالک کی خدمت واجب کر دی ہے اگر مجھ پر یہ ذمہ داری نہ ہوتی تو میں صبح و شام تیرے عبادت میں مشغول رہتا' اے اللہ! میرا عذر قبول فرما لے۔ مالک ساری رات اس کی عبادت دیکھتا رہا یہاں تک کہ صبح ہو گئی' قندیل بجھ گئی اور کمرے کی چھت حسب سابق ہموار ہو گئی وہ واپس لوٹا اور اپنی بیوی کو سارا ماجرا سنایا۔

جب دوسری رات ہوئی تو وہ اپنی بیوی کو ساتھ لے کر وہاں پہنچ گیا' وہاں دیکھا تو غلام سجدہ میں تھا اور نورانی قندیل روشن تھی' وہ دونوں دروازے پر کھڑے ہو گئے' اور ساری رات اسے دیکھ کر روتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو انہوں نے غلام کو بلا کر کہا ہم نے تجھے اللہ کے نام پر آزاد کر دیا ہے' تاکہ تو فراغت سے اس کی عبادت کر سکے۔ غلام نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور کہا۔

یا صاحب السر ان السر قد ظهرا ولا ارید حیوتی بعد ما اشتهرا

ترجمہ اے صاحب راز' راز ظاہر ہو گیا' اب میں اس افشائے راز اور شہرت کے بعد زندگی نہیں چاہتا۔

پھر کہا اے الٰہی! مجھے موت دے دے اور گر کر مر گیا۔ واقعی صالح' عاشق اور طالب مولی لوگوں کے حالات

حکایت حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کافر بڑھیا کو دیکھا کہ وہ سردی کے موسم میں پرندوں کو دانے کھلا رہی ہے اللہ تعالیٰ اجنبی سے خیرات قبول نہیں کرتا بڑھیا نے کہا میرا کام ہے خدمت کرنا قبول کرے یا نہ کرے ' پھر ایک عرصہ کے بعد حضرت ذوالنون مصری نے اسی بڑھیا کو حرم کعبہ میں دیکھا بڑھیا نے کہا اے ذولنون! مجھے اللہ تعالیٰ نے دولت اسلام سے نوازا ہے صرف دانوں کی ایک مٹھی کی برکت سے۔

حکایت حجاج کے راستہ کو ایک خوفناک جانور نے روک رکھا تھا اہل قافلہ نے سمجھا کہ وہ پیاسا ہے اسی لئے ایک ہاتھ میں تلوار دوسرے میں مشک پانی بھر کر اس کے آگے رکھ دی اس نے تمام پانی پی کر راستہ چھوڑ کر چلا گیا یہاں تک کہ آنکھوں سے اوجھل ہو گیا یہ قافلہ حج سے فراغت پا کر واپس لوٹا تو اسی شخص (جس نے جانور کو پانی پلایا تھا) کو رستہ میں نیند آ گئی جس کی وجہ سے قافلہ دور نکل گیا اکیلا جنگل میں پریشان تھا اچانک دیکھا کہ ایک شخص سواری لایا ہے اور کہا کہ اس پر سوار ہو جائیے اس شخص نے اسے قافلے تک پہنچا کر واپس لوٹنے لگا اس نے پوچھا اپ کون ہیں فرمایا میں وہی ہوں جسے تو نے مشک پانی کی پلائی تھی۔

حکایت منقول ہے کہ ایک عورت نے سائل کو ایک لقمہ روٹی کا دیا۔ جنگل میں اچانک بھیڑیئے نے اس کا لڑکا اٹھا لیا ایک شخص نے بھاگ کر بھیڑیئے کے منہ سے بچہ نکال کر اس عورت کے آگے ڈال دیا۔ عورت نے پوچھا آپ کون ہیں فرمایا یہ لقمہ (بچہ) اس لقمہ کا بدلہ ہے جو تو نے سائل کو فرما دیا تھا۔

فائدہ حضرت حسن رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا احسان عام ہے اس سے کوئی احسان مراد نہیں وہ بارش ہوا ' سورج چاند کی طرح ہو۔

مسئلہ بعض محققین فرماتے ہیں کہ جنت اعمال کی جزاء ہے تو توحید کی جزاء رویتہ حق ہے اللہ تعالیٰ کا ذکر احسان کی بہترین انواع ہے۔

فضائل لاالہ الا اللہ (ا) مروی ہے کہ جب بندہ کہتا ہے لاالہ الا اللہ تو یہ کلمہ اس کے عمل نامہ میں لکھا جاتا ہے تو یہ کلمہ جہاں سے گزرتا ہے اس کے گناہوں کو مٹایا جاتا ہے یہاں تک کہ قیامت میں یہ شخص نیکیاں ہی نیکیاں

marfat.ocm

پائے گا جو اس کے قرب میں ہوں گی۔

(۲) حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میری ایسے کلمہ کی طرف رہبری فرمائیے جو مجھے بہشت میں داخل کرے اور دوزخ سے دور کرے۔ آپ نے فرمایا جب تم سے گناہ ہو جائے تو فورا نیکی کر لیا کرو کیونکہ ایک نیکی کا دس گنا ثواب ملتا ہے عرض کی یا رسول اللہ (ﷺ) لا الہ الا اللہ نیکی ہے آپ نے فرمایا یہ تو تمام نیکیوں سے احسن ہے۔

فائدہ توحید کی شرافت اتنا کافی ہے کہ یہ ایمان ہے اور ایمان تمام نیکیوں کی جڑ ہے اور اس سے قلب روشن ہوتا ہے اور قلب ہی تو اللہ تعالیٰ کی نگاہ کا مرکز ہے اور گناہوں کی میل کچیل، اسی سے ہی ڈھلتی ہے پھر اسی سے ہی دل اجلا صاف اور شفاف ہوتا ہے۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (تم اپنے رب کی کون سی نعمتوں کی تکذیب کرو گے) جو اس کی نعمتیں دنیا و آخرت میں تمھیں نصیب ہوتی ہیں)

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ (اور ان دو جنتوں کے آگے اور دو جنتیں ہیں) یہ مبتدا و خبر ہیں یعنی مذکورہ دو جنتوں کے علاوہ خائفین مقربین کے لئے دیگر دو جنتیں ہیں اور یہ ان کے لئے ہیں۔ جو ان کے ماسوا ہیں یعنی اصحاب الیمین۔ اس سے معلوم ہوا کہ خائفین دو قسم ہیں۔

۱۔ مقربین ۲۔ اصحاب لیمین

یہ فضائل علمیہ و عملیہ کے لحاظ سے مقربین کے علاوہ ہیں اس سے معلوم ہوا کہ دون بمعنی ادنی مرتبہ و منزلت والے یہاں دون بمعنی غیر نہیں۔ اس معنی پر پہلی دو جنتیں ان دو جنتوں سے افضل ہیں جیسے مقربین ابرار سے افضل ہیں اور دون وناءۃ سے بھی نہیں بلکہ الدنو بمعنی القرب سے ہے۔ یعنی ان دو جنتوں کے آگے عرش تک دو جنتیں اور ہیں یعنی عرش کو قریب تر اور ان دو جنتوں سے ارفع (زیادہ بلند) ہیں۔ بعض مفسرین نے دون کو غیر کے معنی میں بھی لیا ہے چنانچہ علامہ کاشفی رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا کہ بغیر ان دونوں جنات کے جو مذکور ہوئیں دو جنات (باغات) اور ہیں کہتے ہیں کہ پہلے دو باغ سونے کے یہ سابقین کے لئے ہیں دوسرے دو باغات چاندی کے اصحاب الیمین کے لئے ہیں۔

فائدہ صاحب کشف الاسرار نے مطلق لکھا ہے اس میں کسی کے لئے تخصیص نہیں فرمایا چنانچہ لکھتے ہیں کہ دو

marfat.ocm

پہلی جنتوں کے علاوہ دو، جنتیں ہیں جن کے برتن اور ان کے اندر کی دیگر اشیاء چاندی کی ہیں اور دوسری دو جنتیں سونے کی جن کے برتن اور اندر کی اشیاء سونے کی ہیں اور ہر مرد و عورت بہشتی کو دو دو جنتیں ملیں گی ایک ان کے اعمال کی جزاء سے دوسری ان کافروں کی وراثت سے جو جہنم میں چلے گئے۔ بعض نے کہا کہ ہر مرد و عورت کو چار جنتیں ملیں گی جہالت اربعہ سے تاکہ ہر طرف لطف پائیں اور انسان کی جو طبیعت ہے اس کا تقاضا بھی یونہی ہے کہ اس کی ملال و رنج یونہی دفع ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے چار سو باغات، ہی باغات پائے تاکہ جہاں منتقل ہونا چاہے اسے باغات ہی باغات میسر ہوں خلاصہ یہ کہ دون کی پانچ (۵) تقریریں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ من دونهما فوقها یعنی پہلی دو جنتوں کے اوپر دو جنتیں۔

۲۔ من دونها صفيتها ان میں دو جنتوں کی صفتوں کے علاوہ دیگر صفات والیں۔

۳۔ من دونهما فی الدرج درجات کے لحاظ سے ان دو پہلی جنات کے علاوہ۔

۴۔ امامهما ان دو کے آگے اور دو۔

۵۔ قبلهما (ان دو سے پہلے دو)

و فلاة دونها سفر طال
و میل یفضی الی امیال

ترجمہ بہت سے جنگل ہیں جن کے اگے بڑا لمبا سفر ہے ایک میل طے کرنے کے بعد آگے کئی میل نظر آتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ ادنی مرتبہ والی کی تفسیر شیخ نجم الدین رحمۃ اللہ علیہ کی تاویلات سے مؤید ہے فرمایا کہ اس میں ان ابرار کی جنتوں کی طرف اشارہ ہے جو اعمال صحیحہ واقوال مستقیمہ پہ قائم اور مراتب سیہ کے ناظر اور مراتب و مقامات علیہ (بلند) کے طالب ہیں یعنی ان کے لئے دو مذکور جنتوں کے علاوہ دیگر دو جنتیں ہیں ان کے لئے جو اپنی ناسوتیت سے فانی اور لاھوتیت میں باقی ہیں۔

فبای الاء ربکما تکذبٰن تو تم اپنے پروردگار کی تکذیب کرتے ہو۔ مذکورہ بالا دو جنتوں میں سے۔

تفسیر عالمانہ مدھامتان یہ جنتن کی صفت ہے۔

حل لغات یہ ادہام الشی یدھام او ھمایا فہو دھام سے ہے بمعنی اسود (سیاہ ہوا) تاج المصادر میں ہے کہ باب

marfat.ocm

اضیلال ہجوں تو بتیماً بمعنی سیاہ ہونا کیونکہ دہمۃ (بالضم) بمعنی السواد (سیاہی) اوہم بمعنی سیاہی غالب ہوگی سبزی اور تری کی شدت سیاہی مائل ہوں گے۔

سبز رنگ کا فائدہ سبز رنگ دیکھنے سے آنکھ کی روشنی بڑھتی ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ تین چیزیں آنکھ کی روشنی بڑھاتی ہیں۔

۱۔ سبزی ۲۔ جاری پانی ۳۔ حسین چہرہ دیکھنا

سرمہ کے فوائد حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اثمد۔

۱۔ نیند کے وقت آنکھ میں سلائی سے لگانا آنکھ کی بینائی کو نفع دیتا ہے۔

۲۔ اعصاب کو قوت بخشتا ہے۔

۳۔ بہت سی آفات اور......

۴۔ اوجاع (دردوں) کو دفع کرتا ہے بالخصوص بوڑھے مردوں اور عورتوں کو۔

فائدہ اثمد (سیاہ سرمہ) اس میں بہتر اصفہانی ہے اور وہ بارد (ٹھنڈا) یابس (خشک) ہے۔

۵۔ سرمہ کے ساتھ مسک ملایا جائے تو اور زیادہ فائدہ دیتا ہے۔

۶۔ سرمہ آگ کے جلے ہوئے کو نفع دیتا ہے جب اس پر لیپ دیا جائے اور اس کے ساتھ شحم ملائی جائے۔

۷۔ سرمہ نکسیر کو بند کرتا ہے جب دماغ کے پردوں سے خارج ہو رہی ہو۔

حدیث شریف میں ہے تمہارے سرموں میں بہتر سرمہ اثمد ہے یہ بال اگاتا اور آنکھ کی بینائی کو روشن کرتا ہے (جریدۃ العجائب)

فائدہ مدھامتان میں اشارہ ہے کہ ان دو پچھلے باغات میں انگوریاں اور پھول وہ ہوں گے جو زمین پر پھیلے ہوئے ہوں گے بخلاف پہلے دو باغات کے کہ ان میں درخت اور پھل بکثرت ہوں گے اس سے ثابت ہوا کہ پہلے دو باغ دوسرے باغات سے افضل ہیں۔

marfat.ocm

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے ان دو جنتوں کے اصحاب پر قوت بنائیہ کا غلبہ ہے یعنی اصحاب الیمین اور دوسری دو جنتوں میں اشارہ ہے کہ پہلی دو جنتوں والوں پر قوت روحانیہ کا غلبہ ہے کیونکہ ان میں اشجار و فواکہ (میوے) بکثرت ہیں اور ان کے اصحاب مقربین ہیں۔

فبای الاء ربکما تکذبن (تو تم اپنے پروردگار کی کون سی نعمتوں کی تکذیب کرو گے) کہ تمہاری آنکھیں دو باغات کی انگوریوں کی سبزی سے دیکھنے کا فائدہ اٹھاتی ہیں اور ان کے پھولوں سے تمہارے ناک خوشبو کے مزے لوٹتے ہیں۔

مسئلہ فقہاء کرام نے فرمایا کہ جب نماز میں ایک ایسی آیت پڑھی جس کا صرف ایک کلمہ ہے جیسے مدھا متان یا جس کا صرف ایک حرف ہے جیسے ق ‘ص ‘ن ‘ یہ ہر ایک بعض کے نزدیک ایک ایک آیت ہیں تو صحیح تر یہ ہے کہ یہ الفاظ فرض قراۃ کے لئے کافی نہ ہوں گے کیونکہ ان الفاظ کے پڑھنے والے کو (عرف میں) قاری نہیں کہا جاتا کیونکہ قراۃ بمعنی حروف و کلمات کو آپس میں ایسا ملانا کہ ان کے بعض کا بعض سے ترتیل میں تعلق ہو اور عرف میں ان الفاظ کا ایک دوسرے سے ترتیل میں تعلق نہیں۔

تفسیر عالمانہ فیھما عینان نضاختان (ان میں دو چشمے جاری ہیں)

حل لغات اہل عرب کہتے ہیں نضخہ منعہ کی طرح بمعنی رشہ قطرے بہائے نضخ الماء بمعنی چشمے سے اس کے پانی نے جوش مارا (قاموس) اب معنی یہ ہوا کہ ان دو جنتوں میں اپنی کے ایسے دو فوارے ہیں کہ بند نہیں ہوتے ان میں پانی کا ایسا جوش ہے کہ ان سے جتنا پانی نکالا جائے اتنا ہی پانی جوش مارتا ہے (ختم ہونے کا امکان تک نہیں) اس سے بھی پچھلے دو باغات کا پہلے دو باغات سے افضل ہونا ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ پہلے دو کے لئے صرف فرمایا تجریان ان کے لئے فرمایا نضاختان النضخ الجری سے کم ہے کیونکہ النضخ فوران۔ پانی کا جوش مارنا وہ یوں ہے کہ ایک جگہ سے پانی لیا جائے تو اسی جگہ سے دوسرا پانی نکل آئے اور یہ بات جاری پانی میں نہیں ہاں یہ بات ہے کہ جریان نضخ سے ابلغ ہے۔

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ نضاختان بمعنی مشک وغیرہ سے جوش مارنے والے دو چشمے اور قلبی نے فرمایا خیر و برکت سے جوش مارنے والے۔

marfat.ocm

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ تو تم اپنے رب کی کون سی نعمتوں کی تکذیب کرتے ہو۔ کہ تمہیں ان دونوں چشموں سے جی بھر اور سیر ہو کر شراباً طہوراً اپنا نصیب ہو گا۔

فِیْهِمَا فَاکِهَةٌ وَّ نَخْلٌ وَّ رُمَّانٌ ان میں میوے اور کھجور اور انار ہوں گے۔ نخل و رمان کا فاکہتہ پر عطف ایسے ہے جیسے جبرئیل و میکائیل کا ملائکہ پر اس سے ان کی فضیلت کا اظہار ہے اس لئے نخل (کھجور) میوہ بھی ہے غذا بھی اور رمان بمعنی انار یہ میوہ بھی ہے دوا بھی۔ یہ دنیا کے حسب حال ہے ورنہ بہشت کا ہر میوہ صرف مزہ اور لذت کے لئے ہو گا۔

مسئلہ جس نے قسم کھائی کہ فاکہہ (میوہ) نہ کھائے گا تو سوکھی کھجور کھائی یا انار کھایا تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک حانث نہ ہو گا ایسے ہی انگور کا ان کے نزدیک یہی حکم ہے۔

مسئلہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس نے قسم کھائی کہ الفاکہہ (میوہ) نہ کھائے گا انار اور کھجور کھالی تو حانث نہ ہو گا خلافاً لصاحبیہ وغیرہما (ابو یوسف و محمد رحمہم اللہ تعالیٰ)

فائدہ جس نے کھجور و انار کو فاکہہ سے شمار کیا ہے اس کے نزدیک یہاں کی تخصیص محض فضیلت کے اظہار کے لئے جیسے ابھی گزرا اور کھجور کی فضیلت کا بیان ابھی گزرا اور تفصیل ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

جنتی کھجور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جنت کی کھجور کا تنا زمرد اخضر کا ہے اور اس کا چھلکا سرخ سونے کا اور اس کے پتے اہل جنت کی پوشاک ہوں گی۔ بعض ان کے بچھونے اور بعض پہننے پوشاکیں اور اس کے پھل بڑے مٹکے یا بوکے کی طرح ہوں گے جو دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھے اور دودھ سے زیادہ لذیذ اس میں کچے ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ جب ایک دفعہ میوہ لیا جائے گا تو فوراً ہی اس کا میوہ اسی جگہ پیدا ہو جائے اس کی نہریں غیر محدود۔

فائدہ انار گرم علاقوں میں ہی قوت پاتا ہے۔

انار کے فضائل ۱۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے فرمایا کہ انار کی مادہ پھل نہیں دیتی

جب تک اس میں بہشت سے دانہ نہ آئے۔

۲۔ حضرت الامام علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب تم انار کھاؤ تو تھوڑی سی شحم بھی اسی سے کھالیا کرو۔ کیونکہ وہ معدے کا دبّاغ ہے۔

۳۔ اس کا کوئی دانہ پیٹ میں نہیں جس سے دل میں نور پیدا نہ ہو۔

۴۔ اس کا ہر دانہ شیطان کے وسوسہ کو چالیس دن تک نکالتا ہے۔

۵۔ حدیث شریف میں ہے جو انار کھائے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو چالیس دن تک منور رکھتا ہے۔

فائدہ ہر انار ہی لطافت سے خالی نہیں لیکن بڑا میٹھا اور نرم ان سب سے زیادہ اچھا ہوتا ہے وہ گرم رطب ہے۔

۶۔ سینہ اور ۷۔ حلق کو نرم کرتا ہے۔ ۸۔ معدے کو جلا بخشتا ہے۔

۹۔ خفقان (بیماری) کو فائدہ پہنچاتا ہے۔

۱۰۔ قوت باہ بڑھاتا ہے۔

۱۱۔ اس کے چھلکے سے ہوام (ایذا رساں کیڑے وغیرہ بھاگ جاتے ہیں)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے اصحاب یمین بہ نسبت مقربین کے استعدادوں میں کمزور ہیں اسی لئے کہ انار دوا ہے میوہ نہیں اور دوا کا گھر میں تیار رکھنا گھر والے کی ضعف مزاج پر دلالت کرتا ہے۔

فبای الاء ربکما تکذبٰن تو تم اپنے پروردگار کی کون سی نعمتوں کی تکذیب کرتے ہو۔ کہ تمہارے لئے وہ اشیاء (میوے) تیار فرمائے جن سے تم لذت پاؤ۔

تفسیر عالمانہ فیھن خیرات حسان ان میں حسین چہرے والیاں ہیں۔ یہ جنتن کی دوسری صفت ہے پہلے جملے کی طرح ہے۔

سوال ھنّ ضمیر کیوں حالانکہ جنتن تثنیہ ہے جواب گزرا ہے وہ یہ کہ ہر جنت کو ایک مستقل گروہ قرار دے کر دونوں کو بہت بڑے گروہ کے طور پر ضمیر لائی گئی ہے۔

حل لغات خیرات مخففہ از خیرات خیرہ کی جمع ہے اس لئے خیر جو اخیر کے معنی میں ہو اس کی جمع نہیں لاے خیرون

marfat.ocm

وخیرات نہیں کہا جاتا۔ خیرات بمعنی برگزیدہ عورتیں۔

خیرات خیرات (زنان بہشت کی تعریف میں مندرجہ ذیل صفات وارد ہیں)

۱۔ لسن بدمرات ۲۔ ولا بخرات ۳۔ ولا متطلعات ۴۔ ولا متشوفات ۵۔ ولاذربات ۶۔ ولا سلیطات ۷۔ ولا طماحات ۸۔ ولا طوافات فی الطرق (شرح لاحروف والمذکور) وہ عورتیں ۱۔ دمرات نہیں۔ ومرات دمر سے ہے بمعنی بدبوئی یعنی وہ بدبو والی نہیں اور وہ ۲۔ بخرات نہیں البخر (بالتحریک) سے ہے بمعنی منہ اور بغل وغیرہ کی بدبو یعنی وہ منہ اور بغل وغیرہ کی بدبو والی نہیں اور وہ ۳۔ متطلعات نہیں التطلع سے ہے اور بمعنی چشم داشتن۔

عافی اللہ من لم یتطلع فی فمک ای یتعقب کلامک (اللہ اسے معاف فرمائے جس نے تیرے منہ کو نہ جھانکا یعنی تیرے کلام کا تعاقب نہ کیا یعنی تمہاری باتکا تعاقب نہیں کرتیں اور وہ متشوفات نہیں (فضول ہار سنگار کرنے والی نہیں۔ تشوف سے ہے بمعنی ہار سنگار کرنا اور کسی سے امید رکھنا۔ یہ الی سے متعدی ہوتا ہے۔ القاموس میں ہے کہ شفتہ شوفا بمعنی جلوتہ (میں نے اسے سنگارا) اور شفیقۃ الجاریۃ (لڑکی نے سنگار کیا) تشاف (ہار سنگار کرتی ہے) الی الخیر تطلع۔ خیر کی طرف جھانکتی ہے۔ ومن السطح تطاول ونظروا شرف۔ چھت سے جھانکا اور دیکھا ۵۔ ولا ذربات اور وہ تیز بان نہیں۔ یہ ذرب فرح کی طرح سے ہے ذربلو ذرابتہ فھوذرب بمعنی حد (تیز ہے) الذربتہ بمعنی تیز زبان والی اور وہ ۶۔ سلیطات (زبان دراز) نہیں السلط والسلیط بمعنی الشدید اور طویل اللسان اور وہ طماحات نافرمان نہیں۔ طمع بصرہ الیہ منع کی طرح بمعنی ارتفع والمرۃ طمت فی طلاح (گلیوں کا چکر لگانے والیاں نہیں۔ (طوافات بمعنی دوارات آوارگی سے گھومنے پھرنے والیاں)

حسان کی تحقیق حسان حسنہ وحسناء کی جمع ہے یعنی حسین چہرے اور نیک خصلت والی یعنی نیک رو و نیک خو۔ اور ان سے حورعین مراد ہے۔ بعض نے کہا ان سے نیک رو نیک خو اہل ایمان عورتیں مراد ہیں پہلے معنی پر آنے والا مضمون دلالت کرتا ہے۔

حورعین کانور ۱۔ حدیث شریف میں ہے کہ:۔

لو ان امرأۃ من نساء اہل الجنتہ اطلعت علی السمٰوٰت والارض لاضائت ما بینما ولملأت ما بینہما ریحا ولعصائبہا علی راسہا خیر من الدنیا وما فیہا

marfat.ocm

(روح البیان ج۹ ص ۳۱۲)

ترجمہ   اگر اہل جنت کی کوئی عورت آسمانوں اور زمین کی طرف جھانکے تو ان کے درمیان تمام مقامات روشن ہوں اور وہ خوشبو سے بھر جائیں اور ان کے سر کا دوپٹہ دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے۔

۲۔ حدیث شریف میں ہے۔

لو ان حوراء بزقت فی بحر لعذب ذلک البحر من عذابته ریقها (روح البیان ص ۳۹۳ ج۹)

ترجمہ   اگر حور دریا میں تھوکے تو وہ دریا اس کے لعاب دہن سے میٹھا ہو جائے۔

۳۔ مروی ہے کہ وہ عورتیں (حوریں) کہتی ہیں کہ۔

نحن الناعمات فلا نیأس والراضیات فلا نسخط نحن الخالدات فلا نبید طوبیٰ لمن کنّا له وکان لنا

ترجمہ   ہم نازک ہیں ہم ناامید نہیں ہم خوش ہیں ناراض نہیں ہوتیں ہم دائمی ہیں مٹتی نہیں اسے مبارک ہو جس کے لئے ہم ہیں اور وہ ہمارے لئے ہے۔

۴۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب وہ حوریں مذکورہ کلمات کہتی ہیں تو انہیں دنیا والی اہل ایمان عورتیں جواب دیتی ہیں کہ:۔

نحن المصلعیات وما صلتین ونحن الصائمات وما صمتن ونحن المتصدقات وما تصدقتن خفبهن واللّٰه غلبهن

ترجمہ   ہم نماز پڑھتی ہیں تم نہیں پڑھتیں ہم روزہ رکھتی ہیں تم نہیں رکھتیں ہم صدقہ دیتی ہیں تم نہیں دیتیں بخدا یہ ان پر غالب آجاتی ہیں۔

فائدہ   اس سے ثابت ہوا کہ دوسری دو بہشتیں اور ہیں اور پہلی دو اور اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلی دو حور کی صفت میں فرمایا کہ کانهن الیاقوت والمرجان اور دوسری دو کے لئے فرمایا کہ فیهن خیرات حسان اور

marfat.ocm

ظاہر ہے کہ یاقوت و مرجان کے حسن جیسا کوئی اور حسن کہاں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ فیھن خیرات حسان سے حسن معاملات و فاضلات و مکاشفات عالیات مراد ہیں یہ وصف بھی دلالت کرتی ہے کہ جنۃ المقربین جنۃ الابرار و اصحاب الیمین سے افضل ہے اس لئے کہ اس جنۃ کا ثمر فناء و بقاء اور اس کا معاملات و تحسین الاخلاق۔ فبای الاء ربکما تکذبن تم اپنے رب کی کونسی نعمتوں کی تکذیب کرتے ہو۔ کہ تم پر عورتیں جیسی نعمتیں بخشیں تاکہ تم ان سے نفع اٹھاؤ۔

تفسیر عالمانہ حور یہ خیرات سے بدل ہے۔

حل لغات حور حوراء کی جمع ہے بمعنی بیضاء (سفید رنگ والی) دوسری آیت میں ان کے لئے عین کہا گیا ہے۔ عیناء کی جمع ہے بمعنی عظیمۃ العیناء (موٹی آنکھوں والی) بعض نے کہا سخت سیاہ آنکھوں والی۔

مقصورات فی الخیام (وہ پردوں میں بند ہیں) مقید ہیں خیموں میں۔

فائدہ حضرت کاشفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شوہروں کے شور سے نگاہوں کو بند کئے ہوئے ہیں۔

فائدہ اس میں اشارہ ہے کہ وہ غیر محارم کے سامنے ظاہر نہیں ہوں گی اگرچہ جنت دار التکلیف نہیں یہ دراصل نور قبیل اسرار ہیں کہ جنہیں غیروں سے بچایا جاتا ہے ان پر غیرت کی وجہ سے۔

حل لغات کہا جاتا ہے امرأۃ قصیرۃ و قصورۃ ای مخدرۃ و مستورۃ (عورت) باپردہ اور محجوب ہے کہ کہیں باہر نہیں جاتی)۔ مقصورات الطرف علی ازواجھن لا یبغین بھم بدلا (اپنے شوہروں پر نگاہیں رکھتی ہیں ان کے بجائے دوسروں کو نہیں چاہتیں)

الخیام خیمہ کی جمع ہے لکڑیوں پر کھڑا کیا ہوا قبہ۔ ایسے ہی دنیا کے جمیع قبہ جات اور خیمے وہ ہیں جنہیں جنت کے قبہ جات اور خیموں سے کوئی نسبت نہیں سوائے اس کے کہ نام ایک ہے۔ بعض نے کہا کہ بہشت کے قبے اور خیمے خالص موتیوں کے ہیں جن کی چوڑائی ساٹھ مربع میل ہے ان کے اہل نہیں دیکھتے سوائے اس وقت کے جب

کے درمیان لیکن سیاہی کو قریب تر ہو اسی لئے کبھی سیاہ کو سبز اور سبز کو سیاہ کہا جاتا ہے۔

وعبقری اس کا عطف رفرف پہ ہے اس سے اس کی جنس مراد ہے اسی لئے اس کی صفت جمع آئی ہے یعنی حسان کو عبقری کے معنی پر محمول کرکے۔

حل لغات احسان حسن کی جمع

تفاسیر العبقری (۱) عبقر کی طرف منسوب ہے۔ اہل عرب کا خیال ہے کہ عبقر کسی شہر کا نام ہے جہاں جنات بکثرت ہیں ہر عجیب شے اس کی طرف منسوب ہوتی ہے۔

۲۔ قطرب نے کہا کہ یہ کسی شے کی طرف منسوب نہیں بلکہ یہ کرسی کی طرح ہے وہ ایک بستی ہے جہاں کے کپڑے حسین ہوتے ہیں۔ عبقری عباقری کی طرح بچھونے کی ایک قسم ہے۔

۳۔ المفردات میں ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ وہ جنات کی جگہ ہے۔ ہر عجیب انسانو حیوان اور کپڑا اسی طرف منسوب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وعبقری حسان وہ ایک بچھونے کی قسم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بہشت کے بچھونوں کے لئے مثال دے کر فرمایا ہے۔

۴۔ التکمہ میں ہے کہ عبقر ایک جگہ کا نام ہے جہاں نقاشی کا کام ہوتا ہے۔ عربی جب اچھی شے کو دیکھتے تو اس کی طرف منسوب کرنا چاہتے تو کہتے عبقری۔

۵۔ فتح الرحمن میں ہے العبقری اچھے بچھونے جن میں فوٹو (تصویریں) ہوں عربی جب اچھی شے کو دیکھتے یا اس کی طرف منسوب کرنا چاہتے تو کہتے عبقری۔

۶۔ ابن عطیہ نے فرمایا اسی محاورہ سے ہے جو نبی پاک ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تعریف میں فرمایا کہ میں نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا کہ وہ کنوئیں سے پانی نکال رہے ہیں میں نے ان جیسا قوی مضبوط اور حسین سردار نہیں دیکھا کہ نہایت پھرتی سے پانی نکال رہے ہیں۔

۷۔ بعض نے کہا ایک شخص کا نام ہے جو مکہ معظمہ میں رہتا تھا وہ چاندنیاں تیار کرتا جو نہایت ہی بہتر ہوتی تھیں پھر ہر اچھی شے اسی کی طرف منسوب ہونے لگی یعنی عبقری ایک قیمتی بچھونا جو نہایت ہی بہتر تھا اللہ تعالیٰ نے پہلے (بہشتیوں) کے لئے فرمایا۔

marfat.ocm

متکئین علیٰ فرش بطائنہا من استبرق ان کے بچھونوں کے باہر والے حصے کا ذکر ترک فرمایا تاکہ ان کی رفعت شان کا اظہار ہو اور معلوم ہو کہ وہ ایسے ذی شان بچھونے ہیں جہاں افہام و عقول کا پہنچنا مشکل ہے دوسروں (بہشتیوں) کے لئے فرمایا متکئین علی رفرف خضر عبقری اس سے ہر دونوں کے درمیان فرق خود سمجھ لیجئے۔

فائدہ بعض نے کہا استبرق ریشم اور لا عبقری (منقش کپڑا) اور دیباج منقش سے اعلیٰ ہوتا ہے۔

۸۔ ابن الشیخ نے فرمایا رفرف وہ بستر جس پر اس کا صاحب آرام کرے اور وہ ہر وقت اس کے ساتھ ہو جہاں چاہے وہ اسے اٹھا کر لے جائے۔

شب معراج کا رفرف حدیث معراج میں ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ جب سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے تو آپ کے ہاں رفرف آئی اور جبریل علیہ السلام سے لے کر آپ کو سید العرش تک لے اڑی۔ حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا رفرف مجھے لے کر اڑی یہاں تک کہ اس نے مجھے میرے رب کے ہاں پہنچا دیا اس کا اڑنا کبھی اونچا ہو جاتا کبھی نیچے۔ جب حضور سرور عالم ﷺ نے واپسی کا ارادہ فرمایا تو عرش سے آپ کو رفرف نے لے لیا اور نیچے کو اترتے ہوئے جبریل علیہ السلام کے سپرد کر دیا۔

۹۔ اس سے معلوم ہوا کہ رفرف اللہ تعالیٰ کے ہاں بمنزلہ ایک خادم کے ہے جو مخصوص امور کے لئے خاص ہے کہ جو وہ ایک خاص قربت و دُنو کے مقام پہ ہے جیسے براق ایک مخصوص سواری ہے جس پر صرف اور صرف انبیاء علیہما السلام کے لئے خاص ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ رفرف کو بہشت میں اللہ تعالیٰ اہل جنت کے تابع کر دے گا جس پر وہ سہارا لگائیں گے اور اسے بستر کے طور پر استعمال کریں گے۔ اور اس سے سواری کا کام لیں گے کہ وہ انہیں بہشت کی نہروں کے کناروں تک جہاں چاہیں اڑا کر جائیں ایسے ہی ان کو بستروں اور ان کی ازواج اور محلات کو بھی اٹھا کر ان کے ساتھ لے جائے۔

فائدہ اس سے ثابت ہوا کہ رفرف ان سبز رنگ کے بستروں سے زیادہ سبز ہو گی جن کا اوپر ذکر ہوا یعنی متکئین علی فرش ہیں۔

فبای الاء ربکما تکذبن تو تم اپنے رب کی کون سی نعمتوں کی تکذیب کرو گے۔ حالانکہ تمہارے لئے اللہ تعالیٰ نے وہ بہترین فرش تیار فرمائے جس پر تم سہارا لگاؤ اور آرام کرو۔

تبارک اسم ربک (برکت والا ہے تیرے رب کا نام) یعنی اسی کو تنزیہ و تقدیس ہے۔ اس میں تقریر ہے اس کی جو سورہ کریمہ (رحمٰن) میں وہ نعمتیں مذکور ہوئیں جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو عطا فرمائیں یا عطا فرمائے گا۔

marfat.ocm

یعنی بلند ہیں اللہ تعالیٰ کے جملہ بزرگ نام منجملہ ان کے وہ اسم مبارک ہے جس سے سورہ کا آغاز ہوا یعنی رحمٰن کہ جو افاضہ نعم مفصلہ کی خبر دیتا ہے اور بلند ہے اس سے جو ان امور سے جو اس کے لائق نہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہی ہے کفار کا انکار اور تکذیب۔

انتباہ جب اس کے اس اسم مبارک کا یہ حال ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس سے ہی نعمتوں کا عطیہ ہے تو اس ذات اقدس کی شان بلند ہوگی جو صاحب اسم ہے بعض نے کہا کہ یہاں اسم بمعنیٰ صفت ہے بعض نے کہا اسم کا لفظ یہاں زائد ہے جیسے کہتے ہیں۔ ع ثم اسم السلام علیکما (یعنی پھر تم پر سلام ہو)

اس مصرعہ میں بھی اسم زائد ہے تو تبارک اسم ربک الخ میں بھی زائد ہے۔

فائدہ فتح الرحمٰن میں ہے یہ وہی مقام ہے جہاں اسم سے مسمّٰی مراد ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اسم دلالت کرتا ہے کہ اسم وہی مسمّٰی ہے کیونکہ متعال وہ ہے جو مسمّٰی فی ذاتہ ہے نہ کہ صرف اسم۔ اگر صرف اسم ہے تو اس کی برکات مسمّٰی کی وجہ سے ایسے ہی وہ جو قہر و لطف و جلال و اکرام سے موصوف ہے وہ بھی صرف مسمّٰی ہے نہ کہ اسم۔

فائدہ الامالی میں ہے کہ اسم مسمّٰی کا غیر نہیں اور شرح الاسماء للزرقی میں ہے کہ صحیح یہ ہے اسم مسمّٰی کا غیر ہے لیکن اس کی بہت سی قوم (علماء) نے انکار کیا ہے بعض لوگ اس کی تفصیل کے درپے ہوئے بعض نے توقف کیا لیکن سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ نے ان ابحاث میں کوئی گفتگو نہیں کی کہ اسم و مسمّٰی اور موصوف و صفت اور تلاوت و متلو (تلاوت کردہ کلام) آپس میں عین ہیں یا غیر یا نہ عین ہیں نہ غیر پہلا مذہب صوفیہ کرام کا ہے دوسرا معتزلہ وغیرہ کا تیسرا اہلسنّت کا۔ اسی آخری کو علماء اہلسنّت قدماء و متاخرین نے لیا ہے اور یہی آسان ہے۔

صوفیہ کرام کا مذہب اہل استغراق کو لائق ہے اس کا نہ اقرار نہ انکار معتزلہ کا مذہب تو ہے ہی گمراہی (اویسی غفرلہ) لیکن ہم عوام کو ان میں گفتگو نہ کرنا بہتر ہے سلامتی اسی میں غیر و عین کے نزاع سے حذر کرنا ضروری ہے۔

ذی الجلال والاکرام (صاحب جلال و اکرام کا ہے) رب کی صفت جلال و اکرام سے تنزیہ و تقریر مذکور کی تکمیل کے لئے ہے۔

فائدہ مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن [illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت ایک جگہ جمع ہوئی اور طے کیا [illegible] مکہ (قریشیوں) نے قرآن نہیں سنا۔ ہمارے میں کون بہادر ہے جو کھلم کھلا انہیں قرآن سنائے تو وہ میں ہی تھا کہ جرات کر کے کہا کہ میں ہی انہیں کھلم کھلا سناؤں گا اگرچہ وہ مجھے جتنا دکھ پہنچائیں گے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ [illegible] اور کفار کی انجمن (محفل) بیچ تم [illegible] آپ نے سورہ رحمٰن

پڑھنا شروع کیا قریش نے سن کر غیظ غضب میں آکر حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت زخمی کیا۔ تھوڑا سا حصہ سورۃ رحمٰن کا انہیں سنا ہی لیا۔ پھر زخم خوردہ ہو کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے ہاں واپس آگئے صحابہ نے کہا اے ابن مسعود یہی ہمیں تیرے متعلق خطرہ تھا۔

مسئلہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز سے فراغت پا کر اَللّٰھُمَّ انت السلام و منک السلام تبارکت وتعالیت یا ذوالجلال والاکرام کی مقدار بیٹھتے (اس کے بعد نوافل وغیرہ پڑھتے یا چلے جاتے) (کشف الاسرار)

فائدہ زروقی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ذوالجلال والاکرام بمعنی وہ ذات جو عظمت و کبریا۔ والافضال انعام المطلق والی ہے۔ جس نے یقین کیا کہ وہ ذات ذوالجلال والاکرام ہے تو جلال کا نام سن کر اس سے ہیبت کرے گا اکرام کا نام سنے گا تو اس سے مانوس ہو گا اسی لئے وہ خوف و رجاء کے درمیان رہے گا۔

اسم اعظم ذواجلال والاکرام ہی اسم اعظم ہے بعض نے کہا اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء مبارکہ اسم اعظم ہیں کیونکہ سب عظمت پر دلالت کرتے ہیں اس لئے کہ وہ اسم الذات ہے وہ خود اسم اعظم ہے اس کے اسماء و صفات سب اعظم (بڑی عظمت والے) ہیں ہاں یہ ہے کہ انہیں حضور و شہود و استغراق فی بحرلاجود میں ذکر کیا جائے تو پھر اس کا ہر اسم اعظم ہے لیکن یہ ذکر اہل کمال کو (یعنی وہ انسانی افراد جنہیں اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہے) نصیب ہوتا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ظاہراً و باطناً اولاً و آخراً ذاکرین سے بنائے (آمین)

صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ فراغت

صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ یہ سورۃ رحمٰن بعون اللہ الملک ذی القعدہ شریف کے آواخر میں سن ۱۱۱۴ ہجری میں مکمل ہوئی۔

اویسی غفرلہ کی فراغت

بفضلہ تعالیٰ فقیر اویسی غفرلہ تفسیر سورۃ رحمٰن کے ترجمہ سے ۱۲ ذوالحجہ سن ۱۴۰۸ ہجری مطابق ۲۷ جولائی سن ۱۹۸۸ بروز چہار شنبہ فراغت پائی۔

الفقیر القادری محمد فیض احمد اویسی غفرلہ
جامعہ اویسیہ رضویہ بہاولپور۔ پاکستان

۸-۱۲-۱۲ ہجری بروز بدھ ۸۸-۷-۲۷

سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اٰيَاتُهَا ۹۶ رُكُوْعَاتُهَا ۳

سورۂ واقعہ مکی ہے اس میں اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا چھیانوے آیتیں اور تین رکوع ہیں

إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ (۱) لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ (۲) خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ (۳) إِذَا رُجَّتِ
جب ہولے گی وہ ہونے والی اس وقت اس کے ہونے میں کسی کو انکار کی گنجائش نہ ہوگی کسی کو پست کرنے والی کسی کو بلندی دینے والی

الْأَرْضُ رَجًّا (۴) وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا (۵) فَكَانَتْ هَبَاءً مُّنْبَثًّا (۶) وَكُنْتُمْ أَزْوَاجًا
جب زمین کانپے گی تھرتھرا کر اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے چورا ہو کر تو ہو جائیں گے جیسے روزن کی دھوپ میں غبار کے باریک ذرے پھیلے ہوئے

ثَلٰثَةً (۷) فَأَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ مَا أَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ (۸) وَأَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ مَا أَصْحٰبُ
اور تم تین قسم کے ہو جاؤ گے تو دہنی طرف والے کیسے دہنی طرف والے اور بائیں طرف والے کیسے بائیں طرف والے

الْمَشْئَمَةِ (۹) وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ (۱۰) أُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ (۱۱) فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ (۱۲) ثُلَّةٌ
اور جو سبقت لے گئے وہ تو سبقت ہی لے گئے وہی مقرب بارگاہ ہیں چین کے باغوں میں اگلوں میں

مِّنَ الْأَوَّلِيْنَ (۱۳) وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ (۱۴) عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ (۱۵) مُّتَّكِئِيْنَ عَلَيْهَا
سے ایک گروہ اور پچھلوں میں سے تھوڑے جڑاؤ تختوں پر ہوں گے ان پر تکیہ لگائے ہوئے

مُتَقٰبِلِيْنَ (۱۶) يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ (۱۷) بِأَكْوَابٍ وَّأَبَارِيْقَ وَكَأْسٍ
آمنے سامنے ان کے گرد لیے پھریں گے ہمیشہ رہنے والے لڑکے کوزے اور آفتابے اور جام اور آنکھوں

مِّنْ مَّعِيْنٍ (۱۸) لَا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ (۱۹) وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ (۲۰)
کے سامنے بہتی شراب کہ اس سے نہ انہیں دردِ سر ہو نہ ہوش میں فرق آئے اور میوے جو پسند کریں

وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ (۲۱) وَحُوْرٌ عِيْنٌ (۲۲) كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ (۲۳) جَزَآءًۢ بِمَا
اور پرندوں کا گوشت جو چاہیں اور بڑی آنکھ والیاں حوریں جیسے چھپے رکھے ہوئے موتی صلہ ان کے

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۲۴) لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَأْثِيْمًا (۲۵) إِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا (۲۶)
اعمال کا اس میں نہ سنیں گے نہ کوئی بیکار بات نہ گنہگاری ہاں یہ کہنا ہوگا سلام سلام

وَأَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ مَا أَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ (۲۷) فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ (۲۸) وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ (۲۹)
اور دہنی طرف والے کیسے دہنی طرف والے بے کانٹوں کی بیریوں میں اور کیلے کے گچھوں میں

marfat.ocm

وَظِلٍّ مَّمْدُودٍ (۳۰) وَّمَآءٍ مَّسْكُوبٍ (۳۱) وَّفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ (۳۲) لَّا مَقْطُوعَةٍ وَّلَا

اور ہمیشہ کے سائے میں اور ہمیشہ جاری پانی میں اور بہت سے میووں میں جو نہ ختم ہوں اور نہ روکے

مَمْنُوعَةٍ (۳۳) وَّفُرُشٍ مَّرْفُوعَةٍ (۳۴) إِنَّآ أَنشَأْنٰهُنَّ إِنشَآءً (۳۵)

جائیں اور بلند بچھونوں میں بیشک ہم نے ان عورتوں کو اچھی اٹھان اٹھایا تو انہیں بنایا

فَجَعَلْنٰهُنَّ أَبْكَارًا (۳۶) عُرُبًا أَتْرَابًا (۳۷) لِّأَصْحٰبِ الْيَمِينِ (۳۸) ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ (۳۹) ع ۱۴

کنواریاں اپنے شوہر پر پیاریاں انہیں پیار دلاتیاں ایک عمر والیاں دہنی طرف والوں کے لیے اگلوں میں سے ایک گروہ

وَثُلَّةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ (۴۰) وَأَصْحٰبُ الشِّمَالِ مَآ أَصْحٰبُ الشِّمَالِ (۴۱) فِي سَمُومٍ

اور پچھلوں میں سے ایک گروہ اور بائیں طرف والے کیسے بائیں طرف والے جلتی ہوا اور کھولتے

وَحَمِيمٍ (۴۲) وَظِلٍّ مِّن يَحْمُومٍ (۴۳) لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيمٍ (۴۴) إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذٰلِكَ

پانی میں اور جلتے دھوئیں کی چھاؤں میں جو نہ ٹھنڈی نہ عزت کی بیشک وہ اس سے پہلے نعمتوں

مُتْرَفِينَ (۴۵) وَكَانُوا يُصِرُّونَ عَلَى الْحِنثِ الْعَظِيمِ (۴۶) وَكَانُوا يَقُولُونَ أَئِذَا مِتْنَا

میں تھے اور اس بڑے گناہ کی ہٹ رکھتے تھے اور کہتے تھے کیا جب ہم مر جائیں اور

وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا أَءِنَّا لَمَبْعُوثُونَ (۴۷) أَوَءَابَآؤُنَا الْأَوَّلُونَ (۴۸) قُلْ إِنَّ الْأَوَّلِينَ

ہڈیاں مٹی ہو جائیں تو کیا ضرور ہم اٹھائے جائیں گے اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی تم فرماؤ بیشک سب اگلے

وَالْآخِرِينَ (۴۹) لَمَجْمُوعُونَ إِلٰى مِيقٰتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ (۵۰) ثُمَّ إِنَّكُمْ أَيُّهَا

اور پچھلے ضرور اکٹھے کیے جائیں گے ایک جانے ہوئے دن کی میعاد پر پھر بے شک تم اے

الضَّآلُّونَ الْمُكَذِّبُونَ (۵۱) لَأٰكِلُونَ مِن شَجَرٍ مِّن زَقُّومٍ (۵۲) فَمَالِئُونَ مِنْهَا

گمراہو جھٹلانے والو ضرور تھوہڑ کے پیڑ میں سے کھاؤ گے پھر اس سے پیٹ

الْبُطُونَ (۵۳) فَشٰرِبُونَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيمِ (۵۴) فَشٰرِبُونَ شُرْبَ الْهِيمِ (۵۵) هٰذَا نُزُلُهُمْ

بھرو گے پھر اس پر کھولتا پانی پیو گے پھر ایسا پیو گے جیسے سخت پیاسے اونٹ پئیں یہ ان کی

يَوْمَ الدِّينِ (۵۶) نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُونَ (۵۷) أَفَرَءَيْتُم مَّا تُمْنُونَ (۵۸) ءَأَنتُمْ

مہمانی ہے انصاف کے دن ہم نے تمہیں پیدا کیا تو تم کیوں نہیں سچ مانتے تو بھلا دیکھو تو وہ منی جو گراتے ہو کیا تم اس

تَخْلُقُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَیْنَكُمُ الْمَوْتَ وَ مَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِیْنَ ﴿۶۰﴾
کا آدمی بناتے ہو یا ہم بنانے والے ہیں ہم نے تم میں مرنا ٹھہرایا اور ہم اس سے
ہارے نہیں

عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَ نُنْشِئَكُمْ فِیْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَ لَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ
کہ تم جیسے اور بدل دیں
اور تمہاری صورتیں وہ کر دیں جس کی تمہیں خبر نہیں اور بیشک تم جان چکے ہو پہلی اٹھان

الْاُوْلٰى فَلَوْ لَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿۶۳﴾ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ
پھر کیوں نہیں سوچتے تو بھلا بتاؤ تو جو بوتے ہو
کیا تم اس کی کھیتی بناتے ہو

الزّٰرِعُوْنَ ﴿۶۴﴾ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿۶۶﴾
یا ہم بنانے والے ہیں ہم چاہیں تو اسے روندن کر دیں پھر تم باتیں بناتے رہ جاؤ
کہ ہم پر چٹی پڑی

بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۶۷﴾ اَفَرَءَیْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ ﴿۶۸﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ
بلکہ ہم بے نصیب رہے تو بھلا بتاؤ تو وہ پانی جو پیتے ہو
کیا تم نے اسے بادل

مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿۶۹﴾ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْ لَا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ اَفَرَءَیْتُمُ
سے اتارا یا ہم ہیں اتارنے والے
ہم چاہیں تو اسے کھاری کر دیں پھر کیوں نہیں شکر کرتے تو بھلا بتاؤ

النَّارَ الَّتِیْ تُوْرُوْنَ ﴿۷۱﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَاۤ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ﴿۷۲﴾ نَحْنُ
تو وہ آگ جو تم روشن کرتے ہو کیا تم نے اس کا پیڑ پیدا کیا یا ہم ہیں پیدا کرنے والے
ہم نے

جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّ مَتَاعًا لِّلْمُقْوِیْنَ ﴿۷۳﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِیْمِ ﴿۷۴﴾ فَلَاۤ اُقْسِمُ
اسے جہنم کا یادگار بنایا اور جنگل میں مسافروں کا فائدہ تو اے محبوب تم پاکی بولو اپنے عظمت والے رب کے نام کی تو مجھے قسم ہے

ع ۲۶/۲ ۱۵

بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿۷۵﴾ وَ اِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِیْمٌ ﴿۷۶﴾ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِیْمٌ ﴿۷۷﴾ فِیْ
ان جگہوں کی جہاں تارے ڈوبتے ہیں اور تم سمجھو تو یہ بڑی قسم ہے بے شک یہ عزت والا قرآن ہے محفوظ

كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾ لَّا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾ تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۸۰﴾
نوشتہ میں اسے نہ چھوئیں مگر باوضو اتارا ہوا ہے سارے جہان کے رب کا

اَفَبِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَ تَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾
تو کیا اس بات میں تم سستی کرتے ہو اور اپنا حصہ یہ رکھتے ہو کہ جھٹلاتے ہو

فَلَوْ لَاۤ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ وَ اَنْتُمْ حِیْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ
پھر کیوں نہ ہو جب جان گلے تک پہنچے اور تم اس وقت دیکھ رہے ہو اور ہم اس کے زیادہ پاس ہیں

مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿۸۶﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ
تم سے مگر تمہیں نگاہ نہیں   تو کیوں نہ ہوا اگر تمہیں بدلہ ملنا نہیں   کہ اسے لوٹا لاتے اگر
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۸۸﴾ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ
تم سچے ہو   پھر وہ مرنے والا اگر مقربوں سے ہے   تو راحت ہے اور پھول   اور چین
نَعِيْمٍ ﴿۸۹﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۰﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۱﴾
کے باغ   اور اگر دہنی طرف والوں سے ہو   تو اے محبوب تم پر سلام دہنی طرف والوں سے
وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۹۲﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۹۳﴾ وَّ
اور اگر جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہو   تو اس کی مہمانی کھولتا پانی   اور
تَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿۹۴﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۹۵﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۹۶﴾
بھڑکتی آگ میں دھنسانا   یہ بیشک اعلیٰ درجہ کی یقینی بات ہے   تو اے محبوب تم اپنے عظمت والے رب کے نام کی پاکی بولو

تفسیر عالمانہ اذا وقعت الواقعتہ جب واقع ہوگی واقع ہونے والی۔ اذا کی نصب فعل مضمر سے ہے معنیٰ یہ ہے کہ جب قیامت قائم ہوگی اور یہ نفخۂ ثانیہ کی بات ہے اس میں ایسے ہولناک امور ہیں کہ جنہیں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

سوال اسے واقعہ کیوں کہا گیا یعنی ابھی واقع ہونے والی کیونکہ اسم فاعل میں حال کا معنی ہے حالانکہ قیامت مستقبل میں واقع ہوگی۔

جواب اس کے وقوع تحقق کی وجہ سے اسی لئے لفظ اذا اور صیغہ ماضی اختیار فرمایا ہے۔ الواقعہ قیامت کے اسماء میں ہے۔ الصاخہ۔ الطامتہ آزفہ کی طرح۔

لیس لوقعها کاذبه اس کے وقوع میں جھوٹ نہیں۔

حل لغات حضرت امام راغب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جنگ کو الوقعہ اور ہر سقوط شدید کو بھی وقعہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ حضرت ابو اللیث نے فرمایا کہ قیامت کو واقعہ اس کسی آواز کی وجہ سے کہا گیا۔ اب معنی یہ ہوا کہ اس کے وقوع کے وقت کسی نفس کو تکذیب علی اللہ کا امکان نہ ہوگا اور نہ ہی شریک گھڑنے کی طاقت اور نہ اللہ تعالیٰ پر اولاد اور زوجہ کے بہتان کی قوت ہوگی اور نہ یہ کہہ سکے گا کہ مردے مرنے کے بعد نہیں اٹھیں گے کیونکہ اس وقت ہر نفس قیامت کو مان جائے گا بلکہ اسے اطمینان ہوگا کہ یہی تو ہے قیامت اور اس کی ہر ایک تصدیق ہوگی لیکن اج اکثر

نفوس اس کی تکذیب کرتے ہیں۔

لام توقیت کی ہے اور کاذبہ اسم فاعل ہے یا معنٰی یہ ہے کہ اس کے واقع ہونے یا اس کے حق میں جھوٹ نہیں بلکہ جو روایات اس کے متعلق وارد ہیں وہ حق سچ ہیں ان میں کسی قسم کا شک نہیں۔ لام تعلیل کی ہے اور الکاذبہ عاقبۃ کی طرح مصدر ہے۔

خافضۃ بعض کو نیچے کرنے والی ہے

رافعۃ بعض کو اونچا کرنے والی ہے علی سبیل الکنایہ اس کی عظمت کی تقریر ہے یعنی قیامت کے بڑے بڑے واقعات بہت سے لوگوں کے مراتب بلند کرنے والی ہے اور بہت سے مراتب نیچے کرنے والی ہے۔

نکتہ نیچے کرنے کی اونچا کرنے کی تقدیم قیامت کی ہولناکی کے اظہار کے لئے ہے بعض نے کہا کہ لعداء کو جہنم میں نیچے کرنے والی ہے اور اولیاء اللہ کے بہشت میں مرتبے بلند کرنے والی ہے یا عدل سے بعض کو نیچے کرنے والی ہے یا بعض کے دعاوی کی وجہ سے مرتبے نیچے کرنے والی ہے بعض کے حقائق سے مرتبے بلند کرنے والی ہے۔

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ان بعض کے جو دنیا میں بلند قدر تھے ان کے آخرت میں مراتب گھٹانے والی ہے اور دنیا میں کم مرتبہ تھے آخرت میں ان کے مراتب بلند کرنے والی ہے

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قدر و منزلت قیامت میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تاج (زریں) اور بہشتی پوشاک پہنا کر بہتر سواری پر سوار کر کے فردوس اعلیٰ کی طرف لے جائیں گے اور اس کے آقا امیہ بن خلف کو بیڑیاں پہنا کر نہایت ذلت و خواری اور قسم و قسم کے عذاب دے کر دوزخ کی طرف کھینچ کر لے جائیں گے۔ تاکہ اسے دوزخ کے نچلے طبقے میں پھینکیں اور وہ منافقین جو دنیا میں ٹھاٹھ باٹھ سے رہتے تھے انہیں اخرت میں دوزخ میں لے جائیں گے اور وہ گدڑی پوش مخلص درویش جو دنیا میں نہایت مسکینی اور عاجزی سے زندگی بسر کرتے تھے انہیں بہشت میں بھیجیں گے اور مے نوش اہل بدعت کو قعر دوزخ میں اور مے نوش جو خوش اعتقاد تھا اسے بھی بہشت میں بھیجیں گے۔

بسا پیر مباحاتے کہ بے مرکب فرو ماند
بسا رند خراباتی کہ زیں بر مشیر نر بندد

ترجمہ بہت بوڑھے سواری کے بغیر تھک ہار کر بیٹھ گئے بہت سے رند خراباتی جنہوں نے زین شیر پر باندھ گی۔

اذارجت الارض رجاء جب زمین کانپے گی تھر تھرا کر۔

حل لغات الرج تحریک الشئ واز عاجہ شے کا حرکت کرنا' ہلنا۔

والرجرجتہ بمعنی الاضطراب یعنی اونچا نیچا کرنے والی جب زمین سخت جھٹکے لگائے گی کہ اوپر والے مکانات اور پہاڑ گر جائیں گے اور اس کا زلزلہ نہ تھمے گا جب تک کہ اندر کا حصہ باہر نہ آجائے گا۔

وبست الجبال بستا۔ اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ چورا ہو کر یعنی ٹکڑے ٹکرے ریزہ ریزہ ہو کر پانی میں بھگوئی ہوئی ستو کی طرح ہو جائیں گے۔

حل لغات یہ لبس السویق سے ہے بمعنی اذالتہ اس نے ستو کو پانی میں بھگویا البسیتہ بمعنی وہ ستو جو پانی میں بھگو کر زاد راہ کے لئے تیار کی جائیں اور بوقت ضرورت سفر میں لائی جائیں یہ لبس الغنم سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب انہیں ہانک کرلے جایا جائے۔

فکانت تو اس سب سے ہو جائیں گے ھبًا اڑتی ہوئی غبار۔

حل لغات وہ گرد جو گھوڑے کے سم سے نکل کر اوپر کو چلی جائے یا دریچہ سے جو شعاع نظر آتی ہے یا وہ گرد جو آگ کے انگاروں سے اوپر کو اڑتی ہوئی نظر آتی ہے یا وہ پتے جنہیں ہوا ریزہ ریزہ کر کے اوپر کو اڑائے۔ منبثا (پھیلے ہوئے) متفرق

فائدہ اللہ تعالیٰ جنت کے نیچے سے ایک ہوا بھیجے گا جو زمین اور پہاڑوں کو اٹھائے گی۔ وہ ایک دوسرے سے ٹکرائیں گے اس طرح بہت دیر تک ہوتا رہے گا۔ یہاں تک کہ ریزہ ریزہ ہو کر اڑتی ہوئی غبار کی طرح ہو جائیں گے اور وہ غبار اڑا کر کافروں کے چہروں پر پڑے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ووجوہ یومئذ علیھا غبرہ وہ چہرے جن پر غبار ہو گا۔ بعض نے کہا کہ یہ غبار وہی مٹی ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا یالیتنی کنت ترابا کافر کہیں گے کاش ہم مٹی ہوتے اس کی تحقیق اپنے مقام (پارہ ۲۰) میں آئے گی۔ (انشاء اللہ)

تفسیر صوفیانہ (۱) اس میں قیامتہ العارفین کی طرف اشارہ ہے یعنی عشق کی قیامت جذبہ توحید اور عشق کے صدمے ہیں جس سے وہ قویٰ جسمانیہ بشریہ جو احکام کثرت کے مقتضی ہیں۔ نیچے ہو جاتے ہیں اور یہ وہ ان قویٰ روحانیہ

کو بلند کرتی ہے جو انوار وحدت کے متدعی ہیں۔ جب اس قیامت کی آندھی زمین بشریت کو ہلاتی ہے اور انانیت کے پہاڑوں سے گزرتی ہے تو اس کے تمام تعینات کو لاشے کر دیتی ہے وہ اپنی ذات وصفات میں مٹ جاتے ہیں نہ ان کا نام باقی رہتا ہے نہ نشان اور نہ کوئی اثر بلکہ اس کا عین (تعین) ہی ختم ہو جاتا ہے بلکہ اڑتی ہوئی غبار کی طرح منتشر ہو جاتے ہیں وجود میں ان کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ وہ سراب کی طرح ہو جاتے ہیں جو ایک میدان میں پڑا ہوتا ہے۔ پیاسے کو پانی کا خیال گزرتا ہے یہاں تک کہ جب وہ اس کے قریب آتا ہے تو وہاں کوئی شے نہیں پاتا اور اللہ تعالیٰ کے سوا وہاں کچھ نہیں۔

تفسیر صوفیانہ (۲) اس میں اشارہ ہے کہ صوفیہ کے قول کی طرف کہ جب فقر مکمل ہوتا ہے تو وہ اس کی طرف پہنچ جاتا ہے اسی لئے اس طریق حق کے سلوک میں استاذ و شیخ مرشد کامل حاذق کا ہونا ضروری ہے تاکہ وہ شیخ کامل مکمل اسے صحیح راستہ پر چلائے۔ یہاں تک کہ اس کو حقیقتہ التوحید ظاہر نظر آئے۔ قوائے روحانیہ کو قوائے جسمانیہ پر جیسے حضرت ابو سعید حراز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جب آپ سے توحید کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے پڑھا ان الملوک اذا دخلوا قریتہ الخ جب وہ کسی بادشاہ کی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسے ویران کر ڈالتے ہیں اور اس کے غالب لوگوں کو عاجز کر کے رکھ دیتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وکنتم (اور ہو گے تم) یہ خطاب تغلیباً امت حاضرہ اور امم سابقہ کو ہے یا صرف امت حاضرہ کو۔

ازواجاً ثلثہ تین گروہ دو جنت میں ایک دوزخ میں وجہ یا ذکر میں ہر گروہ دوسرے گروہ کے ساتھ ہو گا تو وہ زوج ہے فرد ہو یا جوڑا۔

المشئمہ (دائیں جانب والے کون ہیں دائیں جانبین اور بائیں جانب والی کون ہیں بائیں جانب والے۔) یہ اصحاب ثلاثہ کی تقسیم ہے۔

اصحاب المیمنہ مبتداء اس کی خبر مااصحاب المیمنہ ہے۔ ما استفہامیہ دوسرا مبتداء اور اس کا مابعد اس کی خبر ہے یہ دراصل ماھم تھا یعنی وہ کون سے حال میں ہیں اور کیا صفت ہے ان کی اس سے سامعین کو فریقین کی فخامتہ و فظاعتہ پر تعجب میں ڈالنا ہے گویا کہ کہا گیا تو نے اگر ان کا حال نہیں جانا تو اب

marfat.ocm

جان لو اور ان سے تعجب کرو۔

یاد رہے کہ اصحاب المیمنہ نہایت اچھے حال میں ہیں اور اصحاب المشئمہ نہایت ہی برے حال میں جیسے کہا جائے۔ زید ما زید یہ نہایت تعظیم و تعجب کے مقام پر بولتے ہیں یعنی اصحاب المیمنۃ نہایت ہی بہترین مرتبہ میں ہوں گے اور اصحاب المشئمہ نہایت ہی برے حال میں یہ میامن کے تیمن سے لیا گیا ہے کہ دائیں جانب سے برکت کی فال ہوتی ہے اور مشائمہ سے نحوست کی فال لی جاتی ہے بائیں جانب کی وجہ سے جیسے تم کہتے ہو۔ فلاں منی بالیمین والشمال یہ اس وقت ہوتا ہے جس کے متعلق یمین سے بلند قدری اور شمال سے تحقیر و تذلیل مراد ہو ان دونوں طرفوں کی رفعت و ذلت کے پیش نظر اسی لئے بہشتیوں کو اعمال نامے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں اور دوزخیوں کو بائیں ہاتھ میں یا وہ لوگ جو عرش کی دائیں جانب ہوں گے وہ بہشتی ہوں گے اور بائیں جانب والے دوزخی یا اس لئے کہ اصحاب الیمین اپنی طاعت کے یمن (برکت) کی وجہ سے بابرکت ہیں اور اصحاب الشمال بوجہ معصیت کے منحوس (شقی) بدعت ہوں گے یا یہ کہ اصحاب الیمین یوم میثاق آدم علیہ السلام کی دائیں جانب ہے اور اصحاب الشمال بائیں جانب۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دائیں جانب والوں کے لئے فرمایا یہ بہشتی ہیں مجھے اس کی پرواہ نہیں اور بائیں جانب والے دوزخی ہیں مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔

حل لغات القاموس میں ہے کہ الیمن بمعنی برکت اس کی جمع ایمن و ایمان و ایامن آتی ہے اور برکۃ قوۃ ایک شے ہے اور شوم یمن کی اور شامۂ میمنہ کی نقیض ہے۔ والسابقون السابقون یہ تیسری قسم ثلاثہ ہے اس کا ذکر مؤخر اس لئے ہے تاکہ آنے والے محاسن و صفات کو مقترن ہو۔

حل لغات البسق بمعنی پہلے ہونا چلنے میں اور مجازاً کسی سے مقدم ہونا مبتدا و اخر ہے اب معنی یہ ہوا کہ وہ لوگ جن کا ذکر و احوال مشہور اور ان کے محاسن معلوم ہیں جیسے انا ابوالنجم وشعری شعری السابقون اول مبتداء دوسرا محض تاکید ہے مکرر الاناان کی تعظیم کے لئے اور جملہ اولئک اس کی خبر ہے۔

فائدہ البرہان میں ہے اصل عبارت ہے السابقون ما السابقون ما حذف کیا گیا ہے جیسا کہ اس کا ما قبل دلالت کرتا ہے یعنی وہ لوگ جنہوں نے ایمان و طاعت میں سبقت کی ظہور حق کے وقت بغیر تاخیر و سستی کے اس معنی پر سبقت سے سبقت زبانی مراد ہو گی یا وہ لوگ۔ جنہوں نے کمالات دینیہ و فضائل یقینیہ کے جمع کرنے میں سبقت کی اس معنی پر

marfat.ocm

یہاں سبقت سے مراد شرافت ہے جیسے امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سبق کو احراز الفضل (فضیلت جمع کرنا) کے معنی میں مستعار کر کے استعمال کیا جاتا ہے اس تقریر پر معنی یہ ہے کہ وہ لوگ جو ثواب الٰہی اور جنت اور اعمال صالحہ میں مقدم ہیں اولٰئک وہ جو موصوف ہیں اس جلیل صفت سے یہ مبتداء ہے اس کی خبر المقربون مقرب ہوں گے یعنی وہ درجات کے لحاظ سے عرش کے قریب ہوں گے اور ان کے مراتب بلند ہوں گے اور ان کے نفوس زکیہ خطائر القدس تک ترقی کر چکے ہوں گے۔

فائدہ فقیر (صاحب الروح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ یہ معنی حضور سرور عالم ﷺ کے ارشاد اذا

سألتم اللہ فاسئلوہ الفردوس فانہ اوسط الجنتہ واعلی الجنتہ وفوقہ عرش الرحمن

جب تم اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگو تو جنۃ الفردوس کا سوال کرو کیونکہ وہ بہشتیوں میں اوسط اور ان سب سے اعلیٰ ہے کہ اس کے بعد عرش الٰہی ہے) سے معلوم ہوا ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ فردوس مقربین کا مقام ہے اور وہ عرش کی جہت کے قریب ہے۔

نکتہ متقربون نہیں مقربین فرمایا اس لئے کہ وہ قرب انہیں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نصیب ہوگا نہ کہ اپنے طور حاصل کیا۔

فائدہ! اس میں اشارہ ہے کہ ان حضرات پر اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم اور وہ اپنے فضل و کرم سے جسے مخصوص فرماتا ہے وہ اللہ بہت بڑے فضل والا ہے۔

فی جنات النعیم نعمت والوں جنات میں ہیں یہ مقربین یا فعل مضمر کے متعلق ہے اور اس فعل مضمر کی ضمیر سے حال ہے یعنی وہ جنات النعیم میں ہیں یعنی ایسے باغات جو قسم و قسم نعمتوں پر مشتمل ہیں۔

سابقین اربعہ بعض نے کہا کہ السابقون چار ہیں۔

۱۔ امت موسیٰ علیہ السلام میں سبقت کرنے والا یعنی خرابیل جسے مومن آل فرعون کہا جاتا ہے۔

۲۔ امت عیسیٰ علیہ السلام میں سابق حبیب النجار صاحب انطاکیہ۔

۳۔ امت محمد مصطفیٰ ﷺ میں دو سبقت کنندگان۔

۱۔ ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما

فائدہ حضرت کعب نے فرمایا السابقون اہل قرآن ہیں جنہیں قیامت میں تاج پہنایا جائے گا قریب تھا

marfat.ocm

کہ وہ نبی ہوتے مگر یہ کہ ان کے ہاں وحی نہیں بھیجی گئی۔

اہل قرآن کون[1]؟

اہل قرآن سے وہ لوگ مراد ہیں جو تلاوت قرآن مجید پر مداومت کرتے اور اس کے ارشادات پر عمل کرتے ہیں اور نبی اکرم ﷺ کی سیرت پاک قرآن ہی تھی۔

تین آدمی دنیا میں تین طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔

۱۔ جوانی سے ہی عبادت و اطاعت میں مشغول ہوئے اسی پر زندگی گزار دی یہی سابق مقرب ہیں۔

۲۔ جوانی تو گزاری گناہوں میں لیکن بعد کو عبادت و طاعت کی توفیق نصیب ہوئی اور اسی پر موت آئی یہ صاحب الیمین ہیں۔

۳۔ ابتداء سے ہی برائیوں میں شروع ہوا یہاں تک کہ اسی پر موت آئی یہ اصحاب الشمال ہیں۔

بندے تین قسم میرے شیخ و مرشد قدس سرہ (یعنی صاحب روح البیان کے پیر و مرشد قدس سرہ) نے بعض تحریرات میں لکھا کہ بندے تین قسم کے ہوتے ہیں۔

۱۔ اہل نسیان ۲۔ اہل ذکر ۳۔ اہل احسان

اہل نسیان وہ مطلقاً اہل فتور (سستی و کاہلی) ہیں ان میں کسی وجہ سے بھی حضور نہیں پایا جاتا یہ قطعی اہل بعید ہیں انہیں کسی وقت بھی کسی طرح قرب نصیب نہ ہو گا۔

یہی اصحاب المشئمہ ہیں کون اصحاب المشامتہ جن پر خدا تعالیٰ کا قہر و غضب ہے وہی نار جہنم کے دردناک عذاب میں ہوں گے اور پانی پئیں گے تو گرم سخت۔

اہل ذکر وہ من وجہ اہل فتور اور من وجہ اہل حضور ہیں یہی من وجہ اہل البعد ہیں اور من وجہ اہل قرب یہی قرب یہی اصحاب المیمنہ اور تمہیں کیا معلوم کہ اصحاب المیمنہ کون ہے وہ ارباب الرحمتہ واللطف والجمال ہیں ان کے لئے نورالنعیم اور ثواب عظیم اور سرور مقیم ہے۔

۳۔ مطلق اہل الحضور ان میں کسی قسم کا فتور نہیں وہی مطلقاً اہل القرب ہیں ان میں کسی قسم کا بعد نہیں وہی السابقون

---

[1] ہمارے دور میں منکرین حدیث اہل قرآن کہلاتے ہیں وہ دو ناموں سے معروف

ہیں اور تمھیں کیا معلوم کہ السابقون کون ہیں وہی مقربین ہیں وہی اصحاب کمال رضاوا جتباء واصطفاء ہیں۔ سر نعیم جنتہ الوصال میں دوام الصحبتہ والمشاہدہ والمعائنہ والے ہیں اور انہیں تجلی الوجہ الحق اور جمال المطلق کی بقاء والے ہیں وہی ارباب الکمال المتوجہ بوجہ الجمال والجلال ہیں قسم اول ظاہر میں ہی بلاوجہ پردہ میں ہیں۔ صنف ثانی کو توجہ بلا حجاب ظاہر میں تو نصیب ہو گی لیکن باطن میں کچھ نصیب نہ ہو گا اور ان کے اگے باطن سے پردہ ہو گا صنف ثالث کو بلا حجاب ظاہرو باطن میں کچھ نصیب نہ ہو گا اور ان کے اگے باطن سے پردہ ہو گا صنف ثالث کو بلا حجاب ظاہرو باطن میں توجہ نصیب ہو گی کیونکہ یہ حضرات وجہ مطلق کے تعین اور رسالتہ عرفانیہ میں ہیں۔ اصحاب الیمین مقربین کے سوا ہیں جنہیں ظاہر میں بلا حجاب توجہ ہے کیونکہ انہیں رویت نصیب ہو گی لیکن باطن میں ان کو حجاب سے رکھا جائے گا اور انہیں باطن کی توجہ حاصل نہ ہو گی۔ کیونکہ انہیں بصیرت کا انکشاف نہیں ہوا تھا اور اصحاب الشمال کو ظاہر میں بھی حجاب بلا توجہ نصیب ہو گا یا اعتبار یعنی باعتبار بدایتہ کے اور باطن میں بھی حجاب بلا توجہ نصیب ہو گا باعتبار انتہاء کے۔

چند گروہ اور ان کی تفصیل الا لحات الباقیات میں ہے کہ۔

۱۔ بعض صرف زبان سے ذکر کرتے ہیں ان کا ذکر مردود ہے کیونکہ وہ صرف زبان سے کہتے ہیں لیکن ان کے دل میں ذکر کی بو تک نہیں۔

۲۔ بعض وہ ہیں جو محض زبان و عقل سے ذکر کرتے ہیں یہ ابرار کے بیدار لوگ ہیں یہ بہ نسبت نیچے والوں کے مقبول اور بہ نسبت اوپر والوں کے مردود ہیں۔

۳۔ بعض وہ ہیں جو زبان و عقل اور قلب سے ذکر کرتے ہیں یہ مقربین میں سے مبتدی حضرات ہیں ان کی قبولیت نسبی ہے۔

۴۔ بعض وہ ہیں جو زبان اور عقل اور قلب اور روح سے ذکر کرتے ہیں یہ مقربین کے متوسط حضرات ہیں۔ ان کی قبولیت اضافی ہے۔

۵۔ بعض وہ ہیں جن کا ذکر مطلقاً ہے کہ ان کا ذکر لسانی بھی متحقق ہے اور فکر بھی اور ان کا مطالعتہ الاثار عقل سے ہوتا ہے اور مذکور کے حضور میں ہوتے ہیں اور مطالعتہ آلاثار قلب سے کرتے ہیں اور مذکور کے انس سے سرشار ہوتے ہیں اور انوار کا مشاہدہ روح سے کرتے ہیں اور مذکور میں فانی ہوتے ہیں اور اسرار کا معائنہ سر سے کرتے ہیں

marfat.ocm

انہیں مطلقاً قبولیت حاصل ہوتی ہے انہیں کسی طرح بھی رد نہیں کیا جاتا کیونکہ ان کا کمال و تمام یقیناً تحقیقی ہوتا ہے یہ مقربین میں ختمی حضرات ہیں یعنی انبیاء و مرسلین اور اولیاء کاملین اکملین (ﷺ)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں مملکت انسانیہ کے اعاظم مراتب و مقامات اکابر اور اس مملکت کے منادید (مملکت کے ارکان کی طرف اشارہ ہے یعنی روح سابق مقرب ہے وجود اور مرتبہ اور قلب متوسط صاحب المیمنۃ ہے اور نفس آخری گروہ ہے یعنی اصحاب المشئمۃ سے روح کو سابق اس لئے کہا گیا کہ اس نے تجلیات ذاتیہ رحمانیہ و تنزلات ربانیہ میں سبقت کی اور اسے ابتداء و انتہاء طہارت و نزاہت حاصل ہے اور قلب اصحاب المیمنۃ سے اس لئے ہے کہ یہ برکت و یمن والا ہے اور اس پر تجلیات صفاتیہ و اسمائیہ کا غلبہ ہے اور نفس اصحاب الشائمۃ سے اس لئے ہے کہ اس میں شومی اور خود بھی مشوم (منحوس) ہے اور داعی حق کی اجابت کے وقت فرمانبرداری کے لئے سست اور ڈھیلا ہے۔ روح پر قلب و نفس کی تقدیم اس لئے ہے کہ رحمانیہ میں اتنی وسعت ہے کہ وہ ہر شے کو وسیع ہے جیسے فرمایا رحمتی وسعت کل شئی (میری رحمت ہر شے سے وسیع ہے) اور فرمایا رحمتی سبقت غضبی (میری رحمت میرے غضب پر سبقت کر گئی) نفس قلب و روح کے درمیان بمنزلہ برزخ کے ہے تاکہ کبھی روح کی رحمت سے استفادہ کرے اور کبھی قلب کی رحمت سے تاکہ ان کے نور سے رنگا جائے اور دونوں پر ایمان لائے اگر اللہ تعالیٰ چاہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا الا من تاب و آمن و عمل صالحا فاولئک یبدل اللہ سیاتہم حسنات (مگر وہ جو تائب ہوا اور ایمان لایا اور نیک عمل کئے وہی ہیں جن کی برائیوں نیکیوں سے تبدیل ہو جاتی ہیں)

جنتہ النعیم میں جنات الذات والصفات والافعال کی طرف اشارہ ہے کیونکہ سابقین مقربین فانی فی اللہ بالذات والصفات والافعال اور باقی باللہ بالذات والصفات والافعال ہیں اور ان تینوں مقامات کے صاحبان کے لئے مخصوص جنتیں ہیں پوری جزا کے طور اور یہ جنتیں دنیوی اور اخروی کو شامل ہیں اگر تم رموز الہیہ کو سمجھ گئے تو کنوز رحمانیہ سے مالا مال ہو جاؤ گے۔

تفسیر عالمانہ ثلۃ من الاولین پہلے زمانہ کی امم کثیرہ جن کی کوئی شمار نہیں یعنی وہ امتیں جو آدم علی نبینا و علیہم السلام سے ہمارے نبی کریم ﷺ تک گزریں یہ تفسیر اس پر مبنی ہے کہ سابقین سے انبیاء علیہم السلام مراد

marfat.ocm

نہ ہوں۔

حل لغات الثلۃ الثل بمعنی توڑنا جماعۃ سابقین باوجود کثرت کے منجملہ بنی آدم سے مقطوع ومکسور یعنی توڑی ہوئی ہے۔ امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا الثلۃ بمعنی اون کا مجتمع قطعہ (ٹکڑا) اسی لئے بکریوں کے ریوڑ کو ثلۃ کہا جاتا ہے اجتماع کے اعتبار سے کہا گیا ہے ثلتہ من الاولین پہلے لوگوں کی ایک جماعت وقلیل من الاخرین اور تھوڑے سے پچھلے لوگوں سے یعنی اسی امت سے۔

سوال یہاں تھوڑا کہا گیا حالانکہ حدیث شریف میں ہے ان امتی یکثرون سائر الامم (بیشک میری امت تمام امتوں سے کثیر ہے) یعنی کثرت میں ان پر غالب ہوں گے۔

جواب امم سابقہ (گزری ہوئی امتوں) کے سابقین کی اکثریت اس امت (محمد علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) کے سابقین ان کے تابعین کی اکثریت سابقہ کے تابعین کی اکثریت کو مانع نہیں مثلاً ان کے تابعین دو ہزار ہوں اور تابعین صرف ایک ہزار تو ان کی کل میزان تین ہزار ہوئی اور اس امت (محمد علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) کے سابقین ایک ہزار اور ان کے تابعین تین ہزار تو کل میزان چار ہزار ہوئی اس اعتبار سے اس امت (محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) کا مجموعہ سابقہ امم کے مجموعہ سے اکثر ہوا۔

حدیث شریف حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا انا اکثرھم تبعا یوم القیمتہ (میں قیامت میں ان (انبیاء علیہم السلام) سے تابعداروں کے لحاظ سے قیامت میں زیادہ ہوں گا۔

سوال اصحاب الیمین کو ثلتہ من الاولین وثلتہ من الاخرین کہا گیا۔ اس میں امم سابقہ اور امت ہذا کی کثرت کا فرق کیا رہا۔

جواب دونوں کی کثرت فی نفسہا ایک دوسرے کی کثرت کے دوسرے کی کثرت کے منافی نہیں ان کی کثرت اپنے لحاظ سے ہے امت ہذہ کی کثرت اپنے لحاظ سے جبکہ وارد ہے کہ قیامت میں دوسری امتوں کے لحاظ سے لیہ امت دو تہائی ہوگی۔

marfat.ocm

حدیث شریف مرفوعاً مروی ہے کہ اولین و آخرین سے یہاں پر بھی حضور سرور عالم ﷺ کی امت کے متقدمین و متاخرین مراد ہیں اور یہی مختار مذہب ہے۔ (بحر العلوم ۴)

فائدہ متقدمین سے صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین جیسے لوگ مراد ہیں۔

شان نزول جب یہ ثلۃ من الاولین و ثلۃ من الآخرین۔ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روئے تو عرض کی تھی یارسول اللہ ﷺ ہم آپ پر ایمان لائے اور آپ کے تمام احکام کی تصدیق کی اس کے باوجود بھی ہمارے میں سے اہل نجات بہت کم ہوں گے اللہ تعالیٰ نے آیت مذکورہ نازل فرمائی حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ ایک جماعت اولین میں سے اور ایک جماعت آخرین میں سے جنتی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے سن کر عرض کی رضینا من ربنا ہم اللہ سے راضی ہیں۔

حدیث شریف حضور سرور عالم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کیا تم راضی نہیں کہ اہل جنت میں سے تم چوتھا حصہ ہو۔ ہم نے کہا کیوں نہیں پھر فرمایا کہ تم راضی نہیں کہ تم تہائی ہو ہم نے کہا ہم راضی ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (ﷺ) کی ذات ہے مجھے امید (یقین) ہے کہ اہل جنت میں آدھے تم ہو۔

فائدہ اس کی وجہ یہ ہے کہ بہشت میں نفس مسلمہ (مسلمان) ہی داخل ہوگا اور اے میرے امتی تم مشرکین کے بالمقابل ایسے ہو جیسے بیل کے چمڑے کے سیاہ بالوں میں ایک سپید بال یا اس کے سرخ بالوں میں صرف ایک سیاہ بال۔

فائدہ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ کے کل امتی جنتی ہیں اس کے بعد حضور سرور عالم ﷺ نے نصف سے ترقی کے کے بہشت میں اپنی امت کی دو تہائی بتائی ہے۔

دو تہائی بہشت میں امت مصطفیٰ ﷺ

نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ اہل جنت کی ایک سو بیس (۱۲۰) صفیں ہوں گی ان میں سے اس امت (محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی اسی صفیں ہوں گی۔

marfat.ocm

حدیث شریف حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ ہم آخر میں آئے لیکن قیامت میں ہم پہلے ہوں گے یعنی سابقین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور اپ کی امت ہیں اور باب جنت میں سب سے پہلے تشریف لے جانے والے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ (کتاب التعریف والاعلام فصیلی ۲)

حدیث شریف حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ سب سے پہلے میں ہی بہشت کا دروازہ کھٹکاؤں گا اور بہشت میں سب سے پہلے میں اور فقراء مہاجرین ہی داخل ہوں گے۔

علم غیب نبی ﷺ فرمایا کہ سب سے آخری جنتی اور سب سے آخری دوزخی ایک مرد ہو گا جس کا نام جہنیہ ہے اہل جنت کہیں گے چلو جہنیہ سے جاکر پوچھیں کہ اب بھی کوئی کلمہ کو لاالہ الااللہ پر یقین رکھنے والا دوزخ میں ہے کیونکہ اس کی اسے خبر ہے۔

نماند بزندان دوزخ کسے راکہ باشد چنیں دستگیر

(وہ دوزخ میں قیدی بن کر نہ رہے گا جس کا دستگیر ایسا ہو)

تحقیق صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہے کہ یہ خلاصہ ہے اس کا جو مفسرین نے اس مقام پہ فرمایا ہے لیکن میرے دل کے ایک تقریر سامنے آئی ہے وہ عرض ہے وہ یہ کہ اگرچہ مقربین اہل یمین میں داخل ہیں لیکن ثلۃ من الآخرین سے وہ ثلۃ مراد ہے جو اصحاب الیمین سے ہے اور وہ مقربین کا غیر ہے جیساکہ ازواج کی تقسیم کے قرینہ سے معلوم ہوتا ہے اور ان کے ہر ایک گروہ کو علیحدہ بیان کرنے سے ثابت ہوتا ہے اور ہم گفتگو کر رہے ہیں مقربین کے بارہ میں بالخصوص اس امت (محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) کے سابقین کے متعلق اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ امم سابقہ کے سابقین سے کم ہیں جیسے قلیل من الاخرین کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے یا زیادہ جیسے اس پر بعض شواہد دلالت کرتے ہیں فیصلہ یہ ہے کہ وہ اصحاب الیمین کی طرح زیادہ ہیں اور آیت اس امت (محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) کے متقدمین و متاخرین پر محمول ہے جیسے سابقاً ہم نے اشارہ کیا ہے وہ اس لئے کہ حضور نبی پاک ﷺ نے اپنی امت کے علماء کو بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام سے تشبیہ دی ہے اور یہ مسلم ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام مقربین میں سے ہین اور اس امت (محمدیہ علی

marfat.ocm

صاحبہا الصلوۃ والسلام) کے علاوہ الانسانیت ہیں اور دلیل سے ثابت ہے کہ اس امت (محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) کے ہر زمانہ میں انبیاء علیہم السلام کی گنتی پر اولیاء کرام رہتے ہیں یعنی ایک لاکھ چوبیس ہزار بلکہ کبھی اس گنتی سے بھی بڑھ جاتے ہیں زمانہ کی نورانیت کے اعتبار سے۔

چالیس آدمیوں کا ولی اللہ بننا بلکہ یہ اپنی جگہ ثابت ہے کہ اہل ایمان چالیس آدمیوں کا اجتماع ولی اللہ عرفی کی قوت میں ہے تو جب قیامت میں اسی صفیں (اہل جنت کی) اس امت (محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) سے ہوں گی تو ظاہر ہے کہ ان کی گنتی سابقہ امم سے بڑھ کر ہے ان کی گنتی کی وجہ سے اصحاب الیمین سے اولیاء زائد ہونے چاہئیں اور ان کی زیادتی اولیاء مقربین سابقین کو مستلزم ہے اس مذکورہ گنتی میں بعض میں اغواث ہوں گے بعض اقطاب بعض اولیاء کاملین اسے اچھی طرح سمجھ لے (ورنہ وہابی ہو جاؤ گے)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ثلۃ من الاولین میں اشارہ ہے کہ ارباب القلوب صواحب التجلیات الجزئیہ الصفاتیہ والاسمائیہ سے اکثر ہیں اور اس میں اصحاب اللذات النفسانیہ الظلمانیہ کی کثرت کی طرف بھی اشارہ ہے اور قلیل من الاخرین میں محمدیوں کی طرف اشارہ ہے نیز اس میں اشارہ ہے کہ ارباب الارواح الطاہرہ صواحب التجلیات الذاتیہ المقدسہ کثرات الاسماء والصفات لااعتبار سے اکثر ہیں۔

تفسیر عالمانہ علی سرر موضونۃ اوپر تختوں کے ہوں گے جو سونے چاندی اور موتی و جواہر سے جڑے ہوتے ہیں یہ دوسرا جل ہے المقربین سے۔

حل لغات سرر سریر کی جمع ہے بمعنی تخت الموضونۃ سونے چاندی سے جڑا ہوا موتی و جواہر اور یاقوت سے ڈھالے ہوئے یا بمعنی التوحید یعنی ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے۔ الوضمن سے ہے زرہ بننا پھر ہر مضبوط بنے ہوئے کے لئے ہے استعارہ کے متعلق سے مستعمل ہوتا ہے۔

متکئین علیہا متقابلین ان پر سہار الگائے آمنے سامنے یہ دونوں علی سرر کے متعلق سے حال ہیں۔

حل لغات التقابل آمنے سامنے ہونا یا لذات یا بالعنایہ والمودۃ یہ یعنی ٹھہرنے والے تختوں پر سہارا لگانے والے

marfat.ocm

معاشرت و تہذیب الاخلاق و آداب کی وصف ہے۔

فائدہ امام ابو اللیث رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ زیارت کے لئے ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوں گے علامہ کاشفی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک دوسرے کے برابر یعنی ایک کا چہرہ دوسرے کے چہرے کے سامنے ہو گا تا کہ دیکھ کر ایک دوسرے سے مانوس و مسرور ہوں۔

یطوف علیہم ان پر ان کے ارد گرد پھریں گے خدمت کے لئے شراباً وغیرہ پانی کے وقت۔

ولدان (بچے) ولید کی جمع ہے کیونکہ چھوٹے کی خدمت بہ نسبت زیادہ موزوں ہوتی ہے۔

مخلدون ہمیشہ وہ بچوں کی شکل میں ہوں گے اور انہی کی خنکی میں اس بچپن کے سن سے انہیں بدلیں گے کیونکہ وہ بقا کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور جو بقاء کے لئے پیدا ہو اس میں تغیر و تبدل نہیں ہو تا۔

سوال کل نفس ذائقتہ الموت کے حکم میں یہ بچے داخل ہیں یا نہ

جواب وہ مریں گے نہیں البتہ نفختیں کے درمیانی مدت میں ان پر نیند طاری کی جائے گی (الاسئلہ المقحمہ)

فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ ان بچوں کو اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے پیدا کرے گا محض بہشتیوں کی خدمت کے لئے ہوں گے ان سے اور کوئی کام نہیں لیا جائے گا۔ بعض نے کہا کہ وہ اہل دنیا کے بچے ہوں گے۔ جن کی کوئی نیکی نہ ہو گی جس سبب سے ان کو اس کا ثواب ملتا ہے اور نہ ہی گناہ جس پر انہیں سزا ملتی۔ **حدیث شریف** میں ہے کہ اولاد ا لکفار اہل ایمان کی خدام ہوں گی

تائید حنفیت لفظ ولدان امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کی تائید کرتا ہے انہوں نے فرمایا کہ کفار کی اولاد اہل ایمان کی خدام ہو گی کیونکہ جنت ولادت کا سلسلہ نہ ہو گا۔

فائدہ یہ بھی ہو سکتا ہے مخدوم دن بمعنی مقرطون بمعنی سناری گوشواروں سے آراستہ اور الحلہ۔ بمعنی کنگن اور بالی آیا ہے جیسے خلدۃ (محرکتہ) فردۃ کی طرح۔ اب مخلدوں کا معنی ہوا کہ وہ کانوں میں بالیاں اور ہاتھوں میں کنگن پہنے ہوں گے یا مخلدون بمعنی وہ ہمیشہ بوڑھے نہ ہوں گے اور نہ ہی بچپن کے سن سے بدلیں گے۔ اور کشف الاسرار میں

فرمایا کہ الخلدون الخلاوۃ سے ہے اور یہ لغت قحطانیہ ہے۔

باکواب سونے اور جواہر کے کوزوں سے وہ تنگے نہ ہوں گے اور نہ ان کے پکڑنے کے لئے زائد حصہ یعنی لوٹے جن پر خرطوم یعنی زائد حصہ نہ ہو گا اور وہ پینے والے کے لئے کسی قسم کی شے حائل ہونے والی نہ ہو گی جس جگہ سے چاہے پینے والا پئے اسے یہ حاجت نہ پڑے گی کہ اسے ایک جگہ سے پینا مشکل ہے تو دوسری جگہ سے پئے۔

والباریق اور بڑے آفتابے۔ ابریق کی جمع ہے وہ لوٹا جس کو سر کی طرف سے زائد حصہ اور درمیان میں بھی جس کا رنگ چمکیلا ہو گا اس کے صاف و شفاف ہونے کی وجہ سے۔ بعض نے کہا یہ عجمی لفظ ہے آبریز کا معرب جس برتن کا سر کا حصہ نہ ہو اور نہ درمیان میں اس کا زا[illegible]ہ اسے کوب کہتے ہیں پیالہ وغیرہ اور ابریق (آفتابہ) ہاتھوں کے دھونے کے لئے اور پیالہ پانی پینے کیلئے جیسا کہ فرمایا وکاس من معین اور بڑے پیالے بہنے والے پانی سے یعنی شراب طہور اسے بھرپور بڑے پیالے چشموں سے بھرپور کے پئیں گے۔

فائدہ مروی ہے کہ بہشت کا شراب دنیا کے شراب جیسا نہ ہو گا کہ جسے بتکلف نکالا جاتا ہے اور اس کے بنانے میں کلم کرنا پڑتا ہے لیکن آخرت کا شراب بلا تکلف ہو گا اور برتنوں میں عام پڑا ہو گا بلکہ نہروں کی طرح جاری ہو گا جیسا کہ فرمایا وانہار من خمر (اور شراب کی نہریں) ہوں گی۔

حل لغات کاس وہ پیالہ جس میں شراب ہو خالی ہو تو قدح کہا جائے گا۔ اہل لغت کہتے ہیں من الماء ای جری جاری ہوا۔ معین فعیل بمعنی فاعل یعنی جاری یا بمعنی ظاہر کہ اسے آنکھوں سے نہروں میں دیکھا جائے گا جیسے جاری پانی کو دیکھا جاتا ہے کالماء المعین یعنی ظاہری طور جاری پانی پانی کی طرح اس معنی پر معین بمعنی اسم مفعول ہو گا۔ المعاینہ سے ازعانہ بمعنی شخصہ ومیزہ بعینہ اسے آنکھوں سے جھانکا اور اسے علیحدہ کیا۔

القاموس میں ہے کہ امعن الماء بمعنی ظاہر و معن الماء بمعنی اسالہ۔ = پانی کو بہایا۔ وامعن الماء۔ پانی جاری ہوا۔ المعان وادی میں پانی کے جاری ہونے کی جگہ۔

سوال اکواب واباریق جمع اور کاس واحد کیوں؟

جواب شرابیوں کی عادت پر ہے کہ وہ شراب تو متعدد اور مختلف برتنوں میں رکھتے ہیں لیکن پیتے ایک پیالے سے ہیں۔

marfat.ocm

لا یصدعون عنہا (اس سے انہیں سر کا درد نہ ہو گا)

حل لغات الصدع الشق فی الاجسام العلبہ۔ سخت جسموں کا پھٹنا جیسے شیشہ لوہا وغیرہ اسی سے الصداع استعارہ لیا گیا ہے یعنی سر کا درد سے پھٹنا اسی سے الصدیع ہے۔ ”معنی فجر کا ابتدائی وقت یعنی انہیں شراب پیتے وقت سر کا درد نہ اٹھے گا جیسے دنیا کے شراب پینے سے ہوتا ہے اور اس کی حقیقت بھی یہی ہے کہ اس سے درد سر نہ اٹھے۔

فائدہ! حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شراب میں چار خصلتیں ہیں

۱۔ نشہ ۲۔ دردسر ۳۔ قے ۴۔ پیشاب کی کثرت

لیکن جنت کی شراب میں یہ نہ ہو گی بلکہ اس میں لذت ہی لذت ہے اور اس میں کسی قسم کی تکلیف نہیں۔

ولا ینزفون اور نہ ہوش میں فرق آئے یعنی انہیں نشہ نہ ہو گا اور ان کی عقول نہیں جائیں گی یا یہ معنی ہے کہ ان کی شراب ختم نہ ہو گی انزف الشارب سے شرابی کی عقل خراب ہو گی یا شراب ختم نہ ہو گی نفاذ ختم ہونا عقل کا ہو تو بھی شراب دنیا کا عیب ہے یا شراب ختم ہو جائے تو بھی عیب ہے کہ یاران صحبت نہ آئیں گے (محفل ویران پڑ جائے گی)

وفاکھۃ مما یتخیرون اور میوے جو وہ پسند کریں۔

حل لغات تخیرت الشئ۔ میں نے اس کے اچھے کو لیا یعنی پسند کریں گے اور اسے لیں گے جو رنگ کے لحاظ سے بہتر و افضل ہو گا حالانکہ وہ کل کے کل پسندیدہ ہوں گے اس کا عطف باکواب پر ہے یعنی ان کے سامنے بچے میوے لے کر پھرتے ہوں گے۔ الفاکہہ وہ ثمر جو میوے کے طور پر کھایا جائے لذت کے لئے صحت و تندرستی کے لئے کیونکہ بہشت میں غذا کی وجہ سے ان کی صحت اور تندرستی محفوظ ہو گی اور دنیوی غذا کی طرح نہیں ہو گی کہ اسے مجبوری سے حاصل کر لیا جائے اگر دیر سے ملے تو تنگی محسوس ہو۔ اس میں اشارہ ہے کہ بہشتی وہ ماکولات لے گا جس سے تنعم و تلذذ ہو۔

ربط اس کے بعد گوشت کا ذکر فرمایا جو کہ سید الادام ہر سالن کا سردار۔ عرب میں اونٹ کا گوشت وسعت سے ہوتا تھا لیکن ان کے ہاں عزیز ترین گوشت پرندوں کا تھا جو کہ وہ گوشت کی تمام قسموں سے لذیذ تر ہے اور وہ صرف سنتے تھے کہ پرندوں کا گوشت بادشاہوں کے پاس ہوتا ہے اسی کا وعدہ فرمایا کہ ولحم طیر مما

marfat.ocm

یشتھون اور پرندوں کا گوشت جو وہ چاہیں گے انہیں خواہش ہو گی کہ پرندوں کا بھنا ہوا یا پکا ہوا ہو تو وہ اسے خواہش کے مطابق پائیں گے اس کے لئے انہیں پریشانی نہ ہو گی اور نہ وہ مجبور ہوں گے وہ یوں ہو گا کہ مومن دستر خوان پر بیٹھے ہوں گے کہ مرغ آئے گا اور انکے سامنے طوبیٰ کے درخت پر بیٹھ جائے گا اور آواز دے گا کہ میں پرندہ ہوں کہ بہشت کا کوئی چشمہ نہیں جس سے میں نے پانی نہ پیا ہو اور اس کا کوئی درخت نہیں جس کا میوہ میں نے نہ کھایا ہو میرا گوشت ہر گوشت سے لذیذ اور خوش تر ہے اس پر بہشتی خواہش کرے گا تو وہ پرندہ طوبیٰ کے درخت سے اڑ کر اس کے دستر خوان پر تین حصے ہو جائے گا۔

۱۔ یخنہ ۲۔ سادہ بوٹیاں ۳۔ بھنا ہوا۔

بہشتی جو چاہے کھائے پھر وہ پرندہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے زندہ ہو کر اڑ جائے گا۔

سوال الاسئلہ لا قمہ میں ہے کہ وفاکہۃ مما یتخیرون اور ولحم طیر مما یشتہون میں عطف ڈال کر مختلف الفاظ و یتخیرون و یشتہون کیوں؟

جواب میوہ صرف کھانے کے لئے نہیں بلکہ سونگھنے دیکھنے کے لئے بھی ہوتا ہے اور پرندے کے گوشت میں کھانے کی مختلف چاہتیں ہوتی ہیں کہ اس کے بعض حصہ کے لئے کچھ چاہت ہوتی ہے بعض کے لئے کچھ اور کسی حصہ کے لئے ہوتی ہی نہیں۔

ربط کھانے پینے کے بعد انسان فطرتی طور پر جماع کی خواہش کرتا ہے اس کے لئے فرمایا وحور عین اس کا عطف ولدان پر ہے یا یہ مبتداء ہے اور س کی خبر محذوف ہے دراصل فیہا حور عین یا ولہم حور عین تھا یعنی بہشت میں ان کے لئے عورتیں ہوں گی۔

حل لغات حور حوراء کی جمع ہے سفید یا سخت سفید آنکھوں والی جن کی سیاہی بھی سخت ہو گی۔ عین عیناء کی جمع ہے بڑی اور حسین آنکھوں والی۔ وہ ملائکہ کی تسبیح سے پیدا کی گئی ہیں۔ کامثال اللؤلؤ المکنون (چھپے ہوئے موتی کی طرح) یہ حور کی صفت یا حال ہے یعنی صدف میں چھپے ہوئے موتی کی طرح کہ اسے ہاتھوں نے نہ چھوا اور نہ آنکھوں نے دیکھا یا محفوظ ہیں کہ انہیں کسی نے ضرر نہیں پہنچا اور نہ ہی ان پر گرد و غبار پہنچی اور نہ

ہی ان کی صفائی اور رونق میں کمی آئی۔

ربط جب ان کی وصف جزاء کو مکمل طور بیان فرمایا تو یہ دلیل ہے اس کی کہ ان کے اعمال بھی اچھے ہوں گے کیونکہ جزاء کردار کے مطابق ہوتی ہے اس لئے فرمایا جزاء بما یعلمون یہ جزاء ہے اس کی جو وہ دنیا میں عمل کرتے تھے۔ یہ مفعول لہ ہے یعنی ان کے ساتھ یہ اس لئے ہوگا کہ وہ دنیا میں نیک کام کرتے تھے تو احسان کی جزاء احسان ہے کیونکہ منازل آخرت کی تقسیم اعمال کی مقدار پر ہوگی لیکن دخول جنت محض اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت سے ہوگا اس میں عامل کے اعمال کو کوئی دخل نہیں۔

سبق جو چاہتا ہے کہ جنت میں داخل ہو اور لذیذ گوشت کھائے اور شراب طہور پئے اور حور عین سے متمتع ہو تو اس کی ملاقات کے لئے نیک اسباب اختیار کرے۔

حور بہشتی کے اطوار مروی ہے کہ جب حور چلیں گی تو ان کے پاؤں کے جلاجل (گھنگھروں) سے تقدیس کی اور ان کے ہاتھوں کے کنگن کے تمجید کی آواز سنائی دے گی اور ان کا یاقوتی سینے کا ہار رہے گا اور ان کے پاؤں کے جوتے سونے کے اور ان کے تسمے موتی کے تسبیح کی آوازیں گے ہر حور (عورت) پر ستر پوشاک ہوگی ہر پوشاک کا رنگ دوسرے رنگ سے جدا ہوگا اور ان میں ستر رنگ کی خوشبو ہوگی اور ہر خوشبو کی بو و رنگ دوسری سے جدا ہوگی اور ان پر ایک کے لئے ستر ستر یاقوت احمر اور موتیوں کے جڑاؤں کا تخت ہوگا ہر تخت پر ستر ستر بستر ہوگا۔ ان کا اندرونی حصہ استبر (موٹے ریشم) کا ہوگا۔ ان پر حور (عورت) کی ستر ستر کنیزیں ہوں گی ان پر کنیز کے ہاتھ میں دو سونے کے پیالے ہوں گے جن میں دو قسم کا رنگین طعام ہوگا جن میں سے ہر ایک لقمہ کی لذت دوسرے کے ہر لقمہ سے نرالی ہوگی ایسے ہی ہر حور کے شوہر کو سرخ رنگ کی یاقوتی تخت ملیں گے۔

اس کے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن ہوں گے۔ جن پر سرخ یاقوت کا جڑاؤ ہوگا۔

ملفوظ یحییٰ بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے کہ ایسی عورت کو نکاح کا پیغام دے جو تجھے موت سے چھین نہ لے یا ایسی دار میں شادی رچا جسے بلاؤں کا چکر خراب و ویران نہ کردے۔ اس کے لئے ایسا کجاوہ تیار کر جسے مصائب کی آگ نہ جلادے۔

marfat.ocm

فائدہ مروی ہے کہ حوریں زعفران سے پیدا کی گئی ہیں (کشف الاسرار)

لایسمعون فیہا لغوا (وہ آپس میں بیکار بات نہ سنیں گے) لغو بمعنی باطل (بیکار)

حل لغات القاموس میں ہے کہ اللغو والسقا بمعنی السقط۔ گری ہوئی شے اور وہ جو کسی قطار میں نہ ہو کلام ہو یا کوئی شے۔

المفردات میں ہے کہ اللغو وہ بات جس کا کوئی اعتبار نہ ہو یعنی وہ بات جو بلا سوچے سمجھے بولی جائے وہ بمنزلہ لغا کے ہے یعنی چڑیوں اور پرندوں کی سی آواز۔ ولا تاثیما اور نہ گنہگاری اور نہ اس قسم کی باتیں سننا ہو گا۔

حل لغات الاثم وہ افعال جو ثواب سے دور کرنے والے ہیں اس کی جمع آثام ہے۔ الا قیلا (مگر تھوڑا سا) سلاما سلاما کہنا ہو گا سلام۔ سلام) یہ قیلا سے بدل ہے اور استثناء منقطع ہے یعنی ہاں بہشت میں یہ سنیں گے سلام سلام۔ یہ لا یذوقون فیہا الموت الا الموتۃ الاولی کی طرح ہے کہ یہ تعلیق بالمحال سے ہے۔

سماع السلام کا یہ مطلب ہے کہ وہ بہشت میں ایک دوسرے سے سلام سلام کی آواز سنیں گے کہ وہ ان کو سلام کریں گے سوائے اس کے کہ ایک دوسرے کا ابتداء سلام کہنا اور اس کے جواب میں وعلیکم السلام کہنا۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ سابقین مقربین کی بہشت ان کدورات سے صاف ہے جو اپنے ساکنین کی طبیعت کو منغص (کھٹا) کر دے اور امت تمام ان معاملات سے فارغ ہے جو کسی کو بے چین اور ناامید بنائے رکھیں بہشتی سوائے حق کے ساتھ کچھ نہ کہیں گے اور نہ ہی حق کے سوا کچھ سنیں گے یعنی حق تعالیٰ ان پر اپنے رسم سلام کے جلوہ سے جلوہ گر ہو گا اسم سلام نقائص و آفات سے پاک سلامتی پر مشتمل اور قربات و کرامات کو متضمن ہے۔

فائدہ معزز ترین سلام تو وہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو نوازے گا چنانچہ فرمایا سلام قولا من رب رحیم (سلام وہ جو رب رحیم سے کہنا ہے سلام) اس کے بعد سلام الارواح۔

حکایت بعض علماء سے منقول ہے فرمایا کہ کہ میرا ایک بیٹا شہید ہوا تو میں نے اسے رات خواب میں دیکھا جس

شب حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصل (وفات) ہوا (اور یہ بارہ خلفاء میں سے ہیں (عقائد اہلسنت) میں نے کہا بیٹے تم فوت نہیں ہو گئے تھے کہا کہ میں مرا نہیں شہید ہوا تھا اور میں اللہ تعالیٰ کے ہاں زندہ ہوں مجھے رزق دیا جاتا ہے میں نے کہا یہاں کیسے آ گئے کہا حضرت عمر بن عبد العزیز کا وصل (وفات) ہوئی ہے میں ان کی نماز جنازہ کے لئے آیا ہوں پھر چاہا کہ آپ کو بھی سلام کرتا چلوں۔

صاحب روح البیان کا مشاہدہ فقیر (صاحب روح البیان رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہے کہ میں نے حرمین طیبین میں ارواح کو نماز و طوائف کے لئے حاضر ہوتے اور ایک دوسرے کو السلام علیکم کرتے دیکھا یہاں تک کہ میں نے بھی سحر کے وقت مقام جبریل کے نزدیک خلفاء اربعہ اور ملائکہ اربع پر سلام عرض کیا (وَلِلّٰہِ الحمد علی ذلک) اس پر اللہ تعالیٰ کی بہت بہت حمد و شکر کہ اس نے مجھے زیارت سے مشرف فرمایا)

سلام من الرحمن نحو جنابہ
لان سلامی لا یلیق ببابہ

ترجمہ رحمٰن کا سلام ہو آپ کی جناب کی ورنہ میرا سلام تو آپ کے لائق نہیں۔

تفسیر عالمانہ

واصحاب الیمین۔

ربط پہلے جو فضیلت والی شانوں کو ا۔ تقسیم فرمایا اب ان کی تفصیل شروع فرمائی یعنی اب بتایا جائے گا کہ السابقین کو بہشت میں کیا نصیب ہو گا چنانچہ فرمایا اور اصحاب الیمین۔ یہ مبتداء اور اس کی خبر جملہ اصحاب الیمین ہے۔ یعنی تمہیں کیا معلوم کہ اصحاب الیمین کے لئے کیا خیر و برکت تیار ہے ان کی بزرگ صفات اور کمال محاسن کی۔

فی سدرۃ مخضود اور وہ بے کانٹوں کی بیریوں میں۔ یعنی ان بیریوں میں کانٹے نہیں ہوں گے جیسے دنیا کی بیریوں میں ہوتے [illegible] لئے کہ دنیا کی بیریاں کانٹوں سے پیدا ہوتی ہیں اور جنت کی بیریاں بغیر کانٹوں کے ہیں گویا اس کے کانٹے کاٹ کر ان سے دور [illegible] گئے ہیں۔

فائدہ صدرۃ مخضود یا تو مبالغہ ہے تشبیہ میں یا مجاز ہے علاقہ سببیہ سے اس لئے کہ خضد (کاٹنا) کانٹے کے نہ ہونے کا سبب ہے بعض نے کہا مخضود بمعنی ان کی ٹہنیاں دوہری ہوں گی بوجھ کی کثرت کی وجہ سے خضد الغصن سے ہے بمعنی ٹہنی دوہری ہے۔ یہ اس وقت ہے جب سبز تر ہو اس تقریر پر مخضود میں مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ

کو اس کے قائم مقام کھڑا کیا گیا ہے۔

السدیہ پھل والا درخت ہے اس کا پھل عرب کے ہاں محبوب و معروف ہے اس کے پتوں سے اشنان بناتے ہیں[1]

المفردات میں ہے کہ وہ درخت جو کھانے میں قلیل الغذاء اور کانٹے دار اور سایہ دار ہے اس کے سایہ اور میوہ کی وجہ سے بہشت کی بیری کو تشبیہ دی گئی ہے۔

اعجوبہ بہشت کا کوئی پھل باطلا۔ وغیرہ کی طرح بلاخلاف نہ ہوگا بلکہ اس کا کل حصہ کھانے اور پینے اور سونگھنے اور نظر آنے والا ہوگا۔

وطلح منضود اور کیلے کے گچھوں میں۔ اس کا بوجھ جڑا ہوا اور ایک دوسرے کو اوپر نیچے چڑھا ہوا ہوگا اس کی پتلی نہ ہوگی اور ظاہر ہوگا طلح کیلہ درخت اس کے بڑے پتے اور سایہ ٹھنڈا ہوتا ہے اور بیری کے پتے چھوٹے ہوتے ہیں یا وہ ام غیلان (بہت گھنہ) ہے جس کے بہت پھول اور خوشبودار پتے ایک دوسرے سے ملے ہوتے ہیں اسے اہل عرب صرف نزہت و زینت کے لئے کام میں لاتے ہیں اگرچہ اس سے کچھ نہ کھایا جائے۔

فائدہ السدی نے فرمایا کہ اس کیلے کو دنیا سے تشبیہ دی گئی ہے لیکن وہ کیلہ شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا۔

شان نزول حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ طائف میں ایک وادی تھی نہایت ہی بہترین جس میں کیلے اور بیری کے درخت ہوتے تھے تو اہل عرب کہتے کاش ہمیں بہشت میں ایسی وادی نصیب ہو ان کی آرزو پر یہی آیت اتری اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا **وفیہا ماتشتہی الانفس وتلذ الاعین** اور اس میں جو چاہیں گے ملے گا اور آنکھیں لذت پائیں گی۔

فائدہ اس میں اللہ تعالیٰ نے وہ بیان فرمایا جو قوم جو چاہے اور جس سے انہیں محبت و چاہت ہوگی جنت کے کیلے اور بیری کو دنیا کے کیلے اور بیری پر وہی فضیلت حاصل ہے جو جنت کی دوسری نعمتوں کو دنیوی نعمتوں پر۔

وظل ممدود اور دراز سائے میں نہ گھٹنے اور نہ اس میں فرق آئے جیسے دنیا میں فجر و طلوع شمس اور غروب شمس

---

[1] جس سے ہاتھ دھوئے جائیں ۱۲ المنجد)

marfat.ocm

کے درمیان ہوتا ہے او جو شے منقطع ہو اسے ممتد کہا جاتا ہے یعنی ہمیشہ والی شے[1] کو ممدود کہتے ہیں۔

حدیث شریف (۱) میں ہے جنت کا درخت اتنا طویل (دراز) ہوگا کہ اگر سوار سو سال اس سایہ کے نیچے چلے تب بھی اس کا سایہ ختم نہ ہوگا۔

حدیث شریف (۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرمایا کہ جنت میں ایک پنڈلی دار درخت ہے جس کے نیچے اہل جنت بیٹھ کر دنیا کی باتیں یاد کر کے گفتگو کریں گے اور چاہیں گے وہی لہو (کھیل) یہاں ہوتی ان کی باتیں سن کر درخت ہلے گا تو بہشت سے ہوا چلے گی جس میں ان کی لہو (کھیل) برآمد ہوگی جو وہ چاہیں گے۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے محتمل ہے کہ ظل سے مراد حفاظت ہو مثلاً کہا جاتا ہے فلاں فی ظل فلاں کی حفاظت میں ہے یعنی اس کی پناہ اور سایہ کا معنی اس لئے موزوں نہیں کہ وہاں سورج نہیں ہوگا۔ سورج ہوگا تو دھوپ ہوگی اور دھوپ ہوگی تو سایہ کی ضرورت پڑے گی جب سورج ہی ہوگا تو پھر سایہ کی ضرورت۔

فائدہ فقیر (صاحب روح البیان رحمتہ اللہ علیہ) کہتا ہے ظل سے مراد راحت ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ومدخلھم ظلاً ظلیلا اور ہم انہیں بہترین راحت میں داخل کریں گے۔ اور انسان سایہ تلے بیٹھتا ہے تو بھی استراحت کے لئے اور اہل عرب کو اس کی رغبت بھی اسی لئے تھی کہ ان میں دھوپ زیادہ اور سخت اور سائے ان میں بہت کم بلکہ کم اسی سے ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی السطلان ظل اللہ فی ارضہا (سلطان اللہ تعالیٰ کا سایہ ہے اس کی زمین میں یعنی اس کی طرف ہر مظلوم اس کے عدل کی وجہ سے اس کے ہاں راحت پاتا ہے اسی سے ہے اہل عرب کا قول۔ مد اللہ ظلالہ اللہ تعالیٰ اس کا سایہ دراز فرمائے یعنی اس کے عدل و رافت و رحمت کا سایہ یہاں تک کہ تمام لوگوں تک اس کی استراحت کا اثر پہنچے۔ وماء مسکوب۔

حل لغات مکوب از۔ سکب یعنی ان کے لئے پانی بہے گا جہاں چاہیں گے اور جیسے چاہیں گے بغیر کسی تکلیف کے یا مسکوب بمعنی مصبوب یعنی پانی زمین پر بہے گا بغیر کھانوں کے اور ہمیشہ یعنی مسلسل چلتا رہے گا کبھی کسی وقت بند نہیں ہوگا یعنی اس وقت ان کے سامنے بہتا ہوا پانی بکثرت اور غیر منقطع حاصل ہوگا۔ یا یہ کہ وہ پانی ظاہر کھلا ہوا ہوگا

---

[1] اسی لئے امام اہلسنت فاضل بریلوی قدس سرہ نے ممدود کا معنی (ہمیشہ) لکھا ہے ۱۲ اویسی غفرلہ)

ایسا نہیں کہ بعض کیفیات میں کھلا اور بعض میں محجوب اور نظر نہ آنے والا یا یہ کہ وہ جاری رہے گا یا کہ اہل عرب کی کنوؤں اور چشموں کی بہ نسبت بہت زیادہ ہو گا۔ ایسے نہیں کہ جیسے وہ دنیا میں پانی بوکے اور رسی کے بغیر حاصل نہیں کر سکتے اور انہیں پانی بکثرت اور جاری ہونے کا وعدہ دیا گیا یہاں تک کہ اگر ہوا میں اڑتے وقت پانی چاہیں گے تو انہیں وہاں بھی مل جائے گا گویا یہ سابقین کا حال بتایا گیا ہے کہ جیسے شہریوں کو پانی کی انتہائی سہولتیں حاصل ہوتی ہیں ایسے ہی ان کو اس سے بہتر اور اعلیٰ سمجھو ایسے ہی اصحاب الیمین کی حالت بستی والوں کی طرح بتائی گئی ہے کہ جیسے انہیں پانی عام کھلا اور ہر جگہ ملتا ہے ایسے ہی اصحاب الیمین بہشت میں ہر طرح کی سہولتیں سے بہرہ ور ہوں گے اس سے یہ فرق بھی بتاتا ہے کہ جیسے اہل بوادی اور اہل بلاد کا حال متفاوت ہے اسے ہی السابقین و اصحاب الیمین کا فرق سمجھئے۔

وفاکھتہ اور قسم و قسم اور گوناگوں میوہ جات ہوں گے کثیرۃ بہت زیادہ لامقطوعہ نہ ختم ہوں کسی وقت بھی دنیوی میوہ جات کی طرح۔

ولا ممنوعتہ اور نہ روکے جائیں۔ ان کے حاصل کرنے سے کسی بھی وجہ سے جیسے حاصل کرنے والے سے وہ دور ہوں یا پیسے نہیں کہ انہیں خریدا جا سکے یا درخت میں کانٹے ہیں جس سے توڑا نہیں جا سکتا اگر توڑا جائے تو توڑنے والے کو کانٹے چبھتے ہیں یا دیوار حائل ہے کہ وہاں داخل نہیں ہوا جا سکتا اور دیگر رکاوٹیں۔

حدیث شریف میں ہے حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ بہشت کے ثمرات جس درخت سے توڑ لئے جائیں گے اللہ تعالیٰ ان کے بدلے اس پر فوراً دو گنا اور ثمرات پیدا فرما دے گا۔ وفرش اور بچھونوں میں۔

حل لغات افرش فراش کی جمع ہے وہ شے جو بچھائی جائے۔ مرفوعہ جو بلند ہوں گے یعنی رفیع القدر یا اونچے نہ زمین و آسمان کی درمیانی مسافت کی قدر اور یہ درمیانی فاصلہ پانچ سو سال کی مسافت ہے یا وہ ان کے تختوں سے اونچے۔ بعض نے کہا فرش سے عورتیں مراد ہیں اس لئے کہ فرش ولباس وزراء سے عورت مراد لی جاتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے الولد للفراش بچہ عورت کا ہے (زانی کو پتھر)

فائدہ اس حدیث میں عورت کو فروش کہا گیا ہے اور عورتوں کا اونچا ہونا بایں معنی ہے کہ وہ تختوں کے روبرو ہوں گی جیسے انا انشانا ھن انشاء دلالت کرتا ہے یعنی ہم نے ان عورتوں کو اچھی اٹھان اٹھایا۔ ھنّ کی ضمیر اس معنی کی بین دلیل ہے یعنی ہم نے ان بہشتی عورتوں کو جدید تخلیق میں پیدا فرمایا بغیر ابداء و اعادہ کے ابداء کے بغیر تو یوں کہ وہ کسی عورت سے پیدا نہیں ہوئیں جیسے حوروں کے لئے تفصیل گزری ہے اور اعادہ یوں کہ وہ بوڑھی نہ ہوں گی۔ جیسے دنیا میں عورتوں کا حال ہے کہ جوانی کے بعد بڑھاپے میں چلی جاتی ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ ھن اللواتی قبضن فی در الدنیا عجائز شمطار مصا (وہ عورتیں دار دنیا میں بوڑھی اور شمط وامصی ہو کر فوت ہوئیں)

شرح الحدیث شمط شمطاء کی جمع ہے شمط وہ عورتیں جس کے سفید بالوں میں سیاہ بھی ملے جلے ہوں اور رمص رمصاء (بالتحریک) کی جمع ہے وہ عورت جس کی آنکھ کے اندر کے کونہ میں میل کچیل جمع ہو جائے یعنی قیامت میں انہیں اللہ تعالیٰ بڑھاپے کے بعد ایک ہی وقت میں سب کو دوشیزہ (نوجوان) بنا دے گا۔ جب ان کے ہاں ان کے شوہر ملیں گے تو وہ دوشیزہ نوجوان ہوں گی۔

حکایت جب ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے مذکورہ ارشاد سنا تو فرمایا ولوجعاہ (ہائے درد اور دکھ نہ ہوں) حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا وہاں کوئی دکھ درد نہ ہو گا۔

اعجوبہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ایسا کر دکھایا کہ زکریا علیہ السلام کی زوجہ کریمہ بوڑھی تھیں تو انہیں ایک ہی آن میں نوجوان بنا دیا چنانچہ فرمایا واصلحنا زوجہ (اور ہم نے اس کی زوجہ کو سنوار (نوجوان) بنا دیا۔

فائدہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس اصلاح کے بارے میں سوال ہوا تو فرمایا کہ صلاح سے جوانی مراد ہے یعنی اسے اللہ تعالیٰ نے مشابہ (نوجوان) بنایا جبکہ وہ اس سے قبل بوڑھی تھیں اور بچے جننے کے لائق بنا دیا حالانکہ اسے قبل وہ بانجھ تھیں یہی ارشاد باری تعالیٰ فجعلنا ھن ابکارا کا مفہوم یعنی بعد اس کے کہ وہ بوڑھی تھیں ہم انہیں نوجوان (باکرہ) کنواریاں (دوشیزہ) بنا دیں گے۔

marfat.ocm

حل لغات ابکار بکر کی جمع ہے اس کا مصدر بکارۃ (بالفتح) ہے امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ البکرۃ بمعنی اول النہار (دن کا پہلا حصہ) اسی سے تعجیل کا مفہوم لیا جاتا ہے ہے یہ دن کے اول حصے میں گویا عجلت کر کے آگیا ہے اسی لئے ہر عجلت باز کو بکر کہتے ہیں جس لڑکی کی بکارۃ ابھی بحال ہو تو اسے بھی بکر کہا جاتا ہے باعتبار شیب کے کہ گویا یہ اس مراد میں سبقت کر گئی ہے جو عورتوں سے مردوں کو ہوتی ہے۔

فائدہ حضرت سعدی المفتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر انشاء سے ابداء مراد ہو تو جعل بمعنی خلق ہو گا اور ابکارا اس کا حال ہے اگر اس سے علاوہ مراد ہو تو جعل بمعنی تعبیر ہو گا ابکارا دوسرا مفعول ہو گا۔

فائدہ بعض نے کہا کہ فجعلناھن دلالت کرتا ہے کہ اس سے دنیوی عورتیں مراد ہوں کیونکہ وہ سب کو معلوم ہے کہ ابتداءً وہی باکرہ ہوتی ہیں اور وہ حوران بہشت سے افضل و احسن ہیں کیونکہ وہ دنیا میں صالح عمل کرتی رہیں بخلاف حوران بہشت کے کہ انہیں اعمال صالحہ کا موقع نہ ملا۔

المزاح فی الکلام حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی پاک ﷺ رونق افروز تھے آپ کے ساتھ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تشریف فرما تھیں۔ ایک بی بی بنو عامر قبیلہ سے حاضر ہوئیں اور وہ تھیں بڑھیا عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرے لئے دعا فرمایئے مجھے اللہ تعالیٰ بہشت میں داخل فرمائے حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا بڑھیا کو خوشخبری سناؤ کہ اس دن عورتیں بوڑھی نہیں ہوں گی پھر یہی آیت پڑھ کر سنائی۔ عربا اپنے شوہروں کو پیاریاں۔

حل لغات عرب عروب کی جمع ہے۔ رسل رسول کی جمع کی طرح وہ عورتیں جو اپنے شوہروں کو پیاریاں اور انہیں پیار دلانے والی ہوں۔ اعرب سے ہے بمعنی (ظاہر کیا گیا) العرب وہ جو اپنے شوہر کو محبت کا اظہار کرے۔ عشوے۔ غمزے اور حسن ناز سے۔

فائدہ بعض تفاسیر میں ہے کہ عرب بمعنی عربی گفتگو کرنے والی۔

اترابا (ایک عمر والی)

marfat.ocm

حل لغات اتراب ترب (بالکسر) بچہ جننا۔ ایک سن ہونا اور وہ جو کسی کا جڑواں (ایک ساتھ پیدا ہو)

تربتی وہ عورتیں جو ہم سن تینتیس سالہ ہوں ایسے ہی ان کے شوہر کا قد ساٹھ ہاتھ لمبا چوڑا ہو گا آپ کے دلوا آدم علیہ السلام کے قد کے برابر نوجوان ہوں گے اور شرمیلی آنکھوں والے چہرہ چودھویں رات کی طرح حسین چہرہ۔ ان کا پچھلا گروہ آسمان کے چمکتے ستارے کی طرح آنکھوں میں آنکھیں ملا کر ایک دوسرے (زن و شوہر بہشتی) کو دیکھیں گے نہ تھوکیں گے نہ کھنگاریں گے۔ اس طرح ان سے بڑھ کر کسی ناگوار چیز کا ہونا تو بعید تر ہو گا۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک بہشتی مرد پانچ سو حوروں سے چار ہزار ثیب اور آٹھ ہزار کنواری بیویوں سے بیاہ کرے گا۔ اپنی دنیوی عمر کے برابر ان ہر ایک سے معانقہ کرے گا۔

فائدہ تبیان میں ہے کہ تمام بہشتی عورتوں کو اسی سن کا بنا کر بہشت میں لایا جائے گا اور انہیں ان کے شوہروں کے سپرد کر دیا جائے گا بوڑھیوں کو بھی اسی سن (جوانی) میں بنایا جائے گا۔

مسئلہ جو عورت دنیا میں بے شوہر رہی اسے بھی کسی مرد کے سپرد کیا جائے گا۔

مسئلہ عورت شوہر دار تھی لیکن بدقسمتی سے اس کا شوہر بہشتی نہیں بلکہ دوزخ میں چلا گیا[1]

تفسیر عالمانہ ثلۃ من الاولین (اگلوں میں سے ایک گروہ) وثلۃ من الاخرین اور پچھلوں میں سے ایک گروہ، یعنی اولین میں سے پہلی امت اور آخرین میں پچھلی امت۔

---

[1] کتنا بد قسمت ہو گا وہ شوہر جس کی عورت بہشت میں اور وہ دوزخ میں ایسے ہی کتنا بدبخت ہو گا وہ سردار جس کا نوکر بہشت میں اور وہ دوزخ میں۔ اور کیسا بدبخت ہو گا وہ امیر جس کا غریب ہمسایہ بہشت میں اور وہ دوزخ میں۔ کیسا بدبخت ہو گا وہ افسر جس کا چپڑاسی کلرک بہشت میں اور وہ دوزخ میں۔ کیسا بدبخت ہو گا وہ صدر گورنر وزیر مشیر وغیرہ کہ وہ دوزخ میں لیکن اس کی رعایا اور ماتحت بہشت میں کیسا بدبخت ہو گا وہ ممبر کہ وہ دوزخ میں اور اس کا ووٹر بہشت میں۔ کیسا بدبخت ہو گا وہ باپ اور ماں جس کی اولاد بہشت میں اور وہ دوزخ میں۔ کیسا بدبخت ہو گا وہ امام مسجد جس کے مقتدی بہشت میں اور وہ دوزخ میں۔ کیسا بدبخت ہو گا وہ مقرر۔ واعظ کہ اس کے سامعین بہشت میں اور وہ دوزخ میں کیسا بدبخت ہو گا وہ استاد جس کے شاگرد بہشت میں اور وہ دوزخ میں۔ کیسا بدبخت ہو گا وہ پیر (بے عمل۔ جعلی۔ دھوکہ باز) جو دوزخ میں لیکن نیک عمل اور خوش اعتقاد نیک نیت مرید بہشت میں فاعتبروا یا اولی الابصار جیسے فرعون دوزخ میں اور اس کی بی بی آسیہ بہشت میں تو ایسی عورت بھی کسی بہشت کو دی جائے گی (باقی آگے)

marfat.ocm

حدیث شریف نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ یہ سب کے سب میرے امتی ہیں یعنی میری امت کے دو تہائی ایسے ہی تابعین باحسان ہیں اور وہ جو ان کے قائم مقام ہیں و ثلثہ اولی ہیں الو رباقی تمام امت آخر زمانہ تک ثلہ اخری ہے۔

امت مصطفیٰ ﷺ کی امت کے ستر ہزار سیدنا جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے رلوی فرمایا کہ ایک دن رسول ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کہ تمام امتیں میرے پیش کی گئیں ہیں کوئی نبی علیہ السلام صرف اپنا ایک گروہ لے کر جارہا تھا کسی کے پاس صرف دو تھے بعض تو وہ تھے کہ ان کے ساتھ کوئی گروہ نہ تھا میں نے ایک گروہ کو دیکھا جس نے کنارے بھر دیئے تھے۔ مجھے کہا گیا ایسے ہی دیکھتے جایئے۔ پھر میں نے ایک اور بہت بڑے گروہ کو دیکھا جس سے تمام کنارے پر تھے کہا گیا یہی آپ کی امت ہے ان میں ستر ہزار ایسے ہیں جو بلا حساب

مسئلہ جس عورت نے دنیا میں ایک سے زائد شوہروں سے (طلاق کے بعد یا ایک شوہر کی وفات کے بعد دوسرے سے) نکاح کیا اور وہ ہیں بھی بفضلہ تعالیٰ تمام بہشتی ایسی عورت پچھلے شوہر کو ملی گی (بعض نے کہا) اسے ملی گی جس نے اس کے ساتھ حسن معاشرت سے زندگی بسر کی ہوگی۔

حدیث شریف مسلم میں ہے کہ ادنیٰ بہشتی کے ایک ہزار خدام اور بہتر (72) عورتیں ہوں گی اس کے لئے قبہ موتیوں اور زبرجد اور یاقوت سے تیار کیا جائے گا اس کی مسافت جابیہ سے صناء تک ہوگی۔

فائدہ! جابیہ (بالجیم) شام میں ایک شہر ہے صناء یمن میں ایک شہر ہے جس میں درخت اور پانی بکثرت ہیں اسے دمشق سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

حدیث شریف ۲۷ میں ہے کہ حور ولی اللہ (بہشتی) کو کہے گی کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی مجالس میں کتنی مجلسیں تھیں جس سے تجھے اللہ تعالیٰ نے عزت بخشی (یعنی ان مجالس میں تمہیں جانا نصیب ہوا) تو میں نے تجھے عشوہ وغیرہ اور اشارہ سے دیکھا لیکن تو اپنے یاروں کی صحبت میں مست رہا۔ مجھے خیال تھا کہ میرے ان اشاروں سے تو مجھے نکاح و بیاہ کی دعوت دے گا اب تم خود بتاؤ کہ تمہارا شوق میرے شوق کے برابر ہو سکتا ہے یا تیری جدوجہد میری جدوجہد کے برابر ہوسکتی ہے اللہ تعالیٰ کی قسم کہ جس نے مجھے تیرے جیسا شوہر مرحمت فرمایا اور تجھے میرے جیسی عطا فرمائیں تو نے مجھے ایک بار چاہا ہے لیکن میں تجھ اللہ تعالیٰ سے ستر بار مانگ چکی ہوں اسی ذات باری تعالیٰ کا شکر ہے جس نے مجھے تیرے جیسا شوہر بخشا اور تجھے میرے جیسی عطا فرمائی۔

marfat.ocm

بہشت میں داخل ہوں گے۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رات کو مجھے انبیاء علیہم السلام پیش کئے گئے ان کے ساتھ ان کے اتباع (امتی) بھی ہیں یہاں تک کہ میرے سامنے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک بڑی جماعت سے گذرے۔

فائدہ کبکبۃ بمعنی جماعت مجھے وہ بھلے لگے میں نے عرض کی اے میرے پروردگار یہ کون ہیں فرمایا یہ تیرا بھائی موسیٰ علیہ السلام ہے اور ان کے ساتھ بنی اسرائیل ہیں۔ میں نے عرض کی تو میری امت فرمایا دائیں جانب دیکھئے میں نے دیکھا کہ مکہ معظمہ کے پہاڑوں کو انسانوں کے چہروں نے بھر دیا ہے۔

فائدہ ظراب مکہ جمع ظرف (بالکسر) ابھرا ہوا تیز پتھر۔ ٹیلہ یا پھیلا ہوا پہاڑ (القاموس) کہا گیا یہی آپ کی امت ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ارضیت اے حبیب ﷺ اب راضی ہو گئے۔ میں نے کہا ہاں یا رب پھر فرمایا بائیں جانب دیکھئے میں نے بائیں جانب دیکھا تو اس کنارہ کو لوگوں کے چہروں نے پر ہوا تھا (یعنی بہت زیادہ تھے) فرمایا یہ بھی آپ کے امتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے حبیب ﷺ اب راضی ہو گئے میں نے کہا اے رب راضی ہوں۔ اے میرے پروردگار پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان میں ستر ہزار بلا حساب بہشت میں داخل ہوں گے۔

درس نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام حضور نبی پاک ﷺ نے مذکورہ بالا حال سنا کر فرمایا اے میرے امتیو! اگر تم سے ہو سکے تو ستر ہزار والوں میں سے ہو جاؤ اگر اس سے عاجز و قاصر ہو تو لل ظراب سے ہو جاؤ (دائیں جانب والوں سے) اگر اس سے عاجز ہو تو افق والوں سے ہو جاؤ میں نے دیکھا ہے کہ ان میں بہت سے لوگ ملے جلے ہوئے ہیں (بعض بہشتی۔ بعض دوزخی واللہ اعلم)

فائدہ القاموس میں ہے کہ الھوش العدد الکثیر (بے شمار لوگ) الہوشۃ بمعنی الاختلاط ملا جلا ہونا۔ الھویشۃ ملی جلی جماعت۔ الھواشات (بالضم) لوگوں کی جماعتیں۔ التہاوش فی الحدیث (بات کو ملا جلا کر دینا) اس کی جمع تہوارش تہاویش کا اختصار تہواش تفعل از ہوش وتہوشوا بمعنی اختلطوا تہاوشوا کی طرح بمعنی فلاں پر جمع ہوئے۔ وھاوشھم بمعنی خالطھم (ان کے ساتھ مل گیا)

marfat.ocm

تتمۃ الحدیث آخر میں حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے امید ہے تم اہل جنّۃ کاایک حصہ ہو اس کے بعد یہی آیت پڑھی ثلۃمن الاولین وثلۃمن الاخرین۔

فائدہ فقیر (صاحب روح البیان رحمتہ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ خلاصہ یہ کہ ابرار اولین و آخرین میں بکثرت ہوں گے اور اسی طرح سابقہ امتوں میں لیکن سابقون ان میں کثیر ہیں اولین میں لیکن آخرین میں نہیں جس پر آیت سابق دلالت کرتی ہے ایسے ہی حسن بصری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے یہاں تک کہ فرمایا کہ بدریوں میں ستر ایسے تھے کہ جو چیزیں تم پر حرام ہیں ان پر حلال تھیں اس کے باوجود انہوں نے زہد میں ان حلال اشیاء کو اپنے اوپر حرام کیا ہوا تھا جتنا تم عیش آرام سے خوش ہوتے ہو وہ بلاؤں کے نزول پر تم سے بہت زیادہ خوش ہوتے تھے یہ اگر آج تم انہیں دیکھ لو تم کہو گے کہ یہ تو مجنوں ہیں اگر وہ تمہارے پسندیدہ (اخیار) لوگوں کو دیکھیں تو کہیں گے ان کے کیسے اخلاق ہیں (یعنی یہ تو برے عادات والے ہیں) اگر وہ تمہارے اشرار (برے) لوگوں کو دیکھیں تو کہیں گے یہ لوگ یوم الحساب جس پر ایمان نہیں رکھتے اگر ان پر حلال مال بھی پیش ہو تو قبول نہ کریں گے اس خیال پر کہ کہیں اس کے استعمال سے دل مردہ نہ ہو جائیں۔

فائدہ امم سابقہ کے السابقون میں اگر انبیاء علیہ السلام کو ساتھ ملایا جائے تو وہ اس امت کے سابقین سے زائد ہوں گے ورنہ نہیں جس کی تحقیق ہم پہلے کر چکے وہ یہ کہ سابقہ امتوں کے زاہدین اگر اس امت کے زاہدین سے زائد بھی ہوں تب بھی قلیل سمجھے جائیں کیونکہ ان کے اکثر میں یقین پر استقرار بہت کم تھا بخلاف اس امت کے زاہدین کے کہ انہیں یقین پر ثابت قدم ہونا یقینی ہے اس معنی پر یہ ان سے زائد ہوئے اور تجربہ شاہد ہے کہ اس امت کے زاہدین کے اعتقاد راسخ اور ان کا قرآن پاک کو مضبوطی سے پکڑنا ضرب المثل ہے جیسے بعض اخبار میں وارد بھی ہوا۔

واصحاب الشمال (اور بائیں طرف والے)

ربط کفار کے احوال کی تفصیل شروع ہو رہی ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا والذین کفروابایتناھم اصحب المشئمہ جنہوں نے ہماری آیات سے کفر کیا وہ دائیں جانب والے ہیں۔ علیھم نار موصدہ وہی ہیں ان پر نار بند کر دی جائے گی۔ مااصحب الشمال تمہیں کیا معلوم کہ اصحاب شمال کون ہیں اور ان

marfat.ocm

کو کیا شر پیش آئے گا اور یوم القیمٰتہ ان کا کتنا برا حال ہو گا۔

فی سَمُوْم: جلتی ہوئی آگ میں ہونگے جو مسام میں اثر کر جائیگی یعنی بدن کے سوراخوں میں اور اجساد و اکبار (جگروں) کو جلا دے گی

حل لغات القاموس میں ہے کہ ہوا گرم جو اکثر دن کے وقت ہوتی ہے۔ الحرور گرم ہوا جو اکثر رات کو اور کبھی دن کو بھی ہوتی ہے وحیم اور گرم پانی میں کہ وہ گرمی میں انتہا کو پہنچنے والا ہو وظل من یحموم اور جلتے دھوئیں کی چھاؤں میں۔

حل لغات یحموم دھواں اور ہر وہ شے جو تمام اشیاء میں سب سے زیادہ سیاہ ہو۔ (القاموس) وہ یفعول الحمہ (بالضم) سے ہے بمعنی کوئلہ اہل عرب کہتے ہیں۔ اسود یحموم یہ اس کے لئے ایسے ہیں جو سخت سیاہ ہو۔ الضحاک نے فرمایا وہ نار سیاہ اور اس میں داخل ہونے والے بھی سیاہ اور اس کی ہر شے سیاہ ہو گی اسی لئے بہشت کی کوئی شے سیاہ نہیں سوائے خال (تل) اور آنکھوں کی پلکوں اور ابرو کے۔

حقہ نوشی و سگریٹ نوشی حرام فقیر (صاحب روح البیان رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہے اس میں تحذیر (ڈراؤ) ہے حقہ (و سگریٹ نوشی) سے جو ہمارے دور میں عام شائع ہے کیونکہ اس کے پینے والے کے سر پر حقہ و سگریٹ نوشی کے وقت دھواں سایہ کی طرح (خصوصًا) چھا جاتا ہے اس کے علاوہ حقہ نوشی و سگریٹ نوشی اور تمباکو نوشی میں بہت بری بری اور گندی بیماریاں اور تباہ کاریاں ہیں جن کا ذکر یہاں نہیں ہو سکتا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اس کی عافیت کا سوال کرتے ہیں جو اس میں مبتلا ہے اس لئے کہ طبائع سلیمہ تو اس سے نفرت کرتی ہیں۔

مسئلہ (بدبودار) حقہ نوشی وغیرہ حرام ہے جیسے بعض تفاسیر میں بیان کیا گیا۔

لا بارد نہ ٹھنڈی دوسرے سایوں کی طرح ولا کریم اور نہ عزت کی اور نہ ہی گرم کے بچاؤ سے نفع دینے والی اس کے لئے جو اس کے نیچے پناہ لے یہ اس وہم کے ازالہ کے لئے ہے کہ سایہ سے تو استراحت اور ٹھنڈی ہوا حاصل ہوتی ہے فرمایا کہ وہ سایہ ان باتوں کا کام نہ دے گا یعنی وہ نام کا سایہ ہے کام کا نہیں اسی لئے اس کا سایہ نام لے کر فرمایا پھر کہ اس میں نہ ٹھنڈک ہو گی اور نہ ہی عزت ملے گی یعنی وہ گرمی کی شدت سے نہ بچا سکے گی گویا وہ درحقیقت سایہ نہیں عذاب ہو گا اس سے عزت نہیں ذلت حاصل ہو گی۔

maarfat.com

فائدہ سایہ سے دو فائدے مد نظر ہوتے ہیں۔

۱۔ ٹھنڈک حاصل کرنا۔ ۲۔ گرمی کی تکلیف دور کرنا۔

اس سے یہ دونوں چیزیں نہیں ملیں گی تو گویا وہ سایہ سایہ ہی نہیں بلکہ عذاب ہے یہ ایسے ہے جیسے کسی گھر کے تمام سوراخ بند ہوں کہیں بھی ہوا اندر نہ جاسکے تو وہ بام کا تو گھر ہے لیکن حقیقت میں وہ عذاب ہے ہاں اس میں پھر بھی ایک فائدہ ہے کہ سورج کی دھوپ سے بچاؤ حاصل ہو گا لیکن ہوا حاصل نہ ہو گی۔ لیکن وہ سایہ تو ان ہر دونوں فائدوں سے خالی ہو گا۔ دراصل اس میں اصحاب المشئمۃ سے تہکم مطلوب ہے کہ وہ ان فوائد کے اہل نہیں نہ سایہ کے اور نہ عزت کے بخلاف اہل جنت کے کہ انہیں ٹھنڈا سایہ اور عزت نصیب ہو گی وغیرہ آزمائش کی تعلیل ہے کہ انہیں مذکورہ بالا عذاب کیوں ہو گا۔

حل لغات اہل لغت کہتے ہیں اَترِفَ بچوں فَرِخَ ای تنعم یعنی نعمت والا ہے۔ اترفتہ النعمہ ای اطغتہ یعنی اسے نعمت نے سرکش کیا اور نعمت والا کیا اور فلاں نے یعنی سرکشی پر اصرار کیا۔

المترف مکرم کی طرح متروک کہ جو چاہے کرے اسے کوئی روکنے والا نہ ہو گا (قاموس) یعنی وہ لوگ جنہیں ایسے برے عذاب میں مبتلا کیا گیا دنیا میں تھے قسم وکھم اور گونا گوں نعمتوں میں کھانے پینے کی چیزیں بہترین حاصل تھیں ٹھہرنے کے لئے اعلیٰ مکانات میں رہتے تھے۔ اور بڑے ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے اور شہوات میں مست رہے اسی لئے ایسے سخت عذاب میں مبتلا کئے گئے۔ وکانوا یصرون علی الحنث العظیم اور وہ اس بڑے گناہ (شرک) کی ہٹ رکھتے تھے الحنث العظیم بڑے گناہ سے شرک مراد ہے۔

حل لغات جب بچہ بالغ ہو جاتا ہے تو کہتے ہیں لمغ الغلام الحنث۔ بچہ بلوغت کو پہنچا اور اس کے گناہ پر مواخذہ آ گیا ہے۔ وحنث فی یمینہ اپنی قسم میں حانث ہوا۔

فائدہ بعض نے کہا یہاں الحنث بمعنی الکذب ہے کیونکہ شرک کے باوجود جھوٹی قسمیں کھائے کہ یبعث اللہ من یموت (مردوں کو اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد نہیں اٹھائے گا)

فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ کہتا ہے) کہ اس کے بعد کا مضمون اس کی تصدیق کرتا ہے چنانچہ

فرمایا ثم انکم ایہا الضالون المکذبون (پھر اے گمراہو جھٹلانے والو)

نکتہ ان کے عذاب کا سبب تو ظاہر کیا لیکن اصحاب الیمین کے ثواب کا سبب نہیں بتایا مثلاً فرمایا انہم کانوا قبل ذالک شاکرین مذعنین بیشک تھے یہ اس سے پہلے شکر گزار اور تعین کرنے والے) تاکہ تنبیہ ہو کہ یہ ثواب ان کو محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہے وہ مطیع (اطاعت گزار) کی اطاعت اور شکر گزار کے شکر سے نہیں اور کسی کو عذاب دینا اس کا عدل ہے اگر کسی کو عذاب کا سبب معلوم نہ ہو تو ظلم کا تصور ہوتا ہے (اور اللہ تعالیٰ کے لئے ایسا تصور توبہ توبہ)

تفسیر صوفیانہ آیت میں بعد و حجاب کی ناسموم اور حمیم القہر و العتب اور شجرۃ الجہل کے ظل کی طرف اشارہ ہے کہ اس سایہ میں برد الیقین نہ ہو گا دوسرے سایوں اور اس سے آپ کی طلب دینا اور اس کی لذات کی حرارت عطش تسکین نہ پائے گی اور نہ ہی اس میں ہمت کی عزت ہو گی تاکہ وہ ہمت انہیں ترک دنیا کی کوئی مدد کر سکے اور اس کی زینت سے محبت چھڑا سکے اور اس کے نقش و نگار سے خیالات دور کر سکے بلکہ وہ ہمیشہ طلب دنیا کی بیماری میں مبتلا رہیں گے اس میں انہیں نہ راحت ملے گی نہ فرحت وہ اس سے پہلے نعمت والے یعنی جہل مرکب کے اس درخت سے سایہ حاصل کرنے سے پہلے (کہ جس میں برد الیقین نہیں) نہ تھے مگر بسبب استعدلو ذاتیہ کے کہ جس پر وہ شہوات و لذات پیدا کئے گئے ہیں دخول وجود عینی سے پہلے اور یہ عذاب یعنی شجرو جہل سے سایہ حاصل کرنا بوجہ اس کے ہے کہ وہ ازل میں جب نفس و دنیا میں متمکن تھے حنث عظیم سے جب نفس و حب دنیا ہے جیسے حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا حب الدنیا راس کل خطئیۃ حب دنیا ہر گناہ کی جڑ ہے۔

۱ مرا طاعت نفس شہوت پرست
که هر ساعتش قبلہ دیگر است

۲ بر مرد ہشیار دنیا خست
که هر مدتے جائے دیگر کست

ترجمہ ۱۔ میں نفس شہوت پرست کی طاعت میں ہوں کہ اس کا ہر گھڑی نیا قبلہ ہے۔

۲۔ ہشیار مرد کے لئے دنیا ایک خس ہے کیونکہ ہر مدت اس کی نئی جگہ ہوتی ہے۔

تفسیر علمانہ۔ وکانوا یقولون شرک کے ساتھ یہ بھی کہتے تھے انتہائی سرکشی اور عناد سے ائذا متنا (کیا ہم مرجائیں گے) وکنا ترابا وعظاما (اور ہو جائیں گے مٹی اور ہڈیاں) یعنی ہمارے پوست اور گوشت کے بعض اعضاء مٹی اور بعض پرانی ہڈیاں ہو جائیں گے۔ مٹی کی تقدیم اس لئے ہے کہ یہ اجزائے بادیہ اور دوسرے اجزاء میں مل جانے اور بدل جانے میں کمی نہیں کوئی اور اس کا عامل دلالت کرتا ہے اور ارشاد گرامی ونا لمبعوثون (کیا ہم ضرور اٹھائے جائیں گے کا مدلول یعنی یہ خود عامل نہیں کیونکہ ان اور لام اور ہمزہ کا بعد' بعد ما قبل پر عمل نہیں کرتا یعنی بعث عامل نہیں ہو سکتا اور اذا خالص ظرفیتہ کے لئے۔ خلاصہ یہ کہ وہ مرنے کے بعد اٹھنے کے قائل نہ تھے اور وقت کی تخصیص انکار سے کوئی تعلق نہیں رکھتی ان کا مقصد صرف یہی تھا کہ مرنے کے بعد اٹھنا نہیں۔ بدن کے مٹنے یا نہ مٹنے سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا بلکہ بدن کے مٹی اور ہڈی سے تعبیر کرنے سے ان کا مقصد اپنے انکار کی توجیہ کی توثیق تھی اس کا یہ مطلب نہیں کہ بدن صحیح سالم رہے تو ہم مرنے کے بعد اٹھیں گے ورنہ نہیں بلکہ بدن کا مٹی اور ہڈیاں ہو جانا ایک عارضی امر کا ذکر ہے خلاصہ یہی کہ وہ مرنے کے بعد اٹھنے کے انکار پر مصر تھے۔

اوآباؤنا الاولون (اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی) واؤ کا عطف ضمیر متکن پر ہے جو مبعوثون میں ہے یعنی وہ کہتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا سے پردادا مائیں۔ نانیاں' دادیاں سب کی سب مرنے کے بعد اٹھیں گے۔

قل فرمایئے۔ ان کے انکار کے رد اور اپنے دعوی حق میں۔ ان الاولین والاخرین (بیشک پہلے اور پچھلے) وہ امتیں جو پہلے گزری ہیں منجملہ ان کے تم اور تمہارے آباؤ اجداد بھی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ تم بھی اٹھو گے اور تمہارے آباؤ اجداد بھی اور تمہارے سے پہلے کی امتیں سب کی سب مرنے کے بعد اٹھیں گے۔

فائدہ اولین کی تقدیم میں رد میں مبالغہ ہے کہ ان کا انکار اپنے آباؤ اجداد کی بہ نسبت پہلے لوگوں کے لئے زیادہ سخت تھا علاوہ ازیں ترتیب وجودی کا تقاضا بھی یونہی ہے کہ اولین کا ذکر پہلے ہو۔

لمجموعون (البتہ جمع کئے جائیں گے) مرنے کے بعد جمع سوق (چلانے) کے معنی کو متضمن ہے اسی لئے اسے الی سے متعدی کیا گیا ہے چنانچہ فرمایا الی میقات یوم معلوم ایک معلوم دن کی میعاد پر۔ وہ وقت جو

نزدیک معین ہے یعنی یوم القیمہ[1]۔

فائدہ یہ اضافت بمعنی من ہے جیسے خاتم فضہ ای من فضۃ میقات بمعنی مقرر کردہ دن کسی شے کے لئے تیار کردہ کہ وہاں تک وہ شے ختم ہو یا کسی شے کی وہاں سے ابتداء ہو اور یوم القیمہ وہی دن ہے کہ جہاں دنیا ختم ہو گی اور قیامت کے پہلے جزء کا آغاز ہو گا[1]۔

یعنی میقات بمعنی وقت محدود (حد کردہ شدہ) کبھی مکان کے لئے بھی استعارہ بولتے ہیں۔ اسی سے مواقیت حرام یعنی وہ حدود جس نے مکہ معظمہ میں داخل ہونے کا ارادہ کرنے والا احرام کے بغیر تجاوز نہ کر سکے۔

ثم انکم (پھر تم) یہ اہل مکہ اور ان خبیثوں کو خطاب ہے اس کا عطف الاولون پر ہے قول کے مقولہ میں داخل ہے اور ثم زمانا ور تبتہ تراخی کے لئے ہے۔

ایہا الضالون اے گمراہ حق وہدایت سے (دور ہونے والو) المکذبون مرنے کے بعد اٹھنے کی تکذیب کرنے والو۔ لاکلون ضرور کھاؤ گے۔ مرنے کے بعد اٹھ کر اور میدان حشر میں جمع اور جہنم میں داخلہ کے لئے۔ بعد من شجر زقوم تھوہڑ کے پیڑ میں سے۔ پہلا من ابتداء غایۃ کے لئے دوسرا شجر کے بیان و تفسیر کے لئے یعنی تھوہڑ کے پیڑ سے کھانے کی تم ابتداؤ کرو گے اور پیر کو یہ المنظر اور کریہ ذائقہ اور ہاتھ لگانے میں گرم اور سونگھنے میں بدبودار۔ یہ وہی درخت ہے جسے قرآن میں ملعون کہا گیا ہے۔

اعجوبہ اہل حقیقت فرماتے ہیں کہ سدرۃ المنتہی کی ٹہنیاں اہل جنت کے لئے نعمت اور اس کی جڑیں اہل نار کے لئے زقوم (تھوہڑ) ہیں یہ (سدرۃ المنتہی) لطف و قہر جمال و جلال کا مظہر ہے۔ فمالؤن تو بھرنے والے ہو۔

حل لغات اہل لغت کہتے ہیں ملاء الاناء فہو مملو۔ برتن پر ہو گیا وہ پر ہے۔ از باب قطع (ملئ بالکسر اس کی مقدار جو برتن میں سما سکے جب وہ پر ہو جائے تو کہا جاتا ہے ملئ۔ منہا اس پیڑ سے۔ ضمیر تانیث باعتبار معنی کے ہے۔ البطون پیٹ کو۔ بھوک کی شدت سے یا جبرا ٹھونسنے سے۔

فائدہ اس میں ان کی زیادتی اور سخت انتہائی عذاب کا بیان ہے یعنی تمہارا یہ عذاب ایسے نہیں کہ تم صرف تھوہڑ

---

[1] رسول اللہ ﷺ نے دنیا کے انتہاء کا حال بھی بتایا اور اس کے آغاز کا بھی تو پھر کس منہ سے کہا جاتا

کو چکھ لو یا کسی وقت کچھ کھا لیا جیسے کوئی قسم کو پورا کرنے کے لئے کرتا ہے بلکہ تمہارا پیٹ اسی سے بھر جائے گا یعنی تمہارا ہر ایک اس سے ہی پیٹ بھرے گا یا آنتوں کا اندرونی حصہ پر کیا جائے گا پہلا معنی زیادہ ظاہر اور دوسرا عذاب کرنے کے معنی کو زیادہ موزوں ہے فشاربون علیہ (تو اس پر پیو گے) یعنی تھوہڑ کے پیڑ کے کھانے کے بعد فوراً پیو گے بوجہ غلبہ عطش (پیاس کے) علیہ میں ضمیر مذکر شجر زقوم کے لفظ کے اعتبار سے ہے۔

من الحمیم انتہائی گرم پانی سے۔ فشاربون شرب الھیم تو وہ پئیں گے پیاسے اونٹ کی طرح۔ ماقبل کے لئے بمنزلہ تفسیر کے ہے یعنی اس کا پینا دنیوی علوت کے طور نہ ہو گا بلکہ پیاسے اونٹ کی طرح ہو گا۔

حل لغات الھیم وہ اونٹ جسے ہیام 'ہوا' ہو وہ استسقاء کی طرح ایک بیماری ہے کہ اونٹ جتنا پانی پئے سیر نہیں ہوتا یہاں تک کہ مر جائے یا سخت بیماری میں مبتلا ہونے والا اونٹ اس کی جمع ایم و ہیماء ہے اس کا ہیم جیسے احمر و حمر ضمہ کو کسرہ سے تبدیل کیا گیا ہے تاکہ یار بحال رہے (یہ اس وقت بحال رہ سکتی ہے جب اس کا ماقبل مضموم کے بجائے مکسور ہو۔ اب معنی یہ ہوا کہ ان پر پیاس کا غلبہ ہو گا۔ اور ان کی آنتوں میں آگ کے شعلے ہوں گے جو انہیں تھوہڑ کے کھانے سے اٹھے تھے۔ کیونکہ وہ بھی کول تار کی طرح (سیاہ اور گاڑھا) ہے اس لئے مجبوراً گرم پانی پینے پر مجبور ہو جائیں گے جو ان کی آنتیں کاٹ ڈالے گا اسی لئے وہ پیاسے اونٹ کی طرح پئیں گے۔

فائدہ اس میں ان کے عذاب کی زیادتی کا بیان ہے یعنی اے گمراہو تمہارا پینا علوت کے طور نہ ہو گا بلکہ اس کی طرح جو بدبودار گرم پانی پینے والوں کی علوت ہوتی ہے (چائے پینے کی کیفیت کو سمجھ لو) کیونکہ وہ پینے سے رک جائیں گے جب انہیں آنتوں کا درد ستائے گا (معاذ اللہ) بخلاف تمہارے اس دنیوی پینے کے بہر حال تم دائمی طور پیاسے اونٹ کی طرح گرم پانی پیتے رہو گے اس کی طرح سیر ہو گے پیتے ہی رہو گے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں نفس و ہوا (خواہش) کے افراط کی طرف اشارہ ہے کہ وہ جہل و ضلال کے گرم پانی پینے میں حریص ہیں اور خواہشات بھری اشیاء کے تھوہڑ کے کھانے کے خوگر ہیں جو انہیں وہاں تک پہنچائے گا اور وہ اپنی خواہش نفسانی کے انتہائی حرص کی وجہ سے پیاس و بھوک میں بڑھتے ہی رہیں گے اسی لئے ابن آدم کے پیٹ کو مٹی ہی پر کرتی ہے۔ (یعنی قبر)

ترجمہ حرص والے برتن میں ذکر کسب سما سکتا ہے تختی میں نفس پاؤں پھیلاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ هذا وہ جو زقوم اور گرم پانی جو انہیں دوزخ میں جاتے ہیں ملیں گے۔ نزلهم ان کی مہمانی یعنی روزی ہے جو ان کے لئے پہلے سے تیار ہو گا یعنی یہ بمنزلہ مہمانی کے ہوں گے جو مہمان کے لئے ماحضر تیار کیا جاتا ہے اس کی عزت کے لئے یوم الدین جزا کے دن۔

سبق یہ تو جاتے ہی ان کی خاطرداری ہو گی پھر آگے سوچ لو کہ جتنا عرصہ دوزخ میں ہمیشہ ٹھہرے رہیں گے ان کے ساتھ کیا کیا ہو گا کیونکہ دوزخ ہی ان کا ٹھکانہ ہے اس میں تہکم ہے جیسا کہ مخفی نہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے دوسرے مقام پہ فرمایا فبشرهم بعذاب الیم انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سناؤ کیونکہ جہنم میں جو کچھ ان کے لئے تیار ہے وہ کوئی ان کے عزت نہیں بلکہ ذلت و خواری ہے۔ اور یہ جملہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے بطریق تذلیل کے۔ کلام ملقین کے مضمون کی تقریر کے لئے ہے یہ قول کے مقول میں داخل نہیں۔ خلقناکم فلولا تصدقون ہم نے تمہیں پیدا تو کیا تصدیق نہیں کرتے ہو اے کافرو ساتھ ہی تخلیق کی کیونکہ جس کا عمل قول کے خلاف ہو سمجھو کہ وہ تصدیق نہیں بلکہ تکذیب ہے یا یہ عمل ان کی مرنے کے بعد اٹھنے کے حکم کی تصدیق نہیں کرتا۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ وہ جیسے ابتدائی تخلیق پر قادر ہے تو لوٹانے پر بھی قادر ہے۔

قاعدہ جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے جمع کا صیغہ استعمال فرمایا ہے اس سے اس کی ذات صفات و اسماء مراد نہیں جیسے فرمایا ان نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون بیشک ہم نے ذکر نازل کیا اور ہم اس کے محافظ ہیں۔ اور جب صیغہ واحد استعمال فرمائے تو اس وقت اس کی ذات مطلقہ مراد ہو گی جیسے فرمایا انی انا الله رب العالمین (بیشک میں ہی رب العالمین ہوں) یہ اس وقت ہے جب قائل خود اللہ تعالیٰ ہو۔ اگر قائل بندہ ہو مثلاً کہے انت یارب (تو ہے اے میرے پروردگار) اس وقت جمع کا صیغہ نہ لائے یعنی انتم[1] نہ کہے۔

---

[1] یہی اعلیٰحضرت فاضل بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں لیکن دیوبندی ان کی ضد سے اللہ تعالیٰ کے لئے جمع کے صیغے بولتے ہیں۔ اسی کو وہ ادب کا نام دیتے ہیں جو درحقیقت توحید کے منافی عمل کرتے ہیں۔ اویسی غفرلہ)

اس میں شرک کا ابہام ہے جو توحید کے منافی ہے اس لئے کہا جاتا ہے اشهدان لا اله الا الله (الا انت نہیں کہا

marfat.ocm

جاتا) تاکہ اس کی ذات کی خصوصیت سے شہادت ہو اور بندے کی توحید کا اقرار و تصدیق کا اظہار مکمل طور ہو۔

افرائیتم ماتمنون تو کیا دیکھتے ہو وہ جو منی گراتے ہو۔ یعنی عورتوں کی ارحام میں نطفے گراتے ہو جن سے بچے پیدا ہوتے ہیں۔

حل لغات افرائیتم بمعنی اخبرونی (مجھے خبر دو) ما تمنون اس کا مفعول اول جملہ استفہامیہ اس کا مفعول ثانی ہے۔ اہل لغت کہتے ہیں امنی الرجل (مرد نے منی گرائی) اور گراتا ہے نہ اس کا غیر۔ ومنیت الشئی ای قفیتہ میں نے اسے پورا کیا۔ منی کو اسی لئے منی کہا جاتا ہے کہ اس سے مخلوق کی قضاو قدر ہے۔

أنتم تخلقونہ کیا تمہیں اسے پیدا کرتے ہو مقدر اور تصویر باندھتے ہو بشر کامل بنا کر عورتوں کے بطون میں نر یا مادہ ام نحن الخالقون یا ہم اسے پیدا کرنے والے ہیں اس میں کسی کو داخل نہیں۔

فائدہ بعض نے کہا کہ ام منقطعہ ہے اس لئے کہ اس کا مابعد جملہ ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ بلکہ ہم ہی پیدا کرتے ہیں استفہام تقریر کے لئے ہے۔ بعض نے کہا ام متصلہ ہے اور نحن کا الخالقون کے بعد لانا محض تاکید کے لئے ہے۔ یہ خبریہ بالکل نہیں۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ اعمال وافعال اور ان کے مولد کا وقوع تمہارے قلوب کی ارحام اور تمہارے نفوس میں صرف اور صرف میری تخلیق و ارادہ پر ہے نہ کہ تمہارے پیدا کرنے اور ارادہ پر۔ اس میں خواطر کے مولد (جو افعال و اعمال و اقوال کے مقتضی ہیں) کو اپنی ذات و قدرت کے ساتھ مخصوص فرمایا اور ساتھ یہ بھی فرمایا یہ قدرت بندوں سے مسلوب ہے یعنی بندوں کو اس پر کسی قسم کی قدرت نہیں۔

نحن قدرنا بینکم الموت اور ہم نے تمہارے درمیان موت مقدر فرمائی ہے) یعنی ہم نے موت تم پر تقسیم فرمائی اور ہر ایک کی موت کا معین وقت مقرر فرمایا جیسا کہ ہماری مشیت کا تقاضا ہے جو بے شمار حکمتوں پر مبنی ہے۔ بعض چھوٹی عمر میں بعض بڑے ہو کر مرتے ہیں۔

حکایت فقیر (صاحب روح البیان رحمتہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ مجھے ایک سحر کے وقت خواب میں کہا گیا صبر کرو ہی ہو گا جو اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمایا چند روز کے بعد میری ایک چھوٹی بچی (امتہ اللہ نامی) بیمار پڑ گئی یہاں تک کہ فوت ہو

marfat.ocm

گئی اللہ تعالیٰ اسے میرے لئے فرط ذخیرہ شافعہ مشفعہ بنائے۔

فائدہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اسماعیل علیہ السلام کے ذبح میں اور یعقوب علیہ السلام یوسف علیہ السلام کے فراق میں مبتلا ہوئے یہ سب اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہے وہی اس کو ہی پسند فرماتا ہے۔

ومانحن بمسبوقین اور ہم سبقت کئے ہوئے ہیں۔ یعنی ہم قادر ہیں۔ علی ان نبدل اوپر اس کے کہ ہم تبدیل کردیں امثا لکم تمہارے جیسے اور ہم پر کوئی غالب نہیں ہم تمہیں لے جائیں اور تمہارے جیسے اور لے آئیں یہ تخلیق ہماری ہے۔

حل لغات اہل لغت کہتے ہیں سبقتہ علی کذا ای غلبتہ علیہ میں فلاں پر غالب ہوا اور غالب فلاں فلانا علی الشئی۔ اس نے وہ شے اس سے غلبہ پاکر لے لی۔

وننشئکم فیما لا تعلمون اور ہم تمہاری تخلیق و اطوار میں وہ پیدا کریں گے جسے تم نہیں جانتے اور نہ اس جیسی چیزیں کا علم رکھتے ہو۔

فائدہ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تمہیں ہم بندر خنزیر بنادیں جیسے پہلے لوگ ہوئے اگر تم ہمارے رسل کرام پر ایمان نہ لائے یعنی ہم عاجز نہیں تمہارے جیسے اور پیدا کرنے سے اور تمہاری صورتوں کے مسخ کرنے سے بھی ہم عاجز نہیں وغیرہ وغیرہ۔

فائدہ یہ احتمال بھی ہے کہ آیت میں وعید کا اشارہ ہے اب مراد یہ ہوگی کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی تخلیق الاشیاء کو نہیں جاتے یا ان کی صفات سے آگاہ نہیں کہ ان کی کیفیات مثلاً الوان ' اشکال وغیرہا کو جان سکیں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صفات بشریہ کو صفات ملکیہ تبدیل کرنے سے عاجز نہیں اور اس سے بھی عاجز نہیں کہ وہ سالکین کو اپنی صفات کا مظہر بنادے جب کہ وہ اس سے پہلے اس صفات پر نہ تھے کیونکہ ایک ہی نفس پر تقاضائے حکمت بالغہ صفات مختلفہ متبائنیہ کا توارد فرمایا اس کے لئے محال نہیں کیا نہیں دیکھتے ہو کہ ایک جوہر کبھی چاندی ہوتا ہے تو اس میں اکسیر ڈالنے سے سونا بن جاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ ولقد علمتم النشاۃ الاولی (اور بیشک تم کو معلوم ہے نشاۃ اولی یعنی پہلی تخلیق کہ

marfat.ocm

تمہیں نطفہ سے پھر علقہ سے پھر مضغہ سے پیدا کیا گیا۔ بعض نے کہا کہ یہ آدم علیہ السلام کی فطرت یعنی مٹی کی تخلیق کی طرف اشارہ ہے۔

فلولا تذکرون (توکیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے) کہ وہ ذات جو پہلی تخلیق پر قادر ہے تو وہ دوسری تخلیق (اعادہ) پر بھی یقیناً قادر ہے۔ کیونکہ یہ دوسری بہ نسبت پہلی کی صفت میں کم ہے کیونکہ یہاں مواد اور اجزاء اور امثال موجود ہیں۔

آنکہ مارا از خلوت نابود می کشد تا بجلوہ گاہ وجود
بار دیگر کہ از سموم ہلاک روئے پوشیم زیر پردۂ خاک
ہم تواند بامر کن فیکون کارد از گوشہ لحد بیرون

ترجمہ وہ جو ہمیں خلوت نابود سے جلوہ گاہ وجود کی طرف کھینچتا ہے۔
پھر ہمیں ہلاکت کی ہوا سے ہمارا چہرہ چھپائے گا مٹی کے پردہ کے نیچے۔
پھر کن کے حکم سے گوشہ لحد سے ہمیں باہر لائے گا۔

فائدہ حدیث شریف میں ہے کہ اس تکذیب پر تعجب ہے جو نشاۃ اولیٰ کو مانتا ہے لیکن پھر نشاۃ ثانیہ کا انکاری ہے اور اس پر تعجب ہے جو نشاۃ آخرت کی تصدیق تو کرتا ہے لیکن اس کی جدوجہد دار الغرور کے لئے ہے۔

فائدہ آیت میں قیاس[1] کی دلیل ہے کہ جو اولیٰ نشاۃ کا قائل ہے تو اسے چاہئے نشاۃ ثانیہ کو مانے لیکن افسوس ہے کہ وہ ایک کا قائل ہے اور ایک سے جاہل تو اسے لازم ہے کہ جس کا عالم ہے اپنے جہل کو اس سے دور کرے (یہی قیاس ہے) اور ترک قیاس جہل سے ہے اور اگر وہ اسے علم میں لائے تو اسے سمجھ آجائے گا کیونکہ جو چیز علم سے سمجھی جائے وہی صحیح ہوتی ہے مثنوی شریف میں ہے۔

مجتہد ہر گہ باشد نص شناس اندر آں صورت نیندیشد قیاس
چوں نیابد نص اندر صورتے از قیاس آنجا نماید عبرتے

---

[1] قیاس کے منکرین غیر مقلد وہابی و مرزائی و چکڑالوی اسے اچھی طرح سمجھ لیں لیکن وہ ہمارے قیاس کے منکر ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ان کا گاڑی چلتی بھی ہے تو قیاس پر۔ اویسی)

ایں قیاسات و تحری روز ابر   تابشت مر قبلہ را کروست جر
لیک تا خورشید و کعبہ پیش رو   ایں قیاس و ایں تجری بجو

ترجمہ   ۱۔ مجتہد جو جس وقت نص شناس ہو تو پھر قیاس سے کیسے مسائل نکالے گا۔
۲۔ ہاں نص کسی صورت میں نہ ملے تو پھر قیاس کام کر ڈالتا ہے۔
۳۔ روز ابر میں ہی قیاسات اور سوچ ہے ایسی جگہ پر قیاس اور سوچ تلاش کر۔
۴۔ جب سورج اور کعبہ سامنے ہو تو پھر یہ قیاس اور سوچ کا کیا کام۔

فائدہ   اس سے ابلیس کے قیاس کا بطلان بھی ثابت ہوا کیونکہ اس کا قیاس امر کے خلاف تھا مثنوی شریف میں ہے۔

اول آنکس کیں قیاس ہا نمود   پیش انوار خدا ابلیس بود
گفت نار از خاک بے شک بہتر است   من زنار روز خاک اکدر است
پس قیاس فرع بر اصلش کنیم   روز ظلمت ماز نور رو شیم
گفت حق نے بلکہ لا انساب شد یہ   زہد و تقوی فضل را محراب شد

ترجمہ   ۱۔ پہلا جو جس نے قیاس کیا اللّٰہ تعالیٰ کے انوار کے آگے وہ ابلیس تھا۔
۲۔ کہا آگ مٹی سے بہتر ہے میں آگ سے وہ مٹی سے ہے۔
۳۔ ہم اصل پر فرع کا قیاس کرتے ہیں ظلمت کے روز ہم نور سے روشن ہیں۔
۴۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہاں انساب کام نہ آئیں گے فضلت کی محراب زہد و تقوی ہے۔

تفسیر صوفیانہ   اس میں اشارہ ہے کہ ہم نے ہی نشاۃ اولی یعنی بشریہ طبیعہ دنویہ مقدر فرمائی باوجودیکہ مواد صفائیہ کا وجود نہ تھا جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عجز کا قائل ہے وہ کافر ہے کیا انہیں دیکھتے نہیں کہ ابتداء میں وہ محروم تھے لیکن انتہاء انہیں دولت معرفت نصیب ہوئی جیسے ابراہیم بن ارہم و فضیل بن عیاض اور مالک بن دینار وغیرہ ہم قدس سرہ اسرار ہم اللّٰہ تعالیٰ نے ان کی دوسری نشاۃ پیدا فرمائی اگرچہ ایک عرصہ کے بعد سہی۔

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ افرائیتم (مجھے خبردو) ما تحرثون وہ جو تم کھیتی باڑی کرتے ہو یعنی زمین میں بیج ڈالتے ہیں اور اس میں پانی وغیرہ پہنچاتے ہیں۔

حل لغات الحرث بمعنی زمین میں بیج ڈالنا اور اسے کھیتی کے لئے تیار کرنا۔

أأنتم تزرعونہ (کیا کھیتی انگوری اگاتے ہو اور اسے بڑا کرتے ہو اور بڑھاتے ہو یہاں تک کہ وہ اپنی منزل تک پہنچ جاتی ہے۔

ام نحن الزارعون (یا ہم ہی اگانے والے ہیں) یعنی تم نہیں اگا سکتے نہ انگوری نہ کھیتی۔

فائدہ کیونکہ یہ امور الٰہیہ سے ہیں بشریت کو ان کی طاقت کہاں اسی لئے حرث ان کی طرف منسوب فرمایا لیکن زرع کی نسبت صرف اپنی طرف فرمائی۔

حدیث شریف میں ہے تمہارا کوئی یہ نہ کہے کہ میں نے کھیتی کی کیونکہ حقیقی اگانے والا اللہ تعالیٰ ہے خلاصہ یہ کہ کھیتی کا کام بندے کا ہے کہ وہ صرف یہ کام کھیتی باڑی کو عمل میں لائیں لیکن اس کی تخلیق خالص اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے کیونکہ خوشہ اور دانہ کا اگانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اس میں بندے کو نہ کوئی دخل نہ اختیار بندے کی طرف اس کی نسبت ہوتی ہے تو صرف اس لئے کہ یہ کام وہ کرتا ہے اور زرع و انبات کا ایک سبب ہے۔

سوال الاسئلۃ المقحمۃ میں ہے کہ الحرث والزرع ایک شے ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمایا ولا تسقی الحرث اور وہ گائے کھیتی نہیں پلاتی۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے حرث کی نسبت گائے کی طرف (من وجہ) کردی۔ اور اس مقام پہ صرف اپنی ذات کی طرف منسوب فرمائی یہ کیوں؟

جواب حرث کی اضافت بندوں کی طرف اکتساب کی وجہ سے ہے اس کی طرف بوجہ تخلیق و اختراع ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے اس مجاز و حقیقت کو ایک آیت میں بیان فرمادیا کہ وما رمیت اذ رمیت۔

کھیتی میں برکت کا وظیفہ حضرت الحلیمی نے فرمایا کہ مستحب ہے کہ زمین میں بیج ڈالتے وقت اعوذ باللہ کے بعد پڑھے افرائیتم تا بل نحن محرومون اس کے بعد کہے اللہ الزرع والمنبت

marfat.ocm

والمبلغ اللہم صل علیٰ محمدو علیٰ آل محمد ولرزقنا ثمرہ و حنینا ضررہ واجعلنا لانعمک من الشاکرین (اللہ زراع ہے اور مثبت ہے اور مبلغ ہے۔ اللہ تعالیٰ محمد اور آپ کی آل پر درود بھیج ہمیں اس کا ثمرہ دے اور اس کے ضرر سے دور رکھ اپنی نعمتوں کا شکر گزار بنا۔

فائدہ یہ دعا اس کی کھیتی کے لئے امان ہو گی جمیع آفات کیڑوں مکوڑوں سے ٹڈی سے وغیرہ وغیرہ۔

فائدہ آیت میں احسان جتلایا ہے تاکہ بندے شکر کریں اس کی کھیتی کی نعمت پر اور استدلال ہے کہ جو ذات انبات (کھیتی اگانے) پر قادر ہے وہ اعادہ (انسان کے مرنے کے بعد اٹھانے) پر بھی قادر ہے جیسے وہ دانہ زمین سے اگاتا ہے ایسے ہی نطفے سے ماں کے رحم میں بچہ بناتا ہے ایسے ہی عجب الذنب سے قبر میں سے انسان کو اٹھاتا ہے یہ سب بیج ہیں اس لئے کہ عجب الذنب اور بیج ایک ہی شے ہیں کیونکہ عجب الذنب رائی کے دانہ کے برابر ہے جسے ہم پہلے تحقیق کرتے ہیں۔

لونشاء اگر ہم چاہیں۔ لو ماضی کے لئے ہے اگرچہ مضارع پر داخل ہو اسی لئے اسے محروم نہیں کرتا یہ شرطیہ غیر جازمہ ہے یعنی اگر ہم ارادہ کریں۔ لجعلناہ البتہ بنا دیں ہم کھیتی یا کھیت کو حطاما بھوسہ

حل لغات حطم کسر الشی۔ کسی شے کا توڑ پھوڑ کرنا۔ توڑ پھوڑ کئے ہوئے کی طرح پھر ہر وہ شے جسے چورا چورا کیا جائے کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ وہ کھیتی سوکھی اور چورا چورا ہو جائے اس کے بعد کہ ہم نے اسے اگایا اس سے تم امید رکھتے تھے کہ اس کا غلہ وغیرہ حاصل کریں گے۔

فظلتم تو ہو گئے ہو یعنی تم اسی سبب سے ہو گئے۔ تفکہون باتیں بناتے تعجب کر رہے اس کی بدحالی سے بعد اس کے کہ تم نے اسے اچھے حال میں دیکھا تھا۔ یا تم نادم ہو جاؤ اپنے کئے پر باوجودیکہ اسے بڑی جدوجہد کی اور اس پر خرچ کیا یا نادم ہوئے اس پر جو مصیبت میں مبتلا ہوئے معاصی کی وجہ سے تو باتیں بناتے رہتے۔

حل لغات التفکہ بمعنی قسم و قسم کے میوہ جات میں خیل ہونا کبھی باتوں میں خلل ہونا اور اسے تفکنون (نون کے ساتھ) پڑھا گیا ہے۔ التفکن بمعنی التعجب والتفکر واستدلو۔ اسی سے حدیث شریف مثل المعالم کمثل الحمتہ یاتیہا العبداء وتیر کہا القرباء فبینا ہم اذغار ما بافاتنفع بہا قوم یتفکنون

marfat.ocm

ای یتندمون (علم دین کی اس چشمہ کی سی ہے جس کے ہاں بعید کے لوگ آتے ہیں لیکن قریب کے لوگ اسے چھوڑے رکھتے ہیں اچانک اس کا اپنی گہرائی میں چلا گیا اسی سے ایک قوم نے نفع اٹھالیا۔ لیکن دوسری قوم ندامت کے ہاتھ ملتی رہی۔

الحمتہ یعنی وہ گرم چشمہ (الحمیم سے ہے یعنی گرم پانی) جس سے علیل و مریض لوگ شفاء کے لئے پانی حاصل کریں لن المغرمون ہم پر چٹی پڑی۔ تفکہون کے فاعل سے حال ہے یعنی درانحالیکہ کہیں گے کہ بیشک چٹنے والے ہیں چٹی کہ جو کہ ہم نے اس پر خرچ کیا۔

حل لغات الغرامتہ یعنی انسان کو اس شے کا لازم ہونا جو اس کے ذمہ میں نہیں لیکن اب اس پر بلاوجہ لازم ہو جائے۔ یا ہم ہلاک ہونے والے ہیں اس کے تباہ ہو جانے کی وجہ سے جو ہم نے خرچ کیا یا بوجہ اپنے اپنے معاصی کی شامت سے (ہلاک ہونے والے ہیں الغرام سے یعنی الہلاک۔

بل نحن محرومون (بلکہ ہم بے نصیب ہیں اپنے رزق سے ہم نے نصیب یا محدود نہ کہ خوش حال محدود حد سے ہے یعنی محروم یعنی المنع یعنی ہمارا نصیبہ نہیں۔ ہمیں خوش حالی نصیب نہ ہوئی۔ اور نہ بخت اگر ہم خوش حال ہوتے تو ہماری کھیتی تباہ و برباد نہ ہوتی۔

حدیث شریف حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ انصار کی زمین سے گزرے فرمایا اس میں بیج کیوں نہیں ڈالتے عرض کی یہ زمین قحط زدہ ہے فرمایا اس میں بیج ڈالو اللہ تعالیٰ نے فرمایا انا الزارع میں ہی کھیت کو اگانے والا ہوں اگر چاہوں تو پانی سے اگادوں اگر چاہوں تو ہوا سے اگادوں۔ چاہوں تو بیج سے پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ افرائیتم ما تحرثون

شرح الحدیث حدیث شریف میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی عطا کرتا اور روکتا ہے اسباب سے یا بلا اسباب۔

عقیدہ توحید یہ ہے کہ تاثیر صرف اللہ تعالیٰ کی ہے کسی غیر کو اس میں دخل نہیں جیسے ستارے وغیرہ۔

مسئلہ نفس کی برائی کے ارادہ پر رزق روک دیا جاتا ہے۔

لہ (المغرب ۲)

marfat.ocm

حدیث شریف ۱ میں ہے کہ کوئی سال دوسرے سال زیادہ بارش نہیں دیتا صرف فرق یہ ہے کہ کوئی قوم گناہ کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان سے بارش روک کر دوسروں کو عطا فرما دیتا ہے جب سارے کے سارے ہی گناہ کرنے لگ جائیں تو وہ بارش جنگلوں اور دریاؤں کی طرف پھیر دیتا ہے۔

حدیث شریف ۲ میں ہے کہ وضو (طہارت) پر مداومت کر تجھ پر رزق کی وسعت ہوگی۔

فائدہ جب طہارت کی مداومت پر رزق کی وسعت ہے تو اس کے خلاف (بے وضو رہنا یعنی پاک نہ رہنا) تنگی رزق کا سبب ہے۔

فائدہ رزق دو قسم ہے۔ ظاہر، باطن۔ ایسے ہی طہارت نجاست بھی دو قسم ہے۔

سبق طالب رزق پر مطلقاً لازم ہے کہ وہ طہارت مطلقہ پر ہمیشہ مداومت رکھے۔

سوال ہم نے دیکھا اور پڑھا ہے کہ اکثر سلف صالحین طہارت مطلقہ پر مداومت کے باوجود مفلس تھے۔

جواب وہ رزق معنوی میں اکثر خلف سے بڑھ کر تھے رزق سے مقصود اصلی رزق معنوی ہے اور ظاہری رزق میں محتاج تھے لیکن یہ ان کے حقیقی کمال کی وجہ سے تھا جیسے حضور نبی اکرم ﷺ دعا میں عرض کیا کرتے تھے۔ اللھم اغننی بالافتقاد الیک (اے اللہ مجھے اپنی طرف محتاجی میں غنی فرما)

فائدہ ان حضرات کو ظاہری غناء (مال و دولت) سے روکا گیا تاکہ ظاہر و باطن کے کسی ایک سے دوسرے کی تکمیل ہو۔ اس معنی پر وہ دنیوی اغنیاء سے بڑھ کر غنی تھے اگرچہ بظاہر وہ فقیر تھے لیکن در حقیقت امیر تھے۔ ان کے سوا دوسرے لوگ فقیروں سے بڑھ کر فقیر تھے اگرچہ بظاہر وہ غنی ہوتے ہیں۔

(خوب فرمایا شیخ سعدی قدس سرہ نے۔

آنانکہ غنی تراند محتاج ترند

(ترجمہ = وہ جو زیادہ دولت مند ہیں وہی بہت زیادہ محتاج ہیں۔ اویسی غفرلہ)

تفسیر صوفیانہ مرزوق وہ ہے جسے غذائے روحانی یعنی واردات و علوم و فیوض نصیب ہیں اور محروم ہے وہ جو ان

marfat.ocm

سے محروم ہو۔ (اسے اچھی طرح جان لے)

مثنوی شریف میں ہے۔

۱۔ فہم نان کردن نہ حکمت اے رہی — زانکہ حق گفت کلوا من رزقہ

۲۔ رزق حق حکمت بود در مرتبت — کان گلو گیرت نباشد عاقبت

۳۔ ان دہاں بستی دہانے باز شد — کہ خورندہ لقمہا راز شد

۴۔ گر ز شیر دیو تن را پروری — در فطام او بسے نعمت خوری

ترجمہ ۱۔ اے سردار روٹی کو سمجھنا حکمت نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس کے رزق سے کھاؤ۔

۲۔ مرتبہ میں رزق حق حکمت ہے جو تیرا گلو گیر ہو گا اس کی عاقبت اچھی نہیں۔

۳۔ ایک منہ بند کرے گا تو دوسرا کھلے گا کہ کھانے والے کا راز ظاہر ہو۔

۴۔ اگر شیر دیو کا تن پالے گا دودھ چھڑانے کے بعد بسیار نعمت پائے گا۔

تفسیر عالمانہ افرائیتم (بھلا دیکھو) الماء الذی تشربون (وہ پانی جو تم پیتے ہو) میٹھا شیریں پانی۔

نکتہ۔ پانی کی یہ صفت اس لئے بیان فرمائی کہ اس سے انسان کے بڑا اہم مقاصد سے اس کا پینا ہے ورنہ اس کے علاوہ پانی میں بہت بڑے فوائد و منافع ہیں۔

ءانتم انزلتموہ من المزن (تم نے اسے بادل سے نہیں اتارا)

حل لغات المزن کا واحد المزنۃ ہے بعض نے کہا اس کا معنی ہے سفید بادل اس کا پانی نہایت ہی مزیدار ہوتا ہے۔

ام نحن المنزلون (یا ہم ہیں اتارنے والے) اپنی قدرت سے۔

حل لغات الرویہ اگر معنی علم ہو تو اس کا تعلق استفہام سے ہے۔ اگر بمعنی الابصار یا المعرفۃ ہے تو جملہ استفہامیہ مستانفہ ہے۔ رضی (نحوی) نے اسے اختیار کیا ہے۔

لو نشاء جعلناہ اجاجا (اگر ہم چاہیں تو اسے کھاری کر دیں) یعنی اسے کر دیں کڑوا۔ بے مزہ جس کا پینا

marfat.ocm

ممکن نہ ہو پہلے لو شرطیہ کے جواب میں لام محذوف کردی گئی تاکہ مشروب و مطعوم کی اہمیت اور اس کے فقدان الحصول کا فرق معلوم ہو یعنی یہاں پر امر المطعوم مع الاثبات امر مشروب پر مقدم ہے اور مطعوم کے فقدان کی وعید سخت اور شدید تر ہے بہ نسبت امر مطعوم کے اور ظاہر ہے کہ اکثر مشروب کی ضرورت مطعوم کی ضرورت کے تابع ہے۔

فلولا تشکرون (پھر کیوں نہیں شکر کرتے) مطعوم و مشروب کی نعمتوں کا جو مذکور ہوئی ہیں کہ منعم کی توحید کا اقرار کرو اور اس کے احکام پر عمل کرو (اس کی اطاعت کرو) یا پھر کیوں نہیں شکر کرتے کہ ہم نے اسے مزیدار پینے کا پانی بنایا۔

آسمانی دریا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ عرش کے نیچے ایک دریا ہے اسی سے ہی حیوانات (انسان سمیت کے رزق اترتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کی طرف وحی بھیجتا ہے کہ وہ برسائے (وہ جو چاہتا ہے) ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی طرف یہاں تک کہ وہ پہلے آسمان دنیا تک پہنچتا ہے اسے حکم ہوتا ہے کہ اسے چھلنی سے چھان وہ اسے چھانتا ہے پھر ہر ایک قطرہ کو فرشتہ زمین پر لاتا ہے اور وہاں رکھتا ہے جہاں اسے حکم ہوتا ہے اور اس قطرہ کا کیل معلوم و وزن معلوم (اللہ تعالیٰ کو) سوائے طوفان کے دن (قوم نوح علیہ السلام کے عذاب کے دن) کے کہ اس دن بغیر کیل و وزن کے قطرات اترے۔

فائدہ بعض حکماء نے کہا کہ بارش کو اللہ تعالیٰ کی قوس دریا سے اٹھا کر بادل میں گراتی ہے پھر بادل زمین پر برساتا ہے۔ بعض نے کہا کہ قدرت کو اس میں زیادہ دخل ہے یعنی قدرت کا نظارہ دیکھئے کہ جب دریا کا کڑوا پانی نیچے سے اوپر کو چڑھتا ہے تو کھاری بن جاتا ہے لیکن جب آسمان سے زمین پر اترتا ہے تو میٹھا اور مزیدار ہوتا ہے۔

اعجوبہ عرب کے بعض شہروں میں نہ کنویں ہیں نہ چشمے نہ نہریں جاری وہاں کے باشی بارش کے پانی پر بسر اوقات کرتے ہیں اور اسے تالاب بنا کر محفوظ کر لیتے ہیں جیسے قدس شریف اور ینبوع اور جدہ شریف وغیرہ ان شہروں میں میٹھے پانی کی بڑی قدر و منزلت ہے اسی لئے بندوں پر اللہ تعالیٰ نے پانی کا احسان جتلایا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں معرفت و علم الٰہی کے پانی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ وہ کسب اور جدوجہد سے حاصل

marfat.ocm

نہیں ہوتا بلکہ وہ محض عطائے الٰہی و عنایت ربانی سے نصیب ہوتا ہے اگر چاہے تو وہ مشرب کشف و شہود سے میٹھے اور جاری پانی کو مشرب حجاب و احتجاب و جہالت و ضلالت سے کڑوا اور بے مزہ بنادے۔

سبق معارف و حقائق و حکم (حکمتوں) کی نعمتوں پر شکر ضروری ہے۔

تصوف کی فضیلت ایک آدمی (مثلاً) کنواں کھودتا ہے مشقت کے باوجود پانی تک بھی پہنچنا نصیب ہوا یا نہ اگر پانی تک پہنچا تو نامعلوم وہ پانی کڑوا ہو تو بھی محنت بیکار اگر میٹھا پانی نکلے تو کام آئے گا لیکن غور فرمایئے کہ اسے یہ میٹھا پانی کتنا محنت و مشقت کے بعد نصیب ہوا لیکن بارش کا پانی مفت ملتا ہے اور بغیر محنت و مشقت کے یہی حال علمائے ظواہر" علمائے حقیقت کا ہے اس لئے انبیاء عظام و اولیاء کرام کا علم الہام من اللہ ہے اور وحی الٰہی و الہام میں خطا کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ صوفیہ کرام کے علم تمام ترمبنی پر صواب ہے کیونکہ ان کا علم تذکری ہے انہیں ترتیب مقدمات کی ضرورت ہی نہیں بخلاف رسمی علماء (ظاہری علم کے عاشق باطن علم سے لاتعلق) کے کہ ان کا علم فکری ہے وہ فکر کا محتاج ہے۔[1]

سبق طالب الفیض پر لازم ہے کہ وہ واردات سے پہلے اس کے محل کو تیار کرے کیا دیکھتے نہیں ہو کسان بیج ڈالنے سے پہلے زمین کو کیسے تیار کرتا ہے اور تیار کر کے چھوڑتا ہے کہ نامعلوم کب بارش ہو جب ہو گی تو اس کے کھیت کو فائدہ پہنچے گا۔

تفسیر صوفیانہ ۲ روح بارش (رحمت) سے اترتا ہے اور اس کا ابر اس نشاۃ کے لئے تعین جو اس کے مناسب ہے جب رحم میں نطفہ کی تخلیق کی تکمیل ہو جاتی ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ روح پھونکتا ہے ظہور و تعین روح یہی ہے اسے نفخ روح کہا جاتا ہے ہاں عقل اس کے ادراک سے عاجز ہے۔

---

[1] افسوس کہ ہمارے دور میں نجدی ابن تیمیہ کی اتباع میں صوفیہ کرام کی دشمنی میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں اور اس کام کے لئے ہر ملک میں بڑے چیلے چھوڑے ہوئے ہیں اور پانی کی طرح ریال (روپیہ) بہایا جا رہا ہے ان کے چیلے ہمارے پاکستان میں بھی ہیں اور گورنمنٹ پاکستان کے بڑے عہدوں سنبھال کر صوفیہ کرام پر حملے کر رہے ہیں لیکن ہمارا یقین ہے کہ ان کا اپنا ستیاناس ہو گا۔ صوفیہ کرام چراغ خداوندی ہیں اور چراغ مقبلان ہر گز نمیرد)

marfat.ocm

فائدہ حضور سرور عالم ﷺ بارش کے نزول کے وقت سر مبارک سے کپڑا اتار لیتے اور فرماتے کہ یہ اپنے رب سے ابھی نیا آیا ہے۔

فائدہ روح حیات کا مطلقاً سبب ہے تو لازم ہے کہ محل کو تیار رکھے تاکہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے تجلیات واردہ نصیب ہو سکیں۔ جیسے رسول اللہ ﷺ سر مبارک سے کپڑا اتار لیتے اور نزول بارش کے محل کو تیار فرما لیتے وہ یوں کہ آسمان سے ہی بارش کا نزول ہوتا ہے تو پہلے اس پر اترتے جو انسان کی سب سے بلند تر جگہ ہے یعنی سر پر۔

تفسیر عالمانہ افرأیتم النار التی تورون تو بھلا بتاؤ تو وہ آگ جو تم روشن کرتے ہو۔

حل لغات الایراء بمعنی چقمق سے آگ ظاہر کرنا یعنی آگ جلاتے اور چقمق سے ظاہر کرتے ہو۔ اہل عرب کا دستور ہے کہ دو لکڑیوں کو ملا کر آگ نکالتے ہیں اوپر والی لکڑی کو زند اور نیچے والی کو زندہ کہتے ہیں۔ زن و شوہر سے تشبیہ دے کر زند (نر) اور زندہ (مادہ) کی مثل (طروق نر اونٹ) (طروقہ مادہ اونٹ) یعنی جو اس سن تک پہنچ گئی جسے طروق (نر اونٹ) ضرب (مار) سکے کیونکہ الطرق بمعنی ضرب آتا ہے۔ انتم شجرتھا کیا تم نے اس کا پیڑ جس سے چقمق کی لکڑی لی جاتی ہے اسے عفار مرخ کہا جاتا ہے جس کی تفصیل سورۂ یٰسین میں گزری ہے۔

ام نحن المنشؤن یا ہم اسے پیدا کرنے والے ہیں اپنی قدرت سے۔

نحن جعلنٰھا تذکرہ (ہم نے اسے یادگار) جملہ مستانفہ ہے اس کے منافع بیان کرنے کے لئے ہے یعنی ہم نے چقمق کی آگ کو بنایا یادگار جہنم کی آگ کہ ہم نے اس کے ذریعہ اسباب معاش سمجھائے تاکہ تم اسے دیکھ کر جہنم کی وعید سے نصیحت حاصل کریں یا یادگار یا نصیحت یا جہنم کا نمونہ۔

حدیث شریف حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری یہ آگ کہ جس سے بنو آدم جلاتے ہیں جہنم کی گرمی کا سترھواں حصہ ہے۔

فائدہ بعض نے کہا کہ یہ امر البعث کا تبصرہ ہے اس لئے کہ ہر شے سے آگ کا نکلنا کوئی نئی بات نہیں۔

پرویزی معتزلہ اور چکڑالوی ٹولہ کا رد عین المعانی میں ہے کہ یہ آیت عذاب قبر کے منکرین پر حجت ہے

marfat.ocm

اس لئے کہ یہاں اس کا ذکر ہے کہ جس کا ظاہر نہیں جلاتا (لیکن اندر سے آگ ہی آگ ہے) اگرچہ نظر نہیں آتی۔

ومتاعا اور فائدہ اور نفع اور ضرورت کی شے کیونکہ ہروقت آگ کو اٹھائے پھرتے ہیں مشقت اور تکلیف ہے۔

للمقوین مسافروں کے لئے وہ جو جنگلوں میں اترتے ہیں۔

حل لغات المقوین اقواء (بالفتح) سے ہے وہ جنگل جو پانی گھاس اور عمارت سے خالی ہو اس سے مسافر لوگ مراد ہیں ان کی تخصیص اس لئے ہے کہ یہی اس کے زیادہ محتاج اور ضرورت مند ہیں تاکہ آگ کو دیکھ کر درندے بھاگ جائیں اور اس سے آگ سینک سکیں۔ (سردی دفع کر سکیں) کپڑے خشک کر سکیں، طعام پکا سکیں کیونکہ مقیم لوگ یا وہ جو ان کے قریب آکر اترتے ہیں وہ چقماق وغیرہ کے اتنا محتاج نہیں۔

نکتہ سب سے آخر میں اس نفع کا ذکر اس لئے ہے تاکہ تنبیہہ ہو کہ انسان کے لئے اہم نفع آخرت کا ہے۔

لغت کا عجوبہ اقوی اسے کہتے ہیں جو جنگل ویران میں اترے اور اصحر وہ جو جنگل میں داخل ہو جائے۔

حدیث شریف حضور نبی پاک ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو فرمایا کہ میں نے میکائیل علیہ السلام کو کبھی ہنستے نہیں دیکھا۔ عرض کی جب سے آگ پیدا ہوئی ہے۔ اس وقت سے میکائیل علیہ السلام نہیں ہنسے۔

حدیث شریف حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جہنم کا ادنیٰ عذاب یہ ہے کہ جہنم کو دو نعل پہنائے جائیں تو اس کے سر میں اس کا دماغ آگ کی گرمی سے کھولے گا (جوش مارے گا)[۱]

فائدہ! اس میں آخرت کی شدت گرمی کا بیان ہے کہ وہ آگ اس دنیاوی آگ جیسی نہ ہو گی

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ نار محبت شعلہ والی جلائی گئی ہے طلب کی چقماق سے اس محب صادق کے دل کی جلن کے لئے جو طریق حق کا سالک ہے اور اس کا درخت عنایت ازلیہ سرمدیہ ہے۔ ہماری اس تاویل پر حضرت ابو الحسین المنصور قدس سرہ کا قول تائید کرتا ہے آپ سے پوچھا گیا کہ محبت کی حقیقت کیا ہے فرمایا عنایت ازلیہ سرمدیہ اگر وہ نہ ہوتی تو مجھے معلوم نہ ہو سکتا ہے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا۔

نحن جعلنٰھا تذکرۃ ہم نے اسے بنایا نصیحت ارباب نفوس بشریہ کے لئے تاکہ اس کے نور سے سلوک

---

[۱] بخاری شریف میں ہے کہ اس درجہ میں ابو طالب ہو گا)

طریق حق کارلو پاسکیں۔

ومتاعاً للمقوین اور یہ نداء ہے ان محبین کی ارواح کی جو کئی دن اور کئی راتیں طعام و شراب (پانی) سے بھوکے پیاسے رہتے ہیں۔

حکایت حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مشہور ہے کہ ایک ایک ماہ بھوکے پیاسے رہتے۔

حکایت حضرت ابو عقیل مغربی قدس سرہ نے دو سال تک کچھ کھایا نہ پیا اور مکہ معظمہ میں مقیم تھے۔

فائدہ ایسے ہی بے شمار برگزیدہ بندگان خدا سالکین کے واقعات ہیں۔

حضرت ادریس علیہ السلام کا سلوک حضرت ادریس علیہ السلام کو چوتھے آسمان پر بلایا گیا تاکہ انہیں مکمل تجرید و ترویج نصیب ہو یہاں تک کہ آپ پر روحانیت غالب ہوئی تو آپ اپنے بدن (بشریت) سے آزاد ہو کر ملائکہ سے جا ملے۔ روحانیت افلاک کے قریب پہنچے اور عالم قدس کی طرف ترقی فرما گئے۔ آپ سولہ سال نہ سوئے۔ اور نہ ہی کچھ کھایا اور نہ ہی نکاح کیا کیونکہ آپ سے شہوات بالکل خارج ہو چکی تھی یہاں تک کہ عقل مجرد ہو گئے اور اعلی الامکنہ کی طرف اٹھائے گئے وہ مکان کہ جس کے گرد عالم الافلاک کی چکی گھومتی ہے یہی فلک الشمس ہے۔

فائدہ یاد رہے کہ نار محبت ہر قسم کی آگ سے سخت تر ہے حضرت جنید بغدادی قدس سرہ نے فرمایا کہ آگ نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ یارب اگر میں تیری اطاعت نہ کروں تو مجھے کس شے سے عذاب کرو گے کیا مجھ سے کوئی شے دیگر سخت تر ہے فرمایا تجھ پر تجھ سے بھی بڑی آگ مسلط کروں گا عرض کی کیا مجھ سے بھی کوئی اور آگ بڑی ہے فرمایا ہاں وہ ہے میری محبت کی آگ اسے میں نے اپنے اولیاء مومنین کے قلوب میں ٹھہرایا ہوا ہے (فتح القریب)

مہر جانان آتش است عشاق را   می بسوزد ہستی مشتاق را

ترجمہ عشاق کے لئے محبوب کی مہر و محبت آتش اشتیاق والے کی ہستی کو جلا دیتی ہے۔

تفسیر عالمانہ فسبح باسم ربک العظیم تو اے محبوب اپنے رب عظیم کی پاکی بیان کرو۔

سوال سبح ربک کیوں نہیں فرمایا باسم ربک الخ کیوں فرمایا؟

marfat.ocm

جواب سبح بمنزلہ فعل لازم کے ہے اس کا تعلق مفعول غیر معتبر ہے اس کا معنی ہے تسبیح کو پیدا کر اپنے رب کے اسم کے ذکر سے مضاف کو محذوف کر کے یہ تسبیح اس کی نعمتوں کے شکرانہ میں ہو گی اگرچہ اس کے منکرین انکار کریں یا بذکرہ تھا مجاز کے طور کیونکہ کسی کے اسم کا کسی پر اطلاق گویا اسی کو یاد کرنا ہے یا باء استعانت یا ملابست کی ہے اور ذکر ربہ سے قرآن کی تلاوت مراد ہے۔

العظیم اسم یا رب کی صفت ہے حضرت ابن عطاء رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس کی تسبیح کر کیونکہ وہ اس سے اعظم ہے کہ اسے تیری تسبیح لاحق ہو یا وہ تمہاری کسی شے کا محتاج ہو لیکن اس سے بندوں کو شرف اور بزرگی نصیب ہو گی کہ انہیں حکم فرمایا کہ وہ اس کی تسبیح کریں یعنی اس کی تنزیہ سے اپنے نفوس پاک کریں۔

تفسیر عالمانہ **فلا اقسم** تو مجھے قسم ہے یہ فاقسم تھا۔ لا زائد ہے تاکید و تقویت کلام کے لئے جیسے اللہ تعالیٰ کے ارشاد لئلا یعلم اہل الکتاب میں لا زائدہ ہے۔

ازالہ وہم وہ جو بعض نے کہا ہے کہ لا زائدہ نہیں اور مطلب یہ ہے کہ مجھے قسم نہیں کیونکہ جب کلام واضح ہے تو قسم کی کیا ضرورت ہے بالخصوص ایسی قسم عظیم کی ایسی واضح بات میں قسم کا کوئی محل نہیں اس تقریر کو مقسم بہ کی تفخیم شان قبول نہیں کرتی۔

بمواقع النجوم (ان مقامات کی جہاں ستارے ڈوبتے) ان کے گرنے کی جگہیں یعنی ان کے مقامات ان کی تخصیص اس لئے ہے کہ ان کے غروب کے بعد ان کے اثرات مٹ جاتے ہیں۔ وہی موثر کے وجود کی دلیل ہے کہ وہ دائم ہے اور اس میں تغیر و تبدل نہیں یا یہ تہجد گزار اور اللہ تعالیٰ کی طرف عاجزی کرنے والوں کا وقت ہے اور یہی وقت ہے جس میں ان پر نزول و رحمت و رضوان ہو گا یا قسم ہے ان کی منازل و مجازی کی کیونکہ ان میں اللہ تعالیٰ کی عظمت قدرت و کمال حکمت کی ایسی دلیل ہے کہ جس کا بیان نہیں ہو سکتا بعض نے کہا نجوم سے نجوم القرآن اور مواقع سے مراد ان کے نزول اوقات مراد ہیں یہی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مذہب ہے۔ بعض نے کہا اس سے صحابہ کرام اور وہ ہادی علماء مراد ہیں جو ان کے بعد دنیا میں تشریف لائے یعنی اولیاء کرام اور ان کی قبور[1] (مزارات) بعض نے اس کے علاوہ اور باتیں بھی مراد لی ہیں۔

---

[1] اس سے مزارات کے دشمن نجدی وہابی دیوبندی عبرت پکڑیں اگر کچھ فہم و فکر نصیب ہے تو ورنہ

وانہ لقسم لو تعلمون عظیم اور بیشک قسم (مذکور) عظیم ہے اگر تم جانو تو اس لئے کہ مقسم بہ میں عظمت قدرت و کمال حکمت اور زیادتی رحمت کی دلیل ہے اور یہ بھی اس کی عظیم رحمت کے مقتضیات سے ہے کہ بندوں کو کتاب کے بغیر بیکار نہیں چھوڑا۔

فائدہ لو تعلمون موصوف و صفت کے درمیان جملہ معترضہ ہے محلوف بہ کی تعظیم کی تاکید کے لئے ہے اور اس کا جواب متروک ہے اس سے مراد ان کے علم کی نفی ہے یا محذوف ہے اس کے ظہور پر اتکال کی وجہ یعنی اگر انہیں علم ہوتا تو وہ اسے عظیم القدر سمجھتے یا اس کے حکم کے مطابق عمل کرتے اس میں ایک امر عظیم میں غافلین کی تقصیر (کوتاہی) کا بیان ہے اور عظیم قسم کی صفت ہے اب بھی جملہ معترضہ ہو گا قسم اور جواب قسم میں جواب قسم ہے۔

انہ لقرآن کریم بیشک یہ قران عزت والا ہے۔ یہ مقسم علیہ ہے یعنی یہ کتاب کثیر النفع ہے کیونکہ یہ اصول کے ان علوم پر مشتمل ہے جس کا مقصد صلاح المعاش و معاد ہے اور کرم مستعار ہے اس کے لئے جس کے ساتھ ذوی العقول میں سے کرم قائم ہوتا ہے۔ اور دوسروں پر کرم کرتا ہے یا یہ کہ دوسری کتب کی بہ نسبت یہ قرآن حسن اور پسندیدہ کتاب ہے کیونکہ مکارم اخلاق اور بلند امور اور برگزیدہ افعال پر دلالت کرتا ہے بعض نے کہا کریم اس لئے ہے کہ کریم پر نازل ہوا بواسطہ کرام الخلوق کے کرام مخلوق کی طرف۔

فی کتاب مکنون محفوظ لکھے ہوئے میں یعنی وہ مقرب فرشتوں کے ماسوا دوسروں سے محفوظ ہے یعنی ان کے ماسوا دوسرے اس پر کوئی بھی مطلع نہیں اس سے لوح محفوظ مراد ہے۔

لا یمسہ الا المطھرون اسے ہاتھ نہ لگائیں مگر پاک یہ کتاب کی دوسری صفت ہے۔ مطہرون سے ملائکہ کرام مراد ہیں جو کہ کدورت جسمانیہ اور گناہوں کی تلویثات سے منزہ اور پاک ہیں یا یہ قرآن کی صفت ہے اس وقت المطہرون سے مطلقاً جملہ احداث (ظاہری باطنی نجاسات) سے پاک لوگ مراد ہیں اس معنی پر نفی بمعنی نہی ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ لائق نہیں کہ اسے کوئی ہاتھ لگائے ہاں وہ جو ادناس (پلیدیوں جیسے بے وضوئی اور جنابت وغیرہ سے پاک ہو یہ اس طریقہ پر ہے جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلم مسلم کا بھائی ہے اس پر نہ ظلم کرے نہ کسی کے سپرد کرے کہ وہ اس پر ظلم کرے اور قرآن سے مصحف مراد ہے اور اسے قرآن اس کے قرب وجور کی وجہ سے کہا جاتا

marfat.ocm

ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دشمن کے دیار میں قرآن کو ساتھ لے جانے سے منع فرمایا۔

فائدہ حدیث شریف میں قرآن سے مصحف مراد ہے۔

مسئلہ فقہ کی کتابوں میں ہے کہ حدث اصغر والے قرآن مجید کو ہاتھ لگانا جائز نہیں۔ حدث اصغر سے وہ امر مراد ہے جس سے وضو کرنا ضروری ہے۔

مسئلہ وہ مصحف جس پر ایسا غلاف ہو جو قرآن مجید سے جدا اور اس کے ساتھ ملا ہوا نہ ہو جیسے خریطہ وغیرہ اس لئے کہ ایسے غلاف کا ہاتھ لگانا در حقیقت قرآن کو ہاتھ لگانا نہیں کیونکہ یہ قرآن مجید کے متصل نہیں (یہی صحیح ہے) ہاں وہ جلد اور کپڑا وغیرہ جو سلا ہوا قرآن مجید کے متصل ہے وہ مصحف کے حکم میں ہے کیونکہ وہ اس کے تابع ہے اس لئے قرآن مجید کی بیع میں یہ کپڑا جلد وغیرہ اس میں داخل ہو گا اگرچہ اس کا ذکر نہ بھی کیا ہو اور یہی تعظیم و تکریم کو قریب تر ہے۔

مسئلہ اپنی آستین سے (بے وضوء) آدمی قرآن مجید کو ہاتھ نہ لگائے کیونکہ آستین انسان کے تابع (متصل) ہے یہ اس سے جدا نہ کبھی جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ کسی نے قسم کھائی کہ میں زمین پر نہ بیٹھوں گا زمین پر بیٹھا لیکن اس کے اور زمین کے درمیان اس کا اپنا دامن حائل ہوا تو حانث ہو گا۔

سوال بے وضوء کو قرآن مجید کے ہاتھ لگانے سے تو منع کیا گیا ہے لیکن پڑھنے سے منع نہیں کیا گیا اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب چونکہ حدث ہاتھ میں حلول کر گئی ہے نہ کہ منہ میں اس لئے تلاوت جائز ہے ہاتھ لگانا ناجائز یہی وجہ ہے کہ غسل میں منہ کے اندر کا حصہ دھونا فرض نہیں (سنت ہے)

مسئلہ جنب قرآن مجید کو نہ ہاتھ لگا سکتا ہے نہ پڑھ سکتا ہے ہاں دیکھ سکتا ہے لیکن دیکھنے سے قرآن مجید کو نہ پڑھے۔

مسئلہ بے وضو اس درم کو ہاتھ نہ لگائے جس پر قرآم مجید کی کوئی سورۃ لکھی ہوئی ہو ہاں اوپر غلاف ہو تو ہاتھ لگا

marfat.ocm

سکتا ہے۔

مسئلہ جب مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا ضرور ہو تو جائز ہے لیکن پھر بھی تیمم کے بغیر نہ جائے (تیمم کر لے پھر جا سکتا ہے) کیونکہ تیمم پانی نہ ہو تو پلیدی دور کر سکتا ہے لیکن تلاوت نہ کرے اگرچہ آیت سے کم الفاظ بھی ہوں کیونکہ وہ بھی تو قرآن مجید کے الفاظ ہیں۔

مسئلہ آیات قرآنیہ مشتملہ بر دعا ثناء بارادہ دعا و ثناء پڑھ سکتا ہے جیسے بسم اللہ شریف اور الحمد شریف۔

مسئلہ مسئلہ الاشباہ میں ہے کہ اگر نماز جنازہ میں الحمد شریف بارادہ دعا و ثناء پڑھے تو مکروہ نہیں اگر تلاوت کی نیت سے پڑھے تو مکروہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ احکام قراۃ نیت کی تبدیلی سے تبدیل ہوتے ہیں۔

مسئلہ جنب کو ذکر و تسبیح و دعاء پڑھنا جائز ہے۔

مسئلہ احکام مذکورہ میں حیض و نفاس والی عورت جنب کی طرح ہے۔

مسئلہ بے وضو کو چھوٹے بچے کو قرآن مجید اٹھا دینا جائز ہے جب وضو کرنے میں حرج ہو اور نہ اٹھا دینے میں بچے کے حفظ القرآن کا ضیاع (ضائع ہونا) ہو گا اور بچپن میں حفظ القرآن وغیرہ نقش بر سنگ (پتھر) کی طرح ہے۔

مسئلہ الاشباہ میں ہے کہ بچے (غیر بالغ) کو قرآن مجید کو بے وضو ہاتھ لگانے سے منع کیا جائے۔

فائدہ ان دو مسئلوں میں اختلاف کی توفیق (موافق کرنا) ظاہر ہے۔

مسئلہ غیر بالغ بچے کے متعلق ہمارے علماء کرام کے دو قول ہیں۔

۱۔ بچوں کو قرآن مجید کو بے وضوء ہاتھ لگانے سے بالغوں کی طرح روکا جائے۔

۲۔ نہ روکے جائیں پھر اس کی دو وجہیں ہیں۔

۱۔ بچوں کو اگر روکا جائے گا تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ نہ وہ پڑھیں گے نہ حفظ کر سکیں گے کیونکہ یہ اس کے پڑھنے اور حفظ کرنے کا وقت ہے۔

marfat.ocm

ہ۔ بچے کی طہارت بھی کامل نہیں (اسے تو صرف عادت ڈالنے کے لئے حکم دیا جاتا ہے) کیونکہ اس کی نیت شرعاً معتبر نہیں جب شریعت اجازت دیتی ہے کہ بچہ بلا طہارت قرآن مجید اٹھا (اور اسے ہاتھ لگا) سکتا ہے تو پھر بطریق اولیٰ اسے اجازت ہو کہ وہ بلا وضو اسے اٹھائے اور پڑھے۔

مسئلہ الانوار میں ہے کہ قاضی ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حائضہ اور جنب قرآن مجید لکھ سکتے ہیں۔ بشرطیکہ جس شے پر لکھیں وہ ان کی گود میں نہ ہوں بلکہ زمین پر ہوں لیکن امام محمد رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا انہیں کسی حالت میں قرآن مجید کا لکھنا جائز نہیں۔

مسئلہ امام محمد بن فضل رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس طہارت سے طہارت توحید مراد ہے یعنی غیر موحد (غیر مسلم کو قرآن مجید کے پڑھنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہود و نصاریٰ کو قرآن مجید کی تلاوت کے لئے منع فرماتے تھے۔

مسئلہ بعض علماء کرام نے فرمایا کہ کفار کو تعلیم قرآن کی اجازت ہے کہ کوئی مسلمان انہیں پڑھائے ممکن ہے کہ وہ اس سے دولت اسلام سے نوازا جائے۔

مسئلہ محققین کرام فرماتے ہیں کہ آیت میں مس سے مس اعتقاد ہے کہ یعنی قرآن مجید کو وہ شخص ہاتھ نہ لگائے جس کا اس پر اعتقاد نہیں۔

صوفیانہ تحقیق صوفیہ کرام نے فرمایا کہ جس مومن کا دل پاکیزہ نہیں یا قرآن مجید کی تفسیر و تاویل نہیں جانتا وہ بھی اس کے ہاتھ لگانے کا مستحق نہیں ہاں دل پاکیزہ از ماسوی اللہ ہو تو پھر اسے ہاتھ لگا سکتا ہے اور پڑھ بھی سکتا ہے۔

جمال حضرت قرآن نقاب آنگہ براندازد
کہ دار الملک معنی را مجرد بیند از غوغا

(قرآن مجید اپنے جمال سے نقاب اس وقت اٹھائے گا جو دار الملک معنی کو غوغا سے خالی دیکھے گا)

فائدہ صوفیانہ بحر الحقائق میں فرمایا کہ قرآن مجید کے اسرار و رموز کا مکاشفہ اسے نصیب ہو گا جو لوث توہم غیر

سے پاک اور خلق کے آئینہ سے مقام شہود حق تک پہنچا ہو اور یہ معنی مشاہد کی فنا اور مشہود کے شہود کے بغیر نصیب نہیں ہوتا۔

چوں تجلی کرود اوصاف قدیم
پس بسوزد وصف حادث را کلیم

(جب اوصاف قدیم کے جلوہ گر ہوتے ہیں تو کلیم کے اوصاف حادث جل جاتے ہیں)

تفسیر صوفیانہ اس میں ہاء ہویت ایسہ کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ اس کے اسرار کو صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں جبکہ وہ تمام مقالات وجودیہ کی جنابت سے پاک ہوں جنابت سے اس سے متعلق ہونا اور اس کی وجہ سے حق مطلق سے بعید ہونا مراد ہے۔

فائدہ مطہر (بالفتح) کو مطہر (بالکسر) ضروری ہے اور مطہر (بالکسر) پاک کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے بندہ نہ خود کو پاک کر سکتا ہے اور نہ اپنا تزکیہ کر سکتا ہے اسے پاک بھی اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور اس کا تزکیہ بھی وہی کرتا ہے جب اسے اللہ تعالیٰ پاک کرتا ہے اور اس کا تزکیہ فرماتا ہے تو پھر وہ قرآن مجید کی مراد سمجھ سکتا ہے اس لئے بعض اکابر مشائخ نے فرمایا کہ "القرآن بکر" ہے یعنی بہ نسبت علماء ظاہر بینی کے لئے بکر ہے اور اسم علماء کے لئے پردہ خفاء میں ہے اگر انہوں نے اسے کچھ سمجھا ہے تو صرف اس کے ظاہر کو ورنہ حقائق کو وہ کیا جانیں اس عقدہ کا حل علمائے باطن اور علمائے حقیقت کو نصیب ہوا کیونکہ جہاں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا واتقوا اللہ ویعلمکم اللہ۔ وہاں یہی حقیقی اہل تقویٰ مراد ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں وہ علوم بخشے جن کی علمائے ظواہر کو ہوا بھی نصیب نہ ہوئی اگرچہ علمائے بواطن و ظواہر نے قرآن مجید کو بہت کچھ سمجھا لیکن اس کے عجائب و غرائب کی کوئی انتہا نہیں۔ ایسے ہی احادیث مبارکہ کا حال ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی مراد بھی اہل حقیقت کے سوا اور کوئی نہیں جان سکتا یہی وجہ ہے کہ شراح الحدیث نے احادیث کی شرح میں صرف اعراب اور ظاہری معنی پر اکتفاء کیا ہے اور وہ ان کے حقائق و اسرار کے درپے نہیں ہوئے۔

صاحب روح البیان قدس سرہ کا صوفیہ کرام سے عقیدت کا منظر

مذکورہ بالا تقریر لکھ کر صاحب روح البیان قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ

marfat.ocm

فاین شرح النووی والکرمانی وابن حجر و نحوہم من شرح الصدر القنوی و نحوہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہاں امام نووی و کرمانی کی شرح الحدیث اور کہاں صدر الدین قونوی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان جیسے صوفیاء کرام کی شروح الحدیث۔

فرقیست از کجا تا کجا (زمین و آسمان کا فرق ہے)

تفسیر عالمانہ

تنزیل من رب العالمین یہ رب العالمین کی طرف سے نازل کرنا ہے۔ یہ قرآن کی صفت ہے تنزیل مصدر کو صفت بنایا گیا ہے اسم کے قائم مقام کر کے یعنی تنزیل بمعنی منزل ہے تنزیل کو منزل کے قائم مقام بنانا یہ اتساع لغت سے ہے یعنی اس میں وسعت ہے کہ ایک شے کو دوسری شے کے قائم مقام کیا جاتا ہے جیسے مقدور کے قائم مقام قدر اور مخلوق کے خلق آتی ہے یہ اس کے نزدیک ہے جو مصدر بمعنی مفعول مانتا ہے۔

افبھذا الحدیث تو کیا ایسی حدیث سے یعنی وہ کتاب جس کی اتنا عظیم صفتیں بیان کی گئیں جو اس کے اعظام و اجلال کی موجب ہیں اس سے قرآن مجید مراد ہے اسے حدیث اس لئے کہا گیا کہ اس میں حوادث الامور ہیں (کشف الاسرار)

فائدہ یہ مدھنون کے متعلق ہے اور اس کی تقدیم مبتداء پر جائز ہے کیونکہ اس کا عامل اس کی اجازت دیتا ہے یہ دراصل افانتم مدھنون بھذا الحدیث تھا۔

انتم (تم اے اہل مکہ) مدھنون (اس کی تحقیر کرنے والے اور اس سے سستی برتنے والے) اور مخالف کے لئے سختی نہ کرے بوجہ سستی وغیرہ کے تاج المصادر میں ہے الادھان بمعنی مداہنت اور غسل کرنا۔

حل لغات

الادھان سے ہے یہ دراصل تدھین کی طرح ہے لیکن مجازاً مدارات وملاینہ کے لئے استعمال ہوتا ہے اور ترک الجد (جدوجہد کا ترک) کے لئے بھی آتا ہے اب مدھنون بمعنی متہاونون (سستی کرنے والے) مستحقرون (حقارت کی نگاہ سے دیکھنے والے) اس شخص کی طرح جو کسی معاملہ میں سستی اور نرمی کرتا ہے یعنی اس کے لئے نرم گوشہ رکھتا ہے[1]

فائدہ الاحیاء میں ہے کہ المداہنت والمدارت میں غرض (مقصد کی وجہ سے فرق ہے اگر کسی سے چشم پوشی اپنے

---

[1] صلح کلیوں کی طرح جو کہتے ہیں یا مسلمان اللہ اللہ یا برہمن رام رام۔ یعنی گستاخان رسول و صحابہ واولیاء کے لئے کہتے ہیں انہیں کچھ نہ کہو اور ان کے ساتھ بھائی بھائی بن کے گزارو۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العظیم۔ اویسی غفرلہ)

دین کی سلامتی اور اپنے دوسرے کی اصلاح مطلوب ہے تو یہ مدارات ہے اگر اس میں اپنی نفسانی خواہش اور نفع دنیوی اور اپنی عزت واحترام کا اضافہ مطلوب ہے تو یہ مداہنت ہے۔

حدیث شریف حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کے ساتھ نیک برتاؤ تو کرتے ہیں لیکن ہمارے ضمیر انہیں لعنت بھیج رہے ہوتے ہیں۔

فائدہ یہ اس وقت ہے جن لوگوں کے شر و فساد سے بچنا مشکل ہو اسی کا نام مدارات ہے۔

تجعلون رزقکم اور تم کرتے ہو اپنے رزق کو یعنی رزق کے شکر کو یہاں مضاف محذوف ہے تاکہ معنی صحیح ہو سکے۔

حل لغات رزق دراصل مصدر ہے مجازاً اس معنی کے لئے مستعمل ہوتا ہے جو رزق کے طور کسی کو دی جائے اس سے نعمۃ القرآن مراد ہے۔

انکم تکذبون بیشک تم تکذیب کرتے ہو یعنی اپنے رازق کے لئے شکر کے بجائے تکذیب عمل میں لاتے ہو یا تم اپنے رزق صوری کا شکر یہی کرتے ہو کہ تم تکذیب کرتے ہو کہ اسے اللہ تعالیٰ کے بجائے ستاروں کی طرف منسوب کرتے ہو۔

حدیث شریف حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ دس سال بارش روک دے یہاں تک کہ ایک قطرہ بھی نصیب نہ ہو پھر دس سال کے بعد بارش ہو تب بھی بعض ایسے بھی ہوں گے جو کہیں گے یہ بارش ستاروں نے دی۔

حدیث شریف نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اپنی امت پر تین امور کے متعلق بہت زیادہ خطرہ ہے۔

۱۔ ائمہ (خلفاء امراء۔ سلاطین کا ظلم ۲۔ تکذیب بالقدر (تقدیر کو جھٹلانا)

۳۔ ستاروں پر ایمان۔

حدیث شریف نبی پاک ﷺ نے حدیبیہ میں صبح کی نماز بادل کی چھاؤں میں پڑھی جو رات سے آسمان

marfat.ocm

پر بادل چھائے رہے۔ نماز سے فراغت پاکر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ تمھارے رب نے کیا فرمایا صحابہ کرام نے حسب عادت عرض کی اللّٰہ ورسولہ اعلم (اللہ ورسول جانیں) جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے صبح کو اٹھتے ہی مومن بھی ہوتے اور کچھ کفر کرتے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بارش نصیب ہوئی وہ مجھ پر ایمان لانے والے ہیں اور ستاروں سے کفر کرنے والے اور کہتے ہیں کہ ہمیں بارش دی ہے ستاروں نے وہ میرے ساتھ کفر کرنے والے ہیں اور ستاروں پر ایمان لانے والے۔

حدیث شریف میں ہے کہ تین امور جاہلیت سے ہیں۔

۱۔ انساب پر طعن وتشنیع ۲۔ نیاحہ (بین کرنا) ۳۔ ستاروں کو حقیقی بارش دینے والا سمجھنا۔

شرح الحدیث طعن علی الانساب تو مشہور مسئلہ ہے۔ النیاحۃ بمعنی میت پر رونا اس کے محاسن گن کر (جسے ہمارے عرف میں بین کہا جاتا ہے) انواء نوء کی جمع ہے بمعنی چاند کی اٹھائیس منزلیں جاہلیت میں عرب کا عقیدہ تھا کہ بارش اور دیگر ہر چیز و بھلائی چاند کی ان منازل سے حاصل ہوتی ہے۔

فائدہ حواشی الشیخ میں سورۃ الفرقان کی تفسیر میں ہے کہ الانواء وہ ستارے جن میں سے ایک بجانب مغرب طلوع فجر کے وقت ڈوبتا ہے تو اس کا رقیب اسی وقت اس کے بالمقابل مشرق میں طلوع کرتا ہے اہل عرب (زمانہ جاہلیت) میں بارشیں ہوائیں۔ گرمی۔ سردی اسی ڈوبنے والے ستارے کی طرف منسوب کرتے تھے۔

حل لغات القاموس میں ہے کہ النواء النجم (ستارہ) غروب کے لئے مائل ہوا یا ستارے کا فجر کے وقت مغرب کی جانب ڈوبنا اور اس کے بالمقابل دوسرے ستارے کا مشرق کی طرف طلوع کرنا۔

مسئلہ اس سے ثابت ہوا کہ تمام اشیاء میں تاثیر اللہ تعالیٰ ہے۔

سبق مومن پر لازم ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ سے ہے نہ کہ افلاک والنجم (ستاروں) اور دہر وغیرہ سے۔

marfat.ocm

مسئلہ اگر کسی وقت اُلّو بولے یا کوئی اور پرندہ تو اس پر کوئی کہے کہ کوئی مرجائے گا اور اس کا یہی عقیدہ ہو کہ یہی پرندہ مؤثر ہے تو ایسے عقیدے والا شخص کافر ہو گیا۔

مسئلہ اگر کوئی سفر کو نکلا تو عقعق بول پڑا خود لوٹا یا کسی کے کہنے پر لوٹا اس عقیدہ پر کہ اس کی آواز کی تاثیر ہے کہ سفر یا ظفر نہ ہو گا تو بعض کے نزدیک یہ شخص کافر ہو گیا بعض نے کہا کافر نہ ہو گا۔

مسئلہ کسی پرندہ کی آواز پر کہا کہ غلہ مہنگا ہو گا تو یہ شخص کافر ہو گا یا نہ بعض مشائخ نے کہا کہ کافر ہو جائیگا کیونکہ اس نے غیب کا دعوٰی کیا (ہدایتہ المھدین)

مسئلہ بعض لوگ پرندوں کی آواز کو نحوست سمجھتے ہیں جیسے ہامہ اور اُلّو کی آواز مثلاً حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا۔

بلبلا مژدہ بہار بیار   خبرے بد بہ بوم بگذار

(اے بلبل مژدہ بہار لا۔ بری خبر اُلّو کے ہاں چھوڑ

اگر اس آواز کی تاثیر حقیقی کا قائل ہے تو کافر ہو جائے گا ورنہ محض آواز نحوست سمجھنے سے کافر نہ ہو گا بالخصوص جب اس سے اس کی نشانیوں سے استدلال کرتا ہو لیکن مومن کے زیادہ لائق یہ ہے کہ وہ اسے تسبیحات پر محمول کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ہر شے میں حکمت ہے لیکن اسے قطعی طور مقدورات کا خیال و عقیدہ نہ رکھے ان امور میں ان کی کنہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا کیونکہ وہ مارتا جلاتا ہے وہی سلاتا جگاتا ہے اسباب کے ساتھ بھی بغیر اسباب کے بھی۔

فلولا تو پھر کیوں نہیں اذا بلغت الحلقوم جب پہنچے گا حلقوم کو۔ لولا تخصیص کے لئے ہے۔ ان کے اظہار کے لئے لایا گیا ہے۔ اذا ظرفیہ ہے۔ الحلقوم طعام کے جاری ہونے کی جگہ۔ کشف الاسرار میں ہے کہ الحلقوم بمعنی سانس کا مجری (جاری ہونے کی جگہ) البلعوم طعام کا مجریٰ (جاری ہونے کی جگہ) اب معنی یہ ہوا تو کیا جب پہنچے گا سانس یعنی روح یا تمہارے کسی ایک کا سانس اور روح اس کے حلقوم تک اور وہ نکلنا چاہے گا اگرچہ وہ مذکورہ نہیں لیکن مراد یہی ہے۔

marfat.ocm

حدیث شریف بیشک ملک الموت (علیہ السلام) اور اس کے اعوان (ساتھی مددگار کارکن) رگیں کاٹیں گے اور روح کو ایک ایک رگ سے نکال کر ایک جگہ جمع کریں گے یہاں تک کہ اسے حلقوم تک پہنچائیں گے پھر اسے خود ملک الموت (علیہ السلام) فوت کریں گے۔

وانتم حینئذ (حالانکہ تم) **تنظرون** (دیکھتے ہو) **وانتم** بلغت کی ضمیر سے حال ہے یعنی حالانکہ اے میت کے ارد گرد موجود لوگو تم دیکھتے ہو اس طرف جس حال میں وہ ہو گا یعنی جو اس کے موت سے جھٹکے لگیں گے اور تم اس پر لطف اور نرمی کے خواہاں ہوتے اور چاہتے ہو کہ اسے ایسی بڑکتوں اور تکلیفوں سے بہت جلد نجات مل جائے۔

ونحن اقرب الیہ ہم ہی اس کو (جس پر موت کا حملہ ہے) علم و قدرت و تصرف کے لحاظ سے قریب تر ہیں۔

فائدہ بعض نے کہا کہ اسے علم بالقرب سے اس لئے تعبیہ کیا گیا ہے کہ وہ اسباب اور اطلاع میں سب سے زیادہ قوی ہے۔

منکم بہ نسبت تمہارے کیونکہ تم تو آثار شدت سے صرف اس کے ظاہری حال کا مشاہدہ کر رہے ہو لیکن تم اس کی کنہ و کیفیت و اسباب کو نہیں جانتے اور نہ ہی تم قدرت رکھتے ہو کہ اس سے کچھ دکھ و تکلیف معمولی طور دفع کر سکو۔ اب صرف اور صرف ہم ہی اس کے متولی ہیں صرف ہمیں اس کے تفصیلی احوال کا علم ہے اور ہمیں ہی اس پر قدرت ہے یا ان ملائکہ کو الموت کو جو اس کی روح قبض کر رہے ہیں **ولکن لا تبصرون** (لیکن تم اسے نہیں دیکھ سکتے) یعنی جو اس پر گزر رہا ہے تم اس کی کنہ تک نہیں پہنچ سکتے کیونکہ ہماری شانوں سے بے خبر ہو۔

حل لغات **لا تبصرون البصیرۃ** سے ہے نہ کہ البصر سے اور اس تفسیر کو قریب تر ہے کہ تم اس کا ادراک نہیں کر سکتے ہو ہمارا علم ان کے متعلق ہے۔

حواشی سعدی المفتی حضرت البقلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے قربات میں تفاوت ہے قرب بالعلم اور ہے اور قرب بالاحاطہ اور قرب بالفعل اور ہے قرب بالصفۃ اور قرب بالقہر ہے اور قرب باللطف کیونکہ قرب بالمسافۃ والمکان وہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے منافی ہے۔ ہاں بعض قلوب پر جلوہ گر ہوتا ہے۔ تو عین عظمت سے نہ

marfat.ocm

اس لئے کہ اس رویت القہر سے تو قلوب پگھل جائیں گی ایسے ہی بعض پر عین جمال سے جلوہ گر ہوتا ہے تاکہ اسے اصطفائیہ کا عرفان عطا فرمائے۔ اور اس قرب کو صرف اہل قرب ہی دیکھتے ہیں اور یہ شواہد اہل معرفت کے سامنے ظاہر ہیں اور خطاب میں تحذیر و ترہیب ہے۔

تفسیر عالمانہ فلولا تو کیوں نہیں بولا بمعنی ھلا ہے ان کنتم غیر مدینین تو کیوں نہ ہوا اگر تمہیں بدلہ ملنا نہیں غیر مدینین بمعنی غیر مربوبین مملوکین اذلاء۔

حل لغات یہ دان للسلطان رعیتہ سے ہے یعنی بادشاہ نے اپنی رعیت کو ذلیل کیا یعنی ان پر سیاست کی اور اپنے سے بعید رکھا۔ المفردات میں ہے کہ یا بمعنی غیر مجزیین کیونکہ دین یعنی الجزا بھی آتا ہے اور اس کا تعلق نحن وخلقناکم فلولا تصدقون سے ہے کیونکہ تخصیص عدم مخفض علیہ کی داعی ہے۔

ترجعونھا کہ اسے لوٹاتے یعنی نفس کو اپنے مقر (قرار گاہ) میں لوٹاتے یعنی میت کی روح کو اس کے اپنے بدن کی طرف لوٹاتے الرجع سے ہے بمعنی لوٹانا "اذا" کا عامل ہے لولا اولی و ثانیہ کا مخفض علیہ کا بار بار لوٹانا تاکیداً ہے یہ اور اس کا مع لاحیز شرط کا جواب ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اگر تم قیامت میں کسی قسم کی جزا و سزا کے قائل نہیں ہو اور کہتے ہو کچھ نہ ہو گا اور نہ ہی مرنے کے بعد اٹھنا ہے۔ جیسے تمہارا ہماری تخلیق کی تصدیق کا انکار بتاتا ہے تو نفوس کو حلقوم تک پہنچنے کے بعد بدن میں کیوں نہیں لوٹاتے۔

ان کنتم صدقین اگر تم سچے ہو۔ اپنے اعتقاد میں اس لئے کہ ان کی خالقیت کی عدم تصدیق بتاتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خالقیت کے قائل نہیں جیسا کہ ان کے مذہب کا موجب ہے یعنی اگر تم اس کی قدرت نہیں رکھتے یعنی روح کو جسم کی طرف نہیں لوٹا سکتے تو یقین کر لو کہ تمہارا ہر امر تمہارے غیر کی طرف ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف تو پھر اس پر ایمان لاؤ یہ تکرار تاکید کے طور پر ہے شرط کے عارض ہونے کی وجہ سے نہیں کیونکہ اس وقت اس کا کوئی معنی نہیں۔

وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ تو اگر وہ مقربین سے ہے یہ قرب درجات عرش سے ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ سے کیونکہ وہ جہات سے پاک اور منزہ ہے۔ حشویہ (فرقہ) اللہ تعالیٰ کے لئے جہات کے قائل تھے (ابن تیمیہ بھی جہت کا قائل ہے ہمارے دور کے وہابی غیر مقلد نجدی بھی اس کی اتباع میں ہیں۔ اویسی غفرلہ۔

ربط اب مضمون اس بارہ میں شروع ہے کہ مرنے کے بعد ان حضرات (مقربین جو کہ ثلاثہ کی اقسام سے بزرگ

ترہیں) کے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ فروح ان کے لئے استراحت و آرام ہو گا۔

فائدہ بعض نے اسے بضم الراء پڑھا ہے اس کی تفسیر رحمت سے لی گئی ہے کیونکہ وہی مرحوم کی حیات کا سبب ہے اور روح سے رحمت مراد لینا استعارہ تصریحیہ ہے۔ اور حیات سے دائمی حیات مراد ہے کہ اس کے بعد موت نہیں۔

روح کے معانی ۱۔ روح الاجسام جو موت کے وقت قبض کی جاتی ہے اسی میں نفس کی زندگی تھی۔

۲۔ جبرئیل علیہ السلام کیونکہ آپ انبیاء علیہم السلام کے ہاں امور لاتے جن میں قلوب کی زندگی تھی۔

۳۔ عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ کہا جاتا ہے کیونکہ آپ جبرئیل علیہ السلام کی پھونک سے پیدا ہوئے اس کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف محض تعظیما ہے۔

۴۔ کلام اللہ کیونکہ اس سے جہل دور ہوتا ہے اور کفر پر موت۔

۵۔ رحمۃ اللہ قرآن مجید میں ہے وایدھم بروح منہ اور اس کی اپنی روح یعنی رحمت سے تائید کی۔

۶۔ رزق کیونکہ یہ اجسام کی (زندگی) کی بقا کا سبب ہے۔

فائدہ القاموس میں ہے کہ روح (بالضم) وہ شے جس میں وہ روح ہو جو (نفس کی حیات) بقاء کا سبب ہے بالفتح بمعنی رحمت و نسیم الریح (بادِصبا) اور کہا جاتا ہے۔ مکان روحانی یعنی پاکیزہ مکان روحانی (بالضم) وہ جس میں روح ہو اور کتاب الملل والنحل میں ہے کہ روحانی بالضم روح سے۔ اور بالفتح روح (بالفتح) سے اور یہ (بالضم و بالفتح) قریب قریب ہیں گویا روح (بالضم) جوہر اور بالفتح وہ حالت جو اسے خاص ہے۔

وریحان (اور پھول) اور رزق یا وہ شے جو سونگھی جائے۔

فائدہ حضرت ابو العلیہ سے ہے فرمایا مقربین میں سے کوئی ایک دنیا سے جدا نہیں ہوتا جب تک اس کے لئے بہشت کا پھول نہیں لایا جاتا وہ اسے سونگھتا ہے تو اس کی روح قبض کی جاتی ہے۔

فائدہ الزجاج نے فرمایا کہ ایمان سے مراد یہاں اہل جنت کا تحیہ مراد ہے۔

حکایت ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ انسان کے لئے دنیا میں بھی روح و ریحان ہے اور آخرت میں بھی روح

ریحان ہو گا۔ دنیا میں روح یہ ہے کہ انسان کا دل ایسا آراستہ ہو کہ وہ حق و باطل کا امتیاز کر سکے اور دل کو علم سے فراوانی بخشے تاکہ قدرت الٰہی اس میں جاگزین ہو جس سے وہ دیکھے اور وہ ازلی باتیں سنے اور ایسا پاک ہو تاکہ اس کی محبت کی سب کو تلاش ہو اور عطر وصال سے خوش ہو تاکہ اس میں مہر دوست پیدا ہو اور نور سے منور ہو تاکہ اس سے غیر کا تصور ڈھل جائے اور وہ دیکھے جو اسے پہلے نصیب نہ تھا۔ اور دین کی صفت سے سرائے سعادت میں پہنچے وہاں ریحان کرامت دیکھے اور باغ قدس سے اسے نسیم انس نصیب ہو تاکہ درخت وجود کے نیچے تخت رضا کا بچھا کر فرش انس پر بیٹھے اور شمع عطف الٰہی جلائے اور آسمان پر بلندی حاصل کرے جس پر دوست ازلی پردہ ہٹا دے اور اپنے کانوں سے اس کا سلام سنے اور دیدار الٰہی سے سرشار ہو۔

وجنتہ نعیم (اور نعمتوں کے باغ) یعنی صاحب نعمت کے باغات یہ اضافتہ ادنی ملابست کی وجہ سے ہے کاشفی نے اس کا ترجمہ لکھا باغ پر نعمت۔

تفسیر صوفیانہ بعض اہل جنت نے فرمایا کہ اسے روح الوصال اور ریحان الجمال اور جنت الجمال کو نصیب ہوں گے اس کی روح کو روح الانس اور اس کے قلب کو ریحان القدس اور اس کے نفس کو جنت الفردوس نصیب ہو گی یا روح سے نظر الی وجہ الجبار اور ریحان سے استماع الکلام اور جنتہ النعیم یہ کہ بندے سے مولیٰ محجوب نہ ہو۔ جب اس کی زیارت چاہے اور مقربین کو یہی باتیں دار دنیا میں نصیب ہوتی ہیں ان کا روح مشاہدہ اور ریحان سرور الخدمتہ اور جنتہ نعیم اس کے ذکر سے سرور مراد ہے۔

فائدہ بعض نے کہا روح عابدین کے لئے ریحان عارفین کے لئے جنتہ نعیم عوام کے لئے ہے یا روح سے شہود ذاتی اور ریحان سے سرور اور جنتہ نعیم سے ان تک پہنچ کر لذات اور ان میں داخل ہونا مراد ہے۔

فائدہ فقیر (صاحب روح البیان رحمتہ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ روح نفوس و اجساد کے لئے کیونکہ مرنے کے بعد یہی راحت پاتے ہیں کہ ان سے تکلیف کا بوجھ ہٹ گیا اگرچہ وہ اہل اللہ ہو کیونکہ اس کے بعد اسے باب الخدمت میں نشاط دائمی ہو گا کیونکہ وصول الی اللہ سے تمام تکان اٹھ جاتی ہے کیونکہ یہ تکان نفس و طمع کا خاصہ ہے اور وصال کے بعد نہ نفس رہتا ہے نہ طمع اور ریحان قلوب و ارواح کو اسی لئے رسول اللہ ﷺ کو خوشبو محبوب تھی کیونکہ اس میں انس و محاضرہ (حضوری) کا ذوق پایا جاتا ہے اور نبی پاک ﷺ نے اولاد کو ریحان سے تعبیر فرمایا ہے اس

marfat.ocm

لئے کہ اسے پھول کی طرح سونگھا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ بلپ کے تنزلات سے ہے جیسے قلوب ارواح کے تنزلات سے ہے لور حضور نبی کریم علیہ السلام نے ریحان الرحمٰن یمن کی طرف سے پایا لور یہ خوشبو آپ کی قلب و روح کو محسوس ہوئی لور یہ نفس عصام الدین یعنی حضرت لویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا کا تھا کیونکہ اپ ہی اس وقت قطب الابدال تھے لور آپ اسے ظاہری حس سے بھی سونگھتے تھے لور روائح الجنتہ لور اس کی نعتیں اسرار الہی سے ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف ہے جیساکہ فرملیا ادخلی جنتی (میری جنت میں داخل ہو) اور اس بہشت میں داخلہ کے وقت انہیں کوئی نہیں دیکھے گا کیونکہ وہ عالی طبقات و رافع درجات ہیں اسی لئے انہیں کوئی نہیں پہچانتا نہ دنیا میں نہ آخرت میں یہ المعلوم المجہول کے قبیل سے ہیں۔

تفسیر عالمانہ واما ان کان من اصحاب الیمین (لور اگر داہنی طرف والوں سے ہو) سابقین کو مقربین سے تعبیر فرملیا کہ وہ بزرگ ترین لوصاف کے مالک ہیں اور اصحاب الیمین کو اسی سابق لقب سے یاد فرملیا کہ سابق میں لن کی دیگر کوئی وصف نہیں بتائی کہ جس سے اس کے ماسوا ان کو یاد کیا جاتا جیسے دوسرے دو سابقین کی دیگر لوصاف بتائیں اسی لئے انہیں ان لوصاف سے یاد کیا گیا اور انہیں اصحاب الیمین سے۔

فائدہ الیمین تیمن و سعادۃ سے استعارہ کر کے انہیں اصحاب الیمین کہا گیا (کذا قال الراغب) فسلام لک (اے محبوب تم پر سلام) من اصحاب الیمین (داہنی طرف والوں سے) تمہارے بھائیوں سے جو تمہیں سلام عرض کرتے ہیں موت کے وقت اور موت کے بعد بھی اس سلام سے اشارہ ہے کہ وہ اہل جنت سے ہے۔

فائدہ الارشاد میں ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ آگاہی بخشتا ہے کہ اہل بہشت کے بعض دوسرے بعض پر سلام کہتے ہیں جیساکہ لام سے معلوم ہوتا ہے انشاء سلام بعض کا بعض پر کی حکایت نہیں ورنہ کہتا جاتا سلام علیک اور خطاب کی طرف التفات ان پر ایک کی تشریف کے لئے ہے۔

فائدہ حضرت سہل (تستری رحمتہ اللہ علیہ) نے فرملیا کہ اصحاب الیمین سے موحدوں مراد ہیں یعنی ان کا انجام سلامتی ہی ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے امین ہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی امانت کا حق ادا کیا اس میں کسی قسم کے

marfat.ocm

معاصی اور لغزشوں کا ارتکاب نہ کیا اور وہ اسی خوف و ہول سے امن میں ہوں گے جو ان کے غیروں کو ہو گا۔

فائدہ حقیقت یہ ہے کہ مقربین اصحاب الشہود اور اصحاب الیمین اصحاب الشہود والاسمائی والصفاتی ہیں اسی لئے اسے سلام ہو گا اس کے اخوان اسمائی سے ہم اللہ تعالیٰ سے تمہارے اور اپنے ایسے اعلیٰ مقامات و درجات میں سلامتی۔ نجات اور حضور و شہود کا سوال کرتے ہیں۔

واما ان کان من المکذبین الضالین اور اگر وہ مکذبین اور گمراہوں میں سے ہے۔ اس سے اصحاب الشمال مراد ہے اس طرح سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ سابق میں ان کے یہی اوصاف بیان فرماتے تھے چنانچہ فرمایا تھا ثم انکم ایها الضالون المکذبون (پھر تم اے مکذبین اور گمرا ہو) یہ ان کے مذمت کے طور کہا گیا ہے اور اشارہ ہے کہ اس عذاب عظیم میں اسی تکذیب البعث وغیرہ اور گمراہی از ہدیت و حق کی وجہ سے مبتلا ہوئے ہیں فنزل تو ان کے لئے مہمانی ہے من حمیم (کھولتا ہوا پانی) جو زقوم کے کھانے کے بعد انہیں ملے گا جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ یعنی پھر انہیں قبر میں داخل ہوتے ہی گرم پانی کی مہمانی ملے گی اور دوزخ میں آتش کا دھواں (معاذ اللہ) وتصلیته جحیم اور بھڑکتی آگ میں دھنسانا (یعنی آگ میں داخل کرنا اس میں ٹھہرانا اور ان کا ٹھکانا بنانا اور مختلف قسم کے عذابوں میں مبتلا کرنا۔

فائدہ بعض نے کہا کہ جو قبر میں عذاب پائے گا وہ دوزخ کا دھواں ہو گا۔

حل لغات اہل لغت کہتے ہیں اصلاہ النار و صلاہ یعنی اس میں داخل کیا۔ ویصلاھا اس میں داخل کرے گا۔

فائدہ یہاں مصدر مضاف الی المفعول ہے ان ھذا بیشک وہ جو مذکور ہوا اس میں سورۃ مبارکہ میں لھو الحق الیقین (البتہ وہ اعلیٰ درجہ کی یقینی بات ہے) یعنی یہ خبر یقینی اور حق ہے۔ اضافتہ الموصوف الی الصفت کے قبیل سے ہے۔ اتساعاً مجازاً بعض نے کہا اس کا معنی ہے کہ وہ حق بات ہے یقین سے یعنی وہ ایسا حق ثابت ہے کہ اس پر تبدل و تغیر طاری نہیں ہوتا۔

فائدہ ابو اللیث رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا اس کا معنی ہے کہ وہ یقین حق الیقین ہے۔

marfat.ocm

یقین کی تحقیق یقین وہ علم ہے جس سے سینے کی ٹھنڈک نصیب ہو اسے بردالیقین کہا جاتا ہے یعنی یقین وہ علم ہے جس سے نفس کو اطمینان حاصل شک واضطراب دفع ہو اور یہاں وہ خبر معلوم مراد ہے جو یقینی ہو اس لئے کہ مبتداء سے مراد خبر معلوم ہے تو چاہئے کہ خبر بھی ایسے ہو اب معنی یوں ہوا کہ ان هذا لهو ثابت الخبر۔ المتقین وہ خبر ثابت ہے جس کا پورا یقین ہے یعنی اس سے ثابت ہے تو اس معنی پر یہ اضافت بمعنی من ہے۔

فائدہ فتح الرحمن میں ہے کہ اس میں مبالغہ ہے کیونکہ اس کا ایک ہی معنی ہے مثلاً وہ بات کہ جس میں تاکید مطلوب ہے تو کہا جاتا ہے هذا الیقین و هذا صواب الصواب۔ مطلب یہ ہے کہ یہ بات انتہائی یقینی اور مبنی بر صواب ہے۔ اس عبارت میں بھی مبالغہ اور تاکید ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ یہ وہ خبر ہے جو یقین کا عین اور حقیقت ہے۔

فائدہ ابن الملک نے فرمایا کہ علم کی اضافت یقین کی طرف حاشی کی اضافت اس کے مترادف قبیل سے ہے یہ ایسے ہے جیسے عطف میں ہوتا ہے۔

فائدہ شرح المنصوص (بالنون) علم یقینی وہ علم ہے جو ادراک باطنی سے بذریعہ فکر صائب واستدلال سے حاصل ہو یہ ان علماء کے لئے ہوتا ہے جنہیں غیب پر یقین ہے اور یہ مرتبہ نہیں بڑھتا جب تک کہ ارواح قدسیہ سے مناسبت نہ ہو تو ایسا علم عین ہوتا ہے اور عین کا مرتبہ وہ یقین ہے جو معلوم کے مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے اور یہ مرتبہ نہیں بڑھتا جب تک دوئی ختم نہ ہو تو وہ عین حق ہوگا اور حق کا کوئی مرتبہ نہیں سوائے ادراک احدیتہ الجمع کے یعنی انسان کی وہ حقیقت جو مدرکات ظاہرہ باطنہ پر مشتمل ہے اور روحانیت و جسمانیت کی جامع ہے یعنی اس سے ایسا ادراک حاصل کرتا ہے جو گھیر لیتا ہے ہر اس شے کی معرفت کو جس پر مدرک کی حقیقت مشتمل ہے اس کے امور ظاہرہ و باطنہ کو۔ یہ کامل کا حال ہے اور اس کی حقیقت ہے۔ جس کا قلب حق کا مستوی ہے جس میں وہ سماتا ہے جیسا کہ اس نے خبر دی ہے۔

لا یسعنی ملک مقرب الی ان قال ولکن یسعنی قلب المومن مجھ میں کسی کی گنجائش نہیں سوائے قلب مومن کے (اویسی غفرلہ) کیونکہ جمع الجمع کا حال ہے اور اس مرتبہ کا زیادہ ہونا یعنی حق الیقین کا مرتبہ کا زیادہ ہونا عدم ورود الحجاب سے ہے یعنی حق الیقین کے بعد پھر تمام پردے اٹھ جاتے ہیں۔

marfat.ocm

فائدہ یاد رہے کہ عین الیقین اولیاء کو اور حق الیقین انبیاء علیہم السلام کو نصیب ہوتا ہے۔ ہاں حقیقتہ الیقین یعنی حق الیقین کا باطن صرف اور صرف ہمارے نبی پاک ﷺ کو نصیب ہوا اور بس۔

سبق یہ درجات و مراتب مجاہدات سے ہی حاصل ہوتے ہیں مثلاً ہمیشہ باوضو رہنا تھوڑا کھانا۔ بکثرت ذکر الٰہی۔ خاموشی کے وقت ملک السموت والارض میں فکر کرنا۔ سنن و فرائض کی ادائیگی۔ ترک ماسوی الحق کا ترک الفرض۔ تھوڑا سونا۔ تقلیل العرض۔ اکل حلال۔ صدق و مقال۔ مراقبہ بالقلب الی اللہ تعالیٰ یہ امور معائنہ و مشاہدہ کی کنجیاں ہیں۔

تفسیر صوفیانہ حضرت ابن عطاء رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ قرآن حق ثابت ہے اہل یقین اور موقنین کے صدور میں اور وہی حق ہے حق کے ہاں اسی لئے محققین کے قلوب میں متحقق ہوتا ہے اور یقین صرف اولیاء اللہ کے قلوب میں قرار پاتا ہے۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر مجھ سے پردے ہٹ جائیں تب بھی یقین میں میرا اضافہ نہ ہوگا (یعنی حق الیقین حاصل ہے اس سے پھر آگے اضافہ کا کیا معنی۔

حال خلاو حجیم دانستم   به یقین آں چنانکه می باید
گر حجاب از میانه برگیرند   آں یقین ذره نفزاید

ترجمہ مجھے خلا اور حجیم کا حال معلوم ہے یقین سے جیسا کہ لائق ہے۔
اگر درمیان سے حجاب اٹھ جائیں تو ذرہ بھر بھی میرے یقین میں اضافہ نہ ہوگا۔

فائدہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر احوال آخرت منکشف ہو جائیں اور سب کو میں آنکھوں سے دیکھوں تو بھی میرے یقین میں ذرہ برابر اضافہ نہ ہوگا کیونکہ آج (دنیا) کا میرا علم الیقین ایسے ہے جیسے آخرت میں عین الیقین۔

دعا نبوی حضور سرور عالم ﷺ نے عرض کی اللھم انی اسئلک ایمانا یباشر قلبی ویقینا لیس بعدہ کفر (اے اللہ میں تجھ سے اس ایمان کا سوال کرتا ہوں جو میرے قلب میں جاگزین ہو اور اس یقین کا سوال ہے جس کے بعد کفر نہیں۔

فائدہ وہ یقین جو آنکھوں کے سامنے ہو یعنی حقیقت کا ظہور۔ اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ علم الیقین کا علم خطرے میں ہوتا ہے اس سے ارشاد حاصل نہیں ہوتا۔ بخلاف عین الیقین والے کے کہ وہی قطب الاقطاب ہوتا ہے۔

فائدہ تجلیات تین ہیں۔

۱۔ تجلی علمی ۲۔ تجلی عینی ۳۔ تجلی حقی

پہلی جسے علم الکعبہ یہ علم ضروری ہے اگرچہ کسی نے کعبہ کو دیکھا تک نہ ہو تب بھی اسے یقین ہے کہ وہ ہے دوسری جیسے کعبہ کو دور سے دیکھنا۔ تیسری جیسے کعبہ میں داخل ہونا (یعنی) حرم کی حاضری۔

فائدہ حضرت قتادہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو بھی ضائع نہیں کرتا ہر ایک کو اس قرآن کی برکت سے اسے یقین سے واقفیت بخشے گا ہاں فرق اتنا ہے کہ مومن کو دنیا میں اس کا یقین نصیب ہوا اس کا نفع آخرت میں پائے گا اور کافر کو قیامت میں یقین آئے گا لیکن اس سے اسے کوئی نفع نہ ہو گا۔ حضرت مولانا جامی قدس سرہ نے فرمایا۔

سیراب کن ز بحر یقین جان تشنہ را
زیں پیش خشک لب منیشن بر سراب ریب

(پیاسی جان کو اس بحر یقین سے سیراب کر۔ اس سے پہلے کہ تو خشک لب نہ بیٹھ شک کے سراب پر)

تفسیر عالمانہ فسبح تو اے (حضرت) محمد ﷺ تسبیح کہو باسم ربک العظیم اپنے عظیم رب کے نام کی۔ فاء تسبیح کی ترتیب یا ماقبل پر امر کے لئے ہے کیونکہ سورہ کریمہ کے اندر جو تفصیل مذکور ہوئی ہے اس کا حق یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی جائے یعنی اللہ تعالیٰ کی تنزیہ ان امور سے جو اس کے شان عظیم کے لائق نہیں مثلاً اس کا شریک ٹھہرانا اور اس کی وہ آیات جو حق بولتی ہیں کی تکذیب وغیرہ۔

فائدہ حضرت ابو عثمان قدس سرہ نے فرمایا تسبیح کیجئے اس شکرانہ پر اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کو توفیق بخشی ہے کہ وہ آپ کی سنت پر عمل پیرا ہے۔

فائدہ فتح الرحمن میں ہے کہ اس عبارت کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ کفار کے اقوال اور دنیا کے ان جملہ امور سے اعراض کیا جائے جو کفر سے متعلق ہیں اور امور آخرت اور عبادت الٰہی اور اس کی طرف رجوع اور توجہ کی جائے۔

حدیث شریف ۱ مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا اسے رکوع میں پڑھا کرو جب سبح اسم ربک الاعلیٰ نازل ہوئی فرمایا اسے سجدہ میں پڑھا کرو

marfat.ocm

حدیث شریف ۲ حضور سرور عالم ﷺ رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھا کرتے۔

نکتہ رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ میں پڑھنے کا راز یہ ہے کہ پہلے میں تین مرتبہ حیوان کی طرف اور سجدے میں مرتبہ بناتات اور جمادات کی طرف اشارہ ہے اسی لئے تنزیہ میں بھی ترقی ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جسے وہ تحت سے فوق ہے ایسے ہی وہ فوق الفوق ہے۔ اس کی طرف جہت کی نسبت ہر طرح سے برابر ہے اسی لئے اس کے لئے ترقی کے وقت بھی تنزیہہ ضروری ہے کیونکہ جہات کی قید سے منزہ ہے اسی لئے ہبوط (نیچے جانے) کے وقت بھی تسبیح مشروع ہوئی۔

مسئلہ اس تسبیح کے بارہ میں نماز میں علماء کرام کا اختلاف ہے امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا واجب ہے عمداً اس کے ترک سے نماز فاسد ہے سہواً پر سجدہ سہو واجب ہے اسے کم از کم ایک بار پڑھنا واجب اور کمال کا ادنیٰ مرتبہ تین بار ہے۔ امام ابو حنیفہ و شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سنت ہے اور امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا اس کا التزام مکروہ ہے کہ کہیں اس کا التزام واجب سے فرض نہ سمجھا جائے۔

فائدہ اسم یہاں پر جنس ہے یعنی اسماء رب میں سے کوئی اسم۔ العظیم ربک کی صفت ہے۔

حکایت سیدنا عثمان بن عفان سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی مرض الموت کے وقت عیادت کے لئے تشریف لائے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روتے دیکھ کر پوچھا روتے کیوں ہو عرض کی گناہوں سے فرمایا کچھ تمنا بھی ہے کہاہاں رحمت رب کی یعنی یہ آرزو ہے کہ میرا پروردگار مجھ پر رحمت فرمائے اور میرے عجز و ضعف پر رحم فرما کر مجھے بخش دے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اجازت ہو تو طبیب کو بلائیں تاکہ آپ کے درد کا علاج کرے فرمایا نہیں اس لئے کہ طبیب الٹا مجھے زیادہ بیمار کردے گا فرمایا کچھ درہم و دینار دوں تاکہ ضرورت میں خرچ کرو کہا مجھے کوئی ضرورت نہیں فرمایا تو بچیوں کو کچھ دے دوں تاکہ آپ کے بعد وہ اپنی ضروریات پوری کرتی رہیں گی کہا انہیں بھی ضرورت نہیں اگر ضرورت پڑی تو میں انہیں اس سے بہتر عطا دیئے جارہا ہوں وہ یہ کہ میں نے انہیں کہا کہ اگر ضرورت محسوس ہو تو سورہ واقعہ پڑھ لیا کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرمایا کہ جو ہر رات سورۃ الواقعہ پڑھے گا اسے فاقہ نہیں آئے گا۔

marfat.ocm

فائدہ حضرت سعدی المفتی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے۔

فضائل سورۃ الواقعہ حدیث شریف میں ہے جو سورۃ الواقعہ کے پڑھنے پر مداومت کرے گا وہ ہمیشہ تک کسی کا محتاج نہ ہو گا۔

فائدہ حضرت ابن عطیہ رحمتہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس میں قیامت اور آخرت میں حظوظ کا ذکر ہے اسی سے سمجھا گیا کہ اس میں غنا ہے فقر نہیں جو اسے ایسا سمجھے گا تو وہ اس کی تیاری میں لگا رہے گا۔

فائدہ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سورۃ الواقعہ رزق کے بارے میں شدت اور فاقہ کے لئے احادیث مبارکہ از حضور سرور عالم ﷺ و صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہیں یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق مشہور ہے کہ جب آپ دنیا سے رخصت ہو رہے تھے کہ آپ سے اولاد نے تنگی معاش کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا میں تمہارے لئے سورۃ الواقعہ چھوڑے جا رہا ہوں۔

سوال امور دنیا کو امور آخرت کے ذریعہ حاصل کرنا کیسا؟

جواب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے انہیں اتنا قوت و رزق عطا فرمائے گا جو ان کی گزر اوقات اور عبادت کی ادائیگی کے لئے کافی ہو گا اور درس علم پر بھی اکتفاء کرے گا اور یہ ریاء میں شامل نہیں بلکہ ارادہ خیر و بھلائی ہے۔ (منہاج العابدین الغزالی)

فائدہ حضرت ہلال یساف حضرت مسروق سے روایت کرتے ہیں کہ جو چاہے کہ اسے اولین و آخرین اور اہل جنت و اہل نار اور دنیا و آخرت کی خبر سے آگاہی ہو تو وہ سورۃ واقعہ پڑھے۔

تاریخ فراغت از صاحب روح البیان صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ تفسیر سورہ الواقعہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور مدد سے اوائل صفر الخیر سن ۱۱۳۵ ہجری میں مکمل ہوئی اور فقیر اویسی غفرلہ نے تفسیر سورہ الواقعہ کے ترجمہ سے ۲۰ ذوالحجہ سن ۱۴۰۸ ہجری ۱۴ اگست سن ۱۹۸۸ بروز اتوار پونے چار بجے فراغت پائی۔

فالحمد للہ علی ذالک و صلی اللہ علی حبیبہ الکریم و علی آلہ و اصحابہ اجمعین

marfat.ocm

سُوْرَةُ الْحَدِيْدِ مَدَنِيَّةٌ

اٰيَاتُهَا ۲۹ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ رُكُوْعَاتُهَا ۴

سورہ حدید مدنی ہے اس میں اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا انتیس آیتیں اور چار رکوع

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہی عزت و حکمت والا ہے اسی کے لیے ہے آسمانوں

وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ② هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ

اور زمین کی سلطنت جلاتا ہے اور مارتا اور وہ سب کچھ کرسکتا ہے وہی اول وہی آخر وہی ظاہر وہی

وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ③ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ

باطن اور وہی سب کچھ جانتا ہے وہی ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں پیدا کیے

اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا

پھر عرش پر استواء فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے جانتا ہے جو زمین کے اندر جاتا ہے اور جو اس سے باہر نکلتا ہے اور

يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۚ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

جو آسمان سے اترتا ہے اور جو اس میں چڑھتا ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم کہیں ہو اور اللہ تمہارے کام دیکھ رہا

بَصِيْرٌ ④ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ⑤ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي

ہے اسی کی ہے آسمانوں اور زمین کی سلطنت اور اللہ ہی کی طرف سب کاموں کی رجوع رات کو دن کے حصے میں

النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۚ وَهُوَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑥ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

لاتا ہے اور دن کو رات کے حصے میں لاتا ہے اور وہ دلوں کی بات جانتا ہے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان

وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ۚ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ

لاؤ اور اس کی راہ میں کچھ وہ خرچ کرو جس میں تمہیں اوروں کا جانشین کیا تو جو تم میں ایمان لائے اور اس کی راہ میں خرچ کیا

اَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑦ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ

انکے لیے بڑا ثواب ہے اور تمہیں کیا ہے کہ اللہ پر ایمان نہ لاؤ حالانکہ یہ رسول تمہیں بلا رہے ہیں کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ

وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑧ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖۤ اٰيٰتٍ

اور بیشک تم سے پہلے ہی عہد لے چکا ہے اگر تمہیں یقین ہو وہی ہے کہ اپنے بندہ پر روشن آیتیں اتارتا ہے

بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ⑨

تاکہ تمہیں اندھیریوں سے اُجالے کی طرف لے جائے اور بے شک اللہ تم پر ضرور مہربان رحم والا

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا
اور تمہیں کیا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو حالانکہ آسمانوں اور زمین میں سب کا وارث اللہ ہی ہے
یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ
تم میں برابر نہیں وہ جنہوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ اور جہاد کیا وہ مرتبہ میں ان سے بڑے ہیں جنہوں نے بعد
الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
فتح کے خرچ اور جہاد کیا اور ان سب سے اللہ جنت کا وعدہ فرما چکا اور اللہ کو تمہارے کاموں کی
خَبِیْرٌ ﴿۱۰﴾ مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِیْمٌ ﴿۱۱﴾ ع ۱۰ ۱۷
خبر ہے کون ہے جو اللہ کو قرض دے اچھا قرض تو وہ اس کے لیے دونے کرے اور اس کو عزت کا ثواب ہے
یَوْمَ تَرَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ یَسْعٰی نُوْرُهُمْ بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَبِاَیْمَانِهِمْ
جس دن تم ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو دیکھو گے کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کے دہنے دوڑتا
بُشْرٰىكُمُ الْیَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ
ہے ان سے فرمایا جا رہا ہے کہ آج تمہاری سب سے زیادہ خوشی کی بات وہ جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہیں تم ان میں ہمیشہ
الْعَظِیْمُ ﴿۱۲﴾ یَوْمَ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ
رہو یہی بڑی کامیابی ہے جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں مسلمانوں سے کہیں گے کہ ہمیں ایک نگاہ دیکھو کہ ہم تمہارے
مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِیْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَیْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ
نور سے کچھ حصہ لیں کہا جائیگا اپنے پیچھے لوٹو وہاں نور ڈھونڈو وہ لوٹیں گے جبھی ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی
بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِیْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿۱۳﴾ یُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ
جس میں ایک دروازہ ہے اس کے اندر کی طرف رحمت اور اس کے باہر کی طرف عذاب منافق مسلمانوں کو پکاریں گے کیا ہم تمہارے
مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰی وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ
ساتھ نہ تھے وہ کہیں گے کیوں نہیں مگر تم نے تو اپنی جانیں فتنہ میں ڈالیں اور مسلمانوں کی برائی تکتے اور شک رکھتے اور جھوٹی طمع
الْاَمَانِیُّ حَتّٰی جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۱۴﴾ فَالْیَوْمَ لَا یُؤْخَذُ مِنْكُمْ
نے تمہیں فریب دیا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ گیا اور تمہیں اللہ کے حکم پر اس بڑے فریبی نے مغرور رکھا تو آج نہ تم سے کوئی فدیہ لیا
فِدْیَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ؕ هِیَ مَوْلٰىكُمْ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۱۵﴾
جائے اور نہ کھلے کافروں سے تمہارا ٹھکانا آگ ہے وہ تمہاری رفیق ہے اور کیا ہی برا انجام

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ

کیا ایمان والوں کو ابھی وہ وقت نہ آیا کہ ان کے دل جھک جائیں اللہ کی یاد اور اس حق کے لیے جو اترا

وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ

اور ان جیسے نہ ہوں جن کو پہلے کتاب دی گئی پھر ان پر مدت دراز ہوئی تو ان کے دل سخت ہو گئے

قُلُوبُهُمْ ۖ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فٰسِقُونَ ﴿۱۶﴾ اِعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يُحْيِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا

اور ان میں بہت فاسق ہیں جان لو کہ اللہ زمین کو زندہ کرتا ہے اس کے مرے پیچھے

قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۱۷﴾ إِنَّ الْمُصَّدِّقِينَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَأَقْرَضُوا

بیشک ہم نے تمہارے لیے نشانیاں بیان فرما دیں کہ تمہیں سمجھ ہو بیشک صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور وہ جنہوں

اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ ﴿۱۸﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ

نے اللہ کو اچھا قرض دیا ان کے دونے ہیں اور ان کے لیے عزت کا ثواب ہے اور وہ جو اللہ اور اس کے سب رسولوں پر ایمان

أُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ ۖ وَالشُّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ ۖ وَالَّذِينَ

لائیں وہی ہیں کامل سچے اور اوروں پر گواہ اپنے رب کے یہاں ان کے لیے ان کا ثواب اور ان کا نور ہے اور

كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَا أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ الْجَحِيمِ ﴿۱۹﴾ اِعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيٰوةُ ع ۲ ۱۸

جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتیں جھٹلائیں وہ دوزخی ہیں جان لو کہ دنیا کی زندگی تو

الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَزِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ ۖ

نہیں مگر کھیل کود اور آرائش اور تمہارا آپس میں بڑائی مارنا اور مال اور اولاد میں ایک دوسرے پر زیادتی

كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ حُطٰمًا ۖ

چاہنا اس مینہ کی طرح جس کا اگایا سبزہ کسانوں کو بھایا پھر سوکھا کہ تو اسے زرد دیکھے پھر روندن ہو گیا

وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۙ وَمَغْفِرَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٌ ۚ وَمَا الْحَيٰوةُ

اور آخرت میں سخت عذاب ہے اور اللہ کی طرف سے بخشش اور اس کی رضا اور دنیا کا جینا تو

الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ﴿۲۰﴾ سَابِقُوا إِلٰى مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا

نہیں مگر دھوکے کا مال بڑھ کر چلو اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی

marfat.ocm

كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۚ ذَٰلِكَ

جیسے آسمان اور زمین کا پھیلاؤ تیار ہوئی ہے ان کے لیے جو اللہ اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لائے

فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٢١﴾ مَا أَصَابَ مِنْ

یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے نہیں پہنچتی کوئی مصیبت

مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا ۚ

زمین میں اور نہ تمہاری جانوں میں مگر وہ ایک کتاب میں ہے قبل اس کے کہ ہم اسے پیدا کریں

إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿٢٢﴾ لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا

بیشک یہ اللہ کو آسان ہے اس لیے کہ غم نہ کھاؤ اس پر جو ہاتھ سے جائے اور خوش نہ ہو اس پر جو

آتَاكُمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ﴿٢٣﴾ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ

تم کو دیا اور اللہ کو نہیں بھاتا کوئی اتروناں بڑائی مارنے والا وہ جو آپ بخل کریں اور اوروں سے

النَّاسَ بِالْبُخْلِ ۗ وَمَنْ يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٢٤﴾ لَقَدْ أَرْسَلْنَا

بخل کو کہیں اور جو منہ پھیرے تو بیشک اللہ ہی بے نیاز ہے سب خوبیوں سراہا بیشک ہم نے اپنے

رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۖ

رسولوں کو دلیلوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور عدل کی ترازو اتاری کہ لوگ انصاف پر قائم ہوں

وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَنْ

اور ہم نے لوہا اتارا اس میں سخت آنچ اور لوگوں کے فائدے اور اس لیے کہ اللہ دیکھے اس کو جو بے دیکھے

يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ ۚ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٢٥﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا

اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے بیشک اللہ قوت والا غالب ہے اور بیشک ہم نے نوح

ع ۱۲

وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ ۖ فَمِنْهُمْ مُهْتَدٍ ۖ وَكَثِيرٌ

اور ابراہیم کو بھیجا اور ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھی تو ان میں کوئی راہ پر آیا

مِنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿٢٦﴾ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى

اور ان میں بہتیرے فاسق ہیں پھر ہم نے ان کے پیچھے اسی راہ پر اپنے اور رسول بھیجے اور ان کے پیچھے عیسیٰ بن مریم کو

ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ۬ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ

بھیجا اور اسے انجیل عطا فرمائی اور اس کے پیروؤں کے دل میں نرمی

رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَرَهْبَانِيَّةَۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا

اور رحمت رکھی اور راہب بننا تو یہ بات انہوں نے دین میں اپنی طرف سے نکالی ہم نے ان پر مقرر نہ کی تھی

ابْتِغَاۗءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

ہاں یہ بدعت انہوں نے اللہ کی رضا چاہنے کو پیدا کی پھر اسے نہ نباہا جیسا اس کے نباہنے کا حق تھا تو ان کے ایمان والوں کو

مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ

ہم نے انکا ثواب عطا کیا اور ان میں سے بہتیرے فاسق ہیں اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس

وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ

کے رسول پر ایمان لاؤ وہ اپنی رحمت کے دو حصے تمہیں عطا فرمائے گا اور تمہارے لیے نور کر دے گا

بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا

جس میں چلو اور تمہیں بخش دیگا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے یہ اس لیے کہ کتاب والے کافر

يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ

جان جائیں کہ اللہ کے فضل پر ان کا کچھ قابو نہیں اور یہ کہ فضل اللہ کے

يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

ہاتھ ہے دیتا ہے جسے چاہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے

۲ ع ۲ ۲۰

تفسیر عالمانہ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں جو آسمانوں لور زمینوں میں ہیں۔ تسبیح اللہ تعالیٰ کی ان باتوں سے پاکی بیان کرنا جو اس کی شان اقدس کے لائق نہیں۔

اعتقلو لور قولا و فعلا

نکتہ سورۃ الاسراء میں مصدر (سبحان) سے کیونکہ وہ اصل ہے اس کے بعد ماضی کا صیغہ لایا گیا سورہ حدید و حشر وصف میں کیونکہ ماضی حال و مستقبل سے اسبق ہے اس کے بعد صیغہ مضارع سورۃ جملہ و تغابن میں پھر امر سورۃ سورۃ الاعلیٰ میں تاکہ تمام زمانے دلالت کریں کہ بندے پر لازم ہے کہ ہر گھڑی اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مصروف رہے خلاصہ یہ کہ (ماضی۔ مضارع و حال۔ مستقبل) کو ازمنہ (زمانوں) سے خالی کر کے دلالت کی گئی ہے کہ تسبیح حق میں

مشغولی لازم ہے تاکہ کوئی مخصوص زمانہ سے مخصوص نہ ہو یہاں تک کہ عدم کے بعد جب تک وجود قائم ہے ہر موجود لئے تسبیح میں معروف ہے اور ہونا چاہئے۔

فضیلت تسبیح حدیث شریف میں ہے کہ افضل الکلام چار چیزیں ہیں۔

۱۔ سبحان اللہ ۲۔ الحمد للہ ۳۔ لاالہ الااللہ ۴۔ اللہ اکبر

اس میں کوئی حرج نہیں کہ کسی کو پہلے کہا جائے کسی کو بعد کو۔

فائدہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سبحان اللہ کے بارے میں سوال ہوا تو فرمایا کہ یہ وہ کلمہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے پسند فرمایا ہے۔

قاعدہ سبح خود متعدی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

ونسبحوه (اور اس کی تسبیح بولو) لله میں لام زائدہ ہے تاکید کے لئے جیسے نصحت بہ۔ (میں نے اسے نصیحت کی) میں لام زائد تاکید کے لئے ہے اور شکرتہ (میں نے اس کا شکریہ ادا کیا) میں بھی کہ یہ دراصل (نصحتہ وشکرتہ) تھے یا لام تعلیلیہ ہے اور فعل بمنزلہ لازم کے ہے اب معنی یہ ہوا فعل التسبیح ولواقعه واحدثه لاجل اللہ تعالیٰ وخالصالوجهه۔ تسبیح کا کام کیا اور اسے واقعہ کیا اسے ظاہر کے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کی رضا کے لئے۔

فائدہ مافی السموت ومافی الارض سے تمام موجود مخلوقات مراد ہے وہ زندہ ہوں یا جماز اور لذوی العقول کی تغلیب (اکثریت) کی وجہ سے لایا گیا ہے لیکن اکثر علماء کرام فرماتے ہیں۔ کہ لفظ ما عام ہے ذوی العقول وغیرہ ذوی العقول سب کو شامل ہوتا ہے۔

مسئلہ یہاں سب کی تسبیح عبادت و تسبیح مقالی مراد ہے جیسے بعض اکابر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انس و جن سے جماد کی تسبیح مقالی کی قوت سماع سلب فرمائی ہے سوائے ان حضرات کے لئے جن کے لئے وہ چاہے (انبیاء و اولیاء)

مسئلہ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور اس کی حمد کے لئے پیدا کی گئی ہے۔

سوال جب مخلوق کی غرض تسبیح الٰہی ہے تو پھر ہم انسان (وجن) ان سے کیوں کام لیتے اور فوائد حاصل کرتے ہیں؟

جواب ہمارا ان سے انتفاع تبعاً ہے یعنی اصلی غرض تو وہی ہے لیکن ہمارے انتفاع پر ان کی تسبیح میں انہیں حرج واقع نہیں ہوتا۔

اعجوبہ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا اگر تمہارے لئے ان اشیاء کی تسبیح و عبادت مخفی نہ رکھی جاتی جو ہمارے ساتھ میں گھروں میں یا باہر تو تم کبھی قرار و سکون نہ پا سکتے۔

فائدہ عجیبہ زندہ زندہ سے صادر ہوتا ہے اگر یہ کہا جائے کہ عالم میں غیر زندہ اشیاء ہیں اور یہ نسبت حقیقت

الیہ کی طرف نہ ہو گی اور یہ محال ہے (کہ کوئی شے بھی حقیقت الیہ کی طرف منسوب نہ ہو) تو اس کا حل یہ نکالا جائے کہ یہ اشیاء (جملو وغیرہ) محجوب (انسان وغیرہ) کے لئے میت لیکن فی نفس الامر (واقعۃ) حی ہیں میت نہیں کیونکہ میت کی موت حقیقت ہے۔ مفارقہ حی تدبر کا حی مدبر کے لئے اور مدبر ہر دونوں حی ہیں ہاں یہ نسبت مفارقۃ عدمیہ ہے نہ کہ وجودیہ۔

تائید اہلسنت موت کا مطلب ہے موت اس شان (حال) کا نام ہے کہ زندہ (موجود) کو ولایت سے معزول کر کے ایک دار سے دوسری دار کی طرف منتقل کرنا۔

ازالہ وہم کسی زندہ شے کا کسی دوسرے کو احساس ضروری نہیں کیونکہ زندہ شے سے احساس و حواس امور معقولہ زائدہ ہیں ہاں وہ علم کے شرائط میں سے ہیں اسی لئے وہ کبھی محسوس ہوتا ہے۔ اور کبھی نہیں مثلاً جسے مرض آکلہ ہوا سے جو شے کھا رہی ہے وہ اس کے احساس میں شے غائب ہے اسے محسوس نہیں کہ وہ شے اس کے عضو کو کیسے کاٹ رہی ہے اس کا احساس نہ ہونا ثابت ہوا حالانکہ یہ زندہ ہے لیکن اسے احساس نہیں۔

فائدہ اللہ تعالیٰ نے سوائے انسان کو سب کو مطلع فرما دیا ہے کہ اس کی تسبیح حمد کے ساتھ اسی طرح کریں جیسے اس نے اپنی تسبیح حمد کے ساتھ خود فرمائی ہے اور وہ ان کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف ہے اور انسان اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہے بغیر اس کی حمد کے اسی لئے اس کی بعض حمد نامقبول ہوتی ہے اس لئے کہ وہ بعض حمد وہ ہوتی ہے جو اس نے اپنے لئے خود کی ہے یہی وجہ ہے کہ انسان اس کے بعض پر ایمان لاتا ہے یعنی لیس کمثلہ شئی پر اور بعض سے کفر کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی وہ تنزیہ نہیں کرتا جو اس کے لائق نہیں یعنی محدثات سے موصوف کرتا ہے (جیسے کفار کا طریقہ ہے) وان من شئی الا یسبح بحمدہ۔ کوئی شے نہیں جو اس کی تسبیح اس کی حمد کے ساتھ نہ کرتی ہو یعنی اسی طرح حمد و ثناء کرتی ہے جو اس نے اپنے لئے کی اور اسے رسل کرام کی زبان سے بتائی نہ اس طریق جو عقل کی ایجاد ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر دی ہے جو عقل کی ایجاد سے تسبیح کرتے ہیں چنانچہ فرمایا سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون پاک ہے میرے رب کو وہ رب العزۃ ہے اس سے جو اسے موصوف کرتے ہیں خلاصہ یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ ہر ثناء سے بلند تر ہے۔

فائدہ اہل اللہ یعنی اولیاء کرام کو ہر شے کی تسبیح ان کی زبان سے سنائی دیتی ہے یہ نہیں کہ وہ اسے زبان حال سے

marfat.ocm

تعبیر کریں جیسے بعض (معتزلہ وغیرہ) کا اعتقاد ہے۔

فائدہ اللہ تعالٰی بعض مواقع اپنی رحمت سے ان سے قوت سماعت تیار چھین لیتا ہے صرف عقلی طور وہ اشیاء کی تسبیح کے قائل ہوتے ہیں کیونکہ اگر وہ ہروقت اسی حالت میں رہیں تو وہ ان کی تسبیح سن کر عقول کو پریشان کر بیٹھیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ عذاب القبر کو ہر شے (جملہ حیوان) سنتے ہیں سوائے ثقلین (انس وجن) کے۔

فائدہ اس سے ثابت ہوا کہ آسمان و زمین بجمیع الاجزاء اور جو ان کے اندر ہیں فرشتے' سورج' چاند' ستارے' انس وجن' حیوان' نباتات' جمادات سب اللہ تعالٰی کی تسبیح پڑھتے ہیں۔

مسئلہ (اہلسنت کے نزدیک) ان (جمادات وغیرہ) میں ان کی شان کے لائق حیوۃ وفہم وادراک و تسبیح وحمد ہے جیسے اللہ تعالٰی نے فرمایا۔ وان من الا یسبح بحمدربہ ولکن لا تفقھون الا قلیلا کوئی شے نہیں جو اللہ تعالٰی کی تسبیح اس کی حمد ساتھ نہ کرتی ہو لیکن نہیں سمجھتے ہو مگر قلیل۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالٰی مسبَّح (بصیغہ مفعول) ہے مقام تفصیل میں اور مسبِّح (بصیغہ فاعل) ہے مقام الجمع میں' بحسب مقام الجمع والتفصیل تسبیح کا مطلب ہے اللہ تعالٰی کی تنزیہ نقائص امکانیہ میں اور تنزیہ کملات انسانیہ سے جو من حیث التقیید والتعین' انسان کے ساتھ مخصوص ہیں۔

تفسیر عالمانہ **ھوالعزیز** اور وہ غالب ہے اپنی قدرت وسلطان سے اسے نہ کوئی مانع ہے اور نہ اس سے کوئی چھین سکتا ہے۔

الحکیم وہ حکیم ہے اپنے لطف و تدبیر سے وہ نہیں کرتا مگر وہی جو اس کی حکمت و مصلحت کا تقاضا ہوتا ہے۔ اس میں حکم کی علیت کی طرف اشارہ کیونکہ عزت بمعنی ہر شے پر غلبہ جو اس کی کمال قدرت پر اور وہ حکمت جو کمال علم و عقل پر دلالت کرتی ہے اور وہ فیصلہ کرتا ہے۔ یعنی وہ ان دونوں صفات سے موصوف ہے اس معنی پر وہ منزہ ہے ہر نقص یعنی عجز و جہل وغیرہما سے منزہ ومقدس ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے عذاب سے امن کفر ہے کیونکہ یہ اس کے عجز کی طرف نسبت ہوتی ہے ایسے ہی ناامیدی کیونکہ اس میں اللہ کریم کی طرف بخل کی نسبت ہوتی ہے۔

لہ ملک السموات والارض اس کے ملک ہیں آسمانوں اور زمینوں کے یعنی اس کا تصرف کلی اور ان میں اسی کا امر نافذ ہے اور ان میں جو ان کے اندر موجودات ہیں **من حیث الایجاد والاعلام** ایسے ہی جملہ تصرفات جنہیں ہم جانتے ہیں یا نہیں جانتے۔

سوال فقیر (صاحب روح البیان رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہے۔ کہ ملک کو متناہی کی طرف کیسے منسوب کیا گیا ہے۔ حالانکہ اس کے ملک کا کمال غیر متناہی ہے (یعنی یہاں صرف آسمانوں اور زمینوں کا ملک کہہ کر اس کے کمال کے خلاف) کہا گیا ہے۔

جواب آسمانوں اور زمینوں کا ایک ظاہر یعنی وہ جو حاضر ہے اور مرئی ہے جسے عالم الملک کہا جاتا ہے اور یہ متناہی ہے کیونکہ یہ من قبیل الاجسام والصور ہے اور دوسرا ان کا باطن ہے یعنی وہ جو غائب اور غیر محسوس ہے یعنی ان کے اسرار و رموز اور حقائق اور وہ غیر متناہی ہیں کیونکہ وہ عالم الملکوت والمعانی سے ہیں ملک کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا مطلق ہے جس میں دونوں ملک و ملکوت مندرج ذیل ہیں اور وہ فی الحقیقت غیر متناہی ہیں کیا نہیں دیکھتے ہو کہ قرآن مجید کے عجائبات غیر منقطع وغیر منقضی ہیں۔ یہ وہ بحر ہے کہ اس کا ساحل (کنارہ) نہیں یعنی اس کے اسرار غیر متناہی ہیں اور بایں معنی کہ اس کا متعلم وہ ہے جس کی کوئی نہایت نہیں اگر بظاہر قرآن متناہی ہے ہم اسے خود محسوس کر رہے ہیں کہ اس کی ابتداء بھی ہے اور انتہا بھی۔

فائدہ یہاں پر ملک سے ملک حقیقی مراد ہے ورنہ مجاز تو ہر بشر کسی نہ کسی شے کا مالک ہے جیسا کہ اس سورۃ مبارکہ میں اس کی وضاحت آئے گی انشاء اللہ۔

یحی ویمیت وہی جلاتا مارتا ہے یہ جملہ مستانفہ ہے ملک کے بعض احکام کو بیان کرنے کے لئے ہے یعنی مردوں کو زندہ کرتا ہے ایسے نطفوں کو اور انڈوں وغیرہ وغیرہ کو اور زندوں کو مارتا ہے احیاؤ اماتتہ کا معنی ہے شے کو زندہ و مردہ کرنا۔ انہیں کبھی استعارہ کے طور ہدایت و اضلال کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا **کان میتا فاحیینٰہ** یعنی وہ قلب کو اسم الحی کے جلوہ سے زندہ کرتا اور اسم الممیت کے جلوہ سے نفوس کو مارتا ہے یا نفوس کو قلوب کی موت سے زندہ کرتا ہے اور حیاۃ نفوس سے قلوب کو مارتا ہے جس کا غلبہ اس کی حیاۃ یا موت۔

marfat.ocm

فائدہ حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ وہ مالک الکل اور اسی کے لئے تمام ملک ہیں جسے چاہے ملک میں مشغول رکھ کر موت دے جسے چاہے اپنے ملک کی طرف متوجہ کر کے زندہ رکھے۔

وھو علی کل شئی قدیر وہ جملہ اشیاء کی ہر شے پر قادر ہے۔ منجملہ ان کے احیاء اماتت ہے کہ اپنی حکمت کے مقتضا پر جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

قدیر کامل قدرت والا ہے یہ صیغہ مبالغہ ہے۔

تفسیر عالمانہ ھوالاول وہی اول ہے وہی ذات و صفات میں تمام موجودات سے سابق ہے کیونکہ وہی ان کا مبداء و مبدع ہے اور یہاں سبقت و اولیت ذاتی مراد ہے نہ کہ زمانی کیونکہ زمانہ بھی منجملہ از حوادث ہے۔

والاخر اور وہ آخر ہیں یعنی حوادث کی فناء کے بعد بھی وہ باقی ہے حقیقتہ یا نظر الی ذات الحوادث کیونکہ جملہ موجودات ممکنہ قطع نظر از علت فانی ہیں۔

۱۔ اول او اول بے ابتداء آخر او آخر بے انتہاء

۲۔ بود و نبود ایں چہ بلند پست باشد و ایں نیز نباشد کہ ہست

ترجمہ ۱۔ وہ بے ابتداء اول ہے اور بے انتہاء آخر ہے۔

۲۔ وہ تھا جب یہ بلند و پست (آسمان و زمین) نہ تھے اور وہ ہو گا جب یہ موجودات نہ ہوں گے۔

والظاہر اور وہ ہے ظاہر کثرۃ الوجود اس کے ظہور کے دلائل واضح ہیں۔

والباطن اور وہ باطن ہے حقیقتہ اس کی کنہ تک عقل کو ادراک نہیں اللہ تعالیٰ خود اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اس کی یہ باطنیت دنیا و آخرت میں برابر ہے۔ اس میں صاحب کشاف کے نظریہ کا رد ہوا کہ وہ کہتا ہے کہ آخرت میں اسے ان حواس سے معلوم کر لیا جائے گا کیونکہ جس کی کنہ سے ادراک عاجز ہے یہ اس کے منافی نہیں کہ اسے آخرت میں بعض صفات کی حیثیت سے دیکھا جائے گا۔

وھو بکل شئی علیم اور وہ ہر شے کو خوب جانتا ہے اس کے علم سے کوئی شے مخفی نہیں نہ ظاہر نہ پوشیدہ کیونکہ علیم صیغہ مبالغہ ہے دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم تام ہے ہر شے کو وہ شے ظاہر ہو یا باطن۔

اول و آخر اور ظاہر و باطن کی تفاسیر یہاں اولیت کے کئی معانی ہیں۔

maarfat.com

ا۔ اول وہ جس سے ہر شے کے اسباب کی ابتداء ہو۔ آخر وہ ہے جہاں جملہ مسببات کی انتہاء ہو یعنی جب موجودات منکونہ کے اسباب کے سلسلہ کو دیکھا جائے کہ وہ ایک دوسرے سے کیسے مربوط ہیں تو اسی سلسلہ کا مبداء اللہ تعالیٰ ہو گا اور منتہی بھی وہی ہو گا کہ جہاں سے اسباب کی ابتداء ہوئی تھی اور مسببات تمام اسی کی طرف ہی منتہی ہوتے ہیں اسی لئے بزرگوں نے فرمایا کہ کشتی میں ہوا کی موافقت کا کوئی بھروسہ نہ ہو اور نہ ہی کشتی کی درست روی پر اعتماد ہو اگر کوئی ان پر بھروسہ کرے گا تو وہ شرک فی التوحید الافعال کا مرتکب ہو گا اور ایسا انسان حقائق الامور سے جاہل سمجھا جاتا ہے اور جسے یہ امور منکشف ہو جاتے ہیں جیسے کہ یہ ہیں تو وہ سمجھتا ہے کہ ہوا خود نہیں چلتی اس کے چلانے والا کوئی اور ہے اور پھر اس کے چلانے کو کوئی اور ہے یہاں تک کہ اس چلانے والے تک تصور پہنچے گا جس کا کوئی اور چلانے والا نہیں اور اس کی حرکت اس طرح بھی نہیں جیسے ہماری حرکات ہیں اور ایسی حرکات اور ان جیسے امور سے منزہ ہے۔

الظاہر وہ جو ہر شے پر غالب ہے الباطن وہ جو ہر شے کے باطن کو جانتا ہے۔

فائدہ ظاہر ظہر علیہ سے ہے۔ بمعنی علاوہ اس پر غالب ہوا۔

باطن بطنہ سے ہے بمعنی اس کے اندر کو معلوم کیا لیکن زمخشری نے اس معنی کو پسند نہیں کیا اس لئے کہ اس معنی میں ظاہر و باطن میں مطابقت باقی نہیں رہتی۔

دعائے فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی کہ مجھے ایک خادم عطا ہو۔ حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ کیا تجھے کسی ایسے عمل کی رہبری نہ کروں جو اس سے بہتر ہے عرض کی ہاں فرمایا۔ یہ دعا پڑھا کرو۔

اللھم رب السموت السبع ورب العرش العظیم ربنا رب کل شئی منزل التوراۃ والانجیل والفرقان فالق الحب والنوی واعوذ بک من شر کل ذی شر انت اخذ بنا صیتہ انت الاول فلیس قبلک شی وانت الاخر ولیس بعدک شئی وانت الظاہر فلیس فوقک شئی وانت الباطن فلیس دونک شئی اقض عنی الدین واغننی من الفقر عنی بالظاہر والغالب والباطن العالم ببواطن الاشیاء

marfat.ocm

ترجمہ اے ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم اور ہمارے اور ہر شے کے رب تورات و انجیل فرقان نازل کرنے والے دانوں گٹھلیوں کو چیرنے والے ہیں ہر صاحب شر کے شر سے پناہ مانگتا ہوں تو ہر ایک کی پیشانی پکڑنے والا ہے تو پہلا ہے تیرے سے پہلے کوئی شے نہ تھی تو آخر ہے تیرے بعد کوئی شے نہیں تو ظاہر ہے تیرے اوپر کوئی شے نہیں تو باطن ہے تیرے سوا کوئی شے نہیں میرا قرضہ ادا کر ظاہر غالب باطن تمام اشیاء کے عالم اسلام کے طفیل مجھے فقر و فاقہ سے بے نیاز رکھ۔

فائدہ یعنی وہ ایسا غالب ہے کہ اس پر کوئی غلبہ نہیں پا سکتا وہ ہر شے پہ غالب ہے وہ مکنونات میں اپنے غلبہ کی تصرف کرتا ہے اور اسی کا استیلام ہے سب پر اس کے اوپر اور کوئی نہیں جو اسے روکے اور اشیاء کے بواطن کو جانتا ہے کوئی ملجا و منجی اس کے سوا نہیں ہے۔

مسئلہ امام (فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ) نے فرمایا کہ بہت سے علماء کرام نے لفظ اول سے ثابت کیا ہے کہ معبود ایک ہے اور فرمایا کہ اول بمعنی فرد سابق یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے کہا کہ اول مملوک جو میں نے خریدا وہ آزاد ہے بیک وقت دو غلام خریدے تو کوئی آزاد نہ ہوگا کیونکہ اس کی شرط تھی پہلا مملوک جو میں نے خریدا وہ ایک ہو تو آزاد ہوگا یہاں بیک وقت پہلی خرید میں فردیت نہیں بلکہ دوئی ہے اگر اس کے بعد ایک غلام خریدا تب بھی آزاد نہ ہوگا اس لئے کہ یہاں فردیت ہے لیکن اولیت نہیں اس سے ثابت ہوا کہ اولیت میں فردیت شرط ہے تو آیت سے واضح ہوا کہ بلکہ عالم کا صانع ایک ہے اور وہ فرد ہے وہی اول اور موجود فی الخارج ہے کیونکہ وہی موجود الکل (سب کی ایجاد کرنے والا ہے) اور وہ آخر رہتا ہے جیسے اثبات الصانع کے براہین و دلائل سے ثابت ہے یا بحسب ترتیب العارفین ثابت ہے کہ (وہ آخر رہتا) ہے کیونکہ جب تم عارفین کے سلوک کی ترتیب کو دیکھو گے تو اسی طرح ثابت ہوگا چنانچہ عارفین سالکین جب اللہ تعالیٰ کی طرف سیر کرتے چلتے ہیں تو منازل کے درجات کی آخری منزل اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے جو معرفت بھی اس کی ذات کی معرفت سے پہلے حاصل ہوگی تو وہ بمنزلہ سیڑھی کے ہوگی آخری منزل مقصود تو ذات حق کی معرفت ہی ہے۔

لب المعارف میں اللہ تعالیٰ کی ذات آخر ہے سلوک کی منزل طے کرنے کے درجات کے اعتبار سے وہ اول ہے باعتبار وجود خارجی کے اولاً بھی اسی سے ابتدا ہے اور آخر میں بھی وہی سب کا مرجع ہے۔

marfat.ocm

۲۔ بعض نے کہا کہ وہ باعتبار بدالیسر نزول کے اول ہے اور باعتبار ختم اسیر عروہ کے آخر ہے اور بحسب النظرالی وجودالحق ظاہر ہے اور باطن ہے بحسب النظرالی وجودالحق کے۔ اسی قاعدہ پر صوفیہ کرام نے فرمایا کہ ظاہرالحق باطن الخلق ہے اور باطن الخلق ظاہرالخلق ہے اس لئے کہ ہویت ان کے درمیان برزخ ہے جو ان دونوں سے متجاوز نہیں ہوتی اسے اگر منصوب الی الحق دیکھا جائے تو ہویتہ الیہ ہے اگر اسے منسوب الی الخلق دیکھا جائے تو ہویتہ کونیہ ہے اور یہ قاب قوسین کا مرتبہ ہے اس کے اوپر اونی کا مرتبہ ہے۔

حکایت ایک دن سیدنا شبلی قدس سرہ نے صفات کے متعلق گفتگو فرماتے ہوئے کہا خاموش ہو جاؤ یہاں خطرات ہیں ان کے پردے نہ اوہام سے اٹھ سکتے ہیں اور نہ افہام ان کا ادراک کر سکتے ہیں او ان صفات میں گفتگو ہو تو کیا کہ جہاں اضداد کا اجتماع ہے مثلاً فرمایا ہو الاول والاخر والظاہر والباطن اس نے ہمارے ساتھ ہمارے افہام کے مطابق گفتگو فرمائی ہے۔

۳۔ امام راغب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اول وہ ہے جو غیر کا ترتب ہو وہ کئی معنی پر مستعمل ہوتا ہے۔

(۱) متقدم (زمانہ کے لحاظ سے پہلے) بالزمان جیسے تم کہو عبدالملک اولا ثم منصور پہلے عبدالملک تھا پھر منصور۔

(۲) کسی شے پر حکومتی اعتبار سے کسی کا نمبر پہلے ہونا کسی کا دوسرا جیسے کہا جاتا ہے الامیر ثم الوزیر۔

(۳) متقدم بالوضع بالنسبۃ جیسے عراق سے آنے والے کے لئے کہا جائے القلو یتہ اولا ثم "جنگل میں ایک گاؤں ہے حجاز کے راستہ پر اگر کوئی مکہ سے عراق کو جائے تو کہا جائے گا فید اولا ثم القلوسیہ۔

(۴) المتقدم (صناعت کے لحاظ سے پہلے) بالنظام الصناعی جیسے کہا جاتا ہے پہلے بنیاد پھر دیوار۔

فائدہ جب اللہ تعالیٰ کی صفات کے لئے کہا جائے کہ وہ اول ہے تو اس کا معنی یہ ہو گا کہ وجود میں کوئی شے اس سے پہلے نہیں یہی مطلب ہے اس کا جو کہتا ہے کہ وہ کسی کا محتاج نہیں ایسے ہی کہا جائے کہ وہ مستغنی بنفسہ ہے۔

الظاہر والباطن اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں انہیں یوں نہ کہا جائے کہ یہ لازم و ملزوم کی طرح ہیں جیسے اول و آخر کے لئے بھی نہیں کہا جا سکتا ہے کہ ایک دوسرے کے مقابل صفات ہیں۔

بعض نے کہا کہ وہ اپنی آیات کے لحاظ سے ظاہر اور ذات کے لحاظ سے باطن ہے بعض نے کہا کہ وہ ظاہر ہے

marfat.ocm

بایں معنی کہ وہ جملہ اشیاء کو محیط اور مدرک اور باطن ہے ان اشیاء میں جو اس کے احاطہ میں ہیں جیسا کہ فرمایا لاتدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار اسے آنکھیں ادراک نہیں کر سکتیں وہ ابصار کو محیط ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان الفاظ کے متعلق تفسیر ہے فرمایا کہ وہ اپنے بندوں کے لئے ظاہر لیکن وہ اسے دیکھ نہیں سکتے وہ اپنی ذات کی زیارت تو ہر وقت کرا رہا ہے لیکن انہیں تجلی خاص سے نہیں نوازتا جسے وہ اسے دیکھ نہیں سکتے اس کی معرفت کے لئے عقل و فہم روشن کی ضرورت ہے۔ (المفردات)۔

وہ اول ہے اپنی عین آخریت میں اور آخر ہے اپنی عین اولیت میں اور ظاہر ہے عین باطنیت میں اور باطن ہے عین آخریت میں حیثیت واحدہ سے باعتبار واحد کے ان واحد میں اس تقاضا کی وجہ سے اس کی ذات کے جو ان اعتبارات مختلفہ امور حیثیات متنافرہ متباینہ سے مطلق ہے کیونکہ وہ سب کو محیط اور سب سے مستغنی ہے۔

حکایت حضرت عارف ربانی خراز قدس سرہ سے پوچھا گیا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو کیسے پہچانا فرمایا جمع بین الاضداد سے پھر آپ نے یہی ایت تلاوت فرمائی۔ ھو الاول والاخر والظاہر والباطن اور قاعدہ ہے کہ جمع بین الاضداد کا تصور نہیں ہو سکتا سوائے حیثیت واحدہ اور اعتبار واحد اور آن واحد وھو بکل شئی الخ وہ ہر شے جس کی اولیت سے ہو یا آخریت سے ظاہریت سے ہو یا باطنیت سے کو خوب جانتا ہے کیونکہ اس کا علم اس کی ذات کا عین ہے اور اس کی ذات جملہ اشیاء کو محیط ہے جیسا کہ فرمایا واللہ بکل شئی محیط (اور اللہ تعالیٰ ہر شے کو محیط ہے) (التاویلات النجمیہ)

فائدہ حضرت الواسطی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مخلوق میں کسی ایک کو نہیں چھوڑا جب سے اپنے لئے خبر دی کہ ھو الاول والاخر والظاہر والباطن۔

فائدہ نیز فرمایا کہ جسے اسم اول سے کچھ حصہ نصیب ہے تو اس کا شغل ماسبق (ماضی) سے ہے جسے اسم آخر سے حظ نصیب ہے تو اس کے تعلقات مستقبل سے مربوط ہیں جسے اسم ظاہر سے حظ نصیب ہے تو اسے اس کی عجائب قدرت سے کوئی حظ نصیب نہ ہو گا۔ جسے اسم باطن سے حظ ہے تو اس کے انوار سے جو سر میں جاری ہوئے سے حظ نصیب نہ ہو گا۔

فائدہ نیز فرمایا کہ حظوظ الانبیاء باوجود ایک دوسرے کے تباین کے چار اور اسموں سے ہیں اور ہر گروہ کا قیام ان

marfat.ocm

چار اسماء میں سے کسی ایک کے ساتھ ہے۔ جس نے ان تمام اسماء کو جمع کیا تو وہ ان کے اوسط میں سے ہے اور جو ان سے ملابست کے باوجود ان میں فانی ہوا تو کامل مکمل ہے اور وہ چار اسماء یہی ہیں ھوالاول والآخر الخ۔

فائدہ نیز فرمایا کہ جسے اللہ تعالیٰ نے اسم اول کی تجلی سے نوازا اس کا اسم آخر کی تجلی کا حصول محال ہے کیونکہ وہ تجلی سے اسے نوازتا ہے جو اس سے مفقود ہو یا بعید ہو تو اسے قریب فرماتا ہے۔

فائدہ حضرت جنید قدس سرہ نے فرمایا کہ میرے اول کے قدم (قدیم ہونے) کی نفی اسم اول سے اور ہر آخر کی بقاء کی نفی آخر سے فرمائی مخلوق صرف اس کی ظاہریت سے اس کی ربوبیت کے اقرار پر مجبور لیکن ان کے افہام اس کی کنہ اور اس کی باطنیت سے محجوب ہیں۔

فائدہ حضرت سدی نے فرمایا کہ وہ اول ہے اپنے احسان سے اس لئے کہ اس نے تجھے اپنی توحید کا عرفان بخشا اور آخر ہے اپنے جود سے اس لئے کہ اس نے تجھے غلطیوں سے توبہ کا طریقہ سمجھایا ظاہر ہے اپنی توفیق سے اس نے اپنے لئے سجدے کی تجھے توفیق بخشی۔ باطن اپنے بستر سے اس لئے کہ جب تو گناہ کرتا ہے تو وہ ڈھانپ لیتا ہے۔

فائدہ وہ کسی کی تاویل کے بغیر اول اور کسی دوسرے کے آخر ہونے کے بغیر آخر اور کسی کے اظہار کے بغیر ظاہر اور کسی کے باطن کے بغیر باطن ہے وہ اول بمعنی قدیم اور آخر یعنی رحیم اور ظاہر یعنی حلیم اور باطن یعنی علیم ہے اول ہے کہ وہ دنیا کے احوال کھولتا ہے تاکہ لوگ اس میں راغب نہ ہوں اور آخر ہے کہ وہ آخرت کے واضح کرتا ہے تاکہ لوگ اس میں شک نہ کریں اور اپنے دوستوں کے قلوب پر ایسا ظاہر ہے کہ وہ اسے خوب پہچانتے ہیں اور دشمنوں کے دلوں کے لئے ایسا باطن ہے کہ وہ اس کے وجود کا ہی انکار کرتے ہیں۔

فائدہ وہ اول ازلیت سے آخر ہے ابدیت سے ظاہر ہے احدیت سے باطن ہے صمدیت سے۔

فائدہ اول ہے ہیبت سے۔

فائدہ وہ اول ہے ہیبت سے آخر ہے رحمت سے ظاہر ہے حجت سے باطن ہے نعمت سے۔

فائدہ اول ہے وہ عطا سے آخر ہے جزاء سے ظاہر ہے ثناء سے باطن ہے وفا سے۔

marfat.ocm

فائدہ اول ہے ہدایت سے آخر ہے کفایت سے ظاہر ہے ولایت سے باطن ہے رعایت سے۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ زبان رحمت اشارہ فرماتی ہے کہ اے بنو آدم تیرے حق میں مخلوق کے چار گروہ ہیں۔

۱۔ وہ گروہ جو تجھے اول حال میں کام آتا ہے جیسے ماں باپ۔

۲۔ وہ گروہ جو تجھے آخری زندگی میں کام آتا ہے جیسے اولاد۔ احفاد (پوتے)

۳۔ وہ تیرے ساتھ کمل کر رہتے ہیں جیسے یار دوست۔

۴۔ وہ جو پوشیدہ اوقات میں تیری معاش میں داخل ہیں جیسے عورتیں کنیزیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے بنو آدم ان پر اعتماد نہ کرنا اور نہ ہی انہیں تو اپنا کارساز خیال کر کیونکہ اول صرف میں ہوں کہ تجھے عدم سے وجود میں لایا۔ آخر میں ہوں کہ تجھے یہاں سے رخصت ہو کر بالاخر میرے ہاں حاضر ہونا ہے اور میں ظاہر ہوں کہ تیری بہتر اور خوب تر شکل و صورت بنائی ہے۔ اور باطن میں ہوں کہ تیرے سینے میں حقائق و اسرار امانت رکھے ہیں۔

اول و آخر توئی کیست حدوث وقدم   ظاہر و باطن توئی چیست وجود و عدم
اول بے انتقال آخر بے ارتحال   ظاہر بے چند و چوں باطن بے کیف و کم

ترجمہ تو اول تو آخر حدوث و قدم کون ہیں۔ ظاہر و باطن تو ہے وجود و عدم کیا ہیں۔

۲۔ تو اول بے انتقال تو آخر بے ارتحال تو ظاہر بے چون تو باطن بے کیف و کم ہے۔

فائدہ بعض نے کہا کہ وہ اول ہے کہ وہ خالق الاولین ہے اور آخر ہے کہ وہ خالق الاخرین ہے اور ظاہر ہے کہ وہ خالق الادمیین ہے اور باطن ہے وہ خالق الجن والشیاطین ہے اور یہ دونوں گروہ ظاہر نہیں ہوتے۔

فائدہ (حکیم) ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ اول بالتاکیف اور باطن بالتصریف آخر بالتکلیف اور باطن بالتعریف۔

فائدہ اول بالانعام آخر بالاتمام ظاہر بالاکرام باطن بالالہام

فائدہ اہل اصول محققین کے بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ نفی تشبیہ میں مبالغہ ہے کیونکہ جو اول ہوتا ہے وہ آخر نہیں ہوتا اور جو ظاہر ہوتا ہے باطن نہیں ہوتا اس لئے خبر دی کہ وہ اول و آخر ظاہر و باطن سب کچھ ہے تاکہ معلوم ہو کہ وہ مخلوق میں کسی شے سے بھی مشابہت نہیں رکھتا اور نہ ہی مصنوعات میں کسی مصنوع سے اسے مشاکلت ہے۔

فائدہ بعض محققین اہل کشف نے فرمایا کہ وہ اول ہے اس لئے کہ وہ تھا لیکن عالم کی صورتیں نہ تھیں حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ

ان اللّٰہ ولا شئی معہ (اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ کوئی شے نہ تھی)

فائدہ اولیت سے یہی تقدم مراد ہے اور وہ اسی معنی پر ان سب سے مقدم ہے وہ آخر ہے کہ عالم کی صورتوں کے ظہور کے وقت ان کا عین تھا اسی لئے انہیں تاخر ہے لیکن وہ باعتبار اپنے ظہور کے ان کے ساتھ اسے آخریت سے موصوف کیا جائے گا۔

خلاصہ یہ کہ وہ آخر ظاہر کا عین اور باطن اول کا عین ہے۔ یہ باعتبار تنزل کے من الحق الی الخلق کے ہے اور باعتبار ترقی من الخلق الی الحق کے آخر باطن کا اور ظاہر اول کا عین ہے۔

ازالہ وہم حضرت امام غزالی قدس سرہ نے فرمایا اس سے تعجب نہ کیجئے کہ صفات باری تعالیٰ میں تضاد کیوں؟ یہ بات انسان میں بھی ہے مثلاً انسان جس معنی سے انسان ہے وہ انسان ظاہر بھی ہے باطن بھی کیونکہ اس کے ظاہر پر نظر دوڑائی جائے یعنی اس کے افعال مرئیہ محکمہ پر تو یہ ظاہر ہے اور باطن ہے اگر اسے اوراک حس سے سمجھا جائے کیونکہ حس تو صرف اس کی ظاہر بشریت مع متعلقات ہے اور انسان اسی بشریت مرئیہ کا نام نہیں (ملکہ اور حقیقت کا نام ہے) بلکہ اس کی یہ بشریت بلکہ اس کے تمام [illegible] تبدیل ہو جاتے ہیں لیکن انسان جو اصلی (انسان) ہے وہ تبدیل نہیں ہوتا دیکھئے انسان کے جوانی کے اجزاء اور بچپن کے اجزاء اور تھے کیونکہ بچپن والے اجزاء اس جوانی والے اجزاء میں محلول ہو گئے۔ بلکہ اپنے ہم مثل سے تبدیل ہوئے بطریق غذا وغیرہ کے لیکن اس کی ہویت (اصل انسان) تبدیل نہیں ہوا۔ ہویت حواس ظاہر سے باطن اور عقل کے لئے بطریق استدلال از آثار و افعال کے ظاہر ہے۔

فائدہ حضرت زروقی رحمتہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اول و آخر بایں معنی ہے کہ اس کے وجود کا آغاز نہیں اور نہ اس

marfat.ocm

کا اختتام ہے کہ اس کے لئے قدم ہے اور اس پر عدم محال ہے ہر شے کی ابتدا اسی سے ہوئی اور اسی کی طرف ہر شے لوٹے گی۔

فائدہ ان اسماء کو حرف عطف سے اس لئے لایا گیا ہے کہ ان پر ایک کے معنی کا موقعہ ایک دوسرے سے بعید ہے۔

فائدہ جس نے سمجھ لیا کہ وہ اول ہے تو وہ اس کے ذریعے ماسوی اللہ سے غائب ہو گیا اور جس نے سمجھ لیا کہ وہ آخر ہے تو اس نے ہر شے سے اس کی طرف رجوع کیا۔

وظیفہ اسم اول کی خاصیت ہے پراگندگی جا جمع کرنا اس پر جب کوئی مسافر روزانہ مواطبیت کرتا ہے تو اس کے قلب سے ماسوی الحق خارج ہو جائے گا۔

فائدہ الظاہر الباطن وہ ہے جس کی ربوبیت دلائل سے واضح اور کیفیت اور اوہام سے محجوب ہے وہ تعریف کی وجہ سے ظاہر اور کیفیت کی وجہ سے باطن ہے یہی تقریر عطف کے لحاظ سے دو سابق اسموں میں ہو گی۔

فائدہ جس نے معلوم کر لیا کہ وہ ظاہر ہے تو اسے اس کی ذات پر استدلال کی ضرورت نہیں وہ ہر شے سے اس کی طرف رجوع کرتے وقت۔ جس سنے معلوم کر لیا کہ وہ باطن ہے تو وہ ہر شے سے کوئی استدلال نہ کرے گا جس نے سمجھا کہ وہ باطن ہے تو وہ ہر شے سے اس کی طرف رجوع کرتے وقت استدلال کرے گا۔

وظیفہ اسم ظاہر کہ خاصیت ہے قلب قاری پر نور ولایت کا اظہار جب اسے اشراق کے وقت پڑھے۔

وظیفہ اسم باطن کی خاصیت سے وجود النفس کے لئے جو اسے دن کے ہر گھنٹہ میں تین بار پڑھے۔

وظیفہ جو دو رکعت نماز کے بعد پینتالیس بار پڑھے۔ ھوالاول والاخر واظاہر والباطن وھو بکل شئی علیم جو مطلب چاہے پائے گا۔

فائدہ بعض نے کہا کہ اولی وہ ہے جس کے وجود کا آغاز عدم سے ہو لیکن یہ معنی حق تعالی کے لئے ہے ہر گز صحیح

marfat.ocm

نہیں وہ اولی ہے کہ جس پر اولیت کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنا نام ظاہر بتایا ہے تاکہ معلوم ہو کہ اس کی صفت اول مخلوق کی اولیت کی طرح نہیں کیونکہ اگر اس کی اولیت مخلوق جیسی ہوئی تو اس کے لئے آخر کا اسم صفت نہ ہوتا کیونکہ آخر (مخلوق کے لئے) وہ ہوتا ہے جو مقیدہ مخلوقات کے آخر میں ہو اسی لئے کہا جائے گا کہ آخر وہ ہے جس پر آخرت کا حکم نہیں لگایا جا سکتا کیونکہ آخر وہ ہے (مخلوق کے لئے) جو مقیدہ موجودات کے آمر میں ہو (یہ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں) اور اللہ تعالیٰ کا صفت آخر بایں معنی ہے کہ جملہ موجودات کا ذاتاً و صفتہً و فعلاً اس کی ذات و صفات و افعال میں فانی ہوں قیامت کے ظہور سے۔

شان مصطفیٰ ﷺ حق تعالیٰ کے سوا اگر کوئی اول ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس پر اولیت کا حکم لگایا جا سکتا ہے جیسے حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا فرمایا یعنی ہر وہ شے سب سے پہلے عدم سے وجود میں آئی وہ عقل ہے اور اس سے نور محمد (مصطفیٰ ﷺ) مراد ہے اور ایسے اول پر اخریت کا حکم بھی لگایا جا سکتا ہے مراد ہے جب کہ حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا "ہم آخر میں اور (قیامت میں) سب کے اول ہوں گے ایک اور روایت میں السابقون ہے یعنی ہم نشاۃ عنصریہ جسمانیہ کے لحاظ سے ظہور میں بعد کو ہے لیکن نشا" روحانیہ کے لحاظ سے علم الٰہی میں ہم اول ہیں۔

نکتہ جس نے نماز اول وقت میں پڑھی من حیث اولیتہ الحق جو اس سے منزہ ہے کہ اس سے پہلے کوئی شے ہو تو اسے کہا جائے گا کہ یہ اول وقت کا نمازی ہے ایسے نمازی کی نماز اس وقت سے لے کر اس کی پیدائش تک شمار ہو گی جس نے ایسی نماز پڑھی اس نے خیر اور بھلائی کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا یہی نفس مشہد ہے اس کی طرف صوفیہ کرام نے اشارہ فرمایا کہ اس شخص نے اولیت حاصل کی یہ ان کا اصطلاحی کلمہ ہے نہ وہ اول جو لوگوں کے ذہن میں ہے (الجواہر للشعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ) اسی لئے امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے اس حدیث شریف پر عمل کیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز کا اول وقت اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے نہ بنا بریں امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ صبح کی نماز بہت جلد (اندھیرے میں) پڑھتے ہیں اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد و من اللیل فسبحہ وادبار السجود۔ اور بعض حصے رات میں تسبیح کر اور سجود کے پیٹھ پھیرنے کے وقت) پر عمل کیا ہے کہ صبح کی نماز اسفار (روشنی) میں پڑھی۔ خلاصہ یہ کہ اولیت میں آخریت ہے اسی طرح بالعکس یعنی آخریت میں اولیت ہے ہر ایک کی فناء و بقاء کی

حیثیت سے کوئی نہ کوئی وجہ ہے (یہ صاحب روح البیان رحمتہ اللہ علیہ) کی اپنی تقریر ہے۔

فائدہ بعض صوفیہ کرام کو بعض اسحار میں اشارہ کیا گیا کہ کعبہ معظمہ سحر کے وقت (یعنی صبح صادق کے ظہور کے وقت) رکھا جاتا ہے اس کی وجہ انوار ذات الحقیہ میں بیان کی گئی ہے (ہم اللہ تعالیٰ سے نور کا سوال کرتے ہیں)

تفسیر عالمانہ هو الذی خلق السموت والارض وہ اللہ تعالیٰ جس نے آسمان و زمین پیدا کئے اپنی قدرت کاملہ سے فی ستۃ ایام چھ دنوں میں۔ اس سے ایام آخرت یا ایام دنیا مراد ہیں۔ حضرت ابن عطیہ نے فرمایا یہی صواب تر ہے اس کا پہلا دن ہفتہ آخری جمعہ ہے تاکہ ملائکہ کرام مشاہدہ کریں کہ ایک چیز دوسری سے حادث ہوتی ہے اور معلوم ہو کہ ہر کام میں تدریج و تاخیر سنت الٰہیہ ہے۔

فائدہ اسی طرح آدم علیہ السلام کے خمیر گوندھنے کے چالیس دنوں کے متعلق اختلاف ہے کہ ان سے ایام آخرت مراد ہیں یا ایام دنیا۔

تفسیر صوفیانہ اس میں صفات ستہ (چھ) کے مراتب کی طرف اشارہ ہے وہ یہ ہیں۔

۱۔ حیات ۲۔ علم ۳۔ قدرت ۴۔ ارادہ ۵۔ سمع ۶۔ بصر

کل اشیاء پر اپنی ذات س صفت ستہ کے ساتھ جلوہ گر ہوا کیونکہ وجود کی تجلی اپنے لوازم و لواحق سے متجلی ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا وان من شیء الا یسبح بحمدہ کوئی شے نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو کیونکہ تسبیح حیات اور وہ جو اس پر مرتب ہوتے ہیں کو مستلزم ہے جیسے تسبیح و مسبح کا علم اور قدرۃ مسبح کو ضروری ہے کہ وہ مسبح (جس کی تسبیح کرے) بعض مراتب الشہود کا مشاہدہ کرے (تاویلات نجمیہ)

تفسیر عالمانہ ثم استوی پھر ارادہ اپنی شان کے مطابق اس پر استیلاء فرمایا علی العرش عرش پر وہ جملہ اجسام پر محیط ہے اس کی رحمانیت کے ساتھ کیونکہ جب استوی علی سے متعدی ہوتا ہے تو وہ بمعنی استیلاء ہوتا ہے جب وہ الی سے متعدی ہو تو اس کی طرف انتہاء کے معنی کا مقتضی ہوتا ہے یا بالذات یا با تدبیر۔

فائدہ بعض اکابر نے فرمایا یہ تمثیل پر محمول ہے۔

فائدہ حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ترجمہ کیا کہ پس اللہ تعالیٰ نے عرش اور اس سے جو امور متعلق ہیں بموافق ارادہ خود قصد فرمایا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ استعدادات مظاہر سماویہ روحانیہ و مظاہر ارضیہ جسمانیہ کے عرش پر اس کی تجلی مکمل اور متمکن ہوئی اور کسی کی استعداد کے عرش پر اس کی قابلیت کے مطابق جلوہ ہوتا ہے کہ جتنا وہ اسے قبول کر سکتا ہے اس سے نہ زائد ہوتا ہے نہ کم جیسے کسی عارف نے فرمایا۔

یکے موئے ازیں کم نباید ہمی وگر بیش باشد شاید ہمی

(ایک بال بھی کم نہیں ہوتا اور اس سے ایک بھی زائد نہیں ہوتا)

تفسیر عالمانہ یعلم مافی الارض اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ زمین میں ہے جیسے خزانے اور دفینے موتی بیج اور جیسے بارش برستی ہے کہیں تو چشمہ بنتا ہے ولوج بمعنی تنگ جگہ میں داخل ہونا۔ المناسبات میں ہے کہ الولوج بمعنی جملہ داخل ہونے والوں میں پوشیدہ جگہ پر داخل ہونا۔ ومایخرج منھا اور وہ جو اس سے نکلتا ہے جیسے سونے چاندی و تانبے وغیرہ کے جواہر اور کھیتیاں و حیوانات اور پانی۔ اور جیسے کنور اور مردے جو قیامت میں زمین سے نکلیں گے۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ اپنے علم محیط سے جانتا ہے وہ جو داخل ہوتا ہے زمین بشریہ میں نفسانیت کے بیج سے جیسے مخالفات شرع و موافقات طبع اور جانتا ہے زروع الاحوال القلبیہ کو جیسے مخالفات طبع و موافقات شرع و واردات قلبیہ والہامات غیبیہ اور جانتا ہے زورع اذواق وجدانیات کو تجلیات رحمانیہ تنزلات ربانیہ سے کیونکہ اعمال کا ترتب نیات پر جیسے حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا انما الاعمال بالنیات (اعمال کا دارومدار نیات پر ہے) اور فرمایا لکل امرا مانوی۔ ہر مرد کو نیت کا پھل ملتا ہے کیونکہ نیت بمنزلہ بیج کے اور عمل بمنزلہ کھیتی کے اور نفس و روح بمنزلہ اس زمین کے ہے جو ہر قسم کے بیج کے لئے مستعد (تیار) ہے۔ بعض نے کہا کہ وہ جانتا ہے وہ جو قلب مومن کی زمین میں ہے یعنی اس کے اخلاص و توحید کو اور وہ جانتا ہے جو قلب کافر کی زمین میں ہے یعنی اس کے شک و شرک کو اور وہ جانتا ہے ان سے نکلتا ہے ان کے حسب حال کو۔

marfat.ocm

ومایـنزل من السماء اور وہ جو آسمان سے نازل ہوتا ہے جیسے کتابیں ملائکہ فیصلے بارشیں ' مرفین وغیرہ۔

ومایعرج فیہا اور وہ جو اس پر چڑھتے ہیں جیسے وہ ملائکہ جو اعمال نامے لکھتے ہیں اور دعائیں اور اعمال اور نیک ارواح اور بخارات اور دھوئیں۔

صوفیانہ ترجمہ بعض (مشائخ) نے فرمایا کہ اور وہ جو آسمان سے اللہ تعالیٰ کے ولیوں کے قلوب پر نازل ہوتے ہیں الطاف کشوف اور قسم و قسم کے احوال عزیزہ اور اولیاء نے مشتاقین کے نفوس جب ان کی حسرتیں اور آہیں اوپر کو چڑھتی ہیں۔

وھو معکم اور وہ تمہارے ساتھ **اینما کنتم** جہاں تم ہو زمین میں یہ اس کے علم محیط کی تمثیل ہے تاکہ انہیں معلوم ہو کہ وہ جہاں بھی ہوں اس کے علم سے خارج نہیں ہوتے۔

حدیث شریف میں ہے انسان کا افضل ایمان یہ ہے کہ وہ یقین کرے کہ وہ جہاں بھی ہو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہے۔

۱۔ یار باتست ہر کجا ہستی　　جائے دیگر چہ خواہی اے اوباش
باتو در زیر گلیم چو اوست　　پس برو اے حریف خود را باش

(۱۔ اے رب جہاں بھی ہے تو ہی ہے اے انسان اوباش)

(۲۔ اس کے سوا تو اور کیا چاہتا ہے جب وہ ہے تو وہ تیرے ساتھ باہم گفتگو ہے۔ اے حریف جا اور اپنے ساتھ ہی رہ)

حکایت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ اے پروردگار میں تجھے کہاں پاؤں فرمایا جب تو نے میرے ملنے کا ارادہ کیا تو تو مجھے وہاں پالے گا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ تمہارے ساتھ ہے لیکن اس سے وہ معیت مراد نہیں جسے عوام و خواص سمجھتے ہیں۔

ایں معیت می نگنجد در بیان
نے زبان دارد خبر زد نے مکان

marfat.ocm

(یہ معیت بیان میں نہیں آسکتی بلکہ اس معیت کا نہ کوئی وقت ہے اور نہ اسے مکان کی ضرورت۔ بلکہ یہ معیت ذوقی ہے جو کشف و ذوق سے حاصل ہو یعنی میں تمہارے ساتھ ہوں تمہارے بحسب مراتب شہود کے اگر تم مشہد فعلی میں ہو یعنی میں تمہارے ساتھ ہوں تجلی ذات ہے اس سے پیچھے نہیں ہٹتا۔

فائدہ بعض اکابر مشائخ نے فرمایا کہ یہ وہ معیت نہیں جو عقل سے متصور ہو حسایا ذہنایا خیالایا وہماالله تعالیٰ ایسے تصورات سے بلند و بالا ہے اور یہ وہ معیت ہے جو صرف اور صرف الله تعالیٰ سے خاص ہے اس کے تحقق و علم کے راز کو صرف اور صرف الله تعالیٰ ہی جانتا ہے ہاں جن کاملین کو وہ خود مطلع کردے لیکن ان پر دوسروں کو آگاہ کرنا حرام ہوتا ہے یہ بھی صرف عقول پر رحم کرنے کی بناپر کہ وہ ایسے اسرار خفیہ کے ادراک سے قاصر و عاجز ہیں جیسے حضرت ابن عباس رضی الله عنہما نے فرمایا کہ البھوا ماالبھم اللّٰہ وبینوا ماما بین اللّٰہ انہوں نے اسے بہم رکھا جسے الله تعالیٰ نے بہم رکھا اور اسے بیان کیا جو اس نے بیان کیا یعنی جب مقام کا تقاضا ابہام کا ہے اور مطالبہ کیا جائے کہ اسے بیان کیا جائے حالانکہ عقل اس کے ادراک سے عاجز و قاصر ہے تو اس کا ابہام ضروری اور لازم ہے کیونکہ اس کے بیان سے طالب کی ہلاکت و تباہی کا خطرہ ہے ہاں اگر ایسے ابہام کے اظہار کا مطالبہ ہو جس سے عقل کو کسی قسم کا خطرہ نہ ہو کیونکہ وہ اس کے ادراک کی قوت برداشت رکھتا ہے مثلاً اس کی ایسی تاویل کرسکتا ہے کہ جسے مشرع مستحسن سمجھتی ہے تو اس کے اظہار کی شرعاً اجازت ہے اسے متاخرین نے جائز رکھا ہے تاکہ طالب کا دل کہیں دوسرے تصورات میں مبتلا نہ ہو جائے اس کے عقیدہ کو راسخ کرنے کے لئے ایسے ابہام مذکور کا اظہار جائز ہے تاکہ طالب کے دل سے وسلوس وہواس مندفع ہوں اس تقریر پر اس معیت سے وہ معیت مراد ہے جس کا وہ خود حافظ ہے اس کا حکم فرمایا ہے یا ان کے علاوہ کہ اس میں شرعاو عقلاو خارجا اضطراب پیدا نہ ہوتا ہو۔

فائدہ آیت میں این مذکور جملہ اینات کو شامل ہے ازلیہ ابدیہ کی معنوی روحانی مثالی جسمی دنیوی برزخی نشری حشری نیرانی جنانی غیبی شاہدی مطلقاً کلی یا جزوی۔

مسئلہ یہ این بھی معیت کی طرح مبہمات و متشابہات میں سے ہے اس کی تاویل الله تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اس کے راز کو کوئی نہیں سمجھتا عقل والوں کے سوا۔

فائدہ بعض نے کہا کہ آیت میں عشاق کو بشارت ہے کہ ان کا شاہد حقیقی ان کے ساتھ ہے جہاں بھی ہوں

marfat.ocm

اور اس میں متوکلین کی توفیق کی خوشخبری اور عارفین کو تسکین اور محبین کی رونق دوبالا کرنا اور مراقبہ والوں کو یقین اور متبلین کو رعایت اور موحدین کے لئے سر وحدت کی طرف اشارہ ہے۔

فائدہ حضرت حسین رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کو ان کے نہ قریب ہے اور نہ جدا ہے جدا کیسے ہو جب وہ ان کا موجد و حافظ ہے اور قریب کیسے ہو جب وہ قدیم ہے اور یہ حادث بلکہ کل کائنات کا فورم اسی سے ہے وہ ہر ایک سے بائن (علیحدہ) ہے۔

تفسیر عالمانہ واللہ بما تعلمون بصیر اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو جانتا ہے وہی تمہارے اعمال کی جزا دے گا ثواب یا عقاب۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو محیط ہے۔ علم کی خلق سے تاخیر کی وجہ صرف یہی ہے کہ جزاء کا تعلق معلوم سے ہے جب تک معلوم کا اظہار نہ ہو گا علم ظاہر نہ ہو گا نہ یہ کہ خلق علم کی دلیل (نشانی ہے) چونکہ علم کی دلیل خلق سے ہوتی ہے اور دلیل کا مدلول سے پہلے ہونا ضروری ہے۔

فائدہ آیت عاقلین کو بیدار اور بیداروں کو خوش کرتی ہے اور ان کو رب العالمین سے حیاء اور اس کا خوف کا سبق دیتے ہے اور ان کے لئے اشارہ ہے کہ ان کے اعمال محفوظ اور وہ ان پر جزاؤ سزا ہو گی اگر اعمال نیک تو اچھی جزاء اگر اعمال برے تو سزا۔

تفسیر صوفیانہ واللہ بما تعملون بصیر کی تفسیر میں بعض اکابر نے فرمایا کہ وہ تمہارے اعمال پر بصیر اس لئے ہے کہ وہ تمہارے عامل اور تمہارے میں ہے اور ہر عامل کا قاعدہ ہے کہ وہ اپنے عمل اور اس کے متعلق کو دیکھے۔

تفسیر عالمانہ لہ ملک السموت والارض اس کے لئے ہے آسمانوں اور زمینوں کا ملک۔ تکرار تاکید اور اگلے مضمون کی تمہید کے لئے ہے۔

والی اللہ ترجع الامور اور اللہ تعالیٰ کی طرف امور لوٹائے جائیں گے بصیغہ مجہول رجع رجعاً سے ہے بمعنی رد۔ ردا۔ لیننائے فاعل بھی پڑھا گیا ہے از رجع رجوعاً۔ اب معنی یہ ہوا کہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف تمہارا لوٹنا ہے نہ کہ کسی دوسرے کی طرف نہ استقلالاً نہ اشتراکاً یعنی جملہ امور اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے اسی لئے اس کی ملاقات

کی تیاری کرو ساتھ بہترین امور اور وہ احسن امور جو اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ہیں۔

فائدہ یہ تکرار نہیں بلکہ پہلے کلام کا تعلق ابداء سے ہے دوسرے کا اعادہ سے۔ اسی لئے پہلے کو یحیی ویمیت سے ملایا گیا ہے دوسرے اس مضمون سے جس کا تعلق آخرت سے۔ یعنی مخلوق کا اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا اور ان کو ثواب و عقاب کی جزا و سزا دینا۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہیں سموت روحانیہ کے علوم کا ملک اور اسی سے علوم کشفیہ لدنیہ مراد ہیں جو اسم وہاب سے عطا ہوتے ہیں ان میں اسباب کے لئے بندوں کو ہاتھ پاؤں نہیں مارنے پڑتے بلکہ وہ اپنے فضل و کرم سے عطا فرماتا ہے نیز اسی کے ملک ہیں علوم رسمیہ یعنی ارضیہ جو علماء کسب اور جدوجہد سے حاصل کرتے ہیں لیکن یہ کسب اور جدوجہد بھی اس کی توفیق سے نصیب ہوتا ہے خلاصہ یہ کہ علوم کشفیہ کسبیہ عنایت الٰہیہ ازلیہ ابدیہ کی طرف لوٹتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ تولج اللیل فی النہار رات کو دن میں داخل کرتا ہے۔

حل لغات الایلاج بمعنی ادخال (داخل کرنا) یعنی رات کا زمانہ دن میں داخل کرتا ہے یہاں تک کہ بعض مواسم میں دن رات سے زائد ہوتا ہے کہ دن پندرہ گھنٹے کا اور رات نو گھنٹے کی۔

ویولج النہار فی اللیل اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے یعنی دن کے اوقات رات میں شامل کر دیئے جاتے ہیں بوجہ اختلاف فصول اور بوجہ مطالع و مغارب شمس کے یہاں تک کہ پھر رات پندرہ گھنٹے کی اور دن نو گھنٹے کا لیکن شب و روز چوبیس گھنٹے سے نہ بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے۔

فائدہ فتح الرحمن میں ہے کہ اس میں تنبیہہ ہے اور عبرت ہے کہ دن رات ایک دوسرے کو کیسے جذب کرتے ہیں کہ کبھی لمبے کبھی چھوٹے اور یہ بوجہ اختلاف اقطار و ازمان اربعہ کے مختلف ہوتے رہتے ہیں یہ بھی کفار کو سمجھانے کے لئے لیکن اسے جو اس میں تامل کرتا ہے۔

وھو علیم (وہ خوب جانتا ہے)

بذات الصدور سینے والوں کے وہ پوشیدہ اسرار و رموز و معتقدات جو ان کو لازم ہیں یعنی وہ امر جو سینہ کے امور

marfat.ocm

میں سب سے زیادہ پوشیدہ ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے علم کا بیان ہے کہ وہ بندوں کے ان نیات کو بھی جانتا ہے جو وہ اپنے قلوب میں چھپاتے ہیں اس سے پہلے علم کے احاطہ کا تعلق ان اعمال سے بیان فرمایا جنہیں وہ ظاہر کرتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ لیل البشریہ کی ظلمت نہار الروح کے نور میں چھپ جاتی ہے بوجہ نہار الروح کے نور کے غلبہ کے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو اصحاب لیل نفوس سے سیئات صادر ہوتے ہیں اور جو نہارلا سے نیکیاں ظاہر ہوتی ہیں ان میں سے کوئی بھی اس سے رہ نہیں جاتا۔

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ سورۃ الحدید کی پہلی چھ آیات میں اسم اعظم ہے مجاہد (جنگی) لکھ کر اپنے پاس رکھے تو اس پر لوہا (تلوار) وغیرہ اثر نہ کرے گا (فتح الرحمن)

تفسیر عالمانہ امنوا بالله ورسوله وانفقوا مما جعلكم مستخلفين فيه اللہ اور رسول [illegible] پر ایمان لاؤ اور اس سے خرچ کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں دوسروں کا جانشین بنایا ہے۔

شان نزول مروی ہے یہ آیت غزوہ ذوالعشیرہ کے حق میں نازل میں ہوئی اور یہی غزوہ تبوک ہے اور عین المعانی میں ہے کہ یہاں انفاق سے مراد زکوۃ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا مراد ہے اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں تصرف کرنے میں دوسروں کا جانشین بنایا ہے ایسا نہیں کہ تم اس کے حقیقی مالک ہو اسی لئے مال کو اللہ تعالیٰ نے ہاتھوں سے خرچ کرنے سے تعبیر فرمایا ہے حق کی تحقیق اور خرچ کرنے کی ترغیب کے لئے ہے یہ اس لئے ہے کہ جسے معلوم ہے کہ یہ شے در حقیقت تو اللہ تعالیٰ کی ہے وہ تو صرف بمنزلہ وکیل اور نائب کے ہے تو وہ وہاں خرچ کرے گا جہاں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے اس کے معین کردہ مقامات سے تجاوز نہ کرے گا یا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں گزشتہ لوگوں کا جانشین بنایا ہے ان امور میں جو تمہارے ہاتھوں میں ہیں کہ تمہیں ان کا وارث بنایا ہے اسی لئے تم ان کے احوال سے عبرت حاصل کرو کہ ان سے تمام امور منتقل کر کے تمہیں مالک بنایا پھر تم سے منتقل کر کے دوسروں کو مالک بنائے گا۔

ويكفيك قول الناس فيما ملكته
لقد كان هذا مرة فعلان

marfat.ocm

(تمہیں لوگوں کی بات کافی ہے کہ تُو اس کا مالک ہے پھر کسی وقت تجھ سے یہ منتقل ہو گی تو اس کا دوسرا مالک ہو گا)

تو جو مال غیر کے لئے ہے اسے خرچ کر دینا چاہئے ویسے بھی یہ دوسروں کو منتقل ہو گا اور دوسروں کا مال خرچ کرنا نفس پر آسان بھی ہے جب صاحب مال کی طرف سے اجازت ہو ایسے ہی وہ مال جس کی ہلاکت کا یقین ہو۔

۱۔ مکن تکیہ بر ملک جاہ و حشم   کہ پیش از تو بودست و بعد از تو ہم
۲۔ خورو پوش و بخشائے و راحت رسان   نگہ می چہ داری ز بہر کسان
۳۔ بخیل توانگر بد نیا رو سیم   طلسم است بالائے گنج مقیم
۴۔ ازاں سالہای بماند سوزش   کہ لرزہ طلسم چنیں بر سرش
۵۔ بسنگ اجل ناگہاں بشکند   باآسودگی گنج قسمت کنند

ترجمہ ۱ ملک و جاہ و چشم پر تکیہ نہ کر۔ تیرے سے پہلے بھی بہت سے لوگ گزرے ہیں تیرے بعد بھی بہت لوگ آئیں گے۔

۲۔ کھا پہن اور دے اور راحت پہنچا لوگوں کے لئے اسے کس واسطے نگہبانی کر رہا ہے۔

۳۔ بخیل تو دینار و زر پر طلسم کی طرح ہے جو ہمیشہ خزانہ کے اوپر مقیم ہے۔

۴۔ اس لئے کسی سال اس کے ہاں زر رہتی ہے کہ وہ طلسم کی طرح اس کے سر پر کھڑا پہرہ دے رہا ہے

۵۔ اچانک اجل کا پتھر اسے توڑتا ہے پھر آرام سے خزانہ کو تقسیم کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ فلذین امنوا منکم وانفقوا پھر جو تمہارے سے ایمان لائے اور خرچ کیا ویسے جیسے انہیں حکم تھا۔

فائدہ کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا کہ مال کو خرچ کیا۔ زکوۃ جہاد اور دیگر صدقات و خیرات میں۔

لھم اس سبب سے ان کے لئے ہے۔ اجر کبیر بہت بڑا اجر اور عظیم ثواب یعنی بہشت اور اس کی نعمتیں۔

فائدہ فتح الرحمن میں ہے کہ اس میں حضرت عثمن غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ ہے اس کا حکم دائمی

marfat.ocm

ہے (جو بھی یہ عمل کرے گا اسے یہی اجر و ثواب عطا ہو گا)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ خطاب تمام مشائخ و علماء کو ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر کلی طور اور وہ ایمان لے آؤ جو جملہ شرائط ایمان حقیقی و شہود و عیانی کا جامع ہے اور اس میں انہیں اللہ تعالیٰ تاکید فرما رہا ہے کہ وہ علوم و ہبیہ ان کے مستحقین پر خرچ کریں علوم وراستہ کی ان پر عام کریں جو اس کی استعداد رکھتے ہیں اس لئے کہ علماء کرام علوم رسمیہ میں اور مشائخ عظام معرفت و حکمت و ہبیہ اللہ تعالیٰ کے نائب ہیں ان پر لازم ہے کہ وہ طالبین مستحقین پر وہ خرچ کریں جو ان پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے خرچ کیا ہے۔

حدیث شریف جس نے علم چھپایا وہ قیامت میں جہنم کی آگ کی لگام پہنایا جائے گا۔

مسئلہ اس وعید میں وہ بھی شامل ہے جو کسی کو کتاب پڑھنے کے لئے (عاریۃ) نہیں دیتا بالخصوص وہ کتاب جس کے نسخے متعدد نہ ہوں کیونکہ یہ بھی منع کے اسباب میں سے ایک ہے اور کتاب کا مالک مطالعہ کے لئے کسی کو نہ دے اور آج کل اس مرض میں بہت لوگ مبتلا ہیں۔[1]

تفسیر صوفیانہ ۲ والذین امنو پس وہ جو ایمان لے آئیں روح قلب اور ایمان شہودی سے۔

والنفقوا اور علوم و ہبیہ و کسبیہ سے خرچ کیا نفس اور اس کے صفات پر کہ انہیں موافقات شرح و مخالفات طبع اور طریق سیر و سلوک میں صفات روحانیہ سے موصوف ہونے اور صفات شریہ نفسانیہ سے خالی ہونے کی رہبری کی۔

لھم اجر کبیرہ ان کے لئے بہت بڑا اجر ہے جیسے من جاء الحسننه فله عشر امثالها جو ایک نیکی لایا اس کے لئے اس جیسی دس ہیں۔

---

[1] یہ اس دور کی بات ہے جب کتب قلمی لکھی جاتی تھیں آج کا دور تو مشینی ہے کتابیں عام ہیں لیکن بعض ان میں نایاب بھی ہوتی ہیں لیکن یہاں مرض بالعکس ہے کہ جو کتاب لے جاتا ہے پھر وہ دینے کا نام نہیں لیتا بلکہ دیتا ہی نہیں (الا ماشاء اللہ) ہاں وہ لوگ سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے جو خود تو ان پڑھ یا کم علم ہیں لیکن اپنے بزرگوں کے ذخیرے دبائے بیٹھے ہیں جو کسی کو دیکھنے تک نہیں دیتے گھر سے تب نکالتے ہیں جب دیمک یا کیڑے چاٹ جاتے ہیں اور وہ مٹی کا ڈھیر بن جاتی ہیں (القاصد الحسن)

وما لکم لا تومنون باللہ اور تمہیں کیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے۔ یہ لکم کی ضمیر سے حال ہے اس لئے کہ لکم میں فعل کا معنی ہے یعنی کون سی شے تمہارے لئے ثابت و حاصل ہے درانحالیکہ تم ایمان لانے والے نہیں ہو۔ درحقیقت یہ ہے کہ تمہارا ایمان نہ لانا اس کا سبب صرف انکار و نفی نہیں بلکہ تمہارے اندر سبب کا تحقق ہو چکا ہے یعنی ازلی بدقسمتی۔

والرسول یدعوکم لتومنوا بربکم اور رسول اللہ (ﷺ) تمہیں بلاتے ہیں تاکہ تم اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ یہ لاتومنون کی ضمیر سے حال ہے جو ان کے کفر پر ان کی توبیخ کا فائدہ دیتا ہے جبکہ اب انہیں عدم ایمان کا موجب پایا جاتا ہے پہلے توبیخ اس پر تھی جو موجب کا سبب ان میں پایا گیا یعنی اے کافرو تمہیں کون سا عذر منع ہے جب تمہیں رسول اللہ ﷺ کی طرف بلا رہے ہیں اور دلائل قاہرہ و حجج باہرہ دکھا کر تمہیں متنبہ کر رہے ہیں اور محض دعوت (سادہ) فائدہ نہیں دیتی جب تک ان پر دلائل و براہین قائم نہ ہوں اور ایسی سادہ دعوت پر کوئی قبول نہ کرے تو اسے ملامت ہوتی ہے نہ توبیخ۔ اس تقریر پر لتومنوا کی لام بمعنی الی ہے اور اسے تعلیلیہ بھی بنایا جا سکتا ہے اب معنی یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ تمہیں بلاتے ہیں اس لئے کہ تم ایمان لے آؤ

وقد اخذ میثاقکم حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے سے ایمان لانے کا وعدہ لیا تھا۔ رسل کرام علیہم السلام کی دعوت سے پہلے یہ **یدعوکم** کے مفعول سے حال ہے۔

المیثاق وہ پختہ وعدہ جسے عہد و قسم سے مضبوط کیا جائے الموثق اسی کا اسم ہے اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ لینے کا مطلب ہے کہ اس نے دلائل کھڑے کئے اور ان میں دیکھنے اور غور کرنے کی قدرت دی بعض علماء کرام نے اسے محمول کیا ہے کہ اس ذر (انسان کے اصل و بیج) سے وعدہ مراد ہے جب اسے اللہ تعالیٰ نے صلب آدم علیہ السلام سے صورۃ نمل صیغر میں نکالا تھا۔

ان کنتم مومنین اگر تم مومن ہو کسی موجب کی وجہ سے ہی اور موجب یہی ہے اس کے سوا کیا ہے۔

فائدہ عین المعانی میں ہے اگر تم ہو میثاق کی تصدیق کرنے والے۔

فتح الرحمن میں ہے کہ اگر تم مداومت کرو اس پر جس سے تمہاری ابتدا ہوئی۔

ھو الذی ینزل وہ اللہ تعالیٰ جو نازل کرتا ہے جبریل علیہ السلام کے واسطہ سے۔ **علی عبدہ** اپنے بندے

marfat.ocm

(مطلق) پر یعنی حضرت محمد ﷺ۔ ایات بینات آیات واضحات یعنی امر، نہی، حلال و حرام

لیخرجکم تاکہ تمہیں اے محمد عربی (ﷺ) کی قوم اللہ تعالیٰ تمہیں نکالے یا بندہ مقدس (حضرت محمد ﷺ) نکالے۔ ان آیات واضحات کی وجہ سے۔

من الظلمات الی النور اندھیروں سے نور کی طرف یعنی کفر و شرک و شک اور جہل و مخالفت و حجاب کی ظلمات سے ایمان و توحید و یقین و علم و موافقت و تجلی کے نور کی طرف۔

وان اللہ بکم لرؤف رحیم اور بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ مہربان اور رحم والا ہے کہ تمہیں وہ سعادت الدارین کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ رسول کریم ﷺ علیہ الصلوۃ والسلام بھیج کر اور آیات نازل کر کے حد قائم کرنے حجج عقلیہ کے۔

فائدہ حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ مہربان ہے کہ وہ قرآن بھیجتا ہے بخشنے والا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو دعوت کا حکم فرماتا ہے۔ بعض نے کہا وہ رؤف ہے کہ نور وحی کا فیض عطا کرتا ہے اور رحیم ہے کہ وہ نفس بشریہ سے ظلمت زائل کرتا ہے۔

ومالکم ان لا تنفقوا اور تمہیں کیا ہے کہ تم خرچ نہیں کرتے فی سبیل اللہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں یعنی تمہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے کون سی شے روکتی ہے کیونکہ یہ خرچ قربت الٰہی کا سبب ہے۔ بعض نے کہا کہ کیوں خرچ نہیں کرتے اللہ تعالیٰ کے سبب سے۔

وللہ میراث السموت والارض اور اللہ تعالیٰ کے ہیں آسمانوں اور زمینوں کے ملک۔ لا تنفقوا کے فاعل یا اس کے مفعول محذوف سے حال ہے۔ یعنی تمہیں کیا ہے ترک انفاق فی سبیل اللہ میں حالانکہ تمہارے لئے تو کوئی شے باقی نہیں رہے گی ہر شے باقی رہے گی تو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے بعد خلق کی فناء کے جب ایسی بات ہے تو پھر اسے خرچ کرنا لازم ہے تاکہ اس کا عوض تمہارے لئے باقی رہے یعنی ثواب یہی بہتر ہے روکنے سے کیونکہ تمہارے ہاتھوں سے یہ مال و دولت مفت بلا عوض نکل جائے گی تو پھر کیا کرو گے۔

سوال میراث تو مردے کے مال سے حاصل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے لئے میراث کیسا؟

جواب چونکہ عرب اسی طرح سمجھتے تھے کہ جو مال بھی حاصل ہوتا ہے وہ کسی کا ترکہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان

کے عرف میں سمجھایا کہ جس طرح بھی سمجھو ہر شے ملک اللہ تعالیٰ کی (کذا قال ابو اللیث)

فائدہ امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے خود کو میراث سے موصوف فرمایا کیونکہ تمام اشیاء بالآخر اسی کے قبضہ میں جائیں گی اور بعض کبائر مشائخ نے فرمایا کہ قلوب حب مال کی خوگر ہیں اسی لئے ان پر زکوۃ واجب نہیں اسی لئے بعض مشائخ نے فرمایا کہ قلب پر زکوۃ نہیں لیکن حق یہ ہے کہ اس پر زکوۃ ہے جیسے اس پر نماز و طہارت وغیرہ فرض ہے ایسے ہی زکوۃ کیونکہ اسے معلوم ہے کہ وہ بھی عالم دنیا کی ایک شے ہے اور جو بھی اس دنیا میں ہے اور جو اس عالم میں دنیا سے محبت کرتا ہے اس پر اس کا حق ادا کرنا واجب ہے اس معنی پر ایک اعتبار سے زاہد ہے ایک اعتبار سے راغب خود رسول اللہ ﷺ نے مال کا حق ادا فرمایا اسی لئے کہا جاتا ہے کہ کامل وہ ہے جو دونوں وجہوں کا جامع ہو کیونکہ وجوب در حقیقت صرف مکلف پر نہیں تو وہ زکوۃ کی ادائیگی پر مامور ہے کیونکہ خود بخود تو نہیں نکلتا نکالنے سے نکلتا ہے عارفین کے لئے جمیع عالم کی محبت ہے جتنا اس کے وجود بڑھتے ہیں اتنا وہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے اس سے محبت بڑھاتے ہیں۔ کہ یہ اسی کی پیدا کردہ ہیں نہ اس لئے کہ انہیں اس کی موجود کی ذات سے محبت ہے اسی لئے عارف پر لازم ہے کہ وہ ہر شے سے کسی نہ کسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناسبت پیدا کر کے محبت کرے اگر وہ مناسبت نہ ہو تو اسے اس سے محبت نہ ہو بلکہ اسے محبوب تو بجائے خود اس کے وجود کا تصور بھی نہ لائے۔

فائدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہر انسان کا قلب وہاں ہے جہاں اس کا مال ہے اے مومنو! اپنے اموال آسمان پر رکھ دو تاکہ تمہارے قلوب آسمان پر ہوں۔ دیکھئے نبوت کا کلام کتنا بہترین اور کتنا دقیق اور لذیذ ہے۔ اس میں عیسیٰ علیہ السلام نے صدقہ کی ترغیب دی ہے کیونکہ آپ کے علم میں تھا کہ صدقہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ (قدرت) میں پہنچتا ہے وہ خود فرماتا ہے امنتم من فی السماء کیا تم امن میں ہو اس سے جو آسمان میں ہے (یعنی اس کا خاص جلوہ)

سامری کے متعلق نکتہ سامری کو معلوم تھا کہ اموال کی محبت قلوب کو چمٹی ہوتی ہے اسی لئے ان کے سامنے زیورات سے بچھڑا بنایا کیونکہ قلوب اموال کے تابع ہیں اسی لئے جب انہیں دیکھا کہ بنی اسرائیل اس کی طرف راغب ہیں تو پھر انہیں اس کی عبادت کی دعوت دی۔

marfat.ocm

فائدہ اس سے ثابت ہوا کہ عارف باللہ من حیث سربراہی جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے وہ وصی کی طرف اللہ تعالیٰ کی نائب ہے کہ جس طرح وصی مال مجور کا دوسرے کی طرف سے نائب ہے تو بھی اس کے مال کی زکوۃ نکالے گا اس کا اس میں اپنا کوئی حق نہیں لیکن مومن چونکہ مالک سے محجوب ہے وہ اپنے مالک کے حکم پر زکوۃ نکالے گا جو اس پر زکوۃ فرض ہے تاکہ ثواب حاصل کرے جو اس نے اللہ تعالیٰ کے محبوب (غریب) بندوں پر خرچ کیا ہے لیکن عارف عالم مومن کی طرح حکم ملک اور محبت الٰہی پر اثر انداز ہو سکتی ہے کیونکہ وہ مال سے محبت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے اسی لئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا مانگی هب لی ملکا لا ینبغی احد من بعدی انک انت الوهاب اے اللہ مجھے ملک عطا فرما جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو بیشک تو عطا کرنے والا ہے۔ آپ نے ایسے طلب ظاہر کی جیسے غنی کی طرف فقیر طلب کرتا ہے۔

مال کو مال کیوں کہا جاتا ہے؟ مال کو اس لئے مال کہا جاتا ہے کہ نفوس اس طرف مائل ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کی ضروریات ضروریہ کے پورا کرنے کو مال سے متعلق فرمایا ہے کیونکہ انسان ذاتی طور پر فقیر ہے اسی لئے وہ مال کی طرف ایسا مائل ہے کہ اس کے بغیر اسے چارہ نہیں اگر مال سے حقیقی زہد حاصل ہو تو وہ مال نہ ہو گا اور ایسا زہد صرف آخرت میں ہو گا کیونکہ دنیا میں زہد کا کیا معنی جبکہ چپہ چپہ پر انسان کو مال کی ضرورت ہے علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے انسان کے ساتھ وعدہ فرمایا کہ ایک نیکی کا ثواب دس گنا بتایا بلکہ اس سے بڑھ کر سات سو گنا زائد۔ تو اگر مال بری شے ہوتی تو اس کا قلیل اگر حجاب ہے تو کثیر بھی۔ خلاصہ یہ کہ دنیا عارف کے لئے صفت سلیمانیہ کمالیہ ہے کیسے انہوں نے اللہ تعالیٰ کو مال عطا کے لئے کہا۔

انک انت الوهاب (بیشک تو ہی عطا کرنے والا ہے) تو اس سے کوئی کہہ سکتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے ایسی شے کا سوال کیا ہے جو ان کے لئے حجاب بنے یا انہیں اللہ تعالیٰ سے دور کر دے (معاذ اللہ) ہرگز نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں دار التکلیف (دنیا) میں عطائے نعمت پر احسان جتلایا ہے کہ هذا عطاءنا فامنن او امسک (بغیر حساب یہ میری عطائے بے حساب ہے اس پر احسان کر یا روک)

فائدہ تصرف میں اللہ تعالیٰ نے بندے سے حرج بھی اٹھا دیا کہ اسے مانع و معطی کا مظہر بنایا اور اس مال کو اس کے لئے دنیوی جنت بنایا بشرطیکہ وہ مال اسے بارگاہ حق سے حاجب (مانع) نہ ہو۔

سبق عارف کیسا باکمال انسان ہے کہ اس نے دونوں جنتیں (دنیوی و اخروی) جمع کر لیں اور دونوں حقیقتوں سے متحقق ہوا۔ اس مال کی زکوۃ دی جو اس کے ہاتھ میں تھا۔

وانفقوا مما جعلکم مستخلفین فیہ (اور اس سے خرچ کرو جس کے تم خلیفے بنائے گئے ہو) پر عمل کر کے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انفاق کا مالک بنایا ہے مال کا حقیقت الہیہ سے یہ دوسری ملک حقیقی ہے جس کا حقیقتہ الہیہ کے حیثیت سے متولی ہے۔

تفسیر عالمانہ لا یستوی منکم اے مومنوں تمہارے میں سے برابر نہیں۔

شان نزول مروی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے بہت سا مال خرچ کیا تو لوگوں نے کہا کہ یہ لوگ بہت بڑا اجر پا گئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جن لوگوں سے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا وہی اجر عظیم کے حقدار ہیں۔

من انفق من قبل الفتح جس نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا۔ یعنی وہ فتح مکہ جس کے بعد ہجرت کا حکم ختم ہوا۔

حدیث شریف حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ فتح مکہ کے بعد کوئی ہجرت نہیں ہاں جہاد اور نیت ہے۔

فائدہ یہی جمہور کا قول ہے اور شعبی نے فرمایا کہ صلح حدیبیہ مراد ہے کیونکہ وہی حقیقی فتح ہے (جیسے سورۃ الفتح میں گزرا)

وقاتل اور جنگ کی۔ دشمنوں سے رسول اللہ ﷺ کے جھنڈے تلے۔

حل لغات الاستواء دو چیزوں کا مقتضی ہے اس لئے یہاں ماننا پڑے گا کہ من انفق کا قسیم (دوسرا فریق) محذوف ہے اس کے وضوح اور مابعد کی دلالت کی وجہ سے اسے محذوف کیا گیا ہے یعنی جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور جنگ کی اور جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور جنگ کی فضیلت میں برابر نہیں۔

فائدہ ظاہر یہ ہے کہ من انفق لا یستوی کا فاعل ہے بعض نے کہا کہ من مبتداء اور لا یستوی اس کی خبر ہے اور

marfat.ocm

فائدہ حضرت ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا نور ان کے دائیں بائیں آگے دوڑتا ہوگا اگرچہ یہاں شمال (بائیں جانب) کاذکر نہیں لیکن ہوگا ایسے ہی اسے یہاں محذوف ماننا ہوگا۔

نکتہ فتح الرحمن میں ہے کہ دائیں جانب کاذکر اس لئے ہے کہ آگے کی جانب نور کا ہونا انسانی ضرورت ہے اگر دائیں جانب کاذکر اس کی شرافت و بزرگی کی وجہ سے ہے اور یہ اس کے قائم مقام ہے گویا اصل میں ہے من جمیع جہاتہم ان کی تمام جہات میں نور ہی نور ہوگا۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ جنت کا راستہ دائیں اور ان کے سامنے ہوگا اور نار کا راستہ پیچھے اور بائیں جانب ہوگا۔

حدیث شریف میں ہے کہ میں حوض پر لوگوں کو پکاروں گا کہ ادھر آؤ اچانک چند لوگوں کو بائیں جانب پکڑ لے گی اور وہ میرے درمیان میں سے بچھڑ جائیں گے پھر میں کہوں گا اے لوگو! ادھر آؤ کہا جائے گا کہ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ تمہارے بعد انہوں نے کیا کردار کئے میں کہوں گا ان کو دور ہٹاؤ۔

فائدہ فقیر (صاحب روح البیان رحمتہ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ بین ایدیھم میں مقربین کی طرف اشارہ ہے کہ وہ گویا یا ظاہرا باطنا وجہ (چہرہ) ہی وجہ ہیں کہ ان کا پیچھا پہلے نہیں ان کے لئے نور مطلق ہے جو جمیع جہات سے چمکے گا۔

ایمان میں اصحاب الیمین کی طرف اشارہ ہے کہ وہ وجہ (چہرہ) ہی وجہ ہیں کہ ان کا پیچھا پہلے نہیں ان کے لئے نور مطلق ہے جو جمیع جہات سے چمکے گا۔

ایمان میں اصحاب الیمین کی طرف اشارہ ہے کہ وہ وجہ (چہرہ) من وجہ اور دوسرے وجہ سے ان کے لئے پیچھا ہے لیکن ان کا نور مفید ہے صرف دائیں جانب سے اور اصحاب الشمال کو تو نور نصیب ہوگا ہی نہیں کیونکہ کافرو فاجر تھے اس لئے شمال کاذکر آیت میں نہیں۔

فائدہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ہر ایک کو نور اس کے عمل کی مقدار میں نصیب

ہو گا کسی کا نور تو صنعاء سے عدن کے درمیانی مسافت کی مقدار ہو گا مومن کی ادنی مقدار نور کی اتنا ہو گی کہ وہ اپنے کو دیکھ سکے گا۔ خلاصہ یہ کہ کوئی اہل ایمان نور کے بغیر نہ ہو گا۔

نور کی مقدار کا بیان بعض نے فرمایا کہ بعض کو نور کھجور کے قد برابر عطا ہو گا بعض انسان کے قد برابر ان کے ادنی کی مقدار اس کے دو قدموں کے انگوٹھے کے برابر ہو گی کبھی روشن ہو جائے گا تو کبھی بجھ جائے گا جب انہیں بہشت کی طرف لے جائیں گے اور یہ پل صراط سے گزریں گے تو ان کا نور ان کی کروٹوں اور آگے دوڑے گا اور وہ پل صراط پر اپنے نور کی مقدار پر گزریں گے بعض ستاروں کے ٹوٹنے کی طرح بعض گھوڑے دوڑ اور جنہیں انگوٹھے کی مقدار نور عطا ہو گا وہ پل صراط پر کبھی منہ کے بل گر جائے گا کبھی ہاتھوں کے سہارے چلے گا کبھی پاؤں پر کبھی ٹھہرے گا تو کبھی چلے گا اس کے اعضاء دائیں بائیں آگ سے متاثر ہوں گے لیکن گرتے مرتے نجات پا جائے گا۔

فائدہ جیسے کل قیامت اہل ایمان کو نور دائیں بائیں دوڑے گا آج وہی نور ان کے قلوب میں ہے جو انہیں جمیع احوال میں ہدایت دیتا ہے اور وہ ان کے جسم میں ظاہر ہوتا ہے جب ظاہر ہوتا ہے تو انسان اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور عجز کر کے مقربین میں شامل ہو جاتا ہے۔ جس کا نور ظاہر نہیں ہوتا وہ تکبر کرتا اور سر نہیں جھکاتا تو وہ منکرین میں شامل ہو جاتا ہے۔

حکایت جب حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی نظر رسول اکرم ﷺ کے چہرہ اقدس پر پڑی تو کہا ما ھو بوجہ کذاب یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں ایسے ہی دوسرے ان جیسوں نے کہا بخلاف ابو جہل اور اس کے ساتھیوں کے (انہیں نہ نور نظر آیا نہ ایمان لائے)

فائدہ بعض اکابر مشائخ نے فرمایا کہ نور الایمان سے سلوک اور اللہ تعالیٰ کی طرف سیر کی قدرت اور جدوجہد کی توفیق نصیب ہو گی وہ اس لئے کہ قوت انسانی دائیں جانب میں زیادہ ہے اس سے دائیں بائیں ہاتھ کا پتہ چلتا ہے۔

بشراکم الیوم جنات آج تمہیں باغات کی خوشی ہے یعنی انہیں وہ ملائکہ کہیں گے جو ان کی ملاقات کو آئیں گے کہ تمہیں خوشی ہے یعنی آج تم جس سے خوش ہو گے وہ باغات ہیں یا تمہاری خوشی باغات میں دخول ہے۔ یہاں مضاف محذوف ہے مضاف حذف کر کے محذوف الیہ اس کے قائم مقام کھڑا کر کے اس کا اعراب اسے دیا گیا۔

marfat.ocm

تجری من تحتہا الانہار خالدین فیہا جاری ہیں ان کے نیچے نہریں تم اس میں ہمیشہ رہو گے۔

ذلک وہ جو نور اور جنات خلدہ کا ذکر ہوا۔

ہو الفوز العظیم وہ بہت بڑی کامیابی ہے کہ اس کا کوئی انتہا نہیں اس لئے کہ وہی پایا جو ان کی مراد تھی۔

فائدہ حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ بڑی کامیابی اس لئے ہے کہ انہیں قیامت کی تمام ہولناکیوں سے نجات ملے گی اور دار الجلال میں ملک متعال کے دیدار سے بہرہ ور ہوں گے۔

ہزار جان فدا دیدارت (تیری ایک دید پر ہزاروں جان فدا)

یوم یقول المنافقون والمنافقات اس دن منافق مرد اور منافق عورتیں کہیں گی یہ یوم یوم تری سے بدل ہے۔

للذین امنوا اہل ایمان سے یعنی ان مومنوں سے جنہوں نے اخلاص سے ایمان قبول کیا۔ **انظرونا** ہمیں بھی دیکھو یعنی ہمارا انتظار کرو۔ وہ اس لئے کہ اہل ایمان تو پل صراط پر تیزی سے بجلی کی طرح تیز رفتار سواریوں پر بہشت میں جا پہنچیں گے اور یہ پیدل چلیں گے تو جانے والوں کو کہیں گے یارو ہمارا انتظار کرو یا یہ معنی ہے کہ ہمیں ایک نگاہ دیکھو (فاضل بریلوی قدس سرہ نے یہی معنی لیا ہے ۱۲ اویسی غفرلہ) کیونکہ جب وہ ان کی طرف دیکھیں گے تو چہروں سے ہی دیکھیں گے تو منافقین ان کے چہروں سے اس روشنی سے فائدہ اٹھائیں گے جو ان کے آگے ہو گی اس لئے وہ انہیں کہیں گے کہ ان کی طرف اس طرح دیکھو یہ باب الحذف والایصال کے قبیل سے ہے کیونکہ نظر بمعنی ابصار خود متعدی نہیں ہوتا وہ الی سے متعدی ہوتا ہے اور حمزہ (امام قراۃ) نے اسے **انظرونا** پڑھا ہے النظرۃ بمعنی الامہال کیونکہ منافق پل صراط پر سست رفتاری سے چلیں گے تو اہل ایمان کو کہیں گے یارو آہستہ چلو تاکہ ہم تمہارے ساتھ چل سکیں۔

نقتبس من نورکم تمہارے نور سے کچھ لیں یعنی اس سے ہم روشنی حاصل کریں اور اس میں تمہارے ساتھ چلیں۔

حل لغات اقتباس بمعنی اتخذوا القبس، چنگاری حاصل کرنا۔ القبس (محرکہ بمعنی شعلہ نار جو بری آگ سے حاصل کی جاتی ہے جیسے المقباس یعنی چنگاری) امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ القبس شعلہ سے حاصل شدہ

الاقتباس اس کی طلب کرنا پھر استعارۃ طلب علم وہدایت کے لئے مستعمل ہونے لگا۔

فائدہ بعض نے کہا نار و نور کا اصل ایک ہے یعنی نور منتشر جو آنکھ کی روشنی کی اعانت کرے اور یہ دونوں لازم وملزوم ہیں صرف فرق یہ ہے کہ نار دنیا میں مسافرین کی متاع اور نور دنیا و آخرت ہر دونوں میں اہل ایمان کی متاع ہے اسی لئے اسے نور میں استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ فرمایا نقتبس من نورکم یعنی تاکہ ہم حاصل کریں تمہارے نور سے چمکتی ہوئی چنگاری اور شعلہ۔

فائدہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو ان کے اعمال کے مطابق نور عطا فرمائے گا جس سے وہ پل صراط پر چلیں گے اور منافقین کو بھی نور عطا ہوگا لیکن یہ ان کے لئے ایک خفیہ تدبیر ہوگی جیسے فرمایا وھو فاتھم (اور اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ خفیہ تدبیر کرے گا) وہ اس نور کو لے کر چلیں گے تو اللہ تعالیٰ آندھی بھیجے گا جن سے ان کا نور بجھ جائے گا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یوم لا یجزی اللہ النبی والذین امنوا معہ نورھم یسعیٰ بین ایدیھم وبایمانھم یقولون ربنا اتمم لنا نورنا اس دن اللہ تعالیٰ نبی علیہ السلام اور ان کے ساتھ اہل ایمان کو رسوانہ کرے گا ان کے آگے اور ان کے آگے اور ان کے دائیں جانب نور دوڑے گا کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہمارا نور مکمل فرما) اہل ایمان اس خوف سے کہیں گے کہ کہیں منافقین کی طرح ان کا ایمان صلب نہ ہو جائے۔

فائدہ کلبی نے فرمایا کہ اہل ایمان کے نور سے ہی منافقین روشنی حاصل کریں گے لیکن انکو نور حاصل نہ ہوگا جب اہل ایمان ان سے دور نکل جائیں گے تو منافقین اندھیرے میں ہی رہ جائیں گے پھر اہل ایمان کو کہیں گے یارو ہمیں ایک نگاہ دیکھو تاکہ ہم بھی تمہارے نور سے استفادہ کریں۔

قیل کہا جائے گا انہیں دھتکار کر اور ذلت کے طور اہل ایمان یا ملائکہ کی جانب سے ارجعوا ورائکم اپنے پیچھے لوٹو موقف کی طرح فالتمسوا نورا نور ڈھونڈو۔ وہاں سے ہی حاصل ہوگا یا دنیا کی طرف لوٹو اور وہاں سے ہی نور حاصل کرو کہ وہاں ایمان کے مبادی اور اعمال صالحہ نصیب ہوتے ہیں۔

کار اینجا کن کہ تشویشت در محشر بے
آب ازیں جا بر کہ در عقبی بے شور و شر است

marfat.ocm

ترجمہ یہاں کام کر لے کہ محشر میں بہت تشویش ہے پانی یہاں سے لے جاؤ ورنہ آخرت میں بہت بڑا شور و شر ہے۔

پل صراط کا منظر حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا کہ بندے پل صراط پر ہوں گے کہ اچانک انہیں تاریکی گھیر لے گی اس وقت اللہ تعالیٰ بندوں میں نور تقسیم فرمائے گا اہل ایمان کو عطا کرے گا کفار و منافقین کو چھوڑ دے گا پھر جیسے اندھے کو آنکھوں والے کی روشنی سے کوئی فائدہ نہیں ایسے ہی کافر و منافق کو اہل ایمان کی روشنی سے کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ کفار و منافقین اہل ایمان کو کہیں گے یارو ہمیں ایک نگاہ دیکھو تاکہ ہم تمہارے سے روشنی حاصل کریں اہل ایمان انہیں کہیں گے وہاں جاؤ جہاں نور تقسیم ہو رہا ہے وہ لوٹیں گے تو وہاں کچھ نہیں پائیں گے پھر ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی یا انہیں کہا جائے گا کہ ذلیل خوار اور گھاٹے والے ہو کر لوٹو اور ہمارے سے دور ہو جاؤ۔ جاؤ کوئی اور نور ڈھونڈو اور انہیں تو یقین ہو گا کہ اس کے سوا اور کوئی نور نہیں پھر جائیں کہاں؟

نکتہ اہل ایمان ان کو نور کی تلاش کا کہیں گے تو یہ ان سے تہکم سے ہو گا ورنہ ظلمات کو نور کہنے کا کیا مطلب اور ساتھ ہی اس طرح کہنا انکار نہیں ذلیل و خوار کرنا مطلب ہو گا۔

تفسیر صوفیانہ بعض اہل اشارہ (صوفیہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ وہ ان کی استعدادات فطریہ جو ان سے گم گئیں گویا انہیں زبان حال سے کہیں گی لوٹو ان استعدادات فطریہ کی طرف جنہیں تم نے جب دنیا اور اس کی لذات و شہوات سے ضائع کیا اور انہیں سے ہی نور ڈھونڈو کیونکہ تم اپنے مطلوبات کو اپنی استعدادات کے مطابق پاؤ گے حالانکہ یہ تو تمہارے امور دنیویہ و اعراض از احکام اخرویہ توجہات معنویہ کی مشغولی سے تم سے ضائع ہو گئیں۔ (اب اپنی قسمت کا ماتم کرو)

تفسیر عالمانہ فضرب بینھم تو کھڑی کی جائے گی ان کے درمیان یعنی فریقین (اہل ایمان اور کفار و منافقین) کے درمیان اور کھڑا کرنے والے ملائکہ ہوں گے بحکم الٰہی چونکہ دیوار کھڑا کرنے کا تعلق ہاتھوں وغیرہ سے ہوتا ہے اور وہ ہاتھ مارنے اور دیگر آلات کے استعمال سے حاصل ہوتا ہے اس لئے اسے ضرب سے تعبیر کیا گیا ہے

marfat.ocm

ایسے ہی کہا جاتا ہے ضرب الخیمہ (دیوار کی میخیں ٹھونکنا) بسور دیوار بہشت و دوزخ کے درمیان میں کیونکہ شہر کی دیوار بھی چونکہ اس کے کناروں پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس لئے اسے سوء کہا جاتا ہے یہاں باء زائدہ ہے یعنی وہ دیوار شہر کے چار سو کھچی ہوئی دیوار جیسی ہو گی۔

فائدہ بعض نے کہا اس دیوار سے مراد وہ قلعہ ہے جو بہشت و دوزخ کے درمیان ہے جہاں اہل اعراف رہیں گے وہ ادھر بہشتیوں کو دیکھیں گے ادھر دوزخیوں کو۔ یہ وہی قلعہ ہے جہاں موت کو ذبح کیا جائے گا جسے دونوں فریق (بہشتی و دوزخی) دیکھیں گے۔ لہ اس دیوار کے لئے۔ باب ایک دروازہ ہے جس میں اہل ایمان بہشت میں داخل ہوں گے اس معنی پر یہ دیوار دوسرے حال کے وقت ہو گی یعنی دخول کے بعد نہ کہ دیوار بنانے کے وقت باطنہ اس کا اندر کا حصہ دیوار یا دروازے کا فیہ الرحمن اس میں رحمت ہے کیونکہ وہ جنت کے قریب ہے وظاہرہ اور اس کا ظاہر من قبلہ اس کی جانب سے یا اس کے نزدیک العذاب عذاب ہے کیونکہ وہ دوزخ کے قریب ہے۔

فائدہ بعض نے کہا اس بیت المقدس کی دیوار شرقی مراد ہے اس لئے اس کے باطن میں مسجد الاقصیٰ ہے اور اس کے ظاہر کی طرف سے عذاب ہے اور وہ وادی ہے جسے وادی جہنم کہا جاتا ہے اور حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ دروازہ جسے باب الرحمۃ کہا جاتا ہے اسی کو فضرب بینھم بسور لہ باب میں بیان کیا گیا ہے اور یہ وادی جہنم وہی ہے جسے کہا گیا ہے من قبلہ العذاب ابن عطیہ نے فرمایا یہ مراد بعید از قیاس ہے بلکہ سور سے اعراف مراد ہے۔

صاحب روح البیان کا فیصلہ فقیر (صاحب الروح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول میں کوئی بعد نہیں اس کے لئے جو قرآن مجید کے اشارات کو سمجھتا ہے اس کے لئے اس کا سمجھنا آسان ہے۔

صاحب روح البیان کے دلائل حدیث ۱ حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیت المقدس کی شرقی دیوار پر کھڑے رو رہے تھے کسی نے کہا اے ابو الولید (رضی اللہ عنہ) آپ کیوں روتے ہیں فرمایا یہاں ہمیں رسول اللہ

marfat.ocm

[illegible] نے خبر دی کہ آپ نے یہاں پر جہنم دیکھی ہے۔

حدیث شریف ۲ میں ہے کہ بیت المقدس حشر و نشر کا میدان ہے ان دونوں حوالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ وادی جہنم اسی سور کی جگہ ہو جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے اور یہ بھی اہے کہ یہی سور سور الاعراف ہو لیکن یہ بھی ہے کہ اس کی کیفیت کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ (الاماشاء اللہ) کیونکہ قیامت میں یہ دھرتی تبدیل ہو کر دوسری دھرتی کی صورت اختیار کرے گی۔

حدیث شریف ۳ یہ بھی منقول ہے کہ عبادت خانے ارض الجنتہ سے لاحق ہوں گے۔ ان دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ اس میں بعد نہیں کہ مسجد اقصیٰ جنت سے اور اس کا خارجی حصہ دوزخ سے ہو اور ان دونوں کے درمیان دیوار ہے۔

ینادونھم منافقین اہل ایمان کو پکاریں گے گویا کہا گیا ہے تو پھر وہ کیا کریں گے بعد بند ہو جانے دروازوں اور مشاہدہ عذاب کے تو کہا گیا ہے کہ دیوار کے دوسرے کنارے منافقین اہل ایمان کو پکاریں گے۔

فائدہ حضرت کاشفی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب منافقین دیکھیں گے کہ ان کے نور نہیں۔ یعنی اہل ایمان کا نور ان سے چھپ گیا ہے تو اہل ایمان کی طرف متوجہ ہو کر دیکھیں گے تو آگے دیوار حائل ہے اسی کے اندر جھانک کر دیکھیں گے کہ اہل ایمان جنت میں خراماں (ٹہلتے ہوئے) جارہے ہیں تو انہیں عجز و زاری کے ساتھ پکار کر کہیں گے **الم نکن** تو ہم نہ تھے دنیا میں **معکم** تمہارے ساتھ۔ اس سے ان کی مراد امور ظاہرہ میں ایک دوسرے کی موافقت جیسے نماز و روزہ اور نکاح و بیاہ اور وراثت وغیرہ وغیرہ **قالوا بلی** کہیں گے ہاں ظاہر ہم تم تمہارے ساتھ تھے۔

ولکنکم فتنتم انفسکم لیکن اپنے نفسوں کو فتنہ میں ڈالا منافقت کر کے اور انہیں تباہ و برباد کیا۔ فتنہ کی اضافت کی طرف میلان و شہوت کی وجہ سے ہے اور دوسرے مقام **لا یفتننکم الشیطان** میں فتنہ کی نسبت شیطان کی طرف وسوسہ ڈالنے کی وجہ سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف چنانچہ **انا فتحنا قومک** بیشک ہم نے (تیری قوم کو آزمائش میں ڈالا) تخلیق کی وجہ سے ہے کیونکہ اس میں گمراہی اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا فرمائی۔

marfat.ocm

وتربصتم اور تم اہل ایمان پر مصائب کا انتظار کرتے تھے التربص بمعنی الانتظار۔

فائدہ حضرت مقاتل نے فرمایا کہ تم (حضرت) محمد مصطفیٰ ﷺ پر موت کے وقوع کا انتظار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ عنقریب فوت ہوں تو ہماری جان چھوٹ جائے گی اور یہ قبیح وصف ہے کیونکہ وسائل الخیر و وسائط الحق کی موت کا انتظار عظیم جرم اور بہت بڑا قبیح امر ہے اس لئے کہ ان کی طوالت عمر سے استفادہ کیا جاتا ہے اور ان کی مجلسوں صحبتوں کو غنیمت سمجھا جاتا ہے۔

وارتبتم اور تم شک کرتے دینی یا نبوت کے امور میں یا اس دن میں۔ وغرتکم الامانی اور تمہیں تمناؤں نے دھوکہ میں ڈالا یعنی صرف خیالی ارادے منجملہ ان کے یہ خیال عنقریب دین کا معاملہ الٹ جائے گا۔

امانی امنیۃ کی جمع ہے ہچوں اضحیہ۔ عین المعانی میں ہے کہ تمہیں شیطان نے دھوکہ دیا اور حضرت امام ابو اللیث رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہیں اباطیل الدنیا نے دھوکہ دیا۔ حتی جاء امر اللہ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آیا یعنی موت۔

وغرکم باللہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ دھوکہ دیا۔ الغرور دھوکہ باز نے یعنی شیطان نے دھوکہ دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا کریم ہے تمہیں عذاب نہیں کرے گا۔[۱]

فائدہ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ وہ شیطان کے فریب میں رہیں گے یہاں تک کہ انہیں اللہ تعالیٰ دوزخ میں ڈالے گا۔

حل لغات الزجاج نے فرمایا الغرور بروزن مفعول یہ اسماء مبالغہ سے ہے مثلاً فلاں اکول (بہت کھانے والا) ایسے ہی الشیطان الغرور (شیطان فریبی) کیونکہ ابن آدم کو بہت زیادہ فریب دیتا ہے المفردات میں ہے کہ الغرار ہر وہ شے جو انسان کو فریب دے مال ہو یا جاہ۔ شہوت ہو یا شیطان۔ اور شیطان کو غرور اس لئے کہا جاتا ہے کہ دنیا کے اسباب کے ساتھ یہی سب سے بڑھ کر فریبی ہے اس لئے کہا جاتا ہے دنیا فریب دیتی ہے ضرر رساں اور آنی جانی شے ہے۔

---

[۱] امام اہل سنت فاضل بریلوی قدس سرہ نے ترجمہ کیا فریبی نے (کیا خوب اور بہترین ترجمہ کیا) از اویسی غفرلہ)

marfat.ocm

منکم لایستوی کی ضمیر سے حال ہے نہ کہ انفق کی ضمیر سے کیونکہ ماموصولہ کے صلہ کو مقدم کرنا ضعیف ہے ایسے ہی موصوف سے صفت کا مقدم ہونا ایسے ہی منکم پر خبر کی تقدیم۔ کیونکہ ان سب کا حق ہے کہ اپنے متعلقات کے بعد آئیں۔

فائدہ انفق میں انفاق المال کی طرف اشارہ ہے اور وہ اشیاء جس پر انسان کی قدرت ہے انفاق پر اور قاتل میں انفاق النفس کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جہاد (حقیقی) یہی ہے کہ انسان اپنے نفس کو خرچ کرے تاکہ فناء کے بعد بقاء یعنی کمال الشہود نصیب ہو۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء اور دوسری آیت میں فرمایا بل احیاء عند ربھم یرزقون یہ حیات اخروی باقید عندیہ ہے تو حیات دنیویہ فانیہ خلقیہ اس کے برابر کیسے ہو سکتی ہے علاوہ ازیں رزق حیات فانی ہو جائے گا لیکن جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے وہ باقی ہے اس لئے جنت کے میوہ جات کے لئے فرمایا اکلھا دائم اس کے میوہ جات دائمی ہیں وظلھا اور اس کا سایہ بھی یعنی درخت۔

سبق انسان عاقل وہ ہے جو دنیوی راحت تھوڑی کو اللہ تعالیٰ کے لئے چھوڑ دیتا ہے تاکہ بڑی راحت اخروی کو حاصل کر سکے تو وہ جہاد و قتل سے ہی حاصل ہو گی۔

اولٰئک وہی جو قبل فتح مکہ خرچ کرتے اور جنگ کرنے والے ہیں ان سے سابقون الاولون مہاجرین و انصار مراد ہیں (رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ)

اعظم درجہ بڑے درجات والے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند مرتبہ ہیں ظاہر ہے کہ مرتبہ بلند ہو گا تو مرتبے والا بھی بلند قدر ہو گا۔

فائدہ درجہ بمعنی مرتبہ و طبقہ ہے اس کی جمع درجات آتی ہے اگر بمعنی مرقاۃ (سیڑھی) ہو تو اس کی جمع درج آئے گی۔

من الذین انفقوا من بعد و قاتلوا ان سے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور جنگ کی اس لئے کہ پہلے والوں نے مال و نفس عزت اسلام اور اس کے اہل قوت سے پہلے خرچ کیا جبکہ اس وقت اسلام کی قوت کو مال و نفس کی نصرت کی اشد ضرورت تھی اور فتح مکہ کے بعد والوں نے جب خرچ کیا تو اس وقت اسلام اور اہل اسلام کو غلبہ حاصل

تھا اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ اور اب انفاق و قتال کی اتنی ضرورت نہ تھی جتنا فتح مکہ سے پہلے تھی۔

حدیث شریف رسول اللہ ﷺ نے ان اول والوں کی فضیلت کی تصریح فرمائی چنانچہ فرمایا کہ اگر تمہارا ایک احد (پہاڑ) کے برابر سونا خرچ کرے تب بھی ان (السابقون الاولون) کے ایک مد اور اس کے نصف کے برابر خرچ کرنے کے برابر نہیں ہو سکے گا۔

حل لغات القاموس میں ہے کہ المد (بالضم) یکساں دو رطل یا ایک رطل اور اس کی تہائی یا معتدل انسان کی دو مٹھی کے برابر جبکہ وہ انہیں پر کرے اور ہاتھوں کو پھیلا کر رکھے۔ اسی ہاتھ پھیلانے کیوجہ سے اسے مد سے موسوم کیا گیا۔ میں نے اسے آزمایا تو اسی طرح صحیح درست پایا۔ النصف والنصف ایک شے ہے یعنی شے کے دو حصوں کا ایک حصہ نصیفہ کی ضمیر احد ہم کی طرف راجع ہے نہ کہ مد کی طرف اب معنی یہ ہوا کہ اے صحابہ حاضرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم احد پہاڑ کی مقدار سونا خرچ کرنا تمہارا اس فضیلت کو نہیں پہنچ سکتا جو ان کے ایک (قبل الفتح والے) نے مد یا اس کا آدھا مد طعام خرچ کیا ہے (روح البیان)

مسئلہ اس میں اشارہ ہے کہ سابقین اولین کی صحبت کاملہ تھی بہ نسبت لاحقین آخرین کے بوجہ سبقت اور تقدم کے۔

حدیث شریف عنقریب تمہارے بعد ایک قوم آئے گی جن کے بالمقابل تم اپنے اعمال کو حقیر سمجھو گے صحابہ کرام نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ ہم افضل ہیں یا وہ فرمایا کہ اگر ان کا احد کے برابر سونا خرچ کرے وہ ایک درجہ کو نہیں پہنچ سکتا اور نہ ہی اس کے آدھے کو تمہارے اور عام لوگوں کے درمیان یہی آیت فرق بتاتی ہے لایستوی منکم (امام ابو اللیث نے اسے اپنی تفسیر میں ذکر کیا)

مسئلہ اس میں اشارہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم فضائل میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

مسئلہ مطلقاً جملہ صحابہ کرام آنے والوں سے افضل ہیں کیونکہ ہر وجہ سے سابق اور اول ہیں۔

marfat.ocm

وکلا وعد اللہ الحسنیٰ اور ہر ایک اللہ تعالیٰ نے حسنی یعنی اچھے ثواب کا وعدہ کیا ہے اس سے جنت مراد ہے یہ نہیں کہ جنت کا وعدہ صرف اولین کے لئے ہے اور لاحقین کے لئے نہیں ہاں درجات مختلف ہیں۔

واللہ بما تعملون خبیر اور اللہ تعالیٰ ساتھ اس کے کہ تم عمل کرتے ہو خبردار ہے اس کے ظواہر و بواطن کو جانتا ہے اسی کی موافقت تمہیں جزاؤ سزا دے گا۔

نکتہ چونکہ اعمال کی زکوٰۃ (صفائی) نیات ہیں اور فضیلت کا دارومدار علم پر ہے۔ اسی لئے حسن نیات کی ترغیب اور اس میں کوتاہی سے ترہیب (ڈرانا) کی فرمایا **واللہ بما تعملون خبیر** یعنی اوقات کے گزرنے پر اعمال کی تجدید کرتے ہو تو انہیں اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ اس کے ظاہر و باطن کو جانتا ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی نہیں جانتا کسی وجہ سے بھی اور اعمال کی جزاء نیات کے مطابق ہوگی کیونکہ نیات ظاہری اعمال کی ارواح ہیں۔

عبادت باخلاص نیت نکوست وگرنہ چہ آید زبے مغز پوست

(عبادت خالص نیت سے بہتر ہے ورنہ بے مغز پوست سے کیا حاصل ہو گا)

فضائل صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۔ کلبی نے فرمایا کہ یہ آیت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی اس میں دلالت ظاہرہ حجتہ باہرہ ہے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور آپ کی خلافت بلافصل کے بارے میں کیونکہ آپ نے ہی سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔

حکایت اور روایت حضرت ابو امامہ نے حضرت عمرو بن عینیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہا کہ آپ کس طرح دعوی کرتے ہیں کہ آپ سب سے پہلے اسلام لانے میں چوتھے نمبر پر ہیں فرمایا کہ میں نے لوگوں کو گمراہی کے چکر میں دیکھا اور میں بت پرستی کو بھی اچھا نہیں سمجھتا تھا اور سنا کہ مکہ معظمہ میں ایک مرد عجیب خبریں سناتا ہے میں مکہ معظمہ کو چل دیا وہاں پہنچ کر اس شخص سے ملا اس سے پوچھا آپ کون ہیں فرمایا میں نبی ہوں (ﷺ) میں نے کہا نبی کون ہوتا ہے فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہوتا ہے میں نے کہا آپ کو اللہ تعالیٰ نے کس لئے بھیجا فرمایا اس لئے میں اللہ تعالیٰ کو واحد مانوں اور ان کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤں اور بتوں کو توڑ دوں اور صلہ رحمی کروں میں نے پوچھا آپ کے ساتھ کون ایمان لایا ہے فرمایا ایک حر اور ایک عبد (غلام) اس وقت آپ کے پاس حضرت ابوبکر اور حضرت بلال بیٹھے ہوئے تھے (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) آپ کی تقریر سن کر میں نے اسلام قبول کر لیا اس معنی پر میرا نمبر چوتھا ہے

marfat.ocm

یعنی اپنی دانست میں میں خود کو چوتھا نمبر کہتا ہوں۔

اولیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دلائل

۱۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سب سے پہلے ایمان لائے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے سب سے پہلے ایمان کا اظہار رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آپ کے بعد سیدنا ابو بکر پھر عمار اور اس کی والدہ سمیہ اور صہیب اور بلال و مقداد (رضی اللہ تعالیٰ عنہما اجمعین)

۲۔ کفار سے سب سے پہلے جنگ اور لڑائی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کی۔

۳۔ کفار سے مخاصمت سب سے پہلے آپ نے کی آپ کو کفار نے سخت مارا یہاں تک کہ آپ موت کے کنارے پر تھے جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

۴۔ سب سے پہلے کفار کو تلوار دکھا کر اسلام ظاہر کیا خود رسول اللہ ﷺ نے اور آپ کے رفیق صدیق رضی اللہ عنہ نے۔

۵۔ سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ پر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مال خرچ کیا جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھا تھا اور آپ کے پاس حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے تھے ان پر ایک کمبل تھا جسے آپ نے سینہ پر کانٹوں سے مضبوط کیا ہوا تھا۔

حل لغات خلال خل الکساء بمعنی کمبل کو کانٹے سے مضبوط کرنا اسی لئے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لقب ذو الجلال بھی ہے اسی لئے کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تمام مال پیش کر دیا اور خود کمبل پہنا جسے کانٹوں سے مضبوط کر رکھا تھا اور فرمایا آپ کا یہ حال فتح مکہ سے پہلے کا ہے۔

اے ابو بکر تو راضی ہے نہ جب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے تمام مال بارگاہ رسول ﷺ میں پیش کر دیا اور ٹاٹ لپیٹ لئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اقرأ عليه السّلام وقل له اراض انت عني في فقرك هذا ام ساخط فقال ابو بكر اسخط على ربي اني عن ربي راض اني عن ربي راض اني عن ربي راض (روح البیان ص ۳۵۸ ج ۹)

ترجمہ اے حبیب ﷺ ابو بکر کو سلام کہہ دے اور پوچھ دیں کہ تو مجھ سے راضی ہے نہ اپنے فقر پر ابو بکر

marfat.ocm

نے عرض کیا کیا میں خدا تعالیٰ پر ناراض ہوں گا میں تو اس سے راضی ہوں۔

اجماع صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہر معاملہ میں مقدم رکھا اور آپ کو تقدیم کا اقرار و اعتراف کیا۔

قول علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عبداللہ بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ۔

سبق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وثنی ابوبکر وثلث عمر رضی اللہ تعالیٰ علیہما فلا اوتی برجل فضلنی علی ابوبکر و عمر الاجلالته جلا المفتری

واطرح شہادة ترجمہ حضور سرور عالم ﷺ سابق ہیں آپ کے بعد دوسرے نمبر پر حضرت ابو بکر تیسرے نمبر پر حضرت ابو بکر تیسرے نمبر پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما ہیں میرے ہاں ہر وہ شخص لایا جائے جو مجھ کو ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتا ہے تو اسے کوڑے ماروں گا اور ہمیشہ کے لئے اس کی گواہی ساقط کر دوں گا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق کسی نے کہا۔

صاحب قدم مقام تجرید سر دفتر جملہ اہل توحید
در جمع مقربان سابق حقا کہ چو او نبود صادق

ترجمہ صاحب قدم اور صاحب مقام تجرید ہیں تمام اہل توحید کے سردفتر ہیں تمام مقربین میں آپ سابق ہیں بخدا کہ ان جیسا کوئی صادق نہیں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جس کا مجاہدہ مشاہدہ پر مقدم ہو وہی مرید مراد اور سالک مجذوب اور محب و محبوب اعلیٰ اور اجل (بزرگ تر) اور مشاہدہ کے درجات میں سے سابق (سابق تر) درجہ والا ہے یہ درجہ مقدم ہے اس کے درجہ سے جس کا مشاہدہ مجاہدہ پر ہے جب ارباب مشاہدہ مقصود صدق ملیک مقتدر کے نزدیک بیٹھیں گے تاکہ انہیں اس کی ذات کا مشاہدہ اور اس کے جمال کا دیدار نصیب ہو اس کی جنت کے وصال میں تو یہ ان پر فائق و سابق و مقدم ہو گا یہی مراد مرید اور مجذوب سالک ہو گا کیونکہ مجاہدہ مشاہدہ سے مقدم ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا والذین

جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا اور جنھوں نے ہمارے میں مجاہدہ کیا تو ہم انہیں اپنے راستوں کی ہدایت دیں گے (آیت میں مجاہدہ پہلے ہے اور مشاہدہ بعد) ایسے لوگوں کا سلوک اور عادت الیہ اور سنت ربانیہ کے موافق اور سلوک ثانی علی خرق العادت ہو گا اور ترتیب الٰہی میں تقدم و تاخر اعتبار الٰہی میں وہی سلوک ہے جو بموافق عادت الٰہی و سنت ربانی ہے یہ دونوں اگرچہ باعتبار اصل مشاہدہ متحد ہیں لیکن باعتبار قدر و درجہ ان میں تفاوت ہے اور صف . صعت ہوں گے لیکن ہم کو ان کا مقام و مرتبہ معلوم نہیں۔

(کتاب اللانحات البرقیات عفرۃ شیخی وسندی روح اللہ تعالیٰ)

تفسیر عالمانہ من ذا الذی یقرض اللہ قرضا حسنا (کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دے)

ترکیب من مبتداء اس کی خبر ذا ہے الذی ذا کی صفت یا بدل ہے۔

حل لغات الاقراض در حقیقت عین شے کا دیگر اس کا بدل (مدت کے بعد) طلب کرنا۔ قرضا حسنا مفعول مطلق ہے بمعنی الاقراض یہاں انفاق میں اخلاص مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے دینا اور اچھے سے اچھا مال اور افضل وجہ سے دینے کی کوشش کرنا۔ اب معنی یہ ہوا کہ کون ہے اپنا مال راہ خدا میں خرچ کر کے امید رکھے کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کا عوض عطا فرمائے گا جیسے قرض دار قرض دے کر اس کے عوض کی امید میں ہوتا ہے۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ جو بھی کوئی ایسی نیکی کرے جس سے وہ ثواب کا مستحق ہے تو وہ بھی قرض حسن کے حکم میں داخل ہے اسی مجاہدہ سے ہے اہل عرب کا قول۔ ولا یادی قروض اسی طرح جو بھی کوئی ایسی برائی کرے جسے سزا کا مستحق ہو تو اس نے بھی قرض دیا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا قرضا حسنا کیونکہ قرض برا ہوتا ہے امیہ نے کہا۔

لاتخلطن خبیثات بطیبة واضلع ثیابک منها ونج عریانا
کل امراء سوف یجزی قرض حسنا او سیئہ ومدین مثل مادانا

ترجمہ خوشبو میں بدبوئی نہ ملا۔ پلیدی سے کپڑے علیحدہ کر لے اور ننگا ہو کر نجات پا۔
ہر مرد قرض حسن کی جزاء دیا جائے گا یا برا عمل ہے تو بری سزا وہی پائے گا جو اس نے عمل کیا۔

marfat.ocm

فائدہ بعض نے کہا کہ القرض سے صدقہ مراد ہے یہاں ایک وجہ اور ہے وہ یہ کہ دراصل قرض بمعنی قطع ہے۔ قرض الثوب بالمقراض کپڑا مقراض سے کاٹا گیا پھر مال کے اس حصہ پر استعمال کیا گیا جو انسان اس سے نکال کر کسی کو دے اس شرط پر کہ وہ اس کا بدل وعوض اسے دے گا اس معنی پر قرض حسن مفعول بہ ہو گا اب معنی یہ ہو گا کہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دے یعنی طیب اور حلال مال کیونکہ اللہ تعالیٰ حلال اور طیب مال قبول کرتا ہے۔

فیضاعفہ لہ تو وہ اس کے لئے دونے کرے۔ منصوب ہے استفہام کا جواب ہے استفہام باعتبار معنی ہے گویا کہا گیا ہے کیا کوئی اللہ تعالیٰ کو قرض دیتا ہے تو وہ اسے دونے دے یعنی اپنے فضل سے اس کا اجر و ثواب زیادہ سے زیادہ دے ہم نے باعتبار معنی کے اس لئے کہا ہے کہ فاء اس فعل کو نصیب دیتا ہے جو مستفہم عنہ سے رد کیا گیا ہو جیسے ابو علی فارسی نے کہا اس لئے کہ یہاں فعل سے سوال نہیں بلکہ فاعل سے ہے۔

ولہ اجر کریم اور اس کے لئے عزت کو ثواب ہے۔ یعنی وہ اجر جس کے ساتھ اضعاف ملایا گیا ہے۔ وہ باعزت اور حسن اور پسندیدہ ہے وہ فی نفسہ اس لائق ہے کہ اس میں للچائیں للچانے والے اگرچہ دونا نہ بھی ہو پھر کتنا لالچ بڑھ جائے گی جب وہ دونا ہو۔

حکایت مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابو الدحداح رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی کمائی کا نصف حصہ روزانہ راہ خدا میں خرچ کرتے یہاں تک جوتے میں ایک اپنے پاس رکھا اس کے راہ خدا میں دے دی ام الدحداح تو بی بی نے کہا تو نے اپنے رب کے ساتھ بیع کی ہے اور اس کا بہترین نفع پاتا ہے حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ کتنی کھجوریں ہیں بہشت میں جن کے خوشے لٹکے ہوئے ہیں وہ سب ابو الدحداح رضی اللہ عنہا کے لئے ہیں۔

فائدہ ایک بزرگ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے بندوں سے قرض طلب کیا ہے تو اب ان کو تو یہ لائق ہے کہ وہ اپنی جان پہ نکال کر اس کے پیش کر دیں بلکہ ان پر فرض تھا کہ اس کے سوال سے پہلے ہی ایسے کرتے مال تو کوئی شے ہی نہیں یہاں تو جان کی بازی لگانے میں مزا ہے کیونکہ جو کچھ بندہ کماتا ہے وہ دراصل مالک کی ملک ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کے لئے وجود مجازی خرچ کریں گے تو وہ انہیں وجود حقیقی عطا فرمائے گا اور سیر الی اللہ اور اس کے عزت والے دروازے کی طرف سیر میں بحسب جدوجہد ہی باعزت اجر عطا ہوتا ہے۔

ہر کسے از ہمت والائے خویش
سود برد در خور کالائے خویش

(ہر کوئی اپنی بلندی پر اپنے سامان کے لائق نفع پاتا ہے)

تفسیر صوفیانہ آیت میں قرض شرعی کی طرف اشارہ ہے اس کے لئے جو قرض مانگ رہا ہے جیسا کہ اس پر حدیث قدسی دلالت کرتی ہے کہ اے میرے بندہ میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے نہ دیا۔ بندے کا قرض سے مراد اللہ تعالیٰ کی عطاء ہے اور یہاں قرض صدقہ سے افضل ہے کیونکہ بہت سے مواقع یوں ہوا کہ صدقہ مانگنے والے نے مانگا تو اس کے پاس اتنا ہی تھا کہ وہ خود اپنی کفالت کر سکتا ہے اور قرضدار تو صرف اتنا ہی مانگے گا جو اس کی ضرورت ہو گی۔

فائدہ بعض نے فرمایا یہاں قرض سے مراد ہے۔ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر اور یہی افضل الاذکار ہے۔

حضرت حسن (بصری رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا یہاں نوافل مراد ہیں۔

حدیث شریف مرفوع حدیث شریف میں ہے کہ نوافل مومن کا ہدیہ ہے جو وہ اپنے رب تعالیٰ کے ہاں بھیجتا ہے۔ بندے پر لازم ہے کہ وہ اپنے پروردگار کی طرف اچھا ہدیہ بھیجے۔ یاد رہے کہ کریم وہ ہے جو قرض والے کو اصلی کے ساتھ بہتر بدلہ دے اور ہدیہ کے مقابلہ میں بہتر اور اعلیٰ عوض پیش کرے۔

تفسیر عالمانہ یوم تری المومنین والمومنات (اس دن تم مومن مردوں عورتوں کو دیکھو گے) یوم کی نصب اذکر فعل محذوف کی وجہ سے ہے اس یوم کی عظمت کی وجہ سے۔ اب یہ معنی ہوا کہ قیامت میں ان کا پل صراط سے گزرنے کا وقت دیکھنا یاد کرو۔

یسعی نورھم ان کا نور دوڑتا ہے تری کے مفعول سے حال ہے یعنی ان کے ایمان و اطاعت کا نور۔

حل لغات السعی بمعنی تیز چلنا دوڑنے سے تھوڑا سا کم۔ کسی کام میں جدوجہد پر مستعمل ہوتا ہے۔ وہ کام اچھا ہو یا برا لیکن اس کا اکثر استعمال افعال محمودہ کے لئے ہوتا ہے۔

بین ایدیھم وبایمانھم (ان کے آگے اور دہنے)

حل لغات ایمان یمین کی جمع ہے بمعنی دایاں ہاتھ اس سے دائیں جانب مراد ہے اور بین معنی کی طرف ہے۔

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ فالیوم لایوخذمنکم فدیتہ (اے منافقو آج تمہارے سے نہیں لیا جائے گا فدیہ) جس سے تم اپنے سے عذاب رفع کر سکو یعنی کوئی شے دے کر خود کو عذاب سے چھڑا سکو (نہیں ہو سکے گا) الفداء بمعنی کوئی شے خرچ کر کے خود کو مصیبت سے محفوظ کر لینا وہ مال ہو یا کوئی نفس دیگر یعنی تمہارے سے نہیں لے جائے گی دیت اور نہ کوئی نفس دیگر تمہارے عوض۔

ولا من الذین کفروا اور نہ کافروں سے یعنی وہ جو ظاہرا باطنا کافر ہیں۔

فائدہ ۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان (دینی لحاظ سے) تین قسم ہیں۔

۱۔ مومن ۲۔ کافر ۳۔ منافق

مومن ظاہرا باطنا مخلص

کافر ظاہرا باطنا منکر

منافق ظاہرا مخلص باطنا منکر

ماوٰکم النار تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے کہ اس کے غیر کی طرف تمہیں نہیں لوٹایا جائے گا تم ہمیشہ جہنم میں رہو گے۔

ھی مولاکم یعنی آگ تمہاری رفیق ہے کہ تمہارے میں اسی طرح تصرف کرے گی جیسے مولی اپنے غلام میں تصرف کرتا ہے کیونکہ تم نے اپنے لئے وہ کرتوت کئے جو اسی لائق ہیں جس میں تم ہو۔

تحقیق مولی یہ اولی سے مشتق ہے بخلاف الزوائد۔ بمعنی وہ مکان جو اسی کے لائق ہو مثلا کہا جاتا ہے ھو اولی بکم ایسے ہی کہا جاتا ہے ھو مئنتہ الکرم وہ کرم کی جگہ ہے مئنتہ بمعنی مکان یہ انہ کریم کے بجائے بولا جاتا ہے بہرحال اولی کا مفعل (مولی) ہے جیسے مئنتہ مفعلۃ ان سے ہے جو تاکید کے لئے آتا ہے تحقیق یہ ہے کہ اپنے لفظ سے مشتق نہیں کیونکہ یہ حرف اس سے متعلق نہیں ہوتے بلکہ اس کے کلمات انہی حروف کو متضمن ہیں تاکہ معلوم ہو کہ اس کا معنی اس میں ہے یا مولی بمعنی ناصر ہے اس محاورہ سے ہے جو کہا جاتا ہے۔ تحیتہ بینہم ضرب وجیع (ان کا تحیہ سخت مار ہے) اس سے تحیہ کی نفی قطعی طور نفی مطلوب ہے کیونکہ سخت مار تو تحیہ نہیں ہوتی اس سے واضح ہے کہ ان کے درمیان تحیہ ہے ہی نہیں اسی طرح نار کہا جائے گا کہ یہ دوزخ تمہارے مددگار ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا کوئی یار و مددگار ہے ہی نہیں مولی بمعنی متولی ہے یعنی یہی دوزخ تم

پر تصرف کرے گی جیسے تم دنیا میں اس کے موجبات میں تصرف کرتے (یعنی اس کے لئے عمل کرتے رہے)

وبئس المصیر اور آگ تمہارا برا ٹھکانہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس سے نار قطعیت (ہجر و فراق) مراد ہے یعنی تمہاری ہجر و فراق کی نار تمہاری مولی اور تم پر مسلط ہے اور اس کی طرف تمہارا برا رجوع ہے۔

حکایت حضرت شبلی قدس سرہ نے ایک تر و تازہ ٹہنی دیکھی جو اصل سے کٹ گئی ہے تو رو پڑے۔ آپ سے مریدین نے پوچھا کہ آپ کیوں روئے فرمایا کہ یہ اپنی اصل سے کٹ گئی ہے لیکن پھر بھی تر و تازہ ہے اور وہ نہیں جانتی کہ اس کا انجام خشک اور بیکار ہو جانا ہے۔

حکایت حضرت شبلی قدس سرہ نے ایک عورت کو دیکھا کہ روتی ہے اور کہتی ہے ہائے ہائے میرا بچہ مجھ سے جدا ہو گیا آپ بھی رو پڑے اور فرماتے تھے ہائے احباب کی جدائی اور فراق۔ عورت نے پوچھا آپ ایسے کیوں کہتے ہیں فرمایا تو مخلوق کی جدائی پر رو رہی ہے کہ وہ فانی ہے اس نے فنا ہونا تھا اور میں اس کی جدائی اور فراق سے نہ روؤں جو خالق اور باقی ہے۔

فرزند و یار چونکہ بمیرند عاقبت
اے دوست دل مبند بجز حی لایموت

(ترجمہ = بیٹے اور دوست بالآخر مریں گے اے دوست سوائے حی لایموت کے کسی سے دل نہ لگا)

تفسیر عالمانہ الم یأن للذین امنوا ان تخشع قلوبهم لذکر اللہ کیا ایمان والوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ذکر الٰہی کے لئے ان کے دل جھک جائیں۔

حل لغات انی الامر یانی۔ اینا و اناء و اناء بمعنی اس وقت آ گیا بمعنی حان حینه و ادرک (وقت آ گیا پہنچ گیا) الخشوع بمعنی عاجزی و ذلت یعنی وقت نہیں آیا اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے ان کے قلوب جھک جائیں اور مطمئن ہو اس کے اوامر کی تعمیل کر کے اس کی طاعت کی طرف جھکیں اور نواہی سے رک جائیں بغیر سستی اور کمی کے۔

marfat.ocm

فائدہ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ ذکر اللہ سے اگر غیر قرآن مراد ہے تو اب مطلب یہ ہو گا کہ نرم اور رقیق ہو جائیں قلوب جب ذکر الٰہی سنیں کیونکہ ذکر الٰہی خشوع القلوب کا سبب ہے اس معنی پر ذکر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے اور لام بمعنی وقت ہے۔ اگر قرآن مراد ہو تو ذکر فاعل کی طرف ہے اور لام علت کی ہے مواعظ الٰہی کے لئے جنہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ذکر فرمایا اور ان آیات کے لئے جو تلاوت کی جاتی ہیں اب معنی یہ ہوا کہ ابھی وقت نہیں آیا ان لوگوں کا جو مومن ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور ان کے قلوب اللہ تعالیٰ کے ذکر سے نرم ہوں۔

ومانزل من الحق اور اس حق کے لئے جو نازل ہوا یعنی قرآن اس کا عطف ذکر اللہ پر ہے جب وہاں بھی یہی مراد ہو یعنی قرآن تو یہ عطف بوجہ تغایر العنوانین کے ہے کیونکہ قرآن ذکر بھی ہے وعظ بھی زیادہ حق ہے آسمان سے نازل ہو اور نہ عطف حقیقی ہے یعنی اب تغایر العنوانین کی تاویل کی ضرورت نہیں) جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمایا انما المومنین الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم واذا تلیت علیھم ایاتہ زادتھم ایمانا بیشک وہ مومن جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں اور جب ان کے سامنے آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ ان کے ایمان کو بڑھا دیتی ہیں۔

حل لغات الخشوع بمعنی اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کے لئے مکمل تعمیل اور اسکے جس طرح کے احکام ہیں ان پر عمل کرنے میں کامل طور گھٹنے ٹیکنا منجملہ ان کے وہی جو انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر ہوا اور جو آگے مذکور ہو گا۔

شان نزول مروی ہے کہ مکہ معظمہ میں بعض اہل ایمان تنگ تھے لیکن جب ہجرت کی اور بہت سا مال پایا اور نعمتوں سے سرفراز ہوئے تو خشوع و خضوع کے معاملہ میں سست پڑ گئے ان کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔

فائدہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہمارے اوپر جب یہ آیت اتری اور ہمارے اسلام لانے اور اس کے نزول کے درمیان چار سال گزرے تھے۔

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کے قلوب میں سستی دیکھی تو اثنائے نزول القرآن میں تیرہ سال بعد یہی آیت نازل فرمائی۔

فائدہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں انتباہ فرمایا حالانکہ وہ قرآن پڑھتے تھے

marfat.ocm

کے مابین گزرا یا اعمار اور آمال مراد ہیں اور ان پر جفاء و قسوۃ (سختی) کا غلبہ تھا اور ان سے وہ نرمی ہٹ گئی جو توراۃ و انجیل سے حاصل ہونی چاہیئے تھی۔ جب وہ ان کی تلاوت کرتے یا سنتے **فقست قلوبهم** (تو ان کے دل سخت ہو گئے) پتھر کی طرح یا اس سے بھی زیادہ سخت)

القسوة بمعنی قلب کی سختی اور وہ اتباع شہوت سے حاصل ہوتی ہے شہوت و صفوۃ (قلب کی صفائی) کا اجتماع نہیں ہوتا۔

وكثير منهم فاسقون ان کے اکثر فاسق ہیں یعنی اپنے دین کی حدود سے خارج ہیں اور بوجہ زیادہ ہونے جفاو سختی قلب کے اپنی کتابوں کے احکام سے بالکل خارج ہیں۔

فائدہ اس میں اشارہ ہے جو ابتداء خشوع کا دامن چھوڑتا ہے وہ فسق میں مبتلا ہوتا ہے اسی لئے صوفیہ کرام نے فرمایا کہ سختی دل کا نتیجہ غفلت اور دل کی نرمی کا نتیجہ طاعت کی طرف توجہ ہے۔

مخوانش دل کہ آں سنگست و آہن   دے کز نور معنی نیست روشن

(وہ دل جو نور معنی سے روشن نہیں اسے دل نہ کہو بلکہ وہ پتھر اور لوہا ہے)

ازاں دل سنگ و آہن ننگ وارد   دے کز گرد غفلت زنگ وارد

(وہ دل جو گرد غفلت سے زنگ رکھتا ہے اس پتھر اور لوہے والے دل سے ننگ رکھتا ہے)

حضرت عیسٰی علیہ السلام کا ارشاد حضرت عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا کہ ذکر الٰہی کے بغیر زیادہ نہ بولو دل سخت ہو جائیں گے کیونکہ سخت دل اللہ تعالٰی سے بعید ہے۔ غلاموں کے جرائم اس طور نہ دیکھو کہ تم ان کے آقا بلکہ اپنے جرائم ایسے دیکھو کہ گویا تم کسی کے غلام ہو لوگ دو قسم کے ہیں۔

۱۔ مبتلا   ۲۔ معاف کئے ہوئے مبتلا لوگوں پر رحم کرو اور عافیت پر اللہ تعالٰی کا شکر

اعلموا ان الله يحي الارض بعد موتها بیشک اللہ تعالٰی زمین کو زندہ کرتا اس کے مرنے کے بعد ذکر الٰہی اور تلاوت سے احیاء القلوب القاسیہ کی تمثیل ہے احیاء الارض المیتہ بارش سے اس میں خشوع اور قساوۃ قلبی سے تحذیر (ڈرنا) کی ترغیب ہے۔

فائدہ حضرت کاشفی رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اے منکرو جان لو کہ اللہ تعالٰی زندہ کرتا ہے زمین کو اس کے مرنے

کے بعد اور اسی طریقہ سے اموات کو زندہ کرے گا۔

قدبینالکم الایات بیشک ہم نے تمہارے لئے آیات بیان کی ہیں منجملہ ان کے یہی آیات بھی ہیں۔ لعلکم تعلقلون (کہ تمہیں سمجھ ہو) تاکہ تم سمجھو جو ان میں ہے اور ان کے موجب پر عمل کرو تو دارین کی سعادت سے کامیابی حاصل کرو۔

فضیل بن عیاض رحمتہ اللہ علیہ کی توبہ کا سبب منقول ہے کہ حضرت فضیل بن عیاض رحمتہ اللہ علیہ کی توبہ کا سبب آیت الم یان للذین الخ ہے کیونکہ آپ پہلے ڈاکو تھے اور بہت بڑے ناشائستہ افعال میں مبتلا تھے۔ ایک دفعہ کسی کے عشق مجازی میں مبتلا ہو گئے برائی کے لئے اس سے ایک وقت مقرر کیا آدھے رات کو وقت مقرر اور معین جگہ تک پہنچے محبوب کے گھر کی دیوار پر چڑھے تو کسی پڑھنے والے سے سنا الم یان للذین امنوا الخ یہ تیر دل کے نشانہ تک پہنچا اسی وقت درد و سوز دل میں اٹھا اللہ تعالیٰ کی مہربانی نے رہبری فرمائی توفیق الٰہی کے قیدی بن کر واپس لوٹے اور کہتے جاتے تھے بلیٰ واللہ ہاں بخدا قد آن بیشک وقت آگیا ہے واپس لوٹتے ہی ویرانہ میں جھونپڑا ڈال دیا وہاں سے گزرنے والے ڈرتے کہ فضیل بن عیاض نے یہاں ڈیرہ جمایا ہوا کہ کہیں لوٹ نہ لے وہ راہ چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کرتے اس پر خود کو ملامت کی اے بد انسان تو کتنا بد بخت ہے کہ تو گناہوں میں ایسا بدنام ہوا کہ اب تک خلق خدا تجھ سے گھبراتی ہے آدھی رات کے وقت بارگاہ حق میں سچے دل سے تائب ہوئے اللہ تعالیٰ سے معاہدہ کیا یا اللہ میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور اپنی توبہ تیرے گھر کے جوار میں پیش کرتا ہوں اور تمام گناہوں سے دور رہوں گا۔ اور اپنی ناکسی سے آہ و فغاں کناں ہوں میرے درد کا درماں پیدا فرما اے تمام دردمندوں کے درمان ساز اے پاک صفت از ہر عیب۔ اے عالی صفت از ہر کم۔ اے بے نیاز از خدمت۔ اے میری خیانت (گناہ) سے بے نقصان مجھے اپنی رحمت سے بخش مجھ قیدی کو خواہشات کی قید سے نجات دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ اور ان پر بہت ہی رحمت فرمائی اس کے بعد خانہ کعبہ چلے گئے وہاں عرصہ دراز تک مجاور رہے اور سرخیل اولیاء ہوئے (سلسلہ چشتیہ کے سرتاج ہیں)

گدائے کوئے تو از ہشت مستغنیست   اسیر عشق تو از ہر دوں آزادست

(تیری گلی کا گدا آٹھ بہشتوں سے بے نیاز ہے تیرے عشق کا قیدی ہر جہان سے آزاد ہے)

marfat.ocm

حکایت حضرت عبداللہ المبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں ایک باغ میں گیا اس وقت میرا عین شباب اور میرے ہمجولے ساتھ ساتھ تھے خوب کھلیا پیا۔ مجھے بانسری بجانے کا شوق تھا رات کو بانسری بجانے کے لئے اٹھائی تو وہ بول پڑی اور کہا الم یان للذین امنوا الخ میں نے فورا بانسری زمین پہ دے ماری اور اسے توڑ پھوڑ دیا اور آئندہ عہد کیا کہ ہر وہ فعل جو اللہ تعالیٰ سے دور کرنے والا ہو گا نہیں کروں گا۔

حکایت حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ سے کسی نے ان کی توبہ کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ میں محکمہ پولیس میں ایک سپاہی تھا اور شراب خوب پیتا تھا۔ میں نے ایک حسین لونڈی خریدی لور وہ خوب محبوب اس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی اس سے میرا جی لگ گیا جب وہ چلنے لگی اس سے اور پیار بڑھ گیا جب میں شرب پیتا تو وہ چھوٹی بچی مجھ سے چھین کر میرے کپڑے پر انڈیل دیتی۔ وہ سال کی ہو کر مر گئی۔

میں اس کی جدائی سے سخت مغموم و محزون ہوا۔ شعبان العظیم کی پندرھویں اسی سال شب جمعہ تھی میں شراب پی کے خوب مست تھا مجھ سے عشاء کی نماز بھی ادا نہ ہو سکی میں نے خواب میں دیکھا کہ آج قبرستان والے قبور سے نکلے اور میدان حشر میں تمام مخلوق جمع ہو رہی ہے ان میں میں بھی ہوں اپنے پیچھے آنے کو محسوس کیا دیکھا تو وہ سیاہ و زرد رنگ کا بڑا سانپ ہے منہ کھولے ہوئے ہے اور میری طرف بڑھ رہا ہے۔ گویا مجھے اپنا لقمہ بنانا چاہتا ہے میں گھبرا کر آگے کی جانب دوڑا راستہ میں مجھے ایک بزرگ ملے جن کا لباس نہایت صاف اور پاکزہ لور خوشبو سے معطر ان کو السلام علیکم عرض کیا اور کہا کہ آپ مجھے اس آفت و بلا سے نجات دلا سکتے ہیں فرمایا میں تو ایک کمزور انسان ہوں اور یہ آفت بڑی طاقت ور ہے میں اسے نہیں ہٹا سکتا لیکن دوڑتا جا اور بہت تیز بھاگ ممکن ہے اس سے تجھے نجات مل جائے۔

میں ان کے فرمان پر آگے کو دوڑا اور خوب دوڑا یہاں تک کہ ایک اونچے ٹیلے پر چڑھ گیا دیکھا تو آگے بڑی آگ ہے اس میں اور لوگ بھی ہیں ارادہ ہوا کہ چھلانگ لگا دوں آگ بہتر ہے اس بلا (مصیبت (سانپ) سے کیونکہ وہ تو صرف میرے پیچھے مجھے لقمہ بنانے کے لئے پیچھا کر رہا ہے چھلانگ لگانے کا ارادہ کیا تو آواز آئی پیچھے کو ہٹ جا یہ تیرے لائق نہیں۔ میں اس آواز سے مطمئن ہو کر پیچھے کو لوٹا تو سانپ بھی پیچھے ہٹتا گیا یہاں تک کہ میں اسی شیخ کے ہاں واپس آگیا اور عرض کی کہ آپ کو میں نے کہا کہ اس سانپ سے مجھے نجات دلوائیں لیکن آپ نے کوئی مدد نہ فرمائی

marfat.ocm

اب میں کیا کروں۔ شیخ میری بات سن کر رو پڑے اور فرمایا میں ایک کمزور انسان ہوں میں کیا کر سکتا ہوں سامنے والے پہاڑ کی طرف چلے جاؤ وہاں مسلمانوں کی امانتیں ہیں ممکن ہے تیری کوئی امانت اس میں ہو تو پھر تیری نجات کی امید کی جا سکتی ہے میں نے پہاڑ کو دیکھا وہ مستدیر (گول) ہے اس میں دریچے ہیں ان پر پردے لٹکے ہوئے ہیں۔ ان دریچوں کے دروازے سرخ سونے کے ہیں جن پر موتیوں کا جڑاؤ ہے اور ان کے پردے ریشمی ہیں۔ میں بھاگ کر پہاڑ کی طرف چلا گیا اور سانپ بھی میرے پیچھے آ رہا تھا میں پہاڑ کے قریب پہنچا تو ملائکہ کرام نے آواز دی کہ پردے ہٹا دو اور دروازے کھول دو اور اس کے اندر جھانک کر دیکھو شاید اس خوف زدہ کی کوئی امانت اندر ہو جو اسے اس دشمن (سانپ) سے نجات دلوا دے اس آواز پر پردے ہٹ گئے۔ دریچے کھل گئے اچانک مجھے بچے چودھویں کے چاند سے چہرے نظر آئے۔ ادھر سانپ میرے بالکل قریب پہنچ گیا میں حیران تھا کہ اب کیا کروں ان بچوں میں سے ایک نے زور سے پکارا کہ جھانکو سارے جھانکو اب سانپ اس کے قریب آ گیا ہے اس آواز کے بعد چھوٹے بچے فوج در فوج میری طرف جھانکتے چلے جاتے یہاں تک کہ میری دو سالہ (جو مر گئی تھی) بچی نے مجھے دیکھ پایا اور دیکھ کر روئی اور کہا بخدا یہ تو میرا ابو ہے۔ یہ کہہ کر نور کے گھڑے میں ایسی تیز چھلانگ لگائی جیسے تیر کمان سے نکلتا ہے پھر اچانک میرے سامنے آ گئی اور بایاں ہاتھ بڑھا کر میرے دائیں ہاتھ سے چمٹا دیا اس کیفیت کو دیکھ کر سانپ تو پیچھے بھاگ گیا اور بچی نے مجھے بٹھایا اور میری گود میں بیٹھ گئی اور دایاں ہاتھ میری داڑھی پر رکھ کر پڑھا اَلَمۡ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ الخ ابا جی کیا ایمان والوں کا وقت نہیں کہ ان کے دل خاشع ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے بچی کی نصیحت سے میں رو پڑا اور کہا بیٹی تم لوگ بھی قرآن مجید کو جانتے ہو۔ کہا ابو ہم قرآن کو تم سے زیادہ جانتے ہیں میں نے کہا بیٹی تمھیں معلوم ہے وہ سانپ کیا بلا تھی کہا وہ تیرے اعمال تھے جنہیں تم روزانہ اور زیادہ بڑھا رہے ہو اس کا ارادہ تھا کہ وہ تجھے جہنم کی آگ میں ڈبو دے۔ میں نے کہا بیٹی وہ بوڑھا کون تھا جس نے میری رہبری کی کہا ابو وہ آپ کا عمل صالح تھا جسے تو نے نہایت کمزور کر رکھا ہے یہاں تک کہ اسے تیری برائیوں کا مقابلہ مشکل ہے میں نے پوچھا بیٹی تم پہاڑ میں کیا کرتی ہو کہا ہم مسلمانوں کے تمام بچے اسی میں مقیم ہیں یہاں تک کہ قیامت قائم ہو ہم تمھارے انتظار میں رہتے ہیں کہ کب آؤ گے تاکہ ہم تمھاری شفاعت کریں اس پر میں گھبرا کر جاگ اٹھا اور صبح ہوتے ہی جملہ برائیوں سے تائب ہو گیا اور میری توبہ کا سبب یہی ہے جو مذکور ہوا۔

سر وز جیب غفلت بر آور کنوں — کہ فردا نماند خجلت نگوں

marfat.ocm

با پدری خفتہ بیدار بود　　　چو مرگ اندر آروز خوابت چہ سود
زہجراں طفلی کہ درخاک رفت　　　چہ نالی کہ پاک آمدو پاک رفت
تو پاک آمدی بر عذر باش و پاک　　　کہ ننگ است ناپاک رفتن بخاک

ترجمہ　۱۔ غفلت کے گریبان سے سر باہر لا تاکہ کل (قیامت میں) شرمساری سے سر نیچے نہ ہو۔

۲۔ سونے سے ابھی بیدار ہونا چاہیے جب موت آئے گی اس وقت خواب سے بیداری کا کیا فائدہ۔

۳۔ چھوٹے بچے کی جدائی سے کیوں روتا ہے کہ وہ قبر میں گیا وہ تو اچھا ہے کہ پاک پیدا ہوا اور پاک ہو کر قبر میں گیا۔

۴۔ تو بھی پاک آیا ہے تو ڈرتا رہ اور پاک ہو کر زندگی بسر کر کیونکہ ناپاک ہو کر قبر میں جانا ننگ و عار اور شرم کی بات ہے۔

تفسیر عالمانہ　اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقَاتِ　صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں۔

وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا　(اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دیا) اس کا من حیث المعنی صلہ پر عطف ہے۔ اب یہ ہوا کہ وہ مرد اور عورتیں جنہوں نے صدقہ دیا اور اللہ کو قرض حسن دیا۔

فائدہ　قرض حسن وہ صدقہ ہے جو پاک مال خوشی سے خلوص نیت کے ساتھ صدقہ کے مستحق کو دیا جائے۔

مسئلہ　اس سے ثابت ہوا کہ معتبر وہی صدقہ ہے جو اخلاص سے ہو۔

سوال　تکرار تو فصاحت کے خلاف ہے اور یہاں تکرار کیوں؟

جواب　پہلا صدقہ مقید ہے دوسرا مطلق ہے اس معنی پر تکرار کہاں۔

حدیث شریف　حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ اے عورتو میں تمہیں جہنم میں بکثرت دیکھتا ہوں۔

مسئلہ　اس میں اشارہ ہے کہ عورتوں کو زیادہ صدقہ دینا چاہیے۔

حدیث شریف　مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے

ساتھ ایک عید میں موجود تھا خطبہ میں نہ اذان تھی اور نہ ہی اقامت۔ آپ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سہارا سے عصا لے کر خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے تقوی کا حکم فرمایا اور طاعت کی ترغیب دی اور لوگوں کو خوب وعظ فرمایا پھر عورتوں کے ہاں تشریف لے گئے انہیں بھی وعظ فرمایا اور فرمایا کہ صدقہ کرو اس لئے کہ جہنم کا زیادہ ایندھن تم ہو۔ ایک بی بی نے عرض کیا یارسول اللہ ایسا کیوں فرمایا تم شکوہ شکایت زیادہ کرتی ہے اور شوہر کی زیادہ ناشکری ہو۔ یہ سن کر عورتیں اپنے زیورات صدقہ کے طور پر دینے لگیں اور اپنے زیورات حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے میں ڈالتی گئیں یہاں تک کہ بہت سا مال جمع ہو گیا تو حضور سرور عالم ﷺ نے فقراء مسلمین پر تقسیم فرمادیا۔

يُضَاعَفُ لَهُمْ ان کے دونے ہیں (بصیغہ مجہول اپنے مابعد جار مجرور کی طرف مسند ہے بعض نے وہ جو صلہ کی جگہ پہ مصدر محذوف ہے اس کی طرف مسند ہے کہ دراصل ثواب تصدق تھا۔

وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ اور ان کے لئے باعزت ثواب ہے وہ ثواب جو رضائے الٰہی اور اقبال سے مقترن ہو۔

بدنیاتوانی عقبی خری بخرجان من ورنہ حسرت خوری

(دنیا سے ہی آخرت خریدی جاسکتی ہے اے میری جان ابھی خرید لے ورنہ حسرت کھائے گا)

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ اور وہ جو اللہ تعالیٰ اور تمام رسولوں پر ایمان لائیں یہ مبتداء ہے اس کی خبر۔

أُولَٰئِكَ یہ دوسرا مبتداء ہے۔

هم یہ تیسرا مبتداء ہے اس کی خبر "الصدیقون والشہداء" ہے اور یہ مبتداء مع خبر پہلے مبتداء کی خبر ہے یا ہم ضمیر فعل کی ہے اور اس کا مابعد اولئک کی خبر اور جملہ موصول کی خبر ہے یعنی اولئک کی۔ اب معنی یہ ہوا کہ یہی ہیں کامل سچے اوروں پر گواہ۔

عِندَ رَبِّهِمْ اپنے رب تعالیٰ کے ہاں علو مرتبہ اور رفعہ محل میں وہ منزلہ صدیقین اور شہداء کے ہوں گے ان سے وہی لوگ مراد ہیں جنہوں نے تصدیق (رسالت) میں سبقت کی اور راہ خدا میں شہید ہوئے۔

فائدہ فتح الرحمٰن میں ہے کہ صدیق صیغہ صفت ہر وہ شخص جس سے صدق بکثرت ظہور ہوا اور اس امت میں آٹھ حضرات مشہور ہوئے جو اپنے زمانے میں روئے زمین پر دیگر لوگوں سے اسلام میں سبقت کر گئے۔

۱۔ ابوبکر ۲۔ علی ۳۔ زید ۴۔ عثمان

marfat.ocm

۵۔ طلحہ ۶۔ زبیر ۷۔ سعد ۸۔ حمزہ

نویں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ اگرچہ ان کے اسلام لانے کے بعد کل چالیس مسلمان تھے۔ انہیں ان صدیقین میں ان کی صدق نیت کی شہرت کی وجہ سے داخل کیا گیا۔

شہداء کے اقسام شہداء کے تین درجات ہیں۔

۱۔ وہ شہداء جو اسلام و کفر کی دو صفوں کے درمیان شہادت پائے یہی تمام درجات میں بڑا درجہ ہے۔

۲۔ وہ جو کسی حادثہ یا بلاؤ مصیبت میں مبتلا ہو کر مرے جیسے پانی میں غرق ہونا۔ آگ میں جلنا۔ دیوار کے نیچے دب جانا۔ طاعون میں پیٹ کی بیماری سے۔ مسافری میں۔ یوم جمعہ یا شب جمعہ میں۔ اور باطہارت مرنا۔

۳۔ تیسرا درجہ یہی جسے آیت ہذا نے بیان کیا اور یہ درجہ تمام اہل ایمان کو نصیب ہوتا ہے۔

فائدہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ الصدیق وہ جنہوں نے صدق میں مبالغہ کیا کہ ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے جملہ احکام کی تصدیق کی۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی شہادت پہ قائم ہے یا وہ شہداء اس لئے ہیں کہ وہ امم سابقہ پر قیامت میں گواہی دیں گے۔

تفسیر صوفیانہ بعض اکابر مشائخ نے فرمایا کہ وہ جو ایمان لائے حقیقی شہودی عیانی نہ کہ علمی و بیانی اور ایمان شہودی فنا فی اللہ نفساً و قلباً و اسرار و روحاً سے حاصل ہوتا ہے اور رسولوں پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ صفات قلب سے فناء اور صفات روح کی بقا حاصل کی۔

اولئک ھم الخ یہی لوگ صفت صدیقیت سے مستحق اور مراتب صدق کی انتہاء کو پہنچنے والے ہیں۔ اور یہی اپنے نفوس پر صدق و وفا کی گواہی دیتے ہیں ساتھ عہد (میثاق) کے کیونکہ ایسے لوگوں سے رشحات الصدق مترشح ہوتا ہے لامحالہ ان کو صدیقین کا اجر اور شہداء کا نور نصیب ہوگا اور یہ اجر و نور انہی لوگوں سے مخصوص ہے نہ کہ وہ جو مقلدانہ ایمان لائے اور تقلیدی طور پر تصدیق کرے اور مقلد ہو کر صرف زبانی گواہی بغیر عیاں کا ترتب فناء پر ہے۔

صدیق و صادق میں فرق صادق مخلص (بالکسر) کی طرح ہے جو شوائب صفات نفسانیہ سے مطلقاً صاف ہے اور صدیق مخلص (بالفتح) کی طرح ہے جو شوائب غیریت سے صاف ہے دوسرا فلکاً اوسع اور احاطہ کے لحاظ سے

marfat.ocm

اکثر ہے۔ اس معنی پر ہر صدیق و مخلص (بالفتح) صادق و مخلص (بالکسر) ہے لیکن ہر صادق صدیق نہیں۔ حضرت ابو علی الجرجانی قدس سرہ نے فرمایا کہ قلوب الابرار کونین سے متعلق ہوتی ہے کہ کبھی متوجہ اور کبھی غیر متوجہ۔ لیکن صدیقین کی قلوب عرش سے متعلق ہوتی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے لئے صرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتی ہیں۔

تفسیر عالمانہ لھم اجرھم ونورھم ان کے لئے ان کا اجر و نور ہے یہ مبتداء و خبر ہے جملہ موصول کی دوسری خبر ہے ضمیر علی الوجہ الاول موصول کے لئے اور پچھلی دو ضمیریں صدیقین و شہداء کے لئے ہیں جب التباس کا خطرہ نہ ہو تو ایسا کرنا جائز ہے کہ یہ دراصل لھم مثل اجرھم ونورھم تھا یعنی ان کے لئے جو معروف بغایۃ الکمال و عزۃ المنال ہیں اجر و نور ہے اور حروف تشبیہ اس لئے محذوف ہے تاکہ قوت مماثلت پر تنبیہہ ہو اور معلوم ہو کہ یہ عدد درجہ کے ایک دوسرے سے متحد ہیں جیسے کہا گیا کہ ھم الصدیقون والشھداء الخ اور ان کے لئے بھی کہا گیا لھم اجرھم الخ لیکن یہ مماثلت اس میں نہیں کہ جو کچھ فریق اول (مصدقین واقرضوا الخ) کے لئے اجر و نور تعلق دونوں سے ہو گا تاکہ ان کے بین تفاوت کیا جاسکے بہرحال سب کا مرجع ایک ہے اور معنی یہ ہے کہ ان سب کے لئے اجر و نور موعود ہے۔

فائدہ بعض مشائخ کبار نے فرمایا کہ اجر سب عمل کے بغیر نہ ہو گا اور وہ جو اللہ تعالیٰ خارج از کسب کسی کو عطا فرمائے وہ نور وہبی ہو گا اسے اجر نہ کہا جائے گا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا لھم اجرھم ونورھم اس لئے کہ اجر وہ ہے جو کسب (عمل) سے نصیب ہو اور نور وہ ہے جو اللہ تعالیٰ بغیر کسب کے عطا فرمائے لیکن اجر بھی ایسی شے نہیں کہ جس میں عطائے الٰہی کا تعلق نہ ہو البتہ یہ ہے کہ اجر وہ ہے کہ جس میں اکتساب کی وجہ استحقاق کا شائبہ ہے کیونکہ یہ عوض ہے اس کا جو عمل متقدم ہے اور وہ بندے کی طرف منسوب ہے ہاں ہر اجر میں نور کا اختلاط ضرور ہو گا تاکہ معلوم ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کے بندے پر منت و احسان ہے کہ اس نے توفیق بخشی تو عمل کیا ورنہ محروم رہتا تو کیا کرتا اس لئے بندے کو اجر کہا جاتا ہے کہ اس نے طاعت الٰہی بجالائی اور اعمال صالحہ کا اس سے صدور ہوا تو اجارہ اسی معمولی سی نسبت سے ہے اسی لئے تو بندے نے خدمت سید خود (عبادت) پر مدد چاہی (ایاک نستعین) کہا۔

سوال عبد کے لئے اجرت کا اطلاق کیسا جبکہ عبد پر سید (رب تعالیٰ) کی خدمت (عبادت) فرض ہے اس کے لئے اجرت کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اگر اسے مالک کے لئے اجنبی بنائیں تو بھی کام نہیں بنتا کیونکہ جب وہ اجنبی ہے

تو پھر اس پر طاعت فرض کیسی اور اس پر اجرت کا ترتب کیسا حالانکہ اجرت کا ترتب تو اس وقت ہوتا ہے جب وہ خود کو اجرت کے لئے پیش کرے لیکن یہاں ایسے نہیں کیونکہ یہ اطاعت و عبادت کے کیلئے خود کو پیش کرے یا نہ کرے اس پر مالک کی طرف سے بعد بلوغ خود بخود فرض ہو جاتی ہے۔

جواب انسان کی دو حالتیں ہیں۔ ۱۔ عبودیت ۲۔ حالت اجارت

اس حیثیت سے کہ وہ عبد ہے اس لئے وہ مکلف بالعبادات ہے جیسے نماز، زکوٰۃ و جملہ فرائض اس حیثیت سے اس کے لئے کوئی اجرت نہیں اور جب اس کی دوسری حیثیت آئے گی کہ وہ ان کے عمل کے لئے مستعد ہے بلکہ مرتکب ہے تو بوعدہ الٰہی اسے ان کا اجر و ثواب ہو گا لیکن یہ مخصوص احکام مندرجہ کے ساتھ نہ کہ احکام مفترضہ کیونکہ اعمال مندوبہ کا جب بندہ مرتکب ہو گا تو اسے قرب حاصل ہو گا نہ کرے گا تو قرب حاصل نہ ہو گا اور نہ ہی ان کے نہ کرنے پر اسے کسی قسم کا عتاب ہو گا اس معنی پر بندہ بمنزلہ اجنبی کے ہے اگرچہ فرائض بھی ادا کر رہا ہے تو بھی اس کی حیثیت اجیر کی ہے باقی رہے نوافل ان کا اجر ہے تو بھی محبت الٰہی کی حیثیت سے ہے جیسے حدیث قدسی میں ہے۔

لا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبه بندہ ہمیشہ نوافل سے قریب ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اسے محبوب بنالیتا ہوں۔

نکتہ اس میں نکتہ یہ ہے کہ نوافل کے متعلق بندہ بااختیار ہے۔ اجیر کی طرح کہ جب انسان چاہے گا کہ وہ عبادت کرے تو اس وقت اس نے اپنے نفس پر ذات حق کو ترجیح دی لیکن فرائض بندہ اضطراری ہے وہاں اس کے اختیار کو دخل نہیں اس سے سمجھ لیں کہ عبد اختیاری و عبد اضطراری کا کتنا فرق ہے ایسے ہی عبد اجیر مختار ہے لیکن عبد اضطراری مملوک ہے کہ مالک کے حکم کے بغیر ذرہ برابر بھی کام نہیں کر سکتا یہی اصلی عبد ہے اس کا اپنے سید پر کوئی استحقاق نہیں لیکن سید اس کے تمام کا مالک ہے وہی اسے ملے گا جو اس کی ضرورت ہے۔ کھانے پینے، لباس وغیرہ وہ سید کے جملہ احکام کے لئے ہر وقت مستعد رہتا ہے۔ رات دن مالک کے مکان سے باہر قدم رکھنے کا مجاز نہیں نہ ہی کوئی ایسا کام کر سکتا ہے جس میں اس کی مرضی کو دخل ہے ایسے بندے دنیا میں بھی مع اللہ ہیں اور آخرت میں بھی اور محشر میں بھی اور جنت میں بھی کیونکہ اس کا جملہ وجد اپنے مالک کی ملک ہے مالک جس طرح اس میں چاہے تصرف کرے بخلاف عبد اجیر کے کہ اسے وہی ملے گا جو اس کی اجرت مقرر ہوئی اتنی خوراک پوشاک وغیرہ لے گا جو معین

marfat.ocm

ہوا اسے مالک کے حرم میں داخلہ کی اجازت نہیں ہوتی نہ ہی اسے مالک کے اسرار سے آگہی ہوتی ہے اگر وہ سید و موجر کے پاس ہے تو ضرورت تک جب ضرورت پوری ہو گی وہ اپنی اجرت لے کر اس سے جدا ہو جائے گا اور اپنے اہل و عیال میں آ کر وقت بسر کرے گا ایسے نہیں کہ وہ اس سے بڑھ کر کوئی اور شے چاہے ہاں اگر سید اپنے لطف و کرم سے اسے جو چاہے عنایت فرمائے۔

سبق آخرت عبودیت اختیاری منقطع ہو جائے گی۔ اضطراری عبودیت کام آئے گی اس تقریر سے وہی فائدہ اٹھا سکتا ہے جسے اپنے مالک کا عرفان نصیب ہے دیکھئے انبیاء علیہم السلام جلیل الشان ہونے کے باوجود کتنا عبودیت میں خالص و مخلص تھے کہ معمولی طور پر بھی نفوس کی خواہشات کو دخیل نہ بنایا اور نہ ہی مخلوق میں کوئی ان کی عبودیت سے متعلق ہو سکا اس کے وجود کہتے رہے۔ ان اجری الا علی اللہ وہ اس لئے کہ وہ اسمائے الٰہیہ کے حکم کے آگے مکمل طور سر نگوں رہے بخلاف ان کے ماسوا کے وہ حالت اختیار و اضطرار ہر طرح ذات حق کے عبد خالص مخلص رہے اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں اسماء الٰہیہ نے خود منتخب کیا کہ وہ اپنے آثار ان میں ظاہر فرمائیں او وہ خود بھی مختار تھے کہ وہ جس اسم کے تحت رہیں اسمائے الٰہیہ نے جب جانا کہ انہی حضرات نے ان کے تحت ہونا ہے تو انہوں نے ان کی خدمت کے اجور خود متعین فرمائے مثلاً ہر اسم پکارتا تھا کہ میرے حکم میں داخل ہو گے تو فلاں فلاں اجر ملے گا۔ ہر اسم کی خدمت کے تحت انبیاء علیہم السلام داخل ہوتے گئے یہاں تک سید (مالک ذات) نے اپنی عبودیت کے لئے اعلان فرمایا تو انہوں نے دوسرے مشاغل ترک کر کے عبودیت کو اختیار فرمایا اس کے بعد انہیں اختیار دیا گیا کہ جس اسم سے مشغول ہو اجازت ہے یہی وجہ ہے کہ بندہ ہر شغل میں جس طرح مشغول ہو یعنی جس طرح کی نفلی عبادات میں مصروف ہو لیکن جب نماز کی اقامت کا اعلان ہو تو پھر باقی نوافل ترک کر کے نماز میں ہی داخل ہونا ضروری ہو جاتا ہے اس لئے کہ اس میں اپنے مالک کی معیت نصیب ہوتی ہے اور یہی اس کی عبودیت اضطراری ہے (الجواہر للامام الشعرانی قدس سرہ)

تفسیر عالمانہ والذین کفروا و کذبوا بآیاتنا اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کی تکذیب کی۔ اولئک وہ جو صفات قبیحہ سے موصوف ہیں اصحاب الجحیم وہ دوزخی ہیں کہ ہمیشہ ہمیشہ اس سے جدا نہ ہوں گے۔

فائدہ اس سے ثابت ہوا کہ ہمیشہ دوزخ میں رہنا صرف کفار کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ یہ ترکیب بتاتی ہے کہ

marfat.ocm

یہ خلوص کفار کا خاصہ ہے اور کفر سے کفر باللہ مراد ہے یہی ایمان باللہ کے بالمقابل ہے اور تکذیب سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کے ظاہر کردہ معجزات کو ٹھکرا دیا یہی ایمان باللہ و تصدیق بالرسل الکرام کے بالمقابل ہے اور یہ دونوں وصفیں ان میں موجود تھیں اس لئے وہ دائمی دوزخ کے مستحق ہوئے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ جنہوں نے ہماری ذات سے کفر کیا اور ہماری آیات کبریٰ کی تکذیب کی اور صریح بیّن واضح قلباً سراً و روحاً کفر کیا تو وہ اصحاب الجحیم ہیں۔ یعنی بعد میں رہیں گے۔ اور درگاہ حق سے مطرود ہیں اور لعن مخصوص دائماً کے مستحق ہیں صفات کو آیات سے اس لئے موصوف فرمایا کہ کتب الٰہیہ صفات اللہ تعالیٰ ہیں اور انبیاء علیہم السلام بھی صفات اللہ ہیں اس حیثیت سے کہ وہ اسماء الٰہیہ و صفات علیہ کے مظاہر ہیں۔ ایسے ہی جملہ مجالی و مرائی کو سمجھ لو صرف فرق ہے تو ظہور بالکمال کا ہے کہ انبیاء علیہم السلام مظاہر باکمال ہیں اور دوسرے باکمال نہیں۔

مسئلہ جس طرح انبیاء علیہم السلام اور ان کی آیات کی تکذیب ہی وعید کا موجب ہے ایسے ہی اولیاء کرام اور ان کی آیات (کرامات) کی تکذیب بھی موجب وعید ہے کیونکہ علماء باعمل یعنی اولیاء وانبیاء و مرسلین کے وارث ہیں۔

فائدہ اولیاء کی آیات سے مراد کرامات علمیہ والکونیہ ہیں۔ ان کی ایسی کرامات کی ان کے معاصرین وغیرہ معاصرین نے تصدیق کی تو وہ اصحاب النعیم ہوئے اور جنہوں نے ان کی تکذیب کی تو وہ اصحاب جحیم ٹھہرے۔

سبق ایسی آیات (کرامات) اور ان کے اصحاب (اولیاء) تاقیامت موجود رہیں گے۔ کیونکہ باب الولایت ہمیشہ کھلا رہے گا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں اپنے عمیم افضل سے اپنے اولیاء میں سے بنائے۔ بحرمتہ النبی و آلہ (صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین)

تفسیر عالمانہ اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا اے دنیا والو جان لو کہ بیشک دنیا کی زندگی لفظ حیوۃ زائد ہے اس کا مضاف مضمر ہے دراصل امور الدنیا تھا اور یہ بھی ہے کہ حیوۃ الدنیا امور دنیا سے بعلاقہ لزوم مجاز ہو اور کشف الاسرار میں اس کی عبارت یوں بنائی کہ وہ حیات جو دردِ اولیٰ کو قریب تر ہے یعنی اس سرائے کی زندگانی اور "ما" صلہ کا ہے کیونکہ اس سے مقصود اسی دار کی زندگی ہے ہر وہ اوقات موت سے پہلے ہیں وہ دنیا ہے اور جو اس کے بعد ہے وہ

marfat.ocm

اخری (آخرت) ہے۔

لعب کھیل ہے یعنی باطل کام خواہ مخواہ خود کو کھیل والے کی طرح بلافائدہ تھکا رہے ہو۔

بازیچہ اطفال ایست طفل فریب ایں دہر
بے عقل مرد آنکہ بدو مبتلا شوند

(بچوں کا کھیل اور یہ اسباب زمانہ بچہ کے قریب ہیں وہ لوگ بے عقل ہیں جو اس میں مبتلا ہوتے ہیں)

ولھو اور کود اس سے نفوس سے کھیلتے اور انہیں اس سے ان امور سے مشغول کرتے ہو جو تمہارے لئے آخرت کی بہبودی کا موجب تھے۔

وزینتہ اور آرائش۔ لباس و سواری اور بہترین مکانات جنہیں تم سنگارتے ہو۔ **وتفاخر** اور آپس میں بڑائی مارنا حسب و نسب سے تم ایک دوسرے پر فخر کرتے ہو۔ الفخر یعنی وہ اشیاء جو انسانوں سے خارج ہیں جیسے مال وجاہ وغیرہ پر بڑائی مارنا اسی لئے ہر نفیس شے کو فاخر سے تعبیر کرتے ہیں (المفردات)

وتکاثر فی الاموال والاولاد اور مال و اولاد میں ایک دوسرے سے زیادتی چاہنا۔ گنتی وغیرہ سے یعنی کثرت مال و اولاد کی وجہ سے فخر کرنا بالخصوص اولیاء اللہ پر خود کو اونچا سمجھنا لیکن یاد رکھو کہ تھوڑے عرصہ کے بعد یہ چیزیں تمہارے سے دور ہو جائیں گی لہو و فرح غم اور حزن سے بدل جائیں گی یہ تمام اسباب دور ہو جائیں گے اور یہ تفاخر و تکاثر انگارے کی طرح نیست و نابود ہو جائیں گے۔

فائدہ بعض نے کہا لعب بچوں کے کھیل کی طرح اور زینت عورتوں کی زیبائش کی طرح اور تفاخر ہم زمان کے فخر کی طرح او تکاثر دہقان کے تکاثر کی طرح۔

پند سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ دنیا کا غم نہ کھا کیونکہ یہ دنیا چند چیزوں کا نام ہے۔

۱۔ مطعوم (خوردنی اشیاء) ۲۔ مشروب ۳۔ ملبوس ۴۔ مشموم (سونگنے کی اشیاء)
۵۔ مرکب (مرکب) ۶۔ منکوحہ (نکاح والی عورتیں)

اس کی سب سے بڑی خوردنی شے شہد ہے اور وہ ایک مکھی کا لعاب ہے اور پینے کی سب سے بڑی شے پانی ہے اور اس

marfat.ocm

میں انسان و حیوان شریک ہیں اور لباس میں سب سے بڑی شے ریشم ہے اور وہ ایک کیڑے کا تانا ہے۔ اور سونگھنے میں سب سے بڑی شے مشک ہے اور ایک ہرنی کا خون ہے اور سواری میں سب سے بڑی شے گھوڑا ہے اس پر سوار ہو کر تو لوگوں کو قتل کیا جاتا ہے اور نکاح کی سب سے بڑی شے عورتیں ہیں اور یہ پیش گلو ہیں اور پیش گلو کی پیدائش ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ میری دنیا سے کیا غرض۔ میری اور دنیا کی مثال اس سوار جیسی ہے جو گرمی کے موسم میں سایہ دار درخت کے نیچے گرمی ہٹانے کے لئے چند لحات ٹھہر کر چل پڑے اور اس درخت کو چھوڑ دے۔

جہاں اے پسر ملک جاوید نیست
زدنیا وفادار امید نیست

(اے عزیز دنیا ہمیشہ کا ملک نہیں۔ دنیا سے وفا کی امید نہیں)

کمثل غیث اس بارش کی طرح۔ کاف محلاً منصوب علی الحالیۃ ہے اس ضمیر سے حال ہے جو لعب میں ہے کیونکہ اس میں وصف کا معنی ہے اس میں ایسے اوصاف ہیں جو غیث (بارش) کے مشابہ ہیں یا مبتداء محذوف کی خبر ہے دراصل ہی کمثل غیث یا حیوۃ الدنیا کی خبر بعد خبر ہے۔

الغیث وہ بارش جو لوگوں کو مفید ہو اور پانی کی قدرت پر قحط کے وقت اسے مانگیں بخلاف المطر کے کہ وہ عام ہے (کہ قحط نہ ہو)

اعجب الکفار جو کسانوں کو بھلا یعنی کھیتی کرنے والوں کو۔

حل لغات الازہری نے فرمایا کہ اہل عرب زارع (کسان) کو کافر کہتے ہیں کیونکہ وہ یکفر بذلہ تیراب الارض مٹی میں بیج کو چھپاتا ہے دراصل الکفر بمعنی الستر (چھپانا) ہے کافر کو بھی اسی لئے کافر کہا جاتا ہے کہ وہ حق کو باطل سے چھپاتا ہے۔

اھل الکفور اھل القبور اہل کفور اہل قبور ہیں۔

اللیل (رات) کو کافر اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اشخاص کو چھپاتی ہے۔

نباتہ اس کا اگنا یعنی وہ کھیتی جو اس سے اگی۔ خلاصہ یہ کہ کفار کو دنیا کی زینت زیادہ بھاتی ہے بخلاف مومن کہ اسے دنیا کی کوئی شے بھائی تو اس کی فکر فوراً اس کے صانع کی طرح منتقل ہو گئی اور کافر کی فکر اس بھائی ہوئی شے سے صانع کی طرف منتقل ہوتی ہی نہیں بلکہ اسی پسندیدہ شے کے تصور میں ڈوبا رہتا ہے۔

marfat.ocm

فائدہ بعض مواقع پر زینت کے اظہار سے روکا گیا ہے تاکہ ضعیف لوگوں کے قلوب کو ٹھیس نہ پہنچے جیسے اعراس اور اس قسم کے دیگر مواقع۔

ثم یھیج پھر وہ سوکھ جائے یعنی سبزی خشکی اور رونق کے بعد آفت سماویہ یا ارضیہ سے سوکھ جائے۔

حل لغات ہاج النبت (انگوری خشک ہو گئی) ہیج ہیجا ہیجانا وہیاجا (بالکسر) بمعنی یبس (سوکھ گیا) الھائجہ وہ زمین جس کی سبزی خشک یا زرد ہو جائے۔ اہاجہ بمعنی ایبسہ (اسے خشک کیا) واہیجہا یعنی انگوری سے خشک پایا۔

فتراہ مصفرا (کہ تو اسے زرد دیکھے) بعد اس کے کہ تو نے اسے رونقدار اور سبزہ زار دیکھا تھا)

سوال فیصفر کیوں نہ کہا؟

جواب تاکہ معلوم ہو کہ اس کا زرد ہونا اس کے سوکھنے کے ساتھ ساتھ ہوا اس طرح اس کا دیکھنا بھی اسی پر مرتب ہوگا۔

ثم یکون حطاما پھر ہو جائے روندن۔ ایک دوسرے سے ٹوٹا پھوٹا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر۔

حل لغات القاموس میں ہے الحطم ٹوٹنا یا یہ خشک اشیاء سے خاص ہے۔

فائدہ آیت میں دنیا کے امور کی تحقیر ہے یعنی یہ امور وہ ہیں جو آنے والی کامیابی تک نہیں پہنچا سکتے اس کی مثال بھی ایسی دی ہوئی جو حقارت کے لئے ظاہر ہے اس میں یہ بیان بھی ہے کہ یہ دنیوی امور باطل ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں۔

پند حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ لوگ اب سو رہے ہیں جب مریں گے تب بیدار ہوں گے یہ قلیل النفع اور سریع الزوال ہے اس کی طرف عقل مند دھیان نہیں کرتے چہ جائیکہ اسے قیام گاہ بنائیں اور اس کے حال کی تمثیل بنات مذکور سے اس لئے دی گئی کہ یہ دنیا جلد چھوٹنے والی اور نہایت قلیل النفع ہے۔

مسئلہ زینت حیات دنیا دار اصل اللہ تعالیٰ کی (بنائی ہوئی) زینت ہے لیکن اس کا دارومدار نیت پر ہے کیونکہ

بالطبع محبوب شے ہے جب انسان بالطبع اس کی طرف مائل ہو تو محمود ہے کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کے امر نہ حکم سے ہو اور اس کا مرجع اسی کی ذات ہو تو اس کا کل کا کل محمود ہے اور حیات دنیا لہو و لعب اور زینت و تفاخر و تکاثر ہے اور انسان کا اپنے جیسے پر فخر کرنا غلط ہے کیونکہ وہ اس کی حقیقت سے بے خبر ہے یہی اس کی مذمت کا سبب ہے۔

شہوات کے سات اسباب بعض اکابر مشائخ نے فرمایا کہ شہوات سات ہیں وہی جنہیں قرآن کریم نے بیان فرمایا۔

زین للناس حب الشہوات انسان کے لئے حب شہوات سنگاری گئی ہیں۔

۱۔ عورتیں ۲۔ اولاد ۳۔ قناطیر المقنطرۃ ۴۔ سونا ۵۔ چاندی ۶۔ گھوڑے نشان والے ۷۔ جانور ۸۔ کھیتی

اللہ تعالیٰ نے انہیں اس آیت میں پانچ بیان فرمائی ہیں یعنی اعلموا انما ھذا الحیوۃ الدنیا لہو و لعب الخ اور سورہ محمد میں صرف دو ہیں ان سب کو بیان کر دیا جیسا کہ فرمایا انما الحیٰوۃ الدنیا لہو و لعب اور ایک آیت میں ان دونوں کو ایک امر میں بند کر دیا چنانچہ فرمایا فاما من خاف مقام ربہ ونہی النفس عن الھوی بہر حال وہ بندہ کی اپنے رب تعالیٰ کی پیشی سے ڈرتا ہے اور نفس کو خواہشات سے روکتا ہے۔

الھوی جامع ہے تمام شہوات کو جو خواہشات سے چھوٹا وہ ہر قید او برزخ سے نجات پا گیا اور وہ تمام مسالک وصل الی المطلب الاعلیٰ والمقصد الاقصیٰ کو پہنچ گیا۔

وفی الاخرۃ عذاب شدید (اور آخرت سخت عذاب ہے) اس کے لئے جو دنیا کی طرف متوجہ ہوا لیکن آخرت طلب نہ کی۔

نکتہ عذاب کا ذکر اس لئے کہ وہ نتیجہ ہے اس انہماک کا جو دنیا کی تفصیل میں مذکور ہوا۔

ومغفرۃ اور بہت بڑی مغفرت ہے من اللہ اللہ تعالیٰ سے ورضوان اور بہت بڑی خوشنودی کہ جس کا اندازہ کسی کو معلوم نہیں یہ اس کے لئے ہے جس نے دنیا سے اعراض کر کے آخرت کی طرف متوجہ ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ کی تلاش میں رہا کیونکہ دنیا و آخرت ہر دونوں اہل اللہ پر حرام ہیں۔

marfat.ocm

اے طالب دنیا تو بسے مغروری — وے مائل عقبی تو یکے مزدوری
وے آنکہ ز میل ہر دو عالم دوری — تو طالب نور بلکہ عین نوری

ترجمہ اے طالب دنیا تو بہت بڑے فریب میں ہے اور اے آخرت کا مائل تو تو ایک مزدور ہے اے وہ جو ہر دو عالم سے دور ہے تو نور کا طالب بلکہ تو عین نور ہے (تجھے مبارک ہو)

مسئلہ اس میں اچھی نیت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ وہ مباح وغیرہ کو طاعت بنا دیتی ہے۔

فائدہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ جس کا طریقہ صحیح اور نیت اچھی ہو وہ اعمال صالحہ سے جو تمنا رکھتا ہے۔ سب کو حاصل کرلے گا۔

حدیث شریف میں ہے جو باوضوء ہو کر سویا اور اس کا ارادہ تھا کہ وہ تہجد کے لئے اٹھے گا لیکن اسے نیند نے گھیر لیا اور نہ اٹھ سکا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے قیام اللیل کا ثواب لکھ دے گا۔

فائدہ اسی طرح اس کے لئے جو حج یا جہاد کی نیت سے گھر سے نکلا۔

سبق اس طباخ و خباز (کھانا تیار کرنے والے) کو سوچنا چاہیئے کہ جو رات کو بیداری میں طعام وغیرہ پکانے میں گزار دیتا ہے اور لوگ آرام سے سو رہے ہیں اسے نفع کی امید ہے لوگوں سے کوئی غرض نہیں اگر اسے سوچ ہوئی تو نیت یوں کرتا کہ میرا یہ کام اللہ تعالیٰ کے بندوں کی بھلائی کے لئے ہے تو خوب ہوتا لیکن اپنی نیت بیع کی طرف نفع میں گنوادی۔

سبق خلاصہ یہ کہ بازاری ہو یا کاریگر ان کو نیت یوں کرنی چاہیئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کی خدمت کر رہا ہے اور بس اس کا یہ پروگرام ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کی طرح عبادت میں قوت پیدا کرنے کے لئے کام کر رہا ہے یہاں تک کہ وہ عبادت کر کے اجر پائیں گے تو مجھے بھی ثواب ملے گا۔

فائدہ جو شخص طریقہ مذکورہ پر حکم شرع کے مطابق کام کرتا ہے مصالح عبادت کی خاطر یا کسی کے شکرانہ میں کہ اس نے اسے کسی نعمت سے نوازہ تو وہ اللہ تعالیٰ کی عبودیت میں ہے کیونکہ اس نے وہ حق ادا کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی

طرف سے اس پر واجب تھا اور بندوں کی خدمت کی تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسی لئے اس کا حکم ہی ہے کہ وہ حق عبودیت سے باہر نہیں ہوا بخلاف اس بندہ خدا کے کہ وہ اپنی خواہش نفسانی پر کام کرتا ہے تو وہ اسے حق کے امر و حکم کی بو بھی نصیب نہیں یہ عبودیت میں داخل نہیں اسے چاہئے کہ حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرے۔

فائدہ بعض اکابر مشائخ نے فرمایا کہ جس نے دنیا کی مذمت کی تو اس نے ماں کی نافرمانی کی کیونکہ جتنا امور از قسم انکار و شرر و اللہ تعالیٰ کے بندے دنیا کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ جملہ اس کے نہیں بلکہ اس کی اولاد کے ہیں یعنی انسانوں کے کیونکہ برا فعل دنیا کا نہیں بلکہ مکلف کا ہے یہ تو بندے کی سواری ہے جس کے ذریعے وہ مقصد تک پہنچ سکے ہاں اسی کے ذریعے بندہ شر سے نجات بھی پا سکتا ہے بلکہ دنیا تو چاہتی ہے تو اس کی اولاد میں کوئی بھی خدا تعالیٰ کا نافرمان نہ ہو کیونکہ یہ اپنی اولاد کے لئے بہت بڑی شفیق ہے اور چاہتی ہے کہ اس کی اولاد میں سے کوئی بھی اخرت میں دکھ نہ اٹھائے حالانکہ دنیا نے اسے جنا بھی نہیں (صرف مجازی طور اہل دنیا کی ماں کہلاتی ہے) اور نہ ہی اس نے تربیت کی ہے۔ اور ماں (دنیا) کی ایک نافرمانی یہ ہے کہ جملہ نیک امور جو اسی میں کرتے ہیں وہ آخرت کی طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ وہ سارے اعمال دنیا میں ہی کئے گئے ہیں۔ دنیا کو کوئی ایسی مصیبت کا اجر ملے گا جو اسے اولاد کی طرف سے پہنچ رہا ہے۔

فائدہ جس نے دنیا کی مذمت کی وہ جاہل ہے وہ اپنی ماں (دنیا) کے حقوق نہیں جانتا اور جو ایسا ہے وہ آخرت کے حقوق سے جاہل تر ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب بندہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ دنیا پر لعنت کرے تو دنیا کہتی ہے اللہ تعالیٰ اسے ملعون بنائے جو اپنے رب کا بے فرمان ہے۔

فائدہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ حسن نیت سے اعمال کر کے ان کا ثواب طلب کرنا کوئی بری بات نہیں نہ صرف عوام بلکہ خواص بھی اس سے نہیں بچ سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ انسان کی پیدائشی فطرت ہی ایسے ہی ہے کہ وہ امور طبعیہ و روحانیہ کی طرف فطرۃ مائل ہے اس لئے جو اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا اس کی ترغیب دلائی ہے تو وہ اس طرف رجوع کریں تو کیا حرج ہے کیونکہ اس سے تو حکم الٰہی اثبات ہو گا کیونکہ مکابرہ ربوبیت کے ساتھ ناجائز ہے

marfat.ocm

بلکہ کاملین اسی رغبت میں عوام کے ساتھ شریک ہیں۔ صرف باعث و موجب میں عوام سے ممتاز ہیں کیونکہ ان کی طلب میں حق مقدار رسید والی بات ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ اپنے نفوس پر بھی ظلم نہیں کرتے بلکہ ان کے حقوق کی بھی ادائیگی کرتے ہیں کیونکہ جو اپنے نفس کا حق نہیں کرتا وہ بھی کمال کے درجہ سے گرا ہوا ہے اور نفس کے ساتھ کھوٹ کرنے والا ہے۔

وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنیا اور نہیں ہے حیات دنیا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْر مگر دھوکا کا مال۔ یعنی اس مال کی طرح جو ٹوٹے شیشوں اور ٹھیکریوں سے تیار شدہ ہو جو چند لمحات کے بعد مٹ جائے لیکن پہلی نظر دیکھتے ہی طبیعت کو بھا جائے پھر جب اسے نفع اٹھانے کے لئے لیا جائے تو ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائے۔

حکایت منقول ہے کہ کسی بادشاہ کی خدمت میں فیروزہ رنگ کا پیالہ پیش کیا گیا جو جواہر سے مرصع تھا اس کی نظیر نہ دیکھی گئی بادشاہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا حضار مجلس میں سے دانشوروں سے اس کے متعلق پوچھا تو ایک نے کہا میں اس میں سخت تنگی اور مصیبت لعجلت دیکھتا ہوں پوچھا وہ کیسے جواب دیا کہ اگر ٹوٹ جائے تو ایسی مصیبت کہ اس کا جب نقصان نہیں ہو سکے گا اگر چوری ہو جائے تو اس کی تلاش کا محتاج ہو گا حالانکہ اس کے آنے سے پہلے تو دونوں مصیبتوں سے محفوظ تھا اتفاقاً چند ایام کے بعد پیالہ ٹوٹ گیا تو بادشاہ عظیم مصیبت میں مبتلا ہو گیا۔ بادشاہ نے کہا دانشور نے ٹھیک کہا تھا کاش یہ پیالہ میرے ہاں نہ لایا جاتا۔

فائدہ یہ دنیا دھوکہ کا سامان اس لئے ہے جو اس پر مطمئن ہے اور اسے آخرت کا ذریعہ نہیں بناتا اور وہ جو اس سے آخرت طلب کرتا ہے تو اس کے لئے یہ دنیا بہتری کی طرف پہنچانے کا سامان ہے اور بہتر جنت ہے بہر حال دنیا مقصود بالذات نہیں بلکہ اجر آخرت کے لئے بالعرض (بالواسطہ) مقصود ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اچھا مال نیک مرد کے لئے ہے۔

مثنوی شریف میں ہے۔

مال را کز بہر حق باشی حمول نعم مال صالح گفتش رسول

(اگر مال اللہ تعالیٰ کے لئے اٹھاتا پھر رہا ہے تو یہ اچھا ہے ایسے ہی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے)

قاعدہ صوفیانہ جو شے (خدا تعالیٰ اور) آخرت سے غافل کر دے وہ دنیا ہے اور جو اس طرح نہ ہو وہ آخرت

ہے۔ بعض مشائخ اکابر نے فرمایا کہ اس بارہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد وارد ہے وہ اپنے بندوں کو مخاطب ہو کر فرماتا ہے کہ میں نے مخلوق پیدا فرمائی تاکہ وہ دنیا کی کنجیاں اور لوگوں کے محاسن دیکھیں ان کی مفاتیح دنیا پر پڑے تو وہ اپنی نظر زہد کی طرف پھیر دے اور لوگوں کے محاسن (نیک کردار) دیکھ کر حسن ظن سے کام لے لیکن عام انسان نے اس کے برعکس کر دیا کہ دنیا کے خزانے دیکھ کر اس میں للچایا اور خوب پھنسا اور لوگوں کے محاسن کے بجائے مساوی (برائیاں) دیکھ کر ان کی غیبت میں لگ گئے۔

حکایت شجاع کرمانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے شیخ ابوالفوارس شاہین شکار کے لئے نکلے اس وقت وہ کرمان کے بادشاہ تھے۔ شکار خوب ڈھونڈا اور ان کی نگاہ ایک ویرانہ پر پڑی جو تنہا بے آب و گیاہ تھا اس کے اندر گئے دیکھا تو ایک نوجوان درندے پر سوار جا رہا ہے اور اس کے ارد گرد درندے تھے جب درندے نے شاہ کرمان کو دیکھا تو اس کی طرف بھاگا تاکہ چیر کھائے نوجوان نے درندے کو زجر و توبیخ کی جب وہ نوجوان شاہ کرمان کے قریب ہوا تو السلام علیکم کے بعد فرمایا اے شاہ کرمان اللہ تعالیٰ سے اتنا غفلت کیوں دنیا میں ایسا مشغول ہوا کہ آخرت بھی بھول گئی اور لذت و شہوت میں ایسے پھنسے کہ خدمت حق بھی گئی۔ تجھے اللہ تعالیٰ نے دنیا اس لئے دی تاکہ تم اس سے اس کی خدمت آسانی سے کر سکو لیکن تم نے اسے اس سے غفلت کا ذریعہ بنا ڈالا یہ بات ہو رہی تھی کہ اچانک ایک بڑھیا وہاں سے نکلی اس کے ہاتھ میں پانی تھا جسے اس نوجوان نے پی لیا تھوڑا سا بادشاہ کرمان کو دیا کہا میں نے اس سے لذیذ تر پانی کبھی نہیں پیا اور ٹھنڈا ایسا کہ اس کی نظیر کہاں اور پھر مٹھاس کا کیا کہنا۔ پانی دے کر بڑھیا غائب ہو گئی۔ نوجوان نے کہا یہی بڑھیا دنیا تو تھی اسے اللہ تعالیٰ نے میری خدمت کے لئے بھیجا تھا میں جب کسی شے کو چاہتا ہوں وہ مجھے فوراً لا کر دیتی ہے کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے دنیا پیدا فرمائی تو اسے فرمایا اے دنیا جو میری خدمت (عبادت) کرے تو اس کی غلام رہنا جو تیری خدمت کرے تو اسے اپنا غلام بنانا۔ جب شہزادے نے نوجوان کی باتیں سنیں تو تائب ہو گیا اور عبادت الٰہی میں اتنی جدوجہد فرمائی کہ ولی اللہ بن گیا۔

سبق جو کچھ زمین میں ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے بنایا تو (گویا یہ دولہا ہے تمام روئے زمین کا) دولہا دلہن کے لائق نہیں کہ جو اس پر نچھاور کیا جائے وہ اس کے جمع کرنے کے درپے ہو جائے حالانکہ جو چیز جس پر نچھاور کی جاتی ہے وہ اس کے اعزاز و اکرام میں ہوتا ہے اور جو شے نچھاور کی جاتی ہے وہ اس کے لئے ایک معمولی اور حقیر شے ہوتی

ہے اس لئے وہ نچلی اور ردی اشیاء و دراہم و دنانیر (روپے پیسے) غرباء و مساکین اور کم حیثیت لوگ اٹھاتے ہیں۔

سبق جو رب جلیل کی شان پہچانتا ہے وہ شے حقیر و قلیل کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا بلکہ وہ عالی ہمت ہو کر اہل مروۃ و عالی ہمتی سے ماسوی اللہ سے روگردان اور صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ سابقوا سبقت کرو بھولوں کی طرح میدان (ہمت) میں۔ الی مغفرہ مغفرت کی طرف جو بڑی عظیم الشان ہے

من ربکم تمہارے پروردگار سے یعنی اس کے اسباب و موجبات کی طرف جیسے استغفار اور جملہ اعمال صالحہ یعنی اللہ تعالیٰ کے وعدہ مبارک کے مطابق ورنہ عمل صالح فی نفسہ غیر موجب ہے حضور سرور عالم ﷺ کی دعا ہے اسئلک عزائم مغفرتک میں تجھ سے تیری پختہ مغفرت کا سوال کرتا ہوں یعنی یہ کہ مجھے ان اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرما جو عامل کے لئے لازماً مغفرت کا موجب بنیں۔

مسئلہ لزوم مغفرت کا ایک موجب نماز باجماعت میں تکبیر اولی مع الامام کا دخول بھی ہے (اور بھی ہیں جنہیں صوفیہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنی تصانیف میں بیان فرمائے ہیں)

وسیلہ مصطفیٰ ﷺ حضرت سلمی قدس سرہ نے فرمایا کہ مغفرت کا وسیلہ صرف اور صرف رسول اللہ ﷺ ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے محبوب ﷺ کی اتباع میں جلدی کرو اس لئے کہ تمہاری مغفرت کے صرف اور صرف ایک ہی سبب (وسیلہ) ہیں اور بس۔

پیمبر کسے را شفاعت گر ست که بر جادۂ شرع پیغمبر است

(رسول اللہ ﷺ اس کے شفیع ہیں جو آپ کی شرع پاک کے طریقہ پر ہے)

تقریر دلپذیر صوفیانہ حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ قدس سرہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عالم امر سے عالم ارواح کی طرف وہاں سے عالم اجساد بھی بھیج کر بہترین شکل و صورت بخشی اور اختیار عطا فرمایا کہ اطاعت و عبادت کرو اور حسنات تک پہنچنے کے اسباب تلاش کرو تاکہ تمہیں بہشت کا داخلہ نصیب ہو بلکہ اس کریم نے وصل و رویت جمال کا راستہ بیان فرمایا پھر اس راستہ پر تیزی سے چلنے میں مبالغہ فرمایا۔ (سارعوا) کیونکہ مضارعت صیغہ مبالغہ

نکتہ بعجلت راستہ طے کرنے میں اس لئے مبالغہ فرمایا کہ عمر انسانی بہت کم (اور سفر طویل) ہے اور انبیاء و اولیاء تشریف لے جا چکے ہیں اور ہم نے بھی کوچ کرنا ہے تو پھر لازم ہے کہ ہم اس میں جتنا ہو سکے جلدی سے منزل طے کریں تاکہ تکاہل و تکاسل سے درجات علیہ تک نہ پہنچا جا سکے۔

فائدہ مرتبہ طبیعہ میں طریقہ جلدی کرنا امر کی تعمیل اور نواحی سے اجتناب ہے اور مرتبہ نفس میں اخلاق رویّہ سے اس کا تزکیہ جیسے تکبر۔ ' ریا' عجب ' غضب اور حسد و حب المال و حب الجاہ سے بچنا اور اسے (نفس) کو اخلاق محمودہ سے سنوارنا جیسے تواضع۔ اخلاص ہر نیک کام کی توفیق اللہ تعالیٰ سے سمجھنا' علم' صبر رضا' تسلیم' عشق ارادہ' حکم وغیرہ وغیرہ (عادت ڈالنا) اور مرتبہ روح میں معرفت الٰہی کی تحصیل اور مرتبہ سر میں ماسوی اللہ کی نفی کرنا۔

تفسیر صوفیانہ - حضرت البقلی قدس سرہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ارادت مندوں کو مغفرت میں عجلت کرنے کے ساتھ اور مشتاقین کو اپنے جمال کی اشتیاق سے دعوت دی اور یہ کہ خطاب ہر گروہ کو شامل ہے (ارادت مند ہوں یا اہل اشتیاق) کیونکہ ذنوب کے دریا میں ہر ایک غوطہ لگاتا ہے جب تک کہ اسے اس کی معرفت کی حقیقت معلوم نہیں ہوتی اور اس کی عبادت کا حق ادا نہیں کیا ہوتا اسی لئے سب کو اپنی رحمت کے دریا میں غُوطہ لگانے کے لئے تطہیر کی دعوت دی ہے وہ اس میں غوطہ لگاتے رہیں یہاں تک کہ اپنے غرور سے بالکل پاک اور صاف ہو جائیں یعنی انہیں اللہ تعالیٰ کی معرفت نصیب ہو جائے اور اللہ تعالیٰ تک پہنچ کر بھی سمجھیں کہ انہوں نے اسے ابھی تک نہیں پہچانا ایسے لوگوں کا اللہ تعالیٰ ہاتھ پکڑ کر گوناگوں الطاف کریمانہ سے نوازتا ہے۔

نسخہ روحانی یاد رہے کہ ایسی مسابقت و مسارعت قصد و طلب کے بعد نصیب ہوتی ہے۔

گر گراں و گر شتابندہ بود آنکہ گو بندہ است یابندہ بود

(اگر آہستہ چلے یا دوڑے جو بھی تلاش کرتا ہے وہ ضرور مطلب پاتا ہے)

تفسیر عالمانہ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ (اور بہشت جس کا پھیلاؤ تمام آسمان اور زمینیں ہیں) یعنی ساتویں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کا عرض اگر ان کے ایک دوسرے کو آپس میں ملایا جائے یہ اس وقت ہے جب اسماء اور زمین کا الف لام استغراق کا مانا جائے۔

marfat.ocm

سبق جب بہشت کے عرض کا یہ حال ہے تو طول کا کیا حال ہو گا کیونکہ ہر شے کا طول عرض سے لمبا ہوتا ہے۔

ازاں فزوں تر حضرت اسماعیل سدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر زمین اور آسمانوں کو توڑ کر ریزہ ریزہ کیا جائے تو ہر ریزہ کے بالمقابل اللہ تعالیٰ کی بہشت ہے جس کا عرض ساتویں آسمان اور ساتوں زمین ہیں اور یہ تشبیہ صرف انسان کو تمثیل سے سمجھانے کے لئے ہے کہ وہ اسی طرح سمجھتا ہے اور اسی طرح اس کے ذہن میں یہ بات موثر ہو گی کہ بہشت اتنا مقدار پر طویل و عریض ہے اور مغفرت کی جنت پر تقدیم تقدم تخلیہ علی تحلیہ (پہلے صفائی پھر تزئین) کے قبیل سے ہے۔ اُعِدَّتۡ تیار کی گئی ہے۔

لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ان لوگوں کے لئے جو اللہ اور رسولوں پر ایمان لائے۔

ردالمعتزلہ

اس آیت سے ثابت ہوا کہ جنت مخلوق اور بالفعل موجود ہے جیسے اہل سنت کا مذہب ہے اور اس پر اتنا ایمان لانا کافی ہے کہ وہ ہے قطع نظر اس کی تفصیل کے کہ وہ کیا اور کہاں اور کس طرح ہے۔ اس کے درجات اعمال کے مطابق نصیب ہوں گے۔

انتباہ ایمان بالرسل کی تکمیل ان کتب واحکام پر ایمان لانے سے ہوتی ہے جو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے اور ان پر عمل کرنے سے۔

ذٰلِكَ وہ جو وعدہ کیا گیا ہے مغفرت و جنت کا۔

فَضۡلُ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کا فضل و عطا ہے یعنی اپنے کرم سے ہی ابتداء لطف کرنا بغیر کسی سبب کے۔ يُؤۡتِيۡهِ اپنے فضل و احسان سے عطا فرمائے گا۔ مَنۡ يَّشَآءُ جسے چاہے گا یعنی اس کی عطا اپنی مرضی پر ہے اس پر کسی سے کوئی شے واجب نہیں نہ اس طرح کہ جیسے معتزلہ کا گمان ہے کہ اس پر نیک عمل والے کی جزاء واجب ہے (معاذ اللہ)

واللہ ذوالفضل العظیم اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے اسی لئے جو کچھ جسے جتنا چاہے جس کی کوئی حد و غایت نہیں۔

فائدہ اس میں تنبیہ ہے کہ اس کی ذات عظیم ہے کیونکہ عظیم ذات کی ہر شے عظیم ہوتی ہے۔

---

marfat.ocm

مسئلہ اس میں اشارہ ہے کہ کوئی بھی اس کے فضل و کرم کے بغیر بہشت میں داخل نہ ہو گا۔ نہ کوئی نبی علیہ السلام اور نہ کوئی ولی اللہ۔

حدیث و حکایت حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا ابھی میرے سے میرے دوست جبریل علیہ السلام مل کر تشریف لے گئے ہیں اور کہہ گئے ہیں کہ اے (حضرت) محمد (ﷺ) قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کوئی اللہ تعالیٰ کا بندہ پانچ سو (۵۰۰) سال اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اس پہاڑ کی چوٹی پر جو صرف اسی کو گھیرے ہوئے ہو لیکن اس کے لئے میٹھے پانی کا چشمہ پہاڑ کے نیچے ہو اور اس کے بندے کے لئے انار کا درخت ہو جو صرف اس کے لئے ہی انار کے دانے نکالے اور وہ بندہ ہر شام کو نیچے اتر کر چشمے سے وضو کرے اور انار کے دانے کھائے اس کے بعد نماز میں مشغول ہو جائے اور دعا کرے کہ اس کی روح سجدہ کی حالت میں قبض ہو اور زمین میں اس کا کوئی کام نہ ہو اور نہ ہی وہ زمین میں مدفون ہو جب قیامت میں اٹھے تو اسی پہاڑ سے اٹھے اور سجدہ کی حالت میں اٹھے اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول کر لی اور جب سے ہم اس زمین پر آتے اور پھر آسمان کو جاتے ہیں تو اسے سجدہ کی حالت میں دیکھتے ہیں لیکن اس کے متعلق ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم ہوا کہ جب وہ قیامت میں اٹھ کر بارگاہ حق میں پیش ہو گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے بندے کو میری رحمت سے بہشت میں لے جاؤ بندہ عرض کرے گا بلکہ میرے عمل کے بدلے میں بہشت میں لے جائیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا میری نعمتوں سے اس کی عبادت کا بدلہ لو اس کی پانچ سو سال کی عبادت صرف آنکھوں کی نعمت کا بدلہ بن سکیں باقی نعمتیں اس کے ذمہ باقی رہ گئیں جن کے لئے عبادت بدلہ کہاں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے بندے کو دوزخ میں لے جاؤ وہ بندہ فوراً بول اٹھے گا یااللہ مجھے تیرے رحمت سے ہی بہشت میں لے جائیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے پاس واپس لے آؤ جب وہ اللہ کے سامنے لایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرا بندہ بتا تجھے کس نے پیدا کیا جبکہ تو تھا ہی نہیں۔ عرض کرے گا یارب تو نے ہی مجھے پیدا کیا اللہ تعالیٰ فرمائے گا تیری یہ تخلیق میں نے تیرے کسی عمل سے نہیں کی یہ میری ہی رحمت ہے عرض کرے گا یارب تیرا ہی کرم اور رحمت ہے کہ تو نے بلا عوض مجھے پیدا کیا پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تجھے قوت کسی نے بخشی کہ تو نے پانچ سو سال عبادت میں گزارا عرض کریگا یارب تو نے ہی قوت بخشی پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا دریا کے درمیان پہاڑ کی چوٹی پر تجھے کس نے بٹھایا اور وہاں تیرے میٹھے پانی کا چشمہ کس نے بہایا حالانکہ اس کے ارد گرد سمندر کا کڑوا پانی ہے اور پھر

marfat.ocm

تیرے لئے ہر شب کو انار کا انتظام کس نے کیا حالانکہ انار کا درخت سال میں صرف ایک بار پھل دیتا ہے اور تیرے لئے روزانہ دیتا رہا اور پھر تو نے مجھ سے سوال کیا کہ میں تیرے روح بحالت سجدہ قبض کروں بتا تجھے تیرا سوال پورا ہوا یا نہ۔ عرض کرے گا یا رب یہ سب تیرا کرم ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ سب میرے رحمت سے ہوا تو اب بہشت میری رحمت سے داخل ہو گا۔

چو روئے بخدمت نہی برزمیں   خدا اثنا گوئی و خود را مبین
امیدیکہ حوارم فضل خدا است   کہ بر سعی خود تکیہ کردن خطا ست
ہمیں اعتمادم بیاری حق   امیدم بآمرز گاری حق

ترجمہ ۱ جب خدمت کا منہ زمین پر رکھے گا اللہ تعالیٰ کی تعریف کہہ اور خود کو نہ دیکھ۔

۲۔ وہ امید جو رکھتا ہوں وہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اس لئے کہ اپنے اوپر تکیہ کرنا خطا ہے۔

۳۔ مجھے مدد حق تعالیٰ پر اعتماد ہے اسی لئے مجھے اس کی بخشش کی امید ہے۔

تفسیر عالمانہ مَآ اَصَابَ مِنۡ مُّصِیۡبَةٍ فِی الۡاَرۡضِ نہیں پہنچتی کوئی مصیبت زمین میں۔

حل لغات ما نفیہ ہے المصیبۃ اس کا اصل ہے جو شے کمان سے نکلے مثلاً کہا جاتا ہے اصاب الیھم تیر پہنچا یعنی جس پر تیر مارا گیا اسے ٹھیک پہنچ گیا ہے پھر یہ حوادث سے مخصوص ہو گیا ہے یعنی ہر وہ شے جو زمین پر پیدا ہو جیسے قحط۔ کھیتی اور ثمرات میں (بیماری وغیرہ)

لافی انفسکم اور نہ تمہاری جانوں میں جیسے مرض و آفت۔ اولاد کی موت۔ خوف دشمن اور بھوک (وغیرہ)

الا فی کتاب (مگر وہ ایک کتاب میں ہے) یعنی وہ لکھا ہوا اور اللہ تعالیٰ کے علم میں مثبت ہے یا لوح محفوظ میں۔

من قبل ان نبراھا اس سے پہلے کہ اسے ہم پیدا کریں نفوس کو یا مصائب کو یا زمین کو اس لئے بسرءٌ لغت میں الخلق ہے الباری بمعنی الخالق۔

حکایت ربیع بن صالح الاسلمی فرماتے ہیں کہ جب حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حجاج کے سامنے شہید کرنے کے لئے لائے تو میں اس وقت موجود تھا میں نے دیکھا کہ حضرت سعید کا ایک رشتہ دار رونے لگا آپ نے

marfat.ocm

پوچھا کیوں روتے ہو کہا اس مصیبت سے جو آپ پر پڑی ہے فرمایا مت رو یہ تو وہ ہے جو میری پیدائش سے پہلے اللہ تعالیٰ کے علم میں میرے لئے لکھی گئی تھی کیا تو نے نہیں سنا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ما اصاب من مصیبته الخ

حکایت حجاج حجاج ظالم کو مرنے کے بعد خواب میں کسی نے دیکھ کر کہا کیا حال ہے کہا دوسرے کے قتل پر ایک بار لیکن حضرت سعید بن جبیر کے قتل پر مجھے ستر بار قتل کیا جاتا ہے۔

مسئلہ آیت سے ثابت ہوا کہ جملہ حوادث ارضیہ دخول وجود سے پہلے لکھے ہوئے تھے اسی طرح جملہ اعمال الخلق بہ جمیع تفصیل لوح محفوظ میں مندرج تھے تاکہ ملاءکہ رہبری حاصل کر سکیں کہ اللہ تعالیٰ جمیع اشیاء کو بہ جملہ تفصیل جانتا ہے اور پھر اس کے حوصلہ پر یقین کریں کہ وہ جانتا تھا کہ یہ معاصی میں کمی نہ کریں گے لیکن اس کے باوجود انہیں پیدا کر کے رزق عطا فرمایا اور انہیں مہلت دی اور ساتھ ہی ایسے معاصی معلوم کر کے وہ گناہوں سے بچیں اور وہ اپنی عصمت پر توفیق کا شکر کریں کہ اس نے انہیں طاعت کی توفیق بخشی اور گناہوں سے بچایا۔

مسئلہ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وقوع الاشیاء سے پہلے اللہ تعالیٰ ہر شے کے ذرہ ذرہ کو جانتا تھا ورنہ ان کا اثبات فی الکتاب محال ہے۔

سوال کیا اللہ تعالیٰ اہل جنت کے انفاس کی گنتی جانتا ہے۔

جواب، اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے لیکن اسے علم ہے کہ اہل جنت کے انفاس کی گنتی ہے ہی نہیں۔ ان ذلک بیشک باوجود کثرت کے ان کا کتاب میں اثبات ہے۔ علی اللّٰہ اللہ تعالیٰ پر یہ یسیر (کے متعلق ہے) آسان ہے وہ ان کی گنتی وعدت سے مستغنی ہے اگرچہ یہ بندوں پر مشکل ہے۔

فائدہ سیدنا جنید رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کو جانتا ہے تو وہ اقامتہ العبودیت میں اس کا محتاج ہے اور وہ اپنے ستر سے جانتا ہے وہ جو اللہ تعالیٰ نے آثار قدرت سے اسے عرفان بخشا ہے کہ ما اصب الخ میں راز کیا ہے اس نے تو یہ حکم اللہ تعالیٰ سے سن کر اپنے قلب سے گواہی دی تو وہ اس سے راحت و سرور پاتا ہے

marfat.ocm

اس سے اس کا سینہ کھل جاتا ہے اور جتنا مصائب اس پر آئیں ان کی پرواہ نہیں کرتا۔

سوال اللہ تعالیٰ جب قادر ہے وہ بندوں پر مصائب کے انزال کے بغیر بھی مراتب عطا فرما سکتا ہے تو پھر انہیں مصائب میں کیوں ڈالا۔

جواب امتحان القہر سے حقائق الربوبیت و غرائب الخلق کے عرفان سے آگاہی کا ارادہ فرمایا تاکہ اس کے ہاں طریق الجلال والجمال سے پہنچیں۔

فائدہ آیت میں نفوس کو قضاء پر راضی اور بلاء پر صبر کا طریقہ سکھلایا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ شہود المبتلی عین الابتلاء میں ہے اسی طریقہ سے ہی اس کا تحمل آسان ہے ورنہ جو مبدا اللطف والقہر سے غافل ہے وہ لطف و قہر میں غفلت کا شکار ہے اسی لئے ایسے لوگوں کو مصیبت بھاری محسوس ہوتی ہے بخلاف اہل الحضور کے کہ وہ بلا سے اس طرح لذت پاتے ہیں جیسے ہم عافیت ہمیں بلکہ انہیں عافیت کے بجائے بلاء میں زیادہ لذت محسوس ہوتی ہے۔

از دست تو مشت بر دہانم خوردن خوشتر کہ بدست خویش خانم خوردن

(تیرے ہاتھ سے منہ پر طمانچہ کھانا بہت زیادہ خوشی ہے اس سے کہ اپنے ہاتھ سے لقمہ (روٹی) کھانا)

فائدہ عرب میں یہ مثل مشہور ہے ضرب الحبیب زبیب۔ محبوب کی مار لذیذ شے ہے۔

تفسیر عالمانہ لِكَيْلَا تَأْسَوْا اس لئے کہ غم نہ کھاؤ۔

حل لغات اہل لغت کہتے ہیں اسی علی مصیبتہ یاسی اسی (از باب علم) کو نے اپنی مصیبت پر محزون ہوا۔ اب خلاصہ یہ ہوا کہ ہم نے تمہیں خبر دی کہ وہ مصیبت ثابت ہے اور کتاب میں لکھی ہوئی تاکہ تمہیں حزن و ملال حاصل نہ ہو۔ عَلٰى مَا فَاتَكُمْ (اس پر جو تمہارے ہاتھ سے گیا) دنیا کی نعمتوں سے جیسے مال اور خوشحال اور صحت و عافیت ولا تفرحوا بما اتاکم اور نہ اتراؤ اس پر جو تمہیں اس نے دیا۔ یعنی ان نعمتوں میں سے تمہیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا کیونکہ جسے معلوم ہو کہ مصیبت و نعمت مقدر تو یقین کرے گا جو مقدر میں ہے کہ وہ نعمت اس کے ہاتھ سے جائے گی اور جو اس کے مقدر میں ہے وہ لامحالہ عطا ہو گا ایسے شخص پر نعمت کے ہاتھ سے نکل جانے کی گھبراہٹ نہیں

marfat.ocm

ہوتی اور نہ ہی کسی نعمت کے حصول پر اتراتا ہے کیونکہ اسے معلوم ہے کہ ممکن ہے یہ اس کے ہاتھ سے نکل جائے تو اس پر اترانے کا کیا فائدہ۔

حکایت بزرجمر سے سوال ہوا کہ اے دانش ور زمانہ کیا وجہ ہے کہ آپ بڑی سے بڑی نعمت کے ضائع ہونے پر بھی کبھی محزون و مغموم نہیں ہوتے اور نہ ہی بڑی سے بڑی نعمت کے حصول پر کبھی اتراتے ہیں فرمایا کہ جو شے ہاتھ سے نکل گئی وہ مغموم و محزون ہونے سے واپس نہیں لوٹے گی۔ اور نہ ہی عطا شدہ نعمت اترانے پر ہمیشہ کسی کے پاس رہ سکتی ہے خلاصہ یہ کہ نہ ہی افسوس کھانے سے گئی ہوئی شے واپس آتی ہے[1]۔ اور نہ ہی اترانا گم شدہ شے کے قریب لا سکتی ہے

---

[1] بزرجمر کی کوئی تخصیص نہیں ہر دانش ور خواہ وہ روحانی پیشوا ہو یا دنیوی لیڈر ہر ایک کا یہی مسلک ہے کہ دکھ سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ اور نہ ہی سکھ پر اترانا اچھا ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلوی قدس سرہ نے فرمایا کہ جو لوگ اپنے عزیزوں کی وفات پر صبر کرتے ہیں وہ بہت اچھا کام کرتے ہیں بخلاف اس کے کہ مرنے والوں پر جزع و فزع کریں اور ان کا نام لے کر بین کریں یہ تو کوئی اچھی بات نہ ہوئی۔

بقراط کہتے ہیں کہ بقراط کے بیس بیٹے تھے ایک ہی دن میں بیس کے بیس وفات پا گئے شاید ان پر چھت آن پڑی تھی وہ سب کے سب ہلاک ہو گئے تھے جب لوگوں نے یہ خبر بقراط کو پہنچائی تو اس نے تھوڑا بہت بھی اپنے مزاج کو متغیر نہ ہونے دیا۔

حضرت مجنون مرحوم مجنوں کو لوگوں نے خبر دی کہ لیلی مر گئی ہے اس نے کہا جرمانہ مجھ پر ہونا چاہئے کہ اس کو دوست ہی کیوں بنایا جو مر جاتا ہے۔

خواجہ نظام الدین کی مریدنی ایک عورت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے بیعت کی آپ نے عورتوں کی صلاحیت کار کے نتائج اچھے کا تفصیل سے ذکر کیا اور اس سلسلے میں فرمایا کہ اندر پت میں ایک عورت تھی جسے فاطمہ کہتے ہیں وہ عفت و صلاحیت میں بڑے اونچے درجے پر فائز تھی چنانچہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی زبان مبارک سے بارہا یہ ارشاد ہوا یہ عورت مرد ہے اور اسے عورتوں کی صورت میں بھیجا گیا ہے۔

(باقی حاشیہ آگے)

marfat.ocm

حکایت سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ انگارہ ہاتھ پر رکھوں اور وہ مجھے جلائے جتنا جلائے اور

([illegible])

بعد ازاں فرمایا کہ درویش یوں دعا کرتے ہیں "بحرمت نیک زنان و نیک مردان" اس میں وہ پہلے ایک زناں کا ذکر کرتے ہیں اس لئے نیک عورتیں (نیک زنان) نادر یعنی کم ہوتی ہیں اس کے بعد ارشاد ہوا کہ جب شیر جنگل سے باہر آتا ہے تو کوئی نہیں پوچھتا کہ یہ شیر نر ہے یا مادہ یعنی فرزند آدم کو اطاعت و تقویٰ میں مصروف ہونا چاہیئے خواہ وہ مرد ہو یا عورت پھر آپ نے پارسا لوگوں کی فضیلت اور ان کے بیان میں دو مصرعے زبان مبارک سے ارشاد فرمائے۔

گر نیک آیم مرا از ایشاں گیرند　　　　در بد باشم مرا بدیشاں بخشند

(اگر میں نیک ہوں تو مجھے انہیں شمار کر لیا جائے اور اگر برا ہوں تو مجھے ان کے صدقے بخش دیا جائے)

خواجہ صاحب نے کسی سے استفسار فرمایا کہ تمہارا اٹھنا بیٹھنا زیادہ تر کن لوگوں کے پاس ہے اس نے آپ ہی کے بعض یاران بزرگ کا نام لیا عرض کیا کہ ان کی خدمت میں رہتا ہوں آپ نے تعریف فرمائی اور زبان مبارک سے یہ ارشاد فرمایا۔

با عاشقاں نشین و غم عاشقی گزین　　　　با ہر کہ نیست عاشق کم شو بلاد ترین

(عاشقوں کے پاس بیٹھو اور عاشقی اختیار کرو جو عاشق نہیں اس کے ساتھ یارانہ کم ہی رکھو)

آپ نے یہ شعر ارشاد فرمایا بعد ازاں بتایا کہ شیخ ابو سعید رحمتہ اللہ علیہ کا کہا ہوا ہے اس کے بعد کہا کہ مشائخ کا طریقہ یہی ہے کہ جب وہ کسی کے حال سے باخبر ہونا چاہتے ہیں تو پوچھتے ہیں کہ وہ کن لوگوں کے پاس اٹھتا بیٹھتا ہے اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کس گروہ میں سے ہے۔

غم گھٹانے کا نسخہ جو چاہے کہ غم کم ہوں وہ لیلتہ الرغائب (ماہ رجب کے پہلے جمعہ کی رات کو لیلتہ الرغائب کہتے ہیں) کے نوافل پڑھے۔ رغاب جمع ہے رغیب کی اور رغیب کے معنی ہیں مرغوب چیز۔ لیلتہ الرغاب سے مراد یہ ہے کہ اس رات میں بہت سی مرغوب چیزیں ہوتی ہیں۔

لیلتہ الرغائب میں نماز پڑھنی چاہیے جو شخص اسے پڑھتا ہے وہ اس سال نہیں مرتا۔

حکایت ایک شخص یہ نماز برابر پڑھتا تھا جس سال اس کی وفات ہوئی تھی وہ سال جب پورا ہو گیا تو اس کی آخری

میرے ہاتھ پڑے جتنا دیر رہے یہ میں گواہ کر سکتا ہوں لیکن یہ کہنا گوارہ نہیں کہ کہوں فلاں کلام نہ ہو کاش میں ایسے کرتا تو ہو جاتا۔

فائدہ حضرت کاشفی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ اخبار (جملہ خبریہ) بمعنی نہی ہے اب معنی یہ ہوا کہ اے دنیا والوں دنیا کی تکالیف وشدائد سے ملول (غم گین) اور اس کے اقبال (دولت جاہ و حشمت) سے خوشی نہ کرو کیونکہ اسے قرار ہے اور نہ اس کا کوئی اعتبار۔

وہد گراے شادی بکند   در قوت شود نیز نیزد بغمی

(نعمت ملنے پر خوشی (تکبر) نہ کر اگر وہ ہاتھ سے نکل جائے تب بھی غم نہ کھا)

ملفوظ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدنا علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ جو شخص اس آیت پر عمل کرے گا اسے زہد نصیب ہو گا اور زہد بھی دو جانب کا کیا خوب فرمایا کسی نے

مال ار تبو رو نہد مشو شاد ازاں   در فوت شود مشو بفریاد ازاں

پندست پسندیدہ مکن یاد ازاں   تا دینی و دینت شود آباد ازاں

(۱۔ اگر مال تیری طرف متوجہ ہو تو اس سے خوش نہ ہو اگر ہاتھ سے نکل جائے تو اس سے فریاد نہ کر)

(۲۔ ایک بہترین نصیحت ہے اسے خوب یاد کر لے۔ جب تک تو دین کا عاشق ہے تو تیرا دین آباد رہے گا)

مسئلہ اس غم کھانے سے آیت میں ممانعت ہے جو تسلیم الامر اللہ سے مانع ہے اور اس فرح سے رکلوٹ ہے جو کبر اور اونچے خیال کا موجب ہو اسی لئے اس کے بعد فرمایا **واللہ لا یحب کل مختال فخور** اور اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا ہر اترانے اور بڑی مارنے والے کو۔ کیونکہ جو حظوظ نفسانیہ پر اتراتا اور انہیں عظیم الشان سمجھتا ہے وہ خود کو بڑا تصور کرنے لگ جاتا ہے پھر ان پر فخر و ناز کرتا ہے۔

حل لغات المختال بمعنی المعجب المتکبر۔ یہ الخیلاء سے ہے۔ بمعنی التکبر از تخیل فضیلۃ بمعنی ترآی للانسان من نفسہ۔ دوسرے کو اپنے سے گھٹیا سمجھنا یعنی خود کو صاحب فضیلت سمجھنا۔

marfat.ocm

الخیل (گھوڑا) اسی تاویل میں ہے کہ جو بھی گھوڑے کی سواری کرتا ہے وہ خود کو بڑا آدمی خیال کرتا ہے یہ دور سابق میں تھا ممکن ہے اب بھی ہو لیکن ہمارے دور میں لوگوں کو کار موٹر وغیرہ کی سواری پر ایسے تصورات ذہن میں آ جاتے ہیں واللہ تعالیٰ اعلم (اضافہ اویسی غفرلہ)

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو پسند نہیں فرماتا جسے دنیوی نعمت کے حصول پر دوسروں کو کچھ نہ سمجھے اور دنیا و دولت سے دوسروں پر فخر و ناز کرتا ہے۔

فائدہ بحر العلوم میں ہے کہ المختال بمعنی ذو الخیلاء یعنی تکبر کرنے والا۔

مسئلہ یہ مخصوص عن البعض ہے کیونکہ بعض جگہ تکبر کرنے والا۔

حدیث شریف حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ بعض تکبر وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے اور بعض وہ ہے جو اسے مبغوض ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے وہ ہے صدقہ دیتے وقت اور دشمن (کافر) سے مقابلہ کی ملاقات کے وقت اور وہ تکبر جو اسے مبغوض ہے جو بغاوت اور فجور (فسق) سے ہو یعنی اللہ تعالیٰ ہر اس متکبر کو پسند نہیں فرماتا جو اسے دنیوی نعمت ملے تو تکبر کرے اور لوگوں پر اپنے فخر و ناز میں مبالغہ کرے۔

فائدہ بعض بلغاء نے متکبرین کی یوں وصف بیان کی کہ کسری حال نماشیہ اور قارون وکیل نفقہ اور بلقیس دایات میں سے ایک تھی لیکن یوسف علیہ السلام نے بڑائی کو ترچھی نگاہ سے سیکھا لقمان نے حکمت سے بدل ڈالا اور خضراء نے اپنے نام سے بلندی پائی اور غبار اپنے نام سے ہی غبار آلود ہوئی۔

مسئلہ فرح کی نہی کے بعد پھر مختال کہہ کر اس کی قباحت کی نہی میں تاکید و مبالغہ کیا گیا ہے یہ دنیا کے علم کھانے سے اس پر اترانا زیادہ قبیح ہے۔

فائدہ آیت میں اشارہ ہے کہ انسان پر لازم ہے کہ ہر دکھ اور سکھ میں ثابت قدم رہے۔ اگر نعمت پر خوشی کرتا ہے تو شکر الٰہی کو ساتھ شامل کرے کہ اس کریم کی عطا نہ ہوتی تو میرے لئے اتنا بہت بڑی نعمت کہاں اس میں ذرہ برابر بھی تکبر کو دل میں جگہ نہ دے اگر کسی دکھ میں غم و حزن کا وار اور غلبہ ہو تو قضائے الٰہی کے سامنے صبر کا دامن نہ

چھوڑے لیکن اس میں جزع و فزع اور شکایت نہ ہو۔

حکایت قتیبہ بن سعید فرماتے ہیں کہ میں عرب کے ایک قبیلہ میں گیا تو ایک میدان میں دیکھا کہ وہ مردہ اونٹوں سے بھرا پڑا ہے کہ اس کی کوئی شمار ہی نہیں پھر میں نے ایک ٹیلے پر دیکھا جو دھاگے بن رہا ہے میں نے اونٹوں کے بارے میں پوچھا تو کہا کہ چند روز مجھے میرے مالک نے دیئے اب اس نے واپس بلوالئے اور یہ شعر پڑھا۔

لا والذی انا عبد من خلائقه　　والمرء فی الدهر نصب الرزء والمحن
ماسرنی ان ابلی فی مبارکها　　وماجری من قضاء الله لم یکن

بخدا میں ایک بندہ اس کے بندوں میں سے اور ہر مرد زمانہ دکھ اور تکالیف کا نشانہ ہے مجھے اونٹوں سے کوئی خوشی نہ تھی جب وہ میرے ہاں تھے اور وہ جو اللہ تعالیٰ کی قضاء کا فیصلہ ہوا وہ حق ہے اس سے مجھے کیا غم۔

تفسیر صوفیانہ حضرت البقلی قدس سرہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اہل معرفت سے استقامت اور اپنی صفات سے اتصاف کا مطالبہ کیا ہے یعنی اے میرے بندو میری معرفت پر ڈٹ جاؤ اور اس میں ذرہ بھر بھی فقدان۔ وجدان اور قہر و لطف اور اتصال فی انفصال اور فراق و وصال موثر نہ ہوں کیونکہ شرط اتصاف یہ ہے کہ ان پر التلوین والاضطراب فی الیقین اور تمکین میں ٹیڑھاپن کے احکام کا اجراء نہیں ہوتا۔

فائدہ حضرت القاسم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ غم نہ کھاؤ اس پر جو تمہارے ہاتھ سے اوقات چلے گئے اور نہ خوشی کرو اس پر جو تمہیں توبہ و طاعت کی توفیق نصیب ہوئی کیونکہ تمہیں کیا معلوم کہ تیرے لئے اللہ تعالیٰ نے کیا مقدر اور کیا فیصلہ فرمایا ہے۔

فائدہ حضرت الواسطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کرامات پر خوش ہونا ایک دھوکہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ملنے پر لذت محسوس کرنا بھی ایک قسم کی غفلت اور بے خبری ہے اس سے کہ اس کی قضاء قدر کے فیصلے کیا ہیں جو اس نے اپنے مامور بندے کے لئے تیار کر رکھے ہیں۔

صاحب روح البیان کے پیرو مرشد کی تقریر میرے شیخ نے کتاب اللائحات والبرقیات میں لکھا کہ وہ جو تمہارے ہاتھ ماسوی اللہ نکل گیا۔ اس کا غم نہ کھاؤ اور نہ اس پر خوشی کرو جو تمہارے لئے اللہ تعالیٰ نے تیار کر کے

عطا فرمایا حتی کہ حزن و فرح پر ظلم نہ کرو یعنی انہیں غیر محل میں نہ کرو کہ غم کھاؤ اس پر جو تمہارے ہاتھوں سے نکل گیا اور خوشی کرو اس پر جو تمہیں اللہ تعالیٰ نے دیا بلکہ ان دونوں کے بارے میں عدل و انصاف کرو کہ انہیں اپنے موقعہ و محل میں رکھو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ حق اور اس کا ماسوی باطل ہے تو جیسے حزن و فرح حق کے ساتھ حق اور یہی ان کے لئے عدل ہے اور حق کا فاعل حق و عدل والا ہے تو ایسے ہی حزن و فرح باطل کے ساتھ باطل ہے اور ان پر یہی ظلم ہے اور باطل کا فاعل بطلان اور ظلم ہے اور انہیں خوشی نہیں خوشی ماسوی اللہ کے ساتھ مگر انہیں جو اللہ تعالیٰ سے رو گردانی کرنے والے ہیں۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ عادلوں میں رہے اپنے جمیع احوال میں اور ظالمین کے طریق اور ماسوی اللہ جیسے مال و ملک سے بچے۔

فائدہ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا صاحب مال کو مال کی وجہ سے دو مصیبتیں ہیں جنہیں نہ پہلے لوگوں نے سنا اور نہ پچھلوں نے۔

۱۔ اس سے تمام مال چھین لیا جائے گا (موت کے وقت)

۲۔ قیامت اس کے تمام سے اس سے سوال ہو گا۔

ہمہ تختے و ملکے پذیرد زوال — بجز ملک فرمانده لایزال
ہنر باید و فضل و دین و کمال — کہ گاہ آید و گاہ رود جاہ و مال

ترجمہ ۱ تمام تخت و ملک زوال پذیر ہیں سوائے اللہ تعالیٰ لم یزال کے ملک کے۔

۲۔ ہنر چاہیئے اور فضل اور دین و کمال کہ کبھی آتا ہے اور کبھی جاہ و مال بھی آتا ہے اور جاتا بھی۔

حکایت حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں ایک پرندہ تھا جس کی صورت اور آواز نہایت بہترین تھی کسی نے ایک ہزار روپے میں خریدا تھا۔ ایک دن اس پرندہ کے اوپر دوسرا پرندہ آیا چیخا اور چلا گیا اس کے بعد وہ پرندہ خاموش ہو گیا کبھی کوئی خوش آواز نہ سناتا تھا اس شخص کو حیرت ہوئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو شکایت سنائی آپ نے پرندے کو بلا کر پوچھا اس نے عرض کی کہ میرے پاس وہی پرندہ آیا اور کہہ گیا کہ اس پنجرے کی قید تیری بولی ہے تو

marfat.ocm

بولنا چھوڑ دے قید سے جان چھوٹ جائے گی آپ میرے مالک سے فرمائیں کہ وہ مجھے چھوڑ دے ورنہ میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ پنجرے کے اندر کبھی نہ بولوں گا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس شخص کو ماجرا سنایا اس نے کہا کہ میں نے اسے اس کی بولی سے ہی خرید اتھا۔ اب اگر وہ نہ بولے گا تو مجھے اس کا کیا فائدہ آپ اسے پنجرے سے آزاد فرما دیں آپ نے پرندے کو پنجرے سے آزاد کر دیا اور اس شخص کو ہزار روپیہ اپنی جیب سے ادا کر دیا۔

فائدہ وہ پرندہ اڑتا جاتا تھا اور پڑھتا جاتا تھا۔ سبحن من صوربی وفی الھواء طیرنی وہ ذات پاک جس نے مجھے شکل بخشی اور مجھے اڑنے کی توفیق بخشی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ پرندہ جب تک جزع فزع کرتا رہا قید میں رہا جب صبر کیا تو آزادی حاصل کر لی۔

سبق اس صبر سے ہی انسان تعلقات دنیویہ سے نجات پا سکتا ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ انسان کو اوصاف نفس سے فناء حاصل کرنی چاہیے جبتک بندہ فنا نہ پائے گا وہ اضطراب سے نجات نہیں پا سکے گا اور نہ ہی عالم سکون و معرفت سرۃ القدرت تک پہنچے گا۔

حدیث شریف تقدیر پر ایمان لانے سے غم اور حزن دور ہوتے ہیں۔

حکایت حضرت الشیخ ابو عبداللہ محمد بن علی الترمذی الحکیم قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں بیمار ہو گیا اور کئی روز تک اس بیماری میں مبتلا رہا جب اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا بخشی تو میں نے اندازہ کیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے جتنے روز بیمار رکھا اتنی مقدار عبادت ثقلین اس کے مقابلہ میں ہوتی تو بھی اس مرض کے ایام کے فضائل تک نہ پہنچ سکتی۔ اب اگر مجھے اختیار دیا جائے کہ عبادت چاہتے ہو یا مرض تو میں مرض اختیار کروں گا کیونکہ عبادت میں ریاؤ عجب کا خطرہ ہے اور مرض میں کوئی خطرہ نہیں بلکہ اس میں اجر ہی اجر ہے۔ جب یہ دقیقہ مجھے سمجھ آگیا تو اب یہ کہہ سکتا ہوں اور جو اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ امر ہے وہ عظمت والا ہے اور میرے اختیار میں ہزاروں کوتاہیاں ہیں اس لئے میں کہہ سکتا ہوں کہ عبادت ثقلین اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی بیماری کے بالمقابل کچھ بھی نہیں اسی لئے یہ ایک عظیم نعمت ہے جسے نصیب ہو اور یہ نعمت ہو اور یہ نعمت بھی اس کی منت و احسان سے ہے اور جو منت و احسان سے شے ملے اس لطف و کرم ہی ہوتا ہے اس کے بعد مجھے وہ عقدہ کھلا کہ اللہ والے ہمیشہ دکھ میں ہی خوش رہتے ہیں اور بلاء میں مبتلا ہو کر شادان و فرمان ہوتے ہیں۔

marfat.ocm

حضرت صائب نے فرمایا۔

ترک ہستی کن کہ آسود است از تاراج سیل
ہر کہ پیش از سیل رخت خود بروں از خانہ ریخت

(ترک ہستی کا کر کہ وہ آسودہ حال ہوتا ہے سیلاب کے حملہ سے کیونکہ جو سیلاب سے پہلے ہی اپنا سامان اٹھالے اسے سیلاب کے حملہ سے کیا خطرہ)

تفسیر عالمانہ الذین یبخلون ویامرون الناس بالبخل اور وہ جو بخل کریں اور بخل کا حکم کریں۔ یہ کل مختال الخ سے بدل ہے کیونکہ جو شخص مال سے پیار کرتا ہے تو وہ مال سے اکثر بخل بھی کرتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی اس کا حکم دیتا ہے اور نہایت درجہ کا مذموم فعل ہے کہ انسان خود بھی بخیل ہو اور دوسروں کو بھی بخل کا حکم کرے۔ اب معنی یہ ہوا کہ یہ لوگ مال روکتے ہیں اور اس سے اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرتے۔

حل لغات بخل بمعنی بمن اشیاء کا حق ہے کہ کتنا نکالی جائیں انہیں بند کر کے رکھ دینا اس کے مقابلہ میں جود آتا ہے اہل لغت کہتے ہیں بخل فھو باخل یخیل مبالغہ ہے راحم ورحیم کی طرح۔
بخل دو قسم ہے۔ ۱۔ اپنے مال واسباب کو روکنا ۲۔ دوسرے کا مال واسباب روکنا یہی اکثر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا الذین یبخلون ویامرون الناس بالبخل اب معنی یہ ہوا کہ مختال و فخور وہ لوگ ہیں کہ باوجود دنیا اور اسباب دنیا کے بخل کرتے اور اپنے مال واسباب راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے خود تو بخیل ہیں پھر دوسروں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں۔

حدیث شریف حضور سرور عالم ﷺ نے بنو سلمہ (قبیلہ) کو فرمایا کہ تمہارا سردار کون ہے عرض کی جد بن قیس اور ہم اسے بخیل پاتے ہیں فرمایا کہ بخل سے بھی بڑھ کر اور کوئی بیماری ہو سکتی ہے آج کے بعد تمہارا سردار الجعد الابیض یعنی عمرو بن الجموع ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ چار اشخاص بہشت کی خوشبو نہیں سونگھ سکیں گے حالانکہ ان کی خوشبو پانچ سو سال کی مسافت سے سونگھی جاسکے گی۔

marfat.ocm

۱۔ بخیل ۲۔ احسان جتلانے والا ۳۔ شرابخوری پر مداومت کرنے والا

۴۔ ماں باپ (یا ان میں سے کسی ایک کا) نافرمان

ومن یتول اور خرچ کرنے سے روگردانی کرتا ہے۔

فان اللہ ھو الغنی تو بیشک اللہ تعالیٰ اس سے اور اس کے خرچ کرنے سے بے نیاز ہے۔

الحمید فی ذاتہ محمود ہے اس کے شکر کرنے سے کسی کا اعراض سے نقصان نہیں دیتا اور نہ ہی اس کی نعمتوں سے اس کے قرب ہونے سے اسے کوئی نفع ہے۔

فائدہ اس میں تہدید ہے اور اس طرف اشارہ ہے۔ انفاق (خرچ کرنا) کا امر منفق (خرچ کرنے والا) کے اپنے فائدہ کے لئے ہے اور اشارہ ہے کہ جو اقبال (توجہ) الی اللہ سے اور انفاق سے روگردانی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ وہ ذاتی طور پر نہ کسی کے اقبال (توجہ) کا محتاج ہے اور نہ صفاتی طور ہی کسی کے منہ پھیرنے سے اسے کوئی نقصان ہے بلکہ وہ اپنی ذات وصفات کے لحاظ سے محمود ہے نہ اسے کسی کا متوجہ ہونا فائدہ دیتا ہے اور نہ ہی کسی کا منہ پھیرنا نقصان پہنچاتا ہے بلکہ وہ خود نافع (نفع رساں) اور ضار (ضرر رساں) ہے نہ کہ اس کا کوئی غیر۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے طرف نفوس شیرسہ امارہ بالسوء کے کہ وہ اقدام علی الطاعۃ والعبادۃ سے سستی کرتے ہیں اور قلوب وارواح کو معاصی کے ارتکاب اور بحسب الغلبہ بعض اوقات اجتناب از طاعات کی دعوت دیتے ہیں کیونکہ ظلمات قوائے جسمانیہ کی وجہ سے قوائے روحانیہ ہلاکت پذیر ہو جاتے ہیں۔

فائدہ بعض اکابر مشائخ نے فرمایا کہ انسان من حیث نشاۃ الطبیعہ سعید ہے ایسے ہی نفس ناطقہ جب تنہا تھا نشاۃ ابتدائیہ میں سعید تھا اس کی مخالفت اس وقت ظاہر ہوئی جب ان دونوں کا آپس میں اجتماع ہوا۔

فائدہ انسان کی جبلت میں امساک (بخل) ہی ہے کیونکہ اس کی اصل مٹی ہے اور مٹی میں خشکی اور قبض ہے اسی لئے یہ مال وغیرہ کے خرچ کرنے پر راضی نہیں۔ اسی لئے یہ خود بھی بخیل ہے اور دوسروں کو بھی بخل کا حکم دیتا ہے۔

سے

زر از بہر خوردن بود اے پسر ٭ ز بہر نہادن چہ سنگ وچہ زر

(اے عزیز زر خرچ کرنے کے لئے ہوتی ہے ورنہ رکھنے کے لئے تو پتھر اور سونے میں کیا فرق ہوا)

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا اور بیشک ہم نے رسل کرام کو بھیجا۔ یعنی ملائکہ کرام انبیاء واولیاء

(علی نبینا و علیہم السلام) کے پاس جو کہ وہ امتوں کو پیام الٰہی کے سنائیں گے یہی ظاہر تو ہے (الارشاد)
بِالۡبَیِّنَاتِ دلائل کے ساتھ یعنی معجزات ساتھ شرائع وانحو کے۔

سوال تم نے رسل کی تفسیر ملائکہ سے کی ہے اور انبیاء علیہم السلام کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ معجزات پیدا کرتا ہے تو ان میں ملائکہ کا واسطہ نہیں مثلاً مدعی نبوت سے احیاء الموتی ہو اور عصا اژدہا بنا اور ید بیضا اور شق القمر وغیرہ تو پھر یہاں رسل سے ملائکہ کی تفسیر کیسے صحیح ہوگی۔ اگر جواب دو کہ قرآن نازل ہوا تو ملائکہ کے واسطہ سے لیکن ہر نبی علیہ السلام پر تو کتاب نازل نہیں ہوتی تھی۔

جواب معجزہ کا اظہار ہوتا تو اس کی خبر نبی علیہ السلام کو ملائکہ کرام کے واسطہ سے ہوتی تھی۔
وَاَنۡزَلۡنَا مَعَهُمُ الۡكِتَابَ (اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب نازل کی) اس سے جنس کتاب مراد ہیں (یعنی کتابیں) جو تمام کتب کو شامل ہے۔ ان کے نازل کرنے کا مقصد یہ ہے تاکہ حق ظاہر اور صواب العمل میں امتیاز ہو یعنی قوۃ نظریہ و عملیہ کی تکمیل ہو۔
معہم حال مقدر ہے کتب سے یہ اس وقت ہے جب الرسل سے پیغمبران عظام علیہم السلام مراد ہو یعنی درانحالیکہ وہ کتابیں ان کے ساتھ مقدر تھیں یہ نہیں کہ جب بھی انبیاء علیہم السلام تشریف لائے تو ان کے ساتھ کتب بھی تھی یہ شان تو ملائکہ کرام کی ہے ہاں انبیاء علیہم السلام کی شان ہے کہ کتابیں ان کی طرف نازل ہوئیں (نہ کہ ساتھ لائے تھے) اسی لئے وجہ اول کو مقدم کیا گیا تاکہ بات واضح ہو جائے انبیاء کرام تشریف لائے پھر امم کی طرف بھیجے گئے پھر ان پر کتابوں کا نزول ہوا۔ اگر رسل سے مراد انبیاء علیہم السلام ہو تو انزلنا علیہم الخ ہونا چاہئے تھا۔
والمیزان اور ترازو لیقوم الناس بالقسط تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں تاکہ ایک دوسرے سے لین دین میں صحیح اور درست معاملہ کریں اس میں کوئی بھی کسی پر ظلم نہ کرے۔

فائدہ ترازو کے انزال سے اس کے اسباب کا انزال مراد ہے نہ کہ خود ترازو کیونکہ یہ تو انسان کی ساخت ہے اس کا آسمان سے نزول کیسا۔
فائدہ مروی ہے کہ ایک ترازو آسمان سے جبریل علیہ السلام لے آئے اور وہ نوح علیہ السلام کو دی اور فرمایا اپنی قوم کو حکم دو کہ وہ حقوق کو برابر رکھیں معاملات میں ایک دوسرے پر زیادتی نہ کریں۔
تفسیر صوفیانہ امام غزالی قدس سرہ نے فرمایا کہ کیا تمہارا خیال یہی ہے کہ کتاب کے ساتھ جس ترازو کا ذکر ہے

وہ واقعی یہی ترازو تھی جس سے گندم اور جو اور سونا اور چاندی تولے جاتے تھے کیا تیرا خیال ہے کہ اس کے دو پلڑے اور اس کے اوپر لٹکانے کے زنجیر وغیرہ ہوگا (توبہ توبہ) تمہارا یہ گمان بالکل غلط اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا بہتان ہے اللہ تعالیٰ سے ڈر کر ایسا کبھی بیان نہ دینا اگر دیا ہے تو اس پر افسوس کر اور تائب ہو) دراصل اس سے معرفت کی وہ ترازو مراد ہے جس سے اللہ تعالیٰ اور ملاءکہ اور کتب اور رسل اور ملک و ملکوت کی پہچان نصیب ہوتی ہے تاکہ انسان اس کے متعلق کیفیت انبیاء علیہم السلام سے سیکھے جیسے انہوں نے ملاءکہ کرام کے ذریعے معلوم کیا اس کا پہلا تعلیم دینے والا اللہ تعالیٰ ہے دوسرے جبریل علیہ السلام تیسرے رسول علیہ السلام ان سے ہی پھر تمام مخلوق نے علم حاصل کیا۔ برائے راست انہیں اس کے علم سے کوئی چارہ کار نہیں (یہ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کی تقریر ہے ہم نے ان کی عبارت میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں پائی لیکن ان پر تعجب ہے کہ انہوں نے ظاہر سے عدول کر کے اپنی طرف سے جو کچھ فرمادیا۔ جس پر ان کی طرف سے کوئی دلیل بھی نہیں (بحرالعلوم) (واللہ تعالیٰ اعلم)

صاحب روح البیان کا فیصلہ فقیر (صاحب روح البیان رحمتہ اللہ علیہ) کہتا ہے ممکن ہے ان کی دلیل شہداللہ انہ لاالہ الاھو والملائکتہ واولوالعلم قائم بالقسط (اللہ تعالیٰ نے گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور ملاءکہ نے اور اہل علم درانحالیکہ وہ انصاف کے ساتھ قائم ہے) یعنی وہی عدل کا حکم دینے والا یا وہی عدل پر مقیم ہے اپنے جملہ امور میں جب اللہ تعالیٰ اپنے جملہ امور میں عدل کے ساتھ قائم ہے تو بندوں پر بھی واجب ہے کہ وہ بھی اس کے ساتھ قائم ہوں اور وہ عدل پر قائم نہیں ہو سکتے جب تک ان کے ہاں علم شامل اور معرفت کامل نہ ہو اور یہی معرفت الٰہی ہے اور یہی میزان کل ہے اور اس کے ماسوا جملہ امور اسی معرفت پر مبنی ہیں اور اسی سے سمجھے جاتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ اور ہم نے لوہا نازل فرمایا۔

فائدہ مروی ہے جب آدم علیہ السلام زمین پر تشریف لائے تو لوہے کی پانچ چیزیں ساتھ لائے۔

۱۔ سنان (حداد) بالفتح (آئرن لوہا) (المنجد والقاموس) یہی مراد ہے۔

شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا۔ ؎ چوں دنداں کے سخت روئی نبرد ٭ کہ تادیب بر سر نخورد

(لوہے کی طرح جو بھی سختی ظاہر کرتا ہے تو ہتھوڑے سے اسے آداب سکھائے جاتے ہیں)

۲۔ کلبتان (چمٹا) لوہار کا زنبور یعنی وہ آلہ جس سے گرم لوہے کو پکڑا جائے (القاموس)

۳۔ المیقعہ بکسر المیم اس کے بعد یاء مثناۃ تحتانیہ کہ دراصل موقعہ تھا (واو بوجہ ماقبل مکسور کے یاء ہوئی) گاذر کی لکڑی جس پر کپڑوں کو دھویا جائے چابک اور ہتھوڑا۔ اہل عرب کہتے ہیں وقلوقعتہ بالمیقعہ اور میں نے اسے ہتھوڑے سے ٹھوکا اور قیع۔

۴۔ المطرقہ چابک آلہ طرق یعنی ضرب مارنے کا آلہ (چابک)

۵۔ سوئی یعنی لوہے سے تیار شدہ تیزی سے کاٹنے کا آلہ یعنی سوئی اور مروی ہے کہ آپ کے ساتھ مر یعنی مسحاۃ یعنی وہ آلہ جس سے کوئی شے چھیلی جائے یعنی درانتی ~~حدید~~ ۱۔ وبا ۲۔ آگ ۳۔ پانی ۴۔ نمک

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام کے ساتھ تین چیزیں آسمان سے زمین پر اتریں۔

۱۔ حجر اسود پہلے برف سے سفید تھا۔

۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا وہ جنت کے مورو (درخت) کا اور اس کا طول دس ہاتھ تھا۔

۳۔ لوہا۔

فائدہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ انزلنا بمعنی خلقنا ہے جیسے دوسری جگہ پہ فرمایا وانزل لکم من الانعام یعنی جانوروں سے تمہارے لئے پیدا فرمایا اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر قضایا و احکام آسمان سے نازل ہوتے ہیں۔

فائدہ بعض علماء نے فرمایا کہ انزلنا بمعنی اخرجنا یعنی ہم نے لوہا معاون (کانون) سے نکالا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عدل سیاست سے چلتا ہے اور سیاست لشکر کی محتاج ہے اور لشکر لوہے (آلات حرب) کا اور لوہے کا اصل پانی ہے اور پانی آسمان سے نازل ہوا ہے (اسی لئے فرمایا وَاَنْزَلْنَا فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ) اس میں سخت آنچ ہے۔ یعنی لوہے میں کیونکہ اس سے جنگ کی جاتی ہے یا اس میں سخت قوت ہے یعنی لوہا جنگ کا ہتھیار ہے اس لئے کہ جنگ کے ہتھیار اسی سے تیر ہوتے ہیں یعنی جنگی ہتھیار خواہ دفاع کے لئے ہوں جیسے سنان و نیزہ تلوار اور بیکان اور خنجر وغیرہ وغیرہ یا اپنی حفاظت کے آلات جیسے زرہ، خود و جوشن وغیرہ۔

فائدہ وہ اس میں اشارہ ہے کہ کتاب کے قوانین کا چلانا اور آلہ تسویتہ کا استعمال موقف ہیں صاحب ہے اور تلوار اللہ تعالیٰ کی حجت ہے اس پر جس کے ہاں ظلم ہے۔

ومنافع للناس اور لوگوں کے فائدے جیسے چھری، کلہاڑی، درانتی، سوئی" وغیرہ۔ کوئی ایسی صفت نہیں جس کا آلہ لوہا نہ ہو یا کوئی ایسا عمل نہیں جس میں لوہے کو دخل نہ ہو۔ اس میں اشارہ ہے کہ جیسے انصاف کا قیام قائم

بالسیف کا محتاج ہے ایسے ہی وہ مابہ قیام التعایش (معاش کا قیام) کا بھی محتاج ہے یعنی صناعات اور آلات محترفہ (لوہے سے تیار کردہ آلات) کا بھی محتاج ہے۔ ایسے ہی وہ اسے حذبہ کی تلوار کا محتاج ہے جسے قہر کے لوہے سے تیار کیا گیا ہو کیونکہ ہر تجلی جلالی کو تجلی جمالی کی ضرورت ہے ایسے ہی بالعکس اور یہ اولیاء اللہ ہیں جو وہ مائل الی الحق ہیں کثرت الطاف الٰہیہ و اعطاف ربانیہ ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یَابَنِیۡۤ اِسۡرَآئِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ وَاَنِّیۡ فَضَّلۡتُکُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ (اے بنی اسرائیل میری وہ نعمت یاد کرو جو میں نے تم پر کی اور میں نے تمہیں عالم والوں پر فضیلت بخشی)

ولیعلم اللّٰہ من ینصرہ ورسلہ اور اس لئے کہ اللہ تعالیٰ دیکھے کہ کون اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔ اس کا محذوف پر عطف ہے جس پر ماقبل دلالت کرتا ہے کیونکہ یہ حال تعلیل کو متضمن ہے گویا کہا گیا ہے تاکہ وہ عمل کریں اور اللہ تعالیٰ وہ علم جانے جس سے جزاء کا تعلق ہے کہ کون اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے تلوار چلا کر اور تیر برسا کر ایسے ہی دیگر وہ اسلحہ جو مجاہدین دشمن جنگ کے وقت عمل میں لاتے ہیں۔

بالغیب بے دیکھے ۔ینصر کے فاعل سے حال ہے یعنی درانحالیکہ وہ اللہ تعالیٰ سے غائب ہیں۔

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ وہ اس کی مدد کرتے ہیں درانحالیکہ وہ اسے دیکھتے نہیں اس لئے وہ تعریف اور ثواب کے لائق ہے جو بے دیکھے مطاع کی اطاعت کرے یا یہ مفعول سے حال ہے یعنی درانحالیکہ وہ ان سے غائب ہے بایں معنی کہ وہ اسے دیکھ نہیں رہے۔

ان اللّٰہ قوی بیشک اللہ تعالیٰ ان کے ہلاک کرنے پر قوت رکھتا ہے جنہیں وہ ہلاک کرنا چاہے۔

عزیز غالب ہے وہ غیر کی نصرت کا محتاج نہیں

نکتہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو جہاد کا اس لئے حکم فرمایا ہے تاکہ وہ اس سے نفع اٹھائیں اور ثواب پائیں یعنی فرمان برداری کر کے ثواب کے مستحق بنیں۔

حل لغات : قوت بمعنے سخت بنیاد والی شے یہ صفت کی نقیض ہے اور اللہ تعالیٰ کے متعلق بمعنے قدرت ہے یہ وہ قدرت ہے جس سے فعل پر زندہ قدرت رکھے یعنی ایسے ہی اس کے ترک پر اپنے ارادہ سے اور العزۃ بمعنے ہر شے پر غلبہ

فائدہ : زروقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قوی ہے کہ نہ اس کی ذات میں ضعف ہے نہ اس کی صفات میں نہ افعال میں اسے نہ تھکان ہے نہ تکلیف نہ اسے قصور لاحق ہوتا ہے نہ عجز نہ توڑنے میں نہ جوڑنے میں۔

فائدہ : اس اسم (قوی) کی خاصیت ہے ظہور بالقوۃ فی الوجود جو کمزور ہمت اس کا ورد رکھے وہ قوت پائے اس ارادہ پر

marfat.ocm

کہ ظالم ہلاک و تباہ ہو جائے تو ظالم ہو جائے گا (بشرطیکہ وہ ظالم حقیقۃ نہ ہو)

اسم عزیز کا خاصہ ہے وجو د انشاء و العز صورۃ یا معنا جو اسے روزانہ چالیس بار پڑھے اللہ تعالی اسے عزت دے گا اور اس کی مدد فرمائے گا اور وہ مخلوق میں سے کسی کا محتاج نہ ہو گا اور اربعین ادریسیہ میں ہے یا عزیز معنے اے وہ ذات جو نہایت مضبوط اور غالب ہے اپنے ہر کام میں کوئی بھی اس کے بالمقابل نہیں ہو سکتا (بلا ناغہ) ہر روز ایک ہزار پڑھے تو اس کا دشمن ہلاک و تباہ ہو جائے گا اگر لشکر (کفار) کے مقابلہ میں ستر بار پڑھ کر ان کی طرف ہاتھ کے اشارہ سے دم کر دے تو لشکر کفار شکست کھا کر بھاگ جائے گا۔

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اور بیشک ہم نے بھیجا بخدا ہم نے مبعوث فرمایا۔ نوحا نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف۔ وہ بنو قابیل سے تھے نوح علیہ السلام کو رب ثانی کہا جاتا ہے۔ وَاِبْرَاهِيْمَ اور ابراہیم علیہ السلام کو بھی ان کی قوم کی طرف بھیجا یعنی نمرود اور ان کے متبعین کی طرف صرف ان کا ذکر ان کی تشریف و تکریم کی وجہ سے اور اس لئے کہ یہی سب سے پہلے رسول ہیں اور وہ انبیاء علیہم السلام کے اب وجد بھی ہیں کیونکہ تمام بشر نوح علیہ السلام کی اور عرب اور عبرانی ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔

وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ اور رکھی نبوت ان کی ذریت یعنی نسل میں نبوت اور کتاب بایں طور ان کی بعض اولاد کو نبی بنایا اور بعض کی طرف کتابیں وحی کیں جیسے خود صالح و موسی و ہارون و داؤد و غیرہم علی نبینا و علیہم السلام کو نبی یا کوئی کتاب ایسی نہیں جو ان دونوں کی طرف منسوب نہ ہوں ساتھ مضبوط تر اسباب اور عظیم تر امتوں کے ذریعہ سے۔

فَمِنْهُمْ تو بعض ان دونوں قسموں کی اولاد یا مرسل الیہم سے جن پر ارسال و مرسلین دلالت کرتا ہے بعض وہ کہ جن کی طرف رسول تشریف لائے۔

مھتد ہدایت یافتہ ہوئے یعنی حق پالیا یعنی کتاب اور نبی علیہ السلام پر ایمان لائے اور اپنے دین کو مضبوط کیا۔

وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُوْنَ اور ان کے اکثر فاسق تھے یعنی سیدھی راہ سے خارج ہو کر گمراہ ہوئے۔

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا ان کے پیچھے انہی کے نشانات رسل کرام علیہ السلام بھیجے یعنی ان کے بعد ہم نے رسل علیہم السلام بھیجے ضمیر نوح و ابراہیم اور ان کی طرف لوٹتی ہے جو دوسرے رسل کرام علیہم السلام دوسری امتوں کی طرف بھیجے گئے نوح و ہود و صالح علیہ السلام کے بعد اور ابراہیم و اسماعیل و اسحاق و یعقوب و یوسف علیہم السلام کے بعد یا وہ رسل کرام علیہم السلام جو ان کے ہمزمان تھے بہر حال یہ ضمیر ذریت کی طرف نہیں لوٹتی اس

لئے کہ جو رسل بھیجے گئے وہ ان کی نسل سے تھے۔

حل لغات اہل لغت کہتے ہیں قفا اثرہ اتبعہ اس کے پیچھے لگا و قفی اثرہ ۔فلان۔ فلاں کو فلاں کے پیچھے لگایا۔ اسی عقبہ یعنی اس کے پیچھے لگایا۔

الاثار واثر (بالکسر) کی جمع ہے جیسے کہا جاتا ہے حرجت علی اثرہ۔ میں اس کے پیچھے نکلا اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے ایک دوسرے کے پیچھے رسول بھیجے۔

فائدہ الحریری نے درۃ الغواص میں لکھا کہ شفقت الرسول باخر یعنی میں نے ان کو دو بنایا۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب ان کے بعد تیسرے کو بھیجا جائے۔ خلاصہ یہ کہ اس کلام کی توجیہہ یہ ہو سکتی ہے کہ کہا جائے عززت بثالث ای قویت میں نے اسے مضبوط کیا جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ تو ہم نے تیسرے کے ساتھ مضبوط کیا اگرچہ رسل کرام پے در پے تشریف لائے۔ بہتر ہے کہ کہا جائے کہ اس کا معنی ہے و قفیت بالرسل جیسے آیت میں ہے ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى آثَارِهِمْ ہم نے ان کی راہ پر اسی راہ پر اور رسول بھیجے۔ وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ اور ان کے پیچھے عیسٰی بن مریم (علیہما السلام) کو بھیجا یعنی ہم رسل کرام بھیجتے رہے یہاں تک کہ عیسٰی بن مریم علیہما السلام تک نوبت پہنچی کہ ہم انہیں ان کے بعد لائے۔ نبی اسرائیل کا سب سے پہلا حضرت موسٰی علیہ السلام اور آخری حضرت عیسٰی علیہ السلام ہیں خلاصہ یہ کہ ان کے بعد ہم پے در پے رسل علیہم السلام لائے آخر میں عیسی علیہ السلام کو بھیجا۔ وَآتَيْنَاهُ الْاِنْجِيْلَ اور ہم نے اسے انجیل عطا فرمائی۔ یکبارگی۔

وَجَعَلْنَا فِىْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ اور ہم نے ان کے اہل ایمان پیروؤں کے دل میں رکھی یعنی وہ لوگ جو عیسی علیہ السلام کے دین کے پیرو کار تھے جیسے حوارین اور ان کے پیرو کار۔

رافتہ نرمی ورحمتہ اور رحمت یعنی شفقت۔ یعنی ان کے پیچھے لگائی۔ رافتہ سخت نرمی اس پر جو ان کے ساتھ اتصال کا سبب بنتا اور رحمت اس پر جو ان سے متعلق ہوتا اگرچہ اس کا ان سے کوئی اور تعلق نہ بھی ہوتا۔ جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے ہے وَرُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ وہ آپس میں رحیم ہیں یہاں تک کہ وہ اہل ایمان کے لئے نہایت رحم دل تھے باوجودیکہ ان کے دل [illegible] تھے لیکن وہ کافروں پر سخت گیر تھے۔

marfat.ocm

فائدہ بعض نے کہا انہیں انجیل میں حکم تھا کہ وہ درگزر اور اذیت پر بجائے مکافات (بدلہ لینے کے) اعراض کریں۔

بدی را بدی سہل باشد جزا اگر مردی احسن من رسا

(برائی کا برائی سے بدلہ دینا آسان ہے اگر تو جوانمرد ہے تو اس پر احسان کر جو تیرے ساتھ برائی کرتا ہے)

تعلیم حضرت عیسیٰ علیہ السلام

بعض نے کہا کہ انہیں حکم تھا کہ جو تیرے چہرے کی سیدھی طرف سے تمہیں طمانچہ مارے تو اسے بائیں جانب پیش کر دے اور تجھ سے چادر چھینے تو اسے قمیض دے دے۔ جنایۃ فی النفس او الطرف (قتل کرنے اور کسی کا کوئی عضو کاٹنے) قصاص نہیں تھا اور حکم تھا کہ ان اوامر کی اتباع اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور وہ ایک دوسرے سے محبت کرنے اور رحم کرنے والے اور رحمت سے موصوف تھے بخلاف ان یہود کے کہ وہ سخت قلبی سے موصوف تھے۔

ورھبانیتہ اور راہب بننا یا تو منصوب ہے بوجہ فعل مضمر کے جس کی تفسیر فعل ظاہر کر رہا ہے یا عطف کی وجہ سے منصوب ہے یعنی انہوں نے دین میں اپنی طرف بات نکالی اتباع عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بدعت کا ارتکاب بھی کیا۔

ابتدعوھا اسے نکالا اپنی طرف یعنی ان کے نفوس نے انہیں اس پر عمل کرنے پر ابھارا اور ما قبل پر عطف ہو تو **ابتدعوھا** رہبانیت کی صفت ہے اب معنی یوں ہوا کہ ہم نے ان کے دل میں رافت و رحمت اور وہ رہبانیت ڈالی جو انہوں نے اپنی طرف سے نکالی تھی یعنی اور ہم نے انہیں پے در پے بھیجا ایک دوسرے پر رحم کرنے کے لئے اور رہبانیت اور اس کے احداث کے لئے۔

فائدہ فتح الرحمن میں ہے کہ معتزلہ کہتے ہیں یہ صرف منصوب فعل مقدر سے جس کی تفسیر آگے آرہی ہے اس کا عطف رافت و رحمت پر نہیں کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ ہر انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے اسی لئے وہ رہبانیت کا اعراب اپنے مذہب کے مطابق لگائیں گے۔

حل لغات **الرھبانیتہ** بمعنی عبادت میں مبالغہ کرنا مسلسل روزے رکھ کر اور ٹاٹ پہن کر اور ترک اکل

marfat.ocm

لحم و مطعم و مشرب و ملبس و نکاح کر کے اور آگ میں عبادت کے لئے بیٹھنا وغیرہ۔

رہبانیت کا معنی ہے وہ فعل ہے جو رہبان (بالفتح) کی طرف منسوب ہو رہبان بمعنی خائف کیونکہ رہبۃ بمعنی خوف مع حزن و اضطراب (المفردان)

رہبان بروزن فعلان از رھب جیسے خشیان از خشی اسے بضم الراء بھی پڑھا جاتا ہے گویا وہ اس رہبان کی طرف منسوب ہے جو راہب کی جمع ہے جیسے راکب کی جمع رکبان ہے اور یہ تردد اس احتمال سے ہے کہ کیا یہ مفتوح الراء کی طرف منسوب ہے یا مضموم الراء کی طرف پھر اس نسبت کے اختلاف سے معنی بھی مختلف ہو جاتا ہے یعنی رہبان جو ایک طائفہ مخصوصہ کو کہا جاتا ہے جو ان کے لئے بمنزلہ علم کے ہو گیا ہے اگرچہ وہ فی نفسہ جمع ہے لیکن اب اس کی وہی حیثیت ہو گئی جو انصار و اعراب و فرائض کی ہے اس معنی پر نسبت کے وقت کہا جائے گا رہبانی جیسے کہا جاتا ہے انصاری و اعرابی و فرائضی نسبت میں بغیر رد کرنے جمع کی طرف واحد کے امام راغب نے المفردات میں لکھا ہے کہ رہبان جمع بھی ہے واحد بھی جس نے اسے واحد کہا ہے اس کی جمع رہابین بتائی ہے اور رہبانیت جمع کو زیادہ لائق ہے۔

فائدہ رہبانیت ایک اچھی خصلت ہے جو رہبان کی طرف ہے ان کی اس بدعت کا سبب یہ ہو کہ عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کے بعد جب جبابرہ نے اہل ایمان پر حملہ کیا تو ان کے مقابلہ میں اہل ایمان تین دن تک مسلسل جنگ کرتے رہے ان کے اکثر شہید ہو گئے بہت تھوڑے بچ گئے انہیں خطرہ ہوا کہ ممکن ہے جبابرہ انہیں دین سے تبدیل کر دیں اسی لئے پہاڑوں کی چوٹیاں کو عبادت کے لئے اختیار کیا اپنے دین کو بچانے کی غرض سے جبابرہ سے بھاگ گئے اور عبادت میں مخلصانہ طور پہاڑوں کے گوشوں میں رسول اکرم ﷺ کی بعثت کا انتظار کرنے لگے جو ان سے عیسیٰ علیہ السلام نے وعدہ کیا تھا کہ ان کے بعد آپ تشریف لانے والے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (آلایۃ) خوشخبری دیتے ہوئے کہ ایک رسول میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا اسم گرامی حضرت احمد (ﷺ) ہے۔

فائدہ مروی ہے کہ جب فرعون اور اس کا لشکر دریا میں غرق ہوا تو وہ ساحرین جو موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے انہوں نے اجازت چاہی کہ ہم لوگ مصر کی طرف اپنے اہل و عیال واپس لوٹ جائیں آپ نے انہیں اجازت دے کر ان کے حق میں دعا فرمائی یہی لوگ پہاڑوں کی چوٹیوں میں عبادت کے لئے راہب بن کر بیٹھ گئے یہی سب سے پہلے لوگ

marfat.ocm

ہیں جو راہب بنے بہت تھوڑے لوگ تھے جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس رہ گئے یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا اور رہبانیت بھی منقطع ہو گئی اسے عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب نے از سرِ نو شروع کیا۔

مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ ہم نے ان پر مقرر نہ کی تھی۔ یہ جملہ مستانفہ ہے اور نفی اصل فعل کی طرف متوجہ ہے یعنی ہم نے ان پر رہبانیت فرض نہیں کی تھی ان کی کتاب میں اور نہ ہی ان کے رسل کرام علیہم السلام کی زبان سے۔

الا یہ استثناء منقطع ہے لیکن اب معنی یہ ہوا کہ انہوں نے از خود بنائی تھی۔

اِبْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے۔

فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا تو اسے نہ نبھایا جیسے نبھانے کا حق ہے یعنی ان سب نے نہ نبھایا ساتھ ملا دیئے تثلیث (تین خدا ماننا) اور اتحاد (ان تینوں کو خدا ماننا) اور سمعہ (شہرت) ریاء اور حضور ﷺ کے ساتھ کفر کرنے وغیرہ وغیرہ کے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا جو مجھ پر ایمان لایا اور میری تصدیق کی اس نے نبھانے کا حق ادا کیا اور جس نے میرے ساتھ کفر کیا اور مجھ پر ایمان نہ لایا وہی ہلاک ہونے والے ہیں۔

فائدہ حضرت مقاتل نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کی اقتداء کرنے والوں سے ان کے ان کے بعد نبھانہ ہو سکے جیسے پہلے انہوں نے اپنے اوپر لازم کر رکھا تھا اس کے کمال کو چھوڑ کر کمی میں آ گئے اور جس نیک امور کے پابند تھے انہیں چھوڑ دیا اور اپنے بادشاہوں کے طریقوں میں داخل ہو گئے ان میں کوئی بھی عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر قائم نہ رہا سوائے چند ایک کے اسی لئے ان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاہدہ تھا جس کا توڑنا حرام ہے بالخصوص جس میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی مطلوب ہو۔

فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ تو ہم نے ان کے اہل ایمان کو ان کا ثواب عطا فرمایا یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کو جو کامل ایمان تھے یعنی رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے بعد رہبانیت کے نبھانے کے صرف رہبانیت کے نبھانے کی وجہ سے انہیں ثواب نہ ملا یہ اس وقت جب رسول اللہ ﷺ کی بعثت مبارک ہو گئی کیونکہ آپ کے بعد آپ پر ایمان لائے بغیر رہبانیت لغو محض بلکہ خالص کفر ہو گئی ان کی اتباع کے بغیر اجر کیسا؟

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے تو ان میں کوئی بھی ایسا نہ رہا جس نے

گرجانہ چھوڑا اور جو باہر تھا وہ واپس آگیا اور صاحب دیر نے دیر کو خیرباد کہا سوائے سند محرومین کے سب کے سب حضور سرور عالم ﷺ پر ایمان لے آئے۔

فائدہ صومعہ (گرجا) پر وہ وہ بنا جس کا سراس سے ملنے والا ہو اور دیر یعنی نصاری کی سرائے اور صاحب دیر کو دیاء کہتے ہیں۔

اجرھم ان کا اجر وہ جو نیک کام کرے اور وہ جو ان کے لائق ہے یعنی خوشنودی۔

وکثیر منھم اور ان نصاری کے اکثر یعنی وہ جنہوں نے از خود نیک کام شروع کر دیا پھر اسے ضائع کیا اور رسول اللہ ﷺ سے کفر کیا۔

فاسقون فاسق ہیں حد اتباع سے خارج۔ اس سے یہود و نصاری مراد ہیں۔

تفسیر المناسبات میں ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ کی امت میں بھی بعض ایسے ہو گئے کیونکہ جب رسول اللہ کا وصال ہو گیا۔ تو آپ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے آپ کی اتباع کی ان کے بعد جب خلافت راشدہ کا دور ختم ہوا تو فتنے اٹھ کھڑے ہوئے جیساکہ رسول اللہ ﷺ نے خبر دی تھی جو لوگ صریح ایمان کو مضبوطی سے تھامنے والے تھے ان پر بلائیں نازل ہوئیں اور کعبہ معظمہ کو فلاخن کا نشانہ بنایا گیا اور اسے توڑا گیا اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا گیا۔ اور مدینۃ الرسول ﷺ میں تین دن تک حرام کو حلال کر دیا گیا اور بہت سے برگزیدہ مسلمان شہید ہوئے۔ ان کے بعد مسلمانوں نے علیحدگی کو لازم سمجھا اسی لئے اکثر گوشہ نشین ہو گئے تھے یا مساجد میں عبادت گزاری کے لئے نشیمن بنایا بہت سے دریاؤں کے سواحل کی طرف چلے گئے ان میں بہت سے لوگوں نے نفس اور دشمن کفار کے ساتھ جہاد جاری رکھا اور اپنے اخلاق کو سنوارنے کے لئے درپے ہوئے اور فقر اختیار کیا اہل صفہ کی طرح کے طریق کار کو اپنایا اسی لئے ان کا نام صوفیہ مشہور ہوا۔ یہ لوگ پرہیزگاری اور ارتقاء پر زور دیتے اور صدق و صفاء اور منازل و احوال و مقامات کی باتیں کرتے یہی لوگ اہل صفہ کے درجات پر تھے یعنی انہیں کے طریق کو اپنانے والے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا اے ابن ام معبد کیا تمہیں معلوم ہے کہ میری امت کی رہبانیت کیا ہے عرض کی اللہ و رسولہ اعلم (اللہ جل جلالہ و رسول ﷺ) کو خوب معلوم ہے فرمایا ہجرت اور جہاد

marfat.ocm

اور نماز و روزہ اور حج و عمرہ اور بلند ٹیلوں پر اللہ اکبر کی آواز بلند کرنا۔

حدیث شریف مروی ہے کہ بعض صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو خوف و خشیت کا غلبہ ہوا کہ عورتوں سے علیحدہ ہو گئے اور بعض تو پہاڑوں کے اوپر عبادت کے لئے جا کر بیٹھ گئے بعض نے کھانا پینا چھوڑ دیا وغیرہ وغیرہ تو انہیں رسول اللہ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا اور فرمایا لا رهبانية في الاسلام اسلام میں رہبانیت نہیں اور فرمایا میری امت کی رہبانیت مسجد میں ہے یعنی میری امت کے عبادت گزاروں کو نصاریٰ کا طریقہ نہیں اختیار کرنا چاہیے بلکہ انہیں چاہئے کہ وہ مساجد میں اعتکاف بیٹھیں نہ کہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر چلے جائیں اور صوم وصل کی نفی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میں تم جیسا نہیں میں رات گزارتا ہوں تو میرا طعام کھلانے والا مجھے طعام کھلاتا ہے اور میرا ساقی مجھے پلاتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے۔

۱۔ ہین مکن خود را خصی رہبان مشو زانکہ عفت ہست شہوت را گرو
۲۔ بے ہوا نہی از ہوا ممکن نبود غازی بر دگان نتواں نمود
۳۔ پس کُلُوا از بہر دام شہو تست بعد ازاں لا تسرفوا آں عفتست
۴۔ چونکہ رنج صبر نبود مر ترا شرط نبود پس فرو ناید جزا
۵۔ حبذا آں شرط و شادا آں جزا آں جزائے دلنواز جاں فزا

ترجمہ ۱ خبردار خود کو خصی نہ بنا رہبان نہ ہو اس لئے کہ عفت شہوت سے وابستہ ہے۔
۲۔ شہوت کے بغیر نہی از شہوت ممکن نہ تھی غازی مردوں سے نہیں ہو سکتا۔
۳۔ کلوا کا حکم شہوت کی دام کے لئے ہے اس کے بعد ہی لا تسرفوا کا حکم ہے یہی عفت ہے۔
۴۔ جب تجھے صبر کی رنج حاصل نہیں تو پھر اس شرط کی جزا کہاں؟
۵۔ وہ شرط بھلی اور جزا خوش ایسی جزا دلنواز اور جان فزا ہے۔

فائدہ چار اشخاص ایسے ہیں جن کی قیامت میں اللہ تعالیٰ کوئی پرواہ نہیں کرے گا۔

۱۔ خصی کا زہد ۲۔ لشکری کا تقویٰ ۳۔ عورت کی امانت ۴۔ بچے کی عبادت

لیکن یہ اکثریت پر محمول ہے (المقاصد الحسنہ)

مسئلہ اس کے بعد امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عزلت و گوشہ نشینی اور خلوت اچھی نہیں۔

حکایت احیاء العلوم میں ہے کہ جب حضرت عروہ نے عقیق میں ایک مکان بنایا۔

فائدہ عقیق ہجوں امیر مدینہ طیبہ کے نواح میں ایک جگہ کا نام ہے تاکہ وہ جا کر قامت پذیر ہوں (خلوت۔ گوشہ نشینی مطلوب تھی) آپ کو لوگوں نے کہا کہ گوشہ نشینی خوب لیکن رسول اللہ ﷺ کی مسجد مبارک سے تو دور ہو جاؤ گے آپ نے جواب دیا کہ میں نے تمہاری مساجد کو لہو ولعب کا مرکز دیکھا اور تمہاری بازاریں لغویات سے بھرپور پائیں اور فسق و فجور تمہاری گلیوں میں عام دیکھا تمہیں اس سے عافیت ہو تو مجھے یہ ادائیں نہیں بھاتیں۔

اسلاف کے احوال بعض بزرگوں نے جیسے امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے دعوتوں کا قبول کرنا اور مریضوں کی طبع پرسی اور جنائز کی حاضری ترک کر دی تھی بلکہ وہ اکثر اوقات گھروں میں پڑے رہنے کو عافیت سمجھتے تھے صرف جمعہ کی ادائیگی اور زیارات قبور کے لئے باہر تشریف لے جاتے بعض حضرات نے تو شہروں میں جانا بند کر دیا تھا بلکہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر بسیرہ کر رکھا تھا اور فرماتے اسی طرح عبادت با فراغت نصیب ہوتی ہے اور شواغل سے دور بھاگتے تھے بعض اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ نے تو گوشہ نشینی لازم کر دی۔ جب بازاروں میں عام برائیاں دیکھیں اور عیدین میں لغویات اور مجمعوں میں بکواسات بکتے سنا اور انہیں روکنے کی بھی طاقت نہیں رکھتے تھے۔

فائدہ واقعی ایسے حال میں گوشہ نشینی بہتر ہے بلکہ ہو سکے تو وہاں سے ہجرت مکانی کر جائے۔

مسئلہ آیت میں دلیل ہے کہ نفلی عبادت شروع کرنے والے پر واجب ہو جاتی ہے۔

مسئلہ جو شخص ایسا کام شروع کرے جو اس پر لازم نہ تھا لیکن پھر چھوڑ دیا تو اسے فاسق کہنا روا ہے اس پر سخت وعید آتی ہے (اسی طرح صوفیہ کرام نے فرمایا جو ورد شروع کیا جائے اسے ترک کرنا سخت مذموم ہے)

مسئلہ منت کا ادا کرنا واجب ہے کیونکہ وہ ایک اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاہدہ ہے اور معاہدہ توڑنا جرم عظیم ہے۔

نکتہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ تراویح کا اتمام تم پر واجب ہے اس لئے کہ یہ تم پر واجب نہ تھیں

marfat.ocm

لیکن جب تم نے اپنے اوپر خود واجب کیں تو اب ان کی ادائیگی واجب ہے اگر انہیں چھوڑو گے تو فاسق ہو جاؤ گے اس کے بعد یہی آیت پڑھی (وکثیر منھم فاسقون)

صاحب روح البیان کا انوکھا استدلال فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے نوافل الرغائب (نوافل ماہ رجب) نوافل البراۃ (پندرہ شعبان) نوافل القدر (شب قدر) کیونکہ یہ بھی تراویح کے حکم میں ملحق ہیں کیونکہ یہ بھی تراویح کی طرح رات کو پڑھی جاتی ہیں علاوہ ازیں انہیں وہ علماء پڑھتے رہے جو عارف باللہ تھے فلہذا انہیں ترک نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن میرا یہ فتویٰ ان حضرات کو ہے جو عارفین باللہ کے معتقد ہیں (وہابیوں اور وہابیوں سے اثر گیر عوام کو یہ حکم نہیں صدق صاحب روح البیان قدس سرہ)

(حاشیہ= اضافہ از اویسی)

مسئلہ فتح الرحمن میں ہے کہ جو شخص نفلی روزہ یا نماز کا آغاز کر کے توڑ دے تو اس کا کیا حکم ہے اس میں ائمہ کا اختلاف ہے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ شخص اپنے ذمہ سے بری نہ ہوا اس پر ایسے روزہ اور نفل کی قضاء ضروری ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ولا تبطلوا اعمالکم (اپنے اعمال باطل نہ کرو) امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح فرمایا ہے لیکن وہ عذر سے توڑنے والے پر قضاء کا حکم نہیں فرماتے اور امام شافعی و امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ تمام مستحب فرماتے ہیں اگر توڑ دیا تو قضاء لازم نہیں۔

مسئلہ نفلی حج یا عمرہ توڑ دیا تو ان کی قضاء ضروری ہے اور جو فاسد ہوا اسے بھی نہیں چھوڑنا چاہیے۔

بدعت حسنہ کا ثبوت ہم اہلسنّت . مفضلہ تعالیٰ عامل بالقرآن والحدیث ہیں۔ حوادث (نئے مسائل) کو قرآن و حدیث کے مطابق پاتے ہیں تو ان پر عمل کرتے ہیں اس کا نام ہمارے نزدیک بدعت حسنہ ہے کہنے سے جھجکتے ہیں ان کی اس ضد کو صاحب روح البیان قدس سرہ صدیوں پہلے توڑ گئے چنانچہ لکھا[1]

قال بعض الکبار جمیع ما ابتدع من السنتہ الحسنتہ علی طریق القربتہ الی اللہ تعالیٰ داخل فی الشریعتہ التی جائت بھا الرسل عن امر اللہ تعالیٰ قال اللہ تعالیٰ

---

[1] صاحب روح البیان رحمتہ اللہ علیہ نے بدعت حسنہ کا ثبوت آیت قرآن سے اثبات فرمایا ۱۲ اویسی غفرلہ)

ورهبانيته الخ فاقرهم الله تعالیٰ عليهما ولم يعب عليهما فعلها انما عاب عليهم عدم رعايتهم لها نى دوام العمل فقط وخلع عليها اسم البدعة فى حقهم بخلاف هذه الامة خلع على ما استحسنوه اسم السنة شريفاً لهم مما قال عليه السلام من سن سنة وما قال ما ابتدع بدعة حسنة فانهم (ولا تكن مع الوهابين والنجديين ۱۲ فاجاز لنا ابتداع ماهو حسن وسماه سنة وجعل فيه اجرا لمن ابتدعه ولمن عمل به واخبر ان العابد لله تعالیٰ بما يعطيه نظره اذا لم يكن على شرع من الله معين انه يحشر امة وحده بغير امام يتبعه كما قال الله تعالیٰ فى ابراهيم كان امة قانتا لله وذلك لنظره فى لادينة قبل ان يوحى اليه وقال عليه السلام بعثت لاتمم مكارم الاخلاق فمن كان عليها فهو على شرع من ربه وان لم يعلم

ترجمہ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ جو طریقہ نیا احادیث سے اخذ کر کے اللہ تعالیٰ کی قربت کے لئے نکالا جائے وہ اسی شریعت میں داخل ہے جسے رسل کرام امر الٰہی سے لے آئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ورہبانیت الخ انہیں ثابت کیا اللہ تعالیٰ نے اور اس پر عیب نہ لگایا۔ ہاں ان کی مذمت اس لئے فرمائی کہ وہ اس بدعت حسنہ کو نبھا نہ سکے اس پر مداومت نہ کر سکے ان کے حق میں بدعت ذمہ لگایا بخلاف اس امت محمدیہ کے کہ یہ جو طریقہ نکالا اس کا استحسان فرماتا ہے یہ ان کی شرافت ہے حضور ﷺ نے فرمایا جو اچھا طریقہ نکالتا ہے اور فرمایا جو اچھی بدعت نکالتا ہے اسے اچھی طرح سمجھ لے (نجدی وہابی نہ بن) ہمیں اجازت ہے کہ ہم طریقہ نکالیں اس کا نام حضور علیہ السلام نے سنت رکھا اور اس بدعت کے جاری کرنے والے کو ثواب کا وعدہ فرمایا بلکہ جب تک یہ فعل رہے گا اسے ثواب ملتا رہے گا یہ اس وقت بری بدعت ہے جس کی نظیر اللہ تعالیٰ کے حکم میں نہ ہو لیکن وہ بھی رائیگاں نہیں اگر دین کا فائدہ ہے جب تک وحی نازل ہو وہ قابل عمل ہے اسی لئے ابراہیم علیہ السلام کو امۃ قانتا فرمایا ہے جب آپ نے وحی لے پہلے از خود دلائل سے کام لیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں مکارم الاخلاق کے لئے مبعوث ہوا جو ایسے طریقہ پر ہے وہ اللہ تعالیٰ کا امر ہے اگرچہ اسے اس کا علم نہ ہو۔

اس کے بعد صاحب روح البیان قدس سرہ نے مزید تصریح فرمائی تاکہ وہابیوں دیوبندیوں نجدیوں کی کوئی حرکت اہل

marfat.ocm

اسلام کو پریشان[2] نہ کر سکے چنانچہ فرمایا۔

وقال بعضهم جميع ما ابتدعه العلماء والعارفون مما لم تصرح شريعته بالامر به لا يكون بدعته الا ان خالف صريح النسته فان لم يخالفها فهو محمود وذلك لحلق الرأس[1] ولبس المرقات والرياضته بقلته الطعام والمنام والمواظبته على الذكر والجهر به على الهيه فانها المشهورة ونحو ذلك من جميع اوصافهم فانها كلها نوا ميس حكميته لم يجبى بها رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم فى عموم الناس من عند الله لكونها طريقه اهل الخصوص السالكين طريق الحق وهذه الطريقته لا تحتمل الامته الامر بها ولا تجب هى عليهم فقد علمت ان طريق القوم صادرة عن الله ولكن من غير الطريق الصريح النوى ولولا رنه عليه السلام فتح الامته باب الاستسنان ما احير اعليه واحده منهم على ان يزيد حكما ولا وضعا ففى الصحيح من سنه حسنته فله اجرها واجر من عمل بها (روح البیان ص ۳۸۵ ج۹)

ترجمہ بعض نے فرمایا جن امور کو علماء و عارفین نے شروع کیا اور اس کی تصریح شرع میں نہیں تو وہ بدعت (سیئہ) نہیں ہاں سنت صریح کے خلاف ہو تو وہ بدعت سیئہ نہیں تو وہ محمود (بدعت حسنہ) ہے یہ ایسے جیسے بعض صوفی سرمنڈاتے اور گدڑیاں پہنتے ہیں ریاضتیں کرتے ہیں مثلاً تھوڑا کھانا' تھوڑا سونا اور ذکر بالجہر بطریقہ مشہورہ وغیرہ پر مداومت کرنا ایسے ان کے جملہ اور اوو ظائف سب نئی باتیں ہیں عموم الناس کے لئے اللہ تعالیٰ سے رسول اللہ ﷺ کی طرف حکم نہیں آیا کیونکہ مخصوص لوگوں کا طریقہ ہے وہ طریقہ حق کے سالک ہیں اس امر کی عام امت حامل نہیں ہو سکتی اور نہ ہی ان پر یہ واجب ہے معلوم ہوا کہ یہ طریقہ مخصوص ہے جو صرف اولیاء اللہ کو نصیب ہوا۔

فائدہ بعض نے کہا وضع شرعی سے مقصود ہے نفوس کی عملاً یا علماً تکمیل اور صوفیہ کرام نے طریقہ بنویہ سے ایسے امور زائد لائے جو غرض و غایت میں اس کے موافق ہیں جیسے وہ امور جن پر اس امت کے صوفیہ کا التزام ہے جو اللہ

---

[1] یہ صاحب روح البیان قدس سرہ کے صوفیاء کرام کی عادات میں ہو گا ورنہ ہمارے دور میں تو یہ علامت وہابیوں کی بن گئی ہے ۱۲ اویسی غفرلہ) ص۲۔ اضافہ اویسی

marfat.ocm

تعالیٰ سے واجب نہیں ہوئے جیسے تقلیل طعام و کثرت صیام لوگوں کے میل جول سے اجتناب و قلت منام (نیند) اور ذکر علی الدوام۔

فائدہ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ جو افعال واصل باللہ سے صادر ہوتے ہیں وہ شریعت ہے ایسے افعال کے علاوہ لیکن اعتدال کا دامن مضبوطی سے پکڑنا ضروری ہے اس لئے حضور سرور کون و مکان ﷺ نے فرمایا کہ شریعت میرے اقوال اور طریقت میرے اطوار اور معرفت میرا راس المال اور حقیقۃ میرا نقد حال ہے۔

سبق بعض بزرگوں نے فرمایا از سر نو کوئی کام اپنے اوپر لازم نہ کرو نہ وہ تجھ پر اللہ تعالیٰ واجب کر دے گا۔

فائدہ ہماری شریعت کے ہر نئے کام کو حضور سرور عالم ﷺ نے بدعت کے بجائے سنت کہا ہے کما قال ﷺ من سن سنتہ حسنتہ الخ بلکہ ہماری شریعت نے ایسی بدعت کو ثابت رکھا ہے ایسی بدعت حسنہ پر صاحب بدعۃ کو اللہ تعالیٰ شکر کرنا چاہیے اور اس پر التزام کرنا لازم ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل علیہم السلام کے ساتھ ملایا اور اسے اجازت بخشی ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کی طرح اچھا کام از سر نو شروع کر سکتا ہے ہاں تکالیف میں کوئی ایک حکم بھی زائد نہ کرے کیونکہ اللہ و رسول (جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) کی مراد امت پر شفقت و رحمت ہے نہ کہ شدت اور سختی)

فائدہ بعض مشائخ نے فرمایا وہ ورد عمل میں نہ لا جو اللہ و رسول ﷺ سے وارد نہیں تجھے باادب علماء کے ساتھ ہونا چاہیے کیونکہ اس وقت تجھے دو ثواب ملیں گے۔

۱۔ ذکر کا ۲۔ تلاوت کا

اس وقت تو جامع الذکر والتلاوۃ ہو گا اس معنی پر تجھے تلاوت کرنے اور ذکر کرنے والوں کا ثواب حاصل ہو گا کیونکہ کتاب و سنت نے انسان کا دین و دنیا و آخرت کی ہر بھلائی کا مطلب بیان کیا ہے جس نے کسی فقیر سے ایسا ورد حاصل کر کے پڑھا جو کتاب و سنت کا غیر ہے وہ فقیر نہیں وہ اللہ و رسول (جل جلالہ و ﷺ) کا بے ادب ہے (غیر سے مراد خلاف ہے جیسے ہم نے مجربات اویسی میں تفصیل سے لکھا ہے) ہاں جس ورد کی اللہ جل جلالہ و رسول ﷺ نے تعریف کی ہو اسے یوں سمجھو کہ یہ وہ مخصوص کلمات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے جمع کر کے اپنے مخصوص بندے کو عطا

فرماتے ہیں اس وقت وہ فرمانبردار سمجھا جائے گا نہ کہ اختراع کنندہ (بدعتی)

حزب البحر شریف حزب البحر شریف حضرت شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے آپ نے خود تصریح فرمائی ہے کہ اس کا کوئی حرف میں نے از خود نہیں گھڑا اس کا ایک ایک حرف فرمودہ خدا و مصطفے ہیں (جل جلالہ و ﷺ) اس طرح کے اور اوراد و وظائف کا یہی حال ہے (ولکن الوہابیۃ قوم لا یعقلون)

مسئلہ جس نے ایسی دعا مانگی جو رسول اللہ ﷺ کی دعا کی غیر وہ محض بدعتی ہے۔

فائدہ عبد عبادت فرائض کی ادائیگی عبد اضطرار ہے اور نوافل میں عبد اختیار اور قاعدہ ہے کہ عبودیت الاضطرار عبودیت الاختیار سے بندے کے حق میں زیادہ برگزیدہ اور زیادہ سلامتی والی ہے کیونکہ عبودیت الاختیار دل میں امتنان کا شائبہ ہو سکتا ہے۔

فرقہ ملامیہ اسی لئے فرقہ ملامیہ کے اکابر مشائخ نوافل کا ترک فرماتے ہیں کہ کہیں ریاؤ سمعۃ کا شکار نہ ہو جائیں اور وہ صرف فرائض پر اکتفا کرتے تھے تاکہ ریاؤ سمعۃ وغیرہ سے عبودیت مجروح نہ ہو۔

رسمی صوفی کی نشانی الحکم العطائیہ میں ہے کہ اتباع خواہشات نفسانی کی ایک علامت یہ ہے کہ نوافل الخیرات وغیرہ میں تو حریص ہو لیکن فرائض و واجبات کی ادائیگی پرلے درجے کا سست اور اکثر لوگوں کا یہی حال ہے سوائے ان حضرات کے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی حفاظت میں رکھا ورنہ دیکھ لو بہت سے رسمی صوفی نوافل تو بکثرت پڑھیں گے لیکن ادائیگی فرائض و واجبات میں نہایت تنگ دل واقع ہوئے ہیں۔

تفسیر عالمانہ یاایھاالذین امنوا اے سابقین رسل کرام پر ایمان رکھنے والے۔

اتقوالله اللہ تعالیٰ سے ڈرو ان امور میں جن سے تمہیں روکا۔

وامنوبرسولہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ یعنی حضرت محمد ﷺ پر۔

سوال آپ کا نام کیوں نہیں صرف رسول (مطلقاً کہہ دیا) جواب اس طرف اشارہ ہے کہ لفظ رسول حضور سرور عالم ﷺ کے لئے بمنزلہ علم کے ہے کہ یہ علی الاطلاق حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے سوا کسی دوسری طرف

marfat.ocm

ذہن منتقل نہیں ہوتا۔

یوتکم کفلین   وہ تمہیں دو حصے دے گا۔

حل لغات   امام راغب سے منقول ہے کہ الکفل بمعنی وہ حصہ جس میں کفالت ہو گویا وہ اپنے معاملہ کا خود کفیل ہے الکفلان بمعنی النصیبان وہ (وہ حصے) جن میں رغبت دلائی گئی چنانچہ فرمایا   ربنا آتنا فی الدنیا حسنتہ وفی الاخرۃ حسنتہ   اے پروردگار ہمیں دنیا میں حسنہ دے اور آخرت میں بھی حسنہ دے)

من رحمتہ   اپنی رحمت کے وہ اس لئے کہ ایک حصہ سابقہ رسل کرام پر ایمان لانے سے دوسرا حضور ﷺ پر ایمان لانے سے لیکن اس کا معنی یہ نہیں کہ حضور رسول اکرم ﷺ کی بعثت مبارکہ کے بعد ان کی شریعت بھی باقی نہیں بلکہ یہ ایمان رکھے کہ اپ کی بعثت سے پہلے ہر رسول علیہ السلام کی شریعت دوسرے رسول علیہ السلام کے تشریف لانے تک حق تھی۔

حدیث شریف   حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین اشخاص وہ ہیں جنہیں دوگنا ثواب ملے گا۔

۱۔ وہ مرد جس کی لونڈی ہو اور وہ اسے بہتر تعلیم دے اور اچھا ادب سکھا کر اسے آزاد کر کے اپنے ساتھ نکاح کرے اسے دو اجر ملیں گے۔

۲۔ وہ اہل کتاب مومن جو اپنے رسول اللہ ﷺ پر بھی ایمان رکھے لیکن حضور ﷺ پر بھی ایمان لے آئے اسے بھی دو اجر نصیب ہوں گے۔

۳۔ وہ غلام جو اپنے مالک کا بھی حق ادا کرے اور اس کی خیر خواہی کرے اور اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی ادا کرے اسی لئے بعض غلام آزادی کے وقت رو پڑے پوچھنے پر کہا کہ میرا وہ اجر ضائع ہو گیا جو اپنے مالک کی خیر خواہی کرتا تھا اب صرف ایک اجر یعنی اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی۔

تا دلت ہست اسیر عشق سلیم   مسند تخت سلطنت مطلب

(جب تک تیرا قلب سلیم عشق کا قیدی ہو اس وقت تک تخت سلطنت نہ کر)

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا۔

marfat.ocm

اسیرش نخواہد رہائی زبند   شکارش نجوید خلاص از کمند

(اس کا قیدی قید سے رہائی نہیں چاہتا اس کا شکار کمند سے چھٹکارا نہیں چاہتا)

مولانا جامی قدس سرہ نے فرمایا۔

مریض عشق تو چوں مائل شفا گردد   اسیر قید تو کے طالب نجات شود

(تیرے عشق کا مریض شفا کی طرف کیسے مائل ہو گا تیرا قیدی نجات کا طالب کیسے ہو سکتا ہے)

ویجعل لکم نورا تمشون بہ اور قیامت میں تمہارے لئے نور کر دے گا جس میں تم چلو گے جیسے دوسری آیت میں فرمایا یسعی نورھم بین ایدیھم وبایمانھم ان کے آگے اور دائیں جانب ان کا نور دوڑتا ہو گا تو وہ اس روشنی سے پل صراط پر چل کر آسانی سے بہشت میں پہنچ جائیں گے کیونکہ جہنم ظلمت و تاریکی سے بنائی گئی ہے اس لئے کہ نفس امارہ کی شکل و صورت بھی یہی ہے کیونکہ نفس امارہ ظلمانی ہے اسے ایمان و تقویٰ کا نور ہی دفع اور زائل کر سکتا ہے۔ ویغفر لکم اور تمہیں بخش دے گا یعنی وہ پہلا عمل میں لایا ہوں کفر و معاصی۔

مسئلہ کفار کی نیکیاں تب قبول ہیں جب اسلام لائیں جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔

واللہ غفور رحیم اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے یعنی بہت بڑا بخشتا ہے اور بہت بڑی رحمت والا ہے۔

فائدہ اس میں اشارہ ہے کہ وہ گناہ جو ملاحظہ نفس سے ہوا اللہ تعالیٰ اسے بھی بخش دے گا کیونکہ سب سے بڑھ کر گناہ وہ ہے جو نفس کے ملاحظہ سے ہو جیسے صوفیہ کرام نے فرمایا تیرا وجود خود گناہ ہے اس سے بڑھ کر اور کوئی گناہ نہیں۔

چو مرد رہ شدی بگذر از سر و دستار

(جب مرد راہ ہو گئے ہیں تو سر اور دستار کا خیال چھوڑ دو) لئلا یعلم اھل الکتاب تاکہ کافر اہل کتاب نہ جانیں اس کا تعلق جملہ طلبیہ سے ہے جو شرط کے معنی کو متضمن ہے کیونکہ دراصل عبارت ان تتقوا اللہ وتومنوا برسولہ یوتکم کذا وکذا لئلا یعلم الخ یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان لاؤ تو تمہیں اللہ تعالیٰ ایسا ایسا اجر دے گا تاکہ نہ جانیں گے وہ لوگ جو مسلمان نہیں ہوئے یعنی تاکہ جان لیں یہاں لا زائدہ ہے۔ جیسے مامنعک ان لا تسجد کس شے نے تجھے سجدہ کرنے سے روکا۔ یہاں بھی لا زائدہ ہے جیسے قراۃ لیعلم اہل الکتب سے واضح ہوتا ہے اب معنی ہوا ولان یعلم بادغام النون،

فی الیاء)۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ لازائدہ اس کلام میں اچھا سمجھا جاتا ہے جس کے اوائل یا اواخر میں جحد (انکار) ہو۔ ان لایقدرون علی شئی من فضل اللہ کہ اللہ تعالیٰ کے فضل پر انہیں کوئی قدرت نہیں۔ ان مخففہ من المثقلہ ہے اس کا اسم ضمیر الشان ہے محذوف ہے اور جملہ نصب کے محل میں اور یعلم کا مفعول بہ ہے یعنی تاکہ وہ جان لیں کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کا فضل دو نصیبوں والا اور نور اور مغفرت مذکور ہوئے اس سے انہیں کچھ نہیں ملے گا بلکہ اس کے حاصل کرنے کی ان میں قدرت بھی نہیں کیونکہ یہ وہ شرط نہیں لاتے یعنی رسول اللہ ﷺ پر ایمان اس کے حصول کی شرط ہے۔

وان الفضل بیداللہ اور بیشک فضل اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اس کا عطف ان لا یقدرون پر ہے یعنی ثواب کا اضافہ روز جزا اور اس جیسی اور چیزیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ہاتھ میں ہیں۔

یؤتیہ وہ عطا کرتا ہے من یشاء جسے چاہتا ہے یہ ان کی دوسری باخبر ہے۔

واللہ ذوالفضل العظیم اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔ وہ العظیم تر ہے تو لازم ہے کہ اس کا احسان بھی عظیم ہو۔

فائدہ حضرت کاشفی نے لکھا کہ خدا تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے یعنی تمام نعمتیں جو ہر خاص و عام کو نصیب ہوتی ہیں۔

فیض و کرم رسانده از شرق تا بغرب　　خوان نعم نهاده از قاف تا قاف
هستند بیش و کم ز نوال تو بهره مند　　وارند نیک و بد بعطاء تو اعتراف

(مشرق سے مغرب تک تیرے کرم کا فیض پہنچا ہوا نعمتوں کے دسترخوان بچھے ہیں قاف سے قاف تک۔ کم و بیش ہر ایک تیری مہربانی سے بہرمند ہیں ہر نیک و بد کو تیرا اعتراف ہے)

مسئلہ غیر اہل کتاب کو ایمان و تقوی کا حکم کرنا جائز ہے اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان لاؤ تو اللہ تعالیٰ تمہیں وہی دے گا جو اہل کتاب سے وعدہ کیا ہے اجر دو حصے وغیرہ جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا اولئک یؤتون اجرھم مرتین نہ ہی ہیں جنہیں دوبار اجر دیا جائے گا اور تمہارے اجر میں ان کے اجر کی

marfat.ocm

مثل کمی نہیں آئے گی کیونکہ تم دونوں ایمانوں ان جیسے ہو کیونکہ تم کسی بھی رسول کو جدا نہیں کرتے۔

شان نزول مروی ہے کہ اہل کتاب دوسرے تمام اہل اسلام پر فخر کرنے لگے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے دو اجر دینے کا وعدہ فرمایا ہے یہ اسی لئے ہم تم سے افضل ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حدیث شریف ہماری اور ہمارے سے پہلے اہل کتاب کی مثل اس شخص کی ہے جس نے مزدور کام پہ لگائے اور کہا جو آخر وقت تک کمائے گا اسے ایک قیراط دوں گا اس قوم نے کام کیا لیکن دوپہر تک پھر اس نے اوروں کا کام پہ لگایا اور کہا جو اخیر دن تک کام کرے گا اسے ایک قیراط دوں گا اس نے عصر تک کام کیا پھر اوروں کو لایا اور کہا جو رات تک کام کرے گا اسے دو قیراط دوں گا اس قوم نے رات تک کام کیا تو انہیں دو دو قیراط نصیب ہوئے اس پر پہلے دو طرح کے مزدور کہیں یہ کیا کام ہم زیادہ کریں اور ہماری مزدوری کم اور یہ کام تھوڑا کریں اور مزدوری زیادہ۔ مالک کہے میں نے تمہاری مزدوری کم تو نہیں کی کہا نہیں فرمائے گا تو پھر میں اپنی مہربانی سے جتنا جسے چاہوں دوں۔

فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب کی عمریں بڑی تھیں اور ان کے ذمہ کام بھی سخت تھے لیکن ان کا اجر کم تھا اور امت مصطفیٰ ﷺ کی عمریں کم اور کام بھی تھوڑا لیکن اجر و ثواب بہت زیادہ اور یہ بحیثیت استحقاق کے نہیں کیونکہ بندے کا مولیٰ پر کونسا استحقاق کہ وہ اپنی خدمت کا حق طلب کرے بلکہ یہ اس کی مہربانی ہے کہ وہ اپنے فضل سے جو چاہے دے ایسے ہی اللہ تعالیٰ جس بندے پر جو چاہے فضل کرے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت بقلی قدس سرہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل کو اکتساب وعلل الجہد والطلب سے دور رکھا ہے وہ اپنی کرامات اپنے برگزیدہ بندوں میں سے جسے چاہے عطا کرے ذوالعطاء فی الازل الی الابد ہے وہ منعم علیہ پر اپنا فضل کرتا ہے جس کا شمار نہیں اور ہمیشہ ہمیشہ ایسے کرتا ہے۔

فضیلت سورۃ مروی ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ مسبحات زدہ سورتیں (جو تسبیح کے الفاظ سے شروع ہوتی ہیں) آرام فرمانے سے پہلے پڑھتے اور فرماتے ان میں ایک آیت ہزار آیات سے افضل ہے۔

فائدہ مسبحات سے یہ سورتیں ہیں۔

marfat.ocm

۱۔ الحدید ۲۔ الحشر ۳۔ الصف ۴۔ الجمعہ ۵۔ التغابن

نکتہ (صاحب روح البیان قدس سرہ) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے وہ آیت ان سورتوں میں اسی طرح مخفی رکھی جیسے ساعۃ الاجابۃ والبدایہ وغیرہ تاکہ امت اس کے تلاش کرنے میں یہ سورتیں زیادہ سے زیادہ پڑھے۔ گویا ان سورتوں کی بکثرت تلاوت کی ترغیب دی گئی تاکہ لوگ یہ سورتیں بکثرت پڑھیں اور شب بیدار رہیں۔

شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا۔

چو ہر گوشہ تیر نیاز افگنی امید ہے ناکہ صیدے زنی
ہمہ سنگہا پاس دارے امیر کہ لعل از میانش نباشد بدر
غم جملہ خور در ہوائے یکے مراعات صدر کن برائے یکے

ترجمہ ۱ جب تم ہر کونے میں تیر پھینکو گے تو امید ہے کہ کوئی شکار حاصل کر لو گے۔

۲۔ تمام پتھر محفوظ رکھ اس لئے کہ لعل ان سے باہر نہ ہو گا۔

۳۔ سب کا غم کھا صرف ایک کی خاطر اور سب کی رعایت ایک کے لئے کر۔

اختتام تفسیر سورۃ الحدید از صاحب روح البیان صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور اس بزرگ کی مدد سے تفسیر سورۃ الحدید ربیع الاول کے واخر سن ۱۱۱۵ ہجری میں ختم ہوئی۔

اور

فقیر اویسی غفرلہ نے سورۃ الحدید کی تفسیر کے ترجمہ سے ۲ صفر سن ۱۴۰۹ ہجری بروز جمعرات صبح دس بجے فراغت پائی الحمد للہ علی ذلک وصلی اللہ علی حبیبہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

الفقیر القادری محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ

بہاولپور۔ پاکستان

marfat.ocm

[illegible]

فہرستِ مضامین پارہ نمبر 27

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
آغاز پارہ قال فما خطبکم مع ترجمہ	3	کے اختیار کا بیان	128	ختم قرآن کی برکتیں	256
تفسیر عالمانہ قال فما خطبکم	4	دیوبندیوں وہابیوں اور ان کے ہمنواؤں		دن مقرر کرنا	259
انبیاء علیہ السلام کے امتیوں کی گنتی	6	کو دعوت فکر	130	کیا ملائکہ ہنستے بھی ہیں	268
فرعون کی حماقت	9	حزب البحر شریف کی وجہ تسمیہ	136	تفاسیر امامات اتیٰ	270
مجذوب کی قسمیں	11	غالی شیعوں کا رد	141	خطاب کس کو	279
حضرت صالح علیہ السلام کا علم غیب	16	فناء کے سات مقام	146	فراغت از تفسیر سورۃ النجم	287
زمین کی ریت کی تحقیق	21	تفسیر حضرت حسن بصری رحمہ اللہ	153	آغاز سورۃ القمر مع عربی ترجمہ	288
حضرت صدیق اکبر کی فضیلت	26	تفسیر حضرت امام جعفر صادقؓ	160	حدیث شریف قرب قیامت	291
دس چیزوں کی یاد	30	معراج کی شب عطیہ علوم کی اقسام	ایضاً	دنیا ولی آدم علیہ السلام سے	292
رسول اکرم ﷺ کی شان کریمہ	39	عقلی دلیل	172	رد مودودی ونیچری	294
اعلیٰ درجے کی اتباع	44	سدرہ کا نور	178	شق القمر کا واقعہ	296
تاریخ فراغت از تفسیر ذاریات	54	آدم علیہ السلام کس بہشت سے نکلے	182	کلیم وحبیب ﷺ کے معجزہ میں فرق	299
آغاز سورۃ طور عربی مع ترجمہ	55	دیدار الٰہی چشمان مبارک کو بیداری میں		نبی علیہ السلام کا وزن مبارک	303
شب معراج اور بیت المعمور	59	معراج کی دلیل	186	نثار تیری چہل پہل	305
دفع ورفع میں فرق	64	معراج کی شب کون سی تھی	189	بدھ کی نحوست	322
تحقیق البحر	89	شان ارفع ﷺ	195	تبرک کا ثبوت	327
شان اور کمال رسول ﷺ کا بیان	94	ہوا میں اڑنے کا نسخہ	207	اونٹنی کے قتل کا واقعہ	334
● حمل کی تخلیق	100	جبرائیل علیہ السلام سورت عائشہ صدیقہ		پتھراؤ کیوں	338
منکرین حدیث اور عذاب قبر	111	رضی اللہ عنہا لائے	214	ابوجہل کی فرعونیت	343
وظیفہ حفاظت از بلیات	114	دینا اہل دنیا کی ماں ہے	218	سعدون ولی اللہ کی کرامت	346
سورۃ نجم عربی مع ترجمہ	119	مدح کی اقسام	228	رد وہابیہ دیوبند	349
قرآن کی قسموں کی قسمیں	123	حضرت ابراہیم علیہ کی مہمان نوازی	233	بہشت کا داخلہ	353
النجم سے کیا مراد ہے	ایضاً	رد وہابیہ دیوبندیہ	240	مرید کا صدق	356
وہابی دیوبندی فرقہ	125	امام اعظم ابوحنیفہ کا مذہب	244	نعرہ رسالت کا ثبوت	ایضاً

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
آغاز سورۃ الرحمٰن عربی مع ترجمہ	358	کھیتی میں برکت کا وظیفہ	481	صدیق وصادق میں فرق	ایضاً
آدم علیہ السلام کی بولیاں	363	آسمانی دریا	486	چند سید ہاشمی رضی اللہ عنہ	577
لطیفہ	374	پرویزی معتزلہ اور چکڑالوی ٹولہ کا رد	488	شہوات کے سات اسباب	580
تخلیق آدم علیہ السلام	ایضاً	حضرت ادریس علیہ السلام کا سلوک	490	وسیلہ مصطفیٰ ﷺ	585
تحقیق البحرین	378	صوفیانہ تحقیق	495	تقریر دلپذیر صوفیانہ	ایضاً
حبیب ﷺ کی خصوصیت	385	روح کے معانی	503	حکایت حجاج	590
صدیق اکبر کا تقویٰ	398	یقین کی تحقیق	507	حضرت مجنون مرحوم	592
ملفوظ مالک بن دینار رضی اللہ عنہ	400	فضائل سورۃ الواقعہ	511	خواجہ نظام الدین کی مریدنی	ایضاً
یاقوت کے فوائد	409	فراغت سورۃ واقعہ	ایضاً	غم گمانے کا نسخہ	593
اللہ کا دیوانہ عاشق	417	آغاز سورۃ الحدید عربی مع ترجمہ	512	صاحب روح البیان کے پیر و مرشد کی تقریر	596
نسخہ روحانی	421	فضیلت تسبیح	517	صاحب روح البیان کا فیصلہ	602
سبز رنگ کا فائدہ	425	اول و آخر ظاہر و باطن کی تفاسیر	521	تعلیم حضرت عیسیٰ علیہ السلام	607
بھلے بھلے	433	دعا فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا	522	اسلاف کے احوال	612
شب معراج کا رفرف	435	شان مصطفیٰ ﷺ	530	صاحب روح البیان کا [illegible] استدلال	613
فراغت سورۃ رحمٰن	437	سامری کے متعلق نکتہ	542	[illegible]	617
آغاز سورۃ الواقعہ مع عربی ترجمہ	438	فضائل صدیق اکبر	547	اختتام سورۃ الحدید از صاحب روح البیان	623
حضرت بلال کی قدر و منزلت	442	ایمان صحابہ کرام رضی اللہ عنہ	549	فہرست	624
سابقین اربعہ	446	قول علی	ایضاً		
چند گروہ اور ان کی تفصیل	448	نور کی مقدار کا بیان	554		
دو تہائی بہشت میں امت مصطفیٰ ﷺ	451	پل صراط کا منظر	557		
چالیس آدمیوں کی امداد	453	صاحب روح البیان کا فیصلہ	558		
[illegible]	458	صاحب روح البیان کے دلائل	ایضاً		
صاحب روح البیان کا مشاہدہ	460	تحقیق مولیٰ	561		
[illegible]	465	[illegible]	567		
[illegible] نوشی حرام	470	[illegible]	572		

سُوْرَةُ الْمُجَادِلَةِ مَدَنِيَّة ۲۸ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ — اٰیَاتُهَا ۲۲ رُکُوْعَاتُهَا ۳

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا

سورۂ مجادلہ مدنی ہے اس میں بائیس آیتیں اور تین رکوع ہیں

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِیْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ یَسْمَعُ

بے شک اللہ نے سنی اس کی بات جو تم سے اپنے شوہر کے معاملہ میں بحث کرتی ہے اور اللہ سے شکایت کرتی ہے

تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ① اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا

اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا ہے بے شک اللہ سنتا دیکھتا ہے وہ جو تم میں اپنی بیبیوں کو اپنی ماں کی جگہ کہہ بیٹھتے ہیں وہ ان

هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ

کی مائیں نہیں ان کی مائیں تو وہی ہیں جن سے وہ پیدا ہیں اور وہ بے شک بری اور نری جھوٹ بات کہتے ہیں

الْقَوْلِ وَزُوْرًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ② وَالَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ

اور بے شک اللہ ضرور معاف کرنیوالا اور بخشنے والا ہے اور وہ جو اپنی بیبیوں کو اپنی ماں کی جگہ کہیں پھر

یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ

وہی کرنا چاہیں جس پر اتنی بڑی بات کہہ چکے تو ان پر لازم ہے ایک بردہ آزاد کرنا قبل اس کے کہ ایک دوسرے کو ہاتھ

بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ③ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ

لگائیں یہ ہے جو نصیحت تمہیں کی جاتی ہے اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے پھر جسے بردہ نہ ملے تو لگاتار دو مہینے کے روزے

مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّیْنَ مِسْكِیْنًا ؕ ذٰلِكَ

قبل اس کے کہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں پھر جس سے روزے بھی نہ ہو سکیں تو ساٹھ مسکینوں کا پیٹ بھرنا یہ اس لیے کہ تم

لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَلِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ④

اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھو اور یہ اللہ کی حدیں ہیں اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

بے شک وہ جو مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی ذلیل کیے گئے جیسے ان سے اگلوں کو ذلت دی گئی

وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ⑤ یَوْمَ یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا

اور بیشک ہم نے روشن آیتیں اتاریں اور کافروں کے لیے خواری کا عذاب ہے جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا

فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ⑥ ع ۱ ۶ ۱

پھر انہیں ان کے کوتک جتا دیگا اللہ نے انہیں گن رکھا ہے اور وہ بھول گئے اور ہر چیز اللہ کے سامنے ہے

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى

اے سننے والے کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں جہاں کہیں تین شخصوں کی سرگوشی

ثَلٰثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ أَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ

ہو تو چوتھا وہ موجود ہے اور پانچ کی تو چھٹا وہ اور نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ کی

أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ إِنَّ

مگر یہ کہ وہ ان کے ساتھ ہے جہاں کہیں ہوں پھر انہیں قیامت کے دن بتادے گا جو کچھ انہوں نے

اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٧﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ

کیا بے شک اللہ سب کچھ جانتا ہے کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جنہیں بری مشورت سے منع فرمایا گیا تھا پھر وہی کرتے ہیں

لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ۫ وَإِذَا

جس کی ممانعت ہوئی تھی اور آپس میں گناہ اور حد سے بڑھنے اور رسول کی نافرمانی کے مشورے کرتے ہیں اور

جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ أَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا

جب تمہارے حضور حاضر ہوتے ہیں تو ان لفظوں سے تمہیں مجرا کرتے ہیں جو لفظ اللہ نے تمہارے اعزاز میں نہ کہے اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں

اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ۚ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿٨﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ

ہمیں اللہ عذاب کیوں نہیں کرتا ہمارے اس کہنے پر انہیں جہنم بس ہے اس میں دھنسیں گے تو کیا ہی برا انجام اے ایمان والو تم جب

اٰمَنُوْٓا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ

آپس میں مشورت کرو تو گناہ اور حد سے بڑھنے اور رسول کی نافرمانی کی مشورت نہ کرو

الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ إِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٩﴾

اور نیکی اور پرہیزگاری کی مشورت کرو اور اللہ سے ڈرو جس کی طرف اٹھائے جاؤ گے

إِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ

وہ مشورت تو شیطان ہی کی طرف سے ہے اس لیے کہ ایمان والوں کو رنج دے اور وہ ان کا کچھ نہیں

شَيْئًا إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ

بگاڑ سکتا بے حکم خدا کے اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسا چاہیے اے ایمان والو

اٰمَنُوْٓا إِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ

جب تم سے کہا جائے مجلسوں میں جگہ دو تو جگہ دو اللہ تمہیں جگہ دے گا

marifat.com

لَكُمْ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ

اور جب کہا جائے اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہو اللہ تمہارے ایمان والوں کے اور ان کے جن کو علم دیا گیا

اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ⑪ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا

درجے بلند فرمائے گا اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے اے ایمان والو جب تم رسول سے کوئی

نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ذٰلِكَ خَيْرٌ

بات آہستہ عرض کرنا چاہو تو اپنی عرض سے پہلے کچھ صدقہ دے لو یہ تمہارے لیے بہتر

لَّكُمْ وَاَطْهَرُ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑫ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ

اور بہت ستھرا ہے پھر اگر تمہیں مقدور نہ ہو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے کیا تم اس سے ڈرے

تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ

کہ تم اپنی عرض سے پہلے کچھ صدقے دو پھر جب تم نے یہ نہ کیا اور اللہ نے اپنی مہر سے تم پر

فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا

رجوع فرمائی تو نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کے فرماں بردار رہو اور اللہ تمہارے

تَعْمَلُوْنَ ⑬ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مَا هُمْ ۲ ع ۲

کاموں کو جانتا ہے کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جو ایسوں کے دوست ہوئے جن پر اللہ کا غضب ہے وہ نہ تم

مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ⑭ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ

میں سے نہ ان میں سے وہ دانستہ جھوٹی قسم کھاتے ہیں اللہ نے ان کے لیے

عَذَابًا شَدِيْدًا اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑮ اِتَّخَذُوْۤا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً

سخت عذاب تیار کر رکھا ہے بے شک وہ بہت ہی برے کام کرتے ہیں انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال

فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ⑯ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ

بنا لیا ہے تو اللہ کی راہ سے روکا تو ان کے لیے خواری کا عذاب ہے ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ کے سامنے

اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ⑰ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ

انہیں کچھ کام نہ دیں گے وہ دوزخی ہیں انہیں اس میں ہمیشہ رہنا جس دن اللہ ان سب

اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ اَلَاۤ اِنَّهُمْ

کو اٹھائے گا تو اس کے حضور بھی ایسے ہی قسمیں کھائیں گے جیسی تمہارے سامنے کھا رہے ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے

هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ⑱ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ
سچھ کیا سنتے ہو بیشک وہی جھوٹے ہیں ان پر شیطان غالب آگیا تو انہیں اللہ کی یاد بھلا دی وہ شیطان کے گروہ ہیں
اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ⑲ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ
سنتا ہے بیشک شیطان ہی کا گروہ ہار میں ہے بے شک وہ جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں
اُولٰٓئِكَ فِى الْاَذَلِّيْنَ ⑳ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِىْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِىٌّ عَزِيْزٌ ㉑ لَا
وہ سب سے زیادہ ذلیلوں میں ہیں اللہ لکھ چکا کہ ضرور میں غالب آؤں گا اور میرے رسول بیشک اللہ قوت والا عزت والا ہے
تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ
تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول
كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِىْ
سے مخالفت کی اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں یہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے
قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ
ایمان نقش فرما دیا اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد کی اور انہیں باغوں میں لے جائے گا
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ
جن کے نیچے نہریں بہیں ان میں ہمیشہ رہیں اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی یہ اللہ کی
حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ㉒ ع ٣ ٩ ٢
جماعت ہے سنتا ہے اللہ ہی کی جماعت کامیاب ہے

تفسیر عالمانہ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِىْ تُجَادِلُكَ فِىْ زَوْجِهَا بیشک اللہ تعالیٰ نے سنی اس کی بات جو تم سے اپنے شوہر کے معاملہ میں بحث کرتی ہے علاقہ سببہ کی وجہ سے سمع اَجَابَ سے مجاز مرسل ہے۔

حل لغات اَلْمُجَادِلَةُ ایک دوسرے کو جھگڑے کے طور باہم بات چیت کرنا۔ مغالبہ یعنی غلبہ پانے کے لئے مقابلہ کرنا یعنی بر سبیل نزاع کسی سے کام لے جانا۔ دراصل یہ جدلت الجبل (میں نے اس کی رسی مضبوط کی) سے ہے گویا دو جھگڑنے والے اپنی رائے سے اپنی رسی مضبوط کرنا چاہتے ہیں یہاں باہم گفتگو اور ایک دوسرے سے بات چیت مراد ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات قبول کر لی جو اپنے شوہر کے معاملہ میں آپ سے فتویٰ پوچھتے ہوئے گفتگو کرتی اور بات کو دہراتی ہے یعنی جو اس سے بلاوجہ اظہار کیا کہ وہ شرعاً صحیح ہے اور نہ ہی کوئی مقبول سبب ہے جس کے متعلق بار بار پوچھتی ہے

marfat.ocm

وَتَشْتَكِيْ اِلَى اللّٰهِ (اور وہ اللہ تعالیٰ سے شکایت کرتی ہے اس کا عطف تُجَادِلُكَ پر ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف تضرع وزاری اور وہ جو اسے ناگوار تھا اسے ظاہر کرتی تھی۔

حل لغات المفردات میں ہے کہ الشکایہ والشکوٰی کا اصلی معنی ہے مشکیزہ کھولنا اور جو اس کے اندر ہے اسے ظاہر کرنا۔ الشکوہ بمعنی چھوٹا مشکیزہ جس میں پانی ڈالا جائے اصل میں استعارہ ہے اس قول سے جو عربی کہتے ہیں۔ بثثت لہ مافی وعائی جو کچھ میرے برتن میں تھا میں نے اس کے لئے انڈیل دیا اور جھاڑا جو میرے برتن میں تھا وہ میں نے جھاڑ دیا یعنی جو کچھ میرے دل میں تھا ظاہر کر دیا۔

کشف الاسرار میں ہے کہ الاشتکاء بمعنی وہ جو انسان کو ناگوارہ امر واقع ہوا اسے ظاہر کرنا اور جو دوسرے سے ناگوار امر واقع ہوا اسے الشکوی کہتے ہیں۔ تاج المصادر میں ہے کہ اشتکاء بمعنی گلہ کرنا و شکوی لینا۔ الشکوی بمعنی چھوٹا مشکیزہ۔

فائدہ گفتگو کرنے والی خولہ بنت ثعلب بن مالک بن خزامہ خزرجیہ تھیں (رضی اللہ عنہا) اور ان کا شوہر نامدار حضرت اوس بن الصامت حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کا بھائی تھا۔

شان نزول حضرت خولہ حسین بدن تھیں انہیں اوس نے نماز پڑھتے دیکھا تو شہوت کا غلبہ ہو گیا۔ سلام پھیرنے پر کہا تو بی بی نے انکار کر دیا۔ اوس تیز مزاج تھے فوراً طیش میں آگئے بمقتضائے بشریت کہہ دیا انت علی کظھر امی تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔ اسلام میں یہ پہلا موقعہ ظہار تھا یہ کہہ کر نادم ہوئے کیونکہ جاہلیت میں ظہار وایلا پر دونوں طلاق سمجھے جاتے تھے بی بی سے کہا اب میں کیا سمجھوں اس طرح سے تو تو مجھ پر حرام ہو گئی ہو گی۔ بی بی فوراً حضور سرور عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اس وقت حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کا سر مبارک دھو رہی تھیں۔ عرض کی یا رسول اللہ اوس میرا شوہر میرے بچوں کا باپ اور میرا چچیرا بھائی اور مجھے محبوب تر ہے۔ وہ مجھ سے ظہار کر بیٹھا ہے لیکن طلاق کا لفظ منہ سے نہیں بولا اب وہ خود بھی نادم ہے کیا میری اور اس کی یکجا رہنے کی کوئی صورت ہے۔ آپ نے فرمایا مجھے تو ایسے معلوم ہوتا ہے تو اس پر حرام ہو گئی۔ عرض کی یا رسول اللہ یوں نہ فرمایئے میں نادار اور اکیلی ہوں اور میرا کوئی کنبہ نہیں بچے چھوٹے ہیں اگر میں انہیں ساتھ لے جاؤں تو بھوکے مریں گے اگر باپ کے پاس چھوڑ جاؤں تو ضائع بیکار ہو جائیں گے لیکن نبی پاک ﷺ نے وہی پہلے والی بات دہرائی کہ تو اس پر حرام ہو گئی۔ بی بی نے بحث و مباحثہ جاری رکھا لیکن آپ وہی پہلے والا کلمہ دہراتے رہے بی بی چلائی اور کہا میں اپنا ناگوار اپنے رب کریم کے پیش کرتی ہوں کہ میرے شوہر نے جو کچھ کہا اور میرا فاقہ اور میری تنہائی کو خوب جانتا ہے اور عرصہ دراز میں نے شوہر کے ساتھ نیک معاشرہ سے گزارا یہاں تک کہ میرا پیٹ جھڑ گیا یعنی کافی عرصہ اس کے ساتھ زندگی بسر کی۔ اب بڑھاپے کے قریب ہوں بلکہ بانجھ ہو گئی ہوں یعنی بچے جننے کے قابل نہیں رہی یہ کہتی رہی اور آسمان کی طرف سر اٹھا رکھا تھا جیسے نزول رحمت کی امید پر آسمان کو دیکھنا عام لوگوں کی

عادت ہے کہ اس کی رحمت عرش سے نازل ہو گی اور کہہ رہی تھی یا اللہ میرے حق میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو کوئی فیصلہ بتا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے سر مبارک کا دوسرا حصہ دھونے لگیں اور بی بی بدستور آسمان کی طرف منہ کر کے وہی کہتی رہیں جو کہہ رہی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شکایت سناتی رہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کو دکھ درد سنایا یہاں تک کہ حضرت جبریل علیہ السلام یہی چار آیات لے آئے اس کا شکوہ سنا گیا اور دعا قبول ہوئی۔ اس معنی پر یہی بی بی نزول ظہار کا سبب بنی۔

فائدہ لفظ قد میں اشارہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور مجادلہ سے توقع تھی کہ اس کا یہ حکم نازل فرماتا اور اس بی بی کا دکھ ضرور ٹالتا کیونکہ لفظ قد کا داخلہ ماضی متوقع پر ہوتا ہے۔

وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا اور اللہ تعالیٰ تم دونوں کی گفتگو سن رہا ہے یعنی تمہاری بات کو دہرانا اور باہم گفتگو ہونا اور ظہار کے بارے میں ایک دوسرے سے سوال و جواب کرنا۔

حل لغات التحاور بمعنی التجاوب یعنی کلام لوٹانا اور اس کا جواب دینا یعنی ایک دوسرے کو جواب دینا الحور سے بمعنی الرجوع یعنی رسول اللہ ﷺ کا بار بار اپنے قول کی طرف رجوع کرنا کہ تو اپنے شوہر پر حرام ہو گئی اور بی بی کا بار بار تقاضا کہ کسی طرح وہ شوہر پر حلال ہو۔ اسی طرح وہ المحاورہ فی البحث اسی سے دعا کا کلمہ۔ نعوذ باللہ من الحور بعد الکور۔ یعنی ہم پناہ مانگتے ہیں رجوع الی نقصان سے بعد پہنچنے زیادتی کی طرف یا پناہ مانگتے ہیں انس کے بعد وحشت کی طرف سے۔ امام راغب نے فرمایا الحور بمعنی تردد یا بالذات یا بالتفکر جیسے نعوذ باللہ من الحور بعد الکور یعنی تردد فی الامر سے اس کے گزر جانے کے بعد یا نقصان سے پناہ مانگتے ہیں یا تردد فی الحال بعد اس میں زائد ہونے کے۔

فائدہ صیغہ مضارع بوجہ اس کے دائمی سماع کے بموافق ان کے تحاور و تجدد کے ہے۔

سوال صرف حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ خطاب پر اکتفاء کیوں حالانکہ بی بی کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام بھی تو جواب دیتے یعنی عبارت ہوتی تحاورو تحاورک الخ۔

جواب تغلیباً ایسے کہا گیا ہے بوجہ حضور علیہ السلام کی شان اقدس کے پیش نظر یہ جملہ مستانفہ ماقبل کی تعلیل کے قائم مقام ہے کیونکہ سوال میں بھی بی بی کی عاجزی اور تضرع الی اللہ میں مبالغہ اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا اسے جواب دے دینے کا تقاضا تھا کہ وحی کا انتظار ہوتا اور درمیان میں توقف کیا جاتا لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے چونکہ ہر دونوں کا حال برابر ہے اسی لئے اس کا ان کی گفتگو کا ایک ہی جواب دے دیا اور گویا اس کی علت بھی بتا دی۔

سوال قدسمع اور پھر یسمع کا تکرار کیوں؟

جواب کشف الاسرار میں ہے کہ اس میں تکرار نہیں کیونکہ پہلا سماع اس واقعہ کو بیان کر رہا ہے جو بی بی نے شوہر کا حال بتایا۔ دوسرا وہ واقعہ بیان کرتا ہے جو بی بی اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان واقع ہوا۔

جواب ۲ پہلا صیغہ ماضی ہے اور دوسرا مستقبل پھر تکرار کیا۔

اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ بیشک اللہ تعالیٰ سنتا دیکھتا ہے۔ مسموعات و مبصرات کو خوب دیکھتا سنتا ہے اسی میں سے ہے کہ وہ دونوں کی گفتگو سنے اور ان کی وہ ہیئت کذائیہ جو ان دونوں یعنی بی بی اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان واقع ہوئی بالخصوص بی بی کا آسمان کی طرف اٹھا کر دیکھنا اور دیگر تضرع و زاریوں کے آثار۔

یامن یری فی الضمیر ویسمع انت المعد لکل مایتوقع
یامن یرجی للشدائد کلھا یامن الیہ المشتکی والمفزع
مالی سوی قرعی لبابک حیلتہ [illegible] ددت فای باب اقرع
حاشی للطفک ان تقنط عاصیا الفضل اجزل والمواہب اوسع

ترجمہ ۱ اے وہ ذات جو دل کی باتوں کو دیکھتا سنتا ہے تو ہر امید و توقع کو پورا کرتا ہے۔

۲۔ اے وہ ذات جس سے شدائد تکالیف وغیرہ میں امید کی جاتی ہے۔

۳۔ اے وہ ذات جو شکایت اور گھبراہٹ کی جگہ ہے تیرے سوا کون سا دروازہ جو اسے کھٹکاؤں۔

۴۔ اگر تو رد کر دے تو پھر کس کا دروازہ کھٹکاؤں تیرے لطف سے بعید تر ہے کہ عاصی کو ناامید کر دے تیرا فضل عام اور عطا وسیع تر ہے۔

فائدہ آیت میں دلیل ہے کہ جب مخلوق سے امید منقطع ہو جائے اور کوئی اس کا چارہ کار نہ رہے سوائے رب تعالیٰ کے اور وہ اپنی دعا میں صدق اور زاری میں صفائی دکھائے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور بالضرور کفایت کرتا ہے جتنا کوئی زیادہ کمزور ہو گا اتنا ہی اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا زیادہ لطف ہو گا۔

دعائے ضعیفاں امیدوار زبازوئے مردے بہ آید بکار

ترجمہ ضعیف انسان امیدوار کی دعا بازوئے مردے سے زیادہ کام آتی ہے۔

فائدہ جس کی بات اللہ و رسول (جل جلالہ و ﷺ) اور اولیاء اللہ غور سے سنیں تو پھر دوسروں کو زیادہ لازم ہے کہ اس کے بات اور زیادہ غور سے سنیں۔

حکایت اور ادب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ اس بی بی خولہ رضی اللہ عنہا سے حضرت عمر بن

الخطاب رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا اسی دوران جب آپ خلیفۃ المسلمین تھے۔ آپ گدھے پر سوار اور لوگ آپ کے گدھے کے ارد گرد جا رہے تھے بی بی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کافی دیر تک ٹھہرائے رکھا اور وعظ و نصیحت کی اور فرمایا اے عمر تمھیں یاد تھا کہ تجھے لوگ عمیر (تصغیر) کہتے پھر تم عمر ہو گئے اب تم امیر المومنین ہو۔ خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہنا جسے موت کا یقین ہو وہ موت سے خطرہ میں رہتا ہے اور جسے قیامت کے حساب کا یقین ہو وہ عذاب سے ڈرتا ہے بی بی کہتی رہیں اور آپ خاموشی سے سنتے رہے بعد کو کہا گیا کہ اے امیر المومنین بڑھیا کے لئے اتنا طویل وقوف (ٹھہرنا) آپ نے فرمایا بخدا اگر یہ بی بی مجھے سارا دن ٹھہرائے رکھتی تو میں سوائے نمازوں کے کسی وقت بھی کہیں نہ جاتا تمھیں معلوم ہے یہ بڑھیا کون ہے یہ خولہ بنت ثعلب ہیں (رضی اللہ عنہا) یہ وہی ہے جن کی بات اللہ تعالیٰ نے ساتوں آسمانوں کے اوپر سنی رب العالمین تو اس کی بات سنے اور عمر نہ سنے (رضی اللہ عنہ)

ازالہ وہم آسمانوں کے اوپر سے تو اللہ تعالیٰ کے لئے جہت ثابت ہوتی ہے اور وہ جہات سے پاک اور منزہ اور اس سے بلند و بالا ہے وجہت صرف اس کی بزرگی کی وجہ سے کہی گئی کہ اس کی رحمت کا مرکز آسمانوں کے اوپر عرش پر ہے۔

مسئلہ یہ سب سے بڑا گناہ ہے کہ کوئی کسی کو کہے کہ خدا تعالیٰ سے ڈر وہ اس کے جواب میں کہے تو خود کو سنبھال تو مجھے کہتا ہے اپنی خیر منا۔ یہ گناہ کبیرہ اس لئے ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے نام کی توہین کی ہے اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا تو اس پر لازم تھا کہ اللہ تعالیٰ کے نام کی تعظیم کرتا (خواہ مسلمان سے صادر ہوا یا کافر سے) جرأت کر کے اسے ایسا جواب نہ دیتا ہاں اہل علم ایسے وعظ و نصیحت سے مستغنی ہوتے ہیں (یعنی مذکورہ بالا جواب کوئی جاہل ہی دے سکتا ہے)

گوئی آنچہ دانی سخن سودمند ۔۔۔۔ وگرہیچ کس را نیاید پسند

(وہ سخن جو تو اسے سومند سمجھتا ہے بیان کر دے اگرچہ کسی کو ناپسند ہو)

نکتہ عقل مند کو شہد کی مکھی کی طرح ہونا چاہیے کہ ہر شے سے مفید شے حاصل کرے لیکن شہد نکالے جس میں ہر بیماری کی شفاء ہے اور بھی اس میں بے شمار منافع ہیں بالخصوص روشنی کو دیکھئے کہ اس کی ہر جگہ ضرورت ہے بیٹھنے والا یا قائم۔

المرء لو لا عرفہ فھو الدمی ۔۔۔۔ والمسک لو لا عرفہ فھو الدمی

(انسان کو کوئی نہیں جانتا تو اسے معلوم ہو کہ وہ ایک نقش و صورت ہے اور مشک کی خوشبو نہ ہوتی تو وہ صرف خون ہے)

شرح العرف الاول بالضم بمعنی المعروف والثانی بالفتح بمعنی الرائحہ (خوشبو) اور الدمی الاول بضم الدال وفتح المیم جمع دمیہ، صورت جو منقش ہو سنگمر ایا ہاتھی کے دانت سے۔

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ اَلَّذِیۡنَ یُظٰهِرُوۡنَ مِنۡكُمۡ اے مومنو! وہ جو تمہارے میں سے ظہار کریں۔ یعنی اے مومنو! اس سے ذمی خارج ہو گئے کیونکہ یہ اہل کفار نہیں اس لئے کہ کفار میں عبادت کا غلبہ ہے اسی لئے اس کا ظہار صحیح نہیں اپنی عورتوں سے

ربط یہاں سے ظہار کے احکام شروع ہوتے ہیں بطریق جملہ مستانفہ کے۔

حل لغات **الظھار** مصدر ہے ظاھر الرجل کا یعنی مرد نے اپنی زوجہ کو کہا تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے

الظھر عضو معروف یعنی پشت۔ کبھی پیٹ بول کر بھی پیٹھ مراد لی جاتی ہے مثلاً کہے انت علی حرام کبطن امی تو مجھ پر میری ماں کے پیٹ کی طرح حرام ہے یعنی پیٹ بول کر پیٹھ مراد لی ہے یعنی وہ جو پیٹ کا عمود ہے ادب کے طور وہ شے ذکر میں نہ آئے جو فرج کے قریب ہے۔ پھر اس کا استعمال ظہار میں ہونے لگا مثلاً کہا جاتا ہے۔

ظاھر من امراتہ اس نے اپنی عورت سے ظہار کیا۔ من کے ساتھ جو تجنب کے معنی کو متضمن ہے وہ اس لئے کہ اہل جاہلیت جس عورت سے ظہار کرتے تو اس کو منکوحہ بنانے سے اجتناب کرتے اس لئے کہ ظہار ان کے نزدیک طلاق سمجھی جاتی تھی جیسے گزرا ایسے ان کا قول الی منھا فلاں نے منکوحہ سے ایلاء کیا بمعنی تباعد کے ایلاء کا مادہ الیہ ہے بمعنی حلف (قسم) قرآن مجید میں ہے وَاجۡنُبۡنِیۡ وَبَنِیَّ اَنۡ نَّعۡبُدَ الۡاَصۡنَامَ مجھے اور میرے بیٹوں کو بت پرستی سے دور رکھ یہاں اجنبی بھی بعدنی ہے اور بعد کا معنی اجتناب اور اس جیسے اور مصادر میں ہو گا اور یہ متعدی بمن ہو گا کیونکہ وہ ابتداء کا معنی جس کا معنی من ہے بعد سے خالی نہ ہو گا کیونکہ یہ من عن کے معنی میں سے نہ من ہے۔

مسئلہ فقہاء نے جن اعضاء پر نظر حرام کی ہے انہیں ظہر کے حکم میں شامل کیا ہے جیسے بطن فخد فرج ان الفاظ سے تشبیہ میں بھی ظہار ثابت ہو گا مثلاً کہے انت علی کبطن امی یا فخد امی یا فرج امی ان تمام صورتوں میں ظہار ثابت ہو جائے گا بخلاف ہاتھ پاؤں کے۔

مسئلہ ایسے ہی ماں کی تشبیہ کے ساتھ جملہ محارم کو شامل ہے اگر ظہار کنندہ ان محارم کو ماں کی جگہ پر بولے تو

marfat.ocm

بھی ظہار ثابت ہو جائے گا جیسے خالہ پھوپھی یا رضاعی یا سسرالی رشتے مثلاً کہے انت علیّ کظہر خالتی یا عمتی یا اختی نسباً یا مضافاً یا کہے کظہر امراۃ ابنی او امراۃ ابی وغیرہ

مسئلہ اگر عورتوں کو شراب یا خنزیر یا خون یا مردار یا قتل المسلم یا غیبت یا نمیمہ (چغلی) یا زنا یا ربو (سود) یا رشوت سے تشبیہ دے تب بھی ظہار ہو جائے گا بشرطیکہ مرد کی نیت ظہار کی ہو (مثلاً کہے انت علیّ کالخنزیر الخ)۔

مسئلہ ماں سے تشبیہ دے کر کہے کہ میری نیت اس سے اس کی کرامت تھی مثلاً کہے انت علیّ کامی یعنی جیسے میری ماں کے نیک سلوک کی مستحق ہے ایسے ہی تو اس کی عورت کو نہ طلاق ہو گی نہ ظہار ثابت ہو گا۔ ہاں اگر اس کی واقعی ماں سے تشبیہ مطلوب ہے تو اس سے صرف ظہار ثابت ہو سکے گا نہ کوئی اور شے (مثلاً طلاق وغیرہ) اگر اس سے طلاق کی نیت کرے مثلاً یہ نیت ہو کہ جیسے مجھ پر ماں حرام ہے ایسے ہی تو پھر طلاق واقع ہو۔ اگر کوئی نیت نہ ہو تو یہ کلمہ وانت علیّ کاُمی لغو جائے گا۔

مسئلہ انت علیّ حرام کامی تو مجھ پر حرام ہے میری ماں کی طرح تو جو نیت کرے گا وہی ہو گا مثلاً طلاق یا ظہار یا ایلاء۔

مسئلہ اگر کہا انت امی او اُختی او بنتی (تو میری ماں یا بہن یا بیٹی ہے) بغیر حرف تشبیہ کے) تو ظہار نہ ہو گا۔

مسئلہ اگر کہا اگر میں نے ایسا کیا تو تو میری ماں ہے اِنْ فَعَلْتُ کَذَا فَاَنْتِ اُمِّیْ اور میں نے اسے کر لیا ہے (و فعلتہ) تو ایسا کلمہ باطل ہے اگرچہ اس سے تحریم کی بھی نیت کرے۔

مسئلہ اگر عورت نے کہا اَنْتِ عَلَیَّ کَظَھْرِ اُمِّیْ اے شوہر تو میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے یہ کچھ نہیں (یعنی اس سے ظہار طلاق وغیرہ کچھ واقع نہ ہو گا)

فائدہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ یمین[1] ہے۔

---

[1] لیکن اس سے حنفیوں کا فتوی مرتب نہ ہو گا ہاں نئے مجتہدین ایسے مواقع سے اٹھاتے ہیں ۱۲)

marfat.ocm

فائدہ منکم کے بعد من نسائھم کا اضافہ محض عرب کی توبیخ اور ان کی تقبیح مطلوب ہے کہ وہ ظہار کو طلاق میں شمار کرتے اور یہ بھی صرف اہل جاہلیت کے علوات میں سے ہے دوسری امم میں ایسی قباحت نہ تھی اس لئے اسلام کے بعد ان کی علوت پر عمل کرنے کا کیا معنی بلکہ ایسی قبیح و شنیع علوت سے جتنا ہو سکے کنارہ کرنا لازم ہے گویا یہ ان کو کہا گیا ہے کہ یہ تمہاری قبیح علوات میں سے ایک ہے اے جاہلیت والو یہ احتمال بھی ہے کہ مومنوں کو خطاب ہے کہ ایسے حکم شرعی سے تمہیں ہی نفع ہے۔ اے مومنو اور تم ہی اسے قبول اور اس کی اقتداء کرو گے یعنی اے مومنو! تم میں سے وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالٰی کے کلام کی تصدیق کریں گے اور اس کے حکم کی تعمیل کریں گے کیونکہ کافر نہ تو خطاب سنتے ہیں اور نہ اچھے حکم پر عمل کرتے ہیں۔

مسئلہ من نسائھم میں اشارہ ہے کہ ظہار لونڈی میں نہیں ہوتا۔

قاعدہ اسی لئے فقہاء نے کہا کہ ظہار میں رکن ہے وہ ہے تشبیہ مذکور اور شرط ہے اور وہ یہ ہے کہ مشتبہ منکوحہ ہو یہاں تک کہ لونڈی میں ظہار نہ ہو گا اور وہ ظہار کنندہ اہل بھی ہو یعنی اہل کفارہ ہو یہاں تک کہ ذمی صبی۔ مجنون سے ظہار نہ ہو گا اور حکم بھی وہ یہ کہ ظہار کے بعد وطی حرام ہے یہاں تک کہ کفارہ دے لیکن اس میں اس کا ملک باقی ہے کہ کفارہ کے بعد بلا نکاح وطی حلال ہو گی۔

ماھن امھاتھم (وہ ان کی مائیں نہیں) یہ اسم موصول کی خبر ہے یعنی حقیقت میں ان کی عورتیں مائیں نہیں یہ تو محض جھوٹ ہے مثلاً کوئی اپنی عورت سے کہے انت علی کظھر امی تو میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔ اس کلام میں ملحق ہے کہ اس نے زوجہ کو ماں سے تشبیہ دی ہے اور یہ تشبیہ باطل ہے کیونکہ یہ دونوں حالتوں کے متباین ہے مشبہ اور مشبہ بہ کی حالتوں میں یعنی جاہلیت والے یہ سمجھتے کہ شاید ظہار کرنے والے نے اپنی عورت کو ماں کی طرح اپنے اوپر حرام کر دیا۔

سوال خلاصہ ظہار کا یہی ہے مثلاً عورت کو کہا انت محترمہ علی ____ کحرمت علیّ امی تو مجھ پر ایسے حرام ہے جیسے میری ماں مجھ پر حرام ہے۔ اس میں عورت کے لئے ماں ہونے کا دعوی نہیں کیا گیا یہاں تک کہ اس کے لئے اس سے زوجیتہ کی نفی کر کے والدات والا حکم ثابت کیا جائے۔

marfat.ocm

جواب تحریم بھی دعوی امومتہ کی طرح ہے یا یہ کہ ہم اس سے مشابہت کی نفی سے اہومتہ کی نفی مبالغہ کے طور پر کرائیں گے۔

ان نافیہ بمعنی ما ہے نہیں۔

امہاتھم ان کی مائیں حقیقت میں اور یج الا اللائی مگروہ عورتیں۔ اللائی التی کی جمع ہے۔

ولدنھم جنہوں نے جنا ظہار کرنے والوں کو اور انہیں حرمت میں تشبیہ نہ دی جائے۔

سوال آیت سے تو صرف ان کی مائیں کہا گیا جنہوں نے جنا حالانکہ ازواج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مائیں ہیں ایسے ہی مرضعات (دودھ پلانے والیاں) اور آباء کی منکوحات۔

جواب انہیں کرامتہً امہات کہا گیا ہے احکام میں حقیقی امہات کی طرح ہیں اور زوجات وامہات سے کوسوں دور ہیں فلہذا انہیں امہات کے حکم میں کسی طرح بھی داخل نہیں کیا جا سکتا۔

وانھم اور بے شک ظہار کرنے والے تمہارے میں سے لیقولون البتہ کہتے ہیں منکر من القول بری بات۔ یہ تاکید اس لئے ہے کہ جو ان سے بات صادر ہو وہ بری ہے اور اس پر ہی حکم محقق ہو جائے بلکہ وہ بات بری بات عند الشرع وعند العقل ہے جیسے منکرًا کی تنوین سے معلوم ہوتا ہے وہ اس لئے کہ زوجہ اس کی حقیقی ماں تو ہے نہیں اور نہ ہی شریعت پاک نے اسے ماں کے حکم میں داخل کیا ہے تو یہ تشبیہ دو متباینوں نے ایک نے دوسرے کو دی ہے تو بات مطلقا اور غیر معروف بری ہوگی (وزورا) اور جھوٹ باطل حق سے منحرف اس لئے زور (متحرکا) بمعنی المیل اور زور (بالضم) جھوٹ کو اس لئے کہتے ہیں کہ وہ حق سے ہٹا ہوا ہے بعض نے کہا (وزورا) عطف السبب علی السبب کے قبیل سے ہے۔

سوال اس کا قول انت علی کظھر امی تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح حرام ہے۔ یہ قول نفع اٹھانے کی تحریم میں انشاء ہے اور خبر نہیں اور نحو کا قاعدہ مشہور ہے کہ انشاء کو جھوٹ کی صفت سے موصوف نہیں کیا جاتا۔

جواب یہ انشاء اس حکم کو متضمن ہے کہ وہ زوجہ حلال کو ام حرام دائمی کے ساتھ لاحق کر رہا ہے اور یہ الحاق زوجیت کے منافی ہے اس لحاظ سے اس کا کذب اپنے کلام خود بخود ظاہر ہو رہا ہے۔

marfat.ocm

حدیث شریف سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں بڑے سے بڑے گناہ کی خبر دوں ہم نے عرض کی ہاں آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا والدین کی بے فرمانی کرنا۔ آپ تکیہ لگا کر رونق افروز تھے پھر اٹھ بیٹھے اور فرمایا کہ خبردار جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی اتنا تکرار سے بار بار فرمایا کہ ہم سمجھے کہ یہ کہتے کہتے شاید خاموش نہ ہوں۔ (رواہ البخاری)

نکتہ چونکہ زمانہ جاہلیت کی اس طلاق میں نرا جھوٹ تھا اسی لئے اسے اللہ تعالیٰ نے طلاق کے احکام میں داخل نہیں فرمایا اور یہ اس کی حرمت اس وقت تک موجود رہی جب تک کفارہ ادا نہ ہوا اور بعض علماء نے فرمایا کہ یہ طلاق جاہلیت کے دور کی تھی اگرچہ ابتدائے اسلام میں یہ بھی ایک مقدار وقت تک طلاق سمجھی جاتی تھی۔ اس آیت کو ناسخ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اگر ابتدائے اسلام میں اسے طلاق نہ سمجھا جاتا تھا تو پھر یہ آیت ناسخ نہ ہوگی کیونکہ نسخ شرائع میں ہوتا ہے کہ نہ جاہلیت کے امور میں اور وہ جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ظہار والی حرام ہو گئی یہ اس نسخ کی تائید نہیں کرتا ہاں اسے مفسرین کرام نے حرام موید بتایا ہے اور اس کی وجہ اول کو صحیح بتایا ہے (یعنی اس میں نسخ کی کوئی بات نہیں ہے)

وَاِنَّ اللّٰہَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ اور بیشک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے یعنی علی الاطلاق بڑا معاف کرنے والا اور بہت بڑی مغفرت والا ہے ان غلطیوں کا جو بندوں سے پہلے ہو گئیں یہی مذہب حق ہے یا اس کے کسی نیکی کے بدلہ میں جیسا کہ معتزلہ کا مذہب ہے۔

مسئلہ ہم اہل سنت کہتے ہیں کہ شرک کے سوا باقی گناہوں کی مغفرت مشیت ایزدی کی طرف سپرد کی جائے۔ اگر چاہے تو بخش دے خواہ بندہ توبہ بھی نہ کرے اگر چاہے اس کی توبہ پر اسے بخشے اگر توبہ نہ کرے اور اللہ تعالیٰ اسے سزا دے تو وہ اس کے گناہوں کی وجہ سے ہو گا۔

فائدہ بظاہر یہاں توبہ کی ترغیب اور برانگیختگی ہے کیونکہ کلام ظہار کی مذمت اور اس سے انکار میں ہے۔

تفسیر عالمانہ وَالَّذِیْنَ یُظٰہِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِہِمْ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا اور وہ جو اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں پھر وہی کرنا چاہتے ہیں جس پر اتنی بڑی بات کہی۔

marfat.ocm

قاعدہ لام اور الی ایک دوسرے کے قائم مقام آیا کرتی ہیں جیسے یھدی للحق و یھدی الی الحق اب معلوم یہ ہوا کہ وہ لوگ جو ایسی بری بات کہتے ہیں پھر لوٹتے ہیں اپنے کہے ہوئے کی طرف اور اس طرف جو ان سے فوت ہوا۔ بسبب اس کے تقرو تکرر کے ساتھ تدارک و تلافی سے نفع اٹھانے کے لئے۔ یہ اسی محاورہ سے ہے (عاد لغیث) بادل لوٹا یعنی پہلے جو اس نے آبادی کو فساد میں ڈالا اب اس فساد کی اصلاح کے لئے لوٹا۔ یہ اطلاق السبب علی المسبب کے قبیل سے ہے کیوکہ عود الی الشئی کی طرف پہنچنے اور اس کے تدارک کے اسباب سے ہے اس تقریر پر یہ مجاز مرسل ہو گا۔

فائدہ عود۔ دو معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔

ا۔ شے کا پہلی حالت کی طرف لوٹنا یعنی جسے چھوڑ گیا اس کی طرف رجوع کرنا۔

۲۔ کسی شے کی طرف لوٹنا اگرچہ اس حالت میں پہلے نہ تھا۔

اس معنی پر یہ ضروری نہیں کہ وہ پہلے اسی طرح ہو وہ عود جو تدارک و وصول کے لئے ہوا ہے وہ یہی مطلق عود ہے۔ خلاصہ یہ کہ وہ لوگ جنہوں نے حلال شے کو حرام کر دیا تھا اب وہ حلال کرنے کے ارادہ پر حلال کی طرف عود کرتے ہیں۔ یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ پھر لوٹنے کا ارادہ کرتے ہیں اس طرف جسے لفظ ظہار سے اپنے اوپر حرام کیا تھا نفع اٹھانے کو یہاں قول کو مقول فیہ بمنزلہ قرار دینا مراد ہے فتحریر رقبتہ تو ان پر لازم ہے ایک غلام آزاد کرنا۔

حل لغات التحریر بمعنی غلام کو حر بنانا یعنی عبد کی نقیض رقبتہ بمعنی ذات مرقوق مملوک یعنی عبد مومن ہو یا کافر' مرد ہو یا عورت' چھوٹا ہو یا بڑا۔ ہندی ہو یا رومی۔ اب معنی یہ ہوا کہ اس کا تدارک یہ ہے کہ غلام آزاد کرنا واجب ہے اگرچہ مومن اور صالح غلام آزاد کرنا بہتر ہے اسے اس نیت سے آزاد کرنا کہ ظہار کا کفارہ ادا ہو اگرچہ اس سے خدمت لینے کا خود بھی محتاج ہو۔

مسئلہ اگر آزاد کرنے کے بعد نیت کی یا کوئی نیت بھی نہیں کی تو کفارہ سے کفایت نہ کرے گا۔

مسئلہ اگر اس کے پاس عبد کا ثمن ہے لیکن اس کی خود بھی ضرورت ہے تو اب اس پر روزہ لازم ہے (الکواشی)

مسئلہ کفارہ ظہار میں ام الولد اور وہ مکاتب کفایت نہ کرے گا جس نے کچھ حصہ مکاتبت ادا کیا ہے اگر اور کچھ

marfat.ocm

نہیں کیا تو پھر کفایت کرے گا۔

مسئلہ عیوب فاحشہ سے غلام کا صحیح و سالم ہونا ضروری ہے اس میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔

مسئلہ کفارہ ظہار غلام کا مومن ہونا امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک شرط ہے انہوں نے قتل کے کفارہ پر قیاس فرمایا ہے (احناف وغیرہ ہم کے نزدیک یہ شرط نہیں) کفارہ قتل میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فتحریر رقبتہ مومنتہ (مومن غلام آزاد کرنا)

احناف کا جواب ہم امام شافعی رحمتہ اللہ کے رد میں کہتے ہیں کہ ظہار میں غلام مطلق ہے اور قتل میں مقید اور مطلق مقید پر اس وقت محمول کیا جاتا ہے جب دونوں کی قسم (حادثہ) ایک ہو جب علیحدہ علیحدہ ہوں تو مطلق کو مقید نہیں کیا جا سکتا اور یہاں دو حادثے ہیں یعنی ظہار اور قتل۔

فائدہ فاء سببیہ ہے اس میں یہ فائدہ ہے جتنا بار ظہار کا تکرار ہو گا اتنا بار غلام آزاد کرنا ہو گا کیونکہ قاعدہ سبب کے تکرار سے سبب کا تکرار ہوتا رہتا ہے جیسے سجدہ کی آیت کی تلاوت دو جگہوں میں ہو گی تو سجدے بھی دو واجب ہوں گے ایسے ہی جس عورت سے دو تین بار ظہار ایک ہی مجلس میں یا مختلف مجالس میں تو ہر ظہار کے بدلہ میں کفارہ لازم ہو گا۔

مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَاسَّا اس سے قبل کہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں یعنی مظاہر (مرد) اور مظاہر منہا (عورت) ایک دوسرے سے نفع اٹھائیں جماع سے یا بوسہ وغیرہ سے یا ہاتھ لگانے سے یا فرج کو دیکھنے سے از راہ شہوت

سوال تم نے اتنا معنیٰ کہاں سے لئے؟

جواب تماس (ہاتھ لگانا) عرفاً ان تمام معانی پر مستعمل ہوتا ہے یہ اس وقت ہے جب کفارہ ادا کرنے سے پہلے یہ امور سرزد ہوں۔

مسئلہ اگر التماس (ہاتھ لگانا) کفارہ سے پہلے سرزد ہو تو استغفار واجب ہے کیونکہ اس نے حرام کا ارتکاب کیا ہے اور یہ کام دوبارہ نہ کرے یہاں تک کہ کفارہ دے اور پہلے کفارہ کے سوا ان امور کے ارتکاب سے اور کوئی شے نہیں

اس میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔

مسئلہ اگر غلام کا بعض حصہ آزاد کیا دوسرا حصہ آزاد کرنا تھا کہ ان امور میں سے کسی کا ارتکاب کر لیا تو اس پر ضروری ہے کہ دوبارہ غلام آزاد کرے۔ یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کفارہ ساقط نہ ہو گا بلکہ اسے علی طریق القضاء ادا کرے جیسے کسی نے نماز کو مُؤخّر کر دیا تو اس سے نماز ساقط نہ ہو گی بلکہ اسے قضا کرنا لازم ہو گا۔

مسئلہ عورت کو لازم ہے کہ کفارہ کی ادائیگی سے پہلے مرد کو جماع کی قدرت نہ دے کیونکہ آیت میں پہلی دلیل ہے کہ یہ حکم دونوں کو شامل ہے۔

مسئلہ قہستانی نے فرمایا کہ عورت کو کفارہ کا مطالبہ ضروری ہے اور حاکم وقت قید کرکے اسے کفارہ پر مجبور کرے اگر نہ دے تو اسے مار بھی سکتا ہے لیکن کفارہ کی عدم ادائیگی سے نکاح باقی ہے ہاں حرمت زائل ہو گی جب کفارہ ادا کیا جائے گا ایسے ہی اگر اسے طلاق دے کر عدت کے بعد نکاح کرے یا اس سے زوج دیگر نکاح کرے اور وہ اس سے نکاح کرے تو اس سے کفارہ سے پہلے وحی حرام ہے۔

مسئلہ کفارہ ظہار کے موجب کی طرف عود سے مراد عزم (پختہ ارادہ) ہے یہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک ہے یعنی جماع کا پختہ ارادہ کرے گا تو اسے حلال نہیں جب تک کہ کفارہ نہ دے۔

مسئلہ اگر کفارہ کی ادائیگی سے پہلے عورت فوت ہو جائے اور مدت بھی گزر گئی تھی تو اب کفارہ بھی ساقط ہو گیا کیونکہ یہاں جماع پر عزم کا سبب ختم ہو گیا۔

ذٰلِكُمْ اے مومنو! کفارہ کا حکم یہی ہے تُوْعَظُوْنَ بِهٖ جو تمہیں نصیحت کی جاتی ہے۔

حل لغات الوعظ بمعنی وہ جھڑک جس میں ڈرانا بھی ہو یعنی تمہیں المنکر المذکور کے ارتکاب سے روکا جاتا ہے کیونکہ تاوان جنایات کے ارتکاب سے روکتے ہیں اور اس سے مراد یہ ہے کہ یہ حکم تمہارے ثواب کے لئے نہیں کہ تم نے ظہار کا ارتکاب کیا ہے اس پر کفارہ سے تمہارے لئے کفارہ کوئی اجر و ثواب کی شے نہیں بلکہ یہ تمہارے لئے زجر و توبیخ ہے تاکہ تم آئندہ ایسے امور کے ارتکاب سے اجتناب کرو۔

marfat.ocm

فائدہ خلاصہ یہ کہ یہ کفارہ وغیرہ مظاہر و غیر مظاہر کے لئے نفع رساں ہے یعنی ظہار والے کے لئے کفارہ اور تدارک ہے اور غیر مظاہرہ کے لئے احتیاط و اجتناب ہے جیسے کسی شاعر نے کہا۔

نرود مرغ سوئے دانہ فراز چوں دگر مرغ بیند اندر بند۔

(دانہ کی طرف وہ پرندہ نہیں جاتا جب دیکھتا ہے کہ دوسرا پرندہ اس دانہ کی وجہ سے قید میں ہے)

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے جو تم عمل کرتے ہو ظہار و کفارہ کی جنایت وغیرہ کو تھوڑا ہو یا زیادہ خبیر ہے۔ ان کے ظواہر و بواطن کو جانتا ہے اس کی جزاء سزا دے گا پس امور شرعیہ کی محافظت کرو اور شریعت مطہرہ کے کسی ایک کام میں خلل نہ ڈالو۔

تفسیر عالمانہ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ (پس جسے غلام نہ ملے) یعنی وہ ظہار کنندہ جسے بردہ نہیں ملتا اور اس سے عاجز ہے۔ ادائیگی کفار کے وقت فقیر ہے یعنی پختہ ارادہ کرنے کے وقت سے غروب شمس کے قریب تک اس آخری دن سے کہ جس سے دو ماہ کفارہ کے روزے رکھے کا عجز حقیقی اسی سے ثابت ہو گا۔ غلام کی قیمت سے مراد اس کا زائد مال ہے نہ کہ مسکن اور ضروری لباس۔

مسئلہ وہ مال جو اس کا غیر موجود ہے لیکن ہے اس کی ملک تو وہ بھی کفارہ کے لئے روزے نہیں رکھ سکتا فَصِیَامُ شَهْرَيْنِ (دو ماہ کے روزے) یعنی اس پر دو مہینے کے روزے ہیں۔ مُتَتَابِعَيْنِ لگاتار۔ ان میں ماہ رمضان اور ایام خمسہ جن میں روزہ رکھنا حرام ہے نہ ہوں یعنی عیدین اور ایام تشریق لگاتار یہ کہ کوئی ایک دن بھی درمیان ناغہ نہ ہو۔

مسئلہ اگر دو ماہ کے درمیان ایک یا اس سے زائد دن ناغہ ہو اعذر سے یا بلاعذر تو نئے سرے سے روزہ شروع کرنا ہو گا اور پہلے جو روزے رکھے وہ اس شمار میں نہیں ہوں گے عورت کے لئے حیض کا عذر قابل قبول ہے۔ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا اس سے پہلے کہ وہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں رات کو یا دن کو عمداً یا خطاء۔

مسئلہ اگر کسی دوسری عورت (جس سے ظہار نہیں کیا) بھول کر جماع کرے تو اس تسلسل میں فرق نہ آئے گا۔

مسئلہ کفارہ قتل یا رمضان کے روزے توڑنے کے کفارہ کے روزوں کفارہ کے درمیان عورت کو حیض آیا تو بعد

marfat.ocm

اختتام حیض روزوں کے تسلسل کو قائم رکھے بلکہ عورتوں کے لئے چاند کے حساب سے کفارہ کے روزے پورے کرنے ہوں گے۔

مسئلہ چاند کے آغاز سے کفارہ کے روزے شروع کئے اور ہر چاند کا ایک دن کم ہوتا رہا چاند انتیس کا رہا۔ مثلاً اس حساب سے اٹھاون روزے ہوئے تو بھی جائز ہے۔

مسئلہ اگر چاند کے آغاز سے نہیں بلکہ گنتی کے لحاظ سے روزے رکھے تو پھر ساٹھ کی گنتی ضروری ہے یہاں تک کہ اگر ساٹھ روزے رکھ کر ساٹھویں دن روزہ نہ رکھا تو بھی کفارہ ادا نہ ہو گا اس پر پھر از سرِ نو ساٹھ روزے پورے کرنا ضروری ہے۔

فَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ پھر جس سے روزے نہ ہو سکیں کسی سبب سے مثلاً بڑھاپا ہے یا دائمی مرض لاحق ہے یعنی ایسی بیماری ہے کہ تا دمِ زیست اس سے صحت کی امید نہیں تو یہ بمنزلہ اس عاجز کے لئے جسے بڑھاپا ہے اگر اس سے صحت کی امید ہے لیکن وطی کی ضرورت شدت سے ہے تو بھی صحت کا انتظار کرے یہی مختار مذہب یہاں تک کہ روزے رکھنے کی قدرت پائے۔

مسئلہ اگر ایسا شخص بلا انتظار طعام کھلا کر کفارہ ادا کر دے تو بھی جائز ہے۔

مسئلہ اعذار سے شبق (جماع سے صبر نہ کرنا) بھی ہے کیونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی کو اس شکایت پر فدیہ کی اجازت بخشی تھی۔

فَاِطْعَامُ سِتِّیْنَ مِسْکِیْنًا (تو ساٹھ مسکینوں کو طعام کھلانا)

حل لغات اطعام بمعنی غیر کو طعام کھانے والا بنانا کفارہ میں تملیک و اباحت کا اشارہ ہے۔ مسکین (بفتح المیم بھی آیا ہے) وہ شخص جس کے پاس کچھ نہ ہو یا ہو لیکن غیر مکتفی ہو اور اسے فقر بٹھا دے یعنی اس کی ملی حرکت قلیل کر دے اور ذلیل و کمزور (قاموس)

مسئلہ القہستانی شرح مختصر الوقایہ میں ہے مسکین کی قید اتفاقی ہے اگر مصارف زکوٰۃ میں سے کسی ایک کو کفارہ کا

طعام کھلاوے تو بھی جائز ہے۔

نکتہ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ العزیز) کہتا ہے مسکین کی تصریح اس لئے کہ وہ مصارف الزکوٰۃ کے اقسام میں کفارہ کے طعام کا زیادہ حقدار ہے جیسے ابھی قاموس کی تفسیر سے معلوم ہوا۔

مسئلہ اِطْعَامُ سِتِّیْنَ مِسْکِیْنًا الخ عام ہے حقیقی ہو یا حکمی مثلاً ایک مسکین کو ساٹھ دن طعام کھلاتا رہے جائز ہے۔

مسئلہ ایک ہی مسکین کو یکبارگی ساٹھ مساکین کا طعام دے دے یا چند باریوں میں ساٹھ مساکین کو طعام دے دے تو بلاجائز ہے یہی صحیح ہے۔

مسئلہ یہ جائز ہے کہ ہر ایک مسکین گندم کا نصف صاع یا صاع جو کھجور وغیرہ کا فطرانہ کی طرح دے۔

فائدہ صاع چار مد کا ہے نصف صاع کے دو مد۔

مسئلہ یہ کفارہ (اطعام ستین مسکینا) ستین یعنی جماع وغیرہ سے پہلے دے اگر طعام کے درمیان جماع کیا تو اس میں از سر نو اطعام کا حکم نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اطعام ستین مسکینا میں من قبل ان یتماسا کی قید نہیں لگائی۔ یہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے لیکن متاخرین نے اسے بھی مقید کیا ہے۔ عتق اور صیام پر۔

مسئلہ کفارہ کا طعام کافر کو بھی دیا جا سکتا ہے اور اس کی قیمت بھی۔ یہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہے بخلاف ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے۔

مسئلہ اطعام اس وقت ہے جب ظہار کنندہ حر (آزاد) ہو اگر غلام ہو تو اس کا کفارہ صرف روزہ ہے اگر اس کا مالک اس کی طرف بھی دے تب اس پر روزہ سے کفارہ دینا ہو گا ہاں یہ ہے کہ مالک کو روزے سے منع نہیں کرنا چاہیے۔

مسئلہ اگر کفارہ دینے سے پہلے غلام کو آزاد کر دیا گیا اور اسے کہیں سے مال بھی حاصل ہوا تو اب مال سے کفارہ دے (روزے سے نہیں)

marfat.ocm

ذلک یہ بیان و تعلیم الاحکام اور ان پر تنبیہہ یا یہ ہمارا فعل لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ تاکہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور اس کے وہ شرائع معلوم کرو جو اس نے تمھارے لئے مشروع فرمائے ہیں اور وہ عادات چھوڑ دو جو تم نے زمانہ جاہلیت سے روا رکھی تھیں۔

سوال جب ترک ظہار فرض ہے تو فقہاء کرام کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اس کے لئے ایک علیحدہ مستقل باب مقرر فرماتے ہیں۔

جواب مانا کہ اللہ تعالیٰ نے ظہار کا انکار بلکہ جو ایسا مکروہ فعل کرے اس کی مذمت فرمائی ہے لیکن اس کے احکام بھی تو بتائے ہیں (جو اوپر مذکور ہوئے) جن پر وہ عمل کریں جو اس ظہار میں مبتلا ہو غفلت سے یا جہالت سے تو فقہائے کرام نے اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ احکام کی تفصیل و تشریح میں ظہار کا ایک مستقل باب بنا لیا تو کون سی غلطی کی بلکہ بہترین کارنامہ سرانجام دیا بلکہ یہ ان کا احسان عظیم ہے کیونکہ محققین فرماتے ہیں کہ یہ تفصیل جہال کے لئے ہوتی ہے کیونکہ ان غریبوں کو قرآن مجید کے اجمال اور ارشادات و رموز و اسرار کی کیا خبر اور پھر ظہار جیسے مسائل و احکام ہیں بھی جہال پھنستے ہیں نہ وہ ایسے خرافات بکیں نہ ان کے لئے ایسی ضرورت پیش آئے اسی لئے فقہاء کی مہربانی ہے کہ انہوں نے ایسے جہال کو بہت سے مشکلات سے نجات بخشی۔

مسئلہ آیت میں دلیل ہے کہ ظہار میں بہ نسبت یمین کے زیادہ خطاء ہے اسی لئے اس کا کفارہ یمین کے کفارہ سے سخت تر ہے۔

فائدہ لِتُؤْمِنُوْا میں لام حکمت و مصلحت کی ہے کیونکہ جب فعل اللہ سے ملے تو اس میں کوئی مصلحت و حکمت ضرور ہوتی ہے کیونکہ اللہ غنی مطلق ہے ہاں جب یہ فعل العبد سے ملے تو اس میں غرض ہوتی ہے کیونکہ محتاج مطلق ہے۔

مسئلہ اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال اغراض سے منزہ ہیں ہاں ان میں مصلحت و حکمتیں ہوتی ہیں کیونکہ غرض وہ ہے جو طلب کرنے والے کی کسی ضرورت کی وہ تکمیل ہو جو اس سے پہلے کسی ایسے نقصان کا شکار تھی اس سے طبع کو نفرت تھی اور اللہ تعالیٰ بلا خوف ایسی غرض سے منزہ و مقدس ہے اور معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ جب وہ

فعل کسی کام کے لئے ہو تو اس کی اسی طرح مراد ہونی چاہئے۔ اور ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ وہ کام کرتا بھی اسی کے لئے ہے ہم کہتے ہیں کہ اسی کا نام غرض ہے اور وہ اس کے قائل سہی اور مراد ان کی کچھ ہو لیکن اس کے قائل نہیں (تفصیل علم کلام میں ہے)

وتلک اور یہ اشارہ ہے احکام مذکور کی طرف یعنی تحریم الظہار وایجاب العتق جس کے پاس مال ہے اور ایجاب الصوم جس کے پاس مال نہ ہو وایجاب الصوم جس کو استطاعت نہ ہو۔

حدود اللہ اللہ تعالیٰ کی حد میں ہیں ان سے تجاوز کرنا ناجائز اور یہ وہ شرائع ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لئے مقرر فرمائے ہیں ان سے آگے بڑھنا اور ان کے خلاف کرنا ناجائز ہے۔

حل لغات حد لغت میں بمعنی منع اور دو چیزوں کے درمیان وہ آڑ جو دونوں کو آپس میں ملنے سے روکے حد الزنا اور حد الخمر کو بھی اسی لئے حد کہا جاتا ہے کہ وہ عامل کو دوبارہ ایسے عمل کرنے سے روکتی ہیں۔

قاعدہ فقیہہ جمیع حدود چار قسم ہیں۔

۱۔ معین شے کہ اس سے بڑھنا ناجائز ہو اور نہ کم کیا جاسکے جیسے صلوۃ الفرض کی رکعات کی گنتی۔

۲۔ معین شے کہ اس پر زیادتی تو جائز ہے لیکن کمی جائز نہ ہو۔

۳۔ معین شے کہ اس میں کمی تو ہو سکے لیکن زیادتی جائز نہ ہو۔

۴۔ شے معین کہ اس پر زیادتی اور کمی ہو سکے (المفردات)

وَلِلْكٰفِرِيْنَ اور کافرین کے لئے یعنی جو حدود کو نہ جانتے ہیں اور نہ انہیں قبول کرتے ہیں۔

عَذَابٌ اَلِيْمٌ دردناک عذاب ہے اس طرح سے تعبیر کرنا تغلیظاً ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمایا۔

وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ اور وہ جو کفر کرے تو اللہ تعالیٰ جہان والوں سے غنی ہے یعنی ایسے امور پر کفر کا اطلاق وجود کی تاکید کے لئے اور تارک العمل پر تغلیظ ہے نہ یہ کہ وہ حقیقتہً کافر ہو جاتا ہے جیسے خوارج کا گمان ہے۔

ازالہ وہم بعض لوگوں نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ارشاد گرامی **مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ فَقَدْ كَفَرَ** (جس نے نماز ترک کی اس نے کفر کیا) کو حقیقی معنی میں لیا ہے وہ غلط ہے بلکہ اس کا معنی ہے تارک صلوۃ کفر کے

marfat.ocm

قریب ہوا۔ یہ ایسے ہے جیسے کہا جاتا ہے دخل البلد بمعنی بلد کے قریب ہوا۔

نکتہ پہلے وَلِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فرمایا پھر وَلِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ مُّھِیْنٌ۔ پہلا اپنی ضد کے متصل ہو تو ایسے کفر پر عذاب الیم کی وعید سنائی اور یہی کفار کی جزاء ہے دوسرا متصل ہے۔
کُبِتُوْا کے بمعنی الازلال (ذلیل کرنا) والاہانۃ اسی لئے اس عذاب کو مہین (ذلیل کرنے والا) سے موصوف فرمایا۔
(برہان القرآن)

فائدہ الالیم بمعنی الہولم بمعنی الموجع (درد دینے والا) جیسے البدیع بمعنی المبدع یا الالیم بمعنی التھام لیکن جس کا اسناد عذاب کی طرف مبالغہ کے طور ہے وہ اس درجہ میں ہے گویا وہ خود دردناک ہے۔

فائدہ لِلْکٰفِرِیْنَ عذاب میں اہل ایمان کو طاعۃ کی ترغیب و برا نگیختگی کے لئے ہے۔

معجزہ رسول و اختیار حبیب ﷺ مروی ہے کہ جب یہ چار آیتیں نازل ہوئیں تو آپ نے اوس بن الصامت رضی اللہ عنہ (جس نے ظہار کا ارتکاب کیا اور سورۃ کا آغاز ہوا) کو فرمایا اے اوس کیا تم غلام آزاد کر سکتے ہو عرض کی نہیں اس سے تو میرا مال ہی چلا جائے گا آپ نے فرمایا تو پھر لگاتار دو ماہ روزے رکھ۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ لگاتار روزے رکھوں تو مجھے شب کوری کی بیماری لگ جائے گی کیونکہ اگر میں دن میں تین بار نہ کھاؤں تو میری بینائی میں کمی آجاتی ہے تو دو ماہ لگاتار روزے رکھوں گا تو شبکوری لازم ہے۔ فرمایا تو پھر ساٹھ مسکینوں کو طعام کھلا۔ عرض کی یہ بھی نہ ہو سکے گا ہاں آپ کچھ میری مدد فرمائیں تو آپ نے فرمایا میں تجھے پندرہ صاع دیتا ہوں اور ساتھ ہی تیرے لئے برکت کی دعا بھی کرتا ہوں۔ اس برکت نے یہ رنگ دکھایا کہ اس کے اثرات حضرت اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد تک باقی رہے۔ (عین المعانی)

سچ ہے کہ!

خود بھیک دیں خود کہیں منگتے کا بھلا ہو۔

نکتہ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ وجوہ مذکورہ میں ایک نکتہ ہے وہ یہ گردن آزاد کرنا اس لئے کہ بندہ بوجہ بڑے عصیان کے نار کا مستحق ہوا۔ گردن آزاد کرنے اس کے لئے نار کا فدیہ بن گیا جیسے حضور نبی

ﷺ نے فرمایا جس مومن نے بردہ آزاد کیا اللہ تعالیٰ اس کے ہر جوڑ کے بدلے میں اس کا ایک جوڑ جہنم سے آزاد کرے گا۔

فائدہ رقبتہ کو مومنہ کی قید میں اشارہ ہے کہ بردہ مومن ہی آزاد کرنا افضل ہے علاوہ ازیں عبد کا ثمن طعام کھلانے کی قیمت سے زائد ہے اور مال نفس میں شمار ہے کہ نفس کو اس سے شدید تعلق ہے اسے خرچ کرنے سے نفس کی رذالت بخل اور نار جہنم سے نجات ملتی ہے۔

نکتہ روزے میں نکتہ یہ ہے کہ اس کا اصل تو یہ ہے روزہ صرف رمضان شریف میں ہو وہ ہیں تیس (۳۰) دن ساٹھ روزے کے حکم سے نفس کی مشقت میں اضافہ و تشدید المحنت مطلوب ہے اور مساکین کو کھلانے میں اخلاق صدریہ میں موصوف ہوتا ہے۔ جب اس سے یہ تعلق فوت ہوا مجامعتہ کے لزوم سے تو اسے اس کی ضد سے پورا کر دیا گیا یعنی کھلانے سے کیونکہ مال خرچ کرنے سے نفس کی شرارت میں کمی ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی روزے سے وہ اسرار تھے جو کفارہ ہیں بردہ آزاد کرنے اور اطعام اور صیام کے متعلق تھے۔

نکتہ اطعام المساکین کو ساٹھ کی گنتی میں اشارہ ہے کہ اطعام صیام کا بدل اور خلیفہ ہے اسی لئے روزوں کی مناسبت سے ان کی تعداد وہی رکھی گئی جو روزوں کی تھی۔ نیز یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ادم علیہ السلام زمین کے طبقات کی ساٹھ قسموں سے بنایا گیا۔ اس لئے ساٹھ مسکینوں کو طعام کھلانے کا حکم ہوا تاکہ یہ آدم علیہ السلام کی تمام اولاد کی مکافات ہو کیونکہ ان ساٹھ قسموں میں سے کوئی بھی خارج نہ ہو گا (نیز) اس امت کے اکثر لوگوں کی عمریں ساٹھ ستر سال کے درمیان رکھی گئی ہیں جس نے ساٹھ کی گنتی کی رعایت کی تو گویا اس نے اللہ تعالیٰ کی ساٹھ سال عبادت کی جو کہ اس کی عمر کا مبلغ (ساٹھ سال) ہے اور یہی اس کی عمر کی انتہائی مدت ہے اس طریقہ سے نار جہنم سے نجات پائے گا نیز اس میں اشارہ وقت کی فضیلت کی طرف ہے کہ جس وقت عمل صحیح وقت سے نکل گیا تو وہ قضا سے کمال کو نہیں پہنچ سکتا بلکہ مرتبہ کمال اول کے ساٹھ درجات سے گر جائے گا اس معنی پر ساٹھ مساکین کو طعام کھلانے یا ساٹھ روزے رکھنے کا حکم ہے۔

حضرت عارف جامی قدس سرہ نے فرمایا۔

ہر دم عمر گرامی ہست گنج بے بدل   می رود گنج چنیں ہر لحظہ برباد آخ

(عمر کا ہر لمحہ گرامی قدر خزانہ ہے بدل ہے افسوس ہے کہ تیرا ہر لحظہ خزانہ برباد جارہا ہے)

شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا

مکن عمر ضائع بافسوس وحیف   کہ فرصت عزیز است والوقت سیف

(افسوس وحیف سے عمر ضائع نہ کر کہ فرصت عزیز اور وقت تلوار ہے)

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ نفس روح کی سواری اور اس کی زوجہ ہے جب زوج روح اپنی زوجہ نفس سے اظہار کرے کہ اس سے نفع نہ اٹھائے گا یعنی روحانیت کا نفسانیت پر غلبہ ہو جائے پھر بمقتضائے حکمت الہیہ کا ارادہ ہوا کہ روح ونفس کی زوجیت کا رشتہ قائم رہے اور روح نفس سے نفع اٹھاتی رہے تو روح نے روح کو کفارہ کا حکم دیا کہ وہ اس استمتاع (نفع اٹھانے) کے لئے گردن آزاد کرکے اس سے نفع اٹھائے اور تصرف کرے تو امر الٰہی کے مطابق اور بمقتضائے حکمت نہ کہ بمقتضائے طبیعت اور خواہشات نفسانی کے مطابق اس کے سوا سے اس سے نفع اٹھانا جائز نہیں پھر جب وہ شہوت جماع سے مغلوب ہو جائے اور اس تعلق کو قائم رکھے جیسے راکب کا مرکوب سے اور جہاز کے کپتان جہاز سے اور وہ بروہ آزاد بھی نہیں کر سکتا تو ساٹھ لگاتار روزے رکھے قبل اس کے کہ وہ ایک دوسرے کو مس کریں یعنی روح اپنے نفس کو التفات الی الکونین سے ہمیشہ روکے بغیر کسی خلل ڈالنے کے التفات میں اگر وہ اس التفات کو روکنے کی قدرت نہیں پاتا کیونکہ اس میں کچھ انانیت باقی ہے تو پھر ساٹھ مساکین کو طعام کھلائے وہ مساکین قوائے روحانیہ ہیں جو سلطنت نفس اور اس کی صفات سے مرمٹے ہیں تاکہ وہ اخلاق الہیہ سے متخلق وصفات روحانیہ میں متحقق ہو سکیں۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِيۡنَ يُحَآدُّوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ بیشک وہ جو اللہ ورسول (جلّ جلالہ ﷺ) کی مخالفت کرتے ہیں ایسے ہی اولیاء اللہ کی کیونکہ جو اولیاء اللہ سے دشمنی کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے ہی دشمنی کرتا ہے کیونکہ ان ہر ایک کی دشمنی خطرناک ہے ان میں سے کسی کی عداوت اللہ تعالیٰ سے عداوت ہے اور اللہ تعالیٰ کا دشمن اولیاء اللہ کا دشمن ہے۔

نکتہ اس آیت کو حدود اللہ کے بعد ذکر کرنا احسن موقعہ ہے بہرحال جو اللہ ورسول کی عداوت اور ان کی حدود سے تجاوز کرتا ہے ان کے امر ونواہی کا پابند نہیں۔

marfat.ocm

فائدہ بعض نے کہا المحادۃ مفاعلہ حدید سے ہے بمعنی لوہے سے مقابلہ کرنا اس میں حقیقتہ لوہا ہو یا نہ ہو اور سخت مقابلہ و منازعہ کو بھی محادۃ کہتے ہیں اسے لوہے سے مشابہت دے کر بعض نے کہا آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ حدود کو غیر حدود میں رکھتے ہیں۔

فائدہ اس میں مملوک اور ان حاکمین کو وعید ہے جو شرع کے حدود کے خلاف فیصلہ دیتے ہیں اور اس کا نام قانون رکھتے ہیں۔

پادشاہی کہ طرح ظلم افگند پائے دیوار ملک خویش بکند

(وہ بادشاہ جو ظلم کا طریقہ جاری کرتا ہے وہ اپنے ملک کی دیوار کو خود اکھیڑتا ہے)

کبتوا ذلیل و خوار کئے گئے۔

حل لغات المفردات میں ہے الکبت بمعنی کسی کو سختی سے روکنا اور ذلیل کرنا۔ القاموس میں ہے کہ کبتہ۔ یکبتہ صرعہ و صرحہ (اسے بچھاڑا) اخزرہ (اسے رسوا کیا) صرفہ (اسے پھیرا) کسرہ (اسے توڑا) رد العدو بغضیہ (دشمن کو سختی سے رد کیا (روکا) اذلہ اسے ذلیل کیا)

فائدہ (ابن الشیخ) نے فرمایا یہ اس لائق ہے کہ اس سے دشمنوں پر بددعا کی جائے اور ماضی کا تحقق کے لئے ورنہ اس کا تقاضا مستقبل کا ہے یعنی عنقریب ذلیل و خوار ہوں گے اس میں منافقین و کافر سب داخل ہیں کیونکہ کافروں کا مقابلہ ظاہرًا بھی تھا اور باطنًا بھی۔ اور منافقوں کا صرف باطنًا کَمَا کُبِتَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ جیسے ذلیل ہوئے۔ وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے یعنی وہ کفار جو اِمم سابقہ میں تھے جو رسل کرام علیہم السلام کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے۔ جیسے قوم نوح و ہود و صالح وغیرہ۔

ملفوظ حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے مجھے تعجب اس ضعیف سے ہے جو بہت بڑے قوی کی نافرمانی کرتا ہے عرض کی گئی وہ کیسے۔ فرمایا انسان کو اللہ تعالیٰ نے ضعیف پیدا فرمایا کما قال اَلۡاِنۡسَانُ ضَعِیۡفًا (پھر یہ ضعیف اللہ تعالیٰ قوی کی نافرمانی کرتا ہے)

وَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ (اور بیشک ہم نے روشن آیتیں اتاریں) یہ کبتوا کی واؤ سے حال ہے یعنی وہ

ذلیل ہوئے اپنی مخالفت کی وجہ سے حالانکہ ہم نے آیات روشن نازل فرمائیں ہیں ان لوگوں کے حق میں جنہوں نے سابقہ امتوں سے اپنے رسل کرام علیہم السلام کے ساتھ مخالفت کی اور انہیں یہ بھی بتایا کہ ان کے ساتھ کیا گزری یا آیت بینات اتاریں جو رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر دلالت کریں اور بتائیں کہ وہ جو کچھ لائے ہیں وہ صحیح اور درست ہیں۔

سوال انزال یہ ہے کہ شے اوپر سے نیچے اترے اور وہ اجسام کے لئے انزال کیسا یوں تو اعراض اور خوار نہ پکڑنے والی اشیاء ہیں۔

جواب انزال اس کا جو انہیں لے آئے تھے اور بندوں کو پہچانتے تھے ان کی طرف اسناد مجازی ہے کیونکہ انزال سے اصل مقصود وہی (آیات) ہیں یا انزال استعارۃ بمعنی الابلاغ والایصال ہے۔

وَلِلْكٰفِرِيْنَ اور کافروں کے لئے ان آیات کی وجہ سے یا تمام ان امور کی وجہ سے جن پر ایمان لانا واجب ہے۔

عَذَابٌ مُّهِيْنٌ (خواری کا عذاب ہے) جو ان کی عزت اور بڑائی لے جائے گا۔

حل لغات الاہانۃ بمعنی التحقیر اس سے خواری کا وہ عذاب مراد ہے جو ان میں دنیا میں ملے گا اس معنی پہ کلام کا ابتداء ہو گا یا اس سے آخرت میں تو ناری کا عذاب ہو گا گویا وہ دونوں جہانوں میں عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

نکتہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے عذاب کو پہلے الیم سے پھر مہین سے موصوف فرمایا کیونکہ پہلے انہیں درد پہنچے گا پھر ذلت و خواری۔ چونکہ پہلا عذاب دنیا میں ہو گا اسی لئے الیم کی مہین سے تقدیم ضروری ہے (پہلے اس قسم کے مضامین گزرے ہیں)

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے مظاہر یعنی اولیاء اللہ کی مخالفت کرتے ہیں کیونکہ وہی اللہ کے ساتھ متحقق اور اس کے اسماء سے مجتمع ہیں۔ ایسے ہی وہ لوگ جو رسول اللہ ﷺ کے مظاہر یعنی علماء کرام (باعمل اور سنی العقیدہ) جو شرائع و احکام سے قائم ہیں اور بہترین حج اور دلائل سے احکام کا اثبات کر کے دشمنان دین کا منہ کالا کیا اور اولیاء کرام نے اعلیٰ سے اعلیٰ کرامات ظاہرہ سے دین کا پل باندھا اور علوم کی نشر و اشاعت کی اور ہم نے ان کی ولایت پر آیات روشن دکھلائے اور سمجھایا کہ یہی انبیاء علیہم السلام کے سچے وارث ہیں پھر جس نے ان میں

marfat.ocm

انکار کر کے انہیں چھپایا تو اسے قیامت کا بڑا اور ذلت و خواری کا مکمل کھلا عذاب ہو گا۔

تفسیر عالمانہ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ (جس دن اللہ تعالیٰ ان کو اٹھائے گا) یوم اذکر سے منصوب ہے وہ یوم کی عظمت اور اس کی ہولناکی کے اظہار کے لئے مقدر ہے اس سے قیامت کا دن مراد ہے یعنی انہیں موت کے بعد جزاؤ سزا کے لئے اٹھائے گا۔ جَمِيْعًا سب کو کہ کوئی ان میں نہ بچ سکے گا جو اس دن نہ اٹھے۔ یہ هم ضمیر کی تاکید کے لئے ہے یا یہ معنی ہے کہ وہ ایک حالت میں جمع ہوں گے اس معنی پر یہ ضمیر هم سے حال ہے فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا پھر انہیں ان کے کردار جتلائے گا ان کے وہ کرتوت جو ان سے صادر ہوئے یا ان کی صورتیں دکھلائے گا جو اس عالم (جہان) کے لائق ہیں سب کے سامنے تاکہ وہ رسوا ہوں اور ان کے احوال کی تشہیر اور ان پر عذاب کی شدت ہو ورنہ صرف خبر دینے اور جتلانے کا کیا فائدہ وہی ہو گا تاکہ انہیں اپنے کرتوت پر انتباہ ہو۔

اَحْصَاهُ اللّٰهُ (اللہ تعالیٰ نے اسے گن رکھا ہے) یہ سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ انہیں ان کے اعمال کی کیسی خبر دے گا حالانکہ وہ تو اعراض ہیں جو ہوئے اور ختم شد یعنی کرنے کے بعد لاشے ہو گئے۔ اس کا جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انہیں محیط ہے اسی لئے ان کی گنتی اور حفاظت وہی جانتا ہے جو کچھ انہوں نے کیا اس سے کوئی شے نہ چوک سکتی ہے اور نہ اس سے غائب ہو سکتی ہے۔

حل لغات امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ الاحصاء بمعنی گنتی حاصل کرنا یعنی گننا شمار کرنا۔ اہل عرب کہتے ہیں احصیت کذا میں نے ایسے ایسے گنا الحصی سے ہے (کنکری) اور اسے معنی میں استعمال کرنے کی وجہ سے ظاہر ہے کہ وہ (عرب) کنکریوں پر گننے کا یوں سہارا لیتے ہیں جیسے ہم (عجمی لوگ) انگلیوں سے بعض نے کہا الاحصاء بمعنی احاطہ و خبط کے ساتھ شے کو گننا اور اصل یہ کنکریوں سے گننے کا نام ہے کہ کنکریوں کی گنتی ضبط حفظ میں زیادہ قوت ہے یہ عد سے اخص ہے کیونکہ عد کو احاطہ لازم نہیں۔

ونسوہ اور وہ اسے بھول گئے یعنی در انحالیکہ وہ اسے بھول گئے بوجہ اس کی کثرت کے یا اس کے ارتکاب کے وقت اس کی تحقیر و تہاون کے پیش نظر کیونکہ یہ عقیدہ نہ تھا ان کا بھی کوئی حساب ہو گا (وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ) اور ہر شے اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے اس سے کوئی امر غائب نہیں۔

الشہید بمعنی الشاہد الشہود سے بمعنی الحضور (وہی کہا جو ہم کہتے ہیں۔ کیا صاحب روح البیان بریلوی تھے

حالانکہ یہ تو صدیوں پہلے گزرے ہیں جب نہ دیوبند تھا نہ دیوبندیت نہ وہابیت تھی نہ نجدیت۔ اویسی غفرلہ۔

فائدہ بعض نے کہا کہ الشہید بمعنی گواہ ہے وہ اس لئے کہ قیامت میں ہر ایک کو اس کے کردار کے مطابق جزا اور سزا دے گا اور کون ہے جو اس کی گواہی کو رد کر سکے۔

حاکم ز حکم دم نزند گر گواہ نیست
حاکم کہ خود گواہ بود قصہ مشکلست

(حاکم حکم کا دم نہیں مار سکتا جب گواہ نہ ہو جب حاکم خود گواہ ہو تو پھر قصہ مشکل ہے)

سبق گناہوں کو ہر وقت آنکھوں کے سامنے رکھنا اور ان پر رونا اور استغفار اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ ضروری ہے کیونکہ اس نے ہر ایک کے گناہ گن رکھے ہیں اور وہ نسیان سے بھی پاک و منزہ ہے انسان پر لازم ہے کہ اس دن سے پہلے ہی توبہ کرے جب اسے کھلے بندوں رسوا ہونا پڑے اس وقت نہ دعا قبول ہوگی اور نہ معذرت۔

ازالہ وھم یہاں شہید یعنی الحضور ہے لیکن حضور علمی مراد ہے[لہ] اور اس کا منکر کافر ہے کیونکہ اس کا ذکر قرآن مجید میں صراحتہً ہے ہاں اسے حضور جسمی نہیں مانا جائے گا کوئی مانے تو وہ کافر ہے (روح البیان ص ۸۳۹ ج ۹ مطبوعہ بیروت)

رد وہابی دیوبندی فرقہ ہم اہلسنت حضور سرور عالم ﷺ کو حاضر ناظر مانتے ہوئے دلیل میں

(حاشیہ[لہ] اس میں دیوبندیوں کے اس بہتان کا ازالہ کیا کہ اہلسنت اللہ تعالیٰ کو حاضر نہیں مانتے اور وہ عبارات دکھاتے ہیں جہاں ہمارے علماء نے لکھا کہ حاضر و ناظر کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر ناجائز ہے جب اس سے لغوی معنی مراد ہے ہاں اسے حضور علمی معنی میں لے کر اللہ تعالیٰ کو حاظر و ناظر کہنا جائز ہے اسی کو صاحب روح البیان رحمتہ اللہ علیہ نے صدیوں پہلے لکھ دیا تاکہ اہل حق پر منکرین کا بس نہ چل سکے (جزاہ اللہ خیر الجزاء)

لطیفہ دیوبندیوں وہابیوں کے پیشوا مولوی اسمٰعیل دہلوی نے ایضاح الحق الصریح میں لکھا کہ اللہ تعالیٰ کو ہر جگہ ماننا بدعت ہے اور غیر مقلدین تو اب بھی صاف کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ہر جگہ ماننا ناجائز ہے اب عوام ان دونوں کا گریبان پکڑ کر پوچھیں کہ یہ کون کہتا ہے۔ حاشیہ ختم)

وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَہِیْدًا اور اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاہِدًا جیسے آیات پیش کرتے ہیں تو وہ نہیں مانتے۔ ہم الزاما انہیں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر ماننا متفق علیہ ہے (لغوی معنی کے لحاظ سے نہیں عرفی و شرعی معنی کے لحاظ سے) تو بتاؤ اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر ثابت کرنا پڑے تو کون سی آیت پیش کرو گے تو وہ مجبور ہو کے کہتے ہیں وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْد یعنی یہاں شہید بمعنی حاضر ہے تو ان بھلے مانسوں کو کون سمجھائے کہ جس لفظ سے اللہ تعالیٰ کیلئے حاضر و ناظر ثابت کیا جا رہا ہے اسی لفظ سے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو ثابت کیا جائے تو اشکال کیوں صرف یہ وہم کہ اللہ تعالیٰ و رسول اللہ ﷺ کو ایک ماننا لازم آئے گا تو میں کہوں گا یہ وہم بھی برائے وہم ہے ورنہ سب جانتے ہیں اللہ تعالیٰ کے صفات بحیثیت الوہیت اور نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے صفات یکمشت مانے جاتے ہیں۔ یہ وہم اگر صحیح ہے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی سمیع و بصیر حضور علیہ الصلوۃ والسلام بھی اور اللہ تعالیٰ بھی رؤف و رحیم اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام بھی وغیرہ وغیرہ تفصیل کے لئے فقیر کی کتاب فنا و بقا دیکھئے۔

تفسیر عالمانہ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔

ربط اللہ تعالیٰ کے شہود پر استشہاد ہے اور ہمزہ انکاری رویتہ کی تقریر کرتا ہے اس لئے کہ انکار بمعنی نفی ہے اور قاعدہ ہے کہ نفی النفی اثبات ہوتا ہے اس قاعدہ پر رویہ ثابت اور مقرر رہوئی اور خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے یا اسے جو خطاب کا مستحق ہے اب معنی یہ ہوا کہ کیا تو مرتبہ مشاہدہ علم یقینی سے جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کے اندر تمام موجودات کو جانتا ہے خواہ وہ انہیں مستقر ہیں یا ان کا جزو ہیں۔

شان نزول یہ ربیعہ و حبیب عمرو کے بیٹوں اور صفوان بن امیہ کے حق میں نازل ہوئی۔ ایک نے کہا کیا جو کچھ ہم کہتے ہیں وہ اللہ جانتا ہے دوسرے نے کہا کہ کچھ جانتا ہے اور کچھ نہیں جانتا۔ تیسرے نے کہا اگر وہ بعض کو بغیر کسی سبب جانتا ہے تو پھر سب کچھ جانتا ہے کیونکہ وہ جس طرح بعض کو بلا سبب جان سکتا ہے تو کل کو بھی اسی طرح جان سکتا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ مَا یَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَۃٍ (نہیں ہوتی سرگوشی تین کی) ما نافیہ اور یکون تامہ بمعنی یوجع و تقع ہے اور من زائدہ اور نجوی اس کا فاعل ہے وہ بھی متناہی مصدر ہے جیسے شکوی بمعنی شکایت۔ اہل لغت کہتے ہیں نجاہ نجوی ونجوی بمعنی سارہ اسے راز کی بات کہی ناجاہ مناجات کی طرح اور النجوی راز جو

پوشیدہ رکھا جائے یہ اسم اور مصدر ہے (القاموس) دراصل ان کنتم فی نجوۃ من الارض ہے وہ جو اپنے ماحول سے علیحدہ اور اونچی ہو گویا سرگوشی کرنے والا زمین کی اونچی اور علیحدہ جگہ میں ہے کہ اس سے کوئی آگاہ نہیں۔ اب معنی یہ ہوا کہ وہ تین کی سرگوشی نہیں ہوتی اور کوئی راز کی بات نہیں کرتے۔ نجوی مصدر مضاف ہے اپنے فاعل کی طرف الاھو مگر وہ اللہ تعالیٰ رَابِعُھُمۡ ان کا چوتھا ہوتا ہے یعنی انہیں چار بنانے والا ہے کہ ان کے حال سے باخبر ہے۔

فائدہ حضرت حسین نوری قدس سرہ نے فرمایا کہ وہ ان کا چوتھا ہے علم و حکم میں نہ کہ اس کی ذات یہ اعم الاحوال سے استثناء مفرغ ہے یعنی کوئی حال نہیں ہوتا مگر یہی حال کلام میں تعبیر کا اعتبار ہے۔

فائدہ حضرت نصر آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جب بھی کوئی اللہ تعالیٰ کی معیت پر یقین کرے گا وہ خود کو اس کی مخالفت سے روک سکے گا کوئی برائی بھی اس سے سرزد نہ ہو سکے گی۔ اور جو اس کی معیت کے مشاہدہ سے محروم ہے وہ محارم و شبہات کا ارتکاب کرے گا۔

وَلَا خَمۡسَۃٍ اور نہیں ہوتی سرگوشی پانچ کی اِلَّا ھُوَ سَادِسُھُمۡ مگر وہ ان کا چھٹا ہوتا ہے یعنی مگر وہ اللہ تعالیٰ ان کو اطلاع میں چھ بنانے والا ہے کہ واقع ہو گا اس کی اسے خبر ہے۔

فائدہ تین سے پانچ تک کی تخصیص اس لئے کہ ایک واقعہ میں ایسی بات کرنے والے منافقین تین تھے پھر پانچ تھے۔ بعض نے کہا کہ چونکہ عموماً مشورہ تین میں ہوتا ہے یا زیادہ سے زیادہ پانچ میں تاکہ الفاظ تھوڑے اور بچے تلے اور رائے کے عین موافق اور راز کو زیادہ چھپانے والے ہوں اسی لئے سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امر خلافت کا مشورہ چھ اشخاص پر چھوڑا تھا یعنی انہی چھ کی جو رائے قائم ہو وہی صحیح اور درست ہے۔

صوفیانہ مطلب تین میں روح و سر درو قلب کی طرف اور پانچ میں ان کے ساتھ دو نفس وھوی ملانے سے اس کے بعد عام حکم فرمایا کہ وَلَآ اَدۡنٰی مِنۡ ذٰلِکَ اور نہ ہی اس مذکور سے کم یعنی دو یا ایک کا راز کیونکہ ایک بھی دل میں سوچتا رہتا ہے وہ بھی اس کا ایک قسم کا مشورہ ہوتا ہے وَلَآ اَکۡثَرَ اور نہ زائد یعنی چھ اور اس سے جتنا ہوں اِلَّا ھُوَ مَعَھُمۡ مگر وہ اللہ ان سب کے ساتھ ہے یعنی سرگوشی کرنے والوں کے ساتھ علم اور سماع سے وہ جانتا ہے جو ان میں گزرتا ہے اور اس سے ان کے حالات مخفی نہیں گویا وہ ان کا شاہد و حاضر ہے حالانکہ وہ جسمانی حضور سے ان

marfat.ocm

کے ساتھ ظاہری جسم کے ساتھ سے پاک و منزہ ہے۔

اَیۡنَمَا کَانُوۡا یعنی جہاں وہ ہوں یعنی جس جگہ پر ہوں اگرچہ زمین کی تہ میں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم قرب مکانی سے نہیں جو اسے مکانات کے قرب و بعد میں فرق آجائے۔

ایں معیت درنیاید عقل و ہوش   زیں معیت دم مزن بنشیں خموش
قرب حق با بندہ دور است از قیاس   بر قیاس خود منہ افوا اساس

(یہ معیت عقل و ہوش میں نہیں آتی ایسے معیت سے دم نہ مار خاموش بیٹھ)
(قرب حق بندے کے قیاس سے دور ہے قیاس پر اس کی بنیاد نہ رکھ)

فائدہ بعض عارفین نے فرمایا کہ امت محمدیہ کے اہل ایمان کی فضیلت جملہ امم پر کے دلائل دیگر نہ بھی نہ ہوتے تب بھی یہی آیت اس کی دلیل کے لئے کافی ہے جبکہ اصحاب کہف کے لئے فرمایا ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمۡ كَلۡبُهُمۡ وَيَقُوۡلُوۡنَ خَمۡسَةٌ سَادِسُهُمۡ كَلۡبُهُمۡ تین اور ان کا چوتھا کتا اور کہتے ہیں کہ وہ پانچ تھے ان کا چھٹا کتا تھا اور یہاں فرمایا مَا يَكُوۡنُ مِنۡ نَّجۡوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمۡ یہاں تک کہ فرمایا هو معهم اصحاب کہف کی معیت ایک احسن الحیوانات کے ساتھ بتائی اور امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے ساتھ اپنی ذات کی معیت بتلائی اور ہر انسان چاہتا ہے کہ خیر بھلائی اسی میں ہے کہ اس کا رفیق ایک ہو کہ اس سے گفتگو ہو گی تو سود مند اور فضول گفتگو بھی نہ ہو گی کہ اس کے اعمال نامے میں عیب و نقص اور گناہ لکھا ہو۔ بہر حال اس کی صحبت میں فائدہ ہی فائدہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی معیت علی العموم ہے جیسے تصریح فرمائی کہ وَهُوَ مَعَكُمۡ اَيۡنَ مَا كُنۡتُمۡ اور تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی ہو ہاں کبھی مخصوص بندوں کے ساتھ ایمان فیض و لطف وغیرہ کی کچھ مخصوص معیت ہوئی۔ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمۡ بِمَا عَمِلُوۡا پھر تمہیں تمہارے کردار کی خبر دے گا یعنی ان اعمال کی جو تم نے دنیا میں کئے۔ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ قیامت میں انہیں رسوا کرنے اور وہ جو انہیں عذاب کا موجب بنے گا اس کے اظہار کے طور اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ بیشک اللہ تعالیٰ ہر شے کو جانتا ہے کیونکہ اس کے جو اس کی ذات کی طرف علم کی نسبت ہے اس کا تقاضا ہے کہ اس کے لئے ہر شے کا علم برابر ہے یعنی اس کے علم کی نسبت جمیع معلومات کے لئے برابر

marfat.ocm

ہے کہ وہ اہل آسمان کے حالات کو اس طرح جانتا ہے جیسے اہل ارض کے کیونکہ اس کا علم مخفی امور کو اس طرح محیط ہے جیسے ظاہر امور کو۔

نہاں و آشکار ہر دو یکسانست بر علمت   نہ ایں رازو تر بینی نہ آنزادید تردانی

(تیرے علم کے لئے پوشیدہ و آشکار برابر ہے نہ اسے جلد تر دیکھتے ہو نہ ہی اسے جلد تر دیکھتا ہے)

فائدہ جسے یقین ہو جائے کہ وہ ہر شے کو جانتا اور ہر وقت دیکھتا ہے اور اپنے علم کو اسی پر متوجہ رکھے تو وہ ہر شے میں اس پر بھروسہ کرنے والا ہے ہر شے میں اسی کی طرف متوجہ ہے۔

فائدہ ابن عطاء اللہ نے فرمایا جب تمہیں معلوم ہو جائے کہ لوگ تیری طرف متوجہ نہیں بلکہ تیری مذمت کے درپے ہیں تو اپنے میں اللہ تعالیٰ کے علم کی طرف متوجہ ہو اگر تجھ پر اللہ تعالیٰ کے علم کا اثر نہیں تو اس قناعت کی مصیبت پر ایذاء سے وہ ایذاء زیادہ ہے جو تیرے متعلق لوگوں کی طرف سے مذمت ہوتی ہے۔

فائدہ اس اسم سے متخلق ہونا تحصیل العلم اور محتاج لوگوں کو فائدہ پہنچانے کا موجب ہے۔

علم غیب حاصل کرنے کا وظیفہ جو شخص یا علام الغیوب کی کثرت کرے یہاں تک کہ ہر حال میں اس پر اسی اسم کا غلبہ ہو تو اس پر مغیبات کا انکشاف ہو جائے گا۔ وہ مغیبات سے باتیں کرے گا۔ اور اس پر مافی الضمائر کا کشف ہوگا اس کی روح ایسی ترقی کرے گی جو عالم علوی تک پہنچنا نصیب ہوگا اور وہ امور کائنات و حوادث کی باتیں کرے گا۔

مسئلہ فقہاء کرام نے فرمایا جو جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم بذاتہ ہے نہ یہ کہ وہ عالم اپنی ذات سے قادر بذاتہ ہے یعنی وہ اپنی قدرت سے قادر نہیں یعنی اس کے لئے صفت علم ثابت نہیں وہ صفت جو اس کی ذات سے قائم ہے اور نہ ہی اس کے لئے صفت قدرت ثابت ہے جیسے معتزلہ اور جہمیہ کہتے ہیں جن کے کفر کا حکم علماء نے صادر کیا۔ اس لئے کہ صفات الہیہ کی نفی کفر ہے۔

مسئلہ جو اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کرے لیکن کسی صفت کا منکر ہو (جیسے فلاسفہ و معتزلہ) تو اس کے ایمان کا کوئی

marfat.ocm

اعتبار نہیں اسی طرح فتویٰ ہے۔

انتباہ معتزلہ کے بارے میں بعض توقف کرتے ہیں اس لئے کہ وہ اہل قبلہ ہیں اسی لئے شرح عقائد میں لکھا کہ علماء کا اتفاق ہے کہ اہل قبلہ میں سے کسی کو کافر نہ کہا جائے لیکن جو خلق القرآن اور رویتہ باری تعالیٰ کو محال اور سب[1] الشیخین (رضی اللہ عنہما) اس جیسے دیگر مسائل کے قائل کے لئے مذکورہ بالا قاعدہ مشکل ہے۔

---

[1] سب الشیخین= دراصل شیعوں کو خلفاء ثلثہ کے بارے میں خواہ مخواہ دشمنی ہے اپنی عاقبت کی بربادی کے لئے ورنہ اہلبیت کرام ان کے بارے میں یوں فرماتے ہیں سیدنا امام زین العابدین کے بارے میں مروی ہے کہ ان کی خدمت میں چند عراقی حاضر ہوئے۔ ان لوگوں نے حضرت ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے بارے میں ناروا اور نامناسب الفاظ استعمال کئے۔

جب یہ لوگ اپنی کہہ چکے تو آپ نے فرمایا۔

"کیا مجھے بتاؤ گے کہ تم کون ہو؟ کیا تم مہاجرین اولین میں سے ہو جنہوں نے محض خوشنودی خدا کے لئے جلاوطنی گوارا کی اور اپنے مال و متاع سے دستبردار ہو گئے اور خدا رسول کی تائید و حمایت میں کمر بستہ رہے اور بلاشبہ یہ لوگ سچے تھے۔ عراقیوں نے عرض کی! "نہیں ہم مہاجرین اولین میں سے تو نہیں ہیں"

یہ سن کر امام عالی مقام نے دریافت فرمایا

"کیا تم ان لوگوں میں سے ہو جو مدینے میں مہاجرین کی آمد سے پہلے بسے ہوئے تھے۔ جو ان کے پاس ہجرت کر کے آتا تھا اس سے محبت کا برتاؤ کرتے تھے اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا تھا۔ اس سے دل تنگ نہیں ہوتے تھے اور انہیں اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے اگرچہ خود فاقے ہی سے کیوں نہ ہوں اور جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے ایسے ہی لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔

عراقیوں نے جواب میں گزارش کی۔ "نہیں ہم ان لوگوں میں بھی نہیں ہیں"

آپ نے یہ سن کر فرمایا۔ "میں اس امر کی شہادت دیتا ہوں کہ تم ان لوگوں میں بھی نہیں ہو جن کے بارے میں خدائے عزوجل نے فرمایا وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ الرَّحِیْمٌ یعنی

(بقیہ حاشیہ

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ کیا نہیں دیکھا تمہیں جن کو سرگوشی سے روکا گیا تو پھر وہ لوٹتے ہیں اس طرف جس سے انہیں روکا گیا۔

شان نزول یہ یہود و منافقین کے حق میں نازل ہوئی جبکہ وہ آپس میں سرگوشی کرتے اور تین تین پانچ پانچ کی ٹولی بنا لیتے جب اہل ایمان کو دیکھتے تو ایک دوسرے کو آنکھوں سے اشارہ کرتے اس سے ان کا پروگرام یہی تھا کہ وہ اہل ایمان کو غصہ دلائیں (تاکہ جھگڑا برپا ہو) رسول اللہ ﷺ نے انہیں ایسا کرنے سے روکا۔ ایک عرصہ رک کر پھر وہی پروگرام شروع کر دیا۔

فائدہ یہ خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے اور ہمزہ ان کے حال پر تعجب کے لئے ہے اور صیغہ مضارع اس پر

(۹ [illegible]) اور جو لوگ (ان مہاجرین و انصار کے) بعد آئے وہ ان کے حق میں دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ پیدا ہونے دے۔ اے ہمارے رب تو بڑا رفیق (اور) رحیم ہے جاؤ چلے جاؤ خدا تم کو سمجھ دے۔

یہ رائے ہے امام زین العابدین کی جو امام حسین رضی اللہ عنہ کے بعد رئیس بیت حسینی تھے جابر جعفی نے جو خود بھی شیعہ ہیں روایت کی ہے کہ امام باقر نے انہیں عراق بھیجتے وقت کہا۔

"اہل کوفہ تک میرا یہ پیام پہنچا دو کہ لوگ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہ سے تبرا کرتے ہیں میں ان سے بری ہوں"

روایت ہے کہ ایک مرتبہ امام باقر نے ارشاد فرمایا۔

"جو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے فضل و شرف سے بے بہرہ ہے وہ سنت سے ناواقف ہے۔ جعفر جعفی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ان سے امام باقر نے فرمایا اے جابر مجھے معلوم ہوا ہے کہ عراق میں کچھ لوگ ہیں جو خیال کرتے ہیں کہ ہم سے محبت کرتے ہیں اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو برا بھلا کہتے ہیں اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ میں نے اس کا حکم دیا ہے انہیں میرا پیام پہنچا دو کہ اللہ کے ہاں میں ان سے بری ہوں۔ مجھے شفاعت محمد نصیب نہ ہو اگر میں ان دونوں کے لئے استغفار نہ کرتا ہوں اور بارگاہ الٰہی میں ان کے لئے رحم کی دعا نہ کرتا ہوں۔ اگرچہ دشمنان خدا ان سے کتنے ہی بیگانہ ہوں (مزید تفصیل فقیر کی کتاب "آئینہ مذہب شیعہ" میں ہے (اویسی غفرلہ) (خلیتہ الاولیاء ج ۳ ص ۱۳۷)

حاشیہ ختم)

marfat.ocm

دلالت کرتا ہے کہ یہ اپنے پروگرام کی طرف بار بار عود کرتے ہیں اور عجیب صورت حال پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

حدیث شریف حضور سرور عالم ﷺ ایک رات حجرہ اقدس سے باہر تشریف لائے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم باہم گفتگو تھے فرمایا یہ تو سرگوشی ہے جس سے تم روکے گئے ہو ہم نے عرض کیا کہ ہم توبہ کی باتیں کر رہے تھے اور دجال کے خطرات کو یاد کر رہے تھے فرمایا میں تمہیں ایسے امر کی خبر نہ دوں جو اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے فرمایا وہ شرک خفی یعنی ریاء ہے۔ وَيَتَنَاجَوْنَ اور راز کی باتیں کرتے ہیں۔

بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ گناہ اور حد سے متجاوز ہونے اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی۔ اس کا عطف يَعُودُونَ پر ہے اور اس کے حکم میں داخل ہے اور اس کا بیان ہے کہ جس سے روکے گئے ہیں کہ ایسی باتیں دین کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ یعنی یہ وہ باتیں ہیں جو فی نفسہ دین کے لئے نقصان دہ ہیں اور اہل ایمان پر زیادتی اور معیت الرسول ﷺ پر اکساتی ہیں۔

حل لغات اَلْعُدْوَان بمعنی ظلم و جور اور معصیت اطاعت کی نقیض۔

واذجاؤک اور جب وہ تمہارے پاس آتے ہیں یعنی سرگوشی کرنے والے۔ حیوک تمہیں السلام علیکم کہتے ہیں۔

التحیتہ مصدر ہے حیاک تجھے اللہ تعالیٰ زندہ رکھے جملہ خبریہ کے طور یعنی تجھے اللہ تعالیٰ زندگی بخشے۔ پھر دعا کے لئے مستعمل ہونے لگا پھر یہ دعا خیر و شر کے بعد صرف السلام علیکم پر اکثر مستعمل ہوتا ہے اس معنی پر ہر دعا تحیتہ ہو گی کیونکہ حصول حیاۃ کے بعد اس سے کوئی شے خارج نہ ہو گی۔ یا وہ حیات کا سبب ہے دنیا میں یا آخرت میں

ممالم یحیک بہ اللہ اس سے جو تجھے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ تحیتہ کا حکم نہیں فرمایا یعنی ایسی بات کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں مثلاً السام علیکم تم پر موت ہو (معاذ اللہ) کہتے ہیں اور لغت یہود میں السام بمعنی موت ہے یعنی موت یا تلوار سے قتل کرنا۔

اعجوبہ یہود اپنے وہم پر ایسا کلمہ کہہ تو دیتے اور انہیں خیال تھا کہ وہ اپنے طور رسول اللہ ﷺ کی مذمت کرتے ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ ان کے جواب میں صرف کہہ دیتے علیکم (یعنی تم پر موت) تو گویا انہی کا جوتا انہی کا منہ

marfat.ocm

فائدہ وعلیکم واو کے ساتھ نہیں کہنا چاہئے کوئی کہے تو غلط ہے (عین المعانی)

فائدہ یاوہ یہود کہتے ا انعم صباحا یہ پختہ جاہلیت تھا انعم کو نعومتہ سے مشتق کرکے بولتے یعنی تیری صبح ناعم (نرم) ہو اور اس میں کسی قسم کا غم و حزن نہ ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ سلام علی المرسلین اور رسل کرام علیہم السلام پر سلام۔

مسئلہ اہل ذمہ کے رد سلام میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس و شعبی و قتادہ نے فرمایا کہ ان کے سلام کا جواب دینا واجب ہے ظاہر الامر کا یہی تقاضا ہے۔ حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان کے سلام کا جواب واجب نہیں اگر جواب دینا بھی ہے تو صرف اتنا کہو علیک بعض نے کہا کہ ان کے جواب میں کہے علاوالسلام یعنی (تیرے سے اٹھ جائے سلامتی)

مسئلہ بعض ملکیہ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایسے (ذمی وغیرہ) کے سلام کے جواب میں کہے السلام علیکم (بکسر السین) یعنی تجھ پر پتھر ہوں۔ ویقولون انفسھم اور اپنے جی میں کہتے ہیں یعنی جب آپ سے جدا ہو کر جاتے ہیں تو آپس میں کہتے ہیں لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ جو کہتے ہیں اس کی وجہ سے ہمیں اللہ تعالیٰ عذاب کیوں نہیں کرتا۔ لولا تحفیفیہ ہے یعنی اگر محمد عربی ﷺ نبی برحق ہیں تو جو ہم جرات کرکے کہتے ہں اس پر ہمیں اللہ تعالیٰ عذاب کیوں نہیں دیتا ہم پر غضب کیوں نہیں نازل کرتا اور ہمیں مقہور کیوں نہیں کرتا وغیرہ وغیرہ۔

حسبھم انہیں کافی ہے جھنم جہنم کا عذاب۔ یہ مبتداء و خبر ہیں یعنی انہیں عذاب کرنے کے لئے جہنم کافی ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کو عذاب دے گی۔ یہ اسم سے ہے بمعنی کفاھم انھیں کافی ہے یصلونھا اس میں لازما داخل ہوں گے اور اس کی گرمی اٹھائیں گے اگرچہ کسی حکمت پر انہیں جلدی عذاب نہ آئے گا۔ یہ ان کے ساتھ استہزاء و استخفاف ہے کہ یہ لوگ ایسے بیکار ہیں کہ ان کا کوئی اعتبار ہی نہیں ان کے کفر اور بے ایمانی کی وجہ سے۔

marfat.ocm

فبئس المصیر تو وہ برا ٹھکانہ ہے یعنی جہنم۔

برھان القرآن میں فرمایا کہ فاء میں تعقیب کا معنی ہے یعنی جس کی طرف یہ جائیں گے ان کا وہ برا ٹھکانہ ہے اور وہ جہنم ہے۔

فائدہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ ان کا وہ قول منجملہ ان کی ان غفلتوں سے ہے جو ان کے ہاں علم کے باوجود علم کے عمل میں نہیں لاتے کیونکہ وہ اہل کتاب تھے انہیں معلوم تھا کہ بعض امتیں ایسی گزری ہیں جنہوں نے اپنے نبی علیہ السلام کی نافرمانی کی اور انہیں اذیت پہنچائی تو ان پر اتنی جلدی عذاب نہ آیا بوجہ مصلحت و حکمت کے اور اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہوتا ہے۔

دعا مستجاب اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی دعا مستجاب فرمائی چنانچہ مروی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے یہودیوں سے سنا انہوں نے رسول اللہ کو کہا السام علیکم۔ بی بی صاحبہ رضی اللہ عنہا نے جواباً فرمایا **وعلیکم السام والذم واللعن** (تم پر موت اور مذمت اور لعنت) حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا اے عائشہ رضی اللہ عنہا نرمی کیجئے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر شے میں نرمی کو پسند فرماتا ہے وہ فحش و تفحش کو پسند نہیں کرتا کیا تو نے مجھ سے سنا کہ میں نے انہیں جواب میں کیا کہا۔ میں نے **علیکم** (تم پر وہی جو خود کہہ رہے ہو) ان کے بارے میں میری دعا مستجاب ہو گئی ہے۔

انتباہ یہی قیاس رسول اللہ ﷺ کے وارثین کاملین کے متعلق ہے کیونکہ ان کے نفوس موثر ہیں جو ان کے ساتھ برائی کرتا ہے تو وہ خود اپنے لئے کرتا ہے۔ بوستان میں شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

بچاہے افتادہ بود   کہ از ہول او شیر نر مادہ بود
ہمہ شب ز فریاد و زاری نخفت   یکے بر سرش کوفت سنگے و گفت
تو ہرگز رسیدی بفریاد کس   کہ می خواہی امروز فریاد رس
کہ بر جان ایشت نہد مرہمے   کہ جانہا بنالد ز دستت ہمی

تو مارا ہمی چاہ کندی براہ
بسر لاجرم برافتوی بچاہ

(ظالم کنوئیں میں گر گیا اس کے خوف سے شیر نر بھی مادہ بنے ہوئے تھے۔ تمام رات فریاد و زاری سے نہ سویا ایک نے اس کے سر پر پتھر مار کر کہا۔ تو بھی تو کسی کی فریاد کو نہیں پہنچتا تھا جو آج فریاد رسی چاہتا ہے۔ کون تیرے زخموں پر مرہم رکھے۔ بہت سے لوگ تیرے ظلم سے نالاں ہیں۔ تو ہمارے لئے کنوئیں کھودتا تھا راستوں پر بالاخر تو خود کنوئیں میں گر گیا ہے۔

تفسیر عالمانہ یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اے زبان اور دل سے ایمان لانے والے اِذَا تَنَاجَیْتُمْ جب تم سرگوشی کرو ایک دوسرے سے یعنی اپنی مجلسوں اور خلوتوں میں فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ تو گناہ اور حد سے تجاوز کے متعلق سرگوشی نہ کرو منافقین و یہود کی طرح۔ وتناجرا بالبر والتقوی نیکی اور تقوی کے ساتھ سر گوشی کرو۔ یعنی ایسی باتیں جو اہل ایمان کی خیرو بھلائی اور معصتہ الرسول ﷺ سے بچنے کی سر گوشی کرو۔

فائدہ حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ذکر اللہ وقراۃ القران اور امر بامعروف و نہی عن المنکر مراد ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْٓ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جو اس کی طرف جمع کئے جاؤ گے صرف اسی کی طرف نہ اس کے غیر کی طرف نہ استقلالاً نہ اشتراکاً وہی تمہیں اوامر پر عمل کرنے اور نواہی کے ترک کی جزو سزا دے گا۔ یعنی موت کے بعد اسی کی طرف جمع کئے جاؤ گے۔

مسئلہ آیت سے معلوم ہوا کہ مطلقاً سرگوشی ممنوع نہیں بعض وجوہ میں مامور یہ ہے واجب بھی ہے مستحب بھی ہے مباح بھی جیسے مقامات کا تقاضا ہو گا۔

سوال اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے ڈرنے کا کیوں حکم فرماتا ہے حالانکہ اس کا قرب تو لذیذ ترین مطالبہ ہے اور اس سے انس تو انتہائی مقاصد سے ہے اور وہ بندوں کا مہربان ہے اور رحیم ہے اور تقوی و اجتناب کا موجب ہے اور پھر اس

marfat.ocm

کی طرف جمع ہونا بھی ہے۔

جواب یہاں مضاف محذوف ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے عذاب و قہر سے ڈرنا مراد ہے وغیرہ وغیرہ۔

سوال اگر بندے میں قدرت ہوتی کہ وہ عذاب و قہر سے بچ جائے تو دیر کب کرتا وہ اس پر قادر ہی نہیں تو پھر اس سے ڈرنے کا کیا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا اِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗ اِلَّا ھُوَ وَاِنْ یُّرِدْکَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِہٖ (اگر تمہیں دکھ پہنچے تو اسے کوئی کھولنے والا نہیں سوائے اسی کے اگر بھلائی کا ارادہ کرے تو کوئی روک نہیں سکتا اس کے فضل و کرم کو) تو امر ہو تو اس کا جو بندے کے مقدور میں ہو اور جو مقدور میں بھی نہ ہو اس کا حکم کیوں۔ خود فرمایا لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا (اللہ کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی وسعت کے مطابق)

جواب یہاں قہر و عذاب کے سبب سے بچنے کا امر ہے یعنی گناہوں سے جو مجرم بندے سے صادر ہوتے ہیں اب مطلب یہ ہوا کہ ڈرو ان امور سے جو اللہ تعالیٰ کے عذاب کا موجب اور دارین کے قہر کے مقتضی ہیں یعنی گناہ اور حد تجاوز اور معصیۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کیونکہ یہی امور عذاب و قہر کے موجبات ہیں۔

سوال یہ بھی اللہ تعالیٰ کی توفیق پر مبنی ہیں جب وہ کسی کو گناہوں سے بچنے کی توفیق ہی نہ دے تو؟

جواب اللہ تعالیٰ نے ہر بندے کو پہلے حق کا علم دیا اور اسے ارادہ جزئیہ بخشا جس سے وہ کسی شے کے اختیار کرنے کی قدرت رکھ سکے تو اس کا یہ اختیار ارادہ الٰہی سے پہلے ہوتا ہے اس امر سے ہر انسان آگاہ ہے یہاں تک کہ بچے بھی۔

تفسیر عالمانہ انما النجوی بیشک سرگوشی۔ جیسے ہم پہلے بیان کر آئے یعنی وہ سرگوشی جو گناہ اور تجاوز عن الحد پر مشتمل ہو جیسا کہ لیحزن کا قرینہ بتاتا ہے۔ من الشیطن شیطان سے ہی ہے نہ کہ اس کے غیر سے کیونکہ وہی اسے مزین کرتا اور اس پر ابھارتا ہے گویا وہ اسی سے ہی ہے۔ لِیَحْزُنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (تاکہ غم میں ڈالے

اہل ایمان کو) یہ دوسری خبر ہے۔

حل لغات الحزن بالضم بعدہ سکون متعدی ازباب اول (نصر) ہے۔ الحزن بفتحتین سے نہیں کیونکہ وہ لازم ازباب (رابع) (منع) ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا عبادلا خوف علیکم الیوم ولاانتم تحزنون اے میرے بندے تم پر کوئی خوف نہیں آج کے دن اور نہ تم غمگین ہو گے۔ اس تقریر پر الذین (موصول) اس کا مفعول ہو گا۔ القاموس میں ہے الحزن بالضم و متحرک بھی آتا ہے بمعنی الیم (غم) اس کی جمع احذان وحزن فرح کی طرح آتی ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں حزنہ الامر حزنا اسے فلاں امر نے غم میں ڈالا۔ (بالضم) واحزنا حزینا اسے حزین بنایا۔ وحزنہ اس میں غم ڈالا۔ اور امام راغب نے فرمایا الحزن والحزن بمعنی زمین کی سختی اور نفس کی سختی جو اس میں غم سے حاصل ہو اس کی تفصیل الفرح میں ہے اسی خشونت کے اعتبار سے کہا جاتا ہے خشنت بصدرہ میں نے اسے غم گین کیا۔ اب معنی یہ ہوا کہ تاکہ شیطان اہل ایمان کو غم گین بنائے وہم میں ڈال کر کہ جنگ میں یہ پہنچا وہ پہنچا وغیرہ یعنی ان کے غازی مغلوب اور رشتہ دار مقتول یا زخمی ہوئے اسی طرح سے وہ جنگ میں سستی کریں گے اور دیگر وہ امور جو اہل ایمان کے قلوب میں تشویش پیدا کریں۔

حدیث شریف میں ہے جب تم تین ہو تمہارے دو سرگوشی نہ کریں جب تک تیسرے کو ساتھ نہ ملائیں یہ اسے مغموم کرے گا۔

ولیس اور شیطان یا سرگوشی نہیں یضارھم نقصان دے گی انہیں جس سے کہ اہل ایمان نقصان اٹھائیں شیئا کسی شے کا یعنی انہیں کوئی بھی ضرر نہ ہو گا۔ الا باذن اللہ مگر اللہ کے حکم سے یعنی اس کے ارادہ و مشیت پر یعنی اس کا ارادہ صرف اہل ایمان کو غم میں ڈالنا یا وسوسہ میں مبتلا کرتا ہے۔

سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا خواب مروی ہے کہ سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خواب دیکھا کہ حضرت حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بہترین گوشت تناول فرمایا جو ان کے لئے

marfat.ocm

خود رسول اللہ نے بھیجا لیکن اس سے ان کا وصل (انتقال) ہو گیا۔ بی بی صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے صبح کو بارگاہ رسول ﷺ میں خواب کا قصہ پیش کیا اور تعبیر پوچھی تو آپ نے (حسب دستور) جبریل علیہ السلام سے پوچھا جو آپ ملک الرؤیاء بھی ہیں تو عرض کی مجھے تو اس کا کوئی علم نہیں اس سے معلوم ہو گیا کہ وہ صرف ایک وسوسہ تھا جو شیطان نے ڈرانے کے لئے طریقہ اختیار کیا۔

فائدہ الکشاف میں ہے کہ اذن کا معنی مشیت ہے وہی کہ جنگ اقارب پر موت واقع یا غازیوں کا غلبہ۔

سوال الاسئلۃ المقحمہ میں ہے حزن کا ضرر کیا ہے۔

جواب حزن کا اگر انجام صحیح نکلے تو وہ فی الحقیقت حزن نہیں یہی نکتہ اصولیہ یاد رکھنے کے لائق ہے ایسے ہی جن حزن کا انجام ثواب ہو تو وہ بھی فی الحقیقت حزن نہیں۔ ایسے ہی نفع کو دیکھئے کہ اگر اس کا انجام عذاب ہو تو فی الحقیقت نفع نہیں ہوتا۔

وعلی اللہ اور صرف اللہ تعالیٰ پر فلیتوکل المومنون اہل ایمان کو چاہئے کہ وہ توکل کریں اور اسی کی طرف امور سپرد کریں اور صرف اسی پر بھروسہ کریں اور منافقین و یہود کی سرگوشی کی پرواہ نہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی انہیں ان کے شر اور ضرر سے بچائے گا۔ دشمنوں کی تند گوئی و تند خوئی کی باتیں ہمیں نہ سنائیں کیونکہ ان کی باتیں ہمارے نزدیک کچھ بھی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ شیطان نفس امارہ کے ساتھ سرگوشی کرتا ہے اور اسے معارضات سنوار کر کے دکھلاتا ہے تاکہ قلب و روح محزون اور اضطراب میں ہوں اور ان کا غم سے سینہ تنگ ہو تاکہ اس شامت سے روح و قلب سیر و غیرہ سے باز رہیں۔ عالم ملکوت تک نہ پہنچ سکیں اور مناجات الٰہی سے عالم السر میں محروم رہیں لیکن نفس و شیطان کو کیا خبر کہ وہ رعایت حق (حفاظت الٰہی) کی نگرانی میں ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کی تائید نصیب ہے اس سے معلوم ہوا کہ ہر مخالفت نفس و طبیعت و شیطان میں ہے کیونکہ یہ ظلمانی ہے اور ہر موافقت قلب و روح و سر میں ہے کیونکہ وہ نورانی ہیں ہاں اگر ان پر اہل ظلمت غلبہ نہ پا جائے جس سے اس ظلمت کے نیچے ان کا نور ایسے چھپ

جائے جیسے نور گاڑھے بادل میں چھپ جاتا ہے۔

سبق بندہ پر لازم ہے کہ وہ ہر وقت اپنے روحانی علاج میں لگا رہے لیکن اللہ تعالیٰ پر توکل تام کر کے کیونکہ ہر شے میں موثر صرف وہی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

تفسیر عالمانہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اے مخلص مومنو اِذَا قِیْلَ لَكُمْ جب تمہیں کہا جائے قائل کوئی بھی ہو تمہارے مسلمان بھائیوں میں سے تَفَسَّحُوْا کشادگی کرو۔

حل لغات التفسح جگہ فراخ کرنا اور فراخ بیٹھنا مجلس میں۔ ایسے ہی الفسح بمعنی کشادگی لیکن تفسح فی سے متعدی ہوتا ہے اور لام سے۔ تو اب معنی یہ ہوا تو سعوا لیفسح بعضکم عن بعض ولا تتضاموا وسعت کرو تاکہ بعض تمہارے کو بعض سے کشادگی ملے آپس میں گھٹ کر نہ بیٹھو۔ افسخ عنی سے ہے بمعنی تنحوا فی تحمس دینک ہٹ جا تو اپنے دینی معاملہ میں وسعت میں ہے یعنی وسعت و رخصت میں ہے مثلاً کہا جاتا ہے فیح الخلق بمعنی واسع الخلق فی المجالس مجلسوں میں۔ الارشاد میں ہے کہ یہ قیل کے متعلق ہے۔ فقیر (صاحب روح البیان) کہتا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ وہ تفسحوا کے متعلق ہے مگر بیہقی نے تاج المصادر میں تصریح کی ہے کہ تفسح فی سے متعدی ہوتا ہے جیسے ہم نے پہلے اشارہ کیا۔ فافسحوا تو لوگوں پر جگہ کھلی کرو۔ یفسح اللہ تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کشادگی کرے گا۔ یعنی جن امور میں تم کشادگی چاہتے ہو۔ مکان میں۔ رزق میں سینے میں قبر میں وغیرہ وغیرہ۔ کیونکہ جزاء عمل کی جنس سے ہے اور آیت میں ہر ان مجالس کا حکم ہے جو اہل اسلام کی ہو جہاں وہ خیر و بھلائی کے لئے جمع ہوں وہ رسول اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس مبارک ہو یا کسی اور بزرگ کی۔

فائدہ صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تر بیٹھنے میں کوشش کرتے اس حرص میں کہ آپ کا کلام اچھی طرح سمجھ سکیں گے یا جنگوں کے مراکز میں نہایت متصل ہی ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے ہوتے کہ پہلے شہادت نصیب ہو کوئی دوسرا جگہ خالی کے لئے جگہ مانگتا تو نہ دیتے۔ ایسے ہی مجلس ذکر کا حال تھا ایسے جمعہ کی مجالس کا

marfat.ocm

حل **قلہ** اگرچہ اس میں حق اسی کا ہے جو پہلے آئے لیکن گنجائش ہو سکتی ہے۔ تو پھر جگہ دینی چاہئے بشرطیکہ ایذاء نہ ہو۔

حدیث شریف میں ہے کہ کوئی کسی کو اس کی جگہ اٹھا کر خود نہ کھڑا ہو یا نہ بیٹھے لیکن اس کے دوسرے کے لئے گنجائش کرو جگہ بنا دو تو اچھا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ جمعہ میں کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود نہ بیٹھ جائے لیکن کہے کہ جگہ میں گنجائش کرو۔

حکایت مروی ہے کہ ایک مسکین فقیر صحابی رضی اللہ عنہ بعد کو مجلس میں تشریف لائے ایک جگہ کھلی دیکھ کر بیٹھنے لگے تو ساتھ بیٹھنے والا دولت منداس سے نفرت کے طور کپڑے سمیٹنے لگا۔ حضور سرور عالم ﷺ نے دیکھ کر فرمایا کیا خیال ہے اللہ تعالیٰ تیرا غنا (دولت مندی) اس (فقیر صحابی) کو دے دے اور اس کا فقر تجھے۔

سبق اس میں رسول اللہ ﷺ نے تواضع اور فطرت کے ساتھ بیٹھنے اور اس کے لئے جگہ میں کشادگی کرنے کی ترغیب دی ہے اگرچہ وہ پھٹے پرانے کپڑے اور اجڑے بالوں والا ہو۔ واذاقیل انشزوا اور جب کہا جائے ہٹ جاؤ۔

حل لغات نشزالرجل بمعنی نہض (اٹھا) اور مکان میں اونچا ہوا۔ انشرالفلس کی طرح ہے۔ ایسے ہی النشز (بفتحتین) زمین سے اونچا۔ مکان ونشز فلاں جب وہ بلندی کا ارادہ کرے اسی سے ہے نشز فلاں عن مقرہ فلاں اپنی قرار گاہ سے اونچا ہو۔ اب معنی یہ ہوا کہ جب تمہیں کہا جائے کہ آنے والوں کے لئے اٹھ کھڑے ہو اور اس کے لئے گنجائش نکالو۔ فانشزو تو اٹھو اور جگہ دو یعنی جب ہجوم ہو اور اس سے گنجائش نہیں نکل سکتی جب تک ان میں سے اٹھ کر کھڑا ہو تو جماعت کی نماز کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور دوسروں کو جگہ دو کہ کھڑے ہونیکی گنجائش ہو سکتی ہے۔ کھڑے ہونے سے بوجھ محسوس نہ کرو (کیونکہ بالآخر) اٹھنا ہے ہی) یا یہ معنی ہے کہ جب تمہیں کہا جائے تم اپنی جگہ سے ہٹ کر دوسری جگہ چلے جاؤ جب ضرورت شدید ہو تو ...... پھر تمہاری جگہ دوسری جگہ چلا جانا بہتر ہے۔ اس طرح سے تم اپنے ضرورت مند بھائی کی ضرورت کو پورا کرو گے۔ اس

کی تائید حدیث شریف سے ہوتی ہے۔

شان نزول حضور سرور عالم ﷺ اہل بدر کی تعظیم و تکریم فرماتے۔ ایک دفعہ ایک ایسی جماعت ائی جنہوں نے انہیں جگہ نہ دی آپ نے خود بعض یاروں سے فرمایا اٹھ کھڑا ہو فلاں اٹھ کھڑا ہو۔ وغیرہ وغیرہ اتنے ساتھیوں کو وہاں سے اٹھا کر جگہ بنائی جتنے حضرات اہل بدر تھے (رضی اللہ عنہم) اس سے منافقین اشارے کرنے لگے اور کہا یہ کوئی انصاف ہے کہ ایک کو اٹھا کر دوسرے کو بٹھایا جائے اٹھنے والے کے ساتھ کیا گزرے گی۔[1]
رسول اللہ ﷺ نے منافقین کی یہ قلبی کاروائی ان کے چہروں سے پہچان لی۔[2] اللہ تعالیٰ نے یہی آیت نازل فرمائی۔

---

[1] اگر اس وقت ہمارے دور کے وہابی دیوبندی و دیگر ان کے ہمنوا ہوتے تو بخدا وہ بھی اسی طرح کہتے کیونکہ اٹھنے والے بھی بشر اور بیٹھنے والے بھی بشر۔ وہ بھی بشر یہ بھی بشر تو فرق کیوں۔ ہم ان کو رسول اللہ ﷺ کا اسوہ حسنہ سنائیں گے کہ وہ بھی تھے تو بشر لیکن ایک نسبت سے وہ دوسرے سے فائق ہو گئے اور وہ ہے بدر شریف میں جنگ کی حاضری۔ اب مجھے کہنے دیجئے کہ دوسرے عام بشر تھے اور یہ اہل بدر تھے اسی لئے بڑھ گئے تو پھر کیوں نہ ہم کہیں۔

تو رینگتا ہے فرش پر ان کی رہگزر ہے عرش پر
پھر بھی کہتا ہے تو وہ بھی بشر میں بھی بشر

(حاشیہ [2]) لیکن چونکہ ابھی منافقین کو اہل ایمان سے نکالنے کا وقت نہیں آیا تھا اسی لئے خاموش ہو گئے ورنہ جب وقت آتا تو ایسے گستاخوں کو ٹانگوں سے پکڑ کر مسجد نبوی سے باہر پھینکا گیا۔ بلکہ بہت خوب اور خوب مارا گیا چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔ یہ صرف اس لئے لکھ رہا ہوں کہ ہمارے دور میں ایک فتنہ بھی جنم لے رہا ہے اس کا منشور وہی پرانا ہے جو اکبر کے دین الہٰی کا تھا کہ مسلمان و باہر ہمیں رام رام۔ فقیری یہ روایت صحیحہ اہل درد کو پڑھاتا ہے سناتا ہے تاکہ وہ قیامت میں یہ نہ کہہ سکے کہ مجھے خبر نہ تھی۔

صحابہ کرام کا منشور دستور سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک دن ان کے والد ابو سفیان کفر کے زمانے

(بقیہ حاشیہ آگے)

marfat.ocm

فائدہ قیل کے قائل خود حضور سرور عالم ﷺ ہی ہیں یعنی جب تمہیں اے مسلمانو کہا جائے کہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس کو چھوڑ دو تو چھوڑ دو اور اس پر ملال بھی نہ کرو کہ تمہیں اٹھایا گیا یا معنی یہ ہے کہ نماز کی طرف چلو یا جہاد کی طرف یا شہادت کی طرف اسی طرح کے دوسرے اعمال خیر کی طرف چلو سستی نہ کرو اور نہ ہی کوتاہی کرو۔

مسئلہ اب رسول اللہ ﷺ کے علاوہ ہر صاحبِ مسندِ رسول کو اس طرح کرنا جائز ہے۔

میں حضرت ام حبیبہ (اپنی بیٹی) سے ملنے آئے اور حضور ﷺ کے بستر مبارک پر بیٹھنے لگے تو حضرت ام حبیبہ نے بستر الٹ دیا۔ اس پر کافر باپ کا بیٹھنا گوارا نہ کیا۔ ابو سفیان بہت ناراض ہوا۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے اور آپ چونکہ مشرک ہیں اس لئے اس مبارک بستر پر نہیں بیٹھ سکتے۔ یا وہ حال تھا یا اب یہ حال ہے کہ گستاخان نبوت اور دشمنان صحابہ عظام و اہلبیت کرام اور اولیاء عظام رضی اللہ عنہم سے نہ صرف دوستی اور پیار بلکہ ملت اسلامیہ کا انہیں حامی و یار بنایا جا رہا ہے اور جان بوجھ کر۔ فقیر اویسی غفرلہ۔

یہ لیجئے یعنی عشق رسول و ادب محبوبانِ خدا اکابر و اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم کے فتوی درج کرتا ہے جن سے کم از کم عوام اتنا ضرور یقین کریں گے کہ آج کل کے صلح کلی قسم کے لوگ پٹڑی سے اتر گئے ہیں۔

فتوی اسلاف ۱۔ کوئی کہے کہ نبی پاک ﷺ کا کپڑا میلا کچیلا تھا یا نبی اکرم ﷺ لمبے ناخنوں والے تھے تو وہ شخص مطلقاً کافر ہے۔ خواہ بطور اہانت کہے یا نہ اور دوسرا قول یہ ہے کہ بطور اہانت یہ کلمات کہے تو کافر ہو گا ورنہ نہیں۔

۲۔ لو قال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ذاک والرجل قال کذا و کذ قیل کفر (عالمگیری وجامع الفصولین)

اگر نبی اکرم ﷺ کے متعلق کہے کہ اس شخص نے ایسے ایسے کہا ہے تو ایک قول یہ ہے کہ کافر ہو جائے گا۔

۳۔ مَنْ قَالَ اِنَّ رِدَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْزِرَ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامَ وَسَخٌ اَرَادَ بِهٖ

(باقی حاشیہ آگے)

marfat.ocm

[illegible]

عَیَّبِہٖ قُتِلَ (شفا شریف جلد دوم ص ۱۹۱)

(جو شخص کہے کہ نبی اکرم ﷺ کی چادر یا آپ کا بٹن میلا کچیلا ہے اور اس قول سے مقصود عیب لگانا ہو تو اس کو قتل کر دیا جائے)

۴۔ قال بحرمت جوانک عربی یعنی النبی یکفر (عالمگیری ص ۲۸۲ ج ۲)

(کوئی شخص نبی اکرم ﷺ سے توسل کرتے ہوئے بارگاہ خداوندی میں عرض کرے جوانک عربی کی حرمت و عزت کا واسطہ تو کافر ہو جائے گا (کیونکہ جوانک جوان کی تصغیر ہے جس میں استخفاف اور استحقار والا پہلو موجود ہے) اگرچہ بوجہ توسل ان کی عظمت بھی ظاہر کر رہا ہو۔

۵۔ لو قال فلان اعلم منہ علیہ السلم فقد عابہ و تنقص (مواہب مع الزرقانی ص ۳۱۵ ج ۵ نسیم الریاض ص ۳۴۵ ج ۴)

(اگر کوئی شخص کہے کہ فلاں شخص نبی اکرم ﷺ سے علم میں زائد ہے تو اس شخص نے نبی اکرم ﷺ کو عیب لگایا اور آپ میں نقص نکالا (اور عیب لگانا یا نقص نکالنا بالاتفاق کفر ہے لہٰذا یہ شخص بھی کافر ہو جائے گا۔

۶۔ قال ان ادم علیہ السلام نیسبج الکرباس فقال الآخر پس ماہمہ جولاہہ بچگان باشیم کفر اذا استخف بنبی اللہ علیہ السلام

(ایک شخص نے کہا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے سوتی کپڑا بنا تو دوسرے نے کہا ہم سب جولاہے کی اولاد ٹھہرے تو وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے نبی کی ساتھ استخفاف و استحقار والا انداز و اسلوب اختیار کیا ہے۔ یہ وہ معدود سے چند کلمات ہیں جن کا تعلق پیغمبران کرام کی ذوات مقدسہ سے ہے اور ان کو بوجہ استخفاف کفر قرار دیا گیا ہے۔

فائدہ کچھ سمجھے آپ یعنی کسی بھی نبی علیہ السلام کو ایسا لفظ بولنا جو عرف میں معمولی سمجھا جاتا ہے تو قائل کافر ہو جاتا ہے۔

۷۔ لو قال رسول اللہ یعنی پیغام می برم کفر۔

(اگر کوئی شخص کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور لغوی معنی مراد لے یعنی میں اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچاتا

(باقی آگے)

marfat.ocm

ہوں تو کافر ہو جائے گا (کیونکہ ظاہرو متبادر معنی منصب رسالت و نبوت پر فائز ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ توجیہہ لغو و عبث ہوگی۔

۸۔ قال رجل ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یحب کذا مثلا اتقرع فقال رجل انا لا احبہ کفر عبد ابی یوسف وقال بعض المتاخرین لو قالہ علی وجہہ لا ھافتہ والا

(عالمگیری۔ جامع الفصولین)

ترجمہ ایک شخص کہے کہ نبی اکرم ﷺ فلاں چیز مثلاً کدو کو پسند فرماتے تھے اور دوسرا کہے کہ میں اس کو پسند نہیں کرتا تو وہ شخص امام ابو یوسف کے نزدیک کافر ہو جائے گا اور بعض متاخرین نے کہا ہے کہ اگر از راہ توہین کہتا ہے تو کافر ہو جائے گا ورنہ محض اپنی طبیعت کا نقص وغیرہ بیان کرنے کے لئے ایسا کہتا ہو تو کافر ہرگز نہیں ہوگا۔

قاضی عیاض نے فرمایا۔ (شفاء ص ۲۰۹ ج ۲) میں ہے کہ۔

من قال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اسود یقتل

(جو کہے کہ رسول اللہ ﷺ کالے تھے تو اسے قتل کردو۔

فائدہ دور حاضر میں نبوت و صحابیت و ولایت کے مقابلہ کو در خور اعتنا نہیں سمجھا جا رہا اسی لئے بڑی سے بڑی بے ادبی و گستاخی کی طرف توجہ نہیں دی جا رہی خدا کرے کوئی بندہ خدا کرسی اقتدار سنبھالنے کے بعد اس طرف توجہ دے۔

۹۔ فقہاء کرام نے فرمایا کہ۔

ایما رجل مسلم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او کذبہ او عابہ او تنقصہ فقد کفر باللہ و بانت منہ زوجتہ (رد المختار ص ۳۱۱ ج ۳۔ کتاب الخراج للقاضی ابی یوسف)

ترجمہ جس مسلمان نے رسول اللہ ﷺ کو سب بکا یا آپ کی تکذیب کی یا آپ کو عیب لگایا یا آپ کی تنقیص (بے ادبی) کی تو بے شک اللہ تعالیٰ سے اس نے کفر کیا اور اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل گئی۔

فائدہ غور فرمایئے کہ مرتد و بے ایمان کا فتویٰ کس پر گستاخ رسول پر لیکن اسے سمجھے کون۔

(جاری ہے)

marfat.ocm

یرفع اللہ الذین امنوا منکم بلند کرتا ہے تمہارے میں سے اہل ایمان کو امر کا جواب ہے یعنی جو امر الہی کی اطاعت کرتا اور بھائیوں کے لئے مجلس میں جگہ دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ دنیا میں مدد اور حسن ذکر سے اسے بلند کرتا ہے اور آخرت میں بہشت کے بالا خانوں میں جگہ بناتا ہے کیونکہ جو تواضع کرتا ہے اسے اللہ تعالیٰ بلند کرتا ہے اور جو تکبر کرتا

۱۰۔ قاضی خان نے صرف بال مبارک کی بے ادبی کر کفر کا فتویٰ دیا۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ)

۱ اذا عاب الرجل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی شئی کان کافر او کنا قال بعض العلماء لو کان لشعر النبی شعیر فقد کفر و عن ابی حفص الکبیر من عاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم بشعرۃ من شعر اتاہ الکریمتہ فقد کفر و ذکر فی الاصل ان شتم النبی کفر و لو قال جن النبی ذکر فی نوادر الصلوۃ انہ کفر (فتاوی قاضی خان ص ۸۸۲ ج ۴)

ترجمہ اگر کسی مرد نے کسی چیز میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو عیب لگایا وہ کافر ہو جائے گا اور اسی طرح بعض علماء نے فرمایا کہ اگر حضور کے بال کو تصغیر شعیر کہا تو کافر ہو گیا۔ امام ابو حفص کبیر سے منقول ہے کہ جس نے حضور کے مبارک بالوں سے کسی بال کو عیب لگایا وہ بے شک کافر ہو گیا مبسوط میں مذکور ہے کہ حضور کو گالی دینا کفر ہے نوادر الصلوۃ میں مذکور ہے کہ جس نے کہا نبی علیہ الصلوۃ والسلام پہ جنون طاری ہوا بے شک وہ کافر ہو گیا۔

نبی علیہ السلام کو اپنے جیسا کہا تو واجب القتل ایک ظالم عشر وصول کرنے والے نے ایک مرد کو ستایا کہ ٹیکس دے اور کہا میرے ظلم کی شکایت بیشک حضور سے کر دینا اور یہ بھی کہا کہ میں نے اگر سوال کیا ہے یا جاہل رہا تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام بھی۔

(بعض امور سے بے خبر) جاہل رہے اور انہوں نے بھی سوال کیا اس پر امام ابو عبد اللہ بن عتاب نے اس کے قتل کا فتویٰ دیا۔ (شفاء شریف ص ۲۱۰ ج ۲)

ان فتاویٰ پر اکتفاء کر کے اب اپنے دور کے مدعیان الام سے صرف اتنی گزارش کرتا ہوں کہ مخالفین کی عبارات بے ادبی صریح پر مشتمل۔ تم خود جانتے ہو تو پھر ان سے صلح کیسی۔ (حاشیہ ختم)

marfat.ocm

ہے اسے اللہ تعالیٰ گراتا ہے رفعت سے مطلق رفعت مراد ہے جو رفعت صوری و معنوی ہر دونوں کو شامل ہے۔

والذین اوتوا العلم اور وہ جو علم دیئے گئے اور ان میں سے بالخصوص علماء کو رفعت بخشتا ہے۔ یہ عطف الخاص علی العام سے ہے تاکہ دلیل ہو کہ علماء کرام کی بڑی شان اور ان کا مرتبہ بلند ہے یہاں تک کہ ایسے محسوس ہو کہ گویا وہ جنس دیگر ہیں۔

درجات درجے یعنی طبقات بلند اور اونچے مراتب بسبب اس کے کہ وہ علم و عمل کے جامع ہیں کیونکہ علم اپنی بلندی درجہ کی وجہ سے عمل کا متقاضی ہے۔ ایسی مزید رفعت کو مقترن ہے جس کی منزل کو خالی از عمل نہیں پہنچ سکتا اگرچہ وہ علم میں کتنا ہی بہترین صلاحیت کا حامل ہو اسی لئے علماء کے افعال کی اقتداء کی جاتی ہے ان کے غیر کے افعال کی اقتداء نہیں۔

فائدہ اس تقریر سے معلوم ہوا کہ درجات میں معطوف الیہ کے لئے درجات میں کوئی شرکت نہیں جیسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ منکم پر کلام مکمل ہو گیا اور اَلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ فعل مضمر میں منصوب ہے۔ یعنی یرفع سے درجات کا منصوب ہونا نزع الخافض سے کہ دراصل الی درجات یا مفعول مطلق ہے اور اس کا مضاف محذوف ہے کہ دراصل رفع درجات تھا یا اسم موصول سے حال ہے یعنی وہ صاحب درجات ہیں۔ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ اور تمہارے کردار سے خبیر با خبر ہے عالم ہے اس سے کوئی شے مخفی نہیں نہ اس کی ذات جنساً و نوعاً اور نہ اس کی کیفیت با اعتبار اخلاص و نفاق و ریاء و سمعۃ و شہرت اور نہ اس کی کمیت باعتبار قلت و کثرت کے وہ تمہاری کشادگی اور جگہ دینے کے لئے اٹھنے اور اس میں تمہاری نیات کو جانتا ہے اسی لئے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ضائع نہ ہوں گی۔

فائدہ بعض نے کہا یہ جملہ تہدید ہے اس کے لئے جو امر الٰہی کی تعمیل نہیں کرتا یا اسے بجالاتا ہے تو ناخوش ہو کر۔

سبق لازم ہے مجالس میں کشادگی اور طاعت الٰہی بجالانا اور علم کی طلب۔

مسئلہ آیت سے علماء کے وقار کا پتہ چلا کہ مجالس میں ان کی تقدیم ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مقدم

بنایا اور بلند مقام بخشا اور درجات عالیہ عطا فرمائے۔

فضائل علماء

حدیث شریف حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی روشنی تمام ستاروں پر۔

صوفیانہ معنی عالم سے مراد باقی باللہ اور عابد سے مراد فانی فی اللہ ہے (التاویلات نجمیہ) اور عین المعانی میں فرمایا علم سے مکاشفہ مراد ہے یعنی جس علم کی فضیلت حدیث شریف میں آئی ہے اس سے مکاشفہ مراد ہے یعنی حضور ﷺ نے فرمایا عالم کی عابد پر وہی فضیلت ہے جو مجھے امتی پر حاصل ہے (اس سے علم مکاشفہ مراد ہے) کیونکہ علم معاملہ عمل کے تابع کیونکہ عمل کے ثبوت کیلئے علم شرط ہے اس لئے کہ عمل تب عبادت بنتا ہے جب علم معاملہ میں مقترن ہو اسی لئے بعض نے کہا عابد علم کے بغیر چکی والا گدھا ہے جو نیکی کے ارد گرد چکر لگا رہا ہے کہ بت کلفی دیر گھومنے کے باوجود مسافت طے نہ کر سکا۔

علم چنداں کہ بیشتر خوانی
چوں عمل در تو نیست نادانی

(علم جتنا زیادہ پڑھو جب عمل نہ ہو تو تم نادان ہو) **انتباہ** جہاں علم کی تعریف ہے اس سے باعمل علم مراد ہے۔

رفعت آدمی بعلم بود
ہر کرا علم بیش رفعت بیش

قیمت ہر کہ بدانش اوست
سازو افزوں بعلم قیمت خویش

(آدمی کی رفعت علم سے ہے جسے جتنا زائد علم اتنا رفعت زیادہ۔
ہر ایک کی قدر و منزلت دانش ہے علم اپنی قیمت خود بڑھاتا ہے)

کسی بزرگ نے فرمایا۔

مرا بتجربہ معلوم گشت آخر حال
کہ عز مرد بعلم است و عز علم بمل

marfat.ocm

(تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ انسان کی عزت علم اور علم کی مل سے ہے۔

فائدہ کسی دانشور نے فرمایا تھا کہ اس نے کچھ نہ پایا جس سے علم فوت ہو گیا اور اس نے سب کچھ حاصل کر لیا جسے علم نصیب ہوا۔

فائدہ جو علم عمل سے عاری ہے اس کا انجام ذلت و خواری کے سوا کچھ نہیں۔

فائدہ حضرت الزہری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ علم نر ہے اسے ذکورۃ الرجال ہی حاصل کر سکتی ہے (یعنی جوان موی ہے علم حاصل کرنا بے علم بمنزلہ (عورت کمزور کے ہے)

علماء کی شفاعت حضرت مقاتل نے فرمایا کہ مومن جب جنت کے دروازے پر پہنچے گا تو اسے فرشتہ کہے گا تو بہشت میں جا اس لئے کہ تو عالم نہیں (یعنی اکیلا جا) جب عالم پہنچے گا تو اسے کہا جائے گا ٹھہریئے دوسروں کی شفاعت کیجئے۔

فضیلت علم حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مجھے یہ زیادہ محبوب ہے کہ کوئی دین کا مسئلہ سمجھ لوں اس سے کہ سو رکعت نوافل پڑھوں اور مجھے یہ زیادہ محبوب ہے کہ میں ایک مسئلہ دینی سمجھوں اس سے کہ ایک ہزار رکعت نوافل پڑھوں۔

طالب علم شہید حضرت ابو ہریرہ و حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ہم نے رسول اکرم ﷺ کو فرماتے سنا کہ جب طالب علم پر موت آتی ہے (حالانکہ وہ اس وقت علم کی طلب میں تھا اور مر گیا) تو وہ شہید ہے۔

فائدہ جمیع درجات یا باعتبار تعدد اصحاب درجات کے ہوں گے کہ ہر عالم ربانی کا بلند درجہ ہو گا یا باعتبار کا فرق ہو گا جس کا ہر درجہ تیز رفتار گھوڑا ستر سال میں طے کر سکے گا۔

فائدہ الحضر (بضم الحاء المہملہ) گھوڑے دوڑتے وقت اونچا ہونا) الجواد یعنی تیز رفتار گھوڑا۔ المضمر (طاقت ور

گھوڑ) اس لئے کہ کہ اسے اتنا گھاس کھلایا جائے کہ وہ موٹا ہو جائے پھر اسے قوت والی خوراک شروع کی جائے اور یہ چالیس دنوں کے بعد ہوتا ہے۔ المضار وہ جگہ جہاں گھوڑے دوڑائے جائیں اور گھوڑے کی دوڑ کا تماشا نظارہ دیکھا جائے۔

تفسیر عالمانہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اے خالص ایمان والو! اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ جب تم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گفتگو کرو۔ المناجاۃ بمعنی ایک دوسرے کے ساتھ گفتگو کرنا۔ اب معنی یہ ہوا جب تم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بعض ایسے امور میں پوشیدہ بات کرو جو پوشیدہ معاملہ ہے۔ اور راز کی گفتگو مطلوب ہے یعنی اگر تم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ راز کی بات کرنا چاہتے ہو۔

فائدہ بعض تفاسیر میں ہے کہ ان سے پوشیدہ طور اپنے خواب کی تعبیر پوچھنا چاہتے ہو۔

مسئلہ اس میں اشارہ ہے کہ مقتدیوں کا اپنے معاملات کو مقتداؤں کو پیش کرنا لازم ہے تاکہ وہ ان کی صحیح تعبیر کریں بالخصوص عظیم واقعات اور خواب وغیرہ میں ارباب سلوک کا یہی دستور رہا ہے یہاں تک کہ حکم ہے کہ مرید پر لازم ہے کہ اپنا امر اپنے مرشد کی خدمت میں پیش کرے۔ شیخ اسے کچھ بتائے یا نہ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم فرماتا ہے کہ امانتیں ادا کرو ان کے اہل کو۔

مرید کے پاس بھی ایک امانت ہے۔ جو وہ اپنے مرشد کی خدمت میں پیش کرے کیونکہ یہ اس کا اپنا بڑا فائدہ ہے بلکہ سلوک میں اسے بہت بڑی قوت نصیب ہو گی۔

مسئلہ تعبیر میں بھی بہت بڑی تاثیر ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خواب کا اثر وہی مرتب ہو گا جس طرح تعبیر ہو گی فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ تو مقدم کرو اپنی سرگوشی سے پہلے صدقات یعنی پہلے مستحق کو صدقہ دو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا عرب کو افضل نعمت عطا ہوئی ہے وہ شعر ہے جسے ضرورت سے پہلے کریم کے سامنے پیش کرتا ہے تو کریم بارش کی طرح اس پر دراہم و دنانیر برساتا ہے اور اس سے بخیل کا بخل ظاہر ہوتا ہے یہ استعارہ تخلیہ ہے مستعار ہے اس سے جس کے دو ہاتھ ہوں۔ نجواکم استعارہ

marfat.ocm

بالکلیہ و بین یدیہ تحلیہ ہے۔

فائدہ بعض تفاسیر میں ہے کہ جب تم ارادہ کرو خواب کی تعبیر پوچھنے کا تو صدقہ کرو اس سے پہلے تاکہ وہ تمہارے امور کے لئے قوت و نفع ہو۔

شان نزول جب عوام نے حضور نبی پاک ﷺ کو بار بار کے سوالات سے اکتا دیا اور نہایت ہی ملال میں ڈال دیا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں تقدیم صدقہ کا حکم فرمایا کہ میرے محبوب ﷺ سے گفتگو کرنے سے پہلے صدقہ دو تو یہ آیت نازل ہوئی۔

فائدہ اس آیت کے نزول کے بعد بہت سے لوگ حضور سرور عالم ﷺ سے گفتگو سے رک گئے۔ فقیر تو تنگی کی وجہ سے اور غنی بخل کی وجہ سے۔

شان کمال آیت میں رسول اللہ ﷺ کی تعظیم و تکریم کا بیان ہے اور ساتھ ہی فقراء کے نفع کا ذکر ہے اور زیادہ سوال کرنے سے رکاوٹ کا بیان ہے اور منافق اور مخلص کے درمیان امتیاز کا اظہار ہے اور اس سے معلوم ہوگا کہ محب دنیا کون ہے محب آخرت کون۔

مسئلہ اس میں اختلاف ہے کہ کیا یہ امر ندب کا ہے یا وجوب کا اگر وجوب کا تو ءَاَشْفَقْتُمْ (الآیۃ) سے منسوخ ہے وہ اگرچہ تلاوت کے لحاظ سے اس آیت کے متصل ہے لیکن نزول کے لحاظ سے موخر ہے جیسے ناسخ کا قاعدہ ہے کہ وہ منسوخ سے مؤخر ہوتا ہے۔

فائدہ بعض نے کہا اس کے نسخ میں صرف ایک گھنٹہ کی تاخیر ہوئی لیکن ظاہر یہ ہے کہ اس کی تاخیر دس دنوں تک ہوئی جیسا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا کہ قرآن مجید میں یہی آیت ہے جس پر میرے سوا کسی نے عمل نہ کیا اور نہ میرے بعد کوئی عمل کرے گا کیونکہ اس آیت کے نزول کے وقت میرے پاس صرف ایک دینار تھا جسے میں نے خرچ کر کے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ راز و نیاز کی بات کی (اس کے بعد یہ آیت منسوخ

ہو گئی یعنی اس کا وجوب منسوخ ہو گیا لیکن اس کا استحباب باقی ہے) (اویسی غفرلہ)

ایک روایت میں ہے کہ میں نے اس دینار کے بدلے دس دراہم لئے جب بھی حضور سرور عالم ﷺ سے بات کرتا تو ایک درہم خرچ کرتا دس دنوں تک دس علوات کا سوال کیا اور دس دراہم خرچ کئے جیسے الکلبی نے کہا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے دس دراہم میں دس زریں اقوال سیکھے۔ یہ اس وقت ہے جب اسے وجوب پر محمول کیا جائے۔

سوال دس دن گزر جانے کے باوجود دوسرے کسی صحابی رضی اللہ عنہ کو بات کرنے کا موقع نہ ملا تعجب ہے حالانکہ بڑے اغنیاء صحابہ بالخصوص سیدنا صدیق اکبر و سیدنا عمر و سیدنا عثمان و دیگر جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کہاں رہے۔

جواب ۱ یہاں خصوصی بات کرنا مراد ہے جو بغیر پوچھے حل نہ ہو سکے۔ جیسے تناجی (سرگوشی) کا دستور ہے ان اغنیاء و صحابہ رضی اللہ عنہم کو ایسے سوالات کی ضرورت ہی پیش نہ آئی۔ اگر اس خواب کی تعبیر مراد ہو تو بھی جواب ظاہر ہے کیونکہ بعض اوقات دس ایام کیا کئی ماہ انسان کو بغیر خواب کے گزر جاتے ہیں۔

جواب ۲ یا رسول اللہ ﷺ ہیبت و رعب سے ویسے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سہمے رہتے تھے (تفصیل کے لئے دیکھئے فقیر کی کتاب (باادب صحابہ) بالخصوص اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس قسم کا حکم آیا تو سمجھا۔ اس اہمیت کی ہمت کہاں ممکن ہے ہم کسی بے ادبی کے مرتکب ہو جائیں تو سوال نہ کرنا بھلا۔[لہ]

[لہ] باقی رہا رسول اللہ ﷺ پر مال کا خرچ کرنا (اللہ اللہ) اس میں صحابہ کرام کی مثال کہاں بالخصوص صدیق اکبر و عثمان غنی و فاروق و دیگر جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کی داستانیں کتابوں میں موجود ہیں۔ دہرانے کی ضرورت نہیں اسی لئے اس سے کوئی ضعیف الاعتقاد صحابہ رضی اللہ عنہم کی مخالفت امر پر محمول کرتا ہے تو اس کی شومی قسمت ہے یہاں شیعوں نے صحابہ کرام بالخصوص خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم پر جی بھر حملے کئے لیکن لاحاصل کیونکہ ان پر اعتراض تب ہوتا جب انہوں نے کبھی رسول اللہ ﷺ پر کچھ خرچ نہ کیا ہو۔ وہاں مال کیا شے تھی وہ جان ۔ آل ۔ اولاد ۔ ماں ۔ باپ ۔ کنبہ برادری قربان کرنے کو ہر وقت تیار رہے تھے اور بارہا کر چکے تھے۔ مزید تفصیل تفسیر اوسی ملاحظہ (اویسی غفرلہ۔ حاشیہ ختم

marfat.ocm

ازالہ وہم مفسرین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ کوئی گمان نہ کرے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سوا دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم ایسے موقعہ پر خرچ کرنے سے کیوں پیچھے رہے۔ خبردار خبردار بدگمانی نہ کرنا ہرگز نہ کرنا اس لئے ان حضرات کی قربانیاں ڈھکی چھپی نہیں۔ چنانچہ سیدنا ابوبکر صدیق و عثمان رضی اللہ عنہما ہزاروں کے ہزار دراہم و دنانیر خرچ کر دیتے اور ایک بار نہیں کئی بار تو کیا وہ صرف ایک دینار کے خرچ کرنے سے پیچھے ہٹ سکتے تھے۔ ایسے ہی دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو سمجھئے خلاصہ یہ کہ انہیں ایسا موقعہ ہی پیش نہ آیا جو سرگوشی کا متقاضی ہو۔

سوال دس دن گزر گئے کسی نے کوئی بات بھی نہ کی۔ ورنہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اسے فخر و ناز سے بیان نہ کرتے حالانکہ پانچ وقت تو نمازیں ساتھ پڑھتے ہوں گے۔

جواب بات تناجی (سرگوشی) کی ہے عام بات کی بات نہیں سرگوشی ایک خاص امر ہے جو ضرورت کے وقت پیش آتا ہے ار خاص کی نفی سے عام کی نفی نہیں ہوتی (جیسے اصول تفسیر کا قاعدہ[۱] ہے)

---

[۱] جواب از اویسی غفرلہ یہ ایک خصوصیت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو دوسرے چند خصوصیات کی طرح آپ سے مخصوص ہوتا نہ خلافت بلافصل ثابت ہو سکتی ہے اور نہ افضلیت نہ اصحاب ثلاثہ جیسے اصول اسلام کا قاعدہ ہے تو اس میں کون سا حرج ہے اگر دیگر صحابہ کرام کو خصوصیت نہ ملی تو اس سے شیعہ مذہب کا کونسا گنبد تیار ہو گیا۔ یہ ایسے ہے جیسے تزویج فاطمہ رضی اللہ عنہا و فتح۔ خیبر وغیرہ وغیرہ اور بعض صفات مفضول میں ہوں تو ان صفات کی وجہ سے اپنے سے افضل ذات فاضل تر نہیں ہو جاتا مثلاً حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھئے کہ خضر علیہ السلام مفضول ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام افضل لیکن علم لدنی حضرت خضر علیہ السلام سے موسیٰ علیہ السلام کو حاصل کرنا پڑا تو اس سے کب لازم آگیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خضر علیہ السلام بڑھ گئے۔ تفصیل کے لئے فقیر کی کتاب "آئینہ مذہب شیعہ" دیکھئے۔ (حاشیہ ختم)

marfat.ocm

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شفقت برامت مصطفیٰ ﷺ

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور سرور عالم ﷺ نے مجھے بلا کر فرمایا آپ کی کیا رائے ہے کہ یہ سرگوشی ایک دینار میں ہو۔ میں نے عرض کی زیادہ ہے فرمایا۔ آدھ دینار عرض کی زیادہ اس کی بھی اتنی طاقت نہیں رکھتے فرمایا تو پھر کتنا ہو میں نے کہا ایک گندم کا دانہ یا جو کا فرمایا انک لزھیدہ تو وہ ہو جو زہد کی وجہ سے تھوڑے مال والے ہوں۔ کہ اس میں زہد دکھا رہے ہیں لیکن یہ تمہاری قدرت و طاقت پر ہے تمہیں اہل ایمان کی شفقت سے کیا۔

فائدہ حبہ یا شعیرہ سے (ہم نے ترجمہ گندم کا دانہ اور جو کا دانہ لکھا اگرچہ وہ بھی درست ہے) لیکن صحیح یہ ہے کہ اس سے سونے کی مقدار مراد ہے۔

خصوصیات علی المرتضیٰ پر بعض صحابہ کا رشک رضی اللہ تعالیٰ عنہم

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تین خصوصیات ایسی ہیں کہ ان میں سے کاش مجھے ایک بھی نصیب ہوتی تو میرے لئے بہترین اور نفیس ترین مال سے مرغوب تو تھا۔ وہ تین خصوصیات یہ ہیں۔

---

[1] یہاں خوارج دور حاضر کے مخالفین اہلبیت سوال اٹھائیں گے کہ معاذاللہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بخل سے کام کیا اور نہ سرکار دو عالم ﷺ کے دیدار پر انوار اور آپ سے راز و نیاز کی گفتگو کی قیمت صرف ایک دانہ گندم 'یا جو تو جس طرح شیعہ اصحاب ثلثہ رضی اللہ تعالیٰ کی جہت واحدہ دیکھ کر اعتراض جڑ دیتے ہیں ایسے ہی خوارج کا حال تھا اور ہے۔ سنی خوش قسمت ہے کہ وہ صحابہ کرام کا نیاز مند ہے تو اہلبیت عظام رضی اللہ عنہم کا بھی اسی لئے ان کی طرف سے توجیہات صحیحہ نکال کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عزت کو بے داغ و بے غبار ثابت کرتا ہے تو اہلبیت عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی بھی تو یہاں بھی یہی بات ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ نے بخل سے نہیں بلکہ امت مصطفویہ پر شفقت کا اظہار فرمایا۔ (اویسی غفرلہ)

marfat.ocm

۱۔ تزویج فاطمہ رضی اللہ عنہا

۲۔ غزوہ خیبر میں انہیں جھنڈا دیا۔

۳۔ آیۃ النجوی پر عمل

فائدہ حمر النعم بسکون المیم۔ الحمر عرب کے نفیس ترین اموال اور شے کی عظمت کے اظہار کے وقت اسے ضرب المثل کے طور استعمال کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اس سے بڑھ کر عظیم تر اور کوئی شے نہیں۔

مسئلہ یہ جو بعض لوگ بادشاہوں اور روسا پر مال نچھاور کرتے ہیں اسی آیت سے حاصل کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مال نچھاور کرنا اپنے محبوب ﷺ کے لئے سکھایا ہے جیساکہ فرمایا یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ذٰلِكَ یہ صدقہ کرنا خَیْرٌ لَّكُمْ تمہارے لئے بہتر ہے اے مومنو! اسے روک رکھنے سے بہتر اس لئے ہے کہ صدقہ دینے سے مال میں افزونی ہوتی ہے۔ واطھر اور تمہارے لئے زیادہ پاک اور ستھرا ہے یعنی شک کے غبار اور بخل کی میل سے جو مال سے اٹھتا ہے کہ مال سب دنیا کا عظیم ترین شے بلکہ ہر خطاء کا سرچشمہ ہے اور اطہر اس لئے کہ وہ گناہوں کو مٹاتا ہے اور یہ دلیل ہے اس کی کہ یہ امر ندب کا ہے لیکن اگلا جملہ وجوب ثابت کرتا یعنی فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ اگر نہ پاؤ مال تو بیشک اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔

فائدہ وجوب اس لئے ثابت ہوتا ہے کہ ترخیص (صدقہ نہ کرنے کی رخصت) اس کے لئے تھی جو مناجات میں مال نہ رکھتا ہو (اگر رکھتا ہو تو پھر رخصت نہیں اسی لئے فرمایا کہ اس کے لئے غفور و رحیم ہے کہ صدقہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اور مناجات (سرگوشی) کا بھی خواہش مند ہے کیونکہ ایسے کمزور پر بھی واجب ہے تو تکلیف مالایطاق لازم آتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ بعض اہل ارادہ نے فرمایا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مریدین کو ادب سکھایا کہ وہ اپنے

marfat.ocm

سے اعتقاد ہو تو محبت و ارادت ضروری ہے کیونکہ ایسا اعتقاد اور محبت و ارادت ان کے مریدین باصفا کے لئے شرط ہے ان کے قلوب کے لئے بھلائی اور ان کے نفوس کے لئے زیادہ پاکیزہ اگر کوئی مرید ان کے حقوق کی ادائیگی میں کمزور ہو لیکن ان پر اعتقاد کامل رکھتا ہے اور ارادت میں کسی قسم کی کمی نہیں کرتا اور وہ سمجھتا ہے کہ ادائیگی حقوق میں میری کمزوری ہے اور یہ میرا ایک قصور ہے۔ ایسے مریدین کے لئے اللہ تعالیٰ ان کی تقصیرات سے درگزر فرمائے گا کیونکہ وہ ان کے ساتھ مہربان ہے بلکہ اپنے لطف و کرم سے ایسے کمزوروں کو اکابر کے مراتب تک پہنچادے گا۔

چہ سودائے شیخ فزوں خرمن طاعت
چو نتوانی کہ یکجو از وجود خویش گاہے

ترجمہ اے شیخ ہر آن طاعت کے ڈھیر جمع کرنے کا کیا فائدہ جب تو ایک جو مقدار اپنا قربان کرنے کو تیار نہیں۔

تفسیر عالمانہ أَأَشْفَقْتُمْ أَنْ تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَاتٍ (کیا تم سے یہ کام دشوار ہے کہ تم اپنی مناجات سے پہلے صدقات دو)

حل لغات الاشفاق ناگوار امر سے خوف کرنا استفہام تقریری ہے کیونکہ بعض نے مناجات کا ترک ناگواری سے بھی اگرچہ ان کا ایسا کرنے سے امر الٰہی کی مخالفت ثابت نہیں ہوئی (جیسے علم اصول التفسیر کا قاعدہ ہے) صدقات صدقہ کی جمع ہے۔ یہ خطاب جملہ مخاطبین کو ہے۔

نکتہ اس آیت صدقات صیغہ جمع اور آیت اول میں صیغہ واحد میں اشارہ ہے کہ پہلی آیت میں عمل کرنے کے لئے تھوڑی شے بھی کفایت کرتی اور دوسری آیت کثرت صدقات کثرت تناجی اور مناجات کنندہ کی طرف اشارہ ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اگر تم اے ذاکرو تمہیں مناجات سے قبل تقدیم صدقہ سے فقر کا خوف ہے اس معنی پر اختصار کے پیش نظر مفعول محذوف ہے اور أَنْ تُقَدِّمُوا دراصل لان تقدموا تھا۔ معنی خفتم التقدیم۔ تم تقدیم سے ڈرتے ہو اس لئے کہ تمہیں شیطان فقر سے ڈراتا ہے شاعر نے کہا۔

---

[1] سچے اور صحیح پیر اور جو دکاندار رسمی ہیں بلکہ ظلم یہ ہے کہ شریعت کے صراحۃً خلاف عمل کرتے ہیں ایسوں کو دینا گناہ ہے)

marfat.ocm

هون عليك ولا تولع باشفاق　　فانما المال للوارث الباقی

ترجمہ　خود پر نرمی کر دُور کے ساتھ حرص نہ کر کیونکہ ہمارے اموال تو اس وارث کو ملیں گے جو ہمارے بعد ہو گا۔

فاذلم تفعلوا　وہ جو تم حکم دیئے گئے ہو جب نہ کرو گے اور تمہیں یہ ناگوار ہے اور تمہارے سے یہ کام نہ ہو سکا۔

وَتَابَ اللّٰہ　اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول کرلے گا کہ تمہیں رخصت دے گا کہ تم یہ کام نہ کرو اور تمہارے سے صدقہ کی تقدیم ساقط کر دے گا۔

فائدہ　یہ حقیقۃً توبہ کی قبولیت کی دلیل نہیں اور نہ ہی اسے اس پر محمول کیا جائے کہ ان سے غلطی ہوئی تو اللہ تعالیٰ توبہ کی خوشخبری سنا رہا ہے اس لئے کہ ان سے اس حکم کے حق میں کوتاہی ہوئی ہی نہیں کیونکہ ان کی مناجات بانبی ﷺ اس وقت ہوئی جب حکم منسوخ ہو چکا تھا۔

مسئلہ　اشفاق ان کے لئے ذنب ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے معافی کا پیام بخشا کہ یہ کام بالقوۃ اس طرح ہو گا تو اس کا قائم مقام توبہ کو کھڑا کر دیا۔ اس معنی پر　اذ　ظرفیہ اپنے معنی میں اسے مجاز کی طرف لے جانے کی ضرورت نہیں۔ اب معنی یہ ہوا کہ تم نے جو گزرے وقت میں کیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے تم سے در گزر فرمایا اب تم جو تمہیں آئندہ حکم ہو اس پر مستعدی سے اس کا تدارک (جبر نقصان) کرو۔

فائدہ　بعض نے کہا　اذا　بمعنی اذا　(مستقبل کے لئے) ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے قول　اِذِالْاَغْلَالُ فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ　جب زنجیر ہوں گے ان کی گردنوں میں۔ میں اِذْ بمعنی اِذَا ہے یا بمعنی ان شرطیہ ہے اور یہی ماقبل کو قریب ہے لیکن ان میں یہ ہے کہ وہ وقوع اور لا وقوع دونوں کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔

فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ　تو نماز قائم کرو اور زکوۃ دو۔ یہ اس کے قول　فَاِذْلَمْ تَفْعَلُوْا　کا سبب ہے۔ اب معنی یہ ہے کہ تمہارے سے تقدیم صدقات کے امر کے متعلق کم ہو گئی ہے تو اب اس کا تدارک اقامت نماز اور زکوۃ کی ادائیگی سے کرو۔

marfat.ocm

اطیعوا الرسول اطاعت کرو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول اللہ ﷺ کی ان کے تمام اوامر میں کیونکہ نماز زکوۃ کا قائم کرنے والا گویا اپنی کوتاہی اور کمی اور نقصان پورا کرنے والا ہے یہ تخصیص کے بعد تعمیم ہے۔ نفع کی تکمیل و تتمیم کے لئے ہے وَاللّٰہُ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ اور اللہ تعالیٰ عالم تمہارے اعمال ظاہر و باطنہ کو اس سے کوئی چھپی ہوئی شے مخفی نہیں اس پر تمہیں جزاء دے گا اس لئے وہی عمل کرو جس کا تمہیں حکم ہو صرف اس کی رضاجوئی میں اس میں ریاء و سمعہ نہ ہو اور اس کی طرف زاری کرو اس کے عذابوں سے ڈرتے رہو۔ بالخصوص جمعہ کی جماعت کو بالالتزام ادا کرو اور وہ ان دعاؤں پر مدامت کرو جو نبی پاک ﷺ سے مروی ہیں مثلاً

اَللّٰھُمَّ طَھِّرْ قَلْبِیْ مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلِیْ مِنَ الرِّیَاءِ وَلِسَانِیْ مِنَ الْکِذْبِ وَعَیْنِیْ مِنَ الْخِیَانَۃِ اِنَّکَ تَعْلَمُ خَائِنَۃَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرِ

ترجمہ اے اللہ میرا دل نفاق سے اور میرا عمل ریاء سے اور میری زبان جھوٹ سے اور میری آنکھ خیانت سے پاک کر تو آنکھ کی خیانتوں اور وہ جو سینوں میں چھپا ہے جانتا ہے۔

فائدہ دوسرے اذکار اور امر بالطاعۃ کے دیگر امور سے نماز و زکوۃ کی تخصیص ان کے علو شان اور بلند قدری کی دلیل ہے کیونکہ نماز رئیس الاعمال بدنیہ اور جمیع انواع عبادات (قیام، رکوع، سجود، قعود، تعوذ، بسملہ، قراۃ، تسبیح، تحمید، تہلیل، تکبیر اور صلوۃ و سلام (علی النبی ﷺ) دعا جو عبادت کا مغز ہے کی جامع ہے اسی لئے اس کا نام صلوۃ ہے بمعنی دعا لغۃ اور یہی عبادت الہیہ میں سے ایک عبادت ہے اور آسمان و زمین کے جملہ عابدین کی عبادت کے ساتھ محفوظ ہے یہی وجہ ہے جو اس کا تارک ہے وہ محروم ہے نمازیوں کو مبارک ہو! اور ان کے تارکین کو عذاب۔ زکوۃ بھی ام الاعمال المالیہ ہے اس سے دنیا میں مال بڑھتا اور قلب بخل کی غبار اور حرمت کی خباثت سے پاک ہوتا ہے اسی لئے زکوۃ بمعنی طہارت ہے کہ اس سے دنیا میں مال خود بخود بڑھتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات میں برکت دیتا ہے۔ اور آخرت میں اضافہ ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے دوگنا دیتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جس نے کسب حلال سے ایک کھجور خرچ کی اور اللہ پاک مال قبول کرتا ہے تو

marfat.ocm

اسے اللہ تعالیٰ دائیں ہاتھ (قدرت) قبول کرلے تو اس کی اللہ تعالیٰ اس طرح پر پرورش کرے گا جیسے تمہارا ایک گھوڑے کے بچے کی پرورش کرتا ہے یہاں تک کہ وہ احد پہاڑ (شریف) جتنا ہو جاتا ہے۔

فائدہ اس تقریر زکوۃ کا الزکاۃ ہو بمعنی النماء یعنی زیادہ۔

بوستان میں ہے۔

بدنیا توانی کہ عقبیٰ خری — بخرجان من ورنہ حسرت خوری
زرو نعمت آید کے را بکار — کہ دیوار عقبیٰ کند زرنگار

(دنیا سے تو آخرت خرید سکتا ہے اے جان من خرید لے ورنہ حسرت کھائے گا)

زرو نعمت کام آئے گی کہ جس سے آخرت کی دیوار کو سنہری بنایا جائے۔

تفسیر عالمانہ الم تر کیا تو نے نہیں دیکھا۔ یہ ان منافقین کے معاملہ سے تعجب دلاتا ہے جنہوں نے یہودیوں سے یارانہ بنا رکھا تھا انہیں کو اپنا خیر خواہ سمجھتے تھے اور ان کو اہل ایمان کے اسرار سے آگاہ کرتے اور یہ خطاب رسول اللہ ﷺ کو یا ہر اس کو ہے جو بھی یہ کلام سمجھے اور رؤیہ کا الی سے متعدی ہونے سے بمعنی النظر ہو گیا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ کیا تو نے نہیں دیکھا۔ الی الذین تولوا ان کو جنہوں نے یارانہ بنالیا ہے۔

حل لغات التولی بمعنی الموالات ہے نہ بمعنی الاعراض یعنی دوستی کی۔ قَوۡمًا غَضِبَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ ایسی قوم سے جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب کیا ہے یعنی یہود جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا من العنہ اللہ و غضب علیہ وہ جس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی اور اس نے اس پر غضب کیا۔

حل لغات الغضب نفس کی حرکت اس کا مبدا انتقام کا ارادہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف جب منسوب ہو تو رضا کی نقیض یا ارادہ انتقام یا تحقیق اور الوعید یا دردناک گرفت اور سخت قسم کی پکڑ یا ہتک الاسرار یا نار سے تعذیب یا تغیر النعمت مراد ہوتی ہے۔

ماھم نہیں وہ جس سے تم نے دوستی کی۔ منکم تم میں سے فی الحقیقت ولا منھم اور نہ ان سے جس

marfat.ocm

قوم پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے کیونکہ وہ منافق ہیں وہ ان کے درمیان میں مذبذب ہیں اگرچہ وہ فی الواقع کافر ہیں لیکن ابھی یہود سے بھی نہیں کیونکہ ان کا وہ اعتقاد نہیں جو یہودیوں کا ہے اور نہ ہی ملا ان کے اطوار میں پورے ہیں کیونکہ منافقین تو جہنم کے نچلے گڑھے میں ہوں گے یہ جملہ مستانفہ ہے۔ وَيَحْلِفُونَ عَلَى الْكَذِبِ اور وہ جھوٹی قسم کھاتے ہیں۔

حل لغات حلف بمعنی کسی قسم سے عہد کرنا محالفہ بمعنی معاہدہ حلف دراصل اس یمین کو کہتے ہیں کوئی ایک دوسرے عہدے پھر ہر یمین پر اس کا اطلاق ہونے لگا یعنی منافقین کہتے ہیں واللہ انا المسلمون بخدا ہم مسلمان ہیں۔ کذب جس پر قسم کھائی گئی وہ ہے دعوائے اسلام اس کا عطف تو لوا پر ہے اور تعجب کے حکم میں ہے مضارع کا صیغہ تکرر و تجدد قسم کی وجہ سے ہے کہ موافق تکرر مقتضا کے وھم یعلمون اور وہ جانتے ہیں کہ وہ جس دعویٰ پر قسم کھا رہے ہیں وہ جھوٹ ہے یہ قسم یمین غموس کی طرح ہے۔ یمین غموس وہ ہے جو زمانہ ماضی میں کسی فعل کے کرنے نہ کرنے پر عمداً جھوٹی قسم کھا جائے۔ اسے غموس اس لئے کہتے ہیں کہ یہ قسم کھانے والے گناہ میں پھر جہنم میں ڈبو دیتی ہے۔

سوال منافقین کی قسم کو غموس کیوں نہیں کہا جاتا؟

جواب غموس میں شرط ہے فعل ماضی کی اور منافقین کی قسم زمانہ حال میں ہے اور جملہ یحلفون کے فاعل سے حال ہے جو مفید ہے ان کے کئے ہوئے عمل کی کمال شناعت کے لئے کیونکہ جو عمداً قسم کھائی جائے وہ نہایت ہی قبیح ہے۔

فائدہ اس تقلید میں دلالت ہے کہ یہ کذب عام ہے اس کو کہ مخبر عدم مطابقت للواقع کو جانتا ہے اور اس کو کہ اسے وہ نہیں جانتا یہ قید نظام اور جاحظ پر حجت ہے (تفصیل علم معانی ہے)

شان نزول حضور سرور عالم ﷺ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم کے کسی حجرہ میں رونق افروز تھے تو خود

marfat.ocm

ہی فرمایا ابھی ایک شخص آنے والا جس کا قلب سرکش ہے اور دیکھتا شیطان کی آنکھ سے اس پر عبداللہ بن نبتل (بتقدیم النون علی الباء الموحدۃ بھوں جعفر) اور وہ نیلی آنکھوں والا تھا۔ آپ نے اسے فرمایا تو اور تیرے ساتھی مجھے گالی (مذمت) کیوں دیتے ہو کہا بخدا میں نے ایسا نہیں کیا آپ نے فرمایا تو نے کیا ہے پھر وہ ساتھیوں سمیت اٹھ کر چلا گیا اور سب قسمیں کھاتے نکلے کہ ہم نے اپ کو گالی نہیں دی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

فائدہ اس روایت سے محلوف علیہ (جس پر قسم کھائی گئی) ان کا گالی نہ دینا ہے۔

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے تیار کیا ہے جب اسی کے **عَذَابًا شَدِيْدًا** سخت عذاب دنیا میں خواری ورسوائی اور آخرت میں آتش دوزخ اور عذاب سے ایک قسم کا عظیم عذاب نوعیۃ عذابا کی تنکیر سے ہے اور التعظیم کی صفت عذاب کے شدت کے لئے ہے۔

اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ بیشک برا ہے وہ جو عمل کرتے ہیں یعنی جس پر ٹوٹ گئے اور اصرار کیا تمرن بمعنی ڈٹ جانا اور اس پر استمرار اس طرح جیسے کہ زمانہ حال میں ہیں برے عمل میں یہ کلن سے ثابت ہوا کہ یہ وہ زمانہ ماضی پر دلالت کرتا ہے یعنی ان کا برا طریقہ پہلے بھی ہے اور ایسے ہی رہے گا۔

اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ انہوں نے قسموں کو بنالیا۔ یعنی فاجر قسموں جو ضرورت کیوقت کھاتے ہیں اور یمین حلف کے معنی میں لیا مستعار ہے۔ یُدٗ (سیدھے ہاتھ) سے اس پر سہارا کرتا ہے قسم کھانے والا یا معاہدہ کرنے والا۔

جُنَّةً ڈھال یعنی وہ شے جو اپنے صاحب کو چھپائے یعنی ڈھال۔ اب معنی یہ ہوا کہ بچاؤ اور پردہ جس سے اہل ایمان سے اور جن کو انہوں نے قتل کیا اور مال لوٹا۔ چھپتے ہیں یعنی ایسی پناہ کہ ان کا خون و مال پناہ میں رہے۔ اس تقریر میں اتخاذا بمعنی ان کا تیار کرنا اور خود تیار رہنا تاوقت ضرورت جھوٹی قسموں کے لئے تاکہ قسمیں کھا کر خود کو مواخذہ سے بچالیں نہ یہ اتخاذ بمعنی ان کا استعمال کرنا یا الفعل مراد نہیں کیونکہ وہ تو مواخذہ مسبوقہ بوقوع الجنایۃ والخیانۃ سے مؤخر ہے واتخاذ الجنۃ کا مواخذہ اور اس کے سبب سے بھی پہلے ہونا ضروری ہے۔ جیسے آنے والی آیت کی فاء سے واضح ہوتا ہے۔

فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ تو انہوں نے لوگوں کو روکا اور پھیرا اللہ کی راہ سے یعنی اس کے دین سے ان کے

marfat.ocm

امن و سلامتی میں خلل ڈال کر دخول اسلام کے لئے آنے والوں کو بزدل بنا کر اور مشہور کر کے کہ مسلمانوں کا معاملہ نہایت کمزور ہے۔

فَلَهُمْ تو ان کے بسبب ان کے کفر اور ان کے روکنے (مذکور) کے عَذَابٌ مُّهِينٌ خوار کرنے والا عذاب ہے۔ اہل محشر کے سامنے انہیں رسوا کرنے والا عذاب۔ یہ دوسری وعید ہے عذاب کی وصف سے بعض نے کہا پہلے عذاب سے عذاب قبر اور اس دوسرے سے عذاب آخرت مراد ہے۔

لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَآ أَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ ہرگز نہ بچائیں گے ان کے مال اور نہ ان کی اولاد اللہ تعالیٰ کے عذاب سے شیئا کچھ تھوڑا سا۔

حل لغات أَغْنَىٰ عَنْهُ بمعنی كَفَاهُ اسے کفایت کیا یعنی وہ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں مذکور بچاؤ کے لئے اور جب وہ جہنم میں داخل ہوں گے تو انہیں نہ مال بچائیں گے نہ اولاد جن کی یہ دنیا میں حفاظت کرتے اور اس پر فخر کرتے ہیں اور کہتے ہیں اگر سچ اور حق ہے جو حضرت محمد عربی (ﷺ) کہتے ہیں تو ہم عذاب کو اپنے سے دور کریں گے اموال و اولاد کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے انہیں اس آیت سے جھٹلایا کہ قیامت کا وہ دن ہے جس میں کسی کو نہ مال نفع دے گا نہ اولاد نہ کوئی کسی کو کسی ایک معاملہ میں (سوائے اہل ایمان کے)

أُولٰٓئِكَ وہ جن کے صفات قبیحہ مذکور ہوئے برہان القرآن میں واؤ کے بغیر ہے۔ یہ پہلے جملوں کے اور اللہ تعالیٰ کے قول (أُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ) کے موافق ہے۔

أَصْحَابُ النَّارِ دوزخی ہیں اس میں ہمیشہ رہنے والے اور اس میں گزارنے گویا اس کے مالک کہ ان کو وہاں کی حاصل ہوئی اور ان برائیوں کی جزا ملی جو انہوں نے دنیا میں کیں جنہوں نے انہیں تباہ کر کے عذاب تک پہنچایا۔

هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ہمیشہ تک وہاں سے خارج نہ ہوں گے۔ ھم ضمیر تقویہ اسناد کے لئے اور رعایت فاصلہ کے لئے ہے نہ کہ حصر کے لئے کیونکہ ان کے ماسوا اور کو بھی خلود حاصل ہوگا اور وہ ہیں منافقین کے غیر یعنی کفار وغیرہم۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيعًا اسی دن ان سب کو اللہ تعالیٰ اٹھائے گا یعنی یاد کیجئے اس دن کہ اللہ تعالیٰ تمام

marfat.ocm

منافقین کو قبور سے اٹھائے گا اور مرنے کے بعد زندہ کرے گا۔

جَمِيعًا مفعول کی ضمیر سے حال ہے بمعنی مجموعین۔ فَيَحْلِفُونَ تو قسمیں کھائیں گے اس دن یعنی قیامت میں لَهُ اللہ تعالیٰ کے لئے اس بات پر وہ خالص مخلص مسلمان تھے چنانچہ دوسرے مقام پر اس کی تصریح ہے۔ وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ بخدا ہمیں اپنے پروردگار کی قسم ہم مشرک نہ تھے۔ کمایحلفون لکم جیسے وہ دنیا میں تمہارے لئے قسمیں کھاتے ہیں وَيَحْسَبُونَ اور آخرت میں گمان کریں گے۔

حل لغات اس کا مصدر الحبان ہے یعنی ایک دو نقیضوں کا حکم لگانا بغیر اس کے دونوں میں سے کوئی ایک دوسری کو حائل نہ ہو سکے پھر وہ اسے خیال میں لائے اور انگلی پر گنے اور یہ ایک شک کی حالت ہے جو بندے کو عارض ہوتی ہے اس کو ظن قریب ہے لیکن ظن (گمان) میں یہ ہے کہ دو نقیضیں معارض ہوں تو ایک کو غلبہ ہو۔ انہم بیشک وہ بوجہ جھوٹی قسموں کے۔ عَلٰى شَيْءٍ وہ کسی شے پر ہیں۔ نفع پا رہے ہیں یا نقصان دفع کر رہے ہیں جیسے وہ دنیا میں سمجھتے تھے کہ جھوٹی قسموں کے ذریعے اپنے سے اور مال سے مدافعت کرتے اور اس طرح سے دنیوی فوائد حاصل کرتے۔

الا انہم ہم الکاذبون خبردار بیشک وہ جھوٹے ہیں بہت سخت جھوٹے۔ جھوٹ کی ایسی انتہا اس کے بعد کوئی جھوٹ نہیں یعنی علام الغیوب کے سامنے بھی جھوٹ کی جسارت کریں گے اور گمان کریں گے کہ ان کی جھوٹی قسمیں اللہ تعالیٰ کے سامنے ان کا جھوٹ کامیاب ہو جائے گا جیسے وہ عام غافل لوگوں سے کامیاب ہو جاتے ہیں۔

الا حرف تنبیہ کا ہے ان کی شدت منافقت اور اس میں انہماک پر تنبیہ ہے اور یہ اس میں کتنا مبتت ہے کہ اسے نہ زندگی میں چھوڑتے ہیں اور نہ مرنے کے بعد چنانچہ فرمایا وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا دنیا میں لوٹائے جائیں تو خود کریں گے اس طرف جس سے وہ روکے گئے اس لئے کہ وہ جھوٹے ہیں۔

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ مسلط کیا ہے ان پر شیطان کو۔

حل لغات حذت الابل میں نے اونٹ پر غلبہ پایا اور میں نے اسے جمع کیا اور اسے آہستہ چلایا۔ اب معنی

marfat.ocm

یہ ہوا کہ غلبہ پالیا ان پر شیطان نے ان کا مالک ہوا اپنی طاعت کرانے کے لئے جس طرح وہ ان سے چاہے یہاں تک اس نے انہیں گویا اپنا رعایا بنایا اور اپنے گروہ میں شامل کرلیا اور ان ابواب صرفیہ سے ہے جو اپنے اصل پر آئے ہیں جیسے استصوب و استوق (علی خلاف القیاس) کیونکہ قیاس کا تقاضا تھا کہ استحاذ ہو۔ استعمال کے لحاظ سے استحوذ فصیح ہے اور قیاس کے لحاظ سے شاذ ہے۔

فائدہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے استحاذ بھی پڑھتے سنا گیا ہے۔ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ تو شیطان نے انہیں اس اللہ تعالیٰ کا ذکر سے خاموش کرا دیا۔ ذکر مصدر مضاف بسوئے مفعول ہے یعنی شیطان کا غلبہ ان کا ذکر الٰہی کو بھول جانے سے ہوا کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کو قلوب ور السنۃ (زبانوں) سے یاد نہ کیا تو ان پر شیطان مسلط ہوا۔

اُولٰٓئِكَ وہ منافقین جو موصوف ہیں اوصاف قبائح مذکورہ سے حِزْبُ الشَّيْطٰنِ شیطان کے گروہ ہیں۔ یعنی وہ اس کا لشکر و اتباع ہیں کہ اس کے ابرو اشارہ پر چلتے ہیں۔ حزب وہ فریق جسے ایک مذہب یکجا جمع کرے۔ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ خبردار بیشک شیطان کا گروہ وہی خسارہ والے ہیں یہ گروہ ایسے گھاٹے سے موصوف ہے کہ جس کی انتہا نہیں کہ ان بیچاروں نے خود کو دائمی نعمتوں سے محروم کردیا اور اس کے بدلے دردناک عذاب لیا۔

تفسیر صوفیانہ بعض مشائخ (اللہ تعالیٰ ان کے بلند مراتب اور بلند کرے) نے فرمایا کہ بندے پر شیطان کے تسلط کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ ظاہری تعمیر مثلاً کھانے پینے پہننے میں مشغول رہے اور اس کا دل کسی وقت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس پر برکتوں کے تفکر کی طرف متوجہ نہ ہو اور نہ ہی ان نعمتوں کا شکر ادا کرے اور زبان کو بجائے ذکر الٰہی کے کذب 'لغو 'غیبت و بہتان میں ملوث رکھے اور کان بجائے حق سننے کے سماع ہو اور بکواسات میں لگائے رکھے

دوسری تفسیر صوفیانہ بعض اہل اشارہ نے فرمایا کہ جب شیطان نفس امارہ کی کلر والی زمین میں حنظل شہوت بونا چاہتا ہے تو پہلے خود اس میں گھستا ہے پھر اسے اپنی مراد کے پورا کرنے پر اکساتا ہے یہاں تک کہ نفس شیطان کے لئے بمنزلہ سواری کے ہو جاتا ہے پھر وہ قلب کے شہر پر حملہ کرکے اسے یوں خراب کرتا ہے کہ اس میں ظلمت

marfat.ocm

تسبید اخل کر دیتا ہے اسی لئے تم ایسے قلوب ذکر الٰہی اور اس کے صفات کی جگہ نہ پاؤ گے۔ جب ایسا قلب ذکر الٰہی سے محجوب ہو جاتا ہے تو وہی دل شیطان اور اس کے لشکر کا وطن بن جاتا ہے اور یہ ملعون ایسے انسان پر غلبہ پا جاتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ پر موقوف ہے لیکن اس کے ارادہ کا سبب شیطان ملعون کا دھوکہ اور تزئین ہے۔ مثلاً وہ سب سے پہلے دینی امور کو دنیوی امور میں التباس (ملاوٹ) پیدا کرتا ہے اور علم کے طریق سے ہی گمراہ کرتا ہے کیونکہ جسے علم کے دقائق و اسرار نصیب نہ ہوں اس کا شیطان رفیق بن جاتا ہے اس کے ہاں پھر نہ فرشتہ (ہمزاد) رہے گا نہ رب رحمان یعنی اس کی توجہ خاص کیونکہ حق و باطل کا اجتماع نہیں ہو سکتا۔

نظر دوست نادر کند سوئے تو　　　چو در روئے دشمن بود روئے تو
ندانی کہ کمتر نہد دوست پائے　　　چو بیند کہ دشمن بود در سرائے

(دوست تیری طرف بالکل نگاہ نہ کرے گا جب تیرا رخ دوست کے دشمن کی طرف ہو۔ تجھے معلوم نہیں کہ دوست اس گھر میں قدم نہیں رکھتا جس گھر میں دشمن ہو)

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ بیشک وہ جو اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ سے دشمنی اور ان کے حکم کی مخالفت اور ان کے حدود سے تجاوز کرتے ہیں اور ان کے ساتھ وہی کرتے ہیں جو اپنے مخالف کے ساتھ زمین کے جھگڑے میں کرتا ہے تو ایک گروہ غالب ہو جاتا ہے تو وہ اپنی زمین کی حد بندی کر دیتا ہے کہ اس کا خصم اس کے آگے نہ بڑھے گا لیکن آپس میں لڑنے والوں کا خیال ہوتا ہے ہم کثرت میں ہیں اور بہت بڑی طاقت و قوت کے مالک ہیں ہمارا خصم کچھ نہ کر سکے گا لیکن یہاں اللہ تعالیٰ سے مقابلہ کرنے کا حال کچھ اور ہے جن کے غرور و دھوکہ کی نفی اللہ تعالیٰ نے یوں فرمائی۔

اولٰئک وہی مخالف دور والے قریب والے جنہوں نے بھی مخالفت کی۔ فی الاذلین وہ ذلیلوں میں ہیں یعنی اولین و آخرین مخلوق میں سب سے ذلیل ترین ہیں تو یہی ہیں کیونکہ قاعدہ ہے مخالف کی ذات بالمقابل کے عزت کی مقدار میں ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی عزت غیر متناہی ہے ایسے ہی جو اس کا مخالف ہے اس کی ذات بھی ایسے ہی جیسے دنیا نے دیکھا کہ وہ دنیا میں قیدی ہوئے اور آخرت میں جہنم کے عذاب میں مبتلا ہوں گے خواہ وہ مخالف فارس کے ہیں

marfat.ocm

یا روم کے بہت بڑی شوکت کے مالک ہیں یا بادشاہ وہ کافر ہیں یا فاسق۔

كَتَبَ اللّٰهُ (اللہ تعالیٰ لکھ چکا) یہ جملہ مستانفہ ہے۔ بتانا چاہتے ہیں کہ وہ ذلیل کیوں ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہو چکا اور لوح میں ثبت ہو گیا۔ اب جو جاری ہو گا اس کا سرچشمہ وہی ہے جو اب یہ کہہ رہے ہیں وہ پہلے لکھا جا چکا۔

لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ ضرور میں غالب آوں گا اور میرے رسل (علیہم السلام) یہ ان کے اس فاسد گمان کا رد ہے جو خیال میں تھے کہ ہم بکثرت ہیں اور قوت بھی ہمارے پاس ہے (اور یہ مسلمان چند ایک اور وہ بھی فقیر و مسکین)

فائدہ غلبہ سے مراد حجت و سیف ہے یا ان میں سے کوئی ایک کیونکہ یہ تلوار سب انبیاء (علیہم السلام) کے لئے ثابت نہیں کیونکہ بعض ان میں جنگ کے لئے مامور بھی نہیں ہوئے۔ ہاں حجت تمام انبیاء علیہم السلام سے ثابت ہے کہ وہ دنیا و آخرت میں عاقبت حمیدہ کے ساتھ فائز رہے۔

فائدہ زجاج نے کہا کہ غلبہ رسل دو قسم ہے۔

۱۔ جو جنگ کا حکم لے کر آئے تو وہ جنگ سے غلبہ پا گئے۔

۲۔ جو جنگ کا حکم لے کر نہ آئے وہ حجت سے غالب ہوئے ہاں اگر غلبہ کے ساتھ حیف بھی مل جائے تو مزید قوی ہو جاتا ہے۔

محالست چوں دوست دارد ترا   کہ در دست دشمن گزارد ترا

(محال ہے کہ جب تجھے دوست پیار کرتا ہے تو پھر وہ تجھے دشمن کے ہاتھ میں دے)

شان نزول مقاتل سے ہے کہ اہل ایمان نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں مکہ و طائف و خیبر اور ان کے ارد گرد فتح دے دی ہے تو امید ہے کہ وہ ہمیں روم و فارس پر بھی فتح بخشے گا۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی سلول نے کہا کہ تم (اے مومنو!) روم و فارس کی فتح کے خیال میں ہو کیا ہوا کہ تم نے یہ چند بستیاں فتح کر لیں وہ ملک تو بڑے ہیں ان کے پاس لشکر بھی بڑا اور ساز و سامان بھی بے شمار۔ تم ایسے ملکوں کا تصور تک نہ کرو اللہ تعالیٰ نے یہی آیت کتب اللہ الخ نازل فرمائی۔

marfat.ocm

تفسیر صوفیانہ حضرت البقلی قدس سرہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اول سے ہی اپنے ذمہ کرم لکھا ہے کہ وہ اپنے کو ان کے ظاہری باطنی دشمنوں شیاطین پر غلبہ دے گا اور انہیں نصرت ولایات کے جھنڈے عطا کرے گا اس حیثیت سے کہ ان کے جھنڈے ظاہر ہوں گے اور جھنڈوں سے مراد یہ ہے کہ ان کے چہروں سے نور ہیبت حق کا چمکتا نظر آئے گا۔ دشمنوں کے لئے اور انکے دشمن بتائید الٰہی اور بہ نصرۃ حق مغلوب ہو جائیں گے۔

فائدہ حضرت ابو بکر بن طاہر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اہل حق کو ہمیشہ غلبہ رہے گا اور حق کے جھنڈے اپنے غیروں کے تمام جھنڈوں سے سبقت کر جائیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مخلوق میں اپنے اعلام اور زمین کے اوتاد اور بندوں کے جائے پناہ (مفزع) اور اپنے شہروں کی آبادی بنایا ہے جو بھی ان کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے منہ کے بل گرا کر ذلیل و خوار کر دیتا ہے اور اس کی ظاہری عزت کو خاک میں ملا دیتا ہے۔

ان اللہ بیشک اللہ تعالیٰ۔ یہ اس کے قہر و غلبہ کی تعلیل و تاکید ہے کیونکہ ان کے افعال اللہ تعالیٰ کے دوستوں کے سامنے ایسے ہیں جیسے ایک نہایت کمزور اور ضعیف انسان کے ہوتے ہیں۔

قوی قوت والا ہے اپنے انبیاء علیہم السلام کی مدد کرنے پر۔ بعض نے کہا قوی وہ ہے جس کی ذات و صفات و افعال میں ضعف لاحق نہ ہو اور نہ ہی اسے تھکان ہو نہ تکلیف اور نہ اس میں کوتاہی و کمی اور نہ عجز نہ نقص اور نہ جعلی قوت۔ بعض نے کہا قوۃ دراصل بنیاد کی شدت اور اس کی صلابت (سختی) کو کہا جاتا ہے اس کی نقیض ضعف ہے جب اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو تو اس سے قدرت مراد ہوتی ہے (عزیز) وہ کہ جس کی مراد پر کسی کو غلبہ نہیں۔

حکمے کہ آں ز بارگہ کبریا بود کس را دراں مجال تصرف کجا بود

(وہ حکم جو بارگاہ کبریا سے ہو کسے طاقت کہ اس میں تصرف کر سکے)

سوال جب اللہ تعالیٰ قوی غیر عاجز ہے تو پھر بعض اوقات مسلمانوں کو شکست کیوں ہوئی حالانکہ اس کا وعدہ ہے کہ وہ ان کی مدد کرے گا۔

جواب ملنا 'نصرۃ' 'غلبہ' شریف منصب ہے کافر کے ہرگز لائق نہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ کبھی تکلیف میں مبتلا کرتا ہے مسلمانوں کو تو کبھی کافروں کو کبھی غلبہ دیتا ہے انہیں تو کبھی انہیں اگر وہ ہمیشہ کفار مشکلات میں

پھنسے رہیں اور مسلمانوں کو چین ہی چین تو پھر یہ علم ضروری بن جاتا حالانکہ یہ دنیا آزمائش کا گھر ہے اسی لئے مختلف اطوار بدلتے رہتے ہیں تاکہ مسلمان صحت اسلام پر دلائل قائم کر کے اسلام پہ قائم رہیں اسی طرح مسلمانوں کے اجرو ثواب میں بھی اضافہ ہوگا۔ علاوہ ازیں انسان سے غلطی سے معصیت کا ارتکاب ہو ہی جاتا ہے تو یہ تکالیف اس کے گناہوں کو صاف کرنے کا سبب بن جاتی ہیں بلکہ ان سے قلوب کو تطہیر نصیب ہوتی ہے۔

ازالہ وہم ہاں کفار پر شدائد و تکالیف وہ از قبیل غضب الٰہی ہیں اس کی مثال طاعون ہے کہ یہی مرض مومنوں کے لئے رحمت اور کافروں کے لئے عذاب ہے۔

تفسیر صوفیانہ کسی پر عدل کا اجراء ہوتا تو پھر فضل بھی لاحق ہو جاتا ہے ایسے ہی فضل نصیب ہوتا ہے تو کبھی عدل کے آثار بھی آ جاتے ہیں لیکن یہ بھی ہے کہ دونوں اثرات متعلق ہوں صرف بواطن میں اور ایک ظاہر سے متعلق ہوتا ہے دوسرا باطن سے کبھی دونوں کے تعلق کا اختلاف حالت واحدہ میں ہوتا ہے۔ کبھی بالبدل ہوتا ہے جتنا مقدار پہلے کا اثر ہوگا اتنا ہی لاحق کا ہوگا لیکن یاد رکھئے کہ اپنے اصفیاء کے ظواہر پر تو عدل کے اثرات متعلق فرماتا ہے لیکن ان کے بواطن ایسے اثرات سے محفوظ ہوتے ہیں۔ ہاں ان پر ظواہر پر عدل کے اثرات کے بعد ظواہر و بواطن پر ہی فضل کے آثار ہی آثار جاری فرماتا ہے یہاں تک یہ قاعدہ حکمت ایسے سے ہو چکا کہ زمین کے ممالک ضعیفوں کے سپرد فرمادیئے جیسے نجاشی وغیرہ۔ اور اس کی مثالیں موجود ہیں اور بے شمار ہیں تلاش کی جائیں تو بکثرت مل جائیں گی۔

فائدہ حکیم کی تربیت کا کمال ہے کہ جس کا مرتبہ بلند کرنا چاہتا ہے تو اس کے ظواہر پر امور عدل کا اجراء فرماتا ہے تاکہ بواطن کی تکمیل اور مدارک میں تنویر اور وجود کی تعبیر و تہذیب و تلویب' وغیرہ وغیرہ نصیب ہو جس کے فوائد اہل تربیت کو معلوم ہیں۔

فائدہ اکابر کے احوال از آدم علیہ السلام تا ایندم تتبع کیا جائے تو بہت سے خوش قسمت حضرات ایسے ملیں گے جو صحت و عافیت کے بجائے ابتلاؤ آزمائش میں زیادہ لذت محسوس کرتے ہیں یہی اکابر اولیاء کی نشانی ہے۔

ہرچہ از دست تو آید خوش بود گر ہمہ دریائے پر آتش بود

marfat.ocm

(جو کچھ دوست سے بنصیب ہو وہ اچھا ہے اگرچہ تمام دریا آگ کا بنا کر تجھ پر بہلایا جائے)

دوسری تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے لعدائے نفوس کافرہ کی طرف کہ وہ موافقت وارواح کو مخالفت شریعت و موافقت طبیعت پر ابھارتے ہیں اور ذکر قلوب کی الواح سے مٹاتے ہیں۔ محبت دنیا اور اس کی شہوات کے غلبہ سے لیکن اللہ تعالی ارواح و قلوب کی نصرت و تائید فرماتا ہے یہاں تک کہ یہ نفوس کافرہ پر غلبہ پا جاتے ہیں۔ ذکر کے سطوات سے تو نفوس کو بے انتہا ذلت و خواری نصیب ہوتی ہے۔ جیسے اہل ذمہ کو اہل اسلام کے بلاد میں وہ اس لئے کہ اللہ تعالی نے صحائف استعدادات میں لکھا کہ ارواح و قلوب کو نفوس پر غلبہ دے گا اور یہ اس کا محض فضل و کرم ہے اور بس۔

تفسیر عالمانہ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ نہ پاؤ گے ان کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ تعالی اور یوم آخرت پر۔ یہ خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے یا ہر جو بھی ایسے لوگوں کو پالے۔

حل لغات تجد یا تو متعدی بدو مفعول ہے اس معنی پر يُوَادُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اس کا مفعول ثانی ہے یا متعدی بیک یایں طور کہ یہ بمعنی صادف ہے تو پھر یہ اس کے مفعول سے حال ہے کیونکہ وہ اپنی صفت (یومنون) سے مخصوص ہو گیا ہے۔

المواداۃ بمعنی المحابۃ مفاعلہ ہے۔ **المودۃ** بمعنی المحبۃ یہ ایک حالت ہے اولا قلب میں ہوتی ہے پھر اس کے آثار قالب (جسم) میں ظاہر ہوتے ہیں۔ من حاداللہ ورسولہ سے منافقین و یہود و نصاری۔ فساق۔ ظالمین مبتدع (بدمذہب) مراد ہیں۔ نفی الوجدان سے نفی المواداۃ ہے مطلب یہ ہے کہ ایسا کبھی نہ ہو گا بلکہ یوں سمجھو کہ ممتنع و محال ہے اگرچہ تمام مخلوق اس کی تلاش میں لگ جائے جس کے وجود کے نہ ہونا اس طرف اشارہ کرتا ہے اس میں کسی قسم کی خیر و بھلائی نہیں ہے۔

مسئلہ یہ بھی ہے کہ یہاں کامل الایمان لوگ مراد ہیں جس پر سیاق کلام دلالت کرتا ہے کہ ایسا نہ پایا جانا ایک حقیقت ہے

marfat.ocm

صلح کلیوں کے لئے حوالاجات ۱۔ کشف الاسرار میں ہے کہ خبر میں ہے کفار کی دوستی سے ایمان میں گڑبڑ ہو جاتی ہے ایسے ہی وہ (دین کے ٹھیکیدار) جو کفار کے حکم میں ہیں یعنی مرتد فرقہ۔

۲۔ حضرت سہل بن عبداللہ تستری قدس سرہ نے فرمایا کہ جس نے ایمان درست کیا اور اسے خالص توحید نصیب ہوئی تو وہ مبتدع (بدمذہب) سے مانوس نہ ہو گا (جو مانوس ہو تو گویا اس کا ایمان ناقص ہے جیسے ہمارے صلحکلی حضرات کا کام) اویسی غفرلہ۔

۳۔ ایمان والا نہ اس کے ساتھ کھاتا ہے نہ اس کے ساتھ پیتا ہے نہ اس کے ساتھ بیٹھتا ہے بلکہ اپنے تئیں اس کے ساتھ بغض و عداوت کا اظہار کرتا ہے (لیکن صلحکلی بدمذہب سے دوستی کا دم بھرتا ہے) اویسی۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

۴۔ جو بدمذہب سے معمولی سی نرمی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دل سے سنن کی حلاوت چھین لے گا اور جو متبدع (بدمذہب) سے محبت کرتا ہے کسی دنیوی عزت کی طلب میں یا کسی اور غرض سے تو اللہ تعالیٰ اسے عزت ذلت میں ذلت کرے گا اور اسی دنیوی امور کی غرض کے حصول کے بجائے تنگ دست کرے گا۔ ([illegible])

(حاشیہ صفحہ گذشتہ)

صلحکلیوں کی جڑ کٹ جائے خدا کرے۔ مجھے اس سے لکھنے میں ذرہ برابر بھی باک نہیں کہ کہہ دوں کہ دور حاضر میں دین و اسلام کو جتنا صلحکلی قسم کے لوگ اجاڑ رہے ہیں اتنا یہودیوں کو بھی نہیں ملا لیکن وہ ہمیں کوستے ہیں کہ تم لوگ ہمیں غیروں تک اسلام پہنچانے میں روڑے اٹکاتے ہیں ہم انہیں کہتے ہیں اپنے گھر کو آگ لگا کر دوسرے کے جھونپڑے پر چھپر ڈالنا کونسی نیک نامی ہے بھلے مانسو! تمہاری شہرت کو تو واقعی چار چاند لگ رہے ہیں لیکن ذرہ پیچھے تو مڑ کر دیکھو کہیں تم اپنا وہ ذی شان مکان تو اپنے ہاتھوں نہیں ڈھا رہے ہو جسے تمہارے اکابر و اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ نے مالی و جانی قربانیاں دے کر تیار کیا۔ مجھے پہلے تو یقین نہیں کہ تم غیروں کو اپنا ہمنوا بنا سکو لیکن یہ یقین ہے کہ تمہارے آگے بڑھنے سے تمہارے اصلی مکان بھی تم سے چھن جائے گا پھر وہی حالت ہو گی۔

لَاۤ اِلٰى هٰۤؤُلَاۤءِ وَلَاۤ اِلٰى هٰۤؤُلَاۤءِ

(اب صاحب روح البیان قدس سرہ کے بیانات ملاحظہ ہوں وہ کیا فرماتے ہیں۔ حاشیہ ختم) اویسی غفرلہ

۵۔ جو بدمذہب (مبتدع) کے سامنے اسے خوش کرنے کے لئے ہنستا ہے اللہ تعالیٰ اس کے قلب سے نور ایمان چھین لے گا (افسوس ہے کہ بدمذاہب کے ساتھ ہمارے صلحکلی حضرات کا اس ارشاد کے مطابق کیسا ہے خود سوچئے۔ اویسی غفرلہ۔

چیلنج مذکورہ بالا قول صاحب روح البیان قدس سرہ لکھ کر فرماتے ہیں کہ من لم یصدق فلیجرب[۲] (جو نہیں مانتا وہ تجربہ کر لے) (روح البیان ص ۲۴۰ ج ۹)

فائدہ یاد رہے کہ صاحب روح البیان نے چند حوالے لکھے آگے چل کر واقعات لکھے وہ ضرور پڑھیں۔ اویسی غفرلہ۔

مسئلہ ان کے ساتھ بیع و شراء علاوہ یا ان کی ہمسائیگی یا ان سے ایسی موافقت جو دین کی ضرر رساں نہ ہو تو حرام نہیں بلکہ کبھی مستحب بھی ہے۔

فائدہ ابن الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا دشمنان خدا کی دوستی اور اللہ جل جلالہ و رسول ﷺ کی دوستی جمع نہیں ہو سکتیں۔

(حاشیہ [۱] آج نہ سہی تو کل قبر میں کیونکہ قرآن مجید کا فیصلہ ہے مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا جو تیرے ذکر سے روگردانی کرے گا تو اس کی معیشت تنگ ہوگی) مفسرین نے فرمایا آج نہ سہی تو پھر قبر اس کی تنگ ہو اور تا یوم النشور غم کے آنسو بہائے گا۔ اس سے صلحکلیوں کے سوال کا جواب ہے کہ ہم نے تو جب سے یہ دھندا کیا ہے تب سے ہماری پرواز لندن امریکہ سے بھی آگے ہے۔ اویسی غفرلہ۔ حاشیہ ختم)

[۲] **فقیر اویسی غفرلہ کا تجربہ** فقیر اویسی غفرلہ نے ان صلحکلیوں کو سر تا پا آزمایا ہے کہ ان کا نور ایمان ان کے دلوں سے رخصت ہو گیا ہے کہ اب وہ نہ اپنے اساتذہ کی مانتے ہیں نہ اکابر ائمہ کی اپنی من مانی منواتے ہیں یہی نور ایمان ضائع ہونے کی گہری نشانی ہے کیونکہ حضرت مولانا رومی قدس سرہ صدیوں پہلے فرما گئے۔

بے ادب محروم ماند از فضل رب

marfat.ocm

سوال از صلحکلی تمام امت کا اتفاق ہے کہ ان سے مخالفت اور معاملات (لین دین) معاشرہ جائز ہے تو قرآن مجید میں کس مودۃ سے روکا جارہا ہے۔

جواب از صاحب روح البیان اس سے وہ دوستی مراد ہے جس سے انہیں دینی و دنیوی منافع پہنچانا بالخصوص جبکہ کھلا کافر ہو ان کے ماسوا لیکن دین دنیوی جائز ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم ﷺ اپنی دعا میں کہا کرتے۔ اللھم لاتجعل لفاجر عندی نعمتہ "اے اللہ فاجر کی میرے پاس کوئی نعمت مقرر نہ فرما" کیونکہ میں وحی میں پاتا ہوں۔ لاتجدقوماً الخ

مسئلہ آیت سے معلوم ہوا کہ اس میں فاسق و فاجر اور ظالم سب داخل ہیں بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ ورسول ﷺ کی مخالفت کرتے ہوں۔

ائمہ مذہب کا بدمذاہب سے سلوک حضرت امام مالک رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسی آیت سے استدلال کیا کہ قدریہ (فرقہ) سے عداوت اور ان کی مجلس میں اٹھنا بیٹھنا ترک لازم ہے۔ قدریہ فرقہ وہ ہے جو منکر ہے خیر و شر مقدر من اللہ کل۔ ان کا عقیدہ تھا کہ ہر بندہ اپنے فعل کا خود خالق ہے وہ کفر و معاصی اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے منکر تھے چونکہ اس مسئلہ میں سختی سے انکار کرتے تھے اسی لئے اس نام سے موسوم ہوئے۔ بعض نے کہا کہ وہ اس نام سے موسوم ہوئے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ بندہ اپنا فعل خود ایجاد کرتا ہے لیکن یہ وجہ تسمیہ قدری کے لئے موزوں نہیں ورنہ قدری (بضم القاف) سے موسوم ہوں۔

(حاشیہ = یہ فرقہ کوئی معمولی نہ تھا اور نہ ہی جاہلوں کا ٹولہ تھا بلکہ ایک بہت بڑا گروہ تھا اور پایہ کے محدث۔ مفسر۔ مفکر۔ فقیہ ادیب تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں ہی پیدا ہو گئے اور اسلامی ممالک میں کافی پھیل گئے اور بہت زوروں پر اپنا مشن چلایا لیکن حق مذہب اہلسنت ہے اسی لئے باوجود بے سروسامانی کے جب سے ہے زندہ و تابندہ ہے اور انشاء اللہ تا قیامت زندہ و تابندہ رہے گا۔ لیکن افسوس ان صلحکلی کا ہے جو بدمذاہب سے حسن سلوک کا

(باقی حاشیہ آگے)

miarfat.ocm

ولو کانوا آبائهم اگرچہ ہوں ان کے آباء یعنی جو اللہ تعالیٰ ورسول ﷺ سے عداوت کرنے والے ان کے آباؤ اجداد ہی ہوں۔ **کانوا** جمع کا صیغہ باعتبار معنی **من** کے ہے جیسے پہلے واحد کا صیغہ اس کے لفظ کے اعتبار سے تھا۔ **آباءہُمْ** سے اللہ تعالیٰ جل جلالہ ورسول ﷺ سے محبت کرنے والوں کے اپنے آباء مراد ہیں۔ **وابنائهم** اور ان کے بیٹے۔ آباء کی تقدیم ان کی حرمت کی وجہ سے پھر بیٹوں کا ذکر ہے کہ وہ محبت میں محکم تر ہیں بہ نسبت اوروں کے۔ **أَوْ إِخْوَانَهُمْ** یا ان کے بھائی نسبی۔ **عشیرتهم** یا ان کے قبیلہ کے لوگ۔ عشیرہ وہ لوگ جن سے مل کر بکثرت ہوں۔ یعنی مل کر بمنزلہ عدد کامل کے ہو جائیں کیونکہ عشرہ عدد کامل ہے اسی معنی پر انسان کے اقارب کے لوگ جب جماعت بن جائیں تو وہ عشیرہ کہلائیں گے۔ العشیرہ والمعاشر قریب قریب ہیں یا عرف میں ایک ہیں۔ القاموس میں ہے عشیرۃ الرجل۔ انسان کے قریبی بنو الاب یا قبیلہ۔ یا وہ مومن جو دین سے منسلک ہیں یعنی وہ ان قریبی عزیزوں سے دوستی نہیں کرتے جو اللہ تعالیٰ جل جلالہ ورسول اللہ ﷺ سے بغض وعداوت رکھتے ہیں۔ جب ان کا ایسے قریب ترین عزیزوں سے ان کا یہ رویہ ہے تو پھر وہ غیروں کو کیا سمجھیں۔

مسئلہ ایمان کا تقاضا ہے کہ غیروں کو بالکل چھوڑ دے بلکہ ہو سکے تو انہیں قتل کر دے یا ان کے سات سختی سے پیش آئے (صلح کلی سبق حاصل کریں)

غیور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات الزام لگاتے ہیں کہ کسی سے عناد و بغض رکھنا اچھا نہیں ہم کہتے ہیں دشمن خدا اور رسول ﷺ سے بغض وعداوت عین اسلام ہے جو ان سے یارانہ دوستی کا دم بھرتا ہے وہ بے غیرت ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات ملاحظہ ہوں (اضافہ اویسی غفرلہ)

درس دیتے ہیں اور خود کو دین کا ٹھیکیدار سمجھ کر بد مذاہب سے نفرت کے درس دینے والوں کو کوستے ہیں۔ انہیں چاہئے پہلے ائمہ مذاہب کو کوسیں کیونکہ ان کے بعض ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم رِجَالٌ نَحْنُ رِجَالٌ۔

marfat.ocm

۱۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یوم بدر میں اپنے باپ الجراح کو قتل کیا۔

۲۔ حضرت عبد اللہ بن عبد اللہ بن ابی بن سلول (رضی اللہ عنہ) حضور ﷺ کے قریب بیٹھے تھے۔ حضور نبی پاک ﷺ نے اب نوش فرمایا حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔

یارسول اللہ ابق فضلتہ من شرابک یارسول اللہ ﷺ اپنے پس خوردہ سے نوازیئے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ ماتصنع بھا اسے کیا کرے گا۔

عرض کی۔

ابقیھا ابی لعل اللہ طیھر قلبہ

باپ کو پلاؤں گا ممکن ہے اس کا دل پاک ہو جائے۔

ففجل رسول اللہ ﷺ نے پس خوردہ انہیں عطا فرمایا۔ وہ اپنے باپ کے پاس آئے باپ نے پوچھا یہ کیا ہے کہا۔

فضلتہ من شراب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جئتک بھا لتشربھا لعل اللہ یطھر قلبک

ترجمہ رسول اللہ ﷺ کا پس خوردہ ہے آپ سے لے آیا ہوں تاکہ تم پیو ممکن ہے اس سے تمہارا دل پاک ہو جائے گا۔

بد بخت نے جواباً کہا۔[1]

ھل جئتنی ببول امک اپنی ماں کا پیشاب ہی لایا ہوتا۔

غیرت صحابی کا تقاضا حضرت عبد اللہ صحابی رضی اللہ عنہ حضور سرور عالم ﷺ کے حضور پہنچ کر عرض

---

[1] صحابی عبد اللہ کی عقیدت بھی دیکھئے وہابی عبد اللہ کی نحوست بھی دیکھئے کہ صحابی تبرک رسول اللہ ﷺ پر نازاں ہے۔ لیکن بد بخت وہابی آج بھی تبرک کو نجس کہنے سے باز نہیں آتا۔ آزما کر دیکھئے)

marfat.ocm

کی۔

ائذ کلی فی قتل ابی مجھے باپ کے قتل کرنے کی اجازت بخشیے۔

آپ نے فرمایا اس کے ساتھ نرمی اور احسان کر۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا باپ سے رویہ سیدنا ابو قحافہ رضی اللہ عنہ ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے تو ان سے حضور سرور عالم ﷺ کے حق میں ناشائستہ کلمات سرزد ہوئے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایسا زوردار تھپڑ مارا کہ زمین پر گر پڑے حضور نبی پاک ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا

او فعلہ اے صدیق کیا تم نے ایسا کیا تھا۔

عرض کی **نعم** ہاں۔

آپ نے فرمایا **فلا تعد** تو پھر ایسا نہ کرنا[1]۔

عرض کی۔ **واللہ لو کان السیف قریبا منی لقتلتہ** بخدا اگر میرے پاس تلوار ہوتی تو میں اسے قتل کر دیتا۔

---

[1] اس سے صلح کلی حضرات استدلال نہ کریں کیونکہ یہ اس وقت کا حکم ہے جب منافقین کو اپنے ساتھ ملائے رکھنے کا حکم تھا جب حتمی تمیز الخبیث من الطیب آیت اتری پھر سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد گرامی کے اسلام کا قصہ یوں ہے کہ ریاض النضرۃ جلد ۱ ص ۴۵ الاتحاف بحب الاشراف ص ۹ شرح ابن ابی الحدیہ جلد ۱۴ ص ۶۸ ابن حجر العسقلانی الشافعی الاصابۃ فی تمیز الصحابہ جلد ۷ ص ۱۱۲ و ص ۱۲۶ میں ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم لما فح ملتہ و دخلہا ابی بکر بابیہ ابی قحافہ عند النبی یسلم علی یدیہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان ابو قحافہ اعمی وذ آثبیتہ فلما اتی بہ قال لہ النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم الا ترکت الشیخ ای ایاہ حتی ناتیہ قال یارسول اللہ اردت ان یاجرہ اللہ عزوجل وفی رویتہ ھو احق ان یمشی الیک من ان تمشی الیہ ثم قال ابو بکر للنبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم اما والذی بعثک بالحق

بقیہ حاشیہ آئندہ

marfat.ocm

فائدہ التکملہ میں ہے اس روایت میں نظر ہے کیونکہ یہ سورۃ مدینہ ہے اور ابوبکر مع اپنے باپ کے اس وقت مکہ میں تھے (جب یہ واقع ہوا)

تردید از صاحب روح البیان رحمتہ اللہ علیہ فقیر (صاحب روح البیان رحمتہ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ یہ واقعہ اس قول پر صحیح ہے جس نے کہا کہ اس سورت کا عشرہ اول مدنی ہے باقی مکی ہے۔ اویسی غفرلہ عرض گزار ہے کہ واقعات مکہ میں ہوں یا جہاں آیات کی مناسبات سے مذکور ہوں تو کون سا حرج ہے یہ کوئی شان نزول تھوڑا ہے کہ واقعات کا اس کے ساتھ مناسبت ضروری ہو۔ فافہم ولا تکن من الغافلین۔

بیٹے سے مقابلہ یوم بدر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو مقابلہ کے لئے للکارا تو حضور سرور

لانا کنت اشد فرحا باسلام ابی طالب منی باسلام ابی جناب محب الدین خبری الشافعی ریاض النضرۃ جلد اص ۴۵ وغیرھم میں لکھتے ہیں جب نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مکہ فتح کر لیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے والد بزرگوار جناب ابو قحافہ کو لے کر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ ان کے والد محترم حضور ﷺ کے سامنے اسلام لائیں۔ جب حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے دیکھا تو فرمانے لگے اے ابوبکر تم اپنے باپ کو چھوڑ آتے یہاں تک کہ میں خود ان کے پاس آ جاتا۔ کیونکہ ان کے والد نابینا اور بوڑھے ہو چکے تھے تو حضرت ابوبکر کہتے ہیں کہ یارسول اللہ ﷺ میں یہ چاہتا ہوں کہ ان کو اللہ تعالیٰ اجر عطا کرے اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ ان کا چل کر آپ کے پاس آنا بہتر ہے اس سے کہ آپ ان کے پاس چل کر آئیں۔ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق پر مبعوث کیا کہ ابوطالب کا ایمان لانا میرے باپ سے میرے لئے زیادہ خوش کن تھا۔

فائدہ یہ ہے پیار اور عشق رسول اللہ ﷺ کا کرشمہ

اعجوبہ یہ حوالہ بجائے اس کے کہ کفر ابوطالب کے لئے صریح ہے لیکن شیعوں نے اس سے بھی ثبوت پیش کر دیا کہ ابوطالب مومن تھا۔ حاشیہ ختم)

marfat.ocm

عالم ﷺ نے فرمایا بیٹھ جائیے۔ عرض کی۔

دعنی یارسول اللہ اکن فی الرعلۃ الاولی۔

اے حبیب ﷺ مجھے چھوڑیئے بہادروں کے پہلے جتھے میں مجھے جانے دیجئے۔

فائدہ الرعلۃ الاولی القطعۃ من الفرسان بہادروں کا ایک گروہ۔

افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا۔

متعنا بنفسک یا ابابکر اما تعلم انک بمنزلۃ سمعی و بصری

اے صدیق ہمیں نفع اٹھانے دیجئے کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تم تو میرے بمنزلہ کان اور آنکھ کے ہو۔

تبصرہ صاحب روح البیان قدس سرہ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت معلوم ہوئی کیونکہ انہیں فرمایا تھا۔

تو میرے ہاں بمنزلہ ہارون کے ہے

(فرق ظاہر ہے خود سمجھ لو)

۵۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بھائی کو احد میں قتل کر ڈالا۔

۶۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو بدر میں قتل کر ڈالا۔

۷۔ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ ۸۔ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ

۹۔ سیدنا عبید بن الحارث رضی اللہ عنہ

نے بدر میں عتبہ شیبہ ربیعہ کے بیٹوں اور ولید عتبہ کو قتل کر ڈالا حالانکہ یہ سیدنا علی و سیدنا حمزہ و سیدنا عبید رضی اللہ عنہم کے قبیلہ سے اور قریبی تھے۔

درس عبرت برائے صلح کلی صاحب روح البیان قدس سرہ یہ تمام واقعات لکھ کر آخر میں لکھتے ہیں کہ۔

وکل ذلک من الغیرۃ والصلابۃ

marfat.ocm

(یہ سب کچھ غیرت اور دین کی مضبوطی کی وجہ سے تھا)

حدیث شریف حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا الغیرۃ من الایمان والمنیتہ من النفاق ومن لاغیرلہ لاایمان لہ غیرت ایمان سے اور مقصد براری منافقت ہے جسے غیرت نہیں اسے دین نہیں۔

مسئلہ حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان لوگوں کے لئے ہے جو بادشاہوں کی صحبت کے حریص ہیں تو اس میں زجر ہے[لہ] کہ

قرب سلطان آتش سوزاں بود

(بادشاہوں کا قرب آتش سوزاں ہے)

حکایت حضرت عبدالعزیز بن ابوداؤد رضی اللہ عنہ منصور (خلیفہ عباسی) کو طواف کے دوران ملاقی ہوئے جب انہیں تعارف ہوا تو آپ اس سے بہت دور نکل گئے اور یہی آیت تلاوت فرمائی۔

حدیث شریف میں ہے جو ظالم کے پیچھے صرف سات قدم چلے (اتباع میں) تو وہ مجرم ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا وان من المجرمین۔

منتقمون اور بیشک ہم مجرموں سے بدلہ لیں گے۔ اولٰئک ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو دشمنان خدا و رسول اللہ ﷺ سے دوستی نہیں رکھتے اگرچہ وہ ان کے قریب تر اور رشتہ کے لحاظ سے بہت زیادہ نزدیک ہیں۔ کتب نقش کیا اللہ تعالیٰ سبحانہ نے فی قلوبھم الایمان ان کے دلوں میں ایمان ثبت فرمایا ان میں اس سے ایمان وہی مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے خلق اصلاب وارحام سے پہلے انہیں عطا فرمایا وہ کسی حال میں بھی ایمان مستعار کی طرح مٹنے والا نہیں۔

مسئلہ اس سے ثابت ہوا کہ اعمال ایمان کا جز نہیں کیونکہ ایمان کا تعلق دل سے ہے اور اعمال کا جوارح سے اور

[لہ] اس سے مراد یہ ہے کہ اس سے اپنی ضروریات دنیوی کے لئے چاپلوسی و خوشامد کرے وغیرہ وغیرہ)

marfat.ocm

جوارح کی کوئی شے اس کے ساتھ ثبت کا ذکر نہیں یہ قدریہ (فرقہ) پر قطعی حجت ہے اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ ایمان و کفر بندہ خود ایجاد کرتا ہے۔

وایدیهم اور ان کی تائید کی اور قوت بخشی۔ اصل اس کا معنی ہے **قوی یدهم** ان کے ہاتھ کو طاقت دی۔

بروح منه اپنی طرف کی روح سے منہ بمعنی عند اللہ۔ من ابتداء غایت کے لئے ہے اسی سے نور القرآن یا دشمنوں پر مدد یا نور القلب (حقیقۃ الحال کا ادراک) یا مدارج رفیعہ روحانیہ کی طرف ارتقاء عالم طبیعہ دینہ کے درک سے خلاص مراد ہے ان سب کو روح سے اس لئے تعبیر کیا جاتا ہے کہ وہ حیات کا سبب ہے۔

فائدہ حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا روح کی حیات تائید سے نفس کی تائید روح سے روح کی تائید ذکر سے ذکر کی تائید ذاکر سے اور ذاکر کی تائید مذکور سے ہوتی ہے۔

وَيُدۡخِلُهُمۡ اور آخرت میں انہیں داخل کرے گا **جَنّٰتٍ تَجۡرِيۡ مِنۡ تَحۡتِهَا** باغات ہیں جن کے نیچے جاری ہیں یعنی ان کے درختوں یا محلات کے نیچے۔ **الانهار** نہریں چار۔ آب، شیر، خمر، شہد کی۔

خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ ابد الاباد ان کے قریب نہ بیٹھے گا زوال نہ موت نہ مرض نہ فقیر۔

حدیث شریف حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ منادی اعلان کرے گا کہ تمہارے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم ہمیشہ تندرست رہو گے اور بیمار نہ ہو گے اور تمہارا وقت آگیا ہے کہ ہمیشہ نعمتوں میں رہو ناامید نہ ہو۔

رضی الله عنهم اللہ تعالیٰ ان سے راضی۔ اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہوا اسی طاعت سے جو انہوں نے دنیا میں کی۔ الارشاد میں ہے کہ یہ جملہ مستانفہ ہے تعلیل کے قائم مقام ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رحمت عاجلہ کے آثار سے فیض یاب فرمایا **الرضی** **سخط** (غضب) کی نقیض ہے **ورضوا عنه** اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی یعنی وہ اللہ تعالیٰ سے اس کرامت و برکت سے خوش کہ جو ان کے ساتھ وعدہ فرمایا تھا وہ آخرت میں انہیں عطا ہو۔ الارشاد میں ہے کہ یہ ان کی خوشحالی کا بیان ہے جو انہیں عاجلہ عطا ہو گا۔

اولئک حزب الله یہ اللہ تعالیٰ کی جماعت ہے یہ ان کی تشریف و تکریم ہے اس سے جو انہیں اللہ تعالیٰ کے

marfat.ocm

ساتھ ایک خاص نسبت نصیب ہوئی یعنی اللہ تعالیٰ کا گروہ اور اس کے دین کے انصار ہیں۔

فائدہ حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا الحزب بمعنی گروہ یعنی ابدال ان سے اوپر صدیقین ہوتے ہیں (وہی حزب اللہ ہیں)

الاحزب اللہ ھم المفلحون خبردار اللہ تعالیٰ کی جماعت کامیاب ہے تکلیف سے نجات اور مرغوبات میں کامیاب ہیں نہ ان کے غیر اور وہ ہیں شیطان کی ٹولی جو رسوائی اور خسارے والے ہیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی جماعت کی سعادت نشائین و خیر دارین میں کامیابی کا بیان ہے۔

تفسیر صوفیانہ بعض اہل اشارہ نے فرمایا کہ حزب اللہ اہل معرفت اور اہل محبت اور اہل توحید ہیں وہی نصرۃ الٰہی مہالک قہریات و مصارع امتحانات میں کامیاب ہیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو اللہ سے پایا ان میں کوئی ایک ظاہر ہو جائے تو بطلان والے شکست کھا گئے بھاگتے اور مغالطہ ڈالنے والے متفرق ہو جاتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے چہروں پر اپنے نور ہیبت کی چادر لٹکا رکھی ہے اور انہیں اپنی عظمت کے جھنڈے عطا فرمائے ہیں۔ ان سے خونخوار بھاگتے اور بڑی گردنوں والے ان کے سامنے سر جھکاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حسن رعایت سے انہیں محفوظ رکھا ہوا ہے اور انکار اللہ تعالیٰ کی قدرت کی چمک ہے اور عالمین نے اللہ تعالیٰ نے ہی ان کے اذکار کے چرچے کئے ہوئے ہیں اور ان کی قدریں بلند فرما رکھی ہیں لیکن ان کے اسرار مخفی رکھے ہیں۔

حزب اللہ کون؟ امام ثعلبی از جرمانی اور انہوں نے اپنے مشائخ سے سنا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ فرمایئے تیری جماعت کون ہے خطاب آیا کہ آنکھیں بند ہاتھ خالی دل صاف والی میری جماعت ہے یہی میرے عرش کے گرد ہیں جو شخص آنکھ محارم سے بند اور ایذاء رسانی خلق سے ہاتھ بند اور حرام کھانے سے (شکم) بند اور دل از ماسوا پاکیزہ رکھے وہ بھی منجملہ حزب حضرۃ اللہ ہے اسی معنی پر کسی نے کہا

از ہرچہ نارو است برو دیدہا بہ بند
وز ہر چہ ناپسند بود دست باز دار

marfat.ocm

لوح دل از غبار تعلق بشوی پاک
تا شدت بحلقہ اہل قلوب بار

ترجمہ جو ناجائز ہے اس سے آنکھ بند کر وہ جو ناپسندیدہ ہے اسی سے ہاتھ پھیر لے۔ تعلق کے غبار سے لوح دل صاف کر۔ تا اہل قلوب کے حلقہ میں تجھے باریابی نصیب ہو۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ روح اب ہے اور سر و خفی و قلب نفس۔ ہویٰ اور نفس کے صفات لولاد۔ جب سے روح کا ازدواج قالب سے ہوا ان کی ولادت ہوئی۔ سر کی اخوت مع النفس اور اخوت القلب مع الہویٰ ہے۔ ان دونوں کے صفات کا عشیرہ مع الخفی کیونکہ یہ سب ایک ہی والدی اور ایک اصل سے ہیں اور وہ ہے روح۔ جس نے توحید کلی روحی، سری، قلبی، خلفی کے ساتھ تعلق مع النفس الہوی اور ان کی صفات ظلمانہ شیطانیہ کا توڑ کر حضرت ابیہ سے تعلق جوڑا تو ایسا کرنیوالے وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کی الواح میں اور صفاح اسرار میں ایمان حقیقی، شہودی عیانی لکھ دیا ہے اور ان کی تائید کے ساتھ روح شہود کلی جمعی کے جو جامع ہے میں شہود والوحدۃ الذاتیہ الحقیقتہ اور ہیں شہودا لکثرۃ الاسمائیہ انسیہ کے اور دونوں شہودین کے درمیان جمع ہو نادفتہ واحدۃ ہوا۔ بغیر کسی تخلل کے ان کے درمیان میں اور بغیر کسی حجاب کے ایک دوسرے سے اور انہیں اللہ تعالیٰ داخل کرے گا باغات میں جن کے نیچے جاری ہیں نہریں جن کا پانی تجلیات ذاتیہ و صفاتیہ و اسمائیہ ہیں جو مشتمل ہیں علوم و معارف و حقائق و حکم پر دائماً ابدًا ابدا۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا ان کی فناء از ناسوتیہ سے اور وہ اس سے راضی ہوئے بقاء بلا ہو یہ سے وہی اللہ تعالیٰ کی جماعت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو ذات و صفات و اسماء کے مظاہر ہیں۔

اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ خبردار اللہ تعالیٰ کی جماعت هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وہی فلاح والے ہیں کیونکہ وہ قیومیت حق سے قیام پذیر ہیں۔

فائدہ یاد رہے کہ یہ دنیا آخرت صرف دو یوم ہیں ایک دوسرے آگے پیچھے آنے والے اور متصل ہو کر اسی لئے دنیا کو الیوم اور آخرت کو غد (کل) سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ان ہر ایک کی اولاد ہے فلہذا اے دوستو! آخرت کی اولاد بنو

marfat.ocm

دنیا کے بیٹے بننے سے بچو۔ آج (دنیا) تم دار العمل ہو اس میں حساب کوئی نہیں اور کل (قیامت) تم میں ہو گے اس میں عمل نہ ہو گا۔ دنیا کی نعمتیں منقطع ہو جائیں گی لیکن آخرت کی نعمتیں غیر منقطع ہیں اور یہ ابرار کی شان ہے اور مقربین تو اہل اللہ ہیں وہ اہل دارین نہیں ان کی نعمتیں وہی تجلیات ہیں جو مذکور ہوئیں۔ در حقیقت وہی حزب اللہ ہیں کیونکہ انہیں ظاہراً و باطناً دارین میں کمل نصرۃ الٰہی نصیب ہوئی۔

تاریخ فراغ از صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ تفسیر سورۃ الجلولہ بعون اللہ تعالیٰ جمادی الاخرہ کے اواخر سن ۱۱۱۵ ہجری ختم ہوئی اور فقیر اویسی غفرلہٗ نے بفضلہ تعالیٰ و بحرمۃ النبی الکریم سورۃ مجلولہ کی تفسیر کے ترجمہ سے ۲۶ صفر المظفر سن ۱۴۰۹ ہجری ۶ ستمبر ۱۹۸۸ بروز چہار شنبہ (بدھ) پونے چار بجے فراغت پائی۔ الحمد للہ علی ذلک وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

انا الفقیر القادری محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ (۲--ھ)

بہاول پور۔ پاکستان

marfat.ocm

سُوْرَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اٰيَاتُهَا ۲۴ رُكُوْعَاتُهَا ۳

سورہ حشر مدنی ہے اس میں اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا چوبیس آیتیں تین رکوع ہیں

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① هُوَ
اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں اور وہی عزت و حکمت والا ہے وہی
الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۗ
ہے جس نے ان کافر کتابیوں کو ان کے گھروں سے نکالا ان کے پہلے حشر کے لیے
مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ
تمہیں گمان نہ تھا کہ وہ نکلیں گے اور وہ سمجھتے تھے کہ انکے قلعے انہیں اللہ سے بچا لیں گے تو اللہ کا حکم ان
اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۖ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ
کے پاس آیا جہاں سے ان کا گمان بھی نہ تھا اور اس نے ان کے دلوں میں رعب ڈالا کہ اپنے گھر ویران
بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۖ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ② وَلَوْلَآ اَنْ
کرتے ہیں اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں تو عبرت لو اے نگاہ والو اور اگر نہ ہوتا کہ اللہ
كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ
نے ان پر گھر سے اجڑنا لکھ دیا تھا تو دنیا ہی میں ان پر عذاب فرماتا اور ان کے لیے آخرت میں
عَذَابُ النَّارِ ③ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ
آگ کا عذاب ہے یہ اس لیے کہ وہ اللہ سے اور اس کے رسول سے پھٹے رہے اور جو اللہ اور اس کے رسول
اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ④ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا
سے پھٹا رہے تو بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے جو درخت تم نے کاٹے یا ان کی جڑوں پر قائم چھوڑ دیئے یہ سب اللہ
فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ⑤ وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ
کی اجازت سے تھا اور اس لیے کہ فاسقوں کو رسوا کرے اور جو غنیمت دلائی اللہ نے اپنے رسول کو ان سے تو تم نے
اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۗ
ان پر نہ اپنے گھوڑے دوڑائے تھے اور نہ اونٹ ہاں اللہ اپنے رسولوں کے قابو میں دے دیتا ہے جسے چاہے
وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑥ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ
اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے جو غنیمت دلائی اللہ نے اپنے رسول کو شہر والوں سے وہ اللہ اور رسول

وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَىْ لَا يَكُوْنَ
کی ہے اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے کہ تمہارے
دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۚ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ
اغنیا کا مال نہ ہو جائے اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو
وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۖ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۷ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ
اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے ان فقیر ہجرت کرنے والوں کے لیے جو
دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ
اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے اور اللہ و رسول کی مدد کرتے
اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝۸ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ
وہی سچے ہیں اور جنہوں نے پہلے سے اس شہر اور ایمان میں گھر بنا لیا
يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِىْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا
دوست رکھتے ہیں انہیں جو ان کی طرف ہجرت کر کے گئے اور اپنے دلوں میں کوئی حاجت نہیں پاتے اس
وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ
چیز کی جو دیے گئے اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں شدید محتاجی ہو اور جو اپنے نفس کے لالچ سے
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۹ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا
بچایا گیا تو وہی کامیاب ہیں اور وہ جو ان کے بعد آئے عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں بخش دے
وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِىْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ
اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دل میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ رکھ
اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۰ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ ع ۱۰ ۴
اے رب ہمارے بیشک تو ہی نہایت مہربان رحم والا ہے کیا تم نے منافقوں کو نہ دیکھا کہ اپنے بھائیوں
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ
کافر کتابیوں سے کہتے ہیں کہ اگر تم نکالے گئے تو ضرور ہم تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور ہرگز تمہارے

فِيكُمْ أَحَدًا أَبَدًا ۙ وَإِنْ قُوتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۙ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكٰذِبُونَ ⑪
بارے میں کسی کی نہ مانیں گے اور تم سے لڑائی ہوئی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے اور اللہ گواہ ہے کہ وہ جھوٹے ہیں
لَئِنْ أُخْرِجُوا لَا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوتِلُوا لَا يَنْصُرُونَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَصَرُوهُمْ
اگر وہ نکالے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہ نکلیں گے اور ان سے لڑائی ہوئی تو یہ ان کی مدد نہ کریں گے اگر ان کی مدد
لَيُوَلُّنَّ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ ⑫ لَأَنْتُمْ أَشَدُّ رَهْبَةً فِي صُدُورِهِمْ مِنَ
کی بھی تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے پھر مدد نہ پائیں گے بے شک ان کے دلوں میں اللہ سے زیادہ تمہارا ڈر ہے
اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ⑬ لَا يُقَاتِلُونَكُمْ جَمِيعًا إِلَّا فِي قُرًى مُحَصَّنَةٍ
یہ اس لیے کہ وہ ناسمجھ لوگ ہیں یہ سب مل کر بھی تم سے نہ لڑیں گے مگر قلعہ بند شہروں میں
أَوْ مِنْ وَرَاءِ جُدُرٍ ۚ بَأْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ ۚ تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتّٰى ۚ
یا دُھسّوں کے پیچھے آپس میں ان کی آنچ سخت ہے تم انہیں ایک جتھا سمجھو گے اور ان کے دل الگ
ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ⑭ كَمَثَلِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيبًا ۖ ذَاقُوا وَبَالَ
الگ ہیں یہ اس لیے کہ وہ بے عقل لوگ ہیں ان کی سی کہاوت جو ابھی قریب زمانہ میں ان سے پہلے تھے انہوں
أَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ⑮ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ إِذْ قَالَ لِلْإِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ
نے اپنے کام کا وبال چکھا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے شیطان کی کہاوت جب اس نے آدمی سے کہا کفر کر پھر جب
قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِنْكَ إِنِّي أَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِينَ ⑯ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَا أَنَّهُمَا
اس نے کفر کر لیا بولا میں تجھ سے الگ ہوں میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو سارے جہان کا رب تو ان دونوں کا انجام یہ ہوا کہ وہ
فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيهَا ۚ وَذٰلِكَ جَزَاءُ الظّٰلِمِينَ ⑰ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
دونوں آگ میں ہیں ہمیشہ اس میں رہے اور ظالموں کی یہی سزا ہے اے ایمان والو اللہ سے ڈرو
وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ⑱
اور ہر جان دیکھے کہ کل کے لیے کیا آگے بھیجا اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے
وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللّٰهَ فَأَنْسٰهُمْ أَنْفُسَهُمْ ۚ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ⑲
اور ان جیسے نہ ہو جو اللہ کو بھول بیٹھے تو اللہ نے انہیں بلا میں ڈالا کہ اپنی جانیں یاد نہ رہیں وہی فاسق ہیں
لَا يَسْتَوِي أَصْحٰبُ النَّارِ وَأَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُونَ ⑳
دوزخ والے اور جنت والے برابر نہیں جنت والے ہی مراد کو پہنچے

ع

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ
اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارتے تو ضرور تو اسے دیکھتا جھکا ہوا پاش پاش ہوتا اللہ کے خوف سے
وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (۲۱) هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ
اور یہ مثالیں لوگوں کے لیے ہم بیان فرماتے ہیں کہ وہ سوچیں وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی
اِلَّا هُوَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ (۲۲) هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا
معبود نہیں ہر نہاں وعیاں کا جاننے والا وہی ہے بڑا مہربان رحمت والا وہی ہے اللہ جس کے سوا کوئی
هُوَ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحٰنَ
معبود نہیں بادشاہ نہایت پاک سلامتی دینے والا امان بخشنے والا حفاظت فرمانے والا عزت والا عظمت والا تکبر والا اللہ کو
اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (۲۳) هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی
پاکی ہے ان کے شرک سے وہی ہے اللہ بنانے والا پیدا کرنے والا ہر ایک کو صورت دینے والا اسی کے ہیں سب
يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (۲۴)
اچھے نام اس کی پاکی بولتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہی عزت و حکمت والا ہے

تفسیر عالمانہ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ. اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتا ہے جو آسمانوں میں ہے جو کچھ زمینوں میں ہے۔

حل لغات التسبیح بمعنی اللہ تعالیٰ سے برائی کو دور کرنا اور اس سے پاکی بیان کرنا جو الوہیت کی شان کے لائق نہیں اور وہ دل اور زبان اور حال سے ہوتی ہے پہلی کی مثال بندے کا اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ان امور سے بلند و بالا ہے جو اس کی الوہیت کے لائق نہیں وہ اس لئے کہ تفعیل کے معانی میں سے ہے اعتقاد بشئی اور اس کا حکم لگانا جیسے توحید و تمجید و تعظیم بمعنی اللہ تعالیٰ کی وحدۃ و مجد و عظمت کا اعتقاد رکھنا اور اس کے لئے وحدۃ و مجد و عظمت کا حکم لگانا اسی معنی پر ہے۔ تکفیر و تضلیل بمعنی کفر و گمراہی کا اعتقاد اور ان کا حکم لگانا ایسے ہی تجویز و ترجیح دوسرے کی مثال ایسی گفتار جو اللہ تعالیٰ کی بلندی پر دلالت کرے جیسے تکبیرہ تہلیل و تامین بمعنی اللہ اکبر اور لا الٰہ الا اللہ اور آمین کہنا اور یہی مشہور ہے اور لوگوں کے نزدیک بھی اسی طرح ہے تیسری کی مثال مصنوعات کی دلالت صانع پر کہ وہ موصوف ہے

marfat.ocm

صفات جلال سے اور مقدس از امکان اور اس کے جملہ متعلقات سے۔ عام مفسرین نے تسبیح کی تفسیر دوسری اور تیسری قسم مراد لی ہے تاکہ تمام کی تسبیح کو عام ہو۔ (کذا فی بعض التفاسیر) لیکن جمہور محققین نے فرمایا کہ یہ تسبیح بلسان العبادۃ والارشاد مراد ہے نہ کہ بلسان الاشارۃ فقط کیونکہ جملہ موجودات عقلاً و غیرہ عقلاً اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہہ رہے ہیں اور بولتے ہیں کہ وہی ثناء کا مستحق ہے جیسے اس کی تحقیق سورۃ الحدید کے اول اور قرآن مجید کے دوسرے مقامات پر گزری ہے۔

بذکرش ہرچہ بینی در خروش است ولے داند درین معنی کہ گوش است
نہ بلبل بر گلش تسبیح خوانست کہ ہر خارے بہ توحیدش زباں است

(اس کے ذکر سے جسے دیکھو فریاد میں ہے وہ دل جانتا ہے جس کے کان ہوں۔ کیا بلبل گل پر اس کی تسبیح نہیں پڑھ رہی کہ ہر کانٹا اس کی تسبیح زبان بنا ہوا ہے)

پتھر درود خوان حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا میں اب بھی اس پتھر کو جانتا ہوں جو میری بعثت سے پہلے مجھ پر درود سلام پڑھتا تھا۔

طعام کی تسبیح حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہم طعام کی تسبیح سنتے تھے حالانکہ اس وقت کھایا جا رہا تھا۔

قرآنی دلائل قرآن عظیم میں شہادۃ الجوارح والجلود کی نصوص موجود ہیں۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہر شے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے زندہ ہو۔ جمادان کی تسبیح ہے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ اور یہ علی الاطلاق اور ہر موجود کی طرف منسوب ہے لیکن ہر موجود کی تسبیح مختلف ہے جیسے ہی جس کی نشاۃ کا تقاضا ہے اسی طرح اس کی تسبیح ہے جیسے بعض اکابر مشائخ نے فرمایا کہ جب تم عوالم کو غور سے دیکھو گے تو انہیں اپنی طرح ذکر میں مشغول پاؤ گے اس بارہ میں کسی کا کوئی کشف ہے تو خیالی ہے حقیقی نہیں تیرا خیال ہی تجھے موجودات میں لے جاتا ہے ہاں اگر ان میں تنوعات الاذکار کا مشاہدہ کرو تو پھر وہ کشف صحیح ہو گا۔

وَهُوَ الْعَزِيْزُ وہی صاحب عزت اور صاحب قوت ہے۔ الحکیم وہی صاحب حکمت باہرہ ہے۔

marfat.ocm

عزت اس کے جلال کا نشان ہے اور حکمت جمال کا اور وہ ہر صفت کمال سے موصوف ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کی وہ عقول آسمانوں میں ہیں اپنے معقولات سے جو صورت فکر کی مقتضی ہیں فریق ترتیب المقدمات و ترکیب القیاسات اور اقامت براہین قطعیہ اور ادلہ فکریہ سے اس لئے کہ تحصیل المطلوب میں ان کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ اس کی ذات منزہ ہے تنزیہات عقلیہ سے جو تعلیل کی مودیہ ہیں اور تسبیح کی وہ نفوس آسمانوں میں ہیں تشبیہ سے بلکہ اس کی ذات مطلق وہ جامع ہے تنزیہ عقلی و تشبیہ نفسی کو جیسے خود فرمایا لیس کمثلہ شئی اس کی مثل کوئی شے نہیں۔ یہی تنزیہ ہے اور وہ سمیع و بصیر ہے۔ یہ تشبیہ ہے اس کی ذات مطلق ہے ساتھ احدیہ جمعیہ بین التنزیہ والسیہ دفعۃً واحدہ اس حیثیت سے تنزیہ تشبیہ کی عین اور تشبیہ تنزیہ کی عین ہے جیسے عارف محقق قدس سرہ نے فرمایا۔

فان قلت بالامرین کنت مسدوًا وکنت اماماً فی المعارف سیدہ

ترجمہ اگر میں دو امروں کو کہوں تو مسدود ہو جاؤں اور میں معارف کا امام و سردار ہوں۔ تنزیہ اس کے اسم باطن کا نتیجہ اور تشبیہ اس کے اسم ظاہر کا نتیجہ ہے (اسے اچھی طرح سمجھ لے)

وھو العزیز اور عزیز بلند ہے جناب اس کی منزہ ہے غیر تشبیہ ہے۔

الحکیم وہ حکیم ہے کہ جس کی حکمت کا تقاضا ہے اس کے غیر تنزیہ سے مشابہ نہ ہو۔

یہودیوں کا تعارف حضور نبی پاک ﷺ نے مدینہ پاک میں تشریف لاتے ہی یہود کے (بنو نظیر) قبیلہ سے صلح کرلی (نفیر بچوں امیر) وہ یہودیوں کا قبیلہ تھا حضرت ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے بھائی کی اولاد سے تھے۔

فائدہ سہیلی نے فرمایا کہ ان کی ہارون علیہ السلام کی طرف نسبت صحیح ہے اس کی دلیل وہی حضور نبی اکرم ﷺ نے بی بی ام المومنین صفیہ بنت حی بن اخطب کو تسلی کے طور پر فرمایا تھا جبکہ ام المومنین صفیہ کو بعض عورتوں نے عار دلائی (کہ تو تو یہودیہ ہے) آپ سن کر روئیں تو آپ نے فرمایا کہ تو تو بڑی شان والی ہے تیرا باپ ہارون تیرا چچا موسیٰ تیرا شوہر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ یہ حدیث مشہور ہے۔

فائدہ حی اخطب اس بنو نظیر گروہ کا لیڈر لور سردار ہے۔

فائدہ بعض کتب میں ہے کہ یہ لوگ کاہن بن ہارون کی لولاد سے تھے۔

مدینہ طیبہ میں یہودیوں کی آمد بنی اسرائیل کا فتنوں کے زمانہ میں یہ لوگ یہاں آگئے حضور نبی پاک ﷺ کی بعثت کا چونکہ ان کی کتابوں میں لکھا تھا کہ یہاں ہو گی اسی لئے یہاں کی سکونت اختیار کی۔ بنو نظیر اور بنو قرنیہ کو کاہنان کہا جاتا کہ ان کے ایک جد کا نام کاہن تھا اور تین قبیلے بنو نظیر بنو قریظہ بنو قینقاع حجاز کے وسط ارض العرب میں آباد ہوئے۔ اگرچہ یہ نسلاً یہودی تھے۔

ہجرت کا سبب عمالقہ ارض حجاز پر لوٹ مار کرتے تھے اور یہود کی آبادی یثرت اور جحفہ سے ملکہ پھیلی ہوئی تھی۔ بنو اسرائیل نے عمالقہ کی شکایت موسیٰ علیہ السلام سے کی۔ آپ نے انہیں ایک لشکر ساتھ دے کر فرمایا کہ عمالقہ سے جنگ کریں یہاں تک کہ ان کا ایک فرد بھی باقی نہ بچے۔ عمالقہ سے خوب لڑے سب کو فنا کر دیا صرف بادشاہ کا ایک لڑکا بچ گیا اسے انہوں نے عمداً قتل نہ کیا کہ وہ حسین و جمیل تھا اسے غلام بنا کر واپس ملک شام کو لوٹے۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وصال ہو چکا تھا۔ شام کے بنو اسرائیل نے انہیں کہا تم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف کیا ہے اسی لئے تم ہمارے ہاں رہنے کے لائق نہیں جاؤ جہاں جی چاہے۔ سب نے کہا وہاں واپس چلو جس علاقہ کو فتح کیا گیا وہیں پر زندگی بسر کریں چنانچہ واپس یثرب میں آکر قیام کیا اسی کو وطن بنایا وہیں پر پھولے پھلے یہاں تک کہ ان کے ہاں سیل العرم کے بعد اوس و خزرج آئے اسلام کے ظہور تک یہ تمام مل کر اکٹھے رہے۔

ہجرت النبی ﷺ کے بعد یہودیوں کا حال جب حضور سرور عالم ﷺ مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو بنو نضیر سے معاہدہ کیا کہ نہ ہم تمہیں چھیڑیں گے نہ تم ہمیں۔ جب حضور نبی پاک ﷺ نے بدر میں غلبہ پایا تو کہنے لگے نبی آخر الزمان ﷺ کی علامت ہماری کتاب تورات میں یہی ہے کہ ان کا جھنڈا اروند کیا جائے گا۔ یعنی کوئی بھی ان پر غلبہ نہ پا سکے گا یا کوئی بھی جنگ میں اس کا جھنڈا انگوں نہ کر سکے گا۔ پھر جب جنگ احد میں مسلمانوں کو معمولی سی شکست ہوئی تو شک میں پڑ کر معاہدہ توڑ دیا۔

---

marfat.ocm

کعب بن اشرف یہودی کی دشمنی کا آغاز معاہدہ توڑتے ہی کعب بن اشرف نے چالیس سوار لے کر مکہ معظمہ پہنچ کر اہل مکہ کو حلیف بنایا اور قریش کے ساتھ کعبہ معظمہ کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ لڑنے کا معاہدہ کیا اور انہیں کہا ان سے معاہدہ ختم ہے۔

جبریل علیہ السلام کی حاضری کعب بن اشرف کی ساری کارگزاری جبریل علیہ السلام نے بارگاہ رسول ﷺ میں پیش کر دی اور ساتھ ہی عرض کر دیا کہ یہود کا جو آپ کے ساتھ معاہدہ تھا وہ بھی انہوں نے توڑ دیا ہے۔ حضور ﷺ نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ کعب بن اشرف جس طرح بن پڑے قتل کر دو۔ یہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کعب بن اشرف کے رضاعی بھائی تھے۔

کعب بن اشرف کا قتل حضرت محمد مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کعب بن اشرف کو غیلہ یعنی دھوکہ دے کر قتل کیا۔ الغیلہ بمعنی الخدیعہ یعنی کسی کو دھوکہ دے کر کسی جگہ پر لے جا کر قتل کر دیا جائے۔ جب کعب بن اشرف آپ کے ساتھ ہو لئے تو آپ نے اسے قتل کر دیا۔ واقعہ یوں ہوا کہ حضرت محمد بن مسلمہ (بفتح المیم) رضی اللہ عنہ کعب بن اشرف کے پاس رات کو تشریف لائے اسے اپنے گھر سے باہر اس پروگرام پر لے گئے کہ مجھے کھجوروں میں سے کچھ قرض دے دے وہ آپ کے ساتھ آیا۔ جب مقام معلوم تک پہنچے تو اسے قتل کر دیا۔ یہ خوشخبری لے کر بارگاہ نبوی ﷺ میں پہنچے تو آپ سن کر بہت خوش ہوئے۔

نبوی سیاست حضور سرور عالم ﷺ کا کعب بن اشرف کو قتل کرانا اس لئے تھا کہ یہود کے دل ٹوٹ جائیں اور ان کی قوت کمزور ہو جائے۔

یہود کی سازش اور معجزہ رسول ﷺ بعض اخبار میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بنو نضیر کے ہاں عشرہ مبشرہ کے سوا چند دیگر صحابہ رضی اللہ عنہ کی دیت کی استعانت کے لئے تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ سیدنا ابوبکر صدیق و سیدنا عمر و سیدنا علی رضی اللہ عنہم تھے۔ بنو نضیر نے کہا آپ ہماری دعوت قبول فرمائیے کھانا

marfat.ocm

تکمیل فرمائیں۔ پھر جیسے حکم ہو گا تعمیل ہو گی۔ آپ ایک دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ یہودیوں نے کہا اب موقعہ عجیب ہے کوئی ایک اس گھر کے اوپر سے بھاری پتھر گرا دے جو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا کام تمام کر دے (معاذ اللہ) ان کے ایک لیڈر بد بخت عمرو بن جواش نے کہا کہ یہ کام میں سر انجام دوں گا۔ ان کے دوسرے ایک اور لیڈر سلام بن مشکم نے کہا ایسا مت کرو ان کو اللہ تعالیٰ تمہاری کاروائی کی خبر آسمان سے بھیج دے گا۔ اس طرح سے تمہارا معاہدہ کا پردہ کھل جائے گا۔ بد بختوں نے سلام بن مشکم کی ایک نہ مانی۔ عمرو بن جواش بد بخت اس مکان پر چڑھا تاکہ آپ پر پتھر گرائے اس کی کاروائی سے پہلے آپ کو آسمان سے خبر پہنچی۔ آپ چپکے سے اٹھے اور ساتھیوں سے فرمایا میں قضاء حاجت کے لئے جا رہا ہوں۔ آپ ساتھیوں کو وہاں چھوڑ کر جلدی سے مدینہ طیبہ (شہر) میں تشریف لائے۔ آپ کی اس واپسی کا آپ کے کسی ساتھی کو علم نہ ہوا جوں دیر ہوئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تشویش ہوئی تو آپ کی تلاش میں نکلے راستہ میں ایک شخص ملا اس سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ مدینہ طیبہ میں بخیریت و سلامت پہنچ گئے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حاضر ہوئے تو آپ نے انہیں یہودیوں کی تمام خفیہ کاروائی کی خبر دے دی۔ یہودی اپنی اس کاروائی سے سخت نادم ہوئے جبکہ انہیں معلوم ہوا کہ آپ کو آسمان سے خبر ملی۔

یہود کو جلاوطنی کا حکم حضور نبی پاک ﷺ نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم کو یہودیوں کے پاس بھیج کر حکم فرمایا کہ فوراً اس شہر کو چھوڑ جاؤ کیونکہ ان کی آباد بستی حدود مدینہ طیبہ میں ہی تھی (اسی لئے فرمایا میرے شہر سے باہر نکل جاؤ) اب تم ہمارے ساتھ گزارنے کے نہیں تم نے جو دھوکہ کرنا تھا کر لیا یہود یہ حکم سن کر خاموش ہو گئے کوئی جواب نہ دیا۔

منافقین کی شرارت منافقین نے خفیہ پیغام بھیجا کہ اپنے قلعوں سے ہرگز نہ نکلنا ہم تمہاری مدد کریں گے منافقین کی ڈھارس بندھوانے پر رسول اللہ ﷺ کو جواب بھجوایا ہم اپنے گھروں سے نہیں نکلتے جو کچھ کرنا چاہو کر لو۔

یہود کا سرغنہ منافقین کے اکسانے پر اس ترش جواب دہی میں حی بن اخطب تھا جو ام المومنین حضرت صفیہ

marfat.ocm

رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا باپ تھا یہود کا سرغنہ اور سب سے بڑا شریر تھا۔ حضور نبی پاک ﷺ مدینہ طیبہ میں بنو نظیر کے ساتھ جنگ کا اعلان فرمایا تو اہل مدینہ فوراً جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔ آپ حمار مبارک پر سوار تھے جس کی لگام کھجور کی تھی اور جھنڈا سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ مبارک میں تھا۔ یہاں تک کہ آپ نے صحابہ سمیت نماز عصر یہود کی بستی کے قریب ادا فرمائی۔ یہود چونکہ قلعوں میں بند ہو چکے تھے۔ اب وہ قلعوں کے اوپر سے تیر اندازی اور سنگ اندازی کرنے لگے اور گلیوں کوچوں کو بند کر دیا تھا اور خود بھی قلعوں میں بند تھے حضور نبی کریم ﷺ نے اکیس روز ان کا محاصرہ جاری رکھا۔ جب انہوں نے ان کے دلوں پر رعب ڈالا اور ادھر منافقین کی امداد سے بھی ناامید ہوئے تو صلح کے طالب ہوئے آپ نے فرمایا اب جلاوطنی کے سوا تمہارے لئے اور کوئی حکم نہیں صرف اس قدر[1] تمہیں مہلت ہے کہ ہر تین گھروں میں سے ایک اونٹ کا بوجھ اٹھا کر جو چاہو لے جا سکتے ہو سوائے ہتھیاروں کے۔

یہودیوں کی جلاوطنی کا منظر یہودیوں نے چھ اونٹ خوب سنوارے اور خود بھی سج دھج سے آراستہ ہوئے۔ پہلوانوں کی طرح اکڑ کر اور نہایت سرور و فرحت کا اظہار کرتے ہوئے مدینہ طیبہ کے بازار سے گزرے۔

کوئی کہاں گرا کوئی کہاں گرا جلاوطنی کے بعد بعض تو شام کے ملک و ریحا کی طرف فلسطین میں اور کوئی اذرعات کی طرف دمشق میں چلے گئے۔ صرف دو گھر خیبر میں آ گئے۔

۱۔ آل ابی الحقیق ۲۔ آل حی اخطب ۳۔ ایک گروہ حیرہ میں بھی چلا گیا تھا۔

فائدہ الحیرہ بالکسر کوفہ کے ایک شہر ہے اور بنو نضیر سے صرف دو شخص مسلمان ہوئے۔ ۱۔ سفیان بن عمیر وہب۔ ۲۔ سعد بن وہب

ایک شرط پر ان کے اموال ان کے سپرد کئے اس واقعہ پر سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ تا واللہ علی کل شئی قدیر نازل ہوئی۔

---

[1] کہ ہم جب چاہیں گے تمہیں یہاں سے جلاوطن کر دیں گے)

marfat.ocm

تاریخی تحقیق حضرت محمد نے فرمایا کہ بنو نضیر کی جلاوطنی غزوہ احد کے رجوع کے بعد سن ۳ ہجری میں ہوئی اور بنو قریظہ کی فتح غزوہ احزاب سے رجوع کے بعد سن ۵ ہجری میں ہوئی۔ ان دونوں کے درمیان دو سال کا فاصلہ ہے۔

فائدہ انسان العیون میں ہے کہ غزوہ بنو نضیر ربیع الاول سن ۴ ہجری میں ہوا اور یہود کی جلاوطنی بھی اسی سال ہوئی۔

تحقیق سلسلہ جلوتیہ شریف الجلاء (بالفتح) شہر سے نکلنا اور اس سے جدا ہو جانا۔ اہل لغت کہتے ہیں اجلیت القوم الخ میں نے قوم کو ان کے گھروں سے جدا کیا۔ وجلوتہم فاجلوا اور انہیں جدا کیا تو وہ جدا ہوئے یعنی جلاوطن ہوئے بمعنی لبرزتہم عنہا میں نے گھروں سے ظاہر کر دیا۔ دراصل الجلواء بمعنی الکشف الظاہر اسی سے ہے طریقہ جلوتیہ شریف (بالجیم) کیونکہ صفات الیہ سے ظاہر ہے اس کی تحقیق اپنے مقام پر گزری۔

فائدہ الجلاء الخروج سے اخص ہے کیونکہ الجلاء جماعت کے نکلنے کو کہا جاتا ہے یا ان کے نکالنے کو اور الخروج والاخراج جماعت پر بھی بولتے ہیں اور فرد پر بھی۔ بعض نے ان میں ایک اور فرق بھی ہے وہ یہ کہ الجلاء مع اہل و عیال کا نکلنا بخلاف الخروج کے کہ اس میں یہ شرط نہیں۔

مسئلہ علماء کرام نے فرمایا کہ اہل حرب سے بغیر کسی شے کے جلاوطن کرنا آج کے دور میں ناجائز ہے کیونکہ یہ حکم اول الاسلام میں تھا بعد کو منسوخ ہو گیا۔ اب تو اہل حرب کے ساتھ جنگ ضروری ہے یا قید یا جزیہ۔

تفسیر عالمانہ وَهُوَ الَّذِيْنَ وہ اللہ جس نے ذلیل کر کے اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ جس نے کافر کتابیوں کو نکالا۔ یہ ان کے عزت کے بعض آثار اور اللہ تعالیٰ کی مضبوط حکمت کا بیان ہے یعنی حکم فرمایا اہل تورات یعنی بنو نظیر کے نکل جانے کا۔ مِنْ دِيَارِهِمْ ان کے گھروں سے دار کی جمع ہے دار و بیت میں فرق یہ ہے کہ دار دار ہی رہتی ہے خواہ اس کی دیواریں مٹ جائیں اور بیت مٹ جانے کے بعد ختم۔ کیونکہ بیت

marfat.ocm

وہ ہے جو سقف (چھت والا) ہو چکا مدخل ایک ہو رات گزرنے کے لئے بنایا جاتا ہے اس کی دیواریں تین ہوں یا چار یہ معنی صفہ میں بھی موجود ہے صرف فرق یہ ہے کہ صفہ کا مدخل زیادہ کھلا ہوتا ہے لیکن اس کو بیت کہا جا سکتا ہے اور البیوت مخصوص ہے صرف مسکن کے لئے اور ابیات مخصوص ہے شعر کے لئے۔

لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ان کے پہلے کے حشر کے لئے۔ لام اخرج سے متعلق ہے لام توقیت کی یعنی ان کے پہلے حشر کے وقت یعنی شام کی طرف۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ لام علت کی ہے یعنی یہود اس لئے نکالے گئے تاکہ ان کا پہلا حشر شام ہو الحشر بمعنی جماعت کو ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف نکالنا یہ بنی اسرائیل سے تھے انہیں پہلے جلاوطنی ہرگز نہ پہنچی تھی کیونکہ ان کا پہلے شام سے مدینہ پاک میں آنا اپنے اختیار سے تھا یہی وہ پہلے لوگ ہیں جو جزیرہ عرب سے شام کی طرف نکالے گئے۔ اس معنی پر یہ اول آخر کا بالمقابل نہ ہو گا اسے جزیرہ اس لئے کہتے ہیں کہ اسے بحرالحبشہ و بحر فارس دوجلہ و فرات گھیرے ہوئے ہیں۔

جزیرہ کا طول و عرض خلیل بن احمد نے کہا کہ جزیرہ کا مبدا طول میں ابو موسیٰ کی گڑھی سے ہے یمن کی طرف اور رمل بیرین[عہ] سے بیرن۔ ایک جگہ ہے اجساء کے بالمقابل تا منقطع اسماوہ عرض میں۔ السماوہ بالفتح کوفہ و شام کے درمیان ایک جگہ ہے یہی ان کا پہلا حشر ہے دوسرا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انہیں جلاء وطن کرنا خیبر سے شام کی طرف جب انہیں حدیث ملی کہ حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ جزیرہ عرب میں دو دین جمع نہیں ہو سکتے۔ آخر حشر قیامت میں کیونکہ میدان حشر ملک شام میں ہو گا۔

مَاظَنَنْتُمْ اے مسلمانو! تمہیں گمان نہ تھا اَنْ یَّخْرُجُوْا وہ نکلیں گے اپنے گھروں سے ایسی ذلت و خواری سے بوجہ ان کی شدت طاقت اور ان کے قلعوں کی مضبوطی اور ان کی کثرت عدو کے۔

وَظَنُّوْا اور کافروں نے گمان کیا تھا پختہ گمان جو یقین کے مرتبہ میں تھا اور وہ فعل الیقین یا اس کے قائم مقام کے بعد واقع ہوتا ہے۔ انھم مانعتھم حصونھم من اللہ بیشک انہیں ان کے قلعے اللہ تعالیٰ سے بچائیں گے۔

[عہ] رمل بیرین۔ ایک جگہ کا نام ہے

marfat.ocm

حل لغات الحصون حصن (بالکسر) کی جمع ہے وہ مضبوط جگہ جس کے وسط میں نہ پہنچا جا سکے۔ القلعہ یعنی وہ مضبوط حصن جو پہاڑ پر بنایا جائے۔ پہلا دوسرے سے عام ہے۔ تحصن قلعہ کو مسکن بنا کر پھر اسے عبور کیا جاتا ہے۔ درع حصینہ اس لئے کہ وہ بدن کے لئے بمنزلہ حلقہ کے ہے۔ فرس حصان اس لئے کہ وہ گھوڑا اپنے سوار کے لئے گویا قلعہ ہے۔ اب معنی یہ نکلا کہ ان کا گمان تھا کہ ان کے قلعے انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب و قہر سے بچالیں گے خبر کو مقدم کر کے جملہ کا اسناد ان کی ضمیر کی طرف کیا گیا تاکہ معلوم ہو کہ انہیں قلعوں پر حد سے زیادہ بھروسہ تھا اور ان کا اعتقاد راسخ تھا کہ نہایت عزت اور ایسی رکاوٹوں سے محفوظ ہیں کہ انہیں ہلا نہ سکے گی۔ مسند کی تقدیم قصر المسند الیہ علی المسند کا فائدہ دیتی ہے کیونکہ قائم زید کا معنی ہے کہ زید قیام پر مقصور ہے کہ اس کا اس سے قعود کی طرف تجاوز نہیں ایسے ہی آیت کا معنی ہے کہ ان کے قلعوں کی صفت مانعیت کے سوا اور کوئی نہیں یہ بھی جائز ہے کہ مانعتہم خبر ہو کیونکہ اس کا مرفوع ہونا فاعلیت کی بناء پر ہے اس کا اعتماد مبتداء پر ہے۔

سوال مانعتہم کو مبتداء اور حصونہم کو اس کی خبر بنانے میں کونسا مانع ہے جبکہ دونوں معرفہ ہیں۔

جواب مانعتہم معرفہ نہیں نکرہ ہے کیونکہ اس کی اضافت غیر محضہ ہے علاوہ ازیں قصد اخبار عن الحصون ہے۔ اگر مبتداء خبر بنائے جائیں تو یہ مقصد حاصل نہ ہو گا۔

فاتاهم الله پس ان کے پاس اللہ تعالیٰ کا حکم اور وہ تقدیر آئی جو ان کے لئے مقدر ہو چکی تھی۔ من حیث لم یحتسبوا (جہاں سے ان کا گمان نہ تھا) ان کے دل میں بھی نہ کھٹکا تھا وہ ہے ان کے رئیس کعب بن اشرف کا اچانک اپنے بھائی کے ہاتھوں قتل ہو جانا کیونکہ اس کے قتل ہو جانے پر ان کی قوت میں ضعف اور شوکت میں کمی آئی اس روز سے ان کے دلوں سے امن و چین اٹھ گیا اور ان میں رعب ڈال دیا گیا۔ فاء یا تو تعقیب کی ہے اس میں اشارہ ہے کہ پاس ان کے ظن کے بعد معمولی مدت کے بعد پیدا ہوا یا سببیہ ہے تو اشارہ ہے کہ ان کی گرفت ان کے اعجاب یا نفوس ہوئی جبکہ انہوں نے قدرت الٰہی سے قطع نظر کر لی اور نہ جانا کہ اللہ تعالیٰ بڑی قوت کا مالک ہے۔

marfat.ocm

طرف اخراب کا اسناد اس لئے ہے کہ وہ سبب تھے اس فعل کے گویا انہوں نے ہاتھوں کو حکم دیا اور مکلف بنایا یہ ایسے ہے جیسے حضور سرور عالم ﷺ کے ارشاد گرامی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے جس نے اپنے والدین پر لعنت کی اور اپ کے دوسرے قول میں ہے سب سے کبیرہ گناہ ہے اس کے لئے جس نے اپنے ماں باپ کو گالی دی۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ کون سا بیوقوف ہو گا جو ماں باپ کو گالی دیتا ہو آپ نے فرمایا کوئی کسی کے باپ کو گالی دے تو وہ اس کے باپ کو گالی دے گا ایسے ہی کوئی کسی کی ماں کو گالی دے تو گویا اس نے اپنے ہی ماں باپ کو گالی دی۔

تفسیر صوفیانہ فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ کفار کو بھروسہ قلعوں اور پتھروں پر اور مسلمانوں کو بھروسہ اپنے مالک غفار پر ہے۔ ظاہر ہے کہ جس کو جائے پناہ حقیقی پر بھروسہ ہو گا وہ اپنی مراد پا لے گا۔ دنیا میں بھی اور جس کو ماسوی اللہ پر سہارا ہو گا وہ اپنی تجارت میں کھلا اور واضح خسارہ پائے گا۔

فائدہ انسان رب تعالیٰ کی بنائی ہوئی تعمیر ہے جو خود کشی کرتا ہے اور اس کا سبب بنتا ہے تو وہ گویا اللہ تعالیٰ کی تعمیر کو توڑتا ہے۔ اس معنی پر وہ ملعون ہے ایسے ہی قلب کے حال کا قیاس کرو کیونکہ وہ اللہ کا گھر ہے اس میں ایسے جدوجہد کر کہ کہیں اس پر نفس و شیطان غلبہ نہ پا جائیں۔ حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا۔

من آں نگیں سلیمان بہیچ نستانم کہ گاہ گاہ برو دست اہرمن باشد

(میں سلیمان علیہ السلام کی انگشتری کو معمولی قیمت سے خریدنے پر تیار نہیں کہ جس انگشتری پر گاہے گاہے دیو کا قبضہ ہو جائے)

فاعتبروا پس عبرت کرو۔ یٰاُولِی الْاَبْصَار اے ارباب و عقول و بصائر نصیحت حاصل کرو ان ہولناک امور سے جو ان پر گزرے کہ وہاں عقل و فکر راہ نہیں پا سکتی اور ڈرو ایسے امور کہ ارتکاب سے جو انہیں کفر و معاصی کی طرف لے جاتے ہیں دونوں گروہوں کو اپنے نفوس پر منتقل کرو کہ کہیں تم ایسے نہ ہو جاؤ اور اسباب کی مضبوطی پر بھروسہ نہ کرو جیسے بنو نظیر نے اپنے قلعوں اور گھروں کی مضبوطی پر بھروسہ کیا بلکہ اللہ پر توکل کرو۔

جہاں اے پسر ملک جاوید نیست زدنیا وفاداری امید نیست

(اے عزیز جہاں ہمیشہ کا ملک نہیں دنیا سے وفاداری کی امید نہیں)

حل لغات الاعتبار العبور سے ہے۔ ایک شے سے دوسری شے کی طرف متجاوز ہونا اسی لئے عبرت کو عبرت کہا جاتا ہے کہ اس میں عین سے حد کی طرف منتقل ہونا ہوتا ہے اور اسی لئے اہل تعبیر کو اہل تعبیر کہا جاتا ہے کہ وہ متخیل سے معقول کی طرف ہوتا ہے اور الفاظ کو عبارات اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں معانی لسان قائل سے عقل مستمع کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔ اور عربی مثل مشہور ہے۔

السعید من اعتبر بغیرہ (سعادت وہ ہے جو اپنے غیر سے عبرت حاصل کرے)

وہ اس لئے کہ غیر کے حال کو اپنے حال کی طرف منتقل کرتا ہے۔

چوں برگشتہ بختے در افتد بہ بند ازو نیک بختاں بگیرند بند

(جب کوئی بخت پھرا قید میں پڑتا ہے تو اس سے نیک بخت لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں)

تحقیق البصر البصر (عضو معروف یعنی آنکھ) اور وہ قوت جو اس عضو (آنکھ) میں ہے اور قلب کی قوت مدرکہ کو بصیرت کہا جاتا ہے اور بصر بھی لیکن عضو (آنکھ) کی قوت باصرہ کو بصیرۃ نہیں کہا جاتا (المفردات) بعض تفاسیر میں ہے کہ الابصار البصر کی جمع ہے وہ جو سر میں ہے اسی سے ہی عالم ملک کا مشاہدہ کیا جاتا ہے اسی کو عالم شہادت بھی کہتے ہیں اور یہ مشاہدہ اتنا تیز ہے کہ رائی و مرئی (دیکھنے والے اور جسے دیکھا جائے) کے درمیان ہزاروں سال کی مسافت ہو تب بھی یہ قوت آنکھ جھپکنے میں دیکھ لیتی ہے۔ یہ نور جو آنکھ کے صدقہ میں ہے اسی مقدار تک ہزار سال کی مسافت تک آنکھ جھپکنے کی دیر میں مرئی (دیکھی ہوئی شے) تک پہنچ جاتا ہے جو کہ رائی حکایتہ (مرئی) کو پیش کر دیتا ہے[1]۔

---

[1] یہ تو ایک خاکی نور کی کیفیت ہے پھر اس نور کا کیا کہنا جو ملکی ہے پھر ملکی کے نور آگے نور رسالت ہے۔ لیکن لوگ چونکہ صرف ضد میں پھنس گئے ورنہ ولایت اور نبوت کی قوت کو سمجھنا مشکل نہ تھا اس کی مزید تحقیق فقیر کی کتاب "حاضر و ناظر" میں دیکھئے)

marfat.ocm

البصیرۃ قلب میں ایسے ہے جیسے آنکھ میں بصارت وہ بصیرت عالم ملکوت کا مشاہدہ کرتی ہے لور اسی کو عالم غیب بھی کہا جاتا ہے یہاں تک کہ اگر مشاہد (جس کا مشاہدہ کرنا ہے) عالم اعلی میں ہو یا لوح محفوظ میں ہو بلکہ علم اللہ تعالی میں ہو وہ امور اللہ تعالی کی مشیت میں ہیں کہ انہیں اس کے بیشک معلوم کریں تو وہ بندہ خدا اسے بھی ایک ہی آن میں مشاہدہ کرلیتا ہے کبھی کبھی ایسے حضرات کو ممتنع وغیر متناہی ایک خاص کے مشاہدہ سے مشاہدہ ہو جاتا ہے جیسے ہم اپنے وجدان میں پاتے ہیں اور یہ سب کچھ اللہ تعالی کی عجیب و غریب صنعت سے ہے۔

فائدہ بعض لوگوں نے یہاں البصر کو مجازاً مشاہدہ کے معنی میں لیا ہے کیونکہ وہ بھی مشاہدہ کے لئے ایک قسم کا آلہ ہے اور وہی عبرت کے لئے معتبر ہے کہ اگر وہ نہ ہو تو وہ مشاہدہ مفقود کے حکم میں ہے اسی اعتبار پر لولی لابصار فرمایا ہے ورنہ اولی البصائر ہونا چاہئے تھا اب اس کی تفسیر میں یوں معنی ہو گا اے عقول و بصائر والو نصیحت حاصل کرو۔ یہی معنی وعظ حاصل کرنے کو زیادہ لائق اور فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ کے زیادہ موافق ہے کیونکہ اللب وہ عقل خالص جو بشریت کی کدورت (میل کچیل) سے صاف ہو اور البصیرۃ بھی جو قلب کی آنکھ ہے جب صاف ستھری ہو۔ ان عقلاء سے خاص ہو خطاب بامر الاعتبار کے لائق ہیں باقی رہی صرف دیکھنے کی آنکھ تو جانوروں میں بھی ہے لور وہ بصیرۃ جو صاف ستھری نہ ہو وہ تو عوام میں بھی ہے۔

فائدہ بعض نے البصر کو اپنے حقیقی معنی میں رکھا ہے اور اس کی تفسیر میں فرمایا کہ معنی یہ ہے کہ عبرت حاصل کر اے وہ شخص جس نے ان وقائع کا معائنہ کیا۔

فیصلہ غور سے دیکھا جائے تو دونوں قولوں کا مآل ایک ہے کیونکہ صرف دیکھنا کسی کا کام نہیں جب تک اس میں بصیرت صحیحہ نہ ہو۔

قیاس کی تعریف الوسیط میں ہے کہ اعتبار کا معنی ہے امور میں نظر کرنا تاکہ اس سے کوئی دوسری شے (جو اس کی جنس سے ہو) معلوم کی جائے (اس کو ہم قیاس کہتے ہیں)

marfat.ocm

فائدہ حضرت یحیٰی بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس نے کسی شے کو دیکھ کر عبرت نہ پکڑی تو اسے وعظ و نصیحت کی ضرورت نہیں (جب وہ خود نصیحت حاصل نہیں کرتا دوسرے کی نصیحت سے اسے کیا حاصل ہو گا)

قیاس کا استدلال یہی آیت قیاس کی دلیل ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک حال سے دوسرے حال کی طرف تجاوز ہونے کا حکم فرمایا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے کہ اسی دوسرے حال کو پہلے حال پر محمول کرو اس حکم میں جو ان دونوں کو آپس میں مشارکت ہے جو اس حکم کی متقاضی ہے اس کی مزید تفصیل کتب اصولیہ میں ہے۔

تفسیر صوفیانہ اہل کتاب میں یہودی نفس اور نصرانی ہوٰی کی طرف اشارہ ہے ہم نے ہوی (خواہش نفسانی) کو نصرانی اور نفس کو یہود اس لئے کہا کہ نفس پر بیکار غلبہ ہے کیونکہ خواہش نفس کے لئے بمنزلہ روح کے ہے کہ جیسے جسم روح کے بغیر بیکار ہے۔ ایسے ہی نفس خواہشات کے بغیر بیکار ہے اس معنیٰ پر کہا گیا ہے۔ ہوٰی نفس کی روح ہے جو اس میں ہوٰی خواہشات حیوانیہ پھونکتی ہے۔ اس سے پھر وہ اسے جہنم کی وادی کی طرف دھکیل کر لے جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ صفات ظلمانیہ کی دیار صدمہ اولیٰ کے ساتھ اس کی جڑ کاٹتا ہے۔ ان کا گمان تھا کہ ان کی طبائع رد یہ کے قلعے انہیں صفات غیبیہ سے جدا ہونے سے روک دیں گے۔ اللہ تعالیٰ تجلی قہری کے ساتھ ان کے ہاں تشریف لایا اور قلوب نفس و ہوی میں ان کے درمیان مفارقت کا رعب ڈالا کیونکہ وہ ہر ایک آپس میں ایک دوسرے پر ایسے سہارا رکھتے ہیں جیسے روح و جسم کو آپس میں ہے کہ جسم روح کے بغیر قائم نہیں اور روح جسم کے بغیر۔ وہ خراب کرتے تھے اپنی صفات کے بیوت کو اپنی خواہشات گمراہ کنندہ کے ہاتھوں اور روح و سر و قلب کی قوت سے کیونکہ ان تینوں پر نورانیت کا غلبہ ہے۔ پس اے عقل والو عبرت پکڑو یعنی وہ حضرات جن کا حق اجر ہو گیا جیسے حدیث قدسی میں ہے کہ وہ بندہ میرے سے دیکھتا سنتا ہے اور میری قوت سے پکڑتا ہے (الی آخر الحدیث)

تفسیر عالمانہ ولولاان کتب اللہ اور اگر نہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا یعنی حکم فرمایا علیھم ان پر یعنی بنو نضیر پر۔

الجلاء جلاوطنی گھروں سے نکلنا ایسی ذلت و خواری سے۔ جس کی تفصیل ابھی گزری ہے۔

marfat.ocm

فائدہ لولا امتناعیہ ہے اس کا مابعد مبتداء ہے ان مخففہ من المثقلہ ہے۔ اس کا اسم ضمیر شان مقدر ہے کہ دراصل لَوۡلَآ انہ الخ تھا اور کِتٰبَ اللّٰہُ اس کی خبر ہے جملہ محلاً مرفوع بالابتداء ہے اب عبارت یوں ہوئی کہ لولا کتب اللہ علیہم الجلاء واقع فی علمہ او فی لوحہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان پر جلاوطنی اپنے علم یا لوح محفوظ میں لکھی نہ ہوتی لعذبہم فی الدنیا (تو دنیا میں ہی ان پر عذاب کرتا) قتل و قید سے جیسے یہود بنو قریظہ کے ساتھ کیا گیا۔

فائدہ بعض نے کہا کہ جب وہ اپنے جرم عظیم کی وجہ سے قہر عظیم کے مستحق ہوئے تو ان کی جلاوطنی سے گرفت ہوئی جو کہ قتل نفس کے برابر سزا مقرر کی گئی ہے جیسا کہ فرمایا کہ وَلَوۡ اَنَّا کَتَبۡنَا عَلَیۡہِمۡ اَنِ اقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ اَوِ اخۡرُجُوۡا مِنۡ دِیَارِکُمۡ مَّا فَعَلُوۡہُ اِلَّا قَلِیۡلٌ مِّنۡہُمۡ (اگر ہم ان پر لکھتے کہ خود کو قتل کرو یا خود اپنے گھروں سے نکلو تو نہ کرتے مگر تھوڑے) علاوہ ازیں اس طرح (جلاوطنی) سے احتمال تھا کہ ممکن ہے ان کے بعض مسلمان ہو جائیں یا ان کی نسلوں سے۔ وَلَہُمۡ فِی الۡاٰخِرَۃِ عَذَابُ النَّارِ (اور ان کے لئے آخرت میں جہنم کا عذاب ہے) یہ جملہ مستانفہ ہے لَوۡلَآ کے جواب سے متعلق نہیں کیونکہ اگر وہ معطوف علیہ ہو تو لازم آئے گا کہ وہ اخرت کے عذاب سے نجات پا جائیں کیونکہ کا مقتضیٰ ہے جزاء کا انتفاء حصول شرط کے لئے اور اسے اس لئے لایا گیا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ لوگ جلاء وطنی کے دنیا کے عذاب سے نجات پا بھی جائیں تب بھی آخرت کے عذاب سے نجات نہیں پا سکیں گے۔

صاحب روح البیان قدس سرہٗ کی تحقیق فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ ان کے دنیا کے عذاب سے نجات پانے سے لازم نہیں آتا کہ ان کی جلاوطنی از قبیل عذاب نہیں ہاں بہ نسبت ان کی جڑ کاٹنے کے یہ عذاب از نوع دیگر ہے بلکہ یہ اس سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ ان بدبختوں نے رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا اور ظاہر ہے کہ آپ کی شہادت ہزاروں کے قتل کے برابر (بڑھ کر) ہے اسی لئے جلاوطنی سے ان کی گرفت ہوئی تاکہ ہر دن میں ہزار بار مریں کیونکہ قاعدہ ہے کہ نفس کو اپنی پسندیدہ واشیاء سے جدا کرنا اس کی موت

marfat.ocm

کے برابر ہے اس لئے ان پر جزا ان کے عمل کی جنس سے واقع ہوئی۔

تفسیر صوفیانہ بعض اہل اشارہ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے نفس یہودی اور نصرانی شہوت پر جلاوطنی یعنی دور ہونا اپنے وجود لت کی دیار سے نہ لکھا ہوتا تو انہیں طلب دنیا اور اس کی محبت میں عذاب کرتا اور ان کے لئے آخر الامر ان کی مالوفات طبعیہ و مستحنات حسیہ سے جدا رہنے کا ناری عذاب ہے۔

تفسیر عالمانہ ذٰلِكَ وہ جو ان کو محیط ہوا یا ہوگا۔

بانہم اس سبب سے ہے کہ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کی ان کے احکام کی اور کیا جو کچھ کیا جسے ان کے قبائح بیان ہو چکے۔

حل لغات المشاقہ انسان کا ایک شق پر اس کے مخالف کا دوسری شق پر ہونا۔ وَمَنْ یُّشَآقِّ اللّٰهَ اور وہ جو اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرتا ہے فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ تو بیشک اللہ تعالیٰ کا سخت عذاب ہے مخالف کے لئے۔ یہی شرط کی جزاء ہے بحذف العائد یا جزاء محذوف کی تعلیل ہے یعنی اسے اللہ تعالیٰ عذاب دے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہے اسی لئے انہیں سخت عذاب ہوگا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرنے والے ہیں وہ مخالف جو بھی ہو۔ یہ شرطیہ سببیہ کی تحقیق ہے طریق برہانی سے اس میں اشارہ ہے کہ مخالفت مواخذہ کی متقاضی ہے اس کی قدرت و صنف کے مطابق اہل ایمان پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچیں۔

منت بسند است اگر بشنوی — کہ گر خار کاری سمن نداری

(ترجمے یہ کافی ہے اگر سنو کہ کانٹے بوؤ گے تو چنبیلی نہ اٹھاؤ گے)

فائدہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مشاقہ کا معنی ہے آپ کے امر و نہی کی حکمت میں مخالفت کرنا جیسے اسرار الصلوۃ الخمس اور ان کے اعداد

(جیسے چکڑالویوں اور پرویزیوں نے کیا ہے کہ وہ تین نمازوں کے قائل ہیں ۱۲) اور ان کی قراۃ میں اختلاف کرنا ان کے جہرا و سراً اور جیسے اسرار الزکوۃ اور اس کے احکام سے اختلاف کرنا اور جیسے احکام الحج اور اس کے متعلق میں اختلاف کرنا ہم تو صرف فرمانبرداری اور سر تسلیم خم کرنے پر مامور ہیں ۔ ان کے اسرار و حقائق

کے اختلاف میں ہمارا کیا کام اور نہ ہی ان کے اسرار و حقائق کی معرفت کے مکلف ہیں۔ حضور نبی پاک ﷺ باوجود کمال عرفان و جلال برہان کے فرماتے ہیں۔ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ میں اسی کی تابعداری کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے اور فرمایا نحن نحکم بالظواھر ہم ظاہر پر حکم دیتے ہیں[1] اور اللہ تعالیٰ ہی پوشیدہ و اسرار کو جانتا ہے۔

وَاللّٰہُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہے۔ اس کے عذاب کی شدت ایک یہ ہے بندے کو ان امور کے امتثال میں مبتلا فرمانا ساتھ عدم تکلیف ان کے حقائق کی معرفت کے عقاب سے مشقت میں ڈالنا مراد ہے ورنہ احکام الہیہ تو سراسر رحمت ہیں نہ کہ عذاب۔

مسئلہ جس نے کہا کہ یہ احکام تو ہم پر عذاب ہیں اور اس کی کوئی جائز تاویل نہیں کرتا تو کافر ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ مَاقَطَعْتُمْ مِّنْ لِّیْنَۃٍ وہ درخت جو تم نے کاٹے۔

ترکیب حل لغات ما شرطیہ منصوب بہ قطعتم ہے۔ لینتہ فولتہ حنتہ۔ کی طرح از نون اس کا اصل لونتہ تھا اور واؤ یاء سے تبدیل ہوئی۔ ماقبل کی کسرہ کی وجہ سے جیسے دیمہ و قیمتہ (دراصل دومتہ و قومتہ تھے) اس کی جمع الوان آتی ہے اس کھجور کی تمام قسمیں مراد ہیں۔ بعض نے کہا یہ لین سے ہے۔ اس کی جمع لین و الیان آتی ہے۔ اس سے مراد کھجور ہے جو تمام درختوں میں مکرم ہے کیونکہ یہ زمین کو قریب ہے اور اچھا پھل ہے۔ المفردات میں ہے کہ اللینہ خشونتہ (سختی) کی نقیض ہے۔ یہ اجسام میں مستعمل ہوتی ہے پھر اسے خلق وغیرہ کے لئے

---

[1] یہی جوابات ہیں وہابیہ دیوبند کے ان سوالات کے کہ حضور نبی پاک ﷺ نے لونڈی کا فیصلہ باطن کے کیسے خلاف کیا۔ طعمہ بن ابیرق کا فیصلہ باطن تو کچھ تھا تو آپ نے اس کے خلاف پر کیوں فیصلہ فرمایا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگی تو آپ باطنی حالات سے واقف تھے تو پھر جلد فیصلہ کیوں فرمایا و دیگر بیسوں سوالات کا حل یہی ایک فیصلہ ہے کہ آپ ظاہری حالات کے مطابق چلتے تھے تاکہ امت کو سہولت ہو کہ ظاہر حال صحیح ہو باطن کو سپرد۔ (حاشیہ ختم)

marfat.ocm

استعارہ کیا گیا ہے کہ معانی پر بھی مستعمل ہوتی ہے جیسے فلاں لین وفلاں خشن وفلاں نرم فلاں سخت ہے۔ لور ہر دونوں سے کبھی مدحت لور کبھی مذمت کی جاتی ہے (بحسب اختلاف المواضع) ماقطعتم من یسنته کا معنی ہے وہ جو تم نے پھل دار کھجور کاٹے۔ یہاں فعلہ اسم کے قائم مقام واقع ہے۔ جیسے حنته اس سے خاص قسم کھجور مراد نہیں۔ اب معنی یہ ہوا کہ وہ جو تم نے ان کی کھجوروں میں سے ہر قسم کی کھجوریں کاٹیں۔

فائدہ بعض نے کہا لینہ نے تمام قسم کی کھجوریں سوائے عجوہ برنیہ کے کیونکہ یہ کھجور کے بہترین قسمیں ہیں۔

لو ترکتموھا یا تم نے انہیں چھوڑ دیا۔ ضمیر ما کی طرف راجع ہے اس کی تانیث اس کی تفسیر لینۃ کی وجہ سے ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے قول مَا یَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِکَ لَهَا وہ جو اللہ تعالیٰ کے قول کے لئے رحمت کھولے تو اسے کون ہے کوئی روکنے والا۔

قائمته کھڑی ہوئی یہ حال مفعول کی ضمیر ہے۔ عَلٰی اُصُوْلِهَا (ان کی جڑوں پر) جیسے تھیں بغیر بیچے لگنے کے کاٹنے وغیرہ۔ اصول اصل کی جمع ہے وہ جس کی ٹہنیاں نکلیں یعنی جڑ ہے۔ فباذن اللہ (تو اللہ تعالیٰ کی اجازت سے تھا) یعنی کاٹنا لور چھوڑنا اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا تم پر اس کا کوئی گناہ نہیں کیونکہ کاٹنے اور چھوڑنے ہر دونوں میں حکمت و مصلحت تھی۔ ولیخزی الفاسقین (اور اس لئے کہ فاسقوں کو رسوا کرے) تاکہ یہود بنو نضیر جو خارج از اسلام ہیں کو رسوا کرے اسی لئے اجازت دی درختوں کے کاٹنے لور چھوڑنے کی۔ یہ فعل محذوف کی علت ہے۔

حل لغات خزی الرجل اسے انکسار لاحق ہوا یا اپنے نفس سے یعنی بہت زیادہ شرم وحیا اس کا مصدر خزاءتہ آئے گا یا غیر سے۔ یہ ایک قسم کا استخفاف و استحقار ہوتا ہے اس کا مصدر الخزی آتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اجازت بخشی درختوں کے کاٹنے لور چھوڑنے میں کیونکہ یہودیوں نے جب مسلمانوں کو دیکھا کہ اب کے بعد وہ ان کے اسباب و اموال پہ قابض ہو جائیں گے تو وہ کیسے گوارہ کر سکتے تھے ایسے انہیں دیکھنا کہ وہ اس میں جس طرح چاہیں گے تصرف کریں گے ان کے درختوں کو کاٹیں یا چھوڑیں تو اس سے غیظ و غضب میں بڑھیں گے لور ان کی حسرت میں

marfat.ocm

اضافہ ہو گا۔

شان نزول رسول اللہ ﷺ نے جب مسلمانوں کو حکم فرمایا کہ یہودیوں کے درخت کاٹ دو اور جلا دو تو بنو نضیر (یہود) نے کہا کہ اے محمد (ﷺ) ادھر تو آپ فرماتے ہیں کہ دین میں فساد نہ پھیلاؤ ادھر آپ خود درختوں کو جڑوں سے اکھاڑ رہے ہیں اور جلا رہے ہیں۔ تو ان کا یہ طعنہ رسول اللہ ﷺ کو ناگوار گزرا ویسے وہ مسلمانوں کا نفیس ترین مال بھی تھا (کہ اب ان کے قبضہ میں ہی آئے گا) اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

فائدہ آیت میں امر رسول اللہ ﷺ امر الٰہی سے تعبیر کیا ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی خواہش سے نہیں بولتے وہ نہیں ہوتی مگر وحی جو اللہ تعالیٰ سے آتی ہے۔

مسئلہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ کفار کی دیار کے اشجار پھلدار اور بغیر پھل کے کاٹنا اور ان کے گھروں کا اجاڑنا اور ان کی کھیتیوں کو جلانا جائز ہے تاکہ ان کے غیظ و حسرت میں اضافہ ہو۔

فائدہ کاٹنے کے لئے لینۃ کی تخصیص اس لئے ہے کہ عام کھجوریں کاٹ لیں لیکن نفیس ترین کھجوریں جیسے عجوہ برنیہ نہ کاٹیں۔ یہ بھی ان کے غیض و حسرت کا موجب بنے گا۔

عتیق عجوہ نوح علیہ السلام کا تحفہ منقول ہے کہ عتیق اور عجوہ کشتی میں نوح علیہ السلام کے ساتھ تھیں۔ عتیق نر ہے اور عجوہ تمام مادہ کھجوروں کی اصل ہے اسی لئے یہود کو ان کا کاٹنا سخت تر شاق تھا۔

کھجور کی قسمیں اس سے معلوم ہوا کہ لون عجوہ کے علاوہ اور قسمیں تھیں اور برنی بھی مدینہ پاک میں ایک کھجور کی قسم ہے اور برنی فارسی میں بمعنی حمل مبارک یا جید کو دراصل بر نیک (اچھا پھل) تھا معرب کر کے برنی کہا گیا۔

صیحانی عرب میں کھجور کی ایک قسم صیحانی بھی ہے (اسی نے حضور علیہ السلام کو عرض کیا الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ تفصیل دیکھئے فقیر کی کتاب (محبوب مدینہ) اویسی غفرلہ۔

marfat.ocm

شرح مسلم نووی میں ہے کہ مدینہ پاک کی کھجوروں کی ایک سو بیس قسمیں ہیں اور تاریخ المدینۃ الکبیر (وفاء الوفاء) للسید السمہودی رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ مدینہ طیبہ کی کھجوروں کی قسمیں میں نے شمار کی ہیں تو ایک سو تیس اور اس کے کچھ اوپر کو پہنچی ہیں اس کی تائید بعض علماء سے بھی ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں ہم نے تلاش بسیار کے بعد اس کی قسمیں اس سے زائد دیکھی ہیں جو امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بتائی ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ یہ زائد قسمیں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد تیار ہوئیں۔

غیر ملکی کھجوریں مدینہ پاک کے علاوہ دوسرے ملکوں میں مثلاً مغرب میں ان گنت قسمیں معلوم ہوئیں۔

حکایت فارس کے عالم دین محمد بن عازی نے سلجماسہ کے عالم دین ابراہیم بن ہلال کو کھجوروں کی قسمیں بھیجیں جب انہوں نے ان سے فرمایا کہ آپ کے ملک میں کھجور کی کتنی قسمیں ہیں تو انہوں نے ایک یا دو اونٹ کا بوجھ روانہ کر کے لکھا کہ یہ ہمارے شہر کی کھجوروں کا ایک ایک دانہ بطور نمونہ روانہ کر رہا ہوں اور یہ بھی وہ ہیں جو میرے علم سے متعلق ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو کون گن سکتا ہے۔

فائدہ نسق الازہار میں ہے کہ اس شہر مبارک (مدینہ پاک) میں ایک کھجور ہے اس کا نام تبونی وہ سبز رنگ دار شہد سے میٹھی ہے اس کی گٹھلی نہایت ہی چھوٹی ہے۔

فضائل عجوہ شریف عجوہ بنو نظیر کے بہترین اموال سے تھی کیونکہ اسی کو ذخیرہ کر کے اس سے کاروبار چلاتے

حدیث شریف ۱ نبی پاک ﷺ نے فرمایا عجوہ جنت کا میوہ ہے اس کی کھجور صبح کے ناشتہ کا کام دیتی ہے۔

حدیث شریف ۲ سیدنا آدم علیہ السلام اسے بہشت سے لائے تھے۔

حدیث شریف ۳ بخاری شریف میں ہے جو صبح کو سات دانے کھائے اس پر اسی دن زہر اور سحر اثر نہ کرے گا۔

حدیث شریف ۴ عجوہ میں شفاء اور اس کا ناشتہ (منہ نہار کھانا) تریاق ہے۔

فائدہ بعض نے فرمایا کہ عجوہ وہ صیحانی سے بڑی سیاہی مائل ہے یہ وہ ہے جسے حضور نبی پاک ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے خود بویا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ یہود و نضیر کے باغ میں تھی۔

حدیث شریف ۵ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب آدم علیہ السلام بہشت سے زمین پر تشریف لائے تو تین چیزیں ساتھ لائے۔

۱۔ مورد۔ یہ ریحان دنیا کا سردار ہے۔ ۲۔ سنبلہ۔ یہ طعام دنیا کا سردار ہے۔

۳۔ عجوہ۔ یہ ثمار دنیا کا سردار ہے۔

حدیث شریف ۶ عجوہ بہشتی باغات سے ہے اس میں شفاء ہے اور اس کا نام ناشتہ تریاق ہے خود پر برنی (کھجور) لازم کرو۔ اسے کھاؤ یاد رکھو کہ جو اس کے درخت میں ہے وہ تسبیح کرتا ہے اور کھانے والے کے لئے بخشش مانگتا ہے اور وہ تمہاری بہترین کھجوروں میں سے ہے وہ دواء ہے اس میں بیماری نہیں۔

حدیث شریف ۷ وہ گھر جس میں کھجور نہ ہو وہ گھر والے بھوکے (فاقہ و فقر زدہ) اور حضور سرور عالم ﷺ نے اسے دو بار فرمایا

ماتم کی رسم جب عجوہ کاٹی گئی تو یہود عورتوں نے گریبان پھاڑے اور منہ پر طمانچے مارے (ماتم کیا) اور ہائے ہائے پکارتی تھیں۔ (ہائے حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہائے حسین پکارنے والوں کے لئے عبرت ہے۔

تفسیر صوفیانہ بعض اہل اشارہ نے فرمایا کہ اس میں نخلہ دنیا کی کھجور ارض قلب سے کاٹنے کی طرف اشارہ ہے کہ یہی اللہ تعالیٰ کا حکم اور اس کا کاٹنے کے لئے اس کی حکمت کا تقاضا ہے۔ اور ان کے باقی رکھنے کے لئے بھی اور یہ کام ان کاملین مکملین واصلین مواصلین کا ہے جن کے نزدیک دنیا و آخرت میں مشغول ہیں یعنی ذکر ذات و صفات و اسماء میں جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں فرمایا رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وہ اللہ کے بندے جنہیں ذکر الٰہی سے نہ تجارۃ غافل کرتی ہے نہ بیع۔

marfat.ocm

وَيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ اور تاکہ رسوا کرے اللہ تعالیٰ ان فاسقین کو جو مقام معرفت و عرفان سے نکل گئے اور نہ جانا کہ اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے بھی ہیں جن کے نزدیک دنیا و آخرت کی کوئی قدر و منزلت نہیں ان کی آنکھیں ظاہر ٹیڑھی نہیں ہوتیں اور نہ ہی ان کی باطن کی آنکھیں دنیا و آخرت کو دیکھتی ہیں جو انہیں دنیا کی محبت اور شہوات حیوانیہ کا طعنہ مارتا یا نسبت کرتا ہے تو طعن زنوں کو اس طعنہ کی نحوست کو اللہ تعالیٰ رسوا کرے گا اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ طعنہ باز جھوٹے ہیں۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا۔

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات　　با دردکشاں ہر کہ درافتاد برافتاد

(ہم نے بڑا تجربہ کیا ہے کہ اس مکافات عمل کی دیر میں کہ جو درد کشاں (اولیاء کرام) کے درپے آزار ہوا وہ تباہ و برباد ہوا)

تفسیر عالمانہ وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ اور جو غنیمت دلائی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ کو مال شروع ہے وہ جو حاصل ہوا یہودیوں کے اموال سے بعد اسے بیان ہے کے جو ان کی ذاتوں کو عذاب عاجل و آجل پہنچا اور وہ جو ان کے گھروں اور باغات (کھجوروں) سے ہوا کہ وہ خراب ہوئے اور کھجوریں لائیں گئیں۔ ما موصولہ مبتداء تھا اور جفتم اس کی خبر ہے اسے شرطیہ بھی بنایا جاسکتا ہے۔ فما او جفتم اس کا جواب ہے۔

حل لغات الفئ دراصل بمعنی الرجوع ہے وافاء بمعنی اعاد وارجع اور وہ یہاں اپنے اصلی معنی پر ہے معنی یہ ہے کہ وہ جو ان کی طرف اللہ تعالیٰ نے ان کا مال لوٹایا یعنی رسول اللہ ﷺ کا تھا جو آپ کی طرف واپس لوٹا آیا یہود کا تو ناحق قبضہ تھا حق یہ ہے کہ اب حق بحقدار رسید ہوا۔

نکتہ وہابی کش اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ اس کی عبادت کریں اور باقی جملہ اشیاء انہی کے لئے پیدا کیں تاکہ ان کو عبادت میں وہ اشیاء وسیلہ بنیں اسی لئے ان اشیاء کے مالک اس کے بندے ہیں اور ان سب کے راس و رئیس حضور سرور عالم ﷺ ہیں۔ فلہذا یہ اشیاء درحقیقت انہی کی ملک ہیں کیونکہ آپ جیسے مطیع

الٰہی نہ کوئی ہوا نہ ہوگا۔[1]

تو عود اس معنی پر یہ ہوا کہ شے جہاں سے جدا وہاں واپس لوٹی۔ یہی معنی مشہور تر ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ کہا جائے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے وہ مال آپ کی ملک کر دیا۔ اسی معنی پر عود کا وہی مطلب ہوا کہ مال جہاں سے جدا ہوا وہیں پر لوٹا لیکن یہ ضروری نہیں کہ مسبوقاً اسی کے ملک کا تھا اس معنی پر پہلے معنی کی طرح کی توجیہہ کے تکلف کی ضرورت نہی ہے اور وہ کلمہ علی بھی اسی دوسرے معنی کی تائید کرتا ہے[2]

فائدہ بعض نے کہا کہ آفاء اللہ میں فئے کے معنی پر مبنی ہے فئی بمعنی غنیمت ہے اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مال خصوصیت سے اپنے رسول ﷺ کو مال غنیمت کے طور دیا ہے اور امام راغب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فئی وفیئۃ بمعنی حالت محمودہ کی طرف رجوع۔ بعض نے کہا فئے وہ غنیمت ہے جس میں مشقت نہ اٹھائی پڑے۔

نکتہ بعض نے فئی غنیمت کے مال کو فئے (ظل سایہ) سے تشبیہ دی ہے تاکہ تنبیہہ ہو کہ دنیا کا بہترین مال و غنیمت بھی فئی (سایہ) کی طرح چند لمحات کا مہمان ہے کہ بالکل جلد تر سایہ کی طرح زائل ہو جائے گا (تو پھر باقی سوال کا کیا حال ہو گا)۔ الفتہ وہ جماعت ایک دوسرے کی مدد کرنے والی کہ مدد میں ایک دوسرے کی طرف مائل ہو۔

فائدہ المتطرزی میں ہے کہ فئی غنیمت۔ نفل میں فرق ہے وہ یہ کہ ابوعبیدا نے کہا کہ غنیمت وہ مال ہے جو

(حاشیہ[1] دیگر بندگان خدا عبادت گزار وہ سب آپ کے طفیلی ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کی دین و عطا میں حقیقی مالک ہر شے کے حضور ہیں اور باقی عبادت گزار بندے یعنی انبیاء واولیاء طفیلی اور ان کے سوا مفت خورے طفیلیوں کے طفیلی وہ ہم ہیں اسی لئے ہم انبیاء واولیاء کے شکر گزار ہیں لیکن ان کے اعداء بڑے بدبخت ہیں کہ ان کا کھا کر انہیں بکتے ہیں۔

ہیں عجب کھانے غرانے والے

(حاشیہ[2] یہی ترجمہ کنزالایمان میں امام اہلسنت فاضل بریلوی قدس سرہ نے کیا)

marfat.ocm

مشرکین پر غلبہ کے بعد حاصل ہوا پھر بھی ان کے ساتھ جنگ قائم ہو اس کا حکم یہ ہے کہ غنیمت کا مال پانچواں حصہ بیت المال میں جمع کر کے باقی مجاہدین پر تقسیم کر دیا جائے فئی وہ مال غنیمت ہے جو مشرکین سے حاصل ہو لیکن اب کے بعد جنگ ختم ہو کہ وہ دار دار السلام ہو جائے اس کا حکم یہ ہے کہ تمام مال مسلمانوں پر تقسیم کر دیا جائے اس سے پانچواں حصہ بیت المال کا نہیں۔ نفل وہ جو غازی کو اس کے اپنے حصہ سے زائد (بطور انعام وغیرہ) دیا جائے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ امام یا حاکم وقت جنگ سے پہلے اعلان کر دے کہ جس نے جسے قتل کیا اس کا سامان قاتل کو ملے گا یا سریہ (لشکر) کو اعلان کر دیا جائے کہ جتنا تم لاؤ گے اس میں خالص تمہارے لئے اس کا چوتھا یا نصف ہو گا اس سے خمس نہ نکالا جائے گا۔ امام یا حاکم وقت کو اس کی وفاء ضروری ہے۔

فائدہ علی بن عیسی نے فرمایا کہ غنیمت نفل سے اعم ہے اور فئے غنیمت کیونکہ فئے وہ ہے جو مسلمانوں کو اہل مشرک سے حاصل ہو۔

فائدہ ابو بکر رازی نے فرمایا کہ غنیمت جزیہ۔ مال اہل صلح۔ خراج سب فئے ہیں کیونکہ وہ اموال ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مشرکین سے دلوایا ہے۔

مسئلہ فقہاء کرام نے فرمایا کہ وہ جو مشرکین سے لینا جائز ہے وہ فئے ہے۔

مِنْهُمْ ان بنو نضیر سے۔ فَمَا نافیہ ہے۔ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ نہیں دوڑائے اس پر یعنی مال کے حاصل کرنے میں اور غنیمت بنانے میں۔ الوجیف بمعنی دوڑنا۔ اوجفت البعیر میں نے اونٹ دوڑایا۔ القاموس میں ہے الوجیف گھوڑے کی ایک قسم کی تیز رفتار کی ایسے ہی اونٹ کو کہا جاتا ہے۔ اوجف فاعجف گھوڑا دوڑایا تو ضعیف ہو گیا۔ من خیل گھوڑے نفی کے بعد من زائدہ ہے خیلاً تھا گھوڑوں کی جماعت اس کا کوئی واحد نہیں یا اس کا واحد خائل ہے کیونکہ گھوڑا خیال کرتا ہے اس کی جمع اخیال وخیول آتی ہے (قاموس) امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ الخیلاء بمعنی لاالتکبر وہ جو تنہا اپنی فضیلت کا قائل ہو یہ انسانوں میں ہے اسی سے لفظ الخیل لیا گیا ہے کہ جو بھی اس کی سواری کرتا ہے وہ اپنے دل میں نخوت (بڑائی) کا تصور رکھتا ہے دراصل اس کا معنی

marfat.ocm

الافراس (بہت گھوڑے) ہے الفرسان بھی جمع ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ومن رباط الخیل اور جتنے گھوڑے (باندھ سکو) اور ہر ایک سوار اور سواری کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے جیسے مروی ہے۔ یاخیل اللہ ارکبی اے اللہ کے سوارو سوار ہو جاؤ۔ یہ جمع سوار کے لئے ہے اور فرمایا (علیہ الصلوۃ والسلام) نے عَفُوتُ لَكُم عَن صَدَقَةِ الْخَيْلِ میں نے تمہیں صدقہ خیل سے معاف کیا یہ سواریوں کے لئے ہے۔

خیل کی دو اقسام ہیں۔

۱۔ عتیق ۲۔ ہجین

عتیق جس کے ماں باپ ہر دونوں عربی ہوں یہ اس نام سے اس لئے موسوم ہے کہ وہ جملہ عیوب سے صحیح و سالم ہے اور نہ اس پر نقصان والے امور میں سے کسی عیب کا طعنہ کیا جا سکتا ہے۔ کعبہ معظمہ کو بھی اسی لئے عتیق کہا جاتا ہے کہ وہ کسی کی غلامی کے عیب سے پاک اور سالم ہے کیونکہ اس کا بھی بادشاہ مالک نہیں ہوا۔

فائدہ عتیق گھوڑا جس گھر میں ہو وہاں شیطان داخل نہیں ہوتا۔

ہجین وہ ہے کہ جس کا باپ عربی اور ماں عجمیہ ہو۔ ان میں فرق یوں ہے کہ گھوڑی کا عظم گھوڑے کے عظم سے بڑا ہو اور گھوڑے کی ہڈی گھوڑی کی ہڈی سے سخت تر ہوگی اور گھوڑی گھوڑے سے زیادہ بوجھ اٹھاتی ہے اور گھوڑا گھوڑی سے زیادہ تیز رفتار ہوتا ہے اور عتیق بمنزلہ ہرن کے اور اس کی گھوڑی بمنزلہ بکری کے۔

اعجوبہ گھوڑا بھی انسان کی طرح خواب دیکھتا ہے لیکن اس کا طحال نہیں اور یہ اس کی تیزی اور حرکت کی مثال دی جاتی ہے ایسے اونٹ کے لئے کہا جاتا ہے لامرارة ای لاجسارة اس میں جسارت نہیں۔

والارکاب اور نہ اونٹ۔ رکاب وہ اونٹ جو سواری کا ہو جیسے عربی راکب صرف اونٹ کے سوار کو کہتے ہیں اور بس گھوڑے کے سوار کو وہ فارس کہتے تھے یہ وہ جمع ہے جس کا اس کے لفظ سے کوئی واحد نہیں اور اس کا واحد بولنا ہو تا تو راحلہ (ایک اونٹنی) کہتے۔ المفردات میں ہے کہ الرکوب بمعنی انسان کا حیوان کی پشت پر ہونا اور کبھی سفینہ (کشتی) کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے۔

marfat.ocm

الراکب اونٹ کے سوار کے ساتھ مخصوص ہے اس کی جمع رکب آتی ہے اور رکبان و رکوب بھی الرکاب رکوب (سواری) کے ساتھ خاص ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ نہ تم نے سفر طے کیا کہ اس کی مشقت اٹھانی پڑی ہو اور نہ ہی تم کسی اور مشقت میں پڑے اور نہ سخت جنگ کا سامنا ہوا وہ اس لئے کہ بنو نظیر کی بستی مدینہ طیبہ کے باہر صرف دو میلوں کا سفر ہے جو ساعات نجومیہ کے حساب سے صرف ایک گھنٹے کا سفر ہے وہاں تمام چل کر گئے ان میں کوئی بھی سوار نہ تھا۔ سوائے رسول اللہ ﷺ کے کہ آپ گدھے پر سوار ہو رہے تھے جس کی نکیل کی رسی کھجور کی تھی جیسے پہلے گزرا۔ آپ اونٹ پر سوار تھے جیسے بعض نے کہا تو یہ علاقہ صلح سے فتح ہوا بغیر اس کے اس میں تلوار کی جنگ ہوتی جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور وہ جو اللہ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کو مال غنیمت ان سے دلوایا تم نے ایسے ہاتھ پاؤں مارے اور پسینہ بہائے بغیر حاصل کیا۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَاۤءُ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں قابو میں دے دیتا ہے جسے چاہے یعنی اللہ تعالیٰ کا طریقہ جاری ہے کہ اپنے دشمنوں میں جن پر تسلیط خاص فرماتا ہے اور ان (یہود بنو نضیر) پر اپنے نبی اکرم ﷺ کو بلاعداوت قابو دے دیا کہ تم اس میں جنگ کے تنگ راہ میں نہیں آئے اور جنگ کی شدتوں کا مزہ چکھا ہے فلہذا تمہارا اس میں کسی قسم کا حق نہیں یعنی یہ امر اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد ہے وہ جہاں چاہے جیسے چاہے کرے یہ اس مال کی طرح نہ ہوگا جو جنگ میں غنیمت کے طور پر تقسیم ہوتا ہے کیونکہ مال غنیمت جنگ کر کے اور کفار پر حملہ و غلبہ پاکر حاصل کیا جاتا ہے۔

شان نزول مسلمانوں نے اسے غنیمت سمجھ کر خیبر کے مال کی طرح اس کی تقسیم کا مطالبہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی جو مذکور ہوئی۔

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے کبھی طریقہ معہودہ پر کرتا ہے کبھی اس کے برعکس۔

تیغے کہ آسمانش فیض خود دہد آب ‏ ‏ ‏ ‏ تنہا جہاں بگیرد بے منت سپاہی

(جس تلوار کو آسمان اپنے فیض سے خود پانی دے۔ پھر صرف ایک اکیلا سپاہی ہی تمام جہان پر فتح کر سکتا ہے)

تفسیر صوفیانہ وہ فیض الٰہی اللہ تعالیٰ سے سالک کے قلب پر فیض رسانی کرتا ہے۔ اس کی دو اقسام ہیں۔

۱۔ خزانہ اسم وہاب سے محض وہبی کہ اس میں عامل کو عمل کی ضرورت نہ پڑے کہ اس میں خاص نیت کے گھوڑے دوڑائے عمل صالح جیسے فرائض و نوافل کی سواریاں چلائے۔ سالک عامل کے اس میں روابط مقطوع ہوتے ہیں اس میں سالک کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس فیض اور وارد قلبی کو کسی وجہ سے ہی اپنی طرف منسوب کرے اور ان اعمال کی طرف جو اس کے اعضاء میں کسی عضو سے صادر ہوئے ہیں بلکہ اسے خالص واہب ربانی کی عطاء اور عطائے امتنانی کی نوازش تصور کرے آیت کریمہ اسی پر دال ہے۔

۲۔ اس میں بندے کے عمل کو دخل ہو یہ اسم جواد کے خزانہ سے متعلق ہے اس میں کچھ نصیحت ہو تو اپنی ذات اور جوارح و اعضاء کی طرف اضافت کر سکتا ہے تاکہ اس کا اثر اس پر ظاہر ہو۔ آنے والی آیت نمبر ۳ اسی پر دلالت کرتی ہے ان دونوں پر آیت لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ البتہ کھائیں گے اپنے اوپر نیچے سے۔ جامع ہے کیونکہ پہلا اول پر دوسرا ثانی پر دال ہے۔

فائدہ رسول سے رسول القلب مراد ہے اور قلب کو رسول اس لئے کہا جاتا ہے کہ رسالت حضرت روح سے نفس کافر اور ھوی ظالم کی طرف ہے کہ وہ ان دونوں حق پر ایمان لائے اور ہدایت کی دعوت دے۔

تفسیر عالمانہ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى (جو غنیمت دلوائی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو بستی والوں سے)

ربط اس مال کو رسول اللہ ﷺ کے حوالہ کرنے کے بعد کہ مال چونکہ مفت ملا ہے جنگ نہیں ہوئی اس لئے اسے مجاہدین پر تقسیم نہ ہو گا تو اب اس کے مصارف بتائے جاتے ہیں اسی لئے اس کا ماقبل پر عطف نہیں گویا یہ سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو بنو نضیر کا مال دلوایا ہے۔ جسے تم نے قتال و غلبہ سے حاصل نہیں کیا تو غنیمت کی طرح تقسیم نہ ہو گا تو پھر اس کا ہو گا کیا اسکے جواب میں فرمایا مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ الخ

marfat.ocm

فائدہ بیان القرآن میں ہے کہ وَمَآ اَفَآءَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہ اور اس کا مابعد بغیر وار کے ہے کیونکہ پہلا معطوف ہے۔ ماقطعتم من لینۃ الخ پر دوسرا جملہ مستانفہ ہے اس کا کسی سے تعلق نہیں جس نے اسے ماقبل کا بدل کہا ہے اسے اکثر مفسرین نے ضعیف قرار دیا ہے اور بعینہ پہلے جملہ کی عبارت کا ارادہ محض زیادت تقریر کے لئے ہے اور اہل القری ضمیر کے بجائے اشارہ ہے کہ ان کی زمینیں بھی اسی غنیمت میں شامل ہیں۔ قری سے مراد بنو نضیر مراد ہیں۔

فائدہ کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اہل القری بستی اور شہر والوں کے تمام اموال و املاک مراد ہیں جو جنگ کے بغیر حاصل ہوئے۔

فائدہ عین المعانی میں ہے کہ اس سے قر۔ منہ نضیر جو مدینہ پاک میں تھے۔ اور فدک جو خیبر میں تھا مراد ہے انسان العیون میں ہے کہ القری کی تفسیر مغری اور وادی القری سے کی گئی ہے یعنی وہ تینوں مراد ہیں جیسے امتناع و منیع میں اور اس کی تفسیر میں بنو نضیر و خیبر بھی ملایا گیا۔ ہے۔ یعنی ان کے تینوں قلعے۔

۱۔ الکیتہ ۲۔ الوطیح ۳۔ السلالم جیسے لاامتناع و فدک میں یعنی ان کا نصف۔

مسئلہ علماء کرام نے فرمایا پہلے لوگوں میں غنیمتیں کسی کے لئے حلال نہ تھیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام غنیمتیں جمع کر کے رکھ دیتے آسمان سے آگ آ کر اسے جلا دیتی یہ صرف ہمارے نبی پاک ﷺ کا خاصہ ہے کہ آپ کے لئے غنیمتیں حلال ہوئیں۔ خود آپ نے فرمایا میرے لئے غنیمتیں حلال ہوئیں مجھ سے پہلے لوگوں میں کسی ایک کو بھی حلال نہ تھیں۔

فَلِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی ہیں وہ جیسے پسند کریں حکم فرمائیں۔

مسئلہ بعض نے کہا اللہ تعالیٰ کا نام محض تشریفاً و تعظیماً و تبرکاً ہے اور حضور ﷺ کا حصہ آپ کے وصال شریف سے ساقط ہو گیا۔

marfat.ocm

فائدہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بنو نضیر کا مال اللہ تعالیٰ نے مفت دلوایا کہ اس پر گھوڑے دوڑائے گئے تو یہ خالص اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے تھا۔ آپ اپنے اہل و عیال کا سال کا خرچہ نکال کر باقی سے غزوات کے لئے گھوڑے اور ہتھیار حاصل کئے جاتے۔ والذی القربی اور رشتہ داروں کے لئے بنو ہاشم و بنو عبد المطلب کے فقراء جن پر زکوۃ حرام ہے۔

مسئلہ ابو عصمہ نے حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ زکوۃ بنو ہاشم کو دینا جائز ہے اور یہ صرف اس وقت ناجائز تھا (یہ قول مرجوع ہے)

مسئلہ انہیں نفلی صدقہ دینا بالاجماع جائز ہے۔

مسئلہ غنی کو نفلی صدقہ دینا جائز ہے۔ کذافی الفتاوی العتابی محیط میں اس فتویٰ کے نقل کرنے کے بعد لکھا کہ ابن ساعدہ از امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ مروی ہے کہ بنو ہاشم کا ایک دوسرے کو صدقہ (زکوۃ) لینا دینا جائز ہے۔ اور اس میں باک نہیں رکھتا کہ ان میں زکوٰۃ دی جائے یا ان کے ممالیک (غلاموں) کو تو جائز ہے (التسهیلیہ) اور شرح الآثار میں ہے حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنو ہاشم پر جملہ صدقات (واجبہ اور غیر واجبہ) جائز ہیں۔ یہ حرمت حضور نبی پاک ﷺ کے زمانہ اقدس میں تھی کہ آپ کی طرف سے انہیں خمس الخمس ملتا تھا۔ جب حضور سرور عالم ﷺ کا وصال ہوا تو ان کے لئے صدقہ زکوۃ وغیرہ حلال ہو گیا۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم جواز کو کہتے ہیں (شرح الوقایہ لابن الملک) والیتامی اور یتیموں کے لئے۔ یتیم کی جمع ہے الیتیم بمعنی بچے کا بلوغ سے پہلے باپ سے منقطع ہو جانا اور باقی حیوانات سے ماں کی موت سے بچے کا بلوغ سے پہلے منقطع ہو جانا۔

والمسکین اور مسکینوں کے۔ مسکین کی جمع ہے۔ میم کی مفتوح بھی پڑھا جاتا ہے۔ وہ جو جس کی کوئی شے نہ ہو یا تو اسے کفایت نہ کرے یا اسے فقر و فاقہ ساکن کر دے یعنی اس کی حرکت کو ضعیف کر دے اور بمعنی الذلیل الضعیف (قاموس) السکون سے ہے اس معنی پر اس کا نون اصلی ہے۔ نون جمع کا نہیں اسی لئے اس پر تینوں اعرابوں کا

marfat.ocm

اجراء ہوتا ہے۔

وابن السبیل اور مسافروں کے لئے یعنی وہ مسافر جو اپنے مال سے بعید ہے اسے ابن السبیل اس لئے کہا ہے کہ وہ راستہ کو لازم پکڑے ہوئے ہے ایسے ہی ڈاکو چور کو ابن الطریق اسی لئے کہتے ہیں اور عمر رسیدہ کو ابن اللیالی اور پانی کے پرندے کو ابن الماء کہا جاتا ہے تو اس لزوم کی وجہ سے اور کوتے کو ابن دایہ ابن کی اضافت و آیۃ البصیر کی طرف سے ولیہ معنی جنب (کروٹ) چونکہ اس کو چمٹا رہتا ہے اسی لئے اسے ابن دایہ کہتے ہیں۔

مسئلہ اہل التفسیر کا تقسیم الغنیمۃ میں اختلاف ہے۔ بعض نے ظاہر آیت کی روح سے چھٹے حصہ کا کہا ہے اور اللہ تعالیٰ کا حصہ کعبہ معظمہ وجملہ مساجد کی تعمیر میں خرچ کیا جائے اور باقی پانچ حصے غنیمت کے پانچ مصارف میں خرچ کئے جائیں جو غنیمت کے لئے مذکور ہیں۔ بعض نے کہا غنیمت پانچ حصوں پر منقسم ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ذکر تو تعظیما ہے اور رسول اللہ ﷺ کا حصہ وقت کے امام پر خرچ ہو۔ ایک قول میں اور دیگر ایک قول میں ہے کہ امام وقت کے علاوہ لشکر اسلام اور سرحدوں پر یہی شافعیہ کے نزدیک صحیح تر ہے۔ ایک قول مصالح المسلمین پر بعض نے کہا اسے غنیمت کی طرح پانچ حصوں پر منقسم کیا جائے جیسے رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا پانچوں سے باقی چار حصے جیسے چاہے خرچ کرے یعنی مال غنیمت کی طرح ایک حصہ رسول اللہ ﷺ کا نکال کر باقی چار حصے ذوی القربیٰ، یتامیٰ، مساکین، ابن السبیل پر پانچویں میں پانچواں حصہ اپنے لئے اور اس کے باقی چار جیسے چاہے لیکن اس کے خلاف ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا حصہ نہ امام وقت پر خرچ ہوتا ہے نہ عساکر پر نہ سرحدوں پر نہ مصالح المسلمین پر۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ذوی القربیٰ روح و قلب و سر اور خفی ہیں اور یہی حصہ ملی بقرب الحسب والنسب مقرب ہیں۔ الیتامیٰ نفس حیوانیہ کے متوالدات ہیں جو فناء النفس کے بعد باقی ہوتے ہیں۔ جب وہ سطوات تجلیات القہر سے فانی ہو جاتا ہے۔

المساکین اعضاء وجوارح ہیں۔ **ابن السبیل** قوائے بشریہ و حواس خمسہ جو عالم معقولات و متخیلات و موہومات و محسوسات کے قدم عقل و خیال و وہم و حس کے ساتھ مسافر ہیں۔

marfat.ocm

دوسری تفسیر صوفیانہ بعض اہل اشارہ نے فرمایا کہ ذوی القربیٰ وہ ہیں جو رسول اللہ کے بعض مقامات میں شریک ہیں۔ الیتامی وہ ہیں بین الحق الی الحق سے منقطع ہیں اور درمیان فقدان ووجدان میں وصول کے طالب ہیں۔ المساکین وہ ہیں مقامات تک پہنچنے کی ہمت نہیں اور وہ حالات میں بھی متمکن نہیں۔ ابن السبیل وہ ہیں حدثان سے قدم کی طرف مسافر ہیں۔

تفسیر عالمانہ کیلایکون تاکہ نہ ہو یہ للہ وللرسول الخ کی علت ہے یعنی اللہ تعالیٰ غنیمت کی تقسیم کا خود متولی ہے تاکہ نہ ہو جو غنیمت فقراء کا حق ہے جس سے وہ گزارہ کریں گے۔ دولۃ دولت۔ بضم الدال اور اسے مفتوح بھی پڑھا گا ہے وہ شے جو لوگوں کے لئے دورہ کرتی ہے غناء اور مال اور غلبہ سے یعنی تاکہ نہ ہو ساری کی ساری دولت۔ بین الاغنیاء منکم۔ تمہارے میں سے اغنیاء کے درمیان اس سے وہ کثرت والے ہو جائیں۔ یہ خطاب انصار کو ہے کیونکہ مہاجرین اس وقت دولت مند نہ تھے (فتح الرحمن) یا معنی یہ ہے تاکہ نہ ہو جاہلیت والی دولت تمہارے درمیان کیونکہ ان کے روساء غنیمت کو پسند کرتے اور کہتے من عزبز ای من غلب سلب' جو غلبہ پائے وہی مال پائے وہ مال غنیمت اسی کے لئے مستقل مالک سمجھتے جو اس پر غلبہ پائے مال اسی کا اس سے غربا اور ضعفاء کو کچھ نہ دیتے۔

فائدہ حضرت کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ معالم میں ہے کہ اہل غنیمت جب حاصل کرتے تو ان کا سردار چہارم خود لیتا باقی سے بھی جو تحفہ کے طور لینا چاہتا لے لیتا۔ اسے صفی کہا جاتا باقی دوسروں پر تقسیم کی جاتی لیکن دولت مندوں پر فقراء محروم رہتے بعض اہل ایمان سرداروں کا یہی خیال تھا کہ اسلام میں بھی شاید اسی طرح ہو اسی لئے عرض کی یارسول اللہ ﷺ چوتھائی اور صفی اپنے لئے رکھ لیں باقی آپس میں بانٹیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے سارا مال غنیمت اپنے حبیب کریم ﷺ کو خاص کر دیا اور تقسیم کار وہی بتایا جو اوپر مذکور ہوا اور فرمایا کہ ہم نے مال غنیمت کا طریقہ تقسیم بتا دیا ہے تاکہ یہ دولت دست بدست دولت مندوں تک محدود نہ رہے کہ دولت مند زیادہ حصہ لے جائیں اور فقراء محروم رہ جائیں یا انہیں سرے سے محروم رکھا جائے جیسے زمانہ جاہلیت میں ہوتا تھا۔

marfat.ocm

فائدہ بعض نے کہا دولتہ (بالضم) وہ جو دست بدست دی جائے غرفہ کی طرح اسم ہے اس کا جس سے پانی برتن سے لیا جائے یعنی دولت اس شے کا اسم ہے جیسے لوگ دست بدستی لیتے کہ کبھی اس کے ہاں ہے تو کبھی اس کے پاس یعنی شے ایک دوسرے سے لیتا اور کہا جاتا ہے تداول القوم قوم نے ایک دوسرے کو دیا۔ داول اللہ بینھم اللہ تعالیٰ نے ان کو دیا۔ اب معنی یہ ہوا تاکہ نہ ہو غنیمت وہ شے جو دولت مند ایک دوسرے کو دیں لیکن فقراء کو کچھ نہ ملے۔

دولتہ بالضم مصدر ہے بمعنی تداول اس میں اضماء محذوف ہے۔ اب معنی یہ ہوا تاکہ نہ ہو جب ایک دوسرے کو دیں یا تاکہ نہ ہو روکنا اور لینا ایسا کہ اسے فقراء کا حق نہ نکالیں۔ بعض نے کہا یہ بالفتح ہے بمعنی ایک حالت کا منتقل ہو کر ایک قوم سے دوسری قوم کی طرف چلا جاتا اور اس نفس حالت کے لئے بھی مستعمل ہوتی جو انسان کے لئے پیدا ہوتی ہے مثلاً کہا جاتا ہے۔ ھذہ دولۃ فلان بعض نے کہا کہ بالضم اغنیاء کے لئے بالفتح فقراء کے لئے مستعمل ہے۔

حدیث شریف میں ہے غنیمت کو فقراء کی دولت بناؤ (کواشی)

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ حقدار کو حق دیا جائے تاکہ اغنیاء فقراء کے درمیان کسی قسم کا ظلم اور دولت جاہلیت والا سلسلہ نہ ہو۔

فائدہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مجلس میں فقراء کی طرح ہوتے ہیں یعنی ان کی عزت اور ان کی تعظیم و تکریم ویسے ہوتی جیسے امراء کی ہوتی ہے۔

تفسیر عالمانہ وما اٰتاکم الرسول اور وہ جو تمہیں رسول ﷺ دیں۔ ما موصولہ اور عائد محذوف ہے۔ ایتاء بمعنی اعطاء و مناولہ ہے یعنی اے مومنو! جو تمہیں غنیمت سے نبی پاک ﷺ عطا فرمائیں فخذوا اور وہ تو تمہارا حق ہے۔ وما نھٰکم عنہ اور وہ تمہیں جس سے روکیں اس کے لینے سے فانتھوا تو اس سے رک جاؤ۔ واتقوا اللہ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو و رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں۔ ان اللہ شدید

العقاب بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے۔ اسے سزا دے گا جو اس کے امر و نہی کی مخالفت کرے گا۔[1] والاولی حمل الایتہ علی العموم بہتر ہے آیت کو عموم پر محمول کیا جائے۔ اب معنی یہ ہوا کہ وہ جو تمہیں رسول اللہ ﷺ عطا کریں۔ امر مطلقاً فئی ہو یا شے دیگر اصول اعتقادیہ ہوں یا فروع عملیہ اسے لے لو یعنی اسے مضبوطی سے تھام لو کیونکہ وہ تم پر واجب ہے۔

فائدہ وہ شربت جو حضور سرور عالم ﷺ اپنے دست اقدس سے عطا فرمائیں وہ تم لے لو کیونکہ اس میں تمہاری زندگی ہے وہ تختی جو لکھیں اسے پڑھو کیونکہ تمہاری ضروریات انہی کے لکھے ہوئے میں ہیں اور آپ جس بات سے روکیں وہ کیسی ہی کیوں نہ ہو اس سے رک جاؤ کیونکہ آپ پر ہر امر اور نہی حق ہے جو آپ کے امر کی تعمیل کرتا ہے وہ نجات پا جائے گا اور جو اپ کی نہی کے مطابق نہ رکے گا وہ ہلاکت کے گڑھے میں ڈوب مرے گا۔

آنکس کہ شد متابع امر تو قد نجا   وانکو خلاف رائے تو ورزید قد ہلک

ترجمہ جو آپ کے حکم کے تابع ہے وہ نجات پا گیا وہ جو آپ کی رائے کے خلاف ہے وہ ہلاک ہوا۔

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ امر رسول اللہ ﷺ امر خدا ہے۔

مسئلہ علماء کرام نے فرمایا کہ فرائض عینیہ میں رسول اللہ ﷺ کی اتباع فرض اور کفایہ میں کفایہ اور واجبات میں واجب اور سنن میں سنت۔

مسئلہ جن امور کے متعلق ہمیں معلوم ہو کہ آپ کی سنت ہیں اس امر میں رسول اللہ ﷺ کی اقتدار

(حاشیہ [1] رد وھابیہ دیوبندیہ ہم اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اختیار کلی بخشا ہے۔ امور تشریعیہ ہوں یا تکوینیہ دلائل میں ایک آیت یہ بھی ہم پیش کرتے ہیں اور طریقہ استدلال یہ ہے یہاں لفظ ما واقع ہے اور وہ عام ہے امور تشریعیہ ہوں یا تکوینیہ دینویہ ہوں یا دینیہ وہابی دیوبندی ایسے عقیدے کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں اور آیت میں ما کو عام نہیں مانتے بلکہ کہتے ہیں عام تو صرف امور شرعیہ میں اور بس فیصلہ صدیوں پہلے صاحب روح البیان وہی فرما گئے جو ہم کہتے ہیں اب متن پڑھیے۔ حاشیہ ختم)

کریں اور جن امور میں معلوم نہیں کہ یہ امر آپ نے کس وجہ سے کیا۔ (علاوۃً یا عبادۃً) آپ کی اقتداء کی ادنیٰ منازل پر عمل کریں گے یعنی اسے مباح سمجھ کر اقتداء کی جائے۔

حکایت حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے محرم حاضر ہوا۔ جس نے اپنے پہننے کے کپڑے بھی اٹھائے ہوئے تھے۔ آپ نے انہیں علیحدہ کر کے عرض کی کوئی قرآنی دلیل آپ نے یہی آیت پڑھی۔ مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ۔

فائدہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ واشمات عورتوں پر لعنت کرے۔ واشمات بمعنی وشم کا عمل کرنے والیاں۔ الوشم ہاتھ کا گودنا نیل وغیرہ سے۔ القاموس میں کہا الوسم وعد کی طرح بدن میں کوئی چبھو کر اس پر کاجل ڈال دینا۔ النور وزن صبور بمعنی النیلج (چربی کا کاجل جو گودنے کے کام میں آتا ہے) اور چربی کا دھواں اور پتھر جیسے سرمہ، جسے پیس کر مسوڑوں پر لگایا جائے اور فرمایا اللہ تعالیٰ لعنت کرے مستوشمات پر۔ یہ اشتوشمت الجاریہ سے ہے بمعنی وہ عورت جو گودنے کی خواہش کرے۔ اور فرمایا متنمصات مکحسن پر لعنت کرے متنمصات وہ عورتیں جو حسن بڑھانے کے لئے بال نوچیں۔ القاموس میں ہے کہ النمص بمعنی بال نوچنا اور النامصہ پر بھی لعنت کی ہے یعنی وہ عورت جو دوسری عورت کے حسن کے لئے اس کے بال نوچے یعنی حسن بڑھانے کے لئے جو عورت اپنے یا کسی دوسری عورت کے بال اکھیڑے تو مستحق لعنت [لہ] ہے۔ اور فرمایا ان عورتوں پر لعنت جو اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو تبدیل کرتی ہیں۔

(حاشیہ [لہ] بال نوچنا حسن کے اضافہ کی نیت بھی حرام ہے تو جو عورت ماتم حسین رضی اللہ عنہ میں بال نوچتی ہے اس کا کیا حال ہو گا ایسے ہی بین کر کے بال نوچنے والی عورتوں کو سمجھئے۔ اویسی غفرلہ۔ حاشیہ ختم)

مسئلہ اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو دانتوں کو تیز کرنے کے ارادہ پر اس میں کلٹ واٹ کرتے ہیں آلات وغیرہ سے۔

مسئلہ ناک میں سوراخ کرنا بھی حرام ہے۔

marfat.ocm

مسئلہ کان میں سوراخ عورت کو مباح ہے جو زینت کی نیت سے ہو یعنی بالی پہننا وغیرہ لیکن مردوں کے لئے حرام ہے۔

مسئلہ ایسے ہی مردوں کا داڑھی مونڈنا بھی اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں تغیر ہے۔[لہ]

(حاشیہ لہ لیکن مسلمانوں کو کون سمجھائے کہ اے خدا کے بندو داڑھی مونڈ کر اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کو ناراض کر رہے ہو ان کی لعنت کو دعوت دے رہے ہو۔ چلو آج نہ سمجھو گے تو قبر میں سمجھو گے پھر کیا فائدہ ابھی سے مان لو داڑھی بڑھاؤ۔ ۱۲۔ اویسی غفرلہ۔ حاشیہ ختم)

حکایت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ مضمون بنی اسد کی ایک عورت کو پہنچا تو آپ کے پاس حاضر ہوئی اس کا نام ام یعقوب تھا کہا اے ابن مسعود رضی اللہ عنہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ عورتوں کو ایسے افعل سے لعنتی کہتے ہیں فرمایا میں کیوں نہ ان عورتوں کو ملعون کہوں جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں لعنت کی ہے اور وہ حکم کتاب اللہ میں ہے۔ ام یعقوب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا میں نے سارا قرآن (بارہا) پڑھا ہے اس میں تو یہ حکم نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا اگر تو نے قرآن پڑھا ہوتا تو تمہیں انکار نہ ہوتا کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ام یعقوب نے کہا یہ آیت تو میں نے پڑھی ہے۔ آپ نے فرمایا اسی سے میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے ایسے افعل سے روکا ہے۔

مسئلہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اسی ایت سے اللہ تعالیٰ نے دباء ختم بالضم والمد (کدو) الحنتم (بالفتح) التاء وسکون النون (اس سے قبل) سبز رنگ کا گھڑا۔ النقیر وہ پتھر اور لکڑی وغیرہ جسے سوراخ کیا جائے۔

المذفت بالضم وتشدید۔ مٹی کا گڑھا۔ بڑا مٹکا جسے زفت (کلا تیل) مل دیا جائے۔

مسئلہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک بنیذ التمر اور جوار کا بنیذ برتنوں میں ڈالنا جائز ہے اگرچہ ان کی وجہ

marfat.ocm

ہے ان میں شدت بھی آجائے۔

حدیث شریف قرآن مجید سخت اور مشکل ہے جو اس سے کراہت کرے ورنہ آسان ہے اس پر جو اس کی اتباع کرے ایسے ہی میری حدیث مشکل اور سخت ہے اسی سے حکمت مراد ہے جو میری حدیث کا دامن مضبوط تھامتا ہے اور اس کی قرآن مجید کے ساتھ حفاظت کرتا ہے تو ان کے لئے آسان ہے اور جو میری حدیث سے سستی کرتا ہے تو وہ دنیا اور آخرت میں خسارہ پا گیا اور تم اللہ تعالیٰ سے مامور ہو میری اتباع کرو جو میری سنت سے راضی ہے وہ قرآن سے راضی ہے۔ جو میری سنت پر استہزاء کرتا ہے وہ قرآن سے استہزاء کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔

تفسیر صوفیانہ حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس سے شرائع الاسلام مراد ہیں اسی لئے فرمایا کہ جو وہ تمہیں دیں غیبی خبریں اور مکاشفہ رب سے تو انہیں یقین کر کے لے لو اور وہ جو تمہیں نظر الی غیر اللہ سے روکیں تو اس سے رک جاؤ۔

دوسری تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں ذوی القربیٰ سے خطاب کیا گیا ہے یعنی وہ جو چار مراتب مذکور ہوئے اور انہیں فرمایا جو تمہیں رسول قلب دے اس فیض سے جو اسے حاصل ہوا تمہاری ظاہری صورت اور تمہاری معنوی معرفت سے نفس کافر کے قتل کرنے اور ظالم خواہش نفسانی کے مٹانے سے پہلے حسن تلقی اور لطف قبول سے اسے قبول کر لو اس لئے کہ اس نے تمہیں تمہاری استعداد کے مطابق دیا ہے اور وہ تمہیں جس سے روکیں تو اس پر اعتراض کرنے سے رک جاؤ اور اعتراض کرنے سے اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہے کہ وہ تمہیں اپنی طرف حسن توجہ اور استفاضہ کے لطف سے محروم کر دے (تو پھر کیا کرو گے)

تفسیر عالمانہ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ ان فقراء مہاجرین کے لئے۔

ذِی الْقُرْبٰی اور اس کے معطوفات پر اس کا عطف ہے نہ کہ اللہ و رسول پر ورنہ فقراء میں رسول ﷺ داخل ہوں گے۔ درس ادب آپ کو فقیر کہنا بھی ناجائز ہے کیونکہ اس میں ذم و نقصان کا توہم ہے۔[1]

(حاشیہ آگے

marfat.ocm

توہم کی تقریر   فقیر کا مادہ فقر سے ہے بمعنی کمر کا ٹوٹنا ان کے قول فقرتہ (میں نے اس کی کمر توڑی) ہے اسی لئے حاجت ودواہیہ کو فاقرہ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ انسان پر غلبہ پاکر گویا اس کی کمر توڑ دیتے ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ پر اس کا اطلاق (معمولی سی بے ادبی کے شائبہ پر) ناجائز ہے تو اللہ تعالیٰ کے لئے بطریق اولیٰ ناجائز ہو۔ ویسے اللہ تعالیٰ نے آیت وینصرون اللہ ورسولہ الخ سے رسول اللہ ﷺ فقیر کہلانے سے نکالا ہے۔ اس تقریر کے بعد اب فقراء میں داخل رہا۔

ابن السبیل یعنی وہ شخص کو جس کا مال گھر میں ہے اس معنی پر اسے بھی فقیر نہیں کہا جاسکتا جیسا کہ تلویح وغیرہ میں نص ہے۔

مسئلہ   امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اغنیاء ذوی القربیٰ کو فئی دینا جائز رکھا ہے۔ تو انہوں نے اسے مابعد سے بدل بنانے پر لیکن امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فقراء کی شرط لگائی ہے۔ بنو نظیر کی فئی پر قیاس کر کے انہیں فقیر سمجھنا اس تاویل کا تعسف ظاہر ہے۔ (الارشاد)

اَلَّذِیْنَ خُرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ   وہ جو اپنے گھروں سے نکالے گئے جو مکہ معظمہ میں تھے۔ وَاَمْوَالِهِمْ اور مالوں سے یعنی اپنے مالوں سے دور پڑے ہیں اور انہیں کفار مکہ نے نکلنے پر مجبور کیا اور ان کے مال ہتھیا لئے وہ ایک سو تھے جو مکہ معظمہ سے نکلے۔ یہ ظاہر پر مبنی ہے ورنہ وہ تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت اس میں اپنے اختیار سے ہجرت کر آئے اور انہیں اسلام سے شدید محبت تھی اسی لئے اسے اختیار کیا اور بھوک سے ایسے نڈھال کہ

(حاشیہ لے جو لوگ رسول اللہ کے لئے فقر وفاقہ (محتاجی) ثابت کے درپے ہیں تاکہ اہلسنت کا رد ہو کہ   آپ تو مختار کل تھے تو پھر آپ پر فقر وفاقہ کیسا جبکہ آپ کئی روز تک بھوکے رہتے اور آپ کے گھر پر آگ نہ جلتی وغیرہ وغیرہ اور مختار ہوتے تو پھر وہ ہماری دعاؤں کے محتاج کیوں ہوئے۔ جب ان کے لئے شب و روز دعا کرتے ہیں۔ اللھم صلی علی محمد الخ اے اللہ محمد پر رحمت بھیج۔ ایسے بدبختوں کی ایسی بدبختی کا کیا علاج تفصیل فقیر کی کتاب "اختیار کل مختار کل" پڑھیے۔

marfat.ocm

پیٹ پر پتھر باندھ رکھے تھے اور سردی سے بچنے کے لئے گڑھے کھود کر گزارہ کرتے ان کا کوئی گھر نہ تھا جس میں رہ کر سردی سے بچتے۔ حضور نبی پاک ﷺ فقیر مہاجرین کے لئے دعا مانگتے تھے اور فرماتے اے فقیر مہاجرو قیامت میں تمہیں اور تام کی خوشخبری ہو کہ تم دولت مندوں سے آدھا یوم پہلے بہشت میں داخل ہوں گے جس دن کی مقدار پانچ سو سال ہے۔

یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا وہ اللہ تعالیٰ کا فضل طلب کرتے ہیں اور اس کی خوشنودی یعنی درانحالیکہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے دنیا میں رزق اور آخرت میں خوشنودی کے طالب ہیں پہلے ان کا وہ وصف بیان کیا گیا جو ان کے استحقاق الفئی کا موجب ہے یعنی گھروں سے نکالا جانا اسے دوبارہ ذکر کیا ان کے تفخیم شان کی وجہ سے اور یہی اس کی تاکید کرتا ہے اور وہ اخرجوا کی ضمیر سے حال ہے اور ان کے حال کے ذکر میں عالی سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے کیونکہ رضائے الہٰی دنیا کی عطاء سے بہت بڑی بلند قدر ہے۔

وَیَنْصُرُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اور وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی مدد کرتے ہیں اس کا عطف یبتغون پر ہے یہ حال مقدرہ ہے کہ ای ناوین یعنی درآنحالیکہ ان کی نیت ہے کہ دین بلند ہو اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی مدد کریں گے اور اس کی طاعت میں اپنی جان کی بازی لگائیں گے یا حال مقارنہ کا ہے اب معنی یہ ہوا کہ ان کا نکلنا گھروں سے اس نیت سے تھا کہ کافروں کو ذلیل کریں گے اور مدینہ پاک میں جا کر رسول اللہ کی مدد کریں گے جتنا ہو سکی اور جس طرح ہو گی۔

اُولٰٓئِکَ وہی لوگ مہاجرین وہ جو مذکور صفات سے موصوف ہیں ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ وہی سچے ہیں صدق میں راسخ اور پختہ ہیں اس لئے کہ جیسے کہا تھا ویسے کر دکھایا گویا صدق ان پر مقصود ہے کما قال صدق کے آثار صرف انہیں میں ہیں۔ صدقتہ السر کی طرح یعنی صدقہ سر کا بادشاہ ہے اور جنت کی صداق اور صداق بمعنی جنت کی سرائے کا سرور اور بمعنی صدیق الحق یعنی وہ صدیق بادشہ حق ہے۔

راست کاری پیشہ کن کاندر مصاف رستخیز
نیستد از خشم حق جز راست کاران رستگار

(سچائی کا طریقہ اختیار کر کہ قیامت کے میدان میں اللہ تعالیٰ کے غضب سے سوائے سچوں کے کسی کی نجات نہیں ہو گی)

اختیار نبی ﷺ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ ہم کلیۂ عالم کے سردار ہیں اور ہم تمام اولاد آدم (علیہم السلام) سے بہتر و برتر ہیں۔ اس پر فخر نہیں ہمارے ہاتھ میں لطف و کرم کی سبیلیں رکھیں اور ہمارے حجرے بہرہ ور اور برگزیدہ ہوئے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے ہدیئے بھجوائے ناز نہ تھا۔ مجھ سے پوچھا سردار تمہیں خود کیا چاہئے اور تم کس بات سے فخر کرنا چاہتے ہو۔ میں نے کہا اختیار و افتخار فقر ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ایک دن کا کھانا دوسرے دن نہ ہو اور اپنے فقراء مہاجرین جیسے بلال و صہیب و سلمان و عمار کے فقر کی باتیں کہتا ہے۔

بر دل ذکر اُمتش نثار است مرا — وز فقر لباس اختیار است مرا
دینار و درم بچہ کار نیست مرا — با حق ہمہ کار چوں بکار ست مرا

ترجمہ امت کی یاد میں میرا دل قربان مجھے فقیر کا لباس پسند ہے۔ دینار و درم سے مجھے کیا کام ہے مجھے اگر کوئی کام ہے تو صرف حق سے ہے اور بس۔

فائدہ فقر کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ اس سے حضور نبی پاک ﷺ نے پناہ مانگی اور فرمایا۔ اعوذ بک من الفقر۔ میں فقر سے پناہ مانگتا ہوں۔

۲۔ اس پر فخر فرمایا چنانچہ الفقر فخری فقر میرا فخر ہے پہلا نزدیک بکفر دوسرا نزدیک بحق ہے وہ فقر جو کفر کے نزدیک ہے وہ فقر دل ہے اور وہ دل علم و حکمت اور اخلاص و صبر و رضا و تسلیم اور توکل سے خالی ہو کہ ایسی بہترین ولایات سے محروم ہو جیسے زمین آبادی کے لائق نہ رہے وہ دل بھی ایسی جواہر کے قابل نہ ہو بلکہ وہ شیطان کا گھر بن جائے بلکہ شیطان کے لشکر کو جگہ ملتی ہے تو اسی گھر میں سپاہ شیطان یہ ہے۔

۱۔ شہوت و غضب ' حسد و شرک اور شک و شبہ اور نفاق نشان اس فقر کا یہ ہے کہ ایسا آدمی جو کچھ دیکھئے ٹیڑھا دیکھے

marfat.ocm

اس کی شنوائی مجاز کے سماع میں مستغرق اس کی زبان پر کذب و غیبت کے سوا کچھ نہ چلے اس کا قدم سوائے ناشائستہ کے امور کسی طرف نہ اٹھے۔ یہ وہ فقر ہے جس کے لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کادالفقران یکون کفرا قریب ہے اس کا فقر کفر میں دھکیل جائے گا اور فرمایا اللھم انی اعوذبک من الفقر والکفر۔ اے اللہ میں تجھ سے فقرو کفر سے پناہ مانگتا ہوں بہرحال وہ فقر جس کے لئے حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا الفقر فخری فقر میرا فخر ہے وہ ہے کہ جس میں بندہ دنیا سے خالی ہو اس سے خالی ہوگا تو دین کے نزدیک ہوگا۔

حدیث شریف میں ہے کہ دین عریان (ننگا) ہے اس کا لباس تقوی ہے اسے صوفیہ کرام کی اصطلاح میں تجرید کہتے ہیں اس لئے کہ مرد رسول دنیا سے مجرد (خالی) ہو جاتا ہے۔ جیسے تلوار از نیام یہی وجہ ہے کہ جب تک تلوار نیام میں رہے اس وقت تک اس کا ہنر ظاہر نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کا کام ہویدا ہوتا ہے ایسے ہی دل جب تک وہ انسانیت کے غلاف میں پوشیدہ ہے اس وقت تک اس کا ہنر ظاہر نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کا کارنامہ اشکار ہوتا ہے جب وہ انسانیت کے غلاف سے باہر آئے گی تو پھر اس کی اصلی صورت و صفت نظر آئے گی۔

تفسیر صوفیانہ ا حضرت نجم الدین الکاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ افقاء کی تین اقسام ہیں۔

۱۔ افتقار الی اللہ دون الغیر اسی کی طرف اشارہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا کہ الفقر سواء والوجہ فی الدارین فقر دارین میں سیہ رو ہے۔

انتباہ جملہ احادیث میں عجیب و غریب معانی ہوتے ہیں عقلمند ہی جان سکتے ہیں۔

سوال وہابی[1] حدیث الفقر فخری پر محدثین نے طعن و تشنیع کی ہے فلہذا اسے دعوی کی دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔

---

[1] (حاشیہ: یہ اضافہ فقیر کا ہے اس لئے کہ سوال اگرچہ پرانا ہے لیکن وھابیوں نے اپنے مطلب کے لئے اپنایا ہوا ہے)
(اویسی غفرلہ)

marfat.ocm

جواب از صاحب روح البیان یہ حدیث معناً صحیح ہے چونکہ ایک دوسری حدیث صحیح میں ہے اللھم اغننی بالافتقار الیک (اے اللہ مجھے اپنی محتاجی میں دوسروں سے بے پرواہ بنادے)۔

فقیر کون ؟ حضرت حسین رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا کہ فقراء کسے کہتے ہیں فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ٹھہرنے والے اور وہ اس کے اس ارادہ پر راضی جو وہ ان کے حق میں جاری فرمائے بعض نے کہا فقیر وہ ہے جو ہر سبب اور تعلق کو ترک کر کے کونین کی کسی چیز کی طرف اس کی توجہ نہ ہو سوائے اپنے پروردگار کے انہیں اللہ تعالیٰ نے بادشاہ بنایا ہے اور اس خدمت کے لئے اغنیاء کو مقرر فرمایا ہے ان کی تشریف و تکریم کے پیش نظر۔

تفسیر صوفیانہ ۲ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ذوی القربیٰ سے مہاجرین الی اللہ کو بدل بنایا یعنی ذوالقربیٰ وہ مہاجرین ہیں جو قریہ نفس سے ہجرت کر کے مدینہ روح و قلب کی طرف ہجرت کے ساتھ سیر و سلوک کے نفسانیت کے جنگل اور حیوانیہ کے ویرانے طے کر کے اپنے وجود اور اس کی صفات و لغوت کے نور کی طلب میں اللہ تعالیٰ کی مدد کرنے والے اس کا مظہر ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کے لئے وہ اللہ جو جامع اسم ہے اور اس کے رسول ﷺ کی مدد کے لئے ان کے مظہر ہونے میں اس کے احکام و شرائع ظاہرہ کے لئے وہی لوگ سچے ہیں مقام فناء میں کہ وہ فانی ہیں اپنی ذات سے اور صفات سے اور افعال سے اور اس کے ساتھ باقی ہونے میں یعنی بقاء بذات اللہ و صفات اللہ و افعال اللہ میں ہم سب کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ایسے ہی بنائے (آمین)

تفسیر عالمانہ وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ اور جنہوں نے اس شہر اور ایمان میں گھر بنایا۔ یہ جملہ مستانفہ ہے انصار کی مدح و تعریف ساتھ خصال کے بیان کے لئے لایا گیا ہے منجملہ آپ کے خصائل حمیدہ کے ایک یہ ہے کہ انہیں مہاجرین سے محبت ہے اور دوسرا یہ کہ فئی صرف مہاجرین کو دینے پر راضی ہیں بلکہ بہت زیادہ راضی ہیں۔

انصار کون ہیں ؟ انصار بنوالاوس والخزرج ہیں یہ دونوں حارثہ بن ثعلبہ بن مالک بن زید بن کہلان بن سبائن بن یشجب ابن یعرب بن قحطان کے بیٹے ہیں (قاموس) میں ہے کہ قحطان بن عامر بن شالخ قبیلے کا جد امجد ہے یہی

marfat.ocm

عرب خالص کا اصل ہے۔ انصار میں سے غسان ہے۔ بچو شد لو یہ پانی کا چشمہ ہے جو جحفہ کے قرب میں ہے ازد کی اولاد سے یہ لوگ یہاں اترے وہاں سے پانی پیا تو اس کی طرف منسوب ہوئے۔

حل لغات اصل المبوأ بمعنی مکان اجزاء کا مساوی ہونا بخلاف النبو کے کہ وہ مکان جس کے اجزاء مساوی نہ ہوں۔ اہل لغت کہتے ہیں مکان بوا وہ مکان اپنے رہنے والے کے لئے مخالف طبع نہ ہو اور کہتے ہیں بوات لہ مکانا۔ میں نے اس کے برابر بنایا۔

فائدہ رسول اکرم ﷺ کی عادت کریمہ تھی کہ ٹھہرنے کے مکان کی طرح بیت الخلاء بھی بناتے تھے تبوءِ المنزل بمعنی اسے منزل و تمکن اور اس قرار کرنے کے لئے بنانا۔ متبوانیہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ از قبیل منازل و مکانات کے ہو۔

الدار سے مدینہ طیبہ مراد ہے پرانا نام یثرب نیا نام طیبہ و طابہ ہے بخلاف ایمان کے کہ وہ اس سے نہیں۔ اب معنی یہ ہوا کہ انہوں نے دار و ایمان کو رہائشی منزل مقرر کر لی اور خوب ٹھہرے اور بے حال کو بمنزلہ مکان کے استعمال کیا گیا ہے۔ بعض نے کہا اتبوء لزوم کے معنی کو متضمن ہے۔ بعض نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے دار کو رہنے کی جگہ بنائی اور اس میں ایمان میں اخلاص کیا یا اسے قبول اور پسند کیا اس قائل قول کی طرح ہے۔

علفتها تبنًا وماءً باردًا میں نے گھاس کھلایا اور ٹھنڈا پانی (پلایا) کلام کے اختصار کی وجہ سے۔ سقیتها محذوف کیا گیا وغیرہ وغیرہ۔

فائدہ فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ شاید اصل کلام یوں ہو۔

والذین تبوو الدار الایمان کیونکہ مدینہ طیبہ کا ایک اسم گرامی دار الایمان بھی ہے اس لئے اس نے ایمان ظاہر کیا اور یہی ایمان کا ماویٰ ہے جیسے اسے دار الہجرت کہا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں صورت مذکورہ سے ذکر کرنے میں یعنی صرف الایمان کہنے میں ان کے ایمان پر تنقیص ہے کیونکہ محض مدینہ پاک میں مکان بنانا یا وہاں ایمان کے بغیر رہنا سہنا قابل مدحت نہیں[1] (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

marfat.ocm

من قبلھم ان سے پہلے معنی مہارین کی ہجرت سے پہلے۔ یہاں مضاف مقدر ہے اس لئے کہ انصار مہاجرین سے پہلے ایمان لائے بلکہ یہ ہے کہ بعض انصار ہجرت مہاجرین سے پہلے ایمان لائے تھے۔ اور بعض بعد کو ایمان لائے۔

فائدہ بعض نے کہا یہاں انصار سے وہ حضرات مرد ہیں جو حضور سرور عالم ﷺ کی مدینہ طیبہ میں تشریف لانے سے دو سال ایمان لائے اور عبادت کے لئے مساجد بھی بنائیں اور انہوں نے اسلام کی یوں تربیت کی جیسے پرندے بچے کی تربیت کرتے ہیں۔

فائدہ الارشاد میں ہے کہ ممکن ہے کہ اس کی تعبیریوں کی جائے کہ انصار نے مدینہ طیبہ میں ایمان کو مکمل کامل بنایا پھر اس کے لزوم و خلوص سے مراد ان کے باقی حقوق کی اقامت مراد ہو منجملہ اس کے حقوق کے علم شعائر و احکام کا اظہار ہے اور اس میں شک نہیں کہ اس معاملہ میں انصار کو مہاجرین پر تقدم ہے کیونکہ وہ مکہ معظمہ میں ایمان پر سبقت اور اخلاص کے باوجود اس کے بعض شعائر و احکام کو کھلم کھلا ظاہر کرنے سے عاجز تھے اگرچہ ان کے لئے قلب اور اعتقاد میں ذرہ برابر بھی کم نہ تھے اس معنی پر انصار کو مہاجرین پر تقدم ہو تو کیا حرج ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں دار القلب کی طرف اشارہ ہے کہ وہ دار الصدق والاخلاص ہے اور ایمان میں ایمان وہبی کی تحقیق و تبثت کی طرف اشارہ ہے۔

یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ ان سے محبت کرتے ہیں جو ان کی طرف ہجرت کر گئے یہ موصول کی خبر ہے یعنی یہ

(حاشیہ لے جیسے سابق دور میں منافقین کا مدینہ پاک رہنا یا آج کل نجدیوں و وہابیوں کا رہنا سہنا ان کی مدحت نہیں یہ ان لوگوں کی خوش فہمی کے ازالہ کے لئے ہے کہ اگر نجدی وہابی خدا او رسول (جل جلالہ و ﷺ) کو ناپسند ہیں تو پھر وہاں نہ صرف رہتے بلکہ مسلط ہیں ان کی شاہی و سلطنت ہے تو ان بھلے مانسو کو کون سمجھائے کہ کعبہ معظمہ پر ابو جہل اور اس کی پارٹی بھی عرصہ تک مسلط رہی اور آج کل اسرائیل بیت المقدس پر قبضہ جمائے ہوئے ہے تو کیا ان سب کو تم سعادت کا سرٹیفکیٹ دے سکتے ہو تو جیسے وہ ویسے یہ۔ (فافہم ولا تکن من الاغبیاء) اویسی غفرلہ۔

marfat.ocm

لوگ ان سے ان کی ہجرت کرنے پر محبت کرتے ہیں اس لئے کہ انہیں ایمان سے محبت ہے اس لئے کہ انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کا حبیب ﷺ محبوب ہیں اور قاعدہ ہے کہ محبوب کا محبوب بھی محبوب ہوتا ہے۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ اسی سے انصار کو مہمان سے پیار ہے۔

وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً اور اپنے دلوں میں کوئی حاجت نہیں پاتے۔ ایسی شے جو اس کی طرف محتاجی ہو۔

مِّمَّآ اُوْتُوْا اس شے سے جو دیئے گئے۔ اس مال غنیمت وغیرہ سے جو مہاجرین کو دیا گیا من بیانیہ ہے۔ کہا جاتا ہے خذ منہ حاجتک اسی سے اپنی حاجت لے یعنی جس شے کا تو محتاج ہے اسی سے لے لے۔ نفی الوجدان سے نفی العلم مراد ہے اسی لئے وجدان فی نفسہ ادراک علمی کا نام یہ مبالغہ ہے کیونکہ معنی لَا يَجِدُوْنَ میں ہے وہ لَا يَعْلَمُوْنَ میں نہیں۔ بعض نے کہا اس سے محتاج الیہ کی طلب مراد ہے یعنی اس کے پیچھے نہیں پڑتے جو وہ دیئے گئے اور نہ اس کا طمع ہے۔ جس کے وہ محتاج ہیں یعنی انہیں اس پر غیض و حسد نہیں کہ وہ پہلے یہاں موجود ہیں تو انہیں مال فئی میں مقدم کیوں نہیں کیا گیا وغیرہ وغیرہ۔

فائدہ امام راغب رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حاجت الی الشئ بمعنی اس شے سے محبت کے ساتھ اس کی محتاجی۔

وَيُؤْثِرُوْنَ اور مہاجرین کو ترجیح دیتے ہیں یہاں مفعول محذوف ہے۔

عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اپنے نفسوں پر۔ ہر شے میں معاش کے اسباب میں سے جود و کرم کے طور یہاں تک کہ جس کے پاس دو عورتیں تھیں ایک کو طلاق دے کر وہ مہاجر ساتھی کے نکاح میں دے دیتا۔ ایثار بمعنی اپنی ضرورت کے باوجود دوسرے کو دے دینا۔

حدیث شریف کوئی قوم دنیا میں ہرگز جمع نہیں ہوئی جن میں اسخیاء و بخلاء نہ ہوں سوائے انصار کے کہ ان کے سب کے سب سخی ہی سخی ہیں ان میں کوئی بھی بخیل نہیں۔

وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ اگرچہ انہیں سخت محتاجی ہو ضرورت ہو۔

حل لغات خصائص دراصل خصاص البیت کو کہا جاتا ہے۔ یعنی گھر سوراخ والا بوجہ مواضع الحاجہ اشمل کے ان سے فقر سے بایں معنی تشبیہ ہے کہ وہ ضروریات سے مسدود نہ ہو۔ اسے خلتہ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

الخص بانس اور درخت سے تیار شدہ جھونپڑا۔ اس لئے اس سے فقر ظاہر ہوتا ہے۔

تقسیم الفئی حضور نبی پاک ﷺ نے بنو نضیر کا مال تمام مہاجرین پر تقسیم فرمادیا سوائے تین کے حالانکہ وہ محتاج بھی تھے۔

۱۔ ابو دجانہ سماک بن خرشہ ۲۔ سہل بن حنیف ۳۔ حارث بن صمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے دو کو مال فئی نہ دیا۔

۱۔ سہل ۲۔ ابو دجانہ حارث بن صمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

یہ دونوں نبر معونہ میں شہید کئے گئے۔

شان نزول حضور ﷺ نے انصار سے فرمایا کہ اگر چاہو تو یہ مال ابو نضیر تمہیں اور مہاجرین کو دوں چاہو تو جو تم نے انہیں مواخات میں دیا ہے وہ واپس کر لو اور یہ صرف مہاجرین کو دے دوں۔ انصار نے کہا یا رسول اللہ مواخات والا مال بھی ہم ان سے واپس نہیں کرتے اور اس مال میں بھی ہم ان سے کچھ نہیں لیتے یہ تمام مال مہاجرین کو ہی عطا فرمادیں۔ (یہ ان کا ایثار ہے) اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

فائدہ حضور نبی پاک ﷺ نے بعض زمین کے قطعے تقسیم کر دیئے اور بعض باقی رکھے وہ آپ کی ضروریات کے لئے کھیتی کی جاتی۔ جب آپ نے مہاجرین پر ابو نضیر کا مال تقسیم فرمایا تو حکم دیا کہ مواخلت کے وقت جو تم نے ان سے اموال لئے ہیں (اب جو کچھ موجود ہو) واپس انصار کو کر دو کیونکہ اب ان سے مستغنی ہو گئے ہو۔ علاوہ ازیں مہاجرین ان اموال کے کلی مالک نہ ہوئے تھے بلکہ انہیں انتفاع کے لئے دیا گیا تھا۔ ایسی ہی کھجوریں بھی۔

ایثار کی حکایات ۱۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک انصاری کو بکری کا سر ہدیہ کے طور بھیجا

marfat.ocm

گیا۔ اس کی ضرورت بھی تھی کیونکہ وہ مسکین تھے انھیں معلوم ہوا کہ ہمسایہ کو اس کی حاجت ہے کیونکہ وہ مجھ سے زیادہ محتاج ہے تو فرمایا یہ میرے ہمسایہ کو دے دو۔ اس کے پاس گئے تو اس نے فرمایا مجھ سے میرا ہمسایہ زیادہ محتاج ہے اسے دے دو۔ وہ بکری کا سر اسی طرح سات گھروں کا چکر لگا یہاں تک کہ اسی پہلے کے پاس واپس آگیا۔

حکایت ۔ حضرت حذیفہ عدوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ یرموک میں اپنے چچازاد کی طلب میں زخمیوں میں پہنچا۔ میرے پاس تھوڑا سا پانی تھا میں نے سمجھا کہ بھائی کا کچھ سانس باقی ہوگا تو اسے پانی پلاؤں گا شاید جانبر ہو سکے۔ جب میں اس کے قریب پہنچا تو پانی پلانا چاہا۔ پوچھا تو سر کے اشارے سے ضرورت ظاہر کی۔ جب میں پانی اس کے قریب لے گیا تو قریب والے سے کراہنے کی آواز سن کر اشارہ فرمایا اسے پلاؤ (میری خیر ہے) میں اس کے قریب گیا تو دیکھا کہ ہشام بن العاص ہیں میں نے پانی کا اشارہ کیا تو ضرورت کے لئے سر ہلایا میں پانی اس کے قریب لے گیا تو ایک کی کراہت کی آواز سن لی۔ حضرت ہشام نے فرمایا اس کے پاس لے جا میں اس کے پاس آیا تو وہ فوت ہو چکا تھا۔ ہشام کے پاس آیا تو وہ بھی وفات پا چکا تھا۔ پھر چچازاد کے پاس گیا تو اس کا بھی کام تمام ہو گیا۔

فائدہ اسے کہتے ہیں ایثار بالنفس یہ مال کے ایثار سے بڑھ کر ہے۔

فداء دوست نکردیم عمرو مال دریغ
کہ کار عشق زما ایں قدر می آید

ترجمہ ہم دوست پر عمرو مال فدا نہ کر سکے۔ افسوس ہے کہ عشق میں ہم سے اتنا بھی نہ ہو سکا۔

شان نزول التکملہ میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ آیت حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی اس کا واقعہ حدیث شریف میں ہے ک رسول کریم ﷺ کی خدمت میں ایک بھوکا شخص آیا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ازواج مطہ ے حجروں پر معلوم کرایا کیا کھانے کی کوئی چیز ہے معلوم ہوا کسی بی بی صاحبہ کے یہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ تب ر علیہ الصلوۃ والسلام نے اصحاب سے فرمایا جو اس شخص کو مہمان بنائے اللہ تعالیٰ اس پر رحمت فرمائے حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور حضور ﷺ سے اجازت لے کر مہمان کو اپنے گھر لے گئے گھر جا کر بی بی سے فرمایا کیا کچھ ہے انہوں نے کہا کچھ نہیں صرف بچوں کے لئے تھوڑا سا کھانا رکھا

ہے۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا بچوں کو بہلا کر سلا دو اور جب مہمان کھانے بیٹھے تو چراغ درست کرنے اٹھو اور چراغ کو بجھا دو تاکہ وہ اچھی طرح کھالے۔ یہ اس لئے تجویز کی کہ مہمان یہ نہ جان سکے کہ اہل خانہ اس کے ساتھ نہیں کھا رہے ہیں کیونکہ اس کو یہ معلوم ہو گا تو وہ اصرار کرے گا اور کھانا کم ہے بھوکا رہ جائے گا اس طرح مہمانوں کو کھلایا اور آپ ان صاحبوں نے بھوکے رات گزاری۔ جب صبح ہوئی اور سید عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور اقدس علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا رات فلاں فلاں لوگوں میں عجیب معاملہ پیش آیا۔ اللہ تعالیٰ ان سے بہت راضی ہوا۔

حکایت ۴ ☆☆☆ فقر (اولیاء اور علماء میں فرق ☆☆☆

بادشاہ اور وزیر کے درمیان اختلاف ہوا بادشاہ کہتا کہ علماء کرام افضل ہیں وزیر کہتا فقراء (اولیاء) وزیر نے کہا ان کا امتحان لے لیں اس کے دو طریقے ہیں۔

اول یہ کہ کسی کو ایک ہزار درہم دے کر مدرسہ والوں کی طرف بھجوا دو کہو کہ بادشاہ نے یہ رقم اس کے لئے بھیجی ہے جو تم میں سے سب سے افضل ہو اسی کو دو۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا تو اہل مدرسہ کے پاس جب بادشاہ کا قاصد گیا تو ہر ایک کہتا کہ میں سب سے افضل ہوں قاصد نے کہا کہ مجھے تو یقین نہیں آتا کہ تم میں کون افضل ہے یہ کسی کا حق نہیں فلہذا میں اسے واپس لے جا رہا ہوں[لہ]

اب وہی رقم لے کر خانقاہ (مرکز اولیاء) میں پہنچے تو فقراء (اولیاء) سے پوچھا کہ تم میں کون افضل ہے تاکہ یہ ہزار درہم اسے پیش کروں۔ سب یک زبان بولے میں نہیں یہ ہے وغیرہ۔ بالآخر قاصد نے بادشاہ کو رقم واپس جا کر دی۔ وزیر نے کہا اب دوسرے طریقے سے آزمایئے کہ چھرا قاصد کے ہاتھ میں پکڑایئے اور اہل خانقاہ کے پاس بھیج کر فرمایئے کہ تم میں افضل کون ہے جو افضل ہو گا اسے قتل کیا جائے جب خانقاہ میں پہنچے تو ہر ایک کہتا مجھے قتل کیجئے

(حاشیہ[لہ] اب بھی بفضلہ تعالیٰ علماء کی یہی حالت ہے۔

زمانہ بدلے لاکھ مگر ہم نہ بدلے جائیں گے

یا اللہ ہمیں ایسے علماء سے نہ بنا۔ اویسی غفرلہ۔ ۱۲۔ حاشیہ ختم)

marfat.ocm

میرے ساتھی سے دور پے نہ ہو اسی طرح وہ قاصد امتحان لے کر واپس آگیا اسی طرح سے وزیر بادشاہ پر غالب آگیا۔[۱]

سبق اسے کہتے ہیں ایثار کہ خود کو قتل ہونے کے لئے پیش کرنا منظور لیکن اپنے دوست کے لئے نامنظور گویا اپنی جان دوست پر قربان۔

صاحب روح البیان کا اظہار افسوس صاحب روح البیان فرماتے ہیں کہ اب تم دیکھ رہے ہو کہ ہمارے دور کے فقراء (ولایت کے مدعی) کا کیا حال ہے کہ اسلاف صالحین کے طریقوں سے کتنے دور نکل گئے ہیں۔[۲]

حکایت ۵ سیدنا ابو یزید بسطامی قدس سرہ نے فرمایا کہ مجھ پر بلخ کا ایک نوجوان غلبہ پا گیا مجھ سے پوچھا زہد کیا ہے میں نے کہا کچھ مل جائے تو کھا لیا جائے نہ ہو تو صبر۔ اس نے کہا کہ یہ تو ہمارے بلخ میں کتوں کا طریقہ ہے بلکہ زاہد کو یوں ہونا چاہئے کہ کچھ نہ ہو تو بھی شکر کرے اگر ہو تو اپنے بجائے دوسروں کو دینا چاہے۔

(حاشیہ [۱] میں کہتا ہوں یہ بھی اہل خانقاہ دور سابق میں تھے۔ اب ہوں گے لیکن چھپے ہوئے ہمیں ان کی زیارت نہیں ہو رہی بلکہ اب جو مدعیان مشیخت یا براجمان مسند ولایت ہیں ان کے اکثر تو ہماری طرح ہچو ما دیگرے نیست۔ کے مریض ہیں اور بہت سے بدنام کنندگان اسلاف ہیں جن کا نام سن کر بھی خلق خدا راضی نہیں۔ مجھے ایک ایسے مقدس شہر میں وعظ کرنے کا موقع ملا جسے دیکھ کر مجھے شہبازان ولایت یاد آگئے کہ ایک وقت تھا کہ ایسے شہباز اس شہر کی گدائی کو سعادت سمجھتے اور رحمت کے ملائکہ کرام اس شہر کا گشت کرتے نہ تھکتے لیکن افسوس کہ آج یہ شہر برائیوں اور ظلم و ستم کا اڈہ ہے کہ ملائکہ کرام یہاں کی ڈائری لکھنے پر تھرا جاتے ہیں۔

ولو عجب طور ہیں زمانے کے

(حاشیہ [۲] یہ دو تین صدیوں پہلے کا حال ہے اور ہمارے دور کے مدعیان ولایت اور مسند نشینان اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ کا حال زبوں تر ہے۔ میں نے تو یہاں تک تلخی دیکھی ہے کہ ان حضرات کو جونہی اسلاف کے طریقوں سے ہٹا ہوا کہا گیا تو کہنے والے کا معاش و معاشرہ تنگ اور الٹا اسے تنگ زمانہ مشہور کرایا جاتا ہے گویا اسے سزا دی جاتی ہے کہ پھر وہ ان کے ایسے دھندے میں روڑا نہ اٹکا سکے۔ اویسی غفرلہ۔ حاشیہ ختم)

marfat.ocm

کریم کامل آنرا شناسم اندر دوران   کہ گر نانے رسد از آسیائے چرخ گردانش
نہ استغنائے ہمت باوجود فقر و بے برگی   بجود دواگیرو و سازد نثار بے نوایانش

ترجمہ میں زمانے میں کریم اسے سمجھتا ہوں کہ اگر اسے آسمان کی چکی سے ایک روٹی ملے تو از راہ استغنا باوجود فقر و ضرورت کے دوسرے ضرورت مندوں پر خرچ کر دے۔

تفسیر صوفیانہ العوارف (ظہوری قدس سرہ) میں ہے کہ ایثار اور مواسات اسے نصیب ہوئی ہے جس میں طبعی شفقت و رحمت ور قوت یقین بھرپور ہو اور یہی صوفیاء کرام کے اخلاق و عادات میں سے ہے کیونکہ وہ موجود کو پسند کرتے اور مفقود (نہ ملنے والی شے) پر صبر کرتے ہیں۔

فائدہ حضرت یوسف بن حسین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو خود پر اپنے نفس کو مالک مانتا ہے تو اس سے ایثار نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ وہ اپنے نفس کو دوسروں پر ترجیح دیتا ہے اور جو سمجھتا ہے یہ تمام اشیاء حق تعالیٰ کی ہیں جو اسے اس لئے ملے گی وہ اس کا حق ہے جو حق تعالیٰ نے خود عطا فرمایا ہے۔ اگر اس کے پاس کوئی شے پہنچے تو سمجھتا ہے نامعلوم میرے قبضہ میں امانت ہے یا غصب۔ اسے قرار نہیں آتا جب تک اسے خرچ نہ کر دے۔

حکایت حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا گیا کہ آپ مکہ معظمہ کے بازار میں سبزی کے ٹکڑے جمع کر رہے تھے اور خود کو فرماتے یہی تیرا حق ہے تو اس پر راضی ہو اگر دنیا میں کسی شے کا تو مالک ہوا تو وہ تیرے لئے غضب الٰہی کا سبب ہے۔

خیز یارا تا بمیخانہ زمانے دم زنیم   آتش اندر ملکت آل نبی آدم زنیم
ہرچہ اسبابست جمع آئیم و بس جمع آوریم   پس بحکم حال بیزاری ہمہ برہم زنیم

ترجمہ اے دوست میخانہ میں تھوڑی دیر بیٹھیں اور آل بنو آدم کو آگ لگائیں جتنا ہم مال جمع کریں اس سے بیزاری کا اظہار کر کے اسے دور پھینک دیں۔

marfat.ocm

تفسیر عالمانہ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ اور جو اپنے نفس کے لالچ سے بچایا گیا یعنی نفس کو جب مال سے اور بغض انفاق سے بچائے گا۔

حل لغات الوقایتہ یعنی وہ شے جو اذیت اور شرر پہنچانے سے حفاظت کرے۔ الشح (بالضم و بالکسر) بخل مع حرص گویا یہ نفس کی صفات میں قبیح ترین عادات کا جامع ہے۔ اس کی نفس کی طرف اضافت اس لئے ہے کہ یہ اس میں راسخ ہیں اور وہی حرص کا مقتضی ہے ساتھ ہی خرچ سے منع بھی کرتا ہے یعنی بخل کی عادت رکھتا ہے اور جو بچایا گیا اللہ تعالیٰ کی توفیق سے وہ یہ کہ اس کے خلاف عمل کرے کہ جب مال اور بغض انفاق کی گندی عادت کے خلاف پر اس سے غلبہ حاصل کرے۔ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ تو وہی کامیاب ہیں ہر مطلوب فائز ہر ناگوار امر سے نجات پانے والے ہیں۔ الفلاح سعادت دارین کا نام ہے اور جملہ معترضہ انصار کی مدح کے لئے وارد ہے اس میں ان کی مدح و ثنا کی گئی ہے کیونکہ ان کی فتوت ان کے مدائح و مناقب مذکورہ ہیں بہر حال اس میں ان حضرات کے جلیل و عظیم الشان اور روائق الاحوال کا بیان ہے۔

حدیث شریف ۱ حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا ایمان کی علامت انصار کی محبت ہے اور نفاق کی نشانی انصار سے بغض و عداوت ہے۔

حدیث شریف ۲ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ اے اللہ انصار کو بخش ان کی اولاد کو بخش اور ان کی اولاد کی اولاد کو بخش۔

سخاوت کے فضائل حضرت سہروردی قدس سرہ نے العوارف میں فرمایا کہ سخاوت ایک صفت ہے جو نفس کو عارضی ہوتی ہے اس کے مقابلہ میں الشح سے بچایا گیا۔ یعنی فلاح وہ پائے گا جو خرچ کرے گا اور راہ خدا میں مال لٹائے گا۔

marfat.ocm

حدیث شریف نبی پاک ﷺ نے تین چیزوں کے مہلکات ہونے پر اشارہ فرمایا۔

شح مطاع وہ بخل جس کی اطاعت کی جائے صرف شح نہیں فرمایا کہ وہی مہلک ہو بلکہ مہلک اس وقت ہے جب اس کی اطاعت کی جائے ہاں نفس میں موجود ہو لیکن اس کی اطاعت نہ کی جائے تو مہلک نہیں اور نہ ہی یہ بری شے ہے کیونکہ یہ تو نفس کے اوادم میں سے ہے اصل جبلت ترابی سے استعداد کرتا ہے اور تراب کا اصل قبض و امساک ہے اور یہ آدمی میں ہونا کوئی عجوبہ نہیں کیونکہ یہ تو اس کی جبلی عادت ہے اس سے تعجب جود و سخاوت پر ہے کہ یہ غیر نفوس میں کیسے عزیزہ (گھسی ہوئی) ہو گئی یہ صرف اور صرف صوفیہ کرام کو نصیب ہوتی ہے جو دائی ہوتے ہیں خرچ کرنے اور ایثار و سخا کے۔

فائدہ یاد رہے کہ سخاوت جود سے زیادہ مکمل و اتم ہوتی ہے الجود کے مقابلہ میں بخل ہے اور السخا کے بالمقابل الشح ہے جود و بخل ہر دونوں اکتساب کو دخل ہے بطریق عادت کے بخلاف شح و سخا کے کہ وہ ضرورت عزیزیہ سے ہیں اسی لئے ہر سخی جواد ہے لیکن ہر جواد سخی نہیں۔

مسئلہ اللہ تعالیٰ کی سخی کے لفظ سے موصوف نہیں کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ صفت الغرائز سے ہے۔ اور وہ منزہ ہے عزیزیت سے۔ اور وہ بندوں کی صفات سے ہے یعنی اس معنی پر لفظ سخی اللہ تعالیٰ کو نہ کہا جائے ورنہ وہ تو بڑا کریم ہے اس جیسا کریم کہاں (اویسی غفرلہ)

جود و سخا کا فرق جود میں ریاء داخل ہو سکتا ہے اس میں انسان کو عوض کی لالچ بھی ہوتی ہے مخلوق سے اور ثواب کی اللہ تعالیٰ سے اور سخا میں یہ بات نہیں کیونکہ وہ اس نفس زکیہ سے ہے جو اعواض سے بلند تر ہے نہ دنیوی طمع نہ آخرت کے ثواب کا لالچ کیونکہ عوض کی طلب بھی بخل کی مشعر (خبر دینے والی) ہے اس لئے کہ وہ معلول بالعوض ہو گئی خالص سخاوت نہ ہوئی اور خالص سخاوت صرف اور صرف اہل صفاء کو نصیب ہوئی ہے اور ایثار اہل انوار کو۔

marfat.ocm

فائدہ حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اشح مال بالمعاصی کو کہتے ہیں گویا وہ طاعت سے بچنا چاہتا ہے اس میں وہ تعریف داخل ہے جس میں کہا جاتا ہے کہ اشح یہ ہے انسان اپنی چشم انتظار اس طرف رکھے جس کا وہ اہل نہیں۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ اشح ہے جو تیری نگاہ بیگانی عورت کی طرف اٹھے اس لئے کہ گویا نگاہ ڈالنے والا عفت اور چشم پوشی از عورت سے جی چراتا ہے۔

حکایت مروی ہے کہ کسی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھے خوف ہے کہ میں کہیں ہلاک نہ ہو جاؤں فرمایا وہ کیوں عرض کی میں سنتا ہوں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ جو اپنے نفس کے لالچ سے بچ گیا تو وہی کامیاب ہے اور میں مرد شحیح (بخیل) ہوں میں چاہتا ہوں کہ میرے ہاتھ سے کوئی شے نہ جائے۔ آپ نے فرمایا آیت کا وہ مطلب نہیں جو تو نے سمجھا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی غیر کا مال ظالمانہ کھایا جائے ہاں ویسے بخل بھی بری بلا ہے۔ اشح کی اور تفسیریں بھی ہیں۔

فائدہ حضرت حکیم ترمذی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اشح فقر سے زیادہ ضرر رساں ہے کیونکہ فقیر جب مال پا لیتا ہے تو اپنے اندر وسعت پاجاتا ہے بخلاف شحیح (بخیل) کے۔

حدیث شریف ۱ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرمایا کہ غبار فی سبیل اللہ اور جہنم کا دھواں کسی بندے کے پیٹ میں جمع نہیں ہو سکتے اور نہ ہی ہمیشہ کسی بندے کے دل میں بخل اور ایمان جمع ہو سکتے ہیں۔

حدیث شریف ۲ حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا جس نے فرض زکوٰۃ ادا کی اور مہمان کو کھانا کھلایا اور دکھ تکلیف میں لوگوں کی مدد کی تو وہ اشح (بخل) سے بری ہو گیا اور اشح بخیل سے قبیح تر ہے۔

marfat.ocm

حدیث شریف ۳ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ ظلم سے بچو اس لئے کہ ظلم قیامت میں تاریکیاں ہے اور الشح (بخل) سے بچو کہ اس نے بہت سے لوگوں کو ہلاک کر ڈالا اس نے خونریزی پر اور محارم کے حلال کرنے پر ابھارا۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا۔

احوال گنج قارون کایام داد برباد　　　با غنچہ وباز گوید تا زر نہاں ندارد

(گنج قارون کو دوران زمانہ نے تباہ برباد کیا۔ اب غنچہ کہتا ہے کہ زر ومال چھپا کے نہ رکھ)

حضرت مولانا جامی قدس سرہ نے فرمایا۔

ہر چند لاف زند کرم مرد ورم درست　　　دریوزہ احسان زور لور نتواں کرد

دریں مثلے ہست از فضلہ حیواں　　　نارنج تواں ساخت دے بو نتواں کرد

ترجمہ ۱۔ جتنا ہی درم سے دوستی کرنے والا سخاوت کا دم مارے احسان کی گداگری اس کے دروازے سے حاصل نہ ہو سکے گی۔

۲۔ اس میں ایک مثال مشہور ہے کہ حیوان کسی فضلہ سے نارنگی تو تیار ہو سکتی ہے لیکن اس میں خوشبو پیدا نہیں ہو سکتی۔

تفسیر عالمانہ وَالَّذِيْنَ جَآؤُامِنْ بَعْدِهِمْ اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو اسلام کی قوت کے بعد ہجرت کر آئے اور مراد یہ ہے کہ یہ لوگ جب مدینہ پاک میں آئے یا ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو احسان میں ان کے بعد تابع ہوئے یعنی وہ حضرات جو فریقین (مہاجرین و انصار) کے بعد والے تا قیامت اسی لئے کہا گیا ہے کہ آیت تمام اہل ایمان تا قیامت کو شامل ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ وہ لوگ جو قیامت تک فضائے وجود میں آئے۔

حدیث شریف میں ہے کہ میری امت کی مثال بارش جیسی ہے نامعلوم اس کا اول بہتر ہے یا آخر یعنی منفعت و راحت میں بارش کی طرح ہے کہ نامعلوم بارش کا پہلا نافع ہے یا آخری حصہ خلق خدا کو آباد کرنے والا ہے میری

marfat.ocm

امت کا حال بھی یونہی ہی ہے آخری زمانہ کے درویش حال شکستہ و سر گمندہ اور یہ صحابہ سب کے سب منفعت و راحت میں ایک طرح کے ہیں ظاہری شکل بشری میں ایک جیسے ہیں بارش کی طرح کہ وہ جہاں رہتی ہے نفع پہنچاتی ہے اور یہ حضرات بھی جہاں ہوتے ہیں نفع دیتے ہیں۔ بارش باغ اور کانٹے نہیں دیکھتی اور نہ ہی چنبیلی کے پودے اور کِکر کے درخت کا فرق کرتی ہے ایسے ہی یہ حضرات راحت رسانی میں اور نفع پہنچانے میں یکساں ہیں کہ اپنے بیگانے کا فرق نہیں دیکھتے۔

یقولون (عرض کرتے ہیں) یہ موصول کی خبر ہے اور یہ جملہ ان کی محبت پر مدح کے طور بیان کیا گیا ہے ان اہل ایمان کے لئے جو پہلے گزرے ہیں اور پچھلوں کو حق پہنچتا ہے کہ ان کے دین میں تقدم کے حقوق سمجھیں یعنی ان کے لئے دعا مانگتے ہوئے کہتے ہیں۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا (اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے) وہ جو ہم سے کوتاہی ہوئی۔ **وَلِاِخْوَانِنَا** (اور ہمارے بھائیوں کو) دین کے بھائی جو وہ ان کے نزدیک نسب کے بھائیوں سے زیادہ معزز و بزرگ تر ہیں۔ **الذین سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ** (جو ہم سے پہلے ایمان لائے) ان کے اس وصف سے ان کی فضیلت کا اعتراف ہے۔

چو خواہی کہ نامت بود جاوداں　　مکن نام نیک بزرگاں نہاں

(جب تو چاہتا ہے کہ تیرا نام ہمیشہ رہے تو بزرگوں کے نیک نام کو نہ چھپا)

نکتہ: مغفرت میں پہلے اپنا نام لیا اس لئے کہ مشہور[1] ہے کہ بندے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اپنے لئے دعا مانگے تاکہ خود مغفور ہو گا تو پھر دوسروں کے لئے دعا مستجاب ہو گی۔

فائدہ بعض نے کہا اس میں اشارہ ہے کہ عاصیوں کی دعا مستجاب نہیں ہوتی جب تک وہ پہلے بخشے ہوئے نہ ہوں لیکن یہ کلیہ غلط ہے اس لئے روایات سے عاصیوں کی دعا کی قبولیت کا ثبوت ملتا ہے اصل وجہ ہے کہ انسان اقرب دینا نفس ہے اسی لئے پہلی اپنا لیتا ہے۔ علاوہ ازیں استغفار میں پہلے گناہوں کو مد نظر رکھنا ضروری ہے اور سب سے پہلے اپنے گناہوں کو مد نظر رکھنا ضروری ہے (بعض التفاسیر)

---

[1] اسی سے قدسی مقولہ لیا گیا ہے اوّل خویش بعدہٗ درویش ۱۲ اویسی غفرلہ۔

marfat.ocm

فائدہ فقیر (صاحب رُوح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ انسان کا اپنا نفس دوسروں کے نفوس سے ایسے قریب تر ہے تو حصول نفع اور دفع ضرر پہلے اپنے لئے ہی موزوں ہے کیونکہ قاعدہ ہے الاقدم فلاقدم اس کے بعد بعد والے۔ علاوہ ازیں گناہ کا یقین اپنی ذات کے لئے زیادہ ہے بہ نسبت دوسروں کے کہ ان میں شک وشبہ اور ظن ہی ظن ہے اور اس کے لئے یہ بھی احتمال ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے بخش دیا ہو جس کا اسے علم نہ ہو۔ علاوہ ازیں دوسروں کے گناہوں کو پہلے گننا سوء ادب اور سوء ظن بالخصوص اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کے متعلق (فلہذا اپنی تقدیم ہی بھلی)

وَلَا تَجۡعَلۡ فِیۡ قُلُوۡبِنَا غِلًّا (اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں کینہ) غلًّا بمعنی حقدًا (کینہ) اور مذموم فاسق ہے اور مومن کا طریقہ کینہ نہیں۔

حل لغات امام راغب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ الغل والغلول بمعنی خباثت وعداوت کو گلے کا ہار بنانا اس لئے غلالہ وہ لباس جو شعار (جسم سے لگنے والا کپڑا) اور وثار (بدن سے ملے ہوئے کپڑے کے اوپر کا گرم کپڑا) کے درمیان ہو استعارہ کے طور زرہ کو کہتے ہیں جیسے درع بول کر یہی لباس مراد لیتے ہیں۔

لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا (ایمان والوں کے لئے) اس کا اطلاق اولاً صحابہ وتابعین پر آتا ہے۔

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ غیرت دینی کے پیش نظر ان کے ماسوا سے حقد (کینہ) وغیرہ جائز ہے اگرچہ کسی پر بھی حسد ناجائز ہے۔

حضرت سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

دلم خانۂ مہریار است وبس
ازاں می نگنجد درد کیں کس

(میرا دل مہریار کا گھر ہے اور بس۔ اسی لئے اس میں کسی کا کینہ نہیں سما سکتا)

رَبَّنَاۤ اِنَّکَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ (اے ہمارے پروردگار بیشک تو روف رحیم ہے) بہت بڑا مہربان اور رحم والا ہے وہ اس لائق کہ وہ ہماری دعائیں مستجاب فرمائے۔

مسئلہ آیت سے ثابت ہوا کہ پچھلے لوگوں پر واجب ہے کہ وہ پہلے لوگوں (اہل ایمان) کے لئے استغفار کریں

marfat.ocm

بالخصوص اپنے آباؤ اجداد اور اساتذہ کرام (جنھوں نے امور دین سے آگاہ کیا)

حدیث شریف ۱ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ امت کو حکم ہے کہ وہ جانے والوں کے لئے استغفار کریں لیکن بد قسمتوں نے انھیں گالی دی۔

حدیث شریف ۲ میں ہے کہ یہ امت ختم نہ ہوگی جب تک پچھلے پہلے بزرگوں (صحابہ کرام اہلبیت کرام واولیاء عظام کو گالی نہ دیں) جیسے آج کل ہو رہا ہے آگے دیکھو کیا ہوتا ہے۔

حدیث شریف ۳ نبی پاک ﷺ سے حضرت عطاء نے روایت کی۔ آپ نے فرمایا کہ جس نے میرے صحابہ کرام کے بارہ میں میری حفاظت کی قیامت میں میں اس کا محافظ ہوں گا اور جس نے میرے صحابہ کو گالی دی تو اس پر خدا تعالیٰ کی لعنت اور ملائکہ کرام اور تمام لوگوں کی لعنت۔

روافض و خوارج صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ روافض و خوارج اور ان جیسے دیگر فرقے شرالخلائق اور اہل ایمان کے گروہ سے خارج ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے تین گروہ بتاتے ہیں۔

۱۔ مہاجرین ۲۔ انصار ۳۔ ان کے تابعین جو مذکورہ اوصاف سے موصوف ہیں۔

جو مذکورہ اوصاف سے موصوف نہیں وہ ان تین گروہ کے اقسام سے خارج ہیں۔

جاہل واعظ ذاکر شاید مان جائے حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ واعظ وغیرہ (یعنی نعت خوان اور ذاکر (جاہلوں کا گروہ کو چاہئے کہ وہ عوام کے سامنے مقتل حسین رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام و اہلبیتِ عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے تشاجر و تخاصم (جھگڑے اور جنگیں) (واقعات جمل و صفین وغیرہ وغیرہ) بیان نہ کرے کیونکہ اس سے بعض صحابہ اور ان پر طعن و تشنیع کا دروازہ کھلتا ہے حالانکہ وہ دین کے ستون ہے[1] تھے۔

(حاشیہ[1] لیکن جاہل واعظ اور نعت خوان اور ذاکر و مرثیہ خوان کب مانتے ہیں جبکہ ان کی روزی کا مسئلہ ہے لیکن انہیں اویسی غمزلہ کا پیغام کہ پیٹ کا تنور کسی نہ کسی طریقہ سے تو پر ہو سکتا ہے لیکن اس روزی کے مسئلہ سے تمھیں

(باقی حاشیہ آگے)

marfat.ocm

ازالہ وہم ہاں ان کے (صحابہ کرام والبیت عظام) رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے آپس کے جھگڑے (محض دین کی خاطر تھے) اسی لئے ان کے محامل (تاویلیں) صحیحہ بیان کئے جائیں۔

مسئلہ اگر کوئی بات کسی کی سمجھ سے بالا ہو تو وہ صحابہ کرام کے اجتہاد و خطاء کی تاویل کرے (خبردار خبردار ان کے لئے طلب دنیا و طلب ریاست کا الزام ہرگز ہرگز نہ لگانا مارے جاؤ گے) چونکہ وہ طلب دنیا اور ریاست و حکومت کے لالچ سے مبرا اور پاک تھے۔ جیساکہ اہل علم سے یہ بات مخفی نہیں۔

انتباہ ترغیب و ترہیب کی شرح مسمٰی بہ فتح القریب میں ہے کہ خبردار خبردار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جھگڑے اور ان کی جنگوں کے اختلاف میں ہرگز ہرگز دخل نہ دینا کیونکہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب عدول (نیک سیرت پاک باز) تھے وہ خیر القرون (بہتر زمانہ) کے لوگ تھے وہ مجتہد تھے جن کے لئے حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ ان کا اجتہاد مبنی بر صواب ہو تو اسے دو اجر نصیب ہوں گے اگر مبنی بر خطا ہوں تو ایک اجر ملے گا (لیکن گناہ توبہ توبہ یہ تصور شیعہ و خارجی کو ہے یا پھر تاریخ کی کتابیں پڑھنے والے کسی بدقسمت کو۔ اویسی غفرلہ)

فائدہ حضرت شیخ عزالدین بن عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ نے آفات اللسان کے فصل میں لکھا کہ زبان کی آفات میں سے ایک آفت باطل امور میں غور و خوض کرنا یعنی معاصی کی باتیں کرنا جیسے جماع کے احوال کی کہانی اور شراب

اگر جہنم کے تنور میں جانا پڑا تو اس کا پیٹ بھرنا مشکل ہو جائے گا پھر کیوں نہ ہو ابھی سے ہی اپنے اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ کی نصیحت مان لیں کہ۔ معاذ اللہ تعالیٰ تم جیسے مقتل حسین رضی اللہ عنہ اور ان کی باعزت پردہ دار بیبیوں کے قصے چھیڑ کر عوام کو خوش کر سکتے ہو ان کے کمالات و کرامات سنا کر زیادہ سے زیادہ مجالس " گرم کر سکتے ہو ایسے صحابہ کرام کے جھگڑوں کو نہ چھیڑو بلکہ ان کے غزوات میں شجاعت اور بہادری کے کارنامے سنا کر دین کی بہت کچھ خدمت کر سکتے ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو تمہارے گلے میں رسیلی آواز رکھی اور زبان کی چاشنی بخشی ہے تم صرف سادہ سادہ بولتے جاؤ تب بھی خلق خدا تمہاری آواز و ساز کی قدر کرے گی تو پھر چند ٹکوں کے لئے کیوں اپنی عاقبت برباد کرتے ہو۔ (وما علینا الا البلاغ۔ حاشیہ ختم)

marfat.ocm

کی مجلسوں کا ذکر۔ ظالم لوگوں کے جیسے تشدد کی دلدادہ اور جاہل اہل ہوا (بدمذہب) کے عقائد و مسائل سنانا ایسے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین جھگڑوں کی باتیں بیان کرنا۔

اے دل از من اگر بجوئی پند　　رو با صحاب مصطفیٰ دل بند
ہمہ ایشاں آمدہ ذی شان　　خواہش کن شفاعتے وی شان

(اے دل اگر مجھ سے نصیحت چاہتا ہے تو جا صحابہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دل باندھ یہ سب کے سب ذیشان ہیں بلکہ ان سے شفاعت کی خواہش اور تمنا کر)

تفسیر صوفیانہ بعض اہل اشارہ (صوفیہ کرام) نے فرمایا کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے وجود کی ظلمت کو اپنے نور وجود سے ڈھانپ۔ ہمارے بھائیوں کے وجودات کو اپنے نور وجود سے ڈھانپ وہ ہمارے بھائی جو ہم سے پہلے ہیں یعنی روح 'سر' قلب جو سلوک میں سابق ہیں انہوں نے نفس کی بستی سے مدینہ روح کی طرف ہجرت کی کیونکہ فناء وجودی امکانی کو وجودی واجبی حقانی مستلزم ہے اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں دوئی و غیریت کا شک ان لوگوں سے جو آیت اخوۃ المومنین پر ایمان لائے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ مومن بھائی بھائی ہیں۔ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ بیشک بڑا مہربان ہے۔ ان پر اس کثرت کا مشاہدہ کیا جو وحدت کے ساتھ قائم ہے رحم والا ہے ان پر جنہوں نے وحدت کا مشاہدہ کیا جو کثرت کے ساتھ قائم ہے۔

فائدہ ربنا کا تکرار کمال عاجزی و انکساری کے اظہار کے لئے ہے۔

وظیفہ منقول ہے کہ جسے کوئی امر پریشان کرے تو پانچ بار کہے ربنا تو اللہ تعالیٰ اسے اس سے نجات دے گا جس سے اسے خطرہ ہے۔

نکتہ امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ دعا میں اللہ کا نام ثناء و تعظیم کے ساتھ جو ہر روح کے لئے ضروری ہے جیسے تانبے پر اکسیر کہ ذرہ سی اکسیر جب تانبے کے ڈھیر پر پڑ جائے تو تمام تانبا سونا خالص بن جاتا ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ کی جلال الٰہی کی معرفت کی اکسیر کا ذرہ جو ہر روح کو صاف اور قوی بنا دیتا ہے بلکہ

marfat.ocm

کامل و مکمل نور بن جاتا ہے جب وہ ایسا ہو جاتا ہے تو پھر اس کی قوت قوی تر اور اس کی تاثیر کاملتر ہو جاتی ہے۔ پھر جس شے کو حاضر کرنا چاہے تو وہ شے اس کے ہاں قوی تر اور مکمل تر ہو جاتی ہے یہی سبب ہے دعا میں اللہ تعالیٰ کا نام ثناء و تعظیم کے ساتھ پہلے لانے کا۔

نکتہ قرآن میں اکثر دعائیں ربنا سے ہیں۔ کیونکہ بندے پر لازم ہے کہ پہلے وہ اللہ تعالیٰ کی ایجاد و اخراج من العدم الی الوجود کا ذکر کرے جو اس کے تمام مواہب و عطایا کا اصل ہے اور اس کی تربیت میں لحظہ بہ لحظہ غور و فکر کرے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں میں اکثر اَللّٰھُمَّ ہے کیونکہ آپ اسم جامع کے مظہر ہیں کبھی آپ ان دونوں کو جمع کر کے بھی دعا مانگتے جیسے اللھم ربنا جیسے عیسیٰ علیہ السلام ان دونوں اسموں کو جمع کیا کرتے تھے مثلاً عرض کی اَللّٰھُمَّ رَبَّنَآ اَنۡزِلۡ عَلَيۡنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ اے اللہ ہمارے رب ہم پر مائدہ آسمان سے نازل فرما۔ وہی اللہ سمیع الدعاء اور قابل الرجاء ہے۔

تفسیر عالمانہ اَلَمۡ تَرَ کیا تم نے نہیں دیکھا۔ جملہ مستانفہ تعجب کے بیان کے لئے اس سے جو ان پر کافروں و منافقوں کے درمیان گزرا جو انہوں نے جھوٹی باتیں اور خراب حالات سے پیش آئے اب معنی یہ ہوا اے محبوب محمد ﷺ تم نے نہ دیکھا تھا یا اے خطاب ہے جو اس کلام کو سنے گا۔ اِلَى الَّذِيۡنَ نَافَقُوۡا ان کو جنہوں نے منافقت کی ہے یعنی اہل مدینہ کے منافقوں کو۔

حل لغات النفق بمعنی چلتا راستہ اور زمین کی سرنگ (گڑھا) اسی سے نافقاء الیہ نوع (جنگلی چوہے کا سوراخ) اور نافق الیربوع جنگلی چوہا اپنے سوراخ سے نکلا اور داخل ہوا اسی سے نفاق ہے۔ شرع میں داخل ہونا ایک دروازے سے اور دوسرے دروازے سے نکل جانا اسی پر اللہ تعالیٰ نے متنبہ فرمایا۔ ان المنافقین هم الفاسقون بیشک منافقین وہی فاسق ہیں یعنی وہ شرع سے خارج ہیں۔

يَقُوۡلُوۡنَ لِاِخۡوَانِهِمُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اپنے کافر کتابیوں سے کہتے ہیں لام تبلیغ کی ہے۔ اخوان سے بنو نضیر مراد ہیں۔ اخوت یا کفر میں توافق کی وجہ سے کیونکہ کفر ملت واحدہ ہے یا ان کی آپس کی

marfat.ocm

مہر محبت اور دوستی کی وجہ سے۔

لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ البتہ اگر تم نکالے گئے لام قولہ للقسم ہے جو حرف شرط پر داخل ہے قسم کے اختتام پر ظاہرا اور قسم کی موجودگی میں مقدرا (اس صورت میں) تاکہ معلوم ہو کہ یہی سر جواب قسم ہے شرط کے لئے نہیں ہے اور کبھی غیر شرط پر بھی داخل ہوتا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ منافقوں نے یہود سے کہا اے ہمارے کتابی بھائیو اگر تمہیں (حضرت) محمد (ﷺ) نے یہاں سے نکلنے پر مجبور کر دیا اور تم جبرا نکالے گئے تو یاد رکھو۔ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ (ہم بھی بالضرور تمہارے ساتھ نکلیں گے) اور تمہاری صحبت میں رہیں گے جہاں جاؤ گے یہ دوستی کا انتہائی اظہار ہے یعنی تمہاری ہماری یاری پکی ہے۔ یہ جواب قسم اور مضمر شرط کا جواب مضمر ہے چونکہ جواب قسم و شرط متماثل (ہم مثل) ہیں اسی لئے صرف جواب قسم پر اکتفا کیا گیا اسی لئے وسعت کے طور سے جواب القسم سے تعبیر کیا جائے گا ایسے ہی لَا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ بھی اسی لئے یہ تمام افعل مرفوع ہیں اور نہ مجزوم ہوتے بوجہ شرط کے) ایسے ہی لَا يَنْصُرُونَهُمْ بھی جواب قسم ہے ہاں جواب شرط اسی لئے محذوف ہے کہ جواب قسم اس پر دلالت کرتا ہے۔

وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ اور تمہارے بارے میں ہم اطاعت نہ کریں گے۔ احدًا کسی کی جو بھی ہمیں تمہارے ساتھ نکلنے سے روکے گا۔ ابدًا ہمیشہ تک کسی کی نہ مانیں گے اگرچہ کتنا ہی لمبا زمانہ گزر جائے گا۔ اسکا منصوب ہونا علی الظرفیۃ ہے یہ مستقبل کے استغراق کے لئے جیسے ازل زمانہ ماضی کے استغراق کے لئے ہے ویسے یہ دونوں طویل زمانہ کے لئے مستعمل ہوتے ہیں اور کبھی اپنی جمع کی طرف مضاف بھی ہوتے ہیں مثلاً ابدالاباد اور ازل الازل اور سرمد ہر دونوں زمانوں کے استغراق کے لئے آتا ہے یعنی استمرار الوجد دونوں زمانوں (ماضی مستقبل) میں لالالی نمامتہ اسی سے ہے۔

حضرت جامی قدس سرہ کا قول۔

دروت ز ازل آید تا روز ابد پاید　　چوق شکر گزارد کس ایں دولت سرمد را

(تیرا دور ازل سے ابد تک رہے۔ اس دائمی دولت کا کون ہے جو شکر ادا کرے)

marfat.ocm

وَاِنۡ قُوۡتِلۡتُمۡ اور اگر تمہارے ساتھ لڑائی ہوتی یعنی اگر تمہارے ساتھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اصحاب نے لڑائی کی۔ یہاں لام موطئہ محذوف ہے۔ لَنَنۡصُرَنَّكُمۡ تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے یعنی تمہارے دشمنوں پر تمہارا ساتھ دیں گے تمہیں رسوا نہ کریں گے۔

وَاللّٰهُ يَشۡهَدُ اِنَّهُمۡ لَكٰذِبُوۡنَ اور اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ وہ بیشک جھوٹے ہیں اپنے وعدوں میں اگرچہ انہیں قسموں سے پختہ کر رہے ہیں اور ان کی قسمیں بھی جھوٹی ہیں۔

لَئِنۡ اُخۡرِجُوۡا اگر وہ نکالے گئے قہرا و جبرا اور ذلیل و خوار کر کے۔

لَا يَخۡرُجُوۡنَ مَعَهُمۡ (نہ نکلیں گے ان کے ساتھ) پہلے ان کے اقوال کی اجمالی تکذیب تھی اب تفصیل ہے۔

وَلَئِنۡ قُوۡتِلُوۡا لَا يَنۡصُرُوۡنَهُمۡ اور اگر ان سے لڑائی ہوئی تو وہ ان کی مدد نہ کریں چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ عبداللہ بن ابی بن سلول نے بنو نضیر سے خفیہ معاہدہ کیا اور جب بن نضیر گھروں سے نکالے گئے تو ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ یعنی عبداللہ بن ابی سلول نے ان کے ساتھ خفیہ پیغام بھیجا کہ گھروں سے نہ نکلنا اپنے قلعوں میں پڑے رہو کیونکہ میرے پاس دو ہزار میرے قومی بہادر اور دوسرے عربی موجود ہیں تم پر کچھ مصیبت آپڑی تو یہ میرے جوان تمہارے قلعوں میں تمہارے ساتھ ہوں گے اور مرتے دم تک تمہارا ساتھ نہ چھوڑیں گے پہلے خود مریں گے پھر تمہاری باری آئے یا نہ آئے ہمارے علاوہ تمہارے امدادی بنو قریظہ بھی ہیں اور غطفان تو تمہارے حلیف ہیں ہی۔ بنو نضیر اس لعین کے جھانسے میں آگئے۔

منافقین کی منافقت اور یہود کی دشمنی وعداوت بنو نضیر پر جو گزری سو گزری لیکن عبداللہ بن ابی بن سلول نے نہ آنا تھا نہ آیا۔ حی ابن اخطب (جو بنو نضیر کی لیڈری میں سیاہ و سفید کا مالک تھا) کو ایک لیڈر سلام بن مشکم نے کہا کہ لعین عبداللہ بن ابی کی ڈینگیں کہاں گئیں وہ تو خبیث ہے اب بتایئے کیا کیا جائے۔ اس نے تو ہمیں ہلاکت کے گھڑے میں جھونک دیا اور خود گھر میں پڑا ہے۔ وہ یہی چاہتا تھا کہ ہم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ کریں ہوا سو ہوا۔ مستقبل کا کیا مشورہ ہے حی بن اخطب لعین نے کہا۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تو ہماری دشمنی دائمی ہے۔ اس کے ساتھ سوائے لڑائی کے اور کچھ نہ ہو گا۔ سلام بن مشکم نے کہا یاروں میں تمہارا انجام جلاوطنی دیکھ رہا

marfat.ocm

ہوں۔ اب تمہارے ہاتھوں سے مل بھی گیا اور شرافت بھی۔ اور تمیں قیدی ہوں گی اور جوان موت کے گھاٹ اتریں گے (پھر ہوا جو ہوا جس کی تفصیل گزری)

علم غیب رسول ﷺ اس آیت میں نبوت کی صحت پر حجت بینہ اور قرآن کا اعجاز ہے۔ پہلا تو یوں کہ ابھی واقعہ پذیر نہ ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے پہلے خبر دے دی تو پھر اسی طرح ہوا جیسے آپ نے فرمایا اس لئے کہ آیت کا نزول واقعہ سے پہلے ہوا اسی پر نظم ونسق بھی دلالت کرتا ہے اسی لئے کہ لن کے استقبال کے لئے آتا ہے۔ بہرحال یہ "الاخبار عن الغیب" ہے (روح البیان جلد ۹ ص ۴۳۹)

وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ (اور بالفرض والتقدیر) اگر ان کی مدد کی) لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ (تو ضرور پیٹھ پھیر جائیں گے) بھاگ کر اور شکست کھا کر۔

حل لغات الادبار دبر کی جمع ہے۔ قبل کی بالمقابل یعنی پچھلا حصہ اور تولیۃ الادبار سے شکست مراد ہے تو پیٹھ پھیرنے کو لازم ہے۔ تاج المصادر میں ہے التولیۃ بمعنی منہ آگے کرنا اور پیٹھ پھیرنا یہ لغات اضداد سے ہے۔

ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ (پھر مدد نہ پائیں گے) اس کے بعد منافقین مدد نہ پائیں گے یعنی انہیں اللہ تعالیٰ ہلاک کرے گا انہیں ان کی منافقت کوئی فائدہ نہ دے گی یہود سے مدد کرنے کی وجہ سے یا یہود شکست کھا جائیں گے تو پھر انہیں منافقین کی مدد کوئی فائدہ نہ دے گی۔

فائدہ آیت میں دلیل ہے کہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ دنیا و آخرت میں مقہور ہے اگرچہ وہ بادشاہ اور بہت بڑے لشکر والا ہو وہ جو اسے چند روز (دنیا) میں مہلت ملی ہے وہ اس کے لئے استدراج ہے اس کا انجام برباد اور مشتمل بر رسوائی اور خجالت ہے۔

صعوہ کو با عقاب سازد جنگ دہد از خون خود پرش را رنگ

(ممولا عقاب سے جنگ کرتا ہے تو وہ اپنے خون سے ہاتھ رنگ رہا ہے)

تفسیر صوفیانہ آیت خواہش اور اس کی صفات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ منافقین کی طرح ہیں اور نفس کافر ہے

اس کے اتباع یہود کی طرح ہیں۔ ان کے مابین اخوت و دوستی ہے یہ ظلمت وابستہ وصفاتیہ ہے ان کے اور روح و سرو قلب کے حقائق کے درمین ایسے منافرت ہے جیسے نور و ظلمت کے درمیان۔ خواہش اور اس کی صفت نفس اور اس کی صفت کہتے ہیں۔ اگر تمہیں روح و سرو قلب نے تمہارے حوادث وانانیات کے گھروں سے نکالا بوجہ ان کے انوار کے غلبہ کے تمہارے وجودات کی ظلمات کے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے۔ تمہاری مخالفت نہ کریں گے اور تمہارے ساتھ ریاضت کی تلوار اور مجاہدہ کے تیروں کے ذریعہ لڑائی ہوئی تو ہم قوائے شہوانیہ بہیمہ سبعیہ کے ذریعہ تمہیں تقویت دیں گے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کسی شے پر قدرت نہیں رکھتے۔ وہ اپنی باتوں میں جھوٹے ہیں نہ خواہش ان کے ساتھ نکلے گی۔ اور نہ ہی ان کی صفت کیونکہ ہواؤ نفس اگرچہ بالذات متحد ہیں۔ لیکن صفات کے لحاظ سے مختلف ہیں جیسے زید و عمر صفات میں مختلف ہیں اگرچہ بالذات متحد ہیں۔ یعنی انسانیت میں ایک کا ارتفاع (اٹھ جانا دوسرے کے ارتفاع کو مستلزم نہیں۔ علاوہ ازیں جب روح کا قالب پر غلبہ ہوگا تو ہوی (خواہش) روح کی طرف مائل ہو جائے گی ہاں اپنی غلاظت طبع کے لحاظ سے کبھی نفس کی طرف بھی مائل ہوگی اس طرح سے وہ نفس کی دائمی طور پر مدد نہ کرسکے گی۔ اگر اس کے وجود کی لکڑی میں نار ظلمت کی آگ پھونکنے پر کچھ مدد کرے تب بھی روح و سرو قلب کے انوار کے شعاعوں سطوات (حملوں) کے سبب ایسے شکست کھا جائے گی جیسے ظلمت سے نور کی شکست یا رات سے دن کا چلا جانا خبردار اللہ تعالیٰ کا گروہ غالب ہے۔

تفسیر عالمانہ لَاَنْتُمْ بیشک تم۔ اے مسلمانوں کے گروہ یعنی بیشک تم اے مومنو! اَشَدُّ رَهْبَةً سخت تو خوف والے ہو الرھبۃ خوف مع حزن واضطراب۔ یہاں مصدر مجہول ہے یعنی رشد مرہو بیتہ وہ اس لئے کہ یہ خطاب مسلمانوں کو ہے اور خوف ان کو نہ ہوا بلکہ منافقوں کو ہوا تھا اسی معنی پر مخاطب وہ مرہوب ہیں جو غیر خائف ہیں۔ فِیْ صُدُوْرِهِمْ ان کے دلوں میں یعنی منافقین کے دلوں میں۔ مِنَ اللّٰهِ مرہو بیتہ (اللہ تعالیٰ سے تھی)

فائدہ 1 لکشاف میں ہے کہ فی صدورہم ان کی منافقت کی دلیل ہے کیونکہ وہ تمہیں علانیہ خوف خداوندی ظاہر

marfat.ocm

کرتے ہیں حالانکہ تم ان کے دلوں پر۔ نسبت اللہ تعالیٰ زیادہ رہبت والے ہو۔

سوال یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے خوف رکھتے ہوں پھر انہیں اہل ایمان سے زیادہ ڈر ہو۔

جواب ان کو وہ خطرہ جو مسلمانوں سے ہے وہ اللہ تعالیٰ سے خطرہ اور خوف ظاہر کرتے ہیں جو دل میں تم سے خوف رکھتے ہوں وہ سخت تر ہے حالانکہ بظاہر وہ اللہ تعالیٰ سے سخت سے سخت خوف ظاہر کرتے تھے۔

فائدہ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ منافقین مسلمانوں سے اس لئے زیادہ خوفزدہ تھے کہ ان پر (مسلمانوں) نور الٰہی بہت زیادہ تو پھر جیسے ظلمت کو نور سے نفرت ہے اور وہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی ایسے ہی اہل ظلمت کو اہل نور سے نفرت ہے اسی لئے اہل ظلمت اہل نور کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

فائدہ ظلمت سے ہماری مراد ظلمت شرک و کفر و ریاء و نفاق اور نور سے نور توحید و ایمان و اخلاص اور تقوی ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ بیشک اللہ تعالیٰ متقین کے ساتھ ہے۔ اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی معیت اہل تقوی کے ساتھ ثابت فرمائی ہے اور وعدہ فرمایا ہے کہ مخالفین کے مقابلہ میں وہ اہل تقوی کی ہی فرمائے گا۔

ذٰلک وہ جو مذکور ہوا کہ ان کی رہبت (خوف) بہ نسبت اللہ تعالیٰ کے تمہارے سے زیادہ ہے۔ **بانھم** بسبب اس کے کہ بیشک وہ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ناسمجھ لوگ ہیں۔ کسی شے کو بھی نہیں سمجھتے تاکہ انہیں عظمت الٰہی معلوم ہو تاکہ اسے اس کی شان کے لائق خوف کریں۔

تفسیر صوفیانہ عظمت اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں یہی مشائخ کبار کی تحقیق ہے بلکہ یہ اس کے دل کی صفت ہے جو عالم باللہ ہے یہ اس کے لئے بمنزلہ چادر کے ہے اس کے پہننے والے کے لئے اگر یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہوتی تو اس کا عارف و غیر عارف سب عظیم ہوتے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امت (مصطفویہ) کو جلوہ دکھائے گا۔ ان میں منافقین بھی ہوں گے

فرمائے گا میں تمہارا رب ہوں تو لوگ اس سے پناہ مانگیں گے اس کی کوئی تعظیم نہیں کریں گے بلکہ وہ اپنی جہالت سے اس کا انکار کریں گے جب وہ ان پر اس علامت سے تجلی دکھائے گا جسے وہ جانتے ہیں تو پھر وہ اس کی تعظیم کریں گے اور دل میں اس کی عظمت کا تصور کر کے سجدہ ریز ہوں گے۔

فائدہ حق یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا جلوہ ہو گا تو اس وقت تو ان کے تصورات ہی دل سے اٹھ جائیں گے۔ پھر صرف حق تعالیٰ کی عظمت و جلال کا تصور دل میں ہو گا اور بس۔

مسئلہ آیت سے ثابت ہوا کہ دانش مندی اسی کا نام ہے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف تمام اشیاء سے زیادہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کے خوف کے سامنے کسی کا تصور تک نہ ہو لیکن افسوس کہ آج کل کے لوگ اس کے برعکس ہیں جیسے دیکھ رہے ہو اور اس کا سب کو مشاہدہ ہے کہنے کی ضرورت نہیں۔

حدیث شریف جس کے لئے اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔

فائدہ عارفین کے نزدیک فقیہ وہ ہے جو اپنے مولیٰ کے سوا کسی اور سے نہیں ڈرتا اور اس کے سوا کسی کو دل میں نہیں لاتا ہے اور نہ ہی غیر کی طرف اس کا التفات ہوتا ہے بلکہ غیر سے تو خیر کی امید نہیں رکھتا اس کی طلب میں پرندے کی طرح اڑتا ہے۔

فائدہ بعض اکابر مشائخ نے فرمایا کہ درندے وغیرہ سے ڈر جانا کاملین کے کمال میں کمی کی دلیل نہیں کیونکہ موذی اشیاء سے ڈرنا انسانی فطرت ہے اور یہ اس کی اصالت میں داخل ہے کیونکہ انسانی نفوس فطرتی طور خوف میں ہیں اور ظاہر ہے کہ عدم کے بعد وجود کی لذت ہے اس سے بڑھ کر اور کوئی لذت نہیں اور عدم عینی کا تو ہم بھی نفوس میں الم (درد) شدید ہے اس کی قدر صرف عارف باللہ جانتے ہیں ہر نفس عدم کے طیران سے گھبرایا ہوا ہے کہ اس نے لاحق ہونا ہے یا اس کے متقارب کوئی اور شے نہیں اس لئے نفوس اس سے بھاگتے ہیں اور خوف زدہ اور نفوس کے عین کے چلے جانے کی وجہ سے گھبرائے ہوئے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ کامل ضعیف ترین مخلوق ہے جب اسے چیونٹی

marfat.ocm

کے دلس سے درد پہنچتا ہے تو اس کا مشاہدہ کر کے ضعف و نقاہت کا شکار ہو جاتا ہے یہ (کامل) وہ انسان ہے جو بذل و فقر مع شہود اصل سے ملاؤ ملاؤ کشفاً بھرپور ہے اسی لئے کسی رسول و نبی اور ولی کامل سے کسی وقت بھی ناقص عبودیت کا کسی وقت بھی دعویٰ نہیں کیا۔

تفسیر عالمانہ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ یہ تمہارے ساتھ نہیں لڑیں گے یعنی یہود و منافقین تمہارے ساتھ جنگ کرنے کی قدرت نہیں رکھتے بلکہ اس کی جرأت بھی نہیں کریں گے۔

جَمِيْعًا سب مل کر کسی جگہ پر متفق ہو کر۔ اِلَّا فِيْ قُرًى مگر شہروں میں۔ کسی بھی بستی یا شہر میں وطن کے اور لوگوں کا کسی جگہ جمع ہونے کی جگہ محصننہ قلعہ بند مضبوط پتھروں سے اور خندقوں میں اسی طرح کے اور مقامات میں۔ امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا وہ جو قلعوں کی طرح مضبوط کیا جائے۔

اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ یا دیواروں کی اوٹ میں نہ یہ کہ تمہارے سامنے ہو کر لڑیں یا آمنے سامنے لڑنے سے گھبرائیں گے اسی لئے کہ وہ تم سے بہت خوفزدہ ہیں۔ جُدُرٌ جُدَلٌ کی جمع ہے دیوار کی طرح کیونکہ دیوار وہ ہوتی ہے جو مکان چار سو محیط ہو اور اس کو جدار اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ دیوار کی طرح موٹی اور اونچی ہے اسی لئے کہا جاتا ہے جدر الشجر یعنی اس کا پتہ نکلا گویا وہ چنا ہے۔

وجدر الصبی بچے کو چیچک نکلی درخت کے پتوں سے تشبیہ کی وجہ سے اس طرح بولی ہیں۔ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ (آپس میں ان کی آنچ سخت ہے) جملہ مستانفہ ہے اس بیان کے لئے کہ ان کا تم سے خوف زدہ ہونا فی نفسہ ان کی بزدلی اور کمزوری سے نہیں بلکہ انہیں آپس میں دیکھو تو ان کی آپس کی آنچ اور جنگ سخت ہے ان میں کمزوری اور بزدلی ہے تو تم سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا ہے۔ پھر یہ قاعدہ یقینی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرتا ہے تو وہ بہادر ہو تب بھی بزدل بن جاتا ہے اور معزز ہو تو ذلیل ہوتا ہے۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کی مدد کرنا چاہتا ہے تو اس کی لومڑیاں شیر بن جاتی ہیں اور

marfat.ocm

جب کسی قوم پر قہر و غضب فرماتا ہے تو ان کے شیر بھی لومڑیاں ہو جاتی ہیں۔

اگر مردی از مردی خومگوی
نہ ہر شہسوارے بدر برد گوی

(اگر تو مرد بہادر ہے تو اپنی بہادر کا دم نہ مار کیونکہ ضروری نہیں کہ ہر شہسوار گیند میدان سے لے جائے)

سوال جب جنگ خود ہی سخت ہوتی ہے تو پھر اسے شدید کی صفت سے موصوف کرنے کا کیا معنی؟

جواب حرب سے مطلق جنگ مراد ہے شدت کہ کر اس کی شدت کی تصریح مطلوب ہے یا مبالغہ مراد ہے کہ ان کی آپس کی جنگ شدید ہے لیکن اہل ایمان کی جنگ ان پر شدید ہے کیونکہ اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت حاصل ہوتی ہے۔

فائدہ ظرف شدید کے متعلق ہے اور تقدیم حصر کے لئے ہے یہ بھی جائز ہے کہ اس کا متعلق مقدر ہے اور وہ صفت ہے یا حال ہے یعنی وہ جنگ جو ان کے مابین واقع ہوتی ہے۔

ازالہ وھم وہ جو بعض نحوی کہتے ہیں کہ وہ ظرف جو معرفہ کے بعد واقع ہو وہ حال ہوتی ہے یہ ان کا قاعدہ غیر پسندیدہ ہے کیونکہ نحو کا عام قاعدہ ہے کہ وہ دونوں طرح جائز ہے کہ وہ صفت بھی ہو تو بھی حال ہے بلکہ کبھی صفت کو ترجیح ہوتی ہے۔

تَحْسَبُهُمْ اے (محبوب) محمد ﷺ تم انہیں سمجھو گے یا ہر وہ جو یہ خطاب سنتا سمجھتا ہے۔ **جَمِيْعًا** جتھا۔ مجتمع و متفق کا بے لغت و صاحب اتحاد۔

وَقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى اور ان کے دل الگ الگ ہیں یعنی حالانکہ ان کے قلوب متفرق ہیں۔ ان کی اپس میں کوئی الفت نہیں ہاں وہ اس کے خلاف ہیں جن کے لئے فرمایا۔ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ (لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی آپس میں الفت پیدا فرمادی ہے)

حل لغات شَتّٰى مشیت کی جمع ہے جیسے مریض کی مرضی بمعنی پراگندہ و پریشان۔ اہل لغت کہتے ہیں

marfat.ocm

شَتَّ یشتر شتًّا وشتاتًا وشُتیتًا بمعنی فرق۔ افترق جیسے انشت وتشتت اور کہتے ہیں جاؤ اور اشتاتا تمام میں متفرق ہو کر آئے۔

فائدہ آیت مومنین کے قلوب شجاعت پر ابھارنا ہے تاکہ ان سے مضبوط ہو کر لڑیں اور ان کو جسارت کی ترغیب ہے ورنہ اہل ایمان کو لائق ہے کہ آپس میں متفق و متحد رہیں صورۃ بھی معنا بھی جیسے حضور نبی پاک ﷺ کے زمانہ اقدس میں تھے۔

فائدہ بزرگ فرماتے ہیں کہ اتفاق ایک بہت بڑی طاقت اور افتراق اختلاف ہلاکت ہی ہلاکت ہے اور ابلیس اپنی مراد افتراق یعنی مسلمانوں کے اختلاف میں پاتا ہے۔

فائدہ حضرت سہل رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اہل حق ہمیشہ موافق رہتے ہیں اگرچہ ابدان سے اور بظاہر کتنا دور اور جدا ہوں اور اہل باطل ہمیشہ متفرق ہیں اگرچہ وہی ہر مجتمع اور ابدان کے لحاظ سے قریب اور ظاہری امور میں متفق ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَتَحْسَبُهُمْ الخ

ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ وہ جو مذکور ہوا ہے یعنی ان کے قلوب متفرق ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ بیشک قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ وہ لوگ بے عقل ہیں کچھ نہیں سمجھتے کہ حق کو پہچان کر اس کی اتباع کریں اور ان کے دل مطمئن ہوں اور ان کی ایک آواز ہو اور ایک ہی کمان سے تیر ماریں اسی بے سمجھی سے وہ گمراہی کے جنگل میں جا گرے ہیں اور ان کے دل پریشان ہیں بوجہ ان کے اختلاف و طرق اور تفرق فنون کے ان کے دل کی پریشانی ان کے قوی کو ضعیف کر دیتی ہے کیونکہ دل کی درستگی کا اثر صلاح جسد پر بھی پڑتا ہے اور اس کا فساد جسد کے فساد کا موجب ہے جیسے مشہور ہے برتن سے وہی بر آمد ہو گا جو اس کے اندر ہو گا۔

فائدہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کفار کی تین چیزوں سے مذمت فرمائی ہے۔

۱۔ عدم الفقہ ۲۔ عدم العلم ۳۔ عدم العقل

فقہ کے متعلق امام راغب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ علم شاہد سے علم غائب پانا وہ علم سے خصا ہے اور علم بمعنی شے کی

marfat.ocm

حقیقت کا ادراک یہ دو قسم ہے۔

۱۔ نظری ۲۔ عملی۔

اور یہ عقلی بھی ہے سمعی بھی ہے عقل وہ قوت جو قبول علم کے لئے تیار ہو کہا جاتا ہے کہ وہ علم جس سے انسان کسی قوت کے ساتھ اس کا استفادہ کرے۔ وہ عقل ہے اسی لئے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ عقل دو ہیں۔

۱۔ مسموع ۲۔ مطبوع

مطبوع کا کوئی فائدہ نہیں جب وہ مسموع نہ ہو جیسے سورج کا کوئی فائدہ نہیں جب آنکھ میں روشنی نہ ہو پہلے کی طرف حضور سرور عالم ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نزدیک عقل سے لور کوئی شے مکرم تر نہیں بنائی۔ اور دوسری طرف بھی اشارہ فرمایا انسان کی عقل کی کمائی سے بڑھ کر لور کوئی شے نہیں جو عقل کہ اسے ہدایت کی راہ دکھائے یا اسے ردی امر سے ہٹائے یہی عقل مراد ہے آیت وَمَا یَعۡقِلُهَاۤ اِلَّا الۡعٰلِمُوۡنَ اسے نہیں سمجھتے مگر علم والے) اور جب اللہ تعالیٰ نے کفار کے عقل کی مذمت کی ہے تو اس سے دوسری قسم مراد ہے نہ کہ پہلی اور جہاں انسان سے رفع التکلیف حکم فرمایا ہے بوجہ عدم عقل کے کہ تو وہاں پہلی قسم مرلو ہے۔

عقل نور

حدیث شریف ۱ میں ہے کہ عقل نور ہے وہی حق و باطل کا فرق بتاتا ہے۔

حدیث شریف ۲ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ ایک مرد عقل مند بھی ہے لیکن اس سے گناہ بکثرت سرزد ہوتے ہیں کوئی ایسا آدمی نہیں جس سے گناہ سرزد نہ ہوتے ہوں لیکن جس کی طبیعت عقل لور فطرت یقین ہو اسے گناہ ضرر رساں نہیں۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ یہ کیسے فرمایا کہ ایسا آدمی گناہ کرنے کے بعد بے قرار ہو جاتا ہے جب تک اس کا تدارک نہ کرے توبہ یا

marfat.ocm

ندامت سے جو اس سے سرزد ہوا ہے اسی سے اس کے گناہ فوراً مٹا دیئے گئے اور اس کی اصلی فضیلت باقی ہے جس کی وجہ بہشت میں داخل ہو گا۔

حدیث شریف ۳ انہی سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے سامنے لوگوں نے ایک شخص کی تعریف میں بہت مبالغہ کیا کہ اس میں فلاں فلاں بھلائی اور خوبی ہے۔ آپ نے فرمایا بتاؤ اس کی عقل کیسی ہے۔ عرض کی گئی حضور ہم آپ کو اس کی عبادت میں جدوجہد اور اس کی قسم و قسم خیر و خوبی کا سناتے ہیں۔ آپ اس کی عقل کا پوچھتے ہیں فرمایا بعض ایسے ہوتے ہیں کہ اپنی حماقت سے بہت بڑا قصور کر لیتے ہیں۔ دیکھنا کل قیامت میں اللہ تعالیٰ رفع درجات فرمائے گا اور اپنے قریب لائے گا جتنا قدر کسی کی عقل ہو گی۔ (یعنی عقل کی برکت سے ہی یہ مراتب نصیب ہوں گے)

حکایت حضرت علی بن عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عقل بادشاہ ہے اور عادات اس کی رعایا جب عقل اپنی رعایا کی نگہداشت سے عاجز آجاتی ہے تو پھر رعیت کو خلل پڑ جاتا ہے ایک اعرابی نے سنا تو کہا یہ شہد نچوڑ رہا ہے (یعنی بہترین گفتگو ہے)

فائدہ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ جب عقول مکمل ہو جاتی تو فضولیات میں کمی آجاتی ہے کیونکہ عقل فضول بات سے روکتی ہے۔ قاعدہ ہے کہ جس شے کی کثرت ہو جائے سوائے عقل کے کہ یہ جتنا زائد ہو قیمتی ہوتا ہے۔

عقل کی نورانیت سے سورج بے نور اعرابی نے کہا اگر عقل کوئی شکل اختیار کر کے ظاہر ہو جائے تو سورج بے نور ہو جائے گا اگر حماقت کوئی شکل اختیار کرے تو رات کی روشنی اس سے زیادہ روشن محسوس ہو گی۔ بہرحال عقل تمام اشیاء سے زیادہ نورانی ہے اور حماقت سب سے زیادہ ظلمات بھری۔

نکتہ عقل مند عقل کے ذریعے جہاں جائے عیش کرے گا جیسے شیر اپنی قوت بازو سے۔ کیونکہ عقل میں شیر جیسی قوت شجاعت ہے۔ یہ قیاس کے مطابق ہے کیونکہ احمق ضعیف تر ہوتا ہے لومڑی دیکھ لو کہ احمق ہے تو ضعیف تر

marfat.ocm

سمجھی جاتی ہے۔

کشتی بے لنگر آمد مرد شر　　　کہ زباد کژ نیابد او حذر
لنگر عقلست عاقل را امان　　　لنگرے دریوزہ کن از عاقلاں

(برے آدمی کی کشتی بے لنگر ہے کہ مخالف ہوا سے اسے خطرہ ہوتا ہے عقل مند کے لئے عقل کی لنگر امان ہے عقلندوں سے لنگر کی گداگری کر)

تفسیر عالمانہ كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ان کی سی کہاوت جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ مبتداء محذوف کی خبر ہے دراصل مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِيْنَ الخ تھا یعنی مذکورہ یہود و منافقین کی کہاوت اور صفت عجیبہ اور حالت غریبہ اہل بدر کی سی ہے یعنی مشرکین اہل مکہ کی طرح ہیں یا ان کی مثل بنی قینقاع جیسی ہے جو بنو نضیر سے پہلے جلاوطن کئے گئے۔

فائدہ بنو قیناقاع (مثلثہ النون واضم) زیادہ مشہور ہے وہ یہود میں بڑے بہادر اور مال میں زیادہ سمجھے جاتے تھے۔ واقعہ بدر کے بعد انہوں نے اپنی بغاوت وحد کو ظاہر کیا اور بنو نضیر کی طرح عہد شکنی کی انہیں رسول اللہ نے مدینہ طیبہ سے ملک شام کی طرف جلاوطن فرمایا کیونکہ وہ بستی ان کی اپنی آباد کردہ تھی۔ رسول اللہ نے ان پر ہلاکت کی دعا فرمائی سال نہ گزرا کہ وہ سب کے سب ہلاک ہوگئے۔ ان کا قصہ پہلی جلد (تفسیر ہذا) میں گزرا ہے۔ (تقریبًا) قریب زمانہ میں اس کا منصوب بمثل کی وجہ سے ہے دراصل کو قوع مثل الذین الخ تھا۔ یہ دلالت مقام سے ہے نہ بوجہ اقتضاء والا قرب کے قریبًا بمعنی فی زمان قریب (زمانہ قریب میں) اس معنی پر یہ واقعہ غزوہ احد سے پہلے کا ہوگا۔ بعض نے کہا غزوہ احد سے دو سال پہلے اس معنی پر یہ سن ۴ ہجری میں ہوا کیونکہ غزوہ بنی نضیر غزوہ احد کے ایک سال بعد ہوا اور غزوہ احد غزوہ بدر سے ایک سال بعد کو ہوا۔

ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ (انہوں نے اپنے کام کا وبال چکھا)

حل لغات امام راغب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا وبل بمعنی بھاری قطروں والی بارش اس کی ثقالت کی وجہ سے

marfat.ocm

ہر اس امر کو کہا جاتا ہے جس کے نحر کا خوف ہے اور کہا جاتا ہے۔ **طعام وبیل** امر واحد الامور پر مستعمل ہوتا ہے کہ لوامر یعنی انہوں نے دنیا میں اپنے کفر کے انجام کا مزہ چکھ لیا وہ ہے بدر میں قتل ہونا۔ ہجرت کے سن ۲ ہجری رمضان میں غزوہ بنو نضیر سے پہلے۔

ولھم اور ان کے لئے آخرت **عذاب الیم** دردناک عذاب ہے کہ جس کا اندازہ نہیں ہو سکتا ہے کہ دنیا کے عذاب کی بہ نسبت وہ کتنا زیادہ ہو گا جیسے کھلانے کا ذوق ہے کہ یہاں کیسا اور وہاں کیسا (واللہ تعالیٰ اعلم) اب معنی یہ ہوا ان لوگوں کا حال دنیا و آخرت ان کے حال جیسا ہو گا لیکن یہ بھی سب کی بات نہیں بلکہ بعض کی مثلاً یہود کی کہ ان کا حال کافروں جیسا ہو گا۔ باقی رہے منافقین ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بتا دیا ہے۔

انا المنافقین فی الدرک کمثل الشیطن (شیطان کی کہاوت) یہ مبتدا مقدار کی دوسری خبر ہے یہ بھی ان کا حال بتاتا ہے اور یہود کے دوسرے حال کو متضمن ہے اور یہ ہے ان کا منافقین کی باتوں سے دھوکہ کے متعلق کیا گیا ہے۔ وہ مقدر مضاف ہے دونوں ضمیروں کی طرف جن کی کسی ایک کے لئے تعیّن نہیں کہ ان دونوں فریقوں میں مسند الیہ کون ہے اس بھروسہ پر کہ سامع ہر دونوں شقوں میں جسے موزوں سمجھے متعین کر لے گویا کہا گیا کہ یہود پر عذاب کا نزول اسی طرح تھا جیسے ان سے پہلے لوگوں اور منافقین کا انہیں جنگ پر اکسانا اور گمراہ کرنا شیطان کی طرح ہے۔

اِذْقَالَ لِلْاِنْسَانِ اکْفُرْ جب انسان کو کہتا ہے کفر کر لے۔ قول مجاز ہے اغواء و اغراء سے یعنی اس کا برانگیختہ کرنا ایسے امر امور کو حکم دیتا ہے۔ **فلما کفر** جو انسان مذکور کفر کرتا ہے یعنی شیطان کے برانگیختہ کرنے پر اس کی طاعت اور اپنی خواہشات کی اتباع کرتا ہے۔

قال کہتا ہے شیطان **اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْکَ** بیشک میں تجھ سے بیزار ہوں۔ میں تیرے عمل سے دور ہوں اور تیرے کفر و شرک سے میں راضی نہیں۔

حل لغات بری بیر ابری دراصل ابرا و ابراء بمعنی اس چیز سے بیزاری کرنا جو ناگوار گزرے۔

فائدہ علماء کرام نے اگر یہاں انسان سے جنس مراد لیا تو یہ باہمی گفتگو قیامت میں ہو گی۔ **انی اخاف اللّٰہ**

رب العالمین بیشک میں اللہ تعالیٰ رب العالمین سے خوف کرتا ہوں اگر اس انسان سے ابو جہل مراد ہے تو لام عہد کی ہوگی۔

اکفر بمعنی کفر پر۔ دائم قائم رہ مراد جب اس میں دیکھا کہ وہ کفر و شرک پر ثابت قدم اور اس سے وہ خود خوش نہال بلکہ کفر اس کے دل میں مستحکم ہو چکا ہے۔ اسی لئے کہا انی الخ یہ ابلیس کا قول ہے جیسا کہ اس نے یوم بدر کہا تھا۔

لاغالب لکم من الناس وانی جاء لکم فلما ترات الفتان نکص علی عقبیہ و قال انی بری منکم انی اری مالا ترون انی اخاف اللّٰہ واللّٰہ شدید العقاب آج تم پر کوئی بھی غالب آنے والا نہیں اور تم میری پناہ میں ہو تو جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے الٹے پاؤں بھاگا اور بولا میں ان سے الگ ہوں۔ میں وہ دیکھتا ہوں جو تمہیں نظر نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہے۔ جب بدر میں لڑائی ہوئی تو ابلیس نے جبرائیل علیہ السلام کو حضور سرور عالم ﷺ کے ساتھ دیکھا تو خوفزدہ ہو کر کافروں کو کہنے لگا میں بیزار ہوں اس کے بعد شکست خوردہ ہو کر بھاگا۔

فائدہ یہ شیطان لعین کے کذبات سے ایک کذب ہے کیونکہ اگر وہ اللہ تعالیٰ سے حقیقی طور پر ڈرتا ہو اور ازراہ صدق یہ بات کہتا تو اس طریقہ پر نہ رہتا جو خوف تک لے جاتا ہے حالانکہ اس نے تا قیامت زندہ رہنے کی استدعا بھی اس لئے کہ کہ وہ بنو آدم کو گمراہ کرتا رہے۔

فائدہ حضرت ابو اللیث رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس خبیث نے یہ استہزاء کہا تھا ممکن ہے یہ اس لئے کہا ہو کہ وہ اس سے اس کی مسرت و ملال کی جلن میں اضافہ کرے۔

فائدہ فقیر (صاحب روح البیان رحمتہ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ شیطان کبھی جلال الٰہی کی بھی خبر دیتا تھا اور اس کی عظمت ظاہر کر دیتا تھا اسی لئے کبھی اس کے مواخذہ عاجلہ (جلد تر) سے ڈر جاتا تھا۔ اگرچہ اسے معلوم ہے کہ وہ تا قیامت مہلت دیا ہوا ہے۔ اور یہ بھی ہر ایک کی فطرت میں داخل ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے غلبہ و قہر کے آثار نمودار

marfat.ocm

ہوتے ہیں تو گھبراہٹ آ ہی جاتی ہے۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے فرمایا وَظَنُّوٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (ان کا گمان تھا کہ اب انہیں عذاب نے گھیرے میں لے لیا تو اللہ تعالیٰ کو دین کے مخلص ہو کر پکارنے لگے) ایسے ڈاکو اور قاتل سے ہوا جو کچھ ہوا لیکن اس کے بعد بھی یہ اپنے طور سہمے ہوئے ہوتے ہیں اسی لئے ابلیس بھی مواخذہ عاجلہ سے گھبرایا ہوا تھا۔

فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ تو ان دونوں کا انجام یہ ہوا۔ شیطان اور اس انسان کا "عاقبت کا منصوب ہونا کان کی خبر کی وجہ سے ہے اس کا اسم ہا ہے اَنَّهُمَا فِى النَّارِ وہ دونوں جہنم میں ہیں اس کے برعکس بھی پڑھا گیا ہے یہی زیادہ واضح ہے۔

خَالِدَيْنِ فِيْهَا (وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے) اس میں ایسے ہمیشہ مقیم ہوں گے کہ کسی وقت بھی اس سے نکالے جانے کا تصور بھی نہ کر سکیں گے جار مجرور مستقر مقدر کی ضمیر سے حال ہے۔ خالدان بھی پڑھا گیا ہے کہ وہ ان کی خبر ہے اور فِى النَّارِ ظرف لغو ہے کہ خالدان کے متعلق ہے۔ وذلک اور جہنم کا دائمی ہونا۔ جزاء الظالمین علی الاطلاق ظالموں کی جزاء ہے نہ صرف انہی کی۔

برصیصیا کا قصہ بعض مفسرین نے کہا کہ اس سے بنی اسرائیل کا برصیصیا مراد ہے اس کا واقعہ یوں ہے کہ وہ دفترت میں اس نے گرجا (عبادت خانہ) بنا رکھا تھا۔ اس میں ستر سال عبادت الٰہی میں مشغول رہا۔ شیطان اس کے گمراہ کرنے سے عاجز آچکا کوئی چارہ نہ رہا۔ ایک دن گروہ شیاطین کو جمع کر کے کہا کوئی تم میں سے ایسا ہے جو اسے گمراہ کرے۔ ایک نے دم مارا یہ کہہ کر برصیصیا کے گرجا میں راہبوں کی شکل بنا کر چلا گیا اور کہا مجھے اپنے ساتھ رہنے دیجئے میں بھی تنہا عبادت خداوندی میں مشغول ہونا چاہتا ہوں۔ برصیصیا نے کہا تمہارے میرے ساتھ کیا سروکار تیرے ساتھ رہنے میں میری عبادت میں خلل آئے گا۔ کیونکہ وہ اس دن تک مسلسل نماز میں گزار دیتا اور ساتھ روزہ بھی رکھتا دس دن افطار (روزہ نہ رکھتا) کرتا شیطان نے گرجا کے باہر نماز شروع کر دی اور چالیس روز تک کھائے پیئے بغیر مسلسل نماز میں رہا۔ برصیصیا کو اس کی یہ ادا پسند آگئی ایک سال یکجا گزار کر شیطان نے کہا کہ میرا ایک اور ساتھی ہے میں اس کے پاس جانا چاہتا ہوں کیونکہ میں نے سمجھا کہ آپ اس سے بڑھ کر ہوں گے لیکن معاملہ برعکس ہے اسی لئے

marfat.ocm

اب یہاں میرا رہنا میری عبادت کی مشغولی میں کمی کا خطرہ ہے۔ برصیصا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اس سے جدا ہو لیکن شیطان بضد تھا۔ برصیصا کو اس کی عبادت کا طریقہ کار بہت پسند تھا۔ اسی لئے بہت منت سماجت کی لیکن شیطان نہ مانا۔ کہا میں نے لازماً جانا ہے البتہ تجھے ایک گر سکھا دوں جس سے اللہ تعالیٰ ہر بیماری بالخصوص جنون، دیوانگی اور دیگر عسیر العلاج بیماریاں اس دعا کی برکت سے شفا بخشے گا اور یہ کام تیری ہزار سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ کیونکہ بہتر انسان وہ ہے جو دوسروں کو نفع دے۔ برصیصا نے کہا یہ کام میرے بس سے باہر ہے لیکن شیطان نے خوب سبز باغ دکھا کر منوا لیا اور وہ دعا سکھا کر الوداع کی۔ ابلیس کے پاس پہنچ کر کہا کہ میں نے برصیصا کو ہلاک کر ڈالا (قابو میں لے لیا) اور اپنی کاروائی سنائی۔ اس کے بعد ایک شخص سے وہی کیا جو جنات کرتے ہیں پھر خود طبیب بن کر اس کا علاج برصیصا کے پاس ہے اس کی دعا سے یہ ٹھیک ہو جائے گا۔ کیونکہ اس پر دیو کا اثر ہے اور وہ میرے قابو میں نہیں آ سکتا۔ وہ لوگ اس جوان کو برصیصا کے پاس لے گئے۔ برصیصا نے دعا کی تو اسے آرام ہو گیا۔ پھر اس نے بنی اسرائیل کے بادشاہ کی لڑکی پر جنون و دیوانگی ڈال دی وہ شہزادی حسن و جمال میں پری پیکر اور دنیا بھر میں اپنی مثال خود تھی۔ اس کے تین بھائی تھے۔

شیطان بصورت ڈاکٹر بادشاہ کے پاس حاضر ہو گیا اسے دیکھ کر کہا اس پر دیو کا اثر ہے اور ہے بھی سرکش۔ میرے قابو میں نہیں آ سکے گا۔ البتہ میں تمہیں ایک شخص کا نام بتا دوں اگر وہ دعا کرے تو شہزادی تندرست ہو سکتی ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ وہ شخص کون ہے۔ کہا برصیصا۔ بادشاہ نے کہا کہ وہ تو مستغنی ہے کسی کے پاس آتا جاتا نہیں۔ شیطان نے کہا اس کی آسان صورت یہ ہے کہ اس کی عبادت گاہ (گرجا) کے ساتھ شہزادی کا کمرہ تیار کریں اور برصیصا سے کہیں کہ یہ آپ کی امانت ہے اس پر نظر کرم فرمائیے شفایاب ہو جائے گی تو آپ کو اجر عظیم ملے گا۔ ایسے کیا گیا۔ شیطان نے برصیصا کے پاس پہنچ کر وسوسہ ڈالا کہ ایسی حسن و جمال کی پری پیکر پھر کہاں۔ اس سے جماع کر لے۔ پھر توبہ کر لینا۔ رحمت حق وسیع اور توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔

برصیصا پر شہوت کا بھوت سوار ہوا شہزادی سے جماع کیا تو وہ حاملہ ہو گئی برصیصا اس سے سخت پریشان ہوا۔ شیطان دوست کی صورت میں آیا اسے تمام ماجرا سنایا تو شیطان نے کہا یہ کام آسان ہے شہزادی کو قتل کر کے کمرہ کے باہر کہیں دفن کر دے اس کے ورثاء آئیں تو کہہ دینا کہ اسے دیو لے گیا۔ بدبخت برصیصا نے وہی کیا۔ چند دنوں کے بعد

marfat.ocm

شہزادی کے بھائی آئے پوچھا تو وہی کہہ دیا انہوں نے برصیصا کی بات کو مان لیا۔ گھر واپس گئے تو شیطان مسلسل تین بار خواب میں آیا اور برصیصا کی تمام کہانی بتا دی اور مدفون شہزادی کے دفن کی نشاندہی بھی کر دی۔ تینوں بھائی آئے اور شہزادی کو دفن سے نکال کر برصیصا کو گرفتار کیا اس کے گرجا کو تباہ و برباد کر کے اسے پکڑ کر بادشاہ کے پاس لے گئے بادشاہ کو حال سنایا تو اس نے پھانسی پر لٹکانے کا حکم دیا۔ پھانسی پر لٹکانے سے پہلے برصیصا کے پاس آکر کہا یہ کاروائی میں نے کی ہے۔ (گزشتہ حال سارا سنایا) اگر اب میرا کہا مان لو تو تمہاری جان بخشی ہو سکتی ہے وہ یہ کہ مجھے سجدہ کر لے۔ برصیصا نے سجدہ کیا تو ایمان گیا پھانسی لٹکا تو جان گئی اس وقت شیطان نے اس سے کہا انی بری الخ اسی معنی پر اب مطلب یہ ہوا کہ شیطان اور برصیصا کا انجام کار یہ کہ وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے اور یہی ظالموں کی سزا ہے۔

خیالات نادان خلوت نشین   بہم بر کند عاقبت کفر و دین
کن دوست باید کنو بر خوری   نباید کہ فرمان دشمن بری
لے نیک مردان بباید شتافت   کہ ہر کین سعادت طلب کردیافت
ولیکن تو دنبال دیو خسی   ندانم کہ در صالحان کے رسی

ترجمہ ۱ خلوت نشین نادان کے خیالات کو بالآخر کفر و دین میں غلط ملط کر دیتے ہیں۔

۲۔ اگر دوست سے پھل کھانا چاہتے ہو تو اس کے دشمن کا کہا مت مان

۳۔ نیک لوگوں کے پیچھے دوڑنا چاہئے جو بھی سعادت طلب کرتا ہے وہ پاتا ہے۔

۴۔ لیکن تیرا حال تو یہ ہے کہ تو شیطان کے پیچھے پھر رہا ہے تو پھر نا معلوم تو نیک لوگوں کے دروازے پر کیسے پہنچے گا۔

فائدہ اس شیطان سے ابیض (سفید رنگ) شیطان مراد ہے کیونکہ نیکی کرنے والوں کے پاس وہ ایسی صورت میں آتا ہے۔ حضرت کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا وہ ستر سالہ عبادت گزار دائمی شقاوت میں گرفتار ہوا تم بھی غافل نہ ہو کہ بڑی شہ زوروں کو شیطان پے درپے وساوس سے گمراہ کر ڈالتا ہے۔

برصیصا کی کہانی زہرۃ الریاض میں ہے کہ برصیصا کو دو سو سال کی عبادت کرنے کے باوجود گمراہ کر ڈالا حالانکہ

marfat.ocm

اسی مدت میں اس نے لمحہ بھر (آنکھ جھپکنے کی مقدار) بھی کبھی اللہ تعالیٰ کی بے فرمانی نہ کی تھی اس کے ساتھ ہزار ایسے تلامذہ شاگرد مرید تھے جو اس کی برکت سے ہوا پر اڑتے تھے اور عبادت میں ایسا بے مثل تھا کہ ملائکہ اس کی عبادت کرنے پر تعجب کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے پوچھا کہ تمہیں اس سے تعجب کیوں میں لے جانتا ہوں تم نہیں جانتے میرے علم میں ہے کہ یہ عنقریب کفر کر کے ہمیشہ کے لئے جہنم میں جائے گا۔ یہ گفتگو ابلیس نے سن لی اور یقین کر لیا کہ اس کی ہلاکت اس کے ہاتھوں ہوگی۔ اسی لئے اس کے گرجا میں آیا اور صورت عابد کی اختیار کی اور ٹاٹ پہن کر بر میصیا نے پکار کر کہا کون ہے تو اور کیا چاہتا ہے؟ کہا میں عابد ہوں۔ عبادتِ الٰہی میں تیری مدد کرنا چاہتا ہوں۔ کہا اللہ تعالیٰ جس سے عبادت لینا چاہے کسی دوسرے کی مدد کا کیا معنی۔ ابلیس نے یہ کہہ کر تین دن مسلسل عبادت میں مشغول رہا نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ بر میصیا نے کہا تو عجیب عابد ہے نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے نہ سوتا ہے نہ آرام کرتا ہے۔ میں تو کھاتا پیتا سوتا ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ کی دو سو بیس برس سے عبادت کر رہا ہوں میرا یہی معمول ہے (تو میری عبادت کا کیا حال ہوگا) ابلیس نے کہا دراصل بات یوں ہے کہ مجھ سے ایک گناہ ہو گیا ہے جب یاد آتا ہے تو مجھ پر کھانا پینا سونا دوبھر ہو جاتا ہے۔ بر میصیا نے کہا تو مجھے بھی کوئی حیلہ بتایئے تاکہ میں بھی تیرے جیسا مشغول بخدا ہو جاؤں کہ نہ کھاؤں نہ پیوں نہ نیند کروں۔

ابلیس نے کہا کہ کوئی گناہ کر لے اس کے بعد توبہ کر لے وہ رحیم بخش دے گا اس کے بعد تجھے طاعت کی خوب حلاوت پائے گا بر میصیا نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اتنی سال عبادت کر کے اب گناہ کروں اس سے مجھے شرم آتی ہے ابلیس نے کہا انسان گناہ کرنے کے بعد بھی معذرت کر سکتا ہے۔ بر میصیا تو پھر کون سا گناہ کروں۔ ابلیس نے کہا زنا۔ کہا یہ مجھ سے نہ ہو سکے گا۔ ابلیس نے کہا تو پھر کسی اہل ایمان کو قتل کر دے کہا یہ بھی مجھ سے نہ ہو سکے گا۔ ابلیس نے کہا ایسا نشہ پی جو تجھے بیہوش کر ڈالے کہا ہاں یہ آسان ہے کہا تو شراب لاؤں۔ کہاں سے ابلیس نے کہا۔ فلاں بستی میں عام ملتی ہے وہاں چلا جا۔ بر میصیا چل پڑا۔ بستی میں پہنچا وہاں ایک حسین و جمیل عورت شراب بیچتی تھی اس سے شراب لے کر پی نشہ میں غرق ہو کر زنا بھی اسی عورت سے کیا اس عورت کا شوہر آیا تو اسے بر میصیا نے قتل کر دیا۔

ابلیس نے انسانی بھیس بدل کر بادشاہ کو واقعہ سنایا بادشاہ نے بر میصیا کو گرفتار کر کے اسی کوڑے مارے شراب نوشی کی سزا میں اور زنا کی سزا میں سو کوڑے مارے اس کو سولی چڑھانے کا حکم دیا تاکہ قتل کا بدلہ ہو۔ جب سولی چڑھایا جا

رہا تھا تو ابلیس اسی پہلی صورت میں اس کے پاس آیا اور کہا تیرے گمراہ کرنے میں ایک سو بیس سال لگا دیئے تو اب میرے قابو میں آیا ہے اب بھی چاہوں تو تجھے سولی سے بچا سکتا ہوں۔ برصیصیا نے کہا تو پھر دیر کیا ہے کہا تو مجھے ایک بار سجدہ کرلے تیرے جان کی رہائی ہو جائے گی۔ کہا لکڑی پر کیسے کہا صرف اشارہ کافی ہے۔ برصیصیا نے ابلیس کو سجدہ کیا تو وہ کافر ہو گیا اسی کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کمثل الشیطن الخ

فائدہ ابن عطیہ نے فرمایا کہ اس آیت سے برصیصیا عابد مراد لینا ضعیف ہے ہاں پہلی تاویل کلام الٰہی کے لئے زیادہ موزوں ہے۔

فائدہ البتہ قصہ میں عورتوں کے فتنے سے بچنے کی تنبیہ ضرور ہے۔

حدیث شریف نبی پاک ﷺ ام المومنین حضرت سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ پاک میں نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ کے آگے سے عمر بن ام سلمہ نے گزرنا چاہا تو آپ نے اسے ہاتھ کے اشارہ سے فرمایا ٹھہر جا وہ ٹھہر گیا اس کے بعد بنت ام سلمہ نے آپ کے آگے سے گزرنا چاہا آپ نے اسے بھی ہاتھ کے اشارہ سے روکا لیکن وہ نہ رکی اور آپ کی نماز کے آگے سے گزر گئی۔ آپ جب نماز سے فارغ ہوئے تو زینب بنت ام سلمہ کی طرف دیکھ کر فرمایا عورتیں ناقصات العقل اور ناقصات الدین ہیں۔ صواحب یوسف صواحب کرسف کی طرح ہیں بہت بڑے عزت والوں پر بھی غالب آجاتی ہیں اور دلیموں پر بھی۔

فائدہ حضرت الخبازی نے حواشی الہدایہ میں لکھا کہ مولانا حمید الدین رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کرسف ایک زاہد کا نام ہے جو ایک عورت کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا ہو گیا۔

حکایت کرسف زاہد المطرزی نے المغرب میں لکھا کہ کرسف بنی اسرائیل کا ایک زاہد شب بیدار اور صائم الدہر تھا۔ لیکن ایک عورت کی وجہ سے کافر ہو گیا جب کہ اس پر عاشق ہوا لیکن بعد کو توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ قبول کی وگزشتہ غلطی اور خطا معاف کردی۔ (الفردوس) صاحبات یوسف صاحبات کرسف حدیث کا اشارہ اسی کرسف

کی طرف ہے۔

رہبان پر جریج کا احسان حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ سابقہ دور میں راہب حضرات چھپ کر عبادت کرتے اور تقیہ کر کے زندگی بسر کرتے ورنہ لوگ ان پر بہتان تراشی کر کے انہیں طرح طرح کے مصائب میں مبتلا کر دیتے جب جریج راہب پر بہتان تراشا گیا تو اللہ تعالیٰ نے جریج کو ان کے بہتان سے بچا لیا تو اس کے بعد وہبان کو عام لوگوں میں کھل کر زندگی بسر کرنے کا موقعہ مل گیا۔

جریج راہب کا قصہ حدیث شریف میں ہے کہ جریج ایک عابد زاہد مرد تھا اس نے عبادت خانہ (گرجا) بنایا اور اسی میں رہتا تھا۔ ایک دن ماں آئی تو وہ نماز پڑھ رہا تھا۔ ماں نے پکارا جریج۔ جریج نے دل میں سوچا ماں بلا رہی ہے اور نماز پڑھ رہا ہوں۔ ماں جواب نہ پا کر واپس لوٹ آئی۔ اسی طرح دوسرے دن آئی اور پکارا یا جریج اس وقت بھی وہ نماز میں تھا۔ جواب نہ دیا ماں واپس لوٹ گئی تیسرے روز بھی ایسے ہی ہوا جواب نہ ملنے پر ماں نے کہا اللہ اسے موت نہ دے جب تک زانیہ عورتوں کے چہرے نہ دیکھے۔ یہ کہہ کر چلی گئی۔ بنی اسرائیل نے حسب عادت جریج کو پھنسانا چاہا کیونکہ اس کی عبادت پر غصہ تھا چنانچہ شہر کی ایک کنجری کو اپنے حسن پر ناز تھا کہا جسے چاہو میں اسے اپنے حسن میں پھنساؤں۔ حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ اس عورت کو جریج کے لئے کہا گیا تو وہ ہار سنگار کر کے جریج کے سامنے آ گئی لیکن جریج نے اس طرف توجہ نہ کی۔ کنجری جریج سے مایوس ہو کر ایک چرواہے سے زنا کرایا جو وہ صومعہ (گرجا) کے قریب رہتا تھا اس سے کنجری حاملہ ہو گئی جب بچہ پیدا ہوا تو شور برپا کر دیا کہ یہ جریج سے ہے۔ لوگوں نے جریج کو گرجا سے نیچے اتارا اور اس کا گرجا توڑا پھوڑا۔ اور اسے مارتے ہوئے باہر نکال لائے۔ جریج نے پوچھا مجھے کون سے جرم کی سزا دے رہے ہو کہا تو نے فلاں کنجری سے زنا کیا اس سے بچہ پیدا ہوا ہے وہ تیرا نطفہ ہے۔ جریج نے فرمایا وہ بچہ کہاں ہے۔ بچہ اس کے پاس لائے۔ فرمایا مجھے صرف دوگانہ پڑھنے دو۔ پھر جو چاہو کرو۔ دوگانہ پڑھ کر بچہ کے قریب آ کر اس کے پیٹ پر لکڑی مار کر کہا اے غلام تیرا باپ کون ہے کہا فلاں چرواہا۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا۔

فاقبلوا علی جریج یقبلونه ویتمسونه به

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

marfat.ocm

جریج کی طرف متوجہ ہوئے اور اسے چومتے تے او تبرک کے طور اسے ہاتھ وغیرہ لگاتے۔ اور کہا کہ اے جریج ہم تیرا عبادت خانہ سونے کا بناتے ہیں کہ بس اسی طرح مٹی کا عبادت خانہ تیار کر دو۔ چنانچہ سب نے مل کر اس کا عبادت خانہ مٹی اور گارے کا تیار کیا۔

کرامت صبی (لڑکا) بنی اسرائیل ایک جگہ پر تھے کہ ایک عورت بچے کو دودھ پلا رہی تھی وہاں سے ایک سوار بڑے کروفر سے گزرا۔ عورت (دودھ پلانے والی) نے کہا یارب میرے بچے کو اس طرح بنا بچے نے دودھ پینا چھوڑ کر اس سوار کو غور سے دیکھ کر کہا اے اللہ مجھے اس جیسا نہ بنانا۔ یہ کہہ کر دودھ پینے لگ گیا۔ راوی نے کہا (اس کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں) گویا رسول اللہ ﷺ بچے کے دودھ پینے کی حکایت عملی طور فرما رہے ہیں کہ اپنی شہادت کی انگلی مبارک منہ میں دبا کر چوسا) اس کے بعد نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ اس عورت کے سامنے ایک نوجوان لڑکی گزری جسے مارتے جا رہے تھے اور کہہ رہے تھے اس نے زنا کرایا ہے اور چوری بھی کی ہے۔ اور وہ کہتی جا رہی تھی۔

حسبی اللہ و نعم الوکیل

دودھ پلانے والی عورت نے اس عورت کا حال دیکھ کر کہا یا اللہ میرے بچے کو ایسا نہ بنا۔ بچے نے دودھ پینا چھوڑ دیا اور اس کی طرف دیکھ کر کہا اے اللہ مجھے اس نوجوان لڑکی جیسا بنا پھر دودھ پیتے بچے نے کہا وہ مردود (ظالم) تھا۔ اسی لئے میں نے کہا اے اللہ مجھے اس جیسا نہ بنا اور اس لڑکی کے لئے جو کہتے تھے کہ اس نے زنا کرایا اور چوری کی ہے حالانکہ اس نے نہ زنا کیا تھا نہ چوری کی تھی اسی لئے میں نے کہا اے اللہ مجھے اس جیسا بنا۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ انسان دنیا کے نقش و نگار کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے اور نہ ہی اللہ

(حاشیہ) ثابت ہوا کہ محبوبان خدا کے ہاتھوں کو چومنا اور ان سے برکت حاصل کرنا اور ان کی تعظیم و تکریم بجالانا شیوہ ایمان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی کریم اس کی فضیلت میں یہ ارشاد گرامی بیان فرمایا ہے اگر تقبیل و مسح اولیاء ناجائز و حرام ہوتا تو آپ اس قول کو بیان کر کے رد فرماتے۔ آپ کا رد نہ کرنا یہ جواز کی دلیل ہے مزید تفصیل مسئلہ فقیر

marfat.ocm

کے ساتھ کسی کو شریک بنائے اسے کیا معلوم کہ وہ دنیا کی اشیاء اس کے لئے اچھی ہیں یا بری اس کو لائق ہے کہ وہ برے اعمال سے برات اور دارین کی بھلائی مانگے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ چاہئے یوں دعا مانگی جائے۔

ربنا اتنا فی الدنیا حسنتہ فی الاخرۃ حسنتہ وقنا عذاب النار

اے اللہ ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی حسنہ عطا فرما اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔

ہم اللہ تعالیٰ سبحانہ سے عفو وعافیت مطلق کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اے خالص ایمان والو۔ اِتَّقُوْا اللّٰہَ اللہ سے ڈرو ان امور میں جو بجا لاتے ہو اور ان امور میں جن کو چھوڑتے ہو طاعت کرو۔ گناہوں سے بچو۔ شکر کرو اور کفر سے اجتناب کرو۔ اللہ تعالیٰ کو یاد کرو اسے مت بھولو۔ ایسے افعال وصفات سے بچو جن سے محجوب ہو جاؤ اس کے افعال وصفات کے شہود سے۔

وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ اور ہر نفس دیکھے کہ کل کے لئے اس نے کیا بھیجا ہے۔ ما شرطیہ ہے بمعنی ان یعنی جو قیامت کے لئے اعمال بھیجا جائے گا۔ اگر گناہ بھیجے گا تو پریشانی پائے گا۔ یوم القیمنہ کو غد سے تعبیر کرتے ہیں اس کے قرب کی وجہ سے کیونکہ ہر آنے والا دن قریب ہے یعنی اسے ہر آنے والے دن کے قرب کی وجہ سے غد کہا گیا۔

فائدہ حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسے ہر روز قریب کرتا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کا بقی غد وغیرہ کی طرح ہو گیا جیسے گزری ہوئی زندگی کو اس (کل گزشتہ) سے تعبیر کیا ہے چنانچہ فرمایا کان لم تغن کالامس گویا اس نے کل کے دن کی طرح گزارا ہی نہیں۔ اس سے زمانہ ماضی کی سرگزشت کو قریب کرنے کے لئے کہا گیا یا قیامت کو غداً اسی لئے کہا گیا کہ گویا دنیا کا تمام زمانہ ایک دن جیسا ہے اور آخرت کا دن اس کے لئے گویا کل (آنے والا) ہے کہ ہر دن کے مخصوص احوال واحکام ہیں اور ایک دوسرے کے متشابہ ہیں اور دوسرا پہلے کے بعد واقع ہو گا اور غد اسی بعد والے کے لئے استعارہ ہے۔

فائدہ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ آخرت غد (کل) کی طرح اس لئے ہے کہ لوگ دنیا میں

خواب میں ہیں ان کی بیداری موت کے وقت ہو گی اور موت قیامت کا مقدمہ ہے جیسے حدیث شریف میں وارد ہے۔ اور موت و قیامت غافل کے لئے بمنزلہ صلہ کے وقت جیسے ہیں جیسے رات کے وقت کے لئے غدا کل صبح کے وقت کی طرح ہے اس سے ثابت ہوا کہ دنیا ظلمانیہ اور آخرت نورانیہ ہے۔

فائدہ غَدٍ کی تنکیر تفخیم و تہویل کے لئے ہے گویا اشارہ ہے اس کی کنہ کوئی نہیں جانتا نہایت عظمت والا دن ہے دراصل غدو تھا او بلا عوض محذوف ہوئی اس پر لبید کا شعر شاہد ہے۔

وما الناس الا کالدیار واھلھا بھا یوم حلوھا وغدوا بلاقع

(تمام ایک دیار اور ان کے اہل اس میں ایک دن بیٹھا اور کل کا دن جلد گزرنے والا ہے)

فائدہ اس شعر میں غدو اپنے اصل پر ہے اور شعر عبرت کے طور ہے۔ آیت میں نفس کی تنکیر سبق دیتی ہے کہ کل کے دن کے لئے جتنا نفوس جو کچھ بھیج رہی ہے وہ اس ہولناک دن کے لئے ناکافی ہے۔ بعض نے کہا کہ الاستقلال بمعنی شے کو قلیل سمجھنا اور کسی کلام کا منفرد ہونا پہلی معنی پر مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نفوس ناطقہ بہت کم ہیں جیسے فرمایا لٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے اور فرمایا وَلٰکِنَّ اَکْثَرَھُمْ یَجْھَلُوْنَ لیکن اکثر ان کے جاہل ہیں گویا اکثر کل کے قائم مقام ہیں۔ یہ مبالغہ ہے گویا ان سب کا ایک طرح کا معاملہ ہے۔ اس تقریر کے لئے نفس کاملہ عاقلہ جس کی نظر نظر صائب و فکر ثاقب سے عواقب کی طرف ہے قارح نہیں۔ دوسری تقریر پر مطلب یہ ہے کہ تمام نفوس ایک نظر رکھتے ہیں اسی پر سب کا اکتفاء ہے ان کے ساتھ دوسری نظر کی ضرورت نہیں جو مطلع کرنے کی ضرورت پڑے خیر و شر اور قلیل و کثیر اور وجود و عدم جس طرح کی خبر دی گئی گویا انفرادی طور سب مطلع ہو گئے اس میں ترغیب عظیم ہے۔

جہل من و علم تو فلک را چہ تفاوت آنجا کہ بصر نیست چہ خوبی چہ زشتی

ترجمہ میرے جہل سے علم اور تیرے علم میں فلک کو فرق کی کیا ضرورت جہاں بصر نہ ہو اس کے لئے خوبی و زشتی برابر ہے۔

marfat.ocm

واتقوالله (اللہ سے ڈرو)

۱۔ شان تقوی کے اہتمام تاکید کے لئے تکرار و اہتمام ہے اور اشارہ ہے کہ بندے کو لائق ہے کہ اس کا ہر امر تقوی سے ہو بلکہ جب تک اس پر تقوی کی مہر نہ لگائے کوئی کام نہ کرے۔

۲۔ ہاں پہلا اداء الواجبات کے لئے جیسے اس کا مابعد بتاتا ہے کہ اس میں عمل کے کرنے کا امر ہے۔ دوسرا ترک المحارم کے لئے جیسے اس کے بعد وعید سنانے سے معلوم ہوتا ہے چنانچہ فرمایا ان الله خبیر بما تعملون بیشک اللہ تعالیٰ اعمال جانتا ہے اس کی قیامت میں تمہیں جزاؤ سزا دے گا۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ۔

۱۔ پہلے اصل تقویٰ کی طرف پھر اس کے کمال کی طرف اشارہ فرمایا۔

۲۔ پہلا عوام کا تقوی مراد ہے یعنی محرمات سے پرہیز دوسرے میں خواص کی طرف اشارہ ہے یعنی ماسوں حق سے اجتناب۔

اصل تقوٰی کہ زاد ایں راست
ترک مجموع ماسوی اللست

(اصل تقوی زاد راہ کا ترک بلکہ تمام ماسوی اللہ کا ترک ہے۔

فائدہ التقوی یعنی جو شے گناہ میں ڈالے اس کا ترک کرنا فعل ہو تا ترک فعل ہے۔ بعض اکابر نے فرمایا کہ دنیا میں نفس کو اس امور سے بچانا جس سے آخرت میں ضرر ہو۔ عوام کا تقوی ضرر الافعل سے بچنا خواص کا صفات کے ضرر سے بچنا اص الخواص کا تقویٰ جمیع ماسوی اللہ سے بچنا۔

فائدہ ایک بزرگ نے فرمایا کہ دنیا ٹھیکری ہے وہ بھی خواب کی اور آخرت گوہر ہے بیداری کا پھر کون بیوقوف ہے جو خواب میں ٹھیکری کا متقی بنے۔ مرد کامل وہ ہے جو بیداری میں گوہر سے پرہیز کرے اسی لئے صوفیہ کرام نے

marfat.ocm

فرمایا عمل کے ساتھ تقویٰ ضروری ہے۔

حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

بے عمل دامن تقوٰی زمنای چیدن
احترازسگ مسلخ بوداز شاشہ خویش

(عمل کے بغیر منہی سے تقوی کا دامن دور کرنا ایسے ہے جیسے مذبح (ذبح کی جگہ) کا مردار کھانے والے کتے کے اپنے پیشاب کے قطرات سے بچنا۔

سبق آیت میں اعمال صالحہ کی ترغیب ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب بندہ مرتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کیا چھوڑ گیا ملائکہ کہتے ہیں اس نے آگے کے لئے کیا بھیجا۔

سبق مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بہشت کے دروازہ پر لکھا ہے کہ ہم نے جو عمل کیا اسے پالیا اور ہم نے جو آگے بھیجا اس کا نفع حاصل کیا اور جو چھوڑ آئے اس کا خسارہ دیکھ لیا۔

بقدر الکد تکتسب المعانی
من طلب العلی سھر اللیالی

ترجمہ مشقت کے مطابق مراتب پاؤ گے جو بلندی کا طالب ہے وہ شب بیدار ہوتا ہے۔

حکایت حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک جنگل میں گیا تو حضرت سعدون الجنون تشریف فرما تھے۔ میں نے پوچھا کیف الحال (کیا حال ہے) فرمایا اس کا کیا حال پوچھتے ہو جو صبح و شام سفر میں ہو لیکن اس کے پاس زاد راہ بھی نہ ہو۔ اس نے اس حاکم عادل کے پیش ہونا ہے جس نے عدل و انصاف سے فیصلہ کرنا ہے۔ اس کے بعد خوب روئے۔ میں نے پوچھا یہ رونا کیسا۔ فرمایا دنیا کے حرص میں زندگی بسر ہوئی۔ میں موت سے نہیں رویا اور

marfat.ocm

نہ مرنے سے بلکہ ان دنوں کے گزر جانے سے جن میں کوئی نیکی نہیں کر سکا۔ اب قلب زاد راہ اور بعد مسافت (سفر کی لمبائی) اور آنے والے سخت سفر سے روتا ہوں کہ نامعلوم میرے ساتھ کیا ہو گا کہ واللہ اعلم مجھے بہشت میں لے جائیں گے یا دوزخ میں۔ میں نے کہا آپ کو لوگ مجنوں سمجھتے ہیں فرمایا آپ کو لوگوں کی طرح دھوکہ ہوا ہے لوگوں نے مجھے مجنوں سمجھا حالانکہ مجھے کوئی جنون نہیں ہاں مولی کی محبت کا مجنون ضرور ہوں کہ اس کی محبت میرے دل اور گوشت و خون میں رچ گئی ہے۔ مجھے جس سے محبت ہے اس سے خوف میں ہوں اور میں اسی میں مستغرق ہوں۔ میں نے کہا اے سعدون آپ لوگوں میں کیوں نہیں بیٹھتے اور نہ ہی ان کے پاس آتے ہیں آپ نے اس کے جواب میں یہ شعر سنایا۔

کن من الناس جانبا   وارض باللہ صاحبا
قلب الناس کیف شئت   تجدھم عقاربا

(لوگوں سے کنارہ کش ہو جا اللہ کی مصاحبت پر راضی ہو۔ لوگوں کے دل پھیر دے جیسے چاہوں ورنہ ان کو (اکثر) بچھو پائے گا)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے اے حقیقی شہودی وجودی ایمان والو اضافت کملات الی اللہ میں اللہ تعالی کو اپنے نفوس کے بچاؤ کا موجب بناؤ۔ غیر اللہ کی طرف التفات میں اللہ تعالی سے ڈرو بیشک اللہ تعالی تمہارے اقبال الی اللہ (اللہ تعالی کی طرف متوجہ کرنا) اور ادبار عن الدنیا) (دنیا سے منہ پھیرنا) اور ادبار عن اللہ اور اقبال الی الدنیا کو خوب جانتا ہے۔

فائدہ اس میں نفوس جنیہ کا نفس بھی داخل ہے کیونکہ وہ بھی مکلّف ہیں انسانوں کی طرف وہ بھی عمل و تقوی کے مکلف ہیں جیسے بہت سے مقالات پر تحقیق ہو چکی ہے۔

تفسیر عالمانہ وَلَا تَكُوْنُوْا اور اے مومنو نہ ہو جاؤ۔ كَالَّذِيْنَ ان لوگوں یہودیوں اور منافقوں کی طرح موصول سے معہود لوگ مراد ہیں جیسے محل مقام بتایا ہے یا اس سے جنس مراد ہے یعنی جملہ کفار مردہ ہوں یا

marfat.ocm

زندہ۔

نَسُوا اللّٰہ جنھوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا۔ یہاں مضاف محذوف ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا حق یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر کا حق ادا نہ کیا اور نہ ہی اس کے اوامر و نواہی کے حقوق کی رعایت کی۔

فَاَنْسٰهُمْ تو اللہ تعالیٰ نے اس سبب سے اپنی توجہ کرم سے ہٹا دیا۔ **انفسهم** ان کے نفسوں کو۔ انہیں قیامت کو بھولنے والا بنا دیا اس لئے نہ نفع دینے والی باتوں کو سنتے اور نہ نجات دلانے والے امور پر عمل کرتے اس معنی پر ماضی کا صیغہ اپنی جگہ پر ہے یا معنی یہ ہے انہیں قیامت میں اللہ تعالیٰ دکھائے گا ایسے ہولناک امور جن سے وہ خود کو بھول جائیں گے اس تقریر پر ماضی سے تحقق مطلوب ہے۔

حل لغات امام راغب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا نسیان بمعنی جس شے پر امانت کو مضبوط کرنے کا حکم دیا گیا اس کا ترک کرنا یا ضعف قلب سے یا غفلت سے یا قصداً۔ یہاں تک قلب سے اس کا ذکر حذف ہو جائے۔

فائدہ جس نسیان کی اللہ تعالیٰ نے قرآن میں مذمت فرمائی ہے اس سے وہ نسیان مراد ہے جو عمداً ہو اور وہ جو اس میں معذور ہو جیسے مروی ہے حضور نبی پاک ﷺ میری امت سے خطاؤ نسیان مرفوع ہے یعنی معاف ہے یہ اس لئے کہ اس کا سبب بندے کے بس سے باہر ہے اسی لئے فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا چکھو بسبب اس کے کہ تم نے بھلایا اسی دن کی ملاقات کو) سے وہ نسیان مراد ہے جو عمداً ہو اور ان سے اس کا ترک علی طریق اہانت ہو۔

فائدہ نسیان کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو وہاں کافروں وغیرہ کا ترک ان کی اہانت کے طور اور جو ان سے ترک ہوا اس پر سزا کے طریق پر (اللباب) میں ہے کہ کبھی نسیان ترک کے معنی میں آتا ہے اسی سے اللہ تعالیٰ کا فرمایا **نسوا اللہ فنسیهم** انہوں نے اللہ کی طاعت ترک کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں چھوڑ دیا۔

سوال نسیان ذکر کے بعد ہوتا ہے یعنی وہ ذکر کی نقیض ہے یعنی وہ سہو جو علم حاصل کے بعد ہو تو کیا کفار اللہ تعالیٰ کے حقوق جانتے تھے تو پھر انہیں چھوڑ دیا۔ تو کیا وہ اس کی ربوبیت کے قائل تھے کہ اسے بھلا دیا۔

marfat.ocm

جواب ہاں انہیں اعتراف تھا جیسا کہ یوم میثاق میں کہا تھا (بلیٰ) پیدا ہونے کے بعد اس اعتراف کو بھول گئے لیکن اہل ایمان نے پیدا ہونے کے بعد اس کا ایسے اعتراف کیا جیسے پیدائش سے پہلے اعتراف کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے بلکہ اس کے حقوق کی رعایت کی تھوڑی یا زیادہ۔

حکایت حضرت ذوالنون مصری قدس سرہ سے میثاق کے راز سے سوال ہوا کہ کیا آپ کو اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کا معاملہ یاد ہے فرمایا وہ تو اب بھی میرے کان میں گونج رہا ہے۔

حکایت نفحات میں ہے کہ علی سہل اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کی گئی کہ بلیٰ کے دن کی کوئی بات یاد ہے فرمایا کیسے یاد نہ ہو وہ تو یوں لگتا ہے کہ کل کی بات ہے۔

فائدہ شیخ الاِسلام انصاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس جواب میں نقص ہے کیونکہ صوفی کو آج کل کے امتیاز

(حاشیہ لیہ یہی ہمارے پنجاب کے قلندر (حضرت سید پیر بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

کن فیکون جدو فرمایو اساں دی کولے وسدے ہاسے

(یعنی جب آپ نے کن فرمائی تو ہم بھی آپ کے قریب رہتے تھے)

حضرت پیر سید مہر علی شاہ صاحب قدس سرہ نے فرمایا۔

کن فیکون تے کل دی گل اے اساں پہلے پریت لگائی۔

(یعنی کن فیکون تو کل کی بات ہے ہم نے اس سے پہلے تعلق جوڑا تھا۔

حضرت امیر خسرو قدس سرہ نے اس سے آگے بڑھ کر فرمایا۔

خدا خود میر مجلس بود اندر لامکاں خسرو
محمد شمع محفل بود شب جائیکہ من بودم

(خدا تعالیٰ خود مجلس کا میر تھا اے خسرو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس محفل کی شمع تھے جس جگہ رات کو میں تھا۔ حاشیہ ختم)

marfat.ocm

کیسے ملکہ میں تو کہتا ہوں کہ اس روز کے بعد رات آئی ہی نہیں[1] (جب رات نہیں آئی تو اسے کل کہنے کا کیا معنی اسی لئے صوفی ابھی اسی دن میں ہے۔ (نہ وہ گزرے گا نہ صوفی دوسری طرف متوجہ ہو گا) جیسا کہ ان کا اپنا کہنا۔

الان جب الان کما کان ہے تو پھر آج اور کل کا فرق کیوں؟

فائدہ ولاتکونوا الخ میں تنبیہ ہے کہ انسان کو اپنی معرفت میں اللہ تعالیٰ کی معرفت نصیب ہوتی ہے اسی لئے کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو بھول جاتا ہے گویا وہ خود کو بھول جاتا ہے۔ چنانچہ فتح الرحمن میں ہے کہ اس آیت سے خداوند تعالیٰ کو پہچاننا ثابت ہوتا ہے جس نے خود کو پہچانا اور اسے نہ بھلایا اس نے خدا تعالیٰ کو پہچانا۔

ملفوظ حیدر کرار رضی اللہ عنہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا خود کو پہچان اللہ تعالیٰ کو پہچان لے گا۔

فائدہ حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بندے گناہ کے وقت اللہ تعالیٰ کو بھولتے ہیں تو وہ اعتذار کے وقت ان کی طرف متوجہ نہ ہو گا جب وہ توبہ کی طلب کریں گے تو التفات نہ فرمائے گا۔

عرفی کے لطائف سے ہے۔

(حاشیہ[1] اسی لئے حضرت خواجہ پیر سید مہر علی شاہ صاحب گولڑوی قدس سرہ نے فرمایا۔

اجاں وی اساکوں اوہے ڈسدے اوہے بوٹے بوہے کاہن

(یعنی ہمیں تو ابھی نظر آرہی ہیں وہی (اسی میثاق والے دن) کے درخت دروازے وغیرہ)

دراصل بات یہ ہے کہ روح لامکانی ہے جیسا کہ حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

خدا خود میر مجلس بود اندر لامکاں خسرو
محمد شمع محفل بود شب جائیکہ من بودم

(یعنی اللہ تعالیٰ میر مجلس اور حضور ﷺ شمع محفل تھے لامکاں میں اے خسرو جس شب میں کہ میں تھا)

اسی لئے اللہ والوں کو اس طرف توجہ رہتی ہے خدا ہم سب کو اسی کا دھیان نصیب فرمائے۔ ۱۲۔ اویسی غفرلہ۔

لب آلودہ بہر توبہ بکشائیم لیک　　بانگ عصیاں می زند ناقوس استغفار ما

ترجمہ ہم نے لب آلودہ توبہ کے لئے کھولے لیکن عصیاں کی آواز ہمارے استغفار کے ناقوس سے آتی رہی۔

اولئک وہی بھولنے والے اور بھلا دینے والے رسوا ہونے والے۔ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ وہی فاسق ہیں فسق اور خروج عن طریق الطاعت مکمل طور نکلنے والے۔

فائدہ هم حصر کے لئے ہے گویا ان کا فسق اتنا زوردار تھا کہ گویا دوسروں کے فسق لاشے تھے اس سے مراد کافر ہیں۔ اس کا اطلاق مومن فاسق پر ہوگا کہ حقوق ربوبیت اللہ کی ادائیگی اور سعادت ابدیہ اور قربتہ حضرت احدیہ کی رعایت سے محروم ہے اس پر بھی خطرہ ہے کہ وہ اس نحوست سے اس صفت سے موصوف ہو۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کو بھول گئے وہ شہود حق فی جمیع المظاہر الجمالیہ والجلالیہ سے خارج ہیں اور مقام شہود نفوس کے حضور میں داخل ہیں جو حظوظ نفس کے پورا کرنے میں مشغول ہے اس نے طیب العیش مع اللہ کو بھلا دیا اور وہ لذات حقیقیہ سے غافل ہے اور وہ اپنے نفس کی شہوات سے فانی ہوا۔ وہ تجلیات رب کے ساتھ باقی ہوگا۔

تفسیر عالمانہ لَا يَسْتَوِىْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ (اصحاب النار برابر نہیں) جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا۔ وہ دوزخ میں دائمی رہنے کے مستحق ہوئے۔ النار (الف ولام) کے ساتھ دوزخ کا علم ہے جیسے الساعۃ قیامت کا۔ اسی لئے اکثر جنۃ کے بالمقابل مستعمل ہوتی ہے جیسے اسی مقام میں اور ایک شعر میں ہے۔

الجنۃ الدار فاعلم ان عملت بما　　یرضی الالہ وان فرطت فی النار
ہما لحلان ما للناس غیرہما　　فانظر لنفسک ماذا انت تختار

(جنت ایک دار جان ہے اگر تو نے نیک عمل کئے تو اللہ تعالیٰ راضی ہوگا اور اگر تو نے کوتاہی کی تو دوزخ ہے وہ دو ایسے مقام ہیں کہ لوگوں کے لئے ان کے سوا کوئی جگہ ہے دیکھ اپنے لئے تجھے کیا پسند ہے)

حل لغات

الصبحۃ بمعنی اقتران الشئی بالشئی فی زمان ایک ہی وقت ایک شے کا دوسری سے ملنا وہ وقت

marfat.ocm

تھوڑا ہو یا زیادہ اسی وجہ سے وہ دونوں ایک دوسرے کے (صاحب) ساتھی ہوں گے اگر دائمی اور لازمی ہو تو وہ کامل صحبت کہی جاتی ہے اور عرفاً نہیں ایک دوسرے کا مصاحب کہا جاتا ہے کبھی طرفین پر صاحب و مصاحب بولا جاتا ہے اسی لئے زوجہ کو صاحبہ کہا جاتا ہے۔ مالک کو بھی صاحب کہتے ہیں۔ کہ وہ ان سے خلوص کے ساتھ بکثرت صحبت کرتا ہے۔ ایسے ہی اسے رب بھی کہتے ہیں اسی لئے کہ مالک مملوک کی تربیت کرتا ہے اور کہا جاتا ہے صاحب المال اور رب المال اور دوزخیوں اور بہشتیوں کو اصحاب النار و اصحاب الجنۃ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ ان میں ابدی صحبت کریں گے۔ ان کے ساتھ اقتران کی وجہ سے اور وہ عاصی گنہ گار جتنا مقدار دوزخ میں رہیں گے وہ اتنا قدر اصحاب النار ہوں گے یا بطور مبالغہ گویا دوزخ و بہشت ان کی ملک ہے اس لئے وہ اصحاب ہیں نیز اس میں اشارہ ہے کہ یہ ان کے اعمال کی جزاء و سزا ہے جو انہوں نے نیک اور برے عمل کئے۔ واصحاب الجنۃ اور اصحاب جنت وہ جو اللہ سے ڈرے اسی لئے وہ دائمی بہشت کے مستحق ہوئے۔

فائدہ اصحاب نار کی تقدیم میں اشارہ ہے کہ وہ قصور جس سے عدم استواء خبر دیتا کلام متنوع ان کی اپنی وجہ سے ہے نہ از جہت ان کے مقابلین کے اگرچہ وہ چیزوں کا استوار جو آپس میں ایک دوسری سے متفاوت ہیں باعتبار زیادہ و نقصان کے ہوتا ہے لیکن یہاں صرف از جہت نقصان ہے اس کی مثالیں اور بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ میں اعمیٰ و بصیر برابر نہیں۔ هَلْ يَسْتَوِي الظُّلُمَاتُ وَالنُّورُ کیا ظلمات و نور برابر ہیں وغیرہ وغیرہ۔

سوال هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ کیا اہل علم اور بے علم برابر ہیں ان میں افضل کی تقدیم کیوں؟

جواب اس کا صلہ ملکہ ہے اور اعدام اپنے ملکات کے لحاظ سے خود مسبوق نہیں۔ بعض نے کہا اصحاب النار کی تقدیم الذین نسوا اللہ کے قرب کی وجہ سے اور ان کی کثرت کی وجہ سے ہے۔ علاوہ ازیں اول نمبر طاعت کا خوف ہے پھر امید پھر محبت۔ بعض میں اسلئے خوف والی کا ذکر اصحاب النار میں پہلے ہے۔

ازالہ وہم آیت میں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کافر کے قصاص میں مومن کو قتل نہ کیا جائے اور کافر مسلمانوں کے

مل کے باقصر مالک نہیں ہو سکتے جیسے امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا مذہب ہے کیونکہ یہاں عدم استواء اخرویہ مراد ہے جیساکہ دونوں کی تفسیر صاحبتہ بالنار والجنتہ بتاتی ہے۔ ایسے ہی اس کا قول اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ ھُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ بہشت والے ہی کامیاب ہیں۔ یہ جملہ مستانفہ ہے فریقین کے درمیان عدم استوء کی کیفیت کا بیان ہے۔

حل لغات الفوز ظفر مع حصول سلامت یعنی وہ ہر مطلب یہ کامیاب اور ہر مکروہ امر سے نجات پانے والے ہیں۔ وہ دارین میں کرامت والے ہیں اور اصحاب النار دونوں جہاں میں ذلیل و خوار ہیں۔

سبق اس میں لوگوں کو تنبیہہ ہے کہ وہ اپنی زیادہ غفلت اور دنیا کی سخت اور اتباع سہولت کی وجہ سے گویا اہل جنت و اہل نار کے درمیان فرق نہیں جانتے یہاں تک کہ انہیں ان کی لاعلمی کی خبر دینی پڑی۔ (اگرچہ فی نفسہ اس سے باخبر بھی ہیں) یہ ایسے ہے جیسے باپ کے نافرمان کو کہا جائے۔ وہ تیرا باپ ہے حالانکہ اسے اپنے باپ کے متعلق یقین ہے اس کے باوجود اسے وہ شخص تصور کیا جاتا ہے گویا وہ اپنے باپ کو باپ نہیں جانتا اسی لئے اسے ابوت کے حق میں تنبیہ کرنے پر کہا گیا تاکہ وہ اس سے احسان اور نرمی سے پیش آئے۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے اہل نار کے سوء حال اور اہل جنت کے حسن حال سے باخبر فرمایا تاکہ ان کی غفلت دور اور برے گناہوں کے تصور کو دور کریں۔ اور بے پرواہی نہ برتیں۔

حدیث شریف حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ اہل جنت کا ادنی مرتبہ یہ ہے کہ ایک ہزار سال کی مسافت سے وہ اپنی بہشت کے باغات و ازواج اور نعمتیں اور خدام اور تختوں کو دیکھے گا اور اللہ تعالیٰ اسے اپنے دیدار سے صبح و شام نوازے گا۔ اس کے بعد آپ نے پڑھا وُجُوۡہٌ یَّوۡمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ اِلٰی رَبِّہَا نَاظِرَۃٌ بعض چہرے آج کے دن بارونق اور اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ہوں گے۔

حدیث شریف نبی پاک ﷺ نے فرمایا اہل نار میں آسان تر اسے ہو گا جس کے دو جوتوں کی جگہ اور اس کے تسمے نیچے آگ شعلہ مارے گی تو دماغ ایسے ابلے گا جیسے ہانڈی آگ سے ابلتی ہے۔

حکایت شیخ حجازی رحمتہ اللہ علیہ کو ایک رات روتے دیکھا گیا جو شب بھر وَجَنَّۃٍ عَرۡضُہَا السَّمٰوٰتُ

marfat.ocm

وَالْاَرْضِ بھی پڑھتے رہے اور روتے بھی رہے۔ رونے کا سبب پوچھا گیا کہ اتنا بڑی جنت کے متعلق پڑھنے کے باوجود بھی آپ روتے ہیں فرمایا اسی لئے تو روتا ہوں کہ اتنی بڑی جنت میں مجھے ایک قدم جگہ بھی نہ ملے تو پھر میں کیا کروں گا۔

حکایت حضرت سہل الصعلوکی سیاہ لباس والے یہودی کے حمام کے دھوئیں کے قریب ہو کر گزرے یہودی نے طنزاً کہا تم کہتے ہو کہ دنیا مومن کا قید خانہ اور کافر کی بہشت ہے۔ حضرت سہل نے بالبداہت کہا کہ جب تو عذاب الٰہی میں مبتلا ہو گا تو یہ کیفیت تجھے جنت میں محسوس ہو گی اور جب میں بہشت میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے نوازا جاؤں گا تو میرے لئے یہ دنیا قید نظر آئے گی آپ کے بالبداہت جواب دینے پر لوگ متعجب ہوئے۔

چو مارا بدنیا تو کردی عزیز   بو قبی ہماں چشم داریم نیز
عزیزی و خواری تو بخشی و بس   عزیز تو خواری نہ بیند ز کس
خدایا بعزت کہ خوارم مکن   بذل گنہ شرمسارم مکن

ترجمہ ۱ جب تو نے مجھے دنیا میں عزت بخشی تو آخرت میں بھی میں ایسی امید رکھتا ہوں۔ عزت ذلت تو ہی بخشتا ہے تیرا عزت یافتہ کسی سے خواری نہیں دیکھتا۔ اے خدا اپنی عزت کے طفیل مجھے خوار نہ کرنا۔ میرے گناہوں سے مجھے شرمسار نہ کرنا۔

تفسیر صوفیانہ بعض اہل اشارہ صوفیہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اصحاب النار در حقیقت اصحاب المجاہدات ہیں جو مشاہدات سے جلتے رہے اور اصحاب الجنۃ وہ اصحاب المواصلات ہیں جو روح المشاہدات میں پڑے اور ظاہر میں اصحاب النار اصحاب النفوس والاہوا ہیں جو دنیوی امور میں منہمک رہے اور اصحاب الجنۃ اصحاب القلوب والمراقبات ہیں۔ حضرت حسین نوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اصحاب النار اصحاب الرسوم والعادات ہیں الجنۃ اصحاب الحقائق والمشاہدات والمعاینات ہیں۔

تفسیر عالمانہ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ اگر ہم یہ قرآن اتارتے۔ یعنی عظیم الشان قران جو تم پر

نازل ہوا ہے۔ اے لوگو یہ قرآن جو عجیب و غریب فنون کا ہے مجموعہ ہے یا وہ قرآن آپ پر اے محمد عربی ﷺ نازل کیا گیا یا جو قرآن حضرت محمد عربی ﷺ پر نازل کیا گیا بحسب التلتفت فی المطلب۔ (خطاب میں التفات کے قبیل سے ہے)

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آسمان چیخا جب اس پر الواح رکھی گئیں ان کی ثقالت سے جب انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں آسمان پر رکھا گیا تو اللہ تعالیٰ نے ایک ایک حرف اٹھانے کے لئے ایک ایک فرشتہ مقرر فرمایا تب بھی وہ اسے نہ اٹھا سکے پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہلکا بنا دیا ایسے ہی انجیل عیسیٰ علیہ السلام کی اور فرقان (قرآن) حضرت محمد ﷺ کا۔

سوال هٰذَا کا تقاضا ہے کہ قرآن مجید کے جملہ مرتبہ کی طرف اشارہ ہو حالانکہ یہ صحیح نہیں کیونکہ اس وقت تمام (مکمل) قرآن مجید نازل نہ ہوا تھا بلکہ بہت کچھ ابھی نازل ہونا تھا۔

جواب ۱ هذا کے لئے مشار الیہ (قرآن مجید) کے مکمل نزول (حقیقتہً) کی حاجت نہیں بلکہ اس کے لئے اتنا کافی ہے کہ اس کے بعض اجزاء حقیقتہً نازل ہو چکے ہوں اور بعض حکماً تو یہاں بھی بات ہے کہ اس کا اشارہ حقیقتہً ان آیات کی طرف ہے جو نازل ہو چکی تھیں اور جو نازل نہیں ہوئی تھیں ان کے لئے اشارہ حکما ہے۔

جواب ۲ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ هذا کا اشارہ آیت سابقہ کی طرف ہو یعنی يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ الخ کی طرف کیونکہ لفظ قرآن جیسے مجموعہ پر بولا جاتا ہے ایسے ہی بعض پر بھی حقیقتہً بلا اشتراک یا بالغلبہ یا مجازا بالعلاقتہ اس تقریر پر ضمیر کی تذکیر باعتبار مشار الیہ کی تذکیر کے ہے۔

علی جبل پہاڑ پر۔ کل پہاڑ روئے زمین پر چھ ہزار چھ سو تہتر ہیں سوائے ٹیلوں کے۔ (زہرۃ الریاض) یہ محرکہ (بفتحتین) یہ زمین سے کیلے ہیں اگر ذی عظیم اور طویل ہو۔ اگر منفرد ہو تو یہ چوٹیاں اور کہ (بالضم) ٹیلے ہیں۔ جبل کے معنی کا اعتبار کر کے مختلف مطالب کے لئے استعارہ کیا جاتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے فلان جبل لایتد حرج فلاں پہاڑ ہے اس میں تنگی اثر نہیں کرتی یعنی وہ ثابت قدم ہے اور فلان جبلہ اللہ علی کذا اس کے لئے

marfat.ocm

ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی عادت و طبیعت رکھی ہے کہ جس کے دور کرنے سے دور نہ ہو سکے گی۔

خٰشِعًا ڈرنے والا اور عاجز یہ لرأیتہ کی ضمیر مفعول سے حال ہے کیونکہ یہ رویتہ بصریہ سے ہے۔

فائدہ بعض نے کہا حق تعالیٰ کے لئے ظاہری انقیاد (فرمانبرداری) کا نام خضوع اور باطنی کا نام خشوع ہے بعض کے خضوع بدن میں اور خشوع آواز اور آنکھ میں ہوتا ہے۔ امام راغب نے فرمایا خشوع بمعنی عاجز اس کا عموما استعمال جوارح میں اور ضراعۃ کا استعمال قلب میں ہوتا ہے روایت اذا ضرع القلب و خشعت الجوارح میں یہی مفہوم مذکور ہے۔

مُتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ اللہ کے خوف سے۔ اس کے خوف سے پھٹنے والا کہ اس نے نافرمانی کی تو سزا ملے گی۔

حل لغات التشق سخت جسم والی شے کا پھٹنا جیسے شیشہ لوہا وغیرہ اسی سے الصداع کا استعارہ سے اور درد سے سر کا (گویا) پھٹنا ہے۔

فائدہ علماء نے فرمایا یہ قرآن مجید کے علو شان اور اس کے اندر جو مواعظ کی تاثیر کا بیان ہے دراصل اس سے انسان کو اس کی قسوۃ (سختی) قلبی پر زجر و توبیخ ہے کہ وہ اس کی تلاوت کے خشوع نہیں اس میں تدبیر بہت کم کرتا ہے اب معنی یہ ہوا کہ جیسے تم میں عقل و شعور ہے اگر پہاڑ میں ہو پھر اس پر قرآن نازل ہوتا اور تمہاری طرح اسے وعدہ وعید سنائی جاتی تو خاشع و خاضع بلکہ اس خوف سے پھٹ جاتا کہ اس نے قرآن مجید کی عظمت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ حقوق ادا نہ کئے اور اس کے امر و نہی کی تعمیل نہ کی۔ اور کافر و منکر کا دل تو اسی سے بھی سخت تر اسی لئے اس میں اس کا ذرہ بھر بھی اثر نہیں ہوتا۔

اے دل سنگین تو یک ذرہ سوہان گیر نیست
(اے سنگ دل تو ذرہ بھر بھی اس سے اثر گیر نہیں ہے)

یہ اس کے لئے کہ تیرے وعظ وغیرہ سے اثر [illegible]

marfat.ocm

سے بات کرتا تو بھی وہ بول پڑتا اس کی نظیر امام مالک کے قول کی ہے کہ فرمایا کرتے اگر امام ابو حنیفہ (رضی اللہ عنہ) کو تم دیکھتے تو تم انہیں پہاڑ تصور کرتے۔ اگر وہ کسی ستون کے لئے کہتے کہ یہ ستون سونے کا ہے تو وہ دلائل کی قوت سے اسے سونے کا ثابت کر دیتے۔

دل را اثر روئے تو گل پوش کند   جان را سخن خوب تو مدہوش کند
آتش کہ شراب وصل تر نوش کند   از لطف تو سوختن فراموش کند

ترجمہ دل کو تیرا دیدار گل پوش بنا دیتا ہے جان تیرا سخن خوب مدہوش کر دیتا ہے۔ آگ اگر تیرے وصل کا شراب پی لے تو تیرے لطف سے وہ جلنا بھی بھول جائے۔

انتباہ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ جبل کی عدم شعوری کی باتیں کرنے والے بھول گئے کہ اللہ تعالیٰ نے کل اشیاء میں ان کے لائق حیات پیدا فرمائی ہے اور ان میں (ان کی شان کے لائق ادراک ہے ورنہ۔
۱۔ پہاڑ تجلی کے وقت نہ پھٹتا۔ ۲۔ مؤذن کی اذان کی شہادت ہر تر و خشک نہ دیتے کہ کل قیامت میں کہیں گے ہم نے موذن کی اذان سنی تھی وغیرہ وغیرہ۔

اولیاء اللہ ان کی حیات کا مکاشفہ اولیا کو ہوتا ہے لیکن غافل لوگ اس سے محجوب رہتے ہیں اس کی بار بار تحقیق ہو چکی ہے ہاں تجلی کے وقت اور نزول قرآن کی پہاڑ کی کیفیت میں فرق ہے وہ یہ کہ تجلی کے اس کی حیات کا مشاہدہ ہر خاص و عام کو ہوا لیکن نزول سے حیات کا مشاہدہ صرف خواص کو ہوتا ہے (اسے اچھی طرح سمجھ لے ورنہ وہابی ہو جاؤ گے)

وَتِلْکَ الْاَمْثَالُ اور یہ وہ مثالیں ہیں۔ یہ المثل کی طرف اشارہ اور ان امثال کی طرف جو اپنے اپنے مقام تنزل میں مذکور ہیں یعنی یہ عجیب عظمت قرآن میں اور انسان کا حال خسیس اور اس کی صفت عجیبہ کا بیان ہے بلکہ تمام امثال فی القرآن کا بھی کیونکہ لفظ مثل کا عرف و حقیقتہ اس قول میں ہے جو امر غریب و صفت عجیب میں عامتہ الورود ہو اس امر کے مشابہ ہے جو عجیب و غریب اور نادر ہو کیونکہ وہ ندرۃ و غرابت سے خالی نہیں۔

marfat.ocm

نَضۡرِبُهَا لِلنَّاسِ انہیں ہم بیان کرتے ہیں لوگوں کے لئے۔

سوال سورۃ زمر میں آیا ہے وَلَقَدۡ ضَرَبۡنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الۡقُرۡآنِ مِنۡ كُلِّ مَثَلٍ ہم نے بیان کیا اس قرآن کریم میں ہر مثل (کہاوت) سے زمانہ ماضی کے ساتھ خبر دے کر۔ باوجودیہ کہ وہ آیت مکیہ ہے اور یہاں مستقبل کے ساتھ باوجودیکہ یہ سورۃ مدینہ ہے۔

جواب پہلا وقوع ہونے والے کو ماضی سے تعبیر کرنا اس کے تحقق کی وجہ سے ہے کہ گویا وہ ہو چکا دوسرا مضارع کو حال میں یا استمرار الاحوال کے ارادہ پر ہے یعنی ہماری شان یہ ہے کہ ہم لوگوں کے لئے کہاوتیں بیان کرتے رہتے ہیں۔ لَعَلَّهُمۡ يَتَفَكَّرُونَ شاید کہ وہ لوگ تفکر کریں مصلحت تفکر و منفعت التذکر میں (یعنی غور و فکر کی مصلحت اور نصیحت حاصل کرنے کے نفع میں)

سوال آیت سے ثابت ہوا کہ فعل معلل بحکمۃ والمصلحۃ ہے اور جو فعل ایسا ہو وہ معلل بالغرض ہوتا ہے اس سے تو معتزلہ کا مذہب ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے افعال و معلل بالاغراض ہیں اور یہ محتاجی کی دلیل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر محتاجی سے بے نیاز ہے۔

جواب یہ طریقہ اختیار کرنا اپنے بندوں سے لطف کا اظہار ہے۔

تصوف کے چٹکلے جو آٹھ چیزوں سے عاجز ہے اسے دیگر آٹھ چیزوں پر عمل کرنے سے وہ آٹھ بھی حاصل ہو جائیں گی جن سے وہ عاجز ہے۔

۱۔ جو چاہے کہ رات کو نیند بھی خوب کرے لیکن شب بھر کے نوافل کا ثواب پائے تو اسے چاہیئے کہ دن کو کوئی گناہ نہ کرے۔

۲۔ جو چاہے کہ نفلی روزوں کا ثواب پائے لیکن دن کو کھاتا پیتا بھی رہے اسے چاہیئے کہ وہ زبان کو فضول باتوں سے روکے رکھے۔

marfat.ocm

۳۔ جو علماء کرام جیسی فضیلت کا خواہاں ہو تو تفکر میں لگا رہے۔

۴۔ جو مجاہدین اور غازیوں کی فضیلت کے حصول کا طالب ہو اگر چاہتا ہے کہ یہ فضیلت بھی ملے اور گھر سے بھی باہر نہ جائے تو وہ شیطان کا مقابلہ کرتا رہے۔

۵۔ جو فضیلت صدقہ کا چاہتا ہے لیکن صدقہ کرنے سے عاجز ہے تو جتنا علم رکھتا ہے عوام کو سکھائے اور کسی سے بغض وعداوت نہ رکھے۔

۶۔ جو چاہے کہ میں ابدالی کی فضیلت پاؤں تو اپنا ہاتھ سینہ پر رکھ کر عملی کاروائی کرے کہ جو اپنے لئے پسند کرتا ہے اپنے مسلمان بھوئیوں کے لئے بھی وہی پسند کرے۔

۷۔ جو حج کی فضیلت چاہتا ہے وہ جمعہ کی ادائیگی پر التزام کرے۔

۸۔ جو عابدوں کی فضیلت کا طلب گار ہے وہ لوگوں کے درمیان صلح کرائے ان میں بغض وعداوت نہ پھیلائے۔

غور و فکر کے فضائل حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اپنی آنکھوں کو ان کی عبادت کا حصہ دو عرض کی گئی ان کی عبادت کا حصہ کیا ہے فرمایا قرآن مجید کی زیارت اور اس میں غور و فکر اور ان کے عجائبات سے عبرت پکڑنا۔

مثنوی شریف میں ہے۔

خوش بیان کرد آں حکیم غزنوی　　بہر محجوباں مثال معنوی
کہ ز قرآن گر نہ بیند غیر قال　　ایں عجب نبود ز اصحاب ضلال
کز شعاع آفتاب پر ز نور　　غیر گرمی نیابد بد چشم کور

ترجمہ ۱۔ حکیم غزنوی نے کیا خوب فرمایا کہ محجوبوں کو معنوی مثال بتائی ہے۔

کہ جو قرآن میں سوائے قال کے نہیں جانتا وہ گمراہوں سے ہے۔

آفتاب پر غور سے اندھے کو تو صرف گرمی ہی محسوس ہوگی۔

marfat.ocm

۲۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ تفکر کے ساتھ دو رکعت پڑھنا بلا توجہ ساری رات کے نوافل سے بہتر ہے۔

۳۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو بات حکمت سے خالی ہو وہ لغو ہے۔ جس کا سکوت تفکر کے بغیر ہو وہ سہو ہے۔ جس کی نگاہ میں عبرت نہ ہو وہ لہو ہے۔

۴۔ حضرت ابو سلیمان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا فکر دنیا آخرت حجاب اور اہل ولایت کو سزا ہے فکر آخرت حکمت پیدا کرتی ہے اور اس سے دل زندہ ہوتا ہے۔

۵۔ حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

اذا المرء کانت له فکرة ففی کل شیٔ له عبرة

(جب کسی کو فکر نصیب ہے تو اسے ہر شے سے عبرت نصیب ہوگی)

مسئلہ فکر خالق کے متعلق ہو یا مخلوق کے بارے میں خالق میں ہو تو اس کی ذات یا صفات یا افعال میں اس کی ذات میں غور و فکر ممنوع ہے۔ کیونکہ وہ اپنی ذات خود جانتا ہے ہاں اس کی ذات عظمت و جلال و کبریائی میں غور و فکر جائز ہے مثلاً سمجھے کہ وہ واجب الوجود اور اسے دائمی بقا اور اس کی نظیر ممکنات میں ممتنع اور اس کے لئے فنا ممتنع ہے۔ وہ صمدیت والا ہے یعنی وہ ہر شے سے مستغنی ہے۔

مسئلہ اللہ تعالیٰ کا صفات میں فکر کا یہ مطلب ہے کہ اس کی ہر صفت باکمال ہے مثلاً علم اس کی صفت ہے کہ وہ جمیع معلومات کو اور اس کی قدرت جمیع مقدورات کو اور اس کا ارادہ جمیع کائنات کو اور اس کی سمع جمیع مسموعات کو اور اس کی بصر جمیع مبصرات کو محیط ہے وغیرہ وغیرہ۔

مسئلہ اس کے افعال میں تفکر کا یہ معنی ہے کہ جو کچھ علویات و سفلیات میں ہوا یا ہوگا مثلاً احوال القیامہ و احوال الآخرۃ تو وہ اس کے افعال میں ہیں باوجود کثرت اور تشتت اور وقوع کے اس کا فعل ان میں بطریقہ اتم و اکمل ہے اور ہر دن اس کی نئی شان ہے۔

marfat.ocm

مسئلہ بعض عارفین نے فرمایا فکر آیات الٰہی میں اور اس کے صنائع میں اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے معرفت نصیب ہو گی اور اس کی عظمت و قدرت میں ہو تو اس کی زندگی بڑھتی ہے اس کے نعمتوں اور احسانات میں ہو تو اس سے محبت الٰہی نصیب ہوتی ہے اس کے ثواب دینے کے وعدہ میں ہو تو اس سے طاعت میں رغبت بڑھتی ہے اللہ تعالیٰ کے عذاب میں فکر ہو تو اس سے گناہوں کا ڈر پیدا ہوتا ہے۔ اپنے اندر عبادت الٰہی میں کوتاہی کے فکر کرنے سے حیاؤ ندامت اور توبہ نصیب ہوتی ہے۔

فائدہ بہترین تفکر یہ ہے کہ انسان اپنے امور میں غور و فکر کرے کہ اس کا ابتدائی حال کیا تھا اور اس کے معاشی حالات پہلے کیسے تھے اور اب کیسے ہیں اور وہ اپنے رب تعالیٰ کی عبادت بدن سے کتنا کرتا ہے اور زبان سے کتنا تو دل سے کتنا۔

مسئلہ اگر کوئی اپنے اسی اول امر اور اوسط اور آخر امر میں غور و فکر میں زندگی بسر کرے تب بھی تفکر کا حق ادا نہ ہو۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنا جلوہ قرآن جمعی (جو مشتمل بر حروف موجودات علویہ و کلمات مخلوقات سفلیہ ہے) کی صورت میں دکھلائے وجود انسانی کے جبل پر تو وہ تجلی کی سطوت سے لاشی ہو جائے گا اور اشارہ ہے عارف کی طرف کہ اسے لائق ہے کہ وہ خطاب الٰہی کی تاثیر سے اس کے تحت پگھل جائے اور امت کی طرف اشارہ ہے کہ اس نے ہمت کر کے وہ امانت اٹھالی جسے پہاڑ بڑی قوت کے باوجود نہ اٹھا سکے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا لیکن اسے انسان نے اٹھالیا۔

تفسیر عالمانہ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (اللہ وہ ہے کہ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں) هو اصل وضع میں کنایہ ہے مفرد مذکر غائب سے اور هی کنایہ مفرد مونث غائبہ سے بہت سے مواقع ہے کہ جن میں

marfat.ocm

ذکورۃ و انوثت کا تصور ہی نہیں ہوتا جیسے یہاں (اللہ تعالیٰ کے لئے) کیونکہ ھو کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے جو اس ذات کا علم ہے یا یوں کہو کہ ھو مفرد کے لئے موضوع ہے جس میں مونث نہیں نہ حقیقتاً نہ حکماً اور ھی وہ ہے جس میں مونث ہو حقیقتہً یا حکماً ھو مبتدا اور لفظ اللّٰہ اس کی خبر ہے بمعنی معبود بالحق اور یہی اسم معظم اللہ تعالیٰ کا علم ہے وہ جو جلال الذات و کمالات الصفات ہے۔ اس سے مبتدا و خبر کا اتحاد لازم نہیں آتا کہ کہا جائے کہ اب ترکیب ہوئی اللہ اللہ اگر ایسے ہی ہو تو پھر معنی نہیں بنتا۔ یا اللہ ھو سے بدل ہے اور موصول صلہ سے مل کر اس کی خبر ہے ھو ضمیر الشان ہے اللہ مبتداء اور الذی لا الہ الا ھو اس کی خبر ہے اور جملہ ضمیر الشان کی خبر لا نفی افراد الجنس علی الشمول اور استغراق کا ہے۔ الہ مبنی علی المفتح مرفوا لمحل علی لابتداء ہے۔ اس سے مراد جنس معبود بالحق ہے نہ کہ معبود مطلق حق ہو یا باطل ورنہ معنی صحیح کیونکہ معبودان باطلہ بکثرت ہیں اور نہ ہی توحید حق کا کوئی فائدہ ہو گا۔ الا ھو مرفوع علی البدیتہ ہے محل المنفی یا ضمیر خبر مقلد برائے لا کے۔

سوال خبر لا کبھی موجود مقدر ہوتا ہے اسی سے توہم پیدا ہو گا کہ توحید باعتبار وجود کے ہے۔ نہ باعتبار کے کیونکہ موجودیت غیر اللہ کی نفی اس کے امکان کی نفی کو مستلزم نہیں۔ کبھی ممکن مقدر ہوتا ہے تو توہم رہے گا کہ اثبات لامکان وقوع کو مستلزم نہیں کیونکہ بہت سی اشیاء ممکن ہوتی ہیں لیکن واقع نہیں ہوتیں کبھی مقدر نہیں لیکن مقدر کا توہم ضرور رہتا ہے تب بھی کوئی شے مقدر ماننا ہی پڑے گا سوال مذکور ضرور عود کرے گا۔

جواب جب ہم نے الہ سے معبود بالحق مراد لیا جیسا کہ اوپر مذکور ہوا تو وہ نہ ہو گا مگر رب العالمین عبادت مکلفین کا مستحق ہے جب تم نے ایسی الوہیت کی نفی کر کے اللہ سبحانہ تعالیٰ کے لئے اثبات کیا تو تمام مذکورہ بالا اعتراضات مندفع ہو گئے۔

سوال لا الہ میں اگر قائل نفی میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ حق کو شامل کرے گا (معاذ اللہ) اور غیروں کی بھی نفی کرے گا تو یہ مشکل ہے (کیونکہ اس کے لئے تو لمحہ بھی نفی از معبودیت کفر ہے) پھر استثناء بھی کاذب ہو گا (کیونکہ پہلے اس کی نفی کی اس کے بعد اثبات) اگر قائل کہے کہ اس میں شمول کی نفی صرف غیروں کے لئے تھی تو ہم کہیں گے کہ

marfat.ocm

پھر اس کے استثناء کا کیا فائدہ۔

جواب دوسری مراد صحیح ہے کہ اس کا عقیدہ تو وہی ہے کہ وہی ذات معبود بالحق ہے اگر ظاہراً اسے شامل رکھے گا تاکہ استثناء کا اجراء اور بالاخر وہ اثبات موکد تر ہو اور معنی یہ ہو گا کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں یہ استثناء مطلق کامل ہے۔

فائدہ شیخ ابوالقاسم نے فرمایا کہ اس قول کی اگرچہ ابتداء نفی ہے لیکن اس سے مراد تو اثبات ونہایۃ التحقیق ہے مثلاً کوئی کہے لااخ لی سواک (تیرے سوا میرا کوئی بھائی نہیں) یہ زیادہ موکد ہے انت اخی (تو میرا بھائی ہے) اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ایک معنی ہے یہی کلمہ توحید ہے کیونکہ قرآن مجید میں اسی طرح وارد ہے بخلاف لَآ اِلٰهَ اِلَّا الرَّحْمٰنُ کے کہ یہ توحید نہیں باوجودیہ کہ الرحمن کا اطلاق اللّٰہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے پر نہیں ہوتا اور هو کا اطلاق غیر پر بھی ہوتا ہے۔ ہاں لا الہ الا الرحمن توحید کا کلمہ ہونا چاہئے تھا لیکن چونکہ ان دونوں کے سوا اور کوئی کلمہ مشہور (عند الشرع والعرف) نہیں اسی لئے اسے کلمہ توحید نہیں کہا جا سکتا۔

تفسیر صوفیانہ هو اہل معرفت کے نزدیک اسماء الذات سے ہے کیونکہ اسے کوئی دوسرے لفظ کے ملائے بغیر صرف اللہ تعالیٰ کے لئے بولا جاتا ہے وہی جامع صفات کملیہ ہے کہ جتنا اسماء الحسنیٰ بولے جائیں گے اس پر دلالت کریں گے اور هو صوفیہ کرام کے اذکار و اور اوّد وظائف میں داخل ہے۔ امام قشیری رحمۃ اللّٰہ علیہ نے فرمایا کہ ھو اشارہ کے لئے ہے اور یہ اس گروہ (صوفیہ کرام رحمہم اللّٰہ تعالیٰ) کے نزدیک غایۃ التحقیق سے خبر دینے کے لئے ہے جب تم کہو گے ھو تو ان کا ذہن سوائے اللّٰہ تعالیٰ کی ذات کے کسی اور طرف نہ جائے گا۔ اسی لئے وہ دوسرے کسی بیان کے اسی پر اکتفاء کرتے ہیں بوجہ ان کے حقائق القرب میں استغراق اور ان کے اسرار پر ذکر حق کے استیلاء کے۔ امام فاضل محمد بن ابوبکر رازی رحمۃ اللّٰہ علیہ نے شرح الاسماء الحسنیٰ میں فرمایا کہ اہل ظواہر کے نزدیک ھو مبتداء ہے اور وہ خبر کا محتاج ہے تاکہ کلام مکمل ہو اور اہل طریق (صوفیہ کرام) کے نزدیک وہ خبر کا محتاج نہیں وہ کسی دوسرے شے کے ملائے بغیر کلام تام ہے اور شیخ عارف احمد غزالی امام محمد غزالی رحمہم اللہ تعالیٰ کے بھائی نے لا الہ الا اللہ قوت

marfat.ocm

القلوب اور اللہ قوت الارواح اور ھو قوت الاسرار ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کاشف القلوب کاشف الارواح اللہ۔ کاشف الاسرار ھو ہے اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ قوت القلوب اور اللہ قوت الارواح اور ھو قوت الاسرار ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ قلوب کا اللہ ارواح کا اور ھو اسرار کا مقناطیس ہے اور قلب و روح بمنزلہ صدف کے موتی ہے جو ڈبیہ میں بند ہو۔

فائدہ۔ دیکھئے اس بزرگ نے ھو کو کس اعلیٰ مرتبہ کا دکھایا ہے۔

حکایت ایک بزرگ نے فرمایا کہ میں نے ایک عاشق باللہ سے پوچھا آپ کا نام کیا ہے فرمایا ھو میں نے پوچھا آپ کون ہیں۔ فرمایا ھو میں نے کہا اس سے آپ کی مراد اللہ ہے اس نے چیخ ماری تو ان کی روح پرواز ہو چکی تھی۔

سبق ھُوَ کے ذاکرین سے ہو جا اور غافلین کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھ کیونکہ وہ اہل اھواء (خواہشات کے بندے) ہیں۔

فائدہ عقل نفس قلب روح ہر ایک کے دو دو معانی ہیں۔ عقل ایک قوت دراکہ ہے جو ہر انسان میں پائی جاتی ہے جس سے وہ مدرکات کا ادراک کرتا ہے نیز عقل ایک لطیفہ ربانیہ ہے یہی انسان کی حقیقت ہے یہی امور دنیویہ اور اخرویہ کے لئے بدن سے خدمت لیتی ہے یہی عالم ہے یہی عارف ہے یہی عاقل ہے یہی جاہل ہے یہی قاصر ہے یہی غافل ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور نفس کا اطلاق اس صفت پر ہوتا ہے۔ جو انسان میں ہے وہ جامع ہے۔ جامع مذمومہ کی وہی شہوات کی داعی ہے وہی اھواء (خواہشات) و آفات کی باعث و موجب ہے نیز نفس کا اطلاق لطیفہ مذکورہ (جو عقل کے لئے بیان کیا گیا) پر بھی ہوتا ہے جیسے بعض افاضل نے فرمایا۔

یا خادم الجسم کم تسعی لخدمته وتطلب الربح فما فیه خسران
علیک بالنفس فاستکمل فضائلها فانت بالنفس لا بالجسم انسان

ترجمہ ا اے جسم کے خادم کہاں تک اس کی خدمت کرے گا اور وہ نفع طلب کرے گا اور وہ نفع طلب کر رہا ہے جس میں تجھے خسارہ ہے نفس کو لازم پکڑ اور اس میں کمال پیدا کر کیونکہ تو نفس سے ہے نہ کہ جسم سے۔

marfat.ocm

ایسے ہی قلب بھی ایک صوبری گوشت کے ٹکڑے پر مستعمل ہوتا ہے جو ہر انسان کے جوف (پستان بائیں کے نیچے) ہے اور مذکورہ بالا لطیفہ کو بھی قلب کہا جاتا ہے ایسے ہی روح کا اطلاق نفس انسان پر ہوتا ہے جو وہ متکلم و مخاطب ہے۔ اور وہی مثاب (ثواب کا مستحق) و معاقب (سزا کا مستحق) اس کی اتباع میں بدن کو ثواب و عذاب ہوگا۔ یعنی بدن روح وغیرہ کے لئے بمنزلہ پنجرو کے ہے۔ ان میں تغایر اعتباری ہے مثلاً نفس نفس ہے باعتبار اس کے کہ وہ شے کا نفس و ذات ہے اور عقل باعتبار اس کے ادراک کے ہے اور قلب باعتبار اس کے کہ وہ شے کا نفس و ذلت ہے اور عقل باعتبار اس کے ادراک کے ہے اور قلب باعتبار اس کے انقلاب من الشئی الی الشئی کے ہے اور روح باعتبار استراحت کے ہے جو اس کے موافق ہے اور اس سے لذت پانے کے لئے ہے اور باقی معانی ان کے حقیقی ہیں۔

نفس کی اقسام

۱۔ نفس اگر خواہش کے تابع ہے تو وہ امارہ ہے بوجہ اس کے کہ بدن کے اعضاء کو بہت زیادہ حکم کرتا ہے کہ وہ برائیوں میں مشغول رہیں۔ نفس کے ذکر کا دائرہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے۔

۲۔ نفس کو اگر اللہ تعالیٰ انصاف و ندامت نصیب فرمائے کہ وہ کوتاہیوں کے بعد نادم ہو کر مقاصد کے ملفات کا تدارک کرے۔ یہ نفس لوامہ ہے اس لئے کہ یہ اپنے صاحب کو گناہوں پر بلکہ خود کو برائیوں پر ملامت کرتا ہے اس کے ذکر کا دائرہ اَللّٰہ اَللّٰہ اسے دائرہ قلب کہا جاتا ہے اس لئے کہ یہ حق کی جانب منقلب ہو جاتا ہے۔

۳۔ نفس کو حق جانب اطمینان نصیب ہو اور وہ ہمیشہ کے لئے طاعت میں منہمک اور عبادت سے لذت پائے تو وہ مطمئنہ ہے اس لئے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی محبت میں امر و نہی کے تحت اطمینان حاصل ہوتا ہے اس دائرہ کے لئے دائرۃ الروح کہا جاتا ہے اس لئے کہ اسے عبادت الٰہی اور اس کے ذکر سے استراحت اور ذکر حق اور اس کے شکر پر لذت نصیب ہوتی ہے اس کے ذکر کا دائرہ ھو ھو ہے۔

ازالہ وھم جن بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اللہ اللہ اور ھو ھو کے ذکر سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا ذکر افضل ہے اس لئے کہ یہ نفی و اثبات ہر دونوں کا جامع ہے اور زیادہ علم و معرفت پر حاوی ہے تو یہ مبتدی کے حال کے موافق ہے

marfat.ocm

فائدہ کلمہ توحید مراۃ نفس کو اس کی ماہ کے ساتھ ظاہر کرتا ہے یہی کلمہ سالک کو دائرۃ القلب تک پہنچاتا ہے اور کلمہ اللہ سالک قلب کو اس کے نور کے ساتھ منور کرتا ہے یہی کلمہ سالک کو دائرہ قلب تک پہنچاتا ہے اور کلمہ هو روح کو تجلی بخشتا ہے اور یہ کلمہ (جسے اللہ تعالیٰ چاہے سالک کو دائرہ سر تک پہنچاتا ہے اور سر ایک ایسا نقطہ ہے جسے مشائخ نے اس حقیقت کے لئے اپنے لئے منتخب کیا ہے جو طریقت کا ثمر اور طریقت شریعت کا خلاصہ ہے اور شریعت سے ہی ہر ایمان دار کو قبولیت نصیب ہوتی ہے (جو شریعت کا مخالف اور اس پر عمل سے کوئی دلچسپی نہ رکھے اور وہ خود کو ولی کہلوائے تو ہم اسے کیا سمجھیں)

فائدہ اس راز کو ہم نے حضور سرور عالم ﷺ کی اس قدسی حدیث سے سمجھا جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بینی وبین عبدٌ[1] سر لا یسعہ ملک مقرب ولا نبی مرسل (روح البیان ج ۹ ص ۴۵۶)

ترجمہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ای سر ہے جس میں نہ کسی ایک مقرب کو گنجائش ہے اور نہ کسی نبی مرسل کو۔

ہاں یہ ان اسرار سے ہے جو نہ لازمہ شریعت ہے نہ طریقت جسے اکثر لوگوں سے پوشیدہ رکھا جاتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے اس کی اللہ یبدو اور انہ لا الہ الا ھو سے ہوتی ہے۔

هست ہر ذرّہ بوحدت خویش	پیش عارف گواہ وحدت او
پاک کن جامی از غبار توئی	لوح خاطر کہ حق یکیست نہ دو

(ہر ذرہ بوحدت خویش عارف کے نزدیک اس کی وحدت کا گواہ ہے۔
اے جامی (رحمۃ اللہ علیہ) لوح خاطر دوئی کے غبار سے پاک کر اور یقین کر کہ حق ایک ہے نہ کہ دو)

تفسیر عالمانہ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وہ غیب وشہادت کو جانتا ہے لام استغراق کی ہے یعنی ہر غیب کو جانتا ہے اور شہادت کو جانتا ہے غیب وہ جو حس سے غائب ہو جواہر قدسیہ اور ان کے احوال اور اس کے سامنے ہیں۔ اجسام و اعراض اور موجود و معدوم غیب یہاں وہ شے مراد ہے جو وجودی اور سر و علانیہ و آخرت و اولی وغیرہ سے غائب ہے امام راغب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا غیب وہ ہے جو حواس الناس اور ان کی بصائر اور جوان سے مشاہدہ کرتے ہیں اور معلومات سے غائب ہے۔ ۱۔ وہ معدومات جس کا وجود ممتنع ہے۔ ۲۔ جن کا وجود ممکن ہے

---

[1] حاشیہ عبد سے صرف حضور نبی پاک صاحب لولاک ﷺ کی ذات مراد ہو تو بات بنتی ہے ورنہ واللہ تعالیٰ اعلم

۳۔ وہ موجودات جس کا عدم ممتنع ہے۔ ۴۔ جس کا وجود عدم ممتنع نہیں۔

ان ہر چاروں احکام و خواص میں اور سب کے سب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں۔

نکتہ غیب کو شہادت پر مقدم کرنے میں یہی نکتہ ہے کہ غیب شہادت سے وجود میں مقدم ہے اور من حیث الموجود اللہ تعالیٰ کے علم کا تعلق پہلے اسی سے ہے۔

رد وہابیہ وہابی دیوبندی کہتے ہیں کہ جو شے معلوم ہو اسے غیب نہیں کہنا چاہئے اسی لئے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے مغیبات پر وہ غیب کا اطلاق نہیں مانتے ہم انہیں کہتے ہیں ان پر اطلاق غیب اس لئے ہے کہ وہ اگرچہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے لئے غیب نہیں رہا لیکن بہ نسبت ہمارے تو غیب ہے اسی کو روح البیان ص ۴۵۹ ج ۹ نے بیان فرمایا (اویسی غفرلہ)

واعلم ان ماورد من اسناد علم الغیب الی اللہ فھو الغیب بالبنتہ الینالا بلنبتہ الیہ تعالی لانہ لا یخفی علی اللہ شئی فی الارض ولا فی السماء

ترجمہ جان اے عزیز کہ وہ جو علم غیب کا اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف ہوا ہے وہ بہ نسبت ہمارے ہے نہ کہ بہ نسبت اللہ تعالیٰ کے کیونکہ اس سے تو زمین و آسمان کی کوئی شے مخفی نہیں۔

فائدہ جب غیب اس سے منفی ہو تو گویا علم کی نفی ہو گئی اور ایسا ہونا ممتنع ہے۔

تفسیر صوفیانہ ذات بحت وہویتہ صرفہ میں نسب و اضافات منتفی ہیں ایسے ہی اس سے نسبت علیہ بھی مطلقاً اس معنی پر اس علم غیب کی نسبت بھی منتفی ہو گی۔ اسے اچھی طرح سے سمجھ لے۔

ھوالرحمن الرحیم وہ بڑا مہربان رحم والا ہے مکرر لایا کیونکہ وہ بڑی شان اور بلند مقام والا ہے جو اس سے مشغول ہوا دونوں جہانوں کا مالک ہوا جس نے اس سے منہ پھیرا ہلاک ہوا۔ اللہ تعالیٰ رحمت دنیویہ ہر انسان و جن کے لئے عام ہے مومن ہو یا کافر۔

ادیم زمین سفرہ عام اوست
بریں خوان یغما دشمن چہ دوست

(زمین کا ٹکڑا اس کا عام دستر خوان ہے اس دستر خوان نعمت پر دوست و دشمن برابر ہیں)

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا حاضر سلان ہے۔ اس پر نیک و بد (مومن و کافر) کھا سکتے ہیں اور آخرت سچا وعدہ ہے اس میں مالک عادل قادر فیصلہ کرے گا حق کو حق کرے گا باطل کو باطل بنائے

(ف) ... صوفیائے کرام رحمتہ اللہ علیہم نے بعض وحدت لوت کا بیج تمہارے دل میں بویا جائے گا تو گمراہ ہو جاؤ گے)

آخرت بنو۔ ابنائے دنیا نہ بنو کیونکہ یہ دونوں مائیں ہیں جو جس کی اولاد ہو گی وہ اس کے ساتھ ہو گی۔ اسی لئے کہا جاتا ہے یا رحمن الدنیا اس لئے کہ اس میں حرف زائدہ ہے جو معنی میں زیادتی کا فائدہ دیتا ہے اور چونکہ آخرت کی رحمت اہل ایمان کو خاص ہے اس لئے کہا جاتا ہے یا رحیم الآخرت اس معنی پر منعم علیہ کی کثرت ہے اگرچہ باعتبار انواع و افراد کے نقص ہے۔ اسی کثرت کی وجہ سے رحمن میں زائد معنی سمجھا جاتا ہے۔

فائدہ ان دو میں (جو دارین میں وفور رحمت کی خبر دیتے ہیں) کو اللہ تعالیٰ کے اسماء سے مخصوص کرنے میں تنبیہ ہے کہ اس کی رحمت کو سبقت ہے اور عاصیوں کو نوید مسرت ہے کہ اس کی رحمت سے ناامید نہ ہو اور طاعت گزاروں کو نشان ہے کہ وہ تھوڑا لے کر بہت زیادہ اجر و ثواب بخشتا ہے۔

فائدہ انسان کا ان دو اسموں کا حظ یہ ہے کہ وہ خود کثیر الرحمت ہو جائے کہ خود پر بھی رحمت کرے اور گناہ شفقت سے دیکھے جیسے بعض مشائخ نے فرمایا ہے۔

وارحم بنی جمیع الخلق کلهموا　　وانظر الیهم بعین اللطف واشفقته
وقر کبیر هموو ارحم صغیر همو　　وراع فی کل خلق حق خلقه

(تمام مخلوق پر رحم کر اور انہیں نگاہ لطف و شفقت سے دیکھ۔ بڑوں کی تعظیم کر اور چھوٹوں پر رحم کر اور مخلوق کے حقوق کی پوری رعایت کر)

فائدہ حضرت زروق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ہر اسم سے (وصفی) سے متخلق ہو جاؤ سوائے اللہ ذاتی اسم کے کیونکہ وہ صرف تعلق کے لئے اور ہر اسم کا رجوع اسی کی طرف ہے اس کی معرفت سے تمام اسماء کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے۔

سبق انسان کے لئے اس میں قلب اور توحید مجرد و سر مفرد کرے اسی سے ہی تمام مقصد حاصل ہوتے ہیں۔

نسخہ روحانی حضرت جنید بغدادی قدس سرہ سے سوال ہوا کہ فرمایئے صرف اللہ تعالیٰ کا بن جانے کا کوئی نسخہ ہے فرمایا کہ ایسی توبہ کرو جو آئندہ گناہ پر اصرار کا خیال نہ رہے اور خوف ایسا ہو کہ بعد کو افسوس کھانے کا موقعہ نہ ملے اور امید ایسی ہو کہ وہ نیک عمل کے راستے پر چلنے کے لئے ابھارنے اور نفس کی ایسی اہانت جو اجل (موت) کو قریب اور امل (آرزو) سے دور رکھے۔ آپ سے عرض کی گئی یہ باتیں کیسے حاصل ہوں گی فرمایا قلب مفرد و توحید مجرد سے یہ عجیب نسخہ ہے۔

marfat.ocm

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت کا اشارہ اس ہویت کی طرف ہے جو عالم غیب الوجود (اسی کا نام باطن ہے) اور عالم مشہود الوجود (اسی کا نام ظاہر ہے) کی جامع ہے۔ **ھوالرحمن الرحیم**

فائدہ وہ تجلی رحمانی خاص اور تجلی رحمانی عام سے متجلی ہے اور وہ بلا اعتبارات و حیثیات کے عموم خصوص کے عین میں عموم و خصوص سے مطلق ہے۔

تفسیر عالمانہ وَهُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وہ اللہ اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں اسے مکرر لایا صرف امر توحید کو مہتم بالشان ظاہر کرنے کے لئے یعنی وہ خدا (مالک) ہے کہ کسی وجہ سے مالک نہیں (بلکہ خود ذاتی طور بادشاہ ہے وہ خدا ہے کہ عبادت کے لائق سوائے اس کے اور کوئی نہیں۔

الملک وہ بادشاہ ہے کہ وجہ احتیاج سے محفوظ اور اس کی کمال صفات باستغنائے مطلق مقرون ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ وہ ذو ملک اور سلطان ہے۔

حل لغات الملک (بالضم) جمہور کے نزدیک بمعنی تصرف بلامرو نہی اور یہ ناطقین کی سیاست سے مخصوص ہے اسی لئے ملک الناس کہا جاتا ہے ملک الاشیاء نہیں کہا جاتا۔

سوال مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ اس قاعدہ سے ٹوٹ گیا

جواب وہ دراصل ملک فی یوم الدین ہے (المفردات)

عبد الملک کی تحقیق عبد الملک وہ بندہ جو اپنا اور غیر کا تصرف میں مالک ہو کہ جیسے اللہ تعالیٰ چاہے اور جیسے اسے حکم دے اسی طرح کرے اور مخلوق میں شدید تر ہوتا ہے۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عبد الملک وہ ہے جس کی مملکت خاصہ ہو اپنے قلب و قالب اور اس کے لشکر پر اور غضب و ہوائے نفسانی اور شہوت اور اس کے لشکر پر اپنی زبان آنکھوں اور تمام اعضاء پر جب وہ ان کا مالک ہو گا وہ ان کی اطاعت نہ کرے گا اس کے بعد وہ اس بادشاہ کے مرتبہ میں ہو گا جو جملہ عالم پر بادشاہی کرتا ہے۔

وجود تو شہریست پہ نیک وبد   تو سلطان و دستور دانا خرد
ہمانا کہ دونان گردن فراز   دریں شہر کبرست و سودا و آز

marfat.ocm

چوں سلطان عنایت کند بابدان   کجا ماند آسائش بخردان

ترجمہ ۱۔ تیرا وجود (جسم) تیرا شہر نیک و بد سے پر ہے تو بادشاہ ہے تیرا وزیر عقل ہے۔ ۲۔ بیشک کہ کینے اور سرکش تیرے شہر میں تکبر، سودا اور حرص ہے۔ ۳۔ جب بادشاہ بروں سے مہربانی کرے تو غریبوں کا آرام دو بھر ہو گا۔

فائدہ اگر لوگوں سے مستغنی ہو اس اسم کی برکت سے تو تمام لوگ اس کے حیات عاجلہ (دنیا) آجلہ (آخرت) میں محتاج ہوں گے۔[۱]

اور بادشاہ ہیں اس عالم عرضی میں اور یہ مرتبہ انبیاء علیہم السلام کا ہے کہ وہ ہدایت دینے میں آخرت کی حیات کے لئے ہر ایک سے سوائے اللہ تعالیٰ کے اور اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں اور اس ملک میں بادشاہ ہیں وہ علماء (اولیاء کرام) جو انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں اور وہ اس شاہی میں اتنا مالک ہیں جتنا انہوں نے خلق خدا کو رہبری بخشی ہے اور رہبری میں جس قدر استغناء کیا ہے (تبلیغ و ارشاد میں پیسے نہیں بٹورے جائداد نہیں بنائی) اور یہ ملک اللہ تعالیٰ کا علیہ ہے جو اس نے بندے کو بخشا ہے اس میں اس کا کوئی دوسرا شریک نہیں ورنہ وہ اپنے بندے کو کیسے عطا کر سکتا تھا۔

فائدہ ایک عارف بزرگ سے پوچھا گیا کہ آپ بھی کسی شے کے مالک ہیں کہا میں تو اپنے مالک کا عبد ہوں عبد کی تو ایک چیونٹی بھی ملکیت نہیں تو پھر میں کون لگتا ہوں کہ کہوں کہ میں بھی کسی شے کا مالک ہوں۔

حکایت کسی بادشاہ (امیر حاکم) نے کسی ولی اللہ سے عرض کی کہ کوئی ضرورت ہو تو پوری کروں فرمایا تو مجھے کیا کہہ رہا ہے تو تو میرے دو غلاموں کا غلام ہے۔ عرض کی وہ کیسے فرمایا غضب و شہوت میرے غلام ہیں اور تو ان کا غلام

(حاشیہ [۱] جیسے حضرت داتا گنج بخش ہجویری لاہوری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت خواجہ خواجگان خواجہ غریب نواز معین الدین اجمیری رحمتہ اللہ علیہ اور دیگر اولیاء کرام کے مزارات پر دیکھ لیجئے کہ کس طرح صدیوں سے مزار میں شاہی کر رہے ہیں اور منکرین اولیاء کے بتوں کا حال بھی دیکھ لیجئے کہ مرنے کے بعد ان کی قبور پر فاتحہ پڑھنے والا بھی کوئی نظر نہیں آتا۔ اویسی غفرلہ)

marfat.ocm

ہے۔ بعض روایت میں ہے کہ حرص و ہوا جن کا میں مالک ہوں اور وہ تیرے مالک ہیں اور میں ان پر غالب ہوں وہ تجھ پر۔

تفسیر عالمانہ الملک میں اشارہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے لطف اور اپنے بندے کو نفس کے مالک کر دینے کی طرف اشارہ ہے کہ وہ کیسے اپنے نفس کو ضبط رکھتا ہے اور اس کا غلام بنایا ہے جس میں وہ راضی ہے اس میں امیر اور اس کے سوا تمام سامعین کی خیر خواہی ہے وہ شاہدین ہوں یا غائبین۔

حکایت کسی ایک بزرگ کو عرض کی کہ مجھے کوئی نصیحت کیجئے فرمایا۔ دنیا کا بادشاہ بن جا آخرت کی شاہی نصیب ہو گی۔

فائدہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں طمع اور شہوت سے فارغ ہو جا آخرت کا بادشاہ ہو گا۔

سبق یاد رہے کہ شاہی حریت (آزادی) و استغناء میں ہے۔

ملفوظات سیدنا بایزید بسطامی قدس سرہ کے ملفوظات میں ایک یہ ہے کہ جو اپنی مناجات میں بارگاہ حق میں عرض کیا کرتے الٰہی میرا ملک تیرے ملک سے بڑا ہے۔[1]

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو ملک (وہ اشیاء جو بایزید کے لائق تھیں) بایزید قدس سرہٗ عطا فرمایا وہ متناہی ہے (کیونکہ بایزید کے وصال تک ہیں) تو جو ملک اللہ تعالیٰ نے بایزید کو دیا اضافت بایزید اللہ تعالیٰ کا ملک ہوا تو وہ چھوٹا ہے کیونکہ متناہی ہے اور بایزید نے خود کو اللہ تعالیٰ کے ملک کر دیا اور اللہ تعالیٰ کی ملک دائمی ہے کہ بایزید دنیا میں تھے تو بھی اللہ تعالیٰ کے ملک تھے۔ اور جب آخرت میں ہوں گے تو بھی اس کے اور یہ ملک مجازاً پیش کردہ بایزید کا مضاف ہوا ان

(حاشیہ[1] ایسی عبارات مخالفین اولیاء پیش کر کے اولیاء کرام سے منحرف کرتے ہیں حالانکہ اولیاء کرام کا کلام مبنی بر اسرار ہوتا ہے اگر سمجھ نہ آئے تو تخفیات تعبیر کرنا ضروری ہے ان میں ایک یہ بھی ہے اصل عبارت یہ ہے الٰہی ملکی اعظم من ملک۔ جواب اصل تفسیر میں پڑھیے۔ حاشیہ ختم)

کا تو ملکیت یعنی مجازی اعظم ہے کہ اب وہ اللہ تعالیٰ کے ملک میں ہے لیکن ہے مجاز ابیش کی ہوئی بایزید کی[1]۔

خاصیتہ الملک اس اسم کی خاصیت یہ ہے کہ قلب صفا ہو اور فقرو بقا وغیرہ کو حصول جو زوال کے وقت اسے ایک سو دفعہ پڑھنے پر مداومت کرے اس کا قلب صاف ہو گا اور اس کی میل کچیل دھل جائے گی اور جو اسے بعد الفجر ایک سو اکیس بار پڑھے اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے یا اسباب سے اسے مستغنی بنادے گا۔

القدوس (وہ نہایت پاک ہے) **القدس** سے صیغہ مبالغہ ہے بمعنی النزاہۃ والطہارۃ جو چیزیں کہ کسی بھی نقص کا موجب ہیں ان سب سے نہایت ہی منزہ اور پاک ہے۔ عبرانی میں اسے قدّیس کہتے اس کی نظیر **السبوح** ہے۔ ملائکہ کرام کی تسبیح ہے۔ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلَآئِکَۃِ وَالرُّوْحُ زمخشری نے کہا کہ مینڈک اپنی آواز میں کہتے ہیں۔ سُبْحَانَ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ

قاعدہ جو اسم بروزن فعول ہو وہ مفتوح ہو گا سوائے **سبوح وقدوس** کے کیونکہ ان میں ضمہ اکثر ہے (ثعلب نے ایسے ہی کہا ہے) اور کبھی مفتوح ہوتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ صفات میں مفتوح قلیل اور اسماء (جامد) میں بکثرت ہے جیسے **التنور والسمور والسفود** وغیرہ۔ بعض مشائخ نے فرمایا کہ قدس کا حقیقی معنی تغیر کے قبول سے بلند ہونا اسی سے ہے۔

(حاشیہ[1] یہ سچ ہے کیونکہ بندہ مغرور بے فرمان اگرچہ زبان سے کہتا ہے میں اور میرا سب کچھ اللہ تعالیٰ کا ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ کے نام پر مرمٹنے اور مال و اسباب خرچ کرنے کا وقت ہوتا ہے تو پھر سب کو معلوم ہے کہ ایسا بندہ کتنا خدا سے دور ہو جاتا ہے اور اللہ والے (اولیاء اللہ) خود کو اور اپنی تمام دنیوی پونجی اللہ تعالیٰ کے حقیقی معنی میں ملک کر دیتا ہے جیسے شواہد و واقعات سے سب کو یقین ہے ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسِہِمْ وَاَمْوَالِہِمُ الْجَنَّتِہِ اللہ تعالیٰ نے کامل مومنین سے ان کی جانیں اور اموال جنت کے عوض خرید لئے۔ سوچئے خرید لینے کا کیا معنی جب سب شے اللہ تعالیٰ کی ہے تو وہی مطلب میرے بندوں نے نفوس و اموال سب کچھ میرے ملک کر دیا ہے۔ فافہموا ولا تکونوا من الوہابیین۔ حاشیہ ختم)

حل لغات الارض مقدستہ کیونکہ وہ کسی کافر کی ملک سے متغیر نہیں ہوتی جیسے دوسری زمینیں کفار وغیرہ کی ملک سے تغیر پذیر ہوتی ہیں۔

نکتہ اسے الملک کے بعد لانے میں اشارہ ہے کہ دوسرے بادشاہوں سے فیصلوں میں جورو ستم اور تجاوز ہو جاتا ہے ایسے ہی ان کے جملہ احکام مرتبہ ہیں۔ لیکن وہ ملک (بادشاہ حقیقی) ہے کہ اس کے کسی حکم میں تغیر عارض نہیں ہوتا کیونکہ اس کی ہر وصف میں تغیر ممتنع ہے۔ بعض نے کہا کہ تقدیس بمعنی تطہیر ہے کیونکہ وہ گناہوں سے پاک کرتا ہے اور روح القدس حضرت جبریل علیہ السلام کا لقب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے قدس نازل کرتے یعنی وہ امور جو نفوس کو پاک کرتے مثلاً قرآن مجید حکمت فیض الٰہی اور بیت المُقدس بمعنی مطہر از نجاست یعنی شرک یا اس لئے کہ اس میں گناہوں کی صفائی ہوتی ہے اور الارض المقدسہ اور خطیرۃ المقدس جنت کو کہا جاتا ہے۔

فائدہ کاشفی نے فرمایا کہ القدوس بمعنی پاک از شوائب مناقص و معائب اور منزہ از طرق آفات و نوائب۔

تقریر امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا **القدوس** بمعنی وہ جو ہر ایسی وصف سے منزہ ہے جسے جس سے ادراک کیا جا سکے یا اس کا خیال تصور میں لا سکے یا اس کی طرف وہم سبقت کر سکے یا دل میں کھٹکے یا اس کی طرف غور و فکر کیا جا سکے اور میں صرف یہ نہیں کہتا کہ وہ نقائص و عیوب سے منزہ ہے کیونکہ ایسا کہنا اس کی درگاہ کا سوء ادب ہے۔

مسئلہ یہ کہنا بے ادبی ہے کہ فلاں بلاد کا بادشاہ ہے وہ حجام موچی جولاہہ نہیں کیونکہ قاعدہ ہے کہ نفی الوجود امکان الوجود کا شائبہ ہوتا ہے اور ایسے بملات اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں بھی نقص ہے بلکہ میں کہتا ہوں کہ **القدوس** وہ منزہ ہے ہر اس وصف سے جو اوصاف کمالیہ مخلوق کے وہم گمان میں آ سکتی ہے (کیونکہ وہ اس سے بلند و بالا ہے) اس طرح نہ کہا جائے جو زورقی نے کہا کہ ہر وہ تنزیہ جو مخلوق کو خالق کی طرف متوجہ کرے یہ اس لئے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ اپنی شان جلال کے لحاظ سے کہ وہ اسے قبول نہیں کرتا جو چیز یہ کسی شے کی محتاج ہو کیونکہ وہ بلند و بالا

marfat.ocm

صفات سے موصوف اور کریم الاسماء اور جمیل الافضال علی الاخلاق ہے ہمیں اس کی تقدیس اتنی کافی ہے کہ ہم سمجھیں کہ وہ قدوس ہے۔

عبدالقدوس کی تحقیق عبدالقدوس وہ بندہ ہے جسے اللہ تعالیٰ جہالت سے پاک کر دے اس کے قلب میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کی گنجائش نہ ہو یہ وہی قلب ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہ میں زمین پر سماتا ہوں نہ آسمان میں عبد مومن کے قلب میں سماتا ہوں وہ دل کوان سے مقدس ہے۔

فائدہ بعض نے کہا قدوس کے اسم سے بندے کا حظ یہ ہے کہ بندہ وصول نہیں پا سکتا مگر بعد عروج کے عالم شہادت عالم غیب کی طرف کے۔

فائدہ شرکی متخیلات و محسوسات سے اور علوم الہیہ و معارف زکیہ از تعلق الحس والخیال کے ارد گرد گھومنے سے تنزیہ ہے اور قصد حظوظ حیوانیہ ولذائذ جسمانیہ ارد گرد گھومنے سے پاک کرنا اور مکمل طور بندے کو اللہ تعالیٰ کی طرف شوق دیدار میں متوجہ ہونا کہ اس کا ارادہ صرف اور صرف معارف اور مطالعہ جمال ہو اور بس یہاں تک کہ عزت والی جناب اور قدس کے درمیان میں پہنچ جائے۔

خاصیت اسم قُدُّوس جو اس اسم (قدوس) مبارک کو جمعہ کی نماز کے بعد روٹی پر لکھ کر کھائے تو اس پر عبادت کے دروازے کھل جائیں گے اور وہ آفت سے محفوظ رہے گا لیکن جس پر یہ واقع ہے اس کے عدد کئے مطابق ذکر کر کے۔

۲۔ اربعین ادریسیہ میں ہے کہ

یاقدوس الطاهر من کل افته لا یعادله من خلقه

(اے قدوس اور ہر آفت سے پاک اور اس کی مخلوق اس کا کوئی عدیل نہیں۔

حضرت سہروردی (شہاب الدین قدس سرہ) نے فرمایا کہ جو اسے خلوت میں ہر دن ایک ہزار پڑھے چالیس روز تک وہ جو چاہے گا پائے گا اور اسے عالم میں اس کی تاثیر ظاہر ہو گی۔

marfat.ocm

اَلسَّلَامُ ہر آفت و نقص سے سلامتی والا یعنی سالم از عیوب و مبرا از ضعف و عجز و خلل۔

حل لغات السلام مصدر ہے یعنی سلامت مبالغہ کے طور اس اسم سے موصوف کیا گیا ہے اس لئے کہ وہ نقائص سے سالم ہے یا اس لئے کہ وہ سلامتی بخشتا ہے۔ اس تقریر پر سلام بمعنی تسلیم جیسے کلام بمعنی تعلیم (گفتگو کرنا) اور وہ جو دعا ماثورہ میں منقول ہے اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَام اس کا معنی اے وہ ذات جو تو ہر عیب سے پاک اور ہر نقص سے بری اور مِنْکَ السَّلَام کا معنی ہے اے وہ ذات کہ تو سلامتی بخشتا ہے یعنی عاجز کو مکارہ (مکاليف) سے سالم رکھتا اور اسے دارین کے شدائد سے چھٹکارا دیتا اور اہل ایمان کے ذنوب و عیوب کی ستاری فرماتا اور انہیں قیامت کی رسائی سے سالم رکھتا ہے یا یہ کہ اہل ایمان کو جنت میں سلام بھیجتا ہے۔ جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ سلام کہتا ہے ایمان کو جنت میں سلام بھیجتا ہے جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ سلام کہتا ہے رب رحیم سے اور اِلَیْکَ یَرْجِعُ السَّلَام میں اشارہ ہے کہ جو بھی اس عالم میں تمام کو فنا ہے اور صرف ذوالجلال والاکرام باقی رہے گا۔ اور حیینا ربنا بالسلام میں اس سے ہی سلامتی کی طلب ہے دنیا و آخرت میں۔

فائدہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا السلام وہ کہ جس کی ذات عیب اور اس کی صفات نقص سے اور اس کے افعال شر سے سالم ہیں یعنی اس کے فعل میں شر ہے ہی نہیں بلکہ اس کے ضمن میں بہت خیر بھلائی ہے۔

فائدہ السلام والقدوس ہر دونوں اللہ تعالیٰ کی صفات سلبیہ سے ہے ہاں جب السلام بمعنی المسلم ہو (سلامتی دینے والا) ہو۔

فائدہ امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ السلام والسلامۃ بمعنی آفات ظاہرہ و باطنہ سے خلل۔ یہ ترجمہ اس وقت ہے جب اللہ تعالیٰ کی صفت نہ بنائی جائے جب یہ اللہ کی صفت ہو تو بمعنی وہ ذات جسے وہ عیوب و آفات لاحق نہ ہوں جو اس کی مخلوق کو لاحق ہوتے ہیں۔

marfat.ocm

تحقیق عَبْدُالسَّلَام عبدالسلام وہ بندہ ہے جس کے لئے اسم السلام جلوہ گری فرمائے اور وہ اسے ہر نقص و آفت سے عیب سے سالم رکھے۔ ہر وہ بندہ جس کا دل غش (کھوٹ) حقد (کینہ) حسد اور ارادہ شر سے اور اس کا جسم کے اعضاء آثام و محظورات سے اور جس کی صفات انکاس (ناکس ہونا) و انعکاس (الٹا ہونا) سے سالم ہو یہ وہی بندہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں قلب سلیم لائے گا اور وہ بندہ سلام ہے یوں ہے کہ اس کی وصف سلام کے قریب اس سلام مطلق حق کے کہ جس کی صفات میں دوئی نہیں یعنی اس کی صفت میں انکاس نہیں۔ بایں معنی کہ اس کی عقل شہوت و غضب کی اسیر ہو کیونکہ حق تو اس کے برعکس ہے وہ یوں کہ شہوت و غضب پر دونوں عقل کے قیدی اور تابع ہیں۔ جب وہ برعکس ہو گیا تو ناکس ہو گیا اس کے لئے کونسی سلامتی جب معاملہ برعکس ہوا کہ امیر ماسور اور ملک غلام بن گیا۔

فائدہ سلام اور اسلام سے وہ شخص موصوف ہو سکتا ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے تمام مسلمان سالم ہوں۔

خاصیت اسم السلام یہ اسم مصائب و آلام دور کرتا ہے یہاں تک کہ جب مریض پر ایک سو گیارہ بار پڑھا جائے تو بفضل خدا وہ بیمار تندرست یا کم از کم اس کے مرض میں تخفیف ضرور آجائے گی بشرطیکہ اس پر موت کا وقت نہ آپہنچا ہو۔

المومن امن دینے والا اپنی ذات کو واحد لاشریک لہٗ بتانے اپنے قول سے شھداللہ انہ لا الہ الا ھو اللہ تعالیٰ نے گواہی دی کہ بیشک اس کے سوا کوئی معبود نہیں یا مومن بمعنی امن بخشنے والا وہ ہے اطمینان النفس و زوال الخوف۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے فرمایا کہ وہ جس نے ظلم سے امن دیا اور جس نے اپنے خوف سے اہل ایمان کو امن بخشا۔

حل لغات الایمان سے ہے تخویف کی نقیض جیسے اللہ تعالیٰ کے قول میں وَاٰمَنَھُمْ مِّنْ خَوْفٍ (اور اس نے انہیں خوف سے امن دیا) اور انہی سے ہے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نار سے اہل توحید کو نکالے گا۔

marfat.ocm

نام محمد ﷺ کی برکت سب سے پہلے اس اہل توحید میں سے دوزخ سے نکالا جائے گا۔ (جیسے امام اہلسنّت فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ نے ترجمہ کیا۳) جس کا نام اللہ تعالیٰ کے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے نام مبارک کے موافق ہو گا۔ (نام محمد کے مزید فضائل و برکات کے لئے فقیر کی کتاب "شہد سے میٹھا نام محمد پڑھیے") جب ایسے اسم والے نہ رہیں گے تو باقیوں سے فرمائے گا۔ اے ایمان والوں دوزخ سے نکل آؤ تم مسلمان ہو میں السلام ہوں اور تم اہل ایمان ہو میں مومن ہوں۔ ان دونوں اسموں کی برکت سے بہت سے دوزخیوں کو دوزخ سے نکالے گا۔

فائدہ کاشفی نے اس کا ترجمہ کیا ہے مومنوں کو دوزخ کے عذاب سے امن دینے والا یا مخلوق کے ایمان کا داعی یا برہان یا معجزہ ظاہر کر کے رسل کرام علی نبینا وعلیہم السلام کی تصدیق کرنے والا۔

فائدہ حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ مومن مطلق وہ ہے کہ کوئی امن وامان تصور نہ ہو مگر یہ کہ اسی کی جہت سے نصیب ہو اور وہ صرف اللہ تعالیٰ ہے اور مخفی نہ رہے کہ نابینا کو خطرہ ہے کہ وہ آنکھ نہیں رکھتا کہیں ہلاکت کے گھڑے میں نہ گر مروں لیکن اس کے دل میں بصیرت بخشی ہے وہ سمجھتا ہے کہ میرا امن دینے والا ہے تو پھر مجھے خطرہ کیوں ایسے ہی جس کا ایک ہاتھ کٹا ہوا ہے وہ امن میں ہے کہ اس سے دوسرے ہاتھ کے ذریعہ دکھ تکلیف رفع دفع ہوگی۔ ایسے ہی جمیع حواس و اطراف کا حال ہے۔ المومن ہی اعضاء جوارح کا خالق و مصور و مقوم ہے مثلاً اکیلا انسان اعداء کو مغلوب مقدر کیا جائے تو تنگی کے گڑھے میں گرے گا نہ اس کے اعضاء کام کر سکیں گے بوجہ ضعف کے اگر کچھ کام کریں بھی تو اس کے پاس ہتھیار نہیں ہتھیار ہوں۔ یوں بھی تو تنہا عدو (بڑے لشکر) کا مقابلہ کیسے کر سکے گا اگر اسے لشکر بھی میسر ہو تب بھی اسے امن نہ ہو گا کہ وہ کسی قلعہ میں محفوظ نہیں۔ اندریں اثناء کوئی ایسا غمخوار مل جائے جو اس کے ضعف کا مداوا کرے اسے قوت بخشے اور لشکر سے مدد کرے اور اس کو اور ہتھیار دے اور اس کے ارد گرد محفوظ قلعہ تیار کر دے۔ اب سمجھے گا کہ اسے امن وامان حاصل ہے۔ اسی لئے المومن کی صفت کا حق صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے کیونکہ مومن تو بہت بڑا کمزور اس کی فطرت ہی ضعف ہے پھر امراض اور بھوک اور پیاس کا شکار ہوتا رہتا ہے۔ آفات و بلیات جلانے والی غرق کرنے والی زخمی کرنے والی اس کے اعضاء توڑنے والی کا

marfat.ocm

تشنہ بیمار رہتا ہے اسی لئے اسے امن وہ دے سکتا ہے جو اس کے امراض کے لئے ادویہ تیار کرے۔ بھوک و پیاس دور کرنے کے لئے خورد و نوش کا ایسا انتظام کرے کہ نہ اسے بھوک کا خطرہ نہ پیاس کا اور اس کے اعضاء بدن سے آفات کو دور کرنے والے تیار کئے اور جو اس ڈرانے والے جاسوس بنائے جو اسے ہلاکت چیزوں سے ڈرائیں۔ اور آخرت کا خوف دور کرنے کے لئے اس کا کلمہ توحید تیار کیا اور جو خود ہدایت دیتا ہے اسی قلعہ میں آجاؤ آخرت کے خوف سے محفوظ رہو گے۔ اور بہت بڑی رغبت دی چنانچہ فرمایا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ میرا قلعہ ہے جو اس میں داخل ہو گا میرے عذاب سے امن میں آجائے گا اور عالم میں امن دینے والا صرف وہی ایک ہے اسی سے فوائد کے لئے اسباب بنتے ہیں اور خلق کی تخلیق میں منفرد ہے اور وہی نیک اعمال کرنے کی ہدایت بخشتا ہے۔

عبدالمومن کی تحقیق عبدالمومن وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ عذاب سے امن دے اور لوگ اسے اپنی دوات و اموال و اعراض پر امن سمجھیں کہ اسی کی معرفت ہماری یہ چیزیں بہتر اور درست رہیں گی۔ بندہ اس اسم سے یہ حظہ اٹھائے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو امن دے بلکہ ہر خوفزدہ اسے اپنا زور بازو سمجھے کہ مجھ سے ہلاکتوں اور تکلیف کو یہی رفع کرے گا دینی امور ہوں یا دنیوی۔

حدیث شریف حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ اپنے ہمسائیگان کو تکلیف وغیرہ سے امن دے۔

فائدہ ترجمہ وصایا الفتوحات میں ہے کہ اگر چاہتے ہو کہ کسی سے خوف نہ ہو تو کسی کو مت ڈرا تاکہ تو سب سے بے خوف رہے کیونکہ جب تو انہیں کوئی دکھ نہیں پہنچاتا وہ تجھے کیسے دکھ پہنچائیں گے۔

حکایت ابن العربی رضی اللہ عنہ سیدنا ابن العربی شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ابھی میں نے راہ سلوک کے طریق پر چلنا شروع نہیں کیا تھا۔ ایک دن والدہ محترمہ اور دیگر لوگوں کے ساتھ سفر کر رہے تھے وہ میرا بچپن تھا جنگل میں ایک چراگاہ پر گورخر کا ریوڑ نظر آیا۔ تیر کمان میرے پاس تھے اور مجھے گورخر کے شکار کا شوق تھا لیکن دل میں خیال آیا کہ انہیں امن دوں کچھ نہ کہوں۔ ریوڑ سے گزرا اور اب آسان تھا کہ ان کو شکار کر سکوں

marfat.ocm

لیکن چونکہ ارادہ ترک کر چکا تھا اسی لئے میں وہاں سے آرام سے گزر گیا۔ ان میں سے کسی نے بے خوف و خطر ہو کر میری طرف سر اٹھا کر بھی نہ دیکھا میرے پیچھے میرے جیسے اور نوجوان آ رہے تھے ان کو دیکھتے ہی تمام گور خر بھاگے کہ ان کا نشان تک نظر نہ لیا اس وقت تو مجھے سمجھ نہ آئی لیکن جب راہ سلوک طے کیا معلوم ہوا کہ میں نے ان کے جو امان دینے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا اسی لئے میرا امن ان پر اثر کر گیا۔

فائدہ المومن کے اسم کا زیادہ حقدار وہ بندہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو امن پہنچائے۔ عذاب الٰہی سے بچانے کی تدبیریں بتائے اور ارشاد و ہدایت کے طریق سے کہ انہیں نجات نصیب ہو۔ یہ طریقہ انبیاء و اولیاء وعلی نبینا علیہم السلام کا ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ تم دوزخ میں ایسے گرنا چاہتے ہو جیسے پتنگ آگ پر میں نے تمہاری پیشانیوں سے تمہیں پکڑ رکھا ہے۔

سوال ڈرانے والا وہ خود ہے اور امن کے اسباب بتانے والا بھی خود پھر کسی دوسرے کی طرف منسوب کرنے کا کیا فائدہ؟

جواب واقعی امن و خوف اسی سے ہے چونکہ وہی امن و خوف کا خالق ہے اور مخوف ہو تو ضروری نہیں کہ مومن (امن بخشنے والا) نہ ہو جیسے وہ مذل و ذلت دینے والا) ہے لیکن اس سے فرق نہیں پڑتا کہ معز (عزت دینے والا) نہ ہو۔ وہ خافض (نیچا کرنے والا) ہے تو رافع (اونچا کرنے والا) بھی ہے جب وہی خافض و رافع ہے تو پھر وہ مومن مخوف بھی ہے لیکن المومن تو اسم توقیفی ہے مخوف نہیں (یہ صرف لفظوں سے حیثیت سے کیا گیا ہے۔)

خاصیت المومن اس اسم کا خلاصہ ہے تامین و حصول والصدق والتصدیق وقوت الایمان علی العموم اس کے ذکر کرنے والے کو اسی لئے جو شخص ڈرتا ہو وہ اسے چھتیس بار پڑھے تو اس سے امن پائے گا اور اس کا مال بھی امن میں رہے گا۔ جتنا کم و بیش پڑھے گا اتنا ہی خوف و امن میں کمی و بیشی آئے گی۔

marfat.ocm

اَلْمُهَيْمِنُ وہ حفاظت فرمانے والا ہے۔ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ یہ ان اسماء میں سے ہے جو اپنے اشتقاق کے معنی سے بڑھ کر معنی دے یعنی وہ جو ضرر رساں چیزوں سے بہت زیادہ حفاظت اور بچاؤ کرنے والا کہلاتا **هيمن الطاهر** پرندے نے اپنے بچے پر خوب پر پھیلائے اس کے بچانے کے لئے۔ الارشاد میں ہے کہ **الرقيب** یعنی ہر شے سے محفوظ کرنے والا۔ الازروقی نے فرمایا کہ یہ شاید ایک نعت ہے اسی سے ہے **مهيمنا عليه** یعنی **شاهدا عليه** اور **شاهدا** یعنی علما دراصل مومن تھا دو ہمزوں سے دوسرا ہمزہ یاء سے تبدیل ہوا کہ دو ہمزوں کا یکجا ہوا کرتا ہے۔ جیسے ارق الماء ای هراقه۔ پانی بہایا۔ اس تقریر پر یہ مومن کے معنی میں ہے۔

حکایت جب ابن قتیبہ نے کہا کہ المومن کی تصغیر المہیمن ہے کہ دراصل مومن تھا ہمزہ ہا سے تبدیل ہوا تو علماء کرام نے فرمایا کہ اسے (مہیمن) کو مومن کی تصغیر کہنا کفر کے قریب ہے اس سے قائل کو بچنا ضروری ہے کیونکہ اس میں ترک تعظیم ہے۔

فائدہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ المہیمن اللہ تعالیٰ کے حق میں بمعنی مخلوق کے اعمال و ارزاق و آجال پر قائم یعنی وہ ان سے مطلع ہے اور ان پر غالب اور ان کی حفاظت کرنے والا ہے۔ جتنا ہی کوئی امر اپنی کنہ کے لحاظ سے مشرف ہوا اللہ تعالیٰ اس پر غالب و حافظ ہے۔ (الاشراف) بالفعل علم و استیلاء کمال قدرت و کمال سے ان تمام اسماء کا جامع ہے المہیمن ہے علی الاطلاق والکمال سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی پر اس کا اطلاق صحیح نہیں اسی لئے کہا جاتا ہے کتب قدیمہ میں اللہ تعالیٰ کا اسم المہیمن ہے۔

عبدالمہیمن کی تحقیق عبدالمہیمن وہ بندہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو رقیب و شہید علی کل شئی ہونے ہونے کا مشاہدہ کرے اور اپنی اور دوسرے کی نگرانی کرے کہ حقدار کو حق پہنچے کیونکہ وہ اسم مہیمن کا مظہر ہے۔ اور عارف کا حظ اس اسم سے یہ ہے کہ وہ اپنے قلب کی نگرانی اور اپنے قوی و جوارح کی حفاظت کرے کہ کہیں شیطان بہکا نہ دے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کی نگرانی و حفاظت میں ہر وقت مستعد و قائم رہے۔ جسے یقین ہو جائے اللہ تعالیٰ مہیمن ہے وہ اس کے جلال کے سامنے عاجزی اور اپنے جملہ احوال پر نگرانی اور اس سے حیاء کرے گا کہ کہیں وہ اس کی غلطی پر مطلع نہ ہو

marfat.ocm

جائے۔ (غلطی کرتا ہی نہیں) اسی لئے وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے مراقبہ میں بیٹھتا ہے۔

حکایت سیدنا ابراہیم بن ادہم رحمتہ اللہ علیہ بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے ایک دن بیٹھ کر پڑھی اور پاؤں پھیلا کر اندریں اثناء ہاتف نے ندا دی کہ بادشاہوں کی محفل میں ایسے بیٹھا کرتا ہے۔

حکایت حریری خلوت میں بھی پاؤں نہیں پھیلاتے تھے ان سے پوچھا گیا کہ آپ خلوت میں پاؤں کیوں نہیں پھیلاتے جبکہ اس وقت کوئی ہوتا ہی نہیں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کا ادب سب سے زیادہ ضروری ہے۔

حکایت صاحب روح البیان رحمتہ اللہ علیہ فقیر (صاحب روح البیان رحمتہ اللہ علیہ) کہتا ہے ایک دفعہ کعبہ معظمہ کے نزدیک مجھے بھی ایسا واقعہ پیش آیا میں نے بیت اللہ شریف کا طواف کر کے تھوڑی دیر مقام ابراہیم سے ٹیک لگائی تو آواز آئی اللہ تعالیٰ کے سامنے ایسا کیوں قرب کے باوجود کیا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مجالست میں بے ادبی ہے اس لئے جب تک میں کعبہ معظمہ میں رہا صف اول میں پہنچ کر نماز ادا کرتا رہا۔

خاصۃ المہیمن اس اسم کا خاصہ ہے بواطن و اسرار پر مطلع ہونا جو اسم کو غسل کر کے نماز (دوگانہ) پڑھ کر خلوت میں جمع خاطر کر کے ایک سو بار پڑھے تو جو چاہتا ہے وہ اسے مل جائے گا اس کی نسبت معنوی یہی ہے کہ وہ علام الغیوب ہے۔ حضرت سہروردی (شہاب الدین قدس سرہ) نے فرمایا جو اس پر مداومت کرے اس کا حافظہ تیز ہو گا اور نسیان دور ہو جائے گا۔

العزیز عزت والا ہے۔ حکم میں غالب یا عزت بخشنے والا۔

حل لغات عز سے ہے بمعنی غصب اس کا مرجع وہ قدرت جو معارضہ و ممانعت سے بلند و بالا ہے یا عز عزازۃ سے ہے بمعنی قل (نادر) اس سے مراد عدیم المثل ہے جیسے فرمایا لیس کمثلہ شئی اس کی مثل کوئی نہیں)

فائدہ امام غزالی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا العزیز وہ شے ہے جس کی مثل کا وجود قلیل ہو اور اس کی طرف

marfat.ocm

ضرورت سخت لور اس تک پہنچنا مشکل ہو جس میں یہ تینوں نہ ہوں اسے العزیز نہ کہا جائے گا کیونکہ بہت سی اشیاء نادر ہوتی ہیں لیکن اس کی عظمت و شان اتنی بڑی نہیں ہوتی لور نہ ہی وہ کثیر المنفعت ہو اسے عزیز نہیں کہیں گے بہت سی اشیاء نادر الوجود ہیں لیکن عظمت والی بھی ہیں لور کثیر النفع بھی لور وہ اپنی نظیر خود نہیں لیکن اس تک پہنچنا مشکل نہیں اسے بھی عزیز نہ کہیں گے جیسے سورج مثلاً کہ اس کی کوئی نظیر نہیں ایسے ہی زمین پہ ہر دونوں کثیر النفع ہیں اور ان ہر دونوں کی شدید ضرورت بھی ہے لیکن ان دونوں کو عزیز نہیں کہیں گے کیونکہ ان ہر دونوں تک پہنچنا مشکل نہیں اس سے ثابت ہوا کہ جب تک مذکورہ بالا تین شرائط نہ ہوں اسے عزیز نہ کہیں گے پھر ان پر تینوں شرائط میں کمال و نقصان قلۃ الوجود میں کمال کی انتہا تک ہے لور کمال اس میں ہے کہ وہ صرف ایک یوں ہے کہ اس کی نظیر ممتنع ہے لور وہ صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ ہاں جو ایک تو ہے لیکن اس کی نظیر ممکن ہے تو ابھی وہ نظیر نہیں مثلاً سورج ایک ہے لیکن اس کی نظیر ممکن ہے پھر کمال غفلت و شدت الحاجت میں یہ ہے کہ ہر شے اپنی حاجت میں اسی کی محتاج ہے یہاں تک کہ اپنے وجود و بقاو صفات میں لور یہ کمال صرف اللہ تعالیٰ میں ہے کہ وہ کسی کا محتاج نہیں باقی ہر شے اس کی محتاج ہے۔

تحقیق عبدالعزیز عبدالعزیز وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ عزت دے تجلی عزت حدثان واکوان کے ہاتھ اس پر غلبہ نہ پا سکیں لور وہ ہر شے پر غالب ہو حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے ہوتے ہیں جن کے تمام بندے محتاج ہوتے ہیں اپنے جملہ امور کی مہمات میں یعنی مہمات اخرویہ اور سعادت ربیہ اور یہ ایسے ہیں جو نادر الوجود لور نہایت ہی مشکل سے میسر آتے ہیں اور یہ مرتبہ انبیاء علیہم السلام کا ہے اور ان کی اس عزت میں وہ حضرات بھی شریک ہیں جو ان کے درجات کے قریب ہیں خواہ وہ ان کے ہم زمان ہیں جیسے خلفاء راشدین یا ان کے زمانہ ظاہری کے بعد جیسے جملہ وارثین انبیاء یعنی اولیائے کرام علی نبینا و علیہم السلام) ان ہر ایک کی عزت ان کے مرتبہ کے مطابق ہوگی مشارکت اور آسانی سہولت لور بقدر اس کے غناء ارشاد الخلق ہیں۔

فائدہ بعض نے کہا کہ بندے کا اس اسم سے حظ یہ ہے کہ وہ خود کو عزت دے دنیا کے خسیس امور میں جھانکنے

سے اسے ذلیل نہ کرے اور نہ ہی لوگوں سے سوال کے لئے قریب و ذلیل کرے اور نہ ہی خود کو ان کا محتاج ظاہر کر کے اس کو رذیل بنادے۔

فائدہ بعض نے کہا عزیز وہ ہے جو اوامر و نہی کی عزت کرے اس کی اطاعت سے جو اللہ تعالیٰ کے اوامر کو ذلیل کرتا ہے تو محال ہے تو اس کے لئے عزت متحقق ہو سکے۔

فائدہ حضرت الشیخ ابوالعباس المرسی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ بخدا میں نے عزت دیکھی ہے تو صرف مخلوق سے رفع الہمتہ میں یعنی ان سے مستغنی رہنے میں جو شخص اللہ تعالیٰ کو عزیز مانتا ہے تو جلال مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے جلال کے لاشی سمجھے گا خلاصہ یہ کہ مخلوق میں عزیز وہ ہے جو مشہور ہے وہ یہ کہ جسے اللہ تعالیٰ ذو قدر و ذو منزلت بنائے کہ اسے بقایا فنا کا کچھ حصہ عطا فرمادے ان میں بعض وہ ہیں جو طاعت الہٰی سے عزیز بنے۔ بعض وہ ہیں جنہوں نے عاجزی سے یہ مرتبہ پایا بعض وہ ہیں جنہیں علم و معرفت و کمال سے یہ مرتبہ نصیب ہوا۔ بعض وہ ہیں جنہیں سطوت و شوکت اور مال سے یہ مرتبہ ملا۔ بعض وہ ہیں جو دارین میں عزیز ہیں بعض وہ ہیں جو صرف دنیا میں عزیز ہیں لیکن آخرت میں فارغ۔ بعض وہ ہیں جو آخرت میں عزیز ہوں گے دنیا میں فارغ کیونکہ بت سے اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں جو دنیا میں لوگوں کی نظروں میں ذلیل ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں بت بڑے عزیز ہیں بعض ایسے ہیں جو لوگوں کی نگاہوں میں عزت والے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذلیل ہیں اور اصلی عزیز وہی ہے جو مالک و مولیٰ کے نزدیک عزیز ہیں۔

خاصیت العزیز جو شخص چالیس دن تک چالیس بار روزانہ یہ اسم عزیز پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کی اعانت فرمائے گا اور عزت بڑھائے گا۔ اور وہ مخلوق میں کسی کا محتاج نہ ہو گا اور اربعین الدرر ملیہ میں ہے کہ ورد یوں ہے۔

یاعزیز المنیع الغالب علی امرہ فلاشئی یعادلہ

(اے عزیز جو کسی سے مغلوب نہیں بلکہ وہ ہر امر یہ غالب ہے کوئی شے اس کی مقابل و معاوضہ نہیں کر سکتی)

فائدہ حضرت الشیخ السہروردی (قدس سرہ) نے فرمایا کہ جو سات روزہ بلاناغہ ایک ہزار بار روزانہ پڑھے تو اس کا دشمن ہلاک ہو جائے گا اور اگر لشکر کے سامنے ستر بار پڑھ کر دشمن کی طرف ہاتھوں کا اشارہ کرے تو دشمن شکست کھا

marfat.ocm

کر بھاگ جائیں گے۔

اَلْجَبَّار عظمت والا وہ جو اپنے ارادہ پر مخلوق کو اپنے قہر و جبر میں رکھے اور اس پر انہیں مجبور کرنے یا معنی المصلح یعنی وہ جو ان کے احوال کی اصلاح کرے اس کا معنی جبار ثلاثی ہے نہ کہ وہ افعل سے ہے اور جبر بمعنی اجبر ہے بنی تمیم اور بہت سے اہل حجاز کی لغت میں ان کی دلیل یہ ہے کہ بہت سے ثلاثی کے صیغے مزید میں مبالغہ کے لئے آتے ہیں۔ اس معنی پر بہت اجبرو سے ہے بمعنی قہرہ اور فرآء نے کہا کہ ہم نے فعال افعل سے نہیں سنا سوائے جبار و دراک کے کہ یہ اجبر و ادرک سے ہیں۔

حل لغات امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ الجبر کا اصل اصلاح الشئی بضرب من القهر شے کی اصلاح تھوڑے سے قہر و جبر سے اور کبھی صرف اصلاح کے لئے بھی بولا جاتا ہے جیسے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی دعا میں ہے یا جابر کل کسیر و مسہل کل عسیر اے ہر ٹوٹے کی اصلاح کرنے والے اور اے ہر مشکل کو آسان کرنے والے الاجبار دراصل کسی کو برانگیختہ کرنا کہ وہ امور کو درست کرے لیکن عرف محض اکراہ میں مستعمل ہوتا ہے اسی لئے وہ گروہ جو عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو معاصی پر مجبور کرتا ہے کو متکلمین مجبرہ (فرقہ) کہتے ہیں اور متقدمین انہیں جبریہ کہتے۔ اگر کسی انسان پر اس کا اطلاق ہو تو وہ شخص مراد ہوگا جو اپنا نقص کسی ایسے بلند مرتبے کے دعوی کرنا چاہے جو اس کے لائق نہیں اور یہ اس کے لئے بطریق مذمت ہوگا ہاں اللہ تعالیٰ کی صفت جبار بایں معنی ہے کہ وہ بندے کی کمی کے باوجود انکا جبر نقصان بڑی سے بڑی نعمتوں سے کرتا ہے یا انہیں اس پر جبر و اکراہ کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے جیسے انہیں بیمار کر دینا موت دینا۔ مرنے کے بعد اٹھانا وغیرہ وغیرہ۔ اور اسکا ایسا قہر مبنی بر صحت ہوتا ہے اور اس کی حکمت کا یہی تقاضا ہے کہ وہ یونہی کرے بہر حال جبار مطلق وہ ہے جو اپنی مرضی پر علی طریق الاجبار ہر ایک حکم جاری فرمائے اور اس پر کسی کی مرضی مسلط نہ ہو سکے۔

کتب سابقہ کا مضمون بعض کتب الٰہیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے میرا بندہ تیرا بھی ارادہ ہے میرا بھی لیکن ہوگا وہی جو میرا ارادہ ہے اگر میرے ارادہ پر تو راضی ہے تو تو جو چاہتا ہے اس کی میں کفایت کروں گا۔ اگر تو

راضی نہیں تو تجھے تیرے ارادے پر چھوڑ کر وہی کروں گا جو میرا ارادہ ہو گا۔

تحقیق عبدالجبّار عبدالجبار وہ عبد ہے جو ہر شے کی کمی و نقص کو پورا کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے حال کا جبر نقصان فرمادیا ہے اور اسے اسی اسم کی تجلی سے اسے ہر شے کے حال کا جابر و پورا کرنے والا اور ہر شے پہ مستعلی (بلند قدر) بنایا ہے۔ جو عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جبار ہے تو اس کی نظروں میں ہر جبار (سرکش) لاشئی ہو گا اور ہر معاملہ میں وہ کسی کی طرف رجوع کرے گا عاجزی سے اور اپنے اعمال کی کوتاہی و کمی کو پورا اور اپنی ناقص آمل (آرزوئیں وغیرہ) کو ترک کر کے ایسے شخص کا اسلام و استسلام کامل و مکمل ہو جائے گا اور اکوان (جملہ عالم) سے اس کی ہمت بلند ہو گی وہ اپنے نفس پر بھی جابر ہو گا اور دوسروں کی کمی کوتاہی بھی پوری کرے گا۔

فائدہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ اس اسم کے عارف کا حظ یہ ہے کہ نفس کی طرف متوجہ ہو کر اس کے نقائص کی کمی کر کے فضائل کے کمالات حاصل کرے اور اسے ملازمت تقوی و مواظبت علی لاطاعۃ پر ابھارے اور اس کی خواہشات و شہوات کو انواع ریاضات سے مٹائے اور اس سے ماسوی اللہ کو ہٹائے حق کے سوا کسی طرف متوجہ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ ایسے بندے پر وقار و سکینہ کے زیورات سے متجلی ہو گا کہ اسے حوادث کے سخت جھونکے نہ ہلا سکیں اور نہ نوازل (بلیات و آفات) کے طوفان اس کا کچھ بگاڑ سکیں بلکہ ارشاد و اصلاح کے لحاظ سے انفس و آفاق میں اس کی تاثیر قوی ہو گی۔

فائدہ حضرت امام غزالی قدس سرہ نے فرمایا کہ الجبار عباد (بندوں) میں وہ ہے جو اتباع حق سے مرتفع ہو کر استتباع کے درجہ تک پہنچے اور اپنی بلند قدری میں ایسا منفرد ہو کہ مخلوق کا جبر نقصان خدا کو فائدہ پہنچائے۔ ان سے فائدہ اٹھائے۔ ان پر اثر انداز ہو ان کا اثر قبول نہ کرے اتباع کرائے ان کی اتباع نہ کرے کسی کی طرف متوجہ نہ ہو یہاں تک کہ اپنی خبر تک نہ ہو کامل الارادہ ہو جائے۔ یہاں تک کہ سوائے ذات حق کے اس کا کسی طرف دھیان تک نہ ہو اپنے امور میں اور استتباع میں کسی سے طمع نہ کرے۔

شانِ حبیب خدا ﷺ اس اسم سے ایسا کامل حظ صرف اور صرف سید الاولین والاخرین

marfat.ocm

صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوا اور بس۔ خود فرمایا کہ اگر موسیٰ بن عمران علیہ السلام آج موجود ہوتے تو میری اتباع کے سوا انہیں کوئی چارہ نہ تھا اور میں سید ولد آدم (علیہ السلام) ہوں اور اس کا میں فخر نہیں کرتا۔

خاصیتہ الجبار اسم خاصیت ہے ظالمین جبار (سرکش) حد سے تجاوز کرنے والوں سے سفر و حضر میں حفاظت مسبعات عشر کے بعد ہر صبح و شام کو یہ اسم اکیس بار پڑھ لیا جائے۔ (شرح الاسماء الحسنی للزروقی)

المتکبر (کبریائی والا) وہ جو بے نیاز ہو ان امور سے جو ضروریات یا نقصان کا موجب ہوں یا بہت بڑی کبریائی اور عظمت والا کیونکہ صیغہ تفعل اس سے تکلف جو اس میں نہ ہو جب کہا جائے گا۔ تکبر و تسخی دلالت کرے گا کہ وہ شخص کبر و سخاوت ظاہر کرتا ہے حالانکہ نہ وہ بڑا ہے اور نہ سخی ہے۔ وہ تکلف جو محل نہیں اللہ تعالیٰ کے لئے اگر مستعمل ہو تو اس کا لزومی معنی مراد ہو گا یعنی وہ شے جس سے فعل بطریق اتم و اکمل قائم ہے۔ بغیر اس کے کہ اس میں تکلف اور حقیقی معنی کو دخل ہو اسی سے ہے ترحمت علی ابراھیم معنی رحمتہ۔ تو نے اس پر اتم و اکمل رحمت فرمائی جب کہا جائے اللہ المتکبر معنی کبر میں انتہائی مراتب والی ذات۔

حدیث شریف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی منبر پر (جو مدینہ طیبہ) میں ہے دیکھا آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم سنا رہے تھے کہ وہ فرماتا ہے کہ وہ قیامت میں جملہ آسمانوں اور زمینوں کو اپنے قبضہ قدرت سے جمع فرمائے گا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے مٹھی کھول کر پھر بند کر کے فرمایا کہ اسی طرح جمع فرمائے گا میں اللہ ہوں۔ میں رحمن ہوں میں رحیم ہوں۔ میں ملک ہوں۔ میں قدوس ہوں میں سلام ہوں۔ میں مومن ہوں میں مہیمن ہوں میں عزیز ہوں میں جبار ہوں میں متکبر ہوں میں وہ ہوں جس نے دنیا کا آغاز کیا جو پہلے نہ تھی میں نے ہی اسے تیار کیا کہاں ہیں بادشاہ کہاں جبابرہ (سرکش)

قہار بے منازع و غفار بے ملال دیان بے معاول و سلطان بے پناہ
باغیر او رضاضت شاہی بود چناں بریک دو چوب پارہ زشطرنج نام شاہ

ترجمہ قہو منازع اور غفار بے ملال ہے۔ دیان بے معاول ہے اور سلطان بغیر سپاہ کے ہے۔ اس کے غیر کی

marfat.ocm

طرف شاہی نسبت ایسے ہے جیسے شطرنج کے مہرے پر دو ٹکڑے لکڑی کے۔ اس کا نام بادشاہ ہے۔

حل لغات امام راغب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا متکبر ہے۔ دو اقسام

۱۔ حقیقت میں افعال حسنہ کثیرہ اور زائدہ بر محاسن غیر اسی پر اللہ تعالیٰ متکبر کی صفت سے موصوف ہے اور یہ ممدوح ہے۔

۲۔ مذکورہ امور کو بہ تکلف اور اسی کے مطابق مکمل ظاہر کرنا اور یہ عام لوگوں میں ہوتا ہے اور یہ مذموم ہے۔

حدیث شریف اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میری ازار ہے جو بھی میرے سے چھینے گا میں اس کی گردن توڑ دوں گا۔

متکبر مستکبر میں فرق متکبر عام ہے حق کبر کے اظہار کے لئے جیسے اللہ تعالیٰ کے اوصاف میں ہے اور باطل کبر کے اظہار کے لئے جیسے اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے فرمایا۔ ساصرف عن ایاتی الذین یتکبرون فی الارض عن الحق میں اپنی آیات سے ان لوگوں کو ہٹاؤں گا جو زمین پر ناحق تکبر کرتے ہیں۔

مسئلہ کبر انسان میں یہ ہے کہ وہ گمان کرے کہ میں اپنے غیر سے بڑا ہوں اور تکبر اس کے اظہار کا نام ہے (عوارف) استکبار بمعنی باطل بڑائی کا اظہار جیسے اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے متعلق فرمایا استکبر اس نے اپنی بڑائی ظاہر کی۔ اس طرح کی دیگر استعمالات جو قرآن و حدیث میں وارد ہیں۔

سوال الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے متکبر کی صفت کیسی جبکہ یہ صفت مخلوق کے حق میں مذموم ہے۔

جواب اللہ تعالیٰ کے لئے اس کا معنی ہے کہ وہ بہت عظمت و کبریائی والا یعنی غیر کی فرمانبرداری اس کے لئے ممتنع ہو اور یہ مخلوق میں مذموم ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے حق میں صفت مدح ہے۔

سوال اس کا کیا جواب ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ کو ان کے چچا ابو طالب نے کہا مااطوعک

marfat.ocm

ربک یامحمد اے حضرت محمد (عربی) ﷺ تیرا رب تیرا کیسا اطاعت گزار ہے۔ آپ نے چچا کو جواباً فرمایا۔ وانت یاعم لو اطعتہ اطاعک چچا اگر تو بھی اس کی اطاعت کرے گا تو وہ بھی تیری اطاعت کرے گا۔

جواب مطیع کی اطاعت مذموم نہیں کیونکہ یہ کسی دوسرے امر خارج سے نہیں غیر مطیع کی اطاعت نہ کرنا یہ متکبر ہے اور وہ متکبر للمتکبر ہے جیسے وہ مطیع کے لئے مطیع ہے۔

مسئلہ بعض نے کہا متکبر وہ ہے جو دوسرے کو اپنے سے حقیر سمجھ کر اسے ایسے دیکھے جیسے مالک غلام کو یہ علی الاطلاق اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو لائق نہیں اور نہ ہی کسی دوسرے پر اس کا اطلاق ہو سکتا ہے اگر ہو گا تو مذموم ہو گا کیونکہ ایسے امر کا اظہار ہے جو اس میں نہیں۔

حدیث شریف حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ دوزخ و جنت کا آپس میں جھگڑا ہو گیا دوزخ نے کہا میرے اندر جبار و سرکش داخل ہوں گے۔ بہشت نے کہا میرے اندر ضعفاء و مساکین داخل ہوں گے اللہ تعالیٰ نے دوزخ سے فرمایا تو میرا عذاب ہے تیری وجہ سے جس کے لئے چاہوں گا عذاب کروں گا اور بہشت کو فرمایا تو میری رحمت ہے تجھے جس پر چاہوں گا رحمت کروں گا لیکن تم دونوں کو پر کروں گا۔

فائدہ جسے یقین ہو کہ وہ بلند قدر اور کبریائی والا ہے تو طریقہ تواضع اختیار کرے گا اور عاجزی و انکساری کے راستے پر چلے گا۔

فائدہ بعض نے کہا کہ وہ فقیر جو اپنے پھٹے پرانے لباس میں ہے اس جدید لباس والے سے بہتر ہے جس نے عاریت کا پہنا ہے۔

فائدہ بعض دانش وروں نے فرمایا کہ جو خود کو ذلیل اور بیکار سمجھتا ہے اللہ تعالیٰ اس جیسی عزت کسی کو نہیں بخشتا اور جو خود کو معزز سمجھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ذلیل کرے گا۔

marfat.ocm

حکایت بعض فقراء نے فرمایا کہ میں نے طواف میں ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے آگے دو آدمی لوگوں کو ہٹا رہے تھے اس کے بعد میں نے اسے خواب میں دیکھا کہ وہ ایک موقف پر رو کا گیا۔ میں نے پوچھا تو کہا کہ جہاں میں نے عاجزی کرنی تھی وہاں تکبر کیا تو اس کی یہ سزا ملی کہ اب مجھے لوگ آنکھ اٹھا کر دیکھ رہے ہیں۔ جس سے میری ذلت ہو رہی ہے۔

عبد المتکبر کون؟ عبد المتکبر وہ بندہ ہے۔ جس کا حق تعالیٰ کے آگے تذلل و عاجزی سے تکبر مٹ گیا ہو یہاں تک کبریائی حق اس کے تکبر کے قائم مقام ہو پھر ماسوی اللہ پر حق کے ساتھ تکبر کرتا ہے غیر کے سامنے اسے عجز و نیاز اور انکساری کا موقعہ نہیں ہوتا بلکہ وہ غیروں کے آگے عجازی و انکساری کرتا ہی نہیں۔

امام غزالی قدس سرہ کی تقریر المتکبر بندہ زاہد اور عارف کا زہد یہ ہے کہ جو شے اسے حق سے مشغول رکھے اس سے منزہ اور اللہ تعالیٰ کے ماسوا باقی ہر شے پر تکبر کرے اور وہ دنیا و اخرت دونوں کو حقیر سمجھے بلکہ وہ اس سے بلند و بالا ہو کہ وہ دونوں اسے حق تعالیٰ میں مشغول رکھے۔ عارف کا زہد یہ بھی ہے کہ معللہ و معاوضہ میں سامان دنیا بیچ کر آخرت کا سامان خریدے اور نقد والی شے کو آنے والے وقت میں دوگنا ملنے کے طمع میں چھوڑ دے یہی بیع سلم ہے اور یہی وہ بیع ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے سے کرتا ہے۔ جسے کھانے پینے اور نکاح کی شہوت دور کر دے وہ حقیر ہے اور متکبر وہ ہے جو ہر شہوت اور لذت والی شے کو حقیر سمجھے اور لذت کے بارے میں یہ سمجھے کہ اس میں جانور وغیرہ بھی شریک ہے۔

خاصیت المتکبر یہ اسم مبارک جلالی ہے اسی سے خیر و برکت کا ظہور ہوتا ہے۔ جس نے اپنی زوجہ سے دخول سے پہلے یہ اسم مبارک دس بار پڑھ کر جماع کیا تو اللہ تعالیٰ صالح بچہ (لڑکا) عطا فرمائے گا۔ حضرت سہروری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس پر مداومت مسلسل پڑھنے والے کی قدر و منزلت اور عزت و مرتبہ بڑھتا ہے بلکہ اس کا کوئی بھی کسی وقت اور کسی حالت میں معاوضہ نہ کر سکے گا۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ اللہ تعالیٰ کو پاکی ہے ان کے شر سے تنزیہ اس کو اس سے جو وہ اس کے ساتھ

marfat.ocm

شریک ٹھہراتے ہیں یا ان کے شرک کرنے سے باوجود یہ کہ اتنا بڑی عظیم صفات سن چکے ہیں ان کو تو چاہیے تھا کہ وہ بہت بڑی صفات والے معبود کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہراتے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی تسبیح کرو اور اس کی بہت بڑی تنزیہ اس سے جو اس کے اس کی مخلوق کے ساتھ ٹھہراتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کبریائی کے اظہار کے لئے فرمایا ہے یا ان پر تعجب دلانے ک لئے کہ اتنی بڑی صفات اللہ تعالیٰ کی دیکھنے کے باوجود بھی اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ الخ میں اس کی وحدانیت ذات و فردانیت صفات اور اس کا تصرف فی الاشیاء بطریق اقتضائے حکمت ازلیہ کی طرف اور اسکی نزاہت از نقائص امکانیہ و وصف الامن بین العدم الحس بسبب تحقق بالوجود المطلق کی طرف اور حفظ الاشیاء اس کی عین مشیت میں اور اپنے اولیاء کے اعزاز و اقہر و ازلال اس کے اعداء کی طرف اور اس کے کمال کبریائی کی طرف جو جمیع مظاہر میں ظاہر ہے اور اس کی نزاہت اس سے جو اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں بمعنی اس کی ذات و صفات کی طرف اشارہ اور عرائس البقلی میں ہے کہ پاکی بیان کرو اس سے جو اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں نواظر و خواطر کے ساتھ۔

تفسیر عالمانہ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ وہی ہے اللہ تعالیٰ خالق (بنانے والا) یعنی مقتضائے حکمت پر اپنی مشیت کے مطابق تمام اشیاء کا مقدر کرنے والا۔

حل لغات اصل خلق بمعنی التقدیر ہے جیسے کہا جاتا ہے خلق النعل بمعنی قدرھا وسواھا بمقیاس جوتے کی مقدار صحیح اور درست بنائی۔ آلہ سے اگرچہ عام مشہور تخلیق (پیدا کرنا) ہے صحیح مقدار اور درست بنانے کے معنی میں مشہور ہو گیا ہے۔ مادہ سے ہو جیسے انسان کی تخلیق نطفہ سے وغیرہ وغیرہ مادہ کے جیسے آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق وغیرہ وغیرہ۔

تحقیق عبد الخالق عبد الخالق وہ بندہ ہے جو اشیاء کا مقدر کرے مشیت حق کے مطابق بوجہ اس پر تجلی حق کے ساتھ وصف خلق و تقدیر کے اور وہ جو مقدر کرتا ہے اسی (حق تعالیٰ) کے تقدیر کے مطابق کرتا ہے۔

marfat.ocm

خاصیت خالق اس اسم کا ورد آدھی رات یا اس کے بعد تھوڑی دیر کے بعد کیا جائے اس سے ذکر کرنے والے کا دل منور اور روشن ہو جائے گا اور اس کا چہرہ بھی نورانی ہو گا۔ اربعین الادریسیہ میں ہے کہ اس ورد کے الفاظ یہ ہیں۔

خالق من فی السموات ومن فی الارض وکل الیہ معاد

(وہ آسمان والوں اور زمین والوں کا پیدا کرنے والا اور سب کا اسی طرف ہے)

حضرت سہروردی قدس سرہ نے فرمایا کہ جس کی کوئی شے ضائع ہو جائے یا غائب ہو لیکن بہت دور ہوں کہ اس کے ملنے کا امکان بہت کم ہو تو پانچ ہزار بار پڑھیں الباری (پیدا کرنے والا) اشیاء کا پیدا کرنے والا کہ ان میں کسی قسم کا تفاوت بھی نہیں ہوتا (جیسے خود فرمایا)

ما تریٰ فی خلق الرحمن من تفاوت

(نہ دیکھو گے رحمن کی تخلیق میں کوئی تفاوت)

البرء بمعنی الایجاد ایسے طریق سے کہ اس کا موجد تفاوت ونقصان سے بری ہو اس سے جو تقدیر کا تقاضا ہے اس کی ایجاد اس کی حکمت بالغہ ومصلحت کاملہ پر ہے۔

عبدالباری کی تحقیق عبدالباری وہ بندہ ہے جس کا ہر عمل تفاوت واختلاف سے بری ہو وہ کوئی کام نہیں کرتا جو حضرت اسم باری کے مناسب نہ ہو پورے طور وہی کرتا ہے جو اس کے مناسب ہے اور وہ نقصان سے بری (بیزار) ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرمایا تا ماتری فی اخلق الرحمن من تفاوت

خاصیت الباری اس اسم مبارک کی خاصیت یہ ہے کہ اسے ہر روز ایک سو بار سات دن بلاناغہ پڑھنے سے آفات وبلیات سے سلامتی ہو گی نہ صرف تادم زیست بلکہ قبر کے اندر تک جب اس پر منوں کے ٹن مٹی کے ڈھیر ہوں گے۔ پاگل کے گلے میں لکھ کر تعویذ لٹکایا جائے تو اسے فائدہ ہو گا ایسے ہی جملہ سخت امراض کے لئے۔

المصور (ہر ایک کو صورت دینے والا) اشیاء کی صورتیں اور ان کی کیفیات اپنے ارادہ کے مطابق بنانے والا یعنی

marfat.ocm

جملہ مخلوق کو صورت بخشنے والا جیسے اولاد کی صورتیں ارحام کی شکل و رنگ مخصوص کے ساتھ بناتا ہے۔

التصویر صور متمیزہ و اشکال معینہ کی تخلیق سے مخصوص ہے۔ امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا الصورۃ وہ شے جو دوسری متعینہ اشیاء سے متمیز ہو محسوسہ ہو جیسے صورت الانسان یا معقولہ جیسے عقل وغیرہ اور معانی میں ہے۔

ان اللہ خلق ادم علی صورۃ کی تحقیق حدیث شریف میں ہے ان اللہ خلق ادم الخ بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر بنایا۔ اس حدیث شریف کے مطلب میں جاہل صوفیہ اور متجاہل وہابیہ کے درمیان نزاع رہتا ہے۔ اس کا ازالہ صاحب روح البیان کی تقاریر ذیل سے دور ہو سکتی ہیں بشرطیکہ انہیں نزاع دور کرنے کا ارادہ ہو وہ تقاریر مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ اس صورت سے وہ صورت مراد ہے جو ہیئت مدرکہ بالبصر و بالبصیرۃ سے انسان کے ساتھ مخصوص ہے اور جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی بہت سی مخلوق سے برگزیدہ بنایا ہے ہاں یہ اضافت (صورتہ میں) تشریفی ہے علی سبیل الملک ہے نہ علی طریق البعضیت والتشبیہ یعنی اس اضافت سے نہ تو انسان اللہ تعالیٰ کا جزو ثابت ہوتا ہے نہ یہ اللہ تعالیٰ کی کوئی صورت ہے جو اس سے انسان کو مشابہت دی گئی ہے بلکہ یہ اضافت محض انسان کی تکریم و تشریف و اعزاز کے پیش نظر ہے تاکہ معلوم ہو کہ مخلوق میں سے اس کی ملک میں انسان کیسا مشرف و مکرم ہے اور اس کی مثال عام مشہور عبارات ہیں جیسے بیت اللہ و ناقۃ اللہ و روح اللہ (ایسے ہی نبی اکرم ﷺ کے لئے نور اللہ مخالفین بیت اللہ و روح اللہ و ناقۃ اللہ برداشت کر جاتے ہیں لیکن افسوس کہ ان سے محمد نور اللہ ﷺ برداشت نہیں ہوتا (واللہ اعلم کیوں) (اویسی غفرلہ)

۲۔ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ ضمیر مجرور (صورتہ) میں اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے نہ کہ آدم علیہ السلام کی طرف اور صورت الٰہیہ سے سبع (۷۰) ستر مراد ہے۔

۱۔ حیات ۲۔ علم ۳۔ ارادہ ۴۔ قدرت ۵۔ سمع ۶۔ بصیر ۷۔ کلام

حضرت آدم علیہ السلام ان صفات کے بالفعل مظہر ہیں بخلاف باقی موجودات کے۔

marfat.ocm

۳۔ صورت کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر مجازاً ہے (اہل ظاہر کے نزدیک) کیونکہ اس کا اطلاق فی الحقیقت صرف محسوسات پر ہوتا ہے لیکن اہل حقیقت کہتے ہیں صورت کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر مبنی بر حقیقت ہے کیونکہ عالم کبیر تمام کا تمام حضرت الٰہیہ (فرقاً و تفصیلاً) کی صورت ہے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام (جمعاً و اجمالاً) اس کی صورت ہے۔

اے زہمہ صورت خوب تو بہ صورک اللہ علی صورتہ
روئے تو آئینہ حق بینی است در نظر مردم خودبینی منہ
بلکہ حق آئینہ و تو صورتی وہم گوئی را میاں رہ علاہ
صورت از آئینہ نباشد جدا انت بہ متحد فانتبہ
ہر کس کہ سر رشتہ وحدت نیافت پیش دے ایں نکتہ بود مشتبہ
رشتہ یکے واں وگرہ صد ہزار کیست کزیں نکتہ کشاید گرہ
ہر کہ چو جامی بگرہ بند شد گم بسر رشتہ ودمازبہ

ترجمہ ۱ اے کہ تیرے صورت تمام سے خوب ہے اللہ تعالیٰ نے تیری صورت اپنی صورت بنائی ہے۔

۲۔ تیرا چہرہ حق بینی کا آئینہ ہے خودبیں لوگوں کی نظر میں یہ آئینہ نہ رکھ۔

۳۔ بلکہ حق آئینہ ہے اور اصل صورت تو ہے لیکن وہم کو اس کے درمیان میں راہ نہ دے۔

۴۔ صورت آئینہ سے جدا نہیں ہوتی تو اس کے ساتھ ہے ہوشیار ہو۔

۵۔ جس نے وحدت کے دھاگہ کا سر نہ پایا اس کی نظروں میں یہ نکتہ کی گرہ کھولے۔

۶۔ دھاگہ ایک مان لیکن اس کی گرہیں ہزاروں ہیں کون ہے جو اس نکتہ کی گروہ کھولے۔

۷۔ جو بھی (حضرت جامی (رحمتہ اللہ علیہ) کی طرح گروہ کے ساتھ مقید ہوا اگر وہ دھاگہ کے سر کے ساتھ چلا جائے تو بہتر ہے۔

تحقیق اویسی حدیث مبارک ان اللہ خلق ادم علی صورتہ کی صاحب روح البیان قدس سرہ نے

(بقیہ حاشیہ آگے)

marfat.ocm

دو توجیہیں بیان فرمائی ہیں ایک تیسری توجیہہ فقیر اویسی غفرلہ عرض کرتا ہے یہ ان سے آسان تر اور مخالفین و موافقین کے اذہان کے قریب تر ہے وہ یہ ہے کہ صورت کی ضمیر ان اللہ کے لفظ اللہ کی طرف راجع ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو لفظ اللہ کی صورت میں بنایا ہے اس کی تفصیل آتی ہے یہ توجیہہ موزوں بھی ہے کہ کل قیامت میں کافروں کی اس صورت کے خلاف بنا کر جہنم میں ڈالا جائے گا کماقال وبدلناھم جلودا غیرھا لیذوقوا العذاب اسی لئے شریعت محمدیہ میں فوٹو حرام ہے اس لئے کہ اس میں لفظ اللہ کی بے حرمتی ہے۔

حکایت ایک انگریز نے لاہور کی انار کلی بازار میں گھومتے ہوئے دیکھا کہ اس کے کسی بڑے بزرگ کی تصویر کی بازار میں بے حرمتی ہو رہی ہے۔ اس نے کہا کاش ہمارا مذہب 'مذہب اسلام سے کچھ سیکھ لیتا کہ بانی اسلام حضرت محمد ﷺ نے تصویر کشی سے روکا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی تصویر نہیں ہے اور نہ ہی ان کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ فقیر اویسی غفرلہ نے رسالہ سوء التعریز میں ایک نکتہ لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا فرما کماقال علیہ السلام ان اللہ خلق ادم علی صورتہ یعنی بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم انسان کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا۔ آپ انسان کو ہر عضو پر نہایت غور سے دیکھیں گے تو لفظ "اللہ" کی تجلی نظر آتی ہے مثلاً انسان کے قد کو ملاحظہ فرمایئے۔ ہاتھ (جسم ہاتھ پھر خود ہاتھ کو دیکھئے خنفر وسطی سبابہ انگشت وغیرہ وغیرہ میں ذات الٰہی کی جھلک مشاہدہ فرمایئے۔ اسی لئے اسے کہا گیا ہے الانسان سری وانا سرہ انسان میرا راز ہے اور میں اس کا راز ہوں پھر چہرہ میں تو خصوصیت سے بلفظ اللہ منقوش ہے۔ مثلاً آبرو نہایت غائر نظر سے دیکھیں تو نظر "اللہ" کا جلوہ انسان کے چہرہ ہے کہ انسان کے چہرہ پر ہی انسانیت کا دارومدار ہے اور چہرہ کا حسن تمام اعضاء کے حسن کا مرکز ہے اسی لئے شرعاً بھی چہرہ کی فوٹو کی ممانعت ہے تاکہ اس کے کھنچوانے کے بعد حضرت حق تعالیٰ کے مظہر خاص کی تحقیر نہ ہو کاش کہ اس راز کو ہمارے عوام سمجھتے بلکہ خواص کو اس طرف توجہ ہوتی تو کبھی حضرت حق کی توہین نہ ہوتی۔

سوال صرف انسان ہی مظہر حق ہے پھر تو انسان ہی کی تصویر حرام ہو حالانکہ شرعاً تو ہر ذی روح شے کی تصویر

(حاشیہ جاری)

marfat.ocm

حرام ہے۔

جواب اس میں تو الٹا تصویر کی حرمت پر مزید تاکید ہے کہ شرع مطہرہ نے کہ مظہر حضرت سے جس شے کی تھوڑی سی مشابہت دیکھی تو اس کی تصویر بھی حرام کر دی۔ چونکہ حیوانات کے چہرے انسان کے چہرہ سے ملتے جلتے ہیں اس لئے حضرت انسان کی شرافت کو مد نظر رکھ کر تمام حیوانات کے چہروں کی تصویر کو بھی حرام فرمادیا۔ فوٹو کے متعلق مزید تحقیق و تفصیل فقیر کے رسالہ "سوء التعزیز فی تصویر التصویر" میں دیکھئے۔

فوٹو بازوں کے لئے وعید کی احادیث اگرچہ دور حاضرہ میں کسی کو فوٹو جیسے گناہ سے بچنے کی تلقین کرنا خود کو ایک بہت بڑے رکھ اور تکالیف اور پریشانیوں میں مبتلا کرنا ہے کیونکہ ہمارے دور میں فوٹو کا رواج اس قدر عام ہو گیا ہے کہ اگر مثل مردم شماری تصویر شماری کی جائے تو تمام دنیا کی انسانی آبادی سے کئی گناہ زیادہ تصویروں کی تعداد پائی جائے گی سوا معدودے چند متقی مسلمانوں کے گھروں کے تمام دنیا کے ہر گاؤں ہر قصبہ ہر شہر کے ہر گھر میں کوچوں میں سڑکوں میں حتی کہ پبلک پاخانوں کی دیواروں پر بھی تصاویر پائی جاتی ہیں مدرسوں، کالجوں، سرکاری دفاتر، ریل کے سٹیشنوں میں تصویریں موجود ہیں بازاروں دکانوں میں اخباروں اور جریدوں میں طلبہ کی درسی کتب میں تصویریں موجود ہیں بعض جریدوں اور ملکی و جنبی رسالوں میں مردوں عوتوں کی قریباً ننگی تصاویر بھی شائع ہوتی رہتی ہیں اور ایسی ہی بے حیاء تصاویر سینما کے پردوں پر بنائی جاتی ہیں جن کا بدترین اثر نوجوانوں کے اخلاق پر پڑ رہا ہے (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ)

احادیث نبویہ فقیر ذیل میں چند احادیث صحیح اور احکام شرعیہ پیش کرتا ہے جن سے تصویر کی سخت حرمت اور تصویر والے مکان میں رحمت الٰہی کے فرشتے ہرگز داخل نہ ہونے کا ثبوت اور تصویر بنانے والے اور تصویر بنوانے والے کے نار جہنم کے وارث ہونے کا ثبوت ظاہر ہو گا۔ واللہ المستعان۔

۱۔ صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سعید ابن الحسن رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے کہ ایک شخص حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا (تصویر بنا کر) عرض کیا میں نے یہ تصویر بنائی ہے اسی

(جاری ہے)

marfat.ocm

بلا کے متعلق فتویٰ کیا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا میں نے حضرت رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔

کل مصور فی النار یجعل اللّٰہ بکل صورۃ صورھا نفسا تعذبہ فی جھنم

(تمام مصورین نار جہنم میں داخل کیے جائیں گے اور ہر تصویر کے بدلے اللہ ایک مخلوق پیدا کرے گا جو جہنم میں تصویر بنانے والے کو عذاب دے گی۔

اور صحیح بخاری میں یہ الفاظ ہیں وقال ان کنت لا بد فاعلا فاصنع الشجر ومالا نفس لہ اور فرمایا کہ اگر تجھے یہ فعل مصوری لازم ہے تو درختوں اور بے جان والی اشیاء کی تصویر بنا سکتا ہے۔

۲۔ صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الزین یصنعون ھذا الصور یعذبون یوم القیامتہ یقال لھم احیوا ما خلقتھم (یہ تصویر بنانے والے قیامت کے دن عذاب پائیں گے ان کو حکم ہو گا تم نے جو تصویریں بنائیں اب ان میں جان بھی ڈالو)

۳۔ صحیحین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اشد الناس عذابا یوم القیامتہ المصورون قیامت کیدن مصورین بہت سخت عذاب پانے والے ہوں گے۔

۴۔ ترمذی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الصورۃ فی سلبیت ونھی ان یصنع ذالک فرمایا رسول اللہ ﷺ نے گھر میں تصویر رکھنے سے منع فرمایا ہے اور تصویر بنانا بھی منع فرمایا ہے۔

۵۔ مسند ابوداؤد اور ترمذی ونسائی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتانی جبریل فقال اتیتک البارحتہ فلم یمنعنی ان اکون دخلت الا انہ کان علی الباب تماثیل کان فی لا بیت قرام ستر فیہ

(جاری)

marfat.ocm

(ترمذی)

تماثیل وکان فی البیت کلب فموبراس الف اثیل الذی فی البیت یقطع فیصیر
کھیته الشجرة ونر بسلتر فلیقطع فلیجهل منه وسادتان منبر ذتان توطان
ومر بالکلب فلیخرج ففعل رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم واذا الکلب لحسن
اوحسین کان تحت نضدلهم فاربه فاخرج

ترجمہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جبریل علیہ السلام آئے اور عرض کیا کل شام آپ کے پاس حاضر ہوا۔ لیکن مجھے روکا داخل ہونے سے وہ دروازہ پر جو تصویریں ہیں اور گھر میں کتا ہے پس حکم فرماؤ کہ گھر میں جو تصاویر ہیں ان کے سر مٹائے جائیں تاکہ درختوں کی طرح باقی رہیں اور حکم فرماؤ کہ گھر میں پردہ کو کاٹ کر اس سے گندیاں نیچے بچھانے کی اور (پیروں سے) پامال کئے جانے کی بنا دیں اور حکم فرماؤ کتا نکال دیں۔ پس ایسا ہی فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ نے اور کتا حضرت حسن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تھا ان کی چارپائی کے نیچے۔

۶۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے امام مسلم نے روایت کی ہے۔

قالت دخل علی النبی صلی اللہ علیه وسلم وقد سترت سھوة لی بقررام فیه
تماثیل فلما راه ھتکه وتلون وجهه وقال یا عائشته اشد الناس عنابا یوم القیمته
الزین یضاھون یخلق اللہ قالت عائشته فقطعناه محعلنا عنمو سادة او وسادتین

ترجمہ فرمایا ہے عائشہ رضی اللہ عنہا نے میرے پاس تشریف لائے نبی ﷺ اور میں نے اپنے در پر ایک باریک پردہ ڈالا تھا جس پر تصاویر تھیں۔ جب آپ نے اس کو دیکھا تو پھاڑ دیا اور آپ کا چہرہ متغیر ہوا اور فرمایا "عائشہ قیامت کے دن سخت عذاب پائیں گے اللہ کی مخلوق جیسی صورتیں بنانے والے"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ تب اس کے ٹکڑے کئے میں نے اور بیٹھنے کے لئے ایک یا دو گدیاں بنا لیں۔

۷۔ بخاری و مسلم میں حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایت ہے کہ۔

"ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرمایا۔ میں نے ایک تصویر دار تکیہ خریدا۔ جب رسول اللہ نے اس

(جاری)

marfat.ocm

خلاصہ یہ کہ خالق وہ جو نظام عالم کے مناسب اپنی حکمت سے اس کا مقدر بنانے والا ہے اور موجد اسی تقریر پر ایجاد کرنے والا اور المصور صور کائنات و اشکال محدثات از سر نو بنانے والا اسی طریق سے ان پر ان کے خواص مرتب ہوں اور ان کا ساتھ کامل عمل ہو اس سے ان اسماء کی آپس کی ترتیب بھی معلوم ہو گئی کہ التصویر البر کو اور البراء الخلق کو ایسے مستلزم ہے جیسے موقوف موقوف علیہ کو مستلزم ہے جیسے امام غزالی قدس سرہ نے فرمایا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ اسماء مترادفہ ہیں اور سب کا مرجع خلق و اختراع ہے لیکن لائق یہی ہے کہ ترادف کا قول نہیں کرنا چاہئے بلکہ یوں کہا جائے کہ جو شے عدم سے وجود کی طرف آتی ہے وہ سب سے پہلے تقدیر کی محتاج پھر علی وفق التقدیر ایجاد کی پھر ایجاد کے بعد تصویر کی اور اللہ تعالیٰ خالق ہے بایں حیثیت کہ وہ مخترع ہے موجد ہے اور مصور ہے بایں حیثیت کہ وہ

کو دیکھا دروازہ پر کھڑے رہے اور اندر داخل نہیں ہوئے اور آپ کے چہرہ پر کراہت پائی۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ توبہ کرتی ہوں اللہ کی جانب اور توبہ کرتی ہوں رسول اللہ ﷺ کی جانب آپ نے کیا خطا معلوم فرمائی۔ فرمایا کس لئے ہے یہ تکیہ؟ عرض کی خریدا ہے میں نے اس پر آپ کے بیٹھنے یا ٹیک لگانے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تحقیق یہ تصویر بنانے والے عذاب پاویں گے روز قیامت ان کو کہا جائے گا زندہ کرو جن کو تم نے بنایا ہے اور فرمایا فرشتے داخل نہیں ہوتے جس گھر میں تصویر ہو۔

۸۔ مسند ابو داؤد میں روایت ہے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے۔

قالت دخلت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الکعبتہ ورای صور افدعا دلوا من ماء فاتیتہ بہ فجعل یمحوھا ویقول قاتل اللہ قوما یصورون مالا یخلقون

ترجمہ میں گیا رسول اللہ ﷺ کے پاس (فتح مکہ مکرمہ کے دن) جب کہ کعبتہ اللہ شریف میں تھے۔ آپ نے وہاں تصویریں دیکھ کر مجھے ایک ڈول پانی کا لانے کے لئے فرمایا جو میں لے آیا تب آپ انہیں مٹانے لگے اور فرمایا اللہ تعالیٰ اس قوم کو غارت کرے جو ایسی تصاویر بناتی ہے۔ جن کو وہ زندہ نہیں کر سکتی۔

مذکورہ احادیث شریفہ مشتے نمونہ از خروارے ہیں جو ہماری ہدایت کے لئے کافی ہیں۔ (اویسی غفرلہ)

marfat.ocm

مخترعات کی صور کی احسن ترتیب دینے والا ہے اسے بلڈنگ کی تعمیر کی طرح سمجھو کہ پہلے وہ مقدر کا محتاج ہے کہ وہ اندازہ کرے گا کہ اس پر اتنی لکڑی اتنی اینٹیں اتنی زمین کا رقبہ (۵ مرلے، سات مرلے کنال وغیرہ) اور اتنا کمرہ اتنا طول اتنا عرض اور یہ اندازہ مہندس بتائے گا اس کا وہ نقشہ بنائے گا اور نقشہ میں بلڈنگ کا پورا ڈھانچہ (خیالی) دکھلائے گا۔ پھر یہ بلڈنگ مستری کی محتاج ہو گی وہ اسے اپنے راج سے مل کر ایک عرصہ کے بعد مکمل کرے گا پھر یہ بلڈنگ مزین (نقش و نگار کرنے والا) کی محتاج ہے کہ وہ اس کے ظاہر کو آراستہ کرے گا۔ یہ منقش اس مستری کا غیر ہے (یہ کام اگر ایک ایسا شخص کرے گا تو بھی ہم اسے حقیقیات کے اعتبار سے مختلف کہیں گے) لیکن اللہ تعالیٰ کے افعل کسی ایک کے افعال کے محتاج نہیں وہ خود مقدر خود موجد خود مزین ہے اسی لئے ہم کہتے ہیں وہ الخلق الباری المصور ہے۔

نکتہ الخالق کی الباری پر تقدیم اس لئے ہے کہ ارادہ تقدیر تاثیر القدرت پر مقدم نہیں لور الباری کی المصور کی تقدیم اس لئے ہے کہ ایجاد الذات ایجاد الصفات پر مقدم ہے۔

فائدہ حضرت حاطب بن بلتعہ رضی اللہ عنہ، سے المصور کا بفتح الواؤ و نصب الراء پڑھنا مروی ہے یعنی وہ جو مصور (بنائی ہوئی شے) کو متمیز کرے ہیئات کے تفاوت لور اشکال کے اختلاف سے۔

عبدالمصور کی تحقیق عبدالمصور وہ بندہ ہے جو کوئی تصور نہ کرے لور نہ ہی کوئی خیال اس پر مسلط ہو سوائے حق کے اور اس کا تصور اسی کے موافق ہو کیونکہ اس کا ہر فعل اس کی مصوریت سے صادر ہوتا ہے اسی لئے بعض مشائخ نے فرمایا کہ عارف کا ان اسماء (الخالق الباری المصور) سے حظ یہ ہے کہ وہ کسی شے نہ دیکھے لور نہ ہی تصور کرے مگر اس میں غور و فکر کر کے فیصلہ کرے کہ یہ ماہر القدرۃ و عجائب الصنع سے ہے اسی لئے ایسا عارف مخلوق سے ترقی کر کے خالق تک پہنچ جاتا ہے یہاں تک کہ اب اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ جس شے کو دیکھتا ہے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو پاتا ہے۔

خاصیت المصور اس اسم کی خاصیت ہے اعانت بر صنائع عجیبہ و ظہور ثمار وغیرہ یہاں تک بانجھ عورت اسے روزہ کی حالت میں سات دن مسلسل (بلاناغہ) غروب شمس کے بعد افطار سے پہلے اکیس بار پڑھے تو اس عورت کا بانجھ

marfat.ocm

ختم ہو جائے گا بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ حاملہ ہو گی اور اس کے ہاں بچہ یا بچی پیدا ہو گی۔

لہ الاسماء الحسنیٰ اس کے ہیں سب اچھے نام۔ اس لئے کہ وہ معانی حسنہ پر دلالت کرتے ہیں۔ جیسے سورۃ طٰہٰ میں گزرا۔

فائدہ کاشفی نے فرمایا کہ اس کے ہیں نام اچھے کہ شرعاً و عقلاً پسندیدہ ہیں۔

حل لغات **الحسنیٰ** صیغہ تفضیل احسن کی تانیث ہے جیسے علیا اعلیٰ کی تانیث ہے اس سے زیادتی مطلق مراد ہے کیونکہ افضلیت کی نسبت اللہ تعالیٰ کے لئے ناموزوں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اسماء سے غیر اسماء کو کیا نسبت جیسے اس کی ذات علی سے کسی کو کوئی نسبت نہیں ایسے ہی اس کے اسماء (وصفات و افعال) کو سمجھئے۔

فائدہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء مشہور ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

چار (۴۰۰۰) ہزار اسمائے الٰہی صاحب اللباب امام فخرالدین رازی رحمتہ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں فرمایا کہ میں نے بعض کتب الذکر میں دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ چار ہزار (۴۰۰۰) ہیں ایک ہزار قرآن و احادیث صحیحہ میں ہیں ایک ہزار تورات میں ایک ہزار انجیل میں ایک ہزار زبور میں۔

دعائے رسول اللہ ﷺ حضور نبی پاک ﷺ کی ادعیہ مبارکہ میں سے ایک دعا یوں تھی۔

اسئلک بکل اسم سمیت بہ نفسک وانزلتہ فی کتابک وعلمتہ احد من خلقک او استاثرت بہ فی علم الغیب۔

(تیرے ہر اس اسم کے طفیل مانگتا ہوں جو تو اپنے نام اپنے لئے مقرر فرمائے ہیں یا وہ اپنی کتاب میں نازل کئے ہیں یا اپنی مخلوق میں کسی کو بتائے ہیں یا علم غیب خاص میں مخفی رکھے ہیں۔

فائدہ امید ہے وہ وہی ننانوے نام ہیں جو تمام دیگر اسماء میں مشہور اور مشرف اور جامع ہیں اور تعدد الاسماء تعدد المسمی پر دلالت نہیں کرتا اسی لئے کہ ایک ہی انسان ایک حیثیت سے باپ ہے دوسری حیثیت سے دادا ہے اور

marfat.ocm

حیثیت سے ماموں ہے اور حیثیت سے عالم ہے وغیرہ وغیرہ حالانکہ اسماء متعدد ہیں لیکن ذات ایک ہے (ایسے ہی بلا تمثیل اللہ تعالیٰ کے لئے سمجھئے)

استجابتہ الدعاء کا نسخہ اکسیر حضرت عبدالرحمن بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے ترویح القلوب میں لکھا کہ دعا کے قبول ہونے میں ایک مخفی راز ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ میں سے کسی ایک اسم کو لے کر اس کے اعداد نکال کر (بحساب ابجد) مثلاً اکبر المتعال اللہ تعالیٰ کا نام مبارک ہے ابجد کے حساب کے وقت ان دونوں الف ولام چھوڑ کر باقی کے اعدد نکال کر جمع کر کے کسی خلوت خانے میں اسی اسم (کبیر متعال) کو انہی جمع کردہ اعداد کی گنتی پر زور زور سے پڑھ ان شرائط کے ساتھ جو اہل خلوت کے ہاں مشہور ہیں لیکن ان اعداد پر کوئی ایک عدد بھی زائد و کم نہ ہو تو دعا اسی وقت مستجاب ہو گی۔ یہ باذن اللہ تعالیٰ کبریت احمر ہے۔

انتباہ ہم نے زیادتی اور کمی نہ ہونے کی شرط اس لئے لگائی ہے کہ زائد میں اسراف ہے اور کمی میں اخلال (خلل اندازی) اور اسمائے الٰہی ذکر میں اعداد (ابجد کے حساب سے) بمنزلہ چابی کے دندانے کے ہیں اور تمہیں معلوم ہے کہ چابی کے دندانے زائد ہوں تب بھی تالا نہیں کھلتا کم ہوں تب بھی اسی طرح باب الاستجابت ہے اعداد کا اعتبار سمجھئے اس راز کو سمجھ اور اس موتی کی حفاظت کر۔

فائدہ اہل معرفت اسماء میں آلۂ تعریف (الف ولام) کا لحاظ کرتے ہیں لیکن ملامیہ (اولیا کا ایک گروہ) آلۂ تعریف کو ساقط کرتے ہیں کیونکہ وہ کلمہ پر ایک زائد شے ہے۔

فائدہ علماء کرام نے فرمایا اسم وہ لفظ ہے جو معناً موضوع لۂ پر دلالت کرتا ہے۔ المسمی وہی موضوع رہے اور التسمیہ کی وضع معنی کے لئے یا لفظ کا اطلاق معنی کے لئے۔

مسئلہ اسماء کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے لئے توفیقی ہے بعض کے نزدیک یعنی ہر وہ اسم اللہ تعالیٰ پر اطلاق کیا جاسکتا ہے جو قرآن وحدیث صحیح میں وارد ہو۔

marfat.ocm

مسئلہ بعض نے کہا کہ وہ لفظ جو اللہ تعالیٰ کے جلال و کمال اور شان پر دلالت کرے اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز ہے اگر اس میں جلال و شان نہیں تو پھر ناجائز ہے۔

دلائل دو گروہ کے پہلے گروہ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں کسی کو شک نہیں اسی لئے اسے عالم علیم و علام کہا جا سکتا ہے کہ یہ اسماء شرع میں وارد ہیں لیکن ایسے عارف یا فقیہ یا متیقین (یقین والا) وہ نہیں کہیں گے کیونکہ یہ اسماء شرع میں وارد نہیں حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کے علم و کمال پر دلالت بھی کرتے ہیں دوسرے گروہ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء عربی کے علاوہ دوسری زبانوں میں بھی ہیں مثلاً فارسی ہندی ترکی وغیرہ حالانکہ وہ اسماء قران و حدیث صحیح میں وارد نہیں۔ اور نہ ہی کسی دوسری اخبار و آثار میں ان کا ورود ہے حالانکہ ان اسماء کے اطلاق کے جواہر پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ اس کے لئے اچھے نام ہیں تو ان سے اسے پکارو (اللّٰہ الاسماء الحسنی فادعوابھا) یہ دلیل ہے اس بات کی ہے جو اسم اس کی صفات کمال و نعوت جلال پر دلالت کرے گا اس کا اس کے لئے اطلاق جائز ہوگا کیونکہ اسم کا لفظی تو کوئی فائدہ نہیں جب تک کہ اس میں معنی کی رعایت نہ ہو جب معانی صحیح ہوں تو پھر اس کے اللہ تعالیٰ کے اطلاق سے روکنا کوئی وزن نہیں رکھتا۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا ہے کہ اس اسم کو اللہ تعالیٰ کے لئے اطلاق کو بدعت کہہ سکتے ہیں۔ (اور یہ بدعت حسنہ کے قبیل سے ہوگی اسی لئے اللہ تعالیٰ کو خدا پرودگار پالنہار (ہندی) پالنے والا) وغیرہ کہا جاتا ہے۔ اور وہ جو کہا گیا ہے کہ ادب کے خلاف ہے کہ غیر وارد الشرع اسم کو اللہ تعالیٰ کے لئے اطلاق کرنا یہ صرف وہم ہی ہے ہاں اگر اس کی شان کے لائق نہ ہو تو ایسا اطلاق ہمارے نزدیک بھی ادب کے خلاف ہے لیکن وہ اسم جو حسن و کمال پر دال ہے اور اس کے معنی میں ابہام بھی نہیں اور نہ ہی کوئی اس میں کوئی شرعی قباحت محسوس ہوتی اور نہ ہی ایسا اسم ہے کہ اس کے بولنے سے کسی کو نفرت پیدا ہوتی ہے۔ تو ایسے اسم کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے لئے بے ادبی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا[1]۔

[1] (خلاصہ یہ کہ گروہ دوم حق پر ہے اور اسی پر دور حاضر میں تقریباً اکثر فرقوں کا اتفاق ہے۔ اویسی غفرلہ)

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اس کی پاکی بیان کرتا ہے جو کچھ اسمانوں اور زمین میں ہے) بولتا ہے اس کی تنزیہ جمیع نقائص سے بولنا ظاہر ہے۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ اس کی تسبیح جمیع اشیاء بولتی ہیں یا بیان سے اور بولنے سے یا برہان خلق سے اس کی تحقیق بار بار گزری ہے جمہور محققین کہتے ہیں کہ اس میں تسبیح عبارت مراد ہے۔ لیکن تسبیح اشارہ اس کے منافی نہیں اور نہ اس کے برعکس۔

وھو العزیز الحکیم اور وہی عزت و حکمت والا ہے تمام کملات کا جامع ہے کیونکہ وہ باوجود تکثر و تشعب کے کمال فی القدرت والعلم کی طرف راجع ہیں۔

تقریر امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ الحکیم بمعنی ذوالحکمت (حکمت والا) الحکمتہ سے مراد اجل العلوم سے افضل الاشیاء کی معرفت ہے۔ اور اہل الاشیاء اللہ تعالیٰ اور اہل العلوم علم ازلی دائمی ہے جس کے زوال کا تصور نہیں کیا جا سکتا اسی لئے ہم کہہ سکتے ہیں اللہ تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو جمیع الاشیاء کا علم رکھتا ہو لیکن بقدر طاقت بشریہ اللہ تعالیٰ کو نہیں جانتا ہم اسے حکیم نہیں کہیں گے اور جو اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتا ہے وہ حکیم ہے اگر علوم اسمیہ میں ضعیف القوۃ ہو کند زبان قاصر البیان ہو لیکن بندے کی حکمت کو اللہ تعالیٰ کی حکمت سے نسبت وہی ہے جو اس کی معرفت بذات اقدس کو خود ذات حق کو اپنی معرفت سے نسبت ہے تو یہی کہا جائے گا کجا حکمت عبد کجا حکمت رب ایسے ہی کہیں گے کہاں معرفت عبد کہاں معرفت حق بذات خود۔

ع فرقیست از کجا تا کجا

باوجود یہ کہ بندے کی معرفت کو معرفت ذات حق سے کوئی نسبت نہیں لیکن پھر بھی اس بندے کی معرفت کو نفیس ترین و خیر و بھلائی کے لحاظ اکثر و اعلیٰ تصور کیا جائے گا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَمَنْ يُّؤْتِ الْحِكْمَتَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا وَمَا يَذَّكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَاب

marfat.ocm

(اور جو حکمت دیا جاتا ہے وہ خیر کثیر سے نواز جاتا ہے اور نہیں نصیحت حاصل کرتے مگر عقل والے)

تحقیق عبدالحکیم بندہ حکیم وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ اشیاء میں مواقع الحکمتہ دکھائے اور قول میں سداد کی توفیق اور عمل میں صواب کی یہ وہی ہے کہ جہاں خلل پاتا ہے اسے صحیح کرتا ہے اور جہاں فساد دیکھتا ہے اصلاح کرتا ہے۔

خاصیت الحکیم اس اسم میں مصائب اور پریشانیوں کے دور کرنے اور حکمت کے باب کھولنے میں دخل ہے جو اس کا اکثر ورد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے دفع کرتا ہے وہ مصائب اور پریشانیاں جن سے وہ خوفزدہ ہے اور اس کے لئے حکمت کے دروازے کھول دے گا۔

فائدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مدائح ان صفات سے اس لئے کئے تاکہ بندوں کو اس کی مدح و ثناء کا طریقہ معلوم ہو جائے بعد ان کے فہم معانی کے اور معرفت اس کے استحقاق ان اوصاف کے اس سے بندوں کو اس کے قرب کا شوق پیدا ہو گا۔

سوال ابو اللیث رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں لکھا کہ اگر کوئی مسائل سوال کرے کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا کہ فَلَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ اپنے نفسوں کی پاکیزگی ظاہر نہ کرو۔ اسمیں خود ثنائی سے روکا گیا ہے پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ بندوں کو تو خود ثنائی سے روکا لیکن خود اپنی جگہ جگہ تعریف کی؟

جواب ۱ بندے میں کتنا ہی زیادہ نیک خصائل ہوں لیکن پھر بھی بندہ ہے اور وہ ناقص ہے اور جب وہ ناقص ہے تو اسے جائز نہیں کہ وہ اپنی مدح سرائی کرے اور اللہ تعالیٰ تام الملک والقدرۃ ہے اسی لئے وہ مدح و ثناء کا مستحق ہے اور اسے خود ثنائی بھی جائز ہے تاکہ بندے معلوم کر کے اس کی اسی طرح تعریف کریں جیسے اس نے اپنی تعریف خود فرمائی ہے۔

جواب ۲ بندے میں اگرچہ نیک خصائل بکثرت ہوں لیکن یہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہے بندے کی ذاتی قوت کو اس میں کوئی دخل نہیں اسی لئے اسے جائز نہیں کہ وہ خود ثنائی کرے اس کی نظیر قرآن مجید میں موجود ہے

marfat.ocm

کہ فرمایا کہ کسی پر احسان کرے اس کو احسان نہ جتلاؤ لیکن بندوں کو اپنے احسانات خوب جتلائے ہیں ایک بار نہیں بار بار۔ ـه

مسئلہ بعض مشائخ کبار نے فرمایا انسان کو خود سرائی سم قاتل ہے یہ بھی شملت زور کے قبیل سے ہے کیونکہ وہ اپنے مقام سے بے خبر ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں کتنا مقام حاصل ہے۔

مسئلہ مصلحت دینیہ کے پیش نظر خود ستائی (بقدر ضرورت) جائز ہے جیسے حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا۔

اناسیدولدادم یوم لقیمتہ ولافخر (میں قیامت میں اولاد آدم کا سردار ہوں گا۔ اور یہ فخر سے نہیں کہہ رہا۔ یعنی میں اپنی سیاوت تمہیں جتلانا نہیں چاہتا کیونکہ میرا فخر تو میری عبودیت ہے ہاں فخر صرف ایک ذات کو لائق ہے وہ ذات پاک اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے۔

مسئلہ انسان کے لئے فخر کے مراتب میں مثلاً کہا جاسکتا ہے کہ علم جہل سے افضل ہے وغیرہ۔

مسئلہ مخفی نہ رہے کہ یہ رتبے نسبت عدمیہ ہیں جس نے فخر کیا تو اس نے عدم سے فخر کیا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک ﷺ کو حکم فرمایا ہے کہ۔

قل انما انا بشر مثلکم (کہہ دیجئے کہ میں تو تمہارے جیسا بشر ہوں)

اس میں نبی پاک ﷺ نے اپنی ذاتی طور پر کوئی فضیلت نہیں دیکھی لیکن بعد شرافت کا ذکر فرمایا کہ یوحی الی میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

انتباہ عام انسان پر لازم ہے کہ وہ دو بحثوں میں نہ پڑے ان کا علم اللہ علیم و خبیر پر چھوڑ دے۔

۱۔ صفات ثابتہ باری تعالیٰ یہ بحث علماء کرام میں عرصہ سے زیر بحث ہے کہ کیا وہ صفات موجود موجود مستقل ہیں جو ذات باری تعالیٰ کی ذات کی غیر ہیں یا نہ بعد ان پر ایمان لانے کے کہ یہ صفات باری تعالیٰ کی ہیں اور وہ ان سے موصوف ہے اور یہ صفات کاملہ ہیں اور اس کی دائمی ہیں۔

marfat.ocm

مہ مشائخ (طریقت) کے درمیان اختلاف ہے کہ وجود صرف ایک ہے اور وہ اللہ سبحانہ اور باقی موجودات اس کے مظاہر ہیں ان کا مستقل طور پر کوئی وجود نہیں یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کا ایک زائد وجود ہے اس کی ذات سے جو اس ذات کو واجب ہے یہ ذات اسی وجود کی مقتضی ہے اور اللہ تعالیٰ کا غیر یعنی موجودات کے اپنے اپنے وجود ہیں جو وجود الٰہی کے غیر ہیں کیونکہ وہ واجب الوجود ہے (اور باقی ممکن الوجود یا ممتنع الوجود) یہ بحث طویل ہے ان کے درمیان عرصہ سے اختلاف ہے اسی طرف عوام کی رہبری کی جاتی ہے کہ یوں عقیدہ رکھا جائے کہ جن صفات سے اللہ تعالیٰ موصوف ہے وہ واجب ہیں انہیں کبھی بھی کسی وقت بھی تغیر نہیں آتا اور جن صفات سے موصوف نہیں وہ اس کے لئے ممتنع ہیں (جیسے کذب ظلم سرقہ وغیرہ وغیرہ) وہ اس سے ہرگز نہ ہو سکیں گی۔

قاعدہ جب دو چیزیں اس کی ذات و صفات میں مختلف ہوں تو دو میں سے ایک کا ہونا ضروری ہو گا نفی الواجب یا اثبات الممتنع دونوں اللہ تعالیٰ کے لئے مشکل ہیں (اسی لئے بزرگوں نے ایک قاعدہ لکھا ہے) جس کا علم مبہم ہو اس میں سکوت بہتر ہے اسی میں ادب ہے۔

عقیدہ مومن کے لئے اتنا عقیدہ کافی ہے کہ جو کچھ قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اتفاق ہے اس پر میرا ایمان ہے کیونکہ انسان سے صرف اس کا سوال ہو گا کہ تجھے اقامۃ الطاعۃ وادامۃ العبادۃ کا علم تھا یا نہ واقعی اتنا علم سب کو ہے تو پھر اپنے مولا کی طاعت و عبادت میں اوقات بسر ہوں۔

مسئلہ صاحب الشرع نے فرمایا کہ ذات باری تعالیٰ اور اس کی صفات کے بارے میں کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس علی قدر ذات کے بارے میں قیاس سے کام لے اشیاء میں پڑے یا اوہام دوڑائے یا وساوس و خطرات کا شکار ہو۔

حدیث شریف میں ہے کہ اس امت کی ہلاکت اس میں ہے جب وہ اپنے پروردگار کے بارے میں گفتگو کریں گے۔

فائدہ یہ قیامت کی علامت میں سے ہے کہ نبی پاک ﷺ سر بسجود ہو جاتے جب سنتے کہ باری تعالیٰ کے

marfat.ocm

متعلق اس کی شان بلند و بالا کے لائق بات ناگوار گزرتی اور اللہ تعالیٰ کے متعلق مسائل کو سوال کا اتنا جواب دیتے جو قرآن میں اسی سورۃ الحشر کے آخر میں اس صفات و افعال کا بیان ہے باریک کلام سے اللہ تعالیٰ کے متعلق گفتگو میں فرماتے اس لئے کہ یہ شیطان سے ضرر کا موجب ہے اور اس سے نفع سے نقصان زیادہ ہے بلکہ بڑا فساد۔

انتباہ بعض اکابر مشائخ نے فرمایا کہ متکلمین (فلاسفہ عقل کے بندے) فرق اسلامیہ (اسلامی فرقے) میں برے عقیدہ کے حامل ہیں اس لئے کہ وہ معرفت الٰہی کو عقل سے مانتے ہیں جتنا قدر ان کی نظر قاصر سے انہیں حاصل ہوتا ہے (اسی لئے وہ ہزاروں ٹھوکریں کھاتے ہیں) کیونکہ اللہ تعالیٰ ادراک سے منزہ ہے اور اسی سے مقدس ہے کہ اس کی صفات عقل سے سمجھی جائیں یا علم روحانی سے یا سِر سے معلوم کی جائیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حواس ظاہرہ و باطنہ صرف اس لئے بنائی ہیں کہ ان سے محسوسات کی معرفت حاصل کی جائے نہ کوئی اور شے اور عقل بھی حواس باطنہ میں سے ایک ہے تو پھر اس سے حق تعالیٰ کا ادراک کس طرح کیا جا سکتا ہے کیونکہ نہ وہ محسوس ہے نہ معلوم معقول۔ اس سے تمہیں معلوم ہو گیا ان متکلمین کا غلط طریقہ جو حق تعالیٰ کو نہیں جانتے نہ ہی اس کی صفات کو جب کہ وہ مدعی ہیں کہ ہم جانتے ہیں تو ان کا دعویٰ غلط اور باطل ہے، کیونکہ اسے عقل سے نہیں مانا گیا اور نہ ہی رسل کرام علیہم السلام نے اس کی معرفت عقل پر مبنی بتائی ہے۔[لے]

فائدہ بعض عارفین نے فرمایا کہ عقول کے توقف کا سبب ان کا عدم ذوق ہے کہ متکلمین نے آیات صفات و اخبار کو صرف عقل سے سمجھا اگر اس ذوق سے سمجھتے جیسے انبیاء علیہم السلام نے کہا اور اس پر عمل کرتے جیسے دوسرے لوگوں (اہلسنت و صوفیہ کرام) نے عمل کیا تو ان کو کشف کی دولت نصیب ہوتی تو ان کی فکر کی جولانیوں میں منزل مقصود تک پہنچ جاتے اور انہیں ان اوصاف میں توقف کی ضرورت محسوس نہ ہوتی لیکن (عقل کے بندے تھے اسی لئے بات بڑھا دی) اسے اچھی طرح جان اور اس پر عمل کر اور اسے سمجھ ورنہ تیرے سے وہ لوگ علم میں بڑے کامل تھے یہاں تک وہ فلک محیط کی طرح حاوی جمیع العلوم تھے۔ (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(حاشیہ لے اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ عقل کو امام نہ بناؤ بلکہ عشق کو امام بناؤ تو بیڑا پار ہو گا۔ اویسی غفرلہ)

marfat.ocm

حکایت فاضل محمد شہرستانی صاحب کتاب الملل والنحل متکلمین کے کبار اور بڑے عقل مند تھے انہیں علم کلام پر کافی درک حاصل تھا۔ بسا اوقات بعض ابحاث میں ان سے کوئی سبقت کر سکتا تھا۔ کتاب مذکور میں انہوں نے یہی تعلیمہ جمع کئے اور جب وہ اسی بحث میں پہنچے تو عجز کا اظہار کیا بلکہ ذات باری تعالیٰ میں تحیر میں پڑ گئے اور بوڑھوں کے عقیدہ کی طرف لوٹ آئے اور فرمایا۔ علیکم بدین العجائز فانہ من اسنی الجوائز

(بوڑھوں کے دین کو لازم پکڑو کیونکہ وہ بہترین انعامات میں سے ہے۔

اور یہ شعر پڑھا۔ لقد طفت فی تلک المعاھد کلھا وسیرت طرفی بین تلک المعالم

فلم ارالا واضعاکف حائر علی ذقن او قارعا سن نادم

ترجمہ میں ان کل گھاٹیوں میں پھرا اور ان نشانات کے تمام اطراف کی سیر کی اس میں کف دست افسوس کے ملنے کچھ نہ پایا۔ یا حیران ہو کر ٹھوڑی پر ہاتھ رکھنے والے کی طرح یا نادم کی طرح دانت پیسنے کے سوا کچھ نہ ملا۔

اس کے بعد فرمایا بہتر وہی ہے کہ وہی عقیدہ رکھا جائے جو رسول اللہ ﷺ احکام لائے اور ان کی دعوت دی اور اسی کی طرف عجز و نیاز کا سبق دیا اس پر ہمارا ایمان ہے اس میں عقل کو ذرہ برابر بھی دخیل نہ بنایا جائے نہ ذات باری تعالیٰ کی تنزیہ میں نہ تشبیہ میں بلکہ ایمان لایا جائے کہ جو آیات اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں آئی ہیں وہ حق ہیں ان کا علم اللہ تعالیٰ کو سپرد کر دیا جائے کہ اس نے جس طرح اپنی ذات کو موقوف فرمایا ہمارا اسی طرح ایمان ہے۔ یہی سلامتی کا طریقہ اور دین صحیح ہے اسی پر صحابہ کرام اور اسلاف صالحین رضی اللہ عنہم تھے اور الخوانی العلم کا انتہا بھی اسی پر ہے۔ اور عقلاء محققین بھی یہی فرماتے ہیں اور ان کا آخری فیصلہ یہی تھا اور جسے اللہ تعالیٰ توفیق دے وہ اسی عقیدہ پر زندگی بسر کرے۔ اور اسی پر اسکا خاتمہ ہو تو بیڑا پار ہے۔ اور جو اپنے دین و ایمان کی بنیاد نظر و اجتہاد اور عقل پر کھڑی کرنا چاہتا ہے تو وہ حضرت محمد ﷺ ان امور میں تابعدار نہیں جو وہ مطلقاً ہمارے ہاں لائے کیونکہ اسی نے

(حاشیہ لے لیکن مارے گئے جیسے آج ہمارے دور میں بہت بڑے دانش ور فہم و ذکار کے تجربہ کار لیکن ذات حق تعالیٰ کی معرفت سے دور بلکہ منکر جنہیں دوسری زبان میں کیمونسٹ کہا جا سکتا ہے اس سے عوام بلکہ خواص کو بھی عبرت حاصل کرنی چاہیے کہ گمراہی کو سینگ نہیں ہوتے کہ اس سے پہچانی جا سکے بلکہ نجات اسی میں ہے کہ اپنے اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے)

دین میں اپنی نظر و فکر اور تاویل کو دخیل بنایا ہے اور اپنی رائے و عقل پر بھروسہ کیا۔

یہی وہ وصیت ہے اسے لازم پکڑو اگر سلامتی چاہتے ہو۔ اگر کوئی اس کے سوا کوئی ارادہ رکھتا ہے تو اسے اس قسم کے سوال نجات نہ دیں گے بلکہ اس کے انجام بد کا خطرہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ پر اپنی رائے کو قطعی سمجھنا محال ہے کیونکہ ہم نے عقل کے دلائل ذات باری تعالیٰ میں مختلف پائے ہیں۔ مثلاً جو معتزلی کہتا ہے کہ وہ اشعری کے خلاف ہے اور جو اشعری کہتا ہے وہ معتزلی کے خلاف ہے اور وہ دونوں گروہ عقلاء کے خلاف ہیں ایسے ہی برعکس طرفہ یہ کہ ہر گروہ اپنے مخالف کو جاہل گردانتا ہے بلکہ کفربازی تک پہنچتا ہے۔

اس سے ہم نے سمجھ لیا کہ اختلاف نظر اور دلیل صحیح سے بے خبری کا نتیجہ ہے وہ سب ایسے ہیں یا بعض (واللہ اعلم) ہاں انبیاء علیہم السلام وہ قدسی گروہ ہے جن کے وہ بھی ذات باری تعالیٰ کے متعلق کوئی اختلاف نہیں سب کے سب ایک ہی باب کے داعی ہیں ہاں فروعی (مسائل و اعمال) میں اختلاف تھا تو بھی بحکم الٰہی تھا اور وہ غیر مضر ہے کیونکہ ضرر رساں اصولی اختلافات ہیں۔ اگر ان کا کوئی اختلاف ہوتا تو وہ کبھی ایک کلمہ پر متفق نہ ہوتے اور نہ ہی ان کی دعوت لا الہ الا اللہ صحیح ہوتی کیونکہ اصولی اختلاف ہوتا تو ایک پیغمبر کسی معبود کی دعوت دیتا تو دوسرا کسی اور کی (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ نے فرمایا والٰھکم الٰہ واحد تمہارا معبود ایک ہے اور یہ حکم جملہ گروہان اولاد آدم کے لئے ہے اور یہ خطاب آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک سب کو ہے۔

یہ تمام مضمون الملل والنحل سے حضرت شیخ صدرالدین قدس سرہ نے اپنے رسالہ معمولہ ”وصیۃ الطالبین“ و عقلۃ الراغبین میں نقل فرمایا۔

سورۃ الحشر کی آخری آیات کے خواص و فضائل و برکات

جان اے جان من۔ ان اسماء مذکورہ کی شرافت و بزرگی جو احادیث مبارکہ میں مذکور ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے حبیب رسول اللہ ﷺ سے اسم اعظم کا سوال کیا تو فرمایا وہ سورۃ الحشر کے آخری آیات میں ہے۔

۲۔ عین المعانی میں ہے حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ میں نے جبریل علیہ السلام سے اسم اعظم کا پوچھا تو فرمایا آپ سورۃ الحشر کی آخری آیات کو لازم پکڑیں اور انہیں بکثرت پڑھا کریں۔ میں نے دوبارہ پوچھا تو پھر بھی انہوں نے یہی فرمایا۔

۳۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا جو صبح کو [illegible]

مقرر فرمائے گا جو اس پر رحمت کی دعائیں کرتے رہیں گے۔ بعض روایات میں ہے کہ شام تک اس کی نگرانی کرتے رہیں گے اگر وہ اسی دن فوت ہو گیا تو شہید ہو کر مرے گا اور جو انہیں شام کے وقت پڑھے گا تو وہی مرتبہ حاصل ہو گا جو اوپر مذکور ہوا۔ (رواہ معقل بن یسار رضی اللہ عنہ) لیکن اس کے ساتھ استعاذہ کا اضافہ بھی ہو (جیسے اسی تفسیر میں اس کی تفصیل گزری ہے) واللہ اعلم۔

فائدہ آخر سورۃ الحشر میں اللہ تعالیٰ کے جلال قدرت و عظمت و ربوبیت کے اقرار کی طرف اشارہ ہے پہلے میں عجب سے تخلیہ دوسرے میں ایمان بالحق سے تجلیہ (سنورنا) اور دونوں سے مستحق ہو گی اللہ تعالیٰ کے فرمان کی مثل الذین امنوا وکانوا یتقون وہ لوگ ایمان لائے اور پرہیزگار ہیں۔ لھم البشری فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ (ان کے لئے حیوۃ دنیا و آخرت میں خوشخبری ہے) اور ان پر ہی مرتب ہو گا ارشاد الٰہی یحملون الذین ومن حولہ یسبحون بحمد ربھم ویومنون بہ ویستغفرون الذین امنوا (آلایۃ) وہ لوگ جو عرش کے حامل ہیں اور جو ان کے ارد گرد ہیں وہ اپنے رب تعالیٰ کی تسبیح کے ساتھ حمد کرتے ہیں اور اس پر ایمان لاتے ہیں اور اہل ایمان کے لئے استغفار کرتے ہیں۔ (تفسیر الفاتحہ للفنازی رحمۃ اللہ علیہ)

۴۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو سورۃ الحشر کے آخری آیات رات یا دن کو پڑھے اور وہ اسی دن یا رات کو فوت ہو جائے تو وہ جنت کا مستحق (حقدار) ہے۔

۵۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو سورۃ الحشر پڑھے جنت و دوزخ عرش، کرسی، حجاب، سات آسمان، ساتوں زمینوں، ہوام (زہریلے کیڑے وغیرہ) پرندے، ہوا، درخت، جانور، پہاڑ، سورج، ملائکہ، سب اس کے لئے رحمت کی دعا کرتے ہیں اگر وہ اسی دن یا رات کو مر گیا تو شہید ہو کر مرا۔ (کشف الاسرار)

فائدہ مات شہیدا (شہید ہو کر مرا) کا مطلب یہ ہے کہ اسے شہید جیسا اجر و ثواب ہو گا اور شہادت کے کئی مرتبے ہیں جس کی تفصیل گزری ہے۔

سورۃ الحشر کی تفسیر رجب المرجب کے اواخر میں

فراغت صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ سن ۱۱۱۵ ہجری میں ہوئی۔

فقیر اویسی غفرلہ نے سورۃ الحشر کی تفسیر کے ترجمہ سے بفضلہ تعالیٰ وتوفیقہ یکم ربیع الاول شریف ۱۴۰۹ء ہجری بمطابق ۱۳ اکتوبر ۱۹۸۸ء بروز جمعرات سوا گیارہ بجے فراغت پائی۔

وصلی اللہ علی حبیبہ الکریم الامین وعلی آلہ واصحابہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ

سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَةِ مَدَنِيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اٰيَاتُهَا ۱۳ رُكُوْعَاتُهَا ۲

سورۂ ممتحنہ مکی ہے اس میں اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا تیرہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ

اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ تم انہیں خبریں پہنچاتے ہو

بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ

دوستی سے حالانکہ وہ منکر ہیں اس حق کے جو تمہارے پاس آیا گھر سے جدا کرتے ہیں رسول کو اور تمہیں

اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۗ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ

اس پر کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لائے اگر تم نکلے ہو میری راہ میں جہاد کرنے اور میری

مَرْضَاتِيْ ۖ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ

رضا چاہنے کو تو ان سے دوستی نہ کرو تم انہیں خفیہ پیام محبت کا بھیجتے ہو اور میں خوب جانتا ہوں جو تم چھپاؤ اور

اَعْلَنْتُمْ ۗ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝۱ اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ

جو ظاہر کرو اور تم میں جو ایسا کرے بے شک وہ سیدھی راہ سے بہکا اگر تمہیں پائیں تو تمہارے

يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْۤا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا

دشمن ہوں گے اور تمہاری طرف اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں برائی کے ساتھ دراز کریں گے اور ان کی تمنا ہے کہ کسی طرح

لَوْ تَكْفُرُوْنَ ۝۲ لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۚۛ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚۛ

تم کافر ہو جاؤ ہرگز کام نہ آئیں گے تمہیں تمہارے رشتے اور نہ تمہاری اولاد قیامت کے دن

يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۳ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ

تمہیں ان سے الگ کر دیگا اور اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے بے شک تمہارے لیے اچھی پیروی

حَسَنَةٌ فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ

تھی ابراہیم اور اس کے ساتھ والوں میں جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا بے شک ہم بیزار ہیں تم

وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ

سے اور ان سے جنہیں اللہ کے سوا پوجتے ہو ہم تمہارے منکر ہوئے اور ہم میں اور تم میں دشمنی اور عداوت

وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗۤ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ

ظاہر ہو گئی ہمیشہ کے لیے جب تک تم ایک اللہ پر ایمان نہ لاؤ مگر ابراہیم کا اپنے باپ سے کہنا کہ میں ضرور تیری

marfat.ocm

لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا
مغفرت چاہوں گا اور میں اللہ کے سامنے تیرے کسی نفع کا مالک نہیں اے ہمارے رب ہم نے تجھی پر بھروسا کیا اور

وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ④ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا وَاغْفِرْ
تیری ہی طرف رجوع لائے اور تیری ہی طرف پھرنا ہے اے ہمارے رب ہمیں کافروں کی آزمائش میں نہ ڈال اور ہمیں بخشدے

لَنَا رَبَّنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ⑤ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ
اے ہمارے رب بیشک تو ہی عزت و حکمت والا ہے بے شک تمہارے لیے ان میں اچھی پیروی تھی اسے جو اللہ اور

كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَمَنْ يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ⑥ ع
پچھلے دن کا امیدوار ہو اور جو منہ پھیرے تو بیشک اللہ ہی بے نیاز ہے سب خوبیوں سراہا

عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً وَاللّٰهُ
قریب ہے کہ اللہ تم میں اور ان میں جو ان میں سے تمہارے دشمن ہیں دوستی کردے اور اللہ

قَدِيرٌ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ⑦ لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي
قادر ہے اور بخشنے والا مہربان ہے اللہ تمہیں ان سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین میں نہ

الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللّٰهَ
لڑے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہ نکالا کہ ان کے ساتھ احسان کرو اور ان سے انصاف

يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ⑧ إِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِينَ قٰتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ
کا برتاؤ برتو بیشک انصاف والے اللہ کو محبوب ہیں اللہ تمہیں انہی سے منع کرتا ہے جو تم سے دین میں لڑے یا

وَأَخْرَجُوكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوا عَلٰٓى إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ
تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا یا تمہارے نکالنے پر مدد کی کہ ان سے دوستی کرو اور جو ان سے

فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُونَ ⑨ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا إِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ
دوستی کرے تو وہی ستمگار ہیں اے ایمان والو جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں کفرستان سے اپنے گھر چھوڑ کر

فَامْتَحِنُوهُنَّ اللّٰهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا
آئیں تو ان کا امتحان کرو اللہ ان کے ایمان کا حال بہتر جانتا ہے پھر اگر تمہیں ایمان والیاں معلوم ہوں تو انہیں

تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ وَاٰتُوهُمْ مَّآ
کافروں کو واپس نہ دو نہ یہ انہیں حلال نہ وہ انہیں حلال اور ان کے کافر شوہروں کو دے دو جو

أَنْفَقُوْا ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ إِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ أُجُوْرَهُنَّ ۚ وَلَا
انکا خرچ ہوا اور تم پر کچھ گناہ نہیں کہ ان سے نکاح کر لو جب ان کے مہر انہیں دو اور
تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْئَلُوْا مَآ أَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوْا مَآ أَنْفَقُوْا ۭ ذٰلِكُمْ حُكْمُ
کافرنیوں کے نکاح پر جمے نہ رہو اور مانگ لو جو تمہارا خرچ ہوا اور کافر مانگ لیں جو انہوں نے خرچ کیا یہ اللہ کا
اللّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑩ وَإِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ إِلَى
حکم ہے وہ تم میں فیصلہ فرماتا ہے اور اللہ علم و حکمت والا ہے اور اگر مسلمانوں کے ہاتھ سے کچھ عورتیں کافروں کی
الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ أَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ أَنْفَقُوْا ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ
طرف نکل جائیں پھر تم کافروں کو سزا دو تو جن کی عورتیں جاتی رہی تھیں غنیمت میں سے انہیں اتنا دیدو جو انکا خرچ
أَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ⑪ يٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى أَنْ لَّا يُشْرِكْنَ
ہوا تھا اور اللہ سے ڈرو جس پر تمہیں ایمان ہے اے نبی جب تمہارے حضور مسلمان عورتیں حاضر ہوں اس پر بیعت کرنے کو کہ اللہ کا
بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ
کچھ شریک نہ ٹھہرائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ وہ بہتان لائیں گی جسے اپنے
يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ أَيْدِيْهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ
ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان یعنی موضع ولادت میں اٹھائیں اور کسی نیک بات میں تمہاری نافرمانی نہ کریں گی تو ان سے
لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑫ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ
بیعت لو اور اللہ سے ان کی مغفرت چاہو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے اے ایمان والو ان لوگوں سے دوستی نہ کرو جن پر
اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ أَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ⑬ ۲ ع ۷ ۸
اللہ کا غضب ہے وہ آخرت سے آس توڑ بیٹھے ہیں جیسے کافر آس توڑ بیٹھے قبر والوں سے

سورۃ الممتحنہ کی وجہ تسمیہ شاید ممتحنہ اس سورۃ کا نام اس آیت سے ماخوذ ہے جو اسی سورۃ میں ہے يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا إِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ۭ اَللّٰهُ أَعْلَمُ بِإِيْمَانِهِنَّ (اے ایمان والو جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں کفرستان سے اپنے گھر چھوڑ کر آئیں تو ان کا امتحان کرو اللہ تعالیٰ ان کا حال بہتر جانتا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو امتحان کا حکم فرمایا ہے تو وہ ممتحن (بکسر حاء) (مجازا) ہیں۔ یہ مبالغہ کے طور پر ہے، اسی لئے سورۃ انہی کی طرف منسوب ہوئی اور اس کا نام سورۃ ممتحنہ اسی طرح سے ہے جیسے سورۃ الفاتحہ۔ بعض نے کہا کہ سورۃ کی اضافت الفاتحہ کی طرف اضافۃ العام الی الخاص کے قبیل سے ہے اور یہ بھی بعید

نہیں کہ وہ اضافۃ المسمیٰ الی اسمہ کے قبیل سے ہو جیسے کتاب الکشاف وغیرہ کیونکہ الفاتحہ کے اسماء سے ایک اسم ہے اسی پر سورۃ الممتحنہ کا قیاس ہے۔ یہ بھی ہے کہ اس سے جماعت ممتحنہ مراد ہو یعنی وہ عورتیں جن کے امتحان کے لئے حکم ہوا اس کی تائید اس قرأۃ سے ہے جس میں بفتح الحاء پڑھا گیا ہے اس سے وہ عورتیں مراد ہیں جن کا امتحان ہوا۔ اس معنی پر اضافت لام التخصیصیہ ہے یعنی وہ سورۃ جس میں ان عورتوں کا ذکر ہے جن کا امتحان ہوا جیسے سورۃ البقرہ (وہ سورۃ کہ جس میں بقرہ کا ذکر ہے) وغیرہ وغیرہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میم مصدریہ ہو بمعنی الامتحان جیسا کہ مشہور ہے کہ مصدر میمی اور اسمائے مفعول اور ظرف زمان و مکان از ثلاثی مزید فیہ سب کے سب ایک وزن پر آئے ہیں اب معنی ہوا سورۃ الامتحان جیسے سورۃ الاسرار وغیرہ وغیرہ۔

تفسیر عالمانہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔

شان نزول یہ سورۃ حاطب بن بلتعہ العبسی رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔ حاطب (بالحاء المہملہ) کشف الاسرار میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ اقدس میں پیدا ہوئے۔ دراصل آپ اندی ہیں وہ یمن کا ایک قبیلہ ہے انہیں عبیداللہ بن حمید بن زہیر نے آزاد کیا یہ وہ ہے جسے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بدر شریف میں قتل کیا اور حضرت حاطب رضی اللہ عنہ طعام بیچتے تھے اور آپ کا وصال مدینہ طیبہ میں ہوا آپ کی نماز جنازہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ آپ مہاجرین میں سے تھے غزوہ بدر شریف بھی حاضر ہوئے اور بیعت الرضوان میں بھی تھے۔

مسئلہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اس آیت سے عام حکم بیان فرمایا ہے العدو بروزن مفعول عدا سے ہے جیسے عُفُوٌّ عفا چونکہ یہ مصدر کے وزن پر ہے اس لئے اس کا اطلاق جمع پر بھی آتا ہے یہاں پر عدو سے کفار قریش مراد ہے۔

واقعہ حاطب بن بلتعہ رضی اللہ عنہ یہ واقعہ سن ۸ ہجری میں ہوا جب آپ فتح مکہ کی تیاری میں مصروف تھے۔ واقعہ یوں ہوا کہ بنی ہاشم کے خاندان کی ایک مغنّیہ باندی سارہ مدینہ طیبہ میں سید عالم ﷺ کے حضور میں حاضر ہوئی جبکہ حضور فتح مکہ کا سامان فرما رہے تھے۔ حضور ﷺ نے اس سے فرمایا کیا تو مسلمان ہو کر آئی اس نے کہا نہیں فرمایا کیا ہجرت کر کے آئی عرض کیا نہیں۔ فرمایا پھر کیوں آئی۔ اس نے کہا محتاجی سے تنگ ہو کر۔ بنی عبدالمطلب نے اس کی امداد کی۔ کپڑے بنائے سامان دیا۔ حاطب بن بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے ملے انہوں نے

maktabah.org

اس کو دس دینار دیئے۔ ایک چادر دی اور ایک خط اہل مکہ کے پاس اس کی معرفت بھیجا جس کا مضمون یہ تھا کہ سید عالم ﷺ تم پر حملہ کا ارادہ رکھتے ہیں۔ تم سے اپنے بچاؤ کی جو تدبیر ہو سکے کرو۔ سارہ یہ خط لے کر روانہ ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو اس کی خبر دی حضور نے اپنے چند اصحاب کو جن میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی تھے گھوڑوں پر روانہ کیا اور فرمایا مقام روضہ خاخ پر تمہیں ایک مسافر عورت ملے گی اس کے پاس حاطب بن ابی بلتعہ کا خط ہے جو اہل مکہ کے نام لکھا گیا ہے وہ خط اس سے لے لو اور اس کو چھوڑ دو اگر انکار کرے تو اس کی گردن اڑا دو۔ یہ حضرات روانہ ہوئے اور عورت کو ٹھیک اسی مقام پر پایا جہاں حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا تھا اس سے خط مانگا وہ انکار کر گئی اور قسم کھائی گئی۔ صحابہ نے واپسی کا قصد کیا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تبسم فرمایا۔ کہ سید عالم ﷺ کی خبر خلاف ہو ہی نہیں سکتی اور تلوار کھینچ کر عورت سے فرمایا یا خط نکال یا گردن رکھ۔ جب اس نے دیکھا کہ حضرت بالکل آمادہ قتل ہیں تو اپنے جوڑے سے خط نکالا حضور سید عالم ﷺ نے حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر فرمایا۔ اے حاطب اس کا کیا باعث ہے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں جب سے اسلام لایا کبھی میں نے کفر نہیں کیا اور جب سے حضور کی نیاز مندی میسر آئی کبھی حضور کی خیانت نہ کی۔ اور جب سے اہل مکہ کو چھوڑا کبھی ان کی محبت نہ آئی لیکن واقعہ یہ ہے کہ میں قریش میں رہتا تھا اور ان کی قوم سے نہ تھا میرے سوائے اور جو مہاجرین ہیں ان کے مکہ مکرمہ میں رشتہ دار ہیں جو ان کے گھر بار کی نگرانی کرتے ہیں۔ مجھے اپنے گھر والوں کا اندیشہ تھا اس لئے میں نے یہ چاہا کہ میں اہل مکہ پر کچھ احسان رکھ دوں تاکہ وہ میرے گھر والوں کو نہ ستائیں اور یہ میں یقین سے جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اہل مکہ پر عذاب نازل فرمانے والا ہے میرا خط انہیں بچا نہ سکے گا۔ سید عالم ﷺ نے ان کا یہ عذر قبول فرمالیا اور ان کی تصدیق کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے اجازت دیجئے اس منافق کی گردن مار دوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے عمر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ خبردار ہے جب ہی اس نے اہل بدر کے حق میں فرمایا کہ جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آنسو جاری ہو گئے اور یہ آیت نازل ہوئی۔

(حاشیہ علے فوائد فقیر یہاں پر چند فوائد لکھتا ہے جو چند اسی روح البیان سے ہیں کچھ فقیر کے اضافے ہیں۔ ا۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے خط کے الفاظ یوں تھے فی توجہالیکم فی جیش کاللیل حضور

(باقی حاشیہ آگے)

marfat.ocm

(حاشیہ گزشتہ)

علیہ الصلوٰۃ والسلام تمہاری طرف ایسا لشکر لا رہے ہیں جو رات کی طرح (سیاہ) ہے۔ یعنی بہت بڑا لشکر۔

۲۔ یہ سارہ مغنیہ بنی عبد المطلب کی آزاد کردہ لونڈی تھی۔

۳۔ جب اس سارہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عطیہ طلب کیا تو آپ نے اسے فرمایا ما فعلت بعطیاتک من شبان قریش جو تجھے قریش کے نوجوانوں نے عطیات دیئے وہ کہاں گئے یہ اسے غزوہ بدر میں جنگیوں کو ابھارنے کے انعامات ملے تھے ان کی طرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اشارہ فرمایا۔

۴۔ جو اصحاب کرام سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بھیجے گئے ان کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

(۱) حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۲۔ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۳) حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۴۔ حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۵) حضرت ابو مرثد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۵۔ خاخ (بالمعجمتین غیر منصرف و منصرف دونوں طرح ہے) یہ مقام حرمین طیبین کے درمیان میں ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس نشان دہی سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔

(۱) آپ کے آگے کوئی حجابات نہیں وہ دور و نزدیک کی ہر شے کو برابر طور پر دیکھتے ہیں اسے ہم حاضر و ناظر سے تعبیر کرتے ہیں۔ ہاں جب مسائل و احکام مرتب فرماتے ہیں تو پھر عام حیثیت سے۔ قرب و بعد کا کوئی لحاظ نہیں رکھتے اس کی تفصیل فقیر کی کتاب "تسکین الخواطر فی تحقیق الحاضر و الناظر" میں ہے۔

(۲) دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ آپ سے کوئی بات مخفی نہیں جیسا کہ حضرت بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خط کا معلوم ہو جانا اور سارہ کا لے جانا اور ایسی جگہ چھپانا جو کسی کو معلوم نہ ہو سکے اس کے عذر کو پہلے بھانپ لیا اسی لئے اس سے خط لازمی چھیننے کی تاکید فرمائی۔

۶۔ مروی ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ نے فتح مکہ کے بعد عام امن کا اعلان فرمادیا سوائے چار اشخاص کے کہ وہ جہاں ملیں انہیں قتل کر دیا جائے ان میں ایک یہی سارہ تھی۔

۷۔ حضرت بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب خط کا استفسار کیا گیا تو عرض کی ما کفرت ومنذ اسلمت ولا عششک منذ نصحتک جب سے مسلمان ہوا ہوں نہ میں نے آپ کی تصدیق نبوت میں کوتاہی کی۔

(باقی آگے)

marfat.ocm

مسئلہ بیشک جو امر ممنوع کا ارتکاب کر کے محتمل تاویل کا دعوی کرے تو اس کا عذر قابل قبول ہے کیونکہ بہترین لوگوں کے نزدیک عذر مقبول ہے۔

حکایت مروی ہے کہ جب حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یاایھاالذین امنوا کا خطاب سنا تو خوشی سے بیہوش ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان سے مخاطب فرمایا کہ باوجود یہ کہ خط لکھ کر غلطی کی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ایمان سے خارج نہیں کیا اور وہ اپنے عقیدہ اسلام پر مضبوط ہیں اور عدکم بھی ان کے اخلاص کی دلیل ہے کیونکہ کافر منافق کا دشمن نہیں ہوتا بلکہ وہ تو اس کا مخلص ہے۔ تلقون الیھم بالمودۃ تم انہیں پہنچاتے ہو دوستی سے۔

حل لغات المودۃ الود کسی شے کی محبت اور اس کی آرزو اور ہر دونوں معنوں میں مستعمل ہوتی ہے اب معنی یہ ہوا کہ پہنچاتے ہو ان کو خط و کتابت کر کے اسی طرح کے اور دیگر ایسے اسباب جو ان سے محبت کرنے کے اسباب ہیں یہ اس صورت میں ہے کہ باء مفعول میں زائد ہو۔ جیسے۔ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (ہلاکت میں اپنے ہاتھ نہ ڈالو) یا انہیں اسی محبت کی وجہ سے جو ان کے اور تمہارے درمیان محبت ہے نبی پاک ﷺ کی خبریں نہ پہنچاؤ۔ اس معنی پر مفعول محذوف ہو گا بوجہ اس کے معلوم ہونے کے اور باء سببیہ ہو گی اور جملہ لاتتخذوا سے حال ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ نہ بناؤ درانحالیکہ تم ڈالنے والے ہو محبت کو ان کی طرف۔

(از مترجم غفرلہ)

الغش ترتک النصح اور النصح بمعنی تصدیق بہ نبوت و رسالت اور آپ کے اور اوامر و نواہی کو سر تسلیم خم کرکے ماننا۔

۸۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا حضرت بلتعہ رضی اللہ عنہ کے بیان کی تصدیق فرمانا بتاتا ہے کہ آپ دلوں کے اسرار جانتے ہیں حالانکہ ان کا خط اس کے برعکس ہے۔ اس کے مزید تفصیل و تحقیق فقیر کی کتاب فیض الغفور فی ماعلم مافی الصدور میں ہے۔

۹۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہر ایسے امر میں تلوار اٹھا کر گردن اڑا دینے کا نہ صرف یہی درجنوں واقعات ہیں یہ ان کے عشق رسول اور ادب نبی ﷺ کے شواہد ہیں۔ تفصیل کے لئے مشاہدہ ہو فقیر کی کتاب "ادب صحابہ و رسول"

(حاشیہ ختم)

marfat.ocm

سوال یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓی اولیاء میں ان سے مطلقاً دوستی سے روکا گیا ہے لیکن یہاں اس دوستی کو حال سے مقید کیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہوا حال کی قید نہ ہو تو پھر ان سے دوستی جائز ہے (اس طرح سے دو آیتوں میں تضاد ہو گا)

جواب کفار مرتدین، یہود و نصاریٰ ہنود سب سے دوستی مطلقاً حرام ہے جیسا کہ قواعد شرعیہ سے ثابت ہے اور حال کی قید (اتفاقی ہے) اسی لئے اس کا مفہوم مطلق کو مقید نہیں کرتا۔

سوال لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ کیوں فرمایا کیونکہ جب وہ دشمن ہیں تو ان سے محبت کیسی کیونکہ محبت و عداوت کا اجتماع تو نہیں ہو سکتا پھر اس کے لئے حکم فرمانے کا کیا معنیٰ ان کا اجتماع دائرہ امکان سے خارج نہیں اسی دائرہ امکان کو روک کر اس کے جواز کا دروازہ کھولا گیا ہے۔

جواب ۱ چونکہ کفار کی دشمنی اہل اسلام سے ذاتی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو روکا ہے کہ تم سے ذاتی دشمنی تو انہیں ہے نہیں اگر وہ تمہارے اس ذاتی تعلق سے دوست بنانا چاہیں تو بھی انہیں دوست نہ بناؤ۔

جواب ۲ ان سے دوستی کا تعلق امور دنیویہ سے تو بھی ہو سکتا ہے اور دوسرے نفسانی اغراض سے بھی (جیسے آج کل ہو رہا ہے کہ گمراہ فرقوں کو گمراہ سمجھنے اور جاننے کے باوجود ان سے یارانہ اور دوستی ہے جیسے ہم صلح کلیت سے تعبیر کرتے ہیں) اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں اس اعتبار کو غیر معتبر قرار دے کے ان سے یارانہ دوستی سے روک دیا ہے۔

منطقیانہ جواب تناقض میں آٹھ وحدات کا ہونا ضروری ہے اگر ان میں ایک بھی نہ ہو تو تناقض لازم نہیں آتا یہاں بھی وہی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف عدوی نہیں بلکہ عدوی و عدوکم فرمایا ہے کہ تم ان سے کسی قسم کی دوستی نہ کرو اور نہ ہی وہ مودت و فتوت کے لائق ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں خواہ وہ تمہارے دشمن ہوں یا نہ ہوں تم اللہ تعالیٰ کی دشمنی کی وجہ سے ان سے دوستی نہ کرو۔

وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ حالانکہ وہ منکر ہیں اس حق کے جو تمہارے پاس آیا) تلقون کے فاعل سے حال ہے حق سے قرآن یا دین اسلام یا رسول اللہ ﷺ مراد ہیں۔

یخرجون الرسول وایاکم نکالتے ہیں رسول اللہ ﷺ کو اور تمہیں) کفروا سے حال ہے یعنی درانحالیکہ وہ رسول اللہ ﷺ کو اور تمہیں مکہ معظمہ سے نکالتے ہیں۔ مضارع استحضار صورت کے لئے ہے (ورنہ جملہ ماضی استراری ہوتا کہ انہوں نے ایک عرصہ پہلے انہیں مکہ معظمہ سے نکلنے جانے پر مجبور کیا تھا نہ کہ اب)

ان تومنوا باللہ ربکم (اس پر کہ تم اپنے رب اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے) اخراج (مکہ معظمہ سے نکالنے) کی تعلیل ہے اس میں تغلیب المخاطب علی الغائب ہے۔ غائب سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں اور التفات از تکلم الی الغائب ہے (کہ ان تومنوا الخ کہا جاتا) تاکہ الوہیت و ربوبیت پر ایمان کے وجوب کی اہمیت کی طرف معلوم ہو۔

وان کنتم خرجتم جہادا فی سبیلی وابتغاء مرضاتی اگر تم نکلتے ہو میری راہ میں جہاد کرنے اور میری رضا چاہنے کو) یہ لا تتخذوا کے متعلق ہے۔ گویا کہا گیا ہے کہ میرے دشمنوں سے دوستی نہ کرو اگر تم برے دوست ہو تو۔ جہادا وابتغاء مرضاتی کا منصوب ہونا خرجتم کے مفعول لہ ہونے کی وجہ سے ہے اب معنی یہ ہوا کہ اگر تم اپنے وطنوں سے نکلے ہو جہاد اور میری رضا جوئی کے لئے تو پھر ان سے دوستی نہ کرو اور نہ ہی ان سے محبت کر کے خبریں پہنچاؤ۔

حل لغات الجهاد (بالکسر) القتال (جنگ کرنا دشمنوں کے ساتھ) مجاہد کی طرح۔ التعریفات میں ہے جہاد بمعنی دین حق کی دعوت دینا۔ المفردات میں ہے الجہاد والمجاہدہ بھی دشمن کی مدافعت میں پوری قوت خرچ کرنا۔ یہ جہاد ظاہرا کفار کے ساتھ اور معنوی جہاد ہے شیطان سے نفس سے اور یہ ہاتھ سے ہوتا ہے اور زبان سے بھی۔ المرضاۃ ارضی کی طرح ہے۔ ابتغاء مرضاتی کا جہاد پر عطف دلالت التزامی کے لحاظ سے تصریح ہے کہ جہاد صرف اور صرف اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے ہو اس میں اور کوئی غرض نہ ہو اور خروج کی نسبت اہل ایمان کی طرف جہاد کی علت بتانے کے لئے ہے۔ ابتغاء الخ بتاتا ہے کہ کفار کا اخراج ان کے خروج کا سبب بنا کہ انہیں اذیت وغیرہ پہنچائی۔ یہ اس

کے منافی نہیں کہ ارادہ جملہ اور ابتداء اس کے لئے علت نہ ہو۔

تسرون الیھم بالمودة (تو ان سے دوستی نہ کرتے ہوئے انہیں دوستی کا خفیہ پیام نہ بھیجو) یہ جملہ مستانفہ ہے عتاب کے طریق پر وارد ہوا۔ سوال کا جواب ہے گویا انہوں نے عرض کی کہ ہم پر عتاب کیوں۔ جواب دیا کہ تم ان سے محبت کا پیام خفی طور پر بھیجتے ہو۔ باء صلہ کی محض تعدیہ کی تاکید کے لئے ہے یا ان سے محبت کرنے کی خبر دینے کے لئے ہے ہاں اسرار (خفی پیام بھیجنا کی تعدیہ سے باوجودیکہ وہ خود بھی متعدی ہے) انہیں کفار سے دوستی نہ کرنے پر برا انگیختہ کرتا ہے کہ جب خفی طور ان سے محبت کرنا حرام ہے تو پھر کھلم کھلا ان سے دوستی کا دم بھرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔

وانا اعلم (حالانکہ میں خوب جانتا ہوں) یہ جملہ حالیہ ہے تسرون سے یعنی میں بہ نسبت تمہارے خوب جانتا ہوں۔

بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ (جو تم چھپاؤ اور جو تم ظاہر کرو) تمہارا دشمنوں سے محبت کرنا اور پھر عذر کرنا وغیرہ وغیرہ کیونکہ اس کے آگے خفی رکھنا نہ رکھنا برابر ہے۔ پھر کفار سے خفی طور پر دوستی اور عذر کرنے کا کیا فائدہ۔

ومن یفعلہ منکم اور تم میں جو ایسا کرے یعنی ان سے روکی ہوئی دوستی سے دوستی کا دم بھرنا یعنی جو اسکا ارتکاب کرے کا جو اسے روکا گیا کہ تم کفار سے دوستی نہ کرو تو جو ایسا کرتا ہے فقد ضل سواء السبیل بیشک وہ سیدھی راہ سے بھٹکا۔ یعنی طریق حق اور صواب سے جو نور بالسعادۃ الابدیہ تک پہنچانے والا ہے سے بھٹک گیا۔ خلاصہ یہ کہ ایسا شخص راہ راست سے گم ہو گیا۔

فائدہ یہ اضافۃ الصفۃ الی الموصوف کے قبیل سے ہے۔ ضل متعدی ہے۔ سواء السبیل اس کا مفعول ہے اور یہ بھی ہے کہ ضلّ فعل لازم اور سواء السبیل اس کا ظرف ہے یعنی وہ منصوب ہے کہ وہ ضلّ کا مفعول فیہ ہے۔

فائدہ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ تمام مضمون حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عتاب میں ہے یہ

[illegible]

marfat.ocm

بھی دلالت کرتا ہے کہ وہ برگزیدہ تھے اور رسول اللہ ﷺ کے خیر خواہ اور آپ کے مکمل طور پر تصدیق کرنے والے کیونکہ عتاب محبوبانہ یہی ہے کہ حبیب حبیب سے غصہ کرے۔

حل لغات العتاب معنی کسی پر غضب کا اظہار لیکن مع بقاء المحبت ساتھ ترک کر دینے غضب کے اور یہ حبیب کے لئے ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ جب عتاب ہی نہ ہو تو محبت کیسی۔ جب تک عتاب رہے محبت کو بقاء ہے[1]۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ انسان کے نفس اور خواہشات نفسانی اور شیطان دشمن ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کے بندوں اور اس کی عبادت سے بغض ہے۔ یہ انسان سے سخت بغض کرتے ہیں جو ان کی شہوات پوری نہ کریں اور ان کی مرادات بر لائیں اور نفس سے دشمنی کا یہ معنی ہے کہ اسے اس کی الوفات (الفات والی چیزیں) سے دور اور مجاہدہ کی جیل میں قیدی بنا کر رکھا جائے اور یہی اللّٰہ تعالیٰ سے محبت و بغض کی علامت ہے۔

حدیث شریف نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ افضل الایمان یہ ہے کہ کسی سے محبت ہو تو اللہ تعالیٰ کے لئے اور بغض ہو تو اللہ تعالیٰ کے لئے۔

فائدہ حضرت ابو حفص رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو اپنے نفس سے پیار کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ اور اپنے دشمن سے دوستی کرتا ہے کیونکہ نفس کا کام ہے کہ تم جو اسے حکم کرو گے وہ اس کے خلاف کرے گا اور سیدھی راہ سے

---

[1] (حاشیہ لہٖ اس سے وہابیہ دیوبندیہ کے ان جملہ اعتراضات کا جواب ہو گیا کہ بہت سی آیات میں بظاہر مضمون عتاب پر دلالت کرتا ہے جیسے عَبَسَ وَتَوَلّٰی وغیرہ میں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ عتاب ہوتا ہی نہیں خواہ مخواہ ان لوگوں نے عوام کو نبوت سے بدظن کرنے کے لئے عتاب عتاب کی رٹ لگائی ہوتی ہے جیساکہ فقیر نے انہی آیات کی توجیہات (تفسیر اویسی) میں لکھ دی ہیں۔ اگر اسے عتاب مان بھی لیں تو وہ محبوبانہ عتاب ہے۔ جس میں الٹا محبت کا ثبوت ملتا ہے۔ اس سے نبوت دشمنی کا ثبوت دینا ہے تو پھر کھل کر اسے عتاب مغضوبانہ سے تعبیر کریں۔ اویسی غفرلہ۔

روگردانی کرتا ہے اور وہ اپنے دوست اور تابعداروں کو تباہ و برباد کرتا ہے اس میں دیر بھی نہیں کرتا۔

وحیٔ داؤدی اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ میری مملکت میں نفس کے سوا اور کوئی دشمنی نہیں لہٰذا اس سے دشمنی کرتے رہیں۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ تھوڑے سے لشکر سے قیصر و روم سے ملک چھینا جا سکتا ہے لیکن تمام روئے زمین کے اولیاء مل کر ایک نفس کے ایک حیلہ سے نہیں بچ سکتے کیونکہ نفس کے حیلے بسیار (اور خود جوئی کا مکار)

حکایت حضرت احمد خضرویہ بلخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے نفس کو قسم و قسم کے مجاہدات و ریاضات سے ذلیل و خوار کر رکھا تھا۔ ایک دن خوشی سے جہاد پر جانے کی خواہش ظاہر کی میں حیران ہو گیا کہ نفس اور خواہش نیکی (بالخصوص جہاد سب سے بڑی عبادت) میں سمجھ گیا کہ اس میں اس کا میرے ساتھ کوئی دھوکا ہو گا۔ میں نے نفس سے کہا کہ شاید میرے بھوک مارنے پر یہ حیلہ بنایا ہے کہ چلو جہاد پر ابھاروں اور جہاد میں خوب کھاتا پیتا ہوتا ہے کیونکہ طاقت ہو گی تو جہاد ہو گا میں نے کہا یہ ہرگز نہ ہو گا میں مسلسل روزے رکھوں گا۔ نفس نے کہا یہ بھی منظور ہے میں نے سمجھا یہ بھی اس کا کوئی دھوکا ہو گا۔ میں نے نفس سے کہا کہ شاید تو نے اسی لئے یہ حیلہ بنایا کہ میں یہاں تجھے آرام نہیں کرنے دیتا تو نے سمجھا کہ یہ سفر کو جائے تھکان سے کہیں تو آرام کرے گا لیکن اے نفس یاد رکھ میں سفر میں اسی طرح بیدار رہوں گا جیسے یہاں ہوں میری شب بیداری اور لوازمگی نماز و نوافل میں کمی نہ ہو گی۔ نفس نے کہا یہ بھی منظور۔ میں تھوڑا غور و فکر میں پڑ گیا کہ نفس کی شرارت کہاں تک مجھے دھوکہ دے گی۔ میں نے نفس سے کہا تیرا خیال ہے کہ یہاں تنہا ہے جہاد پہ جانے سے لوگوں سے خلط ملط ہو گا اس میں کوئی ولولہ چلاؤں گا۔ میں نے کہا یہ بھی ہرگز نہ ہو گا جہاد پہ جاؤں گا لیکن تجھے لوگوں سے دور رکھ کر ہر طرح کی ذلت و خواری تیرے سر پر رکھوں گا نفس نے کہا مجھے منظور ہے۔ پھر بھی میں حیران تھا کہ یارب نفس کا مکر کہاں تک مجھے پریشان کرے گا۔ اس کے ہر عمل کو منظور کرنے سے میں نے عاجز ہو کر بارگاہ حق میں عرض کی کہ یارب مجھے اس کے مکر و فریب سے آگاہی بخش۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ چاہتا ہے کہ احمد خضرویہ جنگ پہ جائے شہید ہو جائے تو میں [illegible] ریاضات و مجاہدات کی سختیوں سے چھوٹ جاؤں [illegible]

یکبارگی تو موت آئے گی لیکن اب تو ہر منٹ موت سے کم نہیں۔ احمد خضرویہ نے نفس سے کہا میں جلو پہ نہیں جاتا ایسے ہی تجھے ذلیل و خوار رکھوں گا۔

سبق نفس کی اس مکاری کو دیکھ کر حضرت احمد خضرویہ نے فرمایا سبحان اللہ نفس کیسا مکار پیدا ہوا کہ یہاں منافق ہو کر کیا دھوکہ دیا اور بعد از مرگ ریاکاری سے مار کھلائے گا۔ اسے اسلام نہ اس جہان میں پسند ہے نہ اس جہان میں۔ چنانچہ حضرت خضرویہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس دن کے بعد نفس لمارہ کو اور زیادہ ریاضات و مجاہدات میں لگا دیا۔

تفسیر صوفیانہ ۲ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ یعنی مخفی رکھا تم نے دعوئی انانیت کو۔ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ یعنی تم نے ظاہر کیا عبودیت کو جیسے نفس کا حال ہے اور حضرت ابوالحسین وراق رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا بما اخفیتم یعنی وہ جو تم نے اندر میں معصیت چھپا رکھی ہے وما اعلنتم اور جو تم نے مخلوق کے سامنے طاعت و عبادت ظاہر کر رکھی ہے۔

تفسیر عالمانہ ان یثقفوکم (اگر تمہیں پائیں) یعنی تم پر غالب ہو جائیں اور تم کو قابو میں کر لیں۔

حل لغات الثقف بمعنی شے کو مکمل طور پر پالینا۔ وثقف کذا ای۔ ادر کتہ بالبصرہ میں نے اسے اچھی طرح دیکھ لیا۔ یہ اس لئے بولتے ہیں جن کی نظیر تیز ہو کبھی مجازاً صرف ادراک کے لئے بولتے ہیں۔ اگرچہ اس کے ساتھ ثقلوت نہ ہو جیسے یہاں ہے۔

یکونوا لکم اعداء (تو ہوں گے تمہارے دشمن) یعنی وہ جو ان کے دل میں تمہاری دشمنی چھپائے ہوئے ہیں ظاہر کریں گے اور اس پر اپنے امکان مطابق دشمنی کے احکام مرتب کریں گے اس وقت تمہارا ان کے ساتھ محبت کا اظہار کا کوئی فائدہ نہ ہو گا۔

ولیبطوا الیکم ایدیھم والسنتھم بالسوء اور اپنے ہاتھ اور زبانیں تمہاری طرف دراز کریں گے۔ تاکہ تمہیں تکلیف و اذیت پہنچائیں۔ قتل کر کے یا قیدی بنا کر یا گالی دے کر وغیرہ وغیرہ۔

وعدوا لو تکفرون اور ان کی آرزو ہے کہ کس طرح تم کافر ہو جاؤ یعنی وہ تمہارا ارتداد اور اپنے جیسا

ہونے کی تمنا رکھتے ہیں جیسے دوسری جگہ پر فرمایا۔ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ اور تم سے یہود و نصاریٰ ہرگز راضی ہوں گے یہاں تک کہ تم ان کی ملت کی اتباع نہ کرو۔

فائدہ یہاں پر کلمہ ودوا ہے صیغہ ماضی خبر دیتا ہے کہ تمہارے پانے سے پہلے ان کی آرزو کیسی ہے اس کا عطف لن یبسطوا پر ہے۔

لن تنفعکم ارحامکم ہرگز نفع نہ دیں گے تمہیں تمہارے رشتے۔ ارحام رشتہ داریاں مراد ہیں۔

حل لغات امام راغب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ الرحم دراصل ماں کے پیٹ کی وہ جگہ جہاں بچہ ہوتا ہے اسی سے استعارہ ہے۔ رشتہ داری کے لئے کہ گویا وہ سب ایک جگہ کے ہیں۔

ولا اولادکم اور نہ تمہاری اولاد جن کے لئے مشرکین سے تم دوستی کا دم بھرتے ہو اور اہل شرک کا قرب چاہتے ہو اور ان کے بچاؤ کے لئے۔ اولاد ولد کی جمع ہے مثل مولود نر ہو یا مادہ۔

یوم القیامۃ قیامت کے دن کہ ان سے کوئی نفع اٹھا سکو یا ضرر دفع کر سکو۔ یہ لن تنفعکم کی طرف ہے اور اس پر وقف ہیں اس کے بعد نیا جملہ ہے۔

یفصل بینکم فیصلہ کرے گا تمہارے درمیان یہ جملہ مستانفہ ہے اس میں بیان ہے کہ ارحام و اولاد اس دن کسی قسم کا نفع نہ دیں گے۔ یعنی اس دن فیصلہ کا دن ہو گا جبکہ تمہارے فرار کا موجب ہول اور خوف ہو گا کہ جس سے تم ایک دوسرے سے بھاگو گے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا۔

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ (الآیہ) اس دن کہ مرد اپنے بھائی اور ماں اور باپ اور جورو اولاد سے بھاگے گا تو پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم ان کی وجہ سے حقوق اللہ کو چھوڑ رہے ہو جو قیامت میں وہ تم سے بھاگ جائیں گے۔ بعض نے کہا قیامت میں باپ بیٹے کے درمیان اور قریبی رشتہ دار دوسرے سے جدا کیا جائے گا۔ پھر اہل طاعت بہشت میں اور اہل معصیت دوزخ میں داخل کئے جائیں گے۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے اسی لئے اس کی وہ تمہیں جزا و سزا

دے گا اور وہ خبیر سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ اسے محسوس کی طرح بنایا گیا گویا آنکھوں کے سامنے ہے ورنہ سب کو معلوم ہے کہ جملہ اعمال اللہ تعالیٰ کے ہاں اعمال نامے پیش ہوتے ہیں یا جو اعمال نامے لانے والے ملائکہ اور اجرت دینے کی خبر اعمال صالحہ کی ترغیب کے لئے ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں نفس اور اسکی صفات اور اس کے اخلاق سے عداوت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ نفس ظلمانیہ سفلیہ کثیفہ ہے اور روح اور اس کے قوی نورانیہ علویہ لطیفہ ہیں اور ظاہر ہے کہ ظلمت و نور کے ایک دوسرے سے مدافعت ہے کہ ایک کے ہوتے دوسرے کا ہونا محال ہے اسی لئے نفس چاہتا ہے کہ وہ اپنی ظلمانیت سے روح پر غلبہ پا جائے یہاں تک کہ مملکت وجود میں صرف اسی کا محتاج ہو اور اس کے تمام شہروں پر اس کی حکومت ہو اور اس کی زبان درازی برائی میں اخلاق مذمومہ کی مدح اور اخلاق محمودہ کی مذمت سے دراز ہوتی ہے یہ جسم اس کا شہر ہے اس میں اشراف بھی ہیں کمینے بھی۔ وہ سب ایک بطن سے ہیں کیونکہ قوائے خیر اور شر روح اور جسم کے ملاپ سے پیدا ہوتے ہیں۔ نفس اور اس کی صفات کمینے اور قابیل و کنعان کے مشرب پر ہیں۔ (قابیل آدم علیہ السلام کے اور کنعان نوح علیہ السلام کے بیٹے کا نام ہے) اور روح اور اس کے قوی ہابیل وغیرہ کے مشرب پر ہیں اور یہ اشراف ہیں اور درحقیقت یہ ان کے اہل و عیال ہیں اسی لئے قیامت میں ان کی یہ نسبت منقطع ہو جائے گی اس کے بعد روح نعمتوں میں اور جسم جہنم میں۔ جب روح کو لطف و جمال کی تجلی اور نفس کو قہر و جلال کی تجلی نصیب ہو گی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اہل کمال و نوال سے بنائے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ بیشک اے مومنو! تمہارے لئے اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ اچھی خصلتیں ہیں۔

حل لغات اسوۃ قدوۃ (بالضم وبالکسر) کی طرح وہ حالت جو انسان کی غیر کی اتباع سے حاصل ہوئی ہو اچھی ہو یا بری۔ راحت رساں ہو یا ضرر رساں۔ اسی سے ہے بمعنی حزن دراصل قوت ہونے والی شے کے پیچھے لگنا غم کے ساتھ۔ اب معنی تمہارے لئے ہے خصلت حمیدہ حقیقۃً کہ اس کی اقتداء اور اس کے آثار کی اتباع کی جائے۔

اسوۃ کانت کا اسم لکم اس کی خبر ہے اور حسنۃ اسوۃ کی صفت مقیدہ ہے اس سے عام مراد ہے تو اسوہ محمودہ ومذمومہ ہر دونوں مراد ہوں گی اور صفت کاشفہ مانی ہوگی اگر عام نہ ہو۔

فِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ ابراہیم اور وہ جو ان کے ساتھ تھے یعنی آپ کے مومن اصحاب۔ یہ اسوہ کی دوسری صفت ہے۔ یہ اسی محاورہ سے ہے کہ کہا جاتا ہے لی فلان اسوۃ یعنی میری اقتداء فلاں سے ہے۔ یہ باب التجرید سے ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ فلاں خود اقتداء ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس میں مضاف محذوف ہو کہ دراصل لی فی سنتہ وافعالہ واقوالہ میری اقتداء اس کے طریقہ وافعال واقوال پر ہے۔

فائدہ بعض نے کہا وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ سے وہ پیغمبران عظام (علیہم السلام) مراد ہیں جو ان کے زمانہ میں اور آپ کے قریب تھے۔ ابن عطیہ نے کہا یہی قول زیادہ راجح ہے اسی لئے کہ کسی روایت میں نہیں کہ اس وقت آپ کے مومن اتباع (اصحاب) ہوں۔ جب آپ نمرود کے مقابلہ میں معارضہ میں تھے۔ بخاری شریف میں ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام شام کے علاقہ کی طرف ہجرت کر کے تشریف لے جا رہے تھے تو آپ کے ساتھ بی بی سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ روئے زمین پر میرے اور تیرے سوا کوئی خدا تعالیٰ کی پرستش کرنے والا نہیں۔

اذ قالوا جب انہوں نے کہا یہ ظرف کان کی خبر اور اس کا معمول ہے یا کان اس کا عامل ہے یہ اس مذہب پر ہے جو کان کی ظرف کا عامل مانتے ہیں یہی اصح ہے۔

لقومہم اپنی قوم کفار سے۔ **اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ** بیشک ہم تم سے بیزار ہیں بری نحو ظریف کی جمع ہے۔

ومما تعبدون من دون اللہ اور ماسوا اللہ سے جن کی تم پرستش کرتے ہو۔ بتوں سے یہی معنیٰ زیادہ ظاہر ہے۔

فائدہ پہلے ان سے بیزاری کے اظہار میں مبالغہ ہے۔ پھر ان کے کردار سے یعنی شرک سے کیونکہ پہلی بیزاری ان کے بتوں سے ہے اور یہی مقصود ہے یعنی ان کی عبادت سے بیزاری ضروری ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ ان سے بیزاری یہ ہے کہ وہ ان کے قریب نہ جائیں۔ اور نہ ہی ان سے خلط ملط رکھیں گے۔ اور ان کے بتوں سے بیزاری یہ کہ

marfat.ocm

ان کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ اور ان کی پرستش تو بجائے ماند اودھر توجہ تک نہ کریں گے اور احتمال بھی ہے کہ ان سے بیزاری کا معنی یہ ہے کہ ان سے رشتہ داری نہ رکھیں گے کیونکہ شرک رشتہ داریاں توڑ دیتا ہے اور دوستیاں ختم کر دیتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا اسی طرح نہیں کرتے جیسے ابراہیم علیہ السلام نے کیا کہ اپنے اب (آزر) اور اس کی قوم سے ان کے کفر کی وجہ سے بیزار ہو گئے۔ اسی طرح آپ کے ساتھی مومن۔

کفرنابکم ہم نے تمہارے دین سے کفر کیا۔ یہاں مضاف محذوف ہے اور کفر سے عدم اعتداء اور جحود انکار مراد ہے کیونکہ دین باطل کوئی شے نہیں اور دین حق اللہ تعالیٰ کے ہاں اسلام ہی ہے وبدا اور ظاہر ہوا۔

حل لغات بدالشئی بدلُوًاوبداء بمعنی ظہور اُبینًا اور البلو یہ وہ جگہ جو اس میں پیش کی جائے وہ ظاہر ہو۔ بیننا ہمارے درمیان۔ بدا کی ظرف ہے۔

وَبینکم العداوۃ والبغضاء ابدا (اور تمہارے درمیان عداوت و بغض ہمیشہ) یہی طریقہ ہمارا تمہارے ساتھ ہمیشہ ہو گا۔ البغض حب کی نقیض۔ کاشفی نے لکھا کہ ہماری اور تمہاری آپس میں دشمنی ہمیشہ کے لئے ظاہر ہو گئی۔ دل سے بھی اور ہاتھوں سے بھی یعنی ہماری تمہاری ہمیشہ جنگ رہے گی اور یہ دشمنی قائم و دائم ہے۔ حتی یہاں تک کہ یہ بداء کی غایت ہے۔ تومنوابالله وحدہٗ ایمان لاؤ اللہ واحد لاشریک پر۔ یہاں تک کہ تم شرک کرنا چھوڑ دو۔ پھر یہی دشمنی محبت دوستی سے اور بغض پیار سے اور بیزاری قرب سے اور وحشت الفت سے بدل جائے گی۔ البغض نفس کا اس سے نفرت کرنا جس میں اس کی رغبت نہیں۔ الحب بمعنی نفس کی کشش اس طرف جس میں اس کی رغبت ہے۔

سوال آیت میں صرف ایمان باللہ کی قید کیوں حالانکہ ایمان بالملائکہ والکتب والرسل وبالیوم الاخر بھی تو ضروری ہے۔

جواب صرف اللہ پر ایمان لایا سب کو مستلزم ہوتا ہے اور وحدہ کی قید سے اصنام پرستی کا رد ہے۔

فائدہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کی اسوۃ سے خلّت الٰہی اور مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ سے بیزاری اور تعلق

marfat.ocm

باخلاق اللہ۔ آہ و بکا کرنا۔ اشتیاق حق میں حضرت ابن عطاء رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا اسوۂ خلیل علیہ السلام سے ظاہر میں اخلاق شریفہ مراد ہیں جیسے سخاوت محسن خلق، دکھ میں صبر کے امر پر عمل کرنا اور باطن میں جمیع افعال میں اخلاص اور جملہ اوقات میں اس کی طرف توجہ ہونا اور ہر شے چھوڑ دینا اللہ تعالیٰ کے لئے۔ اور رسول اکرم ﷺ کے اسوہ مبارکہ ظاہر میں عبادات نہ بواطن و اسرار میں کیونکہ کون ہے جو آپ کے باطنی اخلاق کے اسرار کی طاقت رکھ سکے۔ اسی لئے شب معراج آپ امت سے مکان میں جدا ہوئے تھے۔ یعنی لامکان میں تشریف لے گئے تو آپ کو تجلی ذات نصیب ہوئی۔

سپہدار رسل سر خیل درگاہ سریر افروز ملک لی مع اللہ

(سپہدار رسل کرام کے اور درگاہ حق کے سر خیل، ملک لی مع اللہ کے تخت کو سجانے والے)

الا قول ابراهیم لابیہ مگر قول ابراہیم علیہ السلام کا اپنے اب آزر کو استغفرن لک اے اب میں تیرے لئے استغفار کروں گا۔ یہ اسوۂ حسنہ سے استثناء ہے کیونکہ استغفار نبی علیہ السلام کا اپنے اب کافر کے لئے عقلاً و شرعاً جائز ہے اس لئے کہ یہ اس وقت سے پہلے ہے جب انہیں واضح ہوا کہ یہ اصحاب الجحیم سے ہے جیسا کہ نص قطعی (آیت قرآنی) میں وارد ہے (یعنی فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ)

(حاشیہ لے ہم اہلسنت اب سے مراد چچا لیتے ہیں وہ تھا آزر ورنہ ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ تھا۔ اس قول کی تردید صاحب روح البیان فرماتے ہیں ان کے جوابات آگے ہیں فقیر اویسی غفرلہ نے آزر کی تحقیق میں ایک رسالہ "تحقیق الازہر فی فرق تارخ و آزر" لکھی ہے اس کا خلاصہ ملاحظہ ہو۔

موقف اہلسنت محققین علماء کرام کا مسلک یہ ہے کہ حضور پر نور سرکار دو عالم ﷺ کے تمام آباء کرام و امہات کریمات سیدنا آدم علیہ السلام سے حضرت عبداللہ و سیدہ آمنہ تک سب موحد تھے اس میں کوئی کافر نہیں تھا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَلَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ وَتَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ یعنی جو تمہیں دیکھتا ہے جب تم قیام فرماتے ہو اور مومنوں کے اصلاب میں تمہارے دورہ کو۔

احادیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان کی تفسیر میں مروی ہے کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ آپ کے

پاک پشتوں میں نہ دورہ کو اور ایک پدر سے دوسرے پدر کی پشت میں منتقل ہونے کو دیکھتا ہے یہاں تک کہ حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر پیدا فرمایا تو بنوت کا نور آپ کے آباء کرام میں ظاہر تھا۔

فائدہ تفسیر امام ابوالحسن ماوردی نے سیدنا عبداللہ ابن عباس سے نقل فرمائی اور امام جلال الدین سیوطی نے اپنی تصنیف "مسالک الحنفاء" میں ان سے نقل فرما کر اسے مقررہ رکھا۔

آزر کون؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نہ تھے ان کے والد کا نام تارخ تھا اور آزر آپ کے چچا کا نام ہے جو کافر تھا۔ یہی مسلک بکثرت نسابین (یعنی وہ لوگ جو شجرہ نسب بیان کرتے ہیں) اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور سلف کی ایک جماعت کا بھی ہے حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ مسالک الحنفاء میں امام جلا الدین سیوطی قدس سرہ فرماتے ہیں۔ یہ قول کہ ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آزر نہ تھا۔

۲۔ ایک جماعت سلف سے وارد ہوا ابن ابی حاتم نے ۔سند ضعیف ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت کریمہ اِذْقَالَ اِبْرَاھِیْمَ لِاَبِیْہِ آزَرَ) کے بارے میں روایت کیا کہ ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آزر نہ تھا آپ کے باپ کا نام تارخ تھا۔

۳۔ اسی میں مجاہد سے ہے لیس آزر ابا ابراھیم آزر ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہ تھا۔

۴۔ اسی میں ابن جریج سے ۔سند صحیح بروایت ابن المنذر ہے کہ ابن جریج نے فرمایا لیس آزر بابیہ انما ھو ابراھیم ابن تیرح او تارخ بن شاروح بن ناحور بن نالخ۔

۵۔ اسی میں سدی سے ۔سند صحیح بطریق ابن ابی حاتم مروی ہوا۔ انہ قیل اسم ابی ابراھیم آزر فقال بل اسمہ تارخ یعنی سدی سے کہا گیا ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام تارخ ہے۔

فائدہ اسی مسلک کی توجیہہ باعتبار لغت یوں ہے کہ لفظ اب کا اطلاق چچا پر شائع وذئع ہے۔

۶۔ امام جلال الدین سیوطی نے ایک اور اثر سے ثابت کر دیا کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کا چچا ہی تھا جس کے لئے حضرت

(جاری)

marfat.ocm

ابراہیم علیہ السلام نے دعائے مغفرت فرمائی تھی پھر جب آپ کو اس کا حال روشن ہوا تو آپ اس سے بیزار ہو گئے۔

چنانچہ اسی مسالک حنفا میں ہے کہ اس قول کی تائید اس (اثر) سے ہوتی ہے جو ابن المنذر نے بسند صحیح سلیمان بن صرد سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ جب کافروں نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا ارادہ کیا تو لکڑیاں جمع کرنے لگے یہاں تک بوڑھی عورت بھی لکڑی اکٹھا کرتی۔ تو جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنا چاہا تو آپ نے حسبی اللہ ونعم الوکیل فرمایا یعنی مجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ بہتر کارساز ہے پھر جب آپ کو آگ میں ڈال دیا تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اے آگ ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی ہو جا تو آپ کا چچا بولا کہ ابراہیم کو اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے بچا لیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے آگ کا ایک شرارہ بھیجا جو اس کے پاؤں پر پڑا تو اسے جلا ڈالا۔ تو اس اثر میں ابراہیم علیہ السلام کے چچا کی صراحت آئی۔

۷۔ اور اس میں دوسرا فائدہ یہ ہے کہ آپ کے چچا اس زمانے میں ہلاک ہوا جب آپ کو آگ میں ڈالا گیا تھا اور قرآن عظیم نے بتایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے لئے دعا مغفرت ترک فرما دی۔ جب انہیں اس کا دشمن خدا ہونا محقق ہوا۔

۸۔ اور روایتوں میں آیا ہے کہ اس کا یہ حال ان کو اس وقت کھلا جب وہ مشرک مرا اور انہوں نے اس کے لئے اس کے بعد دعا مغفرت نہ کی۔

۹۔ اور اپنے چچا کی موت کے طویل عرصہ کے بعد انہوں نے اپنے والدین کے لئے دعائے مغفرت کی تو یہاں سے ظاہر ہوا کہ قرآن میں جس کے کفر اور اس کے لئے دعائے مغفرت سے تبری کا ذکر آیا وہ ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا ان کے پدر حقیقی نہ تھے۔

تارخ کون ہے؟ تفسیر ابن کثیر میں ضحاک نے اپنی سند سے حضرت ابن عباس سے آزر کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا آزر صنم کا نام ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام تارخ تھا۔ اور اسی طرح بہت سے علماء نسب کا قول ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام تارخ تھا۔

۱۰۔ تو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور اکثر علماء کے مقابل تنہا ابن جریر علیہ الرحمۃ وغیرہ کا قول کیونکہ لائق تسلیم ہے اور "اتقان" کی عبارت کا جواب خود تصریحات امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ سے ہو گیا۔

۱۱۔ پھر خود "اتقان" میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام تارخ تھا اور کہا گیا کہ آزر اور کہا گیا ہے کہ یازر اور

اس میں بھی اس کی اقتدار نہ ہو کیونکہ ان کی اقتداء ان امور میں ہے جو اقتداء کے لائق ہیں کیونکہ اسے اعراض کے لئے وعید وارد ہے جیساکہ اسی کے آخر میں وَمَنْ يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ یہ استثناء اسوۃ سے فائدہ دیتا ہے کہ جس کافر سے ایمان کی امید ہو اس کے لئے عدم استدعاء الایمان والمغفرۃ نہ ہو لیکن استثناء سے جواز کی صورت پیدا ہو گئی۔ اور اس میں کسی عقل مند کو شک نہ ہونا چاہئے ہاں کوئی اس سے عدم جواز کی بات کرے تو اس کے پاس کوئی دلیل نہیں۔

فائدہ اب کو چچا پر محمول کرنا عقلاً و نقلاً مخالف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ زندہ کو مردے سے پیدا کر سکتا ہے اور اعتبار حسب کا ہے نہ کہ نسب کا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ مرد کو علم و ادب ضروری ہے نہ کہ اصل و نسب۔

ہنر بنمائے اگر داری نہ گوہر
گل از خار است و ابراہیم و آزر

(ہنر دکھا اگر تیرے پاس ہے تو نہ کہ گوہر کیونکہ گل کانٹے سے ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام آزر سے وَمَآ اَمْلِكُ

اس سے صاف ظاہر ہے کہ علامہ امام جلال الدین سیوطی کے نزدیک راجح و معتمد یہی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام تارخ تھا۔ اسی لئے اسے مقدم کیا اور آزر کو قیل کہہ کر (ضعف سے) تعبیر کیا ہے۔

تنبیہہ قول آزر سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کی طرف کفر کی نسبت لازم آتی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام حضور ﷺ کے آباء کرام میں سے ہیں تو یہ بات حضور ﷺ کے لئے مظنّۂ اذیت ہے اور ان کی اذیت عذاب الیم کی موجب ہے۔ اسی لئے علماء کرام نے ابوین کریمین میں سے کسی ایک کی نسبت یہ کہنے کی ممانعت فرمائی کہ وہ جہنم میں ہیں۔ لہٰذا اس بات سے احتراز ضروری ہے جو حضور ﷺ کے لئے اذیت کا سبب ہو۔ خلاصہ یہ کہ یہاں سے حضور ﷺ کے آباء کرام کا حال معلوم ہوا وہ سب کے سب موحد تھے۔ حاشا للہ ان میں کوئی کافر نہ تھا۔ مزید تفصیل فقیر کی کتاب "ابوین مصطفیٰ" اور اصل الاصول فی ایمان اصول الرسول" میں ہے۔

marfat.ocm

لَکَ مِنَ اللّٰہِ شَیْءٍ اور میں تیرے لئے کسی شے کا مالک نہیں۔ مستثنٰی کا تتمہ ہے۔ اور محلاً منصوب ہے کہ لَاَ سْتَغْفِرَنَّ لَکَ کے فاعل سے حال ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ میں تیرے لئے صرف استغفار کر سکتا ہوں حالانکہ میرے اندر یہ طاقت نہیں کہ میں تیرے سے عذاب دفع کر سکوں۔ اگر تو ایمان لائے ہاں استغفار کر سکتا ہوں۔ اس تقریر پر استثناء کا مورد صرف استغفار ہے نہ اس کی قید جو کہ وہ توفی نفسہ خصال خیر سے ہے کیونکہ اس میں اظہار عجز اور امور کو اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کرتا ہے۔

ذکر فضیلت النبی ﷺ اس میں نبی پاک شہ لولاک ﷺ کی فضیلت ثابت ہوئی کہ آپ کی اقتدار کے لئے کسی قسم کا استثناء نہیں چنانچہ فرمایا۔ وما آتاکم الرسول فخذوہ ومانہاکم فانتھوا (جس کا تمہیں رسول اللہ ﷺ حکم فرمائیں وہ لے لو اور جس سے تمہیں روکیں اس سے رک جاؤ) لٰکن ابراہیم علیہ السلام کی اقتداء میں استثناء ہے اور ہمارے نبی پاک ﷺ کے لئے فرمایا لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُو اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیْرًا (تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ اسوہ حسنہ ہیں اس کے لئے جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ ذکر کرتا ہے (سورۃ الاحزاب) آپ کی اقتداء میں کسی قسم کی قید نہیں۔

حضرت صائب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔

ہلاک حسن خداداد او شوم کہ سراپا
چو شعر حافظ شیرازی انتخاب ندارد

(حسن خداداد پہ قربان جاؤں کہ وہ حافظ شیرازی رحمتہ اللہ علیہ کے اشعار کی طرح انتخاب کا محتاج نہیں وہ سراپا حسن ہی حسن ہے)

ربنا اے ہمارے پروردگار تمام اسوہ حسنہ ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں کے اقتداء کے حکم پر۔

علیک توکلنا ہم نے تجھی پر توکل (اعتماد) کیا یعنی مخلوق سے قطع تعلق کر کے صرف تجھ پر اعتماد کیا ہے۔

والیک انبنا اور گناہوں کا اعتراف کر کے طاعت کے لئے تیری طرف رجوع کیا۔ والیک المصیر

marfat.ocm

اور تیری طرف آخرت میں رجوع ہے۔ اور جار مجرور کی تقدیم توکل انابت اور رجوع کا قصر اللہ تعالیٰ پر ہے۔

سوئے تو کودیم روئے و دل تبو بستیم ۔ ز ہمہ باز آمدیم و باتو نشستیم
ہرچہ نہ پیوند یار بود بریدیم ۔ ہرچہ نہ پیان دوست بود گسستیم

(تیری طرف ہمارا منہ اور تجھی میں دل باندھا ہے۔ سب سے باز آکر صرف تیرے ساتھ بیٹھے ہیں جسے یار سے تعلق نہیں ہم نے اس سے قطع تعلق کیا جو دوست سے متعلق نہیں ہم نے اس سے رشتہ توڑ لیا ہے)

یہ مجاہدہ اور عصا توڑ کر یعنی تمام امیدوں کو ختم کر کے جملہ امور میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے یہی کہا بالخصوص کفار کی مدافعت اور ان کے شرور سے کفایت ہیں۔ چنانچہ اس کی تصریح فرمائی کہ ربنا لا تجعلنا فتنتہ اللذین کفروا (اے ہمارے رب ہمیں کافروں کی آزمائش نہ بنا) کہ ان کو ہم پر مسلط فرمادے پھر وہ ہمیں ایسے فتنے میں مبتلا کریں گے جس کی برداشت کی ہمیں طاقت نہ ہو۔ اس معنی پر فتنہ بمعنی مفعول ہے اور ربنا پہلے ربنا سے بدل ہے۔ ایسے ہی بعد کا ربنا۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں کافروں کا فتنہ نہ بنا کہ ہم پر رزق کی کمی آجائے اور ان کو وافر رزق سے نواز دے اس کے بعد وہ سمجھنے لگیں کہ وہ حق پر ہیں اور ہم (مسلمان) باطل پر (معاذ اللہ)۔

واغفر لنا اور ہمیں بخش دے وہ جو ہم سے گناہوں کی زیادتی ہوئی ورنہ پھر ظہور عیوب کا سبب اور مصوب کے ابتلاء کا باعث ہو گا۔

ربنا تکرار مبالغہ کے لئے ہے تاکہ تضرع وزاری میں مبالغہ ہو۔ اس معنی پر سابق مابعد کا نشاء کا وسیلہ ہو گا عزت حکمت کے اثبات میں لیکن پہلا زیادہ ظاہر ہے اسی طرح سجاوندی کا میلان ہے اس لئے کہ انہوں نے علامتہ الوقف للجواز ربنا پر رکھی ہے جیسے ان کی اصلاح ہے کہ وصل و فصل کے جواز کے دونوں اعتباروں کے لئے اس قسم کی علامت رکھتے ہیں۔ وہ علامتہ الوقف ہے۔

انک انت العزیز بیشک تو غالب ہے ایسا کہ جو اس کے سامنے عجز و نیاز کرے وہ کسی طرح ذلیل نہیں ہوتا اور نہ ہی اس پر توکل کرنے والے کو مایوسی ہوتی ہے۔

marfat.ocm

الحکیم حکمت والا ہے وہ کوئی نہیں کرتا جس میں حکمت بلیغ نہ ہو۔

تفسیر صوفیانہ بعض اہل اشارہ (صوفیہ کرام) نے فرمایا کہ اے ہمارے رب تو اپنے اولیاء کو اپنے میں فناء کے ساتھ عزت دیتا ہے اور اپنی لطیف حکمت سے انہیں بااللہ کی زندگی بخشتا ہے اس معنی پر فتنہ سے کلمتہ النفس والھوٰی کا غلبہ اور مغفرت سے ہو یہ احدیہ کے ساتھ آنیات کو اور صفات واحدیہ کے ساتھ تعینات سے چھپانا مراد ہے۔

تفسیر عالمانہ **لقد کان لکم فیھم** بیشک تمہارے لئے ان میں ہیں (ابراہیم علیہ السلام) اور ان کے ساتھی۔ **اسوۃٌ حسنتہ** اچھے خصائل تکرار۔ ہو کے لئے ہے تاکہ ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھی) کی اقتداء میں مزید پختگی اور رغبت ہو اور اسے قسم سے شروع فرمایا۔ اور طیبی نے اسے تخصیص کے بعد تعمیم کا فرمایا ہے۔ اور برہان القرآن میں ہے کہ تکرار اس لئے ہے کہ پہلے میں اقوال کی طرف۔ دوسرے میں افعال کی طرف اشارہ اور فتح الرحمن میں ہے کہ پہلے اسوہ فی العداوۃ اور دوسرے میں خوف وخشیت کی اقتدار کی طرف اشارہ ہے۔ کشف الاسرار میں ہے کہ پہلا متعلق ہے ساتھ براۃ از کفار اور ان کے فعل سے دوسرے میں امر ہے ان کی اقتدار میں تاکہ وہی ثواب حاصل ہو جو انہیں نصیب ہوا اور آخرت کی طرف اسی طرح باعزت جاتا ہو جیسے انہیں نصیب ہوا۔

لمن کان یرجو اللہ اس کے لئے جو اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہے اسے اس کے ہاں حاضری ہے ایمان ہے۔ **والیوم الاخر** اور اس کے وقوع کی تصدیق کرتا ہے۔ بعض نے کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور عذاب آخرت سے ڈرتا ہے۔ کیونکہ خوف ورجاء لازم ملزوم ہیں۔

حل لغات رجاء وہ گمان جو مسرت کے حصول کا مقتضی ہو۔ المفردات میں ہے الرجاء والطمع معلومہ یا مظنونہ علامت سے محبوب شے کی توقع اور خوف معلومہ یا مظنونہ علامت سے مکروہ شے کی توقع اور بعض تفاسیر میں ہے کہ الرجاء تین طریقوں سے مستعمل ہوتا ہے۔

۱۔ توقع الخیر سے (اسے امید خیر بھی کہتے ہیں۔ (۲) توقع الشر یعنی خوف ۳۔ توقع مطلقاً۔

پہلا معنی حقیقی ہے دو پچھلے مجازی۔ دوسرے میں شے کا نام لے کر اس کی نقیض مراد لینا اور یہ جائز ہے اور

تیسرا از قبیل ذکر الخاص و ارادۃ عام ہے اور یہ بکثرت ہے۔ من کان لرجو لکم سے بدل ہے اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس میں باخبر کرنا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ ضرور ضرور ابراہیم علیہ السلام کی اقتداء کرے گا ان کی اقتداء کبھی ترک کرنا گوارہ نہ کرے گا۔ اور اگر ایمان کی کمی کے باعث نہ اقتداء کرے گا تو اس کا نتیجہ یوں بیان فرمایا کہ ومن یتول فان اللہ ھو الغنی الحمید اور جو روگردانی کرے گا تو بیشک اللہ تعالیٰ بے نیاز اور حمد کیا ہوا ہے۔

یہ اس قسم کی وعیدات سے جو کفار جیسوں کو سنائی جاتی ہیں یعنی جو بھی ابراہیم علیہ السلام اور ان کے رفقاء سے روگردانی کرے گا۔ بیزاری کا اظہار کر کے کافروں میں سے اور کفار سے دوستی کریگا تو بیشک اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اپنی مخلوق سے اور ان کی دوستی سے اور ان کی اہل دین کی مدد سے اور نہ ہی اس کو ان کی عبادت کی حاجت ہے وہ اپنے دین کا خود حامی و ناصر ہے اور دین کے حامیوں کا وہی مددگار کافی ہے اور وہ حمید ہے یعنی اپنی ذات میں حمد کا صرف وہی مستحق ہے۔

حدیث قدسی شریف صحاح کی حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے میرے بندو تم مجھے ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکتے اور نہ ہی مجھے کسی قسم کا نفع دے سکتے ہو۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے پہلے اور پچھلے انسان اور جن ایک پرہیزگار مرد کی طرح ہو جاؤ تو میرے ملک میں اضافہ نہ ہو گا۔ اگر تمہارے پہلے اور پچھلے انسان اور جن ایک فاجر و فاسق کے دل کی طرح ہو جاؤ تو میرے ملک کو ذرہ برابر نقصان نہ پہنچے گا۔ اے میرے بندو اگر تمہارے پہلے اور پچھلے انسان اور جن ایک ہی جگہ کھڑے ہو کر مجھ سے سوال کریں تو ہر انسان کو اس کا پہلے مانگا دوں گا تو بھی میرے ملک میں کمی نہ آئے گی اس کی مثال یوں ہے جیسے سوئی دریا میں ڈال کر نکال لی جائے۔ اے میرے بندوں میں تمہارے اعمال لیئے گن کر محفوظ رکھ رہا ہوں۔ انہیں پر تمہیں جزاؤ سزا دوں گا اور پوری جزاؤ سزا ہو گی جو اپنے میں بھلائی پائے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و شکر کرے اگر برائی پائے تو اپنے آپ کو ملامت کرے۔

فائدہ اس حدیث شریف میں ضمیر (ھی) قصد کی ہے یعنی تمہارے اعمال کی جزاء میرے ہاں محفوظ ہے صرف

marfat.ocm

تمہارے لئے ہے اور وہ میں تمہیں پوری اور مکمل دوں گا۔

فائدہ الحمید فعیل بمعنی المفعول ہے اور حضرت امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے بمعنی فاعل بھی جائز رکھا ہے۔ یعنی اپنی حمد کرنے والا اور اہل ایمان بندوں کی مدح کرنے والا۔

فائدہ شارح مشکوۃ نے کہا کہ بندے کا حمید سے حظ کا مقصد یہ ہے کہ بندہ کوشش کرے تاکہ ان مقربین کی فہرست میں آجائے جو صرف اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں کسی دوسرے کی وہ حمد کرنا جانتے ہی نہیں۔

فائدہ شیخ ابو القاسم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بندوں کا اللہ کی حمد کا معنی ہے اس کا شکر کرنا لیکن بندے پر لازم ہے کہ وہ منعم کے شہود پر شکر کرے۔ کیونکہ غیبہ حقیقت شکر منعم کے شہود کی یہ ہے کہ شہود نعمت کا شکر کرے۔

مناجات داودی حضرت داؤد علیہ السلام کی مناجات کے الفاظ یہ تھے کہ میں تیرا شکر کروں جبکہ تیرا شکر کرنا بھی ایک تیری نعمت ہے جو مجھے تو نے عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو وحی بھیجی کہ اے داؤد علیہ السلام اب تو نے میرا شکر کیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ بعض اہل اشارہ (صوفیہ کرام رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا ہے کہ تھے ابراہیم خفی اور اس کے رفقاء یعنی اس کے قوائے روحانیہ مجوہ مولو حسیہ و مثلیہ و عقلیہ میں اسوۃ حسنہ اور یہ تھی انہی سے بیزاری یعنی نفس امارہ اور خواہشات (جن کی اتباع کی جاتی ہے) سے بیزاری جو ابراہیم خفی وغیرہ کی اقتداء کرے گا اور اس پر مداومت کرے گا تو مطلوب محبوب تک پہنچ جائے گا اور جو اس اقتداء سے روگردانی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی اقتداء بے نیاز ہے اور وہ فی ذاتہ حمد کیا ہوا اس کی کوئی حمد کرے یا نہ۔

تفسیر عالمانہ عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّجْعَلَ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ پیدا کردے۔ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ تمہارے اور ان کے درمیان میں جو تمہارے دشمن ہیں یعنی تمہارے قریبی رشتہ دار مشرکین۔

قاعدہ عسیٰ اللہ تعالیٰ کے لئے وعدہ پر مستعمل ہوتا ہے جیسے بادشاہوں کی عادت ہے کہ بوقت بعض ضروریات

کر پڑھتے تھے۔

یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ مردوں سے زندہ نکالتا ہے۔

کیونکہ یہ دونوں برگزیدہ صحابہ سے تھے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) لیکن ان کے باپ نہ صرف کافر تھے بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے سب سے بڑے دشمن تھے۔

عجیب نکتہ بعض لوگ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتے تھے اور ان کے والد ابو جہل کو اس کے گزشتہ کرتوت کی وجہ سے عکرمہ اور ابو جہل کو گالی دیتے تھے یہاں تک کہ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

لاتوذوا الاحیاء بسبب الاموات

زندوں کو مردوں کی وجہ سے گالی نہ دو اور نہ ہی انہیں ایذا دو۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دشمنی کو محبت سے تبدیل کر دیا اسی لئے کہ آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔

حدیث شریف میں ہے جو اپنے بھائی مسلمان کو محبت کی نگاہ سے دیکھتا ہے لیکن اس کے دل میں اس کے متعلق کوئی معمولی طور کینہ اور بغض نہیں تو آنکھ جھپکنے سے پہلے ہی اس کے تمام گزشتہ گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

فائدہ سقراط نے کہا محبت والوں کی تعریف ملاقاتی کو سناؤ اس لئے کہ محبت کا اصل دوسرے کی تعریف ہے۔ جیسے دشمنی کا اصل برائی بیان کرنا ہے۔

فائدہ وہی فرماتا ہے کہ تم کامل نہیں ہو سکتے جب تک تیری برائی سے لوگ محفوظ نہ ہوں بلکہ خود دشمن بھی تیری برائی سے محفوظ و مامون ہو۔ پھر تجھے کاملیت کیسے نصیب ہو جب تیری برائی سے تیرے دوست محفوظ و مامون نہیں۔

دعائے داودی حضرت داؤد علیہ السلام کی دعا یہ تھی۔

[illegible]

ترجمہ [illegible]

فائدہ [illegible]

[illegible]

تشریح [illegible]

وتقسطوا الیهم اور انصاف ان کو دو بتروا ؤپر عطف ہے اور تقسطوا انضاء کے معنی میں ہے۔ اسی کی طرح مستعدی ہوتا ہے ای تفضوا الیھم بالقسط والعدل ولا تظلموھم ان کی طرف عدل و انصاف پہنچاؤ ان پر ظلم نہ کرو۔

فائدہ کفار کے ساتھ عدل و انصاف کا حکم فرما کر اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کے ساتھ عدل و انصاف کی تاکید فرمائی ہے۔ (کشاف) امام راغب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ القسط بمعنی نصیب بالعدل جیسے آدھا اب معنی یہ ہوا کہ عدل کرو اور تھوڑا سا حصہ بھیجو طعام وغیرہ کا۔

ان اللہ یحب المقسطین بیشک اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے انصاف والو کو یعنی جملہ معاملات میں انصاف کرنے والوں کو۔

شان نزول مروی ہے کہ قتیلہ بروزن فعیلہ (تصغیر) اس دوران مدینہ طیبہ آئی جس زمانہ میں رسول اللہ ﷺ اور کفار قریش مکہ کے درمیان صلح تھی اور وہ قتیلہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے ہاں حاضر ہوئیں اور چند ہدایا و تحائف لائیں بی بی اسماء نے ہدیئے بھی قبول نہ کئے اور الٹا بی بی اسماء نے قتیلہ کو گھر سے بھی نکال دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اس کے بعد حکم فرمایا رسول اللہ ﷺ نے قتیلہ کو حکم فرمایا کہ وہ بی بی اسماء کے گھر جائیں اور بی بی اسماء کو فرمایا کہ اس کے ہدیئے قبول فرمالیں۔

فائدہ یہ قتیلہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی منکوحہ تھیں جنہیں آپ نے جاہلیت کے دور میں طلاق دے دی تھی۔

شان نزول ۲۔ مروی ہے کہ قوم خزاعہ کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ معاہدہ تھا کہ وہ مسلمانوں کو کچھ نہ کہیں گے اور نہ ہی ان کے خلاف دشمنان دین کی مدد کریں گے اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ آیت بھیجی کہ اہل اسلام قوم خزاعہ کو کچھ نہ کہیں۔

فائدہ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ قتل و اخراج میں بچوں اور عورتوں کو مستثنیٰ رکھا جائے کہ نہ انہیں قتل کیا جائے

[illegible]

فائدہ [illegible]

فائدہ [illegible]

فائدہ [illegible]

حدیث شریف [illegible] [redacted] [illegible]

[illegible]

دیارکم اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا= ان سے مکہ معظمہ کے سرکش اور کفار کے سرغنے مراد ہیں۔ وَظَاهَرُوا عَلٰى اِخْرَاجِكُمْ اور تمہارے نکالنے پر دوسروں کی مدد کی۔ ان سے باقی کفار مراد ہیں کہ جنہوں نے مسلمانوں کو مکہ معظمہ سے نکالنے میں دشمنوں کی مدد کی۔ ان تولوهم (یہ کہ تم ان سے دوستی کرو) یہ موصول سے بدل الاشتمال ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں ان سے دوستی کرنے سے روکتا ہے۔ التولی بمعنی کسی سے دوستی کرنا۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ (اور جو ان سے دوستی کرے گا) فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ پس وہی ظالم ہیں۔ ولایتہ (دوستی) کو دشمنی کی جگہ رکھنے کی وجہ سے اور وہ اپنے اوپر ہی ظلم کرنے والے ہیں کہ خود کو عذاب کے پیش کر دیا اور ایسی دوستی کا حساب بڑا اور ایسی دوستی کا فساد بھی بہت زیادہ ہے اسی لئے تغلیظاً حرف حصر لائے ہیں اور جمع کا صیغہ مبتداء میں جمع کے معنی کی وجہ سے ہے۔

بکسل زدوستان دغاباز وحیلہ ساز
یاری طلب کہ طالب نقش بقا بود

(دغاباز اور حیلہ باز دوستوں سے دوستی ختم کر دے دوستی اس کی طلب کر جو نقش بقا کا طالب ہو اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان سے بنائے جو باقی کے طالب ہیں نہ کہ فانی کے)

فائدہ فقیر (صاحب روح البیان رحمتہ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ دو آیتیں مقابلہ کے امر میں ظاہر ہیں کہ یوں کہا جائے کہ پہلی آیت میں ان تولوهم (ان سے دوستی کرو) جیسے دوسری آیت میں ان سے نفی از دوستی ہے یا برعکس ہے کہ دوسری آیت میں مروت و احسان کی نفی ہے پہلی میں اس کا اثبات ہے جو بھی ہے دلائل عقلی اور شواہد نقلی دلالت کرتے ہیں کہ کافر سے موالات (دوستی) ناجائز ہے مقاتل ہو یا غیر مقاتل بخلاف احسان و مروت کے جہاں کہ غیر مقاتل کے لئے جائز ہے لیکن مقاتل کے لئے بالکل ناجائز ہے جیسے اس سے دوستی ناجائز ہے۔ جہاں احسان و مروت کو ثابت فرمایا ہے یہ باب صلہ امر ظاہر ہے کہ احسان مروت ہونی چاہئے۔ لیکن اس سے دوستی کی نفی ضمناً ثابت ہے۔ ایسے ہی مقاتل (کافر) سے موالاۃ (دوستی) کی نفی صراحۃً ہے لیکن احسان و مروت کی نفی ضمناً ہے۔

نکتہ مقاتل (کافر) سے دوستی کی نفی ظاہر ہے کہ نہ ہو کیونکہ وہ اسلام و مسلمان کا انتہائی دشمن اور بغض سے

بھرپور ہے تو پھر اس سے دوستی کیوں۔

سوال احسان و مروت برے کے ساتھ احسان و مروت کرنا ابرار کا اخلاق ہے تو یہ کافر (مقاتل) بر اسی لیکن اخلاق الابرار کا تقاضا ہے کہ اسی سے احسان و مروت ہونا چاہیے۔

جواب مروت والفت کی مقتضی ہے اور احسان زیادہ گنگ بناتا ہے اور تلوار کند کرتا ہے اور یہ بات تو مجاہد اور جہاد کے درمیان حائل ہو جائے گی اور اس کے حائل ہونے سے اعلاء کلمۃ اللہ نہ ہو سکے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اعلاء کلمۃ اللہ کا حکم فرمایا ہے۔

یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اے ایمان والو۔ کافروں کے دونوں فریقوں (مقاتلین وغیرہ مقاتلین) کے حکم بیان کرنے کے بعد اب ان کا ذکر کرتے ہیں جو ایمان کو ظاہر کریں۔ اِذَجَاءَکُمُ الْمُؤْمِنٰتُ (جب وہ تمہارے پاس مومن عورتیں آئیں ان کا ایمان معلوم ہو اس کے ظاہری حال سے یا وہ خود اقرار کریں یا وہ ایمان کی طلب میں آئیں ہیں۔ اور ایسی عورتوں کو مومن کہنا حرج نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے علم میں مومن ہیں ایسی عورتوں سے غیر اللہ کے امتحان لینے میں کوئی حرج نہیں۔ مُھٰجِرٰتٍ ہجرت کر کے کافروں کو چھوڑ کر یہ المومنات سے حال ہے۔

فَامْتَحِنُوْھُنَّ تو ان سے امتحان لو۔ پورا آزماؤ یہاں تک کہ تمہارا گمان غالب ہو جائے کہ ایمان کے متعلق ان کی زبان کی طرح ان کے قلوب بھی تمہارے موافق ہیں۔

الجوبہ مکہ معظمہ وغیرہ میں جب کوئی عورت اپنے شوہر کو ضرر رسانی کا ارادہ کرتی تو کہتی میں عنقریب (حضرت) محمد (ﷺ) کی طرف ہجرت کر جاؤں گی اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان سے امتحان لینے کا حکم فرمایا اور جب حضور علیہ الصلوۃ والسلام ان کا امتحان لیتے تو کلمات ذیل اس عورت سے کہلواتے۔

"قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں میں اپنے شوہر سے بغض کی وجہ سے نہیں نکلی ہاں بغض فی اللہ اور حب فی اللہ (یعنی شوہر سے اللہ کے بغض اور اس کی محبت کی وجہ سے) نکلی ہوں بخدا کسی مرد کے عشق میں نہیں آئی۔ نہ ہی کسی دوسرے حادثہ سے بچ کر آئی ہوں بخدا رغبت اسلام کی وجہ سے اور محض اللہ تعالیٰ

اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی محبت لے کر آئی ہوں جب اس سے امتحان ہو جاتا اور وہ عورت اس ذات کی قسم سے اعتبار دلاتی جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں حضور نبی پاک ﷺ اس کے مرد نے اس پر جو کچھ خرچ کیا اور مہر وہی اسے عورت سے واپس کرادیتے لیکن عورت مرد کو واپس نہ کرتے۔

شان نزول سہیلی نے فرمایا کہ یہ آیت ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے متعلق نازل ہوئی۔ یہ بی بی حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ ان سے ہی حضرت ابراہیم بن عبدالرحمن بن عوف پیدا ہوئے تھے۔ اور یہ بی بی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خیفی (مادری) بہن تھیں یعنی اروی کی لڑکی تھیں۔

مسئلہ آیت سے ثابت ہوا کہ اپنے موقعہ محل میں اچھا ہے اور نافع ہے اسی لئے شب زفاف (منکوحہ کا پہلی شب شوہر کے پاس گزارنا) عورت کا امتحان لیا جاتا ہے مثلاً اس سے ایمان کا سوال کیا جائے اور سوال ایسے آسان طریقے سے ہو کہ لب آسانی سے دے سکے یا اس کے جواب کا بھی اشارہ کر دیا جائے ایسا نہ ہو کہ خدا نخواستہ اگر وہ کہہ دے کہ ماعرف (میں ایمان کے متعلق کچھ نہیں جانتی) تو وہ فوراً اسی وقت بائنہ ہو جائے گی۔

خوش بود گر محک تجربہ آید بمیاں   تاسیہ روئی شود ودرد غش باشد

ترجمہ بہتر ہے کہ تجربہ کی کسوٹی درمیان میں آئے جھوٹا ہو تو اس کی ابھی سے رسوائی ہو جائے۔

اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِهِنَّ (اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے) بہ نسبت تمہارے کیونکہ وہ قلوب کے اسرار سے بھی باخبر ہے۔ اسی لئے ان کے امتحان کی ضرورت نہیں اور نہ ہی یہ کسی بشر کے لائق ہے کہ وہ اس کا امتحان لے یہ جملہ معترضہ ہے۔

فان علمتموھن پس اگر تم ان کے متعلق امتحان کے بعد معلوم کر لو۔ مومنت کہ وہ واقعی مومن عورتیں ہیں یعنی اس علم سے معلوم کر لو جس سے تمہیں یقین ہو سکے یعنی حسن غالب سے ان سے قسم لے کر اور ان سے نشانات کے ظہور سے اس کا نام علم اس لئے لکھا تاکہ معلوم ہو کہ ظن غالب ار علامات بھی اس کے قائم مقام

ہیں۔ اس معنی پر علمتموھن میں استعارہ تبعیہ ہے۔

وَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ تو پھر انہیں کافروں کو واپس نہ دو۔ یعنی انہیں ان کے کافر شوہروں کو واپس نہ دو۔

حل لغات الرجع سے ہے بمعنی الرد الرجوع سے نہیں۔ اسی لئے یہ مفعول کی طرف متعدی بنفسہ ہے یعنی کافر شوہروں کو واپس نہ دو۔ کیونکہ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ نہ وہ ان کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ ان کے لئے ہو سکتے ہیں۔ یہ واپس نہ دینے کی تعلیل ہے یعنی مومن عورت کافر کو نہ دو کیونکہ عورت اسلام سے مشرف ہے اور کافر کے خبث کفر کی وجہ سے اس کے لئے مسلمہ عورت کا نکاح نہیں۔ خلاصہ یہ کہ نہ مومنہ عورتیں کافروں کو حلال ہیں اور نہ کافر مردان مومنہ عورتوں کو حلال ہو سکتے ہیں فلہذا ان کے درمیان جدائی کر دی جائے۔

فائدہ تاکید حرمت کے لئے ہے ورنہ جانب واحد سے حرمت کا بیان کافی تھا یا یہ کہ پہلا زوال نکاح کے لئے ہے دوسرا نکاح جدید کے امتناع کے لئے ہے۔ واٰتوھم ما انفقوا اور جو انہوں نے خرچ کیا وہ ان کو دو وہ جو انہوں نے خرچ کیا یہ حکم ثانی ہے۔ یعنی مہر وغیرہ ان کے شوہروں نے دی تھی اور وہ انہیں واپس کر دو اور یہ بیان کہ مردوں کو ان عورتوں کے مہر وغیرہ لوٹا دو۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ صلح حدیبیہ میں کافروں کے ساتھ شرط منظور کی گئی کہ جو حضور نبی پاک ﷺ کے ہاں حاضر ہو گا وہ کافروں کو واپس کر دیا جائے گا۔

شان نزول صلح حدیبیہ کے بعد بی بی سیعہ بنت الحارث اسلمیہ مسلمان ہو کر حضور سرور عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ ابھی حدیبیہ میں تھے اس کا شوہر مسافر مخزومی نے حاضر ہو کر عرض کی کہ میری عورت واپس کر دیں کیونکہ آپ نے معاہدہ میں لکھ دیا ہے کہ جو بھی آئے گا اسے واپس کر دیا جائے گا۔ اس پر یہ آیت اتری کہ معاہدہ مردوں کی واپسی کے لئے تھا۔ عورتوں کے لئے نہیں تھا۔ اس کے بعد حضور سرور عالم ﷺ بی بی سبیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مذکورہ بالا طریق سے حلف لے کر اس کے شوہروں کو مہر وغیرہ عطا فرما لیا اور بی بی مذکورہ کا

نکاح حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے کردیا۔

نکتہ مردوں کی واپسی کا حکم دیا تو عورتوں کا کیوں نہیں تو اس کی وجہ ظاہر ہے کہ عورتیں کمزور ہوتی ہیں کہ وہ اپنا دفاع نہیں کرسکتیں اور فتنے پر صبر نہیں کرسکتیں۔

مسئلہ اللباب میں ہے کہ یہ خطاب امام (حاکم وقت) کو ہے کہ وہ جس کا مصرف متعین نہیں تو وہ مال بنسبت سے دے۔

مسئلہ جو عورت مقیم ہو اور شرک میں مبتلا ہو تو وہ کافروں کو دے دی جائے گی۔

مسئلہ مردوں کا کتابیہ سے نکاح جائز ہے کیونکہ مرد عورتوں کے افسر ہیں اس کا تسلط کتابیہ عورت پر ایسے نہ ہو گا جیسے کافر کا مسلمہ پر ہو گا۔

فائدہ خرچ و مہر وغیرہ کی واپسی کا حکم محض اس لئے ہے تاکہ اہل اسلام کو احسان و مروت کے متعلق آگاہی ہو۔ ورنہ یہ مسئلہ مشہور ہے کہ عورت مہر کی مکمل طور مالک ہوتی ہے جب اس کے ساتھ مرد ملے دن یا رات کے کسی حصہ میں خلوت صحیحہ کا موقعہ مل جائے گا اگرچہ اس سے استمتاع (جماع وغیرہ) کا موقعہ میسر بھی نہ آئے۔

نکتہ انفاق (مہر وغیرہ کی واپسی) میں اسلام کی جانب ان کی تالیف والمہ قلوب مطلوب ہے۔

مسئلہ آیت سے ثابت ہوا کہ متولی جو بھی ہو (باپ ہو بیٹا ہو وغیرہ وغیرہ) کو چاہیئے کہ وہ مسلمان عورت کافر کے نکاح میں نہ دے ایسے ہی وہ اہل بدعت (عقیدہ سیہ) مسلمان عورت نہ بیاہی جائے جس کی بدعت کفر کی طرف عورت کو کھینچ کرلے جائے۔ (جیسے مرزائیت پرویزیت وہابیت رفض وغیرہ)

مسئلہ اگر کوئی نکاح غلطی سے ہو گیا ہے تو حاکم پر ضروری ہے کہ وہ نکاح فوراً فسخ کردے اگر ناکح کی بدعت (سیہ عقیدہ) ظاہر ہو (یعنی شرعی شہادت سے ثابت ہو جائے) یہاں تک کہ وہ تائب ہو (صدق دل سے) پھر اس کے ایمان

و نکاح کی تجدید ہو۔

مسئلہ حضرت شفلی (امام فقہ رحمتہ اللہ علیہ) سے سوال ہوا کہ کیا معتزلی مرد کا سنی عورت سے نکاح صحیح ہے آپ نے فرمایا نہیں (مجمع الفتاوی)

بدمذاہب سے نکاح و بیاہ کی تحقیق جس طرح معتزلہ سے اہل سنت کی عورتوں کا نکاح صحیح نہیں ایسے ہی تمام بدمذاہب[لے] کا حال ہے کہ جن کے عقائد اہلسنت کے عقائد کے خلاف ہیں اور ان کے عقائد پر کفر لازم ہے یا کم از کم ان کو گمراہی کا فتوی صادر ہو چکا ہو اور ایسے مرتد اور گمراہ فرقوں کی ہمارے دور میں بہتات ہے۔

جاہل صوفیہ بعض تفاسیر میں ہے کہ ہمیں بہت بڑا خطرہ ان اہل بدعت سے ہے جو صوفیاء میں سے چند جاہلوں نے مل کر یہ عقیدہ گھڑا ہے کہ ان کا شیخ (پیرو مرشد) قطب زماں ہے (جیسے ہمارے دور میں بعض جاہل لوگ اور بے عمل پیروں کو قطب زماں اور غوث العصر وغیرہ ایسے القاب دیئے جاتے ہیں جس سے خود القاب پناہ مانگتے ہیں) اور اس کی اقتداء ہر مسلمان پر واجب ہے اگرچہ وہ اس کے مریدین سے بھی نہ ہو اگر کوئی اس کی اقتداء نہ کرے تو وہ کافر ہے۔

جاہل صوفیوں کی دلیل ایسے جاہلوں نے ایک حدیث شریف سے استدلال کیا کہ حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ جو مر گیا اور اپنے زمانے کے امام کو پہچانا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔ طریقہ استدلال یہ کہ حدیث شریف میں امام سے ان کو پیرو مرشد قطب وقت مراد ہے تو اب حدیث شریف کا معنی ہوا کہ جس نے ان کے شیخ (پیرو مرشد) کی قطبیت کو نہ مانا اور اس کی اتباع نہ کی تو اس کا خاتمہ خراب ہو گا۔

جاہل صوفیوں کی تردید ان جاہل (صوفیوں) نے حدیث شریف سے استدلال کیا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ

(حاشیہ [لے] یہ گیارہویں صدی کی بات ہے نامعلوم صاحب تفسیر روح البیان کے دور میں کون سے گمراہ فرقے تھے اور ان کے کیا کیا عقائد تھے۔ ہمارے دور میں پندرہویں چودھویں صدی میں بھی گمراہ اور مرتد فرقوں کی بہتات ہے ان سب کی تفصیل اور ان کے عقائد اور ان کے اسماء اور ان کی شاخوں کی تحقیق و تشریح فقیر کی کتاب "فرقے ہی فرقے" پڑھیے۔ اویسی غفرلہ)

امام سے مراد خلیفہ و سلطان ہے اور وہ بھی قریشی اس کا اصل وہ حدیث شریف ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا۔

الامام من قریش ومن عداهم تبع لهم امام قریش سے ہے اس کے ماسوا باقی اس کے تابع ہیں۔ جیسے حدیث شریف آل عثمان کے ساتھ کیونکہ شریف مکہ ایک ذات ہے اس کی اپنی کوئی قوت نہیں اسی لئے آل عثمان کو اللہ تعالیٰ نے ان کی قوت بنا کر اس کو واحد الذات بنا دیا گویا هو الذی ایدک بنصره وبالمومنین کا راز یہی حضرات ہیں یعنی اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے اپنی اور اہل ایمان کی مدد سے تمہاری مدد کی (اس اشارہ کو اچھی طرح سمجھ لے)

جواب ۲ امام سے اسی زمانہ کے نبی علیہ السلام مراد ہیں اور وہ آخر الزمان نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں بطریقہ اشارہ آپ ہی قطب زمان ہیں۔

جواب ۳ قطبیت عظمیٰ کے چند شرائط ہیں اور یہ ہمارے دور کے مدعی یا ان کے مریدین جھوٹے لوگوں کو قطب بنائے پھرتے ہیں۔ ان شرائط میں ایک بھی نہیں پائی جاتی (بلکہ الٹا پروگرام ہے کہ نہ داڑھی نہ نماز، نہ حقوق العباد کی پرواہ، نہ حقوق اللہ کی پابندی، نہ شرع مطہرہ کی پابندی، وغیرہ وغیرہ) اسی لئے ایسے جاہل اور بے عمل پیروں کے لئے قطبیت کیسے ثابت کی جائے۔

جواب ۴ اگر کسی کی قطبیت ثابت ہو تب بھی اس کی محبت کا حکم خداوندی کہاں (ہاں اگر کسی خوش قسمت کو اس کی قطبیت سے آگاہی ہو جائے تو پھر اس پر عین ضروری ہے کہ ان کی صحبت یک زمانہ صد سالہ طاعت بے ریاء سے بہتر سمجھے) کیونکہ یہ معاملہ مبنی بر باطن ہے اور یہ قدرت کا قانون ہے کہ اقطاب سے آگاہی گنتی کے چند افراد کو ہوتی ہے۔ اور وہ خود بھی قطبیت کے اظہار کو خارج از حکمت سمجھ کر اسے مخفی رکھنے کی کوشش فرماتے ہیں۔

ہائے کیا ہوتا جارہا ہے؟ ہاں قرب قیامت میں ہر چیز میں تغیر و تبدل آجائے گا ہر سال ہر ماہ میں ہفتہ میں یوم در یوم تغیر و تبدل ہوتا رہے گا یہاں تک کہ اخیار (برگزیدہ) لوگ اٹھتے چلے جائیں گے اس لئے کہ قیامت قائم نہیں

ہوگی مگر شرارتی لوگوں پر۔

حدیث شریف مرفوع حدیث شریف میں بخدا جو زمانہ آئے گا اس کے بعد والا زمانہ برا ہوگا یہاں تک کہ تم اپنے رب تعالیٰ سے ملو گے۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا۔

روزے اگر غمے رسدت تنگ دل مباش　　رو شکر کن مباد کہ از بد تر شود

(اگر تمہیں کسی دن غم پہنچے تو تنگ دل نہ ہو جا بلکہ شکر کر کہ اس سے بڑھ کر کسی اور سخت مصیبت میں مبتلا نہیں ہوا)

حدیث شریف حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی علیہ السلام جسے بھی مجھ سے پہلے مبعوث فرمایا گیا اس کے حواریین ہوتے تھے اور اصحاب بھی جو ان کی سنت پر عمل کرتے اور اس کے امر کی اقتداء کرتے بعد والے نااہل آتے تو جو کہتے اس پر عمل نہ کرتے اور وہ کرتے جس کا انہیں امر نہ ہوتا جو ان سے ہاتھ سے جہاد کرتا وہ مومن ہوتا اور جو ان سے زبان سے جہاد کرتا وہ مومن ہوتا اور جو ان سے قلب سے جہاد کرتا وہ مومن ہوتا اس کے ماسوا جو ہوتا اس کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان نہ ہوتا (مسلم شریف)

حدیث شریف نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ نیک لوگ چلے جائیں گے اسی طرح ایک ایک ہو کر چلتا جائے گا یہاں تک کہ باقی رذیل لوگ رہ جائیں گے جیسے ردی جو یا ردی کھجور کی طرح بیکار جن کی اللہ تعالیٰ کو کوئی پرواہ نہ ہوگی۔

فائدہ پہلا تغیر امراء (احکام آفیسر، دنیادار، زمیندار وغیرہ وغیرہ) میں پھر علماء میں پھر فقراء (پیری مریدی کا دھندا کرنے والے) میں آئے گا (اسی طرح پھر دین کے شعبہ میں کام کرنے والوں میں مثلاً قراء حفاظ شعراء، نعت خوان، آئمہ مساجد، موذنین، مولوی نما، نیکی نما وغیرہ وغیرہ)

سبق ہر گروہ میں اہل ہدی بھی ہوتے ہیں اہل ہوی بھی (خواہشات نفسانی کے قیدی) اور اے عزیز تم اہل ہدی

میں رہتا یا کم از کم ان کے مشابہ ہوتا کیونکہ جو کسی قوم کے مشابہ ہوتا ہے وہ ان میں سے ہوگا جو کسی جماعت میں کثرت کا سبب بنتا ہے وہ انہی میں سے ہوگا۔

حدیث شریف حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا جو کسی قوم سے محبت کرتا ہے ان کے اعمال کی وجہ سے تو وہ قیامت میں انہیں کے زمرہ میں اٹھایا جائے گا اور انہی کے ساتھ ہی اس کا حساب ہوگا اگرچہ وہ ان کے اعمال کے مطابق عمل نہ کرسکے[۱]

(حاشیہ[۱]) اسی لئے ہمیں خوشی ہے کہ ہم بفضلہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ کے رسل کرام اور ان کے صحابہ عظام اور ان کے اہلبیت کرام اور اولیاء اللہ اور محبوبان خدا سے محبت کرتے اور ان سے عقیدت اور نسبت کا دم بھرتے ہیں اور اسی کو ہی اپنا سرمایہ آخرت سمجھتے ہیں کیونکہ۔

حب درویشاں کلید جنت است دشمن ایشاں لائق لعنت است

(درویشوں (اولیاء) کی محبت بہشت کی کنجی ہے ان کا دشمن لعنت کا مستحق ہے)

اگرچہ ہمیں ان کی طرح اعمال صالحہ کی دولت نصیب نہیں لیکن ان کی محبت و عقیدت قیامت میں ضرور کام آئے گی۔ یہی مضمون احادیث صحیحہ میں بھی آیا ہے۔ چنانچہ بخاری و مسلم میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کی یارسول اللہ متی الساعۃُ قیامت کب ہے آپ نے فرمایا ما اعددت لھا تیرے لئے افسوس تو نے اس کے لئے کیا تیار کیا ہے۔ عرض کی ما اعددت لھا الا انی احب اللہ و رسولہ میں نے کچھ تیار نہیں کیا سوائے اس کے کہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا المرء انت مع من احببت ہر مرد اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔

قَالَ اَنَسٌ فَمَا رَأَیْتُ الْمُسْلِمِیْنَ فَرِحُوْا بِشَیْءٍ بَعْدَ الْاِسْلَامِ فَرِحَھُمْ بِھَا حضرت انس نے کہا نہیں دیکھا میں نے مسلمانوں کو خوشی ہوئی ہو ساتھ کسی چیز کے اسلام لانے کے بعد مانند خوشی ہونے ان کے ساتھ اس کلمہ کے (مشکوۃ شریف باب الحب فی اللہ)

فائدہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خوشی پر غور فرمایئے وہ یہ کہ انہیں اعمال صالحہ پر بھروسہ نہ تھا لیکن جب

(جاری)

تفسیر عالمانہ وَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ اور تمہارے اوپر کوئی گناہ نہیں۔ یہ تیسرا حکم ہے۔

حل لغات جنحت السفینتہ کشتی مائل ہوئی یعنی ایک وہ جانبوں سے ایک طرف مائل ہوئے چونکہ گناہ انسان کو حق سے باطل کی طرف جھکا دیتا ہے اسی لئے اسے جناح سے تعبیر کیا جاتا ہے پھر ہر گناہ کو جناح کہا جاتا ہے۔

ان تنکحوھن یہ کہ ان سے نکاح کرو یعنی مہاجرات سے لو ان سے نکاح کرلو اگرچہ دار الحرب میں ان کے شوہر کفار موجود بھی ہوں کیونکہ ان کے اور ان کے شوہروں کے درمیان اسلام حائل ہو گیا ہے۔

رسول ﷺ اپنا بہترین سرمایہ محسوس کر کے خوشی منائی۔ دورہ حاضرہ میں یہی سرمایہ الحمد للہ اہلسنت کے پاس ہے اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ۔

کسی کو بھروسہ ہے طہارت پر عبادت پر
ہمیں تو سہارا ہے محمد کی شفاعت پر ﷺ

(اور یاد رہے سچی محبت صاحب کرامت بنا دیتی ہے چنانچہ روض افکار میں ہے کہ ایک عورت حضور نبی پاک ﷺ کا وعظ سننے کے لئے گھر سے باہر نکلی تو اسے راہ میں ایک نوجوان ملا اس نے پوچھا کہاں جاتی ہے کہا نبی ﷺ کا وعظ سننے کہا کیا تو اپنے دوست رکھتی ہے عورت بولی بیشک میں اپنے دل سے دوست رکھتی ہوں۔ کہا تو میں تجھے اس کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ تو اپنے چہرے سے نقاب اٹھا تاکہ میں تیرا چہرہ دیکھوں۔ عورت نے ایسا ہی کیا اور گھر پہنچ کر خاوند سے یہ قصہ دہرایا خاوند تنور آگ سے بھر کر کہا میں تجھے اس کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ لو اس میں آ کر بیٹھو۔ جانباز عورت نے فوراً تنور میں اپنی جان جھونک دی۔ شوہر یہ دیکھ کر سٹ پٹایا اور جناب رسول اللہ کریم علیہ التحیتہ والتسلیم کی خدمت میں اس واقعہ کی خبر دی۔ آپ نے فرمایا تو واپس جا اور تنور کھول کر دیکھ خاوند گھر کو واپس آیا تنور کھول کر دیکھتا ہے کہ وہ صحیح سالم موجود ہے (خیر المواض جلد دوم باب مناقب سید الاولین والاخرین)

اذا اتیتموھن اجورھن جب تم انہیں ان کے مہر دو۔ اذا ظرفیہ محضہ ہے یا شرطیہ تو اس کا جواب محذوف ہے جس پر اس کا ما قبل دلالت کرتا ہے۔

فائدہ ان کے مہر ادا کرنے میں آگاہ کرتا ہے کہ جو کچھ ان کے کافر شوہروں کو دیا گیا ہے وہ اس مہر کے قائم مقام نہیں کیونکہ آیت کا ظاہر دلالت کرتا ہے کہ دو بار دینا ہے۔ ایک بار ان کے کافر شوہروں کو ایک بار عورتوں کے مہر۔

فائدہ التیسیر میں ہے کہ ان کے ظہور بالالتزام ادا کرو۔ یہاں ادائیگی کا حقیقی معنی مراد نہیں۔ جیسے **حتی یعطوا الجزیۃ عن** یہاں تک ادا کریں جزیہ ہاتھ سے یعنی اسے بالالتزام ادا کریں۔

مسئلہ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اسی آیت سے استدلال فرمایا کہ اگر احد الزوجین (زن و شوہر میں سے کوئی ایک) دار الحرب سے مسلمان ہو کر آئے یا ذمی ہو کر اور دوسرا حربی (کافر) رہے تو جدائی (طلاق) واقع ہو جائے گی۔ وہ فرماتے ہیں ایسی عورت پر ہجرت کی وجہ سے عدت نہیں اور نہ ہی ذمیہ مطلقہ پر اور نہ ہی متوفی عنہا الزوج پر اور فرماتے ہیں اس عورت سے نکاح جائز ہے ہاں حاملہ ہو تو بعد وضع حمل پر نکاح کیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مہر کی ادائیگی کے بعد ہر وجہ سے گناہ کی نفی فرمائی ہے اس میں عدت گزارنے کی کوئی قید نہیں اور صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ایسی عورت پر عدت ہے۔ ہدایہ (کتاب فقہ) میں ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں فرمایا جن کے اعتقاد میں ہو کہ ایسی عورت پر کوئی عدت نہیں ہاں حاملہ کے لئے عدت کا حکم ہے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ دوسرے کی کھیتی کو اپنا پانی نہ پلائے۔

ولا تمسکوا بعصم الکوافر (اور کافرنیوں کے نکاح پر جمے نہ رہو) یہ چوتھا حکم ہے۔

حل لغات الامساک بمعنی (مضبوطی سے پکڑنا) یہ باء سے متعدی ہوتا ہے۔ عصم (عصمۃ) کی جمع ہے۔ بمعنی وہ جسے مضبوط پکڑا جائے جیسے عقد (نکاح) اور سبب وغیرہ اور الکوافر کافر کی جمع ہے کوافر (عورتوں) کے دو گروہ تھے

۱۔ ہجرت نہ کی اور دارالکفر میں کفر پر ثابت رہیں۔

۲۔ ہجرت کے بعد مرتد ہو کر اپنے کفار شوہروں سے جا ملیں۔ اب معنی یہ ہوا کہ تمہارے اور مشرکات عورتوں سے کوئی عصمت (عقد) اور کوئی تعلق زوجیت نہیں ہونا چاہیئے۔

مسئلہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جس کی عورت (مثلاً مکہ معظمہ) میں ہو یا (مدینہ والے) کی عورت شمار نہ ہوگی۔ جیسے بعض اہل تفاسیر نے فرمایا۔

فائدہ یہاں پر عصمت ۔سے مراد نکاح ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ جس کی عورت کافرہ مکہ معظمہ میں ہو یا (مدینہ منورہ) سے مرتد ہو کر واپس مکہ معظمہ چلی گئی تو اس عورت کی کوئی عدت نہیں اور نہ ہی یہ مدینہ طیبہ کے باشی کی عورت شمار ہوگی کیونکہ اختلاف دارین سے نکاح کا تعلق منقطع ہو جاتا ہے۔ اب اس شخص (مدینہ شریف والے) اس کے سوا چوتھی عورت سے اور اس کی بہن کے ساتھ بغیر انتظار عدت کے گزارنے نکاح کو ناجائز ہے۔ خلاصہ یہ کہ تم کو لائق نہیں کہ کافرہ عورتوں کو اپنے پاس رکھو یا ان کو اپنی عورتیں شمار کرو۔

مسئلہ اس میں اشارہ ہے ان عورتوں کے حکم کی طرف جو دارالکفر میں رہ رہی ہیں اور وہ مسلمان نہیں ہوئیں اور نہ ہی اپنے شوہروں کے مسلمان ہونے اور ہجرت کرنے کے بعد مسلمان ہوئی ہیں۔ (اب وہ ان مسلمانوں کی عورتیں نہیں)

مسئلہ حضرت نخعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اس سے وہ مسلمان عورتیں مراد ہیں جو کافر ہو کر دارالحرب کو چلی گئی ہیں۔ اس معنی پر ولا تمسکوا الخ یاایھا الذین امنوا اذجاءکم المومنات الخ کے مقابلہ میں ہوگا یعنی اذجاءکم المومنات میں ان عورتوں کی طرف اشارہ ہوگا جو مسلمان ہو کر دارالحرب سے ہجرت کر کے دارالاسلام میں آگئی ہیں اور ولا تمسکوا الخ میں ان عورتوں کی طرف اشارہ ہے جو مرتد ہو کر دارالاسلام سے دارالحرب کو چلی گئی ہیں۔ بہرحال ہر دونوں تفسیروں سے ان کے اور ان کے ازواج کے درمیان عقد نکاح منقطع ہو گیا اور اختلاف دارین کی وجہ سے ان کا آپس کا تعلق زوجین وغیرہ ختم شد۔

فائدہ آیت میں عصمت سے رکاوٹ ہے اور آیت میں عقد نکاح مراد ہے جو کہ وہی سبب ہے ان کے ازواج کو ان کے زوجات سے بچانے سے علی الاطلاق منع کرنے کا۔ اب معنی یہ ہوا وہ عقد جو تمہیں اختلاف دارین پہلے حاصل تھا اب اسے شمار نہ کرو۔

مسئلہ حنفیہ رحمہم اللہ کے نزدیک ان کی یہ فرقت عورت یا مرد کے دارالسلام میں پہنچتے ہی طلاق واقع ہو جائے گی۔ اسے جدید طلاق کا انتظار کرنا نہیں ہوگا۔ سیدتا بی بی زینب بنت رسول اللہ ﷺ مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ کو ہجرت کر کے تشریف لائیں اور ابو العاص ابھی مکہ معظمہ میں کافر ہو کر رہ رہے۔ لیکن بعد کو وہ مدینہ طیبہ کو ہجرت کر کے آئے اور مسلمان ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی زوجہ مکرمہ سیدتنا بی بی زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کے سپرد فرمادیں۔

مسئلہ اگر زن و شوہر اکٹھے مسلمان ہو جائیں یا کتابیہ کا شوہر اسلام قبول کرے تو انہیں اسی نکاح پر بالاتفاق برقرار رکھا جائے گا۔

مسئلہ اگر مسلمان ہو جائے اگر وہ مدخول بہا (شادی شدہ) ہے اور ہے بھی عدت میں پھر مرد مسلمان ہو گیا تو ان دونوں کا نکاح برقرار رہے گا۔

مسئلہ اگر عورت غیر مدخول بہا ہے تو زن و شوہر کے درمیان فرقت واقع ہو جائے گی۔ (اگر بعد کو اس کا شوہر مسلمان ہوا ہو) یہ فرقہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فسخ ہوگا۔ اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کے شوہر کو اسلام پیش کیا جائے۔ اگر مسلمان ہو جائے تو یہ عورت (غیر مدخول بہا) اسی کی ہے ورنہ قاضی (حاکم وقت) ان کو آپس میں جدا کر دے کیونکہ اس کے شوہر نے اسلام سے انکار کیا ہے اور یہ جدائی امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک طلاق ہوگی اور امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک فسخ ہوگا اس عورت کا کامل مہر ہے اگر مدخول بہا ہے ورنہ بالاتفاق کوئی مہر نہیں۔

مسئلہ اگر مسلمان احد الزوجین (زن و شوہر میں کوئی ایک مرتد ہو جائے۔ (معاذ اللہ) تو امام ابو حنیفہ و امام مالک رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا کہ ارتداد کے وقت بلا تاخیر اس کی عورت میں فرقت واقع ہو گئی۔ وہ مدخول بہا ہو یا غیر مدخول بہا اور امام شافعی و امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر ان کے کسی ایک کا ارتداد (معاذ اللہ) قبل دخول ہے تو یہ نکاح فسخ ہو گیا۔ اگر بعد دخول ہوا تو فرقت واقع ہو گی لیکن عدت گزارنے کے بعد۔

مسئلہ اگر ان دونوں میں سے مرتد نے عدت میں ارتداد سے رجوع کر کے اسلام قبول کر لیا تو ان کا نکاح برقرار رہے گا ورنہ عدت کے بعد نکاح فسخ ہو جائے گا۔

مسئلہ اگر مرتدہ زوجہ ہوئی اور وہ بھی دخول کے بعد تو اسے کل مہر دی جائے گی اور قبل دخول ہوئی تو مہر نہیں دی بائے گی۔

مسئلہ اگر مرتد زوج ہوا تو عورت مدخول بہا کو کل مہر ملے گی اور غیر مدخول بہا کو نصف مہر ملے گی۔ یہ بالاتفاق ہے۔ (کسی امام کا اس میں اختلاف[1] نہیں)

انتباہ سہل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے ثابت ہوا کہ کسی بھی اہل البدع (بدمذہب) سے ان کے کسی عقیدہ (طریقہ) میں موافقت[2] نہ کرو۔

واسئلوا ما انفقتم اور مانگ لو جو تمہارا خرچ ہوا یہ پانچواں حکم ہے یعنی ایمان والو! کافروں سے مانگ لو وہ جو تم نے مہور وغیرہ کا ان عورتوں پر خرچ کیا ہے جو مرتد ہو کر کافروں کے پاس چلی گئی ہیں۔ یعنی وہ عورت جو مرتد ہو کر دار الحرب کو چلی گئی تو ان کی مہر سابق ان کے ان شوہروں سے طلب کرو جن کے ساتھ ان کا نکاح ہوا۔

(حاشیہ[1] فتح الرحمن ۱۲۔ اویسی غفرلہ)

(حاشیہ[2] اس میں صلحکلیوں کے منہ پر طمانچہ ہے جو اس جدوجہد میں ہیں کہ ہر کلمہ گو بھائی کو ساتھ لے کر چلو خواہ وہ کتنا ہی گستاخ رسول اللہ ﷺ اور گستاخ صحابہ و اہلبیت و اولیاء کرام رضی اللہ عنہم ہے۔ (معاذ اللہ)

فائدہ شاید یہ اہل ایمان کے دل خوش کرنے کے لئے ہے کہ کافر اگر عورتوں کے مہور وغیرہ کے مطالبہ کا حق رکھتے ہیں تو تم بھی ان کے بالمقابل حق رکھتے ہو۔ یہی عدل و انصاف کا تقاضا ہے ورنہ اہل کرم تو ایسے مطالبہ سے مستغنی ہیں۔

وَلْيَسْـَٔلُوا اور مانگ لیں کفار تم سے ماانفقوا وہ جو انہوں نے خرچ کئے اپنی مہاجرات عورتوں پر مہور وغیرہ یعنی ہر وہ حربی مانگ لے جس کی عورت مسلمان ہو کر دارالاسلام کی طرف ہجرت کر آئی ہے۔ اس مسلمان سے جس سے اس کا نکاح ہوا ہے مہور وغیرہ یعنی جب زوجیت کا تعلق منقطع ہوا مومن و کافر کا مومنہ و کافرہ عورت سے تو ہر ایک پر لازم ہے کہ وہ اپنی عورت (مومنہ) کو (یا کافرہ کو) مہر وغیرہ واپس کردے۔

فائدہ ظاہر آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ولیسالوا الخ کے حکم کے مطابق کفار بھی احکام شرعیہ کے مخاطب ہیں۔ اس میں اہل ایمان کو بھی ادائیگی مہر کا حکم ہے ان کے لئے یہ حکم مجازا ہوگا یعنی براہ راست نہ ہوگا کیونکہ یہ اطلاق الملزوم وارادہ اللازم کے قبیل سے ہوگا۔ جیسے ولیجدوا فیکم غلظته چاہئے وہ تمہارے حق میں سختی پاتے ہیں۔ یہ لازم ہے اس کو کہ حکم ہو واغلظوا علیہم تم ان پر سختی کرو۔ ذلکم وہ جو اس آیت میں احکام مذکور ہوئے۔ حکم اللہ اللہ تعالیٰ کا حکم۔ یعنی یہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا لازم ہے کہ اس کی رعایت کی جائے اور فرمان الٰہی يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ (تمہارے درمیان فیصلہ فرمائے گا) جملہ مستانفہ ہے حکم کی رعایت اور اس پر عمل کرنے کی تاکید اور برانگیختگی ہے۔

فائدہ فتح الرحمن میں فرمایا کہ یہ حکم لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ سے منسوخ ہے (اگرچہ وہ تلاوت میں پہلے ہے لیکن نزول میں بعد کو ہے اور یہ عام ہے)

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ اور اللہ تعالیٰ تمہاری مصلحتوں کو خوب جانتا ہے۔ حکیم حکمت والا ہے جیسے اس کی حکمت بالغہ کا تقاضا ہے۔

فائدہ ابن العربی نے فرمایا کہ یہ حکم اس زمانہ میں مخصوص حادثہ واقعہ سے خاص ہے (عام نہیں)

فائدہ الزہری نے فرمایا کہ اگر یوم حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ مکہ کے درمیان صلح اور معاہدہ نہ ہوتا تو عورتوں کو (جو ہجرت کر کے آجائیں) اپنے پاس رکھ لیا جاتا اور ان کی مہر بھی نہ دی جاتی ایسے ہی جو مسلمان عورتیں معاہدہ سے پہلے آگئیں تھیں۔ ان کا بھی یہی حکم تھا۔

شان نزول مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں نے کافروں سے مسلمان عورتوں کے مہو وغیرہ کا مطالبہ کیا تو مشرکوں (کافروں) نے انکار کر دیا کہ وہ مسلمان ہونے والی عورتوں کے مہور وغیرہ ادا کریں بلکہ کہا کہ ہمیں کچھ معلوم نہیں کہ ہم نے تمہارا کوئی حق دینا ہے۔ اگر کچھ دینا ہے تو تم ہی اس کی کوئی وجہ بیان کرو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ وان فاتکم اور اگر نکل جائیں۔

حل لغات فات از فوت شے کے حصول کے بعد انسان سے ایسی نکل جائے کہ اس کا ادراک متعذر ہو اس کا متعدی ہونا الی سے سبق یا انقلاب کے معنی کو متضمن ہے جس پر فاتوا الذین ذہبت ازواجہم الخ آو ان کو جن کی طرف یعنی کفار کی طرف ان کی عورتیں چلی گئیں ہیں) دلالت کرتا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ سبقت کر گیا اور چلا گیا یعنی نکل گیا تمہارے سے (اچانک اور بغیر تردد و تدبر کے نکل گیا۔ خلاصہ یہ کہ اگر تمہارے سے اے مومنو! فوت ہو جائے شئی من ازواجکم الی الکفار کوئی شے تمہاری ازواج میں کفار کی طرف کوئی ایک تمہاری ازواج اور دار میں کفار کے ہاں یعنی عورتوں کی مہر میں سے تمہارے ہاں کوئی شے نہ آئے۔ یہ قراۃ اسی طرح ہے اور شئی کا اضافہ اس کی تحقیر اور تعمیم میں اظہار و عظمت مطلوب ہے کیونکہ نکرہ سیاق شرط میں ہو تو وہ عموم کا فائدہ دیتا ہے اس لئے کہ وہ احد سے زیادہ عام اور اصناف زوجات کے احاطہ کے لئے ظاہر تر ہے یعنی عورتوں کی جو بھی نوع اور صنف ہو عربیہ ہو یا حرہ ہو یا لونڈی وغیرہ وغیرہ یا یہ معنی ہے کہ تم سے عوتوں کی مہور میں سے کوئی شے فوت ہو جائے یعنی مضاف محذوف کر کے تاکہ موصوف و صفت میں مطابقت ہو اور زوج سے مراد یہاں عورت ہے۔

شان نزول مروی ہے کہ یہ آیت ام الحکم بنت ابی سفیان کے متعلق نازل ہوئی جو مرتد ہو کر مدینہ طیبہ سے چلی گئی تو ایک ثقفی سے نکاح کر لیا۔ اس کے بعد قریش کی کوئی عورت مرتد ہو کر مکہ معظمہ کو واپس نہ گئی اور یہ ام الحکم

بھی قریش کے ساتھ مسلمان ہو گئی تھی اس کی تفصیل آتی ہے۔

فعاقبتم (تو پھر کافروں کو سزا دو)

حل لغات العقبۃ ہے بمعنی نوبت و معاقبۃ بمعنی مناوبت (اہل عرب کہتے ہیں) عاقب الرجل صاحبہ فی کذا یعنی اس کا کام اپنے بالمقابل کے فعل کے بعد ہوا۔ اب معنی یہ ہوا کہ لواء المہر کی تمہاری باری آگئی بایں طور کہ کافر کی عورت ہجرت کر کے مسلمان ہو کر مسلمانوں کے ہاں آگئی تو اب ان پر لازم ہو گا کہ اس عورت کی مہر اس کے کافر زوج کو لوا کریں بعد اس کے کہ مسلمان کی عورت کافروں کی طرف چلی گئی تو مسلمانوں کو لائق ہے کہ وہ مرتدہ عورت کی مہر کا کافروں سے مطالبہ کریں اس سے جس نے اس مرتد عورت سے نکاح کیا۔

فائدہ جو مسلمان کافروں کو مہر کی لوائیگی کریں گے ایسے ہی کافر مسلمانوں کو مہر کی ادائیگی کریں گے کو باری باری کلم کرنے سے تشبیہ دی ہے کہ گویا سوار سواری پر باری باری سوار ہو رہے ہیں یہ تشبیہ صرف لوائیگی اپنی باری کی حیثیت سے ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک بار مسلمان مہر لوا کریں تو پھر کافر بھی لوا کریں۔ بلکہ وہی مطلب ہے جو لوپر مذکور ہوا اسی لئے اب یہ حکم عام ہو گیا کہ خواہ مسلمانوں کی باری بار بار آئے یا کافروں کی۔ ایسے ہی کافروں کا یہ فعل پہلے ہو یا بعد کو یا ایک طرف سے بار بار یا ایک بار ایسا فعل ہو اور دوسری طرف ہو یا نہ۔

فَاٰتُوا الَّذِیْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَاۤ اَنْفَقُوْا پس دو ان کو جن کی عورتیں چلی گئیں مثل اس کے جو انہوں نے خرچ کیا۔ ہجرت کی وجہ سے۔ جس سے تم نے نکاح کیا اور ان کے زوج کافر کو کچھ نہ دو یعنی اگر مسلمان مرد کی عورت کافروں کے پاس چلی گئی لور کافروں نے اس عورت کی مہر نہیں دی پھر جب کافر کی عورت مسلمان ہو کر مسلمانوں کے پاس چلی جائے تو مسلمان پر واجب ہے کہ اس مسلمان کو اس عورت کی مہر دیں اس عوت کی جو کافروں سے ہجرت کر کے مسلمان ہو کر آئی ہے تاکہ اس کو اپنی عورت مرتدہ کا حق مل جائے۔ مسلمانوں کو اب اس مہاجرہ کی مہر کافروں کو نہیں دینی چاہئے۔

فائدہ بعض علماء نے لکھا کہ وہ عورتیں جو مرتد ہو کر کافروں کے پاس چلی گئیں کل چھ تھیں۔

۱۔ ام الحکم بنت ابی سفیان عیاض بن شداد الفہری کی زوجہ تھی۔
۲۔ فاطمہ بنت امیہ حضرت عمر بن الخطاب کی زوجہ تھی یہ ام سلمہ کی بہن تھی۔
۳۔ بروع بنت عقبہ شماس بن عثمان کی زوجہ تھی۔
۴۔ عبدہ بنت عبد العزی ابن نضلہ عمرو بن عبدود کی زوجہ تھی۔
۵۔ ہند بنت ابی جہل ہشام بن العاص کی زوجہ تھی۔
۶۔ کلثوم بنت جردل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھی۔

حضور سرور عالم ﷺ نے ان سب عورتوں کی مہور غنیمت سے ادا فرمائیں (الکشاف)

واتقوا اللہ الذی اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو نہ کہ اس کے غیر سے یعنی بتوں اور طاغوتوں سے نہ ڈرو۔ **انتم بہ مومنوں** تم اس پر ایمان لانے والے ہو کیونکہ اس پر ایمان لانے کا تقاضا ہے کہ اس سے ڈرنا بھی چاہئے۔

فائدہ بعض نے کہا کہ یہ حکم معاہدہ تک محدود ہے جب یہ حکم مرفوع ہوا تو یہ احکام منسوخ ہو گئے۔

مسئلہ آیت میں اشارہ ہے کہ بدلہ والے کو بدلہ دینا چاہئے اگر خیر ہے تو خیر و بھلائی سے بدلہ دو اگر برا ہے تو اس کا بدلہ برائی سے دو۔

حکایت جاہلیت میں دو بھائی تھے سفر کے لئے نکلے تو صفاۃ کے تحت اس درخت کے نیچے اترے شام کے وقت ایک سانپ صفات کے اندرونی حصے سے نکلا اور ایک دینار ان دونوں کے آگے ڈال دیا۔ دونوں نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کوئی خزانہ ہے وہ دونوں بھائی وہاں تین روز ٹھہرے رہے۔ روزانہ وہ سانپ ایک ایک دینار لایا کرتا تھا۔ ایک بھائی نے کہا کہ ہم کب تک اس سانپ کا انتظار کریں گے اسے قتل کر کے اس خزانہ پر قبضہ کر لیں۔ دوسرے نے کہا کہ ایسا نہیں کرنا چاہئے لیکن وہ نہ مانا جب سانپ باہر نکلا تو اس پر حملہ کر کے اسے زخمی کر دیا لیکن سانپ نے وار بچا کر اسی شخص پر حملہ کر کے جان لے لی اور بھاگ کر بل میں گھس گیا۔ دوسرے بھائی نے بھائی کو دفن کر دیا۔ دوسرے دن قبر کے قریب بیٹھا تھا تو وہی سانپ سر پر پٹی باندھ کر نکلا لیکن دینا ساتھ نہ تھا۔ اسی شخص نے سانپ سے کہا تجھے معلوم

ہے کہ میں اپنے بھائی کی کارروائی پر راضی نہ تھا بلکہ اسے روکا تھا لیکن وہ نہ مانا اب ہم آپس میں صلح کرلیں کہ میں تجھے کچھ نہ کہوں گا اور آپ مجھے نقصان نہ دیں گے پھر پہلے کی طرح وہی دینار روزانہ دے جایا کریں۔ سانپ نے کہا اب یہ نہ ہو سکے گا کیونکہ تمہیں بھائی کی قبر کسی نہ کسی وقت مجھ پر اکساوے گی۔ اور مجھے بھی اپنے سر کی پٹی والا درد کسی نہ کسی وقت بدلہ لینے پر ابھار دے گا۔

سبق اس حکایت سے معلوم ہوا کہ بدلے کا بدلہ ضرور ہوتا ہے اور اس سے تقویٰ کی شرافت اور بزرگی بھی معلوم ہوئی ایک بھائی نے خزانے کے لالچ میں سانپ کو مارنے لگا تو خود موت کے گھاٹ اتر گیا۔ لیکن دوسرے بھائی نے تقویٰ کیا تو سانپ کے حملہ سے محفوظ رہا۔

مسئلہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے ڈر کر خیر کی بجائے شر نہ رکھے بلکہ اس کا شکر کرے تو مال و عمر اضافہ ہو گا جیسے سانپ کے ساتھ ہوا۔

کرم کن نہ پرخاشی و جنگ آوری   کہ عالم بزیر نگیں آوری
چو کاری بر آید بلطف و خوشی   چہ حاجت تلبندی و گردن کشی
نمی ترسی اے گرگ ناقص خرد   کہ روزے پلنگیت برہم درد

(احسان و کرم کرنہ کہ لڑائی۔ جنگ کرنا اس طرح سے تمام جان کو تابعداری میں لائے گا۔ جب کام لطف و خوشی سے ہو سکتا ہے تو پھر تندی اور گردن کشی کی کیا ضرورت ہے۔ اے بھیڑیا ناقص عقل تو اس سے نہیں ڈرتا کہ تجھے چیتا پھاڑ کھائے)

تفسیر عالمانہ یاایھا النبی (اے نبی پاک ﷺ) یہ ندا تشریف و تعظیم کی ہے۔ اذا جائک المومنات جب تمہارے ہاں مومن عورتیں حاضر ہوں۔ یبایعنک تمہارے ہاتھ پہ بیعت کے لئے یعنی ان کا ارادہ بیعت کا ہو یہ حال مقدرہ ہے۔

شان نزول یہ آیت فتح مکہ کے موقع پر نازل ہوئی جب حضور سرور عالم ﷺ مردوں کی بیعت سے فارغ

ہوئے تو آپ عورتوں سے بیعت لینے کے لئے شروع ہوئے۔

فائدہ بیعت کو اس لئے بیعت کہا جاتا ہے کہ انسان خود کو جنت کے بدلے بیچتا ہے۔ مبایعتہ بیع سے ہے۔ چونکہ لوگوں کی عادت تھی کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر معاہدہ کرتے ہیں تاکہ معاملہ پختہ ہو تو وہ معاہدہ کرنے والوں کے اس طریقہ کو مبایعت سے تعبیر کرتے تھے۔ اس معاہدہ کو احکام اور مضبوطی سے مبایعت (ایک دوسرے سے بیعت کرنا) سے تشبیہ دی اور رسول اللہ ﷺ سے امت کی بیعت کا معنی ہے آپ کی طاعت پر التزام اور حتی الوسع آپ کے اوامر احکام کی پابندی کرنا اور آپ کی ہر قسم کی مدد کرنا اور آپ کی ان سے مبایعت یہ کہ ان کو ثواب کا وعدہ کرنا اور ان کے امور میں اچھی تدبیر بنانا۔ اور ان کے دشمن ظاہری و باطنی پر غلبہ کی مصلحتوں کا قیام اور یوم حساب میں ان کی شفاعت کرنا اگر وہ اس معاہدہ پر ثابت و قائم رہیں۔ اس تقاضا کے ساتھ جس طرح کہ معاہدہ ہوا یہ ایسے ہے جیسے کہا جاتا ہے فلاں نے بادشاہ کی بیعت کی ہے کہ اس نے اس کی اطاعت اپنے اوپر واجب کی ہے اور بادشاہ رعیت کی بیعت کی اس معنی پر کہ وہ ان کی مصلحتوں کا انتظام کرے گا اور اپنے اوپر واجب کیا کہ ان کے نفوس و اموال کی ظالمین سے حفاظت کرے گا۔

علی ان لا یشرکن باللّٰہ شیئا اوپر اس کے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی شے کو شریک نہیں بنائیں گی۔ شے سے شریک مراد ہے یا مراد ہے شریک کرنے کا کوئی امر۔

فائدہ شرک سے شرک اکبر مراد ہے یہی ظاہر ہے اور یہ بھی ہے کہ اس میں تعمیم ہو کہ شرک اکبر بھی اور اصغر بھی یعنی ریاء۔ اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معبود نہ بنائیں گی اور ہر عمل خالص اسی کے لئے کریں گی۔

مرائی ہر کس و معبود سازد مرائی را ازاں گفتند مشرک

(ریاکار ہر ایک کو معبود بناتا ہے اسی لئے ریاکار کو مشرک کہا جاتا ہے)

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا۔

گویا باور نمی دارند او ز داوری کیں ہمہ قلب و دغل در کار داوری کنند

(گویا روز حکومت (آخرت) پر اعتماد نہیں کرتے اسی لئے دل اور (اللہ تعالیٰ) کے ہر حکم میں کھوٹ اور دھوکہ کرتے ہیں)۔

وَلَا یَسْرِقْنَ اور نہ چوری کریں گی۔

حل لغات اس شے کا خفیہ طور لینا جس کا لینا نہیں چاہئے اور شرع میں کسی شے کا لینا مخصوص جگہ سے قدر مخصوص۔ معنی یہ ہے کہ کسی کا ناحق مال نہ لیں گی۔ سرقہ میں اتنا قباحت کافی ہے کہ حضور نبی پاک ﷺ نے چور پر لعنت فرمائی ہے۔

وَلَا یَزْنِیْنَ اور زنا نہ کریں گی۔ زنا عقد شرعی کے بغیر کسی عورت سے جمع کرنا بالتقمر ہو تو یہی ہے اگر بالمد ہو تو یہ مغالطہ کا باب ہو سکتا ہے۔

مسئلہ مظہر الدین نے کہا کہ زنا لغت میں حرام کے طریق پر فرج میں جماع کرنا۔ اس میں لواطت اور جانور سے وطی بھی داخل ہے۔

لواطت کی مذمت از حدیث مبارکہ

۱۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ فاعل و مفعول دونوں کو قتل کیا جائے۔

۲۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ آپ نے دونوں کو جلا دیا۔

۳۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ آپ نے ان دونوں پر دیوار گرا کر مروا دیا۔

فائدہ واطی و ملوطی دونوں کو سزا جس طرح حاکم وقت مناسب دیکھے دے سکتا ہے۔

۴۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا لعنتی ہے وہ جو اپنی عورت کی دبر میں وطی کرتا ہے۔

مسئلہ قبل (فرج) میں دبر کی طرف سے وطی کرنا مباح ہے۔

مسئلہ اللباب میں ہے کہ مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ حالت حیض میں جماع کرنا حرام ہے ہاں وجوب کفارہ میں اختلاف ہے۔ اکثر کا خیال ہے کہ اس پر کوئی کفارہ نہیں ہاں استغفار کرے (اور آئندہ نہ کرنے کا عہد کرے) بعض کہتے ہیں کہ حالت حیض میں جماع پر کفارہ واجب ہے۔

جانوروں سے وطی کرنے کا حکم رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو جانور[1] سے وطی کرے اسے قتل کردو اور جانور کو بھی اس کے ساتھ قتل کردو۔

(حاشیہ[1] جانور حلال یا حرام سے وطی عموماً ان بدبختوں سے صادر ہوتی ہے جو عقل وفہم کے لحاظ سے پرلے درجے کے احمق ہوتے ہیں ورنہ جن میں عقل وشعور ہے وہ اس گندے فعل کا ارتکاب تو دور کی بات ہے اسے سننا بھی گوارا نہیں کرتے۔ تجربہ شاہد ہے کہ ہمارے ہاں اس قسم کے فتوی پیش ہوتے ہیں جب مرتکب کا حال دیکھا تو واقعی احمق نکلا۔ لیکن اس سے احمق بلکہ جانوروں سے بدتر ہے وہ جو لواطت جیسی گندی بیماری میں مبتلا ہے۔ اس مرض کے مریض بظاہر باشعور سمجھے جاتے ہیں لیکن حقیقت نگاہ ہی بتا سکتی ہے کہ یہ لاشعور انسان جس فعل کا ارتکاب کر رہا ہے اسے معلوم نہیں کہ یہ گندگی کے ڈھیر میں قیمتی موتی (مادہ منویہ) بکھیر رہا ہے اسے شاید معلوم نہ ہو کہ انسان کے مادیہ منویہ کا ہر قطرہ ایک اعلی جوہر ہے لیکن افسوس کہ اندھی ہوس سے انسان اپنا قیمتی سرمایہ ضائع کر دیتا ہے۔ اور دنیا میں یہی خسارہ کچھ کم نہیں کہ لوطی کے اعضاء رئیسہ بہت تھوڑی مدت میں ڈھیلے پڑ کر لوطی کا ڈھانچہ کمزور اور ناکارہ بنا دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ لواطت کی کثرت سے انسان بعد کو اپنی عورت سے ہمبستری کے قابل نہیں رہتا۔ یہ داستان ان رسواؤں سے پوچھیے جو اس بیماری کے مریض ہیں اور آخرت کا تو خسارہ نہایت ہی سخت اور زبوں سے زبوں تر ہے اور سب سے بڑا خسارہ یہ ہے کہ لوطی قبر سے اٹھتے ہی قوم لوط کے ساتھ اٹھے گا۔ پھر اس سے بدبختی بڑھ کر اور کیا ہو گی کہ نبیوں کے سردار ﷺ کی امت کے دفتر سے خارج ہو گا۔ لیکن میرا یہ عرض وہی سمجھے گا جسے خوف خدا ہے ورنہ اس جیسی ہزاروں وعیدیں سنتے پڑھتے ہی یار لوگ ٹس سے مس نہیں ہوتے۔

لواطت کی مذمت فقیر اویسی غفرلہ نے اس موضوع پر ایک رسالہ "مذمت لواطت" لکھا اور اس کی مذمت کی آج کل اور زیادہ ضروری ہے کہ یہ بیماری وبائی صورت اختیار کر رہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس مرض کو علامات قیامت سے بتایا ہے۔ فقیر چند معروضات عرض کرتا ہے۔ ممکن ہے کسی بیمار کو فقیر کا یہ علاج صحت مند بنا دے یا کسی خوش قسمت کو اس بیماری میں مبتلا ہونے کا موقع تک نہ آئے۔

مذمت از طبی اصول قدرت نے عجیب و غریب طاقت مرد و عورت کو عطا فرما کر اس کے استعمال کے لئے ہر ایک کی حالت کے مطابق آلات بھی عطا فرمائے۔ زبان چکھتی ہے۔ ہاتھ چھوتے ہیں۔ کان سنتے ہیں۔ لیکن اگر ان اعضاء میں کوئی خرابی آ جائے مثلاً آنکھ کا کام ہے روشنی اور اجالے میں دیکھنا' تم سورج کو ٹھیک دوپہر کے وقت نظر جما کر دیکھو یعنی بینائی کا غلط اور بیجا استعمال کرو نتیجہ کیا ہو گا؟ بینائی جاتی رہے گی۔ اسی طرح اگر کانوں سے غیر موزوں طریقوں سے کام لیا گیا مثلاً توپوں کے چلنے یا جہاز کی سیٹی کی طرح سخت و درشت کریہہ آوازیں یک لخت کانوں میں پہنچیں تو بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ فوراً سننے کی طاقت جواب دے دے اور جاتی رہے۔ ہم نے انجن اور کلوں میں کام کرنے والے مزدوروں کو دیکھا ہے کہ وہ بہرے ہو جاتے ہیں اس لئے کہ دن میں ۸-۱۰ گھنٹہ متواتر مشین کے چلنے کی آوازیں کان کے پردوں پر ایسا بوجھ ڈالتی ہیں کہ وہ بے کار ہو جائیں' اسی پر قیاس کر لو کہ وہ خاص آلے جو قدرت نے اس مخصوص قوت کے استعمال کے لئے دیئے ہیں اگر غلط طریق پر بے جا استعمال میں لائے جائیں گے تو ان کی بھی وہی حالت ہو گی۔

انسان کا خزانہ حسن شباب کا یہ گوہر لطیف اور جوانی کا یہ انمول خزانہ ناف کے نیچے ایک تھیلی میں محفوظ ہے اور اس کے باہر لانے کے لئے ایک آلہ اور رستہ معین' مردوں میں وہ رستہ جس کے ذریعہ یہ باہر آتا ہے اندر ایک اسفنج کے جیسا بناؤ رکھتا ہے' اور اسی میں ملے جلے پٹھے اور رگیں اسفنجی جسم کے اندر جلدی سے محسوس کرنے کی ایک خاص طاقت قدرت کی طرف سے رکھی گئی ہے۔ اسی طرح سے عورت کے جسم میں بھی اس کے لئے خاص مقام فطرت نے مقرر کیا اور دونوں کے ان مخصوص آلوں میں ایسی مناسبت رکھی کہ حقیقی لذت اور واقعی ذوق حاصل کرنے کے لئے انہیں دونوں جسموں کا ملنا ضروری۔ اگر مصنوعی شکلیں اختیار کی گئیں اور بناوٹی چیزوں سے کام لیا گیا تو سراسر نقصان ہی نقصان۔

لذت میں ذلت وہ ہوس پرست جو فطرت کے مقرر کئے ہوئے طریقہ کو چھوڑ کر دوسری راہ کو اختیار کرتے ہیں۔ دھوکہ کھاتے اور بعد میں سخت پچھتاتے ہیں۔ قدرت نے انسان کے بدن میں ہر حصہ میں ایک خاص کام کی

قدرت رکھی ہے۔ فضلہ نکال کر پھینکنے کے لئے جو جگہ مقرر کی گئی اس میں اندر سے باہر پھینکنے کی قوت رکھی گئی۔ باہر سے اندر لینے کی استعداد اس میں نہیں عضلات اس دروازہ پر اس نگہبانی کے لئے ہروقت تیار کہ کوئی چیز باہر سے اندر نہ جانے پائے اگر خلاف فطرت اندر داخل کی جائے گی حفاظت کرنے والے عضلات زور لگائیں گے کہ وہ داخل نہ ہونے پائے۔ وہ نازک جسم جو نرم اور مہین جھلی، باریک باریک رگوں میں سمٹنے اور کبھی پھیل جانے والے سبک پٹھوں سے مرکب ہے اس جنگ میں سخت مقابلہ کرنے کے سبب دبتا ہے، کھنچتا ہے، اس کا سر کچلا جاتا ہے اس خلاف فطرت ملاپ نہیں بلکہ لڑائی کا نتیجہ یہ ہے کہ رگیں دب جائیں، کمزور پڑ جائیں، پٹھے خراب ہو جائیں اور محسوس کرنے کی طاقت بڑھ جائے۔ جڑ کمزور ہو کر جسم کا بناؤ بگڑ جائے۔ ممکن ہے کہ کس جانب کبھی بھی آجائے، احلیل پر زور پڑنے سے ورم پیدا ہو سکتا ہے جس کا اثر مادہ مخصوص کی تھیلی تک پہنچ کہ گدگداہٹ پیدا کرے گا بار بار کی اس گدگداہٹ سے ایک رقیق مادہ نکلنا شروع ہو گا۔ اس مادہ کے بار بار نکلنے اور ہروقت عضلات میں کمی رہنے کے سبب تمام پٹھے ڈھیلے پڑ جائیں گے، رگوں میں رطوبت اتر آئے گی، نیلی نیلی موٹی رگیں چمکنے لگیں گی اور ہمیشہ اس طاقت، سختی اور توانائی صبر کرنا پڑے گا۔ جو اول جسم میں موجود تھی کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایسی رطوبت نکلتے نکلتے منہ پر جم جاتی ہے اور اس گندگی کی نالی میں رکے ہونے کے سبب اندر زخم پڑ کر، پیشاب میں جلن کا سخت مرض لاحق ہو جاتا ہے۔ بار بار یہ خلاف فطرت حرکت کرنے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ جھلی میں خراش پیدا ہو کر ہروقت کی جھوٹی خواہش پیدا کرے گی۔ کثرت کے ساتھ اس خواہش کے پورا کرنے سے خزانہ خالی ہو جائے گا، مادہ پورے طور سے بننے بھی نہ پائے گا کہ نکلنے کا سلسلہ بندھ جائے گا آخر جریان کی مصیبت لاحق ہو گی، آنکھوں میں گڑھے، چہرہ پر بے رونقی، دل و دماغ کی کمزوری، غرض تمام اعضائے رئیسہ جواب دے بیٹھیں گے۔ آخر اس خلاف فطرت برکت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر انسان عورت کو منہ دکھانے اور دنیا کی زندگی میں وہ خاص لطف و صحبت اٹھانے کے قابل نہیں رہتا۔

ہوس کے پجاری سے ایک راز کی بات وہ وقت کیسی حیرت و ندامت کا وقت ہو گا جب ایک دوشیزہ پاک دامن اپنی امیدوں کا مرکز تم کو بنائے ہوئے تمہارے پاس آئے گی۔ اور تم اس حالت میں گرفتار ہو گے کہ شرم کے مارے سر بھی نہ اٹھا سکو گے، ادھر اپنی صحت و عافیت و تندرستی کو عمر بھر کے لئے کھویا ادھر دوسری پاک دامن بے

(جاری)

گناہ کی حسرتوں کا خون کیا' نہ خود ہی زندگی کا لطف اٹھایا' نہ دوسرے کو پانے کا موقع دیا۔ پھل لانا تو کجا بیج ڈالنے کے قابل بھی نہ رہے۔

جوانی حیوانی نوجوانو اس کے متعلق سوچو اور ابھی ابھی اس ابھرتی جوانی میں اندھے نہ بن جاؤ۔ دیکھو تمہارا ضمیر اس گندہ خلاف فطرت فعل پر تم کو خود ملامت کرے گا اگر خدا پر ایمان ہے اور اس کے احکام کی تمہارے دل و دماغ میں کچھ قدر و قیمت' اس کے عذاب کا خوف اور عتاب کا ڈر' تو سنو! خداوند قدوس فرماتا ہے۔

اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ (الشعراء)

(کیا تم مخلوق میں لڑکوں سے بدفعلی کرتے ہو' اور خدا نے تمہارے لئے بیویاں بنائی ہیں انہیں چھوڑتے ہو' یقیناً تم حد سے بڑھنے والے لوگوں میں سے ہو)

لوطیوں کے مقتداء کون؟ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم نے سب سے پہلے اس ناپاک عادت کو اختیار کیا' حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں بہت سمجھایا' محبت بھرے انداز سے بتایا' پورا تاریخی واقعہ ہمارے تمہارے درس عبرت کی شکل میں قرآن عظیم نے بیان فرمایا۔

قرآن سے مذمت اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝ (الاعراف ۸۰-۸۱)

ترجمہ حضرت لوط علیہ السلام نے جب اپنی قوم سے کہا کہ تم ایسی بے حیائی کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا میں کسی نے نہ کی۔ تم تو عورتوں کے بجائے مردوں سے اپنی خواہش پوری کرتے ہو' یقیناً تم حد سے بڑھنے والے لوگوں میں سے ہو۔

حضرت لوط علیہ السلام کی پیش کش حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کے ان نالائق مردوں سے

(جاری)

یہاں تک کہا کہ اگر تم کو اپنی نفسانی خواہش ہی پوری کرنی ہے تو میری قوم کی لڑکیاں حاضر ہیں۔ ان سے نکاح کر لو' مگر لڑکوں پر تو نظر نہ ڈالو لیکن ان نابکاروں نے نہایت ذریدہ دہنی سے ان کو یوں جواب دیا۔

مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِکَ مِنْ حَقٍّ وَّاِنَّکَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِیْدُ

آپ کی صاحبزادیوں کی ہمیں خواہش نہیں' آپ کو خبر ہے ہم کیا چاہتے ہیں۔

انجام برباد شد آخر جب وہ اپنی خباثت سے باز نہ آئے' تو غضب الٰہی حرکت میں آیا اور وہ تمام لوگ جو اس خبیث عادت میں مبتلا ہو کر آئندہ نسلوں میں بھی اس ناپاکی کو پھیلا رہے تھے اس طرح ہلاک کئے گئے کہ:۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّیْحَةُ مُشْرِقِیْنَ ۝ فَجَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ ۝ (پ ۱۴۔ رکوع ۴) (الحجر ۷۳۔ ۷۴)

(پس سورج نکلتے وقت انہیں چنگھاڑ نے پکڑ لیا اور ہم نے ان کی بستی کو اوپر نیچے کر ڈالا اور ان پر کنکر کے پتھر برسائے)

اس درس عبرت کو دیکھتے ہوئے بھی کیا آنکھیں نہ کھلیں گی اور ایسی ناپاک حرکت کی نیت رہے گی۔

درس عبرت کیا یہ تمنا ہے کہ معاذ اللہ خدا کا وہی عذاب پھر آئے؟ کیا یہ خیال ہے کہ جب تک دیکھ نہ لو نہ مانو گے؟ جو لوگ اس مصیبت میں مبتلا ہو چکے ہیں اور اس عذاب کو اپنے سر پر لے چکے ہیں۔ ان کی صورتیں دیکھ لو' نہ چہرہ پر رونق' نہ رخساروں پر تازگی' منہ پر پھٹکار برستی ہے۔

احادیث مبارکہ سے مذمت ۱۔ حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا۔

مَلْعُوْنٌ مَنْ عَمِلَ قَوْمَ لُوْطٍ (حدیث) (جس نے لوط علیہ السلام کی قوم کا سا کام کیا وہ ملعون ہے (پھٹکار مارا ہے)

۲۔ حدیث میں تو یہاں تک صاف صاف بتا دیا گیا کہ ایسا خلاف فطرت کام مسلمان کا کام نہیں چنانچہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا۔

مَنْ اَتٰی شَیْئًا مِّنَ النِّسَآءِ وَالرِّجَالِ لِیْ اَدْبَارِهِنَّ فَقَدْ کَفَرَ۔ (جاری)

(جس نے عورتوں یا مردوں میں سے پیچھے کے مقام میں (جائز سمجھتے ہوئے) مجامعت کی یقیناً اس نے کفر کیا)

فائدہ اگرچہ ایسے گندے فعل سے بندہ کافر تو ہو جاتا ہے۔ لیکن نبی پاک ﷺ اپنے امتی کو سخت وعید سنا کر اشارہ فرماتے ہیں کہ کہیں ایسی حالت سے ہمارے دفتر سے نام کٹوا نہ بیٹھنا۔

قیامت کی علامت لواطت کی خباثت حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ:۔

سیکون فی اٰخر الزمان قوام یقال لھم اللوطیہ علی ثلاثۃ اصناف فصنف ینظرون ویتکلمون وصنف یصافحون ویعافقون اصنف یعلمون ذالک العمل فلعنۃ اللہ علیھم الا ان یتولو افمر تاب اللہ علیہ

(کہ آخر زمانہ میں تین قسم کے لوگ ہوں گے جن کو "لوطی" کہا جائے گا۔ ایک وہ جو (لڑکیوں کو) فقط گھوریں گے اور باتیں کریں گے' ایک وہ جو (ان سے مصافحہ اور معانقہ کریں گے) ایک وہ جو (ان لڑکوں) کے ساتھ فعل بد کریں گے۔ ان سب پر خدا کی مار پھٹکار ہو مگر وہ جو توبہ کر لیں۔ جس نے سچی توبہ کی اللہ نے قبول کی۔

فائدہ لعنت کا معنی ہے دھتکارنا۔ اس معنی پر ظاہر ہے کہ اس شخص پر مالک عالم کی نظر کرم کیوں ہو اس کی مرضی 'اس فطرت اس کے قاعدہ کے خلاف 'اپنی بیش بہا' بیش قیمتی دولت کو برباد کرے۔

خدا اور رسول ناراض جل جلالہ و ﷺ حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا۔

لا ینظر اللہ الی رجل اتی رجل اوامراۃ فی الدبر جس شخص نے مرد یا عورت سے اس کے پیچھے کے مقام پر مجامعت کی اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت نہ فرمائے گا۔

لوطی قاتل ہے غیر عورت اجنبی خاتون کے ساتھ غیر قانونی صورت سے آگے کی طرف ملنے میں ایک خسیف سا احتمال یہ بھی ہو سکتا تھا کہ اگر حمل ٹھہر گیا اور اس نے اسے گرایا تو اگر بچہ پورا بن گیا تھا اور پھر پھینکا گیا تو کوڑے پڑے نلی میں پڑ کر' کسی صورت سے شاید پیدا ہونے والا بچہ 'جان بر ہو بھی جائے۔ اگرچہ اس ضائع کرنے والے نہ تو ضائع

(حاشیہ [illegible])

کرنے پھینکنے اور اس طرح اس کے قتل کا سلمان کرنے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی لیکن اس خلاف فطرت صورت میں تو وہ احتمال ضعیف بھی نہیں۔ لڑکوں کے پاس یا عورت کی پچھلی طرف وہ آلہ ہی نہیں جہاں یہ مادہ ٹھہرے اور بچہ بنے' اس لئے بچہ بننے سے پہلے بیج ہی ضائع ہو گا' اس لئے اس بیج کے ضائع کرنے والے قاتل کی سزا بھی وہی قتل ہے چنانچہ صحیح حدیث میں فرمایا گیا۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ:۔

ارجموا الاعلی والاسفل ارجموا جمیعا یعنی الذی عمل قوم لوط (الحدیث)

(قوم لوط کا سا فعل کرنیوالے کو سنگسار کرو' اوپر والے نیچے والے دونوں ہی کو سنگسار کرو)

فائدہ آج کے بے غیرت دور میں کون ایسی تعزیرات جاری کرے۔ البتہ خیر القرون میں اس سے بھی سخت تو سزائیں دی گئیں اور اس سزا سے نہ فاعل بچ سکا نہ مفعول۔ چنانچہ روح البیان پ ۲۸ سورہ ممتحنہ کی آیت ولایزنین کے تحت لکھا کہ "حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے تو اس فعل خبیث کے فاعل کے معمولی قتل پر بس نہ کی بلکہ بقول بعض اس کو آگ میں جلایا۔

فائدہ اس لئے کہ اس ناپاک فعل میں تو انسان جانوروں سے گیا گزرا ہوا۔

جانور سے بدتر جانور نر و مادہ کی رعایت رکھتے ہیں اپنی جنس کو پہچانتے ہیں۔ کبھی کسی جانور کو دیکھا یا سنا نہیں گیا کہ مادہ کے بغیر نر کو ہوس کا نشانہ بنائے یا اپنی جنس کے بجائے کسی دوسری جنس کی طرف اس کے لئے آنکھ اٹھائے۔ یہ بدبختی کے نامہ اعمال میں ہے جو حضرت انسان کا لقب پا کر نہ اپنی جنس کی تمیز کرے نہ جانوروں کو چھوڑے اسی لئے حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا۔

من اتی بھیمتہ فاقتلوہ واقتلوھا معہ جو شخص چوپائے کے ساتھ فعل بد کرے اسے اور اس چوپایہ دونوں کو قتل کردو۔

فائدہ اس فاعل تو فاعل' اس چوپایہ کو بھی قتل کردینے کا حکم دیا گیا۔ لوگوں نے عبداللہ بن عباس سے پوچھا کہ چوپایہ نے کیا بگاڑا۔ انہوں نے فرمایا اس کی وجہ اور سبب تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے نہیں سنا مگر حضور نے

(جاری)

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سوال ہوا کہ جانور سے وطی کرنے کا کیا حکم ہے فرمایا میں نے اس کے بارے میں رسول اللہ سے کچھ نہیں سنا لیکن میں اس کے گوشت کھانے اور اس سے نفع اٹھانے کو مکروہ سمجھتا ہوں۔

ولایقتلن اولادھن (اور اپنی اولاد کو قتل کریں گی) اس سے زندہ در گور کرنا مراد ہے یعنی فقر و عار کے خوف سے زندہ دفنانا جیسے جاہلیت میں تھا۔

حدیث شریف نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ بدبخت کے دل سے ہی رحمت چھین لی جاتی ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا۔

ہیچ رحمے نہ برادر بہ برادر دارد ہیچ شوقے نہ پدر را بہ پسری بینم
دختر زاہمہ جنگست و جدل با مادر پسر زا ہمہ بد خواہ پدری بینم

(کوئی رحم بھائی کا بھائی سے نہیں کوئی شوق باپ کو بیٹے سے نہیں۔ لڑکیوں کی لڑائی اور جنگ ماؤں سے ہے۔ بیٹوں کی بدخواہی باپوں سے دیکھتا ہوں۔

ہ ایسا ہی کیا بلکہ اس کا گوشت تک کھانا ناپسند فرمایا۔

اقتلوالفاعل والمفعول بہ فی عمل قوم لوط قوم لوط علیہ السلام کے سے فعل بد والے فاعل و مفعول دونوں کو قتل کردو۔

مفعول کی سزا مفعول بھی اس فعل میں شریک' اس ناپاک کی سزا بھی یہی ہے کہ اسے قتل کردیا جائے' تاکہ خبیث عادت دنیا میں اور پھیلنے نہ پائے۔ یہ وہ ناپاک فعل ہے جو انسانی فطرت کے خلاف' عقل کے خلاف' مذہب اور دین کے خلاف' خود تمہاری تندرستی اور عافیت کے خلاف بلکہ اطباء لکھتے ہیں کہ یہ فعل انسان کی لذت نفسانی کے خلاف ہے لیکن جسے شہوت کا بھوت کچھ سمجھنے کا موقعہ نہ دے اسے کون سمجھائے۔ اللہ تعالیٰ عزیز نوجوانوں کو اس بد بیماری سے محفوظ فرمائے۔ آمین (اویسی غفرلہ۔

حکایت ہارون الرشید نے اپنی بہن کا نکاح جعفر سے کردیا لیکن شرط لگائی کہ اس سے جماع نہ کرنا جعفر سے صبر نہ ہو سکا جماع کرلیا تو اس سے حمل ٹھہر گیا۔ جب حمل ظاہر ہو گیا تو ہارون رشید نے غصہ سے دونوں کو زندہ در گور کر دیا۔ (یہ حکایت مخدوش معلوم ہو سکتی ہے (واللہ اعلم)

اسقاط حمل **مسئلہ** بعض نے اس جملہ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ ایسی دوائی نہ پئیں کہ جس سے حمل گر جائے۔ (تفسیر ابی للیث)

مسئلہ نصاب الاحتساب میں ہے کہ اسقاط حمل کے دوا سے دایہ کو روکا جائے جب بچہ کی خلقت ظاہر اور اس میں روح پھونکی جائے اور اس کی مدت ایک سو بیس دن ہیں اس سے پہلے لاباس بہ (جائز) ہے جیسے عزل۔ بعض نے کہا مدت مذکورہ سے پہلے بھی دوائی دے کر حمل اسقاط مکروہ ہے کیونکہ یہ بھی آخر آگے چل کر بچہ ہو گا تو اسے پہلے گرانا گویا زندہ در گور کرنا ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے محرم (احرام والا) حرم شریف کا انڈہ توڑ دے تو اس پر ضمانت ہے کیونکہ اس انڈے کا آل (انجام) بچہ بننا ہے۔ اسی لئے اس کا حکم شکار کا ہے کہ حرم کے شکار پر ضمانت ہے اسے عزل پر قیاس نہ کیا جائے کیونکہ مرد کے پانی (منی) میں نفخ روح نہیں کیا گیا۔ نفخ روح کا دور دوسرا ہے (یعنی رحم میں چلے جانا) تو عزل[۱] کا مال حیاہ نہیں۔

فائدہ زندہ در گور تو مرد کرتے لیکن یہاں عورتوں کی طرف ہے اس لئے کہ وہ اس فعل پر راضی تھیں یا زندہ در گور عورتیں کرتیں مردوں کے حکم سے۔

وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ اور کسی نیک کام میں تمہاری نافرمانی نہیں کریں گی۔

(حاشیہ[۱] منصوبہ بندی کی تردید اسی سے ہو سکتی ہے جنہوں نے منصوبہ بندی کا جواز "عزل" پر قیاس کر کے ثابت کیا ہے وہ قیاس کے قوانین سے بے خبر ہیں کیونکہ کہاں عزل اور کہاں منصوبہ بندی کی گولیاں اور ٹیکے۔ تفصیل فقیر کے رسالہ "منصوبہ بندی" میں ملاحظہ ہو۔ اویسی غفرلہ)

حل لغات باء تعدیہ کی ہے **البھتان** وہ کذب جو مکذوب علیہ (جس پر جھوٹا بہتان تراشا گیا) کو مبہوت کردے یعنی اسے دہشت میں ڈالے اور اسے حیران کردے۔ یہ کذب کے قبیح ترین انواع سے ہے یہ دراصل مصدر ہے کہ جاتا ہے۔

بَهَتَ زَيْدٌ عَمْرًا بَهْتًا بُهْتَانًا اس پر ایسی بات کہی جو اس نے نہیں کی۔ زید باھت عمرًا زید نے عمرو کو مبہوت کیا۔ بہت بہ مبہوت یہ اس کی گردان ہے جس لڑکے کو لقطہ کے طور کہیں سے عورت نے اٹھایا اسی کے لئے مرد کو کہے یہ لڑکا تیرے سے ہے تو یہ اس پر بہتان باندھ رہی ہے کیونکہ یہ وہ کام ہے جو مرد نے نہیں کیا۔ اس فعل کو عین بہتان قرار دیا گیا ہے پھر اسے مفتری سے موصوف کیا۔ یہ صرف مبالغہ کے طور ہے کہ وہ کذب میں اس طرح کا ارتکاب نہ کریں۔

الافترٰی بمعنی الاختلاق (جھوٹ گھڑنا) کہا جاتا ہے فَرَیٰ فلان کذبا فلاں نے جھوٹ گھڑا۔ افتراہ (اس نے جھوٹ گھڑا) یفترینہ یا تو فلا مجرور ہے کہ وہ بہتان کی صفت ہے یا منصوب ہے کہ یاتین کے فاعل سے حال ہے۔ بین ایدیھن وارجلھن محذوف کے متعلق ہیں جبکہ بہتان سے مراد وہ بچہ ہے جس کے لئے بہتان تراشا گیا (اسی طرف جمہور مفسرین گئے ہیں) اس سے یہ مراد نہیں کہ بچہ تو زنا کا ہو پھر وہ بہتان کے طور اپنے شوہر کی طرف منسوب کریں کیونکہ اس کا ذکر تو ولا یزنین میں ضمنًا آگیا ہے بلکہ اس سے وہ بچہ مراد ہے کہ اسے لقطہ کے طور کسی سے پایا لیکن اسے اپنے شوہر کی طرف منسوب کردیں کیونکہ عورتوں کی عادت تھی کہ بچے کہیں سے لقطہ کے طور حاصل کرلیتیں تو کہتیں کہ یہ وہ بچہ ہے جو میرے پیٹ میں میرے آگے ہے وہ تجھ سے ہے۔

اسے کنایہ کے طور وہ بہتان کہا گیا جو بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ کے طور تراشا گیا) کیونکہ اس کا بطن وہی ہے جسے بچہ کو اٹھاتی ہے وہ بین یدیہا کے طور ہے اور اس کا مخرج بین ارجلہن ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ لقیط بچے کو جو غیر ازواج سے ہے اپنے شوہر کی طرف منسوب کرکے نہ لائیں کیونکہ یہ ان پر افترا و بہتان ہے اور یہ ان کبائر سے ہے جو شرک کے بالکل قریب ہے۔

وَلَا یَعْصِیْنَکَ فِیْ مَعْرُوْفٍ اور وہ نیکی میں تمہاری نافرمانی نہ کریں یعنی جو انہیں امر فرمائیں وہ اس کے خلاف نہ کریں اور نہ ہی اس کی مخالفت کریں جس سے آپ روکیں۔

فائدہ معروف سے وہ امور حسنہ ہیں جن کا دین میں حسن ہونا معروف ہے جن کے لئے امر دیا جاتا ہے اور امور سیئہ جن کا قبح معروف ہے جن کے لئے منع کیا جاتا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ جو امر طاعت الٰہی کے موافق ہے وہ فعل ہو یا ترک وہی معروف ہے۔

تردید شیعہ اسی لئے بعض اکابر مفسرین نے فرمایا کہ یہ نہی ہے نوحہ کرنے ہائے ہائے کرنے اور کپڑے پھاڑنے اور بال نوچنے اور اکھیڑنے اور بکھیرنے اور منہ پر طمانچہ مارنے اور غیر محرم مرد سے باتیں کرنے (محرم سے بات چیت کرنے کی ممانعت نہیں) اور غیر محرم کے ساتھ خلوت میں بیٹھنے ار غیر محرم کے ساتھ سفر کرنے (محرم کے ساتھ سفر کرنا جائز ہے) سے اس معنی پر یہ نہی تخصیص کے بعد تعمیم کے طور پر ہوگی۔

فائدہ بعض نے کہا کہ معروف سے یہاں وہ ہے جو منکر (برے اعمال) کے بالمقابل ہو اس معنی پر پہلے نہی عن المنکر تھی اب امر بالمعروف ہے تاکہ آیت امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے جامع ہوگی۔

مسئلہ اس حکم کو معروف سے مقید کیا گیا حالانکہ رسول اللہ ﷺ نیکی کا ہی حکم فرماتے ہیں اس میں اس قاعدہ کی طرف تنبیہہ ہے کہ معصیت خالق میں مخلوق میں کسی کی بھی طاقت نہیں کیونکہ جب یہ شرط رسول اللہ ﷺ کے لئے ہے تو باقی اور کون ہے کہ اس کی معصیت میں طاعت کی جائے۔ حالانکہ رسول اللّٰہ ﷺ وہ ہستی ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا کہ الا لیطاع باذن رسول ہے بھی وہی جس کے باذن اللہ اطاعت ہی کی جائے۔ عین المعانی

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ ولاۃ (شاہان وقت اور حاکمان قوم) کی برائی میں طاعت لازم نہیں۔

نکتہ ولا یعصین اللّٰہ نہیں فرمایا حالانکہ درحقیقت معصیت الٰہی سے منع مراد ہے لیکن فرمایا کہ اے

حبیب ﷺ آپ کی معصیت نہ کریں تاکہ معلوم ہو کہ جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے آپ کی نافرمانی کی اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔

سوال ان امور کی تخصیص کیوں حالانکہ عورتوں سے اور امور نامشروع کا صدور بھی تو ہو سکتا ہے۔

جواب چونکہ اس وقت ان عورتوں سے ان امور نامشروعہ کا صدور بکثرت واقع ہوتا تھا اگرچہ ان میں بعض میں زیادہ بعض میں تھوڑا بعض بلکہ نہ۔

نکتہ امور مذکورہ کی ترتیب میں نکتہ یہ ہے کہ تقدیم اقبح کی ہے ثم الاقبح ثم الاقبح اسی لئے سب سے پہلے اس کی تقدیم ہے جو ان میں زیادہ ظاہر اور اغلب تھا۔

نکتہ اللباب میں مذکورہ ہے کہ بیعت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے لئے چھ ان امور کا حکم فرمایا ہے جو دین میں نہی کے بارے میں ارکان کی حیثیت رکھتے ہیں اور یہاں ان ارکان کا ذکر نہیں جو دین میں امر کے لئے ہیں جو کہ وہ بھی چھ ہیں۔

۱۔ کلمہ شہادت ۲۔ نماز ۳۔ زکوٰۃ
۴۔ روزہ ۵۔ حج ۶۔ جنابت سے غسل کرنا

اس کی وجہ یہ ہے کہ ان سے نہی دائمی اور ہر زمان و ہر حال میں ہے اس معنی پر اس میں تنبیہہ ہے کہ بیعت میں شرط ہے کہ وہ دائمی ہو اور یہی امر اہم اور مؤکد تر ہے۔

فَبَايِعْهُنَّ تو ان سے بیعت لیں۔ یہ اذا کا جواب ہے یہ اس میں عامل ہے اس لئے کہ فاء عمل سے مانع نہیں اور مبالغہ کا امر ہے یعنی آپ ان سے مذکورہ بالا امور کی بیعت لیں اور جو مذکورہ نہیں وہ اتنا واضح کہ ان کے ذکر کی ضرورت نہیں بلکہ بیعت کے بارے میں وہی اصل کی حیثیت رکھتے ہیں جیسے نماز، زکوٰۃ اور باقی ارکان دین و شعائر اسلام (لیکن چونکہ وہ واضح اور مشہور تر ہیں اسی لئے ان کے ذکر کی ضرورت نہیں بلکہ بیعت کے بارے میں وہی اصل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جیسے نماز زکوٰۃ اور باقی ارکان دین و شعائر اسلام (لیکن چونکہ وہ واضح اور مشہور تر ہیں اسی لئے ان

کے ذکر کی ضرورت نہیں) تو آپ ان سے بیعت کی جب آپ سے بیعت کرتی ہیں۔ آپ ان کے ساتھ ثواب کا وعدہ فرمائیں کہ وہ اس پر ایفاء کریں گی تو ہم بھی انہیں اجر وثواب سے نوازیں گے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی بیعت کا معنی ہے ثواب کا وعدہ اور دوسری طرف ان کی طاعت پر التزام جیسے گزرا۔

نکتہ ان کی بیعت میں ان امور کی قید نہیں انہیں رغبت دلانا ہے یہ امور جلدی سے بجالائیں کیونکہ انہیں ان امور میں دلچسپی تھی تو انہیں صراحۃ روکنے میں ان امور کی اہمیت ان کے سامنے ہوگی کہ جن امور سے ہمیں روکا گیا ہے ان سے ہمیں باز رہنا ضروری اور لازم ہے۔

واستغفر لھن اور ان کے لئے بخشش مانگئے۔ ضمن ثواب میں یہ معاہدہ سے ایک زائد امر ہے۔ استغفار بمعنی گناہوں کی معافی مانگنا اور عیوب کو چھپانا۔ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ بیشک اللہ غفور ورحیم ہے۔ یعنی بہت بڑی مغفرت ورحمت والا ہے کہ اگر وہ اپنی بیعت میں پوری اتریں تو اللہ تعالیٰ انہیں بخش دے گا اور ان پر رحم فرمائے گا۔

فائدہ ایک بزرگ نے فرمایا کہ اہل دل لوگ کہتے ہیں کہ ایمان رحمت پر موقوف ہے یعنی جب تک اللہ تعالیٰ رحمت سے توفیق نہ بخشے اس وقت تک دولت ایمان نصیب نہیں ہوتی۔

توفیق عزیز است بہر کس ندھند (توفیق ایک نادر جوہر ہے ہر ایک کو نہیں دیا جاتا)

نکتہ فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ عورتوں کے لئے استغفار کے حکم میں عورتوں کے لئے حضور سرور عالم ﷺ کی شفاعت کی قبولیت کی طرف اشارہ ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت واسعہ کی دلیل ہے حالانکہ سورۃ فتح میں اللہ تعالیٰ نے رحمت کو عمومی طور بیان فرمایا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت تاقیامت تمام مردوں وعورتوں کو اس بحر فضل سے اتنا باوسعت نصیب ہوگی کہ انہیں کسی کی ضرورت نہ ہوگی کیونکہ وہ رحمت ان کو ہر طرح سے سیراب فرمائے گی اس لئے کہ وہ فیاض ہے۔

نکتہ امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ غفور میں مبالغہ بطور کیفیت کے اور غفار میں باعتبار کمیت کے ہے۔ جیسے بعض بزرگوں نے فرمایا کہ وہ غافر ہے کہ وہ بندوں کے اعمال ناموں سے معصیات مٹائے گا اور وہ غفور ہے کہ

ملائکہ کو بندوں کے برے اعمال (جو ان سے دنیا میں سرزد ہوئے) بھلادے گا اور غفار ہے کہ وہ خود بندے کے ذہن سے اپنے کئے گناہوں کو زائل کردے گا تاکہ شرمسار نہ ہو۔

فائدہ عارف کا اس اسم (غفور) سے حظ یہ ہے کہ وہ اپنے بھائی کے گناہ اسی طرح چھپائے جیسے اپنے گناہ چھپاتا ہے اس کا افشاء نہ کرے ہاں جس میں اس کا فائدہ ہو تو افشاء میں کوئی حرج نہیں اور وہ جو خطا کرے اس سے تجاوز کرے۔ بلکہ برائی سے پیش آنے والے سے درگزر کر کے اسے انعام و احسان سے نوازے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو اخلاق کریمہ سے متخلق اور صفت عظیمہ سے موصوف ہیں کیونکہ وہ غفور و رحیم ہے۔

فتح مکہ میں بیعت کی کیفیت کا بیان،

روایات کا اختلاف ہے کہ یوم فتح مکہ حضور سرور عالم ﷺ کا بیعت لینے کا طریقہ کیا تھا مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ میں مردوں کی بیعت سے فراغت پا کر صفا کی پہاڑی پر رونق افروز ہو کر عورتوں سے بیعت لینے لگے اور پانی کا پیالہ منگوا کر اپنا ہاتھ مبارک اس میں ڈبویا پھر عورتوں کو فرمایا اس میں اپنے اپنے ہاتھ ڈالیں۔ عورتوں کے گروہ میں بی بی ہند بنت عتبہ حضرت ابو سفیان کی زوجہ نقاب اوڑھے ہوئے اجنبی بن کر حاضر ہوئیں اس رسوائی سے کہ اس نے یوم احد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا مثلہ کیا تھا جب رسول اللہ نے فرمایا کہ تم مجھ سے معاہدہ کرو کہ اب کے بعد شرک نہیں کرو گی۔ بی بی ہند نے سر اٹھا کر کہا کہ ہم بت پرستی کرتی رہیں (وہ تو سلسلہ ختم ہو گیا) لیکن ہم دیکھ رہی ہیں کہ آپ نے جس طرح مردوں سے بیعت لی تھی۔ ہم سے بھی اسی طرح لیں وہ یہ کہ ان سے اسلام و جہاد پر بیعت لی تو ہم سے بھی اسلام و جہاد کی بیعت لیں) پھر جب حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ میرے ساتھ معاہدہ کرو کہ تم چوری نہیں کرو گی تو بی بی ہند نے کہا ابو سفیان گنجائشی ہے کہ زیادہ خرچ کرنے کو اچھا نہیں سمجھتا اگر میں اس کے مال سے کچھ ضروریات پوری کر لوں تو میرے لئے مناسب ہے یا نہ یعنی اس کے مال سے اپنی ضروریات کا خرچہ کر لینا میرے لئے حلال ہے یا نہ اس پر حضرت ابو سفیان بولے کہ تجھے میرا مال مل جائے تو تیرے

لئے حلال ہے۔ یہ سن کر حضور نبی پاک ﷺ ہنس پڑے لور فرمایا ہند تو ہی ہے نہ۔ عرض کی ہاں۔ اے نبی اللہ ﷺ مجھ سے جو پہلے غلطیاں سرزد ہوئیں وہ سب معاف فرمادیں اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے۔ آپ نے فرمایا میں نے معاف کیا۔ پھر آپ نے فرمایا زنانہ کرنا۔ پھر بھی بی بی ہند رضی اللہ عنہا نے عرض کی کیا نیک خصال عورتیں زنا کے قریب جاسکتی ہیں۔

فضیلت ہند رضی اللہ عنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر عرب کی ہر عورت کا دل بی بی ہند رضی اللہ عنہا کے دل کی طرح صاف ہوتا تو کوئی عرب زنانہ کرتی۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہ اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا۔ بی بی ہند رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ ہم نے بچوں کو پالا پوسا جوان کیا تو آپ نے انہیں جوانی میں قتل کرادیا۔

فائدہ بی بی ہند رضی اللہ عنہا کا بیٹا حنظلہ بن ابو سفیان یوم بدر میں مارا گیا تھا۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اتنا ہنسے کہ لوٹ پوٹ ہوگئے اور حضور نبی پاک ﷺ نے بھی تبسم فرمایا اس کے بعد آپ نے فرمایا کسی پر بہتان نہ تراشنا۔ بی بی ہند رضی اللہ عنہا نے عرض کی اب ہم اپ کی مجلس میں بیٹھی ہیں۔ اور تہیہ کیا کہ زندگی بھر آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی۔

فائدہ مروی ہے کہ حضور نبی پاک ﷺ نے عورتوں سے بیعت لی تو آپ کے سامنے قطری کپڑا پڑا تھا۔ (قطر بالکسر چادروں کی قسم کا ایک کپڑا ہے جس کے ایک طرف آپ نے اپنے ہاتھ مبارک میں دوسری طرف عورتوں کے ہاتھ میں پکڑ کر بیعت لی تاکہ اجنبی عورتوں کے ہاتھوں کو آپ کا ہاتھ مبارک مس نہ کرے۔

فائدہ بعض روایت میں ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ صفا پر رونق افروز تھے۔ آپ کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ عورتوں کو شرائط بتاتے رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے مصافحہ کے ذریعہ بیعت لیتے رہے۔

فائدہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ حضور سرور عالم نور مجسم ﷺ کے حکم سے عورتوں سے بیعت لیتے

تھے آپ کا حکم عورتوں کو سناتے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ صفا (پہاڑی) کے نیچے کھڑے تھے اور حضور سرور عالم ﷺ صفا کے اوپر رونق افروز تھے۔

فائدہ بعض روایت میں ہے کہ حضور نبی پاک ﷺ نے عورتوں سے بیعت لینے کے لئے صفا کے اوپر ایک بی بی کو مقرر فرمایا جو آپ کی طرف سے عورتوں سے بیعت لیتی تھی اور وہ بی بی جسے آپ نے اس کام کے لئے مقرر فرمایا تھا وہ بی بی امیمہ اخت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا یعنی بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خالہ تھیں۔

فائدہ زیادہ ظاہر اور مشہور تر وہی ہے جو بی بی عائشہ ام المومنین رضی اللہ تعالی عنہا نے فرمایا کہ بخدا رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی عورت کو ہاتھ نہیں لگایا سوائے اس کے جس کا آپ کو اللہ تعالی نے حکم فرمایا (یعنی ازواج مطہرات کے سوا کسی کو ہاتھ نہیں لگایا) اور نہ ہی کبھی رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ اجنبی عورت کے ہاتھ کو مس کیا اور جب ان سے بیعت لیتے تو زبان مبارک سے فرماتے میں نے تم سب سے بیعت لی اور جب عورتیں ہجرت کر کے آپ کے ہاں حاضر ہوتیں تو آپ ان سے امتحان کرتے۔ بحکم یاایھا النبی اذجائک المومنات الخ جب وہ اقرار کرتیں کہ ہم برضا و رغبت کر کے آئی ہیں تو پھر فرماتے جاؤ۔ میں نے تم سے بیعت لے لی۔

انتباہ برائے پیران عظام حضور نبی پاک ﷺ بیعت کے وقت مردوں کے ہاتھوں میں ہاتھ ملاتے لیکن عورتوں سے ہاتھ نہیں ملاتے اس لئے کہ شارع کے مقام کا تقاضا احتیاط اور تعلیم امت ہے۔ (ورنہ آپ تو عورتوں کے معنوی باپ تھے۔ آپ کے لئے اس میں کوئی حرج نہ تھا لیکن آپ نے احتیاط کی تاکہ پیران عظام عورتوں سے بیعت لیتے وقت بھی اور ویسے کبھی اجنبی عورتوں کو اپنے قریب نہ پھٹکنے دیں) ورنہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اجنبی عورتوں کے لئے مصافحہ جائز تھا تو آپ کے لئے بطریق اولی جائز ہونا چاہیے (جیسے بعض روایات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے گزرا ہے)

فائدہ خلاصہ یہ کہ عورتوں سے حضور نبی پاک ﷺ نے بیعت لینے کا امر مشروع فرمایا تو اس میں بھی اللہ تعالی کا حکم تھا اور یہ فعل سنت بن گیا رسول اللہ ﷺ کو جاری کرنے کی وجہ سے۔

صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہ کا طریقہ سنت ہے

اسی سے ہے صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہ کا وہ اچھا طریقہ عوام کو بیعت کے وقت ان سے توبہ کرائے اور ایمان پر ثابت قدمی کی تلقین کرتے اور تنویر الایقان کے لئے تجدید فرماتے ہیں۔ اس کی مکمل بحث ہم نے سورہ فتح میں آیت بیعت میں بیان کی ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یاایھاالنبی الخ میں نبی روح کو خطاب ہے کہ اور بیعت والی عورتوں سے وہ نفوس مراد ہیں جو نبی روح کی شریعت کے ماتحت ہیں ان سے نبی روح نے بیعت لی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ کریں گی۔ حب دنیا اور اس کی شہوات ولذات اور زینت اور نقش ونگار کو اور اخلاق قبیح کی ہوی اور صفات ردیہ کو چوری چھپے کام میں نہ لائیں گے۔ اور نہ ہی زنا کریں گے ساتھ خواہشات کے اور اس کی اتباع کے اور انہی قتل نہ کریں گے یعنی نہ روکیں گے اور خواطر روحانیہ اور الہامات ربانیہ کی اولاد کو نہ روکیں گے اور نہ لائیں گے۔ وہ بہتان جو اپنے آگے پیچھے افتراء کرتے ہیں یعنی وہ دعوی نہ کریں گے جو انہیں مواہب لدنیہ حاصل نہیں ہوئے۔ یعنی مشاہدات و معاینات اور تجرید و تفرید کا حصول کے بغیر دعوی نہیں کریں گے۔ اور نہ عطایا سنیہ کا دعوی کریں گے کہ انہیں زہد وورع نہ توکل و تسلیم حاصل ہے کیونکہ وہ ان کی طرف نہیں پہنچتے اور نہ ہی نافرمانی کریں گے ان امور میں جس کا انہیں حکم ہے کہ بجلائیں یا ان سے دور رہیں۔ اخلاق واوصاف سے تو ان کی بیعت کیجئے یعنی اپنے پاس ان کی بیعت صدق واخلاص سے قبول کر لیجئے۔ اور ان کے لئے بخشش مانگئے جو ان سے واقع ہوا جو تمہارے انوار ظل میں داخل ہونے سے پہلے ان سے سرزد ہوا۔ یعنی مخالفات شرعیہ و موافقات طبیعہ کا ارتکاب کیا۔

ان اللہ غفور بیشک اللہ غفور ہے موافقات شرعیہ سے ان کی ستاری کرتا ہے **رحیم** ان پر رحم فرمائے گا اگرچہ ان سے مخالفات طبعیہ کا صدور ہوا۔

تفسیر عالمانہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا اے ایمان والو اس قوم سے دوستی نہ کرو۔

حل لغات التولی کا معنی یہاں پر الموالات والمواۃ یعنی ایک دوسرے سے دوستی کرنا۔ غضب اللہ

علیھم جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے یہ قوما کی صفت ہے۔ ایسے ہی قدیسوا بھی اسی سے جنس کفار مراد ہے کیونکہ وہ سب کے سب مغضوب علیھم ہیں انہیں اخرویہ رحمت سے کوئی حصہ نہ ملے گا۔ بعض نے کہا اس سے یہود مراد ہیں۔

شان نزول مروی ہے کہ یہ آیت فقراء مسلمین کے حق میں نازل ہوئی کہ وہ یہود کے ساتھ دوستی کا دم بھرتے تھے تاکہ ان کے پھلات سے کچھ پھل حاصل کریں یہی اکثر مفسرین کا قول ہے اللہ تعالیٰ نے یہود کے حق میں فرمایا وغضب اللہ علیھم وجعل منھم القردۃ والخنازیر اللہ تعالیٰ نے ان پر غضب فرمایا اور انہی میں سے بندر اور خنزیر بنائے گئے لفظ قوم مردوں پر اطلاق ہوتا ہے عورتیں بھی [illegible] میں داخل ہوتی ہیں اس لئے کہ ہر قوم میں مرد بھی ہوتے ہیں عورتیں بھی۔

قدیئسوا من الاخرۃ وہ جو آخرت سے ناامید ہوتے ہیں۔

حل لغات الیأس بمعنی طمع کا انقطاع یعنی وہ ناامید ہوئے آخرت سے بوجہ کفر اور عدم الیقان کے یہ اس وقت ہے جب قوم سے کفار مراد ہوں اور من ابتداء الغایت کے لئے ہے یا ان کے علم کی وجہ سے کہ انہیں آخرت میں کوئی حصہ نہ ملے گا کیونکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عداوت دشمنی کی جبکہ وہ آپ کی نعت اور اوصاف تورات جانتے تھے۔ ورنہ اہل کتاب کو قیامت پر تو ایمان تھا۔ لیکن چونکہ کفر پر حسد و عناد سے اصرار کیا اس لئے وہ اپنے لئے ثواب سے ناامید تھے۔

حدیث شریف رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے یہودیو! تم پر افسوس ہے اللہ تعالیٰ سے ڈرو مجھے خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں تم یقیناً جانتے ہو کہ میں رسول اللہ ﷺ ہوں اور میری رسالت حق ہے اور میں تمہارے ہاں حق لے کر آیا ہوں فلہذا مسلمان ہو جاؤ۔ کما یئس الکفار من اصحاب القبور جیسے کفار اہل قبور سے ناامید ہو چکے ہیں۔ من بیانیہ الکفار کا بیان ہے یعنی وہ کفار جو اہل قبور سے ہیں یعنی جیسے وہ کافر ہو کر مر گئے ہیں اس سے ناامید ہو چکے ہیں۔ کیونکہ وہ اس کی حقیقت حال سے واقف ہو گئے ہیں۔ اور

اپنی محرومی کا مشاہدہ کر چکے ہیں۔ کہ انہیں دائمی نعمتوں سے کچھ نہ ملے گا۔ اب وہ ہمیشہ کے دردناک عذاب میں مبتلا رہیں گے اس میں ان کی کمال ناامیدی کا بیان ہے۔

قبر میں کافر کا حال مقاتل نے فرمایا کہ جب کافر کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کے پاس فرشتہ زجر و توبیخ کرتا ہوا آکر پوچھے گا تیرا رب کون، تیرا دین کیا، تیرے نبی علیہ السلام کون، تو وہ کہے گا لاادری میں نہیں جانتا۔ فرشتہ کہے گا اللہ تعالیٰ تجھے دور رکھے اپنی منزل و دوزخ میں دیکھ پھر ہائے ہائے پکارے گا۔ فرشتہ کہے گا یہی تیرے لئے ہے اس کے بعد بہشت کا دروازہ کھولا جائے گا اور کہا جائے گا یہ ان کا ٹھکانہ ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اگر تو اپنے رب تعالیٰ پر ایمان لاتا تو تو جنت میں ٹھہرایا جاتا۔ اس سے کافر کو سخت حسرت ہوگی اور اس کی امید بالکل منقطع ہو جائے گی اور جان لے گا کہ اب اس کا جنت سے کوئی حصہ نہیں اور جنت کی خیر و بھلائی سے بالکل مایوس ہو جائے گا۔

فائدہ بعض نے کہا کہ من یئس کے متعلق ہے اب معنی یہ ہوا کہ جیسے کفار اپنے موتٰی سے ناامید ہو سکے ہیں کہ وہ اب نہ اٹھیں گے اور نہ ہی زندہ ہو کر دنیا میں واپس آئیں گے۔ یہاں اضمار کا اظہار ہے ان کی ناامیدی کی علت کا اظہار مطلوب ہے اور وہ ہے کفر۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں ابدان مریضہ یعنی بیمار اور نجس خبیث ظلمانی اجسام کی طرف اشارہ ہے کیونکہ کفار اپنے برے اخلاق کی قبور کی تنگی سے نکلنے سے ناامید ہو چکے ہیں کہ اب وہ اخلاق حسنہ کی وسیع آبادی کی طرف ہرگز نہیں جائیں گے ایسے تمام کثیفہ حجابات والوں کا حال ہے۔

فائدہ بعض اصحاب القبور وہ ہیں جن کا حال اس کے برعکس ہے وہ وہ ہیں جن کا اشارہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دنیا میں ایسے ہو جیسے کوئی مسافر یا رہ گزر ہو اور خود کو اصحاب القبور میں شمار کرو۔

فائدہ ان اصحاب القبور سے وہ حضرات مراد ہیں جو دنیا سے اضطراری موت سے پہلے اپنے اختیار مرے۔ یعنی فناء تام پائی اس معنی پر ان کے اجسام ان کے ارواح کے لئے موتی کی قبور کی طرف تھے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے

ہیں کہ ہمارا خاتمہ سعادت پر ہو ان کے طفیل جنہیں کمال سیادت نصیب ہوئی اور محبوب مقامات میں مدفون ہو اور کمال بشری کے ساتھ اس کے سامنے حاضری اور مزید فخر کے ساتھ اس کے ہاں قیام کا سوال کرتے ہیں۔

خدایا بحق بنی فاطمہ　　کہ بر قول ایماں کنم خاتمہ
خداوندگار نظر کن بجود　　کہ جرم آمد از بندگان در وجود
چو مارا بدنیا تو کردی عزیز　　بعقبیٰ ہمیں چشم داریم نیز

(اے اللہ بحق بنی فاطمہ (رضی اللہ عنہم اجمعین) ایمان کے قول پر میرا خاتمہ فرما۔ خداوندا جود و کرم کی نظر سے نواز۔ بندوں سے ہی جرم صادر ہوتا ہے۔ جب تو نے ہمیں دنیا میں عزت بخشی ہے تو ہم آخرت میں بھی یہی امید رکھتے ہیں)

فراغت صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ تفسیر سورۃ ممتحنہ رمضان المبارک کے آخرہ عشرہ سن ۱۱۱۵ ہجری میں ختم ہوئی۔

فقیر اویسی غفرلہ سورۃ ممتحنہ کی تفسیر کے ترجمہ سے ۱۰ ربیع الاول شریف ۱۴۰۹ھ مطابق ۲۲ اکتوبر ۱۹۸۸ء میں عین صلوۃ العشاء شب ہفتہ کو فراغت پائی۔

الحمد للہ علی ذلک وصلی اللہ علی حبیبہ الکریم الامین وعلی الہ واصحابہ اجمعین۔

بہاولپور۔ پاکستان

سُوْرَةُ الصَّفِّ مَدَنِيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اٰيَاتُهَا ۱۴ رُكُوْعَاتُهَا ۲

سورہ صف مدنی ہے اس میں اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا چودہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝۱ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ
اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور وہی عزت و حکمت والا ہے اے ایمان
اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝۲ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝۳
والو کیوں کہتے ہو وہ جو نہیں کرتے کیسی سخت ناپسند ہے اللہ کو وہ بات کہ وہ کہو جو نہ کرو
اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝۴
بے شک اللہ دوست رکھتا ہے انہیں جو اس کی راہ میں لڑتے ہیں پرا باندھ کر گویا وہ عمارت ہیں رانگا پلائی
وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ
اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم مجھے کیوں ستاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ
اِلَیْكُمْ ؕ فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۝۵
کا رسول ہوں پھر جب وہ ٹیڑھے ہوئے اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے اور اللہ فاسق لوگوں کو راہ نہیں دیتا
وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا
اور یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں اپنے سے پہلی کتاب
لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ
توریت کی تصدیق کرتا ہوا اور ان رسول کی بشارت سناتا ہوا جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام احمد ہے پھر
فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝۶ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی
جب احمد ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر تشریف لائے بولے یہ کھلا جادو ہے اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ
عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ یُدْعٰۤی اِلَی الْاِسْلَامِ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝۷
پر جھوٹ باندھے حالانکہ اسے اسلام کی طرف بلایا جاتا ہو اور ظالم لوگوں کو اللہ راہ نہیں دیتا
یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝۸
چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنے مونہوں سے بجھا دیں اور اللہ کو اپنا نور پورا کرنا پڑے برا مانیں کافر

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ
وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے
كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ⑨ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ
پڑے برا مانیں مشرک اے ایمان والو کیا میں بتادوں وہ تجارت جو تمہیں دردناک
عَذَابٍ اَلِيْمٍ ⑩ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ
عذاب سے بچالے ایمان رکھو اللہ اور اس کے رسول پر اور اللہ کی راہ میں اپنے مال و جان سے
وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ⑪ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ
جہاد کرو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں باغوں
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِكَ الْفَوْزُ
میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں رواں اور پاکیزہ محلوں میں جو بسنے کے باغوں میں ہیں یہی بڑی
الْعَظِيْمُ ⑫ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑬
کامیابی ہے اور ایک نعمت تمہیں اور دیگا جو تمہیں پیاری ہے اللہ کی مدد اور جلد آنے والی فتح اور اے محبوب مسلمانوں کو خوشی سنادو
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ
اے ایمان والو دین خدا کے مددگار ہو جیسے عیسیٰ بن مریم نے حواریوں سے کہا تھا کون ہیں جو
اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ بَنِيْٓ
اللہ کی طرف ہو کر میری مدد کریں حواری بولے ہم دین خدا کے مددگار ہیں تو بنی اسرائیل سے ایک گروہ
اِسْرَآءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ⑭
ایمان لایا اور ایک گروہ نے کفر کیا تو ہم نے ایمان والوں کو ان کے دشمنوں پر مدد دی تو غالب ہو گئے

تفسیر عالمانہ یُسَبِّحُ لِلّٰهِ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں یعنی اس کی ذات کی ان تمام امور سے جو اس کی بلند وبالا اور عظمت والی جناب کے لائق ہیں۔

مَا فِی السَّمٰوٰتِ وہ جو آسمانوں میں ہیں علویات فاعلہ سے وَمَا فِی الْاَرْضِ اور وہ جو زمینوں میں ہیں سفلیات قابلیہ سے وہ آفاقی ہوں یا انفسی ہو۔ خلاصہ یہ کہ جمیع اشیاء اس کی تسبیح کرتی ہیں بغیر کسی فرق کے جو بھی

موجود ہے کوئی بھی ہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِهٖ کوئی شے نہیں جو اس کی تسبیح نہ کرتی ہو۔ وھوالعزیز اور وہی علی الاطلاق غالب ہے کہ وہ جو ارادہ کرتا ہے وہی ہوتا ہے۔ الحکیم حکیم کہ اس کا ہر فعل ہر حکمت پر ہوتا ہے اس پر نہ کوئی غالب ہے وہ علی الاطلاق عزیز و حکیم ہے اسی لئے اس کی تسبیح واجب ہے۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے جو چاہے کہ جنت میں اس کا عیش صاف و شفاف ہو تو وہ اپنے دین کو خواہشات کی گرد و غبار سے پاک و صاف رکھے۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا اے ایمان والو۔ اس سے ایمان رسمی مراد ہے۔ لِمَ تَقُوۡلُوۡنَ مَا لَا تَفۡعَلُوۡنَ کیوں کہتے ہیں وہ جو خود نہیں کرتے۔

شان نزول مروی ہے کہ (بعض) مسلمانوں (رسمی) نے کہا کہ اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ فلاں عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب تر ہے تو اس پر اپنے مال و جان قربان کر دیں۔ جب جہاد کا حکم نازل ہوا تو (بعض) مسلمان (رسمی) کو ناگوار گزرا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

فائدہ اس میں ان کی عدم وفاء کا اظہار ہے۔

فائدہ لم لام جارہ اور ما موصولہ سے مرکب ہے کہ دراصل لما تھا۔ الف کثرت استعمال کی وجہ سے محذوف ہوا۔ جیسے عم اور فیم اور ان جیسے اور اسماء میں ما استفہامیہ ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ تم وہ کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو نیکی اور دیگر خیر و بھلائی کے کام کیونکہ اس زجر و توبیخ کا دارومدار ان کے اس عدم فعل پر ہے جو زبانی دعوی کے باوجود عملی لحاظ سے خالی ہے۔

نکتہ ان کے قول سے عدم فعل کی طرف متوجہ کرنے میں تنبیہہ ہے کہ ان کی معصیت اور گناہ دوگنا ہے اس لئے کہ منکر (برائی) صرف موعود خیر کے ترک کا نام نہیں بلکہ ترک کے ساتھ وعدہ خلافی بھی کر رہے ہیں اور وہ اسے اپنے طور نیکی سمجھتے تھے (کیونکہ وہ رسمی مسلمان تھے منافق جو تھے)

نکتہ اگر یوں کہا جاتا لم تفعلون ما لا تقولون کیوں نہیں کرتے جو کہتے ہو تو اس سے یہ سمجھا جاتا کہ منکر (برائی) صرف ترک الموعود ہے حالانکہ اس کے ساتھ ان کی اور برائی بھی ہے (جسے ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔

ازالہ وھم ما استفہامیہ سے حقیقی مراد نہیں اس لئے کہ استفہام اللہ تعالیٰ کے لئے محال ہے کیونکہ تمام اشیاء کو جانتا ہے بلکہ یہاں صرف انکار اور توبیخ مراد ہے اس بات پر کہ انسان بھلائی کی بات کہہ کر اس پر عمل نہ کرے۔

(تو اس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے)

فائدہ جس نے ماضی و حال میں خبر دی کہ اس نے یہ فعل کیا ہے حالانکہ نہیں کیا تو وہ جھوٹا ہے اور جو وعدہ کرے کہ فلاں کام مستقبل میں کرے گا اور وہ اسے نہ کرے تو وہ بھی جھوٹ ہے اور یہ ہر دونوں فعل مذموم ہیں (کشاف)

فائدہ یہ کلام کذب اور وعدہ خلافی ہر دونوں کو شامل ہے۔

مسئلہ جو شخص وعدہ کرکے بوجہ شرعی اور صحیح عذر کے عمل نہ کرے یعنی وعدہ پورا نہ کرسکے تو اس پر کوئی بھی گناہ نہیں ہے۔

تفسیر صوفیانہ (۱) عرائس البقلی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مریدین کو تنبیہہ فرمائی ہے کہ وہ ایسے مقامات کا دعویٰ یا اظہار نہ کریں جن تک وہ ابھی نہیں پہنچے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں نہ آجائیں اور طریق حق سے منقطع نہ ہوں کیونکہ ان کے یہ دعوی باطل ہیں اور اکابر (اولیاء کرام) کو بھی تنبیہہ ہے کہ وہ بعض حقوق نہ ترک کریں جو عہود کی ادائیگی نہیں کرتا یا حقوق پورے نہیں کرتا تو وہ حق و حقیقت تک نہ پہنچ سکے گا۔

مسئلہ بندے کی نہ اپنی کوئی تدبیر ہے اور نہ وہ اپنے ارادے چلائے کیونکہ وہ تو کسی دوسرے کے قبضہ کا قیدی ہے۔ اسی پر احکام قدرت اجراء اسی کا ہے اور اسی کی مشیت اس پر چلتی ہے اس کے باوجود جو کوئی کہے یہ میں نے کیا یا وہ شے لایا یا میں حاضر ہوا تو اس نے اپنے مالک کو بھلایا ہوا ہے اور ایسے دعویٰ کر رہا ہے جس کے وہ لائق ہی نہیں جو طاعت الٰہی بجالانے کا مدعی ہے وہ در حقیقت عصیاں کے زیادہ قریب ہے کیونکہ وہ بھولا ہوا انسان ہے اور بھول اندھا پن سے بدتر ہے۔

تفسیر صوفیانہ (۲) تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اے مومنو! مقلدو (تقلیدی ایمان والو) کیوں زبان سے دنیا کی مذمت کرتے ہو لیکن لسان باطن سے اس کے مداح ہو جیسا کہ تمہارا انواع شہوات اور گوناگوں لذات جسمانیہ کا ارتکاب گواہی دیتا ہے یا یہ کہ تم زبان سے تو جاہ کی فضیلت بیان کرتے ہو لیکن دل سے اس کی مذمت کرتے ہو اس سے تمہارا حق سے اعراض اور نفس و دنیا کی طرف متوجہ کرنا دلالت کرتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بری شے ہے۔

تفسیر عالمانہ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت برا ہے کہ وہ کہو جو نہ کرو۔

حل لغات کبر از باب نعم و بئس۔ اس میں ضمیر مبہم جو بعد آنے والے نکرہ سے مفسر ہے۔ اور **ان تقولوا** مخصوص بالذم ہے المقت بمعنی البغض الشدید ہے۔ اس کے لئے جو کوئی فعل قبیح کا مرتکب ہو کہا جاتا ہے۔ **مقته فهو مقيت و ممقوت** اس پر اس نے سخت عذاب کیا وہ سخت مغضوب ہے اس لئے جو شخص اپنی سوتیلی ماں (باپ کی زوجہ) سے نکاح کرتا تو نکاح مقت ہو جاتا۔ اور **عند اللہ** فعل کا ظرف ہے بمعنی فی علمہ و حکمہ اور ان کے اس فعل کی قباحت کا بیان کیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت میں ان کا محض یہی قول بھی مبغوض ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کے ہاں مغضوبیت و ممقوتیت ہے اور جو اللہ کا مبغوض ہو اس کے لئے جنہم ہے اور جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہو اس کے لئے بہشت ہے۔

فائدہ حضرت کاشفی نے فرمایا کہ علماء نے فرمایا کہ یہ آیت عام ہے کہ جو بھی زبان سے تو کہے لیکن عمل نہ کرے تو وہ بھی اس عتاب میں داخل ہے۔ یا اس سے وہ علماء مراد ہیں جو لوگوں کو تو عمل کا کہتے ہیں لیکن خود بے عمل ہیں ان پر یہی عتاب وارد ہے۔

تنته الخلق وتاتی مثله　　　عار علیک اذا فعلک عظیم

(لوگوں کو تو روکتے ہو لیکن خود اس نہی کے مطابق عمل کرتے ہو تجھ پر بری عار ہے کہ یہ تیرا فعل عظیم ہے)

وحی عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ اے ابن مریم علیہ السلام پہلے خود کو نصیحت کرو۔ اگر خود عمل نہیں کرتے لیکن دوسروں کو وعظ کرتے ہو تو پھر اللہ تعالیٰ سے حیاء کرو۔

بے عمل واعظ حضور نبی پاک ﷺ نے شب معراج بعض لوگوں کو دیکھا کہ ان کے ہونٹ کٹے ہوئے ہیں۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ ان کے ہونٹ دوزخ کے مقراضوں سے اس لئے کاٹے گئے ہیں کہ یہ زبان سے تو لوگوں کو عمل کا کہتے تھے لیکن خود بے عمل تھے۔

از من بگو عالم تفسیر گوی را　　　گر در عمل نکوشی نادان مفسر
بار درخت علم ندانم بجز عمل　　　با علم اگر عمل نکنی شاخ بے بری

(میری طرف سے عالم تفسیر دان کو کہو اگر عمل کی کوشش نہیں کرتے ہو۔ اے بے وقوف مفسر علم کے درخت کا بجز

علم کے ثمر نہیں۔ علم کے ساتھ اگر عمل نہ کرو گے تو تم وہ شاخ ہو جس پر پھل نہ ہو)

حکایت بعض بزرگوں سے عرض کی گئی کہ کچھ نصیحت فرمایئے آپ نے خاموشی فرمائی سائل نے دوبارہ عرض کیا آپ نے فرمایا تم مجھے اس کا کہتے ہو کہ وہ بات کہوں جس پر میرا عمل نہ ہو پھر اس کا یہ معنی ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دوں (معاذ اللہ)

حکایت امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مجھے تین آیات وعظ سنانے سے مانع ہیں۔

۱۔ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ کیا لوگوں کو امر کرتے ہو خود کو بھلاتے ہو۔

۲۔ وما اریدان اخالفکم الی ما انھاکم عنه میرا ارادہ ہے کہ میں تمہارے خلاف کروں اس کے میں تمہیں اس سے روکتا ہوں۔

۳۔ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ اے ایمان والوں کیوں کہتے ہو جو خود نہیں کرتے۔

مسئلہ جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے تارک کے لئے وعید وارد ہے جیسے عمل کے تارک کے لئے ہے بہرحال ہر دو درجوں میں انتہائی خوف میں رہنا چاہئے۔ اس سے اس بدبخت کی بدبختی کا اندازہ لگایئے جو نیکیوں سے روکتے اور برائیوں کا حکم دیتے ہیں اس زمانہ میں اکثر لوگ ایسے ہو گئے (العیاذ باللہ)

مسئلہ اللباب میں ہے کہ آیت میں حکم ہے کہ جو شخص اپنے اوپر ایسا عمل واجب کرتا ہے جس میں طاعت الٰہی تو چاہئے کہ وہ اس کا ایفاء کرے کیونکہ خود پر کوئی عمل لازم کرنا شرعاً وہ عمل لازم ہے کیونکہ خود پر کوئی عمل لازم کرنے والا یا تو ابتداء تقرب کی نیت پر منت مان رہا ہے مثلاً کہتا ہے علی صلوۃ او صوم او صدقہ مجھ پر نماز یا روزہ یا صدقہ ہے وغیرہ وغیرہ جو اعمال جو قرب الٰہی کے موجب ہیں تو ان کا پورا کرنا بالاجماع واجب ہے یا مباح کی نذر مانی ہے یعنی اسے کسی مرغوب شے سے معلق کیا ہے مثلاً کہا اگر میرا فلاں غائب گھر واپس آگیا تو مجھ پر صدقہ ہے یا اس میں کسی خوف و خطر سے بچنے کی شرط لگائی ہے مثلاً کہا کہ اگر مجھے اللہ تعالیٰ نے فلاں شر سے بچا لیا تو مجھ پر صدقہ ہے۔ اس میں اختلاف ہے۔ امام مالک و امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہما نے اسے پورا کرنے کو لازم فرمایا ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

کے ایک قول میں لزوم کا حکم ہے لیکن ہماری حجت آیت کا عموم ہے جو کہ وہ مطلق بھی ہے اس میں اس کی مذمت بھی شامل ہے جو (کہنے کے بعد) اس پر عمل نہیں کرتا وہ جس وجہ سے بھی ہو مطلق ہو یا مقید بشرط ہو۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ بیشک اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے انہیں جو جنگ کرتے ہیں اس کے اعداء سے۔ فی سبیلہ اس کی راہ میں یعنی اس کی رضا اور اس کے دین کو بلند کرنے کے ارادہ پر یعنی وہ ان سے راضی اور ان کی تعریف کرتا ہے۔ صفاء دشمن کے مقابلہ میں صف زدہ ہو کر یہ بیان ہے۔ اس کا کہ رضا کیا ہے اور اس کے بیان کے کہ اس کے نزدیک مغضوب کون ہیں یہ صریح ہے اس میں کہ جو کچھ انہوں نے کہا تھا وہ صرف بات نہ تھی بلکہ وعدہ تھا۔

حل لغات الصف مصدر ہے فاعل یا مفعول کی جگہ پر واقع اور منصوب علی الحال ہے یقاتلون کے فاعل سے (حال) ہے بمعنی صافین انفسھم خود کو صف میں کھڑا کرنے والے ہیں یا صف باندھے ہوئے ہیں۔ اور صف کہتے ہیں خط مستوی پر لوگوں کا یا درختوں کا کھڑا ہونا۔ کانھم بنیان مرصوص گویا وہ عمارت ہیں رانگا پلائی ہوئی۔ پہلے حال کی ضمیر سے حال ہے۔

حل لغات البنیان بمعنی الحائط (دیوار) القاموس میں ہے البناءُ ھَدْمٌ دیوار وغیرہ کا گر جانا۔ کی نقیض ہے۔ بناہ بنیا وبناء وبنیانا وبنیتہ وبنایتہ اسے بنایا بنانا اشیاء بمعنی المبنی (عمارت بنائی ہوئی) بنیان بنیانتہ کی جمع ہے جیسے نخل نخلۃ ایسے طریقہ کی جمع کے لئے اس کے لئے تانیث و تذکیر۔ ہر دونوں صیغے جائز ہیں۔

الرص بمعنی عمارت کا بعض کا بعض سے متصل و مستحکم ہونا (تاج المصادر) میں ہے کہ الرص بمعنی الرص عمارت کا مضبوط کرنا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ الرص بمعنی پتھر کا پتھر پر رکھ کر چھوٹی کنکریاں (بجری) رکھ کر اوپر اینٹ رکھنا اسے اہل مکہ مرصوص سے تعبیر کرتے۔ اب معنی یہ ہوا کہ درانحالیکہ تم مضبوطی میں بغیر سوراخ و خلل کے اس عمارت کے مشابہ ہو جاؤ۔ جسے بعض کو بعض سے مضبوطی میں مستحکم کیا جا۔

یہاں تک کہ وہ ایک شے محسوس ہو۔ امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بنیان مرصوص معنی عمارت مضبوط گویا وہ رانگا پلائی ہوئی ہے اس سے ثابت قدمی مراد ہے کہ معرکہ جنگ ایک دوسرے کے ایسے چسپاں ہو جائے گویا رانگا پلائی دیوار ہو۔ یہی فراء کا قول ہے کہا جاتا تراصوافی الصلوۃ یعنی نماز میں مل کر کھڑے ہو جیسے حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا عاثر اصوابینکم فی الصلوۃ لا یتخللکم الشیطان نماز میں مل کر کھڑے ہو تاکہ تمہارے میں شیطان خلل انداز نہ ہو۔

فائدہ اس مقام میں رحمت زحمت ہے اس لئے خلل کو روکنا ضروری ہے یا معنی یہ ہے کہ مضبوط عمارت کی طرح کاندھے ملا کر کھڑے ہو۔ حضرت سفیان رضی اللہ عنہ کا قول اس کے منافی نہیں جو آپ نے فرمایا صف میں دو مردوں کے درمیان تین ہاتھ کا فاصلہ ضروری ہے اسی سے یہ مقام مراد نہیں وہ اور مقام ہے۔ (المقاصد الحسنہ)

مسئلہ بعض نے کہا اس میں دلیل ہے کہ سوار ہو کر جنگ کرنے سے پیدل کی جنگ افضل ہے کیونکہ سوار صف نہیں باندھ سکتے (کشاف)

تردید از صاحب روح البیان قدس سرہ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے سوار کو پیدل والے مجاہد (غازی) پر فضیلت کی دلیل یہ ہے کہ غنیمت سے سوار کے دو اور پیدل کا ایک حصہ ہے باقی رہا صف بندی کی ترغیب وہ اس لئے کہ اس دوران اکثر مسلمان پیدل ہوتے تھے۔ اس لئے حضور سرور عالم ﷺ نے صف بندی پر برانگیختہ فرمایا اور یہ سب کو معلوم ہے کہ مسلمانوں کو اس وقت جنگ کی سواریاں بہت کم میسر تھیں۔

فائدہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ سے تعلیم ہے کہ دشمن کی جنگ میں جو صورت میسر آئے عمل میں لاؤ۔ لیکن صف بندی کو اہمیت حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ جنگ میں صف سے نکلنا حوائج ضروریہ کے سوا ناجائز ہے یا وہ جسے امام (حاکم وقت) پیغام رسانی کے لئے کہیں بھیجے یا جس طرف منتقل ہونا ہے اس میں زیادہ فائدہ محسوس ہوتا ہے مثلاً فرصت ملی تو ہے تو اس سے اور کوئی کام نکل لیا جائے گا۔ ان صورتوں میں صف سے نکلنے میں کسی کو اختلاف نہیں کیونکہ اس سے تو دشمن کو بھگانا یا طلب شہادت مطلوب ہے اور جنگ لڑنے کی تحریض

ہے اور اس میں اختلاف نہیں ہونا چاہیے۔

فائدہ بعض نے کہا خود بخود جنگ کے لئے آگے بڑھنا کیونکہ اس میں ریاء کا شائبہ ہے یا اس طرف جہاں جانے سے روکا گیا ہے جب تک دشمن جنگ کے لئے بالمقابل کا مطالبہ نہ کرے جیسے رسول اللہ ﷺ کے غزوات مبارکہ میں ہوا تھا یعنی غزوہ بدر اور غزوہ خیبر میں (بالخصوص)

مسئلہ فتح الرحمن میں ہے کہ جہاد کا حکم فرض کفایہ ہے وہ بھی استطاعت والے پر (یہ بالاتفاق) یہ اس وقت جب بعض لوگ جنگ میں مصروف ہوں اسی لئے باقیوں سے فرضیت ساقط ہو گئی۔

مسئلہ بغیر عام (جنگ کا عام اعلان) ہو یعنی دشمن نے حملہ کر دیا تو اب سب پر فرض عین ہے (اس میں کسی نے اختلاف نہیں کیا)

فائدہ آیت میں جنگ سے پیچھے رہنے پر زجر و توبیخ اور جنگ میں بہت جلد حاضری کی ترغیب اور فضیلت جہاد کی دلیل ہے۔

غزوہ موتہ مروی ہے کہ جب غزوہ موتہ ہوا۔

فائدہ موتہ (بالضم) ملک شام کے کنارہ پر ایک مقام ہے اس میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ اس میں تلواروں سے کام لیا گیا تھا۔ (قاموس) حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس غزوہ کے امراء میں سے ایک تھے رسول اللہ ﷺ نے انہیں پکار کر فرمایا کہ اس جنگ میں فتح تمہاری ہے اسی لئے حضرت عبداللہ بن رواحہ جنگ لڑ کر شہید ہوئے۔

تعارف عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سیدنا عبداللہ بن رواحہ انصاری رضی اللہ عنہ حضور سرور عالم ﷺ کے شاعر تھے۔ اور اپنی زندگی میں مسجد نبوی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات سناتے۔ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ ان کی مجلس میں

تشریف فرما ہوئے اور فرمایا مجھے حکم ہے کہ میں تمہاری مجلسوں میں بیٹھوں اور حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ گفتگو جاری رکھئے۔ (میں بھی تمہاری گفتگو سنوں گا) (کشف الاسرار)

تفسیر صوفیانہ جہاد یا تو ظاہری دشمنوں سے ہوتا ہے جیسے کفار و منافقین سے یا باطنی دشمنوں سے جیسے نفس و شیطان سے حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے اللہ تعالیٰ کی طاعت میں اور یہ مہاجر وہ ہے جو خطایا و ذنوب کو چھوڑ دے اور سب سے اعظم مجاہدہ نماز ہے کیونکہ اس میں فناء کا راز اور نفس پر مشقت ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ اور یاد کرو جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم کو فرمایا۔ یہ نیا کلام اور ما قبل کی تقریر سے ترک قتال کی شناعت میں اور اذ مفعولیہ کی وجہ سے منصوب ہے فعل مقدر ہے۔ جس کے مخاطب نبی پاک ﷺ خود ہیں بطریق تکوین یعنی یاد دلاؤ ان جنگ میں نہ جانے والوں کو وہ وقت جب موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو فرمایا یعنی جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو جبابرہ کے مقابلہ کا فرمایا ہے قرآن مجید میں بیان فرمایا

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ (اے میری قوم ارض مقدس میں داخل ہو جاؤ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے فرض کیا ہے اور اپنے کٹوں پر نہ پھر جاؤ ہو جاؤ گے خسارے والے)

قوم نے موسیٰ علیہ السلام کا فرمان (مانا سخت نافرمانی کرتے ہوئے کہا)

قَالُوْا يٰمُوْسٰى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ اِلٰى قَوْلِهٖ تَعَالٰى فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ

(اے موسیٰ علیہ السلام اس بستی میں جبار لوگ ہیں ہم اس میں ہرگز داخل نہ ہوں گے جب تک وہ اس بستی سے نکل نہ جائیں اگر وہ نکل جائیں تو پھر ہم اس میں داخل ہونگے یہاں تک کہ کہا کہ پس تو اور تیرا رب جاؤ اور ان سے جا

کر لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں بلکہ انہوں نے اسی بات پر اصرار کیا اور موسیٰ علیہ السلام کو اذیتیں بھی پہنچائیں (ارلاشہ)

فائدہ فقیر (صاحب روح البیان رحمتہ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ اس میں شک نہیں کہ کفار سے جنگ بھی ایک قسم کی تسبیح ہے کیونکہ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے (معاذ اللہ) اور اس کے ساتھ شریک بنا کر بت پرستی کی اس لئے ان سے جنگ لڑنا اللہ تعالیٰ کی تنزیہ کے میدان میں وسعت دینا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس سورت مبارکہ کو تسبیح سے شروع فرمایا اور لفظ حکیم میں جنگ کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ بھی اس کی حکمت سے ہے اور قضاء کو قضاء سے دفع کرنا ہے اس راز کو اہل اللہ جانتے ہیں اور لفظ عزیز میں اشارہ ہے کہ غلبہ اہل ایمان مجاہدین کو نصیب ہوگا لیکن چونکہ اسے بعض (رسمی مسلمان منافقین) نے کراہت کا اظہار کیا اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر بھروسہ نہ کیا اور بے اندیشی سے اللہ تعالیٰ کی طرف عجز کی نسبت کے گڑھے میں گرے اسی لئے جنگ کو جانے سے پیچھے رہ گئے۔ ان کی اس روش سے حضور سرور عالم ﷺ کو ذہنی کوفت ہوئی اسی لئے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کر دیا تاکہ محبوب ﷺ کو تسلی ہو۔

فائدہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا منافقین کے جنگ پہ جانے سے ذہنی طور کوفت محسوس کرنا اذیت ہے کیونکہ کوئی کسی کا فرمان نہ مانے تو اسے کوفت ہوتی ہے اور یہ بھی ایک قسم کی اذیت ہے۔

فائدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ حق ہے اور اس کی اطاعت سے خروج فسق ہے اور فاسق خدا تعالیٰ کا مغضوب ہوتا ہے اس لئے کہ ہدایت باب رحمت سے ہے۔ اور اس کا نہ ہونا اللہ تعالیٰ کا غضب (ہم اللہ تعالیٰ کے غیض و غضب اور دردناک عذاب و عقاب سے پناہ مانگتے ہیں)

یاقوم اے میری قوم دراصل قومی تھا اسی لئے میم مکسور ہے ورنہ ضم المیم ہوتا اس میں اشارہ ہے کہ یہاں یائے متکلم ہے لفظ قوم مفہوم ہو تو مفرد معرفہ مبنی علی الضم ہوتا ہے اور یہ نداء نرمی اور شفقت سے ہے جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کی شان اقدس ہے۔ ایسے ہی ان کی شان ہے جو ان کے قریب ہیں یعنی اولیاء کرام۔

لم تؤذوننی مجھے کیوں ستاتے ہو۔ مخالفت اور اس میں نافرمانی کر کے جس کا میں تمہیں حکم کرتا ہوں۔

حل لغات **الاذی** ہر وہ شے جو انسان کو پہنچے ضرر سے اس کی ذات میں یا جسم میں یا قلب میں وہ دنیوی ہو یا اخروی۔ القاموس میں ہے کہ آذی فعل للاذی اس کا صاحب لزی ورذاۃ واذت ایذاہ کسا (کیونکہ اس کا اور معنی ہے)

اغلاط العوام عوام کی زبان پر اسی معنی پر ایذاء مشہور ہے بلکہ یہ لفظ اسی معنی میں مصنفین کی عبارات میں بھی پایا جاتا ہے۔

وقد تعلمون حالانکہ تم جانتے ہو۔ **انی رسول اللہ الیکم** بیشک میں اللہ کا رسول ہوں تمہاری طرف۔ یہ جملہ حالیہ ان کا رلوتیہ ونفی سبب کی تاکید کے لئے ہے اور قد تحقیقہ ہے۔ علم کی تحقیق کر رہا ہے تو قع کا نہیں اور ہی تقریب و تعلیل کا ہے کیونکہ نحویوں کا قاعدہ ہے کہ جب قد حال پر داخل ہو تو تحقیق کا معنی دیتا ہے (اور یہاں حال پر داخل ہے) اور جب استقبال پر داخل ہو تو تعلیل کا فائدہ دیتا ہے اور مضارع کا صیغہ استمرار علم پر دلالت کرتا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اے بنی اسرائیل تم قطعی اور ہمیشہ کے لئے جانتے ہو (کیونکہ تمہیں میرے معجزات کا بارہا مشاہدہ ہو چکا ہے) کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں تاکہ میں تمہاری دنیا و آخرت کی رہبری کروں اور یہ بھی تمہیں قطعی علم ہے کہ تم میری تعظیم میں مبالغہ و طاعت میں مسارعت (جلدی سے) کے مامور ہو کیونکہ میری تعظیم و طاعت در حقیقت اللہ تعالیٰ کی تعظیم و اطاعت ہے۔

فائدہ اس میں رسول اکرم ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے۔ کہ امم سابقہ میں بھی ایسے لوگ تھے جو اپنے رسول ﷺ کو اذیت پہنچاتے تھے۔ اور قاعدہ ہے کہ جب بلا عام ہو تو پھر آسان محسوس ہوتی ہے (اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو تسلی دی تاکہ خاطر مبارک سے بوجھ ہلکا ہو)

حدیث شریف اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کہ وہ مجھ سے زیادہ اذیتیں دیئے گئے اس کے باوجود پھر بھی صبر فرمایا۔

نبی علیہ الصلوۃ واسلام کی اذیت کا نمونہ

حضور نبی پاک ﷺ طائف کی غنیمتیں تقسیم فرمارہے تھے تو بعض منافقین نے کہاکہ رسول اللہ ﷺ کی تقسیم میں عدل و انصاف نہیں اور نہ ہی اس میں رضائے الٰہی کاخیال رکھا گیا ہے یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ کاچہرہ اقدس متغیر ہو گیا پھر مذکورہ بالا ارشاد فرمایا۔

فلازاغوا پس جب وہ ٹیڑھے ہوئے۔

حل لغات الزیغ المیل عن الاستقامتہ استقامت سے ہٹ جانا (ٹیڑھا ہونا) یعنی جب وہ امر حق ے باطل کی طرف جھکے اور اس پر اصرار کیا جو موسیٰ علیہ السلام لائے اور وہ اس ٹیڑھا پن پر مصر (اصرار کرنے والے) رہے۔ ازاغ اللہ قلوبھم اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے' پھر دیئے قبول حق اور میلان الی الاصواب ے ان کے دل غی اور گمراہی کی طرف۔ ان کے ٹیڑھے پن کو خود اختیار کی وجہ سے۔ امام راغب رحمتہ اللہ علیہ نے المفردات میں لکھا کہ جب وہ استقامت (سیدھی راہ چلنا) سے جدا ہوئے تو ان سے ایسا معاملہ کیا اور حضرت جعفر نے فرمایا جب انہوں نے اوامر خدمت کو چھوڑا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں سے نور ایمان نکل لیا اور شیطان کے ئے ان کی طرف راہ کھول دی انہیں طریق حق سے ہٹا کر ان میں باطل کے مسالک داخل کر دیئے اور الواسطی نے فرمایا کہ جب وہ قربت حق سے علم میں ہٹے تو ان کے دل اللہ تعالیٰ نے خلیقت میں ہٹا دیئے۔ بعض نے کہا کہ جب وہ عبادت سے ہٹے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ارادہ سے ہٹا دیئے۔

تحقیق از صاحب روح البیان قدس سرہ فقیر (صاحب روح البیان رحمتہ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ جب انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت سے انحراف کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل آپ کی ولایت و حمیت سے پھیر دیئے پھر انہوں نے آپ کو صرف موسیٰ دیکھا۔

(حاشیہ ؎ جیسے ابلیس نے آدم کو صرف آدم اور کافروں نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو صرف محمد ﷺ دیکھا جیسے اب وہابیوں دیوبندیوں نے صرف اپنے جیسا بشر دیکھا اور حقیقت نگاہ نہ کی۔ ۱۲ اویسی غفرلہ)

اس نگاہ سے دیکھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول اور نبی ﷺ ہیں۔ اسی لئے وہ رویت حق سے محروم ہو گئے۔

حضور نبی پاک ﷺ طائف کی غنیمتیں تقسیم فرما رہے تھے تو بعض منافقین نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی تقسیم میں عدل و انصاف نہیں اور نہ ہی اس میں رضائے الٰہی کا خیال رکھا گیا ہے یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ اقدس متغیر ہو گیا پھر مذکورہ بالا ارشاد فرمایا۔

فلما زاغوا پس جب وہ ٹیڑھے ہوئے۔

حل لغات الزیغ المیل عن الاستقامتہ استقامت سے ہٹ جانا (ٹیڑھا ہونا) یعنی جب وہ امر حق ے باطل کی طرف جھکے اور اس پر اصرار کیا جو موسیٰ علیہ السلام لائے اور وہ اس ٹیڑھا پن پر مصر (اصرار کرنے والے) رہے۔ ازاغ اللہ قلوبھم اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے' پھر دیئے قبول حق اور میلان الی الاصواب ے ان کے دل غی اور گمراہی کی طرف۔ ان کے ٹیڑھے پن کو خود اختیار کی وجہ سے۔ امام راغب رحمتہ اللہ علیہ نے المفردات میں لکھا کہ جب وہ استقامت (سیدھی راہ چلنا) سے جدا ہوئے تو ان سے ایسا معاملہ کیا اور حضرت جعفر نے فرمایا جب انہوں نے اوامر خدمت کو چھوڑا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں سے نور ایمان نکال لیا اور شیطان کے ئے ان کی طرف راہ کھول دی انہیں طریق حق سے ہٹا کر ان میں باطل کے مسالک داخل کر دیئے اور الواسطی نے فرمایا کہ جب وہ قربت حق سے علم میں ہٹے تو ان کے دل اللہ تعالیٰ نے خلیقت میں ہٹا دیئے۔ بعض نے کہا کہ جب وہ عبادت سے ہٹے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ارادہ سے ہٹا دیئے۔

تحقیق از صاحب روح البیان قدس سرہ فقیر (صاحب روح البیان رحمتہ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ جب انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت سے انحراف کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل آپ کی ولایت و حمیت سے پھیر دیئے پھر انہوں نے آپ کو صرف موسیٰؑ دیکھا۔

(حاشیہ ؎ جیسے ابلیس نے آدم کو صرف آدم اور کافروں نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو صرف محمد ﷺ دیکھا جیسے اب وہابیوں دیوبندیوں نے صرف اپنے جیسا بشر دیکھا اور حقیقت نگاہ نہ کی۔ ۱۲ اویسی غفرلہ)

اس نگاہ سے دیکھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول اور نبی ہیں۔ اسی لئے وہ رویت حق سے محروم ہو گئے۔

واللہ لایھدی القوم الفاسقین اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو راہ نہیں دکھاتا جملہ معترضہ ہے ماقبل کے مضمون ازالہ کی تقریر کے ذیل میں ہے اور اس کی علت کی خبر دیتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس قوم کو راہ نہیں دکھاتا جو طاعت اور منہاج حق سے خارج اور غوایۃ (گمراہی) پر مصر (اصرار کرنے والا) ہیں۔

فائدہ ہدایت وہ راستہ مراد ہے جو موصل الی البغیۃ (المطلوب) ہو نہ وہ جو موصل الی مایوصل الیہا اس کی طرف جو اس ہدایت کی طرف پہنچانے والا ہو کیونکہ یہ تو سب کو شامل ہے۔ اور الفاسقین سے یہاں فاسق کی جنس مراد ہے اور یہ اس میں بطریق اولیت شامل ہیں اور فاسق کی صفت اس طرف اشارہ کرتی ہے جو (موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا) فَافْرُقْ بَيْنَنَا بَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِيْنَ اے اللہ میرے اور فاسقوں کے درمیان جدائی ڈال دے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِيْنَ فاسق قوم کا غم نہ کیجئے۔

گستاخی رسول ﷺ کا انجام امام (فخر الدین رازی) رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی گستاخی (اور بے ادبی) کفر تک کھینچ کر لے جاتی ہے اور ہدایت سب گمراہی کے میلان تک پہنچاتی ہے (معاذ اللہ)

انتباہ علماء[2] اہلسنت جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے ہیں ان کی اذیت (بے ادبی و گستاخی) سے بھی یہی نتیجہ نکلا ہے کہ علماء اہلسنت کا بے ادب (و گستاخ) کفر کے گھاٹ اترتا ہے اس لئے کہ علماء اہلسنت انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں اسی لئے ان کی اذیت (بے ادبی و گستاخی) اور حقیقت انبیاء علیہم السلام کی اذیت (بے ادبی و گستاخی) ہے اس معاملہ میں ان کا اور ان کا ایک حکم ہے۔

---

[1] (حاشیہ یہی وہابی دیوبندی کا حال ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی بشریت کے اطوار کو دیکھ کر آپ کے علم غیب و حاضر و ناظر و اختیار اور نورانیت و دیگر کمالات کا انکار کر دیتے ہیں حالانکہ انہیں چاہیے کہ وہ آپ کی رسالت کی حیثیت کو دیکھیں کہ سورج الٹایا، چاند چیرا اور پتھروں کو کلمہ پڑھایا وغیرہ وغیرہ)

[2] (حاشیہ باعمل اور عقیدہ کے صحیح حضرات مراد ہیں ورنہ بہت سے حضرات ننگ علم و عمل ہیں وہ تو دیکھنا قیامت میں کتنی سخت سزا میں مبتلا ہوں گے معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

فائدہ جیسے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام رضی اللہ عنہم رحمۃ اللہ علیہم بصیرت سے ہی داعی الی اللہ ہیں۔

تفسیر صوفیانہ یہی حکم قلوب کے رسل کا ہے کیونکہ وہ قوائے بشریہ و طبعیہ کو صفات بشریہ سفلیہ کو اخلاق روحانیہ علویہ کی طرف اور ظلمۃ خلقہ سے نور حقیقت کے داعی ہیں۔ جو حق اور قبول دعوت سے روگردان ہوا بوجہ استعداد ذاتی کے وہ توجہ الی دنیا اور اس میں انہماک کی وجہ سے گمراہ ہوا وہ حضرت حق سبحانہ کا راستہ کیسے پا سکے گا۔

تفسیر عالمانہ واذقال عیسی ابن مریم اور یاد کرو جب عیسی ابن مریم علیہم السلام نے فرمایا۔ یا اس کا عطف پہلے پر ہے تو اس کے عامل کا معمول ہے یا مضمر فعل کا معمول ہے جس کا پہلے مقدر فعل پر عطف ہے۔ یہاں اور عزیر ابن اللہ کا ہمزہ (الف) لکھنے میں بحال رکھا جائے۔ اللہ اور عبد کے درمیان مذکر و مونث کے درمیان ہیں۔ نادر الوقوع کی وجہ سے۔

یابنی اسرائیل اے یعقوب علیہ السلام کی اولاد۔ یہ خطاب ان کے قلوب کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے ہے تاکہ وہ اس قول کی تصدیق کریں۔

انی رسول اللہ بیشک میں اللہ کا رسول ہوں مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰةِ تصدیق کرتا ہوا اپنے سے پہلے تورات کی، کیونکہ آپ کا توراۃ کا تصدیق کرنا اپنی تصدیق کے لئے بہترین اور اقوی ذریعہ ہے یعنی میں تمہاری طرف ان احکام کی تبلیغ کے لئے بھیجا گیا ہوں جو نہایت ضروری ہیں کہ ان کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اس میں تمہارے امور دینیہ دنیویہ کی بہتری ہے۔ ان امور کے لئے (اکسیر اعظم کی حیثیت رکھتے ہیں) درانحالیکہ مجھے اس میں پورا یقین ہے کہ میں اس کتاب کی تصدیق کر رہا ہوں۔ جو مجھ سے پہلے ہے اور تصدیق کرتا ہوں کہ وہ واقعی اللہ تعالیٰ سے نازل ہوئی تھی۔

فائدہ حضرت ابو اللیث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ میں تم پر انجیل پڑھتا ہوں جو تورات کے موافق ہے توحید اور بعض احکام شرعیہ میں۔

نکتہ قاضی (بیضاوی) نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ یہاں شاید یا قوم اس لئے نہیں فرمایا (جیسے موسیٰ علیہ السلام نے یاقوم فرمایا تھا) کہ یہ لوگ آپ کی نسبت کے نہیں تھے کیونکہ نسب آباء پر چلتی ہے اور مریم (رضی اللہ عنہا) بنی اسرائیل سے تو تھیں ہی اس لئے کہ اسرائیل یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا اور بی بی مریم (رضی اللہ عنہا) آپ کی نسل سے تھیں۔

مسئلہ اس سے ثابت ہوا کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کی شرائع و احکام اور ان کی کتب کی تصدیق اہل صدق کے شعائر سے ہے۔

مدح امت مصطفیٰ ﷺ اس میں حضور سرور عالم ﷺ امت کی مدح بھی ہے کہ یہ تمام انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کرتی ہے۔ ومبشرا اور بشارت دینے والا ہوں۔

حل لغات التبشیر بمعنی خوشخبری دینا برسول یاتی من بعدی رسول اللہ ﷺ کی جو میرے بعد تشریف لائیں گے اس کا متعلق قاپر عطف واقع ہوں بشارت دیتا ہوں[1] رسول اللہ ﷺ کی اور وہ تورات میں بھی واقع ہے ان کا عامل وہی ہے جو الرسول کے معنی کا ہے یعنی ارسل نہ جارہ کیونکہ وہ تو رسول کا صلہ ہے اور الصلوۃ معنی کے فعل کے تضمن سے علیحدہ ہے اور عمل اسی پر دائر ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ ارسلت الیکم حال کونی مصدقا الخ میں تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں درانحالیکہ میں تصدیق کر رہا ہوں اس کی جو میرے سے پہلے تورات (وغیرہ) نازل ہوئی ہے اور خوشخبری دیتا ہوں اس کی جو میرے بعد رسول اللہ ﷺ تشریف لائیں گے۔

(حاشیہ [1] حضرت عیسیٰ علیہ السلام بشارت کے ساتھ ان کی ایک وصیت بھی ملاحظہ ہو۔ حضرت مسیح نے آسمان پر چلے جانے سے تھوڑی دیر پہلے فرمایا کہ۔

"دیکھو میں اپنے باپ خدا کے اس موعود کو تم پر بھیجتا ہوں لیکن جب تک عالم بالا سے تم کو قوت عطا نہ کی جائے یروشلم میں ٹھہرو" (لوقا ب۴۹) (حاشیہ جاری)

فائدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور حضور سرور عالم ﷺ کی ہجرت کے درمیان چھ سو تیس سال کا عرصہ ہے۔ بعض نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ انہیں رسول اکرم ﷺ کی اس لئے خوشخبری سنائی تاکہ وہ آپ

ان الفاظ کے بعد کچھ اور لفظ ہیں اور پھر انجیل اور لوقا ختم ہو جاتی ہے۔ اور اس موعود کے ظہور کا کوئی تذکرہ نہیں عیسیٰ علیہ السلام کے بعد وہ رسول موعود کون تھا سوائے حضرت محمد ﷺ کے انجیل کے یہ فقرے قابل غور ہیں کہ حضرت مسیح کہتے ہیں کہ اس آسمانی قوت کے ظاہر ہونے تک یروشلم میں ٹھہرو اس سے مقصود یہ ہے کہ اس رسول موعود کے ظہور تک تمہارا کعبہ اور قبلہ بیت المقدس ہے لیکن جب وہ موعود رسول آئے گا تو تمہارا قبلہ مکہ کی طرف بدل جائے گا۔ چنانچہ یہی ہوا قرآن مجید میں ہے۔

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ

(تو آپ اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیجئے اور تم جہاں بھی ہو اپنے چہروں کو مسجد حرام کی طرف پھیر لو اور جو لوگ اہل کتاب سے ہیں وہ بلاشبہ جانتے ہیں کہ یہ سب معاملہ حق ہے)

اسی طرح ہر نبی علیہ السلام کی کیفیت رہی حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا۔

"یہودیوں نے یروشلم سے کاہنوں اور لاویوں کو بھیجا کہ اس سے پوچھیں کہ تو کون ہے؟ اور اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں مسیح نہیں ہوں تب انہوں نے اس سے پوچھا کہ تو اور کون ہے؟ کیا تو الیاس ہے؟ اس نے کہا کہ میں نہیں ہوں "پس آیا تو وہ نبی ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ انہوں نے ان سوالات کے بعد اس سے سوال کیا اور کہا کہ اگر تو نہ مسیح ہے۔ نہ یہ الیاس اور نہ "وہ نبی" تو کیوں بپتسمہ دیتا ہے" (انجیل یوحنا۔١٩)

اس پیشگوئی سے ثابت ہوتا ہے کہ یہود کو تین پیغمبروں کی آمد کا علم تھا جن میں ایک کا نام الیاس۔ دوسرے کا نام مسیح تیسرے کا نام "وہ نبی" تھا۔ یہ "وہ نبی" "محمد ﷺ" کے سوا اور کون تھا جو پیغمبر مطلق کے نام سے دنیا میں مشہور و معروف ہے اسی لئے مسلمان آپ کو "آنحضرت" یعنی وہ پیغمبر کہتے ہیں اور مسیحوں میں آپ وہی پرافٹ (The Prophet) مشہور ہیں۔ (مزید فقیر کی کتاب آدم تا ابند میں ہے۔ حاشیہ ختم)

maarifat.com

کی تشریف آوری کے وقت آپ پر ایمان لائیں یا یہ کہ حضور سرور عالم ﷺ پر عیسی علیہ السلام کا معجزہ سمجھا جائے کہ آپ نے قبل از وقت رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کی خبر دی۱؎۔

(حاشیہ ۱؎ اسی کو ماذا تکسب غدا (کل کیا ہو گا) کہا جاتا ہے جسے دیوبندی وہابی ماننے والے کو مشرک کہتے ہیں حالانکہ ایسا علم قرآن مجید کی متعدد آیات اور احادیث مبارکہ صحاح میں موجود ہے لیکن ضد کا علاج کون کرے۔ تفصیل فقیر کی کتاب منور الہدی فی علوم ماذا تکسب غدا" میں ہے اس کا عرفی نام ہے کل کیا ہو گا۔ مافی الغد کا مطلب ہے کہ آنے والی گھڑی میں کیا ہو گا یہ عقیدہ علم غیب کا ایک فرد ہے۔

علم غیب رسول ﷺ میں ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے نبی مکرم نور مجسم سیدنا و مولانا محمد مصطفی ﷺ کو جمیع اشیاء جملہ کائنات یعنی تمام ممکنات حاضر و غائبانہ کا علم عطا فرمایا۔ بدالخلق یعنی ابتدائے آفرینش سے دخول جنت و دوزخ تک سب مثل کف دست ظاہر کر دکھایا۔ خود ارشاد فرمایا الرحمن علم القرآن اس آیۃ شریفہ سے صاف ظاہر ہے کہ حق سبحانہ تعالی نے سرور کائنات کو قرآن کی تعلیم فرمائی اور قرآن شریف میں تمام اشیاء کا بیان وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (کلام پاک) جب ہر چیز کا بیان اور سرور اکرم اس کے عالم تو بے شبہ سرور اکرم ﷺ جملہ اشیاء کے عالم ہوئے۔

حُكِيَ بْنُ سُرَاقَتَهٗ فِيْ كِتَابِ الْاِعْجَازِ عَنْ اَبِيْ بَكْرِ بْنِ مُجَاهِدٍ اَنَّهٗ قَالَ يَوْمًا مَا مِنْ شَيْ فِي الْعَالَمِ اِلَّا وَهُوَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ فَقِيْلَ لَهٗ فَاَيْنَ ذِكْرُ الْخَانَاتِ فَقَالَ فِيْ قَوْلِهٖ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ فَهِيَ الْخَانَاتِ (اتقان ص ۳۶۸)

ترجمہ ابن سراقہ نے کتاب الاعجاز میں ابوبکر بن مجاہد سے حکایت کی۔ انہوں نے ایک روز یہ کہا کہ کوئی چیز جہان میں ایسی نہیں جس کا ذکر کلام اللہ شریف میں نہ ہو۔ کسی نے کہا کہ سراؤں کا ذکر کب ہے فرمایا کہ اس آیت میں لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا (الآیۃ) اب ثابت ہوا کہ تمام اشیاء کا ذکر قرآن پاک میں ہے ا

(حاشیہ جاری)

فائدہ حضور نبی پاک ﷺ کو خوشخبری کے ساتھ قرآن کی خوشخبری بھی ہے اور اس کی تورات کی طرح تصدیق بھی اسمہ احمد ان کا نام مبارک احمد ﷺ ہے یعنی حضرت محمد ﷺ اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ میرا دین کتب الہیہ اور تمام انبیاء علیہم السلام کی تصدیق ہے خواہ وہ پہلے گزرے یا بعد کو تشریف لائیں گے۔

فائدہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ان کتب مبارکہ کا ذکر فرمایا جس میں انبیاء علیہم السلام احکام الہیہ بتاتے اور فیصلے فرماتے

حضرت اس کے علم تو تمام اشیاء کے عالم ہوئے یہاں صرف ایک مضمون کو دو احادیث عرض کر دوں جو دور حاضرہ کے عین مطابق ہے جسے ہر سمجھ دار اور بے سمجھ مان سکے کہ یہ ہے علم غیب اور ربانی الغد بیہقی میں یہ حدیث مذکور ہے (فی شعب الایمان)

وعن علی قال من الاسلام الا اسمه صلی الله علیه وسلم یوشک ان یاتی علی الناس زمان لا یبقی من الاسلام الا اسمه ولا یبقی من القرآن الا اسم مساجدهم عامرہ وهی خراب من الهدی وعلماءهم شر من تحت ادیم السماء من عندهم تخرج الفتنه وفیهم یعود۔

ترجمہ حضرت علی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عنقریب لوگوں پر ایسا وقت آئے گا کہ اسلام میں صرف اس کا نام باقی رہ جائے گا اور قرآن شریف میں صرف اس کے نقوش۔ ان کی مسجدیں (بظاہر) بھری پری آباد ہیں۔ لیکن فی الحقیقت وہ ہدایت کی رو سے برباد و خراب ہوں گی (ان میں روحانی ویرانی ہو گی) ان کے علماء آسمان کے نیچے بسنے والی مخلوق میں سے سب سے بدتر ہوں گے انہیں سے دین میں فتنہ و فساد برپا ہو گا۔ اور انہی میں لوٹ کر آئے گا۔

۲۔ مسجد کو بظاہر آباد مگر حقیقت میں اجاڑ بیان ہونے کے بارے میں ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ ملتے ہیں کہ قرب قیامت کی ایک نشانی یہ ہے کہ۔

ظہرت الاصوات فی لمساجد مسجدوں سے شور اٹھے گا اور آج کل کی مسجدوں کے نیم خواندہ' شوریدہ سر عوام کے مسلسل بے ہنگم شور و غوغا سے لوگوں کی جانیں جس قدر تنگی میں ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔

پھر رسول اللہ ﷺ خاتم النبین کا ذکر مبارک فرمایا۔

فضائل محمد عربی ﷺ ۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ لخبرنا عن نفسک ہمیں اپنی خبر دیجئے[1]۔ آپ نے فرمایا۔

انا دعوة ابراهیم وبشری عیسیٰ ورات امی رؤیا حین حملتنی انه خرج منها[2] نور اضاء لها قصور بصری فی ارض شام (روح البیان ص ۴۹۸ جلد ۹)

ترجمہ میں ابراہیم کی دعوت اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور میری امی نے میرے ظہور کے وقت دیکھا کہ ان سے ایسا نور نکلا ہے جس سے ارض شام کے بصریٰ شہر کے محلات روشن ہو گئے۔

فائدہ بصریٰ حلب کی طرح شام کے ملک کا ایک شہر۔

رہا چرچا محمد ﷺ کا ہر نبی علیہ السلام نے اپنی امت کو حضور نبی پاک ﷺ کی تشریف آوری کی خوشخبری سنائی۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کا نام صرف اسی جگہ پر اس لئے لیا کہ وہ ہمارے نبی پاک ﷺ سے پہلے آخر الانبیاء (علیہم السلام) ہیں تاکہ واضح ہو کہ ان کی طرح ہر نبی علیہم السلام باری باری اسی طرح بشارت دیتے رہے یہاں تک کہ آخر میں عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی۔ (کشف الاسرار)

سوانح حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھنے اور حضور سرور عالم ﷺ کی ولادت مبارکہ تک تخمینہ چھ سو کئی برس زائد کی مدت ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام چھتیس سال تک زمین پر ہے۔ اسی عمر میں آسمان پر اٹھائے گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے اور حضور علیہ

(حاشیہ[1] اس سے ایک یہ ثابت ہوا کہ صحابہ کرام کا عقیدہ تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جملہ حالات گزشتہ سے آگاہ ہیں ورنہ ان کا سوال کیسا تفصیل دیکھئے فقیر کی کتاب "الاصابہ فی عقائد الصحابہ")

(حاشیہ[2] منها سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ مجسم نور تھے ورنہ کسی خارجی نور کا ذکر ہوتا)

السلام کی ہجرت تک پانچ سو اسی سال ہوئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جبریل علیہ السلام دس بار اور ہمارے نبی پاک ﷺ پر چوبیس ہزار بار نازل ہوئے اور آپ کی امت مرحومہ اور جامع جمیع کمالات سے ہے۔

کہا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حواریوں نے کہا اے روح اللہ کیا ہمارے بعد بھی کوئی امت ہو گی۔ آپ نے فرمایا ہاں محمد عربی ﷺ کی امت آئے گی۔ ان میں حکماء علماء ابرار اتقیاء ہوں گے۔ فقہ کی دین فہمی میں گویا وہ انبیاء ہیں۔ (یعنی انبیاء علیہم السلام جیسے کارنامے سرانجام دیں گے) اللہ تعالیٰ کے تھوڑے سے دیئے رزق پر راضی ہوں گے اور اللہ تعالیٰ بھی ان کی تھوڑی سی نیکی سے ان پر راضی ہو جائے گا۔

اسم مبارک احمد و محمد ﷺ کی تحقیق

احمد ہمارے نبی پاک ﷺ کا اسم گرامی ہے۔ حضرت شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر نے تلقیح الاذہان (کتاب کا نام) میں فرمایا کہ چونکہ آپ کی حمد بار بار ہوئی ہے اسی لئے آپ کا نام محمد ﷺ ہے۔ امام راغب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے اسم گرامی احمد ﷺ کی تصریح کر کے تنبیہہ فرمائی کہ جس طرح آپ کا اسم گرامی احمد ہے ایسے ہی آپ کا جسم اطہر کہ آپ کے اخلاق اور افعال و اقوال محمود ہوں گے۔ نیز یہ نام (احمد) لے کر تنبیہہ فرمائی کہ آپ کا اسم گرامی ان کے اخلاق اور افعل و اقوال محمود ہوں گے نیز یہ نام (احمد) لے کر تنبیہہ فرمائی کہ آپ کا اسم گرامی ان کے نزدیک اور آپ سے پہلے لوگوں میں احمد (ﷺ) ہے۔ اس کی تائید کشف الاسرار (نام کتاب) سے بھی ہوتی ہے انہوں نے فرمایا کہ احمد میں الف مبالغہ کا ہے اور اس کی دو وجہیں ہیں۔

(۱) فاعل کا مبالغہ ہے یعنی جملہ انبیاء حامد ہیں اللہ تعالیٰ کے اور آپ بہ نسبت دوسروں کے زیادہ حمد کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ کی۔

(۲) محمود کا مبالغہ ہے کہ جملہ انبیاء علیہم السلام محمود ہیں اس لئے کہ ان میں خصل حمیدہ ہیں اور آپ مناقب میں سب سے زیادہ جامع ہیں اور آپ میں وہ محاسن ہیں جن کی وجہ سے آپ کی بار بار حمد ہوتی ہے۔

زصد ہزار محمد کہ در جہاں آید   یکے بمنزلت و فضل مصطفیٰ نرسد

(لاکھوں (بے شمار) محمد جہان میں آئیں لیکن وہ حضرت محمد ﷺ کی قدر و منزلت اور فضیلت اور بزرگی کے ایک

کو بھی نہیں پہنچ سکے گیں۔

فائدہ ابن الشیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے احمد مضارع (احمد) سے منقول ہو اور یہ بھی ہے کہ وہ صفت سے منقول ہو یعنی افعل التفضیل سے اور یہی زیادہ ظاہر ہے۔

اسم محمد[1] ﷺ کا معنی

اسم محمد ﷺ صفت سے منقول ہے اور اس میں محمود کا معنی ہے اس میں مبالغہ اور تکرار ہے کیونکہ آپ (ﷺ) دنیا میں محمود ہیں کہ آپ نے دنیا والوں کو راہ خدا دکھلایا اور آپ کے علم و حکمت سے خلق خدا نے نفع اٹھایا (اس معنی پر آپ کا علم نافع بھی ہے لیکن شوم بدبخت قوم آپ کو نفع رساں کہنے پر چڑتی ہے) اور آخرت میں بھی محمود ہیں کہ آپ کی شفاعت سب کو نصیب ہو گی۔

امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے التعریف والاعلام (نام کتاب) میں فرمایا کہ احمد اسم علم ہے صفت سے منقول ہے نہ کہ فعل سے اور وہ صفت افعل التفضیل ہے جس سے تفضیل مراد ہوئی ہے۔ اب احمد کا معنی ہوا سب سے زیادہ حمد کرنے والا اپنے رب تعالیٰ کی۔ ایسے ہی معنوی طور پر کہ آپ ﷺ پر مقام محمود میں ایسے محامد مفتوح ہوں گے کہ آپ سے پہلے کسی پر مفتوح نہ ہوئے انہیں سے ہی اپنے رب تعالیٰ کی حمد فرمائیں گے۔ ایسے ہی آپ کے لئے لواء الحمد کا جھنڈا ہو گا۔

اسم محمد ﷺ کا نکتہ اسم محمد ﷺ صفت سے منقول ہے وہ بھی محمود کے بار بار حمد ہو جیسے مکرم یعنی وہ شخص جس کی تکریم بار بار ہو ایسی ممدح۔ اس لئے ہم کہتے ہیں کہ آپ ﷺ اسمی بامسمّٰی ہیں۔

(حاشیہ[1] فقیر نے اسم محمد ﷺ پر ایک مبسوط کتاب لکھی ہے "القول المجد برکات اسم محمد" عرف شہد سے میٹھا نام محمد" اویسی غفرلہ)

(حاشیہ[2] اس میں ایک نکتہ صاحب روح البیان قدس سرہ نے لکھا جس سے ظاہر بین خشک دماغ چونک پڑیں گے وہ نکتہ ملاحظہ ہو)

اسم محمد ﷺ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسم پاک سے پہلے منتخب فرمایا

صاحب روح البیان قدس سرہ نے وحدۃ الوجود کے قانون پر کہ حقیقت محمد ﷺ کا ظہور سب سے پہلے ہے اسی لئے۔ واللہ سماہ بہ قبل ان یسمی بہ نفسہ (روح البیان ص ۴۹۹ ج ۹)

(اللہ تعالیٰ نے اپنے نام سے پہلے اپنے محبوب ﷺ کا نام رکھا)

یہ بھی معجزہ صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا:

ھذا علم من اعلام النبوۃ (یہ بھی رسول اللہ ﷺ معجزات میں سے ایک معجزہ ہے)

فائدہ اس کی وجہ بتاتے ہوئے لکھا کہ۔

”اس لئے کہ آپ ﷺ پر ہی یہ اسم صلاق آتا ہے کہ آپ محمود ہیں دنیا میں تو اس لئے کہ آپ نے خلق خدا کو راہ خدا دکھائی اور آپ سے علم و حکمت کا نفع خدا نے نفع پایا۔ اور آپ آخرت میں محمود ہوں گے کہ آپ کی شفاعت سب کو نصیب[1] ہو گی۔ آپ کے لئے معنوی لحاظ سے بھی حمد کا تکرار ہے اور لفظی سے بھی۔

فائدہ حضور سرور عالم ﷺ کا ابھی ظہور نہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی حمد فرمائی اور آپ کی نبوت کا اظہار فرمایا اور شرافت بزرگی کا اعلان فرمایا اس لئے ہم نے اسم احمد مقدم رکھا اسم محمد سے اسی لئے عیسیٰ علیہ السلام نے یہی نام امت کو بتایا کہ اسمہ احمد

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تمنا کہ ہو جاؤں امتی محمد ﷺ کا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی آپ ﷺ کا ذکر فرمایا جب انہیں رب تعالیٰ نے فرمایا یہ امت محمد ﷺ ہے تو عرض کی۔

اللھم اجعلنی من امۃ احمد (روح لبیان ص ۴۹۹ ج ۹) اے اللہ مجھے احمد ﷺ کی امت سے بنا۔

(حاشیہ[1] الحمد للہ ہم اہلسنّت تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ہر کمال کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں اب یار لوگوں سے پوچھئے تمھارا کیا حال ہے۔ اویسی غفرلہ)

فائدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی آپ کا نام احمد لیا اس سے قبل کہ آپ محمد ﷺ کے نام سے یاد کرتے۔

فائدہ حضور سرور عالم ﷺ نے تمام مخلوق سے پہلے اپنے رب تعالیٰ کی حمد کی۔

پھر جب آپ کا ظہور ہوا اور آپ مبعوث ہوئے تو محمد بالفعل ہوئے یعنی پہلے آپ کی تعریف بالقوۃ ہوتی رہی اب آپ علم محسوسات میں تشریف لائے تو آپ کی تعریف بالفعل ہونے لگی۔

شفاعت کے وقت ایسے ہی بوقت شفاعت حضور سرور عالم ﷺ کے ایسے محامد بیان فرمائیں گے جو پہلے کسی پر مفتوح نہ ہوئے تھے اسی لئے آپ تمام لوگوں سے اللہ تعالیٰ کے بہت زیادہ حمد کرنے والے ہوئے اس کے بعد ہی شفاعت فرمائیں گے اس پر پھر آپ کی حمد کی جائے گی۔ (اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ چونکہ آپ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد کریں گے اسی لئے احمد ہیں بعد کو مخلوق آپ کی مدح و ثناء کرے گی تو آپ محمد ہوئے اس لئے آپ کا اسم احمد پہلے اور محمد بعد کو)

انتباہ غور فرمایئے کہ احمد کی تقویم محمد پر کیسے احسن طریق سے ہے ذکر اور وجود میں اور دنیا و آخرت میں امید ہے تجھ پر اس کے اسرار ایسے واضح ہوئے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے لئے ان دو اسموں کا انتخاب کیوں فرمایا ہے۔

محبوب کو محبوب انعام ﷺ اس سے یہ راز بھی عیاں ہوا کہ سورۃ الحمد اللہ تعالیٰ نے صرف اور صرف اپنے محبوب ﷺ کو عطا فرمائی تو کیوں دوسرے انبیاء علیہم السلام کو یہ سورۃ الحمد عطا نہیں ہوئی۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ لواء الحمد صرف محبوب ﷺ کے لئے مخصوص فرمایا اور مقام محمود بھی صرف محبوب ﷺ کو بخشا اور قرآن حکیم کی بعض سورتوں کو محامد پر ختم فرمایا تو اسی لئے اور بعض افعال و رموز کے ختم کرنے

(حاشیہ: کب جب کب نہ تھی اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ آپ اول الخلوق ہیں ﷺ۔ اویسی غفرلہ)

پر بھی حمد کا حکم ہے تو اسی لئے۔ چنانچہ ایک سورۃ کے اختتام پر فرمایا۔

وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (ان کے درمیان فیصلہ کیا جائے گا اور کہا جائے گا جملہ محامد اللہ رب العالمین کے لئے ہیں) اور ایک سورۃ کے درمیان میں فرمایا وَاٰخِرُ دَعْوٰهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اور دعوی ہو گا یہ کہ تمام محامد رب العالمین کے لئے ہیں۔ اس میں تنبیہ ہے کہ اے خدا کے بندو اپنے جملہ امور کے اختتام پر اللہ تعالیٰ کی حمد کیا کرو۔

مسائل شرعیہ

مسئلہ کھانے پینے کے بعد بھی الحمد کہنا سنت ہے۔

مسئلہ سفر ختم ہو تو آئبون تائبون۔ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ (ہم واپس لوٹے توبہ کرتے ہوئے اور اپنے رب تعالیٰ کی حمد کرنے والے ہو کر) کہنا۔

کیسے کیسے فضائل بخشے رب تعالیٰ نے غور فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم ﷺ کو خاتم الانبیاء بنایا اور بتایا کہ آپ تک ہی رسالت کا سلسلہ ختم ہو گیا اور آپ کے بعد وحی بند۔ آپ ہی قرب ساعت (قیامت کی خبر) دینے والے ہیں۔ اور آپ نے ہی خبر دی کہ دنیا اختتام پذیر ہے۔ ہم پہلے کہہ آئے ہیں کہ حمد انقضائے (اختتام امور) پر ہی ہوتی ہے اور ہمارے لئے بھی حکم ہے کہ امور کے اختتام پر حمد الٰہی کہو اس سے تم پر حضور سرور عالم ﷺ کے دو اسم (احمد۔ محمد) کے معانی منکشف ہوں گے۔ اور یہ بھی معلوم ہو گا کہ آپ سے حمد و محامد کیوں مخصوص ہوئے صرف اسی لئے کہ ان الفاظ آپ ﷺ سے معنوی مناسبت اور آپ کی صفت سے کامل مطابقت ہے۔ آپ کے ذکر میں برہان عظیم اور آپ کی نبوت کی واضح دلیل صرف اور صرف آپ کا اسم ہی کافی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت سے انعام و اکرام سے نوازا ہے اور یہ انعامات آپ کے ظاہری وجود سے پہلے ہی عطا فرمائے گئے۔ آپ کی تعظیم و تکریم کے پیش نظر اور آپ کے اوامر کی تصدیق کے لئے۔

صاحب روح البیان کی صوفیانہ تقریر

دوبارہ اسم احمد و محمد فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ مجھ پر ایک نکتہ وارد ہوا ہے وہ یہ کہ اسم احمد کا اسم محمد پر تقدم اس حیثیت سے ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ جب عالم ارواح میں مقام احدیت سے امکان کے میم سے ممیز ہوئے اس وقت آپ کا اسم احمد ہوا کیونکہ اسم کی قلت حروف آپ کے اس تجرد تام پر دلالت کرتی ہے۔ جیسے موطن عالم ارواح کا اقتضا تھا۔ جب آپ نے عالم عین خارج کو مشرف فرمایا اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے خلقت ۔۔ سے نوازا جو ان خلقتوں سے زائد تھی جو آپ کو اس عالم ظہور سے پہلے نوازا گیا تھا اسی لئے آپ کے اسم مبارک میں تضعیف ہوئی اور اس کی احمد کی مناسبت سے آپ کا محمد نام رکھا (ﷺ) موطن عین نشاۃ وجود خارجی کا اقتضا تھا (لیکن اسرار الٰہیہ غیر متنہی ہیں ممکن اس میں اور بھی اسرار و رموز پوشیدہ ہوں) الحمد للہ علی ذلک۔

حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر کی صوفیانہ تقریر

حضور شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر نے مواقع النجوم (نام کتاب) میں فرمایا وجود سے کوئی شے کسی شے سے نہیں ملتی نہ ہی کوئی شے کسی شے سے منسوب ہو سکتی ہے جب تک کہ ان دونوں کے درمیان مناسبت ظاہری یا باطنی نہ ہو اور مناسبت تمام اشیاء میں موجود ہے یہاں تک کہ اسم و مسمی کے مابین بھی۔ اور اسی طرف ابویزید سہیلی نے اگرچہ وہ اہل طریقت (وحدۃ الوجود) کے طریقہ سے اس مقام سے اجنبی ہیں۔ المعارف والاعلام (نام کتاب) میں اسم احمد و محمد کے متعلق گفتگو فرمائی اور ان میں بہترین بحث فرمائی ہے فرمایا کہ نبی پاک ﷺ کے افعال اور آپ کے دو اسم محمد و احمد کے درمیان مناسبت ہے۔ بہرحال شیخ قدس سرہ نے کلام سہیلی کی طرف ہی اشارہ فرمایا ہے جسے ہم نے ہر دونوں بزرگوں کی عبارتیں لکھ دی ہیں۔

احمد نام کا نکتہ بعض عارفین نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسم مبارک احمد نام لکھنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ آپ کی حمد الٰہی اتم و اکمل ہے بلکہ جتنا محامد جملہ انبیاء رسل کرام علیہم السلام نے کی ہیں آپ کی حمد سب کو شامل ہے اس لئے کہ ان کی محامد اور توحید صفات و افعال کے مقتضی پر تھی لیکن آپ کی محامد بعد بحسب توحید الذات ہے جو توحید صفات و افعال کی بھی جامع ہے۔

فائدہ

اسم احمد سوائے آپ کے اور کسی کا نام نہ تھا اور نہ ہی اس نام سے کسی کو مدعو کیا گیا ایسے ہی اسم محمد نہ عرب میں یہ کسی کا نام ہوا نہ غیر عرب میں یہاں تک کہ آپ کے ظہور سے کچھ پہلے کاہوں اور احبار (علمائے اہل کتاب) سے سن کر اپنے بچوں کے نام رکھے اس طمع پر کہ وہ نبی آخر الزمان انہی میں سے ہو اور وہ بھی اہل عرب کی چند گنتی کے لوگوں نے اپنے بچوں کے نام رکھے اسی ارادہ پر جس طرح میں نے عرض کیا وہ یہ ہیں۔

۱۔ محمد بن احیمہ بن الجلاح الاوسی
۲۔ محمد بن مسلمتہ الانصاری
۲۔ محمد بن البکراء البکری
۴۔ محمد بن سفیان بن مجاشع
۵۔ محمد بن حمدان الجعفی
۶۔ محمد بن خزاعتہ السلمی

وہ کل چھ ہیں اور ان کے بعد ساتواں اور کوئی نہیں۔ (فتح الرحمن ۱۲)

حفاظت اسم محمد ﷺ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے کسی ہم نام کو بنوت کا دعوی نہ کرنے دیا اور نہ ہی کسی دوسرے نے اس دعوی پر کچھ ظاہر کیا یا اس سے کوئی سبب ظاہر ہوا ہو جو بنوت کا دعوی کا شک پیدا ہو سکے یہاں تک کہ دونوں اسم آپ کے لئے محقق ہوئے اور پھر بنوت کے دعوی پر کسی ہم نام کو نزاع کی ہمت نہ ہو سکی۔[2]

---

[1] (یہ صاحب روح البیان قدس سرہ کا خیال ہے ورنہ اس سے بہت زائد لوگوں نے اپنے بچوں کے محمد نام رکھے ان کی فہرست تفصیلی فقیر کی کتاب "شہد سے میٹھا نام محمد" میں ہے اس کا ایک ورق ملاحظہ ہو)

(حاشیہ[2] لیکن افسوس کہ چودھویں صدی کے ایک شوریدہ سر نے غلام احمد نے نام رکھوا کر خود احمد (نبی) ہونے کا دعوی کر دیا جس کے عقائد و مسائل اتنا بھونڈے ہیں جنہیں عقل مند سن کر انگشت بدنداں ہو جاتا ہے صرف توحید کے متعلق ملاحظہ ہو

توحید میں خدا ہوں۔ میں نے اپنے آپ کو خواب میں دیکھا کہ میں اللہ ہوں اور میں نے یقین کر لیا کہ میں بیشک وہی ہوں۔ (آئینہ کمالات اسلام) ص ۵۶۴)

(حاشیہ جاری)

بحث فی اسماء النبی ﷺ حضور نبی پاک ﷺ کے اسماء مبارکہ کے متعلق اختلاف ہے بعض نے کہا آپ کے ہزار اسماء ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے ہزار نام ہیں تو پھر جیسے اللہ تعالیٰ اسماء ایک ہزار ہیں ایسے ہی حضور نبی پاک ﷺ کے بھی از جہت جمع ایک ہزار نام ہیں لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام از جہت فرق دیگر اسماء ہیں جیسے اس موطن کا اقتضا ہے (اب ذیل میں) آپ کے اسماء کی تفصیل حاضر ہے)

سیدنا محمد ﷺ حضور نبی پاک ﷺ کو اسم مبارک محمد سے اس لئے موسوم کیا گیا کہ آپ کثیر الحمد ہیں یعنی آسمانوں اور زمینوں والے دنیا و آخرت میں آپ کی حمد کر رہے ہیں۔

صفات الٰہی میں صفات انسانی کا انمل جوڑ

میں اپنے رسول کے ساتھ ہو کر جواب دوں گا' میں خطا کروں گا اور صواب بھی' میں افطار کروں گا اور روزہ بھی رکھوں گا (حقیقتہ الوحی ص۱۸۶) مرزا اللہ کا بیٹا تو مجھ سے بمنزلہ میرے بیٹے کے ہے۔ (حقیقتہ الوحی ص۱۸۶)

اللہ کی توحید . تو مجھ سے ایسا ہے جیسا کہ میری توحید اور تفرید (حقیقتہ الوحی ص۸۶)

تو جو چاہے وہ ہو جائے اے مرزا تو جس بات کا ارادہ کرتا ہے وہ تیرے حکم سے فی الفور ہو جاتی ہے۔ (حقیقتہ الوحی ص۱۰۵)

مارنے اور زندہ کرنے کی قدرت کا دعویٰ دیا گیا میں صفت مارنے اور زندہ کرنے کی رب فعل سے (خطبہ الہامیہ ص٦)

علم غیب پانے میں بے نظیر میں سچ سچ کہتا ہوں کہ جس کثرت اور صفائی سے غیب کا علم حضرت جل شانہ نے اپنے ارادہ خاص سے مجھے عنایت فرمایا ہے اگر دنیا میں اس کثرت تعداد اور انکشافات کے لحاظ سے کوئی اور بھی میرے ساتھ شریک ہے تو میں جھوٹا ہوں۔ (تریاق القلوب ص۱۷)

مرزا قادیانی کی تردید میں بے شمار کتابیں شائع ہو گئیں اور ہو رہی ہیں۔

(حاشیہ آگے)

سیدنا احمد ﷺ حضور سرور کونین ﷺ کا اسم گرامی احمد ہے اس لئے کہ آپ اپنے پروردگار کے بہت بڑے حامد (حمد کرنے والے) ہیں کہ جن محامد سے آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی دیگر کسی کو نصیب نہ ہوا۔ (اس کے دیگر وجوہ بھی اسی تفسیر میں گزرے)

سیدنا المقفی ﷺ تبشدید الفاء وکسرہ اس لئے کہ آپ تمام انبیاء کے بعد کو تشریف لائے ہیں یعنی ان کے اختتام پر آپ تشریف لائے کہ آپ کے بعد کسی نبی نے نہیں آنا۔ التکملہ میں ہے المقفی انبیاء علیہم السلام کے نشانات پر چلنے والے یعنی ان کے آثار کی اتباع کرنے والے۔

سیدنا نبی التوبہ ﷺ اس لئے آپ ﷺ کبیر الاستغفار ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف بہت زیادہ رجوع کرنے والے یا اس لئے کہ آپ کی امت کے لئے توبہ آسان ہو گئی ورنہ پہلے لوگوں کے لئے توبہ سخت مرحلہ تھا مثلاً بچھڑنے کے پجاریوں کو دیکھ لیجئے کہ ان کو حکم تھا کہ وہ توبہ کے لئے خود کو قتل کریں یا اس لئے کہ آپ کی امت کی توبہ بہ نسبت دوسری امتوں کے بلیغ تر ہے یہاں تک اس امت کا تائب گناہوں ایسے پاک ہو جائے گا جیسے گویا (اسے ماں نے ابھی جنا ہے) اس کے گناہ تھے ہی نہیں۔ یعنی توبہ کے بعد پچھلے گناہوں کا مواخذہ نہ دنیا میں ہو گا نہ آخرت میں بخلاف دوسری امتوں کے کہ ان کا مواخذہ اگرچہ آخرت میں نہ ہو گا لیکن دنیا میں ضرر ہو گا۔

سیدنا نبی الرحمتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس لئے کہ آپ ﷺ رحمت کے سبب ہیں (سب سے بڑی رحمت وجود ہے اور اس کے سبب صرف اور صرف ہمارے آقا کریم ﷺ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

حدیث لولاک (۱) لولاک لما خلقت الافلاک (روح البیان ص ۵۰۰ ج ۹)۔ آپ ﷺ نہ ہوتے تو افلاک پیدا نہ کرتا۔

(حاشیہ [۱] اس کی کئی وجوہ تفسیر میں آگئی پیچھے مڑ کر دیکھئے مزید مطلوب ہو تو فقیر کی کتاب "شہد سے میٹھا نام محمد" دیکھئے) [illegible]

۲۔ البرہان (امام کتب) الکرمانی میں ہے۔

لولاک یامحمد لماخلقت الکائنات (اے محبوب ﷺ آپ نہ ہوتے تو میں کائنات پیدا نہ کرتا)

فائدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو یونہی خطاب فرمایا ہے۔

مسئلہ بہتر ہے کہ یہ نہ کہا جائے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام یعنی ہمارے نبی ﷺ نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کو پیدا نہ فرماتا۔ اگرچہ مسئلہ اپنی جگہ پر حق ہے اور روایت میں بھی ہے لیکن کہنے والا خود خدا تعالیٰ ہے لیکن ہمیں لائق نہیں کہ ہم ایسے کہیں کیونکہ اس میں نبی علیہ السلام کی شان مبارک بیان کرنے میں دوسرے نبی کی شان میں تحقیر کا شائبہ ہے یہ بات بر سر منبر جلسوں میں عام واعظین کہا کرتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح سے ہم حضور نبی پاک امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی تعظیم کرتے ہیں حالانکہ دوسری طرف دوسرے نبی علیہ السلام کی تحقیر کر رہے ہیں۔ مانا ہمارے نبی ﷺ کا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا مرتبہ ہے لیکن دوسرے انبیاء علیہم السلام بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں کچھ قدر و منزلت رکھتے ہیں انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے بڑی خصوصیت کے ساتھ نوازا ہے کیونکہ ہر نبی علیہ السلام نبوت کے لحاظ سے بنفسہ اصل[۱] ہے (تاتار خانیہ)

صاحب روح البیان رحمتہ اللہ علیہ کا نفیس بیان فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ

(حاشیہ[۱] ایسے واعظ مقرر ہمارے اہلسنت میں بہت زیادہ ہیں ایک خطیب صاحب کا تکیہ کلام ہے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی زلف کا بال ایک طرف اور تمام انبیاء علیہم السلام ایک طرف کوئی کہہ رہا ہے کہ جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے در کا دلیہ ہے یہ ٹھیک ہے جبریل امین خادم دربان محمد ﷺ لیکن انہیں دلیہ کہنا۔ بے ادبی اور گستاخی ہے اس لئے کہ جبریل علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور ایک رسول کو ایک کی کے نام سے موسوم کرنا لائق نہیں جب وہ خود کو دلیہ کہلوانے کے روادار نہیں اللہ تعالیٰ جاہل واعظوں اور شاعروں اور ذاکروں اور پیروں سے بچائے۔ (آمین)

حضور سرور عالم ﷺ اس لئے نبی الرحمۃ ہیں کہ آپ جب تک ظاہری حیات میں رہے تو امان اعظم تھے وصال فرما گئے تو آپ کی سنت تاقیامت دنیا میں موجود ہے۔

ملفوظ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرمایا کہ دنیا میں دو امانتیں تھیں ایک اٹھ گئی دوسری باقی ہے جو اٹھ گئی وہ تھے، رسول اللہ وہ جو باقی ہے وہ ہے استغفار اس کے بعد آپ نے مذکورہ بالا آیت تلاوت فرمائی وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ الخ

سیدنا نبی الملحمۃ ﷺ ملحمہ بمعنی حرب (جنگ) کیونکہ آپ جنگ کا حکم لے کر تشریف لائے۔

سوال حضور نبی پاک ﷺ جنگ کا حکم لائے ہیں تو پھر نبی الرحمۃ کیسے ہوئے؟

جواب سب کو معلوم ہے کہ پہلے امتیں معجزات دیکھنے کے باوجود ایمان نہ لاتیں تو تباہ برباد ہو جاتیں اور ہمارے حضور سرور عالم ﷺ تلوار ساتھ لائے تاکہ وہ جنگ کے خطرات سے خود بخود کفر سے لوٹ آئیں اس لحاظ سے ان کی پہلے امتوں کی طرح جڑ نہ کٹ گئی۔ (بلکہ ایک اعتبار سے امان میں آ گئے اس لئے آپ نبی الرحمۃ او نبی الملحمۃ ہونے میں تضاد نہ ہو) اس معنی پر آپ کا نبی الحرب ہونا بھی صحیح۔

سیدنا الماحی ﷺ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ذریعے سے کفر مٹا ڈالا یا آپ کے تابعداروں کے گناہ مٹا ڈالے۔

سیدنا الحاشر ﷺ اس لئے کہ آپ ﷺ وہ ہیں کہ آپ کے قدم یعنی نشان پر قیامت بپا ہو گی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قدم سے آپ کا زمانہ اقدس مراد ہو یعنی وہ ذات کہ جس کے زمانہ میں قیامت بپا ہو گی خلاصہ یہ کہ قیامت میں لوگ آپ کے زمانہ نبوت (دعوت) میں اٹھائیں جائیں گے اس میں نہ نسخ ہے نہ تبدل و تغیر۔

سیدنا العاقب ﷺ وہ ذات کہ جس کے بعد نہ کوئی نبی ہے نہ کوئی نئی شریعت والا اور نہ ہی بحیثیت نبوت کے متابع (جس کی تابعداری کی جائے) یعنی آپ ﷺ تمام انبیاء علیہم السلام کے پیچھے تشریف لائے اب

نبوت (ہر قسم کی تشریعی۔ غیر تشریعی۔ ظلی۔ بروزی) ختم ہو گئی۔

حدیث شریف نبی پاک ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ عنہ سے فرمایا اے علی تم مجھ سے ایسے ہو جیسے ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے ہاں صرف یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

فائدہ اس سے نبوت عرفیہ مراد ہے۔

ازالہ وہم نبوت تحقیقیہ تا قیامت جاری ہے اور نبوت تحقیقیہ سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو بلاواسطہ یا بالواسطہ خبر دینا اور یہ قیامت تک باقی ہے لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ اس پر نبی کا اطلاق نہ کیا جائے تاکہ نبوت عرفیہ کا شائبہ نہ ہو کہ یہ بھی وہی ثبوت ہے جو جبریل علیہ السلام کے واسطہ ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے۔

سیدنا الفاتح ﷺ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے سبب اور ذریعہ سے اسلام کو فتح دی۔

سیدنا الکاف ﷺ بعض نے کہا کہ آپ (ﷺ) تمام لوگوں کے رسول ہیں۔ یہ توجیہہ صحیح نہیں اس لئے کہ اسے کَافَّۃً سے سمجھا جائے تو کَافَّۃٌ وہ اسم ہے کہ اس سے افعل متفرقہ نہیں ہیں۔ اس معنی پر آپ کاف ہیں۔

التکملہ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ یہ اس وقت ہے جب کاف کی فاء مشدد ہو اگر مخفف ہو تو پھر اسے پہلے معنی کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یٰسٓ بمعنی یا سید البشر (ﷺ)

سیدنا صاحب الساعۃ ﷺ اس لئے کہ آپ ﷺ لوگوں کے لئے نذیر بن کر ساعۃ (قیامت) کے ساتھ تشریف لائے ہیں اور قیامت سے پہلے لوگوں کو عذاب خداوندی سے ڈراتے ہیں۔

سیدنا رؤف ﷺ - سیدنا رحیم ﷺ - سیدنا شاہد ﷺ - سیدنا مبشر ﷺ - سیدنا سراج منیر ﷺ - سیدنا طٰہٰ ﷺ سیدنا یٰسٓ ﷺ - سیدنا مزمل ﷺ - سیدنا مدثر ﷺ - سیدنا عبداللہ ﷺ - قثم ﷺ - اس لئے آپ جامع الخیر ہیں - سیدنا نٓ ﷺ سیدنا نور[1] ﷺ کی طرف اشارہ ہے اور الناصر ﷺ کی طرف بمعنی مددگار سیدنا متوکل ﷺ - سیدنا مختار[2] ﷺ سیدنا محمود ﷺ - سیدنا مصطفیٰ ﷺ -

سیدنا راکب الجمل (اونٹ سوار) ﷺ

یہ اسم گرامی آپ ﷺ کا حضرت شعیاء (نبی) ﷺ نے رکھا۔

سوال حضور سرور عالم ﷺ کی اونٹ کی سواری کی کیا تخصیص ہے۔ فرس و حمار و گھوڑا۔ گدھا کی طرح اونٹ کے بھی آپ کے سوابہت سے سوار ہیں۔

جواب حضور سرور عالم ﷺ عربی تھے نہ کہ عجمی جیسا کہ خود فرمایا۔

(حاشیہ[1] یہ دونوں اسم یعنی نور اور ناصر دیوبندیوں نجدیوں کے لئے ناگوار گزریں گے لیکن جب رب تعالیٰ نے نور اور امت کا مددگار و غمخوار بنایا ہے اگر کسی کو ناگوار گزرتا ہے تو وہ اپنی قسمت کا ماتم کرے)

(حاشیہ[2] یہ اسم بھی مخالفین کے لئے سم قاتل ہے لیکن اس کی تاویل یوں کرتے ہیں کہ مختار بمعنی پسندیدہ تاویل کا باب وسیع ہے ایسے تو قادیانی بھی خاتم کے معنی میں تاویلیں گھڑ کر گاڑی چلا رہے ہیں لیکن یہ گاڑیاں اس دنیا میں تو چلتی رہیں گی لیکن میدان حشر میں معلوم گا کہ گاڑی چلتی ہوئی گئی کہاں (جہنم میں)

سیدنا خاتم ﷺ فتح التاء یعنی احسن الانبیاء تمام علیہم السلام سے حسین ترین خلق و خلق میں گویا آپ جمال الانبیاء جیسے خاتم مہر کہ اس سے حسن و جمال نکھرتا ہے یعنی جب آپ ﷺ سے نبوت محکم اور مکمل ہوئی تو آپ اس مہر کی طرح ہوئے جس پر فراغت کے بعد کتاب (خط وغیرہ) اختتام پذیر ہوتی ہے۔ اگر خاتم بکسر التاء ہو تو اس کا معنی ہے آخر الانبیاء اس تقریر پر خاتم اسم فاعل ہے از ختم۔

maktabah.org

احب العرب لثلاث لانی عربی والقرآن ولسان اهل الجنة عربی

(عرب سے محبت کرو تین وجوہ سے میں عربی ہوں قرآن عربی ہے اہل جنت کی زبان عربی ہے)

اور اونٹ صرف اہل عرب کی سواری ہے اور صرف ان سے خاص ہے ان کے سوا غیروں کی طرف یہ منسوب نہیں ہوتا (اگر ہوتا ہے تو مجازاً) اور نہ عربوں کے سوا کسی اور امتوں کی طرف یہ منسوب ہے اسی لئے آپ کا اسم راکب الجمل ہونا صحیح ہوا۔

سیدنا صاحب الہراوہ ﷺ یہ نام آپ ﷺ کا سیح الکاہن نے رکھا الہراوہ (بالکسر بمعنی العصا (لاٹھی)

سوال حضور نبی پاک ﷺ کی عصا کی کیا تخصیص ہے۔ صاحب عصا تو دوسرے انبیاء علیہم السلام بھی تھے احادیث سے ثابت ہے کہ وہ بھی صاحب عصا تھے۔

جواب عموماً عصا لاٹھی اونٹ کو ہانکنے (مارنے) کیلئے مستعمل ہوتی ہے اسی لئے یہ اس کے ساتھ مخصوص ہے (اگرچہ دوسرے جانوروں کے لئے بھی اس کی ضرورت پڑتی ہے تو ان پر اس کا استعمال مجازاً ہو گا جیسے بہت سے شعراء نے اسے اونٹ کی صفت میں استعمال کیا ہے۔

ینوخ ثم یضرب بالہراوی   فلا عرف لدیہ ولا نکیر

(اونٹ کو بٹھاتا ہے پھر اسے لاٹھی سے مارتا ہے اسے معروف و غیر معروف کوئی پہچان نہیں)

اس معنی پر اونٹ کا سوار اور صاحب ہراوہ آپ کے عربی ہونے پر کنایہ ہے۔ بعض نے کہا یہ اشارہ حدیث حوض کی طرف اشارہ ہے حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا۔

اذود الناس عنہ بعصای میں لوگوں (منافقوں اور گستاخوں بدمذہبوں) کو اپنے عصا سے ہٹاؤں گا)

سیدنا روح الحق ﷺ یہ نام حضور سرور عالم ﷺ کا حضرت عیسی علیہ السلام نے انجیل میں رکھا۔

سیدنا المنحمنا ﷺ یہ نام آپ ﷺ کا حضرت عیسی علیہ السلام نے رکھا۔ بمعنی محمد ﷺ یا وہ ذات جسے مسیح علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا۔ التکملہ میں ہے کہ سریانی میں آپ کا یہی نام ہے۔

سیدنا حمیاطی ﷺ عبرانی میں ہے۔

سیدنا بر فلیطس ﷺ رومی میں بمعنی محمد ﷺ

سیدنا ماذ ماذ ﷺ طیب طیب (پاکیزہ پاکیزہ)

سیدنا فار قلیطا ﷺ اسم مقصود بمعنی احمد ﷺ

سیدنا فار قلبط ﷺ باء کے ساتھ بھی مروی ہے بمعنی وہ ذات جو حق و باطل کا فرق بتائے۔ مروی ہے کہ یہ لغت نصاری بمعنی ابن الحمد گویا بمعنی محمد و احمد ﷺ۔

سیدنا احید ﷺ حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا میرا نام تورات میں احید ہے اس لئے کہ میں امت کو دوزخ سے ہٹاؤں گا اور زبور میں میرا نام ماحی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ سے بت کے پجاریوں کو مٹایا اور میرا نام انجیل میں احمد اور قرآن میں محمد ہے اس لئے کہ میں آسمان و زمین والوں میں محمود ہوں۔

سوال رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پانچ نام ہیں۔ محمد۔ احمد۔ حاشر۔ عاقب۔ ماحی۔ لیکن تم نے بہت سے نام نبوی گنا دیئے۔

جواب قاعدہ ہے کہ کسی جگہ کی گنتی ماسوا کی نفی نہیں کرتی ہاں پانچ کے ذکر کی وجوہ ہیں یا تو اس لئے کہ سامع آپ کے چند اسماء کے ماسوا کو نہیں جانتا تو گویا اس کے لئے فرمایا کہ میرے اسماء جو تو اسے سامع نہیں جانتا تو جان لے کہ ان کے ماسوا بھی میرے اسماء ہیں یا بوجہ ان کی فضیلت کی وجہ سے ہے گویا فرمایا کہ میرے پانچ اسماء مشہور ہیں اس کے ماسوا اور وجوہ بھی ہیں جسے یہاں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ بعض نے کہا کہ اس وقت آپ پر ان پانچ اسماء کے متعلق وحی ہوئی تھی۔ بعض نے کہا کہ یہ اسماء امم سابقہ میں مشہور تھے اور کتب متقدمہ میں بھی یہی مکتوب تھے۔ اور اس

میں یہ بھی ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ کے اسماء موجودہ جو کتب متقدمہ میں ہیں ان پانچ سے زائد بھی ہیں۔[1]
(دار التکملہ لابن عساکر)

تفسیر عالمانہ فلما جاءھم (پس جب ان کے ہاں تشریف لائے) وہ رسول جن کی خوشخبری حضرت عیسی علیہ السلام نے دی جن کا اسم گرامی احمد (ﷺ) جیسے آنے والی آیات دلالت کرتی ہے۔ جن مفسرین نے جاء کی ضمیر حضرت عیسی علیہ السلام کی طرف لوٹائی ہے وہ بعید از قیاس ہے اور ھم کا ضمیر بنی اسرائیل کی طرف لوٹانا ہمارے موقف کے منافی نہیں کیونکہ ہمارے نبی پاک ﷺ جملہ لوگوں کے لئے مبعوث ہوئے ہیں۔ بالبینات معجزات ظاہرہ لے کر جیسے قرآن مجید وغیرہ باء تعدیہ کی ہے جائز ہے کہ ملابست کی ہو۔ قالوا ھذا کہ کہ یہ درانحالیکہ اشارہ کرتے تھے اس کی طرف جسے وہ لائے یا عیسی علیہ السلام کی طرف سحر مبین کھلا جادو ہے بلاشک اس کی جادوگری ظاہر ہے۔ عیسی علیہ السلام کو سحر (جادو) کہنا بطور مبالغہ ہے اس کی تائید اس قراۃ سے ہوتی ہے جس میں ھذا ساحر ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں عیسی قلب و اسرائیل روح اور اس کی اولاد ونفس اور جملہ قوائے شریرہ (شرارتی) کی طرف اشارہ ہے اور نفس وغیرہ روح و قالب سے پیدا ہوئے لیکن اپنے باپ کے حکم کی پابندی سے محروم ہیں اسی لئے حضرت عیسی علیہ السلام روح نے انھیں ظلمات طبیعہ سے انوار روحانیہ کی دعوت دی اور انھیں احمد سر (راز حقیقی) کی خوشخبری دی اس لئے احمد (سر یعنی راز حقیقی) عیسی قلب سے ہے اور مرتبہ میں اس سے بلند و بالا ہے۔ جب وہ ان کے پاس تجلیات صفاتیہ و اسمائیلہ کی صورتیں لایا تو نفس وغیرہ نے کہا یہ تو امر وہمی اور خیالی ہے اور اس کا کوئی وجود نہیں اور یہ ظاہر البطلان شے ہے یہی حال ہے براہین اہل حق کے منکرین کے سامنے۔

(حاشیہ[1] حضور سرور عالم ﷺ کے بے شمار اسماء آپ کی شرافت اور بزرگی کی دلیل ہیں آپ کے اسماء مبارکہ پر بے شمار تصانیف ہوئیں اور ہو رہی ہیں۔ فقیر کو بھی اس کا شرف حاصل ہوا کہ اسماء النبی پر ایک ضخیم کتاب لکھی ہے (الحمد للہ علی ذلک) اویسی غفرلہ۔

تفسیر عالمانہ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ اور اس سے بڑھ کر اور کون ظالم ہو سکتا ہے جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بہتان تراشا۔ کذب و افتراء میں فرق یہ ہے کہ افتراء جھوٹ گھڑنے کا نام ہے اور کذب از خود جھوٹی بات کو کہتے ہیں اور کبھی جھوٹ دوسرے کی تقلید میں بولنا پڑتا ہے۔

وھو درانحالیکہ وہ مفتری (جھوٹ گھڑنے والا) بڑا ہی ظالم ہے۔ یدعی رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے اسے دعوت دی جاتی ہے الی السلام اسلام کی جانب کہ جس میں دارین کی سعادت ہے لیکن وہ بجائے دعوت قبول کرنے اللہ پر افتراء باندھتا ہے اللہ تعالیٰ کے کلام کے لئے (جو کہ اسے عبادت کے لے دعوت الی الحق ہے) کہ وہ جادو ہے ا لکذب میں لام عہد کی ہے یعنی وہ ہر ظالم سے بڑھ کر ظالم ہے اگرچہ ظاہر کلام اس کے معترض نہیں لیکن نفی مساوات سے اسی طرح ثابت ہوتا ہے ایسے ہی دعوی نسب میں اللہ تعالیٰ پر جھوٹے افتراء اور رویاء میں کذب اور رسول اللہ ﷺ کی خبر دینے کے کذب سے۔

فائدہ حقیقی داعی اللہ تعالیٰ خود ہے جیساکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا واللّٰہ یدعوا الی دلر السلام اور اللہ تعالیٰ دار السلام کی دعوت دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو حکم فرما کر چنانچہ فرمایا ادع الی سبیل ربک اپنے رب تعالیٰ کے راستے کی طرف بلایئے۔

حدیث شریف حضرت ربیعہ جرشی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام کو کہا گیا کہ خدا کرے آپ کی آنکھیں سو جائیں اور آپ کے کان سنیں اور آپ کا دل سمجھے فرمایا کہ میری آنکھیں سو گئیں اور کانوں نے سنا اور دل نے سمجھا اس کے بعد مجھے کہا گیا کہ ایک سردار نے طعام کر کے لوگوں کو بلایا جس نے دعوت قبول کی اس نے اس کی دار میں داخل ہو ہو کر طعام کھایا اور اس سے سردار خوش ہوا اور جس نے سردار کی دعوت قبول نہ کی تو وہ نہ دار میں داخل ہوا اور نہ ہی کچھ کھایا بلکہ الٹا اس پر سردار ناراض ہوا۔ پھر فرمایا جو مثال دی گئی ہے اس میں سعد (سردار) سے مراد خود اللہ تعالیٰ ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ داعی ہیں اور دار السلام ہے اور طعام جنت ہے۔

مسئلہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت کی طرح آپ کے وارثین کی دعوت کو سمجھو جیساکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

اَدْعُوْا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دو بصیرت پر۔ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِىْ میں اور میرے تابعدار۔

مسئلہ داعی امیر ہو یا مامور۔

حدیث شریف حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وعظ یا امیر سنائے یا مامور یا پھر خود پسند (وہ کسی شمار میں نہیں) (رواہ ابوداؤد و ابن ماجہ) (المصابیح فی کتاب العلم)

فائدہ مختال یعنی متکبر۔ یہاں پر وہ واعظ مراد ہے جو نہ امیر ہے نہ امیر کا مامور یعنی اجازت یافتہ بمعنی بے پسند[1] ہے۔ جو ایسا واعظ یا مقرر ہو وہ عنداللہ الشرع متکبر ہے فضولی (بیکار) طالب ریاست (دنیا کا اور جاہ و جلال کا بھوکا) ہے۔

مسئلہ بعض نے کہا یہ حدیث شریف خطبہ (عام تقریر) کے ساتھ خاص ہے ورنہ نجی مجلسوں میں کچھ نیک باتیں سنانا وغیرہ میں حرج نہیں۔ (کذا فی المفاتیح)

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ اور اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو سیدھی راہ نہیں دکھاتا۔ یعنی اس راہ کی راہبری نہیں کرتا جس میں ان کی فلاح ہے ان کی عدم توجہی کی وجہ سے۔ یریدون لیطفوا نور اللّٰہ ان کا ارادہ ہے کہ وہ نور الٰہی کو بجھا دیں۔

حل لغات الاطفاء بمعنی بجھانا چراغ کا یعنی کافروں کا ارادہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کو مٹا دیں یا اس

(حاشیہ[1] جیسے آج کل ہمارے دور میں کہ بہت سے ایسے بھی ہیں جنہیں علوم عربیہ پڑھنا تو کہاں نصیب کسی کتاب اردو کا پڑھنا بھی مشکل ہے لیکن منبر رسول ﷺ پر بیٹھ کر ایسے غضبناک بیانات سنائیں گے جنہیں سن کر آسمان و زمین پھٹنے کو آتے ہیں۔ اگر ان سے کسی اعتراض کا جواب مانگو تو بے تکی باتیں بکیں گے ایک واعظ سے کسی نے سوال کیا کہ تم سنی لوگ قبور کو چومتے ہو اس کا ثبوت تو اس نے برجستہ پڑھ دیا۔ واذا القبور بعثرت یعنی قبوں کو بوسہ دو۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِىِّ الْعَظِيْمِ اس جاہل نابکار نے بعثرت ہندی طرز سمجھ کر بعثر کو بوسہ

کی کتاب کو یا اس کی روشن دلیل کو ختم کردیں۔ لام تاکیدی زائدہ ہے ارادہ کی تاکید کا یہ معنی ہے کہ اس میں ارادہ کا معنی ہے جیسے لاابالک میں لام زائد اضافت کی تاکید کے لئے ہے یا معنی یہ ہے کہ وہ افتراء کا ارادہ کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کا نور بجھادیں۔

فائدہ امام راغب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لام کے ساتھ اور لام کے بغیر الفاء کا فرق ہے وہ یہ کہ اگر لام نہ ہو تو معنی ہوگا ان کا ارادہ ہے نور اللہ کے اخفاء کا اگر لام کے ساتھ ہو تو معنی ہوگا کہ ان کا ایسے امر کا ارادہ ہے جو انہیں نور الٰہی کے بجھانے تک پہنچادے۔

بافواھھم اپنی پھونکوں سے۔ طعن و تشنیع کرکے یعنی ناپسندیدہ گفتار اور بے ادبی و گستاخی کے سخنوں سے اس میں ایک شخص (بیوقوف) کے ساتھ ان کی مثل دی گئی ہے جو پھونکوں سے سورج کے نور کو بجھانا چاہتا ہے۔ واللہ متم نورہ اور اللہ تعالیٰ اپنا نور مکمل کرنے والا ہے یعنی اسے اپنی انتہا تک پہنچانے والا ہے یعنی آفاق میں اس کی نشرواشاعت اور اسے بلند کرنے والا ہے۔ یہ جملہ حالیہ ہے یریدون یاطلفؤا کے فاعل سے۔

وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ اگر کافروں کو ناگوار ہو۔ اس کا اتمام اس سے ان کو ذلیل و خوار کرنا اور ان کی قلبی بیماری میں بڑھانے کے لئے۔ لَو بمعنی ان ہے اس کا جواب محذوف ہے یعنی اگرچہ کافروں کو ناگوار گزرے تب بھی اللہ تعالیٰ اپنے دین کا اتمام و اعلاء لامحالہ کرے گا۔

فائدہ حضرت کاشفی رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا کہ کافروں کی کراہت کا کوئی اثر نہیں کہ چراغ صدق و صواب بجھ جائے۔ جیسے چمگادڑ کے نہ چاہنے سے سورج پر کوئی اثر نہیں ہو سکتا کہ وہ نہ ہو۔

شب پرہ خواہد کہ بنود آفتاب   تا بیند دیدہ او مرز بوم
دست قدرت ہر صباحے شمع مہر   می فروزد کوری خفاش شوم

(چمگادڑ چاہتا ہے کہ سورج نہ ہو تاکہ وہ دیکھے دنیا کے نظارے۔ سورج کی شمع دست قدرت ہے ہر صبح کو روشن ہوتی ہے چمگادڑ بدبخت کی آنکھ اندھی رہے تو کیا ہوا)

شمع حق را پف کنی تو اے عجوز　　　ہم تو سوزی ہم سرت اے گندہ پوز
کے شود دریا ز پوز سگ نجس　　　کے شود خورشید از پف منطمس
ہر کہ بر شمع خدا آورد پفو　　　شمع کے میرد بسوزد پوز او.
چوں تو خفاشان بسے بیند خواب　　　کیں جہاں ماند یتیم از آفتاب
اے بریدہ آں لب و حلق و دہان　　　کے کند تف سوئے نہ آسمان
تف بروئیش باز گردد بے شکے　　　تف سوئے گردوں نیابد مسلکے
تا قیامت تف برو بارد ز رب　　　ہمچوں تبت بر رواں بولہب

ترجمہ　۱ اے بڑھیا بیوقوف تو شمع حق کو بجھانا چاہتی ہے اس سے تو خود جل سڑ جائے گی اے گندی گٹھری۔

۲۔ کتے کی ٹی سے کیا دریا پلید ہو سکتا ہے تو کیا پھونکوں سے سورج کی روشنی بجھ سکتی ہے۔

۳۔ جو بھی شمع خدا پر پھونک مار کر بجھانا چاہتا ہے شمع کیا بجھے گی پھونک مارنے والا ہی جل جائے گا۔

۴۔ تیرے جیسے چمگادڑ بہت بڑی خواب دیکھتے ہیں کہ یہ جہان سورج کے ختم ہو جانے سے یتیم ہو گیا۔

۵۔ تیرے لب حلق منہ کٹ جائیں چاند یا آسمان پر تیرے تھوکنے سے کیا بنتا ہے۔

۶۔ بلکہ یہ تھوک تیرے منہ پر لوٹے گی یقیناً آسمانو کی طرف تھوک کو جانے کا راستہ ہی نہیں۔

۷۔ بلکہ اللہ تعالیٰ سے ایسے شخص پر تا قیامت ذلت و خواری ہو جیسے ابولہب کو تا قیامت تبت (تباہی و بربادی) ہے۔

نکتہ　اتمام النور اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی برگزیدہ نعمتوں میں سے ہے تو اس سے ناگواری کرنے والا بھی بہت بڑا کافر ہو گا۔ یعنی کفران نعمت میں کافروں کی قسموں میں یہ سب سے بڑھ کر ہو گا اس لئے کراہت اتمام کا اسناد کافروں کی طرف کیا ہے اور لفظ کافر ہی اس مقام کے زیادہ لائق ہے اور وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ اظہار دین حق کے مقابلہ میں واقع ہوا اور دین کے معظم ارکان سے توحید و ابطال شرک ہے۔ اور کفار مکہ کو توحید کا انکار اور شرک پر اصرار بھی سخت تھا اور اظہار دین انہیں سخت ناگوار تھا اسی لئے اس مقام پر ان کے شرک تعریض ضروری تھا اور دین حق کی

کراہت کی علت بھی وہی شرک تھا۔

تفسیر صوفیانہ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ انہیں نبی پاک ﷺ سے جو ظہور ہوا (یعنی معجزات وغیرہ) کا انکار تھا اسی لئے انہوں نے اس کا زبان سے انکار کر دیا۔ اور نفوس (قلب) سے ان سے اعراض (روگردانی) کی تو اللہ تعالیٰ اس کے قبول کرنے کے لئے انفس کو مسلط کر کے ان میں حکم سعادت پیدا فرمایا اور ان کے قلوب کو انوار معرفت اور اس کے اسرار سے مزین کر کے انہیں تصدیق سے منور فرمایا تو انہوں نے اس کے لئے جان و مال قربان کر دیا جیسے صدیق اکبر و فاروق اعظم و دیگر جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

اولیاء کرام کی شان فقیر (صاحب روح البیان رحمتہ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ نبی پاک ﷺ کے وارثین ہر زمانہ میں یہی حال رہا ہے اور رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر نور ازل و قدم کی تجلی ڈالی تو اس کا منکرین اولیاء نے انکار کر دیا اور ان کا ارادہ ہوا کہ وہ اس نور کو بجھا دیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کو مکمل کر دیا اور اپنے اہل تجلی (اولیاء) کے لئے احباب و اصحاب (مریدین) پیدا کر دیئے جو ان سے ان کے دشمنوں کو ہٹاتے اور تاقیامت ان کے امور (احوال و معمولات) کو جاری رکھیں گے اور ان کی ضروریات کو پورا کرتے رہیں گے۔ بفضلہ تعالیٰ یہ سعادت اہل سعادت کو نصیب ہے اور تاقیامت انہی کو نصیب رہے گی۔ (الحمد للہ علی ذلک)

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ نفس کا کام ہے کہ وہ نور قلب کو بجھائے اس لئے کہ نفس اور اس کی خواہشات مظاہر قہریہ جلالیہ سے اور ید یسری (بائیں ہاتھ) کی طرف منسوب ہیں جیسے حدیث ربانی میں آیا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ اپنا دایاں ہاتھ (قدرت) حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ کے دائیں طرف پر پھیرا تو اس سے سفید چاندی (جیسی کوئی شے) نکلی اور فرمایا یہ جنتی ہیں اور بایاں ہاتھ (قدرت) آدم علیہ السلام کی پشت کی بائیں طرف پھیرا تو اس سے کوئلہ سیاہ (جیسی کوئی شے) نکلی اور فرمایا یہ دوزخی ہیں۔ اسی لئے نفس کی کوشش ہے کہ وہ قلب کے نور کو بجھائے اور قلب کی بھی کوشش ہے کہ وہ نار نفس کو بجھائے اگرچہ ان کافروں یعنی جو قلب کو نفس سے چھپانے والے اور ارض قلب میں نفس کا بیج بونے والے ہیں کو ناگوار گزرے۔

تفسیر عالمانہ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ وہی ہے وہ جس نے اپنے رسول کو بھیجا یہاں رسول سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ مراد ہیں۔ بِالْهُدٰی ہدایت یعنی قرآن یا معجزات کے ساتھ ہدی جس کے ذریعے صراط مستقیم (سیدھی راہ) کی رہبری حاصل کی جائے۔ ودین الحق اور دین حق کے ساتھ یعنی ملت حنفیہ جسے رسول اللہ ﷺ اور آپ کی امت کے لئے اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا۔ یہ اضافۃ الموصوف الی الصفت کے قبیل سے ہے۔ عذاب الحریق لیظهره علی الدین کله کہ اسے تمام ادیان پر غالب فرمائے تاکہ اسے کر لے بلند و بالا اور غالب اس کے تمام مخالف ادیان پر۔

وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ اگرچہ برا مانیں مشرکین۔ اسی اظہار (غالب کرنا) کو اور اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا کہ دین اسلام ایسا بلند و بالا اور غالب بنایا کہ کوئی ایسا دین نہیں جو اس سے مغلوب نہ ہو تمام ادیان اسلام کے سامنے سرنگوں ہو گئے اس کا معنی یہ نہیں کہ وہ مٹ گئے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ موجود ہونے کے باوجود دین اسلام کے سامنے مغلوب و مقہور اور سرنگوں ہیں۔

دین کی اقسام ادیان کل پانچ ہیں۔

۱۔ یہودیت ۲۔ نصرانیت ۳۔ مجوسیت ۴۔ شرک ۵۔ اسلام

(عین المعانی للسجاوندی) اور سہیل رحمۃ اللہ علیہ نے الامالی (نام کتاب) میں یہ فائدہ لکھا کہ دوزخ کے سات دروازوں کی وجہ یہ ہے کہ جیسا کہ ہم نے تفاسیر میں مذکور پایا کہ ادیان سات ہیں۔ ایک رحمٰن کا باقی چھ شیطان کے وہ جو شیطان کے ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ یہودیت ۲۔ نصرانیت ۳۔ صابئیت ۴۔ عبادت الاوثان (بت پرستی)

۵۔ مجوسیت ۶۔ وہ اشخاص جن کے ہاں کوئی شریعت نہیں اور نہ ہی وہ کسی کی نبوت کے قائل ہیں۔

وہ ہے دہریت گویا وہ سارے ایک دین پر ہیں یعنی دہریت پر اور یہ سب ہمارے رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں رکھتے تو یہ چھ قسم ہوئے ساتواں دین ہے۔ اہل توحید کا جیسے خوارج جو دوزخ کے کتے ہیں ایسے ہی جملہ اہل

بدعت جو گمراہ کنندہ ہیں (جیسے مرزائیت وہابیت وغیرہ جو خوارج کے ہم نوا ہیں) اور جابرہ ظالم اور کبائر پر اصرار کرنے والے اور وہ کبائر سے توبہ بھی نہیں کرتے اور نہ استغفار کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں بھی وعید ہے۔ بعض ان میں وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا۔ یہ کل ایک گروہ ہیں ان کے لئے حکم یہ ہے کہ ان کا دوزخ میں ہمیشہ رہنے کی کوئی پختہ بات نہیں۔ ہاں سات قسم کل ہوئے ان میں چھ شیطان کے جو دائماً دوزخ میں رہیں گے ایک وہ ہیں جن کے لئے ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہنا وہ قیامت میں ایک عرصہ کے بعد دوزخ سے نکل لئے جائیں گے کیونکہ رحمن کے دین والے ہیں لیکن ان کا نکلنا شفاعت کے ذریعے ہو گا (اگر وہ شفاعت کے دنیا میں قائل تھے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے (اس کی تفصیل فقیر اویسی غفرلہ نے شرح حدائق بخشش میں لکھی ہے) اس معنی پر دوزخ کے سات دروازے ان سات قسموں کے لئے مقرر ہوئے ان کے قرآن مجید میں مذکور ہونے کی حکمت بھی واضح ہو گئی کہ ان سے ڈرانا دھمکانا مطلوب ہے ہم اللہ تعالیٰ سے عفو وعافیت و معافاۃ کا سوال کرتے ہیں۔

رد وہابیہ و نجدیہ اور ان کی ذیلی جماعت دیوبندیہ و مودودیہ

دور حاضرہ چودھویں پندرھویں صدی میں معتون فرقے شرک کا غلط مفہوم بیان کر کے روئے زمین کے مسلمانوں کو مشرک بنائے جا رہے ہیں۔ اس کا فیصلہ یوں ہو سکتا ہے کہ اس صدی سے ہٹ کر پیچھے اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصریحات کو حکم بنایا جائے تو جھگڑا ختم ہو سکتا ہے۔ صاحب روح البیان رحمۃ علیہ دسویں گیارھویں صدی کے عارف باللہ محقق مفسر ہیں وہ شرک کی تعریف میں فرماتے ہیں[لے]۔

وفی بعض التفاسیر الاشراک هو اثبات الشریک للّٰہ تعالیٰ فی الالوهیته سواء کنت بمعنی وجوب الوجود او استحقاق العبادة (روح البیان ص ج ۲)

(اور بعض تفاسیر میں ہے کہ اشراک بمعنی الہ تعالیٰ کے لئے الوہیت میں شریک ثابت کرنا خواہ بمعنی واجب الوجود مان کر یا عبادت کا مستحق سمجھ کر)

ازالہ وھم وھابیہ نجدیہ وہابی نجدی ہم اہلسنّت پر الزام لگاتے ہیں کہ تمہاری طرح مشرکین بھی اللہ تعالیٰ کو

(حاشیہ لے بفضلہ تعالیٰ یہی ہم اہلسنّت کہتے ہیں تفصیل کے لئے دیکھئے فقیر کی کتاب "شرک کیا ہے" اویسی غفرلہ)

خالق ورازق وغیرہ مانتے تھے لیکن پھر بھی مشرک تھے اس کا ازالہ ہم نے اپنی تصانیف میں کیا لیکن نہ ماننے عوام کی تسلی کے لئے صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح حاضر ہے۔

ولکن اکثر المشرکین لم یقولوا بالاول لقولہ تعالیٰ ولئن سالتھم من خلق السموت والارض لیقولن اللہ[1]

(ترجمہ = لیکن اکثر مشرکین پہلا عقیدہ تو نہیں رکھتے یعنی معبودان باطلہ کو واجب الوجود تو نہیں مانتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے فرمایا ہے کہ ان سے پوچھو کہ آسمان وزمین کس نے پیدا کئے تو وہ کہیں گے اللہ نے)

فائدہ قاعدہ ہے کہ کبھی شرک مطلق بول کر اس سے کفر مراد لیا جاتا ہے اس لئے کہ مشرک بھی شرک سے خالی نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد دال ہے کہ ان اللہ لا یغعر ان یشرک بہ ویغفر مادون ذلک لمن یشاء اللہ تعالیٰ مشرک کو نہیں بخشے گا اس کے سوا جسے چاہے بخش دے اور دین کے ماہر کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ غیر مشرکین کے کفر والوں کو بھی نہیں بخشے گا جیسے یہود و نصاریٰ تو لازماً ثابت ہوا کہ ان یشرک بہ سے یکفر بہ ہے اور یہ بھی قاعدہ ہے کہ کبھی مطلقاً کفر بول کر بت کے پجاری وغیرہ مراد لی جاتی ہے۔ ولو کرہ المشرکون میں اگر پہلے مراد ہوں تو اسے دوبارہ ذکر کرنے میں یہ فائدہ ہے کہ ان میں ایک اور قبیح وصف پائی جاتی ہے اور اگر اس سے ثانی مراد ہے تو کافرین کو اولاً ذکر کرنے میں مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے نور کا اتمام اس صورت میں ہے کہ دین اسلام کے سوا باقی تمام ادیان منسوخ ہو گئے اور کافر کل کے کل اسے گوارہ نہیں کرتے اور پھر مشرکوں کو دوبارہ ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اظہار دین اس صورت میں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند اور توحید کی اشاعت ہو اس میں معبودان باطلہ کے بطلان کی خبر ہو گی جو مشرکین کو سخت ناگوار ہے (اللہ تعالیٰ اپنی مراد خوب جانتا ہے)

(حاشیہ [1] اس کے بعد دوسری شق صاحب روح البیان علیہ الرحمۃ اگی اگرچہ تصریح نہیں کی تو ان کا پہلی شق کا ذکر کرنا دال ہے کہ وہ مشرکین اپنے معبودان باطلہ کو مستحق عبادت سمجھتے یہی حکم ہم کہتے ہیں اس کی تفصیل فقیر کی کتاب "توحید و شرک" میں دیکھئے)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے رسول قلب کو امت عالم اصغر کی طرف بھیجا جو کہ یہ مملکت انفسیہ اجمالیہ جو عالم اکبر کے مشابہ ہے اور وہ عالم اکبر مملکت آفاقیہ تفصیلیہ کے ساتھ نور ہدایت ازلیہ اور دین حق کے جو تمام ادیان پر غالب ہے اور وہ ہے ملت حنیفہ سہلہ اور روشن اگرچہ مشرکین کو ناگوار ہے یعنی جنھوں نے حق کے ساتھ غیر کو شریک کیا اور یہ نہ سمجھا کہ غیر اور غیرت ان موہومات سے ہیں جنہیں قوت وہم نے ایجاد کیا ورنہ وجود میں صرف اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات ہیں۔

حضرت کمال خجندی قدس سرہٗ نے فرمایا۔

لہ فی کل موجود علامات و آثار　　دو عالم پر ز معشوقت گو یک صادق

(ہر موجود میں اسکی علامات و نشانات ہیں۔ وہ جہاں معشوق سے پر ہے گو عاشق صادق ایک ہے)

مولانا جامی عارف باللہ قدس سرہ نے فرمایا۔

گر توئی جملہ در فضائے وجود　　خود انصاف دہ بگو حق گو
درہمہ اوست پیش چشم شہود　　چیست پنداری ہستی من و تو

(فضائے وجود میں جملہ تو ہی ہے خود بھی انصاف دے اور کہہ اور حق کہہ۔ تمام میں وہی ہے شہود کی آنکھ کے سامنے من و تو کی ہستی تو کیا سمجھتا ہے)

وحدۃ الوجود کا ثبوت فقیر (روح البیان رحمۃ اللہ علیہ کے مصنف) کہتا ہے کہ یہ کلمات وحدۃ الوجود پر مبنی ہیں اور ان کلمات پر تمام اہل شہود متفق ہیں کسی پر طعن و تشنیع کرنا کہ یہ وجودی (وحدۃ الوجود کا قائل) ہے تو گویا سب پر طعن و تشنیع ہے اور یہ طعن و تشنیع حجاب کثیف اور جہل عظیم سے ہے ورنہ اہل بصیرت پر تو یہ امر بہت زیادہ ظاہر ہے۔[1]

(حاشیہ[1] مسئلہ وحدۃ الوجود ایک مسلم حقیقت ہے لیکن افسوس کہ ایک طرف صوفیہ کرام کے دشمنوں نے اسے بدنام کرنے کی کوشش کر رکھی ہے دوسری طرف جہالت نے اڈے جما رکھے ہیں۔ علمائے اہلسنت بھی اس سے بے

(حاشیہ جاری)

اعتنائی برت رہے ہیں اور مشائخ اور پیروں کی اولاد ایک عرصہ سے جہالت از علوم اسلامیہ کا شکار ہو گئی۔ چند محدود حضرات اس کے احیاء کے مساعی ہیں مگر وہ بھی القلیل کالمعدوم کی طرح ہیں کاش اس مقدس و پاکیزہ مسئلہ کو علماء محققین اور مشائخین کاملین زندہ رکھنے کے لئے توجہ فرمائیں۔ تحقیق کے لئے ملاحظہ ہو فتوحات مکیہ شریف و فصوص الحکم اور لبتدا او اسباق لوائح جامی وغیرہ وغیرہ)

تفسیر عالمانہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ اے ایمان والوں کیا میں تمہیں بتادوں۔
عَلٰى تِجَارَةٍ (تجارت) اس کا بیان آئے گا۔ تُنْجِيْكُمْ تمہیں نجات دے۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ سے بچانے اور نجات دلانے سے تمہارے لئے سبب ہو۔

فائدہ تجارت کی صفت سے معلوم ہوا کہ کوئی تجارت اس کے برعکس بھی ہوتی ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا۔ یرجون تجارۃ لن تبورہ ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں کہ جس میں ہرگز گھاٹا نہ ہو ظاہر ہے کہ تجارت کا گھاٹا اور ٹوٹا صاحب تجارت کے لئے دردناک عذاب کا سبب ہوتا ہے جیسے مال جمع کرنا اس کی حفاظت کرنا اس کے حقوق روکنا۔ یہ تمام امور آخرت میں وبال ہیں اور یہی خسارہ والی تجارت ہے۔

مسئلہ ایسے ہی وہ اعمال جو شرع مطہرہ کے مطابق نہ ہو اور سنت نبویہ کے خلاف ہوں اور ان سے غیر اللہ کو راضی کرنا مطلوب ہو۔

من عذاب الیم دردناک عذاب سے یعنی وہ درد جسمانی جو ظاہر ہے اور روحانی وہ ہے تحر (حسرت کھانا) پریشان ہونا۔ آگے سوال مقدر کو جواب ہے گویا کہا گیا کہ انہوں نے عرض کی ہم کیا عمل کریں جواب میں کہا گیا کہ تومنون باللہ ورسولہ ایمان رکھو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر مطلب یہ کہ ایمان پر ثابت رہو۔ وتجاھدون فی سبیل اللہ اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ باموالکم وانفسکم اپنے مالوں اور نفسوں سے کہ اموال سے مجاہدین کے ہتھیار خریدو اور نفوس سے یہ کہ قتل و حرب کے در پے رہو۔

نکتہ اموال کی تقدیم جہاد میں اس کی زیادہ ضرورت کی وجہ سے ہے یا ترقی از ادنی الی الاعلی ہے۔ بعض نے کہا کہ

مال کی تقدیم اس لئے ہے کہ کبھی انسان اپنی جان بچانے کی کوشش کرتا ہے (لیکن اس پر مال خرچ کرنا پڑے تو خوب خرچ کر دیتا ہے)

فائدہ یہ خبر بمعنی الامر ہے اس لئے لائی گئی تاکہ معلوم ہو کہ اس کی تعمیل فرض ہے کہ گویا واقع ہو گئی اب وہ اس کی خبر دے رہا ہے جیسے کہا جاتا ہے غفر اللّٰہ لھم اللہ تعالیٰ نے انہیں بخش دیا ویغفر للہ لھم اللہ تعالیٰ انہیں بخش دے گا۔ یہ صرف قوت رجاء (امید) پر ہوتا ہے۔ گویا وہ ہو گیا۔ اسی طرح سلمکم اللّٰہ وعافاکم اللّٰہ واعاذکم اللّٰہ تمہیں اللہ تعالیٰ سالم رکھے عافیت دے پناہ دے۔ کو قیاس کرو۔

حدیث شریف میں ہے کہ مشرکین سے اپنے مالوں اور نفسوں اور زبانوں کے ساتھ جہاد کرو۔

فائدہ زبان سے جہاد کا یہ مطلب ہے کہ ایسی باتیں سناؤ جو انہیں ناگوار ہوں۔ اور ایسی باتیں سننا انہیں سخت لگیں۔ جیسے ہجو، سخت کلامی وغیرہ وغیرہ بعض نے کہا کہ زبان کی تاثیر نیزہ و تلوار سے بھی تیز اور شدید تر ہے۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف ایک شعر منسوب ہے۔

جرامات السنان لها التیام ولا یلتام ماجرح اللسان

(نیزوں کے زخم مندمل ہو جاتے ہیں لیکن زبان کے زخم مندمل نہیں ہوتے)

حدیث و آیت میں ترقی از ادنیٰ الی الاعلیٰ ہے کیونکہ زبان کا جہاد سیدنا حسان رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھ کر کفار قریش کی ہجو باذن رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے۔

مسئلہ تجارت نفع کی طلب پر حاصل مال میں تصرف کرنے کو کہتے ہیں۔ تاجر وہ ہے جو بیع و شرا کرے۔

اعجوبہ کلام عرب میں تاء کے بعد جیم کا کوئی کلمہ سوائے لفظ تجارت کے نہیں۔

سوال تجاہ عربی لفظ ہے اور اس میں تاء کے بعد جیم ہے

جواب یہ دراصل وجاہ تھا واؤ تاء ہوتی ہے۔

سوال تجوب میں تاء کے بعد جیم ہے اور یہ حمیر کے ایک قبیلہ کا نام ہے

جواب تاء مضارع کی ہے اصلی نہیں۔

فائدہ ابن الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اسے تجارت سے اس لئے تشبیہ ہے کہ تجارت میں مبادلۃ المال بالمال نفع کی امید پر ہوتا ہے اس میں مبادلہ و معاوضہ کا معنی ہے کہ مال یعنی فضل اور زیادتی تجارت میں مبادلۃ المال نفع کے طمع پر ہوتا ہے اس لئے ایمان و جہاد کو تجارت سے تشبیہ ہے کہ اس میں جان و مال دے کر اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے عذاب سے نجات کا طمع ہوتا ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا۔

فدائے دوست نکردیم عمر و مال دریغ　　　کہ کار عشق زما ایں قدر نمی آید

(دوست پر ہم عمر و مال فدا نہ کر سکے جس کا ہمیں افسوس ہے کہ عشق کے کام میں ہم سے اتنا بھی نہ ہو سکا)

ذلکم وہ جو مذکور ہوا ایمان و جہاد کی دو قسموں میں سے۔ خیر لکم علی الاطلاق تمہارے لئے بہتر ہے یا تمہاری جان مال سے بہتر ہے۔ ان کنتم تعلمون اگر تم جانتے ہوتے۔ اگر تم اہل علم ہوتے کیونکہ جاہلوں کے افعال کا کوئی اعتبار نہیں یا یہ کہ اگر تم اس وقت جانتے کہ وہ تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ اس سے کہ جب تمہیں معلوم ہو جاتا اور اس کا تمہارا اعتقاد ہوتا تو تم ایمان و جہاد کو نفوس و اموال سے زیادہ محبوب سمجھتے تو پھر تم نجات و فلاح پاتے۔

سبق دانش مند پر لازم ہے کہ فانی کو باقی سے تبدیل کرے کیونکہ یہی اس کے لئے بہتر ہے۔

حکایت ایک صحابی نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اونٹنی کی مہار پکڑ کر لایا عرض کی یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہے آپ نے فرمایا تجھے قیامت میں ایسی سات سو اونٹنیاں ملیں گی۔

فائدہ کسی بزرگ نے فرمایا کہ اس تجارت کا نفع یہ ہے کہ غیر حق کو دے کر حق کو لے لو۔

حکایت نفحات میں ہے کہ حضرت عبداللہ الیسری قدس سرہ کے پاس آپ کا صاحبزادہ حاضر ہوا عرض کی میں گھڑا گھی کا گھر سے باہر لایا اور وہی میری پونجی تھی اور وہ ٹوٹ گیا اب میرا تمام سرمایہ ضائع ہو گیا۔ فرمایا بیٹے وہ سرمایہ تیار کرو جو تمھارے باپ نے تیار کیا۔ دنیا آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سوا تیرا کچھ نہیں۔

لطیفہ حضرت شیخ السلام عبداللہ انصاری قدس سرہ نے فرمایا بہتر تھا کہ اس کا باپ بھی نہ ہوتا اس میں اس کا زیادہ نفع تھا۔

فائدہ اس میں آپ نے مرتبہ فناء کی طرف اشارہ فرمایا وہ یہ کہ بازار شوق تھا (دیدار) میں تمام سود و سرمایہ لٹا دینا۔

تا چند بہ بازار خودی پست شوی بشتاب کہ از جام فنا مست شوی
از مایہ سود در جہاں دست بشو سود تو ہماں بہ کہ تہی دست شوی

(کب تک خودی سے پست رہو گے دوڑ کہ جام فناء سے مست ہو جاؤ۔ دو جہان کے نفع سے ہاتھ دھو ڈال۔ تیرا نفع اسی میں ہے کہ خالی ہاتھ ہو جا)

اہل بدع یعنی بدمذاہب سے جہاد آیت میں اہل بدع یعنی بدمذاہب سے بھی جہاد ضروری ہے اور اہل بدع بدمذاہب کے (اصولی) بہتر ۷۲ گمراہ فرقے ہیں کیونکہ کافر قلعہ اسلام کو توڑنا چاہتا ہے اہل بدع (بدمذاہب) حصار سنت کو ویران کرنا چاہتے ہیں شیطان تیرے دل کی ولایت میں تشویش ڈالتا ہے تو اہل بدع (بدمذاہب) خواہشات نفسانی سے تیرے دین کو زیر و زبر کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام دشمنوں کے لئے تجھے ہتھیار عطا فرمائے ہیں تاکہ تو انہیں مقہور و مغلوب کر سکے کافروں کا مقاتلہ (جنگ) شمشیر سیاست ہے۔ مبتدعین (بدمذاہب) کا مقابلہ تیغ زبان اور دلائل و براہین سے اور شیطان کا مقابلہ دائمی ذکر الٰہی و تحقیق کلمہ حق سے اور خواہشات نفسانی کی جنگ تیر مجاہدہ سنان ریاضت سے۔

فائدہ بندے کے یہی اچھے اعمال اور سالک کے پسندیدہ و افعال طاعات ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ الخ یہ تمہارے لئے بہتر ہیں اگر تم جانتے ہو۔

تفسیر صوفیانہ بعض اکابر مشائخ نے فرمایا یاایھاالذین امنوا الخ اے تقلیدی ایمان والو! میں تمہیں ایسی تجارت نہ بتادوں جو تمہیں بچائے دردناک عذاب سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ پر تحقیقی یقینی استدلالی ایمان لاؤ۔ استدلال کی صحت کے بعد۔ تجاھدون اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو مگر بعد یقین کے۔

توحید کے اقسام توحید دو قسم ہیں۔

۱۔ لسانی ۲۔ عیانی۔

لسانی مقترن ہے اعتقاد صحیح کو اس کے اہل دو قسم ہیں۔

۱۔ تقلید خاص میں پھنسنے والے (ایمانیات و اعتقادیات میں ہم اہلسنت تقلیدی نہیں) اور وہ حد تحقیق تک نہیں پہنچے اور یہ عوام مومنین ہیں۔

۲۔ جنہوں نے حج (دلائل) وبراہین نقلیہ و عقلیہ سے تمسک کیا۔ یہ اگرچہ حد التقلید الخاص سے نکل گئے لیکن کشف وعیاں کے نور تک نہ پہنچ سکے۔ جیسے اہل شہود عرفان تک پہنچے ہیں اور توحید عیانی کے بھی کئی مراتب ہیں۔

۱۔ توحید الافعال ۲۔ توحید الصفات ۳۔ توحید الذات

جس پر افعال کا جلوہ ہوا متوکل ہوا اور عصمت کا دامن تھاما جس پر صفات کا جلوہ ہوا وہ راضی برضا ہوا اور سر تسلیم خم کیا جس پر ذات کا جلوہ ہوا وہ ذات فنا پا کر محو وعدم ہو گیا۔

یغفرلکم ذنوبکم دنیا میں تمہارے گناہ بخش دے گا امر کا جواب ہے جو لفظ خبر سے معلوم ہوا اور یہ بھی

(حاشیہ لے اور یہی اعلیٰ مقام ہے۔ حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہ نے فرمایا۔

تونڑیں غوثی قطبی رتبہ پایو تاں وی کیا تھی پیا ہے گم تھیون مطلب

(یعنی غوث وقطب کا مرتبہ پالیا تو کیا ہوا۔ درحقیقت گم ہونا (فناہ) اصل مطلب تھا (اسی کی جدوجہد چاہیئے) اویسی غفرلہ)

کہ شرط یا استفہام کا جواب ہے جس پر تقدیری کلام دال ہے کہ دراصل ان تومنوا و تجادوا یاهل تقبلون و تفعلون الخ کیا قبول یا عمل کرو گے جس کی میں تمہاری رہبری کروں تمہیں اللہ تعالیٰ بخش دے گا اور اسے هل ادلکم کا جواب بنانا بعید ہے کیونکہ محض دلالت مغفرت کا موجب نہیں ہو سکتی۔

ویدخلکم اور آخرت میں تمہیں داخل کرے گا۔ جنات' باغات میں یعنی تمہارے ہر ایک کے لئے علیحدہ باغ ہو گا اور یہ اللہ تعالیٰ کے لطف سے بعید نہیں کہ وہ ہر ایک کو علیحدہ جنت سے نوازے جو وہ صرف اسی کے لئے ہو اور صرف وہی اس میں تصرف کرے۔

حل لغات لغت میں جنت بمعنی باغ کہ جس میں گھنے اور سایہ دار درخت ہوں جو اپنے ماتحت کو ڈھانپ دے تجری من تحتها الانهار اس کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ دودھ 'شہد' شراب اور صاف پانی کی۔ اور تحتها کا مطلب ہے ان کے درختوں کی ان جڑوں میں پانی ہے یا ان کے محلات اور بالا خانوں کے نیچے پانی جاری ہے۔

ومساکن طیبه اور گھر پاکیزہ مسکنوں میں یعنی تمہیں پاکیزہ مسکنوں اور منزلوں میں جن کی نزہت ہے۔ فی جنات عدن خالص باغات میں۔ یعنی ان کی اقامت دخلود کہ اس میں جو بھی داخل ہو تو وہ کسی بھی عارضہ سے نہ نکالا جائے۔ یہ ظرف صفت مختصہ ہے مساکن کے لئے۔

حل لغات یہ مسکن کی جمع ہے بمعنی مقام۔ سکن فلان فی مکان کذا فلاں ایسے مکان میں ٹھہرا استوطنه اور اسے اپنا وطن بنایا۔ اور اسم مکان مسکن ہے اور پہلی لغت پر سکنت دوسری پر سکنته امام راغب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اصل طیب بمعنی جس سے حواس لذت پائیں اور مساکن طیبۃ فی جنات عدن بمعنی طاہرہ زکیہ مستلذہ۔ بعض نے کہا طیبتها بمعنی اس کی وسعت اور اس کے امر کی وسعت۔

بہشت کا منظر حضور نبی پاک ﷺ کو ان مساکن طیبہ کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ جنت میں محلات موتیوں کے ہوں گے اور ان کا ہر محل میں ستر دار سرخ یاقوت کی ہوں گی ہر دار میں ستر گھر ہوں گے زمرد

سبز کے ہر گھر میں ستر خدمت گزار لڑکے لڑکیاں ہوں گی۔ اور فرمایا ہر مومن جنتی کو اتنی قوت حاصل ہوگی کہ ایک ہی صبح کے سب کے پاس آسکے[1]

فائدہ تفسیر الکبیر میں ہے کہ الجنات سے وہ باغات مراد ہیں جن سے دیکھنے والا کچھ لینا چاہے تو لے سکے کیونکہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا مساکن طیبتہ فی جنات عدن تو جیسے ان پر تصرف ہوگا باغات پر بھی تصرف ہوگا اور قاعدہ ہے کہ معطوف معطوف علیہ کے مغایر ہو تو اب معنی یہ ہوا کہ ان کے مساکن جنات عدن میں ہوں گے اور ان کے مناظر جنات یعنی باغات ہوں گے۔ اور انہیں عدن کی صفت سے اس لئے موصوف کیا گیا ہے کہ وہ ان کے لئے اس دار کی طرح ہیں۔ جس میں انسان سکونت پذیر ہوتا ہے اور دوسرے وہ جنات ہیں جو بمنزلہ ان باغات کے ہیں کہ جن میں انسان محض تفریح اور احباب کے ملاقات کے لئے جاتا ہے۔

فائدہ بعض تفاسیر میں ہے کہ دار الثواب سب کے سب وہ جنات ہیں جو بمعنی باغات کے ہیں کہ وہ جنات کثیرہ پر مشتمل ہیں ان کی ترتیب لوگوں کے استحقاق کے مطابق ہوگی۔ کہ بعض ان میں کامل ہیں بعض ناقص اسی لئے جنات کو جمع نکرہ لائے ہیں۔

جنات کی تعداد اس میں اختلاف ہے جنات کل کتنے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا وہ سات ہیں۔

۱۔ جنت الفردوس
۲۔ جنت عدن
۳۔ جنت النعیم
۴۔ دار الخلد
۵۔ جنت الماوی
۶۔ دار السلام
۷۔ علیّون

ان میں ہر ایک کے مختلف مراتب و درجات ہیں۔ اعمال و عمال (عمل والوں) کے تفاوت کی وجہ سے بعض نے کہا کہ جنات آٹھ ہیں۔

(حاشیہ[1] لیکن لڑکے صرف خدمت کے لئے ہوں گے جیسے بارہا صاحب روح البیان تحقیق کرچکے اویسی غفرلہ)

۱۔ دار الجلال ۲۔ دار القرار ۳۔ دار السلام ۴۔ جنت عدن
۵۔ جنت الماوی ۶۔ جنت الخلد ۷۔ جنت الفردوس ۸۔ جنت النعیم

حضرت ابو اللیث رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وہ چار ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ولمن خاف مقام ربہ جنتان اور جو اللہ تعالیٰ کی حاضری سے ڈر گیا اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔ پھر فرمایا ومن دونھما جنتان اور ان کے سوا دو اور جنتیں ہیں اس لئے وہ کل چار ہیں۔

۱۔ جنت الخلد ۲۔ جنت الفردوس ۳۔ جنت الماوی ۴۔ جنت عدن

ان کے آٹھ دروازے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

فائدہ بہشت کے خازن کا نام رضوان ہے اس کا لباس رافت و رحمت ہے اور دوزخ کا خازن مالک ہے اس کا لباس غضب و ہیبت ہے۔ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کا میلان بھی اسی طرف ہے کہ جنات چار ہیں اور آیت میں جنات کا اشارہ باعتبار افراد کے ہے نہ باعتبار اسمٔ کے اور اس کی قلت کی دلیل جمع سالم ہے کہ یہ وہ ان جموع سے جن میں قلت ہوتی ہے لیکن یہاں یہ مراد نہیں۔

تفسیر صوفیانہ وجود انسانی میں چار جنات ہیں۔

۱۔ تنعم بمقتضائے طبع جیسے کھانا پینا جماع۔

۲۔ تلذذ بہ مقتضائے نفس جیسے تصرفات

۳۔ تلذذ بمقتضائے اذواق روحانیہ جیسے معارف الہیہ۔

۴۔ تلذذ بالمشاہدات اور یہی اعلیٰ لذات سے ہے۔ کیونکہ یہ خالق سے ہے اور پہلی تینوں مخلوق سے۔

سوال جنات کے ابواب ثمانیہ کا ذکر قرآن مجید میں کیوں نہیں جبکہ دوزخ کے سات دروازوں کا ذکر قرآن مجید میں مصرح ہے جیسا کہ فرمایا لھا سبعۃ ابواب اس کے سات دروازے ہیں۔

جواب جنت کا ذکر کر کے اس میں تشویق و ترغیب اور تنبیہہ فرمائی کہ اس کی نعمتیں عظیم ہیں گویا بہشت کے

دروازے ہیں یا نہیں ہیں تو بکثرت ہیں یا کم ہیں نعمتوں سے ان کا کوئی واسطہ نہیں بلکہ بہشتی ایک دروازہ سے داخل ہو یا ہزار سے اس کے سرور بلد خول میں کوئی فرق نہ پڑے گا اسی لئے جنت کے خازن کا نام بھی قرآن میں نہیں لیا گیا۔ کیونکہ اس کی ترغیب مطلوب نہیں کہ اہل جنت کو رغبت ہو کہ بہشت فلاں فرشتہ کے ہاں ہے یا فلاں کے ماتحت ہے اس کی بزرگی کے پیش نظر بلکہ اس کی نعمتوں کے عطیہ کو براہ راست اپنی طرف منسوب فرمایا چنانچہ فرمایا۔ وسقاھم شرابا طھورا اور ان کا رب انہیں شرابا طہورا پلائے گا یہ کہا جائے کہ بہشت فلاں فرشتے کے تحت ہے اس سے یہ زیادہ بلیغ ہے کہ کہا جائے وہ بہشت کے خدام کے تحت ہے اسی میں اعزاز ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ فلاں ولی کے تحت ہے۔ (تاکہ اہل بہشت کو کسی دوسرے کی محتاجی کا وہم و خیال نہ ہو) بخلاف دوزخ کے کہ اس کے دروازے بتائے گئے اور اس کے خازن یعنی مالک علیہ السلام کا نام لیا کیونکہ اس میں زیادہ تر ترہیب (ڈرانا) ہے۔

فائدہ حضرت سہل قدس سرہ نے فرمایا کہ مساکن میں سب سے زیادہ پاکیزہ وہ ہو گا جس میں جملہ احزان اقسام ہٹا دیئے جائیں گے اہل بہشت کی اس میں رہائش سے آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ یہ جوار (تمام قیام گاہ کی جوار) سے بڑھ کر ہو گی۔ بعض نے کہا مسکن طیبہ سے رویہ باری تعالیٰ ہے کیونکہ وہ مساکن خوب محسوس ہوتے ہیں جن میں احباب کی ملاقات اور عاشق کو معشوق کا دیدار اور محب کو محبوب کا وصل نصیب ہو۔

فائدہ صوفیانہ ایسے ہی قلوب کے وہ مساکن ہیں جن میں تجلی حق اور لقائے جمال الٰہی نصیب ہو۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں اہل وصول اللقاو بقاء سے بنائے۔ آمین)

ذلک وہ جو مذکور ہوا جنات مذکورہ اور ان کے اوصاف جمیلہ ہے۔ الفوز العظیم بڑی کامیابی کہ جس سے کوئی کامیابی بڑھکر نہیں ہے۔

فائدہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ الفوز بمعنی مکروہ (امر) سے نجات اور بمعنی مقصد پر کامیابی پہلا مغفرت سے دوسرا ادخال جنت اور ان کی نعمتوں کے حصول سے ہوتا ہے۔ اور اس کی عظمت باعتبار اس نجات کے ہے کہ اس کے بعد کوئی دکھ درد نہیں اور ایسی تحیلاتی ہے کہ اس کے بعد کسی حال اور کسی وقت اور جگہ پر نقصان نہیں کیونکہ مقام نعیم

میں دائمایہ غایتہ کمال میں ہے۔

فائدہ آیت سے ثابت ہوا کہ تجارت دو قسم ہے۔

ا۔ دنیوی ۲۔ آخروی

دنیا موسم تجارت اور عمر اس کی مدت اور اعضاؤ قوی اس کا راس المال ہے اور خود بندہ من وجہ مشتری اور من وجہ بائع ہے جو شخص اپنا راس المال ایسے منافع دنیویہ میں صرف کرتا ہے کہ موت تک وہ منقطع نہ ہو تو وہ تجارت گھاٹے اور خسارے کی ہے اگر وہ اسے علم دینی کے ذریعے کسب صلاح کے ذریعے حاصل کرے ان کے علاوہ اور ذرائع کس قطار میں اعمال کا دارو مدار نیات پر ہے اور ہر بندہ نیت کا پھل کھاتا ہے اور جس نے انہیں منافع اخرویہ ہیں صرف کیا جو دائما غیر منقطع ہیں تو اس کی تجارت اچھی اور نفع بخش اور بہتر ہے ایسے تاجروں کو کہا جا سکتا ہے۔ فاستبشر وابیعکم الذی بابعتم بہ تمہیں اس بیع سے مبارک ہو جو تم نے کی یہی بڑی کامیابی ہے۔

تفسر صوفیانہ امید ہے یہاں تجارت سے جان مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنا مراد ہو اور ایمان کا ذکر اس لئے ہے کہ وہ اعمال کے لئے اصل ہے اور اعمال کے قبول کے وسیلہ ہے اور تجارت کو انجاء (بچانا) سے اس لئے موصوف کیا گیا ہے کہ نجات پر ہی انتفاع کا دارو مدار ہے۔ فیغفر لکم انجاء کے سبب کا بیان ہے ویدخلکم میں ان امور کا بیان ہے جو منافع تجارت سے حاصل ہونے کے ہیں اور ظاہر ہے کہ دنیوی تجارت فقر منقطع سے نجات کی سبب ہے اور تجارت اخروی فقر غیر منقطع سے نجات کا سبب ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ دو نعمتوں پر لوگوں کو بہت رشک کرنا چاہیئے۔

ا۔ صحت ۲۔ فراغت یعنی صحت و فراغت مکلف۔

(عاقل بالغ) کے لئے بمنزلہ رأس المال کے ہے اس لئے اس پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ؐ کے ساتھ ایمان کا معاملہ کرے اور نفس کے ساتھ جہاد کرے تاکہ وہ نقصان نہ اٹھائے اور دنیا و آخرت سے منافع حاصل کرے اور اسے چاہیئے کہ وہ شیطان کے ساتھ معاملہ سے بچے تاکہ رأس المال منافع سمیت ضائع نہ ہو جائے۔ حضرت

حافظ قدس سرہ نے فرمایا۔

کارے کنیم ورنہ خجالت بر آورد   روزے کہ رخت جان بجہاں دگر کشیم

(ہم کوئی کام کریں ورنہ شرمساری ہوگی اس روز جبکہ ہم اس جہان سے دوسرے جہان کو سامان لے جائیں گے)

نیز فرمایا۔

گوہر معرفت اندوز کہ باخود ببری   کہ نصیب دگرانست نصاب زر و سیم

(معرفت کا گوہر جمع کر کہ اسے تو خود ساتھ پہنچائے گا ورنہ جو زر و سیم کو جمع کرے گا وہ دوسروں کے نصیب ہو گا)

نیز فرمایا۔

ولا دلالت خیرت کنم براہ نجات   مکن بفسق مباہات و زہد ہم مفروش

(اے دل میں تیرے نجات کی رہبری کر رہا ہوں فسق میں فخر و ناز نہ کر اور نہ ہی میرا زہد بیچ ڈال)

حضرت مولانا جامی قدس سرہ نے فرمایا۔

از کسب معارف شدہ مشغوف زخارف   در ہائے ثمین دادہ و خرمہرہ خریدہ

(معارف حاصل کر کے نقش و نگار دنیوی کا عاشق ہو گیا قیمتی موتی دے کر تونے کوڑیاں خرید لیں)

اور فرمایا۔

جان فدائے دوست کن جامی کہ ہست   کمتریں کارے دریں رہ بذل روح

(اے جامی جان یار پر قربان اس پر روح فدا کرنا تو ایک معمولی کام ہے)

تفسیر عالمانہ واخری اور تمہارے لئے ان عظیم نعمتوں کے علاوہ اور عاجلہ نعمتیں ہیں۔ اخری مبتدا اس کی خبر محذوف ہے اس کا عطف یُغْفِرْ لَکُمْ کے معنی پر ہے۔

تحبونہا جن سے محبت اور انہیں رغبت کرتے ہو اس میں تعریض ہے کہ عاجل کو آجل (آنیوالی) نعمت پر ترجیح دیتے ہیں اور اس کی محبت پر توبیخ بھی ہے یہ اسی محذوف صفت کے بعد صفت ہے۔

نصر من اللہ اللہ سے ہے مدد۔ اس نعمت اخری سے بدل یا میل ہے۔ یعنی تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف

سے کفار قریش وغیرہ پر مدد ہے۔ وفتح قریب اور فتح قریب ہے یعنی عاجل اس کا نصر پر عطف ہے۔

فائدہ کاشفی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا اس سے فتح مکہ مراد ہے یا فتح روم و فارس ابن عطاء نے فرمایا کہ نصر توحید اور نظر بجمال مالک مجید۔ اور فتوح کی قسمیں سورۃ فتح میں دیکھئے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ ایمان استدلالی یقینی اور طریق جہاد اصغر میں ایمان کے مقتضی کے مطابق مال و جان خرچ کرنا۔ اگرچہ یہ تجارت سودمند ہے لیکن اسے تاجر اعواض و اغراض سے نجات نہیں پا سکتے اس لئے سالک پر لازم ہے کہ وہ جہاد اکبر کی تجارت کرے یہی دوسری وہ تجارت ہے جو پہلی تجارت سے بلند و بالا اور اس سے زیادہ منافع بخش ہے یہ ہے نصر من اللہ اللہ تعالیٰ کی مدد تائید ملکوتی و کشف نوری سے قریب الوصول مقام قلب و مطالعہ تجلیات صفات و حصول مقام رضا کی طرف فتح قریب ہے اور اسے تجارت اس لئے کہا گیا کہ یہاں سالکین کی صفات ظلمانیہ صفات اللہ نورانیہ سے تبدیل ہوتے ہیں اور تحبونها اس سے تم محبت کرتے ہو۔ اس لئے فرمایا کہ محبت حقیقی بعد الوصول الی القلب کے بعد ہی ہوتی اور جو اس مقام تک پہنچنے کے ساتھ مقام محبت میں داخل ہوتا ہے تو خواص کے مقاملات میں سے پہلے مقام تک پہنچ جاتا ہے منازل میں سے معتبر منزل محبت ہے اور ایسے محب مخلص بندے ہوتے ہیں وہ اپنے اعمال سے اجرت کی امید تک نہیں رکھتے بخلاف اس کے جو اس مرتبہ محبت سے گر جاتا ہے۔

فائدہ بعض عارفین نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے ثواب کی امید پر اور عذاب کے خوف سے تو اس کا معبود در حقیقت ثواب و عذاب اور گویا حق تعالیٰ واسطہ ہے کیونکہ اس نے عبادت نفس کے لئے جنت کی نعمتوں اور دوزخ سے بچنا ہی اس کا مقصد اصلی ہے اسی لئے حضرت مولانا رومی قدس سرہ نے فرمایا۔

ہشت جنت ہفت دوزخ پیش من ہست پیدا ہمچو بت پیش شمن

(آٹھ بہشت سات دوزخ میرے سامنے ایسی ہیں جیسے بت پرست کے سامنے دوزخ)

اور کسی بزرگ نے فرمایا۔

طاعت از سر جزا شرک خفیست   یا خدا جو باش و یا عقبی طلب
(جزا کی خاطر طاعت خفی شرک ہے یا خدا کا طالب ہو یا عقبی کا)

فائدہ جان اے جان من جو جہاد کرتا ہے تو وہ اپنے نفس کے لئے کرتا ہے کیونکہ حجاب سے نجات پا کر ملک وہاب سے واصل ہو گا۔

فائدہ وبشر المومنین (اور اہل ایمان کو خوشخبری دیجئے) کا عطف محذوف پر ہے۔ دراصل قال یایھا الذین امنوا وبشرھم اے اکمل الرسل محبوب ﷺ انہیں گوناگوں دینوی و اخروی بشارتیں دیجئے کہ اللہ تعالیٰ سے والدین میں ان کے بہت بڑا افضل و احسان ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کے صدق پر دلالت کرتا ہے کیونکہ آپ نے ہی اس کی خبر دی جو بندوں کو نصیب ہو گا اور مستقبل کے ایام میں واقع ہو گا وہی جیسے آپ نے خبر دی (اسے کہتے ہیں علم ما فی الغد جسے منکرین کمالات نبوت شرک سے تعبیر کرتے ہیں (معاذ اللہ)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں نعمتوں کے پے در پے وقوع اور فتح مکہ قلب بعد نصر اور بلدہ نفس کے ویرانی کی طرف اشارہ ہے اور ان اہل ایمان محبین کو نصر نفس پر فتح مکہ قلب کی خوشخبری دیجئے اور نیز اس میں بلدہ نفس کی طرف اشارہ ہے کہ وہ بعد تائید ملکوتی و امداد جنود روح سے ویران ہوتا ہے یعنی قوائے روحانیہ نفسانیہ پر ایسے غلبہ پاتے ہیں جیسے اہل اسلام اہل حرب پر غالب ہو کر آثار کفر و شرک کو ایسا مٹاتے ہیں کہ گرجوں کی جگہ مساجد اور مندروں کی جگہ پر عبادت خانے اور کفار کے گھروں کو مومنین مخلصین کے مزارات سے تبدیل کر دیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہی فتح مطلق پر ہر وقت مدد دیتا ہے۔

تفسیر عالمانہ یایھا الذین امنوا کونوا انصار اللہ اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کے دین کے مددگار ہو جاؤ۔

حل لغات انصار نصیر کی جمع ہے جیسے اشراف شریف کی۔

کما قال عیسی ابن مریم للحواریین جیسے عیسی علیہ السلام نے حواریوں سے فرمایا (اس کی تحقیق آتی ہے) من انصاری الی اللہ میرا کون مددگار ہے اللہ تعالیٰ کی طرف۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ من کے متعلق احتمال ہے کہ حقیقتہ استفہام کے لئے ہے تاکہ انصار کا ہونا معلوم ہونے پر تسلی ہو اور اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے نصرت پیش کرنا اور اس پر برانگیختہ کرنا مطلوب ہے۔

مسئلہ آیت میں دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا باقی ہر ایک محتاج اور مدد کا طالب ہے اور یہ بوقت ضرورت جائز ہے جب اللہ تعالیٰ کے لئے اور اللہ تعالیٰ کے امور میں ہو اب معنی یہ ہوا کہ میرا لشکر کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جیسے آنے والے قول کا تقاضا ہے۔

قال الحواریون نحن انصار اللہ حواریوں نے کہا اللہ تعالیٰ کے دین کا مددگار ہم میں ہماری مذکورہ بالا تقریر اسی میں ہے ورنہ عیسی علیہ السلام کا قول حواریوں کے جواب کے مطابق نہ ہوگا۔ (عیسی علیہ السلام نے فرمایا میرا مددگار کون) کیونکہ حواریوں نے کہا ہم ہی اللہ تعالیٰ کے دین کے مددگار ہیں اور پھر عیسی علیہ السلام کا قول ظاہر پر نہیں رہتا اس لئے کہ نصر ینصر کا باب الی سے متعدی نہیں ہوتا اسی لئے ہم نے نصار کو لشکری کے معنی پر لیا ہے کیونکہ لشکر ہی اپنے بادشاہ کی مدد کرتا ہے اور اس کی مراد پوری کرنے کے لئے پورا زور لگاتا ہے اور یہاں انصار اللہ اللہ تعالیٰ کے مددگار سے اس کے دین کی مدد مراد ہے گویا آپ نے سوال کیا کہ اس مراد میں میری اتباع اور میری مدد ہے اور میرے ساتھ مشارکت کون کرتا ہے۔

متوجھا جندی کی یاء متکلم سے حال ہے اور الی اسی سے متعلق ہے نہ کہ نصرۃ (انصاری) سے پہلی اضافت اضافت الی احد المتشارکین کے قبیل سے ہے کیونکہ ان کے درمیان اختصاص ہے یعنی ملالست اضافت مجازیہ کی وضاحت کرنے والی ہے کیونکہ اختصاص حقیقتہ ایسے اضافت تقاضا نہیں کرتی) انصاری میں غیر متحقق ہے دوسری (اضافت) فاعل کی مفعول کی طرف ہے اور تشبیہ باعتبار معنی کے ہے۔ یعنی انصار اللہ ہو جاؤ۔ جیسے حواریین عیسی علیہ السلام کے انصار تھے۔ جب انہیں عیسی علیہ السلام نے فرمایا۔ من انصاری الی اللہ یا اس کا معنی یہ ہے کہ اے حبیب ﷺ فرماتے کہ اے میرے صحابیو تم حواریوں کی طرح ہو جاؤ جیسے عیسی علیہ السلام نے کہا تھا مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ۔

حواریین کی تحقیق حواریین یعنی اصفیاء خالص و مخلص لوگ از حور یعنی سفیدی خالص وہ جو حضرت عیسی علیہ السلام پر سب سے پہلے ایمان لے آئے اور وہ بارہ مرد تھے۔ مقاتل نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسی علیہ السلام کو فرمایا کہ جب تم بستی میں جاؤ تو نہر کے اس طرف چلا جانا جہاں دھوبی کپڑے دھو رہے ہیں۔ ان سے مدد طلب کرنا۔ بحکم خداوندی حضرت عیسی علیہ السلام ان کے ہاں تشریف لے گئے اور فرمایا من نصاری الی اللہ انہوں نے عرض کیا ہم آپ کی مدد کریں گے چنانچہ انہوں نے آپ کی تصدیق و مدد کی۔

فائدہ حضرت کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ واقعی انہوں نے حضرت عیسی علیہ السلام کے دین کی مدد کی جب حضرت عیسی علیہ السلام آسمان پر تشریف لے گئے تو بعد کو وہی ان کے دین کے داعی رہے اور خلق خدا کی رہبری کرتے رہے۔ حواریین دھوبی تھے بعض نے کہا شکاری تھے۔ بعض علماء نے کہا انہیں ان کے صاف عقائد کی وجہ سے حواریین کہا جاتا اس لئے کہ ان میں کسی قسم کا تردد اور متلون مزاجی نہ تھی۔ یا اس لئے کہ اپنے افادات سے لوگوں کے قلوب و نفوس پاک اور صاف کرتے تھے۔ اور وہی علم لوگوں کو سکھاتے کہ جس سے قلبی صفائی نصیب ہوتی۔ آیت انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیعت ویطھرکم تطھیرا بیشک اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ وہ تم سے رجس دور کرے اے اہلبیت اور تمہیں مکمل طور پر پاک کرے۔ اسی صفائی کی وجہ سے وہ حواریین تھے۔ انہیں حواری (قصار۔ دھوبی) تمثیل و تشبیہ کی وجہ سے کہا گیا کہ وہ نفوس کا شکار کرتے اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف لے جاتے تھے۔

حواری رسول اللہ ﷺ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور سرور عالم ﷺ نے (جو آپ کے پھوپھی زاد تھے) فرمایا یہ میرا حواری ہے اس کی وجہ یہ ہوئی کہ یوم احزاب میں آپ نے فرمایا کہ مجھے قوم کی خبر دیتا ہے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ تو آپ نے فرمایا ہر نبی علیہ السلام کا حواری ہوتا ہے۔ اور میرا حواری زبیر ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

فائدہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حواری حضرت عیسی علیہ السلام کے ساتھ مخصوص نہ تھے کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو حواریوں سے تشبیہ دی ہے مدد کرنے میں کیونکہ یہ اصحاب اصفیاء (خالص دوست) کے معنی میں آتا ہے۔ (کذا قال بعض المفسرین)

فائدہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ الحمد للہ ہمارے نبی پاک ﷺ کے حواری تھے۔ جو بحسب الامکان آپ کی مدد کرتے تھے اور وہ ستر تھے وہی جنہوں نے لیلۃ العقبہ میں آپ کی بیعت کی۔

فائدہ حضرت سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ **کونوا انصار اللہ** کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے دین کے مددگار تو وہ حضور علیہ السلام کے ساتھ دین کے مددگار ہے وہ انصار اوس و خزرج تھے۔ یہ نام ان کا اسلام سے پہلے نہ تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کا انصار نام رکھا۔ نیز حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے حواریین قریش سے بھی تھے وہ یہ ہیں خلفاء اربعہ۔

زبیر عثمان بن مضعون حمزہ بن عبدالمطلب جعفر بن ابی طالب وغیرہم (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)

فامنت طائفہ تو ایک گروہ ایمان لایا عیسیٰ علیہ السلام پر جو انہیں نصرت دین کے لئے فرماتے وہ ان کی اطاعت کرتے۔

وکفرت طائفتہ اور دوسرے گروہ نے کفر کیا اور ان سے جنگ کی۔ **فایدنا الذین امنوا** تو ہم نے ایمان داروں کی مدد کی اس کی قوم اہل ایمان کو تقویت بخشی حجت سے یہ تدارک یہ عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کے بعد ہوا۔

علی عدوھم ان کے دشمنوں پر یعنی کافروں پر یہی ظاہر ہے۔ ان کو عدو کہہ کر خبر دیتا ہے کہ کافر اہل ایمان کے دینی دشمن ہیں۔

عیسائیوں کے تین فرقے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کے بعد عیسائی تین گروہ ہو گئے تھے۔

۱۔ وہ اللہ (خدا) تھا اس لئے وہ آسمان پر چلا گیا۔

۲۔ ابن اللہ تھا اسے خدا تعالیٰ نے اپنے پاس بلا لیا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کا بندہ اور رسول تھا (اعزاز) انہیں اللہ تعالیٰ اپنے پاس بلا لیا ہے یہی فرقہ اہل ایمان تھا پھر ہر تینوں گروہوں کے ہر ایک کے علیحدہ علیحدہ تابعدار تھے جو آپس میں لڑے۔ دو فرقے کفار اہل ایمان فرقہ پر غالب ہو گئے یہاں تک کہ حضور سرور عالم ﷺ تشریف لائے تو اہل ایمان (عیسائی) فرقہ کفار (فرقے عیسائیوں) پر غلبہ پا گیا۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وایدنا الذین امنوا علی عدوھم

فاصبحوا تو ہو گئے ظاھرین غالب بلند قدر

حل لغات کہا جاتا ہے ظہرت علی الحائط علوتہ (میں دیوار کے اوپر چڑھ گیا) حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ وہ حجت و برہان سے غالب ہو گئے جیسے گزرا۔

فائدہ مروی ہے کہ انہوں نے (اہل ایمان) نے کہا کیا عیسیٰ علیہ السلام سوتے نہیں تھے۔ اگر خدا ہوتے تو وہ نیند نہ کرتے اور کہا گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کھاتے پیتے نہیں تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ قوائے روحانیہ کا قوائے نفسانیہ پر غالب ہو گئے اس لئے کہ قوائے روحانیہ مومن دل اور نور الٰہی سے منور اور ماسوی اللہ سے بچنے والے ہیں اور قوائے نفسانیہ کافر ظلمانی ہیں ساتھ ظلمات اکوان کے اور حدوث ہیں۔ اہل ایمان اگرچہ بظاہر کافروں سے تھوڑے تھے باطن میں وہ ان سے زائد تھے کیونکہ وہی سواد اعظم اور مظاہر جلیلہ تھے۔

مسئلہ جملہ دائمی باقی اور قیامت تک جاری ہے انفس و آفاق کے لحاظ سے کیونکہ دنیا اہل جمال و جلال پر مشتمل ہے ایسے ہی وجود انسانی جب تک اس وطن میں ہے تو بھی پھر جب وہ دوسرے وطن کو جائے گا تو اور صورت ہو جائے گی وہ یہ کہ صرف اہل جمال بہشت میں اور صرف اہل جلال دوزخ میں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ پھر کوئی جھگڑا نہ ہو گا۔

فراغت صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ مجھے سورۃ الصف کی تفسیر سے ذوالحج کے اوسط ۱۱۱۵ء ہجری فراغت ہوئی۔

اور فقیر اویسی غفرلہ سورۃ الصف کی تفسیر کے ترجمہ سے ۵ ربیع الاول شریف ۱۴۲۹ھ کو بروز ہفتہ ساڑھے نو بجے فارغ ہوا۔

الحمد للہ علی ذالک والصلوۃ والسلام علی حبیبہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

الفقیر القادری ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ

بہاولپور۔ پاکستان

سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِیَّةٌ ٦٢ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اٰیَاتُهَا ١١ رُكُوْعَاتُهَا ٢

سورۂ جمعہ مدنی ہے اس میں اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا گیارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ ①

اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے بادشاہ کمال پاکی والا عزت والا حکمت والا

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ

وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا کہ ان پر اس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور انہیں پاک

وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ②

کرتے ہیں اور انہیں کتاب اور حکمت کا علم عطا فرماتے ہیں اور بیشک وہ اس سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے

وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ③ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ

اور ان میں سے اوروں کو پاک کرتے اور علم عطا فرماتے ہیں جو ان اگلوں سے نہ ملے اور وہی عزت و حکمت والا ہے یہ اللہ کا فضل ہے جسے

مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ④ مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ

چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے ان کی مثال جن پر توریت رکھی گئی تھی پھر انہوں نے

یَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ

اس کی حکم برداری نہ کی گدھے کی مثال ہے جو پیٹھ پر کتابیں اٹھائے کیا ہی بری مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے اللہ

اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ⑤ قُلْ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ

کی آیتیں جھٹلائیں اور اللہ ظالموں کو راہ نہیں دیتا تم فرماؤ اے یہودیو اگر تمہیں یہ گمان ہے کہ تم اللہ کے

اَوْلِیَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ⑥ وَلَا یَتَمَنَّوْنَهٗۤ

دوست ہو اور لوگ نہیں تو مرنے کی آرزو کرو اگر تم سچے ہو اور وہ کبھی اس کی آرزو

اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ⑦ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ

نہ کریں گے ان کوتکوں کے سبب جو ان کے ہاتھ آگے بھیج چکے ہیں اور اللہ ظالموں کو جانتا ہے تم فرماؤ وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو

مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

وہ تو ضرور تمہیں ملنی ہے پھر اس کی طرف پھیرے جاؤ گے جو چھپا اور ظاہر سب کچھ جانتا ہے پھر وہ تمہیں بتا دیگا جو

تَعْمَلُوْنَ ⑧ ع یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى

نے کیا تھا اے ایمان والو جب نماز کی اذان ہو جمعہ کے دن تو اللہ کے

ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۚ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٩﴾ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ

ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو پھر جب نماز ہو چکے

فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ

تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو بہت یاد کرو

تُفْلِحُوْنَ ﴿١٠﴾ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ۚ قُلْ مَا عِنْدَ

اس امید پر کہ فلاح پاؤ اور جب انہوں نے کوئی تجارت یا کھیل دیکھا اس کی طرف چل دیئے اور تمہیں خطبے میں کھڑا چھوڑ گئے

اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۚ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿١١﴾ ع

تم فرماؤ وہ جو اللہ کے پاس ہے کھیل سے اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ کا رزق سب سے اچھا

٢ ع ٣ ١٢

تفسیر عالمانہ يسبح لله ما في السموت وما في الارض اللہ کے لئے تسبیح کرتے ہیں جو آسمانوں میں اور جو زمین میں ہیں۔ تمام کے تمام زندہ یا جلد ہمیشہ تسبیحات میں مصروف ہیں۔ آسمان میں بدائع علویہ اور زمین میں کوائن سفلیہ ہر ایک اللہ تعالیٰ سے حیات و تسبیح کی نسبت ہے۔

الملک وہ بادشاہ ہے کہ اس کا ملک دائمی اور بے زوال ہے القدوس ہر عیب کی نشانی اور اختلال (خلل) کی صفت سے پاک ہے۔ العزیز جس پر اس کا ارادہ متعلق ہے اس پر وہ غالب ہے۔ الحکیم صاحب حکمت بدیعہ بالغہ ہے۔ ان اسماء مبارکہ کے معانی سورۃ الحشر میں گزر چکے ہیں۔ جمہور کے نزدیک الملک مجرور اس کے مابعد اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔

فائدہ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ مبارکہ کو تسبیح سے اس لئے شروع فرمایا کہ اس میں بعثت کا ذکر ہے کیونکہ عالم (جہان) کا مرشد سے خالی ہونا حکمت کے منافی ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ ضروری ہے نیز اس میں ان یہودیوں کا دعوی کا ذکر ہے وہ کہتے ہیں ہم انباء للہ اور اس کے احباء ہیں۔ اس سے بھی اس کی تنزیہ واجب ہے اور اس لئے کہ اور یہ سورۃ ترک ذکر اور استماع خطبہ کا ذکر ہے جو کہ وہ دعا و حمد و تسبیح وغیرہ پر مشتمل ہوتا ہے (اسی لئے اسے تسبیح) سے شروع فرمایا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس ذات مقدسہ کی تنزیہ بیان کرتے ہیں جو سموات المفہوم میں مفہومات عامہ اور مفہومات خاصہ اور مفہومات اخص الخاصہ ہیں اور وہ جو ارض المعلوم میں معلومات عامہ اور معلومات خاصہ و معلومات اخص الخاصہ ہیں۔ ہم نے سمٰوت کو مفہوم کی طرف اور ارض کو معلوم کیا طرف اس لئے منسوب کیا ہے۔ فہم کا مرتبہ علم کے مرتبہ پر فوقیت رکھتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ففهمناها سليمان وكلا اٰتينا حكما وعلما ہم نے سلیمان علیہ السلام کو علم عطا فرمایا اور ہر دونوں (داؤد و سلیمان علیہما السلام) کو ہم نے حکیم و علم دیا (اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ فہم کا مرتبہ علم کے مرتبہ سے فوقیت رکھتا ہے) اس سے ثابت ہوا کہ سلیمان علیہ السلام نے مسئلہ کی حقیقت کو نور علم سے صحیح سمجھا نہ کہ قوۃ علم سے اور اللہ تعالیٰ وہ عزیز ہے کہ جسے چاہے نور فہم کے اعزاز کے خلعت سے نوازے۔ اور وہ حکیم ہے اپنی حکمت سے جسے چاہے ضیائے علم کے لباس کا شرف بخشے۔

تفسیر عالمانہ ھوالذی بعث فی الامین وہ جس نے امیوں میں بھیجا۔ یعنی امتہ العرب کی طرف۔

عرب کی قسمیں عرب کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ عرب الحجاز از عدنان۔ ان کا تعلق حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ہے۔

۲۔ عرب الیمین۔ ان کا تعلق قحطان سے ہے۔ اور ان ہر ایک کے بے شمار قبیلے ہیں اور وہ مفسرین کے نزدیک مشہور ہیں۔

امی کی تحقیق امی وہ ہے جو نہ کسی کتاب سے پڑھے نہ لکھے اور فقہ کی اصطلاح میں امی وہ ہے جو قرآن سے کچھ نہ جانے گویا وہ جو ماں سے باتیں سیکھ چکا اسی پر ہے یعنی وہ ضرورت کی باتیں جو انسان معاشرہ کے لئے انسان سے سیکھتا ہے؟

نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے امی ہونے کی وجوہ

۱۔ النبی الامی اس امت کی طرف منسوب ہیں جو لکھے پڑھے نہ تھے کیونکہ وہ اپنی عادت پر رہے جیسے عامی وہ جو عوام کی عادت پر ہو۔

۲۔ بعض نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ امی اس لئے کہلائے کہ آپ نے کسی کتاب سے نہ پڑھا نہ لکھا۔ یہ بھی آپ کی فضیلت و کمال ہے کہ آپ کو اپنے رب تعالیٰ کی حفاظت و اعتماد کی ضمانت کی وجہ سے لکھنے پڑھنے سے مستغنی

تھے۔ جیساکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا سنقرئک فلاتنسی (آپ کو ہم ایسا پڑھائیں گے کہ آپ بھولیں گے نہیں)

۳۔ بعض نے کہاکہ آپ حضور ﷺ ام القریٰ کی طرف منسوب تھے۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ اہل عرب امی اس لئے کہلائے کہ وہ اپنی امہات کی صفت پر تھے کہ جیسے مائیں خط اور لکھنے کی نہ تھیں یہ بھی اس طرف منسوب ہوئے جس حالت میں وہ اپنی ماؤں سے پیدا ہوئے کیونکہ لکھنا پڑھنا تعلیم انسان کی جبلی تخلیق میں شامل نہیں بلکہ یہ اس کی بعد کی بات ہے اس معنی پر حضور نبی پاک ﷺ بھی امی تھے علاوہ ازیں عرب کا لکھنا پڑھنا اس کی اصل نہ تھا۔ بلکہ کتابت (لکھنا) کی تعلیم کی ابتداء طائف میں ہوئی۔ کتابت کو سب سے پہلے ثقیف نے سیکھا اور اہل طائف نے اہل حیرہ سے سیکھی۔

فائدہ الحیرہ (بکسرہ الحاء وسکون المثناۃ المتحتانیہ یہ ایک شہر ہے کوفہ کے نزدیک) انہوں نے اہل الانبار سیکھی۔ الانبار فرات کے کنارہ ایک بہت بڑا قدیمی شہر ہے اس کے اور بغداد کے درمیان دس فرسخ (تین میل) کا فاصلہ ہے۔

فائدہ صحابہ رسول اللہ ﷺ میں صرف حضرت حنظلہ غسیل الملائکہ رضی اللہ عنہ کاتب ان کے بعد دوسرے صحابہ نے کتابت حاصل کی جیسے حضرت امیر معاویہ بن سفیان و حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ یہ دونوں حضور نبی پاک ﷺ کے کاتب تھے آپ کے کاتبین اور بھی تھے۔

حضور نبی پاک ﷺ کا لکھنا پڑھنا اس میں اختلاف (تاحال) ہے کہ کیا رسول اللہ ﷺ آخری عمر میں لکھنا پڑھنا جانتے تھے یا نہ اس میں علماء کرام نے دو وجہیں بتائی ہیں اس بارہ میں کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں ہے[لہ]

[لہ] لکھنا پڑھنا جانتے تھے یا نہ لیکن حق وہی ہے جو صاحب روح البیان قدس سرہ صدیوں پہلے فرماگئے وہی آج ہم کہتے ہیں لیکن منکرین کمالات نبوت اس کے نہ صرف منکر ہیں بلکہ بزعم خویش آپ کی کتابت وخط سے لاعلمی پر دلائل وبراہین قائم کرتے ہیں لیکن بے سود صاحب روح البیان قدس سرہ نے خوب لکھا اسے پڑھئے اور ایمان تازہ کیجئے تفصیل فقیر کیا کتاب تفسیر اویسی غفرلہ۔

ولما كان الخط صنعته ذهنيته وقوة طبيعته صدرت بالاته الجسمانيته لم يحتج اليه من كان القلم الاعلى يخدمه واللوح المحوظ مصحفه و منظره (روح البیان ص ۵۱۳ ج۹)

(چونکہ خط ایک صنعت ذہنیہ اور قوت طبعیہ ہے جو آلہ جسمانیہ سے صادر ہوتی ہے لیکن اس ذات کو آلہ کی ضرورت ہی کیا ہے جس کا قلم اعلیٰ خادم اور لوح محفوظ ان کا مصحف اور آنکھوں کے سامنے ہو)

ازالہ وہم کوئی معترض اعتراض کرے کہ اگر بقول صاحب روح البیان قدس سرہ اور موجودہ دور میں اہلسنّت حضور نبی پاک ﷺ لکھنا پڑھنا جانتے تھے تو لکھتے پڑھتے کیوں نہ تھے۔ اس کا جواب صاحب روح البیان قدس سرہ سے سنئے۔

وعدم كتابته مع علمه بها معجزة باهرة له عليه السلام اذا كان يعلم الكتاب علم الخط واهل الحرف حرفتهم وكان اعلم بكل كمال اخروى او دينوى من اهله (روح البیان ص ۵۱۳ ج۹)

ترجمہ نبی پاک ﷺ کتابت کو جاننے کے باوجود نہ لکھنا بھی آپ کا ظاہر و باہر معجزہ تھا کیونکہ لکھنے والے علم الخط کو اور ہنر منداپنے ہنر کا علم رکھتے ہیں۔ اور حضور نبی پاک ﷺ تو ہر کمال اخروی و دینوی کے سب سے زیادہ عالم تھے ان سے بھی جو وہ اس ہنر (صنعت و کتابت) کے عالم ہیں۔

فائدہ اب آیت هو الذى بعث فى الاميين الخ کا معنی یہ ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ جس نے امیوں میں یعنی عرب میں لیکن یہاں ان کے اکثر مراد نہیں کہ وہ لکھے پڑھے نہ تھے ورنہ ان میں لوگ لکھے پڑھے بھی تھے لیکن بہت قلیل (والقلیل کالمعدوم)

رسولا منهم ان میں سے رسول ﷺ یعنی منجملہ ان کے اور ان کی نسبت کے یعنی عربی امی تاکہ ان

کی رسالت تمت سے دور ہو یہاں منت و احسان جتلانا اس لئے کہ ایسا رسول ﷺ بھیجا جو ان کے احوال سے ان کا حال مشاکلت رکھتے ہیں اور جسے وہ کتابوں سے نہیں پڑھے لکھے وہ بھی کسی کتاب سے پڑھ لکھ کر رسالت کے امور سرانجام نہیں دیئے (بلکہ ان کے ہاں وحی الٰہی آتی ہے)

شعیاء علیہ السلام نے ہمارے نبی پاک ﷺ کی مدح سرائی کی

شعیاء علیہ السلام کی کتاب میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں ایک نبی علیہ السلام امی امیوں میں بھیجوں گا اور ان پر نبیوں علیہ السلام پر نبوت ختم کروں گا۔

امی لقب کے نکتے حضرت کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ نبی پاک ﷺ کے امی ہونے کے نکتے ہیں انہیں مختصراً مندرجہ ذیل اشعار میں درج کیا جاتا ہے۔

فیض ام الکتاب پرورش لقب امی ازاں خدا کردش
لوح تعلیم ناگرفتہ ببر ہمہ ز اسرار لوح دادہ خبر
بر خط اوست انس و جاں راسر کہ نخواندست خط ازاں چہ خطر

ترجمہ ۱۔ ام الکتاب کے فیض نے آپ کی پرورش کی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کا لقب امی قرار دیا۔ ۲۔ کسی سے تعلیم کے بغیر لوح بغل میں دبا کر لوح کے تمام اسرار کی خبر دی۔ ۳۔ آپ کے خط پر ہی انس و جان کا سر ہے اگر ایسی ذات کوئی خط نہ پڑھے تو اسے کیا خطر۔

سوال اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ حضور نبی پاک ﷺ کل کائنات کے حالات سے باخبر ہیں یہ آیت اس عقیدہ کے خلاف ہے۔

جواب ۱ آپ کا امیون میں مبعوث ہونا عام دعوت کے منافی نہیں اور ان کے ذکر کی تخصیص کا کوئی مفہوم نہیں (کیونکہ قاعدہ عدم ذکر الشئی لا ینفی وجودہ)

جواب ۲ اگر مان لیا جائے کہ یہاں امیوں کا ذکر ہے فلہذا آپ صرف امیوں کے نبی ہیں تو دوسری آیت میں تصریح ہے چنانچہ فرمایا۔ وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ ہم نے آپ کو تمام لوگوں کا رسول بنا کر بھیجا ہے۔

یہودیوں کا رد یہودیوں کا کہنا ہے کہ حضور نبی پاک ﷺ صرف عربوں کے نبی ہیں جیسا کہ آیت ہذا میں مصرح ہے ہم کہتے ہیں لفظ الی الا مین اور فی الا میین میں فرق واضح ہے کہ آپ کا امیون میں مبعوث ہونا غیر الامیین کے لئے (کی طرف) مبعوث ہونے کے منافی نہیں۔

ربط اب یہودیوں کے اس سوال کا جواب دیا جبکہ انہوں نے عربوں پر طعنہ مارا کہ تم امی محض ہو اور ہم اہل کتاب ہیں۔ تو ان کو جواب دیا کہ یتلو علیہم ایاتہ آپ ان پر آیات پڑھتے ہیں (الارشاد) میں لایا گیا ہے۔ تزکیہ کا مطلب ہے قوت عملیہ نفس کی تکمیل اور اس کی تہذیب جو اس پر متفرع ہے بحسب قوت نظریہ جو علم سے حاصل ہے اور یہ تلاوت پر اس لئے مترتب ہے تاکہ معلوم ہو کہ وہ جملہ امور مترتبہ اپنے بالمقابل پر نعمت جلیلہ ہیں اور شکر کی مستوجب ہیں۔ اگر وجود کی ترتیب کی رعایت کی جائے تو متبادراً سمجھا جائے گا کہ کل کی کل ایک ہی نعمت ہیں یہی راز ہے اس میں کہ کبھی آیات سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کبھی کتاب سے اور کبھی حکمت سے اشارہ ہے کہ اس کا ہر عنوان اپنی جگہ پر ایک علیحدہ نعمت ہے۔

کتاب و حکمت کی مراد بعض نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ انہیں قرآن و شریعت کی تعلیم دیتے ہیں۔ شرع وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے احکام مشروع فرمائے یا قرآن کے الفاظ و معانی کی تعلیم دیتے ہیں یا قرآن و سنت سکھاتے ہیں جیسے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کتاب سے لکھنا مراد ہے جیسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یا خیر و شر مراد ہے جیسے اسحاق نے فرمایا اور حکمت سے فقہ مراد ہے جیسے امام مالک نے فرمایا یا اس سے وعظ و نصیحت مراد ہے جیسے اعمش نے فرمایا یا کتاب سے احکام شریعت و اسرار آداب طریقت اور اس کے معانی حکمیہ و حکمیہ مراد ہیں لیکن حقائق قرآن اور اس کی حکم کی تعلیم اولی الفہم سے مخصوص ہے وہ خواص صحابہ و خواص تابعین اور ان کے بعد کو تاقیامت آنے والے اہل فہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان کمال صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عموماً بلاواسطہ معلم خود حضور نبی پاک ﷺ اور تابعین اور ان کے بعد ہر قرن میں ہر ایک کے معلم بھی حضور نبی پاک ﷺ ہیں لیکن امت کے وارثین اور دین وملت کے کاملین کے واسطہ سے۔

معجزہ نبوی حضور نبی پاک ﷺ اگر معجزات بھی نہ دکھاتے تو آپ کا یہی ایک معجزہ ہی کافی تھا کہ امی ہونے کے باوجود کل کائنات کے معلم ہیں۔ حضرت امام بوصیری قدس سرہ نے قصیدہ بردہ شریف میں فرمایا۔

کفاک بالعلم فی الامی معجزة   فی الجاہلیة والتادیب فی الیتم

(امی میں علم کا ہونا تجھے یہی ایک معجزہ کافی ہے کہ وہ بھی زمانہ جاہلیت اور آداب میں یکتا ہونا اور وہ بھی دور یتیمی میں)

شرح البیت تجھے کافی ہے امی میں معجزہ کہ دور جاہلیت میں ہونے کے باوجود علم میں یکتا تھے اور تجھے یہ بھی کافی تنبیہ ہے کہ اس علم کے آداب میں بے مثل ہیں وہ بھی دور یتیمی میں۔ یہ ایک اور دوسرا معجزہ ہے۔

وَاِنۡ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ اور بیشک تھے تم اس سے پہلے گمراہی ظاہر میں "ان" شرطیہ نہیں اور نہ ہی نافیہ ہے بلکہ یہ مخففہ من المثقلہ ہے اور لام نافیہ اور مخففہ کا فرق بتاتی ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ امی لوگ کا شان یہ تھا کہ آپ کی بعثت مبارکہ اور آپ کے تشریف لانے سے پہلے تھے گمراہی ظاہر میں شرک اور خبث جاہلیت میں مبتلا تھے اور اس سے بڑھ کر اور کوئی گمراہی نہیں اس میں بیان ہے کہ وہ ایسی گمراہی میں مبتلا ہونے کی وجہ سے مرشد (رہبر) کے زیادہ محتاج تھے۔

عیسائیوں کا رد اس میں تردید ہے ان عیسائیوں کا جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غیر سے تعلیم پا کر ایسے کمالات دکھائے۔

فائدہ حضور نبی پاک ﷺ ایسے وقت میں مبعوث ہوئے جب گمراہی کے گڑھے میں انتہاء کو پہنچ چکے تھے

---

[1] (چنانچہ عیسائیوں نے اسے خوب اچھالا۔ فقیر نے ان کے اعتراضات کے تفصیلی و تحقیق سے جوابات اپنی کتاب "سیرت حبیب کبریا" میں عرض کردیئے ہیں اویسی غفرلہ)

یعنی وہ امی لوگ سخت گمراہ تھے تو آپ تشریف لائے اس میں اس وہمی کے توہم کا ازالہ ہے کہ نبی پاک ﷺ نے عرب میں کسی سے ہی کچھ پڑھ کر ہی ایسا ایسا کمال دکھلایا۔

فائدہ سعدی المفتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بعثت سے قبل ان کا گمراہ ہونا سب کے لئے کہنا علی طریق التغلیب ہے کیونکہ وہ تمام کے تمام ایسے نہ تھے۔ بلکہ ان میں بعض ہدایت پر تھے جیسے حضرت ورقہ بن نوفل و زید بن نفیل وقس بن ساعدہ وغیرہم[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ جن کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایسے لوگ ایک ہی امت ہو کر اٹھیں گے۔

فائدہ فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ یہ اعتراض اس وہم کے ازالہ پر وارد نہیں ہوتا جس

(حاشیہ[1] جیسے حضرت عبد المطلب اور حضور سرور عالم ﷺ کے والدین کریمین وغیرہ وغیرہ اس کے اس کے متعلق تحقیق فقیر کی کتاب "ابوین مصطفیٰ" دیکھئے نمونہ کے طور چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

امام عبد الباقی زرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی رائے

بیشک رسول اللہ ﷺ کے والدین کریمین ہرگز کافر و مشرک نہ تھے۔ (زرقانی شرح مواجب لدنیہ جلد اول مصری)

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کیا تو اس بات کو نہیں جانتا کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے یہ معجزہ عطا کیا ہے کہ آپ کے والدین کریمین کو دوبارہ زندہ کیا اور وہ آپ کی نبوت پر ایمان لائے۔ (رد المحتار شرح در مختار)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

لکھتے ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کریمین بلکہ آپ کے تمام آباء و امہات کا اسلام حضرت آدم علیہ السلام تک ثابت کیا ہے۔ (اشعۃ اللمعات جلد اول) حاشیہ ختم)

کے لئے ہم نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی سے پڑھ کر ایسے کمالات نہیں دکھائے کیونکہ مذکورہ بالا لوگ بھی تو صرف توحید سے آشنا تھے باقی احکام و شرائع سے تو وہ بھی بے خبر تھے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے خود حضور ﷺ کے لئے فرمایا۔ ووجدک ضالا فھدی اور پایا آپ کو وارفتہ تو اپنی طرف راہ دی۔ یہ بعثت سے پہلے آپ کی حالت کا بیان ہے حالانکہ بعثت سے پہلے آپ سے شرک اور کوئی کبیرہ سرزد نہ ہوا جیسے شرب الخمر و زنا و لغو و لہو وغیرہ اس معنی پر ان حضرات مذکورہ بالا کو ہدایت یافتہ من وجہ کہہ سکتے ہیں اور دوسری وجہ سے اگر احکام و شرائع سے بے خبر ثابت ہوں تو کیا مضائقہ ہے اس پر یتلوا علیہم الخ دلالت کرتا ہے کیونکہ تلاوت و تعلیم الاحکام و الشرائع سے تزکیہ نفس اور مطلقاً گمراہی سے نجات حاصل ہوئی (اسے اچھی طرح جان لے)

والخرین منھم (اور ان میں سے اوروں کو) آخر کی جمع ہے بمعنی غیر اس کا عطف امین پر ہے یعنی حضور نبی پاک ﷺ اپنے ہم زمان امیین کی طرف مبعوث ہیں اور ان کے غیروں کی طرف بھی یا اس کا عطف یعلمھم کے منصوب پر اس کا عطف ہے یعنی نبی پاک ﷺ امیون کو تعلیم دیتے ہیں اور ان کے غیروں کو بھی جو عربی لوگ ان کے بعد آئیں گے اس معنی پر منھم آخرین کی صفت کے متعلق ہے کہ دراصل و آخرین کائنین منھم یعنی ان کی طرف مبعوث ہیں جو عربیت و امیت میں ان سے عربوں جیسے ہیں ان سے عجمی لوگ مراد ہیں تو منھم کا تعلق آخرین سے ہے۔

فائدہ حضرت کاشفی مرحوم نے لکھا کہ زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ اس سے وہ مراد ہے جو حضور نبی پاک ﷺ کے وصال مبارک کے بعد اسلام میں داخل ہو۔ اس معنی پر آخرین قیامت تک ہر مسلم اور نیک عمل والے کو شامل ہو گا عربی ہو یا عجمی۔

حدیث شریف اور علم غیب حضور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے فرمایا کہ ان فی اصلاب لرجال من امتی رجالا و نساء یدخلون الجنۃ بغیر حساب (روح البیان ص ۵۱۵ ج ۹)

(میری امت کے مردوں کے پشتوں میں بعض ایسے مرد و عورت ہیں جو بلا حساب بہشت میں داخل ہوں گے)
(حاشیہ ع۱ آگے)

اس کے بعد حضور نبی پاک ﷺ نے یہی آیت پڑھی لَمَّا یَلْحَقُوْبِهِمْ (جو ابھی انہیں نہیں ملے) یہ آخرین کی صفت ہے یعنی وہ ابھی امیین کو نہیں ملے اور نہ ہی ان کے زمانہ میں ہیں وہ عنقریب انہیں ملیں گے اور ان کے بعد آئیں گے عربی اور عجمی ہوں گے۔ یہ اس لئے کہ لما کی منفی (مدخول) میں تا حال مستمر متوقع الثبوت ہوتا ہے بخلاف لم کے منفی کے کہ اتصال کا بھی احتمال رکھتا ہے۔ جیسے ۳ لَمْ اَکُنْ بِدُعَائِکَ رَبِّ شَقِیًّا (زکریا علیہ السلام نے کہا) اے رب میں تیرے سے دعا مانگنے سے مایوس نہیں ہوں) اور وہ انقطاع کا احتمال بھی رکھتا ہے جیسے لم یکن شیئا مذکورا (وہ ایسی شے ہے جس کا کوئی ذکر نہ تھا) اسی لئے یہ جائز ہے کہ کہا جائے لم یکن (نہ تھا) ثم کان پھر ہو پڑا لیکن یہ جائز نہیں کہ کہا جائے لما یکن ثم کان بلکہ کہا جائے گا لما یکن وقد یکون (ہرگز نہ تھا اور آئندہ کو وہ ہو گا)

نبی کریم ﷺ کا خواب حضرت سہل بن الساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ میں نے خواب دیکھا کہ میں سیاہ بکریوں کو پانی پلا رہا ہوں۔ اس کے بعد ان کے پیچھے سرخ سفید رنگ کی بکریاں آئیں (تو وہ بھی پانی میں شریک ہوئیں) فرمایا کہ اے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) اس کی تعبیر بتایئے عرض کی یا نبی اللہ (ﷺ) سیاہ بکریاں عرب ہیں اور سرخ سفید رنگ بکریاں عجم ہیں جو عرب کے بعد آپ کی اتباع کریں گے۔ حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ ایسے ہی فرشتے یعنی جبریل علیہ السلام نے تعبیر فرمائی۔

(حاشیہ [1] غور کیجئے کہ اصلاب الرجال الی یوم القیمۃ تک نگاہ نبوت کہاں تک پڑی کہ سب کو دیکھنے کے بعد ان میں دیکھا کہ بہشتی کون ہیں اور دوزخی کون اور پھر بہشتیوں میں وہ اہل بہشت کون جن سے حساب نہ ہو گا۔ (سبحان اللہ) منکر کو اور تو کچھ جواب نہ بنے گا صرف کہے گا یہ صحیح حدیث نہیں کیونکہ یہ تو روح البیان کی نقل ہے (آزما کر دیکھئے) فقیر اویسی کا جواب یاد رہے کہ صاحب روح البیان قدس سرہ نے اپنی طرف سے نہیں لکھا اور اسے حدیث کہا وہ آج کے علما سے کچھ زیادہ خوف خدا رکھتے تھے وہ جان بوجھ کر حضور علیہ ﷺ پر جھوٹ نہیں باندھ رہے۔ اگر یہ بھی نہ مانے تو اس روایت کی تائید ترمذی باب القدر کی صحیح حدیث میں ہے کہ آپ نے دو کتابیں دکھا کر فرمایا کہ بہشتی و دوزخی کون کون ہیں۔ اویسی غفرلہ)

حل لغات عفراء وہ بکری جس کی سفیدی سرخی کے اوپر ہو اس کی جمع عفر آتی ہے جیسے سوداء کی جمع سود ہے۔

عرب کو عجم پر فضیلت بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے کہ وہ آنے والے ان موجودہ حضرات (صحابہ) کے فضل اور سبقت کو نہ پاسکے اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ تابعین کتناہی پرپائیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے مرتبہ کو نہیں پا سکتے ایسے عرب کو عجم پر فضیلت ہے اور یہ دین کے شرائط سے ہے کہ عرب کو عجم پر فضیلت کا عقیدہ ہو اور عرب سے محبت اور ان کے حقوق رعایت ملحوظ ہو۔

مسئلہ آیت میں دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی ذات کے بھی رسول اور آپ کا دین پہنچانا آپ کے اہل زمان پر حجت ہے اور ان کے لئے بھی جس کے پاس آپ کا دینی پیغام پہنچا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ** اور جو آپ کے ساتھ کفر کرے کوئی گروہ ہو تو اس کا موعد جہنم ہے۔

وھو العزیز اور بہت بڑی عزت و غلبہ والا ہے اسی لئے اس نے ایک امی نبی کو بہت عظیم قدرت بخشی ہے۔ **الحکیم** بہت بڑی حکمت اور مصلحت کی رعایت والا ہے اسی لئے اس نے امی کو تمام بشروں کے لئے چنا (ﷺ)۔ **ذلک** وہ یہی ہے اس نے تمام افراد میں سے حضور نبی پاک ﷺ ممتاز اور اپنے ہم زمان لوگوں اور آنے والی تمام نسلوں کا نبی بنایا۔ (ﷺ)

فضل اللہ اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے **يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ** وہ دیتا ہے جسے چاہتا ہے اپنے فضل و عطا۔ اس میں اسباب کی تاثیر کو دخل نہیں یہ محض اس کا کرم ہے اس میں علل و اسباب اور حیل وغیرہ کو کوئی سروکار نہیں۔ **وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ** اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے دنیا و آخرت کی تمام نعمتیں اس کے آگے کچھ نہیں۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ وہ حضرت محمد ﷺ کے لئے عظیم فضل والا ہے اور اپنی مخلوق کے لئے کہ ان کے ہاں حضرت محبوب ﷺ بنا کر بھیجا ہے انہیں آپ سے بیعت کی توفیق بخشی۔

فائدہ فقیر (صاحب روح البیان رحمتہ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے استعداد اوپر

بھی فضل عظیم ہے کہ ان کے ہاں ہر زمانہ میں اپنے حبیب محمد ﷺ کے وارثین کاملین بھیجے اور پھر انہیں ان کے ارشادات کے موجبات پر عمل کرنے کی توفیق بخشی۔ اگر اہل ارشاد (اولیاء اللہ) واہل ولالت (علماء کرام) اہلسنت نہ ہوتے تو عوام اندھوں کی طرح بھٹکتے رہتے انہیں معلوم نہ ہوتا کہ کہاں جانا ہے یہ اس لئے فضل عظیم ہے کہ ان کا مدعیٰ و مقصد وصول الی اللہ العظیم ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ بعض اکابر صوفیہ نے فرمایا کہ اللہ فضل عظیم والا ہے اس لئے کہ جمیع فضائل اسمائیہ اسم اعظم کے تحت ہیں اور وہ احدیت جمیع الاسماء کا جامع ہے۔

حدیث شریف فقراء صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ ہمارے سے اہل ثروت دنیادار لوگ سبقت کر گئے۔ اجر و ثواب میں وہ ہم سے بڑھ گئے آپ نے فرمایا تم کہا کرو سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ فقیر صحابہ نے پڑھا تو اہل ثروت صحابہ نے پڑھنا شروع کر دیا۔ پھر فقراء صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کو عرض کی کہ دولت مند بھی اس وظیفہ میں ہمارے شریک ہو گئے۔ آپ نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عطا کرے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب فقیر مخلصانہ طور پر سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ کہتا ہے اور غنی دولت مند بھی تو فضیلت میں غنی فقیر کے درجہ اور ثواب کے تضاعف کو نہیں پہنچ سکتا۔ اگر غنی اس کے مقابلہ میں دس ہزار درہم خرچ کرے ایسے ہی اس کے کل اعمال کا حال ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا۔

نہ قطار زر بخش کردن زگنج　　نہ باشد چو قیراطے از دست رنج

(خزانہ سونے کا لٹا دینے کا اس ایک قیراط خرچ کرنے سے مقابلہ نہیں جو دست رنج سے ہو)

تفسیر عالمانہ مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰۃَ ان کی صفت یہ ہے کہ جو تورات اٹھائے یعنی تورات میں جو تفاصیل و مضامین ہیں آیات میں سے جاننے کے باوجود بالخصوص وہ آیات ناطقہ جو رسول اکرم ﷺ کی نبوت

کے متعلق ہیں انہیں صرف پڑھ لیتے ہیں اس پر عمل نہیں کرتے۔

کمثل الحمار گدھے کی طرح کاف اس میں زائدہ ہے (الکواشی) حمار مشہور جانور ہے جاہل کو اس سے تعبیر کرتے ہیں جیسے کہتے ہیں۔ **ھو اکفر من الحمیر** وہ گدھے سے زیادہ جاہل ہے اس لئے کہ کفر جہالت سے ہوتا ہے اس کے ساتھ تشبیہ ان کی تحقیر و اہانت میں زیادتی کے لئے ان کی بیوقوفی پر انتہائی تہکم و توبیخ ہے کیونکہ حمار کا ذکر نہیں لیکن بوجھ اٹھانے کے لئے اسے نہایت مناسب نہیں۔

تعلم یافتی فالجہل عار ولا یرضی الا بہ الحمار

(علم تو تو نے حاصل کر لیا لیکن اس پر عمل نہ کرنے سے تجھ سے جہل کو بھی عار ہے ایسے بیوقوفی و حماقت خوش ہے)

یحمل اسفارا جو بوجھ اٹھاتا ہے یعنی علم کی کتابوں کو اٹھانے سے نہیں تھکتا لیکن ان سے نفع نہیں اٹھاتا۔ **یحمل** یا حال ہے اس میں عامل مثل کا فاعل ہے یا حمار کی صفت ہے کیونکہ اس میں کوئی معنی معین نہیں کیونکہ معرف باللام الذہنی نکرہ کے حکم میں ہے جیسے نحویوں کے بعض اقوال میں ہے **ولقد رمز علی اللئیم لیبنی** میں کسی لئیم سے گزرتا ہوں وہ مجھے گالی دیتا ہے۔

حل لغات الاسفار سفر بکسر السین کی جمع ہے بمعنی کتب بکثرت آتا ہے اور جاہل کو ان کتابوں کے متعلق گدھا کی طرح معلوم نہیں ہوتا جیسے وہ بوجھ اٹھاتا ہے اور اس سے نفع نہیں پاتا ایسے ہی جاہل۔ القاموس میں ہے السفر بڑی کتب یا تورات کے اجزاء میں سے ایک جز۔

فائدہ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ ہے کہ جو کتب کا حامل ہو اس پر لازم ہے کہ وہ اس کے معانی سیکھے اسے پورے طور سمجھ کر اس پر عمل کرے تاکہ اس کی ان یہودیوں کی طرح مذمت نہ ہو۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا۔

علم چندانکہ بیشتر خوانی چوں عمل در تو نیست نادانی
نہ محقق بود نہ دانش مند چارپائے برو کتابے چند

آں تہی مغز راچہ علم و خبر   کہ بروہنرمست یادفتر

(علم جتنا بہت زیادہ پڑھو جب تم میں عمل نہ ہو تو تم نادان ہو۔ ۲۔ وہ نہ محقق ہے نہ دانش ور ہے بلکہ جانور ہے جس میں چند کتابیں لادوی گئی ہیں ۳۔ اس خالی مغز والے کو علم و خبر کی کیا خبر کہ اس پر لکڑیاں لادی گئی ہیں یا کتابیں)

حضرت کاشفی مرحوم نے فرمایا۔

گفت ایزو یحمل اسفارہ   بار باشد کان نبود زہرہ
علم ہائے اہل دل حمالشان   علم ہائے اہل تن احمال شان
علم چوں بردل زندیارے بود   علم چوں گل زند بارے بود
چوں بدل خوانی زحق گیری سبق   چوں گل خوانی سیہ سازی ورق

ترجمہ ۱۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ کتابیں اٹھاتا ہے اس پر بوجھ ہو جاتا ہے اسے فائدہ نہ ہو گا ۲۔ اہل دل کے علوم انہیں اٹھا کر اونچا کرتے ہیں اہل تن کا علم ان پر بوجھ ہوتا ہے۔ ۳۔ علم دل پر مارو تو مددگار ہوتا ہے علم کو جب جسم پر مارے تو وہ اس کا بوجھ ہوتا ہے۔ ۴۔ علم کو دل پر مارو تو اللہ تعالیٰ سے سبق حاصل کرو گے علم کو جسم پر مارو تو صرف ورق سیاہ کر رہے ہو)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ مثل یہود نفس تورت و معرفت اٹھانے میں صحت رسالت قلب کے اور اس کے رسوم و احکام کی عدم اتباع میں یوں ہے جیسے حمار بدن نفیس سلمان اور بہترین اسباب اور اعلیٰ ترین کپڑے اور حسین چادریں اٹھاتا ہے تو جیسے حمار (بدن) انہیں نہیں جانتا اور نہ ان کی شرافت و کرامت آگاہ ہے ایسے ہی یہود نفس رسول قلب کی رفعت و رتبہ کو نہیں جانتا۔

حکایت ایک مسخرہ طعام کی دعوت پر گیا۔ لوگوں نے اس کی طرف توجہ ہی نہ کی اسے بٹھایا تو جوتوں کی جگہ پر کسی طریقہ سے مجلس سے اٹھا کسی سے عاریت کا نفیس لباس پہن کر مجلس میں واپس آیا تو اہل مجلس نے اسے بہترین ملبوس دیکھ کر اس کی تعظیم و تکریم کی اور سب سے اونچے مقام پر بٹھایا اور جب طعام پیش کیا گیا تو مسخرہ نے آستین کو کہا کھا

آستین کیا جانے طعام اور لذت کو۔

سبق اہل ظاہر کی نظر تو صرف ظاہر پر ہوتی ہے وہ تو فضیلت و شرافت نقش و نگار اور زیب و زینت کو دیکھتے ہیں انہیں معانی و حقائق کا ادراک کہاں۔

تفسیر عالمانہ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ (بری مثل اس قوم کی جس نے آیات الٰہی کی تکذیب کی) بری مثل ہے اس قوم کی جس نے اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کی۔ یہاں تمیز محذوف ہے اور فاعل مفسر لہ مستر اور مذکور د مخصوص بالذم ہے اور وہ وہی یہودی ہیں جنہوں نے اس کا انکار کیا جو تورات میں آیات ہیں جو نبی پاک ﷺ کی صحت نبوت کی شاہد ہیں۔
وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو راہ نہیں دکھاتا۔ اور جو تصدیق کی جگہ پر تکذیب کو رکھتے ہیں یا اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہیں کہ گمراہی کو ہدایت پر اختیار کر کے خود کو عذاب دائمی میں پیش کر رہے ہیں۔ ایسے ہی شقاوت کو سعادت پر اور عداوت کو عنایت پر ترجیح دیتے ہیں جیسے یہود اور ان جیسے اور لوگ۔ اس میں ان کی تقبیح ہے کہ ان کے حال کو گدھے کے حال سے تشبیہ دی گئی ہے اور قبیح کو قبیح سے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّ اَنْکَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ (بے شک بری آوازوں میں زیادہ بری آواز گدھے کی ہے) ایسے ہی جاہل اور مدعی کی آواز بری ہے گدھے کی طرح اور وہی زیادہ گمراہ اور سب سے کمتر ہے وہ محض نقصان دہ ہے حالانکہ گدھا میں نفع ہے کیونکہ وہ بیچارہ بوجھ اٹھاتا ہے اس پر مرد عورتیں سوار ہوتی ہیں۔

مرگی کا علاج حیوٰۃ الحیوان (کتاب) میں ہے گدھے کے کھر کی انگشتری بنا کر مرگی والا پہنے تو مرگی نہ ہو گی۔

فائدہ گدھا میں شہوت زیادہ ہے بہ نسبت دیگر حیوانات کے۔ یہ صفت طبعیہ بہیمیہ ہے جو اسے عفت (پاکدامنی) سے تبدیل کرے تو وہ نجات پائے گا اور اس کی تشبیہ مذکور سے بچ جائے گا۔

بے عمل علماء بہت سے علماء بے عمل دیکھے جاتے ہیں جن کی نظریں حرام پر جمی رہتی ہیں حالانکہ ان کی اپنی

ورتیں منکوحہ بھی ہوتیں یا وہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں (معاذ اللہ) وہ اپنی قوت شہوت کی شریعت سے اصلاح نہیں رتے۔ شریعت ان کی صرف باتیں ہیں۔ نیک اعمال، اصلاح و احوال سے کورے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے ایسی عصمت کا سوال کرتے ہیں ان باتوں سے جو اس کے غیظ و غضب کا موجب ہیں وہ صاحب منت و فضل و نعمت ہے۔

تفسیر عالمانہ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا (فرمائیے اے یہودیو)

حل لغات یہود ہاؤ یہود سے ہے یعنی تہود یعنی وہ یہودی ہو گیا۔ اب معنی یہ ہوا کہ وہ جو یہودی ہو گئے۔ تہود معنی یہودی ہونا اور یہودی دین رکھنا۔ اللہ تعالیٰ انہیں فرماتا ہے اے وہ جو یہودی ہو کر راہ راست سے پھر گئے ہو۔ المہادات معنی المہاملتہ مائل ہونا۔ اسی لئے بعض مفسرین نے فرمایا یعنی وہ جو اسلام اور حق سے روگردانی کر کے یہودیت کی طرف مائل ہوتے اور یہ بھی ادیان باطلہ سے ہے جیسے گزرا۔ امام راغب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا الہود معنی نرمی سے رجوع کرنا اور عرف میں توبہ کو کہتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہود دراصل انا ہدنا الیک سے ہے معنی تبنا الیک ہم نے توبہ کی یہ پہلے تو مدح کے لئے تھا لیکن ان کے دین کے منسوخ ہونے کے بعد یہ ان کے لئے لازم ہو گیا۔ اگرچہ اس میں اب مدح کا معنی نہیں جیسے نصاریٰ دراصل انصار اللہ سے ہے پھر ان کی شریعت کے منسوخ ہونے کے بعد ان کے لئے لازم ہو گا (اگرچہ اس میں بھی مدح کا معنی نہیں)

فائدہ اکثر مواضع میں اللہ تعالیٰ نے کفار کو بالواسطہ خطاب فرمایا ہے۔ ان میں سے ایک یہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اپنے درمیان واسطہ بنا لیا یعنی بت بخلاف اہل ایمان کے انہیں بلاواسطہ خطاب فرمایا ہے کیونکہ انہوں نے اپنے اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطے توڑ دیئے تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان سے واسطہ توڑ دیا فرمایا۔ ان زعمتم اگر تم نے گمان کیا۔

حل لغات الزعم معنی قول بلا دلیل اور وہ قول کہ یہ شے ایسی ایسی صفت پر ہے لیکن وہ وثوق لحاظ سے بلا دلیل ہو جیسے زعمتک کریما میں نے تجھے کریم گمان کیا۔ القاموس میں ہے کہ الزعم پر ہر تینوں حرکات آتی ہیں معنی حق و باطل اس کی ضد کذب ہے اس کا اکثر استعمال اس میں ہوتا ہے جس میں شک ہو۔ اس سے اس قائل

کارد ہو گیا جو کہتا ہے کہ اگر بالضم ہو تو بمعنی اعتقاد الباطل بالفتح ہو تو بمعنی قول الباطل۔ امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ زعم اس قول کی حکایت جس میں کذب کا ظن ہو اس لئے اس کے قائلین کی قران مجید میں اکثر مذمت آئی ہے اور متکفل ورئیس (قوم) کو زعیم کہتے ہیں۔ اعتقاد کے لئے ان کے قول میں کہ وہ مظنہ کذب ہے۔ انکم اولیاء اللہ بیشک تم اللہ تعالیٰ کے محبوب ہو۔ ولی کی جمع ہے یعنی حبیب دون الناس لوگوں کے سوا۔ اولیاء کی صفت ہے یعنی امیوں وغیرہم کے سوا جو بنی اسرائیل نہیں۔ بعض نے کہا سوائے مومنین کے عربی ہوں یا عجمی اس سے وہ مراد ہیں جو کہتے تھے نحن ابناء واللہ واحباء ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور دوست ہیں اور ان کا دعوی تھا کہ دار آخرت اللہ تعالیٰ کے ہاں خالص انہی کے لئے ہے۔ اور ان کا دعوی تھا کہ بہشت میں ہرگز داخل نہ ہوں گے مگر یہود۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کو حکم فرمایا کہ انہیں یہی سنا دیں تاکہ ان کا کذب ظاہر ہو وہ یہ اگر تمہارا گمان وہی ہے جو مذکور ہوا۔ فتمنوا الموت تو موت کی آرزو کرو۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ تمہیں موت دے اور اس دار البلاء سے نکل کر دار الکرامت کو چلے جاؤ۔ مثلاً کہو اللھم امتنا (اے اللہ ہمیں موت دے)

حل لغات التمنی بمعنی خیال میں کسی شے کی تقدیر و تصویر یعنی آرزو مانگنا۔ بعض نے کہا تمنی والشتہاء میں یہ فرق ہے تمنی اشتہاء سے اعم ہے کیونکہ ممتنعات میں بھی ہوتی ہے بخلاف اشتہاء کے کہ وہ صرف ممکنات میں ہوتی ہے۔

ان کنتم صادقین (اگر تم سچے ہو) اس کا جواب محذوف ہے ما قبل کی دلالت کی وجہ سے یعنی اگر تم اپنے گمان میں سچے اور تمہیں پورا وثوق ہے کہ وہی حق ہے تو موت کی آرزو کرو کیونکہ جسے یقین ہوتا ہے کہ وہ بہشتی ہے تو وہ چاہتا ہے بہشت میں جلد پہنچے تاکہ اس کو دار دنیا سے چھٹکارا مل جائے جہاں قرار نہیں اور بہشت کا پہنچنا موت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

تفسیر صوفیانہ حضرت البقلی قدس سرہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بارہا ایسے مدعیوں کو آزمایا (منظر عام پہ پایا) کہ

اس کی محبت کا دم بھرتے ہیں کیونکہ ان میں موت کا کہا جاتا ہے تو کنی کتراتے ہیں اور سچوں کو بھی دیکھا کہ ان پر شوق الٰہی کا غلبہ اور موت محبوب محسوس ہوتی ہے اسی سے سچوں کا سچ جھوٹوں کا جھوٹ واضح ہو جاتا ہے کہ سچا چاہتا ہے جلد پہنچے جھوٹا اس سے بھاگتا ہے۔

حدیث شریف حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کے دیدار کا طالب ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو پسند فرماتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی حاضری سے کراہت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اسے دیکھنا نہیں چاہتا۔

ملفوظ حضرت جنید بغداد قدس سرہ سیدنا جنید بغدادی قدس سرہ نے فرمایا کہ محب وہ ہے جو اپنے آقا کا مشتاق ہو اور اس کے نزدیک وفات زندہ رہنے سے محبوب تر ہے کیونکہ اسے معلوم ہے کہ موت سے ہی دیدار محبوب (آقا) ہو گا اسی لئے وہ ہمیشہ دل سے موت کا خواہش مند رہتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًا (اس کی وہ ہمیشہ ہمیشہ آرزو نہ کریں گے) ان کے آنے والے حال کی خبر دی گئی ہے ابداً ظرف ہے بمعنی طویل زمانہ نہ کہ بمعنی مطلق زمانہ اس سے مراد یہ کہ جب تک وہ دنیا میں ہیں وہ موت کی ہرگز آرزو نہ کریں گے۔

نکتہ سورۃ البقرمیں ہے وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ (ہرگز ہرگز آرزو نہ کریں گے) وہ اس لئے کہ اس سورۃ بقرہ کے مضمون میں یہود کا مبالغہ آمیز دعویٰ تھا کہ ہم مخلص ہیں اسی لئے جنت صرف ہماری ہے اسی لئے وہاں لفظ لن سے ان کے رد میں مبالغہ کیا گیا ہے کیونکہ حروف نفی میں لفظ لن میں زیادہ مبالغہ ہے اور سورت جمعہ میں ان کا دعویٰ اتنا مبالغہ آمیز نہیں بلکہ تردد میں ہیں جیسا کہ لفظ زعمتم سے واضح ہے اس لئے یہاں ان کا رد لفظ لا سے ہے (برہان القرآن)

بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ (بوجہ اس کے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا) باء اس کے متعلق ہے جس پر نفی کا معنی دلالت کرتا ہے یعنی وہ تمنائے موت سے انکار کریں گے کیونکہ اپنے کرتوتوں کا علم ہے کہ وہ کفر و معاصی کے مرتکب ہیں اور یہ امور دوزخ کے دخول کے اسی طرح موجب ہیں جیسے احکام تورات کی تحریف اور لغت نبوی (علی

صاحبہا الصلوۃ والسلام) کی تغییر اور انہیں یقین تھا کہ مرنے کے بعد ان معاصی کی وجہ سے عذاب کئے جائیں گے۔

سوال صرف ہاتھ کی تخصیص کیوں حالانکہ گناہ تو دوسرے اعضاء سے بھی ہوتے ہیں۔

جواب چونکہ ہاتھ پر ہی عام افعال کا مدار ہے اس لئے اس کی تخصیص کی گئی جیسے کبھی نفس سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کبھی اس سے قدرت بھی مراد ہوتی ہے یعنی ایدی سے مراد یہاں پر ذوات (خود) اور یہ ہاتھ سے اس لئے مستعمل ہوتا ہے کہ ہاتھوں کی اکثر تعلق ایسی ہوتی ہے کہ گویا ذات ہی وہی ہاتھ ہیں وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌۢ بِالظّٰلِمِیۡنَ اور ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ مضمر کے بجائے مظہر اس لئے ہے تاکہ ظلم کی ان پر مہر ہو کہ وہ اپنے جملہ امور میں ظالم ہیں یعنی اللہ تعالیٰ انہیں بھی اور جو ان سے صادر ہوتا ہے فنون ظلم و معاصی جو انہیں گوناگوں عذاب میں مبتلا کریں گے کو خوب جانتا ہے اور ان کے وہ حالات بھی جانتا ہے جو زمانہ مستقبل میں ان سے سرزد ہوں گے یعنی جو اس تک پہنچانے والی شے ہے اس سے کنارہ کشی کریں گے یعنی موت سے چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ ان میں سے کسی نے موت کی آرزو نہ کرنی تھی نہ کی۔

مسئلہ حدیث شریف میں ہے کہ تم میں سے کوئی بھی موت کی آرزو نہ کرے کیونکہ اگر وہ نیک ہے تو کچھ دن باقی زندگی بسر کرے گا تو خیر و بھلائی میں اضافہ ہو گا تو اس کے لئے بہتر ہے اگر وہ برا ہے تو شاید وہ گناہ سے رجوع کرے یعنی اس سے اس کا رب راضی ہو اس کی توبہ و طاعت سے۔

ازالہ وہم عاشقان خدا کا موت کی آرزو کرنے پر اپنا قیاس نہ کیا جائے کیونکہ ان کی آرزوئے موت مبنی بر انتہائی محبت (عشق) الٰہی اور جدائی کی آگ میں جلنے کی طاقت نہ رکھنے پر بے صبری کی وجہ سے ہوتی ہے مغلوب مجذوب اور مشتاق گویا اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جیسا کہ کسی نے فرمایا۔

غافلاں از مرگ مہلت خواستند عاشقاں گفتند نے نے زود باد

(غافل موت سے مہلت چاہتے ہیں عاشق کہتے ہیں نہیں نہیں جلد ہو)

مسئلہ موت کے لئے احوال و اوقات ہیں ایک اعتبار سے اس کی آرزو جائز ہے دوسرے اعتبار سے ناجائز جواز کی

صورت اشتیاق غالب ہیں۔ اور ایسا دور بھی آئے گا جس میں موت کی آرزو جائز ہو گی جیسے حضور سرور عالم ﷺ کی دعا میں ہے۔

اللھم انی اسئلک فعل الخیرات وترک المنکرات وحب المساکین فاذاردت لیبارک فتنته فاقبضی الیک غیر مفتون

(اے اللہ میں تیرے فعل خیرات و ترک منکرات اور مساکین کی صحبت کا سوال کرتا ہوں جب تو اپنے بندوں کو فتنوں میں مبتلا کرنا چاہے تو مجھے غیر مفتون کر کے اپنی طرف بلالینا)

حدیث شریف حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ یہودی اگر موت کی آرزو کرتے تو ان کا ہر آدمی تھوک نگلنے سے ہی اس جگہ مرجاتا کوئی یہودی زمین پر نہ ہوتا۔

تفسیر صوفیانہ .. موت کا مطلب ہے ارادات نفسانیہ اوصاف طبعیہ سے فنا پانا جیسے حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا۔ موتوا قبل ان تموتوا مرنے سے پہلے مرجاؤ۔

فائدہ جس کا ارادہ سچا اور طلب صادق ہو تو اپنے نفس کی موت چاہتا ہے اسے اس کی پرواہ نہیں کہ وہ موت پر گرایا موت اس پر گری موت اگرچہ بظاہر کڑوی ہے لیکن درحقیقت میٹھی ہے کیونکہ اس میں حیات حقیقی اور مرض قلبی کی شفاء ہے۔

چہ خوش گفتار یک روز دارو فروش شفا بایدت داروئے تلخ نوش

(ایک دن دوا فروش نے کیا خوب کہا کہ اگر تجھے شفا چاہیے تو کڑوا دوا خرید)

اور جس کا سچا ارادہ اور طلب صادق نہیں تو وہ مجاہدہ مع النفس سے بھاگتا اور وہ طبیعت کی گائے کو ذبح کرنے سے ڈرتا ہے ایسا انسان موت طبعی کے وقت ایسی کڑواہٹوں میں مبتلا ہو گا جس کا بیان نہیں ہو سکتا (اللہ تعالیٰ ہی حفاظت کرنے والا ہے)

تفسیر عالمانہ قل ان الموت الذی تفرون منه فرمایئے بیشک موت جس سے تم بھاگتے ہو۔ یعنی

جسارت نہیں کرتے کہ تم اس کی آرزو کرو اس خوف سے کہ تم اپنے کفر کے وبال میں گرفتار ہو گے۔

فانہ ملاقیکم تو وہ بیشک تمہاری ملاقات کرے گی ضرور کوئی شے اسے پھیرنے اور ہٹانے والی نہیں وہ تمہیں ضرور پکڑے گی اور موت کا پیالہ لازما پیو گے فلہذا اس سے بھاگنے کا کوئی فائدہ نہیں فاء اسم کے شرط کے معنی کو تضمن کی وجہ سے ہے باعتبار وصف کے یعنی باعتبار موصوف کو موصول کے حکم میں ہونے میں۔ اب معنی یہ ہوا کہ اگر تم موت سے بھاگو تو وہ تمہاری ضرور ملاقات کرے گی اور آگے آکر ملے گی اس کی ملاقات اور اس سے طوق (ملنا) کا سبب ہے اس لئے کہ اس سے بھاگنے والا عمر میں برکت نہیں پاتا بلکہ وہ الٹا موت کی طرف بھاگ رہا ہے اسی لئے موت اس کی ملاقات کرے گی۔ اور آگے آکر ملے گی۔ بعض دانش وروں نے کہا کہ جب کام الٹ جائے تو اس کے لئے حیلہ کرنا ہلاکت ہے ثم موت اضطراری وطبعی کے بعد تردون تم پھیرے جاؤ گے۔

حل لغات الرد بمعنی شے کی ذات کو یا اس کے احوال میں سے اس حالت سے پھیرنا جس پر وہ اب ہے کہا جاتا ہے ردتہ فارتد میں نے اسے پھیرا تو وہ پھر گیا۔ آیت میں ان کی ذات کا پھیرنا مراد ہے جیسے دوسرے مقام پہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَوْرُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَانُهُوْا عَنْہُ اگر وہ پھیرے جائیں دنیا میں وہ اس طرف لوٹیں گے جس سے انہیں روکا گیا۔ اور حالت سے پھیرنے کی مثال۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یُرُدُّوْکُمْ عَلٰٓی اَدْبَارِکُمْ تمہیں تمہاری پیٹھوں کی طرف پھیر دیں گے۔ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ عالم غیب وشہادت کی طرف یعنی وہ ذات جس پر تمہارے جملہ حالات پوشیدہ نہیں یعنی تم لوٹائے جاؤ گے وہاں جہاں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حاکم و مالک نہیں۔

نکتہ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو عالم الغیب والشہادہ سے موصوف فرمایا باعتبار ان کے احوال باطنہ و اعمال ظاہرہ کے۔ اس کی مکمل تفسیر سورۃ الحشر میں گزری ہے۔ فینبئکم پھر وہ تمہیں نہ دے گا۔ بما کنتم تعلمون تمہارے اعمال کی کفر و معاصی و خواہش ظاہر ہو باطنہ کی یعنی ان کی تمہیں سزا دے گا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں ارادی کی طرف اشارہ ہے یعنی ترک شہوات دفع مستلذات

کی طرف کہ جن سے تم بچنا چاہتے ہو اپنی روحانی ہمت کی کمزوری اور ربانی حاجت کی سستی کیوجہ سے لیکن وہ تمہاری ایسی ملاقات کرے گی کہ پھر تم سے جدا بھی نہ ہو گی لیکن تم اسے نہیں سمجھتے ہو شہوات حیوانیہ میں انہماک اور مشتہیات ظلمانیہ کے تباہی میں انہماک کی وجہ سے کیونکہ تم خلق جدید کے التباس اور ہمیشہ حشرونشر میں ہو جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وجاءهم الموج من كل مكان اور ان کے ہاں ہر جگہ سے موج آئی۔ یہاں موج سے موت مراد ہے یعنی ان کی ہر لذت لذیذ اور نعمت نفیس میں موت آئی پھر تم عالم الغیب یعنی غیب النیات نیات اور قلب کی گہرائیوں اور رازوں کو جاننے والا اور شہادت سے طاعات و عبادات مراد ہیں یعنی وہ تمہاری طاعات و عبادات کو جاننے والا ہے۔

فَيُنَبِّئُكُمْ پھر وہ تمہیں جزادے گا تمہارے اعمال کی یعنی نیات صالحہ قلبیہ یا نیات فاسدہ نفسیہ کی جزاو سزادے گا نیز اس میں اشارہ ہے کہ جیسے موت طبعی سے فرار کا کوئی فائدہ نہیں ایسے ہی موت ارادہ سے بھی بھاگنے کا سود مند نہیں لیکن عقل مند کو ضروری ہے کہ وہ ہر آن فناء کے لئے متنبہ رہے اور فناء کو اختیار کرے بقاء مع اللہ کی محبت میں۔

فائدہ موت طبع سے فرار کا مطلب ہے اس سے طبع کا کراہت کرنا اور اس سے نفرت کرنے والا معذور ہے کیونکہ اس سے چھٹکارا مشکل ہے سوائے مشتاقان دیدار حق کے۔

حکایت کسی ایک بادشاہ کو خیال ہوا کہ وہ روئے زمین کی سیر کرے اس نے لباس منگوایا لیکن وہ اسے پسند نہ آیا واپس کر دیا اور منگوایا اسی طرح طبع کی ناپسندی پر مختلف لباس آتے رہے جاتے رہے یہاں تک کہ اسے ایک لباس بھا گیا اور اسے پہن لیا اسی طرح سواری کلحال رہا ایک سواری پسند آئی اس پر سوار ہوا۔ تو ابلیس نے آکر اس کی ناک میں کبر کا تصور پھونک دیا وہ اسی حالت میں چل رہا تھا۔ اور آگے پیچھے نوکر چاکر سواریوں پر ساتھ تھے وہ تکبر سے کسی طرف دیکھنے کا روادار نہ تھا۔ راستہ میں اسے میلے کچیلے پھٹے پرانے کپڑوں والا اور نہایت گری ہوئی حالت والا شخص ملا۔ اس نے کہا السلام علیکم بادشاہ نے توجہ نہ دی۔ اس نے سواری کی لگام پکڑ لی۔ باشاد نے کہا اسے چھوڑ دے میں

ایک سخت مہم پہ جا رہا ہوں اس شخص نے کہا مجھے تجھ سے کام ہے بادشاہ نے کہا تھوڑا صبر کر میں سواری سے اتر کر تیری ضرورت پوری کروں اس نے کہا نہیں مجھے ابھی چاہئے اور سواری کی لگام کو سخت جھٹکا دیا۔ بادشاہ نے کہا بتایئے کیا کام ہے کہا کان میں بتاؤں گا۔ بادشاہ نے اس کے ساتھ کان لگایا تو کہا میں ملک الموت ہوں۔ اس سے بادشاہ کا چہرہ بدلا اور زبان بکی اور کہا چھوڑیئے میں گھر واپس لوٹوں اور کچھ کام وہ بھی سمیٹ لوں اور امانتیں ہیں وہ بھی لوٹاؤں ملک الموت (علیہ السلام) نے فرمایا نہیں اب تو ہمیشہ تک اہل و عیال اور مال نہ دیکھے گا۔ یہ کہہ کر بادشاہ کی روح قبض کر لی اور بادشاہ سواری سے نیچے گرا۔ ایسے محسوس ہوتا تھا کہ وہ ایک سوکھی لکڑی ہے اس کے بعد حضرت ملک الموت علیہ السلام ایک مومن بندے کو اسی حالت و کیفیت میں ملا اور اسے بھی کہا السلام علیکم۔ مومن بندے نے وعلیکم السلام کہا۔ ملک الموت علیہ السلام نے اسے فرمایا مجھے تجھ سے کام ہے جو کان میں بتانے کا ہے۔ مومن بندے نے کہا تو فرمایئے ملک الموت علیہ السلام نے کہا کہ میں ملک الموت ہوں۔ مومن بندے نے کہا مرحبا (خوش آمدید) اھلا وسھلا جی آیئے بڑی دیر کر دی آتے آتے۔ بخدا مجھے زمین پر کوئی شے محبوب تر نہیں سوائے آپ کی ملاقات کے۔ ملک الموت علیہ السلام نے فرمایا جس کام کے لئے جا رہے تھے اسے تو پورا کر لو کہا میرا سب سے بڑا کام دیدار الٰہی ہے بس اب کیا دیر ہے لیجئے روح۔ قبض کیجئے۔ ملک الموت علیہ السلام نے کہا آپ کس حالت میں روح قبض ہونے کو چاہتے ہو۔ کہا کیا آپ اس کی مہلت دے سکتے ہیں فرمایا کیوں نہیں مجھے تو اللہ تعالیٰ سے حکم بھی اسی طرح ہے۔ عرض کی ٹھہریئے میں وضو کر لوں۔ جب نماز پڑھوں تو روح قبض کر لینا۔ لیکن سجدہ کی حالت میں چنانچہ ملک الموت علیہ السلام نے اس کی روح اسی حالت میں قبض کی جب وہ حالت سجدہ میں تھے۔

مثنوی شریف میں ہے۔

بس رجال از نقل عالم شادیان   واز بقایش شادمان ایں کودکان
چونکہ آب خوش ندید آں مرغ کور   پیش او کوثر نماید آب شور

(بہت سے بزرگ لوگ دنیا کے کوچ سے خوش ہوتے ہیں اور دنیوی زندگی سے تو بچے خوش ہوتے ہیں۔ جب اس اندھے پرندے کو شور پانی اچھا نہ لگا تو حوض کوثر بھی اسے آب شور نظر آتا تھا)

فائدہ فرار عقلی یعنی بندے کا موت سے کراہت کرنا یا یعنی ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف منتقل ہونا پہلا (معنی ہو تو) اگر حظوظ دنیا کے انہماک سے ہے تو مذموم ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کی پیشی (میدان حشر) کے خوف سے ہے تو وہ معذور ہو۔

حکایت حضرت سلیمان وارانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ میں نے ماں سے پوچھا کیا آپ موت کو پسند کرتی ہیں فرمایا نہیں اس لئے کہ میں اگر کسی انسان کی بے فرمانی کروں تو پھر اس کو ملنا نہیں چاہتی تو پھر اس ذات کو کیسے ملوں گی جس کی زندگی بھر بے فرمانی کرتی رہی۔

فائدہ اسی پر اس کراہت کا قیاس کیجئے جس نے موت کے بعد کا سامان واستعداد تیار کر رکھا ہے۔

فائدہ دوسری قسم کی موت سے فرار عقلاً و نقلاً کوئی وجہ نہیں رکھتا کیونکہ مشاہدہ بتاتا ہے کہ موت سے چھٹکارا نہیں وہ جہاں ہو گا اسے موت گھیر لے گی۔ ہاں موت کے بعض اسباب ظاہرہ سے بھاگنا جائز ہے۔ مثلاً آگ جلانے والی کا ہجوم سیلاب زور دار (کہ بہا کر لے جائے گی) دشمن غالب کا حملہ درندے کا حملہ۔ موذی شے کا حملہ وغیرہ وغیرہ ایسے اسباب سے بھاگنے والا ظاہر ہے کہ معذور ہے بلکہ مامور ہے (یعنی اللہ تعالیٰ نے ان سے بھاگنے کا حکم فرمایا ہے)

مسئلہ طاعون سے فرار کے عدم جواز کو نہ عقل چاہتی ہے نہ نقل۔

حدیث و حکم شرعی عقلاً تو یوں کہ حضرت امام غزالی قدس سرہ نے فرمایا کہ طب میں وبائی بیماری کا سبب مضر ہوا ہے اور تداوی (دور کرنا) کا زیادہ ظاہر طریقہ یہ ہے کہ مضر ہوا سے بھاگ جانا چاہیے۔ اس میں تو کوئی رکاوٹ نہیں لیکن یاد رکھنا چاہیے مضر ہوا ضرر رساں نہیں اس حیثیت سے کہ ہوا ظاہر بدن کو ہی لگتی ہے تو ضرر پہنچاتی ہے۔ تب جب گندی (بدبودار) ناک سے بار بار سونگھی جائے اور وہ حلق و قلب و آنتوں کے اندر داخل ہو کر زیادہ عرصہ (دراز سونگھی جائے اس سے ثابت ہوا کہ ہوا ظاہر بدن پر اثر انداز نہیں جب تک باطن میں زیادہ عرصہ تک اثر نہ پڑے۔ اس معنی پر طاعون کے آنے کے بعد شہر سے نکلنا بے سود ہے لیکن وہ وبائی ہوا تو پہلے اثر انداز ہو کر مستحکم ہو چکی ہے

اَب اس سے فرار میں نجات ایک وہم و خیال ہے تو یہ بھی منجملہ توہمات سے ہوا۔ جیسے منتر اور بدفالی وغیرہ وغیرہ۔ اگر تندرستوں کو جانے کی اجازت دی جائے تو پھر مریضوں کا کیا بنے گا کیونکہ شہر (بستی وغیرہ) میں بیماروں کے سوا ہو گا کوئی نہیں تو پھر انہیں پانی کون پلائے گا کھانا کون کھلائے گا۔ وہ خود تو عاجز ہیں کیونکہ طاعون نے ان کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ دل ان کے ڈھ چکے ہیں (اب وہ زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں) تندرست چلے جائیں تو اس کا معنی یہ ہوا کہ ہم نے مریضوں کو عمداً اور یقیناً موت کے منہ میں دے دیا (اور یہ بہت بڑا گناہ ہے) یہ وہم کرنا کہ امید ہے کہ تندرست ہو جائیں گے تو پھر وہی وہم تو تندرستوں کے بارے میں بھی ہو سکتا ہے کہ وہ جانے والے طاعون کی لپیٹ میں آ جائیں تو وہاں تندرستوں کا بیماروں کے ساتھ ٹھہرنا ان کی موت یقینی نہیں ایسے ہی ان کا نکل کر چلا جانا بھی بچ جانا یقینی نہیں لیکن باقی رہنے والوں بیماروں کو چھوڑ جانے سے ان کی موت یقینی اور مسلمان تو آپس میں ایک دیوار کی طرح ہیں جو ایک دوسرے سے مضبوط و پختہ ہیں بلکہ تمام مومن تو ایک جسم کی طرح ہیں کہ جسم کے کسی عضو کو تکلیف ہو تو سارا جسم بے قرار ہوتا ہے یہ تو تقریر ہے جو نہی کی تعلیل میں ہمیں سمجھ آئی ہے۔ یہی تقریر اس کے برعکس ہے جو طاعونی علاقہ میں آنے کی کوشش کرے کیونکہ ابھی وبائی ہوا اس کے باطن میں اثر انداز نہیں ہوئی اسی لئے اسے طاعون والوں کے پاس جانے کی ضرورت نہیں۔

طاعون سے خروج کی ممانعت کے دلائل شرعیہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا الم تر الی الذین خرجوا من دیارھم وھم الوف حذر الموت فقالھم موتوا ثم احیاھم کیا تم نے انہیں دیکھا جو اپنے گھروں سے نکلے وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ موت کے خوف سے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا مر جاؤ پھر انہیں زندہ کیا۔ آیت میں ان کے طاعون سے بھاگنے کا انکار و نہی ہے بلکہ ان کے حال پر اظہار تعجب ہے تاکہ عقل مند ان کا حال سن کر عبرت حاصل کریں اور یقین کریں کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور قضاء سے بھاگنے میں نجات نہیں کیونکہ بھاگنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

حدیث شریف طاعون سے بھاگنے والا جنگ سے بھاگنے والے کی طرح ہے اور اس پر صبر والے کو شہید کا

ثواب نصیب ہو گا۔ شہداء اور گھر پر مرنے والے اللہ تعالیٰ کے ہاں مقدمہ پیش کریں گے ان کے بارے میں جو طاعون میں مرے شہداء کہیں گے یہ ہمارے بھائی ہیں کہ جس طرح ہم شہید ہوئے یہ بھی اسی طرح شہید ہیں۔ گھر میں بستروں پر مرنے والے کہیں گے کہ طاعون والے تو اسی طرح مرے جیسے زخم شہداء کے زخموں کی طرح ہیں تو یہ شہداء کے ساتھی ہیں۔ طاعون والوں کو دیکھا جائے گا کہ ان کے زخم شہداء کے زخموں جیسے ہیں۔

فائدہ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ حضور نبی پاک ﷺ کا طاعون کے بارے میں فرمانا کہ یہ تمہارے دشمنوں کا ٹھونسا ہے الوخزوہ ٹھونسا جس سے خون نہ بہے۔

فائدہ شیطان کا رکض و ہمزو نفث و نفخ و وخز ہوتا ہے۔ (بمعنی وسوسہ وغیرہ) اور جنات جب مراق بطن کی رگ پر ٹھونس ماریں تو خون نہیں بہتا اگرچہ غدہ (گلٹی) پر ٹھونسیں تو خون بہتا ہے غدہ وہ ہے جو گوشت میں گلٹی نکلتی ہے اس کا سبب شیطان کا ٹھونسنا ہوتا ہے۔ اسی طرح سے موافقت ہو سکتی ہے۔ ان دو حدیثوں کے درمیان میں کہ ایک میں ہے الوخز ہے دوسری میں غدۃ کغدۃ البعیر ہے وہ جو مراق البطن سے نکلتی طاعون کے متعلق مزید تفصیل سورۃ البقرہ میں ہے اور اس کی مکمل تفصیل محقق رسالہ الشفاء ہے اور لادواء الوباء لابن طاش کبری ہے

تفسیر عالمانہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ اے ایمان والو جب نماز کے لئے بلایا جائے۔

حل لغات الغداء رفع الصوت (آواز بلند کرنا) اور اس کا ظاہر ہونا اور نماز کی نداء شرع میں مخصوص الفاظ سے ہوتی ہے (یعنی اذان سے) اور یہاں پر نماز سے نماز جمعہ مراد ہے جیسے اس پر یوم الجمعہ کا لفظ دلالت کرتا ہے۔ اب معنی ہوا کہ جب نماز کے لئے اس کی نداء ہو یعنی اذان ہو۔

مسئلہ اس سے پہلی اذان مراد ہے ہمارے نزدیک زیادہ صحیح ہے کیونکہ اعلام اسی سے ہوتا ہے نہ کہ وہ اذان جو امام کے خطبہ کے لئے منبر کے سامنے کہی جاتی ہے۔[1]

(حاشیہ[1] یہی ہم اہلسنّت کہتے ہیں اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت فاضل بریلوی قدس سرہ کے دور میں یہ مسئلہ بھی (حاشیہ جاری)

فائدہ حضور سرور عالم ﷺ کا ایک موذن تھا۔ جب آپ منبر پر رونق افروز ہوتے تو وہ مسجد کے دروازہ پر اذان کہتا۔ جب آپ منبر سے نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو موذن اقامت کہتا پھر سیدنا ابوبکر و سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ تک یہی دستور رہا یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں جب لوگوں کی کثرت ہو گئی اور مدینہ پاک میں لوگوں کے گھر دور دور تک پھیل گئے تو آپ نے حکم فرمایا کہ اب ایک اذان پہلے ہو آپ کی ایک دار پر جو بازار میں تھی جس کا نام زوراء تھا تاکہ لوگ اذان سن کر نماز میں آئیں پھر آپ منبر پر رونق افروز ہوتے تو اذان ثانی ہوتی (جو در حقیقت یہی پہلی ہے) بعد ازاں منبر سے اتر کر نماز کی اقامت ہوتی آپ کی اس بدعت (حسنہ) پر کسی نے انکار و اعتراض نہ کیا۔[1]

دیوبندیوں اور ہمارے نزدیک اختلافی ہو گیا۔ وہ کہتے کہ مسجد کے اندر امام خطبہ کے سامنے اذان کہی جائے۔ بعض سنی علماء بھی اس مسئلہ میں غلطی کھا کر دیوبندیوں کے ساتھ ہو گئے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ اور آپ کے تلامذہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ میں بھی مخالفین کی خوب خبر لی۔ متعدد و تصانیف اسی موضوع پر جانبین سے لکھی گئیں۔ فقیر نے ایک رسالہ لکھا النفخ المنبر فی الاذان امام المنبر لکھا جو نعم الحامی شرح جامی کے اندر شامل کر دیا گیا۔ اس کا خلاصہ ملاحظہ ہو۔ سب سے پہلے یہ تو آپ سمجھ لیں کہ متقدمین و متاخرین فقہا و محدثین ہیں اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔ دیوبندیوں نے صرف اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو نیچا دکھانے کے لئے بڑا زور لگایا لیکن بے سود۔ کیونکہ ۱۳۰۰ء ہجری تک یہ مسئلہ اتفاقی رہا کہ اذان خطبہ مسجد سے باہر دروازہ پر (خارجی یا داخلی) ہونی چاہیئے یہی صاحب روح البیان نے ۱۱۲۶ء ہجری میں لکھا کہ اذان ثانی مسجد کے دروازہ پر ہونی چاہیئے اس کے اصل الفاظ ملاحظہ ہوں۔

اذا جلس علی المنبر اذان علی باب المسجد (روح البیان ص ۵۲۲ ج ۹)

[1] (جو لوگ کہتے ہیں "کل بدعۃ ضلالۃ" الخ اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیتے ہیں جو کام رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا وہ بدعت ہے ان سے اس کے جواب کا مطالبہ ہے کہ اول اذان جمعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ایجاد ہے اور ہے بھی رسول اللہ ﷺ کے زمانہ اقدس کے بعد اور ہے بھی صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ کے سامنے جس

(جاری)

تحقیق الجمعہ الجمعہ (بضم المیم) وہی اصل ہے والسکون اور بالتخفیف اور من اذاکان کا بیان اور تفسیر ہے یہ بیان الجنس کے لئے نہیں جیسے متبادراً سمجھا جاتا ہے کیونکہ اذان کا وقت یوم جمعہ کا جزء اس پر محمول نہیں اور یہ بیان الجنس ہو بھی کیسے جب کہ اس سے مقصود یہ ہے کہ یہ وقت ایام میں کون سے دن کا ہے اس لئے اس میں ابہام ہے یہ جامع ہے من سبعیہ اور فی کا جامع جیسے بعض پہلے کی طرف گئے ہیں۔ بعض دوسرے کی طرف۔ اسے جمعہ اس لئے کہتے ہیں وہ سب اس معنی پر اسلامی نام ہے بعض نے کہا کہ اس کا سب سے پہلے جمعہ حضرت کعب بن لوی نے نام رکھا۔

فائدہ لوی لَیْئٌ کی تصغیر ہے اس لئے کہ قریش کا اس دن کے ہاں اجتماع ہوتا تھا (اور وہ اس دن نبی پاک ﷺ نعتیں (قصے) سناتا) اہل عرب اسلام سے پہلے اسے عروبہ کہتے بمعنی ظہور اور عروبہ العروبۃ الف ولام کے ساتھ (قاموس) اور ابن الاثیر نے النہایہ میں فرمایا زیادہ فصیح یہ ہے کہ اس پر الف ولام داخل نہ ہو۔

شان نزول اور مدینہ طیبہ کا پہلا اسلامی جمعہ

حضور نبی پاک ﷺ کی ہجرت سے پہلے مسلمانوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ یہود ہفتہ میں ایک دن اور نصاری اتوار کے دن جمع ہوتے ہیں۔ ہم بھی ایک دن مقرر کر لیں جس میں جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کو یاد کریں اور نماز

(بقیہ) پر کسی نے انکار نہ کیا اور نہ اعتراض جس سے یہی بات حق ثابت ہوئی جو اہلسنت (بریلوی) کہتے ہیں کہ جو عمل قرآن و حدیث کے خلاف نہ ہو اور اس سے دین کا فائدہ ہو تو وہ بدعت حسنہ ہے اور یہ طریقہ سیدنا صدیق اکبر و سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے شروع ہوا جبکہ قرآن مجید کو جمع کرنے کا منصوبہ بنایا گیا تھا (تفصیل کے لئے دیکھئے فقیر کی کتاب "العصمۃ عن البدعۃ" نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ فقہاء کرام نے فرمایا کہ اذان مسجد میں کہنا مکروہ ہے اذان خطبہ ہو یا مطلق اذان برائے نماز مسجد سے باہر ہو لیکن افسوس کہ دور حاضرہ میں سپیکر کی بدعت نے اس سنت کو مردہ بنا دیا مساجد اہلسنت ہوں یا اہل بدعت (دیوبندی 'وہابی' غیر مقلد و دیگر فرقے) اکثر میں اذان (سپیکر کے تحفظ کے لئے) مساجد میں دی جا رہی ہے لیکن اس پر کوئی بھی آواز نہیں اٹھاتا لیکن اگر مسجد سے "الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ" کی آواز اذان سے پہلے یا بعد کو سنائی دے تو جنگ برپا ہوتی ہے اویسی غفرلہ)

پڑھیں۔ ہفتہ تو ہے یہود کا۔ اتوار نصاری کا۔ ہم عروبہ کے دن ہی جمع ہو جایا کریں۔ یہ طے کر کے اسی دن حضرت سعد بن زرارہ (ضم الزاء) رضی اللہ عنہ کے ہاں جمع ہو گئے انہوں نے انہیں ایک دوگانہ پڑھایا اور وعظ فرمایا اسی دن سے اس کا نام جمعہ ہوا۔

فائدہ جب مسلمانوں کا اجتماع جمعہ کا ہوا تو حضرت سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے ان کے لئے بکری ذبح کی جسے انہوں نے صبح و شام کھایا کیونکہ وہ اس وقت بہت قلیل تھے اس لئے اب بھی اکثر دیہات میں یہ عادت بن گئی ہے کہ جمعہ کے دن کھانا کھلایا جاتا ہے ان کی اس عادت پر اللہ تعالیٰ نے آیت جمعہ نازل فرمائی تو یہ اسلام کا پہلا جمعہ تھا۔

مسجد قبا کی سنگ بنیاد وہ پہلا جمعہ جو رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے بعد قائم فرمایا وہ قبا شریف کے نزول کے بعد تھا کیونکہ آپ نے ہجرت کے دنوں قبا میں بنو عمرو کے ہاں قیام فرمایا اور بارہ ربیع الاول شریف دن ضحی کے وقت قبا میں تشریف لائے اسی دن سے اسلامی سن شمار ہوتا ہے آپ قبا شریف میں پیر منگل بدھ خمیس مقیم رہے اندریں اثناء مسجد قبا کی سنگ بنیاد رکھی پھر جمعہ کے دن شہر مدینہ کریم کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں جمعہ کا وقت بنو سالم میں ہو گیا۔ آپ نے نماز جمعہ پڑھی اور خطبہ پڑھا یہ اسلام کا سب سے پہلا جمعہ ہے وہاں پر صحابہ کرام نے مسجد بنائی جہاں آپ نے نماز پڑھائی اور خطبہ پڑھا۔ خطبہ کے الفاظ مبارکہ یہ ہیں۔

الحمدللہ واستعینہ واستہدیہ واومن بہ ولا اکفرہ واعاوی من یکفر بہ واشہدان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشہدان محمدا عبدہ ورسولہ ارسلہ بالہدی ودین الحق والنور والموعظتہ والحکمتہ بمع قرۃ الرسل وقلتہ من العلم وضلالتہ من الناس دانقطاع من الزمان ودنوا من المساعتہ وقرب من الرجل من یطع اللہ ورسولہ فقد رشد ومن یعص اللہ ورسولہ فقد غوی وفرط وضل ضلالا بعیدا وصیلتہ بتقوی اللہ الخ

ترجمہ جملہ محامد اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اسی سے مدد وہدایت چاہتا ہوں۔ اسی پر ایمان ہے اس سے کفر نہیں کرتا

اور نہ دشمنی کرتا ہوں اس سے جو اس سے کفر کرتا ہے گواہی دیتا ہوں اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اس کے رسول ہیں انہیں ہدایت و دین حق اور نور اور وعظ و حکمت پر بھیجا ہے جبکہ رسولوں کی آمد ختم ہو گئی اور علم کی قلت اور لوگوں میں گمراہی کی کثرت اور زمانہ ختم ہو گیا قیامت قریب ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرے تو وہ ہدایت پا گیا اور جو ان کی بے فرمانی کرے وہ گمراہ ہو گیا اور کوتاہی کی اور بہت دور ہو گیا اور تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں۔

اس لئے کہ بہتر شخص وہ ہے جو ایک دوسرے کو آخرت کے امور پر برانگیختہ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرے اور میں تمھیں اللہ تعالیٰ سے اسی طرح ڈراتا ہوں جیسے وہ اپنی ذات سے تمھیں ڈراتا ہے اس لئے کہ جو تقویٰ والے اور اپنے رب تعالیٰ سے ڈرنے والے کا عنوان صدق یہ ہے کہ وہ اس سے آخرت طلب کرے اور جو اپنے امر کی سرّ و اعلانیہ[1] میں اپنے اور اپنے خدا تعالیٰ کے درمیان اصلاح رکھے اور اپنے ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت کرے اس کا ذکر خیر دنیا میں پھیلے گا اور آخرت میں مرنے کے بعد اس کے لئے بہتر ذخیرہ جمع ہو گا۔ جہاں ہر بندہ اپنے اعمال بھیجے ہوؤں کا محتاج ہو گا ورنہ بد عمل لوگ کہیں گے کاش کہ اس کے بد عمل اور اس کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہوتا اور اللہ تعالیٰ تمھیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اپنے بندے سے نہایت ہی مہربان ہے وہ ذات جس کا ہر قول سچا ہے اور وہ اپنا ہر وعدہ پورا کرتا ہے وعدہ کے خلاف ہرگز نہیں کرتا وہ خود فرماتا ہے!

مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ میرے نزدیک میرا قول تبدیل نہیں ہوتا اور میں بندوں کے لئے ظالم نہیں اور ظاہر اور پوشیدہ طور بندے کو چاہئے کہ اپنے ہر امر اجل و عاجل میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرماتا ہے اور اس کا بہت بڑا اجر مقرر فرماتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو وہ بہت بڑا کامیاب ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اس کے غضب و عذاب اور غصے سے بچاتا ہے اور تقویٰ قیامت میں چہرہ نورانی بناتا ہے۔ اور اس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گا اور درجات بلند فرماتا ہے اپنا حصہ حاصل کر لو اللہ تعالیٰ کے بارے میں افراط نہ کرو اس نے تمھیں اپنے سے علم دیا اور تمہارے لئے راستہ صاف فرمایا تاکہ ظاہر فرمائے کہ تم میں سے سچے کون ہیں جھوٹے کون؟

---

[1] ظاہر و باطن ۱۲

اسی طرح نیکی کرو جیسے اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان فرمایا اور اس کے دشمنوں سے دشمنی کرو اور اس کی راہ میں عمل جلد کرو اسی نے تجھے چن لیا اور میں نے ہی تمہارا نام مسلمین رکھا اور اللہ کے لئے بہت زیادہ خرچ کرو۔ موت کے بعد کے لئے عمل کرو۔ اللہ تعالیٰ اور اپنے مابین معاملہ صاف رکھو۔ تمہارے اور لوگوں کے درمیان جو گناہ ہیں وہ معاف فرمادے گا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ قیامت میں فیصلے فرمائے گا اور لوگ اپنے فیصلے اس کے سامنے پیش کریں گے اس پر کسی کی نہیں چلتی۔ وہ تمام لوگوں کا مالک ہے وہ بہت بڑا ہے کوئی قوت اور کسی سے دفع کرنا نہیں سوائے اس کے وہ عظیم اور بلندی والا ہے۔ (یہ خطبہ نبویہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کا مضمون تھا یہاں ختم ہوا)

فائدہ آیت یہود کے اس قول کا رد ہے جو کہا تھا کہ ہمارا ہفتہ کا دن تمہارا کوئی دن نہیں تھا **فاسعوا الی ذکر اللہ** پس دوڑو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف۔

حل لغات السعی بمعنی تیز چلنا نہ کہ تیز دوڑنا (کذا قال الراغب) یہ دوڑ سے کم کچھ کم ہوتا ہے یعنی چلو اور خطبہ سننے اور نماز کا ارادہ کرو کیونکہ یہ دونوں ذکر اللہ پر مشتمل ہیں۔

مسئلہ ذکر رسول اللہ ﷺ اور آپ کی ثناء (نعت) اور خلفائے راشدین اور اتقیائے مومنین کی ثناء اور وعظ و نصیحت یہ سب ذکر اللہ تعالیٰ کے حکم میں ہیں۔

مسئلہ مذکورہ بالا کے سوا ظالم کا ذکر اور ان کے القاب اور ان کی تعریف اور ان کے لئے دعا وہ اس کی برعکس کے لائق ہیں یعنی وہ ذکر اللہ کے حکم میں نہیں بلکہ ذکر الشیطان کے ذکر میں ہیں۔ یہ ذکر اللہ سے کوسوں دور ہیں (کشاف) خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس میں رغبت کرو اور اس میں سعی کرو۔

فائدہ حضرت حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ یہاں سعی سے قدموں سے تیز چلنا مراد نہیں بلکہ اس سے تو حدیث شریف سے روکا گیا ہے بلکہ فرمایا کہ نماز کی طرف سکون و وقار کے ساتھ آؤ ہاں یہاں قلوب و نیات اور خشوع اور جلدی آنا مراد ہے۔

فائدہ زمخشری نے ابتکار پر بہت کچھ لکھا ہے وہاں یہ بھی لکھا کہ اسلاف کے دور میں جمعہ کے لئے راستے سحر کے وقت اور بعد الفجر طے کئے جاتے جو جمعہ کے لئے جلدی پہنچنے کے لئے ان اوقات میں راستے نیک لوگوں سے پر ہو جاتے بلکہ اندھیرے میں جانے کی وجہ سے دیئے (لالٹین) وغیرہ لے کر جاتے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جمعہ کے دن ملائکہ مساجد کے دروازوں پر بیٹھ جاتے ہیں ان کے ہاتھوں میں مصحف (سفید کاپیاں) ہوتی ہیں جن پر وہ لکھتے ہیں جو پہلے آیا جو بعد کو آیا وغیرہ ہر ایک کو ترتیب وار لکھتے ہیں یہاں تک کہ امام خطبہ کے لئے نکلتا ہے تو وہ اپنے صحیفے (رجسٹر) لپیٹ لیتے ہیں اور خطبہ کے لئے جمع ہو جاتے ہیں جو جمعہ میں سب سے پہلے حاضر ہوا وہ ایسے ہے جیسے اس نے راہِ خدا بدنہ (اونٹ وغیرہ) قربان کیا۔ اس کے بعد ایسے جیسے اس نے گائے ذبح کی اس کے بعد جیسے اس نے بکری قربان کی اس کے بعد جیسے مرغی اور انڈہ وغیرہ۔

فائدہ السعی میں سستی سے نہی صفائے قلب اور ہمت کے ساتھ جمعہ کی طرف جانے کی ترغیب ہے اسی لئے جمعہ کو جانے کے لئے نہ سستی ہو نہ غم وغیرہ۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب موذن پڑھتا ہے جس نماز کی ہو تو شیطان پیٹھ پھیر کر تیز بھاگتا ہے۔

فائدہ حصاص (بالضم) تیز دوڑنا اور جلدی کرنا۔

حکایت حماد بن مسلمہ نے فرمایا کہ میں نے عاصم بن بخود سے پوچھا کہ حصاص کیا ہے فرمایا تو نے گدھے کو دوڑتے دیکھا ہو گا۔ کہ وہ دونوں کان سے سرہلاتا اور دم کو ہلاتا ہوا دوڑتا ہے یہی حصاص ہے۔

مسئلہ آیت میں اشارہ ہے کہ جمعہ کی ترکہ سعی شیطان کا فعل ہے یہ مریض اور نابینا اور غلام اور عورت اور معذور جو چل نہیں سکتا اور مسافر اس حکم میں داخل نہیں کیونکہ وہ اس حکم کے مکلف نہیں اسی لئے وہ نداء سے مستثنیٰ ہیں یعنی سعی مریض اور معذور جو چل پھر نہیں سکتا اور نابینا پر نہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے عام فرمایا فاسعوا الی ذکر اللہ اور عورتوں کو تو گھر پر بیٹھنے کی نص قطعی ہے چنانچہ فرمایا وقرن بیوتکن اور

غلام تو مولی کی خدمت میں مشغول ہے اور مسافر سفر میں ہے۔

فائدہ نصر آبادی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا عوام جمعہ پر ضروریات میں مشغول ہوتے ہیں لیکن خواص ذکر الہی کی طرف کوشاں ہوتے ہیں کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ رزق تو ملنا ہے اس میں زیادتی کی تو ہوگی نہیں تو پھر سعی الی ذکر اللہ کیونکہ ترک کریں۔

فائدہ بعض نے فرمایا ذکر مذکور کے نزدیک حجاب ہے اور سعی الی ذکر اللہ مریدین کا مقام ہے وہ مذکور سے اس کے قرب کا محل طلب کرتے ہیں کہ ایسی منزل ملے جہاں مطلوب کا وصل نصیب ہو اور معرفت کا محقق وہ ہے جس کے قلب پر ذات کی تجلی کا غلبہ ہوتا ہے۔ **وذروا البیع** اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔

حل لغات اہل لغت کہتے ہیں یذر الشئی اسے اس کی قلت ضرورت کی وجہ سے چھوڑ دیتا ہے اس کی ماضی مستعمل نہیں ہوئی یعنی وذر نہیں آتا مطلب یہ ہے کہ اذان سنتے ہی معاملات چھوڑ دو یہاں بیع سے مجازاً معاملات مطلقاً مراد ہیں یعنی بیع و شرا اور اجارہ اور مضاربت وغیرہ مراد ہیں اور بیع کو حقیقت پر رکھا جائے تو دوسری اشیاء اس میں ملحق ہوں گی دلالت کے اعتبار سے۔

فائدہ بعض نے کہا نہی از بیع شراء کو بھی شامل ہے کیونکہ بیع اور شراء لازم و ملزوم ہیں ایک دوسری کے بغیر سمجھی ہی نہیں جاتیں اسی لئے ایک کے ذکر پر اکتفاء کر کے دوسری بھی مراد لی ہے۔

فائدہ یہ امر ہے ان امور کے ترک کا جو دینوی مشاغل ذکر الہی سے غافل کر دیں۔

نکتہ دیگر مشاغل کے بجائے صرف بیع و شراء کا اختصاص اس لئے ہے کہ جمعہ کے دن لوگ ارد گرد سے بیع و شراء کے لئے جمع ہوتے تو دوپہر کے وقت خرید و فروخت شباب پر ہوتی ہے تو یہ وقت اس زد میں ہے کہ لوگ سخت مشغولی سے ذکر الہی اور مساجد کی طرف نماز جمعہ پڑھنے کو بھول نہ جائیں اسی لئے اس پر متنبہ فرمایا کہ آخرت کی تجارت کی طرف دوڑو دینوی تجارت کو چھوڑ دو اور ذکر الہی کی طرف دوڑو کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی نافع تر نہیں اور

بیع و شراء چھوڑ دو کہ اس کا نفع نہایت ہی قلیل ہے۔

ذلکم سعی الی ذکر اللہ اور ترک بیع خیر لکم تمہارے لئے بہتر بیع میں مشغول ہونے سے کیونکہ آخرت کا نفع بزرگ تر اور ہمیشہ باقی ہے۔ ان کنتم تعلمون اگر تم جانتے ہوتے۔ خیر و شر حقیقی۔

حدیث شریف میں ہے کہ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے خطبہ میں دیک دن فرمایا کہ بیشک تم پر اللہ تعالیٰ نے اس دن اور اس مقام میں جمعہ فرض فرمایا جو اسے میری ظاہر زندگی میں اور میرے وصال کے بعد بلا عذر چھوڑ دے کا حالانکہ اس کا امام عادل یا ظالم ہے تو اسے اللہ تعالیٰ نہ برکت دے اور اس کا حال صحیح رکھے خبردار ایسے شخص کا نہ حج قبول ہے نہ روزہ اور جو توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔

تفسیر عالمانہ فاذا قضیت الصلوۃ (تو جب نماز ادا کر دی جائے) وہ جس کے لئے اذان ہوئی یعنی نماز جمعہ یعنی جب نماز ادا ہو جائے اور اس سے فراغت پا جائے۔ فانتشروا فی الارض تو زمین پر پھیل جاؤ۔ اپنی مصالح کی اقامت کے لئے اور اپنی حوائج کے تصرف میں یعنی متفرق ہو جاؤ کہ ہر ایک وہاں جائے جہاں اس نے اپنی ضرورت مشروعہ پوری کرنی ہے یعنی جس کی تحصیل معیشت کے لئے ضروری ہے۔

سوال اس امر کا کیا معنی حالانکہ شرعاً جائز ہے کہ کوئی مسجد (جمعہ) میں (جمعہ کے بعد) رات تک ٹھہرا رہے بلکہ یہی مستحب ہے۔

جواب یہ امر رخصت کا ہے عزیمت (وجوب وغیرہ) کا نہیں اب معنی یہ ہوا کہ تمہیں جمعہ کی نماز کے بعد جائز منتشر ہونے میں کوئی گناہ نہیں۔

(حاشیہ = اسی نکتہ کے پیش نظر ہمارے فقہائے احناف رحمہم اللہ نے جمعہ میں شہر یا مضافات شہر یا کم از کم وہ قصبہ جو شہر کے حکم میں ہے کی شرط لگائی ہے اور فرمایا بستیوں میں جمعہ جائز نہیں اس لئے کہ قرآن نے فرمایا وذروا البیع فرمایا تو سمجھا گیا کہ یہ خطاب صرف شہر والوں کو ہے اہل دیہہ کو نہیں تفصیل فقیر کی کتب "دیہاتی جمعہ" ملاحظہ ہو)

وابتغوا من فضل اللہ اور اللہ تعالیٰ کا فضل طلب کرو۔ یعنی نفع یعنی اپنے لئے اور اہل وعیال کے لئے رزق حلال تلاش کرو جس طرح آسانی سے میسر ہو۔ تجارت سے یا کسی دوسری جائز کمائی سے اس پر معنی اس کا شان نزول بھی دلالت کرتا ہے مثلاً فرمایا واذار لوا تجارۃ الخ جیساکہ آئے گا (انشاء اللہ)

قاعدہ حظر کے بعد امر مطلق آئے تو وہ اباحت کا ہوتا ہے نہ کہ ایجاب کا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا واذا حللتم فاصطادو جب تم احرام سے فارغ ہو جاؤ تو شکار کرو۔

فائدہ امام سرخسی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا یہ امر ایجاب کا ہے جیساکہ حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ نماز کے بعد کسب کی تلاش ایک فریضہ کے بعد دوسرا فریضہ ہے اس کے بعد آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی فاذا قضیت الصلوۃ الخ

فائدہ بعض نے کہا یہ امر ندب کا ہے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب تم جمعہ سے فراغت پاؤ تو کسی شے کی قیمت پوچھو اگرچہ اسے نہ خریدو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دنیا کی کسی شے کی تلاش کا حکم نہیں سوائے بیمار پرسی اور حضور الجنائز اور اسلامی برادر کی زیارت کے حضرت حسن وسعید بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اضافہ کر کے فرمایا سوائے طلب علم کے۔

مسئلہ حضرت کاشفی مرحوم نے لکھا کہ یہاں انتشار فی الارض سے خود مسجد کی زمین مراد ہے مطلب یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کے بعد علماو واعظین کی مجالس میں جاؤ بعض نے اس سے نماز نفل مراد لی ہے ظاہر یہ ہے کہ اس سے لوگوں کو اس طرف رہبری کی گئی ہے جو ان کے لئے بہتر ہو اور اس میں شک نہیں انسان کی بہتری کمائی آخرت کی ہے ساتھ ہی حلال کی روزی کمانا بھی عبادت ہے بلکہ بوقت اضطرار فرض ہے۔

واذکروا اللہ اور اللہ تعالیٰ کو دل وجان سے یاد کرو کثیرا بہت زیادہ یا بہت دیر تک صرف اس کے ذکر کو نماز سے مخصوص نہ رکھو۔

نکتہ فقیر (صاحب روح البیان رحمتہ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کثرت ذکر کا اس لئے حکم فرمایا ہے کہ

انسان عالم صغیر عالم کبیر کے بالمقابل ہے اور عالم کبیر کی ہر شے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتی ہے اور ان ہر ایک کا مخصوص ذکر ہے اس لئے عالم صغیر پر واجب ہے کہ وہ عالم اکبر کی گنتی کے مطابق ذکر کرے تاکہ دونوں آئینوں کا تقابل مطابق اور اجمال تفصیل کو منطبق ہو۔

سوال کیا انسان کو وسعت ہے کہ وہ عالم اکبر کے مطابق ذکر پورا کر سکے؟

جواب ہاں یہ جب شہود تام و حضور کمال کے ساتھ مرتبہ سر سے ہو جیسے سیدنا بایزید بسطامی قدس سرہ نے فرمایا کہ ذکر کثیرا گنتی والا مراد نہیں بلکہ حضور والا مراد ہے کبھی اللہ تعالیٰ کو کثیر کا بدلہ بنا دیتا ہے جیسا کہ مروی ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے منبر پر رونق افروز ہو کر فرمایا الحمد اللہ یہ کہ کر تقریر سے رک گئے اور فرمایا سیدنا ابو بکر و سیدنا عمر رضی اللہ عنہما اس مقام پر خوب گفتگو فرماتے رہے تم ایک امام کے سامنے جو فعال تو ہے لیکن وہ دوسرے بولنے والے کا محتاج ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ اس پر منبر بڑے بولنے والے آئیں گے۔ یہ کہہ کر منبر سے اتر گئے۔

مسئلہ اس سے ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے استنباط فرمایا کہ اگر خطیب جمعہ میں مختصر ذکر کہ جسے ذکر کہا جا سکے پر اکتفاء کرے مثلاً الحمد للہ، سبحان اللہ تو جائز ہے (خطبہ ہو گیا) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کو ہی خطبہ بتایا ہے۔

سوال حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس عمل سے استدلال کر کے صرف الحمدللہ یا سبحان اللہ جائز کہہ دینا صحیح نہیں کیونکہ انہوں نے آگے بھی مختص مضمون بتایا۔

جواب وہ خطبہ کی حیثیت سے نہیں وہ تو ایک نجی گفتگو ہے اور سمجھایا کہ وہ حضرات قادر السلام تھے اور میں ان کے مرتبہ کا نہیں۔

مسئلہ امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک اتنا کلام ضروری ہے کہ جسے خطبہ کہا جا سکے یہ وہ استدلال ہے جس پر ان کے سوا اور کوئی متنبہ نہیں ہوا۔ صحیح وہی ہے جو امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

کا استدلال بھی تو کچھ کم نہیں لیکن یہ ان کا الہامی مسئلہ ہے جو ان کے مقلدین کو سلامت۔

فائدہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ذکر طاعت الٰہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ کو یاد کر رہا ہے جو اس کا اطاعت گزار نہیں وہ گویا اسے یاد ہی نہیں کرتا اگرچہ وہ تسبیح و ذکر کی کتنی ہی کثرت کرے۔

مسئلہ اس معنی پر انسان ہر وقت ذکر میں مصروف رہتا ہے (اگر وہ اطاعت گزار ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لئے فرمایا۔ رجال لاتلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ ایسے لوگ ہیں جنہیں ذکر الٰہی سے تجارت اور بیع و شراء غافل نہیں کرتی۔

فائدہ جس ذکر کی سعی کا حکم ہے وہ ذکر خاص ہے اس میں تجارت ہرگز جمع نہیں ہو سکتی اور نہ خرید و فروخت کیونکہ اس سے خطبہ نماز مراد ہے جس کا وہ حسب سے پہلے مامور ہے اس کے بعد فرمایا کہ جب تم اس سے فارغ ہو جاؤ تو بھی اپنے ہر عمل اور جس سے رکنا ہے میں طاعت الٰہی کو نہ چھوڑو۔

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ تاکہ تم دارین میں کامیاب ہو جاؤ کیونکہ اس کا ذکر موجب جمعیت ظاہر و باطن اور نجات دنیا و آخرت کا سبب ہے۔

از ذکر خدا مباش یک دم غافل کز ذکر بود خیر دو عالم حاصل
ذکر ست کہ اہل شوق را در ہمہ حال آسائش جان باشد و آرائش دل

(ایک لحظ بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہ ہو اس لئے کہ دو جہان کی خیر اس سے حاصل ہے اہل شوق ہر وقت ذکر میں رہتے ہیں آسائش جان اسی میں ہے تو دل کا آرام بھی)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اہل کمال للایمان ذوقی و عیانی جب تمہیں صلوۃ الواصلہ والجمعیت اور بقاء فنا حاصل ہو جائے تو بشریت کی زمین پر شہوات مباحہ و روائح فاتحہ سے استرواح کے لئے اور ارض کی چراگاہوں میں چرنے کے لئے پھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا فضل یعنی تجارات معنویہ نافعہ تلاش کرو اور اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں یاد کرو جو تم

پر ظاہری نعمتیں ہیں ناسوتیہ ظلمانیہ سے اور باطنی نعمتوں کو یاد کرو یعنی بقاء باللاہوتیہ النورانیہ کو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ ان ظاہری و باطنی نعمتوں پر طالبین صادقین اور ان متوجہین الی اللہ کی رہبری سے جو روح صافی اور قلب والی رکھتے ہیں۔

مسائل فقہیہ اشباہ ونظائر میں ہے کہ یوم الجمعہ میں چند احکام مخصوصہ ہیں۔

۱۔ لزوم الجماعۃ ۲۔ جماعت میں کم از کم تین امام کے سوا

۳۔ خطبہ ۴۔ اس کا نماز سے پہلے ہونا۔

۵۔ قرات سور مخصوص ۶۔ غسل مسنونہ

۷۔ جمعہ سے پہلے سفر کی حرمت (بشرطیکہ سفر سے جمعہ کے فوت ہو جانے کا احتمال نہ ہو)

۸۔ خوشبو لگانا ۹۔ اگر ہو تو ورنہ تیل سادہ

۱۰۔ اچھے کپڑے پہننا (ورنہ وہی جو پہنے ہوئے ہے انہیں دھونا اگر دھونے کی ضرورت ہو)

۱۱۔ مسجد میں خوشبو کی دھونی (اگر بتی وغیرہ جلانا)

۱۲۔ ناخن کاٹنا (اگر بڑے ہوں) ۱۳۔ بال ترشوانا (اگر ضرورت ہو) لیکن افضل ہے کہ جمعہ کے بعد ہو۔

۱۴۔ جمعہ کے لئے جلدی جانا۔

۱۵۔ خطیب کے خطبہ کے لئے منبر پر آنے تک عبادت میں مشغول ہونا۔

۱۶۔ جمعہ ابراء مسنون نہیں۔ ۱۷۔ صرف جمعہ کا روزہ تنہا رکھنا مکروہ ہے

۱۸۔ صرف شب کا قیام (نوافل وغیرہ) مکروہ ہے

۱۹۔ جمعہ کے دن سورۃ کہف پڑھنا۔

۲۰۔ دوپہر کے وقت نفل پڑھنے کی کراہت کی نفی اس وقت نفل کا مذہب امام ابو یوسف رحمۃ اللہ کا صحیح معتمد قول

فضائل جمعہ

۱۔ ہفتہ کے ایام میں جمعہ سب سے افضل ہے۔

۲۔ یہ یوم عید ہے۔

۳۔ اس میں ایک ساعت ہے جس میں دعا مستجاب ہوتی ہے۔

۴۔ اسی دن ارواح کا اجتماع ہوتا ہے۔

۵۔ اسی دن قبور کی زیارت کی جائے۔

۶۔ جو اسی دن (رات) کو فوت ہو وہ عذاب قبر سے مامون (امن میں) ہوتا ہے۔

۷۔ جو اسی دن یا رات کو فوت ہو وہ فتنہ قبر اور اس کے عذاب سے مامون ہو گا۔

۸۔ اس دن جہنم کی آگ نہیں سلگائی جاتی۔ ۹۔ اسی دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے۔

۱۰۔ اسی دن جنت سے باہر تشریف لائے۔ ۱۱۔ اسی دن قیامت قائم ہو گی۔

۱۲۔ اسی دن اہل جنت اللہ تعالیٰ کی زیارت سے مشرف ہوں گے۔

۱۳۔ جب عرفات میں حج کے لئے جمعہ کا دن $\overset{\text{واقع}}{\text{ہو}}$ اتو اس حج کا ستر گناہ زیادہ ثواب ہوتا ہے۔ [1]

کیونکہ حجۃ الوداع (حضور سرور عالم ﷺ کا آخری حج مبارک اسی دن ہوا تھا (الدار واللالی)

واذا رأوا اور انہیں علم ہو۔ تجارۃ تجارت کا یہ وحیہ بن خلیفہ کی تجارت تھی۔ او سنا۔ لھوا کھیل۔

حل لغات وہ امر انسان کو دوسرے ارادوں اور کاموں سے غافل کر دے کہا جاتا ہے۔ الھی عن کی۔ اس نے ایسے ایسے غافل کیا اس سے جس کا نہیں ارادہ تھا یہاں پر طبل کی آواز مراد ہے اسے لھو غلیظ کہا جاتا ہے یوں جب وحیہ مدینہ طیبہ میں تجارت کا سامان لے کر آتے تو ڈھول بجاتے تاکہ خریداروں کو معلوم ہو جائے کہ وہ آ گیا ہے۔

فائدہ حضرت کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ جب کافلہ پہنچتا تو خوشی کے شادیانے بجاتے جیسے ہمارے دور میں اصحاب السفینہ بندوقین (توپ چلاتے ہیں۔ ترکی میں بندق توپ کو کہتے ہیں) یا جب قافلہ آتا تو اس کا استقبال ڈھول۔ دف

---

[1] اسی لئے عوام میں جمعہ کا حج حج اکبر مشہور ہے۔ اگرچہ یہ کوئی اصطلاح شرعی نہیں لیکن اسی ثواب کی مناسبت سے حج اکبر کہا جاتا ہے۔

اور تالیاں بجا کر کرتے اور لہو سے یہی مراد ہے۔ **الفضوا الیھا** تو اس کی طرف چل دیئے۔

حل لغات الفض بمعنی کسی شے کا توڑنا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا جیسے فض الخاتم معنی ختم الکتب (کتاب کی مہر) اسی سے استعارہ ہے۔ انفض القوم۔ لوگ متفرق منفرد ہو گئے (تاج المصادر) میں ہے انفضاض بمعنی شکستہ (ٹوٹا ہوا) اور پراگندہ ہونا۔

سوال مذکور دو ہوئے تجارت ولہو اور یہاں (الیہا) میں ضمیر واحد ہے۔

جواب قاعدہ ہے جب دو کا ذکر حرف عطف سے ہو تو اس کے لئے تثنیہ کی ضمیر کے بجائے واحد لائی جاتی ہے اور مناسب یہ ہے کہ ضمیر واحد ہو کہ بغیر کس مقصد کے کسی طرف ہی لوٹے یا اس کی تخصیص تجارت کے لئے ہو کیونکہ اصل مقصود وہی ہے یا دلیل ہو اس امر کی کہ تجارت کے باوجود یہ کہ ضرورت ہے تو اس طرف جانا مذموم ہے تو لہو کی بطریق اولیٰ مذمت ہو کیونکہ لہو خود مذموم ہے یا یہ ضمیر بتاتی ہے کہ ان میں بعض صرف ڈھول سننے اور دیکھنے کے لئے گئے تھے۔

مسئلہ جب ڈھول اگرچہ ایک مذموم شے ہے لہو ہے تو پھر باجے گانے فحش وغیرہ کے بارے میں کتنی مذمت ہو گی بعض نے کہا یہ ضمیر اس رویہ کی طرح راجع ہے جو راؤہا میں ہے۔

مسئلہ بعض قراتوں میں الیہما ہے اس معنی پر اور تقسیم کی ہو گی۔

آیت کا پس منظر مروی ہے کہ وحیہ بن خلیفہ کلبی علاقہ شام سے تجارت کا مال لایا (یہ ان کے اسلام قبول کرنے سے پہلے ہے) اس وقت مدینہ طیبہ میں قحط تھا اور وہ تمام ضرورت زندگی کا سامان لایا مثلاً گندم جو زیتون آٹا وغیرہ وغیرہ نبی پاک ﷺ جمعہ مبارک کا خطبہ پڑھ رہے تھے جب اہل مسجد نے اسی کی آمد سنی تو اس خوف سے کہ اور لوگ ان سے پہلے خرید لیں خطبہ چھوڑ کر ادھر ٹوٹ پڑے۔ حضور نبی پاک ﷺ کے ہاں صرف آٹھ یا گیارہ یا بارہ یا چالیس اصحاب رہ گئے۔ ان میں ابوبکر و عمر و عثمان و علی و طلحہ و زبیر و سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمن بن

عرف ابو عبیدہ بن الجراح وسعید بن زید وبلال عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم تھے اور ایک روایت میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ عبداللہ بن مسعود کے بجائے مروی ہیں۔ امام مسلم رحمہم اللہ تعالیٰ کی روایت میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بھی ان میں تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ ان میں ایک عورت بھی تھی حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر سب چلے جاتے تو اللہ ان پر آگ کی وادی اور عین المعانی میں ہے کہ اگر یہ باقی نہ رہتے تو ان پر پتھر برستے۔ وترکوک قائما اور وہ تمہیں کھڑا کھڑا چھوڑ جاتے منبر پر۔

خطبہ مسنونہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ جمعہ میں کھڑے ہو کر دو خطبے پڑھتے ان کے درمیان بیٹھتے۔

مسئلہ اس لئے دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا سنت ہے۔

مسئلہ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جمعہ کے دن منبر پر کھڑے ہو کر وعظ کرنا احسن ہے اگرچہ جمعہ کا وعظ بیٹھ کر بھی جائز ہے کیونکہ وعظ وخطبہ ایک شے ہے کیونکہ دونوں حمد وثنا اور صلوۃ وسلام اور نصیحت اور دعا پر مشتمل ہیں۔

فائدہ حضرت شیخ مشیر بامحمد قدس سرہ نے فرمایا کہ خطبہ ذکر الٰہی اور لوگوں کو نصیحت کرنے کا نام ہے۔

فائدہ حضور نبی پاک ﷺ ہمیشہ ذکر الٰہی میں معروف رہتے جب لوگوں کو نصیحت کرنے کے لئے اس طرف متوجہ ہوتے تو نہایت ہی آرام سے اور آہستگی سے بیٹھتے اسی لئے فقہاء کرام نے فرمایا کہ خطبہ میں استراحت ضروری ہے (ان کا استدلال حضور علیہ السلام کا یہی عمل مبارک ہے)

ایک خطبہ منسوخ حضور نبی پاک ﷺ کی عادت کریمہ تھی کہ اوائل (پہلے دور) میں ایک خطبہ سے نوازتے (یعنی درمیان میں بیٹھتے نہیں تھے) یا تو عظمت قدر کی وجہ سے کہ آپ جامع الوصال والفرقۃ تھے یا اس لئے کہ آپ کا ہر کلام وحی کے موافق ہوتا تھا اور اسی طرح ہوتا جو مقتضائے الٰہی ہو اسی لئے آپ اوائل میں خطبہ کے

درمیان بیٹھنے پر مامور نہ تھے پھر (نسخ کا قیاس ہو سکتا ہے) بعد کو درمیان میں بیٹھنے لگے۔

محبوب تقریر حقیقت یہ ہے کہ حضور نبی پاک ﷺ جیسے عالم ملک کے رہبر وہادی ہیں ایسے ہی عالم ملکوت کے بھی۔ جب آپ خطبہ کے وقت اہل ملکوت کی رہبری میں مصروف ہوتے تو دوسرے خطبہ کے لئے نہیں ہوتے تھے تو پھر دو خطبوں کے درمیان بیٹھتے اور انبیاء ہوتے اور خطبہ میں اہل ملکوت شریک نہیں ہوتے تھے تو پھر دو خطبوں کے درمیان بیٹھتے اور انبیاء علیہم السلام کا دستور ہے کہ وہ لوگوں کی عقول و مراتب کے مطابق گفتگو فرماتے ہیں اسی لئے جب حضور نبی پاک ﷺ اہل ملک سے اہل ملکوت کی طرف ارشاد کے لئے متوجہ ہوتے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ارحنی یا بلال (اے بلال راحت دے) اور جب آپ اہل ملکوت سے اہل ملک کی طرف متوجہ ہوتے تو ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرماتے کلمینی یا حمیرا اے حمیرا میرے سامنے سے بات کر۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اعتراض کا جواب برائے شیعہ

شیعہ کہتے ہیں کہ معاذ اللہ صحابہ لالچی تھے کہ خطبہ چھوڑ کر چلے گئے اس کا جواب ملاحظہ ہو

۱۔ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کی شان عالی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ تجارت کا سن کر خطبہ کو نہ چھوڑتے اور نبی پاک ﷺ اکیلے نہ رہ جاتے۔ حضرت مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دور اول میں جمعہ کا خطبہ نماز عیدین کی طرح بعد کو ہوتا تھا چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز پڑھ چکے تھے اس لئے سمجھا کہ اب نماز تو ختم ہو گئی فلہذا جو ضرورت ہو وہ پوری کر لی جائے اور انہیں خطبہ چھوڑنے میں اباحت محسوس ہوئی (گویا اپنے اجتہاد سے کام لیا اور یہ کہ صحابہ پر اسی قسم کی گرفت نہیں رہی بارہا ان کے اجتہادات پر حضور سرور عالم ﷺ نے مہر ثبت فرمائی اس واقعہ کے بعد خطبہ جمعہ نماز سے پہلے پڑھا جانے لگا اس کے بعد اب کوئی خطبہ کے درمیان عذر کے بغیر کہیں نہیں جاتا تھا اعذار یہ ہیں مثلاً نکسیر چل گئی یا بے وضو ہو گیا اگر اور ضرورت ہوتی تو وہ حضور سرور عالم ﷺ سے اجازت مانگتے تو شہادت کی انگلی کے اشارہ سے آپ بھی ہاتھ کے اشارہ سے اس کا جواب (اذن عدم اذن دیتے)

فائدہ امام سہیلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ یہ حدیث کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سماع خطبہ کا ترک فرمایا اگرچہ وجہ ثابت سے منقول نہیں لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے حسن ظن ضروری ہے اسی لئے اسے ثابت اور صحیح ماننا پڑے گا۔

فائدے فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ مانا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ خیال تھا کہ وہ نماز تو پڑھ چکے اب چلے جائیں تو کیا حرج ہے جب فرض ادا ہو گیا تو اب باقی کیا ہے لیکن ان کے آداب اور عشق کب اجازت دے سکتا تھا کہ وہ رسول اکرم ﷺ کو اکیلا چھوڑ کر چلے گئے حالانکہ ان کا حال یہ تھا کہ سرکار دو عالم ﷺ کی طرح تم بات سنتے وقت ایسے سکون سے بیٹھتے کہ گویا ان سے سروں پر پرندے ہیں تو پھر سرے سے یوں نہ کہہ دیا جائے کہ یہ سوال بھی منجملہ شیعوں کے دیگر ہفوات کی طرح ہے جو مصلحتوں اور بڑی حکمتوں کا متضمن ہے ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ اگر ان سے اس کا صدور نہ ہوتا تو نزول آیت کیسے ہوتا جو دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔[1]

فائدہ اس میں اپنے بندوں کو ارشاد الٰہی ہے جو کسی سے مخفی نہیں۔

قل ما عند اللہ فرمایئے وہ جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے ثواب نماز اور استماع خطبہ و لزوم مجلس آنحضور ﷺ اور ما موصولہ ہے ان سے اللہ تعالیٰ نے بواسطہ نبی پاک ﷺ ایسا خطاب فرمایا جو عتاب پر مبنی ہے۔

خیر بہتر و سودمند ہے من اللھو استماع لہو سے ومن التجارۃ اور تجارت کے نفع سے کیونکہ وہ نفع محقق دائمی ہے بخلاف لہو و تجارت کے نفع کے وہ وہمی ہے لہو کا نفع غیر محقق تو ہے ہی اور تجارت کا نفع محقق

(حاشیہ[1] ایسے تکلف کی ضرورت ہی کیا ہے سادہ سا جواب ہے کہ جانے والے وہ حضرات ہوں گے جو نئے داخل ہوئے ورنہ جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تو موجود رہے اور ایسے نوواردوں سے ایسے افعال صادر ہوتے رہتے ہیں جیسے تقسیم غنیمت کے وقت بعض نوجوانوں نے ایک شکوہ کیا یا پھر اساری بدر کے مشورہ کے وقت ہوا، وغیرہ وغیرہ)

سہی لیکن دائمی نہیں اور جو دائمی نہ ہو وہ از قبیل ظن ہے جو جلد زائل ہو جائے گا۔

نکتہ لہو کی تقدیم کی وجہ یہاں سے معلوم ہو اس لئے اعلام ملکات سے پہلے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ حضرت البقلی قدس سرہ نے فرمایا کہ اس میں ان مریدین کو سمجھایا گیا ہے کہ جو خلوات برائے طلب کرامات کو ترجیح دے کر مشائخ کرام کی صحبت سے غافل ہو جاتے ہیں انہیں کیا معلوم کہ خلوات میں کیا رکھا ہے جب کہ صحبت مشائخ کیمیا ہے اور ان کی اپنی خلوات تو لہو محض ہیں۔

فائدہ حضرت سہل رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جسے دنیا و آخرت کا کوئی امر اللہ تعالیٰ سے غافل کر دے تو سمجھ لو کہ اس کی طبع خسیس و ہمت رذیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے اپنی طرف راستے کا دروازہ کھول رکھا تھا اور اجازت دی کہ بندہ مناجات سے سرشار ہو لیکن وہ لم یزل ولا یزال سے محروم ہو کر فانی چیزوں میں مشغول ہو گیا۔

فائدہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ وہ جو عبادت گزاروں اور زاہدوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے کل تیار کر رکھا ہے وہ آج کے دنیا کے نقد سے بہتر ہے اور وہ جو عارفین کی نقد واردات القلوب اور بوادر الحقیقت نصیب ہوتے ہیں وہ دنیا و عقبی سے بہتر ہیں۔

واللہ خیر الرازقین اور اللہ تعالیٰ بہتر رزق دینے والا ہے کیونکہ رزاق وہی ہے فلہذا اسی کی طرف دوڑو اور اسی سے ہی رزق طلب کرو۔

فائدہ حضرت کاشفی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ روزی دینے والوں میں سے بہتر روزی دینے والا ہے یعنی وہ جو رزق کے پہنچانے کے وسائط ہیں ان سے بہتر ہے کیونکہ وہ کسی وقت بخل کرتے ہیں یا مصلحت کے پیش نظر نہیں رہتے۔

حکایت منقول ہے بغداد کے خلیفہ وقت نے حضرت بہلول کو کہا کہ روزانہ میرے سے روزینہ لے جایا کرو تاکہ سکون قلبی سے اللہ اللہ کر سکو۔ آپ نے فرمایا میں تیرے پاس آ کر روزینہ لے جاتا اگر تیرے میں چند نقائص نہ

ہوتے۔

۱۔ تمہیں کیا معلوم کہ مجھے کسی دن کیا ہوگا۔

۲۔ تمہیں کیا معلوم کہ مجھے کتنا ضرورت ہوگی۔

۳۔ تجھے کیا معلوم کہ مجھے کتنا ضرورت ہے لیکن میرا رب تعالیٰ میرے رزق کا کفیل ہے وہ سب کچھ جانتا ہے اور اپنی حکمت جلیلہ سے میرے ہاں پہنچا ہی دیتا ہے۔

۴۔ مجھ پر تیری ناراضگی کا شائبہ بھی ہے پھر اسے بند کر دینے کا امکان ہے لیکن اللہ تعالیٰ میرے گناہ جانتا بھی ہے لیکن روزی بند نہیں کرتا۔

خدائے کہ او ساخت از نیست ہست   بمعصیاں در رزق بر کس نہ بست
از و خواہ روزی کہ بخشندہ اوست   بر آرندہ کار ہر بندہ اوست

(وہ اللہ تعالیٰ جس نے نیست سے ہست کیا۔ گناہوں کی نحوست سے کسی پر رزق کا دروازہ بند نہیں کیا۔ اسی سے مانگ کہ وہی روزی بخشنے والا ہے ہر بندہ کام وہی کرتا ہے)

حکایت کسی سے پوچھا گیا کہ کہاں سے کھاتے ہو مالک کے بندے خزانہ سے جس میں جو داخل نہیں ہو سکتے اور نہ ہی اسے دیمک اجاڑ سکتی ہے۔

حکایت حضرت حاتم اصم رحمتہ اللہ تعالیٰ نے ایک دن اپنی زوجہ سے کہا کہ میرا سفر کا ارادہ ہے میں تجھے واپسی تک کتنا خرچ دے جاؤں کہا اتنا دے جتنا معلوم ہو کہ میں تیرے آنے تک کے روز زندہ رہوں گی فرمایا اس کا تو مجھے علم نہیں کہا تو پھر مجھے اس کے سپرد کر دے جو یہ جانتا ہو (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف) جب آپ سفر پہ چلے گئے تو عورتیں آئیں اور آپ کی زوجہ کو طعن و تشنیع کرنے لگیں کہ تیرا رزق دینے والا نہیں تھا (رزاق صرف اللہ تعالیٰ ہے)

فائدہ بعض نے کہا خیر من اللہو اور خیر الرازقین اور قبیل بالفرض والتقدیر ہے اس لئے کہ نہ لہو میں خیر ہے نہ غیر اللہ کے سوا کوئی رازق ہے اب معنی یہ ہوا اگر لہو میں خیر و بھلائی پائی جائے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس سے بہت زیادہ خیر و

بھلائی ہے ایسے ہی اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے سوا رازق ہے تو اللہ تعالیٰ ان سب سے بہتر اور قوی تر اور عطیہ کے لحاظ سے اولیٰ ہے۔

فائدہ رزق وہ شے جس سے نفع اٹھایا جائے وہ مباح ہو یا محظور (حرام)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ خیر الرازقین ہے کہ رزق نفس کو محیط ہے یعنی طاعت و عبادت بتقاضائے علم شرعی اور قلب کا رزق ہے۔ مراقبہ اور اعمال قلبیہ پر مراقبہ جیسے زہد، ورع، توکل، تسلیم، رضا، بسط، قبض، انس، ہیبت اور روح کا رزق تجلیات و تنزلات و مشاہدات و معاینات سے ہے اور سر کا رزق رویت غیرو غیریت کو ہٹا دینا اور رزق خفاء فنا فی اللہ وبقاء باللہ میں ہے یہی بہتر رزق ہے اور وہی خیر الرازقین ہے۔

مثنوی شریف میں ہے۔ ہرچہ از یادت جدا اندازو آن مشنو آنرا کہ زیاں واو زیاں
گر بود آن سود صد ور صد یگر بہر زر مگسل ز گنجور اے فقیر
آن شنو کہ چند یزداں زجر کرد گفت اصحاب نبی را گرم سرد
زانکہ در بانگ دہل در سال تنگ جمعہ را کروند باعمل بے درنگ
تانباید دیگراں ارزاں خرند زاں سبب صرفہ زما ایشاں برند
ماند پیغمبر بخلوت در نماز با دو سہ درویش ثابت بر نیاز
گفت طبل و لہو و بازاگانی چونتان ببرید از ربانی
قد نفضتم نحو قمح ھاما ثم خلیتم نبیا قائما
بہر گندم تخم باطل کاشتند و آں رسول حق را بگذاشتند
صحبت او خیر من لہو است ومال بین کرا بگذاشتی چشمی بمال
خود شد حرص شمارا ایں یقین کہ منم رزاق و خیر الرازقین
آنکہ گندم راز خود روزی دہد کے توکلہات را ضائع کند
از پے گندم جدا گشتی ازاں کے فرستادست گندم ز آسماں

ترجمہ جو شے تجھے اللہ تعالیٰ سے جدا کر ڈالے اسے نہ سن کہ وہ تجھے سخت نقصان دے گی۔ ۲۔ اگرچہ اس کا نفع

سو فیصد ہو تو بھی نہ لے خزانہ سے تعلق نہ توڑ اے فقیر۔ ۳۔ وہ سن کہ اللہ تعالیٰ نے جھڑک دیا اصحاب رسول اللہ کو گرم و سرد بنایا۔ ۴۔ اس لئے کہ قحط سالی میں ڈھول کی آواز سنی تو جمعہ کو بلا تاخیر باطل کر دیا۔ ۵۔ تاکہ دوسرے اسے خرید نہ لیں اس تاخیر سے تمام مال نہ لے جائیں۔ ۶۔ پیغمبر علیہ السلام اکیلے نماز میں رہ گئے صرف دو سہ درویش ثابت برنیاز تھے۔ ۷۔ فرمایا ڈھول اور لہو اور بازار خبردار تمہیں اسرار ربانی سے محروم نہ کر دیں۔ ۸۔ تم حیران ہو کہ گندم کی طرف چلے گئے نبی علیہ السلام کھڑے نماز میں تنہا رہ گئے۔ ۹۔ گندم کے لئے باطل کا بیج بویا نبی علیہ السلام کو چھوڑ گئے۔ ۱۰۔ ان کی صحبت تو لہو و مال سے بہتر ہے مال پر امید رکھ کر دیکھ تو کسے چھوڑ گیا تھا۔ ۱۱۔ تمہارے حرص کو یہ یقین نہ آیا کہ میں ہی رزاق اور خیر الرازقین ہوں۔ ۱۲۔ وہ ذات تو خود گندم کو بھی روزی دیتا ہے تو پھر تمہارے جیسوں کو کیسے ضائع کرے گا۔ ۱۳۔ گندم کی وجہ سے تو تو اس سے جدا ہوا گندم کو آسمان سے کس نے بھیجا۔

لطیفہ احیاء العلوم للغزالی قدس سرہ میں ہے کہ جمعہ کی نماز کے بعد مستحب ہے کہ کہے اللھم یا غنی یا حمید یا مبدئ یا معید یا رحیم یا ودود اغننی بحلالک عن حرامک وبفضلک عمن سواک

ترجمہ اے اللہ اے غنی اے حمید اے ابتداءً پیدا کرنے والے اے لوٹانے والے اے رحیم اے ودود مجھے اپنے حلال کی برکت سے حرام سے مستغنی بنا دے اور ماسوائے اپنے طفیل سے بے پرواہ کر دے۔

کہا گیا ہے کہ جو شخص اس پر مداومت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے مخلوق اور رزق سے ایسا بے نیاز کر دے گا کہ اس کا گمان تک نہ ہو گا۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو جمعہ کے دن یہ دعا ستر بار پڑھتا ہے

اَللّٰھُمَّ اَغْنِنِیْ بِحَلَالِکَ عَنْ حَرَامِکَ وَبِفَضْلِکَ عَمَّنْ سِوَاکَ

(اے اللہ مجھے اپنے حلال کی برکت سے بے پرواہ کر اپنے فضل سے ماسوا سے بے پرواہ بنا)

اس پر وہ جمعہ نہ گزرے گا کہ اسے اللہ تعالیٰ غنی کر دے گا (رواہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ)

فراغت صاحب روح البیان قدس سرہ صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ تفسیر سورۃ الجمعہ سے ۲ صفر ۱۱۲۱ء ہجری بروز خمیس فراغت پائی۔

اور فقیر اویسی غفرلہ نے تفسیر سورۃ الجمعہ کے ترجمہ سے ۲۴ ربیع الاول ۱۴۰۹ء ہجری فراغت پائی۔

سُوْرَةُ الْمُنٰفِقُوْنَ مَدَنِيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اٰيَاتُهَا ١١ رُكُوْعَاتُهَا ٢

سورۂ منافقوں مدنی ہے اس میں اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا گیارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

إِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ

جب منافق تمہارے حضور حاضر ہوتے ہیں کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضور بیشک یقیناً اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ تم اس

وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ① اِتَّخَذُوْٓا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ

کے رسول ہو اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق ضرور جھوٹے ہیں اور انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال ٹھہرا لیا تو اللہ کی

سَبِيْلِ اللّٰهِ إِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ② ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ

راہ سے روکا بیشک وہ بہت ہی برے کام کرتے ہیں یہ اس لیے کہ وہ زبان سے ایمان لائے پھر دل سے کافر ہوئے

عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ③ وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ وَإِنْ يَّقُوْلُوْا

تو ان کے دلوں پر مہر کردی گئی تو اب وہ کچھ نہیں سمجھتے اور جب تو انہیں دیکھے ان کے جسم تجھے بھلے معلوم ہوں اور اگر بات

تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ هُمُ الْعَدُوُّ

کریں تو تو ان کی بات غور سے سنے گویا وہ کڑیاں ہیں دیوار سے ٹکائی ہوئی ہر بلند آواز اپنے ہی اوپر لے جاتے ہیں وہ دشمن ہیں

فَاحْذَرْهُمْ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ أَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ④ وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ

تو ان سے بچتے رہو اللہ انہیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں اور جب ان سے کہا جائے کہ آؤ رسول اللہ تمہارے لیے معافی

اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ⑤ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ

چاہیں تو اپنے سر گھماتے ہیں اور تم انہیں دیکھو کہ غرور کرتے ہوئے منہ پھیر لیتے ہیں ان پر ایک سا ہے تم ان کی معافی چاہو

لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ⑥

یا نہ چاہو اللہ انہیں ہرگز نہ بخشے گا بے شک اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا وَلِلّٰهِ

وہی ہیں جو کہتے ہیں کہ ان پر خرچ نہ کرو جو رسول اللہ کے پاس ہیں یہاں تک کہ پریشان ہو جائیں اور

خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ⑦ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ

اللہ ہی کے لیے ہیں آسمانوں اور زمین کے خزانے مگر منافقوں کو سمجھ نہیں کہتے ہیں ہم مدینہ

إِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ

پھر کر گئے تو ضرور جو بڑی عزت والا ہے وہ اس میں سے نکال دیگا اسے جو نہایت ذلت والا ہے اور عزت تو اللہ اور

ع ۸ ۱۲ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝٨ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ

اس کے رسول اور مسلمانوں ہی کے لیے ہے مگر منافقوں کو خبر نہیں اے ایمان والو تمہارے مال نہ تمہاری اولاد کوئی چیز تمہیں اللہ کے ذکر

اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝٩ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ

سے غافل نہ کرے اور جو ایسا کرے تو وہی لوگ نقصان میں ہیں اور ہمارے دیئے میں سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کرو قبل

اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ

اس کے کہ تم میں کسی کو موت آئے پھر کہنے لگے اے میرے رب تو نے مجھے تھوڑی مدت تک کیوں مہلت نہ دی کہ میں صدقہ

ع ۳ ۱۲ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝١٠ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝١١

دیتا اور نیکوں میں ہوتا اور ہرگز اللہ کسی جان کو مہلت نہ دیگا جب اس کا وعدہ آجائے اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے

تفسیر عالمانہ اِذَا جَآئَکَ الْمُنٰفِقُوْنَ۔ جب تمہارے پاس منافقین حاضر ہوتے ہیں تمہاری مجلس میں یعنی وہ رخ (منافقین)

حل لغات النفق بمعنی ایمان کا اظہار زبان اور کفر کا کتمان (چھپانا) دل میں منافق جو اعتقادا کفر کو دل میں چھپائے اور زبان سے ایمان ظاہر کرے۔ المفردات میں ہے شرع میں ایک دروازہ سے داخل ہو کر دوسرے دروازہ سے نکل جانا النفاقاء سے ہے بمعنی چوہے اور لومڑی گوہ کی ایک بل جسے چھپائے اور دوسری بل ظاہر کرے۔ جب داخل ہونے والی بل میں داخل ہو تو سرمار کر اندر والی بل کو کھول کر سرنگ میں داخل ہو جائے (تاکہ کسی کو علم نہ ہو کہ یہاں ہے) النفق بمعنی زمین میں سرنگ سا ہراہ کی طرح۔

قالوا کہتے ہیں اپنی بات ان ولام سے موکد کر کے تاکہ یقین ہو کہ یہ شہادت صمیم قلب و خلوص اعتقاد و خور رغبت اور خوشی سے ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ اذا کا جواب ہے مگر یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس قول واذا لقوا الذین امنوا قالوا امنا (جب اہل ایمان کو ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے) کی نظیر ہے بعض نے کہا کہ اس کا جواب مقدر ہے وہ ہے اردوا الخ ان کا ارادہ ہے کہ وہ تمہیں دھوکہ دیں بعض نے کہا کہ یہ جملہ مستانفہ (نیا) ہے ان کے دھوکہ کے طریقہ کا بیان ہے بعض نے کہا اس کا قول فاحذرھم (آگے آرہا ہے)

نشهد ہم گواہی دیتے ہیں ابھی یا ہمیشہ۔ انک رسول اللہ بیشک آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں (ﷺ) شہادت وہ بات جو کسی سے صادر ہو علم سے جو حاصل ہو ابصر (آنکھ سے دیکھنا) سے یا بصیرت (دل کی بینائی) سے۔

واللہ یعلم انک رسولہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ بیشک آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں (ﷺ) یہ جملہ معترضہ ہے ان کی گفتگو کی تقریر کے لئے کہ یہ بات واقعہ کے مطابق ہے اور انکے جھوٹے قول کے ابہام کے ازالہ کے لئے کہ یقیناً ان کا قول جھوٹا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے واللہ یشہد الخ (وہ آتا ہے) اس میں نبی پاک ﷺ کی عظمت کا اظہار ہے۔

فائدہ امام ابو اللیث رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ واللہ یعلم انک لرسولہ تو منافقین کے رد میں فرمایا لیکن وکفی باللہ شہیدا محمد رسول اللہ (ﷺ) کسی کے رد میں نہیں تو اس طرح سے حضور نبی پاک ﷺ کی عظمت کا کیا!!۔

قاعدہ تفسیر نمبر(۱) جہاں بھی قرآن مجید میں علم یعلم (باب) کے بعد ان آیا ہے تو وہ بالفتح ہے سوائے دو مقام کے کہ وہاں بالکسر ہے ایک یہی واللہ یعلم انک لرسولہ دوسرا قد نعلم انہ لیحزنک الذی یقولون (سورۃ الانعام) اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی خبر پر لام تاکیدی ہے اسی لئے ان مکسور ہے کیونکہ لام جملہ کے معنی میں تاکید میں پیدا کرتی ہے اور جملہ تب ہو سکتا ہے جب ان کو مکسور پڑھا جائے (کیونکہ ان (بالفتح) اپنے اسم و خبر کے ساتھ مل کر مفرد ہوتا ہے جملہ نہیں ہوتا۔

قاعدہ نمبر(۲) بعض نحویوں نے کہا کہ جب اس کی خبر کی لام ابتدائیہ داخل ہو تب بھی ان مکسور ہوگا کیونکہ لام ابتدائیہ صدارت کلام کی مقتضی ہے جیسے لزید قائم لیکن جب وہ موخر ہو گئی تاکہ دو حرف تاکید یکجا جمع نہ ہوں اسی لئے اس کی تاخیر اور ان کی تقدیم کو ترجیح صرف ان کے عامل ہونے کی وجہ سے ہے (کیونکہ وہ عامل ہے اور لام تاکید یہ عامل نہیں فلہذا عمل کے لحاظ سے اسے ترجیح لازم ہے) پھر وہ مکسور ہو الام کی وجہ سے

ان المنفقین لکذبون بیشک منافقین البتہ جھوٹے ہیں۔ یہ انہم ہونا چاہیے تھا لیکن اسم ظاہر مضمر کی جگہ لانا ان کی مذمت دوران کے حکم علیت کی وجہ سے ہے یعنی وہ بیشک جھوٹے ہیں اس بات میں کہ وہ جو کچھ کہہ

رہے ہیں اعتقاد و اطمینان قلب سے کہہ رہے ہیں۔ کیونکہ شہادت وہ ہے جس میں زبان اعتقاد کے مطابق ہو اور شہادت زور کہنا مجاز ہے جیسے بیع فاسد کو بیع کہنا مجاز ہے اس کی نظیر وہ مسئلہ ہے کہ ایک شخص کہے کہ میں "الحمد للہ رب العالمین" پڑھتا ہوں تو تم اسے کہو تو جھوٹا ہے تو تکذیب کی نسبت اس کی قرات کی طرف نہ کہ مقرر (پڑھا ہوا کلام یعنی الحمد للہ رب العالمین کی طرف اسی قاعدہ سے وہ مسئلہ فقیہہ ہے کہ موذن سے استہزاء کفر نہیں اذان سے استہزاء کفر ہے۔ بعض نے کہا شہادت حجت شرعیہ ہے یہ حق کو ظاہر کر سکتی ہے واجب نہیں کرتی تو یہ لفظ خاص سے اخبار (خبر دینا) ہے اس کا جس کا اسے علم ہے یہی وجہ ہے کہ مشہور یہ توجیح ہے لیکن وہ شہادت میں جھوٹے ہیں جن کا جھوٹ اللہ تعالیٰ نے واللہ یعلم الخ سے ظاہر فرمایا ہے۔

مسئلہ آیت میں دلیل ہے کہ ایمان کا اعتبار قلب و اخلاص کا ہے اسی خلوص سے ہی چھٹکارا نصیب ہو گا لیکن نبی پاک ﷺ منافقوں کا ظاہر اسلام قبول فرمالیا کرتے تھے۔

مسئلہ شریعت میں زندیق کی توبہ قبول ہو سکتی ہے زندیق وہ ہے جو اسلام ظاہر کرتا ہے اور کفر چھپاتا ہے یہ ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک زندیق کی توبہ قبول ہے۔

فائدہ حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ منافقوں نے زبان سے اقرار کیا لیکن دل سے نہ مانا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کا نام منافقین رکھا۔

ابلیس کا چیلہ جو شخص دل سے ایمان کا معترف اور زبان سے اقرار کرے لیکن فرائض الٰہی پر بلاعذر عمل نہ کرے وہ ابلیس کا چیلہ ہے اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ منافق وہ ہے جو اسلام کو تو مانے لیکن اس پر عمل نہ کرے۔

انتباہ آج کل کے لوگ ان منافقوں سے بھی بدتر ہیں کیونکہ اس وقت تو کفر کے ڈر کے مارے چھپاتے تھے لیکن

آج کل نڈر ہو کر کھلم کھلا کفر کرتے ہیں۔

مسئلہ آیت میں اشارہ ہے کہ منافقین وہ ہیں جو بظاہر دنیا اور اس کی شہوات کی زبان سے مذمت کرتے ہیں لیکن دل سے اس پر قربان ہیں اگرچہ صحت رسالت کی گواہی دیتے ہیں کیونکہ رسالت کے انوار ظاہر ہیں اور معجزات بکثرت سن چکے اور کرامات بکثرت سنتے اور دیکھتے ہیں لیکن وہ اپنی گواہی میں جھوٹے ہیں کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کی متابعت سے روگردان اور دنیا اور اس کی شہوات کی طرف متوجہ ہیں حقیقی شہادت اتباع رسول ﷺ کا نام ہے۔ ایسے ہی اہل دنیا کی اس شہادت کو سمجھئے جو ورثائے رسول ﷺ یعنی اولیاء کرام کے متعلق گواہی دیتے ہیں۔

ازالہ وھم صوفی سیدنا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اے ابن آدم تجھے رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی المرء مع من احب (ہر انسان اس کے ساتھ ہو گا جسے جس سے محبت ہے) دھوکہ میں نہ ڈالے اس لئے کہ تو ابرار سے تب ملحق ہو گا جب تیرے اعمال صالحہ ہوں گے اس لئے کہ یہود و نصاری بھی انبیاء علیہم السلام کو محبت کا اظہار کرتے ہیں لیکن وہ ان کے ساتھ نہ ہوں گے (لیکن ان کے تو عقائد خراب تھے ایسے ہی اعمال صالحہ ہوں لیکن عقائد خراب ہوں تو بھی جہنم جائے گا۔ تو حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول مبارک صرف انتباہ پر مبنی ہے) اور یہ اشارہ ہے محض حب جس میں اعمال صالحہ کل یا بعض کی موافقت نہ ہو تو وہ حب کوئی نفع نہ دے گی۔ (احیاء العلوم)

اسی لئے حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا ہر مرد دنیا میں اس کے ساتھ ہو گا طاعت سے۔ اور آخرت میں معائنہ و قرب مشہدی سے جب خالی محبت کا یہ حال ہے تو منافقت کا کیا حال ہو گا جو بنیاد اور جڑ بلکہ عمارت کو مٹا کر رکھ دیتی ہے اسی لئے منافق کے نہ دعوی کا اعتبار ہے نہ اس کے عمل کا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ منافق وہ مذبذب لوگ ہیں جنہیں استعداد اصلی تو نور ایمان کی طرف کھینچتی ہے اور استعداد عارضی وہ ہے جو ہیئات طبعیہ و عادات رویہ سے حادث ہوئی ہے اور ایسے

لوگ جھوٹے شہادت رسالت کے بارے میں کذوب (جھوٹے) ہیں لیکن رسالت کا حقیقی معنی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اور (اللہ تعالیٰ کے بتانے پر) راسخ فی العلم۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت کو اور اس کی معرفت کی برکت سے رسول اللہ ﷺ کو جانتے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی معرفت معرفت الٰہی کے بغیر ناممکن ہے اور جتنا کسی کو علم ہو گا اتنا ہی رسول اللہ ﷺ کی معرفت نصیب ہو گی اور اللہ تعالیٰ کو حقیقتاً صرف وہی جانتا ہے جو اپنے علم سے خالی ہو کر اللہ تعالیٰ کے علم سے عالم ہو جائے اور وہ منافقین خود اپنی ذات و صفات سے اللہ تعالیٰ سے محجوب ہیں انہوں نے غواشی (پردے) بدنیہ وہیئات ظلمانیہ سے اپنی استعداد کا نور خود بجھا دیا ہے پھر وہ کیسے رسول اللہ ﷺ کو پہچان سکتے ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ کی پہچان ہی نہیں تو آپ کی کیا گواہی دیں گے۔

ولی اللہ کی پہچان مشکل ہے شیخ ابو العباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ولی اللہ کی شان معرفت الٰہی سے مشکل تر ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کمال و جمال سے معروف ہے لیکن مخلوق کا اپنی جیسی مخلوق کی معرفت (پہچان) مشکل ہے کہ وہ اس کی طرح کھاتا پیتا ہے۔ جیسے وہ۔

تفسیر عالمانہ اتخذوا ایمانھم منافقوں نے جھوٹی قسموں کو بنا رکھا ہے منجملہ ان کے ایک یہی ہے جو ان کی شہادت کا قصہ مذکور ہوا۔ اس لئے کہ شہادت یمین کے قائم مقام آتی ہے جہاں تاکید مطلوب ہو۔

مسئلہ اسی لئے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ شہادت بھی یمین (قسم) ہے۔

یمین کی تحقیق یمین (قسم) یمین (دائیں ہاتھ) سے مستعار ہے باعتبار اس کے جو قسم کھانے والا اور معاہدہ کرنے والا کرتا ہے (قوت یمین ہاتھ کی طرح یمین (قسم) میں زبانی قول کی قوت مضبوط ہو جاتی ہے۔

مسئلہ سچی قسم ہو تو اللہ تعالیٰ کی قسم کھانا جائز ہے بوقت ضرورت حضور سرور عالم ﷺ سے قسم بارہا صادر ہوئی مثلاً فرمایا کرتے واللہ (بخدا) والذی نفسی بیدہ الخ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ لیکن ضرورت نہ ہو تو قسم سے احتراز کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی کی تعظیم و تکریم کا یہی تقاضا ہے۔

جنتہ ڈھال بچاؤ اور ڈھال اس سے جو ان کی طرف متوجہ ہو قتل یا قید و دیگر جانی مالی وغیرہ کی خرابیوں سے اس سے مراد ان کا قسم خدا کو ضرورت کے وقت تیار رکھنا تاکہ اسے استعمال کر کے مواخذہ سے جان چھڑالینا نہ کہ اس کا استعمال بالفعل ان کی مراد ہوتی کیونکہ وہ قسم تو اس مواخذہ سے موخر ہوتی ہے جو وقوع جنایت کی وجہ سے ہوتی ہے اور اتخاذ الجنتہ مواخذہ اور اس کے سبب سے پہلے ہوتا ہے جیسے اس کی فاء سے ظاہر ہے۔ فصدوا عن سبیل اللہ

حل لغات صدہ عن الامر۔ منعہ وصرفہ سے روکا اور پھیرا۔ وصدعنہ صدودا اور اس سے روگردانی کی۔ اب معنی یہ ہوا کہ جس نے اسلام کے داخلہ کا ارادہ کیا تو وہ اسے روکتے ہیں مثلاً کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام تو رسول ہی نہیں اور جس نے راہ الٰہی میں خرچ کرنے کا ارادہ کیا تو کہتے نہ کر و اس کا کوئی فائدہ نہیں (جیساکہ اس کا ذکر آئے گا) اور ظاہر ہے کہ ان کا یہ روکنا ان کی قسم سے بالفعل مقدم ہے۔

حل لغات الجن حاصہ سے شے کو پوشیدہ ہونا۔

حل لغات الجن والجنہ (وہ ڈھال جو اپنے صاحب کو ڈھانپ لے اور الجنہ۔ وہ باغ جس کے درخت زمین کو چھپا لے انھم ساء ماکان یعلمون برا ہے وہ جو عمل کر رہے ہیں۔

حل لغات ساء الشی بری ہے وہ شے جو عمل کرتے ہیں جیسے منافقت اور راہ خدا میں روکنا اور اس سے روگردانی۔

فائدہ ساء میں تعجب ہے اور سامعین کے ہاں ان کے امر کی عظمت کا اظہار۔

ذلک وہ قول جو شاہد ہے کہ یہ لوگ عملی لحاظ سے برا ہے بانھم سبب اس کے یہ کہ امنوا وہ ایمان لائے یعنی کلمہ شہادت زبان سے بولے دوسرے لوگوں کی طرح۔ ثم کفروا پھر کافر ہو گئے یعنی ان کا کفر ظاہر ہوا ان دلائل شواہد کفر سے جس کا مشاہدہ کیا گیا مثلاً کہتے ہیں (حضور) محمد مصطفیٰ ﷺ حق نہیں کہتے کیونکہ اگر وہ

حق کہتے ہیں تو پھر ہم گدھے ہیں اور غزوہ تبوک میں کہا کہ کیا یہ شخص (حضور ﷺ) اس لالچ میں ہے کہ وہ قصور کسری و قیصر فتح کرلیں گے یہ بعید از قیاس ہے۔

فائدہ ثم تراخی کے لئے ہے یا یہ معنی ہے وہ خفیہ طور کفر کیا تو ثم ابتعاد کے لئے ہے ممکن ہے کہ اس آیت سے ان کے مرتدین مراد ہوں (کشاف)

فطبع علی قلوبهم تو ان کے دلوں پر مہر لگائی گئی یہاں تک کہ کفر پر ٹوٹ پڑے اور اسی سے انہیں اطمینان ہوتا اور ایسے ہو گئے کہ ان کے قلوب میں ایمان داخل ہوتا نہیں یہ ان کی منافقت کی سزا ہے اور انجام ہے ان کے برے اعمال کا۔ اب وہ اس طرح کہہ بھی نہیں سکتے کہ ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگائی ہے تو پھر ہم کیسے ایمان لائیں۔

حل لغات الطبع بمعنی کسی شے پر کوئی صورت جمائی جائے جیسے ٹھپہ مارنا اور دراہم پر مہر وغیرہ اور یہ ختم اعم ہے اور نقش سے اخص (المفردات) **فهم لایفقهون** تو وہ نہیں سمجھتے حقیقت ایمان کو یعنی وہ حقیقت ایمان سے بالکل آگاہ نہیں جیسے اہل ایمان آگاہ ہیں۔

حل لغات الفقہ بمعنی فہم اور اصلاح شریعت میں علم شریعت کو کہا جاتا ہے کیونکہ یہ اصل ان تمام امور کی جنہیں فہم و درایت سے حاصل کئے جا سکتے ہیں اگرچہ جملہ علوم فہم کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے (لیکن فقہ ان سب کی اصل ہے۔ اسی لئے یہ نام ان کی اصل کو دیا گیا)

مسئلہ اہل معصیت کا عیب بیان کرنے کا نام غیبت نہیں یہ اس غیبت میں داخل نہیں جس سے روکا گیا ہے بلکہ کبھی اس کی غیبت مصلحت و ہم کی وجہ سے ضروری ہو جاتا ہے۔

حدیث شریف اذکروا الفاجر بمافیہ کے یحذر الناس فاجر کے فجور کو بیان کرو تاکہ لوگ اس کے فجور سے بچ جائیں۔

مسئلہ المقاصد الحسنہ میں سے تین چیزیں ہیں جن کی وجہ سے انہیں گلہ (غیبت) نہیں کہا جا سکتا۔

۱۔ ظالم حاکم ۲۔ فاسق معلن (وہ جو اپنے فسق کا اعلان کرتا رہتا ہے جیسے داڑھی منڈانا یا قبضہ سے کم کرنے والا) ۳۔ مبتدع (بدمذہب) جو اپنی بدعت (بدمذہبی) کو لوگوں کو دعوت دیتا (جیسے مرزائی شیعہ' وہابی دیوبندی ودیگر جملہ مذاہب)

تفسیر صوفیانہ قاشانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بہ سبب اس کے وہ ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر بحسب بقیہ نور فطرۃ واستعداد کے پھر کافر ہو گئے یعنی رذائل وصفات نفوس کے حجابات سے اسے چھپائے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگائی ان ہیئات کی رسوخ اور اعمال کی میل کچیل کے حصول کی وجہ سے اسی لئے وہ بالکل اللہ تعالیٰ سے محجوب ہو گئے اسی لئے وہ نہ رسالت کا معنی سمجھتے ہیں اور نہ علم التوحید کو اور نہ دین کو۔

تفسیر عالمانہ واذا رایتھم اور جب تم انہیں دیکھتے ہو یعنی منافقوں کو جیسے ابن ابی مسلول اور اس جیسے اور (منافق)

تعجبک اجسامھم ان کے اجسام عجب میں ڈالتے ہیں ان کے موٹے ہونے کی وجہ سے یعنی ان کے چہروں کی ظاہری کیفیت سے ان کا منظر بارونق محسوس ہوتے ہیں۔

حل لغات العجب بمعنی شے عجیب ہر وہ شے جو نفس میں باعظمت محسوس ہو اس کے عجیب وغریب ہونے کی وجہ سے۔ التعجب بمعنی وہ حیرت جو نفس کو عارض ہو بوجہ اس شے کے کہ جس سے تعجب حاصل ہو۔

وان یقولوا اگر وہ کوئی بات کہیں تسمع لقولھم تو ان کی بات سنی جائے ان کی فصاحت اور زبان کی تیزی اور گفتگو مٹھاس کی وجہ سے لام صلہ کی ہے بعض نے کہا ان کی بات کی طرف دل جھک جائیں۔

منافق ٹولی کے سرغنہ کی نشانیاں عبداللہ بن ابی مسلول جیم صبیح فصیح تھا رسول اللہ ﷺ کی مجلس

(حاشیہ ۱ اس کی مزید تفصیل فقیر کی کتاب "صیانت اللسان عن غیبۃ الاخوان" میں ہے۔ اویسی غفرلہ)

میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ حاضر ہوا اور وہ دوسرے بھی مدینہ طیبہ کے رئیس تھے ان کو دیکھ کر حضور سرور عالم ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو ان کا منظر پسند آیا اور متعجب ہوئے اور جب وہ کوئی بات کرتے تو آپ اور آپ کے ساتھ خصوصیت سے متوجہ ہوتے لیکن دراصل قباحت (حسن وجمال) وحسن منظر صفائی قلب سے ہوتا ہے۔

حدیث شریف حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا خیرو بھلائی حسین چہروں سے طلب کر (اکثر طور) ہم نے اکثریت کی قید اس لئے لگائی ہے کہ بہت سے قبیح چہرے والے ضروریات پوری کرنے والے ہوتے ہیں کسی نے فرمایا۔

یدل علی معروفه حسن وجهه   ومازال حسن الوجه احسن الشواهد

(اس کا حسین چہرہ اس کی نیکی پر دلالت کرتا ہے اور حسین چہرہ احسن شواہد ہے)

حدیث شریف میں ہے جب تم کسی کے ہاں کسی کو بھیجو تو حسین چہرے اور اچھے نام والے کو بھیجو۔

منافقین سے مایوسی جب نبی پاک ﷺ نے ان کے دلوں پر میل اور ان کی استعداد کا نور انطفاء (مٹ جانا) اور کمینی جبلت پر ان کے خواص اصلیہ کو عارض ہو رہے ہیں کو ملاحظہ فرمایا تو ان سے مایوس ہو کر انہیں ان کے احوال پر چھوڑ دیا۔

حکایت کسی دانشور نے ایک حسین نوجوان کو دیکھا تو سمجھا کہ یہ ذکی و فہیم ہو گا لیکن وہ تو بالکل نابلد تھا تو فرمایا گھر تو بڑا اعلیٰ ہے کاش اس میں کوئی مقیم ہوتا دوسرے نے کہا سونے کا محل ہے کاش اس میں سرکہ نہ ہوتا کانهم خشب مسندة گویا وہ لکڑیاں ہیں دیوار میں کھڑی کی گئی ہیں یہ جملہ محلاً مرفوع ہے کیونکہ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے یعنی گویا وہ ایسے ہیں یہ جملہ مستانفہ ہے اس کے اعراب کا کوئی محل نہیں۔

حل لغات الخشب (بضمتین) خشبة (محرکہ) کی جمع ہے جیسے سدور سد (جمع و واحد) موٹی لکڑی۔ الاسناد بمعنی الامالہ مسندة تکثیر کے لئے ہے تسنید بمعنی تکثیر الاسناد۔ کثرۃ المحل گویا وہ بہت سے جگہوں سے مسند ہیں۔ اب

معنی یہ ہوا کہ خشک موٹی لکڑیاں دیوار کے ساتھ ملا کر رکھی گئی ہیں ان کا رسول اللہ ﷺ کی مجالس میں بیٹھنے کی تشبیہ ان لکڑیوں سے دی گئی ہے جو دیوارر کے ساتھ ملا کر رکھی گئی ہیں وجہ تشبیہ وہی ہے کہ وہ جسم ہیں اور جو عمل و خیر اور اس سے نفع اٹھانے سے خالی ہیں اسی لئے خشب (لکڑیاں) میں تسنیہ کا اعتبار کیا گیا ہے کیونکہ موٹی لکڑی سے صرف اس وقت نفع حاصل کیا جاتا ہے جب وہ چھت میں یا دیوار میں یا ایسی جگہوں میں ہو جہاں سے نفع کا گمان ہو تو جیسے ان لکڑیوں سے کوئی فائدہ ہے ایسے ہی ان منافقوں سے جب ان سے روح نامی زائل ہو گیا تو وہ حیات حقیقی کی استعداد کے زوال میں ہے روح انسانی کا بھی یہی حال ہے۔

درس ادب فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ مجالس اکابر اور اکابر علم میں بے ادبی میں حاضری کی مثال بھی منافقین جیسی ہے۔

حکایت سیدنا امام مالک رحمتہ اللہ علیہ موطا (کتاب حدیث شریف) سنا رہے تھے اور ہارون الرشید (بادشاہ وقت) سن رہا تھا تھوڑی دیر کے لئے کسی شے سے ٹیک لگائی تو آپ نے اسے ٹوکا اور فرمایا (یہ درس حدیث ہے اس میں ادب ضروری ہے)

حکایت حضرت ابراہیم بن ادہم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ رات کو نوافل پڑھتے ہوئے تھک گئے۔ تھکان دور کرنے کے لئے بیٹھ کر پاؤں پھیلایا تو ہاتف غیب نے آواز دے کر فرمایا کیا بادشاہوں کے دربار میں یونہی بیٹھا جاتا ہے۔

حکایت حضرت حریری خلوت میں بھی پاؤں نہیں پھیلاتے تھے اور فرماتے بارگاہ حق ادب کے زیادہ لائق ہے۔

فائدہ جس نے اسم مھیمن کا معنی سمجھ لیا وہ حیاء میں رہتا ہے کہ اس کا خدا تو اس کے ہر امر سے مطلع اور اسے دیکھ رہا ہے اسی کو اعمال حقیقت مراقبہ سے تعبیر کرتے ہیں اس کا معنی ہے قلب کو علم ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کے ہر معاملہ سے مطلع ہے۔

فائدہ یہ آیت دلالت کرتی ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ قیامت میں بہت بڑا موٹا حاضر ہو گا جس کی اللہ

تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی قدر نہ ہوں۔

فائدہ کمال و نقص دو چھوٹی چیزوں پر موقوف ہے۔

۱۔ زبان ۲۔ قلب نہ کہ دو بڑی چیزوں

۱۔ سر ۲۔ چہرا

کیونکہ اللہ تعالیٰ صورتوں اور مالوں کو نہیں بلکہ قلوب اور اعمال کو دیکھتا ہے بہت سی چھوٹی صورتیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سونے کے برابر ہوتی ہیں۔

فائدہ مومن قلب اور علت اور ذلت سے خالی نہیں اور اس میں شک نہیں کہ قلب سے ایسا غم بڑھتا ہے جس سے گوشت اور چربی پگھل جاتی ہے اور علت سے بدن نڈھال ہو جاتا ہے اور اس پر کمزوری چھا جاتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے مومن کی مثال چھڑ کال جیسی ہے جسے ہوا ہلاتی ہے تو کبھی کبھی کھڑی ہو جاتی تو کبھی نیچے ہو جاتی ہے اور کافر تنہ کی طرح ہے کہ وہ ہمیشہ کھڑا ہے (ہوا سے نہیں ہلتا) یہاں تک کہ اسے کاٹا جائے۔

فائدہ الارزہ (بفتح الہمزہ براء مہملہ) ساکنہ پر زاء وہ درخت جو صنوبر کے مشابہ ہوتا ہے وہ عموماً ملک شام اور ارمن میں ہوتا ہے۔ بعض نے کہا وہ صنوبر الاثمار جڑ سے اکھڑ جاتا یعنی منافق کی مثال صنوبر کے درخت کی طرح ہے اور وہ سیدھا اونچا اور زمین پر مضبوط کھڑا ہے یہاں تک کہ اسے کاٹا جائے یا جڑ سے اکھاڑا جائے۔

فائدہ اس میں اشارہ ہے کہ مومن بدنی بیماریوں میں مبتلا رہتا ہے ایسے مال کی قلت کا شکار رہتا ہے اس سے اس کے گناہ جھڑتے ہیں اور کافر اکثر طور ایسے نہیں وہ قیامت میں اپنے تمام گناہوں سمیت حاضر ہو گا۔

تفسیر عالمانہ یحسبلون گمان کرتے ہیں کل صیحتہ ہر آرزو کو جو بلند ہو اس لئے صیحۃ معنی رفع الصوت۔ القاموس میں ہے صورت انتہائی طاقت سے آواز نکالنا۔ وہ یظنون کا مفعول اول ہے اور مفعول ثانی یہ ہے علیہم ان پر واقع ہو کہ نقصان پہنچانے والا ہے اور کل صیحۃ، ہر وہ زور دار

آواز جو مدینہ شریف میں کہیں سے آئے۔

فائدہ بعض نے کہا جب لشکر میں کسی مصلحت سے کوئی آرزو اٹھتی یا کوئی جانور بھاگتا یا کوئی شے گم ہو جاتی یا کہیں سے لوگوں کا شور سنتے تو بزدلی اور دل میں رعب گھر کر جانے کی وجہ سے سمجھتے کہ ان پر آئے گا خائف خوفزدہ رہتا ہے۔

فائدہ حضرت قاشانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شجاعت اس یقین سے ہے جو نور ہے فطرت اور صفائی قلب سے ہوتی ہے اور منافقین تو صفات نفس کی ظلمات اور اپنی ذات و شہوات کی وجہ سے محجوب ہیں جیسے اہل شکوک وارتیاب اسی لئے ان پر بزدلی اور سستی چھا جاتی ہے۔

فائدہ اس میں ان کی تحقیر میں زیادتی اور ان کی بے قدری کا اظہار ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ جب وہ کسی شے کو دیکھتا تو کہتا یہ کوئی مرد ہے بعض نے کہا کہ وہ ہر وقت خطرے میں تھے کہ ان کے بارے میں کوئی آیت نازل ہو جائے جو ان کے پردے چاک کر دے اور ان کا خون اور مال مباح کر دے۔ ھم العدو وہ دشمن یعنی عداوت میں مکمل ہیں بلکہ عداوت ان کے دلوں میں گھر کر گئی ہے اس لئے سب سے بڑا دشمن وہ ہے جو ہر وقت تیری کمر توڑنے اور نیچا دکھانے کی کوشش میں ہے اور کینہ کی دائمی بیماری میں مبتلا ہو بلکہ وہ اسی پر ڈٹا ہوا ہو۔

سوال اعداء کہنا چاہئے تھا

جواب عدو مصدر کے وزن پر ہے اور وہ واحد و جمع ہر دونوں کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔ فاحذرھم ان سے ڈرو یعنی ان کی باتوں پر بھروسہ کرنے اور ان کی گفتگو کی طرف میلان سے بچو یا بچو اس سے جو دشمنوں کو کسی بات کی خبر دے اور اپنے اصحاب کو ان کی رسوائی سے بچاؤ اس لئے کہ کفار سے تمہارے بھید و اسرار افشاء (ظاہر کرنا) کریں گے۔

قاتلھم اللہ اللہ تعالیٰ انہیں مارے۔ ان پر بددعا ہے اور ذات الٰہی سے ان پر لعنت و رسوائی اور ذلت و خواری کی

موت کی طلب ہے جیسے سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پر لعنت کرے۔

فائدہ حضرت سعد المفتی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا یہاں حقیقی طلب مراد نہیں بلکہ یہ دلیل ہے اس کی کہ ان پر لعنت ضروری ہے امام طیبی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تجرید کے اسلوب سے ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرآۃ ومن کفر فامتعہ یاقادر اور جو کفر کرے اسے چند روزہ سامان دے اے قادر میں ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں اہل ایمان کو تعلیم دی گئی ہے کہ ان پر یوں دعا مانگو۔

مسئلہ آیت میں دلیل ہے کہ اہل فساد کے لئے بد دعا کرنے کے بھی مواقع ہوتے ہیں جہاں ان کے لئے بد دعا کرنا مستحسن ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اللہ مارے مبتدعین۔ (بدمذاہب) گمراہوں اور گمراہ کرنے والوں کو کیونکہ وہ بد ترین دشمن اور ضرر رساں اعداء ہیں۔

سوال اخبار کے طور کیوں لایا گیا حالانکہ یہ تو انشاء (جملہ انشائیہ) ہونا چاہئے کیونکہ اس میں انشاء کا معنی ہے۔

جواب تاکہ معلوم ہو کہ یہ گویا واقع ہو گیا۔ اب معنی یہ ہوا خدا انہیں ہلاک کرے یا ان پر لعنت کرے بعض نے یہی معنی کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کرے۔ یہ دعا ہے جس میں تباہی و بربادی اور ان کے لئے برائی کی تمنا ہے۔ بعض نے کہا یہ مذمت کا کلمہ اور توبیخ کے لئے آتا ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں قاتلہ اللہ ما اشعرہ (اللہ تعالیٰ اسے مارے اسے کیسے معلوم ہوا) اسے تعجب کی جگہ پر لایا جاتا ہے بعض نے کہا اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ اس کلام کو اس کی جگہ پر لایا جس کی جنگ اس دشمن سے ہو جو ہر کسی پر قادر و غالب ہے۔ انی یوفکون کہاں پھیرے جا رہے ہیں ان کا حال پر تعجب دلاتا ہے یعنی حق اور نور سے کیسے پھر رہے ہیں اس امر پر جو مبنی بر کفر و ضلال و ظلمت ہے باوجود یہ کہ ان کے لئے قاہر براہین قائم کئے گئے ہیں۔

حل لغات الافک (بفتح الہمزہ) بمعنی کسی شے سے پھیرنا کیونکہ الافک بالکسر بمعنی الکذب۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب تم انہیں بحیثیت صور مشکلہ کے دیکھو تو تمہیں ان کے اعمال جو

ریاء سمعہ (شہرت) سے ملے ہوئے وہ اجسام تعجب میں ڈالیں گے جو ارواح نیات خالصہ صافیہ سے خالی ہیں اگر وہ کوئی حروف اصوات سے ایسی گفتگو کریں جو معانی صاف سے خالی ہیں تو تم ان کی جھوٹی اور مردود گفتگو کی طرف کان لگاتے جن کی صورتیں معنی سے خالی اور وہ صرف صورت خیالی کی طرح ہیں۔ (مخیلہ بمعنی قوت خیالیہ) وہ تو ان موٹی لکڑیوں کی طرح ہیں جو وہم کی دیواروں میں نکالی گئی ہیں ان میں نہ روح ہے نہ معنی وہ ہر اس آواز کو گمان کرتے ہیں جو قہر کی صورت میں انہیں سنائی دیتا ہے کہ یہ ان پر واقع ہو گا قلوب کے ضعف کی وجہ سے جو نفاق کے مرض اور شقاق کی بیماری سے پیدا ہوا وہ عداوت ذاتیہ اور بغض صفائیہ میں کامل و مکمل ہیں ان صورۃ و معنی ہر طرح سے بچتے رہو۔ اللہ تعالیٰ انہیں رسوائی سے اور محرومی اور برائی اور خواری میں مارے وہ طریق دیں صدق سے کہاں اوندھے جا رہے ہیں۔

تفسیر عالمانہ واذا قیل لھم اور انہیں کہا جاتا ہے جب ان سے جنایت کا صدور ہوتا ہے تو انہیں بطور نصیحت کہا جاتا ہے۔

شان نزول معالم (نام تفسیر) میں ہے کہ بعد از نزول آیات ہذا عبداللہ بن ابی مسلول سے لوگوں نے کہا کہ یہ آیات تمہارے بارے میں اتری ہیں اب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ تاکہ اب تمہارے لئے استغفار فرمائیں بدبخت اکڑ گیا اور حاضری سے انکار کر دیا اور کہا اس حضور ﷺ نے کہا ایمان لا' میں ایمان لایا' کہا کہ زکوۃ دے میں نے دی۔ کیا حضرت محمد ﷺ چاہتا ہے کہ میں اسے سجدہ کروں اس کے رد میں یہی آیت نازل ہوئی کہ جب انہیں کہا جاتا ہے کہ تعالوا آؤ۔

تحقیق تعالوا یہ دراصل تعالیوا تھا یاء کو الف سے تبدیل کر کے حذف کر دی گئی اس کی ماضی تعالیٰ ہے یاء الف سے تبدیل ہوئی اور یاء واؤ سے کیونکہ چوتھی جگہ پر واقع ہے امر کا واحد تعالیٰ ہے الف مغلوب از یاء وقف کی حالت میں حذف کر دینا اور لام کو مفتوح پڑھنا ہو گا التعالی بمعنی ہے ارتفاع جب اس سے کسی کو امر کرو تو کہو تعالیٰ و تعالوا افتعالوا جمع امر حاضر بصورت ماضی اس کا معنی ہے ارتفعوا اے اپنے سے نیچے والے کو اونچے مکان پر کھڑے ہو کر کہتا ہے تعالوا پھر عام بلاوے کے لئے اس کی کثرت ہو گئی یعنی ہر وہ داعی جو کسی کو

آنے کے لئے بلائے مفرد ہو یا اس کا غیر کیونکہ حسن ادب کا یہی تقاضا ہے بمعنی هلموا وايتوا اب معنی یہ ہوا کہ اے منافقین آؤ عذر کرتے ہوئے۔

درس ادب اب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے ادب کے اعتبار سے عام نہیں کہ کہا جائے تعالیٰ فلاں یا تعالیت یا فلاں یا لنا یا فلاں متعال جو نسا صیغہ بھی ہے کیونکہ یہ لفظ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مشہور ہو گیا ہے کہ کہا جاتا ہے تعالیٰ اللہ الملک الحق۔

ليستغفر لكم رسول الله تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ (استغفار فرمائیں) یستغفر سے مجزوم ہے امر کے جواب سے یعنی تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ وہ اپنے لطف و کرم سے تمہارے گناہ فرمائے اور تمہارے عیوب چھپائے "تنازع الفعلین" یہ دوسرے فعل کو عمل دینے کے قبیل سے ہے کیونکہ تعالوا لفظ رسول اللہ کو مجرور ہلی کا طالب کہ یہ دراصل تعالوا الی رسول اللہ وھو یستغفر فاعل کا طالب ہے۔ یہاں دوسرے کو فاعل دیا گیا اسی لئے لفظ رسول اللہ مرفوع ہے اور پہلے سے حذف کر دیا گیا کہ دراصل تعالوا الیہ تھا (ثابت ہوا) کہ مذہب حق ہے مزید تحقیق فقیر اویسی غفرلہ کی کتاب " تشیط الاذہان فی تحقیق اذا تنازع الفعلان) میں ہے۔ **لووا رؤسهم** تو پھیرتے ہیں اپنے سر۔

حل لغات **نوى الرجل راسه** لله (مرد نے اپنا سر پھیرا) تشدید تکثیر کے لئے محل و جگہیں) کی کثرت کی وجہ سے یعنی (سر کی کثرت) تاج المصادر میں ہے۔ **التلويته** موڑنا اب معنی یہ ہوا کہ انہوں نے سروں کو تکبر کے طور موڑا جیسے کوئی کسی مکروہ شے سے منہ پھیرے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ طبعی حیوانیت کے امور ظلمانیہ سے انس کی وجہ سے نور سے مانوس نہ ہوا نہ انہیں نور کا اور کمالات انسانیہ کا اشتیاق تھا کیونکہ ان کی صورت دانیہ مسخ ہو چکی تھی (اسی لئے رسول اللہ ﷺ سے منہ موڑا)

تفسیر عالمانہ **ورایتھم یصدون** اور تم نے انہیں دیکھا کہ وہ روگردانی کرتے تھے۔

حل لغات الصدود بمعنی الاعراض یعنی وہ قائل (ﷺ) کے استغفار کی حاضری کا داعی یا استغفار سے (روگردانی کرتے ہیں)

فائدہ حضرت کاشفی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا کہ اعراض کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کو (جیسے آج کل نجدی اور وہابی روضہ رسول ﷺ اور مزارات اولیاء سے خود محروم ہیں بلکہ دوسرے جانے والوں کو روکتے اور انہیں مشرک کہتے ہیں (معاذ اللہ)

تفسیر صوفیانہ چونکہ ان کی طبیعت کا جهت سفلیہ اور زخارف دنیویہ کی طرف کھچاؤ ہے اسی لئے ان کی طبیعتوں کا میلان جهت علویہ و معانی اخرویہ کی طرف نہیں ہوتا۔ مثنوی شریف میں ہے۔

صورت رفعت بود افلاک را   معنی رفعت روان پاک را
صورت رفعت برائے جسمہاست   جسمہا در پیش معنی اسمہاست

(صورت رفعت افلاک کو حاصل ہے اور رفعت کا معنی روح پاک کو حاصل ہے رفعت صوری جسموں کو حاصل ہے معنی کے نزدیک تو جسم صرف نام (کے رفعت والے) ہیں وھم مستکبرون اور وہ تکبر کرنے والے ہیں اس سے غلبہ شیطنت اور استیلائے قوت وہمیہ اور انانیت سے محجوب اور خود کو بہتر سمجھنے کے وجہ سے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب تم کسی کو جھگڑالو اور صرف اپنی رائے کو اچھا سمجھنے والا دیکھو تو سمجھ لو کہ یہ خسارہ کی انتہا میں ہے۔

سواء علیھم استغفرت لھم برابر ہے ان کے لئے استغفار کریں جب وہ اپنی خطاؤں کا عذر کرتے ہوئے تمہارے ہاں حاضر ہوں (کشف الاسرار) میں ہے کہ حضور نبی پاک ﷺ نے ان کے لئے استغفار فرمایا یعنی ان کے لئے ایمان کی توفیق اور عصیان کی مغفرت کا اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے تھے۔ بعض نے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان تستغفر لھم سبعین مرۃ اگرچہ آپ ان کے لئے ستر بار مغفرت چاہیں فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَھُمْ تو اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز نہ بخشے گا حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ میں ستر سے بڑھ کر ان کے لئے مغفرت

چاہوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے یہی آیت نازل فرمائی۔

حل لغات سواء مصدر ہے بمعنی مستو خبر مقدم ہے علیہم اس سے متعلق ہے اس کا مابعد معطوف علیہ بتدا ء معطوف ہے بتاویل المصدر تاکہ استفہام اپنے مقام سے متعلق ہے۔ استغفرلھم میں ہمزہ استفہامیہ ہے۔ اسی لئے مفتوح اور قطعی ہے دراصل استغفرت لھم تھا۔ ہمزہ وصل محذوف ہوا یعنی باب استفعل کا ہمزہ وصلی ہے محذوف ہونا تخفیف کے طور ہے اور پھر یہاں التباس بھی نہیں۔ ام لم تستغفرلھم یا ان کے لئے بخشش نہ مانگیں جب وہ گناہوں پر اصرار اور احتذار و استغفار سے انکار کریں۔ لن یغفر اللّٰہ لھم اللہ تعالیٰ نے انہیں ہرگز نہ بخشے گا۔ ہمیشہ فسق پر اصرار اور کفر پر ڈٹ جانے اور مضبوط دین فطرت سے خروج کی وجہ سے ان اللّٰہ لا یھدی القوم الفاسقین بیشک اللہ تعالیٰ قوم فاسقین کو رہ نہیں دکھاتا یعنی وہ کامل الفسق اور خارج از دائرہ اصلاح اور منہمک فی الکفر والنفاق اور خارج از دائرہ اہل حق اور داخل در باطین و مبطلین ہیں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں قبول استغفار کے عدم استعداد کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ان کی طبعیتیں ظلمانی اور جبلی علامتیں میلی کچیلی ہو چکی ہیں اس لئے اگر ان کو اسے قبول کرنے کی استعداد ہوتی تو حب دنیا اور نفس اور اس کی خواہشات کی اتباع میں مبتلا نہ ہوتے بلکہ ان کی کوشش ہوتی کہ وہ اشرع کی موافقت اور رسول اللہ اور آپ کی سیرت مبارکہ کی متابعت کرتے لیکن جب وہ ظلمت شہوات حیوانیہ واخلاق بہیمیہ و سبعیہ (درندگی) میں پھنسے نہ رہتے۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا۔

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد
ای خواجہ درد نیست ورنہ طبیب ہست

(عاشق محبوب کے دروازہ پر حاضر ہوا لیکن دوست نے اس کے حال پر نگاہ نہ کی۔ اے خواجہ تجھے درد نہیں ورنہ طبیب تو ہے)

فائدہ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جذبہ مرشد کی جانب سے ہوتا ہے بشرطیکہ اس میں عظیم تاثیر ہو (اگر رسمی مرشد ہو جیسے آج کل عموماً پیری و مریدی کا دھندا کر رہے ہیں بلکہ اگر لٹیرا اور دین کا ڈاکو ہو تو پھر کیا ہو گا وہی ہو گا نہ پیر

و مرید دونوں ......) اگر سرے سے مرید خالی از ارادہ ہو تو پھر بھی اسے مرشد سے کوئی فائدہ نہ ہو گا (جیسے عام طور مریدین کا حال ہے کہ مرشد سے صرف دنیوی ضروریات کے طالب ہوتے ہیں اور کاروبار دنیوی چاہتے ہیں اور بس) جیسے رسول اللہ ﷺ کی استغفار سے بڑھ کر اور کسی کی استغفار ہو سکتی ہے لیکن منافقین کا سرے سے ارادہ ہی نہ تھا اسی لئے ان میں ہدایت کے لئے کچھ اثر نہ ہوا لیکن اصل وجہ تو وہی ہے کہ عام ارواح میں جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور کے چھینٹے پڑے تو یہ لوگ اس وقت سے محروم ہو گئے اور جس کے لئے اللہ تعالیٰ نور نہ بنائے تو اسے کوئی نور نصیب نہ ہو گا

حکایت ایک شیخ (مرشد) اور ایک مرید (جس نے شیخ کی بیس سال خدمت کی) کے ساتھ ایک گاؤں سے گزرے وہاں ایک مراسی (ڈھول بجانے والا) بوڑھا رہتا تھا۔ شیخ (مرشد ولی اللہ) نے اسے اشارہ کیا تو اس نے ڈھول وہاں پھینکا اور شیخ کے ساتھ ہو لیا یہاں تک کہ یہ تینوں ایک دربار پر پہنچے۔ شیخ نے مصلیٰ دریا پر بچھا کر مراسی (ڈھول بجانے والے) کو ساتھ بٹھا لیا اور بیس سالہ خادم کنارے پر کھڑا چیختا رہا جاتے وقت مرید نے پوچھا یا حضرت مجھ سے کیا خطا ہوئی کہ یہاں روتا ہوئے چھوڑے جا رہے ہو فرمایا ھٰکذا اقضاء اللّٰہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ کی تقدیر (کے سامنے سر تسلیم خم)

تفسیر عالمانہ ھم الذین یقولون یہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں۔ انصار کو یہ جملہ مستانفہ ہے ان کے فسق اور ان کی عدم مغفرت کی تعلیل کے قائم مقام ہے اور ان کی گفتگو صریح کی حکایت ہے کہ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰی مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ان پر خرچ نہ کرو جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہیں یعنی فقراء مہاجرین پر۔ ان کا حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو رسول اللہ کہنا یا استہزاء و تحکماء ہے۔ (کیونکہ منافقین حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو تو رسول نہیں مانتے تھے) یا چونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا اسی طرح مشہور اور یہ لفظ آپ کا لقب ہو گیا تھا۔ اسی لئے ایسے ہی کہہ دیا (ورنہ منکر کو کب گوارہ تھا کہ وہ رسول اللہ کہے) کیونکہ اگر وہ آپ کو حقیقی طور رسول مانتے تو ان سے ایسے غلط اور گندے اطوار کا صدور نہ ہوتا۔

تعظیم حبیب ﷺ ممکن ہے ان سے کوئی اور لفظ صادر ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے نہ چاہا کہ اس کے محبوب ﷺ پر کوئی غیر مانوس لفظ استعمال کریں آپ کی تعظیم واکرام کے لئے ان سے رسول اللہ کہلوایا غرضیکہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں کو اتنا بھی نہ دو کہ زندگی کا گزارہ کر سکیں یعنی کچھ نہ دو۔ حتی ینفضوا یہاں تک کہ وہ منتشر ہو جائیں اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو چھوڑ کر اپنے قبائل کو واپس لوٹ جائیں۔

فائدہ کاشفی رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا کہ تاکہ منتشر ہو کر نوکر اپنے آقاؤں کو اور بیٹے اپنے باپوں کو جا ملیں۔

حل لغات الانفضاض بمعنی شکستہ (ٹکڑے ٹکڑے) اور منتشر ہونا۔

تفسیر صوفیانہ منافقین نے یہ اس لئے کہا کہ وہ اپنے گندے کرتوتوں کی وجہ سے فعل اللہ کی رویت سے محجوب تھے اور اپنی دولت کے گھمنڈ سے اللہ تعالیٰ کے خزانوں سے بے خبر تھے وہ اپنی جہالت سے سمجھتے تھے کہ ان فقراء مہاجرین پر یہی خرچ کرتے ہیں تو وہ زندہ ہیں۔ (ورنہ بھوکے مرجائیں گے) انہیں کیا خبر تھی کہ وللّٰہ خزائن السموت والارض اور اللہ کے ہیں آسمانوں اور زمین کے خزانے۔ منافقین کی بدگمانی اور زعم باطل کا رد و ابطال ہے کہ وہ بزعم خویش سمجھتے تھے کہ اگر ان فقراء و مہاجرین کو کچھ نہ ملے گا۔ تو وہ رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کر کے فرمایا کہ آسمانوں و زمین اور رزق کے خزانے تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں وہ دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور روکتا ہے جس سے چاہتا ہے اس کے خزائن میں سے ہیں بارش انگوری وغیرہ وغیرہ۔

فائدہ امام راغب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ولله خزائن السموت اس کی قدرت کی طرف اشارہ ہے کہ جس سے اس کا ارادہ ہو تو وہ ایجاد کرتا ہے یا اس حالت کی طرف اشارہ ہے جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا رب تخلیق اور اجل اور رزق سے فارغ ہو گیا یعنی قضاء قدر اتمام کو پہنچی یہ جملہ بطریق تمثیل مذکور ہوا ہے

یعنی ان کلمات کا اتمام ہو چکا اس کے علم سابق میں۔

حل لغات خزائن خزانہ (بالکسر) کی جمع ہے جیسے معائب عصابہ کی جمع۔ خزانہ ہر وہ شے جو چھپائی جاتی ہے اموال نفیسہ میں سے اور اس کی حفاظت کی جائے ایسے ہی مخزن (بالفتح) اس کی تحقیق وان من شئی الا عندالله خزائنه(پ) میں گزر چکی۔

ولکن المنافقین لا یفقھون لیکن منافقین سمجھتے نہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کی شان سے جہالت کی وجہ سے اسی لئے وہ کفر بکتے تھے۔

خواجہ پندارد کہ روزی او دہد   لاجرم برایں و آں منت نہد
زاں سبہا او یکے شد پس اگر   کم شود ہستند اسباب دگر
حکم روزی بر سبہا می نہد   بے سبہا نیز روزی می دہد

ترجمہ ۱ سردار کا خیال ہے کہ وہی روزی دیتا ہے اس لئے وہ اپنے نوکروں کو یہ اور وہ احسان جتلاتا ہے۔ ۲ اللہ تعالیٰ اسباب میں یہ اگر ایک سبب ہے اگر یہ نہ ہو گا تو اس اسباب اور بہت ہیں۔ ۳ وہ روزی کا حکم اسباب پر رکھتا ہے وہ بغیر اسباب کے بھی روزی دیتا ہے۔

حکایت حاتم اصم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کو بکیسی نے کہا آپ کھاتے کہاں سے ہیں (جبکہ آپ کا کوئی کاروبار نہ تھا) فرمایا اللہ تعالیٰ کے خزانہ سے۔ سائل نے کہا کیا پکی پکائی روٹی آسمان سے اترتی ہے فرمایا اگر اس کے زمین پر خزانے نہ ہوتے تو آسمان سے بھی پکی ہوئی روٹی اتر سکتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے زمین پر رزق کے اسباب بنائے ہیں اسی میں سے ہی رزق کے دروازے کھول رکھے ہیں۔

فائدہ کسی نے کہا دودھ پلانے والی کے حقوق کی رعایت جننے والی کے حقوق کی رعایت سے زیادہ احق ہیں کیونکہ جننے والی نے تو جننے کی امانت ادا کر دی اور اس میں جو غذا پہنچاتی رہی یا ماہانہ خون کا حصہ بچے کی غذا بنتی رہی بلکہ وہ اس پر مجبور تھی کیونکہ اگر وہ خون اس سے باہر نکلتا اور بچہ کی بھی غذا نہ بنتا تو وہ مرجاتی یا کم از کم بیمار ضرور ہو جاتی اس معنی

پر تو الٹا بچہ ماں پر احسان عظیم ہے کہ اس نے اسے ہلاکت اور تباہی سے بچالیا ہاں دودھ پلانے والی نے عمدا دودھ اس ارادہ سے پلایا کہ بچہ کی جان بچ جائے اور پل کر جوان ہو جائے۔

نکتہ اسی لئے اللہ تعالی نے موسی علیہ السلام کی ماں کو ہی دودھ پلانے کے لئے منتخب کیا تاکہ اگر کوئی اور دودھ پلاتی تو وہ ام موسی سے افضل ہوتی اور اس دور میں ام موسی سے کوئی اور افضل نہ ہو۔

حکایت حضرت موسی علیہ السلام جب جوان ہوئے تو اللہ تعالی نے ان پر ایک حجت قائم فرمائی یعنی موسی علیہ السلام کی خوراک و پوشاک اور ضروریات زندگی کا بوجھ بنی اسرائیل پر ڈال دیا اور یہ ان کے لئے امتحان تھا۔ آپ نے محسوس کیا کہ میرا بوجھ بنی اسرائیل کو مجھ سے عقیدت وارادت کی کمی کا باعث بن رہا ہے تو بارگاہ حق میں استدعا کی اے اللہ مجھے بنی اسرائیل سے مستغنی بنادے۔ اللہ تعالی نے وحی بھیجی کہ اے موسی (علیہ السلام) کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تمہیں میں صرف اپنی عبادت کے لئے فارغ رکھوں اور تیری ضروریات کا بوجھ دوسروں پر ڈال دوں۔ اس پر موسی علیہ السلام خاموش ہوئے پھر چند روز کے بعد عرض کیا اللہ تعالی نے پھر وحی بھیجی کہ ایک نبی علیہ السلام کے لئے لائق نہیں کہ وہ اپنے وجود میں اپنے آقا کے بغیر کوئی دوسرا تصور لائے یہ بھی اللہ تعالی کا رزق ہے تجھ پر اور کسی کا منت و احسان نہیں اس پر خاموش ہو گئے لیکن پھر ایک عرصہ کے بعد وہی عرض کیا اللہ تعالی نے وحی بھیجی کہ اے موسی علیہ السلام تو بنی اسرائیل سے جس غیظ و غضب سے پیش آتا ہے حالانکہ تمہیں ان سے ضرورت ہوتی ہے اگر میں تمہیں ان سے بالکل بے نیاز بنادوں تو پھر تیرا ان کے ساتھ کیا حال ہو گا۔ موسی علیہ السلام یہ سن کر خاموش ہو گئے

(حاشیہ لے اگر جننے والی بھی وہی ہو اور دودھ پلانے والی بھی وہی جیسے ہمارے دور اور علاقہ جات کا دستور ہے کہ جننے والی ہی بچہ کو دودھ پلاتی اور پرورش کرتی ہے تو پھر تو اس ماں کے حقوق کا کیا کہنا لیکن افسوس کہ آج کل کی اولاد جونہی سن شعور کو پہنچی یا پھر اسے جوانی ملی تو ماں بی بی جیسی دشمنی اور کوئی نظر نہیں آتا اب یہ حال ہو جاتا ہے کہ زوجہ بن جاتی ہے سر کا تاج اور ماں سے حال پوچھنا تو درکنار اسے ذلت و خواری کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون)

اور پھر کبھی ایسا سوال نہ کیا۔

فائدہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنے ہاتھ (قدرت) سے رزق پہنچاتا ہے جسے چاہتا ہے بندہ مرد ہو یا کافر اور یہ اپنی طرف حلال رزق بھیجتا ہے اس سے اسے کچھ بھی رنج نہیں ہوتی اور نہ کوئی شے اس سے عارضی ہوتی ہے اور نہ کسی پر منت و احسان کا اظہار کرتا ہے۔

نکتہ اپنے اولیاء کو فقر و فاقہ میں مبتلا رکھنے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اعطاء (عطا کرنا اغناء غنی کرنا پر قادر نہیں بلکہ اس میں راز یہ ہے کہ وہ اپنے محبوبوں کے لئے نہیں چاہتا کہ وہ اس کمینی دنیا کو ہاتھ لگائیں یہ الشان کا اعزاز و اکرام ہے بلکہ یہ اس کا ان پر انعام و احسان ہے تاکہ وہ دنیا میں سب سے زیادہ زاہد (تارک دنیا) ہو کر زندگی بسر کریں اور آخرت میں بہت زیادہ اجر و ثواب پائیں۔

فضیلت فقر و فاقہ حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا فقراء امراء سے چالیس سال پہلے بہشت میں جائیں گے۔ ۲۔ حضور نبی پاک ﷺ فقراء و مہاجرین کے وسیلہ سے فتح طلب فرماتے تھے۔ حدیث کے لفظ ملاحظہ ہوں۔

وکان علیہ السلام لیستفتح بصعالیک المہاجرین (روح البیان ص ٥٣٠ ج ٩)
(نبی پاک ﷺ فقراء مہاجرین کے وسیلہ سے فتح طلب کرتے تھے[لہ])

(حاشیہ لہ

سوال حضور علیہ الصلوۃ والسلام تو سب کے وسیلہ اعظم ہیں دوسرا یہ کہ ادنیٰ اعلیٰ کو وسیلہ بناتا ہے نہ کہ اعلیٰ ادنیٰ کو۔

جواب فقیر کا ایک قاعدہ مشہور ہے اور قرآن مجید کی آیت ویعلمھم الکتب سے موید ہے کہ نبی پاک ﷺ کا فعل و قول تعلیم امت کے لئے ہوتا تھا وہ اپنے لئے کریں تو کیا۔ اسی لئے یہ فعل بھی محض تعلیم پر مبنی ہے کہ جیسے میں خود عظیم تر اور وسیلہ عظمیٰ ہوں لیکن تمہیں سکھاتا ہوں کہ محبوبان خدا کے وسیلہ سے تم مشکلات

(حاشیہ جاری)

صعالیرک۔ ۲؎ (بقیہ) او کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی قدرت و منزلت اور قبولیت و وجاہت زیادہ تھی۔

نکتہ امراء کو ارزاق مخصوص بنایا گیا تو فقراء شہود رزاق سے مخصوص ہیں فلہذا شہود رزق سے بہتر اور افضل ہے تو شہود صاحب رزق بطریق اولیٰ بہتر و افضل ہے ہاں جو شہود رزاق سے نوازا گیا ہے اگر اس رزق کی دولت نہیں ملی تو اس کا کوئی نقصان نہیں کیونکہ یہ ایک معمولی شے ہے اور معمولی شے کے نہ ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

ملفوظات اولیاء (۱) سیدنا جنید قدس سرہ نے فرمایا آسمان کے خزانے غیوب اور زمین کے خزانے قلوب ہیں جو غیوب منتقل ہوتی ہے وہ قلوب میں پہنچتی ہے اور بندہ دو چیزوں سے مرتہن ہے۔

۱۔ تقصیر الخدمت (خدمت میں کوتاہی کرنا)

۲۔ ارتکاب الزلات خرابیوں (غلطیوں کا) ارتکاب کرنا

۳۔ حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو دنیا میں اسباب کی طرف جھانکتا ہے اور اسے معلوم تک نہ ہوا کہ یہ تو تو خلق سے حجاب بنتے ہیں تو وہ جاہل ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ خزائن ارزاق السموٰت علم و معارف اور حکمتیں (عوارف مخزونہ خواص بندوں کے لئے ہیں وہ عطا فرماتا ہے جسے چاہتا ہے اور خزائن ارزاق ارض ماکولات مشروبات ملبوسات اور گھوڑے خچر وغیرہ مخزونہ ہیں عوام بندوں کے لئے اللہ تعالیٰ ان پر خرچ کرتا ہے جس کا انہیں گمان تک نہیں ہوتا لیکن منافقین استعداد کے افساد اور عدم نورانیت و غلبہ ظلمانیہ کی وجہ سے اسرار الٰہیہ و اشارات ربانیہ نہیں سمجھتے۔

تفسیر عالمانہ یقولون لئن رجعنا الی المدینۃ لیخرجن الاعز منہا الاذل کہتے ہیں ہم مدینہ پھر گئے تو بڑی عزت والا اور بڑی ذلت والے کو نکال دے گا۔ (حاشیہ آگے)

(بقیہ حاشیہ) ۱؎ پر قابو پا سکو گے اور صرف یہی نہیں بلکہ آپ نے بی بی فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کو قبر میں اتارتے وقت کہا اغفرھا بنبیک و بالانبیاء الذین قبلی الخ (کما قال) اسے بخش دے میرے اور میرے سے پہلے انبیاء علیہم السلام کے وسیلہ سے۔ تفصیل کے لئے فقیر کی کتاب "الوسیلہ" دیکھئے۔ اویسی غفرلہ۔ حاشیہ ختم)

شان نزول مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی جب بنوالمصطلق سے جنگ ہوئی یہ خزاعیہ کا ایک قبیلہ ہے یہ جنگ مریسیع میں ہوئی مریسیع مصغر ہے مرسوع کا۔ یہ ان کا ایک کنواں تھا قدید کی جانب ایک دن کی مسافت پر۔ الفرع (بالضم) یہ ایک جگہ ہے اعراض مدینہ پاک سے آپ نے انہیں شکست دی اور بہت سے ان میں سے مقتول ہوئے ان کے دو ہزار اونٹ اور پانچ سو بکریاں غنیمت میں آئیں اور ان کے دو سو یا اس سے زائد گھرانے قیدی ہوئے ان قیدیوں میں جویریہ بنت الحارث ایک لڑکی بھی تھی۔ یہ حارث بنوالمصطلق کا سردار تھا حضور علیہ السلام نے اس سے نکاح کیا اس وقت بی بی کی عمر مبارک بیس سال تھی۔

غزوہ مریسیع سے فارغ ہو کر جب نبی کریم ﷺ نے سر چاہ نزول فرمایا تو وہاں یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اجیر جہجاہ غفاری اور ابن ابی کے حلیف سنان بن وبر جہنی کے درمیان جنگ ہو گئی۔ جہجاہ نے مہاجرین کو اور سنان نے انصار کو پکارا اس وقت ابن ابی منافق نے حضور سید عالم ﷺ کی شان میں بہت گستاخانہ اور بیہودہ باتیں بکیں اور یہ کہ مدینہ طیبہ پہنچ کر ہم میں سے عزت والے ذلیلوں کو نکال دیں گے اور اپنی قوم سے کہنے لگا کہ اگر تم انہیں اپنا جھوٹا کھانا نہ دو تو یہ تمہاری گردنوں پر سوار نہ ہوں اب ان پر کچھ خرچ نہ کرو تاکہ یہ مدینہ سے بھاگ جائیں اس کی یہ ناشائستہ گفتگو سن کر زید بن ارقم کو تاب نہ رہی۔ انہوں نے اس سے فرمایا کہ خدا کی قسم تو ہی ذلیل ہے اپنی قوم میں بغض ڈالنے والا اور سید عالم ﷺ کے سر مبارک پر معراج کا تاج ہے۔ حضرت رحمن نے انہیں عزت و قوت دی ہے۔ ابن ابی کہنے لگا چپ میں تو ہنسی سے کہہ رہا تھا۔ زید بن ارقم نے یہ خبر حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچائی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابن ابی کے قتل کی اجازت چاہی سید عالم ﷺ نے منع فرمایا اور ارشاد

(حاشیہ لے یہ منافقین کی وراثت دشمنان اولیاء کو نصیب ہے تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ محبوبان خدائے جہاں ڈیرے جمائے تو اہل دنیا دشمن بن گئے پھر ایڑی چوٹی کا دشمنی میں زور لگایا پھر یا خود فنا ہو گئے یا پھر محبوبان خدا کے قدموں میں آ کر گرے چنانچہ سیدنا معین الدین اجمیری اور دیگر اولیاء کرام رضی اللہ عنہما جمعین کے حالات شاہد ہیں۔ اویسی غفرلہ)

فرمایا کہ یہ لوگ کہیں گے کہ محمد ﷺ اپنے اصحاب کو قتل کرتے ہیں۔ حضور انور ﷺ نے ابن ابی سے دریافت فرمایا کہ تو نے یہ باتیں کہی تھی وہ مکر گیا اور قسم کھایا کہ میں نے کچھ بھی نہیں کہا اس کے ساتھی جو مسجد شریف میں حاضر تھے وہ عرض کرنے لگے کہ ابن ابی بہت بڑا شخص ہے یہ جو کہتا ہے ٹھیک ہی کہتا ہے زید بن ارقم کو شاید دھوکا ہوا ہو اور بات یاد نہ رہی ہو پھر جب اوپر کی آیات نازل ہو گئیں اور ابن ابی کا جھوٹ ظاہر ہو گیا تو اس سے کہا گیا کہ جا سید عالم ﷺ سے درخواست کر کہ حضور میرے لئے اللہ تعالیٰ سے معافی چاہیں تو گردن پھیری اور کہنے لگا کہ تم نے کہا ایمان لا تو میں ایمان لے آیا تم نے کہا زکوۃ دے تو میں نے زکوۃ دی اب یہی باقی رہ گیا ہے کہ محمد ﷺ کو سجدہ کروں اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔[1]

(حاشیہ [1] چند فوائد جو شان نزول سے متعلق ہیں فقیر یہاں حاشیہ میں عرض کرتا ہے کچھ صاحب روح البیان کے بیان کردہ ہیں کچھ فقیر کا اضافہ ہے جہجاہ بن سعید انصاری حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کا قائد (لگام تھام کر آگے چلنے والا) تھا اور سنان منافق تھا۔ جہجاہ کی مدد کو جعال (بالکسر) فقراء المہاجرین میں سے تھے) پہنچے جنہوں نے سنان کو تھپڑ مارا سنان نے عبداللہ بن ابی (رئیس المنافقین کو شکایت کی تو اس نے ذیل کی بکواس کی کہ اے جعال تو بھی ہماری توہین کرنے والا ہو گیا (یہ تحقیراً کہا کیونکہ آپ فقیر اور غریب صحابی تھے اور وہ بزعم خویش امیر کبیر) پھر کہا کہ ہم حضرت محمد پر اسی لئے ایمان لائے کہ تھپڑ کھائیں ہماری اور ان کی مثال وہی ہے کہ (معاذ اللہ) کتا تمہارا کھا کر موٹا ہو گا تو پھر تمہیں ہی کاٹنے لگے۔

لیخرجن الاعز الخ میں عبداللہ بن ابی کی اعز سے مراد خود اور اذل سے اہل ایمان اگرچہ یہ بکواس صرف عبداللہ بن ابی نے کی لیکن اس کا اسناد تمام منافقین کی طرف ان کی اس پر رضا کی وجہ سے ہے کہ وہ بھی اس کی اس بکواس سے خوش تھے پھر اپنی قوم سے کہا کہ تم نے تو خود ہی انہیں اپنے شہروں کا مالک بنا دیا اور اپنی جائدادیں انہیں بانٹ دیں بخدا اگر تم اس جعال اور اس جیسے غریبوں کو کچھ نہ دو تو خود بخود بھاگ جائیں گے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت نوجوان تھے جوانی کے جوش سے منافق کی باتوں سے بھڑک اٹھے۔ حضور نبی پاک ﷺ سے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منافق کی گردن اڑانے کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا۔ (جاری)

اذا ترغم انوفا کثیرۃ بیثرت یعنی المدینہ مدینہ پاک میں تم بہت سے ناک رگڑے گا یعنی وہ یہی کہیں گے کہ ان محمد ﷺ الخ حضور اپنے اصحاب کو قتل کرتے تھے آپ نے مدینہ پاک کو یثرب کہا (اگر نہی کے ورود سے بعد کو فرمایا) تو یہ بیان جواز کے لئے تھا (اگرچہ مدینہ پاک کو یثرب کہنا مکروہ ہے تفصیل فقیر کی کتاب "محبوب مدینہ" میں ہے اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر آپ کہ یہ ناگوار ہے اسے کوئی مہاجر قتل کرے تو میں کسی انصاری کو کہتا ہوں اسے قتل کردے گا۔ آپ نے پھر وہی فرمایا جو پہلے فرمایا یہ خبر حضر زید بن ارقم نے پہنچائی تھی تو چونکہ وہ نوجوان تھے اور عبداللہ بن ابی بوڑھا تھا اس کی قوم نے جرح کی کہ یہ نوجوان غلطی کر سکتا ہے لیکن ہمارا شیخ ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔ اس جرح پر آپ نے حضرت زید کو فرمایا شاید تو اس پر غصہ سے ایسا ایسا کہہ رہا ہے عرض کی مجھے اس سے کون سا غصہ پھر آپ نے فرمایا شاید تجھے غلط سنا گیا ہو عرض کی نہیں آپ نے فرمایا تجھ پر کلمات کا اشتباہ ہوا عرض کی نہیں۔

جب مذکورہ بالا آیت اتری تو حضور سرور عالم ﷺ نے حضرت زید کو پیچھے سے پہنچ کر ان کا کان مروڑا اور فرمایا اے نوجوان تیرے کان نے صحیح سنا اللہ تعالیٰ نے تیری تصدیق کی ہے اور منافق کی تکذیب فرمائی ہے اور منافقین کی باتوں کا رد فرمایا ہے۔ یہ مذکورہ بالا حاشیہ اکثر روح البیان کی عبارت کا ترجمہ ہے اب فقیر کا تبصرہ ملاحظہ ہو۔

(۱) منافقین کے وراثت میں جو لوگ نبی علیہ السلام اور اولیاء کرام کی تحقیر اور گستاخی کرتے ہیں وہ بالاخر ذلیل و خوار ہو کر مرتے ہیں۔

(۲) حضرت زید ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جوش ۔بفضلہ تعالیٰ اہلسنت کے عوام نوجوانوں کو نصیب ہوا کہ جونہی سرور عالم ﷺ کے گستاخ کی گستاخی سنی تو گستاخ کا سر اڑا دیا اور اپنی جان کی پرواہ نہ کی مثلاً غازی علم الدین شہید لاہوری کو لیجئے۔

(۳) دشمن نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی سرزنش میں لگے رہنا سنت فاروقی ہے لیکن آج ایسے لوگ کہاں آج تو اس پر زور دیا جا رہا ہے کہ کسی کو برا نہ کہو یار و خواہ وہ کتنا بڑا گستاخ کیوں نہ ہو۔ (حاشیہ بخاری)

(۴) حضور ﷺ کا زید بن ارقم کے خلاف فیصلہ صرف ظاہری حالات کے پیش نظر تھا اس میں لاعلمی ثابت کرنا بد قسمتی کی دلیل ہے۔

یہاں فقیر ایک قاعدہ عرض کر دے تاکہ بے شمار اعتراضات کا قلع قمع ہو سکے۔ وہ یہ کہ حضور علیہ السلام کی حیثیت کا ماننا فرض عین ہے ہر امتی کا فرض بنتا ہے کہ آپ کے ہر قول و فعل کو من حیث النبی دیکھے نہ کہ من حیث البشر ۔ بفضلہ تعالیٰ ہم اہلسنّت حضور علیہ السلام کو ہر حالت میں من حیث النبی کا عقیدہ رکھے ہیں اور مخالفین من حیث بشر دیکھتے ہیں اسی لئے وہ ایسے حالات کو دیکھ کر چونک پڑتے ہیں۔ اب آپ کے جتنا اس قسم کے فیصلے اور حالات من حیث النبی دیکھے جائیں تو کوئی اعتراض پیدا نہیں ہو سکتا ہاں من حیث البشر دیکھا جائے تو ایک نہیں سینکڑوں اعتراضات اٹھ سکتے ہیں۔ آپ نے من حیث النبی ایسے اصول و قواعد مرتب فرمائے جو رہتی دنیا تک کام آئیں کیونکہ تا قیامت صرف اور صرف آپ کی نبوت کے قوانین کا اجراء ہو گا اسی لئے آپ کے ہاں جب کوئی اس قسم کا واقعہ پیش ہوتا تو علم کے باوجود فیصلہ اس طرح فرماتے تو آپ نے ایک ضابطہ اور قاعدہ امت کو عطا فرمایا وہ قاعدہ یہ ہے۔

البنیتہ علی المدعی والیمین علی من انکر دلیل (گواہ) مدعی پر ہے اور منکر (مدعی علیہ) پر قسم۔

یہ قاعدہ امت کے معاشرہ کو محیط ہے اگر آپ اپنے علم کے مطابق فیصلہ جات فرماتے رہتے تو اس قاعدہ کا اجراء کیونکر ہو سکتا تھا۔ یہاں تک کہ قاعدہ آج بھی اسی طرح ہے جیسے حضور نبی پاک ﷺ علم کے باوجود زید جوان کی بات نہ مانی تو بوڑھے منافقین کی باتوں کو مانا جیسا کہ کنز سے لے کر شامی تک یہ قاعدہ لکھ کر فرمایا کہ قاضی (حاکم وقت) پر واجب ہے کہ وہ گواہوں کی گواہی یا پھر مدعی علیہ کی قسم پر فیصلے کرے اگرچہ وہ ذاتی طور پر کسی فریق کے متعلق کچھ جانتا ہے تو بھی فیصلہ نہ کرے۔ اگر کر لے گا تو مجرم ہو گا چونکہ ہمارے مخالفین غبی ہیں اور پھر رسول اللہ ﷺ کو صرف من حیث البشر مانتے ہیں ان کو الزامی جواب کے طور عرض کروں گا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب کریم ﷺ کو یہ ادا ایسی بھا (پسند) گئی کہ قیامت میں بھی وہ اپنے علم کے مطابق فیصلہ نہیں فرمائے گا بلکہ انبیاء

(حاشیہ جاری)

وللہ العزۃ ولرسولہ للمومنین اور اللہ تعالیٰ ورسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان کے لئے باعزت اور اللہ تعالیٰ کے لئے غلبہ و قوت ہے اور اس کو جسے وہ عزت دے رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان ان کے غیر کو کوئی عزت و غلبہ نہیں جیسے ذلت و خواری شیطان اور اس جیسے اور جیسے منافقین و کافرین۔

حکایت ایک صالح مرد معمولی حالت اور سادہ لباس میں تھے کسی نے ان سے پوچھا کیا اب مومن نہیں فرمایا مومن ہوں۔ سائل نے کہا کہ مومن اور یہ ذلت حالانکہ مومن کے لئے عزت کا قرآنی حکم ہے اور غناء (دولت مندی) کا کہ جسے فقر و فاقہ نہیں۔

حکایت حضرت حسن بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کو کسی نے کہا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ میں کبر ہے (کیونکہ آپ بہترین لباس استعمال فرماتے) فرمایا میری یہ کیفیت تکبر سے نہیں یہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ عزت ہے اس کے بعد آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

اعجوبہ بعض اکابر مشائخ نے فرمایا کہ جو یہاں دنیا میں عبد محض ہے وہ آخرت میں ملک محض (خالص بادشاہ) ہو گا اور جو یہاں دنیا میں کسی شے کی ملک کی دعوی کرتا ہے اگرچہ اپنے اعضاء میں سے کسی عضو کا تو آخرت میں اس کی ملک میں اس قدر کمی ہو گی جتنا کہ وہ دنیا میں دعوی کرتا ہو گا آخرت میں اس سے معزز تر اور کون ہو گا جس نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں ذلت کا وقت بسر کیا ایسے ہی آخرت میں ذلیل تر اور کوئی نہ ہو گا جس نے دنیا میں عزت جوئی کی اگرچہ بظاہر وہ بازار میں تھپڑ کھاتا پھرے۔

(بقیہ) کرام علیہم السلام کے کفار پر دعوی کے وقت گواہ طلب فرمائے گا تو کیا یہاں بھی یہی کہو گے جیسے ہندو کہتے ہیں کہ تمہارے خدا تعالیٰ کو علم نہیں تو انبیاء علیہم السلام سے گواہ مانگتا ہے۔ حتمی فیصلہ یہی ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ کو منافقین کے حالات اور ان کے فسادات اور جملہ اقوال و احوال کا علم تھا اس کے باوجود فیصلہ ظاہر پر فرمایا اس سے لاعلمی کا کوئی سوال نہیں۔ اویسی غفرلہ۔

فائدہ دنیا میں عزت سے مراد وہ عزت نہیں جو بادشاہوں کی طرف سے از خود مل جاتی ہے (بغیر کسی جدوجہد کے) ایسے ہی وہی ذلت مراد ہے جو نفسانیت سے ہو۔ (نہ کہ جو انسان کی کسی بدعملی سے ہو)

فائدہ اللہ تعالیٰ کی عزت کا معنی یہ ہے کہ کوئی شے اس کی مشیت و ارادہ سے نہ ہو اور مرسلین ﷺ کی عزت یہ ہے کہ وہ زوال ایمان سے امن میں ہوتے ہیں اور اہل ایمان کی عزت یہ ہے کہ وہ دائمی عقوبت سے امن میں ہوتے ہیں اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عزت بمعنی عظمت و قدرت اور رسل کرام علیہم السلام کی عزت بمعنی نبوت و شفاعت اور اہل ایمان کی عزت تواضع و سخاوت و عبودیت ہے اس کی دلیل یہ حدیث شریف ہے۔ حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا میں اولاد آدم علیہ السلام کا سردار ہوں اور یہ فخر سے نہیں کہہ رہا یعنی مجھے اپنی سیادت (سرداری) پر فخر نہیں بلکہ عبودیت پر فخر ہے کیونکہ اسی میں میری عزت ہے اس لئے کہ طاعت الٰہی سے بڑھ کر اور کوئی عزت نہیں ایسے ہی معصیت حق سے بڑھ کر کوئی ذلت نہیں۔

فائدہ بعض نے کہا عزت الٰہی کا معنی ہے اس کا قہر (غلبہ) اپنے ماسوا پر اور رسول اللہ ﷺ کی عزت یہ ہے کہ ان کا دین تمام ادیان پر غلبہ اور اہل ایمان کی عزت یہ ہے کہ وہ یہود نصاریٰ کو ذلیل و خوار رکھیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین اور تم غالب (اعلیٰ) ہو اگر تم ایمان والے ہو۔

فائدہ بعض نے کہا کہ عزت الٰہی کا معنی ہے الولایتہ جیسے خود فرمایا۔ ھنالک الولایتہ للہ الحق وہاں ولایت صرف اللہ تعالیٰ حق جل جلالہ کے لئے ہو گی اور عزت رسول کا معنی ہے کفایت جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کفیناک المستھزئین ہم استہزاء کرنے والوں سے تمہاری کفایت کریں گے اور اہل ایمان کے لئے عزت بمعنی غلبہ ہے جیسے فرمایا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین

صاحب روح البیان قدس سرہ کا بیان فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ آیت میں اللہ تعالیٰ ترتیب کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عزت بلا واسطہ (اصل) اور بلادوام ہے اور رسول ﷺ اس

صفت عزت کے مظہر ہیں اور اہل ایمان رسول اللہ ﷺ کے اس صفت میں مظاہر ہیں۔ عزت رسول ﷺ کی عزت بواسطہ عزت الٰہی ہے اور عزت اہل ایمان کی عزت رسول اللہ ﷺ کی عزت کے واسطہ سے ہے خواہ وہ ان کے ہم زمان ہوں یا تا قیام تک آنے والے۔ تمام عزت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اس لئے کہ عزت اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان کی عزت اس کا فعل و سنت اور نقل و احسان ہے۔ جیسے امام قشیری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ وہ عزت جو رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان کو نصیب ہوئی وہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے اور اسی کی ملک ہے اور عزت سب کی سب اللہ ہی کی ہے کیونکہ یہ صرف اسی کی صفت ہے۔

دو آیتوں کی تطبیق اسی طرح سے دو بظاہر متضاد آیتوں میں تطبیق ہو گئی مثلاً ایک جگہ فرمایا من کان یرید العزۃ فللہ جمیعا وہ جو عزت کا ارادہ کرتا ہے تو اسے معلوم ہو کہ جملہ عزت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور اس آیت میں فرمایا کہ وللہ العزت ولرسولہ وللمومنین[لہ]

رد وہابیہ دیوبندیہ جو کمالات ہم اہلسنت انبیاء و اولیاء بالخصوص حضور سرور عالم ﷺ کے لئے ثابت کرتے ہیں ان میں یہی کہتے ہیں کہ یہ کمالات اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ہیں ذاتی نہیں اور یہ عطاء محض ان کی تعظیم تکریم کے طور ہے لیکن وہابی نجدی دیوبندی اسے شرک سمجھتے ہیں۔ صاحب روح البیان قدس سرہ صدیوں پہلے اس کا فیصلہ فرما گئے فرمایا۔

ومن ادب من عرف انہ تعالیٰ ھو العزیز ان لا یعتقد لمخلوق اجلالا (روح البیان ص ۵۳۹ ج ۹)

(ادب یہ ہے کہ جو سمجھے کہ اللہ تعالیٰ عزیز ہے پھر مخلوق کے لئے کوئی ذاتی اجلال کا عقیدہ نہ رکھے۔

(حاشیہ لہ اسی طرح اہلسنت دور حاضرہ کے اختلافی مسائل میں آیات کی تطبیق دیتے ہیں فقیر نے اس کے متعلق "احسن البیان فی مقدمہ تفسیر القرآن" میں اس قسم کی چند آیات کا نقشہ دیا ہے شائق مطالعہ کو اسی کو دیکھنا چاہیے)

حدیث شریف اسی لئے حضور نبی پاک [illegible] جس نے غنی کی تعظیم کی محض اس تونگری کی وجہ سے اس کا تہائی دین چلا گیا۔

فائدہ حضرت ابو علی وقاق رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دو تہائی دین چلا جاتا ہے کیونکہ تواضع تین چیزوں سے ہوتی ہے۔

۱۔ زبان سے ۲۔ بدن سے ۳۔ دل سے

جس وقت وہ غنی دولت مند کی تواضع کرے گا تو زبان اور بدن سے لیکن دل سے اس کی عظمت کا اعتقاد نہیں رکھتا اسی لئے دو عضووں سے تواضع کی تو اس کا دو تہائی دین گیا اگر قلب سے بھی اعتقاد رکھے گا تو پھر کل دین رخصت ہو جائے گا۔

نکتہ یہی وجہ ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت ہو وہ تمام مخلوق کو حقیر و صغیر سمجھتا ہے اور جو اس کی عظمت کا قائل ہے وہ کسی دوسرے سے عزت و عظمت طلب نہیں کرتا اور یاد رہے کہ عزت و عظمت صرف اللہ تعالیٰ کی طاعت میں ہے اور بس۔

ملفوظ حضرت ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ

حضرت ذوالنون مصری قدس سرہ نے فرمایا کہ اگر تمام مخلوق مل کر کسی کی عزت کو اس انداز سے بڑھائیں جتنا کہ اس تھوڑی سی طاعت سے نصیب ہوئی تو نہیں بڑھا سکیں گے اور اگر سارے مل کر کسی کی ذات میں اضافہ کریں جتنا اسے ذلت مخالف منجانب اللہ نصیب ہوئی ہے تو کچھ نہ کر سکیں گے۔

حکایت ایک شخص نے کہا کہ میں نے کسی کو طواف میں دیکھا کہ اس کے طواف کرتے وقت اس کے آگے خدام لوگوں کو ہٹا رہے ہیں پھر میں نے اسے بغداد کے پل پر دیکھا کہ وہ لوگوں کے آگے گداگر بن کر ہاتھ پھیلا رہے ہیں۔ میں نے اسے گھور گھور کر دیکھا تو اس نے کہا کیا دیکھتے ہو میں نے کہا میں نے تیرے جیسا ایک شخص طواف کے

دوران دیکھا تھا جن کے خدام آگے آگے لوگوں کو ہٹا رہے تھے۔ اس نے کہا وہی میں ہوں میں نے غلطی کی وہ مقام تواضع کا تھا میں نے تکبر کیا تو یہ سزا ملی جو دیکھ رہے ہو۔

ولکن المنافقین لا یعلمون لیکن منافقین نہیں جانتے زیادہ جہالت اور غرور کی وجہ سے اسی لئے وہ اہل ایمان اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہنسی مذاق کرتے ہیں۔

نکتہ آیت اول میں لا یفقھون اور اس میں لا یعلمون کہنے کی وجہ تفنن بلاغت ہی ہے اور بس ہاں پہلی ایت میں ان کی بے عقلی و کم فہمی اور دوسری میں ان کی حماقت و جہالت کا بیان ہے۔

فائدہ برہان القرآن میں فرمایا کہ لا یفقھون کا تعلق وللہ خزائن السموت والارض سے ہے اور جس میں وہ اشارہ ہے جس میں سمجھ داری کی ضرورت ہے اور منافقوں میں سمجھ داری کہاں اور لا یعلمون کا تعلق وللہ العزۃ ولرسولہ الخ سے لیکن منافقین کیا جانیں کہ اللہ تعالیٰ اولیاء کو عزت بخشا اور اعداء کو ذلیل خوار کرتا ہے۔

عاشق رسول بیٹا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جو عبداللہ بن ابی بن سلول منافق کا بیٹا تھا اس نے باپ کو گھر میں داخلہ سے روک دیا اور تلوار نیام سے نکال کر دروازہ پر کھڑا ہو گیا اور کہا کہ زبان سے اقرار کرو (عزت اللہ و رسول اللہ ﷺ) کے لئے ورنہ میں تلوار سے تیری گردن اڑا دوں گا۔ باپ نے کہا افسوس ہے ایسا کرو گے کہا ہاں جب باپ نے دیکھا کہ یہ جیسے کہہ رہا ہے کر گزرے گا تو کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک عزت اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان کے لئے ہے حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا۔

جزاک اللہ عن اللہ وعن رسولہ ومن المومنین خیرا تجھے الہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ اور جملہ اہل ایمان سے اللہ تعالیٰ جزا دے۔

علم غیب نبی ﷺ اور منافقین حضور سرور عالم ﷺ جب مدینہ طیبہ کے قریب ہوئے تو

آندھی چلی کہ سواروں کو سواری سے اتار پھینکی تھی تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ مدینہ پاک میں بہت بڑا منافق مرا ہے یہ اس کی وجہ سے تیز آندھی چلی ہے جیسے آپ نے فرمایا ویسے ہی تھا کہ اسی دن مدینہ پاک میں زید بن رفاعہ مرا تھا وہ منافقین کی جائے پناہ تھا بنو قینقاع کے سرداروں میں تھا اس نے ظاہرا اسلام قبول کر لیا تھا اسی طرف لام سکی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے قصیدہ تائیہ میں کہا۔

وقدعصفت سرایح فاخبرانها　　　لموت عظیم فی الیهود لیطیبه

(آندھی چلی تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے خبر دی کہ طیبہ پاک میں ایک بہت بڑا یہودی مرا ہے)

عبداللہ بن ابی کی موت اس کے بعد تھوڑا عرصہ گزرا کہ عبداللہ بن ابی معمولی سی بیماری میں مبتلا ہو کر مر گیا حضور نبی پاک ﷺ نے اس کے لئے استغفار کی اور اسے اپنا پیراہن مبارک بھی پہنایا اس پر آیت اتری من یغفر اللہ لھم (انہیں اللہ تعالیٰ ہرگز نہ بخشے گا)

فائدہ مروی ہے کہ وہ تبوک کی واپسی کے بعد مرا تھا۔

تفسیر صوفیانہ بعض اکابر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم فرمایا ہے بندوں کو مخلوق سے نرمی اور شفقت کا صرف اپنے سے تعلق مضبوط کرنے کی وجہ سے تاکہ مخلوق سے اسی طرح ہوں جس طرح وہ شفیق رحیم ہے یعنی مخلوق کو وہ راہ دکھائیں جو انہیں سعادت تک پہنچائے اور بندے کے ہاتھ میں ہے بھی صرف تبلیغ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وماعلینا الا البلاغ

سبق عارف پر لازم ہے کہ وہ اس راستہ کو زیادہ واضح کرے جو بندوں کو اس مقام تک پہنچائے اور راستے کی میل کچیل بندوں سے دور کرے کیونکہ اس مقام تک پہنچانا بندے کا کام تو ہے نہیں یہ صرف اللہ تعالیٰ سے خاص ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا انک لاتھدی من احببت بیشک تو راہ تک نہیں پہنچاتا اسے جس سے تیری محبت ہے۔ رسل کرام علیہم السلام اور ان کے وارثین کا کام ہے بیان اور صاف صاف کہہ دینے کی تبلیغ نہ کوئی اور کام (مقصد تک پہنچانا) ہاں ان کی جزاء اسی کی ہے جو دینے والے اور عطا کرنے والے کی اور خیر کی دلالت کرنے والا عمل کرنے

والے کی طرح ہے۔

تفسیر صوفیانہ (۲) تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اور اللہ تعالیٰ کے لئے عزت یعنی قوت اللہ تعالیٰ اسم اعظم کی ہے اور رسول قلب کی جو آپ مظہراتم دائم ہیں اور مومنین قوی روحانیہ کے لئے لیکن منافقین نفس اور اس کی خواہشات وصفات میں ظلمات میں وہ ظلمات میں اپنی ہلاکت اور غفلت میں اپنے ڈوبنے والے کو نہیں جانتے۔

تفسیر عالمانہ یاایھا الذین امنوا اے سچے ایمان والو لاتلھکم اموالکم ولااولادکم عن ذکر اللہ تمہیں تمہارے سوال و اولاد غافل نہ کردیں ذکر اللہ سے۔

حل لغات صحاح میں ہے لھیت (بالکسر) عن الشئی الھی لھیا و لھیانا بمعنی میں نے لاشے کا ذکر چھوڑ دیا اور اس کی روگردانی کی۔ القاموس میں ہے لھا بچو دعا بمعنی السلاد غفل (غافل ہوا) اور اس کا ذکر چھوڑ دیا۔ تلی والھلہ کی طرح بمعنی مشغلہ اسے مشغول رکھا و لھوت (بالفتح) بالشئی الھو لھوا یعنی میں اس شے سے کھیلا۔ اب معنی یہ ہوا کہ تمہیں امور کی تدبیر کے اہتمام اور ان کی مصلحتوں میں غرقابی اور ان سے نفع اٹھانا تمہیں ذکر الٰہی نماز اور وہ جملہ عبادات میں سے جو اللہ تعالیٰ کے لئے مذکور ہیں ذکر اللہ مجاز ہے۔ اس سے مراد جملہ عبادات ہیں مسبب بول کر سبب مراد لیا گیا ہے۔

فائدہ بعض نے کہا کہ قلب کا ذکر خوف الٰہی اور ذکر للسان تلاوت القرآن و تسبیح تہیل و تمجید و تکبیر و تعلم علم دین او اس کی تعلیم وغیرہ اور ذکر بالابدان نماز و جملہ طاعات اور اس سے غفلت کی نہی سے مراد یہ ہے کہ اموال و اولاد میں مشغول نہ ہو جاؤ اور نہی کو ان کی طرف متوجہ کرنا مجاز کے طریق سے مبالغہ ہے کہ سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمایا فلایکن فی صدرک حرج تو نہ ہو تمہارے سینہ میں تنگی اور یہ قاعدہ اپنی جگہ پہ صحیح ہے کہ مجاز زیادہ بلیغ ہوتا ہے۔

فائدہ بعض نے کہا یہ کنایہ ہے کیونکہ لاتلھکم کہہ کر لاتلھوا لینا لازم سے ملزوم کی طرف نقل

ہوتا ہے اور چونکہ منافقین بخیل تھے اسی لئے کہتے تھے لاتنفقوا علی من عند رسول اللہ اور اولاد اور عشائر سے پیار کرتے تھے اسی لئے ان میں زیادہ مشغول تھے یہی انہیں اللہ تعالیٰ سے اور اس کی طاعت اور اس کی طاعت اور رسول اللہ ﷺ سے روگردانی کر رہے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو فرمایا تم بھی ان کی طرح نہ ہو جاؤ۔

ومن یفعل ذلک اور جو ایسے کرے گا یعنی دنیا سے روگردانی کر کے دنیا اور ماسوی اللہ میں مشغول ہو جائے گا اگرچہ لمحہ بھر۔ اولئک ھم الخاسرون (وہی لوگ) بہت بڑے خسارے میں ہیں اس لئے کہ انہوں نے عظیم اور باقی کو حقیر فانی سے بیچ ڈالا۔

فائدہ حضرت کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دوستی غالب ہو جملہ اشیاء پر اور جملہ آخرت کی نعمتیں اس کے سامنے پیش کی جائیں تو وہ ان کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھے۔

چشم دل از نعیم دو عالم بہ بستہ ایم مقصود ما ز دنیا و عقبی توئی و بس

(ہم نے دونوں عالم کی نعمتوں سے آنکھیں بند کر لی ہیں۔ دنیا و آخرت میں ہمارا مقصود صرف آپ ہی ہیں)

حدیث شریف ہر نئے سورج کے ساتھ دو فرشتے ہوتے ہیں۔ یہ دونوں نداء کرتے جسے سوائے جن و انس کے تمام مخلوق سنتی ہے وہ کہتے ہیں اے لوگو اپنے رب تعالیٰ کی طرف آؤ۔ تھوڑا ہو لیکن باکفایت ہو تو اس زیادہ سے بہتر ہے جو غفلت سے ہو۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے ان کاملین ارباب حقیقی شہودی کی طرف اشارہ ہے اللہ تعالیٰ انہیں فرماتا ہے کہ تمہیں اپنے اعمال صالحہ میں سے نماز و زکوٰۃ و حج و روزہ اور اس اولاد کے احوال جو نتیجہ اعمال سے ہیں یعنی مشاہدات و مکاشفات و مواہب روحانیہ و عطایا ربانیہ سے روگردانی نہ کریں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات و اسماء کے ذکر سے اور اس ذکر کا ظہور اعمال و احوال میں ہے اور جو یہ کرتا ہے یعنی مخلوق میں مشغول اور نعمت و منعم سے محجوب ہوتا ہے تو وہ بہت بڑے خسارہ والا ہے اس نے تجارت کا راس المال بھی ضائع کر دیا اور سوائے گھاٹے اسے کوئی نفع

بھی نہ ہوا اور وہ مشہود حقیقی سے حجاب ہے۔ بعض نے کہا آیت میں بیان ہے اس کا کہ جو تمکین فی المعرفت کے مرتبہ کو نہیں پہنچا تو اسے دنیا میں اہل و مال اور اولاد پر داخلہ جائز نہیں کیونکہ یہ ذکر الٰہی سے قلوب ذاکرین مشغول رکھنے والے ہیں۔ اور جو معرفت میں صاحب استقامت ہے اور اسے مذکور کا قرب بھی حاصل ہے تو اس کا ذکر قائم بذکر اللہ ہے اسی لئے وہ خطرات مذمومہ اور شاغلات حاجبہ سے محفوظ ہے ہاں ضعفاء تو ہموم دنیا کے دریا سے تو نکل ہی نہیں سکتے اور جس وقت ان ضعیفوں کے قلوب حظوظ و شہوات سے ملتے ہیں تو ان کا ذکر کدورات خطرات سے صاف نہیں ہوتا۔

فائدہ حضرت سہل تستری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تمہیں تمہاری اولاد و اموال لوائیگی فرائض کو اول اوقات سے مشغول نہ رکھیں کیونکہ جسے یہ مشغول رکھیں گے اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی عبادت نہ کر سکیں گے تو عروض دنیا سے کوئی شے عارض ہو جائے گی تو خاسرین میں سے ہو گا۔

تفسیر عالمانہ وانفقوا مما رزقناکم (اور اس سے خرچ کرو جو ہم نے تمہیں عطا کیا)
اپنے فضل و کرم سے جو تمہیں بعض رزق عطا کیا جس میں تمہاری کسی جہت کو دخل بھی نہیں (اگرچہ اسباب کے لحاظ سے تمہارا خیال ہے کہ اسے تم نے کما کر حاصل کیا ہے) اور تمہارا یہ خرچ آخرت کا ذخیرہ ہے یعنی حقوق واجبہ کو ادا کرو۔

مسئلہ یہاں انفاق واجب مراد ہے جیسا کہ ظاہر امر سے معلوم ہوتا ہے۔ (الکشاف تفسیر) لیکن اولیٰ اور مقام کے لحاظ سے زیادہ مناسب ہے۔ من قبل ان یاتی احدکم الموت اس سے پہلے کہ تمہیں موت آئے یعنی دلائل کے مشاہدہ اور نشانات کے معائنہ سے پہلے۔

فائدہ فاعل بر مفعول کی تقدیم اہتمام کے لئے ہے کہ اور فاعل کی تاخیر سے تشویق ہو گی۔

سوال من قبل ان یاتی الموت کیوں نہیں فرمایا احد کا اضافہ کیوں۔

جواب اس طرف اشارہ ہے کہ موت ایک ایک کر کے لے جائے گی یہاں تک کہ تم سب کو ختم کر ڈالے فیقول جب موت کی آمد کا یقین ہو جائے گا تو بندہ کہے گا (رب) اے میرے پروردگار۔ لولا اخرتنی مجھے مہلت کیوں نہیں دیتا لولا تحضیض کے لئے ہے بعض نے کہا لا زائدہ تاکید اور لو تمنی کے لئے ہے۔ اب معنی یہ ہوا کاش تو مجھے مہلت دیتا الی اجل قریب تھوری سی مدت تک۔

فائدہ حضرت ابو اللیث رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بندہ کہتا ہے اے میرے مولا مجھے دنیا میں لوٹا اور تھوڑی سی دیر مجھے زندگی دے دے مجھے زیادہ وقت نہیں چاہئے عین المعانی میں ہے کہ اسی طرح مجھے مہلت دے دے جیسے دنیا میں دی۔ فاصدق تاکہ میں صدقہ دوں اور زکوۃ ادا کروں اور زکوۃ ادا کروں۔ یہ ہمزہ قطعی ہے کیونکہ تکلم ہے اور صاد مشدد ہے یہ دراصل اتصدق از تصدق تھا تا صاد میں مدغم ہوئی اور منصوب ہے ان مقدرہ سے کیونکہ تمنی کے بعد فاءٗ واقع ہوئی جبکہ لولا اخرتنی میں لو تمنائیہ ہو۔

واکن من الصالحین اور ہو جاؤں میں صالحین سے مجزوم فاصدق کے محل کی وجہ سے گویا دراصل یوں ہے کہ ان اخرتنی اصدق واکن تھا۔

فائدہ آیت میں اشارہ ہے کہ صدقہ صلاح و طاعت کے اسباب سے ہے جیسے اس کا ترک فساد و فسق کا سبب ہے۔

فائدہ تصدق اور ہدیہ میں فرق ہے تصدق ہوتا ہے محتاج کے لئے اس پر رحم کرنے کے ارادہ سے اور ہدیہ محبوب کے لئے ہوتا ہے اس سے محبت و پیار کی وجہ سے اسی لئے حضور ﷺ ہدیہ قبول فرماتے تھے۔ صدقہ قبول نہیں فرماتے صدقہ فرض یا نفل۔

حکایت حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جس پر زکوۃ فرض ہے اور اس نے ادا نہ کی اور جس پر حج فرض تھا اس نے ادا نہ کیا تو وہ موت کے وقت دنیا کی طرف لوٹنے کی آرزو کرے گا کسی نے کہا اے ابن عباس

خوف خدا کیجئے تو کفار کے لئے ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا میں تجھے قرآن سے ثابت کردوں آپ نے یہی آیت پڑھ کر سنائی یاایھاالذین انفقوا ممارزقناکم من قبل ان یاتی احدکم الموت الی قولہ فاصدق واکن من الصالحین سائل نے پوچھا کہ زکوۃ کا نصاب کیا ہے فرمایا دو سو درہم یا اس سے زائد عرض کی حج کس پر فرض ہے فرمایا جس کے پاس زادو راحلہ ہو۔

مسئلہ یہ آیت اہل ایمان اور اہل قبلہ کے لئے ہے لیکن کفار پر بھی تعریض سے خالی نہیں کیونکہ دنیا کی طرف لوٹنے کی وہی آرزو کرے گا لیکن دنیا کی طرف لوٹنے کی آرزو صرف کفار سے مخصوص نہیں بلکہ بعض اہل ایمان اعمال میں کوتاہی کرنے والے بھی دنیا کی طرف لوٹنے کی آرزو کریں گے۔

مسئلہ بعض علماء کرام نے فرمایا کہ آیت میں دلیل ہے کہ زکوۃ کی ادائیگی بعجلت ضروری ہے کیونکہ موت کی آمد کا ہر گھڑی احتمال ہے اسی لئے بعض مجتہدین نے نماز کو اول وقت پڑھنے کو اختیار اس حدیث شریف پر عمل کرتے ہو کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز کا اول وقت اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے کیونکہ نماز میں عجلت اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں جلدی کرنا ہے اور نیک عمل میں اہتمام بھی کیونکہ نامعلوم یہی زندگی کی آخری گھڑی ہو۔ ولن یوخر اللہ نفسا اور اللہ تعالیٰ کسی نفس کو ہرگز مہلت نہیں دے گا مطیع ہو یا عاصی چھوٹا ہو یا بڑا[1]۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا۔

اذا جاء اجلھا اور جب آئے اس کا وقت یعنی اس کا آخری وقت یعنی وہ منتہی کو پہنچ جائے یہ اس وقت ہے جب اجل سے اول العمر سے تا آخر عمر زمانہ ممتد مراد ہو یعنی جب بندے کی عمر انتہا کو پہنچے تو پھر بڑھائی نہیں جاتی اور نہ کسی کی عمر وقت سے کم ہوتی ہے)

(حاشیہ[1] لیکن یہ قانون ہے اور وہ مالک قادر بھی ہے کہ اپنے قانون کو توڑ بھی سکتا ہے جیسے حضور موسیٰ علیہ السلام کے لئے وعدہ اور آدم علیہ السلام کے لئے چالیس سال۔ داؤد علیہ السلام کو دینے کے باوجود بھی انہیں چالیس دے دیئے قرآن شاہد ہے کہ یمحو اللہ مایشاء ویثبت اویسی غفرلہ)

چو پیمانہ پر شد بدور زمان　　کہ یک لحظہ صورت نہ بندد امان
(امان کی ایک گھڑی بھی کوئی صورت نہ پائے گی جب وہ زمانہ کا پیمانہ چھلک پڑا)

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرآن فہمی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہاں سے استنباط فرمایا کہ حضور سرور عالم ﷺ کی عمر مبارک تریسٹھ سال ہے اس لئے کہ اس سورۃ (منافقین) کا نمبر ۶۳ ہے پھر اس کے بعد سورۃ تغابن ہے بمعنی افسوس کے (اہ ملنا یعنی تریسٹھ سال گزرنے پر اے مومنو! افسوس کے ہاتھ ملو گے کہ تمہارا آقا ﷺ تم سے جدا ہو جائے گا۔

تفسیر صوفیانہ بعض نے کہا کہ موت دو قسم ہے۔

(۱) اضطراری یہ ہجوم اور عرف میں مشہور ہے یعنی وہ اجل جو مقرر ہے جس کے لئے فرمایا اذاجاء اجلهم فلا يستاخرون ساعة ولا يستقدمون جب ان کا مقرر وقت آئے گا تو وہ نہ انہیں مہلت ملے گی اور نہ وہ وقت سے پہلے یہاں سے جائیں گے۔

(۲) اختیاری وہ حیات دنیا میں ہوتی ہے وہ جس کے متعلق فرمایا ثم قضى اجلا (پھر پورا کیا اجل) یہ موت کسی انسان کے لئے صحیح نہیں ہو سکتی جب وہ اللہ تعالیٰ کی توحید موتی کی طرح نہ مانے کیونکہ جس طرح موتی کے آگے پردے ہٹ جاتے ہیں اس سے بھی پردے ہٹ جائیں اگرچہ کسی وقت بھی یہ پردہ اٹھے اور یہ سعادت عوام میں اسے نصیب ہوتی ہے جو اسے جانتا ہو جب پردے ہٹ جاتے ہیں تو وہ علم اس کے لئے عین بن جاتا ہے یہی سعید ہے۔

فائدہ ایسی توحید والا میت ہے لیکن اس میت کی طرح نہیں جو راہ خدا میں شہید ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ عالم برزخ میں نقل تو کرتا ہے لیکن موت سے نہیں (بلکہ شہادت سے) اس معنی پر شہید مقتول تو ہے لیکن میت نہیں اسی طرح وہ ہستی جس نے جہاد اکبر میں اپنے نفس کو قتل کیا اسے جہاد بالنفس کہا جاتا ہے اسے بھی اللہ تعالیٰ شہادت (حکمی) سے نوازتا ہے اس کے لئے ہی برزخ دنیا میں ہوتی ہے ایسی ہستی کی موت معنوی ہے اور قتل نفس سے اس کی مخالفت مراد ہے

تفسیر عالمانہ واللہ خبیر بما تعلمون اور جو تم عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس پر خبیر ہے اس کی تمہیں جزاؤ سزا دے گا اگر عمل نیک ہو گا تو جزائے خیر اور اگر عمل برا ہو گا تو سزا۔ اسی لئے اے مسلمانوں خیر و بھلائی میں سبقت کرو اور آنے والے وقت کے لئے وقت سے پہلے تیاری کر لو۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایمان کا مطلب ہے ہر شے پر اللہ تعالیٰ کی محبت کا شدت ہو۔ (دنیا اور دنیا والوں میں سے کسی سے بھی محبت کی شدت کا تعلق نہ ہو اور نہ ہی محبت الہٰی کے مقابلہ میں تمہارے قلوب پر غلبہ پا جائیں ورنہ تم ایسے تعلقات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے محجوب ہو جاؤ گے پھر جہنم کا ٹھکانہ ہو گا۔ نور التعداد فطری کو فانی شے میں جلد سے جلد ضائع کر کے خسارہ میں پڑو گے۔ صحت اور باوجود ضرورت کے مال کو راہ خدا میں لٹا کر خالی ہو جاؤ تاکہ تمہارے نفس کو فضیلت اور ہیئت نوریہ حاصل ہو لیکن انفاق وہ مفید ہے جو ملکہ سخا اور نفس میں ہیئت تجرد ہو ورنہ موت کے آتے ہی مال تو غیر کا ہو جائے گا تمہارا اس میں حق ختم اسی لئے اب اس کا انفاق مفید نہ ہوا اس وقت سوائے حسرت و ندامت کے کچھ حاصل نہ ہو گا اور مہلت کی تمنا بھی جہالت ہو گی کیونکہ اگر یہ اپنے دعوی ایمان میں سچا اور آخرت پر یقین رکھنے والا ہوتا تو اسے موت کا آنا بھی یقینی ہوتا وہ سمجھتا کہ لامحالہ موت آئے گی اس کا وقت مقرر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے مقدر فرمایا ہے اس کی تاخیر ناممکن ہے تو یہ موت کے آنے سے پہلے ہی اپنا تدارک کرتا ورنہ کسے معلوم کہ انجام کیا ہو گا اسی لئے کہا گیا ہے کہ لوگوں کے لباس کو دیکھ کر دھوکہ نہ کھا۔ کیا خبر اس کا انجام کیسا ہو گا۔

مسکین دل من گرچہ فراوان داند　　　در دانش عافیت فرد ماند

(میرا دل مسکین اگرچہ خوب دانا بینا لیکن انجام کے متعلق یہ بھی عاجز ہے)

حدیث شریف ۱ حضور نبی ﷺ نے فرمایا کہ وہ بندہ خدا جو زندگی میں ایک درم خیرات دیتا۔ ہے وہ اس سو درہم سے بہتر ہے جو موت کے وقت اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیتا ہے۔

حدیث شریف ۲ حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ وہ جو موت کے وقت راہ خدا میں کچھ خرچ کر رہا ہے اس کی مانند ہے جو سیر ہو کر کسی کو ہبہ دے۔

حدیث شریف ۳ حضور سرور عالم ﷺ سے حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ آپ سے کسی نے پوچھا کہ بہتر کون سے صدقہ ہیں اجر عظیم ہے وہ جو تم اس وقت خرچ کرو جب تندرست ہو اور طبیعت خرچ کرنے کو نہ چاہے اور فقر و فاقہ کا خطرہ ہو اور غنا (زائد مال) ملنے کی امید میں ہو اسی طرح مہلت پاتے پاتے وہ وقت آجائے جو روح حلقوم کے قریب پہنچ جائے اب کہو کہ فلاں فقیر کو اتنا دو اور فلاں فقیر کو اتنا یعنی راہ خدا میں خرچ کرنے میں اتنی دیر نہ کرو کہ روح حلقوم تک آجائے پھر کہتے جاؤ کہ فلاں فقیر کو اتنا دو اور فلاں کو اتنا دو تیری موت پر تو تجھ سے تیرا یہ مال بیگانہ ہو جائے گا۔

حکایت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ عبداللہ مزنی سے نقل کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے کسی شخص نے بہت سا مال جمع کیا جب موت سامنے آئی تو بیٹوں کو کہا میرا تمام مال میرے سامنے لاؤ۔ بہت سے گھوڑے اونٹ آثاو دیگر بہت سی اشیاء لائی گئیں انہیں دیکھ کر حسرت سے رو پڑا اسے ملک الموت علیہ السلام نے روتے دیکھ کر فرمایا کیوں روتے ہو مجھے قسم ہے اس ذات کی جس نے تجھے مال دار بنایا تیرے گھر سے باہر قدم نہ رکھوں گا جب تک تیری روح قبض نہ کر لوں۔ عرض کی تھوڑی سی مہلت چاہئے تاکہ میں سارا مال راہ خدا میں لٹا لوں فرمایا افسوس کہ مہلت کا وقت اب تیرے ہاتھ سے نکل گیا اتنا بڑا وقت گزرا تو کہاں رہا یہ کہہ کر اس کی روح قبض کر لی۔ حضرت سلطان ولد قدس سرہ نے فرمایا۔

بگذار جہاں را کہ جہان آں تو نیست ویں دم کہ ہمی زنی نفرمان تو نیست
گر مال جہاں جمع کنی شاد مشو در تکیہ بجان کنی جان آن تو نیست

(جہان کو چھوڑ کیونکہ یہ جہان تیرا نہیں یہ سانس جو نکل رہا ہے یہ بھی تیرے حکم کا پابند نہیں۔۔ اگر تمام جہان کا مال جمع کر لو گے تو پھر بھی خوش نہ ہو۔ اگر تجھے اپنی جان کا سہارا ہے یہ بھی غلط ہے کیونکہ جان تیری نہیں (بلکہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہے وہ جب چاہے واپس کر لے)

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ ارادہ روحانیہ سے وجود مجازی خلقی کو خرچ کرو تاکہ تمہیں وجود حقیقی حاصل ہو قبل اس کے کہ تمہارے ہاں بلا ارادہ موت طبعی آئے تو جاہلیت کی موت مر جاؤ پھر تمہیں حیات ابدیہ نصیب نہ ہو گی کیونکہ نفس ہمیشہ جاہل اور اپنے رب سے غیر عارف رہا ہے اور اس میں شک نہیں کہ حیات طیبہ معرفت الٰہی میں ہے اور نفس طبیعت کی موت اور حیات قلب و روح سے حاصل ہوتی ہے اسے موت ارادی کا کوئی فائدہ نہیں جسے

موت طبعی کے وقت رجوع الی الدنیا کی وجود مجازی بلا ارادہ اور رضا اور رغبت سے خرچ کرنے اور صالحین میں ہونے کا وجود حقیقی کے قبول کرنے کی تمنا نہ ہو اور ہر وہ جو وجود اضافی کو وجود حقیقی کے قبول کرنے پر خرچ کرنے کے لئے تیار ہو لیکن احکام شریعت زہراء کے پورے کرنے اور آداب طریقہ بیضاء کے مکمل کرنے کا موقعہ نہ ملا کہ موت آگئی تو اس کو حجاب و احتجاب پر وقفہ کا امکان نہ ہو گا اس کی مثال اس پیٹ میں ٹھہرے ہوئے بچے کی ہے کہ اس پر ابھی روح کا نور نہ چمکا کہ وقت مکمل ہو گیا۔ (جس سے وہ کچہ بچہ) ہو کر باہر نکلا۔ بس اس کے لئے یہی کہا جائے گا کہ اس پر ایسا عارض آیا جو اس کو مانع ہوا اور نہ مقصد میں کامیاب ہو جاتا (جیسے اس بچے کچے پر آفت (تکمیل میعاد) نہ آتی تو وہ روح پاتا اور دنیا میں کامل مکمل ہو کر انسانی رنگ و روپ پاتا)

وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ کہ کون وجود امکانی کو خرچ کرتا ہے اور وجود واجبی حقانی کو حاصل کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ جب قیامت آئے گی جو اس کے وقوع میں جھوٹ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے وجود کو خرچ کرنے والوں اور اپنے فضل وجود سے ان سے بنائے جو اس سے مستفیض ہوتے ہیں اور ہمارا خاتمہ ایمان پہ فرمائے۔ بایں طور کہ ہمیں اعراض عن الغیر کی توفیق بخشے۔ (آمین)

فراغت صاحب روح البیان قدس سرہ تفسیر سورۃ المنافقین اللہ تعالیٰ معین کی مدد سے اوائل ماہ ربیع الاول شریف ۱۱۲۶ء ہجری میں مکمل ہوئی۔

فقیر اویسی غفرلہ نے تفسیر منافقین کے ترجمہ سے شب سہ شنبہ سوا دس بجے اواخر ربیع الاول یعنی ۲۷ ۔۱۴۰۹ء ہجری مطابق ۷ نومبر ۱۹۸۸ء فراغت پائی۔

الحمد لله على ذلک وصلى الله على حبيبه الكريم الامين وعلى آله واصحابه اجمعين

انا الفقیر ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ
بہاولپور۔ پاکستان

سُوْرَۃُ التَّغَابُنِ مَدَنِیَّۃٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اٰيَاتُهَا ۱۸ رُكُوْعَاتُهَا ۲

سورۂ تغابن مدنی ہے اس میں اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا اٹھارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں اسی کا ملک ہے اور اسی کی تعریف اور وہ ہر چیز پر

قَدِيْرٌ ① هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ② خَلَقَ

قادر ہے وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا تو تم میں کوئی کافر اور تم میں کوئی مسلمان اور اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے اس

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ③ يَعْلَمُ مَا فِي

نے آسمان اور زمین حق کے ساتھ بنائے اور تمہاری تصویر کی تو تمہاری اچھی صورت بنائی اور اسی کی طرف پھرنا ہے جانتا ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ④ اَلَمْ

جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے اور جانتا ہے جو تم چھپاتے اور ظاہر کرتے ہو اور اللہ دلوں کی بات جانتا ہے کیا

يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ⑤

تمہیں ان کی خبر نہ آئی جنہوں نے تم سے پہلے کفر کیا اور اپنے کام کا وبال چکھا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے

ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا

یہ اس لیے کہ ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لاتے تو بولے کیا آدمی ہمیں راہ بتائیں گے تو کافر ہوئے اور پھر گئے

وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ⑥ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ

اور اللہ نے بے نیازی کو کام فرمایا اور اللہ بے نیاز ہے سب خوبیوں سراہا کافروں نے بکا کہ وہ ہرگز نہ اٹھائے جائیں گے تم فرماؤ کیوں نہیں

لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ⑦ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ

میرے رب کی قسم تم ضرور اٹھائے جاؤ گے پھر تمہارے کوتک تمہیں جتا دیئے جائیں گے اور یہ اللہ کو آسان ہے تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول

الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ⑧ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ

اور اس نور پر جو ہم نے اتارا اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے جس دن تمہیں اکٹھا کرے گا سب جمع ہونے کے دن وہ دن ہے ہار والوں

التَّغَابُنِ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ

کی ہار کھلنے کا اور جو اللہ پر ایمان لائے اور اچھا کام کرے اللہ اس کی برائیاں اتار دیگا اور اسے باغوں میں لے

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ⑨ وَالَّذِيْنَ

جائیگا جن کے نیچے نہریں بہیں کہ وہ ہمیشہ ان میں رہیں یہی بڑی کامیابی ہے اور جنہوں نے

۶/۱۸ ۱۵

كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑩

کفر کیا اور ہماری آیتیں جھٹلائیں وہ آگ والے ہیں ہمیشہ اس میں رہیں اور کیا ہی برا انجام

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ۭ وَاللّٰهُ

کوئی مصیبت نہیں پہنچتی مگر اللہ کے حکم سے اور جو اللہ پر ایمان لائے اللہ اس کے دل کو ہدایت فرمادیگا

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰي

اور اللہ سب کچھ جانتا ہے اور اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو پھر اگر تم منہ پھیرو تو جان لو کہ ہمارے رسول

رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ⑫ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑬

پر صرف صریح پہنچا دینا ہے اللہ ہے جس کے سوا کسی کی بندگی نہیں اور اللہ ہی پر ایمان والے بھروسا کریں

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ

اے ایمان والو تمہاری کچھ بی بیاں اور بچے تمہارے دشمن ہیں تو ان سے احتیاط رکھو اور اگر

وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑭ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ

معاف کرو اور درگزرو اور بخشدو تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے تمہارے مال اور تمہارے بچے جانچ ہی

فِتْنَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ⑮ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا

ہیں اور اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے تو اللہ سے ڈرو جہاں تک ہوسکے اور فرمان سنو اور حکم مانو اور اللہ کی

وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑯

راہ میں خرچ کرو اپنے بھلے کو اور جو اپنی جان کے لالچ سے بچایا گیا تو وہی فلاح پانے والے ہیں

اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ

اگر تم اللہ کو اچھا قرض دو گے وہ تمہارے لیے اس کے دونے کر دیگا اور تمہیں بخشدے گا اور اللہ قدر فرمانے

حَلِيْمٌ ⑰ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑱

والا حلم والا ہے ہر نہاں اور عیاں کا جاننے والا عزت والا حکمت والا

۲/۸ ۱۶

تفسیر عالمانہ يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے ہیں وہ جو آسمانوں روحانیات میں سے ہیں وما فی الارض اور وہ جو زمین میں جسمانیات سے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی ان امور سے تنزیہ بیان کرتے ہیں جو اس کی جناب کبریائی کے لائق نہیں بلکہ وہ امور مخلوق کے لائق ہیں اس تسبیح سے مراد یا اشارہ ہے یعنی

بطریق دلالت اور یہ عام ہے جو ہر ذی حیات اور ہر جماد کو شامل ہے یا تسبیح سے عبادت مراد ہے وہ یہ کہ زبان سے کہا جائے۔ سبحان اللہ۔

فائدہ اہل اللہ کے نزدیک یہ تسبیح ہر دونوں کو عام ہے۔

اعجوبہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ میں نے کو محیط میں مچھلیاں پکڑیں تو وہ پڑھ رہی تھیں سبحان الملک القدوس رب الاقوات والارزاق والحیوانات والنباتات (پاک ہے مالک قدوس کو وہ اقوات ارزاق اور حیوانات و نباتات کا رب ہے)

فائدہ اگر ہر خشک و تر شے میں حیات نہ ہوتی تو حضور علیہ السلام نہ فرماتے کہ موذن کی اذان کی ہر شے گواہی دے گی۔

فائدہ اتنی بے شمار مخلوق ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ نے بتایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو جانتی ہے اور اس کی طاعت اور اس کے حقوق کی ادائیگی میں ساعی ہے اور بعض ایسے ہیں جو ایمان لائے اور رسالت کی تصدیق کی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔ بعض ان میں ایسے ہیں جو ایمان سے محروم رہے اور اس کے حکم کی تعمیل سے اعراض کیا بلکہ امر الٰہی کی تاویل ایسی گھڑی جو منشائے ایزدی کے سراسر خلاف ہو اور ارادہ یہ کہ وہ بھی مومن ہے حالانکہ ایسے فی الحقیقت مکذبین سے ہیں کیونکہ ایمان کی تعریف از خود گھڑ لی اور جو اللہ تعالیٰ کا بتایا ہوا فرمان تھا اس پر اپنے نظریہ کو فوقیت دی ایسے لوگوں کو مشاہدہ عین نصیب نہ ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ بعض مشائخ نے آیت کا معنی یوں بتایا ہے کہ اے انسان تیرا وجود (تیرے اختیار کے بغیر تیری تسبیح پڑھتا ہے اور تو اپنے وجود کی تسبیح سے غافل ہے وہ اس لئے کہ تیرا وجود ہر لمحہ اس کے وجود کے ساتھ قائم اور اس کے ہونے کا تیرا وجود محتاج ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے انسان جب تیرا وجود میرے ذکر میں مشغول ہے تو پھر تیری زبان اور تیرا دل میرے ذکر میں کیوں شاغل نہیں۔

فائدہ حقیقت یہ ہے کہ کوئی وجود اس کے ارادہ و مشیت کے بغیر متحرک نہیں اور یہ ایسی تقدیس ہے جسے عارف باوحدانیت کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔

تفسیر عالمانہ لہ الملک اس کے لئے ملک دائم لازوال ہے اس کی کمال قدرت اور اسی کے تصرف کا نفاذ ہے اور اسی کو آسمان نہ زمین کی شاہی مسلم ہے اسی نے انہیں اور ان کے اندر جملہ اشیاء کو پیدا فرمایا۔ ولہ الحمد اور اسی کے لئے حامدین کی حمد۔ حمد بمعنی ذکر اوصاف جمیلہ و افعال جزیلہ کے ساتھ ثناء کرنا۔

فائدہ جار مجرور کی تقدیم تاکید اختصاص کی دلالت اور بالکلیہ شبہ کے ازالہ کے لئے ہے اسے لام بھی اختصاص کے لئے آتی ہے خواہ مبتداء مقدم ہو یا موخر۔ اب معنی یہ ہوا ہے حمد صرف اسی کے لئے اس کے غیر کے لئے حمد ہوتی ہی نہیں کیونکہ وہی ہر شے کا خالق ہے اور ہر شے اس سے قائم ہے اور وہی ہر شے کا نگہبان اور اسی کا ہر شے پہ تصرف ہے جیسے چاہتا ہے تمام نعمتوں کے جملہ اصول و فروع کا وہی مالک ہے اگر اس کا بندوں پر انعام نہ ہوتا تو کوئی بھی معمولی سے معمولی شے کے حصول پر قدرت نہ رکھتا اسی لئے اہل ایمان اس کی نعمتوں پر اس کی حمد کرتے ہیں۔ اس کی اولاً آخراً حمد ہے۔

ازالہ وہم جو بھی کسی شے کا مالک ہے تو اسی مالک حقیقی سے عاریت کے طور مالک ہے اسی نے اپنے فضل و کرم سے تسلط کی اجازت فرمائی ایسے کسی کی تعریف ہوتی ہے تو وہ بھی اس کی عطا سے ہے کہ اس نے اسے اپنی نعمت بخشی۔ خلاصہ یہ کہ کسی کی ملکیت یا حمد صرف ظاہری لحاظ سے ہے ورنہ در حقیقت اسی کا ہے جو کچھ ہے۔

باغیر او اضافت شاہی بعد چناں بریک دو چوب پارہ ز شطرنج نام شاہ

(اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کے لئے شاہی کا اطلاق ایسے ہے جیسے چند لکڑیوں میں سے ایک لکڑی کو شطرنج میں بادشاہ کہا جاتا ہے)

وھو علی کل شئی قدیر اور وہی ہر شے پر قادر ہے کیونکہ اس کی ذات کی نسبت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اسے ہر شے پر قدرت ہو وہی ایجاد و اعدام اور اسقام (بیمار کرنا) ابرائے (تندرست کرنا) اعزاز و اذلال اور تبییض و تسوید اور دیگر امور متشابہ پہ وہی واحد مطلق قادر ہے۔

مسئلہ بعض نے فرمایا اللہ تعالیٰ فعل کو پیدا فرماتا ہے اور بندہ اس فعل کا کاسب ہے کسی بندے کو خلق (پیدا کرنا) سے موصوف نہیں کیا جاتا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ قدرت علی الکسب سے موصوف کیا جاتا ہے۔

سبق جو جانتا ہے اللہ تعالیٰ بہت بڑی قدرت و سطوت والا اور اس کی سزا سخت ہے تو وہ کبھی گناہ کی جرات نہیں کرتا اور نہ ہی وہ اس کے حکم کی مخالفت کرتا ہے۔

مسئلہ بندے کو سوال حاجت کے وقت اس کی لطیف نعمتوں کو مد نظر رکھنا چاہیے اسے اپنی طاعت و عبادت کا بھروسہ نہ کرنا چاہیے بلکہ وہ طاعت و عبادت بجالانے کو اس کی منت و کرم سمجھے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مسبحہ (تسبیح کی ہوئی) اور منزہ علی الامثل والاضداد والاشکال والانداد ہے۔ کوئی شے قوای آسمانی روحانی اس کی مثیل نہیں اور نہ ہی زمین کے قوی جسمانیہ میں سے اس کی کوئی شے عدیل ہے وجود مطلق کو ملک اسی کا ہے وجود مقید میں نعمت کے ظہور پر اسی کی حمد ہے اسی کے لئے ہر ہویت معتبر ہے۔ تقیید و اطلاق میں وہی ہر شے کے ظہور کی قدرت والا ہے اور تقیید و اطلاق اسی کا عین ہیں یہ دونوں طرف اعتباری نسبتیں ہیں۔

تفسیر عالمانہ وھوالذی خلقکم اور وہی ہے جس نے تمہاری تخلیق بدیع فرمائی وہی جمیع مبادی کملات علمیہ عملیہ کو حاوی ہے

فمنکم کافر پس تم میں سے بعض اپنے اختیار سے کافر ہوئے انہوں نے خود ہی کفر کا عمل کیا جیسا کہ اس فطرت کا تقاضا تھا۔ منافق بھی کافر میں شامل ہے کیونکہ اس کا کفر پوشیدہ ہے۔ حالانکہ تم سب پر لازم تھا کہ تم ایمان کو اختیار کرتے اور اس کی نعمت تخلیق کا شکر کرتے اسی طرح باقی نعمتوں کا بھی کیونکہ باقی جملہ نعمتیں اسی تخلیق کی نعمت کی فرع ہیں جو کچھ کیا تم نے خود کیا کیونکہ اس نے تمہیں ہر طرح کی قدرت بخشی پھر تم مختلف شعبے اور مختلف فرقے خود ہو گئے۔

مسئلہ فتح الرحمن میں ہے کہ کفر کافر کا اور ایمان مومن کا فعل ہے اور بندے کا اپنا اختیاری عمل ہے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کل مولود یولد علی الفطرۃ (ہر بچہ ایک فطرت پہ پیدا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا فطرۃ اللّٰہ التی فطر الناس علیھا (یہ اللہ تعالیٰ کی فطرت ہے۔ جس پر لوگوں کو پیدا فرمایا) ثابت ہوا ہر دونوں (مومن و کافر) کو کسب و اختیار حاصل ہے۔ اور وہ کسب اختیار بھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر و مشیت کے تحت ہے۔ مومن تو تخلیق کے بعد ایمان کو اختیار کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ یونہی تھا اور اس کے لئے یہی مقدر فرمایا اور اس کا علم تھا اور کافر تخلیق کے بعد کفر کو اختیار کرتا ہے اس کے اختیار پر اسے کفر کی قدرت دی اور اسے اس کا علم اسی طرح تھا یہی اہلسنت کا مذہب ہے۔

کیمونسٹ کی تردید آیت میں دہریہ (کیمونسٹ کا رد بھی ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی خالقیت کے منکر ہیں اور وہی اعیان کا خالق و مبدع ہے۔

سنی و معتزلی کا مناظرہ منقول ہے کہ سنی اور معتزلی کا مسئلہ تقدیر پر مناظرہ ہوا۔ معتزلی نے نارنگی درخت سے

توڑ کر سنی کو کہا کہ میں نے ہی نارنگی توڑی ہے۔ فلہذا اس میں اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا کیا دخل۔ سنی نے کہا کہ اب اسے جوڑ دیجئے۔ معتزلی مبہوت ہو گیا۔

خلاصہ جواب معتزلہ کا مذہب ہے بندہ اپنے فعل کا خود خالق ہے اہلسنت اس کے برعکس کہتے ہیں کہ بندہ کاسب ہے۔ خالق نہیں کیونکہ تخلیق و قدرت کا یہ معنی ہے کہ وہ فعل کی ہر دونوں ضدوں پر قدرت رکھتا ہے جیسے معتزلی نے کیا کہ درخت سے نارنگی کو توڑ لیا لیکن اس کے جوڑنے کی قدرت اسے حاصل نہ تھی۔

سبق ادب اسی میں ہے کہ جب یقین ہے کہ خلق و ایجاد میں اللہ تعالیٰ منفرد ہے اس میں اس کا کوئی شریک نہیں پھر لازم ہے کہ بندے کے کسب کا بھی انکار نہ کیا جائے اور نہ ہی امر و نہی کے ابتلاءِ شرع کے احکام کا انکار کرے اور نہ ہی یہ کہے کہ بندے کو اللہ تعالیٰ پر اس میں کوئی حجت ہے۔

حکایت بعض مشائخ سے منقول ہے کہ انہیں ملائکہ کے قول اتجعل فیھا من یفسد فیھا کی جسارت سے تعجب ہوئی پھر خود فرمایا تعجب کی کیا بات ہے کیونکہ اسی ذات نے خود انہیں بولنے کی قدرت دی اس بزرگ کا یہ قول یحیی بن معاذ رازی رضی اللہ عنہ کو پہنچا تو فرمایا بزرگ نے سچ کہا کہ واقعی اس ذات نے ہی ہمیں بولنے کی قدرت دی۔ لیکن پھر اس کریم نے انہیں کیسی حکمت بالغہ سے خاموش کیا۔

سبق اس سے ثابت ہوا کہ مجرد تخلیق حق بندے کو کسب کی ملامت سے عذر کا سبب نہیں۔ ومنکم مومن اور تمہارے بعض ایمان کو اختیار کرنے والے اور اس کے کاسب ہیں اس میں کبیرہ گناہ کا مرتکب بھی داخل ہے اگرچہ وہ اپنے اس گناہ سے تائب بھی نہ ہو ایسے ہی بدعتی کہ جس کی بدعت حد کفر میں نہ پہنچی ہو۔

نکتہ کفر کی تقدیم یہاں اس لئے مناسب ہے کہ یہ مقام توبیخ ہے۔

دوزخی اور بہشت کی تعداد اللہ تعالیٰ موقف (محشر) میں آدم علیہ السلام سے فرمائے گا کہ بعث النار کو کالیے یعنی ناریوں کے مابین امتیاز کیجئے عرض کی بعث سے کیا مراد ہے فرمایا بعث سے عدد مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے جہنمی ہیں قرآن مجید فرماتا ہے۔ لکن اکثر الناس لا یومنون اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ اور فرمایا وقلیل من عبادی الشکور میرے شکر گزار بندے تھوڑے ہیں اور ایمان شکر کے شعبوں میں سے عظیم تر شعبہ ہے۔

حکایت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا دعا کر رہا تھا اللھم اجعلنی من القلیل (اے اللہ مجھے قلیل میں سے بنا) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیسی دعا ہے اس نے عرض کی میں نے اللہ تعالیٰ سے سنا ہے وہ فرماتا ہے وقلیل من عبادی الشکور میرے شکر گزار بندے تھوڑے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کل الناس اعلم من عمر تمام لوگ عمر سے بڑے عالم ہیں[۱]۔

صاحب روح البیان کی تصریح سے شیعہ کی تردید فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول کسر نفسی پر محمول ہو گا کہ انہوں نے اپنے علم و معرفت کو معمولی و حقیر ظاہر فرمایا جیسا کہ کاملین کی عادت ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ علم دین و معرفت کے کمال کے مستحق نہیں اور نہ ہی ان کی خلافت پر اس جملہ سے طعن و تشنیع ہو سکتی جیسا کہ طوسی خبیث (شیعوں کا ایک مجتہد) نے اپنی کتاب تجرید میں طعن کیا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ بنی آدم کے مختلف طبقات ہیں۔

۱۔ مومن پیدا ہوتے ہیں مومن زندہ رہتے ہیں اور مومن مرتے ہیں۔

۲۔ کافر پیدا ہوتے ہیں کافر زندہ رہتے ہیں اور کافر مرتے ہیں۔

۳۔ مومن پیدا ہوتے ہیں مومن زندہ رہتے ہیں کافر مرتے ہیں (معاذ اللہ)

(حاشیہ[۱] یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کسر نفسی کی دلیل ہے ورنہ حضرت عمر کے علم کا کیا کہنا لیکن افسوس کہ شیعہ بلکہ ان حضرات کی کسر نفسی کے کلمات کو عیب میں شمار کرتے ہیں جیسے قبیلہ سے لولا علی لھلک عمر (اگر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا) مزید تفصیل فقیر کی کتاب "تحفہ شیعہ مذہب" میں دیکھئے۔ اویسی غفرلہ)

۴۔ کافر پیدا ہوتے ہیں کافر زندہ رہتے ہیں مومن مرتے ہیں۔

اعجوبہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ بہت سے بندے اللہ کو طلب کرتے ہیں لیکن وہ انہیں رسوا کرتا ہے اور بہت سے بندے اس سے دور بھاگتے ہیں لیکن وہ خود انہیں قریب کرتا ہے۔

حکایت حضرت ابراہیم خواص رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میں ایک بار جنگل میں تجرید کا مقام طے کرتا ہوا جا رہا تھا ایک بوڑھے کو دیکھا جس کے سر پر درویشانہ کلاہ اور نہایت زاری سے رو رہا تھا۔ میں نے کہا بھائی تم کون ہو اور زاری سے کیوں گریہ کر رہا ہے کہا میں ابو مرہ (ابلیس) ہوں اور روتا اس لئے ہوں کہ میرے جیسا بدبخت اور کون ہو سکتا ہے چالیس ہزار سال میں نے عبادت کی اور اس عالم میں مجھ سے بلند مقام والا اور کوئی نہیں تھا لیکن تقدیر الہی دیکھئے کہ میرے لئے حکم غیبی یہی ہوا جو تم دیکھ رہے ہو فلہذا اے ابراہیم اپنی عبادت و طاعت پہ غرہ نہ ہونا سب کچھ اسی کے اختیار اور اس کی عنایت پر موقوف ہے مجھے دیکھئے کہ مجھے فرمان ہوا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کیجئے۔ میں نے انکار کیا اور آدم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اس درخت کا پھل نہ کھانا لیکن انہوں نے کھالیا ان پر عنایت ایزدی ہوئی ان کا عذر قبول ہوا ان کی لغزش حساب میں نہیں لائی گئی اور مجھ پر عنایت نہ ہوئی میری سابقہ عبادت کو خطا میں لکھا گیا۔

من لم یکن للوصال اھلا فکل احسانہ ذنوب

(جو وصال الہی کے لائق نہیں ہو اس کی نیکیاں بھی گناہ لکھی جاتی ہیں)

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ کے مندرجہ ذیل شعر کا بھی یہی نکتہ ہے۔

ہر کہ در سایہ عنایت اوست گنہ اش طاعت است دشمن دوست

(جو کوئی اس کے عنایت کے سایہ میں ہے اس کے گناہ بھی طاعت ہیں اور دشمن دوست واللہ بما تعملون بصیر اور تم جو عمل کرتے ہو اسے اللہ دیکھتا ہے اس کی تمہیں جزا دے گا پس تم پر لازم ہے کہ تم ایمان و طاعت کی جدوجہد کرو اور کفر اور ان اعمال و عصیان سے بچو جو تمہیں تباہ برباد کریں گے۔

فائدہ صوفیانہ حضرت قاسم رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ خطاب انسان کو اس وقت ہے جبکہ عدم

ظہور میں نہیں آیا تھا۔ اس وقت سے ان کا مومن و کافر بنایا اور ازل سے انہیں ایمان و کفر کی صفت سے موصوف فرمایا پھر جب عالم ظہور میں آئے تو انہیں اسی طرح ظاہر فرمایا جیسے ازل میں تھے اور انہیں اپنے علم ازلی کی خبر دی کہ تم اپنے اختیار سے ایسے کرو گے۔

فائدہ اللہ تعالیٰ ہمارے ہر عمل کو جانتا ہے لیکن قدرت کے باوجود سزا نہیں دیتا بلکہ الٹا گناہ و خطا بخش دیتا ہے ہاں جس پر ازلی تقدیر غالب ہے اسے وسائل کے باوجود اپنے قریب نہیں ہونے دیتا اور جسے اپنی درگاہ سے دور کرتا ہے اسے اس کی جدوجہد کوئی فائدہ نہیں دیتی۔

حکایت بعض مشائخ کو معلوم ہوا کہ فلاں یہودی نے مرتے وقت وصیت کی کہ اسے بیت المقدس میں دفن کرنا۔ بزرگ نے فرمایا وہ ازلی تقسیم کا مقابلہ کر رہا ہے کیا اسے معلوم نہیں کہ اگر ایسے جنت الفردوس میں بھی دفن کیا جائے تب بھی ازلی تقسیم پر اسے جہنم وہاں سے بھی اپنے اندر کھینچ لے گی۔

انسان کی اقسام انسان چار قسم ہیں۔

(۱) اصحاب السوابق وہ جن کا غور و فکر اسی مطابق رہتا ہے جس پر ازل میں اللہ تعالیٰ نے لکھا اور وہ یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو ہماری جدوجہد تبدیل نہیں کر سکتی۔

(۲) اصحاب العواقب وہ جو ہمیشہ کفریہ زندگی بسر کرتے ہیں اور اسی کفر پر ان کی مہر لگی ہے اور امور کے نتائج خاتمہ پر ہوتے ہیں لیکن انجام مخفی ہے اسی لئے مشائخ نے فرمایا کہ اپنی زندگی کے اچھے لمحات پر مغرور نہ ہونا چاہئے کیونکہ ان کے اندر پوشیدہ آفات ہیں۔

(۳) اصحاب الوقت وہ لوگ جو سوابق کا فکر کرتے ہیں نہ لواحق یعنی انجام کا بلکہ وہ ہر وقت مراعات اوقات اور امور تکلیفہ کی ادائیگی میں مشغول رہتے ہیں اسی لئے عارف کو ابن الوقت کہا گیا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ الصوفی من لا ماضی لہ ولا مستقبل صوفی وہ ہے جس کا نہ ماضی نہ مستقبل

مثنوی شریف میں ہے۔

صوفی ابن الوقت باشد اے رفیق　　　　نیست فردا گفتن از شرط طریق

(اے رفیق صوفی ابن الوقت ہوتا ہے طریقت میں فردا (کل) کہنے کی کوئی شرط نہیں)

(۴) وہ لوگ جن پر ذکر حق غالب ہے وہ رعایت اوقات کے بغیر ہر وقت مشاہدہ میں مشغول ہیں۔

تفسیر صوفیانہ آیت ہویت مطلقہ کی طرف اشارہ ہے کہ اس میں نہ نسبتیں ہیں نہ اضافات خلقکم تمہیں پیدا فرمایا یعنی تم پر تعینات جنسیہ و نوعیہ و شخصیہ کی تقیید و انحصار کے بغیر تجلی ڈالی۔

فمنکم کافرا پس تمہارے بعض ان تعینات میں سے کافر ہوئے یعنی وہ حق مطلق کو خلق مقید سے چھپاتے ہیں طعن و تشنیع کے ڈر سے تفرقہ کی باتیں کرتے ہیں۔ ومنکم مومن اور ان تعینات میں سے بعض تمہارے مومن ہوئے کہ وہ خلق میں حق کے ظہور پر ایمان لاتا ہے اور خلق کو حق میں چھپاتا اور جمعیت کی بات کرتا ہے تاکہ کاشفین بالحقائق مانوس ہوں۔ واللہ بما تعملون بصیر (اور اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے جو طعن کرنے والے کے طعن کو دفع کرتے ہوئے حق کو خلق میں چھپاتا ہے اور اسے بھی جانتا ہے جو واجد طالب کو مانوس کرنے کے لئے خلق کو حق چھپاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ خلق السموت والارض بالحق اس نے آسمانوں اور زمینوں کو حکمت بالغہ سے پیدا فرمایا اور اس کی حکمت مصالح دینیہ و دنیویہ کو متضمن ہے۔ السموت سے ساتوں آسمان اور الارض اسے ساتوں زمینیں مراد ہیں جیسا کہ بعض دوسرے مقامات پہ تصریح موجود ہے کما قال اللہ تعالیٰ خلق سبع سموت طباقا اور فرمایا خلق سبع سموت و من الارض مثلھن

سوال کیا وجہ ہے کہ ایسے مقامات پر عرش و کرسی کا ذکر نہیں حالانکہ وہ عظمت میں آسمانوں اور زمینوں سے بڑھ کر ہیں۔

جواب اگرچہ وہ بھی آسمانوں میں سے ہیں کیونکہ آسمان فلک کو کہتے ہیں اور فلک ایک جسم شفف محیط بالعالم ہے اور عرش و کرسی احاطہ میں تمام افلاک سے وسیع تر ہیں لیکن چونکہ ان کے آثار غیر ظاہر اور غیر مکشوف ہیں

بخلاف آسمانوں اور زمینوں اور ان کے مابین کے کہ وہ مخاطبین مکلفین کو قریب تر اور ان کے حالات انہیں کچھ نہ کچھ معلوم ہیں اور بعض منافع سے انہیں آگاہی حاصل ہے اسی لئے مشہور ہے کہ سورج سے میوہ جات پکتے ہیں اور چاند سے رنگ پاتے ہیں اور ستاروں سے ذائقہ پیدا ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ علاوہ ازیں آسمانوں اور زمینوں کا تغیر اظہر ہے اسی لئے ان کی عظمت کے باوجود تغیر کو قبول کرنا دلائل قدرت الہی کے لئے واضح تر ہے اور فرمایا کل یوم ھوفی شان اور اکثر وبن کا ظہور عالم کون وفساد میں ہوتا ہے اور عالم کون وفساد یہی آسمان اور زمین ہیں کیونکہ یہ عنصریات میں سے ہیں بخلاف عرش وکرسی کے کہ وہ طبعیات میں سے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ فنا پذیر نہیں ہیں۔

وصورکم فاحسن صورکم فاء تفسیریہ ہے یعنی تمہاری بہتر اور احسن تصویر کھینچی اور تمہیں احسن تقویم میں پیدا فرمایا اور تمہارے اندر وہ قوائے ظاہرہ باطنہ ودیعت (امانت) رکھے کہ جن پر جمیع کمالات ظاہرہ باطنہ کا دار و مدار ہے اور تمہیں بہترین مصنوعات سے مزین فرمایا اور تمہیں اپنے عجائب کے خصائص کا خلاصہ بنایا بلکہ اس دنیا میں تمہیں جملہ مخلوقات کا نمونہ بنایا خلاصہ یہ کہ تمہارے جیسا حسین وجمیل شکیل اور کسی کو نہیں بنایا اسی لئے انسان آرزو کرے گا کہ وہ اسی صورت پہ رہے اسے کوئی اور شکل وصورت کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ تمام جملہ صورتوں سے حسین تر صورت ہے۔ یہ انسان کی حسن صورت کا کتنا بڑا عجیب ہے کہ قد سیدھا اور موزوں جوڑ اور معتدل جسم۔ یہ اس کے شان کے منافی نہیں کہ بعض صورتیں بعض صورتوں کی نسبت قبیح ہوتی ہیں کیونکہ حسن جمال خلق کو کہا جاتا ہے اور خلق کے مختلف مراتب ہیں اسی لئے بعض حکماء نئے فرمایا کہ دو چیزوں کی کوئی حد و غایت نہیں۔

۱۔ حسن ۲۔ بیان

اور انسان میں جمال معنی اور اچھی خصال باکمال ہیں۔

بدرون تست مصریے کہ توئی شکر ستانش چہ غمست اگر زبیروں مدد شکر نداری

شدہ غلام صورت مثل بت پرستاں تو چو یوسفی ولیکن سوئے خود نظر نداری

بخدا جمال خود را چو در آئینہ بینی بت خویش ہم تو باشی کیے گزر نداری

ترجمہ ۱ تیرے اندر شہد ہے کیونکہ تو ہی اس کا خزانہ ہے کیا فکر ہے اگر باہر سے شکر نہیں ملتی۔ ۲۔ بت پرستوں کی طرح ظاہری صورت کے غلام بن گئے ہو تو خود یوسف جیسا حسین ہے لیکن تو اپنے آپ کو دیکھتا نہیں۔ ۳۔ بخدا جب تم اپنے جمال کو آئینہ میں دیکھو تو تم خود محبوب ہو تجھے کسی دوسرے کی حاجت ہی نہیں۔

فائدہ ظاہری حسن نہ ہو کوئی حرج نہیں۔ معنوی حسن ضروری ہے کیونکہ وہی اصلی حسن ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پہ بنایا یعنی صورت الہیہ جسے صفات علیاء و اسماء حسنی سے تعبیر کیا جاتا ہے ورنہ ظاہر حسن تو کافر کو بھی حاصل ہے۔

رہ راست نہ بالائے راست   کہ کافر ہم از روئے صورت چو ماست

(سیدھا راستہ چاہیے سید ھا قد ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ کافر بھی ظاہری صورت کے لحاظ سے ہمارے جیسا ہے)

ازالہ وھم کبھی کافر میں اچھی سیرت اور بہترین عادات پائے جاتے ہیں جیسا نوشیرواں کا عدل اسی لئے احسن سیرت کے ساتھ ایمان کی قید لگائی ہے کیونکہ ایمان جملہ سیرتوں میں سے ایمان احسن سیرۃ ہے۔

فائدہ بعض مشائخ نے فرمایا جس میں عدل کی صفت ہو وہی بادشاہ ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خطاب الٰہی سے اسے نہ نوازا ہو اس لئے کہ بعض ایسے بادشاہ بھی ہوتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے عہد کے بغیر اپنی اہلیت پر اس عہدہ و مرتبہ کے لائق ہو جاتے ہیں تو انہیں ملک عادل کہنا جائز ہے حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا ولدت فی زمن العادل میں عادل بادشاہ کے زمانہ میں پیدا ہوا یعنی کسریٰ کے زمانہ میں۔

فائدہ اسے بادشاہ بھی کہا گیا ہے اور اسے عدل کی صفت سے بھی موصوف کیا گیا ہے اور سب کو معلوم ہے کہ اس کا عدل شرع الٰہی کے مطابق نہ تھا لیکن چونکہ اس نے عدل کا حق ادا کر دیا اسی لئے وہ عدل کے لحاظ سے نائب حق فی الارض کہلانے کا حق رکھتا ہے اگرچہ یہ نیابت تجلیات کے طور ہو گی۔ ایسے ہی بعض بادشاہ ایسے بھی ہیں جو عدل قائم نہ کر سکے۔ جیسے فرعون اور دیگر وہ بد بخت جنہوں نے حدود الٰہی کو توڑا اور اللہ تعالیٰ کے رسولوں کے ساتھ مقابلے کئے

انہیں نہ تو پیغمبران خدا جیسا عمدہ نصیب ہوا اور نہ ہی نائبین الٰہی یعنی عادل بادشاہوں کا۔ بلکہ ایسے لوگ شیطان کے بھائی ہیں۔

فائدہ صوفیانہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سب سے احسن صورت وہ ہے جو کن کی ذلت سے آزاد ہوئی اور اس کی تصویر کشی اللہ تعالیٰ نے خود اپنے مبارک ہاتھ سے فرمائی اور اپنی روح اس میں پھونکی اور ایسے شواہد نعت کے لباس سے ملبوس فرمایا اور اسے تعلیم کے زیور سے مزین فرمایا اور اسے مقربین ملائکہ سے سجدے کرائے۔ اور اسے اپنی جوار میں جگہ دی۔ اور اس کے باطن کو معرفت سے آراستہ فرمایا اور ظاہر کو بھی مختلف خدمات سے نوازا۔

فائدہ فاحسن صورکم کے خطاب میں جمع کا صیغہ بوجہ انسان کے انواع پر ہے کیونکہ رومی کی صورت ہندی کے صورت جیسی ہے وغیرہ وغیرہ۔

تفسیر عالمانہ والیہ المصیر اور نشاۃ ثانیہ یعنی قیامت میں اسی کی طرف رجوع ہے اس کے غیر کی طرف رجوع نہیں نہ بالاستقلال نہ بالاشتراک تو تم اپنی اندرونی حالات کو درست کرو اور اپنے مشاعر و قوی کو ان امور میں استعمال کرو جن کے لئے وہ پیدا کئے گئے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان پر تمہیں انعام عطا فرمائے کہیں ایسا نہ ہو کہ تم غلطی کرو تو پھر انتقام کی زد میں آجاؤ۔ دنیا کی بہت سی حسین صورتیں قیامت میں بدشکل بنادی جائیں گی صرف ان کی اندرونی غلطیوں کی وجہ سے لیکن دنیا کے بہت سے قبیح چہرے آخرت میں ان کی باطنی صفائی کی وجہ سے حسین و جمیل بنائے جائیں گے۔

چہ غم ز منقصت صورت اہل معنی را   چو جان از دم بود کو تن از حبش می باش

(اہل معنی کو اپنی ظاہری صورت کے نقص کا غم نہیں ہوتا کیونکہ وہ سمجھتے ہیں جب روح رومی (حسین) ہے تو پھر جسم حبشی (قبیح) ہو تو کیا حرج ہے)

فائدہ احادیث سے ثابت ہے کہ قیامت میں کافر کی ایک داڑھ جبل احد کے برابر ہو گی اور اس کا جسم تین دن کی

مسافت کے برابر ہو گا ایسے ہی اس کی صورت بگاڑ دی جائے گی اور ہر عضو اپنی حالت سے پھر جائے گا مثلاً اوپر کالب موٹا ہو کر سر کے درمیان تک اور نچلا بڑھ کر ناف تک پہنچ جائے گا مثلاً بہشتیوں کے چہرے کی چمک چودھویں کے چاند جیسی ہو گی یا اس ستارے کی طرح چمکے گا جو آسمان میں سب سے زیادہ چمکیلا سمجھا جاتا ہے۔ قیامت میں بہشتیوں کے جسم پر بال نہ ہوں گے۔ آنکھوں میں سرمہ لگا ہو گا۔ تینتیس (۳۳) سال کے نوجوان نظر آئے گے۔ اہل لطافت کو مبارک ہو اور اہل کثافت پر افسوس۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ نے کلیات سموت وجزئیات ارض کو مظہریت حق پر پیدا فرمایا ہے جیسے ان کی استعداد تھی لیکن انسانوں کی صورتوں کے مظاہر پر اپنے اسماء و صفات کے ساتھ متجلی ہوا اسی لئے انسانوں کے لئے فرمایا فاحسن صورکم یعنی تمہاری صورتوں کو احدیت جمع جمیع مظہریات بنایا وہ مظہریات جمیع مظاہر سماویہ علویہ وارض سفلیہ کی جامع ہیں جیسا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ان اللہ خلق ادم علی صورتہ بیشک آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا یعنی عنوان خلق میں اسم جامع کو وارد فرمایا اس میں اسی جمعیت کی طرف اشارہ ہے اس معنی پر انسان کا مرجع اس ہویتہ کی طرف ہے جو جمیع ہویات کی جامع ہے ہاں ان میں فرق تجلی واستتار وفعل وقوت کی وجہ سے ہے اس لئے اہل حق کہتے ہیں کہ جو اہل حجاب ہو اس کے لئے لائق ہے کہ وہ اہل کشف کے کمالات کا دعوی نہ کرے وہ اس تفاوت مذکور کی وجہ سے ایسے فرماتے ہیں۔

سبق اس بندہ خدا پر افسوس ہے کہ اس کے اندر جو اللہ تعالیٰ کے مخفی خزانے ہیں انہیں حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتا کیونکہ جو ان خزانوں کو حاصل کرلیتا ہے اسے کسی شے کی ضرورت نہیں رہتی اس کا افسوس تو اس لئے ہے کہ اس نے مغز کو چھوڑ کر چھلکے پر اکتفا کیا ہے حالانکہ اسے مغز کے حاصل کرنے کی استعداد بھی ہے اور اس کے حصول کا امکان بھی ہے لیکن وہ گڑھے میں پڑا ہوا ہے حالانکہ اسے عروج و ترقی کے اسباب حاصل ہیں۔

چہ شکرہاست دریں شہر کہ قانع شدہ اند
شاہباز ان طریقت بمقام مگسے

(کتنے بہت بڑے بیٹھے مرغانے اس شہر میں ہیں لیکن شاہبازان طریقت مقام کس کمی پر قناعت پذیر ہیں)

تفسیر عالمانہ یعلم مافی السموت والارض اللہ تعالیٰ جانتا ہے وہ جو آسمانوں اور زمین میں ہے کلیہ وجزئیہ اور احوال جلیہ وخفیہ ہیں۔ یعلم ماتسرون وماتعلنون اور جانتا ہے وہ امور جو تم آپس میں چھپاتے ہو اور وہ جو تم ظاہر کرتے ہو۔

سوال یہی مضمون تو سابقاً گزرا ہے پھر اعادہ کی کیا ضرورت ہے۔

جواب چونکہ اسی مضمون میں جزاء کا دارومدار ہے اس لئے اس کی تصریح ضروری تھی اور اس میں وعدو عید کی تاکید ہے۔

فائد برہان القرآن میں لکھا ہے کہ ان سورتوں میں تسبیح کا تکرار اہل ارض و اہل سماء کی کثرت وقلت اور قرب و بعد اور طاعت و معصیت کی وجہ سے ہے۔ ماتسرون وماتعلنون میں بھی اختلاف کی یہی وجہ ہے کیونکہ وہ آپس میں متمیزین ہیں اور مافی السموت والارض کا تکرار نہیں اس لئے کہ ان کے علوم کی اضاف اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اور علم الٰہی ایک ہی جنس ہے اور اس پر کوئی شے مخفی نہیں اور تکرار مختلف اجناس کی وجہ سے ہوتا ہے واللہ علیم بذات الصدور اور اللہ تعالیٰ کا علم ان تمام اسرار کو محیط ہے جو لوگوں کے سینوں میں چھپا ہوا ہے کوئی شے بھی اس کے علم سے خارج نہیں ہو سکتی پھر اس سے وہ باتیں کیسے اوجھل ہو سکتی ہیں جو لوگ چھپاتے اور ظاہر کرتے ہیں یعنی وہ جملہ پوشیدہ افکار و خواطر کو خوب جانتا ہے۔

فائدہ اسرار مخفیہ و افکار خفیہ کو ملائی الصدور سے صرف پوشیدگی مناسبت سے کہا گیا ہے اور اسی معمولی ملابسات کی وجہ سے اشیاء کو ایک دوسری سے تشبیہ دی جاتی ہے جیسا کہ مشہور ہے۔

نکتہ آیت میں اظہر سے اخفیٰ کی طرف ترقی کی گئی ہے کیونکہ زمین و آسمان اظہر اور اس کے اندر کے امور خفی اور وہ باتیں جو لوگوں کے سینوں میں چھپی ہوئی ہیں جو ابھی ظاہر نہیں ہوئی۔ اخفیٰ نہیں اس میں اللہ تعالیٰ جل جلالہ

کے علیت حکم کا اشارہ اور جملہ کے مستقل ہونے کی تاکید ہے۔

نکتہ صفت قدرت کا ذکر پہلے اور صفت علم میں اشارہ ہے کہ مخلوقات پر قدرت کا تعلق بالذات اور علم کا بعض وجوہ سے ہے وجوہ ظاہرہ تو یوں ہم دیکھ رہے ہیں۔ آسمان اوپر ہے اور زمین نیچے اور وجوہ باطنہ یہ کہ کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے کہ آسمان متحرک اور زمین ساکن ہو لیکن اس کا صحیح علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔

فائدہ متکلمین کے اللہ تعالیٰ کے علم کے اثبات میں دو مسلک ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کا فعل متقن یعنی مستحکم ہے وہ خلل کے جملہ وجوہ سے پاک ہے اور وہ بے شمار حکمتوں و مصلحتوں مشتمل ہے اور قاعدہ ہے کہ جس کا فعل مستحکم ہو وہ عالم ہوتا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ بالقصد والاختیار فاعل ہے کہ بعض ممکنات بعض خاص طریقوں سے مخصوص ہیں اور یہ علم کے بغیر متصور نہیں ہو سکتا۔

فائدہ ماتسرون میں علمائے ظاہر یعنی حکماء و متکلین اور ان کے علوم فکریہ نظریہ کی طرف اشارہ ہے اور ان کے مخفی امور سے ان کے وہ عقائد فاسدہ و مقاصد کاسدہ مراد ہیں جو عوام سے چھپائے پھرتے ہیں اور وما تعلنون میں علمائے باطن یعنی مشائخ و صوفیائے کرام اور ان کے معارف و مواجیہ ذوقیہ کشفیہ مراد ہیں اور ان کے ظاہر کرنے سے ان کی کرامات و خوارق عادات مراد ہیں اور واللّٰہ علیم بذات الصدور کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ہر ایک کے ہر اس عمل کو بھی جانتا ہے جسے ان کے قلوب و صدور سے تعلق ہے یعنی ریاء و اخلاص اور حق کو باطل کو۔

تفسیر عالمانہ الم یاتکم اے کافرو کیا تمہارے ہاں نہیں آئی۔ الف استفہام اور لم جحد کے لئے ہے اس میں تحقیق کا معنی ہے۔ بنا الذین کفروا ان لوگوں کی خبر جنہوں نے کفر کیا یعنی نوح علیہ السلام کی قوم اور ان کے بعد والوں کی خبر یعنی وہ امتیں جنہوں نے کفر پر اصرار کیا من قبل تمہارے سے پہلے اس کا تعلق کفروا سے ہے یا اس سے قبل از وقت مراد ہے یا اس عصیان و عداوت سے پہلے مراد ہے اس معنی پر یہ الم یاتکم ظرف

ہے۔ فذاقوا وبال امرھم اس کا کفروا پر عطف ہے اور ذوق اگرچہ تعارف میں قلیل کے لئے ہے لیکن کثیر کے لئے مستعمل ہوتا ہے الوبال بمعنی الثقل اور کسی امر میں شدت اور الوبل والوابل بارش موسلادھار الطل (شبنم) (دھیمی بارش) کے بالمقابل بارش اور امرھم سے ان کا کفر مراد ہے۔ اس کی جمع امور آتی ہے اور ان کے کفر کو امر سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ امر (کفر) نہایت سخت اور ہولناک ہے اب معنی یہ ہوا کہ انہوں نے دنیا میں بلا تاخیر اپنے کئے کی سزا پائی اور اس سزا کو ایسے محسوس کیا جیسے کوئی شے کو چکھے اور اس کا ذائقہ اسے محسوس ہوتا ہے جیسے ان میں کوئی طوفان میں غرق ہوا تو کوئی سخت آندھی کی لپیٹ میں آیا۔

نکتہ عذاب دنیا کو ذوق سے اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ جیسے ایک چکھی ہوئی شے ایک معمولی سمجھی جاتی ہے ایسے ہی دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب کے مقابلہ میں لاشے اور حقیر ہے اسی لئے فرمایا ولھم عذاب اور آخرت میں ان کے لئے عذاب ہو گا الیم دردناک یعنی ایسا درد اور تکلیف سے بھرپور کہ جس کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔

مسئلہ اس میں اشارہ ہے کہ یہ دنیوی عذآب ان کے گناہوں کا کفارہ نہیں ورنہ انہیں عذاب آخرت نہ ہوتا بخلاف اہل ایمان کے کہ انہیں جو کچھ دنیا میں دکھ اور درد پہنچتا ہے وہ ان کے گناہوں کا کفارہ بنتا ہے جیسا کہ احادیث صحیح میں وارد ہے۔

ذلک وہ عذاب جو مذکور ہوا یعنی جسے کافروں نے دنیا میں چکھا اور وہ جو آخرت میں چکھیں گے۔ بانہ بسبب اس کے کہ کانت تاتیھم رسلھم بالبینات لائے تھے ان کے ہاں رسل کرام علیہم السلام معجزات۔ فقالوا اس کا عطف کانت پر ہے تو انہوں نے کہا ابشر کیا ہمارے جیسے بشر یھدوننا ہمیں ہدایت دیں گے یعنی مذکورہ قوم میں سے ہر قوم نے یہی کہا کہ کیا رسول جو ہمارے ہاں معجزات لے کر آتے ہیں یہ تو ہمارے جیسے بشر ہیں تو انہوں نے ہمیں کیا ہدایت دینی ہیں کیونکہ یہ تو ہمارے جیسے ہیں گویا وہ اس قاعدہ کے منکر تھے کہ آدمی اور بشر رسول ہو اور وہ ہمیں اللہ تعالیٰ یا دین کی راہ دکھائے جیسا کہ ثمود نے کہا ابشرا منا واحدا نتبعہ یہ ہمارے جیسا کہ ایک بشر ہے تو کیا ہم اس کی اتباع کریں۔

فائدہ بانہ باء ملابست یا تعدیہ کی ہے۔

اعجوبہ وہ لوگ کتنے جاہل تھے کہ انہوں نے رسالت کے لئے بشریت کا انکار کردیا لیکن پتھروں اور ڈھیلوں کو معبود مان لیا۔

فائدہ اس اجمالی قول میں جملہ سابقہ اقوام عالم مراد ہیں اور بشر سے جنس بشر مراد ہے اور اس کی نظیر دوسری آیت میں ہے كَمَا قَالَ يَاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا یہاں پر رسل جمع ہے لیکن اس سے جنس رسل مراد ہے۔

فائدہ بشر فاعل ہے فعل مضمر کا مابعد والا فعل اس کی تفسیر کر رہا ہے یہ باب الاشتغال کے قبیل سے ہے اور یہی ترکیب اولیٰ ہے اس سے کہ بشر کو مبتداء او اس کے مابعد کو خبر بنایا جائے۔

سوال رولمیت کی دلیل کیا ہے؟

جواب حرف استفہام کو فعل ضروری ہے وہ ظاہر یا مضمر۔

فائدہ صوفیانہ حضرت قاشانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جب ان کے صفات بشریہ کی وجہ سے ان سے وہ نور اوجھل ہوا کہ جس کی بدولت وہ ان پر (نبی علیہ السلام) افضل ہوا اور اس کا ان پر افضل ہونا قیاسی امر بھی نہ تھا تو انہوں نے نبی علیہ السلام کو صرف بشر سمجھا اسی لئے وہ ان کی ہدایت کے منکر ہو گئے کیونکہ ہر عارف معروف، کو اسی وقت جانتا ہے جب اس میں وہ معنی موجود ہوں جس سے اسے معروف کا عرفان نصیب ہوتا ہے اور نور باکمل نور فطری سے ہی حاصل ہوتا ہے اور کمال کامل کے عرفان میں آسکتا ہے اسی لئے صوفیاء کرام نے فرمایا لا یعرف اللہ غیر اللہ غیر اللہ کو اللہ کا عرفان نصیب نہیں ہو سکتا۔ اور ہر طالب کو مطلوب کسی نہ کسی وجہ سے مل ہی جاتا ہے اگر اسے مطلوب سے کوئی مناسبت ہو ورنہ اسے اس کی طرف کا امکان نہ ہوتا ایسے ہی ہر مصدق مصدق بہ کی اس وقت تصدیق کرے گا جب اسے مصدق سے کوئی مناسبت ہوگی یہی وجہ ہے کہ کفار کو فطری نور۔ سے محرومی تھی

اسی لئے وہ رسول علیہ الصلوۃ والسلام کے کمال کو نہ دیکھ سکے اسی لئے انکار کیا اور حق کی کوئی ایک بات بھی نہ سمجھ سکے اور نہ ہی ان میں اس کی طلب پیدا ہوئی کہ جس سے وہ ہدایت کے محتاج ہوتے جب انہیں ہدایت کی احتیاج تھی تو انکار لازمی امر تھا۔

اجوبہ اور اولیاء کی شان بعض عارفین نے فرمایا کہ مقام اولیاء کی معرفت بہ نسبت معرفت الہی کے سخت تر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اپنے کمال و جمال اور قہر و جلال کے لحاظ سے معروف و مشہور ہے اور معروف و مشہور شے کی معرفت آسان ہوتی ہے بخلاف اولیاء کی معرفت کے کہ ان کی معرفت غیر معروف بلکہ الٹا شک میں ڈالنے والی ہوتی ہے کیونکہ ولی اللہ عالم دنیا میں ضعیف البنیان ہے۔ کھانے پینے کا محتاج ہے عام لوگوں کی طرح دنیوی ضروریات کا ضرورت مند ہے۔ اسی لئے وہ عام مخلوق سے صرف اس وجہ سے ممتاز ہے۔ کہ اسے مناجات الہی کا شرف نصیب ہوتا ہے لیکن اس کی مناجات کا کسی کو کیا پتہ اور وہ خود بھی اس مقام کو ظاہر نہ کرے گا۔ بخدا اگر اللہ تعالیٰ اپنے ولی کی شان عام انسانوں پر ظاہر کر دے تو عوام اسے عیسی علیہ السلام کی طرح معبود بنا لیں اور اگر اس کے قلب کے نور کو دنیا پر ظاہر فرمائے تو یہ دنیوی شمس و قمر اس کے بالمقابل بے نور ہو جائیں لیکن اسے اللہ تعالیٰ نے لاکھوں پردوں میں چھپا رکھا ہے۔ اور اولیاء اللہ کے لئے بے شمار حکمتیں و اسرار ہیں جنہیں صرف اللہ تعالیٰ خود جانتا ہے اس کے ادنی کمال کا یہ کرشمہ ہے کہ جو بھی ان کے درپے آزار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ جنگ کا اعلان فرماتا ہے بشرطیکہ وہ ایذاء دینے والا جانتا بھی ہو کہ یہ ولی اللہ ہے۔

فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ ولی اللہ کا پوشیدہ ہونا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کیونکہ وہ معذرت کر سکیں گے کہ ان سے ایذاء کا وقوع لاعلمی اور جہالت میں ہوا۔ اگر ایسا نہ ہو تو بتائیے کہ کون سا ایسا دور ہے جس میں بے خبری کی وجہ سے ولی اللہ کے ساتھ عوام نے مخاصمت اور مخالفت نہ کی ہو۔

فکفروا اسی قول کی وجہ سے وہ لوگ رسل کرام علیہم السلام کو بشر کہہ کر کافر ہوئے کیونکہ انہوں نے انہیں حقیر سمجھتے ہوئے بشر کہا اور اس حکمت سے جاہل رہے کہ انبیاء علیہم السلام کو بشر بنا کر بھیجنا بھی راز الہی ہے۔

وتولوا اور انہوں نے روگردانی کی اس تدبیر سے کہ رسل کرام علیہم السلام کے لائے ہوئے احکام کی تابعداری کرتے اور ان کے معجزات دیکھ کر ان پر ایمان لاتے۔ واستغنی اللّٰہ اور اللہ تعالیٰ ان کی عبادت وطاعت سے مستغنی ہے یہاں تک کہ انہیں تباہ ہلاک کر دیا بلکہ ان کی جڑ کلٹ دی اگر ان کی عبادت وطاعت سے وہ مستغنی نہ ہوتا تو انہیں تباہ و برباد نہ کرتا۔

فائدہ سعدی مفتی نے فرمایا کہ یہ حال ہے اور اس میں لفظ قد مقدر ہے۔ بمعنی غنی اور ثلاثی اس سے کمال غنی مراد ہے کیونکہ طلب میں (یعنی سین استفعل) کو کمال لازم ہے۔ واللّٰہ غنی جملہ عالم سے مستغنی ہے پھر ان کی عبادت و طاعت کی کیا ضرورت ہے حمید اس کی تمام مخلوق زبان حال سے حمد کرتی ہے یہ اس کے اوصاف کمالیہ پر دلالت کرتا ہے یا یہ معنی ہے کہ اس کے اولیاء اس کی حمد کرتے ہیں اگرچہ اس کے اعداء اس کی حمد نہ کریں تو کوئی فرق نہیں پڑتا حمد بمعنی من حیث الکمل اس کے اوصاف کے کمال کا ذکر کرنا۔

فائدہ جسے یقین ہو جائے کہ وہ اپنی ذات وصفات و افعال میں حمید ہے تو وہ اس کے ذکر میں مشغول رہے گا کیونکہ انسان کے کتنے ہی عقائد و اخلاق و افعال و اقوال کے محامد و محاسن بکثرت کیوں نہ ہوں پھر بھی اس میں کوئی خامی ضرور ہوتی سوائے نبی علیہ السلام کے کہ وہ ہر وجہ سے محمد واحمد و محمود ہیں اور وہ ہر لحاظ سے حمد و کمال کے عروج پر ہیں (ﷺ)

فائدہ الاربعین الادریسیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ حمید و فعل اور ذوالمنن ہے جس نے اپنی جملہ مخلوق کو اپنے لطف و کرم سے نوازا۔

وظیفہ حضرت سہروردی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس نے اسم حمید کے ورد پر مداومت کی تو اسے اتنا بکثرت مال حاصل ہو گا جسے وہ سنبھال بھی نہ سکے گا۔

زعم الذین کفروا ان لن یبعثوا الزعم بمعنی علم کا دعوی کرنا مثلاً کہا جاتا ہے کہ ان کا زید اقائما یعنی میں دعوی کرتا ہوں کہ زید ایسا ہے اس میں اشارہ ہے کہ ان کا صرف دعوی ہی دعوی ہے جس کی کوئی سند نہیں۔

فائدہ زعم علم کی طرح دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے اور یہ کبھی علم کے قائم مقام بھی مستعمل ہوتا ہے ان مخففہ من المثقلہ ہے اور یہ ناصبہ نہیں تاکہ ناصبہ کا ناصبہ پر دخول نہ ہو اور الذین الخ سے کفار مکہ مراد ہیں۔ اب معنی یہ ہوا کہ کافروں نے دعوی کیا کہ شان یہ ہے کہ وہ مرنے کے بعد ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے اور نہ ہی انہیں قبروں سے نکالا جائے گا۔

فائدہ ہر شے کی کنیت ہوتی ہے کذب کی کنیت زعم ہے۔

فائدہ حضرت شریح رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ مجھے اپنے دو کلموں

۱۔ زعم ۲۔ سوف سے بچایئے۔

کذب سے بچنے کی تدبیر انسان پر لازم ہے کہ وہ زعم سے بچے کیونکہ ہر سنی سنائی بات کرنے کی عادت ہو جاتی ہے۔ اور یہ کذب بیانی سے خالی نہیں ہوتا اسی لئے انسان پر لازم ہے کہ وہ ہر بات منہ سے نکالے جو اس کے نزدیک محقق ہو ایسی بات نہ کرے جو مشتبہ ہو اسی طرح ہر سنی سنائی بات کرنے کی بیماری سے بچ جائے گا۔ جب اس پہ مداومت کرے گا تو وہ جھوٹ بولنے کی لعنت سے محفوظ ہو جائے گا۔ (المقاصد الحسنہ)

قل کافروں اور جس کی انہوں نے نفی کی آپ اس کا اثبات کرتے ہوئے ان کے دعوی کا ابطال کیجئے بلی ہاں تم قیامت میں اٹھائے جاؤ گے اس لئے کہ بلی ماقبل کی نفی کے ایجاب کے لئے آتا ہے۔ وابی لتبعثن ثم لتنبؤن بما عملتم یہ مستقل جملہ اور امر کے تحت ہے کلمہ بلی کے افادہ ایجاب یعنی اثبات بعث کی تاکید اور امر آخر کے اس تحقق کا بیان جو سابق امر سے متعلق ہے۔

بہرحال یہ بعث کے تحقق کی دو وجہوں سے تاکید ہے وربی قسم ہے اس میں اشارہ ہے کہ بعث میں کمال ربوبیت کے اظہار کے لئے ہے اور وہ ربوبیت معرفت اور نعم جسمانیہ ظاہرہ و روحانیہ باطنہ کی دوام تربیت کی تکمیل کے لئے ہے اور لتبعثن دراصل لتبعثون تھا واؤ اجتماع ساکنین یعنی نون ثقیلہ کے پہلے نون ساکن کی وجہ سے گر گئی اور اسکے ضمہ پر اکتفا کر کے اس محذوف ہونے کی اسے دلیل بنایا گیا اور یہ قسم کا جواب ہے اس کے

اول کی لام کی تاکید کرتی ہے اور ثم مدت کی تراخی کے لئے ہے کیونکہ قیامت کا دن بہت طویل ہو گا یا تراخی رُتبہ کے لئے اور اللباب کا ظاہر پتا تا ہے کہ "وربی" قسم اور ما قبل سے متعلق ہے اس کے نزدیک کلام یہاں ختم ہو گیا اور اس پر وقف احسن ہے اور لتبعثن اپنے معطوف معطوف الیہ سے مل کر دوسری قسم مقدر کا جواب اور لول کی تاکید کے لئے کلام مستانف ہو۔

فائدہ اس مضمون کو قسم سے بیان کرنے میں اشارہ ہے کہ مشرکین جیسے رسالت کے منکر تھے ایسے ہی بعث قیامت کے بھی ان کے گمان کے ازالہ کے لئے شدید تاکید کی گئی تاکہ جس کے لئے ماننا مقدر ہے وہ اچھی طرح متاثر ہو گا اور جس کے لئے محرومی ہے اس پر حجت ہو تاکہ وہ مکمل طور محروم ہو۔ وذلک وہ جو بعث و جزا مذکور ہوئی۔ علی اللہ یسیر اللہ تعالیٰ پر آسان ہے کیونکہ قدرت تمہ اس کے لئے ثابت ہے اور جب معاملہ یونہی ہے فامنوا تو اسباب حصول ایمان پر ارادہ جزئیہ کو صرف کر کے ایمان لاؤ باللہ اللہ تعالیٰ پر کہ وہی عمل ظاہر و مستور کے ساتھ قبور مجازی سے نکالنے والا ہے۔ ورسولہ اور اس کے رسول حضرت محمد عربی ﷺ پر کہ انہوں نے شؤن صفات الٰہیہ کی خبر بخشی ہے۔ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا اور اس نور پر جو رسول اللہ ﷺ پر ہم نے اتارا یعنی قرآن پر کیونکہ وہ اپنے اعجاز کی وجہ سے خود ظاہر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا اور حلال و حرام کو ظاہر کرنے والا ہے یعنی ظاہر بنفسہ و مظہر لغیرہ ہے ایسے ہی یہ متکلم کے صیغے کی طرف التفات میں کمال عنایت کی طرف اشارہ ہے۔

واللہ بما تعملون اور وہ جو تم عمل کرتے ہو یعنی اس کے اوامر کی پابندی یا اس کے خلاف خبیر خبیر ہے تو اس کی تمہیں جزا دے گا۔ یوم یجمعکم یہ لتنبؤن کا ظرف ہے اور ان کے مابین کا جملہ ہے یا اذکر مقدر کا مفعول بہ ہے ظاہر رہے کہ یہ خطاب انہیں کو ہے جو سابق میں الم یاتکم کے خطاب کے مخاطب ہیں۔ لیوم الجمع اس دن کہ جس میں اولین و آخرین جن و انس کے جملہ افراد کو جمع کرے گا آسمان کے ہوں یا زمین کے۔ یعنی ان کو حساب و جزاء کے لئے جمع فرمائے گا اس سے قیامت کا دن مراد ہے اس معنی پر الیوم کی لام عہد کی ہے یعنی اس دن کا جمع کرنا۔

حدیث شریف حضور نبی پاک ﷺ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اولین و آخرین کو جمع کرے گا تو ایک نداء کرنے والے ندا دے گا جسے تمام مخلوق سنے گی اور سب کو معلوم ہو جائے گا کہ آج کون مکرم تر ہے اس کے بعد دوبارہ آواز آئے گی کہ آج قبروں سے وہ اٹھیں جن کی کروٹیں رات کو عبادت کے لئے خشک رہتی تھیں یہ آواز سن کر وہی اٹھ کھڑے ہوں گے اس کے بعد اعلان ہو گا اب وہ اٹھیں جو دکھ سکھ میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے تھے اور وہ بہت تھوڑے ہوں گے جو اعلان پر کھڑے ہوں گے اس کے بعد سب کے سب بہشت کو روانہ ہوں گے ان کو بہشت کے داخلہ کے بعد باقی تمام لوگوں کا حساب ہو گا۔

فائدہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس دن بندے اور اس کے عمل کو جمع کرے گا اور ظالم یا ہر نبی اور اس کے امتی کو جمع فرمائے گا۔ ذالک وہ یوم۔ یوم التغابن

تغابن کی تحقیق یہ غبن کا تفاعل ہے کسی کو پوشیدہ طور کسی معاملہ خسارہ اور گھاٹا دینا اور تغابن بمعنی ایک دوسرے کو گھاٹا دینا قیامت میں جب سعداء کو اشقیاء والے منازل جنت عطا ہوں گے اور اشقیاء کو سعداء کے دوزخ کے منازل دیئے جائیں گے تو اس معنی پر اشقیاء کو گھاٹے کا سودا نصیب ہوا اس میں تحکم ہے اس لئے کہ اہل نار کا نار میں منازل حاصل کرنا غبن نہیں۔ اگر ہے تو اسے استعارہ تہکمیہ کہا جا سکتا ہے کیونکہ ناریوں کا نار میں جانا ایسا نہیں کہ اسے کہا جائے کہ انہوں نے اہل جنت کے منازل چھینے بلکہ یہ ان کی اپنی بدقسمتی ہی تھی۔

حدیث شریف ہر بہشتی جب بہشت میں داخل ہو گا تو اسے دوزخ کی ایک جگہ دکھا کر کہا جائے گا کہ اگر تو برائی کرتا تو تیرا یہی حال ہوتا اور جہنم میں جگہ دکھانے سے مقصد یہ ہو گا کہ اس کے شکر کرنے میں اضافہ ہو ایسے ہی دوزخی کو بہشت میں ایک جگہ دکھائی جائے گی اور اسے کہا جائے گا کہ اگر تو نیکی کرتا تو یہیں پر ٹھہرتا اور اس دکھانے میں اس کی حسرت میں اضافہ ہو گا۔

نکتہ اس دن میں تغابن کی تخصیص صرف اس لئے ہے کہ آخرت میں ایسے امور واقع ہوں گے جو دنیوی امور

میں سے کوئی امر واقع نہیں ہو سکتا اس معنی پر اس کی لام اس عہد کی ہے کہ جس کا خارج میں صرف ایک معہود کامل ہو جیسے وہ تغابن کامل ہو جیسے وہ تغابن کامل ہو گا کہ جس کے بعد اس جیسا اور کوئی فرد نہ ہو گا۔

فائدہ صوفیانہ حضرت قاشانی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دنیا میں تغابن کا کوئی فرد نہیں کیونکہ اس کے جملہ امور فانی اور سریع الزوال ہیں بلکہ ان کا فانی ہونا ضروری اور لازمی ہے اس کا کوئی فرد بھی کسی کے لئے باقی رہنے والا نہیں اگر کسی سے کوئی شے رہ جائے یا اسے کوئی فوت کرادے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ اگرچہ فوت ہونے والی اس کی حیات بھی کیوں نہ ہو کیونکہ جس شے نے فوت ہونا ہے اس میں غبن کیساہاں غبن یا تغابن اس شے میں ہوتا ہے کہ اگر اسے فوت نہ کیا جاتا یا نہ کرایا جاتا تو وہ شے باقی رہتی اور اس سے ہمیشہ نفع اٹھایا جاتا (اس سے نور کمالی و استعدادی مراد ہے) اور ایسے نفع و راس المال کو ضائع کرنے پر غبن و تغابن۔ اطلاق صحیح ہے کیونکہ کامیاب تجارت و نجات کو ضائع کیا گیا۔ کما قال اللہ تعالیٰ فماربحت تجارتھم زہ اکانوامھتدین تو جس نے استعداد ضائع کی یا وہ شے جسے حاصل کرنا تھا لیکن اس کی غایت نصیب نہ ہوئی اس کے لئے کہا جا سکتا ہے وہ بہ نسبت کمال تام کے مغبون ہے وہ اگرچہ اپنے مرام و مقام پہ کمال میں کامیاب ہوا تو ایسا شخص اپنے مقصد کی فوتیدگی پر ہمیشہ حسرت کرتا رہے گا۔

فائدہ امام راغب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یوم تغابن سے قیامت کا دن مراد ہے کیونکہ اس بیعت (جس کا اشارہ ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنتہ اور الذین یشترون بعھداللہ وایمانھم ثمنا قلیلا میں ہے) کا غبن ظاہر ہو گا وہ اس لئے کہ انہوں نے بیعت کے امور میں کمی کی اور جو کام نہ کرنے کے تھے وہ کیے۔

فائدہ بعض علماء سے تغابن کا مطلب پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس دن ایسے امور ظاہر ہوں گے جو دنیا کے مقدار سے کئی گنا زائد ہوں گے۔

فائدہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ اس دن کافر کو ترک ایمان کی اور مومن کو مراتب و احسان کی تقصیر سے حسرت ہو گی۔

فائدہ صوفیانہ جب عارف باللہ بہشت میں داخل ہو گا تو صاحب حال اسے بلندی پر ایسے دیکھے گا جیسے ہم آسمان پر چمکدار ستارے کو دیکھتے ہیں تو آرزو کرے گا کہ کاش اسے یہی مرتبہ نصیب ہوتا لیکن چونکہ اس کا حصول ناممکن ہو گا اسی لئے ان اسباب کے ترک پر حسرت کرے گا جو اس سے دنیا میں حاصل نہ کر سکا۔

فائدہ مروی ہے کہ اہل جنت جنت میں حسرت کریں گے تو صرف اس تھوڑی دیر کے لئے جس میں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہوں گے۔

تین اشخاص پر سختی قیامت میں شدید تر حسرت تین اشخاص پر ہو گی۔

(۱) وہ عالم دین جس نے لوگوں کو وعظ و نصیحت کی اور انہوں نے اس پر عمل کیا لیکن خود بے عمل رہا پھر وہ بہشت میں داخل ہوئے اور وہ عالم بے عمل جہنم میں۔

(۲) وہ بندہ خدا جس نے اپنے آقا کے مال کی قوت پر طاعت الٰہی کی اور اس کے آقا نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پھر غلام تو مالک کے مال کی وجہ سے بہشت میں داخل ہو گا اور اس کا مالک نافرمانی سے دوزخ میں۔

(۳) وہ لڑکا جس نے اپنے والد کے مال کا وارث ہو کر راہ خدا میں خرچ کیا لیکن اس کا والد زندگی بھر بخیل رہا اب قیامت میں اسی مال کی وجہ سے جو راہ خدا میں لٹایا تھا لڑکا تو بہشت میں داخل ہو گا اور اس کا باپ اسی مال میں بخل کی وجہ سے دوزخ میں۔

بخور اے نیک سیرت و سرہ مرد کاں نگوں بخت گرد کرد و نخورد

(اے نیک سیرت اور اچھا آدمی مال سے فائدہ اٹھا جس نے جمع کیا اور فائدہ نہ اٹھایا اور بد بخت ہے)

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت میں وہ بندہ اللہ تعالیٰ سے سخت شرمسار ہو گا جس نے دنیا میں اس کی نافرمانی کی ہو گی یا نیکیوں میں کمی ہو گی۔

فائدہ آخرت میں ترقی کے اسباب دنیوی امور پہ موقوف ہوں گے یعنی جتنا دنیا میں اچھے کام کئے اتنا قدر آخرت

کی ترقی نصیب ہو گی (کذا قال بعض العارفین)

فائدہ جس نے کسی شے کی حقیقت کو پہچانا پھر ارادہ ہوا کہ اسے حاصل کرے تو وہ شے اسے جلد حاصل ہو گی یا دیر سے۔ اگر اسے وہ شے زندگی میں حاصل ہوئی تو اس کی خوش قسمتی اگر مر گیا تو وہ آرزو اس کے لئے آخرت کا ذخیرہ بنے گی اور جو اس دنیا میں کوئی مقام نہ حاصل کر سکا آخرت میں بھی محروم ہو گا اسی لئے آخرت کو یوم التغابن سے تعبیر کیا گیا کہ اس میں ترقی کے اسباب نہیں ہوں گے اسے اچھی طرح سمجھ لو ورنہ افسوس کرو گے۔

تغابن کا صوفیانہ معنی بعض مشائخ نے فرمایا کہ حقیقی غبن یہ ہے کہ انسان کو کدرۃ میں صفائی کا اور صورۃ قہر میں لطف کا علم نہ ہو اور تفرقہ کی وجہ سے حق سے متوحش ہو حالانکہ وہ عین جمع وانس میں ہے یاد رہے کہ غبن اس بد نصیب کو حاصل ہوتا ہے جو حصول جزاو عطایں اور طاعات کے بدلہ کے خیال میں زندگی بسر کرے اور جو ہر وقت مشاہدہ حق میں ہے وہ غبن سے کوسوں دور ہو گا۔ اسی طرح وہ لوگ بھی غبن میں ہوں گے جو دنیا میں حق کا معائنہ ومشاہدہ اس کی وصف سے کریں لیکن جب آخرت میں اسے اپنے مشاہدہ سے اعظم واعلیٰ پائیں گے تو حسرت کریں گے کہ افسوس کہ ہم نے دنیا میں اس کی کامل معرفت نہ کر سکے اور نہ ہی اس کی عبادت کا حق ادا کر سکے اگرچہ اسے ہمیشہ تک اس کی حقیقی معرفت حاصل نہیں کر سکتے لیکن ادنیٰ مرتبہ کے بعد اعلیٰ درجہ کی حسرت ضرور رہے گی۔

فائدہ سب سے بڑی حسرت ان لوگوں کو ہو گی جو اس کے دیدار سے سرشار تو ہوں گے لیکن اس کی حقیقت وجود تک نہ پہنچ سکیں گے۔

فائدہ حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ رویت وتجلی کے وقت اہل حق کو ضیاء کی کمی وبیشی کی وجہ سے حسرت ہو گی یعنی جس کی ضیاء کم ہو گی۔ وہ اعلیٰ ضیاء کے عدم حصول پر حسرت کرے گا۔

فائدہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ مقام جمعیت میں شہود الحق کے دن اہل حجاب کو اہل شہود ومعرفت پر حسرت ہو گی کیونکہ یہ نعیم قرب وجمع میں ہوں گے اور وہ جحیم بعد وفراق میں۔

تفسیر عالمانہ ویعمل صالحا اور مقتضائے ایمان نیک عمل کرتا ہے کیونکہ عمل نظریہ کے مطابق ہوتا ہے اور عمل صالح ہر اس نیکی کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کی جائے فرض ہو یا نفل۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حمام میں داخل ہوئے تو حمامی نے کہا اجرت دیئے بغیر آپ اس میں داخل نہیں ہو سکتے۔ حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے آہ بھر کر کہا کہ جب شیطان کے گھر میں داخل ہونا اجرت کے بغیر ناممکن ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی جنت میں عمل صالح کے بغیر کیسے داخل ہوا جا سکتا ہے۔

یکفر عنہ سیاٰتہ قیامت میں اس کے گناہ معاف کر دے گا برائیوں کی وجہ سے اسے رسوا نہیں کرے گا ویدخلہ اور اسے اپنے فضل و کرم سے داخل کرے گا ہم نے فضل و کرم کی قید اس لئے لگائی ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی شے واجب نہیں۔

جنات باغات میں۔ اس میں ہر ایک کو اعمال کے مطابق درجات نصیب ہوں گے۔ تجری من تحتہا الانہار اور اس بہشت کے درختوں اور محلات کے نیچے چار نہریں جاری ہیں۔ خالدین فیہا یہ یدخلہ کی ھاء سے حال ہے پہلے واحد کا صیغہ لایا گیا لفظ من کی وجہ سے اور جمع کا صیغہ من کے معنی کی وجہ سے اس لئے کہ وہ معناً جمع ہے۔ ابدا خلود کی تاکید اور ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہے۔ ذلک وہ گناہوں کا بخشا جانا اور بہشت میں داخل کیا جانا۔ الفوز العظیم بہت بڑی کامیابی ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی کامیابی نہیں۔ اس لئے کہ عظیم ترین ہلاکتوں سے نجات پانے اور بہترین نعمتوں کے حصول پر مشتمل ہے اسی لئے یہ فوز کبیر سے اعلیٰ اوپر تر ہے کیونکہ فوز کبیر صرف حصول منافع کا نام ہے جیسا کہ سورہ بروج میں ہے اس معنی پر فوز عظیم اس سے اعلیٰ اور برتر ہوئی۔

صوفیانہ معنی (صوفیاء کرام کے نزدیک) فوز عظیم در حقیقت وجود مجازی کو اتار کر وجود حقیقی کا لباس پہننے کا نام ہے اور یہ ایمان حقیقی ذوقی عمل صالح (جو شہود عامل سے مقارن ہو) پر موقوف ہے اس لئے کہ نور شہود، وجود اضافی کے ظلمات کو چھپا کر وجود حقیقی کے نور سے منور کر دیتا ہے اور اسے جنات وصول و وصل میں داخل کرتا ہے اور ان جنات

کے نیچے ایسی نہریں جاری ہیں جو معارف و حکم کے پانی سے پر ہیں۔

والذین کفروا وکذبوا بایاتنا پہلے جس بات کو دلالت التزامی سے سمجھا گیا اب اسے صراحۃ بیان فرمایا اور آیات سے قرآن یا معجزات مراد ہیں کیونکہ یہ ہر دونوں رسالت کے صدق کی ہر ایک مستقل آیت ہیں آیت کا معنی یہ ہوا کہ جن لوگوں نے ہماری آیت کا انکار و تکذیب کی اولئک اصحاب النار وہی لوگ دوزخی ہیں یعنی وہ ہمیشہ اس میں رہنے کے ساتھی ہیں یا اس کے مالک ہیں۔

فائدہ انہیں دوزخ کا بمنزلہ مالک کے کہنا ان کے ساتھ تحکم ہے۔

خالدین فیھا درانحالیکہ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ہم نے دوام کی قید اس لئے لگائی ہے کہ یہ بہشت میں مضمون کے بالمقابل ہے چونکہ اس میں دوام کی تصریح ہے تم نے اس پر قیاس کر کے اس میں بھی دوام کی قید لگائی۔

وبئس المصیر اور دوزخ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

فائدہ یہ دونوں آیتیں گویا تغابن کی کیفیت کا بیان ہیں۔

سوال تم نے اسے شک کے طور کیوں کہا؟

جواب چونکہ علم معانی کا قاعدہ ہے واؤ جمعیت کی بیان پر محمول کرنے سے مانع ہے۔

تفسر صوفیانہ آیت میں محجوبین عن اللہ اور محرومین عن الایمان الحقیقی کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ ایمان حقیقی ذوق اور وجدان سے نصیب نہیں اس میں علم و برہان کو کسی قسم کا دخل نہیں نیز اس میں آیات الیہ ظاہرہ کے مکذبین کی تصریح ہے کہ اس کے بندوں میں چند ایسے بھی ہیں جو نار حجاب اور احتجاب کی جیم میں ہمیشہ اور بالدوام مبتلا رہیں گے۔ وبئس المصیر اور یہی حجاب کی دوزخ بہت بری آگ ہے۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ وہ جدوجہد جاری رکھے یہاں تک کہ اس کا قلب کا اندھاپن اور بصیرۃ کے پردے ہٹ جائیں یہاں تک کہ وہ آثار الٰہی اور آیات فی الانفس والافاق کا مشاہدہ کرے اور علی الاطلاق حجاب سے نجات پا

جائے۔

فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ عارفین کی نظر میں عبرت و حکمت اور ان کی حرکت میں شان و مصلحت ہوتی ہے۔

حکایت منقول ہے کہ ابو حفص نیشاپوری رحمتہ اللہ علیہ اپنے رفقاء کے ساتھ موسم بہار میں باغات کی سیر کو نکلے ایک دار سے گزرے جس کے اندر رونق دار درخت تھے۔ آپ عبرت کی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ اس دار سے ایک بوڑھا مجوسی نکلا اور کہا اے اخیار کے امام کیا آپ اشرار کے امام کی دعوت قبول فرمائیں گے۔ آپ نے فرمایا مجھے کیا انکار ہے۔ مجوسی کی عرض پر آپ اپنے مریدین سمیت اس دار میں داخل ہوئے آپ کے ساتھ ایک قاری صاحب تھے جس نے مختصر سی تلاوت کی۔ جب قاری صاحب تلاوت سے فارغ ہوئے تو مجوسی نے کچھ رقم دی اور کہا کہ آپ لوگ بازار سے اپنے مذہب والوں سے طعام لائیے کیونکہ آپ لوگ ہمارا پکا ہوا طعام نہیں کھائیں گے۔ طعام سے فراغت پا کر شیخ نے مجوسی سے اجازت چاہی۔ مجوسی نے کہا کہ اب سے میں آپ کا مرید ہوں مجھے ساتھ رکھیئے۔ یہ کہہ کر کلمہ اسلام پڑھا اور اس کے ساتھ اس کی اولاد اور اس کی تمام جماعت مسلمان ہو گئی۔ حضرت ابو حفص رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا جب بھی سیر و تفریح کے لئے جایا کرو تو اس طرح جاؤ جیسے تم نے مجھے دیکھا۔

چوں نظر میداشت ارباب شہود　　　مومن آمد بے نفاق اہل جحود

(جب ارباب شہود نگاہ اٹھاتے ہیں تو منکرین بھی منافقت چھوڑ کر مخلص مومن بن جاتے ہیں)

تفسیر عالمانہ ما نفیہ اسی لئے اس کے بعد من موکد لایا گیا۔

اصاب نہیں پہنچی کہ مخلوق میں سے کسی کو ایک من مصیبتہ کوئی مصیبت دینوی ابدان میں یا اولاد میں یا اموال میں۔ الا باذن اللہ یہ استثناء مفرغ منصوب المحل علی الحال ہے دراصل عبارت یوں تھی ما اصاب مصیبتہ بشئی من الاشیاء الا باذن اللہ اذن سے اس کی تقدیر و ارادہ مراد ہے گویا ہر مصیبت انسان کی طرف متوجہ ہے لیکن واقع نہیں ہوتی جب تک اللہ تعالیٰ کا اذن نہ ہو۔

سوال آیت ما اصابکم من مصیبتہ فبما کسبت ایدیکم ویعفو عن کثیر۔ (یعنی

تمہیں جو کوئی مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے کردار کی وجہ سے ہے بلکہ بہت سی غلطیاں معاف فرماتا ہے آیت مذکورہ بالا کے منافی ہے کیونکہ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کے اذن سے مصیبت کا بیان ہے اور اس دوسری آیت میں اذن کی قید نہیں بلکہ کردار کا ذکر ہے۔

جواب ۱ یہ آیت آیت شوریٰ کے منافی نہیں کیونکہ سورۃ شوریٰ میں مجرمین کے کردار کا بیان ہے ورنہ بہت سے مصائب کے اسباب دیگر بھی ہوتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ اس مصیبت کا سبب گناہ ہو مثلاً اس کا سبب صبر کے بعد کثرت اجر عطا کرنا (جیسے اللہ والوں کے لئے) اور گناہوں کا کفارہ بھی جیسے عوام کے لئے عام اہل انسان کے لئے کا وقوع اسی قبیل سے ہے۔

جواب ۲ اگر گناہ کی وجہ سے مصیبت کا نزول بھی اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر نہیں ہوتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فقل کل من عنداللّٰہ فرمائیے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ سے ہے ایجاد کے لحاظ سے بھی ایصال کے اعتبار سے بھی پاک ہے اللہ تعالیٰ جس کے ملک میں وہی حکم جاری ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔

شان نزول کفار نے کہا کہ اگر مسلمانوں کا دین حق ہوتا تو انہیں ان کا خدا ان کے ابدان و اموال میں مصیبت نازل نہ فرماتا۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو کچھ تم پر مصیبت نازل ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادہ کے مطابق ہوتی ہے اور اس کی حکمت کو صرف وہی جانتا ہے۔

مصیبت کے نزول کی حکمتیں نزول مصیبت میں بہت سی حکمتیں ہوتی ہیں منجملہ ان کے چند ایک یہ ہیں۔

(۱) تحصیل الیقین یعنی بندوں کو یقین ہو کہ ان کے ہاتھ میں کوئی اختیار نہیں جو کچھ کرتا ہے وہی کرتا ہے گویا بندے اپنی قوت و طاقت کو اللہ تعالیٰ کی قوت و طاقت کے سپرد کرتے ہیں۔

(۲) گناہوں کا کفار اور صبر کا ثواب کا ترتب

(۳) قضائے الٰہی پر راضی ہونا وغیرہ وغیرہ۔

ازالہ وھم اگر انبیاء و اولیاء مصیبت میں مبتلا نہ ہوتے تو لوگ ان کے معجزات و خوارق عادات دیکھ کر غلط فہمیوں میں گرفتار ہو جاتے (کہ معاذ اللہ) یہ معبود یا اپنائے معبود ہیں جیسے نصاریٰ نے غلطی کھائی) اور یہ مصائب و آلام ان کے ظواہر پر طاری ہوئے تاکہ ان کی بشریت کا تحقق ہو ورنہ ان کے بواطن ایسے آلام و مصائب سے محفوظ تھے کیونکہ ان کے بواطن مشاہدہ حق وانس رب میں مشغول تھے (اسی لئے انہیں ایسے آلام و مصائب سے بھی راحت محسوس ہوتی تھی گویا وہ جملہ مصائب و آلام سے محفوظ و معصوم تھے کیونکہ ان کے نزدیک یہ آلام و مصائب کالعدم تھے بخلاف کفار اشرار کے کہ وہ ان کے آلام و مصائب سے خوب گھبراتے تھے نسئل العفو والعافیۃ من اللہ۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ نفس امارہ کی مصیبت کا قلب پر غلبہ ہے نیز یہ بھی ثابت ہے کہ قلب سیارہ کے مصائب کا نفس امارہ پر تسلط ہے کیونکہ نفس امارہ پر تجلیات قہریہ کا اذن ہے کہ وہ قلب صافی پر تسلط کرے یہ بھی اس کی حکمت ہے اور قلب سیارہ پر تجلیات لطفی جمالی کا اذن ہے کہ وہ نفس امارہ پر تسلط کرے تاکہ وہ ایک قسم کے عذاب میں مبتلا ہو۔

تفسیر عالمانہ ومن یؤمن باللہ اور وہ جو اللہ تعالیٰ کو مانتا ہے در جانتا ہے کہ ہر مصیبت اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر نازل نہیں ہوتی۔

سوال آیت میں صرف اللہ تعالیٰ کے نام پر اکتفا کیوں حالانکہ رسل و کتب وغیرہ پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔

جواب اصل ایمان اللہ تعالیٰ پر ہے باقی کا ذکر اس کے ضمن میں آ گیا۔

یھد قلبہ اس کے دل کو ہدایت بخشتا ہے جب مصیبت واقع ہوتی ہے تو اس قلب کو ثابت قدمی عطا فرماتا ہے اور اسے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنے کا موقع نصیب ہوتا ہے اور وہ ایسے موقع پر نہ قولاً مضطرب ہوتا ہے اور نہ عملاً کہ جس سے اس کا اضطراب ظاہر ہو کہ وہ تقدیر الٰہی سے پریشان نہیں اور نہ وہ اس سے راضی ہے بلکہ جو یقین رکھتا ہے کہ اس کا خدا رب العالمین ہے تو وہ اس کی قضا پر راضی ہوتا ہے اور اس کی بلاؤ مصیبت پر صبر کرتا ہے کیونکہ جیسے تربیت

جل کے موافق ہوتی ہے ایسے ہی تنفر کرنے والی باتوں پر صبر کرنے پر بھی تربیت ہوتی ہے۔

فائدہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یهدقلبه کا یہ معنی ہے کہ یقین کے لئے اسے توفیق بخشتا ہے یہاں تک کہ اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ آئی ہوئی مصیبت کبھی نہ ٹلتی اگر نہ آتی تو اسے آنا نہ ہوتا اسی لئے وہ اللہ تعالیٰ قضاؤ قدر پر راضی ہوتا ہے بلکہ اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہے۔

فائدہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یهد قلبه کا معنی یہ ہے کہ اس قلب پر اللہ تعالیٰ لطف و کرم فرماتا ہے ار اس کا سینہ کھول دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ طاعت و عبادت میں بڑھتا رہتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس دل کی رہبری فرماتا ہے تاکہ وہ اسے راضی کرے اور اس کی طاعت میں آگے کو قدم بڑھائے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت ابوبکر وراق رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص شدت وبلاء کے وقت ایمان لاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا عدل ہے (کہ اس نے ایسے فرمایا ورنہ وہ شان کریمی سے میرے ساتھ ایسے نہ فرماتا) ایسے قلب کو اللہ تعالیٰ حقائق کی راہ دکھاتا ہے اور زوائد یقین تک پہنچاتا ہے۔

فائدہ حضرت ابو عثمان رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو اپنے قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو مانتا ہے اللہ تعالیٰ اسے سنن انبیاء علیہم السلام کی اتباع کی راہ دکھاتا ہے۔

فائدہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ صحت ایمان کی علامت یہ ہے کہ سنن نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام پر مداومت نصیب ہو اس اتباع سے لحظہ بھر بھی محرومی نہ ہو اور صرف خواہشات نفسانیہ کو ترک کرنا نصیب ہو تو بھی غنیمت ہے۔

فائدہ بعض مشائخ نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تحقیقاً ایمان لاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو اس عمل کی توفیق بخشتا ہے جو مقتضائے ایمان کے ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے مطلب کے کمال کو پالیتا ہے یعنی وہ مطلوب جس پر وہ ایمان لایا اس وقت اپنے محل نظر یعنی منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔

فائدہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو اسماء وصفات کے

نور معرفت سے منور فرماتا ہے کیونکہ ذات کی معرفت صفات و اسماء کو مستلزم ہے اور صفات و اسماء کی معرفت ذات کی معرفت کو مستلزم نہیں۔ اس اعتبار سے اس قلب کو سابق و لاحق ہدایت نصیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا یہ قلب کی ہدایت سابق ہے اور اس ایمان پر قلب کا قبول کرنا ہدایت لاحق ہے یہاں سے وہ سوال دفع ہو گیا جو فلسفی کہتا ہے کہ ایمان ہدایت پر موقوف ہے اس طرح سے تو دور لازم آگیا کیونکہ من یومن باللہ الخ شرطیہ اور یہد قلبہ اس کی جزاء ہے اور شرط جزاء پر مقدم ہوا کرتی ہے اور تم کہہ چکے ہو کہ ایمان ہدایت پر موقوف ہے۔

جواب (۱) اس لئے کہ ہدایت کے چند مراتب ہیں۔

۱۔ تقدیم ۲۔ تاخر

اور یہ مراتب غیر منقطع ہیں اسی لئے ہم ہر یوم اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں اور بار بار کہتے ہیں اھدنا الصراط المستقیم اسی وجہ سے ہم ہر عمل صراط مستقیم طلب کرتے ہیں وہ صراط مستقیم رضائے الٰہی کی طرف پہنچاتا ہے۔

جواب ۲ بعض نے فرمایا کہ یہ عبارت مقلوب ہے اصل عبارت یوں ہے من یھد قلبہ یومن باللہ

فائدہ یہد میں سات قرأتیں ہیں۔

۱۔ مختار یہ ہے کہ یہ واحد کا صیغہ ہے اور یاء کو مفتوح اور دال کو مکسور پڑھنا چاہئے اور یہد مجزوم ہے اس لئے کہ یاء محذوف ہے اور ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور شرط کا جواب ہے اور یہ الہدایت سے مشتق ہے۔

۲۔ اسے نہد نون (جمع متکلم) کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

۳۔ یہد مجہول صیغہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے اس وقت قلبہ مرفوع پڑھا جائے گا اس لئے کہ یہد کا نائب فاعل ہے۔

۴۔ یہد بفتح الیاء و کسر الہاء بھی آیا ہے لیکن اس وقت دال مشدد ہو گی بمعنی یہتد ہے جیسے فرمان الٰہی میں ہے امن لا یہدی

۵۔ اسے یہد بالہمزہ باب سیل کی طرح بھی پڑھا گیا ہے۔

۶۔ بعدا ہمزہ کو الف کے ساتھ تبدیل کر کے پڑھا گیا ہے۔

۷۔ دونوں آخری صورتوں میں آخری حرف کو تخفیفاً حذف کرنا جائز ہے اس کا خلاصہ و معنی یہ ہے کہ دل مطمئن ہو گا اور اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تسکین نصیب ہوگی۔

واللہ بکل شئی اور ہر شے کو منجملہ اس کے قلب اور اس کے احوال بھی ہیں اور قلب کی تسلیم یہ ہے کہ وہ اس کے ہر حکم کی فرمانبرداری کرے اور اس کے ہر مکروہ فعل سے کراہت کرنا اور اس میں سے قلب کے آفات بھی ہیں اور آفات سے خالص ہونا بھی اس میں شامل ہے۔

علیم وہ مومن کے ایمان کو اور اس کے خلوص جو جانتا ہے اور اس کے دل کو مذکورہ امور کی ہدایت کرتا ہے۔

واطیعوا اللہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو۔ اطاعت کا معنی یہ ہے کہ بندے کا اپنے آقا کے ہر حکم کے سامنے سر جھکانا۔ واطیعوا الرسول اور رسول علیہ السلام کی اطاعت کرو۔ اور امت کے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی اطاعت کا یہ معنی ہے کہ نبی ﷺ جو حکم اللہ تعالیٰ سے لائے اسے بجالانا یعنی مصائب کا نزول تمہیں رسول اللہ ﷺ کی طاعت سے مشغول نہ کرے اور اس کی کتاب کے حکم پر عمل کرنا۔

سبق بندے پر لازم ہے کہ دکھ سکھ میں وہ عمل کرے جو شرع کا حکم ہے۔

فائدہ حضرت قاشانی نے فرمایا تم اللہ تعالیٰ کی معرفت کے مطابق اللہ جل جلالہ و رسول ﷺ کی اطاعت کرو اسی لئے یہ کمال سے پیچھے رہنا اور خسران و نقصان کا وقوع عمل کی کوتاہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

فائدہ امر کا تکرار تاکید کے لئے ہے اور تنبیہہ ہے کہ ان دونوں طاعتوں کی کیفیت میں فرق ہے فان تولیتم

ربط وہ روگردانی کے مورد کی توضیح فرمائی۔ فان تولیتم پس اگر تم طاعت رسول سے روگردانی کرو گے۔ فانما علی رسولنا البلاغ المبین تو ہمارے رسول ﷺ پر واضح طور پر پیغام پہنچانا۔ جواب محذوف کی تعلیل سے ہے یعنی میرے محبوب کریم ﷺ پر کچھ ذمہ داری نہیں سوائے پیغام الہٰی پہنچانے کے اور

انہوں نے اس کا حق ادا کر دیا اور رسول کی اضافت نون جمع کی طرف اور ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لانے میں آپ کی تعریف و تکریم و تعظیم کا اظہار مطلوب ہے اور واضح کرنا ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ کا کام صرف تبلیغ ہے تاکہ ان کی تبلیغ کی روگردانی کی زیادہ سے زیادہ مذمت ہو۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ **اطیعوا اللہ** یعنی اس کی ذات و صفات کی مظہریت کے اسباب کی تیاری میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو۔

واطیعوا الرسول اور احکام شریعت ظاہرہ آداب طریقت باطنہ کی قابلیت کی تحصیل میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو اگر تم اسباب کی تیاری اور استعداد سے روگردانی کرو گے اور ان دونوں امور کو چھوڑ کر دنیوی امور میں منہمک ہو جاؤ گے اور بحر شہوات میں ہلاک ہو جاؤ گے تو ہمارا رسول اکرم ﷺ پر پیغام پہنچانا ہے اور تم کو ذلیل و خوار کرنے والا عذاب ہو گا۔

تفسیر عالمانہ **اللہ لا الہ الا ھو** وجود میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں یہ جملہ مستانفہ معبودیت کا صرف وہی مستحق ہے نہ اس کا غیر یعنی اس مرتبہ کے لائق کوئی نہیں صرف وہی ہدایت و ضلالت پر قادر ہے۔ ارشاد و اضلال میں اس کا کوئی شریک نہیں اس معاملہ میں رسول ﷺ کے ہاتھ میں (ذاتی طور) کوئی شے نہیں۔ **وعلی اللہ** صرف اللہ پر نہ استقلالاً نہ اشتراکاً

فلیتوکل المؤمنون اہل ایمان توکل کریں ایمان پر ثابت رہنے اور مصائب پر صبر کرنے میں اسم ظاہر کو اسم مضمر کے بجائے اسم ظاہر لانے میں توکل کی علیت اور اس کے امر کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ الوہیت کا تقاضا یہ ہے کہ بالکلیہ اسی طرف جھکاؤ اور ہر لحاظ سے غیر اللہ سے انقطاع ہو۔

مسئلہ آیت میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام اور امت کو توکل پر برانگیختہ کیا اور اس پر ثابت رہنے بلکہ اس میں ہر قدم آگے بڑھنے کی تاکید ہے یہاں تک اس کی برکت سے مکذبین پر فتح و غلبہ ہو اور اس پر بھی جو طاعت و قبول احکام سے روگردانی کرے۔

توکّل کے متعلق اقوال توکل مقامات علیہ سے ہے معنی اظہار العجز اور اپنے غیر پر بھروسہ کرنا۔ الحدائق میں ہے کہ اس پر بھروسا کرنا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اور لوگوں سے مایوسی ناامیدی ہو۔

سوال فلیتوکل امر ہے اور امر وجوب کے لئے ہوتا ہے اور وجوب پر عمل نہ کرنا گناہ ہے اور عوام اکثر توکل سے محروم ہیں اس معنی پر انہیں عاصی کہا جائے حالانکہ یہ ناموزوں ہے۔

جواب یہاں وجوب عقلی مراد ہے اور وہ یہ ہے کہ عقلی طور یوں مانا جائے کہ ہر کام دینوی ہو اخروی وہ اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے اگرچہ نفس اس طرف ملتفت نہ ہو۔ اور دوسرے امور کو مقصد کے حصول کے لئے سبب سمجھے اور اس کا عقیدہ یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے۔ ہاں توکل طبعی پر عمل مشکل ہے توکل طبعی یہ ہے کہ انسان کا طبعی طور عقیدہ ہو کہ ہر کام اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور جمیع مقاصد میں صرف اسی پر اعتماد ہو اس کی نظر میں اسباب کی وقعت نہ ہو ایسا توکل کامل اولیاء میں ہوتا ہے عوام ایسے توکل پر پابند نہیں ہو سکتے۔

حکایت حضرت بشر حافی رحمتہ اللہ علیہ کے ہاں شام کے علاقہ سے چند آدمی حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ ہمارے ساتھ حج پر چلیں آپ نے فرمایا ضرور چلوں گا لیکن تین شرطیں ہیں۔

۱۔ حج کے عظیم سفر میں زاد راہ ساتھ نہیں لے جانا۔
۲۔ راستہ میں کھانے پینے کے متعلق کسی سے سوال نہ کرنا۔
۳۔ نہ ہی کسی کا پیش کردہ کھانا وغیرہ قبول کرنا ہو گا۔

انہوں نے عرض کیا دو پہلی شرطیں تو ہمیں قبول ہیں لیکن تیسری شرط ہمارے سے پوری نہ ہو سکے گی آپ نے فرمایا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم دوسروں کے زاد راہ کے سہارے پر حج پڑھنے جا رہے ہو۔

فائدہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ جس نے توکل کا دعویٰ کیا لیکن پیٹ بھر کھایا تو سمجھو کہ وہ ایک بوجھ اٹھانے والا ہے متوکل نہیں۔

توکل کی حکایات (۱) ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے چودہ سال حج ننگے پاؤں ادا کئے۔ جب میرے پاؤں میں کانٹا چبھتا تھا تو پاؤں سے کانٹا نہیں نکالتا تھا اس خطرہ سے کہ کہیں توکل کے خلاف نہ ہو جائے۔

(۲) حضرت ابراہیم خواص رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں ایک جنگل میں جا رہا تھا مجھے ایک اعرابی ملا جس نے مجھے فرمایا اے ابراہیم توکل ہمارے ہاں ہے۔ آپ ہمارے ہاں ٹھہریئے تاکہ آپ کا توکل صحیح ہو جائے۔ سنئے اگر تمہارا خیال ہوا کہ مجھے فلاں شہر میں کھانا ملے گا اور تم اس کے حصول کے لئے اس شہر میں چلے گئے تو یہ بھی توکل کے منافی ہے۔ اب غور کیجئے کہ جس شہر میں طعام کے حصول کی امید پر جانا توکل کے منافی ہے تو پھر اس شہر میں اقامت پذیر ہونا کیسا ہو گا جس میں کھانے پینے کی چیزیں عام میسر آئیں۔

نکتہ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہر جگہ توکل کا ذکر اسم ذات کے ساتھ کیا ہے کیونکہ یہی اسم جمیع اسماء کا جامع ہے اسی لئے اس پر توکل تام ہو گا دوسرے اسماء پر توکل ناقص ہوتا ہے یعنی متوکل کی جانب سے ورنہ اس کے جملہ اسماء ہر طرح سے کامل ہیں ان میں نقص کا تصور بھی کفر ہے۔

فائدہ جس کو یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی میری کفیل ہے اور پھر اپنے جملہ امور اسی کی طرف سپرد کر کے اپنے جملہ سہارے درمیان سے نکال لیتا ہے اس کے ہر کام وکالت و کفالت خود فرمائے گا لیکن اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے نفس پر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا وکیل سمجھے اور اس پر کنٹرول کرے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے حقوق و فرائض و دیگر اخراجات کی ادائیگی کرائے بلکہ شب و روز اس کے ساتھ جھگڑا کرتا رہے لحظہ بھر اس سے غفلت نہ کرے اور نہ ہی اس سے کوتاہی کرے کیونکہ اوقات زندگی بہت جلد ختم ہوتے ہیں۔

خاک در دستش بود چوں باد ہنگام اجل　　ہر کہ اوقات گرامی صرف آب و گل کند

(اس کے ہاتھ میں ہے ہوا کی طرح موت کا وقت اس پر افسوس جو اوقات گرامی قدر گارے میں صرف کر رہا ہے)

تفسیر عالمانہ یاایھا الذین امنوا اے ایمان والو یعنی وہ جنہوں نے خلوص سے ایمان قبول کیا۔ ان من ازواجکم ازواج زوج کی جمع ہے یہ مرد و عورت ہر دونوں پر مستعمل ہوتا ہے۔ لباب سے بیان کردہ تحقیق

عنقریب ہم بیان کریں گے۔ واولادکم ولد کی جمع ہے یہ بھی عام ہے لڑکے اور لڑکی ہر دونوں کو شامل ہے۔

عدوالکم بیشک تمہاری بعض ازواج اور بعض اولاد تمہارے دشمن ہیں منجملہ اس کے ایک یہ ہے کہ وہ تمہیں طاعت الٰہی سے غافل کرتے ہیں۔ اگرچہ ان کی اور کوئی دشمنی بھی نہ ہو تو یہ دشمنی کسی اور سبب سے ہوتی ہے۔ جب ازواج و اولاد دشمن ہوں تو وہ بھی دشمن ہوں گے اور وہ فعل جملہ افعال سے قبیح ترین ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے بندے کے درمیان حائل ہو۔ یا ازواج و اولاد تمہارے ساتھ امور دین میں جھگڑیں گے یا دنیوی امور میں مخالفت کریں گے اور سب سے بڑی دشمنی دینی امور کی ہوتی ہے کیونکہ دینی ضرر دنیوی ضرر سے شدید تر ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ تیرا وہ دشمن نہیں جس سے تیرا مقابلہ ہو اور تو اسے قتل کر دے اور اللہ تعالیٰ تجھے اس کا اجر و ثواب عطا فرمائے ہاں تیرا سب سے وہ بڑا دشمن جو تیرے دونوں پہلو میں ہے یعنی نفس اور تیری عورت جو تیرے ساتھ تیرے بستر پر سوتی ہے اور تیرا وہ لڑکا جو تیرے پشت میں ہے۔

نکتہ ازواج کو اولاد پر اس لئے پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ اس کی اولاد کے لئے وہی اصل ہیں علاوہ ازیں ازواج سے شہوات کا تعلق ہے اور جو شے شہوت سے متعلق ہو وہ قلوب پر زیادہ اثر ڈالتی ہے اور عبادت الٰہی سے باز رکھنے میں اسی کو زیادہ دخل حاصل ہے اسی لئے زین للناس حب الشہوات من النساء الخ میں نساء کا ذکر پہلے ہے۔

نکتہ اللباب میں ہے من ازواجکم میں شوہر بھی داخل ہیں اس لئے کہ جیسے مرد کے لئے عورت اور اولاد دشمن ہیں ایسے ہی عورت کے لئے مرد اور اولاد دشمن ہے اس معنی پر یہ خطاب عام ہے۔ جو مردوں اور عورتوں سب کو حاصل ہے لیکن تغلیبات صرف صیغہ جمع مذکر لایا گیا۔ یا یہ دخول باعتبار خطاب کے نہیں بلکہ باعتبار حکم ہے یعنی جیسے دوسرے احکام میں عورتیں مردوں کے حکم میں بھی داخل ہیں۔

فَاحْذَرُوْهُمْ الحذر سے ہے بمعنی خوف والی شے سے کنارہ کشی۔ ضمیر عدو کی طرف راجع ہے کیونکہ لفظ عدو کا اطلاق جمع پر بھی ہوتا ہے یعنی اپنے آپ کو ان کی محبت سے اور شدت تعلق سے بچاؤ ایسے نہ ہو کہ ان کے تعلق میں

لگے رہو اور احکام خداوندی کی ادائیگی میں کوتاہی ہو جائے بلکہ ان کے حقوق پر حقوق اللہ کو ترجیح دو۔

حدیث شریف جب تمہارے امراء اخیار اور تمہارے اغنیاء اسخیاء ہوں اور تمہارے امور ایک دوسرے کے مشورے سے ہو کوئی ایک بھی اپنی رائے پر عمل نہ کرے جب تک دوسرے ساتھی سے مشورہ نہ لے تو زمین کا ظاہر اس کے پیٹ سے بہتر ہے اور جب امراء شرارتی اور اغنیاء بخیل اور امور عورتوں کی رائے پر طے ہوں تو زمین کا باطن اس کے ظاہر سے بہتر ہے۔

فائدہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کو اپنے امور کا مشیر بنانا نقصان دہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے شاوروھن وخالفوھن عورتوں سے مشورہ لو لیکن ان کے رائے کے خلاف عمل کرو۔

حضرت ام سلمہ کی فضیلت حضور سرور عالم ﷺ نے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صلح حدیبیہ کے موقع پر مشورہ لیا۔

فائدہ اس سے یہ ثابت ہوا کہ اگر عورت عاقلہ فاضلہ کاملہ ہو تو اس سے مشورہ لینا جائز ہے نیز اس حدیث شریف میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت اور ان کے عقل کی دفرت کا پتہ چلتا ہے۔ اس لئے امام الحرمین رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ہمیں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے اور کوئی عورت ایسی معلوم نہیں کہ جس نے مشورہ دیا ہو اور اس کا مشورہ صحیح اترا ہو۔ بعض نے امام الحرمین رحمتہ اللہ علیہ کے اس قاعدہ کو شعیب علیہ السلام کی لڑکی کے اس مشورے سے توڑا جو اس نے حضرت شعیب علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مشورہ دیا۔

اضحوکہ خسرو کو مچھلی کا گوشت مرغوب تھا ایک دن اپنے محل کے بالاخانہ میں بیٹھا تھا کہ وہاں سے مچھلی بیچنے والا گزرا اور شیرین بھی خسرو کے پاس بیٹھی تھی۔ خسرو نے اس کے ہاں ایک بڑی مچھلی دیکھ کر اسے بلایا اس نے وہی بڑی مچھلی خسرو کے پاس بیٹھی تھی مچھو نے اس کے ہاں ایک بڑی مچھلی دیکھ کر اسے بلایا اس نے وہی بری مچھلی خسرو کے سامنے رکھ دی جسے خسرو نے پسند کیا اور اسے چار ہزار درم دے کر خرید لی شیریں نے کہا تو نے بہت برا کیا کیونکہ اس

کے بعد اگر کسی کو اس سے کم قیمت دے گا۔ تو تیری شکایت ہو گی بلکہ تجھے حقارت کی نگاہ سے دیکھے گا اور کہے گا کہ مجھے وہی انعام ملنا چاہیئے جو مچھلی کے شکاری کو ملا۔ شیریں سے کہا تو سچ کہتی ہے لیکن یہ بھی بادشاہوں کی احسان و مروت کے خلاف ہے جو کسی سے وعدہ فرمائیں اور پھر اس کے خلاف کریں۔ شیریں نے کہا میں ایک تدبیر بتاتی ہوں وہ یہ کہ شکاری کو واپس بلا کو پوچھا جائے کہ یہ مچھلی نر ہے یا مادہ ہے اگر وہ کہے نر ہے تو تم کہنا مجھے مادہ مچھلی چاہیئے اگر کہے کہ مادہ ہے تو کہنا کہ مجھے نر مچھلی چاہیئے۔ چنانچہ شکاری کو بلایا گیا اور اس سے مچھلی کا پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ یہ نہ نر ہے نہ مادہ بلکہ خنثی (ہجڑہ) ہے خسرو سن کر خوب ہنسا اور اسے انعام میں چار ہزار درہم اور دے دیئے۔ جنہیں لے کر ایک جھولے میں ڈال کر کاندھے پر رکھا اور چل پڑا۔

تھوڑا سا چلا تو ایک درہم اس کے جھولے سے گرا تو اس نے اس کے اٹھانے کے لئے جھولا کاندھے سے نیچے رکھ کر ہی درہم اٹھایا۔ بادشاہ اور شیریں اس کا حال دیکھ رہے تھے۔ شیریں نے خسرو کو کہا کہ دیکھئے اس کمینے کا کمینہ پن کہ ایک درہم کی خاطر کتنی مشقت اٹھائی اس کے پاس اتنے ہزار دراہم تھے تو ایک درہم کو نہیں چھوڑا امیر خسرو کو طیش آگیا اور فرمایا بلاؤ اس شکاری کو۔ جب حاضر ہوا تو خسرو نے کہا اے کمینہ تو نے ایسا کام کیا جو انسانیت پر بدنما دھبہ ہے تو نے ایک درہم کی خاطر اتنا دکھ اور تکلیف اٹھائی۔

شکاری نے کہا بادشاہ سلامت میں نے اس درہم کو لالچ اور دنیوی حرص پر نہیں اٹھایا بلکہ مجھے اس میں بادشاہ کی توقیر و تعظیم مطلوب تھی اس لئے کہ اس کے حصہ پر بادشاہ (خسرو) کا نام کندہ تھا اور دوسری طرف اس کی فوٹو۔ میرا جی نہ چاہتا تھا کہ اس درہم پر کسی کا قدم پڑے اور بادشاہ (خسرو) کی توہین و تحقیر ہو جائے۔ بادشاہ کو شکاری کا جواب پسند آیا تو خسرو نے چار ہزار درہم انعام کے طور پر دے دیئے اس کے بعد خسرو نے وصیت لکھی کہ لا تطیعو النساء اصلا و لا تعملو ابرایھن قطعا عورتوں کا کہا مت مانو اور نہ ہی ان کی رائے پر عمل کرو۔[1]

(حاشیہ [1] یہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ اکثریہ ہے کیونکہ بہت سی ازواج (عورتیں) ایسی گزری ہیں اور موجود بھی کہ ان کا مشورہ مفید ثابت ہوتا ہے۔ جیسا کہ صلح حدیبیہ کے دن حضور نبی پاک ﷺ کو مشورہ دینے والی بھی آپ کی ایک زوجہ محترمہ تھیں اس کی تفصیل آگے آئے گی انشاء اللہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں کہ ہر بیوی اور اولاد دشمن ہو گی بعض
(حاشیہ جاری)

حکایت سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں ایک اسرائیلی حاضر ہوا عرض کی مجھے جانوروں کی بولی سکھایئے۔ آپ نے فرمایا سکھادیتا ہوں لیکن تمہاری موت اس وقت ہو جائے گی جب تم نے کسی سے بتادیا کہ میں حیوانات کی بولی جانتا ہوں۔ عرض کی کبھی کو نہیں بتاؤں گا۔ آپ نے اسے جانوروں کی بولی سکھادی۔ اس (اسرائیلی) کے گھر پر ایک بیل اور ایک گدھا تھا جن سے مزدوری کر کے پیٹ پالتا تھا جب شام ہوئی۔ دونوں کو گھاس ڈالا تو گدھے نے بیل کو کہا آج کا اپنا حصہ گھاس مجھے دے دے مالک سمجھے گا تو بیمار ہے فلہذا کل تجھ سے کام نہیں لے گا پھر میں آئندہ شب کو اپنا حصہ تجھے دے دوں گا گدھے کے کہنے پر بیل نے گھاس سے منہ ہٹالیا اس پر مالک ہنس پڑا۔ عورت نے پوچھا کیوں ہنسے کہا کچھ نہیں۔ جب آنے والی رات آئی تو دونوں کو علیحدہ علیحدہ گھاس ڈالا تو بیل نے گدھے سے کہا وعدہ پورا کیجئے۔ میں تو اب بھوک اور تھکان سے قریب المرگ ہو گیا ہوں گدھے نے کہا کہ کیا کچھ معلوم بھی ہے

بقیہ حاشیہ

بیویاں اور اولاد دشمن ہوں گی۔ بیوی اور اولاد دونوں مزلتہ الاقدام ہیں بہت سے مردان سے تعلقات کی بناء پر پھسل جاتے ہیں۔ اکثر اس دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اور اللہ کے ارشاد کے مطابق اس سے بچتے نہیں۔ ان کی بیویاں اور اولاد لے ڈوبتی ہیں جیسے بلعم باعور اکی زوجہ نے ہی تو تباہ و برباد کیا۔ ایسے ہی کئی شخصیات جن کی تفصیل تاریخ میں ہے۔ لفظ ازواج جمع ہے زوج کی اور یہ لفظ عام ہے اگر مستورات مخاطب ہوں تو کہا جائے کہ تمہارے خاوند تمہارے دشمن ہیں۔ قیامت کے دن گویا بے دین اولاد والدین کے لئے عرض کرے گی۔

وَقَالُوْ رَبَّنَا اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا (سورۃ الاحزاب رکوع ۸)

(اور کہیں گے اے رب! ہم نے کہا مانا اپنے سرداروں کا اور اپنے بڑوں کا۔ پھر انہوں نے ہمیں (سیدھے) راستہ سے بہکا دیا۔ اے رب ان کو دگنا عذاب دے اور ان پر بڑی لعنت ڈال۔ بہر حال آیت میں دونوں کے متعلق فتنہ (آزمائش) کا تصور کر سکتے ہیں کسی کو اپنی عورتیں تباہ و برباد اور جہنم کا ایندھن بناتی ہیں کئی عورتوں کو ان کے شوہران کی تباہی و بربادی کا سبب بن جاتے ہیں تفصیل فقیر نے کتاب "حقوق زوجین" میں عرض کر دی ہے۔ اویسی غفرلہ۔ حاشیہ ختم)

کہا نہیں کہا میں نے سنا ہے کہ مالک کل قصاب کے پاس گیا اور کہا کہ میرا بیل بیمار ہے اسے ذبح کر دے اسی لئے میرا مشورہ ہے کہ آج تو گھاس نہ کھا۔ مجھے ہی کھانے دے اس لئے کہ تو گھاس نہیں کھائے گا تو قصاب اور دوسرے دیکھنے والوں کو دبلا نظر آئے گا۔ وہ کہیں گے کہ یہ کھانے کے لائق نہیں اسی لئے ذبح نہیں کرنا چاہئے ہاں اگر گھاس کھائے گا تو موٹا ہو جائے گا پھر تو لازماً ذبح کریں گے کہ تو کھانے کے لائق ہو گا اسی لئے میرا مشورہ ہے کہ آج شب کو صبر کر آئندہ میں تجھے دو راتوں کا گھاس دوں گا۔ بیل نے منہ پھیر لیا تو اسرائیلی ہنس پڑا۔ عورت نے کہا کیا وجہ ہے کیوں ہنستے ہو۔ کہا کچھ نہیں۔ عورت نے کہا بتانا پڑے گا مرد نے کہا قلم دوات لے آ تاکہ میں وصیت لکھوں کیونکہ میں نے بتاتے ہی مرجانا ہے۔ عورت قلم دوات لائی اور وہ کچھ لکھ رہا تھا تو عورت نے روٹی کا ٹکڑا کتے کو ڈالا تو مرغا دوڑ کر جلدی سے وہ ٹکڑا اٹھا لایا۔ کتے نے کہا تو نے مجھ پر ظلم کیا کہ میرا رزق اٹھا لیا۔ مرغے نے کہا مالک مرنا چاہتا ہے تو تو مردوں کی خیرات کی ہڈیاں پا کر بچ جائے گا لیکن ہم تین دن تک ڈھکے پڑے رہیں گے۔ کوئی بھی ہمارا دروازہ نہ کھولے گا کیونکہ نہ وہ مالک کے ماتم (سوگ) سے فارغ ہوں گے نہ ہمیں ڈھک سے نکالیں گے اگر مالک عورت کو راضی کرنے پر مرجائے گا تو اس پر غضب خدا کا ہو گا کہ وہ ایک عورت کو سیدھا نہیں کر سکا۔ دیکھئے میری نو (مرغیاں) ملو بتاں ہیں۔ میں نے سب کو ایسا سیدھا کر رکھا ہے کہ ان میں کسی ایک کو بھی فرصت نہیں کہ میرے حکم کی خلاف ورزی کرلے۔ اگر میں اس مالک کی جگہ پر ہوتا تو عورت کو ڈنڈے سے سیدھا کرتا یا پھر تائب ہو جاتی اور یقین دلاتی کہ وہ اپنے شوہر کے اسرار سے کوئی سوال نہ کرے گی مرغے کی بات سن کو شوہر نے ڈنڈا اٹھا کر اپنی عورت کے سر ہو گیا خوب لتاڑا یہاں تک کہ توبہ کی کہ آئندہ تیرے راز کے درپے نہیں ہوں گی۔

زنے را کہ جہلت وناراستی   بلا بر سر خود نہ زن خواستی
(وہ عورت جو جہل اور الٹی چال رکھتی ہے وہ تیرے لئے بلا ہے کہ تیری منکوحہ[1])

(حاشیہ[1] اس حکایت سے حضرت علامہ حقی قدس سرہ کا یہی مقصد ہے کہ عورت ناہنجار ہو تو مرد کو لے ڈوبتی ہے حضرت مولانا روم قدس سرہ نے یہ حکایت ایک اور طریقے سے بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بڑی مدت سے میری یہ تمنا کہ میں جانوروں کی بولیاں سمجھنے لگوں۔ کرم فرمایئے اور مجھے

(جاری)

جانوروں کی بول چال سمجھا دیجئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا انسان بن اور جانوروں میں شامل ہونے کی تمنا نہ کر لیکن وہ اپنی ضد پر قائم رہا اور کہتا رہا۔ حضور! میرا یہ شوق ہے پورا کر دیجئے۔

آپ نے پھر فرمایا۔ خدا تعالیٰ کی ہر بات میں کئی حکمتیں ہوتی ہیں انسان جو جانوروں کی بولیاں نہیں سمجھتا۔ اس میں کئی فوائد ہیں۔ اس نے کہا کچھ بھی ہو۔ میرا شوق پورا کر دیجئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا سے عرض کی۔ الٰہی! یہ شخص اپنی ضد سے باز نہیں آ رہا۔ میں کیا کروں؟ خدا نے فرمایا ہم کسی کی دعا رد نہیں کرتے۔ اس سے کہہ دو کہ اچھا ہم تمہیں جانوروں کے کلام کی سمجھ عطا فرما دیتے ہیں لیکن ان کا انجام اگر اچھا نہ ہوا تو اس کے تم خود ذمہ دار ہو گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے لئے جانوروں کی بولیاں سمجھنے کی دعا کی اور وہ جانوروں کا کلام سمجھنے لگا۔ وہ بڑا خوش ہوا اور گھر آیا اس نے ایک کتا اور ایک مرغ پال رکھا تھا۔ ایک اس کی خادمہ بھی تھی۔ کھانے کا وقت آیا۔ تو خادمہ نے دستر خوان بچھایا اور کھانا چنا۔ وہ شخص جب کھانا کھا چکا تو خادمہ نے دستر خوان جھاڑا۔ گوشت کی ایک بوٹی دستر خوان سے گری۔ تو مرغ نے جھٹ اسے اٹھا لیا اور کتا منہ دیکھتا رہ گیا۔ کتے نے مرغ سے شکوہ کیا تو تو دانہ دنکا چن کر پیٹ بھر سکتا ہے بوٹی میری خوراک تھی تو نے اسے بھی کھا لیا۔ اسے تم میرے۔ لئے رہنے دیتے میں بھوکا تھا۔ مگر میری خوراک تم کھا گئے تم پر بڑا افسوس ہے۔

مرغ نے جواب دیا غم نہ کر کل ہمارے مالک کا بیل مر جائے گا۔ جی بھر کر اس کا گوشت کھانا۔ مالک نے یہ بات سنی تو اسی وقت بیل فروخت کر دیا تاکہ یہ مرے تو خریدار کے گھر جا کر مرے۔ اور میں نقصان سے بچ جاؤں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بیل کی قیمت اسے وصول ہو گئی۔ اور بیل دوسرے روز خریدار کے گھر جا کر مر گیا۔ دوسرے روز کتے نے مرغ سے پھر شکوہ کیا کہ بیل تو مالک نے بیچ ہی دیا ہے میں آج پھر بھوکا ہی رہا۔ مرغ نے کہا یہ مالک کی غلطی ہے کہ اس نے اپنی بلا دوسرے پر ڈال دی اور بیل بیچ دیا۔ اب سنو کہ مالک کا گھوڑا کل مر جائے گا۔ تم جی بھر کے اس کا گوشت کھانا۔ مالک نے یہ بات بھی سمجھ لی اور اسی روز گھوڑا بھی بیچ دیا تاکہ اسے گھوڑے کی قیمت مل جائے اور نقصان دوسرے کا ہو۔ چنانچہ گھوڑا بھی دوسرے روز خریدار کے ہاں مر گیا۔ تیسرے روز کتے نے مرغ سے پھر شکوہ کیا۔ اور کہا تم عجب دھوکہ باز ہو کہ مجھے ہر روز جھوٹ بول کر بہلا دیتے ہو اور میں تین روز سے بھوکا مر رہا ہوں۔

(جاری)

مرغ نے کہا میں نے جھوٹ ہرگز نہیں بولا تھا مگر یہ مالک کی غلطی ہے کہ وہ اپنے گھر آنے والی بلا کو دوسروں پر ڈال رہا ہے اس کے ہاں اتلاف جان کی بلا بہر حال نازل ہونی تھی۔ پہلے روز اگر یہ اپنا بیل نہ بیچتا تو بیل مرجاتا اور اس کا گھوڑا بچ جاتا لیکن اس نے بیل بیچ دیا۔ اس لئے بلا یہ پھر دوسرے روز گھوڑے پر نازل ہوئی تھی لیکن اس نے گھوڑا بھی بیچ دیا۔ اس لئے اب مجھ سے یہ بات سن لو اور یقین کرو کہ کل ہمارا یہ مالک مرجائے گا۔ اس کا بچنا محال ہے بیل کو نہ بیچتا تو کل یہ خود نہ مرتا یہ بلا اس کے گھر بہر حال نازل ہونی تھی مگر مالک نے غلطی کی کہ یہ بلا اس نے اپنے لئے مقرر کرلی۔ کل اس نے ضرور مرجانا ہے اس کے مرنے پر غریبوں کے لئے بھی کچھ پکے گا کل جو چاہو گے کھاؤ گے۔ مرغ کی یہ بات سن کر اس آدمی کے ہوش گم ہو گئے۔ بیل اور گھوڑے کو تو وہ بیچ کر نقصان سے بچ گیا۔ لیکن اب اپنے لئے وہ کیا کرتا گھبرایا ہوا اور سہا ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور کہنے لگا حضور دعا کیجئے۔ میں موت سے بچ جاؤں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اب یہ مشکل ہے تمہارے گھر ایک موت کا وارد ہونا لکھا جاچکا تھا اور یہ موت بیل پر آنی تھی لیکن تم نے بیل کو کھسکا دیا۔ اب تمہارا بچنا محال ہے یہ بات جو تمہیں اب معلوم ہوئی ہے مجھے اس کا علم پہلے ہی تھا۔ اسی واسطے میں تمہیں اپنی ضد سے باز رہنے کے لئے کہتا رہا مگر تم نہ مانے۔ اب مرنے کے لئے تیار رہو۔ چنانچہ دوسرے روز مر گیا۔ اگر وہ اپنے پیغمبر کی بات مان لیتا اور اس مہلک شوق سے باز آجاتا تو یقیناً وہ بچ جاتا مگر پیغمبر کی بات نہ مان کر اس نے اپنا خانہ خراب کرلیا۔

فوائد ۱۔ اللہ تعالیٰ کی ہر بات میں حکمت ہوتی ہے اس کی طرف سے کوئی مصیبت بھی نازل ہو تو اس میں بھی حکمت سمجھئے انسان پر اگر کوئی مصیبت نازل ہو یا اس کے مال پر آفت نازل ہو تو اس مصیبت و آفت مال کو اپنی جان کا فدیہ سمجھئے اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے انسان کی جان بچانے کے لئے اس کے مال کا نقصان کر کے اسے بچا لیتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے عسیٰ ان تکرھوا شیئاً فھو خیر لکم یعنی تم جس بات کو اپنے لئے اچھا نہ سمجھو تمہیں کیا خبر وہ بات تمہارے لئے اچھی ہو۔

۲۔ اللہ کے رسول کسی کام سے روکیں تو رک جانا چاہئے اور اپنی ضد پر اڑے نہ رہنا چاہئے ورنہ اس کا انجام مہلک ہوتا ہے۔

(جاری)

فائدہ من تبعیضیہ سے معلوم ہوا کہ بعض ازواج و اولاد دشمن نہیں۔

حدیث شریف حضور سرور عالم نے فرمایا کہ تمام دنیا متاع ہے بہترین متاع نیک عورت ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ تقویٰ کے بعد انسان کے لئے بہترین سرمایہ نیک عورت ہے جسے حکم کرے تو وہ اس کی اطاعت کرے اس کی طرف دیکھے تو وہ اسے خوش کر دے اگر اسے قسم دے تو قسم پوری کرے اگر وہ باہر چلا جائے تو اپنے آپ کو برائی (زنا) سے بچائے اور شوہر کے مال کی حفاظت کرے۔ جب عورت کے ایسے اوصاف ہوں تو یمن و برکت ورنہ شوم و نحوست۔

کرا خانہ آباد و ہم خوابہ دوست
خدا را برحمت نظر سوئے اوست

(جس کا گھر آباد اور عورت خیر خواہ دوست ہے ایسے شخص پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے)

تفسیر عالمانہ وان تعفوا اور اگر ان کے گناہ معاف کر دو بشرطیکہ وہ گناہ قابل معافی ہوں بایں طور کہ وہ امور دنیا سے متعلق ہوں یا امور دین سے اور وہ توبہ کرنا چاہیں تو تم انہیں معاف کر دو۔ وتصفحوا اور درگزر کرو یعنی ان میں ملامت نہ کرو اور نہ ہی انہیں عار دو۔ الصفح بمعنی اعراض و تثریب اہل عرب کہتے ہیں صفحت لمن فلاں میں نے اس سے اعراض کیا اور اسے ملامت کا نشانہ بنایا۔

وتغفروا اور انہیں بخش دے یعنی ان کی غلطیوں سے چشم پوشی کرو اور ان کی معذرت قبول کرو۔ فان اللہ غفور رحیم تو بیشک اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے یعنی جیسے کرو گے ویسے تمہارے ساتھ ہو گا اور تم پر فضل و کرم فرمائے گا یہ عبارت وان جاھداک علیٰ ان تشرک بی ما لیس لک بہ علم فلا تطعھما

فوائد ۳۔ جو لوگ اپنے نقصان سے بچنے کے لئے دوسروں کا نقصان کر دیتے ہیں وہ اپنا نقصان کرتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ لوگوں کو جو بات تجربے سے معلوم ہوتی ہے اور جو واقعہ ہو جانے کے بعد معلوم ہوتا ہے اللہ کے رسول کو اس کا پہلے ہی علم ہوتا ہے۔ اویسی غفرلہ۔

وصاحبهما فی الدنیا معروفا کی طرح ہے۔

شان نزول بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت حضرت عوف بن مالک الاشجعی رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ آپ کثیر العیال والاولاد تھے۔ جب کسی جنگ پہ جانے کا ارادہ کرتے تو وہ روتے اور کہتے کہ ہمیں کس کے سہارے چھوڑے جا رہے ہو۔ ان کے رونے سے آپ کا دل نرم پڑ جاتا اور جنگ پہ جانے سے رہ جاتے۔ خطیہؒ شاعر نے کہیں سفر پہ جانے کا ارادہ کیا تو اپنی عورت کو کہا۔

عدی السنین نفیبتی وتصبری   وذری الشهود فانهن تصار

(میرے غیب ہونے تک سال گننا اور صبر کرنا۔ مہینوں کی بات چھوڑ کیونکہ وہ تھوڑے ہیں)

اس پر عورت نے جواب دیا۔

واذکر صبابتنا الیک وشوقا   وارحم بناتک فانهن صفار

(ہمارا عشق اور شوق رکھنا اور اپنی بچیوں پر رحم کرنا کیونکہ وہ صغیر سن ہیں)

دیگر شان نزول مروی ہے بعض اہل ایمان نے مکہ سے ہجرت کا ارادہ کیا تو ان کی ازواج و اولاد نے روکا اور ہجرت نہ کرنے کے اسباب بہم پہنچائے بعض نے کہا کہ ان کو ہجرت کے وقت ازواج و اولاد نے کہا کہ اپنے شہر اور عزیز و اقارت اور مال و اسباب کو چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو۔ یہ سن کر اہل ایمان روکنے والوں پر ناراض ہوئے۔ اور کہا اگر تم بھی دار الہجرۃ یعنی مدینہ طیبہ آئے تب بھی ہم تمہارے ساتھ کوئی احسان و مروت نہ کریں گے جب یہ روکنے والے ہجرت کر گئے تو انہوں نے ان کے ساتھ احسان و مروت نہ کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں یہی حکم فرمایا کہ انہیں معاف کر کے ان کے ساتھ احسان و مروت کریں۔

فائدہ امام قاشانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر ان کی خاطر مدارات کر کے انہیں معاف کرو اور حوصلہ کر کے ان کے جرائم و مآثم سے درگزر کرو اور رحمت و شفقت سے ان کی غلطیاں بخش دو تو کوئی گناہ نہیں اور نہ اس میں کوئی حرج ہے گناہ اس وقت ہے جب وہ تمہارے نیکی کرنے سے آڑے آجاتے اور تم ان کا کہا مان جاتے یا تم ان سے اتنی

محبت کرتے اور تعلق جوڑتے کہ تم سے نیکی ترک ہو جاتی۔ عدالت کی رو رعایت کرتے ہوئے اور فضیلت دیتے ہوئے ان کے ساتھ معاشرہ اچھا کرو اور خوش خلقی کرو تو مستحسن ہے بلکہ صفات الہیہ سے متصف ہوتا ہے کیونکہ وہ غفور رحیم ہے اور تخلقوا باخلاق اللہ کا ہم پر حکم نبوی ہے۔

عورت کے فضائل تعفوا وتصفحوا میں اشارہ ہے کہ امر بالحذر کا یہ مطلب نہیں کہ ازواج و اولاد کو بالکل ترک اور ان کے معاشرہ اور مصاحبت سے اعراض کیا جائے اس لئے کہ عورت کو منجانب اللہ بلند تر مقام حاصل ہے اور یہ جنت کی اعلیٰ نعمتوں سے ہے بلکہ عالم دنیا کا نظام اسی سے قائم ہے اگر عورتیں نہ ہوتیں تو انبیاء علیہم السلام اور اولیاء و علماء و صلحاء نہ ہوتے جن کی وجہ سے مخلوق پیدا ہوئی۔

۲۔ عورتوں کی تخلیق پر اللہ تعالیٰ نے نعمت کا اظہار فرمایا۔ کما قال اللہ تعالیٰ خلق لکم من انفسکم ازواج یہ ایسے ہے جیسے نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ اتقوا الدنیا والنساء دنیا اور عورتوں سے ڈرو۔

فائدہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی ضرر رساں باتوں سے بچو اس کا یہ معنی نہیں انہیں بالکل ترک کردو کیونکہ انسان جب تک زندہ ہے اس سے کس طرح کنارہ کش ہو سکتا ہے بلکہ اس کا یہی مطلب ہے کہ اس سے ایسا تعلق اور محبت نہ ہو کہ محبت الٰہی سے غافل کردے ایسے ہی عورتوں کا حال ہے۔

۳۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے عورتوں کی محبت کا اظہار فرمایا ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا مرنے کے بعد ہر انسان کا ہر عمل منقطع ہو جاتا ہے سوائے تین اعمال کے۔

۱۔ صدقہ جاریہ ۲۔ علم جس سے نفع حاصل کیا جائے۔ ۳۔ اولاد صالح جو اس کے لئے دعا کرتے رہیں جیسا کہ اس کی تفصیل ہم نے سورہ نجم میں بیان کی ہے حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے اولاد صالحہ پر برانگیختہ فرمایا ہے اور اسے دنیا میں شمار نہیں فرمایا بلکہ اسے باقی رہنے والی خیر و بھلائی میں گنا ہے بلکہ اسے عمر ثانی کے حصول کا ذریعہ بتایا ہے۔

اموال واولاد اور ان کی مصالح کی تدبیر میں طاعت الٰہی کو ترجیح دیتا یعنی تارک الدنیا ہے بلکہ اس کا دشمن ہے کہ ہروقت اپنے عیوب گنتا رہتا ہے۔ اور اسے آخرت کے امور میں رغبت ہے کہ ہروقت اس کی نعمتوں کا ذکر کرتا رہتا ہے۔

حدیث شریف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تمہارے لئے لائق نہیں کہ کہوائے اللہ مجھے فتنہ سے بچا کیونکہ تم میں کوئی بھی ایسا نہیں جسے اموال واولاد کے فتنے سے تعلق نہ ہو ہاں یوں کہے کہ اے اللہ میں فتنہ (آزمائش) کے مشکلات سے پناہ مانگتا ہوں۔

حکایت منقول ہے کہ حضرت محمد بن المکندر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ایک رات میں نے کعبہ معظمہ کا طواف کرتے ہوئے کہا اے اللہ مجھے فتنہ سے بچا اور میں نے اللہ تعالیٰ کو قسمیں دے کر یہ دعا عرض کی اسی رات میں نے خواب دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے ایسا نہ ہوگا میں نے کہا وہ کیسے فرمایا اس لئے کہ فتنہ سے بچنے کا یہ معنی ہے کہ پہلے بندہ گناہ کرے پھر اسے بخشا جائے (اور تیرے سے گناہ کا صدور ناممکن) کیونکہ آپ ولی اللہ ہیں اور ولی اللہ سے گنہ کا صدور ناممکن ہوتا ہے) یہ اسرار پوشیدہ اور مخفی حکمتوں سے ہے۔

حسنین رضی اللہ عنہما کے فضائل مشکوۃ المصابیح میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ وعظ فرما رہے تھے۔ کہ اچانک حسن وحسین رضی اللہ عنہما تشریف لائے ان دونوں پر سرخ رنگ کے دو قمیض تھے چلتے وقت دائیں بائیں گرے (بچپن کی وجہ سے) چلے آرہے تھے حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے منبر سے اتر کر دونوں کو اٹھا کر ہاتھوں میں لے کر فرمایا اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا بیشک تمہاری اولاد واموال آزمائش ہیں۔ میں نے ان دونوں بچوں کو دیکھا کہ گرتے اٹھتے چلے آرہے ہیں تو مجھ سے رہا نہ گیا میں نے خطبہ چھوڑ کر انہیں اٹھالیا اس کے بعد آپ نے خطبہ مکمل فرمایا۔

فائدہ ابن عطیہ نے فرمایا کہ بزرگوں کی آزمائش یوں ہوتی ہے لیکن جہال فساق کا فتنہ برا ہوتا ہے۔ وہ فسق وفجور کا موجب بنتا ہے۔ منقول ہے کہ قیامت کے دن انسانوں کو سب سے پہلے اہل وعیال گھیر لیں گے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے یا اللہ پہلے اس سے ہمارے حقوق دلوائیے اس نے ہمیں خیرو بھلائی نہ بتائی۔ جس سے ہم بے خبر تھے

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ نفوس امارہ و لوامہ اور ان کی اولاد یعنی ان کی صفات و اخلاق شہوانیہ انسان کے دشمن ہیں کہ اسے مدینہ قلب کی طرف ہجرت کرنے سے روکتے ہیں ان کی متابعت و مخالفت سے بالکلیہ انقطاع لازم ہے۔ اور جمیع حالات میں ان پر کنٹرول کیا جائے اور ان کے وہ ہفوات جو بعض اوقات ان سے سرزد ہوتے ہیں ان سے درگزر کیا جائے کیونکہ یہ تمہارے لئے بمنزلہ سواری کے ہیں اور زجر و توبیخ کے بعد ان سے چشم پوشی کی جائے اور انہیں بخش دو۔ بایں طور کہ اپنے نور ایمان اور اپنے قلوب کی معرفت کے شعاع سے ان کے ظلمات کو چھپاؤ۔ کیونکہ تمہارا اللہ تعالیٰ تمہارا ساتر ہے۔ کہ وہ اپنے لطف سے تمہارے عیب چھپاتا ہے۔ اور تمہارے اوپر رحم و کرم کر کے تم پر رحمت فرماتا ہے ہم سب کو اہل تقویٰ و اہل مغفرت سے بنائے اور انواع رحمت سے ہمیں ڈھانپے۔

تفسیر عالمانہ انما اموالکم واولادکم بیشک تمہارے اموال و اولاد (فتنہ) تمہارے لئے بلاؤ محنت ہیں کہ تمہیں گناہ و عقوبت میں ڈالتے ہیں جس کا تمہیں وہم و گمان نہیں ہوتا۔

فائدہ جناب کاشفی نے لکھا کہ اموال و اولاد تمہارے لئے آزمائش ہیں تاکہ ظاہر ہو کہ تم میں سے کون ہے حق کو ان پر ترجیح دیتا ہے اور کون ہے جو مال و اولاد میں دل لگا کر محبت الٰہی سے محروم ہوتا ہے۔

فائدہ انما حصر کا لایا گیا تاکہ معلوم ہو کہ جمیع اولاد و اموال آزمائش ہے کیونکہ اموال و اولاد کا کوئی معاملہ ایسا نہیں جو آزمائش پر مشتمل نہ ہو اور لازماً ان میں قلب مشتغل ہوتی ہے۔

نکتہ اولاد پر اموال کی تقدیم ادنیٰ سے اعلیٰ کی ترقی ہے کیونکہ اولاد بہ نسبت اموال کے قلوب سے زیادہ ملصق (چمٹی ہوئی) ہوتی ہے کیونکہ وہ اپنے آباء کے اجزاء ہیں بخلاف اموال کے کہ وہ انسان کے توابع سے ہیں اسی لئے فناء الاموال کو توحید الافعال سے فناء النفس کو توحید الذات سے تعلق ہے۔

واللہ عندہ اجر عظیم اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے اس کے لئے جو محبت الٰہی سے سرشار ہو اور

اور یہ الٹا ہمیں حرام کھلاتا تھا جس کا ہمیں علم نہیں تھا ان کے اہل و عیال کا اس سے حق لیا جائے گا اور اس کی جملہ نیکیاں اس کے اہل و عیال کو دی جائیں گی یہاں تک کہ اس کے پاس ایک نیکی بھی نہ بچے گی۔

حدیث شریف حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ ایک مرد کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور اعلان ہو گا کہ یہ وہ ہے جس کی تمام نیکیاں اس کے اہل و عیال کھا گئے ہیں۔

اعجوبہ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اہل و عیال انسان کی نیکیوں کی دیمک ہے وہ ایک کیڑا ہے جو عموماً طعام اور کپڑے میں داخل ہو کر اسے نقصان پہنچاتا ہے یہی وجہ ہے کہ بعض اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ نے مال و اولاد سے بالکلیہ کنارہ کشی کی کیونکہ یہ دونوں ذکر الٰہی سے غافل کر دیتے ہیں۔ یہ دونوں اپنے صاحب کے لئے نحوست ہیں اسی لئے حضور سرور عالم ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ تعالیٰ جو میرے ساتھ محبت کرتا اور میری دعوت قبول کرتا ہے تو اسے مال و اولاد میں کمی فرما اور جو میرے ساتھ بغض رکھتا اور میری دعوت قبول نہیں کرتا تو اس کا مال و اولاد بڑھا۔

فائدہ یہ اکثریت کے اعتبار سے ہے۔

فائدہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے دعا فرمائی کہ اے اللہ اس کے مال و اولاد میں زیادتی فرما اور جو کچھ تو اسے عطا فرمائے اس میں برکت دے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا کی وجہ سے آیت کے حکم مستثنیٰ ہیں۔

فاتقوا اللّٰہ بستطعتم تو تقویٰ میں اپنی جہد و طاقت کر صرف کرو۔

فائدہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب تمہیں معلوم ہو گیا اور جب تم اس سے نصیحت حاصل کرو پس ان امور سے ڈرو جو اللہ تعالیٰ کے مواخذہ کا موجب بنیں یعنی اموال و اولاد کے متعلق امور کی تدبیر میں مصروف نہ ہو اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کا ارتکاب کرو اور یہ آیت اتقوا اللہ حق تقاتہ کا ناسخ ہے۔

شان نزول صحابہ کرام پر گراں گزرا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اتنی عبادت کریں کہ ان کے قدم سوج جائیں اور ان کے

ماتھے سجدوں سے زخمی ہو جائیں ان کی سہولت کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت محکمہ ہے اس کا کوئی ناسخ نہیں۔ ان کے نزدیک ان دونوں آیتوں کی تطبیق یوں ہو گی۔ ان دونوں آیتوں کو ملا کر یوں معنیٰ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ سے اپنی استطاعت کے مطابق ڈرو چونکہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو تکلیف لایطاق کا مکلف نہیں مانتا اور حقیقی تقویٰ بھی یہی ہے جس کے متعلق کہا جا سکے کہ انسان اپنی مقدور پر اللہ تعالیٰ سے ڈرا۔ (کیونکہ مافوق الاستطاعت تکلیف مالایطاق ہے اور اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں کہ وہ کسی کو تکلیف مالایطاق میں مبتلا کرے)

فائدہ حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ اس کے لئے جو اللہ تعالیٰ کے ثواب کا طالب ہے اور جو ثواب سے نہیں۔ بلکہ اس کی ذات کا خواہاں ہے اس کے لئے فاتقوا اللہ حق تقاتہ کا خطاب موزوں ہے اس میں آپ نے تقویٰ کے متعلق ابرار و مقربین کے درمیان فرق کی طرف اشارہ فرمایا ہے کیونکہ فاتقوا اللہ ما استطعتم میں ابرار کے تقویٰ کا اور فاتقوا اللہ حق تقاتہ میں مقربین کے تقویٰ کا بیان ہے کیونکہ مقربین کا تقویٰ یہ ہے کہ وہ وجود مجازی سے بالکل خارج ہو جائیں اور یہی تقویٰ کا حق ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مواضع بلیات میں حسب استطاعت اپنے مراتب و مقلات کے مطابق مخالفات و آفات سے ڈرو۔ حضرت تسری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا متقی وہ ہے جس کا رزق اس کی کمائی سے نہ ہو بلکہ رب رحمٰن کے توکل پر رہے۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ ایک آیت میں کسی واجب کا حکم ہوتا ہے تو دوسری میں اس واجب کے حق کا حکم ہوتا ہے۔ واجب کا حکم حق واجب کے حکم کا ناسخ ہوتا ہے۔ اس لئے کہ بندے کا حق امر واجب سے ختم کر دیا جاتا ہے۔ تاکہ اسے عفو کا مستحق بنایا جا سکے۔ اگر بندے سے اپنے واجب حق پر گرفت کرے تو وہاں ہزار سالہ طاعت و معصیت ایک رنگ میں ہوں گی۔

بے نیازی بین و استغنا نگر   خواہ مطرباش و خواہ نوحہ گر

(اس کی بے نیازی و بے پرواہی کو دیکھئے اس کی جناب میں خوشی کرنے والا اور گریہ کرنے والا برابر ہیں)

تمام انبیاء اولیاء میں کسے طاقت ہے کہ اس کا حق ادا کریں اس کا امر تو متناہی ہو سکتا ہے لیکن اس کا حق ادا کریں اس کا حق غیر متناہی ہے کیونکہ امر کا تعلق تکلیف و مکلف کرنا) پر ہے اور تکلیف دنیوی شے ہے اور دنیا فانی ہے اور حق کی بقاء ذات سے ہے اور اس کی ذات غیر متناہی ہے نتیجہ نکلا کہ اس کا حق غیر متناہی ہے اسی لئے واجب امر تو ختم ہو سکتا ہے لیکن واجب حق ختم نہیں ہو سکتا کیونکہ دنیا فنا ہو جائے گی تو امر بھی باقی نہ رہے گا۔ آج تو ہر ایک اس خیال میں ہے کہ وہ امر الٰہی بجالا رہے ہیں۔ مثلاً انبیاء و رسل نبوت و رسالت کے امور میں اور ملائکہ طاعت و عبادت میں اور موحدین و مجتہدین اور اہل و ایمان و اخلاص توحید میں مشغول ہیں لیکن کل قیامت میں جب اللہ تعالیٰ اپنے تجلیات کو مکشوف فرمائے گا۔ تو ہر ایک اپنے علم کو سمیٹا ہوا پائے گا۔ انبیاء علیہم السلام باوجود یہ کہ علمی لحاظ سے اعلیٰ مراتب پر ہیں لیکن اس وقت کہیں گے۔ ماعبدناک حق عبادتک اور عارفین و موحدین کہیں گے۔ عرفناک حق معرفتک

تفسیر عالمانہ واسمعوا اور وعظ سنو۔ واطیعوا اور اوامر الٰہی بجالاؤ۔ وانفقوا ور جن امور میں جس طرح کہ خرچ کرنے کا حکم ہے اسی طرح خرچ کرو یعنی صرف رضائے الٰہی کو مدنظر رکھ کر خرچ کرو۔

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہاں انفاق سے ادائیگی زکوۃ مراد ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہاں عموم ہے تو ہر طرح کا خرچ مراد ہے اور یہ بھی طاعت میں مندرج ہے۔

نکتہ اگرچہ انفاق طاعت میں شامل تھا چونکہ انسان کو اس کی اشد ضرورت ہوتی ہے اسی لئے اسے علیحدہ ذکر کرنا اس کی اہمیت کا اظہار ہے اسی لئے مال کو روح کا عینی بھائی کہا جاتا ہے یہی وجہ ہے آیت میں اولاد سے اموال کا ذکر پہلے ہے۔ اور مال کی نفس کی محبوب شے ہے۔ اسی لئے حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مال کی محبت بسا اوقات خاتمہ خراب کا سبب بن جاتی ہے کیونکہ جس دل میں مال کی محبت گھر کر جائے گی تو لازماً اس میں حب الٰہی اٹھ جائے گی اور یہی بغض الٰہی کا سبب ہے (نعوذ باللہ) مثال کے طور جسے دنیا کی محبت اتنا غالب ہو کہ اپنی اولاد کا پیار بھی بھول جاتا

ہے تو پھر اولاد اگر اس کی دنیا میں دخیل ہوتی ہے تو اولاد سے بغض کرنے لگ جاتا ہے یہاں تک کہ بسا اوقات دنیوی محبت کی اولاد کو مار ڈالتا ہے۔

خیر الانفسکم کان مقدر کی خبر جو امر مذکورہ کا جواب ہے دراصل یکن خیر الکم تھا یا فعل محذوف کا مفعول ہے دراصل اتنو او افعلوا خیر الکم یعنی اپنے لئے بھلائی کرو اور ان امور کا ارادہ کرو جو تمہارے لئے نافع تر ہوں امور مذکورہ پر عمل کرنے کے لئے برانگیختہ کرنے کی تاکید ہے اور بتایا گیا ہے کہ امور مذکور اموال و اولاد سے جو ان کی شہوات و زخارف دنیا کے انہماک سے بہتر ہیں۔

ومن یوق شح نفسہ اور جسے بخل نفس سے بچائے کیونکہ یہ رذیل اور نفس میں گھس جانیوالی فطرت ہے اس کا تفصیلی بیان سورۃ حشر میں گزر چکا ہے۔ یعنی جو نفس کے بخل سے بچتا ہے اور حقوق حق کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرتا بلکہ راہ حق میں سب کچھ لٹاتا ہے اور یہ فعل مجہول اور مجزوم "من" شرطیہ کی وجہ سے وقایت سے مشتق اور متعدی بدو مفعول ہے اور شح دوسرا مفعول منصوب ہے اس کا مفعول ضمیر ہے جو فاعل کا قائم مقام ہے۔

فاولئکھم المفلحون تو وہی اپنے مقصد میں کامیاب ہیں۔

فائدہ اصمعی کی حدیث میں ہے کہ ایک اعرابی ایک قوم کے ہاں آیا اور کہا حق سے ایک اور امر افضل ہے انہوں نے کہا وہ کونسا کہ کسی پر احسان و مروت کرنا اور کسی امر سے اپنے حق سے چشم پوشی کرنا (کذا فی المقاصد الحسنہ)

حدیث و روایت حضور سرور عالم ﷺ کعبہ کا طواف کر رہے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ ایک شخص کعبہ کے غلاف سے لپٹ کر بارگاہ الٰہی میں عرض کر رہا تھا کہ اس کعبہ کی عظمت کے صدقہ مجھے بخش دے۔ آپ نے اسے فرمایا تیرا کون سا گناہ ہے بیان کیجئے۔ عرض کی اتنا بڑا گناہ جسے میں بیان نہیں کر سکتا۔ آپ نے فرمایا کیا وہ ساتوں زمینوں سے بھی بڑا ہے عرض کی ان سے بھی بڑا ہے آپ نے فرمایا کیا وہ پہاڑوں سے بھی بڑا ہے عرض کی ہاں وہ ان سے بھی بڑا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا وہ ساتوں آسمانوں سے بھی بڑا ہے عرض کی ہاں۔ آپ نے فرمایا کیا وہ عرش الٰہی سے بھی۔ عرض کی ہاں۔ آپ نے فرمایا کیا وہ اللہ تعالیٰ سے بھی عرض کی۔ نہیں۔ آپ نے فرمایا تو بیان کیجئے عرض کی یا رسول اللہ میں

صاحب جائداد ہوں میرے ہاں جب سائل حاضر ہوتا تو مجھے محسوس ہوتا کہ وہ آگ کا شعلہ لا رہا ہے یعنی سائل کے سوال سے گویا مجھے آگ لگ جاتی۔ حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا دور ہو جا مجھے اپنی آگ سے مت جلا۔ مجھے اس ذات کی قسم جس نے مجھے ہدایت و کرامت دے کر بھیجا اگر تو رکن یمانی و مقام ابراہیم کے درمیان کھڑے ہو کر دعا مانگے اور دو ہزار سال روتا رہے یہاں تک کہ تیرے آنسو سے نہریں جاری ہو جائیں اور انہی سے تمام درختوں کو پانی سے بھر دیا جائے اوبو تو اس حالت میں مر جائے لور تیری علاوت تیرے اندر موجود رہی تو اللہ تعالیٰ تجھے جہنم میں دھکیلے گا کیا تجھے معلوم نہیں کہ بخل (موجب) کفر ہے لور کافر جہنم میں جائیں گے لور تجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

ومن ینجل فانما یبخل عن نفسہ ومن یوق شح نفسہ فاولئک ہم المفلحون

فردماندگاں را وروں شاد کن　　ز روز فروماندگی یاد کن
نہ خواہندہ بر در دیگراں　　بشکرانہ خواہندہ از در مراں

(عاجزوں کا دل خوش کیجئے اپنی عاجزی کے دن یاد کیجئے۔ تو سائل بن کر دوسروں کے درواز سے سوال نہیں کر رہا اسی لئے شکرانہ کے طور سوالی کو اپنے دروازے سے محروم نہ کیجئے)

فائدہ آیت میں اشارہ ہے کہ علم سے دوسرے کو نفع دینا اور کسی کی مالی مدد کرنا در حقیقت اپنے لئے فائدہ ہے کیونکہ لوگ سب کے سب ایک جسم کی طرح ہیں ویسے احدیت میں غیریت کی نفی ہے اسی لئے جو وجود مجازی کو خرچ کرتا ہے وہ وجود حقیقی کے حصول میں کامیاب ہو جائے گا۔

تفسیر عالمانہ ان تقرضوا اللہ اگر تم اللہ تعالیٰ کے مال کو ان مصارف میں صرف کرو جن کے لئے خرچ کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

فائدہ راہ خرچ کرنے کو قرض سے تعبیر کرنے میں دعوت حق میں شفقت و لطف کا اظہار ہے۔

فائدہ کشاف میں لکھا ہے کہ صاحب لباب نے فرمایا کہ القرض بمعنی القطع اسی سے مقراض مشتق ہے اسی لئے

کہ اس کے ساتھ کپڑا وغیرہ کاٹا جاتا ہے اور المقرض القوم بھی اس وقت بولتے ہیں جب وہ قوم تباہ و برباد ہو جائے یہاں تک کہ ان کے نشانات بھی ختم ہو جائیں۔ بعض نے کہا کہ القرض کو اس لئے قرض کہا جاتا ہے کہ وہ مال کا ایک حصہ کاٹ کر دوسرے کو دیا جاتا ہے۔ اشتقاق کا اصل مقصد یہی ہے اس میں اختلاف ہے کہ قرض کو لغوی معنی سے کیا مناسبت ہے بعض نے فرمایا قرض اس شے کا نام ہے کہ جس سے جزاء کا ترتب ہوتا ہے۔ بعض نے کہا قرض وہ شے ہے جسے دے کر واپس لینے کا ارادہ ہو۔ پھر بعض نے کہا کہ یہاں پر قرض کا حقیقی معنی مراد ہے بعض نے کہا کہ دوسرے معنی میں مجاز مراد ہے کیونکہ جب قرض وصول کیا جائے گا تو وہ پہلے مال کا مثل ہو گا۔ نہ اصل کشاف میں سورہ بقرہ میں اسی معنی کی طرف میلان ظاہر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قرض کا بھی یہی معنی ہے کیونکہ عمل پر اجر عطا فرمائے گا اور اجر عمل کا مثل ہے اسی معنی پر یہ استعارہ تصریحیہ تبعیہ ہے۔

قرضا حسنا اس میں اصل مقصد کی تصریح ہے یعنی وہ قرض اخلاص سے مقترن ہو اور بطیّب خاطر دیا جائے۔

صوفیانہ معنی حضرت سہل (تستری) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ قرض حسن سے مراد یہ ہے کہ اعمال کی جزاء میں تمہارے قلوب کو مشاہدہ حق سے نوازا جائے گا جیسا کہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت کرو گویا تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو۔

فائدہ قرضا اگر بمعنی اقراض ہے تو اس کا منصوب ہونا مفعول مطلق کے طور پر ہو گا۔ اگر اس سے وہ مال مراد ہو۔ جو قرض میں دیا جائے اس معنی پر قرضا تقرضوا کا مفعول ثانی ہو گا۔ کیونکہ اقراض متعدی بدو مفعول ہوتا ہے۔ انفاق کو اقراض سے تعبیر کرنا حالانکہ اللہ تعالیٰ مطلقاً غنی ذات ہے اسے قرض کی کیا ضرورت ہے اس میں اشارہ ہے کہ وہ ذات تمہارے صدقات و خیرات احسن طریق سے قبول کرتا ہے اور تمہارے سے خوش اور راضی ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ یہ تمہاری خیرات و صدقات ضائع نہ ہوں گے اور واضح فرمایا گیا ہے کہ خرچ کرنے والا برکات و کرامات کا مستحق ہے۔

یضاعفہ لکم مضاعفہ سے ہے بمعنی تضعیف یعنی تکثیر یہ مفاعلہ اپنے معنی میں نہیں کیونکہ وہ اشتراک کے لئے آتا ہے اب معنی یہ ہوا کہ تمہارا اجر کئی گنا بڑھائے گا کہ ایک کے بدلے دس نیکیاں بلکہ سو سات لکھے گا یا اس سے بھی زائد کیونکہ جیسے حالات و مقامات اور نیات ہوں گی۔ ایسے ہی نیکیاں بڑھیں گی۔

ویغفر لکم وہ جو تمہارے سے کوتاہیاں ہوئیں انہیں سے بعض صدقات کی برکت سے بخشے گا **واللہ شکور** اور اللہ شکور ہے کہ وہ تھوڑی اطاعت پر کئی گنا زائد ثواب عطا فرماتا ہے یا بندے کو شکر پر جزا دے گا شکر بمعنی نعمت پر علی سبیل الخضوع اپنی کمی کا اعتراف کرنا اس معنی پر شکر کی جزاء کو بھی شکر کہا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ شکور بایں معنی ہے کہ وہ اپنے بندے کے افعال حسن پر اور بہتر اطاعت پر اس کی بہت زیادہ تعریف کرتا ہے اسی لئے شکر بمعنی محسن کے احسان کو یاد کر کے اس کی تعریف کرنا۔ یہی معنی امام قشیری کا پسندیدہ ہے۔ الشکور الشاکر کا مبالغہ ہے شاکر وہ ہے جس کا شکر لازم ہو۔ کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ الشاکرین کون ہے فرمایا وہ جو باوجود یہ کہ ہر گناہ سے پاک ہے لیکن اپنے آپ کو سب سے بڑا گنہگار سمجھے اور نوافل کی ادائیگی کے بعد نوافل میں جدوجہد کرے لیکن اس کے باوجود خیال کرے کہ اس نے عبادت و طاعت میں بڑی کوتاہی کی دنیا کی بہت سی تھوڑی شے پر راضی ہو لیکن کہے کہ میں دنیا کا بڑا طالب ہوں اور ہر لحظہ ذکر الٰہی میں شاغل رہے لیکن بتاتا ہے کہ وہ بہت کوتاہی کرتا ہے۔ ہر نیک عمل میں بازی لے جاتا ہے لیکن سمجھتا ہے کہ اس کے پاس نیکی کی کمی ہے ایسے لوگوں کو اشکر الشاکرین کہا جاتا ہے۔ اور عارف باللہ کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ ہر وقت شکر میں وقت بسر کرے اور اللہ تعالیٰ کو ہی شکر قبول کرنے والا سمجھتا ہے اور شکر گزاری میں پل بھر سستی نہیں کرتا اور حمد الٰہی پر مواظبت رکھے اس میں کوتاہی کا تصور تک نہ ہو۔

شکر کے اقسام

شکر کئی قسم کا ہے۔

۱۔ شکر بالبدل وہ یہ کہ اپنے اعضاء کو طاعت الٰہی کے سوا کسی اور کام میں نہ لائے۔

۲۔ شکر بالقلب وہ یہ کہ اپنے دل کو سوائے ذکر و معرفت الٰہی کے کسی دوسرے شغل میں متوجہ نہ ہونے دے۔

۳۔ شکر باللسان وہ یہ کہ زبان کو اللہ تعالیٰ کے ثناء و مدح میں ہی مشغول رکھے۔

۴۔ شکر بالمال وہ یہ کہ مال کو سوائے رضاؤ محبت الٰہی کے کسی شے پر خرچ نہ کرے۔

نفس می نیارم زد از شکر دوست   کہ شکرے ندانم کہ در خورد اوست
عطائیست ہر موئے از و ابر تنم   چگونہ بہر موئے شکرے کنم

(شکر دوست کے سوا میرے ایک سانس نہیں جاتا کیونکہ میں شکر صرف اسی کے لائق سمجھتا ہوں۔ ۲۔ میرے جسم پر ہر بال اس کی عطا ہے پھر تو مجھے ہر بال کے لئے علیحدہ علیحدہ شکر کرنا چاہیئے)

فائدہ شکر کی ادائیگی کا صرف طریقہ یہ ہے کہ اس کی طاعت میں زندگی بسر کرے کسی گناہ کا ارتکاب اپنے سے صادر نہ ہونے دے۔

وسعت رزق کا وظیفہ اسم مذکور کو وسعت رزق اور عافیت بدنیہ کو خصوصی دخل ہے ہر بیماری کے لئے اسے لکھ کر پلایا جائے تو بحکم خدا شفا نصیب ہو گی ایسے ہی ضیق النفس اور ثقل بدن اور تھکان کے لئے لکھ کر پلائیں۔ اگر لکھ کر آنکھ پر پھیرا جائے تو ضعف و کمزوری نہیں رہے گی۔ اسے اکتالیس دفعہ کیا جائے۔

حلیم وہ حلیم ہے کہ کسی کے کثرت ذنوب مثلاً بخل و امساک وغیرہ پر سزا دینے میں جلدی نہیں فرماتا اور اتنی مہلت دیتا ہے کہ جاہل بے وقوف یہ سمجھتا ہے کہ اسے خبر ہی نہیں (معاذ اللہ) اور گناہوں کو ڈھانپتا ہے یہاں تک کہ غافل خیال کرتا ہے کہ وہ دیکھتا ہی نہیں۔ (معاذ اللہ)

فائدہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حلیم وہ ہے جو گنہگاروں کے گناہ اور اپنے اوامر کے خلاف دیکھ کر غصہ نہ کرے اور نہ ہی اس کے انتقام میں عجلت کرے باوجود یہ کہ اسے انتقام پر بہت بڑی قدرت حاصل ہو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ اگر اللہ لوگوں کو ان سے گناہوں کی وجہ سے ان کی گرفت کرے تو زمین پر کسی بھی چلنے والے کو نہ چھوڑے۔

حکایت مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو آسمان و زمین کے ملکوت دکھائے تو ابراہیم علیہ السلام نے ایک مجرم کو گناہ کرتے دیکھا اور کہا۔ یا الٰہ العالمین اسے تباہ کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مجرم کو تباہ کر دیا پھر دوسرے کو جرم میں مبتلا دیکھ کر بددعا کی وہ بھی تباہ ہو گیا۔ ایسے ہی تیسرے کو پھر چوتھے کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی

کہ اے پیارے ابراہیم علیہ السلام اگر ایسے ہی ہم تمہارے کہنے پر ہر مجرم کو ہلاک کرنے پر آئیں تو دنیا میں کوئی بھی باقی نہ رہے میں تو ان کے گناہ دیکھ کر چھپاتا اور انہیں مہلت دیتا ہوں تاکہ توبہ کریں اگر اس پر بھی گناہوں پر اصرار کرتے ہیں تو پھر ان کو عذاب میں مبتلا کرتا ہوں۔

فائدہ بعض مشائخ نے کہا حوصلہ آفات کی آڑ ہے۔ بعض نے کہا علم اخلاق کے لئے بمنزلہ نمک کے ہے۔

حکایت کسی نے امام شعبی کو گالی دی آپ نے فرمایا اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تجھے بخشے اگر تو سچا ہے تو مجھے بخشے۔

فائدہ احنف صفت حلم میں ضرب المثل تھے۔ لیکن وہ خود کہتے کہ میں صبور تو ہوں۔ لیکن حلیم نہیں ہوں حلیم صبور میں فرق یہ ہے کہ صبور جرم کے انتقام سے بے خوف نہیں ہوتا اور حلیم کو امن و اطمینان ہوتا ہے (کذافی الفاتیح) اسم حلیم کی صفت سے متخلق ہونے کا یہ معنی ہے کہ لوگوں کی غلطیوں سے درگزر کیا جائے اور ان کے جرم سے چشم پوشی کی جائے بلکہ ہر ممکن ان کے ساتھ احسان و مروت کیا جائے۔

وظیفہ یا حلیم اربعین ادریسیہ میں ہے کہ۔ یا حلیم والاناء الخ اے وہ حوصلہ والی ذات کہ مخلوق میں اس کا کوئی بالمقابل نہیں۔ سہروردی نے فرمایا کہ جو اس کا ورد رکھتا ہے اس پر کوئی شے غلبہ نہیں پاسکتی یہاں تک کہ درندے اس سے ڈر کھائیں گے اور وہ عوام میں مقبول ہوگا اور اس کا لوگوں پر رعب چھا جائے گا۔

فائدہ الاناۃ بمعنی تثبت و وقار

تفسیر عالمانہ عالم الغیب والشهادة یہ دوسری خبر ہے یعنی وہ غیب جانتا ہے اس سے کوئی شے مخفی نہیں۔

فائدہ کاشفی نے لکھا کہ وہ تمہارے ان صدقات کو جانتا ہے کہ تم ظاہر کر کے دیتے ہو اور وہ جو تم چھپ کر خلق از ریاء و نمود خیرات کرتے ہو سب کو جانتا ہے اس پر تحقیق سورہ حشر کے آخر میں لکھی جاچکی ہے۔

نکتہ غیب کو شہادت پر مقدم کرنے میں اشارہ ہے کہ غیب کا جہان اعم اور اس کا علم اتم ہے۔ **العزیز**

الحکیم قدرت و حکمت کا مالک ہے کاشفی نے لکھا کہ وہ غالب ہے جس کا صدقہ خیرات مبنی بر خلوص نہ ہو تو اس سے انتقام لے سکتا ہے اور جو اخلاص سے صدقہ و خیرات کرتا ہے تو اُسے کرامات و انعامات سے نوازتا ہے۔ اس کا حکم ازل سے ہے ظاہری صورتوں کا کوئی اعتبار نہیں یہی وجہ ہے کہ بلعم باعور مارا گیا۔ اور اصحاب کہف کا کتا قبول ہو گیا۔

اصحاب کہف کا کتا اور اس کی کہانی منقول ہے کہ جب اصحاف کہف نے بھگایا تو وہ نہ بھاگا بلکہ بول پڑا کہ اگر تمہاری کوئی مراد ہے تو میں بھی اس کا ارادہ رکھتا ہوں جس نے تمہیں پیدا کیا میں بھی اس کا پیدا کردہ ہوں اسی وجہ سے اصحاب کہف کو ساتھ لے جانا پڑا۔ لیکن یہ شرط لگائی کہ اگر میرے پیچھے ہمارے دشمن آئے تو اس کے پاؤں کے نشان ہماری چغلی کھائیں گے اسی لئے اس کا حیلہ یہ ہے کہ ہم اسے باری باری اٹھا کے لے جائیں چنانچہ اسے اللہ والے سر پر اٹھا کر لے چلے۔ یہ کتے کی خوش بختی کی دلیل ہے جسے ازل سے نصیب ہوئی جس کے راز سے عام بندے بے خبر ہیں ایسے ہی ابلیس کو دیکھئے کہ ملائکہ میں کوئی بھی ان کا ہم پلہ نہ تھا۔ مگر حکم ازلی نے انہیں شقی لکھا لیکن اس کی شقاوت دوسروں سے مخفی نہیں جب حکم ازلی ظاہر ہوا تو اپنے پرائے سب نے اسے لعنتی کہا۔

کلید قدر نیست در دست کس   توانائے مطلق خدا ایست و بس
ز زنبور کرد ایں حلاوت پدید   ہماں کس کہ در مار زہر آفرید
خدایا بغفلت شکستیم عہد   چہ زورا ورد باقضا دست
چہ بتر دواز دست تدبیر ما   ہمیں نکتہ بس تقصیرما
ہمہ ہر چہ کردم تو برہم زدی   چہ قوت کند باخدائے خودی
نہ من سرز حکمت بدر می روم   کہ حکمت چنیں می رود بر سرم

ترجمہ ۱۔ تقدیر کی چابی تیرے ہاتھ میں ہیں۔ مطلق قادر وہی خدا ہے اور بس۔ ۲۔ بھڑ سے یہ مٹھاس ظاہر کیا۔ اسی ذات نے سانپ میں زہر پیدا فرمائی۔ ۳۔ اے اللہ غفلت سے ہم نے عہد توڑا۔ ہماری جدوجہد سے تیری قضا و قدر کا ہمارا مقابلہ کیسا۔ ۴۔ ہماری تدبیر کیا کر سکتی ہے یہی نکتہ ہمارے عذر تقصیر کافی ہے۔ ۵۔ جو کچھ ہم نے کیا

وہ تو نے درہم بردرہم کیا۔ ہماری خود تیرا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ۶۔ نہ میں تیرے حکم سے باہر ہوں وہ حکم جو میرے لئے مقدر ہوا۔

نقش مستوری و مستی نہ بدست من وتست　　　آنچہ سلطان ازل گفت بکن آن کردم

(مستوری و مستی کا نقش نہ میرے ہاتھ میں ہے نہ تمہارے جو کچھ سلطان ازل نے فرمایا کہ یہ کرو میں نے وہی کیا۔ اور فرمایا۔

دریں چمن نکنم سرزنش بخودروی　　　چناں کہ پرورشم می دہندمی رویم

(اس چمن میں اپنی غلطی پر ملامت نہیں کرتا جیسے مجھے تربیت کی گئی ہم اسی طرح عمل کرتے ہیں)

حدیث شریف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی بچہ پیدا نہیں ہوتا مگر سر کے شبابیک۔ سورہ تغابن کی پانچ آیات لکھی جاتی ہیں۔

فائدہ الشبابیک بالضم چمگادڑ کی طرح ایک پرندہ ہے شباکہ بمعنی المشبک بمعنی ایک شے کا دوسری شے میں داخل ہونا۔

فضیلت سورۃ تغابن حدیث شریف میں ہے کہ جو سورہ تغابن پڑھا کرتا ہے وہ اچانک موت سے محفوظ ہو گا۔ الفجاۃ بالمد و ختم الفاء وبالقصر مع فتح الفاء بمعنی البغتہ وہ موت جو مرض اور سبب کے بغیر واقع ہو۔

تفسیر سورۃ تغابن اللہ تعالیٰ کی توفیق اور کرم نوازی ہے ۹ ربیع الاخر ۱۱۲۶ء ہجری کو ختم ہوئی۔

(حسن اتفاق)

فقیر اویسی غفرلہ کی خوش بختی کہ ۹ ربیع الاخر ۱۴۰۰ء ہجری بروز منگل ۱۱ بجے ترجمہ تفسیر سورۃ تغابن ختم ہوا۔ (فَلِلّٰہِ الحمد علی ذالک)

سُوْرَةُ الطَّلَاقِ مَدَنِيَّةٌ ٦٥ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اٰيَاتُهَا ١٢ رُكُوْعَاتُهَا ٢

سورۂ طلاق مدنی ہے اس میں اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا بارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ

اے نبی جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے وقت پر انہیں طلاق دو اور عدت کا شمار رکھو

وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ

اور اپنے رب اللہ سے ڈرو عدت میں انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ آپ نکلیں مگر یہ کہ کوئی صریح

بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ

بے حیائی کی بات لائیں اور یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو اللہ کی حدوں سے آگے بڑھا بیشک اس نے اپنی جان پر

نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ① فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ

ظلم کیا تمہیں نہیں معلوم شاید اللہ اس کے بعد کوئی نیا حکم بھیجے تو جب وہ اپنی میعاد تک پہنچنے کو ہوں

فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ

تو انہیں بھلائی کے ساتھ روک لو یا بھلائی کے ساتھ جدا کرو اور اپنے میں دو ثقہ کو گواہ کر لو

وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۬

اور اللہ کے لیے گواہی قائم کرو اس سے نصیحت فرمائی جاتی ہے اسے جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان رکھتا ہو

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ② وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ

اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لیے نجات کی راہ نکال دیگا اور اسے وہاں سے روزی دیگا جہاں اس کا گمان نہ ہو

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ

اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اسے کافی ہے بیشک اللہ اپنا کام پورا کرنے والا ہے بیشک اللہ نے ہر چیز

شَيْءٍ قَدْرًا ③ وَالّٰٓـئِيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ

کا ایک اندازہ رکھا ہے اور تمہاری عورتوں میں جنہیں حیض کی امید نہ رہی اگر تمہیں کچھ شک ہو تو ان کی عدت

ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓـئِيْ لَمْ يَحِضْنَ ؕ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ

تین مہینے ہے اور ان کی جنہیں ابھی حیض نہ آیا اور حمل والیوں کی میعاد یہ ہے کہ وہ اپنا حمل جن لیں اور جو اللہ

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ④ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗۤ اِلَيْكُمْ ؕ وَمَنْ

سے ڈرے اللہ اس کے کام میں آسانی فرما دے گا یہ اللہ کا حکم ہے کہ اس نے تمہاری طرف اتارا اور جو

يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا ⑤ اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ
اللہ سے ڈرے اللہ اس کی برائیاں اتار دیگا اور اسے بڑا ثواب دیگا عورتوں کو وہاں رکھو جہاں خود رہتے ہو
مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا
اپنی طاقت بھر اور انہیں ضرر نہ دو کہ ان پر تنگی کرو اور اگر حمل والیاں ہوں تو انہیں نان و نفقہ
عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ
دو یہاں تک کہ ان کے بچہ پیدا ہو پھر اگر وہ تمہارے لیے بچہ کو دودھ پلائیں تو انہیں اس کی اجرت دو
وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰى ⑥ لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ
اور آپس میں معقول طور پر مشورہ کرو پھر اگر باہم مضائقہ کرو تو قریب ہے کہ اسے اور دودھ پلانے والی مل جائے گی مقدور والا
مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا
اپنے مقدور کے قابل نفقہ دے اور جس پر اس کا رزق تنگ کیا گیا وہ اس میں سے نفقہ دے جو اسے اللہ نے دیا اللہ کسی جان پر
اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ⑦ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ
بوجھ نہیں رکھتا مگر اسی قابل جتنا اسے دیا ہے قریب ہے اللہ دشواری کے بعد آسانی فرمادیگا اور کتنے ہی شہر تھے جنہوں نے اپنے رب کے
اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ⑧ فَذَاقَتْ وَبَالَ
حکم اور اس کے رسولوں سے سرکشی کی تو ہم نے ان سے سخت حساب لیا اور انہیں بری مار دی تو انہوں نے اپنے کئے
اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ⑨ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِى
کا وبال چکھا اور ان کے کام کا انجام گھاٹا ہوا۔ اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے تو اللہ سے ڈرو اے
الْاَلْبَابِ ۚ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ⑩ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ
عقل والو وہ جو ایمان لائے ہو بیشک اللہ نے تمہارے لیے عزت اتاری ہے وہ رسول کہ تم پر اللہ کی روشن آیتیں
مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ
پڑھتا ہے تاکہ انہیں جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اندھیریوں سے اجالے کی طرف لے جائے اور جو اللہ پر
بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ قَدْ
ایمان لائے اور اچھا کام کرے وہ اسے باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہیں جن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں

اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ۞ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ یَتَنَزَّلُ
بیشک اللہ نے اس کے لیے اچھی روزی رکھی اللہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور انہی کی برابر زمینیں حکم ان کے درمیان
الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ⑫
اترتا ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ سب کچھ کرسکتا ہے اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہے

۲ ع ۵ ۱۸

تفسیر عالمانہ یاایھا النبی اذا طلقتم النساء (اے نبی علیہ الصلوۃ والسلام جب تم عورتوں کو طلاق دو۔

حل لغات التطلیق بمعنی طلاق یعنی عقدہ نکاح کھولنا۔ المفردات میں ہے کہ الطلاق بمعنی التخلیتہ من الوثاق بیڑی سے شے کو علیحدہ کرنا جیسے کہاجاتا ہے اطلقت البعیر من عقالہ وطلقتہ میں نے اونٹ کو نکیل سے علیحدہ کیا۔ میں نے اسے علیحدہ کیا۔ طالق وطلق بمعنی بلاقید اسی سے استعارہ کے طور شرع کی اصطلاح میں لفظ طلاق استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے کہاجاتا ہے طلقت المراۃ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اپنی عورت کو اپنی زوجیت سے آزاد کردے اور کہتے ہیں ھی طالق یعنی وہ عورت جو عقد نکاح سے فارغ ہو جائے الطلاق بمعنی التطلیق آیا ہے جیسے سلام وکلام بمعنی تسلیم و تکلیم مستعمل ہوا۔

مسئلہ اہل شرع نے کہاکہ لفظ تطلیق شرعی معنی سے مخصوص ہے دوسرے معانی میں اطلاق کا اطلاق ہوتا ہے اسی لئے شرع نے فرمایاکہ اگر کوئی طلاق کے وقت اطلقتک کہتا ہے تو طلاق واقع نہ ہوگی جب تک نیت نہ ہو اگر طلقتک کہاتو طلاق واقع ہوگی نیت ہو یا نہ۔ اب معنی یہ ہے کہ جب تم ان عورتوں کو طلاق کا ارادہ کرو جو مدخول بہا اور تین حیض کی عدت گزارنے والی ہیں اور اس کا پکاارادہ کرچکے ہو۔

سوال تم نے پکاارادہ کا معنی کہاں سے نکال لیا؟

جواب(ا) فطلقوھن ہمارے معنی مذکور کا قرینہ ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ شے کا ترتب اپنی ذات پر نہیں

ہوتا اور تحصیل حاصل کا حکم کسی کو نہیں کیا جاتا۔

جواب (۲) کسی کام میں ارادہ رکھنے والے کو شروع کرنے والا سمجھا جاتا ہے۔

جواب (۳) زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہاں سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا ہے۔

ازالہ وھم صرف حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو خطاب کیا گیا حالانکہ امت مراد ہے کیونکہ آپ اصل ہیں ویسے قاعدہ ہے کہ ہر خطاب حقیقتہ آپ کو ہوتا ہے اور امت طفیلی طور داخل ہوتی ہے اور یہ تغلیب کے قبیل سے ہے یعنی امت کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے خطاب میں داخل کیا گیا ہے حالانکہ اس وقت امت تو غائب تھی۔ اب معنی یہ ہوا کہ اے نبی علیہ الصلوۃ والسلام جب آپ اور آپ کی امت طلاق دے۔

دوسرا ازالہ اس خطاب کو عام رکھا گیا ہے اس لئے کہ حضور سرور عالم ﷺ اپنی امت کے امام ہیں اور قاعدہ ہے کہ سردار کو خطاب کر کے کہا جاتا ہے **یافلان افعلوا کیت و کیت** اے فلاں ایسے ایسے کرو حالانکہ مقصود صرف قوم ہوتی ہے لیکن اس سے قوم کو ان کے سردار کی شرافت اور بزرگی و اعزاز مطلوب ہوتا ہے۔ بلکہ انہیں یقین دلایا جاتا ہے کہ اس تمہارے سردار کی سرداری پر مجھے پورا اعتماد ہے فلہذا اس کی سرداری میں تمہیں کسی قسم کا شک وشبہ نہ کرنا چاہیئے۔

(۲) چونکہ آپ اپنی قوم کی گویا زبان ہیں اور آپ پر تمام کے احکام کا دارومدار ہے کیونکہ وہ سب آپ کی رائے کے محتاج تھے (کذا قال البقلی) اور قانون ہے کہ جب کسی سردار کو خطاب کیا جائے اور اسے سب پر شرافت حاصل ہو تو گویا ان کے جمیع اسماء کا جامع ہے (کذافی الکشاف) اس میں اتحلو کے راز کی طرف اشارہ ہے۔

خطاب نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے چار قاعدے کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ اس خطاب میں چار اقوال ہیں۔

۱۔ رسول اللہ ﷺ کو خطاب ہے لیکن اس کے بعد جمع کا صیغہ آپ کی تعظیم کے لئے ہے۔ جیسے بادشاہوں کو

جمع کے صیغے سے خطاب کیا جاتا ہے۔

(۲) خطاب حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو ہے لیکن امت مراد ہے۔

(۳) اصل عبارت یوں ہے یاایھاالنبی والمومنون اذاطلقتم لیکن المومنون محذوف ہے کیونکہ اس پر اس کا حکم دلالت کرتا ہے۔

(۴) دراصل عبارت یوں ہے یاایھاالنبی قل للمومنین اذاطلقتم

فائدہ فقیر (مصنف روح البیان) کہتا ہے یہاں پر یہی آخری قول مناسب تر ہے جیسے یاایھاالنبی قل لازواجک اور ایسے ہی قل للمومنین ایسے ہی قل للمومنات دوسری وجہ یہ ہے کہ مامورات میں اصل حضور علیہ الصلوۃ والسلام ہیں اور منہیات میں اصل امت لیکن چونکہ طلاق ابغض المباحات ہے جیساکہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے اسی لئے اسے امت کی طرف منسوب کیا جائے۔

شان نزول (۱) بعض روایات میں ہے کہ آپ نے حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دی اور پھر جب رجوع میں الطلاق کی آیت نازل ہوئی تو رجوع فرمالیا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بہت بڑی عالمہ اور علم حدیث کی روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کچھ کم نہیں۔ حضور سرور عالم ﷺ نے جب حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دی تو اللہ تعالیٰ سے عرض کی حکم ہوا کہ آپ ان سے رجوع فرمالیں کیونکہ وہ صوامہ (روزے رکھنے والی) اور قوامہ (قیام کرنے والی ہیں) اور بہشت میں آپ کی رفیقہ ہیں (احکام الکبری)

فائدہ حدیث شریف سے علم اور حفظ حدیث کی فضیلت اور اللہ تعالیٰ کی روزے اور قیام کرنے کی محبت کا ثبوت ملا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں روزے داروں اور قیام کرنے والوں کی بہت بڑی قدر ہے۔

شان نزول منقول ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنی زوجہ کو بحالت حیض طلاق دے دی حضور سرور عالم ﷺ نے حکم فرمایا کہ وہ رجوع کرلیں جب اس کی زوجہ حیض سے فراغت پائے تو پھر وہ چاہیں تو طلاق دے دیں ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی پہلا قول احسن واشہر ہے۔ لیکن صحیح ترین یہ ہے کہ کسی کے حق میں

نازل نہیں ہوئی صرف طلاق کے حکم کے اجر کے لئے بیان کیا گیا ہے (کذافی حواشی سعدی المفتی) **فطلقوھن**

حل لغات العدۃ عد۔ عدہ کا مصدر ہے (بمعنی شمار کرنا)

حدیث شریف حضور سرور عالم ﷺ سے سوال ہوا کہ قیامت کب قائم ہوگی آپ نے فرمایا جب دونوں کی گنتی پوری ہوگی یعنی بہشتی اور دوزخیوں کی شمار کی تکمیل کے بعد قیامت ہو جائے گی اور اس وقت کو بھی عدت کہا جاتا ہے جو عورت طلاق کے بعد انتظار کی گھڑیاں ختم کرتی ہے۔

فائدہ سنی بایں معنی کہ اس کا ثبوت حدیث وسنت سے ثابت ہے۔

بدعی طلاق کی اقسام بدعی طلاق بھی کئی قسم ہے۔

(۱) ایسے طہر میں ایک طلاق دینا جس میں جماع کیا گیا ہے یہ بدعی اس لئے کہ اس میں عدۃ کو طول دینا ہے لیکن یہ اس کے قول پر ہے جو عدت اطہار سے شمار کرتا ہے جیسے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کیونکہ ان کے نزدیک جس طہر میں جماع ہوا ہے اور اس میں طلاق واقع ہوئی ہے اسے عدت میں شمار نہ کیا جائے گا۔

(۲) حیض یا نفاس میں طلاق واقع ہو اس میں بھی عدت کو طول دینا ہوگا یہ اس کے نزدیک ہے جو حیض سے مدت شمار کرتا ہے جیسے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کیونکہ ان کے نزدیک جس حیض یا نفاس میں طلاق واقع ہوئی ہے وہ عدت میں شمار نہ ہوگا یہ اس وقت ہے جب مطلقہ مدخول بہا ہو اگر غیر مدخول بہا ہے تو اس کے لئے تطویل نہیں کیونکہ غیر مدخول بہا کی کوئی عدت نہیں اسی لئے اس کے لئے حیض میں طلاق دینے کا نام طلاق بدعی نہیں ایسے ہی اس عورت مطلقہ کے لئے بھی عدت کی تطویل دینے جسے عدت کے لئے حیض کی ضرورت نہیں کیونکہ اسے حیض آتا ہی نہیں اس لئے اس کیا طلاق میں کسی زمانہ کی قید کی ضرورت نہیں۔

(۳) بیک وقت ایک طہر میں تین طلاقیں دی جائیں یا ایک طہر میں متفرق اوقات میں طلاق دی جائیں یہ طلاق بھی سنت کے خلاف ہے یہ عام فقہاء کا قول ہے اس طلاق کا مرتکب خطاکار بلکہ گنہگار ہے۔ اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں جب ایسے شخص کو پیش کیا جاتا جس نے اپنی عورت کو بیک وقت تین طلاقیں دی ہوتیں تو آپ

لے سخت سزاوار ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم [illegible] کے زمانہ اقدس میں کسی نے اپنی عورت کو یک وقت تین طلاقیں دے دیں تو آپ نے فرمایا ایلعبون بکتاب اللہ وانا بین اظہرکم کیا کتاب اللہ سے تم مذاق کرتے ہو جبکہ میں تمہارے اندر موجود ہوں۔

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے سامنے بے ادبی کرنا بہت برا عمل ہے ایسے شخص سے احتراز کیا جائے۔

امام شافعی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا مذہب حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک لعدتہن کی لام مقدر من کے متعلق ہے کیونکہ ان کے نزدیک لام تو تیتہ بمعنی وقت یا تو تیہ ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ عورتوں کو ایسے وقت طلاق دو جو وقت طلاق کے لائق ہے یعنی طہر میں۔

مسئلہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حیض میں طلاق دینا بالاجماع ممنوع ہے اسی لئے اس لام کو توتیتہ نہیں بنایا جاسکتا۔

سوال اذا طلقتم النساء مدخول بہا وغیر مدخول بہا سب کو عام ہے خواہ وہ حیض والی ہوں یا حیض سے مایوس ہو چکی ہوں۔ یا چھوٹی ہوں یا حاملہ پھر تم نے آیت سے مدخول بہا اور حیض والی عورتوں کے لئے تخصیص کہاں سے نکال۔

جواب آیت میں نہ عموم ہے نہ خصوص ہے بلکہ یہ تخصیص دوسرے طریقہ سے ہے وہ اس طرح کہ النساء اسم جنس ہے اور عورتوں کے لئے بولا جاتا ہے انس سے مشتق ہے اور یہ جنس جیسے کل عورتوں پر واقع ہوئی ایسے ہی بعض عورتوں پر بھی اسی لئے ہم ہر طرح سے عورتیں مراد لے سکتے ہیں۔ لیکن جب فطلقوھن لعدتہن فرمایا تو ہم نے سمجھ لیا کہ اس سے بعض عورتیں مراد ہیں اور وہ وہی ہیں جو ہم نے کہا یعنی وہ مطلقہ عورتیں نکاح جو مدخول بہا ہیں اور اپنی عدت کے لئے حیض شمار کرتی ہیں۔

سوال جب طلاق کا دارومدار نکاح پر ہے اور نکاح رضا پر موقوف ہے خواہ منکوحہ کی رضا ہو یا اس کے متولی کی اس سے منطقی نتیجہ نکلا کہ طلاق بھی رضا پر موقوف ہو حالانکہ یہ رضا کے بغیر بھی واقع ہو جاتی ہے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ نکاح و طلاق دو شرعی امر ہیں ان ہر ایک کا ایک علیحدہ علیحدہ موقعہ محل کے مطابق حسن و قبح ہے جیسے حالات و واقعات کے تقاضے ہوتے ہیں۔ ایسے امر کا وقوع ہوتا ہے۔ مثلاً نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو رجعی طلاق دی جیسے گزرا اور ایسے ہی مکہ معظمہ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح سے پہلے سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا لیکن مدینہ طیبہ میں جب حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے انہیں بدری لوگوں کے قتل پر روتے دیکھا تو طلاق دے دی۔ پھر حضرت سودہ نے سفارشیں کرائیں اور کہا کہ میں اپنا دن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہبہ کرتی ہوں اس پر حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طلاق سے رجوع فرمایا۔

سوال جب تم کہتے ہو کہ طلاق ابغض الحلال ہے تو پھر حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اے معاذ زمین پر اللہ تعالیٰ کو محبوب ترین شے غلام آزاد کرنا ہے اور مبغوض ترین شے طلاق ہے اس لئے کہ نکاح مودی الی الوصول اور طلاق مودی الی الفراق ہے اور اللہ تعالیٰ کو وصال محبوب اور فراق مبغوض ہے یوم فراق کا سورج اور جدائی کی رات نہایت قبیح شے سمجھی جاتی ہے۔ رابعہ بصریہ عدویہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ کفر میں فراق کا ذائقہ اور ایمان میں وصال کی لذت ہے ایسے ہی انکار و اقرار سمجھئے لیکن یہ ذائقہ و لذت قیامت میں محسوس ہو گی لیکن وہ ہیبت کا جنگل اور سیاست کا میدان ہے۔ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ فراق سے وہ جدائی مراد ہے جس میں وصال نہ ہو اور وصال ایسی شے جس کی انتہا نہ ہو۔

سوختگاں فراق ہمی گویند   فراق او ز زمانے ہزار روز آرد

بلائے اور شبے ہم ہزار سال کند   افروختگاں وصال ہمی گویند

سراپردہ وصلت کشید رور تواخت   طبل ز حکمت برزد فراق یار رود

ترجمہ ۱۔ فراق کے جلے سڑے لوگ کہتے ہیں کہ فراق کی ایک گھڑی ہزار سال کے برابر ہوتی ہے۔ ۲۔ فراق کی ایک شب ہزار سال کے مطابق ہوتی ہے ایسے ہی وصل کے جلے سڑے لوگ بھی یونہی کہتے ہیں۔ ۳۔ وصل کے دنوں خوشی کے طبل بجائے جاتے ہیں۔ اور جدائی پر بھی ایسے ہی شور اٹھتا ہے۔

حدیث شریف (۱) حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا طلاق مت دو اس لئے کہ طلاق دیتے وقت خدا کا عرش کانپ جاتا ہے۔

حدیث شریف (۲) حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا طلاق مت دو وہاں اگر زنا سرزد ہو تو پھر دے سکتے ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ زنا کرنے والے مرد و عورت کو پسند نہیں فرماتا۔

حدیث شریف (۳) حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا جونسی عورت اپنے شوہر سے بلاوجہ طلاق چاہتی ہے وہ عورت بہشت کی خوشبو نہ سونگھے گی۔

جواب (۱) از سوال مذکورہ بالا اللہ تعالیٰ کے افعال میں لاکھوں حکمتیں ہیں جن کی ہمیں آگاہی نہیں ہو سکتی جب کوئی فعل سرور عالم ﷺ سے سرزد ہو تو ہمیں اس میں یہ عقیدہ رکھنا ہو گا کہ یہی حق ہے کیونکہ آپ کبھی حق کے خلاف نہیں کرتے ایسے ہی حدیث شریف میں واقع ہے اور ایسے ہی ہر نہی میں بھی کوئی وجہ ہوتی ہے۔

جواب (۲) حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا طلاق دینا پھر اس سے رجوع کرنا محض جواز کے لئے تھا تاکہ امت کے لئے آسانی ہو جیساکہ لیلۃ التعریس میں نیند کرنا اور نماز قضا کرنے کی ایک حکمت یہی بیان کی گئی ہے۔ کہ امت کو آسانی ہو کہ اگر نماز قضا ہو جائے تو اسے لیلۃ التعریس یاد کرنا چاہئے کہ نماز قضاء شدہ کو پڑھیں اور اس کی جماعت بھی ہو سکتی ہے۔

جواب (۲) احادیث مذکورہ (یعنی جس میں طلاق کی مذمت کی گئی ــ) حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طلاق کا واقعہ سے پہلے کی ہیں۔

جواب (۴) یہ طلاق حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ترک اولی پر مبنی ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام سے خلاف اولی کا صدور جائز ہے۔

سوال جو کچھ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے کیا وہ بھی من وجہ افضل ہے لیکن حکم الٰہی سب سے اولی و افضل ہوتا ہے

جواب بیشک امر الٰہی ہر لحاظ سے اولی ہے لیکن یہ بھی ترک اولی ہے اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام سے ترک اولی کا صدور ہوتا ہے نیز ممکن ہے حضور علیہ السلام نے جس وقت طلاق دی اس وقت وہی ارجح ہو اور جس وقت اس سے رجوع فرمایا اس وقت وہی ارجح ہو اس لئے کہ ہر وقت ارجحیت کا احتمال ہے (واللہ تعالیٰ اعلم)

تفسیر صوفیانہ فقیر (مصنف رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے عورتوں سے محبت کا اظہار فرمایا ہے اس لئے کہ اس میں قربت و وصلت حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے کہ نکاح میں مقام جمع کی طرف اشارہ ہے اور مقام جمع ولایت ہے جیسا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد گرامی ارحمنی یا بلال اے بلال مجھے راحت پہنچا۔ دلالت کرتا ہے۔ اور طلاق میں مقام فرق کی طرف اشارہ ہے اور یہی مقام نبوت ہے جیسا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے۔ کلمینی یا حمیرا دلالت کرتا ہے پہلا مقام وصل الفصل دوسرا فصل الوصل ہے اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام مقام فصل و وصل اور فرق و جمع کے جامع ہیں اسی کو جمع الجمع کا مقام کہا جاتا ہے جیسا کہ آیت الم نشرح لک صدرک دلالت کرتی ہے واحصوا العدۃ الاحصار بمعنی جاننا شے کو مکمل طور شمار کرنا یعنی اس وقت پوری حفاظت کرتے ہوئے اسے خوب یاد رکھو جس میں طلاق واقع ہوئی اور اس کے تین قراء مکمل شمار کرو جن میں ذرہ برابر کمی نہ ہو اور نہ زیادتی یعنی حنفیوں کے نزدیک تین حیض کیونکہ عدت سے اصل غرض استبرائے رحم ہے بمعنی غیر کے نطفے سے رحم کو فارغ کرنا اور یہ حیض کے مفہوم سے حاصل ہو گا اطہار سے یہ مفہوم پورا نہ ہو گا یہ ایسے ہے کہ جیسے کپڑے کو تین بار دھویا جاتا ہے تو اسی لئے تاکہ شے کا دھونا مکمل طور ہو اور اس احصاء کے مخاطب شوہر ہیں نہ کہ عورتیں اور نہ دیگر مسلمان ورنہ احصوھا کہتا کافی تھا اور اس

خطاب میں زوجات بھی شامل ہیں لیکن بطور الحاق کے۔

نکتہ عورتوں کے بجائے مردوں کو عدت کی گنتی کا حکم اس لئے ہے کہ عورتوں میں غفلت کا مادہ زیادہ ہے اس لئے وہ عموماً اپنی عدت یاد نہیں رکھتیں کاشفی کا میلان اسی طرف ہے چنانچہ انہوں نے اس کا ترجمہ لکھا کہ اے شوہرو تم اپنی عورتوں کی عدت شمار کرو کیونکہ یہ اس کی ضبط میں کمی کریں گی یا اس کی گنتی میں غفلت کریں گی۔

نکتہ شوہر عدت کی حفاظت اس لئے کرے گا کہ اس نے تین طلاقیں دی ہیں کیونکہ بیک وقت تین طلاقیں دینا مکروہ ہے اور یہی امام حنیفہ اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ کا مذہب ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اتباع کے نزدیک مباح ہے چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علی کا قول مشہور ہے آپ نے فرمایا الاعرف فی عدد الطلاق سنۃ ولا بدعۃ وھو مباح میں طلاق کی کوئی گنتی نہیں جانتا نہ وہ سنت ہے نہ وہ بدعت ہے بلکہ وہ مباح ہے۔

نکتہ عدت کی شوہر اس لئے نگرانی کرے گا اسے معلوم ہو گا کہ فلاں وقت تک طلاق رجعی میں رجوع کر سکے گا۔

نکتہ چونکہ عدت میں شوہر نے عورت کو خرچ وغیرہ دینا ہے اس لئے اسی کو عدت کا شمار ذمہ لگایا گیا تاکہ مرد و عورت کے درمیان جھگڑا نہ اٹھے۔

نکتہ نیز عدت میں عورت کو مکان میں ٹھہرانا مرد کے ذمہ ہے اسی لئے وہ عدت کی گنتی کی حفاظت کرے گا کہ کب گھر فارغ ہو گا۔

نکتہ عدت سے نسب غیر کا الحاق کا علم ہو گا اگر مرد عدت کی گنتی کی شمار نہ کرے گا تو غیر کے نطفہ کا اس کے نسب میں داخل ہونے کا احتمال رہے گا۔

مرد پر بھی عدت ہے فضلائے کرام نے فرمایا کہ بعض اوقات مرد پر بھی عدت واجب ہوتی ہے اس کی چند

صورتیں ہیں۔

۱۔ کسی کی چار عورتیں ہوں ایک کو طلاق دے دے تو جب تک وہ عورت عدت میں ہو گی یہ شخص کسی سے نکاح نہیں کر سکے گا (گویا یہ مرد عورت کی طرح عدت میں ہو گا)

۲۔ جس کسی نے اپنی کسی عورت سے طلاق دے کر پھر اس کی بہن سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو اسے اپنی مطلقہ کی عدت تک اس کی بہن سے نکاح نہ کرنا ہو گا (اس انتظار کا نام مرد کی عدت ہے)

۳۔ جس نے کنیز خریدی اس پر استبراء ضروری ہے (یعنی ایک حیض تک مرد کو اس لونڈی سے جماع نہ کرنا گویا مرد کے لئے عدت ہے)

۴۔ دار الحرب میں آئی ہوئی عورت سے نکاح نہ کرے جب تک اس کا استبراء نہ ہو یعنی ایک حیض کی فراغت کے بعد نکاح کرنا گویا مرد کی عدت ہے۔

۵۔ جب کسی عورت کو معلوم ہوا کہ اس کا شوہر فوت ہو گیا اس نے عدت ختم کر کے کسی سے نکاح کر لیا اور بچے بھی جنے لیکن اس کا شوہر اول واپس آگیا تو یہ عورت اسی کی ہے کیونکہ اس کی عورت ہے درمیانی فرقت اس کے نکاح کے لئے مضر نہیں وہی نکاح سابق بحال رہے گا۔ لیکن شوہر اول اس عورت سے وطی نہ کرے یہاں تک کہ نکاح ثانی کی عدت ختم ہو۔

سوال عورت پر عدت کیسی جب نکاح ثانی ہے ہی نہیں۔

جواب عدت نکاح کی صحت پر موقوف نہیں بلکہ دخول کی وجہ سے ہے کہ شاید اس کا نطفہ ٹھہر گیا ہو۔ جیسے نکاح فاسد میں جب دخول ہے تو عدت واجب ہوتی ہے۔

۶۔ جب اس حربیہ سے نکاح ہو جسنے دار الامان میں ہجرت کی اور اپنا شوہر دار الحرب میں چھوڑ آئی تو امام ابو یوسف وامام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس عورت سے کوئی نکاح کرے تو وہ ناکح اس عورت کے ایک حیض کا انتظار کرے اس کے بعد جماع کرے اور امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر کوئی عدت نہیں۔

۷۔ جب کسی عورت سے نکاح ہو اور وہ حاملہ ہے تو اس کے ساتھ بھی وطی نہ کرے جب تک وضع حمل نہ ہو۔

۸۔ جس عورت سے نکاح ہوا اور وہ اس وقت حالت حیض میں ہے تو اس سے بھی وطی نہ کرے جب تک وہ عورت حیض سے پاک نہ ہو۔

۹۔ جس عورت سے نکاح ہوا اور وہ نفاس میں ہے تو اس عورت سے جماع نہ کرے یہاں تک کہ وہ نفاس سے فراغت نہ پائے۔

۱۰۔ جس عورت سے زنا کیا پھر اس سے نکاح کر لیا اس کے ایک حیض سے فراغت پانے تک اس سے جماع نہ کرے۔

واتقوا اللہ ربکم اور اللہ تعالیٰ یعنی اپنے پروردگار سے ڈرو کہ کہیں ان کی عدت سے بڑھا دو یا انہیں رجعت کے بعد طلاق دے دو۔ اس معنی پر اس اتقاء کا تعلق مضمون ماسبق سے ہو گا اور ربوبیت کی صفت لانے کی وجہ سے امر کو موکد کرنا اور ایجاب تقویٰ میں مبالغہ مطلوب ہے لغت میں تقویٰ بمعنی **اتخاذ الوقایتہ** یعنی کسی کے بچاؤ کا سبب بنانا یعنی ایسی شے لینا جو اسے ناگواری سے بچائے اور وہ سمجھے کہ یہی شے مجھے اس ناگوار امر سے بچالے گی۔ اور اس کے اور میرے مابین یہ آڑ بن جائے گی ڈھال وغیرہ اصطلاح اسلام میں ہر وہ امر جو انسان کو اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب سے بچائے اور ضرور دائمی سے نجات کا سبب ہو اور حیات کو منافع بخشے۔ اور تقویٰ کے بے شمار فوائد و فضائل ہیں جسے جمیع مراتب میں حقیقی تقویٰ نصیب ہوتا ہے اسے بیان کے حقائق نصیب ہوتے ہیں اسے کسی شے میں شک و شبہ واقع نہ ہو گا۔

لا تخرجوھن اور مطلقہ عورتوں کو نہ نکالو۔ **من بیوتھن** ان کے ان گھروں سے جن میں وہ عدت سے پہلے سکونت رکھتی تھیں یعنی طلاق دے کر عدت گزارنے تک انہیں اپنے گھروں سے نہ نکالو۔

نکتہ گھروں کی نسبت عورتوں کی طرف کرنے نہی میں تاکید مطلوب ہے ورنہ وہ گھر ان کے کہاں وہ تو ان کے شوہروں کے ہیں۔ دوسرا اس میں مسئلہ بھی واضح کرنا ہے کہ طلاق کے بعد ان مطلقہ عورتوں کو گھروں میں ٹھہرانے کا ایسا استحقاق شرعی حاصل ہے کہ گویا وہ ان گھروں کی مالکہ ہیں۔

نکتہ   بیوت میں اشارہ ہے کہ ان میں طلاق کے بعد ایک ایسا کمرہ چاہئے جس میں وہ عدت کو آسودگی کے ساتھ گزار سکیں اور دار نہیں فرمایا کیونکہ دار تو کئی بیوت (کمروں) پر مشتمل ہوتی ہے۔ ایسا حکم موجب تکلیف ہوتا۔
ولا یخرجن   اور گھروں سے نہ نکلیں اگرچہ تمہاری اجازت ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اجازت دینا بھی بمنزلہ اخراج (نکال دینے) کے ہے۔

مسئلہ   مطلقہ کے مکان چھوڑ جانے پر زن و شوہر کے اتفاق اس کے وجوب کو ختم نہیں کرتا کیونکہ یہ حق شرع ہے اور حق شرع کو بندے ختم نہیں کر سکتے (کذافی الکشاف)

سوال   اخراج و خروج میں کیا فرق ہے؟

جواب   اخراج مجبور کر کے نکال دینا ہے اور خروج خود چلا جانا ہے اور اخراج کی صورتیں یہی ہیں شوہر غصے اور غضب سے گھر سے نکال دیں یا شوہر کا گھر فارغ کرنا ہے تو جبراً نکال دے یا انہیں اپنے ہاں اسے یہ نہ سمجھے کہ اس کی اجازت اس کے اوپر عائد کردہ فرض ٹل جائے گا اگرچہ طلب مطلقہ سے بھی ہے اور خود نکلنا یہی ہے کہ عورت اپنی مرضی سے چلی جائے۔

مسئلہ   مطلقہ عورت جب عدت کے درمیان میں گھر سے بوجہ ضرورت یا بلا ضرورت چلی جائے تو گنہگار ہے۔

مسئلہ   شدید ضرورت ہو تو اس گھر سے دوسرے گھر منتقل ہو سکتی ہے مثلاً وہ گھر گر گیا یا جل گیا۔

مسئلہ   بیع و شراء عورت کو اگر ضروری ہے مثلاً چرخ کاتنے کا کام کرتی ہے تو روئی یا پھر کاتے ہوئے سوت کو بیچنے کے لئے جائے تو جائز ہے لیکن رات کو گھر واپس آنا ہو گا (کشف الاسرار)

الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ   مگر یہ کہ فاحشہ ظاہرہ کا ارتکاب کریں۔   فاحشۃ مبینۃ   سے زنا مراد ہے اس کے ارتکاب پر حد شرع پورا کرنے لئے گھر سے نکلنا ہو گا حد لگنے کے بعد گھر واپس آنا ضروری ہے۔

فائدہ   بعض مفسرین نے مبینۃ (بالکسر) باب لازم بمعنی بین (روشن) لکھا ہے یعنی مبینۃ بمعنی ہے جیسے مبین از

مبینۃ معنی بین ہے۔ الفاحشۃ معنی فعل و اقوال میں سے وہ عمل جو سب سے بڑا جرم ہو جیسے زنا اسی مقام پہ یہی معنی مراد ہے۔ بعض نے کہا یہاں پر البذاءۃ یعنی القول القبیح گندی باتیں اور زبان درازی کیونکہ یہ بھی عورت کی بدخلقی کے حکم میں ہیں اور بدخلقی عورت سے ہو تو اس کے حقوق کے اسقاط کا موجب ہے اب معنی یہ ہوا کہ اگر مطلقہ عورتوں سے ایام عدت میں گندی باتیں یا طلاق دہندہ اور اس کے اقارب جیسے باپ بھائی پر زبان درازی اور بکواس جیسی باتیں صادر ہوں تو اس وقت انہیں گھروں سے نکالنا جائز ہے۔

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ یہاں فاحشۃ مبینۃ سے ہر معصیت مراد ہے یہ پہلے جملہ سے استثناء ہے۔ اب معنی یہ ہے کہ ان مطلقہ عورتوں کو کسی وقت بھی گھروں سے نہ نکالو ہاں اس وقت نکالو جب وہ برائی کا ارتکاب کریں یا دوسرے جملہ سے استثناء اس وقت نہی عن الخروج میں مبالغہ مطلوب ہے۔ اب معنی یہ ہے کہ مطلقہ عورتیں گھر سے نہ نکلیں جب نکلیں تو سمجھو کہ وہ فاحشہ کی مرتکب ہوئیں۔ خلاصہ یہ کہ جب وہ گھروں سے خود نکل کر چلی گئیں تو فاحشہ کی مرتکب بھی ہو جائیں گی۔ یہ اس محاورہ سے ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ لا تکذب الا تکون فاسقا اس کا معنی بھی یہی ہے کہ اگر جھوٹ بولو گے تو فاسق ہو گے۔ وتلک اور یہی احکام حدود اللہ اللہ تعالیٰ کی وہ حدود ہیں جو اس نے اپنے بندوں کے لئے متعین فرمائی ہیں۔ الحد معنی الحاجز بین الشیئین یعنی دو چیزوں کے درمیان ایسی آڑ کا نام ہے حد جو انہیں آپس میں ملنے نہ دے۔

ومن یتعد یہ دراصل یتعدی تھا من شرطیہ کی وجہ سے لام کو حذف کر دیا گیا ہے تعدی سے مشتق ہے التعدی معنی حد تجاوز ہے۔ معنی یہ ہوا کہ جو حد سے تجاوز کرتا ہے۔ حدود اللہ اللہ تعالیٰ کے حدود سے یوں طور کہ اس کے کسی حکم میں خلل ڈالتا ہے۔

نکتہ یہاں پر اسم مضمر کے بجائے اسم ظاہر لانے میں حکم کو ہولناک اور اسے اہم ظاہر کرنا مطلوب ہے اور ساتھ حکم کی علت بھی بتلا دی گئی ہے یعنی فقد ظلم نفسہ کے حکم کی علت تعدی حدود اللہ ہے اور اپنے نفس پر ظلم کا معنی یہ ہے کہ احکام الٰہی کی خلاف ورزی سے گویا اس نے اپنے نفس کو ہلاک کیا۔

فائدہ حضرت سقطی قدس سرہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حدود اس لئے متعین فرمائے کہ چلنے والے راہ ہدیٰ پر چل کر نجات حاصل کریں اگر ان حدود سے تجاوز کریں گے تو راہ حق سے بھٹک جائیں گے بلکہ ظلمات بعد و فراق میں جا پڑیں گے اور نفوس کے لئے اس سے بڑھ کر اور کون سا بڑا ظلم ہو گا کہ انہیں درجات اور قربات الٰہیہ تک پہنچنے سے محروم رکھا جائے۔

مسئلہ صوفیانہ مشائخ نے فرمایا کہ حکم کے بجالانے میں تلون و تکاسل آمر سے معرفت کی قلت کی دلیل ہے۔

فائدہ چار امور ایسے ہیں جو انسان کو حق کی نافرمانی سے بچاتے ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ خوف ۲۔ رجا ۳۔ حیاء ۴۔ عصمت

ان کے سوا اور کوئی ایسا امر نہیں جو انسان کو غلط کاریوں سے بچائے جس میں ان میں سے کوئی ایک بھی نہیں وہ گناہوں کے گڑھے میں گرے گا اور نفس پر سب سے بڑا ظلم کرنے والا ہو گا۔

مسئلہ صوفیانہ جو نفس کے ظاہری و باطنی حقوق ادا کرتا ہے وہ ظالم (لنفسہٖ) نہیں ہے۔

حکایت حضرت معروف کرخی قدس سرہ نے ایک حور عین کو دیکھ کر فرمایا تو کس کی ہے اس نے کہا جو کوزے سے ٹھنڈا پانی نہ پئے۔ حضرت معروف کرخی قدس سرہ نے پینے کے لئے ٹھنڈے پانی کا کوزہ بھر کر رکھا تھا۔ اس حور نے وہی کوزہ اٹھا کر زمین پر دے مارا اور وہ کوزہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ حضرت سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے زمین کے اسی حصے کو دیکھا تھا جہاں کوزہ توڑا گیا کہ اس سے مٹی اٹھالی گئی تھی۔ یہ حور عین حضرت معروف کرخی کے لئے منتخب ہو گئی۔ جب انہوں نے نفس کے حق کی ادائیگی کے لئے ٹھنڈے پانی پینے سے رک گئے کیونکہ نفس کے اندر وہ خواہش تھی جو حور کے حصول کی ضد موجود تھی اس کے خلاف کرنے پر یہی جزا عطا ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر حق والے کو حق ادا کرنا ضروری ہے۔

لاتدری مضمون شرطیہ سابقہ کی تعلیل ہے یعنی اسے حد سے تجاوز کرنے والے تم انجام کار کو نہیں جانتے۔ بعض نے کہا کہ **لاتدری** کا فاعل نفس ہے یعنی نفس اسے نہیں جانتا۔ **لعل اللہ** شاید اللہ تعالیٰ **یحدث** تیرے دل میں پیدا فرمائے کیونکہ قلوب کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی دو انگلیوں کے درمیان ہے وہ جیسے چاہتا ہے قلوب کو پھیرتا ہے۔ یحدث معنی ایجاد یعنی وہ شے جو پہلے نہ ہو اسے موجود کرنا وہ عرض ہو یا جوہر۔ **بعد ذلک** تیرے اس تجاوز کرنے کے بعد۔

امرا ایسا امر جو تیرے کرنے کے خلاف کا مقتضی ہو تو اس کے بغض پر اللہ تعالیٰ تیرے سے اپنی محبت اٹھالے اور تیرا دل اس کی طرف متوجہ ہے تو اسے روگردانی دے دے جس کا پلٹنا تیرے بس میں نہیں۔ یا یہ جملہ مستانفہ ہے جو نکاح کے مسئلہ سے متعلق ہے اب امر سے مراد یہ ہو گی کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسا سبب پیدا فرمائے کہ اس کے دل کو اس طرف پھیر دے جو اس نے ظلم کرنے کی خلاف ورزی کی ہے۔ اس معنی پر پہلے پر ظلم سے دنیوی ضرر مراد ہو گا۔ جو تعدی کی وجہ سے پیدا ہوا کہ جس کا تدارک اس کے بس میں نہیں یا ظلم سے ضرر مطلق مراد ہے دنیوی ہو یا اخروی لیکن تعلیل دنیوی امر میں بیان کی گئی ہے اس لئے لوگوں کو دنیوی ضرر سے بچنے کی زیادہ فکر رہتی ہے۔ اور اس کے دفع کرنے کے لئے خاصہ ہاتھ پاؤں مارتے ہیں۔

مسئلہ آیت سے یکبارگی سہ طلاق کے وقوع کی کراہت ثابت ہوتی ہے اس لئے تین طلاقوں کے بعد رجعت کا امکان نہیں رہتا۔

فائدہ سہ طلاق دینے میں شیطان کی مدد کرنا ہے اسے نہ دینے سے شیطان کو ذلیل کرنا ہے کیونکہ طلاق شیطان کے اہم مقاصد میں سے ہے۔

حدیث شریف سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے سنا کہ شیطان کا سمندر میں تخت بچھا ہوا ہے۔ وہ اپنے شیطانی لشکر کو دنیا میں بھیجتا ہے تاکہ لوگوں کو فتنوں میں مبتلا کریں ان کے لشکر میں سب سے بڑا کارنامہ اس شیطان کا سمجھتا ہے جو سب سے بڑا فتنہ کھڑا کرے جب وہ

شیطانی لشکر واپس لوٹتا ہے تو ہر ایک اپنی ڈائری بڑے شیطان کو پیش کرتا ہے ان میں سے ایک کہتا ہے کہ میں نے زن وشوہر کے درمیان جھگڑا برپا کرایا ان کے جھگڑے کی نوبت یہاں تک پہنچائی کہ ان کی آپس میں جدائی ہو گئی یعنی مرد نے عورت کو طلاق دے دی۔ بڑا شیطان یہ سن کر اسے گلے لگا لیتا ہے اور کہتا ہے نعم انت (رواہ مسلم)

فائدہ ای نعم المضل او الشریر انت تو اچھا ہے یعنی تو بہترین گمراہ کنندہ ہے یا کہتا ہے تو بہترین شریر ہے۔ نعم (بکسر النون) مدح کا فعل ہے جس کا مخصوص بالمدح محذوف ہے یا عبارت نعم انت ذل الذی یستحق الکرام ہو گئی ہے ہاں وہی تو ہے جو میری طرف سے اکرام کا مستحق ہے اس معنی پر نعم (بفتح النون) حرف ایجاب ہے۔

فاذا بلغن پس عورتیں پہنچ جائیں۔ اجلھن اپنے میعاد مقرر کو۔ یعنی جب عدت کے آخری مرحلہ تک پہنچنے والی ہوں اور یہ تین حیض مکمل ہیں اگرچہ اس تیسرے اختتام پر غسل بھی نہ کر سکیں اس لئے عدت کے اختتام پر رجعت ناممکن ہو جاتی ہے اسی لئے ہم نے بلوغ کو بمعنی مشارفت لکھا ہے یعنی مدت مقررہ کے قریب پہنچنا چنانچہ المفردات میں لکھا ہے کہ بلوغ والبلاء بمعنی مقصد و مطلب کے آخری مرحلہ تک پہنچنا وہ مقصد مکان ہو۔ یا زمان یا امور مقدرہ سے کوئی امر اسے کبھی مشارفت سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ یعنی مقصد کے قریب پہنچنا جیسے فاذا بلغن اس آیت میں بلوغ میں مشارفت ہے کیونکہ جب عدت بالکل ختم ہو جائے گی تو پھر مرد کو رجوع کا حق نہ ہو گا۔

فائدہ الاجل بمعنی کسی شے کی مقرر مدت فامسکوھن پھر تم چاہو تو ان سے رجوع کر لو۔

مسئلہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک قول اور وطی اور شہوت کے ساتھ ہاتھ لگانے اور شہوت کے ساتھ مطلقہ کو دیکھنے سے رجوع جائز ہے۔ بمعروف اچھے معاشرہ اور لائق اخلاق سے۔

حدیث شریف میں ہے کامل ترین مومن وہ ہے جو خلق کے لحاظ سے احسن اور اپنے اہل کے ساتھ زیادہ لطف کرنے والا ہو۔

او فارقوھن یا انہیں چھوڑ دو اور اپنے سے جدا کر دو۔ بمعروف نیکی کے ساتھ یعنی اس کا حق ادا کر

کے بغیر ضرر پہنچانے کے بغیر پہنچانا یوں ہے کہ اسے طلاق دے کر رجوع کرلے پھر اسے اور طلاق دے دے تاکہ اس کی عدت طویل ہو۔ واشھدوا رجوع کرتا ہو یا طلاق دیتی ہو تو گواہ بناؤ تاکہ بعد کو جھگڑا نہ اٹھے کیونکہ بارہا دیکھا گیا ہے کہ عدت گزرنے پر عورت رجعت کا انکار کر دیتی ہے یا طلاق کے بعد وقوع موت پر ورثہ میں ثبوت زوجیت کے متعلق وراثت کے حصول و انکار میں جھگڑا کھڑا ہو جاتا ہے۔

فائدہ یہ امر وجوب نہیں بلکہ امر ندب ہے۔

ذوی عدل ذا کا تثنیہ ہے۔ ذو معنی صاحب اس کا منصوب ہونا اشھدوا کے مفعول بہ ہونے کی وجہ سے ہے یعنی گواہ بناؤ۔ منکم اپنے میں سے یعنی اہل اسلام سے جیسا کہ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یا اپنے آزادوں میں سے جیسے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اور وہ گواہ عادل ہوں ظالم و فاسق نہ ہوں۔

فائدہ العدالۃ معنی کل کبائر سے اجتناب کرنا اور صغائر پر اصرار نہ کرنا غرضیکہ اس شخص کی بہ نسبت برائیوں کے نیکیاں زیادہ ہوں اور صغائر کا ارتکاب بھی اس سے گاہے گاہے ہوتا ہے تو ان پر مصر نہیں ہوتا کیونکہ گاہے گاہے صغائر کے ارتکاب سے سوائے انبیاء علیہم السلام کے کوئی فرد بشر خالی نہیں اور ہر صغیرہ کبیرہ سے صرف انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں (کذا فی الفتوح)

واقیموا الشھادۃ اور اے گواہو بوقت ضرورت گواہی دو۔ للہ خاص اللہ تعالیٰ کی رضاء کی خاطر۔ وہ اس طرح کہ کسی پر یا کس نفع کے لئے گواہی دینی ہے تو بلا رو و رعایت صحیح گواہی دو اقامت حق اور دفع ظلم کے سوا اور کوئی غرض نہ ہو۔

مسئلہ اگر اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب نہیں بلکہ اس خیال سے گواہی دیتا ہے کہ مجھ پر گواہی چھپانے کا الزام نہ ہو تو ثواب نہیں پائے گا کیونکہ الاعمال بالنیات اعمال کا دارومدار نیات پر ہے۔

فائدہ گواہی ایک امانت ہے اور امانت کا ادا کرنا ضروری ہے کما قال اللہ تعالیٰ ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم فرماتا ہے کہ تم امانتوں کو ان کے اہل کے سپرد کردو۔

مسئلہ اگر کسی نے گواہی کو چھپایا تو اس نے خیانت کی اور خیانت کبیرہ گناہ ہے کما قال اللہ تعالیٰ و من یکتمھا فانہ آثم قلبہ اور جو گواہی چھپاتا ہے تو اس کا دل گنہگار ہے۔ ذلکم یہ اشارہ شہادت کی اقامت اور اس کی برانگیختگی کی طرف ہے یا آیت کے مجموعہ مضمون مثلاً ایقاع الطلاق اور اقامت و ادائے شہادت بلا تغیر و تبدیل کی طرف ہے۔

یوعظ بہ الوعظ بمعنی وہ زجر جس میں تخویف بھی ہو یعنی یہ وہ باتیں ہیں جن کی پند و نصیحت کی جاتی ہے۔

من یومن باللہ والیوم الاخر جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہیں اہل ایمان کی قید اس لئے کہ وہ اس سے نفع حاصل کرتے ہیں اصل مقصد تذکیرہ (یاددہانی) ہے۔

فائدہ ذلکم یوعظون بہ کے بجائے من یومن باللہ والیوم الاخر اس لئے فرمایا ہے تاکہ اہل ایمان کو غیرت ہو اور جسے غیرت نہیں وہ دین سے محروم ہے اور ایمان کا تقاضا ہے کہ معبودیت و ربوبیت کے حقوق ادا کئے جائیں اور یوم آخر سے مراد یہی ہے کہ انسان کو حساب و عذاب کا خوف اور فضل و ثواب کی امید ہو۔ مومن وہ ہے جسے خالق و مخلوق ہر دونوں سے حیاء ہو اسی لئے وہ ہر اس عمل کو نہیں چھوڑتا جس کے لئے اسے نصیحت کی جائے۔

فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے لئے صرف دو دن ہیں۔

۱۔ یوم دنیا ۲۔ یوم آخرت

اور یوم عرف عام میں طلوع شمس سے غروب تک کا نام ہے اور شرع پر طلوع فجر ثانی سے غروب شمس تک لیکن یہاں ان دونوں میں کوئی بھی مراد نہیں یہی ظاہر ہے بلکہ اس سے مطلق مراد ہے دن ہو یا رات طویل ہو یا قلیل۔ اور زمانہ دو قسم ہے۔

(۱) محدود جیسے دنیا (۲) غیر محدود جیسے یوم آخرت۔ اس کے آخری وقت کی کوئی حد نہیں اور اسے یوم آخرت اس لئے کہتے ہیں کہ دنیا سے موخر ہے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یوم آخر سے محدود وقت مراد ہو اور یوں کہا جائے کہ اس سے یوم نشور سے بہشتیوں کا بہشت میں اور دوزخیوں کا دوزخ میں داخل ہونے تک کا وقت مراد ہے اس معنی پر

یہ دونوں طلوع شمس و غروب سے مستعار ہوں اسی معنی کے لئے کہ ان دونوں فریقوں کو درمیان میں نیند وغیرہ کا وقفہ کا وقفہ ملے گا اور اس سے قبور میں ایک مدت ٹھہرنا مراد ہے جو یوم النشور سے پہلے کا وقت ہے کما قال اللہ تعالیٰ من بعثنا من مرقدنا ھذا قبور سے اٹھتے ہوئے لوگ کہیں گے کہ ہمیں خواب گاہ سے کس نے اٹھایا ہے نیز یوم آخرت کو یوم الغد سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ جیسے ہم نے سورہ حشر کے آخر میں اس کی تحقیق و تفصیل لکھی ہے۔

فائدہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ نیند کے بعد اٹھنے اور موت و برزخ کے بعد اٹھنے کے علم میں کوئی فرق نہیں صرف فرق اتنا ہے کہ وہ برزخ جو انسان کے لئے نیند میں جسم سے متعلق ہے وہ اور ہے اور موت کا تعلق کچھ اور ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جیسے جاگنے کے بعد انسان اٹھتا ہے ایسے جب مرنے کے بعد قبر سے اٹھے گا تو دونوں کی حالت ایک ہوتی ہے اور یہ امر اتنا واضح ہے کہ جس کی تشریح کی ضرورت نہیں۔

سبق عاقل وہ ہے کہ وہ اس ختم ہونے والے دن یعنی دنیا میں نہ ختم ہونے والے دن یعنی آخرت کے لئے نیک اعمال کی جدوجہد کرتا ہے چاہئے کہ ایمان اور عمل صالح پر زندگی بسر ہو تاکہ انہی کی وجہ سے نیک انجام نصیب ہو۔

ومن یتق اللہ اور وہ جو اللہ تعالیٰ سے طلاق بدعت کے بارے میں ڈرتا ہے اور طلاق سنت یہ ہے کہ طلاق دے کر معتدہ کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچاتا اور نہ ہی اسے گھر سے نکالتا ہے اور احتیاطاً اپنی طلاق پر گواہ بنا لیتا ہے ایسے ہی باقی جملہ امور طلاق کو مدنظر رکھتا ہے۔

یجعل لہ مخرجا مخرج مصدر میمی ہے یعنی بنائے گا اس کے لئے طلاق کے معاملہ میں عہدہ برآ کے بعد کوئی ایسا راستہ نکالے گا کہ جس سے اسے نہ کسی کا غم لاحق ہو گا اور نہ کوئی اور دکھ تکلیف اور نہ ہی اسے وہ پریشانیاں لاحق ہوں گی جو وقوع طلاق کے بعد جانبین کو لاحق ہوتی ہیں۔

فائدہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ صرف طلاق کے لئے نہیں بلکہ ہر معاملہ کے لئے عام ہے یعنی ہو شخص ہر عمل کرنے اور نہ کرنے کے بارے میں تقویٰ و طہارت سے کام لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایسی راہ نکالتا ہے جس سے وہ ہر پریشانی سے محفوظ ہو جاتا ہے اور اس کا کسی وقت بھی حال مکدر نہیں ہوتا بلکہ وہ دنیا و آخرت کے ہر غم والم

سے بچ جاتا ہے جب یہ عام ہوا تو نکاح کے امور بھی اس میں شامل ہو گئے۔

حدیث شریف حضور نبی اکرم ﷺ نے یہی آیت مبارکہ پڑھ کر فرمایا کہ متقی کو شبہات دنیا و غمرات الموت اور شدائد یوم القیامت سے نجات نصیب ہو گی۔

فائدہ جلالین میں ہے کہ متقی کو شدت سے آسودگی اور حرام سے حلال اور نار سے جنت کا راستہ ملتا ہے یا مخرج اسم مکان ہے یعنی متقی کو ایسا مکان نصیب ہو گا جس میں ہر طرح کا آرام ملے گا اور فتح الرحمن میں ہے کہ طلاق دہندہ کو رجعت کا موقعہ ملے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب آپ سے سوال کیا کہ جو شخص اپنی عورت کو تین یا ہزار طلاقیں دیتا ہے تو کیا اسے بھی خلاصی کی راہ ملے گی تو آپ نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا اسے کوئی راستہ نہ ملے گا اور اس کی عورت تین طلاق کے وقوع کی وجہ اس سے جدا ہو گی اور الٹا گناہ اس کے گلے میں۔

فائدہ بعض نے کہا کہ مخرج دو قسم ہے۔

۱۔ شدت سے خلاص ۲۔ رضا و صبر سے اس کی عزت افزائی ہو گی اس کے لئے کہ یہ بھی از قبیل عافیت ہے حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ سے ہر طرح کی عافیت کا سوال کرتا ہوں۔

عافیت دو قسم ہے اللہ تعالیٰ سے ہر قسم کی شدت سے عافیت کا سوال کیا جائے کیونکہ اکثر شدت کا وقوع گناہوں کی وجہ سے ہوتا ہے گویا بندہ ہر قسم کی بلا سے عافیت اور گناہوں سے عفو چاہتا ہے۔ کیونکہ گناہوں کی صدور نہ ہو تو شدت کا وقوع بھی نہیں ہوتا۔

۲۔ جب کوئی کسی بلاء میں مبتلا ہو تو اپنے سے دفع کرنے کے لئے اپنے نفس کا سہارا نہ کرے اور نہ ہی نفس کو رسوا کرے بلکہ اس کی پوری نگرانی کرے یہی موقعہ ہوتا ہے کہ انسان کی بلاء ولاء سے اور محنت منحہ سے اور غضب پیار سے اور الم لذت سے اور صبر شکر سے تبدیل ہوتا ہے۔ لیکن یہ مرتبہ کاملین کو نصیب ہوتا ہے۔

ویرزقہ اس کے بعد اسے اللہ تعالیٰ روزی عطا فرماتا ہے۔ من حیث لا یحتسب من ابتدائیہ

ہے اور یرزقہ کے متعلق ہے یعنی اسے روزی ایسے طریقے سے نہیں ہوگی کہ اس کا وہم و گمان تک نہ ہو گا اسی سے وہ مہر آسانی سے بھی ادا کرے گا اور دیگر حقوق بھی اور خرچ بھی سہولت سے ہو گا اور عین المعانی میں لکھا کہ اس حیثیت سے روزی پائے گا کہ وہ کسی کا دست نگر نہ ہو گا یا ایسی روزی پائے گا جس کا اسے حساب کا خطرہ نہ ہو گا۔

از سبب بگذر و تقویٰ طلب   تا خدا روزی رساند بے سبب
حق ز جائے بخشدت رزق حلال   کہ نباشد در گمان و خیال

(اسباب کو چھوڑ تقویٰ کا دامن پکڑ تاکہ تجھے اللہ تعالیٰ بغیر سبب کے روزی پہنچائے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ تجھے حلال روزی ایسی جگہ سے عطا فرمائے گا جہاں تیرا وہم و گمان نہ ہو گا)

وظیفہ روزی فراخ حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا مجھے قرآن کی ایک آیت ایسی ملی ہے کہ اگر کوئی اس پر عمل کرے تو اسے روزی کا خطرہ نہ ہو اور آیت من یتق اللہ یجعل لہ الخ ہے۔ آپ نے اسے بار بار پڑھا۔

دوسرا وظیفہ کثرت استغفار ہر دکھ سے کشادگی اور ہر تنگی سے شادمانی اور رزق ایسے طریقہ سے بے حساب جس کا وہم و خیال نہیں ہوتا۔

شان نزول حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے سالم کو مشرکین نے گرفتار کر لیا انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو بچے کی گرفتاری کے ساتھ فاقہ کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا تقویٰ کا دامن تھامو اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کثرت سے پڑھا کرو۔ انہوں نے اس پر عمل کیا تو چند دنوں کے بعد ان کا لڑکا خود بخود گھر آگیا اور ساتھ ہی ایک سو اونٹ لایا۔ ہوا یوں کہ سالم نے دشمنوں کو غفلت اور نشہ میں پایا تو موقعہ کو سمجھ کر اونٹ لے کر بھاگا اس پر یہی آیت نازل ہوئی۔

فائدہ کاشفی مرحوم نے لکھا کہ حضرت عوف نے اپنی عورت کے ساتھ مل کر یہ وظیفہ پڑھا تو تھوڑے سے عرصہ میں ان کا صاحبزادہ مشرکوں سے خلاصی پا کر گھر آگیا اور ساتھ ہی چار ہزار بکریاں بھی مدینہ طیبہ میں لایا۔ اس پر یہ نازل

ہوئی کہ جو کوئی تقوی کرتا ہے۔ اسے حلال روزی نصیب ہوتی ہے۔

فائدہ عین المعانی میں لکھا ہے کہ ان کا صاحبزادہ چار ہزار بکریوں کے علاوہ اور بھی بہت سا سامان لایا اور جلالین میں ہے کہ بہت سی بکریاں اونٹ مشرکوں سے بھگا کر والد کے ہاں پہنچا۔

قرآن پڑھنے سے ملازمت و حکومت ملتی تھی مروی ہے کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانہ میں ایک بدوی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے عرض کی کہ مجھے دفتر میں کوئی بہتر ملازمت عطا فرمایئے۔ آپ نے فرمایا کیا تو نے قرآن مجید پڑھا ہے اس نے نفی میں جواب دیا۔ آپ نے فرمایا جایئے قرآن مجید پڑھ کر آیئے پھر تمہیں ملازمت مل جائے گی۔ اس نے جاکر قرآن مجید کی تعلیم میں بڑی محنت کی اس ارادہ پر کہ ملازمت ملے گی لیکن قرآن مجید کی ایسی برکت ہوئی کہ اسے ضروریات زندگی کے لئے کسی کی ضرورت نہ رہی اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں واپس نہ گیا۔

ایک دن کہیں راستہ میں ملے آپ نے فرمایا عزیز عرصہ ہوا تم واپس نہیں ملے کیا ناراض تو نہیں ہو گئے ہو۔ عرض کی حضرت آپ سے کون ناراض ہو سکتا ہے۔ آپ تو ہمارے آقا و مولی ہیں لیکن اب مجھے ملازمت کی کوئی ضرورت نہیں آپ نے فرمایا وہ کیسے عرض کی کہ قرآن مجید پڑھنے سے مجھے ایسے برکات نصیب ہوئے ہیں جس سے میری ضروریات زندگی پوری ہو رہی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تمہیں کس آیت سے ایسا بھروسہ ملا ہے عرض کی ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا الخ سے مجھے خوب سہارا ملا ہے۔

فائدہ دنیوی تنگی ہو یا اخروی جسمانی ہو یا روحانی غرضیکہ تنگی جیسی ہی سخت تر ہو جو بھی اللہ تعالی سے پورے طور ڈرتا ہے اسے دارین کی تنگیوں سے کشادگی اور بہترین رزق نصیب ہو گا اور یاد رہے کہ بہترین رزق جو انسان کو نصیب ہوتا ہے وہ روحانی رزق ہے۔

سوال انبیاء و اولیاء علی نبینا و علیہم السلام سے کوئی بھی بڑھ کر متقی نہ ہو گا لیکن ان کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ انہیں دکھ اور تکلیفیں پہنچی ہیں۔

جواب یہ سب کو معلوم ہے کہ سب سے بڑھ کر دکھ اور تکلیف آخرت کی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے یہ حضرات آخرت کے ہر دکھ اور درد سے مامون و محفوظ ہیں کما قال اللہ تعالیٰ الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیہم ولا ھم یحزنون اور دنیا میں بھی جو کچھ انہیں تکلیف پہنچیں وہ بھی آخرت کے اجر عظیم کے لئے ہو اور ان کے صبر جمیل پر اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو ہدایت بخشی اور وہ علیم و حکیم اپنی حکمت سے بندوں سے جیسے چاہے کرے اور اپنے بندوں کو جس طرح کے جیسے منافع و فوائد بخشے وہ مالک ہے۔

وظیفہ فراخی رزق حضور سرور عالم ﷺ سے کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے فقر و فاقہ کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا ہمیشہ باوضو رہا کرو تمہارے رزق میں وسعت ہوگی۔

سوال بہت سے وضوء پر مداومت کرنے والوں کی روزی پوری نہیں ہوتی چہ جائیکہ ان کے رزق میں وسعت ہو۔

جواب (۱) اس کی کوئی اور وجہ ہوتی ہے اس وجہ کے ہوتے ہوئے دوسری وجہ کا ظہور نہ ہونا مقصد کے منافی نہیں۔

جواب (۲) کبھی ایسے بھی ہوتا ہے کہ وضو کی شرائط و ارکان کی ادائیگی میں غفلت ہوتی ہے اور کبھی جنایات کا غلبہ اور احد الضدین کا غلبہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے اصل کا صدور نہیں ہوتا۔

جواب (۳) فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کا دل گواہی دیتا ہے کہ باوضو رہنے والوں کو روحانی و معنوی رزق جیسے علوم و معارف حکمتیں اور حقائق نصیب ہوتے ہیں اور ان پر رزق ظاہری اور غذا جسمانی کی تنگی دراصل فقر ظاہری کو فقر باطنی سے مطابقت کے لئے ہے اس لئے فقر باطنی کا دوسرا نام غنا مطلق ہے۔ حضور سرور عالم ﷺ نے اپنی دعا میں عرض کیا اللھم اغننی بالافتقار الیک اے اللہ تعالیٰ مجھے افتقار یعنی فقر و فقیری سے اپنا غنا عطا فرما۔ خلاصہ یہ کہ طہارت پر مداومت کرنے والوں کو رزق ظاہری و باطنی ہر دونوں نصیب ہوتے

ہیں یا صرف باطنی کیونکہ بدایہ و نہایہ میں ہر ایک کے مختلف مرتب ہوتے ہیں ہاں اہل نہایت ہر طرح کے رزق سے سرفراز ہوتے ہیں لیکن بہت سے تھوڑے بزرگ ایسے ہوتے ہیں جن کی نہایت میں رزق ظاہری کی تنگی ہو (واللہ غنی)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ **ومن یتق اللہ** اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات وافعال کے لئے اپنی اپنی ذات کو ڈھال بناتا ہے اور اسے اپنی ذات وصفات وافعال کی تنگیوں سے محفوظ کر کے ان کی وسعت عطا فرماتا ہے اور اسے اپنے طریقہ عطا اپنے اسم وہاب کے فیض سے ایسے رزق عطا فرماتا ہے جس کا اسے وہم وگمان نہیں ہوتا اس فیض کے حصول میں اس کے اپنے کسب وجدوجہد کو دخل نہیں ہوتا۔

تفسیر عالمانہ **ومن یتوکل علی اللہ** توکل بمعنی ہر موجود و مفقود میں سکون قلب اور ہر تعلق سے قلب کا انقطاع اور اپنے جمیع احوال میں اللہ تعالیٰ سے متعلق ہونا اور جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے۔ **فھو** تو وہی اللہ تعالیٰ **حسبہ** اسے کافی ہے جب بمعنی محبت ہے بمعنی کافی یعنی اپنے جمیع امور میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ اتنا عطا فرماتا ہے یہاں تک کہ اسے کہنا پڑتا ہے کہ اب مجھے کافی ہے۔

سوال تمہارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رزق میں تغیر و تبدل نہیں تو پھر توکل کا کیا معنی۔

جواب مومن کا قلب ہر لحاظ سے پرسکون اور ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والا ہوتا ہے جس پر اس کے قلب پر اس کے کسی حکم سے ناگواری نہیں ہوتی اسی لئے توکل اللہ تعالیٰ کے نزدیک محمود ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ پر مکمل طور توکل کرو تو وہ تمہیں ایسے بلا تکلف رزی پہنچائے گا جیسے پرندوں کو کہ وہ صبح بھوکے جاتے ہیں تو شام کو پیٹ بھر کر آتے ہیں۔

ازالہ وھم اس سے یہ نہ سمجھنا کہ رزق کے لئے کسب و کمائی کی ضرورت نہیں بلکہ حدیث شریف میں **تغدو وتروح** کے الفاظ کسب و کمائی کی طرف اشارہ کرتے ہیں ہاں توکل کا یہ معنی ہے کہ رزق کے اسباب مکمل

کرنے کے بعد ان پر سہارا کے بجائے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر سہارا کیا جائے مثلاً کسان جب کھیتی کا کام کرے۔ تو بیج زمین میں ڈال کر یہ عقیدہ رکھے کہ حکم کی تعمیل میرا کام تمہارا رزق عطا فرمانا اس کا کام۔

فائدہ مشائخ فرماتے ہیں تجارت کرو اور کسب و کمائی کرو کیونکہ تم ایسے دور سے گزر رہے ہو کہ اگر کھانے کے لئے اور کچھ بھی نہ ملے تو اپنے دین کو کھاؤ گے۔ بہت سے بیوقوفوں کو دیکھا گیا کہ جب انہیں عین نماز جنازہ کے وقت کہا جاتا ہے۔ کہ چلو دکان پر سودا دو تو وہ نماز جنازہ چھوڑ دیتا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے۔

اگر توکل می کنی در کار کن کشت کن پس تکیہ بر جبار کن
رمز الکاسب حبیب اللہ شنو از توکل در سبب کاہل مشو

ترجمہ (۱) اگر تجھے توکل کرنا ہے تو کام کر کے کیجئے۔ مثلاً کھیتی کا کام مکمل کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر تکیہ کیجئے۔
(۲) الکاسب حبیب اللہ (کسب و کمائی کرنے والا اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے) کا راز سنئے سبب کی تکمیل کے بعد سستی نہ کیجئے۔

فائدہ جو حضرات کسب کمائی سے بالکل فارغ بیٹھے ہیں وہ بہت بڑے کاملین ہیں جن کے طریقہ کو دین میں کمزوری رکھنے والے نہیں پہنچ سکتے۔

فائدہ حدیث شریف میں دلالت ہے کہ توکل حقیقی یہ ہے کہ متوکل خاص اور معین رزق کے سہارے پر نہیں رہتا جیسے پرندہ کہ وہ رزق کے معاملہ میں خاص رزق کا منتظر نہیں ہوتا ہاں اولیاء کاملین کا معاملہ اور ہے کہ ان کے نزدیک معین وغیرہ معین رزق یکساں ہے کیونکہ ان کے قلوب ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ متعلق ہیں انہیں غیر کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔

فائدہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جو اپنے نفس کے رزق یعنی احکام، شرعیہ میں ایسے ہی قلب کے رزق میں یعنی واردات قلبیہ میں اور ایسے ہی روح کے رزق میں یعنی عطایائے الٰہیہ روحانیہ میں توکل کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کا اسم

اعظم من حیث الاسماء کافیہ کافی ہے یا اسے نفس کا توکل کافی ہے اس معنی پر حسبہ کی ضمیر توکل کی طرف راجع ہے۔

ان اللّٰہ بالغ امرہ بالغ مضاف امرہ مضاف الیہ ہے بمعنی منفذ امرہ یعنی بیشک اللہ تعالیٰ اپنا حکم جاری کرنے والا اور مراد پوری کرنے والا اور اپنی مخلوق میں اپنی قضاؤ قدر جاری کرنے والا ہے اس پر کوئی توکل کرے یا نہ ہاں جو اس پر توکل کرتا ہے تو وہ اس کے گناہ معاف کرتا ہے اور اس کا اجر بڑھاتا ہے۔

فائدہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ اپنے ہر مامور کو اس کے منتہی واقعی تک پہنچاتا ہے بالغ کو تنوین کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے۔ اس وقت امرہ منصوب ہو گا یعنی اسے اس امر تک پہنچاتا ہے جو وہ چاہتا ہے اسے اس سے کبھی نامراد نہیں ہو گا اسے کوئی شے عاجز نہیں کرے گی۔

فائدہ کاشفی مرحوم نے لکھا کہ وہ اپنے کام کو اس حد تک پہنچائے گا جہاں وہ چاہتا ہے یعنی اللہ کی مراد فوت نہیں ہوتی۔

فائدہ امرہ کو علی الفاعلیت بھی پڑھا گیا ہے۔ بمعنی نافذ امرہ یعنی اس کا حکم نافذ ہے۔ القاموس میں ہے امر اللّٰہ بلغ ای بالغ نافذ یبلغ این ارید بہ یعنی اس کا حکم وہاں پہنچا جہاں اس کا ارادہ تھا قد جعل اللّٰہ لکل شئی بیشک اللہ تعالیٰ نے ہر شے مثلاً شدت و رخا اور فقر و غنا اور موت و حیات وغیرہ کے لئے مقرر فرمائی ہے قدرا تقدیر جو اس کی ذات سے اور زمان اور قوم سے متعلق ہے اور ایسے ہی ہر شے کی کیفیات و اوصاف اس کے ساتھ متعلق ہے پھر جس کسی کے لئے مقدر ہے وہ اسے ملے گا اور وہ اپنے مقدر سے نہ رہ جائے گا خلاصہ یہ کہ قدرا بمعنی مقدار و حدی معین یا وقت اور اجل اور شے وہ نہایت جہاں اس کی انتہا ہوتی ہے کہ جس سے وہ نہ مقدم ہو نہ موخر۔ اور متغیر ہو کر اس کے عوض کوئی اور آسکے یعنی وہ مقدار از زبان جو نہ آگے ہو سکے نہ پیچھے۔

فائدہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قدر سے رتبہ اور وہ کمال جو شے کے لائق ہو۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی نے فرمایا کہ جو وسائط سے قطع نظر کر کے اور وسائل سے فارغ ہو کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر اس پر توکل کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ ان امور سے کفایت کرے گا جو اس کے لئے مقدر کئے گئے ہیں اور اسے وہ رلو عطا فرمائے گا جو اس کی قسمت اخروی و دنیوی امور میں سے اس کی قسمت میں لکھی ہے بیشک اللہ تعالیٰ اپنے ارادہ کے مطابق کام کو تمام فرماتا ہے نہ اسے کوئی منع کر سکتا ہے اور نہ کوئی حائل ہو سکتا ہے۔ اور جو اس پر یقین رکھتا ہے وہ کسی سے خوفزدہ نہ ہو گا اور نہ ہی کسی سے امید بلکہ وہ اپنے جملہ امور اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کرتا ہے تو وہ ہر شکل میں نجات پاتا ہے۔

فائدہ اللہ تعالیٰ ہر کام کی ازل میں حد اور وقت مقرر فرماتا ہے وہ نہ کسی کی کوشش سے بڑھتا ہے اور نہ کسی کے روکنے سے گھٹتا ہے اور نہ کسی کی کوتاہی سے ٹلتا ہے اور وہ کسی وقت سے موخر ہوتا ہے اور نہ مقدم اور جو اس پر یقین رکھتا ہے وہی حقیقی متوکل ہے۔

تقدیر کی لغوی و اصطلاحی تحقیق المفردات میں ہے کہ تقدیر کا لغوی معنی ہے کس کو قدرت دینا اور عرف میں مقدار مخصوص و وقت مخصوص و درجہ مخصوص مقدر کرنا حکمت کے اقتضاء پر مقدر کرنا اور فعل الٰہی دو قسم ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے فعل کو ایجاد فرمایا اور ایجاد کا یہ معنی ہے کہ اس نے یکبارگی فعل کو مکمل طور از سر نو بنایا اس میں نہ کون کو دخل ہے نہ فساد کو جہاں تک اس کا باقی رکھنے یا تبدیل کرنے کا ارادہ ہے جیسے آسمان اور وہ اشیاء جو اس میں ہیں اور بعض ایسی چیزیں بھی ہوتی ہیں جن کے اصول بالفعل موجود اور اجزاء بالقوۃ ہوتے ہیں اور جس میں اللہ تعالیٰ نے کوئی شے مقدر فرمائی ہے پھر ایسا نہیں ہو گا کہ اس کے سوا کوئی اور شے ہو جائے جیسے گٹھلی جس میں کھجور کی پیدائش مقدر ہے اس سے ناشپاتی یا کوئی اور میوہ پیدا نہ ہو گا پھر تقدیر الٰہی دو قسم ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ کا تقدیر کا حکم علی سبیل الوجوب ہو گا کہ اس کے برعکس ہرگز نہ ہو گا۔

(۲) حکم علی السبیل الامکان اسی دوسری قسم کے لئے فرمایا لکل شئی قدرا۔

مسئلہ آیت میں توکل کے وجوب کا بیان ہے اور تنبیہ ہے کہ ہر امر اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کیا جائے کیونکہ

جب سب کو معلوم ہے کہ رزق وغیرہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر موقوف ہے جیسے اس نے وقت مقرر فرمایا اس سے پس و پیش نہ ہو گا تو پھر سوائے سر تسلیم خم کے چارہ نہیں۔

فائدہ حضرت کاشفی مرحوم نے فرمایا یہ آیت توکل تو تقویٰ کا اصل ہے اور تقویٰ نفحہ بوستان قرب ہے اور یہ معیت الٰہی کی خبر دیتا ہے کما قال ان اللہ مع الذین اتقوا اور توکل رائحہ گلزار کفایت ہے اور یہ محبت کی ریحان کی خوشبو ہے کما قال اللہ تعالیٰ ان اللہ یحب المتوکلین ان دونوں کے بغیر طریق تحقیق میں قدم نہیں رکھا جا سکتا۔

سلوک را معنی را توکل باید و تقوی ۔۔۔ توکل مرکب راہست و تقوی توشہ رہبرو

(راہ معنی کا سلوک توکل و تقویٰ سے طے ہوتا ہے توکل رستہ کا گھوڑا ہے تو تقویٰ کا توشہ)

توکل و تقویٰ لازم و ملزوم حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ توکل متقین کو بجتا ہے اور تقویٰ توکل کے بغیر نہیں ہو سکتا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے دونوں کو اکٹھا بیان فرمایا ہے کما قال ومن یتق اللہ الخ
بعض مشائخ نے فرمایا کہ جس کے لئے تقویٰ متحقق ہو گیا اللہ تعالیٰ اس کے قلب پر اعراض عن الدنیا اور اقبال علی اللہ آسان فرما دیتا ہے اپنی خدمت کے لئے اسے مزین فرماتا ہے اور اسے اہل ارادہ کا امام بناتا ہے۔ جس کی وہ اقتداء کرتا ہے وہ ان کو واضح ترین راستہ پر لگاتا ہے یہی اعراض عن الدنیا والاقبال علی اللہ ہے اور یہ متقین کا مرتبہ ہے۔

فائدہ حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو اپنے جملہ امور اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کرتا ہے اسے اللہ تعالیٰ دونوں جہانوں میں کافی ہے۔

فائدہ حضرت ربیع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے فیصلہ فرمایا ہے کہ جو اس پر توکل کرتا ہے تو وہ اس کی کفایت فرمائے گا اور جو ایمان لاتا ہے تو اسے راہ راست نصیب فرمائے گا اور جو اسے قرض دیتا ہے تو اسے جزا بخشے گا اور جو اس پر بھروسہ کرتا ہے اسے نجات دے گا اور جو اس سے دعا مانگتا ہے تو اس کی دعا قبول کرے گا۔ اور اس کی تصدیق کتاب اللہ میں ہے ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ فرمایا ومن یؤمن

باللہ یهدو من یعتصم باللہ فقد هدی الی صراط مستقیم اور فرمایا اجیب الدعوة الداع اذا دعان میں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے۔

تفسیر عالمانہ واللائی یہ بھی حروف موصولہ سے ہے التی کی جمع ہے یعنی وہ عورتیں یئسن من المحیض جن سے دخول ہوا اور وہ بڑھاپے کی وجہ سے یا حیض کی وجہ سے یا حیض کے خشک ہونے کے سبب سے حیض سے ناامید ہو چکی ہیں اور وہ ساٹھ سال یا پچپن سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے۔

مسئلہ اگر کوئی عورت اس سن کے بعد حیض دیکھے تو وہ حیض میں شمار نہ ہو گا۔

فائدہ یئسن فعل ماضی ہے الیأس مشتق ہے بمعنی القنوط یعنی ناامید ہونا الرجاء بمعنی امید کی نقیض ہے مثلاً کہا جاتا ہے یئس من مرادہ یعنی مراد سے ناامید ہو گیا یئس ییٔس یَأْساً و ایاسا۔ کا بھی یہی ہے لیکن الیسا اس کا مصدر نہیں ہے ان دونوں کا فاعل لیس آتا ہے اس کا یائس فاعل نہیں آتا۔ مونث کے لئے بھی آئس آتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے امراة آیس یہ اس وقت کہتے ہیں جب عورت حیض سے مایوس ہو جائے مونث کے لئے آلستة نہیں آتا اس لئے کہ تاء اس وقت صیغہ مونث کے لئے لائی جاتی ہے جب اس کا مذکر کا صیغہ مستعمل ہوتا ہو کیونکہ ان کے مابین فرق کرنے کے لئے تاء کی ضرورت ہوتی ہے چنانچہ امراة آئس اور حائق و حامل اسی قبیل سے ہیں کہ ان پر بھی تاء نہیں آتی صرف لفظ حامل ہیں اس وقت تاء نہیں آئے گی جب بچہ سے حاملہ ہو اگر عورت ناامیدی یا بچہ کی وجہ سے نہ ہو تو اسے آئسہ حاملہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

فائدہ المغرب میں ہے کہ الیأس بمعنی انقطاع الرجاء اور آسٌ آیٔسه (یعنی وہ عورت جو حیض سے ناامید ہو چکی ہو) کا مصدر ہے یہ دراصل ائیاس تھا بروزن افعال اور وہ ہمزہ جو عین کے بالمقابل ہے) اسے تخفیفاً حذف کر دیا گیا ہے۔ المحیض بمعنی حیض ہے اہل عرب کہتے ہیں حاضت الانثیٰ فی حائض و حائضہ یعنی وہ عورت جس کی قبل سے خون جاری ہو۔

فائدہ حیض نہ صرف آدمی عورت کو آتا ہے بلکہ حیوانات میں خرگوش اور ضبع اور چمگادڑ کو بھی آتا ہے (کماذکرہ الجاحظ) القاموس میں ہے کہ اہل عرب کہتے ہیں حاضت المراۃ تحیض حیضا و محیضا و محاضا فی حائض اور حائض کی جمع حوائض اور حیض بمعنی عورت کا خون بہنا۔ المحیض اسم ہے اور مصدر ہے بعض نے کہا کہ الحوض اسی سے ہے کیونکہ اس سے بھی پانی بہتا ہے۔ الحیضتہ بمعنی ایک بار حیض جاری ہونا۔ شرع میں حیض وہ خون جسے تندرست اور بالغ عورت غیر آئسہ کی رحم نکالے اس معنی پر وہ عورت جو خون حیض سے ناامید ہو جائے اسے شرع نے آئسہ کے نام سے موسوم کیا ہے۔

فائدہ آیت میں پہلا من ابتداء غایت کے لئے ہے اور جو اس سے پہلے فعل واقع ہے اس کے متعلق ہے اور دوسرا من تبینیہ اور اس کا متعلق محذوف ہے۔

ان ارتبتم یہ ارتیاب سے مشتق ہے بمعنی شک میں ہونا یعنی اگر تم شک میں ہو اور ان پر قطعی طور کوئی حکم جاری نہیں کر سکتے کیونکہ ان کے حیض منقطع ہونے کی وجہ سے تمہیں کوئی علم نہیں ہو سکتا ان کے بڑھاپے کی وجہ سے حیض سے بے خبری ہے کہ نامعلوم ان کی عدت کیونکر ہے۔

فعدتھن ثلاثتہ اشھر واللائی یئسن مبتداء اور اس کی خبر فعدتھن ہے۔ ان ارتبتم جملہ معترضہ اور جواب شرط محذوف ہے جو کہ فاعلموا انھا ثلاثتہ اشھر تھا۔ اہل لغت کہتے ہیں کہ اشہر شہر کی جمع ہے اور وہ چاند کی تاریخیں معلومہ کا مجموعہ یا بارہ ماہ (سال) کا ایک جز ہے یعنی جب سورج ایک نقطہ سے دوسرے نقطے تک گھوم جاتا ہے تو سال ختم ہوتا ہے اور القاموس میں ہے کہ شہر کے چند گنتی کے دن ہیں اور شہر سے اس لئے موسوم ہے کہ وہ قمر (چاند) سے شہرت پاتا ہے۔ واللائی اور وہ عورتیں جو کہ لم یحضن حیض کا خون نہیں دیکھتیں بوجہ ان کے صغر سنی کے تو ان کی عدت بھی تین مہینے ہے یہاں ثلثہ اشہر محذوف ہے۔ جبکہ پہلے اس کا ذکر ہو۔ اب دوبارہ لانے کی ضرورت ہی نہیں۔

مسئلہ وہ نوجوان عورت جس کا کسی وجہ سے قبل سن ایاس خون بند ہے تو امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ تعالی علیہ کے

نزدیک اس کی حد بھی تین ماہ ہے لیکن امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وہ خون کے آنے کا انتظار کرے یا سن ایاس تک پہنچے۔ اگر اس اثناء میں خون ظاہر ہو تو اس کی عدت اسی کے مطابق شمار ہو گی۔

فائدہ سجاوندی رحمتہ اللہ علیہ نے طاء کو وقف مطلق کی ایک علامت مقرر فرمایا ہے اور قاعدہ لکھا ہے کہ جو عورتیں حیض سے مایوس ہیں ان کی عدت تین ماہ ہے لیکن یہ ان کی غلطی ہے اگر وہ اس کے بجائے میم لکھتے تو موزوں ہوتا کیونکہ طاء انقطاع کے معنی میں موسوم ہے اور میم مایوسہ کے معنی پر واضح ہے ہاں انہوں نے عدم ظہور حیض پر قیاس کیا ہے کہ جیسے اس کے حیض نہ ہونے سے حمل ظاہر نہیں ہوتا ایسے ہی مایوسہ عورت کا حال ہے۔ **واولات الاحمال** اور حاملہ عورتیں۔

حل لغات اولات کا واحد ذات بمعنی صاحب احمال حمل کی جمع ہے (بالفتح) بمعنی بوجھ اس سے مراد وہ بوجھ جو پیٹ میں ہے جسے حاملہ عورتیں اٹھاتی ہیں یعنی پیٹ کے اندر والا بچہ اب معنی یہ ہوا کہ وہ عورتیں جو حمل والی ہیں۔ **اجلھن** ان کی عدت کی انتہا یہ ہے کہ **ان یصنعن اجلھن** وضع حمل کریں وہ مطلقہ ہوں یا شوہر فوت شدگان۔

مسئلہ اگر کوئی عورت طلاق کے بعد یا شوہر کے فوت ہونے کے بعد فوراً وضع حمل کر دے تو اس کی عدت ختم ہو جائے گی وہ دوسرے شوہر سے نکاح کر سکتی ہیں خواہ ایک ماہ کے بعد ایک ہفتہ پر یا ایک گھنٹہ پر۔

فائدہ اس سے آیت **والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن باربعتہ اشھر وعشر** کا عموم منسوخ ہو گیا کیونکہ آیت سورہ طلاق آیت مذکورہ بالا کے بعد نازل ہوئی۔

حکایت و روایت حدیث شریف حدیث شریف میں ہے کہ سبعیہ بنت الحارث اسلمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا شوہر فوت ہوا تو چند دنوں کے بعد اسے وضع حمل ہوا تو اس نے رسول اللہ ﷺ کو عرض کیا تو آپ نے فرمایا تیری عدت ختم ہو گئی اب جس سے چاہے نکاح کر لے۔

ومن یتق اللہ اور جو اللہ تعالیٰ کے احکام و حقوق کے بارے میں تقویٰ کرتا ہے تو یجعل لہ من امرہ یسرا تو اس پر جملہ امور آسان فرمائے گا اور اسے خیر و بھلائی کی توفیق بخشے گا اور اسے تقویٰ کے سبب سے معاصی و جرائم سے بچائے گا۔ اور من بیانیہ ہے مبین سے بوجہ فواصل کے مقدم کیا گیا ہے یا من بمعنی فی ہے۔ ذلک احکام مذکور کی طرف اشارہ ہے۔

سوال بعد کو خطاب جمع کا ہے لیکن ذلک مفردہ کے لئے ہوتا ہے اس کی مطابقت کیسے ہو گی۔

جواب یہاں حاضر اور گزرے ہوئے امر کا فرق ظاہر کرنا مطلوب ہے۔ تعیین خطاب مراد ہے تاکہ مطابقت ضروری ہو۔ امر اللہ اللہ تعالیٰ کا امر یعنی حکم شرعی ہے انزلہ اسے لوح محفوظ سے نازل فرمایا ہے الیکم تمہاری طرف۔

فائدہ ابو اللیث نے فرمایا کہ اسے قرآن مجید میں تمہارے نبی علیہ السلام پر نازل فرمایا ہے تاکہ تم اس پر عمل کرنے کی استعداد حاصل کرو فلہذا اس کی مخالفت سے بچو ومن یتق اللہ اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے یعنی اس کے احکام پر حفاظت کرو۔ یکفر عنہ سیاتہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرمائے گا یعنی اپنی رضا سے اس کے گناہ چھپاتا ہے اور بہت بار اس کی برائیوں کو نیکیوں سے تبدیل کرتا ہے۔

ویعظم لہ اجرا اور قیامت میں اس کا اجر و ثواب بڑھاتا ہے اجرا سے اجر عظیم مراد ہے جیسا کہ اجر کی تنوین سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ تنوین عظمت کی ہے یعنی تنکیر کی تعمیم تمیم پر دلالت کرتی ہے۔

فائدہ تین طلاقوں سے بچنے سے اشارہ ہے کہ بوقت ضرورت صرف ایک طلاق واقع کرنے میں منجانب اللہ کی امید رکھنی چاہئے اس کے اشارے آیت ہذا میں موجود ہیں۔

۱۔ آیت میں یعنی یجعل لہ مخرجا فرما کر اسے موجودہ پریشانی اور مکروہ فعل کی خرابی سے نکلنے کا وعدہ ہے اور فرمایا گیا ہے کہ اس کے عوض ایسی محبوب شے نصیب ہو گی جو اس کے وہم و خیال میں نہ ہو گا۔

۲۔ اس کی مشکلیں حل ہوں گی بلکہ اس پر ہر خیر کے دروازے کھل جائیں گے۔

سو اسے بہتر جزا کا وعدہ فرمایا یعنی آخرت میں اسے اعلیٰ نعمتوں سے نوازا جائے گا۔

اسکنوھن من حیث سکنتم انہیں اس مکان میں ٹھہراؤ جس میں تم خود ٹھہرتے ہو یہ جملہ مستانفہ ہے اور ماقبل سے ایک پیدا شدہ سوال کا جواب ہے وہ یہ کہ مطلقہ کے متعلقین کے بارے میں کیا حکم ہے اس کے جواب میں فرمایا کہ اسکنوھن الخ یعنی انہیں وہاں ٹھہراؤ جہاں خود ٹھہرتے ہو یعنی طلاق میں غصہ کر کے مطلقہ عورتوں کو گھر سے نکال نہ دو بلکہ انہیں اپنے مکان کے کسی حصہ میں ٹھہراؤ۔ یہ خطاب اہل ایمان طلاق دہندگان کو ہے۔

من وجدکم اپنی وسعت کے مطابق یعنی مطلقہ عورتوں کی ٹھہرنے کی جگہ اپنی طاقت کے مطابق بناؤ۔

حل لغات الوجد بمعنی طاقت اور تونگری مثلاً اہل لغت کہتے ہیں۔ افتقر فلان بعد وجدہ فلاں شخص وہ تونگری کے بعد فقیر ہو گیا۔ یہ من حیث سکنتم کا عطف بیان و تفسیر ہے۔

فائدہ عین المعانی میں ہے من من حیث سکنتم کے ابہام بیان کرنے کے لئے ہے عین المعانی کے اس بیان پر ابو حیان نے اعتراض کیا ہے عطف بیان میں عامل کا اعادہ نہیں ہوتا ہاں بدل میں عامل کا اعادہ ہوا کرتا ہے بہتر یہ ہے کہ اسے بدل بنایا جائے۔

مسئلہ حضرت قتادہ نے فرمایا کہ اگر شوہر کا صرف ایک مکان ہو تو مطلقہ کے لئے ایک کنارے پر ایک جگہ مختص کی جائے۔

مسئلہ صاحب لباب نے لکھا کہ جس مکان میں عورت کو طلاق دی گئی ہے اگر وہ شوہر کی ملکیت کا ہے تو اس شوہر پر لازم ہے کہ وہ مکان عورت کو خالی کر دے تاکہ وہ اس میں آرام کے ساتھ عدت گزارے اگر وہ مکان کرایہ کا ہے تو اس کی اجرت شوہر ادا کرے۔ اگر عاریت کا مکان ہے تو عاریت کا مکان مالک کو واپس لوٹ دے اور عورت مطلقہ کے لئے کوئی کرایہ کا مکان لے کر عدت گزارنے کے لئے عورت کے سپرد کرے۔

مسئلہ کشف الاسرار میں ہے کہ جس معتدہ سے شبہ کے طور وطی کی گئی ہے اور جس لونڈی کا نکاح فسق ہوا یعنی

عیب یا خیار عشق کی وجہ سے تو اس کے لئے نہ مکان دینا ضروری ہے نہ نفقہ اگرچہ وہ حاملہ ہو۔

ولاتضاروھن اور انہیں ضرر نہ دو۔ یعنی گھر میں ٹھہرانے کے بارہ میں کسی وجہ سے ان کے لئے ضرر کا ارادہ نہ کرو اور مفاعلہ کبھی مشارکت کے لئے آتا ہے یعنی مطلقات کو ضرر نہ دو۔

لتضیقوا علیھن اور بعض اسباب کی وجہ سے ان پر تنگی نہ کرو مثلاً انہیں ان کے ساتھ ایسے افراد ٹھہرانا جو ان سے موافقت نہیں رکھتے یا ان کے رہنے کے مکان میں وہ تصرف کریں وغیرہ وغیرہ یہاں تک کہ وہ اس جاہ سے نکلنے پر مجبور ہو جائیں۔ خلاصہ یہ کہ ان کی رہائش گاہ میں کسی قسم کی تنگی نہ کرو۔

مسئلہ اس میں حسن المروۃ اور شفقت و رحمت کا سبق دیا گیا ہے اور سابق حقوق زوجیت کا درس دیا گیا ہے اور ان سے یہ حسن مروت وغیرہ ان کی آسانی کے لئے ہے یہاں تک کہ وہ دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کرنے تک آرام سے وقت بسر کر سکیں۔

وان کن اور اگر وہ مطلقات اولات حمل حمل والی ہوں اور اولات مکسور ہے جیسا کہ جمع مونث کا قاعدہ ہے اور حمل کی تنوین تعمیم کی ہے اس طرف اشارہ ہے کہ ان کے وضع کا وقت قریب ہو یا بعید فانفقوا علیھن حتی یضعن حملھن اور ان کو نان ونفقہ دو یہاں تک کہ وضع حمل ہو تو وہ عدت سے فارغ ہو جائیگی اور تمہارے خرچ لینے کی کلفت سے بھی بچ جائے گی اور دوسری جگہ انہیں نکاح کرنا جائز ہو جائے گا۔

مسئلہ طلاق بائن واقع ہو اور وہ حاملہ ہو تو اسے نان ونفقہ اور مکان میں ٹھہرانا چاہئے اور اس مسئلہ پر سب کا اتفاق ہے۔

فائدہ عدت حیض کی ہو یا مہینے کی گنتی بہرحال نان ونفقہ ضروری ہے۔

مسئلہ اگر مطلقہ کا شوہر طلاق کے بعد فوت ہو جائے تو ترکہ سے زنان ونفقہ ضروری ہے اور نہ مکان خاص میں ٹھہرانا بلکہ اس کی مرضی جہاں چاہے عدت گزارے اگرچہ وہ حاملہ ہو اس لئے کہ علماء کا اجماع ہے کہ کسی نے کسی کو مجبور کیا کہ اس کی عورت اور اس کے چھوٹے کو خرچ دے تو اس نے خرچ کیا۔ لیکن ضروری نہیں کہ وہ اس کے

مرنے کے بعد بھی اس کے مال سے خرچ کرے۔

مسئلہ ایسے متوفی عنہا الزوج حاملہ کا حکم ہے یہی اکثر فقہاء کا قول ہے۔

مسئلہ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہر مطلقہ عورت کے لئے نفقہ اور مکان ضروری ہے وہ طلاق مغلظہ ہو یا رجعی یا بائنہ سال تک کہ عدت ختم ہو۔ طلاق رجعی ختم ہو تو اس کا نان و نفقہ تا اختتام عدت ضروری ہے۔ اس لئے کہ وہ عدت سے پہلے ابھی شوہر کے نکاح میں بدستور ہے عدت کے اختتام پر اس کا نکاح ختم ہو گا اور چونکہ اس عورت کا نکاح معرض زوال میں ہے کہ عدت گزرتے ہی یہ اپنے شوہر سے فارغ ہو جائے گی اسی لئے یہ اپنے حق نکاح کے لحاظ سے نفقہ وغیرہ کی حقدار ہے جیسے کسی نے اپنی عورت سے ایلاء کیا اور اس کی طلاق کو ایک ماہ گزرنے پر معلق کیا تو اس عورت کا نان و نفقہ ضروری ہے تو ایسے ہی مطلقہ رجعیہ کو سمجھئے خلاصہ یہ کہ مطلقہ رجعیہ کا نان و نفقہ وغیرہ بالاجماع ثابت ہے۔

طلاق بائنہ اگر کسی عورت کو طلاق بائنہ واقع ہو تو ہمارے نزدیک اس کا نان نفقہ اور مکان میں ٹھہرنا بھی ضروری ہے کما قال اللہ تعالیٰ اسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم یعنی جہاں تم ٹھہرتے ہو وہاں مطلقہ کو ٹھہراؤ اور حسب وسعت عدت گزرنے تک اسے نان و نفقہ دو۔

فائدہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراۃ میں ہے۔ اسکنوھن من حیث سکنتم وانفقوا علیہن من وجدکم

مسئلہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ مطلقہ کے لئے مکان ضروری ہے لیکن نان و نفقہ کی ضرورت نہیں ہاں حاملہ ہو تو پھر نان (نفقہ ضروری ہے کما قال اللہ تعالیٰ وان کن اولات حمل (الخ)

سوال جب احناف کے نزدیک ہر مطلقہ کے لئے نان و نفقہ ضروری ہے تو پھر آیت میں وان کن اولات

حمل الخ کی شرط کیوں؟

جواب کبھی حمل کی مدت طویل ہو جاتی ہے تو پھر بعض بے خبر لوگوں کو گمان گزرتا کہ نان و نفقہ لازم نہیں رہا جب دیکھتے ہیں کہ حاملہ کی عموی عدت ختم ہو گئی تو نان و نفقہ کیسا اسی وہم و گمان والوں کے لئے یہ شرط لگائی گئی۔ (الکشاف) فان ارضعن لکم (اگر وہ تمہارے لئے دودھ پلائیں)

حل لغات الرضاع لغت میں معنی تھنوں سے دودھ پینا اور اصطلاح شرع میں بچے کا وقت مخصوص میں آدمیہ کا خالص یا ملاوٹ والا دودھ پینا (حقیقتاً و حکما) الارضاع بمعنی دودھ پلانا اگر یہ مطلقہ عورتیں رشتہ زوجیت و تعلق نکاح کے انقطاع کے بعد اپنے یا غیر بچے کو دودھ پلائیں۔

سوال لکم کیوں فرمایا حالانکہ عبارت کا تقاضا ہے کہ اولاد کم ہوتا؟

جواب چونکہ دوسری ایت میں فرمایا والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن ارادان یتم الرضاعتہ اس میں اولاد کی اضافت عورتوں ی طرف ہے اور لام اختصاص مردوں کے لئے تاکہ معلوم ہو کہ دودھ پلانے کا خرچ شوہروں پر واجب ہے۔

مسئلہ اگر بچے کی ماں (اگرچہ مطلقہ ہو) خوشی سے دودھ پلائے تو بہتر ہے اسے دودھ پلانے پر مجبور کرنا جائز نہیں اگر وہ دودھ پلانے سے انکار کرے تو مرد پر واجب ہے کہ وہ کسی دایہ کو دودھ پلانے کے لئے اجرت ادا کرے۔

مسئلہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کے نزدیک بچے کی ماں کو دودھ پلانے کے لئے اجرت پہ نہ رکھا جائے جبکہ وہ نکاح میں ہے۔

فاتوھن اجورھن اگر وہ مطلقہ دودھ پلانے کی اجرت طلب کرتی ہے تو انہیں اجرت دو کیونکہ وہ اس وقت عام دائگان کے حکم میں ہیں۔

مسئلہ اللباب میں ہے کہ عورت کو طلاق ہو جائے تو پھر اپنے کو دودھ پلانا اس پر واجب نہیں ہاں اگر بچہ سوائے

اس کے اور کسی عورت کا دودھ نہیں پیتا تو اس وقت اس پر دودھ پلانا واجب ہو جائے گا۔

مسئلہ۔ اگر مطلقہ اور شوہر بچے کے دودھ پلانے کی اجرت میں اختلاف کریں تو دیکھا جائے گا کہ اگر عورت جائز اجرت طلب کرتی ہے لیکن شوہر کہتا ہے کہ میں اجرت کے طور پر نہیں بلکہ بطور تبرع جو کچھ چاہوں گا دوں گا شوہر کا یہ قول غلط ہے بلکہ عورت کو جائز اجرت دینی پڑے گی اگر عورت جائز اجرت سے بڑھ کر مانگتی ہے تو مرد سے جائز اجرت دلوائی جائے گی اور زائد مطالبہ غلط قرار دیا جائے گا۔

مسئلہ اگر قاضی (حاکم وقت) کے ہاں فیصلہ طے ہو چکا ہے کہ بچے کا والد کنگال ہے اور دودھ پلانے کی اجرت کی ادائیگی سے عاجز ہے اور اس کی عورت مطلقہ بچے کے دودھ پلانے کی اجرت مانگتی ہے تو عورت کو مفت دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے گا۔

سوال بچے کے اگر باپ پر یہ حقوق ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ حریت و رقیت میں بچہ باپ کے تابع کیوں نہیں بلکہ ماں کے تابع ہوتا ہے مثلاً بچہ کے اب کے غیر کی ملک ہے تو بچہ بھی اس کی ملک ہو گا اگر باپ حر ہو ایسے ہی ماں اگر آزاد ہے تو بچہ بھی آزاد ہو گا اگرچہ بچہ غلام ہو۔

جواب فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ ماں کے نطفہ کو باپ کے نطفہ پر ترجیح ہے اس لئے کہ ماں کا نطفہ اس کے پیٹ میں ٹھہرتا ہے اور باپ کا نطفہ غیر معلوم ہے اس سے معلوم ہوا کہ مالکیت والدیت پر غالب ہے ویسے تحقیق یہ ہے کہ احکام شرع عقلیہ نہیں ان کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے وہ جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہے۔

وأتمروا بینکم اور اے بچے کے ماں باپو۔ آپس میں مشورہ کرو۔ **بالمعروف** ساتھ اچھائی کے ایک دوسرے کو دودھ پلانے اور مزدوری کے بارے میں اچھا مشورہ کرو اگر تم میں سے کسی ایک سے کچھ غلطی ہو جائے تو چشم پوشی سے کام لو۔ نہ تو باپ کی طرف سے دودھ پلانے کی ضروریات کی ادائیگی میں بخل ہو اور نہ ماں سے کسی قسم کی رکاوٹ یا تنگی کیونکہ وہ بچہ دونوں کا مشترک ہے اور اس پر شفقت کرنے میں برابر کے شریک ہیں۔ معلوم ہوا کہ ائتمار بمعنی تامر ہے جیسے اشتواء تشاور کے معنی میں آتا ہے اہل عرب کہتے ہیں (ائتمر القوم اتامروا) یہ اس وقت

بولتے ہیں جب لوگ آپس میں ایک دوسرے سے مشورہ لیں اور اہل صرف کے نزدیک افعل کبھی تفاعل کے معنی میں آتا ہے اور یہاں بھی اسی قاعدہ پر مستعمل ہوا ہے وان تعاسرتم یہ تعاسر القوم سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں۔ جب لوگ کسی کام کو دشوار بنانے کی کوشش کریں تعاسرتم بمعنی تضایقتم ہے یعنی اگر تم دشواری پیدا کرو اور تنگی دکھاؤ مثلاً باپ دودھ کی مزدوری میں انکار یا تنگی کرے یا ماں دودھ پلانے سے انکار کرے۔ فترضع له هو کا مرجع یا والد ہے جیسے کشاف میں ہے۔ اور یہ فان ارضعن لکم کے موافق ہے یا اس کا مرجع بچہ ہے جیسے جلالین کاشفی وغیرہ میں ہے اور اس میں یہ بھی لکھا کہ فسترضعه ہوتا تو اشکال نہ رہتا تو اسے دودھ پلائے گی۔ اخری دوسری عورت اور عورت جو اس بچے کو دودھ پلائے گی یعنی وہ غیر عورت جو بچے کی ماں نہیں۔

مسئلہ اگر بچے کی ماں اپنے بچے کے دودھ پلانے سے انکار کرے تو اسے دودھ پلانے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

فائدہ اس میں بچے کی ماں کو عتاب ہے کہ اگر وہ تنگی کرتی ہے تو کیا ہوا کوئی اور پلائے گی جیسے تم کسی کے ہاں کام کے لئے جاؤ اور وہ کام نہ کرے یا بے پرواہی کرے تو تم اسے کہو اگر تم میرا کام نہیں کرتا تو کوئی اور کرے گا اس سے اس طرح ملامت کرنے پر ایسا کلام کیا جاتا ہے ایسے ہی یہاں ہوا۔

فائدہ حضرت سعدی مفتی مرحوم نے فرمایا کہ اس میں ماں کی طرح باپ کو بھی عتاب ہے وہ اس طرح کہ اسے خطاب نہیں کیا گیا حالانکہ اسے پہلے خطاب کے شرف سے مشرف کیا جا رہا تھا۔ اور کسی کو خطاب سے محروم کرنا یہ بھی ایک قسم کا عتاب ہے۔

مسئلہ اس میں یہ اشارہ بھی ہے اگر عورت پر دودھ پلانے کے موقعہ پر اجرت کی تنگی کی گئی ہے اور وہ دودھ پلانے سے انکار کرتی ہے تو ضروری ہے کہ دودھ پلانے کے لئے اور عورت اجرت پہ لی جائے لیکن اگر وہ بھی اجرت مانگتی ہے تو پھر اس اجرت کی زیادہ مستحق بچے کی ماں ہے کیونکہ بہ نسبت دوسری عورت کے ماں زیادہ شفیق اور رحیم تر ہے اسی لئے اجرت کی بھی یہی زیادہ حق دار ہے ہماری مذکورہ بالا تقریر سے شرط و جزاء کا ارتباط بھی معلوم ہو گیا۔

ینفق واسعتہ اور لا ینفق میں لام امر کی ہے اور ذو سعۃ بمعنی فراخی و تونگری

والا من سعتہ چاہئے دولت مند اپنی دولت کے مطابق خرچ کرے یعنی مطلقہ و منفقہ پر حسب وسعت خرچ کیا جائے اور من لینفق کے متعلق ہے ومن قدر علیہ رزقہ اور جس پر رزق کی تنگی ہے۔ یعنی وہ فقیر اور تنگدست ہے الاقدر اسی سے مشتق ہے یعنی وہ جانور جو قصیر العنق ہو یعنی چھوٹی گردن والا فرس اقدر بھی اسی سے مشتق ہے اس گھوڑے کو کہا جاتا ہے جو اپنا پچھلا پاؤں اٹھا کر اس جگہ پر رکھے جہاں سے پہلے پاؤں اٹھائے علی الموسع قدرہ علی المقتر قدرہ اسی لغت سے ہے یعنی وہ شخص جس کا حال تنگ ہو۔

فلینفق مما اتاہ اللہ چاہئے اس سے خرچ کرے جو اسے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے اگرچہ قلیل ہو یعنی دولت مند ہو یا تنگدست اسے اپنی طاقت کے مطابق خرچ کرنا چاہئے۔

لا یکلف اللہ نفسا الا ما اتاھا اللہ تعالیٰ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر وہ جو اسے اس نے عطا فرمایا تھوڑا یا زیادہ یعنی تکلیف مالایطاق میں اللہ تعالیٰ کسی کو مبتلا نہیں فرماتا اسے اپنے وعدہ کرم سے موکد فرمایا۔ چنانچہ فرمایا سیجعل اللہ بعد عسر یسرا عنقریب اللہ تعالیٰ دکھ کے بعد آسانی فرمائے گا جلدی یا دیر سے۔ سین میں ضروری نہیں کہ وہ کام کسی خاص معین مدت میں ہو اور ہر آنے والی گھڑی کو قریب کہا جا سکتا ہے اگرچہ آخرت کا دن ہو تو اسے بھی قریب کہہ سکتے ہیں اسی لئے تنگدست کو آسانی کا انتظار کرنا چاہئے کہ کبھی تو اللہ تعالیٰ کشادگی فرمائے گا اس انتظار سے بھی ثواب پائے گا کیونکہ رحمت الٰہی کا انتظار بھی عبادت ہے۔

فائدہ آیت میں غریب اور تنگدست کو تسلی دی گئی ہے اور اسے ترغیب ہے کہ وہ اپنی جد و جہد میں کمی نہ کرے۔

زمخشری کی تردید زمخشری نے کہا کہ یہ ترغیب وغیرہ صرف اسی دور کے ازواج فقراء کو ہے حالانکہ یہ قواعد تفسیر کے خلاف ہے اس لئے کہ قرآنی قانون حکم عام ہوتا ہے اگرچہ ورود نزول خاص واقعہ کے لئے ہو اب معنی یہ

ہوا کہ ہر زمانہ کے فقراءؑ کو تنگدست اخوان کو تسلی کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرما کر ان کی تنگی دور فرما کر انہیں دولت و دنیا سے نوازے تو بعید از کرم نہیں لیکن انہیں چاہیے کہ اپنی حسب وسعت خرچ کرنے میں کمی نہ کریں۔ صاحب روح البیان نے فرمایا کہ میرے نزدیک بھی یہی معنی موزوں ہے کہ حکم عام ہو کیونکہ قرآن کے معانی محدود محصور نہیں ہوتے بلکہ قرآن مجید کے معنی کو صرف ایک معنی تک بھی محدود نہ رکھا جائے جیسا کہ اہل ظواہر کا طریقہ ہے کہ وہ قرآن کے معانی کو محدود و معانی میں محدود رکھتے ہیں۔

اب اس تقریر پر آیت کا معنی یہ ہوا کہ رزق میں اہتمام کے باوجود تنگی بدستور ہو تو گھبرانا نہیں چاہیے کیونکہ کبھی وہ کریم لطف فرمائے گا ایسے ہی سینہ کے علوم و اسرار کے خرچ میں کمی محسوس کرتا ہے تو حزن و ملال نہ کرے بلکہ سینہ کے اسرار و سیر تجلی طمانیت و رضائے حق کا انتظار کرے (کذا قال البقلی) اور یہ بھی فرمایا کہ مشتاقوں کے لئے حجاب ہوں تو ان کی تنگی سے گھبرائے بلکہ انتظار کرے کہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ ایسی تنگی دور کر کے کشف غیب کی آسانی فرمائے گا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہر ذو سعہ کو حکم ہے کہ وہ اپنی وسعت پر خرچ کرے مثلاً خفی منفق کہ جس پر منجانب اللہ اسرار کھلے ہیں تو وہ روح پر خرچ کرے اور روح سر (جید خفی) پر خرچ کرے اور سر (بعید خفی) قلب پر اور قلب نفس پر اور نفس سینے پر اور سینہ جسم پر خرچ کرے ان میں سے ہر ایک پر لازم ہے کہ فیوض الٰہیہ کے عطایا میں سے جتنا امکان رکھتا ہے خرچ میں کمی نہ کرے اور وہ جو استعداد رکھتا ہے اپنی استعداد میں ذرہ برابر خالی نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر وہ جو اسے اس نے استعداد ازلی میں سے بخشا ہے اور قابلیت غیبیہ عنایت فرمائی ہے۔ اس سے خرچ کرے عنقریب اس پر انقطاع فیض کی تنگی کے دکھ سے اتصال فیض سے آسانی بخشے گا۔

تفسیر عالمانہ وکاین من قریۃ اور کتنی بستیاں تھیں کم خبریہ اور تکثیر کے لئے ہے القریۃ وہ جگہ جہاں لوگوں کا اجتماع ہو۔ اب معنی یہ ہوا کہ بہت سی بستی اور شہر والوں نے یہاں مضاف محذوف ہے

مضاف الیہ اس کے قائم مقام کھڑا کیا گیا ہے پھر اسے اسی صفت سے موصوف کیا گیا جس سے مضاف موصوف ہوتا تھا یا یہ مجاز عقلی ہے اور اس کا اسناد مکان کی طرف ہے اس میں لوگوں کو ڈرایا گیا ہے کہ احکام مذکورہ کی مخالفت سے بچیں اور انہیں تاکید ہے کہ وہ احکام تم پر واجب ہیں لہٰذا ان کی ادائیگی میں غفلت نہ کریں۔ عتت عن امر ربها ورسله المفردات میں ہے العتو یعنی طاعت سے دور بھاگنا اور قاموس میں ہے۔ عتا عتوا و عتیا و عتیا یعنی اعراض ہوا یعنی چونکہ ان میں سرکشی اور تکبر تھا اسی لئے وہ امر الٰہی و حکم رسول اللہ ﷺ سے متجاوز ہوتے لفظ ربھم میں اشارہ ہے کہ ان کو عتاب کیا جا رہا ہے کہ جب تم بندے اور وہ تمہارا رب ہے تو پھر اس کی نافرمانی کیوں کیونکہ آقا کے فرمان سے اعراض طغیان اور حماقت بلکہ حماقت ہے اس لئے کہ بندے کا ہر معاملہ اس کے مالک کے ہاتھ میں ہے اور وہ ہر وقت اپنے آقا کے محتاج ہیں تو پھر نافرمانی کیونکر۔

ترکیب کأین مبتدا اور من قریۃ اس کا بیان اور عتت خبر ہے۔ فحاسبناها حسابا شدیدا یعنی بہت سی بستیاں اور شہری ایسے گزرے ہیں جنہوں نے احکام ربانی سے روگردانی کی تو ہم نے ان کے حساب میں سختی اور تنگی کی۔ دنیا میں ان پر سختیاں ہوئیں اور ان کے چھوٹے بڑے گناہوں کی انہیں سزا ملی مثلاً کبھی قحط میں مبتلا ہوئے اور کبھی امراض اور درد وغیرہ میں گرفتار ہوئے اور کبھی ان کے سر تلواروں سے قلم کئے گئے اور کبھی ان پر ان کے دشمنوں کو مسلط کیا گیا اور دیگر بلیات و آفات ان پر نازل ہوئیں کہ جن سے ان کا نام و نشان تک نہ رہا یہ اس لئے ہوا تاکہ آنے والی نسلیں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ویسی بلائیں نازل ہوتی ہیں تو مجرم کے لئے کوڑے کا کام کرتی ہیں۔ جن سے اسے عبرت نصیب ہوتی ہے اگر وہ ان سے عبرت حاصل نہیں کرتا تو اس سے بڑھ کر اور عذاب نازل ہوتا ہے کہ جس سے اس کی جڑ کٹ جاتی ہے یہاں تک اس کا نام و نشان بھی ختم کر دیا جاتا ہے۔ وعذبناها عذابا نكرا اور ہم نے ایسے عذاب میں مبتلا کیا کہ جسے سن کر جی گھبرا جائیں اور ایسی سخت تکلیف کہ جیسی نہ مجرم نے دیکھی نہ سنی اور نہ ہی اسے اس قسم کی توقع تھی اگر مجرم کو اس قسم کا عذاب بتلایا جاتا تو تصدیق کو تیار نہ تھا لیکن اب اس میں مبتلا ہے۔

فائدہ قہر غیر متوقع سے زیادہ سے زیادہ درد محسوس ہوتا ہے جیسے نعمت غیر متوقع لطف میں بہت زیادہ لذت حاصل ہوتی

ہے اس سے جلدی کا عذاب مراد ہے کہ جب آیا تو مجرموں کی جڑ کٹ گئی جیسے طوفان کا غرق ہونا اور دریا میں ڈوب کر مرنا۔ آگ میں جل جانا' تیز آندھی' سخت سے سخت چیخیں النکر بمعنی وہ سخت امر جس کا عرفان نہ ہو اور الانکار عرفان کی نقیض ہے۔

تردید وہابیہ آیت میں محاسبہ وعذاب اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا حالانکہ اس کا سبب ان کی سرکشی اور ان کی رسل کرام علیہما السلام کی نافرمانی تھا اس میں اشارہ ہے کہ رسل کرام فانی فی اللہ ہوتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے جملہ امور میں اپنا وکیل منتخب فرمایا اسی لئے انبیاء علیہم السلام نے اپنے طور کوئی تصرف نہ فرمایا بلکہ ان کے ظلم وستم پر صبر فرمایا اور ان کی بعثت بھی اس وقت ہوئی جب اپنی فنائیت میں کامل ہوئے اسی لئے کفار کی اذیتوں اور سختیوں کے باوجود خاموش رہے ورنہ اگر وہ اپنے تصرف کو کام میں لاتے تو کوئی کافر مشرک بھی عذاب الٰہی سے نہ بچتا۔ یہی حال اولیاء کرام اور وارثین رسل عظام کا تھا (لیکن افسوس کہ وہابیہ نے ان کے اس مقام کو نہ سمجھا اور ان نے (انبیاء واولیاء) تصرف نہ کرنے پر بے اختیاری اور محتاجی کا الزام لگایا)

فذاقت وبال امرھا تو انہوں نے اپنے وبال کو چکھا یعنی اپنے کفر کا ضرر اور معاصی کی عقوبت یعنی اس وبال کو ایسے محسوس کیا جیسے کسی چکھی ہوئی شے کا احساس ہوتا ہے۔ وکان عاقبۃ امرھا خسرا اور ان کا انجام کار سخت خسارا ہوا اور اس سے بڑھ کر اور کون سا خسارہ ہو گا کہ وہ زندگی اور اس کے منافع سے محروم ہو گئے اور قسم وقسم مصائب میں مبتلا ہوئے اسی اعتبار سے ان کی تجارت گھاٹے میں رہی انہیں کسی قسم کا نفع نصیب نہ ہوا اور باوجود یہ کہ انہیں عمر کا خاصہ وقت ملا اور صحت وفراغت کی کمی بھی نہ تھی لیکن مخالفت احکام الٰہی میں سب کچھ ضائع کر دیا۔

حل لغات المفردات میں ہے کہ الخسر والخسران بمعنی راس المال کا گھٹنا اسے انسان کی طرف بھی منسوب کیا جاتا ہے جیسے خسر فلان اور فعل کی طرف بھی جیسے خسرت تجارۃ اور اس کا اکثر استعمال امور خارجیہ کے لئے بھی ہوتا ہے جیسے مال اور دنیوی جاہ اور نفسیہ میں بھی جیسے صحت وسلامت وعقل وایمان وثواب وغیرہ۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ وجود انسانی کی بستی والے یعنی نفس و ہوی و جملہ قوی نے روح کے حکم سے منہ موڑ کر حکم شرع میں داخل نہ ہوئے ایسے ہی قلب و سر و خفی کی اتباع سے روگردانی کی تو حجاب کے عذاب میں مبتلا اور بحر دنیا اور اسکی شہوات و لذات میں تباہ برباد ہوئے اور انجام کار ضلالت کا خسران اور جہالت کی جہنم ہوا۔

تفسیر عالمانہ اعد اللہ لھم مذکورہ بالا سزا کے علاوہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے تیار فرمایا اور یہ لام تخصیص کی ہے نفع کی نہیں جیسے دعا لہ کی لام نفع ہے اور دعا علیہ کے مقابلہ میں آتی ہے۔

عذابا شدیدا شدید عذاب کو اپنے علم میں اس طرح مقدر فرمایا جیسے اس کی حکمت کا تقاضا تھا یا ان کے لئے جہنم کا وہ عذاب تیار فرمایا کہ جس کی کنہ کو کوئی بیان نہیں کر سکتا یہی دنیا و آخرت کے اہل حساب و کتاب ہیں نہ یہ کہ صرف انہیں دنیوی عذاب و سزا ہوئی اور یہ جو دنیا میں انہیں عذاب و سزا ہوئی یہ ان کے گناہوں کا کفارہ نہ ہوا اس لئے کہ وہ گناہوں اور کفر وغیرہ سے تائب نہ ہوئے اسی لئے آخرت کے عذاب میں بھی مبتلا ہوئے۔ فحاسبناھا سے یہاں تک کا یہی مطلب ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا اور قرآن مجید کی ترتیب کے اعتبار سے بھی یہی معنی مناسب ہے اور یہ تقریر الہامی ہے لیکن الحمد اللہ بعد کو تفسیر الکواشی و کشف الاسرار و ابو اللیث اور الاسئلہ المقحمہ سے بھی اس کی تائید مل گئی تقدیم و تاخیر سے کوئی فرق نہیں پڑا

غلطی کا ارتکاب بعض علماء جنہیں لوگ اجلہ مفسرین سے شمار کرتے ان سے غلطی ہوئی جبکہ انہوں نے یہ معنی لکھا کہ عذبناھا عذابا شدیدا کا تعلق ان کے دنیوی عذاب سے ہے جیسا کہ صیغہ ماضی سے معلوم ہوتا ہے اور نحاسبہا حسابا شدیدا کا تعلق آخرت کے عذاب سے ہے۔

یہ ان کا تکلف اور روح تفسیر سے یکسر خالی ہے اور ان کا یہ کہنا کہ پہلے میں ماضی کا صیغہ ہے فلہذا اس سے دنیوی عذاب مراد ہو یہ ان کا غلط وہم ہے کیونکہ قیامت کے امور میں عموما صیغہ ماضی آتا ہے جو تحقیق کا معنی دیتا ہے یہاں بھی ماضی تحقیق کے لئے ہے اور ہمارے معنی عموم کی تائید۔ حدیث شریف میں ہے حاسبوا انفسکم قبل ان تحاسبوا اس سے دارین کا محاسبہ مراد ہے اور بعض تفسیر میں اس سے مطلقاً تضییق و تشدید مراد ہے۔

فاتقوا اللہ یا اولی الالباب ام ماضیہ کے منکرین معاندین کے حال سے عبرت پکڑو کہ وہ کس طرح عذاب میں مبتلا اور کیسے کیسے وبال میں گرفتار ہوئے اسی لئے اللہ تعالیٰ کے اوامر نواہی سے ڈرو اور اپنے عقول کو شائبہ وہم سے دور رکھو۔ اللب اس عقل خالص کو کہا جاتا ہے جس میں شوائب وہم کی ملاوٹ نہ ہو اور یہ اس خوش بخت کو نصیب ہوتا ہے جس کا قلب صفات نفس کے شوائب سے صاف ہو اور اسے خطرۃ الاولیٰ کی طرف رجوع نصیب ہو یہی وجہ کہ جس کا عقل وہم سے اور قلب نفس سے صاف ہو تو اس کا ایمان یقینی ہوتا ہے اسی لئے انہیں اللہ تعالیٰ نے یوں یاد فرمایا الذین امنوا اے یقینی تحقیقی عیانی شہودی ایمان والو۔ اس میں اشارہ ہے کہ تقویٰ کا منشاء یہی خلوص مذکور ہے اور تقویٰ و خلوص زائد کا ہونا ہمارے بیان کے منافی نہیں اس لئے کہ بہت سی اشیاء کسی دوسری شے کے اصل کا سبب بھی بنتی ہیں اور اس کی زیادتی اور قوت کا سبب بھی ہوتی ہیں۔

قاعدہ صوفیانہ تقویٰ کے کمال سے وجود مجازی کے چھلکے سے نکلنا اور وجود حقیقی کے مغز میں داخل ہونا اور ایمان عیانی سے موصوف ہونا نصیب ہوتا ہے۔

فائدہ بعض صوفیاء نے اس کا معنی یوں لکھا اے وہ لوگو! جنہوں نے حقاً و صدقاً ایمان قبول کیا اور یہ صفت کاشفہ ہے مقیدہ ہے اس لئے کہ غیر مومن کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اولوا الالباب ہوں۔

فائدہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لب سے وہ عقل مراد ہو جو ہر کسی کے ضعف سے خالی ہو نہ اس میں بلاوۃ ہو نہ بلہ اور نہ جنون وغیرہ وغیرہ۔

فائدہ تقویٰ کو اہل ایمان سے اس لئے خاص کیا گیا کیونکہ وہی تقویٰ سے نفع پاتے ہیں ظاہر یہ ہے کہ الذین سوا مبتدا ہے اور اس کی خبر قد انزل اللہ الیکم ہے یعنی بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف نازل کیا۔ یہ خطاب التفات کے قبیل سے ہے۔ ذکرا ذکر سے رسول خدا ﷺ مراد ہیں جیساکہ رسولا سے ظاہر ہے کیونکہ ذکر مبدل اور رسولا اس سے بدل ہے رسول اللہ ﷺ کو ذکر سے تعبیر کرنے کی کئی وجوہ ہیں۔

رسول کریم ﷺ تلاوت قرآن پر مواظبت رکھتے تھے۔

۲۔ آپ نے احکام قرآن کی بہت زیادہ تبلیغ فرمائی۔

۳۔ آپ نے قرآن کے ذریعے تذکیرووعظ فرمایا۔

فائدہ رسول اللہ ﷺ کے ارسال کو انزال سے تعبیر کرنا ترشیح کے طریق سے ہے یعنی آپ کو ذکرا کہنا مجازا ہے یا اس لئے کہ آپ انزال وحی کے سبب ہیں اس معنی پر مسبب بول کر سبب مراد لیا گیا ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کو ذکر سے تشبیہ دی گئی یعنی قرآن سے بوجہ شدید ملابست کے یعنی اس گہرے تعلق کی وجہ سے جو رسول اللہ ﷺ اور قرآن کو آپس میں ہے آپ پر مشبہ بہ کا اطلاق کیا گیا ہے یہ استعارہ تصریحیہ ہے پھر اس کے ساتھ وہ جو مستعار منہ کے موافق ہے یعنی انزال یہ اس کے لئے ترشیح یا مجاز مرسل ہے یہ اطلاق السبب علیٰ المسبب کے قبیل سے ہے۔ کیونکہ انزال وحی آپ کے رسول ہونے کا سبب ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں عبارت محذوف ہے دراصل عبارت قد انزل اللہ الیکم الذکر (یعنی القرآن) وارسل الیکم رسولا (یعنی محمد (ﷺ)) تھی لیکن ایجاز کا تقاضا یہ ہے کہ عبارت مختصر ہو اور رسولا کا عامل ناصب یہی انزل ہے جیساکہ قرینہ بتاتا ہے اور اس کی نظیر عرب کے عبارات میں ملتی ہے چنانچہ کہا جاتا ہے علفتہما تبنا وماء باردا میں نے سواری کو گھاس کھلایا اور ٹھنڈا پانی پلایا۔ ظاہر ہے کہ سواری کو گھاس کھلایا جاتا ہے اور پانی پلایا جاتا ہے لیکن ماء بارد کا عطف اتبنا پر ہے اسی لئے عرب نے فرمایا کہ یہ عبارت یوں ہے۔ علفتہما تبنا وسقیتہا ماء باردا اسی لئے کہ ذکرا پر وقف تام ہے بخلاف اس کے کہ اسے بدل بنایا جائے۔

فائدہ قاشانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا قد انزل اللہ الیکم ذکرا یعنی ہم نے تمہارے اوپر ذکر یعنی فرقان نازل فرمایا۔ فرقان وہ ہے جو ذات و صفات اسماء و افعال و معاد پر مشتمل ہے۔ رسولا یعنی ہم نے تمہارے ہاں وہ روح القدس بھیجا کہ جس پر یہ قرآن مجید نازل فرمایا رسولا ذکرا سے بدل الاشتمال ہے اسی لئے انزال الذکر بمعنی روح نبوی سے اتصال اور آپ کے قلب مبارک میں القاء المعانی ہے۔

یتلو پڑھتے اور پیش کرتے ہیں۔ علیکم اے عقل والو اور اے مومنو تمہارے اوپر ایات اللہ اللہ

تعالیٰ کی آیت یعنی قرآن۔ مبینات درانحالیکہ وہ آیات بینات ہیں یعنی وہ احکام بیان کرنے والی ہیں جن کے تم محتاج ہو یا اسے بینات (بالفتح) بمعنی واضحات ہے یعنی جو اس کے اہل ہیں ان کے سامنے اس کے آیات روشن ہیں منصف مزاج بلغاء کے نزدیک قرآن کے آیات معجزہ ہیں اور رسول اللہ ﷺ اسے اس لئے پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اسے اس لئے نازل فرمایا لیخرج تاکہ رسول اللہ ﷺ نکالیں یعنی ظاہر کریں اور خالص کر کے دکھائیں اور بعض نے کہا لیخرج کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ بعض نے فرمایا لام کا تعلق انزلہ سے ہے اس کا متعلق یتلوا کیونکہ یتلوعلی طریق التبعیت مذکور ہوا ہے اور انزل بالاصالتہ وارد ہوا ہے۔

الذین امنواوعملوالصالحات موصول سے وہ مومن مراد ہیں جو اس قرآن مجید کے نزول کے بعد ایمان لائے ورنہ ان اہل ایمان کو اس حکم سے نکالنا جن میں کفر نہیں کا کوئی معنی نہیں جب ان میں کفر سے نہیں پھر نکالنے کیا مطلب کیونکہ وہ خود ہی ایمان اور عمل صالح سے موصوف ہیں تو پھر رسول اللہ ﷺ کس بات سے نکالیں یا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آئندہ اسے کفر سے نکالے گا جبکہ اس کے علم و تقدیر میں ہے کہ وہ عنقریب ایمان لائے گا۔

نکتہ لیخرجکم نہیں فرمایا تاکہ ایمان اور عمل صالح کی شرافت کا اظہار ہو اور اخراج کا سبب بھی معلوم ہو جائے گا اور ان پر ثابت قدمی پر تنبیہہ ہو جائے۔ من الظلمات الی النور ظلمات یعنی گمراہی سے نور یعنی ہدایت کی طرف باطل سے حق کی طرف یا جہل سے علم کی طرف یا کفر سے ایمان کی طرف شبہات سے دلائل و براہین کی طرف یا غفلت سے ۔یقظہ کی طرف یا انس بغیر اللہ سے انس باللہ کی طرف مطلق ان کے ان طبقات درجات کے جن کے لئے وہ اللہ تعالیٰ کی عنایات سے سعی اور جدوجہد کرتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ لیخرج الذین امنوا تاکہ انہیں نکالے جو ایمان علمی لائے اور مقتضی علم ظاہر نیک نیک عمل کئے نہ کہ وہ جو مقتضائے حال کے عمل کئے۔ من الظلمات اعمال واحوال کی قید سے الی النور نور اطلاق کی طرف تاکہ وہ اشیاء فاعلیت حق کا مشاہدہ کریں۔

نکتہ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ ظلمات جمع اس لئے کہ یہ تہ بہ تہ اور کثیف ہوتی ہے اور اس کے اسباب و انواع کثیر ہوتے ہیں اسی لئے باری تعالیٰ نے فرمایا قل من نجیکم من الظلمات البر والبحر یعنی بر و بحر کے شدائد سے تم کو کون نجات دیتا ہے۔ یہاں ظلمات جمع ہے اس لئے کہ ان کے شدائد ظلمات کی طرح ہوتے ہیں اسی طرح سیئات قیامت میں ظلمات ہو جائیں گے چنانچہ حدیث شریف میں ظلم کی مذمت میں وارد ہوا کہ الظلم ظلمات یوم القیمتہ (ظلم قیامت میں اندھیریاں ہیں)

تفسیر عالمانہ ومن یؤمن باللہ ویعمل صالحا اور وہ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے یعنی ایسے اعمال جن میں ریاء و تصنع و دیگر کسی قسم کی غرض نہ ہوں بلکہ خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہوں۔ یہ جملہ استینافیہ ہے ایمان و عمل کی شرافت کا بیان ہے اور بتاتا ہے کہ جو ان دونوں سے موصوف ہوگا اس کا انجام بکار یہی ہے جو آگے بیان ہوتا ہے ان کے مرتکب کو تنشیط اور غیر عامل کو ترغیب ہے۔

نکتہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ اگر ایمان ذاتی طور پر مکارم اخلاق عطا فرماتا ہے تو مومن کو عمل صالح وغیرہ کی ترغیب نہ دی جاتی کبھی ایمان کے بغیر بھی مکارم اخلاق حاصل ہوتے ہیں۔

فائدہ ایمان و اعمالِ صالحہ کے نتائج اچھے ہوتے ہیں خواہ اس دنیا میں یا آخرت میں جیسا کہ ابو طالب کے متعلق حدیث شریف میں وارد ہے۔

ابو طالب جہنم میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور سرور عالم ﷺ سے پوچھا کہ ابو طالب آپ پر سو جان قربان ہوتا تھا اور آپ کی ہر طرح سے مدد فرماتا کیا اسے کوئی فائدہ نصیب ہوا۔ حضور سرور عالم نے فرمایا۔

نعم ولو لا انا کان فی الدرک الاسفل من النار

(اگر میرا واسطہ نہ ہوتا تو وہ جہنم کے نچلے طبقہ میں ہوتا (روح البیان ص ۲۷ تحت آیت ہذا)

میلاد پاک کی برکت اور ابولہب کا واقعہ ابولہب کو خواب میں دیکھا گیا کہ وہ سوموار کی شب کو اپنے انگوٹھے سے پانی چوستا ہے اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اس نے اپنی اس لونڈی کو آزاد کیا تھا جس نے اسے رسول اللہ ﷺ کی ولادت مبارکہ کی خوشخبری سنائی۔

حاتم طائی کو سخاوت کا صلہ ملا مروی ہے کہ جب حضور سرور عالم ﷺ نے شب معراج جہنم کے اندر جھانک کر دیکھا تو ایک شخص کو دیکھا کہ ایک جگہ پر جہنم میں پڑا ہے لیکن جہنم کی آگ اس کے قریب نہیں جاتی جبریل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون ہے عرض کی یہ حاتم طائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے جہنم کو دور رکھا ہے اس کے جود وسخا کی وجہ سے (کذا فی انیس الوحدۃ وجلیس الخلوت)

فائدہ جب ایمان کے بغیر مکارم اخلاق یعنی اعمال صالحہ کا یہ حال ہے تو پھر ایمان کے ساتھ انہیں بجالانے میں کتنا فائدہ ہو گا۔

مسئلہ اعمال صالحہ جیسے ایمان و زکوۃ وغیرہما کا ایمان پر عطف ڈالنے سے ان کی مغایرت کی دلیل ہے یہی مذہب صحیح ترین ہے۔ بعض کے نزدیک ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے بعض کے نزدیک تصدیق مع اقرار کا نام ایمان ہے۔ یہی محققین کا قول ہے اور دخول جنت کے لئے یہی کافی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے وعدہ فرمایا ہے اور اسی طرح مضبوط دلائل اور براہین قوی سے ثابت ہے یہی قول حق اور مثبت ہے اس کے بعد اعمال صالحہ کا ذکر محض ان کی اہمیت اور ان کی ترغیب مطلوب ہے اور بتاتا ہے کہ عمل صالحہ کی وجہ سے بلا حساب و کتاب یا حساب یسیر سے بہشت میں داخل ہو گا۔

یدخلہ جنات تجری من تحتہا اسے ایسے باغات میں داخل کرے گا جس کے محلات و اشجار کے نیچے الانہار نہریں جاری ہیں جو چار ہیں وہ سورہ محمد ﷺ میں مذکور ہیں۔ خالدین فیہا ابدا میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ یدخلہ کے دوسرا مفعول سے حال ہے اور جمع ہونا من کے معنی کی وجہ سے ہے جیسا کہ ضمائر ثلثہ مفرد ہیں بوجہ من کی وجہ سے۔ ابدا۔ ظرف زماں ہے بمعنی دائم غیر منقطع اسی معنی پر یہ خلود کی تاکید ہوگی تاکہ یہ

وہم نہ ہو کہ یہاں خلود سے مدت طویل مراد ہے جو انتہا منقطع ہوتی ہے۔ قد احسن اللہ لہ رزقا یہ یدخلہ کے مفعول کا دوسرا مفعول ہے اس میں تعجب و تعظیم کا معنی ہے یعنی وہ جو اہل ایمان کو ثواب عطا ہو گا بہت بڑا اور عجیب و غریب ہو گا۔

قاعدہ جس جملہ خبریہ سے نہ فائدۃ الخبر حاصل ہو اور نہ لازم فائدۃ الخبر تو اس سے تعجب مطلوب ہوتی ہے بشرطیکہ مقام کا تقاضا بھی ہو۔ اب معنی یہ ہوا کہ کیسا حسین اور عظیم ہو گا وہ رزق جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عطا فرمائے گا اس معنی پر رزقا بظاہر احسن کا مفعول ہے اور تنوین عظمت کی ہے یعنی وہ رزق جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے تیار کر رکھا وہ بیان سے باہر ہے یا اس کی تنوین تکثیر کی ہے۔ اب معنی یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے بہت زیادہ نعمتیں تیار فرمائی ہیں اس لئے کہ نفس رزق بکثرت کا خواہش مند رہتا ہے یا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے رزق کو غیر میعادی مقرر فرمایا ہے اس معنی پر لہ بمعنی الیہ اور رزقا تمیز ہے۔ اب معنی یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ سے بندوں کے ہاں جو رزق پہنچے گا اسے تیار کر رکھا ہے۔

فائدہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ عارفین کی جزا محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے اس معنی پر یہ عمل کی جزا ہو گی نہ کہ عامل کی۔

فائدہ الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ رزق حسن سے وہ مال مراد ہے جو بقدر کفایت ہو نہ اتنا زیادہ کہ جس سے بندہ سرکش ہو جائے اور نہ اتنا قلیل کہ خدا تعالیٰ کو بھول جائے۔

صاحب روح البیان کی تنقید فقیر (صاحب روح البیان رحمتہ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ یہ تفسیر موقع کی مناسب نہیں اس لئے کہ یہاں آخرت کے رزق کا بیان ہے جیسا کہ ما قبل کا بیان بتاتا ہے اور الاسئلۃ المقحمہ میں رزق دنیا کے متعلق کی تفسیر کی ہے۔

تفسیر صوفیانہ ۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ من یؤمن باللہ الخ یعنی وہ لوگ جو ایمان یعنی حقیقی لاتے ہیں

اور ایسا نیک عمل کرتے ہیں جو ریاء و رویئت سے منزہ ہوتا ہے بلکہ اسے عامل مجازی کی طرف ذرہ بھر بھی منسوب نہیں کیا جاتا تو اللہ تعالیٰ اسے مکاشفات و مشاہدات و معاینات و محاضرات کے باغات میں داخل فرمائے گا وہاں ذرہ برابر بھی حجابات نہ ہو گا۔

قد احسن اللہ لہ رزقا اس سے روح کا رزق یعنی تفرید اور قلب کا رزق یعنی تجرید اور سر کا رزق یعنی توحید اور خفی کا رزق یعنی فناء و بقا مراد ہے۔

تفسیر عالمانہ اللہ الذی یہ مبتداء خبر ہیں یعنی اللہ تعالیٰ وہ مالک و قادر ہے۔ خلق سبع سموت جس نے سات آسمان بنائے جو ایک دوسرے کے اوپر ہیں سموت کی تنکیر تعظیم کی ہے جو قدرت کمل صانع پر دلالت کرتی ہے یا کفایت فی المقصود کی وجہ سے ہے یعنی اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ بموافق حکمت شاملہ کا اثبات ہے اس سے اگرچہ سات آسمان کی تخلیق ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے لئے حصر نہیں ہے ومن الارض اور پیدا فرمایا ہے زمینوں کو مثلھن ان کی مثل یعنی سات آسمانوں کی طرح عدد و طباق میں۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو آسمانوں کی طرح سات اور ایک دوسری کے اوپر نیچے پیدا فرمایا ہے۔ مثلھن واؤ کے بعد فعل محذوف سے منصوب ہے جس پر سبع سموت کا منصوب ہو یا دلالت کرتا ہے اور اس کا عطف مثلھن پر نہیں ہے کیونکہ معطوف و معطوف علیہ کے درمیان فاصل ہے اور پھر معطوف و معطوف کے درمیان جر مجرور واقع ہے اور یہ مکروہ ہے جیسا کہ سیبویہ اور ابو علی نے تصریح فرمائی ہے کہ بلا ضرورت ایسا کرنا مکروہ ہے۔

طبقات الارض کی تفصیل طبقات الارض کے متعلق اختلاف ہے جمہور کا مذہب یہ ہے کہ زمین کے طبقات سات ہیں جو ایک دوسرے کے اوپر نیچے ہیں اور ہر ایک طبقہ کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ ایسے ہی زمین و آسمان کے درمیانی خلاء کی مسافت پانچ سو سال کی مسافت ہے اور ہر طبقہ زمین پر اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے لیکن ضحاک نے فرمایا کہ زمینوں کے سات طبقات تو ہیں لیکن ان کے درمیان کوئی خلاء نہیں کیونکہ ان کے درمیان یا دریا ہیں یا اور کوئی اشیاء بخلاف آسمانوں کے کہ ان کے درمیان حصوں میں خلا ہے۔ امام قرطبی نے فرمایا کہ جمہور کا قول

صحیح ہے اس لئے کہ احادیث مبارکہ کی تصریح اسی مذہب کی تائید کرتی ہے۔

حدیث شریف (۱) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قسم کھائی کہ اس ذات کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام کے لئے دریا چیرا کہ انہیں حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جس بستی میں داخل ہونے کا ارادہ فرماتے تو یہ دعا پڑھتے تھے۔

اللھم رب السموت والسبع وما اظللن ورب الارضین السبع وما اقللن ورب الشیطن وما اضللن ورب الروح وما اذرین نسئلک من خیر ھذہ القریتہ وخیر اھلھا وخیر من فیھا ونعوذ بک من شرھا وشر اھلھا وشر من فیھا

ترجمہ اے سات آسمانوں اور ان چیزوں کے رب جو سایہ کرتی ہیں۔ اور سات زمینوں جو کچھ انہوں نے اٹھایا کے رب اور شیاطین کے رب اور وہ جو گمراہ کریں اور ہواؤں کے رب اور وہ جو پھیلائیں ہم تیرے سے اسی بستی اور بستی والوں اور جو ان میں ہیں کی خیر و بھلائی کا سوال کرتے اور اس کے اور اس کے اہل اور جو اس میں ہیں سے پناہ مانگتے ہیں۔

حدیث شریف (۲) شیبان بن عبداللہ قتادہ نے حضرت حسن نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک وقت رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے کہ اچانک بادل گزرا آپ نے فرمایا تمہیں معلوم ہے یہ کیا ہے ہم نے عرض کی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ایسی قوم کی طرف بھیجا ہے جو نہ تو اس کا شکر کرتے ہیں اور نہ ہی اس سے دعائیں کرتے ہیں پھر فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے اوپر کیا ہے عرض کی اللہ و رسولہ اعلم۔ فرمایا تمہارے اوپر بلند چھت ہے اور محفوظ ہے اور ایک دریا ہے پانی کو نیچے گرنے سے روکا گیا ہے۔ پھر فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ آسمان اور زمین کے درمیان کیا شے ہے عرض کی اللہ و رسولہ اعلم۔ فرمایا ان تمام آسمانوں کے اوپر عرش ہے اور اس کے مابین اور آسمان کے درمیان دو آسمانوں کی مسافت برابر ہے۔ (او کما قال) پھر فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے نیچے کیا شے ہے آپ نے عرض کی اللہ ورسولہ اعلم۔ آپ نے فرمایا

تمہارے نیچے زمین ہے پھر اس کے نیچے اور زمین ہے ان دونوں کے درمیان مسافت پانچ سو سال ہے پھر فرمایا مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اگر تم جہاں پر رسی لٹکاؤ وہ بھی اللہ تعالیٰ تک پہنچے گی۔ اس کے بعد پڑھا هو الاول والاخر والظاہر والباطن وهو بكل شئى عليم (كذافى خريدة العجائب) اور مقاصد حسنہ میں ہے اگر تم نچلی زمین پر رسی ڈالو تو بھی اللہ تعالیٰ تک پہنچے گی۔

فائدہ اہل علم نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ وہ رسی اللہ تعالیٰ کے علم قدرت وسلطان تک سے باہر نہ جائے گی اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم وقدرت وسلطان ہر جگہ ہے اور اس کے خاص انوار و تجلیات عرش پر ہیں جیساکہ اسنے اپنی کتاب میں خود فرمایا ہے الرحمن علی العرش استوی

صاحب روح البیان کے پیرو مرشد کی تقریر ہمارے شیخ قدس سرہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا علم جمیع اطراف کو شامل ہے اب اس کا معنی یہ ہوا کہ وہ اسی اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر نہ جائے گی یہ تاویل اس لئے کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ فی الاساکن سے منزہ ہے علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ ان اماکن کے حدوث سے پہلے ہے بعض مشائخ نے فرمایا کہ علم علوی وسفلی کا ہر جوہر حق کے ساتھ مرتبط ہے اور وہ ارتباط ایسے ہے جیسے کنندہ رب ومربوب کے درمیان ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے چار فرشتے کعبہ میں جمع ہوئے۔

۱۔ آسمان سے نازل ہوا۔ ۲۔ زمین کے نچلے طبقے سے نازل ہوا۔ ۳۔ مشرق کے آخری کنارے سے نازل ہوا۔
۴۔ مغرب کے آخری کنارے سے نازل ہوا۔

وہ آپس میں پوچھنے لگے کہ آپ حضرات کہاں سے آئے سب نے یہی جواب دیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں پھر لوٹیں گے تو اسی کی طرف۔ خلاصہ یہ کہ زمین کے طبقات ایک دوسرے کے اوپر نیچے ہیں اور ہر زمین کی موٹائی پانچ سو سال کی مسافت ہے ایسے ہی ہر زمین کی درمیانی مسافت پانچ سو سال ہے جیساکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث دلالت کرتی ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی غیر کی زمین ایک بالشت چھینتا ہے تو اسے قیامت میں ساتوں زمینوں میں دھنسا جائے گا۔

فائدہ اس حدیث شریف کی توضیح میں ابن الملک نے فرمایا کہ آخرت میں بھی زمین کے سات طبقات ہوں گے۔

فائدہ الکواشی میں لکھا کہ زمین کی تعداد قرآن مجید میں صرف اسی آیت میں بیان کی گئی ہے۔

فائدہ ہر دو آسمانوں کے درمیانی مسافت پانچ سو سال ہے ایسے ہی ہر آسمان کی موٹائی بھی پانچ سو سال ہے اور ایسے ہی زمین کی درمیانی مسافت اور زمین کی موٹائی کا حال ہے۔

فائدہ ہر آسمان میں ملائکہ کی ایک ایسی جماعت ہے جو عجیب الخلقت والے ہیں اور ہر زمین کے لئے اسی طرح علیحدہ علیحدہ مخلوق ہے اور ہر ایک زمین کا اپنا اپنا نام ہے ایسے ہی ہر آسمان کا اپنا ایک خاص نام ہے۔

حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حضرت نافع بن ازرق نے پوچھا کیا زمین کے نیچے بھی مخلوق ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں پھر سوال ہوا وہ کیسی مخلوق ہے آپ نے فرمایا وہ ملائکہ ہیں یا جنات اور عطاء بن یسار نے اسی آیت کے تحت لکھا کہ ہر زمین میں آدم ہے تمہارے آدم جیسا اور ابراہیم ہے تمہارے ابراہیم جیسا اور عیسیٰ تمہارے عیسیٰ جیسا۔

جوابات الحدیث المذکور(۱) حدیث مذکور کی شرح میں محدثین نے لکھا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہر زمین میں ائمہ و مشائخ مقرر ہیں وہ ان میں ایسے ہیں جیسے ہم میں آدم و نوح و ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام ہیں۔

جواب(۲) المقاصد الحسنہ میں ہے کہ حدیث الارضون السبع فی کل ارض من الخلق الخ یعنی سات زمینیں ہیں ہر زمین میں ایسے ہی مخلوق ہے جیسے اس زمین پر ہم ہیں۔ یہاں تک کہ ان میں آدم ہیں تمہارے ادم کی طرح اور ابراہیم ہیں تمہارے ابراہیم کی طرح الخ یہ حدیث مجہول ہے۔

۲۔ وہ آسمان کو نہیں دیکھ سکتے البتہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے روشنی پیدا فرمائی ہے جس سے استفادہ کرتے ہیں یہ قول ان لوگوں کا ہے جو زمین کو گول مانتے ہیں۔

عجیب تاویل سی مفتی مرحوم نے فرمایا بعض مفسرین نے یہ تاویل بھی فرمائی ہے کہ سات زمینوں سے ہفت اقالیم مراد ہیں۔ اس تقریر سے دعوت اسلام سب کو شامل ماننی پڑے گی بعض نے سات زمینوں سے طبقات عناصر جو ایثرات کو قبول کرتے ہیں مراد لئے ہیں ان کی زمین وہی ہے جس پر صور کائنہ نازل ہوتے ہیں اور یہ آگ خالص اور وہ طبقہ جس میں آگ کی ملاوٹ ہے اور ہوا جسے کورہ اثیر کہا جاتا ہے جس میں چنگاریاں ہیں اور ذوات الاذناب وغیرہ اور حلقہ زمہریر اور طبقہ نسیم اور طبقہ صعید اور وہ پانی جو نسیم سے پر ہے۔ اور زمین کے مٹی کے طبقے کو شامل ہے یعنی چھٹا طبقہ اور مرکز کے نزدیک خالص مٹی کی زمین۔

صوفیانہ فائدہ اور ان طبقات سے ہم سبعہ مراتب غیوب یعنی غیب قوی و نفس عقل و سرور روح و خفی و غیب الغیوب یعنی جمع الذت پر محمول کریں تو ارضون سے سات اعضاء مشہور مراد ہوں گے۔

دوسرا صوفیانہ فائدہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس سے قلوب کے سات طبقات مراد ہیں یعنی۔

۱۔ صدر ۲۔ قلب ۳۔ فوائد ۴۔ روح ۵۔ شغاف ۶۔ مجہ ۷۔ روح

اور سات سات زمینوں سے نفوس کی اراضی ہے یعنی۔

۱۔ نفس امارہ ۲۔ نفس لوامہ ۳۔ نفس ملہمہ ۴۔ نفس مطمہ
۵۔ نفس معدینہ ۶۔ نفس نباتیہ ۷۔ نفس حیوانیہ

تفسیر عالمانہ یتنزل الامر یعنی اللہ تعالیٰ کا امر نازل ہوتا ہے یہ لام عوض از مضاف الیہ ہے۔ بینھن ان کے مابین یعنی ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کے درمیان ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ مستانفہ ہے خبر دی گئی ہے کہ اس کا حکم جاری و ساری ہے وہ شامل جملہ علویات و سفلیات کو اکثر کے نزدیک اس امر سے قضاؤ قدر مراد ہے یعنی اس کی قضاؤ قدر اور ان ساتوں آسمان اور ساتوں زمینوں میں نافذ ہے اسکا یہ مطلب لینا کہ اس کا حکم عرش و کرسی پر جاری نہیں چونکہ

ذکر چودہ طبقات کا چل رہا ہے اسی لئے ان کا نام لیا۔

قاعدہ کسی شے کا ذکر حکم کو مخصوص نہیں کر دیتا۔

فائدہ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ اس مقام کی تحقیق ایک مقدمہ کی تمہید چاہتی ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے امرار اوی امر ایجادی کا عرش پر استویٰ فرمایا جیسے امر تکلیفی اور شاوی نے شرع پر استویٰ فرمایا۔ یاد رہے کہ شرع عرش کا قلوب ہے اور تجلیات ایجادیہ اور یہ جو ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کے درمیان نازل ہوتی ہیں وہ تمام حصول ارکان اربعہ علی العرش استویٰ پر موقوف ہیں اور امور اربعہ سے حرکت معنویہ اسمائیہ اور حرکت نوریہ روحانیہ اور حرکت یہ مثالیہ اور حرکت صوریہ حسیہ مراد ہیں اور یہ عرش کی حرکت کہلاتی ہے

اس سے ثابت ہوا کہ عرش امر ایجادی کی استویٰ گاہ ہے نہ کہ باری تعالیٰ کی عین ذات کیونکہ وہ ایسے استویٰ سے بلند و بالا ہے اسی عرش سے ہی زمینوں و آسمانوں کے لئے حکم نازل ہوتا ہے اور یہ تجلیات الٰہی دنیویہ اور برزخیہ و حشریہ و نیرانیہ و جنانیہ ہیں اور سب کی سب تجلیات وجودیہ ہیں جن کی طرف کل یوم ھوفی شان اور یعلم مایلج فی الارض ومایخرج منھا الخ میں اشارہ کیا گیا ہے اور تجلیات شہودیہ اہل کمال یعنی انبیاء عظام و اولیاء کرام کے قلب و ارواح کو جو کچھ دنیا و آخرت میں حاصل ہوا اور حاصل ہوتا ہے اور حاصل ہوتا رہے گا یہ تجلیات شہودیہ ہیں اب آیت یتنزل الامر الخ کا معنی یہ ہوا کہ ایجاد و تکوین اور ترتیب نظام اور آسمان زمین کے درمیان جو امر الٰہی نازل ہوتا ہے وہ ہمیشہ اور دائما عرش عظیم سے نازل ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ کے لئے بقاء ہے وہی ہر شے کا خالق ہے وہی کئی عوالم کو فانی اور معدوم کرتا ہے اور کئی عوالم کا ایجاد فرماتا ہے اس کے شوون کو انتہا نہیں اور اس کی ہر یوم میں نئی شان ہوتی ہے اور یہ ہر زمانہ کے لوگوں کی استعداد کے تقاضوں کے مطابق اور اہل زمانہ کی قابلیات کے موجبات پر ہوتا ہے تعلموان اللہ علی کل شئی قدرا تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے اس کا تعلق خلق یا یتنزل الامر سے ہے یا عموی طور پر دونوں سے ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ اس لئے کیا تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ جو ذات مذکورہ امر یہ قدرت رکھتی ہے وہ دوسری تمام اشیاء پہ بھی

قادر ہے منجملہ ان کے قیامت میں حساب جزا کے لئے اٹھنا ہے اسی لئے اس کے احکام کی اطاعت کرو اور انہیں یقین کے ساتھ مانو اور سعادت کے ارتکاب کے لئے تیار رہو اور شقاوت سے چھٹکارا پاؤ یہ لام مصلحت و حکمت کے لئے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہر کام عبث سے منزہ ہے۔

فائدہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ سے منقول ہے آپ نے فرمایا کہ یہی آیت تمام قرآنی آیات سے زیادہ خوف دینے والی ہے اور یہ لام غرض کی بھی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہر کام غرض سے منزہ ہے کیونکہ غرض اسے ہوتی ہے جو محتاج ہو اور اللہ تعالیٰ جملہ عالم سے غنی ہے۔

ان اللّٰہ قد احاطہ بکل شئی علما اور بیشک اللہ تعالیٰ کا علم اس کی قدرت کی طرح ہر شے کو محیط ہے کیونکہ جسے نہ علم ہو اور نہ قدرت اس سے ایسے افعال کا صدور محال ہے الاحاطۃ بمعنی وہ علم جو شے کی انتہاء کو پہنچے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کا علم اور قدرت ہر شے کو احاطہ کئے ہوئے ہے جملہ موجودات علمی ہوں یا عینی کو بھی اس کے علم و قدرت سے خارج نہیں۔

رمزیست از سر قدرتش کن فیکون بادانش او یکیست بیرون و دروں
در غیب و شہادت ذرہ نتواں یافت از دائرہ قدرت و علمش بیرون

ترجمہ کن فیکون اس کی قدرت کا ایک راز ہے اس کی دانش علم کے آگے ظاہر و باطن برابر ہے۔ ۲۔ غیب و شہادت ذرہ برابر بھی کوئی شے ایسی نہیں جو اس کے علم و قدرت سے باہر ہو۔

فائدہ یہاں پر یہ بھی ممکن ہے کہ لتعلموا کا متعلق خلق اور تنزل الامر ہو۔ اب معنی یہ ہو گا کہ آپ کے ہاں وحی ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیان کر دیا ہے تاکہ ان امور کہ جنہیں وہ دیکھ رہے ہیں یقین کریں کہ اللہ تعالیٰ کے علم و قدرت سے کوئی شے باہر نہیں ہو سکتی۔ علما منصوب علی التمیز ہے یعنی اس کا علم ہر شے کو محیط ہے (کذافی عین المعانی) یا موکد کی وجہ سے منصوب ہے اب معنی یہ ہو گا کہ اس نے ہر شے کو خوب جانا (کذافی فتح الرحمن)

فائدہ البقلی نے لکھا کہ اگر انسان کو ارواح کی طرح معرفت کی قدرت ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس سے علل و استدلال سے خطاب نہ فرماتا تاکہ رویت اشیاء سے اسے وجود حق کا علم ورنہ زمانہ الست میں ارواح کو صرف الست بربکم فرمایا۔ وہاں کسی قسم کی علت و دلیل نہیں فرمائی کیونکہ وہاں تو خطاب و شہود تعریف واضح تھی۔ اس وقت نہ دلیل کی ضرورت تھی نہ علت کی لیکن وہ ارواح عالم اجساد کے پنجرے کی قید میں مقید ہوئے تو اروت خطاب خالص کے حامل نہ رہے اسی لئے انہیں شواہد و دلائل سے سمجھایا گیا کما قال خلق سبع سموت الخ یاد رہے کہ حقیقتہ وہ عارف نہیں جو اسے کسی شے یا ذریعہ یا سبب سے جانے۔ اب عرفان یہی ہے کہ بندہ عالم کون کو دیکھ کر سمجھتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ بہت بڑی قدرت والا اور محیط بکل شے ہے۔ اس معنی پر اس کے قہر سے خوفزدہ رہتا ہے اور اس کا دل پگھلتا ہے اس خوف سے کہ میرے ہر معاملہ سے اسے اطلاع ہے۔

فائدہ حضرت الشیخ نجم الدین رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تاویلات میں لکھا ہے کہ یہ آیت قرآن مجید کے اسرار و خفیہ سے ہے اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول دلالت کرتا ہے جب ان سے اس آیت کے متعلق سوال ہوا تو فرمایا کہ اگر میں اس کی تفسیر بیان کروں تو تم میرا حلقوم کاٹ دو گے اور مجھے سنگسار کرو گے۔ خلاصہ یہ کہ آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ آیت کے اسرار بتانے بلکہ اس طرف اشارہ کرنے کی بھی اجازت نہیں بلکہ اس کے اسرار سے ذوق حاصل کیا جاتا ہے۔

فراغت صاحب روح البیان نے سورہ طلاق کی تفسیر سے پندرہ جمادی الاولیٰ ۱۱۲۶ھ ہجری میں فراغت پائی۔

اور

فقیر اویسی غفرلہ تفسیر سورہ طلاق کے ترجمہ سے ۱۸ جمادی الآخر ۱۴۰۰ھ ہجری کو فارغ ہوا۔

فللہ الحمد علی ذلک وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الکریم وعلی الہ واصحابہ اجمعین

بہاول پور۔ پاکستان

سُوْرَةُ التَّحْرِيْمِ مَدَنِيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اٰيَاتُهَا ١٢ رُكُوْعَاتُهَا ٢

سورۂ تحریم مدنی ہے اس میں اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا بارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ①

اے غیب بتانے والے (نبی) تم اپنے اوپر کیوں حرام کیے لیتے ہو وہ چیز جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کی اپنی بیبیوں کی مرضی چاہتے اور اللہ

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ② وَاِذْ اَسَرَّ

بخشنے والا مہربان ہے بیشک اللہ نے تمہارے لیے تمہاری قسموں کا اتار مقرر فرما دیا اور اللہ تمہارا مولیٰ ہے اور اللہ علم و حکمت والا ہے اور جب

النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ

نبی نے اپنی ایک بی بی سے ایک راز کی بات فرمائی پھر جب وہ اس کا ذکر کر بیٹھی اور اللہ نے اسے نبی پر ظاہر کر دیا تو نبی

بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِيَ

نے اسے کچھ جتایا اور کچھ سے چشم پوشی فرمائی پھر جب نبی نے اسے اس کی خبر دی بولی حضور کو کس نے بتایا فرمایا مجھے علم والے

الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ③ اِنْ تَتُوْبَاۤ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ

خبردار نے بتایا نبی کی دونوں بیبیو اگر اللہ کی طرف تم رجوع کرو تو ضرور تمہارے دل راہ سے کچھ ہٹ گئے ہیں اور اگر

فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ

ان پر زور باندھو تو بیشک اللہ ان کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک ایمان والے اور اس کے بعد فرشتے مدد پر

ظَهِيْرٌ ④ عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ

ہیں ان کا رب قریب ہے اگر وہ تمہیں طلاق دے دیں کہ انہیں تم سے بہتر بیبیاں بدل دے اطاعت والیاں ایمان

قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ⑤ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ

والیاں ادب والیاں توبہ والیاں بندگی والیاں روزہ داریں بیاہیاں اور کنواریاں اے ایمان والو اپنی جانوں اور اپنے گھر

وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ

والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اس پر سخت کرّے فرشتے مقرر ہیں جو اللہ کا حکم

اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ⑥ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ؕ

نہیں ٹالتے اور جو انہیں حکم ہو وہی کرتے ہیں اے کافرو آج بہانے نہ بناؤ

اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٧ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ع ١ ٧ ١٩
تمہیں وہی بدلہ ملے گا جو تم کرتے تھے اے ایمان والو اللہ کی طرف ایسی توبہ کرو جو آگے کو نصیحت ہوجائے قریب
عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
ہے کہ تمہارا رب تمہاری برائیاں تم سے اتار دے اور تمہیں باغوں میں لے جائے جن کے نیچے نہریں بہیں
الْاَنْهٰرُ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ
جس دن اللہ رسوا نہ کرے گا نبی اور ان کے ساتھ کے ایمان والوں کو ان کا نور دوڑتا ہوگا ان کے
اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى
آگے اور ان کے دہنے عرض کریں گے اے ہمارے رب ہمارے لیے ہمارا نور پورا کردے اور ہمیں بخش دے بیشک
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝٨ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ
تجھے ہر چیز پر قدرت ہے اے غیب بتانے والے (نبی) کافروں پر اور منافقوں پر جہاد کرو اور ان پر سختی فرماؤ
وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝٩ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ
اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور کیا ہی برا انجام اللہ کافروں کی مثال دیتا ہے
نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا
نوح کی عورت اور لوط کی عورت وہ ہمارے بندوں میں دو سزاوار قرب بندوں کے نکاح میں تھیں پھر انہوں
فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ۝١٠ وَضَرَبَ
نے ان سے دغا کی تو وہ اللہ کے سامنے انہیں کچھ کام نہ آئے اور فرمادیا گیا کہ تم دونوں عورتیں جہنم میں جاؤ جانے والوں کے ساتھ
اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي
اور اللہ مسلمانوں کی مثال بیان فرماتا ہے فرعون کی بی بی جب اس نے عرض کی اے میرے رب میرے لیے اپنے پاس جنت
الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝١١ وَمَرْيَمَ
میں گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کے کام سے نجات دے اور مجھے ظالم لوگوں سے نجات بخش اور عمران
ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ
کی بیٹی مریم جس نے اپنی پارسائی کی حفاظت کی تو ہم نے اس میں اپنی طرف کی روح پھونکی اور اس نے اپنے
بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ۝١٢ ع ٢ ٥ ٢٠
رب کی باتوں اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور فرمانبرداروں میں ہوئی

تفسیر عالمانہ يٰاَيُّهَا النَّبِىُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ لم دراصل لما تھا۔ اور استفہام انکاری ہے۔ احرام بمعنی حرام کرنا جیسے احلال بمعنی حلال کرنا۔

شان نزول نمبر(۱)

واقعہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے خلوت فرمائی اور یہ وہی ماریہ قبطیہ ہیں جنہیں مقوقس مصر کے بادشاہ نے ہدیہ کے طور رسول اللہ ﷺ کو بھیجا (اور اسی بی بی صاحبہ سے حضرت ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے تھے) اور چونکہ یہ خلوت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باری میں واقع ہوئی جس کا بی بی حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو علم ہوگیا حضور سرور عالم ﷺ نے اسے فرمایا کہ یہ راز چھپائے رکھنا کسی کو بتانا نہیں بالخصوص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوشیدہ رکھنا لیکن یاد رکھئے کہ آج کے بعد میں نے ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرم کردیا اور ساتھ ہی یہ بھی تمہیں خوشخبری سناوں کہ میرے بعد میرے مسند نشین ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہوں گے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ راز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتادیا اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت حفصہ و حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما آپس میں ہر معاملہ میں متفق اور ایک دوسری کی ہربات میں ہاں میں ہاں ملانے والی تھیں دوسری ازواج مطہرات کی بہ نسبت ان کا آپس میں بہت زیادہ اتفاق و اتحاد تھا۔

فائدہ حضرت سہیلی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا کہ حضور سرور عالم ﷺ نے حکم فرمایا تھا کہ اس کی خبر نہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو دینا اور نہ ہی دیگر ازواج مطہرات کو جو کچھ تو نے دیکھا وہ یہی کہ حضرت ماریہ قبطیہ بنت شمعون قبطیہ ام ابراہیم بن نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو اپنے گھر میں دیکھا۔ حضرت ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ دوران رضاع فوت ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر اٹھارہ ماہ تھی۔

بہر حال حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو راز ظاہر کرنے سے اس لئے روکا تاکہ دوسری ازواج مطہرات غیرت سے جھگڑا برپا نہ کریں۔ اسی لئے یہ مخفی راز حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بتایا لیکن حضرت بی بی صاحبہ نے یہ راز افشاء فرمادیا۔

فائدہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہی بی بی حفصہ رضی اللہ عنہا کا دن تھا چونکہ حضور سرور عالم ﷺ کی عادت کریمہ تھی کہ آپ ازواج مطہرات کے متعلق باری مقرر فرماتے تھے جس دن بی بی حفصہ رضی اللہ عنہا کی باری تھی انہوں نے آپ سے میکے جانے کی اجازت چاہی جب وہ میکے چلی گئیں تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی ام ولد یعنی بی بی ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلالیا (اس پر مذکورہ واقعہ درپیش آیا)

حوالہ کشف الاسرار کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ بی بی ماریہ قبطیہ کو دیگر ازواج مطہرات اپنے ساتھ رکھنا نہیں چاہتی تھیں اسی لئے حضور سرور عالم ﷺ نے انہیں مدینہ طیبہ کے باہر ایک باغ میں ٹھہرایا ہوا تھا گاہے گاہے ان کے ہاں تشریف لے جایا کرتے تھے ایک روز جو کہ بی بی حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باری کا دن تھا آپ نے بی بی ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بی بی حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر بلایا جبکہ بی بی حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہیں باہر تشریف لے گئیں تھیں۔ حضور سرور عالم ﷺ نے بی بی ماریہ کو خلوت سے نوازا۔ بی بی حفصہ رضی اللہ عنہا واپس آئیں تو گھر کا دروازہ اندر سے بند پایا دروازہ پر بیٹھ گئیں تھوڑی دیر بعد حضور سرور عالم ﷺ نے دروازہ کھولا بی بی حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کے چہرے اقدس پر پسینہ دیکھا تو رونے لگیں۔ حضور سرور عالم ﷺ نے سبب پوچھا تو بی بی رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی مجھے آپ نے اسی لئے اجازت بخشی تھی۔ کہ آپ میری باری اور بستر پر ایک لونڈی سے خلوت فرمائیں۔ حالانکہ یہ میرا حق تھا آپ نے میرے حق اور میری عزت و حرمت کو نظرانداز فرمادیا آپ نے فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ یہ میری لونڈی (ام ولد) ہے اور وہ میرے اوپر حلال بھی ہے۔ لیکن اگر تو اس معاملہ سے ناراض ہوگئی ہے تو اس راز کو چھپالے اور میں تیرے خوش کرنے پر اسے اپنے اوپر

حرام کرتا ہوں لیکن یہ راز کسی پر ظاہر نہ کرنا۔ حضور سرور عالم ﷺ جب یہ بات طے کر کے بی بی حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے چلے گئے تو بی بی حفصہ نے بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیوار کھٹکا کر بلایا۔ یاد رہے کہ ان دونوں بیبیوں کے حجروں کو دیوار ایک تھی۔ جب بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بی بی حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ہاں تشریف لائیں تو حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا میں تمہیں ایک خوشخبری سناؤں وہ یہ کہ حضور سرور عالم ﷺ نے ماریہ (لونڈی) کو اپنے اوپر حرام فرمادیا۔ اب ہمیشہ کے لئے ہماری جان چھوٹی اور ساتھ یہ راز بھی ظاہر کردیا جسے حضور سرور عالم ﷺ نے مخفی رکھنے کا فرمایا تھا اسی لئے اسے حضور سرور عالم ﷺ نے اسے طلاق دے دی تاکہ اسے افشائے راز کی سزا ملے اور پھر تمام بیویوں سے علیحدگی اختیار فرمائی اور پھر بی بی ماریہ رضی اللہ عنہا کے گھر انتیس (۲۹) راتیں بسر فرمائیں۔

فائدہ حضرت ابو اللیث نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے بیویوں سے ایک ماہ دور رہنے کی قسم کھائی تاکہ انہیں اس فعل پر سخت مواخذہ ہو اور آئندہ ایسی غلطی کا ارتکاب نہ کریں۔

موافقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بی بی حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں تشریف لائے اس وقت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رو رہی تھیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کیا تم سب کو حضور ﷺ نے طلاق دی ہے بی بی نے کہا لا ادری ھو ذا متزلا فی ھذہ المشربتہ مجھے معلوم نہیں حضور علیہ الصلوۃ والسلام اس چبوترہ میں ہم سے علیحدگی اختیار کر کے آرام فرما ہیں۔ (خود جا کر پوچھئے)

فائدہ المشربہ (بفتح الراء و ضمہا بمعنی الغرفتہ والعلیہ (بالاخانہ)(القاموس)

بقایا روایت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر آل خطاب کا گھرانہ اچھا

ہوتا تو تجھے حضور علیہ الصلوۃ والسلام طلاق نہ دیتے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی صاحبزادی سے فارغ ہو کر حضور سرور عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا السلام علیکم عرض کیا میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ ایک چٹائی پر سہارا لگا کر آرام فرما ہیں۔ جس کے نشانات آپ کے جسم اطہر سے ظاہر ہیں۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ آپ کو معلوم ہے کہ ہم قریشی اپنی عورتوں پر غالب تھے۔ لیکن جب سے ہم مدینہ میں آئے اور ہماری عورتوں نے مدینہ کی عورتوں سے باتیں سیکھی ہیں اسی لئے اب یہ ہم پر غالب ہیں۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات سن کر ہنس پڑے۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور سرور عالم ﷺ سے عرض کی کہ آپ عورتوں سے خطرہ نہ کریں اس لئے کہ آپ کا معبود اور ابوبکر آپ کے ساتھ ہیں اور میں بھی آپ کے ساتھ ہوں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کہے مطابق یہی آیت نازل ہوئی۔

فائدہ حضور سرور عالم ﷺ انتیس ایام گزارنے کے بعد بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں تشریف لے گئے بی بی صاحبہ نے عرض کی کہ آپ نے تو ایک ماہ ازواج کے ہاں نہ جانے کی قسم کھائی تھی اب ایک دن پہلے کیسے تشریف لائے آپ نے فرمایا کبھی مہینہ انتیس دنوں کا بھی ہوتا ہے اور اتفاقاً وہ ماہ انتیس دنوں کا تھا۔

منجانب اللہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے رجوع کی سفارش

اسی دن حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور عرض کی اللہ تعالیٰ نے آپ کو بی بی حفصہ رضی اللہ عنہا سے ناراضگی معاف فرمانے کا کہا ہے کیونکہ بہت بڑی روزہ رکھنے والی اور نوافل ادا کرنے والی ہے اور وہی بہشت میں آپ کی زوجہ ہے۔

ازواج مطہرات کی تعداد حضور سرور عالم ﷺ کی نو ازواج مطہرات تھیں پانچ قریش میں سے جن کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

۱۔ حضرت عائشہ بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا ۲۔ حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا

۳۔ حضرت ام حبیبہ بنت ابو سفیان رضی اللہ عنہا ۴۔ حضرت ام سلمہ بنت امیہ رضی اللہ عنہا

۵۔ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا

اور چار غیر قریشی تھیں جن کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

۱۔ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ۲۔ حضرت میمونہ بنت الحارث الہلالیہ رضی اللہ عنہا

۳۔ حضرت صفیہ بنت حی بن اخطب الخیبریہ رضی اللہ عنہا ۴۔ حضرت جویریہ بنت الحارث المصطلقیہ رضی اللہ عنہا

شان نزول (۲) حضور سرور عالم ؐ کو شہد اور حلوا اور ایسے ہی ہر میٹھی چیز مرغوب تھی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس شہد کافی مقدار میں تھی مکہ معظمہ سے آپ کو آپ کے عزیزوں میں سے بطور ہدیہ بھیجی تھی جونہی حضور سرور عالم ﷺ ان کے ہاں تشریف لے جاتے تھے تو بی بی صاحبہ اسے پانی میں ملا کر شربت بنا کر پلاتیں جس کی وجہ سے ان کے ہاں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو تاخیر ہو جاتی یہ بات بعض ازواج مطہرات پر گراں تھی۔ بی بی عائشہ و بی بی حفصہ رضی اللہ عنہما نے اتفاق کیا کہ جونہی حضور سرور عالم ﷺ بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے گھر سے دیر کر کے تشریف لائیں ہم میں جس کے ہاں تشریف لائیں تو ہم کہیں کہ آپ نے مغافیر نوش فرمایا ہے۔

فائدہ مغافیر مغفور بالضم گوند کا ایک درخت ہے جسے عربی عرفط بھی کہتے ہیں جنگل میں واقع ہوتا ہے اگرچہ میٹھا ہوتا ہے لیکن اس کی بو کچھ اچھی نہیں ہوتی لیکن حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو خوشبو پسند تھی کیونکہ آپ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی مناجات میں ہوتے اسی لئے آپ بدبو سے پرہیز فرماتے۔ بہر حال آپ حسب دستور شربت نوش فرما کر تشریف لائے تو جس بی بی کے پاس تشریف لے جاتے تو ہر ایک یہی کہتی کہ آپ سے مغافیر کی بو آتی ہے۔ آپ نے سب کو یہی جواب دیا کہ میں نے مغافیر تو نہیں زینب کے ہاں شہد پی ہے ممکن ہے شہد کی مکھی نے مغافیر کھایا ہو چنانچہ فرمایا جرست النحلہ العرفط الجرس سے ہے بمعنی زبان سے کسی شے کو چاٹنا (القاموس)

فائدہ امام زاہد نے فرمایا مغافیر کے متعلق بار بار سوال ہوتا رہا یعنی جونہی حضور علیہ الصلوۃ والسلام حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے گھر سے تشریف لائے تو ہر بی بی کہتی کہ آپ مغافیر نوش فرما کر تشریف لائے ہیں۔ آپ نے فرمایا

حرمت العسل علی نفسی فواللہ لا آکلہ میں نے اپنے لئے شہد حرام کیا بخدا آئندہ شہد ہرگز نہیں کھاؤں گا۔ قسم آپ نے اس لئے کھائی تاکہ آئندہ آپ کے ہاں کوئی بھی شہد نہ لائے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

فائدہ ابن عطیہ نے فرمایا کہ قول اول یعنی بی بی ماریہ قبطیہ کے واقع پر نازل ہونا زیادہ صحیح اور واضح تر ہے اور آیت کو سمجھنے کے لئے یہی قریب تر ہے اور کشف الاسرار میں ہے کہ شہد والا واقعہ زیادہ مستند ہے چنانچہ لبابین میں ہے کہ لن ھنا ھو الاصح لانہ مذکور فی الصیحیحین لیکن ماریہ کا یہ واقعہ آیت کے مضمون کے زیادہ مشابہ ہے۔

آیت کا معنی اب آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اے نبی علیہ السلام آپ نے ملک یمین یا شہد کو یوں حرام فرمایا جبکہ اسے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے حلال فرمایا ایسا کام تو ایک عام آدمی بھی نہیں کرتا چہ جائیکہ آپ جیسے برگزیدہ پیغمبر سے۔

مسئلہ فقہاء نے فرمایا کہ کوئی شخص اپنے خیال سے اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ شے کو حرام تصور کرے تو وہ کافر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ شے کو حرام کرنا تو قرآنی نص سے ہوگا یہ وحی غیر متلو اور یہ دونوں نبوت کا خاصہ ہے پھر جس شے کو اللہ تعالیٰ حلال فرماتا ہے اس کی حلت میں حکمت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف کرتا ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ کی مصلحت کو تبدیل کرنے کے درپے ہے اور ایسا کرنا کفر ہے۔

تبتغی مرضاۃ ازواجک الابتغاء بمعنی ڈھونڈھنا تلاش کرنا۔ المرضاۃ رضا کی طرح مصدر ہے۔ بعض تفاسیر میں لکھا ہے کہ یہ رضوان کا حال مصدر ہے اس کی واؤ الف سے تبدیل ہوتی ہے۔ الازواج زوج کی جمع ہے اس کا اطلاق عورت پر بھی ہوتا ہے بلکہ یہ فصیح ہے جیسا کہ المفردات میں ہے بلکہ انہوں نے لکھا کہ زوجہ ردی لغت ہے۔

سوال یہ کاروائی تو صرف حضرت عائشہ و حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے کی لیکن قرآن مجید میں جمع کا صیغہ کیوں لایا گیا؟

جواب(۱) مذکور امر میں دو بیبیوں کو راضی کرنا گویا جملہ بیبیوں کو راضی کرنا ہے۔

جواب(۲) چونکہ غیرت میں جملہ عورتیں ایک طریقہ رکھتی ہیں گویا ان دو بیبیوں کی غیرت ان جملہ بیبیوں کی غیرت کا مسئلہ ہے یہ سہیلی نے جواب لکھے ہیں۔

جواب(۳) جمع کے صیغہ کا اطلاق کبھی دو پر بھی ہوتا ہے۔

جواب(۴) اس میں اشارہ ہے کہ حضور علیہ السلوۃ والسلام کی عادت کریمہ ہے کہ وہ ہر بی بی کو راضی کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں خواہ وہ فعل غیر مستحسن کیوں نہ ہو کیونکہ آپ باحیا اور کریم ہیں۔

فائدہ جملہ تحرم کی ضمیر سے حال ہے اب معنی یہ ہے کہ آپ حرام کرتے ہیں درانحالیکہ آپ اپنی ازواج مطہرات کی رضا طلب کر رہے ہیں۔ حالانکہ ان پر لازم ہے کہ وہ آپ کی رضا کی طلب کریں کیونکہ انہیں آپ کی رضا طلبی ضروری ہے۔

قاعدہ یہاں انکار قید و مقید ہر دونوں کو یکبارگی شامل ہے یونکہ ابتغاء و تحریم ہر دونوں میں مذموم ہیں اس قاعدہ کی نظیر آیت لتاکلو الربا اضعافامضاعفۃ یعنی یہاں سود اور اضعافا مضاعفہ ہر دونوں حرام ہیں۔

فائدہ آیت میں بی بی ماریہ اور شہد کی فضیلت کا بیان ہے۔

حدیث علم غیب قرب قیامت میں زمین سے سب سے پہلے شہد اٹھائی جائے گی اس کی تفصیل سورہ نحل میں گزری ہے۔

واللہ غفور اور اللہ تعالیٰ بہت بڑا غفور ہے۔ آپ سے جو خلاف اولیٰ سرزد ہوا ہے وہ بھی معاف اور آپ نے جو حلال کو حرام قرار دیا ہے وہ بھی معاف ایسے ہی جو آپ نے اپنی ازواج مطہرات کی رضا طلبی کا ارتکاب فرمایا وہ بھی معاف کیونکہ اللہ تعالیٰ کے احسان و کرم کو منع کرنا اس کے فضل و کرم کو قبول نہ کرنے کے مشابہ ہے۔

رحیم رحیم ہے آپ پر اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا اس کا آپ سے مواخذہ نہ ہو گا اور یہ عتاب محبوبانہ بھی آپ کی عصمت مبارکہ کی محافظت مطلوب ہے۔

فائدہ کاشفی مرحوم نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کا ایسا مہربان ہے کہ آپ کی قسم کا کفارہ بھی اس نے خود ادا کیا ہے اور کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ یہی آیت عتاب محبوبانہ میں سخت تر ہے۔ قرآن مجید میں اس سے بڑھ کر اور کوئی عتاب نہیں۔

فائدہ البقلی نے لکھا ہے کہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم ﷺ کو ادب سکھایا ہے کہ آپ اپنی ذاتی رائے سے کوئی کام نہ کریں بلکہ وحی ربانی پر عمل فرمائیں بعض مشائخ نے لتحکم بین الناس بما اراک اللہ کا یہی معنی کیا ہے کہ آپ اپنی رائے کو کام میں نہ لائیں بلکہ وحی الٰہی پر فیصلہ فرمائیں کیونکہ قصہ عائشہ و حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں جب حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے شہد یا ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حرام فرمایا تو آپ کو اللہ تعالیٰ نے محبوبانہ عتاب فرمایا تو اس سے معلوم ہوا کہ اگر دین رائے زنی پر چلتا تو رسول اللہ ﷺ کی رائے مبارک کو ترجیح ہوتی نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جوشے وصال الٰہی سے قلب کو غافل کر کے اسے زخمی کر دے تو اس زخم کی مرہم سوائے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کے اور کوئی چارہ نہیں جیسا کہ آیت میں واللہ غفور رحیم میں اشارہ ملتا ہے۔

فائدہ ابن عطاء نے لکھا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ ہمیشہ دعا میں کہتے۔

اللھم انی اعوذبک من کل قاطع یقطعنی عنک

(اے اللہ میں تیرے سے ہر اس قاطع سے پناہ مانگتا ہوں جو تجھ سے مجھے منقطع کر دے)

آزردہ است گوشہ نشین از وداع خلق
غافل کہ اتصال حقت انقطاع حق

(دل خلق خدا سے دوری سے آزردہ ہوا لیکن اسے معلوم نہیں کہ جب تک مخلوق سے انقطاع نہیں ہوتا وصال حق نصیب نہیں ہوتا)

قدفرض اللہ لکم تحلۃ ایمانکم

حل لغات الفرض یہاں پر بمعنی الشرع والتبیین ہے جیساکہ روجب ہوتا تو متعدی بعلی ہوتا التحلۃ حلل کا مصدر ہے یعنی ازباب فعل (تضعیف العین) بمعنی التحلیل دراصل تحللہ ہچوں تکرمہ و تنعلہ و تبصرہ و تذکرہ تھا ازکرم و علل و بصرو ذکر بمعنی التکریم والتعلیل والبصیر والتذکیر۔

سوال تفعلہ پر تفعیل کا آنا معتل اللام و مہموز اللام کا خاصہ ہے اور یہ مضاعف کا باب ہے ایسے ہی دوسرے ابواب جو امثلہ مذکورہ میں ہیں۔

جواب یہ شاذ یعنی خلاف قیاس ہے۔

فائدہ معتل اللام و مہموز اللام کے امثلہ میں سے منجملہ سمی یسمی تسمیۃ اور جزا یجزا تجزئۃ ہے۔

تحلۃ ایمانکم کی تحقیق تحلۃ تحلیل الیمین مراد ہے کیونکہ یمین بھی ایک قسم کا عقد ہے اور اس کی تحلیل کفارہ سے ہوتی ہے جیسے کہاجاتا ہے حلل الیمین تحلایلا بمعنی کفر یعنی وہ کام کیا جو حنث کا موجب ہے وتحلل فی یمینہ بمعنی استثنی یعنی انشاء اللہ کہا یہی معنی ہے حضور سرور عالم ﷺ کے ارشاد گرامی لایموت لرجل ثلاثتہ اولاد فتمسہ النار الاتحلتہ القسم کا جس کی تین اولادیں فوت ہوئیں دوزخ میں نہیں جائے گا مگر بمقدار تحلۃ القسم کے یعنی انشاء اللہ تعالیٰ کہنے کی مقدار پر یعنی حدیث شریف میں تحلتہ القسم سے انشاء اللہ کہنے کی مقدار (کذافی المفردات) یا اس مقدار پر جو اللہ تعالیٰ اپنی قسم کو پورا کرے چنانچہ فرمایا وان منکم الا واردھا تم میں کوئی ایسا نہیں جو اس پر وارد نہ ہو اور تاج المصادر میں ہے فعلتہ تحلتہ القسم یعنی میں نے اس کام کو صرف اس لئے کیا تاکہ میں اپنی قسم سے بری ہوسکوں یعنی میں نے اس میں زور نہیں لگایا بلکہ معمولی طور اس کو عمل میں لایا پھر جس کام میں مبالغہ

نہ کیا جائے اس پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جیسے اہل عرب کا مقولہ مشہور ہے کہ فربتہ تحلیلا میں نے اسے معمولی طور مارا۔ دراصل اس باب کا استعمال فتح الشئی کسی شے کو کھولنے پر ہوتا ہے۔

کفارہ کا معنی کفارہ بمعنی طعام کھلانا یا پوشاک پہنانا یا غلام آزاد کرنا۔ روزہ رکھنا اس کی تفصیل سورہ مائدہ میں گزری۔

آیت کا معنی اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایمان سے بری ہونے کا بتایا ہے اور یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ اس سے کس طرح بری ہو گے یعنی کفارہ سے یہاں صرف انشاء اللہ کہہ دینا مراد نہیں۔ جیسے ہم نے ایمانکم کا محاورہ لکھا ہے یعنی مثلاً قسم کھا کر فوراً انشاء اللہ کہہ دینا مراد نہیں کیونکہ استثناء (انشاء اللہ کہنا) انعقاد یمین کو مانع ہے یعنی استثناء متصل یمین کی گرہ کو کھول دیتا ہے قسم کی گروہ یا کفارہ سے کھلتی ہے یا استثناء (انشاء اللہ تعالیٰ) کہنے سے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں قسم کی گرہ کھولنے کا طریقہ کفارہ دینے سے بیان فرمایا۔

مسئلہ الہدایہ میں ہے کہ جو شخص اپنی مملوکہ شے اپنے لئے حرام کر دے اس پر وہ شے حرام نہیں ہو جاتی بلکہ اس پر لازم ہے کہ وہ شے اپنے لئے مباح سمجھے لیکن اس کے استعمال سے پہلے کفارہ ادا کرے۔

مسئلہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک تحریم الحلال یعنی حلال شے کو حرام قرار دینا بھی یمین ہے۔

فائدہ تحریم سے اس شے کا انتفاع معلوم حرم کر دینا مطلوب مثلاً طعام کی حرمت سے اس کا نہ کھانا اور کنیز کی حرمت سے اس سے وطی نہ کرنا مراد ہے۔

مسئلہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ تحریم الشئی بھی یمین ہے مثلاً اپنی عورت سے کہا انت علی حرام اگر اس سے طلاق مراد لی تو عورت مطلقہ ہو جائے گی اگر یمین کا ارادہ کیا تو کوئی واقع نہ ہو گی ایسے ہی اگر اپنے لئے طعام حرام کیا اور اسے یمین مراد لی تو یمین ہو گا (خلافاً للشافعی (رحمۃ اللہ علیہ) کذا فی عین المعانی)

فائدہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے کسی حلال کو حرام قرار نہیں دیا تھا

صرف بی بی ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہی فرمایا کہ لا اقربھا بعد الیوم آج کے بعد اس کے قریب نہ جاؤں گا جو یمین کے طور اس کا اطلاق ہوتا تھا تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا آپ پر وہ حلال فرمائی ہے بلکہ اس سے انتفاع فرمایئے اور اس کا کفارہ دیجئے۔ قد فرض اللہ تحلۃ ایمانکم کے ظاہر سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ یمین ہے۔

سوال کیا یہ کہیں سے ثابت ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ اس یمین کا کفارہ دیا ہو؟

جواب حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ آپ نے کوئی کفارہ نہ دیا کیونکہ مغفور لہ ہیں۔ ہاں یہ حکم امت کی تعلیم کے لئے ہے لیکن مقاتل نے فرمایا کہ آپ نے اس یمین کا کفارہ میں غلام آزاد کر کے بی بی ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ئبت سے نوازا اور مغفور لہ ہونا اس کے منافی نہیں کیونکہ ظاہری احکام میں آپ امت کی طرح ہیں۔

واللہ مولاکم اور اللہ تعالیٰ تمہارا آقا اور تمہارے جملہ احکام کا متوفی ہے۔ وھو العلیم وہ تمہاری مصلحتیں جانتا ہے اسی لئے تمہارے لئے مناسب طور احکام مشروع فرماتا ہے۔ الحکیم اپنے افعال و احکام میں حکمتیں رکھتا ہے تمہیں اسی طرح امر و نہی فرماتا ہے۔ جیسے اس کی حکمت کا تقاضا ہوتا ہے۔ واذ اسر النبی

حل لغات الاسرار۔ اعلان کی نقیض ہے اس کا اطلاق اعیان و معانی ہر دونوں پر ہوتا ہے السِّر بمعنی دل کا پوشیدہ راز۔ اسرأت الی فلان حدیثا میں فلاں بات اسے چپکے چپکے بتائی اس سے معلوم ہوا کہ اسرار بھی اظہار کا مقتضی ہے صرف فرق اتنا ہے کہ جس کو بتانا مطلوب ہے اس کے لئے تو ظاہرہ ہے لیکن اس کے غیر سے پوشیدہ اس معنی پر۔ اسرار من وجہ اظہار ہے اور من وجہ اخفاء۔ النبی ہمارے رسول اکرم ﷺ مراد ہیں کیونکہ لام عہد کا ہے اور اذ ظرفیہ ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اے محبوب ﷺ مخفی بات بتانے والے واقعہ کو یاد کیجئے اکثر مفسرین نے فرمایا کہ یہ مفعول ہے معنی یوں ہے کہ اے محبوب محمد ﷺ کے پوشیدہ بات بتانے ' کے وقت کو یاد کیجئے بوجہ عتاب (محبوبانہ) کے ایسے فرمایا یا یہ دراصل اذکر وایھا المومنون تھا یہ خطاب بظاہر اگرچہ نبی

علیہ الصلوۃ والسلام کو ہے لیکن اخفاء کے بجائے اظہار ہے اس میں بھی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی تعظیم مطلوب ہے کہ آپ کو ایسی وصف سے موصوف کیا گیا کہ باوجود یہ کہ وہ اپنے متعلق بہت سے امور مخفی رکھنا چاہتے ہیں اور اپنے حرم محترم کے لئے ناگوار بات کا اظہار نہیں چاہتے لیکن جب حکم ربانی ہو تو ظاہر کرنے سے گریز نہیں فرماتے۔ یہ آپ کے نبوت کے دعوی کی سچائی کی واضح اور بین دلیل ہے۔ الی بعض ازواجہ جب کہ آپ نے اپنی بعض ازواج کو پوشیدہ راز بتایا اس سے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مراد ہیں۔

تعارف حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بی بی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ۳ سن ہجری کے آغاز میں ہوا یعنی غزوہ احد سے دو ماہ قبل آپ نے بی بی حفصہ رضی اللہ عنہا کو اپنے ساتھ نکاح سے نوازا۔ بی بی حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت پانچ سال قبل از اعلان نبوت ہوئی اور بی بی کا وصال شعبان سن ۴۵ میں ہوا۔ آپ کی نماز جنازہ مروان بن الحکم نے پڑھائی جبکہ وہ مدینہ کا امیر تھا اور بی بی کے جنازہ کو اس نے اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اٹھایا آپ کے والد گرامی حضرت ابو حفص عمر ہیں (رضی اللہ عنہ) یہ کنیت انہیں سرکار دو عالم ﷺ نے عنایت فرمائی۔ حفص بمعنی شیر کا بچہ۔ حدیثا

حل لغات امام راغب نے فرمایا کہ وہ ہر وہ کلام جو کسی انسان کو بذریعہ سمع یا وحی بیداری یا نیند میں پہنچے اسے حدیث کہتے ہیں یہاں پر حضرت ماریہ یا شہد کی تحریم یا امر خلافت مراد ہے۔

فائدہ سعدی مفتی مرحوم نے فرمایا کہ شہد کی بات چھپانے کا واقعہ بی بی حفصہ رض سے نہیں بلکہ بی بی عائشہ و بی بی سودہ و بی بی صفیہ رضی اللہ عنہن سے تھا۔

فلما نبات بہ جب بی بی حفصہ نے رسول اللہ ﷺ کا پوشیدہ راز بی بی عائشہ کو بتایا اور سارا راز کھول دیا۔ واظہر اللہ علیہ اور وہی حفصہ رضی اللہ عنہا کا راز افشاء کرنا بذریعہ جبریل اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلوۃ والسلام کو مطلع فرمایا۔ اظہرہ کی ضمیر بتقدیر مضاف الحدیث کی طرف راجع ہے۔

حل لغات اظہر اطلع کے معنی کو متضمن ہے ظہر فلاں السطح سے ہے بمعنی علاہ یعنی وہ چھت پر

چڑھا۔ اس کا اصلی معنی ہے صار علی ظھر اس کی پیٹھ پر ہوا واظہر علی السطح بمعنی اسے چھت پر چڑھایا۔ اطلاع علی الشئی کے معنی کے لئے استعارہ کیا گیا ہے از افعال بمعنی کسی کو پوشیدہ بات تک پہنچانا اور دیدہ ور بنانا۔ امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ظہر الشئی بمعنی وہ شے جو زمین پر حاصل ہو کہ پھر وہ چھپ نہ سکے اور اس کے اندر سے حاصل ہو کہ وہ پھر وہ ظاہر نہ ہو سکے پھر اس کا اطلاق اس شے پر ہونے لگا جو بصرو بصیرت کے لئے ظاہر ہو۔

عرف نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آگاہ فرمایا۔ تعریف بمعنی آگاہ کرنا بعضہ اس مخفی بات کے افشاء کی بعض وہ باتیں جو بی بی حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بتائیں عتاب کرتے ہوئے مثلا فرمایا کہ میں نے تجھے نہ کہا کہ اسے مخفی رکھنا کسی ایک پر بھی یہ راز ظاہر نہ کرنا اس سے حضرت ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا والا واقعہ مراد ہے۔

فائدہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ فرماتی ہیں جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے جھڑکا تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے یاد فرمایا ہے اور یہ ایک ایسی کرامت ہے جو صرف مجھے نصیب ہوئی۔ بعض الشئی بمعنی کسی شے کا جزء واعرض عن بعض اور بعض سے تکما در گزر فرمایا اس سے حدیث ماریہ مراد ہے بعض نے فرمایا کہ آگاہ فرمایا تحریم ماریہ کو اور در گزر فرمایا امر خلافت سے تاکہ عوام میں راز زیادہ نہ کھلے اسے بھی آپ پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے اور در گزر کرنا آپ کی تکریم ذاتی اور بلند حوصلگی کی دلیل ہے۔

مسئلہ صوفیانہ اس سے معلوم ہوا کہ مشائخ اپنی فراست و کرامات اپنے مریدوں کو ظاہر کردیں تو جائز ہے تاکہ طریقت کے حصول میں ان کی رغبت میں اضافہ ہو۔ نیز اس میں شارہ ہے کہ مشائخ پر لازم ہے کہ اپنے مریدوں کی غلطی اور سوء ادب پر سخت گرفت نہ کریں اور نہ ہی اس کے درپے ہوں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کریم وہ ہے جو غلطی کے مرتکب پر سختی نہ کرے اور چشم پوشی بزرگوں کا شیوہ ہے۔

فلما نباھا جب نبی اکرم نے اللہ تعالیٰ کی اطلاع کے مطابق حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ کے افشائے راز کی خبر دی۔ قالت من انباک ھذا حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی اس افشائے راز کی آپ کو

کسی نے خبر دی۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو گمان ہوا کہ شاید حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بتایا باوجود یہ کہ انہوں نے انہیں پوشیدہ رکھنے کی سخت تاکید کی تھی اسی وجہ سے انہیں تعجب ہوا کہ میری رازداری کی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ نے قدر نہ کی۔

سوال یہاں انباک کے بجائے نباک کیوں نہ کہا؟ تاکہ پچھلے جملہ کی موافقت ہوتی کہ وہاں نبا ہے۔

جواب عرب کے تفنن کے مطابق ہے کہ ایک معنی کے مختلف صیغے مستعمل ہوں تو وہ اسے بلند پایہ بلاغت تصور کرتے ہیں۔

قال نبی اکرم ﷺ نے فرمایا نبانی (بفتح یاء المتکلم) یعنی مجھے آگاہ فرمایا ہے العلیم الخبیر اس علیم خبیر نے جس سے کوئی بات مخفی نہیں۔ یہ سن کر حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خاموشی سے اعتراف کر لیا کہ واقعی میں نے راز افشاء کیا ہے یہاں پھر نبا لا کر تفنن عرب کو اپنایا گیا ہے۔

قواعد (۱) انبأ و نبأ ہر دونوں متعدی بدو معنی و مفعول ہوتے ہیں پہلے مفعول کی طرف متعدی ہے بلاواسطہ اور دوسرے کی طرف واسطہ باء ہیں۔

(۲) مفعول اول معلوم ہونے پر محذوف ہوتا ہے۔

(۳) باء کو حذف کر کے مفعول ثانی کی طرف بلاواسطہ متعدی ہو جاتے ہیں۔

فلما انباھا بہ استعمال اول پر اور من انباک ھذا استعمال ثالث پر ہے۔

فائدہ علیم، عالم، علام کا ایک ہی معنی ہے جسے یقین ہے کہ اس کا مالک اس کے ہر عمل کو جانتا ہے یہاں تک کہ ضمائر کے خطرات اور خواطر کے وساوس کو تو ہر وقت اس سے حیاء کرتا ہے اس ڈر سے وہ گناہوں کا ارتکاب نہیں کرتا اور نہ ہی اس کے ستر عیوب پر دھوکہ کھاتا ہے اور نہ ہی اس کی اچانک کی گرفت اور مخفی تدبیر سے بے خوف رہتا ہے۔

حکایت ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ایک دن مجھے بھوک نے ستایا تو میں نے اپنے کسی دوست سے کہہ دیا کہ

مجھے بھوک نے ستایا ہے اس کے باوجود اس نے پرواہ نہ کی۔ میں اس سے ناامید ہو کر چل پڑا راستہ میں مجھے ایک درہم ملا جس پر لکھا تھا کہ کیا تجھے یقین نہ تھا کہ تیری بھوک کو تیرا مالک جانتا ہے تو پھر غیر کے سامنے شکوہ کا کیا معنی۔

الخبیر معنی العلیم حضرت امام غزالی قدس سرہ نے لکھا کہ جب مطلق علم کا اعتبار ہو گا تو مطلق علیم مراد ہو گا اگر اس کے ساتھ غیب یا امور باطنیہ کا اعتبار کیا جائے گا تو خبیر مراد ہو گا پھر جب امور ظاہرہ کا اعتبار ہو گا تو اس پر شہید کا اطلاق ہو گا جب بندے کو یقین ہے کہ وہ مالک اس کے ہر ظاہری باطنی عمل کو جانتا اور پھر اسے محفوظ رکھتا ہے اگرچہ یہ خود بھول جائے تو پھر قیامت میں ان اعمال سیئہ سے سخت شرمسار ہو گا ممکن ہے ان کی وجہ سے سزا یافتہ ہو۔

حکایت ایک شخص نے اپنی گزشتہ زندگی پر غور و فکر کیا تو ہزاروں ایام سامنے آگئے اور خیال کیا کہ اگر میں نے دن میں کم از کم ایک گناہ بھی کیا ہو تب بھی میرے ہزاروں گناہ ہونے چاہئیں لیکن حال یہ ہے کہ میں نے دن میں ہزاروں گناہ کیے تو پھر نامعلوم میرے ساتھ کیا ہو گا۔ یہ کہہ کر چیخ ماری اور مر گیا۔

فقیر (صاحب روح البیان رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہے۔

ندانم گرچہ وے رب غفوریم گرست   بمن افتادہ دہد از کرمش شاید دست

(میں گنہگار سہی لیکن میرا رب غفور ہے مجھے امید ہے کہ وہ اپنے لطف و کرم سے میرے ساتھ کرم نوازی فرمائے گا)

ان تتوبا الی اللہ یہ خطاب حضرت عائشہ و حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ہے غیبت سے خطاب کی طرف التفات ہے۔

ازالہ وہم وہابی عتاب اولیاء (محبوبان خدا) کو ہونا جائز ہے لیکن اعداء کو عتاب ہوتا ہے کسی شاعر نے کہا۔

اذهب العتاب فلیس ود   ویبقی الود ما بقی العتاب

(عتاب نہ ہو تو دوستی کا مزہ نہیں دوستی تب ہے جب اس میں عتاب ہو)

فائدہ اس میں حضرت عائشہ و حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لئے واضح ترین امر کی رہبری کا ارادۂ خیر ہے۔

فقد صغت قلوبکما فاء تعلیلیہ ہے جیسے اعبد ربک فالعبادۃ حق میں فاء تعلیل ہے یعنی اپنے رب کی عبادت کیجئے اس لئے کہ عبادت اسی کا حق ہے۔ اگر اسے فاء جزائیہ مانیں تو معنی غلط ہو گا کیونکہ جزاء شرط پر مترتب اور اسی سے مسبب ہوتی ہے اور یہاں صغو قلوب شرط سے پہلے ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جزاء کا وجود شرط سے پہلے واقع ہو جائے۔ یہی تقریر وان تظاھر الخ میں ہوگی۔

اب آیت کا معنی یہ ہو گا اے عائشہ و حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما تمہارے سے وہ امر پایا گیا ہے تو تمہارے خلوص کے منافی ہے کیونکہ تمہارے اوپر واجب ہے کہ تم اس بات سے محبت کرو جو رسول اللہ ﷺ کو محبوب ہے اور جس سے وہ کراہت کرتے ہیں تم بھی اس کو مکروہ جانو۔

حل لغات صغو صغا یصغو اصغوا سے مشتق ہے بمعنی دل مائل ہوا اور اصغی الیہ بمعنی کان لگا کر سننے کے لئے جھکا۔

کسی شاعر نے کہا۔

تصغی القلوب الی اغر مبارک   من آل عباس بن عبدالمطلب
(اغر مبارک کی طرف قلوب مائل ہوئے آل عباس بن عبدالمطلب)

سوال قلوب جمع صیغہ تثنیہ کی طرف مضاف کیوں؟

جواب تاکہ دو تثنیہ یکجا جمع نہ ہوں اور دو ہم جنسوں کو یکجا جمع ہونے سے عرب گھبراتے ہیں اسی لئے تثنیہ کی اضافت تثنیہ کے وقت مضاف کو اکثر جمع لایا جاتا ہے۔

وان تظاھروا یہ دراصل تتظاھروا تھا ایک تاء کو حذف کر دیا گیا ہے۔ یہ ظھر کا تفاعل ہے اور ظھر تمام اعضاء سے قوی تر ہے یعنی اگر تم نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی معاونت کرو اس پر کہ جو غیرت میں افراط افشائے راز جو انہیں ناگوار ہے تم اسے ترک کر دو اور اس معاملہ میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔ فان اللہ ھو مولاہ وجبریل وصالح المومنین

ترکیب **ھو** مبتداء ثانی ہے تقویۃ الحکم کے لئے لایا گیا ہے حصر کے لئے نہیں ورنہ عطف صحیح نہ ہو گا تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ولایت اور اللہ تعالیٰ میں محصور ہو جائے گی حالانکہ مجازاً آپ کو جبریل و صالح المومنین کی ولایت بھی حاصل تھی جبریل کا عطف ان کے اسم کے محل پر ہے جبکہ اس کی خبر پہلے مکمل ہو گئی۔ ایسے ہی صالح المومنین کا حال ہے۔ جناب سجاوندی کا میلان اسی طرف ہے اسی لئے انہوں نے صالح المومنین پر وقف کی علامت لکھی ہے۔

صالح المومنین کی تحقیق ظاہر یہ ہے کہ صالح مفرد ہے اس لئے حاء کے بعد جمع کی واؤ نہی۔ بعض نے کہا کہ یہ صیغہ تو جمع کا ہے اور نون محذوف کئے گئے ہیں نون تو اضافت کی وجہ سے اور واؤ کو اجتماع ساکنین کی وجہ سے لفظاً گرایا گیا اور پھر اسے لکھا بھی نہیں گیا جیسے یمح اللہ الباطل ویدع الانسان وسندع الزبانیہ وغیرہ میں ہوا۔ اب معنی یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو معاونین کی کوئی کمی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کا مددگار اور جبریل رئیس الملائکہ ہیں ان کے ساتھی اور رفیق خاص ہیں اور نیک لوگ آپ کے تابعدار اور خدمتگار ہیں۔ جبریل اور اس کا مابعد علی تقدیر العطف ولایت للرسول میں داخل ہیں اور جبریل علیہ السلام آپ کے ظہیر یعنی مددگار ہیں اس لئے کہ وہ عموم ملائکہ میں داخل ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ کلام **مولاہ** پر ختم ہو گیا۔ پھر جبریل اور اس کا مابعد اس پر معطوف ہو کر مبتداء اور ظہیر ان سب کی خبر ہے اس معنی پر ولایت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہو گی۔

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ صالح المومنین سے صرف ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مراد ہیں۔

فائدہ الارشاد میں لکھا کہ اگر صالح المومنین سے صرف ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مراد ہوں تو انہیں اللہ تعالیٰ و جبریل علیہ السلام کے درمیان لایا جاتا اس اعتبار سے ان کا باطنی و ظاہری طور ظہیر ہونا موزوں ہو تا۔ اور واقعی وہ اس لائق تھے کہ انہیں رسول اللہ ﷺ کے ظاہری و باطنی ظہیر ہونا مانا جائے اور ایسے جبریل علیہ السلام کو بھی کیونکہ یہ آپ کی تائیدات الہیہ میں تائید کرتے اور وہ تدابیر امور رسالت و اجرائے احکام کے لئے آپ کے وزیر باتدبیر تھے۔

فائدہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معاونت کا یہ معنی ہے کہ آل و اولاد کی خوشنودی پر رسول اللہ ﷺ کی رضا اور خوشنودی کو ترجیح دینا اور نیز یہ دونوں سرور عالم ﷺ کے ارشاد گرامی کو فوقیت دیتے جب ان کی بچیوں کا معاملہ حضور سرور عالم ﷺ کے معاملہ کے معارض ہوتا بلکہ بچیوں کے معاملہ کو رسول اللہ ﷺ کے معاملہ کے بالمقابل ملیامیٹ کر دیتے اسی لئے یہاں پر جبریل علیہ السلام کے ذکر سے ان کا ذکر پہلے موزوں تھا لیکن جمہور کا قول راجح ہے کہ یہاں عام نیک اہل ایمان مراد ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہاں پر صالحین سے اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم یا ان کے اخیار مراد ہیں۔ حضرت مجاہد نے کہا یہاں پر حضرت علی کرم کرم اللہ وجہہ مراد ہیں صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ فقیر کہتا ہے کہ اس کی تائید یاعلی انت منی بمنزلۃ ھارون من موسی سے ہوتی ہے کیونکہ صالحین انبیاء علیہم السلام ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ وکلا جعلنا صالحین اور یوسف علیہ السلام سے حکایۃً فرمایا والحقنی بالصالحین جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بمنزلہ ہارون تھے تو صالح سے وہی مراد ہوں۔

فائدہ السیلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں لفظ عام ہے تو اولیٰ یہی ہے کہ اسے اپنے عموم پہ رکھا جائے۔

فائدہ امام راغب نے فرمایا کہ صلاح فساد کی ضد ہے یعنی شے کا اعتدال وانتفاع سے نکل جانا وہ کثیر ہو یا قلیل اکثر استعمال میں اس کا اطلاق افعال سے مخصوص ہے اور قرآن میں صلاح کبھی فساد کے مقابلہ میں آیا ہے۔ اور کبھی کے۔

حکایت حضرت ابراہیم ابن ادہم قدس سرہ سے کسی نے سوال کیا کہ لوگ مجھے صالح کہتے ہیں مجھے کیسے یقین ہو کہ واقعی میں صالح ہوں آپ نے فرمایا تم اپنے اعمال کا موازنہ صالحین سے کرو اگر ان کے مطابق ہیں تو سمجھو کہ تم واقعی صالح ہو ورنہ نہیں یہ بھی کلمات حکمت میں سے ہے۔

والملائکۃ اور ملائکہ کی کثرت تعداد اور آسمانوں میں بھر جانے کے باوجود کاشفی مرحوم نے لکھا کہ اس

سے آسمان و زمین کے تمام فرشتے مراد ہیں۔ بعد ذلک اللہ تعالیٰ اور ناموس اعظم یعنی جبریل علیہ السلام اور صالح المومنین کی مدد کے بعد اس میں ان کی مدد کی تعظیم کا اظہار ہے کیونکہ یہ خوارق عادت سے ہے جیسے بدر میں ہوا اس سے ملائکہ کی افضلیت علی البشر ثابت نہیں ہوتی۔

ظہیر یہ خبر اور ملائکہ اور اس سے قبل کا جملہ فان اللہ ھو مولاہ الخ اس کا معطوف الیہ یعنی یہ تمام فرشتے میرے رسول علیہ السلام کی فوج اور آپ کے جملہ امور میں ہاتھ بٹانے والے ہیں جو بھی میرے محبوب علیہ السلام کا مقابلہ کرے گا تو یہ سب مل کر آپ کی مدد کے لئے تیار ہیں گویا وہ اس معاملہ میں بمنزلہ ایک ہاتھ کے ہیں۔ تو پھر یہ دو بیبیاں میرے نبی علیہ السلام کا کیا بگاڑ سکتی ہیں اگرچہ آپس میں مل کر کتنا ہی زور لگائیں جب کہ آپ کے اتنا بہت بڑے یار و مددگار ہیں۔

فائدہ بعد ذلک میں بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے بعد ملائکہ و مومنین کی مدد عظیم مدد ہے کیونکہ ان کی مدد در حقیقت اللہ تعالیٰ کی مدد ہے اور پھر اس کی مدد ان کے ذریعے سے دوسرے جملہ ذرائع کی مدد سے افضل و اعلیٰ ہے۔

فائدہ اللہ تعالیٰ کی مدد یا بلا واسطہ یا بلا آلہ ہو گی یا اس کی مخلوق کے واسطہ سے ہو گی دوسری قسم کی مدد میں تفاوت ہو گا بوجہ مخلوق کی طاقت و قدرت کے متفاوت ہونے کیوجہ سے اور ملائکہ کی مدد تمام مخلوق سے افضل و اعظم ہو گی اور ان کی مدد بھی متفاوت ہو گی بوجہ ان میں مراتب میں متفاوت ہونے کی وجہ سے کیونکہ جو طاقت اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو عطا فرمائی ہے وہ انسان کو نہیں ملی۔ آیت میں بعدیت سے بعدیت رتبی مراد ہے زمانی بعدیت مراد نہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ انسانی مدد سے ملائکہ کی مدد عظیم تر ہے۔

فائدہ حضرت جبریل علیہ السلام کی نصرت بھی ملائکہ کی نصرت میں داخل ہے اس معنی پر ان کی اپنی قوت کے ساتھ ملائکہ کی قوت مل کر اور عظیم نصرت ہو گی۔ الارشاد میں ہے کہ یہ مفسرین کی رائے ہے لیکن میرے نزدیک مناسب تر یہ ہے کہ اس میں صرف صالح المومنین کی طرف اشارہ ہے پھر بعدیت میں اشارہ کر دیا کہ اگرچہ ملائکہ کی

مدد بھی شامل ہے لیکن ان میں افضل لوگوں کی جب مدد ہے تو پھر مفضول کی بطریق اولیٰ مدد ہوتی چاہیئے۔ صالح المومنین کی تقدیم ملائکہ پر فضیلت کے اظہار کے لئے ہے۔ اسی لئے ان کا ذکر صالح المومنین کے بعد ہے کہ اگرچہ وہ صالح المومنین سے مفضول سہی لیکن ان کی مدد بھی ایک عظیم مدد ہے اسی لئے جبریل علیہ السلام سے نہیں علیحدہ ذکر کیا گیا۔

سوال جب اللہ تعالیٰ کی مدد مذکور ہوئی تو پھر غیر اللہ کی مدد کے ذکر کا کیا معنی؟

جواب تاکہ نبی اکرم ﷺ کی رفعت شان ظاہر ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا کتنا مرتبہ ہے اور صالح المومنین کے نزدیک کتنی بلند شخصیت ہیں اور ملائکہ کو کتنا مرغوب ہیں۔

ردوہابیہ نجدیہ اویسی غفرلہ کہتا ہے کہ اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوبوں کی مدد عین اسلام ہے تبھی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم ﷺ کے لئے اپنی مدد کے بعد ان کی مدد کا ذکر فرما کر مفید بتایا تو پھر ہم جیسوں کے لئے تو بطریق اولیٰ مفید ہوا اسے شرک کے کھاتا میں ڈالنا اپنے بے ایمان ہونے پر مہر ثبت کرنی ہے۔ (فافہم ولا تکن من الوھابیین فانھم قوم لا یعقلون)

صاحب روح البیان کی تحقیق فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرمائے۔ تحقیق مذکورہ بالا دوسرے مفسرین کی تھی۔ لیکن میری رائے یہ ہے کہ اور بظاہر صحیح بھی ہے یہ کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے بعد دوسرے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں لیکن اپنے بعد ان کی مدد کا ذکر فرمایا جو اس کی مخلوق میں سب سے زیادہ طاقتور ہے۔ یعنی جبریل علیہ السلام تاکہ عائشہ و حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک دوسری کی مدد کے بالمقابل مخلوق میں سے بڑی طاقتور کی مدد کا اظہار ہو پھر دوسروں کی مدد کا ذکر تہدید اور زجرا و توبیخا ہوا۔

نکتہ صالح المومنین میں سے جبریل علیہ السلام کا ذکر پہلے اس لئے کہ مخلوق میں حضور سرور عالم ﷺ کے سب سے پہلے آپ معین و مددگار ہوئے اور اللہ تعالیٰ اور آپ کے درمیان سفیر آپ ہی ہیں۔

نکتہ صالح المومنین کا ذکر ملائکہ سے پہلے اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ ان کی نصرت ملائکہ سے پہلے اس طرف

اشارہ کرتا ہے کہ ان کی نصرت ملائکہ کی نصرت سے افضل ہے کیونکہ ملائکہ کی نصرت جسمانی ہے اور صلحاء کی مدد جسمانی بھی ہے اور روحانی بھی یعنی دعاؤں سے اور روحانی مدد جسمانی مدد سے زیادہ عظمت والی ہے۔

سوال بعد ذلک ظهیر میں تو ملائکہ کی مدد کی افضلیت کا ثبوت ملتا ہے اور تم صلحاء کی مدد کو افضل بتا رہے ہو۔

جواب یہ افضلیت ان کی ظاہری طاقت کی وجہ سے ہے کہ وہ بظاہر بہت بڑے امور شاقہ عمل میں لاتے ہیں اور مقام تہدید کے لئے بھی بعدیت کا تقاضا کرتی ہے اس سے حقیقی افضلیت صلحاء پر کوئی زد نہیں پڑتی۔

نکتہ عجیبہ صالح المومنین میں ایک عجیب و غریب نکتہ جو اللہ تعالیٰ نے مجھے (صاحب روح البیان) اپنے فضل و کرم سے آگاہی بخشی وہ یہ کہ صالح المومنین سے خود بھی حضور ﷺ مراد ہیں کیونکہ صالح خود حضور نبی پاک ﷺ کا اسم گرامی ہے جیسا کہ المفردات میں ہے۔

سوال حضور علیہ الصلوۃ والسلام اپنی مدد آپ کیسے فرمائیں گے یہ عجیب معاملہ ہے کہ اپنی مدد آپ اسے محالات میں شمار کرتے ہیں۔

جواب حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے کئی مقامات ہیں یہاں مقام ملکیت کی مدد مقام بشریت کے لئے یا مقام جمع کی مدد مقام فرق کے لئے یا مقام ولایت کی مدد مقام نبوت کے لئے ہوگی اس کے نظائر شرع میں موجود ہیں مثلاً نماز میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کہتے السلام علیک ایھا النبی اگر آپ کا اسی طرح پڑھنا ثابت ہو تو اس کے جوابات بھی یہی ہوں گے جو اوپر مذکور ہوئے۔ دوسری نظیر موسیٰ علیہ السلام کی ہے کہ جب انہوں نے قبطی کو مارا تو اپنی خود مدد فرمائی اور انہیں فرمایا ففررت منکم الخ اس کی تقریر یہ ہوگی کہ آپ نفس ناطقہ نے نفس حیوانیہ کی مدد کی۔[1]

(حاشیہ[1] یہ آیت شان نبوت کے بیان میں وقیع الشان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم ﷺ کی برائے
(بقیہ آگے)

فائدہ صوفیانہ اس میں اشارہ ہے قلب اور قوائے روحانیہ کو نفس پر نصرت ملتی ہے اللہ تعالیٰ اور ملک الالہام کی تائید سے نفس پر مدد ملتی ہے۔

عورت کی قوت بعض مشائخ نے فرمایا عالم دنیا میں عورت کی قوی طاقت سے بڑھ کر اور کوئی شے نہیں۔ اسے وہی جانتا ہے جسے ان سے واسطہ پڑتا ہے س کی تحقیق یہ ہے کہ عالم انسان کی ایجاد عورت پر موقوف ہے اگرچہ اس میں مرد کا بھی واسطہ ہے لیکن ان دو مقدموں کا نتیجہ عورت ہے اور نتائج مرد ہے اور نتائج طالب ہوتا ہے اور طالب محتاج ہوتا ہے۔ اور منتوج (نتیجہ) مطلوب ہے اور مطلوب کو بہت بڑی عزت اور وہی محتاج الیہ ہوتا ہے اور پھر اس میں شہوت بھی بہت اور غالب ہوتی ہے اس سے اندازہ لگایئے کہ موجودات میں عورت کا کیا مقام ہے اور حضرت ایسہ سے اسے کتنا مرتبہ نصیب ہوا ہے اور اس معنی پر اس کی قوت و طاقت کا اندازہ خود لگایئے اور اللہ تعالیٰ نے وان تظاھرا الخ سے ان کی طاقت پر تنبیہہ فرمائی ہے۔ اسی لئے اپنے حبیب اکرم ﷺ کی اعانت و مدد کے لئے بڑی قوت و طاقت والوں یعنی ملائکہ کا ذکر فرمایا کیونکہ ان کی قوت و شدت جملہ عالم میں بڑھ کر ہے ہاں ان سے صالح المومنین کی قوت و طاقت زیادہ کیونکہ ان کی قوت و طاقت روحانی ہے روحانی طاقت ملائکہ کی فعل طاقت سے بڑھ کر ہے۔

فائدہ اے عزیز اگر تو نے غور نہیں کیا تو اب غور کیجئے کہ میں نے اپنی تقریر میں ثابت کیا ہے کہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو معین و مددگاروں سے اپنے حبیب اکرم ﷺ کی مدد فرمائی۔

۱۔ اپنی ذات و جبریل و صالح المومنین ۲۔ ملائکہ کرام

ویسے ہی ہر مدد اس کی دی ہوئی قوت و طاقت کے بغیر نہیں ہوتی۔

عظمت حضرت عائشہ و حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت شیخ افضل الدین احمدی قدس سرہ نے

باہم مخالفت پر اتنا بڑا زور ظاہر فرمایا کہ جس سے سنتے ہی عقل دنگ رہ جاتی ہے ورنہ کمال عائشہ و حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور کمال خود خالق کائنات اور جملہ ملائکہ اور جملہ صلحاء)

فرمایا کہ ایک شب میں نے وما یعلم جنود ربک الا ھو میں غور و فکر کیا کہ کسے طاقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس فوج بحر موج سے مقابلہ کر سکے جبکہ یہ فوج چودہ طبق آسمان و زمین پہ پھیلی ہوئی ہے۔ میرے اس غور و فکر پر ہاتف غیبی نے آواز دی کہ تو اس فوج پر تعجب کر رہا ہے لیکن اس واقعہ پر کیوں تعجب نہیں کرتا جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان کیا ہے جو کہ وہ اس سے زیادہ تعجب ناک ہے میں نے کہا وہ کون سا جواب ملائکہ عائشہ و حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا واقعہ جسے وان تظاھرا الخ میں بیان کیا گیا ہے اس سے مجھے حضرت عائشہ و بی بی حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی عظمت کا پتہ چلا کہ وہ کتنی عظمت والی ہیں جن کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور جبریل اور صالح المومنین اور ملائکہ تمام کو پیش فرما رہا ہے۔ اس سے مجھے بہت مسرت ہوئی اور سمجھا کہ یہ دونوں بیبیاں کتنی رفیع الشان ہیں کہ ان کے مقابلہ میں اگر اللہ تعالیٰ اپنی نصرت کا ذکر نہ فرماتا تو ملائکہ اور صالح المومنین کو ان کے مقابلہ کی طاقت نہ ہوتی۔ اس سے مجھے واضح ہوا کہ بیبیوں کے قلوب میں علم الٰہی اتنا موجزن ہے کہ جس کا اندازہ خدا ہی جانتا ہے جس نے ان کے مقابلہ کے لئے اتنا بڑا اہتمام فرمایا اور پھر ان کے علوم کی تاثیر عالم کونین پر کتنا ہے کہ جس کے مقابلہ کے لئے انہیں اللہ تعالیٰ کی قوت کا سہارا لینا پڑا چونکہ یہ راز در مکنوں کی حیثیت رکھتا ہے۔ جو مجھے منجانب حق عطا ہوا جس پر میں شکر خداوندی بجا لایا۔

حضرت علی الخواص قدس سرہ نے فرمایا کہ جتنا ان دونوں بیبیوں کو اللہ تعالیٰ پر سہارا تھا کسی ایک کو ایسا سہارا نصیب نہ ہوا۔ حضرت لوط علیہ السلام نے قوم کے سامنے ان لی بکم قوۃ او اوی الی رکن شدید بیان فرمایا حالانکہ ان کے ہاں ایک اور رکن شدید موجود تھا لیکن اسپر سہارا نہ کیا۔ ہاں عائشہ و حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی عزت و عظمت بھی بیان کردی۔

عورت کا احترام عورتوں کی قدر و منزلت بالخصوص عائشہ و حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شان کسی نے نہ سمجھی سوائے چند ایک کے عورت بایں حیثیت کہ وہ عورت ہے اس کی عظمت بحر بے کنار ہے اگر ان کی عظمت اور بھی معلوم نہیں تو ہیئت جماع بھی اس کی عظمت کے لئے کافی ہے کہ یہ کیفیت ملوک دنیا کو بھی نصیب نہیں جبکہ مرد کو حالت جماع میں ہیئت سجدہ اختیار کرنی پڑتی ہے اور حالت سجدہ عبد کے لئے نماز کی اشرف الحالت ہے۔ اگر مجھے

یہ خوف نہ ہوتا کہ ایسے انکشافات الٹا بندوں کے لئے ان امور سے حجابات بن جائیں گے جو وصول الی اللہ کے لئے مانع ہیں تو میں اس سے کچھ اور عرض کرتا لیکن وانا الاشارہ کافی کی بناء پر اتنا کافی ہے۔ ہاں نااہل لوگ اس مختصر مضمون کی بھی غلط تاثیر لیں گے۔

واللہ علیم خبیر اور اللہ علیم خبیر ہے۔ عسی ربہ لائق ہے ان کا پروردگار ضمیر حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی طرف راجع ہے۔ ان طلقکن اگر وہ تمہیں طلاق دے دیں یہ شرط عسی کے اسم و خبر کے درمیان واقع ہے اور اس کا جواب محذوف ہے یا اس کا جواب مقدم ہے اصل عبارت ان طلقکن فعسی تھی۔ ان یبدلہ یہ کہ تمہارے عوض انہیں عطا فرمائے۔ ازواجا ۔بدلہ کا دوسرا مفعول ہے خیرا منکن ازواج کی صفت ہے ایسے ہی اس کا مابعد یعنی مسلمات تاشیبات اس میں مخاطبات کی غائبات پر تغلیب ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اے عائشہ و حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اگر میرے نبی علیہ السلام تمہیں طلاق دے دیں اور تمہارے عوض انہیں اور ازواج عطا فرمائے جو تم سے بہتر ہوں یا یہ تعمیم الخطاب ہے یعنی تمام ازواج کو خطاب عام ہے اور قد صنعت قلوبکما کے عتاب میں یہ بھی حکماً شامل ہوں اور یہ ان کی توبہ کا موجب ہے اور تخویف کے لئے ایسا کرنا جائز ہے تخویف کی تقریر یوں ہوگی کہ اے عائشہ و حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اگر میرے نبی علیہ الصلوۃ والسلام تمہیں طلاق دے دیں تو اس کا ضرر تمہیں ہوگا۔

اس سے میرے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا کیا نقصان جبکہ میں انہیں تمہارے سے بہتر عورتیں عطا فرمادوں گا۔

فائدہ آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق نہیں دی اور نہ ہی یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور کی ازواج سے کوئی اور عورتیں افضل و بہتر ہیں کیونکہ تعلیق الطلاق للکل لتعلیق واحدہ کے منافی نہیں اور جسے معلق فرمایا وہ واقع نہیں ہوا اور نہ ہی ضروری ہے کہ وہ واقع ہو یعنی جس امر کو فعل غیر وقوع کے ساتھ معلق کرنے کی خبر دی گئی ہے وہ واقع نہیں ہوا اور اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ اس کے حبیب علیہ الصلوۃ والسلام اپنی ازواج کو طلاق نہیں دیں گے ہاں اپنی قدرت کاملہ کی خبر دی ہے کہ اگر وہ طلاق دے بھی دیں تو میرے ہاں کوئی کمی نہیں۔ میں انہیں ان سے بہتر ازواج عطا فرما سکتا ہوں اس میں ازواج کو تخفیف ہے اس کی

مثال وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم اس آیت میں بھی تخویف اور اپنی قدرت کاملہ کا اظہار ہے اس کا یہ معنی نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اور لوگ افضل و بہتر ہے۔

قاعدہ قرآن مجید میں ہر جگہ عسیٰ وجوب کے لئے آتا ہے سوائے اسی مقام کے بعض نے کہا کہ یہاں بھی وجوب کے لئے ہے لیکن اسے معلق بالشرط لایا گیا ہے یعنی معلق بالطلاق اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں طلاق نہیں دی۔

مسئلہ یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ روئے زمین پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج مطہرات سے اور کوئی عورت بہتر و افضل نہیں۔ ہاں اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے عصیان و ایذا کی وجہ سے انہیں طلاق دے دیتے اور ان کے عوض اور عورتوں سے نکاح فرماتے جو ان صفات سے موصوف اور آپ کی پوری فرمانبردار ہوتیں تو پھر وہی افضل اور بہتر ہوتیں۔

قاعدہ فتح الرحمٰن میں ہے کہ لفظ عسیٰ قرآن مجید میں ہر جگہ وجوب کے لئے ہے صرف دو مقام میں وجوب کے لئے نہیں ایک یہی آیت اور دوسری سورۃ محمد کی آیت فھل عسیتم الخ یعنی تمنیتم وتمینتم یعنی تمہیں معلوم ہے اور تم نے تمنا کی لیکن یہ آیت بھی معلق ہے یعنی نہ آپ نے طلاق دی اور نہ ہی ازواج مطہرات کے بجائے اور عورتوں سے نکاح ہوا۔

مسلمات مومنات زبان سے اقراری اور قلب سے مخصوص اس معنی پر اس میں تکرار نہیں یا مسلمات یعنی اعضاء ظاہری کے ساتھ فرمانبردار اور دل سے ان کی تصدیق کرنے والی۔ قانتات مطیع یعنی طاعت پر مواظبت کرنے والی یا نماز پڑھنے والی تائبات گناہوں سے توبہ کرنے والی۔ عابدات عبادت گزار یا امر رسول اللہ ﷺ کے سامنے سر جھکانے والی۔ سائحات روزہ رکھنے والی۔ روزہ دار کو سائح اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ زاد راہ کے بغیر دن بسر کرتا ہے اور اپنے آپ کو افطار تک روکے رکھتا ہے۔ بعض بزرگوں

نے فرمایا کہ روزہ داروں کی دو اقسام ہے۔

۱۔ حقیقی جیسے کھانا پینا جماع ترک کرنا ۲۔ حکمی جیسے اعضاء کو معاصی سے بچانا مثلاً سمع کو غیبت وغیرہ سننے۔ بصر کو غلط نگاہ سے۔ زبان کو جھوٹ وغیرہ سے۔

لیکن سائح سے یہی معنی مراد ہوتا ہے پہلا معنی مراد نہیں ہوتا یا سائحات بمعنی ہجرت کرنے والی یعنی مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچنے والی کیونکہ ہجرت میں مزید شرافت اور بزرگی ہے جو ان کے غیروں میں نہیں جیسا کہ ابن زید نے فرمایا کہ امت محمد ﷺ کے لئے سیاحت صرف ہجرت ہے۔ اور سیاحت بمعنی زمین پر چلنا پھرنا۔ ثیبات شوہر والیاں۔ وابکارا اور باکرہ یعنی غیر شادی شدہ۔ الثیب اس مرد کو کہا جاتا ہے جو ایک بار عورت سے دخول کر چکا ہو ایسے ہی وہ عورت جس سے ایک بار دخول ہو چکا ہو۔ مرد اور عورت ہر دونوں کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔ مذکر کی جمع ثیبن اور مونث کی جمع ثیبات آتی ہے۔

ثاب سے مشتق ہے بمعنی رجع اور عورت کو ثیب اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ مرد کی طرف رجوع رتی ہے یا اس لئے کہ وہ اصلی حالت کی طرف لوٹتی ہے یعنی جب کہ اس کا شوہر نہ تھا جو معنی مراد ہو اس میں ثوب یعنی رجوع کا معنی ضروری ہے ایسے ہی اگر مرد پر اس کا اطلاق ہو گا تو اس کے لئے بھی یہی تقریر ہو گی اور عذراء کو بکرا (باکرہ) اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی حالت پر باقی ہے جس پر وہ پیدا ہوئی امام راغب نے لکھا کہ جس عورت کی بکارت نہ ٹوٹی ہو اسے بکیر (باکرہ) ثیب سے اس معنی میں مقدم ہے کہ جو عورت کا مقصد ہے وثیب سے پہلے باکرہ یعنی ت اس تقریر پر ثیب سے باکرہ کو اولیت وتقدیم ہے اسی لئے بکرہ دن کے پہلے حصے کو کہا جاتا ہے اور باکورہ وہ میوہ جو پہلے حاصل ہوتا ہے۔

سوال ان کے درمیان میں حرف عطف لایا گیا حالانکہ ان کے پہلی صفت میں حروف عطف نہیں۔

جواب ان کو آپس میں منافات ہے بایں معنی یہ ہر دونوں صفتیں ایک ذات میں جمع نہیں ہوتیں۔ بخلاف دوسری صفات کے کہ وہ ایک ذات میں جمع ہو جاتی ہیں۔ اب معنی یہ ہوا کہ وہ عورتیں جو حضور علیہ السلام کو عطا ہوں

وہ ایسی بہتر صفات سے موصوف ہوں اور ثیبت کہہ کر غیر عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اور ابکارا کہہ کر عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تعریض ہے کیونکہ باکرہ صرف یہی تھیں اسی وجہ سے درمیان میں واؤ واصلہ لائی گئی اور فاصلہ نہیں تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی کل ازواج ثیبات یا باکرہ تھیں۔

حضرت مریم و آسیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی منکوحہ

حضرت سہیلی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ابکارا میں بتول مریم کی طرف اور ثیبات میں حضرت آسیہ بنت مزاحم یعنی زوجہ فرعون کی طرف اشارہ ہے کیونکہ بہشت میں یہ دونوں بیبیاں بحکم خداوندی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ازواج مطہرات میں شامل ہوں گی۔

بہشت میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی دعوت ولیمہ حضرت ابو اللیث رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ بہشت میں دعوت ولیمہ ہوگی اور تمام اہل بہشت کو دعوت دی جائے گی اور اللہ تعالیٰ ان دونوں بیبیوں یعنی آسیہ و مریم کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ بیاہے گا۔

نکتہ ابکار کے ذکر کی تقدیم میں آسیہ کے زمانہ کی تقدیم کی طرف اشارہ ہے یا اس لئے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی اکثر ازواج مطہرات ثیب تھیں یہ تبلیت افضلیت اور تقدیم زمان پر دلالت کرتی ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ثیب کے ساتھ ابکار سے پہلے نکاح کیا تھا۔ اور ان تمام سے افضل حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ذریعے حضرت مریم و آسیہ رضی اللہ عنہما کو سلام از نبی علیہ السلام

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ بوقت وفات حضور ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا اے خدیجہ تجھے سکرات کی تکلیف تو ہو رہی ہے۔ لیکن اس میں تیرے لئے ہزاروں فائدے ہیں اور یاد رکھو جب تم بہشت میں پہنچو تو میری طرف سے اپنی سوکنوں کو سلام کہنا عرض

کی یارسول اللہ ﷺ وہ کون ہیں آپ نے فرمایا وہ مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم اور حلیمہ اخت موسی علیہ السلام۔ حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ تعالی عنہا نے عرض کی بالرفاء والبنین یعنی آپ کو شادی کی مبارک اور خدا کرے معاشرہ احسن ہو۔

فائدہ رفاء بمعنی التیام و اتفاق اس سے حسن معاشرہ مراد ہے ابتدائے اسلام تک دولہا کو شادی کے دعائیہ کلمات یونہی کہے جاتے اسی لئے اس دعا میں البنین کہا جاتا ہے اور بنات کا ذکر نہ تھا کیونکہ انہیں بنات سے نفرت تھی۔ لیکن بعد کو نبی اکرم ﷺ نے ایسے کلمات کہنے سے روک دیا اور فرمایا کہ دولہا ان الفاظ سے دعا دیا کرو۔

بارک اللہ لکم وبارک علیکم وجمع بینکما فی خیر

(اللہ تعالی تجھے برکت عطا فرمائے اور تجھ پر برکتیں نازل فرمائے اور تمہیں خیر و بھلائی کے ساتھ جمع کرے۔

فائدہ آیت میں ازواج کی تبدیلی سے دنیا کی عورتیں مراد ہیں ورنہ بہشت میں تو تمام عورتیں باکرہ ہوں گی۔ اگرچہ وہ دنیا میں ثیب تھیں یا باکرہ۔ اور یہ مفہوم ہم نے ان طلقکن سے سمجھا۔

ہر بہشتی کی پانچ سو حوریں حدیث شریف میں ہے کہ بہشت میں ہر بہشتی کو پانچ سو حوریں اور چار ہزار ثیب اور آٹھ ہزار باکرہ ملیں گی۔ ایک ایک کے ساتھ ایک ایک معانقہ اس کی دنیا کی عمر کے برابر ہو گا۔

سوال حدیث مذکورہ روایت کے خلاف ہے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے عورتوں کو فرمایا اے عورتو زیادہ سے زیادہ صدقہ و خیرات کرو کیونکہ میں نے تمہاری اکثر کو دوزخ میں دیکھا۔

جواب ہماری بیان کردہ حدیث سے بعض مومن مراد ہیں کیونکہ ابرار و متقین کے طبقات مختلف درجات میں ہوں گے چنانچہ ایک دوسری حدیث دلالت کرتی ہے حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ بہشت میں ادنی درجہ اس شخص کا ہو گا جسے بہتر عورتیں اور اسی ہزار خدام ملیں گے۔

ازالہ وہم کثرت خدام کا ملنا بھی ناممکن نہیں کیونکہ مروی ہے کہ کفار کے اطفال اہل جنت کے خدام ہوں گے

اور نہ صرف انہی خدام پر موقوف ہے بلکہ ان کے اور خدام بھی ہوں گے۔

سوال حضور علیہ الصلوۃ والسلام ہر معاملہ میں تخفیف اور آسانی کا درس دیتے ہیں پھر بہشت میں اتنی ازواج اور خدام کا ہونا تخفیف و آسانی کے خلاف ہے۔

جواب یہ بھی منجملہ اسرار نبوت ہے اسی لئے آپ صلوۃ اور نساء سے کبھی سیر نہ ہوئے۔

نبوت کی قوت وطاقت مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کو بطش و جماع میں چالیس مردوں کے برابر قوت وطاقت دی گئی۔

فائدہ ہر حلال انسان کی طبیعت کو منغص کرتا ہے سوائے اس جماع کے جو درمیانی وقفہ سے ہو اس لئے کہ وہ طبیعت کو صفائی اور عقل و قلب و سینہ کو جلاء بخشتا ہے اور شہوت شدیدہ کے اندفاع سے سکون ملتا ہے۔

فائدہ خواص کی شہوت عوام جیسی نہیں کیونکہ خواص کی شہوات نور محبت کے بعد ہوتی ہے اور عوام کی شہوت نور محبت سے پہلے۔

فوائد آیات آیات مذکورہ سے چند فوائد حاصل ہوئے۔

(۱) ناپسندیدہ حلال کو حرم کرنا اچھا نہیں۔

(۲) زوجہ کی بلاوجہ رضا طلبی ناموزوں ہے۔

(۳) کسی کا راز افشاء مروت کے منافی ہے بالخصوص ظاہری و باطنی سلاطین کے اسرار تو ظاہر نہ کرنا اور ضروری ہے۔ اس لئے کہ جب راز دو سے تجاوز کرتا ہے تو عام پھیل جاتا ہے۔

فائدہ دو سے راز بتانے والا اور جسے راز بتایا جائے مراد ہیں یا اس سے دو ہونٹ مراد ہیں۔

(۴) لغزش اور خطاء کے بعد فورا توبہ اور رجوع الی اللہ ضروری ہے تاکہ وہ لغزش اور غلطی قلب میں راسخ نہ ہو جائے اگر ایسا ہو تو پھر قلب پر فسادۃ غلبہ ہو جائے گا۔ جس کا ازالہ ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہو گا۔

(۵) بکارت اور ظاہری حسن و جمال اور شیریں لسانی وغیرہ اگرچہ نفاست جسمانیہ کے لئے بہتر اور لوگوں کی نظروں میں اعلیٰ شے ہیں لیکن ایمان والسلام اور فرمانبرداری اور توبہ وغیرہ نفاست روحانیہ کے لئے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں نہایت مرغوب و مقبول ہیں۔

فائدہ نسب کی شرافت سے حسب کی شرافت افضل ہے اور حسب کی شرافت سے علم مدنی اور ادب شرعی مراد ہیں۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو پرہیزگاری سے سنوارے یعنی محرمات سے بچے اور مکارم و اخلاق حسنہ اور اوصاف شریفہ مستحبہ سے اپنے آپ کو مزین کرے۔

تفسیر عالمانہ یاایھاالذین امنوا قوا انفسکم قوا وقایۃ کے مصدر کا امر ہے بمعنی حفظ و حمایت وصیانت دراصل اوقیوا تھا جیسے اضربوا نفس سے یہاں پر انسان کی اپنی ذات مراد ہے۔ نفس امارہ مراد نہیں اے ایمان والو اپنے آپ کو بچاؤ اور دور رکھو معاصی کے ترک و طاعت کی بجا آوری سے۔

واھلیکم اور اپنے اہل کو نصیحت اور تادیب و تعلیم سے دراصل اھلین تھا۔ اھل کی جمع ہے نون اضافت کی وجہ سے گر گیا خلاف قیاس پر کبھی اس کی اہالی جمع آتی ہے ہر وہ جو انسان کے عیال میں ہو اور اس کا خرچ اس کے ذمہ ہو جیسے عورت اور اولاد اور بہن بھائی اور چچا اور اس کا لڑکا اور خادم انہیں کبھی اصحاب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

مسئلہ اس سے ثابت ہوا کہ قریبی رشتہ داروں کو درجہ بدرجہ امر بالمعروف ضروری ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جو گھر میں کہتا ہے اے عزیزو نماز پڑھو روزہ رکھو، یتیموں، مسکینوں، ہمسایگان کو زکوۃ دو۔ امید ہے اللہ تعالیٰ تم سب کو بہشت میں یکجا رکھے گا۔

حدیث شریف رعیت رعایت سے مشتق ہے بمعنی حفاظت یعنی تم سب قیامت میں اس حفاظت سے سوال

کیے جاؤ گے جس کی نگرانی تم پر لازم ہے ہر حاکم اپنے حلقہ کے عوام کا نگران ہے اور ہر مرد اپنے اہل و عیال کا اور ہر عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کی اولاد کی اور ہر غلام سے اپنے آقا کے مال و اسباب کا نگران ہے اور ہر نگران سے اسی نگرانی کے متعلق سوال ہوگا۔

فائدہ بعض نے کہا قیامت میں سب سے اس پر زیادہ عذاب ہوگا جس نے اپنے اہل و عیال سے بیخبری رکھی ہو۔

سوال اس حکم میں اقارب کی تخصیص کیسی جبکہ اس میں اقارب و اجانب برابر ہیں۔

جواب (۱) الاقرب الاقرب قرآنی حکم ہے کما قال اللہ تعالیٰ قاتلوا الذین یلونکم من الکفار ان لوگوں سے جنگ کرو جو رشتہ میں تمہارے قریب ہیں۔ اور فرمایا وانذر عشیرتک الاقربین اور اپنے قبیلے کے ان لوگوں کو ڈر سناؤ جو تمہارے قریب تر ہیں۔

جواب (۲) کبھی اجانب کے لئے امر و نہی کے شرائط میسر نہیں ہوتے بخلاف اقارب کے کہ ان کے لئے ایسا نہیں بالخصوص اپنے اہل و عیال کے لئے کیونکہ انسان اپنے گھر میں بمنزلہ بادشاہ کے ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ بعض بزرگوں نے فرمایا آیت کا معنی یہ ہے کہ اپنے نفوس کو دنیا کی محبت سے پاک کرو یہاں تک کہ تمہارے اقارب نیک ہو جائیں اور وہ تمہاری اتباع سے پاک کرو یہاں تک کہ تمہاے اقارب نیک ہو جائیں اور وہ تمہاری اتباع کو فخر سمجھیں اور جب تم دنیا کی رغبت دکھاؤ گے تو وہ بھی دنیا کی محبت میں منہمک ہو جائیں گے کیونکہ مقتداء کی لغزش کا اثر مقتدیوں پر مرتب ہوتا ہے۔

فائدہ حضرت قاشانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ درحقیقت اہل وہ ہے جس سے روحانی تعلق اور عشقی اتصال ہو اس میں جسمانی اتصال ہو یا نہ ہو اور جس کے عشقی اتصال ہو گا اس سے دنیا و آخرت کا تعلق وابستہ رہے گا اسی لئے اس کی حفاظت ایسے ضروری ہے جیسے اپنے آپ کو آگ سے بچایا جاتا ہے کسی نے تزکیہ نفس تو کیا لیکن اس میں ابھی دنیا کی محبت ہو تو سمجھئے اسے تاحال حقیقۃ تزکیہ نفس نصیب نہیں ہوا کیونکہ وہ دنیا کی محبت میں گرفتار ہے تو وہ اپنے

زور بازو سے جہنم میں لے جائے گی تو پھر وہ اس کے ساتھ دوزخ میں مجرموں میں شامل رہے گا۔ اس کی ترکیب میں طبیعت واطلہ کا دخل ہو یا عالم طبیعہ میں خارجی امور سے ذات میں نفوس انسانیت کا اثر ہو۔

سبق چونکہ شرارت نفس سے بچنا مشکل ہے اسی لئے ضروری ہے کہ اصفیاء اولیاء سے سچی محبت ہو تاکہ قیامت میں ان کے ساتھ حشر ہو کیونکہ قیامت میں ہر انسان اس کے ساتھ ہوگا جس سے اسے محبت ہو۔ **نارا** آگ کی ایک قسم۔ **وقودھا** وقود وہ شے جو آگ میں جلائی جیسے لکڑی وغیرہ یعنی ایندھن وقوء بالفتح **مایوقد بہ تلک النار** وہ شے جو آگ میں جلائی جائے اور بالضم آگ جلانا بعض قراتوں میں بالضم بھی پڑھا گیا ہے اس سے جلانے کے اسباب یا مبالغہ مطلوب ہوگا۔ **الناس** انسانوں اور جنوں کے کفار۔

سوال آیت میں جنوں کا ذکر نہیں۔

جواب ۱ چونکہ انسانوں ڈرانا مطلوب ہے اسی لئے ان کے ذکر پر اکتفا کیا گیا۔

جواب ۲ جنوں کے کفار انسانوں کے کفار کے تابع ہوتے ہیں اس لئے کہ سب سے پہلے تکذیب انسانوں کے کفار سے صادر ہوئی۔

والحجارۃ اور پتھر جو جہنم میں جلائے جائیں گے جیسے ایندھن جلتا ہے اس سے جہنم کے جلانے کی تیزی اور اس کی شدت قوت کا بیان ہے کیونکہ وہ آگ جو لکڑی کے بجائے پتھر سے جلائی جائے وہ تیز اور سخت تر ہوتی ہے اسی لئے حدیث شریف میں ہے کہ تمہاری آگ جہنم کی آگ کا سترھواں حصہ ہے۔

حدیث شریف حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اس سے کبریت کے پتھر مراد ہیں کیونکہ ان کی گرمی دوسری اشیاء کی بہ نسبت سخت تر اور جلنے میں جلد تر اور گندی بدبو والا اور بہت زیادہ دھواں دار اور جسموں کو سخت چمٹنے والا ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے کفار کو عذاب سخت تر ہوگا بعض نے کہا کہ ابتداء پتھروں سے جہنم کی آگ جلائی جائے گی اس کے بعد انسانوں کو اس میں پھینکا جائے گا۔

فائدہ جناب کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ حجارہ سے کفار کے پتھروں کے وہ بت مراد ہیں جن کی وہ پرستش کرتے ہیں۔ اس کی دلیل انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جھنم ہے الناس کا ذکر الحجارہ کے ساتھ اس لئے ہے کہ کفار ان پتھروں کو خود گھڑتے تھے اور پھر ان کی پرستش کرتے یا الحجارہ سے زر و سیم مراد ہے اس لئے کہ وہ بھی اصل میں پتھر ہیں۔

زر و سیمند سنگ زرد و سفید　　اندریں سنگہا مبند امید
دے از سنگ تخیر باید　　کہ سنگیش راحت افزاید
دل ازیں سنگ اگر تو بر نکنی　　سر ز حسرت بسے بسنگ زنی

ترجمہ زر و سیم دو سفید پتھر ہیں ان دو پتھروں کا دل کو پابند نہ کرو۔ ۲۔ ہاں ان سے سنگ دل ہو جا اس لئے کہ ان کی سنگ دلی راحت بڑھاتی ہے۔ ۳۔ اگر تم اس پتھر سے دل کو دور نہ رکھو گے تو افسوس کرتے ہوئے سر پتھروں پر مارو گے۔

صوفیانہ فائدہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ الحجارہ سے وہ قلوب مراد ہیں جو قبول حق سے سختی میں پتھروں کی طرح ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پتھروں سے تشبیہ دی۔ کما قال اللہ تعالیٰ فھی کالحجارۃ

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یاایھاالذین امنوا اے وہ لوگو جو ایمان علمی لائے ہو۔

قوانفسکم واھلیکم اپنے قوائے روحانیہ کو بعد و طرد کے حجاب کی آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن ان لوگوں کا وجود ہے جنہوں نے الست بربکم قالوا بلی کے وعدہ کو بھلا دیا اور قلوب قاسیہ کے پتھر سے ان صفات بشریہ ہبعیہ حیوانیہ ہیمیہ سبعیہ شیطانیہ مراد ہیں۔

فائدہ اللہ تعالیٰ نے اس نار سے مومنوں کو بچنے کا اس لئے امر فرمایا ہے کہ یہ آگ صرف کفار کے لئے ہے جیساکہ سورہ بقرہ میں فرمایا فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس

والحجارہ اعدت للکفرین اس سے مبالغہ اور تحذیر مراد ہے اگرچہ فساق کے دوزخ میں رہنے کے مقامات کفار کے مقامات کے اوپر ہوں لیکن ہوں گے وہ بھی کفار کے تابع اور ایک ہی دار میں ہوں گے اب معنی یہ ہوا کہ اے مومنو اتم فاسقوں کے کردار سے اپنے آپ کو بچاؤ کیونکہ ان کے کردار تمہیں کفار کی مجاورت میں لے جائیں گے اور یہ جہنم اصالت کفار کے لئے تیار کی گئی ہے اگر تم فساق کے کردار کے مرتکب ہو گے تو تمہیں باتبع کفار کے ساتھ رہنا ہو گا نیز ممکن ہے کہ یہاں پر ارتداد سے بچنے کا حکم ہو (کذافی التفسیر الکبیر)

علیہا اس عظیم الہول آگ پر **ملائکۃ** فرشتے مقرر ہیں جو اس کے جملہ امور متولی ہیں اور اس میں رہنے والوں کو عذاب کرنے پر مامور ہیں ان سے زبانیہ مراد ہیں جن کی تعداد انتیس (۲۹) ہے اور ان کے رفقائے کار بھی (جو لاتعداد ہیں)

فائدہ صوفیانہ حضرت قاشانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ان ملائکہ سے وہ قوائے سماویہ وملکوتیہ فعلیہ مراد ہیں جو امور مرضیہ پر مامور ہیں اور امور مرضیہ سے روحانیات کواکب سبعہ اور بارہ بروج مراد ہیں۔ جو کلیم ان انیس ہیں اور انہیں زبانیہ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور ساتھ وہ مالک جو دوزخ کا چیف افسر ہے لیکن صوفیاء کے نزدیک وہ طبیعت جسمانیہ مراد ہے جو عالم سفلی پر مقرر ہے قوی وملکوت کو جو اجسام میں ہیں انہیں اگر نفوس انسانیہ سے مجرد کر لیا جائے تو وہ اپنے ان مراتب سے ترقی کر کے عالم جبروت میں پہنچ سکتے ہیں اور پھر قوائے ملکوتیہ میں اثر انداز ہو سکتے ہیں لیکن وہ چونکہ امور بدنیہ میں منغمس ہیں اور ان کے تعلقات اجرام ہیولانیہ سے وابستہ ہو گئے ہیں۔ انہیں **الحجارہ** سے تعبیر کیا گیا ہے انہیں میں یہ محبوس ہو کر ان کے ہاتھوں عذاب پاتے ہیں۔

غلاظ سخت دل ہیں غلیظ کی جمع ہے بمعنی سخت یعنی وہ دل جو شفقت و رحمت سے خالی ہو **شداد** سخت قوی والے ہیں شدید کی جمع ہے بمعنی قوی یعنی وہ ایسے قوی ہیں جو اپنے دشمن کے انتقام سے عاجز نہیں جس کام پر مامور ہوتے ہیں اسے مکمل کئے بغیر نہیں چھوڑتے بعض نے کہا بات کرنے میں سخت گیر اور کام کرنے میں قوی ہیں۔ وہ ہاتھ پاؤں دونوں سے برابر کام کرتے ہیں ان سے رحم کی درخواست کی جائے تو رحم نہیں کرتے کیونکہ وہ غیظ وغضب سے پیدا کئے گئے ہیں اور قہر و جبر ان کی طبیعت ہے انہیں غیظ و غضب اور قہر و جبر میں لذت محسوس ہوتی ہے

خلق خدا پر عذاب کرنا اور ان پر رحم نہ کرنا ان کی طبیعت کا تقاضا ہے جیسے حیوان کا کھانا پینا اس کی فطرت ہے ایسے ہی مذکورہ امور ان کی جبلی عادت ہے۔ ایک کاندھے سے دوسرے کاندھے تک ایک سال کی راہ ہے یا جیسے مشرق و مغرب کی درمیانی مسافت ہے ان کی چابک کی ایک مار سے ستر ہزار سال کی مسافت تک کفار نیچے جہنم میں دھنس جائیں گے۔

لا یعصون اللہ ما امرھم یعنی جب انہیں کفار کو عذاب دینے کا حکم ہوتا ہے تو نافرمانی کرتے ہیں یہ اللہ سے بدل الاشتمال اور ما مصدریہ ہے یا یہ دراصل فیما امرھم بہ تھا۔ نزع الخافض (حرف جارہ حذف کر کے مجرور کو مفتوح پڑھنا ۱۲ غفرلہ) کے طور حرف جارہ حذف کر دیا گیا ہے اور ما موصولہ ہے یعنی جو حکم ان کے ذمہ ہوتا ہے اس کے قبول کرنے سے نہیں رکتے بلکہ اس کی ادائیگی کا پختہ عزم رکھتا ہے آنے والا اور یہ جملہ کا ایک معنی نہیں۔

حضرت کاشفی مرحوم نے لکھا۔

برشوت فریفتہ نشوند تا مخالفت امر باید کرد

کاعوان ملوک الدنیا۔ یمتعون بالرشوۃ

(وہ رشوت پر فریفتہ ہو کر امر الٰہی کی مخالفت نہیں کرتے جیسے دنیوی بادشاہوں کے ملازموں کا کام ہے۔ کہ وہ رشوت لے کر اصل حکم کے خلاف کرتے ہیں۔

ویفعلون ما یؤمرون اور بغیر سستی اور بلا تاخیر اور کمی و زیادتی سے دور ہو کر وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم ہوتا ہے اور قاضی نے فرمایا کہ جو زمانہ ماضی میں انہیں حکم ہوا اس میں بھی نافرمانی نہ کی اور انہیں جو انہیں حکم ہو گا اس پر بھی کاربند ہوں گے۔

سوال ماضی میں امر اور مستقبل میں نفی عصیان کی کیا وجہ ہے حالانکہ عصیان وعدم عصیان وعدم عصیان ہر دونوں امر کے بعد ہوتے ہیں اس کے بعد پھر مستقبل میں بھی امر فرمایا۔

جواب چونکہ کفار و مشرکین کو بار بار عذاب ہوگا اس پر تنبیہہ ہو جائے کہ وہ کسی وقت بھی نافرمانی نہیں کرتے۔

مسئلہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ آیت سے ملائکہ سماویہ کی عصمت کا ثبوت ہے کیونکہ وہ بلانزاع عقول مجردہ ہیں اور شہوت سے پاک ہیں اسی لئے وہ بالذات مطیع ہوتے ہیں بخلاف بشر اور ارضی ملائکہ کے کہ ان کے بعض صرف آسمانوں تک جا سکتے ہیں اور بعض صرف زمین پر رہتے ہیں جیسے آسمان کے بعض ایسے فرشتے ہیں جو کبھی زمین پر نہیں اترتے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انہیں نہی نہیں کی جاتی اور یہ نہی کے ترک منہیات کی عبادت سے فارغ ہیں۔ بخلاف جن و انس کے کہ وہ ہر امر و نہی کی وجہ سے ماجور ہوتے ہیں ایسے ہی ملائکہ زمین کا حال ہے کیونکہ ان کو امر کے مطابق عمل کرنے اور نہی کے موافق رک جانے سے اجر و ثواب نصیب ہوتا ہے۔

سوال امام کرمانی نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ اگر کوئی کہے کہ متروک کا ترک بھی تو ایک عمل ہے کیونکہ صحیح تر یہ ہے کہ ترک بمعنی کف النفس (نفس کو روکنا) اور اس کی نیت ضروری ہے۔

جواب یہ اس وقت ہے جب امر شارع کی فرمانبرداری یا تحصیل ثواب مطلوب ہو اگر اپنے سے عذاب اسقاط مقصود ہو تو پھر سوال پیدا نہیں ہوتا مثلاً تارک زنا تحصیل ثواب کے لئے نیت کا محتاج ہے اور یہ جو عام مشہور ہے اعمال منہیہ کے ترک کے لئے نیت کی محتاجی نہیں۔ ان کا مطلب بھی یہی اسقاط ہوتا ہے یعنی اگر ترک فعل سے تحصیل ثواب و امتثال امر شارع مراد ہو تو پھر ضروری ہے کہ ترک فعل سے مقصود یہ ہو کہ شارع کے امر کی فرمانبرداری ہو اس معنی پر تارک زنا کا ترک زنا سے امتثال امر الٰہی مطلوب ہو تو ثواب پائے گا۔

یاایھاالذین کفروا جب ملائکہ بحکم خداوندی کفار کو جہنم میں داخل کریں گے تو انہیں کہیں گے تو وہ اپنے عذر پیش کرنے شروع کر دیں گے انہیں ملائکہ فرمائیں گے اے کافرو **لاتعتذروالیوم** آج عذر مت کرو کیونکہ تمہارا عذر ناقابل قبول ہے اور نہ ہی تمہیں اس عذر سے کوئی فائدہ ہو گا۔

فائدہ حضرت قاشانی نے فرمایا کہ بدن کے خراب ہونے اور ہیئت مظلمہ کے راسخ ہونے کے بعد سوائے جزائے

اعمال کے اور کچھ نہ ہو گا کیونکہ مرنے کے بعد تکمیل کا معاملہ ختم۔

حل لغات الاعتذار بمعنی عذر چاہنا۔ اہل عرب کہتے ہیں۔ اعتذرت الی فلان من جرمی میں نے اپنے جرم کا فلاں سے عذر چاہا۔ یہ من سے متعدی ہوتا ہے عذر کبھی محقق ہوتا ہے۔ کبھی غیر محقق۔ امام راغب نے فرمایا کہ عذر زبان سے اپنی غلطی کا ازالہ کرنا وہ تین طرح ہے مثلاً کہے۔

(۱) لم افعل (میں نے غلطی نہیں کی)

(۲) فعلت لاجل کذا (میں نے فلاں وجہ سے یہ فعل کیا) اس سے اس کی کوشش ہو کہ وہ غیر مجرم ثابت ہو۔

(۳) فعلت ولا اعود میں نے یہ فعل کیا ہے لیکن آئندہ نہیں کروں گا۔ یہی تیسری قسم توبہ ہے کیونکہ ہر توبہ کو عذر کہہ سکتے ہیں لیکن ہر عذر کو توبہ نہیں کہا جا سکتا۔ نیز اہل عرب کہتے ہیں اعتذلت الیہ یعنی میں اس کے ہاں عذر لایا اور کہتے ہیں عذرتہ یعنی میں نے اس کا عذر قبول کیا انما تجزون ما کنتم تعلمون وہ کفر و معاصی جن سے تمہیں دنیا میں سختی سے روکا گیا لیکن تم باز نہ آئے اور ایمان و طاعت کا تمہیں حکم ہوا اور تم نے انہیں بجالایا تو تمہیں ان کی جزا و سزا ملے گی۔ اب تمہارا کوئی عذر قبول نہ ہو گا نیز برائی کا ارتکاب کر کے پھر عذر کرنا یہ صرف ان کا اپنا خیال ہو گا کہ وہ عذر کریں گے یہ کوئی شے نہیں۔

فائدہ بعض اہل تفاسیر نے لکھا کہ کافروں کو کہا جائے گا کہ آج عذر مت کرو کیونکہ آج تمہارے عذر کی کوئی قدر و قیمت نہیں کہ جسے قبول کیا جائے اور پھر اس سے تمہیں فائدہ ہو۔

فائدہ اگر یہ نہی ان کے عذر لانے سے پہلے ہو گی تو پھر یہ اس ارشاد گرامی ولا یؤذن لھم فیعتذرون کے موافق ہے اگر ان کے عذر لانے کے بعد نہیں کی جائے گی تو پھر یہ قول مؤول ہو گا اور اس کی تقریر یوں ہوگی کہ انہیں اجازت نہ ہوگی کہ وہ اپنا عذر مکمل کر سکیں یا اسے سنا جا سکے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے فرمایئے انہیں جنہوں نے باطل کے ساتھ حق کو چھپایا اور وہ جو دنیا میں شہود حق سے محجوب رہے کہ تم آخرت میں مشاہدہ حق طلب نہ کرنا اس لئے کہ آج تمہاری سزا یہی ہے کہ تمہیں

رویت حق سے محروم رکھا جائے کیونکہ تم اسے دنیا میں نہ دیکھ سکے۔ کما قال اللہ تعالٰی من کان فی هذہ اعمی فهو فی الاخرۃ اعمی واضل سبیلا۔

فائدہ اعمال صالحہ کے ترک پر غم صرف عوام کو ہوگا ورنہ عارفین تو اپنے اعمال کو لاشے سمجھتے تھے اسی لئے انہیں کوئی غم نہ ہوگا ویسے ترک عمل پر حسرت کیسی جبکہ ہر ایک کو تقدیر کا لکھا ملے گا ہر بندے پر اس پر راضی ہونا ضروری اور لازمی ہے۔ عرفاء کا یہ کہنا کہ ہم بڑی کوتاہی کرنے والے ہیں یہ ان کی کسر نفسی ہے حقیقتاً ان کا مذہب یہ ہے کہ ذرہ برابر بھی کسی کے لئے نہ کوئی شے بڑھ سکتی ہے نہ گھٹ سکتی ہے ورنہ اعمال کے گھٹنے بڑھنے پر عارفین کے لئے یہ تصور اور خیال کرنا کہ انہیں اس پر پریشانی ہوگی غلط ہے۔

در دائرہ قسمت نقطہ من تسلیم

(دائرہ قسمت میں میرا نقطہ تسلیم و رضا ہے)

تفسیر عالمانہ یاایها الذین امنوا توبوا الی اللہ توبۃ نصوحا اے ایمان والو اللہ تعالٰی کی طرف خالص توبہ کرو۔

حل لغات توبہ اعتذار کے بلیغ ترین وجوہ سے ہے مثلاً اعتراف کے طور پر کہے فعلت یہ فعل میں نے کیا ہے۔ اسأت میں نے برا کیا۔ وقد اغفلت میرے سے کوتاہی ہوئی۔ اصطلاح شرع میں توبہ بمعنی گناہ کو قبح کی وجہ سے اسے ترک کرنا اور جو اس سے کوتاہی ہوئی اس سے نادم ہونا اور پختہ ارادہ کرنا کہ پھر ایسا نہیں کرے گا بلکہ حتی الامکان اس غلطی کا تدارک کرنا یعنی اس کے بالمقابل اعمال صالحہ کی حتی الامکان جدوجہد کرنا جس میں یہ چار شرائط مکمل ہوں سمجھئے کہ توبہ قبول ہوئی (کذا فی المفردات)

النصح بمعنی کسی دوسرے کی خیر و بھلائی کے لئے قول و فعل سے کوشش کرنا۔ النصوح صیغہ مبالغہ ہے بوزن فعول جیسے کہا جاتا ہے رجل صبور و شکور یعنی دوسروں کی خیر خواہی میں بہت زیادہ جدوجہد کرنے والا۔ علی طریق الاسناد المجازی توبہ کی صفت ہے ورنہ درحقیقت تائبین کی صفت ہونی چاہئے۔

معنی کہ وہ اپنی خیر و بھلائی کی جدوجہد کریں اور وہ اعمال و افعال عمل میں لائیں جو توبہ کے مقتضی ہیں یعنی برائیوں سے ان کے قبائح کی وجہ سے تائب اور نادم ہوں اور ہر وقت توبہ کرنے کو غنیمت سمجھیں اور پختہ ارادہ رکھیں کہ آئندہ پھر برائیوں کا ارتکاب نہیں کریں گے بلکہ اس گناہ کو اپنے لئے ایسے ناممکن سمجھیں جیسے دودھ کا پستانوں میں واپس لوٹنا ناممکن ہے بلکہ یہ خیال کریں کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور آگ میں جل کر راکھ ہو جانا منظور ہے لیکن گناہ کرنا منظور نہیں۔

حکایت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے ایک اعرابی کو سنا وہ کہہ رہا تھا اللھم استغفرک واتوب الیک اے اللہ میں تجھ سے استغفار اور توبہ چاہتا ہوں آپ نے فرمایا ایسے زبان سے توبہ و استغفار چاہنا کذابوں کا کام ہے اس نے عرض کی تو پھر حقیقی کس طرح ہو گی آپ نے فرمایا حقیقی توبہ کی چھ شرائط ہیں۔

(۱) گزشتہ گناہوں پر ندامت۔

(۲) فرائض کا اعادہ اگر قضا ہوں۔ مثلاً نماز روزہ زکوۃ ادا کرنا۔

(۳) پختہ ارادہ کرنا کہ پھر وہ گناہ ہرگز نہیں کروں گا۔

(۴) مظالم کا رد

(۵) حقوق العباد کی ادائیگی یعنی جس کے حق میں غلطی ہوئی اسے راضی کرنا۔

(۶) اپنے نفس میں طاعت الٰہی پہ ڈال دینا کہ لحہ بھر بھی مہلت نہ ہو جیسے اس کی غلطی پر اسے سزا دی جا رہی ہے اور اسے طاعت کا مزہ چکھانا جیسے اس نے معصیت کے مزے لوٹے۔

فائدہ سعدی مفتی مرحوم نے فرمایا کہ اہل سنت کے مذہب میں توبہ کے لئے اتنا کافی ہے کہ گناہوں پر نادم ہو اور پختہ ارادہ کرے کہ پھر ایسا نہ ہو گا۔ معتزلہ کا مذہب ہے کہ رد مظالم بھی ضروری ہے ہمارے نزدیک یہ توبہ کے وجوب میں سے نہیں۔ بعض مشائخ نے فرمایا کہ جب تک جمیع مخالفات کا ترک نہ ہو حقیقی توبہ نہ ہو گی۔

فائدہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ النصوح نصاحت سے ہے بمعنی الثوب بالفتح یعنی کپڑا سینا۔ اب معنی یہ ہوا کہ

ایسی توبہ جو تیرے دین کے کپڑے پھاڑے گئے انہیں سیتا اور وہ جو اس میں خلل واقع ہو اسے درست کرنا۔

حدیث شریف میں ہے مومن کمزور اور پھاڑ سینے والا ہے خوشی ہو اسے جو اپنے پھاڑ سیتے ہوئے مرا یعنی اس کے دین میں خلل واقع ہو تو وہ اسے توبہ سے درست کرے وغیرہ وغیرہ۔ ایسے ہی فرمان ہے استقیموا ولن تحصروا تمہیں ممکن نہیں کہ تم ہر شے میں صحیح رہو کہ کسی معاملہ دینی میں خامی واقع نہ ہو اسی سے ہے یاحنظلة ساعته فساعة اے حنظلہ گھڑی گھڑی کا فرق سمجھو۔ زمخشری کے بلاغات سے ہے۔ ما منع قول الناصح ان یرو قک جو خیر خواہ تیرے پھاڑ کو درست کرتا ہے اسے کوئی ممانعت نہیں اس میں خیر خواہ کو اس دوست سے تشبیہ دی جو دوست کی کمی نہ دیکھ کر اس کی اصلاح کی کوشش کرتا ہے جیسے پھٹے کپڑے سے عیب نظر آنے پر دوسرا شخص اس عیب کو ڈھانپنے کے لئے کہے۔ بعض نے کہا توبہ النصوح سے خالص توبہ مراد ہے ان کے قول عسل ناصح سے ماخوذ ہے وہ شہد کہ جس میں موم کی ملاوٹ نہ ہو خالص توبہ کو اسی شہد سے تشبیہ دی گئی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ ممکن ہے اس سے وہ توبہ مراد ہو جو اپنی طرف ملانے والی ہو کہ تائب کے اندر توبہ کے آثار نمایاں ہوں یعنی توبہ کے مقتضیات پر عزیمت اور جدوجہد سے عمل کرنا۔ حضرت ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ گزشتہ گناہوں کو یاد کر کے گریہ وزاری سے وقت بسر کرنا اور ہر وقت خطرہ ہو کہ پھر اس گناہ کا ارتکاب نہ ہو اور بری صحبت سے دور رہنا اور اہل جنت کی صحبت اختیار کرنا۔ حضرت تستری قدس سرہ نے فرمایا اس سے اہل سنت کی توبہ مراد ہے۔ ورنہ مبتدع (بدعت سیئہ کا مرتکب) کو توبہ کی توفیق ہی نہیں ہوتی چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر بدعت سیئہ کے مرتکب پر رکاوٹ ڈال دی ہے کہ توبہ کا نام لے۔ حضرت واسطی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایسی توبہ مراد ہے جس میں کسی قسم کی غرض نہ ہو۔

نکتہ حضرت الشیخ ابو عبداللہ بن خفیف قدس سرہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے توبہ کا مطالبہ اس لئے فرمایا کہ اس سے جو بندے دوری اختیار کر چکے اس سے باز آجائیں اور النصوح کا مطلب یہ ہے کہ اس توبہ میں صدق و صفائی اور خلوص ہو اور حسن خلقی کا ارتکاب ہو اس سے ظاہرا و باطنا قولا فکرا [illegible]

تائب ہو۔

فائدہ حضرت قاشانی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ توبہ کے تقویٰ کی طرح مراتب ہیں جیسے تقویٰ کا اول مرتبہ یہ ہے کہ منہیات شرعیہ سے اجتناب اور آخر یہ ہے کہ انانیت کو خیرباد کہنا۔ ایسے ہی توبہ کا اول مرتبہ رجوع عن المعاصی ہے اور آخری رجوع عن زنب الوجود المجازی کیونکہ صوفیاء کے نزدیک یہ امہات الکبائر سے ہے۔

توبہ چوں باشد پشیمان آمدن   بردر حق نو مسلمان آمدن
خدمتے از سر گرفتن بانیاز   باحقیقت روئے کردن از مجاز

(توبہ پریشان ہونے اور در حق پہ نو مسلم ہو کر آنے کا نام ہے۔ ۲۔ خدمت عبادت کو خیال و تصور سے نکال دینا اور حقیقت کی طرف منہ کرنا اور مجاز سے روگردانی کرنا ہے)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے آیت میں ان اہل ایمان کی طرف اشارہ ہے جن کے قدم ارض ایمان میں کاملین کی طرح راسخ نہیں اور اس میں برانگیختہ کیا گیا ہے کہ بندے پر لازم ہے کہ وہ دنیا اور اس کی محبت سے منہ پھیر کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں لگ جائے یہاں تک کہ اس کی جتنی کوتاہیاں ہوئیں اور لذات جسمانیہ اور شہوات حیوانیہ اس میں سب کا قلع قمع ہو جائے۔ بعض مشائخ نے فرمایا کہ عوام کی توبہ ہے کہ خطاؤں سے باز آنا اور خواص کی توبہ غفلتوں کو دور کرنا اور اخص الخواص کا اپنے اعمال صالحہ پر نظر رکھنے سے توبہ کرنا۔

حدیث شریف حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ لوگو توبہ کرو اس لئے کہ میں دن میں سو بار توبہ کرتا ہوں۔

فائدہ الناس میں تمام مرد اور عورتیں داخل ہیں۔

مسئلہ توبہ فی الفور اور جلدی ضروری ہے اس لئے کہ تاخیر میں انسان جرم میں منہمک ہو جائے گا۔

مسئلہ اصرار پر صغیرہ کبیرہ بن جاتا ہے۔

فائدہ توبہ کی قبولیت کی علامت یہ ہے کہ اس گناہ کا تصور ہی اس کے ذہن سے اٹھ جائے کیونکہ گناہ کو پھر یاد

کرے گا تو گویا وہ توبہ اس کی کسی غرض سے تھی اس کے باوجود بھی کبھی توبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہوتی ہے۔

مسئلہ دنیوی سزا توبہ سے معاف نہیں ہوتی مثلاً چوری کر کے چور توبہ کرے تو حاکم اس کا ہاتھ ضرور کاٹے گا کیونکہ صرف توبہ سے حد شرعی معاف نہ ہو جائے گی جیسے حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توبہ ایسی مقبول ہوئی ہے کہ اگر وہ اہل مدینہ پر تقسیم کی جائے تب بھی وہ بچ جائے گی اس کے باوجود حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سنگسار فرمایا اسے اچھی طرح جان لے۔

قصہ توبۃ النصوح از مثنوی شریف گزشتہ دور میں نصوح نامی شخص تھا جو زناکاری میں مبتلا رہا اس کا چہرہ عورتوں جیسا تھا اس لئے وہ اپنا مرد ہونا مخفی رکھ کر عورت بنا رہا۔ عورتوں میں گھس جاتا اور زنا کا ارتکاب کرتا۔ اس پر کسی کو شک بھی نہ گزرتا اس لئے کہ اس کا نہ صرف چہرہ بلکہ اس کی آواز اور اس کا جسم کا ہر حصہ عورتوں کی طرح تھا۔ وہ بادشاہوں کی لڑکیوں تک زنا کا ارتکاب کرتا رہا۔ عرصہ دراز اس میں مبتلا رہا بارہا توبہ بھی کی لیکن بے سود کیونکہ نفس خبیث اس پر غالب تھا۔ ایک دن ایک بزرگ کے ہاں حاضر ہو کر دعا طلب کی اگرچہ وہ بزرگ اس کے حالات سے باخبر تھے لیکن پردہ فاش نہ کیا صرف اتنا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تجھے توبہ کی توفیق بخشے بزرگ کی دعا اثر کر گئی کہ نصوح کو توبہ کی توفیق نصیب ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ کا ایک سبب بنایا وہ اس طرح کہ جس حمام میں یہ تمام عورتیں جمع ہوتیں وہاں شہزادی کا بیش بہا موتی گم ہو گیا جس کی تلاش میں تمام عورتیں حیران و سرگردان تھیں۔ حمام کو ہر طرف سے بند کر دیا تاکہ کوئی وہاں سے باہر نہ جا سکے اور تمام عورتوں کا سامان ایک ایک کر کے دیکھا گیا لیکن موتی نہ ملا۔ بالآخر فیصلہ ہوا کہ ہر عورت کو ننگا کیا جائے اور یہ کام ایک دایہ (عورت) کے سپرد ہوا دایہ نے اپنا کام شروع کر دیا۔ اور نصوح دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے زاریاں کر رہا تھا کہ یارب بارہا میں نے توبہ کر کے توڑ دی۔ اب میرا پردہ رکھئے کہ اگر پردہ فاش ہو گیا تو پھر میری خیر نہیں اگر میرا پردہ رہ گیا تو پھر میں تمام گناہوں سے سچے دل سے توبہ کروں گا کبھی یہ فعل بد کا ارتکاب نہ کروں گا اگر اس کے بعد بھی باز نہ آؤں تو پھر جو چاہے کرنا۔ اسی طرح یہ عجز و نیاز سے اللہ تعالیٰ سے عرض کر رہا تھا کہ

دایہ نے کہا کہ اب نصوح کے کپڑے اتارو نصوح سنتے ہی بے ہوش ہو گیا بلکہ جسم بے جان کی طرح پڑا تھا ابھی اس کے پردے اتارنے کی باری نہیں آئی تھی کہ یک لخت شور اٹھا کہ قیمتی موتی مل گیا ہے اس سے نصوح کی جان میں جان آئی پھر ہر عورت اس کے ہاتھ پاؤں چومنے لگی اور ہر ایک یہی کہتی کہ ہم سب کا موتی کی چوری کا گمان تجھ پر تھا لیکن غلط بود آنچہ ما پنداشتیم۔ موتی ہاتھ میں لے کر چلیں اور نصوص کو بھی اعزازاً اٹھالیا لیکن یہ ان سے آنکھ چرا کر باہر نکل گیا اور اللہ تعالیٰ سے کہا یا رب تیرا احسان و کرم کی حد نہیں میں ساری زندگی ادا کروں تو کہاں اگر میرا ہر بال زبان ہو کر تیرا شکر کرے تو کس طرح کرے۔

ایک دن کسی نے کہا کہ تجھے شہزادی بلا رہی ہے اور تجھ سے سر دھونے کا کام کرانا چاہتی ہے کہا کہ اسے جا کر کہو۔ اب میں بیمار ہوں اور میرے ہاتھ پاؤں کام کے نہیں رہے اس کے انکار کے بعد دل میں کہا میں ایک بار تو موت کے منہ سے نکل آیا ہوں اب دوبارہ اس کے منہ میں جانا درست نہیں۔ اب الحمد کے بعد مضبوط اور پختہ توبہ نصیب ہو گئی اسے اب نہیں توڑ دوں گا جان جائے تو جائے لیکن توبہ بحال رہے گی کیونکہ ایسا منظر دیکھا اور بچ گیا اس کے باوجود اگر غلطی ہو گئی تو گدھوں سے بدتر ہوں گا۔

عسی ربکم قریب ہے تمہارا رب۔ کشف الاسرار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم واجب فرمایا کہ تمہارے تائب۔ ان یکفر عنکم سیاٰتکم تمہارے گناہ ڈھانپے بلکہ انہیں مٹا کر ان کے عوض نیکیاں لکھ دے ویدخلکم جنت اور جنات میں داخل فرمائے۔ جنات کی جمع مخاطبین کی کثرت کی وجہ سے ہے اس لئے کہ ان میں ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ بہشت ملے گی یا بہشت کے متعدد ہونے کی وجہ سے کیونکہ ہر ایک بہشتی کو بہشت کے مختلف قسم کے باغات ملیں گے۔ تجری من تحتہا الانہار ان کے نیچے نہریں جاری ہیں۔

سوال عسی طمع درجاء (امید) دلانے کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں کہ اس کے لئے یہ کلمہ مستعمل ہو۔

جواب شاہوں کی عادت ہے کہ وہ اپنے ماتحتوں کو ایسے کلمات استعمال کرتے ہیں لیکن اس میں انہیں یقین

ہوتا ہے کہ یہ بات ہو کر رہے گی نیز اس میں اشارہ بھی ہے کہ گناہ معاف کرنا اس کی نوازش اور مہربانی ہے۔ اس کے فضل و احسان کے لئے توبہ ضروری نہیں نیز اس میں تنبیہہ ہے کہ بندہ خوف و رجا کے درمیان میں رہے اور طاعت و عبادت کی ادائیگی میں سستی سے کام نہ لے۔

فائدہ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ گناہ معاف کرنے میں جہنم سے نجات کی طرف اشارہ ہے کیونکہ گناہ دوزخ میں داخل ہونے کا سبب ہے اور جب سبب زائل ہو جائے گا تو مسبب خود بخود ختم ہو جائے گا اور بہشت میں داخل کرنے میں قرب الٰہی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ بہشت قرب الٰہی اور کرامت کا مقام ہے اور جریان الأنہار میں حیاۃ ابدیہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ پانی حیات کا اصل و عنصر کا ہے۔

سبق انسان پر لازم ہے کہ ان انہار کے حصول کے لئے علم کا پانی اور فطرۃ کا دودھ اور الہام کا شہد اور حال کا خمر حاصل کرے کیونکہ جب دنیا میں حیات معنوی انہی اسباب سے حاصل ہوتی ہے ایسے ہی آخرت کی حیات اس کی صورتوں سے حاصل ہو گی۔

تفسیر عالمانہ یوم لایخزی اللہ النبی یہ یدخلکم کی ظرف ہے۔ الاخزاد بمعنی دور کرنا رسوا کرنا خوار کرنا ہلاک کرنا اور یہ کلمات قریب المعانی ہیں (کذافی تاج المصادر)

النبی میں الف ولام عہد کا ہے ہمارے نبی اکرم ﷺ مراد ہیں یعنی قیامت میں اللہ تعالیٰ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو عذاب کرے گا اور نہ ہی گنہگاروں کے حق میں ان کی شفاعت مسترد کرے گا۔

خزی کی تفسیریں (۱) اہل تفاسیر نے فرمایا کہ یخزی الخزی سے ہے بمعنی الفضاحۃ اس میں کافروں کو تعریض ہے یعنی اللہ تعالیٰ رسوا کرتے ہوئے کافروں کو فرماتا ہے کہ اے کافرو آج صرف تمہیں رسوائی ہے۔

(۲) بعض نے کہا کہ یہ الخزایۃ سے ہے بمعنی الحیاء والخجل لیکن پہلا معنی زیادہ موزوں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے لئے یہی مناسب ہے بالخصوص کلام کا اختتام انہیں پر ہو اور اگر پہلا معنی مراد ہو تو معنی یہ ہے کہ امت کی رسوائی در حقیقت رسول اللہ ﷺ کی رسوائی جیسا کہ آپ کی دعا سے واضح ہے چنانچہ بارگاہ حق میں عرض

کیا۔ اللھم لاتخزنا یوم القیمتہ اور عرض کیا لا تفضحنا یوم اللقاء اگر امت مراد نہ ہوتی اور صرف رسول اللہ مراد ہوتے تو دعا میں کہتے ولاتخزنی جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی ولا تخزنی یوم یبعثون اور ہمارے نبی اکرم ﷺ نے جمع کا صیغہ اسی لئے بیان کیا تاکہ یہ دعا امت کو بھی شامل ہو جائے اور اپنے آپ کو شامل فرمانا یہ آپ کی کمال مروت کی دلیل ہے۔

(۳) الخزی سے عذاب مراد ہے لیکن بہتر ہے کہ اسے عام رکھا جائے تاکہ ہر طرح کی رسوائی حساب و کتاب و عقاب شامل ہے۔

والذین امنوا معہ اور وہ مومن اس کے ساتھ ہیں اس کا عطف النبی پر ہے اور معہ لایخزی کا صلہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو رسوا نہ کرے گا جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایمان لائے لیکن یہاں قیامت تک تمام اہل ایمان مراد ہیں۔ یہ اسلمت مع سلیمان کے موافق ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان مومنوں کو رسوا نہ کرے گا جنہوں نے ایمان میں آپ کی اتباع کی اس معنی کی تائید امن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمومنون سے ہوتی ہے انہیں رسوا نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں برے عذاب میں مبتلا نہ کیا جائے گا اور نہ ہی ان کی غلطیوں پر انہیں عار دلائی جائے گی اور نہ ہی وہ معتوب ہوں گے اور وہ ذلت حجاب سے بھی محفوظ ہوں گے اور نہ ہی انہیں سوالات کے جواب میں کوئی دقت ہو گی ان کے لئے حساب آسان ہو گا بلکہ ان کے بعض کا تو سرے سے حساب بھی نہ ہو گا ان کے ساتھ نرمی ہو گی اور جمال الٰہی سے انہیں سرفراز فرمایا جائے گا اور ان کے مقاصد پورے کئے جائیں گے اور انہیں اپنے عزیزوں کی شفاعت کی عام اجازت ہو گی۔

فائدہ حضرت داؤد قیصری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اسلمت مع سلیمان معنی یہ ہے کہ حضرت بلقیس نے کہا میں نے سلیمان علیہ السلام کے اسلام کو قبول کیا یعنی میں نے اسلام اس طرح قبول کیا جیسے سلیمان علیہ السلام نے قبول فرمایا یہ معیت وہی ہے جو آیت کفی باللہ شہیدا محمد رسول اللہ والذین معہ میں ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ایمان کے ساتھ صحابہ کرام کی ایمان کو مقارنت نہیں ایسے ہی بلقیس کے ایمان کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایمان کو سمجھئے خلاصہ یہ کہ بلقیس نے کہا جیسے سلیمان علیہ السلام ایمان لائے میں

بھی ایمان لائی اس میں کافروں و فاسقوں کو رسوا کرنا مطلوب ہے جو اہل ایمان و اسلام کو ہر وقت پریشان کرتے تھے اور ان اہل ایمان و اسلام کی تعریف کی جارہی ہے جنہیں برائیوں سے محفوظ رکھا گیا ہے۔

الذین الخ مبتداء ہے اس کا مابعد اس کی خبر ہے اور یہاں پر ایمان سے کامل ایمان مراد ہے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ فاسق و فاجر مومن جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔ **ونورھم** اور ان کے ایمان و طاعت کا نور مراد ہے جو پل صراط پر گزرتے ہوئے انہیں نصیب ہوگا اور عین المعانی میں ہے کہ نور اخلاص مراد ہے جو پل صراط پر اہل معاملہ کو کام دے گا یعنی ان کو ایسے ہوگا جیسے اندھیرے میں شمع جلائی جائے گی یا نور الصدق مراد ہے جو ارباب احوال کو نصیب ہوتا ہے جو ان کو قمر (چاند) کی طرح روشنی دے گا اور نور الوفاء جو اہل محبت کو نصیب ہوگا جو سورج کی طرح چمکے گا۔

یعسی یعنی المشی المقوی السریع قوت کے ساتھ تیزی سے چلنا اس میں اشارہ ہے کہ ان کے نور کی چمک تیز ہوگی۔ **بین ایدیھم** یعنی ان کے آگے نور چمکے گا۔ ایدی ید کی جمع ہے اس سے شے کا اگلا حصہ مراد ہے اور یہ اکثر آگے کے حصے کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔

سوال ہر انسان کے صرف دو ہاتھ ہوتے ہیں اور یہاں جمع کا صیغہ کیوں؟

جواب(۱) تثنیہ کے لئے جمع کے صیغے کا اطلاق آتا ہے۔

جواب(۲) عبادت کی کثرت کی وجہ سے جمع کا صیغہ لایا گیا ہے۔

ایمانھم یمین کی جمع ہے بائیں جانب کا بالمقابل اور باء بمعنی عن ہے **عن ایمانھم وشمائلھم** اور لفظ جہت کے معنی میں ہے یعنی ان کو دائیں بائیں جانب سے نور نصیب ہوگا یا ہر طرف سے نور نصیب ہونا مراد ہے اور صرف ان دو جہتوں کا ذکر ان کی شرافت کی وجہ سے ہے۔

دعاء نبوی حضور سرور عالم ﷺ کی دعائے نور مشہور ہے وہ یہ ہے کہ

اللھم اجعل فی قلبی نورا وفی سمعی نورا وفی بصری نوراً وعن یمینی نور

وعن شمالی نورا وامامی نورا وخلفی نورا وفوقی نورًا وتحتی نورا وجعلنی نورا!

(اے اللہ میرے دل اور کان اور آنکھ اور دائیں اور بائیں اور آگے اور پیچھے اور اوپر نیچے بلکہ مجھے ہمہ تن نور بنا دے)

فائدہ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ ایدی اور ایمان اہل سعادت کے لئے ہے کیونکہ انہیں اعمال نامے آگے سے اور سیدھے ہاتھوں میں دیئے جائیں گے بخلاف اہل شقاوت کے کہ انہیں پیٹھ کے پیچھے اور بائیں ہاتھوں میں دیئے جائیں گے اور یہی اہل سعادت وشقاوت کی علامت ہوگی اور یہ طریقہ ان کے لئے پل صراط سے گزر کر بہشت میں جانے اور موجب زینت ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ قاشانی نے لکھا کہ ان کا نور ان کے آگے دوڑے گا لیکن ان کی نظر و کمال علمی کے مطابق ایسے ہی ان کے دائیں جانب عمل و کمال عملی کے مطابق کیونکہ نور علمی وحدت کے چشمے سے اور عملی قلب سے ہے اور قلب نفس کے دائیں جانب ہے یا اس سے سابقین کا زمرہ مراد ہے جو ان کے آگے دوڑے گا اور ان میں سے ابرار کا نور ان کے دائیں جانب دوڑے گا سورہ حدید میں اس کی تفصیل لکھ آئے ہیں۔

حدیث شریف اہل ایمان کا نور اللہ تعالیٰ کے نور سے [illegible] گا جو عوام سے مراتب میں بہت بڑے فاصلہ پر ہوگا اور عدن سے بھی زیادہ روشن ہوگا اور اہل ایمان کے بعض کا نور ان کے قدموں سے اوپر نہ ہوگا۔

تفسیر عالمانہ یقولون اہل ایمان کہیں گے یہی معنیٰ ظاہر ہے بایں معنیٰ یہ کہ رسول اللہ ﷺ اپنی امت کے لئے اور اہل ایمان اپنے لئے کہیں گے جبکہ منافقین کا نور ایمان بجھ جائے گا تو انہیں اپنے نور ایمان کے چھن جانے کا خطرہ ہوگا جیسا کہ انسانی فطرت ہے کہ ایسے مواقع پر خوفزدہ ہو جاتے ہیں تو یہ بھی اپنی زندگی کے گناہوں کو یاد کر کے متفکر ہو کر کہیں گے ربنا اے ہمارے پروردگار اتمم لنا نورنا ہمارے انوار کی نگہبانی فرما اور انہیں

(حاشیہ لے ہم کہتے ہیں حضور سرور عالم ﷺ سراپا نور ہیں اور یہ حدیث پاک ہمارے دلائل میں سے ایک ہے اور علامہ عینی نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ نبی علیہ السلام کی دعا مستجاب ہوئی۔ تفصیل کے لئے دیکھئے فقیر کا رسالہ ، مائے نبی" اویسی غفرلہ)

باقی رکھ تاکہ ہم سلامت یہاں سے گزر جائیں۔ یہاں پر اتمام سے (الدوام) باقی رکھنا مراد ہے تاکہ سلامت دارالسلام تک پہنچ جائیں۔

واغفرلنا اور گناہوں کی ظلمت سے پاک کر۔ انک علی کل شئی قدیر بیشک تو ہر شے پر قادر ہے منجملہ اس کے تمام و مغفرت بھی ہے۔

فائدہ بعض مفسرین نے فرمایا ان کی تقرب الی اللہ کے ارادہ پر یہ دعا مانگیں گے کیونکہ اس وقت انہیں اتمام نور و مغفرت تو پہلے حاصل ہوں گے اس کی نظیر واستغفر لذنبک ہے کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ مغفور لہ ہیں و پھر انہیں گناہوں کی بخشش مانگنے کا کیا معنی۔

سوال زمخشری نے لکھا ہے کہ جب وہ دار التکلیف نہیں تو وہ تقرب الٰہی کی دعا کیسے چاہیں گے؟

جواب (۱) فقیر (صاحب روح البیان) کہتا ہے کہ ان کا حال چونکہ متقربین جیسا ہو گا اسی لئے وہ رحمت مانگیں گے جسے مفسرین نے تقرب سے تعبیر کیا ہے۔

جواب (۲) بعض مفسرین نے اس کا یہ جواب لکھا ہے کہ چونکہ اس وقت مراتب مختلف ہوں گے اسی لئے ادنیٰ مراتب والے اعلیٰ مراتب کو دیکھ کر فضل الٰہی کی امید پر کہیں گے۔ پھر یہی لوگ کہیں گے۔ ربنا اتمم لنا نورنا

فائدہ سب سے پہلے بہشت میں جانے والے بجلی کی طرح پل صراط سے گزریں گے پھر بعد والے بعض ہوا کی طرح اور بعض گھٹنوں کے بل اور بعض منہ کے بل جائیں گے پھر یہی لوگ کہیں گے ربنا اتمم لنا نورنا

فائدہ حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اہل ایمان دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف احتیاج سے بے نیاز نہیں بلکہ آخرت میں زیادہ محتاج ہوں گے اگرچہ وہ دار العز والغنی ہے۔ لیکن پھر اس کے شوق دیدار میں عرض کریں گے۔ ربنا اتمم لنا نورنا

فائدہ جو کام یہاں نامکمل رہا وہ آخرت میں مکمل نہ ہو سکے گا اس لئے لازم ہے کہ یہاں پر ہمت سے کام لے کر

اپنے امور متعلقہ بالآخرت کو مکمل کر لیا جائے۔

فائدہ انوار بکثرت ہیں۔

۱۔ نور ذات ۲۔ نور صفات ۳۔ نور افعال ۴۔ نور عبادات جیسے نماز و وضو وغیرہ۔

حدیث شریف حضور سرور عالم ﷺ نے ایک طویل حدیث میں فرمایا الصلوۃ نور نماز نور ہے۔

نکتہ اس میں راز یہ ہے کہ بندہ نماز کے وقت اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتا اور اس کی ذات کی طرف متوجہ ہوتا ہے (اس سے اسے نور نصیب ہوتا ہے)

حدیث شریف حضور سرور کونین ﷺ نے فرمایا کہ جب بندہ نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنا چہرا (تجلیات خاص) اس کے چہرے کے بالمقابل کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ نور ہے اور انسان کی حقیقت ظلمانیہ ہے اور قاعدہ ہے کہ اگر تاریکی والا نورانی ذات کے بالمقابل ہو تو اس کی تاریکی نورانیت سے بدل جاتی ہے جیسے چاند ظلمانی اور کثیف ہے لیکن جونہی سورج کے بالمقابل ہوتا ہے تو نورانی ہو جاتا ہے چنانچہ علم ہیئت میں ہے کہ چاند جتنا سورج کے بالمقابل ہوگا اتنی مقدار اس کے اندر نور ہوگا اور جتنی مقدار اس سے ہٹ جائے گا اتنی مقدار اس کا نور کم ہوگا۔

حدیث شریف حضور سرور کائنات ﷺ نے فرمایا اندھیرے میں مسجدوں کی طرف جانے والوں کو قیامت میں نور تام کی خوشخبری سناؤ۔

ازالہ وھم بعض لوگ جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھنے پر تاریکی شب کو عذر بناتے ہیں وہ اس سے عبرت حاصل کریں اگرچہ شرع نے تاریکی عذر بتایا ہے لیکن اس سے شدید ظلمت سخت تاریکی مراد ہے جس سے ہاتھ بھی نظر نہ آئے۔

مسئلہ مسجد میں نماز نہ پڑھنا اور سستی سے گھر وغیرہ نماز پڑھنا بدبختی کی علامت ہے ہاں بیماری وغیرہ ہو تو حرج

نہیں لیکن بیماری سے بھی معمولی مرض مراد نہیں بلکہ وہ جس سے فقہاء کرام نے تیمم روا رکھا ہے۔

مسئلہ ہاتھ پاؤں مخالف جانب سے کٹے ہوں تو وہ اگر مسجد تک نہ پہنچ سکے تو وہ بھی شرعی معذور ہے۔

مسئلہ مفلوج جس پر فالج کا حملہ ہوا ہو وہ بھی معذور ہے اور جو مسجد تک نہیں چل سکتا ایسے ہی نابینا (جو کہ دوسرے کے سہارے چلتا پھرتا ہو اگر ایسا نہ ہو تو اسے معذور نہ سمجھا جائے گا کیونکہ بعض نابینا حضرات ایسے چست و چالاک ہوتے ہیں جن کی چستی اور پھرتی سے بینا حضرات حیران و ششدر رہ جاتے ہیں) سخت بارش ہو یا راستہ پر ایسی کیچڑ ہو کہ مسجد تک پہنچنا دشوار ہو اور سخت سردی کہ جس سے بیماری کا خطرہ ہو اور ایسی تاریکی چھا جائے جس سے راستہ نظر نہیں آتا وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام امور مسجد میں نہ جانے کے اعذار شرعیہ ہیں۔ ایسے ہی بادشاہ (حاکم ظالم) کا خطرہ ہو کہ وہ نقصان پہنچائے گا۔

وضوء کی فضیلت حضور کائنات ﷺ نے فرمایا مجھے آرزو ہے کاش میں اپنے بھائیوں کو دیکھتا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم آپ کے بھائی نہیں آپ نے فرمایا تم میرے اصحاب ہو میرے بھائی وہ ہیں جو ابھی دنیا میں پیدا ہی نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جب وہ پیدا ہی نہیں ہوئے تو پھر قیامت میں آپ انہیں کیسے پہچانیں گے۔ آپ نے فرمایا کیا تم نے وہ گھوڑا نہیں دیکھا جو سفید داغوں والا کالے سیاہ گھوڑوں میں ہو تو پھر اسے بلا تامل پہچان لیا جاتا ہے سب نے عرض کی آپ نے بجا فرمایا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میرے بعد آنے والے امتی سفید داغوں والے وضوء کی برکت سے نورانی چہرے والے ہوں گے وہ مجھے حوض کوثر پر ملیں گے اور میں ان کا حوض پر منتظر ہوں گا۔

فائدہ حضور تاجدار عالم ﷺ نے وضوء سے چہرے اور ہاتھوں اور پاؤں کے نور کو غر محجل گھوڑے سے استعارہ فرمایا کیونکہ الغر اغر کی جمع اور الغرہ (بالضم) سفیدی جو گھوڑے کی پیشانی میں درہم سے تھوڑی سی بڑی ہوتی ہے اور التحجیل بتقدیم الحاء المہملہ (حاء جیم سے پہلے) یعنی وہ سفیدی جو گھوڑے کے چار ہاتھ پاؤں پر ہوتی ہے کبھی دو پاؤں اور ایک ہاتھ اور کبھی صرف دو پاؤں پر ہوتی ہے۔

اعجوبہ گھوڑے کی سفیدی صرف پاؤں میں ہرگز نہیں ہوتی جب تک ان کے ساتھ والوں پاؤں یا ایک پاؤں پر نہ ہو۔ الدھم ادہم بمعنی اسود کی جمع ہے اس لئے الدھمہ بالضم بمعنی السواد آتا ہے۔ البہم ابہم کی جمع ہے اہل عرب کہتے ہیں۔ فرس ابھم بمعنی مشکی گھوڑا یعنی جس کا پورا جسم سیاہ ہو یا وہ گھوڑا جس کا سالم جسم ایک رنگ ہو اس میں کسی دوسرے رنگ کی معمولی سی ملاوٹ بھی نہ ہو۔

حدیث شریف حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ یحشر الناس یوم القیمۃ بھما یعنی قیامت میں لوگ بھم ہو کر اٹھیں گے یعنی جملہ دنیوی امراض جیسے برص، جذام، عروج (لنگڑاپن) سے پاک (الضرط) بفتحتین وہ شخص جو بوکہ اور حوض کی اصلاح کے لئے پہلے پہنچے۔

یاایھاالنبی اے رسول خبر دہندہ یا بلند قدر جاھدالکفار تلوار کے ساتھ کافروں سے جہاد کیجئے۔ والمنافقین منافقین کو دلائل دے کر اور وعید و تہدید سنا کر یا قہر و جبر کر کے یا ان کی اندرونی سازشیں ظاہر کر کے۔

فائدہ قاشانی مرحوم و مغفور نے فرمایا آپ منافقین کے ساتھ اپنی اس حقیقت سے جہاد کیجئے جو ان کی حقیقت کی متضاد ہے۔

فائدہ منافقت قلب میں ایک چھپے ہوئے مرض کا نام ہے۔

رد وہابیہ حضور نبی پاک ﷺ کو منافقین کے اندرونی مرض کا علم ذاتی طور نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے عطا کرنے پر ہوا اسی لئے آپ نے ان کی منافقت کو معلوم کر کے پہلے ان سے زبانی جہاد فرمایا جیسا کہ آیت ہذا میں ہے اس میں راز یہ تھا کہ انہوں نے زبان سے کلمہ شہادتیں پڑھ لیا تھا اللہ تعالیٰ نے اس مبارک کلمہ کی تعظیم و تکریم فرمائی کہ ان کے مرتے دم تک ظاہری احکام اہل اسلام کی طرح جاری فرمائے۔ واغلظ علیھم اور ان سب کے ساتھ سختی سے پیش آئے۔

فائدہ جنگ اور حجت قائم کرنے میں دونوں (کافروں منافقوں) پر سختی سے پیش آنے کا حکم ہے اس سے معلوم

ہوا کہ بے دینوں کے ساتھ سختی سے پیش آنا بھی خوش خلقی ہے (دور حاضر میں لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ بدمذاہب سے سختی کو تشدد و تعصب اور ان سے نرمی وغیرہ کو خوش خلقی کا نام دے رکھا ہے)

سبق حضور سرور عالم ﷺ رحمۃ للعالمین اور دنیا کے جملہ رحمدلوں اور رقیق قلبوں کے سردار اور امام ہیں جب انہیں بے دینوں سے سختی کے ساتھ پیش آنے کا حکم ہے تو پھر ہم تم کس شمار میں ہیں۔

مسئلہ بے دینوں اور بدمذہبوں کے ساتھ سختی اور اہل ملت سے محبت اور پیار رکھنا اہل حق کا شیوہ ہے قال اللہ تعالٰی اشداء علی الکفار رحماء بینھم وہ کافروں پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔ وماواھم جھنم اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے یعنی عنقریب سخت ترین عذاب دیکھیں گے یعنی کافرین و منافقین اگر مرنے سے پہلے ایمان نہ لائے اور مخلص نہ ہوئے تو ان کا ٹھکانا جہنم میں ہے۔

فائدہ کاشانی مرحوم نے فرمایا کہ جب تک وہ اس طرح رہیں گے اور ان کی استعداد زائل یا بالکل مٹ جائے گی۔ وبئس المصیر اور دوزخ بہت برا ٹھکانہ ہے اس میں کفار منافقین کی صراحۃً مذمت ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں قلب کے کہ نبی صَلَّی اللہُ علیہ وسلم کو حکم ہے کہ وہ فی سبیل اللہ جہاد کرے اور اس کا جہاد یہی ہے کہ وہ کفار یعنی نفس امارہ بالسوء اور اس کے صفات حیوانیہ و شہوانیہ اور منافقین یعنی خواہش نفسانی اور اس کی صفات بہیمیہ و سبعیہ سے جہاد کریں۔

واغلظ علیھم سے مراد یہ ہے کہ نفس امارہ وغیرہ کو ریاضت میں لگایا جائے اور سختی سے سخت مجاہدہ سے کام لیا جائے اور ماواھم جھنم ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اس سے بعد و حجاب مراد ہے۔ بئس المصیر اور وہ برا ٹھکانہ ہے کیونکہ انسان کے لئے حجاب و بعد و فراق از دیدار الٰہی سے بڑھ کر اور کوئی عذاب نہیں ہے۔

(حاشیہ [1] اعلحضرت عظیم البرکت امام اہل سنت شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہ نے خوب فرمایا۔

دشمن احمد پہ شدت کیجئے
ملحدوں کی کیا مروت کیجئے)

سبق صاحب روح البیان نے فرمایا کہ جب ظاہری دشمن پر سختی کا حکم ہے تو پھر باطنی دشمن تو اس سے زیادہ لائق ہے کہ اس کے ساتھ سختی کی جائے اور باطنی دشمن سے نفس امارہ مراد ہے اور صوفیاء کرام نے فرمایا کہ نفس امارہ پر سختی کرنے میں نجات اور اس کے ساتھ نرمی میں ہلاکت وتباہی ہے اسی لئے بعض شعراء نے فرمایا۔

ہست نرمی آفت جاں سمور   وزدرشتی می برو جان خارپشت

(نرمی میں آفت جان اور سختی سے روحانی تکلیفیں دور ہو جائیں گی)

فائدہ عرب کی کہاوت مشہور ہے العصا لمن عصا بدمعاشوں کو ڈنڈا سیدھا کرتا ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا۔

درشتی و نرمی بہم در بہست   چو فصاد جراح و مرہم نہست

(سختی اور نرمی ہر دونوں یکجا ہوں تو بہتر ہے جیسے فصد کرنے والا کہ خون نکال کر خود زخم پر مرہم لگاتا ہے)

فائدہ اس میں اشارہ ہے کہ مومن صفت جمال و جلال کا جامع ہے اور اس کا انجام کمال ہے۔ پہلے جمال کی صفت کو پھر جلال کو عمل میں لانا چاہیے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میری رحمت سبقت کر گئی۔ یہی وجہ ہے کہ کافروں کو نرمی کے ساتھ دعوت دی جاتی ہے جب وہ دعوت اسلام قبول نہ کریں تو پھر جہاد۔ ایسے منافقین کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ کہ انہیں پہلے اخلاص و یقین کی تلقین کی جائے جب وہ اس طرح سے درست نہ ہوں تو پھر سختی سے تاکہ جمال و جلال کی صفات کا اظہار ہو۔

فائدہ اس میں اشارہ ہے جو رحمت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں جیسے اہل ایمان تو ان پر سختی نہ ہو گی کیونکہ یہ حکمت کے خلاف اور مصلحت کے برعکس ہاں جو غضب کے لئے پیدا کئے گئے جیسے کفار و منافقین تو ان پر رحم نہیں ہو گا اور نہ ہی ان سے نرمی کی جائے گی۔

مسئلہ (بدعت سیئہ از عقیدہ کی سزا بھی وہی ہے جو کفار منافقین کی ہے اس لئے اہل سنت پر لازم ہے کہ ایسے

اہل بدعت بدمذاہب کو خوش خلقی سے نہیں ملنا چاہئے[۱]۔ کیونکہ بعض اہل اللہ کو اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے سے جھڑکا۔

سبق مومن پر لازم ہے کہ طریق حق میں جان کی بازی لگادے یہاں تک کہ ظاہری و باطنی اعدائے اسلام اور شیاطین کے مکرو فریب اور ان کی غلط سازشیں بند ہو جائیں اور اس پر مداومت کرے یہاں تک کہ وہ ترقی نصیب ہو جو انسان کے خصائص سے ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے جہاد صرف ثقلین (جن وانس) کے ذمہ لگایا ہے۔ اگر ملائکہ جہاد پر حاضر ہوتے ہیں تو وہ با تسبیح یا صرف جماعت کی کثرت کے اظہار کے لئے اور بس۔

ضرب اللہ مثلا للذین ایسے مقالات پر مثالیں قائم کرنا محض عبرت کے لئے ہے تاکہ ایک واقعہ سے اسی طرح کی عبرت حاصل کی جائے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے کافروں کے حالات بیان فرمائے تاکہ ان کے حالات پڑھ سن کر انسان عبرت حاصل کرے۔ مثلا ضرب کا مفعول ثانی اور للذین کی لام اسی کے متعلق ہے۔ امرأة نوح وامرأة لوط یعنی نوح ولوط علیہما السلام کے حالات کی اللہ تعالیٰ نے مثالیں بیان فرمائیں۔ یہ ضرب کا مفعول اول ہے اسے اس لئے موخر کیا گیا ہے تاکہ آنے والا مضمون اور بیان اس سے مربوط اور ان دونوں کے حال کی وضاحت اور تفسیر و تشریح ہو۔ حضرت نوح علیہ السلام کی عورت کا نام واعلہ (بالعین المہملہ) یا والہ تھا اور لوط علیہ السلام کی عورت کا نام والہہ (بلہاء) تھا۔ کانتا تحت عبدین من عبادنا صالحین خیر و صلاح کا موجب ہے اور یا تحت سے مراد وہ حکم و تصرف مراد ہے جو نکاح و ازواج کا رشتہ کی وجہ سے ہوتا ہے اور صالحین عبدین کی صفت ہے یعنی وہ دو عورتیں دو نبیوں کے نکاح اور وہ دو عظیم الشان نبیوں کی عصمت میں تھیں اور انہیں دنیا و آخرت کی ہر طرح کی نعمت و سعادت حاصل تھیں (باوجود ایں ہمہ محروم رہیں)

فائدہ عبدین سے ان دونوں نبیوں کی اظہار ہے ورنہ تحتہما کہنا کافی تھا اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صالحیت و عبودیت کا بہت بڑا مرتبہ ہے۔ فخانتہماھما تو ان دونوں عورتوں نے ان دونوں نبیوں

(حاشیہ[۱] الحمد للہ یہ طریقہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کی تعلیم و تلقین سے ہم اہل سنت کو نصیب ہوا کہ بحمدہ تعالیٰ ہم کسی بھی بدمذہب کو نہیں ملتے)

کی خیانت کی۔ اس میں ان کی اس جنایت عظیمہ کا بیان ہے جو ان دونوں عورتوں سے سرزد ہوئی باوجود یہ کہ ان سے اس کے منافی امر موجود تھا یعنی دو نبیوں علیہما السلام کی صحبت میں تھیں خیانت امانت کی نقیض ہے۔ یہ عہد و امانت کے خلاف صدور پر مستعمل ہوتی ہے یعنی ان دونوں عورتوں نے کفر و نفاق اور ان نبیوں علیہما السلام کو جنوں کی نسبت کرنے اور مہمانوں پر چغلی کھانے کی وجہ سے خیانت کی۔

مسئلہ ان سے زنا وغیرہ سرزد نہ ہوا کیونکہ قاعدہ کلیہ ہے کہ مابغت امراۃ نبی قط کسی نبی علیہ السلام کی عورت زانیہ نہیں ہوتی کیونکہ عورت کا زانیہ ہونا مرد کے لئے عوام کی نظروں میں سخت عار و نفرت کا موجب بنتا ہے اگرچہ کفر و زنا سے زیادہ اور بڑا گناہ ہے لیکن عار و نفرت کا موجب نہیں۔

فائدہ اس میں نبی کریم ﷺ کے زمانہ کے کافروں کو نصیحت کی گئی ہے کہ جیسے ان دو عورتوں نے اپنے نبیوں کی خیانت کی ایسے ہی انہوں نے باوجود یہ کہ اپنے نبی علیہ السلام سے ایمان و طاعت کی دولت سے بہرہ ور ہونے کی موقعہ میسر ہوا لیکن کفر و عصیاں میں مبتلا رہے۔

فلما یغنیا ان عورتوں کی خیانت کے انجام کا بیان ہے یعنی ان دونوں نبیوں نے نہ بچایا۔ عنھما ان دونوں عورتوں کو باوجود یہ کہ ازدواج جیسا کہ رشتہ بھی رکھتی تھیں۔ من اللہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے شیئا کسی چیز کا۔ یعنی ان دونوں نبیوں نے ان دونوں عورتوں کو عذاب سے نہ بچایا۔

فائدہ حضرت نوح علیہ السلام کی عورت طوفان میں غرق ہو گئی اور حضرت لوط علیہ السلام کی عورت کو پتھر لگا تو قوم کے ساتھ تباہ ہوئی۔ وقیل ان دونوں عورتوں کو موت کے وقت کہا گیا یا قیامت میں کہا جائے گا۔ ماضی کا صیغہ تحقیق کے لئے ہے اور اس کے قائل وہ ملائکہ تھے جو عذاب کرنے پر مامور ہوئے۔ ادخل النار مع الداخلین جہنم میں داخل ہونے والوں کیساتھ داخل ہو جاؤ یعنی ان دوسرے کافروں کے ساتھ جن کے ساتھ تمہارا بظاہر کوئی رشتہ نہیں اور نہ ہی انہیں اولیاء اللہ سے کوئی واسطہ اور تعلق ہے۔ صیغہ جمع مذکر لایا گیا ہے۔ کیونکہ عورتوں کو مردوں کے ساتھ ہی جہنم میں داخل کیا جائے گا ان کے ماتحت ذکر کیا جاتا ہے۔

مسئلہ اس آیت میں ان لوگوں کا طمع منقطع کر دیا گیا ہے جو گناہ کا ارتکاب کر کے سمجھتے ہیں کہ ہمیں فلاں عزیز رشتہ دار کی نیکی کی وجہ سے نجات ملے گی حالانکہ وہ اپنے عزیز رشتہ دار سے طریقہ و سلسلہ میں ذرہ بھر بھی موافقت نہ رکھتا ہو۔ صرف رشتہ داری اور قرابت داری یا کوئی اور رشتہ سسرائی تعلق ہو۔

صوفیانہ فائدہ حضرت امام قاشانی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا اتصال طبعی اور اتصال صورت امور اخروی کے لئے غیر معتبر ہیں بلکہ محبت حقیقی و اتصال روحانی ضروری ہے اور اسی میں ہی تاثیر ہے اور ظاہر کا رشتہ تو فانی ہے مرنے کے بعد اس کا کوئی تعلق نہیں رہتا کیونکہ قیامت میں انساب کا اعتبار نہیں ہو گا۔ ایسے ہی باطنی رشتہ کو سمجھئے۔ وہاں بھی اگرچہ نیک اور بد ہر دونوں روح و حسد کے ازواج سے پیدا ہوتے ہیں لیکن در حقیقت شریر اہل ارواح سے نہیں جیسے نوح علیہ السلام کا لڑکا (اگرچہ وہ نبی علیہ السلام کی اولاد تھا) لیکن اسے قرآن نے انہ لیس من اھلک ثابت ہوا کہ اسعداء و اشقیاء دنیا و آخرت میں ہر جگہ ایک دوسرے سے جدا رہیں گے۔

چہ نسبت است بریدی صلاح و تقوی ۔ سماع وعظ کجا نغمہ ارباب کجا

(برائی کو صلاح و تقوی سے کیا نسبت کہاں وعظ و نصیحت کے کلمات کہاں سرور کی آواز)

تفسیر عالمانہ وضرب اللہ مثلا للذین امنو امراۃ فرعون اور اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لئے فرعون کی عورت کی مثل بیان فرمائی۔ فرعون کی عورت کے حال کو اہل ایمان کے حال کی طرح بنایا کہ اہل ایمان کو کافروں کی رشتہ داری نقصان نہیں پہنچاتی اس سے بی بی آسیہ بنت مزاحم فرعون کی گھر والی مراد ہے۔

حل لغات آسیہ از اسی بمعنی حزن۔ اکابر مشائخ نے فرمایا کہ حزن اولیاء کا زیور ہے جس نے حزن کا ذائقہ نہیں چکھا اسے عبادت کی لذت نصیب نہ ہو گی۔ یا اسر سے مشتق ہے بمعنی مداومت اور الاسی بالمد بمعنی الطیب۔

فائدہ بزرگوں نے فرمایا اس میں اہل ایمان کو صبر کی ترغیب و تلقین ہے کہ انہیں چاہیے شدائد و تکالیف پر صبر میں آسیہ سے کم نہ ہوں اس لئے کہ آسیہ کو فرعون سخت تکالیف پہنچاتا تھا چنانچہ اس کا ذکر آتا ہے اذقالت یہ

مثل محذوف کی ظرف ہے دراصل عبارت ضرب اللہ مثلا للمومنین الخ یعنی اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو آسیہ کے حال کی مثال بیان فرمائی ہے جب آسیہ نے کہا رب اے میرے پروردگار ابن لی۔ میرے لئے ملائکہ کے ذریعے یا بلاواسطہ اپنے دست قدرت سے بنائیے۔

حدیث شریف مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت عدن کو بلاواسطہ اپنے دست قدرت سے بنایا ہے اور اس میں بلاواسطہ طوبیٰ کے درخت پیدا فرمائے ہیں۔

عندک بیتا فی الجنۃ اپنی رحمت کے قریب جنت میں میرا گھر۔ یہ اس وقت ہے جب ظرف ضمیر متکلم سے حال ہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کسی مکان کی اقامت سے منزہ ہے یا یہ معنی ہے کہ میرا گھر مقربین کے اعلیٰ درجات میں بنا۔ اس معنی پر عندک جنۃ کے لئے ظرف ہے اور جنۃ بیتا کی صفت۔

فائدہ عین المعانی میں ہے کہ آیہ دراصل من عندک تھا یعنی مجھے بہشت میں مکان بلا استحقاق اپنے لطف و کرم سے عطا فرما۔

حضرت آسیہ کی دعا مستجاب مروی ہے کہ ادھر آسیہ نے دعا مانگی ادھر اس کے لئے تجلیات اٹھے یہاں تک کہ اس نے بہشت میں اپنا مکان دیکھ لیا اس کے بعد اس کی روح پرواز کی۔

لطیفہ بعض ظرفاء سے پوچھا گیا کہ الجار قبل الدار کی مشہور مثل کی دلیل قرآن مجید میں کہاں ہے اس نے کہا عندک فی الجنۃ سے ابحار قبل الدار مراد ہو سکتی ہے اس لئے عندک الجار پر اور فی الجنۃ الدار پر دلالت کرتا ہے۔

ونجنی من فرعون اور مجھے جاہل فرعون سے نجات بخش وعملہ اور اس کے باطل عمل سے یعنی مجھے فرعون خبیث کی صحبت اور اس کے برے عمل یعنی کفر و دیگر معاصی سے۔ ونجنی من القوم الظالمین اور مجھے فرعون کے ماننے والے ظالم قبطیوں سے نجات دے۔

حضرت آسیہ کا ایمان مروی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے جادوگروں پر غلبہ پایا تو

آسیہ مسلمان ہو گئی۔ بعض نے کہا کہ آسیہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پھوپھی تھی۔

فرعون کا ظلم و ستم بر آسیہ مروی ہے کہ جب بی بی آسیہ مسلمان ہو گئی اور فرعون کو ان کے ایمان کا علم ہوا تو پہلے تو اسلام سے پھر جانے کا کہا جب آسیہ نہ مانیں تو اس ظالم نے بی بی کے ہاتھ اور پاؤں پر میخیں ٹھونک دیں اس کے بعد گرم ریت پر دھوپ میں لٹایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو فرمایا کہ بی بی آسیہ پر اپنے پروں سے سایہ کریں اس پر بی بی آسیہ کو بہشت میں ان کا گھر دکھایا جسے بی بی آسیہ دیکھ کر ہنسیں۔ لوگوں نے تعجب کیا کہ اتنا شدید عذاب میں مبتلا ہونے کے باوجود بھی ہنس رہی ہے

فائدہ بی بی آسیہ کی ہمت دیکھئے کہ اس نے اتنا سخت عذاب برداشت کیا مگر ذرہ بھی کفر کی طرف مائل نہ ہوئی ایسی نیک عورتوں کو ہونا چاہئے

کرامت آسیہ جناب ضحاک نے فرمایا کہ فرعون نے بی بی آسیہ کو ہاتھوں اور پاؤں میں میخیں گاڑ کر ریت پر دھوپ میں لٹا کر نوکروں کو حکم فرمایا کہ چکی میں لوہے کی میخیں ڈال کر اوپر سے آسیہ پر گرا دو جب آسیہ نے فرعون کی یہ کارروائی دیکھی تو دعا کی رب ابن لی عندک بیتا فی الجنۃ اللہ تعالیٰ نے بی بی آسیہ کی دعا مستجاب فرمائی چنانچہ پتھر کے پہنچنے سے پہلے ہی بی بی کی روح پرواز کر گئی۔ روح نکل جانے کے بعد پتھر بی بی آسیہ پر آیا انہیں درد محسوس نہ ہوا

فائدہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ بی بی آسیہ جب جنت کی مشتاق ہوئی اور فرعون سے بیزار ہو گئیں تو اللہ تعالیٰ سے یہی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا مستجاب فرمائی۔ اکثر تفاسیر میں مرقوم ہے کہ بی بی آسیہ کا جسم مبارک زندہ ہی جنت میں لے جایا گیا ہے اسی طرح بہشت پہنچ گئیں اور اب بہشت میں ہیں۔ چنانچہ سیدنا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ انہیں بہشت میں داخل کیا گیا ہے وہاں کھاتی پیتی اور نعمتوں سے سرفراز ہو رہی ہیں

حاشیہ: فقیر بھی بی بی آسیہ کے متعلق کچھ عرض کرے۔ حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے اپنا ایمان اپنے شوہر فرعون سے چھپایا تھا جب فرعون کو اس کا پتہ چلا تو اس نے حکم دیا کہ اسے گوناگوں عذاب دئیے جائیں۔ حضرت رضیہ ــــ

فائدہ اس سے ثابت ہوا کہ مشقت اور دکھ درد کے وقت اللہ تعالیٰ سے پناہ والتجا اور اس سے نجات کا سوال صالحین کا طریقہ اور انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی سنت ہے۔

مثنوی شریف میں ہے۔
تا فرود آید بلائے دافع   چوں نباشد از تضرع شافع
جز خضوع و بندگی و اضطرار   اندریں حضرت ندارد اعتبار

(۱۔ ہر بلا کے دفعیہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف تضرع و زاری سے اور کوئی شے بہتر دافع نہیں۔ ۲۔ بارگاہ حق میں خضوع و بندگی و اضطرار کے سوا کسی شے کا اعتبار نہیں)

فائدہ صوفیانہ صوفیاء کرام کے نزدیک دکھ درد نہ ہونے کے باوجود اس کے دفعیہ کے لئے دعا مانگنا مذموم ہے کیونکہ اس طرح سے اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا مقابلہ کرنا اور تکالیف برداشت کرنے کا دعویٰ کرنا ہے اور یہ سخت برا ہے۔

حضرت ابن الفارض قدس سرہ نے فرمایا۔

(حاشیہ گذشتہ)

آسیہ ایمان کو چھوڑ دیں۔ لیکن آسیہ ثابت قدم رہیں تب فرعون نے میخیں منگوائیں اور ان کے جسم پر میخیں گڑوادیں اور فرعون کہنے لگا اب بھی وقت ہے ایمان کو چھوڑ دو مگر حضرت آسیہ نے جواب دیا تو میرے وجود پر قادر ہے لیکن میرا دل میرے رب کی پناہ میں ہے۔ اگر تو میرا ہر عضو کاٹ دے تب بھی میرا عشق بڑھتا جائے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہاں سے گزر ہوا۔ آسیہ نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا میرا رب مجھ سے راضی ہے یا نہیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے آسیہ آسمان کے فرشتے تیرے انتظار میں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ تیرے کارناموں پر فخر فرماتا ہے، سوال کر تیری ہر حاجت پوری ہوگی۔ آسیہ نے دعا مانگی اے میرے رب میرے لئے اپنے جوار رحمت میں جنت میں مکان بنادے، مجھے فرعون، اس کے مظالم اور ان ظالم لوگوں سے نجات عطا فرما۔

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب فرعون نے حضرت آسیہ کو دھوپ میں لٹا کر چار میخیں ان کے جسم میں گڑوائیں اور ان کے سینے پر چکی کے پاٹ رکھ دیئے گئے تو جناب آسیہ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر عرض کی۔ رب ابن لی عندک بیتا جنۃ (اے میرے رب میرے لئے جوار رحمت میں جنت میں مکان بنا۔ آخر تک۔ حاشیہ ختم)

ویحسن اظہار التجلد للعدی   ویقبح غیر العجز عند الاحبہ

(دشمنوں کو اپنی بہادری ظاہر کرنا مستحسن ہے اور محبوبوں دوستوں کے سامنے اظہار عجز احسن ہے)

ومریم ابنت عمران کا عطف امراۃ فرعون پر ہے ان دو بیبیوں کا ذکر یکجا کر دیا گیا کہ انہیں ایک کا شوہر نہیں تھا دوسری کا تھا لیکن ظالم کافر اور فاجر تاکہ عورتوں کو پند و نصیحت حاصل ہو۔

فائدہ مریم کا نام قرآن مجید میں سات مقامات پر آیا ہے اور اس نام سے انہیں اس لئے موسوم کیا گیا کہ اس نے اپنے آپ کو طاعت الٰہی کے لیے ایسے وقف کر دیا تھا جیسے ایک مرد کامل اپنے آپ کو وقف کر دے اور مریم بمعنی عابدہ ہاں مردوں میں حضرت زید کا نام قرآن مجید میں بیان فرمایا۔ اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو آسیہ و مریم کی مثال دے کر سمجھایا کہ وہ دو عورتیں بہت سے مردوں سے بازی لے گئیں باوجود یہ کہ ان کی قوم کافر تھی لیکن اللہ تعالیٰ کی عبادت و عبودیت میں کامیاب رہیں اس لئے انہیں کرامات سے نوازا گیا اور باستثناء بعض ازواج النبی ﷺ انہیں جملہ عالم کی عورتوں سے فضیلت بخشی گئی۔ **التی احصنت فرجها**

حل لغات الاحصان بمعنی عفاف یعنی برائی سے بچنا (تاج المصادر) **الفرج** وہ جو دو پاؤں کے درمیان ہو لیکن اس سے شرم گاہ مراد ہوتی ہے اور اس پر کثرت استعمال سے اب یہ لفظ شرم گاہ کے لئے بمنزلہ علم کے ہو گیا ہے اب یہ معنی ہوا کہ مریم نے اپنی فرج کو حلال و حرام ہر قسم کے مردوں کی وطی سے بڑی حفاظت کے ساتھ بچایا یعنی بی بی مریم نے اپنے دامن کو زنا سے محفوظ رکھا (کذا قال الکاشفی) خلاصہ یہ کہ بی بی مریم نے اپنی فرج کو فجور سے بچائے رکھا

اعجوبہ یہی حال بی بی آسیہ رضی اللہ عنہا کا تھا وہ باوجود یہ کہ فرعون کے نکاح میں تھی لیکن وہ بی بی پر [illegible] کرنے کا قادر نہ ہوا کیونکہ وہ نامرد تھا یا پیدائشی نامرد تھا یا بڑھاپے کی وجہ سے بی بی سے جماع نہ کر سکا کیونکہ بڑھاپے کی وجہ سے بکر سے جماع نہیں کیا جا سکتا۔

ثیبات میں بی بی آسیہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

فائدہ سلمی نے لکھا کہ الاحصان للفرج سے فرج القمیص مراد ہے یعنی کپڑے میں کسی قسم کا سوراخ نہیں اور ہر طرح سے پاک اور صاف ہے۔

فائدہ قمیص میں چار فروج ہوتے ہیں۔ ۱۔ دو آستین ۲۔ اوپر کا حصہ ۳۔ نیچے کا حصہ اس میں قرآن میں بی بی مریم کی پاکدامنی اور تقویٰ وطہارت کو ایسے احسن طریق سے بیان فرمایا کہ کسی جاہل کو معمولی سے معمولی شک کی بھی گنجائش نہ ہو۔

فائدہ الکشاف میں ہے کہ الفرج میں قمیص کا پھٹنا اور احصان بمعنی منع کرنا۔ فنفخنافیہ فاء سببیہ ہے۔ نفخ بمعنی کسی شے میں پھونک مارنا یعنی اس سبب سے ہم نے اس کی فرج میں پھونکا۔ اس معنی پر فرج میں گریبان ہو گا جیسا کہ کاشفی صاحب نے لکھا کہ ہم نے بی بی مریم کے گریبان میں پھونکا اور حضرت بحلوندی قدس سرہ نے اپنی تفسیر عین المعانی میں یہی معنی لکھا ہے کما قال فی الفرج ای فیما الفرج من جیبھا یعنی ہم نے اس مقام پر پھونکا جو اس کے گریبان کی جگہ کا سوراخ ہے اور ضمیر مذکور لانے میں یہی معنی قریب تر ہے اور یہ بلت الاستخدام کے قبیل سے ہے کیونکہ بظاہر لفظ فرج سے عضو مخصوص مراد ہے لیکن ضمیر سے فرج دوسرا معنی مراد لیا گیا ہے یعنی گریبان اور فروج سے مطلق سوراخ کا معنی قرآن مجید میں مستعمل ہوا۔

کماقال ومالھامن فروج ایسے ہی نفخ کا اسناد مجازی ہے یعنی اس نفخ سے حضرت جبریل علیہ السلام مراد ہیں۔ اب معنی یہ ہوا کہ جبریل علیہ لسلام نے ہمارے حکم سے بی بی مریم کے گریبان میں پھونکا من روحنا ہماری اس روح سے جسے ہم نے بلاواسطہ پیدا فرمایا۔ روح کو اپنی طرف مضاف کرنا اضافت تشریفیہ ہے جسے طہر بیتی میں اضافت تشریفیہ۔ سورہ انبیاء میں یوں ہے فنفخنافیھا ضمیر کا مرجع بی بی مریم ہے یعنی ہم نے عیسی علیہ السلام کو بی بی مریم کے پیٹ میں اس روح سے زندگی بخشی جو ہمارے امر سے ہے۔ بعض نے اس کا ترجمہ لکھا کہ ہم نے عیسی علیہ السلام کو بی بی مریم کی فرج میں زندگی بخشی اور اس کے پیٹ میں اس روح سے پیدا فرمایا جو صرف ہمارے حکم سے بلاتوسط تھا اور یہ تخلیق عادتِ عامہ کے برعکس تھی یعنی ان کی پیدائش اس طرح نہ تھی جیسے نسل انسانی کا عام قاعدہ ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام کی تخلیق جبریل علیہ السلام کے ذریعے ہوئی جو ہماری روح ہیں وہ اس لئے جبریل علیہ السلام نے بی بی مریم کے گریبان میں پھونکا تھا اور ان کی پھونک کا اثر بی بی مریم کے پیٹ کے اندر پہنچایا معنی یہ ہے نفخ کا فعل ہم نے ہی کیا اور بعض قراۃ میں یہاں پر فیھا ہے جیسے سورہ

انبیاء میں ہے لیکن معنی میں کوئی فرق نہیں۔

صاحب روح البیان کی تحقیق فقیر (صاحب روح البیان) کو یہاں ایک مخفی معنی دل پر اترا ہے وہ یہ کہ اگرچہ پھونک گریبان پر تھی لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام دو پانیوں سے پیدا کئے گئے۔

۱۔ متحقق پانی بی بی مریم کا ۔ ۲ متوہم جبریل علیہ السلام کی پھونک سے گریبان پر اور یہ پھونک بمنزلہ پانی کے تھی جو فرج میں پڑی یعنی وہ روح جو پھونک سے فرج میں پڑی وہ بمنزلہ پانی کے تھی اور اسے اگرچہ براہ راست پانی نہیں کہا جا سکتا لیکن پانی کا حکم ضرور رکھتی ہے کیونکہ روح اسی سے پیدا ہوا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فنفخنافیہ یعنی ہم نے فرج میں پھونکا اسے تم فرج القمیص سے تعبیر کر دیا۔ عضو معروف سے لیکن میری اس تقریر کو وہی مانیں گے جو اولیاء کرام ہیں اور جنہیں روحانیات کا علم ہے مادہ پرست اور ظاہری گروہ اسے قبول نہیں کریں گے۔

وصدقت اس کا عطف احصنت پر ہے بکلمات ربہا اور اپنے رب کے کلمات یعنی صحف بمنزلہ من اللہ علی الانبیاء علیہم السلام کی تصدیق کی۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ کلمات ربہ سے وہ شرائع و احکام مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے کلمات بمنزلہ سے اپنے بندوں کے لئے مشروع فرمائے۔

فائدہ بعض نے کہا ان کلمات سے وہ مبشرات مراد ہیں جو جبریل علیہ السلام نے بی بی مریم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارتیں سنائیں۔

وکتبہ وہ جملہ کتب اللہ تعالیٰ سے انبیاء علیہم السلام کو عطا ہوئیں اس سے صحیفے او دیگر جملہ کتب الیہ متقدمہ و متاخر سب مراد ہیں۔

وکانت من القانتین اور تھی وہ منجملہ ان نیک لوگوں سے جو طاعت الٰہی پر مداومت کرتے ہیں اس معنی پر یہ من جینیہ ہے اور بعض المعانی نے قانتین بمعنی مطیعین اور مسجد اقصیٰ میں معتکف بیٹھنے والے مراد لیا ہے اور صیغہ جمع مذکر باعتبار تغلیب کے ہے اس میں اشارہ ہے کہ اطاعت الٰہی بجالانے میں وہ مردوں سے کچھ کم نہ تھیں۔ ان کی اس علو ہمتی سے انہیں گویا مردوں میں شمار کیا گیا یا معنی یہ ہے کہ وہ بھی منجملہ قانتین کی نسل سے تھیں کیونکہ یہ

موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھیں۔ اس معنی پر یہ من ابتدائیہ غایت کے لیے ہوگا۔

چار کامل عورتیں حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ مردوں میں باکمل بکثرت ہیں لیکن عورتوں صرف چار ہیں۔ ۱۔ آسیہ بنت مزاحم ۲۔ مریم بنت عمران ۳۔ خدیجہ بنت خویلد ۴۔ فاطمہ بنت محمد (ﷺ)

اور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فضیلت عورتوں پر ایسے ہے جیسے ثرید کی تمام طعاموں پر۔

فائدہ اہل عرب ثرید سے بڑھ کر کسی طعام کو نہیں سمجھتے تھے یہاں تک اس لقب محبوبۃ الجنۃ ہے۔ وہ اس لئے کہ ثرید گوشت کے ساتھ مل کر جامع التغذا وو الذات بن جاتا ہے اور اسے آسانی سے کھایا جاتا ہے اور لطف یہ ہے کہ اس کے چبانے میں مشقت بھی نہیں اٹھانی پڑتی۔

فضائل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور سرور عالم ﷺ نے بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فضیلت یوں بیان فرمائی کہ وہ حسن خلق کے ساتھ میٹھے بول اور فصیح لہجہ اور کھری طبیعت اور پختہ عقل اور شوہر سے محبت جیسی نعمتوں سے نوازی گئی ہے اور وہ شوہر داری اور گفتگو کرنے اور اس سے مانوس ہونے اور رازداری کی صلاحیت رکھتی ہے۔

نکتہ سب سے بڑھ کر یہ کہ بی بی نے بچپن سے جوانی تک جو کچھ سیکھا وہ حضور سرور عالم ﷺ سے سیکھا بخلاف دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے کہ انہیں یہ دولت نصیب نہ ہوئی نیز روایات کثیرہ جناب بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہیں اور کسی بی بی سے مروی نہیں اور حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا۔

خذو ثلثی دینکم من عائشة (اپنے دین کی دو تہائی عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے حاصل کرو۔

اسی لئے امالی میں فرمایا۔ وللصدیقة الرجحان فاعلم ٭ علی الزهراء فی بعض الخصال

فائدہ بعض امور میں بی بی عائشہ کو بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہما پر ترجیح ہے۔

تنبیہ اس سے یہ نہ سمجھیں کہ بی بی فاطمۃ الزہراء سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما مطلقاً افضل ہیں۔ بلکہ ہمارے نزدیک مطلقاً فضیلت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ہے جیسا کہ حدیث مذکور دلالت کرتی ہے اور بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کو ثرید سے تشبیہ دے کر جملہ عورتوں سے فضیلت کا اظہار ہے جن میں سے بی بی فاطمہ مستثنیٰ ہیں کیونکہ

تمہید کی شبیہ ازواج کی وجہ سے ہے لو بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا تو لخت جگر ہیں۔

صاحب روح البیان کو نبی آخر الزمان ﷺ کی زیارت کا شرف

فقیر (صاحب روح البیان) کہتا ہے کہ ایک رات مجھے سرور کونین ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی اور مجھے فرمارہے ہیں۔ عائشۃ ستۃ النساء اللاتی اجتمعن اس کا معنی میں نے یہ سمجھا کہ عائشہ ان چھ بیبیوں میں سے ہیں جو حضور علیہ ﷺ کے نکاح میں آئیں گی اور یہ چھ ان نو ازواج مطہرات میں سے ہیں جن کی فضیلت برابر ہے لیکن عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت مشہور ہو گئی اور آپ کو افضل النساء النبی ﷺ سے پکارا جانے لگا۔ لیکن بیبیوں کی فضیلت کسی حکمت خفیہ کی وجہ سے پوشیدہ رہی نیز یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی ان میں سے کسی وجہ سے مشہور نہیں کیا۔

فائدہ حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ مردوں میں فضیلت والے بہت اور عورتوں میں کم ہیں یہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ اقدس کے بعد کی بات ہے ورنہ اس کے قبل زمانہ مختلف رہے۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا۔

نشان اہل خدا عاشقیست باخوددار   کہ در مشائخ شہر ایں ایں نشان نمی بینم

(اہل اللہ کی نشانی عشق اور خودداری ہے لیکن افسوس کہ یہ علامت میں اپنے شہر میں نہیں دیکھ رہا)

حضرت عارف جامی قدس سرہ نے فرمایا

اسرار عاشقاں را باید زباں دیگر   دردا کہ نیست پیدا در شہر ہم زبانی

(عاشقوں کے اسرار بیان کرنے کے لئے دوسری زبان چاہئے لیکن افسوس کہ میرے شہر میں اس طرح کے ہم زبان نہیں ہیں) واللہ الہادی

فراغت صاحب روح البیان نے اس سورۃ کی تفسیر سے رجب شریف کے اوائل میں ۱۱۲۶ء ہجری میں فراغت پائی۔

فقیر اویسی غفرلہ نے اس کے ترجمہ سے ۲۵ رجب المرجب شریف ۱۴۰۰ ہجری بروز سوموار جامع الانوار از صلوۃ عصر فراغت پائی۔

فہرست مضامین پارہ نمبر 28

مضمون صفحہ
آغاز "قد سمع اللہ" عربی مع ترجمہ 625
تا 627
حکایت اور ادب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ 631
احناف کا جواب 639
معجزہ رسول واختیار حبیب ﷺ 646
ردو ہابی دیوبندی فرقہ 652
علم غیب حاصل کرنے کا وظیفہ 656
دعا مستجاب 661
نبی علیہ السلام کو اپنے جیسا کہا تو واجب القتل 672
حضرت علی المرتضیٰ کی شفقت بر امت مصطفیٰ 680
صلحکلوں کیلئے حوالاجات 696
غیور صحابہ کرام کے واقعات 699
حزب اللہ کون 706
تاریخ فراغت سورۃ المجادلہ 708
سورۃ الحشر مع عربی ترجمہ 709
مدینہ طیبہ میں یہودیوں کی آمد 715
جزیرہ کا طول وعرض 720
قیاس کا استدلال 727
عتیق' عجوہ نوح علیہ السلام کا تحفہ 732
توہم کی تقریر 750
ایثار کی حکایت 758
سخاوت کے فضائل 763
علم غائب رسول اللہ 775
عقل نور 782
برصیصا کا قصہ 787
رہبان پر جریج کا احسان 792
مطفوظ حیدر کرار رضی اللہ عنہ 801
تصوف کے چٹکلے 809
نفس کی اقسام 816

مضمون صفحہ
نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات 828
تحقیق عبد الجبار 836
شان حبیب خدا ﷺ ایضاً
خاصیت خالق 842
فوٹوبازوں کیلئے وعید کی احادیث 846
استجابہ دعا کا نسخہ اکسیر 852
سورۃ الحشر کی آخری آیات کے خواص' فضائل وبرکات 860
فراغت صاحب روح البیان سورۃ الحشر 861
سورۃ المتحنۃ عربی مع ترجمہ 862
واقعات طب بن بلعہ رضی اللہ عنہ 865
وحی داوٗدی 872
آزر کون؟ 880
تارح کون؟ 881
بدمذاہب سے نکاح کی تحقیق 898
لواطت کی مذمت از احادیث مبارکہ 913
جوانی حیوانی 917
لوطیوں کے مقتداء کون؟ ایضاً
قرآن سے مذمت ایضاً
اسقاط حمل 922
فتح مکہ میں بیعت کی کیفیت کا بیان 927
انتباہ برائے پیران عظام 929
قبر میں کافر کا حال 932
فراغت سورۃ الممتحنۃ صاحب روح البیان 933
سورۃ الصف عربی مع ترجمہ 934
وحی عیسیٰ علیہ اسلام 938
بے عمل واعظ ایضاً
غزوہ موتہ 942
تعارف عبد اللہ بن رواح رضی اللہ عنہ ایضاً

مضمون صفحہ
گستاخی رسول ﷺ کا انجام 947
مدح امت مصطفیٰ ﷺ 949
فضائل محمد عربی ﷺ 953
رہا چرچا محمد ﷺ کا ایضاً
اسم محمد ﷺ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسم پاک سے پہلے منتخب فرمایا 956
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تمنا کہ ہو جاؤں امتی محمد ﷺ کا 958
حث فی اسماء النبی ﷺ 961
سیدنا محمد ﷺ ایضاً
صفات الٰہی میں صفات انسانی اکمل جوڑ ایضاً
مارنے اور زندہ کرنیکی قدرت کا دعویٰ ایضاً
علم غیب پانے میں بے نظیر ایضاً
اسماء مبارک ﷺ 966
اولیائے کرام کی شان 974
دین کی اقسام 975
ردو ہابیہ وجدیہ اور انکی ذیلی جماعت دیوبندیہ' ومودودیہ 976
اہل بدع یعنی بدمذاہب سے جہاد 982
جنات کی تعداد 985
حوارین کی تحقیق 993
حواری رسول ﷺ 993
عیسائیوں کے تین فرقے 994
فراغت سورۃ الصف 995
سورۃ الجمعۃ عربی مع ترجمہ 996
تفسیر عالمانہ یسبح للہ ایضاً
عرب کی قسمیں 998
شعیا علیہ السلام نے ہمارے نبی پاک ﷺ کی مداح سرائی کی 1001

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
اسی لقب کے نکتے	ایضاً	علم غیب نبی ﷺ اور منافقین	ایضاً	تردید وہابیہ	1190
کتاب حکمت کی مراد	1002	عبداللہ بن ابی کی موت	1077	غلطی کا ارتکاب	1191
حدیث شریف اور علم غیب	1005	فاروق اعظم کی قرآن فہمی	1083	ابو طالب جہنم میں	1195
عرب کو عجم پر فضیلت	1007	فراغت سورۃ المنفقون صاحب روح البیان	1086	میلاد پاک کی برکت اور ابو لہب کا واقعہ	1196
مرگی کا علاج	1011	سورۃ التغابن عربی مع ترجمہ	1087	حاتم طائی کو سخاوت کا صلہ ۔	ایضاً
بے عمل علماء	ایضاً	کمیونسٹ کی تردید	1091	حدیث مذکور پر امام سیوطی کی تقریر	1202
طاعون سے خروج کی ممانعت کے		سنی و معتزلی کا مناظرہ	ایضاً	فراغت سورۃ الطلاق صاحب روح البیان	1207
دلائل شرعیہ	1021	دوزخی اور بہشتی کی تعداد	1092	موافقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ	1212
تحقیق الجمعہ	1024	انسان کی اقسام	1095	حدیث علم غیب	1216
شان نزول اور مدینہ طیبہ کا پہلا اسلامی جمعہ	ایضاً	انبیاء و اولیاء کی شان	1105	رد وہابیہ نجدیہ	1229
مسجد قبا کی سنگ بنیاد	1024	کذب سے بچنے کی تدبیر	1107	عورت کی قوت	1231
تفسیر عالمانہ فاذا قضیت الصلوۃ	1030	تین اشخاص پر سختی	1111	بہشت میں حضور ﷺ کی دعوت ولیمہ	1231
مسائل فقہیہ	1034	مصیبت کے نزول کی حکمتیں	1116	ہر بہشتی کی پانچ سو حوریں	1237
فضائل جمعہ	ایضاً	توکل کے متعلق اقوال	1122	آسیہ کی دعا مستجاب	1266
خطبہ مسنون	1037	حضرت ام سلمہ کی فضیلت	1125	حضرت آسیہ کا ایمان	ایضاً
ایک خطبہ منسوخ	ایضاً	عورت کے فضائل	1133	فرعون کا ظلم بر آسیہ	1267
صحابہ پر اعتراض کا جواب ردائے شیعہ	1038	شکر کی اقسام	1142	چار کامل عورتیں	1272
فراغت سورۃ الجمعہ صاحب روح البیان	1043	وسعت رزق کا وظیفہ	1143	فضائل حضرت عائشہ	ایضاً
سورۃ المنفقون	1004	اصحاب کہف کا کتا اور اسکی کہانی	1145	صاحب روح البیان کو آخر زمان کی زیارت	1273
ابلیس کا حیلہ	1047	فراغت سورۃ التغابن صاحب روح البیان	1147	اختتام پارہ 28	ایضاً
ولی اللہ کی پہچان مشکل ہے	1049	سورۃ الطلاق عربی مع ترجمہ	1148	فہرست مضامین	1274
یمین کی تحقیق	ایضاً	خطاب نبی علیہ السلام کے چار قاعدے	1150	. . . .	1275
منافق ٹولی کے سرغنہ کی نشانیاں	1052	بدعی طلاق کی اقسام	1152		
منافقین سے مایوسی	1053	امام شافعی کا مذہب	1153		
تحقیق تعالو	1058	مرد پر بھی عدت ہے	1157		
تعظیم حبیب ﷺ	1063	وظیفہ روزی فراخ	1169		
فضیلت فقر و فاقہ	1066	قرآن پڑھنے سے ملازمت و حکومت ملتی تھی	1170		
ملفوظات اولیاء	1067	توکل و تقویٰ لازم و ملزوم ہیں	1176		
ردوہابیہ دیوبندیہ	1074	طلاق بائنہ	1183		
عاشق رسول بیٹا	1076	زمخشری کی تردید	1187		

عربی کے بعد اردو زبان میں بھی اہل سنت کیلئے عظیم علمی و روحانی تحفہ

تفسیر فیوض الرحمٰن

ترجمہ تفسیر روح البیان

مترجم عالم اسلام کے عظیم محقق عمدۃ المفسرین سند المحدثین استاذ العلماء

فیض ملت حضرت علامہ محمد فیض احمد اویسی صاحب مدظلہ

گیارھویں صدی ہجری کے مشہور عالم و فاضل عارف کامل حضرت علامہ محمد اسماعیل حقی حنفی قدس سرہ کی تفسیر روح البیان مستند تفاسیر کا خلاصہ کتب احادیث و فقہ کے معتبر حوالوں سے مزین بے شمار معارف و حقائق کا گنجینہ اور اہل ایمان و عرفان کیلئے سرمہ بصیرت ہے خاص و عام اردو خواں طلبہ و عوام کی دینی علمی معلومات میں بھی اس کے مطالعہ سے بیش بہا اضافہ ہوتا ہے کامل تیس پاروں کی تفسیر روح البیان عالمانہ و فاضلانہ' محققانہ و مورخانہ بھی ہے۔ حضرت فیض ملت علامہ اویسی صاحب مدظلہ قبلہ نے مہارت تامہ اور محنت شاقہ کیساتھ فیوض الرحمٰن کے نام سے تفسیر روح البیان کا مکمل اردو ترجمہ فرمایا ہے آج ہی کامل سیٹ خریدیں اور خریدنے کی ترغیب دیں

ناشر: مکتبہ اویسیہ رضویہ سیرانی روڈ بہاول پور فون 881371

فیوض الرحمٰن

اردو ترجمہ

تفسیر روح البیان

شیخ القرآن والحدیث فیض ملت حضرت علامہ مفتی

محمد فیض احمد اویسی رضوی مدظلہ

مکتبہ اویسیہ رضویہ
سیرانی روڈ بہاول پور

فیوض الرحمٰن

اردو ترجمہ

تفسیر روح البیان

پارہ نمبر 2930

مصنف

سراج العلمأ زبدۃ الفضلأ حضرت مولانا شیخ اسماعیل حقی قدس سرہ

مترجم

شیخ القرآن و الحدیث فیض ملت حضرت علامہ مفتی محمد فیض احمد اویسی رضوی مدظلہ

ناشر: مکتبہ اویسیہ رضویہ سیرانی روڈ بہاولپور (پاکستان)

نام کتاب ——— فیوض الرحمٰن اردو ترجمہ تفسیر روح البیان پارہ ۲۹، ۳۰
مصنف ——— سراج العلماء والفضلاء علامہ اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ
مترجم ——— شیخ القرآن استاذ العلماء حضرت مولانا محمد فیض احمد اویسی مدظلہ
تصحیح ——— چوہدری مشتاق محمد خان
پیسٹنگ ——— حافظ محمود احمد
باہتمام ——— صاحبزادہ عطاالرسول اویسی
سن طباعت ——— ۱۹۹۱ء بار دوم ۱۹۹۴ء

فہرست مضامین پارہ نمبر ۲۹

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
آغاز پارہ نمبر ۲۹ تَبٰرَكَ الَّذِیْ	۵ تا	حکایت باغوں والی کی	۱۱۴	تحقیق امانت	۲۲۵
عربی مع ترجمہ	۷	بکری سے دودھ اور شہد کیوں	۱۱۶	سورۃ نوح	۲۳۵
اہلسنت کے نزدیک حیات موت کا مطلب	۱۲	اعراف والے	۱۲۴	عربی مع ترجمہ	[illegible]
عارفین کے نزدیک موت و حیات کا معنی	۱۵	نماز باجماعت کے فضائل	۱۲۸	نوح علیہ السلام کا تعارف	۳۷
اخلاص کی علامت	۱۸	مناقب ابوسعید خراز قدس سرہ	۱۳۲	ایذاؤں کا نمونہ	[illegible]
وہابی کی سستی دلیل	۲۵	معتزلہ کی ہیری پھیری	۱۳۶	تنگ دستی کے وظیفہ کا نسخہ	۲۴۹
شفاعت کی برکت	۲۹	جھاڑ پھونک کا ثبوت	۱۳۸	عرب میں بت	۲۵۷
شانِ نبوت اور دوزخ کا منظر	۳۱	آغاز سورۃ الحاقہ	۱۴۵ تا	تحقیق صاحب روح البیان	۲۶۳
زمین کی پیمائش	۴۱	عربی مع ترجمہ	۱۴۷	رحمت نبوی کا کیا کہنا	۲۶۷
صوفیانہ فائدہ	۴۵	[illegible] تخلیق	[illegible]	نوح نجی دشمن	〃
فضائل سورۃ الملک	۶۴	نسبت کی اقسام	۱۶۱	سورۃ جن عربی مع ترجمہ	[illegible]
قصہ مالک بن دینار کی توبہ کا	۶۶	ماں باپ کی عزت	۱۷۹	جنات کیا ہیں	۲۷۷
سورۃ ن والقلم	۶۸ تا	کافر کون ہوتا ہے	۱۸۶	عالم بے عمل کی مذمت	۲۸۲
عربی مع ترجمہ	[illegible]	حضرت حارثہ کا قصہ	۱۹۲	جنات کی شرارت سے بچنے کا طریقہ	۲۸۳
حق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا	[illegible]	سورۃ سأل سائل	۱۹۴ تا	اہل مذہب جن	۲۸۹
تھوک سے طبعی کراہت	۷۴	عربی مع ترجمہ	۱۹۶	ملفوظ فاروقِ اعظم	۲۹۴
یونس علیہ السلام کی مچھلی	۷۶	سائل کون تھا	۱۹۷	آمد و زمان میں فرق	۳۰۴
سیدنا علی مرتضیٰ کا صوفیانہ [illegible]	۸۱	علاماتِ قیامت اور لسانِ نبوت	۲۰۱	اولیائے کرام کے لیے علم	۳۰۶
صاحبِ روح البیان کا پُر ذوق مضمون	۸۶	کائنات کی انتہا اور		غیب کا ثبوت	〃
قرآن کی زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ		کائنات کی ابتدا	۲۰۱	سورۃ مزمل	۳۱۱ تا
وسلم کی زیارت سے سرشار ہونا	[illegible]	طلوع [illegible]	۲۱۶	عربی مع ترجمہ	[illegible]
صلح کلیوں کو ملامت	۹۸	روحانی بیماریوں کے علاج کا طریقہ	۲۱۸	واہ حبیب محمد تیری شان	۳۱۵

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
قرآن کی وسعتِ علمی	۳۱۸	۱۹ عدد کے نکات	"	فضیلتِ صدیقِ اکبرؓ	۴۴۶
تلاوتِ قرآن کی فضیلت	"	ملکی قوت کا بیان	۳۸۲	تحقیق کافور	۴۴۷
آٹھ پہر میں ستّر ہزار بار		ملائکہ کی اقسام	۳۸۶	شراب کی اقسام	۴۴۹
ختمِ قرآن	۳۱۹	ردِّ وہابیہ و خوارج	۳۹۸	صوفی قیدی	۴۵۳
دورِ حاضرہ کے قاریوں کا رد	۳۲۱	شفاعت کا منظر	"	سیدہ عائشہ صدیقہ کا عجیب صدقہ	"
قرآن کے ذریعے گداگری کی مذمت	۳۲۲	سُورۃ القیٰمۃ	۴۰۳	صبر کی قسمیں	۴۵۷
اسماء الحسنٰی پڑھنے کی فضیلت	۳۲۹	عربی مع ترجمہ	۴۰۴	ایثارِ اہلبیت کا واقعہ	"
وظیفہ فراخیٔ رزق	۳۳۴	تفسیر لوامہ کیا ہے	۴۰۵	سخی سے بدحال کنجوس	۴۵۹
بچے بوڑھے کیسے	۳۴۱	چاند کے پجاری	۴۰۹	تردیدِ شیعہ	۴۶۰
قرآن تدبر کی فضیلت	۳۵۳	فلسفہ وہابیہ مردود	۴۱۴	علی و فاطمہ کا نورِ جنت	۴۶۲
حکایت فاروق اعظم	۳۵۷	اوراد کا ورد	۴۲۱	ایک اور تقریر	۴۶۵
تسہیلِ سکرات کا نسخہ	"	تحقیقِ تمیمہ	۴۲۸	اطفال المشرکین کے مذاہب	۴۷۰
سُورۃ مدثر	۳۵۹ تا	موت کے فرشتے کتنے ہیں	۴۲۹	پاسِ انفاس کا ثبوت	۴۷۲
عربی مع ترجمہ	۳۶۱	قبر پر چار فرشتے	۴۳۱	سُورۃ المرسلٰت	۴۸۲
نذیر عریاں کی کہانی	۳۶۳	غیب دانی رسولِ خدا کی عقلی خبر	۴۳۳	عربی مع ترجمہ	۴۸۳
نفخِ صور کا کمال	۳۷۰	ابوجہل ضدی تھا	"	دنیوی امور پر مامور ملائکہ کرام	۴۸۴
دوزخ کے ملائکہ کرام کی ہیبت		سُورۃ الدھر	۴۲۹ تا	ملفوظاتِ جنید بغدادی	۱۹۱
دو صورتیں	۳۰۸	عربی مع ترجمہ	۴۳۷	غارِ جن کی زیارت	۵۰۵
				اختتام پارہ نمبر ۲۹	

سُوْرَةُ الْمُلْكِ وَهِيَ مَكِّيَّةٌ   بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ   اٰيَاتُهَا ۳۰ رُكُوْعَاتُهَا ۲

سورۂ الملک مکیہ ہے اس میں   اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا   تیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ① الَّذِيْ خَلَقَ

بڑی برکت والا ہے وہ جس کے قبضہ میں سارا ملک اور وہ ہر چیز پر قادر ہے   وہ جس نے موت اور

الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ② الَّذِيْ

زندگی پیدا کی کہ تمہاری جانچ ہو تم میں کس کا کام زیادہ اچھا ہے   اور وہی عزت والا بخشش والا ہے   جس نے

خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ

سات آسمان بنائے ایک کے اوپر دوسرا تو رحمٰن کے بنانے میں کیا فرق دیکھتا ہے تو نگاہ اٹھا کر دیکھ

الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ③ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ

تجھے کوئی رخنہ نظر آتا ہے   پھر دوبارہ نگاہ اٹھا نظر تیری طرف ناکام

الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ④ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا

پلٹ آئے گی تھکی ماندی   اور بے شک ہم نے نیچے کے آسمان کو چراغوں سے آراستہ کیا اور انہیں

لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ⑤ وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ

شیطانوں کے لیے مار کیا اور ان کے لیے بھڑکتی آگ کا عذاب تیار فرمایا اور جنہوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا ان کے

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑥ اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ ⑦ تَكَادُ تَمَيَّزُ

لیے جہنم کا عذاب ہے اور کیا ہی برا انجام جب اس میں ڈالے جائیں گے اس کا رینکنا سنیں گے کہ جوش مارتی ہے معلوم ہوتا ہے

مِنَ الْغَيْظِ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ⑧ قَالُوْا

کہ شدت غضب میں پھٹ جائے گی جب کبھی کوئی گروہ اس میں ڈالا جائے گا اس کے داروغہ ان سے پوچھیں گے کیا تمہارے پاس

بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ

کوئی ڈر سنانے والا نہ آیا تھا کہیں گے کیوں نہیں بیشک ہمارے پاس ڈر سنانے والے تشریف لائے پھر ہم نے جھٹلایا اور کہا اللہ نے کچھ نہیں اتارا

ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ⑨ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ⑩ فَاعْتَرَفُوْا

تم تو نہیں مگر بڑی گمراہی میں اور کہیں گے اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو دوزخ والوں میں نہ ہوتے   اب اپنے

بِذَنْۢبِهِمْ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ⑪ اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ

گناہ کا اقرار کیا تو پھٹکار ہو دوزخیوں کو   بے شک وہ جو بے دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں

جواب: یہ حکم باعتبار لوازم و بقدر استعداد کا ہے باعتبار حقیقت کے اسے اس سے کوئی تعلق نہیں
یوں کہ باعتبار حقیقت کے ان صفات سے موصوف ہونا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ مثلاً عیسیٰ علیہ السلام
ردہ زندہ کرتے تو وہ باعتبار لوازم کے ہے اور اللہ تعالیٰ کا زندہ کرنا باعتبار حقیقت کے ہے کیوں کہ عیسیٰ علیہ السلام
کا یہ معجزہ تھا اور ان کی دُعا کی برکت سے مُردہ زندہ ہوتے تھے جیسے ہم باعتبار مظہریت اور استجابت دُعا کے
نہیں مُردہ زندہ کرنے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

(ایسے ہی دیگر انبیاء عظام و اولیاء کرام کو سمجھیے)

ہماری اس تقریر سے مفسّرین کے قول تزاید فی ذاته کا معنی و مفہوم بھی سمجھ آگیا کہ ان کے نزدیک
بھی اس کا یہی معنیٰ ہے کہ وہ واجب الوجود ہے اسی لئے وہ جملہ ماسوی اللہ سے بلند و بالا تغیر و استدلال سے
منزہ ہے۔

ازالۂ وہم چونکہ لفظ تبارك غایۃ کمال اور انتہائے تعظیم پر دلالت کرتا ہے اسی لئے سوائے
اللہ تعالیٰ کے اور کسی پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا اور نہ ہی اس لفظ کے سوا کوئی دوسرا صیغہ
للہ تعالیٰ کے لئے مستعمل ہوگا مثلاً یتبارک وغیرہ نہ کہا جائے گا۔

فائدہ: اس کا اسناد موصول (الذی) کی طرف اسناد میں مضمون کا تحقق مطلوب ہے اور
سماے موصولہ معارف نہیں اور بالخصوص ایسے مضامین سے اہلِ ایمان خوب جانتے ہیں کہ مُلک پر قبضہ صرف اسی
ات ہے اور یہ اس معنیٰ میں دلیل قطعی ہے۔

فائدہ ید بمعنیٰ قدرت تامہ و استیلائے کامل ہے کیوں کہ عموم قدرت و استیلاء کا اظہار اکثر ہاتھ سے
وتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے فلاں بیدہ الامر والنہی والحل والعقد یعنی اسے قدرت غالبہ اور تصرّف عام اور
لم نافذ حاصل ہے حضرت حکیم سنائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ؎

ید او قدرت است و وجہ بقاش

ترجمہ: اس کے ہاتھ سے قدرت اور وجہ سے بقاء مراد ہے اور فرمایا۔

آمدن حکمش و نزول عطاش
اصبعینش نفاذ حکم قدر ۱۲
قدمینش جلال و قہر و خطر

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے آنے سے اس کا حکم اور نزول سے عطا اور اس کی دو انگلیوں
و قضا کا نفاذ حکم اور اس کے دو قدموں سے جلال و قہر و خطر مراد ہے

فائدہ : عین المعانی میں ہے کہ الید بمعنی صلہ و قدرت مراد ہے لیکن صحیح مذہب یہ ہے کہ بلا تاویل و بلا تکیف۔ ید اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور ملک بمعنی تصرف و سلطنت ہے اور لام استغراق کی ہے اسی لئے کشف الاسرار میں لکھا کہ اٹھارہ ہزار جہاں اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جو ذات وصفات و افعال میں اپنے ماسوا سے بلند و بالا اور معظم ہے اور جملہ امور میں تصرف کلی اس کی قدرت کا قبضہ ہے کسی کو اس کے امور میں ذاتی طور کسی قسم کے تصرف کا حق نہیں۔ وہی حکم فرماتا ہے وہی نہی کرتا ہے وہی دیتا ہے وہی روکتا ہے وہ زندہ کرتا ہے وہ مارتا ہے وہی عزت دیتا ہے وہی ذلت دیتا ہے وہی فقیر اور غنی کرتا ہے وہ بیمار کرتا اور شفا دیتا ہے وہی قریب اور بعید کرتا ہے وہی آباد اور ویران کرتا ہے وہی جدا کرتا ہے اور واصل فرماتا ہے وہی پردے کھولتا اور حجاب ڈالتا ہے ایسے ہی جملہ شوؤن عظیمہ اور آثار قدرت الٰہیہ و سلطنت ازلیہ و ابدیہ کو سمجھئے۔

فائدہ : بعض نے کہا: البرکۃ بمعنی کثرت خیر و دوام اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اسی لئے ہے کہ وہ اپنی مخلوقات کو ہر قسم کی خیر کثیر سے نوازتا ہے اب معنی یہ ہوا کہ اس ذات کی خیر کثیر ہے جس کے قبضہ قدرت میں ملک ہے اور اس کی نعمت و احسان ان گنت ہے کما قال اللہ تعالیٰ وان تعدو النعمۃ اللہ لا تحصوھا۔

فائدہ : امام راغب نے فرمایا البرکۃ بمعنی خیر الٰہی کا کسی شئے میں ثابت ہونا اور المبارک وہ ذات جس میں خیر ہو اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی خیر ایسی ہے کہ محسوس نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کا شمار و حصر ہے اسی لئے اس کے لئے یہ لفظ اسی کے لائق ہے بعض نے کہا جس کی برکت کا مشاہدہ تو ہوتا ہے لیکن محسوس نہیں ہوتا وہی مبارک کہلانے کا مستحق ہے اسی طرف

حدیث شریف : لا ینقص مال من صدقۃ

"صدقہ سے مال کی کمی نہیں آتی" میں یہی اشارہ ہے اور

تبارک الذی جعل فی السماء بروجًا میں تنبیہہ ہے کہ وہ کریم ان بروج کے ذریعے ہمیں خیر کثیر کی نعمتوں سے نوازتا ہے اور جہاں بھی لفظ تبارک ہوگا وہاں تنبیہہ ہوگی کہ ان عظیم نعمتوں کا نوازنے والا صرف وہی ہے۔

قاعدہ : الکواشی میں لکھا ہے کہ تبارک بمعنی تعظم و تعالیٰ یعنی وہ ذات جو محدثین (حادث لوگ) کی صفات سے بلند و بالا ہے ایسے ہی ب۔ ر۔ ک کی ترکیب اسی معنی پر دلالت کرے گی یعنی برک بمعنی اس کے خزانوں میں خیر کا ثبوت ثابت ہے۔

فائدہ ، حضرت سہل (تستری) رحمۃ اللہ عنہ نے فرمایا تبارک یعنی وہ ذات جو اشباہ و اولاد و اضداد سے منزہ و مقدس ہے۔ اسی کے ہاتھ میں ملک ہے وہ اسے اپنی قوت سے جیسے چاہتا ہے بدلتا ہے اور جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھینتا ہے۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے نبوت مراد ہے اور معنیٰ یوں کرتے ہیں کہ جو اس کی اتباع کرتا ہے اسے نبوت کے صدقے عزت دیتا ہے اور جو مخالفت کرتا ہے تو نبوت کے ذریعے اسے ذلیل کرتا ہے اور حضرت جعفر نے فرمایا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ ذات جو اس سے اپنائے یا اس کا ہو جائے تو اسے برکت سے نوازتا ہے یعنی وہی نبی علیہ السلام کا وارث اور نائب ہے۔

فائدہ :۔ حضرت کاشانی نے فرمایا کہ لفظ ملک کا عالم اجسام پر اور ملکوت عالم النفوس پر اطلاق ہوتا ہے اسی لئے اس کی ذات تبارک سے موصوف ہوتی ہے جب اس کے تصرف کا ذکر عالم ملک کے لئے ہو کیوں کہ عالم ملک کی عظمت کا اظہار اسی لفظ سے ہو سکتا ہے اس لئے کہ عظمت کی غایت اور ازدیاد فی العلو والبرکۃ کی انتہا یہی لفظ ہے۔ اور بمقتضائے ارادہ جب اس کی تسخیر کا ذکر عالم ملکوت کے لئے ہوتا ہے تو وہاں لفظ تسبیح آتا ہے بمعنیٰ تنزیہ کما قال تعالیٰ فسبحان الذی بیدہٖ ملکوت کل شیئ خلاصہ یہ کہ ہر لفظ اپنی مناسبت پر ہے کیوں کہ عظمت و ازدیاد و برکت عالم اجسام کو لائق ہے اور تنزہ مجردات عن المادہ کو موزوں ہے۔

سبق : آیت میں اشارہ ہے کہ جس کے قبضۂ قدرت میں ملک ہے وہ مالک ہوا اور اس کے ماسوا اس کے مملوک اور مملوک کو لازم ہے کہ وہ اپنے مالک کی خدمت کرے ؎

خدمت او کن مگر شاہان ترا خدمت کنند
چاکر او باش تا سلطان تر گردد غلام

ترجمہ ، اُس کی خدمت کر تا کہ بادشاہ تیری خدمت کریں تو اس کا غلام ہو تا کہ بادشاہ تیرے غلام ہوں۔

قدسی حدیث شریف

اللہ تعالیٰ نے دنیا کو فرمایا
یَا دُنْیَا اَخْدِمِیْ مَنْ خَدَمَنِیْ ؟

اے دنیا تو اس کی خادم ہو جا جو میرا خادم ہے

تفسیر صوفیانہ

کشف الاسرار میں ہے کہ انسانیت کا ملک اور ہے اور قلب کا ملک دیگر ہے اور روح کا ملک مزید دیگر ہے۔ اس لئے کہ انسانیت ملک دنیا کو چاہتی ہے اور دنیوی زندگی لہو و لعب اور زینت ہے اور دل آخرت کا ملک چاہتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا

یحبھم ویحبونہ ۔ اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے اور روح عالم حقیقت کا خواہشمند ہے"۔ وجوہ یومئذ فاخرۃ الی ربھا ناظرۃ قیامت میں بعض چہرے بارونق اور اللہ تعالیٰ کو دیکھنے والے ہوں گے وہ عزیز یعنی اللہ تعالیٰ قیامت میں کبریائی کا جھنڈا لہرائے گا اور کہے گا لمن الملک الیوم" آج کس کی شاہی و ملک ہے میں اپنے گوشۂ دل سے اپنے ملک کا دستور کھولتا ہوں اور اس کے درد کا کچھ حصہ باہر لاتا ہوں تاکہ قیامت کا چکر لگائے اور میں کہوں لمن الملک (کس کا ملک ہے) اگر کوئی معترض سامنے آئے تو میں اسے کہوں کہ جو دنیا میں ہمارے جیسا ضعیف و مسکین ہو وہ کہہ سکتا ہے لمن الملک الیوم۔ کیوں کہ ہمارے اس جبار قہار کا ملک ہے تو پھر ہمارا حق ہے ہم کہیں لمن الملک الیوم اگر اللہ تعالیٰ کا ذکر ہمارے جیسے بندے ہیں تو ہمارا مالک وہی خود ملک الملک ہے (گویا محبوبان خدا ذات حق تعالیٰ کو ہی اپنا سرمایہ زندگی سمجھتے ہیں جیسے دنیا کو شاہان دنیا اپنا سرمایہ سمجھتے ہیں۔ اس معنی پر حضرت بایزید کا ارشاد حق ہے میرا مالک ملک دینوں سے بڑا ہے

بایزید قدس سرہ کے قول الٰہی ملکی اعظم من ملکک کی توجیہ

اس تقریر سے حضرت بایزید قدس سرہ کے قول "الٰہی ملکی اعظم من ملکک" اے اللہ میرا ملک تیرے ملک سے بہت بڑا ہے کیوں کہ بہ تقریر مذکور عبد کا ملک قدیم اور رب تعالیٰ کا ملک حادث ہے اسے اچھی طرح سمجھ لو اس لئے کہ یہاں بڑوں بڑوں کے پاؤں ڈگمگا گئے۔

تفسیر عالمانہ

وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اور وہ ہر شے پہ بہت بڑی قدرت رکھنے اور ہر قدرت کا منتہی وہی ہے وہ ہر شے میں اپنی حکمت کے تقاضا کے مطابق تصرف کرتا ہے جیسے چاہتا ہے اور اس کے ہر فعل میں ہزاروں حکمتیں اور مصلحتیں ہوتی ہیں اس کا عطف سابقہ جملہ کے صلہ پہ ہے اس کے مضمون کی تقریر کرتا ہے اور واضح کرتا ہے کہ وہ ملک میں جیسے چاہتا ہے حکم جاری کرتا ہے ہر بڑے اور چھوٹے اسی کے حکم کے تابع ہیں۔

مسئلہ امکان کذب کا بہترین حل

اللہ تعالیٰ ہر شے من الاشیاء موجود اور معدوم پہ قدرت رکھتا ہے کہ کسی کو انعام سے نوازے اور کسی نعمت کو جہاں چاہے منتقل کرے لیکن یاد رہے کہ شے سے وہ چیز مراد ہے جس سے مشیت الٰہی متعلق ہو یعنے معدومات ممکنہ کہ جن سے مشیت الٰہی متعلق ہو کیوں کہ موجود واجب تو اپنے وجود میں کسی کا محتاج نہیں اور اس کا زوال ازلاً و ابداً ممتنع ہے اور

موجود ممکن کا وجود بھی مراد نہیں اس لیئے جب وہ پہلے موجود ہے تو پھر اس کے وجود کا کیا مطلب اگر مراد ہو تو تحصیل حاصل ہوگی اور معدوم ممتنع کا وجود نا ممکن ہے اس سے مشیتِ ایزدی متعلق نہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا تعلق معدوم کے ایجاد اور موجود کے ابقاء سے ہے اور بس اور موجود کے ابقاء کا معنیٰ یہ ہے کہ ایک شئے کو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل کرنا۔

فائدہ: حضرت تھانوی قدس سرہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان ممکنات پر قادر ہے جو معدوم تو ہیں لیکن ان کی ایجاد اس کی مشیت سے متعلق ہے اسی لئے شئے کا قرینہ بتاتا ہے کہ اس سے خاص وہ ممکن مراد ہے جو وہ چاہے کیوں کہ جب قدرت کو معلل بشئ کیا گیا تو وہی مقدور مراد ہوگا جو اس کی مشیت سے متعلق ہوگا کیوں کہ وہی ممکن ہے باقی یا واجب ہے یا ممتنع۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ معظم اور بلند و بالا ہے اپنی ذات و صفات و افعال میں اسی کے ہاتھ میں ہے ملک اور اس کا قدرت ہے مطلقہ کا ہاتھ لطف و کرم سے پُر ہے وہ جس طرح چاہتا ہے نوازتا ہے وجود مطلق کی سلطنت کا مالک ہے وہی وجودات مقیدہ پر فیض و کرم فرماتا ہے اور وہ ہر [illegible] مطلقہ کے [illegible] ہے اور اس کی ہویت ہر شے میں ظاہر ہے اور وہی ہر شئے پر قادر ہے

تفسیر عالمانہ

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ بعض احکام [illegible] اور آثار قدرت کی تفصیل کا بیان شروع ہے اور الذی پہلے موصول سے بدل ہے اسی لئے قدیر پر وقف نہیں کیا گیا۔

اہلِ سنت کے نزدیک حیات و موت کا مطلب

اہل سنت و جماعت کے نزدیک موت صفت وجودیہ ہے جیسے حرارۃ برودت کی نقیض ہے حیات کی نقیض ہے اور حیاۃ عند اہل السنۃ صفت وجودیہ لنفس ذات سے زائد اور علم و قدرت کی مغایر اور ذات کا ان دونوں سے موصوف ہونے کی مصحح ہے۔

موت و حیاۃ کی تمثیل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ موت و حیات دو اپنے اپنے جسم ہیں اللہ تعالیٰ نے موت کو کبش املح (مینڈھا ملیح) کی صورت میں پیدا فرمایا ہے جس پر اس کا گزر ہوتا ہے یا جس شئے کو اس کی بُو پہنچتی ہے تو وہ شئے مر جاتی ہے اور حیات کو گھوڑی ابلق کی صورت میں پیدا فرمایا اور یہ وہی گھوڑی ہے جس پر جبرئیل اور انبیاء علیہم السلام سوار ہوتے ہیں جس کا ایک قدم وہاں پہنچتا ہے جہاں تک ہماری نگاہ کام کرتی ہے اور گدھے سے قدرے اونچی اور خچر سے قدر کم قامت والی ہے یہ بھی جس پر گزرتی یا جس کو اس کی بُو پہنچتی ہے تو وہ شئے زندگی پاتی

ہے یہ وہی گھوڑی ہے جس کے قدموں سے سامری نے مٹی اٹھائی تھی اور پھر اسے بچھڑے کے منہ میں ڈالا تو وہ زندگی پا گیا۔

فائدہ: یہ روایت بطریق تمثیل کے ہے ورنہ حقیقت یہ ہے یہ دونوں از قبیل معانی ہے اعیان کے قبیل سے نہیں لیکن یہ قول مؤول ہے

موت وحیات کے متعلق تحقیقی قول اور دلائل

تحقیق یہ ہے کہ موت وحیات دونوں صفت وجودیہ ہیں اور ان دونوں کا صورت محسوسہ میں اعیان کی طرح مجسم ہونا ہمارے لئے مضر نہیں کیوں کہ یہ عالم ملکوت کی مخلوق ہیں اور اس عالم میں ان کی مثالی صورتیں ہیں وہ اس عالم میں دیکھی جاتی ہیں اور وہ لوگ ان کا مشاہدہ کرتے ہیں جو اس ملک سے غائب ہیں۔ یا اس بدن دنیوی سے جدا ہو سکتے ہیں اس کی تائید حدیث شریف سے ہوتی ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جنت و نار کے درمیان موت کو کبش (دنبے) کی صورت میں لا کر ذبح کیا جائے گا اور ظاہر ہے ذبح اجسام کا ہوتا ہے۔ سب کو یقین ہے کہ عالم آخرت بھی عالم صفت ہے یعنی ہر وہ صفت جو دنیا میں باطن ہے وہ آخرت میں صورت ظاہرہ میں متصور ہوگی وہ صفت حسنہ ہو یا قبیحہ نیز قاعدہ ہے کہ ہر معنیٰ کا کوئی نہ کوئی جسم اور صورت ہوتی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول اسی مفہوم پر محمول ہے یہ کہ ہاں قول ابن عباس اس تحقیق کے خلاف ہے جو علماء کرام فرماتے ہیں کہ شب معراج جو براق جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے لایا گیا وہ نہ نر تھا نہ مادہ بلکہ وہ ایک تیسری حقیقت تھا۔

فائدہ: بعض کے نزدیک موت صفت کے عدم کا نام ہے یعنی حیات کو اپنے محل سے بدل دینے کو موت کہا جاتا ہے اس قول کے مطابق موت وحیات ملکہ و عدم ملکہ سے عبارت ہے یعنی حیات احساس و حرکت ارادیہ و اضطراریہ ہے تنفس کی طرح اور موت اس کے عدم کا نام یعنی جس شے کا شان یہ ہو کہ اسے ہونا چاہیے لیکن نہ ہو۔

فائدہ: صاحب کشاف نے لکھا کہ حیات وہ ہے کہ جس کے وجود کا احساس ہو اور موت اس کے عدم کا نام ہے "خلق الحیاۃ والموت" کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ نے اس صحیح کو موجود اور معدوم فرمایا۔

صاحب روح البیان قدس سرہ کی تشریح

صاحب کشاف کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ زندہ انسان وغیرہ کے ظاہر و باطن سے موت کے اثر سے روح کی روشنی کا ایجاد کا نام موت ہے یعنی باوجودیکہ حرکت اور چلنے پھرنے کی کامل قدرت رکھتا تھا اب موت کے اثر سے اس کا اقتدار چھن گیا اب سے بمنزلہ جماد کے کیا گیا گویا اس کی حرکت تھی ہی نہیں ایسے نفخ روح سے اثر حیات کے ایجاد کو حیات کہا جائے گا جب کہ روح کے رکھنے سے بدن کے ظاہر و باطن میں روشنی پھیل گئی ہے اور وہ اپنے ارادہ سے چلنے پھرنے پہ قدرت رکھتا ہے اس سے یہ نہ سمجھنا کہ اس ملکہ کے نہ ہونے سے وہ معدوم محض ہو گیا ہے کہ اس میں وجود کا شائبہ

تک نہیں رہا اگر ایسا ہوتا تو اسے امر وجودی کے لئے قابل محل اعتبار نہ کیا جاتا اسی لئے ہمارا عقیدہ ہے کہ خلق کا تعلق جیسے حیات سے ہے ایسے ہی موت سے ہے۔

ایک اعتراض کا دفعیہ اس سے وہ اعتراض اٹھ گیا کہ عدم تو مخلوق نہیں ہوتا کیوں کہ مخلوق حادث ہے اور عدم الحوادث ازلی اگر وہ عدم بھی مخلوق سے ہو تو حوادث کا وجود ازلی ماننا پڑے گا اور یہ باطل ہے۔

فائدہ:۔ بعض نے فرمایا کہ خلق الموت بمعنی قدرہ کیوں کہ خلق بمعنی تقدیر آتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فتبارك الله احسن الخالقين ہاں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ تعلق الخلق بالموت بمعنی الایجاد کا وہی مطلب ہے جو ہم نے بیان کیا کہ نفخ روح پر تعلق ایجاد بالحیاۃ ہوا ہے۔

نکتہ:۔ موت کو حیات سے مقدم کرنے میں اشارہ ہے موت عالم ملک میں ذاتی اور حیات عرضی ہے یعنی موت حیات سے سابق ہے کیوں کہ تمام اشیاء معدوم تھیں پھر انہیں حیات عارض ہوئی جیسے آیۃ "وکنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ توجعون" دلالت کرتی ہے نیز احسانِ عمل کی موجب اور قہر النفوس کو اقرب موت ہے۔ جس نے اسے اپنا نصب العین بنایا وہ کامیاب ہوگیا

حدیث شریف میں ہے اگر تین چیزیں نہ ہوتیں تو ابن آدم کا سر کبھی نہ جھکتا۔

(۱) فقر (۲) مرض (۳) موت

فائدہ:۔ الارشاد میں ہے کہ موت سے وہ حالت مراد ہے جو انسان کو روح کی پرواز سے طاری ہوتی ہے اور حیات سے وہ حالت جو اس سے پہلے اور مابعد ہے جیسے مابعد آلایۃ دلالت کرتا ہے یعنی "لیبلوکم" الخ کیونکہ موت کے ملاحظہ کرنے کا اصلی سبب اپنے اعمال کو اچھا بنانا ہے اور اس سے کسی کو انکار نہیں اور ظاہر ہے کہ نفس عمل حیات کے بغیر متحقق نہیں ہو سکتا۔

اعتراض کا جواب تمہاری مذکورہ بالا تقریر آیۃ ولا یملکون موتا ولا حیاۃ ولا نشورا کے خلاف ہے کیوں کہ اس آیۃ میں اس حیاۃ سے دنیوی زندگی مراد ہے جیسا کہ والیہ النشور سے معلوم ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ قرآن کے بعض مضامین دوسرے بعض مضامین کی تفسیر کرتے ہیں

فائدہ:۔ الحیاۃ والموت میں الف و لام مضاف الیہ کا عوض میں یہ عبارت دراصل "حیاتکم وموتکم ایھا المکلفین" تھی ہم نے مکلفین کی قید اس لئے لگائی ہے کہ غیر المکلفین کی موت وحیات صرف مکلفین کی آزمائش کے لئے ہوتی ہے اس کے سوا اس کا اور کوئی مطلب نہیں ہوتا۔

عارفین کے نزدیک حیاۃ وموت کا معنی بعض عارفین نے فرمایا کہ موت وحیات دونوں عرض ہیں اور اعراض وجواہر اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور حیات دراصل اس کی ذات کی تجلی اور موت سے اس کا چھپنا ہے اور عارفین کو یہ دنیا میں دونوں کیفیتیں یکے بعد دیگرے لاحق ہوتی رہتی ہیں جب عارف سے حجابات اٹھ جاتے ہیں تو گویا اس سے موت دفع ہو گئی اب وہ بلا حجاب کھلم کھلا دائمی طور مشاہدہ کرتا رہتا ہے اس کے بعد ازاں اس پر کسی قسم کے حجابات نہیں رہتے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بل احیاء عند ربھم بلکہ وہ اپنے رب تعالیٰ کے ہاں زندہ ہیں۔

صوفیانہ لطیفے موت وحیات کو پیدا فرمایا

(۱) بعض کو مجاہدات کی موت سے مارتا ہے اور بعض کو مشاہدات کی حیات سے زندگی بخشتا ہے۔

(۲) بعض کو سطوت قدم کے ظہور میں فنا کی موت دیتا ہے بعض کو انوار بقاء کے ظہور میں بقاء کی حیات بخشتا ہے۔

اگر تجلی واستتار نہ ہوتا تو مشتاقین کا شوق اور درجات شوق کا تفاوت ظاہر نہ ہوتا اور اللہ تعالیٰ کے عشاق بے شمار ہیں اور ان کے عشق کے درجات میں فرق ہے۔

صوفیاء کرام کے ملفوظات: (۱) حضرت سہل قدس سرہ نے فرمایا کہ دنیا میں معصیت کی زندگی (۱) موت ہے اور دنیا میں طاعت کے ساتھ زندگی بسر کرنا آخرت میں حیات ہے۔

(۲) حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اجسام کی حیاۃ مخلوق ہے اور یہ وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا خلق الموت والحیوۃ۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ کی حیات دائمی وباقی ہے اس میں انقطاع ہرگز نہیں اللہ تعالیٰ نے زمانہ دہر میں کہ جس کی ابتدا نہیں اپنے اولیاء کو عطا فرمائی اس معنی پر قبل از ایجاد جہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھے پھر انہیں ظاہر فرما کر انہیں ہی حیات مخلوقہ عاریۃ کے طور بخشی کہ جس سے دوسری مخلوق کو پیدا فرمایا پھر اسی موت مخلوقہ سے انہیں موت دے گا پھر وفات کے بعد انہیں اس طرح اپنے خاص راز سے نوازتا ہے جیسے وہ اس عالم دنیا سے پہلے تھے اس کے بعد انہیں اسی طرح اپنے خاص راز سے نوازتا ہے جیسے وہ اس عالم دنیا سے پہلے تھے اس کے بعد انہیں دائمی زندگی بخشتا ہے جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ کے لئے زندہ رہتے ہیں۔

فائدہ: حضرت واسطی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جسے ازل میں یاد کر کے زندہ فرمایا وہ ہمیشہ تک

نہ رہے گا اور جسے ازل میں ہی موت دی دی وہ ہمیشہ تک مردہ رہے گا بہت سے لوگ اپنی حیات سے اور بہت
سے مردے اپنی موت سے غافل نہیں۔

لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ لام خلق کے ساتھ متعلق ہے اور اس کا ظاہر تو دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال معلل بمصالح العبد ہیں اور معاذ اللہ اس کا ہر فعل اس کی کسی غرض سے متعلق ہے جیسا کہ معتزلہ کا مذہب ہے لیکن اہل سنت کے نزدیک یہ آیت اپنے ظاہری معنیٰ پر نہیں بلکہ مؤول ہے اس کی تاویل یوں ہے کہ یہ فعل ایسا اگر کوئی بھی مصلحت کے پیشِ نظر کوئی کام کرتا ہوگا تو وہ بھی اسی طرح کرتا جیسے اللہ تعالیٰ نے کیا اس تقریر پر لام عقلاً علت کا ہے اور شرعاً حکمت و مصلحت کا ہے اور "ایکم" مبتدا اور "احسن" اس

کی خبر ہے اور عملاً تمیز ہے یا جملہ اسمیہ فعل بلوی کے مفعول ثانی کے قائم ہے اور یہ بواسطہ مفعول ثانی کی طرف اس لئے متعدی ہوا ہے کہ بوجہ انجام کے علم کا

کی خبر ہے اور عملاً تمیز ہے یا جملہ اسمیہ فعل بلوی کے مفعول ثانی کی طرف اس لئے متعدی ہوا ہے کہ بوجہ انجام کے علم کا معنیٰ کو متضمن ہے ورنہ یہ ہمیشہ بلاواسطہ صرف ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے اور یہ تعلیق کے قبیل سے نہیں ہے یعنی وہ تعلیق کہ جس کے متعلق مشہور ہے کہ وہ شروع سے مفعول کے وقوع کا مقتضی نہیں حالانکہ یہاں مفعول (لفظ کم) مذکور ہے اور یہ افعال قلوب سے بھی ہے جسے دو ورنہ ایک مفعول تو ضروری ہے اور یہ تضمین اصطلاحی کے قبیل سے بھی نہیں بلکہ یہ علم البلوی یعنی آزمائش کے معنیٰ کے لئے مستعار ہے اور اختبار یعنی امتحان لینے کا یہاں پر حقیقی معنیٰ مراد نہیں کیونکہ یہ معنیٰ اس کے لئے مستعمل ہوتا ہے جس سے حالات مخفی ہوں اور اللہ تعالیٰ سے تو کوئی شے مخفی نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ بندے سے وہ فعل ظاہر کرائے جو اس سے پوشیدہ ہے اب معنیٰ یہ ہوا اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ وہ معاملہ کرتا ہے جو عام طور آزمائش کرنے والے آزمائش والوں سے کرتے ہیں تاکہ ظاہر ہو کہ تم میں اچھے کردار والے کون ہیں تاکہ طبقات علوم و اعمال کے مطابق مختلف مراتب پر جزا دے۔

فائدہ: عمل کا تعلق جوارح سے مخصوص نہیں اس لئے حضور علیہ السلام نے عملاً کی عقلاً تفسیر فرمائی ہے یعنی تم میں کوئی عقل میں احسن اور محارم اللہ زیادہ بچنے والا اور طاعت الٰہی میں زیادہ سرعت والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ زیادہ اچھے عقل والا ہے جو اس کی مراد کو بہتر سمجھتا ہے اس سے واضح ہو گیا کہ قلب و قالب کے لئے جدا جدا اعمال ہیں جیسے قلب قالب سے افضل و اعلیٰ ہے ایسے ہی قلب کے اعمال قالب کے اعمال سے اشرف اور محکم تر ہیں۔

مسئلہ: قلب کا عمل معرفت الٰہی ہے جو ہر شے سے اس کا جاننا ضروری ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ صنع الٰہی کے عجائبات میں تفکر اور انفس و آفاق میں جو اس کی نشانیاں اور آیات ہیں ان میں تدبر کرنا۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے یونس بن متی علیہ السلام پر فضیلت مت دو اس لئے کہ اس کے ایک یوم کے اعمال روئے زمین کے لوگوں کے اعمال برابر

روزانہ بارگاہِ حق میں پیش ہوتے تھے۔

فائدہ : مشائخ نے فرمایا ان کے یہ اعمال یہی تفکر فی معرفۃ الٰہی تھا یعنی عمل قلب ورنہ کس کو طاقت ہے کہ روزانہ روئے زمین کے اعمال کے مطابق جوارح سے اعمال بجا لائے۔ (الارشاد)

اللہ والوں کا مقابلہ کون کرسکتا ہے

فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ یونس علیہ السلام کے اس حال میں عمل قالبی کی طرف اشارہ ہے یعنی ان کے قالبی اعمال دوسرے ان کے اپنے ہم عصر خواص لوگوں کے قلبی اعمال سے احسن تھے کیوں کہ ایک اللہ والے کے اعمال کا ہزاروں بلکہ بے شمار لوگوں کے اعمال مقابلہ نہیں کرسکتے کیوں کہ اللہ والے میں جتنا خلوص و شہود و احسان ہوگا دوسروں میں اس طرح نہ ہوگا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اسے احسن سے تعبیر فرمایا ہے تاکہ مقربین اور ابرار و کفار و منافقین کے احوال کی طرف اشارہ ہو۔

دلائل از صاحب روح البیان قدس سرہ

صاحب روح البیان قدس سرہ مذکورہ بالا قاعدہ پر دلائل قائم کرتے ہیں وہ یہ کہ انسان کی نیت کا تعلق دنیا سے ہوگا زبان سے بھی اور دل سے بھی اور یہ سب سے بری نیت ہے اور سب سے زیادہ بُرا عمل ہے اور یہ کفار کا کام ہے اور اگر زبان سے تو آخرت طلبی ہو لیکن دل کے ارادے دنیا سے متعلق ہوں تو یہ نیت اور عمل اور زیادہ بُرا ہے اور یہ منافقین کا کام ہے اگر زبان اور دل ہر دونوں پر آخرت کا تصور ہو تو یہ نیت و عمل کے لحاظ سے حسن ہے اور یہ ابرار کا حال ہے اگر دل اور زبان سے صرف رضائے الٰہی مطلوب ہے تو یہ نیت اور عمل کے اعتبار سے احسن ہے

اور یہ مقربین کا حال ہے اور چونکہ انسان کا مقصود اعظم اسی احسن کو حاصل کرنا ہے اسی لئے اس کی تصریح کی ہے اور حسن کو بیان نہیں کیا کیوں کہ وہ اشارۃً مذکور ہے ایسے ہی دوسرے اقسام بھی اشارۃً مذکور ہیں۔

احسن عملاً کی احسن تفاسیر

مندرجہ ذیل تفاسیر اس بارہ میں نہایت ہی احسن ہیں۔

(۱) لیبلوکم الخ تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں آزمائے یعنی تمہارے ساتھ وہ معاملہ کرے جو آزمائش والوں سے کیا جاتا ہے تاکہ دار التکلیف میں ظاہر ہو کہ تم میں اچھے عمل والا یعنی زیادہ اخلاص والا کون ہے۔

(۲) تم میں مخلص ترین یعنی رضائے الٰہی کا طالب کون ہے۔

(۳) تم میں زیادہ صحیح سمت کون ہے یعنی وہ کون ہے جو اپنا ہر عمل سنت کے موافق کرتا ہے یعنی ہر وہ عمل کرتا ہے جو شارع سے وارد ہے اور یہی اصوب ہے کیوں کہ بہت سے اعمال اخلاص سے تو ہوتے ہیں لیکن مبنی بر صواب نہیں اسی لئے پھر وہ قبول بھی نہیں ہوتے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ ریاء و نفاق کے اعمال کو ہباءً منثورا فرمائے گا۔

اخلاص کی علامت بعض عارفین نے فرمایا احسن العمل یہ ہے کہ عمل کر کے بھول جائے اور ہر وقت فضلِ الٰہی پر نگاہ ہو۔ بہرحال اخلاص اسرارِ الٰہیہ سے ایک عظیم راز جو صرف خواص کو نصیب ہوتا ہے۔

فائدہ: الارشاد میں ہے کہ احسن کے صیغے میں ایک راز ہے وہ یہ کہ آزمائش حسن و قبیح کی وجہ سے ہے نہ کہ احسن و حسن کی وجہ سے نیز اس میں اشارہ ہے کہ مراد بالذات اور مقصد اصلی آزمائش سے یہی ہے کہ محسنین کے احسان کا کمال ظاہر ہو اگرچہ دوسروں کو نظر انداز نہیں کیا جائے گا جب کہ ان میں ایمان اور طاعت الٰہی ہو کیونکہ انہیں اس کے موجبات کی مضبوطی کمال کے ساتھ موجود ہے اور اس سے روگردانی صرف اس لئے ہے کہ وہ وقوع کے تحت اندراج سے دور ہے چہ جائیکہ انہیں افعال الٰہیہ کے لئے ملک غایۃ میں پرو یا جانا حاصل ہو اور اس کے عامل سے ایسے افعال کا صدور اس کے سوء اختیار کی وجہ سے ہے اور پھر اسے کسی بے تصریح تقریب نصیب نہ ہوئی۔

فائدہ: ایکم احسن کی مراد یہ ہے کہ وہ بہ نسبت دوسروں کے عمل میں احسن ہے یہاں پر علامہ سجاوندی[1] نے فرمایا کہ یہ استفہام کے معنی میں ہے یعنی "ایکم" کا استفہام بمعنی ہمزۂ استفہام کے ہے لیکن یہ قول صحیح نہیں اسی لئے فعل کے عمل نہیں کیا یہ دراصل عبارت أَنتُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً أم غیرکُم یعنی تم اچھے عمل والے ہو یا تمہارے غیر

فائدہ: یہاں عمل کی تفریق انسانوں اور جنات مومن اور ملائکہ سب کو شامل ہے اور یہ حسن عمل سے وہ حسن مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک احسن ہو اگرچہ لوگوں کی نظر میں حُسن میں کم محسوس ہو اور بدتر عمل والا بھی ہوئی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے ہاں بُرا ہو خواہ لوگ اسے کتنا ہی اچھا سے اچھا کہیں۔

رہ است باید نہ بالائے راست
کہ کافر ہم از روئے صورت چو ماست

ترجمہ: سیدھا راہ ضرور نہ کہ اونچا راہ کیونکہ ظاہری صورت میں تو کافر بھی ہماری طرح ہے۔

سوال: اکثر عملاً کیوں نہیں فرمایا؟

جواب: اس کثرت کا کیا اعتبار جسے مالک قبول نہ کرے اسی لئے شریعۃ میں حُسن اسی عمل میں ہے جسے شارع نے حسن کہا اور قبیح وہی ہے جسے شارع نے قبیح کہا۔

فائدہ: بعض مفسرین نے فرمایا کہ احسن عملاً سے مراد یہ ہے کہ وہ بندۂ خدا اور زندگی کو موت کے لئے اچھا بنائے اور دنیا کو آخرت کے لئے تیار کرے۔

---

[1] عین المعانی روح البیان ص ۱۰ ج ۱۰

حدیث شریف (۱) حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اپنی صحت کو بیماری سے پہلے اور جوانی کو بڑھاپے سے پہلے اور فراغت کو مشغولی سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے اچھے کام میں لگالے تجھے کیا معلوم کہ کل تیرا نام کیا ہوگا۔

حدیث شریف ۔ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے سوال کیا کہ اہل ایمان میں کون بہتر ہے آپ نے فرمایا جو موت کو بہت زیادہ یاد کرتا ہے اور اس کی اچھی استعداد رکھتا ہے۔

فائدہ :۔ موت اور آخرت کی اچھی استعداد کا کثرت اعمال کا نام ہے جنہیں خلوص ہے وہ نماز ہو یا روزہ زکوٰۃ یا حج وغیرہ وغیرہ کہ اگرچہ انہیں بعض کو بعض سے فضیلت میں فرق ہے چنانچہ نماز وہ عمل ہے جسے معراج الشہود سے تعبیر کرتے ہیں اس میں نفس کی سرکوبی کے علاوہ بدن کی ریاضت بھی ہوتی ہے یہی وجہ ہے ہمارے بعض اسلاف صالحین رحم اللہ تعالیٰ نماز کا مشغلہ بکثرت رکھتے تھے یہاں تک شب و روزہ ہزار رکعت اور اس سے زائد بھی پڑھا کرتے تھے، اسی طرح روزہ اور قلت طعام اس لئے کہ یہ قلب میں حکمت الٰہیہ کے ورود کا سبب ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ سے بہت سے بزرگ ایسے گزرے ہیں جو مسلسل روزے رکھا کرتے تھے بعض تو تین دن تک کچھ کھاتے نہ پیتے بلکہ بعض تو سات دن اور بعض ایک ماہ بعض چالیس دن تک بھوکے پیاسے رہتے اس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ حکمت عظمیٰ کا ان پر دروازہ کھل جاتا علاوہ ازیں روزہ میں تہذیب الاخلاق بھی ہے کیوں کہ اکثر خرابیاں کھانے پینے سے پیدا ہوتی ہیں۔

سبق : اے ایمان والو جلدی کرو۔ دوڑو نفس کو روند ڈالو اور دنیا میں کر لو کچھ کرنا ہے تو سبقت کرنے ہی آخرت میں سب سے آگے آگے ہونگے وہی اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مفرد (لوگ) بازی لے گئے یعنی نفس کو انفس و آفاق سے علیحدہ رکھنے اور اپنے آپ کو عالم اطلاق میں مشاہدہ حق سے سرشار ہونے والے۔

سبق : سالک کو لازم ہے کہ سیر و سلوک میں بازی لے جانے کی کوشش کرے اس سے ہی ہوائے وحدۃ اور ہویت ذاتیہ میں اڑنا نصیب ہوگا اور اس سے ہی منازل اکوان سفلیہ حادثہ سے جدائی اور عالم وجوب و قدم کا عروج نصیب ہوتا ہے ہم اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگتے ہیں کہ وہ اپنا وجہ کریم کے زیارت سے سرشار فرمائے وہی جو محسن و کریم ہے۔

وَهُوَ حالانکہ صرف وہی ہے۔ **الْعَزِيْزُ**۔ ایسا غالب ہے کہ اس سے کوئی بھی برے عمل والا چوک نہیں سکتا۔ **الْغَفُوْرُ**۔ جس کے چاہے توبہ سے گناہ بخشدے چاہے تو اپنے فضل سے (بلا توبہ) بخشدے

فائدہ : بعض مفسرین نے فرمایا عزیز انسانوں میں ہوتا ہے جو کسی کے متعلق سُنے کہ وہ اس کی مخالفت

کرتا ہے تو وہ اسے تباہ و برباد کر ڈالے اور اللہ تعالیٰ وہ عزیز ہے کہ اپنے مخالف کی توبہ کو مرغوب رکھے اور توبہ بھی اس خلوص کی کہ بندہ کہے کہ میں مٹی کا ڈھیلہ اپنی مالی خدمت وغیرہ کے لائق کب ہوں جب کہ وہ اونچی ذات اور رب الارباب کہاں وہ کہاں ہیں اور الغفور وہ ہے جو بُرے کے عمل ڈھانپے اور نیکی والے کو احسان سے ملے جیسا کہ حدیث قدسی شریف میں جو میرے ہاں پیدل چل کر آتا ہے تو میں اس کے پاس دوڑ کر آتا ہوں وہ دوڑنے سے پاک ہے یہاں پیار کی عجلت مراد ہے۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وہ اللہ تعالیٰ جس نے سات آسمان پیدا فرمائے کہ پہلے ان کی کوئی مثال نہ تھی۔ (طِبَاقًا) سبع سمٰوٰت کی صفت ہے۔

سوال: نحویوں کا قاعدہ ہے کہ اعداد میں صفت مضاف الیہ کے لئے ہوتی ہے مثلاً قال اللہ تعالیٰ سبع بقرات سمان سمان بقرات کی صفت ہے لیکن یہاں مضاف کی صفت ہے۔

جواب: یہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ اکثریہ ہے۔

فائدہ: طباقاً کو حال بھی بنایا جا سکتا ہے۔

سوال: ذوحال کو معرفہ ہونا چاہیے اور اعداد بوقت اضافت بھی معرفت نہیں ہو سکتے تو پھر طباقاً اس کو حال بنانا کیسا۔

جواب: یہاں چونکہ کل سمٰوٰت مراد ہیں اس لئے قطعی طور معرفہ ہو گیا اس لئے اب اس سے حال بنانا جائز ہو گیا۔

حل لغات طباقاً مصدر ہے بمعنی الفاعل کہا جاتا ہے، طابقہ، مطابقۃً و طباق الشی بروزن کتاب اور کہتے ہیں کتاب مطابق بکسر الباء اور کہا جاتا ہے۔ طابقت بین الشیٔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ دو چیزوں کو برابر بنایا جائے یہ بات (مطابقت کی وضع وسعت و فراخی پر دلالت کرتی ہے۔ کہ جس کے مطابق بنائی جائے وہ بھی وسیع اور فراخ ہو یہاں تک کہ وہ اپنے مطابق والی شئے کو مکمل طور ڈھانپ لے۔ اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ ہر آسمان دوسرے آسمان اوپر والے کے برابر کے مطابق ہے۔

آسمانوں کی پیمائش ہر آسمان کی موٹائی پانچ سو سال کی مسافت کے برابر ہے پھر درمیان کا خلا بھی پانچسو سال کی مسافت ہے ان کو آپس میں کوئی علاقہ اور درمیان میں کوئی ستون نہیں نہ ایک دوسرے سے ٹکرائے ہوئے ہیں۔ آسمان دنیا جھاگ کی طرح ہے لیکن وہ بہنے سے ممنوع ہے دوسرا آسمان سفید موتی کا ہے تیسرا لوہے کا ہے چوتھا یا تانبے کا ہے پانچواں چاندی کا ہے چھٹا سونے کا ہے ساتواں سرخ یاقوت کا ہے اور اب ساتوں کے اوپر کرسی عرش تک نور کے دریا ہیں۔

فائدہ قاشانی نے فرمایا آسمان اور جملہ عالم کائنات کی تخلیق سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جیسا خالق کون ہوسکتا ہے اور اُس جیسا نظام کسے نصیب۔ پھر انہیں سات حصوں پر منطبق و منقسم فرمانے کی طاقت کس کو۔

فائدہ: جمہور اہل حق نے فرمایا کہ زمین گیند کی طرح گول ہے اور آسمان دنیا اسے ہر جانب سے محیط ہے جیسے انڈے کا چھلکا اس کی زردی کو گھیرے ہوئے انڈے کی زردی زمین اور سفیدی پانی اور چھلکا آسمان کی مانند ہے بس فرق اتنا ہے کہ انڈا مستطیل اور زمین گیند کی طرح گول ہے یہاں کہ بعض مہندسین نے کہا کہ اگر زمین کے ایک حصہ سے مثلاً سوراخ کیا جائے تو اس کے بالمقابل سب کچھ نظر آئے گا۔ مثلاً اندلس کی زمین کو سوراخ ہو تو اس کے بالمقابل چین کا علاقہ نظر آئے گا اور دوسرا آسمان دنیا کے آسمان کو اسی طرح محیط ہے جیسے پہلا آسمان زمین کو ایسے ہی ساتوں آسمانوں کی کیفیت ہے پھر کل آسمانوں کو عرش الٰہی کا احاطہ یونہی سمجھو اور عرش کو کرسی سے قریب تر ہے لیکن کرسی عرش کے سامنے ایسے ہے جیسے بہت بڑے جنگل میں ایک روڑا پڑا ہو اس سے اندازہ لگائیں کہ عرش کے سامنے ساتوں آسمانوں اور زمینوں کی کیا کیفیت ہوگی۔

مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ رحمٰن کی تخلیق میں نہیں دیکھے گے۔ یہ خطاب یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے یا ہر اسے جو اس خطاب کی صلاحیت رکھتا ہے اور خلق الرحمان خلقہ (اسم ظاہر ضمیر کے قائم مقام ہے) اس سے سمٰوٰت کی تخلیق مراد ہے اور مصدر بمعنی مفعول ہے اور اضافت لامی ہے اس میں اشارہ ہے اس کی تخلیق اپنی قدرت کاملہ سے اور مبنی بر رحمت و فضل ہے اور من نفی کی تاکید کیلئے ہے اب معنی یہ ہوا کہ اس کی تخلیق میں اختلاف و اضطراب نہیں اور نہ ہی عدم تناسب ہے بلکہ مستوی و مستقیم ہے۔

فائدہ: حضرت قاشانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سلب تفاوت کا مطلب یہ ہے کہ نہ وہ حد سے زائد مستطیل ہیں نہ مستدیر بلکہ ایک دوسرے کے مطابق و موافق ہیں اور حسن انتظام و تناسب میں اپنی مثال خود ہیں۔

حل لغات تفاوت فوت سے ہے کیوں کہ تفاوت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک دوسرے سے متفاوت ہونے والوں کا طریقہ ہے کہ ایک کسی شے میں دوسرے سے چوک جاتا ہے جس سے ان کا تناسب نہیں رہتا۔ امام راغب نے فرمایا کہ تفاوت اختلاف اوصاف کو کہا جاتا ہے گویا ایک کی کوئی وصف یا کل اوصاف دوسرے سے فوت ہو جاتی ہیں۔

فائدہ: بعض علماء نے تخلیق کا تعلق سمٰوٰت کے علاوہ بھی ہر شے سے متعلق کہا تو ان سے سوال ہوا کہ یہ معنی صحیح نہیں کہ اس لئے کل مخلوق میں ایک دوسرے سے تفاوت ظاہر ہے مثلاً رات دن میں تفاوت ہے ایسے اضداد میں تناقض مشہور بلکہ بدیہی ہے۔

جواب :- ان میں تناقض تو ہے لیکن تناقص و عیب نہیں اور ایسی کوئی زائد شے نہیں کہ جس کی وہ اپنی تخلیق میں اس کی محتاج ہو یا ایسا انہیں نقصان اور کمی نہیں جس کی اسے محتاجی ہو بلکہ سب کی سب اپنی تخلیق میں مستقیم و مستوی ہیں جس سے یقین ہوتا ہے کہ ان کا خالق بہت بڑے علم والا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ رحمانیت کی رحمت ہر شئے کو واسع ہے جیسے کہا جاتا ہے۔ یا رحمٰن الدنیا و رحیم الآخرۃ اے دنیا کے رحمٰن اور آخرت کے رحیم اس لیے کہ موجودات سب کے سب علوی ہوں سفلی نورانی ہوں یا ظلمانی روحانی ہوں یا جسمانی تخلیق میں بلا تفاوت رحمٰن کے نور و رحمت سے پیدا کئے گئے ہیں ایسے ہی اسی نور و رحمت سے برابر طور رزق عطا ہوتا ہے۔

ادیم زمین سفرۂ عام اوست
برین خوان یغما چہ دشمن چہ دوست

ترجمہ : زمین اس کا عام دستر خوان ہو اس دستر خوان پر دوست و دشمن برابر ہیں۔

تفسیر عالمانہ فَارْجِعِ الْبَصَرَ آنکھ کو آسمان کے دیکھنے کی طرف پھیرو۔ بار بار پھیرو یہاں تک کہ معائنہ سے واضح ہو اور ذرہ بھر بھی شک نہ رہے۔

حل لغات رجع لازم و متعدی ہر دونوں کی طرح مستعمل ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے رجع بنفسہ رجوعاً بمعنی جہاں سے آغاز ہوا وہاں سے خود بخود لوٹنا وہ مکان ہو یا فعل یا قول اس کے اجزاء کے کسی جزء سے یا اس کے افعال میں کسی فعل کے ساتھ اور کہا جاتا ہے رجعہ غیرہ رجعا فلاں کو کسی کام وغیرہ سے لوٹانا۔ هَلْ تَرٰی کیا تم اس میں دیکھتے ہو۔ مِنْ فُطُوْرٍ کوئی سوراخ بمعنی الشق فطر کی جمع ہے یا بمعنی[1] پیدا کرنا۔ ابتداء کرنا۔ چیرنا[2] کہا جاتا ہے فطرہ فانفطر" یعنی اسے چیرا تو وہ چر گیا شقوق و صدوع کی نفی کا مطلب یہ ہے کہ آسمان پھٹتے اور چرتے نہیں یہ قاشانی نے فرمایا کیوں کہ انہیں پھٹنا چرنا مانا جائے تو وہ منافع جو انہیں ہیں حاصل نہ ہوں گے مثلاً ستاروں کو جو ان کے طبقات میں متفرق طور مرتب کیا گیا ہے اور آسمانوں میں ستاروں کے بعض یا مکمل طور منافع منقطع ہو جائیں گے[3] نتیجہ نکلا کہ جب اس کی پیدا کردہ اشیاء یعنی آسمانوں میں کسی قسم کا عیب و نقص نہیں تو ان کے خالق میں بطریق اولیٰ ہے کہ وہ عیب و نقص سے منزہ ہو کیونکہ عیب و نقص جسمانیات میں ہوتا ہے۔ ④ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ پھر لوٹاؤ نگاہ کو بار بار یعنی دوبارہ دیکھو اور بار بار دیکھو اور پھر ان میں عیب و خلل ڈھونڈو یعنی اگر ایک بار دیکھنے سے عیب و نقص سے نہیں مل سکا تو پھر دوبارہ دیکھو اور بار بار دیکھو۔

---

[1] قاموس ۱۲ [2] تاج المصادر ۱۲ : [3] : المناسبات ۱۲ :

فائدہ : تثنیہ سے تکرار اور کثرت مراد ہے جیسے لبیک وسعدیک میں بار بار اور بکثرت اجابت و اعانت بلا انقطاع مراد ہے کیوں کہ ایک بار دیکھنے کے بعد دوبارہ دیکھنے سے تھکان نہیں ہوتی ہے اگرچہ اس طرح بکثرت اور کئی بار دیکھا جائے جب تک اس میں انقطاع نہ ہو۔

فائدہ : حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایسے ہی بار بار قیامت تک دیکھے جاؤ تب بھی کسی قسم کا عیب وخلل نہ پاؤ گے۔

فائدہ : جناب واسطی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ کرتین سے قلب ونظر مراد ہے کیوں کہ پہلا معنیٰ صرف آنکھ تک محدود ہے۔ یہاں آنکھ اور قلب ہر دونوں کا تکرار مراد ہے یعنی قیامت تک آنکھ پھاڑ پھاڑ کر کے اور گہرے غور وفکر کو عمل لا کر دیکھو تو کچھ بھی حاصل نہ ہوگا سوائے تھکان اور محرومی کے کیوں کہ تخلیق رحمانی میں عیب وخلل ممتنع ہے اور ممتنع کی تلاش لاحاصل ہے۔ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا لوٹے گی تیری طرف تیری آنکھ ذلیل اور بعید ومحروم ہو کر کسی قسم کا عیب وخلل اسے حاصل نہ ہوگا جتنا بھی جدوجہد کر کے عیب تلاش کرنے گویا اسے ذلیل وخوار کر کے پیچھے دھکیل دیا جاتا ہے یہ امر کا جواب اور خَاسِئًا البصر سے حال ہے اسم فاعل کا صیغہ ہے خسأ بمعنی باب مدّ وضرب سے ہے اس میں ذلت وخواری کا معنیٰ ہے جب کہا جائے "خسأ الکلب خسأً" تو اس کا معنیٰ بھی یہی ہے کہ اسے اپنی جگہ سے ذلیل وخوار کر کے بھگا دیا گیا اور یہ متعدی ہو کر آتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے۔ خسأت الکلب فخسأ میں نے کتے کو ذلیل وخوار کر کے ہٹایا تو وہ ذلیل وخوار ہو کر دور بھاگ گیا ایسے ہی جب اسے کہا جائے گا " اخسأ " تو اس سے بھی یہی مراد ہوگی۔ امام راغب نے فرمایا اسی سے ہے خسأ البصر یعنی ذلیل وخوار ہو کر بند ہوئی اور یہ "خنازیر وکلاب" کے لئے بولا جاتا ہے بایں معنیٰ کہ وہ ذلت وخواری اٹھا کر انسانوں سے دور ہیں اس معنیٰ پر آیت میں خاسئ اسم فاعل بمعنی مفعول ہے[1] یعنی مبعدا یعنی دور دھکیلی ہوئی آنکھ۔ وَهُوَ حَسِيْرٌ درانحالیکہ وہ تھکی ہوگی یعنی بوجہ کثرت دیکھنے اور بار بار لوٹنے سے تھک کر رہ جائے گی اور یہ فعیل بمعنی فاعل ہے یعنی تھکان والی آنکھ حسور سے ہے بمعنی اعیاء یعنی تھکنا یعنی آنکھ کا رنج اٹھانا اور مسافت دور سے آنکھ کا تھک جانا[2]۔ امام راغب نے فرمایا کہ تھکے ہوئے حاسر ومحسور اس لئے کہا جاتا ہے کہ خود بخود اس کے اعضاء وقویٰ تھک گئے اس معنیٰ پر وہ تھکنے والا ہے اور محسور اس معنیٰ پر کہ اعضاء وقویٰ کو تھکان نے تھکا دیا اور یہ البصر سے یا خاسئاً کی ضمیر سے حال ہے اس معنیٰ پر یہ احوال متداخلہ کے قبیل سے ہوگا۔

(**نکتہ**) بعض بزرگوں نے فرمایا کہ جب یہ اس کے مصنوعات میں غور وفکر پر اتنا ذلت وخواری حاصل ہوتی ہے تو جو اس کے کمال وجلال میں غور وفکر کر کے نقص تلاش کرتا ہے اور اس کا کیا حال ہوگا بالخصوص وہ بدبخت

---

[1] : قاموس ۱۲ - [2] : تاج المصادر ۱۲ :

جو حلول و اتحاد کا عقیدہ رکھتا ہے اسے جہنم میں داخل ہونے کے اور کچھ نصیب نہ ہوگا۔

۱ سبحانہ من تحیر فی ذاتہ سواہ
فہم خرد بکنہ کمالش نبرد راہ

۲ عمرے خورد چو چشمہ ہا چشمہا کشاد
تا بہ کمال کنہ الہ افگند نگاہ

۳ لیکن کشید عاقبتش درو دیدہ میل
شکل الف حرف نخستت از الہ

ترجمہ ۱: پاکی ہے اس ذات کو جو اس کا ماسوا اسمیں حیران ہے خرد کے فہم نے اس کی کمال کی کنہ میں کوئی راہ نہ پا سکا۔

۲: زندگی بھر آنکھوں نے چشمہ کھولے رکھا تاکہ اس کے کمال کی کہنہ تک پہنچ سکے۔

۳: بالآخر اس کی آنکھ سے سرمہ کی سلائی نکالی گئی تو ابھی اسے اللہ کا الف ہی نظر آیا۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ ظاہری اشیاء سے ظاہر آنکھ کو باطن کی طرف پھیرے پھر اس باطن کی آنکھ اشیاء کے بواطن کی طرف یعنی بصر و بصیرت ہر دونوں سے اشیاء کے ظواہر و بواطن کو نہایت غور و فکر سے دیکھ کر نتیجہ نکالئے کیا اللہ تعالیٰ نے موجودات میں جو استعداد پیدا فرمائی ہے اس میں کسی قسم کا فرق پاتے ہو جب کہ اس نے ہر ایک اس کی استعداد کے مطابق ہر صاحب حق کو حق بخشا ہے اگر تم بار بار با تکرار بھی اس پر غور و فکر کرو گے تب بھی تمہارے ہاں تمہاری بصر و بصیرت تھک ہار کر واپس لوٹیں گی اور کہیگی کہ کچھ بھی خلا اور عیب نہ مل سکا۔

حضرت امام غزالی قدس سرہ نے اپنے بعض ملفوظات میں فرمایا کہ اس عالم وجود میں اور کوئی شے اس سے بڑھ کر بدیع (عجیب و غریب) نہ ہوگی کیوں کہ اگر مانا جائے تو ذات باری تعالیٰ پر بخل کا الزام آتا ہے اور وہ اس عیب سے منزہ و مقدس ہے بلکہ وہ جواد و کریم ہے اور اس پر عجز کا وہم پڑتا ہے حالانکہ وہ قادر ہے بلکہ اس نے خود فرمایا الذی اعطیٰ کل شیٔ خلقہ وہ ذات ہے جس نے تمام کو اس کی استعداد کے لائق تخلیق بخشی ہے ثم ھدیٰ پھر اسے راہِ حق پر چلایا ہے۔

فائدہ: بعض نے اس کی تقریر یوں کی ہے کہ عالم امکان میں اس سے بڑھ کر بدیع تر یعنی زیادہ ظاہر اور کوئی شے اس سے[1] نہیں کہ مرتبے صرف دو ہیں۔

---

[1] تاویلات نجمیہ ۱۲

۱: مرتبہ اولیٰ یعنی قدم یعنی قدیم ہونا

۲: مرتبہ ثانیہ یعنی عالم یعنی امکانی و حدوث اگر ہم مان لیں کہ اس سے بڑھ کر اور بدیع تر ممکن ہے، تو پھر ہم عالم امکان غیر متناہی کے چکر میں پھنس کر رہ جائیں گے۔ اسی لئے لازماً ماننا پڑے گا کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی عالم بدیع تر نہیں۔

تفسیر عالمانہ

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا اور بے شک ہم آسمان دنیا کو سنگارا ہے۔

(ربط) آسمانوں کے قصور و فطور سے خالی ہونے پر بیان کے بعد اب بتایا کہ وہ تخلیق میں حسن و جمال میں بھی بے نظیر ہیں اور اسے قسم سے شروع کرنے میں اس کی عظمت شان کی طرف اشارہ ہے یعنی بخدا وہ آسمان جو سب سے اور زمین اور لوگوں کے قریب تر ہے ہم نے سنگارا اور آراستہ کیا۔

حل لغات

تزئین بمعنی آراستہ کرنا اس کی نقیض شین ہے بمعنی معیوب کرنا۔ الدنیا ادنی کی تانیث ہے بمعنی قریب تر اُسے قریب تر اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ اپنے ماتحت یعنی زمین کو قریب ہے۔ اسے مطلقاً "قریب تر نہیں کہا جا سکتا اس لئے کہ اس کے مافوق یعنی عرش کی طرف دیکھا گیا تو معاملہ برعکس ہے یعنی عرش سے بہت زیادہ بعید ہے۔ بِمَصَابِيْحَ مصباح کی جمع ہے بمعنی سراج یعنی چراغ تنکیر تعظیم و مدح کے لئے ہے یعنی اسے ستاروں سے سنگارا گیا ہے جو رات کو چراغ کی طرح چمکتے ہیں یعنی سیارات و ثوابت رات کو روشن نظر آتے ہیں وہ آسمان دنیا میں مرکوز ہیں اگرچہ ان کے بعض دوسرے آسمانوں پر بھی ہیں یہ اس لئے کہ اگر آسمانوں کو صاف و شفاف شیشہ کی طرح مانا جائے تو ستارے خواہ دوسرے آسمانوں پر بھی ہوں چمک پہلے آسمان سے ہی نظر آئیں گے جو مطلب بھی ہو اس کا معنیٰ یہی ہوگا کہ آسمان دنیا ستاروں سے مزین ہے۔

فائدہ: المصابیح میں قمر (چاند) بھی داخل ہے کیوں کہ وہ ان سے بڑا اور بہت روشن ہے جو رات کو چمکتا ہے۔

وہابی کش دلیل

اگر ستارے آسمان دنیا کے چراغ ہیں اور وہ زمین کے لئے بمنزلہ چھت کے ہے اس معنیٰ پر اگر بندگان خدا مساجد کی چھتوں کو چراغوں اور قندیلوں سے روشن کریں تو کونسا حرج ہے جب کہ اسلامی قاعدہ مشہور ہے کہ لا سرف فی الخیر خیر و بھلائی کے کام میں اسراف نہیں۔

چراغاں کی حدیث شریف

احادیث میں مذکور ہے کہ مسجد نبوی میں اندھیری راتوں میں کھجوروں کے پتے جلا کر روشنی حاصل کی جاتی جب سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہ مدینہ پاک میں حاضر ہوئے تو قندیل اور رسیاں اور زیتون کا تیل ساتھ لائے اور انہیں مسجد

نبوی کے ستونوں سے لٹکا کر روشن کر دیا تو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ، نورت مسجدنا نور اللہ علیک اما واللہ لو کان لی ابنۃ لانکحتہا تو نے ہماری مسجد کو روشن کیا اللہ تعالیٰ تجھے نورانی بنائے اگر میری بیٹی ہوتی تو تیرے نکاح میں دیتا۔

فائدہ ، اس روشنی کا نام پہلے فتح تھا لیکن تمیم داری رضی اللہ عنہ کی روشنی کے بعد اس کا سراج نام مشہور ہوا۔

حضرت علی کی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دعائیں

تمیم داری رضی اللہ عنہ کی یہ کاروائی خوب پسند آئی چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بعد کو اس کو آگے خوب بڑھایا یہاں تک کہ جب تراویح کیلئے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب کی امامت پر جمع فرمایا تو خوب چراغاں کیا اسپر حضرت علی نے خوش ہو کر فرمایا نورت مسجدنا نور اللہ قبرک یا ابن الخطاب تو نے ہماری مسجد کو روشن کیا اللہ تعالیٰ تیری قبر انور کو روشن کرے[1] اے ابن خطاب (عمر رض)۔

بدعت کا خطرہ ٹل گیا

کسی عالم نے فرمایا کہ مجھے مامون (عباسی بادشہ) نے کہا کہ مساجد کی بکثرت چراغاں کے لئے کچھ لکھوں لیکن خیال گزرا کہ یہ ہے بدعت تو پھر کیا لکھوں اس پر میں نے خواب میں دیکھا۔ مجھے کہا جا رہا ہے اکتب فان فیہ انسا للمتعبدین و نفیا لبیوت اللہ عن وحشۃ الظلم اس پر ضرور لکھو کیوں کہ اس میں مسجد میں عبادت گزاروں کو انس اور اللہ تعالیٰ کے گھروں سے تاریکی کی وحشت کی دوری ہے میں بیدار ہوا تو یہی لکھدیا۔

تفسیر صوفیانہ

اس میں آسمان قلب کی طرف اشارہ ہے کہ وہ روح کے آسمان کو قریب ہے اور اس کی زینت سے انوار معارف وعلوم الٰہیہ وواردات رحمانیہ مراد ہیں۔

تفسیر عالمانہ

وَجَعَلْنٰهَا اور ہم نے چراغوں کو جنہیں نجوم سے تعبیر کیا گیا ہے کے بعض کو بنایا[2] رجوماً رجم (بالفتح) کی جمع ہے۔ یعنی ما یرجم بہ ویُرمی للطرد والزجر وہ شے جس سے رجم کی جائے اور طرد و زجر کے لئے سنگسار کیا جائے۔ راجم کی جمع ہے جیسے ساجد سجود کی جمع ہے لِلشَّیٰطِیْنِ شیاطین کے لئے انس کفار جن مراد ہیں جو انسانوں کو نور سے ظلمات کی طرف لے جاتے اور

---

[1] اسی لئے ہم اہلسنت قرآن مجید کے ختم اور بزرگانِ اسلام کے اعراس اور دیگر تقاریب خیر مثلاً شب معراج وشب میلاد وغیرہ پر چراغاں کرتے ہیں تو وہابیہ ودیوبندیہ وغیرہ بدعت کا فتویٰ لگاتے ہیں تفصیل کیلئے دیکھئے فقیر کا رسالہ "چراغاں کا ثبوت" ، اویسی غفرلہ۔

[2] تفسیر ابو اللیث ١٢۔

شیاطین جمع کثیر کے لئے ہے کیوں کہ وہ فی الواقع ان گنت ہیں۔ اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے ستاروں کو بنایا ان کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ یہ تمہارے دشمنوں کے لئے سنگساری کا کام دیتے ہیں جیسا کہ تم نے دیکھا ہوگا کہ ستاروں کی روشنی ستاروں سے نکل کر آسمان پر پھیل جاتی ہے۔ خود ستارے سنگساری میں کام نہیں آتے بلکہ ان کی روشنی کام آتی ہے کیوں کہ وہ آسمانوں میں اپنے مقامات پر مستقر رہتے ہیں پھر وہ روشنی بعض شیاطین کو قتل کر ڈالتی ہے اور بعض کا کوئی عضو کاٹ ڈالتی ہے بعض کی عقل کھو دیتی ہے کیوں کہ وہ شیاطین کیلئے آگ کا شعلہ روشن ہو کر ستارے نکل کر شیاطین کے پیچھے پڑ جاتی ہے اس پر نجم و کوکب کا اطلاق ہوا لیکن یہ ہے کہ ہم ان ستاروں سے روشنی نکالکر شیاطین کو سنگسار کرتے ہیں اس لئے ثابت ہوا کہ ستارے سنگساری نہیں بلکہ ان کے شعلے سنگساری بنتے ہیں۔

استدلال از قول سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

مذکورہ بالا قاعدہ کا استدلال حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے قول سے کیا گیا ہے انہوں نے فرمایا کہ ستارے آسمان دنیا میں ایسے لٹکے ہوئے ہیں جیسے ہماری مساجد کی قندیلیں۔ اور وہ ستارے نور سے پیدا کئے گئے ہیں۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ وہ ستارے ملائکہ کے ہاتھوں میں معلق ہیں اس قول کی دلیل آیت اذا السماء انفطرت واذا الکواکب انتثرت جب آسمان پھٹ جائیں گے اور جب ستارے جھڑ جائیں گے انتثار سے ان ملائکہ کی موت کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے ستاروں کو اٹھا رکھا تھا بعض نے کہا کہ یہ ستارے آسمانوں میں سوراخوں کے نشانات ہیں اس کی تائید بعض مکاشفہ کے قول سے ہوتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ستارے آسمان میں مرکوز نہیں بلکہ یہ انوار آسمان کے لطیف سوراخ سے منعکس ہونے کا نام ہے اور وہ سقوط نجم جو ہمیں نظر آتا ہے یہ سورج کے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے سے ہے۔

فائدہ: اہل فلسفہ نے فرمایا کہ شہب ناریہ اجزاء ہیں جو خلاء میں الجزات کے چڑھنے اور اس نار سے متصل ہونے کا وقت پیدا ہوتے ہیں جو افلاک کے نیچے ہے۔ اوائل سورہ والصافات و حجر میں اس کی تفصیل گزری ہے ہم اس کا اعادہ نہیں کرتے نہ اس کی تفصیل لوٹاتے ہیں کہ فلاسفہ کا مذہب اہل حق کے مذہب کے قریب ہے ان کے مذہب کی تحقیق صافات میں ہے اور وہی مخفی امور کو خوب جانتا ہے۔

وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ اور شیاطین کو دنیا میں آگ سے جلانے کے بعد ان کے لئے آخرت میں تیار کر رکھا ہے اعتدنا بمعنی عدنا ہے اعتاد اسی سے ہے بمعنی عدۃ واھبۃ (بمعنی تیاری) ہے۔

عَذَابَ السَّعِیْرِ بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب ہے یعنی جہنم کا عذاب جس کی آگ جلائی گئی اور

بھڑکائی گئی ہے سعیر فعیل بمعنی مفعول ہے یہ سعرت النار سے ہے بمعنی اوقد یعنی میں نے اسے بھڑکایا یا اسی لیئے اس کے آخر میں تار نہیں لائی گئی یعنی سعیرۃ نہیں کہا گیا حالاں کہ یہ نار کے درکۃ رابعہ کا نام ہے اور جہنم کے سات درکات ہیں۔

(۱) جہنم (۲) لظٰی (۳) الحطمہ (۴) سعیر (۵) سقر (۶) جحیم ، (۷) ہاویہ۔

یاد رہے کہ ان ہر ایک کا اطلاق ایک دوسرے پر ہوتا ہے۔ مثلاً کبھی ان کو نار اور کبھی سعیر اور کبھی جہنم وغیرہ وغیرہ کہا جاتا ہے۔

فائدہ : ہر درکہ میں جاجبوں کے گروہ از اہل توحید و نصاریٰ و یہود و صابی و مجوس و مشرکین و منافقین کو داخل کیا جائے گا۔

سوال : قرآن و حدیث میں صرف مذکورہ بالا جہنمیوں کا نام ہے لیکن شیاطین کا نام کہیں نہیں آیا حالانکہ ان کے ساتھ شیاطین کی تصریح بھی ہونی چاہیے۔

جواب : شیاطین کو اضلال (گمراہ کرنے) کی مناسبت سے اپنے گمراہ کردہ گروہ کے ساتھ جہنم کے درکات میں داخل ہونا ہوگا جس درکہ کے لائق اس نے گمراہی پھیلائی ہوگی اسی کے ساتھ شیاطین ان کے سرگروہ ہوکر جہنم میں جائیں گے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، وتری المجرمین یومئذ مقرنین یعنی اس دن مجرموں کو دیکھیں گے کہ وہ اپنے ساتھی شیاطین کے ساتھ زنجیر میں جکڑے ہوئے ہوں گے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ یہ شیاطین خواطر نفسانیہ و ہواجس ظلمانیہ ہیں اور ان کے عذاب سے ان کا مردود اور خواطر ملکیہ سے ورحمانیہ سے بدل جانا مراد ہے۔

تفسیر عالمانہ وَلِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّہِمْ اور ان کے لیئے جنہوں نے اپنے پروردگار کے ساتھ ساتھ کفر کیا۔ شیاطین ہوں یا کوئی اور ان کے کفر سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے بندگانِ خدا کو عبادت سے بے کار رکھا یا سرے سے عبادت کے قریب بھٹکنے نہ دیا۔

فائدہ : حضرت سعدی المفتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہاں صرف وہی کافر مراد ہیں جو شیاطین کے غیر ہیں کیوں کہ شیاطین کا ذکر بعد کو آرہا ہے تاکہ تکرار کا الزام نہ آئے۔ عَذَابُ جَہَنَّمَ جہنم کا عذاب ہے یعنی درکہ نار یہ جو انہیں ملتے ہی چمٹ جائے گی اور ذلت و خواری کا منہ دکھلائے گی اسی لئے اسے جہنم کہا جاتا ہے اس کا مادہ جہم ہے بمعنے چہرہ چھیلنا مثلاً کہا جاتا ہے رجل جہم الوجہ بمعنی کالح منقبض۔ یہ اس شخص کو کہتے ہیں جس کا چہرہ آگ چھیل لے اور وہ اسی وجہ سے سکڑ جائے۔

فائدہ : اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب مخلوق کے عذاب سے نرالا ہے کہ وہاں نہ تلوار ہے نہ

ڈنڈا نہ لکڑی وغیرہ بلکہ وہ ایسی آگ ہے جو بجھنے میں نہیں آتی اور جس کافر کو اس قسم کا عذاب ہو گا اس نجات کی امید منقطع ہو جائے گی ۔ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ اور برا ٹھکانہ ہے یعنی جہنم

فائدہ : بعض نے کہا کہ جہنم جہنام سے ہے وہ کنواں جو بہت بڑا گہرا ہو

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ اہل نار جمال الٰہی اور نعیم جنت سے دور اور نار بعد و فراق میں جلائے جائیں گے (ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں)

فائدہ : آیت میں اشارہ ہے کہ کافروں کو جہنم کی آگ کے دائمی عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

شفاعت کی برکت

حدیث شریف میں ہے کہ جہنم پر ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ خالی ہو جائے گی اور اس کے دروازے کھٹکھٹائے جائیں گے تو اندر سے جواب دینے والا کوئی نہ ہو گا اس لئے کہ محبوبان خدا کی شفاعت سے اس کے مکینوں کو بہشت میں بھیجا جائے گا۔

سوال : آیت میں دائمی عذاب کی تصریح ہے اور حدیث اس کے خلاف گواہی دیتی ہے اسی لئے چاہیے کہ حدیث کو نہ مانا جائے کیوں کہ یہ قرآن کے خلاف ہے اور وہ حدیث جو قرآن کی صریح آیت کے منافی ہے وہ چھوڑ دی جائے ۔[لہ]

جواب : آیت کی تصریح جملہ طبقات جہنم کے لئے ہے اور حدیث شریف میں طبقۂ علیا کے لوگ مراد ہیں کیوں کہ یہ طبقہ صرف گنہگاروں کے لئے خاص ہے[عہ] ۔ جب گنہگاروں کو محبوبانِ خدا کی شفاعت سے بہشت میں لایا جائے گا تو صرف یہی طبقہ خالی رہ جائے گا۔

ازالۂ وہم : بعض اہل مکاشفہ صوفیہ نے فرمایا کہ جہنم پر ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ کوئی جہنم میں اس میں نہ رہے گا اس سے بھی یہی طبقہ مراد ہے اور وہاں کے مکین اہل توحید یعنی گنہگار مسلمان ہوں گے اور فرمایا کہ جہنم پر ایک وقت ایسا آئے گا کہ اس میں بندگان خدا سے خالی ہو جانے کے بعد گھاس (جرجیر) آگ آئیگی ۔ اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا جب جہنم میں کافروں کو پھینکا جائے گا اور کافروں کو جہنم میں ایسا پھینکا جائے گا جیسے ہم لکڑیوں کو بہت بڑی آگ میں دور سے پھینکتے ہیں ۔

نکتہ : اطراح کے بجائے القاء لانے میں کفار کی تحقیر مطلوب ہے اور ظاہر کرنا ہے کہ دوزخ نہایت ہی عمیق گڑھا ہے ۔ (نعوذ باللہ منہا)

سَمِعُوْا لَهَا تو جہنم سے سنیں گے یعنی خود جہنم سے نہ اس کی کسی اور متعلق شئے سے یہ محذوف سے متعلق اور شَهِيْقًا سے حال ہے کیوں کہ یہ دراصل صفت ہے لیکن چونکہ مقدم ہوئی ہے اسی لئے حال واقع

[لہ] یہ سوال وہابیوں کا ہے اگرچہ تفسیر میں تصریح نہیں لیکن ہمارے زمانہ میں اس طرح کے مشغلہ بن گیا ہے (اویسی غفرلہ)

[عہ] ہمارا عقیدہ شفاعت بھی اہلِ ایمان کے لئے ہے اگرچہ مطلق شفاعت کافروں کے لئے بھی ہو گی ۔

ہوئی۔ دراصل عبارت یوں ہے سمعوا کائنا لہا شہیقا شہیق سے گدھے کی آواز مراد ہے جو تمام آوازوں سے مکروہ تر اور ڈراؤنی ہے اس سے اس کا غضب مراد ہے یعنی اس کی آواز مکروہ اور ڈراؤنی ہوگی جیسے اللہ تعالیٰ نے اہلِ بہشت کے لئے فرمایا۔ لا یسمعون حسیسہا وہ اس کی آواز بھی نہ سنیں گے۔

فائدہ : بعض نے کہا کہ الشہیق سینے کی آواز اور الزفیر" حلق کی آواز کو کہا جاتا ہے۔ یا شہیق گدھے کی آخری آواز جو نہایت ہی قبیح تر ہوتی ہے اور الزفیر اسکی ابتدائی آواز درحقیقت الشہیق بمعنے سانس کو کارد کرنا اور الزفیر بمعنی سانس نکالنا ہے۔ وَّہِیَ تَفُوۡرُ درآنحالیکہ وہ ہانڈی کی طرح جوش مارتی ہوگی بوجہ شدۃ تپش اور گرمی کے اور وہ دانے کی طرح اوپر نیچے ہوتے نظر آئیں گے جوش کی وجہ سے انہیں قرار نہ ہوگا

حل لغات فور بمعنی جوش سے ابلنا، اطلاق آگ ہانڈی اور غضب میں آتا ہے یا نی کے جوش میں اس کا اطلاق مجازی ہے اور وہ ہانڈی کی مشابہت کی وجہ سے ہوتا ہے۔

سوال : آیت کے لفظ اذا سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آگ کا شور کفار کے دوزخ میں ڈالے جانے کے وقت ہوگا اور وہی تفور سے ثابت ہوتا ہے کہ ڈالے جانے کے بعد ہوگا۔

جواب : دوزخ کا شور اسی وجہ سے ہوگا جو اس میں تپش اور گرمی ہے اور اذا القوا کی تاویل یہ ہے کہ جب ان کے متعلق دوزخ میں ڈالے جانے کا ارادہ کیا جائے گا یا جب ڈالے جانے کے قریب ہوں گے اس لئے کہ شہیق کے آواز کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ان کے دوزخ میں ڈالے جانے سے پہلے ہو۔

تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ دوسرا جملہ ہے تمیز دراصل تتمیز (دو تاء کے ساتھ) تھا بمعنی انقطاع وانفصال بین المتشابہات یعنی ملی جلی چیزوں کے درمیان انفصال و انقطاع اور الغیظ بمعنی بہت زیادہ غصہ وغضب مثلاً کہا جاتا ہے "یکاد فلان ینشق من غیظ" یہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ کو غضب میں افراط کے ساتھ موصوف کیا جائے۔ اب معنی یہ ہوا کہ قریب تھا کہ وہ دوزخ سخت غضب سے پھٹ جاتی یعنی قریب تھا کہ اس کی ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی اور اس کا ایک حصہ جدا ہو جاتا یہ صرف کافروں پہ سخت غصہ و غضب کی وجہ سے ہوگا۔

فائدہ : ان میں قوتِ تاثیر اور ان کی طرف ضرر پہنچانے میں اشتعال نار کو غیظ و غضب والے کے غیر پہ غضب کرنے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے یہ ان پر انیصال ضرر میں مبالغہ کی وجہ سے ہے ایسا استعارہ اسم غیظ کے لئے استعمال کیلئے استعارہ تصریحیہ ہے۔

فائدہ : امام (فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا اس مجاز کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ غضب کے وقت دل کا خون کھولتا ہے اس سے اس کی مقدار میں اضافہ ہو جاتا ہے اور رگیں پھول جاتی ہیں یہاں

تک کہ قریب ہوتا ہے کہ وہ پھٹ جائے۔

نکتہ: المناسبات میں ہے کہ تینر کی ایک تار حذف کرنے میں اسی طرف اشارہ ہے کہ اس میں افتراق و اتصال اتنا سرعت سے ہو گا کہ اسمیں ادراک کا امکان نہ ہو گا یہ سب کچھ مالک حقیقی کے غضب و غصہ کی وجہ سے ہو گا۔

شان نبوت اور دوزخ کا منظر

دوزخ کو ایک ہزار لگام سے جکڑا جائے گا اس کی ایک ایک لگام کے ساتھ ستر ستر ہزار فرشتے ہوں گے جسے کھینچ کر میدان قیامت میں لایا جائے گا دوزخ اپنی طاقت سے فرشتوں کی باگیں توڑ کر کافروں پر حملہ کرے گی جس سے تمام باگیں ٹوٹ جائیں گی اور وہ اہل محشر کو تاڑتی ہوئی کہے گی کہ آج میں ان سے بدلہ لونگی جو رزق تو خدا کا کھاتا لیکن پرستش غیر کی کرتا اسے سوائے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ کے کوئی نہ روک سکے گا آپ اس کا اپنے نور مبارک سے مقابلہ کریں گے تو وہ ہٹ جائے گی حالانکہ ہر فرشتے کی قوت اتنا زبردست ہے کہ اگر اس کے ایک کو حکم ہو کہ وہ زمین اور اس کے جملہ پہاڑوں کو اکھیڑ کر اوپر کو لے جائے تو وہ بلا تکلف یہ سب کچھ کر سکتا ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس قوت کا مظاہرہ۔ دنیا میں ہو چکا ہے چنانچہ فرمایا کہ میں نے آگ کو پھونک مار کر بجھا دیا ورنہ وہ تمہیں اپنی لپیٹ میں لے لیتی۔

نکتہ: بعض مشائخ نے فرمایا نار عالم نور سے ہے اور نفس کی فطرت کا تقاضا یہی ہے کہ وہ آگ اس پر سختی کرے ان کو آپس میں منافرت ہے جب منافرت بڑھتی ہے تو دشمنی اٹھتی ہے اسی وجہ سے آگ نفوس پر غیظ و غضب کرے گی۔

فائدہ: اس مضمون آیت اور دیگر آثار صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آگ میں دوسرے احیاء کی طرح حیات و شعور ہے اسی لئے اس سے وہی صادر ہوتا ہے جو دوسرے احیاء سے اہل اللہ کے نزدیک یہاں مجازی معنی کے ارتکاب کی ضرورت نہیں بلکہ اسی طرح جملہ ایسی اشیاء میں حیاۃ ہے ان میں کسی ایک کے لئے مجازی معنی لینا ناموزوں ہے۔

معجزۂ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا راستہ میں مجھے پیاس کا تقاضا ہوا عرض کی تو آپ نے فرمایا کہ اس سامنے والے پہاڑ کو میرا سلام کہنا اور اس سے پانی طلب کرو اگر اس کے پاس پانی ہو گا۔ تو وہ دیگا فرماتے ہیں کہ میں نے کہا " السلام علیکم اے پہاڑ" تو پہاڑ نے بزبان فصیح عرض کی " لبیک یا رسول اللہ" میں نے اپنا حال سنایا تو کہا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میرا سلام عرض کر کے کہنا کہ جب

سے میں نے آپ سے آیت فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ سُنی ہے اس روز سے رو رہا ہوں کہ کہیں وہی پتھر میں نہ ہوں کہ جس کا ایندھن پتھر بتایا گیا ہے اسی روز سے رونے کی وجہ سے اب میرا پانی ختم ہے کُلَّمَآ اُلْقِیَ الالقاء بمعنی ڈالنا۔ پھینکنا۔ جب پھینکی جائے گی فِیْهَا جہنم میں فَوْجٌ کافروں کی ایک جماعت انہیں وہ زبانیہ (فرشتے) آگ میں ڈالیں گے جو غیض وغضب سے بھرپور ہوں گے اور کافروں کے لئے تو سراپا غصہ ہی غصہ ہوں گے (ربط) یہ جملہ مستانفہ ہے۔ دوزخ کے حالات کے ذکر کے بعد اس میں رہنے والوں کا بیان فرمایا سَاَلَهُمْ ان کافروں کی جماعت سے پوچھیں گے۔ "ہُم" کی ضمیر باعتبار فوج کے معنیٰ کا ہے۔ خَزَنَتُهَآ یعنی خازن نار اس سے مالک اور اس کے خدام ان کا یہ سوال زجر و توبیخ تاکہ ان کے عذاب وحسرت میں اضافہ ہو یعنی عذاب جسمانی کے ساتھ عذاب روحانی میں بھی مبتلا ہوں۔ 'خزنۃ' خازن کی جمع ہے بمعنی حافظ و موکل وہ جس کے پاس کسی خزانہ ہو۔

فائدہ: تاج المصادر الخزن بمعنی نگاہ رکھنا مال اور راز کی نگاہ رکھنا۔ اَلَمْ یَاْتِكُمْ فرشتے کہیں گے اے کافر اور فاجرو کیا تمہارے پاس دنیا میں نہیں آئے نَذِیْرٌ ڈرانے والے جو تمہیں آیاتِ الٰہی سنا کر ڈراتے اسی یوم سے انذر بمعنی ابلاغ لیکن یہ صرف خوف دلانے کے وقت ہوتا ہے اور دو مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے۔[1]

قَالُوْا اعتراف کرتے ہوئے کہیں گے کہ واقعی اللہ تعالیٰ ہمارے تمام اعذار توڑے کیوں کہ انبیاء علیہم السلام بھیجے انہوں نے ہمیں بتایا کہ ایسا ایسا کروگے تو سزا پاؤ گے (رد فرقہ جبریہ) کفار یہ نہ کہیں گے کہ ہم تو مجبور تھے اسی لئے کہ تیری تقدیر یونہی تھی بلکہ اپنا اختیار ظاہر کر کے عرض کریں گے کہ یہ ہماری غلطی تھی ہم نے اپنے اختیار سے غلط کام کیا اور اس کے برعکس رہے جو اللہ تعالیٰ ہمارے لئے چاہتا تھا ہمیں اس نے احکام پر عمل کرنے کا حکم فرما کر اس کے ساتھ ڈرایا بھی لیکن ہم نے مخالفت کی اس سے جبریہ فرقے کا رد ہو گیا وہ کہتے ہیں کہ انسان مجبور محض ہے اس کا اپنا کوئی اختیار نہیں وغیرہ وغیرہ۔ بَلٰی ڈرانے والوں کی آمد کی نفی کے ایجاب کے لئے ہے قَدْ جَآءَنَا نَذِیْرٌ ہاں بے شک ہمارے ڈرانے والے آئے۔

سوال: صرف بلیٰ کہہ دینا کافی تھا۔ جملہ قد جاءنا لانے کی کیا ضرورت ہے

جواب: اعتراف میں مبالغہ اور سعادۃ تصدیق کے فوت ہونے پر اظہار حسرت میں مبالغہ ہے اور وہ کوتاہی جو ان سے سرزد ہوئی اس کے بیان کی تمہید ہے' یعنی کافروں کا ایک گروہ کہے گا کہ بے شک ہمارے ہاں اللہ تعالیٰ کی طرف ڈرانے والے آئے۔ نذیر واحد کا صیغہ اسی لئے ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی جماعت بمنزلہ فرد واحد کے ہے جیسے بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام گویا ایک ہی ہیں یعنی وہ حضرات انبیاء

---

[1] تاج المصادر

علیہ السلام ہمارے ہاں تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ کے احکام ہمیں سنائے۔

حدیث شریف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نذیر ہوں اور موت مُغیر غار ڈالنے والی ہے اور ساعۃ وعدہ ہے یعنی قیامت کی وعدہ گاہ ہے۔ فَكَذَّبْنَا تو ہم نے ان کی تکذیب کی اور کہا کہ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرانے والے نہیں ہو۔

سوال: اس حکم میں وہ فاسق داخل نہ ہو جو فسق پہ اصرار کرتا ہے کیوں کہ اس نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب نہیں کی۔

جواب: دلائل سمعیہ دلالت کرتے ہیں کہ فساق نے بھی مطلقاً یعنی کسی نہ کسی طریقے سے تکذیب کی اس لئے وہ اس حکم تکذیب میں داخل ہیں اور فوج سے یہاں پر ان کے وہ بعض کافر مراد ہیں جو جہنم میں پھینکے جائیں گے جیسا کہ گزرا۔

وَقُلْنَا اور ان آیات کے بارہ میں جو ہمارے حق میں نازل ہوئی تکذیب میں حد سے گزر کر اور امور دنیوی میں اور احکام رسومیہ خلقیہ میں زیادہ منہمک ہونے کی وجہ سے تکبر کرتے ہوئے ہم نے کہا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ سے کچھ نازل نہیں ہوئی مِنْ شَيْءٍ کوئی شے چہ جائیکہ تم دعویٰ کر رہے ہو کہ تم پہ بہت بڑی آیات اتری ہیں بلکہ اس کے بعض تو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ کوئی رسول آیا ہے نہ کوئی کتاب اتری ہے

اِنْ اَنْتُمْ اے انبیاء تم اپنے دعویٰ میں کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر آیات اتاری ہیں کہ تم ان کی وجہ سے ہمیں عذاب سے ڈراتے ہیں نہیں ہو۔ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ مگر بڑی گراہی میں یعنی حق وصواب کے بہت دور ہو۔

سوال: ضمیر جمع کی کیوں حالانکہ ہر جماعت کفار کا صرف ایک ہی ڈرانے والے (نبی) علیہ اسلام ہوتے۔

جواب: ایک (نبی علیہ السلام) ان سب کے لئے بمنزلہ جمع کے تھے تاکہ ان کی تکذیب اور تضلیل میں سرکشی میں مبالغہ کا اظہار ہو جیسے منزل (نازل کردہ کتب) کے ذکر میں منزل علیہ (جس پر کتب نازل ہوئیں) کا ترک ہے اس لئے کہ اپنے عموم میں بہت زیادہ واضح اور روشن ہے۔ وَقَالُوْا اور بھی اعتراف کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہم سنتے سمجھتے کچھ نہ تھے۔ کیوں کہ لَوْ كُنَّا اگر ہم دنیا کچھ نَسْمَعُ کوئی بات سنتے ہوتے

اَوْ نَعْقِلُ یا کچھ سمجھتے ہوتے۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ سمع کی طرح توحید میں عقل بھی حجت ہے۔

نکتہ: سمع کو مقدم اس لئے کیا گیا کہ سمجھنے سے پہلے سننا ضروری ہے۔

فائدہ : سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لو کُنّا الخ میں ممکن ہے اس طرف اشارہ ہے کہ ایمان دو قسم ہے۔ تقلیدی و تحقیقی استدلالی کیوں کہ یہی نظر و استدلال کا محتاج ہوتا ہے تحقیقی وعیانی کو نظر و استدلال کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی کیوں کہ عقل سے نہیں کشف سے حاصل ہوتا ہے **مَا کُنَّا** آج ہم نہیں ہیں **فِیۡۤ اَصۡحٰبِ السَّعِیۡرِ** دوزخ والوں میں سے یعنی ان سے ہمیں شمار نہ کیا جائے جن پر آگ جلانے والی مقدر ہو چکی ہے اور نہ ہی ان کے تابعداروں میں سے یعنی شیاطین جیسا کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ **واعتدنا لھم عذاب السعیر** اور ہم نے ان کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کی، گویا جب انہیں جہنم کے نگران زجر و توبیخ کرتے ہوئے کہیں گے کیا تم نے انبیاء علیہ السلام سے آیات پروردگار نہیں سنے کیا تم نے ان کی کوئی بات نہ سمجھی کہ تکذیب کر ڈالی اس کے جواب میں مذکورہ بالا معروضات سنائیں گے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اگر ہم انہیں دل کے کانوں سے سنتے یا ارواح کے عقول سے سمجھتے تو دوزخی نہ ہوتے لیکن ہم نے انہیں ان کانوں سے سنا جن پر مہر لگ چکی اور بیماری کا شکار ہو کر ان پر تالے لگ چکے۔

تفسیر عالمانہ ⑪ **فَاعۡتَرَفُوۡا** تو وہ مجبور ہو کر اعتراف کریں گے لیکن اس وقت ان کا اعتراف انہیں فائدہ نہ دے گا۔ اعتراف بمعنی معرفت کا اقرار اور عین المعانی میں ہے یعنی وہ جرائم کے ارتکاب کا اقرار کریں گے۔ **بِذَنۡۢبِہِمۡ** اپنے گناہوں کا کہ انہوں نے اپنے اختیار سے ہی برے اعمال کا ارتکاب کیا یہاں ذنب سے کفر اور آیاتِ الٰہی اور رسل کی تکذیب مراد ہے۔

فائدہ : ذنب کو واحد لانے میں اشارہ ہے کہ جمع کا معنیٰ دے سکتا ہے اس لئے کہ یہ اسم جنس ہے جو قلیل و کثیر کو شامل ہوتا ہے اس سے کفر مراد ہے وہ اگرچہ کئی انواع پر مشتمل ہے لیکن بحکم کفر ملۃ واحدۃ ایک شے ہے اور یہی جرم کا منتہیٰ اور خلودِ ابدی فی النار کا مقتضی ہے **فَسُحۡقًا** (تو دوری ہے) مصدر موکد متعدی مزید بحذف الزوائد ہے دراصل فاسحقھم تھا۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے بعید کیا سحقا ای اسحا بمعنی ابعاداً دور کرنا بوجہ ان کے گناہوں کے یا سحقا اسی فعل پر مرتب ہے اب اصل ہوگا، فاسحقہم اللہ فسحقوا یعنی انہیں اللہ تعالیٰ نے بعید کیا تو وہ بعید ہو گئے۔

حل لغات اہل عرب کہتے ہیں سحق الشی بروزن کرُم بمعنی بَعُد۔ فہو سحیق بمعنی بعید بعض نے کہا یہاں یہ اپنے معنیٰ پر ہی ہے بعض نے کہا یہاں دعا کے طور پر ہے گویا اللہ تعالیٰ نے بندوں کو سکھایا ہے کہ ان پر یوں ہی دعا کریں (تیسیر) خلاصہ یہ ہوا کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے خوب دور فرمایا۔

فائدہ : بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے دعا کے طور ملایا تاکہ معلوم ہو کہ وہ لوگ ایسی دعا کے مستحق ہیں اور جیسے کہا گیا ہے ان پر عنقریب ایسے واقعے ہوگا کہ عنقریب وہ تباہ و برباد ہوں گے لِاَصْحٰبِ السَّعِیْرِ لام بیانیہ ہے۔ ہیت لک کی طرح اسی سے شیطان اور دوزخ میں داخل ہونے والے کفار مراد ہیں۔

تفسیر صوفیانہ اسمیں اشارہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے جنت کے قرب سے بعید اور بعد و فراق کی جہنم کے قریب کر دیا۔

تفسیر عالمانہ ⑫ اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ بے شک وہ لوگ جو اپنے پروردگار سے غائبانہ ڈرتے ہیں) یعنی اس کے عذاب سے اس نے یوم قیامت یا یوم موت یا یوم قبر مراد ہے یعنی ایسے ڈرتے ہیں کہ گویا عذاب ان کی آنکھوں کے سامنے ہے حالاں کہ وہ ان سے غیب ہے۔ اور انہوں نے اسے ابھی دیکھا بھی نہیں یہ اس وقت ہے کہ بِالْغَیْبِ مضاف مقدر سے حامی ہے یا معنی ایسے۔ " غائبین عنہ " وہ اللہ والے غیب ہیں یعنی یہ لوگ اس کے عذاب کا معائنہ نہیں کر رہے اور نہ ہی انہیں احکام آخرت کا مشاہدہ ہے یا معنی یہ ہے کہ یہ لوگ لوگوں کی آنکھوں سے غائب ہیں اس لئے کہ یہ ان منافقین کی طرح نہیں کہ جب اہل ایمان کو ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم مومن ہیں اور جب اپنے شیاطین کو تنہائی میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں اور اہل ایمان کے ساتھ ہم ٹھٹھا مخول کرتے ہیں اس معنی پر سے یخشون کی ضمیر سے حال ہے۔

بہترین تفسیر آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے پروردگار سے اس شے کے ساتھ ڈرتے ہیں جو ان سے پوشیدہ ہے یعنی دل کے ساتھ۔ اس معنی پر با استعانت کی ہے جو یخشون کے متعلق ہے اور الف لام موصول کا ہے۔

عشق صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جگر سے دل جل جانے کے دھوئیں کی بو سونگھی جاتی تھی جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے جل گیا تھا۔

خوف رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے تو آپ کے قلب اطہر سے جوش مارنے والی ہانڈی کی سی آواز سنائی دیتی تھی جب کہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے گریہ فرماتے تھے۔

فائدہ : الازیز بمعنی ہانڈی کا جوش مارنا۔ بعض نے کہا بمعنی ہانڈی کی آواز اور مرجل بمعنی تانبے کی ہانڈی

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ ان کے لئے بڑی مغفرت ہے ان بڑے گناہوں سے جو ان سے صادر ہوئے

یاد رہے کہ کامل سرور اس وقت نصیب ہوتا ہے جب انسان کو کامل عطا نصیب ہو وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ اور بہت بڑا اجر" یعنی آخرت میں بہت بڑا ثواب عطا ہو گا۔ اور یہ ان کے لیے محض فضلِ الٰہی کے طور ہو گا اور ان کا بڑا اعزاز و اکرام ہو گا یہ اجران آلام کے شدائد سے ہو گا جو انہیں دنیا میں پہنچا اس اکرام کو دیکھ کر وہ دنیا کی لذتوں کو لاشے (حقیر) محسوس کریں گے۔

فائدہ : مشائخ فرماتے ہیں کہ اجر سے مراد شدائد و مکارہ سے امان مراد ہے یعنی خوفِ خدا والوں کو جس خوف سے ڈرنے سے امان ہوتی ہے

١ : لاتخافوا مژدهٔ ترسنده است
ہر کہ می ترسد مبارک بندہ است

٢ : خوف و خشیت خاص دانایان بود
ہر کہ دانا نیست کے ترسان بود

٣ : ترس رستگاری آورد
ہر کہ دارد آرد عوض درمان بود

ترجمہ ١ : ڈرنے والوں کو لاتخافوا (نہ ڈرو) کا مژدہ ہے جو ڈرتا ہے۔ وہ برکت والا ہے۔

٢ : خوف و خشیت داناؤں کا خاصہ ہے جو دانا نہیں وہ ڈرے گا کب۔

٣ : خوف خداوندی نجات لاتی ہے جو یہ رکھتا ہے اس کا عوض ہر درد درمان نصیب ہو گا۔

نسخہ روحانی : پہلے عقل ضروری ہے پھر خوف خداوندی نصیب ہوتا ہے۔

حکایت ایک کسریٰ بہت بڑا بادشاہ تھا اس نے اپنا ملازم مقرر کر رکھا تھا جس پر حکم تھا کہ جب لٹ کر میرے سامنے ہو اور میں پورے ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ تخت پر بیٹھا ہوں تو کہنا انت عبد (تو ایک بندہ ہے) اسے بہت بار دہراتے رہنا) جب وہ ملازم یہ کلمہ دہراتا بادشاہ سر ہلا کر کہتا۔ ہاں۔ ہاں میں ایک معمولی بندہ ہوں۔

سبق جو بھی مکرِ نفس سے خوفزدہ ہوتا ہے وہ ایسے ہی کرتا ہے اور دل سے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کا عموماً اسی طرح کا حال ہوتا ہے۔

فائدہ : حضرت مسروق رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا خوف امید سے مقدم ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے جنت و دوزخ کو پیدا فرما کر ارشاد فرمایا کہ تم بہشت میں دوزخ سے گزر کر اس میں داخل ہوں گے قال ل۔ وان منکم الا واردھا تم میں کوئی ایسا نہیں جو اس میں وارد نہ ہو۔

فائدہ : حضرت فضیل قدس سرہ فرماتے ہیں جب تم سے سوال ہو کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہو تو چپ رہو

اگر کہو گے نہیں تو پھر تمہارے نامۂ اعمال میں بہت بڑا گناہ لکھا جائے گا۔ اگر کہو کہ ہاں تو بھی غلط ہے کیوں کہ جس حال پر زندگی بسر کر رہے ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کی زندگی نہیں دیکھیے حضرت خلیل علیہ السلام کو جب اپنا خلیل بنایا تو ان کے دل میں اپنا اتنا خوف ڈالا کہ وہ آپ کے دل کی دھڑکن کی آواز ایسے دور سے سنائی دیتی جیسے پرندے کے ہوا پر اڑنے کے وقت آواز اٹھتی ہے۔

فائدہ: حضرت فضیل قدس سرہ سے پوچھا گیا کہ آپ کو خوف کی دولت کیسے نصیب ہوئی آپ نے فرمایا کہ قلت ذنوب سے کیوں کہ خوف کے اسباب میں سب سے پہلا عقل سلیم ہے۔ ترک عصیان سے ہی عقل سلیم کو کمال نصیب ہوتا ہے اس لئے کہ اگرچہ ترک عصیان پہلے خوف کا نتیجہ برآمد ہوتا ہے لیکن قلب کو رقت نصیب ہوتی ہے پھر ترک عصیان سے اس سے پھر خوف میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ قلب جو سخت ہوا سے خوف نہیں اسی لئے کہ اس کی عقل ضعیف مغلوب ہو چکی ہوتی ہے۔

نکتہ بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ عقل شوہر اور نفس اس کی زوجہ اور جسم بمنزلہ گھر کے ہے جب عقل نفس پر غلبہ پاتی ہے تو نفس جسم کی اصلاح میں لگ جاتا ہے جیسے وہ عورت جو اپنے شوہر سے مغلوب ہو تو وہ گھر کی اصلاح کا سوچتی ہے اس لئے ایسے شوہروں کے گھریلو معاملات صحیح ہوتے اور جب نفس عقل پر غالب ہو جاتا ہے تو نفس کی جدوجہد فساد کے لئے ہوتی ہے جیسے وہ عورت جو شوہر پر غالب ہو تو گھریلو معاملات نہیں سنورتے ؎

۱: مبر طاعت نفس شہوت پرست
که هر ساعتش قبلهٔ دیگر است

۲: کرا جامہ پاکست و سیرت پلید
در دوزخش را نباید کلید

ترجمہ ۱: نفس شہوت پرست کی طاعت نہ کر اس لئے اس کا ہر لحظ قبلہ نیا ہے۔

جس کا کپڑا تو پاک ہو لیکن سیرت خبیث تو اسے دوزخ کے دروازے کی کنجی ضرورت نہیں ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ (اپنی بات چھپاؤ یا ظاہر کرو)
یہ خطاب مشرکین کو ہے۔

شانِ نزول: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت مشرکین کے حق میں نازل ہوئی اس لئے کہ وہ لوگ حضور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق ناگوار باتیں کہتے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ان کی باتوں کی

خبر دے دیتا اسی لئے کفار آپس میں کہتے یارو نبی علیہ السلام کے بارے میں آہستہ کہو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا خدا ہماری باتیں سن کر انہیں نہ بتا دے اسی لئے انہیں کہا گیا کہ آہستہ کہو یا کھل کر ان سب کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے کیوں کہ اس کے ہاں پوشیدہ اور کھلی بات برابر ہے اس لئے کہ اس کے علم کا تعلق سب سے ہے۔

فائدہ : یہ امر تہدیدی ہے تکلیفی نہیں۔

نکتہ : پوشیدہ باتوں کی کھلی باتوں پر مقدم کرنے سے انہیں رسوا کرنا مطلوب ہے انہیں بتانے سے کہ جس ڈر سے تم آہستہ بولتے ہو وہ بھی اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں۔

نکتہ : اس سے باری تعالیٰ کے علم محیط کی خبر دینا ہے کہ اس کا علم جمیع معلومات کو گھیرے ہوئے ہے کہ تم پوشیدہ بات کہتے ہو تو وہ اس کے لئے کھلی باتوں سے زیادہ روشن ہے اگرچہ اس کے علم کے تعلق کے اعتبار سے ہر دونوں برابر ہیں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا علم معلومات کیلئے بطریق حصول الصورۃ کے نہیں بلکہ ہر شے کا وجود علم ہے یا اس کی تقریر یوں کرو کہ پوشیدہ بات کی تقدیم بوجہ مرتبہ ہے کیوں کہ پوشیدگی مرتبہ کے لحاظ کھلی بات مقدم ہے اس لئے جو بات ظاہر کی جاتی ہے وہ پہلے قلب کے اس گوشہ میں ہے جس سے پوشیدہ باتوں کا تعلق ہے اسی لئے علم الٰہی کا تعلق پہلے اس سے ہوتا ہے بعد کو ظاہر ہونے والی بات سے

تفسیر عالمانہ

اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (بے شک وہ سینوں کے اسرار خوب جانتا ہے) اس کا علم تمام لوگوں کے پوشیدہ اسرار کو محیط ہے وہ کتنا ہی ان کے سینوں میں مخفی ہوں انہیں جانتا ہے کوئی شے بھی اس کے علم سے پوشیدہ نہیں تو پھر وہ امور اس سے کیسے مخفی رہ سکتے ہیں جنہیں تم چھپاتے ہو یا ظاہر کرتے ہو۔

فائدہ : یہ بھی جائز ہے کہ یہاں صدور سے وہ قلوب مراد ہوں جو سینوں میں ہیں اب معنی یہ ہوا اللہ تعالیٰ تمہارے ان اسرار و احوال کو جانتا ہے جو تمہارے سینوں کے اندر قلوب میں ہیں بہرحال اس سے کوئی راز مخفی اوجھل نہیں۔

تفسیر صوفیانہ

قاشانی مرحوم نے فرمایا کہ وہ تمہارے سینوں کے اسرار کو خوب جانتا ہے اس لئے کہ وہ اسرار اس کے علم کا عین ہیں۔

سوال : صدور جمع ہے ذات واحد چاہیے تھا کہ بذوات الصدور ہو۔

جواب : یہاں صدور کی جنس مراد ہے۔

فائدہ : ذات ذی کی مونث ہے یعنی صاحب اور یہاں مضاف محذوف کر کے صفت اس کے

قائم مقام رکھی گئی ہے دراصل علیم بالمفردات صاحبۃ الصدور تھا اور اس سے وہ خواطر مراد ہیں جو دل میں قائم ہیں۔ جیسے آرزوئیں اور وہ خیالات دل پر گزرتے رہتے ہیں اور ان کے صاحب کا ذکر اس کے لزوم کی وجہ سے ہے جیسے دودھ کو صاحب اللبا اس لزوم کی وجہ سے کہا جاتا ہے ایسے وہ بچہ جو ابھی پیٹ میں ہے اس کی ماں کو ذوالبطن کہتے ہیں تو اسی لزوم کی وجہ سے ہے۔

تفسیر عالمانہ

⑭ اَلَا یَعۡلَمُ کیا وہ نہیں جانتا۔ مَنۡ خَلَقَ جسے اس نے پیدا کیا ہے۔ یعنی کیا وہ نہیں جانتا سر و جہر کو جس اپنی حکمت سے تمام اشیاء کو پیدا کیا۔ جب کہ یہ سر و جہر انہیں سے ہیں یہ نفی انکار اللہ تعالیٰ کے عدم علم محیط بکل ایسے انکار نفی چاہیے یعنی مضمر و مظہر سب کو جانتا ہے اور من یعلم کا فاعل ہے اور جائز ہے کہ یہ منصوب ہوا اور یعلم کا مفعول بہ ہے اس کا عائد محذوف ہے دراصل الا یعلم اللہ من خلقہ کیا اللہ تعالیٰ اسے نہیں جانتا جسے اس نے پیدا کیا۔ وَهُوَ حالانکہ وہ اللَّطِيفُ دقائق الاشیاء کو جانتا ہے یہاں تک کہ کالی رات میں سخت پتھر پر چیونٹی کے آثار کو بھی جانتا ہے۔ الْخَبِيرُ الا کے بواطن (باطنی امور) کو جانتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

حضرت قاشانی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ وہ اپنی مخلوق لبواطن و ظواہر کو جانتا ہے بلکہ وہی ہے حقیقۃً ظاہراً اور باطناً بھی صرف فرق وجوب و امکان اور بر طلاق و تقیید اور احتجاب الہویۃ بالعندیۃ والحقیقۃ بالشخصیۃ کا ہے اور بس۔

سوال: لطیف کے بعد خبیر کا ذکر تکرار محض ہے۔

جواب: اس میں کوئی تکرار نہیں امام غزالی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ لطیف وہ ہے جو مصالح کے دقائق کو جانے اور ان کے غوامض پر مطلع ہو بلکہ ان سے دقیق امور سے خبر رکھے بلکہ ان سے لطیف تر ہیں اشیاء کو جانے اور پھر ان مصالح کو جن کے لئے پیدا کئے گئے ہیں کی طرف نہایت نرمی سے پہنچائے جائیں جنہیں کسی قسم کی سختی نہ ہو جب فعل میں رفق اور ادراک (پہنچانے) میں لطف کا اجتماع ہو جائے لطف کا معنیٰ اکمل سمجھا جاتا ہے اور علم و فعل میں کمال کا تصور صرف ذات باری تعالیٰ کے متعلق ہو سکتا ہے اور بس اور خبیر وہ ہے جس سے اخبار باطنہ پوشیدہ نہ ہوں ملک و ملکوت جو ہے ان میں ہر حرکت و سکون بلکہ ہر سانس کی حرکت و سکون کی اسے خبر ہے خبیر بمعنی علیم ہے صرف فرق اتنا ہے کہ جب علم کی اضافت مخفی امور کی طرف ہو تو اسے خبرۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کے جاننے والے کو خبیر کہا جاتا ہے بلا اضافت ہو تو وہ اسے علیم کہتے ہیں۔

حکایت ایک بزرگ فرماتے ہیں ہم فقراء کہیں جا رہے تھے تو کھانا میسر نہ آنے سے ہمیں بھوک نے گھیر لیا ہم حضرت ابراہیم خواص قدس سرہ کے ہاں چلے گئے میں نے دل میں خیال کیا کہ کیا یہ شیخ ہم فقراء کے دل کے راز سے واقف ہوگا میں اس تصور میں تھا کہ شیخ نے مجھے فرمایا کہ جو ضرورت در پیش ہو وہ اللہ تعالیٰ سے کہی جائے کیا تمہارا عقیدہ نہیں کہ وہ علیم ہے اس سے کہو جو کہنا ہے اس کے بعد خاموش ہوگئے ہم ان سے اُٹھ کر اپنی منزل کو واپس لوٹے تو ہمیں ضرورت کی اشیاء مل گئیں۔

سبق: انسان پر لازم ہے کہ جب اس کا عقیدہ ہے کہ میرا خدا میرے ہر حال پر مطلع ہے بلکہ میرے دل کے ہر راز کو جانتا ہے تو اسے چاہیے کہ اپنی ضرورت کو اس کی طرف پھیر دے جو کچھ مانگنا ہے دل ہی دل میں اسی سے مانگے یہاں تک کہ زبان پر حاجت کو لانے کی ضرورت نہ ہو کیوں کہ وہ اپنے بندوں کیلئے لطیف ہے۔ اس کا یہ لطف کچھ کم نہیں کہ وہ ان کی ضروریات سہولت سے ان کے ہاں پہنچا رہا ہے یہاں تک کہ کھانے کی روٹی بھی ورنہ غور کرے کہ صرف ایک روٹی کے حصول کیلئے بہت سے لوگ آنکھوں پر کئی راتیں گزار دیتے ہیں تب کہیں اسے کچھ نصیب ہوتا ہے اور یہ روٹی بھی آسانی سے تیار نہیں ہوتی اس کے بندے اس کی تیاری میں محنت کرتے ہیں مثلاً کسان کو دیکھئے زمین میں بیج ڈالنے سے لے کر اس کے کاٹنے اور صاف کرنے تک کتنا مشقت اٹھاتا ہے پھر روٹی پکانے میں کتنا تکلیفیں پیش آتی ہیں کہ دانے پیسنے سے لیکر پکانے تک کتنا کام کرنا پڑتا ہے مقام غور ہے کہ دانے زمین میں ڈالنے سے لیکر کھانا پکنے تک کتنا آلات لکڑیاں۔ لوہا۔ پتھر اور جانور اور انسان کام کرتے رہے جن کا شمار نہیں ہو سکتا اسی طرح ہر وہ نعمت جو انسان کو نصیب ہوتی ہے اس کے حصول سے پہلے غور کرے کہ اس کی تیاری میں کتنا دکھ درد اٹھائے گئے۔ ایسے مطعومات ملبوسات مشروبات سب پر انسان غور فرمائے کہ وہ کتنا مشقات کی منازل کر کے اس کے ہاں پہنچے اگر کسی کو ان کے حصول میں خود کام کرتا تو اپنے عجز پر نگاہ ڈالے کہ اسے سوائے ہتھیار ڈالنے کے کوئی چارہ کار نہ تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ اُسے بلا مشقت ایسی کئی نعمتیں عطا فرماتا رہتا ہے۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ ہر لطیف شے کو کثیف اشیاء میں ایسے محفوظ فرماتا ہے جیسے امانتیں مجہول جگہوں میں رکھی جاتی ہیں یہی وجہ ہے کہ سونا اور چاندی مٹی سے بر آمد ہوتے ہیں ایسے ہی دیگر جواہر کا حال ہے یا جیسے صدف کو موتی کا معدن اور مکھی کو شہد کا خزانہ اور کیڑے کو ریشم کا گنجینہ بنایا گیا ہے اسی لئے دل کو معرفت الٰہی کا محل و معدن مقرر کیا گیا ہے اور محبت کا مرکز بھی وہی ہے حالانکہ وہ ایک گوشت کا ٹکڑا ہے اور دل کو صرف معرفت الٰہی کیلئے ہی پیدا کیا گیا ہے۔

سبق: انسان پر لازم ہے کہ وہ دل کو تعلق ماسوی اللہ کی آلائش سے پاک رکھے یہ اللہ تعالیٰ کا لطف

ہے کہ اس نے انسان کے لئے دل پیدا فرما کر اپنے لئے اسے آگاہ کیا کہ وہ لطیف خبیر ہے وہ اس کے باطن سے مکمل طور آگاہ ہے جب اس کا دل منظر الہٰی ہے تو اس پر بھی لازم ہے کہ وہ اسے افکار و اغیار سے خالی رکھے اور اسے انواع معارف و علوم و اسرار سے سنگاریے تاکہ وہ ملک عزیز غفار پروردگار کے تجلیات کا مرکز بنے اور اس پر اسماء و صفات کے وجوہ بلکہ ذات حق کا جلوہ ہو۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اس کی نوازش اور اس کے جمال کے دیدار کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ

هُوَ وہ واحد لاشریک لہ (الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ) وہ ہے جس نے تمہارے منافع کیلئے بنائی ہے الْاَرْضَ زمین۔

زمین کی پیمائش

زمین کے مبلغ اور اس کی کمیت میں اختلاف ہے

(۱) جناب مکحول رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کا طول و عرض پانچسو سال کی مسافت ہے اس میں دوسو سال کی مسافت میں صرف دریا ہی دریا ہے دوسو سال کی مسافت خالی پڑی ہے جس پر کوئی بھی سکونت پذیر نہیں۔ اسی سال کی مسافت میں یاجوج ماجوج کا بسیرہ صرف بیس سال کی مسافت میں باقی تمام مخلوق مکین ہے۔

(۲) حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ زمین جسے بحر محیط گھیرے ہوئے اس کا کل رقبہ چوبیس ہزار فرسخ ہے اس میں بارہ ہزار فرسخ پر سوڈانی ہیں، آٹھ ہزار فرسخ پہ رومی اور تین ہزار فرسخ پہ عجم و ترک ہیں اور ایک ہزار فرسخ پر اہل عرب ہیں۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ صرف چوتھائی ان سوڈانیوں کی جو ننگے پھرتے ہیں وہ تمام لوگوں سے زیادہ ہیں۔

(۴) بطلیموس حکیم نے کتاب مجسطی میں زمین کا قطر اور اس کی استدرۃ بیان فرمائی اور مجسطی وہ کتاب ہے جس میں وہ قواعد ہیں جن کے ذریعے اوضاع فلکیہ و ارضیہ کو دلائل تفصیلیہ سے بیان کیا گیا ہے فرمایا کہ زمین کا استدارہ ایک لاکھ اسی ہزار اسطار بوس ہے ایک اسطار بوس چوبیس ہزار میل کا ہوتا ہے اسی تقریر پہ زمین کا کل استدارہ اسی ہزار فرسخ ہوا۔

میل کی تحقیق

تین میلوں کا ایک فرسخ ہوتا ہے اور ایک میل تین ہزار کی ہاتھ کا اور ہاتھ تین بالشت کا اور ایک بالشت چوبیس انگلیوں کی ایک انگلی پانچ جو کی جن کے پیٹ آپس میں ملے ہوئے ہیں اور جو سے مراد وہ ہے جس کا عرض خچر کے چھ بالوں کے موٹائی کے برابر ہو اس تقریر پر اسطار بوس چار لاکھ ہاتھ کا ہوا۔ اسی بطلیموس نے فرمایا کہ زمین کا قطر سات ہزار چھ سو تیس میل ہے یعنی دو ہزار پانچسو پینتالیس اور دو تہائی فرسخ اور فرمایا زمین کا طول ایک ارب بتیس کروڑ چھ لاکھ میل ہے یعنی دو کروڑ آٹھ ہزار فرسخ

فائدہ : صاحب الخزیدہ نے فرمایا کہ اگر یہی بات حق ہو تو یہ وحی یا الہام ہے اگر صرف قیاس یا گمان ہے اور استدلال ہے تو بھی حق کے قریب ہے اور مکحول و قتادہ کا کا علم یقینی کا فائدہ نہیں دیتا جس پر ایک غیبی بات پر یقین کیا جا سکے۔

ذَلُولًا نرم اور حد درجہ کی فرمانبردار جیسا کہ مبالغہ کے صیغہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر چلنا آسان ہے تاکہ تم وہ چیزیں حاصل کر سکو جو تمہیں نفع دیں یعنی زمین ایسا نرم اور تمہارا تابعدار بنایا کہ تم اس پر آسانی سے چل سکو اگر اسے پتھریلی اور سخت بناتا تو اس پر چلنا مشکل ہو جاتا یا اسے بالکل نرم اور انگوری کے لائق بناتا تو اس میں کنویں کھودنا اور چشمے اور نہریں بہانا اور تعمیرات کرنا اور کھیتی اور باغ لونا مشکل ہوتا اگر اور زیادہ پتھر کی طرح سخت ہوتی تو بھی مشکل ہوتا اگر گرمی میں سخت گرم اور سردی میں سخت سرد ہوتی تو کسی زندہ کو اس پر آرام کرنے کا موقعہ نہ ملتا اور نہ ہی مُردے دفنائے جا سکتے نیز اس پر پہاڑ گاڑ دیئے تاکہ جھکولے نہ کھلائے اور نہ ہی اس پر رہنے والوں کو منتقل کر کے دوسری جگہ پھینکے اگر اضطراب اور جھکاؤ تو ہمارے لئے تابع نہ ہوتی۔ زمین انسان کامل کی طرح ساکن و ساکت ہے۔ اور طرفہ یہ کہ خود اور اس کے حقائق قلم اعلیٰ اور ملائکہ مہیمہ کے بالمقابل ہے

خلاصہ یہ کہ زمین کو ایسے طریقہ سے بنایا کہ اس سے نفع اٹھایا جا سکے۔

زمین کی قسمیں زمین کو چند اطوار پر تقسیم فرمایا :

(۱) کوئی حصے نرم گوشے (۲) کچھ پہاڑ (۳) کچھ جنگل،
(۴) کہیں دریا (۵) کہیں نہریں (۶) کہیں چشمے،
(۷) کہیں نمکیں (۸) کہیں میٹھی (۹) کہیں کھیتی،
(۱۰) کہیں درخت (۱۱) کہیں مٹی (۱۲) کہیں پتھر
(۱۳) کہیں ریت (۱۴) کہیں ڈھیلے (۱۵) کہیں درندے
(۱۶) کہیں سانپ (۱۷) کہیں فارغ پڑی ہے۔ وغیرہ۔ جیسے اس کی حکمت و قدرت کا تقاضا تھا۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ نے النفس کو نرم پیدا فرمایا جو اس کی مخالفت سے اسے نرم کیا تو اس نے فتنوں اور بلاؤں اور محنتوں سے نجات پا گیا اور جس نے اسے نرم نہ کیا بلکہ اس کی اتباع کی تو اسے نفس ذلیل اور ہلاک کرے گا۔

حل لغت اہل لغت کہتے ہیں دابۃ ذلول وہ جانور جس کی نرمی ظاہر ہے یا الذل (بالکسر) سے ہے بمعنی ”لین و انقیاد“ یعنی وہ جانور جو بہت زیادہ تابع حکم ہے وہ الصعوبۃ کی نقیض ہے الذلول ہر اس فرمانبردار کو کہتے ہیں جو تمہارا ہر طرح کا حکم ماننے الذل اگر بالضم ہو بمعنی

ذلیل ہو۔ (عزت کی نقیض ہے۔ امام راغب رحمۃ اللہ نے فرمایا الذل وہ جو قہر سے ہو کہا جاتا ہے ذل یذل ذلا اور وہ جو تصعب و شماس کے بعد بغیر قہر کے ہو کہا جاتا ہے ذل یذل ذلا۔ بیہقی نے تاج المصدر میں لکھا ہے باب ثانی میں ہے آپ نے اسی کتاب میں لکھا کہ الذل کا باب بمعنی خوار اور تابع ہونا ایسے ہی مختار الصحاح میں ہے اور صاحب قاموس نے الذل کو صعوبۃ کی نقیض بتایا ہے بالضم والکسر صرف بمعنی الہوان (خواری) ہو تو صرف بالضم ہوگا۔ الذلول بروزن فعول بمعنی فاعل اسی لئے اسے علامت تانیث سے خالی رکھا گیا ہے حالانکہ ارض مؤنث سماعی ہے اس کا تقاضا تھا کہ یہ ذلولۃ ہو فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا (تو چلو تم اس کے کاندھوں پر چلو) فا جعل مذکور پر امر کو مرتب کرتا ہے بعض کے نزدیک یہ امر اباحۃ کا ہے یعنی اس کے کاندھوں پر چلو یہ خبر بصورۃ امر ہے یہ بعض دوسروں کا مذہب ہے یعنی در اصل تمشون فی اطرافہا تھا۔ (خبر بمعنی امر ہے) اطراف کو مرد کے کاندھوں کی طرح بنایا گیا ہے کیوں کہ اس کی دو جانبیں ہوتی ہیں گویا زمین کے جوانب (کناروں) کو انسان کے کاندھوں سے تشبیہ دی گئی ہے اور جب لوگ زمین کے کناروں پہ چلتے ہیں تو گویا وہ زمین کے کناروں کو محیط ہے اور انہیں اس کے جمیع جوانب سے فوائد حاصل ہوں گے امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا المنکب عضد (بازو) اور کتف کے مابین کی اجتماع گاہ اس سے زمین کے لئے استعارہ کیا گیا ہے اسی آیت فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا جیسے دوسری آیت میں ظہر (پیٹھ) سے استعارہ کیا گیا جیسے فرمایا ما ترک علی ظہرہا (نہ چھوڑا زمین کی پیٹھ پر) یا مناکب سے جبال مراد ہیں اور جبال سے ارتفاع (بلندی) کی وجہ سے استعارہ کیا گیا ہے۔

حکایت: حضرت بشر بن کعب رضی اللہ عنہ کی ایک لونڈی تھی اسے فرمایا اگر تو مجھے مناکب الارض کی خبر دیدے تو آزاد ہے اس نے کہا مناکب سے جبال الارض مراد ہیں' اس کے بعد وہ لونڈی آزاد ہو گئی۔ آپ نے اس لونڈی سے نکاح کا ارادہ کیا اس کے متعلق حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ "دع ما یریبک الی ما لا یریبک"

یہ کلمہ تذلیل کی مثال کے لئے بولتے تھے یعنی وہ جب غایۃ سے متجاوز ہو یعنی اونٹ کی تذلیل (نرمی) کی طرح نہ مطلقاً تذلیل (حواشی مفتی سعدی مرحوم) کیوں کہ اونٹ کا کاندھا تمام اعضاء سے نرم تر ہوتا وہ اس سے اپنے سوار کو خبر دیتا ہے کہ وہ اسے جس طرح چاہے اپنے قدم سے روندے یعنی جیسے چاہے سوار ہو جب زمین کی نرمی کو اس رنگ میں ظاہر کیا گیا ہے کہ جیسے چاہو اس پر چلو تو پھر اس کا کوئی گوشہ ایسا نہ ہوگا جو نرم نہ ہو۔ اس سے جبال پر وجہ تخصیص بھی معلوم ہو گئی جب مناکب سے جبال مراد ہوں لیکن جبال پر چلنا مشکل سا ہوتا ہے جیسے اس دیوار کا جبل جو ہمارے اور یاجوج و ماجوج کے درمیان ہے اس کے متعلق حدیث شریف میں ہے کہ اس پر چلنے سے پاؤں ایسے پھسل جاتے ہیں کہ پاؤں جم نہیں سکتے بلکہ بعض پہاڑ تو ایسے

ہیں کہ ان پر چلنا ہو تو سکتا ہے لیکن مشقت سے لیکن ایسے پہاڑ نادر ہیں ان کی ندرت و قلب کی وجہ سے مناکب سے جبال مراد ہوں تو کوئی حرج نہیں۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے وہ اللہ تعالیٰ کہ جس نے تمہارے لئے ارض بشریہ کو نرم اور تابعدار بنایا تو اس کی بلند اور خفی جسمانیہ لذات جو تمہارے لئے مباح ہیں بحکم شرع اس سے بقدر ضرورت حاصل کرو تاکہ تمہارے بدن کو تقویت اور تمہارے طاعات و عبادات کے اسباب تیار ہوں تاکہ وہ بالکل ضعیف نہ ہوں اور نہ ہی عبادت سے سستی کریں۔

تفسیر عالمانہ

وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ اور اس کا رزق کھاؤ یعنی زمین میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تلاش کرو۔ دانے اور میوہ جات وغیرہ وغیرہ۔

اگر امر اباحۃ کا ہو تو رزق سے حلال رزق مراد ہے اگر خبر صورۃ امر میں ہو یعنی تاکلون ہو تو جائز ہے تو رزق حلال و حرام دونوں کو شامل ہو گا کیونکہ (اہلسنت کے نزدیک) وہ بھی رزق ہے اگرچہ اسے عمل میں لانا حرام ہے وَاِلَيْهِ اور اللہ تعالیٰ واحد لاشریک لہ کی طرف النُّشُوْرُ بعد مرنے کے اٹھنے کے بعد لوٹنا ہے تو اس کی نعمتوں کے شکر میں مبالغہ کرو۔

حل لغات

کہا جاتا ہے "نشر اللہ المیت نشرہ احیاہ" اللہ تعالیٰ نے میت کو زندہ کیا۔ "ونشر المیت بنفسہ نشورا" زندہ ہوا زندہ ہونا۔ یہ متعدی بھی ہے غیر متعدی بھی رجعہ رجعا ورجع بنفسہ رجوعاً کی طرح ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ مردہ خود زندہ نہیں ہوتا سوائے اللہ تعالیٰ کے زندہ کرنے کے (کیونکہ خود بخود میت کا زندہ ہونا محال ہے) ءَاَمِنْتُمْ کیا تم بے غم ہو گئے ہو یعنی مکذب (تکذیب کرنے والے) ہو گئے ہو یہ استفہام توبیخ کا ہے ہمزہ پہلا استفہامیہ دوسرا کلمہ کا جز ہے مَّنْ موصولہ ہے فِی السَّمَآءِ اس ذات سے جو آسمان میں ہے اس کا امر قضاء ہے جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا۔ وهو اللہ فی السموٰت وفی الارض وہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین میں ہے ءَاَمِنْتُمْ الخ کا حقیقی معنی ہے کہ کیا تم اس سے بے غم ہو جو زمین کا خالق و مالک ہے۔

ازالۂ وہم

آسمان کی تخصیص اس لئے نہیں کہ وہ آسمان میں ہے اور زمین میں نہیں صرف اس لئے کہ ان کے معبود تو صرف زمین میں ہیں لیکن آسمان میں نہیں اسی لئے آسمان کا ذکر کیا تاکہ صرف اللہ تعالیٰ (معبود حق) کا تصور آجائے ورنہ اللہ تعالیٰ آسمانوں میں ہونے سے منزہ ہے کیونکہ جہات اس کے لئے ہوتی ہیں جس کا جسم ہو اور اللہ تعالیٰ جسمانیۃ سے منزہ و پاک ہے یا آسمان اور زمین کے اوپر کی سمت مراد ہے اور اس سے بھی قدرت اور سلطنت مراد ہے نہ کہ مطلق فوقیت یہ "تاویل اچھی طرح سمجھ لے تاکہ اہل سنت کے مذہب میں ثابت قدمی نصیب ہو ورنہ معتزلہ اور اس کی شاخ (وہابیت) اور ابن تیمیہ کی اتباع میں گمراہ ہو جاؤ گے (الکبریت الاحمر للشعرانی رحمۃ اللہ)

سوال: اگر اللہ تعالیٰ آسمان میں نہیں تو پھر دعا کے وقت ہاتھ آسمانوں کی طرف کیوں اٹھائے جاتے ہیں۔

جواب: چونکہ آسمان محلِ برکات اور دعا کا قبلہ ہے جیسے کعبہ نماز کا قبلہ ہے اور قلب کا قبلہ اللہ تعالیٰ کی جناب ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ظرفیہ ہو اس لئے کہ عرب کا گمان تھا کہ اللہ تعالیٰ (معبودِ حقیقی) آسمان میں ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ بے خوف ہو اس ذات سے جسے آسمان میں گمان رکھتے ہو حالانکہ وہ مکان سے بالا و بالا ہے اور فتح الرحمٰن میں ہے یہ آیت بھی منجملہ ان متشابہات سے ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے پوشیدہ رکھا ہے ہم اس پر ایمان رکھیں اور معنیٰ ظاہرہ چھوڑ دیں اور اس کا علم اللہ تعالیٰ کو سپرد کریں۔ من فی السماء محلاً منصوب۔ أمنتم کا مفعول بہ ہے۔

أَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْأَرْضَ یہ کہ تمہیں زمین میں دھنسا دے۔ بعد اس کے کہ اسے تمہارے تابع بنایا ہے تم اس کے کاندھوں پر چلتے اور اس سے رزق کھاتے ہو لیکن تم نے ایسی بڑی نعمتوں کی ناشکری کی تو پھر وہ تم پر الٹ دے گا یعنی زمین میں دھنسا دے گا جیسے قارون کے ساتھ کیا۔ یہ امنتم سے بدل الاشتمال ہے اور باء ملابست کی ہے۔

حل لغات: الخسف زمین کے اندر چلا جانا الخسوف زمین کے اندر ہونا۔ الجوہری نے کہا خسف اللہ بفلان الارض، فلاں کو زمین میں غیب کیا (دبا دیا۔ دھنسا دیا) بعض نے کہا ایسے مقام پر باء تعدیہ کی ہوتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں زمین داخل کرے گا۔ لے جائے گا دبائے گا دھنسائے گا)

فَإِذَا هِيَ تَمُوْرُ تو پھر تمہارے اس کے اندر چلے جانے کے بعد حرکت کرے۔

حل لغات: القاموس میں ہے کہ المور بمعنی اضطراب وجریان زمین کے اوپر نیچے ہونا اور بمعنی تحرک (متحرک ہونا) یعنی زمین تابع اور مطمئن ہونے کے باوجود اپنی عادت کے برعکس اوپر نیچے (متحرک) ہو گی۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ اے کافرو تمہیں اوپر کے بجائے نیچے دبا کر چکر دے گی کہ ان کے بعض کے بعض حصے کھل جائیں گے تو محسوس ہوں گے کہ وہ زمین میں غوطہ لگا رہے ہیں تو پھر زمین اس کے اوپر چڑھ کر اسے نیچے دبا دے گی تاکہ اسے زیادہ سے زیادہ عذاب ہو۔

أَمْ أَمِنْتُمْ یا تم مطمئن ہو اس میں دوسری تہدید کی طرف منتقل ہو رہے ہیں۔ **مَنْ فِي السَّمَاءِ** اس سے جو آسمان میں ہے **أَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا** یہ کہ تم پر پتھر برسائے آسمان سے جیسے لوط علیہ السلام کی قوم و اصحاب الفیل پر برسائے تھے یعنی تم آسمان والے کے پتھر برسانے سے بے غم ہو۔ أن یرسل من سے بدل ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ کیا اس نے تمہارے لئے ان دونوں سے امان دے رکھی ہے حالانکہ ان دونوں سے تمہیں کسی قسم کی امان نہیں تو پھر تمہارا شرک میں سرکش ہونے کو کہا **فَسَتَعْلَمُوْنَ** تو پھر تم عنقریب

ضرور جان لوگے کَیْفَ نَذِیْرِ میرا ڈرانا کیسا ہے اسے جو منذر بہ کو مشاہدہ کے وقت اب اس سے پوچھونگا کہ کیا میرا عذاب واقع ہوا یا نہ وہ شدید ہے یا ضعیف یعنی جب تمہیں منذر بہ کی تحقیق ہو جائے گی تب تم یقین کروگے کہ میرے وعدہ کا خلاف ہرگز نہیں ہوا اور میرا عذاب سخت ہے۔ اور راستے روکنے والا بھی کوئی نہیں لیکن اس وقت کا علم و یقین تمہیں کوئی فائدہ نہ دے گا اس معنیٰ پر نذیر و نکیر ہر دو نوں مصدر بمعنی انذار و انکار ہیں یہ دراصل نذیری و نکیری تھے یاء متکلم محذوف ہو گئی ماقبل کی کسرہ پر اکتفاء کی وجہ سے۔

فائدہ : برہان القرآن میں ہے۔

نکتہ : پہلے زمین کے دھنسنے سے ڈرایا گیا اس لئے کہ وہ زمین پر رہتے اور وہی انہیں زیادہ قریب ہے بعد کو آسمان کے پتھراؤ سے اسی لئے بعد کو مذکور ہوا۔

تفسیر صوفیانہ

فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ آیت اولیٰ میں اشارہ ہے جو مجھے آدمی رات کے وقت الہام کیا گیا کہ جو لحاف میں چھپ کر سوتے رہنا اور نماز کے لئے نہ جانا اور وقت سحر میں خدا تعالیٰ کے ساتھ مناجات (عجز و زاری کے لئے) نہ جانا اہل غفلت کیلئے عذاب ہے اور اس کیلئے معنوی خسف فی الارض ہے۔

حکایت ایک عارف باللہ رات کو تہجد کیلئے اٹھا تو سردی ڈھانپنے کے لئے کپڑا نہ تھا تو سردی کی شدت سے رونے لگے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیام پہنچا کہ ہم نے تمہیں اپنی حاضری کی توفیق بخشی اور دوسروں کو غفلت کی نیند طاری کر دی یعنی تیرا تہجد کے لئے اٹھنا میری نعمت اور ان کا غفلت سے سوتے رہنا ان کے لئے سزا تو پھر تمہیں ہمارا شکر کرنا چاہیے نہ کہ کپڑوں کے نہ ہونے سے جزع فزع کرنا کیوں کہ غفلت کی مصیبت سے کپڑے کے نہ ہونے سے سخت تر ہے آیت ثانیہ میں مطر شدید کے آسمان سے نزول کی طرف اشارہ ہے کیوں کہ یہ بسا اوقات تہجد والوں کو قیام تہجد اور وضو و طہارۃ کے اشتغال سے روکتا ہے تو صورۃ رحمت میں ایک قسم کا غضب ہے۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ تضییع اوقات نہ کی جائے اور شغل سے پہلے فراغت کو غنیمت سمجھا جائے (اللہ تعالیٰ ہم سب کو بیدار فرمائے)

تفسیر عالمانہ

⑱ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اور البتہ جنہوں نے ان سے پہلے تکذیب کی یعنی کفار (مکہ) سے پہلے گذشتہ امتیں جیسے نوح علیہ السلام و عاد کی قوم اور ان جیسے اور لوگ اور صیغہ غائب کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اعراض (روگردانی) کے لائق ہیں

فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ تو کیسے ہے ان کا انکار کرنا میرے عذاب سے کہ وہ کتنا ہولناک اور گھبراہٹ والا ہے یہ تاکید قسمی کا مورد ہے نہ کہ سرفہ۔ ان کی تکذیب اور اللہ تعالیٰ کا بندے سے انکار کا مطلب یہ ہے کہ اس پر

سخت اور اس کے ساتھ ہولناک فعل کرتا ہے آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی اور قوم (کفار مکہ) کو تہدید ہے ⑲ اَوَلَمْ یَرَوْا کیا انہوں نے نہیں دیکھا کیا وہ غافل ہیں یا ان کی نگاہ نہیں پڑی اِلَى الطَّيْرِ پرندوں کو اس معنیٰ رؤیۃ بصریہ ہے کیوں کہ وہ الیٰ سے متعدی ہے ورنہ رؤیۃ قلبیہ فی سے متعدی ہوتا ہے الطیر طائر (اسم) جنس یعنی پر والا جانور جو ہوا پر اڑے یہ جمع کا صیغہ ہے جیسے رکب راکب کی جمع ہے یا اس کا مصدر ہے جسے اسم جنس بنایا گیا ہے اس میں تکثیر کے معنیٰ کی وجہ سے جمعیت ہے اسی لئے صافات کا موصوف ہے المفردات میں ہے کہ یہ طائر کی جمع ہے فَوْقَهُمْ ان کے اوپر۔ یہ یَرَوا کی طرف ہے یا طیر کا حال ہے یعنی وہ ہونے والے ہیں ان کے اوپر، "صافات" صف باندھ کر یہ طیر سے حال ہے۔

حل لغات الصف شے کو خط مستوی پر بنایا جائے جیسے لوگوں اور درختوں کی قطار ایسے ہی اور چیزیں اور صافات ایسے ہی وَّيَقْبِضْنَ کا مفعول پر محذوف کے پر ہیں نہ کہ خود طیر۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ درآنحالیکہ پرندے خلا میں اڑتے وقت اپنے پر پھیلائے ہوئے ہیں صف باندھ کر یعنی پرندوں کے آگے والے پر صفوں کی طرح ہوتے ہیں اور وہ ہر پرندے میں دس ہوتے ہیں ان میں سے ایک سب کے ہوتا ہے وَيَقْبِضْنَ اور سمیٹتے ہیں یعنی پرندے لحظہ بہ لحظہ پر جسم پر مارتے ہیں اس طرح اڑنے پر انہیں قوت حاصل ہوتی ہے۔

نکتہ: قابضات کے بجائے یقبضن اختیار کیا گیا ہے اس میں ان کے لحظہ بہ لحظہ کے قبض پر دلالت کرے اور پرندے کا ہوا پر اڑنا ایسے ہے جیسے پانی میں تیرنا ہوتا ہے تو جیسے تیرتے وقت کبھی ہاتھوں کو سمیٹنا پڑتا ہے کبھی پھیلانا پڑتا ہے ایسے ہی پرندوں کو صف بندی کے وقت کبھی پر سمیٹتے ہیں کبھی پھیلاتے ہیں

فائدہ: ابن الشیخ نے فرمایا کہ یقبضن کا عطف صافات پر ہے بمعنیٰ قابضات ہے ورنہ فعل کا عطف صافات پر ہے بمعنیٰ قابضات ہے ورنہ فعل کا عطف اسم پر نا جائز ہے مَا يُمْسِكُهُنَّ خلاء میں اور صف بندی کے وقت انہیں گرنے سے نہیں روکتا۔

حل لغات القبض طبع جسمانی مقتضائے طبع کے خلاف ہونا کیوں کہ جسم کا طبعی تقاضا ہے نیچے گرنا اِلَّا الرَّحْمٰنُ مگر رحمٰن، جس کی رحمت ہر شے کو وسیع ہے کہ اس لئے انہیں مختلف اشکال و خصائص پہ پیدا فرما کر انہیں ہوا میں اڑنے کا سلیقہ سکھایا اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيْرٌ بے شک وہ ہر شے کو دیکھنے والا ہے اپنی پیدا کردہ اشیاء کی نئی پیدائش اور عجائبات کی تدبیر۔ البصیر وہ ہے جو ہر شے کا مشاہدہ کرے اور دیکھے اور تحت الثریٰ تک اس سے کوئی شے پوشیدہ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کے لئے بصیر کا معنیٰ ہے وہ وصف جس سے مبصرات کا کمال منکشف ہو اس معنیٰ پر بصر اللہ تعالیٰ کے

علم پر آیا۔ صفت زائدہ ہے یہ قدریہ کے خلاف ہے۔

فائدہ: جس نے اللہ تعالیٰ کی صفت سمجھ لی تو اس کی اس سے مراد دوام مراقبہ و مطالبہ نفس برائے وقت محاسبہ - ہے مراقبہ ثمرات ایمان میں سے ایک ہے

حکایت ایک بادشاہ کی اپنے ایک غلام پر خصوصی توجہ تھی حالانکہ وہ دوسروں سے نہ تو زیادہ حسین تھا اور نہ ہی قیمتی لوگ حیران تھے کہ یہ کیا معاملہ ہے ایک دن بادشاہ سفر پر جنگل کی طرف روانہ ہوا کافی وزراء اور مشیران کار اور غلام اور نوکر چاکر اس کے ساتھ تھے راستہ میں ایک پہاڑ بہت دور جس پر برف کا تودہ پڑا نظر آیا بادشاہ نے اسے غور سے دیکھ کر آنکھیں نیچے کر لیں اسی غلام نے بھاگ کر فوراً وہی برف کا ٹکڑا پہاڑ سے اتار بادشاہ کے حضور لا کر پیش کر دیا حالانکہ نہ تو بادشاہ نے اس کا حکم دیا بلکہ اشارہ تک بھی کسی کو نہ دیا اور اس کی کسی کو کانوں کان علم تک نہ تھا۔ بادشاہ نے کہا تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ برف کا ٹکڑا بادشاہ کو درکار ہے عرض کی جب آپ نے برف کو غور سے دیکھا تو مجھے خیال گزرا کہ بادشاہ بلاوجہ کسی شے کو غور سے نہیں دیکھتے اسی لئے حاضر کر دیا بادشاہ نے کہا اسی لئے میں اس غلام سے پیار کرتا ہوں کہ تم لوگ اپنے خیالات میں مشغول رہتے ہو اور اسے ہر وقت میرا خیال رہتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے اور اس میں ارواح علویہ کے اس اڑنے کی طرف اشارہ ہے جو اجسام کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے پیدا ہوئیں وہ عوالم ہیں لانیہ سے روحانی پروں کو پھیلائے ہوئے اور قوادم جسمانیہ کو سمیٹے ہوئے ہیں اور انہیں نہیں روکتا مگر رحمٰن جو اسم حفیظ پر مشتمل ہے اس کے ساتھ اس نے انہیں سمائے قدرت کے خلاء میں روکے رکھتا ہے بے شک وہ ہر شے کو جانتا ہے کہ وہ اشیار العجیبہ کو کیسے پیدا کرتا اور امور غریبہ کی کیسے تدبیر کرتا ہے

تفسیر عالمانہ أَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ (کیا وہ جو بھی ہے تمہارا لشکر جو تمہاری رحمٰن کے سوا مدد کرے گا) دراصل اَمْ مَنْ تھا ام منقطعہ مقدرہ بہ بل ہے جو انتقال کا فائدہ دیتا ہے ترک تامل پر توبیخ سے منتقل ہوئے کہ وہ مشاہدہ کر رہے ہیں کہ پرندے کیسے اڑ رہے ہیں یہ قدرت الٰہی کی عجائبات کی خبر دیتے ہیں اب مذکور کے ساتھ تبکیت اور اس میں تشدید کی طرف التفات ہے یہ استفہام ناظر کی تعیین کے لئے ہے کہ یہ ان کی تبکیب یعنی ان کے عجز کا اظہار ہے۔

فائدہ: یہاں ہمزہ مع بل کی تقدیر نہیں ہو سکتی اس لئے کہ اس کے من استفہامیہ ہے اگر ہمزہ استفہامیہ کی تقدیر مان لی جائے تو ادخال الاستفہام علی الاستفہام لازم آتا ہے اور من مبتداء اور ہذا الخ اس کی خبر ہے موصول

اپنے صلہ سے مل کر اس کی صفت ہے ھٰذا الذی میں مشار الیہ کی تحقیر مطلوب ہے اور ینصرکم جُندٌ کی صفت ہے باعتبار لفظ کے الجند وہ جماعت جو جنگ کے لئے تیار ہو اب معنیٰ یہ ہوا کہ بلکہ کون ہے وہ حقیر جو تمہارے گمان پر تمہارا لشکر و سکہ اور تمہارے امادی تمہارے معبودان باطلہ وغیرہ جو تمہاری نزول عذاب و آفات کے وقت تمہاری ایسی مدد کریں جو رحمٰن کی مدد کے سوا ہے۔ اس معنیٰ پر من دون الرحمٰن ینصرکم کے فاعل سے حال ہے اور دون بمعنی غیر ہے اور عبارت یوں تھی وینصرکم نصراً کائناً من دون لنصر اللہ اور وہ مصدر کی صفت ہے یا معنیٰ یہ ہے کہ وہ تمہاری مدد کریں۔ عذاب سے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے یا وہ ینصرکم کے متعلق ہے اور بعض نے مَن موصولہ کو مبتدا بنایا ہے اور ہذا کو مبتدا ثانی اور موصول اپنے صلہ سے مل کر اس کی خبر ہے اور جملہ مَن کا صلہ ہے ساتھ تقدیر قول کے اور ام منقطعہ یا متصلہ ہے اور قرینہ محذوف دلالت سیاق سے اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ وہ ہے جس کے یہ اوصاف کاملہ ہیں اور اس کی قدرت شاملہ ہے وہی تمہاری مدد کرے گا اور نجات دے گا خسف اور پتھراؤ سے اگر وہ تمہیں پہنچیں یا یہی تمہارا کمزور لشکر جس کے لئے یہی کہا جاتا ہے کہ وہ تمہارے گمان پر تمہارے مددگار ہیں جو کہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور مدد کریں گے۔

نکتہ: الرحمٰن کے اختیار میں اشارہ ہے کہ اس کی رحمت ہی اس کے غضب سے بچا سکتی ہے اور بس۔

فائدہ: قاشانی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ رحمٰن کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ جتنا اغیار ہیں یہاں تک کہ انسان کے اپنے اعضاء و آلات و قویٰ اور ہر وہ شے کہ جس کی طرف اور قوت منسوب ہے یعنی تمام وسائل کوئی کام نہ آئیں گے اگر رحمتِ الٰہی مدد نہ کرے پھر یہی کہا جا سکے کہ وہی تمہارا لشکر تمہاری مدد کرے اللہ تعالیٰ کے سوا کہ جو نعمتیں باطنہ ظاہرہ تمہیں اللہ تعالیٰ روکے وہ غیر انہیں دلوا دے یا جو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے ظاہرہ و باطنہ نعمتیں عطا کرے وہ غیر دلوا دے یا جو اللہ تعالیٰ منع کرے تو تمہیں اس کی غیر کی وجہ سے حاصل ہو جائیں یا جو تمہیں مصیبت پہنچے یا مقدر ہو وہ تمہارا مددگار روک لے نہیں ہو سکے گا۔

اِنِ الْکٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ (نہیں ہیں کافر مگر فریب میں) ان نافیہ بمعنی ما ہے یعنی ان کا گمان ہے کہ وہ مصائب و عذاب سے محفوظ ہیں انہیں ان کے معبودان باطلہ سے حفاظت ہو گی ان کا یہ گمان غلط ہے کیوں کہ حفاظت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے یا یہ معنیٰ ہے ان کا خیال ہے کہ انہیں عذاب الٰہی سے ان کے معبودان باطلہ ان کی حفاظت کریں گے یہ ان کی غلط فہمی ہے اور شیطان کی طرف سے کھلی گمراہی بہرحال ان کے اس گمان کا کوئی اعتبار نہیں اور التفات صیغہ غائب کی طرف میں اشارہ ہے ان کے حال کا تقاضا یہی ہے کہ ان سے روگردانی کرنی چاہیے بلکہ غیروں کے سامنے ان کے قبائح بیان کرنے چاہئیں اور اسم مظہر مضمر میں بھی کفر کی مذمت اور ان کے غرور کی تعلیل کا بیان ہے

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُکُمْ کیا یہی وہ جو تمہیں رزق دے گا۔ **اِنْ اَمْسَکَ** اگر رب رحمٰن روک لے **رِزْقَهٗ** اس کا رزق یعنی بارش بند کر دے اور اس کے اسباب اور اگر رزق موجود بھی ہو اور بہت بھی ہے اسے آسانی سے حاصل بھی کیا جا سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس کے منہ مرض آکلہ پیدا کر دے جس سے وہ لقمہ نگلنے نہ دے سارے زمین و آسمان والے مل کر اس کا لقمہ حلق سے اتاریں تو نہ اتار سکیں گے۔

فائدہ: اس جملہ کا اعراب سابق جملہ کے اعراب کی طرح ہے اس تقدیر پر کہ من موصولہ اللہ تعالیٰ کیلئے ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ ہی رزاق اور قوۃ مضبوط کا مالک ہے وہی تمہیں رزق دے گا یا یہی جن کے متعلق مذکورہ بالا حقیر و ضعیف صفت بیان کی گئی ہے جن کے لئے تم دعویٰ کرتے ہو کہ وہی تمہیں رزق دیں گے۔

فائدہ: بعض مفسرین نے فرمایا کہ کفار ایمان سے روگردانی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دشمنی کا اظہار کرتے اس لئے کہ انہیں دو چیزوں پر سہارا تھا۔

(۱) مال اور کثرت افراد
(۲) عقیدہ کہ ان کے بت انہیں جملہ خیر و بھلائی پہنچاتے اور ان سے جملہ آفات دفع کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے پہلے سہارے کا ابطال "امن ھذا ھو جند لکم الخ" سے اور دوسرے سہارا کا "امن ھذا الذی یرزقکم الخ" سے فرمایا۔

بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ بلکہ وہ سرکشی اور نفرت کے گڑھے میں گرے ہیں اس میں مقدر کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ مقام کا تقاضا ہے گویا تبکیت و تعجیز نے تو اپنا پورا اثر دکھلایا لیکن انہوں نے اس کا اثر قبول نہ کیا کہ حق کا یقین کرنے کے بجائے گھڑے میں پڑے اور سرکشی پر ڈٹ گئے اور تکبر و طغیان اپنا شیوہ بنا لیا اور حق سے نفرت اور تباعد اور اپنی ہٹ دھرمی اور ضد کی وجہ سے روگردانی کی اور حق کو قبول کرنے کے بجائے اسی باطل پر قائم رہے جس پر تھے۔

حل لغات

اللجاج بمعنی تمادی فی العناد الخ یعنی عناد پر ڈٹ جانا اور جس فعل سے انہیں روکا گیا اسے عمل میں لانا العتو بمعنی تجاوز از حد النفور بمعنی فرار (بھاگنا) اس میں ان کی تحقیر اور اشارہ ہے کہ یہ وہ گدھے ہیں جو شیر سے بھاگتے ہیں (حمر مستنفرة فرت من قسورة) کے مصداق ہیں۔

فائدہ: قسورة سے شیر یا شکاری یا وہ رسی جس سے شکار کیا جائے یا وہ شکاری جو تیر انداز ہو یا مختلف آوازیں سے

کسی را کہ پندار در سر بود
مپندار ہرگز کہ حق بشنود

---

[1] جیسے آجکل گلہ کا کینسر ہو رہا ہے

ترجمہ : کسی کو جو غلط تصور سر میں ہو اس کے لئے گمان بھی نہ کرنا کہ وہ حق سنے گا۔

اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُکِبًّا عَلٰی وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤی تو کیا وہ جو منہ کے بل اوندھا چلتا ہے وہ سیدھی راہ پر ہے موحد و مشرک کے لئے مثال دی گئی ہے تاکہ ان کا حال واضح ہو فا، ان کے وہ برا حال جو ظاہر ہوا کی ترتیب کے لئے ہے اور ہمزہ کی تقدیم میں اس کی صدارت کا تقاضا پورا کرنا ہے اور معنوی لحاظ سے معاملہ برعکس ہے یہانتک کہ اگر ہمزہ کے بجائے ھَلْ تو عبارت یوں ہوتی فہل من یمشی مکبًا۔

حل لغات المکب بمعنی منہ کے بل گرنے والا اس کا حقیقی معنی بھی یہی ہے المکب بمعنی فلان اوندھا گرنے والا ہوا یا اوندھا گرنے کی حالت میں داخل ہوا۔ "وکبہ قلبہ وصرعہ" اسے اُلٹایا اور اوندھا کیا اکبہ نہیں کہا جاتا کیونکہ وہ لازم ہے القاموس میں ہے وہ لازم بھی ہے متعدی بھی اور مکبا یمشی کے فاعل سے حال ہے اب معنی یہ ہوا کہ وہ جو چلتے وقت منہ کے بل گرتا پڑتا ہے اور قدم قدم پر اس کی یہی حالت ہے راستہ سے بھٹک جانے اور رقوئی میں پڑ جانے کی وجہ سے ایسی حالت والا ہدایت پر ہو سکتا ہے اس کے بارے میں کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ جب مقصد کو لئے ہوتے یہ منزل پر پہنچ جائے گا۔

فائدہ : المناسبات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چلنے والوں کا نام اس لئے نہیں لیا کہ وہ اس لائق ہی نہیں کہ ان کا نام لیا جائے اتفاقی طور ایسا آدمی کبھی راستہ پر چل بھی جاتا ہے لیکن بصیرت سے نہیں بلکہ اتفاقیہ اسی لئے اعدلی فرمایا اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا یا وہ زیادہ سیدھا چلنے والا جو سیدھا چلتا ہے اور اسے کسی قسم کا گرنا پڑنا نہیں عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ سیدھی راہ پر۔ یعنی صحیح الاجزاء اس میں نہ ٹیڑھا پن ہے نہ انحراف۔ بعض نے کہا مکبٌ سے نابینا مراد ہے کیوں کہ وہ سیدھی راہ کا راستہ نہیں پاتا بے راہ ہو کر چلتا ہے تو اس کو اوندھا گرنا لازمی امر ہے بخلاف آنکھ والے تندرست اور صحیح سالم کے ؎

فرقست میان آنکہ از روئے یقین
با دیدۂ بینا رود اندر رہ دیں
با آنکہ دو چشم بستہ بے دست کے
ہر گوشہ ہمی رود بظن و تخمین

ترجمہ : اس کے درمیان فرق ہے جو از راہ یقین بینا چشم سے راہ دین پر چلتا ہے۔ اس کے ساتھ (فرق ہے) جس کی دونوں آنکھیں بندھی ہوئے دوسرے کے ہاتھ میں قیدی ہو وہ ہر گوشہ پر ظن اور تخمین پر چلے گا۔

فائدہ : حضرت قتادہ نے فرمایا کہ اس سے کافر مراد ہے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں اوندھا گرا

پڑا ہے اسے اللہ تعالیٰ قیامت میں جہنم میں اوندھا گرائے گا اور مومن چونکہ اللہ تعالیٰ کے امر پر سیدھا چلتا ہے اسی لئے اسے اللہ تعالیٰ آخرت میں دونوں قدموں پر اٹھا کر جنت میں (باعزت) لے جائے گا۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی کہ وہ لوگ اوندھے ہو کر کیسے چلیں گے آپ نے فرمایا وہ ذات قدموں پر چلنے پر قادر ہے وہی ذات اوندھے چلنے کی بھی قدرت رکھتی ہے۔

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ انسان کو وہ ظاہر کردے گا جو آج چھپا ہوا ہے خیر ہو یا شر ؎

سیرتے کاندر وجودت غالبست
ہم بران تصویر حشرت واجبست

ترجمہ: وہ عادت جو تیرے وجود میں غالب ہے اسی صورت میں پر حشر واجب ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امن یمشی الخ تو کیا وہ جو اوندھا چلتا ہے جہت سفلیہ اور ملاذ حسیہ کی محبت اور امور طبیعیہ کے انجذاب کی طرف زیادہ ہدایت والا ہے یا وہ جو سیدھا چلتا ہے توحید کے راستہ پر جو ایسی استقامت تامہ سے موصوف ہے جسے بیان نہیں کیا جا سکتا پس جاہل محجوب طالب دنیا اور مولیٰ سے روگردان اور طریق حق سے اندھا اور بواسطہ ظلمت غفلت وجہ خجلت پر اوندھا گِرا ہوا ہے اور عارف محقق تارک الدنیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ اور طریق حق کا مبصر و بصیر ہے طریقۂ توحید پر ظاہراً و باطناً سیدھا چلنے والا اور توحید کا راستہ نہ ڈھلوان ہے نہ ٹیڑھا۔

تفسیر عالمانہ قُلْ اے افضل الخلق محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیے هُوَ وہی اللہ تعالیٰ واحد لاشریک لہٗ اَلَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ جس نے تمہیں پیدا کیا اے کافرو جیسے اس پر سیاق و سباق دلالت کرتا ہے اس میں غافل انسان بھی داخل ہے یعنی تمہیں پیدا کیا جمال و عقل میں یکتا اور جمیع حقائق الٰہیہ و کیانیہ کا قابل (لائق) بنایا تمہاری تخلیق ابتدا ہی احسن خلقت سے کی کہ تمہیں حسین صورت بخشی اور بہترین تصویر کھینچی وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ اور عطا کی تمہیں قوت سماعت (کان) تاکہ تم اللہ تعالیٰ کے آیات سن کر انہی کے موجبات پر عمل کرو بلکہ تمام موجودات کی زبانوں سے خطابات غیبیہ سنو کیونکہ وہ سب انسان کی طرح بولتی ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وان من شیٔ الاتیسبح بحمدہ ربہ و لکن لاتفقہون تسبیحہم" کوئی شے نہیں جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح اس کی

حمد سے نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔

حکایت بزرجمہر (ایک دانشور) سے سوال ہوا کہ انسانوں میں کون اکمل (بڑا کامل) ہے فرمایا جس نے کان کو فحش (گانے۔ باتیں وغیرہ) میں نہیں لگایا۔

نکتہ: کان (سمع) کا ذکر پہلے اس لئے ہے کہ سمع نبوت کی شرائط میں سے ایک ہے اسی لئے کوئی رسول (علیہ السلام) بہرہ نہیں ہوتا علاوہ ازیں سمع کے فوائد عوام کے لئے زیادہ قوی ہیں اگرچہ خواص کے لئے بصر (دیکھنے) کے فوائد بلند تر ہیں۔ علاوہ ازیں باب قلب کے کھلنے پر خطاب کا مرتبہ سمع ہے اور بصر کا مرتبہ صرف رؤیتہ ہے اور ظاہر ہے کہ خطاب کا مرتبہ رؤیتہ کے مرتبہ سے مقدم ہے اسی لئے کہ رؤیتہ کا مرتبہ ہی مرتبہ تجلی ہے اور یہی امر کی نہایت ہے دیکھئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت (کے اظہار) سے پہلے اسرافیل علیہ السلام کی آواز سنی لیکن ان کی صورت (بظاہر) نہیں دیکھی اگرچہ بعد کو (بظاہر) تمام ملائکہ کرام کو نہ صرف دیکھا بلکہ تمام کی امامت فرمائی جیسا کہ شب معراج سدرۃ المنتہیٰ پر تمام ملائکہ کرام نے ہمارے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھی بلکہ نہ صرف ملائکہ کرام کو دیکھا بلکہ خود ذات الٰہی کو بلا کیف (بلا حجاب جسم مبارک کی آنکھوں سے دیکھا اس لئے واضح ہوا کہ آپ نے مرتبۂ خطاب سے جو کہ یہی مرتبہ وحی ہے سے مرتبہ تجلی کی طرف ترقی کی جو کہ یہ مرتبہ موحی (وحی بھیجنے والے) کا ہے۔ وَالْاَبْصَارَ اور بنائی آنکھیں (قوت باصرہ) تاکہ تم اس کی آیات تکوینیہ کو دیکھو جو کہ شئون الٰہی کی شاہد ہیں ایسے ہی تاکہ دیکھو اللہ تعالیٰ کے جمیع مظاہر کو کہ وہ کیسے انتہائی باکمال اور نہایت مضبوط ہیں وَالْاَفْئِدَۃَ اور ہمارے دل بنائے تاکہ تم ان کے ساتھ تفکر کرو ان امور میں جو تم اس سے سنتے اور مشاہدہ کرتے ہو آیات تنزیلیہ و تکوینیہ میں سے ایسے ایمان وطاعۃ کی سیڑھیوں پر چڑھ سکو بلکہ ان سے وارداتِ قلبیہ والہامات غیبیہ سے سرشار ہو جاؤ۔

حل لغات القاموس میں ہے (التفوقد بمعنی التحرق (جلنا) والتوقد (روشن ہونا) اسی سے الفوائد ہے بمعنی قلب یہ مذکر و مؤنث دونوں طرح ہے اس کا جمع الافئدۃ ہے۔

نکتہ: ان تینوں (سمع۔ بصر، فواد) کی تخصیص اس لئے ہے کہ علوم و معارف انہی تینوں سے حاصل ہوتے ہیں (کشف الاسرار) نیز اس لئے کہ قلب حوض کی طرح ہے کہ جو شئے طریق سمع و بصر سے حاصل ہوتی ہے یہ اسے محفوظ کر لینے کے لئے ہر وقت تیار ہے۔ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ بہت تھوڑا شکر کرتے ہو ان کے ان امور کے استعمال میں جن کے لئے ان کی تخلیق ہوئی ہے قلیلاً موصوف محذوف کی صفت ہے اور ما زائدہ تاکید قلت کی تاکید کے لئے ہے دراصل شکراً قلیلا یا زمانا قلیلا ماتشکرون تھا۔

فائدہ : بعض نے کہا قلیلاً سے عدم مراد ہے۔ سعدی المفتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا قلۃ بمعنی نفی ہے کیوں کہ خطاب کافروں کو ہے یا وہ اپنے معنیٰ معروف میں ہے اگر سب کو خطاب ہو کہا جاتا ہے قلما افعل کذا یعنی میں اسے نہیں کروں گا۔ بعض عارفین نے فرمایا ؎

تو لمشت الف عام - فی سجدة لربی
شکر الفضل یوم - لم اقض بالتمام
والعام الف شہر - والشہر الف یوم
والیوم الف حین - والحین الف عام

ترجمہ : اگر میں ہزار سال اپنے رب کے سجدہ میں گذاروں اس کے ایک دن کے فضل و کرم کا شکر مکمل طور بھی نہ ادا کر سکوں اور اس کا ہر سال ہزار ماہ کا ہو اور ہر ماہ ہزار دن کا اور دن ہزار گھڑیوں کا اور ہر گھڑی ہزار سال کی تب بھی شکر ادا نہ ہو گا

فائدہ : بعض مشائخ نے فرمایا کہ سمع کا شکر ہے علماء و حکماء سے علم و دانشمندی سیکھنا اور پند و نصیحت کی طرف کان لگانا اور عقلاء کی نصیحت سننا اور اہل حق و صواب کی تقلید کرنا۔ اہل بدعت (سیئی و اہل ہوٰی (بد مذاہب) کے اقوال کا رد کرنا (الحمد للہ ہم اہل حق بد مذاہب کے رد میں واسع حصہ پاتے ہیں یہ اس کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں بد مذاہب کی تردید کی توفیق بخشی (اور آنکھ کا شکر ہے مصاحف (قرآن و حدیث) اور دینی کتابیں اور اہلِ ایمان کی عبادت گاہیں اور اہل اسلام کے مسالک اور باعمل علماء کرام (سنی العقیدہ) اور صالحین (اولیاء کرام) کی زیارت اور فقراء و مساکین کا چہرہ رحمت و شفقت کی نگاہ سے دیکھنا۔

صوفیانہ فائدہ اہل احسان (صوفیہ) کی نظر مصنوعات کی طرف اور اصحاب الیقین اور ارباب شوق و ذوق اور گریہ و زاری والوں کا ان کے علاوہ ان اشیاء کو دیکھنا جن میں خیر و بھلائی ہے (شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا) ؎

۱ زبان آمد از بہر شکر و لباس
بغیبت نگردد اندیش حق شناس

۲ گذرگاہ قرآن و پند است گوشی
بہ بہتان و باطل شنیدن مکوش

۳ دو چشم از پئے صنع باری نکوست
زعیب برادر فرو گیر و دوست

۴ بہائم خموشند و گویا بشر !
پراگندہ گوی از بہائم تر !

۵ بنطق است و عقل آدمی زادہ فاش
چو طوطی سخن گوئی ز نادان مباش

۶ بہ بد گفتنی خلق چو دم زدی !
اگر راست گوی سخن ہم بدی

۷ ترا آنکہ چشم و دہان داد و گوش
اگر عاقلی در خلافش مکوش

۸ مکن گردن از شکر منعم بپیچ
کہ روز پسیں سر بر آری بہیچ

ترجمہ ۱: زبان شکر وسپاس کے لئے ہے اسے گلہ و غیبت میں (اے حق شناس) ملوّث نہ کر۔

۲: کان قرآن و پند و نصیحت کی گذرگاہ ہے اسے بہتان و باطل سننے کے لئے کوشش نہ کر۔

۳: دو آنکھیں اللہ تعالیٰ کی اچھی صفت دیکھنے کے لئے ہیں بھائی اور دوست کی عیب جوئی سے خرچ نہ کر۔

۴: جانور خاموش اور آدمی بولنے والا ہے غلط بولنے والا جانوروں سے بدتر ہے۔

۵: بولنے اور عقل سے آدمی زادہ ظاہر ہے اسی لئے طوطے کی طرح بول اور نادان نہ ہو۔

۶: جب تو خلقِ خدا کی برائی کہنے کا دم مارتا ہے اگر سچ پوچھو تو تیری یہ بات بہت بری ہے۔

۷: اللہ تعالیٰ نے تجھے آنکھ منہ اور کان دیا ہے اگر تو عقلمند ہے تو اس کے خلاف کوشش نہ کر۔

۸: منعم کے خلاف نہ کر نہ ہی اس کے شکر سے گردن پھیر۔ کہ آخری وقت سر تیرا نیچا ہوگا۔

فائدہ: دل کا شکر ہے جلال و کمال وجمال و نوال (لطف و کرم) الٰہی میں تفکر اور اس سے خوف و رجاء (امید از رحمت) میں رہنا اور اس کے لئے محبت کرنا اس کے دیدار کا اشتیاق اور انبیاء و اولیاء سے محبت (وعقیدت) اور ان کے اعداء سے بغض اور مسائل و دلائل میں نظر (غور و خوض) کرنا۔ اپنے اہل و عیال کی ضروریات و حوائج کا اہتمام اس طرح کر اور امور جس میں فائدہ ہو۔

۵ صیقلے کن دلت بنور جمال
تاکہ حاصل شود جمیع کمال

ترجمہ: اپنے دل کو نور جمال سے صیقل (صاف اور ستھرا) کر تاکہ تجھے جملہ کمال حاصل ہوں۔

تفسیر عالمانہ

قُلْ اے اکمل الخلق (محبوب) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایئے هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ وہ جس نے تجھے پیدا کرکے بہت زیادہ بنایا نہ کہ اس کے غیر نے۔

حل لغات

ذَرَاَ ذرع سے ہے بمعنی پیدا کرنا (القاموس) میں ہے ذرا جعل کی طرح بمعنی خلق الشئ وکثرہ کسی شے کو پیدا کرکے اسے بکثرت کرنا اسی سے الذریۃ (ہر تینوں حروف متحرک) بمعنی ثقلین (جن وانس) کی نسل وَاِلَیْهِ اور اسی کی طرف نہ کہ اس کے غیر کی طرف (نہ اشتراکاً نہ استقلالاً) تُحْشَرُوْنَ لوٹائے جاؤگے) جسمانی طور حشر (اٹھنا) ہوگا۔ یعنی جمع ہوکر تمہیں حساب کے لئے جزا وسزا کے لئے اٹھنا جب کہ تم تھوڑے تھوڑے ہوکر برزخ کو روانہ ہوئے لیکن محشر میں جمع ہوتے یکبارگی سب کے سب اٹھ کھڑے ہوگے اسی لئے اپنے امور کو ابھی سے صحیح کرلو۔

فائدہ : آیت کو والیہ تحشرون پر ختم کرکے بتایا کہ جملہ دلائل مذکورہ صرف اسی مطلوب کے اثبات کیلئے تھے۔

وَیَقُوْلُوْنَ اور کہتے ہیں زیادہ عناد واستکبار (تکبر) کی وجہ سے یا استہزا کرتے ہوئے جیسے آنے والا قول دلالت کرتا ہے کہ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ یہ وعدہ کب ہوگا یعنی وعدہ دیا ہوا حشر' والیہ تحشرون پر استہزاء کہا جیسا کہ سابقاً گذرا تو انہوں نے اس پر استہزاء کر دیا۔

فائدہ : اس معنیٰ پر الوعد بمعنی الموعود اور مشار الیہ الحشر ہے بعض نے کہا ان کا استہزاء اس خسف وحصب سے جس سے وہ اس سے پہلے ڈرائے گئے۔

نکتہ : جملہ مستقبلہ اس لیے ہے کہ یہاں پر مطلوب یہ ہے کہ کفار مستقبل میں یونہی کہیں گے یا اس لئے کہ انہیں بتایا گیا کہ وہ دنیا میں ایسے کہتے تھے۔ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ اگر تم سچے ہو' اس کے مخاطب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل ایمان ہیں کیوں کہ اہل ایمان حضور نبی علیہ السلام کے وعد اور آیات متضمنہ برائے وعد میں مشارک ہیں۔ اور شرط کا جواب محذوف ہے دراصل عبارت یوں تھی۔ ان کنتم صادقین الخ اگر تم اپنی خبر دینے میں کہ قیامت آئے گی اور اس میں تم سب نے اٹھنا ہے سچے ہو تو اس کا وقت بیان کرو۔

قُلْ اے اعلم الخلق محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایئے کہ اِنَّمَا الْعِلْمُ بے شک اس کی تعیین وقت کا علم عِنْدَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے جس نے جملہ اشیاء کو مقدر فرمایا اور جملہ امور کا مدبر ہے اور اس کے سوا کوئی آگاہ نہیں[1]۔ وَاِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ اور بیشک

---

[1] عوامی حکم کو نبوت وولایت پر قیاس کرنا جہالت ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بے شمار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس قسم کی خبر دی بلکہ ایسی خبریں دینا آپ کے علمی کمالات کا ایک شعبہ ہیں آپ تو اس سے (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

میں ڈرانے والا ہوں ظاہر کھلم کھلا ایسی لغت میں جسے تم جانتے ہو اور حق کو ظاہر کرنے والا اور واقع کو منکشف کرنے والا ہوں تمہیں ڈراتا ہوں کہ موعود کا وقوع لامحالہ ہونا ہے ہاں وقوع کا علم انذار کے متعلقات سے نہیں۔

فائدہ: حضرت یحیٰ ابن معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں بندوں سے علیٰ طریق الاشتباہ مخفی رکھا ہے کسی کو معلوم نہیں کہ اس کی تقدیر کیسی ہے اور اس کا خاتمہ کیسے ہوگا اس

(حاشیہ سابقہ صفحہ کے آگے) بڑھ کر جانتے تھے مخالفین کی اپنی تفسیر ابن کثیر جلد ۳ میں حضرت سعید ابن مسیب کہتے ہیں۔ لیس من یوم الا یعرض علی النبی اعمال امتہ غدوۃ و عشیۃ یعلمھم باسماءھم و اعمالھم وکذالک یشہد علیھم کہ ہر دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر صبح و شام امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں اور حضور اپنے امتی کے نام اور ان کے اعمال سے واقف ہیں اسکے لئے قیامت کے دن گواہی دیں گے) مواہب الدنیہ جلد ۲ صفحہ ۲۲۰ میں طبرانی سے روایت ہے حضرت عبد اللہ ابن عمر راوی ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میرے لئے دنیا کو ظاہر کر دیا۔ میں دنیا کی طرف اور جو کچھ دنیا میں قیامت تک ہونے والا ہے اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو نیز مشکوٰۃ میں حضرت ثوبان سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اللہ نے میرے لئے زمین سمیٹ دی میں نے اس کے مشرق و مغرب کو دیکھ لیا اور کوئی چیز ایسی نہیں جو مجھ کو نہ دکھائی گئی ہو۔ میں اپنے اس مقام سے ہر شے کو دیکھ رہا ہوں۔ دیگر بخاری شریف میں ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا کیا تم وہ دیکھتے ہو جو میں دیکھتا ہوں؟ میں تمہارے گھروں میں فتنے اٹھنے کی جگہ کو بھی دیکھ رہا ہوں نیز حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ آیت ویکون الرسول علیہم شہیدا (القرآن) نے تفسیر عزیزی میں (شہیدا) کی تفسیر میں لکھتے ہیں "پس بنورِ نبوت او مے شناسد گناہانِ شمارا و اعمالِ نیک و بد شمارا و اخلاص و نفاق شمارا، دیکھئے وہاں تو امت کے زید و عمر و بکر کو جاننے کی نفی ہو رہی ہے اور یہاں شاہ صاحب زید و عمر و بکر کے گناہ۔ اعمالِ نیک و بد اور اخلاص و نفاق کو بھی بنورِ نبوت جاننے کی تصدیق فرما رہے ہیں۔ دیگر تفسیر مدارک میں آیت وجئنا بک علیٰ ھٰؤلاء شہیدا کے تحت لکھا ہے کہ حضور علیہ السلام کافروں کے کفر، منافقوں کے نفاق اور ایمان والوں کے ایمان کی قیامت کے دن گواہی دیں گے، واضح رہے کہ ایمان و نفاق کا تعلق ظاہری اعضاء کی بجائے باطن سے ہوتا ہے اور جو ہر انسان کے باطن کو بنورِ نبوت دیکھ رہے ہوں وہ ظاہر کو نہ دیکھ رہے ہوں گے۔ ضرور دیکھ رہے ہوں گے بلکہ محققین نے تو فرمایا ذرہ ذرہ کائنات نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم میں ایسے ہے جیسے (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

کی دلیل یہی ہے قل انما العلم عند اللہ الخ

فَلَمَّا رَاَوْهُ پس جب انہوں نے اسے دیکھا فاء فصیحہ ہے دو جملوں کی تقدیر کی خبر دیتی ہے اور شرطیہ کی ترتیب انہی پر ہے گویا کہا گیا کہ بے شک ان کے پاس موعود امر آیا تو اسے آنکھوں سے دیکھا یہاں رویت بصری مراد ہے ۔ یہاں غیر واقع امر کو بمنزلہ واقع کے لیا لیا ہے اس کی تحقیق کی وجہ سے **زُلْفَةً** (قریب) یہ مفعول رأوا کے مفعول سے حال ہے اس لئے کہ رآی رویت بصر سے ہے جیسا ابھی ہم کہہ آئے یا یہاں مضاف محذوف ہے یعنی ذا زلفة وقرب یا مصدر بمعنی فاعل ہے بمعنی مزدلفا اور حشر کے

(بقیہ حاشیہ سابقہ صفحہ سے آگے) ہا ہمہ کی متجلی جیسے طبرانی شریف کی حدیث میں حضرت علامہ نبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے جواہر البحار میں فرمایا کہ اِنَّ جسدہ الشریف لا یخلو منہ زمانٌ و لا مکانٌ ولا محلٌ ولا امکانٌ ولا عرشٌ ولا لوحٌ ولا کرسیٌ ولا قلمٌ ولا برٌّ ولا بحرٌ ولا سہلٌ ولا وعرٌ ولا برزخٌ ولا قبرٌ ایسا کیوں نہ ہو جب کہ حقیقت محمدیہ ذرے ذرے میں جاری وساری ہے کیونکہ تمام مخلوق آپ کے نور سے پیدا کی گئی ۔ اور یہ تمام علوم وکمالات اللہ تعالیٰ کی عطا ہے خود حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جیسا کہ ایک حدیث روح البیان پ ۲۷ میں گزری کہ لیلۃ المعراج قُطِرَتْ فِیْ حَلْقِیْ قَطْرَۃٌ فَعَلِمْتُ مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ ۔ کہ شب معراج اللہ عزوجل نے میرے حلق میں ایک قطرہ ڈالا جس سے میں نے جان لیا جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے ۔ یعنی از ابتدا تا انتہا ۔ اور یہ علم ابتدا اور انتہا کے درمیان ہے جو تفسیر میں بیان کیا گیا جس کا خلاصہ یہ ہوا وہ علوم جسے اللہ تعالیٰ عطا فرمادے ان کا انکار گمراہی ہے ۔

مقام عبرت اس مسئلہ میں زیادہ الجھنے والے فرقہ دیوبندی ہے ان کا اپنا حال یہ ہے کہ موج میں آجائیں تو اپنے مولویوں کا علم غیب بڑے فخر و ناز سے ثابت کر دکھلائیں اگر ڈوب جائیں تو نبوت کا نہ صرف انکار کر دیں بلکہ بڑی بے نیازی سے شرک کا فتویٰ جڑ دیں ان کے چند مولویوں کے حالات ان کے قلم سے پڑھیے ۔

(۱) مولوی احمد سعید صاحب ماہنامہ "برہان" دہلی اپنی پیدائش کے متعلق لکھتے ہیں مجھ سے پہلے ابا کے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئے تھے جن کا نو عمری میں ہی انتقال ہو گیا تھا ۔ اس کے بعد مسلسل سترہ سال تک ان کے کوئی اولاد نہ ہوئی ۔ یہاں تک کہ انہوں نے ترک ملازمت اور ہجرت کا قصد کیا ۔ (اس وقت وہ آگرہ لوہا منڈی کے سرکاری شفاخانے میں ملازم تھے) مگر جب قاضی (عبدالغنی) صاحب مرحوم (والد کے پیر ومرشد) کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے منع لکھ بھیجا اور ساتھ ہی خوشخبری دی (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

کے قرب سے وہ امر مراد ہے جو اس میں ان کے لئے تیار ہے۔ سِیْئَتْ سیاہ ہو جاتے ہیں وُجُوْهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا کافروں کے چہرے کہ انہیں ملائکہ سے دکھ رنج بدبختی اور ذلت وخواری چڑھ جاتی ہے وجوہ کا ذکر خصوصیت سے اس لئے ہے کہ اس پر ہی خوشی اور رنج کا اثر ظاہر ہوتا ہے اور موصول کو اسم ضمیر کے لانے میں ان کے کفر کی مذمت مطلوب ہے اور ان کے چہروں کے بگڑنے اور سیاہی کی تعلیل ہے۔ اصل کلام یوں ہے ساءت رؤیۃ الموعود وجوہھم۔ عذاب موعود کو دیکھتے ہی کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے جیسے قاتل کو قتل کے لئے قتل گاہ میں لایا جائے یا اس کے سامنے بعض عذاب آئے۔

حل لغات السیاءۃ ساءہ شیءٌ یسوءُ سوءً ومساءۃً سرّہ کی نقیض ہے (تاج المصادر) اندوہگین کرنا۔ پھر مبنی للمفعول کے معنی میں مستعمل ہونے لگا۔

(القاموس) میں ہے ساءہ بمعنی اس سے وہ کام کیا جو اسے ناگوار تھا اس معنی پر یہ متعدی ہے اور جائز ہے کہ یہ لازم ہو بمعنی قبح، اسی لئے یہ کبھی اصحاب الوجوہ کی طرف بھی مسند ہوتا ہے مثلاً ساؤا وقبحوا“

فائدہ: بعض نے کہا اس سے وہ محجوب مراد ہیں جو ابداء (ابتدائی تخلیق) کے تو قائل ہیں لیکن اعادہ (مرنے کے بعد اٹھنے) کے منکر ہیں لازماً ایسے لوگوں کے قیامت میں چہرے بگڑیں گے اور جو انہیں ناگوار ہے اس سے ناک بھوں چڑھائیں گے اور ان کے چہروں پر غم والم چھا جانا لازمی امر ہے کیونکہ ان پر ایسا سخت عذاب آئے گا جسے بیان نہیں کیا جا سکتا۔

(حاشیہ سابقہ بقایا) کہ ان کے ہاں لڑکا پیدا ہو گا چنانچہ اس بشارت کے چند سال بعد ..... ۸ رمضان کی تاریخ کو صبح صادق کے وقت میں پیدا ہوا تو ولادت سے دو گھنٹے قبل ابا نے حضرت مولانا گنگوہی اور حضرت مولانا نانوتوی کو خواب میں دیکھا کہ نوہا منڈی کے شفاخانے میں تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں ڈاکٹر! لڑکا مبارک، اس کا سعید نام رکھنا۔ چنانچہ ابا نے اس ارشاد کی تعمیل کی اور اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ میں بچہ کو دیوبند بھیج کر عالم بناؤں گا (دیکھئے انبیاء کے لئے تو علم ما فی الارحام کا انکار اور اپنے مردہ پیروں کے لئے اقرار اب ایک مرید کا عجیب تر واقعہ ملاحظہ فرمائیے۔

۲: شاہ عبدالرحیم صاحب ولائتی کے ایک مرید تھے جن کا نام عبداللہ خان تھا اور قوم کے راجپوت تھے اور یہ حضرت کے خاص مریدوں میں سے تھے ان کی حالت یہ تھی کہ اگر کسی کے گھر حمل ہوتا اور تعویذ لینے آتا تو آپ فرما دیا کرتے تھے کہ تیرے گھر میں لڑکی ہو گی کہ لڑکا اور جو بتلا دیتے تھے وہی ہوتا تھا ـــــ (ارواح ثلاثہ مولوی اشرف علی تھانوی) دیکھنا کتنا بڑا دعویٰ ہے ایسی شتر مرغی چال کے متعلق ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔

وَقِیْلَ: اور انہیں توبیخ کے طور کہا جائے گا آگ کے عذاب سے پہلے کیوں کہ آگ کے جسمانی عذاب سے روحانی طور عذاب زیادہ سخت ہوتا ہے اور کہنے والے زبانیہ فرشتے ہوں گے مجہول کا صیغہ اس لیے ہے کہ مقصود بیان المقول ہے نہ کہ قائل **ھٰذَا** مبتدا ہے اس کا اشارہ اسکی طرف ہے جسے وہ اپنے قریب دیکھیں گے اس کی خبر ہے۔ **الَّذِیْ کُنْتُمْ بِہٖ تَدَّعُوْنَ** یہ وہی ہے جسے تم دنیا میں طلب کرتے اور اس کے لئے انکار واستہزاء کے طور جلدی کا مطالبہ کرتے تھے گویا تم خود اسے مانگتے تھے۔ اسی معنیٰ پر بہٖ کی باء فعل کا صلہ ہے مثلاً کہا جاتا ہے۔ دعا بکذا بمعنی استدعاہ اسے خود مانگا بعض نے کہا یہ دعویٰ سے ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل ایمان تمہیں عذاب آخرت سناتے تو دعویٰ کرتے تھے کہ نہ مرنے کے بعد اٹھنا ہے اور نہ ہی محشر میں جمع ہونا ہے اور نہ ہی کوئی عذاب ہے اس معنیٰ پر باء سببیہ ہے اور ملابست کی بھی ہو سکتی ہے۔

حکایت ایک زاہد تمام رات یہی آیت پڑھتے رہے اور روتے بھی رہے یہاں تک کہ صبح کی نماز ہوئی یہی تمام عارفین کا شیوہ ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے جلال کی وجہ سے جب وہ اس کے قہر وجبروت کو دیکھتے ہیں تو اسی طرح روتے روتے راتیں بسر کرتے ہیں[1]

---

[1] چنانچہ حضرت خواجہ غلام فرید (کوٹ مٹھن شریف) قدس سرہ نے فرمایا کئی راتیں ڈٹھم سحر کر، یعنی کئی راتیں میں نے سحر تک بیداری میں گزار دیں۔

حکایت: حضرت خواجہ غلام فرید کوٹ مٹھن شریف قدس سرہ کے والد گرامی کا نام خدا بخش (قدس سرہ) تھا اور خیر پور ٹامیوالی کے خواجہ خدا بخش قدس سرہ ان کے ہم زمان تھے حضرت قبلہ عالم خواجہ نور محمد مہاروی قدس سرہ کے عرس شریف میں حاضری کے دوران ایک ہی مکان میں قیام رہا۔ فرق اتنا تھا کہ اول الذکر خواجہ نے مکان کے اندر اور خواجہ ثانی نے برآمدہ میں شب بسر فرمائی دونوں ہی عشاء کی نماز کے بعد آرام فرما ہوئے جب صبح کی اذان ہوئی خواجہ ثانی بستر سے اٹھ کر سیدھے مسجد میں نماز کے لئے چلے گئے خواجہ اول کے بعض رفقاء متعجب ہوئے تو خواجہ اول نے فرمایا ہم ساری رات سوتے رہے (تواضعاً فرمایا) اور وہ ساری رات بستر پر سو کر بھی اللہ تعالیٰ کی یاد میں بیدار رہے (تبصرہ اویسی غفرلہ) یہ تھے ہمارے خواجے اور آج کل کے خواجے اور مذکورہ بالا خواجاؤں کی وراثت کا دم بھرنے والوں کے اکثر کو پانچ وقت کی نماز نصیب نہیں۔ اگر مجھ جیسے انہیں اپنے خواجاؤں کی نقش قدم کی بات کریں تو یہ خواجے برسرپیکار ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان نام کے خواجاؤں کو اپنے خواجوں کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ ان کے طفیل ہم فقیروں کو بھی (آمین) (اویسی غفرلہ)

تفسیر عالمانہ

قُلْ اے خیر الخلق محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرمائیے۔ اَرَءَیْتُمْ مجھے ایسی پختہ خبر دو (اس کی جس پر تم ہو) جو دیکھی خبر کی طرح ہو۔

نکتہ: چونکہ رویۃ اخبار کی طرح ہوتی ہے اسی لئے اسے رویت سے تعبیر فرمایا۔ بعض نے کہا کہ چونکہ اخبار رویۃ سے مضبوط ہوتی ہے اسی لئے ارئیت اخبر کے معنیٰ میں شائع ہو گئی۔ اِنْ اَهْلَكَنِیَ اللّٰهُ وَ اگر مجھے موت دیدے۔

نکتہ: موت کو اہلاک سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ وہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اہل ایمان کے لئے موت کا دعویٰ کر کے ان پر تباہی و ہلاکت کا انتظار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) منقریب ختم ہو جائے گا یہ کبھی آگے نہیں بڑھ سکے گا۔ وَمَنْ مَّعِیَ اور وہ جو میرے اہل ایمان ساتھی ہیں اور تمہارا مقصد ہو جائے اَوْ رَحِمَنَا یا مجھ پر رحم فرمائے کہ چند روز مہلت دے جس سے ہمارا مقصد پورا ہو جائے تو ہم اس کی جوار رحمت میں ہی ہیں دو بھلائیوں میں سے ایک کا انتظار ہے:

(۱) دنیا سے کوچ کر گئے تو ہمیں جنت نصیب ہو گی۔

(۲) دنیا میں رہے کہ ہم پر فتح و نصرت کے دروازے مفتوح ہوں گے اور اسلام پھولے گا پھلے گا جس کی ہمیں امید ہے لیکن یہ تو بتاؤ کہ ہماری موت سے کیسی راحت اور کونسا نفع ہو گا جب کہ تمہارا انجام عذاب کے سوا اور کچھ نہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَمَنْ یُّجِیْرُ الْکٰفِرِیْنَ تو کون پناہ دے گا اور نجات دے گا اور چھڑائے گا۔

حل لغات

(تہذیب المصادر) میں ہے کہ الاجارۃ بمعنی پناہ دینا اور القاموس میں ہے اجارہ انقذہ و اعاذہ، اسے بچایا اور اسے پناہ دی۔ اَلْکٰفِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ (کافروں دردناک عذاب سے) الیم بمعنی مولم شدید الایلام سخت تر عذاب رسان اے کافرو تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کوئی نہ بچا سکے گا جب وہ نازل ہوا ہم دنیا سے رخصت ہو جائیں یا زندہ رہیں کیوں کہ نجات کا دارومدار ایمان اور عمل صالح پر ہے۔

نکتہ: الکافرین کو ضمیر کے بجائے لانا مہر ثبت کرنا ہے ان کے کفر پر اور ان کی عدم انجار کی نفی کی تعلیل ہے۔

سوال: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کیوں فرمایا ان اھلکنی الیہ الخ حالانکہ آپ کو علم تھا کہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام اور اہل ایمان کو ہلاک نہیں کرتا۔

جواب : تخوفنا (ڈرانا) میں مبالغہ مطلوب ہے گویا کہا گیا کہ ہم انبیاء علیہم السلام اور اہل ایمان اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں کہ وہ گناہوں کی وجہ سے ہماری گرفت فرمادے تو اسے کون روکے تو پھر تم کون لگتے ہو کہ اگر تمہیں عذاب میں وہ مبتلا کردے تو اسے کوئی بھی نہیں روک سکتا تم کافر ہو کر کیوں کہ اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے حالانکہ تمہارے جرائم کا تقاضا ہے کہ تم عذاب میں مبتلا ہو جاؤ۔ یہاں اھلکنا بمعنی عذبنا بعذاب ہمیں کسی عذاب سے عذاب دے۔ رحمنا بمعنی غفرلنا (ہمیں بخش دے) ہے (الجلالین) قُلْ اے مخلوق کے شفیق ترین حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیے **هُوَ الرَّحْمٰنُ** وہ بڑا مہربان ہے جو تمہیں اپنی عبادت کی دعوت دیتا ہے اور بہت نعمتوں کا مالک ہے اور پھر وہ عطا فرماتا ہے **اٰمَنَّا بِهٖ** ہم اس پر ایمان لائے وہ اکیلا ہے جب ہمیں معلوم ہوا کہ اس کے ماسوا یا نعمت ہے یا وہ ہیں جس پر اس کا انعام ہے ہم نے اس سے کفر نہیں کیا جیسے تم نے کیا۔

نکتہ : اٰمنا کی بہٖ پر تقدیم کفار کے لئے تعریض ہے کہ اس کے بعد یہ مذکور ہوا۔ **وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا** اور ہم نے صرف اسی پر بھروسہ کیا اور جملہ امور اسی کو سپرد کئے نہ کہ اس کے غیر کو، جیسے تم نے کیا کہ تمہارا حال ہے کہ تم نے اپنے مردوں اور اموال پر بھروسہ کیا کیوں کہ ہمیں معلوم ہے کہ اس کے ماسوا تمام کے تمام کسی کو نفع و نقصان نہیں دے سکتے۔

نکتہ : یہاں توکلنا پر علیہ کی تقدیم اختصاص پر دلالت کرتی ہے **فَسَتَعْلَمُوْنَ** کفار کہ تم عنقریب جان لوگے جب عذاب کو آنکھوں سے دیکھو گے **مَنْ** استفہامیہ یا موصولہ ہے **هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ** کون ہے وہ جو کھلی گمراہی میں ہے تم یا ہم یعنی عنقریب خطاء ظاہر ہو جائے گی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ علیہ توکلنا الخ یعنی ہم اس کے فیض اتم والطف اعم پر ہم نے کلی طور بھروسہ کیا نہ کہ اس کے غیر پر عنقریب تم معلوم کر لوگے کہ استفاضہ (فیض حاصل کرنا) کے لئے کس نے اس کی طرف توجہ کی اور کس نے اس سے انکار کر کے روگردانی

تفسیر عالمانہ **قُلْ** (اے اکرم الخلق محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیے) **اَرَءَيْتُمْ**۔ مجھے خبر دو **اِنْ اَصْبَحَ** اگر ہو جائے (اصبح بمعنی صار ہے) (مَآؤُكُمْ) تمہارا پانی اے اہل مکہ دونوں کنوؤں (۱) بئر زمزم (۲) بئر میمون الحضرمی) ہو جائے (غَوْرًا) اصبح کی خبر ہے۔

حل لغات غور مصدر بمعنی فاعل یعنی غارُ ۱ یعنی وہ پانی بالکل زمین میں چلا جائے اور اتر جائے کہ وہاں تک ہو کر نہ پہنچ سکے اور نہ ہی دیگر کسی حیلہ سے حاصل کیا جا سکے جیسے مصدر کو

وصف فاعل میں لانے سے معلوم ہوتا ہے یعنی وہ پانی زمین میں دھنس جائے کہ نہ ہاتھ پہنچ سکے نہ ہو کہ کہا جاتا ہے غار الماء الخ یعنی پانی زمین میں دھنس گیا المفردات میں ہے لغور بمعنی المنسبط من الارض زمین میں گرنے والا۔
فَمَنْ یَّاْتِیْكُمْ تو اس وقت تمہاری کمزوری پر کون لائے گا بِمَآءٍ مَّعِیْنٍ جاری پانی۔

حل لغات معین عان الماء یا مَعَنَ سے ہے ہر دو نوں کا معنی ہے جری (جاری ہوا) یا معین بمعنی ظاہرہ چشمے جن سے پانی آسانی سے حاصل ہو سکے یعنی وہاں ہاتھ پہنچ سکے اس معنی پر معین بمعنی اسم مفعول ہے از عین بمعنی الباصرہ جیسے مبیع از بیع۔

نکتہ : قُلْ کا تکرار مقول کی تاکید اور مقول لہ کو خوش کرنے کے لئے ہے۔

سوال : تمام نعمتوں کا ذکر چھوڑ کر پانی (نعمت) کا ذکر کیوں۔

جواب : پانی ہر جگہ موجود اور بہت کم مفقود (گم) ہوتا ہے (الاسئلۃ المقحمۃ)

مسئلہ : آثار میں ہے کہ اس سورۃ (ملک) کو ختم کرنے کے بعد پڑھنا چاہیے۔ "اللہ رب العالمین" اللہ رب العالمین پانی لائے گا۔

حکایت تفسیر زاہدی میں ہے کہ کسی زندیق نے سنا کہ استاد شاگرد کو یہی آیت سنا کر تلقین کر رہا تھا کہ پانی کون لاتا ہے۔ زندیق نے کہا کسی اور کام کرنے والا مزدور۔

فائدہ قاموس میں ہے کہ المعول وہ ہے کہ آلہ جس سے پہاڑ کھودے جاتے ہیں یعنی کسی کدال وغیرہ۔ زندیق سرکش اسی دن کی آنے والی رات کو اندھا ہو گیا۔ ہاتف کچھ کہتا تھا اسے سنائی دیتا تھا لیکن کوئی نظر نہیں آتا تھا وہ ہاتف کہتا تھا کہ تیری آنکھ میں پانی دھنس گیا ہے۔ اسے مزدوروں کو کہو تاکہ وہ کسی اور کدال سے لائیں۔ (نکالیں)

ہم اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہیں اس پر اس کی آیات، پر جرأت کرنے اور قرآن اور اس کی آیات کی ہتک ہے۔

سبق : اس کی آنکھ چھین لی گئی تاکہ جنس عمل سے ہی سزا ہو۔

حکایت : مثنوی شریف میں یوں ہے ؎

١ : فلسفیٔ منطقیٔ مستہان
می گذشت از سوئے مکتب آن زمان

٢ : چونکہ بشنید آیت او از ناپسند
گفت ما آریم آبے بر بلند

٣ : تا بزخم بیل و تیزیٔ تبر
آب را آریم از پستی زبر

۴ ، شب بخفت و دید او یک شیر مرد
زد طبانچہ ہر دو چشمش کور کرد
۵ ، گفت ہاں زین چشمۂ چشم ای شقی
بالتبر نوری بر آرار صادقی
۶ ، روز بر جست و دو چشمش کور دید
نور فائض از دو چشمش نا پدید

ترجمہ ۱ ، ایک فلسفی معقولی (بے دین) ذلیل۔ دن کو ایک مدرسہ سے گزرا
۲ ، جب یہ آیت سنی تو اسے پسند نہ آئی۔ کہا پانی ہم اوپر لاسکتے ہیں۔
۳ ، کسی اور کدال کی تیزی سے نیچے سے اوپر پانی نکال لائیں گے۔
۴ ، رات کو سویا تو ایک مرد شیر دیکھا جس نے طمانچہ مار کر اسے اندھا کر دیا۔
۵ ، فرمایا اے بدبخت اس آنکھ کے چشمے سے اگر تو سچا ہے تو نور لے آ۔
۶ ، دن کو اٹھا تو دونوں آنکھوں سے اندھا تھا اس کی دونوں آنکھوں سے نور نکل گیا۔

فضائل سورۃ الملک

حدیث شریف میں ہے کہ ایک سورت کی تیس آیات ہیں وہ پڑھنے والوں کو دوزخ سے نکال کر بہشت میں داخل کرے گی اور سورۃ ملک شریف ہے۔

فائدہ : التیسیر (تفسیر) میں ہے کہ اس سورۃ کی تیس آیات اور تین سو تینتیس ۳۳۳ کلمات اور ایک ہزار تین سو اکیس حروف ہیں۔

(۲) ایک اور حدیث میں وارد ہے کہ سورۃ تبارک الذی بیدہ الملک ہر مومن کے دل میں ہے۔

(۳) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو آرام فرمانے سے پہلے سورۃ ملک والم تنزیل (سجدہ) تلاوت فرماتے تھے۔

(۴) سیدنا حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو اسے پڑھے گا وہ قیامت میں ملائکہ کرام کے پروں پر آئے گا اور اس کا چہرہ یوسف علیہ السلام کے چہرہ جیسا ہو گا۔

(۵) **حکایت :** سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے ایک قبر پہ بے خبری میں خیمہ لگایا اچانک وہاں سنا کہ کوئی شخص سورۃ الملک پڑھ رہا ہے وہ صحابی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں نے بے خبری میں قبر پر خیمہ لگایا تو اس جگہ (قبر) سے سورۃ الملک پڑھنے والے (صاحب قبر) نے پڑھی آپ نے فرمایا یہ سورۃ مانعہ (عذاب سے روکنے والی) ہے

اور یہ منجیہ ہے کہ عذابِ قبر سے نجات دلاتی ہے توراۃ میں اس کا نام مانعہ اور انجیل میں اس کا نام وقیہ ہے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ اقدس میں اس کا نام المنجیہ تھا۔

۶ ۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قبر میں نکیرین میت کے سر کی طرف سے آئیں گے انہیں کہا جائے گا اس پر تمہارا کوئی چارہ نہیں اس لئے کہ یہ سورۃ ملک پڑھا کرتا تھا پھر اس کے پاؤں کی جانب سے آئیں گے تو کہا جائے گا تمہارا اس پر بس نہ چلے گا کیوں کہ وہ رات کو قیام (نماز) میں سورۃ ملک پڑھا کرتا تھا، پھر وہ اس کے پیٹ کی جانب سے آئیں گے تو کہا جائے گا تمہارا اس پر بس نہ چلے گا کیوں کہ یہ سورۃ ملک کا حافظ ہے یعنی اس نے اس سورۃ کو اپنے پیٹ (دل) میں محفوظ کر رکھا تھا۔

فائدہ : جو اسے دن یا رات کو پڑھے گا وہ مال و اسباب بکثرت پائے گا اور خوش رہے گا۔

تفسیر صوفیانہ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ اہلِ حقائق کے نزدیک سورۃ ملک اس امام (دل) کی سورۃ ہے جو قلب زمانہ کے دائیں جانب رہتا ہے اور وہ اس کے عالم شہادت کا ناظر ہے جیسا کہ اس کی طرف ملک الناس دال ہے۔

اس سورۃ کا راز اس کے اوّل میں اور سورۃ یٰسین کا راز آخر میں ہے وہ ہے فسبحٰن الذی الخ یہی وجہ ہے کہ یہ سورۃ نزع رُوح کے وقت میت کو سنائی جاتی ہے کیوں کہ یہ ملکوت یعنی روح کے قبض کا وقت ہے اور وہ صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

رد وہابیہ موتیٰ قبور میں قرآن پڑھتے ہیں اور مرنے کے بعد نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور علم بھی سیکھتے ہیں قراۃ القرآن پر دلیل وہ حدیث ہے جسے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت کیا ہے (اخرجہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ)

عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال یعطی المومن مصحفا یقراء فی القبر

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مومن کو قرآن عطا ہوتا ہے جسے وہ قبر میں تلاوت کرتا ہے۔

حکایۃ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت ثابت البنانی رضی اللہ عنہ کو قبر میں دیکھا کہ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں (ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی قبر سے ایک اینٹ گر گئی تھی اس سے سوراخ ہوا تو آپ نماز پڑھتے دیکھے گئے ویسے عوام ان کی قبر سے ان کا قرآن پڑھنا سنتے تھے۔

تعلیم القرآن میت کا حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے روایت پہنچی ہے کہ مومن جب مرجاتا ہے اور اس نے قرآن حفظ نہ کیا ہو تو حفظ ملائکہ کو حکم

ہوتا ہے کہ اسے قبر میں قرآن پڑھائیں یہانتک کہ وہ اپنے اہل کے ساتھ (قیامت میں) قبر سے اُٹھے۔

قصہ مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ کی توبہ کا

حضرت امام یافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ کی دو سالہ لڑکی فوت ہو گئی یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ تائب نہیں ہوئے تھے لڑکی کو خواب میں دیکھا تو لڑکی نے کہا اباجی الم یان للذین آمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ کیا وہ ابھی وقت نہیں آیا کہ اہل ایمان کے لئے کہ ان کے قلوب ذکر الٰہی کے لئے خشوع کریں۔ مالک بن دینار سن کر رو پڑے اور کہا بیٹی کیا تم لوگ قرآن مجید کو جانتے ہو عرض کی اباجی ہم تم لوگوں سے قرآن مجید کو زیادہ جانتے ہیں۔

فائدہ: حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ کی توبہ کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے۔

فائدہ: امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الجواہر (والیواقیت) میں بعض اہل اللہ سے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ بعض اہل برزخ میں ایسے حضرات ہوتے ہیں جن کی ہمت میں سے ایک ایسا شخص پیدا کیا جاتا ہے جو اس کی قبر میں وہ عمل کرتا رہے جو اس کا دنیا میں اکثر ہوتا تھا اور اس کا ثواب برزخ تک اس کے عملنامہ میں لکھا جائے جیسے حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے لئے ہوا کہ ان کی قبر میں ایسا شخص دیکھا گیا جوان کی صورت میں ان کی قبر میں نماز پڑھتا تھا لوگوں نے سمجھا کہ شاید وہی (اصل) ثابت بنانی ہیں حالانکہ وہ تو ان کی ہمت کا ایک مثالی شخص تھا ایسے ہی اہل برزخ کی خیالی صورتیں بعض اہلِ دنیا کو خواب اور بیداری میں نظر آتی ہیں۔

فائدہ: وہ مثالی صورت جو دیکھی جاتی ہے وہ ایک فرشتہ ہوتا ہے اس ولی اللہ کی ہمت سے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا یا کوئی مثالی صورت ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے قائم فرمائی تاکہ جو اللہ چاہے لوگوں کے حوائج و ضروریات (اس صورۃ مثالی) کے ذریعے پورے فرمائے (اسی لئے اہلسنت عوام و خواص کا مزارات اولیاء کرام پر حاضر ہو کر حاجات کا طلب کرنا حق ہوا اور یہ اللہ تعالیٰ کا نظام ہے جس کے وہابی۔ دیوبندی منکر ہیں) کیونکہ ارواح تو برزخ میں ہیں دنیا کی طرف جانے کا کیا معنی۔

مسئلہ: ارواح انبیاء علیہم السلام وہ دنیا و آخرت۔ ہر دونوں کی طرف متوجہ ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام شب معراج میں

امام سیوطی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ بعض محققین فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب معراج حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ مزار میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں پھر کہا چھٹے آسمان پر اُن سے ملاقات ہوئی تو وہ آسمان میں مثالی بدن میں تھی اور ارواح کو اس اصلی بدن سے بھی اتصال تھا۔ جو نماز پڑھ رہا تھا

اور سلام عرض کرنے والے کو سلام کا جواب دیتا ہے ۔ یہی رفیق اعلیٰ ہے۔

ردوہابیہ

اور ان دو امروں میں منافات بھی نہیں کیوں کہ ارواح کا معاملہ ابدان سے مختلف ہے اس کی مثال شمس (سورج) کی سی ہے کہ وہ آسمان میں ہے ۔ لیکن اس کی شعاعیں زمین کے ذرہ ذرہ میں ہیں۔

حاضروناظر کا ثبوت

یہی حال روح محمدی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کا ہے کہ جو آپ کے مزار پر سلام عرض کرے تو آپ ہمیشہ اسے فوراً سلام کا جواب عنایت فرماتے ہیں ۔ حالانکہ قطعی فیصلہ ہے کہ آپ کی روح پاک اعلیٰ علیین میں ہے ۔ حالانکہ وہ روح اقدس مزار سے بھی منقطع نہیں ہوتی جیسے آپ سے روایات مرویہ ہیں (ردوہابیہ) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ :

والرسول له الخيار في طواف العوالم مع ارواح الصحابة رضي الله عنهم لقد رآه كثير من الاولياء (روح البيان ص ۹۹ ج ۱۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مع ارواح صحابہ رضی اللہ عنہم عوالم کی سیر میں اختیار ہے چنانچہ بہت سے اولیاء کرام نے آپ کی زیارت کی۔

نیز فرمایا حضرت صدر الدین قنوی قدس سرہ نے کہ

فمن ثبت المناسبة بينه وبين الارواح الكمل من الانبياء والاولياء الماضين اجتمع بهم متى شاء وتوجه توجها وجدانيا يقظة ومناما (روح البيان ص ۹۹ ج ۱۰)

جسے ارواح کاملین از انبیاء و اولیاء صاحبان وصال (مزارات والے) سے مناسبت ثابت ہے تو وہ ان سے ملاقات کرتا ہے جب چاہتا ہے جب بھی توجہ وجدانی سے متوجہ ہوتا ہے تو بیداری میں اور خواب میں ان کی زیارت سے مشرف ہوتا ہے۔

فراغت صاحب روح البیان قدس سرہ

صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ یہ سورۃ ملک کی تفسیر اللہ تعالیٰ کی مدد سے یکم شعبان المبارک ۱۱۱۴ھ کو مکمل ہوئی

اور فقیر اویسی غفرلہ نے سورۃ ملک کی تفسیر کے ترجمہ سے ۴ ربیع الآخر ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۵ نومبر ۱۹۸۸ء ۱۰ بجے شب سہ شنبہ کو فراغت پائی ۔ الحمد للہ علی ذلک وصلی اللہ علی حبیبہ الاکرم وعلی آلہ واصحابہ وجندہ الاعظم ۔ (بہاولپور پاکستان ۔)

سُوْرَةُ الْقَلَمِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اٰيَاتُهَا ۵۲ رُكُوْعَاتُهَا ۲

سورہ قلم مکیہ ہے اس میں اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا باون آیتیں اور دو رکوع ہیں

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝۱ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝۲ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا

قلم اور ان کے لکھے کی قسم تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں اور ضرور تمہارے لیے

غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝۳ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝۴ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ۝۵ بِاَيِّكُمُ

بے انتہا ثواب ہے اور بے شک تمہاری خو بو بڑی شان کی ہے تو اب کوئی دم جاتا ہے کہ تم بھی دیکھ لوگے اور وہ بھی دیکھ لیں گے

الْمَفْتُوْنُ ۝۶ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۪ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝۷

کہ تم میں کون مجنون تھا بے شک تمہارا رب خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بہکے اور وہ خوب جانتا ہے جو راہ پر ہے

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۸ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ۝۹ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ

تو جھٹلانے والوں کی بات نہ سننا وہ تو اس آرزو میں ہیں کہ کسی طرح تم نرمی کرو تو وہ بھی نرم پڑ جائیں اور ہر ایسے کی بات نہ سننا جو بڑا قسمیں

مَّهِيْنٍ ۝۱۰ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ ۝۱۱ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝۱۲ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ۝۱۳

کھانے والا۔ ذلیل بہت طعنے دینے والا بہت ادھر کی ادھر لگاتا پھرنے والا بھلائی سے بڑا روکنے والا حد سے بڑھنے والا گنہگار

اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ۝۱۴ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۵

درشت خو اس سب پر طرہ یہ کہ اس کی اصل میں خطا اس پر کہ کچھ مال اور بیٹے رکھتا ہے جب اس پر ہماری آیتیں پڑھی جائیں کہتا ہے کہ

سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ۝۱۶ اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا

اگلوں کی کہانیاں ہیں قریب ہے کہ ہم اس کی سور کی سی تھوتھنی پر داغ دیں گے بے شک ہم نے انہیں جانچا جیسا اس باغ والوں کو جانچا تھا

لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ۝۱۷ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ۝۱۸ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ

جب انہوں نے قسم کھائی کہ ضرور صبح ہوتے اس کے کھیت کاٹ لیں گے اور ان شاء اللہ نہ کہا تو اس پر تیرے رب کی طرف سے ایک پھیری کرنے

وَهُمْ نَآئِمُوْنَ ۝۱۹ فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ۝۲۰ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ۝۲۱ اَنِ اغْدُوْا

والا پھیرا کر گیا اور وہ سوتے تھے تو صبح رہ گیا جیسے پھل ٹوٹا ہوا پھر انہوں نے صبح ہوتے ایک دوسرے کو پکارا کہ تڑکے اپنی کھیتی

عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ۝۲۲ فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ۝۲۳ اَنْ لَّا

کو چلو اگر تمہیں کاٹنی ہے تو چلے اور آپس میں آہستہ آہستہ کہتے جاتے تھے کہ ہرگز آج

يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ۝۲۴ وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ۝۲۵ فَلَمَّا

کوئی مسکین تمہارے باغ میں آنے نہ پائے اور تڑکے چلے اپنے اس ارادہ پر قدرت سمجھتے پھر جب اسے دیکھا

رَاَوْهَا قَالُوْۤا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ﴿۲۶﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ
بے شک ہم راستہ بہک گئے بلکہ ہم بے نصیب ہوئے ان میں جو سب سے غنیمت تھا بولا کیا میں تم
لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ
سے نہیں کہتا تھا کہ تسبیح کیوں نہیں کرتے بولے پاکی ہے ہمارے رب کو بے شک ہم ظالم تھے اب ایک دوسرے کی طرف
عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ﴿۳۱﴾ عَسٰى رَبُّنَاۤ اَنْ
ملامت کرتا متوجہ ہوا بولے ہائے خرابی ہماری بے شک ہم سرکش تھے۔ امید ہے ہمیں ہمارا رب اس
يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَاۤ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ
سے بہتر بدل دے ہم اپنے رب کی طرف رغبت لاتے ہیں مار ایسی ہوتی ہے اور بے شک آخرت کی مار سب سے
اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۳۴﴾
بڑی کیا اچھا تھا اگر وہ جانتے بے شک ڈر والوں کے لیے ان کے رب کے پاس چین کے باغ ہیں
اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ مَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ
کیا ہم مسلمانوں کو مجرموں کا سا کر دیں تمہیں کیا ہوا کیسا حکم لگاتے ہو کیا تمہارے لیے
فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ﴿۳۸﴾ اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا
کوئی کتاب ہے اس میں پڑھتے ہو کہ تمہارے لیے اس میں جو تم پسند کرو یا تمہارے لیے ہم پر کچھ قسمیں ہیں قیامت
بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۹﴾ سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ﴿۴۰﴾
تک پہنچتی ہوئی کہ تمہیں ملے گا جو کچھ دعویٰ کرتے ہو تم ان سے پوچھو ان میں کون سا اس کا ضامن ہے
اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ ۚ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۴۱﴾ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ
یا ان کے پاس کچھ شریک ہیں تو اپنے شریکوں کو لے کر آئیں اگر سچے ہیں جس دن ایک ساق کھولی جائے گی
سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۴۲﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ
جس کے معنی اللہ ہی جانتا ہے اور سجدہ کو بلائے جائیں گے تو نہ کر سکیں گے نیچی نگاہیں کیے ہوئے ان پر خواری
تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۗ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَذَرْنِيْ
چڑھ رہی ہوگی اور بے شک دنیا میں سجدہ کے لیے بلائے جاتے تھے جب تندرست تھے تو جو اس بات کو
وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ۭ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۴﴾
جھٹلاتا ہے اسے مجھ پر چھوڑ دو قریب ہے کہ ہم انہیں آہستہ آہستہ لے جائیں گے جہاں سے انہیں خبر نہ ہوگی

وَاُمۡلِیۡ لَهُمۡ ؕ اِنَّ كَيۡدِیۡ مَتِيۡنٌ ﴿۴۵﴾ اَمۡ تَسۡـَٔلُهُمۡ اَجۡرًا فَهُمۡ مِّنۡ مَّغۡرَمٍ مُّثۡقَلُوۡنَ ﴿۴۶﴾
اور میں انہیں ڈھیل دوں گا بے شک میری خفیہ تدبیر بہت پکی ہے یا تم ان سے اجرت مانگتے ہو کہ وہ چٹی کے بوجھ میں دبے ہیں

اَمۡ عِنۡدَهُمُ الۡغَيۡبُ فَهُمۡ يَكۡتُبُوۡنَ ﴿۴۷﴾ فَاصۡبِرۡ لِحُكۡمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنۡ كَصَاحِبِ
یا ان کے پاس غیب ہے کہ وہ لکھ رہے ہیں تو تم اپنے رب کے حکم کا انتظار کرو اور اس مچھلی والے کی طرح نہ ہونا

الۡحُوۡتِ ۘ اِذۡ نَادٰی وَهُوَ مَكۡظُوۡمٌ ﴿۴۸﴾ لَوۡلَاۤ اَنۡ تَدٰرَكَهٗ نِعۡمَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ
جب اس حال میں پکارا کہ اس کا دل گھٹ رہا تھا اگر اس کے رب کی نعمت اس کی خبر کو نہ پہنچ جاتی تو ضرور میدان پر

لَنُبِذَ بِالۡعَرَآءِ وَهُوَ مَذۡمُوۡمٌ ﴿۴۹﴾ فَاجۡتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۵۰﴾
پھینک دیا جاتا الزام دیا ہوا تو اسے اس کے رب نے چن لیا اور اپنے قرب خاص کے سزاواروں میں کر لیا

وَاِنۡ يَّكَادُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَيُزۡلِقُوۡنَكَ بِاَبۡصَارِهِمۡ لَمَّا
اور ضرور کافر تو ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا اپنی بد نظر لگا کر تمہیں گرا دیں گے جب قرآن سنتے

سَمِعُوا الذِّكۡرَ وَيَقُوۡلُوۡنَ اِنَّهٗ لَمَجۡنُوۡنٌ ﴿۵۱﴾ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكۡرٌ
ہیں اور کہتے ہیں یہ ضرور عقل سے دور ہیں اور وہ تو نہیں مگر نصیحت سارے

لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۵۲﴾
جہاں کے لیے

تفسیر عالمانہ نٓ یعنی یہ سورۃ نون ہے یا بمعنی بحق نون اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کی قسم یاد فرمائی ہے حکم کے اثبات کے لئے بطریقۂ تاکید جیسے مخلوق کی عادت ہے علاوہ ازیں اس سے مقسم بہ کے شان کا اظہار ہے۔

فائدہ : نٓ لکھنے میں ایک حرف لیکن پڑھنے میں تین حروف ہیں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھا ہے ایک حرف کے بدلے نیکی نصیب ہوں گی اور ہر نیکی دس نیکیوں کے برابر ہو نگی میں نہیں کہتا کہ الٓمّٓ حرف ہے بلکہ الف علیحدہ حرف ہے لام اور میم علیحدہ علیحدہ،

فائدہ : اس سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد حروف تہجی ہیں اس معنیٰ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اُمید ہے کہ نٓ کے پڑھنے سے تیس (۳۰) نیکیاں نصیب ہوں اس لئے کہ نٓ پڑھتے وقت تین

حروف ہیں دو نون اور ان کے درمیان واؤ۔

فائدہ : بعض نے کہا کہ نٓ اسم نور و ناصر کی کنجی ہے یا اللہ تعالیٰ نے نصرۃ اللہ کی قسم یاد فرمائی جو اہل ایمان کو نصیب ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا **وکان حقاً علینا نصر المومنین** ہم پر حق ہے اہل ایمان کی مدد کرنا (از روئے لطف و کرم)

نٓ رسول اللہ کا نام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نٓ اللہ تعالیٰ کے اسماء سے ایک اسم ہے یا یعنی کہ جب تین سورتوں کے اوائل کا اجتماع ہو تو الرحمٰن بنتا ہے۔ (۱) الٓرٰ (۲) حٰمٓ (۳) نٓ۔

بعض نے کہا کہ یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسماء میں سے ایک نام ہے (التکملہ)

اوّل ما خلق اللہ نوری

شاید اس قائل کا اشارہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی اوّل ما خلق اللہ نوری[۱]۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور پیدا فرمایا (روح البیان ص ۱۰) اس معنیٰ پر آپ کا اسم نور ہوا۔

سوال : اس سے تو تکرار لازم آتا ہے کیوں کہ آپ کے اسماء میں سے القلم بھی ہے جیسے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا **اوّل ما خلق اللہ القلم** (روح البیان ص ۱۰ ج ۱) سب سے پہلے اللہ تعالیٰ قلم کو پیدا فرمایا[۲]۔

جواب : یہ تغایر عنوانی ہے اور تغایر عنوانی بمنزلہ

---

[۱] افسوس ہے کہ دور حاضرہ میں اس حدیث شریف کو موضوع کہہ دیا جاتا ہے یا کم از کم ضعیف کہنے والے تو بکثرت ہیں لیکن الحمدللہ ہمارے ہاں یہ حدیث صحیح ہے اس کے دلائل فقیر کی کتاب شرح حدیث اوّل ما خلق اللہ نوری میں ملاحظہ ہو۔ (اویسی غفرلہ)

[۲] اور قلم سے مراد بھی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ہیں اگرچہ ہمارے دور کے خوارج سرے سے روایات کو نہیں مانتے اگر کوئی انہیں نرم ہو کر مان بھی لیں کہ یہ روایات صحیح سہی لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضور علیہ السلام روح بھی ہوں نور بھی اور قلم بھی، تو اس کا جواب ظاہر ہے کہ حیثیات مختلفہ کی وجہ سے اسماء مختلف ہوں تو کیا حرج ہے مثلاً ایک صاحب قرآن کا حافظ و عالم و عامل ہے اور پھر بالبعض کا باپ ہے کسی کا بیٹا ہے اور وہی مقرر ہے مدرس ہے خطیب ہے وغیرہ وغیرہ تو اسے ان اوصاف مختلفہ سے علیحدہ

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

تغایر فی الذات ہے اس تقریر پر حضور علیہ السلام باعتبار نورانیت کے نور اور باعتبار صاحب القلم کے قلم ہیں جیسے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سیف اللہ المسلول بھی کہا جاتا کیوں کہ آپ صاحب سیف المسلول تھے۔

فائدہ : بعض نے کہا وہ (ن) نور کی لوح یا ایک نہر کا نام ہے جو بہشت میں ہے۔

فائدہ : المفردات میں ہے کہ نون بڑی مچھلی کو کہا جاتا ہے اسی لئے حضرت عکرمہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس مچھلی کی قسم یاد فرمائی ہے جس نے نمرود کے تیر کو اپنا خون سے آلودہ کیا جب کہ اس نے آسمان کی طرف تیر پھینکا تو وہ خون آلود تھا اس مچھلی کے خون سے جو آسمان میں ہے ہوا پر معلق ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی عزت افزائی کرتے ہوئے اس کی قسم یاد فرمائی اور انعام یہ دیا کہ اس کی تمام جنس کو ذبح کے بغیر حلال فرما دیا۔ اسی لئے حکم ہے کہ دو مردار بغیر ذبح کے حلال ہیں۔

(۱) مچھلی (۲) ٹڈی اسی معنیٰ میں ہیں وہ جو طعام تحلیل (رل جائیں) جیسے چھوٹے کیڑوں کا طعام کے ساتھ

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا) علیحدہ کر کے پوچھا جائے تو اسی ایک صاحب کا نام آئے گا تو پھر ہم کیوں اپنے پاک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مختلف اوصاف پر وہی کہیں جو علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ
(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

اور فرمایا ؎

لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبگینہ رنگ، تیرے محیط میں حباب
عالمِ آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرّۂ ریگ کو دیا تو نے طلوعِ آفتاب
آیۂ کائنات کا معنیٔ دیر یاب تو
نکلے تیری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو
(بالِ جبریل۔)

بے خبری میں پک جانا کیوں کہ ان سے احتراز ناممکن ہے ہاں انہیں علیحدہ کھانا حرام ہے اس طرح جیسے مکھی بچھو وغیرہ اور ہر وہ جو جس میں بہنے والا خون نہیں ان کی حرمت کی دلیل تو کوئی نہیں البتہ ان سے طبعی کراہت ہے اگر کسی کی گندی طبیعت ان سے کراہت نہ ہو تو کھا سکتا ہے اور اس کی گندی ایسی گندی چیزوں کی خوگر ہے تو اس کی خصوصی طبیعت پر اسے چھوڑ دیا جائے[2] کیوں کہ اس کی طبیعت خباثت کی خوگر ہے کہ اس طبیعت میں گرفتار ہے جس میں گندگیوں کا گھر ہے بہرحال ایسی چیزوں کو نہیں کھانا چاہیے[1]

---

[1] : جیسے ہمارے دور میں انڈیا کا ایک سابق وزیر اعظم مرار ڈیسائی اپنے پیشاب کے پینے کو فخر محسوس کرتا ہے اپنے دور حکومت (انڈیا) میں اس کی یہ خبر تمام دنیا کے اخبارات میں شائع ہوئی ۔

[2] : آپ تعجب نہ کریں کہ ایسی گندی طبیعت کے لوگ بھی دنیا میں ہوں گے مرار ڈیسائی کا حال پڑھ لیا تو اب فقیر آپ کو دین کے ٹھیکیداروں کا حال دکھائے کہ ایک طرف عالم دنیا میں ان کے علم و عمل کا چرچہ ہے بلکہ خود انہیں اپنی دستار و جبہ اور دین کی ٹھیکیداری پر ناز ہے تو دوسری طرف طبائع کا نہیں فتاوی کا یہ حال ہے ۔

وہابی غیر مقلدین جانور کے بہنے والے خون کے ماسوا اس کی تمام اشیاء و جملہ اجزاء کو پاک و طاہر قرار دیتے ہیں جیسا کہ : اس کی منی، کپورے، پیشاب اور پیشاب نکلنے کی جگہ، مینگنی اور مینگنی نکلنے کی جگہ سب پاک و طاہر جانتے ہیں یہاں تک کہ وہ مردار بچہ بھی حلال ہے جو جانور کو ذبح کرنے کے بعد اس کے پیٹ میں سے مرا ہوا نکلے ۔ الغرض جانور کے بہتے خون کے سوا اس کے باقی اجزاء میں سے کوئی جزو نہ نجس ہے نہ حرام ہے (ملاحظہ ہو ۔ ہفت روزہ تنظیم اہل حدیث لاہور ۱۹ر اکتوبر ہفت روزہ الاسلام ۲ر نومبر، ہفت روزہ الاعتصام ۲۳ر نومبر)

بجو : اور تو اور ان کے نزدیک بجو بھی شکار ہے (حلال ہے) (عرف الجادی ص ۲۳۵)
بیوی کا دودھ پینا بھی جائز ہے (فتاوی ثنائیہ ج ۲ ص ۳۱۲)
الو : حلال ہے (فتاوی ستاریہ) (اس پر مظاہرے بھی کرتے ہیں) الحیاۃ بعد المماۃ
گوہ : حلال ہے (عام فتاوی) (ابھی پیش کرو شیر مادر کی طرح کھانے کو تیار ہیں ۔)
گھوڑا : حلال ہے (فتاوی ستاریہ) وغیرہ ۔
جملہ حشرات الارض (نزل الابرار)

وہابی دیوبندی کالا کوا (معروف) جو عموماً گھروں میں آتا ہے اس کا کھانا حلال ہی نہیں ثواب بھی ہے ۔ ہندو تہوار ہولی دیوالی کی کھیلیں پوری کھانا درست ہے، ہندو کے

تھوک سے طبعی کراہت یہ طبعیت بھی گندی متصور ہوتی ہے جو اپنی تھوک کو منہ میں جمع کر کے نگل لے ایسا کرنا مکروہ ہے[لہ] ۔ (احیاء العلوم الغزالی قدس سرہٗ)

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) سودی روپیہ کے پیاؤ (سبیل) سے پانی پینے میں مضائقہ نہیں (فتاویٰ رشیدیہ ص ۲۹۶ - ۲۷۴ -) انگلی پر گندگی لگی ہو اسے چاٹ لینے سے انگلی پاک ہو جاتی ہے (بہشتی زیور) مزید تفصیل فقیر کی کتاب (۱) وہابیوں کے اور (۲) دیوبندیوں کے دلچسپ مسئلے ۔

تبصرہ اویسی غفرلہ مذکورہ بالا فرقوں نے حرام و ناپاک کسے قرار دیا ہے ؟ میلاد و عرس و گیارہویں کے تبرکات و طیبات کو اور حلال و پاک کسے ٹھہرایا ہے ؟ جانوروں کی منی پیشاب مینگنی ۔ کچھوے ، مردار بچے ۔ بجو ۔ کوے ۔ ہندوؤں کی کھیلیں سودی روپے کے پیاؤ ۔ بیوی کے دودھ اور نطفہ کی لڑکی وغیرہ کو (لا حول و لا قوۃ الا باللہ) یہ سب کچھ ۔ محبوبانِ خدا کی بے ادبی کی پھٹکار اور میلاد و عرس و گیارہویں کی توہین کا نتیجہ و خمیازہ نہیں تو اور کیا ہے ۔ جیسا کہ میلادِ مصطفٰے کو مرحبا نہ کہنے والوں کو "مرحبا نہرو رسولُ السّلام" کہنا پڑا ۔ اور جشن میلاد النبی کے منکرین کو "صد سالہ جشن دیوبند" منانا پڑا جس کی صدارت کے لئے ہندوستان کی کافرہ وزیر اعظم دیوی اندرا گاندھی کو مدعو کیا گیا اور اس نے اجلاس کی صدارت کی ۔

[لہ] **لطیفہ :** تھوک پاک ہے نہ منہ میں ہوتے ہوئے نہ منہ سے باہر نکل کر لیکن اسے منہ میں تو تھوڑی مقدار میں عموماً نگل لی جاتی ہے لیکن باہر نکال کر اپنی تھوک نہ کوئی خود لیتا ہے نہ اس کا کوئی اور دوسرا عزیز خواہ بیٹا ہو یا باپ یا شاگرد یا مرید (الا القلیل) اس لئے کہ اس میں طبعی کراہت ہے اسی لئے فقیر اویسی غفرلہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گستاخوں کو کہہ دیتا ہے کہ ہوش و حواس صحیح ہوں تو یہ کہنا چھوڑ دو کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نفس بشریت میں ہمارے جیسے ہیں صرف فرق نبوت کا ہے تو اپنی تھوک منہ سے نکال کر نگل لو تو انعام پاؤ گے لیکن فقیر کی اس پیش کش کو بڑے بڑے جلسوں کے بھرے پرے مجمعوں میں آج تک کسی نے قبول نہیں کیا اور نہ آئندہ ایسا کوئی مردِ میدان نظر آتا ہے لیکن حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لعاب دہن مبارک اللہ اللہ چند مناظر ملاحظہ ہوں"

دیوبند کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی نے لکھا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس قدر محبت تھی کہ اگر آپ تھوک پھینکتے ہیں ۔ تو وہ زمین پر نہیں گرتا اور جب وضو کرتے ہیں تو اس کا غسالہ اپنے ہاتھوں پر لیتے ہیں اور اگر کسی کو نہیں ملتا تو وہ دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مل کر اپنے منہ پر پھیر لیتا ہے[۹]

سوال : نٓ سے اگر مچھلی مراد ہو تو معطوف و معطوف علیہ میں مناسبت نہیں رہتی جیسے بادشاہ کی آستین اور ہزار بیگن میں کوئی مناسبت نہیں۔

جواب : فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ نٓ (مچھلی) اور القلم میں ایک مخفی مناسبت ہے جس کا ادراک اہل حقائق کو ہی ہو سکتا ہے وہ یہ کہ مچھلی کا جگر اہل جنت کی غذا ہے جب بہشت میں داخل ہوں گے تو سب سے پہلی غذا مچھلی کا جگر ہو گا اسے کھاتے ہی اہل جنت ابدان میں دائمی حیات پائیں گے۔ ایسے قلم سے وہ علوم لکھے جاتے ہیں جن سے ارواح کو دائمی حیات نصیب ہوتی ہے اسی لئے سیدنا جبریل علیہ السلام کو روح کہا جاتا ہے کہ وہ وحی لاتے ہیں جو قلوب وارواح کی حیات کا سبب ہے اس معنیٰ پر نٓ والقلم پانی اور علم کی طرح ہوں گے اس تقریر سے ثابت ہوا کہ نٓ (یعنی حوت) والقلم میں مناسبت تامہ ہے اور معترض نے جو قیاس (آستین اور ہزار بیگن) پیش کیا ہے وہ سراسر باطل اور غلط ہے۔ بلکہ اس کا قائل جاہل (از معرفت) ہے۔

(حاشیہ بقیہ سابقہ صفحہ) یہ لکھ کر مولوی اشرف علی نے لکھا کہ صاحبو! بتلایئے! یہ بھی کہیں قرآن میں یا حدیث میں حکم ہے کہ نبی کریم کا غسالۂ وضو اپنے مونہہ پر ضرور ملا کرو" (فوائد الصحبۃ ص ۲۲) حکیم الامت صاحب کی اس تحریر سے معلوم ہوا کہ محبتِ رسول کا مظاہرہ کرنا سنتِ صحابہ ہے۔ اگرچہ اس قسم کے مظاہرہ کا علم نہ قرآن میں ہو۔ نہ حدیث میں اور اس قسم کے مظاہرہ کو بدعت کہنا محبتِ رسول سے خالی ہونے کی علامت ہے بلکہ علماء کرام تو فرماتے ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بول و براز مبارک طیب و طاہر ہے دو حوالے حاضر ہیں۔

(۱) حضرت الامام الحافظ عبدالغنی قدس سرہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے براز مبارک کے متعلق استفسار کیا گیا کہ آیا آپ کے براز شریف کو زمین نگل لیا کرتی تھی یا نہیں۔ تو انہوں نے فرمایا کہ غریب طریقہ سے تو یہی مروی ہے کہ زمین نگل لیا کرتی تھی (جواہر البحار ص ۲۷۹ ج ۲)

(۲) حضرت شیخ رملی قدس سرہ نے فرمایا کہ

والظاہر یؤیدہ فانہ لم یذکر عن احد من الصحابۃ انہ رآہ ولا ذکرہ۔ جواہر البحار ص ۲۷۹ ج ۲	بظاہر تائید اسی کی ہوتی ہے کہ آپ کے براز شریف کو زمین نگل لیتی تھی کیونکہ کسی صحابی سے مروی نہیں کہ اس نے آپ کے براز شریف کو دیکھا ہے اور نہ ہی دیکھنے کا ذکر کیا ہے۔

یونس علیہ السلام کی مچھلی

بعض نے کہا کہ نٓ (حوت) سے مراد حضرت یونس علیہ السلام کی مچھلی ہے جس نے آپ کو اپنے پیٹ میں جگہ دی اسی لئے یونس علیہ السلام کا نام اللہ تعالیٰ نے ذوالنون رکھا ہے۔

فائدہ: بعض نے کہا اس سے مراد وہ مچھلی ہے جس کی پیٹھ پر زمین ہے اور وہ مچھلی اس دریا میں ہے جو زمین کے نیچے ہے اس کا نام ہے لیوثا یا یہموت (یاد مثناۃ تحتانیہ) اور عین المعانی میں ہے کہ وہ لوثیا یا برہوت ہے جیسے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ؎

مالی اراکم کلکم سکوتا
واللہ ربی خلق البرہوتا

میں تمہیں خاموش دیکھتا ہوں کیا وجہ ہے۔ مجھے اللہ رب کی قسم جس نے برہوت کو پیدا فرمایا۔

ساتوں زمینوں کے نیچے کے معلومات و عجائبات

مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین پیدا فرمائی تو تتکفا کما تتکفا السفینۃ زمین تھرتھراتی تھی جیسے کشتی پانی میں ہچکولے کھاتی ہے۔

فائدہ: تتکفأ کما تتکفا، بمعنی تضطرب و تمیل (تھرتھراتی، ہچکولے کھاتی تھی) اللہ تعالیٰ نے اس کے روکنے کے لئے ایک فرشتہ بھیجا جس نے زمین کے نیچے پہنچ کر زمین کو کاندھے پر رکھ لیا۔

فائدہ: کاہل، ہجو صاحب کاندھوں کے درمیانی جگہ پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے ایک مشرق میں رکھا دوسرا مغرب میں پھر ان دونوں ہاتھوں سے ساتوں زمینوں کو مٹھی میں لے کر ساتوں زمینوں کو مضبوط کر لیا تب زمین تھرتھرانے سے ٹھہر گئی[1]۔ لیکن اس پر ملک (فرشتہ) مذکور کے پاؤں کو قرار نہ تھا (پھسل جاتے کبھی ادھر کبھی اُدھر) اللہ تعالیٰ نے ایک بیل بہشت سے اتارا جس کے چالیس ہزار سینگ اور چالیس ہزار پاؤں اس بیل نے فرشتے کے دونوں قدم اپنی کوہان پر رکھ دیئے تو بھی فرشتے کے دونوں قدم بیل کے کوہان پر جم نہ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے سبز یاقوت بہشت سے بھیجا جس کی موٹائی

---

[1] اسی لئے اہل اسلام کے نزدیک زمین ساکن ہے یہی عقیدہ قدیم سائنسدانوں کا تھا اس پر سید احمد علی گڑھی نے ایک کتاب لکھی جبل متین بسکون آسمان و زمین) لیکن جدید سائنس والوں کا دماغ اُلٹا تو کہہ دیا کہ زمین متحرک ہے ہمارے انجان مسلمان بھی ان کے قول پر ہیں حالانکہ جدید سائنس کا یہ نظریہ غلط اور سراسر غلط ہے۔ (اویسی غفرلہ)

ہزار سال کی ہے اسے بیل کے کوہان پر رکھا گیا اس سے فرشتے کے پاؤں جم گئے اس بیل کے سینگ زمین کے کناروں سے باہر لیکن عرش کے تحت پنجہ لگائے ہوئے ہیں بیل کا ناک دریا کے نیچے اسی یاقوت سبز کے دو سوراخوں میں ہے وہ دن میں دو بار سانس نکالتا ہے جب نکالتا ہے تو دریا دراز ہو جاتا ہے جب کھینچتا ہے تو دریا ڈھیلا پڑ جاتا ہے۔ بیل سے فرشتے کے پاؤں تو جم گئے لیکن بیل کے پاؤں کو قرار نہ تھا اللہ تعالیٰ نے بیل کے پاؤں کے قرار کے لئے ریت کا ٹیلہ پیدا فرمایا جس کی موٹائی ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمین کے برابر ہے اس پر بیل کے قدم تو جم گئے لیکن ٹیلے میں قرار نہ تھا اللہ تعالیٰ نے مچھلی پیدا فرمائی جس کا نام ہے اس کے ایک پر پر مذکورہ بالا ٹیلہ رکھ دیا گیا (الوبر یعنی جناح پردہ) جو پیٹھ کے درمیان میں ہو اور وہ قدرت الٰہی سے زنجیر سے جکڑی ہوئی اور زنجیر کی موٹائی کئی بار ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کے برابر ہے جب شیطان ملعون اس مچھلی تک پہنچا تو اسے کہا تیرے سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ نے کوئی شے نہیں بنائی تو پھر اس دنیا کے بوجھ کو کیوں نہیں پھینک کر گراتی اس سے اس کا وسوسہ ڈالنا مطلوب تھا اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے ناک کے اندر کھٹمل کو مسلط فرما دیا جس سے وہ اس میں مشغول ہو گئی ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت ایک جانور بھیجا جو اس کے ناک میں داخل ہو کر اس کے دماغ تک پہنچ گیا مچھلی نے اس کی اللہ تعالیٰ سے شکایت کی اللہ تعالیٰ نے جانور کو حکم فرمایا تو وہ باہر نکل گیا۔

فائدہ: حضرت کعب نے فرمایا بخدا وہ جانور مچھلی کو دیکھتا ہے مچھلی اسے اگر شیطان مچھلی میں وسوسہ ڈالے تو وہ جانور اس کے اندر لوٹ آئے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس یاقوت اخضر سے جبل قاف پیدا فرمایا۔ کوہ قاف زمرد کا ہے اس کا سر اور چہرہ اور دانت ہیں پھر کوہ قاف بڑے بلند پہاڑ اگلے جیسے درخت جڑوں سے اُگتے ہیں۔

فائدہ: بعض کا گمان ہے کہ مچھلی اور بیل زمین کے اوپر کا تمام پانی روزانہ نگل جاتے ہیں اگر وہ اس پانی کو روزانہ نہ پئیں تو دریاؤں میں پانی سما نہ سکے گا لیکن باوجود روئے زمین کے پانی پی جانے کے پھر بھی پیاسے رہتے ہیں جب ان کا پیٹ پانی سے بھر جائے گا قیامت آجائے گی۔

فائدہ: بعض کا خیال ہے زمین پانی پر ہے اور پانی اس پتھر پر ہے جو بیل کے کوہان پر ہے اور بیل ریت کے ٹیلے کو لپٹے ہوا ہے اور ریت کا ٹیلہ مچھلی کی پیٹھ پر ہے اور مچھلی عقیم (خشک) ہوا پر ہے اور ظلمت کے حجاب میں ہے اور ظلمت ثریٰ (زمین کا نچلا آخری حصہ پر ہے) یہی مخلوق کے علم کا منتہیٰ ہے اس کے ماوراء کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا ہے وہی ہے زمین اور آسمانوں کے اندر اور ان کے مابین کی جملہ اشیاء کا اور تحت الثریٰ کا مالک۔

ازالۂ وہم کوئی یہ بدگمانی نہ کرے کہ ایسی روایات کی سند تو ہے نہیں تو ایسی روایات کم از کم انسان کی دینی بصیرت میں اضافہ کرتی ہیں اور عقیدہ مضبوط ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت عظیم ہے اور اسے عجائب مخلوق میں تحیر ہوگا اگر یہ روایات صحیحہ ہوں تو اللہ تعالیٰ کی قدرت وصنعت کے لئے کوئی مشکل نہیں اگر یہ اہل کتاب کی اختراع اور واعظین کے من گھڑت افسانے ہوں تو بھی بطور تمثیل وتشبیہ بیان کرنا برا نہیں۔ (خریدۃ العجائب)

زمین بردار مچھلی بعض مفسرین نے فرمایا کہ زمین کے ہفت طبقات کے نیچے ایک مچھلی پانی پر ہے جو زمین کا بوجھ اٹھائے ہوئے اس بوجھ سے کبڑی ہوتی ہوئی نٓ کی شکل میں ہوگئی اس کا پیٹ پانی میں دھنس گیا سر مشرق سے دم مغرب سے نکال کر چاہا کہ اللہ تعالیٰ سے زمین کے بوجھ سے گریہ کرے اسے جبریل علیہ السلام نے ایسا دھڑکا دیا کہ ڈر کے مارے خاموش ہوگئی اور تا قیامت خاموش پڑی رہے گی معمولی حرکت بھی نہ کرے گی اس کی خاموشی اور زمین کی بار برداری پر اسے دو شرافتوں سے مشرف فرمایا۔

۱، اسکی قسم یاد فرمائی اور وہ مچھلی اللہ تعالیٰ کی قسم کا محل بنی۔

۲، چھری اس کے گلے پر نہ پھرے بخلاف دوسرے جانوروں کے کہ انہیں چھری سے ذبح کیا جائے لیکن مچھلی پر چھری نہ پھیری جائے تاکہ مخلوق کو معلوم ہو کہ جو بوجھ اٹھاتا اور رنج وتکلیف میں مبتلا ہوتا اسے ضائع نہیں کیا جاتا۔

سبق اے جواں مرد اگر مچھلی نے زمین کا بوجھ اٹھایا تو انسان نے بھی بار امانت کاندھوں پر رکھا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا (وحملہا الانسان) وہ مچھلی جس نے زمین کا بوجھ اٹھایا تو اسے چھری کے عذاب سے محفوظ رکھا گیا تو کوئی بڑی بات نہیں کہ مومن کو بار امانت اٹھانے پر اسے ہجر وفراق کے عذاب سے محفوظ ومامون رکھا جائے۔ وَالْقَلَمِ قسم ہے قلم کی۔ قلم وہ جس سے لکھا جائے واؤ قسمیہ بر تقدیر اول و بر تقدیر ثانی عاطفہ ہے اس سے لوح والقلم مراد ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا فرمایا تو اس پر نظر شفقت فرمائی تو قلم پھٹ کر دو حصہ ہوگیا پھر اسے فرمایا جو کچھ قیامت تک ہوگا تمام لکھ قلم نے سب کچھ (آنے والے حالات) لوح محفوظ پر لکھا[1] آجال واعمال وارزاق یہی وہ تقدیر ہے جس کے تمام خیر وشر پر ایمان لانا فرض ہے اس کے

---

[1] جو بے خبر قوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے خبری کی رٹ لگا رہی ہے وہ سوچے کہ قلم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ہیں تو بھی اگر قلم دیگر شے ہے تو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے خبر کہنا جہالت وسفاہت نہیں تو اور کیا ہے۔ ع: لیکن جب خدا عقل لیتا ہے تو حماقت آ ہی جاتی ہے

(اویسی غفرلہ)

بعد قلم پر مہر لگا دی اور تا قیامت پھر نہ بولے گا (قلم الٰہی کا تعارف) قلم کے نور کا طول آسمان و زمین کے درمیانی خلاء کے برابر ہے۔ قلم کے بعد نٓ مچھلی کو پیدا فرمایا اس پر زمین بچھائی پانی سے بخار اٹھا تو اس سے آسمان ظاہر ہوئے مچھلی متحرک ہوئی تو زمین دراز ہوئی بکھر گئی اس پر پہاڑ گاڑ دیئے گئے اور یہ پہاڑ تا قیامت زمین پر رہیں گے نٓ و قلم کے درمیان مناسبت ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔

فائدہ: الوسیط میں واحدی کی روایت میں ہے کہ سب سے پہلے جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا وہ قلم ہے پھر نٓ (مچھلی)، یہی قلم کی دوات ہے قلم نے اسی دوات سے لکھا جو ہوا اور جو ہوگا اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قلم اعلیٰ اور دوات کی قسم یاد فرمائی کہ اور قلم نور کا ہے (تفسیر الکاشفی)

فائدہ: القاموس میں ہے کہ نون از حروف زائد اور بمعنی دوات اور مچھلی۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ قلم سے کراماً کاتبین کا قلم یا قلم کی جنس مراد ہے اللہ تعالیٰ نے دوات و قلم کی قسم اس لئے یاد فرمائی کہ یہ بے شمار فوائد اور عظیم منافع پر مشتمل ہیں ایک دوسرے کی افہام و تفہیم کی گفتگو اور بیان سے حاضرین کو فائدہ ہوتا ہے لیکن غائبین ہمعصر اور آنے والوں کو فائدہ قلم سے ہوگا جیسے بعض نے فرمایا کہ بیان دو قسم ہے۔

۱: گفتگو لسانی

۲: بیان بنانی یعنی انگلیوں کے ذریعے یعنی قلم سے اور یہ دوسری قسم پہلی سے زیادہ فضیلت رکھتی ہے کہ جو قلم سے لکھا گیا وہ تا دیر قائم رہے گا (جیسا کہ سب کو معلوم ہے) اور لسانی بیان چند سالوں کے بعد مٹ جائے گا اگرچہ دور حاضرہ میں اسے ٹیپ ریکارڈ کیا جاتا ہے لیکن پہلے تو وہ محدود ہے لکھی ہوئی تحریر کی طرح عام نہیں اگر کچھ ہے تو چند سالوں کے بعد ختم ہو سکتا ہے اگر قلم کی تحریر کو اور فضیلت نہ بھی ہو تب بھی یہ فضیلت کافی ہے کہ کتب الٰہی قلم سے تحریر میں آئیں۔

مسئلہ: قلم کی عظمت کے پیش نظر قلم کا تراشا ایسی جگہ رکھا جائے جہاں پاؤں سے نہ روندی جائے[1] ورنہ درد و آلام گھیر لیں گے۔

فائدہ: بعض دانشوروں نے فرمایا کہ دین و دنیا کے امور کا قیام دو چیزوں سے ہے۔

۱: تلوار

۲: قلم

---

[1] محدث ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم کا تراشا محفوظ رکھا یہاں تک کہ آپ کے غسل آخری کا پانی اسی تراشے سے گرم کیا گیا۔

لیکن تلوار قلم کے ماتحت ہے (اب تو تلوار کا نشان بھی ختم ہے کیوں کہ ایٹمی دور ہے اور قلم کا راج انٹ ہے) اگر قلم نہ ہو تو نہ دین قائم رہ سکتا ہے نہ زندگی بسر ہو سکتی ہے کسی نے کیا خوب فرمایا ؎

ان یخدم القلم السیف الذی خضعت
لہ الرقاب و دانت خوفہ الامم
کذا قضی اللہ للاقلام مذبریت
ان السیوف لہا مذار ہفت خدم

ترجمہ ، تلوار کو قلم کی خدمت کرنی چاہیے جو کہ گردنیں اس کے آگے جھکی ہوئی اور امتیں اس سے خون آلود ہوتی ہیں ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے قلم کی تقدیر لکھی جب سے وہ بنایا گیا کہ تلوار اس کی خدمت کریں جب سے ان کی تیز دھار بنائی گئی۔

کسی نے فرمایا ؎

اذا اقسم الابطال یوما سیفہم
وعدوہ مما یجلب المجد و الکرم
کفی قلم الکتاب فخرا و رفعۃ
مدی الدہر ان اللہ اقسم بالقلم

ترجمہ : جب بہادروں نے تلوار کی قسم کھائی اور ان چیزوں سے شمار کیا جو مجد و کرم حاصل کرتی ہیں لیکن قلم کو زمانہ بھر میں اتنا فخر و رفعت کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی قسم یاد فرمائی۔

وَمَا يَسْطُرُوْنَ اور اس کی قسم جو لکھتے ہیں ما موصولہ اس کا عائد محذوف ہے۔

حل لغات

السطر بمعنی کتابت کی قطار (صف) ایسے ہی بوئے ہوئے درختوں اور قوم کھڑی کی قطار کہا جاتا ہے۔ "سطر فلان کذاہ" فلاں نے سطر سطر کرکے لکھا جمع کی ضمیر اصحاب القلم کی طرف راجع ہے اس پر اس کا ذکر (قبل ازیں) دلالت کرتا ہے اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے قسم یاد فرمائی اصحاب قلم کی جو آسمانوں اور زمینوں میں کتاب اور کلام الٰہی لکھتے ہیں۔

فائدہ ، تبیان میں ابن طیفم سے ہے کہ نون منہ اور قلم زبان وما یسطرون وہ کراماً کاتبین جو بندوں کے اعمال لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں کی قسم یاد فرمائی۔

تفسیر صوفیانہ

بعض عارفین نے فرمایا کہ نٓ نون الذات اور القلم قلم الصفات وما یسطرون افعال و شئون الٰہی جنہیں حرف حرف کرکے لوح قدرت

وار اوپر لکھتے ہیں۔

فائدہ: فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ نون جمع ذاتی کی طرف یعنی اس کی دوات وہی اصل کتاب الوجود ہے یہی ام الکتاب ہے جس کا نام نون ہے اس لئے یہی مواد نقوش عالم کی سیاہی کی اجتماع گاہ ہے اور یوں بھی کہہ سکتے ہو نون کا اشارہ نقطہ کی طرف ہے جو مرتبہ احدیہ ہے۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا صوفیانہ خطبہ

سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ بر سر منبر عوام کے سامنے کھلم کھلا خطبہ ارشاد فرماتے میں ہی وہی بار کا بسم اللہ کا نقطہ ہوں۔ جس میں تم نے کوتاہی کی میں ہی قلم ہوں میں ہی لوح محفوظ ہوں میں ہی عرش ہوں میں کرسی ہوں میں ہی ساتوں آسمان اور ساتوں زمین ہوں (یہ آپ کا خطبہ عالم سکر میں ہوتا) جب صحو ہوتا اور خطبہ کے درمیان میں ہی تجلی وحدۃ مرتفع ہوجاتی تو معذرت کرتے اپنی عبودیت و ضعیفی اور تحت احکام الٰہی کے سامنے عجز و نیاز کا اظہار فرماتے۔

تفسیر صوفیانہ:

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ نٓ کی قسم میں اشارہ ہے علم اجمالی کی طرف جو جمعیۃ احدیہ میں مندرج ہے اور قلم کی قسم میں اشارہ علم تفصیلی کی طرف جو وحدۃ اسمائیہ میں مندرج ہے ہم نے علم اجمالی روحی کو نٓ سے اور تفصیل قلبی کو قلم سے اس لئے منسوب کیا کہ کیوں کہ یہ دوات (نٓ) جو کچھ اس کے بطن میں ہے جمیع حروف مجردہ اور کلمات مرکبہ پر ایسے مشتمل ہے جیسے گٹھلی درخت کے جمیع اجزاء پر اور شجرہ مفصلا کا مندرج ہونا گٹھلی مجملہ میں پس قلم ہے قلب کی لوح پر وہ تفصیل لکھی جاتی ہے جو دوات میں بالاجمال ہے جب تم نے یہ مثال سمجھ لی اب آیت کا معنیٰ سمجھئے اللہ تعالیٰ نے اس علم اجمالی کی قسم یاد فرمائی ہے جو احدیہ میں ہے اور علم تفصیلی کی جو واحدیۃ میں ثابت ہے اور بالتحقیق اپنی ذات احدیۃ مطلقہ اور اپنی اسماء کی واحدیہ جمیعہ کی قسم یاد فرمائی کیوں کہ اس میں حیثیت الذات اس کا عین ہے اور قسم یاد آتی ہر اس کے قلم نے اس کی دوات قدیم سے حروف الٰہیہ مجردیہ علویہ اور کلمات ربانیہ مرکبہ سفلیہ لکھے جیسا کہ بعض کبار نے کتاب وجود ظلی سے حروف اور اس کے کلمات و آیات و سورتوں کے بیان میں لکھی کہ شئون غیبیہ اس کے حروف عالیہ ہیں اور اعیان ثابتہ علمیہ اس کے کلمات تامہ ہیں اور حقائق ارواحیہ و مثالیہ اس کی آیات متعالیہ ہیں اور صور حسیتہ عینیہ اس کی صورتیں کاملہ ہیں لیکن اس کی کتاب وجود حقیقی حروف مجردہ اسماء ذاتیہ احدیہ ہیں اس کے کلمات اسماء صفاتیہ واحدیہ ہیں اس کی آیات اسماء افعالیہ واحدیہ ہیں اس کی سورتیں اسماء آثاریہ مظہریہ ہیں اور یہ سب کے سب کتاب مبین ہیں ایسے ہی بعض اکابر نے فرمایا کہ قلم علم التفصیل اور نٓ علم الاجمال

اور حروف جو کہ یہی مظاہر ہیں قلم کی تفصیل ہیں جو دوات (سیاہی) میں مجمل ہیں جب تک وہ دوات کی سیاہی میں ہیں وہ تفصیل کو قبول نہیں کرتے جب وہ دوات سے منتقل ہو کر قلم میں آئیں گے تو قلم کے ذریعے میں تفصیل آئے گی اور اس سے تفصیل لا الی نہایۃ ہو گی۔ ہاں علم الجمال کو نٓ سے تعبیر کیا گیا ہے اس لئے کہ نٓ لکھنے میں اس کا نصف دائرہ محسوس ہے اور دوسرا نصف معقول ہے جس کی طرف نٓ کا درمیانی نقطہ خبر دیتا ہے کہ اس کی تتمیم سے وہ دائرہ ذاتیہ مراد ہے جو وجود کی سیاہی کا ظرف ہے اسی لئے یہ حروف دوریہ سے ہے کہ اس کا عکس بھی طرد کی طرح ہے کیوں کہ اس کا نصف محسوس عالم خلق کی سیاہی کا ظرف ہے اور اس کا دوسرا نصف معقول عالم امر کی سیاہی کا ظرف ہے اور وہ جو ان کے درمیان خط فاصل یعنی الف وہ دو نون ﴿ن﴾ کی تدویر درمیان کھڑا ہے وہ (بمنزلہ) برزخ جامع ہے اور یہی صحف الٰہیہ و کتب متفرقہ از احاطہ کتاب محیط بالمحیطات کہ جس کے لئے کہا گیا ہے "ما فرطنا فی الکتاب من شیٔ" ہم نے کتاب میں کوئی شے نہیں چھوڑی) کا مستوی ہے۔ اور یہ وہ کتاب ہے جو جمیع علوم کو حاوی ہے یہاں تک نٓ کی سیاہی (کے علم) کا

قرآن کی ایک سو چودہ سورتوں کا نکتہ

اور وہ کتاب (قرآن) کی ایک سو چودہ سورتیں ہیں جیسے جو نٓ اعداد کے مطابق ایک سو چودہ سورتوں پر مشتمل ہے کیوں کہ نون کے دو نون اور واؤ کے ایک سو چودہ عدد ہیں اس لئے کہ اس کا ہر حرف کو علیحدہ عدد ہے (مثلاً نون اول کے پچاس نون ثانی کے پچاس اور واؤ کے پہلے حرف کے چھ الف کا ایک دوسری واؤ کے چھ میزان ایک سو تیرہ) پھر مسمّٰی (نون) ایک خود ساتھ ملا تو ایک سو چودہ ہو گئے۔ اسے اچھی طرح سمجھ لے کیوں کہ یہ دقیق تحقیق تمہیں اور کہیں سے نہ ملے گی۔

تفسیر صوفیانہ ۳

حضرت قاشانی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ نٓ نفس کلیہ اور قلم عقل کلیہ پہلا نٓ از باب کنایہ ہے کہ اس کے صرف پہلے حرف نٓ پہ اکتفاء کیا گیا۔ اور دوسرا (عقل کلیہ) (از باب تشبیہ ہے کیوں کہ نفس میں تاثیر عقلی سے موجودات کی صورتیں ایسے منقش ہوئیں جیسے قلم کے ذریعے لوح میں صورتیں منقش ہوتی ہیں اور مایسطرون کا فاعل کاتبین عقول متوسطہ ارواح مقدسہ ہیں اگرچہ حقیقی لکھنے والا خود اللہ تعالیٰ ہے لیکن چونکہ وہ حضرت اسماء میں ہیں اسی لئے ان کی طرف مجازاً منسوب ہیں ان کی قسم یاد فرمائی اور جو ان سے مبادی الوجود و صور تقدیر الٰہی اور اس کے امر کے مبتداء اور اس کے غیر کے مخزن کا صدور ہو گا یہ قسم ان کی شرافت اور اس وجہ سے کہ وہ دونوں اول مرتبہ کی تاثیر و تاثر پر مشتمل ہیں اور مقسم علیہ سے ان کی مناسبت کی وجہ سے ہے اور مقسم علیہ یہ ہے

فسیر عالمانہ

مَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ تم اپنے رب کی نعمت سے مستور نہیں یہ قلم کا جواب ہے اور بار

کے مضمر کے متعلق اور وہ خبر ما (مجنون) کی ضمیر سے حال ہے اور اس کا عامل نفی کا معنیٰ ہے ۔

حل لغات الجنون بمعنی عقل و نفس کے درمیان حائل ہونا کہا جاتا ہے 'جن فلان' فلاں کو جن پہنچا یا اپنی جنان میں پہنچایا اس کے نفس و عقل کے درمیان حائل ہوا تو اس کی عقل مستور ہو گئی

فائدہ : گویا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہا گیا کہ (اے حضرت) محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کو کوئی جنون نہیں کیوں کہ آپ اپنے رب کی نعمت سے متعلق ہیں یعنی نبوت و ریاست سے سرفراز کیے گئے ہیں ۔

فائدہ : اس میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تنزیہ ہے اس سے جو کفار آپ کی طرف منسوب کرتے مثلاً حسد و عداوہ اور مکابرہ سے آپ کی طرف جنون کی نسبت کرتے حالانکہ انہیں نہایت درجہ کا یقین تھا کہ آپ عقل لحاظ بڑے دانا اور رائے و فکر کے لحاظ سے بلند ہیں ۔

فائدہ : ابوحیان نے کہا کہ (بنعمت ربک) قسم ہے جو محکوم علیہ اور حکم کے درمیان بطریق تاکید تشدید اور آپ سے وصف مذموم کی نفی میں مبالغہ ہے اور حضرت الشیخ نجم الدین دایہ قدس سرہ سے بھی بنعمة ربک میں قسم منقول ہے اسے آپ نے اپنی تاویلات میں بیان فرمایا ۔

شانِ نزول مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا سے غارِ حرا میں غائب رہے بی بی نے بہت ڈھونڈا لیکن آپ کو نہ پایا ۔ ایک دن اچانک تشریف لائے لیکن چہرہ مبارک متغیر ہوا لیکن اس پہ غبار وغیرہ نہ تھی بی بی نے عرض کی آپ کہاں تشریف لے گئے فرمایا مجھے جبریل علیہ السلام ملے ہیں اور کہا "اقرأ باسم ربک" اپنے پروردگار کے نام سے پڑھیے ۔

فائدہ : معلوم ہوا کہ قرآن مجید کے نزول کی یہی پہلی آیت ہے ۔ پھر فرمایا کہ مجھے جبریل علیہ السلام ایک جگہ لے گئے وضو کیا میں نے بھی وضو کیا انہوں نے دوگانہ پڑھی اور میں نے بھی ان کے ساتھ دوگانہ پڑھا اور عرض کی یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ نماز ہے ۔ جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام واقعہ سنایا تو بی بی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں ۔

فائدہ : یہ ورقہ بن نوفل بی بی خدیجہ کا چچیرا بھائی تھا جو قریش کے دین کی مخالفت کر کے نصرانیہ میں داخل ہو گئے تھے) بی بی نے ورقہ کو حال سنایا تو انہوں نے فرمایا کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو میرے ہاں بھیج دیجئے ۔ بی بی نے حضور علیہ السلام کو ورقہ کے ہاں بھیجا آپ ان کے ہاں تشریف لے گئے تو اس نے عرض کی کیا آپ کو جبریل علیہ السلام نے یہ بھی کہا ہے کہ آپ کسی کو دعوت اسلام دیں فرمایا نہیں عرض کی اگر میں آپ کی دعوت اسلام کے اظہار تک زندہ رہا تو میں بہت بڑی مدد کروں گا اس کے بعد

ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوۃ اسلام کا اعلان نہ فرمایا کہ ورقہ کی وفات ہوگئی جب یہ واقعہ کفار قریش کو معلوم ہوا تو کہا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجنون ہیں۔ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ نے قسم یاد کر کے فرمایا کہ آپ مجنون نہیں اور یہ کل پانچ آیات ہیں جو سورۃ نٓ کی دوسری آیات کی بہ نسبت سب سے پہلے نازل ہوئیں۔

فائدہ : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ پہلے سبح اسم ربک الخ نازل ہوئی اس کے بعد یہی آیت اور نزول کے لحاظ سے پہلی آیت ہے۔

ثبوت علم غیب

تادیلات نجمیہ میں ہے ما انت بنعمۃ ربک (بمجنون ای) بمستور۔ آپ پر آپ کے رب کی رحمت کی وجہ سے وہ جو ازل سے ہوا اور وہ جو ابد تک ہوگا مستور (پوشیدہ) نہیں۔ ماکان من الازل وما سیکون الی الابد (روح البیان ص $\frac{۱۰۴}{ج ۱}$)

علم کلی کا ثبوت

اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم ماکان وما یکون سے علم کلی مراد ہے یہی مذہب اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کا ہے چنانچہ صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ بالا عبارت لکھنے کے بعد تحریر فرمایا کہ

ویدل علی احاطۃ علمہ قولہ علیہ السلام فوضع کفہ علی کتفی فوجدت بردھا بین ثدیی فعلمت ماکان وما سیکون (ص $\frac{۱۰۵}{ج ۱}$)

حضور علیہ السلام کے احاطۂ علم (کلی) پر دلالت کرتا ہے آپ کا وہ قول کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہتھیلی (قدرت) میرے کاندھوں کے درمیان رکھی میں نے اس کی ٹھنڈک پستانوں میں پائی تو ماکان وسیکون کو میں نے جان لیا۔

سلہ : جی تو چاہتا ہے کہ ایسے مضامین سے دفتر کے دفتر بھر دوں لیکن کیا کروں مجبور ہوں حضور علیہ السلام نہ صرف ماکان وما یکون کو جانتے ہیں بلکہ مالک الملک جل شانہ کی عطاء سے ان کے خزائن کے مالک بھی چنانچہ نبی پاک شہ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمایا ہے۔

اُوْتِیْتُ بِمَفَاتِیْحِ خَزَائِنِ الْاَرْضِ فَوُضِعَتْ فِیْ یَدَیْ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۰۴)

میرے پاس زمین کے خزانوں کی کنجیاں لائی گئیں اور مجھے سونپ دی گئیں۔ (دوسری جگہ ارشاد ہے)

اعطیت الکنزین الاحمر والابیض (مشکوٰۃ ص ۵۰۴) یعنی مجھے سرخ وسفید دونوں خزانے عطا فرمائے گئے۔" سرخ وسفید سے مراد سونا اور چاندی ہے۔ معلوم ہوا کہ ہمارے آقا ومولا صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے خزانوں کے مالک ہیں۔

فائدہ : شرح اسماء الحسنیٰ میں امام قشیری قدس سرہ نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت بندے کی اپنی مدد سے زیادہ مضبوط ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام سے فرمایا ولقد نعلم انک یضیق صدرک بما یقولون ہم جانتے ہیں بے شک تمہارا سینہ تنگ ہوتا ہے اس سے جو وہ کہتے ہیں۔

دیکھئے آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام کو کس طرح تسلی دی اور کس طرح ان کا بوجھ ہلکا فرمایا کہ فسبح بحمد ربک یعنی جب آپ ان سے برے کلمات سنیں جو آپ کے حق میں کہتے ہیں تو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے تو اس سے تم میری ثناء کی روح اور لذت تنزیہ اور ہمارے ذکر سے خوش ہو جاؤ گے اس لئے کہ یہ امور آپ کو راحت دیں گے اور ان لوگوں سے مشغول کر دیں گے۔ پھر جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان پر عمل کیا اور اللہ تعالیٰ کی پند و موعظت قبول فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد اپنے ذمہ کرم لگا کر کافروں کا رد خود فرمایا مثلاً جب آپ کو مجنون کہا گیا تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں قسمیں یاد کر کے اس کی نفی فرمائی۔ ن والقلم الخ تاکہ آپ کی تنزیہ کفار کے مقولہ سے محقق ہو اور آپ کفار سے روگردانی کر کے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ میں مشغول ہوں اس کے بعد اس بدبخت کے دس گندے عیوب گنائے جس نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مجنون کہا۔ چنانچہ فرمایا : ولا تطع حلاف الی قولہ اساطیر الاولین اور یہ مذمت الٰہی اس سے بڑھ کر ہے کہ خود حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کافروں کا رد فرماتے کیوں کہ یہ قرآنی الفاظ قیامت تک لوگوں کی زبانوں پر جاری رہیں گے۔ وَاِنَّ لَکَ لَاَجْرًا اور بے شک تمہارے لئے بہت بڑا اجر و ثواب ہے غَیْرَ مَمْنُوْنٍ عظمت کے ساتھ تو بے شمار یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "غیر مجذوذ" کی طرح ہے بمعنی غیر مخصوص یعنی وہ اجر و ثواب نہ کم ہوگا اور نہ ختم ہوگا۔

حل لغات المنون اسی سے ہے بمعنی المنیۃ (موت) کیوں کہ وہ گنتی کو گھٹاتی اور مدد کو منقطع کرتی ہے اب معنی یہ ہوا کہ آپ کا اجر و ثواب دائمی ہے کہ انقطاع کو وہاں تک کوئی رسائی نہیں۔

مسئلہ : نبی علیہ السلام کا اجر و ثواب تمام امتہ کے اجر کے برابر ذرہ کم نہ ہوگا۔

فائدہ : یہ بھی ہو سکتا ہے کہ غیر ممنون بمعنی غیر مکدر ہے یعنی آپ کا بسبب منتہ کے غیر مکدر ہے کیوں کہ آپ کا ثواب آپ کے موجب شان ہے نہ یہ کہ کسی دوسری فضیلت کی وجہ سے کیوں کہ جملہ فواضل تو آپ پر ختم ہیں اور نہ ہی آپ کے اجور آپ کے اعمال کے محتاج ہیں۔ (کشاف) حضرت الکاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ غیر ممنون کا معنیٰ ہے کہ آپ پر کوئی منت و احسان نہیں جتلایا جاتا یعنی اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے نوازتا ہے کسی دوسرے کے واسطہ سے نہیں کہ اس کا احسان جتلا کر آپ کو اجر و ثواب عطا فرمایا جائے۔

تفسیر صوفیانہ

اس میں اشارہ ہے کہ انوار مکاشفات و مشاہدات غیر منقطع ہیں کیوں کہ وہ سرمدی (ابدی ۔ دائمی) ہیں یہی وجہ ہے عارف باللہ شہود میں جمیع مواطن میں ہر لحظہ ترقی کرتا رہتا ہے کیوں کہ نہ مکاشفات و مشاہدات میں انقطاع ہوگا نہ اس کی ترقی ختم ہو گی اس کی وجہ ظاہر ہے کہ فیض و فتح اللہ تعالیٰ کی جانب سے آتی ہے اس کے غیر سے نہیں تو اللہ تعالیٰ ہی بندوں پر احسان جتلا سکتا ہے نہ کہ کوئی اور کہ وہ ایک دوسرے پر احسان جتلائیں (نا مناسب ہے)

فائدہ : بعض نے کہا کہ آپ کے اجر غیر ممنون کا مطلب کہ آپ کی شفاعت قبول ہے آپ کی امت کے اہل کبائر سے منقطع نہ ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام بندوں کو بلا عتاب و بلا حساب بخشنے میں آپ کی اُمید کو خائب و خاسر نہیں فرمائے گا۔[1]

صاحب رُوح البیان قدس سرہ کا پُر ذوق مضمون

فقیر (صاحب رُوح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ آپ کا اجر خود اللہ تعالیٰ ہے کیوں کہ آپ کے اجر کا عوض اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی شئے نہیں ہو سکتی اسی لئے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی دُعا میں ہے

" اللّٰھم انت الصاحب فی السفر والخلیفۃ فی الاھل "	اے وہ ذات جو سفر میں میرا صاحب اور میرے اہل کا خلیفہ (نگران)

اس مقام کی طرف صدیق[2] اکبر رضی اللہ عنہ کا قول مُشیر ہے جب آپ سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ ما ابقیت لاھلک اپنے اہل کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو عرض کی " اللہ ورسولہ "

---

[1] ایسی شفاعت پر ہم اہلسنت کو ناز ہے ؎

کسی کو ناز ہے عبادت کا اطاعت کا ⁂ ہمیں تو ناز ہے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کا

[2] یعنی وہ واقعہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت عالیہ میں تمام صحابہ کرام نے اخراجات جنگ کے لئے مال حاضر کئے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنا سب مال حاضر کر دیا تو حضور نے فرمایا کہ اے ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو ؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی ابقیت لھم اللہ ورسولہ یعنی یا رسول اللہ میں تو گھر والوں کے لئے خدا اور رسول کو چھوڑ آیا ہوں (مشکوٰۃ باب مناقب ابوبکر ص ٥٥٦)

فائدہ : معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر جگہ حاضر و ناظر اعتقاد رکھتے تھے اور پھر حضور نے بھی حضرت ابوبکر صدیق کے عقیدہ کی تصدیق فرمادی اور یہ نہیں فرمایا کہ اے ابوبکر میں تمہارے سامنے موجود ہوں مجھے گھر والوں کے لئے کس طرح چھوڑ آئے ہو جیسا جاہل وہابی دیوبندی حاضر و ناظر کے اعتراضات کرتے وقت اس قسم کی جاہلانہ باتیں کر جاتے ہیں ۔ (تفصیل فقیر کی کتاب " دلوں کا چین " میں ہے

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) گھر میں چھوڑ کر باقی سب کچھ لے آیا ہوں۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نفس، اولاد و مال کا عوض ہے جو اس کے راہ میں نثار خرچ کیا جائے) اور یہی اجر عظیم ہے کیوں کہ وہ بہت بڑا عظیم ہے۔

تفسیر عالمانہ

(وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ)[1] اور بے شک آپ البتہ خلق عظیم پر ہیں کہ مخلوق میں کوئی ایک اس کی غایت کو نہیں پہنچ سکتا اس لئے کہ آپ مخلوق کے وہ بوجھ اٹھاتے ہیں جو دوسرا کوئی نہیں اٹھا سکتا ہے۔

(۱) کیوں کہ بعض نے فرمایا کہ آپ متخلق باخلاق اللہ تعالیٰ ہیں اور اس کے کلام قدیم سے بھی متخلق ہیں اور مؤید بتائید القدسی ہیں اسی لئے نہ ان کے افتراء سے متاثر ہوتے ہیں اور نہ ہی ان کی اذیتوں سے ایذا محسوس فرماتے ہیں کیوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت سے صبر فرماتے ہیں نہ کہ اپنے نفس سے۔

نکتہ: لفظ علیٰ دلالت کرتا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جملہ اخلاق حمیدہ پر مشتمل اور افعال پسندیدہ پر ایسے حاوی ہیں کہ گویا وہ آپ کے لئے بمنزلہ طبعیت کے بن گئے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا قل لا اسئلکم علیہ اجرا وانا من المتکلفین فرمائیے میں تم سے اس پر اجر نہیں مانگتا اور نہ ہی میں تکلف والوں میں سے ہوں (یعنی میں اپنے اخلاق تمہیں تکلف سے ظاہر نہیں فرماتا کیوں کہ تکلف والا اپنے امر میں طویل مدت نہیں قائم نہیں رہ سکتا بلکہ وہ اپنی اصلی طبع کی طرف لوٹنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

فائدہ: انسان کی صورت ظاہرہ یہی ہے کہ جسے آنکھیں دیکھ رہی ہیں یہی جو انسان کے سر میں ہے (چہرہ وغیرہ) یہی عالم ملک اور اسی کو شکل کہا جاتا ہے اور اس کی صورۃ باطنہ یہی اس کی سیرت ہے جس کا مشاہدہ بصیرت کو ہوتا ہے جو قلب میں ہے اور یہ عالم ملکوت ہے جسے خلق سے تعبیر کیا جاتا ہے تو جیسے حسن ظاہری کے لئے

---

[1] خلق عرف عام میں اچھی عادات کو کہا جاتا ہے اس کی جمع اخلاق آتی ہے اور اسلامی فلسفہ اخلاق میں نیت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ہر کام کا نیک و بد ہونا تمام تر نیت پر موقوف ہے اگر کسی عمل میں حسنِ نیت نہ ہو تو اخلاق کا بڑے سے بڑا کام روحانی خیر و برکت اور ثواب سے محروم رہ جاتا ہے اسلامی فلسفۂ اخلاق میں رضائے الٰہی بنیادی پتھر کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس طرح ہر عمل کے پیچھے حسنِ نیت کا ہونا ضروری ہے اسی طرح ہر نیت کی پشت پناہی کے لئے ایمان کا ہونا بھی لازمی ہے ایمان کے بغیر کسی عمل کی کوئی قدر و قیمت نہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے خلق کا لفظ بہت بڑی وسعت رکھتا ہے جیسا کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے اسے قرآن سے تعبیر فرمایا تو جیسے طرح قرآن کے معانی و مطالب اور اسرار و رموز کی انتہاء تک پہنچنا ناممکن ہے ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلق عظیم کو سمجھئے (تحقیق آتی ہے) اویسی غفرلہٗ۔

حسن یا قبح صوری ہے با اعتبار اشکال و اوضاع و ادا ان کے ایسے ہی سیرت باطنی کا حسن یا قبح معنوی ہے با اعتبار شمائل و طبائع کے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ حسن دو قسم ہے محمود و مذموم یا حسین و قبیح اور کبھی مطلق صرف خلق محمود مراد لیا جاتا ہے کیوں کہ محمود خلق ہی اس لائق ہے کہ اسے مطلقاً خلق کہا جانے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وانك لعلی خلق عظیم۔

فخر الدین رازی قدس سرہ کی تحقیق

حضرت امام فخر الدین رازی قدس سرہ نے فرمایا خلق ایک ملکہ نفسانیہ ہے جس سے اس کے موصوف کو افعال جمیلہ کی ادائیگی آسانی سے ہوتی ہے کیوں کہ صرف افعال جمیلہ کی ادائیگی اور ہے اور انہیں سہولت سے ادا کرنا شئے دیگر ہے۔ اس معنیٰ پر خلق اس حالت کا نام ہے جس سے افعال سہولت سے ادا کئے جائیں اور خلق کو بھی اسی لئے خلق کہا جاتا ہے کہ وہ انسان میں ایسی راسخ و ثابت ہوتا ہے کہ گویا وہ انسان کی بمنزلہ اس خلقت پر ہے جس پر اس کی جبلت ہے اگرچہ ملکہ راسخہ کو حاصل کرنے کے لئے طویل ورزش اور بڑی ریاضت و مجاہدہ کی ضرورت ہے اسی لئے کہا جاتا ہے خلق مصاحبۃ و معاملہ سے تبدیل ہو سکتا ہے اسی لئے یہ خلق حسین قبیح ہو جاتا ہے اور کبھی قبیح حسین یہ صحبت پر منحصر ہے نیک اور صالح صحبت نیک اور صالح بناتی ہے بری صحبت و سنگت برا بناتی ہے۔

حدیث شریف [۱] انسان اپنے ساتھی کے دین (طریقہ) پر ہوتا ہے دیکھ لینا چاہیے کہ کس کی صحبت و سنگت میں ہو۔

حدیث شریف [۲] اہل ہوا (خواہشات کے غلام (اہل بدعت بد مذاہب جیسے مرزائی۔ رافضی شیعہ۔ وہابی دیوبندی وغیرہ) کے ساتھ نشست و برخاست نہ کرو اس لئے کہ انہیں خارش کے مرض کی طرح متعدی بیماری ہے عہ

عہ : اسے فقیر اویسی باولے کتے کے لعاب سے تعبیر کیا کرتا ہے کہ جس طرح باولے کتے کا لعاب جس پر پڑ جائے وہ مشکل سے جانبر ہو سکتا ہے یہاں تک کہ جس جگہ یہ پڑ جائے وہاں سے کسی کا گزر ہو تو وہ بھی اس بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہماری اولاد اور جملہ اہلِ اسلام کو بد مذہبی کے جملہ امراض سے محفوظ تر رکھے۔ (آمین) اویسی غفرلہ،

لہ : اسے مولانا رومی قدس سرہ نے فرمایا ؎ صحبت صالح ترا صالح کند ٭ صحبت طالح ترا طالح کند نیک کی صحبت تمہیں نیک بنائیگی برے کی صحبت تمہیں برا بنائے گی۔ (اویسی غفرلہ)

صحبت صالح اسی لئے بزرگوں نے اخیار (اولیاء اللہ اور نیک سنی العقیدہ لوگ) کی صحبت کو مستحسن بلکہ اس کی ترغیب وتحریص دلائی اور اشرار کی صحبت کو قبیح بلکہ اس سے کوسوں نفرت کا درس دیا۔

فائدہ: کبھی عادت سعی اور کوشش سے بدل جاتی ہے اسی لئے روحانی اطباء (اولیاء اللہ اور علمائے تصوف نے علم الاخلاق کے ابواب (بلکہ تصانیف) مرتب فرمائیں (جیسے احیاء العلوم، کیمیائے سعادت، قوت القلوب، کشف المحجوب وغیرہ وغیرہ) ان میں ہر مرض کا سبب اور اس کا علاج بتایا۔

آنچہ ہمہ دارند تو تنہا داری خلق کو علیحدہ اور قرآن مجید کی طرح اسے عظیم سے موصوف کرنے میں اشارہ ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جامع المکارم والاخلاق ہیں۔ شکر نوح وخلۃ ابراہیم واخلاص موسیٰ وصدق ووعد اسماعیل وصبر یعقوب وایوب و اعتذار داؤد و تواضع سلیمان و عیسیٰ وغیرہم علیہم السلام کے جملہ اخلاق و اوصاف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم میں بطریق اتم واکمل پائے جاتے تھے اسی لئے آپ کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا فبھداھم اقتدہ ان کی سیرت کی ہی اقتداء فرمائیے اس ہدیٰ سے معرفۃ الٰہی مراد نہیں کیوں کہ اس سے تقلید ثابت ہوجائیگی اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائق شان نہیں اور نہ ہی شرائع کی اقتداء مراد ہے کیوں کہ آپ کی شریعت تو ان کی شرائع کی ناسخ ہوئی بلکہ ان کے بہت سے فروعی احکام کے مخالف بھی بلکہ یہاں ہر نبی علیہ السلام کے مخصوص خلق کریم کی اقتداء مراد ہے اگرچہ ہر نبی علیہ السلام کا ہر خلق کریم وحسین تھا لیکن ہر ایک کا ایک مخصوص بایں معنیٰ تھا کہ اس سے وہ معروف تھے (جیسے خلیل کلیم وغیرہ وغیرہ اسی لیے آپ کو اللہ تعالیٰ نے امر فرمایا کہ وہ معروف اخلاق جو انبیاء علیہم السلام میں متفرق ہیں آپ اپنے میں جمع فرمالیں اور یہ وہ مرتبہ عالی ہے کہ کسی نبی علیہ السلام کو نصیب نہ ہوا اسی معنیٰ پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو خلق عظیم سے موصوف فرمایا ایک عارف باللہ نے کہا۔ ؎

لکل نبی فی الانام فضیلۃ
وجملتھا مجموعۃ لمحمد

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

ترجمہ: لوگوں میں ہر نبی علیہ السلام کو جو فضیلت حاصل ہے وہ تمام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جمع ہیں۔

نکتہ: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلق عظیم کی صفت سے قوت نظریہ سے بلکہ موصوف نہیں

ہوئے بلکہ علم و عرفان و ایقان و احسان کی وجہ سے موصوف ہوئے ہیں اور آپ نے کوئی کام قوت عملیہ سے نہیں کیا جسمیں رضائے الٰہی شامل نہ ہو فرض ہو یا واجب یا مستحب۔ آپ سے کوئی فعل یا مفسد یا مکروہ سرزد نہیں ہوا آپ فرشتوں سے بڑھ کر تھے اور اس تمام مضامین کا مجموعہ سیدہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول میں ہے جب ان سے سوال ہوا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خُلق کریم کیسا تھا بی بی نے فرمایا: کان خلقه القرآن (بخاری) آپ کا خلق کریم قرآن تھا۔

فائدہ: اس سے بی بی کی مراد یہ تھی کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان مکارم اخلاق و محاسن اور اوصاف سے آراستہ تھے۔ جو قرآن مجید میں ہیں اور آپ ان امور سے پاک وصاف تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے زجر و توبیخ کا موجب بنیں۔ ایسے ہی جملہ بری عادات سے منزہ و مقدس تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ سائل کو ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا **الست تقرأ القرآن قد افلح المؤمنون** کیا تو نے قرآن میں نہیں پڑھا۔ قد افلح المومنون الخ سورۂ مومنین کی یہ دس آیات حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلق عظیم کی تعبیر ہیں۔

سبق: اس میں تنبیہ ہے کہ اہل اسلام کو عظیم اخلاق سے آراستہ ہونا لازم ہے اور ایمان کہ تمام اخلاق قلبیہ کی اصل ہے اور نماز کہ اخلاق بدنیہ کی ستون ہے اور زکوٰۃ جو اخلاق مالیہ کی سرتاج ہے ایسے ہی دس آیات مذکورہ کو سمجھے حضرت جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی سلسلۃ الذہب میں ہے

؎ بود ہم بحر مکرمت ہم کان
گوہرش کان خلقه القرآن
وصف خلق کسے کہ قرآنست
خلق را نعت اوچہ امکانست

ترجمہ: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہر بزرگی کے دریا بلکہ کان ہیں اس کان کا موتی آپ کا خلق قرآن ہے۔

جس ذات کے خلق کی صفت قرآن ہے تو پھر مخلوق کا امکان کہاں کہ اس کی نعت کہہ سکے۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن ہیں

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلق قرآن بلکہ آپ قرآن خود ہیں۔[1]

---

[1] منکرین کمالات مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسے جملے کب برداشت ہو سکتے ہیں (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

صوفیانہ فائدہ حضرت محمد بن حکیم ترمذی قدس سرہ نے فرمایا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلق کریم وعظیم سے بڑھ کر اور کوئی خلق نہیں اس لئے کہ آپ نے خودی سے ہاتھ کھینچ کر خود کو کلی طور اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔

فائدہ : امام قشیری قدس سرہ نے فرمایا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلا سے منحرف اور عطا سے منصرف ہوئے اور فرمایا کہ اسی لئے سوائے اللہ تعالیٰ کے آپ کا کوئی مقصد ومقصود نہ تھا۔

ملفوظ جنید قدس سرہ سیدنا جنید بغدادی قدس سرہ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کا خلق عظیم یہ ہے کہ آپ نے کونین کو جود وسخا سے نوازا۔

لہ ہمم لا منتہی لکبارہا وہمتہ الصغریٰ اجل من الدہر (حسان رضی اللہ عنہ)

ترجمہ : آپ کی ہمتوں کی کوئی انتہا نہیں آپ کی مختصر سی ہمت زمانہ بھر سے بزرگ تر ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت الحسین النوری قدس سرہ نے فرمایا آنحضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلقِ عظیم کیوں نہ ہو جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سر (راز مخفی) کو اپنی خلافت کے انوار کا جلوہ بخشا۔

فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ آپ کا خلق اسی لئے عظیم تھا کہ آپ اسم عظیم کے مظہر ہیں۔ (اسے اچھی طرح سمجھ لے)

تقریر شیخ اکبر قدس سرہ تلقیح الاذہان للشیخ الاکبر قدس سرہ میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جوامع الکلم عطا فرمائے گئے کیونکہ آپ مکارم الاخلاق کی تتمیم (تکمیل) کے لئے مبعوث ہوئے ہیں جیسے خود حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ

(بقیہ حاشیہ سابقہ صفحہ سے) اسی لئے سرے سے جان چھڑا لیتے ہیں کہ ہم تفسیر روح البیان کو نہیں مانتے ان کے جواب میں اویسی فقیر کیا کہہ سکتا ہے البتہ یہ ضرور کہہ سکتا ہے کہ تم خود رب رحمٰن کو نہیں مانتے تو صاحب روح البیان کس قطار میں۔ اسی لیے اہل سنت سے اپیل ہے کہ تفسیر روح البیان کو ہی مطالعہ کی جان بنایئے پھر دیکھئے کس طرح باغ جنان کی سیر نصیب ہوتی ہے (اویسی غفرلہ)

، نے فرمایا انک لعلی خلق عظیم یہی صراط مستقیم کا مین ہے۔

فضیلت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے تین سو ساٹھ اخلاق ہیں جو ان میں سے کسی ایک کے ساتھ مع توحید اللہ کے ہاں حاضر ہوا بہشت میں داخل ہوگا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا انہیں کوئی ایک میرے میں ہے یا نہیں آپ نے فرمایا آپ میں تمام ہیں یاد رکھیئے کہ اللہ تعالیٰ کو ان سب سے محبوب تر سخاوت ہے۔

فائدہ : احسن الاخلاق وہ انسان ہے جس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تسلیم ورضا کا ہو اور مخلوق کے ساتھ عفو وسخاوت کا۔

فائدہ : حدیث پاک میں توحید کی قید اس لئے لگائی ہے کہ کبھی کسی میں مکارم واخلاق تو ہوتے ہیں لیکن ایمان ندارد ایسے ہی بعض کو دولت ایمان تو نصیب ہوتی ہے لیکن اس میں مکارم اخلاق نہیں ہوتے اس لئے کہ ایمان کے ساتھ ہی مکارم الاخلاق عطا کئے جاتے تو مومن کو امر ونہی کا حکم نہ ہوتا۔

فائدہ : مکارم اخلاق انسان کا وہ زیور ہے کہ جہاں جائے وہ اس کے ساتھ ہوتے ہیں جہاں جائے جیسے ابوطالب کے متعلق وارد ہے۔

قرآن کی زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے سرشار ہونا ہے

بعض اکابر نے فرمایا کہ وہ امتی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری زندگی میں زیارت نہ کر سکا وہ چاہے کہ وہ آپ کی زیارت سے سرشار ہو تو وہ قرآن مجید کی زیارت کرلے کیوں کہ قرآن مجید کی زیارت اور آپ کی زیارت میں (معنوی طور) کوئی فرق نہیں گویا قرآن مجید سیدنا محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صورت جسمانی کا انشار (نقشہ) ہے تو گویا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صفت حق کی خلعت سے نوازے گئے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے (فرق نہیں ما بین پیا)

زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دوسرا طریقہ

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا مشتاق ہے اسے چاہیے وہ آپ کی ہر سنت پر عمل کرے بالخصوص وہ سنت جو مٹ چکی ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی (معنوی) کا نام ہے۔

جس نے سنت نبوی کو زندہ رکھا اس نے گویا تمام لوگوں کو زندہ رکھا کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جملہ رنگوں کا اتم واکمل مجموعہ ہیں ۔

فائدہ : بعض نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعثت کے بعد آج تک کوئی ایسا خلق نہیں رہا کہ جسکی کوئی کمی رہ گئی ہو کیوں کہ آپ نے جملہ اخلاق کے معارف بھی بیان فرمادیئے مثلاً حرص، حسد، شرہ بخل ۔ خوف یہ تمام صفات مذمومہ ہیں ۔ لیکن اگر انہیں اچھے معارف پر جاری کیا جائے تو یہ بھی مکارم اخلاق میں داخل ہوجاتی ہیں اور ان سے مذموم وصف زائل ہوجاتا ہے جیسے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس صحابی رضی اللہ عنہ کو فرمایا جو صف کے پیچھے کھڑے ہوکر ۔ رکوع کر کے اسی حالت میں صف میں مل گیا (آپ نے اسے فرمایا) زادک اللہ حرصاً ولا تعد اللہ تعالیٰ تیرے حرص میں برکت دے آئندہ ایسا نہ کرنا اور فرمایا حسد نہیں مگر دو میں اور فرمایا اللہ کا ذکر بکثرت کرو اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا فلا تخافوھم وخافون ان سے نہ ڈرو مگر مجھ سے ڈرو اور فرمایا فلا تقل لھما اف انہیں (ماں باپ کو) اُف نہ کرو اور فرمایا اف لکم تمہارے لئے حیف ہے ۔ اسی طرح کی بے شمار آیات و اخبار ۔

نکتہ : جن اخلاق سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے وہ اس کے لئے ہے جو سمجھتا ہے کہ یہ بُرا ہے یا اس حقیقت سے بے خبر ہے اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں مکارم اخلاق کی تمیم (تکمیل) کے لئے مبعوث ہوا ہوں چونکہ بعض لوگ اس سے واقف ہیں لیکن بعض ان سے بے خبر اسی لئے ان کی تکمیل کے لئے آپ کی بعثت ہوئی ورنہ جو کل کامل ہے وہ تو عالم میں اخلاق الٰہی ہی دیکھتا ہے ۔

مستغنی از جملہ جہان

کشف الاسرار میں آیت (طٰہٰ) کی تفسیر میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام اسباب کی چابیاں پیش کی گئیں تو آپ نے توجہ نہ دی پھر آپ کو لیلۃ المعراج سیر کرائی گئی اور تمام ملائکہ کرام اور جنت دکھائی گئی تو بھی آپ نے توجہ نہ کی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "مازاغ البصر وما طغیٰ" یعنی آپ نے نہ دائیں دیکھا نہ بائیں اس پر فرمایا انک لعلیٰ خلق عظیم ۔

ہمہ انبیاء مستفیض از فیضِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

اے جوانمرد (امتی) نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدر ومنزلت کو کون جان سکتا ہے اور وہ عزت جو آپ کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے اس سے کون آگاہ ہوسکتا ہے ایک لاکھ چوبیس ہزار (یا اس سے زائد) انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں سب آپ کی قدر ومنزلت کے آگے بمنزلہ ستاروں کے ہیں باوجودیکہ آپ ان کی موجودگی میں غائب تھے لیکن انہوں نے نور نبوت آپ سے ہی حاصل کیا جیسے سورج کہ اگرچہ وہ رات کو غائب ہوتا ہے لیکن تمام ستارے اسی سے نور پاکر چمکتے ہیں

لیکن جب سورج چمکتا ہے تو وہ ستارے اس کے نور میں گم ہو جاتے ہیں ایسے ہی تمام انبیاء علیہم السلام آپ سے ہی نور پاتے رہے جب آپ عالم صورت میں تشریف لائے تو وہ گم ہو گئے۔

کانک شمس والملوک کواکب

اذا طلعت لم یبد منہن کواکب

ترجمہ: گویا تم سورج ہو دوسرے شہنشاہ ہیں جب سورج چمکتا ہے تو ستارے ظاہر نہیں ہوتے۔

قصیدۂ بردہ شریف میں ہے ؎

فاق النبیین فی خلق و فی خلق

ولم یدانوہ فی علم ولا کرم

فانہ شمس فضل ہم کواکبہا

یظہرن انوارہا فی الظلم

ترجمہ، حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام سے خلق و خلق میں فائق ہیں علم و کرم میں وہ آپ کے برابر نہیں۔

اخلاق محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے نمونے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے منجملہ اخلاق کے ایک وہ ہے جو خود فرمایا کہ جو قطع کرتا ہے تو اس سے وصل کر اور جو تجھ پر ظلم کرتا ہے اسے معاف کر دے اور جو تیرے ساتھ برائی کرتا ہے تو اس پر احسان کر۔

فائدہ: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو حکم امت کو فرماتے ہیں پہلے اس پر خود عمل کرتے ہیں۔

حدیث شریف بعض مؤمن حسن اخلاق کی وجہ سے شب بیدار اور صائم النہار کا اجر و ثواب پائیں گے (مسند اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم) عن علی بن موسیٰ الرضی عن ابیہ موسیٰ بن جعفر عن ابیہ جعفر بن محمد عن ابیہ محمد ابن علی عن ابیہ علی بن الحسین بن علی عن ابیہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم الخ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ حسن خلق کو لازم پکڑو اس لئے حسن الخلق ضرور بہشت میں جائے گا۔ اور سوء خلق (برے خلق) سے بچو کیونکہ برے خلق والا لازماً دوزخ میں جائے گا۔

تفسیر عالمانہ ⑤ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ پس عنقریب تم جان لوگے اور وہ جان لیں گے۔

حل لغات: کہا جاتا ہے البصرتہ و بصرت بہ بمعنی علمتہ و ادرکتہ، میں نے اسے

جانا اور اسے پایا۔ اس لئے کہ بصر عضو معروف کو بھی کہا جاتا ہے اور قوۃ مدرکہ کو بھی لیکن عضو معروف پر بصیرت کا اطلاق بہت کم ہوتا ہے تاج المصادر میں ہے ابصار بمعنی آنکھ اور دل سے دیکھنا اب معنی یہ ہوا کہ عنقریب قیامت میں تم جان لوگے اور وہ جان لیں گے جب حق و باطل ظاہر ہوگا۔

فائدہ: حضرت قاشانی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ موت کے وقت پردہ ہٹنے پر تم دیکھوگے اور وہ بھی دیکھیں گے اسی لئے حضرت کاشفی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ جب ان پر عذاب نازل ہوگا تو معلوم ہوگا کہ دیوانہ کون ہے تم یا وہ یہی زیادہ واضح ہے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل اسلام کو غلبہ کا وعدہ اور دشمنانِ اسلام کو انتقام کی وعید ہے۔ ⑥ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ تم میں کون مجنون ہے یعنی کون جنون کے فتنہ میں مبتلا تھا۔ ایکم مبتدا اور المفتون اس کی خبر ہے المفتون بمعنی مجنون اور بار مبتدا میں زائدہ ہے جیسے بحسبک زید میں (با زائدہ ہے) یا معنی یہ ہے تم میں سے کسے جنون ہے المفتون مصدر ہے بمعنی الفتون یعنی الجنون جیسے المجلود بمعنی الجلادۃ اور المعقول بمعنی العقل جیسے "حتی اذا لم یترکوا لعظامہ لحما ولا لفوادہ معقولا" یہاں تک کہ انہوں نے اس کی ہڈیوں کے لئے گوشت اور دل میں عقل نہ چھوڑا) میں معقول بمعنی عقل ہے اور بار الصاق ہے جیسے بہ داء میں یا معنی یہ ہے تمہارے کس گروہ کا کون مجنون ہے کیا اہل ایمان کے گروہ کو یا اہل کفر کے گروہ کو جنون ہے تم میں سے جنون کا صدور ہوگا وہی اس اسم کا مستحق ہوگا اس معنی پہ بار بمعنی فی اور المفتون مبتدا موخر ہے اور تمام امت اس خطاب میں داخل ہے اس معنی پر وہ باتبع ہو جائیں گے سابق خطابات کی طرح یہ خطاب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خاص نہ ہوگا۔

فائدہ: یہ ابوجہل اور ولید بن المغیرہ اور ان جیسے کافروں کے لئے تعریض ہے جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا "سیعلمون غدا من الکذاب الاشر" کل جان لیں گے کہ کذاب اور فسادی کون ہے یعنی صالح علیہ السلام یا ان کی قوم ⑦ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ بے شک تیرا رب خوب جانتا ہے اسے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی راہ جو سعادۃ دارین تک پہنچاتی ہے اور اسے معلوم ہے کہ کون گمراہی کی دلدل میں پھنس کر اس طرف متوجہ ہے جو اسے شقاوۃ ابدیہ تک پہنچائے گی وہ یہی پاگل ہے جسے اپنے نفع و نقصان کا کوئی فرق محسوس نہیں ہو رہا بلکہ نقصان کو نفع سمجھ کر اسے پسند کرتا ہے اور نفع کو نقصان سمجھ کر اس سے دور بھاگتا ہے وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو خوب جانتا ہے یعنی ان لوگوں کو جو اپنے مطلوب کی راہ چلنے میں فائز اور نقصان دہ راستہ سے کنارہ کش ہیں اور اس سے عقلاء مراد ہیں جو حق

کی طرف رجحان رکھتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کے ساتھ استحقاق پر جزاء و سزا دے گا۔

نکتہ: ھو اعلم کا تکرار زیادہ التقریر کے لئے ہے۔

فائدہ: آیت میں اشارہ ہے کہ درحقیقت مجنون (پاگل)، عاصی (خدا تعالیٰ کا بے فرمان) نہ کہ مطیع (اللہ کا فرمانبردار)

تفسیرِ صوفیانہ

اس میں اشارہ ہے کہ وصول الی حضرۃ اللہ کی راہ سے بھٹکنے والا حب دنیا اور اس کی شہوات کی طرف میلان کی وجہ سے بھٹکتا ہے اور ہدایت یافتہ طریق توحید و وحدۃ نور عنایت ازلیہ اور ہدایۃ ابدیہ سے راہ پاتا ہے بعض اکابر نے فرمایا کہ وھو اعلم بالمھتدین یعنی اللہ تعالیٰ ان کو خوب جانتا ہے جو توفیق کے قابل ہیں اس معنیٰ پر بیان کے ہادی رسل کرام علیہم السلام اور توفیق کا ہادی خود اللہ تعالیٰ ہے۔ اس معنیٰ پر ہادی حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کا کام بیان کرنا بھی ہے اور توفیق بھی اور دوسرے ہادیوں یعنی مخلوق میں سے ہدایت کا کام صرف بیان کرنا اور بس۔

ردّالجہّال

جن لوگوں کو حقائق کا علم نہیں ہوتا ان کا گمان ہے کہ بندہ (رسول و غیر رسول) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اپنے ارشاد (رہبری) و وعظ میں سچا ہو تو لازم ہے کہ وہ سامعین کے نفوس میں اس کی قبولیت کا اثر پیدا ہو جائے جب سچا نہ ہو تو پھر اس کا اثر نہ ہوگا۔ یہ ان کا وہم فاسد ہے کیونکہ اس بندے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اللہ تعالیٰ کے ہاں قریب تر بڑھ کر اور کوئی نہیں اور اس سے تبلیغ و وعظ میں صادق تر بھی کوئی نہیں پھر قبولیت سے محبت کرنے والا اللہ تعالیٰ سے بھی بڑھ کر کوئی نہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی دلیل ہے کہ اس نے بندوں پر رحم فرما کر ان رسل کرام (علیہم السلام) کو بھیجا جنہیں بندوں پر رحم کرنے والا بڑھ کر اور کوئی نہ ہوگا (اس کے باوجود وہ کافر نہ مانے) اور اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے وعظ کے سامعین کے لئے قبولیت کا دروازہ بھی عام کھلا رکھا بلکہ اللہ تعالیٰ کے تبلیغ کے بارے میں ایک رسول صادق (علیہ السلام) نے کہہ دیا کہ انی دعوت قومی لیلاً و نہاراً فلم یزدھم دعائی الا فرارا (میں نے اپنی قوم کو رات دن دعوت دی لیکن انہیں میری دعوت نے الٹا بھاگنے میں اضافہ کیا ہے) جب انبیاء علیہم السلام کی اتنا بہت بڑی جدوجہد کے باوجود تبلیغ و وعظ کو عام قبولیت نہ ہوئی تو نتیجہ نکلا

لہ و اس میں رد ہے ان جاہلوں کا جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختیار ہوتا تو ابو طالب وغیرہ کو کیوں ہدایت نہ دی بھلا انہیں کون بتلائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا فریضہ ادا کیا تھا آگے خدائی کام آپ کیسے کرتے ۱۲۔

کہ سامعین میں ایک جملہ کا اثر بھی نہیں ہو سکتا جب تک ازلی استعداد میں نہ ہو اور جن سامعین نے قبول کیا تو وہ بھی مبلغ داعی (رسول علیہ السلام) کی دعوت کا اثر نہ تھا بلکہ وہ قوۃ استعداد تھی جو اپنے محل قبول کی وجہ سے قبول کیا وہی استعداد جو اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض مخلوق کے مزاج میں پیدا فرمائی جس نے قبولیت کا تقاضا کیا۔ ایسے لوگوں کا ایک مزاج خاص ہوتا ہے جنہیں صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ اس کی مخلوق میں ایسے لوگ کون ہیں اسی لئے فرمایا وھو اعلم بالمہتدین) وہی ہدایت یافتہ لوگوں کو خوب جانتا ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

گفت عالم بگوش جان گو
ور نماند بگفتش کردار
باطلست آنکہ مدعی گوید
خفتہ را خفتہ کے کند بیدار
مرد باید کہ گیرد اندر گوش
ور نوشتہ است پند بر دیوار

ترجمہ ۱: عالم نے فرمایا کہ دل کے کان سے سنو اگرچہ کہنے کے مطابق کہنے والے کی گفتار نہ ہو۔
۲: وہ باطل ہے جو مدعی کہتا ہے کہ سونے والا سونے والے کو کیسے بیدار کر سکتا ہے۔
۳: مرد پر لازم ہے کہ وہ نصیحت کو کان میں جگہ دے اگرچہ وہ دیوار پر لکھی ہو۔

تفسیر عالمانہ

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ تو جھٹلانے والوں کی اطاعت نہ کرو جب تم پر واضح ہو گیا وہ جو اوپر مذکور ہوا تو تم اسی پر مداومت کرو جس پر ہو جس طرف وہ تمہیں بلاتے ہیں ان کی اطاعت نہ کرو تم ان سے دور رہو وہ تمہارے سے خود بخود دور رہیں گے اس طرح سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معاملہ اپنی قوم (قریش) سے مضبوط ہوا۔ قلت عدد (صحابہ) کرام رضی اللہ عنہما اور کثرت کفار کے باوجود آپ کا قلب اطہر مضبوط رہا۔

فائدہ: یہ سورۃ نزول کے لحاظ سے اسلام کے اوائل دور کی ہے۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ عاصی کی اطاعت گناہ اور طاغی (سرکش) کی اقتداء طغیان (سرکشی) میں حصہ لینا ہے۔

۔ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ آرزو کرتے ہیں کہ کاش آپ نرمی کریں ، لَوْ تمنائیہ ہے۔ ادہان۔ دراصل تدہین کی طرح اس کا اشتقاق الدہن سے ہے لیکن اب اس کا معنیٰ ملاینۃ (نرمی کرنا) و ترک الجد (جدوجہد کا ترک) ، تاج المصادر میں فرمایا کہ الادہان بمعنی ہدایت (نرمی) کرنا اس کی ترکیب نرمی و سہولت اور قلت پر دلالت کرتی ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ چاہتے ہیں کہ کاش آپ بعض امور میں نرمی اور چشم پوشی کریں اور ان کو دعوت دینا چھوڑ دیں۔ فَيُدْهِنُوْنَ تو وہ بھی نرمی کریں گے یعنی طعن و تشنیع ترک کر دیں گے حضرت کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مکہ کے مشرکین کی بات نہ ماننا کہ وہ تمہیں آبا کے دین کی دعوت دیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم ان سے نرمی کرو اور ان کے شرک پر انہیں سرزنش (ملامت) نہ کرو تو وہ بھی نرمی کریں گے اور تمہارے دین پر طعن و تشنیع نہیں کریں گے۔

فائدہ: اس تقریر پر فار کا عطف تُدہن پر ہوگا اور یدہنون بھی لو کے ماتحت ہوگا اسی لیے یُدہنون کا نون گرا نہیں ورنہ تمنّی کے جواب کی وجہ سے منصوب ہوتا (نون گر جاتا) اور فعل میں مستقبل کا معنیٰ ہے یا فار سببیہ ہے اور تدہن سے مسبب ہے اور یہ بھی ہے کہ فعل بمعنی حال ہو۔ اب مطلب یہ ہو کہ وہ تمہاری نرمی کی خواہش کرکے ابھی نرمی کر رہے ہیں اس طمع پر ہیں کہ تم ان سے نرمی کرو اس تقریر پر بسبب تمنی سے ہوگا اور مبتدا بھی مقدر ہوگا ورنہ فعل منصوب ہوگا۔ کیوں کہ تسبب از مانی حیز المتمنی کا تقاضا اس طرح ہے بعض نے کہا ان کا جیسے ظاہر میں تمہارے ساتھ توافق (موافقت) نہیں باطن میں بھی اسی طرح ہیں کیوں کہ ظاہر کی موافقت کے اثرات باطن کے توافق سے ہوتے ہیں ایسے ہی مخالفت کا حال ہے ورنہ منافقت سریع الزوال ہوتی اور تصنع جلد تر ختم ہونے والا ہوتا لیکن چونکہ کفار رذائل میں سخت منہمک اور تلوّن میں گہرے اثر رکھتے ہیں بوجہ گوناگوں خواہشات نفسانیہ اور متفرق و مختلف آرزوں کے تصنع کرکے اپنی اس رذیل عادت کو دوسرے رذیل عادتوں سے ملا کر آپ سے نرمی اور اسی طرح کے تصنع کی آرزو رکھتے ہیں جیسے وہ خود کر رہے ہیں۔

صلح کلیوں کو ملامت ہمارے دور میں بد مذاہب (وہابی۔ مرزائی۔ شیعہ۔ دیوبندی فرقوں) سے نرم پالیسی پر زور دیا جاتا ہے۔ ہمارے نزدیک ایسی پالیسی سخت غلط اور پرلے درجے کی غلیظ عادت ہے یہی صاحب روح البیان قدس سرہ فرماتے ہیں فرمایا) المداہنۃ بیع الدین بالدنیا فہی من السیآت (ص۱۱ ج۱۰ ۔) یعنی بد مذاہب سے نرمی برتنا دین کو دنیا کے عوض بیچنا ہے اور یہ سیآت میں سے ہے۔

ہم مسلک اہل سنت سے نرمی کی فضیلت اور مدارۃ (ہم مسلک لوگوں و اہل ایمان سے

نرمی کرنا دنیا کے عوض دین حاصل کرنا ہے اور یہ حسنات میں سے ہے۔

مسئلہ: جس کے ساتھ نرمی نہیں کرنی اس کے ساتھ مداراۃ جائز ہے اور یہ مداہنت کے منافی نہیں کیوں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں مداراۃ کے لئے اسی طرح مامور ہوں جس طرح تبلیغ کے لئے (اس سے صلحکلیوں کو کوئی فائدہ نہیں کیوں کہ مدارات و مداہنت میں فرق ہے چنانچہ فرمایا) حضرت امام غزالی قدس سرہ نے الاحیاء میں فرمایا کہ مداراۃ و مداہنۃ میں فرق ہے وہ یہ کہ مداہنۃ کی غرض کا باعث اغراض سے ہو وہ یہ کہ اگر اپنے دین اور مسلک کی سلامتی یا اغراض سے اپنے کسی برادر دینی کی اصلاح مطلوب ہے تو یہ مداہنۃ مدارات کے معنی میں ہے[1]

صلحکلیوں کی پالیسی کی تردید

فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ اگر تم نرمی اختیار کرتے ہو محض حظ نفس اور اپنی خواہشات کی تکمیل اور اپنے جاہ و جلال کو برقرار رکھنے کے لئے تو پھر تم مداہن[2] (وہ نرمی جو شرعاً مذموم ہے) ہو۔

صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معاملہ

سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم بہت سے لوگوں کے سامنے خندہ پیشانی سے پیش آتے ہیں لیکن ہمارے ضمیر انہیں لعنت بھیج رہے ہوتے ہیں۔ (یہ بھی صلحکلیوں کو مفید نہیں کیوں کہ یہ ظالم اور شرپسند لوگوں کے لئے ہے چنانچہ صاحب روح البیان رحمہ اللہ نے اس کی تفسیر خود فرمائی یہ مدارات ہے لیکن ان کے

---

[1] یہ اس وقت ہے جب صلحکلی کا مقصد ہی ہو لیکن یہاں ہمارے ملک پاکستان وغیرہ اپنے مسلک کی سلامتی کا کیا معنیٰ جب کہ ہم کسی کے ماتحت نہیں اور کثرت بھی اہل سنت کی ہے نیز برادر دینی سے بھی صلحکلیت نہیں کی جا رہی بلکہ کھلے بندوں دشمنان محبوبان خدا سے کی جا رہی ہے جن کے متعلق عوام اہل اسلام بخوبی جانتے ہیں کہ گمراہ فرقوں کے سربراہ یا گمراہ فرقوں کے متوالے کب ہمارے برادر دینی ہیں وہ تو ہمارے اسی طرح دشمن ہیں جیسے ایک دشمن دین کو ہونا چاہیے آزما کر دیکھئے ہاں نو آموز یا فہم و فکر میں ناپختہ لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جا سکتا ہے تاکہ وہ ان گمراہ فرقوں کے پنجوں میں گرفتار نہ ہوں اگر گرفتار ہیں تو بچ جائیں۔ لیکن اس کی پالیسی اس طرح نہیں ہونی چاہیے جس طرح صلحکلی قسم کے لوگوں نے اختیار کی ہے اس کی مذمت متن میں ملاحظہ ہو۔

[2] خدا تعالیٰ بدظنی سے بچائے فقیر نے دور حاضرہ میں نرم پالیسی والوں کو دیکھا اور انہیں خوب آزمایا کہ ان کی بد مذاہب کے لئے نرم پالیسی مذکورہ بالا امراض سے خالی نہیں الا قلیل منہم وھم غیر معلومین۔

ساتھ جن کی شرارت سے خطرہ ہو۔ (اور سنت سے ان سے نفرت کا مراد ہے نہ کہ معروف معنیٰ وہ تو کفار کے لئے ہے اور بعض صحابہ کو دور ظالمانہ یزید و حجاج سے گزرنا پڑا انہیں یہ صورت پیش آئی تو مذکورہ بالا ارشاد فرمایا)

تفسیرِ عالمانہ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ اور اس کی بات نہ سننا جو بہت قسمیں کھانے والا ہے (حلاف) بہت زیادہ قسمیں کھانے والا حق ہو یا باطل بوجہ حرمتہ یمین کی جہالت اور برے عقیدہ کی بناء پر اسے غیر معمولی سمجھنے کی وجہ سے۔

نکتہ: دوسری صفات بھی طاعت کی کمی پر زاجرہ ہیں لیکن حلاف کی تقدیم میں نکتہ یہ ہے کہ طاعت کی زجر میں اسی کو زیادہ دخل ہے۔

فائدہ: الکشاف میں ہے کہ جو قسم کھانے کی عادت رکھتا ہے اس کی زجر کے لئے یہی آیت کافی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمایا "لَا تجعلوا اللہ عُرضة لایمانکم" اللہ تعالیٰ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ۔

مسئلہ: اس زجر میں غیر اللہ کی قسم بھی داخل ہے کیوں کہ وہ کبیرہ گناہوں میں ہے۔

فائدہ: حلف دراصل وہ قسم ہے جو کسی عہد پر ایک دوسرے سے حلف لینے کو کہتے ہیں لیکن اب عام ہے ہر قسم کی قسم کو حلف کہا جاتا ہے۔ **مَهِينٍ** (ذلیل) حقیر رائے و تدبیر والا کیوں کہ وہ عظمت الٰہی کو نہیں جانتا اسی لئے وہ ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا لیتا ہے یہ مہانتہ سے ہے بمعنی قلتہ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے کذاب مراد ہو کیوں کہ وہ لوگوں کی نظروں میں حقیر ہے۔

هَمَّازٍ بہت طعنہ دینے والا پس پشت لوگوں کے عیوب بیان کرنے والا یا منہ پر طعنہ دینے والا، حضرت حسن بصری (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا وہ جو پس پشت لوگوں کے عیوب کھل کر بیان کرے۔

ردِ گستاخ اس میں اس بدبخت کی طرف اشارہ ہے جو اہلِ حق کی ریاضات و مجاہدات اور ان کی عزلت اور گوشہ نشینی پر طعن و تشنیع کرتا ہے۔[1]

---

[1] جیسے وہابیہ غیر مقلدین اور نجدیوں کا مذہب ہے کہ محبوبان خدا کے جملہ معمولات چلہ کشی و شب بیداری و دیگر ریاضات و مجاہدات پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔
تفصیل کے لئے دیکھئے فقیر کی کتاب "خیر القسمة فی ان التکثر فی العبادة لیس ببدعة"۔

حدیث شریف۱ میں ہے کہ مومن نہ طعان (طعن تشنیع کرنے والا) ہے نہ لعان (لعنت کرنے والا) ہے۔

حدیث شریف۲ میں ہے مبارک ہے جسے اپنے عیوب نے دوسروں کے عیوب کی تلاش سے مشغول رکھا ہے۔

فائدہ: یعنی جو اپنے عیوب پر نگاہ رکھتا ہے تو وہ دوسروں کے عیوب دیکھنے میں کب فرصت پائے گا یا ان کے عیوب بیان کرسکے گا۔

فائدہ: اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ لوگوں کو معصیت سے منع بھی نہ کرے کیوں کہ وہ تو نص قطعی سے ثابت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ نہی من المنکر کرو لیکن دوسرے کو برائی سے روکتے وقت عجب اور دوسرے کو حقیر سمجھنا نہ ہو یہ خیال نہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں گرا ہوا ہوگا کیوں کہ امور کے بواطن وہی (اللہ تعالیٰ) خوب جانتا ہے۔

حل لغات: ہمّاز ہامز کا مبالغہ ہے الہمز بمعنی الطعن۱ والضرب۲ والکسر۳ والعیب۴ اسی سے الہمز والہماز (بالکسر) وہ چابک جو جانور پر مارا جاتا ہے۔

حکایت: ایک اعرابی سے کہا گیا اتہمز (الفارۃ) کیا تو چوہے کو مارتا ہے کہا السور یہمزہا (بلی ہی اسے دبوچ لے گی) استعارہ کے طور پر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو لوگوں کے عیوب مکروہ طریقے سے بیان کرتا اور ان کی عزت پر دھبہ لگاتا ہے گویا وہ انہیں اذیت سے مارتا ہے۔

مشّاءٍ بنمیم (بہت اِدھر کی اُدھر کی مار کر پھرنے والا) اسی کو مُضرِب کہا جاتا ہے۔

حل لغات کہا جاتا ہے جو ایک کی بات سن کر دوسرے کو بتلائے اس سے اس کا ان کے درمیان شر و فساد پھیلانے کا پروگرام ہو وہی مُضرِب (مشاءٍ بنمیم) ہے اس لئے کہ نمیم و نمیمہ وہ کوشش اور بات کا اظہار جس سے جھگڑا اور فساد برپا ہو یہ کبیرہ گناہوں سے ہے۔

مسئلہ: کسی کی بات نصیحت کے طور نقل کرنا یہ واجب ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کسی نے خیر خواہی کے طور کہا یا موسیٰ ان الملأ یأتمرون بک لیقتلوک فاخرج انی لک من الناصحین اے موسیٰ (علیہ السلام) بہت بڑے معزز (فرعونی) تیرے متعلق تیرے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں تم یہاں سے نکل جاؤ بے شک میں تیرا خیر خواہ ہوں۔

مسئلہ: التعریفات میں ہے کہ نمام وہ ہے جو لوگوں کو ایسی بات کہے جو ان کے درمیان جھگڑا برپا ہو اور ان کو دوسرے کی باتوں اس طرح انکشاف کرے جو ناگوار ہو منقول عنہ یا منقول لہ

کو یا کسی تیسرے کو وہ انکشاف صراحۃً ہو یا اشارۃً یا کسی اور طریق سے۔

حدیث شریف : میں ہے کہ نمام (چغلخور) بہشت میں داخل نہ ہوگا۔

فائدہ : نمام وہ جو فساد اور شر پھیلانے کے لئے ادھر کی ادھر کی مارے السعایہ بمعنی غمز (اشارے کرنا)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ مشا بنمیم وہ شخص ہے جو اہل حق کی باتیں جاہلوں کے سامنے سنانے جسے وہ سنکر مذاق اڑائیں اور ان کے کلام کو جہالت وسفسطہ (حماقت) سے تعبیر کریں[1]

تفسیر عالمانہ مَنَّاعٍ لِلْخَيْرِ (بھلائی سے بڑا روکنے والا) مانع کا مبالغہ ہے بمعنی بخیل۔ الخیر بمعنی مال یعنی وہ شخص جو لوگوں کو خیر یعنی ایمان وطاعت و ایقان سے روکے اور ارباب سلوک یعنی مریدین کو مرشدین سے روکے (جیسے وہابیوں نجدیوں دیوبندیوں کا شیوہ ہے) یہاں ممنوع منہ کا ذکر نہیں (بوجہ اس کی شہرت کے)

ولید بن مغیرہ ولید کے دس لڑکے تھے وہ انہیں اور اپنے رشتہ داروں تابعداروں کو کہتا تھا کہ (حضرت) محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دین سے کوئی فائدہ نہیں اور یہ ولید بہت بڑا دولتمند تھا اس کا نوہزار مثقال سونا تھا (ایک مثقال سوا چار ماشہ کا ہوتا ہے) اور طائف (علاقہ) میں اس کا ایک بہترین باغ تھا۔

مُعْتَدٍ (حد سے بڑھنے والا) ظلم میں تجاوز کرنے والا یعنی حق ز حد سے آگے بڑھنے والا کہ لوگوں پر ظلم کرے اور اسے تمام مذموم اخلاق پر محمل کیا جا سکتا ہے کیوں کہ ان سب میں تجاوز عن الحد ہے۔

صوفیانہ معنیٰ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ نفس پر ظلم پر حد سے بڑھنے والا کہ اسے شہوات میں غوطے دیتا ہے منہیات کی ظلمت میں منہمک ہونے والا۔

أَثِيمٍ ، گنہگا بہت گناہ کرنے والا یہ افعال مبطلہ از ثواب پر مستعمل ہوتا ہے۔

---

[1] اس سے وہ جاہل واعظ اور صوفی عبرت حاصل کرے جو وحدۃ الوجود جیسے مقدس مسئلہ کو بر سر منبر اور عوام کے سامنے بیان کرتا ہے جس سے وہابیوں نجدیوں دیوبندیوں کو طعن و تشنیع کا موقعہ مل جاتا ہے بلکہ وہ انہی عبارات کو اچھالتے پھرتے ہیں اور کہتے ہیں تو دیکھو یہ ہیں بریلویوں (اہلسنت کے عقیدے) وحدۃ الوجود پر مبنی ہوں۔
تفصیل فقیر کی کتاب وحدۃ الوجود میں ملاحظہ ہو۔

فائدہ : حضرت کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بہت گنہگار زیاں کار۔ تاویلات نجمیہ میں ہے اخلاق ردیہ کی طرف جھکنے کی وجہ سے اور صفات مردودہ میں رغبت کی طرف مائل ہو کر زیادہ گنہگار۔

عُتُلٍّ (درشت خو) خشک مزاج سخت طبیعت۔

حل لغات عَتل سے ہے اسے سختی و غلظت سے کھینچا۔ امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ العتل بمعنی الشیء کے تمام پکڑ کر اپنی طرف زور سے کھینچنا جیسے عتل البعیر اونٹ کو زور سے کھینچ کر اپنی طرف لانا یعنی سختی سے کھینچنا۔

فائدہ : جناب کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عتل بمعنی سخت ہے۔ درشت خو یعنی وہ جو معاملہ میں ایسا سخت اور غلیظ قلب و طبع ہو کہ وہ نہ روحانی صفات کو قبول کرے اور نہ ہی حق کے لئے نرمی کرے بلکہ ہر معصیت پر جری ہو۔ (جرأتمند) ہو۔ القاموس میں ہے کہ العتل (بضمتین) مشدودۃ اللام بسیار خور خشک مزاج۔ سخت دل۔ **بَعْدَ ذٰلِكَ** اس گنتی کے بعد یعنی مذکورہ قبائح کے بعد **زَنِيْمٍ** ماالدالزنا ہے اس کی اصل میں خلا ہے۔

حل لغات وہ اپنی قوم میں بطور دعویٰ چسپاں ہوا اور صرف ان کی نسب میں ملحق ہے حالانکہ درحقیقت ان میں سے نہیں یعنی زنیم وہ ہے جسے کوئی اس کی پرورش کر کے اپنا بیٹا بنائے حالانکہ حقیقت میں وہ اس کی نسب کا (بیٹا) نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وما جعل ادعیاءکم ابناءکم اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا بیٹا نہیں بنایا۔ (ذلکم قولکم بافواھکم) یہ تمہاری اپنی منہ کی باتیں ہیں امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا زنیم۔ مزنم وہ جو قوم میں زائد ہو انہیں سے نہ ہو یعنی نسب میں ان کا نہ ہو ان کو ملحق ہوا ہو حقیقی طور ان سے نہ ہو۔ تشبیہ ہے کان کٹی دو بجلیوں سے تشبیہ ہے۔

الکشاف میں ہے کہ یہ الزنمہ سے ہے بمعنی الہنۃ (کان کٹنا) کیوں کہ وہ غیر اہل کے ساتھ ایک زائد معلق ہے القاموس میں ہے الزنمۃ محرکہ (حرکتوں سے) وہ شے جو اونٹ کے کان سے کاٹ کر اسے لٹکا ہوا چھوڑ دیا جائے یہ ان کے اچھوں سے کیا جاتا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ درحقیقت یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اس قول سے لیا گیا ہے جو آپ نے فرمایا زنیم وہ جو غیر معروف ہو یہاں تک اسے زنیم کہہ کر معروف کیا جائے تو معلوم ہوا کہ یہ اس کے لئے اس کے حلق میں زنمہ (لٹکا ہوا گوشت) ہے بعض نے کہا کہ وہ شر سے معروف ہوتا ہے جیسے بکری زنمہ سے پہچانی جاتی ہے۔

فائدہ : عتبی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی ایسے وصف اور اسماء کے عیوب بیان فرماتے ہیں جیسے ولید بن مغیرہ کے عیوب گنوائے ہیں اور ایسے عار میں مبتلا فرمایا کہ جس سے وہ ہمیشہ تک سبکدوش نہیں ہو سکا۔

فائدہ: بعد ذلک میں دلالت ہے کہ اس کا اپنا دعویٰ بہت زیادہ عیب اور سخت ترین قبیح ہے کیونکہ ولید خود کو قریشی ہونے کا مدعی تھا۔ حالانکہ قریشی نہ تھا اور نہ ہی ان کی اصل سے تھا کیونکہ اس کے باپ مغیرہ نے اس کی پیدائش کے اٹھارہ سال بعد دعویٰ کیا کہ یہ اس کا بیٹا ہے یعنی ولید اٹھارہ سال کا ہو گیا تھا تو اب مغیرہ نے کہا کہ میں اس کا باپ ہوں یہ کہہ کر اسے اپنے گھر لے آیا۔

فائدہ: بعد ذلک لفظ ثم کی نظیر ہے جو اللہ تعالیٰ کے ارشاد ثم کان من الذین اٰمنوا جس طرح یہ ثُمَّ تراخی رتبی کے لئے یہ بعد ذلک بھی رتبی ہے۔

حدیث شریف ۱: میں ہے بہشت میں جواظ اور جعظری اور عتل زنیم داخل نہ ہو گا۔

حل لغات: جواز از جوظ ہے بمعنی مال جمع کر کے روک کر رکھنے والا (الجعظری بمعنی خشک مزاج سخت طبیعت (سنگدل) عتل بسیار خور (بہت کھانے پینے والا غشوم)

حدیث شریف ۲: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں اہل جنت کی خبر نہ دوں فرمایا وہ ہر ضعیف کمزور کہ اگر اللہ تعالیٰ کے سامنے قسم کھائے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کی قسم پوری فرما دے اور فرمایا۔ الا اخبرکم الخ کیا تمہیں جہنمیوں کی خبر نہ دوں فرمایا ہر سرکش اور خشک مزاج متکبر (دوزخی ہے)

شان نزول: بعض نے کہا کہ ولید کی ماں نے زنا کیا تو کسی کو معلوم نہ تھا یہاں تک کہ یہی آیت نازل ہوئی۔ اب زنیم کا معنیٰ ولد الزنا ہے یعنی حرامزادہ کہ جس کا باپ معلوم نہ ہو۔ ایک شاعر نے فرمایا ؎

زنیم لیس یعرف من ابوہ
بغی الام ذو حسب لئیم

ترجمہ: زنیم وہ ہے جس کا باپ معلوم نہ ہو۔ اس کی ماں زانیہ اور اس کا حسب لئیم ہے۔[1]
(یقین کیجئے کہ ہر گستاخ نبوت ولد الزنا ورنہ ولد الحرام ضرور ہوتا ہے[1]) انہی کے متعلق کہا گیا ہے ؎

جرم و گناہ مدعی از فعل مادر است
کورا خطائے مادر او خاکسار کرد

---

[1] اس کی تفصیل فقیر کے رسالہ "گستاخ ولد الحرام ہے" میں دیکھئے، اویسی غفرلہ،

ترجمہ : بدی کا جرم و گناہ ماں کے فعل سے ہے ماں کی خطا نے ہی اسے عاجز و ذلیل کیا۔

قاعدہ : نطفہ خبیث ہو تو جو اولاد اس سے پیدا ہو گی وہ بھی خبیث ہو گی (یہ قاعدہ اکثریہ ہے)

حدیث شریف ۱ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نہ زانی بہشت میں جائے گا نہ اس کی زنا کی اولاد اور نہ زنا کی اولاد کی اولاد (کشاف)

حدیث شریف ۲ : نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میری اُمت ہمیشہ خیر و بھلائی رہے گی جب تک ان میں اولاد الزنا نہ پھیلے گی جب زنا کی اولاد اور نشہ والوں کی کثرت ہو گی تو ان پر عذاب الٰہی عام ہو جائے گی۔

حدیث شریف ۳ : اولادِ زنا تین شرارتیوں میں شریر تر ہے۔

ازالہ وہم : حضرت ہادی رحمہ اللہ نے شرح المنار میں فرمایا کہ یہ کسی خاص اولاد زنا کے لئے ہے ورنہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ بہت سے ولد الزنا دین و دنیا میں ہدایت والی اولاد سے بہتر ہوتی ہے بلکہ عزت و احترام کے شرعی امور میں دیکھا گیا ہے کہ وہی بہ نسبت دوسروں کے وہی زیادہ مستحق ہوتے ہیں مثلاً قبول شہادت و عبادت و صحت قضاء و امامت وغیرہ۔ میں (جب صحیح نکاح کی اولاد فاسق و فاجر اور ولد الزنا باصلاح ہو تو ولد الزنا کو ترجیح دی جاتی ہے اسی لئے حدیث عموم پر نہیں۔

فضیلت نبوی وعلم غیب : نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نکاح میں پیدا ہوا ہوں نہ کہ سفاح (زنا) سے۔

مسئلہ : ایسے ہی جملہ انبیاء علیہم السلام اور جمیع اولیائے کرام قدس اللہ اسرارہم۔

فائدہ : زنا کفر سے من وجہ قبیح تر ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ حی (مومن) کو میت (کافر) سے پیدا کرتا ہے بخلاف رشید (رشد والے) کے زانی سے (یعنی زانی کے نطفۂ زنا سے ولی پیدا نہیں ہوگا) کیونکہ ولد الزنا ولایت حقیقیہ کی صلاحیت نہیں رکھتا اگرچہ وہ ولایت صوریہ کی صلاحیت رکھتا ہے۔

شان نزول : یہ آیت اخنس بن شریق کے متعلق نازل ہوئی اس کا نام ابی تھا۔ قریش قبیلہ میں ثقفی مصطلقی تھا اسی لئے اسے اللہ تعالیٰ نے زنیم کہا اس کی نسب کی مذمت سے نہیں بلکہ اسے اس معنی سے متعارف کرانے کے لئے ہے (ذکرہ السہیلی)

فائدہ : ابن خطیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ لفظ اپنے عموم پر ہے کیوں کہ جو اس صفت سے موصوف ہوگا وہ زنیم ہے اور یہ خطاب ہمیشہ تا قیامت باقی رہے گا بالخصوص والیانِ امور (حکومت کے امور میں

دخل دینے والوں کے لئے (اکثر طور)

فائدہ : فتح الرحمٰن میں ہے کہ یہ ترتیب واصف کے قول میں ہے نہ یہ کہ موصوف کو یہ صفات اسی ترتیب سے حاصل ہوئے ورنہ عتل مناع للخیر سے پہلے ہونا چاہیے۔

فائدہ : برہان القرآن میں ہے کہ حلاف سے زنیم تو اوصاف ہیں ان میں حرف عطف نہیں اور نہ ہی ساتویں صفت کے بعد واؤ یہ دلیل اس بات کی ہے کہ جس نے آٹھ صفات کے درمیان واو لانے کو ضعیف کہا ہے وہ صحیح ہے۔

تفسیر عالمانہ أَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ یہ کہ وہ صاحب مال اور صاحب اولاد ہے یہ لاتطع کے متعلق ہے یہاں حرف جارہ محذوف ہے یعنی دراصل لاتطع من هذه مثالبه یعنی جس میں بری صفات ہوں اس کی بات نہ سنو اس لئے کہ وہ بہت سے مال کا مالک اور بہت بڑی اولاد سے قوت یافتہ ہے۔ إِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ جب اس پر ہماری آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ پہلے لوگوں کی بناوٹی کہانیاں ہیں) جملہ مستانفہ مہنی کے تعلیل کے قائم مقام ہے یعنی جب تم اس کے سامنے ہمارے کلام قدیم کے آیات پڑھتے ہو تو کہتا ہے کہ ایسی باتیں ہیں جنہیں کسی قسم کا نظم و نسق نہیں انہوں نے اپنے گمان کے مطابق کچھ باتیں لکھ لی ہیں اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر ان کی بکواس کا ذکر فرمایا ہے کہ اکتتبها فهي تملٰی علیه یہ وہ باتیں جسے اس نے لکھ لیا تو پھر اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں یعنی یہ گذشتہ لوگوں کے افسانے ہیں۔

فائدہ : سُدی نے رساجیع الاولین لکھا یعنی پہلے لوگوں کی مسجع باتیں یعنی ہم نے اس بدبخت کو نعمتوں سے نوازا مال و دولت بکثرت بخشا اس نے بجائے شکر کرنے کے ہماری آیات کے ساتھ کفر کر ڈالا۔

فائدہ امام مبرد نے کہا کہ اساطیر اسطورہ کی جمع جیسے احدوثہ کی احادیث اس کی تحقیق پہلے گزری ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے قسم کھانے والے ذلیل اور فی نفسہ حقیر کی بات نہ سنو بسبب اس کے ان اعمال کی ثروت کے جو ریاء و سمعۃ (شہرت) اور ان بنین احوال جو عجب و اعجاب کی طرف منسوب ہیں کہ جب آپ پر پڑھے جاتے ہیں ہمارے دقائق و حقائق تو کہتا ہے کہ یہ پہلے لوگوں کی بناوٹی باتیں (ملفوظات) ہیں جنہیں صوفیہ متقدمین نے لکھی ہیں یہ ان کی بکواسات و خرافات ہیں۔

تفسیر عالمانہ سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ہم داغ دیں گے ان کی تھوتنی کو۔

حل لغات ؛ یہ دراصل سَنَوسِم تھا از وَسْمٌ بمعنی وسم (علامت) ظاہر کرنا یعنی داغ دینا المیسم بمعنی المکواۃ یعنی داغنے کا آلہ۔ الخرطوم بروزن زنبور ناک یا اس کا اگلا حصہ یا وہ جسے حکیں ملی ہوتی ہیں جیسے خرطم بروزن قنفذ (القاموس) اب معنی یہ ہوا کہ ہم اسے داغ کے نشان اس کی عزت والی جگہ پہ بنائیں گے تاکہ اس کی نہایت درجہ کی ذلت و اہانت ہو کیوں کہ ناک ہی انسان کے چہرے میں عزت والی جگہ ہے کیونکہ چہرے میں بھی آگے ہے اسی لئے اسے عزت و حمیت والی جگہ پر بولتے ہیں اسی سے انفۃ مشتق کرتے ہیں اور رغم انفہ اور کہتے ہیں الانف بالانف وحمی انفہ (اس نے ناک بچا لی) "فلاں شامخ العرنین" فلاں اونچی ناک والا ہے اور ذلیل آدمی کے لئے کہتے ہیں (جدع انفہ) اس کی ناک کٹ گئی (ورغم انفہ) اس کی ناک آلود ہوئی۔

حکایت ؛ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اونٹوں کے چہروں کو داغا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اکرموا الوجوہ" چہروں کی عزت کرو اگر داغ دینا ہے تو چوتڑوں کو داغو۔

نکتہ ؛ یہاں ناک کو خرطوم سے تعبیر کرنا اس کی اہانت و تحقیر مطلوب ہے اس لئے کہ خرطوم ہاتھی اور خنزیر کے لئے بولی جاتی ہے جب جانور میں زیادہ خباثت اور سخت تر قباحت ہو تو پھر اس کی اہانت و تحقیر بھی سخت کر دی جاتی ہے۔

حکایت بعض نے کہا کہ ولید کو غزوۂ بدر میں ناک پر زخم آیا تھا تو اس کے زخم کا نشان اسے مرتے دم رہا۔

فائدہ ؛ صاحب کشاف نے کہا کہ یہ قول ضعیف ہے اس لئے کہ ولید غزوۂ بدر سے پہلے مر گیا تھا تو پھر اس کے لئے کسی داغ کی نشان دہی کرنا کہ اسے مرتے دم تک رہی (دعویٰ بلا دلیل ہے)

فائدہ ؛ امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہم اس سے عار مراد لیتے ہیں کہ وہ اسنٹ ہے ہی صاحب کشاف نے کہا کہ اس سے مراد وہ ذلت ہے جو دائماً اسے نصیب ہوئی اور چہرہ سے چونکہ عزت والی جگہ ہے اور پھر ناک اسمیں تمام اعضاء سے زیادہ ظاہر ہے اسی لئے اس پہ داغ دینا زیادہ ذلیل و خوار کرنا ہے کیوں کہ چہرے کا داغ اور دھبہ ایک عیب ہے تو پھر جو عضو اس میں زیادہ ظاہر ہو اس پہ دھبہ اور داغ تو اور زیادہ عیب ہونا چاہیے ایسے ہی قتبی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ولید کے یہ اوصاف قسم مہانۃ ہمز ولعن) چغلخوری کے لئے آنا جانا۔ بخل۔ ظلم۔ اثم (گناہ) جفوۃ۔

(خشک مزاجی) سے موصوف کر کے اسے ایسی عار لاحق کی جو دنیا و آخرت میں اس سے جدا نہ ہو اور فرمایا اس کی دلیل وہ ہے جو شعبی سے مروی ہے جو انہوں نے عتل کی تفسیر میں بتایا چنانچہ فرمایا کہ العتل بمعنٰی الشدید اور زنیم وہ جس میں شر کی علامت ہو جس سے وہ معروف ہو جیسے بکری کان کٹنے کی علامت سے معروف ہوتی ہے۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ اس کا معنٰی ہے کہ ہم اسے قیامت میں ایک ایسی علامت سے ظاہر کر دیں گے جیسے بکری علامت سے معروف ہوتی ہے۔ جسے تمام کفار پہچانیں گے بایں طور کہ اس کا چہرہ نہایت درجہ کا سیاہ ہو گا یہ عداوت کی نحوست سے ہو گی۔ جو اس نے سید المرسلین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام سے حد درجہ کی عداوت کی[1] اس تقریر پر خرطوم سے مراد تمام چہرہ ہے کہ جزء بول کر کل مراد لی گئی ہے۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ بے شک ہم نے انہیں جانچا۔

حل لغات: کہا جاتا ہے بَلِیَ الثَّوب بمعنٰی خلق یعنی کپڑا پرانا ہو گیا بلوتہ میں نے اسے آزمایا گویا اسے پرانا کیا اسے بار بار آزمانے سے البلایا (آزمائشیں) اب معنٰی یہ ہوا کہ ہم نے اہل مکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعا سے قحط و بھوک سے سات سال مبتلا رکھا یہانتک کہ انہوں نے مردار اور ہڈیاں اور چمڑے کھائے اور خون پیا ان کی سرکشی اور تکبر اور ان کے اللہ تعالٰی کی نعمتوں سے ناشکری کی وجہ سے كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ جیسے باغ والوں کو جانچا تھا یعنی ان کا جانچنا باغ والوں کی طرح تھا اور باغ اہلِ مکہ کے ہاں معروف تھا لام عہد کی ہے اور کاف نصب کی جگہ پر ہے کیوں کہ یہ مصدر محذوف کی صفت ہے اور ما مصدریہ ہے الجنہ بمعنٰی باغ۔ اصحاب الجنتہ سے اہلِ صنعاد کی ایک برادری کشف الاسرار میں ہے کہ وہ تین بھائی تھے یہ باغ ان کے باپ کا تھا صنعاء سے دو فرسخ کی مسافت پر اور سہیلی نے فرمایا کہ اس باغ کا نام ضردان تھا۔ یہ باغ صنعاء یمن سے دو فرسنگ کے فاصلہ پر سر راہ تھا اس کا مالک ایک مرد صالح

---

[1] لطیفہ: ایک نوجوان جو بچپن میں "تا جوانی چٹا گورا شکیل وجمیل تھا نحوست کا مارا کسی دیوبندی وہابی کی صحبت کی نحوست سے بے ادب و گستاخ بن گیا فقیر کو ملا تو فقیر نے اس کی بگڑی صورت کو دیکھ کر کہا کہ ارے بدبخت بچپن "تا جوانی تیرا چہرہ کیسا من بھاتا تھا صورت و شکل بگڑ گئی تو کہا کیا بیمار ہو گیا تھا تو میں نے کہا نہیں یہ اس صحبت وہابیت کی نحوست ہے سنکر کھسیانا سا ہو گیا لیکن تائب نہ ہوا۔

تھا جو باغ کے میوے کثرت سے فقراء کو دیتا تھا جب باغ میں جاتا فقراء کو بلا لیتا تمام گرے پڑے میوے فقراء لے لیتے اور باغ میں بستر بچھا دیئے جاتے جب میوے توڑے جاتے تو جتنے میوے بستروں پر گرتے وہ بھی فقراء کو دیدیئے جاتے اور جو خالص اپنا حصہ ہوتا اس سے بھی دسواں حصہ فقراء کو دے دیتا اسی طرح کھیتی کاٹتے وقت بھی اس نے فقراء کے حقوق بہت زیادہ مقرر کئے تھے اس کے بعد اس کے تین بیٹے وارث ہوئے انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ مال قلیل ہے کنبہ بہت ہے اگر والد کی طرح ہم بھی خیرات جاری رکھیں تو تنگدست ہو جائیں گے آپس میں مل کر قسمیں کھائیں کہ صبح تڑکے لوگوں کے اٹھنے سے پہلے باغ چل کر میوے توڑ لیں۔ یہی فتح الرحمٰن میں ہے اور یہ عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء سے تھوڑے سے عرصہ کے بعد ہوا اور یہ باغ والے بخیل تھے۔

ایسے ہی کاشفی رحمہ اللہ نے بھی لکھا یہ کارروائی باپ کے مرنے کے بعد قسم کھا کر کی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اِذْ اَقْسَمُوْا جب انہوں نے قسم کھائی اِذْ بَلَوْنَا کی طرف ہے اقسام بمعنی قسم کھانا ان سے باغ کے ورثہ مراد ہیں جو فقراء سے پوشیدہ ہونا چاہتے تھے۔ لَیَصْرِمُنَّهَا البتہ وہ کاٹیں گے۔

حل لغات الصرام والصرم بمعنی کھجور کا پھل کاٹنا از صرمہ (ا سے کاٹنا) یعنی کھجور اور انگور کے پھل کاٹیں گے اور اناج کھیتی وغیرہ کا جمع کریں گے۔ مُصْبِحِیْنَ تڑکے اٹھ کر (لیصرمنہا) سے حال ہے یعنی اندھیرے میں چل کر انہیں کاٹ لیں گے لیصرمنہا قسم کا جواب ہے یا ان کی گفتگو کے خلاف لایا گیا ہے ورنہ کہا جاتا لیصرمنہا بصیغۂ جمع متکلم وَلَا یَسْتَثْنُوْنَ اور استثناء نہ کرتے یعنی انشاء اللہ نہ کہتے۔

سوال: انشاء اللہ کو استثناء کیوں کہا حالانکہ اس میں تو حرف شرط ہے۔

جواب: چونکہ انشاء اللہ استثناء کے قائمقام ہے مثلاً لاخرجن انشاء اللہ اور لا اخرج الا ان شاء اللہ کا ایک ہی معنیٰ ہے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے یا حال کے بعد حال ہے۔

نکتہ: قسم کے بعد ایسا فعل وارد کرنا جس کا فاعل مضمر ہے تاکہ معلوم ہو کہ ان کا یہ مقصد اہل مروت واصحاب فتوت کے نزدیک قابل ستائش نہیں بلکہ ملامت کے لائق ہے۔ ان کی اور دو اسباب کے ذکر میں ان کی قباحت کا اظہار ہے کہ وہ محروم القسمۃ لوگ تھے اگرچہ ان کی قباحت کے اظہار کے لئے ایک ہی سبب کافی تھا لیکن پہلے ان کی قسم کا ذکر پھر انشاء اللہ نہ کہنا اس سے حال بنانا ان کی محرومی کے تقاضا کے لئے اصل اور قوت ہے ظاہر تر یہ ہے کہ ولا یستثنون سے مراد یہ ہے کہ وہ مساکین کا نکال کر علیحدہ نہیں رکھتے جیسے ان کا باپ کرتا تھا۔

فائدہ: ابوحیان نے کہا کہ وَلَا یَسْتَثْنُوْنَ کا معنیٰ ہے اس سے استثناء نہ کرتے تھے جو

ان کا عزم تھا کہ مسکینوں کو کچھ نہیں دیں گے تاج المصادر میں ہے کہ الاستثناء بمعنی انشاء اللہ کہنا اور استثناء کرنا اور یہ بات شے کو دوبارہ تکرار پر دلالت کرتا ہے یا ان کو دو چیزوں کو متوالی یا متباین کرنا اور استثناء باب کے قیاس سے ہے وہ اس طرح کہ الشی کا ذکر مجملاً ایک بار ہو جاتا ہے تو دوبارہ تفصیلاً اس کا ذکر آ جاتا ہے مثلاً کسی نے کہا خرج الناس الناس میں زید وعمرو مجملاً مذکور ہیں جب کہا الا زید تو اب زید ظاہراً دوبارہ مذکور ہوا۔ امام راغب رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ استثناء کا ایراد اس عموم کو اٹھاتا ہے جو اس سے پہلے جملہ میں عام تھا یا پہلے لفظ کے حکم کے ارتفاع کا مقتضی ہوتا ہے پہلے کی مثال اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔ قل لا اجد فیما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمہ الا ان یکون میتۃ فرمایئے میری طرف جو وحی کی گئی ہے اس میں مَیں کوئی شے حرام نہیں پاتا۔ کھانے والے پر جو اسے کھاتا ہے مگر مردار الخ (اسمیں استثناء سے پہلے ہر شے کے کھانے کا عموم تھا (الا ان یکون میتۃ) اس عموم کو خاص کر دیا گیا) دوسرے کی مثال عام طور پر کہا جاتا ہے "لافعلن کذا انشاء اللہ" میں ایسے ضرور کروں گا (انشاء اللہ) اس میں استثناء سے پہلے فعل کا تقاضا عموم کا تھا انشاء اللہ کہنے سے وہ عموم مرتفع ہو گیا) ایسے ہی عبدہ عتیق و امراتہ طالق انشاء اللہ اس کا غلام آزاد ہے اور اس کی عورت مطلقہ ہے انشاء اللہ فَطَافَ عَلَيْهَا تو اس پر پھیرا کر گیا یعنی باغ کو گھیر گیا (طَائِفٌ) پھیرا کرنے والا بلا پھیرا کرنے والی یہ ایسے ہی جیسے دوسری جگہ یہ فرمایا (واحیط بثمرہ (اور گھیر گیا اس کے ثمر کو) یہ رات کو ہوا کیوں کہ طائف رات کو ہی ہوتا ہے نیز اس کے بعد لفظ نوم بھی آسمانی آگ تھی جس نے ان کے باغ کو جلا دیا مِنْ رَّبِّكَ (تیرے رب تعالیٰ سے) یعنی یہ آنے والی آگ تیرے رب تعالیٰ کی طرف سے تھی۔

حل لغات امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ الطوف بمعنی کسی شے کے ارد گرد پھرنا اسی سے الطائف ہے جو بیت اللہ شریف کے گرد چکر لگاتا ہے اسی سے ہی جن اور خیال اور خادم ہے وغیرہ ان سب کو طائف کہا جاتا ہے۔

نکتہ : ان کے لئے طاف الخ فرمایا کہ مصیبت انہیں رات کو پہنچی یہ ان کے لئے تعریض ہے (وَهُمْ نَائِمُونَ) اور وہ سو رہے تھے) یعنی جو تقدیر ان پر جاری ہوئی اس سے وہ غافل تھے یا نیند جو موت کی مانند ہے میں رات والی مصیبت سے غافل تھے کیوں کہ وہ اس وقت سو رہے تھے۔

حل لغات النوم بمعنی وہ بخار جو دماغ کی طرف چڑھتا ہے اس کی رطوبات کی وجہ سے دماغ کے اعصاب کا ڈھیلا پڑ جاتا یا یہ کہ نفس کو اللہ تعالیٰ موت کے

بغیر قوت کر دے وہ اس طرح روح کی روشنی ظاہر بدن سے منقطع ہو جائے نہ کہ باطن سے یا نیند ایک قسم کی خفیف موت ہے اور حقیقی موت ثقیل ہے اور یہ تمام تعریفات (برائے نوم) صحیح ہیں۔

فَاَصْبَحَتْ تو ہو گیا وہ صبح کے وقت اس بلاء کی وجہ سے كَالصَّرِيْمِ ٹوٹے ہوئے ثمر کی طرح

حل لغات صریم بر وزن فعیل بمعنی مفعول یعنی اس باغ کی طرح جس کے پھل کاٹ لیے جائیں کہ اس میں پھل کا نام ونشان تک باقی نہ رہے کیوں کہ اسے آسمانی آگ نے جلا دیا تھا بعض نے کہا کالصریم بھی کہا جاتا ہے یعنی وہ باغ جل کر رات کی طرح ہو گیا آگ کے جلنے کی وجہ سے فَتَنَادَوْا پھر انہوں نے ایک دوسرے کو پکارا مُصْبِحِيْنَ صبح کے وقت یعنی درانحالیکہ وہ صبح کے وقت میں داخل ہوئے۔ اَنِ اغْدُوْا یعنی تڑکے چلو اَنْ مفسرہ ہے یا دراصل بان اغدوا تھا اس معنٰی پر اَنْ مصدریہ ہے یعنی تڑکے اور دن کے پہلے حصے میں نکلو یعنی صبح سویرے نکل چلو عَلٰی حَرْثِكُمْ اپنی کھیتی کی طرف یعنی باغ اور کھیتی وغیرہ کو۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ اس باغ میں انگور کے درخت اور کھیتی بھی تھی۔ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ الحرث سے مطلق محصول مراد ہو (اناج۔ انگور، کھجور وغیرہ) اور اس سے بالخصوص کھیتی بھی مراد ہو سکتی ہے کہ وہ انسان کی معاش میں سب سے زیادہ ضرورت کی شے ہے اور اغدوا کا علی سے متعدی ہونا اقبال ہے اور استیلاد کے معنٰی کو متضمن ہے بعض نے کہا یہ خود علی سے متعدی ہوتا ہے۔

حل لغات القاموس میں ہے غدا علیہ غدوا وغدوۃ (بالضم) واغتدٰی بمعنی تڑکے گیا۔ امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ الحرث بمعنی زمین میں بیج ڈالنا اور اسے کھیتی کے لئے تیار کرنا اور محروث کو بھی حرث کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا ان اغدوا علٰی حرثکم (یہاں حرث بمعنی محروث ہے) اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ (اگر تمہیں کھیتی کاٹنی ہے) اس کے کاٹنے کا ارادہ رکھتے ہو اور ثمرہ کے حصول کا خیال ہو تو تڑکے چلو اس کا جواب محذوف ہے فَانْطَلَقُوْا تو وہ کھیتی کو چل پڑے یعنی باغ کی جانب وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ اور آپس میں آہستہ آہستہ کہتے جاتے تھے۔

حل لغات التخافت ایک دوسرے کو آہستہ بات کہنا یعنی آپس میں چپکے چپکے مشورہ کرتے تھے تاکہ کوئی سن نہ لے اور نہ ہی ان کے ہاں آئے۔ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ۔ کہ ہرگز آج تمہارے باغ میں ایک مسکین نہ آنے پائے چہ جائیکہ بہت زیادہ

آجائیں لہٰ آکر اپنا حصّہ لے کر ہمارے حصص گھٹا دیں۔ تخافت میں قول کا معنیٰ ہے اسی لئے اَنْ مفسّرہ ہے یعنی لا یدخلنہا یتخافتون کی تفسیر ہے مِسکین وہ ہے جس کے ہاں کوئی شے نہ ہو اور وہ فقیر سے زیادہ بلیغ ہے اور مسکین کو روکنے میں مبالغہ ہے ان کے عدم دخول میں یہ ایسے ہے جیسے کہا جاتا ہے لا ارینک ھٰہنا میں تمہیں نہ دیکھوں اس لئے مسکین کا دخول لازم ہے اس کو کہ وہ ان کے ہاں آئے ایسے ہی متکلم کی رؤیت مخاطب کے حاضر ہونے کو لازم ہے لازم کے ذکر سے ملزوم کی طرف منتقل ہوتا ہے وَّغَدَوْا عَلٰی حَرْدٍ اور چلے اپنے ارادہ پر۔

حل لغات

الحرد المنع علی حدة وغضب کسی کو سخت اور غضب ناک ہو کر روکنا کہا جاتا ہے۔ نزل فلان حریدا، فلاں لوگوں سے علیحدہ ہو کر اُترا وحاردت السنة بمعنی سال نے بارش روک دی والناقة اور ناقہ نے اپنا دودھ روک لیا **وحرد** بمعنی غضب (غضب ناک ہوا)

قٰدِرِیْنَ قدرت والے سمجھ کر۔ غدوا کے فاعل سے حال مقدرہ ہے اس لئے اہل حق کے نزدیک قدرة مع الفعل ہوتی ہے اب معنی یہ ہوا کہ تڑکے اس ارادہ پر اُٹھے کہ آج باغ میں مسکینوں کو ہرگز نہیں آنے دیں گے درآنحالیکہ وہ اپنے نفع پانے یا پھل حاصل کرنے کی اور کھیتی کاٹنے پر بزعم خویش قدرت والے ہیں لیکن انہیں سوائے رسوائی وندامت کے کچھ نصیب نہ ہوا۔

فائدہ: الکشاف میں ہے کہ وہ تڑکے ندامت کے سوا اور کسی امر پر قدرت نہیں رکھتے تھے اور نفع کے حصول سے عاجز تھے یعنی ان کا تو پختہ ارادہ تھا کہ وہ مساکین کو رسوا اور محروم کریں گے اور وہ اپنے نفع کے حصول پر قادر بھی تھے لیکن خود تڑکے اٹھتے ہی فقر کا شکار ہو گئے اور مال ان کے ہاتھوں سے نکل گیا اب انہیں سوائے ندامت ومحرومی کے کچھ حاصل نہ تھا وہ اس لئے کہ وہ تو مسکینوں کی محرومی کے طالب تھے لیکن محرومی ومسکین ان کے اپنے گلے کا ہار بن گئی۔ **فَلَمَّا رَاَوْهَا** جب اسے (باغ) کو اس کے برعکس تھا جس حال میں اُسے چھوڑ گئے تھے **قَالُوْٓا** بولے ایک دوسرے کو کہا **اِنَّا لَضَآلُّوْنَ** بے شک ہم راستہ بھول گئے اپنے باغ کا یہ راستہ اس کا نہیں جب اس کی تباہی وبربادی دیکھی **بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ** بلکہ ہم بے نصیب ہیں یہ تامل اور کچھ دیر ٹھہر لے کے بعد کہا جب انہیں حقیقت معلوم ہوئی تو اپنے پہلے قول سے ہٹ کر یہی کہا کہ ہم باغ کا راستہ نہیں بھولے بلکہ ہم بے نصیب ہیں ہم باغ کی خیر وبھلائی سے محروم اور اس کے نفع اٹھانے سے بے نصیب ہو گئے یہ ہماری بری نیت کا نتیجہ ہے وہی برا ارادہ کہ مسکینوں کو کچھ نہیں دینا اور فقراء کا حصّہ نہیں نکالنا **قَالَ اَوْسَطُهُمْ** ان کے اوسط نے کہا یعنی ان سے بھلے یا سن میں درمیانہ

حل لغات کشاف میں ہے ان کے اعدل وخیر نے کہا یہ ان کے قول فلان من وسطۃ قومہ (فلاں اپنی قوم اعدل اور بہتر ہے) واعطنی من وسطات مالک (مجھے اپنے بہتر اور اچھے مال میں سے دے) سے ہے اسی سے ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی امۃ وسطاً (بہتر امت) حضرت کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ان میں جو فاضل تر تھا عقل میں یا سن میں ان سے بزرگ تر تھا یا صائب تر رائے وفکر میں۔ امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وسط کبھی اسے کہا جاتا ہے جس کے دو کنارے مذموم ہوں جیسے جواد کہ اس کا ایک کنارہ بخل کا ہے اور ایک سرف (فضول خرچی) کا یہ ان کے درمیان میں مستعمل ہوتا ہے کہ یہ افراط وتفریط سے محفوظ ہے اس معنیٰ پر وہ مدح کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔ السواء والعدل کی طرح اسی سے ہے کذالک جعلنا کم امۃ وسطاً (ایسے ہی تم کو ہم نے بنایا امت خیر وبھلائی والی) اسی معنیٰ پر ہی "اوسطہم" ہے کبھی وسطا اس کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے کہ جس کا ایک کنارہ محمود اور دوسرا مذموم ہو خیر وشر کی طرح اور کبھی اس قوم کا رذیل انسان بھی مراد ہوتا ہے جیسے فلان وسط بین الرجال' تنبیہ ہے کہ وہ خیر کی حد سے نکل گیا ہے۔ **الم اقل لکم لولا تسبحون** کیا میں تم سے نہیں کہتا تھا کہ تسبیح کیوں نہیں کرتے" اللہ تعالیٰ کو تسبیح وتہلیل کے ساتھ یاد کیوں نہیں کرتے اس کے ہاں اپنی بدنیتی سے توبہ کیوں نہیں کرتے۔ جب انہوں نے برا ارادے کا اظہار کیا تھا تو اس نے انہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرو کہ وہ مجرموں سے کس طرح انتقام لیتا ہے ابھی ابھی اپنی بری نیت سے توبہ کرو اور جو برا پروگرام بنایا ہے اسے جلد از جلد ختم کرو قبل اس کے کہ تم پر کوئی آفت نازل ہو لیکن نہ مانے تو اب اس نے انہیں مار دلائی اپنے فعل سے پہلے ہی سزا پا گئے۔

مسئلہ: آیت میں دلیل ہے کہ کبھی انسان کو برے فعل کے عزم پر سزا ملتی ہے جیسے انہیں ملی کہ انہوں نے فقراء ومساکین کو حصہ نہ دینے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا اس کی نظیر قرآن مجید کی دوسری آیت میں ہے کہ ومن یرد فیہ بالحاد بظلم نذقہ من عذاب الیم (وہ جو حرم میں الحاد کا ظلم کے ساتھ ارادہ کرتا ہے ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے) اسی طرح اور جگہ ارشاد ہے وذروا ظاہر الاثم وباطنہ، اور چھوڑو ظاہری وباطنی گناہ۔

فائدہ: عزم بمعنی فعل کے کرنے کا پختہ پروگرام (جزم کے ساتھ) محققین کے نزدیک اس کا مواخذہ ہے۔

مسئلہ: وہ ارادہ جس میں پکا ارادہ نہیں لیکن عمل کرنے پر ترجیح ہو تو اس پر مواخذہ نہیں (وہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے لئے معاف ہے) **قالوا** اپنے گناہوں کا اعتراف

کرتے ہوئے کہا۔

مسئلہ: گناہ کا اعتراف بھی توبہ میں شامل ہے سُبۡحٰنَ رَبِّنَاۤ پاک ہے ہمارے رب کو برائی و نقصان سے بالخصوص کہ ظلم سے اس میں جو اس نے ہمارے ساتھ کیا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيۡنَ (بے شک ہم ظالم تھے) ساتھ ارادہ مساکین کو محروم کرنے کی نفس کے بخل کی اتباع میں گویا کہتے تھے ہم اپنے بُرے عمل پر اللہ سے بخشش مانگتے اور اپنی بُری نیت سے توبہ کرتے ہیں کہ ہم نے ارادہ کیا تھا کہ مساکین کا حصہ ہم نہیں دیں گے اگر یہ نزول عذاب سے پہلے کہتے تھے تو عذاب سے بچ جاتے لیکن بعد کو کہا جب باغ اُجڑ گیا فَاَقۡبَلَ بَعۡضُهُمۡ پس ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوئے يَّتَلَاوَمُوۡنَ ملامت کرتے ہوئے۔

حل لغات

اللوم والملامۃ ذلیل و خوار کرنا۔ یعنی ایک دوسرے کو اپنے کئے فعل پر ملامت کرتے تھے ان میں بعض نے اس کا اشارہ کیا تھا بعض نے اس مشورہ کو اچھا کہا بعض خاموش رہے لیکن اس فعل پر راضی تھے بعض نے انکار کیا بہرحال ملامت کے طور ایک دوسرے کو کہتا کہ تو نے ہی یہ تجویز پیش کی تھی وہ جواباً کہتا کہ جناب بھی تو اس سے راضی تھے وغیرہ وغیرہ قَالُوۡا بولے یعنی گناہ کا اعتراف کرتے ہوئے عجز و نیاز سے کہا يٰوَيۡلَنَاۤ ہائے خرابی ہم پر اور ہماری پالیسی پر اِنَّا كُنَّا طٰغِيۡنَ بے شک ہم سرکش تھے اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرنے والے یعنی گناہوں میں حد سے گزرنے والے کہ مسکینوں کو حقوق سے محروم رکھا عَسٰى رَبُّنَاۤ شاید ہمارا رب تعالیٰ۔ ہم کرم پر امید کرتے ہیں اَنۡ يُّبۡدِلَـنَا ہمیں بدل میں دے اس سے ہماری توبہ کی برکت سے اور اعتراف بالخطاء کی وجہ سے خَيۡرًا مِّنۡهَاۤ اس سے بہتر یعنی باغ سے اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا بے شک ہم اپنے پروردگار کی طرف رٰغِبُوۡنَ رغبت کرنے والے اس کی عفو کے امیدوار خیر و بھلائی کے طلبگار۔ اِلٰی انتہائے رغبت کے لئے ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ان کی رجاء (اُمید) و طلب کی منتہاء بھی یا رغبت رجوع کے معنی کو متضمن ہے اسی لئے اس کا صلہ الٰی آیا ہے ورنہ مشہور یہ ہے کہ باب رَغِبۡتُہٗ میں یا فی سے متعدی ہوتا ہے الٰی سے نہیں۔

حکایت باغ والوں کی

مروی ہے کہ اب معاہدہ کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں مال و دولت سے نوازا تو ہم اپنے آبا کی طرح فقراء و مساکین کو بہت کچھ دیں گے اس کے بعد عجز و انکسار سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گڑگڑائے اللہ تعالیٰ نے اسی رات میں پہلے سے بھی زیادہ مال و دولت بخشی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے جبریل علیہ السلام کو کہ انہوں نے ہمارا جلا سڑا باغ اکھیڑ کر شام کے ملک میں زعر کی جگہ پر رکھا (زعر وہ جگہ جہاں کھیتی باڑی نہ ہو سکے) اور شام سے کسی باغ کا قطعہ اٹھا کر یہاں رکھ دیا۔ (الحمد للہ علی ذلک)

دوسرے باغ کی شان

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ چونکہ انہوں نے توبہ اخلاص سے کی اللہ تعالیٰ نے ان کے صدق کو دیکھ کر اس باغ کے بدلے ایسا بہترین باغ بخشا کہ جسے الحیوان کا نام مشہور ہو گیا کہ اس کے انگور کا ایک گچھ خچر کا بوجھ ہوتا تھا۔

فائدہ: حضرت ابو خالد یمانی فرماتے ہیں کہ میں اس باغ میں گیا تو دیکھا کہ اس کے انگور کا ایک گچھ کھڑے ہوئے کالے حبشی جوان کی طرح محسوس ہوتا۔

سبق: محققین فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کسی بلا میں مبتلا ہو جائے تو اسے غور کرنا چاہیے کہ وہ کس غلطی کا خمیازہ ہے بسیار غور وفکر کے بعد خطا معلوم ہو جائے تو بھی معلوم نہ ہو تو بھی بارگاہ حق میں خوب گڑگڑائے اور زاری کرے اللہ تعالیٰ اسے اس سے بھی بہتر و برتر بدل عطا فرمائے گا۔ جیسے ان لوگوں سے ضروان (باغ چھینا تو ان کی زاری پر حیوان (باغ) عطا فرمایا۔ حضرت پیر رومی (قدس سرہ) اسی معنیٰ کی اس مقام پر خبر دی کہ ؎

اولم خم شکست وسرکہ بریخت
من نگویم کہ ایں زیانم کرد
صدخم شہد صافی از پے آن
عوضم داد و شادمانم کرد

ترجمہ: پہلے اس نے میرا مٹکا توڑ کر سرکہ ڈول دیا میں نہیں کہتا کہ اس نے میرا نقصان کیا کیوں کہ پھر اس نے اس کے بدلے میں مجھے سو مٹکے شہد کے عطا فرما کر مجھے شاد کام کیا۔

باغ والے کون تھے

حضرت قتادہ سے سوال ہوا کہ یہ باغ والے اصحاب الجنۃ (مومن) تھے یا اصحاب النار فرمایا تو نے مجھے مصیبت میں ڈال دیا (یعنی کیا بتاؤں یا واللہ اعلم کہدوں) حضرت حسن (البصری رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا کہ ان کا قول اِنَّا اِلٰی رَبِّنَا رَاغِبُوْنَ نامعلوم ایمان کی وجہ سے کہا یا مشرکین کی طرح کہ وہ بھی جب مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں بہتر ہے اس میں توقف کیا جائے لیکن اکثر علماء کرام کا خیال ہے کہ وہ تائب ہو کر مخلص بندے بن گئے۔ (حکاہ القشیری) فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ اگر ان کا قول (انا الی ربنا راغبون) اضطراراً مان لیا جائے تو پھر کہنا پڑے گا کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہتر باغ ملنا استدراجاً تھا اگر اخلاص اور از راہ صدق تھا تو پھر توبہ کے بعد انہیں بہتر باغ کا ملنا توبہ کے تحقق کے لئے تھا اور نتیجہ ظاہر کیا گیا کہ تمہاری توبہ مخلصانہ تھی کیوں کہ توبہ مخلصانہ کے ثمرات عجیبہ ہوا کرتے ہیں۔

بکری سے دودھ اور شہد کیوں

حضرت شیخ ابو الربیع المالقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک نیک بخت عورت کا شہرہ سنا کہ فلاں بستی میں ہے اور وہ صاحب کرامت ہے ہماری عادت تھی کہ ہم غیر محرم عورتوں کو نہیں دیکھتے تھے لیکن اس کی کرامت دیکھنے کے شوق سے جانا پڑا وہ بی بی فضہ (سہنے والی) کے نام مشہور ہو گئی تھی ہم اس بستی میں پہنچے تو لوگوں نے کہا اس کی بکری سے دودھ اور شہد آتا ہے ہم نے یہ منظر دیکھنے کے لئے جدید برتن خریدا جس میں پہلے کوئی شئے نہیں رکھی گئی تھی ہم اس بی بی کے گھر گئے اور اسی بکری کا دودھ طلب کیا اور برتن دیکھ کر کہا کہ بی بی اسی بکری سے ہمیں دودھ پلا جس کا شہرہ ہے کہ اس سے دودھ اور شہد حاصل ہوتے ہیں بی بی نے ہمارا برتن اور وہی بکری ہمارے ہاں بھیج دی اور فرمایا کہ اس کا دودھ اپنے ہاتھوں خود دوہ لو ہم نے اسے دوہا تو واقعی برتن میں دودھ اور شہد تھا جسے ہم نے پیا اس پر مزید یقین ہو گیا کہ واقعی بی بی کی کرامت حق ہے۔

مہمان نوازی کی برکت

ہم نے بی بی سے حالات پوچھے تو فرمایا کہ ہمارے ہاں ایک چھوٹی سی بکری تھی اور ہم نہایت تنگدست تھے سوائے اسی بکری کے بچہ ہمارے پاس کچھ نہ تھا اچانک عید کے دن ہمارے ہاں مسافر مہمان آ گئے میرا شوہر نیک بخت صالح انسان ہے فرمایا کہ یہی بکری کا بچہ ذبح کر کے مہمانوں کو کھلا دیا جائے میں نے کہا کہ ایسا نہ کرو کیوں کہ ہمارے لئے عید کی قربانی واجب بھی نہیں اور اللہ تعالیٰ کو ہمارے حالات بخوبی معلوم ہیں لیکن اتفاقاً مہمان آ گئے ہیں ہمارے ہیں کچھ بھی نہیں بہرحال مہمان نوازی کی نیت ہم نے باہم مشورے سے طے کر لیا کہ یہی بکری کا بچہ ذبح کر دینا چاہیے اور میں نے ہی مشورہ کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ مہمان کی تعظیم و تکریم ضروری ہے فلہٰذا یہ بکری کا بچہ ذبح کر دینا ہمارے لئے خیر و بھلائی ہے مشورہ طے ہو گیا لیکن ایک فکر لاحق ہوئی کہ اگر یہ بکری کا بچہ یہاں ذبح ہو تو ہمارے بچے چھوٹے اسے ذبح نہیں کرنے دیں گے میں نے کہا اسے دیوار کے پیچھے جا کر ذبح کر دو وہ ذبح کے لئے اسے لے گیا لیکن یہی بکری چھلانگ لگا کر ہمارے گھر میں آ گئی میں نے سمجھا میرے شوہر نے بکری کا بچہ ذبح نہیں کیا میں نے اسے آواز دی تو اس نے کہا ذبح ہو گیا میں باہر گئی تو واقعی وہ ذبح ہو چکا تھا اور اس کی کھال بھی اتار لی گئی۔ لیکن یہ بکری ہمارے ہاں کہاں سے آئی۔ ہم نے سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں مہمان نوازی کی برکت سے انعام بخشا ہے یہ وہی بکری ہے جس سے دودھ اور شہد حاصل ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنی اولاد کو آواز دی کہ اے میرے بیٹو! کہ ہماری بکری مریدین کے قلوب میں چرتی ہے جب مریدین کے دل صحیح ہیں

تو بکری کا دودھ بھی صحیح ہے۔

فائدہ: امام یافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مریدین سے بی بی نے خود اور شوہر کے دل مراد لیے لیکن اسے مطلق رکھا جائے تو بطور عبرت سب کے لیے ہے تاکہ اہل دل اپنے دل صاف اور صحیح رکھیں جبھی سے اعمال صالحہ قبول ہوں گے اسی لئے اے اللہ والو اپنے قلوب پاک اور صاف رکھو تو پھر جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ بھی پاک و صاف ہو گا لیکن عموم میں یہی ہے کہ ہر ایک اپنے قلوب کا ذمہ دار ہے ایسا نہیں کہ وہ بی بی دوسروں کو کہہ رہی تھی اور خود فارغ۔ اگر ایسا ہوتا کہ کسی دوسرے کے اعمال سے فائدہ ہوتا بہرحال انسان اپنے قلب پاک و صاف رکھے تو دارین کی بھلائی ہوگی۔

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ مار ایسی ہوتی ہے جملہ مبتدا و خبر مقدم ہے قصر کا فائدہ دیتا ہے الف لام عہد کا ہے یعنی ہم نے اسی طرح اس سے آزمایا ہے اہل مکہ کو و اصحاب جنہ (دماغ) کو عذاب دنیا سے۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ ایسے ہی ہم آپ کی امت سے کریں گے جب ان کے اغنیاء فقراء پر رحم نہ کریں گے یعنی ہم ان سے بارش روک دیں گے اور ان کو مصائب بھیج دیں گے اور ان کی کھیتوں سے برکت اٹھالیں گے اور تجارتوں میں برکت نہ رہے گی۔

مسئلہ: اس میں زکوٰۃ و صدقات کے مانعین کو وعید ہے کہ ان کے مال تباہ و برباد ہوسکتے ہیں ان پر نزول عذاب ہوسکتا ہے جس طریقے سے ہو؎

مکن بد کہ بدبینی اے یار نیک
نیاید ز تخم بدی بار نیک
کسے نیک بیند بہر دو سرا
کہ نیکی رساند بخلق خدا

اے اچھے دوست برائی نہ کر برائی دیکھے گا کیونکہ برے بیج سے اچھا پھل کوئی نہیں دیکھتا (حاصل کرتا)۔

ترجمہ: وہ شخص دونوں جہانوں میں بھلائی دیکھتا ہے جو خلق کو خیر و بھلائی پہنچاتا ہے

وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ اور بے شک آخرت کا عذاب بڑا ہے عظیم و شدید تر ہے کیوں کہ دنیا کا عذاب زوال پذیر اور آخرت کا عذاب باقی و دائمی ہے لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ کیا اچھا تھا اگر وہ جانتے کہ آخرت کا عذاب بڑا ہے تو البتہ کنارہ کشی کرتے ان امور سے جو اس کی طرف لے جاتے ہیں اور اس میں انہیں پھینکتے اور گراتے ہیں"

تفسیر عالمانہ اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ بے شک کفر و عصیان سے بچنے والوں کے لئے عِنْدَ رَبِّہِمْ ان کے رب تعالیٰ کے ہاں اور عند تشریف و تکریم کے لئے ہے کیوں کہ وہ صورۃً اور حقیقۃً اللہ تعالیٰ کی ملک ہے اس میں جیسے چاہے تصرف کرے ورنہ جنت کی عندیت اللہ تعالیٰ کے لئے محال ہے کیوں کہ وہ مکان کی قید سے منزہ ہے اور عند ظرف اس استقرار کے متعلق ہے جو متقین کا متعلق ہے اور یہ بھی ہے کہ یہ محذوف منصوب علی الحالیہ کے متعلق ہو جو متقین میں منوی ہے اور جائز نہیں کہ وہ جنات سے حال ہو کیوں کہ وہ عامل نہیں اور ظاہر تر یہ ہے کہ اس کا معنی اس معنیٰ پر عندیہ مکانیہ (مرتبہ والی) ہو گا کیوں کہ وہ ذات جہت و تحیز سے منزہ ہے یہ جیسے دوسری جگہ میں فرمایا "عند ملیک متقدر" یہاں بھی مکانیۃ مرتبی مراد ہے کیوں کہ وہ متقین کو اللہ تعالیٰ کی طرف قرب معنوی نصیب ہو گا۔

فائدہ: امام راغب رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ عند قرب کے لئے وضع کیا گیا اسی سے کبھی قرب مکانی مراد ہوتا کبھی قرب اعتقادی جیسے عندی کذا اور کبھی مرتبہ و منزلت مراد ہوتی ہے جیسے بل احیاء عند ربہم بلکہ شہداء اپنے رب تعالیٰ کے ہاں زندہ ہیں (مرتبہ و منزلت کے اعتبار سے) اسی معنیٰ پر ملائکہ کرام کو مقربین کہا جاتا ہے (یعنی مرتبہ و منزلت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے مقرب)

جَنّٰتِ النَّعِیْمِ نعمتوں کے باغ میں ایسے باغات کہ ایسی نعمتوں سے پُر ہیں جنہیں طبع کو منغص کرنے والی چیزیں ہیں نہیں نہ ہی ان میں زوال کا خوف ہے جیسے دنیوی نعمتوں میں ہوتا ہے۔ اضافت لامیہ اختصاصیہ سے حصر ثابت ہوئی کیونکہ یہ لام مضاف الیہ کے لئے اختصاص کا فائدہ دیتی ہے اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ کَالْمُجْرِمِیْنَ (تو کیا ہم مسلمانوں کو مجرموں سا کر دیں)

شان نزول مشرکین قریش کے رؤسا اپنی دنیا کی وفرت اور مسلمانوں میں قلت کو دیکھ کر اپنی برتری پر نازاں رہتے جب مسلمانوں کے لئے آخرت کی نعمتوں کا سنا کہ یہ نعمتیں صرف مسلمانوں کو عطا ہوں گی تو کہنے لگے اگر ہم مرنے کے بعد اٹھے بھی جیسا کہ (حضرت) محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا گمان ہے کہ تو بھی ہمارا ٹھاٹھ باٹھ ایسے ہی ہو گا جیسے اب دنیا میں ہے ورنہ مسلمان ہمارے سے عزت میں نہ بڑھ سکیں گے زیادہ سے زیادہ ہم اور وہ برابر ہوں گے اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی۔

فائدہ: ہمزہ انکاری اور فا عاطفہ ہے اس کا عطف مقدر پر ہے جیسے کہ مقام کا تقاضا ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ کیا ہم حکم میں ظلم کرتے ہوئے اہل ایمان کو کافروں کی طرح کر دیں گے کہ دونوں کو نجات اور دونوں کو درجات

برابر دیں گے (ایسے ہرگز نہ ہوگا بلکہ کافروں کو عذاب اور مومنوں کو نجات و درجات عطا ہوں گے)۔

فائدہ (۲): المجرموں سے کافر مراد ہیں جیسا کہ مذکورہ بالا شان نزول دلالت کرتا ہے اور مجرم کامل در اصل یہی ہیں کہ کفر و شرک کے مرتکب ہیں ورنہ دیگر جرائم سے تو عام مسلمان بچے ہوئے نہیں اور نہ ہی کفر و شرک کے سوا دیگر جرائم و معاصی اسلام کے منافی ہیں (جیسا کہ اہل سنت کا مذہب ہے ہاں مسلمان مطیع مجرم فاسق مسلمان جیسا نہیں۔

سبق: اس میں عقلمند کو وعظ و نصیحت ہے اور گناہوں پر اصرار کرنے والے کو زجر و توبیخ ہے۔

(ربط) اس کے بعد کافروں کو اللہ تعالیٰ نے بطریق التفات رو کی تاکید و تشدید میں انہیں فرمایا **مالکم کیف تحکمون** (تمہیں کیا ہوگیا ہے کیسا حکم لگاتے ہو) اس سے ان کے حکم لگانے پر تعجب دلائی جا رہی ہے اور بتانا یہ ہے کہ جو کچھ ان کا گمان ہے وہ نہایت ہی بعید از قیاس ہے اور ساتھ یہ بھی خبر دینی ہے کہ عقلمند سے ایسی بات صادر نہیں ہو سکتی۔

فائدہ: ما استفہامیہ محلاً مرفوع مبتدا اور استفہام انکاری ہے یعنی اس بات کا انکار ہے کہ ان کی بات کسی وجہ سے بھی مقبول نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی اعتبار ہے اور ان کے دعویٰ میں کسی قسم کی سچائی ہے کہ اس سے تمسک کیا جا سکے "لکم" مبتدا کی خبر ہے' اب معنیٰ یہ ہوا کہ تمہیں کہاں سے معلوم ہوا کہ ایسا قبیح حکم بتا رہے ہو کہ امور کی جزا تمہاری طرف سپرد ہے کہ تم جس طرح چاہو حکم لگا دو یعنی تم کس حال میں ایسا کہہ رہے ہو علم سے یا جہالت سے **کیف تحکمون** اس معنیٰ پر ظرف ہے یا معنی یہ ہے کہ تم علم والے ہو یا جاہل ہو اس معنیٰ پر یہ حال ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ تو کیا ہم متقین کو احکام شریعت و آداب طریقت و رموز حقیقت کے لئے ان کی طرح کریں گے جو اخلاق ردیّہ اور اوصاف رذیلہ جو شریعت و طریقت و حقیقت کے مخالف ہیں کے مرتکب ہوتے ہیں تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم ایسے ظلم صریح اور قول قبیح کا حکم دے رہے ہو۔

تفسیر عالمانہ أَمْ لَكُمْ کیا تمہارے لئے كِتٰبٌ کوئی کتاب آسمان سے نازل ہوئی ہے فِيهِ اس میں ہے یہ تَدْرُسُونَ کے متعلق ہے پڑھتے ہو۔

حل لغات: المفردات میں ہے۔ درس الشیٔ بمعنیٰ بقی اثرہ (اس کا اثر باقی ہے) درست العلم میں حفاظت کرکے اس کا اثر لیا چونکہ علم کو مداومت کے ساتھ حاصل کرنا ہوتا ہے اسی

لئے قراۃ کی مداومت کو درس سے تعبیر کیا گیا ہے اِنَّ لَکُمْ فِیْهِ لَمَا تَخَیَّرُوْنَ (بے شک تمہارے لئے اس میں وہ ہے جو تم پسند کرو)

حل لغات: تخیر الشئی و اختیارہ بمعنی شے کو خیر و بھلائی لینا۔ امام راغب رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ اختیار بمعنی اس شے کی طلب جس کے کرنے میں خیر و بھلائی ہو اور کبھی اسے بھی تخیر کہا جاتا ہے جسے انسان خیر و بھلائی سمجھے اگرچہ درحقیقت وہ شے اچھی نہ ہو۔ تاج المصادر میں ہے کہ التخیر بمعنی پسند کرنا اب معنی یہ ہوا کہ وہ جو تم پسند کرو اور خواہش نفسانی کے مطابق چاہو اصل میں ان لکم بالفتح ہے کیونکہ وہی پڑھا ہوا ہے (جو کتاب فیہ "تدرسون" جس کا ذکر آیا ہے) اس معنی پر یہ "تدرسون" کا مفعول ہے مفرد کے قائم مقام واقع ہے اسی لئے اس کا ہمزہ مکسور نہیں ہونا چاہیے لیکن چونکہ اس کی خبر میں لام آگئی ہے اسی لئے ہمزہ کو مکسور لایا گیا (جیسا کہ قاعدہ ہے) کہ لام الابتداء ان مفتوحہ کے حیز (مدخول وغیرہ) پر نہیں آتی اور یہ لام ابتدائیہ ان کے رسم پر داخل ہے اب معنی یہ ہوا کہ تم کتاب میں یہی پڑھتے ہو کہ تمہارے لئے وہی ہے جو تم اپنے نفسوں کے لئے چاہو۔ وہ یہی کہ عاصی و مطیع ایک جیسے ہیں بلکہ بظن شما عاصی مطیع سے ارفع ہے اگر تم سچے ہو تو لاؤ وہ کتاب جس میں یہی تمہارا گمان فاسد لکھا ہو۔

فائدہ: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ تدرسون کا مضمون ہو جیسے اللہ کے ارشاد گرامی میں دوسرے مقام پہ ہے وترکنا علیہ فی الآخرین، سلام علی نوح فی العالمین اور ہم نے اس پر آخرین میں چھوڑا وہ یہ کہ عالمین میں نوح علیہ السلام پر سلام ہو۔) اس تقریر پر یہ ان کی کسرہ کے قائم مقام واقع ہوا ہے گویا وہ مفرد کے موقع پر آیا ہے جسے قرآن مجید نے اس کی صورت میں حکایت کی ہے دونوں صورتوں میں فرق یہ ہوگا کہ پہلی تقریر پر یہ جملہ کا قائم مقام ہے دوسری تقریر پر خود اپنے الفاظ کے ساتھ ہے فیہ کا ہونا اس سے مستغنی نہیں کرتا کیونکہ کبھی مولف اپنی کتاب لکھتا ہے کہ (ان فی ہذا الکتاب کذا وکذا) اس کتاب میں ایسے ایسے مضامین ہیں تاکہ اس کے مطالعہ میں رغبت ہو۔

فائدہ: المفتی سعدی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مجھے اس ضمیر کو کتاب کی طرح راجع کرنے میں کوئی ممانعت نہیں بلکہ ظاہر یہ ہے کہ یہ ضمیر یوم قیام کی طرف راجع ہے جو مقام کی دلالت سے معلوم ہے اَمْ لَکُمْ اَیْمَانٌ عَلَیْنَا کیا ان کے لئے ہم پر قسمیں ہیں علینا ایمان کی صفت ہے اور بالغۃ بھی ایمان کی صفت ہے معنی یہ ہے کہ ان کے ہمارے ساتھ معاہدے ہیں جو قسموں سے موکد لئے گئے ہیں بَالِغَةٌ تاکید و صحت کی انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں اس لئے کہ جو شے جودت و صحت کی انتہاد کو پہنچے اسے بالغ سے تعبیر کرتے ہیں اور کہا جاتا لفلان علی یمین

بکذا، جب کوئی کسی کی ضمانت و کفالت کرے اور قسم کھائے کہ وہ اسے پورا کرے گا اب مطلب یہ ہوا کہ بلکہ کیا ہم نے تمہاری ضمانت دی ہے یا سخت اور مضبوط قسمیں کھائی ہیں کہ جن سے ثابت ہو گئے ہیں تمہارے لئے ہمارے اوپر معاہدے جو قسموں سے مؤکد ہیں اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ کا تا یوم قیامت لکم میں مقدر یعنی ثابتہ کے متعلق ہے یعنی وہ معاہدے قیامت تک تمہارے لئے ثابت ہیں کہ ہم ان سے عہدہ برا نہیں ہو سکتے کہ جب تک ہم اسی دن اس طرح فیصلہ نہ کریں جیسے تم حکم کرتے ہو یا تمہیں وہی عطا نہ کریں جو تم چاہتے ہو۔ یا یہ بالغۃٌ کے متعلق ہے یعنی اس دن اتنا قسمیں بکثرت پہنچنے والی ہیں کہ انہیں کوئی قسم نہیں توڑ سکتی جب تک مقسم علیہ حاصل نہ ہو یعنی وہی تمہارا فیصلہ اور ہمارا ہے تمہارے فیصلہ کی اتباع (اِنَّ لَکُمْ لَمَا تَحْکُمُوْنَ) بے شک تمہارے لئے ہے جو تم دعویٰ کرتے ہو) یہ قسم کا جواب ہے کیوں کہ معنیٰ یہ ہے کہ کیا تمہارے لئے ہم پر قسمیں ہیں یا ہم نے تمہارے لئے قسمیں دادی ہیں۔ سَلْهُمْ ان سے پوچھو سَلْ امر ہے سَأل یَسْأل کا اس کی عین اور ہمزہ وصل کر گیا ہے یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف متوجہ ہے اب ان سے خطاب نہیں کہ وہ رتبہ خطاب سے گر گئے ہیں یعنی ان کو ذلیل کرنے کے طور کفار و مشرکین سے اے (محبوب) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سوال کیجئے اَیُّهُمْ بِذٰلِکَ زَعِیْمٌ۔ کون اس حکم جو خارج از معقول ہے (کا ضامن ہے) جو اس کی تصحیح کے درپے ہو کر قائم ہو جیسے قوم کا زعیم (لیڈر) ان کے امور کی اصلاح کے لئے قائم ہوتا ہے بذلک زعیم کے متعلق ہے۔

حل لغات زعیم وہ جو دعویٰ اور اس پر حجت قائم کرنے کے لئے مستعد ہو۔ امام راغب رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ زعیم زعامہ سے ہے بمعنی کفالۃ یا زعم بالقول سے ہے یعنی اس قول کی حکایت جسمیں کذب کا احتمال ہو۔ (اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ) یا ان کے لئے کچھ شریک ہیں جو ان کے اس قول میں شریک اور ان کے مذہب پر چلتے ہیں فَلْیَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ تو لائیں وہ اپنے شریکوں کو) باء تعدیہ کی ہے یہ بھی جائز ہے کہ وہ ملابست کی ہو۔ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِیْنَ اگر سچے ہیں اپنے دعوی میں یا کم از کم کسی کی تقلید کا کوئی قول یعنی جیسے اسی مذہب میں ان کی کوئی عقلی دلیل نہیں کہ جس سے ثابت ہو سکے کہ مطیع اور بے فرمان مرتبہ میں برابر ہیں جیسے ان کے رد میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا مَا لَكُمْ كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ اور نہ ہی ان کے ہاں نقلی دلیل ہے اور وہ کتاب جس سے پڑھ کر اپنا دعوی ثابت کر سکیں اور نہ ہی ان کے پاس کوئی معاہدہ ہے جو قسموں سے موثق و توثیق کیا ہوا ہے اور نہ ہی عقلاً ان کے مذہب کی تائید کرتے ہیں کہ

کہ جن کی تقلید میں وہ اپنا دعویٰ صحیح ثابت کر دکھلائیں اگرچہ تقلید ایسی شے نہیں کہ جس کے دامن کو پکڑنے سے فلاح وکامیابی ہو (عقائد میں ورنہ فروع میں تو خود صاحب روح البیان قدس سرہ حنفی مقلد ہیں) اس سے ثابت ہوا کہ وہ جو ان کا گمان ہے اس میں وہ باطل ہیں ہر وجہ سے۔

مسئلہ: اس میں اشارہ ہے کہ حاکم پر لازم ہے کہ ان احکام ومسائل میں جو اسے دلیل از قرآن وحدیث وفقہ نہیں مل رہی تو بقدر وسعت سوچ کر فیصلہ کرے اگر بلا سوچے سمجھے فیصلہ کرے گا تو خطاء سے خالی نہ ہوگا (اگرچہ بظاہر صحیح فیصلہ بھی کرے گا تب بھی نہ سوچنے کا گناہ اس کے سر ہوگا۔)

مسئلہ: نمازی کسی ایک جگہ نماز پڑھ رہا ہے جہاں قبلہ کی سمت معلوم نہ ہو تو وہ اگر بلا سوچے نماز پڑھے گا تو اس کی نماز نہ ہوگی اگرچہ صحیح سمت کو بھی نماز پڑھی اگر سوچ کر نماز پڑھی تو نماز ہو جائے گی اگرچہ سمت قبلہ صحیح بھی نہ ہو اس سے ثابت ہوا کہ ہر وہ حکم جو بلا سوچے ہو تو مبنی بر خطا ہے پھر اس کا کیا ہوگا جس کے خلاف بہت بڑے مضبوط دلائل قائم ہوں۔

یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ (جس دن ایک ساق کھولی جائے گی) یوم اذکر مقدر سے منصوب ہے عن ساق یکشف کے لئے فاعل کے قائم مقام ہے اس سے قیامت کا دن مراد ہے اس دن کو یاد کرو جب معاملہ سخت ہوگا اور معاملات مشکل ہونگے اور ساق کھل جائے گی (کشف ساق کی تحقیق یہاں کشف کی ساق صرف مثال کے طور ہے ورنہ نہ وہاں پنڈلی ہوگی اور نہ کسی قسم کھلنا ہوگا جیسے تم سخت قسم کے بخیل کو کہتے ہو یدہ مغلولۃ (اس کے ہاتھ زنجیر سے جکڑے ہوئے ہیں) لیکن اس سے اس کا ہاتھ زنجیر سے بندھا ہوا مراد نہیں بلکہ بخل مراد ہے اسے اس شخص سے تشبیہ دی گئی ہے جس کا زنجیر سے ہاتھ بندھا ہوا ہو کہ گویا خرچ کرنے کے وقت اس کا ہاتھ اسی جکڑے ہوئے ہاتھ کی طرح ہو جاتا ہے ایسے ہی میدان حشر میں قیام میں جو مصائب ومشکلات میں گھر جائیں گے تو ان پردہ دار عورتوں سے تشبیہ دیگئی جو مشکل میں پھنس جانے کے وقت بھاگتے ہوئے ہولناک امر کے وقوع سے جو انتہائی شدت کو پہنچ جائے تو پنڈلی تک شلوار کو مضبوط کر کے بھاگنے میں تیزی کرتی ہیں حالانکہ وہ اپنے گھروں سے کبھی باہر نہیں نکلتیں اور نہ ہی اپنے محارم کے بغیر کسی کے سامنے بے پردہ ہو کر آتی جاتی ہیں لیکن خوف کے وقت پنڈلی پر کپڑا چڑھا کر بھاگتی ہیں یہ اس لئے کہ اسوقت انہیں دہشت سے عقل وشعور اپنی جگہ پر نہیں رہتا صرف جان بچانے کی فکر ہوتی ہے اہل شقاوت کا حال میدان حشر میں ہوگا جو ایسی عورتوں کا حال سنایا گیا اس میں مفردات الترکیب میں تصرف

ہیں کیا گیا بلکہ ہیئۃ ترکیبہ میں تصرف کیا گیا ہے اسی تقریر پر کشف ساق اشتداد و صعوبۃ امر میں استعارۂ تمثیلیہ ہے۔

فائدہ : تفسیر النامحمد مولانا الغفاری رحمہ اللہ الباری میں ہے کہ وہ پنڈلی جو میدان حشر میں اہل موقوف کے لئے کھلے گی اس سے قیامت کی ہولناکی کا ایک امر عظیم مراد ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں "کشفت الحرب عن ساقہا" جنگ نے پنڈلی کھولی یہ اس وقت بولتے ہیں جب جنگ کی ہولناکی کا امر عظیم ہو اور جو امر عظیم شدید میں پھنس جائے جیسے جد و جہد شدید اور سختی و تکلیف زیادہ ہو اس کے لئے کہا جاتا ہے (شمر عن ساقک) اپنی پنڈلی کھول (یعنی اس معاملہ سے نجات پانے کی کوشش کر۔ ایسے ہی قرآن مجید میں دوسرے مقام پہ ہے۔ "والتفت الساق بالساق" (پنڈلیاں ایک دوسرے سے چمٹ جائیں گی) یعنی قیامت کی ہولناکیاں اور بہت بڑے امور ایک دوسرے میں داخل ہو جائیں گے

فائدہ : بعض نے کہا ساق بمعنی شی کی اصل (جڑ) وغیرہ کہ جس سے شے کا قوام ہو جیسے ساق الشجر و ساق الانسان شجر کی ساق گویا اس کی اصل ہے کہ ٹہنیاں اسی اصل پر اگتی ہیں اور اسی پر قائم ہیں اب معنی یہ ہوا کہ اس دن کہ اصل امر کھل جائے گا اور حقائق الامور اور ان کے اصول ایسے ظاہر ہو جائیں گے کہ ہر ایک انہیں آنکھوں سے دیکھے گا اور اس کی تنکیر وجہ اول کی وجہ سے یعنی ہولناکی کی وجہ یوم القیمۃ ایسا امر شدید اور ہولناک ہے کہ جو دیکھا سنا نہ گیا اور انسان کے مالوف و معروف تصور سے باہر ہوگا اور دوسری وجہ پر تنکیر تعظیم کی ہے۔ وَيُدْعَوْنَ اور بلائے جائیں گے کفار و منافقین "اِلَى السُّجُوْدِ" سجدہ کی طرف توبیخاً و تعنیفاً (دھتکار دینے کے لئے) ان کا دنیا میں سجدہ کے ترک سے اور ان کی اس امر میں کوتاہی کی وجہ سے حسرت دلانے پر یہ حکم سجدہ تکلیفی و تعبدی نہ ہوگا کیوں کہ قیامت کا دن تکلف و تعبد کا نہیں اس کے اور وجوہ آئیں گے۔ (ان شاء اللہ)

فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تو نہ کر سکیں گے کیوں کہ اس وقت انہیں سجدہ کی قدرت حقیقی اور اسباب و آلات سلامت نہ ہوں گے۔

فائدہ : اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ سجدہ کریں گے تو نہ کر سکیں گے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کی پشت خشک ہو جائے گی یعنی ان کی ہڈیاں جوڑوں کے بغیر ہوں گی جس کی وجہ سے نہ وہ اونچے ہو سکیں گے یا نیچے ہو سکیں گے بلکہ قیام کے حال میں کھڑے رہیں گے یہاں تک کہ کوتاہی پر ان کی حسرت و ندامت میں ہوتا رہے گا۔

حدیث شریف میں ہے کہ ان کی پیٹھ اور کمر ایک ہو جائے گی اور خبر میں ہے کہ کافر و منافق کی پیٹھ گائے کی طرح کمر میں مل کر ایک ہی حالت پر ہو جائیگی) گویا لوہے کے زنجیر ان کی پیٹھوں میں جکڑ دیئے گئے ہیں۔

حدیث شریف : حضرت ابوہریرہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں یعنی فرمایا کہ میں

نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرماتے سُنا کہ وہ لوگ کہ جس کی دنیا میں پرستش کرتے ہوں گے ان کی مثالی صورت ان کے سامنے لائی جائے گی وہ لوگ اپنے باطل معبودوں کی طرف چلے جائیں گے باقی صرف اہلِ توحید (اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے) رہ جائیں گے انہیں کہا جائے گا تم کیوں رہ گئے کہیں گے وہ لوگ اپنے باطل معبودوں کی طرف چلے گئے ہیں لیکن ہم دنیا میں رب تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے مگر ہم نے انہیں دیکھا نہیں تھا انہیں کہا جائے گا جب تم اسے دیکھو تو کیا اسے پہچان لوگے کہیں گے ہاں۔ کہا جائے گا کیسے پہچانو گے جب کہ تم نے نہیں دیکھا بھی نہیں تھا کہیں گے کہ ہمارا معبود کسی کے مشابہ نہیں اسی لئے ہمیں خود بخود یقین ہو جائے گا کہ یہی ہمارا رب ہے۔ اس وقت حجاب اٹھے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر سجدہ ریز ہو جائیں گے بعض لوگ قلعوں کی طرح کھڑے کے کھڑے رہ جائیں گے وہ سجدہ کا ارادہ کریں گے لیکن نہ کر سکیں گے ان کے لئے کہا گیا ہے یوم یکشف عن ساق الخ اللہ تعالیٰ ساجدین کو فرمائے گا اے میرے بندو سر سجدہ سے اٹھاؤ میں تم میں سے ایک کے عوض یہود ونصاریٰ میں سے جہنم میں بھیجوں گا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہی حدیث حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو سنائی فرمایا تجھے خدا کی قسم کیا واقعی تجھے تیرے باپ نے یہ حدیث سنائی میں نے کہا ہاں اسی طرح تین بار قسم اٹھا اس کے بعد فرمایا بخدا میں نے اہلِ توحید سے اس سے محبوب تر کوئی حدیث نہیں سُنی

فائدہ: تفسیر الفاتحہ للفناری رحمۃ اللہ میں فرمایا ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ جلوہ گر ہو کر فرمائے گا ہر گروہ اس کے پیچھے چلا جائے جس کی اس نے دنیا میں پرستش کی ہو تمام غیر اللہ کے پجاری اپنے معبودانِ باطلہ کی طرف چلے جائیں گے۔ سوائے اس امت حق کے انہیں منافق بھی ہوں گے ان کے سامنے اس ادنیٰ صورت میں جلوہ گر ہوگا جیسے اس سے پہلے ان کے سامنے جلوہ گر ہوتا تھا۔ فرمائے گا میں تمہارا رب ہوں کہیں گے (نعوذ باللہ منک) (تجھ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ) ہم اپنے رب تعالیٰ کے منتظر ہیں یہاں تک کہ وہ تشریف لائے تو ہم اسے سجدہ کریں اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تمہارے رب کی کوئی علامت بھی ہے جس سے تم اسے پہچان لو۔ عرض کریں گے ہاں پھر ان کے سامنے اسی صورت میں جلوہ گر ہوگا جس سے وہ پہلے جلوہ گر ہوتا تھا اب عرض کریں گے تو ہی ہمارا رب ہے اس وقت انہیں سجدہ کا حکم فرمائے گا تو سب کے سب سجدہ میں گر جائیں گے سوائے ان کے کہ جو ریا و سمعۃ (شہرت) سے سجدہ کرتے تھے وہ سجدہ نہ کر سکیں گے اس لئے کہ ان کی پیٹھ تانبے کی دیوار کی طرح ہو جائے گی کہ جب وہ سجدہ کا ارادہ کریں گے تو وہ پیٹھ کے بل گر جائیں گے اللہ تعالیٰ نے اسی کو فرمایا یوم یکشف الخ

اعراف والے مفسر (مولانا فناری رحمہ اللہ الباری) نے فرمایا کہ اعراف پر چند لوگ ہوں گے جن کی نیکی وبرائی کا پلڑا برابر ہوگا وہ دوزخ و بہشت ہر دونوں کو دیکھ رہے ہوں گے انہیں کسی

طرف بھی رجحان نصیب نہ ہوگا اس وقت انہیں سجدہ کی طرف بلایا جائے گا یہ وہی لوگ ہیں جنہیں قیامت میں مکلف بنایا جائے گا تو یہ لوگ سجدہ کریں گے تو ان کی ترازو کا نیکی کا پلڑا راجح ہو جائے گا اس کے بعد وہ بہشت میں داخل ہو جائیں گے انہی کے لئے فرمایا ہے یوم یکشف الخ

نور الٰہی بعض نے فرمایا کہ قیامت میں عظیم نور ظاہر ہوگا جسے دیکھ کر لوگ سجدہ کریں گے اس معنیٰ پر ساق سے تجلّی الٰہی مراد ہوگی جیسا کہ بعض کا مذہب ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ یوم یکشف عن ساق یعنی نورِ عظیم کہ اس کے لئے لوگ سجدہ میں گر جائیں گے (کشف الاسرار)

حدیث شریف سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ ہر مظلوم کو ظالم سے حق ادا کرائے گا یہاں تک کہ کسی کا کسی پر حق باقی نہ رہے گا سوائے دودھ میں پانی ملا کر بیچنے والے کے اسے حکم ہوگا کہ وہ دودھ پانی سے علیحدہ کر کے (حق داروں کو حق ادا کرے) جب اس سے فراغت ہوگی تو اعلان ہوگا جسے تمام لوگ سنیں گے کہ ہر قوم اپنے معبودوں کے پاس چلی جائے اس وقت ہر قوم اپنے معبود کے پاس چلی جائے گی اور ان کا معبود مثالی صورت میں ان کے سامنے ہوگا مثلاً اللہ تعالیٰ کسی فرشتے کو عزیر (علیہ السلام) کی شکل میں بھیجے گا کسی کو عیسیٰ علیہ السلام کی صورت میں یہود عزیر علیہ السلام کی شکل والے کے پیچھے ہوں گے اور نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کی شکل والے کے پیچھے ہوں گے پھر وہ معبود انہیں جہنم میں کھینچ کر لے جائیں گے یہ وہ ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا (لوکان ھٰؤلاء اٰلھۃً ما وردوھا وکل فیھا خالدون اگر یہ معبود ہوتے تو وہ جہنم میں نہ جاتے حالانکہ وہ سب کے سب اسی میں ہمیشہ رہیں گے جب سوائے اہلِ ایمان باقی نہ رہے گا انہیں منافق بھی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تمام لوگ چلے گئے اور اپنے معبودوں کو جا ملے بتاؤ تم کس کی عبادت کرتے تھے عرض کریں گے بخدا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور نہ ہی ہم اس کے کسی غیر کی عبادت کرتے تھے ان کے لئے اللہ تعالیٰ ساق (قدرت کا نور) کھولے گا اور اس عظمت سے ان پر جلوہ گر ہوگا جس سے انہیں اس کی معرفت ہوگی تو یہی ان کا رب ہے تو وہ سجدہ میں گر جائیں گے سوائے منافقین کے کہ وہ پیٹھ کے بل گریں گے اور ان کی پیٹھ بیل کی طرح ایک قلعہ بن جائے گی پھر اللہ تعالیٰ جہنم کی پیٹھ پر پل صراط بچھائے گا۔

مسئلہ: تحول (کسی صورت میں جلوہ گر ہونا) کی حدیث متفق علیہ ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی صفات کے آثار سے ہے جیسے اسے خواب میں صورۃ انسانیہ میں دیکھنا ورنہ اللہ تعالیٰ کی ذات

صورت اور اس کے توابع سے منزہ ہے اور جو یہ کہتے ہیں کہ یہ مراتب کے قبیل سے ہے اس پر کسی (دلیل سے) آگاہی نہیں ہوئی ہے۔

مسئلہ : آیت دلالت کرتی ہے امر بہ تکلیف یا طلاق جائز ہے قدریہ (فرقہ) اس کے قائل نہیں یہ آیت ان پر حجت ہے (الاسئلۃ الافحمہ) لیکن ضروری ہے کہ اس مالایطاق سے محال عادی مراد ہو جیسے نابینا کو مصحف کے دیکھنے کا حکم کیا جائے اور ایسی تکلیف مالایطاق کے جواز میں نزاع نہیں ایسے ہی محال عارضی مراد لینا بھی جائز ہے جیسے ابوجہل کا ایمان کہ یہ بھی ایک عارض سے محال ہوا ہے وہ ہے اللہ تعالیٰ کا خبر دینا کہ وہ ایمان نہیں لائے گا۔ اشاعرہ ایسی تکلیف مالایطاق جائز رکھی ہے لیکن معتزلہ نے اس کا انکار کیا۔

مسئلہ : محال عقلی وہ جو کہ ممتنع بالذات ہے جیسے اعدام القدیم (قدیم کو معدوم کرنا) اس محال کی تکلیف کے جواز کا کوئی قائل نہیں خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ (نیچے نگاہیں کئے ہوئے) یدعون کے فاعل سے حال ہے اور ابصارہم علی بناء الفاعلیۃ فاعل ہے اور خشوع کی نسبت ابصار کی طرف انہیں اس کے آثار کے ظہور کی وجہ سے ہے ورنہ دوسرے اعضاء بھی تو خاشع ذلیل اور متواضع ہوں گے بلکہ درحقیقت خاشع تو قلب ہے کیوں کہ خشوع کا مرکز وہی ہے

قاعدہ : حضرت کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اہل ایمان جب سر سجدہ سے اٹھائیں گے تو وہ ثلج (برف) کی طرح سفید (نورانی) ہوں گے جب یہود و نصاریٰ اور وہ منافقین جو سجدہ نہ کرسکیں گے انہیں دیکھ کر غمگین ہوں گے اور پریشانی سے ان کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تَرْهَقُهُمْ (ان پر چڑھ جائے گی) لاحق ہوگی ڈھانپ لے گی اس لئے کہ رھق کسی شے کا دوسری شے کو ڈھانپ لینے کے معنی میں ہے۔

ذِلَّةٌ خواری سخت جو انہیں رسوا کرے گی گویا یہ خشوع الابصار کی تفسیر ہے۔

حل لغات اہل عرب کہتے ہیں ذلّ۔ یذل ذلا (بالضم) و ذلا (بالکسر) وھو ذلیل (خوار) وَقَدْ كَانُوْا اور تھے وہ دنیا میں يُدْعَوْنَ بلائے جائے دعوۃ تکلیف سے اِلَى السُّجُوْدِ سجدے کی طرف یہاں سجود کو ضمیر کے بجائے ظاہر کرنے زیادۃ التقریر مطلوب ہے یا اسی لئے کہ اس سے نماز مراد ہے یا وہ جنہیں سجدہ کا حکم ہے اور سجدہ کا ذکر خصوصیت سے اس لئے کہ وہ اعظم الطاعات ہے بعض نے کہا اس سے اللہ تعالیٰ کی صریح سجدے کی دعوت مراد ہے مثلاً فرمایا فاسجدوا للہ واعبدوا اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرو اور اس کی عبادت کرو یا ضمناً حکم فرمایا جیسے واقیموا الصلوٰۃ اور نماز قائم کرو۔

داسمیں سجدہ کا حکم ضمناً ہے) اس لئے کہ نماز کی دعوت دراصل سجدہ کی دعوت ہے اور اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صراحۃً سجدہ کی دعوت مراد ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے قریب تر سجدہ میں ہوتا ہے اسی لئے دُعا یعنی سجدوں کی کثرت کرو یا ضمناً فرمایا جیسے پانچ نمازیں پڑھو مہینہ کے روزے رکھو اور اموال کی زکواۃ دو اور جب تم کو اللہ تعالیٰ کوئی حکم فرمائے اور اسی سے ہر زمانہ کے علماء کرام کی دعوت بھی مراد ہے اور سب سے بڑی دعوت سجدہ (الٰہی) کے لئے موذن کی اذان اور اس کی اقامت ہے کیوں نہ حی علی الصلوٰۃ' بلاریب دعوت ہی تو ہے مبارک ہو ان مسلمانوں کو جو موذنین کی اذانوں کی دعوت خود بخود (نہ کہ باجبار و اکراہ) قبول کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی کے مطابق (اجیبوا داعی اللہ) (اللہ تعالیٰ کے داعی کی دعوت قبول کرو) اور جملہ یدعون کی ضمیر سے حال ہے۔

وَھُمْ سٰلِمُوْنَ حالانکہ وہ تندرست تھے یہ یدعون ثانی سے حال ہے یعنی دنیا میں تندرست تھے ان کے اعضاء اور جوڑ جملہ آفات اور بیماریوں سے صحیح سالم تھے اور سجدہ کی ادائیگی پر قدرت بھی رکھتے تھے اور قبول دعوت کو اور زیادہ قوت و طاقت کے مالک تھے تو وہ دعوت کو قبول نہ کرتے بلکہ اس کا انکار کرتے اس کے ظہور پر اعتماد کی وجہ سے اس کا ذکر نہیں فرمایا خلاصہ یہ کہ انہیں ہر طرح تندرستی اور فراغت بھی اور قادر بھی تھے جب دنیا میں وقت کو ضائع کیا تو آج سوائے حسرت و ندامت کے انہیں کچھ بھی حاصل نہیں

؎ مدہ فرصت از دست گر بایدن
کہ گوئے سعادت ز میدان بری
کہ فرصت عزیز است چوں فوت شد
لبے دست حسرت بدندان بری

ترجمہ: اگر تجھے فرصت حاصل ہے تو اسے ضائع نہ کر تاکہ میدان میں سعادت کی گیند تیرے نصیب ہو۔ فرصت عزیز شے ہے جب فوت ہوئی تو حسرت کے ہاتھ دانتوں سے چبائے گا۔

مسئلہ:۔ آیت میں اسے وعید ہے کہ فرض نماز قضا کرتا ہے یا نماز باجماعت (صحیحہ) میں شامل نہیں ہوتا۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے بہشت میں رفاقت کا سوال کیا تو آپ نے اسے فرمایا کہ تو میری کثرت سجود سے مدد کر۔

طریقہ اسلاف رحمہم اللہ اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کا طریقہ تھا کہ اگر ان سے تکبیر اُولیٰ ترک ہو جاتی تو تین دن تک اپنے نفس کو کوستے اگر نماز باجماعت رہ جاتی تو

تو سات دن تک۔

حکایت حضرت ابو سلیمان دارانی قدس سرہ نے فرمایا کہ مجھے بیس سال تک احتلام نہ ہوا ایک دفعہ مکہ معظمہ حاضری ہوئی حرم میں حدث ہو گیا تو اس کی نحوست سے رات کو احتلام ہوا۔

فائدہ حدث سے مراد یہ ہے کہ عشاء کی نماز باجماعت نہ پڑھ سکے۔

مسئلہ: حضرت ابو طالب مکی قدس سرہ نے قوت القلوب (نام کتاب) میں فرمایا کہ جماعت سے نماز ضروری ہے بالخصوص جب اذان سُن لی جائے یا مسجد کے جوار (ہمسائیگی) میں ہو۔

فائدہ: جوار مسجد کی حد یہ ہے کہ مسجد سے اس کے گھر تک درمیان میں سو گھر ہوں۔

مسئلہ: نماز کے لئے اولیٰ وہ مسجد ہے کہ جو اس کے گھر کو قریب تر ہو۔ ہاں اگر دوسری مسجد میں جماعت ملتی ہے اور کثرت قدم اٹھانے کی نیت سے چلا جائے تو جائز ہے یا اس دوسری مسجد میں امام افضل ہے تو بھی، کیونکہ عالم فاضل کے پیچھے نماز ادا کرنا افضل ہے یا دُور کی مسجد اسی کے جانے سے آباد ہوتی ہے (نمازی بکثرت جمع ہوتے ہیں یا اہتمام مسجد اسی کے ہاتھ میں ہے اگرچہ وہ بعید ہو، اس کا جانا اس ضرورت کے پیش نظر جائز ہے۔

نماز باجماعت کے فضائل[1]: (۱) حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس شخص نے پانچوں وقت نماز باجماعت پڑھی تو اس نے دنیا بھر کے بحر و بر عبادت سے پُر کر دیئے۔ (۲) حضرت ابو الدرداءؓ رضی اللہ عنہ نے اللہ کی قسم کھا کر فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کو تین اعمال محبوب ترین ہیں۔

(۱) صدقہ (۲) نماز باجماعت (۳) لوگوں کی اصلاح

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالےٰ حجاب اٹھا دیتا ہے لیکن محجوب (محروم لوگ) انانیت کے حجاب میں رہتے ہیں۔ اسی لئے ان پر امر سخت ہو جاتا ہے وہ فنا فی اللہ کی دعوت دیئے جاتے ہیں لیکن وہ اپنی استعداد فطری کے فساد سے جو دنیا اور اس کی شہوات کی طرف جھکاؤ کی وجہ سے خراب کر چکے ہیں۔ طاقت نہیں رکھتے انکی آنکھیں ذلیل اور متحیر ہیں بوجہ نورانیت کی قوت کے زائل ہو جانے کے کیونکہ حجاب کی ذلت نے خراب کر ڈالا ہے اور وہ احتجاب کی خواری سے برباد ہوئے۔ استعداد کے زمانہ میں انہیں سجود فنا کی طرف بلایا جاتا اور کہا جاتا کہ لذات و شہوات

---

[1] ہمارے دور میں نماز باجماعت کو تاہی سے عوام اکثر محروم ہیں ہی لیکن افسوس کہ بعض علماء، واعظین اور پیری مریدی کا دھندا کرنے والے بھی بکثرت محروم ہیں۔ اُویسی غفرلہٗ

ترک کرکے فنا حاصل کرو لیکن وہ غفلت کی نیند میں رہے کہ اسطرف سر اٹھا کر بھی نہ دیکھا اسلئے کہ ان کے مزاج کی استعداد علل نفسانیہ وامراض ہیولانیہ میں مبتلا تھی۔

تفسیر عالمانہ فَذَرْنِی وَمَنْ یُّکَذِّبُ بِھٰذَا الْحَدِیْثِ (تو مجھے چھوڑ دیجئے اور اسے جو اس قرآن کی تکذیب کرتا ہے) من منصوب ہے۔ عطف کی وجہ سے اس کا عطف یاء متکلم پر ہے یا مفعول معہ ہے۔ یہ مرجوح ہے کیونکہ عطف بغیر ضعف کے ممکن ہے یعنی جب ان کا قیامت میں یہ حال ہوگا تو مجھے اور انہیں چھوڑ دیجئے جو قرآن کی تکذیب کرتا ہے میرے اور ان کے درمیان نہ آئیے اور اپنا دل ان سے مشغول نہ رکھئے اور ان سے بدلہ لینے کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دیجئے کیونکہ میں ہی جانتا ہوں کہ انہیں کون عذاب کا مستحق ہے اور کون اس کی طاقت رکھتا ہے اور میں ہی اسکے معاملہ کا کفایت کرنا والا ہوں۔

حل لغات : کہا جاتا ہے "ذَرْنِی وَاِیَّاہُ" اس کا مطلب ہوتا ہے اس کا تمام معاملہ مجھ پر چھوڑ دو میں تیری مدد کے لئے کافی ہوں۔

فائدہ : فتح الرحمٰن میں ہے کہ اسمیں وعید ہے اور وہاں ان پر عذاب سے کوئی شئے مانع نہیں ہوگی۔ اور یہ ہے جیسے کہا جاتا ہے "دَعْنِیْ مَعَ فُلَانٍ" مجھے فلاں کے ساتھ چھوڑ یعنی میں اسے عنقریب عقوبت میں مبتلا کروں گا۔

الحدیث بمعنی القرآن کیونکہ جو کلام بھی انسان کو پہنچتی ہے از جہت سمع یا وحی بیداری میں یا خواب میں اسے حدیث کہا جاتا ہے۔ سَنَسْتَدْرِجُھُمْ (ہم انہیں ڈھیل دیں گے۔)

حل لغات : کہا جاتا ہے اِسْتَدْرَجَہٗ اِلٰی کَذَا (اسے تھوڑی تھوڑی مہلت دیکر ڈبو دیا۔ تاج المصادر میں ہے اَلْاِسْتِدْرَاجُ بمعنی اللہ تعالےٰ کا بندے کو تھوڑا سا وقفہ دیکر عذاب وعقوبت میں مبتلا کر دینا۔ اب معنی یہ ہوا کہ ہم اسے احسان اور تندرستی اور ازدیاد نعمت سے مہلت دے کر عذاب وعقوبت میں مبتلا کر دیں گے۔ استدراج الی العذاب کا یہی مطلب ہے کہ اسے کچھ وقفہ دے کر نعمت، صحت اور عافیت سے نواز کر عذاب میں مبتلا کر دینا۔ مِنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ (اس حیثیت وجہت سے کہ وہ جانیں گے بھی نہیں کہ یہ استدراج ہے یعنی ان پر انعام ہوگا تو سمجھیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کے لئے ہمیں چن لیا اور دوسروں پر ہمیں فضیلت بخشی۔ یہی انکی ہلاکت اور تباہی وبربادی کا سبب بنا۔

حدیث شریف ۱۰ جب تم دیکھو کہ اللہ تعالےٰ نے کسی بندے پر انعام فرمایا ہے لیکن و

گناہوں پر مصر (اصرار کرنے والا) ہے، تو سمجھ لو کہ یہ استدراج (نعمت) دیا ہوا ہے، جس پر عنقریب عقوبت الٰہی نازل ہوگی (معاذ اللہ) اس کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

حدیث شریف ۲ مروی ہے کہ بنی اسرائیل کے کسی ایک شخص نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ یا رب! اتنا عرصہ دراز تک تیرا بے فرمان رہا ہوں لیکن تو نے مجھے سزا (عذاب) نہیں دی اللہ تعالیٰ نے وقت کے نبی علیہ السلام کو وحی بھیجی اور فرمایا کہ میرے تجھ پر بہت سے عذاب نازل ہوئے لیکن تجھے خبر بھی نہ ہوئی۔ تیری آنکھ کا جمود (عبرت نہ پکڑنا)، تیرے دل کی قساوت (سنگدلی)، میری طرف سے استدراج وعقوبت ہے اگر تجھے عقل ہوتی۔

علم بے عمل : بعض عارفین نے فرمایا کہ یہ بھی استدراج ہے کہ کسی کے پاس علم ہو لیکن اس پر عمل نہ کرے یا عمل ہو لیکن اس میں اخلاص نہ ہو جو اپنے میں یہ کیفیت محسوس کرے تو وہ سمجھ لے کہ وہ استدراج میں مبتلا ہے۔

مسئلہ : بعض متاولین (آیات واحادیث) کی تاویل کرنے والوں کے لئے بھی استدراج ہوتا ہے **(جیسے مرزائیوں وہابیوں، دیوبندیوں اور رافضیوں کا حال ہے)** کہ وہ اپنے اجتہاد کو مبنی بر صواب سمجھ کر اسی پر ڈٹے رہتے ہیں اور اسی غلط عقیدہ پر موت آئی تو سیدھے جہنم، ایسے ہی اپنے مجتہد کیلئے سمجھنا کہ ہر مجتہد مصیب ہے اسی لئے وہ اس اجتہاد وتاویل پر لوگوں کو مبنی یعنی اپنے عقیدہ کی دعوت دیتا ہے۔ ایسے ہی بعض صوفیا کو بھی استدراج ہوتا ہے کہ کوئی حال انہیں نصیب ہو گیا تو اسے سمجھ بیٹھے کہ یہی حق ہے۔ اور تائید من اللہ ہے جبکہ اس سے چند کرامات کا ظہور (بھی) ہو جائے لیکن وہ سوءِ ادب میں بھی مبتلا ہے۔ یعنی امور شرعیہ کی پابندی بھی نہیں تو سمجھو کہ انہیں استدراج ہے جس کا عذاب پائیں گے۔ جیسے دیکھا ہوگا کہ ایسے لوگ اپنی ایسی عبادت سے لذت پاتے اور فخر وناز کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ کیفیت اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ انہیں آخرت میں کتنا عذاب اور کتنا سخت مواخذہ ہوگا (یہ عموماً جاہل پیروں میں ہوتا ہے جو لوگوں کو اپنے دامِ تزویر میں پھنساتے رہتے ہیں) ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

فائدہ : بعض عرفاء مشائخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی [illegible] پوشیدہ طور استدراج بھی ہوتا ہے۔ اسی لئے عقلمند کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کسی نعمت میں اس کے استدراج اور معمولی سی غفلت سے غافل نہ ہو وہ کسی بھی صاحب نعمت ظاہرہ (مال واسباب، جاہ، مرتبہ) نعمت باطنہ (علم وعمل ذکر وفکر وغیرہ) کو استدراج کے طور گزرتا فرمالیتا ہے۔ اس نعمت سے یہ کبھی نہ سمجھے کہ وہ اس کا مستحق ہے اور یہ

بہت بڑا اکرام میرے استحقاق پر ہے۔ بلکہ یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں یہ اس کا کرم ہے کہ بات اب تک بن گئی یہ نعمت (ظاہری و باطنی) میرے استحقاق سے نہیں بلکہ اس کا فضل و کرم ہے۔

انتباہ : ایسی بیماری میں بہت سے لوگ مبتلا ہیں خواہ وہ مولوی ہوں یا پیر۔ اللہ ہم سب کو ایسی بیماری سے بچائے آمین۔ (اویسی غفرلہ)

فائدہ : دراصل اللہ تعالے نے ہر شئی کو اپنی تسبیح حمد کے ساتھ کرنے کے لئے پیدا فرمائی۔ بندوں کو اس سے نفع پانا بالتبع ہے بالاصالۃ نہیں۔ اسی لئے بندے کو جو کچھ عطا ہو وہ اس کریم کی نوازش سمجھے۔

قاعدہ صوفیانہ : ہر وہ علم ضروری جو بندے کو بلا تفکر و تدبر نصیب ہو وہ عطائے الٰہی ہے جو وہ اپنے ولی کو عطا فرماتا ہے بغیر کسی واسطے کے لیکن اسے وہی سمجھتے ہیں جو اللہ کے کامل بندے ہیں۔ ایسے مقام فتوح کا صاحب دقیق میزان کا محتاج ہے کیونکہ ایسے فتوح میں استدراج اور مخفی آزمائش بھی ہوتی ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اسکی دو قسمیں بیان فرمائیں (۱) برکات (۲) عذاب تاکہ صاحب فتوح اس سے نہ اترائے۔ چنانچہ فرمایا وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ (اگر اہل کتاب ایمان لائیں اور اتقا کریں تو ہم ان پر آسمانی برکات نازل فرمائیں) اور فرمایا۔ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ۔ (ہم نے ان پر شدید عذاب والا دروازہ کھولا)

سبق قوم عاد سے ہی عبرت حاصل کرو کہ بادل کو دیکھ کر کہا کہ یہ تو ہم پر بارش برسانے آیا ہے یہ اس وجہ سے کہا کہ ان کی عادت عاجب (بیہودہ) تھی پھر انہیں کہا گیا کہ نہیں یہ تو وہ عذاب دردناک ہے جس کی طلب میں تم خود جلدی کرتے تھے۔

سبق وہ فتح جو کسی کو ادب و تقویٰ سے نصیب ہو ضروری نہیں کہ وہ استدراج ہو بلکہ اس کی نوازش اور مہربانی بھی ہوتی ہے ہاں وہ احوال و کشف امر اللہ تعالیٰ کی جانب سے اقبال سے بچنا چاہیے کیونکہ ممکن ہے کہ یہ اسکے اعمال کا نتیجہ ہو جو اسے بعجلت دیا گیا ہو جو دنیا میں تو مزے لوٹ لے لیکن قیامت میں ان اعمال کے اجر و ثواب سے خالی ہاتھ حاضر ہو۔ (ہم اللہ تعالیٰ سے اس کا لطف و کرم مانگتے ہیں۔)

ملفوظ ابو الحسین (نوری) قدس سرہٗ : حضرت ابو الحسین (نوری) قدس سرہٗ نے فرمایا کہ استدراج ایک نشہ ہے اسمیں صاحب استدراج کو اپنے گناہ کے درد کا احساس نہیں ہوتا۔ اسے اس وقت محسوس ہوتا ہے جب نشہ سے افاقہ ہو گیا ہے۔ جب ایسے لوگ نشہ سے افاقہ پاتے ہیں تو اس کا اثر قلوب پر چڑھ جاتا ہے جس سے وہ سیدھی راہ نہیں پاتے بلکہ ہمیشہ کے لئے غیر مطمئن زندگی گذارتے ہیں۔

فائدہ : استدراج لذت میں سکون پانے کا نام ہے اور اس نعمت سے خوش رہنا ہے جو اسے عطا ہوئی لیکن اس نعمت کے تحت جو سزائیں اور جبلت سے اللہ تعالیٰ کے حلم و حوصلہ سے دھوکہ کھانا ہے۔

ملفوظ ابوسعید خراز قدس سرہٗ : حضرت ابوسعید خراز قدس سرہٗ نے فرمایا کہ استدراج فقدان (گمشدگی) کا نام ہے۔ اس معنی پر مستدرج وہ ہے جو باطن کے فوائد کی گمشدگی اور ظاہر میں مشغولی اور منت الٰہی کو بھول کر اپنے نفس کی حرکت وسعی میں اللہ تعالیٰ سے محجوبیت میں منہمک ۔

فائدہ : بعض نے فرمایا کہ استدراج سے سزا کا پتہ چلتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے رہنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ کے انتباہ (کسی تکلیف میں مبتلا کرنے سے نعمت اور اس کے قرب کی امید رکھی جاسکتی ہے۔

وَاُمْلِیْ لَھُمْ ۔ اور میں انہیں مہلت دیتا ہوں ۔

حل لغات

اَلْاِمْلَاءُ بمعنی مہلت دینا یعنی انکی عمریں لمبی کرکے اور اجل مؤخر کرکے مہلت دیتا ہوں تاکہ اپنے اثمار بڑھائیں اس گمان سے کہ یہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے خیر و بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے۔ اِنَّ کَیْدِیْ بے شک میری خفیہ تدبیر یعنی میری گرفت عذاب سے "مَتِیْنٌ" پکی ہے سخت قوی ہے کوئی اسکی طاقت نہیں رکھتا اور نہ کوئی اسے دفع کرسکتا ہے۔ یعنی میری سزا ایسی مضبوط ہے کہ کسی سے دفع کرنے کی نہیں اور میری گرفت ایسی سخت ہے کہ اس کی کوئی طاقت نہیں رکھتا۔

فائدہ : الکشاف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے احسان و کسی کو ہر قسم کی نعمت کی قدرت دینے کو کید، (خفیہ تدبیر) کو استدراج کی طرح تعبیر فرمایا کہ اس کی ظاہری کیفیت کید جیسی ہے کہ وہ ہلاکت کے گڑھے میں گرنے کا سبب ہے اور متانۃ (مضبوطی) اس لئے کہ اثر احسان کا ہلاکت کے سبب بننے میں قوی ہے۔

فائدہ : بعض نے کہا کہ کید بمعنی (جس کے ساتھ یہ خفیہ تدبیر کی جارہی ہے) کو نفع ظاہر کرنا اور ہلاکت اور نقصان چھپانا۔ المفردات میں ہے کہ کیدٌ ایک قسم کا حیلہ بنانا۔ یہ دو قسم ہے ، (۱) محمود (۲) مذموم یہ اکثر ہے۔ ایسے ہی استدراج و مکر محمود کی مثال قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمائی۔ کَذٰلِکَ کِدْنَا لِیُوْسُفَ (ایسے ہی ہم نے یوسف علیہ السلام کے لئے خفیہ تدبیر اور حیلہ بنایا) اور کیدٌ سے مراد عذاب ہے۔ صحیح یہ ہے کہ کید سے وہ امہال (مہلت دینا) ہے جو عذاب کا سبب بنا۔

التعریفات میں ہے کہ کیدٌ بمعنی خفیہ طور کسی کے لئے ضرر رسانی کا ارادہ کرنا۔ مخلوق سے ہو تو یہ حیلہ سیئہ ہے اللہ تعالیٰ سے ہو تو حق کی تدبیر تاکہ مخلوق کو اعمال کی سزا دیجائے۔ اَمْ تَسْئَلُھُمْ کیا تم ان سے مانگتے ہو ابلاغ وارشاد و دعوت ایمان وطاعت کی۔ اسکا عطف اَمْ لَھُمْ شُرَکَآءُ پر ہے۔ اَجْرًا اجرت دنیوی۔ فَھُمْ تو وہ اسی لئے مَغْرَمٍ چٹی (الی وہ شئ جو انسان کے جرم کے بغیر کسی ضرر کے بدلے میں دیجائے۔ مُّثْقَلُوْنَ بوجھ میں دبے ہیں، بوجھ اٹھانے کے مکلف ہیں۔ جس کی وجہ سے آپ سے روگردانی

اَمۡ عِنۡدَهُمُ الۡغَيۡبُ

کرتے ہیں یعنی آپ ان سے کوئی اجرت نہیں مانگتے اس کے باوجود وہ آپ سے روگردانی کرتے اور بھاگتے ہیں یا مغیبات (پوشیدہ امور) ہیں۔ **فَهُمۡ يَكۡتُبُوۡنَ** کہ وہ لکھ لیتے ہیں اس سے جو وہ حکم دیتے ہیں کہ اہل ایمان اور وہ کفار برابر ہیں اور وہ تمہارے علم سے مستغنی ہیں۔ **فَاصۡبِرۡ لِحُكۡمِ رَبِّكَ** تو انتظار کیجئے اپنے رب تعالیٰ کے حکم پر جو اس نے ان کو مہلت دے رکھی ہے اور تمہیں ان پر مدد کرنے کا وعدہ کر رکھا ہے۔ **وَلَا تَكُنۡ** اور نہ ہو جائیے تماری وعجلت میں اپنی قوم پر نزول عذاب کے بارے میں **كَصَاحِبِ الۡحُوۡتِ** مچھلی والے کی طرح۔ یونس علیہ السلام کہ وہ اپنی قوم کی اذیت رسانی پر صبر نہ کرکے قوم سے ناراض ہو کر چلے گئے۔ یہانتک کہ مچھلی کے پیٹ میں ایک عرصہ رہنا پڑا۔ **اِذۡ نَادٰى** جب پکارا۔ درانحالیکہ مچھلی کے پیٹ میں اپنے رب سے دعا مانگ رہے تھے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تیرے لئے پاکی ہے بیشک میں ظلم والوں میں سے ہوں۔ **وَهُوَ مَكۡظُوۡمٌ** اس حال کہ اس کا دل گھٹ رہا تھا، غیظ و غضب اور غم سے بھرپور تھے۔

حل لغات

اہل لغت کہتے ہیں **"كَظَمَ السِّقَاءَ"** مشک کو باندھ کر منہ باندھ دیا۔ دوسری قید سے بیان فرمایا اللہ تعالیٰ **وَالۡكَاظِمِيۡنَ الۡغَيۡظَ** یعنی غصہ بند کرنے والے۔ اسی محاورہ پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی **مَنۡ كَظَمَ غَيۡظًا** الخ جس نے غصہ پی لیا حالانکہ وہ اس کے اجراء پر قادر ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو امن و ایمان سے پُر فرمائے گا۔ جملہ نادیٰ کی ضمیر سے حال ہے اور اسی پر نہی دائر ہے۔ کیونکہ اس وقت پریشانی اور غضب مذکور سے روکنا مطلوب ہے۔ جیساکہ حضرت یونس علیہ السلام کے قصہ میں اس کا ذکر مصرح ہے۔ چنانچہ فرمایا **وَذَا النُّوۡنِ اِذۡ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا** اور مچھلی والے جب گئے، درانحالیکہ غضبناک تھے۔ تو پھر تم بھی اسکی (صاحب الحوت) صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرح آزمائش میں ہو جاؤ گے۔ جیسے ان سے آزمائش ہوئی یعنی مچھلی کا لقمہ بن جانا یا اسطرح کی اور آزمائش۔

تفسیر صوفیانہ

بعض نے اس کا معنی یوں کیا ہے کہ اپنے رب تعالیٰ کے حکم کہ سعید کو سعادت مند اور شقی کو شقاوت والا اور نجات والے کو نجات والا اور ہلاکت والے کو ہلاکت والا بنانے پر صبر کیجئے۔ حوت والے کی طرح نہ ہو جائیے، اس کی طرح جو اپنے اوپر نفس کے صفات اور طیش و غضب مسلط کرکے حکم رب سے حجاب میں آجائے۔ یہاں تک کہ وہ شخص جناب قدس سے مردود ہو کر طبع کے گڑھے میں ہلاک ہو کہ اسے طبعیہ سفلیہ کی مچھلی نے مقام نفس میں لقمہ کر لیا اور رحم کی مچھلی کے پیٹ میں ایک عرصہ رہنے میں مبتلا ہوا۔

تفسیر عالمانہ

لَوْلَا اَنْ تَدَارَکَہٗ اگر نہ پہنچ جاتی اسے نِعْمَۃٌ مِّنْ رَّبِّہٖ اس کے پروردگار کی نعمت سے یعنی توبہ کی توفیق و قبولیت۔ فعل مذکر کا لانا ضمیر فعل کی وجہ سے ہے اور اَنْ اپنے فعل کے ساتھ مل کر بتاویل مصدر مبتدا ہے اس کی خبر مقدر ہے۔ اب عبارت ہوگی لولا تدارکہٗ نِعمۃٌ مّن ربہٖ ایّاہ حاصلٌ (اگر اسے نعمت رب کا تدارک سے حاصل نہ ہوتا) لَنُبِذَ تو پھینک دیئے جاتے، بطنِ حوت سے۔

حل لغات

اَلنَّبْذُ کسی شیٔ کا اسے معمولی سمجھ کر پھینکنا۔ بِالْعَرَآءِ میدان میں وہ زمین جو درختوں سے خالی ہو۔ امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا العراء وہ زمین جس پر کوئی چھپانے والی شیٔ نہ ہو۔ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ الزام دیا ہوا۔ ملامت کردہ، رحمت و کرامت الٰہی سے دُور۔ لیکن ان پر رب کی رحمت ہوگئی اسی لئے میدان میں گرائے گئے لیکن ان پر کسی قسم کا الزام نہ تھا بلکہ جسمانی لحاظ سے بیمار تھے۔

حل لغات

ملیم از الام الرجل بمعنی آیا درانحالیکہ اسپر ملامت تھی اور ملامت میں داخل ہوا۔

سوال: یہاں تم نے مذموم کی تفسیر ملیم کی ہے حالانکہ قرآن نے انہیں مچھلی کے لقمہ کے وقت ملیم بتایا ہے چنانچہ فرمایا فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ۔ اور اسے مچھلی نے لقمہ کیا درانحالیکہ وہ ملامت کردہ تھے۔

جواب: لقمہ کے وقت الامہ (ملامت والا ہونا) مچھلی سے باہر آنے کی الامۃ کے خلاف نہیں کیونکہ تدارک (رحمت الٰہی کا پہنچنا)، و یونس علیہ السلام دونوں وقت کے الزام (الامۃ) کی نفی کر دی ہے۔ لَوْلَا کے حکم کو غور سے دیکھو یہ امتناعیہ ہے اور اسی کے مطابق ہم نے اوپر عرض کر دیا ہے اور یہ نُبِذَ کے فاعل سے حال ہے اور اسی پر لَولا کے جواب کا اعتماد ہے کیونکہ منفی یہی ہے نہ کہ لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ جیسے پہلے حال میں ہے کیونکہ یونس علیہ السلام کا میدان میں تشریف لانا محمود تھا نہ کہ مذموم۔

فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ تو اسے اس کے رب نے چن لیا۔ اس کا عطف فعل مقدر پر ہے کہ در اصل عبارت یوں تھی فَتَدَارَکَ نِعْمَۃٌ وَّرَحْمَۃٌ مِّنْ رَّبِّہٖ فَجَمَعَہٗ الخ یعنی اسے اس کے رب کی نعمت و رحمت پہنچی تو اسے اپنی طرف جمع فرما کر اس کی توبہ قبول کی۔ یعنی اس کی وحی کا سلسلہ جاری کیا اور اسے ایک لاکھ یا اس سے زائد کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔

حل لغات

کہا جاتا ہے جَبَیْتُ المَآءَ فِی الحَوْضِ میں نے پانی حوض میں جمع کیا۔ اور وہ حوض جس میں پانی جمع ہو اسے جابیہ کہا جاتا ہے۔ اَلْاِجْتِبَاءُ کسی کو علی طریق اصطفاء (برگزیدگی) جمع کرنا۔

سوال : اسی سے تو اشتباہ پڑتا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام اس واقعہ (حوت) سے پہلے نبی نہ تھے۔

جواب : جو کرامات وار ہاصات کا منکر ہے وہ بیشک کہہ سکتا ہے کہ قبل واقعہ حوت یونس علیہ السلام نبی نہ تھے۔ لیکن آپ کا حوت کے پیٹ میں ایک عرصہ تک رہنا اور موت کا وقوع نہ ہونا نہ کرامت ہے نہ ارہاص بلکہ معجزہ۔ اور یہ دلیل بتاتی ہے کہ آپ واقعہ سے پہلے بھی رسول (علیہ السلام) تھے۔

فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ تو اپنے قرب خاص کے سزاواروں سے کیا، وہ جو صلاحیت میں کامل ہیں کہ اسے بچایا ایسے فعل سے جو ترک اولیٰ کا ارتکاب کرتے۔

آیت کے نزول کا مقام

مروی ہے کہ یہ آیت اُحد شریف میں نازل ہوئی جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ وہ جنگ سے چلے جانے والوں کو بلائیں۔ اس تقریر پر یہ آیت مدنیہ ہے۔ بعض نے کہا یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب آپ نے ثقیف والوں کو دعوت دی اللہ نے فرمایا کہ انتظار فرمائیے اور دعا کو توقف میں چھوڑیئے کیونکہ صبر سے امور کا انجام ہوتا ہے۔

کارہا از صبر گردد دل پسند
خرم آن کز صبر باشد بہرہ مند
چوں در فتادی بگرداب حرج!
صبر کن والصبر مفتاح الفرج

ترجمہ : امور صبر سے دل پسند ہوتے ہیں خوش ہے وہ جو صبر سے بہرہ مند ہے۔ جب کسی تنگی کی گرداب میں مبتلا ہو جاؤ تو صبر کرو اسلئے کہ صبر کشادگی کی کنجی ہے۔

مسئلہ : آیت صبر کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے۔

مسئلہ : ترک اولیٰ انبیاء علیہم السلام سے صادر ہو سکتا ہے۔ ورنہ یونس علیہ السلام کو ملیم (الزام والا) نہ کہا جاتا۔

فائدہ : وہ کوتاہی جو کسی سے سرزد ہو اس پر ندامت اور تضرع الی اللہ اکرام کے وسائل سے ہے۔

فائدہ : اللہ تعالیٰ کی توفیق ایک باطنی نعمت ہے۔

فائدہ : صلاح ایک بلند درجہ ہے جو اہل اجتباء کو ہی نصیب ہوتا ہے۔

مسئلہ : بندے کے افعال بھی پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے ۔ اگرچہ اس میں بندے کے کسب کو دخل ہے کہ وہ اپنے ارادہ جزئیہ کا جس طرح تصرف کرتا ہے تو اللہ وہی فعل پیدا کر دیتا ہے ۔

معتزلہ کی ہیرا پھیری معتزلہ (گمراہ فرقہ) کبھی تو اسے اخبار بالصلاح اور کبھی اس لطف سے تاویل کرتے ہیں جو اسے صلاح کے قابل بنا دے لیکن یہ ان کا مجازی معنیٰ اور اہلسنت کا حقیقی معنیٰ ہے۔ (حقیقۃ کو چھوڑ کر بلا وجہ بھاگنا گمراہی ہے یہی دستور آج کل وہابیہ دیوبندیہ نے اکثر مسائل میں اختیار کیا ہوا ہے)

وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ اور ضرور کافر تو یوں ہے کہ گویا وہ اپنی بدنظر لگا کر تمہیں گرا دیں گے ۔ اِنْ مخففہ ہے اس پر دلیل لام (مفتوحہ) ہے ۔

حل لغات الزلقہ ، ازل راحلتہ اس نے اپنی سواری گرا دی ۔ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ جب ذکر (قرآن) سنتے ہیں (لما ظرفیہ لیزلقونک سے منصوب ہے اب معنیٰ یہ ہوگا کہ وہ آپ سے اپنی شدید دشمنی کی وجہ سے غضبناک ہو کر آپ کو ترچھی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ کسی طرح آپ کے قدم ڈگمگا (گرا دیں) اور قرآن سنتے وقت آپکی طرف تیز نگاہ سے دیکھتے ہیں ۔ سننے کا یہ طریقہ ان کے غضب شدید اور حسد کی وجہ سے ہے یہ اس محاورہ سے ہے جو اہل عرب کہتے ہیں " نَظَرَ اِلَيَّ نَظَرًا يَكَادُ يَصْرَعُنِيْ " یعنی اس نگاہ سے اگر میں گر جاؤں تو وہ کر گزرے گا یا معنیٰ یہ ہے کہ وہ آپ کو بدنظر لگاتے ہیں ۔

فائدہ : کشف الاسرار میں ہے کہ جمہور کے نزدیک یہی مطلب ہے ۔

فائدہ : بنو اسد (قبیلہ) میں چند لوگ بدنظری میں مشہور تھے ۔

حل لغات العَيَان ، اَلمِعيان ، اَلعُيُوْن سخت بدنظری سے کسی کو کسی مصیبت میں مبتلا کر دینا ۔

فائدہ : اس قبیلہ کا کوئی شخص چاہتا کہ وہ کسی کو بدنظر لگائے تو وہ تین دن تک بھوکا رہ کر اسے جا کر کہتا کہ یہ شئی کتنی بہترین ہے ۔ اس کے کہتے ہی وہ شئی فوراً گر جاتی ۔

حکایت ان کا کوئی کسی اونٹنی موٹی تازی دیکھ کر اس کا گوشت کھانا چاہتا تو لونڈی کو کہتا کہ تھیلہ اور پیسے دیدو گوشت ابھی آیا چنانچہ اس اونٹنی کو غور سے دیکھ کر بدنظر لگاتا تو وہ اونٹنی گر جاتی یہاں تک کہ اسے ذبح کر دیا جاتا ۔ خلاصہ یہ کہ وہ اس بدنظری میں یکتا تھے کہ جونہی کو دیکھ کر کہا کہ یہ شئی کیسی اچھی ہے ہم نے ایسی حسین آج تک نہیں دیکھی وہ شئے اس کی بدنظر کا

شکار ہو کر فوراً ہلاک ہو جاتی۔

بدنظروں سے قریش کی التجاء : ان بدنظروں کے متعلق قریش مکہ نے مشورہ کیا کہ جب انکی بدنظر میں ایسی تاثیر ہے تو کیوں نہ ان کے کسی کو لے آئیں اور وہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بدنظر لگا کر کہے کہ میں نے ان جیسا اور ان کی حجتوں (دلائل) جیسا نہیں دیکھا۔ اس بدنظر کی بدنظری سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ تمام کارگذاری ختم ہو جائیگی اور وہ خود بھی صفحۂ ہستی سے مٹ جائیں گے (معاذاللہ) لیکن اللہ نے آپ کو ان بدنظروں سے محفوظ رکھا۔

شانِ نزول حضرت کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان بدنظری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہی آیت نازل فرمائی۔

بدنظر کا علاج : حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا بدنظر کا علاج یہی آیت ہے پڑھ کر دم کی جائے (یا لکھ کر بدنظر لگی ہوئی شئے یا انسان کے گلے میں ڈالی جائے، فقیر اویسی نے اسے بارہا آزمایا) جیسے حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا۔

ے حضورِ مجلس انس است دوستان جمعند
وَاِنْ یَکَادُ بخوانید و در فراز کنید!

ترجمہ : مجلس میں حاضر ہونا انس ہے اور دوست جمع ہیں (آیت) وان یکاد پڑھکر اسکا دروازہ کھولیئے۔

ایضاً : الاسرار المحمدیہ میں ہے کہا گیا ہے کہ اس آیت میں یہی خاصیت ہے کہ اس سے بدنظر دفع ہو جاتی ہے لکھ کر گلے میں ڈال جائے یا دھو کر پلائی جائے۔

حدیث شریف میں ہے "اَلْعَیْنُ حَقٌّ" آنکھ کا اثر (معین) جس کو دیکھا جائے، حق واقع ہے۔

فائدہ : شئے پر بدترتب لگتی ہے جب وہ اپنے کمال کو پہنچے اور کامل شئی کو کمال کے بعد ہی قضائے الٰہی سے نقص آتا ہے (شاید اسی سے فارسی محاورہ ہے ہر کمالے را زوالے، ہر کمال کو زوال ہے)

فائدہ : قضائے الٰہی کا ظہور چونکہ بدنظری کے بعد ہوتا ہے اسی لئے اسے آنکھ کے بجائے قضاء کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جیسے یعقوب علیہ السلام کے قصہ میں ہے کہ جب آپ نے اولاد کو مصر بھیجتے وقت بدنظر کا خوف محسوس کیا کیونکہ نہایت درجہ کے باجمال، قوی اور قد و قامت میں حسین اور ایک ہی باپ کے بیٹے تھے اسی لئے انہیں فرمایا لَا تَدْخُلُوْا مِنْ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ایک ہی دروازے سے نہ جانا بلکہ متفرق دروازوں سے داخل ہونا۔ تاکہ بدنظری

کا شکار نہ ہو جائیں۔

حسنین کریمین رض کے گلے مبارک میں تعویذ نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام : نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے گلے میں یہ لکھ کر تعویذ ڈالتے تھے۔

اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّۃِ مِنْ کُلِّ شَیْطَانٍ وَّھَامَّۃٍ وَّمِنْ کُلِّ عَیْنٍ لَّامَّۃٍ ط

اور فرماتے کہ ایسے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسمٰعیل و اسحٰق علیہما السلام کے گلے میں تعویذ باندھتے تھے[1]

جھاڑ پھونک کا ثبوت

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں دن کے پہلے اوقات میں حاضر ہوا تو آپ کسی درد (درد سر) میں تھے۔ شام کو واپس ہوا تو آپ کو تندرست دیکھ کر عرض کی کیسے صحت پائی فرمایا جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے انہوں نے یہ کلمات پڑھ کر دم کیا تو آرام ہو گیا۔ بِسْمِ اللّٰہِ اَرْقِیْکَ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ یُّؤْذِیْکَ وَمِنْ کُلِّ عَیْنٍ وَّحَاسِدٍ اللّٰہُ یَشْفِیْکَ ط اللہ کے نام سے میں آپ کو دم کر رہا ہوں ہر شئے سے آپ کو ایذا دے اور ہر آنکھ اور حاسد سے اللہ آپ کو شفا دے۔

---

[1] فقیر اویسی غفرلہٗ کا تجربہ ہے کہ جس بچے کے گلے میں مذکورہ بالا کلمات لکھ کر تعویذ باندھا جائے تو وہ بچہ تندرست رہتا ہے۔ اس سے وہابیہ نجدیہ کا خوب رد کریں کیونکہ وہ تعویذ وغیرہ کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔ آج کل حرمین طیبین پر نجدیوں کا قبضہ ہے، تعویذ وغیرہ کی دشمنی میں کئی بیچارے مسلمان ان کی اذیتوں و تکالیف کا نشانہ بنتے ہیں۔

لطیفہ : فقیر حرم مکہ معظمہ میں تسبیح گلے میں ڈالکر داخل ہوا، اس تسبیح میں رنگین گچھہ بندھا تھا جیسے عموماً تسبیح کو نشانی کے طور بنایا جاتا ہے تو ایک پاکستانی نے نجدیوں سے متاثر بھاگ کر مجھے پکڑ کر کہا یہ شرکیہ طریقہ کیوں؟ میں نے احرام باندھا ہوا تھا احرام علیحدہ کیا تو وہ تسبیح کے منکے صاف نظر آگئے تو کھسیانہ ہو کر کہنے لگا میں نے سمجھا تعویذ باندھا ہوا ہے۔ تعویذ و دم پھونک جھاڑ سب ان کے نزدیک شرک ہے۔

نجدی اور پاکستانی وہابی : جنون کی حد تک اس کی دشمنی میں کتابیں رسالے شائع کر رہے ہیں اور دلیل میں وہی روایات لکھتے ہیں جن میں شرکیہ فسوں کا ذکر ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے فقیر کی کتاب ؎

مجربات اویسی و معمولات اویسی۔

حل لغات الرقیہ بمعنی افسون (ٹوٹکا) یا منتر کرنا، کہا جاتا ہے رَقَاہُ الرَّاقِی رَقْیاً وَرُقْیَۃً عَوَّذَہٗ اسے تعویذ باندھا اسمائے الٰہیہ وغیرہ پڑھ کر پھونک ماری ۔

رَدِّ وہابیہ نجدیہ : وہ روایات و احادیث جن میں تعویذ اور جھاڑ پھونک کی ممانعت ہے اس سے وہ مُراد ہے جو کلمات عرب کے سوا کسی ایسی زبان کے کلمات جن کا معنیٰ معلوم نہ ہو کیونکہ ممکن ہے اس میں سحر (جادو) یا کفر کے کلمات ہوں ایسا تعویذ مکروہ ہے ۔ (یہی ہم کہتے ہیں۔ صاحب روح البیان قدس سرہ نجدیوں کے دَور سے پہلے کے بزرگ ہیں انہوں نے ان کے توہم اور غلط بیان دو صدی پہلے رد فرما دیا)۔

مسئلہ : جو تعویذ وغیرہ قرآن شریف یا دعوات (نبویہ اور اولیاء کرام) ہوں تو لا باس بہ (جائز) ہے ۔ کذا فی المغرب (کتاب لغت) للمطرزی ۔

فائدہ : بدنظر صرف انسان سے خاص نہیں بلکہ یہ جنات میں بھی ہوتی ہے ۔

بَدنظری کی تاثیر : ان کی نظر تیروں کے دندانوں سے بھی تیز تر ہوتی ہے ۔

حکایت بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے گھر میں لونڈی دیکھی جس کی آنکھیں دکھتی تھیں اور چہرہ زرد تھا فرمایا اس پر منتر پڑھو اس لئے کہ اس کو بدنظر ہے اسے جن نے بدنظر لگائی ہے ۔ (شرح المصابیح)

حدیث شریف میں ہے اگر کوئی تقدیر سے سبقت لے جاتی تو وہ آنکھ (بدنظر) ہے ۔

فائدہ : اگر کوئی شئے بغیر قضائے الٰہی مہلک و ضرر رساں ہوتی تو آنکھ ہوتی یعنی بدنظری جو سخت سے سخت ضرر پہنچاتی ہے ۔

حدیث شریف نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آنکھ یعنی بدنظر انسان کو قبر میں داخل کرتی ہے اور اجل مقدر ہے ۔

سِیاہ داغ دافع بدنظر : بدنظر کے دفع کرنے کا ایک طریقہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے ایک بچے ملیح (حسین) کو دیکھکر فرمایا "دسموا نونتہ" اس کی ٹھوڑی کو سیاہ کر دو تاکہ اسے بدنظر نہ لگے

دوسرا طریقہ : تجربہ کار لوگ کہتے ہیں کہ اسی قبیل سے ہے۔ کھیتوں اور باغات میں جانوروں کے سروں کی ہڈیاں ٹانگنا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بدنظر کھیتوں اور باغات کی نحوست پڑجاتی تو جب ہڈیاں نمایاں نظر آئیں گی تو وہ نحوست سب سے پہلے ان پر پڑیگی پھر اسکی تیزی کم ہوجائیگی تو کھیت و باغات پر بدنظر کی نحوست کا اثر نہ پڑے گا۔

بدنظر کا علاج آیات قرآن سے : (۱) عنس عَابِسٍ شِهَابٍ قَابِسٍ رَدَدتُ العَيْنَ مِنَ المُعِينِ عَلَيْهِ وَاِلٰى اَحَبِّ النَّاسِ اِلَيْهِ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ط (۲) سورة الفاتحہ (۳) آیۃ الکرسی (۴) چھ آیات شفاء وہ یہ ہیں۔ (۱) وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ط (۲) شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ (۳) فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ (۴) وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ط (۵) وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ط (۶) قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ط

صاف برتن میں پانی ڈالکر مذکورہ بالا آیات پر دم کریں جس پر چشم بد کا اثر ہے اسے پلائیں اور اس سے وہ نہائے۔

بدنظر کا آسان علاج : یہ بھی بدنظر کی شفاء سے ہے کہ بدنظر آدمی غسل یا وضو کرے اس کے اس پانی معین (جس پر بدنظر کا اثر ہے) غسل کرے۔

نکتہ : بدنظر لگنے کا سبب یہ ہے کہ دیکھنے والا جب اچھی شئی دیکھتا ہے تو اس کی تحسین تو کرتا ہے لیکن معاً اسے اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں سمجھتا اور نہ ہی اسے اللہ کی طرف منسوب کرتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ منظور (جسے دیکھا گیا) میں کوئی علت (بیماری) وغیرہ پیدا کرتا ہے۔ بدنظر کی جنایت پر جو اس نے اچانک نظر ڈالی (اور اسے اللہ تعالیٰ کی صفت و قدرت کا اعتراف نہ کیا) اس سے بندوں کی آزمائش مراد ہوتی ہے تاکہ اہل حق سمجھیں کہ یہ اللہ سے ہے اور اہل باطل کہیں یہ غیر سے ہے۔

مسئلہ : بدنظر کی بدنظری سے جو نقصان ہوگا اس سے اس کا مؤاخذہ ہوگا۔ کیونکہ اس کا سبب وہی ہے اور اسکی وجہ سے ہی نقصان ہوا۔ اسکی وجہ بعض نے یہ بتائی ہے کہ بدنظر والے کی نظر سے ایک زہریلی قوت اٹھتی ہے تو فوراً معین (جسپر بدنظر لگی ہو) پہ پہنچ کر فوراً اسے ہلاک یا فاسد کر دیتی ہے۔ بدنظری کی زہر اس سانپ کی زہر کی طرح ہے جس کے صرف دیکھنے سے زہر کا اثر مضر پہنچا دیتا ہے

فائدہ : الاسرار المحمدیہ میں ہے کہ زہریلی اشیاء اپنی کیفیات خبیثہ پوشیدہ قوت سے اثر انداز ہوتی ہیں جب وہ اپنے دشمن (جس پر اثر ڈالا) سے بالمقابل ہوتی ہیں تو اس سے قوت غضبیہ اٹھتی ہے اور ایک خبیث کیفیت پیدا کر لیتی ہے جس سے اذیت پہنچتی ہے بعض تو ان میں شدید قوت اور بڑی طاقت والی ہوتی ہیں یہانتک کہ اپنے اثرات سے پیٹ کا بچہ بھی گرا سکتی ہے۔ بعض وہ ہیں آنکھوں کو بے نور بنا دیتی ہیں بعض وہ ہیں کہ جن کی کیفیت بلا اتصال محض دیکھتے ہی اثر انداز ہو جاتی ہے۔ اس کے نفس کے خبث کی شدت سے اور کیفیت خبیثہ کے اثرات سے۔

فائدہ : ضروری نہیں کہ جسم جسم سے متصل ہو تو زہریلی شئے اثر انداز ہو بلکہ بعض زہریلی اشیاء ایسی

ہوتی ہیں کہ محض سامنے ہونے یا اسے دیکھنے سے اس کا اثر ہو جاتا ہے جیسے بعض سانپوں کے متعلق یہ مشہور ہے کہ جب اس کی نگاہ کسی انسان پر پڑتی ہے تو وہ سانپ کے اثر سے فوراً مر جاتا ہے۔

فائدہ: یہ کوئی بعید از قیاس نہیں کہ بعض انسانوں سے جواہر لطیفہ غیر مرئیہ (نظر میں نہ آنے والے) اڑ کر معین (جسے دیکھا گیا) پر پڑے اور اس کے مسام جسمانی یعنی جسم کے سوراخوں میں گھس گئے مثلاً منہ اور ناک اور کان وغیرہ تو پھر اس سے وہ ضرر پاتا ہے اور چونکہ یہ جواہر و ماہیات۔ ہیں نفوس مختلف ہوتے ہیں اسی لیے ان کے لوازمات و آثار کا اختلاف ممتنع نہیں۔ اس معنیٰ پر تاثیر مذکور کی خاصیت بعض لوگوں میں ظاہر ہونا بھی بعید از قیاس نہیں۔

بدنظر کے منکر کا جواب: مذکورہ بالا تقریر سے ثابت ہوا کہ بدنظری کا انکار غلط ہے وہ جو منکر کہتا ہے کہ بدنظری کی کوئی حقیقت نہیں اس لئے کہ کسی جسم میں کسی کی تاثیر تب ہو جب ان کا آپس میں اتصال ہو اور یہاں نظر کا اتصال کہاں۔ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ تاثیر کے لئے مس کرنا یعنی شئی کا لگ جانا ضروری ہے غلط ہے بلکہ شئے کا شئے کے بالمقابل ہونا یا اس کا دیکھنا بھی اثر انداز ہو جاتا ہے جیسے اوپر مذکور ہوا۔

بدنظر کی تاثیر پر جملہ مذاہب کا اتفاق: باوجود اختلاف ملل و مذاہب کے اس میں کسی اہل مذہب کو اختلاف نہیں کہ بدنظر کا اثر ضرور ہوتا ہے کسی کو بھی اس میں انکار نہیں۔

فائدہ: کبھی محض روح کے تصرف سے بھی بدنظر لگ جاتی ہے خواہ اسے نہ بھی دیکھے جیسے نابینا کی بدنظر کہ وہ شئے اگرچہ دیکھ نہیں سکتا لیکن اس کی نظر بد لگ جاتی ہے جیسے اسے کسی شئی کی تعریف سنائی جائے تو اس شئی کی صفت اسکے دل میں آئے گی اس سے وہ دیکھے اور شئے کے بالمقابل بغیر نظر بد والا اثر پیدا ہو جائے گا۔

فائدہ: اس کی مثال وہ ہے کہ جس زہریلے سانپ نے ڈسا تو اسے مار دیا جائے تو زہر کا اثر ڈھیلا پڑ جاتا ہے (ایسے ہی بچھو کے کاٹنے سے بچھو کو مارنے سے) اسلئے کہ کیفیت اسم سے جسم متاثر ہوتا ہے۔ اور انحراف کے قابل ہوتا ہے جب تک وہ زندہ رہتا ہے تو وہ اس کا سانس ہوا کے امتزاج سے زہر اور اس جگہ میں جہاں زہر کا اثر ہوا ہے کے اثر کو بڑھاتا رہتا ہے۔

حکمت کی باتیں (۱) جاحظ نے فرمایا کہ فارس و ہند کے علماء (تجربہ کار امور کے علماء نہ کہ دین کے) اور یونانی اطباء اور عرب کے دہقان (دیہاتی)، اور معتزلہ کے اہل تجربہ اور متکلمین کے حاذقین درندوں کے سامنے کھانا کھانے سے کراہت کرتے تھے ان کی بدنظری کے خطرہ سے اس لیے کہ ان میں بسیار خوری اور کھانے کا حرص بہت زیادہ ہے بہت کھانا کھاتا دیکھیں گے تو ان کے پیٹ سے ایک بخار (دھواں) سا نکل کر آنکھوں سے گذر کر انسان (کھانا کھانے والے) پر پڑے گا تو اسے بیمار کر

دے گا یا مار دے گا ۔

(۲) یہ لوگ خدام (نوکروں) کے سامنے کھانا کھانے اور پانی وغیرہ پینے سے بھی کراہت کرتے اور وہ بھی اس بدنظری کے خوف سے ۔

(۳) یہ لوگ کھانا کھانے سے پہلے بلی، کتے کو دور بھگا دینے کا حکم فرماتے وہ بھی اس بدنظری کے خطرہ سے جب یہ اشیاء دور بھگا دی جاتیں تب کھانا کھاتے ۔

حدیث شریف جو کھانا کھائے اور اسے ذو عینین جو اس سے مانوس نہیں دیکھ رہا ہے تو وہ ایسی بیماری میں مبتلا ہو جائے گا جس کا علاج نہ ہو سکے گا ۔

منتر اور پھونک کی عقلی دلیل : پھونک اور منتر کا ایک نکتہ ہے کہ روح جب اپنی مخصوص کیفیت میں ہوتی ہے اور قوت پکڑتی ہے پھر اس پر تھوک اور دم ملائی جاتی ہے تو اس اثر کا مقابلہ کر سکتی ہے جو نفوس خبیثہ اور خواص فاسدہ سے پیدا ہوا یہاں تک کہ اسے زائل کر کے چھوڑتی ہے ۔

رد وہابیہ نجدیہ : خلاصہ یہ کہ رقیہ (منتر، جھاڑ پھونک دم کرنا) شرک نہیں بلکہ مشروع (جائز) ہے بلکہ بدنظر سے بچنا تو نہایت ضروری ہے بلکہ جس کو کوئی شے اچھی لگے تو فوراً کہہ دینا واجب ہے ۔ تَبَارَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ فِیْہِ (اللہ تعالیٰ برکت والا اور احسن الخالقین ہے اے اللہ تعالیٰ اس میں برکت دے ۔ جب وہ (اس اچھی شے یا انسان) کو برکت کی دعا کریگا تو اس کا ضرر انکو (بدنظر) نہیں پہنچے گا ۔

مسئلہ : جس کی بدنظری مشہور ہے اسے لوگوں کی مجالس میں جانے سے روکا جائے تاکہ لوگ اسکے ضرر سے بچ جائیں ۔ بعض علماء نے فرمایا کہ امام (حاکم وقت) ایسے شخص کو حکم دے کہ وہ صرف اپنے گھر میں رہے اگر وہ تنگدست ہے تو اس کا وظیفہ مقرر کر دے اور اسے لوگوں کے ایذا سے منع کرے ۔ بعض نے کہا اسے شہر بدر کر دے لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ اسے اپنے گھر میں وقت بسر کرنے کا حکم دیا جائے، نہ اسے قید کیا جائے نہ شہر بدر ۔

مجذوبوں کا حال : اس تقریر سے مجذوبوں کا حال بھی معلوم ہو گیا کہ انہیں بعض شہروں میں ایک مخصوص جگہ میں رہنے کا پابند کیا گیا لوگوں میں رل گذارنے سے انہیں روکا گیا وہ لوگوں کے گھروں میں نہیں جا سکتے تھے ۔

بوم کی کہانی : "جاحظ نے کہا الو دنیا کی ان تین اشیاء سے ہے جو عجیب ترین ہیں یہ خود کو حسین ترین سمجھ کر ویرانوں میں گذارتا ہے اور دن کو ظاہر نہیں ہوتا کہ کہیں اسے کسی کی بدنظر نہ لگے ۔ حیوٰۃ الحیوان میں ہے کہ جب الو نے خود کو احسن الحیوان گمان کیا تو دن کو ظاہر نہیں ہوتا بلکہ رات کو آتا ہے ۔

(۲) کرکی (سارس) وہ زمین پر دونوں پاؤں نہیں رکھتا بلکہ ایک پاؤں پر چلتا ہے اگر رکھے بھی تو اس پر سہارا نہیں کرتا اس خوف سے کہ کہیں وہ زمین میں نہ دھنس جائے۔

(۳) وہ پرندہ جو نہروں کی نالیوں کے پانی کے کناروں پر بیٹھا رہتا ہے اسے مالک الحزین کہا جاتا ہے اور سارس کے مشابہ ہے وہ پانی سے سیر نہیں ہوتا اسی لئے پانی کے قریب بیٹھا رہتا ہے کہ کہیں پانی ختم نہ ہو جائے اور وہ پیاسا مر جائے۔ پہلے (اُلّو) میں اشارہ ہے کہ عجب (خود بینی) مذموم ہے دوسرے میں خوف کی مدح ہے تیسرے میں حرص کی مذمت ہے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ غیر عاقل سے نصیحت حاصل کرے اور سعادتمند وہ ہے جو دوسرے سے وعظ (پند) حاصل کرے اور اشارہ پائے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اس کے احسان وکرم سے اس سے بصیرۃ تامہ کا سوال کرتے ہیں۔

وَيَقُولُونَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاملہ میں غایت حیرت، اور قرآن مجید میں بدائع علوم میں نہایت جہالت اور لوگوں کا قرآن سے نفرت کرنے کی وجہ سے کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون ضد سے کہتے ورنہ انہیں یقین تھا کہ آپ دنیا بھر کے لوگوں سے زیادہ عقل مند ہیں۔ اِنَّهٗ بے شک وہ حضور علیہ السلام لَمَجْنُوْنٌ وہ مجنون ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ يٰاَيُّهَا الَّذِىْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝ (اے وہ ذات جس پر ذکر (قرآن) اترا ہے بے شک تو مجنون ہے (کی طرح ہے)

فائدہ: حضرت کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بیشک اس شخص پر جن کا اثر ہے جسے وہ آکر سکھاتا ہے جیسے ولید بن مغیرہ نے کہا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ (جنات کا سکھایا ہوا ہے) یعنی اس کے پاس پوشیدہ ہو کر جن آتا ہے اور کچھ سکھا جاتا ہے یہ ان کا حکم سراسر باطل ہے یہ کہنا کہ حضور علیہ السلام سے سن کر اس پر حکم لگانا بالکل غلط ہے چنانچہ حضور علیہ السلام کے علو شان اور آپ کے روشن برہان کے پیش نظر ان کا رد فرمایا کہ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (اور تو نہیں وہ مگر ذکر عالمین کے لئے) یہ يَقُوْلُوْنَ کے فاعل سے حال ہے۔ ان کے قول کے بطلان کی غایۃ اور سامعین کی تعجیب کی غایت کے لئے مفید ہے کہ حضور علیہ السلام کی عظمت شان کے پیش نظر ان کو کیسے جرأت ہوئی کہ وہ اس طرح کی بکواس کرنے لگے یعنی یہ ایسی بکواس کیوں کرتے ہیں حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ یہ قرآن عالمین کے لئے نصیحت اور ذکر ہے اس سے جن وانسان سب نصیحت حاصل کرتے ہیں بلکہ اس میں ان امور کا بیان ہے جس کے یہ لوگ محتاج اور ضرورت مند ہیں۔ کوئی ایک ایسا آدمی تو دکھاؤ جس پر اس جیسا کلام نازل ہوا ہو اور کوئی ایسا دکھاؤ جو میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا اسرار ورموز سے آگاہ بلکہ جمیع حقائق کو محیط ہو ایسے پیارے کے لئے مجنون کہتے ہیں جو اول الامور سے کمال عقل اور علو شان پر ہیں۔ جو ان کی طرف قصور منسوب کرتا ہے وہ

جاہل بلکہ پاگل ہے کیوں کہ شان والے ہی شان والوں کو جلتے ہیں۔

إِذَا لَمْ يَكُنْ لِلْمَرْءِ عَيْنٌ صَحِيحَةٌ
فَلَا غَرْوَ اَنْ يَرْتَابَ وَالصُّبْحُ مُسْفِرٌ

ترجمہ: جب کسی کی آنکھ درست نہ ہو تو کوئی شک نہیں کہ وہ شک میں پڑے اور صحیح آنکھ والے کے لئے ہر بات روشن ہے۔

فائدہ: بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے کہ وہ شرف و فضل والا ہے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ اور بیشک وہ تیرے لئے اور تیری قوم کے لئے ذکر ہے۔

فائدہ: اسمیں الہام کی طرف اشارہ ہے کہ وہ صاحب الہام کے لئے ذکر ہے اور اس کے بھی جو اس کا معتقد و مقتدی ہے کیونکہ ایسے آثار تا قیامت باقی ہیں۔

شانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

بعض نے کہا کہ یہ ضمیر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف راجع ہے کیونکہ آپ عالمین کے لئے ذکر و شرف ہیں اس میں کسی کو شک نہیں۔

ای شرف جملۂ عالم بتو
روشنی دیدۂ عالم تبو!!

ترجمہ: جملہ عالم نے آپ سے شرف پایا، تمام عالم نے آپ آپ سے پائی۔ نیز اس میں حضور سرور عالم کی امت کے بزرگوں کی طرف بھی اشارہ ہے۔ اور اولیائے امت کی طرف بھی۔

فراغت صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ: اس سورۃ نُون کی تفسیر سے اللہ خالق القلم وما یسطرون کی مدد سے ۲۵، شعبان بروز پیر ۱۱۱۶ھ میں فراغت ہوئی۔

فقیر اُویسی سورۃ نون کی تفسیر کے ترجمہ سے ۱۶، ربیع الآخر بروز اتوار صبح دس بجے فارغ ہُوا۔

——— الحمد للہ علیٰ ذالک۔ وصلی اللہ علیٰ حبیبہ الکریم وعلیٰ اٰلہ واصحابہ وجندہ العظیم

سُوْرَةُ الْحَاقَّةِ مَكِّيَّةٌ ‏ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ (اٰيَاتُهَا ۵۲ رُكُوْعَاتُهَا ۲)

سورۂ حاقہ مکیہ ہے اس میں اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا باون آیتیں اور دو رکوع ہیں

اَلْحَآقَّةُ ۝۱ مَا الْحَآقَّةُ ۝۲ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ۝۳ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ۝۴

وہ حق ہونے والی کیسی وہ حق ہونے والی اور تم نے کیا جانا کیسی وہ حق ہونے والی ثمود اور عاد نے اس سخت صدمہ دینے والی کو جھٹلایا

فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ۝۵ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝۶

تو ثمود تو ہلاک کیے گئے حد سے گزری ہوئی چنگھاڑ سے اور رہے عاد وہ ہلاک کیے گئے نہایت سخت گرجتی آندھی سے

سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا

وہ ان پر قوت سے لگا دی سات راتیں اور آٹھ دن لگاتار تو ان لوگوں کو ان میں دیکھو بچھڑے ہوئے گویا وہ

صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝۷ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ۝۸ وَ

کھجور کے ڈھنڈ ہیں گرے ہوئے تو تم ان میں کسی کو بچا ہوا دیکھتے ہو اور

جَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۝۹ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ

فرعون اور اس سے اگلے اور الٹنے والی بستیاں خطا لائے تو انہوں نے اپنے رب کے

فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ۝۱۰ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِى الْجَارِيَةِ ۝۱۱

رسول کا حکم نہ مانا تو اس نے انہیں بڑھی چڑھی گرفت سے پکڑا بیشک جب پانی نے سر اٹھایا تھا ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کیا کہ اسے

لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ۝۱۲ فَاِذَا نُفِخَ فِى الصُّوْرِ

تمہارے لیے یادگار کریں اور اسے محفوظ رکھے وہ کان کہ سن کر محفوظ رکھتا ہو پھر جب صور پھونک دیا

نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝۱۳ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ۝۱۴

دیا جائے ایک دم اور زمین اور پہاڑ اٹھا کر دفعۃً چورا کر دیے جائیں

فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝۱۵ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِىَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ۝۱۶

وہ دن ہے کہ ہو پڑے گی وہ ہونے والی اور آسمان پھٹ جائے گا تو اس دن اس کا پتلا حال ہو گا

وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ۝۱۷

اور فرشتے اس کے کناروں پر کھڑے ہوں گے اور اس دن تمہارے رب کا عرش اپنے اوپر آٹھ فرشتے اٹھائیں گے

يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ۝۱۸ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِىَ كِتٰبَهٗ

اس دن تم سب پیش ہو گے کہ تم میں کوئی چھپنے والی جان چھپ نہ سکے گی تو وہ جو اپنا نامۂ اعمال دہنے ہاتھ میں دیا جائے گا

بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ⑲ۚ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ
کہے گا لو میرے نامہ اعمال پڑھو مجھے یقین تھا کہ میں اپنے حساب کو پہنچوں گا
حِسَابِيَهْ ⑳ۚ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ㉑ۙ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ㉒ۙ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ㉓
تو وہ من مانتے چین میں ہے بلند باغ میں جس کے خوشے جھکے ہوئے
كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ㉔ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ
کھاؤ اور پیؤ رچتا ہوا صلہ اس کا جو تم نے گزرے دنوں میں آگے بھیجا اور وہ جو اپنا نامہ اعمال بائیں
كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ㉕ۚ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ㉖ۚ
ہاتھ میں دیا جائے گا کہے گا ہائے کسی طرح مجھے اپنا نوشتہ نہ دیا جاتا اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا
يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ㉗ۚ مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ㉘ۚ هَلَكَ عَنِّيْ
ہے ہائے کسی طرح موت ہی قصہ چکا جاتی میرے کچھ کام نہ آیا میرا مال میرا سب زور
سُلْطٰنِيَهْ ㉙ۚ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ㉚ۙ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ㉛ۙ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ
جاتا رہا اسے پکڑو پھر اسے طوق ڈالو پھر اسے بھڑکتی آگ میں دھنساؤ پھر ایسی زنجیر میں جس کا
ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ㉜ؕ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ㉝ۙ
ناپ ستر ہاتھ ہے اسے پرو دو بے شک وہ عظمت والے اللہ پر ایمان نہ لاتا تھا۔
وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ㉞ؕ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ㉟ۙ وَّ
اور مسکین کو کھانا دینے کی رغبت نہ دیتا تو آج یہاں اس کا کوئی دوست نہیں اور نہ
لَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ㊱ۙ لَّا يَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخَاطِـُٔوْنَ ㊲ۧ فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا
کچھ کھانے کو مگر دوزخیوں کا پیپ اسے نہ کھائیں گے مگر خطا کار تو مجھے قسم ان چیزوں کی جنہیں
تُبْصِرُوْنَ ㊳ۙ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ㊴ۙ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ㊵ۚ وَّمَا هُوَ
تم دیکھتے ہو اور جنہیں تم نہیں دیکھتے بیشک یہ قرآن ایک کرم والے رسول سے باتیں ہیں اور وہ کسی
بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ㊶ۙ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا
شاعر کی بات نہیں کتنا کم یقین رکھتے ہو اور نہ کسی کاہن کی بات کتنا کم دھیان کرتے
تَذَكَّرُوْنَ ㊷ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ㊸ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ
ہو اس نے اتارا ہے جو سارے جہان کا رب ہے اور اگر ہم پر ایک بات بھی بنا کر

الْاَقَاوِیْلِ ۝٤٤ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْیَمِیْنِ ۝٤٥ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِیْنَ ۝٤٦

کہتے ضرور ہم ان سے بقوت بدلہ لیتے پھر ان کی رگ دل کاٹ دیتے

فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِیْنَ ۝٤٧ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ ۝٤٨ وَ

پھر تم میں کوئی ان کا بچانے والا نہ ہوتا اور بے شک یہ قرآن ڈر والوں کو نصیحت ہے اور

اِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِیْنَ ۝٤٩ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ

ضرور ہم جانتے ہیں کہ تم میں کچھ جھٹلانے والے ہیں اور بے شک وہ کافروں پر

عَلَى الْكٰفِرِیْنَ ۝٥٠ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْیَقِیْنِ ۝٥١ فَسَبِّحْ بِاسْمِ

حسرت ہے اور بے شک وہ یقینی حق ہے تو اے محبوب تم اپنے عظمت

رَبِّكَ الْعَظِیْمِ ۝٥٢

والے رب کی پاکی بولو

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تفسیر عالمانہ اَلْحَاقَّةُ (حق ہونیوالی) یہ بھی قیامت کے ناموں میں سے اس کا ایک نام ہے۔ حق یَحِقُّ بالکسر بمعنی وجب و ثَبَتَ (واجب اور ثابت ہوا) چونکہ قیامت کا **حل لغات** آنا واجب اور ثابت ہے۔ اس کا وقوع جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا۔ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ لَّا رَیْبَ فِیْهَا (بیشک قیامت آئے گی اسمیں شک نہیں) اسی لئے اس کا نام الحاقہ ہوا اس معنی پر یہ اسناد حقیقی ہے۔ امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ چونکہ اس میں جز واجب و ثابت ہے اسی لئے اس کا نام الحاقہ ہوا۔ اس معنی پر اس کا اسناد مجازی ہے "نہارہٗ صائم وغیرہ کی طرح"۔ مَا الْحَآقَّةُ (کیا ہے حق ہونے والی) یہ دراصل مَاهِیَ ہونا چاہیے تھا بمعنی "اَیُّ شَیْءٍ هِیَ فِیْ حَالِهَا" اس لئے کہ لفظ ما سے صفت اور حال کی طلب ہوتی ہے تو ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لانے میں اس کی ہولناکی میں تاکید مطلوب ہے جیسے کہا جاتا ہے "زید ما زید" اس سے اسکی شان کی تعظیم مطلوب ہوتی ہے۔ الحاقہ مبتدا اور ما دوسرا مبتدا اس کا مابعد اس کی خبر پھر جملہ پہلے مبتدا کی خبر ہے اور اس کا رابط مبتدا کے لفظ کا تکرار ہے۔ یہ اور اس کے نظائر میں

اسی طرح ترکیب بیان کی جاتی ہے۔ مقتضیٰ تحقیق کا یہ ہے کہ مَا استفہامیہ اپنے مابعد کی خبر ہے کیونکہ فائدہ کا مدار اس میں کہ بتایا جائے کہ الحاقہ (قیامت) ایک عجیب امر اور خوفناک منظر ہے جیسے اس کا مابعد کا مَا خبر بن کر بتاتا ہے نہ یہ بتاتا ہے کہ امر بدیع الحاقہ ہے جیسے اس کا مبتدا اور الحاقہ کا خبر ہونا فائدہ دیتا ہے (الارشاد) ③ وَمَا اَدْرٰاکَ تمہیں کس نے بتایا۔

حل لغات

اَدْرٰی از درایۃ بمعنی العلم کہا جاتا ہے۔ دَرَاہُ وَدَرٰی بہٖ ای علم بہٖ اسے معلوم کیا از باب رمیٰ وادراہ بہٖ ای اعلمہ اسے جتلایا۔ تاج المصادر میں ہے الدرایۃ والدریۃ بمعنی دانستن (جاننا) با سے متعدی ہوتا ہے اور خود بخود بھی سیبویہ نے کہا با سے اکثر ہے۔ مَا مبتدا اور ادرک اسکی خبر ہے یہاں اس کے برعکس کا کوئی جواز نہیں اب معنی یہ ہوا کہ تمہیں اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس نے جتلایا۔

مَا الْحَاقَۃُ کیا ہے حق ہونیوالی۔ مبتدا سے جملہ اور خبر ہے ادراک کے مفعول ثانی کی جگہ پر اور یہ جملہ کبیرہ قیامت کی ہولناکی اور اس کی گھبراہٹ کی تاکید ہے اور بیان کرنا ہے کہ اس کا علم دائرہ مخلوقات سے خارج ہے اور وہ عظیم الشان اور اس کا ہول وشدت بہت بڑی ہے کہ اسے کسی کا علم نہیں پہنچ سکتا اور نہ ہی وہ کسی کے وہم وگمان سے بلند تر ہے جہاں کسی کا ادراک وعلم پہنچتا جائیگا اس سے آگے ہے۔ کوئی بھی اسکے وقوع سے باخبر نہیں ہو سکتا۔

رَدّ وہابیہ دیوبندیہ : قال بعضہم ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وان کان عالما بوقوعہا ولکن لم یکن عالما بکمال کیفیاتہا ویحتمل ان یقال لہ علیہ السلام اسماعا لغیرہٖ ص۱۳۱ ج ۱۔ بعض نے فرمایا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگرچہ اسکے وقوع کے عالم تھے لیکن اس کے کمال کیفیت سے آگاہ نہ تھے ہاں یہ احتمال بھی ہے کہ حضور علیہ السلام کو لوگوں کو سنانے کے لئے ایسا فرمایا گیا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اَلْحَاقَۃُ میں تجلی احدی اطلاقی مرآۃ واحدیہ میں جو سب کو فنا کرنے والی ہے کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ فرمایا "اَلْمُلْکُ الْیَوْمَ لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَہَّارِ" آج کس کا دن ہے اللہ واحد قہار کا ہے۔ وہ قہار جو سطوات انوار احدیہ کے قہر سے جمیع ظلمات تعینات کو فنا کرتا ہے جو اطلاق ذات مطلقہ کے ساترہ ہیں اور اسے الحاقہ اس لئے کہا گیا کہ وہ فی ذاتہٖ اور تحقق فی نفسہٖ کے لحاظ سے ثابت ہے

تفسیرِ عالمانہ ④ کَذَّبَتْ ثَمُوْدُ ثمود نے جھٹلایا یعنی صالح علیہ السلام کی قوم نے۔ ثمود ثمد وہ تھوڑا پانی جس کا مادہ نہ ہو۔ وَعَادٌ اور عاد نے یعنی ہود علیہ السلام کی قوم یہ بھی ایک قبیلہ ہے اسے غیر منصرف پڑھنا بھی جائز ہے (القاموس) بِالْقَارِعَةِ کھٹکانے والی کو۔ یہ بھی قیامت کے اسماء سے ہے کیونکہ وہ لوگوں کے کان کھٹکاتی ہے یعنی گوناگوں گھبراہٹوں اور ہولناکیوں میں میں انہیں مبتلا کریگی گویا وہ یہی گھبراہٹیں پہونچائے گی اسی معنی پر گویا وہ انہیں کھٹکا رہی ہے ایسے ہی آسمانوں کو انشقاق (پھٹنا) و انفطار (چرنا) سے اور زمین اور پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کرنے سے اور ستاروں کو بے نور اور گدلا کرنے سے۔

فائدہ: الحاقہ کے بعد ضمیر کے بجائے القارعۃ لایا گیا تاکہ اشارہ ہو کہ اس میں بھی قرع کا معنیٰ ہے اور اس سے اس کی وصف میں شدۃ پیدا ہوگی کیونکہ جو وصفی معنی قارعہ میں ہے وہ حاقہ میں نہیں۔

حل لغات: اہل عرب کہتے ہیں "اصابتہم قوارع الدہر" ان پر زمانہ کے شدائد و اہوال (ہولناکیاں) پہنچیں۔

فائدہ: بعض کہتے ہیں القوارع قرآن مجید کی وہ آیات ہیں جنہیں موذی انس یا جن کے ڈرانے یا ان سے گھبراہٹ کے وقت پڑھی جاتی ہیں جیسے آیۃ الکرسی وغیرہ ان آیات میں جلال الٰہی کے ذکر سے موذیوں کے دل دہلانا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و حمایت سے استمداد مطلوب ہوتا ہے۔

فائدہ: آیت میں اہل مکہ کو انکی بعث و حشر کی تکذیب کی عاقبت (بدانجامی) سے ڈرانا ہے۔

فَاَمَّا ثَمُوْدُ بہرحال ثمود، وہ عربی تھے ان کے گھر حجر میں شام و حجاز کے درمیان میں تھے جنہیں شام کے حجاج مکہ شریف کے آتے جاتے دیکھتے تھے ⑤ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ تو ہلاک ہوگئے حد سے گزری ہوئی چنگھاڑ سے یعنی اللہ نے انہیں انکی تکذیب کی وجہ سے ہلاک اور تباہ کیا۔

نکتہ: فعل تو خبر دی لیکن فاعل کی نہیں اسلئے کہ فعل کی خبر مراد ہے نہ کہ فاعل کی وہ تو سب کو معلوم ہے طاغیہ وہ آواز جو حد سے گذر جائے یعنی شدت پر تمام آوازوں پر بڑھ جائے جس سے زمین کانپ اٹھے اور دل دہل جائیں اور اس سے زلزلہ پیدا ہو جائے۔ اس سے وہ تعارض اٹھ گیا جو کہا جاتا ہے کہ ایک ہی واقعہ ہے لیکن ایک آیت میں الرجفۃ ہے تو دوسری میں الصیحۃ ہے اور اس میں طاغیہ تو اوپر ہم نے طاغیہ کا مطلب بتایا تو اہل فہم نے سمجھ لیا کہ الفاظ مختلف ہیں لیکن معنیٰ سب کا ایک ہے۔

تفسیرِ صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ ظاہر علم والے علوم حقیقیہ سے محجوب ہیں کیونکہ ان کا تھوڑا ہے جیسے قوم ثمود کا پانی تھوڑا تھا جب انہوں نے باطن کے اہل علم کے

طریق سلوک کی وجہ سے فنا فی اللہ ہونے کا انکار کیا تو اللہ نے انہیں نار بُعد و حجاب کی آگ کی کڑک سے ہلاک کر دیا اب ان کے لئے باطنی علوم کے لئے کسی قسم کی صلاحیت نہیں اگرچہ انہیں علم ظاہر کا کچھ حاصل ہے اس لئے کہ انہوں نے کسی بھی صالح حقیقی (ولی کامل) کا دامن نہ پکڑا اسی لئے وہ فسادِ نفس میں رہے۔

وَاَمَّا عَادٌ اور بہرحال عاد۔ ان کے گھر احقاف میں تھے وہ ٹیلے جو عمان (یمن) کے درمیان حضرموت تک پھیلے ہوئے ہیں (گویا وہ تھل کے باشی تھے) وہ عربی تھے جسمانیت کے لحاظ موٹے اور قد آور تھے ان کے بڑے قد والے سو ہاتھ اور چھوٹے قد والے ساٹھ ہاتھ کے تھے اور اوسط ان کے درمیان میں تھے۔ الکاسر قبہ کی طرح تھا ان کی آنکھوں سے گھبراہٹ محسوس ہوتی اور ان کے ناک کے نتھنے درندوں جیسے تھے

نکتہ : ان کا ذکر ثمود کے بعد ہے حالانکہ یہ ان سے پہلے گذرے ہیں اشارہ ہے کہ گمراہ شدید سے زیادہ اور شدید تر گمراہ کی طرف ترقی ہے۔

فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ تو وہ ہلاک کئے گئے ہوا (دبور پچھوائی ہوا سے)

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میں صبا سے مدد کیا گیا اور عاد دبور سے ہلاک ہوئی۔ **صَرْصَرٍ** نہایت سخت گرجتی ہوئی (وہ آندھی جو سخت آواز والی جسکے چلنے میں گرج وغیرہ ہو دراصل باز و چرغ وغیرہ کی آواز کو کہا جاتا ہے یا سخت سرد جس کی سردی انگوریوں اور کھیتیوں کو جلا دے کیونکہ اَلصِّرّ بالکسر بمعنی سخت سردی **عَاتِيَةٍ** ہوا کا چلتے وقت حد سے بڑھ جانا گویا وہ اپنے مرکز سے نکل گئی جسے اب قابو نہیں کیا جا سکتا۔

فائدہ : ہوائیں حضرت میکائیل علیہ السلام کے تابع ہیں اس کی اجازت کے بغیر نہیں چل سکتیں اور بند ہوتی نہیں ان کے قلم سے ان کے بھی اعوان ہیں حضرت ملک الموت علیہ السلام کی طرح۔

فائدہ : مروی ہے کہ ہوا (مخزن) سے اتنا مقدار میں خارج ہوتی ہے جتنا دنیا والوں کو ضرورت ہو لیکن جب اللہ تعالیٰ کا قوم عاد پر غضب بڑھا تو مخزن سے بے قابو ہوا نکالی گئی اسی لئے اسے عاتیہ کہا گیا یا وہ عاتیہ تھی قوم عاد پر جیسے وہ اپنے کسی حیلہ سے بھی رد نہ کر سکے گھروں میں چھپنے سے اور نہ پہاڑوں سے پناہ لینے سے یا گڑھوں میں چھپ جانے سے کیونکہ وہ جہاں ہوتے ہوا انہیں باہر نکال کر ہلاک کر دیتی۔ **سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ** اسے ان پر قوت سے لگا دی۔

حل لغات اَلتَّسْخِير بمعنی کسی شئ کو خاص غرض کے لئے قہراً چلانا اور مسخر وہ جو فعل پر قبضہ رکھتا ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ نے اس ہوا موصوف کو اپنی قدرت قاہرہ سے جیسے چاہا قوم عاد پر مسلط کر دیا ظاہر یہ ہے کہ یہ دوسری صفت ہے بعض نے کہا یہ جملہ مستأنفہ ہے

اس وہم کے دفع کے لئے ہے کہ ہوا تو اتصالات فلکیہ سے ہے یہ بھی ہو تو ہمارے عقیدہ کے خلاف نہیں کیونکہ یہ بھی اسی کے سبب بنانے اور مقدر کرنے سے ہے تو پھر یہ اللہ تعالیٰ کی تسخیر سے خارج نہ ہوئی۔ سَبعَ لیَالٍ سات راتیں۔ منصوب علی الظرفیہ ہے سَخَّرَہا کے متعلق ہے۔ عدد (سبع) مؤنث والا لایا گیا ہے کہ لیالی لیلۃ کی جمع ہے اور وہ مؤنث ہے اور اسی لئے اپنے مفرد موصوف کے تابع ہو کر آتی ہے۔ لیل ولیلۃ کہہ سکتے ہیں لیکن یوم ویومۃ نہیں کہا جاتا اور نہ ہی نہار ونہارہ کہا جاتا ہے۔ لیلۃ کی جمع لیالی آتی ہے ساتھ زیادت تا کے یہ خلاف قیاس ہے اعلال سے بحالت تنکیر یار گرجاتی ہے جیسے اہالی واہال اہل کی جمع ہیں سوائے حالت نصب کے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا سِیرُوْا فِیہَا لَیَالِیَ وَاَیَّامًا اٰمِنِین۔ چلو اس میں راتوں اور دنوں میں امن والے ہو کر۔ اور لیالی غیر منصرف ہے اور اس پر فتح خفیف ہے (بخلاف ضمہ وکسرہ کے کہ وہ ثقیل ہیں) وَثَمَانِیَۃَ اَیَّامٍ اور آٹھ دن (بدھ سے بدھ تک ماہ شوال میں موسم سرما میں) عدد مذکر کا لایا گیا یعنی ثمانیۃ اس لئے کہ یوم کی جمع ایام ہے اور وہ مذکر ہے۔ حُسُوْمًا لگاتار حاسم کی جمع ہے جیسے شہود شاہد کی اور وہ سخرہا کے مفعول سے حال ہے بمعنی حاسمات لگاتار۔ ریح صرصر کو جمع سے تعبیر کرنا اس کی کثرت کی وجہ سے ہے کہ اور ان آٹھ دنوں اور راتوں میں مسلسل اور زور سے چلتی رہی۔ بعض نے کہا کہ یہ ماقبل کی صفت ہے۔

فائدہ: حضرت کاشفی رحمہ اللہ نے اس کا آٹھ دن اور راتیں مسلسل" ترجمہ لکھا۔ پہلے معنی پر حال ہے یعنی وہ ہوا مسلسل (لگاتار) چلتی رہی ان آٹھ دنوں اور راتوں میں ایک منٹ بھی نہ رکی یہاں تک کہ انہیں تباہ و برباد کر ڈالا یہ اس کے تسلسل کی تمثیل ہے جیسے داغنے والا جانور کسی بیماری کی جگہ پر داغتے وقت لگاتار داغتا ہے کہ ایک منٹ بھی اس میں وقفہ نہیں کرتا یہاں تک کہ داغ کو مکمل نہ کرلے اور خون منقطع نہ ہو جائے۔

حل لغات

تاج المصادر میں ہے الحسم بمعنی کاٹنا اور مسلسل (لگاتار) داغنا۔ یہ مقید کو مطلق میں استعمال کے قبیل سے ہے کیونکہ الحسم بمعنی داغ کا تسلسل ہے یا وہ نحوستیں جو ہر بھلائی کو کاٹ دیں اور انہیں جڑ سے اکھیڑ دیں یا اس کا معنی ہے وہ کاٹنے والے تھے کہ ان کی جڑ کاٹ ڈالی۔ خلاصہ یہ کہ ان ہواؤں کی تین حیثیات تھیں۔

۱۔ لگاتار چلیں
۲۔ ہر خیر و بھلائی کی جڑ کاٹی اور تمام برکتیں جو ان بستیوں میں تھیں مٹا ڈالیں۔

۳۔ ان لوگوں کا نام و نشان ختم کر ڈالا۔

فائدہ : انہیں حسوم کہنا یا تو اس لئے کہ حاسمات (جڑ سے کاٹنے والی تھیں) یا اس داغنے والے سے تشبیہ ہے جو بیماری کی جگہ پر تسلسل سے داغتا ہے یا اس لئے کہ حسم لغت میں بمعنی القطع (الاستعمال) ہے اسی لئے تلوار کو حسام کہا جاتا کہ وہ دشمن کو اس ارادہ سے کاٹ کے رکھ دیتا ہے جو وہ اپنے دشمن کیلئے رکھتا ہے۔

بدھ کی تحقیق : عذاب کے دنوں سردی کے ایام تھے شوال ۲۲ (بائیسویں) کی صبح بدھ کے دن سے یہ ہوا شروع ہوئی۔ بعض نے کہا وہ ماہ صفر آخری ہفتہ تھا جس کا ہوا کا اختتام کا آخری بدھ تھا۔

فائدہ : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مرفوعًا فرمایا کہ ہر ماہ کے آخری بدھ میں ہمیشہ نحوست ہوتی ہے۔

فائدہ : عجوز (بڑھیا) اس لئے عجوز کہا جاتا ہے کہ ایک بڑھیا عاد کی قوم گھر کے اندر کے گڑھے میں چھپی رہی یہاں تک اسے ہوا نے آٹھویں دن باہر نکال پھینک کر ہلاک و تباہ کیا۔ بعض نے کہا یہ ایام العجز تھے یعنی سردی کے آخری ایام جن میں سردی اور سخت ہوائیں چلتی ہیں جس نے پہلے معنی پر نظر کی تو کہا "برد العجوز" جس نے دوسرے معنی پر نظر کی تو کہا "برد العجز"۔

حکایت روضۃ الاخبار میں ہے کہ بڑھیا کو نکاح کا خیال ہوا اسکے سات بیٹے تھے بیٹوں کو کہا کہ میرا نکاح کسی سے کرو انہوں نے کہا سردی میں ہر رات ننگی گذارو ہم سات ہیں تو سات راتیں، ایسے کرو چنانچہ اس نے ہر رات ننگے گذارنی شروع کر دی ساتویں رات مر گئی۔ اسی لئے انہی ایام کو ایام العجوز کہا جاتا ہے ان ایام کا نام ایام الصن (بالکسر) ہے یعنی ایام العجوز کا پہلا دن (القاموس) الصنبر بمعنی ٹھنڈی ہوا یعنی ایام العجوز کا دوسرا دن (القاموس) الوبر تیسرا دن المعلل بمجہول محدث چوتھا دن مطفئ الجمر پانچواں دن یا چوتھا (القاموس) بعض نے کہا مطفئ الظعن کجاووں کو ہٹانے والا الظعن ظعنیہ کی جمع بمعنی الہودج یعنی کجاوہ اسمیں مرد ہو یا عورت۔ الآمر والمؤتمر القاموس میں ہے کہ یہ ایام العجوز کا آخری دن ہے۔ شاعر نے کہا ہے

کسع الشتاء بسبعة غبر، ایام شہلتنا من الشہر
فاذا انقضت ایام شہلتنا، بالصن والصنبر والوبر
وبآمر واخیہ مؤتمر، ومعلل وبمطفئ الجمر!
ذہب الشتاء مولیا ہربا، واتتک موقدة من الحر

ترجمہ : دھکیلا موسم سرما نے سات غباروں سے ہمارے رونق کے ایام مہینوں کے جب ہماری رونق کے ایام ، صنؒ ، صنبرؒ ، وبرؒ ، امرؒ و مؤتمرؒ ، معللؒ و مطفیٔ الجمرؒ سے ختم ہوئی تو موسم سرما بھاگی پیٹھ کر اور آگئی گرمی روشن کرنے والی موسم۔

نکتہ : الکواشی میں ہے کہ آٹھویں دن کا نام نہیں اس لئے کہ وہ انکی ہلاکت وہلاک کرنے کا تھا اور عین المعانی میں ہے آٹھویں کا نام مکفی الظعن ہے پھر الکواشی میں لکھا کہ ان کو ایام العجوز رکھنے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ان پر جو عذاب اترا اسے دفع کرنے سے وہ عاجز تھے اسی لئے آٹھویں دن کا نام نہ رکھا گیا کہ ہلاکت کی وجہ سے وہ اس کا نام نہ رکھ سکے۔

فائدہ : پہلے دن کا نام نہ رکھا گیا کیونکہ عذاب کا ابتداء دن کو ہوا اور وہ رات چونکہ پہلے گزر گئی اور ایام کے نام رکھنا رات کے تابع ہوتے ہیں۔ اس تقریر الظعن دوسرے دن کا نام ہے جو وہ آٹھ دن عذاب کے تھے جن کی راتیں بھی شامل ہیں۔

تفسیر صوفیانہ صاحب روح البیان قدس سرہ

فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے ، دنوں کی گنتی (سات) میں اشارہ ہے کہ ایام دنیا انسان کے لئے بہ نسبت یوم آخرت کے سات دن ہیں۔ آٹھویں قیامت قائم ہو جائے گی۔ پھر ہلاکت ہی ہلاکت تباہی ہی تباہی اور سات راتوں میں بشریت کا راتوں کی طرف اشارہ ہے جو کہ وہ سات صفاتِ الٰہیہ کو چھپانے والی ہیں اور سات صفات الٰہیہ یہ ہیں۔ (۱) حیات (۲) علم (۳) ارادہ (۴) قدرۃ (۵) سمع (۶) بصر (۷) کلام۔

اور ایام میں ان ایام کی طرف اشارہ ہے جو صفات ثمانیہ طبعیہ کی کاشف ہیں وہ آٹھ ہیں (۱) غضب (۲) شہوت (۳) حقد (۴) حسد (۵) بخل (۶) جبن (۷) عجب (۸) نفسانی خواہشات کا حرص یہ وہ صفات ہیں امورِ حق اور اس کے احکام خیرات ، مبرات (احسان اور نیکی کے جملہ امور) کو منقطع کرتی ہیں یعنی ہر خیر و برّ کی قاطع ہیں۔

تفسیر صوفیانہ ۲

حضرت قاشانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ عاد یعنی وہ غالی جو حدود شرائع سے تجاوز کرنے والے زندقہ اور اباحۃ فی التوحید سے یہی لوگ خواہش نفسانی بارد سے ہلاک ہوئے جمود طبیعت وعدم حرارۃ الشوق والعشق سے جو ان پر سخت غالب تھیں جو انہیں ہلاکت کی وادیوں میں لے ڈوبیں۔ ان پر اللہ تعالٰی نے مسلط کر دیا غیوب سبعہ کے شک کی جگہوں میں جو یہی ان کی راتیں ہیں ان سے محجوب کی وجہ سے اور صفات ثمانیہ ظاہرہ ان کے لئے ایام کی طرح ہیں وہ صفات ثمانیہ یہ ہیں

وجود، حیات، علم، ارادہ، قدرت، سمع، بصر، تکلم۔ یہی صفات ظاہری اور باطنی ان سے سب کی جڑ کٹ گئی۔

تفسیر عالمانہ

فَتَرَى اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم دیکھتے ہو یا وہ شخص جس کی شان ہے جو آنکھوں سے انہیں دیکھتا اگر اسوقت موجود ہوتا۔ الْقَوْمَ قوم کو عاد کی قوم۔ الف لام عہد کا ہے یعنی اس قوم کو دیکھتا اگر تو اس وقت موجود ہوتا۔ فِيهَا ان تیز ہوا کے چلنے کی جگہوں میں یا ان دنوں اور راتوں میں اس کو ابو حیان نے قرب اور صراحۃً ذکر کی وجہ سے ترجیح دی ہے۔ صَرْعَىٰ پچھڑے ہوئے مردے۔ صریع کی جمع ہے قتلیٰ قتیل کی طرح القوم سے حال ہے کیونکہ یہاں رؤیۃ بصریہ ہے الصریع بمعنی المصروع ہے یعنی زمین پچھڑے ہوئے گرے پڑے اس لئے الصرع بمعنی الطرح ہے کیونکہ وہ مرنے کے بعد پچھڑے پڑے تھے۔ كَأَنَّهُمْ گویا وہ اجسام کی عظمت کی وجہ سے أَعْجَازُ نَخْلٍ کھجور کے ڈھنڈ ہیں۔ کاف محلاً منصوب حال ہے القوم سے اس کے مذہب پر جو ایک ذوالحال سے دو حال کا آنا جائز سمجھتا ہے یا صرعیٰ میں منوی سے حال ہے اس مذہب پر جو ایک ذوالحال سے دو حال کا آنا جائز نہیں سمجھتا یعنی درانحالیکہ وہ پچھڑے ہوئے کھجوروں کے ڈھنڈ کی طرح ہیں۔ (القاموس، العجز مثلثۃ، وکندس وکتف شی کا پچھلا حصہ یہاں کھجور کے ڈھنڈ مراد ہیں۔ النخل اسم جنس ہے لفظاً اور معنیً جمع ہے اس کا واحد نخلۃ آتا ہے۔ خَاوِيَةٍ گرے ہوئے۔

حل لغات

الخوی بمعنی الخلاء کہا جاتا ہے۔ خوی بطنہ من الطعام اس کا پیٹ طعام سے خالی ہے۔ خوی بمعنی خلاء۔ اب معنی یہ ہوا کہ ان کے پیٹ گویا کھائے جا چکے ہیں اس لئے کہ وہ اندر سے خالی ہیں ان میں کوئی شئے نہیں مطلب یہ کہ وہ زمین پر مردے پڑے تھے قد کے لمبے اور جسم کے موٹے تھے اسی لئے گویا وہ کھجور کے ڈھنڈ ہیں جن کو ٹہنیوں سے خالی کر کے زمین پر گرا یا جائے۔ اور ان کے اجسام کو کھجور کے ڈھنڈ سے تشبیہ کی وجہ یہی ہے کہ ان کی ارواح اجسام سے نکل چکی تھیں تو ایسے معلوم ہوتے تھے کہ وہ کھجور کے ڈھنڈ ہیں جن سے ٹہنیاں کاٹ لی گئی ہیں اور انہیں جڑ سے کاٹ کر زمین پر گرا یا گیا ہے۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ ہوا ان کے مونہوں سے داخل ہو کر ان کی دبروں سے نکل رہی تھی اس لحاظ سے وہ کھجور کے ڈھنڈ کی طرح بتلائے گئے۔

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ وہ عظیم الخلقت اور ضخیم الجثہ تھے اور اس پر انہیں ناز بھی تھا۔ تبھی تو کہتے تھے مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ہم سے بڑھ کر سخت تر قوت والا اور کون ہوگا۔ اللہ نے انہیں سخت تر آندھی سے مار گرایا اسی لئے وہ ان کھجوروں سے تشبیہ دیئے گئے جو اوپر مذکور ہوئیں۔

تفسیر صوفیانہ

اس میں اشارہ ہے کہ نفس پرست حقیقی مردے بے جان ہیں ان میں جان حقیقی نہیں رہی کیونکہ وہ نفس کے ساتھ قائم ہیں نہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ جیساکہ ایسوں کے لئے دوسرے مقام پہ فرمایا کَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ گویا وہ لکڑیاں ہیں دیوار سے ٹکائی ہوئی۔

اور یہاں فرمایا "کانہم اعجاز نخل" گویا وہ کھجور کے ڈھنڈ ہیں یعنی بظاہر قوت والے ہیں لیکن ان میں معنے نہ حیات وہ درجۂ اعتبار اور وجود حقیقی سے گر چکے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ سے قائم نہیں۔ نیز اس میں اشارہ ہے کہ نفس اور اس کی صفات خالی پیٹ ہیں انہیں بقار نصیب نہیں کیونکہ بقار فیض الروح سے ہوتی ہے۔ یعنی وہ جس پر روح کی رطوبت ٹپکے وہ زندہ ہے باذن اللہ اور وہی صفات الٰہیہ سے قابلیت کی صلاحیت رکھتا ہے ورنہ مردہ اور فاسد ہے۔

تفسیر عالمانہ

فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ تو کیا تم ان میں سے کسی کو بچا ہوا دیکھتے ہو۔

استفہام انکار رؤیت کے لئے ہے۔ الباقیۃ بقیہ کی طرح اسم ہے وصف نہیں۔ تار نقل اسمیہ اور من زائدہ ہے۔ باقیہ ترٰی کا مفعول ہے۔ یعنی اب تم ان میں کوئی چھوٹا یا بڑا نہ ان کا کوئی مرد یا عورت نہ دیکھوگے سوائے اہل ایمان کے۔

فائدہ: باقیۃ صفت بھی ہو سکتی ہے اس وقت اس کا موصوف محذوف ہوگا یعنی نفس باقیۃ یا مصدر ہے بمعنی بقار جیسے کاذبہ وطاغیہ مصدر ہیں۔ البقار بمعنی شئی کا پہلی حالت پہ باقی ہونا، فنار کی نقیض ہے۔

مقرر است کہ بودند بر زمانہ بسے
شہان تخت نشین خسروان شاہ نشان
چو ما صفات قضا از مہب قہر وزید
شدند خاک وازاں خاک نیز نیست نشان

ترجمہ: یہ یقینی ہے کہ زمانہ میں بہت سے بادشہ تخت نشین خسرو شاہی کی نشان والے تھے جب قضار کی آندھی قہر کی جگہ سے چلی تو وہ سب خاک ہوگئے کہ اب ان کی خاک کا بھی نشان نہیں۔

سبق: عقل مند پر لازم ہے کہ وہ جدوجہد کرے تاکہ وہ دنیا میں ثانی زندگی بسر کر سکے یعنی اس کی نیک نامی دنیا میں مذکور ہو جیساکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعار کی۔ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ اور مجھے پچھلے لوگوں میں سچی زبان بنا۔ علاوہ ازیں حقیقی زندگی وہی ہے جو تجلّیٔ الٰہی و فیض تامّ کلی سے نصیب ہو ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہم پر اپنے فیض وجود کے ڈول سے فیضیاب فرمائے بحرمتہ اسمائہ وصفاتہ ووجوب وجودہ (آمین)

تفسیر عالمانہ

⑨ وَجَاءَ فِرْعَوْنُ اور لایا فرعون، موسیٰ علیہ السلام کا ہمزمان فرعون۔ اسکی تخصیص اس لئے کہ وہ بلند قد سخت متکبر تھا وَمَنْ قَبْلَهٗ اور جو اس سے پہلے کافر گذرے عاد و ثمود کے سوا۔ یہ تعمیم بعد التخصیص کے قبیل سے ہے اور مَنْ موصولہ ہے۔ اور قبل بعد کی نقیض ہے۔ ابو عمرو اور یعقوب اور کسائی نے قِبَلَهٗ کو بکسر القاف وفتح البا۔ پڑھا ہے بمعنی وَمَنْ مَّعَهٗ یعنی اور وہ جو فرعون کے ساتھی قبطی مصر والے۔ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ اور الٹے والی بستیاں بمعنی قوم لوط یعنی بستیوں والے کیونکہ اس کا عطف ماقبل پر یعنی فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ پر ہے

حل لغات

کہا جاتا ہے "اَفَكَهٗ عَنِ الشَّیْءِ" اسے کسی شئے سے اٹھایا۔ اِئْتَفَكَتِ الْبَلْدَةُ بِاَهْلِهَا شہر نے اپنے بسنے والوں کو الٹ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کی بستیوں کو الٹ دیا تھا اور زمین میں الٹ کر دھنس گئے۔ اور یہ پانچ بستیاں تھیں۔ (۱) صعبہ (۲) صعدہ (۳) عمرہ (۴) دوما (۵) سدوم یہ باقی تمام بستیوں سے بڑی تھیں یہ بھی بعد تخصیص بعد التعمیم کے قبیل سے ہے کیونکہ قوم لوط ایسا گندے عمل کے مرتکب ہوئی جو ان سے پہلے اس جیسا فعل کسی نے نہیں کیا تھا۔ بِالْخَاطِئَةِ خطا کو بار ملابست وتعدیہ کی ہے وہی ظاہر تر ہے۔ خاطئہ بمعنی خطأ یا غفلت یا وہ افعال جو بڑے خطا والے تھے منجملہ ان کے بعث وقیامت کی تکذیب۔ پہلی تقریر خاطئہ مصدر ہے عاقبۃ کی طرح، دوسری دو تقریر دل پر محذوف موصوف کی صفت ہے تجرید کے قاعدہ پر یہ صیغہ نسبت کے لئے ہے اور ظاہر تر ہے کہ یہ مجاز عقلی ہے۔ شعر شاعر کی طرح۔

تفسیر عالمانہ

⑩ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ تو انہوں نے اپنے رب کے رسولوں کا حکم نہ مانا یعنی ہر ایک امت اپنے رسول علیہ السلام کے بے فرمان ہوئے ان احکام کے جن سے انہوں نے روکا اور جن قبائح کا ارتکاب کرتے تھے۔

فائدہ : رَسُوْل یہاں بمعنی جمع ہے کیونکہ فعول وفعیل دونوں مذکر و مؤنث اور واحد و جمع کے لئے یکساں ہیں یہاں جمع جمع کے بالمقابل ہے جو احاد علی الاحاد کے انقسام کی مقتضی ہے اور اضافت عہدی نہیں جنسی ہے۔ فَاَخَذَهُمْ تو انہیں اللہ نے عذاب سے پکڑا یعنی ان میں سے ہر قوم دکفار کو۔ اَخْذَةً رَّابِيَةً بڑھی چڑھی گرفت سے شدت میں تمام کفار کی عقوبات سے بڑھ کر یا اس اندازہ سے بڑھکر جو لوگوں میں معروف ہے جبکہ قبح میں ان کے گناہ دوسرے کافروں کی بہ نسبت زائد تھے تو جس قوم نے نوح علیہ السلام کی تکذیب کی انہیں پانی میں غرق کیا اس وقت روئے زمین پر صرف وہی تھے باقی وہی بچ گئے جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے اور قوم لوط کے شہروں کو جڑ سے اکھیڑ کر آسمان کی طرف ہوا کے

ذریعہ اسکے حکم سے لے جاکر فرشتہ نے زمین پر دے مارا پھر اوپر سے پتھر برسائے پھر زمین میں دھنس گئے اور زمین کے اندر انہیں ایسے گندے پانی میں ڈبویا جس کی بدبو زمین پر کسی بدبو کے مشابہ نہ تھی اور فرعون اور اس کے لشکر کو بحر القلزم یا دریائے نیل میں غرق کیا اس طرح ہر بے فرمان قوم کو ان کے قبیح اعمال کے مطابق عذاب ہوا اور وہ پوری پوری سزا پا گئے۔

فائدہ : اس میں قوم قریش کو ڈرانا مطلوب ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب نہ کریں اور اس میں عقل والوں کے لئے عبرت بھی ہے۔

حل لغات

اہل عرب کہتے ہیں "رَبَا الشَّیُٔ یَرْبُوْ" یہ اس وقت بولتے ہیں جب شئے بڑھ جائے اسی سے ربوٰ شرعی ہے یعنی وہ زائد (پیسہ) جو سود خوار اصل مال کے سوا لیتے ہیں۔

⑪ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ بے شک جب پانی نے سر اٹھایا۔ اس الماء سے معہود پانی طوفان والا مراد ہے یعنی جب وہ پانی اپنی معتاد (عادت) حالت سے بڑھا یہاں تک کہ ہر شئ کو پانچسو ہاتھ اوپر ہوگیا۔ بعض نے کہا کہ دنیا کے سب سے بڑے پہاڑ سے پندرہ ہاتھ اوپر ہوگیا تھا یا معروف معاملہ کی حد سے بڑھا کہ پانی کا گھاٹ ملائکہ کے قابو میں نہ رہا اور یہ پانی کا سر اٹھانا اور حد سے متجاوز ہونا قوم نوح کے گناہوں پر اصرار کی وجہ سے تھا کہ گوناگوں کفر ومعاصی میں مبتلا تھے اور نوح علیہ السلام کی تکذیب میں مبالغہ کرتے تھے جو احکام ان پر وحی ہوتے انکا مذاق اڑاتے منجملہ ان کے احوال قیامت بھی تھا۔ اللہ نے ان سے یوں بدلہ لیا کہ طوفان کے پانی میں غرق کر دیا۔ حَمَلْنٰكُمْ اے لوگو ہم نے تمہیں سوار کیا تمہارے آباؤ اجداد کو اور تم ان کی صلبوں میں تھے گویا تم اپنے اجسام سے سوار کئے گئے۔ اس میں تنبیہ ہے کہ کشتی پہ سوار کرنا اس کا بڑا احسان ہے اس لئے کہ ان کے آباؤ اجداد کی نجات انکی ولادت کا سبب ہے۔ فِی الْجَارِیَةِ کشتی میں یعنی سفینۂ نوح میں اس لئے کہ اس کی شان تھی پانی پر چلنا اور حمل سے مراد طوفان نوح تک انہیں پانی کے اوپر محفوظ رکھنا نہ صرف کشتی میں سوار کرنا مراد ہے جیسا کہ لفظ فی سے معلوم ہوتا ہے وہ حمل کا صلہ نہیں بلکہ وہ محذوف کے متعلق ہے اور وہ اس کے مفعول سے حال ہے اب عبارت یوں ہوئی ہم نے پانی کے اوپر اٹھا کر تمہاری حفاظت کی۔ درانحالیکہ تم ہمارے امر وحفاظت سے کشتی میں تھے نہ وہ غرق ہوئی اور نہ پھٹی۔

فائدہ : اس میں تنبیہ ہے کہ ان کی نجات کا دارو مدار محض عصمت الٰہی وحفاظت خداوندی سے تھا ورنہ کشتی تو صرف ظاہری سبب تھی۔ ⑫ لِنَجْعَلَهَا تاکہ ہم اسے بنائیں اسی فعل کو یعنی مومنوں کو نجات دینا اور کافروں کو "غرق کرنا" لَكُمْ تَذْكِرَةً تمہارے لئے یادگار (عبرت) اور صانع کی کمال قدرت وحکمت

اور اس کے قہر کی قوت اور اس کی رحمت کی وسعت ۔ ہا کی ضمیر فعلۃ اور قصۃ کی طرف راجع ہے جس پر آیت تَعِیَہَا دلالت کرتی ہے ۔

فائدہ: حضرت کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تاکہ ہم کشتی کو تمہارے لیئے نصیحت و عبرت بنائیں کہ اس میں مؤمنوں کو نجات نصیب ہوئی اور کافر غرق ہوئے ۔ اور کشف الاسرار میں ہے تاکہ ہم اسے رہتی دنیا تک یادگار[1] بنائیں ۔

یادگار کی دلیل: امت مصطفویہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے اوائل میں لوگوں نے کشتی[2] نوح (علیہ السلام) کے تختے جودی پہاڑ پر دیکھے ۔ وَتَعِیَہَا اور اسے محفوظ رکھے یعنی نصیحت کو ۔

حل لغات

اَلْوَعْیُ علم کا محفوظ رکھنا ۔ کہا جاتا ہے "وعیت الشیَٔ فی نفسک" تونے اپنے میں شئے کو محفوظ کیا اور "وعیت ما قلتہٗ" جو تونے کہا میں نے اسے محفوظ کیا ۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا زندگی میں کوئی بھلائی سوائے عالم ناطق (بولنے والا) اور سامع محفوظ کرنے والے کے ہیں ۔ اَلْاِیْعَاءُ بمعنی محفوظ کرنا اپنے غیر مثلاً برتن وغیرہ میں جیسے "اوعیت المتاع فی الوعاء" میں نے اُسے برتن میں محفوظ کرلیا ۔ حضور نبی علیہ السلام نے بی بی اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا کو فرمایا کسی شئی کو محفوظ کرکے نہ رکھ اللہ تجھ سے محفوظ کرلے گا جہاں تک ہوسکے مال کو خرچ کر ۔ شاعر نے کہا ؎

الخیر یبقی وان طال الزمان بہٖ !
والشر اخبث ما اوعیت من زاد

ترجمہ: خیر و بھلائی باقی رہیگی اگرچہ کتنا ہی عرصہ گزرے اور شر خبیث ترین ہے وہ جو تو زاد و اسباب کو چھپا کے محفوظ کر رہا ہے ۔

اُذُنٌ وَّاعِیَۃٌ کان محفوظ رکھنے والا یعنی کان کی شان ہے کہ وہ محفوظ رکھے اسے جس کی حفاظت اس پر واجب ہے جو بھی سنے اور اس میں غور و فکر کرے اور اسے ضائع نہ کرے ترک عمل سے ۔ بعض نے کہا کہ الوعیٰ قلب کا فعل ہے لیکن کان کا کام ہے کہ وہ قلب حفاظت کرنے والے تک پہنچائے اسی لیئے وہ صفت جو قلب کی ہے اس سے کان کو موصوف کیا گیا ہے ۔

---

[1] بڑھیا کا بیڑا ابھی تاحال بغداد کے نواح میں موجود ہے ۔ دونوں کو ہم صحیح سمجھتے ہیں کیونکہ کشتی نوح ایک پیغمبر علیہ السلام کا معجزہ ہے بڑھیا کا بیڑا ایک ولیٔ کامل کی کرامت تو اللہ نے جس طرح معجزہ کی علامت کو عبرت کے لیئے باقی رکھا اور اسکی حفاظت فرمائی ایسے ہی کرامت محبوب سبحانی نشانی کے طور پر باقی رکھی تاکہ اہلِ اسلام کی تائید و منکرین کے لئے تازیانۂ عبرت ہو ۔ اویسی غفرلہٗ

[2] یہی [illegible] اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے اختیار فرمایا ۱۲ ۔ اویسی غفرلہٗ

دگر نیستی سمی جاسوس کوشش   خبر کے رسیدی بسلطان ہوش

ترجمہ :۔ اگر تجھ سے سعی نہیں ہو سکتی تو جاسوس تلاش کر، اس کے سوا سلطان ہوش تک خبر کیسے پہنچ سکتی ہے۔

فائدہ : مذکر اور واحد (اذن) دیا گیا ہے۔ چاہیئے جمع الآذان الواعیہ ہوتا۔ تاکہ ان کی قلت پر دلیل ہو لیکن اسکی قلت کے باوجود اس کی شان یہ ہے کہ جم غفیر کی نجات کا سبب بنتا ہے بلکہ ان کی نسل کی مُداومت کا موجب ہے یعنی جس نے اس قصہ کو محفوظ کر لیا اور وہ صرف اس لئے کرے کہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں گے اس سے انہیں ایمان میں رغبت نصیب ہو گی اور بہت سے لوگ کفر سے بچ جائیں گے تو ایسی حفاظت نجات اور دونوں مذکورہ امور کی مداومت کا موجب ہے۔

فائدہ : کشاف میں ہے کہ صرف ایک کان جو اللہ تعالیٰ سے کچھ سنے اسے محفوظ کرلے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی سوادِ اعظم ہے اس کے ماسوا باقی تمام کا اس کے مقابلہ میں کوئی اعتبار نہ ہوگا اگرچہ مشرق و مغرب کے درمیان کو بھر دیں (یعنی ساری خدائی ایک طرف اور ایک بندۂ خدا (ولی کامل) ایک طرف اس کا مقابلہ نہیں ہو سکے گا وہ شان اور فضیلت میں ان سب سے بلند و بالا ہوگا۔ (اُویسی غفرلہٗ)

حدیث شریف، معجزۂ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وکرامت زوجِ بتول رضی اللہ عنہا!

فلاح پائی اُسنے جس کو اللہ نے حفاظت کرنے والا دل عطا فرمایا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اے علی (کرم اللہ وجہہ الکریم) میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی ہے کہ اللہ تجھے حفاظت والا کان عطا فرمائے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ **فما نسیتُ شیئاً بعد وما کان لی ان انسی اذ ھو الحافظ للاسرار الالٰھیّة** اس کے بعد میں کبھی نہیں بھولا اور نہ ہی میرے لائق ہے کہ میں بھولوں کیونکہ آپ اسرار الٰہیہ کے حافظ ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہٗ کی فضیلت : حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں فطرت پر پیدا ہوا ہوں اور میرے لئے ایمان و ہجرت نے سبقت کی اور ایک روایت میں ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے کان پکڑ کر مذکورہ بالا الفاظ فرمائے یعنی "سالت اللہ ان یجعلھا اذنک یا علی" اے علی تجھے اللہ وہی کان عطا فرمائے جو "تَعِیَہَا اُذُنٌ وَّاعِیَۃٌ" میں مذکور ہے۔

فائدہ : بعض نے فرمایا کہ ان سے وہ کان مراد ہیں جنہوں نے ازل میں اللہ تعالیٰ سے خطاب سنا۔ یہی وَاعِیَہ (حفاظت کرنے والا) ہے کہ حق تعالیٰ سے ہر خطاب کو محفوظ کرتا ہے۔

نسیان ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ کی بیخ کنی : سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے لوگوں نے پوچھا کہ بہ نسبت دوسروں کے آپ زیادہ حدیثیں بیان کرتے ہیں میں نے کہا کہ مہاجرین و انصار کو

کاروبار نے مشغول کر رکھا تھا میں ایک مسکین انسان تھا ہر وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے حضور میں حاضر رہتا اور قوت لایموت پر قناعت کرتا ۔ ایک دن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کون ہے کہ آج کپڑا بچھائے اور جو کچھ میں کہتا جاؤں اسوقت تک چادر بچھائے رکھے یہاں تک کہ میں بات ختم کروں جو ایسا کرے گا وہ آئندہ میری بات کو یاد رکھیگا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی کمبل (چادر) بچھادی یہانتک کہ آپ نے بات مکمل کرلی تو میں نے اسے اپنے سینہ سے لگالیا اس کے بعد میں حضور علیہ السلام کی کوئی حدیث نہیں بھولا ۔

فائدہ : اس میں اشارہ ہے کہ اچھی بات میں تاثیر اور اس کا فائدہ ہوتا ہے ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی دعا ہی کافی تھی (چادر میں باتوں کو جمع کر کے سینہ سے لگانے کا کیا فائدہ) جیسے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لئے کیا⑬ فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ پھر جب صور پھونک دیا جائے ایک دم۔ رَبط ، مکذبین کو ہلاک کرنے اور قیامت کی عظمت بیان کرنے کے بعد اب نفس قیامت اور اس کے وقوع کی کیفیت کا بیان شروع ہے ۔

حلِ لُغات

اَلنَّفْخُ پھونکنا ۔ اور صور ایک نور کا قرن (سینگ) ہے جو ساتوں آسمانوں سے وسیع تر ہے اس میں حضرت اسرافیل (علیہ السلام) بحکم الٰہی پھونک ماریں گے جس سے بہت بڑی آواز پیدا ہوگی جسے لوگ سن کر چیخ مار کر مر جائیں گے سوائے ان کے جنہیں اللہ تعالیٰ چاہے گا ۔

قاعدہ : مصدر مبہم صرف تاکید کا فائدہ ہوتا ہے اگرچہ وہ فاعل کے قائم مقام کھڑا نہیں ہو سکتا ضُرِبَ ضَرْبٌ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ وہ اپنے مدلول فعل پر زائد امر کا فائدہ نہیں ہو سکتا لیکن فعل کا اسناد آیت میں نَفْخَةٌ (مصدر) کی طرف حسن ہے کیونکہ یہ مصدر مبہم نہیں بلکہ مقید ہے وحدت و مرۃ سے اس لئے کہ اس سے اسرافیل علیہ السلام کا نفخ اوّلیٰ مراد ہے کہ اس وقت کوئی حیوان زندہ نہیں رہے گا اور تمام عالم تباہ و برباد ہو جائیگا ، جیسا کہ آنے والی دو آیتوں میں حمل اور دکّ ” دلالت کرتا ہے ۔

سوال : کشاف میں ہے کہ نفخ تو دو ہیں اللہ نے یہاں واحدۃ کیوں فرمایا ہے ۔

جواب : واحدۃ بایں معنی ہے کہ وہ نفخ ایک دفعہ ہی ہوگا ایسا نہیں کہ اسے بار بار نہیں پھونکا جائے گا ، یعنی ایک ہی نفخ سے امر عظیم حادث ہوگا ۔ اور اس کی عظمت بھی اسی لئے ہے کہ وقوع نفخ ایک بار ہوگا اسکی عظمت اس حیثیت سے نہیں کہ وہ نفخ ہے اسی لئے اسے واحدۃ سے موصوف کیا گیا ہے ۔

فائدہ : کشف الاسرار میں ہے کہ واحدۃ محض تاکید کے لئے ہے کیونکہ پھونک ہوتی ہی ایک بار ہے ۔ وَحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ اور زمین اور پہاڑ جڑ سے اکھیڑ دیئے جائیں گے یعنی محض قدرت الٰہیہ یا بتوسط

زلزلہ اور سخت آندھی کے زمین اور پہاڑ اپنی جگہوں سے ہٹالئے جائیں گے ۔

فائدہ : یاد رہے کہ آندھی کو زمین اور پہاڑوں کو اکھیڑنے کی قوت ہے جیسے قوم عاد کے وجود کی زمین اور اس کے اونٹوں جو پہاڑوں کی طرح تھے کو ان کے ہوادج دکجاووں اکو الٹا دیا تھا۔ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً تو ایک ہی دکت بمعنی ضربت ہے یعنی تمام زمینیں اور تمام پہاڑ باوجودیکہ بلند و بالا ہیں ایک دوسرے سے ٹکرا کر ایک بار کی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے ٹکڑوں کے تکرار کی ضرورت نہ ہوگی جب ایکدوسرے سے ٹکرائیں گے تو پہاڑ اور زمین ریت کے ٹیلوں اور اڑتی ہوئی غبار کی طرح ہو جائیں گے ۔ ورنہ عبارت کا تقاضا تھا کہ فَدُكِكْنَ دَكَّةً وَّاحِدَةً " ہونا چاہئے تھا لیکن چونکہ فعل کا اسناد "الارض والجبال" کیطرف ہے اور وہ دونوں علیحدہ ایک ایک جماعت ہیں اسی لئے صیغہ دُكَّتَا لایا گیا اور اس کی نظیر قرآن مجید میں دوسری جگہ پہ موجود ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا" بے شک آسمان و زمین ملے ہوئے تھے ۔ یہاں کُنَّ کہنا تھا لیکن کَانَتَا اسلئے کہا گیا ہے کہ اَلسَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ دو علیحدہ علیحدہ دو جماعتیں ہیں ۔

حل لغات

اَلدَّكُّ اَلدَّقُّ سے زیادہ بلیغ ہے ۔ الصحاح میں ہے الدک والدق وقد دکہ ضربہ وکسرہ؛ یعنی اسے ایسا زور سے مارا کہ اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے زمین کے برابر کر دیا ۔ از باب رَدَّ ینصر، المفردات میں ہے کہ الدک الارض یعنی زمین کو نرم کر کے ریت کی طرح برابر کرنا اور دُكَّتِ الْجِبَالُ یعنی پہاڑوں کو نرم زمین جیسا بنایا اور اسے برابر کر دیا ۔ دُكَّانٌ اسی سے مشتق ہے ۔ فَيَوْمَئِذٍ تو اسی وقت یہ بمعنی حِيْنَئِذٍ ہے اور "وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ" سے منصوب ہے ۔ واقع ہو جائے گی قیامت اَلْوَاقِعَةُ قیامت کے اسماء سے ایک ہے اور یہ نام اسپر بکثرت مستعمل ہوتا ہے اس کے وقوع کے تحقق کی وجہ سے اسے واقعہ کہا جاتا ہے اسی لئے اس کی طرف وَقَعَتْ فعل کا اسناد جائز ہے یعنی جب ایسا امر ہوگا تو قیامت واقع ہو جائے گی جس سے تمہیں ڈرایا جاتا ہے یا نازل ہوگا ایک عظیم نازل ہونے والا یعنی قیامت کی سخت آواز ۔ یہ فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ الخ کا جواب ہے اور يَوْمَئِذٍ اذ سے بدل ہے اسے طول کلام کی وجہ سے لایا گیا ہے ان دونوں کا عامل وَقَعَتْ ہے

وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ اور پھٹ جائے گا آسمان کناروں سے کے امر عظیم کے لئے نزول ملائکہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ارادہ پر ۔ جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا "يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا" اس وقت آسمان پھٹ جائیں گے بادل سے اور فرشتے نازل ہوں گے ۔ یا آسمان پھٹ جائیں گے اس یوم کی شدت کے سبب سے اس کا عطف وَقَعَتْ پر ہے ۔ فَهِيَ تو یہ آسمان يَوْمَئِذٍ اس دن وَاهِيَةٌ کمزور، ڈھیلے قوت ختم کرنے والے تاگے ٹوٹے ہوئے کی طرح جبکہ پہلے وہ سخت مضبوط تھے اگرچہ وہ اب بھی خرق و التیام کے قابل نہیں ۔

حل لغات

کہا جاتا ہے "وَهَى الْبِنَآءُ يَهِيْ" بنا کمزور ہو گئی۔ وَهيًا فَهُوَ وَاهٍ (بہت مذکور) القاموس میں ہے وَهَى يَهِيْ بِوَزْنِ وَعَى وَوَلِيَ تَخَرَّقَ، اِنْشَقَّ وَاسْتَرْخَى رِبَاطُهُ (اسکی رباط پھٹ گئی ڈھیل ہو گئی) المفردات میں ہے اَلْوَهْيُ ادیم میں اور کپڑے جیسوں کا پھٹنا۔ وَالْمَلَكُ مخلوق معروف یہ ملائکہ سے اسم ہے کہا جاتا ہے "مَا مِنْ مَلَكٍ اِلَّا هُوَ شَاهِدٌ" ہر ملک شاہد ہے یہ مامن ملائکہ سے اسم ہے۔ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا آسمانوں کے کناروں پر ہوں گے۔

حل لغات

اَرْجَآءٌ رَجًا (بالقصر) کی جمع ہے یہ جملہ حالیہ ہے اسے ماقبل پر عطف کا بھی احتمال ہے ایسے ہی مفسرین نے فرمایا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ فرشتوں کا مسکن آسمان تھے وہ پھٹ جائیں گے تو یہ کناروں پر چلے جائیں گے۔ بعض نے کہا کہ ان کا کناروں پر صرف تھوڑی دیر ٹھہرنا ہو گا اسکے بعد ان پر موت وارد ہو جائے گی کیونکہ ملائکہ نفخۂ اولیٰ سے مر جائیں گے فاء تعقیبیہ اس کے منافی نہیں (کیونکہ تھوڑا وقفہ ملے گا اسی وجہ سے فاء تعقیبیہ کا ہونا درست ہے) بعض نے کہا کہ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰہُ کے استثناء میں ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ" اى اِلَّا الْمَلٰٓئِكَةَ وَنَحْوَهُمْ۔

نفخ صُور کے وقت ملائکہ کا حال : تفسیر الفاتحہ للفناری میں مولانا فناری رحمہ اللہ الباری نے فرمایا کہ جب آسمان ریزہ ریزہ ہونے لگیں گے تو ملائکہ ان کے کناروں پر آجائیں گے زمین پر نگاہ ڈالیں گے تو انہیں خلق کا انبوہِ کثیر محسوس ہو گا کہ وہ پہلے سے اب کہیں کئی گنا زائد ہوں گے۔ انہیں خیال گزرے گا کہ ان میں اللہ نے نزول اجلال فرمایا ہے کیونکہ وہاں ملائکہ اتنا کثیر التعداد نظر آئیں گے کہ پہلے اتنا تعداد کے سامنے کبھی نہیں آئی تھی نیچے والوں سے زمین والے پوچھیں گے کیا تم میں رب تعالیٰ ہے ملائکہ فوراً جواب دیں گے "سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبُّنَا لَيْسَ فِيْنَا وَهُوَ آتٍ" پاکی ہمارے رب کو وہ ہمارے میں نہیں وہ تشریف لانے والا ہے (اپنے شان کے لائق) زمین کو گھیر کر صف بستہ کھڑے ہو جائیں گے۔ اور وہ تمام روئے زمین کے اردگرد کو محیط ہوں گے۔ انہی کے گھیرے میں ہوں گے جملہ عالم کے انس و جن وغیرہم۔ یہ آسمان دنیا کے آباد کرنے والے ملائکہ ہیں ان کے بعد دوسرے آسمان والے زمین والے پر اتریں گے جب دوسرا آسمان پاش ہو جائے گا اور اس کے ستارے اڑ اڑ کر نار میں گریں گے یہی دوسرے آسمان والے ملائکہ کا تب کہلاتے ہیں اور یہ آسمان دنیا والے ملائکہ سے بہت زیادہ ہیں ان سے بھی زمین والے پوچھیں گے "اَفِيْكُمْ رَبُّنَا" کیا تمہارے میں ہمارا رب ہے اس سے ملائکہ گھبرا کر کہیں گے ہمارے رب کی پاکی وہ ہمارے میں نہیں وہ عنقریب تشریف لانے والا ہے (اپنی شان کے لائق) وہ بھی پہلے آسمان والوں کی طرح دوسرا دائرہ بنا کر صف باندھ لیں گے

اس کے بعد تیسرے آسمان والے اتریں گے اور اس کے ستارہ زہرہ کو آگ میں پھینکیں گے اور آسمان کو اپنے سیدھے ہاتھ (قدرت) میں لپیٹ لے گا ان فرشتوں سے بھی زمین والے کہیں گے تمہارے میں ہمارا رب تعالیٰ ہے وہ کہیں گے رب تعالیٰ کی پاکی وہ ہمارے میں نہیں وہ آنے والا ہے (اپنی شان کے لائق) ایسے ہی ہر آسمان والے فرشتے نیچے اترتے جائیں گے اور سوال وجواب ہوتا رہے گا یہانتک کہ ساتویں آسمان والے اتریں گے وہ ان سب کو زائد دیکھیں گے جب کہ ملائکہ اوپر سے اترتے رہے ان سے بھی لوگ سوال کریں گے کیا تمہارے میں ہمارا رب تعالےٰ ہے یہ کہیں گے ہمارے رب کی پاکی وہ ہمارے میں نہیں وہ تشریف لائے گا ضرور (اپنی شان کے لائق) بیشک ہمارے رب تعالیٰ کا وعدہ ضرور پورا ہوتا ہے۔ ان سب کے بعد اللہ تعالےٰ (اپنی شان کے لائق) بادلوں کے سایہ میں ملائکہ کے ساتھ تشریف لائیگا اور ان سب کی بائیں جانب نزول اجلال فرمائے گا اللہ تعالیٰ کا تشریف لانا بادشاہوں جیسا ہوگا (اسکی شان کے لائق) وہ خود بھی فرماتا ہے "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" روز جزا کا بادشاہ، یہ وہی دن ہے جس کے لئے اللہ نے اپنا اسم مَلِک بتایا ہے۔ اس کے بعد ملائکہ سات صفیں باندھ لیں گے اور تمام مخلوق اُن کے گھیرے میں ہوگی جب لوگ جہنم کا جوش وخروش دیکھیں گے کہ وہ جابرہ (سرکش) کافروں متکبروں پر بھری ہوئی ہے تو لوگ سب کے سب اس کی عظمت کو دیکھ کر خوف اور گھبراہٹ سے بھاگیں گے یہی وہی بڑی گھبراہٹ ہے (جس کی خبر قرآن مجید میں دی گئی ہے) وَهُوَ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ، سوائے ان حضرات اولیاءَ کے کہ جنہیں گھبراہٹ نہ ہوگی ملائکہ انہیں عرض کریں گے یہ وہی دن جس کا تم وعدہ دیئے جاتے تھے لیکن وہ (اللہ والے اولیاء) امن میں ہونگے اپنے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ، لیکن انبیاء علیہم السلام گھبرائے ہوں گے۔

اِزالۂ وہم

انبیاء علیہم السلام کی گھبراہٹ امتوں کی وجہ سے ہوگی جیساکہ ان کی اپنی امتوں پر شفقت تھی اور یہ ان کی فطری عادت تھی کہ وہ اپنے لئے نہیں بلکہ امتوں کے لئے گھبراہٹ میں رہتے تھے بلکہ وہ اس وقت امتوں کے لئے کہیں گے "سَلِّمْ سَلِّمْ" (اے اللہ امت کی خیر اے اللہ امت کی خیر)۔

اَولیاءِ کرام کی شان

اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ امن والوں (اولیاء کرام) کے لئے نور کے منبر بچھاؤ ہر ایک کو اس کی فضیلت کے مطابق منبر پر بٹھاؤ یہ منظر موقف (میدان حشر) میں ہوگا۔ یہ حضرات (اولیائے کرام) انہی منبروں پر رونق افروز ہوں گے نہایت امن اور اطمینان سے، لیکن یہ رب تعالےٰ کے تشریف لانے (اس کے شان کے لائق) سے پہلے ہوگا۔ جب جہنم سے ڈر کر لوگ بھاگیں گے تو آگے ملائکہ صف بستہ ہوں گے اسی لئے وہ ان سے تجاوز نہیں کرسکیں گے بلکہ ملائکہ انہیں جمع کرکے میدان حشر میں اللہ کے ہاں حاضر کریں گے اس وقت انبیاء علیہم السلام انہیں پکاریں گے کہ لوٹ جاؤ لوٹ جاؤ، یا ایکدوسرے کو اس طرح کہیں گے۔ اسی کے بارے میں اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہلوایا ہے کہ اِنّیْٓ

خافُ علَیکُمْ یَومَ التَّنَاد الخ میں تم پر پکارنے کے دن سے ڈرتا ہوں اس دن تم پیٹھ پھیر کر بھاگو گے لیکن تمہیں اللہ تعالیٰ سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔

فائدہ: فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ "وَہِیَ" سے مراد ہے آسمانوں کا زمین پر گرنا جس کا نام سَاہِرَۃ ہے اور فرشتوں کا آسمانوں کے کناروں پر آجانا نفخہ ثانیہ سے لوگوں کے قبور سے اُٹھنے کے بعد نہیں ہوگا اگرچہ اسے نفخہ اولیٰ کے درمیان کیا گیا ہے جیسے آیت کا بعد یعنی ملائکہ کا عرش و زمین کا اٹھانا جو کہ نفخہ ثانیہ کے بعد ہوگا اور ان کے نزول کا مقصد بھی مخلوق کو ہٹانا وغیرہ ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطَانٍ" تم جہاں بھی بھاگ جانے کا ارادہ کرو گے وہیں میرے فرشتے ہوں گے اور وہاں بھی میری شاہی اور سلطنت ہوگی۔ وَیَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّکَ اور تیرے رب کے عرش کو اٹھائیں گے۔ عرش آٹھواں فلک ہے اور بہت بڑا ہے جس کی عظمت کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کیونکہ وہ آفاق میں ایسے ہے جیسے انفس میں قلب اور قلب تمام اشیاء سے وسیع تر ہے جیسے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے وسعت بخشی ہے (جیسا کہ حدیث شریف میں ہے) اور یہی عرش الرحمٰن ہے یعنی قلب۔

فائدہ: عرش کو مضمون مذکور کے بعد ذکر کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ عرش اپنے حال پر بحال رہے گا بخلاف آسمان و زمین کے یعنی یہ فناء نہ ہوگا اس کی اور وجہ بھی ہے جسکا بیان آئے گا (انشاء اللہ)

چار اشیاء کی تخلیق: سیدنا علی بن حسن رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے عرش کو چوتھے نمبر پہ پیدا فرمایا۔ اس سے پہلے تین

(۱) ہوا (۲) قلم (۳) نور پیدا ہو چکے تھے ان کے بعد عرش کو مختلف انوار سے پیدا فرمایا انہی میں سے نور اخضر ہے اس سے سبزیاں اُگتی ہے اور نور اصفر ہے اس سے صفرۃ پیدا ہوئی اور نور احمر ہے اس سے حمرہ پیدا ہوئی اور نور ابیض یہی نُورُ الانوار ہے اسی سے دن کی روشنی ہے۔

تفسیر صُوفیانہ

بعض اکابرین نے فرمایا کہ مراتب اربعہ کی وجہ سے انوار چار ہیں جب انوار تقسیم ہوئے تو مرتبۂ طبعیہ میں نور اسود اور مرتبہ نفس میں نور احمر اور مرتبہ روح میں نور اخضر اور مرتبہ سِر میں نور ابیض دیا گیا۔ فَوْقَهُمْ ان ملائکہ کے اوپر جو کناروں پر ہیں یا آٹھوں فرشتوں کے اوپر یعنی یہی آٹھوں اپنے نفسوں کے اوپر عرش کو اٹھاتے ہیں اور یہ بھی ضروری نہیں کہ محمول حامل کے اوپر ہو کبھی وہ اٹھائی ہوئی شے ہاتھ میں ہوتی ہے اور کبھی جیب میں۔ فَوْقَهُمْ اور یَوْمَئِذٍ یحمل کی ظرف ہیں بر تقدیر اول ظاہر یہ ہے فَوْقَهُمْ ثَمَانِیَۃٌ سے حال ہے جو ذو الحال پر مقدم ہے کیونکہ نکرہ ہے۔ یَوْمَئِذٍ قیامت کے دن۔ ثَمَانِیَۃٌ آٹھ (فرشتے) ہوں گے۔

حدیث شریف نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہے کہ وہ فرشتے آج چار ہیں۔ جب قیامت کا دن ہوگا اللہ تعالیٰ ان کی مدد میں چار اور کا اضافہ فرمائیگا تو آٹھ ہو جائینگے

ائمہ اربعہ کی شان : بعض علماء نے فرمایا کہ ان پہلے چاروں کے ملانے میں ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہ امام مالک امام شافعی امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم کی طرف اشارہ ہے کہ آج انہوں نے شرع کو اٹھایا ہوا ہے جب قیامت کا دن ہوگا کہ یہی شریعت عرش کی شکل میں ہو جائے گی اس معنی پر حمل سے حکمی حامل مراد ہوں گے ۔

فرشتوں کا قد و قامت : مروی ہے کہ وہ آٹھ فرشتے ہیں جن کے قدم ساتویں زمین کی جڑوں میں اور عرش ان کے اوپر ہے اور وہ سر جھکا کر تسبیح پڑھتے ہیں ۔

حدیث شریف : میں ہے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے بیان کرنے کا حکم ہے کہ حاملین عرش کا تعارف کراؤں ان کا ایک فرشتہ وہ ہے کہ جس کے کان کی لو سے کاندھے تک پرندے کے اڑنے کی سات سو سال کی مسافت ہے ۔ اس کی تسبیح ہے ۔ "سُبحانکَ حیث کنت ۔ تیرے لئے پاکی ہے تو جہاں ہے ۔

فرشتہ کا نام : حضرت یحییٰ بن سلام رحمہ اللہ نے فرمایا مجھے معلوم ہوا ہے کہ اسکا نام وقیل (علیہ السلام) ہے

فائدہ : حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آٹھ سے آٹھ ہزار فرشتے مراد ہیں ۔ اور ضحاک نے فرمایا اس سے وہ آٹھ صفیں مراد ہیں جنکی گنتی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا ۔

فائدہ : فقیر (صاحب روح البیان ، اللہ) کہتا ہے کہ مناسب تر پہلا قول ہے ۔ کیونکہ وہی عظمت الٰہی اور اسکی ہیبت اور اظہار قدرت میں زیادہ مؤثر ہے علاوہ ازیں چار فرشتے برائے عرش کعبہ معظمہ کے ارکان کی طرح ہیں ایسے ہی ارکان قلب ہیں اس لئے کہ قلب کی دائیں جانب روح و سِرّ اور بائیں جانب نفس و طبیعت ہیں ۔ پھر یہ ظاہر و باطن کے اعتبار سے آٹھ ہیں ان سے ہی آٹھ ہزار ہو جاتے ہیں کیونکہ الف واحد (ایک) کی تفصیل ہے اس کے بعد کوئی عدد نہیں سوائے تضعیف کے (واللہ اَعلم)

حٰمٓ المؤمن (سورۃ) کے اوائل میں اسی مقام کے بعض متعلقات مذکور ہو چکے ہیں اسی لئے ہم ان کا اعادہ نہیں کرتے ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں عرش ذات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ صفات ثمانیہ ذاتیہ غیبیہ کی حامل ہے اور یہی صفات مفاتیح الغیب جو حمل ذوات الصفات کی صفت حمل سے موصوف ہیں اور صفات ظہورات الصفات کی حامل ہیں ۔

وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں سب سے پہلے جسے عملنامہ سیدھے ہاتھ میں عطاء ہوگا وہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کی کتاب کی شعاع سورج جیسی ہوگی عرض کی گئی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کہاں ہوں گے آپ فرمائیں گے وہ تو بہت اونچی شان والے انہیں تو بہت پہلے فرشتے بہشت میں لے گئے۔

فائدہ : فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یہ بدلہ ملا اس جرأت کا کہ آپ نے دار ارقم سے تلوار ہاتھ میں لیکر قریش کے سرداروں کے سامنے اسلام کا اظہار فرمایا یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تلوار کی برکت تھی کہ اس کے بعد اسلام کھلے میدان میں ظاہر ہوا اللہ تعالیٰ کی امداد اسے بہت خوش ہوا۔

فضائل خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم : حدیث شریف میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احد شریف کو فرمایا ٹھہر جا تجھ پر نبی، صدیق اور دو شہید ہیں۔ اس وقت حضور پاک خود اور حضرت ابو بکر و حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ عنہم احد شریف پر تھے تو احد شریف متحرک ہوا آپ نے وہی فرمایا جو اوپر مذکور ہوا۔

فائدہ : حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ حضرت ابو بکر صدیق" کا مرتبہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر ہے کیونکہ صدیقیت نبوت کے قریب (متصل) ہے۔

فیقول کہے گا خوشی و سرور سے، کیونکہ جب اسے معلوم ہوگا کہ اسے عملنامہ دائیں ہاتھ میں عطا ہوا ہے تو یقین کرے گا وہ جہنم سے نجات پاگیا اور جنت سے نوازا جائے گا۔ اسی لئے اپنی خوش قسمتی دوسروں پر ظاہر کرے گا تو وہ اسکی خوش بختی سے خوش ہوں۔ **هَاؤُمُ اقْرَؤُا كِتَابِيَهْ** اے میرے گھر اور قرابت والو اور دوستو میری کتاب لے کر پڑھو، کیونکہ اس میں کوئی ایسی بات نہیں کہ جس سے مجھے رُسوائی ہو۔

فائدہ : تبیان میں ہے کہ یہ کتاب کوئی اور ہوگی عملنامہ والی نہ ہوگی کیونکہ وہ کتاب تو بندے اور اللہ کے درمیان معلوم ہو چکی اب اسے دوسرنکے پڑھنے سنانے کی ضرورت نہیں یہ کتاب صرف مژدۂ جنت پر مشتمل ہوگی۔

فائدہ : خبر میں ہے کہ اہل ایمان کی نیکیاں کتاب کے ظاہر پر اور برائیاں اندر کے حصہ پر مندرج ہوں گی تاکہ اس کے سوا اور کوئی نہ دیکھے جب یہ کتاب بندے کے پاس پہنچے گی، پر لکھا ہوگا کہ میں نے تجھے بخش دیا جب اسے الٹ کر دیکھیگا اس کے ظاہر پر لکھا ہے کہ میں نے تیری نیکیاں قبول کیں تو فرطِ مسرت سے کہے گا **هَاؤُمُ اقْرَؤُا كِتَابِيَهْ** لاؤ میری کتاب کو پڑھو یعنی اے میرے یارو لاؤ اور اسے پڑھکر سناؤ (عین المعانی)

حل لغات کہا جاتا ہے" ہاؤَ یا رجل (بفتح الہمزہ)، ہاؤِ یا امرأۃ (بکسر الہمزہ)، وہاؤما یارجلان ویا امرأتان وہاؤم یارُجلان وہاؤن یانسوۃ" بمعنی خُذْ خذا خذوا خذی خذا خذن۔ بمعنی پکڑ لے مرد یا عورت، ایک یا دو یا جمع اس کا مفعول محذوف ہے اور کِتَابِی اِقْرَؤُا کا مفعول ہے کیونکہ وہ دو عاملوں میں سے قریب ہے فلہٰذا یہی اقویٰ ہے کیونکہ یہ بمنزلہ علت قریبیہ کے ہے اس کا اصل " ہاؤم کتابی اقرؤا کتابی" تھا۔

پہلا کتابی محذوف ہے بوجہ ثانی کی دلالت کے، اسکی نظیر قرآن مجید میں ہے سکندر نے کہا "آتونی اُفْرِغْ علیہ قطراً" (میرے پاس لاؤ میں اس پر تیل ڈالوں) یہ بھی دراصل "آتونی قطراً افرغ علیہ قطراً" تھا۔ ہا وقف و استراحت و سکتہ کی ہے۔ وقف کے وقت ثابت رہتی ہے وصل کے وقت سکتہ کی طرح گر جاتی ہے جیسے سکتہ کی ہا کا قاعدہ ہے کیونکہ حرکت کی حفاظت کے لئے لائی جاتی ہے یعنی اس لئے آتی ہے تاکہ موقوف علیہ کی حرکت محفوظ ہو جائے کیونکہ اگر یہ نہ آتی تو اس کی حرکت وقف کے وقت گر جاتی اسی لئے اس کی وجہ سے وہ وقف کے وقت بھی ثابت رہتی ہے ہاں وصل کے وقت اس کی ضرورت نہیں ہوتی حالانکہ اس کا حق یہ تھا کہ وہ وقف میں ثابت رہتی اور وصل کے وقت گر جاتی لیکن چونکہ قراء سبعہ (رحمہم اللہ) تمام مقامات پر وقف و وصل میں ہر جگہ اس کے اثبات پر متفق ہیں۔ وصل کو وقف کے قائم مقام اور رسم امام کے اتباع کر کے کیونکہ مصحف امام میں ہر جگہ یہ ثابت رکھی گئی ہے مثلاً کتابیہ، حسابیہ، مالیہ، سلطانیہ، ماھیہ (سورۃ القارعۃ) اور وہ پڑھنے میں ثابت ہے تو لفظ میں بھی ثابت ہونی چاہئے لیکن حمزہ رحمہ اللہ (قاری) نے وصل میں ہر تینوں کلمات میں اسے ساقط فرمایا ہے وہ تین کلمات یہ ہیں مالیہ، سلطانیہ، ماھیہ اور اسے وقف میں اصل ہا پر ثابت رکھی ہے اور کتابیہ و حسابیہ میں اصل پر عمل نہیں کیا اور اسے دونوں حالتوں میں ثابت رکھا ہے تاکہ دونوں لغتیں جمع ہوں۔

مسئلہ: اس تقریر سے ثابت ہوا کہ وقف مستحب ایثار الوقف ہے وصل کی اتباع کے لئے اور اس کا وصل میں ثابت رکھنا صرف مصحف کی اتباع کی وجہ سے ہے۔

فائدہ: قاموس میں ہے کہ سکتہ کی ہا، وہ ہے جو کسی کلمہ کو لاحق ہو حرکت یا حرف ظاہر کرنے کے لئے، جیسے ماھِیَہ و ھَاھُنَاہُ اصل اس میں یہ ہے کہ اس پر وقف ہو۔ اور وقف کی نیت سے بہت سی جگہوں پر وصل ہو کر بھی آتی ہے۔

قاعدہ: یہ ہا (سکتہ) ساکن ہوتی ہے اسے متحرک پڑھنا لحن (خطاء) ہے کیونکہ متحرک (ہا) پر وقف ناجائز ہے

فائدہ: سکتہ کی ہا، قرآن مجید میں سات مقامات پر ہے (۱) لَمْ يَتَسَنَّهْ (۲) فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ (۳) كِتَابِيَهْ (۴) حِسَابِيَهْ (۵) مَالِيَهْ (۶) سُلْطَانِيَهْ (۷) مَاهِيَهْ

فائدہ: قاضِیَہ و ہَاوِیَہ و خَاوِیَہ و ثَمَانِیَہ و عَالِیَہ و دَانِیَہ اور ان جیسی اور ہار وہ دراصل تار تانیث ہے ان کو وقف کے وقت ہار پڑھا جاتا ہے اور وصل کے وقت تار پڑھی جائیگی۔ اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ بے شک مجھے یقین ہے کہ میں حساب کو ملوں گا۔ الحساب بمعنی المحاسبہ آخرت میں بندوں کے اعمال کی گنتی خیر ہوں یا شر جزا و سزا دینے کے لئے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ میں نے جان لیا اور یقین کیا کہ حساب الٰہی کے دفتر میں میرا حساب کے لئے سامنا ہوگا اور میں آخرت میں حساب دوں گا یعنی میں نے جانا اور میرا ایمان تھا کہ میرا

حساب کریں گے اس کے لئے میں مستعد اور تیار تھا۔

حل لغات

امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ "اَلظَّن" نام ہے اس شئے کا جو کسی علامت سے حاصل ہو جب وہ قوی ہو تو وہ علم تک پہنچا دیتا ہے اور کمزور ہو تو توہم کی حد سے متجاوز نہیں ہوتا

فائدہ : اس سے اس قائل کے قول کا پتہ چلا جو ظن کو بھی یقین سے موسوم کرتا ہے اس لئے کہ ظن ہی یقین کو جنتا ہے اور اس کے علم سے اس لئے تفسیر کی جاتی ہے کہ بعث و حساب وہ عقائد ہیں جن پر ایمان واجب ہے اور یقین کے بغیر ایمان نہیں ہوتا۔

فائدہ : حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس میں بحث ہے وہ یہ کہ مقلد کا ایمان بھی معتبر ہے اور علماء نے تصریح کی ہے کہ وہ ظن غالب جسمیں نقیض کا احتمال تک نہ کھٹکے ایمان کے لئے کافی ہے پھر اس میں یہ کہنا بھی درست ہوگا کہ چونکہ بندے کو یقین نہ تھا کہ اس کا حساب آسان ہوگا یا نہ، کیونکہ مؤمن کو الخوف والرجاء کے درمیان رہنا ضروری ہے (اسی لئے اب جبکہ اس کا حساب آسان ہوگیا تو اُسے یقین ہوا کہ وہ ناجی اور فائز المرام ہے)

فائدہ : اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ بندے کو گمان تھا کہ اس کا حساب سخت ہوگا کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ جو اس سے غلطیاں سرزد ہوئیں نامعلوم ان کا کیا بنے گا۔ اب جبکہ اللہ نے اس کا حساب آسان فرمایا تو اب اس کے غم ٹل گئے اور پریشانی دور ہوئی۔

تردید از صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ : فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اس تقریر میں قرآن مجید کے ظاہر سے عدول لازم آتا ہے اس لئے کہ ظن خود قرآن مجید میں متعدد مقامات پہ بمعنی یقین آیا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے حکایۃً فرمایا قَالَ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ان لوگوں نے کہا جنہیں یقین تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ملاقی ہوں گے یہ قائلین آخرت پر ایمان رکھنے والے تھے اور فرمایا وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ اور داؤد (علیہ السلام) نے یقین کیا کہ ہم نے انہیں آزمایا ہے یعنی انہوں نے علامت قویہ سے جانا اور یقین کیا۔

فائدہ : قاضی (بیضاویؒ) نے فرمایا کہ علم کو ظن میں تعبیر کرنے میں خبر دینا ہے کہ ایسا ظن اعتقاد کو مضر نہیں کیونکہ نفس میں وہ جو خطرات گھیرے رہتے ہیں ان سے علوم نظریہ میں سے اس کا کوئی خالی نہیں اسی لئے اگر علم استدلالی کے لئے ظن استعارہ کیا گیا ہے (تو کونسا حرج ہوا) کیونکہ علم استدلالی خطرات و وساوس سے خالی نہیں وہ خطرات و وساوس جو ذہول کے وقت اُسے دلیل کی طرف لے جانے سے وارد ہوتے ہیں ہاں علوم ضروریہ و کشفیہ وہ اضطراب سے خالی ہیں۔

فائدہ : کشاف میں ہے کہ ظن علم کے قائم مقام ہوا کرتا ہے کیونکہ عموماً عادات و احکام میں ظنِ غالب

علم کے قائم مقام ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے "اَظُنُّ ظَنًّا کَالْیَقِیْنِ الخ" میرا گمان یقین جیسا ہے کہ یہ امر یوں ہوگا۔ فَهُوَ وہ جو کتاب دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ فِیْ عِیْشَةٍ عیش میں ہے، عیش کی ایک قسم۔

حل لغات

العَیش (بالفتح) ایسے ہی العیشة والمعیش والعیشوشة بمعنی جینا (فارسی میں زیستن) البعض علماء نے فرمایا کہ اگر مکسور العین ہو تو اس میں "تاء" کا ہونا ضروری ہے جیسے معیشۃ اور عیش حیوان کی زندگی سے خاص اور الحیاۃ سے اعم ہے کیونکہ الحیاۃ انسان اور حیوان اور فرشتہ کے لیے کہا جاتا ہے۔ العیش سے ہی المعیشۃ مشتق ہے وہ شے جس سے عیش حاصل ہو۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَةِ نہیں عیش مگر آخرت کا عیش۔ رَّاضِیَةٍ پسندیدہ، وہ عیش پسندیدگی والا جس سے زندگی بسر کرنے والا خوشی پائے اس میں نسبت کا معنیٰ ہے کیونکہ یہ صیغہ نسبت کا فائدہ دیتا ہے۔

نسبت کی اقسام: نسبت دو قسم ہے (۱) بالحرف جیسے مکی، مدنی (عربی، عجمی)، (۲) بالصیغہ جیسے لَابِنٌ (دودھ والا) تامر (کھجور والا)، اور یہ بھی جائز ہے کہ فعل اسکی علت بنائی جائے اور یہ کہا جائے کہ وہ فعل اسی علت والے کے لیے ہے اس تقریر پر یہ اسناد مجازی کے قبیل سے ہوگا دونوں وجہوں کا مآل یہی ہے کہ وہ عیش پسندیدہ (من بھاتا) ہوگا اور ہماری مذکورہ بالا تقریر سے یہ معنیٰ بھی ہوا وہ عیش فی نفسہ راضی ہے گویا وہ اپنے عموم کی وجہ سے وہ اس سے راضی ہے جس میں وہ ہے یہ بھی مجازی معنیٰ ہوگا یا رَاضِیَة بمعنی مَرْضِیَّة جیسے مَاءٍ دَافِقٍ بمعنی مَاءٍ مَدْفُوْقٍ (ٹپکا ہوا)۔

فائدہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ راضیہ یعنی خوشگوار، رچتا پچتا، میل کچیل کی ملاوٹ سے صاف اور ڈر کے خطرات سے دُور۔ خلاصہ یہ کہ وہ زندگانی کدورت سے صاف اور حرمت وحشمت سے مقرون ہوگی وہ اس لیے عیشہ مرضیہ تین امور پر مشتمل ہوتی ہے۔

(۱) نفع دینے والی اور شوائب (ملاوٹوں) سے صاف

(۲) دائمی کہ اس کے زوال وانقطاع کا خطرہ نہ ہو

(۳) جو اس سے راضی ہے اسکی تعظیم وتکریم مراد ہو، ورنہ وہ استہزاء و استدراج ہوگا، اور جس کے سیدھے ہاتھ میں عملنامہ دیا جائے گا اس کا عیش ان تینوں امور کا جامع ہوگا اور وہ اسے خوب من بھاتا پسندیدہ ہوگا۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا وہ ایسی زندگی بسر کریں گے کہ ان پر موت نہیں آئیگی اور تندرست رہیں گے کبھی بیمار نہ ہوں گے ہمیشہ نعمت وراحت میں ہوں گے ان کو کسی قسم کا غم والم نہ

ائے گا۔ فِی جَنَّۃٍ عَالِیَۃٍ باغ میں جس کے مکان بلند ہیں کیونکہ وہ آسمان میں ہیں جیسے دوزخ سافلہ نیچی ہے کیونکہ وہ زمین کے نیچے ہے یا وہ باغ بلند درجات والا ہے یا بلند عمارتوں اور اونچے درختوں والا ہے۔ اب عالیہ ان صفات سے ہوگی جو جاری ہے اوپر اسس غیر کے جو یہ صفت اس کے لئے تھی اور وہ عیشۃ سے باعادۂ جار بدل ہے اور عیشۃ سے بھی متعلق ہو سکتی ہے یعنی وہ مَن بھاتی زندگی بسر کرے گا باغ بلند مکان والے میں۔ قُطُوفُهَا جس کے خوشے، ثمرات۔

حل لغات قطوف قطف بالکسر کی جمع ہے وہ جو جلدی سے چنی جائے۔ القطف (بالفتح) مصدر ہے حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ قطف میں جلدی چننے کا مفہوم ہے۔

فائدہ: حضرت ابن الشیخ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سرعۃ کا معنیٰ ہے کہ ان کا کاٹنا یکبارگی ہوگا۔ القاموس میں ہے کہ القطف (بالکسر) بمعنی خوشہ اور ثمار مقطوعۃ کٹے پھلوں کا اسم ہے یہاں اس توجیہ کی ضرورت نہیں کہ یہاں یہ معنیٰ غالب ہے کہ قطف تمام وہ ثمرات جو چنے جاتے ہیں انگور ہوں یا کوئی اور۔ دَانِیَۃٌ جھکے ہوتے۔

حل لغات دَانِیَۃٌ دُنُوٌّ سے ہے بمعنی قرب یعنی خوشے کے خواہشمند کو قریب ہوں گے یعنی وہاں چننے والے کا ہاتھ پہنچ سکے گا۔ کھڑے ہو کر چنے یا بیٹھ کر یا لیٹ کر بغیر کسی تکلیف کے حاصل ہو جائیں گے بعض نے کہا ان کے حصول میں تاخیر نہیں ہوگی جب چاہیں گے حاصل کر لیں گے یہانتک کہ اگر وہ چاہے گا کہ وہ خود بخود اس کے منہ میں آجائیں تو بھی۔ دنیوی ثمرات کی طرح نہیں ہوں گے کہ ان کے چننے اور حاصل کرنے میں اکثر تکلیف اور مشقت اٹھانی پڑتی ہے اور یہ بھی نہیں کہ باری باری کھانے اور حاصل کرنیکا موقع ہو۔

فائدہ: فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ جنت کے ثمرات انسان کی صورت میں ہوں گے کہ اس کا اصل (جڑ) سر ہے اور وہ اوپر ہے اور پاؤں اسکی ٹہنیاں ہیں اور وہ نیچے کی طرف ہیں ایسے ہی اشجار الجنۃ کے اصول (جڑیں) اوپر کو ہوں گی اور ٹہنیاں نیچے لٹکی ہوں گی اسی لئے جنتی ان کے توڑنے میں تکلیف نہیں اٹھائیں گے علاوہ ازیں جنت کے میوے جنتی کے ارادہ پر ہوں گے کہ وہ بلا مشقت جس طرح چاہے انہیں صرف کرے۔ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا کھاؤ اور پیو۔ یہاں قول محذوف ہے (یعنی ہم یا فرشتے کہیں گے) جمع کا صیغہ بعد صیغہ غائب (ھُوَ) باعتبار معنیٰ کے ہے اور امر امتنان و اباحت کا ہے نہ کہ تکلیف کا کیونکہ آخرت دار التکلیف نہیں اور اکل و شرب کا اجتماع اس لئے ہے کہ دونوں گویا سگے بھائی ہیں کہ کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے اسی لئے یہاں ملابس و لباس کی ضروریات کا ذکر نہیں اگرچہ دوسری جگہ اس کا بھی ذکر ان کے ساتھ آیا ہے گویا کہا جائے گا انہیں جو سیدھے ہاتھ میں کتاب دیئے جائیں گے طعام اور ثمار جنۃ سے کھاؤ اور اس کے شراب پیو۔ هَنِیْٓـًٔا رچتا ہوا کھانا پینا رچتا ہوا کہ حلقوم میں پہنچکر ناگواری پیدا نہ کرے۔ ہنیئًا دونوں (اکل و شرب) کی صفت اس لئے ہے

کہ مصدر تثنیہ کو بھی شامل ہوتا ہے۔

حل لغات یہ "ہنؤ یہنأ یہنؤ ہنیئ ہناءۃ وہناء" سے ہے یعنی وہ شئے رچتی پچتی ہو گئی۔ فہو ہنیئٌ اور یہ ہنئ اسی سے ہے جو ترکی زبان میں پختہ طعام کو کہا جاتا ہے اور عجمی اسے طعام سے بدلتے ہیں یعنی یخنی جیسے مثنوی شریف میں ہے ؎

ویں پراز بہر میاں روزہ را ٭ یخنی باشد شہ فیروزہ را

ترجمہ: یہ پختہ طعام دن کو چاہیئے اور یخنی شہ فیروز کے لائق ہے۔

فائدہ: ہناءۃً (خوشگواری) کا اسناد اکل و شرب کی طرف مجازاً بطور مبالغہ ہے کیونکہ وہ دراصل ماکول و مشروب خوشگوار ہوتے ہیں نہ کہ اکل و شرب اور وہ جو یا پیتے وقت کہا جاتا ہے۔ ہنیئاً ایسے دوسرا چیزوں کے کھانے پینے کے وقت اس سے صحت و عافیت مراد ہوتی ہے۔ کیونکہ اکثر سائغ (خوشگوار) سے حظ پانا صحت و عافیت سے ہی ہوتا ہے۔ (بیمار کو کیسی خوشگواری) بِمَآ اَسْلَفْتُمْ بالمقابل ہے اس کے جو تم نے نیک اعمال آخرت کے لئے بھیجے یا ان کا بدلہ یا ان کے سبب سے ہے۔

حل لغات الاسلاف بمعنی اس امید پر کوئی شئے آگے بھیجنا کہ اس سے بہتر ملے گی یہ اقراض (قرض دینا) کی طرح ہے اسی سے ہے جو کہا جاتا ہے "اَسْلَفَ فِیْ کَذَا" اس لئے اس میں اپنا مال آگے بھیجا۔ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَۃِ گذشتہ ایام میں یعنی دنیا میں۔

فائدہ: حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ روزے کے دنوں میں، اب معنیٰ یہ ہوا کہ کھاؤ پیؤ یہ بدلہ ہے اس کا جو تم نے ایام صیام میں اللہ کی رضا میں خود کو کھانے پینے سے روکے رکھا بالخصوص گرمیوں کے دنوں میں یہ ہی زیادہ مناسب ہے اس لئے کہ جزا کا بدلہ اسکے عمل کی جنس اور اس کے مناسب موزوں ہوتا ہے۔ جیسے کہ بعض اکابر نے فرمایا اسی لیئے یہاں اشبعوا واسمنوا نہیں فرمایا تو ثابت ہوا کہ جیسا عمل کیا ویسی جزا ملی اسکی نظیر دوسری جگہ یہ فرمایا "فَالْیَوْمَ نَنْسٰہُمْ کَمَا نَسُوْا لِقَآءَ یَوْمِہِمْ ہٰذَا" آج ہم ان سے توجہ ہٹالیں گے جیسے انہوں نے ہمیں دنیا میں بھلایا اور فرمایا "اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْکُمْ" اس جیسی دیگر آیات۔

حکایت ایک بندۂ خدا کو خواب میں دیکھا گیا اس سے پوچھا گیا کہ تمہارے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا کیا فرمایا مجھ پر رحم فرمایا اور فرمایا کہ اے وہ میرا بندہ کھا جو تو نے نہیں کھایا تھا اور پی کہ تو نے نہیں پیا۔ یہاں یہ نہ فرمایا کہ کھالے وہ کہ تو نے ساری رات تلاوت قرآن پاک میں گذاری اور پی کہ تو نے جنگ کے دن پیٹھ نہیں دکھائی اور یہ حکمت کا مقتضا کے خلاف ہے۔ (مواقع النجوم)

حدیث قدسی شریف: اللہ تعالیٰ قیامت میں بندگان خاص کو فرمائیگا کہ اے میرے دوستو! میں نے تمہیں

بھی ہو سکتا ہے اِنَّ عَذَابَ رَبِّھِمْ غَیْرُ مَاْمُوْنٍ "بیشک ان کے رب کا عذاب سے مامون نہیں۔ یعنی عذاب خداوندی ایسا نہیں کہ اس سے بے خوفی ہو یہ جملہ معترضہ اس لیے ہے کہ کسی کو لائق نہیں کہ وہ عذاب الٰہی سے بے خوف رہے اگرچہ وہ عبادت وطاعت میں کتنا ہی مبالغہ کرتا ہو بلکہ خوف ورجا کے درمیان رہے کیونکہ کوئی اپنی عاقبت وانجام کو نہیں جانتا۔

فائدہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ والذین ھم الخ سے وہ دیندار اہل القلوب مراد ہیں جو مقام نفس میں نور قلب سے نفس سے رُوگرداں ہیں نہ وہ جو نفس کی موافقت کرنے والے یا وہ جو لوگ مراد ہیں جو حجاب ومحرومی کے عذاب سے زندگی بھر ڈرتے رہتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ فرمایا ان عذاب ربھم غیر مامون اور یہ بھی ایک عذاب ہے جو انسان عُجب نفس کے مرض میں مبتلا ہو کیونکہ یہ بھی موبقات (تباہ کنندگان) سے ہے اور نار جحیم میں واقع کرنے والوں سے ہے اور نار جحیم سے عقاب کی جحیم ہے (ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں)

وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ "اور وہ جو اپنے فروج۔

حل لغات الفرج مرد اور عورت ہر دونوں کے ستر کو کہا جاتا ہے یعنی اگلا ستر گفتگو میں ادب کو ملحوظ رکھ کر اسی لئے کہا جاتا ہے انسان کا ادب اس کے سونے سے بہتر ہے اور جار حافظون کے متعلق ہے حٰفِظُوْنَ "حفاظت کرنے والے" زنا سے بچنے والے ارتکاب حرام سے اس لئے کہ حفظ الفرج عفت سے کنایہ ہوتا ہے اِلَّا عَلٰی علی بمعنی من ہے جیسے کتب نحو میں ہے اَزْوَاجِھِمْ مگر اپنی ازواج پر۔ ان کی عورتیں جو ان کے نکاح میں ہیں۔ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ یا جو ان کے سیدھے ہاتھوں کی ملک ہیں، یعنی کنیزیں ان کے حلال ہونے کے دوران جیسے طہر از حیض ونفاس اور استبرا کی مدت کا گذر جانا ان کو ملک سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ یہ اتنا کم مرتبہ ہیں کہ گویا غیر ذوی العقل ہیں یا ان کی انوثت کی وجہ سے اس لئے کہ ان کی کم عقلی کا تقاضا ہے کہ ان کے لئے صیغہ ذوی العقول مستعمل ہو یا اس میں اشارہ ہے کہ حفاظت کے لائق مرد ہیں کہ وہ خود کو محفوظ کریں اور ان کی عزت کی حفاظت کریں۔ فَاِنَّھُمْ بے شک وہ حفاظت کرنے والے غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ "ملامت کئے ہوئے نہیں"۔ ان کی عدم حفاظت میں کیونکہ ان پر ان کا حق شرعی ہے، فلہٰذا ان سے ان پر کوئی ملامت نہ ہوگی۔ نہ دنیا میں ان سے مواخذہ ہے نہ آخرت میں عذاب۔

نکتہ جو غیر شرعی طور ان کی حفاظت میں دخل انداز ہوتا ہے تو جب وہ دنیا میں لائق ملامت ہے تو آخرت میں اس کے عذاب کا کیا حال ہوگا۔

فَمَنِ ابْتَغٰی (تو جو طلب کرتا ہے) اپنے نفس کے لئے (وراء ذلک) اس کے ماسوا جو مذکور ہوا یعنی نکاح کے ساتھ نفع اٹھانا اور ملک یمین

(مسئلہ) نکاح کی چار عورتیں ہیں آزاد اور ملک یمین کی کوئی حد نہیں ۔

فَاُولٰٓئِکَ پس طلب کرنے والے هُمُ الْعٰدُوْنَ وہی حد سے بڑھنے والے ہیں حدود اللہ سے تجاوز کرنے والے تجاوز میں کامل اور اس کی انتہا کو پہنچنے والے ہیں۔

حل لغات عدا یعدو بمعنی تجاوز. العدو فی الظلم ظلم میں حد سے تجاوز کیا۔

مسئلہ لواطت اور جانوروں سے وطی اور زنا اسی حد کے تجاوز میں داخل ہیں۔

مسئلہ بعض نے کہا کہ ہاتھ سے منی نکالنا (استمنا) بھی اسی میں داخل ہے ۔

شان نزول مروی ہے کہ بعض عربی سفروں میں مختلف طریق سے منی خارج کرتے تھے ان کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔

حدیث شریف میں ہے جو نکاح کی طاقت نہیں رکھتا اس پر لازم ہے کہ وہ روزے رکھے

مسئلہ [1] اسی لئے مالکیہ نے استدلال کیا ہے کہ استمنا ہاتھ وغیرہ سے منی نکالنا حرام ہے اس لئے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح کی طاقت نہ ہونے پر روزے رکھنے کا حکم فرمایا ہے تاکہ شہوت فرو ہو اگر استمنا مباح ہوتا تو اس کی طرف معمولی اشارہ فرماتے کیونکہ بہ نسبت روزے کے آسان تر ہے۔

مسئلہ بعض ائمہ نے استمنا کی اباحت بتائی ہے ۔

مسئلہ الخلاصہ کی روایت میں ہے کہ اگر روزے والے نے روزہ کی حالت ذکر کو ہاتھ سے بار بار ٹٹولنے سے منی نکالی تو اس پر کفارہ نہیں صرف ایک روزہ کی قضا ہے۔

فائدہ اباحت کا فتویٰ حنابلہ کا ہے ۔

مسئلہ بعض احناف کے نزدیک شہوت کو فرو کرنے کے لئے (نہ کرے گا تو زنا وغیرہ میں مبتلا ہو جائے گا) استمنا جائز ہے اور فرمایا ۔ ارجوان لا یکون علیہ وبال امید ہے اس پر وبال (فی الآخرۃ) نہ ہوگا (یہ کسی بعض کا خیال ہے ورنہ احناف کے نزدیک استمنا ناجائز ہے شہوت کی تسکین روزہ کے سوا اور کوئی بہتر تدبیر نہیں۔ (تحقیق الاستمنا بالید) حواشی البخاری میں حرام ہے جس کا ثبوت قرآن و حدیث میں ہے ۔

---

[1] اس کا دوسرا نام جلق ہے عموماً جوانی کے جوش و جنون سے اس بیماری میں بعض نوجوان مبتلا ہو جاتے ہیں. جسمیں شرعی قباحت کے علاوہ جوانی کے لئے یہ بیماری بھی تباہ کن ہے فقیر نے اس کی خرابیوں کے پیش نظر ایک رسالہ لکھا ہے "استمنا و جلق معروف جوانی سوز بیماری" اس کا مطالعہ نوجوانوں کو ضروری ہے ۔

۱۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَالَّذِینَ لِفُرُوجِهِم الی ان قال هُمُ العَادُونَ یعنی حلال طریقوں کے ماسوا باقی کا ارتکاب کرنے والے ظالم اور حد سے تجاوز کرنے والے ہیں یعنی حلال کو چھوڑ کر حرام فعل کرنے والے ہیں۔

فائدہ البغوی نے فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ استمناً حرام ہے۔

استمناً بالید والوں پر عذاب: حضرت ابن جریح نے حضرت ابن عطاً رضی اللہ عنہ سے سنا کہ قیامت میں ایک قوم حاملہ ہو کر اٹھے گی میرا گمان ہے کہ وہ یہی استمناً بالید کا ارتکاب کرنے والے) ہوں گے۔

سزا یافتہ قوم حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک قوم کو عذاب میں مبتلا فرمایا جو اپنے مذاکیر سے کھیلتے تھے یعنی ہاتھ سے منی نکالتے۔

مسئلہ استمنائے بالید کا ثبوت شرعی کسی کے متعلق مل جائے تو اس پر تعزیر جاری کی جائے جیسے بعض نے کہا۔

مسئلہ بعض روایات میں ہے کہ یہ امام ابو حنیفہ و امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک اس شخص کے لئے مباح ہے جسے فتنہ میں مبتلا ہونے کا خوف ہو یعنی زنا وغیرہ میں ایسے ہی اپنی زوجہ اور کنیز کے ہاتھ سے منی کا نکلوانا مباح ہے (بشرط فتنہ) لیکن قاضی حسین رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ایسا کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ عزل (منی خارج کر دینا) کے معنیٰ میں ہے۔

مسئلہ التاتارخانیہ میں ہے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ اس فعل سے ایک سر دوسرے سر سے نجات پا جائے گا (یعنی زنا کرنے سے حد پائے گا۔ یا سنگسار ہوگا لیکن استمناً ایسی سزا سے بچ جائے گا۔

صاحب روح البیان قدس سرہٗ کا فیصلہ فقیر صاحب روح البیان قدس سرہٗ کہتا ہے کہ جو تسکین شہوت پر مجبور ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ روزہ رکھے اگر اس سے بھی شہوت کا جوش نہیں مرتا تو پھر ذکر کو پتھر مار کر بے کار بنا دے جیسے بعض صلحاً متقین نے کیا جب ان پر شہوت کا غلبہ ہوا اس طرح سے زنا سے بچنا نصیب ہوگا۔ (اگرچہ یہ ائمہ ظواہر کے خلاف ہے لیکن حق زیادہ مستحق ہے کہ اس کی اتباع کی جائے لیکن حق وہ ہے جو ارشاد نبوی ہے یعنی روزہ رکھنا اگر کسی کا نفس شریر قابو میں نہ آئے تو پھر ورع و تقویٰ کو قریب تر وہی ہے جو ہم نے عرض کیا۔

وَالَّذِینَ هُمْ لِأَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ ، اور وہ جو اپنی امانتوں اور عہد کی حفاظت کرتے

ہیں، یعنی ان کے حقوق میں خلل نہیں ڈالتے ۔

تحقیق امانت: امانت اسم جنس ہے وہ شے جس پر انسان کو امین بنایا جائے اللہ تعالیٰ سے وہ دین کی امانات جیسے شرائع اور احکام کہا جاتا ہے مخلوق سے وہ امانتیں جو بندے اس کے پاس حفاظت کے لئے رکھیں جمع کا صیغہ اختلاف انواع کی وجہ سے ہے اسی طرح عہد اللہ تعالیٰ کے عہد کو بھی شامل ہے اور لوگوں کے عہد کو بھی یعنی وہ عقد اللہ تعالیٰ کے اپنے اوپر لازم کرے ایسے بندوں کے لئے اور یہ معاہد (بالکسر) معاہد (بالفتح) دونوں کی طرف مضاف ہوتا ہے یہاں اس کی اضافت فاعل کی طرف بھی جائز ہے مفعول کی طرف بھی ۔

عہد و امانت کا فرق: سیدنا جنید قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اگر اس کی محافظت جوارح اعضاء سے ہو تو اس کا نام امانت ہے اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ قلب کی حفاظت علی التوحید ہو تو اس کا نام عہد ہے اور کسی شے کی حفاظت و اصلاح پر قیام ہو تو اس کا نام رعایت ہے ۔

فائدہ: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امانت کی خیانت اور بات کرتے وقت جھوٹ بولنے اور معاہدہ کے بعد دھوکہ اور جھگڑا کے وقت فجور کو منافقت بتایا ہے ؎

اگر می باید از آتش امانت
فرو مگذار قانون امانت
ہر عہدے کہ می بندی وفا کن
رسوم حق گذاری را ادا کن

ترجمہ: اگر تمہیں دوزخ سے امان چاہیئے تو قانون امانت کو ضائع نہ کر۔ جو کسی سے معاہدہ کرو اسے پورا کرو حق کی ادائیگی کی رسوم کو ادا کر۔

کشف القبور اور کلام باہل القبور کا نسخہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ جو امانت میں خیانت نہ کرے اور لوگوں کے اسرار کو چھپائے تو وہ موتی (مُردوں) کی گفتگو اور ان کے عذاب اور نعمتوں کی آواز کانوں سے سنے گا جیسے جانور اہل قبور کا عذاب سنتے ہیں کیونکہ انہیں بولنے کی طاقت نہیں ایسے ہی جو امانت سے موصوف ہوگا وہ اپنے اعضاء کی آواز بھی دنیا میں سُنے گا کیونکہ یہ بھی زندہ ہیں اسی لئے آخرت میں ان سے شہادت لی جائے گی اور وہ شہادت دیں گے اور ظاہر ہے کہ شہادت عادل اور پسندیدہ شے کی قبول ہوتی ہے ۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس امانت میں اس امانت کی طرف اشارہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں کو پیش کی گئی اور یہ امانت کمال المظہریہ اور تمام صفاتِ الٰہیہ ہے

نیز الست بربکم قالوا بلیٰ کے عہد میثاق کی طرف اشارہ ہے اور اس عہد کی رعایت یہ ہے کہ اپنے رب تعالیٰ کی مخالفات شرعیہ و موافقات طبیعہ سے مخالفت نہ کرے بعض مشائخ نے فرمایا کہ امانت سے وہ معارف عقلیہ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کو عجیب الفطرۃ امور سپرد فرمائے ہیں اور عہد سے وہ میثاق مراد ہے جو ازل میں اپنے بندوں سے لیا۔ ان کی یوں رعایت کرتے ہیں کہ اسی فطرۃ کو اغراض طبعیہ اور خواہشات نفسانیہ کے دھوئیں سے غبار آلود نہیں کرتے۔

تفسیر عالمانہ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ اور وہ جو اپنی گواہیوں پر قائم ہیں بِا قائمون کے متعلق ہے تعدیہ کی ہو یا ملابست کی اور شہادات کی جمع باعتبار انواع شہادت کے ہے۔ یعنی اسے عدل کے ساتھ قائم کرتے اور وقت پر ادا کرتے ہیں تاکہ لوگوں کے حقوق کا احیا ہو اس کے قیام سے احکام کے وقت اس کی ادائیگی مراد ہے کسی پر بھی ہو قریبی رشتہ دار ہو یا بعیدی شریف ہو یا ذلیل۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تمہیں سورج کی طرح بات روشن ہو تو اس کی گواہی دو ورنہ چھوڑ دو۔

نکتہ شہادت امانت میں مذکور ہونے کے باوجود اس کا علیحدہ ذکر اس کی فضیلت کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ اس کے قائم کرنے میں حقوق کا احیا اور تصحیح ہوگی اور اس کے چھپانے میں حقوق کی تضیع اور ابطال ہوگا۔

مسئلہ فتح الرحمٰن میں ہے کہ تحمل شہادت فرض کفایہ اور اس کی ادائیگی فرض عین ہے جب اس پر متعین ہو اور گواہی کی اُجرت بالاتفاق ناجائز ہے جب اسے مدعی طلب کرے اور قاضی (حاکم) اسے قریب ہے تو چلکر گواہی دے اگر آدھے دن کے سفر کی مسافت پر دور ہے تو اس کے لئے اجر لینا گناہ نہیں۔ کیونکہ اتنے سفر سے اسے ضرر لاحق ہوگا۔

مسئلہ اگر گواہ پیدل چل کر گواہی دینے کی قدرت رکھتا ہے لیکن مدعی نے اپنی طرف سے اسے سواری دی تو اس کی گواہی مدعی سے سواری لینے کی وجہ سے ناقابل قبول ہے۔

مسئلہ پیدل چل کر گواہی نہیں دے سکتا اور مدعی نے اپنی طرف سے اسے سوار کیا تو کوئی حرج نہیں۔ (لا باس بہ ہے) جائز ہے۔

مسئلہ مسلمان کے ظاہری اچھے حال (نیکی) پر اکتفا کر کے گواہی لینا کافی ہے سوائے حدود و قصاص کے اگر اس پر خصم طعن کرے تو اس کی عدالت (باطنی طور نیکی) کی تحقیق ضروری ہے یہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہے صاحبین رحمہما اللہ نے فرمایا کہ سراً و علانیۃً اس کی نیکی کا سوال جملہ حقوق میں

ضروری ہے اسی پر فتویٰ ہے۔

فائدہ بعض نے توحید کی شہادۃ کو بھی اسی آیت میں داخل فرمایا ہے چنانچہ حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ قائم ہیں ساتھ حفاظت اس کے جو انہوں نے ان لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی گواہی دی اور اقرار کیا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے نہ افعال میں نہ اقوال میں۔

فائدہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے شاہد من العلم کے مقتضیٰ پر عمل کرتے ہیں یعنی جس کی گواہی دی تو اس کے حکم پر قائم ہوئے اور اپنے مشاہد کے حکم سے نہ کہ اس کے غیر سے صادر کیا۔

وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلٰوتِہِمْ یُحَافِظُوْنَ ہ اور وہ جو اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں نماز کی تقدیم اختصاص کا فائدہ دیتی ہے جو دلیل ہے اس بات کی محافظت صرف نماز پر مقصور ہے اس سے ان کی حفاظت امور کی کی طرف تجاوز نہیں کرتی یعنی وہ اس کی شرائط کی رعایت اور اس کے فرائض و سنن و مستحبات و آداب کی تکمیل کرتے ہیں اور اس کی حفاظت کرتے، اسے ضائع کر دینے سے گناہوں کے ارتکاب سے۔

فائدہ اول میں نماز کا دوام کا ذکر نمازوں کی ذات کی وجہ سے تھا اب حفاظت کا ذکر ان کے احوال کی وجہ سے ہے۔

فائدہ المفردات میں ہے کہ اسمیں تنبیہ ہے کہ وہ لوگ نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں ان کے اوقات و ارکان کی رعایت کر کے اور انہیں قائم رکھتے ہیں جیسے کہ وہ ان کے گلے کا ہار ہے کیونکہ خود نماز بھی ان کی حفاظت کرتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان الصلوٰۃ تنھٰی عن الفحشاء والمنکر بیشک نماز فحش اور برائی سے روکتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے جو نماز کی محافظت کرتا ہے تو وہ نماز قیامت میں اس کے لئے نور و برہان و نجات ہوگی اور جو نماز کی محافظت نہیں کرتا تو قیامت میں اس کے لئے نہ نور ہوگا نہ برہان نہ نجات بلکہ وہ قیامت میں قارون و فرعون و ہامان اور ابی بن خلف (کافروں) کے ساتھ ہوگا۔

فائدہ ابی بن خلف وہ ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُحد کی جنگ میں گردن پر تیر مارا تو مکہ معظمہ کے راستہ میں مرگیا بہت شدید کافر ابوجہل سے بھی بڑھ کر سرکش تھا اس پر اتنی دلیل کافی ہے کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں مارا گیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ مبارک سے سوائے اس کے کسی اور کو قتل نہیں کیا۔

فائدہ بعض علمأ کرام نے محافظت کو ادامہ (مداومت) میں شامل فرمایا ہے جیسا کہ حافظوا علی الصلوات والصلوۃ الوسطی کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے اس معنی پر یہ تعمیم بعد التخصیص کے قبیل سے ہوگی فائدہ کی تتمیم کے لئے اور خبردار کرنا ہے کہ نماز وہ واجب ہے جو ایمان کے بعد سب سے اوّل اسی کی ادائیگی واجب ہے اور تمام واجبات و فرائض میں وہ آخری فریضہ ہے کہ جس کی رعایت ضروری ہے (جیسے گذرا) بعض علمأ نے فرمایا کہ دَائِمُوْن میں دوام کا تعلق فرائض سے اور حافظون میں محافظت کا تعلق نوافل سے ہے۔

فائدہ خلاصہ یہ کہ نماز کے ذکر میں تکرار اور ان کی وصف اوّل میں بھی نماز سے اور آخر میں بھی نماز سے دو اعتباروں سے ہے۔

(۱) اس کی فضیلت پر دلالت۔

(۲) تمام طاعات پر اس کی فوقیت اور اسمأ موصولہ کا تکرار بھی اسی لئے ہے تاکہ معلوم ہو کہ اختلاف الصفات بمنزلہ اختلاف الذوات کے ہے۔ نیز تاکہ تنبیہ ہو کہ ان صفات میں سے ہر صفت اس لائق ہے کہ اس کے لئے ایک علیحدہ مستقل موصوف ہو کیونکہ یہ ہر ایک صفت بہت بڑی شان والی ہے یہ نہیں کہ کون سی صفت کسی دوسری صفت کی تتمہ ہے

فائدہ بعض نے کہا کہ ان کا عطف تغایر ذاتی سے نہیں بلکہ اعتباری سے ہے کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ دائمین کوئی اور تھے اور محافظین کوئی اور بلکہ اس سے ان اہل ایمان کی مدح مقصود ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ اقدس میں تھے کہ ان کا اخلاق کتنا بلند تھا اور ان کے کیسے اعمال و افعال پسندیدہ تھے اس میں ان لوگوں کو ترغیب ہے جو قیامت تک آنیوالے ہیں

سوال برہان القرآن میں ہے کہ الا المصلین الخ سورۃ مؤمنین (پ۱۸) کے اوّل میں بھی مومن کی خصال محمودہ کا ذکر اسی طرح ہے لیکن اس سورہ معارج میں وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ۝ کا اضافہ کیوں؟

جواب اس لئے کہ یہ شہادت وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ کے بعد واقع ہوئی اور اقامۃ شہادت ایک امانت ہے جسے ادا کرنا چاہیئے جب اس کی اس کے صاحب کو حاجت ہو اس سے اسلئے حق ہے تو سورہ المؤمنین (پ ۱۸) میں اسے منجملہ از امانت بتایا گیا اور یہاں اسے امانت میں ذکر کے بعد خصوصی زیادتی سے بیان کیا گیا ہے چنانچہ الا المصلین الخ کے بعد فرمایا۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلٰوتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا والذین ھم الخ وہ لوگ صلوٰۃ القلب کی حفاظت کرتے ہیں یعنی مراقبہ کی یا صلوٰۃ النفس یعنی ظاہری نماز کی اور فتح الرحمٰن میں ہے کہ تمام قرآن صورۃ میں صلوٰۃ کے لفظ واحد اور ایسے ہی سورۃ انعام میں صیغہ واحد پر متفق ہیں بخلاف سورۃ المؤمنین (پ۱۸) کے کہ اس میں جمع کا صیغہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ سورۃ المؤمنین میں اول میں اس کی عظیم وصف بیان فرمائی مثلاً قد افلح الخ اور آخر میں بھی عظیم جزا مذکور ہے یعنی اولٰئک ھم الوارثون الخ لیکن معارج و انعام (سورۃ) میں یہ بات نہیں ہے اسی سورۃ المؤمنین میں جمع کا صیغہ موزوں ہے اور دوسری سورتوں میں (معارج - انعام) صیغہ واحد - اولٰئک وہ جنکی صفات فاضلہ مذکور ہوئیں فِیْ جَنّٰتٍ ایسی جنات میں ٹھہریں گے جن کی صفات و قدر بیان سے باہر اور جن کی کُنہ کا ادراک نہیں ہو سکتا مُکْرَمُوْنَ اعزاز والے ہوں گے ثواب ابدی اور جزا سرمدی سے جنہیں آخرت میں اعزاز ملے گا تو گویا آج بھی اسی اعزاز والے ہیں یہ خبر کے بعد خبر ہے یا خبر یہی ہے اور فی جنات اس کے متعلق ہے مقدم ہے فواصل کی رعایت سے یا جنات کا متعلق محذوف اور وہ خبر مکرمون کی ضمیر سے حال ہے کہ در اصل کائنین فی جنات تھا۔

تفسیر عالمانہ فَمَالِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا تو کیا ہوا کافروں کو جو ایسی صفات جلیلہ مذکورہ کے موصوف ہونے سے محروم ہوئے ما استفہامیہ انکاریہ ہے محلاً مرفوع مبتدأ الذین کفروا اس کی خبر ہے لام جار علیحدہ لکھی گئی مصحف عثمان رضی اللہ عنہ کی اتباع میں۔

فائدہ فتح الرحمٰن میں ہے ابو عمرو (قاری) اور الکسائی نے الف پر وقف کیا نہ کہ لام پر سورۃ نسأ میں فمال ھؤلاء میں اور سورۃ کہف میں مال ھذا الکتاب اور سورۃ فرقان میں مال ھذا الرسول میں اور سورۃ سأل میں فمال الذین میں اور باقی قراء نے فمال میں لام پر وقف کیا ہے خط عثمانی (مصحف) کی اتباع میں اور ابن عطیہ نے

اکہ ایک جماعت نے ایسا کرنے سے منع کیا ہے کہ اسے علیحدہ لکھا جائے (کیونکہ یہ حرف جارہ ہے اور جارہ مجرور کا بجزو ہوتا ہے لیکن یہ بحسب ضرورت اور انقطاع کے وقت کی بات ہے ہاں اگر کوئی ابتداً ہی اس پر (بلا ضرورت و نقطاع نفس کے وقف کرے تو پھر جائز نہیں (اس پر سب کا اتفاق ہے۔ قِبَلَکَ تمہاری طرف۔ یہ حال منوی ہے ذِیْنَ کَفَرُوْا سے۔ یعنی انہیں کیا ہے درآنحالیکہ ثابت ہیں ارد گرد تمہارے مُھْطِعِیْنَ تیز نگاہ سے دیکھنے لے یہ من قِبَلَکَ کے متعلق کی ضمیر سے حال ہے۔

ل لغات الاھراع بمعنی اسراع ، مُھْطِعِیْنَ بمعنی مُسْرِعِیْنَ گردن اٹھا کر تیز دوڑنے والے اور دوڑتے وقت تیری طرف آنکھیں ڈال کر متوجہ ہونے والے ہیں۔

عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِیْنَ۔ داہنے اور بائیں گروہ کے گروہ۔ جار مجرور عزین کے متعلق ہے

کیونکہ یہ بمعنی متفرقین ہے اور عِزِیْنَ حال کے بعد حال ہے منوی ہے لِلَّذِیْنَ میں بمعنی فِرَقًا شَتّٰی متفرق

گروہ ۔ یعنی گروہ کے گروہ حلقہ زدگان ۔

حل لغات عِزَۃٌ کی جمع ہے بمعنی لوگوں کا ایک گروہ ۔ دراصل عزوۃ تھا از عَزْوٌ بمعنی انتماء و انتساب

گویا ایک گروہ اس کی طرف منسوب ہے جو دوسرے گروہ کے منسوب الیہ کا غیر ہے والدیّ

یا مظاہرہ میں ۔

شان نزول کفار جدا جدا ٹولیاں ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اردگرد حلقہ باندھ کر آپکے

مبارک کلام کا استہزا کرتے ہوئے کہتے کہ کیا جیسے (حضرت) محمد (مصطفٰی) صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کہتے ہیں یہی (غریب و مسکین صحابہ رضی اللہ عنہم) جنت میں جائیں گے یہ جائیں گے تو ہم ان سے پہلے دا

ہوں گے ان کے لئے یہ آیت نازل ہوئی ۔

حل لغات اَیَطْمَعُ کیا طمع کرتا ہے ۔

(الطمع) نفس کا میلان ایسی شے کی طرف جس کی اسے خواہش ہے ویسے اکثر طمع خواہ

سے ہوتا ۔

کُلُّ امْرِئٍ ہر مرد مِّنْهُمْ انہیں سے یعنی تمہاری طرف تیز نگاہ دوڑنے والے اَنْ یُّدْخَلَ جَنَّ

نَعِیْمٍ یہ کہ چین کے باغ میں داخل ہو ایمان سے وہ جنت ایسی ہے کہ جہاں چین کے سوا ہے کچھ نہیں

نہ تنغص نہ طبع میلی ہو نہ کھٹی ہو چین ہی چین ہے کَلَّا ہرگز نہیں انہیں زجر و توبیخ ہے اس طمع سے

کے لئے خالی ہے یعنی اس طمع کو چھوڑو اور بات ختم کرو ۔ خلاصہ یہ کہ کافروں نے جو کچھ سمجھ لیا وہ بالکل

ایسا ہرگز نہیں بلکہ ان کے لئے بہشت کی طرف راہ ہے بھی نہیں ۔

سوال ان کو بہشت کا طمع کیا جبکہ وہ تو جو کہا استہزاءً کہا ۔

اللہ تعالیٰ ان کے احوال سے باخبر ہے ممکن ہے ان میں بعض ایسے ہوں جنہیں جنت کا طم

جواب اسی معنی پر ردع (کَلَّا) سے قطع طمع ہے ان ضعیف خیال لوگوں کا جو سمجھتے ہیں کہ ممکن ہ

کافر بھی بہشت میں جائیں نیز یدخل میں یہ احتمال بھی ہے کہ یدخل صیغہ مجہول از افعال ہو نہ بصیغہ معلوم

تو یہی ہے کہ یہ ان کے قول کا رد ہے کہ کہا تھا کہ ہم بہشت میں داخل ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے آگاہ فر

بہشت میں وہی داخل ہوگا جسے اللہ تعالیٰ داخل فرمائے اور ملائکہ کا حکم ہو کہ اسے داخل کرو علاوہ ازی

سبب بہشت کے داخلہ کا شفاعت (محبوبان خدا) ہے اور شفاعت سے کفار قطعی طور پر محروم ہیں

ہے کہ دخول کا اسناد اخبارً یا انشاءً ان کی طرف ہے جن سے اللہ راضی ہو اور یہ تو اللہ کے مغضوب ہیں

مکرم وہ ہیں جو مؤمن ہیں اوران کے اعمال نیک ہیں ان کے لئے اللہ نے فرمایا اُولٰئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ۔ وہی (مومن اور صالحین) بہشت میں داخل ہوں گے اور فرمایا ادخلو الجنة (اے مومنو تم بہشت میں داخل ہو جاؤ۔

نکتہ جنت کی تنکیر میں آگاہ کرنا ہے کہ کفار ہر طرح کی جنت سے محروم ہیں اگرچہ جنان بے شمار ہیں اور اسے نعیم سے موصوف کرنے میں بتایا گیا ہے کہ ہر جنت نعمت سے پُر ہے اور جو جنت کی نعمت سے محروم ہوا وہ سیدھا جہنم کے عذاب میں داخل ہوا۔ اور لفظ کلا سے بتانا ہے کہ جو اس قول کے بعد بھی ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کرے تو اسے حق پہنچتا ہے کہ وہ جنت کا طمع کرے ورنہ ردع (کَلَّا) زجر اور رد اور رکاوٹ ان تمام کے لئے جو ایمان نہیں لاتے۔

اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ بے شک ہم نے انہیں پیدا کیا مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ اس سے جو وہ جانتے ہیں یہ ایسے ہے جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا ولقد علمتم النشاة الاولیٰ اور بے شک تمہیں اپنی تخلیق اولیٰ معلوم ہے۔ اور جملہ مستانفہ ہے اسی لئے سجاوندی نے علامت وقف (کَلَّا) پر رکھی ہے کیونکہ اس کے نزدیک کلام وہاں ختم ہو گیا یہ تمہید ہے مابعد کے لئے جبکہ پہلے قدرت کا بیان فرمایا کہ وہ قادر ہے کہ وہ انہیں ان کے کفر بالبعث والجزا اور استہزا بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَبِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ اور ان کے دعویٰ ازراہ تمسخر کہ ہم بھی بہشت میں داخل ہوں گے کی وجہ سے ہلاک کرکے ان کے بدلے اور لوگ پیدا کرے کیونکہ وہ قدرت کا مالک ہے جیسے انہیں معلوم ہے کہ اس نے نشاۃ (تخلیق) اول میں انہیں نطفہ سے پھر علقہ سے پھر مضغہ سے پیدا فرمایا یہ اس کی قدرت کی بہت بڑی حجت اور قوی دلیل ہے جیسا کہ اس کے بعد فا فصیحہ کی خبر دیتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ بیشک ہم نے پیدا کیا شقاوۃ ازلیہ سے عداوۃ ابدیہ کے لئے بائیں ہاتھ جلالیہ قہریہ سے پھر وہ کیسے ان کی جگہ پر اتر سکتے ہیں جنہیں ہم نے سعادۃ ازلیہ سے محبت ابدیہ کے لئے دائیں ہاتھ جمالیہ لطیفہ سے پیدا فرمایا یہ تو حکمت الٰہیہ اور ارادہ سرمدیہ کے خلاف ہے ہاں نطفہ اور گل گارہ کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ اسمیں تمام مشترک ہیں۔ اعتبار ہے تو برگزیدگی اور خاصیت فی المعرفۃ کا پس جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا وہ اللہ تعالیٰ کے جوار میں ہو گا کیونکہ ایسے خوش بخت انسان کے جسم کی مٹی درحقیقت جنت کی ہے اور اس کی روح ملکوت کے نور سے ہے اور جو اس کی معرفت سے جاہل ہے وہ اس سے بعید ہے کیونکہ درحقیقت وہ عالم نار سے ہے اور ہر شے اپنی اصل کی طرف رجوع کرتی ہے۔

تفسیر عالمانہ فَلَآ اُقْسِمُ مجھے قسم ہے اس کے نظائر گذرے ہیں۔ حضرت کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ فلا یعنی ایسے نہیں ہے جیسے کا ذکر ہو رہے ہیں۔ اُقْسِمُ مجھے قسم ہے۔ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ

وَالْمَغْرِبِ مشارق ومغارب کے پروردگار کی ۔

نکتہ مشارق ومغارب جمع کے صیغے اس لئے ہیں کہ ہر سال کی روزانہ نئی مشرق اور نئی مغرب ہوتی ہے اسی لئے سال کی موسم سرما وگرما مشارق ایک سو اسی اور مغارب کی ایک سو اسی ہے خلاصہ یہ کہ قسم ہے مشارق کے پروردگار کی یعنی سورج کے مشارق کی اور وہ ہر روز نئے نقطے سے طلوع کرتا ہے اور قسم ہے کہ مغارب کے پروردگار کی یعنی سورج کے غروب کی روزانہ نئی جگہ ہے یا مشرق سے ہر ستارہ کی طلوع گاہ اور مغرب سے اس کی غروب گاہ مراد ہے یعنی مشارق ومغارب سے ہر ستارہ کی مشرق ومغرب مراد ہے۔ جو کہ وہ ایک کا دائرہ افق سے نیا نقطہ ہے۔

فائدہ مشرق سے ہر نبی علیہ السلام کی دعوت کا ظہور اور مغرب سے اس کے وصال کی گھڑی مراد ہے یا مختلف قسم کی ہدایات وخذلانات (رسوائیاں) مراد ہیں۔

اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ؕ بیشک ہم قادر ہیں۔ یہ قسم کا جواب ہے عَلٰٓی اَنْ نُّبَدِّلَ خَیْرًا مِّنْهُمْ یہ کہ بدل دیں ان سے بہتر۔ یہاں مفعول اول محذوف ہے دراصل نُبَدِّلَ لَهُمْ تھا چونکہ وجہ معلوم ہے اس لئے حذف کیا گیا۔ خَیْرًا مفعول ثانی ہے بمعنی التفضیل بتقدیر تسلیم (جیسے وہ سمجھتے ہیں کہ ہم بہتر ہیں ورنہ مشرکین میں خیریت کیسی یا معنیٰ یہ ہے کہ ہم ایک بار انہیں ہلاکت میں ڈال دیں جیسے ان کے کرتوتوں کا تقاضا ہے اور ان کے بدلے میں اور لوگ لائیں جو ان کی صفت پر نہ ہوں تو یہ تبدیلی واقع نہ ہوگی (جیسے مطلوب ہے یہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ڈرانے دھمکانے کے لئے فرمایا ہے تاکہ ایمان لائیں بعض نے کہا کہ یہ تبدیلی ہو گئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی میں مہاجرین وانصار پیدا فرما دیئے۔

وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِیْنَ ۝ اور ہم سے کوئی نکل کر جا نہیں سکتا۔ مسبوق مغلوب بھی یعنی اگر ہم ایسے کریں (تو کر سکتے ہیں) لیکن ہماری مشیت حکمت بالغہ پر مبنی ہے (اسی لئے نہیں کرتے) کیونکہ اس کا تقاضا ہے کہ کفار کی سزاؤں میں کچھ تاخیر ہو جائے خلاصہ یہ کہ ہم سے کوئی بھی سبقت نہیں کر سکتا اگر ہم کسی معاملہ کا ارادہ کریں تو کوئی بھی نکل کر نہ جائے گا اور نہ ہی ہم مغلوب ہیں کہ وہ امر کسی کے سامنے ظاہر نہ کر سکیں بعض نے مسبوق کا معنیٰ عاجز کیا ہے یعنی جس سے کوئی نکل جائے تو وہ اس کی عجز کی دلیل ہے ۔

فَذَرْهُمْ تو انہیں چھوڑ دو انہیں ان کے حال پر رہنے دو۔ یَخُوْضُوْا (وہ بیہودگیوں میں پڑے رہیں، اور باطل امور میں شروع ہوئے منجملہ ان کے ایک وہی جو ان میں مذکور رہا کہ ہم بھی بہشت میں داخل ہو جائیں گے وغیرہ وغیرہ) یہ امر کا جواب اور کفار کو تہدید وتوبیخ ہے جیسے دوسری جگہ فرمایا اعملوا ما شئتم کرو جو چاہو۔ وَیَلْعَبُوْا اور کھیلتے ہوئے۔ دنیا میں ان امور میں مشغول ہونا جو انہیں کوئی فائدہ نہ دیں اور

تم اس میں مشغول رہو جس کے تم مامور ہو اور یہ آیت سیف سے منسوخ ہے ۔ حَتّٰی یُلٰقُوْا (یہاں تک کہ خود ملیں۔ الملاقاۃ سے ہے بمعنی المعاینہ' آنکھوں سے خود دیکھنا۔ یَوْمَهُمُ اپنے اس دن کو۔ نفخہ ثانیہ کے وقت بعث (مرنے کے بعد اٹھنے کے) کے دن اور یہ اضافت ہے کیونکہ وہ دن کل مخلوق کا ہے اور یہ بھی ان ہی سے ہے یا اس لئے کہ قیامت کافروں کا ہے اسی دن سے عذاب شدید میں مبتلا ہوں گے اور اہل ایمان کا دن ہے کہ اسی دن انہیں ثواب نصیب ہوگا اس معنیٰ پر دو یوم ہے اسی لئے اسے اضافت سے علیحدہ کیا گیا۔ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ ۙ جس کا وعدہ دیئے جاتے تھے جیسے آج کہا جاتا ہے یا ہمیشہ انہیں کہا جاتا۔ یہ وعدے ہے کہ جیسے وہ خود کہتے مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ یہ وعدہ کب ہے یہ الایعاد (ڈرانا) ہو تو بھی جائز ہے یَوْمَ یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ جس دن قبروں سے نکلیں گے۔ یَوْمَهُمْ سے بدل ہے اسی لئے اسے یوم البعث پر محمول کیا گیا ہے۔ الاجداث جدث کی جمع ہے بمعنی قبر۔ سِرَاعًا جھپٹتے ہوئے۔ یخرجون کی ضمیر جمع سے حال ہے۔ سِرَاعٌ سریع کی جمع ہے جیسے ظِرَاف ظریف کی جمع ہے یعنی جھپٹنے والے داعی اور اس کی آواز کی طرف اس سے اسرافیل علیہ السلام مراد ہیں جو صخرۂ بیت المقدس پر کھڑے ہو کر نفخ صور فرمائیں گے۔ کَاَنَّهُمْ اِلٰی نُصُبٍ گویا وہ نشانوں کی طرف۔ مرفوع سے دوسرا حال ہے۔ نصب ہر وہ شے جو پرستش کے لئے ٹانگی جائے۔ بت وغیرہ۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ دام جس سے شکار کیا جائے (شکار پھنس جانے کے بعد) شکاری اس کی طرف خوب دوڑتا ہے۔ اس کا واحد نصاب ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ (اور وہ جو ذبح کیا جائے تھان پر)۔ عرب کافروں مشرکوں کی عادت تھی کہ وہ پتھروں کو پوجتے تھے اور ان کے ہاں جا کر جانور ذبح کرتے تھے اخفش نے کہا یہ نصب کی جمع ہے کہ رہن اور انصاب جمع الجمع ہے۔ یُوْفِضُوْنَ۔ لپک رہے ہیں۔

حل لغات الایفاض، دوڑنا۔ اس کا اصل متعدی ہونا ہے بمعنی یُسْرِعُوْنَ۔ یعنی ان میں کون پہلے اسے ہاتھ لگائے گا اس میں انکے جاہلیت کے حال کی قباحت کا اظہار اور ان کی جہالات کا ذکر کر کے ان سے تہکم مطلوب ہے کہ ان کی کیسی گندی اور غلط عادت ہے کہ ایسی چیزوں کی طرف لپکتے ہیں جو نہ کسی کو نفع دیں نہ نقصان۔

خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ آنکھیں نیچی کئے ہوئے۔ یہ یوفضون کے فاعل سے حال ہے اور ابصارھم خاشعۃ کا فاعل ہے بطریق اسناد مجازی کے (یعنی انکی آنکھیں خشوع سے (نیچی ہوں گی) موصوف ہوں گی حالانکہ یہ حالت اس کے سارے جسم کی ہو گی تو چونکہ خشوع کا ظہور و آثار ان میں زیادہ ہوگا اسی لئے انکی تصریح کی گئی ہے۔

فائدہ اب معنی یہ ہوا کہ ان کی آنکھیں ذلیل اور نیچی ہوں گی۔ عذاب کی وجہ سے انہیں اوپر اٹھا کر نہ دیکھ سکیں گے۔

تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ " ان پر ذلت چڑھ جائے گی۔ یہ بھی یوفضون کے فاعل سے حال ہے یعنی ان پر شدید ذلت چڑھ جائے گی۔ ذِلَّةٌ " معنی خواری وغیرہ۔ ذٰلِكَ یہ یوم مذکور جمیں ہولناک احوال واقع ہوں گے یہ مبتدا ہے اس کی خبر۔ الْيَوْمُ الَّذِىْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ وہی دن ہے جس کا وعدہ دیئے جاتے تھے۔ دنیا میں انبیاء و رسل علی نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زبانوں سے اور وہ ان کی تکذیب کرتے تھے۔ اس سے تکرار کا تو ہم اٹھ گیا کیونکہ پہلا وعدہ محمول ہے آنی و استمراری پر جیسے گذرا اور یہ وعدہ ہے زمانہ ماضی پر بقرینہ لفظ کان۔

تفسیر صوفیانہ الذلۃ میں ذلۃ انانیۃ کی طرف اشارہ ہے کہ جب وہ قبور سے اٹھیں گے تو وہ ان صورتوں کی طرف دوڑیں گے جو انکی باطنی ہیئت کے مناسب ہوں گی یعنی انانیت والے نہایت ہی بری صورت میں ہوں گے کہ ان کے ان کا ظاہر و باطن پر مسخ ہو چکا ہو گا جیسے ابلیس کے لئے ہوا کہ وہ بھی انانیت سے مارا گیا کہ کہا تھا اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ تو جیسے ابلیس (شیطان) مقام قرب سے ہٹایا گیا اور اسے بُعد و فراق کی ذلت چڑھ گئی ایسے ہی انسانوں میں اس کے ہمنوا کا حال ہے اسی لئے سلف صالحین رحمہم اللہ سینہ سے خون کے آنسو بہاتے بالخصوص وہ حضرات جو اپنے میں انانیت محسوس کرتے ہیں کیونکہ وہ یقین کے آثار سے ہے اور توحید حقیقی یہ ہے کہ وہ بندہ اپنے نفس سے فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہو جائے۔ اگر انانیت میں سے اسمیں کچھ باقی ہے تو وہ اس کی دلیل ہے کہ اسمیں ناسوتیۃ ہے کیونکہ برتن سے وہی ٹپکتا ہے جو اسمیں ہوتا ہے۔ مبارکباد ہو اسے جس کے اندر سے حق ٹپکتا ہے نہ کہ نفسانیت۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توحید مرتبہ عطا فرمائے۔

فراغت صاحب روح البیان: صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ سورۃ معارج کی تفسیر سے داخل و خارج کے خالق کی مدد سے ۱۰ ر شوال ۱۱۱۶ھ کو فراغت ہوئی اور فقیر اویسی غفرلہٗ نے سورۃ المعارج کی تفسیر کے ترجمہ سے ۳ ج ا ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۴ ر دسمبر ۱۹۸۸ء بروز بدھ فراغت پائی۔ الحمد للہ علیٰ ذلک وصلی اللہ علی حبیبہ الکریم وعلی آلہٖ و اصحابہ اجمعین

الفقیر القادری ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ

بہاولپور۔ پاکستان

سُورَةُ نُوحٍ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ آيَاتُهَا ٢٨ رُكُوعَاتُهَا ٢

سورۂ نوح مکی ہے اس میں اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا اٹھائیس آیتیں اور دو رکوع

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖۤ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ

بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا کہ ان کو ڈرا اس سے پہلے کہ ان پر درد ناک

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ① قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ② اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

عذاب آئے اس نے فرمایا اے میری قوم میں تمہارے لیے صریح ڈر سنانے والا ہوں کہ اللہ کی بندگی کرو

وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ③ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰۤی اَجَلٍ

اور اس سے ڈرو اور میرا حکم مانو وہ تمہارے کچھ گناہ بخش دے گا اور ایک مقرر میعاد تک تمہیں مہلت دے گا

مُّسَمًّى ؕ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ④ قَالَ رَبِّ

بے شک اللہ کا وعدہ جب آتا ہے ہٹایا نہیں جاتا کسی طرح تم جانتے عرض کی اے میرے

اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَيْلًا وَّنَهَارًا ⑤ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِیْۤ اِلَّا فِرَارًا ⑥

رب میں نے اپنی قوم کو رات دن بلایا تو میرے بلانے سے انہیں بھاگنا ہی بڑھا

وَاِنِّیْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْۤا اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا

اور میں نے جتنی بار انہیں بلایا کہ تو ان کو بخشے انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور اپنے کپڑے

ثِيَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ⑦ ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ⑧ ثُمَّ

اوڑھ لیے اور ہٹ کی اور بڑا غرور کیا پھر میں نے انہیں علانیہ بلایا پھر میں

اِنِّیْۤ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ⑨ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ

نے ان سے باعلان بھی کہا اور آہستہ خفیہ بھی کہا تو میں نے کہا اپنے رب سے معافی مانگو وہ بڑا

كَانَ غَفَّارًا ⑩ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ⑪ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ

معاف فرمانے والا ہے تم پر شرانٹے کا مینہ بھیجے گا اور مال اور بیٹوں سے

وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ⑫ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ

تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے لیے باغ بنا دے گا اور تمہارے لیے نہریں بنائے گا تمہیں کیا ہوا اللہ سے عزت حاصل

وَقَارًا ﴿۱۳﴾ وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ﴿۱۴﴾ أَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ

کرنے کی امید نہیں کرتے حالانکہ اس نے تمہیں طرح طرح بنایا کیا تم نہیں دیکھتے اللہ نے کیونکر سات آسمان بنائے ایک پر

طِبَاقًا ﴿۱۵﴾ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿۱۶﴾ وَاللّٰهُ

ایک اور ان میں چاند کو روشن کیا اور سورج کو چراغ اور اللہ

أَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا ﴿۱۷﴾ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا ﴿۱۸﴾

نے تمہیں سبزے کی طرح زمین سے اُگایا پھر تمہیں اسی میں لے جائے گا اور دوبارہ نکالے گا

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ بِسَاطًا ﴿۱۹﴾ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿۲۰﴾ قَالَ

اور اللہ نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا کہ اس کے وسیع راستوں میں چلو نوح نے

نُوْحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗٓ إِلَّا خَسَارًا ﴿۲۱﴾

عرض کی اے میرے رب انہوں نے میری نافرمانی کی اور ایسے کے پیچھے ہولیے جسے اس کے مال اور اولاد نے نقصان ہی بڑھایا

وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿۲۲﴾ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا

اور بہت بڑا داؤں کھیلے اور بولے ہرگز نہ چھوڑنا اپنے خداؤں کو اور ہرگز نہ چھوڑنا وَدّ اور سواع

وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴿۲۳﴾ وَقَدْ أَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ

اور یغوث اور یعوق اور نسر کو اور بے شک انہوں نے بہتوں کو بہکایا اور تو ظالموں کو

إِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۳﴾ مِمَّا خَطِيْٓئٰتِهِمْ أُغْرِقُوْا فَأُدْخِلُوْا نَارًا ۙ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ

زیادہ نہ کرنا مگر گمراہی اپنی کیسی خطاؤں پر ڈبوئے گئے پھر آگ میں داخل کیے گئے تو انہوں نے اللہ کے مقابل اپنا

دُوْنِ اللّٰهِ أَنْصَارًا ﴿۲۵﴾ وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ

کوئی مددگار نہ پایا اور نوح نے عرض کی اے میرے رب زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے

الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ إِنَّكَ إِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا إِلَّا فَاجِرًا

والا نہ چھوڑ بے شک اگر تو انہیں رہنے دے گا تو تیرے بندوں کو گمراہ کردیں گے اور ان کے اولاد ہوگی تو وہ بھی نہ ہوگی

كَفَّارًا ﴿۲۷﴾ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّ

مگر بدکار بڑی ناشکر اے میرے رب مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور اسے جو ایمان کے ساتھ میرے گھر میں ہے اور

لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ إِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾

سب مسلمان مردوں اور سب مسلمان عورتوں کو اور کافروں کو نہ بڑھا مگر تباہی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ۔

تفسیر عالمانہ اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖٓ بیشک ہم نے نوح (علیہ السلام) کو اس کی قوم کی طرف بھیجا۔ اللہ تعالیٰ اپنے لئے جمع کا صیغہ متکلم کے اسرار بار بار لکھے جا چکے ہیں ۔

حل لغات الارسال الامساک کا مقابل ہے یہ بھی تسخیر کے لئے ہوتا ہے جیسے ارسال الریح والمطر ہوا و برسات کو چھوڑنا اور سان کو وہ چھوڑتا ہے جسے اختیار ہو جیسے اسے ارسال ارسل رسل رہم کا بھیجنا یا ارسال تخلیہ و ترک المنع کے لئے ہوتا ہے جیسے انا ارسلنا الشیاطین علی الکافرین ۔ بیشک ہم نے کافروں پر شیاطین کو چھوڑا یعنی انہیں نہ روکا ان سے ۔

نوح علیہ السلام کا تعارف حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نوح علیہ السلام کا اسم گرامی عبدالغفار ہے (علیہ السلام) چونکہ آپ بکثرت گریہ فرماتے تھے اسی لئے اسی نام سے موسوم ہوئے اور آپ کو ایک جزیرہ کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا آپ نے وہاں کے لوگوں کو پیغام الٰہی پہنچایا ۔ یہ عربی لفظ ہے اس کی وجہ اور بر عرض کی گئی ہے یا سریانی ہے بمعنی ساکن اور وہ اس لئے کہ آپ کی وجہ سے زمین نے کفار کی خباثتوں سے پاک ہو کر آپ کی وجہ سے سکون پایا۔ ایک قول کے مطابق آپ وہ پہلے نبی علیہ السلام ہیں کہ آپ کو شریعت عطا ہوئی اور اکثر علماء کے نزدیک آپ اولوالعزم رسل کرام علیہم السلام سے پہلے آپ ہیں اور شرک پر سب سے پہلے نذیر (ڈر سنانے والے) آپ ہیں کیونکہ آپ کی قوم بت پرستی کرتی تھی آپ ہی سب سے پہلے نبی علیہ السلام ہیں جن کی امت عذاب میں مبتلا ہوئی آپ شیخ المرسلین ہیں (صلی اللہ علی نبینا علیہ وآلہ وسلم) آپ چالیس سال یا تین سو پچاس سال یا چار سو اسی سال کے تھے کہ مبعوث ہوئے اور قوم میں پچاس کم ایک ہزار سال رہے اور طوفان کے بعد سے سال دنیا میں گذارے ۔

نکتہ بعض اہل تفسیر نے فرمایا کہ آپ ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح روئے زمین کے رسول نہ تھے کیونکہ قرآن میں اِلٰی قَوْمِہٖ ہے اگر آپ جملہ روئے زمین کے رسول ہوتے تو آپ کے لئے کہا جاتا ارسل الی الکل الی الخلق (تمام کے رسول جملہ مخلوق کے رسول) جیسے ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کہا گیا۔ وما ارسلنٰک الا کافۃ للناس اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کا رسول بنا کر بھیجا اور خود حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ۔

کان النبی یبعث الی قومہ خاصۃ
وبعثت الی الناس عامہ

ترجمہ ، دوسرے نبی اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے اور
میں تمام لوگوں کا رسول ہوں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

سوال اگر صرف اپنی قوم کے رسول تھے (یعنی نوح علیہ السلام) تو دوسروں کا کونسا جرم تھا کہ آپ نے تمام کافروں کے لئے عذاب کی دعا کی چنانچہ کہا رب لا تذر علی الکافرین دیارا ۔ اے اللہ زمین پر کوئی جھونپڑا کافر کا نہ چھوڑ جب آپ ان کے رسول نہ تھے تو ان سے مخالفت صادر نہ ہوئی نہ ہی ان کے مجرم ٹھہرے تو پھر وہ تباہی عذاب کے مستحق کیسے ؛

جواب شاید اس وقت روئے زمین پر کفار سب اس عادت پر ہوں جو آپ کی قوم کی تھی جب وہ سب ایک ہی عادۃ پر تھے تو اسی عذاب کے مستحق تھے جو آپ کی قوم تھی اسی لئے آپ نے سب کو دعائے اہلاک میں ملایا۔

سوال یہ تقریر جواب انسان العیون کی تقریر کے خلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نبی علیہ السلام اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا یعنی اپنے جمیع اہل زمانہ کی طرف یا ایک مخصوص جماعت کی طرف اور حضرت نوح علیہ السلام پہلی قسم میں سے تھے یعنی اپنی جمیع اہل زمان کی طرف جو اس وقت جملہ روئے زمین پر تھے جب آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دی گئی کہ جو آپ کے ساتھ ایمان لائے لا چکے یعنی کشتی والے اس کے بعد کوئی ایمان نہ لائے گا اور ایمان لانے والے اہل سفینہ کل اسّی تھے چالیس مرد اور چالیس عورتیں اور اس وقت کل آدمی صرف چار سو تھے (العوارف) بعض نے کہا کہ کل نفوس چار سو تھے آدمی اور غیر آدمی؟

جواب یہ تقریر ہمارے جواب کے منافی نہیں اس لئے کہ اہل ایمان کے سوا باقی تمام اہل ارض طوفان میں ہلاک ہوئے اور ان سب کے عذاب کی دعا بھی ہمارے منافی نہیں اس لئے انہوں نے آپ کی دعوت ترک عبادۃ الاوثان پر مخالفت کی تو دعا میں وہ بھی شامل ہوئے۔

سوال آیت وماکنا معذبین نبعث رسولا (اور ہم کسی کو عذاب نہیں کرتے جب تک ان میں رسول نہ بھیجیں) کے خلاف ہے تمہاری تقریر فلہٰذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نوح علیہ السلام تمام روئے زمین کے رسول تھے۔

سوال ایک قول میں ہے جسے مفسرین نے نقل کیا ہے وہ یہ کہ حضرت نوح علیہ السلام قابیل کی اولاد کی طرف مبعوث ہوئے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ روئے زمین کے رسول نہیں بلکہ ایک خاص قوم کے رسول تھے (علیہ الصلوٰۃ والسلام)۔

جواب یہ ہمارے دعویٰ کے خلاف نہیں اسی لئے کہ اس وقت روئے زمین پر اکثر اولاد تھی ہی قابیل کی۔

فائدہ صحیح یہی ہے کہ نوح علیہ السلام سب سے پہلے رسول ہیں جو بت پرستوں کی طرف بھیجے گئے کیونکہ آپ کی قوم نے ہی سب سے پہلے بت پرستی کی بنیاد رکھی آپ تشریف لاکر انہیں بت پرستی سے روکتے تھے۔

سوال روایات میں تو آتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ہی سب سے پہلے رسول ہیں اور تمہاری تقریر سے ثابت ہوتا ہے کہ سب سے پہلے رسول نوح علیہ السلام ہیں یہ کس طرح؟

جواب آدم علیہ السلام سب سے پہلے رسول ہیں صرف اپنی اولاد کے لئے کہ آپ نے انہیں ایمان کی دعوت دی اور احکام وشرائع کی تعلیم دی فقط اور بت پرستوں کو بت پرستی سے منع اور دعوت توحید

کے سب سے پہلے رسول نوح علیہ السلام ہیں۔

سوال تمہارے سابق دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام روئے زمین کے رسول ہیں اور ہمارا دعویٰ ہے کہ ہمارے نبی پاک تمام لوگوں کے رسول ہیں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس سے تو نوح علیہ السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت میں مساوات لازم آگئی حالانکہ ایسا نہیں۔

جواب نوح علیہ السلام کی رسالت عامہ اپنے ہم زمان کے لئے تھی اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اپنے ہم زمان کے علاوہ آنے والی نسلوں کے لئے تاقیامت عام ہے اس سے مساوات کہاں۔ ہماری اس تقریر سے وہ سوال اُٹھ گیا کہ طوفان کے بعد تو سوائے اہل ایمان کے کوئی نہ تھا اس معنی پر نوح علیہ السلام کی رسالت عامہ ہوئی اور نہ ہی حافظ ابن حجر قدس سرہٗ کے جواب کی ضرورت رہتی ہے انہوں نے فرمایا کہ نوح علیہ السلام کو یہ عموم طوفان کے بعد حاصل ہوا اصلی فضیلت نہ تھی بلکہ عارضی تھی جو بعد طوفان حاصل ہوئی اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت عامہ اصلی تھی۔

اَنْ یہ کہ اَنْذِرْ قَوْمَكَ اپنی قوم کو دوزخ سے ڈرایئے۔ بت پرستی کی وجہ سے تاکہ شرک سے رُک جائیں اور اللہ وحدہٗ پر ایمان لائیں۔ اَنْ مفسرہ ہے اس لئے کہ ارسال میں قول کا معنیٰ ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ان مصدریہ ہو اس سے حرف جارہ محذوف ہے اس کی وجہ سے فعل کی طرف اسم کو پہنچایا گیا دراصل بِاَنْ اَنْذِرْهُمْ تھا اور اس کا صلہ امر کو بنایا گیا ہے جیسے اللہ کے قول وان اقم وجهك میں کیونکہ اس کے وصل کا مدار الصیغ افعال مصدر پر دلالت کرنے کے لئے ہے اور خبریہ و انشائیہ میں اسے کوئی فرق نہیں پڑتا ہاں اسم موصول اسمی میں صلہ کا خبریہ ہونا واجب ہے تو اس کی وجہ اور ہے اور وہ یہ کہ موصول اسمی میں یہ ضرورت ہوتی ہے کہ وہ معرفہ کی وصف بنے لیکن وہ اکیلا معرفہ کی وصف نہیں بن سکتا اسی لئے اسے صلہ دے کر موصوف بنایا جاتا ہے اور اسے صلہ چاہیئے اور وہ جملہ خبریہ ہی ہو سکتا ہے نہ کہ انشائیہ بخلاف موصول حرفی کے کہ اسے کسی کی وصف بننے کی ضرورت نہیں اسی لئے اس کا صلہ جملہ خبریہ و انشائیہ ہر دونوں برابر ہیں اسی لئے اسے مصدر پر دلالت کے وقت اس کے صلہ کو اس کے صیغہ میں معنی خاص سے خالی کیا جاتا ہے یعنی نہ اسمیں ماضی کا لحاظ نہ مضارع کا نہ استقبال کا نہ امر کا اور نہ نہی صرف اسمیں حدث کا معنیٰ رہ جا سکتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ بعض عارفین نے فرمایا کہ انبیاء و اولیاء (علیٰ نبینا وعلیہم السلام) درجات قرب میں مختلف طرق پر ہیں ان کے بعض تو نور جلال سے نکلتے ہیں بعض نور جمال سے بعض نور عظمت سے بعض نور کبریا سے جو نور جمال سے نکلا تو وہ اپنی قوم کو بسط و انس عطا فرماتا ہے اور جو نور عظمت سے نکلتا ہے تو وہ قوم کو ہیبت و جلال عطا فرماتا ہے اور حضرت نوح علیہ السلام عظمتِ الٰہی کے نور کا مشکوٰۃ تھے اسی لئے انہیں اللہ تعالیٰ نے عظمت دے کر قوم کی طرف بھیجا جب قوم نے بے فرمانی کی تو اس کی قہر و جلال سے گرفت فرمائی۔

تفسیر عالمانہ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَهُمْ اس سے پہلے کہ اللہ تعالیٰ سے ان کے پاس آسکے۔ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ہ دردناک عذاب اور جلدی جیسے طوفان و غرق یا دیر سے جیسے آخرت کا عذاب تاکہ ان کا کوئی عذر باقی نہ رہے جیسے خود فرمایا۔ لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللہِ حُجَّۃٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ہ تاکہ رسل کرام (علیہم السلام) کے بھیجنے کے بعد لوگوں کی اللہ تعالیٰ پر کوئی حجت نہ ہو۔ الالیم بمعنی المؤلم یا تالم مبالغہ کے طور یعنی سخت دردناک الم (درد) دو قسم ہے۔

(۱) جسمانی۔ (۲) روحانی۔

اور یہ پہلے سے زیادہ اذیت رساں ہے۔ اس کے بعد گویا کہا گیا کہ نوح علیہ السلام نے کیا کیا تو فرمایا (قَالَ) نوح علیہ السلام نے فرمایا کافروں کو یَاقَوْمِ اے میری قوم۔ دراصل قومی تھا انہیں اپنی کہہ کر بلایا ان سے شفقت کے طور خیر و بھلائی کے ارادہ سے اور ان کے قلوب کو خوش کرنے کے لئے (تاکہ بات مان لیں) اِنِّیْ لَکُمْ نَذِیْرٌ بے شک میں تمہارے لئے ڈر سنانے والا ہوں کفر و معاصی کے برے انجام کا۔

نکتہ صرف نذیر سنایا حالانکہ بشیر بھی تو تھے اس لئے کہ دعوت توحید کے لئے نذیر تاثیر میں قوی ہے اس لئے کہ لوگوں کی عادت ہے کہ پہلے قہر کے خوف سے مطیع ہوتے ہیں پھر عطا کے طمع سے بہت تھوڑے ہوتے ہیں کمال و جمال کی محبت سے اطاعت قبول کرنے والے۔

نکتہ فقیر صاحب روح البیان (قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اللہ نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا "قُمْ فَاَنْذِرْ" یہ ابتدائی مرحلہ ہے بعد کو تبشیر (خوشخبری) کا حکم ہوا جیسا کہ فرمایا وبشر المؤمنین اہل ایمان کو خوشخبری سنا دو۔

قاعدہ انذار کا تعلق کفار سے تبشیر کا اہل ایمان سے اگرچہ کفار کو بشرط ایمان تبشیر ہو سکتی ہے لیکن بحالت کفر نہیں ہاں تبشیر تحکمی ان کو ہوتی ہے جیسے فرمایا فبشرھم بعذاب الیم کافروں کو دردناک عذاب کی خوشخبری سناؤ۔

مُّبِیْنٌ ہ لا حقیقۃ الامر کو تمہاری ہی میں واضح کرنے والا جسے تم خوب سمجھ لو گے یا صریح انذار ہے اَنِ اعْبُدُوا اللہَ کہ اللہ کی بندگی کرو۔ نذیر کے متعلق ہے دراصل بان اعبدوا اللہ تھا اور عبادت افعال و قلوب و جوارح (اعضا) کے تمام واجبات و مندرجات کو شامل ہے)۔ وَاتَّقُوْہُ اور اس سے ڈرو یہ جمیع محظورات و مکروہات سے زجر کو شامل ہے وَاَطِیْعُوْنِ اور میری اطاعت کرو۔ ان کو رسول (نوح) کی اطاعت کا امر جمیع مامورات و منہیات و اعتقادیات و عملیات کو شامل ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اطاعت کرو میرے اخلاق و صفات و افعال اور اعمال و اقوال میں۔ یہ اگرچہ امر تقویٰ و عبادت الٰہی میں داخل ہے لیکن علیحدہ ذکر کرنا تاکید کی بنا پر ہے یعنی نبی علیہ السلام کے جملہ اخلاق وغیرہ میں مکلف کرنا مؤکد اور مبالغہ اور مزید ثابت ہو جائے۔

فائدہ بعض نے کہا کہ یہ دراصل اَطِیۡعُوۡنِیۡ تھا یا متکلم تھا اور اسے اطیعوہ نہ کہا ہا کے ساتھ تاکہ پچھلے الفاظ سے مناسبت ہوتی یعنی و اتقوہ سے اور اطاعت سے مراد ذات حق کی اطاعت مراد ہوتی انہیں تنبیہ کردی کہ اطاعت رسول درحقیقت اطاعت الٰہی ہوتی ہے جیسے فرمایا کہ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ جس نے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ اور فرمایا اطیعو الرسول اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کرو۔ جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مامور بالطاعۃ ہیں تو رسول کو حق پہنچتا ہے کہ وہ کہیں واطیعونی میری اطاعت کرو نیز اطاعت کی اجابت بھی ظاہر سے معلوم ہوگی اور وہ ہے اطاعت رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔

تفسیر عالمانہ یَغۡفِرۡ لَکُمۡ تو وہ بخش دے گا تمہارے۔ یہ امر کا جواب ہے مِّنۡ ذُنُوۡبِکُمۡ کچھ گناہ۔ وہ جو زمانہ جاہلیت میں گذرے ہیں کیونکہ اسلام اپنے سے پہلے کے تمام گناہ گرا دیتا ہے نہ کہ بعد والے گناہ ان کا مواخذہ ہوگا اور وہ صرف ایمان سے نہ بخشے جائیں گے اسی لئے یغفرلکم ذنوبکم نہیں فرمایا (کہ تمہارے تمام گناہ بخش دے گا) بلکہ من تبعیضیہ ہے کیونکہ اگر مِنۡ نہ ہوتا تو تمام گناہ مراد ہوتے پہلے بھی اور پچھلے بھی۔

فائدہ بعض نے اسی سے بعض وہ گناہ مراد لئے ہیں جو ایمان سے پہلے تھے اور وہ حقوق العباد سے متعلق نہیں۔

وَیُؤَخِّرۡکُمۡ تمہیں مہلت دے گا۔ اور عقوبات مہلکہ سے محفوظ رکھے گا جیسے قتل۔ اغراق احراق وغیرہ یعنی ہلاک اور تباہ و برباد کرنے کے اسباب۔ کیونکہ ان کا اعتقاد تھا جو ان اسباب سے مر جائے تو وہ اپنے اجل طبعی سے نہ مرا بلکہ ان اسباب سے مرا اللہ نے بھی ان سے ان کے خیال کے مطابق خطاب فرمایا ہے ورنہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایمان ان کے آجال بڑھا دے گا۔ (بعض التفاسیر) اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ایک مقررہ میعاد (تک) جو اللہ کے ہاں متعین ہے۔ الاجل کسی شے کے لئے ایک میعاد مقرر ——— الارشاد میں ہے کہ وہ مدت انتہائی جو اللہ نے ان کے لئے مقرر فرمائی۔ بشرط ایمان و اطاعت کے اس سے ثابت ہوا کہ ان کا ایک اجل علیحدہ مقرر تھا کہ اگر وہ ایمان نہ لائیں گے تو اس سے متجاوز نہ ہوں گے چنانچہ فرمایا اِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ بے شک اللہ کا وعدہ وہ جو تمہارے لئے مقدر ہے جب تم کفر پر ڈٹے رہے وہ اجل قریب مطلق ہے اور وہ غیر مبرم

بخلاف میعاد کے کہ وہ بعید مبرم ہے۔

فائدہ یہاں اجل اپنی طرف اسناد فرمایا کہ اس کا خالق ہے اور اس کے اسباب کا بھی اور آیت اذا جاء اجلھم میں بندوں کی طرف کہ وہ انہیں پہنچے گا اور وہ اسمیں مبتلا ہوں گے۔

(اِذَا جَآءَ اور تم کفر پر ڈٹے رہے لَا یُؤَخَّرُ تو ہٹایا نہیں جاتا اسی لئے ایمان و طاعت میں جلدی کرو اس کے آنے سے پہلے ورنہ جب شرط محقق ہوگئی یعنی تمہارا کفر پر ڈٹ جانا تو اس نے لازماً آجانا ہے کیونکہ شرط تنہا کا کوئی وجود نہیں جب تک اس کے ساتھ جزا نہ ہو۔ نیز اس سے وہ عذاب بھی مراد ہو سکتا ہے جو مذکور ہوا جیسے من قبل ان یاتیہم عَذَابٌ اَلِیْمٌ میں بیان فرمایا کیونکہ وہ بھی ایک حتمی وقت اجل ہے۔ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ اگر تم جانتے۔ کسی شے کو تو تم اس کی طرف جلدی کرتے جس کا تم کو حکم ہوا یا تم یقین کرتے کہ اجل میں تو کسی قسم کا تاخیر (پیچھے ہٹنا) نہیں اور نہ اس میں مہلت ملتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ اسمیں اشارہ ہے کہ انہوں نے علم کے اسباب اور اس کی تحصیل کے آلات حُبِّ دنیا اور اس کی لذات کی طلب میں ضائع کر دیئے یہاں تک کہ وہ اب اس نوبت تک پہنچے کہ اب

ے ہو یہ اس کا قانون ہے لیکن اس کی قدرت کے بھی قائل ہیں کہ وہ اپنے قانون قدرت کو بدل بھی دیتا ہے کب جب اس کا کوئی محبوب کہے جیسا کہ علامہ اقبال نے فرمایا ہے کہ ؎

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
جو ہو ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں تقدیریں

اس پر ایک واقعہ شاہد ہے کہ مصر کے ایک بزرگ شیخ محمد شربینی نہایت عبادت گزار اور برگزیدہ انسان تھے ایک مرتبہ ان کا اکلوتا بیٹا سخت بیمار ہوا اور قریب المرگ ہو گیا مگر موصوف پھر بھی ہمہ تن معروف عبادت رہے۔ آپ کی اہلیہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگیں کہ آپ کو تو محبت خداوندی کا خزانہ نصیب ہو چکا۔۔ پس اگر ہمارا یہ بیٹا مر بھی جائے تب بھی آپ کو کوئی پرواہ نہ ہوگی البتہ مامتا کی ماری کہاں جاؤں گی۔ لہٰذا اپنے بیٹے کی صحت یابی کے لئے بارگاہِ رب العزت میں دعا کیجئے۔ مگر آپ بے فکر ہو کر بیٹھے رہے۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ملک الموت بچے کی روح قبض کرنے کے لئے مریض کی بالین پر پہنچ گیا۔ ملک الموت ہو یا کوئی اور فرشتہ، خدا کی مشیت اور ارادے کے بغیر قدم نہیں اُٹھاتا۔ امام نبہانی نے امام شعرانی کے حوالے سے نقل فرمایا ہے کہ جب شیخ نے ملک الموت کو بچے کے سرہانے دیکھا تو ان پر اپنی اہلیہ کی گریہ وزاری کا اثر ہوا اسی وقت ملک الموت کی طرف متوجہ ہوکے اور فرمایا (ترجمہ)۔۔۔ (اے ملک الموت) اپنے رب کے پاس واپس لوٹ جا کیونکہ اس بچے کی موت کا حکم منسوخ ہو چکا ہے (جامع کرامات الاولیاء از یوسف بن اسماعیل النبہانی، جلد اول۔ ص ۲۹۹ نیز جمال الاولیاء از اشرف علی تھانوی، ص ۲۰۲)

انہیں موت کے عدم وقوع کا شک ہو رہا ہے۔ ؎

روزے کہ اجل در آید از پیش و پست
شک نیست کہ مہلت نہ دہد ما
یا نرسد در آں دم از ہیچ کست
برباد شود جملہ ہواؤ ہوست

ترجمہ: اس روز کہ تیرے پیش و پس کے باوجود تیرا اجل آجائے گا اسمیں شک نہ کرنا کہ وہ تجھے لمحہ بھر مہلت دے۔ اس لحظہ میں کسی سے تجھے مدد نہ مل سکے گی پھر تیری تمام ہواؤ ہوس برباد جائے گی۔

قَالَ (عرض کی) اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتے ہوئے نوح علیہ السلام نے عرض کی اور اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کہ اس پہلے آپ اور آپ کی قوم کے درمیان کیا گذری اور ان کی آپس میں کیا باتیں ہوئیں باوجودیکہ اتنا عرصہ دراز تک کے ساتھ گذارا اور نہایت جدوجہد سے انہیں دعوت دی بہت کچھ سمجھایا اور ان سے سختیاں جھیلیں بالآخر نہ آپ نے ہر طرح کے اسباب عمل استعمال فرمائے کوئی کارگر ثابت نہ ہوئے۔ جس پر انہیں کہنا پڑا رَبِّ اے میرے ردگار اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّ نَهَارًا میں نے اپنی قوم کو شب و روز دعوت دی۔ ایمان و طاعت کی طرف ات دن بغیر کسی کمی کے مسلسل۔ یہ دونوں دعوت کی ظرف ہیں اس سے دعوت پر مداومت مراد لی ہے۔ کیونکہ زمانہ ان دونوں میں منحصر ہے۔

ائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ آپ رات کو ان کے گھروں پر اور دن کو ان کی مجلسوں میں تشریف لے جاتے۔

کایت نوح علیہ السلام رات کو جس کے گھر تشریف لے جاتے تو اس کا دروازہ کھٹکھٹاتے۔ صاحب خانہ پوچھتا کون؟ آپ فرماتے نوح (علیہ السلام) کہتا ہے کہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِيْٓ اِلَّا فِرَارًا میری دعوت نے ان کے فرار (بھاگنا) کو ہی بڑھایا اس سے کہ جس کی نے انہیں دعوت دی۔

دہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ میری تابعداری اور میرے دین اور اس سے جو تیری وحی کے مجھ پر آثار میں سے بھاگ گئے ہیں۔ الفرار بمعنی بھاگنا اور وہ لَمْ یَزِدْهُمْ کا دوسرا مفعول ہے۔

ال زیادۃ کی نسبت دعا کی طرف کیوں حالانکہ یہ کام تو اللہ تعالیٰ کا ہے۔

اب چونکہ دعا (دعوت) سبب ہے اسی لئے مجازاً اس کی طرف فعل کا اسناد ہوا۔

قاعدہ زاد یزاد دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے زادہ اللہ خیراً و زیدہ فزادھ
داد (قاموس) اللہ نے اس کی خیر و بھلائی بڑھائی اسے اللہ تعالیٰ نے بڑھایا تو وہ بڑھ گیا اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعا
ان کو ان کے اختیار سے نوح علیہ السلام کی دعوت سے ان کو بھاگنے میں بڑھاتا ہے۔

وَاِنِّیْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ اور میں نے جتنی بار انہیں بلایا ایمان کی طرف۔

فائدہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب میں نے ارادہ موجبہ برائے وقوع اسماء امور کے انضمام سے خالی کر کے لسا
امر سے انہیں بلایا کیونکہ ایسے امر مجرد عن الارادہ پر ضروری نہیں کہ مامور بہ واقع ہو[1] جائے ہاں اگر مقرون بالا
ہو تو اس کا ضروری[2] ہے۔

لِيَغْفِرَ لَهُمْ کہ تو انہیں بخشے۔ اس کے سبب جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِیْٓ اٰذَانِهِمْ ۔ انہوں نے اپنے کانو
میں انگلیاں دے لیں یعنی دعوت سننے سے اپنے کان بند کر دیئے جعل کان بند کرنے سے کنایہ ہے اور اپنے حقی
معنیٰ پر لینا بھی جائز ہے کہ وہ دعوت نہ سننے کے ارادہ پر کانوں میں روئی وغیرہ ٹھونس لیتے ہوں۔ وَاسْتَغْشَوْا
ثِيَابَهُمْ اور اوڑھ لئے اپنے کپڑے۔

حل لغات الاستغشاء (کپڑے اوڑھنا) تاج المصادر ماخوذ از غشاء بمعنیٰ الغطاء دراصل کپڑا اوپر اوڑھنے کو کہا جا
چونکہ اسمیں ستر (ڈھانپنا) کا معنیٰ پایا جاتا ہے اس لئے اس معنیٰ میں استعمال کیا جاتا ہے استغشاء کا
معنیٰ طلب الغشی یعنی ستر کی طلب لیکن یہاں طلب کا معنیٰ مطلوب نہیں بلکہ صرف تغطی و ستر (ڈھانپنا) مطلو

سوال ، سین تو طلب کے لئے ہوتا ہے تو پھر اس کی طلب کو چھوڑنا کیوں؟

جواب یہ مبالغہ کے لئے بھی آتا ہے تو یہاں مبالغہ مراد ہے۔ الثیاب ثوب کی جمع ہے اسے ثوب الغزل
لیا گیا ہے بمعنی رجوع یعنی اس کا اس حالت کی طرف رجوع کرنا جو اس کے لئے مقصد تھی اب معنیٰ یہ ہوا ک
نے کپڑوں میں خود کو خوب چھپایا۔ یعنی اپنے بدن کے تمام اعضاء یہاں تک کہ آنکھیں بھی تاکہ نوح علیہ السلام کو
سکیں اس لئے کہ انہیں آپ کا دیکھنا بھی گوارا نہ تھا کیونکہ باطل حق دیکھنے سے کراہت کرتا ہے اس لئے کہ ان دو

---

[1] اسی قبیل سے ہے حضرت عمر اور حضرت ابو ہریرہ کی ماں کا اسلام اور دیگر امور مقرون بالارادہ کہ جس سے ما
وقوع پذیر ہوا لیکن مخالفین ایسی دقیق باتوں کو کیا سمجھیں۔ ۱۲۔ اُویسی غفرلہٗ۔

[2] اس سے وہابیہ کا اعتراض رفع ہوا کہ نبی نوح علیہ السلام کو اختیار تھا تو کفار کیوں ایمان نہ لائے یا حضور علیہ السلام
بلکہ محنت برائے ابوطالب وغیرہ مؤمن نہ ہوئے تو ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام صرف دعوت پہ مامور ہو۔

کے آپس میں تضاد ہے۔ ایسے ہی قیاس کرو متکبر اور کافر اور مبتدع و بدمذہب، کو متواضع و مومن و سُنّی کو[1]۔ یا اس لئے وہ کپڑوں سے چھپا لیتے کہ کہیں انہیں نوح علیہ السلام پہچان نہ لیں تو پھر وہ اپنی توحید کے لئے بلائیں گے۔

فائدہ مفسر صاحب روح البیان قدس سرہٗ کہتا ہے کہ یہ دوسرا معنی کچھ نہیں اس لئے کہ نوح علیہ السلام کی دعوت تو جہانگیر تھی اور جہاں ہوتے تو پھر پہچان لینے کا کیا معنی کیونکہ آپ کی دعوت کے لئے پہچان شرط نہیں تھی اسی لئے اشتباہ کافر مومن مدفوع ہے اس لئے کہ مومن نہایت اقلیت میں تھے وہ ہر حالت میں پہچان لئے جاتے تھے بال منہ ڈھانپ لینے سے یہ ثابت ہو جاتا کہ یہ اہل فرار سے ہے کیونکہ اس دور میں پردہ کا حکم نہ تھا اور نہ ہی رواج تھا۔

فائدہ بعض نے کہا کہ منہ ڈھانپنے سے مراد ہے انکا نوح علیہ السلام کی دعوت کی طرف میلان نہ کرنا اور بالکل قبول نہ کرنا، کیونکہ جیسے بیہودہ دوسرے کا کلام سننا گوارا تک نہیں کرتا۔

وَاَصَرُّوْا اور ڈٹ گئے۔ اوندھے پڑ گئے کفر پر اور کفر و معاصی پر قائم رہے۔ قوت القلوب میں ہے کہ اصرار کبھی ایسا ہوتا ہے کہ گویا قلب پر عقد ہے کہ جب بھی گناہ پر قدرت پائے اسے کر ڈالے یا یہ کہ اس سے ندامت و توبہ کی امید منقطع ہو اور بڑا اصرار گناہوں کی طلب میں سعی کرنا ہے۔

تاج المصادر میں ہے کہ الاصرار معنی کسی شے پر قائم ہونا اور اس کی طرف کان لگانا کہا جاتا ہے۔

حل لغات اصر الحمار علی العانۃ حمار ریوڑ پر قائم ہوا۔ العانۃ حمر وحش کا ریوڑ، یہ اس وقت بولتے ہیں جب ان پر وہ کان سر سے ملا کر کھڑا ہو اور ان کی طرف متوجہ ہو کبھی انہیں ادھر سے ہٹائے تو کبھی ادھر سے پھر کفر و معاصی پر متوجہ ہونے پر استعارہ کیا گیا ہے اسے اکباب سے تعبیر کرنا بھی اسی لئے ہے کہ اسے اسی گدھے سے تشبیہ دی گئی ہے جو مذکورہ بالا طریقے سے ریوڑ پر کھڑے ہو کر ان کو ادھر ادھر سے ہٹاتا ہے اور ان کی خوب نگرانی کرتا ہے ان کو اس گدھے سے تشبیہ دے کر ان کی اتنی مذمت کافی ہے کہ وہ بحالت مذکورہ ریوڑ کے ہٹانے اور انہیں دانت سے کاٹنے کی وجہ سے بہت برا لگتا ہے۔

وَاسْتَكْبَرُوْا اور غرور کیا۔ میری اتباع و طاعت سے تکبر کیا اور انہیں عار نے مارا۔ اسْتِكْبَارًا بڑا غرور شدید۔ کیونکہ انہوں نے کہا کیا ہم تیری اتباع کریں جبکہ تیرے تابعدار ذلیل ترین لوگ ہیں۔

فائدہ بعض عارفین نے فرمایا کہ جو گناہوں پر اصرار کرے اس کی ضلالت میں دلیری بڑھ جاتی ہے یہاں تک کہ وہ برے اعمال و افعال کو اچھا سمجھتا ہے اور اچھے اعمال کو برے پھر تکبر و غرور کرنے لگ جاتا ہے اور خود کو اولیاء اللہ سے بلند قدر خیال کر کے ان کی کوئی بات نہیں مانتا۔

---

[1] معلوم ہوا کہ سُنّی حقیقی وہی ہے جسے بدمذاہب سے فطرتی طور نفرت ہو ورنہ وہ صرف نام کا سُنّی ہے۔

فائدہ حضرت سہل قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جو گناہوں پر اصرار کرتا ہے تو اسمیں نفاق پیدا ہو جاتا ہے جسمیں نفاق پیدا ہو وہ کفر کا خوگر ہو جاتا ہے۔

ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُہُمْ (پھر میں نے انہیں دعوت دی) جِہَارًا (دعوت اعلانیہ۔ یعنی میں نے انہیں کھلم کھلا دعوت دی ان کی محفلوں میں — الجہر بمعنی حاستہ سمع کے لئے شے کا بہت زیادہ ظاہر ہونا۔

ثُمَّ اِنِّیْ اَعْلَنْتُ لَہُمْ وَاَسْرَرْتُ لَہُمْ اِسْرَارًا (پھر میں نے انہیں اعلان بھی کیا اور آہستہ و خفیہ بھی کہا۔ اس میں ان کے عموم حالات کا ذکر ہے اس سے پہلے ان کے عموم اوقات کا ذکر تھا یعنی میں نے کبھی یوں دعوت دی او کبھی یوں۔ پھر کبھی ایسی حالت میں اور کبھی دوسری حالت میں غرضیکہ پوری جدوجہد کی ہے وجوہ مختلفہ برتے اور مختلف طریقے استعمال کئے اس معنیٰ پر ثم تفاوۃ الوجوہ کی وجہ سے ہے کیونکہ اعلانیہ خفیہ تبلیغ ے زیادہ سخت ہے اور مجمع میں تنہائی بہ نسبت زیادہ بوجھ ہے۔ اعلان اسرار کی نقیض ہے۔ کہا جاتا ہے اسررت الی فلا حدیثاً میں نے فلاں کو خفیہ بات کہی یعنی ایسی پوشیدہ بات کہی کہ کسی کو آگاہی نہ ہوئی اور جَہَرْتُ بِہٖ میں نے اسے ایسا اعلانیہ کہا کہ اس سے غیر بھی آگاہ ہوا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ثم تراخی کے لئے ہو بعض وجوہ کا دوسرے بعض سے زمانہ میں تاخیر سے واقع ہونے میں مثلاً نوح علیہ السلام نے پہلے انہیں خفیہ طور نصیحت کا آغاز فرمایا ہوا انہوں نے آپ سے مذکورہ بالا چار امور کا مظاہرہ کیا ہو۔

(۱) جَعَلُوْٓا اَصَابِعَہُمْ الخ
(۲) وَاسْتَغْشَوْا الخ
(۳) وَاَصَرُّوْا الخ
(۴) اسْتَکْبَرُوْا الخ

اس کے بعد آپ نے اعلانیہ اور خفیہ ہر دونوں طریق سے وعظ فرمایا ہو کہ انہیں مجمعوں میں وعظ سنا کر پھر ف فرداً خفیہ نصیحت فرمائی ہو۔

فائدہ بعض نے کہا کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ میں نے بعض کو اعلانیہ وعظ کیا اور بعض کو خفیہ تنہائی میں نصیحت کی۔

ایذاؤں کا نمونہ بعض تفاسیر میں ہے کہ نوح علیہ السلام کو ایسی اذیتیں پہنچائی گئیں جنہیں بیان نہیں کیا جا سکتا دن کو آپ کو کفار کئی بار مارتے یہاں تک کہ سخت بیمار پڑ جاتے لیکن آپ صبر کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ان سے آپ کو پوشیدہ رکھے کہ وہ آپ کا وعظ سن سکیں لیکن دیکھ نہ سکیں کیونکہ وہ جونہی آپ کو دیکھتے تو ایذاؤں پر اتر آتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی آپ نے اسی طریق سے عرصہ دراز تک انہیں پیغام ربانی پہنچایا تب بھی وہ ایمان نہ لائے بالآخر آپ نے دوبارہ دعا مانگی کہ جیسے آپ پہلے ان کے سامنے کھلم کھلا رہتے ایسے ہی چنانچہ ایسی طرح ہوا۔ یہی معنی ہے اعلنت لہم واسررت لہم کا۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمۃ اللہ نے فرمایا اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۔ یعنی مقام توحید سے اتر کر میں نے انہیں مقام العقل و عالم النور کی طرف دعوت دی پھر میں نے اعلانیہ تقریر کی معقولات ظاہرہ سے اور مخفی باتیں سنائیں مقام قلب میں اسرار باطنہ سے تاکہ وہاں معقول کے ذریعہ وہاں پہنچ سکیں۔

تفسیر عالمانہ فَقُلْتُ ۔ میں نے انہیں دعوت دینے کے بعد کہا اس کا عطف دعوتُ پر ہے اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اپنے رب سے مغفرت طلب کرو۔ اپنے لئے توبہ کر کے کفر و معاصی سے تاکہ کہیں موت سے استغفار فوت نہ ہو جائے۔ اِنَّهٗ بے شک اللہ تعالیٰ كَانَ غَفَّارًا ہے بخشنے والا تائبین کو کہ گویا ان کے گناہ تھے ہی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ كَانَ غَفَّارًا کا معنی ہے کہ وہ ازل میں مغفرت کا مرید (ارادہ کرنے والا تھا) کہ فلاں وقت مقرر پر فلاں کے لئے مغفرت ہوگی اور فلاں وقت فلاں کے لئے یعنی مغفور لہ کی مغفرت کے وقت۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ غفار کا معنیٰ بندے پر فضل و احسان کرنے والا اور بندے کا کام ہے عبودیت میں ان امور پر ندامت جو غفلت از عمر گذشتہ ایام میں ضائع ہوا۔

حدیث شریف میں ہے جسے استغفار کی توفیق دی گئی ہے اس سے مغفرت بھی روکی جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ خود فرمایا ہے اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۔ اسی لئے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرماتے تھے کہ استغفار کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف استغفار کا الہام ہوتا ہی نہیں جس کے لئے عذاب کا ارادہ فرمایا ہو

محبوب بندے بعض علماء کرام سے ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے نزدیک محبوب تر وہ بندے ہیں جو میری وجہ سے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور ان کے قلوب مساجد سے متعلق رہتے ہیں اور صبح اٹھ کر استغفار کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں کہ جب میں زمین پر عذاب کا ارادہ کرتا ہوں تو ان کا ذکر سامنے آجاتا ہے ان کی وجہ سے عذاب کا ارادہ ترک کر دیتا ہوں۔

فائدہ غفار میں غفور کی بہ نسبت زیادہ مبالغہ ہے اور غفور غافر سے۔

حل لغات الغفر بمعنیٰ الستر والتغطیہ (ڈھانپنا) اسی سے ہے مغفر (سر کی حفاظت کے لئے لوہے سے سر ڈھانپنے کا آلہ) اس لئے کہ وہ سر کو ڈھانپتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مغفر للذنوب کا مطلب ہے گناہوں کو ڈھانپنا اور اپنے فضل و کرم سے انہیں معاف کرنا یہ صرف بندے کی توبہ سے نہیں بخشے جاتے نہ ہی اس کی طاعت سے بلکہ استغفار و توبہ و طاعت تو اظہار عبودیت کے لئے ہے اور اپنی محتاجی بروئے کار لانا ہے۔

ایک اور نے اولاد کی کمی کی شکایت کی۔ مزید کسی دوسرے نے کھیتی کی خشکی کی شکایت کی آپ نے سب کو فرمایا کہ استغفار بکثرت کرو۔ ربیع بن صبیح نے لوگوں کی شکایات مختلف ہیں آپ نے سب کو ایک ہی وظیفہ استغفار بتایا آپ نے اس کا جواب اسی آیت سے دیا۔

نکتہ فتح الرحمٰن میں ہے استسقاء میں بھی استغفار کا حکم اسی لئے ہے کیونکہ استسقاء بمعنی ایک خاص وجہ سے پانی مانگنا اور قاعدہ ہے کہ جب زمین خشک ہو جائے اور بارش بند ہو تو بالاتفاق استسقاء سنت ہے۔

فائدہ امام ابو حنیفہ اور آپ کے اصحاب رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نماز استسقاء کے لئے اہل ذمہ کو ساتھ نہ لے جایا جائے۔ باقی تین آئمہ رحمہم اللہ نے ان کا ساتھ لے جانا منع نہیں کیا ہاں انہیں مسلمانوں کے اختلاف سے بھی روکا ہے لیکن یہ بھی فرمایا کہ وہ علیحدہ استسقاء بھی نہ کریں اس کی مختصر سی تشریح سورۃ البقرہ میں گذری ہے۔

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا تمہیں کیا ہوا کہ اللہ سے عزت کی امید نہیں کرتے۔ انکار ہے اس کا کہ اس کے لئے کوئی سبب ہو۔ اللہ تعالیٰ کے وقار کی رجاء کی نفی کا یہاں رجاء بمعنی اعتقاد ہے یعنی گمان کیونکہ رجاء اعتقاد سے ہوتا ہے اور اس کا ادنیٰ درجہ ظن ہے۔

حل لغات الوقار دراصل سکون و حلم کو کہا جاتا ہے اور یہاں بمعنیٰ عظمت ہے کیونکہ وہی اکثر اس کا سبب بنتا ہے اور لا ترجون مخاطبین کی ضمیر سے حال ہے اور اسمیں عامل استقرار کا معنیٰ ہے جو لَكُمْ میں ہے لِلّٰهِ مضمر کے متعلق ہو کر وقار کا حال اگر وہ اس سے مؤخر ہوتا تو اس کی صفت بنتا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ کونسا سبب تمہیں حائل ہے کہ تمہارا حال یہ ہے کہ اعتقاد نہیں رکھتے اللہ تعالیٰ عظمت کا موجب ہے اس کی تعظیم بالایمان والطاعۃ کا یعنی اسمیں تمہارے لئے کوئی سبب نہیں باوجودیکہ جملہ حالیہ کا مضمون متحقق ہے۔ خلاصہ یہ کہ تم اللہ کی عظمت کو نہیں پہچانتے اور نہ ہی تمہارا اس سے کوئی اچھا اعتقاد ہے کہ جس سے تم اس کی نافرمانی سے ڈرو۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ یہاں رجاء بمعنی خوف اور وقار بمعنی عظمت ہے یعنی تم اللہ کی عظمت کا خوف نہیں کرتے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ تمہیں کیا ہے کہ تم اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرتے اور نہ اس کی توقیر و تعظیم کے پیش نظر اس سے ثواب کی امید رکھتے ہو۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ تمہیں کیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم طلب نہیں کرتے اور نہ ہی تم اسے استعمال کر کے اس کے ماتحت کے تمام اسماء کو حاصل کرتے ہو تاکہ تم جمیع اسماء سے جو اسمیں ہیں سے متحقق ہو کر اس کے مظہر اور جلوہ گاہ بن جاؤ۔

تفسیر عالمانہ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا۔ حالانکہ تمہیں اس نے طرح طرح بنایا۔

حل لغات کہا جاتا ہے فعل کذا طورا بعد طور تارۃ تارۃ اس نے طرح طرح کا کام بنایا کیا کبھی ایسا کبھی ویسا اور عدا طورہ ای تجاوز حدہ وقدرہ اپنی حد اور قدر سے متجاوز کیا ہوا۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ تمہارا حال یہ ہے کہ تم اب ایسی حالت میں ہو جو سراسر منافی ہے اس کے کہ جس حال پہ تم ہو وہ یہ کہ تمہیں معلوم ہے اس نے تمہیں پیدا کیا ایک طرح سے دوسری طرح یعنی ایک حال سے دوسرے حال پر عناصر سے پھر غذاؤں سے پھر غلطوں سے پھر نطفوں سے پھر خون کی پھٹک سے پھر گوشت کی بوٹی سے پھر ہڈیوں سے پھر گوشتوں سے پھر اور صورت میں اٹھان دی ایسی توقیر میں اور ایسے شانوں میں قوت قاہرہ اور احسان تام میں علم کے باوجود تقصیر کتاہی کی عقلمند سے صادر نہیں ہوتی۔

فائدہ بعض نے کہا کہ اطوارا میں ان سات اطوار کی طرف اشارہ ہے جو آیت ذیل میں ہیں۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ط فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝

ترجمہ۔ اور بے شک ہم نے آدمی کو چنی ہوئی مٹی سے بنایا پھر اسے پانی کی بوند کیا ایک مضبوط ٹھہراؤ میں پھر ہم نے اس پانی کی بوند کو خون کی پھٹک کیا۔ پھر خون کی پھٹک کو گوشت کی بوٹی پھر گوشت کی بوٹی کو ہڈیاں پھر ان ہڈیوں کو گوشت پہنایا پھر اسے اور صورت میں اٹھان دی تو بڑی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ سب سے بہتر بنانے والا۔

(پ ۱۸ سورۃ المؤمنون ع ۱)

فائدہ یہی تارات و احوال سبع (سات) بعض کے بعض پر مرتب اور ہر ما بعد اپنے ما قبل سے اشرف اور انسان کا حال ان تمام متقدم سے احسن ہے۔ ؎

چوں صورت تو بت نہ نگارند بکشمیر
چوں قامت تو سرو نہ کارند بکشور
گر نقش تو پیش بت آزر بنگارند
از از شرم فرو ریزد نقش بت آذر

ترجمہ: تیری صورت جیسا نہ تو کشمیر کا بت ہے اور نہ ہی تیرے قد جیسا کسی ولایت میں کوئی سرو ہے۔ اگر تیرا نقش آذر کے بت کے آگے رکھیں تو آذر کا بت مارے شرم کے سر جھکا دے گا۔

فائدہ بعض نے اس اطوار سے مراد لئے ہے کہ تم پہلے بچے تھے پھر جوان ہوئے پھر بوڑھے بعض نے کہا اس سے مراد لئے

ہے کہ تم میں بعض طویل القامت ہیں بعض پستہ قد بعض قوی ہیں بعض ضعیف (کمزور) تخلیق و عادات میں بھی مختلف جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمایا واختلاف السنتکم والوانکم تمہاری زبانوں اور رنگوں کا مختلف ہونا۔

فائدہ بعض نے کہا اس اطوار سے مراد یہ ہے کہ تمہیں آدم علیہ السلام کی پشت سے عہد کے لئے نکالا پھر تمہیں پیدا کیا۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے حج کے لئے اعلان کیا پھر تمہیں پیدا کیا جب حضور سرور عالم معراج پر تشریف لائے اور تمہیں ان کی زیارت سے مشرف فرمایا۔

تفسیر صوفیانہ بعض اہل معرفت نے فرمایا کہ تمہیں مختلف اطوار پہ پیدا فرمایا کہ تم میں بعض اہل معرفت ہیں بعض اہل محبت ہیں بعض اہل حکمت ہیں بعض اہل توحید ہیں بعض اہل شوق ہیں بعض اہل عشق ہیں اہل فنا ہیں بعض اہل بقا ہیں بعض اہل خدمت ہیں بعض اہل مشاہدہ ہیں۔ ایسے ہی ارواح قدسیہ کے طور کو نور جبروت سے اور طور عقول ہادیہ عارفہ کو نور ملکوت سے اور طور قلوب شائقہ کو معادن قربتہ اور طور اجسام الصدیقین کو تراب الجنتہ سے پھر ہر طور غیب سے اپنے معدن کی طرف لوٹے گا۔

تفسیر عالمانہ اَلَمْ تَرَوْا اے میری قوم کیا تم نہیں دیکھتے۔ استفہام تقریری ہے رؤیت بمعنی علم ہے شاید یہ انہوں نے اپنے بڑوں سے سن رکھا تھا یا رؤیت بمعنی ابصار ہے۔ اس عجائب کا مشاہدہ مراد ہے جو اس پر دال ہے کہ وہ کمال علم و قدرت والا ہے کَیْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ کیسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے سات آسمان درآنحالیکہ طِبَاقًا ایک پر ایک ہیں۔ یعنی ایک دوسرے پر متطابق ہیں۔ جیسے سورۃ ملک میں گذرا۔ دلیل لائی کہ وہ انہیں لوٹائے گا کیونکہ وہ بڑی قدرتوں کا مالک ہے جیسا کہ انفس کے دلائل دال ہیں کیونکہ انسان کا نفس جملہ اشیائے اسے قریب تر ہے (ربط) اب دلائل آفاق بیان فرمایا ہے بعد اس کے کہ دلائل انفس بیان فرمائے چنانچہ فرمایا وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِیْهِنَّ نُوْرًا اور ان میں چاند کو روشن کیا۔ کہ وہ زمین کو اندھیری رات میں روشن کرتا ہے۔

سوال چاند آسمان دنیا میں ہے اور اس کی روشنی کی نسبت ساتوں آسمانوں کی طرف کیوں؟

جواب ہر آسمان اتنا شفاف ہے کہ اسے کوئی درمیانی شے حاجب نہیں ہوتی تمام کو ایسا دیکھا جاتا ہے گویا وہ ایک کو دیکھ رہا ہے علاوہ ازیں ان کے کسی ایک میں شے ہے وہ گویا سب میں ہے۔

فائدہ حضرت ابن عباس و ابن عمرو وہب بن منبہ رضی اللہ عنہم کا مذہب ہے کہ سورج و چاند اور ستاروں کے چہرے آسمانوں کی طرف اور پشتیں زمین کی طرف ہیں لفظ سراج کا بھی یہی تقاضا ہے اس لئے کہ اس کے نور کا ارتفاع اوپر کو ہوتا ہے اگر وہ ایسے نہ ہوں تو ان کی شدت حرارت سے زمین کی جملہ اشیاء جل کر راکھ ہو جائیں۔

اسی لئے کہ اللہ نے نور کو زمین اور آسمانوں کے لئے نور اور سرخی بنایا اس تقریر پہ آنے والی آیت کا مضمون یوں ہوا کہ وَجَعَلَ الشَّمْسَ فِيهِنَّ سِرَاجًا یعنی اس میں فیھن محذوف ہے پہلے کے ذکر پر اعتماد کرکے وَجَعَلَ الشَّمْسَ اور بنایا سورج کو اور چوتھے آسمان میں ہے بعض نے کہا کہ پانچویں میں ہے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ گرمیوں میں چوتھے میں اور سردیوں میں ساتویں میں ہوتا ہے اگر وہ ہمیشہ چوتھے پہ یا پہلے آسمان پہ چمکے تو کوئی شے اس کی تاب نہ لا سکے مثنوی شریف میں ہے ؎

آفتابے کز وے ایں عالم فروخت
اندکے گر پیش آید جملہ سوخت

ترجمہ: سورج کہ جس نے جملہ عالم دنیا روشن کر رکھا ہے اگر وہ تھوڑا سا آگے آجائے تو جملہ عالم جل جائے گا۔

سراجًا "چراغ" یہ تشبیہ بلیغ کے قبیل سے ہے یعنی سورج سراج کی طرح ہے جو فجر کے وقت سے رات کی تاریکی دور کرتا ہے اہل دنیا زمین پر اس کی روشنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور جملہ آفاق کو منور کرتے ہیں جیسے گھر والے چراغ کی روشنی میں گھروں کی اشیاء کو دیکھتے ہیں لیکن چاند میں یہ نہیں کیونکہ وہ فی جملہ نور ہے۔

نکتہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی لئے چراغ کہا گیا جیسے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے لئے فرماتا ہے وسراجا منیرا کہ آپ کے نور نے کفر و نفاق کی تاریکی ایسی دور فرمائی کہ زمین سے اس کا نام تک مٹ گیا ؎

چراغ دل چشم چشم و چراغ جہان
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ شمع ملت تو روشن بہ بیان
دریں ظلمت سرا گر نہ چراغ افروختے شرعش
کجا کس رستنی بودے از تاریکی طغیاں

ترجمہ: ہمارے دل و جان کے چشم و چراغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں کہ ملت شمع آپ کے احکام کے بیان سے روشن ہے۔ اس ظلمت سرا دنیا میں اگر آپ کی شریعت پاک چراغ روشن نہ کرتی تو طغیانات اگری کی تاریکی سے کسی کو نجات نصیب نہ ہوتی۔

فائدہ عوام کے نزدیک چراغ تو روشنی سے نور لیتا ہے کیونکہ وجہ تشبیہ کی مناسبت یہی ہے کہ وہ ظلمۃ اللیل کو دور کرتا ہے اور یہ بھی اسی لئے کہ اسے رات کو استعمال کرتے ہیں۔

سوال پھر چراغ کو چاند سے تشبیہ مناسب ہے کیونکہ چاند کا نور بھی عرضی اور سورج سے مستفاد ہے اسی لئے چراغ کی تشبیہ اسی سے اولیٰ ہے بہ نسبت تشبیہ بہ سورج کے علاوہ اس میں دوسری خرابی یہ ہے کہ ادنیٰ کی اعلیٰ سے تشبیہ کیسی۔

جواب حضرت الشیخ صدر الدین القنوی قدس سرہٗ نے شرح اربعین میں فرمایا کہ الضیاء بمعنی نور کا ظلمت سے امتزاج اور ذات قمر میں کوئی ایسی شے نہیں جو سورج میں امتزاج پیدا کر سکے یہاں تک ان کے مابین ضیاء کا نتیجہ نکالا جا سکے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے چاند کو نور کہا نہ کہ سورج کو جو چراغ کا مشبہ ہے کیونکہ وہ اس شجرہ مبارکہ کے مشابہ ہے جس میں جہات نہیں ہیں اور وہ حضرت جامع الاسماء والصفات ہے۔

وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۙ اور اللہ تعالیٰ اگاتے ہیں تمہارے لئے زمین سے سبزے یعنی عجیب سبزے اور تمہیں ان سے عجیب و غریب طریقے سے پیدا فرمایا تمہارے باپ آدم علیہ السلام کے واسطے یا سب کو اس سے پیدا کیا اس لئے کہ تمہیں نطفوں سے پیدا کیا اور وہ نطفے انگوریوں سے اور انگوریاں زمین سے پیدا شدہ ہیں انبات انشاء سے استعارہ ہے کیونکہ وہ حدوث و تکون از ارض پر زیادہ دلالت کرتا ہے کیونکہ جب انہیں تعین ہو جائے کہ ان کا اصل تو سبزیاں ہیں تو مان جائیں گے کہ وہ محدث (نئی مخلوق) ہیں ایسے جیسے سبزیاں انبات کے بجائے نبات اس لئے کہ وہ مصدر مؤکد ہے انبتکم کا محذوف الزوائد اسے اسم مصدر کہا جاتا ہے جیسے آنے والا مضمون بتاتا ہے۔ (یعنی وَ یُخْرِجُکُمْ اِخْرَاجًا)۔

فائدہ بعض نے کہا کہ نباتا حال ہے مصدر نہیں اس میں تنبیہ ہے کہ انسان من وجہ نبات (سبزی) ہے اس لئے اس کی طرح اسے زمین سے پیدا کر کے اس کی زمین سے ہی نشو و نما ہوئی اگرچہ نبات (سبزی) اس میں ہر چند زوائد ہیں اور سبزی زمین سے اگتی ہے خواہ اس کی ساق (پنڈلی) ہو جیسے درخت یا نہ جیسے عام گھاس سبزیاں وغیرہ لیکن نبات عام عرف میں وہ جس کی ساق (پنڈلی) نہ ہو (جیسے گھاس وغیرہ) یعنی وہ جسے حیوان کھائیں یعنی چارہ وغیرہ۔

فائدہ بعض اہل معرفت نے فرمایا کہ انبتکم الخ کا مطلب یہ ہے کہ اے انسانو تمہاری غذا زمین سے ایسی چیز بنائی جس سے تمہارے اجسام بڑھتے ہیں جیسے سبزیاں کہ پانی سے بڑھتی ہیں مٹی کے واسطہ سے تو اس کی غذا بھی یہی نشأۃ (زمین) ہے اور اس کا نشو و نما بھی اسی سے جس سے وہ پیدا شدہ ہے۔

ثُمَّ یُعِیْدُکُمْ فِیْهَا پھر تمہیں زمین میں لوٹائے گا کہ مرنے کے بعد تم اس میں مدفون ہو گے وَ یُخْرِجُکُمْ اور اس سے تمہیں نکالے گا۔ بعث و حشر کے وقت اِخْرَاجًا نکالنا یقیناً محققاً اس میں کوئی شک نہیں۔ اولیاء کو جزا اور اعداء کو سزا کے لئے۔ یہاں ثم کی بجائے واؤ لائی گئی کہ وہ ثم کے معنی کی بھی جامع ہے اور یُعِیْدُکُمْ کا معنی بھی اخراج میں ہے تاکہ اشارہ ہو جائے کہ اخراج اور اعادۃ فی القبر ایک شے ہے ایسا نہیں کہ ایک محقق الوجود ہو اور دوسری نہ ہو۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے بشریت کی زمین سے اخلاق و صفات کے سبزے اگائے پھر تمہیں اس زمین میں بقا بعد الفناء کے ساتھ لوٹائے گا ساتھ طریق رجوع الی الاحکام باللہ

کے نہ طبع الہ میل طبعی سے اور نکالے گا یعنی ظاہر کرے گا نہیں تصرف فی العالم پہ غلبہ دے گا اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہ کہ تمہاری قدرت واستطاعت سے۔

تفسیر عالمانہ واللہ اور اللہ تعالیٰ نے اسم جلیل کا تکرار تعظیم وتیمن وتبرک کے لئے ہے جَعَلَ لَکُمُ بنایا تمہارے لئے یعنی تمہارے منافع کے لئے۔ اَلْاَرْضَ زمین کو۔ اس کا تفصیلی بیان سورۃ ملک وغیرہ میں گذرا۔ بِسَاطًا بچھونا فراش اور بچھونے کی طرح فراخ بچھی ہوئی اس پر تم ایسے چلتے پھرتے ہو جیسے گھروں میں اپنے فروش اور بچھونوں پر۔

فائدہ ابوحیان نے فرمایا آیت کا ظاہر بتاتا ہے کہ زمین گیند کی شکل میں نہیں بلکہ بچھونے کی طرح ہے حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسے بچھونا اس پر آسانی سے چلنے پھرنے کی وجہ سے کہا گیا ہے ورنہ وہ اصل میں گیند کی طرح اس کی بار بار تحقیق گذری ہے اس پر کھیتی اور باغات وغیرہ کا وجود منافی نہیں کیونکہ اس کا دائرہ (گھیرا) عظیم ہے جیسے مرغی کے انڈے اور شتر مرغ کے انڈے میں فرق ہے کہ مرغی کا انڈہ چھوٹا ہے اس پر وہم ہوسکتا ہے کہ زمین پر کچھ نہ ہوسکے گا لیکن شتر مرغ کے انڈے سے یہ وہم دور ہوجاتا ہے اس لئے کہ اس کا گھیرا عظیم (بڑا) ہے لِتَسْلُکُوْا تاکہ تم چلو۔ سلوک سے بمعنی دخول نہ کہ سلک سے بمعنی ادخال۔ مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا وسیع راستوں میں۔

حل لغات سبل سبیل کی جمع اور فجاجا فج کی بمعنی فراخ راستہ تجرید کرکے یہاں معنی صرف فراخ لیا گیا سبلاً کی صفت ہے بعض نے کہا کہ اس سے وہ راستہ مراد ہے جو دو پہاڑوں کے درمیان المفردات میں ہے کہ الفج وہ راستہ جسے دو پہاڑوں نے گھیرا ہوا ہو اب مطلق فراخ راستے کو کہا جاتا ہے۔

مِنْ ماقبل سے متعلق ہے اتخاذ کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے اب معنی یہ ہوا کہ تاکہ تم چلو درآنحالیکہ لینے والے ہو زمین سے راستے پھر اس میں آنے جانے کے لئے تصرف کردیا یہ (مِنْ) مضمر سے متعلق اور وہ سبلاً سے حال ہے یہ کائنۃ من الارض اگر یہ متاخر ہو تو اس کی صفت ہوگا اس کا چلنے کے لئے بچھونا بنانے اس کے منافی نہیں کہ اس سے اور کام لئے جائیں جیسے اس پر نیند واستراحت اور کھیتی۔ باغات وغیرہ

فائدہ سلوک دو قسم ہے۔

(۱) جسمانی یعنی حرکۃ اینیہ جو مقصد تک پہنچائے۔

(۲) روحانی یعنی حرکت کیفیت جو مقصود تک پہنچائے ان ہر دونوں کے بے شمار فوائد ہیں جیسے طلب علم۔ حج تجارت وغیرہ اور جیسے تحصیل محبت ومعرفت وانس وغیرہ

تفسیر صوفیانہ حضرت کاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ واللہ جعل لکم الخ اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے بدن کی زمین

بچھونا بنائی ہے تاکہ اس میں حواس کے راستوں پر چلو اور فراخ راستوں پر نکل جاؤ اس کی جہتوں میں سماء الروح کے راستوں سے توحید کی طرف ہے جیسے حضرت (علی) امیرالمؤمنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے آسمان کے راستے پوچھو میں زمین کے راستوں کی بہ نسبت انہیں زیادہ جانتا ہوں اس سے آپ کی مراد وہ راستے ہیں جو کمال تک پہنچاتے ہیں یعن مقامات و احوال جیسے زہد۔ عبادت۔ توکل اور رضا وغیرہ اسی لئے ہم اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی ا علیہ وآلہ وسلم جسم مبارک کے ساتھ معراج پر تشریف لے گئے۔

تفسیر عالمانہ قَالَ نُوْحٌ نوح علیہ السلام نے عرض کی۔ طول عہد کی وجہ سے لفظ حکایت عہد کا اعادہ کیا گیا۔ حکایہ مناجات رب کے ساتھ یہ پہلے قائل کا قول ہے اسی لئے حرف عطف نہیں لایا گیا یعنی در آنحال اللہ تعالیٰ سے عرض کی، رَبِّ اے میرے پروردگار اِنَّهُمْ عَصَوْنِیْ انہوں نے میری نافرمانی کی۔ میری نافرمانی اور مخالفت پر مداومت کی کہ جو کچھ میں نے کہا انہوں نے اس کے خلاف کیا باوجودیکہ میں نے ان کی وعظ و نصیحت سے رہبر بڑی جد و جہد کی وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ یَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗٓ اِلَّا خَسَارًا اور اس کی اتباع کی جس نے ان ک خسارہ میں اضافہ کیا۔ یعنی ان رؤسا کی اتباع پر مداومت کی جنہیں مال نے مغرور بنایا ہے اور اولاد نے فریب دیا وہی مال اور اولاد ان کے آخرت کے خسارہ کے اضافہ کا سبب ہیں اب ان کا خسارہ کے سوا اور کوئی کام نہیں۔

نکتہ اس وصف سے انہیں موصوف کرنے میں انہیں آگاہ کیا گیا ہے کہ ان لوگوں کی رؤسا کی اتباع محض ان کی مال اور اولاد کی وجاہت کی وجہ سے ہے کہ جب ایسی امور دیکھے تو یقین کر لیا کہ یہی اتباع کے لائق ہیں جیسے کفار قریش نے کہا لولا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ یہ قرآن اس مرد عظیم پر کیوں نہ نازل ہوا جو ان دو بستیوں کے درمیان رہتا ہے۔ انہوں نے بھی اتباع کا موجب مال و اولاد کو سمجھا۔

فائدہ آیت سے ثابت ہوا کہ اکثر مال و اولاد کی زیادتی پہلے ہلاکت روحانی اور دین کی گمراہی کا موجب بنتی ہے پھر یقین سے گمراہ کرنے کا سبب ہوتی ہے۔

فائدہ ابن الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آیت کے نظم سے سمجھا گیا کہ مال و اولاد عین خسارہ ہیں اور ان کی زیادتی ان کے خسارہ کے اضافہ کا سبب بنی۔

ازالہ وہم اگرچہ اس کی حقیقت یونہی ہے لیکن کبھی مال و اولاد سعادت ابدیہ کا بھی سبب ہیں جب ان پر شکر کیا جائے اور انہیں وجوہ خیر و بھلائی پر خرچ کیا جائے اور فریب و دھوکہ کا سبب اس وقت ہیں جب منعم کی نعمت کی ناشکری کی جائے۔ پھر بھی دائمی عذاب کا وسیلہ ہیں جو ان سے خیر و بھلائی سے ہٹ کر فائدہ ا ہے وہ سعادت آخرت سے محروم ہو جاتا ہے اس کی مثال اس کی ہے جو وہ حلوہ کھائے جس میں زہر ملا ہوا ہے تو اسے

ہلاکت کے سوا چارہ نہیں کیونکہ ہر لقمہ اس کے بارے میں ہلاکت ہی ہلاکت بنتی ہے پھر ایسے شخص کا کیا اعتبار جسے ایسی ہلاکت نصیب ہوئی۔ ؎

تو غافل در اندیشہ سود و مال
کہ سرمایۂ عمر شد پائمال

ترجمہ: تو نفع و مال کے فکر میں غافل ہے اس طرح سے تیری عمر کا سرمایہ ضائع ہوگیا۔

وَمَکَرُوْا اور انہوں نے مکر کیا اس کا عطف صلہ پر ہے کیونکہ بڑا مکر بڑوں کے لائق ہوتا ہے۔ جمع کا صیغہ باعتبار معنی کے ہے المکر بمعنی خفیہ حیلہ۔ کشف الاسرار میں ہے المکر لغت میں انتہائی حیلہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو تو بمعنی اخفاء و تدبیر۔ مَکْرًا کُبَّارًا بڑا مکر۔ بڑا انتہائی مکر بالتخفیف بھی پڑھا گیا ہے پہلا زیادہ بلیغ ہے اور بالتخفیف کبیر سے جیسے طُوَّال و طُوَال و طویل۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ دین سے لوگوں کو دین حق سے باز رکھنے کے کئی حربے استعمال کرتے تھے۔

نکتہ چونکہ توحید اعظم المراتب ہے اسی لئے اس سے منع اور شرک بھی اعظم الکبائر ہے اسی لئے اسے اللہ تعالیٰ نے مکراً کبّاراً سے موصوف فرمایا ہے۔

وَقَالُوْا اور کافروں کے رؤسا نے اپنے تابعداروں اور عوام کفار کو کہا لَا تَذَرُنَّ اٰلِہَتَکُمْ اپنے معبودوں کو مت چھوڑو۔ ان کی پرستش مطلقاً نہ چھوڑنا اور نہ ہی نوح علیہ السلام کی بات ماننا۔ مکروا کا اتبعوا پر جس نے عطف ڈالا وہ کہتا ہے اس کا معنیٰ وقالوا یعنی ان کے بعض نے بعض کو کہا اس معنیٰ پر قائل کل نہ ہوئے بلکہ بعض ہوئے۔

وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا یَغُوْثَ وَیَعُوْقَ وَنَسْرًا ۔ اور نہ چھوڑو ودًّا و سواعا یغوث یعوق اور نسر کو۔

نکتہ پچھلے دو اسموں سے عطف چھوڑ دیا اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تاکید انتہا کو پہنچی تو معلوم ہوا کہ ان کا مقصد ہر ہر فرد ہے نہ ان کا مجموعہ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے لوگو ان پانچوں کی پرستش کو نہ چھوڑنا اس تقریر پر عطف الخاص علی العام کے قبیل سے ہے انہیں خصوصیت سے بھی اسی لئے ذکر کیا گیا اگرچہ عموم میں وہ پہلے مندرج تھے اس لئے یہ ان کے سب سے بڑے بُت تھے اور سب سے بڑھ کر معظم و معبود تھے۔

عرب میں بت بعینہٖ یہی بت عرب کو منتقل کئے گئے چنانچہ ود کلب قبیلہ کے پاس جو دومۃ الجندل میں تھے بضم دال (دومہ) اسی لئے انہیں عرب میں وُدّ کے عبدِ وُدّ (ود کا بندہ عبادتگذار) نام رکھے۔

فائدہ امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وُدّ بت کا نام ہے یا تو اس لئے کہ انہیں اس سے محبت و عقیدت تھی یا اس لئے کہ وہ سمجھتے کہ اس کی اور اللہ تعالیٰ کی آپس میں محبت ہے (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ اس سے بلند و بالا ہے و سواع ہمدان کا بت تھا۔ ہمدان بکسر المیم ایک قبیلہ ہے یمن میں اور یغوث مذحج کا بت تھا۔ مذحج ہمچوں مجلس بالذال المعجمہ اس کے آخر میں جیم اسی لئے عرب عبد یغوث نام رکھتے تھے۔ یعوق مراد کا تھا مراد ہمچوں غراب ایک

قبیلے کا باپ تھا اس کا یہ نام اسی نمرود کی وجہ سے تھا۔ نسر حمیر کا بت تھا (بکسر الحا و سکون المیم بروزن درہم ایک جگہ ہے صنعاء الیمن میں۔

فائدہ بعض نے کہا عرب میں یہ بت بعینہٖ منتقل نہیں بلکہ ان کے اسما منتقل ہوکے ان جیسے عربوں نے بت تیار کئے اور ان کی پرستش کرتے تھے کیونکہ اتنا عرصہ دراز تک ان کا بعینہٖ ان کا باقی رہنا ناممکن ہے کیونکہ زمانہ طوفان میں تمام دنیا تباہ و برباد ہوچکی تھی اور انہیں نوح علیہ السلام نے کشتی میں بھی نہیں رکھا تھا کیونکہ آپ تو ان کی بیخ کنی کے لئے مبعوث ہوئے پھر کیسے انہیں ساتھ رکھتے۔

تردید از صاحب روح البیان قدس سرہٗ ان کے مٹ جانے کا قول محل نظر ہے اس لئے کہ طوفان نے انہیں ساحل جدہ میں دفن کر دیا تھا وہ وہاں مدفون تھے مشرکین عرب کے ملعونوں نے نکال لیا تھا۔ اس کی نظیر آدم علیہ السلام کی لغات کا قصہ ہوسکتا ہے وہ یہ کہ آپ نے مختلف لغات مٹی کے گارہ پر لکھ کر انہیں آگ سے پکا کر رکھ چھوڑا تھا جب تمام دنیا طوفان میں غرق ہوئی تو وہ لغات مدفون پڑی ر یہاں تک ہر ایک قوم نے اپنی بولی کو مدفونہ لغات سے حاصل کر کے لکھا۔ اسماعیل علیہ السلام کو کتاب ملی۔

فائدہ بعض نے کہا کہ یہ نام (ود۔ سواع الخ) نیک لوگوں کے اسما تھے جو آدم و نوح علیہما السلام کے درمیانی زمانہ میں گذرے بعض نے کہا کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں تھے ان کے وصال سے لوگ بہت بڑے مغموم محزون ہوئے ان کی قبور کے گرد جمع ہوگئے اور ہر وقت قبور گھیرے رہتے یہ ارض بابل میں تھے جب ابلیس نے ان کا حال دیکھا تو وہ آدمی کے بھیس میں ان کے پاس آیا اور کہا کہ میں تمہیں ان کے فوٹو اور مجسمے بنا دوں جنہیں دیکھ کر تم انہیں یاد کرو۔ چنانچہ اس نے تانبے، پیتل، لکڑی اور لوہے کے مجسمے تیار کر کے انہی صلحا کے نام پر رکھ دیئے جب وہ بڑا عرصہ گذر گیا اور ان کے ابناء اور ابناء الابناء مر گئے تو آنے والی نسلوں کو بتایا کہ تمہارے آباؤ اجداد تو ان کو پوجتے تھے تم بھی انہی پوجو چنانچہ وہ ابلیس کے کہنے پر اسے پوجنے لگے۔ مہلابیل بن قینان کے زمانہ میں یہ رسم بد (بت پرستی) تھی۔

عرب میں بت پرستی کا رواج ان لوگوں کے بعد یہ رسم (بت پرستی) عرب میں دور جاہلیت میں شروع ہوگئی اس کی وجہ وہ ہوئی جو گذرا کہ ابلیس نے وہی مجسمے (جو طوفان سے پہلے چھپا دیئے گئے تھے) ابلیس نے اہل عرب کو نکال دیئے یا عمرو بن لحی نے سب سے پہلے بت کعبہ معظمہ پر لگا ایک جن کی تابعداری میں جس نے اسے کہا کہ جدہ (شہر) ہے جا کر بت لے آ۔ انہی کی نوح و ادریس علیہما السلام کے زما پرستش ہوتی تھی ان بتوں کے نام یہ ہیں ود۔ سواع الخ عمرو بن لحی وہاں سے یہ بت مکہ معظمہ میں لایا اور ان کی پرستش کی دعوت عام کی اس طرح سے عرب میں بت پرستی عام پھیل گئی (عمرو بن لحی) نے تین سو چالیس سال عمر پائی اور اس کے

اولاد بیٹے۔ پوتے۔ نواسے وغیرہ) ایک ہزار اور نہایت بہادر تھے اسی لئے اس کی اور اس کی اولاد میں مکہ معظمہ پر پانچسو سال سلطنت رہی اس کے بعد سلطنت قریش کو منتقل ہوئی ان کی بھی بت پرستی کے رواج میں مکہ معظمہ پر پانچسو سال سلطنت رہی گویا بیت اللہ پورا ایک ہزار سال بت پرستی کا مرکز رہا۔

امام شعرانی قدس سرہٗ کی ایک تقریر امام شعرانی قدس سرہٗ نے فرمایا اس کی ایجاد (بتوں کا بنانا) دراصل قوت تنزلیہ کو مضبوط کرنے کے لئے علماء متقدمین نے کی کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کو ہر طرح سے منزہ سمجھانے کے لئے کوشش کرتے عوام کو دیکھا کہ تعطیل (اللہ کو معطل سمجھنا) کی بیماری میں مبتلا ہو رہے ہیں بلکہ مسئلہ کو رائج کر دیا تو علماء نے بت بنائے اور ان پر ریشمی لباس اور زیور اور گوہر (موتی) پہنا کر ان کی تعظیم سجود وغیرہ سے سکھائی تاکہ عوام ان کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا مفہوم سمجھیں جو ان کے عقول سے غائب ہے بلکہ ان علماء سے بھی۔ لیکن علماء کو ایسا کرنا جائز نہ تھا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی کوئی اجازت نہ تھی۔

فائدہ سہیلی رحمہ اللہ نے فرمایا مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ یہ اسماء ان لوگوں نے کہاں سے حاصل کئے یہ اسماء تو بہت قدیم الایام میں تھے نامعلوم ہند سے لئے یا کہاں سے۔ ہاں مذکور ہے کہ ان کی بت پرستش نوح علیہ السلام کے زمانہ کے بعد شروع ہوئی۔ شاید ابلیس نے ہی وہ القا کیا جو جاہلیت اولیٰ یعنی نوح علیہ السلام کے زمانہ سے پہلے ہوتا تھا۔

فائدہ تکملہ میں ہے کہ حضرت تقی بن مخلد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اسماء جو سورۃ ہذا میں مذکور ہیں حضرت آدم علیہ السلام کے صلبی بیٹے تھے یغوث ان سب سے بڑا تھا اور یہ سریانی نام ہیں پھر یہ اسماء ہند میں رائج ہو گئے انہوں نے اپنے بتوں کے نام رکھ دیئے اس خیال پر یہ سبعہ ہیں اور ان کے اندر جن بولتے تھے لہٰذا جب وہ بت پرستی میں مبتلا ہو گئے اس کے بعد یہ رسم بد (بت پرستی) عرب میں سب سے پہلے عمرو بن لحی بن قمعہ بن الیاس بن مضر نے رائج کی اگرچہ یہ بیماری پہلے بھی عرب میں سرایت کر چکی تھی۔

فائدہ بعض نے کہا کہ ود (بت) مرد کی شکل اور سواع (بت) عورت کی شکل میں یغوث شیر کی شکل میں یعوق گھوڑے کی شکل میں نسر (گدھ) وہ بڑا پرندہ جو اشیاء کو نگل لیتا ہے میں تھے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارے وہ معبود جن کی تم پرستش کرتے ہو جن پر تم اپنی خواہشات سے ان پر ٹوٹ پڑتے ہو وہ تمہارا بدن ہے جس کی تم اپنی خواہشات سے پرستش اور اس سے محبت کرتے ہو اور سواع نفس ہے اور یغوث اہل و عیال ہے اور یعوق مال اور نسر حرص ہے۔

تفسیر عالمانہ وَقَدْ اَضَلُّوْا اور بیشک رؤسا (سرداروں) نے گمراہ کیا یہ جملہ حالیہ ہے کَثِیْرًا بڑی مخلوق کو۔ یا بتوں نے گمراہ کیا جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا رب انہن اضللن کثیرا من الناس

ابراہیم علیہ السلام نے کہا اے میرے پروردگار بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا۔

سوال اَضْلَلْنَ میں اگر بت مراد ہیں تو صیغہ جمع مذکر ذوی العقول کیوں؟

جواب چونکہ مشرک انہیں معبود مانتے تھے پھر انہیں عقلاً کے اوصاف سے موصوف کرتے تھے
فہم پر انہیں ذوی العقول کہا گیا ، کہا جاتا ہے ۔

وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ۔ اور تو ظالمین کو سوائے گمراہی کے نہ بڑھانا۔ ان کا شرک
کیونکہ شرک عظیم ظلم ہے اس لئے کہ ظلم اصل میں شے کو غیر جگہ پر رکھنے کو کہتے ہیں۔ اور یہاں
کیا شے بُری ہوگی کہ خسیس مخلوق کو اور اس کی عبادت کو خالق فرد صمد اور اس کی عبادت پہ رکھا گیا۔

فائدہ اسی جملہ کا عطف رب انہم عصونی الخ پر ہے گویا نوح علیہ السلام نے کہا اے پروردگار
میری نافرمانی کی اور اے پروردگار تو نہ بڑھا مگر گمراہی میں۔ بعض نے کہا کہ یہ حکایت
نہ کہ محکی ہے یا یہ کلام الٰہی ہے نہ کہ نوح علیہ السلام سے تو گویا نوح علیہ السلام نے یہ دونوں قول کہے بغیر
ڈالنے کے اس معنیٰ پر اللہ نے ان کے ایک بتقدیر قول سے شروع فرمایا دوسرا واؤ کو قال کے نائب
عطف سے بیان فرمایا اس تقریر پر عطف الانشاء علی الاخبار لازم نہیں آتا یہ بھی جائز ہے کہ اس کا عطف
فاخذلہم قالوا تھا اس تقریر پہ محکی سے ہے اور ضلال سے مراد ان کا ظلم اور ہلاکت اور یہ بھی
میں ہے ان کا مکر اور امر دینی کے بجائے دنیا کے مصالح کی ترویج۔

سوال حضرت نوح علیہ السلام مبعوث ہوئے کہ انہیں گمراہی سے ہٹائیں نہ یہ کہ ان کے لئے گمراہی کی
گمراہی میں بڑھ جائیں علاوہ ازیں نوح علیہ السلام کی دعا ان کی رضا کو بھی متضمن ہے کیونکہ جو کسی کے لئے کوئی
تو وہ اس کام کو پسند کرتا ہے تو دعا کرتا ہے یہ انبیاء علیہ السلام کے حق میں ناجائز (بلکہ ممتنع) ہے کہ وہ کسی
دعا کریں کہ وہ گمراہی میں بڑھ جائے اور ایسی دعا کو کفر کو متضمن ہوتی ہے اور انبیاء علیہم السلام سے ایسا فعل

جواب ممکن ہے اس کا یہ جواب ہو کہ نوح علیہ السلام نے یہ دعا اس وقت مانگی ہو جب آپ پر وحی ہوئی
لا یؤمن من قومک الا من قد امن ۔ بیشک تمہاری قوم سے اب کوئی ایمان نہیں لائے گا
جو ایمان لا چکے اور ظاہر ہے کہ کفر اس وقت لازم آتا جب اسے مستحسن (اچھا) سمجھا جاتا اس کی نظیر موسیٰ علیہ السلام
کی دعا بھی ہے کہ آپ نے فرعونیوں کے لئے کہا واشدد علیٰ قلوبہم ۔ (اور ان کے دل سخت کر دے دیکھئے
اس شریر کی موت چاہے جس کے کفر رچ گیا ہے تاکہ اللہ عذاب دے کر اس سے بدلہ لے تو کفر نہیں (قرآن میں
کی دعا بھی اسی قبیل سے تھی) اب مطلب یہ ہوا کہ ظالم لوگ گمراہی میں بڑھیں تاکہ ان کے عذاب میں اضافہ ہو
نے کا فروں کے لئے فرمایا انما نملی لہم لیزدادوا اثما بیشک ہم انہیں مہلت دیتے ہیں تاکہ گناہ میں بڑھیں ۔
انی ارید ان تبوءَ باثمی واثمک فتکون من اصحاب النار (ہابیل نے قابیل کو کہا کہ) میں تو یہ چاہتا ہوں کہ

تیرا گناہ دو دونوں تیرے پر چلیں پڑے اور تو دوزخی ہو جائے ۔

ئدہ
نوح علیہ السلام نے جب دعوت کا آغاز کیا آپ کے معاصرین نے نہ مانا پھر ان کی اولاد کو دعوت دی وہ بھی
نہ مانے ایسے ہی سات قرنوں تک مسلسل یہ لوگ نہ مانے جب ان سے مایوس ہوئے تو پھر مذکورہ بالا دعا کی ۔
مِمَّا خَطِيْٓئٰتِهِمْ (یعنی کیسی خطاؤں پر) اپنی قوم نوح (علیہ السلام) خطاؤں کی وجہ سے اور ان اعمال سے جو سراسر
ب کے خلاف تھے یعنی کفر و معاصی سے اور ما جار و مجرور کے درمیان زائدہ ہے تاکہ حصر کے لیے جو مِمَّا
خَطِيْٓئٰتِهِمْ کی تقدیم سے حاصل ہوئی ہے ۔

اس سے ثابت ہوا کہ ان کا طوفان میں غرق ہونا ان کے معاصی و خطاؤں سے تھا ۔ اس سے منجمین (نجومیوں)
کے دعویٰ کی تردید و تکذیب مطلوب ہے انہوں نے کہا کہ وہ اس لیے غرق ہوئے کہ اوضاع فلکیہ کا تقاضا
وغیرہ وغیرہ ۔ ایسا کہنا بھی کفر ہے کیونکہ اس سے مذکورہ بالا آیت کے صریح خلاف ہے ۔
ما کا ابہام تاکید کے علاوہ ایک فائدہ اور بھی ہے وہ ہے ان کے خطاؤں کی تفخیم کا اظہار یعنی انہوں نے
معمولی گناہوں کا ارتکاب نہیں بلکہ بڑے عظیم معاصی خطیئات کے مرتکب ہوئے تھے اور جو کہتا ہے کہ یہ ما زائدہ
ود کہتا ہے یہ بحرہ کا ہے اور یہ تکثیر خطیئات کا مقام ہے کیونکہ انہوں نے کامل ایک ہزار گناہ کیے اور خطیئات
ہے اور قرینہ کے بغیر دس سے اوپر اس کا اطلاق جائز نہیں لیکن رضی (نحوی) کے کلام سے ظاہر یہ ہے کہ جمع
تکسیر ہر دونوں مطلق جمع کے لئے آتی ہیں بالحاظ قلت و کثرت کے اس معنی پر ہر دونوں سالم و تکسیر ہر دونوں
و کثرت) کی صلاحیت رکھتی ہیں اسی لئے بعض نحویوں نے کہا کہ یہ دونوں (سالم و تکسیر) ہر دونوں (قلت و کثرت)
مشترک ہیں ان کا استدلال آیت مانفدت کلمات اللّٰہ (کلمات اللّٰہ ختم نہ ہوں گے) سے ہے ۔
أُغْرِقُوْا دنیا میں طوفان سے غرق ہوئے کسی اور سبب سے نہیں ۔ ایسے ہر قسم کے خطاؤں کے ارتکاب
ہے فَاُدْخِلُوْا نَارًا پھر آگ میں داخل کئے گئے ۔ نارا کی تنکیر یا تو تعظیم و تہویل کے لئے ہے یا اس لئے کہ
ان کی خطاؤں کی وجہ سے ان کے لئے خاص قسم کی نار تیار فرما رکھی تھی ۔ اس سے یا تو قبر کا عذاب مراد ہے کیونکہ
ڈ ہونے کے بعد جیسے ہی سے وہ اگرچہ وہ بظاہر پانی میں تھے لیکن درحقیقت نار میں تھے کیونکہ قاعدہ شرعیہ
یہ مرے پانی میں یا آگ میں یا اسے درندہ کھائے یا پرندہ اسے اسی طرح کا عذاب پہنچے گا جو قبر میں مدفون کو
ہے ۔

بعض نے کہا کہ وہ ایک جانب میں پانی میں غرق تھے یعنی ان کے اجسام دوسرے جانب سے نار میں یعنی ان
کی روح اس طرح سے و نار و ما کے عذاب کے جامع ہوئے جیسے ایک شاعر نے کہا ہے

الغلق مجتمع طود
مفترق

والحادثات فنون ذات اطوار
لا تعجبين لاضداد اذا اجتمعت
فالله يجمع بين الماء والنار

ترجمہ: مخلوق جمع بھی ہے متفرق بھی۔ حادثے گوناں گوں اور طرح طرح کے ہوتے ہیں۔ اضداد کے اجتماع سے تعجب نہ کرو۔ اللہ پانی اور آگ کو جمع کر سکتا ہے۔

فائدہ یا اس سے عذاب جہنم مراد ہے اور فائے تعقیبیہ ان کے تعقب کو ان کے اغراق کے بمنزلہ قرب و تحقق کے گیا گویا ان کے غرق ہوتے ہی ان پر عذاب مسلط کر دیا گیا۔ اغراق و تعذیب کے زمانوں کو ایک دوسرے سے ملایا گیا جیسے حدیث شریف میں ہے من مات فقد قامت قیامة جو مرا اس کے لئے قیامت قائم علاوہ ازیں نار سے آدمی نار مراد ہے وہ ہے برزخ میں صرف ارواح کے لئے دوسری کامل وہ ہے جو میدان حشر کے بعد اجسام و ارواح ہر دونوں کے لئے اسی طرح جحیم پر نعیم (بہشت کی نعمتوں) کا قیاس کیجئے۔

فَلَمْ يَجِدُوا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بالمقابل کوئی مددگار نہ پایا۔ یعنی کے کسی ایک کوئی مددگار نہ پایا جو اس کی مدد کرے اللہ کے قہر و انتقام کے عذاب سے۔

فائدہ اس میں کافروں کو تعریض ہے کہ انہوں نے بتوں کو معبود بنائے رکھا اپنی نجات کی امید پر لیکن انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ یہ ان کی مدد پر کسی قسم کی قدرت نہیں رکھتے (فائدہ) ان کے بتوں کو انصار کہنا ان سے تہکم ہے او مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا سے حال متقدم ہے اور جملہ استینافیہ ہے آگاہی کے لئے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعا ہوئی اور اسمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کی تسلی اور عاصی کو عذاب اور کے اسباب سے تخویف (ڈرانا) ہے۔

وَقَالَ نُوْحٌ اور نوح علیہ السلام نے کہا۔ جب نوح علیہ السلام ان کے ہدایت پانے سے بالکل ناامید ہوئے اغلب نشانیوں یا اللہ کے خبر دینے سے۔ رَّبِّ میرے پروردگار لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ زمین پر نہ چھوڑ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ اپنے ساتھ اور اس کے ساتھ جو تجھ سے احکام لائے گئے کفر کرنے والوں کو۔ حال مقدم ہے دَيَّارًا بسنے والا۔ ہے کوئی ایک جو زمین پہ چلے پھرے آئے جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام کافروں کی بنیادیں اکھیڑ دیں انہیں تباہ و برباد کیا۔ اس کا اپنے ہم مثل جملہ سابق پر عطف ہے اور مما خطیئاتہم جملہ معترضہ ہے جو نوح علیہ کے دعا کے درمیان واقع ہے تاکہ آگاہی ہو کہ انہیں جو کچھ ہوا اغراق و احراق یہ سب ان کے اعمال کی شامت ہو۔ نیز آگاہ کیا گیا کہ ان خطاؤں کی وجہ سے وہ اس ہلاکت و تباہی کے مستحق بھی تھے اسی لئے یہ نفس اغراق دا کی حکایت ہے ملی طریق اس حکایت کے جو نوح علیہ السلام اور ان کے درمیان احوال و اقوال جاری ہوئے د

ان کی اس دعا کی حکایت سے مؤخر ہوتا دیّار ان اسماء سے ہے جو نفی عام میں مستعمل ہوتے ہیں جیسے کہا جاتا ہے۔ ما بالدار دیار دار میں کوئی بسنے والا نہیں۔ یا ما بالدار دیور کوئی دار میں بسنے والا نہیں۔ جیسے قیام و قیوم یعنی دار میں کوئی نہیں یعنی اسمیں کوئی سکونت پذیر نہیں۔ دیار بر وزن فیعال از دور یا دار ہے دراصل دَیْوار تھا اس پر وہی قانون جاری ہوا جو سید پر جاری ہوا۔ پہلے قاعدہ پر دیار کا معنیٰ ہوا کہ یہاں کوئی نہ رہے کہ زمین پر پھرے اور آئے جائے دوسرے پر معنیٰ یہ ہوا کہ کوئی ایک ایسا نہ ہو جو دار میں اترے اور اسمیں سکونت پذیر ہو۔

فائدہ بعض نے دیار کا دوران سے اشتقاق کا انکار کیا ہے کیونکہ یہ اس سے مشتق ہوتا تو طوفان کے بعد زمین پہ کوئی جن ہوتا نہ شیطان اور یہ معنیٰ مراد ہی نہیں بلکہ معنیٰ یہ ہے کہ کافروں میں سے کوئی بھی دار میں سکونت پذیر نہ ہو۔ یعنی کوئی انسان (کافر) نہ بچے۔

تحقیق صاحب روح البیان قدس سرہٗ

فقیر صاحب البیان قدس سرہٗ کہتا ہے کہ اس کا جواب آسان ہے وہ یہ کہ نوح علیہ السلام کا ارادہ یہ تھا کہ روئے زمین پر امت دعوت میں سے کوئی کافر بھی روئے زمین پر نہ رہے اور جن و شیطان نوح علیہ السلام کی امت دعوت میں سے نہ تھے کیونکہ نوح علیہ السلام (ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح) ثقلین کی طرف مبعوث نہیں ہوئے تھے۔ اور نہ ہی دیار از دار ہے ورنہ اسے دوّار کہا جاتا کیونکہ دار دراصل دور تھا واؤ الف سے تبدیل ہوئی کیونکہ عین ضعیف حرکت کی حامل نہیں اس تقریر پر دوّار ہونا چاہیئے واؤ صحیح شدہ ہے کیونکہ اسے یا سے تبدیل کرنے کا کوئی قانون نہیں۔

اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ (بے شک تو اگر انہیں رہنے دے گا) روئے زمین پر کل یا بعض کو اور انہیں ہلاک نہیں کرے گا یہ نوح علیہ السلام کی دعا کی وجہ ہے اور دین کی غیرت کا اظہار ہے نہ کہ نفسانی خواہش کے غلبہ سے یُضِلُّوْا عِبَادَكَ تیرے بندوں کو گمراہ کر دیں گے۔ سیدھے رستہ حق سے بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے عِبَادَكَ الْمُؤْمِنِیْنَ یعنی تیرے مومن بندوں کو گمراہ کر دیں گے اس میں اشارہ ہے کہ اہل دراصل وہی بندے ہیں جو اہل ایمان ہیں لیکن اس میں نظر ہے وہ یہ کہ یہاں مراد یہ ہے کہ وہ تیرے بندوں کو تیرے رات سے روکیں گے جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا وصدو عن سبیل اللہ (اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے راستہ سے روکا)۔ اس پر وہ روایت بھی دلالت کرتی ہے کہ نوح علیہ السلام کی قوم کا کوئی ایک اپنے چھوٹے بچے کو نوح علیہ السلام کے پاس بچے کو لے جا کر کہتا اس شخص سے بچنا یہ جھوٹا ہے (معاذ اللہ) کیونکہ مجھے باپ نے وصیت کی تھی کہ یہ جھوٹا ہے۔ چنانچہ جب وہ مر جاتا تو وہی بچہ جوان ہو کر نوح علیہ السلام کا مخالف ہو جاتا اور کہتا کہ مجھے باپ نے وصیت کی تھی کہ اس سے بچنا یہ جھوٹا ہے (معاذ اللہ) وَلَا یَلِدُوْٓا اور نہ جنیں گے۔ اِلَّا فَاجِرًا مگر فاجر (بدکار)

حل لغات از الفجر بمعنی شے کا خوب چر جانا جیسے فجر الانسان السکر (بالکسر نہر کا بند) اور وہ شے جو نہر کو روکے، یعنی انسان نے نہر کا بند توڑا۔ الفجور بمعنی دیانۃ کا ستر پھاڑنا۔

کُفَّارًا بڑا ناشکرا (بہت بڑا کفرو) کفران (ناشکری) والا۔

حل لغات امام راغب اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کفار کفور سے زیادہ بلیغ ہے یعنی کفران نعمت میں بڑا اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ جنیں گے ایسے جو بدکاری اور کفر کریں گے یہی وجہ ہے کہ ان کا روئے زمین سے اُٹھ جانا بہتر ہے اور اس کا حقیقی علم تجھے ہے نوح علیہ السلام نے ان کی یہ صفت ان کے بعد بلوغ کی بیان کی ہے کہ ان کی اولاد بعد بلوغ ایسے ہو جائے گی اس معنیٰ پر یہ مجاز ہے گویا نوح علیہ السلام نے قبل از وقت معذرت کرلی کہ ان پر اعتراض وارد ہو کہ آپ نے تو ان سب کے استیصال (تباہی و بربادی) کی دُعا فرمائی حالانکہ یہ بھی ممکن ہے کہ ان کی اولاد میں سے بعض ایمان لانے لیکن یہ تقریر غلط ہے اس لئے کہ نوح علیہ السلام نے ان کی تباہی و بربادی کی دعا از خود نہیں بلکہ وحی ربانی کے مطابق مانگی جیسا کہ سورۃ ہود میں ہے کہ واوحی الیٰ نوح انہ لن یؤمن الامن قد آمن اور نوح علیہ السلام کی طرف وحی کی گئی کہ ہرگز ایمان نہ لائیں گے مگر وہ جو ایمان لا چکے۔

سوال ممکن ہے کہ یہ دعا وحی سے پہلے ہو اور تمہاری تقریر تب صحیح ہو سکتی ہے جب معلوم ہو کہ نوح علیہ السلام نے یہ دعا اس وحی کے بعد کی اور یہ معلوم نہیں؟

جواب وحی کے بعد دُعا ہذا کا قرینہ واضح ہے وہ یہ کہ آپ نے یہ دُعا اس وقت مانگی ہوگی جب ان کے لئے عذاب کے آثار دیکھے تو یہ دعا گویا آپ کے اواخر سے ہے اور وحی سے پہلے۔

فائدہ ایک مثال مشہور ہے کہ سانپ سے سانپ ہی پیدا ہوتا ہے (اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بُرے سے بُرا پیدا ہوتا ہے) لیکن یہ قاعدہ اکثریہ ہے (کلیہ نہیں) اسی قاعدہ پر کہا گیا ہے اذا طاب اصل المرء طابت فروع۔ جب کسی کی اصل نیک ہو تو فروع بھی نیک ہوں گے اسی سے ہے الولد سرٌ لابیہ اولاد اپنے باپ کا راز (مظہر) ہوتی ہے۔

نکتہ اس کی وجہ بھی یہی بتائی جاتی ہے کہ جب اولاد جوان ہوگی تو وہ اپنے باپ کے عادات پر عمل کرے گی یا اس کی طبائع سے سرقت (اثر حاصل) کرے گی بلکہ بہت سے لوگوں کی صحبت سے بھی اثرات حاصل ہوتے ہیں نیک یا بُرے (لیکن یہ بھی اکثریہ قاعدہ ہے کلیہ نہیں)۔

صاحب روح البیان کی تقریر فقیر (صاحب روح البیان) کہتا ہے فیہ ما فیہ (اس میں ایک راز ہے) جو واضح ہے وہ یہ کہ اس میں جلال و جمال کا ظہور ہوتا ہے کبھی جلال باپ میں ظہور ہوتا ہے تو وہ بیٹے کے باطن میں ہوتا ہے۔ جیسے قابیل بن آدم علیہ السلام بھی ہوا کہ وہ جلال جو آدم علیہ السلام کے باطن میں تھا وہ قابیل میں ظاہر ہو گیا اور کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے مثلاً وہ جمال جو آدم علیہ السلام

کے باطن میں تھا وہ ہابیل میں ظاہر ہوا اور تا قیامت مخالفت و موافقت کا یہی حال رہے گا ۔

فائدہ بعض اکابر نے فرمایا کہ یہ اعتذار نوح علیہ السلام قیامت میں کریں گے جب مخلوق آپ سے شفاعت کے لئے عرض کرے گی تو فرمائیں گے میں نے تو اپنی امت کو دعوت دی لیکن وہ نہ مانی اور ساتھ ہی یہ بھی کہدیا تھا ولا یلدوا الا فاجرا کفارا اور یہ اعتذار دُعا سے نہیں اس حیثیت سے کہ وہ دُعا ہے ۔

فائدہ اسمیں یہ اشارہ بھی ہے کہ ان کی یہ دُعا انہیں عدم قبول ایمان کی علامات دیکھکر کی کہ انہیں کامل ایک ہزار سال آزمایا لیکن ان سے سوائے کفر و فجور کے کچھ صادر نہ ہوا۔ اگر انہیں وحی کے ذریعہ یہ حکم ہوتا تو معذرت نہ کرتے (جیسے القاشانی) رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نوح علیہ السلام قوم کی دعوت سے ملول اور دل تنگ ہو گئے آپ پر غضب کا غلبہ ہوا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ قوم کو تباہ و برباد کر دے اور ان پر قہر کی آگ برسائے ۔ آپ نے ان کے ظاہری حال کے مطابق ایسا فرمایا تھا کیونکہ وہ محجوب کہ جس پر کفر کا غلبہ ہو وہ اپنے جیسے کافر کو جنے گا۔ اسلئے کہ وہ خبیث نطفہ جو اس میں نشو و نما پائے گا وہ بھی اس کی طرح خبیث محجوب ہی ہو گا اسی طرح ہی ہیئۃ مظلمہ (تاریکی سے بھرپور) ہو گا اور وہ وہی قبول کرے گا جو اس کے اصل میں ہو گا کیونکہ جیسا بیج دیا پھل لیکن "الولد سر لابیہ" کے قاعدہ پر ان کی توجہ نہ رہی جبکہ اولاد پر کبھی غالب حال باطنی بھی مؤثر ہو جاتا ہے اس لئے کہ بہت سے کافر باقی الاستعداد صافی الفطرۃ نقی الاصل ہوتے ہیں بوجہ "استعداد فطری" کے صرف اس پر غلبہ پا گیا ہے ظاہری عادت اور آبا کا دین اور قوم کے ساتھ نشست و برخاست اسلئے وہ ظاہری طور ان کے دین پر ہو گیا ورنہ اس کا باطن تو اسلام (کی فطرت) پر ہے اسی لئے وہ کبھی مسلمان بچہ کو جنتا ہے اسی نوری حالت کی وجہ سے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آب تو اسی ہیئۃ غضبیہ ظلمانیہ جو ان کے باطن پر غالب تھی پیدا ہوئے کیونکہ وہ اسی حالت محجوبہ کیوجہ سے اپنے ابن کنعان کے لئے کہہ بیٹھے تھے ۔

فائدہ نبی نوح علیہ السلام کی دعا مذکور از روئے وحی نہ تھی اس ایک دلیل وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر کے غضب کو نوح علیہ السلام کے غضب سے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی نرمی کو ابراہیم علیہ السلام کی نرمی سے تشبیہ دی ہے ۔

یہ اس تحقیق کے خلاف ہے جو ہم بارہا اس تفسیر میں لکھ چکے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کا باپ آذر نہ تھا بلکہ تارخ تھا آپ کا چچا تھا چنانچہ ابن المنذر صحیح سند کے ساتھ حضرت جریج رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا لَیْسَ آزَرُ بِاَبِیْهِ اِنَّمَا اِبْرَاهِیْمُ بْنُ تَارَخ ابراہیم علیہ السلام کا باپ آزر نہیں بلکہ تارخ ہے ۔ امام ابن ابی حاتم صحیح سند کے ساتھ حضرت سُدّی سے روایت کرتے ہیں کہ اِنَّهٗ قِیْلَ لَهٗ اِسْمُ اَبِیْ اِبْرَاهِیْمَ آزَرُ فَقَالَ بَلْ

اسمہ آئندہ صفحہ پر)

عتاب اور رحمۃ للعالمینی بعض عارفین نے کہا کہ وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ سے اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عتاب (محبوبانہ) فرمایا اس کا سبب یہ ہوا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک ماہ تک کافروں کے لئے غضب کی دعا مانگتے رہے وہ بھی غیرت ربانی کی وجہ سے اور وہ جو اس کے مستحق تھے اللہ تعالیٰ نے یہی آیت وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ نازل کی اور عتاب کا مطلب یہ ہے کہ میں نے آپ کو سباب لعان بنا کر نہیں بلکہ رحمۃ بنا کر مبعوث کیا تاکہ آپ ایسے نااہل لوگوں کے لئے رحم فرمائیں نہ کہ غضب کی دعا۔ گویا اللہ نے فرمایا کہ اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آپ ان پر غضب کے

(بقیہ حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ)

(سُمّہٗ تارخ کر ان سے کہا گیا کہ ابراہیم کے باپ کا نام آزر ہے تو انہوں نے فرمایا نہیں بلکہ تارخ ہے۔ خاتم الحفاظ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ آزر کے باپ نہ ہونے پر ایک عجیب و غریب استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام ابن المنذر نے اپنی تفسیر میں صحیح سند کے ساتھ سلیمان بن صرد سے روایت کی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ گلزار ہو گئی تو آپ کے چچا آزر نے کہا۔ کس نے اس سے آگ کو دفع کر دیا۔ تو اسی وقت اللہ تعالیٰ نے اس پر آگ کا ایک شرارہ بھیجا جس نے آزر کو جلا کر رکھ دیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ آزر ان ایام میں ہلاک ہو گیا تھا جن ایام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تھا آپ نے اس کے لئے استغفار کیا۔ کیونکہ آپ نے اس سے وعدہ کیا ہوا تھا کہ میں تمہارے لئے استغفار کروں گا۔ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنۡهُ پ۱۱ پھر جب آپ پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو آپ اس سے بیزار ہو گئے اور ہمیشہ کے لئے استغفار ترک کر دیا اور یہ قرآن سے واضح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے واقعۂ آگ کے بعد ہجرت فرمائی۔ کَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی۔ وَقَالَ اِنِّیۡ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیۡ سَیَهۡدِیۡنِ پ۲۳ اور اس وقت آپ کی عمر سینتیس ۳۷ برس کی تھی ہجرت کے بعد آپ نے پہلے حران میں قیام کیا پھر اُردن میں پھر مصر میں اور مصر کے بعد شام میں پھر جب آپ کی عمر نوے برس کی ہوئی تو آپ کے ہاں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے بحکم رب العالمین آپ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو بیت اللہ شریف کے پاس چھوڑا اور واپسی پر اللہ کی بارگاہ میں دعا کی ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم اور اسی دعا میں یہ بھی کہا ربنا اغفرلی ولوالدی وللمؤمنین یوم یقوم الحساب۔ جب آپ پر آزر کا دشمن خدا ہونا ظاہر ہو چکا تھا تو آپ نے بیزار ہو کر اس کے لئے استغفار ترک کر دی تو پھر تقریباً پچاس برس کے بعد اس کے بعد کیسے دعا فرما سکتے تھے اس سے ثابت ہوا کہ یہ دعائے بخشش حقیقی والدین کے لئے تھی آزر کے لئے نہ تھی کیونکہ آزر کے لئے دعا کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا تھا لہٰذا ثابت ہو گیا کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں چچا تھا۔ (الحاوی للفتاوی ص۲۱۶)

بجائے رحمت کی دعا مانگتے تو بہتر تھا کیونکہ اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ جب ان کے لئے دعائے خیر فرماتے تو میں ان کے حق میں آپ کی دعا قبول کرتا اس لئے کہ مجھے تو آپ کی فرحت و سرور چاہیئے۔ جب ان کے لئے رحمت کی دعا مانگتے تو میں انہیں طاعت کی توفیق بخشتا وہ اطاعت کرتے آپ ان سے خوش ہو جاتے اور جس وقت آپ نے ان پر لعنت کی اور دعائے خیر سے محروم فرمایا تو میں نے آپ کی دعا قبول کر لی کیونکہ وہ سرکش تھے اور زمین پر فساد پھیلانے والے۔ پھر ان کی گرفت بھی اس لئے ہوئی کہ آپ نے دعا کی اور لعنت بھی۔

اب خلاصہ یہی ہوا کہ گویا آپ نے ان کو سرکشی میں زیادتی کا موقعہ دیا جس کی وجہ سے انکی گرفت ہوئی نہ آپ بددعا کرتے نہ ان میں طغیان و سرکشی میں اضافہ ہوتا نہ میں انہیں گرفتار کرتا۔ گویا اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس پر متنبہ فرمایا کہ آپ کو اللہ نے ہی ایسے آداب سکھائے ہیں (جنکی وجہ سے آپ تمام مخلوق سے ممتاز ہیں)

حدیث شریف میں ہے خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ان اللہ ادبنی فاحسن تادیبی مجھے میرے اللہ نے آداب سکھائی اور احسن تادیب فرمائی۔ اسی لئے اس کے بعد ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قوم کے لئے دعا فرماتے اللھم اغفر لقومی فانہم لا یعلمون۔ اے اللہ (تعالیٰ) میری قوم کو بخش اس لئے کہ وہ لاعلم ہیں۔

رحمت نبوی کا کیا کہنا ایک شب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کے قیام میں آیت ذیل پڑھتے گذار دی۔

ان تعذبہم فانہم عبادک وان تغفر لہم فانک انت العزیز الحکیم۔

ترجمہ: اگر انہیں عذاب کرے تو تیرے بندے ہیں اگر انہیں بخشے تو عزیز حکیم ہے۔

تمام شب اسی کو پڑھتے گذارا۔ ہاں اس سے قبل دعا کی رعل و ذکوان وعصیہ (قبائل) پر اور قریش سرداروں پر کہ اللھم علیک بفلان اللھم علیک بفلان اے اللہ فلاں کی گرفت اور فلاں کو پکڑ۔

سبق اے بندۂ خدا تو بھی اپنے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتدا کر۔ اللہ تعالیٰ تیری ہدایت کا خود متولی ہوگا۔

نوح نجی اور محمد نبی صلی اللہ علیہ وسلم بعض اہل معرفت نے کہا کہ جب نوح علیہ السلام نے قوم پر غصہ کیا تو ان کی تباہی کی دعا کی اور نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قوم پر غصہ کیا تو کہا اللھم اھد قومی فانہم لا یعلمون اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے کہ وہ جاہل ہیں۔

مسئلہ کسی خاص کو معین کر کے اس کے کفر کا دعویٰ نہ کیا جائے کیونکہ نا معلوم اس کا خاتمہ کیسا ہو (اچھا ہو)۔

مسئلہ مطلقاً کفار و فجار کے بارے میں بد دعا کی جا سکتی ہے اسی لئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنی دعا سے محروم رکھا جنہوں نے مسلمانوں کو اذیتیں پہنچائیں اس مسئلہ کا یہی جواب ہے جو اس رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا رَبِّ اغْفِرْ لِیْ اے میرے پروردگار میرے گناہ بخش دے ۔ اس سے وہ ترک اولیٰ مراد ہے جو نوح علیہ السلام سے صادر ہوا ہوگا۔ وَلِوَالِدَیَّ اور میرے ماں باپ کے گناہ آپ کے باپ کا نام لمک بن مُتُوشلخ تھا بروزن فاعل ہمچوں مُتَدَحْرِجْ یا المیم اور تا متشددہ مضمومہ و فتح الشین المعجمہ سکون اللام بعض نے بفتح المیم لکھا ہے آپ کی والدہ کریمہ کا اسم گرامی سمخا بنت الوش تھا (رضی اللہ عنہم) آپ کے ماں باپ مؤمن تھے ۔

قاعدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا نوح علیہ السلام کے اوپر تا آدم علیہ السلام نوح علیہ السلام کے آبا میں سے کوئی کافر نہ تھا ایسے ہی ان کی امہات ۔

فائدہ اشراق التواریخ میں ہے کہ نوح علیہ السلام کی ماں کا نام قینوش بنت کامل تھا اور کشف الاسرار میں ہے کہ ان کا نام ہیجل بنت لاموس ابن متوشلخ تھا اس کی چچازاد اور دونوں (نوح علیہ السلام کے والدین) مسلمان اور حضرت ادریس علیہ السلام کی ملت پر تھے ۔ بعض نے کہا کہ یہاں والدین سے آدم و حوا علی نبینا وعلیہم السلام مراد ہیں ۔ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ اور وہ جو میرے گھر میں داخل ہے بعض نے بیت سے منزل اور بعض نے مسجد مراد لی ہے کیونکہ وہی اللہ کا بیت (گھر) ہے ۔ اگرچہ وہ من وجہ اللہ کا گھر ہے بعض نے کہا کہ بیت سے سفینہ (کشتی) مراد ہے کیونکہ ضروریات کے پورا کرنے اور گرمی و سردی وغیرہ سے حفاظت کے لئے بمنزلہ گھر کے ہوتی ہے (مُؤْمِنًا) درآنحالیکہ وہ داخل ہونے والا مؤمن ہو اس قید سے آپ کی عورت واعلہ اور بیٹا کنعان نکل گیا کیونکہ نوح علیہ السلام نے ان کے خروج پر تب جزم کیا جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ اَھْلِکَ وہ تمہارے اہل سے نہیں وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ اور مؤمن مرد اور عورتوں کے گناہ بھی از آدم تا قیامت بعض نے کہا کہ آپ نے اس سے امت مرحومہ مراد لی تھی ۔

فائدہ یاد رہے کہ اس میں پہلے نوح علیہ السلام نے انہیں خاص فرمایا جو نسب اور دین میں قریب تھے کیونکہ یہی لوگ آپ کی دعا کے زیادہ مستحق تھے اس کے بعد عام مومن مرد اور عورتوں کو داخل فرمایا۔

اہل اموات کا حال قبور میں اور ان کا سرمایہ

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میت قبر میں ڈوبے ہوئے فریادی کی طرح ہوتا ہے اس وقت اسے اپنے باپ، بھائی اور دوست کی دعاؤں کا انتظار رہتا ہے اسے دعا دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہوتی ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ اہل ارض کی دعائیں اہل قبور کی قبور میں پہاڑوں کی مانند داخل فرماتا ہے یعنی اگرچہ دعا بظاہر معمولی محسوس ہوتی ہے لیکن اہل قبور کے لئے قبور میں بہت بڑا سرمایہ بنتی ہے اور زندوں کا اموات کا بہترین ہدیہ و تحفہ ان کے لئے استغفار ہے ۔

وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا اور ظالموں کو نہ بڑھا مگر ہلاکت اور تباہی یعنی سختی میں۔

حل لغات تبارًا بمعنی سونا کوٹنا۔

نکتہ پہلے فرمایا ولا تزد الظلمین الا ضلالا اور ظالموں کو نہ بڑھا مگر گمراہی میں اس لئے کہ وہ وقد اضلوا کثیرا بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا۔ کے بعد واقع ہوا اور یہاں یعنی الا تبارًا واقع ہوا ہے۔ لا تذر علی الارض الخ کے بعد۔ اسی لئے ہر دونوں موقع محل کے تقاضا پر لایا گیا ہے گویا ہمجنس کو ہمجنس کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

فائدہ نوح علیہ السلام کی بظاہر دعا سے معلوم ہوتا ہے کہ ظالمین و کافرین سے آپ کی مراد آپ کے زمانہ میں جو زمین پر مشرق و مغرب کے درمیان پھیلے ہوئے تھے آپ کا مقصد تھا کہ موجود کافروں کو اللہ تعالیٰ تباہ و برباد کرے اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا مستجاب فرمائی چنانچہ طوفان ہمہ گیر اٹھا اور کافروں کو تمام کو غرق کر کے رکھ دیا۔

نجومیوں کا غلط قول نجومی غلط کہتے ہیں کہ اس سے صرف جزیرۂ عرب کے کفار غرق ہوئے نہ کہ باقی تمام روئے زمین پر کیونکہ یہ قرآن کے ظاہر کلام کے خلاف ہے اور تفسیر العلماء اور اصحاب التواریخ کے اقوال کے سراسر خلاف ہے۔

فائدہ طوفان کے بعد پھر لوگ از سرِ نو پھلے پھولے توالد و تناسل کا سلسلہ شروع ہوا اور اعرافِ عالم میں پھیل گئے مشارق و مغارب کو آباد کیا اب اور قیامت تک نسل آدم انہی طوفان کے بقایا اہل سفینہ اہل ایمان کی اولاد ہے

فائدہ اس سے ثابت ہوا کہ ظالم کا ظلم عام ہو جائے اور وہ اس پر اصرار کرے تو اسے نصیحت کوئی فائدہ نہیں دیتی بلکہ وہ اس لائق ہے کہ اس پر بددعا کی جائے اور اس کے مددگاروں پر بھی۔

فائدہ بعض نے کہا کہ کافروں کے ساتھ ان کے بچے بھی غرق ہوئے لیکن عذاب کے طور پر نہیں بلکہ ان کے آباؤ امہات پر عذاب کو اور زیادہ سخت کرنے کے لئے انہوں نے بچوں کو بھی غرق ہوتے دیکھا جو ان کی عزیز ترین متاع تھے۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کافر ایک ہی ہلاکت میں تباہ ہوتے ہیں لیکن مصادر مختلف میں ظاہر ہوتے ہیں۔

فائدہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ سے کافروں کے بچوں کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو ان کی برأت معلوم ہے لیکن انہیں عذاب کے طور پر غرق نہیں کیا۔ کیونکہ بہت سے بچے غرق اور اور حرق اور دیگر ہلاکتوں کے اسباب سے مرتے ہیں لیکن وہ ان کے لئے عذاب نہیں ہوتا۔

اعجوبہ بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے طوفان کے آنے سے چالیس سال پہلے قوم کی عورتوں کو بانجھ بنا دیا اور مردوں کی اصلاب (نطفوں سے) خشک کر دیں، اسی لئے طوفان کے غرق ہونے کے وقت ان کے ساتھ نہ لڑکے

تھے نہ مجنون ۔ پس وہی بالغ مرد عورتیں غرق ہوئیں اس کی وجہ یہ ہے کہ و قوم نوح لما کذبوا الرسل اغرقناھم اور قوم نوح نے جب رسل کرام (علیہم السلام) کی تکذیب کی تو ہم نے انہیں غرق کیا تو تکذیب کرنے والوں کے بچے اور مجنون نہ تھے۔

فائدہ الاسئلۃ الاقحمہ میں ہے کہ اگر بچے ایسے تباہ بھی ہوئے تو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت میں کونسا فرق پڑتا ہے جبکہ اُس نے خود فرمایا قل یملك من اللہ شیئا ان اراد ان یهلك المسیح بن مریم وامه ومن فی الارض فرمائیے کون مالک ہے اللہ تعالیٰ سے سوا کسی شے کا اگر وہ ارادہ کرے مسیح بن مریم اور اس کی ماں اور جملہ روئے زمین والوں کی ہلاکت کا۔

صاحب روح البیان کی تحقیق فقیر صاحب روح البیان قدس سرہٗ کہتا ہے کہ ظاہر ہے کہ اطفال مع الآباء والامہات ہلاک ہوئے کیونکہ نوح علیہ السلام نے انہیں بھی آباء و امہات کے ساتھ لاحق فرمایا چنانچہ فرمایا وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۔ اس لئے کہ جو آگے چل کر فسق و کفر کرے وہ فاسقوں و فاجروں میں داخل ہے اس لئے آپ نے ان کے بعض کے استحقاق پر بالاصالۃ اور بعض کے لئے بالتبع سب کے لئے عموماً اور مطلقاً ہلاکت کی دعا فرمائی جیسے مومنین و مومنات میں عموماً و خصوصاً سب کے لئے نجات کی دعا فرمائی ہے کیونکہ مغفور لا محالہ ناجی ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرآن فہمی حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی عادت کریمہ تھی کہ جب بھی کسی خاص آیت کے بارے میں کچھ کہنا ہوتا تو مجھے فرماتے عکرمہ کل یہی آیت مجھے یاد دلانا تاکہ اس کے متعلق کچھ کہہ سناؤں ایک رات آپ نے یہی آیت رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ الخ تلاوت فرمائی اور مجھے حسب دستور صبح کو یاد دلانے کا فرمایا جب صبح ہوئی میں نے عرض کیا تو فرمایا اے عکرمہ حضرت نوح علیہ السلام نے کافروں کی ہلاکت کی دعا فرمائی تو مستجاب ہوئی پھر جملہ اہل ایمان مرد عورتوں کی مغفرت کی دعا فرمائی تو (امید ہے) اللہ تعالیٰ قیامت میں تمام اہل ایمان مرد عورتوں کو بخشے گا۔

نجات کی اقسام بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ اہل نجات کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) نوح علیہ السلام کی دعا

(۲) اہل ایمان کی اپنی دعا جس کا وہ مستحق ہے۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شفاعت مذنبین (گناہگاروں) کے لئے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ رب اغفر لی ولوالدی الخ میں والدین سے عقل کل و نفس کل اور ولمن دخل بیتی الخ سے روح و قلب اور وللمؤمنین سے قوائے روحانیہ اور المؤمنات سے وہ نفوس جو نور روح و قلب کے تحت ہیں بسبب نور ایمان کے مراد ہیں ولا تزد الظّٰلمین میں ظالموں سے

نفس کا فراور خواہشات نفسانی ظالم مراد ہیں اور تبار (ہلاکت) سے فنا فی الروح والقلب مراد ہے اس تاویل پر تو بددعا نہ ہوئی بلکہ دعائے خیر ہوئی۔

تفسیر صوفیانہ

حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رب اغفرلی یعنی اُسْتُرنی اے اللہ مجھے فنا فی التوحید کے ساتھ مجھے اپنے ذجانب ولوالدی میری روح اور نفس کو جو کہ وہ دونوں قلب کے ابوین ہیں ولمن دخل بیتی اور وہ جو میرے مقام یعنی حضرت القدس میں مؤمن فی التوحید ہو کر داخل ہو یا وہ ارواح مراد ہیں جو ایمان لائے اور ان کے نفوس یعنی انہیں بھی مقام الفنا فی التوحید تک پہنچا ولا تزد الظّٰلمین میں وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے ظلمت نفوس سے عالم نور سے محجوب ہو کر اپنا حصہ ناقص کر دیا ان کی تبار ہلاکت سے ان کا بحر ہیولیٰ اور ضیم حجاب میں غرق ہونا مراد ہے اس تقریر پر یہ ان کے لئے بددعا ہے نہ کہ دعا (جیسا کہ مخفی نہیں)۔

صاحب روح البیان قدس سرہٗ کی فراغت

صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی فتح سے سورۃ نوح کی تفسیر بدھ کے دن ۲۴ شوال المکرم ۱۱۱۶ھ میں ختم ہوئی اور فقیر اُویسی غفرلہٗ القدیر نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے طفیل سے سورۃ نوح کی تفسیر کے ترجمہ سے ۹ ج ۱۴۰۸ھ شب ساڑھے آٹھ بجے فراغت پائی

الحمد للہ علیٰ ذلک وصلی اللہ علیٰ حبیبہ الکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

الفقیر القادری ابو الصالح محمد فیض احمد اُویسی رضوی غفرلہٗ

بہاول پور۔ پاکستان

۷ ۱۰ھ مطابق ۱۸/ ۸۸ء

سُوْرَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اٰيَاتُهَا ٢٨ رُكُوْعَاتُهَا ٢

سورۂ جن مکیہ ہے اس میں اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا اٹھائیس آیتیں اور دو رکوع

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ①

تم فرماؤ مجھے وحی ہوئی کہ کچھ جنوں نے میرا پڑھنا کان لگا کر سنا تو بولے ہم نے ایک عجیب قرآن سنا

یَّهْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ② وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰی جَدُّ

کہ بھلائی کی راہ بتاتا ہے تو ہم اس پر ایمان لائے اور ہم ہرگز کسی کو اپنے رب کا شریک نہ کریں گے اور یہ کہ ہمارے رب

رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ③ وَّاَنَّهٗ كَانَ یَقُوْلُ سَفِیْهُنَا عَلَی اللّٰهِ

کی شان بہت بلند ہے نہ اس نے عورت اختیار کی اور نہ بچہ اور یہ کہ ہم میں کا بے وقوف اللہ پر بڑھ کر بات کہتا تھا

شَطَطًا ④ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا ⑤ وَّ

اور یہ کہ ہمیں خیال تھا کہ ہرگز آدمی اور جن اللہ پر جھوٹ نہ باندھیں گے اور یہ

اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ

کہ آدمیوں میں کچھ مرد جنوں کے کچھ مردوں کے پناہ لیتے تھے تو اس سے اور بھی ان کا تکبر بڑھا

رَهَقًا ⑥ وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ یَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ⑦ وَّاَنَّا لَمَسْنَا

اور یہ کہ انہوں نے گمان کیا جیسا تمہیں گمان ہے کہ اللہ ہرگز کوئی رسول نہ بھیجے گا اور یہ کہ ہم نے آسمان

السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِیْدًا وَّشُهُبًا ⑧ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا

کو چھوا تو اسے پایا کہ سخت پہرے اور آگ کی چنگاریوں سے بھر دیا گیا ہے اور یہ کہ ہم پہلے آسمان میں سننے کے لیے

مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ یَّسْتَمِعِ الْاٰنَ یَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ⑨ وَّاَنَّا لَا نَدْرِیْٓ

کچھ موقعوں پر بیٹھا کرتے تھے پھر اب جو کوئی سنے وہ اپنی تاک میں آگ کا لوکا پائے اور یہ کہ ہمیں نہیں معلوم کہ

اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ⑩ وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ

زمین والوں سے کوئی برائی کا ارادہ فرمایا گیا ہے یا ان کے رب نے کوئی بھلائی چاہی ہے اور یہ کہ ہم میں کچھ

وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ⑪ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِی

نیک ہیں اور کچھ دوسری طرح کے ہیں ہم کئی راہیں پھٹے ہوئے ہیں اور یہ کہ ہم کو یقین ہوا کہ ہرگز زمین میں اللہ کے قابو سے نہ نکل

الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ⑫ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓی اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنْ

سکیں گے اور نہ بھاگ کر اس کے قبضہ سے باہر ہوں اور یہ کہ ہم نے جب ہدایت سنی اس پر ایمان لائے تو جو اپنے رب پہ

يُّؤْمِنْ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ﴿۱۳﴾ وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا
ایمان لائے اسے نہ کسی کمی کا خوف اور نہ زیادتی کا اور یہ کہ ہم میں کچھ مسلمان ہیں اور کچھ
الْقٰسِطُوْنَ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿۱۴﴾ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا
ظالم تو جو اسلام لائے انہوں نے بھلائی سوچی اور رہے ظالم وہ جہنم کے
لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿۱۵﴾ وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً
ایندھن ہوئے۔ اور فرماؤ کہ مجھے یہ وحی ہوئی ہے کہ اگر وہ راہ پر سیدھے رہتے تو ضرور
غَدَقًا ﴿۱۶﴾ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا
ہم انہیں وافر پانی دیتے کہ اس پر انہیں جانچیں اور جو اپنے رب کی یاد سے منہ پھیرے وہ اسے چڑھتے عذاب
صَعَدًا ﴿۱۷﴾ وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ
میں ڈالے گا اور یہ کہ مسجدیں اللہ ہی کی ہیں تو اللہ کے ساتھ کسی کی بندگی نہ کرو اور یہ کہ جب اللہ کا بندہ
عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَ
اس کی بندگی کرنے کھڑا ہوا تو قریب تھا کہ وہ جن اس پر ٹھٹھ کے ٹھٹھ ہو جائیں تم فرماؤ میں تو اپنے رب ہی کی بندگی کرتا
لَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۰﴾ قُلْ اِنِّىْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴿۲۱﴾ قُلْ اِنِّىْ
ہوں اور کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہراتا تم فرماؤ میں تمہارے کسی برے بھلے کا مالک نہیں تم فرماؤ ہرگز مجھے اللہ
لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۲﴾ اِلَّا
سے کوئی نہ بچائے گا اور ہرگز اس کے سوا کوئی پناہ نہ پاؤں گا مگر
بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ
اللہ کے پیام پہنچانا اور اس کی رسالتیں اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم نہ مانے تو بے شک ان کے
خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ﴿۲۳﴾ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ
لیے جہنم کی آگ ہے جس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں یہاں تک کہ جب دیکھیں گے جو وعدہ دیا جاتا ہے تو اب جان جائیں گے
مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾ قُلْ اِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ مَّا
کہ کس کا مددگار کمزور اور کس کی گنتی کم تم فرماؤ میں نہیں جانتا آیا نزدیک ہے وہ جس کا تمہیں
تُوْعَدُوْنَ اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْٓ اَمَدًا ﴿۲۵﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى
وعدہ دیا جاتا ہے یا میرا رب اسے کچھ وقفہ دے گا غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط

غَيْبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ
نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے کہ ان کے آگے پیچھے
يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَ
پہرا مقرر کر دیتا ہے تاکہ دیکھ لے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغام پہنچا دیئے
اَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾
اور جو کچھ ان کے پاس سب اس کے علم میں ہے اور اس نے ہر چیز کی گنتی شمار کر رکھی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان اور رحم والا

تفسیر عالمانہ قُلْ (اے حبیب (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی قوم سے اُوْحِیَ اِلَیَّ میری طرف وحی کی گئی ہے۔ القا کیا گیا ہے بطریق وحی کے اور اللہ کے اعلام (جتلانا) سے خبر دیا گیا ہوں۔

حل لغات الایحاء بمعنی الاعلام فی خفاء۔ مخفی طریق سے جتلانا اس طریقہ سے خبر دینے کا یہ فائدہ ہے تاکہ معلوم ہو کہ آپ رسول الثقلین (انس وجن) ہیں اور شرک سے روکنا اور توحید پر برانگیختہ کرنا ہے اور تنبیہ ہو کہ جن باوجودیکہ سرکش اور غیر جنس ہیں وہ بھی ایمان لائے ہیں تو پھر انسان کو باوجودیکہ سہل الطبقہ اور ہمجنس ہونے ایمان نہ لائے (تو اس کی بدقسمتی ہے)۔

اَنَّهٗ (بے شک) یہ بالفتح ہے اس لئے کہ اوحی کا فاعل ہے اور ضمیر شان کی ہے یہ شان اور بات یہ ہے اِسْتَمَعَ (سنا) قرآن یا سورۃ طہٰ یا اقرا محذوف ہے مابعد دلالت کی وجہ سے محذوف کیا گیا ہے۔

حل لغات الاستماع بمعنی سننا المستمع یعنی جو قصداً کسی شے کی سننے کا قصد کرنے والا اور اس طرف کان لگانے والا۔ سامع وہ جو اتفاقاً کسی شے کو سن لے اس کا اس کے متعلق قصد نہ ہو۔ اسی معنٰی پر ہر مستمع سامع ہے لیکن ہر سامع مستمع نہیں۔

نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ (ایک جماعت جنوں کی)

حل لغات نفر تین سے دس کو کہتے ہیں یعنی وہ جنوں کا گروہ تین سے زائد اور دس سے کم تھے۔ القاموس میں ہے کہ النفر دس سے کم مرد نفیر کی طرح اس کی جمع انفار ہے۔ المفردات میں ہے النفر گنتی کے چند مرد جنہیں جنگ سے بھاگنے کی قدرت ہو بمعنی باہر جانا۔

فائدہ جن جمع ہے اس کا واحد جنی ہے جیسے روم اور رومی وغیرہ۔

حاشیہ اگلے صفحہ پر۔

جن ، جس طرح انسانوں کا وجود ہے اسی طرح جنوں کا بھی وجود ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے عربی زبان میں جس لفظ میں جیم نون جمع ہوتے ہیں اس میں پوشیدگی کے معنیٰ ملحوظ ہوتے ہیں دل چونکہ مخفی رازوں کا خزانہ ہے اور دل کی بات ظاہر نہیں ہوتی پوشیدہ ہوتی ہے اس لئے عربی زبان میں دل کو "جنان" کہتے ہیں اسی طرح عربی زبان میں ڈھال کو "جُنّہ" کہتے ہیں کیونکہ ڈھال کی آڑ میں آدمی چھپتا ہے اور ڈھال سے آدمی آڑ میں آجاتا ہے یونہی دیوانگی عقل کو پوشیدہ کر دیتی ہے اس لئے عربی زبان میں دیوانگی کو "جنون" کہتے ہیں ماں کے پیٹ میں جو بچہ ہو چونکہ وہ پوشیدہ ہوتا ہے ۔ اس لئے اُسے عربی میں جنین کہا جاتا ہے ۔ باغ اپنے پتوں اور درختوں سے زمین کو ڈھانپ لیتا ہے اُسے عربی زبان میں جنت کہا جاتا ہے دیکھ لیجئے ان سب لفظوں میں جیم اور نون موجود ہے گویا عربی کے جس لفظ میں جیم نون جمع ہوں گے اس میں پوشیدگی اور نظر نہ آنے کی حقیقت موجود ہوگی ۔ لفظ "جن" بھی اسی قبیل سے ہے کہ یہ مخلوق چونکہ نظر نہیں آتی اس لئے اسے جن کہا جاتا ہے ۔ جب قرآن پاک سے اس مخلوق کا وجود ثابت ہے تو پھر ایک مسلمان کے لئے کوئی وجہ نہیں کہ خواہ مخواہ اس کا انکار کرے اور طرح طرح کی تاویلیں کرتا پھرے اور اپنی محدود عقل اور ناپائیدار فلسفہ کے ڈھکوسلوں سے یوں کہے کہ "جن" کوئی مخلوق نہیں اور یہ تو ایک جنگلی قوم کا نام ہے جو پہاڑوں میں بسنے کے باعث لوگوں سے مخفی رہتی تھی اس لئے اُسے ، جن کہا گیا ہے ۔ اس قسم کی خود ساختہ اور رکیک تاویلات سے قرآن پاک کی متعدد آیات کا انکار لازم آتا ہے قرآن پاک میں دیگر آیات کے علاوہ صاف صاف یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ

خَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنَ النَّارِ

اور جن کو شعلہ مارنے والی آگ سے بنایا ۔

فائدہ اس آیت شریفہ میں خدا تعالیٰ نے انسان کے مقابلہ میں ایک دوسری قوم کی خلقت کا بیان فرمایا ہے اس سے پہلے فرمایا ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ یعنی انسان کو تو کھرکھری مٹی سے پیدا کیا ۔ اور پھر آگے فرمایا کہ جن کو شعلہ مارنے والی آگ سے بنایا ۔ معلوم ہوا کہ یہ دونوں الگ الگ مخلوق ہیں اور جن کوئی انسانی مخلوق نہیں جو پہاڑوں میں رہنے والی ایک قوم تھی بلکہ یہ دوسری ہی مخلوق ہے جو آگ سے پیدا کی گئی ہے اور آگ میں چونکہ لطافت ہوتی ہے اس لئے اپنے لطیف مادہ کی وجہ سے نظر نہیں آتے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت بڑی وسیع ہے اس نے جہاں پانی اور مٹی سے مخلوق بنائی ہے وہاں اس نے اجسام غیر محسوسہ اور نظر نہ آنے والے عناصر سے بھی مخلوق پیدا فرمائی ہے اور چونکہ اجسام لطیفہ میں بہ نسبت اجسام کثیفہ کے طاقت و استحکام زیادہ ہوتا ہے اس لئے ایسی مخلوق قوی اور دیرپا بھی ہوتی ہے چنانچہ ہوا بجلی وغیرہ دیکھئے اس میں طاقت بھی زیادہ ہے اور سرعت سیر بھی زیادہ ۔ ہوا اور بجلی اپنی اسی لطافت کی وجہ سے آناً فاناً دور پہنچ جاتی ہے ۔ یہ وائرلیس ، ریڈیو ، ٹیلیفون اور دیگر آلات اسی بجلی کی لطافت کے باعث ہماری آوازوں کو بھی دور دور پہنچا دیتے ہیں ۔ جن چونکہ آگ سے بنائے گئے ہیں اس میں بہ نسبت خاکی مخلوق کے قوت بھی زیادہ ہوتی ہے اور عمریں بھی طویل الغرض جن ایک مخلوق ہے اور ان کا نظر نہ آنا اُن کی لطافت کے باعث ہے ۔

شانِ نزول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت ملنے سے قبل جنوں اور شیطانوں نے آسمان کے قریب اپنے ٹھکانے بنا رکھے تھے وہاں پہنچ کر آسما باتیں فرشتوں سے سن آیا کرتے تھے اور پھر ان باتوں میں بہت سا جھوٹ بھی ملا کر کاہنوں سے کہا کرتے تھے۔ کاہن ان با کو اپنی پیش گوئیوں کے رنگ میں بیان کر کے اپنا سکہ جماتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے جب نبوت سرفراز فرمایا تو سارے جنوں اور شیاطین کو آسمان سے روک دیا گیا۔ پھر کسی کی مجال نہ تھی کہ کوئی آسمان کے ق جا سکے اور اگر کوئی گیا تو آسمان کے ستاروں سے ان پر آگ کے شعلے مارے گئے اور یہ ستارے گویا ان کے لئے آ برسانے والے ٹینک بن کر ان کا پیچھا کرنے لگے۔ ایک دن جن اور شیاطین ابلیس کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ سبب کیا ہے جو ہم اب آسمان پر نہیں جا سکتے اور اگر کوئی گیا بھی تو اس پر آگ کے شعلے مارے گئے۔ ابلیس نے کہا کہ ضر کوئی نہ کوئی نیا حادثہ زمین پر ہوا ہے۔ اب تم تمام روئے زمین پر اس کے مشرق و مغرب میں ایک ایک گاؤں ایک ایک شہر ہر ایک آبادی میں پھر جاؤ اور دیکھو کہ کس جگہ کوئی نیا واقعہ ہوا ہے جس کی وجہ سے ہم آسمان پر جائیں تو ہم پر ستارے آگ بن کر ٹوٹ پڑتے ہیں چنانچہ یہ جن اور شیاطین روئے زمین پر بکھر گئے اور تجسس کرنے لگے کہ زمین پر کہاں کوئی نیا واقعہ ہوا ہے۔ جب یہ مکہ مکرمہ کی طرف آئے تو حجاز کے میدان میں عکاظہ بازار کے قریب کھجوروں کے درختوں کے نیچے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے ساتھ نماز فجر کی جماعت کرا رہے تھے جنات نے بھی آپ کی قرأت سن لی اور ایسے متاثر ہوئے کہ آپس میں کہنے لگے یہ وہی بات ہے جس کے سبب سے ہم آس پر جانے سے روکے گئے۔[1]

---

[1] پھر وہیں مسلمان ہو گئے یہ واقعہ صاحب روح البیان نے اختصار سے لکھا ہے میں نے اس کی کچھ تفصیل لکھد اور یہ واقعہ بخاری ص ۷۳۲ ج ۲ میں بھی ہے صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ امرھم لینذروا الجن ویدعوھم الی اللہ ویق علیھم القرآن۔ حضور علیہ السلام نے انہیں حکم فرمایا کہ وہ دوسرے جنات کو ہمارا پیغام سنا کر ڈرائیں اور انہیں اللہ ک بلائیں اور قرآن سنائیں۔

مسئلہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو امتیاز حاصل ہے کہ آپ دونوں عالم کے رسول اور خدا کی ساری مخلوق کے آ مولیٰ ہیں چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے اِنّی ارسلت الی الخلق کافۃ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۱۰) یعنی میں مخلوق کا رسول ہوں۔ یہ جو میں نے آیت پڑھی ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے جنوں کا ایک گروہ کا ذکر فرمایا جو حضور صلی اللہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے اور ایمان لانے کے بعد وہ مبلغ اسلام بن کر جنوں میں تبلیغ اسلام کرنے لگے۔

فائدہ اس میں دلیل ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت جنوں کو نہیں دیکھا اس لئے کہ اگر آپ نے انہیں دیکھ لیا ہوتا تو یہ واقعہ وحی کی طرف منسوب نہیں ہوتا کیونکہ قاعدہ ہے جو امر کا آپ مشاہدہ فرما لیتے اسے وحی (جلی) کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا ایسے ہی آپ ان کی حاضری اور قرآن سننے کی طرف بھی متوجہ نہیں تھے اور نہ ہی آپ نے عمداً انہیں قرآن سنایا بلکہ وہ تو اتفاقاً وہاں سے گذرے اور ایسے ہی اتفاقیہ طور بعض اوقات وہ قرآن لیتے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبردار کیا کہ جنوں نے آپ کا قرآن سنا ہے اس کی تفصیل سورۃ الاحقاف میں گذری ہے اس لئے ہم اس کا اعادہ نہیں کرتے۔

جنات کیا ہیں؟ جن اجسام رقیقہ ہیں انس وملائکہ کی صورت کے خلاف ہیں انسان کی طرح عاقل ہیں صاحب معجزہ (صاحب کرامات) کے سوا ان سے کوئی کلام نہیں کر سکتا بلکہ وہ عوام کے دلوں میں وسوسہ ڈالتے ہیں ان پر عنصر ناری غالب ہے یا ہوائی۔ پہلے پر اللہ تعالیٰ کا قول خلق الجان من مارج (جن کو شعلہ مارنے والی آگ سے بنایا) پر دلالت کرتا ہے۔ وہ لوگوں سے مخفی رہتے ہیں عوام کے سامنے ظاہر نہیں ہوتے۔ آیت مذکورہ کے مطابق وہ ناری مشہور ہیں کہ گویا وہ کل کے کل نار سے مرکب ہیں ہاں جس پر عنصر نار غالب ہے وہ ناری ہیں اور جن پر ہوا کا عنصر غالب ہے وہ ہوائی ہیں پرندوں کی طرح کہ جس پر پانی کا عنصر غالب ہے وہ مائی (پانی والا) ہے جیسے مچھلی وغیرہ اور جس پر مٹی کا عنصر غالب ہے وہ ترابی (مٹی) والا جیسے انسان اور جملہ حیوانات وغیرہ۔

فائدہ اکثر فلاسفہ خارج میں جنات کے وجود کے منکر ہیں لیکن ان کے قدما کی ایک بڑی جماعت نے ان کے وجود کو تسلیم کیا ہے اور جو انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کرنے والے اہل ملل ہیں ان کے وجود کے قائل ہیں۔

قاشانی قدس سرہ کی تقریر حضرت قاشانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ وجود میں کچھ نفوس ارضی باقوت ہیں لیکن وہ نفوس سبعیہ (درندگی)، بہیمیہ (جانور) کی طرح غلیظ (سخت) وجود نہیں اور نہ ہی ان کی طرح کثیف ہیں اور نہ ہی قلیل الادراک ہیں اور نہ وہ نفوس انسانیہ اور ان کی استعداد پر ہیں تاکہ ان کا تعلق ان اجرام کثیفہ سے لازم جن پر عنصر ارضیہ غالب ہے اور نہ ہی وہ نفوس مجردہ کی طرح صاف اور لطیف ہیں تاکہ وہ عالم علوی سے متصل اور متجرد اور متعلق رہیں بعض اجرام سماویہ سے وہ متعلق ہیں ان اجرام جن کا عنصر لطیف اور ان پر ہوائیہ ونار یہ یا دخانیہ غالب ہے علیٰ اختلاف الاحوال۔ ان کا بعض حکماء صُوَر معلقہ نام رکھتے ہیں۔ ان کے علوم وادراکات ہمارے علوم وادراکات کی طرح ہیں چونکہ ملکوت سماویہ کی طبع کو قریب ہیں اسی لئے وہ قدرت رکھتے ہیں کہ وہ ان کے عالم سے بعض غیب حاصل کر سکیں اور یہ بھی بعید نہیں کہ وہ آسمان پر چڑھ کر کلام ملائکہ کا سرقہ (چوری) کر سکیں یعنی نفوس مجردہ سے۔ اور چونکہ وہ ارضیہ بھی ہیں اسی لئے ضعیف ہیں بہ نسبت قوائے سماویہ کے ان قویٰ سے متاثر تو ہوتے

ہیں لیکن ان کی بلندی پر پہنچنے سے قاصر ہو کر ان سے مار کھا کر نیچے گرتے ہیں اسی لئے ان کے علوم کی انتہا کا ادراک نہیں کر سکتے ہیں اور اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کواکب کی شعاعوں سے ان کے اجرام دخانیہ کو شعاع پہنچے بھی جاتے ہیں اس سے ہلاک بھی ہو جاتے ہیں اسی لئے وہ افق سماوی پر چڑھنے سے جھڑکے جاتے ہیں اسی وجہ سے نیچے گرتے ہیں۔ اور یہ امور امکان سے خارج بھی نہیں اس کی خبر سچے اہل کشف دعیان نے دی ہے جیسے انبیاؤ اولیا نبیا علیہم السلام) بالخصوص ان سب سے کامل ترین ہمارے نبی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور یہ جو وجود انسانی میں اس کے غیب باطن میں پوشیدہ ہونے کی وجہ سے۔

فَقَالُوْٓا تو کہا جنوں نے اپنی قوم کو جب ان کے پاس لوٹے اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا بے شک ہم نے سنا قرآن ایک کتاب جو لسان رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر پڑھی جا رہی تھی عَجَبًا (عجیب) مصدر ہے بمعنی عجیب کے طور اس کی جگہ پر مستعمل ہوا ہے۔

حل لغات عجیب وہ ہے جو اپنے ہم شکلوں اور ہم جنسوں سے خارج ہو یعنی وہ کلام عجیب ہے جو عام لو سے حسن نظام میں بالاتر ہے پھر اس کے دقت کا معنیٰ کا کیا کہنا۔

فائدہ حضرت البقلی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ وہ کلام ہے جس کی عجیب ترکیب ہے اس سے معلوم کہ وہ اہل لسان تھے۔

حکایت جن صحابی رضی اللہ عنہ کی حضرت عیذار بن حریث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس ایک صاحب آئے اور وہ اپنا ایک عجیب قصہ بیان کرنے لگے۔ انہوں نے بتایا کہ ہم چند احباب ایک سفر میں جا رہے تھے کہ راستے میں ہم نے ایک زخمی سانپ کو دیکھا جو تڑپ رہا تھا (المتشحط بالد بمعنی الاضطراب فی الدم) خون میں لت پت، ہم نے دیکھا کہ وہ تڑپتے ہوئے مر گیا ہے۔ ہمیں اس پر رحم آیا۔ اور میں سے ایک صاحب نے اپنا عمامہ پھاڑ کر اس میں اسے لپیٹا۔ اور ایک گڑھا کھود کر اس میں دفن کر دیا۔ فرماتے دوسرے روز ہم اپنی منزل میں بیٹھے تھے کہ دو عورتیں آئیں جو بالکل اجنبی اور بہت خوبصورت تھیں انہوں ہم سے پوچھا کہ تم میں سے عمرو بن خابر کو کس نے دفن کیا ہے؟ ہم اس سوال سے حیران رہ گئے اور پوچھا عمرو بن کون؟ اور دفن کرنے کا کیا مطلب؟ وہ بولیں آپ میں سے کسی نے راستے میں کسی سانپ کو دفن کیا ہے یا نہیں ہم نے کہا۔ ہاں ہمارے اس ساتھی نے اپنا عمامہ پھاڑ کر اس میں ایک زخمی سانپ کو ضرور دفن کیا ہے۔ وہ بولیں وہ آخری جن تھا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن سنا تھا یہ کافر و مسلمان جنوں میں لڑائی کے در جنگ میں شامل ہو کر شہید ہوا۔ پھر کہا کہ تم نے اگر یہ کام دنیا کے لئے کیا تو اس کا بدلہ ہم ادا کریں۔ ہم نے کہا ہم نے اللہ کی رضا پر انہیں دفنایا کہا تم نے اچھا کیا یہ کہکر چلی گئیں۔

فائدہ جس نے سانپ کو جامہ پھاڑ کر لپیٹا وہ صفوان بن معطل مرادی صاحب انک رضی اللہ عنہ اور جن کا نام عمرو بن جابر تھا۔

یَہۡدِیۡۤ اِلَی الرُّشۡدِ (کہ بھلائی کی راہ بتاتا ہے۔ حق و صواب و دنیا و دین کی بہبودی کی جیسے حضور علیہ السلام کی دعا میں ہے۔
اَللّٰہُمَّ اَلۡہِمۡنِیۡ رُشۡدِیۡ۔ اے اللہ مجھے رشد الہام فرما یعنی مصالح دنیا و دین کی رہبری فرما۔

فائدہ اس میں توحید و تنزیہ داخل ہیں۔

حل لغات حقیقت رشد کی ہے اللہ تعالیٰ تک پہنچنا بعض نے کہا کہ الرشد ہمچوں قفل غی (گمراہی) کی نقیض اس کا اطلاق امور دنیویہ و اخرویہ ہر دونوں پر ہوتا ہے اور الرشد ہمچوں ذہب صرف امور اخرویہ پر۔

فَاٰمَنَّا بِہٖ تو ہم اس پر ایمان لے آئے۔ قرآن پر لیکن اس پر ایمان لانے میں اس پر ایمان لانا ضروری ہے جو اسے لے آئے۔ اسی لئے کسی نے کہا ہے ؎

داخل اندر دعوت او جن و انس
تا قیامت امتش ہر نوع و جنس

اوست سلطان و طفیل او ہمہ
اوست شہنشاہ و خیل او ہمہ

ترجمہ: آپ کی دعوت میں جن و انس ہیں تا قیامت آپ کی امت ہیں ہر نوع و جنس۔

---

[1] علامہ دمیری حیوۃ الحیوان جـ ۲/۱۴۳ میں لکھتے ہیں کہ ان عورتوں نے یہ بھی کہا کہ یہ سانپ جو آپ نے دفن کیا ہے دراصل وہ جن تھا جو بڑا تہجد گذار اور روزے رکھنے والا تھا اور اس نے نبی آخر الزمان صلی اللہ و آلہ وسلم کی خبر آپ کی تشریف آوری سے چار سو سال پہلے سن لی تھی اور یہ اسی وقت ایمان بھی لے آئے تھے۔

فوائد ہمارے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی کہ سینکڑوں سال پہلے ہی آپ کی تشریف آوری کے ڈنکے بج رہے تھے اور خوش نصیب تھے وہ افراد۔ جو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تشریف آوری سے بھی پہلے ہی آپ پر ایمان لے آئے اور کس قدر بد نصیب اور بد بخت ہیں وہ لوگ جو حضور کی تشریف آوری کے بعد آپ کی صداقت کے ظاہر و روشن نشان دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے۔ بھائیو! یہ قسمت کی بات ہے۔ ہم خدا تعالیٰ کا جتنا شکر بھی ادا کریں کم ہے کہ اس نے ہمیں خوش نصیب کیا اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیں غلام بنایا۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

وآپ سلطان ہیں باقی آپ کے طفیل ہیں آپ شہنشاہ ہیں باقی تمام آپ کی رعیت ۔

وَلَنْ نُّشْرِكَ اور ہم ہرگز شریک نہیں کریں گے ۔ آج کے بعد ہرگز یعنی حق کے بعد بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۙ اپنے پروردگار کے ساتھ ۔ کسی کو مطابق اس کے کہ اس پر دلائل توحید ناطق ہیں یعنی موجودات میں سے کسی ایک کو بھی اس کا شریک نہ بنائیں گے ۔ یہی ہمارا عقیدہ ہے اور اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں گے اس لیئے ایمان کی تکمیل اسی میں ہے کہ شرک وکفر سے بیزاری ہو ۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ میں بیزار ہوں اس سے کہ تم شریک کرتے ہو ۔ چونکہ قرآن معجزہ اور عجیب وغریب کتاب اور بھلائی راہ بتاتا ہے وہ شرک کی جڑ کٹنے اور دین میں مکمل ہو داخل ہونے کا موجب ہے خلاصہ یہ کہ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۙ کا سبب اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا یَّهْدِیْٓ اِلَى الرُّشْدِ اسی لئے وَلَنْ نُّشْرِكَ الخ کا عطف واؤ سے ہے ورنہ فاء سے ہونا چاہیئے ۔

وَاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا اور بے شک ہمارے رب کی نشانی بلند ہے (اَنَّهٗ بالفتح ہے اور ایسے مابعد کے جملے جو اَنَّ سے شروع ہیں اور وہ گیارہ ہیں اس کا عطف اَنَّهُ اسْتَمَعَ پر ہے اسی معنی پر یہ تمام کلام وحی ہوگا جو جنات کے کلام کے مطابق ہے بطریق الحکایۃ گویا کہا گیا ہے قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ کیت کیت (یعنی فرمایئے کہ مجھ پر ایسے ایسے وحی کی گئی ہے) ان عبارات سے وہ سوال دفع ہوا جو کہا جاتا ہے کہ اگر وَاَنَّا ظَنَنَّا وَ سَمِعْنَا وانہ کان اجال وانا لمسنا السماء ان جیسے اور جملوں کا عطف اَنَّہُ استمع پر ڈالا جائے تو جائز نہیں کیونکہ یہ تمام باتیں وحی نہیں کیونکہ یہ تو وہ باتیں ہیں جو جنات

جن کا قتل

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک مرتبہ تلاوت پاک فرما رہے تھے کہ ایک جن سانپ کی شکل میں نمودار ہوا ۔ اور آپ کے پاس سے گزرا آپ نے سانپ سمجھ کر مار ڈالا ۔ تھوڑی دیر کے بعد دو شخص مسجد میں آئے اور شاہ صاحب کو اٹھا کر اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے ۔ مدعی نے بادشاہ کے روبرو کہا کہ میرے بیٹے کو ان شاہ صاحب نے قتل کر دیا ہے ۔ مجھے قصاص ملنا چاہیئے اس پر بادشاہ جناب شاہ ولی اللہ صاحب کو قتل کر دینے کا حکم دینے والا ہی تھا کہ وہاں ایک بوڑھا جن موجود تھا اس نے کہا کہ شاہ صاحب پر قصاص واجب نہیں ہے کیونکہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ مَنْ قُتِلَ فِیْ غَیْرِ زِیِّہٖ فَدَمُہٗ ھَدَرٌ یعنی جس شخص کا قتل کیا جانا جائز تو نہ ہو مگر وہ ایسی قوم کے لباس و وضع میں ہو جس کا قتل کیا جانا جائز ہے تو اسے اگر کوئی قتل کر دے تو اس کا خون معاف ہے ۔ اس بوڑھے جن نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ چونکہ یہ جن سانپ کی شکل میں تھا جس کا قتل کر دینا جائز ہے اس لئے شاہ صاحب نے جبکہ اسے سانپ ہی سمجھ کر قتل کیا ہے تو اسی حدیث کے بموجب شاہ صاحب بے قصور ہیں اور ان پر کوئی قصاص نہیں ۔ بادشاہ نے یہ حدیث سن کر شاہ صاحب کو رہا کر دیا اور وہ دو جن آپ کو اپنی جگہ پر پہنچا آئے ۔ (التحریر الاعظم ص)

خبریں دے رہے ہیں (جواب اوپر ہو گیا کہ بطریق الحکایۃ وحی نہیں)۔

فائدہ جس نے (انہٗ کو) بالکسر پڑھا ہے اس نے قول کے بعد کے محکی پر عطف ڈالا ہے اور یہی زیادہ ظاہر ہے اس لئے کہ ان کے کل کا قول کے تحت مندرج ہونا واضح ہے اِنَّہٗ کے بارے میں بالفتح و بالکسر یا اور اقوال بھی ہیں ریب وہی ہے جو ہم نے بیان کیا اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہمارے رب کی شان بلند ہے جیسے ہم (انا نا میں کہتے ہیں)، و تعالیٰ جد ربنا یعنی تیری عظمت کی شان بلند ہے اور تعالیٰ کا اسناد عظمت کی طرف مبالغہ ہے جو عرب کے قول جد فلانٌ فی غنی ۔ فلاں کی تونگری کی شان بلند ہے کو جانتا ہے اس سے یہ محاورہ نہیں۔ کیونکہ انکا اس قول کا مطلب یہ ہے اس کی قدرت اور غلبہ عظیم ہے کیونکہ ملک و سلطنت میں انتہائی عظمت ہے یا اس کا غناءٗ (تونگری) عظیم ہے یہ الجدّ سے مستعار ہے بمعنیٰ بخت و دولت اور حظوظ دنیویہ خواہ بمعنیٰ ملک ہو یا بمعنیٰ الغنی کیونکہ الجد لغت میں بمعنیٰ عظمت اور دادا کو بھی جد کہا جاتا ہے اور نانا کو بھی وہاں بھی بمعنیٰ و بخت ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے فلاں مجدود ای محظوظ (یعنی محظوظ ہے) اللہ کے سلطان و غناء ذاتی کو بخت بادشاہوں بخت و غناء سے تشبیہ دی گئی ہے اسلئے استعارۃً اس کا اطلاق ہوا۔

مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۵ اس نے عورت اختیار کی نہ بچہ ۔ اس میں اس کی بلندیٔ شان کے حکم کا بیان ہے اور سوال مقدر کا جواب ہے گویا کسی نے سوال کیا کہ وہ کیا شے ہے جو اللہ کی شان بلند ہے فرمایا کہ اس نے نہ عورت اختیار کی کہ وہ عورت کی ضرورت سے کمال درجہ شان بلند رکھتا ہے نہ ہی اسے لڑکیوں کی ضرورت ہے جیسے ظالم لوگ کہتے ہیں۔

فائدہ اس کی وجہ یہ ہے جب جنوں نے حضور علیہ السلام سے قرآن سنا اور توحید و ایمان سے واقف ہوئے تو اس غلط عقیدہ سے متنبہ ہوئے جو کافرول جنوں کا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو مخلوق سے تشبیہ کے قائل تھے کہ اسکی زوجہ و اولاد ہے تاکہ وہ فوت ہو جائے تو اس کے بعد اس کی اولاد کام کر سکے (معاذ اللہ) اسی لئے ان مؤمن جنوں نے اللہ تعالیٰ کی عظمت و تنزیہ بیان کی اس کی عظمت و سلطان و غناء سے کیونکہ زوجہ ضرورت کے لئے اور اولاد نسل بڑھانے کے لئے ہوتی ہے اور یہ امکان و حدوث کے لوازم ہیں اور اللہ تعالیٰ حدوث و امکان سے منزہ ہے علاوہ ازیں یہ عقیدہ اللہ تعالیٰ کے لئے قصور و ادراک کے دائرہ سے خارج ہے کہ اس کی کوئی کیفیت بیان کر کے اسے جنس میں داخل کرے اور اس کی زوجہ ثابت کرے جو اس کی جنس کے تحت ہو یا اولاد ہو جو اس کی نوع سے اس کی مماثل ہو اور نصاریٰ نے کہا کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اگر نصاریٰ کے قول کے مطابق مسیح علیہ السلام اس کا بیٹا مانا جائے تو لازماً ماننا پڑے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی زوجہ مریم ہے (معاذ اللہ) کیونکہ بیٹا ثابت ہو تو زوجہ بھی ثابت کرنی پڑے گی جو کہ وہ باپ کی صاحبہ ہوتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ صاحبہ میں نفس کی طرف اور ولد میں قلب کی طرف اشارہ ہے اس معنی پر روح زوج کی طرح تو گو نفس قلب دونوں کا اب ہے حالانکہ وہ فی الحقیقت ہر علاقہ سے مجرد ہے اسے بدن سے اس لئے تعلق تاکہ قدرت الٰہی کا ظہور ہو اور تاکہ جہت صفات سے تکمیل ہو۔

تفسیر عالمانہ وَاَنَّهٗ اور شان یہ ہے كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا اور ہمارا بے وقوف کہتا تھا) ہمارا جاہل یعنی ابلیس سرکش جن اس معنی پر یہ اسم جنس ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ اس سے ابلیس مراد ہے کیونکہ وہ بھی جز ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا كان من الجن ففسق عن امر ربه (وہ جن تھا اور اپنے رب کے حکم سے نکل گیا

حل لغات السفہ معنی عقل کی کمی اور اس کی نقیض جہل ہے (قاموس) امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ السفہ بدن میں ہلکا پن پھر یہ خفۃ النفس میں مستعمل ہوتا ہے بوجہ نقصان عقل کے اور امور دنیویہ و اخرویہ میں اور آیت میں دین میں وہ خفۃ مراد ہے جو اخروی سفہ (بے وقوفی ہے (المفردات)۔ عَلَى اللّٰهِ اللہ پر۔ یہ یقول کے متعلق ہے عَلٰی اس لئے لائے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ پر بہتان تھا نہ کہ اللہ تعالیٰ کے لئے تھا۔

شَطَطًا (حد سے بڑھ کر)

حل لغات شطط ظلم وغیرہ کی حد میں متجاوز ہونا۔ المفردات میں ہے بُعد میں افراط یعنی ان کا قول صاحب بُعد از قصد ہے اور حد سے متجاوز ہے اسے مصدر سے موصوف کرنے میں مبالغہ مطلوب ہے اور حد سے تجاوز یہی ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف عورت اور اولاد کی نسبت کی۔

عالم بے عمل کی مذمت آیت میں اشارہ ہے عالم بے عمل جاہل کے حکم میں ہے دیکھئے اگرچہ ابلیس اہل علم تھا لیکن جب علم کے مقتضیٰ پر عمل نہ کیا تو اُسے سُفیہ جاہل کہا گیا اسی لئے ایسے عالم بے عمل کی تقلید (اتباع) ناجائز ہے اس جیسے اہل علم شیطان کے تابعدار ہیں اور شیطان نار (جہنم) کی دعوت دیتا ہے کیونکہ وہ اس سے پیدا کیا گیا ہے۔

وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اور یہ کہ ہمارا خیال تھا۔ اَنْ مخففہ از ثقیلہ ہے یعنی شان یہ ہے کہ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا (انس و جن اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہ باندھیں گے) اپنے سفیہ (بے وقوف) کی تقلید میں اعتذار کے طور کہا یعنی ہمیں خیال تھا کہ شان اور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی بھی جھوٹ نہ باندھے گا اسی لئے ہم نے اس کی بات کی اتباع کی اور تصدیق کی کہ واقعی اللہ تعالیٰ کی عورت اور اولاد ہوگی لیکن جب ہم قرآن سنا اور اس کے سبب سے ہم پر حق واضح ہوگیا تو ہمیں معلوم ہوگیا کہ وہ (بے وقوف) خدا تعالیٰ پر جھوٹ باندھ رہے ہیں۔

فائدہ كَذِبًا مصدر (مفعول مطلق) قولًا کا مؤکد ہے اس لئے کہ کذب بھی قول کا نوع ہے۔

تفسیر صوفیانہ انس میں قوائے روحانیہ کی طرف اور جن میں قوائے طبعیہ کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ انس سے حواس ظاہرہ اور جن سے قوائے باطنہ مراد ہیں اس سے ہمیں وہم ہوا کہ شاید بصر اس کی شکل اور رنگ کا ادراک کرلے گی اور کان اس کی آواز سن لیں گے اور وہم وخیال سنے ہدایت سے پہلے اور روح کے نورانی ہونے سے پہلے سمجھ رکھا تھا کہ شاید یہ حق اور واقعے کے مطابق ہو گا لیکن پھر جب الوحی (القا) سے جو قلب پر وارد ہوا بواسطہ روح القدس ہم نے معلوم کیا کہ ہم تو اس کے ادراک کے حق میں نہیں اور نہ ہم اس لائق ہیں کہ اس کا ادراک کر سکیں۔ کیونکہ اس کی نہ کوئی شکل ہے نہ اس کا کوئی رنگ ہے نہ اس کی آواز ہے اور نہ وہ وہم وخیال میں آسکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام اس کلام کی جنس سے نہیں جو بنایا ہوا اور فکر وخیال سے گھڑا ہوتا ہے اور جو قیاسات عقلیہ یا مقدمات وہمیہ اور تخیلیہ کا نتیجہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ قبیل مخلوق سے نہیں نہ جنساً نوعاً نہ صنفاً نہ شخصاً تو پھر کیسے اس کی عورت اور اولاد کا تصور کیا جا سکتا ہے۔

وَاَنَّهٗ اور بے شک شان یہ ہے کَانَ تھے جاہلیت کے دور میں رِجَالٌ کچھ مرد مِّنَ الْاِنْسِ انسانوں سے۔ کَانَ کی خبر یَعُوْذُوْنَ (پناہ لیتے تھے) ہے۔

حل لغات العوذ بمعنی التجأ الی الغیر اور اس سے متعلق ہونا ہے بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ کچھ مرد جنوں کے کچھ مردوں کی۔

فائدہ اس میں دلیل ہے کہ جنوں کی انسانوں کی طرح بھی عورتیں ہوتی ہیں کیونکہ جب ان کے رجال ہیں تو ان کی عورتوں کا ہونا لازم ہے اسی لئے ان کے حق میں ہے کہ انمیں توالد وتناسل ہوتا ہے لیکن وہ ابلیس اور اس کی ذریت کی طرح مہلت دیئے ہوئے ہیں۔

جنات کی شرارت سے بچنے کا طریقہ اہل تفسیر لکھتے ہیں کہ عرب میں ایک شخص تھا کہ جب وہ کسی سفر میں کسی وادی اور ویران جنگل میں شب باش ہوتا اور اسے جنات سے خوف ہوتا تو کہتا اعوذ لبید هذا الوادی من شر سفهاء قومه (میں اس وادی کے سردار کی پناہ میں ہوں اس کی قوم کے سفہا کی شرارت سے) اس سے اس کی مراد جنات ہوتے اور سید الوادی سے اس کا سردار مراد ہوتا۔ اس طرح سے وہ امن وسکون سے رات بسر کرتا اور صبح تک سکون سے سوتا۔

بہرحال جب جنات نے قرآن سنا تو کہا کہ ہمارے راستے جن وانس نے روک دیئے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَزَادُوْهُمْ (تو اس سے ان کا بڑھا) اس کا عطف یَعُوْذُوْنَ پر ہے اور ماضی کا صیغہ تحقیق کے لئے ہے یعنی پناہ لینے والے مرد انسانوں نے بڑھایا جنات کا رَهَقًا تکبر، یہ زاد کا دوسرا مفعول ہے یعنی تکبر اور سرکشی اور سفاہت کو اس لئے کہ رھق (محرکۃ بفتحین) کئی معانی پر آتا ہے (۱) السفہ (بے وقوفی۔ (۲) اکوب الشر (۳) ظلم۔ آکام المرجان میں ہے کہ اسی لئے منتر پڑھنے والے ان کے اسمآ سے اجابت کرتے اور ان کے بادشاہوں کے اسمآ سے کیونکہ انہیں

ان کی قسمیں دیتے ہیں جبکہ وہ عظمت مانتے ہیں اسی وجہ سے انہیں انسانوں پر ریاست و شرافت حاصل ہوتی اور ان سے جو چاہتے حاصل کر لیتے حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ انسان ان سے اشرف ہیں اور قدر و منزلت کے لحاظ سے وہ ان سے معظم تر ہیں لیکن جب انسان انکے سامنے جھک گئے اور ان سے پناہ مانگنے لگ گئے تو وہ جنات ان کے لئے بمنزلہ اکابر کے بن گئے کیونکہ چھوٹے بڑوں کے سامنے سر جھکاتے ہیں پھر وہ ان کی ضروریات پورے کرتے یا یہ معنیٰ ہے کہ پناہ لینے والوں کی جنات نے گمراہی بڑھائی کہ انہیں گمراہ کیا اور جب انہوں نے ان سے پناہ لی تو امن میں آ گئے انہوں نے سمجھے کہ یہ امن انہیں جنات سے ملا ہے اسی لئے شیاطین کی اطاعت میں رغبت کی اور ان کے وساوس قبول کر لی اس وقت فاء اخبار کی ترتیب کے لئے ہے۔ اور زیادۃ کا اسناد انس و جن کی طرف باعتبار سببیت کے ہے۔

شان نزول حضرت کردم بن ابی السائب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے باپ کے ساتھ کسی ضرورت کے لئے مدینہ پاک کی طرف روانہ ہوا یہ وہ دور ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ معظمہ میں اسلام کی دعوت کا آغاز فرمایا۔ راستہ میں ہم نے رات ایک بکریوں کے چرواہے کے ہاں گذاری۔ آدھی رات کے وقت بھیڑیا آیا اس نے اس کے ریوڑ سے بکری اٹھائی تو چرواہے نے پکارا یا عامر الوادی جارک اے وادی کے سردار تیری پناہ۔ اس کو کسی نے جواب دیا جسے ہم نے نہ دیکھا وہ کہتا تھا یا سرحان ارسلہ۔ اے بھیڑیا اسے چھوڑ دے تو وہ اٹھائی بکری کے پاس آیا یہاں تک کہ بھیڑیئے سے کھینچ کر ریوڑ میں پھینکی ہم نے دیکھا کہ بکری کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے مکہ معظمہ میں اپنے نبی علیہ السلام پر یہ آیت اتاری وَّاَنَّہٗ کَانَ رِجَالٌ الخ

جنات سے پہلے پناہ لینے والا کون حضرت مقاتل نے فرمایا کہ جنات سے سب سے پہلے یمن کی ایک قوم نے پناہ لی ان کے بعد قبیلہ نے اس کے بعد عرب میں عام شائع ہو گیا اسلام آیا تو پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ پناہ لی گئی اور جنات سے پناہ لینے کی رسم متروک ہو گئی۔

درندوں سے بچنے کا وظیفہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس وادی (جنگل) میں درندوں سے خطرہ ہو تو کہو اعوذ بدانیال وبالجب من شر الاسد دانیال (علیہ السلام) اور کنوئیں کے نام سے پناہ لیتا ہوں شیر کے شر سے۔

قصہ دانیال علیہ السلام یہ اس قصہ دانیال (علیہ السلام) کی طرف اشارہ ہے جو امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے الشعب میں روایت کی کہ دانیال علیہم السلام کو کنوئیں میں ڈالکر اوپر سے درندے چھوڑے گئے۔ دیکھا گیا کہ درندے دانیال علیہ السلام کے قدم چوم رہے تھے اور ان کے سامنے عاجزی کا اظہار کر رہے

تھے۔ دانیال علیہ السلام کے پاس اللہ کا فرشتہ تشریف لایا آپ نے پوچھا کہ آپ کون ہیں فرمایا میں آپ کے رب تعالیٰ کا قاصد ہوں۔ مجھے اللہ نے آپ کے پاس طعام دے کر بھیجا ہے۔ دانیال علیہ السلام نے کہا الحمد للہ الذی لا ینسی من ذکرہٗ تمام تعریفیں اس کے لئے جو اسے نہیں بھلاتا جو اسے یاد کرے۔

حکایت بخت نصر و دانیال علیہ السلام ابن ابی الدنیا نے روایت کی کہ بخت نصر کے دو شیر شکاری تھے انہیں اس نے کنوئیں میں ڈالا اور دانیال علیہ السلام کو بھی اسی کنوئیں میں پھینک دیا ان شیروں نے آپ کو کوئی نقصان نہ دیا چونکہ اللہ تعالیٰ نے شیروں سے آزمائش کی اب ان کے نام استعاذہ روا رکھا کہ جب کسی شر کا دفعیہ مشکل ہو تو ان کے نام استعاذہ کیا جائے (حیٰوۃ الحیوان)

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کے نام سے استعاذہ جائز ہے بشرطیکہ استعاذہ کرنے والا اہل توحید ہو اور اعتقاد ہو کہ تاثیر من اللہ تعالیٰ ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قویٰ ظاہرہ قویٰ باطنہ کو سہارا اور تقویت دیتے ہیں ان سے محارم کے ارتکاب و مناہی مع دواعی وہمیہ و اسباب شہویہ و غضبیہ و دواعی نفسانیہ کا عمل صادر ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اور بے شک ان انسانوں نے گمان کیا جیسا تمہیں گمان ہے۔ اے جنو! یہ اس وقت ہے کہ یہ کلام مومن جنوں کا ہو کافروں کے لئے جب وہ حضور علیہ الصلوٰۃ کا کلام مبارک سن کر اپنی قوم میں گئے یا جنوں نے گمان کیا اے کافرو یہ تو حق ہے جب یہ کلام اللہ تعالیٰ کا ہوا اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا اللہ تعالیٰ ہرگز کوئی رسول نہ بھیجے گا ان مخففہ ظَنُّوْا کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے اور کوفیوں کے مذہب کے مطابق عمل پہلے فعل کو دیا گیا ہے اس لئے کہ لفظ ما كَمَا ظَنَنْتُمْ میں مصدریہ اور اس کا مدخول فعل بتاویل مصدر ہے اور فعل عمل میں بہ نسبت کے مصدر کے اقویٰ ہے اور بعثت سے رسالت مراد ہے۔ اب معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کسی کو ہرگز رسول بنا کر نہیں بھیجے گا یا موسیٰ علیہ السلام کے بعد کہ وہ تشریف لا کر مخلوق پر حجت قائم کرے۔ اب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین کو رسول بنا کر مبعوث فرمایا ان پر ایمان لاؤ ان کے ساتھ وہی طریقہ اختیار کرو جو بعض انسانوں نے کیا (یعنی ان کی پیروی کرو)۔

فائدہ بعض نے کہا کہ اس کے بعد قیامت مراد ہے یعنی ان کا گمان تھا کہ اللہ تعالیٰ موت کے حساب و جزا کے لئے ہرگز نہیں اٹھائے گا۔

تفسیر صوفیانہ فقیر صاحب روح البیان قدس سرہٗ کہتا ہے کہ اس میں انس و جن اہل غفلت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ پر بدگمانی تھی اور کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ انہیں خواب غفلت سے ہرگز بیدار نہ فرمائے گا

بلکہ انہیں اسی طرح لذات میں مستغرق اور شہوات میں منہمک رکھے گا انہیں معلوم نہ تھا کہ وہ مطلقاً قبور سے تمام کو اٹھائیگا اور ان کے اجسام وقلوب وارواح کو حیاۃ باقیہ سے زندہ کرلے گا اس لئے کہ اہل نوم بوجہ شعور کے انقطاع اہل یقظہ (بیداری والوں) کو نہیں پہچانتے اس طرح پہلے تو اللہ تعالیٰ کا عجز ثابت ہوتا ہے حالانکہ وہ ہر شے پر قادر ہے ۔

تفسیر عالمانہ وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ (اور بے شک ہم نے آسمان کو چھوا) یعنی آسمان تک پہنچنے کی طلب کی تاکہ سنیں کہ ملائکہ حوادث کے بارے میں کیا کہہ رہے ہیں تاکہ اُن سے سُن کر ہم کاہنوں میں پھیلائیں۔

فائدہ لَمَسْنَا طلب کے لئے مس سے مستعار ہے اور لمس ہاتھ سے ہوتا ہے ہر دونوں کو مشابہت ہے وجہ تشبیہ ہر دونوں کا شے کے حال معلوم کرنے کا وسیلہ ہونا ہے اسی لئے اس وسیلہ کو مس ولمس سے تعبیر کرتے ہیں۔

حل لغات امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللمس بمعنیٰ شے کا ادراک ظاہری جسم سے مس کی طرح اور اسے طلب سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اسی سے ہے ۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک شخص نے عرض کی کہ میری عورت لامس کے ہاتھ کو نہیں چھوڑتی یعنی ضرورتمند کو خالی ہاتھ نہیں لوٹاتی اس سے گویا اس نے اپنی عورت کے تضییع مال کی شکایت کی (کشف الاسرار) ۔

فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا تو ہم نے اسے پایا پہرے سے بھر دیا گیا ہے پہرے دار اور حفاظت کرنے والے ہیں یعنی فرشتے انہیں منع کرتے ہیں

حل لغات حَرَسًا جمع حارسٌ کی بمعنی حافظ جیسے خدم خادم کی جمع ہے لیکن یہ لفظاً مفرد ہے اسی لئے اس کی صفت شدیدًا (سخت) ہے یعنی قوی (مضبوط) اگر یہ لفظاً بھی جمع ہوتا تو اس کی صفت شِدَادًا ہوتا۔ مُلِئَتْ وجدناہا کے مفعول سے حال ہے اگرچہ وَجَدْنَا بمعنی اَصَبْنَا وصادفنا ہے اور دوسرا مفعول ہے اگر یہ افعال قلوب سے ہو۔ اب معنیٰ ہوگا فعلمناھا مملوءۃ تو ہم نے اسے پر جانا اور حرسًا تمیز ہے ۔

وَشُهُبًا اور آگ کی چنگاریاں اس کا عطف حرسًا پر ہے اور اس کے اعراب کا حکم حرسًا کے مطابق ہے۔

حل لغات شُہُبًا شہاب کی جمع ہے وہ شعلہ جو کواکب کی نار سے حاصل ہوتا ہے ایسے ہی کہا گیا ہے اور اس کی تحقیق گذری ہے ۔

وَاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ (اور یہ کہ ہم بیٹھتے تھے) اس سے قبل مِنْهَا آسمان میں سے مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ بیٹھنے کی جگہیں سننے کے لئے خالی تھیں۔ پہرے اور چنگاریوں سے ان سے ہمارے مقاصد حاصل ہوتے تھے یعنی ہم انہوں کی طرف۔ القاء کے لئے فرشتوں کی باتیں سننا یا وہ جگہیں انتظار اور سماع کی صلاحیت رکھتی تھیں۔ لِلسَّمْعِ نَقْعُدُ

کے متعلق ہے بوجہ اول تَقْعُدُ لاجل السمع یا اس کا متعلق مضمر ہے اس وقت مقاعد کی صفت ہوگا دراصل بارت یوں ہے۔ مقاعد کائنۃ للسمع۔

امدہ کشف الاسرار میں ہے کہ مقاعد اَی مواقع جگہیں اخبار آسمان سننے کے لئے ہر زندہ جن کے لئے آسمان پر جانے کا علیحدہ دروازہ تھا جو وہاں سے ملائکہ کی باتیں سنتا تھا۔

مدیث شریف بخاری شریف میں ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ملائکہ بادل میں اترتے ہیں العنان بالفتح کا سحاب (بادل) آپس میں ان کرتے ہیں وہ امر جو آسمان پر فیصلہ ہوا اس سے شیاطین چرا کر کاہنوں میں القا کرتے اس میں وہ سو جھوٹ رف سے ملاتے۔

مدہ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ ان دونوں قولوں میں موافقت یوں ہے (یعنی اسمیں کہ وہ شیاطین آسمان سے باتیں چراتے اور یہ کہ بادل سے حاصل کرتے) بعض دفعہ ملائکہ بادل اترکر باتیں کرتے اور بعض دفعہ وہ آسمان میں باتیں کرتے اور شیاطین (جنات) کے لئے آسمان پر چڑھنا ایک ڑے عرصہ کے لئے بھی شرعاً منع ہے کیونکہ ان کے اجسام لطیف ہیں اس لئے کہ وہ ناریہ ہیں یا ہوائیہ یا دخانیہ اسی لئے ان پر آگ اور ہوا اثر انداز نہیں ہوتیں جب وہ ان کے کرّوں سے گذرتے اگر مان لیا جائے کہ ایسا نہیں تو یہ ماننا ہوگا کہ ان کا آسمان پر چڑھنا استدراجاً تھا اور (اللہ تعالیٰ) حکمتوں اور اسرار کا مالک ہے۔

فَمَنْ شرطیہ ہے یَّسْتَمِعِ الْاٰنَ تو اب جواب سننے بیٹھنے کی جگہوں میں سے کسی جگہ میں اور استماع کو طلب ہے۔ اَلْاٰنَ بمعنی اس زمانہ میں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے بعد اور اللباب میں ہے یہ ظرف ستقبال کے لئے استعارہ کیا گیا ہے۔ یَجِدْ لَهٗ اپنے لئے پائے۔ شرط کا جواب اور ضمیر مَن کی ہے یعنی اپنی ے کے لئے پاتا ہے۔ شِهَابًا رَّصَدًا آگ کا لوکا یعنی چنگاری۔

ل لغات رصد بمعنی انتظار کی استعداد (یعنی اس کے لئے چنگاری انتظار میں ہے کہ جونہی یہ سننے کے لئے اوپر جائے تو وہ اسے رجم سے روکتے ہیں یا معنیٰ یہ ہے کہ وہ چنگاری والے اس کے منتظر ہوتے ہیں اسے اس چنگاری سے ماریں جو ان کے پاس ہیں یہ اسم مفرد جمع کے معنیٰ میں ہے جیسے حرس مفرد بمعنی جمع ہے

امدہ شہاب سے ملائکہ مراد ہیں بحذف المضاف یہ بھی جائز ہے کہ رصدًا مفعول لہٗ ہونے کی وجہ سے منصوب ہو۔

نسیر صوفیانہ آیت میں طلب قوٰی کی طرف اشارہ ہے کہ وہ قلب کے آسمان میں داخل ہوتے ہیں تو وہ قلب کو ملکیہ روحانیہ کے نگران گھیرے ہوئے پاتے ہیں جو اس کی خواطر نفسانیہ و شیطانیہ کے طرق سے نور ب کی نار سے (جو نور رب سے منور ہے) سے حفاظت کر رہے ہیں۔

فائدہ اگرچہ بعثت نبوی سے پہلے بھی یہ چنگاریاں تھیں لیکن بعثت کے بعد زیادہ اور واضح ہوگئیں یہاں تک کہ ان سے ہر انس و جن آگاہ ہوگیا اور جنات کی چوری چھپے باتیں سننا بالکل بند ہوگئیں تاکہ لوگوں پر اقوال رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (وحی الٰہی) کی طرف منسوب ہیں کاہنوں کے اقوال سے جو ان شیاطین سے حاصل ہوئے جو انہوں نے اہل سما کے اقوال سے چرائے سے ملتبس نہ ہوں جس پر فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيدًا دلالت کرتا ہے کیونک ایک حادثہ اور کمال اور کثرت پر دلالت کرتا ہے یعنی بعثت کے بعد نگران اور چنگاریاں بڑھائی گئیں یہاں تک ک آسمان بھر گیا۔ وَاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ کا مطلب یہ ہے کہ بعثت سے پہلے ہم آسمان میں بعض جگہیں بیٹھنے کو خالی پاتے کہ وہاں نگران اور چنگاریاں نہیں تھیں لیکن اب وہ تمام جگہیں نگرانوں اور چنگاریوں سے پر ہوگئی ہیں جب جنات نے یہ کیفیت دیکھی تو سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ارض کے لئے کچھ ارادہ فرمایا ہے چنانچہ کہا۔

وَّاَنَّا لَا نَدْرِیْٓ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اور بے شک ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کے سا کسی شر کا ارادہ کیا گیا کہ آسمان کی ہمارے جلنے سے حفاظت کی گئی ہے اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا یا ان کے لئے کسی خیر و کا ارادہ کیا گیا ہے یعنی وہ خیر و بھلائی جو ان کی مصلحتوں کو زیادہ موافق ہو۔ استفہام حکمت پر اطلاع کے عجز کے لئے

فائدہ بعض نے کہا کہ دو چیزوں کا تردد (خیر اور شر) استفہام محقق ہے اور یہ کہ یہ فعل مضمر جس کی مابعد تفسیر کرتا کا فاعل ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نہیں جانتے کہ اس سے خیر و بھلائی مراد ہے یا شر۔ اسی تقریر کو مفسر راجح کہا ہے کیونکہ یہی دو معطوفوں کے درمیان موافق ہے کہ دونوں جملے فعلیہ ہیں اور باہم دونوں میں ان کے ماقبل متعلق ہے اور جملہ استفہامیہ مفعول کے قائم کے مقام ہے۔

مسئلہ اللہ کی طرف خیر کی نسبت کی جائے اور اس کی طرف شر کی نسبت کرنا بے ادبی ہے چنانچہ قرآن مجید میں ا علیہ السلام کی حکایت میں ہے وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی شفا دیتا ہے۔

مسئلہ صاحب الانتصاب نے فرمایا کہ جنوں کا عقیدہ تھا کہ ہدایت و گمراہی اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہیں لئے ہدایت کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کردیا اور گمراہی کے لئے ادباً فاعل کو مضمر کردیا اس اعتبا انہوں نے حسن الاعتقاد و الادب کو جمع کیا۔

تفسیر عالمانہ وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ (اور بے شک ہمارے میں بعض نیک ہیں) اپنی ذات کے لحاظ اور معاملات میں اپنے غیروں کے ساتھ صلاح زندگی سے موصوف ہیں یا یہ معنیٰ ہے کہ وہ بجب کے مقتضی کے صلاح و خیر کی طرف مائل ہیں نہ کہ شر و فساد کی طرف جیسے نفوس شریرہ کا مقتضیٰ ہے اور یہ قو

ہے گویا انہوں نے ان بعض کے سوا دوسروں کی صلاح وغیرہ کا کسی قسم کا اعتبار نہیں کیا اس تقریر پر صَالِحُوْنَ مبتدا اور مِنَّا اس کی خبر مقدم ہے اور جملہ اٰن کی خبر ہے یہ بھی جائز ہے کہ صالحون جار و مجرور کا محل اور ظرف کے قائم مقام ہے اس لئے کہ اسے مبتدا پر اعتماد ہے۔

وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ اور کچھ دوسری طرح کے ہیں یعنی قوم سے صلاح میں کم ہیں یہاں موصوف محذوف ہے کیونکہ تفصیل من کے وقت موصوف کا حذف جائز ہے یہاں تک کہ عربی کہتے ہیں مِنَّا ظَعَنَ و منا اقام (ہمارے بعض کوچ کر گئے اور بعض مقیم ہیں) اس سے ان کی مراد منا فریق ظعن و منا فریق اقام ہے۔ دون ظرف یعنی یہ علی الوجہ۔ مذکور صلاح میں ادنیٰ درجہ کے ہیں یعنی صلاح میں کامل نہیں نہ کہ ایمان نہ تقویٰ میں جیسے بعض نے وہم کیا یہ ان کا حال استماع القرآن سے پہلے کا ہے جیسا کہ اگلا مضمون بتاتا ہے کہ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا (ہم ہیں مختلف طریقوں والے) ہاں استماع القرآن کے بعد ان کا حال اور ہو گیا جس کا ذکر وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰى اٰمَنَّا بِهٖ وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ میں آئے گا (انشاء اللہ) یعنی استماع القرآن سے پہلے ہم مختلف الاحوال تھے یہ تقسیم مذکور کا بیان ہے اور یہاں مضاف مقدر ہے کیونکہ ذوات مختلف نہیں احوال کا اختلاف مراد ہے۔

اہل مذہب جن علماء کرام فرماتے ہیں کہ جن قدریہ۔ جبریہ۔ مرجئہ و خوارج روافض اور شیعہ۔ سنی وہابی دیوبندی مرزائی وغیرہ ہوتے ہیں۔

حل لغات المفردات میں فرمایا کہ طریق کی جمع طرق اور طرق کی جمع طرائق ہے اور ظاہر یہ ہے الطرائق طریقہ کی جمع ہے جیسے قصائد قصیدہ کی جمع ہے۔

فائدہ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا میں اشارہ ہے کہ وہ مختلف درجات رکھتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا هم درجات (وہ درجات والے ہیں) الطریق سے مراد وہ ہے جو پاؤں سے طے کیا جائے اسی سے استعارہ ہے انسان کا مسلک کہ جس پر وہ چلتا ہے کسی فعل میں محمود (اچھا) ہو یا مذموم (برا) بعض نے یہ طریقۃ النخل سے لیا ہے اس کی وہ زری کے طریق تشبیہ ہے۔

حل لغات القد بمعنیٰ شے کو طول میں کاٹنا اور قد بمعنیٰ محدود ہے اسی لئے قامۃ الانسان کو قد کہا جاتا ہے۔ تقطیعہ کی طرح اور القدہ ہمچون قطعۃ یعنی وہ قد سے ہے جیسے قطعۃ قطع سے اور الطرائق قدد سے اسی لئے موصوف ہیں کہ وہ تقطع و تفرق پر دلالت کرتے ہیں القاموس میں ہے کہ القدۃ انسانوں کا وہ (فرقہ گروہ) جو ہر ایک اپنی خواہش نفسانی علیحدہ رکھتا ہو[1]۔ اسی سے ہے كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا یعنی فرقے جو مختلف خواہشات نفسانی پر بٹے ہوئے ہیں اور اس وقت جنوں کے مختلف فرقے تھے۔

---

[1] جیسے فرقہ مرزائی فرقہ رافضی۔ وہابی دیوبندی وغیرہ اور اہلسنت کو جماعت کہا جاتا ہے۔ ۱۲ اویسی غفرلہ

تفسیر صوفیانہ حضرت القاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وَّ اَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ یعنی قوائے مدبرہ جو نظام معاش اور صلاح بدن پر مامور ہیں مِنَّا دُوْنَ ذٰلِکَ یعنی مفسدات جیسے وہم وغضب و شہوت ومعاملہ جو خواہشات کے مقتضیٰ پر ہوں اور متوسطات جیسے قوائے نباتیہ طبیعیہ کہتی ہیں کہ ہم مختلف مذاہب میں ہر طریق اور ہر وجہ سے جس پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں فرمایا اور جو کام ہمارے سپرد کیا۔

فائدہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ الصالحون سے سابقین بالخیرات اور مِنَّا دُوْنَ ذٰلِکَ سے ان سے ادنیٰ مرتبہ والے انہیں سے ہیں مقتصدین جنہوں نے اعمال صالحہ وسیئہ کو مخلوط کیا۔ بہرحال اپنے نفوس پر ظلم کرنے والے وہ کنا طرائق قِدَدًا میں مندرج ہیں۔ اس تقریر پر اس میں جملہ مستانفہ اور تخصیص کے بعد تعمیم ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ دون بمعنی غیر ہے اس معنیٰ پر پچھلی دو قسمیں اسی میں داخل ہیں۔

تفسیر عالمانہ ظن بمعنی یقین ہے

وَّ اَنَّا ظَنَنَّآ (اور بے شک ہمیں یقین ہوا) ابھی ہم نے استدلال اور آیات القرآن میں تفکر سے۔ کیونکہ ایمان ظن سے حاصل نہیں ہوتا۔ اس میں ان کے ساتھیوں کی ترغیب و ترہیب مراد ہے اور وہ علم (الیقین) سے ہو سکتا ہے نہ کہ صرف گمان سے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اَنَا النَّذِیْرُ الْعُرْیَانُ میں ظاہر کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں)۔

اَنْ بے شک شان (بات) یہ ہے کہ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ (ہم اللہ تعالیٰ) سے ہرگز نہ نکل سکیں گے) اس حکم سے جو اس نے ہمارے لئے ارادہ فرمایا ہے درانحالیکہ ہم ہیں فِی الْاَرْضِ زمین میں جہاں بھی ہوں گے اس کے کناروں پر۔ فِی الْاَرْضِ نُّعْجِزَ کے فاعل سے حال ہے۔

حل لغات الاعجاز بمعنی عاجز کرنا۔

وَّلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا (اور نہ بھاگ کر اس کے قبضہ سے باہر ہوں)۔ هَرَبًا۔ لن نُّعجز سے حال ہے بمعنی ہاربین سے زمین سے بھاگ کر آسمان پر یا کسی پناہ دینے والے یا جبل قاف کی طرف یہ کہ ہم اس زمین سے بھاگ نہ جائیں گے اگر وہ ہمارے لئے اس امر کا ارادہ فرمائے یا ہمیں طلب فرمائے کیونکہ ہمارا ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف یا مٹ جانا اس کے لئے برابر ہے یا انہیں سے اس سے ہمارا بھاگنا غیر مفید ہے۔ فی الارض کی قید میں اشارہ ہے کہ باوجود اس کی وسعت کے سوائے اللہ تعالیٰ سے نہ نجات کی امید ہے نہ بھاگنے کا فائدہ۔

وَاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓی اور بے شک جب ہم نے ہدایت سنی، قرآن سنا جو اس راہ کی ہدایت دیتا ہے جو مضبوط تر ہے اٰمَنَّا بِہٖ ہم بلا تاخیر اور بلا تردد ایمان لائے فَمَنْ یُّؤْمِنْ بِرَبِّہٖ تو جو اپنے رب پر ایمان لائے، اور اس پر جو اس نے ہدایت نازل فرمائی فَلَا یَخَافُ تو اسے کوئی خوف نہیں۔ یہاں مبتدا خبر مقدر ہیں اسی لئے اس پر فا داخل ہوئی۔ اگر مبتدا خبر مقدر نہ ہوتے تو کہا جاتا لا یخف فعل کے مرفوع ہونے اور وجوب ادخال فا کا فائدہ یہ ہے کہ اسمیں دلیل ہے کہ مومن ضرور نجات پائے گا اور یہ نجات صرف مؤمن سے مخصوص ہے اس کے غیر سے نہیں۔ بَخْسًا کمی کا، جزا میں نقصان کا وَّلَا رَهَقًا اور نہ زیادتی کا کہ اس پر ذلت چڑھ کر اسے ڈھانپ لے یا یہ معنیٰ ہے کہ اسے نہ جزا کی کمی کا خوف نہ ظلم کا کیونکہ اللہ تعالیٰ نہ کسی کے حق میں کمی کرے گا اور نہ کسی پر ظلم ہوگا اسی لئے مومن کمی اور زیادتی کی جزاء و سزا سے نہیں ڈرتا۔

مسئلہ اس میں دلیل ہے کہ جو ایمان لائے اس پر حق بنتا ہے کہ وہ حقوق العباد سے اجتناب کرے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن وہ ہے جس سے لوگ اپنے نفسوں اور اموال کے بارے میں امن میں ہوں۔

فائدہ حضرت الواسطی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ وہ خود پر امان واجب اور لازم کرے جو شک کرنے والوں کے خوف میں ہے اس نے ابھی ایمان کی حقیقت کو نہیں پایا۔

وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ اور بے شک ہم میں کچھ مسلمان ہیں۔ قرآن سننے کے بعد وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ اور کچھ ظالم ہیں طریق حق سے ہٹے ہوئے۔ یعنی ایمان و طاعت سے۔

حل لغات القاسط بمعنی حق سے روگردانی کرنے والا۔ المقسط بمعنی العادل کیونکہ وہ حق کی طرف راجع ہے کہا جاتا ہے قسط جار حق سے ہٹ گیا اقسط عدل وانصاف کیا۔

فائدہ قاسط کا لفظ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گروہ پر مستعمل ہوا اسی سے جو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مخاطب ہو کر فرمایا تقاتل الناکثین والقاسطین والمارقین۔ تم ناکثین و قاسطین۔ اور مارقین سے جنگ کرو گے۔

فائدہ[1] ناکثین سے ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گروہ مراد ہے اس لئے کہ انہوں نے

---

[1] جنگ جمل وصفین کیوں ہوئیں یہ طویل داستان ہے لیکن اس سے صاحب نظر اس عقیدہ کو تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آنے والے واقعات کو ایسے جانتے ہیں گویا ان کے سامنے واقع ہو رہے

باقی حاشیہ آگے

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت توڑ دی اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جا ملے اور انہیں اونٹ پر سوار کر کے بصرہ لے گئے اسی لئے اس جنگ کا نام جنگ جمل (اونٹ) ہے۔ قاسطین سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا لشکر مراد ہے اس لئے وہ حق و صواب سے ہٹ گئے کہ خلیفہ حق سے جنگ کی اس کا نام جنگ صفین ہے مارقین سے خوارج مراد ہیں اس لئے کہ وہ دین حق سے خارج اور خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ حلال سمجھی خوارج کے سربراہ تھے عبداللہ بن وہب الراسبی اور حرقوص بن زہیر البجلی یہ ذو ثدیہ سے مشہور تھا اور یہ جنگ نہروان سے موسوم ہے یہ ایک جگہ میں ہے جو بغداد سے چار فرسخ (۱۲) میل دور واقع ہے

ہیں اسی کو اہلسنت علم غیب سے تعبیر کرتے ہیں اور ما فی الغد (کل کیا ہوگا) کا علم بھی اسی میں ہے جس کی نفی میں مخالفین ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں اور آیت ان اللہ عندہ علم الساعۃ حدیث خمس لا یعلمھن الا اللہ پانچ علم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا نہ نبی (علیہ السلام) نہ ولی۔ اور جو مانے وہ مشرک۔ انہیں ایک ما فی الغد (کل کیا ہوگا) بھی ہے۔ بہر حال حضور علیہ السلام نے جیسے فرمایا ویسے ہوا۔ اور ہونا تھا کیونکہ آپ کے منہ سے جو بات نکلی وہ ہو کر رہی اس میں اہلسنت کا عقیدہ ہے۔ جنگ صفین و جمل ہر دو نوں میں حق پر حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ تھے سیدہ عائشہ و سیدنا امیر رضی اللہ عنہما کا اجتہاد تھا جو مبنی بر غیر صواب تھا اور یہ قاعدہ مسلّم بہ شیعہ و سنی ہے کہ جو اجتہاد مبنی بر غیر صواب ہو تو بھی مجتہد قابل ملامت نہیں اور مسائل شرعیہ کو مستحکم کرنے کے لئے ایسے اجتہادات انبیا علیہ السلام سے بھی سرزد ہوئے جیسے داؤد و سلیمان علیہ السلام کے قصے قرآن مجید میں متعدد ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اجتہادات بھی کسی سے مخفی نہیں کہ اسی اجتہاد پر اپنے بڑے بھائی سیدنا ہارون علیہ السلام کے ساتھ جو کچھ کیا وہ قرآن مجید میں مفصل ہے اب کونسا پاگل ہوگا جو انبیاء علیہم السلام کے اس اجتہاد پر بُرا بھلا کہنے کی جرأت کرے گا اگر کرے گا تو اس کا اپنا ایمان خطرہ میں ہوگا انبیا علیہم السلام کی شان میں کمی نہیں آئیگی ایسے حضور امام الانبیاً نے اجتہاد کے باب درجنوں واقعات عملی طور دکھائے اگرچہ یہ اصول اسلامی ہے کہ انبیاً علیہم السلام مبنی پر غیر صواب پر اللہ تعالیٰ آگاہ فرما دیتا ہے اور وہ مبنی بر غیر صواب دائماً نہیں رہتا اور اجتہاد غیر انبیاً علیہم السلام میں یہ بات نہیں اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اجتہادات بھی درجنوں ہیں تو اہل اسلام میں سوائے خوارج مزاج کے کسی نے ان کو مطعون نہیں کیا ایسے ہی سیدہ صدیقہ و سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کو مطعون کرنا سوائے رافض کے اور کون ہو سکتا ہے۔ ایسے ہی جملہ صحابہ و آئمہ مجتہدین رضی اللہ عنہم کے متعلق یہ قاعدہ یاد رکھیئے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی طعن تشنیع سے روکا ہے اسی لئے ہم اس بحث کو نہ چھیڑیں بعض کم فہم سُنّی بھی اسمیں ملوث ہیں۔ اللہ ہدایت دے۔ ۱۲

(اویسی غفرلہٗ)

فَمَنْ اَسْلَمَ پس جس نے گردن جھکائی (اسلام لائے) جیسے ہم نے کیا اسلام قبول کیا ہے۔

فائدہ حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ جن کا کلام ہو یا اللہ تعالیٰ کا اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب فرما کر کہا وہ جو آنے والی آیات میں ہے۔

فَاُولٰٓئِکَ یہ اشارہ ان کی طرف ہے جو اسلام لائے اور جمع باعتبار معنیٰ کے ہے۔ تَحَرَّوْا تو انہوں نے سعی کی۔

حل لغات استحری دراصل قولاً و فعلاً اس کی طلب جو لائق تر ہو۔ یعنی طلب و قصد کیا۔

رَشَدًا بھلائی

حل لغات کہا جاتا رشد ہمچوں نصر و فرح۔ رَشَدًا اور رشادًا بمعنی ہدایت پائی (قاموس) بمعنی عظیم اهتدا طریق د حق و صواب کی طرف جو انہیں دار الثواب تک پہنچا دے اس معنی پر تحری الرشد اس سے مجاز ہے بعلاقہ سببیہ خلاصہ یہ کہ انہوں نے راہ راست کا قصد کیا اور وہ اس سے اس مقصد تک پہنچ جائیں گے

وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ اور بہرحال ظالم۔ سنن الہدیٰ سے ہٹنے والے۔ فَکَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا تو وہ جہنم کے ایندھن ہوئے۔

حل لغات الحطب وہ شے جو جلانے کے لئے تیار کی جائے یعنی انہیں ایندھن بنا کر جلایا جائے گا جیسے انسانوں میں سے کافروں کو۔

حجاج کے سامنے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کی حق گوئی

جب حجاج (ظالم) نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا تو آپ سے پوچھا کہ آپ میرے حق میں کیا سمجھتے ہیں فرمایا انت قاسط عادل حاضرین تو خوش ہو گئے اور کہا کیا خوب فرمایا اے حجاج آپ کے بارے میں کہ تو انصاف و عدل والا ہے حجاج نے کہا جاہلو اس نے مجھے جاہل اور کافر کہا اس نے یہی آیت تلاوت کی وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَکَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا اور آیت ثم الذین کفروا بربہم یعدلون (پھر وہ اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ اپنے بتوں کو برابر کا خدا مانتے ہیں)۔

بی بی حق گو اور حجاج ظالم

بعض نے یہی واقعہ ایک بی بی کی طرف منسوب کیا ہے جیسے کہ صحاح میں ہے اس سے بھی حجاج نے یہی سوال کیا تو بی بی نے کہا انت قاسط عادل تو جاہل کافر ہے۔

شاید یہ دو علیحدہ علیحدہ واقعے اسی اتفاق سے وارد ہوئے ہوں۔

وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا (اور یہ کہ وہ سیدھے رہتے)۔ ان مخففہ من الثقیلہ ہے اور قطعی طور جملہ کا عطف انہ استمع پر ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ وحی کی رب تعالیٰ نے کہ بے شک شان (بات) یہ ہے کہ اگر جن یا انس یا ہر دونوں سیدھے رہتے۔ عَلَى الطَّرِيْقَةِ (راہ پر) جو کہ ملت اسلام ہے لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا تو ضرور ہم انہیں وافر پانی دیتے۔

حل لغات الاسقاء والسقی کا ایک ہی معنیٰ ہے (پلانا) اور امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ السقی والسقیا کسی کو پانی پینے کے لئے دینا الاسقاء اس کے پانی کسی شے میں دے دینا اور پھر وہ اسے جس طرح خرچ کرے جیسے کہا جاتا ہے اسقیتہ نہرًا میں نے اسے نہر کا قبضہ دیا تو وہ اسے جس طرح چاہے استعمال کرے۔ الاستقاء زیادہ بلیغ ہے اور غدق از باب علم بمعنیٰ غزرًا۔ بہت پانی ہوا۔ مبالغہ کے طور اس سے الماء پانی موصوف ہوتا ہے اس کی کثرت کی وجہ سے رجل عدل کی طرح پانی کے ذکر کی تخصیص محض اس کی وسعت کی وجہ سے ہے اگرچہ اصل معاش اصل پانی ہے نہ کہ اس کی کثرت اور چونکہ عرب میں پانی قلیل الوجود ہے اسی لئے ان کے لئے اسے غدق سے موصوف کیا گیا۔

ملفوظ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جہاں پانی ہوگا وہاں سبزہ زار ہوگا جہاں سبزہ زار ہوگا وہاں مال ہوگا اور جہاں مال ہوگا وہاں فتنہ اٹھے گا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے انہیں کثیر مال بے روک ٹوک دیا اور ان پر دنیا میں رزق کی فراوانی کی خلاصہ یہ کہ ہم نے انہیں خشک سالی کے بعد خوشحالی بخشی اور رزق فراخ عطا فرمایا۔

فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ جن بھی کھاتے پیتے ہیں اسمیں تفصیل ہے اور وہ گذر چکی۔

تفسیر صوفیانہ بعض اکابر نے فرمایا کہ استقامت علی الطریقہ سے طریقہ سنت پر قائم رہنا اور صلاح کی طرف مائل ہونا اور الاسقاء سے قلوب کو محبت کے پانی سے فیضیاب (کرنا) مراد ہے۔

لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ تاکہ ہم انہیں آزمائیں۔ اس پانی دینے اور توسیع رزق پر کہ وہ کیسے شکر کرتے ہیں جیسے اللہ نے دوسرے مقام پہ فرمایا وبلونٰہم بالحسنات اور انہیں ہم نے مال و اسباب سے آزمایا۔ یا اس پانی کے بارے میں آزمایا لیکن دونوں کا مطلب ایک ہے۔

فائدہ حضرت قاشنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تاکہ ہم انہیں دنیوی زندگی میں آزمائیں کہ وہ شکر کا حق کس طرح ادا کرتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ اسمیں روحانی رزق اور معنوی غذا کی طرف اشارہ ہے کہ ان پر شکر سے قائم رہنا ضروری ہے اور وہ ہے طاعات کے طریقوں اور عبادات کی قسموں اور خدمات کے امور سے۔

تفسیر عالمانہ وَمَنْ یُّعْرِضْ عَنْ ذِکْرِ رَبِّہٖ اور جو اپنے ربّ تعالیٰ کی یاد سے روگردانی کرے۔ اس کی عبادت سے یا اس کی پند و نصیحت اور وحی سے۔ یَسْلُکْہُ وہ اسے ڈالے گا، عَذَابًا صَعَدًا چڑھتے عذاب میں۔ جو معذب (عذاب دیئے ہوئے) پر چڑھ جائے گا اور اس پر ایسا غالب ہو جائے گا کہ وہ اس کے ہلنے کی طاقت نہ رکھے گا یہ (فعلاً) مصدر ہے اسے مبالغہ کے طور صفت بنایا گیا جیسے کہا جاتا سلکت الخیط فی الابرۃ۔ میں نے سوئی میں دھاگہ ڈالا۔ یعنی اللہ اسے چڑھتے عذاب میں داخل کرے گا جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ماسلککم فی سقر۔ تمہیں کس نے دوزخ میں داخل کیا یہاں جار محذوف ہے اور بلا واسطہ فعل مفعول پر داخل ہے اور اس کی روگردانی کا یہ مطلب ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے دائمی عذاب میں داخل کرنے کی تصدیق نہیں کرتا تھا ورنہ گر اسے راہِ راست نہ بخشا جاتا تو کم از کم اسے بقدر جرم عذاب ہوتا۔

پہاڑ دوزخ کا مروی ہے کہ صعودٌ دوزخ میں ایک پہاڑ ہے کہ جب مجرم اس پر ہاتھ پاؤں رکھے گا تو جل جائیں گے اور جب انہیں اُٹھائیگا تو صحیح و سالم ہو جائیں گے۔

ولید بن المغیرکافر کا ٹھکانہ بعض نے کہا کہ صعدٌ ایک صاف ستھرا پہاڑ ہے جس میں ولید بن مغیرہ کو ۴۰ (چالیس) سال یوں عذاب دیا گیا کہ اسے زنجیروں سے جکڑ کر اوپر سے نیچے گرایا جاتا تھا اسی طرح چالیس سال کے بعد پھر اسی طرح تا ابد۔ (پناہ خدا)

وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰہِ اور بے شک یہ مسجدیں اللہ کی ہیں ، اس کا عطف انہ استمع پر ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ مساجد خاص اللہ تعالیٰ کی ہیں اور انمیں صرف اسی کی عبادت ہو بالمخصوص المسجد الحرام اسی لئے اسے بیت اللہ (اللہ کا گھر) کہا جاتا ہے۔

مسئلہ مساجد سے وہ جگہیں مراد ہیں جو نماز کے لئے تیار کی جائیں جیسے کنائس (گرجے) بیع (یہود کے عبادتخانے) اور مساجد اہل الاسلام۔

ازالہ وہم غیر اللہ کی طرف مسجد کا منسوب ہونا دوسری وجہ سے ہے یا بوجہ مسجد کے بانی کے یا اس جگہ کی نسبت سے کہ جہاں مسجد واقع ہے۔

ؔ **لطیفہ** خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ مساجد صرف میری ہیں لیکن دنیا بھر میں چکر لگائیں تو کوئی ایک مسجد نہ ملے گی جو صرف اللہ تعالیٰ کی ہو۔ اگر مساجد پر غیر اللہ کے نام کے غلبہ سے شرک لازم نہیں آتا تو پھر غوث رضی اللہ عنہ کے بکرے نے کونسا جرم کیا ہے کہ اس کا نام لو تو فوراً شرک کے فتویٰ زد میں آ جاؤ۔ حالانکہ جو بھی غوث کے نام کا بکرا کہتا ہے اس کی نیت ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے نام پر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا جائے گا۔ کوئی ایک سنی مسلمان تلاش کرنے

(بقیہ صفحہ آئندہ)

پہلی مثال مسجد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یعنی مسجد نبوی اس لئے اس کے بانی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔

دوسری کی مثال مسجد بیت المقدس وغیرہ وغیرہ یہ اس کے منافی نہیں کہ مسجدیں تو اللہ تعالیٰ کی ہیں اب ان پر غیروں کا نام کیوں یہ نسبت اعتبارات سے ہے۔

فائدہ سب سے بڑی شان والی مسجد الحرام پھر مسجد المدینہ (مسجد نبوی شریف) پھر مسجد بیت المقدس پھر جامع مساجد پھر مسجد محلہ پھر سڑکوں عام شاہراہوں کی مساجد پھر صرف گھروں میں تعمیر کردہ مساجد۔

فَلَا تَدْعُوْ مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا ۝ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کی بندگی نہ کرو۔ (اس کی تفسیر میں صاحب روح البیان نے لکھا) ای لا تجعلوا احدًا غیر اللہ شریک اللہ فی عبادۃ[1] یعنی نہ بناؤ کسی غیر کو عبادت اللہ کا شریک۔ جب اشراک (شریک بنانا) مذموم ہے تو اس کی عبادت میں کسی کو شریک کرنا کتنا بڑا زیادہ ہوگا۔

فائدہ علامہ کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مساجد میں اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو نہ پکارو جیسے گرجوں عبادتخانوں میں یہود و نصاریٰ حضرت عزیر و حضرت مسیح (علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام) کو الوہیت سے یاد کرتے ہیں اور جیسے مشرکین بیت اللہ کے ارد گرد پکارتے ہیں۔ لبیک لا شریک لک الا شریک ھو لک تملکہ وما ملک (ہم حاضر ہیں تیرا کوئی شریک سوائے اس کے جو وہ اور اس کی ہر مملوک شے تیرے لئے ہے) بعض نے کہا کہ مساجد سے تمام روئے زمین ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین کو مسجد بنایا۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے میرے لئے زمین کو مسجد اور اس کی مٹی کو پاک بنایا۔ اسی لئے روئے زمین کے کسی ٹکڑا پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ (شریک بنا کر) کسی کو یاد نہ کرو۔

دل را بجز از یاد خدا شاد مکن
با یاد وے از کسے دیگر یاد مکن

---

[1] یہی ترجمہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی امام احمد رضا قدس سرہٗ نے کیا جیسا کہ اوپر ہم نے آیت کے تحت لکھا۔

(حاشیہ گذشتہ)
پر نہ ملے گا جو ذبح کے وقت غوث یا کسی پیر فقیر کا نام لیتا ہو یا اس کی نیت اللہ تعالیٰ کے لئے نہ ہو وہ صرف بکرے وغیرہ پر نام لیتا ہے تو وہ عرف ہے جیسے مساجد پر غیر اللہ تعالیٰ کا نام ہے تو عرف ہے ورنہ تمام مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہوتا ہے کہ مسجد تو اللہ تعالیٰ کی ہے لیکن صرف نسبت سے ہم نے مسجد کے نام پر رکھا ہے اسی کو صاحب روح البیان نے بیان فرمایا۔

ترجمہ: دل کو یادِ خدا کے سوا شاد نہ رکھ۔ اس کی یاد کے ساتھ کسی کو یاد نہ کر۔

تفسیر صوفیانہ بعض عارفین نے فرمایا کہ غیر اللہ کو اللہ کے شریک بنانے سے بیزاری میں رمز یہ ہے کہ غیر اللہ تعالیٰ عدم محض اور اللہ تعالیٰ واجب الوجود لذاتہ ہے۔ اللہ تو مخلوق کے ساتھ ہے لیکن مخلوق اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہیں کیونکہ وہ مخلوق کے ہر ذرہ کو جانتا ہے لیکن مخلوق اسے نہیں جانتی اس معنی پر مخلوق کے ہر زمان و مکان و حال میں ساتھ ہے۔ لیکن مخلوق اس کے ساتھ نہیں (کیونکہ وہ زمان و مکان اور حال سے منزہ ہے) کیونکہ وہ اسے جانتے ہی نہیں کہ وہ کہاں ہے تو پھر وہ اس کے ساتھ کیسے ہوں۔ اگرچہ وہ ایمان لانے کی حد تک اسے جانتے ہیں لیکن اس کے ساتھ نہیں ان کی مثال اندھے کی ہے کہ وہ یہ تو جانتا ہے کہ وہ زید کا جلیس (ہمنشین) ہے لیکن وہ اسے دیکھ نہیں رہا۔ بخلاف اہل مشاہدہ کے کہ وہ ان آنکھوں والے ہیں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئی ہیں جن کے ذریعے سے وہ اس کا مشاہدہ کرتے ہیں (وہ ہے بصیرت کی آنکھ) اس سے ثابت ہوا کہ دما اللہ مع اللہ دما۔ الخلق مع اللہ کی طرح نہیں۔ یہی ہے معنی فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا ۰ کا

فائدہ سجدہ اگرچہ بظاہر غیر اللہ کو محسوس ہوتا ہے کیونکہ وہ کسی جہت کو ہے اور اللہ جہات سے منزہ ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ سجدہ غیر اللہ کو نہیں بلکہ اللہ کو ہے کیونکہ وہ ہر شے کو محیط ہے اسی لئے جہاں جہاں سجدہ ہوگا اسی کو ہوگا۔

مسئلہ غیر اللہ کو سجدۂ تعظیم اگر بحکم خدا تعالیٰ ہے تو جائز ہے جیسے آدم علیہ السلام کو سجدہ تعظیم کیا اگر وہ سجدہ بحکم خدا تعالیٰ نہیں ہے تو وہ مردود ہے جیسے بت پرستوں کا اصنام کو۔

سوال جب ہر جگہ سجدہ اللہ کو ہی ہوتا ہے پھر تعمیر مساجدہ کا کیا فائدہ۔

جواب مساجد کی تعمیر تعظیماً ہے جیسے قبلہ کی تعیین ادباً ہے ورنہ ہر طرف سجدہ کرنا جائز ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَاَیْنَمَا تولوا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ (جدھر منہ پھیرو وہاں اللہ تعالیٰ کی ذات ہے)۔

مضمون توراۃ حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے توراۃ میں لکھا دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ زمین پر میرے گھر مسجدیں ہیں اور مسلمان جب اچھا وضو کر کے مسجد میں آتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا زائر (زیارت کرنے والا) ہوتا ہے ہر وہ جس کی زیارت کی جائے کا حق ہے کہ وہ زائر کی تعظیم و تکریم کرے۔

فائدہ اسی لئے بزرگوں نے فرمایا کہ جو مسجد میں جائے تو وہ اللہ کی زیارت کی نیت کرے۔

تفسیر صوفیانہ بعض عارفین نے فرمایا کہ وہ مساجد (قلوب) جو گندگیوں (برائیوں) سے صاف ہیں وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی تجلیات ذاتیہ وصفاتیہ واسمائیہ کے لئے خاص ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ کی عبادت

میں اسماء جزئیہ کو شریک نہ بناؤ یعنی قلوب کی مساجد کو اسم اللہ الاعظم کے لئے پاک کرو کہ وہ اس کی جلوہ گاہ ہے نہ کوئی اور جگہ۔ حضرت ابن عطا رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تیرے اعضاء وہ مسجدیں ہیں جن کے لئے تجھے حکم ہے کہ تو ان پر سجدہ کر اور انہیں خالق کے سوا کسی کے آگے نہ جھکا وہ سات اعضاء یہ ہیں۔

(۱) چہرہ (۲-۳) دو ہاتھ
(۴-۵) دو گھٹنے (۶-۷) دونوں پاؤں

نکتہ ان ساتوں اعضاء کو سجدہ کا حکم اس لئے ہے کہ انسانی حرکات کا مدار ان مفاصل (جوڑوں) پر ہے جو چلنے سنے کو پکڑنے اور دوڑنے میں یہی کھلتے اور بند ہوتے ہیں اور انہی سے ہی برائیوں کا ارتکاب اور شہوات کا اجراء ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے سجدہ کا حکم فرمایا تا کہ وہ ان غلطیوں کا کفارہ ادا کریں اور سجدہ ریزی سے ان کے گناہ و خطا معاف ہو تو وہ پاک و صاف ہوں۔

تفسیر عالمانہ وَاَنَّہٗ اور منجملہ وحی کے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجی گئی (شان عبد)۔ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰہِ (جب اللہ کا بندہ کھڑا ہوا)۔ عبد سے مراد نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ یہ نام آپ کے لئے اس لئے مقرر ہوا کہ عبد اسم اللہ (اعظم) کی طرف مضاف ہے اور حقیقی عبد آپ ہی ہیں اگرچہ آپ اللہ تعالیٰ کے جمعاً مظہر بھی ہیں۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے لئے اسی اسم کے سوا اور کوئی اسم محبوب نہ تھا۔

فائدہ اس لئے کہ جس طرح عبادت و عبودیت کا حق آپ نے قائم کیا اور کسی کو اس کی اقامت کی قدرت نصیب نہ ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ منازل ملکی سے اوپر کے عروج کے وقت بھی آپ کو اسی اسم سے یاد کیا گیا چنانچہ فرمایا سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ اور پھر مدارج فلکی سے قرآن مجید کے نزول کے وقت بھی آپ کو ای اسم سے یاد کیا گیا چنانچہ فرمایا تبارک الذی نزل القرآن علیٰ عبدہٖ ؎

آں بندہ شعار بندگی دوست
کز جملہ بندگان گزین اوست
دادند بندگیش راہے
کانرا کہ ندیدہ ہیچ شاہے

ترجمہ: وہ ذات جو بندہ شعار اور بندگی کو دوست رکھتے ہیں۔ وہی تمام بندوں سے برگزیدہ ہیں انہیں بندگی کا اس لئے راہ دکھلایا کہ ان جیسا شہنشاہ کسی نے نہ دیکھا۔

فائدہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عبد اللہ سے یاد کرنے آگاہی بخشی گی کہ صرف آپ ہی عبودیت و عبادت کا تقاضا پورا کرنے والے ہیں کہ صرف آپ ہی اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں کہ آپ کو ہی اس کی حقیقی نیاز کا طریقہ نصیب ہے اور بس کیونکہ وہ اس کلام کے قائمقام واقع ہے جو گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میری طرف وحی ہوئی جب میں عبادت کے لئے قیام میں تھا یہ اس قراۃ پر ہے کہ اِنَّہٗ کو مفتوح پڑھا جائے لیکن نافع و ابوبکر (رحمہما اللہ) کی قراۃ پر تو وہی معنیٰ متعین ہے کہ آپ ہی صرف عبادت و عبودیت کا تقاضا پورا کرنے والے ہیں اور بس۔

فائدہ اس میں قریش کو تعریض ہے کہ وہ خود کو عبد ودّ و عبد یغوث و عبد مناف و عبد شمس وغیرہ کہلواتے۔ عبد اللہ نہیں کہلواتے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے بھی قائل تھے۔

سوال ان کے بعض کے اسماء عبد اللہ بھی تو تھے پھر تم کیسے کہہ رہے ہو کہ وہ عبد اللہ نہیں کہلواتے۔

جواب: عبد اللہ نام رکھنے کی حد تک تھا اس سے اس کا معنیٰ مطلوب نہیں ہوتا (جیسے تسمیہ باسماء کا قاعدہ ہے۔

یَدْعُوْہُ اس کی بندگی کرتا ہے۔ یہ قام کے فاعل سے حال ہے اور یدعوہٗ بمعنیٰ یعبدہٗ[1] ہے اس کی عبادت کرتا ہے اور یہ آپ کا نخلہ میں صبح کی نماز کے قیام کی طرف اشارہ ہے جس کا قصہ پہلے گذرا)۔ کَادُوْا قریب تھے جو یَکُوْنُوْنَ عَلَیْہِ لِبَدًا اس پر ٹھٹھ کے ٹھٹھ ہو جائیں۔

حل لغات لِبَدًا لبدۃ (بالکسر) کی جمع ہے جیسے قربۃ و قرب وہ شے جو کسی دوسری سے پر لپٹی جائے یہاں مشرکین (ٹھٹھ ہو کر (ہجوم کرنے والے) گویا وہ ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے ہیں ہجوم کی وجہ سے گویا وہ نبی پاک (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر گرتے ہیں تعجب سے جب آپ کی عبادت کو دیکھ کر جب آپ سے قرآن سنا اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ کے پیچھے نماز کی اقتداء میں قیام و قعود و سجود کرتے دیکھا اس لئے کہ ایسا طریقۂ عبادت انہوں نے پہلے کبھی نہ دیکھا اور وہ کلام سنا کہ اس کی نظیر پہلے کہیں سنی گئی۔

فائدہ قراۃ بالکسر ہو اور مقولہ جن کا ہو تو کادو کی ضمیر ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف راجع ہو گی جو آپ کی اقتداءً میں نماز ادا کر رہے تھے۔

---

[1] روح البیان ص۱۹۵/۱۰ اس میں ان تحریف کنندگان کا رد ہے جو یَدْعُو کو یَدْعُو کا معنیٰ چھوڑ کر مطلقاً پکارنے کے معنیٰ میں لے کر صرف یا رسول اللہ یا غوث وغیرہ کے پکارنے کو شرک کا فتویٰ لگاتے ہیں۔
(اُویسی غفرلہٗ)

فائدہ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ کہتا ہے کہ دونوں قراءتوں میں اشکال ہے وہ یہ کہ اگر وہ مراد ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب ہے جسے مفسرین نے اپنا مذہب بنایا یعنی جنات کا حضور علیہ السلام پر ہجوم کرنا اس لئے کہ نخلہ میں جنات صرف سات تھے یا نو اور اس کا معنیٰ اژدحام نہیں اس لئے کہ ازدحام کثیر جماعت پہ بولا جاتا ہے اور وہ (جنات) سات تھے یا نو تھے اور ایسی قلیل جماعت پہ اژدحام کا اطلاق نہیں ہوتا اور یہاں مکان پہ فراغ تھا اور قاری یعنی حضور علیہ السلام جنات کو قریب تھے اور یہ تمام اژدحام کے معنیٰ کے مطابق نہیں ہاں یہ ازدحام جحون (نام مقام) میں جنات کا ضرور تھا جبکہ حضور علیہ السلام نخلہ (نام مقام) سے جحون کو لوٹے جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے اس اشکال سے چھٹکارا نہیں۔ ہاں یوں اس کا جواب دیا جائے کہ جنات رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک جانب قریب تھے ہوتے ٹھٹھ کے ٹھٹھ ہوگئے کہ ہر ایک دوسرے سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھنے اور آپ کی قرأت سننے کے لئے سبقت کر رہے تھے جو اژدحام کی صورت اختیار کر گیا۔

فائدہ یہاں بعض نے تعیین عدد پر بحث چھیڑی ہے لیکن اس کی ضرورت نہیں کیونکہ اگر وہ مراد ہے جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، نے فرمایا تو وہ ان کا مشاہدہ تھا جیسے ہم سورۂ احقاف میں بیان کر آئے ہیں اور اسے بطریق حملہ بیان کرنے کا کوئی معنیٰ نہیں بنتا جیسے ہم سورۃ ہذا کے ابتدا میں کہہ آئے ہیں کہ اس وقت آپ کے ساتھ اور کوئی صحابی نہ تھا سوائے چند محدود کے۔ بعض روایات میں ہے کہ صرف زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے (انسان العیون) پھر بھی اس سے اژدحام کی صورۃ نہیں بنتی تو پھر کیوں نہ کہا جائے واللہ اعلم برادہ (اس کی مراد کو اللہ تعالیٰ خود ہی خوب جانتا ہے۔

تفسیر عالمانہ قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا فرمایئے میں تو اپنے رب ہی کی عبادت کرتا ہوں (اَدْعُوْا کا معنیٰ مفسر نے اَعْبُدُ لکھا ہے معلوم ہوا کہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اولیاء کی ندا کو اس آیت سے شرک ثابت کرنا قرآن کی تحریف[1] ہے۔

رَبِّیْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖ (اپنے رب ہی کی اور اس کا شریک نہیں ٹھہراتا) اپنے رب کی عبادت میں اَحَدًا (کسی کو) اور یہ کوئی نئی بات نہیں اور بُری ہے جو تعجب کا موجب یا میری عداوت پر اکسانے کی بات ہو یہی میرا حال ہے تمہارا بھی ایسا ہونا چاہیئے قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ۔ فرمایئے بیشک مالک نہیں۔ طاقت نہیں رکھتا۔ لَكُمْ

---

[1] یہی ہم اہلسنت کہتے ہیں (ولکن الوھابیۃ قوم لا یعقلون) کہ وہ پہلی آیت کا مصداق بنا کر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نفع و نقصان کی ہر طرح کی ملکیت کی نہ صرف نفی کرتے ہیں بلکہ ایسے عقیدہ کو شرک کہتے ہیں

تمہارے لئے مشرکو۔ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ۝ بُرے اور بھلے کا گویا اس کا مطلب یہ ہے میں نفع ونقصان اور گمراہی وہدایت کا مالک نہیں ہوں اور نہ ہی وہ میرے ہاتھ میں ہے بلکہ اللہ کے ہاتھ میں ہے وہی ضار (ضرر پیدا کرنے والا) نافع ہادی ومضل (گمراہی پیدا کرنے والا ہے) ہر دونوں کا متقابل متروک ہے جبکہ اس کا متقابل اس کے دوسرے میں مذکور ہے اسے احتباک کہا جاتا ہے ہر اس شے کو حذف کرنا جس پر اس کا بالمقابل دلالت کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ ہے کہ من حیث الوجود کے آپ کا وجود اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے تو اس کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا انک لا تہدی من اجبت لیکن من حیث اس حیثیت کے آپ کا وجود حق مطلق ہے تو اس معنی پر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نفع ونقصان کے مالک ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا انک لتہدی الی صراط مستقیم بے شک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدھے راہ کی ہدایت دیتے ہیں۔

فائدہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ضرا ورشد سے مراد غی (گمراہی) وہدایت ہے یعنی ہدایت وغوایت اللہ تعالیٰ سے ہے کہ اگر وہ مجھے تم پر مسلط کرے تو تم ہدایت پا جاؤ گے ورنہ گمراہی میں پڑے رہو گے۔ اس میں میری ذاتی قوت نہیں کہ تم پر گمراہی وہدایت مسلط کر دوں۔

تفسیر عالمانہ قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ فرمائیے ہرگز مجھے نہ بچائے گا (چھڑائے گا خلاص دلائے گا) (مِنَ اللّٰهِ) اللہ تعالیٰ سے اس کے قہر وعذاب سے اگر میں اس امر کی مخالفت کروں اور اس کے ساتھ شریک ٹھہراؤں اَحَدٌ کوئی ایک اگر میں اس کی جان بچانے کی درخواست کروں یا کوئی بھی مجھے اس سے نجات نہ دلائے گا اگر وہ اللہ تعالیٰ میرے لئے (معاذ اللہ) یہی تقدیر جاری فرمائے کہ مجھے مریض کر دے یا موت دیدے وغیرہ وغیرہ

اگر آپ سے ہر طرح کی ہدایت ونفع ونقصان نفی ہو تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو نبی بنا کر بھیجا گیا اور آپ سے نفی کرنے والی قوم کے عقل پر تالے پڑ گئے کہ وہ آپ کی امت کے اولیاء وعلماء اور مبلغین کو تو ہادی مانتے ہیں اور دوسری بہت سی اشیاء کے لئے نفع وضرر مانتے ہیں لیکن جن کے صدقے سب کو ہدایت اور منافع دارین نصیب ہوئے ان کے لئے نفی کرتے ہیں اس کے متعلق تفصیل ہم پ۲۰ کے حاشیہ آیت انک لا تہدی من اجبت میں لکھ آئے ہیں۔

(اضافہ اویسی غفرلہ)

تفسیر صوفیانہ بعض عارفین نے فرمایا کہ آیت میں دلیل ہے توحید میں اخلاص ضروری ہے کیونکہ توحید کا مطلب نظر حق کے ماسوا باقی سب سے نظر پھیر لینا اور اللہ تعالیٰ کی طرف مکمل متوجہ اور ماسوائی اللہ سے منہ پھیرنے اور صرف اسی پر کامل اعتماد کرنا نہ کہ اس کے غیر سے ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا اور ہرگز اس کے سوا پناہ نہ پاؤں گا۔

حل لغات کہا جاتا ہے الحد فی دین اللہ والتحد فیہ اس سے منہ پھیرا اور روگردانی کی ملجا کو ملتحد کہا جاتا ہے بمعنیٰ جا پناہ کیونکہ پناہ لینے والا اس کی طرف مائل ہوتا ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ میں شدائد و تکالیف کے وقت اس کے جا پناہ اور رجوع کی جگہ اور سہارا گاہ نہیں پاؤں گا اسی لئے عقیدہ ہے کہ صرف وہی ملجا و موئل (رجوع کی جگہ اور سہارا گاہ) ہے اسی لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے عجز کے اظہار بعد اس کے پہلے غیروں کے عجز کا اظہار فرمایا ہے یعنی میں اپنی ذات کے لئے ذاتی طور مالک نہیں تو پھر تمہارے لئے کیسے مالک (ذاتی طور) ہو سکتا ہوں۔

اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ (مگر اللہ کے پیام پہنچانا) یہ لا املک سے استثنا متصل ہے یعنی اس کے مفعول سے اس لئے تبلیغ بھی تو ارشاد و نفع ہے ان کے مابین جملہ معترضہ استطاعت از نفس خود سے نفی کا مؤکد ہے اس لئے ان کے درمیان طول الفصل مضر نہیں اور مبالغہ خود کو تبلیغ سے موصوف کرنے کے مبالغہ میں دلیل ہے کہ آپ تبلیغ کو حسب استطاعت ترک نہیں فرمائیں گے خواہ تم عداوت کا کتنا زور لگاؤ مِنَ اللّٰهِ بلاغًا کی صفت ہے یہ دراصل بلاغًا کائنا منہ تھا یہ بلاغًا کے متعلق نہیں اس لئے مشہور قاعدہ پر تبلیغ کا عن ہے نہ کہ مِنْ اور ابلا تبلیغ کے قائمقام واقع ہوا ہے۔ جیسے سلام وکلام تسلیم و تعلیم کے قائمقام واقع ہوتے ہیں یا یہ ملتحدًا سے استثنا ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سواء کوئی پناہ نہیں کیونکہ وہ تو اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے اس کی اعانت و توفیق سے۔ وَرِسٰلٰتِهٖ (اور اس کی رسالات) اس کا عطف بلاغًا پر ہے بحذف المضاف اس سے بھی بلاغ مراد ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ میں تمہارے لئے مالک نہیں ہوں۔ سوائے تبلیغ کے جو اللہ تعالیٰ سے ہے اور اس کی رسالات کے جو اس نے مجھے دے کر بھیجا ہے اور اللہ تعالیٰ سے پہنچاؤں گا اور کہوں گا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے فرمایا ہے یعنی قول کو اللہ تعا کی طرف منسوب کر کے اور یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کی رسالات پہنچاؤں گا جو دے کر اس نے مجھے بھیجا ہے انہیں کسی قسم کی کمی زیادتی نہ کروں گا۔

فائدہ حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بلاغ من اللہ سے مراد وہ احکام ہیں جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ لیتے ہیں اور رسالات وہ احکام جو بالواسطہ حاصل ہوتے ہیں۔

فائدہ الرسالۃ سے وہ امور و احکام احوال مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر مخلوق کی طرف بھیجے جاتے ہیں اس سے مصدری معنی مراد نہیں اور ظاہر یہ ہے کہ تبلیغ و رسالت من اللہ مراد ہے اور رسالات جمع باعتبار احکام و امور کے جمع کے ہے جنہیں لے کر تشریف لائے ہیں۔

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور وہ جو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حکم نہ مانے (یعنی توحید کا امر جو مخصوص اللہ تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے حکم کی فرمانبرداری نہ کرے اور ان کی دعوت کا انکار کرے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرائے اسی لئے کہ کلام اسی میں ہے اور یہ صلاحیت رکھتا ہے کہ اس کا مخصص ہو اس کے عموم کا اسی لئے آیت میں معتزلہ کا تمسک صحیح نہیں جیسا کہ ان کا مذہب ہے کہ عاصی گنہگار بھی کفار کی طرح ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ (تو بے شک ان کے لئے جہنم کی آگ ہے جس میں ہمیشہ رہیں) جہنم کی آگ میں یا تمام جہنم میں اور جمع کا صیغہ باعتبار معنیٰ کے ہے۔ اَبَدًا ہمیشہ بلا نہایت۔ یہ ایک وہم کا دفعیہ ہے وہ یہ کہ شاید خلود سے بہت بڑی مدت مراد ہو اس کا ازالہ فرمایا کہ نہیں ایسے لوگ ہمیشہ ہمیشہ (بلا نہایت) جہنم میں رہیں گے حَتّٰىٓ اِذَا رَاَوْا مَا (یہاں تک کہ جب دیکھیں گے) يُوْعَدُوْنَ جو وعدہ دیا جاتا ہے یہ محذوف کی غایت ہے جس پر ان کا حال دلالت کرتا ہے وہ یہ کہ ان کا خیال تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھی نہایت کمزور اور نہایت قلیل چند گنتی کے ہیں یہاں تک کہ وہ کہا کرتے کہ تو ہمارے سامنے ایسے ہیں جیسے پہاڑ کے بالمقابل ایک ڈھیلہ وہ اس وہم میں رہے یہاں تک کہ دیکھا وہ جو وعدہ گیا آخرت میں ان کے لئے گوناگوں عذاب ہوگا۔

فَسَيَعْلَمُوْنَ تو جان جائیں گے، اس وقت جب ان پر عذاب حلول و نزول کرے گا

مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا (کہ کس کے مددگار کمزور اور کس کی گنتی کم ہے) عنقریب انہیں معلوم ہوگا کہ کس کے مددگار کمزور اور گنتی کے لحاظ سے تھوڑے ہیں ان کے یا اہل ایمان کے۔ من موصولہ۔ اضعف مبتدأ محذوف کی خبر ہے اور جائز ہے کہ استفہامیہ مرفوع مبتدا اور اس کی خبر اضعف ہو اور جملہ بحذا منصوب علم (باب) کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے اور نَاصِرًا وَعَدَدًا منصوب علی التمیز ہیں۔

فائدہ بعض مفسرین نے مَا يُوْعَدُوْنَ سے یوم بدر مراد لیا ہے جو بھی ہو اس میں دلیل ہے کہ کفار دنیا و آخرت ذلیل و خوار ہیں اگرچہ گنتی کے لحاظ سے کثیر اور جسمانی لحاظ سے قوی ہوں کیونکہ کفار کا کوئی مولیٰ مددگار نہیں اور اہل ایمان دارین میں منصور ہیں اگرچہ گنتی کے لحاظ سے تھوڑے اور جسمانی لحاظ سے کمزور ہوں کیونکہ ان کا مولیٰ (مددگار) اللہ تعالیٰ ہے۔

مسئلہ حق پر اگرچہ ایک ہو تو بھی وہ سواد اعظم ہے اس لئے کہ اس کی مدد عرش الٰہی سے نازل ہوتی ہے حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا۔

تیغے کہ آسمانش از فیض خود دہد آب
تنہا جہاں بگیرد بے منت سپاہی

ترجمہ: وہ تلوار جسے آسمان اپنے فیض سے مدد دے۔ تنہا تمام جہان پر قبضہ کر لے گی بغیر سپاہ کی مدد کے۔

قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ (فرمائیے میں نہیں جانتا) ان نافیہ ہے اَقَرِیْبٌ کیا نزدیک ہے۔ خبر مقدم ہے کا۔ مَّا تُوْعَدُوْنَ (وہ جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے) مبتدا ہے۔ جائز ہے کہ مَا تُوْعَدُوْنَ قریب کا فاعل ہو خبر کے قائم مقام ہے کیونکہ الف استفہام کے بعد واقع ہوا ہے اور ما موصولہ اور عائد محذوف ہے کہ دراصل اَقَرِیْبٌ اَلَّذِیْ تُوْعَدُوْنَ۔ یہ اقائم الزیدان کی طرح ہے اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا یا میرا رب تعالیٰ اسے کچھ وقفہ دے گا یہ وہ غایت ہے کہ جس کی مدت طویل ہے الا اگرچہ قریب مدت کے لئے بھی مستعمل ہوتی ہے مگر اس کا بالمقابل اسے طویل مدت کے لئے خاص کر گیا ہے۔

اَمَدْ و زمان میں فرق زمان و امد میں فرق یہ ہے کہ امد باعتبار غایۃ کے کہا جاتا ہے اور زمان عام ہے مبتدا و غایۃ ہر دونوں میں مستعمل ہوتا ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ موعود جس سے وعدہ کیا گیا وہ لامحالہ ہو کر رہے گا یہ علیحدہ بات ہے کہ میں نہیں جانتا کہ وہ کب ہوگا کیونکہ کیونکہ اس کے وقت کو متعین نہیں کیا گیا اس لئے کہ اسے مخفی رکھنے میں اس کی مصلحت ہے۔

فائدہ یہ رد ہے مشرکین کا جب انہوں نے کہا کہ یہ وعدہ کب ہوگا یہ بھی محض انکار و استہزاء کے طور تھا۔

سوال اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کو بھی وقوع ساعۃ کے وقت کا علم نہیں حالانکہ آپ نے خود فرمایا انا والساعت کہاتین، میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہیں اس حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ وقوع ساعۃ کا وقت جانتے ہیں اور آیت یہ ہے کہ لَآ اَدْرِیْٓ میں نہیں جانتا کہ وہ نامعلوم قریب ہے یا بعید۔

جواب قرب سے مراد یہ ہے کہ اس کے وقوع کا وقت قریب ہے اس لئے دنیا کا جو وقت گذر گیا اس کی بہ نسبت جو باقی ہے وہ نہایت قلیل ہے۔ اتنا قدر آپ کو معلوم ہے لیکن قرب یا یعنی کہ آنے والے لمحات میں نامعلوم کب واقع ہو وہ غیر معلوم ہے علاوہ ازیں ہر آنے والے لمحات قریب ہی ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَتٰٓی اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ (اللہ تعالیٰ کا امر ابھی آیا اس کے لئے عجلت نہ کرو) اور فرمایا كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ گویا وہ اس دن کو دیکھتے ہیں جو وعدہ دیئے جاتے ہیں۔ گویا وہ ایسے نہیں مگر دن کی ایک گھڑی اور وہ موت

ے ہے۔ متقدمین کے لئے اور عین القیامۃ کا وقوع ہے متاخرین کے لئے جیسے نوح علیہ السلام نے طوفان سے ڈرایا لیکن اسے بعض نے نہ پایا کیونکہ وہ اس کے وقوع سے پہلے فوت ہو گئے بلکہ طوفان کی موت بحر بلا میں غرق ہو گئے۔

تفسیر صوفیانہ بعض اہل معرفت نے فرمایا کہ قل ان ادری الخ فرمایئے میں نہیں جانتا کہ وہ قریب ہے جو تم وعدہ دیئے گئے قیامت صغریٰ فنا صوری اور موت طبعی اضطراری اور دخول نار اللہ الکبریٰ میں بعث (مرنے کے بعد اٹھنا) کا وقت کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے مجھے کوئی واقفیت نہیں یا کبریٰ نار کے دخول میں یعنی موت ارادی اور فنا حقیقی میں بوجہ عدم وقوف بر قوۃ استعداد کے کہ نامعلوم وہ جلدی واقع ہو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کوئی وقت مقرر فرما دے۔

تفسیر عالمانہ عالم الغیب وہ غیب جاننے والا وحدہٗ لاشریک۔ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی وہ ان جمیع امور کا عالم ہے جو مخلوق سے غیب ہیں پر لام استغراق کی اور جملہ مستانفہ ماقبل کے عدم درایۃ کی تقریر کرتا ہے۔ فَلَا یُظْهِرُ وہ آگاہ نہیں کرتا۔ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اپنے غیب پر کسی کو۔ فا عدم اظہار کی ترتیب کے لئے ہے کہ علم غیب علی الاطلاق پر صرف وہی متفرد ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ وہ اپنے غیب پر کامل اطلاع نہیں بخشتا کہ جس سے پوشیدہ حال مکمل طور ایسے منکشف نہیں فرماتا جو عین الیقین کا موجب ہو کسی ایک کو بھی مخلوق میں سے۔ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ سوائے اپنے پسندیدہ رسول کے۔

ل لغات الارتضاء یعنی پسند کرنا ور اصل پسندیدہ شے کو حاصل کرنے کو کہتے ہیں۔ اب معنی یہ ہوا کہ سوائے اس رسول کے جسے اللہ تعالیٰ نے پسند اور اختیار فرمایا بعض ان غیوب پر جو رسالت کے متعلق ہیں جیسا کہ من ارتضیٰ میں من بیانیہ سے واضح ہے اور رسالت سے تعلق جس طرح کا ہو یا تو مبادی رسالت کہ اس کا معجزہ ہو کہ اس کی رسالت پر دلالت کرے یا اس لئے کہ وہ اس کی رسالت کے ارکان و احکام سے ہے جیسے عام تکالیف شرعیہ جن کے مکلفین مامور ہیں اور وہ ان کے اعمال کی کیفیات اور ان کی وہ ل جو آخرت میں ان پر مرتب ہیں یا وہ جس طرح احوال آخرت موقوف نہیں منجملہ ان کے قیام ساعت اور بعث (مرنے کے بعد اٹھنا) بھی ہے اور دیگر وہ غیوب جو کہ وظائف رسالت سے نہیں۔

ئدہ بعض امور ایسے ہیں (جو دونوں وجہوں) میں سے کوئی ایک رسالت سے متعلق نہیں، منجملہ ان کے قیامت کی ساعت کا وقت بھی ہے تو وہ کسی پر اللہ تعالیٰ ظاہر نہیں فرماتا علاوہ ازیں اس حکمت تشریعیہ کے خلاف ہے (کہ اس کے وقت کا بیان کر دے) کہ جس پر فلک رسالت دائر[لہ] ہے۔

[لہ] یعنی نبی علیہ السلام کو تو اس کا علم ہوتا ہے لیکن آپ کے سوا دوسرے پر ظاہر نہ کرنا مبنی بر حکمت ہے ہی عوام سے ورنہ اولیاء کرام نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام کے وسیلہ جلیلہ سے جانتے ہیں جیسے روح البیان رحمہ اللہ

اولیائے کرام کے لئے علم غیب کا ثبوت اس میں ان کرامات اولیاء کی نفی نہیں ہو سکتی جو کشف سے حاصل ہوں اور انتہائی مراتب کشف کا اختصاص بانبیاء علیہ السلام سے متلزم نہیں کہ ان مراتب میں سے کوئی مرتبہ بھی کسی کو ہرگز حاصل نہ ہو اور نہ ہی کوئی کسی ولی اللہ کے لئے مدعی ہے کہ وہ مرتبہ رسل کرام علیہم اللہ کو انہیں کشف کامل وحی صریح حاصل ہوا وہ کسی ولی کو حاصل ہے بلکہ اولیاء کے لئے اخبار غیبی اللہ حق سے بلا واسطہ یا بالواسطہ (الہام وغیرہ) سے حاصل ہوا۔ وراثت رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے تو وہ اس مرتبہ میں اسی وراثت سے داخل ہوا۔

حکایت جنید رضی اللہ عنہ دربارہ غیبی خبر سیدنا جنید رضی اللہ عنہ نے ایک نصرانی نوجوان کو غیب کی خبر دیدی جب اس نے سوال اٹھایا کہ اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ (مومن کی فراست سے ڈرو اس لئے کہ وہ نور خدا سے دیکھتا ہے) کا کیا مطلب ہے آپ نے تھوڑی دیر سر جھکا کر مکاشفہ کے بعد فرمایا تو مسلمان ہو جا اب تیرے اسلام لانے کا وقت ہے تو وہ نصرانی نوجوان مسلمان ہو گیا۔

فائدہ یہ فراست سے علم غیبی حاصل ہوا اس کے علاوہ بھی اولیاء کے کشوف کے بے شمار طریقے ہیں۔

ازالہ وہم اس نجوم وکہانۃ وغیرہ سے غیبی خبروں کا علم خارج ہے کیونکہ وہ لوگ اہل ارتضاء و اہل اصطفاء برگزیدہ لوگ نہیں انبیاء و اولیاء کی طرح اور نہ ہی ان کی خبریں بطریق الہام و کشف ہوتی ہیں بلکہ وہ تو قرائن وظنون وغیرہ ہوتے ہیں اس لئے وہ اکثر جھوٹ ہوتا ہے۔

مسئلہ جو کہے کہ میں جن سے غیب کی خبر دیتا ہوں وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ جن عام انسان کی طرح غیب نہیں جانتا اور پہلے بیان ہو چکا کہ کہانت دور اسلام سے ہمیشہ تک ختم ہو گئی کیونکہ شیاطین آسمان پر جانے سے روک دیئے گئے ہیں۔

رد وہابیہ دیوبندیہ وہابی دیوبندی عوام میں تاثر دیتے ہیں کہ علم غیب خاصۂ خدا ہے وہ کسی نبی وولی کو حاصل نہیں یہاں تک کہ وہ عطائی کے بھی قائل نہیں۔ تقویۃ الایمان و فتاویٰ رشیدیہ تعالیٰ آنے والے صفحہ پر اس بحث کو تفصیل سے بیان فرمائیں گے دور سابق میں معتزلہ کو اولیاء کرام کے لئے قیام السا کے علم کا انکار تھا تو صاحب روح البیان کو انکار لکھنا پڑا۔ آج بد قسمتی سے وہابی دیوبندی خود حضور علیہ الص والسلام کے منکر ہیں اولیاء کرام کی وکالت صاحب روح البیان کی ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منکر کی فقیر اویسی نے خوب خبر لی۔ الحمد للہ علی ذلک یہاں بھی مختصر عرض کر دوں وہابیہ دیوبندیہ کے سوا تمام مسلمان متف ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی تعلیمات سے وقوع قیامت کی گھڑی کا علم تھا۔

میں اس کی تقریر یہ ہے اور جتنا غیوب کی آیات و احادیث ہیں ان کے جواب میں کہتے ہیں کہ وہ غیوب تو نہیں لیکن انہیں علم الغیب للنبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نہیں کہا جا سکتا ان کے رد میں روح البیان کی عبارت ذیل ملاحظہ ہو؎

وقال ابن الشیخ انه (تعالیٰ) یطلع علی الغیب الذی یختص به علمه المرتضی الذی یکون رسوله

ترجمہ: ابن الشیخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص غیب پر اسے آگاہ فرماتا ہے جو اس کا پسندیدہ ہو رسولوں میں سے۔

روح البیان ص۲۰ ج۱۰

فائدہ باقی غیر خاصہ (علم غیب) تو اس پر غیر رسل کو آگاہ فرماتا ہے یا تو انبیاء علیہ السلام کے توسط سے یا دلائل قائم کرنے اور ترتیب المقدمات سے یا یہ کہ وہ بعض اولیاء کرام بعض غیوب فی المستقبل پر آگاہی بخشتا ہے بواسطہ ملائکہ۔

ردِ معتزلہ آیت میں اللہ تعالیٰ یہ مراد نہیں کہ وہ رسل کرام علیہم السلام کے سوا کسی کو غیب سے آگاہی بخشتا ہی نہیں کیونکہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض غیوب پر غیر رسل علیہم السلام کو آگاہ فرماتا ہے جیسے مشہور ہے کہ فرعون کے کہنہ سنن (کاہنین) نے فرعون کو موسیٰ علیہ السلام کے ظہور اور فرعون کی شاہی ہاتھ سے نکل جانے کی خبر دی ایسے ہی بعض کاہنین نے قبل از حضور سرور عالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کی خبر دی ایسے ہی دیگر مغیبات کی خبریں اور ان خبروں میں سچے بھی ہوئے۔

فائدہ اہل الملل والادیان متفق ہیں علم تعبیر پر اور معبر (تعبیر دینے والا) مستقبل میں آنے والے واقعات کی خبر دیتا ہے اور وہ اسمیں سچا بھی ہوتا ہے اور یہ آیت ما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسله من یشاء کی نظیر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ غیب پر کسی کو اطلاع نہیں کرتا لیکن رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے)۔

فَاِنَّهٗ یَسْلُکُ تو مقرر کر دیتا ہے یعنی یسلک بمعنی یدخل یثبت ہے۔ مِنْ یَدَیْهِ یعنی اس کے آگے یعنی پسندیدہ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے۔ وَمِنْ خَلْفِهٖ اور اس کے آگے پیچھے رَصَدًا پہرہ۔

حل لغات رصد محرکہ (بفتحتین) بمعنیٰ راصدون (پہرہ دینے والے) یعنی نگہبان۔ مفرد و جمع ہر دون کے لئے مستعمل ہوتا ہے (مفردات) یہ تقریر و تحقیق ہے اس علم غیب کے لئے جو رسل برگزیدہ

؎ دراصل یہ تقریر معتزلہ کے رد میں تھی لیکن آج کے دور میں وہابی دیوبندی کے لئے بھی یہ تقریر مفید ہے۔
اضافہ از اویسی غفرلہ

پر ظاہر فرماتا ہے اور اس کی کیفیت کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ پہرہ مقرر فرماتا ہے رسول (علیہم السلام) کے جمیع جوانب سے جب اس پر اپنا خاص علم غیب ان پر ظاہر فرماتا ہے وہ نگرانی کرنے والے ملائکہ ہوتے ہیں جو ان کی بعض شیاطین سے نگرانی کرتے ہیں جب وہ ان پر پردہ غیوب ظاہر فرماتا ہے جو رسالت سے متعلق ہیں یعنی جب جبریل علیہ السلام رسالت کا پیام لیکر نازل ہوتے تو ان کے ساتھ اور ملائکہ نگران ساتھ ہوتے ہیں جو ان کی حفاظت کرتے کہ کہیں وحی کو کوئی انس و جن سن نہ لے تو پھر وہ اپنے کاہنوں پر القار کرے گا اور کاہنیں رسول علیہ السلام سے پہلے ہی خبر دے دیگا تو وہ امر رسالت لوگوں میں مختلط ہو جائے گا۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ یعنی وہ حظیرۃ الملا میں تیار فرمایا اور اس کا تزکیہ اور صفائی کی قوت قدسیہ میں سے تو پہرہ مقرر کرتا ہے اس کے آگے یعنی جانب الٰہی میں اور اس کے پیچھے یعنی اس کی جہت بدنیہ سے رَصَدًا وہ نگران جو اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے مقرر ہیں اس جانب سے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس کے نگران روح القدس اور انوار ملکوتیہ و ربانیہ ہے اور وہ جانب جو بدن کی طرف ہے اس کے نگران ملکات فاضلہ و ہیآت نوریہ ہیں جو حجابات قمعات کی ہیاکل رشکلوں سے حاصل ہوئیں جنوں کی خبط اور ان کے کلام کے خلط سے یعنی وساوس اوہام و خیالات کو معارف یقینیہ و معانی قدسیہ اور واردات غیبیہ و کشوف حقیقیہ کے اختلاط سے۔

تفسیر عالمانہ لِيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ تاکہ دیکھ لے کہ انہوں نے اپنے رب تعالیٰ کے پیام پہنچا دیئے۔ یہ یَسْلُكُ کے متعلق ہے اور اس کی غایۃ ہے اس حیثیت سے کہ وہ ابلاغ مرتب پر مرتب ہے کیونکہ اس سے وہ علم مراد ہے جو ابلاغ موجود بالفعل سے متعلق ہے۔ اَنْ مخففہ من الثقیلہ ہے اس کا اسم ضمیر شان محذوف اور جملہ اس کی خبر ہے۔

حل لغات ابلاغ یعنی ایصال (پہنچانا) رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ سے وہ غیب مراد ہے جو مرتضیٰ رسول پر ظاہر کرنے کا ارادہ ہے اور جمع باعتبار تعداد افراد کے ہے اور ابلغوا کی ضمیر رَصَدًا کی ہے اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ مقرر فرماتا ہے رسول مرتضیٰ کے جمیع جوانب پہرے دار تاکہ دیکھ لے کہ شان یہ ہے کہ انہوں نے پیام رسالات اُچک لینے اور اختلاط سے سالم کر کے پہنچائے ہیں یہاں علم سے مراد وہ ہے جو جزا کے لئے ہو یعنی ظاہر کرنا وہ جو اسے جانے موجود جو بالفعل موجود ہے اس کی مثالیں قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ہیں مثلاً فرمایا حَتّٰی نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ یہاں تک کہ دیکھے تم میں سے مجاہدوں کو۔ غایۃ فی الحقیقۃ وہی ابلاغ و جہاد ہے اور یہاں علم کا فعل لانا صرف ان کے معاملہ میں اہمیت کے اظہار کے اور ان پر جزا کی ترتیب کی آگاہی اور ان پر برانگیختگی میں مبالغہ اور ان میں تفریط سے ڈرانا مطلوب ہے یا رجع کی ضمیر من ارتضیٰ من رسول

کی طرف راجع ہے اور صیغہ جمع من کی وجہ سے ہے کہ وہ معنیً جمع ہے جیسے سابقین ضمیرین اس کے افراد لفظا کی وجہ سے تھیں اب معنی یہ ہوا کہ تاکہ اللہ تعالیٰ دیکھے کہ وہ رسل کرام جن کی طرف وحی کی گئی نے رسالات رب تعالیٰ کے اپنی امتوں کی طرف اسی طرح پہنچائے جس طرح ان کے ہاں نگران ملائکہ کے ساتھ ان کے ہاں پہنچے ہیں بغیر کسی کے اچک لینے اور اختلاط کے۔

وَاَحَاطَ بِمَا لَدَیْهِمْ اور جو ان کے پاس ہے وہ اس کے علم میں ہے یعنی نگران ملائکہ یا رسل کرام علیہم السلام کے پاس یہ یسلک کے فاعل سے حال ہے باضمار قد یا اس کے بغیر علی الخلاف المشہور۔ قد اس لئے ہے کہ تاکہ معلوم ہو کہ اللہ ہر لحاظ سے مستغنی ہے اب معنی یہ ہوا کہ درانحالیکہ جو ان کے پاس ہے اسے ان کے جملہ احوال کا علم ہے۔ وَاَحْصٰی اور اس نے شمار کر رکھی ہے اس کا علم حد احاطہ میں ہے تفصیلی طور یعنی گن لیا ہے اس نے۔ كُلَّ شَیْءٍ ہر چیز کی گنتی ما کان (جو ہو گا) وما یکون (اور جو ہو گا) عَدَدًا ایک ایک کر کے۔ تو جو ان کے پاس ہے اسے کیسے علم نہ ہو۔

فائدہ حضرت القاسم نے فرمایا کہ اس نے ہی پیدا کیا اور اس نے ہی ہر ایک کی شمار کر رکھی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس نے شمار کر رکھی ہے مخلوق کی اور اسے علم ہے تمام مخلوق کا اس کے علم سے کوئی شے چوک نہیں جائے گی یہاں تک کہ غبار و رائی کے دانہ کے ذرات۔

حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس سے اس کا کمال علم مراد ہے اور یہ بتانا ہے کہ اس کے علم کا تعلق جملہ معلومات سے ہے یعنی مطلقاً کوئی شے بھی مطلقاً علم سے مخفی نہیں ؎

ہرچہ دانستنی است در دو جہاں
نیست از علم شاملش پنہاں

ترجمہ: دونوں جہانوں میں جو شے جاننے کے لائق ہے اس کے علم شامل سے مخفی نہیں۔

فائدہ عددًا تمیز ہے منقول از مفعول بہ جیسے وفجرنا الارض عیونا میں دراصل عبارت یوں تھی اَحْصٰی کل شیءٍ اس کا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم اشیاء سے کلی اجمالی کے طور نہیں بلکہ وجہ جزئی کی تفصیلی کے ہے کیونکہ کبھی احصاء سے احاطہ اجمالیہ مراد ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے قول میں وان تعدو نعمۃ اللہ لا تحصوھا اور اگر تم اللہ کی نعمتیں گنو تو نہ گن سکو گے۔ یعنی اجمالاً بھی اس کی گنتی نہ کر سکو گے چہ جائیکہ تفصیلاً۔ اس لئے کہ اس کے احصا کا اصل یہ ہے کہ حساب کرنے والا جب معین عقود الاعداد تک پہنچتا ہے جیسے عشرہ (دس) ماۃ (سو) الف (ہزار) تو اس پر ایک کنکری (مثلاً) رکھتا ہے تاکہ اس عقد کمیت کو یاد رکھ سکے اسی طریقہ پر وہ اپنے حساب کو مکمل کرتا ہے

مسئلہ آیت سے ثابت ہوا کہ معدوم شے نہیں اس لئے صا اگر معدوم شے ہو تو پھر اشیاء کو غیر متناہی ماننا پڑیگا اور احصٰی کل شیئٍ عدداً کا تقاضا ہے کہ وہ متناہی ہوں اس لئے کہ احصا متناہی میں ہوتا ہے اس طرح متناہی و غیر متناہی کا اجتماع لازم آئے گا اور وہ محال ہے لازم ماننا پڑا کہ معدوم شے نہیں اس طرح سے تناقض کا اندفاع ہوگیا۔ (حواشی ابن الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ)

فراغت صاحب روح البیان قدس سرہٗ صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ قدرتوں و منتوں والے رب کی مدد سے سورۃ الجن کی تفسیر، ذیقعد ۱۱۱۶ھ بروز منگل عصر کے وقت فراغت ہوئی۔

فقیر اویسی غفرلہٗ نے تفسیر سورۃ الجن کے ترجمہ سے ۱۵ جمادی الاول ۱۴۰۹ھ ۲۵ دسمبر ۱۹۸۸ء بشب اتوار سوا نو بجے فراغت پائی۔

الحمد اللہ علیٰ ذلک والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین و علیٰ آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین

(بہاولپور (پاکستان)

سُوْرَۃُ الْمُزَّمِّلِ مَکِّیَّۃٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اٰيَاتُهَا ٢٠ رُكُوْعُهَا ٢

سورۂ مزمل مکیہ ہے اور اس میں اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا بیس آیتیں اور دو رکوع

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ① قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ② نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ③

اے جھرمٹ مارنے والے رات میں قیام فرما سوا کچھ رات کے آدھی رات یا اس سے کچھ کم کرو

اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ④ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ⑤ اِنَّ

یا اس پر کچھ بڑھاؤ اور قرآن خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو بے شک عنقریب ہم تم پر ایک بھاری بات ڈالیں گے بے شک

نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ⑥ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا

رات کا اٹھنا وہ زیادہ دباؤ ڈالتا ہے اور بات خوب سیدھی نکلتی ہے بے شک دن میں تو تم کو بہت سے کام ہیں

طَوِيْلًا ⑦ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ⑧ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ

اور اپنے رب کا نام یاد کرو اور سب سے ٹوٹ کر اسی کے ہو رہو وہ پورب کا رب اور

الْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ⑨ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ

پچھم کا رب اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو تم اسی کو اپنا کارساز بناؤ اور کافروں کی باتوں پر صبر فرماؤ

وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ⑩ وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ

اور انہیں اچھی طرح چھوڑ دو اور مجھ پر چھوڑو ان جھٹلانے والے مالداروں کو اور انہیں تھوڑی مہلت دو

قَلِيْلًا ⑪ اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ⑫ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ⑬

بے شک ہمارے پاس بھاری بیڑیاں ہیں اور بھڑکتی آگ اور گلے میں پھنستا کھانا اور دردناک عذاب

يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ⑭ اِنَّآ

جس دن تھرتھرائیں گے زمین اور پہاڑ اور پہاڑ ہو جائیں گے ریتے کا ٹیلہ بہتا ہوا۔ بیشک

اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ⑮

ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجے کہ تم پر حاضر ناظر ہیں جیسے ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجے

فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ⑯ فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ

تو فرعون نے اس رسول کا حکم نہ مانا تو ہم نے اسے سخت گرفت سے پکڑا پھر کیسے بچو گے اگر

كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبَا ﴿١٧﴾ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ؕ كَانَ وَعْدُ
کفر کرو اس دن جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا آسمان اس کے صدمہ سے پھٹ جائے گا اللہ
مَفْعُوْلًا ﴿١٨﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿١٩﴾ اِنَّ
وعدہ ہو کر رہنا بے شک یہ نصیحت ہے تو جو چاہے اپنے رب کی طرف راہ لے بے شک
رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَىِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّن
تمہارا رب جانتا ہے کہ تم قیام کرتے ہو کبھی دو تہائی رات کے قریب کبھی آدھی رات کبھی تہائی اور ایک جماعت تمہار
الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ
ساتھ والی اور اللہ رات اور دن کا اندازہ فرماتا ہے اسے معلوم ہے کہ اے مسلمانو تم سے رات کا شمار نہ ہو سکے گا تو
عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ
اس نے اپنی مہر سے تم پر رجوع فرمائی اب قرآن میں سے جتنا تم پر آسان ہو اتنا پڑھو اسے معلوم ہے کہ عنقریب کچھ تم میں سے
اٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِى الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْن
ہوں گے اور کچھ زمین میں سفر کریں گے اللہ کا فضل تلاش کرنے اور کچھ اللہ کی راہ میں
فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖؗ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ
لڑتے ہوں گے تو جتنا قرآن میسر ہو پڑھو اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور
اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ
اللہ کو اچھا قرض دو اور اپنے لیے جو بھلائی آگے بھیجو گے اسے اللہ کے
اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٠﴾
پاس بہتر اور بڑے ثواب کی پاؤ گے اور اللہ سے بخشش مانگو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔

تفسیر عالمانہ يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ﴿١﴾ (اے جھرمٹ مارنے والے)۔

حل لغات المزمل دراصل المتزمل تھا از تزمل بثیابہ، کپڑوں میں لپٹا اور ان میں چھپ گیا تا زا میں مدغم ہوئی م
پڑھا گیا یعنی دو شدوں سے۔

شان نزول (١) حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو چادر شریف میں آرام فرما تھے تو آپ کو ح
ہوا کہ آرام چھوڑ کر عبادت کے لئے کھڑے ہو جائیں اور تہجد ادا کریں (اس سے اندازہ لگائیے

اللہ (تعالیٰ) کو ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ہر ادا محبوب اور پیاری ہے۔

(۱۲) سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ پہلے پہلے جب حضرت جبریل علیہ السلام حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے سمجھا کہ یہ کوئی جنوں میں سے ہے۔ اسی لئے جب جبلِ حراء سے خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے گھر لوٹے تو آپ کا کاندھا متحرک تھا (خوف و ہراس سے) فرمایا زملونی زملونی (چادر اوڑھو چادر اوڑھو) آپ اسی حالت میں تھے کہ جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور ندا دی یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ۔

فائدہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اے جھرمٹ مارنے والے ایک امرِ عظیم کا بوجھ اٹھانے الزّمل بمعنی الحمل ازدملہ بمعنی احتملہ اسے اٹھایا۔

حضرت سہیلی رحمہ اللہ (تعالیٰ) نے فرمایا کہ مزمل حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسما مبارکہ سے نہیں جن سے آپ پہچانے جائیں جیسے بعض کا مذہب ہے اور اسے آپ کے اسما مبارکہ میں شمار کیا ہے۔

فائدہ مزمل اس حالت سے مشتق ہے جس میں آپ بوقت خطاب آرام فرما رہے تھے۔ ایسے ہی المدثر۔

فوائد اس اسم سے خطاب میں دو فائدے ہیں (۱) ملاطفت (اظہار لطف) کیونکہ عرب کی عادت ہے کہ جب کسی سے عتاب ترک کر کے اظہار لطف کریں تو اس حالت سے خطاب کرتے ہیں جس پر وہ ہو۔

حکایت علی و نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو قم یا ابا تراب (اے ابوتراب اُٹھ کھڑا ہو) فرمانا یہ اس وقت کی بات ہے جب اغضبہا او اغضبتہ حضرت علی نے حضرت فاطمہ کو ناراض کیا اور بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ناراض کیا[1] (تفصیل فقیر کی کتاب آئینہ شیعہ مذہب میں ہے) تو حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اس وقت حضرت علی المرتضیٰ نیند میں تھے اور آپ کی کروٹ مبارک مٹی کو مس کر رہی تھی اس پر حضور نے ترک عتاب کر کے اظہار لطف کے طور فرمایا قم یا ابا تراب۔

حکایت حضرت حذیفہ ایسے ہی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو فرمانا قم یا نومان (اُٹھ کھڑا اے نیند والے) وہ نیند میں تھے ان سے اظہار لطف

---

[1] واقعہ کی تفصیل کتاب شیعہ بہ جلاء العیون میں ہے اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ناراض کیا تو کوئی خطرہ نہیں لیکن باغِ فدک کے بارے میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ پر ناراض بھی نہیں ہوئیں لیکن شیعہ برابر سر اٹھائے پھر رہے ہیں۔

فرماتے ہوئے فرمایا قم یا نومان یعنی اس سے ترک عتاب کرکے تادیبًا فرمایا ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو فرمایا یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ اپنے سے مانوس کرنے اور اظہار لطف سے تاکہ محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سمجھیں کہ ان پر اللہ تعالیٰ عتاب نہیں لطف فرما رہا ہے ۔

(۲) ہر چادر اوڑھنے والے رات کو سونے والے کو تنبیہ ہو کہ وہ رات کے قیام (نماز) اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے بیدار ہو اس لئے کہ اسم مشتق از فعل مخاطب کے ساتھ وہ بھی شریک ہوتا ہے جو اس طرح کا فعل کرتا اور اس صفت سے موصوف ہو ۔

(۳) فتح الرحمٰن میں ہے کہ خطاب دو ہیں:

(الف) عام بہ حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ ۔

(ب) عام جیسے اکثر آیات ہیں لیکن خاص کے لئے کوئی دلیل ہو جس سے خصوصیت ثابت ہو سکے یہ امام احمد و حنفیہ و مالکیہ کا قول ہے اور اکثر شوافع کہتے ہیں کہ وہ خطاب عام امت کو عام نہ ہوگا جب تک دلیل نہ ہو ۔

(۴) حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خصوصیت سے خطاب ہو تو کیا اسی خطاب میں امت بھی شامل ہے یا نہ ۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اور اکثر مفسرین کا قول ہے کہ وہ عام نہ ہوگا اور حنابلہ کے امام ابو الخطاب نے فرمایا کہ اگر کسی کے جواب میں ہو عام ہے ورنہ نہیں ۔

قُمِ الَّیْلَ (رات میں قیام فرما) بکسر المیم بوجہ التقاء ساکنین کے یعنی چادر نہ اوڑھو اور جاگ اس حال کو چھوڑ کر اسے اختیار فرمائیے جو اس سے افضل ہے اور رات میں نماز کے لئے قیام فرما ۔ اللیل کی نصب علی الظرفیۃ ہے ۔

قاعدہ نحویہ اگر مدت فعل اسمیں مستغرق ہو تو اس میں فی حذف کیا جائے اور فعل کو مفعول کے ساتھ ملایا جائے اور اسم کو منصوب پڑھا جائے کیونکہ جر کا عمل فعل میں نہیں رہا اسی لئے اسم کا منصوب ہونا مرفوع ہونے سے قریب تر ہے اسی لئے اسے بعض نحویوں نے کہا ہے کہ وہ مفعول بہ ہے اس کے ظاہر فی الاستعمال پر نظر کرکے اسی قاعدہ سے ہے ۔

فَمَنْ شَھِدَ مِنْکُمُ الشَّھْرَ فَلْیَصُمْہُ (تم میں سے کسی کو مہینہ حاضر ہو تو اس کا روزہ رکھے) اسی طرح قول باری تعالیٰ لینذر یوم التلاق (تاکہ قیامت کے دن سے ڈرائے) دو وجہوں سے ایک ہیں) جیسے گذرا ۔ ایسے ہی مَنْ اَحْیَا لَیْلَۃَ الْقَدْرِ (جس نے لیلۃ القدر کو زندہ کیا یعنی اس میں بیدار رہا) وغیرہ ۔ اسمیں احیاء اگرچہ ظاہر ہیں لیل میں واقع ہوا ہے لیکن اس سے احیا الصلوۃ اور ذکر فی اللیل مراد ہے ۔

فائدہ رات کی مدت غروب شمس سے طلوع فجر صادق تک ہے ۔

واہ حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیری شان بعض عارفین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو اشتیاق ہوا اس کی شان کے لائق، کہ وہ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مناجات فرمائے تو ندا دی یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ الخ

فائدہ صوفیانہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ قیام شب و مناجات شب بالخصوص سحرگاہی، دنیا کی نہیں بلکہ جنت کی سی ایک حلاوت اہل ذوق کو نصیب ہوتی ہے

اِلَّا قَلِیْلًا (مگر تھوڑا)۔ اللیل سے استثنا ہے۔ نِصْفَهٗۤ اس کا نصف۔ اللیل الباقی سے بدل ہے استثنا کے بعد بدل الکل ہے۔ النصف شے کے دو حصوں کا ایک حصہ یعنی اس کا آدھا حصہ اٹھو۔ نصف مخرج کو قلیل سے تعبیر کرنے اس جزء کے شان کے کمال اعتداد کا اظہار ہے جو قیام سے مقارن ہے اور اس کی فضیلت سے آگاہ کرنا ہے اور بتانا ہے کہ اس کا قیام کثرت ثواب میں اس کے اکثر میں قیام جیسی فضیلت رکھتا ہے یعنی جائز ہے کہ نصف مستثنیٰ کو قلیل سے موصوف کیا جائے بہ نسبت اس کے جو نصف مشغول بالعبادۃ ہے حالانکہ دونوں مقدار میں متساوی ہیں لیکن اس حیثیت سے کہ جو نصف فارغ ہے وہ مشغول بالعبادۃ کے بحسب فضیلت و شرافت برابر نہیں تو یہ فضیلت کا اعتبار کیفیت کا ہے کمیّۃ کا نہیں۔

فائدہ بعض نے کہا کہ قلت فی النصف بہ نسبت الی الکل ہے نہ بہ نسبت اپنے بالمقابل کے ورنہ لازم آتا ہے احد النصفین جو مساوی ہیں دوسرے سے قلیل ہو (اور یہ نہیں ہو سکتا)۔

فائدہ اس سے ثابت ہوا کہ جو شے خالی از فائدہ ہو وہ ظاہر کے خلاف ہے (الارشاد)۔

اَوِ انْقُصْ مِنْهُ یا اس سے کم کرو یعنی قیام کو اس سے نصف کرو جو ثلث کے مقارن ہے۔

قَلِیْلًا تھوڑا سا کمی۔ تھوڑا یا مقدار تھوڑی اس حیثیت سے و نصف اللیل کے نام سے نہ گر جائے۔

اَوْ زِدْ عَلَیْهِ یا اس پر کچھ بڑھاؤ یعنی قیام کو اس نصف پر جو ثلثین کو مقارن ہے یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار ہے کہ آپ نصف رات میں قیام فرمائیں یا اس سے کم یا زیادہ۔ یعنی نماز کا قیام زمانۂ محدود میں فرمائیے وہ رات ہے مگر اس کے قلیل جز میں آدھا یا قیام کو آدھے سے کم کیجئے یا بڑھائیے۔

فائدہ بعض نے کہا کہ کمی بیشی کا اعتبار تو ان کی بڑی چھوٹی ہونے کی وجہ سے ہے یعنی آدھی رات قیام ہو جب رات دن برابر ہو جائیں کم ہو جب راتیں چھوٹی ہو جائیں زائد جب راتیں لمبی ہو جائیں۔

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔ مذکورہ قیام کے درمیان یعنی قرآن آہستگی سے اور حروف کو خوب ظاہر کرکے کہ وہ ایک دوسرے سے واضح ہوں۔ تَرْتِیْلًا خوب ٹھہر ٹھہر کے اس حیثیت سے کہ سامع ان حروف کو گن سکے۔ اسی لئے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے قرآن کو تیز پڑھنے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا

تمہارے کسی ایک کا سورۃ کے آخر حصہ کا رادہ نہ ہو یعنی قاری تلاوت کرنے والے کے لئے ترتیل (ٹھہر ٹھہر کر
ضروری ہے تاکہ وہ خود وہ اور جو وہاں حاضر ہے حقائق آیات میں غور و فکر کر سکے مثلاً ذکر الٰہی کے وقت اللہ
کی عظمت و جلال کو دل میں جگہ دے اور وعدہ و وعید کے رجاؤ خوف کر سکے اور چاہیے نظم قرآن
خلل نہ ڈالے ۔

حل لغات الرتل شے کا اتساق و انتظام استقامت کے ساتھ یعنی بے تکلف بات ظاہر کرنا ۔ الکشاف میں
ترتیل القرآن یعنی ٹھہر ٹھہر کر اور آہستگی سے حروف کو ظاہر کر کے اور حرکات کو مکمل کر کے پڑھ
یہاں تک کہ متصومنہ (پڑھا ہوا) کو ثغر مرتل (ایک ایک ہو کر دانتوں کا اکھڑنا) سے تشبیہ ہے دانتوں کی سفیدی سے
دیگئی ہے اور یہ کہ اسے تیز نہ پڑھے اور نہ اسمیں جلدی کرے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا شر السیر
و شر القراءۃ الہذرمۃ بری رفتار بے تحاشا دوڑنا اور بری قراۃ تیز پڑھنا ہے یہاں تک کہ پڑھے ہو
کے الفاظ ایک دوسرے کے پیچھے دانتوں' ایک دوسرے کی درمیانی سوراخ کا فاصلہ چھوڑے ہو
نظر آئیں ۔

فائدہ ترتیل القرآن کا حکم خبر دیتا ہے کہ قیام اللیل کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس کی مقدار
معلوم کرنے کے بعد نازل ہوا اگرچہ تھوڑا سا حصہ اور اِنَّا سَنُلۡقِیۡ بصیغہ استقبال بہ نسبت بقیہ ق
کے ہے ۔

فائدہ ظاہر یہ ہے کہ یہ امر عام ہے جو امت کو بھی شامل ہے کیونکہ یہ امر اہم ہے جو سب کے لائق ہے ۔

مسئلہ یہ امر وجوب کا ہے جیسے اس پر تاکید دلالت کرتی ہے یا ندب کا ہے ۔

فائدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرأت مد کے طور تھی آپ بسم اللہ شریف اور الرحمٰن اور الرحیم
کے طور پر پڑھتے تھے ۔ پہلے دو (بسم اللہِ الرحمٰن) کی مد قدر الف کے طبعی ہے اور آخر الرحیم
ہے کہ وہ سکون کے ساتھ ہے اسی لئے اسمیں تین وجہیں جائز ہیں ۔

① طول بمقدار تین الف
② توسط بمقدار دو الف
③ قصر بمقدار ایک الف

فائدہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہترین مجود (تجوید سے پڑھنے والا) تھے اسی طرح پڑھتے جو
آپ پر نازل ہوا ۔

ائدہ تجوید معنی حروف کو اپنے مخارج میں معین کر کے پڑھنا اور انکی صفات کے حقوق ادا کرنا جیسے جہر و ہمس و لین وغیرہ اور یہ بغیر تکلف کے پڑھنا چاہیئے یعنی قراۃ میں ادائے مخارج میں زیادتی کر کے مشقت کا ارتکاب اس کی منفعت کے بیان میں مبالغہ نہ ہو خلاصہ یہ کہ ترتیل میں تمطیط سے تحفظ ضروری ہے تمطیط معنی تجاوز عن در حدر میں ادماج و تخلیط نہ ہو یعنی قراۃ ایسی ہو کہ گویا حروف و کلمات ایک دوسرے میں لپٹے ہوئے ہو جو برابر طریق کی زیادتی کے اس کی وجہ یہ ہے کہ قراۃ بمنزلہ بیاض کے ہے اگر قلیل ہو تو گندم گوں ہے زائد ہو تو ہے گھنگرالے بالوں کے اور یہ ہو تو چھوٹے بالوں کی حیثیت ہے اس سے آگے بڑھے تو وہ قراۃ ہی نہیں

ید کی اقسام

تجوید تین قسم ہے ۔

① ترتیل ۔

② حدر ۔

③ تدویر ۔

ترتیل ٹھہر ٹھہر کر کے پڑھنا ۔ قاموس میں ہے رتل الکلام ترتیلا یعنی اس کی اچھی تالیف و ترکیب کی اور اسمیں ٹھہر کے عمل کیا اور آہستگی کی ۔ یہی ورش و عاصم و حمزہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) کا مختار ہے ۔

تیل کے فضائل

اس کی احادیث سے ہے ۔

① نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے تین دن سے کم میں قرآن مجید ختم اس نے قرآن نہ سمجھا ۔

ائدہ قوت القلوب میں ہے کہ افضل قراۃ ترتیل ہے کیونکہ اسمیں تدبر و تفکر ہے اور قراۃ کی افضل ترتیل و تدبر وہ ہے جو نماز میں ہو ۔

② حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں سورۃ البقر ترتیل سے پڑھوں مجھے یہی زیادہ محبوب ہے اس سے کہ جلدی سے سالم قرآن مجید ختم کر ڈالوں (ہذامۃ معنی سرعۃ (جلدی) ۔

③ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بسم اللہ شریف کو بیس بار پڑھا ہر بار اس میں نیا فہم اور ہر کلمہ میں علوم تھے ۔

ائدہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ جو آیت میں تلاوت کروں اور اسے سمجھ کر نہ پڑھوں تو میں اس کے لئے ثواب کی امید نہیں رکھتا ۔

ائدہ بعض بزرگوں کی عادت تھی کہ جب وہ کوئی سورۃ پڑھتے لیکن سمجھتے کہ اس میں توجہ نہ تھی تو اسے دوبارہ پڑھتے ۔

قرآن کی وسعت علمی بعض علمائے نے فرمایا کہ ہر آیت میں ساٹھ ہزار مفہوم ہیں اور اس سے زائد مفہوم سمجھ والے آج نہیں ہیں اور نہ اس سے زائد مفہوم بھی قرآن کے ہر مضمون میں موجو ہیں۔

قرب خداوندی حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب بندہ نماز میں قیام کرتا ہے یعنی تہجد میں قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے اور قرآن مجید کو ترتیل سے پڑھتا ہے جیسے لے حکم ہے تو وہ جبار (اللہ تعالیٰ) کے قریب ہو جاتا ہے اور فرمایا کہ اس کی علامت یہ ہے کہ اس طرح سے قلوب میں حلاوت پائی جاتی ہے وہ دراصل قلب میں قرب رب تعالیٰ کے انوار و ہیں۔

تلاوت قرآن کی فضیلت قیامت میں قرآن کے پڑھنے والے کو لایا جائے گا اور اسے بہشت کے پہلے درجہ میں کھڑا کر کے کہا جائے گا پڑھ اور اسی طرح ترتیل سے پڑھ جیسے تو دنیا میں ترتیل کرتا تھا کیونکہ تیرا مرتبہ بہشت میں آخری آیت پر ہو گا۔

فائدہ قرآن مجید کے نزول سے حقائق کا فہم اور اس کے مقتضاً پر عمل مطلوب ہے۔

مسئلہ نماز میں قرآن کی قرأۃ کے وقت (مقتدی کو) خاموشی واجب ہے (جیسے احناف کا مذہب ہے) اور غیر نماز میں مندوب ہے۔

مسئلہ قاری (تلاوت کرنے والے کو قرآن مجید کی آیات پڑھنے کا ایک ثواب اور سننے والے کو دو ثواب ہیں ایک سننے کا اور دوسرا خاموشی کا یا اس لئے کہ وہ دو کانوں سے سنتا ہے اور قاری (تلاوت کرنے والا) صرف زبان سے پڑھتا ہے (اس معنیٰ پر تو اسے تین ثواب ہونے چاہئیں کیونکہ وہ پڑھتے وقت دونوں کانوں سے سنتا بھی ہے۔

مسئلہ قرآن سننے والا فرض ادا کر رہا ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ قرآن کا سننا تلاوت سے زیادہ ثواب ہے سلسلۃ الذہب میں حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

① صرف اوکن حواس جسمانی
وقف اوکن قوائے روحانی

② دل بمعنی زبان بلفظ سپار
چشم بر خط و نقط وعجم گذار

③ گوش ازو معدن جواہر کن
ہوش ازو مخزن سرائر کن

④ در ادایش مکن زبان کج مج
حرفہائش ادا کن از مخرج

⑤ دور باش از تتیک و تعجیل
کام گیر از تامل و ترتیل

ترجمہ حواس جسمانی کو قرآن مجید پر صرف کر۔ اس پر قوائے روحانی وقف کر۔

② دل کو معنی میں اور زبان کو لفظوں کے سپرد کر۔ آنکھ کو خطا اور نقطوں اور اعراب وغیرہ پر چھوڑ۔

③ کان کو اس سے جواہر کا خزانہ بنا۔ ہوش کو اس سے اسرار کا مخزن بنا۔

④ اس کی ادائیگی میں زبان کو ٹیڑھا میڑھا نہ کر۔ اس کے حروف مخرج سے ادا کر۔

⑤ اٹکل ہٹک اور عجلت سے دور رہ۔ تامل و ترتیل سے مراد حاصل کر۔

فائدہ: حدر یعنی قراۃ میں تیزی کرنا۔

فائدہ مروی ہے کرامت مصطفوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں چار بزرگ ایسے گذرے ہیں جو ایک رکعت میں تمام قرآن مجید ختم کرتے تھے۔

① حضرت عثمان بن عفان
② حضرت تمیم الداری
③ حضرت سعید بن جبیر
④ حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہم۔

② حضرت ہمسر بن المنہال ایک ماہ میں ختم قرآن کے نوے ختم کرتے تھے اور جو آیت سمجھ کر نہ پڑھا گیا تو اسے دوبارہ پڑھتے

③ القاموس میں ہے کہ ابو الحسن علی بن عبد اللہ سادان بن البتنی ہیچوں عربی مقری رحمہ اللہ تعالیٰ دن میں چار قرآن مجید ختم کرتے تھے اور یہ حدر تلاوت فہمی کے ساتھ ہوتا تھا۔

آٹھ پہر میں ستر ہزار بار قرآن ختم کیا

حضرت الشیخ موسیٰ السدرانی رحمۃ اللہ علیہ اکابر اصحاب الشیخ ابی مدین رضی اللہ عنہ سے انہیں کے مناقب میں مروی ہے کہ آپ کے اوراد میں ایک وردیہ تھا کہ آپ دن اور رات میں ستر ہزار ختم کرتے تھے[1]

---

[1] یہ کرامت اسی قبیل سے ہے جیسے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لئے مشہور ہے اور وہ معجزہ جو حضرت داؤد علیہ السلام کا مشہور ہے ۱۲۔ تفصیل فقیر کی کتاب شبیہ میں پڑھئے (بقیہ حاشیہ آگے)

فائدہ اس کی توجیہہ یوں ہوسکتی ہے کہ دن و رات کے آٹھ گھنٹے ہیں اس کے ہر ایک سے بارہ گھنٹوں میں پینتیس (۳۵) ختم ہوتے ہیں اس کے لئے یوں ہوگا کہ اس کا ہر دن اور ہر رات تینتالیس سال اور نو ماہ کے ہوجاتے ہوں گے یا اس سے بھی زائد (یہ طے زمان کے قبیل سے ہے)۔ بر تقدیر اوّل دن اور رات ستاسی سال اور چھ ماہ کے ہوجاتے ہونگے ان سالوں کے حساب سے ان کا ایک ختم دن کو اور دوسرا ختم رات کو ہوتا ہوگا جیسا کہ عام عادت ہے یہ احتمال سرعۃ القاری کے اعتبار سے کم سے کم ہے (اس زائد کو خدا جانے)۔

فائدہ یہ حدر ابن عامر و الکسائی کا مختار ہے

فائدہ یہ مراتب الممدود سے متصور ہوسکتا ہے یعنی تیزی ایسی نہ ہو جس سے معنی و الفاظ بگڑ جائیں۔

حدیث شریف میں ہے بہت سے قرآن پڑھنے والوں پر قرآن لعنت بھیجتا ہے۔

فائدہ یہ اس کے لئے ہے جو قرآن کے معانی و الفاظ میں خلل ڈالتا ہے یا قرآن اس پر لعنت کرتا ہے جو اس پر عمل نہیں کرتا۔

فائدہ حدر سمجھ نہیں آئے گا جب تک لحن کی تحقیق معلوم نہ ہو لحن دو قسم ہے۔

① جلی
② خفی

لحن جلی وہ خطا ہے جو الفاظ کو عارض ہوتا اور معنیٰ میں خلل ڈالتا ہے مثلاً ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدلنا جیسے الصالحات کے بجائے الطالحات پڑھ دے ایسے ہی اعراب کی غلطی مثلاً مجرور کو مرفوع یا منصوب پڑھنا اس سے معنی تبدیل ہوتا ہو یا نہ جیسے کوئی ان اللہ بریٓ من المشرکین ورسولہ میں رسولہ کو مجرور پڑھنا اور لحن خفی یہ وہ خطاً ہے جو عرف و ضابطہ میں خلل آجائے جیسے خفاً و ادغام و اظہار و قلب کا ترک اور جیسے مفخم کو مُرقّق (لفظ پُر کو غیر پُر پڑھنا) ایسے ہی مرقق کو مفخم پڑھنا اور ممدود کو مقصور پڑھنا وغیرہ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ یہ امور وہ فرض عین نہیں جن کے ترک سے عذاب یا عقاب شدید مرتب ہوتا ہے ہاں اس میں تہدید اور خوف عقاب ضرور ہے۔

فائدہ بعض نے کہا کہ لحن خفی یہ ہے کہ جسے ماہرین قراء کے سوا اور کوئی نہ جانتا ہو جیسے تکریر الراآت و تطنین النونات و تغلیظ اللامات و ترقیق الراآت ان کے غیر محل ہے ظاہر ہے کہ یہ فرض عین نہیں تو اسی لئے ان کے مرتکب پر عقاب مرتب نہیں ہوتا کیونکہ اس میں تکلیف مالایطاق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا (اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی وسعت سے زائد تکلیف نہیں دیتا)۔

کرامت: معجزہ کا خلاصہ یہ کہ حضرت داؤد علیہ السلام زبور اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھوڑے وقت میں تمام پڑھ لیتے تھے۔

دور حاضرہ کے قاریوں کا رد

بعض شروح الطریقہ میں ہے کہ یہ بہت بڑا فتنہ ہے کہ قاری (تجوید جاننے والا) دیہاتیوں اور صحرانشینوں اور بوڑھوں بوڑھیوں اور غلاموں اور لونڈیوں (عوام) کو کہے کہ تجوید کے بغیر نماز جائز نہیں حالانکہ تجوید ایسے لوگوں کے بس سے بالکل باہر ہے۔

مسئلہ واجب ہے کہ تجوید اتنا قدر سیکھ لے کہ جس سے قرآن کا لفظ و معنیٰ صحیح ہو سکے زیادہ کوشش خلوص و حضور القلب میں ہونی چاہیئے۔

① لعنت است ایں کہ بہر لہجہ و صوت
شوق از تو حضور خاطر فوت

② فکر حسن غنا برد ہوشت
متکلم شود فراموشت

③ لعنت است ایں کہ سازدت پے سیم
روز و شب با امیر و خواجہ ندیم

④ لعنت است ایں کہ ہمت تو تمام
گشت معروف لفظ و حرف و کلام

⑤ نقد عمرت ز فکرت معوج
خرج شد در رعایت مخرج

⑥ صرف کردی ہمہ حیات سرہ
در قرآت سبعہ و عشرہ

⑦ ہمچنیں ہرچہ از کلامِ خدا
جز خدا قبلۂ دلست ترا

⑧ موجب لعن و مائۃ طرد است
حبذا مقبلی کہ زاں فرد است

⑨ معنیٔ لعن چیست مردودی
بمقامات بعد خشنودی

⑩ ہر کہ ماند از خدا بیک سرمو
آمد اندر مقام بعد حرو

⑪ گرچہ ملعون نشد زحق مطلق

ہست ملعون لبعد راز حق

ترجمہ ① لعنت ہے تم پر اگر تلاوت قرآن میں صرف لہجہ اور اچھی آواز سنوارنے سے تجھ سے حضور قلب فوت ہو جاتا ہے۔

② خوش آوازی کی فکر نے تیرے ہوش اڑا دیئے تجھ کو کلام والے (صاحب قرآن) بھول جاتا ہے۔

③ تجھ پر لعنت کہ تجھے زر و سیم کی لالچ نے امیر اور دنیا دار کا ہمنشین بنا دیا۔

④ تجھ پر لعنت کہ تیری تمام ہمت لفظ و حروف و کلام معروف ہو گئی۔

⑤ نقد عمر کو تیڑھے نحو میں تو نے ضائع کر دیا صرف مخارج حروف کی رعایت پر تیری زندگی صرف ہو گئی۔

⑥ تمام زندگی تو نے قرأت سبعہ و عشرہ میں صرف کر دی۔

⑦ ایسے ہی کلام خدا سے تیرے دل کا قبلہ غیر خدا ہے۔

⑧ ہزار بار لعنت و پھٹکار کا موجب ہے جو مذکورہ بالا طریق پر زندگی گذارتا ہے اور مبارک ہو اس مقبول خدا کو جو اس طریق سے علیحدہ ہے۔

⑨ مردود ہونے کا کیا معنیٰ ہے وہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دوری میں خوشی ہو۔

⑩ جو اللہ تعالیٰ سے بال برابر دُور ہے اسے مقام بعُد (دوری) میں لذت حاصل ہوتی ہے۔

⑪ اگرچہ ایسا آدمی حقیقی لعنتی نہیں لیکن اللہ تعالیٰ سے دوری کی وجہ سے ملعون (دور از رحمت) ضرور ہے بقدر بعُد

قرآن کے ذریعے گداگری کی مذمت

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک واعظ پر گذر ہوا جو قرآن مجید پڑھ کر چندہ (گداگری) کر رہا تھا آپ نے انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھکر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا فرمایا کہ قرآن پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے سوال کیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ عنقریب لوگ آئیں گے جو قرآن مجید پڑھ کر لوگوں سے چندہ (گداگری) کے طور سوال کریں گے۔ ایسے لوگوں کو دینا معصیت پر اعانت (مدد) کرنا ہے جیسے مسجد کے اندر سائل کو کچھ دینا معصیت پر اعانت (مدد) کرنا ہے کیونکہ وہ لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہے۔

فائدہ ہر نیند سے اُٹھنے کے بعد مسواک کرنا چاہیئے وہ نیند دن کو ہو یا رات کو۔ خبر میں ہے کہ قرآن کے راستوں کو یعنی اپنے مُنہ کو پاک و صاف رکھو مسواک استعمال کرکے۔

مسئلہ مسواک کے ساتھ پڑھی ہوئی نماز کو دوسری نماز سے ستر گنا زائد ثواب ملتا ہے۔

جہر بالقرآن کے فضائل

قرآن کو جہر سے پڑھنے پر سات نیتیں کرلی جائیں۔

① ترتیل جس کا وہ مامور ہے۔

② قرآن اچھی آواز سے پڑھنا مندوب ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قرآن کو اپنی آوازوں سے مزین کرو۔

حدیث شریف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ ہمارے نہیں جو قرآن سے غنا نہیں کرتا یعنی اچھی آواز سے نہیں پڑھتا۔ غنا کا معنیٰ اچھی آواز سے پڑھنے کا مطلب ہے اس سے بہتر ہے جیسیں کہا گیا ہے کہ غنا سے مراد استغنا ہے یعنی قرآن مجید پڑھ کر صرف اللہ تعالیٰ پر سہارا کرے کسی دنیا والے پر سہارا نہ ہو۔

③ دونوں کانوں کو قرآن سنائے گا اور دل کو بیدار کرے گا تاکہ کلام الٰہی میں تدبر کیا جاسکے اور معانی کو سمجھا جاسکے یہ سب کچھ جہر سے ہوگا۔

④ اونچی آواز سے نیند کو ہٹائے گا۔

⑤ کوئی نیند سے اُٹھ کر ذکر الٰہی کرے گا اس کی بیداری اور ذکر کرنے کا سبب اس کی تلاوت قرآن بالجہر ہوگی۔

⑥ کوئی بطال و غافل اسے دیکھے گا تو وہ بھی قیام اللیل کے لئے خوشی سے اُٹھے گا اور خدمت کا مشتاق ہوگا اس طرح سے یہ اس کا نیکی و تقویٰ پر معاون ہوا۔

⑦ بالجہر سے تلاوت بکثرت ہوگی اور وہ اس طرح سے قیام اللیل کی عادت بنائے گا (قوت القلوب)

فائدہ اس طرح سے اس کے اعمال کی کثرت ہوگی جب تلاوت کرنے والے کی اتنا نیات ہوں تو ثواب بھی اتنا ملے گا اس لئے اس کا افضل عمل قرآن بالجہر ہے کیونکہ اسمیں اعمال کثیرہ ہوں اور کثرۃ نیات سے کثرت اعمال ہو سکتے ہیں۔

فائدہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب کہیں جمع ہوتے تو ان میں کسی کو قرآن پڑھنے کا حکم فرماتے اور مجتمع ہوکر قرآن سنتے۔

مسئلہ شرح الترغیب میں ہے کہ قرآن بالالحان پڑھنے میں آئمہ کا اختلاف ہے امام مالک اور جمہور کے نزدیک

مکروہ ہے کیونکہ الحان سے قرآن کے نزول کے مطابق نہ ہوگا اور نہ ہی خشوع ہوگا، الحان سے سمجھنا آسان نہ ہوگا لیکن امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک الحان مباح ہے ایسے محدثین اسلاف کی جماعت بھی۔ اس لئے کہ یہ رقت کا سبب اور خشیۃ الٰہی کو ابھارنے والا ہے۔

مسئلہ اجکار الافکار میں ہے کہ قرآن پڑھنے میں آواز کو حسین اور مزین بنانا مستحب ہے بشرطیکہ نقصان نہ کرکے حد القرأۃ سے نہ نکل جائے۔

مسئلہ اگر قرأۃ میں افراط کیا یہاں تک کہ کوئی حرف بڑھا دیا یا اخفا بڑھا دیا تو ایسا الحان حرام ہے۔

تفسیر صوفیانہ بعض اہل معرفت نے فرمایا کہ رتل بمعنی اُتْلُ ہے اور تلاوت قرآن مجید میں کئی مقامات پہ ابلاغ آئی ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ احکام قرآن پہنچاؤ اہل نفوس متمردہ یعنی اقبال علی الآخرۃ سے انحراف کرنے والوں کو یعنی عوام کو یہ از قبیل ظاہری معنیٰ ہے جیسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہر آیت کا ظاہر و باطن و حد و مطلع ہے۔ اور معانی کی تفصیل فرمایئے ان اصحاب قلوب کے لئے جو قلوب اپنے مولیٰ کی طرف متوجہ ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کتاب فصلت آیاتہ اس سے خواص (اولیا) مراد ہیں اور یہ از قبیل معنیٰ باطن ہے اور اس کے حقائق سمجھایئے اسرار کے سرداروں کو جو عین مشاہدہ میں خود کو ہلاک کرنے والے اور بحر معاینہ میں غرق ہیں ان سے اخص الخواص مراد ہیں اور یہ از قبیل حد ہے اور ان ارباب طاہرہ کے لئے ایجاد کیجئے جو اپنی ناسوتیہ سے فانی اور لاہوتیہ میں باقی ہیں۔

تفسیر عالمانہ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ بے شک ہم ڈالیں گے۔ عنقریب ہم تیری طرف وحی کریں گے یہاں وحی کے بجائے القاء قَوْلًا ثَقِیْلًا (بات بھاری) کی وجہ سے ہے اس سے قرآن عظیم مراد ہے جو مکلفین پر شاقہ تکلیف پر مشتمل ہے نیز قرآن قدیم غیر مخلوق ہے اور حادث قدیم سطوت سے پگھل جاتا ہے سوائے اس کے جو مؤید من اللہ ہو جیسے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

حل لغات ثقل درحقیقت اجسام میں ہوتا ہے پھر معانی میں بھی مستعمل ہونے لگا۔

فائدہ بعض نے کہا وہ ثقیل تھا ملقیہ کے طور جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ پر وحی کیسے نازل ہوتی ہے تو آپ نے فرمایا کہ کبھی وہ آتی ہے گھنٹی کی آواز کی طرح اور وہ مجھ پر بہت سخت گراں ہوتی ہے وہ مجھ سے ہٹتا ہے یعنی دور ہوتا ہے تو میں اسے یاد کر لیتا ہوں جو وہ کہتا ہے اور کبھی میرے لئے فرشتہ مرد (بشر) کی شکل میں متمثل ہوتا ہے تو وہ میرے سے بولتا ہے تو جو کہتا ہے۔ میں اسے یاد کر لیتا ہوں۔

نمونہ وحی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے حضور سرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سخت سردی میں وحی اترتے دیکھا کہ جب آپ سے وہ فرشتہ علیحدہ ہوتا تو آپ کی جبیں مبارک پسینہ پسینہ ہوتی۔

فائدہ حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر وجہ مذکور سے جب نزول وحی ہوتا اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹ پر سوار ہوتے تو اونٹ کے اگلے پچھلے بوجھ سے ٹیڑھے ہو جاتے اگر کسی وقت آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کسی صحابی (رضی اللہ علیہ) کی ران پر سہارا لگا کر بیٹھے ہوتے تو اس کی ران کے ٹوٹنے کا خوف ہو جاتا۔ لیکن اس وقت آپ کا چہرہ اقدس گلاب کی طرح ہوتا ہے ؎ بسان گل کہ بعض چمن افروز اس گل کی طرح جو چمن میں روشن ہوتا ہے۔

فائدہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اٹھائے ہوئی شے کے بوجھ کا حامل کی لطافت حال کے مطابق ہوتا ہے اور اسمیں شک نہیں کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جملہ انبیاء علیہم السلام سے خلق میں لطیف تر اور مزاج وطبع میں اعدل اور روحانیہ ارحمانیۃ میں اکمل اور نشاۃ و فطر میں افضل اور استعداد و قابلیت میں اشمل تھے اسی لئے قرآن کو جملہ کتب سماویہ جو اوامر ونواہی و احکام و شرائع میں ثقل سے مخصوص کیا گیا ہے بوجہ آپ کی لطافت فطرۃ وشمول رحمت کے اور قم اللیل جملہ معترضہ ہے انا کے اور اس کی تعلیل کے درمیان اور ناشئۃ اللیل الخ میں راز یہ ہے کہ اس سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیام اللیل کی آسانی ظاہر کرنی ہے یعنی اسے ثقل سے موصوف کرنے میں اشارہ ہے کہ اس قیام کی تکلیف بہ نسبت ثقل کے کالعدم ہے کیونکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عنقریب بوجہ القا کیا جائے گا وہ اصعب اور اشق (سخت مشقت والا) ہے اسی لئے یہ تکلیف (قیام اللیل) اسہل ہے۔

فائدہ کشاف میں ہے کہ جملہ معترضہ لانے کا ارادہ اس لئے ہے کہ قیام اللیل بے شک سخت تکالیف میں سے ہے کہ جس کے متعلق قرآن میں وارد ہے کیونکہ رات نیند اور تھکان اتارنے کے لئے ہے تو لامحالہ جو بیدار ہوگا اس کی طبعیت کے لئے بوجھ ہوگا اور نفس سے مجاہدہ کرنا ہوگا لیکن جو اس سے مانوس ہو جائے اس کے لئے اس جیسے بوجھ ہلکے ہو جاتے ہیں۔

فائدہ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ سورۃ المزمل حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے اوائل میں نازل ہوئی ہے اس معنا پر اِنَّا سَنُلْقِیْ الخ میں باقی مدت وحی کی طرف اشارہ ہے۔ اسی لئے کہ اس کے حروف باعتبار نون مدغم اور دونوں تنوین بائیس "۲۲" ہیں اور سین استقبال پر دلالت کرتا ہے اور باقی مجموعہ حروف مدت باقیہ پر۔

نکتہ قرآن مجید کو حمل ثقیل اس لئے کہا گیا ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تتمیم مکارم الاخلاق کے لئے مبعوث ہوئے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ وہ قرآن مجید تمام آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اثقل ہوگا (اللہ ہی اپنی مراد کو خوب جانتا ہے)۔

تفسیر صوفیانہ یہ قول ثقیل بہ نسبت نفس ثقیلہ کثیفہ کے ہے کیونکہ اس کے حجابات تہ بہ تہ ہیں اور ادراک حق سے بہت دور ہے ورنہ بہ نسبت خفیفہ لطیفہ کے خفیف ولطیف ہے یہی وجہ ہے کہ کاملین سے تکالیف کی تھکان نہیں ہوتی کیونکہ عبادات انکے عادات کی طرح ہیں اس لئے ان سے عبادات کی کلفت اٹھ جاتی ہے بلکہ وہ ان سے اُلٹا ذوق و حلاوت پاتے ہیں ۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ بے شک رات کا اُٹھنا ۔ یعنی وہ نفس جو اپنے بستر سے عبادت کے لئے رات کو اُٹھتا ہے ۔

حل لغات یہ نشأ من مکانہ (اپنی جگہ سے اُٹھا) سے ہے اس معنیٰ پر موصوف محذوف ہے اور اضافت ملابسہ کی ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ نفس جو رات کو اٹھتا ہے ۔

هِیَ یہ خصوصیت سے اَشَدُّ وَطْأً زیادہ دباؤ ڈالتا ہے کلفت تعل کے لحاظ سے ۔

حل لغات وطئ مصدر ہے وطی الشئ بمعنی پاؤں سے روندنا اور اس پر بوجھ رکھنا ۔ وہ نفس جو رات کو عبادت کے لئے اُٹھتا ہے اس کے لئے یہ زیادہ سخت ہے بہ نسبت اس کے جو دن کو عبادت کے لئے قائم ہے ۔

فائدہ اس سے ثابت ہوا کہ رات کی عبادت (قیام اللیل) افضل العبادات اور مشقت سے بھرپور ہے اس معنیٰ پر وطئ مصدر مبنی للمفعول (مجہول) ہے کیونکہ عبادت گذار پر جو اپنا بوجھ ڈال رہی ہے وہ رات کی عبادت ہے اسی لئے وہ عابد جو رات کو عبادت سے روندا ہوا ہے بہ نسبت اس کے جو دن کو عبادت سے روندا جاتا ہے زیادہ سخت ہے اور اس کی نصب علی التمیز ہے اور یہ بھی ہو کہ یہ دراصل اشد وطاء اشد ثبات قدم و استقرار رہا ہو ۔ خلاصہ یہ کہ اس سے مقصود رات کی عبادت کو اختیار کرنے کا بیان ہے اور خصوصیت سے قیام کا اس لئے حکم فرمایا ہے کہ اس نے رات کو لباس بنایا تاکہ لوگوں کو چھپائے اور انہیں اضطراب و انقلاب اور کسب معاش سے منع کرے اور دن کو معاش بنایا تاکہ اس میں لوگ اپنی معاش کے امور سرانجام دیں اسی لئے اس میں عبادت کے لئے ثابت قدمی مطلوب نہیں (اگر ہو تو قبولیت میں کوئی فرق نہیں دن ہو یا رات) ۔

وَّ اَقْوَمُ قِیْلًا ؕ اور بات خوب سیدھی نکلتی ہے ۔

حل لغات قِیْلًا اسم ہے القول سے یہ دراصل قِوْلًا تھا اور واؤ یا سے بدل گئی قول اور قیل کا ایک ہی معنیٰ ہے یعنی بات میں یہی زیادہ سیدھی ہے اور ثبات و استقرار علی الصواب پر بھی یعنی رات کو نماز میں قرآن پڑھنا صواب تر ہے کیونکہ دل فارغ اور شور و شغب بند اور زبان دل کے موافق ہوتی ہے کہ جو کچھ پڑھتی ہے دل تفکر میں لگ جاتی ہے ۔

خاموش شد عالم بشب تا چیست باشی در طلب
زیرکہ بانگ عربدہ تشویش خلوتخانہ بود

ترجمہ: رات کو عالم تمام خاموش ہو گیا تا کہ تو طلب الٰہی میں چستی کرے اس لئے کہ لڑنے جھگڑنے کی آواز خلوتخانہ کے لئے تشویش کا سبب ہوتی ہے۔

فائدہ نَاشِئَۃَ اللَّیْل بمعنی قیام اللیل ہو تو بھی جائز ہے اس وقت ناشئہ مصدر ہے از نَشَأَ جیسے العافیۃ بمعنی العفو اور لسان حبشہ کے موافق ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں نشأ بمعنی قام یا ناشئہ بمعنی وہ عبادت جو رات کو ہو کل معنی پر الوطی مصدر بمعنی الفاعل ہوگا بہر حال عبادت مطلق اور قیام اللیل ہر دونوں رات کے وقت عبادت گزار پر بہ نسبت دن کے قیام و عبادت کے بہت زیادہ ثقیل ہوتی ہے اب اشد وطأ کا معنی اثقل و اغلظ علی المصلی نمازی پر زیادہ سخت اور زیادہ بوجھل ہو گا رات کی عبادت بہ نسبت دن کی عبادت کے اس اعتبار سے وہ افضل بھی ہے یعنی رات کی عبادت رنج و کلفت کے لحاظ سے سخت تر ہے اس لئے کہ ترک خواب و ترک راحت نفس پر گراں ہے اسی لئے وہ عبادت افضل ہوتی ہے جو نفس پر نہایت گراں ہو۔

فائدہ نَاشِئَۃَ اللَّیْل سے رات کی ساعات بھی مراد ہو سکتی ہیں کیونکہ وہ بھی لحظہ بہ لحظہ ایک دوسرے کے بعد حادث ہوتی ہیں اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ رات کی گھڑیاں جو حادث ہوتی ہیں ایک دوسری کے بعد لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ناشئہ رات کی وہ گھڑیاں مراد ہیں جو عشأ کے بعد شروع ہوتی ہیں بہر حال اس تقریر پر ناشئۃ اللیل ساعات اللیل کی صفت ہے اس معنیٰ پر بھی مطلب وہی ہے کہ رات کی عبادت و قیام بہ نسبت دن کے زیادہ سخت و ثقیل تر ہے۔

فائدہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تقریر کے مطابق عشأ سے پہلے کے اوقات ناشئہ نہ ہوں گے لیکن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں مخصوص ساعات بتایا ہے وہ ہیں نیند کے بعد اٹھنے کی ساعات جو نیند نہیں کرتا اس کے لئے ناشئہ نہ ہوگی۔

ابوطالب مکی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقریر قوت القلوب میں ہے کہ دو عشاؤں (مغرب و عشأ) کے درمیان نوافل پڑھنے چاہیئں یہاں تک کہ شفق ثانی غائب ہو جائے یعنی وہ سفیدی جو سرخی کے اختتام کے بعد شروع ہوتی ہے بعض نے کہا رات کی تاریکی اور ظلمت مراد ہے کیونکہ یہ وہ آخر وہ وقت ہے جو قطر غربی شعاع شمس سے باقی رہتا ہے جو سورج اس طرف کو طے کرتا ہے اور جبل قاف کے گرد گھومتا ہے مشرق کی تلاش میں یہ وقت مستحب ہے عشأ ثانیہ کے لئے یہ دن آخری اور رات کا اول ورد ہے اسی میں نماز پڑھنے کا نام ناشئۃ اللیل ہے یعنی رات کی ساعت کیونکہ یہ رات کی پہلی ساعت ہے جو ابھی حادث ہوئی ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت ابن عامر و ابو عامر نے وطآ کو بالکسر والمد پڑھا ہے از مواطات بمعنی موافقت اگر ناشئۃ تفسیر ہو تو اب معنیٰ یہ ہوا کہ نفس کی قلب سے موافقت سخت تر ہے کہ قلب اس کی لسان ہو اگر ناشئۃ کی تفسیر قیام یا عبادت یا ساعات سے کی جائے تو معنیٰ یہ ہوگا کہ یہ تمام امور نفس پر شاق ہے از جہت قلب کی موافقت کہ اس کی لسان اس میں قائم ہے یا اس کی موافقت سخت ہے کہ قلب کو خشوع و اخلاص چاہیئے اور نفس کے لئے یہ ہر دونوں ناگوار ہیں ۔

فائدہ حضرت حسن بصری (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ ظاہر و باطن کی موافقت یہ اس لئے مشکل ہے کہ ظاہر میں تو خلق خدا کے ساتھ رہنا ہوتا ہے لیکن جب ان کی رؤیت منقطع ہوگی تو وہ خلوص نہ ہوگا جو خلق خدا کی وجہ سے تھا ۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ لَكَ فِی النَّهَارِ سَبْحًا طَوِیْلًاؕ بے شک دن میں تمہیں بہت سے کام ہیں (۔ چلنا پھرنا اور ضروریات زندگی کے امور کی سرانجام پانی میں تیرنے والے کی طرح اور شواغل میں مشغول ہونے کی وجہ سے عبادت کے لئے فراغت نہ پاسکو گے اسی لئے عبادت کے لئے رات کو لازم پکڑو ۔ یہ بیان ہے قیام اللیل کے خارجی داعی (سبب) جبکہ پہلے اس سبب کا بیان تھا جو قیام اللیل کے اپنے میں ہے ۔

حل لغات السبح پانی یا ہوا میں تیز جانا ۔ افلاک میں ستاروں کے چلنے کے لئے استعارہ کیا جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وکل فی فلک یسبحون اور ہر ستارہ اپنے فلک میں پیرتا ہے ۔ اور گھوڑے دوڑنے کے لئے بھی جیسے فالسابحات سَبْحًا اور آسانی سے پیرنے والوں کی قسم ۔ اور عمل میں جلدی کے لئے جیسے اِنَّ لَكَ فِی النَّهَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا اور تاج المصادر میں ہے السبح معاش میں تصرف کرنا اور بعض تفاسیر میں ہے کہ السباحۃ اس عمل میں ہوتا ہے جو پانی میں ہاتھوں اور پاؤں سے ہو ۔ بعض نے کہا کہ آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر تمہارے سے رات کو کوئی وظیفہ (عمل) رہ جائے تو اسے دن کو پورا کر لیا کرو کیونکہ تم دن کو فراغت رکھتے ہو کہ اسمیں فوت شدہ وظیفہ (عمل) کا تدارک کر سکتے ہو تاکہ تمہارے سے وہ مناجات رہ نہ جائے جو تمہارے ذمہ ہے اور یہ تفسیر مناسب بھی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس سے رات کا وظیفہ (عمل) رہ جائے یا کوئی اور نیک کام جو رات کو کیا کرتا ہے تو وہ اسے پڑھ لے (پورا کر لے) صلوٰۃ الفجر اور صلوٰۃ الظہر کے درمیان یعنی گویا اس نے اسے رات کو ہی پڑھا ہے ۔

مشائخ کی تلقین مشائخ (مرشدان کرام) اپنے صادق مریدین کو فرمایا کرتے ہیں کہ جب تمہارا کوئی ورد (وظیفہ) رہ جائے تو اس کی قضا پڑھ لیا کرو اگرچہ مہینہ کے بعد تاکہ نفس کو سستی کی عادت نہ ہو جائے ۔

فائدہ وِرد (وہ وظیفہ وعمل) جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہو یا آپ کی امت کے پسندیدہ و برگزیدہ لوگوں کے یعنی وہ اوراد و وظائف جو اولیأ کرام خواص بزرگوں سے منقول ہیں (جیسے دلائل الخیرات درود مستغاث۔ حزب البحر۔ قصیدہ غوثیہ وغیرہ وغیرہ)۔

فائدہ قوت القلوب میں ہے کہ جس سے کوئی وِرد (وظیفہ وعمل روزینہ) رہ جائے تو جب بھی اسے یاد آ جائے ادا کرے لیکن قضا کی نیت سے نہیں کیونکہ قضا تو فرائض کی ہوتی ہے اور یہ اوراد و وظائف فرائض نہیں مستحبات ہیں تو انکی قضا کیسی، ہاں یہ ارادہ ہو تو جو کمی رہ گئی اس کا تدارک ہو جائے (اگرچہ یہ حضرات اس کی ادائیگی کا نام اب بھی قضا رکھتے ہیں لیکن ان کی مراد بھی تدارک مافات ہوتی ہے نہ کہ فرائض کی طرح کی قضا یا نفس کو مشقت میں ڈالنے اور اس سے سستی ہٹانے کی نیت ہو تاکہ اس کی عادت عزائم پر عمل کرنے کی عادت ہو رخصت پر نہ ہو۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ اور اپنے رب کا نام یاد کرو۔ رات دن اپنے رب کی یاد میں زندگی گذارو جس طریقہ سے ہو تسبیح و تہلیل و تحمید و صلوٰۃ و تلاوت قرآن اور تدریس علوم بالخصوص صبح کی نماز کے بعد اور غروب شمس سے پہلے کیونکہ یہ دونوں اوقات فیض و فتح کے ہیں اور ہمیشہ ذکر و فکر میں رہنا مقربین کی عادات سے ہے دل یا زبان سے یا ارکان سے یا قیام میں بیٹھ کر یا کروٹ پر یعنی پروردگار کو اس کے اسمائے حسنیٰ سے یاد کر۔

اسمأ الحسنیٰ کے پڑھنے کی فضیلت

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو اسمأ الحسنیٰ کا وِرد کرے وہ بہشت میں داخل ہو گا۔

فائدہ ذکر اللہ سے مراد ذکر کے واسطہ سے اس کی فکر کرنا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاذْكُرْ رَبَّكَ إِذَا نَسِيتَ (اور اپنے رب کو یاد کرو جب بھول جاؤ) کیونکہ ذکر اور نسیان ہر دونوں قلب کی صفات سے ہیں جب مذکور کی تجلی پڑتی ہے تو ذکر و ذاکر ہر دونوں فنا ہو جاتے ہیں۔ جیسے میرے شیخ سیدی سندی روح اللہ روحہ شرح تفسیر الفاتحہ للقنوی قدس سرہ میں فرمایا کہ جو اسمائے مجازیہ میں کسی اسم کا وِرد کرے جتنا آسانی سے کر سکے لیکن اس پر مداومت کرے تو اسے اسی اسم کے سر (راز و رموز) اور اس کے روح کے درمیان میں بعنایت ربانی اتنا مناسبت پیدا ہو جائے گی جتنا وہ اس اسم سے مشغول ہو گا پھر جب وہ مناسبت ان کے مابین مضبوط اور مکمل ہو گی بسبب قوۃ و کمال اشتغال کے اسمأ حقیقیہ کے مدلول کے درمیان اور اس شخص کے درمیان اسی مناسبت سے حاصلہ کے واسطہ اور اس کی قوت کے مطابق قوت و کمال حاصل ہو گا جب یہ مناسبت ثانیہ کی جو اسے اور اسم حقیقی کا حاصل ہوئی جود حق اور اس کی عطأ سے کمال حاصل ہو جائے گا تو پھر اسے اس کے مسمّٰی یعنی حق تعالیٰ کے ساتھ اتنا مقدار پر مناسبت حاصل ہو گی جتنا اس نے مناسبت ثانیہ سے قوۃ و کمال حاصل کیا ہو گا کیونکہ بندے کے تقدس مناسبت کی وجہ اس کی دنس پر غلبہ حاصل ہوتا ہے اور عالم قدس کے لائق ہوتا ہے اتنا جتنا قدر اس کی دنس

کا ارتفاع ہوگا اس وقت حق تعالیٰ اس کے لئے جلوہ فرمائے گا اس اسم کے مرتبہ سے بندے کی قوۃ وکمال اوراسکی استعداد کی مقدار پر اور اس پر علوم و معارف و اسرار الٰہیہ وکونیہ کا جتنا چاہے گا فیض بخشے گا یا وجہ عام وسلسلۂ ترتیب مرایت، مراتب وحضرات وغیرہ جو وسائط واسباب وادوات ومواد معنویہ وصوریہ سے ہیں یا وجہ خاص سے بغیر وسائل واغیار کے یا دونوں سے اکٹھے کیونکہ یا وجہ وہی ہو سکتی ہے یا یہی اس کے سوا تو اور کوئی وجہ ہے نہیں سوائے ان دونوں کے یکجا جمع ہونے کے۔

فائدہ بعض نے کہا کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب تم قرآن مجید کی تلاوت کا ارادہ کرو تو تلاوت سے پہلے کہو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کا مقصد یہ ہے اپنے رب کے اسم کو یاد کر اور وہی (اسم) تو ہے یعنی اپنے نفس کو پہچان اور اُسے بھلا ورنہ تجھے اللہ تعالیٰ بھلا دیگا اور نفس کے کمال حاصل کرنے کی جدوجہد کر بعد اس کی حقیقت کی معرفت کے۔

تفسیر عالمانہ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا اور سب سے ٹوٹ کر اسی کے ہو رہو۔

حل لغات التبتل بمعنی الانقطاع اور بمعنیٰ دنیا سے دل توڑنا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ سب سے توڑ کر مکمل طور عبا و اخلاص نیت اور توجہ کلی سے اللہ کے ہو رہو جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا قُلِ اللّٰہ ثُمَّ ذَرْهُمْ اللہ کہہ پھر انہیں چھوڑ دو یعنی نفس کو ماسوای اللہ کے فکر سے خالی کر دو اور سب سے منہ پھیر لو۔

دل دردبند و از غیرش گسل

ہر چہ جز اوست بروں کن از دل

ترجمہ دل اس سے جوڑ اور اسے غیر سے توڑ دے اس کے سوا جو کچھ دل میں ہے اسے باہر کر دے۔

سوال یہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے خلاف ہے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا رھبانیۃ اور تبتل اسلام میں نہیں۔

جواب ہماری تقریر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی کے خلاف نہیں اس لئے حدیث شریف میں التبتل سے نکاح کا ترک مراد ہے اسی لئے حضرت بی بی مریم رضی اللہ عنہا پاکدامن کو البتول کہا جاتا کہ آپ (بی بی) نے مردوں سے نکاح نہیں کیا اور ان سے علیحدہ رہیں اور ہمارے نزدیک نکاح سے روگردانی ناجائز ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وانکحوا الایامی بے مردے عورتوں کا نکاح کرو۔ اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تناکحوا تکثروا فانی اباھی بکم الامم یوم القیمۃ نکاح کرو اور نسل بڑھاؤ کیونکہ قیامت میں تمہاری وجہ سے فخر کروں گا۔

سوال بی بی فاطمۃ الزہرا (رضی اللہ عنہا) کو بتول کیوں کہا جاتا ہے حالانکہ آپ (بی بی) نے تو نکاح کیا۔

جواب اس لیئے کہ بی بی فاطمۃ الزہراؑ کو اسرائیلی یعنی بی بی مریم سے مشابہت تھی کہ ماسوائے اللہ تعالیٰ سے فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتی تھیں نہ یہ کہ نکاح سے رو گردان تھیں۔ (معاذ اللہ)۔

فائدہ بعض نے کہا کہ تبل تبتیل کی جگہ پر مستعمل ہوا ہے اس لیئے تبتل بمعنی تبل نفسہ ہے یہ اپنے معنیٰ پر آیا ہے اور اس کے رعایۃ فواصل کا حق بھی ادا ہوا۔ اس لیئے کہ قرآن مجید کا حسن نظم و ترتیب جملہ کتب سے اعلیٰ اور بے نظیر واقع ہوا ہے بعض نے کہا کہ یہ انقطاع چونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی طرح نہیں کہ بالکلیہ خود کو ان عوائق سے فارغ کر لیں جو مراقبۂ الٰہی سے روکتے ہیں اور قطع علائق از ماسوی اللہ نہیں فرمایا اسی لیئے تبتّل کے بجائے تبتل کہا ہے اس تقریر پر یہ احتباک کے قبیل سے ہوگا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا واللہ انبتکم من الارض نباتاً اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین میں بنایا جو اس کا اصل تھا۔ انبتکم منہا فنبتم نباتا اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین سے اگایا پھر تم (انگوری کی طرح اُگ پڑے)۔ ایسے ہی یہاں اصل عبارت یوں تھی تبتل یبتلک عما سواہ تبتیلا تم غیروں سے منقطع ہو کر رہو وہ تمہیں ماسوائے مکمل طور پر منقطع کریگا)۔ اس لیئے تبتیل فضل الٰہی اور اس کی مدد کے سوا حاصل نہ ہو سکے گا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ (تعالیٰ) کو یاد کرو اپنی صفات و افعال کو فنا کر کے اور اس کی طرف توجہ کرو اپنی صفات کو فنا کر کے اور اس کی ذات میں بقا کر۔

فائدہ تبتل از دنیا سے مراد اگر صرف ظاہری ہو جیسے بعض لوگ ننگے سر اور ننگے پاؤں گذرتے اور فقر و فاقہ ظاہر کرتے رہتے ہیں جو لوگوں کے دکھاوے کے لیئے ہوتا ہے جو درحقیقت باطن میں دنیا کا حرص رکھتے ہیں اس ظاہری طریق سے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں یہ تبتل مذموم ہے اگر باطنی ہو فقط تو وہ ممدوح ہے جیسے بعض انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کہ باوجود دولتمندی کے خود کو دنیا کے قریب بھٹکنے نہ دیا اس لیئے کہ انہیں حب دنیا بالکل نہ تھی اگر انہوں نے بظاہر دنیوی ٹھاٹھ ظاہری رکھا تو وہ بھی بارادۂ الٰہی تھا کیونکہ ان کے ارادے اللہ (تعالیٰ) کے ارادہ کے تابع تھے اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ تھا کہ وہ انہیں بادشاہی بخشے اور بڑی (دنیوی) دولت دے جیسے سلیمان و یوسف و داؤد و سکندر وغیرہم علی نبینا وعلیہم السلام اور بعض انبیاء و اولیاءؑ ظاہری و باطنی ہر طرح سے فقر و فقیری رکھتے تھے جیسے اکثر انبیاء (علیہم السلام)

فائدہ کبھی تبتل از مخلوق ہوتا وہ بھی صرف بظاہر جیسے بعض عبادت گذاروں کا حال تھا کہ وہ پہاڑوں کی چوٹیوں اور غاروں کے اندر زندگیاں گذارتے تھے۔ وہ صرف لوگوں کے دل کھینچنے اور تحائف ہدایا

جوڑنے کے لئے اور صرف باطنًا جیسے اہل ارشاد کرتے تھے یعنی بعض انبیاء و اولیاء (علیٰ نبینا وعلیہم السلام) کیونکہ ظاہرًا دالخلق کے لئے مخلوق سے مخالطت (رَل مِل گذارنا) ضروری ہوتا ہے۔ باطنًا و ظاہرًا ہر دونوں طرح جیسے بعض وہ اولیائے کرام جنہوں نے خلوت کو اختیار فرمایا اور ویران جگہوں پر ڈیرے جمائے جہاں لوگوں کا آنا جانا نہ ہو یا بالکل کم ہو۔

نسخہ روحانی بعض بزرگوں نے فرمایا کہ سلوک الی اللہ ہوتا ہی تبتّل (علیحدگی اختیار کرنا) ہے مطلب یہی ہے کہ خواہشات نفسانی کا خلاف کر کے غیر اللہ سے روگردانی کرنا اور دائمی ذکر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف مکمل متوجہ ہونا یہ سفر حرکت معنوی سے طے ہوتا ہے جو ایک مسافر دوسرے مسافر کی طرف جانا چاہیے تو یہ سفر یوں ہی طے کیا جاتا ہے اگر اللہ تعالیٰ بندے کو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے اور طالب وطالب ومطلوب کی مثال اس صورت کی ہے جو آئینہ میں ہے لیکن گرد آلود آئینہ میں صورت نظر نہیں آتی اس لئے کہ آئینہ زنگ آلود ہے جب آئینہ کی زنگ ہٹالی جائے گی تو صورت صاف نظر آئے گی لیکن نہ بایں معنی کہ وہ صورت آئینہ میں کوچ کر آئی ہے جو آئینہ اس کی طرف گیا ہے بلکہ اس حجاب کو دور کرنے سے جو آئینہ پر تھا اس سے معلوم ہوا کہ حجاب خود بندے میں ہے ورنہ اللہ تعالیٰ تو اہل بصیرت کے لئے ہر وقت اپنے نور سے جلوہ گر ہے اگرچہ موقعہ و محل اور تجلی تجلی میں فرق ہے۔

فضیلت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عام لوگ کو عام تجلی سے نوازتا ہے لیکن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خاص تجلی سے نوازتا ہے۔

فائدہ تجلی عام یہ ہے کہ صورۃ واحدہ ایک ہی حالت میں تمام آئینوں میں نظر آئے اور تجلی خاص یہ ہے کہ ایک ہی آئینہ میں ایک ہی صورۃ جلوہ گر ہو اسی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فر لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ میرا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک مخصوص وقت ہے، مخفی نہ ہو کہ وہ ایسا وقت مخصوص ہے کہ وقت اس تجلی میں اسے سوائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کسی کو کوئی دخل نہیں۔

سوال فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ یہاں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذکر الٰہی میں مستغرق الاوقات اور دائم الانقطاع الی اللہ ہوں جیسے دونوں آیتیں دلالت کرتی ہیں تو پھر دن میں کیسے بہت سے کام سرانجام دینے کا موقعہ ملتا ہوگا جیسے اللہ تعالیٰ نے خطاب فرمایا اِنَّ لَکَ فِی النَّھَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا ۔ بے شک آپ کو دن میں بہت سے کام ہیں۔

جواب ① ذکر دائمی وانقطاع کُلّی کا حکم ترقی الی العزیمۃ کے باب سے ہے جیسے کامل ترین کی شا کا تقاضا ہے۔

جواب ② دن کو ذکر و تسبیح کی مشغولی از قبیل وجوب نہیں بلکہ آپ کو مکمل اختیار ہے کہ آپ کاروبار کریں یا توکل کرکے تمام اوقات ذکر الٰہی میں معروف رہیں۔

جواب ③ آپ کو دن ہو یا رات کاروبار کا ظاہری شغل ذکر الٰہی کے مراقبہ سے مانع نہیں جیسا کہ اللہ (تعالیٰ) نے فرمایا رجال لاتلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ۔ ایسے مردانِ خدا بھی ہیں جنہیں تجارت اور بیع ذکر الٰہی سے غافل نہیں کرتی۔ اور فرمایا الذین ھم علی صلوتھم دائمون وہ جو اپنی نمازوں پر مداومت کرتے ہیں۔

جواب ④ یہ احکام بحسب اختلاف الاحوال والاشخاص ہیں بعض وہ ہیں جو کاروبار میں مشغول ہوتے ہیں بعض وہ ہیں جو ذکر الٰہی میں مستغرق رہتے ہیں واللہ اعلم بالمرام (مقاصد کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے)۔

تفسیر عالمانہ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وہ مشرق و مغرب کا رب ہے۔ مرفوع علی المدح ہے یعنی وہ ان دونوں کا رب اور ان کا خالق و مالک ہے اور ان کا جو ان کے مابین ہے اور ہر شے کا رکشف الاسرار میں ہے کہ سرما و گرما کی مشارق و مغارب کی جنس مراد ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، جملہ مقررہ ہے ماسوا اللہ کی نفی الوہیت سے اس کی ربوبیت کا بیان ہے یعنی کوئی معبود عبادت کے لائق نہیں سوائے اس کے۔ فَاتَّخِذْهُ (اسی کو بناؤ) اپنے تمام امور اور ضرورتوں کے لئے یہ فا امر کی ترتیب کے لئے اور اس کا موجب الوہیت و ربوبیت ہے اور اللہ تعالیٰ سے خاص ہے۔ وَكِيْلًا (کارساز) جملہ امور کی اصلاح و اتمام اسی کے لئے اسی کو کارساز بناؤ اور جملہ امور اسی کو سپرد کرو

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ مشرق ذات مطلقہ از حجابات تعینات الاسماء والصفات کا اور مغرب صفات و اسما کا رب ہے اور یہ مغرب اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ حجب صفات کے پردوں سے مستتر ہے اور حجب صفات یہی حجب الذات ہیں اور وہی جمیع الموجودات میں متعین ہے تو اس کے سوا کوئی معبود موجود نہیں پھر اسی کو کارساز بناؤ یعنی نفس کو خودی سے مجرد کیجئے اور اپنے وجود مجازی سے بھی اور اپنے وجود مجازی کے بجائے وجود حقیقی بنایئے اور اپنی جانب چلئے۔

حکایت ایک مرید نے اپنے شیخ (مرشد) سے کہا کہ میں تجرید پر حج ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں شیخ (مرشد) نے فرمایا اپنے نفس سے مجرد ہو کر جا جہاں تیرا دل چاہے۔

فائدہ حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے احوال کا متولی خود ہے وہ ان میں جس طرح چاہے تصرف کرے اور جب وہ اپنے کسی بندے کے احوال کی احسن طریق سے کفالت فرماتا ہے تو اسے ہر شغل کی کفایت کرتا ہے اور اسے تمام اختیار سے مستغنی فرما دیتا ہے پھر ایسے بندے کو کثرت علاج

ہوتی ہی نہیں کیونکہ جب اسے معلوم ہے کہ اس کا مالک و مولیٰ ہی کافی ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ توحید کی علامت ہے کہ توکل کی بساط پر عیال کی کثرت ہو یعنی اس کا بظاہر کاروبار کوئی نہیں صرف توکل علی اللہ ہے اور ادھر عیالدار بھی ہے لیکن اسے فکر بھی نہ ہو وہ بندہ توحید میں کامل اکمل ہے۔

حکایت حضرت حمشاد دینوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں مقروض ہو گیا اس کی وجہ سے ایک رات کو مجھے فکر ہوئی یہ تک پریشانی سے نیند نہ آئی تھوڑی آنکھ لگ گئی تو خواب میں میں نے دیکھا کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے تو نے خدا تعالیٰ سے اپنا عہد نبھایا فلہٰذا اب قرض کی ادائیگی ہمارے ذمۂ کرم ہے اس پر جاگ ہو گئی پھر ادائیگی قرض کا سبب بھی بن گیا اور اس کے بعد مجھے کبھی قصاب اور سبزی والے سے حساب و کتاب کی ضرورت نہ ہوئی۔

فائدہ حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس نے مخلوق کو کفیل کار بنایا تو وہ اس سے اس کا اجر مانگے اور کبھی اس کے مال میں خیانت بھی ہو جائے گی کبھی تصرف میں کمی بیشی بھی ہو سکتی ہے کبھی بہتر سے کتر اور درست و غلط بھی ہو جائے گا تو وہ کفیل راس نہ آئے گا لیکن جس نے راضی ہو کر عقیدہ جمالیا کہ اس کا کفیل اللہ (تعالیٰ) ہے تو وہ کریم اسے بہت بڑا اجر دے گا اور اس کے مقاصد بھی مکمل طور پر پورے کرے گا اور اس پر ایسا لطف و کرم ہو گا کہ اس کے جملہ امور و احوال اور اس کے آمال (مقاصد و ضروریات) ہر آرزو تک اس کے موافق بنائے گا یعنی اس کے جملہ امور خود بخود مکمل ہو جائیں گے۔

فائدہ جس نے اللہ (تعالیٰ) کو اپنا وکیل مانا اس پر ضروری ہے کہ اس کے حقوق و فرائض اور وہ جملہ امور جو اس پر لازم ہیں مکمل طور ادا کرے اور اس کے لئے ہر وقت اپنے نفس سے جھگڑے اس معاملہ میں کسی قسم کی سستی اور غفلت نہ برتے۔

وظیفہ فراخیٔ رزق حضرت زروقی رحمۃ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسم وکیل کا خاصہ ہے حوائج و مصائب کی نفی کرنا جو آندھی۔ کڑک و ڈراؤنی چیزوں سے ڈرتا ہے تو اسم "وکیل" کے ورد کی کثرت کرے اس اسم کی برکت سے دکھ ٹل جائیں گے اور اس پر خیر و بھلائی اور رزق کے دروازے کھل جائیں گے۔ تفصیل آئیگی۔

وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ (اور کافروں کی باتوں پر صبر فرماؤ) یعنی قریش مکہ کی باتوں پر کہ ان میں کوئی خیر و بھلائی نہیں یعنی وہ خرافات و بکواسات جو اللہ تعالیٰ کے بارے ہیں کہ وہ اس کا شریک ٹھہراتے اور اس کے لئے جورو اور اولاد بتاتے ہیں اور آپ کے حق میں کہ وہ آپ کو ساحر اور شاعر و مجنوں کہتے ہیں اور قرآن کے بارے میں کہ وہ اس کے مضامین کو افسانے اور قصے کہانیاں سمجھتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا۔ اور انہیں مکمل طور اچھی طرح چھوڑ دو۔ یہ صبر کے امر کی تاکید ہے یعنی اچھی طرح چھوڑ دو کہ اپنے دل اور تصور و خیال

سے ان کے خیالات ہٹا دو اور نہ ہی ان کی خاطر مدارات اور نہ ہی ان کے کاروبار میں کفایت کرو بلکہ ان کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دو جیسا کہ آنے والا مضمون بتاتا ہے ۔

حل لغات امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ الہجر والہجران معنی کسی انسان وغیرہ کو بدن یا زبان یا قلب سے جدا کرنا اور وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا میں ہر تینوں معانی محتمل ہیں اور داعی اس طرف ہے کہ ان سے جہاں تک دور رہنے کی سوچ ہو سکتی ہے وہی بہتر ہے یعنی ان سے دوری اور جدائی میں بھلائی ہے ۔

فائدہ اہل حکمت نے فرمایا کہ اعدا پر حسن مدارات کا ہتھیار تیار رکھو یعنی ظاہرًا معاملات میں صلح سلوک سے کام لو اور فرصت کو نگاہ میں رکھو تاکہ بوقت فرصت انہیں قابو میں لا سکو ۔

آسائش دو گیتی دو حرف است

با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

ترجمہ : دونوں جہاں کی آسائش صرف دو حرفوں میں ہے وہ یہ کہ دوستوں سے لطف و کرم اور دشمن کے ساتھ حسن سلوک ۔

وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ (اور مجھ پر چھوڑ دو ان جھٹلانے والوں کو) یعنی انہیں اور ان کا ہر معاملہ میرے سپرد کر دیجئے میں ہی انہیں کافی ہوں ۔ ن والقلم میں اس کی تفصیل گذری ہے بعض نے المکذبین کو منصوب واو بمعنی مع کے پڑھا ہے ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ مجھے مکذبین کے ساتھ چھوڑ دو اور بعض نے واو عاطفہ بتائی ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ مجھے میرے کام پر چھوڑ دو میں اسی طرح کروں گا جیسے حکمت کا تقاضا ہو گا اور مکذبین کو ان کے حال پر چھوڑ دو جو تمہارے اور قرآن کے ساتھ کر رہے ہیں یہ صناعت نحو کے مطابق ہے لیکن پہلا معنیٰ زیادہ موزوں ہے اس لئے کہ نصب معیت کی دلالت پر بمنزلہ نص کے ہے جب فعل لازم ہو اور یہاں تو فعل متعدی ہے ۔

أُولِي النَّعْمَةِ نعمت والوں (دولتمندوں) کو ۔ ارباب تنعم یعنی صاحبان ناز و تن آسان ۔ ان سے قریش کے بڑے مراد ہیں کیونکہ وہ صاحبان دولت و تنعم تھے بالخصوص بنو مغیرہ ۔

حل لغات نعمت (بالفتح) التحول بمعنی تنعم اور بالکسر انعام اور وہ شے جو کسی انعام کے طور دی جائے اور بالضم بمعنی سرور تنعم بمعنی نرم شے استعمال کرنا جس میں نرمی ہو نفاست ہو ماکولات و مشروبات و ملبوسات میں ۔ تاج المصادر میں ہے بناز و نعمت سے زندگی بسر کرنا ۔

تفسیر صوفیانہ اسمیں اشارہ ہے کہ نفس نعمت و رزق مذموم نہیں بلکہ اسے ناز و نزاکت اور نفس پروری کے طور استعمال کرنا مذموم ہے ۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا والی بنا کر بھیجا تو فرمایا اے معاذ مال تنعم (نفس پروری کے لئے نعمتوں کے استعمال) سے بچنا ۔ اس لئے

کہ بندگانِ خدا متنعم نہیں ہوتے ۔

فائدہ اس میں فقراء کو تسلی ہے کہ وہ بہشت میں اغنیاء سے پانچ سو سال پہلے داخل ہوں گے ۔

تفسیر عالمانہ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيلًا ۔ انہیں تھوڑی سی مہلت دو۔ مہلت دینا اور بالکل معمولی یعنی انہیں قلیل میعا
تک مہلت دیجیئے ان کی سزا کے لئے جلدی نہ کیجیے کیونکہ اللہ تعالیٰ عنقریب انہیں عذاب کر
یعنی آخرت میں کیونکہ دنیا کی عمر نہایت تھوڑی ہے اور ہر آنے والا وقت نہایت قریب ہے اس معنیٰ پر آنے والا
مضمون دلالت کرتا ہے جبیں آخرت کے عذاب کا بیان ہے ۔

فائدہ علامہ طبری نے کہا کہ اس کے اور واقعہ بدر کے درمیان نہایت تھوڑا وقفہ ہے اسی لئے بعض نے کہا
کہ یہ آیت مدنیہ ہے ۔

اِنَّ لَدَيْنَا بے شک ہمارے پاس آخرت میں ۔ اور اس میں جو ہم نے بے فرمانوں کے لئے تیار کر رکھا
ہے عذاب کے آلات واسباب سے یہ تفسیر اس سے بہتر ہے جو بعض نے فرمایا کہ لدینا بمعنی فی علمنا ہمارے
علم اور ہماری تقدیر میں کیونکہ یہ عاصیوں کے لئے تہدید کا مقام ہے اور آلات عذاب کا بالفعل موجود ہونا
زیادہ مؤثر ہے اس سے کہا جائے کہ وہ آلات عاصیوں کے اعمال کی صورتیں قبیحہ ہیں اور اسمیں شک نہیں کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاصرین نے وان اعمال سیئہ کا ارتکاب کیا جبکی آخرت میں مثالی صورتیں ان کے لئے عذاب
کی صورت پیش آئیں گی ۔

اَنْكَالًا بھاری بیڑیاں ۔ جس سے مجرموں کے پاؤں باندھے جاتے ہیں تاکہ اہانت اور عذاب ہونے کا اس
کے بھاگ جانے کے خوف سے ۔

حل لغات نکل بالکسر کی جمع ہے لوہے کی بھاری بیڑی اور یہ امر کی تعلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کہاں تعذیب
بندگاں کے اسباب ان گنت ہیں اور وہ انہیں عذاب دینے کی قدرت بھی رکھتا ہے ۔
اور ان سے انتقام لے بھی سکتا ہے لیکن وہ دنیا میں عیش اڑالیں اور انہیں اس کی پرواہ تک نہیں کہ آخرت
میں اللہ تعالیٰ عزیز حکیم ہے وہ ایسے عیش وعشرت کے بدلہ لینے میں اس کے ہاں بہت سے عذاب دینے
کے اسباب موجود ہیں ۔ (آئیں گے تو انہیں پتہ چلے گا، اور اللہ تعالیٰ غالب کے ہاں آخرت میں وہ امور سخت بھ
وہ ان سے بدلہ لے گا ۔ وَجَحِيمًا اور بہت بڑی آگ یہ وہ جو دوسری بڑی آگوں سے سخت اور بڑی ہے
کشاف میں ہے کہ جحیم وہ نار سخت جو گرمی اور جلانے میں سخت ہے ۔

وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ اور گلے میں پھنسنا کھانا وہ طعام جو گلے میں پھنس جائے اور ہڈی وغیرہ کے
سے نیچے نہ اترے اور نہ ہضم ہو سکے یعنی نہ ہضم ہونے والا جو حلق کو پکڑ کر نہ نیچے جانے کا نہ نیچے اترنے کا جیسے

ضریع (آگ کا کانٹا) اور زقوم (تھوہر کا درخت) یہ دونوں کے انگوروں اور درختوں سے زہر قاتل اس حیوان کے لئے جو انہیں کھائے اس سے کراہت ہے تمام لوگوں کو۔ اس سے جہنم کے ضریع اور زقوم کا اندازہ لگایئے کہ وہ کیسے ہوں گے اور یہ ہنی اور مری (رچتا پچتا اور زود ہضم اور خوشگوار طعام) کے بالمقابل ہے اور ہنی و مری دونوں طعام اہل جنت کو ملیں گے اور مجرم (کفار) ان طعام سے اس لئے مبتلا ہوں گے کہ وہ دنیا کی نعمتیں اڑائیں لیکن ان کی ناشکری کی۔

وَعَذَابًا اَلِيْمًا اور دردناک عذاب۔ یہ عذاب کی دیگر قسم ہے کہ اس کی کنہ کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا جیسے اس پر تنکیر دلالت کرتی ہے اور یہ سب ان کے لئے تیار اور ان کے انتظار میں ہے اس معنیٰ پر اس سے ان کا ہر قسم کا عذاب مراد ہے۔

نزول آیۃ ہذا بر سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال مبارک

تفسیر میں ہے کہ جب یہ آیت اتری تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بے ہوش ہو کر گرے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ دن کو روزہ سے رہے شام کو افطار کا طعام لایا گیا آپ کے سامنے یہی آیت پڑھی گئی تو آپ نے فرمایا طعام اٹھا لو۔ دوسری شب کو اسی طرح طعام سامنے رکھا گیا اور آیت ہذا کسی نے پھر پڑھ دی تو فرمایا طعام اٹھا لو۔ ایسے ہی تیسری شب کو اسی طرح طعام سامنے رکھا گیا اور کسی نے یہ آیت پڑھ دی تو فرمایا طعام لے جاؤ۔ حضرت ثابت بنانی اور یزید جبنی اور یحییٰ رضی اللہ عنہم کو آپ کا یہ حال اور رونے کی کیفیت سنائی گئی انہوں نے آ کر آپ کو کھانا کھانے پر مجبور کیا تو ستو کے چند لقمے تناول فرمائے۔

تفسیر صوفیانہ

آخرت میں روحانی عذاب تین قسم ہوگا

① چاہت کی اشیاء کی جدائی کی جلن

② رسوا کرنے والی خجالت کی رسوائی

③ محبوبوں کے فوت ہونے کی حسرت

اس کے بعد جسمانی آگ میں جلنے کی نوبت پہنچے گی اس سے رسوائی و ذلت اور خجالت اور حیا کا تحیر اور سب سے بڑی رسوائی ہوگی جب مجرم کے عیوب کھل کر اس کے سامنے آئیں گے۔

تفسیر عالمانہ

يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ جس دن تھرتھرائیں گے زمین اور پہاڑ یہ اس استقرار کی ظرف ہے جو لدینا کا متعلق ہے۔

حل لغات

الرجفہ بمعنی شدید زلزلہ و زعزعہ (سخت ہلنا) یعنی زمین و پہاڑ اللہ کی ہیبت و جلال سے تھرتھرائیں گے تاکہ علامت ہو کہ قیامت آگئی اور معلوم ہو کہ اب اللہ کا حکم جاری ہونے والا ہے اور

بے فرمانوں کافروں کی گرفت کا وقت آگیا ہے ۔

سوال پہاڑ تو زمین کا حصہ ہیں جب الارض کا ذکر ہوا تو الجبال کو علیحدہ کرنے کی کیا ضرورت ہے ؟

جواب چونکہ وہ بہت بڑے اجسام اور زمین کی میخیں ہیں جب وہ تھرتھرائیں گے تو زمین کو کب قرار رہ سکتا ہے علاوہ ازیں اونچی چیزوں کا تھرتھرانا نیچی چیزوں کے تھرتھرانے سے زیادہ ظاہر ہوتی ہیں انہی کے تھرتھرانے سے جان لبوں پر آجائے گی ان کے گرنے کے خوف سے ۔

وَكَانَتِ الْجِبَالُ اور سخت تھرتھرانے سے باوجودیکہ وہ سخت اور اونچے ہیں ہو جائیں گے پہاڑ كَثِيْبًا ریت کا ٹیلہ ۔

حل لغات کثیب ریت کا ٹیلہ (قاموس) از کتب الشئ ۔ جمعہ ۔ اسے جمع کیا گویا وہ دراصل فعیل بمعنی مفعول ہے پھر بوجہ غلبہ جمع شدہ ریت پر اس کا استعمال ہوا یعنی ریت کا ٹیلا ۔

مَّهِيْلًا (بہتا ہوا) یعنی وہ پہاڑ ریت کے ٹیلے کی طرح ہو جائیں گے ۔

حل لغات ہیل ہیلاً سے ہے بمعنی اس حیثیت سے انہیں نیچے سے ہلایا جائے تو اوپر سے بہنے لگیں گے دھنی ہوئی اون کی طرح ریزہ ریزہ ہو جانے کی وجہ سے ایسی ریت کہ جس پر پاؤں نہ جم سکیں اس اعتبار سے اس کے اجزاء جدا جدا ہو کر بہیں گے یہ مجتمع ریت کے ٹیلے ہونے کے منافی نہیں کیونکہ وہ اپنی صورت کے لحاظ سے ریت کی طرح ہوں گے اور پھر تھرتھراتے وقت ذرہ ذرہ ہو کر پانی کی طرح بہتے ہوئے نظر آئیں گے ، خلاصہ یہ کہ اس دن ہیبت سے سخت پہاڑ ریت کے ٹیلے بنکر تھرتھرائیں گے ۔

حل لغات مہیل از ھال یہیل دراصل مہیولاً تھا ۔ مبیع از مارع کی طرح نہ فعیل از ہیل یہل ۔

سوال صرف جبال کو ریت کے ٹیلہ سے تشبیہ کیوں ؟

جواب یہ انہی سے خاص ہے کیونکہ زمین اپنی جگہ ٹھہری ہوئی ہوگی تھرتھرانے کے بعد چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمایا ویسئلونک عن الجبال فقل ینسفھا ربی نسفا فیذرھا قاعا صفصفا لا تری فیہا عوجا ولا امتا (اور تم سے پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں تم فرماؤ انہیں میرا رب ریزہ ریزہ کرکے اڑا دے گا تو اس کو پٹ پر سوار کر چھوڑے گا) ۔

خلاصہ یہ کہ زمین اور پہاڑ ایک دوسرے سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائیں گے جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ یہ فرمایا وحملت الارض والجبال فدکتا دکۃ واحدہ زمین اور پہاڑ اٹھائے جائیں گے پھر ٹکرا کر پاش پاش ہو جائیں گے ۔ پھر پہاڑ بہتے ہوئے ریت کے ٹیلوں کی طرح ہو جائیں گے پھر انہیں ہوا اڑائیگی تو وہ اڑتی ہوئی غبار کی طرح نظر آئیں گے پھر زمین اپنی پہلی حالت پر آجائے گی زمین تانبے کی ہوجائیگی

جیسے تفصیل گذری ہے (پ ۲۹ رکوع آخری) ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس دن بشریت کی زمین اور انانیت کے پہاڑ تھر تھرائیں گے اور تمام انانیت کے پہاڑ ریت کے ٹیلے کی طرح ہو کر اڑتی غبار کی طرح ہو جائیں گے تعینات اعتباریہ موہومہ کو ریت سے تشبیہ اس کے سرعۃ زوال اور تتر بتر ہو جانے کی وجہ سے ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ بے شک ہم نے تمہاری طرف اے اہل مکہ (ربط) احوال آخرت سے ڈرانے کے بعد کتاب احوال دنیا سے ڈرانے میں شروع ہو رہے ہیں رَسُوْلًا (رسول) حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ آپ کا انکی طرف رسول بنکر تشریف لانا دوسروں کی طرف رسول ہونے کے منافی نہیں اس لئے کہ مکہ معظمہ ام القریٰ ہے تو جو اس کی طرف رسول بن کر تشریف لائے ہیں تو گویا تمام اہل دنیا کے رسول ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس بارہ میں نص فرمائی ہے وما ارسلنٰک الا کافۃ للناس اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کا رسول بنا کر بھیجا ہے تاکہ اہل وہم کے اوہام دفع ہو جائیں۔ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ کہ تم پر حاضر و ناظر ہیں۔ تم پر قیامت میں گواہی دیں گے اس کی جو تمہارے سے دنیا میں کفر و عصیاں صادر ہوا اسی طرح وہ تمہارے غیروں پر بھی گواہی دیں گے جیسے دوسری جگہ پہ فرمایا وجئنا بک علی ھٰؤلاء شہیدًا اور تمہیں ہم لائیں گے ان سب پر گواہ۔

كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ۝ جیسے ہم نے فرعونوں کی طرف رسول بھیجے۔ موسیٰ علیہ السلام اس لئے کہ ہارون علیہ السلام تو آپ کے معاون تھے اور تابع ہارون علیہ السلام کا عدم ذکر بوجہ عدم تشبیہ کے ہے۔ اور فرعون کی تخصیص اس لئے کہ یہ دنیا کے عیش اڑانے والوں کا سردار تھا بلکہ تجبر و سرکشی میں بے مثال۔ اس کے اور قریش کے درمیان یہی قدر مشترک اور حال کی مشابہت اور عادات میں گہری مناسبت۔ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ (تو فرعون نے رسول کا حکم نہ مانا یعنی حکم نہ مانا) اس فرعون نے جس کا تکبر اور دنیوی عیش کا حال معلوم ہے اس رسول کی جو اس کی طرف بھیجے گئے (یعنی موسیٰ علیہ السلام) اور کاف محلاً منصوب ہے اس لئے کہ مصدر محذوف کی صفت ہے۔ دراصل اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ فَعَصَيْتُمُوْهُ بے شک ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا تو تم نے اس کی نافرمانی کی۔ جیسے اس معنی کی خبر دیتا ہے۔ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ ارسالا کائنا کما ارسلنا الی فرعون رسولا فعصاہ یعنی فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا انکار کیا اور ان پر ایمان نہ لایا

نکتہ فرعون و رسول کو مظہر کر کے اعادہ میں انتباہ ہے کہ فرعون بہت زیادہ نافرمان تھا اور وہ اس لئے کہ وہ رسالت کی بے فرمانی تھی نہ بایں حیثیت کہ وہ صرف موسیٰ (علیہ السلام) کے نافرمان تھے اور فرعون کی جماعت کے ترک میں بھی یہی نکتہ ہے کہ اس کا ہر فرد گویا فرعون تھا۔

فَاَخَذْنٰهُ تو اس کی نافرمانی کی وجہ سے ہم نے اسے پکڑا۔ اَخْذًا وَّبِيْلًا سخت گرفت کہ جس کی عام طاقت کسی کو نہیں یعنی فرعون کو ہم نے پانی میں غرق کر کے آگ میں دھکیلا۔

حل لغات الوبیل بمعنی ثقیل وغلیظ۔ اسی لئے الوابل بمعنی بڑی بارش (موسلا دھار) اور یہ کلام تشبیہ سے خارج ہے اسے اس لئے لایا گیا کہ ان کفار مکہ کو وہی عذاب گھیرے گا جو انہیں گھ

فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ تو پھر کیسے بچو گے۔ ابن الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ارسال پھر عصیان پر مرتب ظاہر یہ ہے کہ کما ارسلنا سے مقدم ہو لیکن اسے مؤخر کرنے میں زیادہ تہویل (ہولناکی) کا اظہار ہے یہ فَاَخَذْ سے معلوم ہوا یعنی یہ بھی ان کی طرح ماخوذ ہوں گے بلکہ ان سے بھی سخت تر پھر جب اس کے بعد کہا گیا فکیف تتق تو وہ اس تہویل میں زیادتی کا فائدہ پیدا ہو گیا گویا انہیں یوں کہا گیا ہے دنیا میں بے شک عیش اڑا لو لیکن یہ بھو تم فرعون کی طرح دنیا میں سخت گرفت سے نہیں پکڑے جاؤ گے تو پھر کیسے خود کو بچا سکو گے اگر وہ بچ گیا یعنی نہ بچ سکا نہ تم بچ سکو گے۔

حل لغات تَتَّقُوْنَ از بمعنی وَقیٰ ہے جو دو مفعولوں سے متعدی ہوتا ہے اس پر امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قو دلالت کرتا ہے جو انہوں نے بیان کیا جیسا کہ لغت میں ہے کہ اتقاء بمعنی ڈرنا اور خود کو بچانا ا افتعل فعل کے معنی میں آتا ہے جیسے زمخشری نے المفصل (کتاب نحو) میں نقل کی ہے اگرچہ امثلۂ عرب اس کی موافق نہیں کرتیں اور نہ ہی وَقیٰ واتقیٰ جذب واجتذب وخلف واختلف کی طرح نہیں (تامل کر)۔

اِنْ كَفَرْتُمْ اگر کفر کرو۔ یعنی کفر پر باقی رہو يَوْمًا اس دن (کے عذاب سے) یہ مفعول ہے تتقو کا اور جائز ہے کہ ظرف ہو یعنی پھر تمہارے لئے کیسے ہو گا قیامت میں ایمان و توحید اگر تم نے دنیا میں کفر کیا تو ایمان کا تمہیں کوئی چارہ نہ ہو گا کیونکہ اس کا وقت نکل گیا۔ اس معنی پر بھی اتقیٰ اپنے حال پر رہا۔ ایسے ہی یوما کفرتم کے سے منصوب ہو بمعنی جحدتم اب معنیٰ ہو گا پھر کیسے ڈرو گے اللہ تعالیٰ اور اس کے عذاب سے جب تم نے دنیا میں اللہ تعالیٰ اور آخرت کی جزا کا انکار کیا۔ يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ (جو بچوں کو کرے گا) اس دن کی شدت ہو اور اس کے اندر عذاب کے سخت مناظر سے یہ یوما کی صفت ہے اور جعل کا اسناد یوم کی طرف اس کی شدت میں مبالغہ کی وجہ سے ہے ورنہ یوم میں کسی قسم کی تاثیر نہیں۔

حل لغات ولدان نوزائیدہ بچے ولید کی جمع ہے۔ نوزائیدہ بچے کو کہا جاتا ہے اگرچہ اس کا اطلاق عام ہے کہ کی نوزائیدگی کا عہد قریب ہو یا اس کے بعد۔ شِيْبًا بوڑھا یعنی نوزائیدہ بچوں کو بوڑھا بنانے کا ان کے بال سفید کرے گا۔

ل لغات شِيْبًا اَشْيَبْ کی جمع ہے شَیب بمعنیٰ بالوں کی سفیدی اس کا اصل یہ ہے کہ وہ بضم الشین حُمْرٌ جمع احمر کی طرح لیکن ضمہ واؤ کا مقتضیٰ ہے لیکن یا کے بچاؤ کے لئے اسے مکسر کیا گیا تاکہ فرق ہو درمیان سُود ں جیسے اسمائیں۔

ے بوڑھے کیسے قیامت میں بچے بوڑھے کیسے ہوں گے اس کے چند وجوہ ہیں۔
① حقیقت پر محمول ہے جیسے اہل تفسیر کا مذہب ہے اس کی تائید کرتی ہے وہ حکایت ف میں ہے۔

کایت زمخشری کہتا ہے کہ بعض کتب میں میری نظر سے گذرا کہ ایک شخص کے شام کو کالے سیاہ بال تھے صبح کو اٹھا تو سر اور داڑھی کے بال سفید تھے (ثغامہ (بفتح الثاء المثلثہ و بالغین المعجمہ) گھاس سفید) کہتا ہے جھے خواب میں قیامت کا منظر دکھایا گیا میں نے دوزخ و بہشت دیکھی اور بعض لوگوں کو دیکھا کہ انہیں زنجیروں سے ڑکر دوزخ کی طرف لئے جارہے ہیں ان کے ہولناک منظر کو دیکھا تو میرا یہی حال ہو گیا جیسے تم دیکھ رہے ہو۔

کایت حضرت احمد دورقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک نوجوان ہمارا ہمسایہ فوت ہو گیا میں نے اس کو خواب میں بوڑھا دیکھا میں نے پوچھا یہ کیا کہا کہ ہمارے قبرستان میں بشرہ مُریسی (معتزلی) مدفون ہوا اس کو کر جہنم کی آگ نے جوش کیا تو قبرستان میں جتنے لوگ تھے سب کے بال سفید ہو گئے۔ (فصل الخطاب)

ندہ مُریسی مریس مصر میں ایک بستی ہے اس شخص نے فقہ تو حاصل کی امام ابو یوسف قاضی (تلمیذ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہما) لیکن بعد علم کلام میں لگ کر خلق القرآن کے مسئلہ میں بری طرح پھنسا نہ صرف خود بلکہ بعد میں بے شمار گان خدا کو گمراہ کیا؎

وال درد اور ضرر بچوں کے لئے قیامت تو ناجائز ہے بلکہ وہ تو غیر مکلف اور دنیا میں گناہوں سے محفوظ و معصوم تھے بلکہ ہر خطرۂ گناہ سے پاک تھے؟

یہ تو حال اس گمراہ کا ہے جو صرف قرآن کے مخلوق ہونے کا عقیدہ رکھتا تھا اس سے ان گمراہوں کا اندازہ لگانا ن ہوگا جو رسول اکرم امام الانبیاء حبیب کبریا شہ ہر دو سرا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی آل (اہلبیت کرام) اور بہ عظام اور آپ کی امت کے اولیاء علمائے اہلسنت کے بے ادب اور گستاخ ہیں۔ اس کی تفصیل اور اس جیسے گستاخوں انجام برباد لوگوں حالات کے لئے فقیر کی درج ذیل تصانیف کا مطالعہ کیجئے:

) گستاخوں کا برا انجام۔ ② جزاء الاعمال بمسخ الاشکال۔ ③ بے ادب بے نصیب۔

عفی مریسی بدقسمت کی مناسبت سے چند واقعات ملاحظہ ہوں۔

(آ، اگلا صفحہ پر)

جواب ① یہ ہیبت مقام کی وجہ سے ہوگا یہاں تک کہ اس وقت انبیاء علیہم السلام معصوم ہونے کے باوجود گھٹنے بل ہو جائیں گے تو پھر باقی کون ہیں اولیاء کرام ہوں یا بوڑھے نوجوان اور بچے۔

[illegible] باقی صفحہ گزشتہ [illegible]

حضرت علامہ تلمسانی فرماتے ہیں کہ شیخ نے بیان کیا کہ میں جامع حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ میں موجود تھا کہ ایک شور سنا۔ پتہ چلا کہ کسی نے ایک دشمن صحابہ کو مار ڈالا ہے اُس کے قاتل کو گرفتار کرکے بادشاہ کے پاس لے گئے اس قاتل کو سزا دی گئی اور دشمن صحابہ کی لاش کے متعلق حکم دیا کہ جاؤ اسے دفن کر دو۔ پس جب انہوں نے اس کے لئے قبر کھودی تو اس میں ایک بڑا سانپ ظاہر ہوا پھر انہوں نے دوسری جگہ قبر کھودی۔ وہاں بھی وہی سانپ ظاہر ہوا۔ غرضیکہ جہاں قبر کھودتے وہی سانپ نکل آتا۔ آخر انہوں نے تنگ آکر اُسی سانپ کے ساتھ اُسے دفن کر دیا (سعادۃ الدارین للنبہانی ص۱۵۲)

حدیث شریف میں ہے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے حضرت حسن مرفوعًا روایت کرتے ہیں کہ جو شخص دنیا سے اس حال میں رخصت ہوا کہ وہ میرے یاروں کو گالی دیتا تھا تو اللہ تعالیٰ اس پر ایک ایسا جانور مسلط کرے گا جو اس کے گوشت کترے گا قیامت تک اُسی کے درد میں مبتلا رہے گا (اخرجہ ابن الدنیا فی الفراغ ص۳۴)

اُس کا خاتمہ خراب ہوا جس نے حضرت ابوبکر و عمر کو گالی دی ابن عساکر نے عبد الرحمٰن محاربی سے روایت کی کہ ایک شخص پر نزع طاری تھی اُسے کہا گیا کہ لا الٰہ الا اللہ کہو۔ اُس نے کہا کہ میں اُن لوگوں کے ساتھ بیٹھتا تھا جو مجھے حضرت ابوبکر و عمر کو گالی دینا سکھلاتے اور پھر اُنکی سب بُرائی کراتے اس وجہ سے میں کلمہ نہیں کہہ سکتا۔ (طی الفراسخ ص۱۰۲)

بغض شیخین گلے میں طوق بن جانا حضرت علامہ تلمسانی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب مصباح الظلام میں علامہ ابو محمد عبد اللہ فقیہ حنبلی سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ایک جماعت مکہ شریف کو حج کے لئے روانہ ہوئی اس میں ایک آدمی تھا جو نوافل بہت پڑھتا تھا وہ راستے میں فوت ہوگیا۔ اُس کے دفن کے لئے کوئی کدال وغیرہ نہ تھا جس سے اُس کی قبر کھود کر دفن کریں انہوں نے جنگل میں گھومنا شروع کر دیا۔ ایک بڑھیا عورت کی جھونپڑی دیکھی۔ اس کی جھونپڑی میں لوہے کا ایک بڑا سا کدال پڑا ہے انہوں نے اُس سے طلب کیا۔ اس نے کہا کہ تم حلفیہ عہد کرو کہ ہم اسے ضرور واپس کر دیں گے انہوں نے واپس کرنے کا حلف اٹھایا اور اُس سے کدال لے کر آگئے۔ پس اس کدال سے قبر کھودی اور اُسے دفن کر دیا۔ جب فارغ ہوئے تو دیکھا کہ کدال غلطی سے قبر میں رہ گئی ہے اور اُس بڑھیا کا عہد بھی یاد آیا۔ کدال نکالنے کے لئے اُس کی قبر کو کھودا تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ کدال اُس مردہ کی گردن میں طوق بنی ہوئی ہے اور ہاتھ بھی اُس میں بند ہیں۔ وہ حیران

فائدہ آیۃ میں مبالغہ ہے وہ یہ کہ وہ یوم ایسا سخت ہے جو نوزائیدہ بچوں کو بوڑھا کر دے گا جبکہ وہ بڑھاپے کے زمانہ سے بہت دور ہیں بوجہ ولادت کے قرب عہد کے تو پھر ان کے علاوہ اس کیفیت کے اور زیادہ

حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ

گئے انہوں نے اُسے ویسے ہی بند کر دیا اور اس واقعہ کو بڑھیا کے پاس جا کر بیان کیا۔ بڑھیا نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ محمد رسول اللّٰہ پڑھا اور کہا کہ یہ کدال میرے پاس تھی۔ مجھے خواب میں رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اس کدال کو محفوظ رکھنا یہ ایک ایسے شخص کی قبر میں طوق بنے گی جو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو گالیاں دیتا ہے (سعادۃ الدارین للنبہانی ص۱۵۲)

نوٹ: یہ حال ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یاروں کے گستاخوں کا کیا حال ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معمولی سی بے ادبی پر ملائکہ کرام جیسی معصوم شخصیات کی بھی سرزنش فرماتا ہے صرف دو حکایتیں ملاحظہ ہوں۔

فرشتہ گستاخی کی زد میں زہرۃ الریاض میں ہے کہ ایک دن جبریل علیہ السلام دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! میں نے آج ایک عجیب و غریب واقعہ دیکھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا "وہ واقعہ کیا ہے؟"

جبریل علیہ السلام نے عرض کی "یا رسول اللہ! مجھے کوہِ قاف جانے کا اتفاق ہوا وہاں مجھے آہ و فغاں رونے چلانے کی آوازیں سنائی دیں۔ جدھر سے آوازیں آ رہی تھیں میں ادھر کو گیا تو مجھے ایک فرشتہ دکھائی دیا، جس کو میں نے اس سے پہلے آسمان پر دیکھا تھا جو کہ اس وقت بڑے اعزاز و اکرام سے رہتا تھا وہ ایک نورانی تخت پر بیٹھا رہتا۔ ستر ہزار فرشتے اس کے گرد صف بستہ کھڑے رہتے تھے وہ فرشتہ سانس لیتا تو اللہ تعالیٰ اس سانس کے بدلے ایک فرشتہ پیدا کر دیتا تھا، لیکن آج میں نے اسی فرشتہ کو کوہ قاف کی وادی میں سرگرداں پریشان آہ و زاری کنندہ دیکھا ہے۔ میں نے اس سے پوچھا "کیا حال ہے! اور کیا ہو گیا؟"

اس نے بتایا "معراج کی رات جب میں اپنے نورانی تخت پر بیٹھا تھا میرے قریب سے اللہ تعالیٰ کے حبیب، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گذرے تو میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و تکریم کی پرواہ نہ کی۔ اللہ تعالیٰ کو میری یہ ادا، یہ بڑائی پسند نہ آئی اور اللہ تعالیٰ نے مجھے ذلیل کر کے نکال دیا اور اس بلندی سے اس پستی میں پھینک دیا۔ پھر اس نے کہا" اے جبریلؑ! اللہ کے دربار میں میری سفارش کر دو کہ اللہ تعالیٰ میری اس غلطی کو معاف فرمائے۔ مجھے پھر بحال کر دے۔

یا رسول اللہ! میں نے اللہ تعالیٰ کے دربارِ بے نیاز میں نہایت عاجزی کے ساتھ معافی کی درخواست کی۔

(بقیہ حاشیہ آگے)

(حاشیہ گذشتہ)

دربار الٰہی سے ارشاد ہوا۔ "اے جبریل! اُس فرشتہ کو بتا دو اگر وہ معافی چاہتا ہے تو میرے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر درُود پاک پڑھے"۔

یارسول اللہ! جب میں نے اُس فرشتہ کو فرمان الٰہی سنایا تو وہ سنتے ہی حضور کی ذات گرامی پر درود پاک پڑھنے میں مشغول ہوگیا اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس کے بال و پر نکلنا شروع ہوگئے اور پھر وہ اس ذلت و پستی سے اڑ کر آسمان کی بلندیوں پر جا پہنچا اور اپنی مسندِ اکرام پر براجمان ہوگیا"۔ (معارج النبوۃ ج ۱ ص ۲۱۶)

ایک دوسرے فرشتے کو سزا

شب معراج سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو عجائبات دیکھے ان میں سے ایک یہ دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک فرشتہ کو دیکھا اس کے پَر جلے ہوئے تھے۔

یہ دیکھ کر فرمایا "اے جبریل! اس فرشتے کو کیا ہوا؟" عرض کی "یارسول اللہ! اس فرشتے کو اللہ تعالیٰ نے ایک شہر تباہ کرنے کے لئے بھیجا تھا اس نے وہاں پہنچ کر ایک شیر خوار بچے کو دیکھا تو اسے رحم آگیا یہ اسی طرح واپس آگیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ سزا دی ہے"۔

یہ سُن کر حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اے جبریل! کیا اس کی توبہ قبول ہوسکتی ہے؟ جبریل علیہ السلام نے عرض کی: قرآن پاک میں موجود ہے و انی لغفار لمن تاب یعنی جو توبہ کرے میں اُسے بخش دیتا ہوں"۔

یہ سُن کر سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دربار الٰہی میں عرض کی یا اللہ! اس پر رحمت فرما اس کی توبہ قبول فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اس کی توبہ یہ ہے کہ آپ پر دس بار درود پاک پڑھے آپ نے اُس فرشتے کو حکم سنایا تو اس نے دس بار درود پاک پڑھا اللہ تعالیٰ نے اُس کو پر بال عطا فرمائے وہ اوپر کو اُڑ گیا اور ملائکہ میں یہ شور برپا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے درود پاک کی برکت سے "کروبیین" پر رحم فرمایا ہے۔ (رونق المجالس ص ۱۱)

ہر کہ باشد عامل صلوٰۃ مدام — آتش دوزخ شود بروئے حرام
بر محمد رسانم صد سلام — آں شفیع مجرماں یوم القیام

ترجمہ: جو ہمیشہ درود شریف کا عامل ہو۔ اس پر آتش دوزخ حرام ہے۔ میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بے شمار سلام بھیجتا ہوں وہ قیامت میں مجرموں کے شفیع ہیں۔

فائدہ درود شریف ایک ایسی محبوب عادت ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے بے پناہ انعامات نصیب ہوتے ہیں۔ اس کے لئے کسی خاص صیغے کی کوئی تخصیص نہیں مثلاً اللّٰھم صل علیٰ سیدنا محمد و علیٰ آل سیدنا محمد و بارک وسلم صلی اللہ علیٰ و آلہ وسلم۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول

(باقی اگلے صفحہ پر)

ائی ہیں ایسے ہی قصہ سابقہ سے سمجھیئے کہ جو خواب میں عذاب کا منظر دیکھ کر بوڑھا ہو گیا پھر اس کا کیا حال ہو گا جو ھاگتے ہوئے وہ منظر دیکھے گا کہ جس سے پہاڑ بھی پگھل جائیں گے۔

واب ② یہ تمثیل پر محمول ہے یعنی اس یوم کی شدت ہول کو اس زمانہ سے تشبیہ دی گئی ہے جو نوجوانوں کو بوڑھا بنائے بوجہ کثرت ہموم و احوال (ہولناکیوں) کے کیونکہ ہموم روح کو قلب کے اندر نچوڑنے کا موجب ہیں اور ح نچوڑا جانا حرارت غریزیہ کے انطفاء (بجھنا) اور اس کے ضعف کا سبب ہے اور حرارت غریزیہ انطفاء اجزاء غذائیہ کی کو غیر نامۃ النضج (غذا کا نہ پکنا) بناتا ہے اور یہ بالوں کی سفیدی کا اور جلد بوڑھے ہو جانے کا سبب ہے یہی اللہ تعالیٰ زیز کی تقدیر میں ہے جیسے قلب کا تغیر ظاہری بشرہ کے تغیر کا موجب ہے اسی لئے ڈر اور خوف سے رنگ زرد اور دوائی سے رنگ سرخ اور بعض درد و آلام سے رنگ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ جو جسم پر بال ہیں وہ بدن کے تابع ہیں بدن کا تغیر بالوں کو متغیر کر دیتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ کثرت ہموم بڑھاپے کا موجب ہیں جیسے کسی شاعر نے کہا ہے کہ ؎

دھتنا امور تشیب الوجود
ویخذل فیہا الصدیق الصدیق

ترجمہ: ہمیں ان امور نے گھیرا جو بچوں کو بوڑھا بناتے ہیں اور دن دوست دوست کو رسوا کرتا ہے۔

چونکہ بڑھاپے کا حصول کثرت ہموم کے لوازم سے ہے اسی لئے اسے شدۃ کنایہ کیا گیا جعل الولدان شیباً سے مراد یہ ہوئی کہ وہ نہایت سخت ہوگا۔

حدیث شریف مع الشرح قیامت میں (اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے آدم (علیہ السلام اس خطاب سے اس لئے مخصوص ہوں گے کہ آپ تمام کے اصل ہیں) آدم علیہ السلام عرض کریں گے لبیک وسعدیک (میں حاضر ہوں اور ہر بھلائی تیرے پاس ہے اللہ تعالیٰ) فرمائے گا اے آدم ابعث النار کو نکال) جو آگ کی طرف بھیجے جائیں گے اس کے اہل کو علیحدہ کر۔ (آدم علیہ السلام عرض کریں گے یا اللہ بعث النار کیا) اس کی تعداد کتنا ہے (اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہر ہزار سے نو سو ننانوے فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (تو وہ گفتگو اس وقت ہے) جب بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور حاملہ حمل گرا لے گی)۔

(باقی حاشیہ)

وعلیٰ آلک واصحابک یا حبیب اللہ جنہوں نے صرف درود ابراہیمی کی تخصیص کی ہے وہ غلطی پر ہیں کیونکہ آیت صلوا علیہ وسلموا تسلیما صلوٰۃ وسلام ہر دونوں لفظوں کا ہونا ضروری ہے اور درود ابراہیمی میں صلوٰۃ تو ہے لیکن سلام نہیں۔

(تفصیل کے لئے فقیر کی کتاب فضائل درود شریف دیکھئے)۔

فائدہ ابن الملک نے فرمایا کہ یہ بڑھاپا اور وضع حمل اپنے ظاہری معنی پر نہیں کیونکہ وہاں نہ حمل ہوگا اور نہ ہی چھوٹے بچے بلکہ اس سے قیامت کی احوال (ہولناکیاں) کی شدت مراد ہے یعنی اگر وہاں حاملہ اور چھوٹے بچے ہوں تو حاملہ کا حمل گر جائے اور بچہ بوڑھا ہو جائے۔ اس جواب پر نظر ہے۔ اس کا اشارہ جواب ثالث میں آتا ہے (اور دیکھو گے نشہ والوں کو) خوف سے (حالانکہ وہ نشہ والے نہ ہوں گے) شراب سے (لیکن عذاب سخت ہے)۔

جواب ③ یہ بالفرض والتقدیر پر محمول ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ دن ایسا ہے کہ اگر وہاں بچہ ہو تو اس کے سر کے بال سفید ہو جائیں۔ ہیبت و دہشت سے اور وجہ غیر موجہ ہے اگرچہ مذہب ایسے مفسرین کا ہے جسے بہت جلیل القدر سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ قیامت میں بالکل نہیں ہوں گے حالانکہ روایات سے ثابت ہے کہ جو بچے بچپن میں فوت ہوئے وہ بچے ہی قبروں سے اٹھ کر میدان حشر میں آئیں گے ایسے ہی روایتوں میں ہے کہ حاملہ عورتیں جو حمل میں فوت ہوئیں وہ حاملہ ہی مبعوث ہوں گی ہماری اس دلیل سے ثابت ہوا کہ میدان حشر میں حمل بھی ہوگا اور بچپن بھی ہاں جب بہشت میں داخل ہوں گے اس وقت سب کے سب تیس سالہ ہوں گے۔

جواب ④ اس دن کو ایسے صفت سے اس کا طول مراد ہو بطریق کنایہ یعنی وہ دن اتنا طویل المدۃ ہوگا کہ بچے بڑھاپے کی مدت پہنچ جائیں گے لیکن اس کے باوجود بھی وہ دن ختم ہونے کا نام نہ لے گا بلکہ بڑھتا ہی جائے گا۔ اس لئے کہ اس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے تو یہ اس کی طوالت مدت سے کنایہ ہے علی سبیل التمثیل نہ یہ کہ وہ تقدیر حقیقی ہے یعنی عرب کی عادت کے مطابق ہے کہ وہ طویل شے کو علی سبیل التمثیل ایسے ہی بیان کرتے ہیں جیسے اسے کبھی تابید اور عدم انقطاع سے تعبیر کرتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ ماناحت حمامہ (جب تک کبوتر آواز دیتا ہے) مالاح کوکب جب تک ستارہ چمکتا رہے (ما تعاقب الایام والشھور) جب تک ایام و شہور آتے جاتے رہیں (ان امثلہ میں تابید و عدم انقطاع مطلوب ہے تو آیت میں بھی یہی محاورہ ہے)۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں نفس اور اس کی خواہش کی طرف اشارہ ہے کیونکہ قیامت میں لوگ اپنے نفوس کو اللہ (تعالیٰ) کے سامنے فانی سمجھیں گے وہ ایسی فنا جو ان کے اعمال سیئہ قبیحہ خبیثہ کو مٹا کر رکھ دے۔

تفسیر عالمانہ اَلسَّمَآءُ (آسمان) مبتدا اس کی خبر مُنْفَطِرٌۢ بِہٖ (اس کے صدمہ سے پھٹ جائے گا) اس دن کی شدت سے آسمان پھٹ جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے تو جائز ہے کہ اس دن کی شدت آسمان کے پھٹنے کا سبب ہو۔

ہولناکی کے ذکر کی وجوہ اس دن کی ہولناکی کے ذکر کی دو وجہیں ہیں: ① یجعل الولدان شیبا ② السماء منفطر بہ

اس لئے کہ آسمان کی عظمت و قوت کے باوجود جب وہ اس دن کی شدت سے پھٹ جائے گا تو پھر باقی جملہ مخلوق کا کیا حال ہوگا اس معنی پر با سببیہ ہے اور یہی ظاہر ہے خبر کا مذکر لانا اس کے موصوف مذکر پر محمول کرنے سے ہے یعنی شیٔ منفطر، اس طرح سے تعبیر کرنے میں تنبیہ ہے کہ آسمان کی حقیقت تبدیل ہوگی اور اس سے اس کا اسم و رسم مٹ جائے گا نہ رہے گا بس اتنا کہ اسے کوئی شے کہا جا سکے ۔

فائدہ القاموس میں ہے کہ السماء معروف ہے وہ مذکر بھی ہے مؤنث بھی اور یہ بھی جائز ہے کہ با بمعنی فی ہو اسی طرف گئے ہیں حضرت مکی رحمۃ اللہ نے قوت القلوب میں فرمایا کہ حروف عاملہ ایک دوسرے کی بجائے آتے ہیں اس کی مثال یہی آیۃ منفطر بہ دی اور فرمایا کہ با بمعنی فی ہے یعنی فی ذلک الیوم (اسی دن میں)، بعض نے کہا کہ با آلہ و استعانۃ کی ہے جیسے فطرت العود بالقدوم، میں نے کلہاڑا سے لکڑی کاٹی ۔ اب منفطر بہ کا معنی یہ ہوا کہ آسمان اس دن کی شدت و ہول سے پھٹ جائے گا جیسے کسی شے کو اس کے کاٹنے کی چیز سے کاٹا اور چیرا جاتا ہے ۔ بعض نے اس وجہ سے رد کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے شان کے لائق نہیں کہ وہ آلہ و استعانۃ سے کام لے اور نہ ہی آسمان کے لئے یہ محاورہ مناسب ہے ۔

كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہو کر رہتا ہے ، یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اگرچہ اس کا ذکر پہلے نہیں لیکن چونکہ وہ ہر وقت ہر ایک کے علم میں ہے اس لئے لفظاً مذکور نہ ہو تو کوئی حرج نہیں اور مصدر فاعل کی طرف مضاف ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا وعدہ اسی طرح ہو کر رہے گا جیسے اس نے اسے موصوف فرمایا شُدَّ اُدَّ سے لازماً اور متحتماً کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ کبھی خلاف نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی عقلمند اس میں شک کر سکتا ہے یا ضمیر یوم کی طرف راجع ہے اور مصدر مفعول کی طرف مضاف ہے اور فاعل اللہ تعالیٰ ہے ۔

حل لغات الصحاح میں ہے کہ وعد و شر ہر دونوں میں مستعمل ہوتا ہے جب خیر و شر کا اعتبار ساقط کر دیا گیا تو پھر وعد وعدۃ خیر میں اور وعید و ایعاد شر میں مستعمل ہونے لگے ۔

اِنَّ هٰذِهٖ یہ اشارہ ان آیات کی طرف ہے جنہیں زبردست وعیدیں مذکورہ سنائی گئیں اور وہ ان لدینا ما سے آخری آیت جو ابھی مذکورہ تَذْكِرَةٌ بے شک یہ پند و نصیحت ہے اس کے لئے جو اپنے لئے خیر و بھلائی کا ارادہ رکھتا اور اپنے رب تعالیٰ کی حاضری کے لئے مستعد (تیار) ہے ۔ بعض نے قرآن مجید متقین کے لئے پند و نصیحت اور سالکین کے لئے راہ سلوک اور ہلاکت والوں کے لئے نجات اور راہ حق دیکھنے والوں کے لئے بیان اور متحیرین کے لئے شفا اور خوف والوں کے لئے امان اور مریدین کے لئے انس اور عارفین کے قلوب کے لئے نور اور جو رب العالمین کی طرف راہ چاہتا ہے اس کے لئے ہدایت ہے ۔ فَمَنْ شَآءَ تو جو چاہے مکلفین میں سے اِتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ، اپنے رب (تعالیٰ) کی طرف راہ لے ۔ ایمان و طاعت سے اس کا قرب حاصل کرے کیونکہ یہی راہ اس کی رضا تک اور اس کے مقام قرب تک پہنچاتا ہے ۔

تفسیر عالمانہ إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِن ثُلُثَيِ اللَّيْلِ (بے شک تیرا رب جانتا ہے، بے شک تم قیام کرتے ہو کبھی دو تہائی رات کے قریب) دو تہائی کم ادنیٰ کا اطلاق کم پر مجازِ مرسل ہے از قبیل اطلاق الملزوم علی اللازم کیونکہ جب دو چیزوں کے درمیان کی مسافت جب قریب ہو جائے تو احیاز وعدد کے درمیان کا حصہ کم ہو جاتا ہے اور جب بعید ہو تو کثیر ہوتا ہے۔

فائدہ مروی ہے کہ اللہ نے اول سورۃ ہذا میں قیام اللیل فرض فرمایا تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے مکمل ایک سال مشقت کے ساتھ نبھایا یہاں تک کہ قدر واجب کا امتیاز مشکل ہو گیا اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو ساری رات قیام میں گذارتے اس خوف سے کہ کہیں قدر کے خلاف نہ ہو جائے یہاں تک کہ قیام سے ان کے قدم سوج گئے اور رنگ زرد ہو گیا اللہ تعالیٰ اس سورۃ کے آخری حصہ میں روک دیا تو گویا قیام اللیل بمقدار مذکور کا حکم منسوخ ہو گیا لیکن تہجد کی فرضیت باقی رہی جتنا ادا کی جائے پھر پانچ نمازوں سے اس کی فرضیت بھی منسوخ ہو گئی جیسا کہ روایت میں ہے کہ پانچ نمازوں کے زائد نماز زیادتی ہے۔

وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ کبھی آدھی رات کبھی تہائی، منصوب ہے اس کا عطف ادنیٰ پر ہے اور ثلث تین اجزا کا ایک اس کی جمع اثلاث آتی ہے یعنی تم دو تہائی رات سے کم قیام کرو اور آدھی اور تہائی رات بھی۔ وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ اور ایک جماعت تمہارے ساتھ والی مرفوع ہے اس کا عطف تقوم کی ضمیر پر ہے اور اتنا فصل ان کے درمیان جائز ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اور آپ کے اصحاب میں ایک گروہ بھی آپ کے ساتھ قیام کرے اور من تنبیہ الخ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قیام اللیل سب پر فرض نہ تھا خلاصہ یہ کہ قیام اللیل میں ایک گروہ آپ کی اتباع کرے اور وہ ہیں آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم اور اس میں اللہ نے ان کے ساتھ احسان کا وعدہ فرمایا جیسے تم کسی کو وعدہ کرنے کے وقت کہو کہ میں خوب جانتا ہوں کہ جو تو نے میرے ساتھ کیا۔

فائدہ قوت القلوب میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قیام اللیل میں دوسروں کو شامل کیا اور شریکِ معاملہ وعمل جزا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ملایا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اکثر اوقات رسول قلب کو ماسوی اللہ سے ہٹا کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے اور نفس سے اعراض مگر تھوڑے میں کی طرف اشارہ ہے اور یہ تھوڑا وقت بھی حجاب کے لئے حکمت کا تقاضا ہے۔ اس لئے کہ صوفیہ کرام نے فرمایا کہ اگر حجاب نہ ہو تو اللہ کا عرفان حاصل نہ ہوگا وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ الخ سے رسول قلب کے ساتھ دوسرے قویٰ روحانیہ واعضاء وجوارح مراد ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَاللَّهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ اور رات اور دن کو اندازہ فرماتا ہے وہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ان کا مقدر فرماتا ہے کہ اس کے سوا ان کی تقدیر اور کوئی نہیں جانتا اور انکی ساعات

کی مقدار اور اوقات صرف وہی جانتا ہے اور یہی اسم جلیل یعنی اللہ مبتدا ہے اور اس پر یقدّر کی بنا قطعی طور اس کے ساتھ اختصاص کے لئے ہے۔ تقدیر بمعنیٰ اندازہ کرنا اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ شب و روز اندازہ کرتا اور اس کی ساعات کی مقدار جانتا ہے۔

حل لغات امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا التقدیر بمعنیٰ شے کی کمیت بیان کرنا اور آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ رات کو دن پر اور دن کو رات پر لپیٹتا اور ایک دوسرے میں داخل کرتا ہے یا اس کا یہ معنیٰ ہے کہ کسی ایک کو ممکن نہیں کہ وہ دن اور رات کی ساعات معلوم کر سکے اور ان دونوں میں عبادت کا حق ادا کر سکے وقت معلوم میں۔ خلاصہ یہ کہ ساعات اللیل والنہار کے حقوق کے مطابق کی مقداریں صرف وہی اللہ تعالیٰ جانتا ہے تم صرف سوچ اور اجتہاد سے جان سکتے ہو جس میں خطا واقع ہو جاتی ہے اور اس کی اصابت (صحیح مقدار) میں بارہا خطا واقع ہو چنانچہ تم بسا اوقات مذکورہ مقداروں میں بہت کم رات کا قیام کرتے تھے اسی لئے فرمایا عَلِمَ اللہ کو معلوم ہے۔ اَنْ شان اثبات یہ ہے لَّنْ تُحْصُوْهُ اسے ہرگز نہ شمار کر سکو گے، تقدیر اوقات کو ان کے حقائق پر اور نہ ہی ہمیشہ ضبط ساعات کر سکو گے۔ ضمیر مصدر مفہوم کی طرف راجع ہے جو یقدّرُ میں ہے۔

حل لغات تاج المصادر میں ہے الاحصاء بمعنیٰ جاننا۔ گننا بر سبیل استقصاء اور کر سکنا، امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا الاحصاء بمعنیٰ شے کو گنتی سے حاصل کرنا۔

فائدہ مروی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم ہوا کہ کامل رات کو قیام کرو لیکن ہرگز پورا نہ کر سکو گے کیونکہ حق واحد ہے اور باطل کثیر ہیں بلکہ حق بہ نسبت باطل کے ایسے ہے جیسے نقطہ کو دائرہ کے تمام اجزاء سے نسبت ہے اور ایسے ہے جیسے تیر نشان کی طرف پھینکا ہوا لیکن صحیح نشان پر پہنچنا سخت مشکل ہے۔

فائدہ بعض اہل مذہب (معتزلہ وغیرہ) بنا اسی سے تکلیف مالا یطاق کا استدلال اسی آیت سے کیا ہے کیونکہ لَنْ تُحْصُوْهُ (ہرگز شمار نہ کر سکو گے) حالانکہ تقدیر ساعات اور قم اللیل کا امر بھی فرمایا ہے۔ (کما قال قم اللیل) ممکن ہے اس کا جواب یہ ہو کہ اس سے اس کی ادائیگی مشکل کی طرف اشارہ ہے نہ یہ کہ وہ اسے کر ہی نہیں سکتے جیسے کہا جاتا ہے لا اطیق (ان انظر الی فلان) میں اس کے دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا یعنی اس کا دیکھنا میرے لئے مشکل ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ طبیعت کی لیل سے حقیقت کے نہار کی طرف سلوک اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہے نہ کہ سالک کی اپنی طاقت سے اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم اس سلوک کی مدت کا شمار نہیں کر سکتے کہ اللہ (تعالیٰ) تک کس طرح ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنا محض اس کے فضل اور رحمت پر ہے نہ کہ تمہاری سیر و سلوک سے اس لئے کہ بہت سے سالک راہ سے بھٹک کر واپس آ گئے منزل مقصود تک نہ پہنچ سکے

اسی لئے کہا جاتا ہے ضروری نہیں کہ جو اس راہ پہ چلے وہ پہنچ بھی جائے اور نہ ہی ضروری ہے کہ پہنچنے پر اسے ایصال بھی نصیب ہو اور یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ متصل ہو لیکن صاحب فضل بھی ہو۔

تفسیر عالمانہ فَتَابَ عَلَيْكُمْ تو اپنی مہربانی سے۔ تم پر رجوع کی قیام مقدر کے ترک کی رخصت دے کر۔ توبہ کا مطلب ہے تائب سے مطالبہ اٹھا لینا پھر مشبہ بہ مشبہ میں مستعمل ہوا اسی سے مشتق ہوا فتاب یعنی پھر تمہیں رخصت دی تبعہ کا مطلب کسی پر مضرت (ضرر) کا مرتب ہونا فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ تو تم پر قرآن جتنا آسان ہو پڑھو۔ یعنی رات کو جتنا تمہیں آسانی سے نماز پڑھی جاسکے پڑھو اب اس کی کوئی مقدار مقدر نہیں کہ وہ تہائی رات ہو یا نصف یا دو تہائی وغیرہ اگرچہ بکری دوہنے کی دیر تک یہ کم از کم چار رکعات ہیں بلکہ کبھی دو رکعات بھی ہیں نماز کو قرأۃ سے تعبیر کرنا ایسے ہے جیسے اس کے دیگر ارکان سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ اطلاق الجزأ علی الکل کے قبیل سے مجاز مرسل ہے۔

فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ پہلے اختیار مذکور سے تہجد واجب تھی لیکن رات کا قیام انہیں مشکل ہو گیا تو پھر اس آیت سے اس کا وجوب منسوخ ہوا پھر نفس وجوب بھی پانچ نمازوں سے منسوخ ہوا جو اس کے عموم سے سمجھا جاتا تھا جیسے گذرا۔

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ دن کی نفلی نماز سے رات کی نفلی نماز کو فضیلت ہے۔

مسئلہ وہ نفل جو پہلے فرض تھی پھر منسوخ ہو گئی وہ دیگر نفلی عبادت سے افضل ہے جیسے فقہاء نے فرمایا کہ یوم عاشوراء کا روزہ دوسرے عام نفلی روزے سے افضل ہے اس لئے کہ رمضان کی فرضیت سے پہلے یہی فرض تھا۔

حدیث شریف میں ہے رات کو جتنا ہو سکے نفل پڑھو لیکن نیند کا غلبہ ہو تو سو جائے۔

مسئلہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیٹھ کر نیند کرنے کو مکروہ کہتے تھے۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا رات کا قیام (عبادات اور نوافل) لازم پکڑو کیونکہ یہ ان صالحین کا طریقہ ہے جو تمہارے سے پہلے گذرے ہیں اور یہ تمہارے رب کے ساتھ قربت، اور گناہوں کا کفارہ اور گناہوں سے روکنے والا ہے۔

فائدہ اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ تہجد (قیام اللیل) سابقہ انبیاء و امم پر فرض نہ تھی بلکہ صرف ان کے صالح ہونے کا شعار تھا۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کل جعظری جواظ سخاب بالا سواق کو مبغوض رکھتا ہے جو رات کو مردار کی طرح پڑا رہتا ہے دن کو گدھا بنکر

بن کر پھرتا ہے دنیا کے امور میں ہوشیار اور آخرت کے امور سے بے خبر ہے۔

شرح الحدیث الجعظری (سخت۔ بدخلق۔ تند مزاج) جواظ ہمچوں شداد۔ تکبر سے چلنے والا جدد۔ اکثر بسیار خور بتونی مال جمع کرنے روک رکھنے والا، خشک مزاج، سخاب از سخب (محرکۃ) بمعنی سخت آواز شور کرنے والا سخب ہمچو فرح فہو سخاب۔

مسئلہ قیام اللیل کا استحباب کم از کم رات کا چھٹا حصہ مسلسل ہونا چاہیئے یا کچھ حصہ بیدار رہ کر عبادت کرے پھر سو جائے پھر کھڑا ہو کیونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی رات ایسی نہ ہوتی جسمیں قیام نہ فرمایا ہو اور کوئی رات ایسی نہیں جسمیں آپ نے آرام نہ فرمایا ہو۔

مسئلہ رات کو جو ورد (عبادت کا طریقہ) کرے وہ شب بیداروں کے حکم میں داخل ہے اسے ان کے حصہ سے حصہ نصیب ہوگا۔

مسئلہ جو رات کے اکثر حصہ یا نصف میں بیدار رہتا ہو وہ تمام رات جاگنے والوں میں شمار ہوگا اور جو باقی حصہ نہیں جاگ سکا اس کے لئے صدقہ و خیرات کرے (قوت القلوب)۔

فائدہ بعض نے فرمایا آیت میں خود قرأۃ القرآن مراد ہے یعنی اس کا حقیقی معنیٰ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ تم پر قیام اللیل دشوار ہے تو تمہیں اس کے ترک کی اجازت ہے لیکن تلاوت قرآن تم سے جتنا آسانی سے ہوسکتی ہے تلاوت کرو ضروری نہیں کہ اسے نماز میں معین کرکے پڑھو کیونکہ رات کو تمہیں صرف تلاوت مشکل نہیں نماز کے بغیر اس کی تلاوت قیام اللیل کے قائم مقام ہوگی اس معنی پر یہ امر ندب کا ہوگا۔

حدیث شریف میں ہے کہ جو رات کو ایک سو آیات تلاوت کرتا ہے قیامت میں قرآن مجید اس پر حجت نہ کرے گا۔

مسئلہ امام طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لم یحاجہ القرآن سے ثابت ہوتا ہے کہ قرأۃ القرآن انسان پر لازم اور واجب ہے اگر نہ پڑھے گا تو قرآن مجید اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ہاں جھگڑا کرے گا اور حجت قائم کرکے اس پر غلبہ پالے گا۔

فائدہ اس معنی پر حجت لجاجۃ باری کا اسناد قرآن مجید کی طرف مجاز ہے نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ رات کو ایک سو آیات کی تلاوت قرآن مجید کی حجت بازی سے نجات کے لئے کافی ہے اور رات کو کم از کم ایک سو آیات قرآن کی تلاوت واجب ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو رات کو سورۃ البقرۃ کی دو آیتیں تلاوت کرتا ہے تو وہ اسے کفایت کریں گی۔

فائدہ اس سے آمَنَ الرَّسُوْلُ الخ مراد ہے اور کفایت سے مراد یہ ہے کہ اس کے لئے قیام اللیل کے قائم مقام ہوں یا ہر شر و برائی سے اس کی حفاظت کریں گی۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کیا تمہارا ایک عاجز ہے کہ وہ رات کو تہائی قرآن کا کرلیا کرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ تہائی قرآن رات کو کون پڑھ سکتا ہے آپ نے فرمایا قل ھو اللہ احد الخ تہائی قرآن کے برابر ہے۔

مسئلہ اس سے ثابت ہے کہ جو سورۃ اخلاص تین بار پڑھتا ہے اسے پورے ختم قرآن کا ثواب ملتا ہے۔

مسئلہ طویل تر آیت چھوٹی آیت سے افضل ہے اس لئے کہ طویل آیت میں حروف زیادہ ہیں۔ ہاں اگر جسمانی تکلیف سے چھوٹی آیات پڑھے تو اسے طویل آیات جتنا ثواب مل جائے گا بشرطیکہ ایک سو کی گنتی ہو (روح ا

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ جمع کرو اور اپنے قلوب صافیہ کی کدورات نفس اس کی خواہشات سے حفاظت کرو یعنی ان کدورات و خواہشات سے جو تمہارے قلوب پر فی کرتے ہیں تمہارے میں حقائق و عوارف و معارف کی استعدادات ہیں اور ان کا افشاء نہ کرو یعنی غیروں کو نہ بتاؤ کیونکہ تم پر انکار کریں گے بلکہ اپنی نااہلی کی وجہ سے تمہیں کافر زندیق و ملحد اور اتحادی کہیں گے اسکے لئے یہ حقائق و دقا مکنونات (مخفی اسرار و رموز) الٰہیہ سے ہیں۔

تفسیر عالمانہ عَلِمَ اَنْ اسے معلوم ہے۔ شان ربات، یہ ہے کہ سَیَکُوْنُ مِنْکُمْ مَّرْضٰی تم میں بیمار ہوں گے جملہ مستانفہ دوسری حکمت کو بیان کرنے والا اور ترخیص (رخصت) و تخفیف سبب بتانے والا ہے۔

حل لغات مرضیٰ مریض کی جمع ہے المرض بمعنیٰ انسان کا اعتدال خاص سے خارج ہونا۔

تفسیر صوفیانہ اسمیں مریض قلوب کی طرف اشارہ ہے کہ وہ انانیت اور حب دنیا و شہوات میں مشغول ہیں ان قرآن کے اسرار و حقائق کی کوئی شے ظاہر نہ ہوگی۔ چنانچہ شیخ سنائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

① عجب بنوہ گر از قرآن نصیبت نیست جز حرفے
کہ از خورشید جز گرمی نیابد چشم نابینا

② عروس حضرت قرآن نقاب آنگہ براندازد
کہ دار الملک ایمان را مجرد یابد از غوغا

ترجمہ ① تعجب نہیں کہ اگر تجھے سوائے حروف قرآن مجید سے کچھ نصیب نہ ہو، جیسے نابینا کی آنکھ سو کی گرمی کے سوا اسے کچھ نصیب نہیں ہوتا۔

② عروس قرآن کی بارگاہ اس وقت پردہ اُٹھائے گی جب ایمان کا دار الخلافہ غوغا سے خالی ہو۔

تفسیر عالمانہ وَاٰخَرُوْنَ (اور کچھ لوگ) اس کا مرضیٰ پر عطف ہے یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ (زمین کا سفر کریں گے) یہ آخرون کی صفت ہے یعنی زمین میں تجارت کے لئے سفر کریں گے۔

حل لغات ضرب فی الارض یعنی رزق کی طلب کے لئے زمین میں سفر کیا۔ امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ الضرب فی الارض زمین میں پیدل سفر کرنا۔ یَبْتَغُوْنَ تلاش کرنے مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ اللہ کا فضل منافع۔ جو پہلے بالالتزام معلوم ہوا اسمیں اس کی تصریح ہے اور بیان ہے کہ جو منافع حاصل کرتے ہیں وہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ یبتغون یَضْرِبُوْنَ سے محلاً (منصوب) حال ہے۔

مسئلہ ابتغاءَ الفضل عام ہے کہ اس میں علم کی تلاش بھی داخل ہے بلکہ یہ تمام مکاسب سے افضل ہے۔

فائدہ اسمیں یہ بھی ہے کہ ان میں معلم الخیر یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں موجود تھے بوقت نزول آیت تو پھر وہ اس کی تلاش کے لئے کہاں جاتے ہاں اگر اسے سورۃ کا آخری حصہ مدینہ مانا جائے تو پھر تحصیل العلم کے لئے آیت میں عموم کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ حضرات مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت تحصیل العلم کے لئے کرتے تھے۔

فائدہ اس میں یہ بھی ہے کہ یہ خطاب خاص کے اعتبار سے ہے اگر اہل قرآن ثانی کے لحاظ سے تو پھر لقاءَ الحکم انہیں حرج میں واقع کرتا ہے۔

درس وتدریس کی فضیلت حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجلس علم کی حاضری ہزار رکعت پڑھنے اور ہزار جنازے کی شمولیت اور ہزار مریض کی عیادت سے افضل ہے عرض کی گئی کیا قراۃ القرآن سے بھی۔ فرمایا تو کیا قراۃ القرآن علم کے بغیر کوئی فائدہ دے سکتی ہے (یعنی تلاوت قرآن سے بھی گویا مجلس علم افضل ہے)۔

وَاٰخَرُوْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اور کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں دشمنوں سے لڑتے ہوں گے اس کا عطف بھی مرضیٰ پر ہے اور یقاتلون آخرین کی صفت ہے اور سبیل اللہ وہ عمل جو اللہ تعالیٰ تک پہنچائے جیسے جہاد

فائدہ اسمیں تنبیہ ہے کہ انہیں عنقریب کفار سے لڑنے کی اجازت ملے گی۔

مسئلہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مجاہدین فی سبیل اللہ اور مال حلال کی کمائی جو خود اور اپنے اہل وعیال پر اور ضرورتمندوں کی ضرورت پوری کرے گا کا مرتبہ برابر بتایا ہے اس لئے کہ ان دونوں کا یکجا بیان فرمایا ثابت ہوا کہ حلال تجارت جہاد کے برابر ہے۔

② عروس قرآن کی بارگاہ اس وقت پردہ اٹھائے گی جب ایمان کا دارالخلافہ غوغا سے خالی ہو۔

تفسیر عالمانہ وَاٰخَرُوْنَ (اور کچھ لوگ) اس کا مرضٰی پر عطف ہے يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ (زمین کا سفر کریں گے) یہ آخرون کی صفت ہے یعنی زمین میں تجارت کے لئے سفر کریں گے۔

حل لغات ضرب فی الارض بمعنی رزق کی طلب کے لئے زمین میں سفر کیا۔ امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ الضرب فی الارض زمین میں پیدل سفر کرنا۔ يَبْتَغُوْنَ تلاش کرنے مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ اللہ کا فضل منافع۔ جو پہلے بالالتزام معلوم ہوا اسمیں اس کی تصریح ہے اور بیان ہے کہ جو منافع حاصل کرتے ہیں وہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ یبتغون يَضْرِبُوْنَ سے محلاً (منصوب) حال ہے۔

مسئلہ ابتغاء الفضل عام ہے کہ اس میں علم کی تلاش بھی داخل ہے بلکہ یہ تمام مکاسب سے افضل ہے۔

فائدہ اسمیں یہ بھی ہے کہ ان میں معلم الخیر یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں موجود تھے بہ وقت نزول آیت تو پھر وہ اس کی تلاش کے لئے کہاں جاتے ہاں اگر اسے سورۃ کا آخری حصہ مدینہ مانا جائے تو پھر تحصیل العلم کے لئے آیت میں عموم کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ حضرات مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت تحصیل العلم کے لئے کرتے تھے۔

فائدہ اس میں یہ بھی ہے کہ یہ خطاب خاص کے اعتبار سے ہے اگر اہل قرآن ثانی کے لحاظ سے تو پھر لقاء الحکم انہیں حرج میں واقع کرتا ہے۔

درس و تدریس کی فضیلت حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجلس علم کی حاضری ہزار رکعت پڑھنے اور ہزار جنازے کی شمولیت اور ہزار مریض کی عیادت سے افضل ہے عرض کی گئی کیا قراۃ القرآن سے بھی۔ فرمایا تو کیا قراۃ القرآن علم کے بغیر کوئی فائدہ دے سکتی ہے (یعنی تلاوت قرآن سے بھی گو ما حصلہ مجلس علم افضل ہے)۔

وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں دشمنوں سے لڑتے ہوں گے اس کا عطف بھی مرضیٰ پر ہے اور یقاتلون آخرین کی صفت ہے اور سبیل اللہ وہ عمل جو اللہ تعالیٰ تک پہنچائے جیسے جہاد

فائدہ اسمیں تنبیہ ہے کہ انہیں عنقریب کفار سے لڑنے کی اجازت ملے گی۔

مسئلہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مجاہدین فی سبیل اللہ اور مال حلال کی کمائی جو خود اور اپنے اہل وعیال پر اور ضرورتمندوں کی ضرورت پوری کرے گا کا مرتبہ برابر بتایا ہے اس لئے کہ ان دونوں کا یکجا بیان فرمایا ثابت ہوا کہ حلال تجارت جہاد کے برابر ہے۔

فائدہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص کسی مسلمانوں کے شہر میں کوئی سامان لیجا کر بیچے اور اس سفر کی تکلیف پر صبر کرے اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا ارادہ ہو اور وہ سامان تجارت صحیح نرخ پر بیچے تو اس کا مرتبہ اللہ کے ہاں شہدا جیسا ہے۔

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ سو جتنا میسر ہو پڑھو یعنی اگر ویسا ہو جیسے مذکور ہوا اور رخصت کے اسباب قوی ہوں تو جتنا آسانی سے قرآن پڑھ سکو پڑھو اسمیں مشقت اور تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں۔

سوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر قیام اللیل (رات کو اٹھ کر) کیسے بھاری محسوس ہوا حالانکہ یہ تو بعض تابعین کےلئے نہایت آسان تھا چنانچہ بہت سے تابعین کے متعلق منقول ہے کہ تمام شب قیام (عبادت) میں گذارتے جیسے امام ابو حنیفہ و سعید بن المسیب و فضیل بن فیاض و ابو سلیمان دارانی و مالک بن دینار و علی بن بکار و اویس قرنی (رضی اللہ عنہم وغیرہم)۔

حکایت حضرت علی بن بکار شامی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ چالیس سال تک مجھے سوائے طلوع فجر کے کسی شے نے غمگین نہیں کیا۔ کسی نے کہا آپ کو تھکان وغیرہ نہیں ہوتی تھی فرمایا قدر مفروض کی فکر سے محافظت کے خطرہ کے سوا اور کوئی شے بوجھ نہیں بنی جیسے گذرا۔

جواب صحابہ کرام کے لئے بھی یہ امر بعید نہ تھا اس لئے کہ بوجہ انہیں تعذر سے پہلے محسوس ہوتا تھا ورنہ بعد کو تو ان کے لئے بھی یہ امر ثقیل نہ تھا چنانچہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات میں منقول کہ وہ صرف ایک رکعت میں پورا ختم قرآن مجید کرتے تھے جیسے حضرت عثمان و تمیم داری رضی اللہ عنہما۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ اور فرض نماز ادا کرو وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ اور زکوٰۃ واجب ادا کرو بعض نے کہا اس سے زکوٰۃ الفطر مراد ہے کیونکہ مکہ معظمہ میں زکوٰۃ وغیرہ فرض نہیں ہوئی تھی یہ بعد کو (مدینہ طیبہ) میں واجب ہوئی اور جس نے اس سے زکوٰۃ فرض مراد لی ہے اس سے سورۃ کے آخری حصہ کو مدنیہ کہلا ہے اور اس میں شامل کیا ہے جو نزول سے پہلے ہیں لیکن حکم بعد کو ہوا (غیبی خبر) یہی آیت دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ اپنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پورا فرمائے گا کہ ان کا دین غالب اور قائم ہوگا یہاں تک کہ زکوٰۃ فرض ہو کر ادا کی جائے۔ (گویا نزول سے پہلے یہ غیبی خبر حضور علیہ السلام کو دیگئی اسے علم ما فی البعد کہا جاتا ہے وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا اور اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دو۔

حل لغات القرض ایک قسم کا کاٹنا اور انسان کا کسی دوسرے کو کچھ مال دینا اس شرط پر کہ وہ اتنا اسے واپس کرے اسے قرض کہتے ہیں اس لئے کہ مقروض کا مال کاٹا جائے گا۔

مسئلہ اس سے غیر فرضی فی سبیل الخیرات کے اخراجات (خرچ) مراد ہیں کیونکہ وہ بھی قرض کی طرح ہیں کہ

ان کی ادائیگی میں کوئی خلاف نہیں۔

فائدہ اس میں نفلی صدقات کی ترغیب ہے۔

حدیث شریف نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ فرض کے علاوہ مال میں احسن وجہ کا حق ہے یعنی الطیب اور فقراء کے لئے نفع کے لحاظ سے اکثر مال اچھی نیت سے اور قلب کی صفائی سے صالحین میں سے زیادہ محتاج پر خرچ کرنا۔

فائدہ اس کی تفسیر یہ وجہ اس لئے ہے کہ وہ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ محض مال دینے کا حکم ہے جس وجہ سے ہو اور اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا میں یہ بات نہیں بلکہ امر مقید ہے کہ وہ حسن بھی ہو۔

فائدہ اللہ تعالیٰ کے راہ میں خرچ کرنے کا قرض نام رکھنا استعارہ ہے اقراض سے تشبیہ دے کر کیونکہ یہ خرچ کردہ مال اس کی طرف لوٹے گا مع زیادتی کے۔

مسئلہ بعض نے کہا اقرضوا اللہ الخ سے سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر اور اللہ تعالیٰ کے راہ میں خرچ کرنا مراد ہے۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نیز اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنا

حدیث شریف میں ہے کہ جو خود پر اور اپنے گھر والوں پر خرچ کرتا ہے وہ اس کے لئے صدقہ ہے یعنی حسن نیت سے اس کا اسے اجر نصیب ہوگا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ کی ایک تقریر یہاں یہ ایک باریکی ہے وہ مروی ہے حضرت امام غزالی رحمہ اللہ (تعالیٰ) سے فرماتے ہیں قاضی باقلانی رحمہ اللہ (تعالیٰ) نے فرمایا کہ اس انسان کا غرض سے بالکلیہ بیزاری کا دعویٰ کفر ہے کیونکہ تنزہ صرف اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اس میں اشتراک (دوسرے کو شریک کرنا) کا تصور نہیں ہوسکتا۔

سوال صوفیا کرام کہتے ہیں کہ بندہ عمل سے ایک اعلیٰ درجہ تک پہنچ جاتا ہے جب وہ عمل کسی غرض سے نہ کرے بلکہ اس عمل سے اس کی غرض صرف رضائے الٰہی اور اس کے حکم کی تعمیل ہو (اس قول میں غرض کا اثبات ہے تم غرض کی نفی کر رہے ہو۔

جواب صوفیا کرام کی غرض سے مراد (غرض خفی ہے اور ہماری مراد غرض جلی ہے اور غرض خفی غفلت سے ہوتی ہے یعنی عبادت رضائے الٰہی و امر ربانی کی تعمیل کے تصور سے غفلت نہ ہو لیکن یہ مراد بلند قدر ہے (کسی قسمت والے کے نصیب)۔

فائدہ فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ یہ اعتراض عام اہل ارادہ پر وارد ہوتا ہے رہے اہل فنا از ارادہ وہ تو منتہی اور کامل ترین ہوتے ہیں ان کی تو غرض ہوتی ہی نہیں ان کا معاملہ تو عجیب و

غیب ہوتا ہے انہیں تو وہی جانتے ہیں جو ان جیسے اہل فنا اور کامل ترین (یا جو ان کے ہمراز ہوتے ہیں) یا جنہیں اللہ تعالیٰ ان کے احوال سے آگاہی بخشے۔ وَمَا شرطیہ ہے، تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ (اپنے لئے جو بھلائی آگے بھیجو گے) وہ بھلائی جو مذکور ہوئی۔ یا جس کا ذکر نہیں ہوا۔ تَجِدُوْهُ (اسے پاؤ گے) شرط کا جواب ہے اسی لئے مجزوم ہے۔ عِنْدَ (اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ط اللہ کے پاس اور بڑا ثواب) اس سے جو پیچھے فوت کے وقت وصیت کرکے چھوڑ آئے ہو۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ اس کا ثواب متاع دنیا سے بہتر پاؤ گے اور بڑا اَجْرًا کیونکہ اللہ اپنے بندے کو اجر بے حساب عطا فرماتا ہے۔ خَيْرًا تجدو کا دوسرا مفعول ہے اور یہ تجدوا کے مفعول کی تاکید ہے اس کے اور مفعول ثانی کے درمیان فاصلہ ہے (کوئی حرج نہیں) اگرچہ دو معرفتوں کے درمیان نہیں کیونکہ افعل کا صیغہ بھی معرفہ کے حکم میں ہے اسی لئے اس پر لام تعریف کا ممتنع ہے۔ اعظم کا اجر لوٹے دنیوی ہو یا اخروی۔

قاعدہ بعض نحویوں نے کہا کہ وجد جب بمعنی صادف ہو تو متعدی بیک مفعول ہوتا ہے یہاں وہی ہے عَلِمَ کے معنیٰ میں نہیں اس معنیٰ پر بعید نہیں خیرًا ضمیر سے حال ہے۔

حدیث شریف (۱) میں ہے جان لو کہ وہ عمل جو کوئی عمل اپنے لئے آگے بھیجے تو وہ اس سے نادم ہوتا ہے جو پیچھے چھوڑ آئے۔

حدیث شریف ۲ جب انسان مرتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کیا چھوڑا لیکن فرشتے کہتے ہیں کیا آگے بھیجا۔

حکایت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک دن (جنتہ) البقیع الغرقد سے گذرے یعنی قبرستان سے جو مدینہ طیبہ میں ہے اسے بقیع الغرقد اس لئے ہیں کہ اس وقت یہاں غرقد بہت تھے (غرقد غین معجمہ درخت) تو فرمایا اے اہل قبور السلام علیکم ہمارے ہاں تو یہ خبریں ہیں کہ تمہاری عورتیں بیاہی گئیں اور تمہارے مکانات میں لوگ سکونت پذیر ہوگئے اور تمہارے مال تقسیم ہوگئے آپ کو ہاتف غیبی نے جواب دیا اے عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) ہماری خبریں یہ ہیں کہ جو ہم نے مقدم کیا اسے ہم نے پایا اور جو ہم نے خرچ کیا اس کا ہم نے نفع پایا اور جو ہم نے چھوڑا اس میں خسارہ پایا۔

قدم لنفسك قبل موتك صالحًا
واعمل فليس الى الخلود سبيل

ترجمہ: موت سے پہلے اپنے لئے نیکی بھیج اور نیک عمل کر کیونکہ یہاں ہمیشہ نہیں رہنا۔

حکایت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حیس (طعام) تیار فرمایا جس میں کھجور کا دودھ بھی ملایا۔ اس کے بعد ایک مسکین آیا تو آپ نے وہ اسے دیدیا کسی نے کہا آپ کو کیا معلوم کہ یہ مسکین بھی ہے یا نہ۔ آپ نے فرمایا رب المسکین تو جانتا ہے گویا آپ نے وما تقدموا الخ پر عمل فرمایا۔

تو نیکی کن بآب انداز اے شاہ
اگر ماہی نداند داند اللہ

ترجمہ: اے بادشاہ نیکی کر اور دریا میں ڈال اگر اسے مچھلی نہ جانے اللہ تعالیٰ تو جانتا ہے۔

وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰہَ اور اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگو، تمام اوقات و احوال میں اپنے لئے گناہوں کی مغفرت کا اللہ سے سوال کرو کیونکہ انسان بہت کم خطا سے خالی ہوتا ہے۔ سلف صالحین رحمہم اللہ طلوع فجر تک نوافل پڑھ کر صبح تک استغفار کرتے رہتے ہیں۔

مسئلہ استغفار کے وہی کلمات مستحب ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے مثلاً کہے استغفروا اللہ ان اللہ غفور رحیم ۰ میں اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتا ہوں بے شک وہ بہت بخشنے والا رحم والا ہے اور استغفروا اللہ انہ کان غفارا میں اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتا ہوں بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے اور واغفر لنا وارحمنا وانت خیر الغافرین اور ہمیں بخش اور ہم پر رحم فرما تو تمام بخشنے والوں سے بہتر بخشنے والا ہے)۔

ان اللہ غفور بے شک اللہ بخشنے والا ہے شرک کے سوا تمام گناہ بخشتا ہے۔

رحیم (رحم والا ہے) برائیوں کو نیکیوں سے تبدیل کر دیتا ہے۔

فائدہ عین المعانی میں ہے کہ غفور ہے کہ جہل اور کوتاہی والوں کے عیوب چھپاتا ہے رحیم ہے اہل جہل و توفیر سے تخفیف فرماتا ہے اور جسے معلوم ہو کہ غفور وہ ہے جس کے آگے کوئی گناہ بڑا ہے اور وہ استغفار سے بڑھ کر معاف فرماتا ہے الاستغفار بمعنی طلب المغفرۃ اگر وہ انکسار سے ہو تو صحیح ہے اگر توبہ سے ہو تو کامل ہے اگر ان دونوں سے خالی ہے تو باطل ہے۔

تسہیل سکرات کا نسخہ جو استغفار لکھ کر سکرات کی تنگی والے کو پلائے تو اس کی زبان کھل جائے گی اور اس پر موت بھی آسان ہو گی اسے بارہا آزمایا گیا ہے۔

سید الاستغفار سید الاستغفار یہ ہے۔

اَللّٰھُمَّ انت ربی لا الہ الا انت ترجمہ: اے اللہ تو میرا پروردگار ہے تو نے مجھے پیدا کیا

خلقتنی وانا عبدك وانا علی عهدك ووعدك ما استطعت اعوذ بك من شر ما صنعت ابوء لك بنعمتك علیّ وابوءُ بذنبی فاغفرلی انه لایغفر الذنوب الا انت

میں تیرا بندہ ہوں اور میں تیرے عہد و وعدہ پر ہوں جتنا میری استطاعت ہے میں پناہ مانگتا ہوں اس شر سے جو میں نے کیا تیری اسی نعمت سے جو مجھ پر ہے اس کے ساتھ تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور اپنے گناہوں سے رجوع کرتا ہوں مجھے بخش دے گناہوں کو تیرے سوا کوئی نہیں بخشتا ۔

فراغت صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ:

اللہ کی مدد سے سورۃ المزمل کی تفسیر بدھ کے دن ٢٢ ذیقعد سنہ ١١١٧ھ کو ختم ہوئی ۔ اُویسی غفرلہٗ نے سورۃ مزمل کی تفسیر کے ترجمے سے شب جمعہ آٹھ بجے ٢٠ جمادی الاوّل سنہ ١٤٠٩ھ ٢٩ دسمبر سنہ ١٩٨٨ء کو فراغت پائی ۔

الحمد للہ علی ذلك صلی اللہ علی حبیبه الکریم (بہاولپور پاکستان)

سُوْرَۃُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اٰيَاتُهَا ٥٦ رُكُوْعَاتُهَا ٢
سورۂ مدثر مکیہ ہے اس میں اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا چھپن آیتیں اور دو رکوع ہیں
يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ① قُمْ فَاَنْذِرْ ② وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ③ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ④ وَالرُّجْزَ
اے بالا پوش اوڑھنے والے کھڑے ہو جاؤ پھر ڈر سناؤ اور اپنے رب ہی کی بڑائی بولو اور اپنے کپڑے پاک رکھو اور بتوں سے
فَاهْجُرْ ⑤ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ⑥ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ⑦ فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ⑧
دور رہو اور زیادہ لینے کی نیت سے کسی پر احسان نہ کرو اور اپنے رب کے لیے صبر کیے رہو پھر جب صور پھونکا جائے گا
فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ⑨ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ⑩ ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ
تو وہ دن کرا دن ہے کافروں پر آسان نہیں اسے مجھ پر چھوڑ جسے میں نے اکیلا
وَحِيْدًا ⑪ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ⑫ وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا ⑬ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ
پیدا کیا اور اسے وسیع مال دیا اور بیٹے دیے سامنے حاضر رہتے اور میں نے اس کے لیے
تَمْهِيْدًا ⑭ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ⑮ كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ⑯ سَاُرْهِقُهٗ
طرح طرح کی تیاریاں کیں پھر یہ طمع کرتا ہے کہ میں اور زیادہ دوں ہرگز نہیں وہ تو میری آیتوں سے عناد رکھتا ہے قریب ہے کہ میں اسے آگ
صَعُوْدًا ⑰ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ⑱ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ⑲ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ⑳
کے پہاڑ صعود پر چڑھاؤں بیشک وہ سوچا اور دل میں کچھ بات ٹھہرائی تو اس پر لعنت ہو کیسی ٹھہرائی پھر اس پر لعنت ہو کیسی ٹھہرائی پھر نظر
ثُمَّ نَظَرَ ㉑ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ㉒ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ㉓ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ
اٹھا کر دیکھا پھر تیوری چڑھائی اور منہ بگاڑا پھر پیٹھ پھیری اور تکبر کیا پھر بولا یہ تو وہی جادو ہے اگلوں سے سیکھا
يُّؤْثَرُ ㉔ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ㉕ سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ㉖ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ㉗
یہ نہیں مگر آدمی کا کلام کوئی دم جاتا ہے کہ میں اسے دوزخ میں دھنساتا ہوں اور تم نے کیا جانا
لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ㉘ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ㉙ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ㉚ وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ
دوزخ کیا ہے نہ چھوڑے نہ لگی رکھے آدمی کی کھال اتار لیتی ہے اس پر انیس داروغہ ہیں اور ہم نے دوزخ کے داروغہ نہ کیے
النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۪ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ
مگر فرشتے اور ہم نے ان کی یہ گنتی نہ رکھی مگر کافروں کی جانچ کو اس لیے کہ کتاب والوں کو

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ يَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِيْمَانًا وَّ لَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ
یقین آئے اور ایمان والوں کا ایمان بڑھے اور کتاب والوں

اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَ لِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ
اور مسلمانوں کو کوئی شک نہ رہے اور دل کے روگی اور

الْكٰفِرُوْنَ مَاذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ
کافر کہیں اس اچنبھے کی بات میں اللہ کا کیا مطلب ہے یوں ہی اللہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہے

وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ مَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ وَ مَا هِيَ اِلَّا
اور ہدایت فرماتا ہے جسے چاہے اور تمہارے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور وہ تو نہیں

ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ﴿٣١﴾ كَلَّا وَ الْقَمَرِ ﴿٣٢﴾ وَ الَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ﴿٣٣﴾ وَ الصُّبْحِ اِذَاۤ اَسْفَرَ ﴿٣٤﴾
مگر آدمی کے لیے نصیحت ہاں ہاں چاند کی قسم اور رات کی جب پیٹھ پھیرے اور صبح کی جب اجالا ڈالے

اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ﴿٣٥﴾ نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ﴿٣٦﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ
بے شک دوزخ بہت بڑی چیزوں میں کی ایک ہے آدمیوں کو ڈراؤ اسے جو تم میں چاہے کہ آگے آئے یا

اَوْ يَتَاَخَّرَ ﴿٣٧﴾ كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ﴿٣٨﴾ اِلَّاۤ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴿٣٩﴾
پیچھے رہے ہر جان اپنی کرنی میں گروی ہے مگر دہنی طرف والے

فِيْ جَنّٰتٍ ۛؕ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿٤٠﴾ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٤١﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ﴿٤٢﴾
باغوں میں پوچھتے ہیں مجرموں سے تمہیں کیا بات دوزخ میں لے گئی

قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿٤٣﴾ وَ لَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿٤٤﴾ وَ
وہ بولے ہم نماز نہ پڑھتے تھے اور مسکین کو کھانا نہ دیتے تھے اور

كُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآىِٕضِيْنَ ﴿٤٥﴾ وَ كُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿٤٦﴾ حَتّٰۤى اَتٰىنَا
بیہودہ فکر والوں کے ساتھ بیہودہ فکریں کرتے تھے اور ہم انصاف کے دن کو جھٹلاتے رہے یہاں تک کہ ہمیں

الْيَقِيْنُ ﴿٤٧﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴿٤٨﴾ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ
موت آئی تو انہیں سفارشیوں کی سفارش کام نہ دے گی تو انہیں کیا ہوا نصیحت سے منہ پھیرتے

مُعْرِضِيْنَ ﴿٤٩﴾ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿٥٠﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿٥١﴾ بَلْ
ہیں گویا وہ بھڑکے ہوئے گدھے ہوں کہ شیر سے بھاگے ہوں

يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿۵۲﴾ كَلَّا بَلْ لَّا
کہ ہر شخص چاہتا ہے کہ کھلے صحیفے اس کے ہاتھ میں دے دیئے جائیں ہرگز نہیں بلکہ ان کو آخرت
يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۵۳﴾ كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ﴿۵۴﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۵۵﴾ وَمَا يَذْكُرُوْنَ
کا ڈر نہیں ہاں ہاں بے شک وہ نصیحت ہے تو جو چاہے اس سے نصیحت لے اور وہ
اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿۵۶﴾
کیا نصیحت مانیں مگر جب اللہ چاہے وہی ہے ڈرنے کے لائق اور اسی کی شان ہے مغفرت فرمانا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ   اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان اور رحم والا

تفسیر عالمانہ يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ﴿۱﴾ اے بالاپوش اوڑھنے والے۔

تشدیدین دراصل متدثر تھا بالاپوش اوڑھنے والا وہ کپڑا جسم سے مس کرنے والے کپڑے

حل لغات کے اوپر پہنا جائے اسی سے قول سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی جو آپ نے انصار سے فرمایا الانصار شعار والناس دثار اس میں اشارہ ولایت شعار کی طرح ہے کہ اس کا تعلق باطن سے ہے اور نبوت دثار کی طرح ہے کہ اس کا تعلق ظاہر سے ہے اسی لئے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انذار کے مقام میں مدثر سے خطاب کیا گیا۔

شان نزول حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سید عالم صلی اللہ (تعالیٰ) علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں کوہ حرا پر تھا کہ مجھے ندا کی گئی یا محمد انک رسول اللہ میں نے اپنے دائیں بائیں دیکھا کچھ نہ پایا اوپر دیکھا ایک شخص آسمان زمین کے درمیان بیٹھا ہے (یعنی وہی فرشتہ جس نے ندا کی تھی۔ یہ دیکھ کر مجھ پر رعب ہوا اور میں خدیجہ کے پاس آیا اور میں نے کہا کہ مجھے بالاپوش اڑھا دو انہوں نے اُڑھا دیا اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو۔ اس وقت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور کہا يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ۔

فائدہ بالاپوش اس لئے کہ سارا جسم لرز رہا تھا اور کاندھے مبارک بھی اترنے والے فرشتے کے رعب سے کہ اس سے پہلے آپ نے اسے نہیں دیکھا تھا اور نہ ہی ابھی اس سے مانوس ہوئے خیال کیا کہ موٹے جنوں میں سے کوئی ہے اسی لئے اس سے خوفزدہ ہوئے۔

شیخ اکبر قدس سرہ کی تقریر

حضرت شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا کہ بالاپوش اوڑھنا وحی کے نزول کے بعد ٹھنڈک سے اس لئے ہوتا کہ جب نبی علیہ السلام علم یا حکم وارد ہوتا تو وہ جب روح انسانی سے ملتا تو اس سے حرارت غریزیہ شعلہ زن ہوتی اس سے آپ کا چہرہ اقدس متغیر ہوجاتا اور رطوبت سطح بدن کی طرف منتقل ہوتیں اس حرارت کے غلبہ سے اسی لئے آپ نزول وحی کے وقت پسینہ پسینہ ہو جاتے جب فراغت ہوتی تو مزاج اقدس کو سکون ملتا اور وہ حرارت بھی ٹھنڈی اور مسام مبارک کھل جاتے اس کے بعد خارجی ہوا کو جسم مبارک قبول کرتا جب ہوا جسم میں داخل ہوتی تو مزاج اقدس سردی محسوس فرماتا اسے آپ کو کپکپی ہوتی تو آپ پر بالاپوش ڈالا تاکہ سردی کا جوش نرم پڑے۔ اس کے علاوہ علماء و مشائخ نے اور تقریریں بھی بیان فرمائی ہیں جیسا کہ کشف الاسرار و تفسیر الکاشفی میں مذکور ہیں۔

فترت وحی

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں فترت وحی کے دوران کہیں جا رہا تھا اچانک آسمان سے آواز سنی اوپر دیکھا تو وہی فرشتہ جو غار حرا میں آیا تھا زمین و آسمان کے درمیان میں کرسی ڈالے بیٹھا ہے اس کی سطوت و ہیبت و عظمت اور شکل بارعب ہے۔ مجھ پر رعب طاری ہوگیا میں گھر واپس آیا اور کہا مجھ پر کپڑے ڈالو مجھ پر بالاپوش ڈالا گیا اسی حال میں تھا کہ اللہ (تعالیٰ) نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ اے بالاپوش اوڑھنے والے محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

خطاب کا نکتہ

حضرت امام سہلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اول نزول وحی کے ہول سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالاپوش رہتے تھے اوڑھنے کے لئے گھر والوں سے فرمایا دثرونی ' دثرونی (مجھے بالاپوش اوڑھا دو) یا اے فلاں نہیں فرمایا تاکہ آپ کو نرمی و لطف و کرم از خدا تعالیٰ کا تصور ہو جیسے يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ میں گزرا۔ دوسرا فائدہ اسے آنے والی آیت قُمْ فَأَنْذِرْ کی مشاکلت کی وجہ سے اول کلام اور قم فانذر کے درمیان مشاکلت خفی (پوشیدہ) ہے لیکن تامل کے بعد معلوم ہوسکتی ہے اور وہ ہے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی: انا النذیر العریان کی معرفت (یعنی میں عریان نذیر ہوں)

عریان نذیر کی تحقیق

نذیر عریان کا معنیٰ ہے جدوجہد کرنے والا چادر کو پنڈلی پر کس کر محنت سے کام کرنے والا۔ اور عرب میں نذیر وہ کہلاتا ہے جو جب کام میں جدوجہد کرتا تو زائد از ضرورت کپڑے اتار کر کام کرتا اور اس کے ساتھ آواز کر کے ڈرانے کا اشارہ بھی اسی انذار و تحذیر کی تاکید کے لئے۔

نذیر عریان کی کہانی یہ بھی کہا گیا ہے کہ نذیر عریان ایک مرد تھا خثعم سے خثعم بروزن جعفر ایک پہاڑ ہے اس کے اہل کو خثعیوں کہا جاتا وابن انمار وہ قبیلہ کا مورث اعلیٰ سعد کی شاخ ہے (القاموس) اس شخص کو دشمنوں نے پکڑ لیا اور اس کے ہاتھ کاٹ لئے اور کپڑے اتار کر ننگا گھر کو روانہ کر دیا۔ دشمنوں سے رہا ہو کر اپنی برادری کے قریب پہنچا تو انہیں دشمنوں سے ڈرایا برادری نے دیکھا کہ وہ ننگا ہے۔

فائدہ اس کے بعد انذار و تخویف میں بہت زیادہ زور لگانے والے کو نذیر عریان کہنے لگے جب یہ واقعہ اور محاورہ معلوم ہوا تو اب دونوں کلاموں کی مشاکلت کا سمجھنا آسان ہو گیا اسی لئے مدثر کہہ کر ثیاب کو اس کی طرف منسوب کرنا اسی نذیر عریان کے محاورہ کی وجہ سے ہے اور اسی کے مقابل اور اسی سے مرتبط ہے لفظ بھی اور معنیً بھی۔

قُمْ اپنے بستر یعنی خواب گاہ سے اٹھو۔ **فَاَنْذِرْ** اور تمام لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈراؤ اگرچہ ایمان نہ لائیں۔

مسئلہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی ملت ایسی نہیں جہاں آپ کی دعوت نہ پہنچی ہو اور ہر جگہ پر آپ کے انذار نے آواز دی (یعنی ہر جگہ اسلام کا پیغام پہنچا۔

سوال یہاں صرف فانذر کا ذکر کیوں حالانکہ آپ بشیر (خوشخبری دینے والے) بھی ہیں۔

جواب تخلیہ (بالخاء المعجمہ) تجلیہ (بالجیم المعجمہ) سے پہلے ہوتا ہے چونکہ کفار لوگ نافرمان اور مستحق تخویف تھے تو ایسے لوگوں کے لئے پہلا امر انذار ہی ہوتا ہے۔

حکایت صاحب روح البیان فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ اللہ تعالیٰ قدیرا اس کی فیض کثیر سے مدد فرمائے) کہتا ہے کہ میں حرم نبوی میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرہانے مبارک کی جانب مراقبہ میں تھا کہ مجھے غیبی آواز سنائی دی قُمْ فَاَنْذِرْ اس سے مجھے سخت اضطراب ہوا اور خطاب الٰہی کے دبدبہ سے مجھ پر سخت قسم کی حیرت چھا گئی اس پر مجھے گمان ہوا کہ شاید میں تبلیغ کے لئے مامور ہوا ہوں کہ ان لوگوں کو سمجھاؤں جو حرم محترم میں بے ادبی کا ارتکاب کرتے ہوں کیونکہ میں نے انہیں حرم محترم میں بے ادبی کرتے دیکھ کر بوجہ غیرت رویا اور خوب رویا تو مجھے ان کے لئے کہا گیا:

اولٰئِكَ الَّذِيْنَ لعنہم اللہ فاصمہم واعمٰی ابصارہم یہ وہ لوگ ہیں جن پر خدا کی لعنت اور انہیں اللہ تعالیٰ بہرہ کرے اور ان کی آنکھیں اندھی ہوں۱؎۔ اس کے بعد مجھے الہام ہوا کہ میں خود اپنے لئے پیغامبر ہوں نہ دوسروں کے لئے کہ اپنے نفس کا تزکیہ اور اس کے قویٰ کی اصلاح کروں (اللہ سے ہی اس کی اعانت ہو) آمین۔

(۱۔ [illegible] اگلے صفحہ پر)

وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے اور رَبَّكَ کو تکبیر سے اس لئے خاص کیا ہے اور اعتقادًا وقولًا وعظمۃ کبریائی کا عقیدہ ضروری ہے اور جو اوصاف بت کے پجاری اور دیگر ظالمین اللہ تعالیٰ کے لئے ناشائستہ باتیں کہتے ہیں ان سے بیزاری کا اظہار لازم ہے۔

فائدہ مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا اللہ اکبر پھر بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا، اور اس سے بی بی خوش ہوئی اور یقین کیا کہ یہ وحی ربانی ہے کیونکہ شیطان تکبیر وغیرہ کا امر نہیں کرتا۔

مسئلہ اس میں نماز کی تکبیر داخل ہے اگرچہ اوائل النبوۃ میں نماز کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اس لئے کہ نماز خاص اوضاع وہیآت کا نام ہے اور ان میں اللہ تعالیٰ کے لئے تعلید کا اہم ہوتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ جمیع تعینات سے منزہ ہے اسی لئے اس میں تنزیہ اللہ اکبر کہنے سے ضروری ہے کیونکہ نمازی کے چہرہ کے بالمقابل اللہ تعالیٰ کے چہرے کا ذکر صحیح حدیث شریف میں ہے۔

فائدہ فا شرط کے معنیٰ میں ہے گویا کہا گیا ہو سو ہو تم اللہ (تعالیٰ) کی بڑائی ضرور بیان کرو اسے ہرگز نہ چھوڑ دینا اس دلالت کے لئے ہے حکم الٰہی کو قائم کرنے کے لئے اولین شرط ہے کہ اس کی بڑائی بیان کی جائے اور شرک سے تنزیہ کیونکہ سب سے پہلے صانع کی معرفت پھر اس کی جناب سے ان امور کی تنزیہ جو اس کی شان کے لائق نہیں اس تقریر پر فا تعقیبیہ ہے نہ کہ جزائیہ۔

مسئلہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی اس کی صفت قائم بنفسہ ہے نہ کہ قائم بغیرہ کہ دوسرے میں کوئی کبریائی

---

[1] صاحب روح البیان کا دور تو پھر بھی ادب رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں کچھ کم نہ تھا لیکن اگر آج وہ نجدی کی گنبد خضریٰ کے ارد گرد بے ادبی ملاحظہ فرماتے تو خون کے آنسو بہاتے۔ آج نجدی دور میں ادب پر کنٹرول اور بے ادبی کا راج ہے بلکہ بے ادبی قانونی طور پر کرائی جاتی ہے۔ مثلاً

① جالی مبارک کے سامنے دعا نہیں مانگنے دیتے۔

② جالی مبارک کی طرف پیٹھ کرا کر قبلہ کی سمت دعا مانگنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

③ جالی مبارک کے سامنے دست بستہ کھڑا نہیں ہونے دیتے۔

④ جالی مبارک کا چومنا اور گنبد خضریٰ کی دیواروں کو مس کرنا تو ان کے نزدیک جرم عظیم ہے بلکہ شرک اور حرام۔ حرام کہہ کر چومنے والے پر غیض و غضب سے پیش آتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

(اویسی غفرلہ)

والا اس کے لئے بالمقابل ہے اسی لئے یہ اکبر ہے اور وہ اسکی بنسبت صحیح ہے بلکہ وہ تو حادث ہیں انہیں اس ذات سے کیا نسبت اس لئے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے شب معراج کہا لا احصی ثناءً علیک انت کما اثنیت علیٰ نفسک ہم تیری ثناء نہیں کر سکتے جیسے تو نے خود اپنی ثناء کی۔ اس معنیٰ پر اللہ تعالیٰ خود ہی مکبر (کبریائی بیان کرنے والا) اور خود ہی مثنی (ثنا گو) لذاتہ بذاتہ ہے جیسے وہ اپنی تکبیر و ثناء جانتا ہے ازل تا ابد۔

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (اور اپنے کپڑے پاک رکھو) ثیاب ثوب کی جمع ہے بمعنیٰ لباس یعنی لباس مبارک باوجودیکہ پاک ہے تب بھی اسے نجاسات سے محفوظ اور بچائے رکھیں اور جب میلے ہو جائیں تو پاک پانی سے دھوئیے کیونکہ پاک مومن کے لئے یہ امر قبیح ہے کہ وہ خبیث اشیاء کا حامل ہو۔ نماز میں ہو یا غیر نماز میں اور اسے چھوٹا (سادہ) رکھئے کیونکہ لمبے کپڑے کا دامن پلیدیوں پر پڑے گا اور نجاست آلود ہو جائے گا۔

فائدہ تطہیر چھوٹا (سادہ) لباس پہننے سے کنایہ ہے کیونکہ یہ اس کے لوازم سے ہے اور تقصیر کا مطلب یہ ہے کہ نصف پنڈلی یا گٹوں تھوڑا سا اونچا کیونکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی چادر مبارک گٹوں سے تھوڑا سا اوپر ہوتی تھی اور اس سے نیچے چادر وغیرہ کے متعلق نار کی وعید ہے۔

ملفوظ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کپڑا چھوٹا (سادہ) پہنتے تھے کیونکہ یہی زیادہ اور تقویٰ کے قریب تر اور زیادہ باقی رہنے والا ہے یہی وہ پہلا امر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہوا کہ مذمومہ عادات کا ترک لازم ہے اس لئے کہ مشرکین نجاسات سے کپڑوں کو نہیں بچاتے تھے۔

فائدہ اس میں ظاہری تطہیر سے باطنی تطہیر کی طرف انتقال ہے کیونکہ جو اپنے باطن کو صاف رکھنا چاہتا ہے وہ ہر شے میں خبیث (پلیدی) سے اجتناب اور طہارۃ اختیار کرتا ہے اور دین کی تو بنیاد ہی لطافت پر ہے اور اللہ تعالیٰ بھی لطیف (صفائی والے) عبادتگذار کو پسند فرماتا ہے۔

حدیث شریف ① برتن دھونا گھر کا صحن صاف رکھنا غنا (دولتمندی) پیدا کرتے ہیں۔
حدیث شریف ② مرفوع حدیث شریف میں ہے کہ اپنے منہ صاف ستھرے رکھو کیونکہ یہی قرآن کا راستہ ہے۔

حل لغات امام راغب رحمہ اللہ (تعالیٰ) نے فرمایا کہ طہارۃ دو ہیں: ① جسم ② نفس انہی دونوں کی طہارت کا حکم ہے۔ قرآن پاک کی طہارت والی آیات ہیں۔

فائدہ وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ کا معنیٰ ہے اپنے نفس کو پاک کر یعنی اسے عیوب والے امور سے صاف ستھرا رکھ اور اپنے قلوب کو پاک کر (القاموس) یا اپنے اخلاق صاف کر اور انہیں اچھا بنا (قالہ الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ)۔

حدیث شریف ③ میں ہے کہ اپنا خلق حسن بنا اگرچہ کفار کے ساتھ اور ابرار کے مجالس میں بیٹھ یا یہ کہ اپنے اعمال اچھے بنا اور ان کی اصلاح کر (الحواشی)۔

حدیث شریف ④ قبر سے انسان اپنے ان کپڑوں میں اٹھایا جائے گا جن میں اسے موت آئی یعنی عمل طیب پر موت آئی تو طیب (پاک) حالت میں قبر سے اُٹھنا ہوگا خبیث عمل پر آئی تو خبیث حالت پر اُٹھنا ہوگا۔ (عین المعانی) اور مروی ہے کہ بندہ اپنے کپڑوں میں اٹھایا جائے گا یعنی اعمال میں۔ (القاموس) یا یہ اپنے اہل وعیال کو وعظ و آداب سکھا کر خطاؤں سے پاک رکھ۔ اہل عرب کو تو ثوب لباس سے بھی تعبیر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ھن لباس لکم وانتم لباس لھن وہ تمہارا لباس ہیں تم ان کا۔ (کشف الاسرار)

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ انہیں لباس معصیت اور دھوکہ کا نہ پہن بلکہ پاک لباس پہن (فتح الرحمٰن) شاعر نے کہا ؎

وانی بحمد اللہ لا ثوب فاجر
لبست ولا من غدرة اتقنع

ترجمہ: الحمد للہ میں نے تو فسق و فجور کپڑا پہنا اور نہ ہی دھوکے کا میں قناعت پذیر ہوں۔

فائدہ فجور اور دھوکہ والا بھی کپڑے کی غبار آلود کہلاتے ہیں جیسے اہل صدق و وفا کو طاہر الثیاب کہا جاتا ہے۔

ابوالحسن شاذلی کو زیارت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم،

حضرت ابوالحسن شاذلی قدس سرہٗ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا مجھے فرمایا اپنے کپڑے میل کچیل سے صاف کر تاکہ ہر لحظہ اللہ تعالیٰ کی مدد و تائید سے بہرہ مندی حاصل ہو میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے کونسے وہ کپڑے ہیں جنہیں میں میل کچیل سے پاک و صاف رکھوں فرمایا اللہ نے تمہیں پانچ خلعتیں پہنائی ہیں: ① خلعت محبت ② خلعت معرفت

③ خلعت توحید ④ خلعت ایمان ⑤ خلعت اسلام

جو اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتا ہے اس پر ہر شے آسان ہو جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ پہچان لیتا ہے تو ہر شے

اس کی نگاہ بڑا معمول ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک مانتا ہے تو وہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے ہر شے سے بے غم ہو جاتا ہے جو اسلام سے موصوف ہوتا ہے وہ خدا کا نافرمان نہ ہوگا اگر کبھی کوئی گناہ اس سے صادر ہوگا تو عذر (توبہ) کرنے پر معاف ہو جائے گا اور اس کی توبہ قبول ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے۔ شیخ ابوالحسن شاذلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اب مجھے وَثِیَابَکَ

فَطَهِّرْ مطلب معلوم ہوا ہے

در تو پوشد لطف یزدانی
خلعتے از صفات روحانی

دارش از لوث خشم و شہوت دور
تا بپاکیزگی شوی مشہور

ترجمہ: تجھے لطف یزدانی نے صفات روحانی کی خلعت پہنائی ہے۔
اسے خشم (غصہ) اور شہوت کی آلائش سے دور رکھ تاکہ تو پاکیزگی سے مشہور ہو۔

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (اور بتوں سے دور رہو) روایت حفص میں امام عاصم سے الرجز کو مضموم اور باقیوں نے بکسر الراء پڑھا ہے لیکن معنیٰ ہر دونوں کا ایک ہے اس سے بت مراد ہیں۔ اور الہجر کا معنیٰ سورۃ المزمل میں گذرا میں گذرا۔ یعنی بتوں کی عبادت چھوڑ دو ان کی عبادت کے قریب نہ جھکو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی واجنبنی وبنی ان نعبد الاصنام (مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے دور رکھ)۔

فائدہ رجز بمعنی عذاب بھی ہے یعنی عذاب کو چھوڑ اس ترک پر ثابت قدمی سے جو مآثم (گناہوں) پر لے جائے عذاب کا موجب ہے یہ تسمیۃ المسبب باسم السبب کے قبیل سے ہے یعنی ایسے ہجر (ترک) پر مداومت کیجئے (یہ معنیٰ اس لئے کیا گیا) کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو بتوں کی پرستش اور اس جیسے اور امور سے بیزار تھے۔

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (اور زیادہ لینے کی نیت سے کسی پر احسان نہ کرو)۔ تستکثر یہ صیغہ مضارع مرفوع کیونکہ بمعنیٰ حال ہے یعنی اس نیت سے نہ دو کہ ان سے زیادہ لیں گے یا کثیر کے طالب نہ ہو۔

مسئلہ اسمیں استغزار کی نہی ہے استغزار یہ ہے کہ کسی کو کچھ اس نیت سے ہبہ کرے کہ اس سے دیئے ہوئے ہبہ سے زائد ملے گا یہ جائز ہے اسی پر حدیث وارد ہے وہ یہ کہ المستغزر یثاب یعنی زیادتی کی نیت پر ہبہ کرنے والے کو اس کے ہبہ کا عوض دیا جائے۔ الغزارۃ بغین معجمہ وتقدیم الزاء بمعنی الکثرۃ۔

سوال قرآن مجید جب نہی ہے تو پھر وہ جائز کیوں ؟

جواب ① یہ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خاص ہے آپ کے حسن اخلاق کے عالی رتبہ کی وجہ سے جیسے زکوٰۃ کا مال آپ کے فقراً امتی کو جائز ہے لیکن نہ وہ آپ کے لئے جائز نہ آپ کی اہلبیت کے لئے بوجہ آپ کی شرافت اور عام اشیائے سے منزہ کے طور۔

جواب ② بعض نے کہا یہ منت کے قبیل سے ہے اس لئے جو کسی پر احسان کرکے اسے کثیر اور اس پر اعتماد کرتا ہے تو قاعدہ ہے کہ منت لگانا عمل کو ضائع کر دیتا ہے بالخصوص نیکی کرکے اللہ تعالیٰ پر منت سمجھتا ہے مثلاً یہ سمجھے کہ میں نے بہت زیادہ کام کیا بلکہ اسے یہ سمجھنا تھا کہ یہ اس کی منت ہے کہ اس نے اس عمل کی توفیق بخشی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا بل اللّٰہ یمن علیکم بلکہ اللہ تعالیٰ پر منت لگاتا (احسان کرتا) ہے بلکہ جو شخص زندگی بھر عبادت میں گذارے اور سمجھے کہ میں اس کا شکر ادا کر رہا ہوں وہ صرف اس کی ایجاد (وجود کی نعمت بخشنے) کا شکر بھی نہ ادا کرسکے گا چہ جائیکہ دیگر ان گنت نعمتوں کا جو اس نے جود و کرم سے بندے کو بیشمار نعمتوں سے نوازا ہے۔

وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ (اور اپنے رب تعالیٰ کے لئے صبر کئے رہو) یعنی اپنے رب تعالیٰ کے حکم پر صبر کیجیو اور مشرکین کی اذیتوں سے درد والم محسوس نہ کرو کیونکہ تبلیغ پر مامور کو لوگوں کی اذیتوں اور تکلیفوں پر صبر ضروری ہے کیونکہ صبر سے ہر کڑوا میٹھا اور امتحان میں ذوق بڑھتا ہے۔ ؎

تحمل چو زہرت نماید نخست
ولے شہد گردد چو در طبع است

ترجمہ: تحمل (صبر وغیرہ) پہلے زہر محسوس ہوتا ہے لیکن پھر شہد ہو جاتا ہے جب طبع میں رچ جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ بعض اہل معرفت نے فرمایا کہ اپنے صبر کو جمیع مراتب میں ملاحظہ غیر سے خالی رکھ یعنی معیت سے صبر اور صبر علیٰ فی البلاء اور تیرا صبر نہ ہو مگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور حضرت کاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ یعنی اس بدن کے لباس اوڑھنے والے جو اپنی صورت سے محجوب ہے قُمْ اس سے اٹھ کھڑا ہو جس کی طرف تو نے رجوع کیا اور اسے پہنا اشغال طبیعت سے اور خواب غفلت سے بیدار ہو فَاَنْذِرْ اپنے نفس اور اس کے قوی اور جمیع ماسوا کو یوم عظیم کے عذاب سے ڈرائیے اگر تو کسی کو بڑا اور عظیم القدر سمجھتا ہے تو ایسی تعظیم و تکبیر صرف اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ خاص کر دے اس کے سوا تیری نگاہ میں کوئی معظم نہ ہو بلکہ اس کی کبریائی کے مشاہدہ سے تیرے دل میں ہر شے کمتر ہو باطن کو پاک کرنے سے پہلے اپنے ظاہر

و پاک کرو غبار آلود اخلاق اور افعال اور مذموم عادات سے اور ہیولیٰ کے رجز جو عذاب کی طرف لے
جانے والا ہے کو چھوڑ دو یعنی اپنے باطن کو لواحق مادیہ و ہیآت جسمانیہ فاسقہ اور خواہشی ظلمانیہ ہیولانیہ سے پاک
رو۔ اس متجرد ہونے کے بعد مال نہ دو اعواضی و ثواب کثیرہ کی طلب میں کیونکہ منعم کی نعمت سے حجاب اور قصور
نت ہے بلکہ جو کچھ دو اللہ تعالیٰ کی رضا پر دو جو کچھ کرو اسس پر صبر کرو اس کی دی ہوئی فضیلت کی وجہ سے
اس کے سوا کسی غیر شے سے نہیں۔

فسیر عالمانہ فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ پھر جب صور پھونکا جائے گا۔

ل لغات

الناقور وہ شے جس میں سوراخ کیا جائے اور النقر بمعنی آواز کرنا دراصل وہ کھٹکا جو آواز کا سبب
بنتا ہے یعنی شے اس حیثیت میں بنانا کہ کھٹکے سے اس سے آواز ظاہر ہو یعنی نفخ۔ پھونک،
ر وہ بھی ہوا کی ایک قسم ہے جو حلقوم سے خارج ہوتی ہے اس سے مراد صور ہے یعنی وہ قرن جس میں اسرافیل
السلام ایک بار تمام مخلوق کو بے ہوش کرنے کے لئے پھر دوسری بار زندہ کرنے سے پھونکیں گے فاعول از
ب معنی یہ ہوا کہ صور پھونکا جائے گا فا سببیہ ہے ماقبل کے لئے مابعد کا سبب ہونا نہ برعکس تو یہ بمعنی لام
ے کے ہے گویا کہا گیا کہ ان مشرکین کی اذیتوں پر صبر کیجئے کیونکہ ان کے آگے ایک ہولناک دن ہے اس میں
ت دینے کے انجام کو پائیں گے اور آپ اپنے صبر کا نیک انجام اور اذا کا ماقبل وہ معنی ہے جس پر
لِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۙ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (تو وہ دن سخت دن ہے کافروں پر) دلالت کرتا ہے یعنی
ن عذاب اور برے حساب کی وجہ سے کافروں پر سخت ہوگا اور ذلک کا اشارہ نقر کی طرف ہے وہ
اور یومئذ اس سے بدل معنی علی الفتح ہے بوجہ اضافۃ غیر متمکن کی طرف کے یعنی اذا کی طرف اصل عبارت
ہے اذا نقر فیہ اور خبر یوم عسیر ہے اور علی عسیر کے متعلق ہے جس پر وکان یوما علی الکفرین
یں (اور ہوگا وہ دن کافروں پر سخت) دلالت کرتا ہے، گویا کہا گیا ہے یوم النقر یوم عسیر (صور
کنے کا دن کافروں کے لئے سخت ہوگا) غیر یسیر (آسان نہیں) یہ خبر کے بعد خبر ہے کافروں پر اس
سختی کی تاکید ہے کہ ان کے لئے آسانی کا احتمال بھی منقطع ہے کسی وجہ سے بھی ان پر آسانی نہ ہوگی۔
ہ اس میں اشارہ ہے کہ یہ دن اہل ایمان کے لئے آسان ہوگا۔

اس نفخ سے نفخ ثانیہ مراد ہے جس سے لوگ زندہ ہوں گے کیونکہ اسی دن تمام کافروں پر تنگی ہوگی اور
ہ اور پہلا نفخہ کے وقت تو تنگی ان پر ہوگی جو اس وقت زندہ ہوں گے جو مر گئے تو وہ نہ اس کا وقت
کے نہ اسس کی تنگی ہوگی (اگرچہ اس کے علاوہ دوسرے عذاب میں مبتلا ہوں گے)

نفخ صور کا کمال اخبار میں ہے کہ صور میں جملہ ارواح کے برابر سوراخ ہیں تو ہر روح اپنے سوراخ میں جمع ہوگا پھونکنے سے ہر روح اڑ کر اپنے جسم میں داخل ہو کر اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہر انسان زندہ ہوگا۔

حدیث شریف میں ہے اللہ (تعالیٰ) کا کتنا انعام ہے کہ اس وقت اسرافیل علیہ السلام قرن اپنے منہ میں لئے منتظر کھڑا ہے کہ کب اسے پھونکنے کا حکم ہوتا ہے عرض کی گئی ہم (اسکی آسانی کے لئے) کونسا عمل کریں فرمایا کہو حسبنا اللہ ونعم الوکیل (ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے)

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب اس بدن میں جو اُٹھایا جائے گا پھونکا جائے گا تو اسمیں تمام نقوش سینہ جو عذاب کی طرف لے جاتے ہیں منقش ہو جاتے ہیں یا نیکیاں جو نجات دینے والی اور ثواب کی موجب ہیں اور محجوبین پر اس کی سختی کسی سے مخفی نہ رہے گی اگرچہ غیبیل پر آسانی مخفی ہوگی لیکن وہ بھی اہل کشف و عیاں پر مخفی نہ ہوگی۔

تفسیر عالمانہ ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا اور مجھ پر چھوڑ جسے میں نے اکیلا پیدا کیا۔ وحیدًا ذرنی کی یاء سے حال ہے یعنی درانحالیکہ میں اس کے لئے اکیلا کافی ہوں آپ کے انتقام کے لئے میں اسے کفایت کروں گا۔ یا خلقت کی تاء تکلم سے حال ہے یعنی میں نے اسے اکیلا پیدا کیا میرے ساتھ کوئی اور شریک نہ تھا یا علیہ محذوف سے کہ دراصل ومن خلقتہ وحیدًا فردًا الخ میں نے اسے اکیلا پیدا کیا کہ اس وقت اس کے پاس مال تھا نہ اولاد۔

شان نزول یہ ولید بن المغیرہ مخزومی کے حق میں نازل ہوئی جو اپنی برادری میں وحید کے لقب سے ملقب تھا ان کا گمان تھا کہ یہ بے نظیر ہے اس کی وجاہت اور مال میں اس کا کوئی ثانی نہیں اور خود بھی اس لقب پر نازاں تھا کہتا تھا۔ انا الوحید بن الوحید لیس لی فی العرب نظیر میں وحید کا بیٹا وحید ہوں کہ میں عرب میں بے نظیر ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اسے وحید کہا تہکمًا واستہزاءً جیسے دوسری جگہ فرمایا ذق انک انت العزیز الکریم عذاب چکھ تو تو مغرور و مکرم ہے اور ان کے ذہن کو پھیرنا ہے کہ جس وجہ سے یعنی مال و اولاد سے تم اسے وحید سمجھ کر اس کی مدح کرتے ہو وہ تو اس کی وجہ سے قابل مذمت ہے کیونکہ مرنے کے بعد نہ اس کے پاس مال ہوگا نہ اولاد یا وحید ہے اپنے باپ اور نسب سے کیونکہ ولد لزناء تھا وہ قوم میں ملحق تھا ان سے نہ تھا جیسے گذرا یا وحید فی الشرارۃ والخیانۃ والدناءۃ (کمینگی اور شرارت اور خیانت میں بے نظیر)۔

وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا اور میں نے اسے مال دیا وسیع کثیر۔ کیونکہ مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان اس جیسا کوئی مال دار نہ تھا۔ حضرت ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کے پاس ایک لاکھ دینار تھے ۱۳ وَّ بَنِیْنَ اور بیٹے شُهُوْدًا (سامنے حاضر رہتے)۔

حل لغات شہود شاہد کی جمع ہے جیسے قاعد کی قعود از شہدہ ہمچوں سمعہ بمعنی حضرہ اس کے ساتھ حاضر مکہ معظمہ میں جو اس کے سامنے رہتے تھے کاروبار اور تجارت کی وجہ سے کیونکہ بڑا کاروبار کرتے تھے اور بہت بڑے اسباب کے مالک تھے اور بکثرت نوکر چاکر رکھتے تھے یا اس کے ساتھ رہتے تھے مجالس و محافل میں صاحب وجاہت اور معتبر شخصیات سمجھے جاتے تھے اس کے دس بیٹے تھے تین تو مسلمان ہوگئے تھے (۱) حضرت خالد (۲) حضرت ہشام (۳) عمارہ۔

فائدہ مفسرین فرماتے ہیں کہ محدثین کا اتفاق ہے کہ ولید بن الولید حضرت خالد کا بھائی بھی مسلمان ہوگیا تھا لیکن عمارہ کافر تھا بدر میں قتل کردیا گیا یا حبشہ میں حضرت نجاشی کے ہاتھوں مارا گیا حضرت سہیلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو مسلمان ہوگئے تھے وہ یہ ہیں۔ (۱) حضرت ہشام بن الولید (۲) حضرت الولید بن الولید (۳) حضرت خالد بن ولید جس کا لقب سیف اللہ تھا باقی دین جاہلیت میں مرے اسی لئے ہم ان کا نام نہیں لیتے۔

وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا اور میں نے اس کے لئے طرح طرح کی تیاریاں کیں۔ میں نے اس کے لئے ریاست اور ملبا چوڑا جاہ و جلال تیار کیا اور اسے کامل نعمت سے نوازا کیونکہ مال اور آل اولاد کا اجتماع اہل دنیا کے نزدیک انسان کا بڑا کمال ہے اسی لئے اس کا لقب اہل مکہ کے نزدیک ریحانہ قریش تھا ریحانہ ایک خوشبودار گھاس پودا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ولید بن مغیرہ وحید سے نفس کی طرف اشارہ ہے جو شر و ظلم و جور اور جہل اور کثرہ اموال اور اعمال سیئہ مذمومہ اور اخلاق ذمیمہ کی جملہ اجناس میں بے نظیر ہے اس کے بیٹوں میں اس کے اتباع خبیثہ خسیسہ کی طرف اور اس کی کشادگی اور سلطنت و وجاہت ارباب نفوس متمردہ کے نزدیک اس کا اور مرحق اور نواہی سے سرکشی اور حق اور ارباب حق کے ساتھ لڑائی رکھنا مراد ہے اور نفس کے اتباع سے اس کے قوی طبعیہ ظلمانیہ مراد ہیں اب معنیٰ یہ ہوا کہ مجھے اس کے ساتھ چھوڑ دیجئے میں ہی امیر ابوبکر خفی و عمر روح اور عثمان سر و علی قلب مسلط کردوں گا یہاں تک کہ وہ اپنے انوار روحانیہ سے اس کی ظلمات نفسانیہ مٹا دیں گے اور اس کے اعمال کا ستیاناس کردیں گے اور اس کے بیٹوں یعنی اتباع اور نوکروں، چاکروں کو قتل کر ڈالیں گے۔ اور اس کی سلطنت کی بساط لپیٹ دیں گے اور اس کی بالا دستی ختم کردیں گے۔

ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ پھر یہ طمع کرتا ہے کہ میں اسے اور زیادہ دوں۔ اس پر جو

تفسیر عالمانہ وہ مال کی وسعت وکثرت دیا گیا ہے مال واولاد سے یعنی عادۃً اپنے جیسوں کی طرح تو دیا گیا ہے پھر اس کو اور کیا دوں۔ ثُمَّ اس کے طمع وحرص کے استبعاد و استنکار کے لئے ہے یعنی جتنا دیا گیا ہے اس سے بڑھ کر اور اسے کیا ملے گا یا یہ معنٰی ہے کہ یہ چونکہ اس کے منافی ہے کہ یہ کفران نعمت میں بے نظیر اور منعم کی مخالفت میں بے مثل ہے اسی لئے آج کے بعد اسمیں کفر اور نعمتوں کی زیادتی کا اجتماع نہ ہوگا (کَلَّا) ہرگز نہیں یہ اس کے فوائد مال کے طمع سے جھڑک اور زجر وتوبیخ اور اس کی بے سود طمع کو قطع کرنا ہے اس معنٰی پر یہ ماقبل سے متصل ہے۔ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا بے شک وہ ہماری آیات سے عناد رکھتا ہے۔

حل لغات جو جان بوجھ کر حق کو جانتے ہوئے اس کی مخالفت کرے اسے عنید وعائد کہا جاتا ہے یعنی منکر اور لڑائی کرنے والا ہے المعاندة بمعنى المفارقة والمجانبة وخلاف کر کے معاوضہ جیسے عنود عنید یہاں بمعنی معاند ہے جیسے جلیس واکیل وعشیر بمعنٰی مجالس ومؤاکل ومعاشر۔

فائدہ یہ ماقبل کی تعلیل بر سبیل استیناف تحقیقی ہے کیونکہ منعم کی آیات قرآنیہ باوجودیکہ وہ واضح ترین ہیں سے معاندت (معاوضہ) اور باوجود کامل نعمتوں کے حصول کے ناشکری کرنا بالکلیہ محرومی کی موجب ہیں جو کچھ پہلے اسے ملا ہے وہ استدراج (مہلت دینا) ہے۔

فائدہ آیات کی اپنے متعلق (عنیدا) سے تقدیم تخصیص کے لئے ہے۔

سوال ولید سے ایسے عناد کی تخصیص کیسی جبکہ اس جیسے معاند (معارض الآیات) مکہ معظمہ اس وقت اس سے کچھ کم نہ تھے جیسے ابوجہل وغیرہ، علاوہ ازیں یہ صرف آیات سے رکھتا ہے باقی امور اسلام کی مخالفت سے اسے چنداں دلچسپی نہ تھی ؟ ۔

جواب اس کے خسران کی غایت کا اظہار مطلوب ہے چنانچہ منقول ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد اس کا معاملہ نقصان کی طرف بڑھنے لگا یہاں تک کہ جب مرا تو تنگدست ہو کر مرا ؎

آنکس کہ نصیحت ز عزیزان نکند گوش
بسیار بخاید سر انگشت ندامت

ترجمہ: وہ جو بزرگوں کی نصیحت قبول نہیں کرتا پھر ندامت سے انگلی کا سر بہت چبائے گا۔

سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا (میں اسے آگ کے پہاڑ صعود پر چڑھاؤں گا)۔

حل لغات امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا رہقہ الامر غشیہ لقہر اسے قہر سے ڈھانپ لیا کہا جاتا ہے رہقتہ وارہقتہ ردفتہ واردفتہ کی طرح بمعنی میں اسے اپنے ساتھ

گیا اسی سے ہے ارھقت الصلوٰۃ میں نماز کی تاخیر کی یہاں تک کہ دوسرے وقت نے ڈھانپ لیا الصعود بمعنی عقبہ شاقۃ پھر ہر مشقت والے امر پر استعارۃً استعمال کیا جاتا ہے یہ اُرھقہ کا دوسرا مفعول ہے یہی ظاہر ہے اور اس کی تذکیر یا تو اس لئے ہے کہ وہ طریق کی صفت ہے یا باعتبار اپنے ہم وزنوں کے ہے۔ جیسے کَئُوْدٌ دیا بروزن فعول ہے بمعنیٰ فاعل اسمیں مذکر و مؤنث برابر نہیں جیسے عقبۃ کئود یہ بعض تفاسیر میں ہے تو تسمیۃ المحل باسم الحال کے قبیل سے یا مفعول ہے از صعدہ یہی ظاہر ہے معنیٰ یہ ہے کہ اس کے بجائے کہ زیادتی کے طمع میں ہے میں اسے عقبہ شاقۃ المصعد پر چڑھنے پر مجبور کر دوں گا یہاں مضاف محذوف اس حیثیت سے کہ اسے ہر جانب سے مشقت ڈھانپ لے گی۔

حل لغات الارھاق بمعنی کسی کو عظیم مشقت کا مکلّف بنانا اس حیثیت سے کہ مکلّف (تکلیف دیئے ہوئے) کو ہر طرف سے شدت و مشقت گھیر لے۔

فائدہ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ حالت مراد ہے جب موت کے وقت نزع روح ہوتا ہے اگرچہ اسے موت دیر سے آئے، یہ اس کی مثال ہے جو ایسے عذاب میں مبتلا ہو جس کی طاقت نہ ہو اسے حقیقت پر محمول کرنا بھی جائز ہے۔

حدیث شریف میں ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ صعود ایک سے جہنم میں ایک پہاڑ ہے جس کی چڑھائی ستر سال ہے اسی طرح اس کی نیچے اترنے کی مسافت۔

فائدہ یعنی اس کے اوپر چڑھنا مشکل ہے لیکن ولید بن مغیرہ کو آتشی زنجیروں سے کھینچتے ہوئے ستر سال تک چڑھائے جائیں گے اور پیچھے سے آگ کے چابک مارتے جائیں گے ستر سال مذکورہ پہاڑ کے اوپر پہنچنے کے بعد اسی طرح آتشی زنجیروں سے جکڑ کر آتشیں چابک مارتے ہوئے نیچے اتریں گے جب پر ستر سال گذریں گے اسی طرح اسے ایسے عذاب سے چڑھاتے اتارتے رہیں گے۔

حل لغات الخریف بمعنی مال یعنی سال کا وہ آخری حصہ جسمیں پھل پک جاتے ہیں اور اپنے کمال کو پہنچتے ہیں اس معنی پر گویا سال تمام ہو گیا علۃ صوریہ کو اسی لئے علت تامہ کہا جاتا ہے (کہ وہ اب اپنے کمال کو پہنچ گئی ہے)۔ (قاموس) میں ہے الخریف بروزن امیر وہ تین ماہ جو گرمیوں اور سردیوں کے درمیان میں ہوتے ہیں کہ ان میں پھل چنے جاتے ہیں۔

حدیث شریف نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کافر کو نار کے ایک ٹیلے پر چڑھنے کی تکلیف دی جائے گی جب وہ اس پر ہاتھ رکھے گا تو پگھل جائے گا پھر وہ اپنی پہلی حالت

پر آجائے گا۔ ایسے ہی جب اسپر پاؤں رکھے گا تو پگھل جائے گا جب اٹھائیگا تو پہلی حالت پہ آجائے گا

اِنَّہٗ فَکَّرَ وَقَدَّرَ (بے شک وہ سوچا اور دل میں کچھ بات ٹھہرائی) یہ وعید کی تعلیل اور اس کے استحقاق کا بیان ہے۔

حل لغات التفکیر، بمعنی تفکر و تامل (سوچنا) :- (تاج المصادر میں بمعنی التفکیر بمعنی اندیشہ کرنا (سوچنا) التقدیر بمعنی اندازہ و تیاری کرنا۔ یعنی دل میں سوچا کہ میں قرآن کریم کے حق میں کیا کہہ رہا ہوں اور یہ حال اس کا مبنی بر طعن تھا اور دل میں سوچا اور تیار کی یہ بات کہ میں کہتا ہوں۔

فقتل کیف قدر (تو اس پر لعنت ہو کہ کیسی ٹھہرائی) اس کی سوچ اور اندازے پر تعجب دلاتا ہے اس سے وہی غرض ہے جو قریش کسی کے لئے کہتے قاتلھم اللہ یا اس پر بطریق استہزاً ثنا ہے اس معنی پر جو اس نے قرآن کریم کے بارہ میں کہا تھا کہ یہ تو جادو ہے اس کا یہ تصور نہایت رکیک اور حد سے گرا ہوا ہے یا عرب کے قول کی حکایت ہے اسے مدح کے طور پر کہا قُتِلَ کَیْفَ قَدَّرَ اس سے بھی ان سے تہکم اور اس کی تقدیر کی تصویب اور اس کی بات کو عظیم سمجھنے پر تعجب دلانا ہے اہل عرب کا قول قتلہ اللہ ما اشجعہ و آخزہ اللہ ما اشعرہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ کتنا بڑا بہادر ہے اور کتنا اچھا شاعر ہے وہ اس لائق ہے کہ لوگ اس سے حسد کریں اور اسے بددعا کریں (جیسے قتلہ اللہ کہیں) اس سے زیادہ تحقیق سورۃ المنافقین میں قاتلھم اللہ کے تحت گزری ہے۔

شان نزول جب حٰمٓ تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ یعنی مومن کا ابتدائی حصہ یا سورۃ حٰمٓ کہ بعض تفاسیر میں ہے اور بعض میں حٰمٓ السجدہ کی ابتدائی آیات نازل ہوئی اور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مسجد میں تلاوت فرمائی۔ ولید نے سنا اور اس قوم کی مجلس میں آکر اس نے کہا خدا کی قسم میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے ابھی ایک کلام سنا نہ وہ آدمی کا نہ جن کا بخدا اس میں عجیب شیرینی اور تازگی اور فوائد دلکشی ہے وہ کلام سب پر غالب رہے گا۔ اس لئے کہ اس کلام اعلیٰ ثمردار اور نچلا حصہ ثمردار ہے۔

فائدہ ولید نے قرآن پاک کو گھنے دار اور ترو تازہ اور مضبوط اور جڑ والا درخت جس کے نیچے پانی اور آسمان کی جانب اس کی ٹہنیاں پھل سے بھرپور ہوں اور اسے اعلیٰ و اسفل ثابت کر کے کہا کہ اس کا اوپر کا حصہ ثمردار اور نیچے پانی ہی پانی۔ استعارہ تخئیلیہ ہے

فائدہ ولید نے کہا کہ اس کلام (قرآن) میں حلاوت ہے اور عذوبۃ (مٹھاس) ایسی کسی کلام میں نہیں اس کا اعلیٰ نہال ثمردار کہ اس سے سعادت کلی نصیب ہوتی ہے اور اسفل اس درخت طیبہ کی فضائل کی جڑیں اور بلند حکمتیں ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ (نبی علیہ السلام) قریش پر غلبہ پائے گا مغلوب نہ ہوگا قریش

کہ اس کی باتوں سے بہت غم ہوا اور مشہور ہوگیا کہ ولید اپنے آبائی دین سے برگشتہ ہوگیا۔ ابوجہل نے ولید کو ہموار کرنے کا ذمہ لیا اس کے پاس آکر غمزدہ صورت بنا کر بیٹھ گیا۔ ولید نے کہا کیا غم ہے ابوجہل نے کہا کہ غم کیسے نہ ہو تو بوڑھا ہوگیا ہے قریش تیرے خرچ کے لئے روپیہ جمع کردیں گے انہیں خیال ہے کہ تو نے محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کی تعریف اس لئے کی ہے کہ تجھے ان کے دسترخوان سے بچا ہوا کھانا مل جائے اس پر اسے طیش آیا اور کہنے لگا کیا قریش کو میرے مال و دولت کا حال معلوم نہیں ہے کیا محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ان کے اصحاب نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا بھی نہیں کھایا ان کے دسترخوان پر کیا بچے گا پھر ابوجہل کے ساتھ اٹھا اور قوم میں آکر کہنے لگا ابھی موسم حج میں آئیں گے ان سے ان کا حال پوچھو کیونکہ تمہارا اور ان کا حال دور تک پھیل گیا ہے لیکن میرا سوال ہے کہ تم کہتے ہو کہ محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجنون ہیں کیا تم نے انہیں کبھی دیوانگی دیکھی ہے سب نے کہا ہرگز نہیں وہ کبھی گلہ نہیں گھونٹا گیا کیونکہ عرب کا عقیدہ تھا کہ مجنون کا شیطان گلا گھونٹتا ہے اور اسے بیہوش کرتا ہے یہ بات انہیں نہیں پھر پوچھا کیا محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کاہن ہے کیا تم نے کبھی کہانت کرتے دیکھا سب نے کہا نہیں، تم انہیں شاعر سمجھتے ہو کیا تم نے اسے کبھی شعر کہتے پایا سب نے کہا نہیں پھر کہا تم اسے کذاب کہتے ہو (معاذ اللہ) کیا تمہارے تجربہ میں نہیں کہ انہوں نے کبھی جھوٹ بولا۔ سب نے کہا نہیں بلکہ قریش میں آپ کا صدق و دیانت ایسا مشہور کہ قریش آپ کو امین کہتے تھے یہ سن کر قریش نے کہا پھر بات کیا ہے ولید سوچ کر بولا بات یہ ہے کہ وہ جادوگر ہے۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ ان کی بدولت رشتہ دار رشتہ دار سے باپ بیٹے سے جدا ہوجاتے ہیں بس یہی جادوگر کا کام ہے اور جو قرآن وہ پڑھتے ہیں وہ دل میں اثر کرجاتا ہے اس کا باعث یہ ہے کہ وہ جادو ہے (اس آیت میں اس کا ذکر فرمایا۔ جادو اس لئے کہ وہ سمجھتا تھا کہ آپ اہل بابل سے جادو سیکھتے ہیں اس سے قریش بہت خوش ہوئے اور اسے داد دی جیسے اوپر گذرا۔

ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ (پھر اس پر لعنت ہو کیسی ٹھہرائی)۔ ثم تکرار تعجب دلانے میں مبالغہ ہے اس کی شناعت بیان کرنے میں ثُمَّ دلالت کرتا ہے کہ دوسرا فقرہ پہلے سے تعجب دلانے میں زیادہ بلیغ ہے یعنی یہ تراخی بحسب الرتبہ ہے اور اسی کے اس کے لائق بھی یہی ہے کہ اسے بار بار بددعا ہو اس کے بعد کا ثم اپنے اصل یعنی تراخی زمانی کے لئے ہے ثُمَّ نَظَرَ (پھر نظر اٹھا کر دیکھا) قرآن بار بار اور اس میں سوچا ثُمَّ عَبَسَ (پھر تیوری چڑھائی) تو ثُمَّ منہ پھیرا یعنی منہ پھیر کر ترشی ظاہر کی اس لئے کہ اس میں کوئی ایسی بات نہ ملی جس سے طعن و تشنیع کرسکے اور نہ ہی کچھ سمجھ میں آیا کہ کچھ کہہ سکے وَبَسَرَ اور منہ بگاڑا عَبَسَ کی اتباع

میں لئے ہے، حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لیکن عطف الاتباع علی المتبوع غیر معروف ہے ظاہر یہ ہے کہ یہ ہر دونوں ایک دوسرے کے مغایر ہیں اس لئے کہ عَبَسَ قطب وجہہ (ماتھے پر شکن ڈالا) تیوری چڑھائی اور بَسَرَ بمعنی دونوں آنکھوں کے درمیان کا حصہ سمیٹ کر اسے گندی طرح بنا کر روسیاہ ہو یعنی منہ بگاڑا یہی جلمے نے ذکر کیا اور اسی پر اعتماد ہے (اسی لئے یہی ترجمہ امام اہلسنت شاہ احمد رضا قدس سرہ نے اختیار فرمایا)۔

حل لغات امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "العبس" وقت سے پہلے شے میں جلدی کرنا جیسے العبس الرجل حاجتہ (مرد نے وقت سے پہلے اپنی حاجت چاہی) اور عَبَسَ دلبر کا معنیٰ ہے تیوری چڑھانا وقت سے پہلے اور بے ہنگام۔

ثُمَّ اَدْبَرَ پھر حق سے پیٹھ پھیری وَاسْتَكْبَرَ اور اس کی اتباع سے تکبر کیا۔ فَقَالَ حق سے روگردانی کے بعد کہا اِنْ (نہیں) نافیہ ہے بمعنی مَا اسی لئے اس کے بعد اِلَّا آیا ہے هٰذَآ وہ جو (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں یعنی قرآن اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ مگر جادو دوسروں سے سیکھا ہوا، جسے (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) غیر سے روایت کرتے اور سیکھتے ہیں اور یہ اس کا اپنا جادو بھی نہیں۔

حل لغات اثرات الحدیث و آثرہ اثرا۔ جب دوسروں کے آثار سے کوئی بات بیان کی جائے یعنی ان کے مرنے کے بعد یہ اس کا اصلی معنیٰ ہے پھر بمعنیٰ روایت از کسے باشد۔ اور حدیث وہ جو خلف از سلف صالحین رحمہ اللہ تعالیٰ نقل کریں کہا جاتا ہے ادعیہ ماثورہ یعنی وہ دعائیں جو اکابر سے منقول ہوں۔

مسئلہ کسی مقصد کے لئے سحر سیکھنے کی شرعاً رخصت ہے لیکن اس کی حقیقت (حق ہونا) کا اعتقاد کفر ہے جیسے کہا جاتا ہے الشر لا للشر ولکنی لتوقیہ میں نے شر کو شر کے لئے نہیں بلکہ اس سے بچنے کے لئے سیکھا۔

مسئلہ جادو پر عمل کرنا (اسے حق سمجھنا) بھی کفر ہے اس کا معنیٰ اور اس کے متعلق تفصیل اپنے مقام پہ گذری ہے۔

اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ یہ نہیں مگر آدمی کا کلام۔ ماقبل کی تاکید ہے اسی لئے اسے عطف سے خالی لایا گیا ہے۔ ولید بن مغیرہ نے یہ محض سرکشی و عناد سے کہا نہ کہ اعتقاد سے کیونکہ مروی ہے کہ اس نے پہلے اقرار کیا تھا کہ یہ کلام کسی انس و جن کا نہیں۔ بشر سے اس کی مراد:

① یسار
② جبر
③ ابو فکیہہ ہے۔

پہلے دو بجاد فارس کے دو غلام تھے وہ مکہ معظمہ میں رہتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان کے ہاں اٹھنا بیٹھنا ہوتا تھا اور ابو فکیہہ رومی غلام تھا وہ مسیلمہ الکذاب یمامہ والے کی طرف سے مکہ معظمہ میں آیا جایا کرتا تھا۔

سَاُصْلِیْهِ سَقَرَ (عنقریب میں اسے دوزخ میں داخل کروں گا) میں اسے جہنم میں داخل کروں گا۔

فائدہ الصحاح میں ہے کہ سقر دوزخ کے اسمائے سے ایک ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ سقر جہنم کا چھٹا طبقہ ہے۔

حل لغات کہا جاتا ہے سقرتہ الشمس دھوپ نے اسے اذیت اور درد والم پہنچایا اور دوزخ کو سقر اس کے درد و آلام پہنچانے کی وجہ سے کہا جاتا ہے سَاُصْلِیْهِ سَقَرَ، سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا سے بدل الاشتمال ہے خواہ اس معنیٰ پر ہے کہ اس میں شدید عذاب ہے خواہ اس معنیٰ پر کہ وہ آگ کا پہاڑ ہے کیونکہ سقر ہر دونوں پر مشتمل ہے۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ (اور تم نے کیا جانا کہ سقر کیا ہے) پہلا ما مبتدأ اور اَدْرٰىكَ اس کی خبر ہے اور دوسرا ما سقر کی خبر ہے اسلئے کہ یہ وہی فائدہ دے رہا ہے جو سقر سے چاہیے یعنی ہولناکی اور گھبراہٹ وغیرہ بخلاف اس کے کہ جو الحاقہ میں گذرا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ تمہیں سقر کی وصف کس نے بتائی یعنی وہ تو عقول کے ادراک کے دائرہ سے خارج ہے ایسی اس کے حال کی عظمت کا اظہار ہے۔

لَا تُبْقِیْ وَلَا تَذَرُ (نہ چھوڑے نہ لگی رکھے) اس کے حال اور وصف کا بیان اور وما ادراک الخ میں جو ضمناً وعدہ کیا گیا اسے پورا کرنے کی خبر ہے یعنی وہ نہ چھوڑے گی اسے جو شے ایسی ڈالی جائے گی کہ اسے جلا کر راکھ بنا دیگی اور جب وہ شے ہلاک ہو جائے گی تو بھی وہ ہلاک ہونے والی شے مٹ جائے گی بلکہ وہ اپنی پہلی اور اصلی حالت پر آجائے گی پھر وہ اسے پہلی پہلی طرح جلائے گی ایسے ہی تا ابد جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کلما نضجت جلودھم بدلناھم جلوداً غیرھا جب ان کے چمڑے جل جائیں گے تو ان کے اور چمڑے بدل دیں گے۔ یا یہ کہ وہ کسی کو نہ بچائیگی یعنی کسی پر رحم نہ فرمائے گی اور کسی کو ہلاک کرنے میں نہ چھوڑے گی بلکہ ایسی جو شے ڈالی جائے گی وہ لازماً ہلاک ہو جائے گی کیونکہ وہ غضب الجبار سے پیدا کی گئی ہے۔

حل لغات تہذیب المصادر میں ہے کہ الابقاء بمعنی باقی چھوڑنا اور شفقت کرنا بعض نے کہا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ نہ کسی زندہ چھوڑے گا نہ مردہ جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا ثُمَّ لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَلَا یَحْیٰی پھر وہ نہ مرے گا نہ جئے گا۔

لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ آدمی کی کھال اتار لیتی ہے۔

حل لغات کہا جاتا ہے لاحت النار الشی ۔ احرق اسود نار نے جلاکر راکھ بنادیا لاحہ اسقرا والعطش سفر یا پیاس نے اس کا حال بدل ڈالا ۔ وہ اس لئے کہ جیسے دسومۃ (البدار شے) سو جب وہ جل جائے تو وہ سیاہ ہو جاتی ہے البشر بشرۃ کی جمع ہے انسان کے چمڑے کا ظاہری حصہ یعنی جہنم کی آگ آدمی رکا قیا کے صرف ظاہری چمڑے کو جلاکر سیاہ کر ڈالے گی بعض ۔ دوزخ کی فراخی کی وجہ سے چمڑے کو جھلس لے گی پھر اسے اس حال میں چھوڑے گی کہ گویا وہ رات کی تاریکی سے بھی زیادہ سیاہ ہے۔

سوال لا یبقی ولا تذر کے حکم کے مطابق چمڑے کا سیاہ رہنا کیا؟

جواب آیت میں یہ دلیل کہاں ہے کہ وہ اپنے میں داخل ہونے والے کو بالکل مٹا ڈالے گی بلکہ اس سے تو اس کا ثبوت ہے کہ اگر وہ مٹا بھی ڈالے تب بھی وہ پہلے اسے سیاہ کرے۔

فائدہ بعض نے یہ معنیٰ کیا ہے کہ وہ لوگوں کو نظر آنے والی ہوگی لواحۃ اسم فاعل ہے بمعنی لائحہ از لاح یلوح بمعنیٰ ظہر اور لبشر بمعنی لوگ بعض نے کہا کہ وہ دوزخیوں کو پانچ سو سال کی مسافت سے نظر آئے گی جیسے اللہ (تعالیٰ) نے دوسرے مقام پہ فرمایا وبرزت الجحیم لمن یری جو دیکھے گا اس کے لئے دوزخ ظاہر کی جائیگی پھر کافر تک اس کی بو اور گرمی پہنچے گی جیسے مومن کو پانچ سو سال کی مسافت سے بہشت کی ہوائے خوشبو پہنچے گی۔

عَلَیۡہَا تِسۡعَةَ عَشَرَ سقر پر انیس(۱۹) فرشتے ہیں جو اس کے متولی اور اہل سقر پر اسے مسلط کرتے ہیں وہ حضرت مالک اور اس کے ساتھ اٹھارہ فرشتے ہیں (علیہم السلام)۔

دوزخ کے ملائکہ کرام کی مہیب صورتیں دوزخ کے ملائکہ کی آنکھیں چمکدار ان کی داڑھیں بلند قلعوں کی طرح ان کے بال قدموں کو مس کرتے کرتے ہوں گے ان کے مونہوں سے آگ کے شعلے نکلیں گے ان کے دونوں کاندھوں کی درمیانی مسافت ایک سال کی ہوگی ان سے رحمت و رافت نکال کی گئی ہے ایک فرشتہ ستر ہزار کافر ہاتھ میں لے کر جہنم کی جس جگہ چاہے گا پھینکے گا۔

فائدہ بعض نے کہا یہ انیس(۱۹) دوزخ کے فرشتوں کے رؤسا و نقبا ہیں ورنہ اسمیں کام کرنے والوں کی شمار نہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَا یَعۡلَمُ جنود ربک الا ھو (اور تیرے رب کے لشکر کو وہی خود جانتا ہے) اور یہ بھی جائز ہے اسی ہر ایک کے تحت ان گنت لشکر ہوں۔

۱۹ اعدد کے نکات ارباب معانی و معرفت نے ۱۹ کے عدد اور تخصیص کے نکات بیان فرمائے ہیں۔ ① نفس انسانی کی قوت نظریہ و عملیہ کے فساد کا سبب قوائے حیوانیہ و طبعیہ

ہیں اور قوائے حیوانیہ پانچ ظاہرہ ہیں اور پانچ باطنہ کل دس اور اس کے ساتھ دو، شہوۃ و غضب ملانے سے بارہ ہوئے اور قوائے طبیعیہ یعنی جاذبہ و ماسکہ و ہاضمہ و دافعہ و غاذیہ و نامیہ و مولدہ کو ملانے سے کل انیس (۱۹) ہوئے۔

فائدہ ابن الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قوائے حیوانیہ سے وہ قویٰ مراد ہیں جو مواد ثلاثہ (حیوان۔ نبات۔ معدن) میں سے حیوان سے مخصوص ہیں اور یہ دو قسم ہیں،

① مدرکہ
② فاعلہ

مدرکہ وہ ہے جسے فعل میں دخل ہے اور باعثہ یا محرکہ یہ بھی دو ہیں،

① شہوت
② غضب اور قوائے طبعیہ

یہ حیوان کے ساتھ نہیں بلکہ یہ نبات (انگوریوں) میں بھی پائی جاتی ہیں وہ سات ہیں تین مخدوم ہیں۔

① غاذیہ
② نامیہ
③ مولدہ اور چار خوادم (خادم کی جمع ہیں۔

① جاذبہ
② ہاضمہ
③ ماسکہ
④ دافعہ

چونکہ آفات کا منشا یہی ۱۹ قویٰ ہیں اسی لئے زبانیہ دوزخ کے بڑے فرشتے بھی ۱۹ ہوئے

فائدہ حضرت سعدی مفتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ ان قویٰ کے اثبات بمعنیٰ فلسفہ کے اصول ہیں اس سے مختار (اللہ) کی نفی لازم آتی ہے اس طرح سے تفسیر از فلسفہ لازم آتی ہے اگرچہ یہ تفسیر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کبیر (تفسیر) میں بیان فرمائی ہے پھر ان کی اتباع میں دوسرے مفسرین بھی وہی تفسیر کرنے لگے اور فرمایا کہ حق یہ ہے کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کیا جائے کیونکہ عقول بشریہ اس جیسی حکمتوں کے ادراک سے عاجز و قاصر ہیں۔

فائدہ اس کی تردید ہوتی ہے امام سہیلی رحمہ اللہ کے اس قول سے کہ فرمایا کہ یہ نکتہ بیان کرنا کہ وہ زبانیہ (دوزخ کے فرشتے) انیس ۱۹ کیوں ہیں اس سے کم و بیش کیوں نہ ہوئے اس کی دلیل (ابجد) کتاب و سنت میں ہے اور ان میں اس کے اشارات بھی ہیں لیکن وہ پوشیدہ راز کی طرح سا ہے لیکن لوگوں کی عادت ہے کہ جس شئے کی انہیں خبر نہ ہو یا اس سے مانوس نہ ہوں اس کا انکار کردیتے ہیں بلکہ اس سے لاعلمی کی وجہ سے اس کی سختی سے تردید کرتے ہیں البتہ یہ ضرور ہے کہ اس کا نشر و ذکر سوء تاویل کے خطرہ سے باہر نہیں بوجہ اس کے حفظ و تحصیل میں قصور اکثر افہام اور بوجہ اس بہت بڑے میں گھسنے کی قلت استعداد کے (امام لی للسہیلی)

② دوزخ کے سات ابواب ہیں چھ کافروں کے لئے ایک فاسقوں کے لئے۔ کافر تو دوزخ میں تین امور کی وجہ سے داخل ہوں گے۔

① ترک الاعتقاد۔

② ترک الاقرار۔

③ ترک العمل الصالح۔

دوزخ کے ہر دروازے کو ان تینوں پر ضرب دینے سے اٹھارہ ہوگئے اور چونکہ فاسق سے صرف عمل صالح کی کوتاہی ہوئی اسی لئے وہ ایک رہا اس معنیٰ پر دروازے ۱۹ ہوگئے۔

③ شب و روز کے ۲۴ گھنٹے ہیں پانچ صلوٰت خمس میں مشغول ہوئے ان میں سے باقی ۱۹ بچے وہ عبادت کے بغیر گذرے تو انہیں دوزخ کے ۱۹ زبانیہ کے ذریعے مختلف عذاب میں مبتلا کیا جائے گا یعنی پانچ نمازوں کی تکریم پر اللہ (تعالیٰ) نے ۲۴ گھنٹوں کے مقابلہ میں پانچ زبانیہ (فرشتے) پیدا ہی نہیں کئے تو وہ صرف نمازی لیکن عاصی لوگوں سے مخصوص نہیں (یعنی وہ ویسے ہی پہلے سے پانچ پیدا ہی نہیں ہوئے) حواشی مفتی سعدی)

④ اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی اس گنتی سے حفاظت کی ہے جس گنتی پر زمین کو جبال سے محفوظ رکھا ہوا ہے وہ ہیں (۱۹۱) پہاڑ جن کا اصل ۱۹ ہے۔

⑤ عالم کے مدبرات ۱۹ ستارے ہیں سات سیارہ ہیں اور البروج ۱۲ ہیں یہی عالم سفلی کی تدبیر پر مؤکل ہیں اور اسمیں یہی بظاہر مؤثرہ ہیں۔ یہی اپنی تاثیر کے ڈنڈوں سے انہیں اکھیڑیں گے اور ہلاکت گاہوں میں پھینکیں گے۔

⑥ وہ جو حضرت سجاوندی قدس سرہ نے عین المعانی میں بیان فرمایا ہے کہ مفسرین نے اس عدد کی حکمت میں گفتگو کی ہے بہتر ہے کہ اعداد کی حکمت کا مطالبہ نہ ہو اگر کچھ کسی کو طلب ہو تو وہ یہ ہے ۹ احاد کا اکثر عدد ہے اور دس عشرات کا سب سے کم عدد ہے ان دونوں کو جمع کرنے پر ۱۹ ہوئے اسی

لئے زبانیہ (دوزخ کے نگران) ۱۹ ہیں۔

⑦ کشف الاسرار میں ہے کہ بسم اللہ شریف کے ۱۹ حروف ہیں اور زبانیہ (فرشتے) بھی ۱۹ ہیں اور مومن اس کے ہر حرف دوزخ کے فرشتے کو دفع کرتا ہے اور اللہ (تعالیٰ) کی رحمت الٰہیہ کے غضب پر سبقت کئے ہوئے ہے۔

⑧ فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ) کو کشف الاسرار کے مطالعہ سے پہلے آگاہی ہوئی وہ یہ کہ بسم اللہ کے ۱۹ حروف جیسے حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

نوزدہ حرفست کہ ہژدہ ہزار
عالم ازو یافتہ فیض علیم

ترجمہ: ۱۹ حروف سے اٹھارہ ہزار عالم نے فیض پایا ہے۔

فائدہ بسم اللہ آیۃ الرحمۃ جسے کفار و فساق نے قبول نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ایک ایک حرف پر ایک ایک غضب کا فرشتہ پیدا فرما کر غضب کی علامت بنا دیا جیسے خازن جنت کو علامت رحمت بنایا جو ہم نے بیان کیا اس پر حدیث دلالت کرتی ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قبر میں ہر کافر پر ننانوے اژدھا (بڑے سانپ) مسلط کئے جائیں گے جن کے منہوں میں تیروں کے دندانوں کی طرح داڑھیں ہوں گی جو سیدھی لمبی کھجور کی طرح لمبے ہوں ان کی آنکھیں خون کی طرح سرخ ہوں گی جو منہ کھولے ہوئے اور پیٹ چوڑے ہوں گے انسانوں اور حیوانوں کو ہڑپ کر جائیں گے۔

نکتہ ننانوے سانپوں کے تسلط میں یہ نکتہ ہے کہ کافر نے اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسما سے کفر کیا اسی لئے اس کا مستحق ہوا کہ اس پر ان اسما کی گنتی پر ننانوے اژدھا مسلط ہوں قبر میں جو اس کے لئے جہنم کے گڑھوں میں ایک گڑھا ہے اور ضروری بھی نہیں کہ اس پر دوزخ میں اتنا قدر اژدھا مسلط ہوں اس سے کم و بیش بھی ہو سکتے ہیں۔

فائدہ ۱۹ کا عدد قہر و حصر و انقراض کا ہے اس لئے کہ دوزخیوں سے رحمت رحیمیہ ختم کرا دے گا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے نفوس بشریہ کا اختلال (خلل آجانا) علم و عمل کی وجہ سے ہوگا اور جہنم میں دخول سے بُعد و طرد اور لعنت و حجاب و احتجاب ہے یہ ان کے موجبات پر مرتب ہوئے اور وہ موجبات نو ہیں جو حواس ظاہرہ اور باطنہ کے سوا ہیں وہ یہ ہیں:

...... سیات اعضا و جوارح جن کے لئے حدیث شریف وارد ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے فرمایا کہ میں سات اعضاءِ آداب (جوارح) کے لئے سجدہ کرنے پر مامور ہوں ۱/۲ ہاتھ ۳/۴ پاؤں ۵/۶ گھٹنے (۷) چہرہ۔ اور طبعیہ بشریہ جو سب پر مشتمل اور بحسب الظاہر والباطن تمام میں مؤثر ہے اور جائز ہے کہ مذکورہ بالا کے علاوہ دو اور یہ ہوں (۱) قوت غضبیہ (۲) قوت شہویہ قوت طبعیہ کے بجائے یہی ہو۔ اس تقریر پر ۱۹ ہو جائیں گے (۵) حواس ظاہرہ (۵) حواس باطنہ (۷) اعضاءِ جوارح (۲) قوت طبعیہ شہویہ کلمیزان (۱۹)۔

تفسیر عالمانہ وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اور ہم نے نہیں کئے دوزخ کے داروغے۔ یعنی وہ جو دوزخ کے امور کے مدبر اور دوزخیوں کو عذاب کرنے پر مقرر ہیں یہ اصحاب النار کا لفظ اس اصحاب النار کا غیر ہے جو لَا یَسْتَوِیْ اصحاب النار و اصحاب الجنۃ (نہیں برابر دوزخی اور بہشتی) کا غیر ہے۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ ہم نے اصحاب النار پر خزنہ (خازن، داروغے) نہیں کئے یعنی مضاف محذوف ہے لیکن یہ معنیٰ بعید از قیاس ہے اس لئے کہ وہ دوزخ کے داروغے ہیں نہ کہ اصحاب النار کے۔

اِلَّا مَلٰٓئِكَةً مگر فرشتے۔ تاکہ ثقلین (جن و انس) کے معذب لوگ ان سے ڈریں نہ وہ ان کے لئے نرم ہوں گے اور نہ ان کی طرف مائل ہوں گے کیونکہ ہم جنس سے نرمی اور رحمت کا گمان ہو سکتا ہے اس لئے رسل کرام علیہ السلام کو ہماری جنس (بشریت) سے بھیجا تاکہ وہ ہم پر رحم فرمائیں۔

فائدہ نیز فرشتے اس لئے مقرر ہوئے کہ وہ مخلوق میں سے قوی تر اور حق کے ساتھ زیادہ قائم ہیں اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہی غضب کرتے اور عذاب کے اعتبار سخت تر ہیں۔

ملکی قوت کا بیان حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک فرشتے کی قوت و طاقت ہے ثقلین (جملہ انس و جن) کے برابر اکیلا ہی تمام امت کو دھکیل کر لے جا سکتا ہے اس کے گلے میں پہاڑ ہے جو تمام لوگوں کو جہنم میں پھینک کر وہ پہاڑ اٹھا کر ان پر ڈال سکتا ہے۔

شان نزول جب یہ آیت نازل ہوئی کہ دوزخ پر ۱۹ داروغے ہیں تو ابو جہل نے قریش کو کہا کیا تمہارے دس دس ملکر ایک ایک (دوزخ کے داروغہ) کو کفایت نہیں کر سکتے ابو الاسود ابن السید بن کلہ لے کہا (پہلوان) نے کیونکہ وہ سخت گرفت اور قوت کا مالک تھا یہاں تک کہ اس کی قوت کا یہ عالم تھا کہ گائے کے چمڑے پر کھڑا ہو جاتا اور لوگ اس کے پاؤں سے کھینچتے تو کھینچ سکتے بلکہ وہ گائے کے چمڑے کو ٹکڑے تو کر سکتے لیکن اس کے پاؤں جہاں جمے ہوتے انچ بھی نہ ہٹا سکے) ان دوزخ کے سترہ داروغوں کو تو میں اکیلا کافی ہوں باقی صرف دو تم سارے قریش سنبھال لو۔ اس پر یہ نازل ہوئی یعنی دوزخ کے داروغے تمہاری

جن کے مرد نہیں کہ جن سے تم طاقت آزمائی کر سکو وہ تو فرشتے ہیں اور ان پر تم میں سے کون ہے جو غلبہ پا سکے ان کا صرف ایک جملہ مخلوق کی ارواح سمیٹ لیتا ہے (جیسے عزرائیل علیہ السلام) ان کا ایک ہی فرشتہ زمین کو اوپر نیچے کر لیتا ہے (جیسے جبریل علیہ السلام) اور تمہارے تمام انس کے ایک فرشتے کو دیکھنے کی طاقت تک نہیں رکھتے اس کا مقابلہ تو بڑی بات ہے۔[1]

وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا (اور ہم نے یہ گنتی نہیں رکھی مگر کافروں کی جانچ کو) یعنی ان کی گنتی صرف کفار کی آزمائش اور ان کے کفر میں وقوع کے لئے مقرر کی گئی ہے یعنی ۱۹ مؤثر یعنی عدد مخصوص ۱۹ کے بجائے اثر سے تعبیر کیا تاکہ تنبیہ ہو کہ وہ دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں اور کلام کو اس پر محمول اسی لئے کیا گیا ہے کہ وہ مبتدا و خبر کے دواخل سے نہیں اسی لئے واجب ہے کہ اس کے مفعول ثانی کو مفعول اوّل پر محمول کیا جائے اور کفار کے فتنے پر ہی انکو فتنہ کہا گیا ہے ورنہ وہ فی نفسہ کوئی فتنہ (آزمائش) نہیں نیز ان کو صرف کفار کی آزمائش کے لئے عدد معین نہیں بنایا گیا بلکہ قرآن مجید میں بھی ان کے اثنا پر اکتفا کیا کہ وہ واقعی ۱۹ ہیں کیونکہ اتنا کم گنتی ہی کفار کے لئے آزمائش بن سکتی ہے کہ وہ سمجھیں گے کہ وہ کل ۱۹ بہت تھوڑے ہیں اور ہم الکفار (قریش وغیرہ) بہت زیادہ پھر وہ تھوڑے ہمارا کیا بگاڑ سکیں گے اسی لئے وہ اس گنتی کو سن کر استہزا کیا اس قاعدہ پر آنے والے مضمون میں اہل کتاب کے استیقان اور اہل اسلام کے ایمان اور تصدیق کا دارومدار ہے۔ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اس لئے کہ ایمان والوں کو یقین آئے۔ یہ جعل کے متعلق ہے اور معنیٰ مذکور ہے سین طلب کے لئے ہے یعنی تاکہ اہل کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر یقین حاصل کر سکیں اور قرآن مجید کی تصدیق کریں جب مشاہدہ کیا اسمیں وہی ہے جو ان کی کتابوں میں ہے۔

فائدہ اہل کتاب (یہود) نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دوزخ کے داروغوں کی گنتی کا سوال کیا تو آپ نے فرمایا ۱۹ ہیں۔ یعنی دو بار انگلیوں کا اشارہ کیا لیکن دوسری بار ایک انگوٹھا بند رکھا تھا تاکہ وہ ۱۹ کا اشارہ سمجھ سکیں۔

وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا (اور ایمان والوں کا ایمان بڑھے) ان کے ایمان کی کیفیت بڑھے، اس سے جو انہوں نے اہل کتاب کی تسلیم و تصدیق کو دیکھا کہ وہ واقعی ایسے ہے جیسے قرآن نے کہا یا کمیت سے کہ اہل کتاب کا ایمان ان کے ایمان سے مل گیا یعنی ہم متفق ہوگئے اسمیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

---

[1] مسلمانوں کو خوشی ہو بلکہ مبارک ہو کہ وہ جملہ ملائکہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی، مرید اور نیاز مند ہیں اور اکثر ملائکہ ہمارے پیر و مرشد محبوب سبحانی قطب ربانی قدس سرہ کے عاشق بھی ہیں اور نیاز مند بھی۔

وسلم پر نازل ہوا، وَلَا یَرْتَابَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اور کتاب والوں اور اہل ایمان کو کوئی شک نہ رہے یہ استیقان و ازدیاد للایمان کی تاکید ہے کیونکہ ضد الشیٔ کی نفی اس کے وقوع کے اثبات کے بعد اثبات میں زیادہ بلیغ ہوتی ہے اور وہ نفی جو مستیقن و مؤمن کو کسی شبہ سے طاری ہوتی اس کے بعد اسے ایسا یقین جازم حاصل ہوگا کہ اس کے بعد کبھی شک واقع نہ ہوگا۔

سوال ارتیاب میں اہل کتاب کے ساتھ ایمان والوں کو شامل کیوں نہیں کیا مثلاً کہا جاتا وَلَا یَرْتَابُوْا (اہل ایمان)۔

جواب تاکہ تنبیہ ہو کہ حال میں دونوں نفیون میں فرق ہے اس لئے کہ اہل کتاب کے ارتیاب کی نفی مقارن ہے اس کو کہ وہ انکے انکار کے منافی ہے اور اہل ایمان کے ارتیاب کی نفی ان کے ایمان کی مقتضی ہے تو ان کے درمیان فرقیت از کجا تا کجا۔

نکتہ پہلے انہیں (اہل ایمان)، کو موصول جس کا صلہ جملہ فعلیہ جو حدوث کی خبر دیتا ہے پھر اسے صیغۂ اسم فاعل کے ذکر میں آگاہ کرنا ہے انکے ایمان پر ثابت قدمی اور اسمیں راسخ ہونے میں جبکہ پہلے ان کے ایمان ازدیاد (زیادتی) کی خبر دی گئی۔

وَلِیَقُوْلَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ (اور کہیں جن کے دل میں روگ ہے)، شک یا منافقت ہے کیونکہ یہ دونوں اندرونی بیماریاں ہیں اس معنی پر قبل از وقت وہ خبر دی گئی جو ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں واقع ہوگی اس لئے کہ منافقت کی بیماری مدینہ طیبہ میں منافقوں میں پیدا ہوئی کیونکہ اہل مکہ میں یا خالص مؤمن تھے یا مکذب (تکذیب کرنے والے)، یا شک کرنے والے تھے۔ وَّالْکٰفِرُوْنَ اور کافر تکذیب پہ اصرار کرنے والے۔

سوال کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ ان کا قول ہذا مقصود الٰہی ہو۔

جواب لام اپنے حقیقی معنیٰ پر نہیں بلکہ عاقبت کی ہے اب کوئی اشکال نہیں۔

مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا (اس اچنبے کی بات میں اللہ تعالیٰ کا کیا ارادہ ہے)، مثلاً تمیز ہے ہذا کی یا اس سے حال ہے بمعنی مثلاً بہ جیسے اللہ نے فرمایا هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً (یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی تمہارے لئے آیت ہے) یعنی اللہ کی اس عدد عجیب وغریب کی مثل سے کیا مراد ہے۔ اس عدد پر مثل کا اطلاق بر سبیل استعارہ ہے اس حیثیت سے کہ انہوں نے اس کی مثل مضروب کے ساتھ تشبیہ دی ہے یعنی قول جو غرابۃ میں مستعمل ہوتا ہے وہ غریب بایں معنی ہے کہ وہ عقد تام ہو کر نہیں جیسے عشرون وثلاثون اور یہ استفہام انکاری ہے ان کا انکار اس سے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے نہیں اس لئے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ سے ہوتا تو عدد ناقص نہ ہوتا۔

فائدہ ان کے اس قول کو تعلیل کے ساتھ لانا باوجودیکہ وہ ان کی آزمائش کے باب سے ہے تاکہ آگاہی ہو کہ یہ انکی شناعت میں مستقل ہے۔

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ (یونہی اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے جسے چاہتا ہے)۔ ذٰلکَ کا اشارہ ماقبل کی طرف ہے۔ مثل ضلال سے یعنی اللہ تعالیٰ جسے گمراہ کرنا چاہے گمراہ کر دے جیسے ابوجہل اور اس کے ساتھی جو جہنم کے داروغوں اور ان کی گنتی کے منکر ہیں ان کا گمراہ کرنا اس طرح جو مذکور ہوا نہ کہ اس سے کم کیونکہ انہوں نے آیات الٰہی جو حق پر ناطق ہیں کو دیکھنے کے باوجود گمراہی اختیار کی اس کا اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ضلالت ازلیہ کے موافق ہی گمراہ کرتا ہے کیونکہ گمراہی اور صرف اختیار اس کی جانب ہر دونوں اس کے عین ثابتہ کے مقتضیٰ پر ہے۔

وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ (اور وہ ہدایت کرتا ہے جسے چاہتا ہے)۔ اپنی ہدایت جیسے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کی وہ اس ہدایت کی مثل جو مذکور ہوئی نہ اس سے ادنیٰ کیونکہ مؤمن نے ان آیات کے مشاہدہ پر اپنے اختیار کو ہدایت اور اس کی حقیقت صرف کیا (پھیرا) اور اللہ تعالیٰ ہدایت ازلیہ کے موجب ہی کرتا ہے اس لئے کہ ہدایت پانا اور صرف اختیار اس کی جانب ہر دونوں اس کے احوال ازلیہ سے ہیں اسی لئے عالم عین میں دائماً اس کے خلاف نہ ہوگا۔ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ (اور تیرے رب کے لشکر کو کوئی نہیں جانتا) اس کی جملہ مخلوق کو منجملہ ان کے ملائکہ بھی مذکور ہیں۔

حل لغات جنود جند (بالضم) کی جمع ہے بمعنی لشکر اور ہر مجتمع اور ہر مخلوق کی علیحدہ قسم ہے۔

حدیث شریف میں ہے بیشک اللہ تعالیٰ کے بہت سے لشکر ہیں منجملہ ان کے ایک شہد کی مکھی کا لشکر بھی ہے۔

اِلَّا هُوَ (مگر وہی) اس کی کثرت کی وجہ سے۔

سوال موسیٰ علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اہل سما کی گنتی پوچھی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا بارہ سبط ہر سبط مٹی کے ذرات کے برابر ہے۔

فائدہ الاسرار المحمدیہ میں ہے کہ عالم کا کوئی گھر اور کوئی گوشہ ایسا نہیں جو آباد نہ ہو لیکن اسے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اس پر دلیل وہ ہے جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خلوۃ (تنہائی) میں بھی ستر چھپانے کا حکم فرمایا ہے اور یہ بھی فرمایا مرد و عورت ننگے ہو کر جماع نہ کریں۔

فائدہ اسمیں اشارہ ہے کہ زبانیہ کی گنتی کا اختیار ربی بر حکمت ہے ورنہ اس کے لشکروں کی گنتی اور ضبط کے دائرہ سے خارج ہے۔

فائدہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جنود کی تعداد اور ان کی کمیۃ و کیفیت اور حقیقت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کیونکہ اس کا علم ماہیات اور ان کے احوال کو محیط ہے۔

تفسیر صوفیانہ لشکروں کو کوئی نہیں جانتا۔ سوا اس کی ھویۃ کے کہ وہ جمیع جنود تعینات غیر متناہیہ کی جامع ہے بحسب اسماء جزئیہ اور جزئیات اسما کے۔

ملائکہ کی اقسام بعض عارفین نے فرمایا کہ ملائکہ کی مخلوق کے کئی مراتب ہیں۔

(۱) وہ صرف ارواح ہیں ان میں کوئی عقل نہیں سوائے تعظیم جناب الٰہی کے وہ کچھ نہیں جانتے نہ ہی ان کا کوئی منہ ہو جو عالم یا ان کے نفوس کی طرف مصروف ہو انہیں جلال الٰہی نے حیران کر رکھا ہے وہ صرف اسی میں ہی حیران و مست ہیں۔

(۲) ارواح یہ مدبر ہیں اجسام طبعیہ ارضیہ کے یہ انسانوں اور حیوانوں کی ارواح ہیں جن کے اجسام عنصری طبعی ہیں اور یہ ارواح انہی اجسام کے مدبر ہیں اور وہ اجسام انہی ارواح میں مقصود ہیں اور وہ ایک دوسرے کی تسخیر میں ہیں جیسے اللہ نے فرمایا لیتخذ بعضھم بعضا سخریا تاکہ بنائے تمہارے بعض کو بعض کے تابع۔

(۳) ارواح ہماری مصلحتوں کے لئے ہمارے مسخر ہیں ان کے کئی طبقات ہیں۔

(۴) بعض وحی لانے پر مقرر ہیں۔

(۵) بعض القائے پر مؤکل ہیں۔

(۶) بعض ارزاق پر۔

(۷) بعض قبض ارواح پر۔

[illegible] احیاء الموتیٰ پر۔

(۹) اہل ایمان کی استغفار و دعا پر

اعمال کی جزا کے لئے جنت میں باغات تیار کرنے پر وغیرہ وغیرہ

مسئلہ مراتب فضیلت میں بھی متفاوت ہیں مثلاً جبریل علیہ السلام عزرائیل علیہ السلام سے اور میکائیل علیہ السلام جبریل علیہ السلام سے اور اسرافیل علیہ السلام میکائیل علیہ السلام پر فضیلت رکھتے ہیں۔

فائدہ اللہ تعالیٰ کے یہ لشکر کسی جنگ کے لئے تیار نہیں بلکہ مملکت ظاہرہ عالم علوی و سفلی کی ترتیب کے لئے ہیں۔ کیونکہ جب آسمانوں اور زمینوں میں اس کے لشکر ہیں تو جنگ ہو تو کس سے۔ تو لازماً ثابت ہوا کہ وہ تسخیر کے لشکر ہیں کیونکہ تمام اس کا مسخر ہے ان کے بعض دوسرے بعض کے تابع ہیں اور تمام ملائکہ ہمارے لئے مسخر ہیں وہ سب بارہ بادشاہوں کے ماتحت ہیں وہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے عالم خلق کا والی (بادشاہ) بنایا ہے ان کی قرارگاہ فلک اقصیٰ ہے ان کا ہر والی ایسے برج میں ہے جیسے شہر کی چاردیواری پر ہوتے ہیں ہر والی برج

میں تخت پر بیٹھا ہے ان سے اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ تک حجابات ہٹا دیئے ہیں وہ اس مسطر کو دیکھتے رہتے ہیں جس میں ان کے اسمآ و مراتب اور جو کچھ عالم خلق میں قیامت تک ان کے ہاتھوں جاری ہونا (ذرہ ذرہ) لکھا ہوا ہے اور وہ ہر ایک اس تمام لکھے ہوئے کو اپنے اندر نفس میں منتقش کر لیتے ہیں اور ان میں وہ تمام علوم ایسے محفوظ ہوتے ہیں کہ تغیر و تبدل کا امکان تک نہیں (جیسے ہم اپنے تمام احوال جانتے ہیں بوجہ ہمارے قلوب کے لوح محفوظ کے بالمقابل ہونے کے یہ اولیا اللہ کا مرتبہ ہے)، اس ہر والی (بادشہ) کے دو حاجب ہیں جو اس کے احکام نائبین پر جاری کرتے ہیں اس کے ہر دونوں حاجبوں کا ایک سفیر ہے جو ان دونوں کے درمیان وہ لے کر چلتا ہے جو ان کے لئے القا کیا جاتا ہے۔ اور ان کے لئے فلک ثانی میں منازل ہیں جہیں وہ ٹھہرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں انہیں نازل فرمایا اور وہ منازل اٹھائیس ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ ہم نے چاند کی منزلیں مقرر فرمائی ہیں۔ یعنی وہ اپنی سیر سے ان منازل کی ہر منزل کو روزانہ طے کرتا ہے یہاں تک کہ آخری دور تک پہنچکر نیا دورہ شروع کرتا ہے تاکہ چاند اور سورج کی سیر اور چلنے سے لوگ سالوں اور حساب کا اندازہ کر سکیں اور ہر شئے کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مفصل بیان فرمایا انہی منازل میں اللہ تعالیٰ نے انہی ملائکہ کو ٹھہرایا یہ فرشتے ان والیوں (بادشاہوں) حُجّاب (حاجبین) ہیں جو فلک اعلیٰ میں ہیں پھر انہیں حکم ہوا کہ وہ ساتوں آسمانوں میں ان کے لئے نُوّاب (نائبین) اور نقبا (نقیب) مقرر کریں ہر آسمان میں ان کے حجاب کی طرح نقیب جاتا ہے کہ وہ عالم عنصری کے وہ مصالح دیکھیں جو ان والیوں کی طرف القا جاتے ہیں اور جو انہیں حکم ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا واوحی فی کل سماء امرھا اور اللہ تعالیٰ نے ہر آسمان میں اس کا امر القاء فرمایا پھر ان نقبا کواکب کے اجسام کو نورانی اور گھومنے والا بنایا اور ان میں ارواح پھونکیں اور انہیں ساتوں آسمانوں میں اتارا ان میں ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ آسمان میں ہے اور انہیں فرمایا کہ میں نے تمہیں اس لئے مقرر فرمایا ہے تاکہ تم ان اٹھائیس حُجّاب کے ذریعے ان بارہ والیوں سے وہی حاصل کرو گے جو وہ لوح محفوظ سے حاصل کرتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے ان نقبا سبعہ کے ہر ایک کے لئے مقرر فرمایا جو اسے پھیرے وہ فلک اس کے لئے ایسے ہے جیسے سوار کے لئے گھوڑے (وغیرہ کی سواری)۔ اسی طرح ان تمام حُجّاب کے افلاک ہیں جن میں وہ پھیرتے ہیں اسی لئے ان کو حوادث عالم پر تصرف اور ان پر جھانکنے (یعنی نگرانی و آگاہی) کا حکم ہے ان کے لئے خدام و اعوان ہیں جو ہزاروں کی تعداد میں ہیں انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے افلاک سواری کے لئے بخشے ہیں وہ بھی انہی میں سے پھیرتے اور مملکت میں ہر روز ان کے ذریعے گھومتے پھرتے رہتے ہیں آسمان و زمین کے

جملہ امور میں سے کوئی شے ان سے فوت نہیں ہوتی سب کچھ ان کی نگرانی اور ان کے تصرف سے ہوتا ہے[1]۔

خلاصہ یہ کہ تمام ولاۃ اور حجاب ونقباء، وخدام انہی بارہ ولاۃ کے ماتحت پھرتے رہتے ہیں اور چودہ طبقات انہی کے مسخر ہیں لیکن یہ سب ہمارے لئے مسخر ہیں کیونکہ ہم ہی (اس عالم کے ظہور کے) مقصود اعظم ہیں جیسا کہ اللہ نے فرمایا، وَسَخَّرَ لَکُم مَا فی السَّمٰوٰتِ وَمَا فی لارض جَمِیْعًا مِنْہُ اور آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ سب اسی سے ہے اللہ نے تمہارے لئے مسخر فرمایا۔

نکتہ روزانہ ان کا دورہ ہمارے اوپر اس لئے ہوتا ہے کہ وہ والی (۱۲ بادشاہ) دیکھیں کہ مخلوق کو کونسی ضروریات درپیش ہیں تاکہ وہ انہیں پورا اور حکم الٰہی کا اجرا کریں جیسے اس کا اپنی مخلوق کے لئے ارادہ ہو چکا اس کا یہ معنیٰ نہیں اب حکم فرماتا ہے کہ ایسے کرو اور یوں کرو یہی ولاۃ (۱۲ والی) خلق خدا میں مختلف زمانوں اقدار الٰہیہ کا نفاذ کرتے ہیں

دنیوی سلطنین اللہ تعالیٰ نے اس عالم عنصری (دنیا) میں بھی ان کی جنس سے عالم علوی کی طرح والی مقرر فرمائے ہیں جیسے بعض رسل کرام علیہ السلام ہیں بعض ان کے خلفاً بعض سلاطین (بادشاہ) بعض ملوک بعض والی

---

[1] یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادنیٰ خدام میں سے ہیں بلکہ آپ کی امت کے اغواث واقطاب بالخصوص حضور غوث اعظم جیلانی قدس سرہٗ کے ماتحت ہیں لیکن افسوس ہے کہ امتی کہلوا کر پھر کہے کہ ان کو تو تصرف باذن اللہ ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اولیائے کرام کے لئے ماننا شرک ہے پھر میں کیوں نہ کہوں ھٰؤلاء قوم جاھلون وانھم قوم لا یعقلون سچ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ھُمْ سُفَھَاءُ الاحلام۔ (اویسی غفرلہٗ)

اگر یہی امور اولیاء اللہ یا خود نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے منسوب کئے جائیں تو شرک لیکن اہل اسلام کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ امور ملائکہ سرانجام دے رہے ہیں بحیثیت خدام کے کہ جب سے اس ڈیوٹی پہ ہیں کبھی اس میں نہ ان سے کمی واقع ہوئی ہے اور نہ ہوگی اور نہ ہی ان میں تبدیلی اور موت کا ورود ہے الآن کما کان، اور قیامت تک ایسے ہی نظام چلائیں گے لیکن محبوبانِ خدا کی یہ ڈیوٹی نہیں وہ تو دیدار خداوندی اور استغراق مشاہدہ میں مصروف انہیں کیا ضرورت کہ وہ امور خدمتگذاری میں دخل دیں ہاں اگر وہ چودہ طبقات میں کسی ایک امر کے لئے جو چاہیں باذن اللہ کر سکتے ہیں اس کی ایک نہیں ہزاروں مثالیں اسلام میں موجود ہیں اور بے شمار دلائل پیش کئے جا سکتے ہیں۔

ہیں جمیع امور عالم کے جیسے قاضی اور ان کے ہم مثل (جیسے علماء و مفتی وغیرہ) ان والیوں یعنی زمین والوں کے قلوب کو ان والیوں کے مناسب بناتے ہیں جو آسمان میں ہیں اور انہیں وہ دقائق ہیں جو انہیں عدل و انصاف کی طرف کھینچ جاتے ہیں (جیسے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ) اور ان کے دل شوائب سے پاک مطہر اور عیوب سے مقدس ہوتے ہیں انہی علویوں (آسمانی) ولاۃ کے بالمقابل ہوتے ہیں یہ ارضی ولاۃ اپنی استعداد کے مطابق اگر ان کی استعداد قوی اور حسن ہوتی ہے تو ان کا امر ظاہری صورت میں طاہر مطہر ہوتا ہے اور والی عادل اور امام فضل ہوتا ہے اگر اس کی استعداد ناقص ہوتی ہے تو آسمانی والی کے امر طاہر ارضی والی کی ردائت (ردی ہونے کی وجہ سے ایسی ردائت وجود قبح ہوتا ہے ایسا والی (ارضی) ظلم اور نائب ظلم و بخل ہوتا ہے اس پر اسے خود کو ملامت کرنی چاہیئے۔

فائدہ احکام العالم کے اصحاب المراتب کے امہات المراتب علیٰ سبیل الاجمال ہیں لیکن رعایا کی گنتی تو اللہ تعالیٰ خود جانتا ہے۔

ملائکہ کے بعض اقسام اللہ تعالیٰ کے بعض ملائکہ وہ ہیں جو ہمیشہ زمین پر رہتے ہیں آسمان پر نہیں جاتے بعض وہ ہیں جو ہمیشہ آسمان پہ رہتے ہیں زمین پر نہیں آتے لیکن ہر ایک کو اللہ تعالیٰ کے الہام سے اپنی صلوٰۃ و تسبیح معلوم ہے۔ (کتاب الجواہر للشعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ)

تفسیر عالمانہ وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْبَشَرِ (اور یہ نہیں مگر آدمی کے لئے نصیحت) وعظ و پند اور برے انجام بہ کفر و گمراہی سے ڈرانا۔

سوال آدمی کی تخصیص کیوں حالانکہ یہ جنات کے لئے بھی ہے۔

جواب یہ نصیحت کے بالقصد اصل ہے یا کہ وہ ۱۹ دوزخ کے فرشتے صرف انسانوں کے لئے نہیں اسی لئے ان کے لئے نصیحت ہے تاکہ ڈریں اور نصیحت حاصل کریں اور انہیں معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ کثیر اور بے شمار مخلوق کفار ثقلین (انس و جن) اور ان کے فساق کو اس تھوڑی سی جماعت سے عذاب کر سکتا ہے بلکہ وہ تو اعوان و انصار (مددگاروں) کا محتاج نہیں ہے بلکہ وہ تو ابن آدم کو آنکھ کے ایک بال بدلنے اور اس کی رگوں میں سے ایک رگ پہ درد و الم مسلط کر کے اسی سے ہی اس کا کام تمام کر سکتا ہے اور دوزخ کے عذاب کے لئے اتنا گنتی (۱۹) اور باقی لشکر کی تخلیق مبنی بر حکمت ہے نہ یہ کہ وہ ان کا محتاج ہے (معاذ اللہ) اور یہ بھی جائز ہے کہ ھِیَ کی ضمیر ان آیات کی طرف راجع ہے جو سقر کے احوال پر ناطق ہیں کیونکہ وہ بھی نصیحت ہیں کیونکہ وہ بھی انذار پر مشتمل ہیں۔

طبقات الملائکہ جیسے اللہ (تعالیٰ) سبحانہ (چودہ طبقات) کے امور کی باگ ملائکہ کے ہاتھ میں رکھی ہے جنہیں ہر جگہ میں بٹھایا اور ان کا مسکن بنایا اور ان کے لئے تخت بچھایا اور ان کے

لئے حجاب و نقبا مقرر کئے تمام آسمانوں میں ایسے ہی ہر آسمان میں ملائکہ ان کے لئے مسخر کئے اور انہیں چند طبقات پر مقرر فرمائے ۔

① رات اور دن میں عروج و نزول کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ہماری طرف اور ہماری طرف سے اللہ تعالیٰ کی طرف اور وہ ہمارے حق میں سوائے خیر کے کوئی بات جاکر نہیں سناتے ۔

② زمین والوں کے لئے استغفار کرنے والے ۔

③ صرف اہل ایمان کے لئے استغفار کرنے والے بوجہ غلبۂ غیرت الٰہیہ کے جیسے کہ اس کی رحمت کا غلبہ ہے ان کے لئے جو زمین میں ہیں ۔

④ شرائع کے پہنچانے والے ۔

⑤ موت کے مؤکلین

⑥ مؤکلین بالالہام

⑦ علوم کو قلوب تک پہنچانے والے ۔

⑧ ارحام میں جو صورت منقش ہو اس کی تصویر پر مؤکل ۔

⑨ نفخ ارواح پر

⑩ بارش پر

⑪ وہ ۱۹ ملائکہ جو دوزخیوں کے عذاب پر مؤکل ہیں ۔

⑫ ارزاق پر

⑬ صافات (صف بستہ کھڑے ہونے والے) ۔

⑭ زاجرات

⑮ تالیات

⑯ مقسمات

⑰ مرسلات

⑱ ناشرات

⑲ نازعات

⑳ ناشطات

(21) سابقات

② سابحات
③ ملقات

④ مدبرات ران سب کا ذکر قرآن مجید میں مختلف مقامات میں موجود ہے (تفصیل فقیر کی کتاب فرشتے ہی فرشتے میں پڑھیئے) اسی لئے فرشتے کہتے ہیں ما منا الا لہ مقام معلوم ہمارے میں ہر ایک کا مقام معلوم ہے

قاعدہ عالم میں کوئی حادثہ (واقعہ۔ کام) نہیں جس کے اجرا کے لئے اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو مقرر نہ فرمایا ہو یعنی اس کا اجرا ملائکہ کے سپرد ہے لیکن انہیں وہی بارہ ولاۃ حکم فرماتے ہیں تمام ملائکہ انہی کے حکم اور ان کی سلطنت میں کام کرتے ہیں کیونکہ وہ اللہ کے خاص فرشتے ہیں اور عامہ لوگ ملائکہ کی ان منازل کا (جو اجرام کواکب میں ان کے لئے مقرر ہیں) مشاہدہ نہیں کر سکتے نہ ہی اعیان الحجاب والنقباء کا انہیں مشاہدہ کر سکتے ہیں لیکن اہل کشف اولیاء انہیں ان کی منازل میں آنکھوں سے (عیاناً) دیکھتے رہتے ہیں (ولکن الوہابیۃ قوم لا یعقلون)۔

تفسیر عالمانہ کَلَّا (ہاں ہاں) (الا ردع (زجر و توبیخ) کا ہے اسے جو سقر (دوزخ) کے وجود کا منکر ہے یعنی ان کے انکار سے ہٹ جائے کیونکہ وہ حق ہے یا انکار و نفی ہے اس کا کہ وہ ان کے لئے نصیحت نہیں ہے۔

فائدہ اگر کوئی اس سے نصیحت حاصل نہیں کرتا تو اس کے منافی نہیں گو وہ اس سے اعراض بھی کرتا ہو کیونکہ وہ اس کا سوء اختیار ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے فرمایا ہے فما لہم عن التذکرۃ معرضین۔ تو انہیں کیا ہے کہ وہ نصیحت سے منہ موڑ رہے ہیں۔

وَالْقَمَرِ قسم ہے چاند کی قسم بہ مجرور ہے واؤ قسمیہ سے یعنی چاند کی قسم کہ جس پر اوقات و اجال کی پہچان وابستہ ہے۔

فائدہ فتح الرحمٰن میں ہے یہ تخصیص تشریف کی ہے اور اس کے عجائبات اور اس کی مختلف حرکات پر قدرت پر نظر کرنے کی تنبیہ ہے کہ باوجود ان کی کثرت اور اختلاف کے ایک ہی نظام پر چل رہا ہے جس میں ذرہ بھر خلل نہیں آتا۔

فائدہ حضرت ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قسم ہے قمر کے خالق کی یعنی ہلال کا جسے تیسری تاریخ کہا جاتا ہے۔

وَاللَّيْلِ اور قسم ہے رات کی۔ ایسے ہی صبح کی تعظیمات کی عزت و احترام کی قسم۔ اِذْ جب بسکون الذال اور وہ زمانہ ماضی کی ظرف ہے

اَدۡبَرَ (پیٹھ پھیرے) بروزن افعل بمعنی انصرف و ذھب پھیری اور گئی اس لئے کہ ادبار اقبال کی نقیض ہے۔
وَالصُّبۡحِ قسم ہے صبح کی۔

حل لغات الصبح بمعنی فجر اور اول النہار (دن کا پہلا حصہ) کی جمع اصباح۔ المفردات میں ہے الصبح والصباح بمعنی اول النہار (دن کا پہلا حصہ) وہ وقت جو سورج کے کناروں میں افق سرخ ہوجاتا ہے اِذۡ جب زمانہ مستقبل کے لئے ظرف ہے اور اس پر متفق ہیں کہ اِذۡ یہاں پر اس لئے مستقبل کے لئے ہے کہ وہ رات سے تھوڑی سی دیر کے لئے مؤخر ہے۔ اَسۡفَرَ (اجالا ڈالے) روشن اور منکشف ہو کیونکہ اسفار بمعنی روشن ہونا ہے۔

حل لغات امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسفر بمعنی پردہ کھولنا اور اعیان سے مخصوص ہے جیسے سفر العمامۃ عن الراس۔ عمامہ سر سے کھل گیا و سفر الخمار عن الوجہ (دوپٹہ چہرے سے ہٹ گیا) الاسفار رنگوں سے مخصوص ہے جیسے والصبح اذا اسفر یعنی صبح کا رنگ اور چہرہ چمکا و اسفروا بالفجر فجر میں داخل ہوئے اس قول سے۔

اسفرت میں صبح میں داخل ہوا اَصۡبَحۡتُ کی طرح۔

مسئلہ قوت القلوب میں ہے کہ فجر ثانی شفق شمس کا انشقاق (پھٹنا) شفق سے مراد سفیدی کی وہ چمک جو سرخی کے تحت ہوتی ہے اور حمرۃ یہی ثانی شفق ہے وہ غروب شمس کی ضد ہے اس لئے کہ شمس کی اوّل شفق غروب کے بعد عشاءً سے پہلے وہ سرخی ہے اس کے بعد سفیدی ہے یہ اوّل اللیل سے پہلے شفق ثانی کہلاتی ہے اور یہی سورج کی شعاع کی سلطنت کی آخری گھڑی ہے کہ اس سفیدی کے بعد رات کی سیاہی اور تاریکی شروع ہو جاتی ہے پھر صبح سے پہلے یہ شفق برعکس ہوتی ہے کہ سورج کے طلوع کی ابتدا شفق اوّل سپیدی سے ہوتی ہے اس کے بعد سرخی اب اسی کا نام شفق ثانی ہے یہ وقت رات کی سلطنت کی آخری گھڑی ہے اس کے بعد ہی سورج کا قرص (ٹکیہ) طلوع کرے گا۔ خلاصہ یہ کہ الفجر فلک اسفل (نچلا) سے شعاع شمس کے پھٹنے کا نام ہے جب ارض دنیا کے چہرہ پر ظاہر ہوگی۔ پہاڑوں دریاؤں اقالیم عالیہ شرفہ کو اس کی چمک ڈھانپ لے گی اور اس کا شعاع وسط دنیا میں عرضاً پھیلے گا۔

تفسیر صوفیانہ حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قسم ہے چاند یعنی اس قلب کی جو مستعد صافی اور انذار کے قابل اور نصیحت پذیر اور اللہ (تعالیٰ) کی عظمت کو مدنظر رکھ کر اسکے تذکر (پند و نصیحت) سے نفع پانے والا اور قسم رات کی یعنی نفس کی ظلمت کی جب پیٹھ پھیرے یعنی ظلمت کے پردے قلب سے دور کرے اس پر نور روح کی چمک سے اور اس کے طوالع چمک اٹھیں اور اس کی صبح کے طلوع جب اجالا ڈالے تو کل

طور اس کی ظلمت (تاریکی) زائل اور قلب منور ہو جائے ۔

فائدہ اس سے قمر دلیل صبح کے موقعہ و محل کے ذکر حسن واضح ہو گیا جب اس سے پہلے سقر اور اس کی ہولناکیوں کا ذکر تھا اس لئے کہ سقر میں طبیعت اور جہنم نفس کی طرف اشارہ تھا ۔

تفسیر عالمانہ اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ (بے شک دوزخ بہت بڑی چیزوں کی ایک ہے) جواب قسم ہے الکبر کبریٰ کی جمع ہے الف تانیث کی طرح کر کے اس کے ساتھ لاحق کیا گیا تو جیسے فعلۃ کی جمع فعل پر آتی ہے (جیسے رکبہ کی جمع رکبا) ایسے ہی یہاں فعلی کی جمع فعل آتی ہے ورنہ فعلی کی جمع فعل نہیں فعالی آتی ہے جیسے حبلی کی جمع حبالی ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ سقر بہت بڑی بلاؤں میں ایک ہے یا بہت بڑی ان مصیبتوں سے جو اکثر ہیں ایک یہی سقر ہے اور یہ سقر عظم (بڑائی) میں واحد ہے اس کی کوئی نظیر نہیں جیسے تم کہتے ہو وہ احد الرجال (مردوں میں ایک) ہے یہ اس وقت ہے جب نفس سقر کا معنیٰ عجیب و غریب بیان کیا جائے اگر اس کے خزنہ (نگران فرشتے) کے اعتبار سے ہو تو معنیٰ یوں ہوگا کہ وہ سقر جہنموں میں سے ایک ہے اور وہ ڈرانے کے لحاظ سے بڑی ہے ان مجرموں پر (جو آدم علیہ السلام سے قیام قیامت تک جن و انسانوں میں سے ہیں) قہر کرنے پر اللہ تعالیٰ کی قدرت میں سے ایک یہ ہے کہ اتنا کثیر التعداد مخلوق پر صرف چند گنتی کے فرشتے عذاب پر مامور ہیں اگر یہ سقر اس اعتبار سے عجیب و غریب ہے کہ (آیات الٰہیہ سے ہے تو معنیٰ یوں ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بڑی آیات میں سے ایک یہی ہے نَذِيرًا لِّلْبَشَرِ آدمیوں کو ڈرانے کے لحاظ سے) یا احدی الکبر کی اس نسبت سے تمیز ہے جو اسم سے ہے اس لئے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ یہ سقر ان بڑی ڈراؤنی چیزوں سے ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے عذاب کرنے کے لئے پیدا فرمایا ہے اس معنیٰ پر تمیز بر اس کا منصوب ہونا صحیح ہے جیسے تم کہتے ہو فلانہ ۔ احدی النساء عفافا پاکدامنی کے لحاظ سے عورتوں میں سے ایک ہے ۔

حل لغات النذیر نکیر کی طرح مصدر ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ (سقر) ڈرانے کے لحاظ سے بڑی چیزوں میں سے ایک ہے اس کی تاویل کی گئی ہے جس پر جملہ دلالت کرتا ہے یعنی اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ کا معنیٰ ہے کہ وہ (سقر) بہت بڑی ڈرانے والی ہے اور تا محذوف ہوئی (اس لئے کہ نذیرًا دراصل نذیرۃ تھا) اگرچہ فعیل بمعنی فاعل لیکن تا کو حذف کرنا پڑا تاکہ مذکر مؤنث کے درمیان فرق ہو یہ تا محذوف ہم نے اس لئے تسلیم کی ہے کہ اِنَّهَا میں ضمیر کا مرجع بتاویل العذاب ہے نہ کہ (سقر کی ذات) یا نذیر بمعنی ذات الانذار (انذار والی) ایسی نسبت کا معنیٰ ہے جیسے کہا جاتا ہے مراۃ ظاھر یعنی ذات طہارۃ (طہارت والی) ۔

لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ (اس کے لئے ہے جو چاہے تم میں سے آگے بڑھے

یا پیچھے ہٹے)۔ یہ البشر سے بدل ہے ساتھ اعادہ حرف جارہ کے اور اَنْ یَّتَقَدَّمَ شآء کا مفعول ہے اور مِنْکُمْ مَنْ سے حال ہے اب معنی یہ ہوا کہ یہ سقر اسے ڈرانے والی ہے تم میں سے جو چاہے تو خیر و بھلائی اور جنت و طاعات کی طرف بڑھے پھر اسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے گا اگر نہ چاہے اور ان امور بالا سے پیچھے ہٹے یعنی گناہوں کا ارتکاب کرے پھر اسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے گا۔

ردمعتزلہ اس میں اشارہ ہے کہ مرحومیت و محرومیت کے حصول میں بندے کے کسب کو دخل ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شریعت زہرا کے نور، قمر اور طبیعت ظلمائی کی ظلمت لیل اور حقیقت بیضا کی صبح کی قسم یاد فرمائی ہے۔ جب طبیعت کی تاریکی پر جس کا غلبہ ہوتا ہے وہی ہوتا ہے اس لئے کہ طبائع ان مراتب کلیہ ثلاثہ کا مظہر ہیں پھر وہ یا اہل شریعت ہوتا ہے یا اہل حقیقت یا اہل طبیعت اور نَذِیْرًا لِّلْبَشَرِ یعنی مراتب کلیہ ثلاثہ میں ہم نے اس لئے حصر کی ہے تاکہ انسان کو تنبیہ ہو کہ اس سے احتراز کرے کہ وہ کہیں اہل انذار سے نہ ہو جائے یہ اس کے لئے انذار ہے جو مقام شریعت کی طرف بڑھے یا چاہے تو مقام طبیعت کی جانب پیچھے کو ہٹے اور چونکہ مقام حقیقت تمام مراتب میں سے اعلیٰ ہے وہاں صرف نذرا کاملین ہی پہنچ سکتے ہیں اس لئے اس کا ذکر ترک فرمایا۔

فائدہ ممکن ہے اہل الحقیقۃ بھی ان یتقدم میں داخل ہوں اس لئے کہ اہل شریعت و اہل حقیقت ہر دونوں آگے بڑھنے والوں میں سے ہیں اگرچہ ان کے تقدم (آگے بڑھنا) میں بہت بڑا تفاوت (فرق) ہے اس لئے کہ ان دونوں کی سیر و مسارعۃ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ خلاصہ یہ کہ اہل استعداد فضائل و خیرات و کمالات کے عمل سے مقام قلب و روح و سر کی طرف پہنچتے ہیں اور ان کے غیر خواہشات نفسانی و لذات شہوانی کے عمل سے بدن کی جانب ہٹے تو وہ طبیعت کے گڑھے میں گر پڑے۔

تفسیر عالمانہ كُلُّ نَفْسٍ ہر نفس مکلفین انس و جن کے نفوس میں سے ہر ایک بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ اس سے قیدی ہوگا جو اس نے عمل کیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر نفس اپنے اعمال کا قیدی ہوگا بعض تفاسیر میں ہے کہ ہر نفس بسبب اپنے برے اعمال کے قیدی ہوگا۔

حل لغات رہن الشی مے ہے یعنی دائماً رہن رہا اور ثابت ہوا وارھنتہ یعنی میں نے اسے فلاں کے ہاں مقیم و ثابت چھوڑا۔ الرہن ہر وہ شے جو تم کسی کے پاس کسی کی حاصل کردہ شے کے بدلے میں چھوڑو۔ المرتہن وہ ہے جو مرہون شے کو لے اور قیامت میں ہر مکلف کا نفس اللہ تعالیٰ کے ہاں قیدی ہوگا اس کے عوض میں جو دنیا میں اللہ تعالیٰ نے تکالیف اس پر مقرر فرمائیں وہ خالص اللہ تعالیٰ کا حق ہیں اگر بندے نے انہیں اسی طرح ادا کیا جیسے اس پر واجب ہوئے تو اللہ تعالیٰ اسے آزاد فرمائے گا ورنہ وہ اللہ

تعالیٰ کے ہاں ہمیشہ قیدی رہے گا۔

فائدہ بعض نے فرمایا کہ رہینۃ رہن کا شتیمہ شتم کی طرح اسم ہے اور تاو صفیت سے اسمیت کی طرف نقل ہوئی اور فتح الرحمٰن میں ہے کہ یہ تا مبالغہ کی ہے یا تانیث صرف لفظ پر ہے انسان وغیرہ کے معنیٰ پر اس کا کوئی اثر نہیں اور الرہینۃ صفت نہیں ورنہ کہا جاتا رھین" اس لئے کہ جہاں فعیل بمعنی مفعول ہو وہاں تا داخل نہیں ہوتی بلکہ اسمیں مذکر و مؤنث برابر ہوتے ہیں ہاں جب اسے بمعنی فاعل محمول ہو تو پھر اس کی مؤنث کے لئے تا لائی جاتی ہے ایسے ہی برعکس۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے قول اِنَّ رحمۃ اللہ قریب من المحسنین (بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت محسنین کو قریب ہے) میں ہے۔

فائدہ امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کل نفس بما کسبت رھینۃ میں رہینۃ بمعنی فاعل ہے یعنی ثابتۃ مُقیمۃ بعض نے کہا کہ یہ فعیل بمعنی مفعول ہے یعنی ہر نفس وہاں کھڑا ہوگا اس جزا میں جو اس نے دنیا میں عمل کیا چونکہ رہن سے حبس کا معنیٰ متصور ہوتا ہے اسی لئے اسے محتبس کے لئے استعارہ کیا گیا وہ جو شے بھی ہو۔

اِلَّآ اَصۡحٰبَ الۡیَمِیۡنِ (مگر داہنی جانب والے) یہ کل نفس سے استثنا متصل ہے معنیٰ میں کثرت کی وجہ سے اصحاب الیمین وہ مؤمنین مراد ہیں جن کے اعمال صالحہ ہونگے یعنی وہ لوگ اعمال صالحہ کی وجہ سے آزاد ہوں گے جیسے راہن شے کو آزاد کر دیتا ہے جو قرض ادا کر دے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ (تعالیٰ) نے فرمایا کہ ہر نفس اپنے کسب اعمال سے اللہ تعالیٰ کے ہاں رہن ہوگا اسے کوئی آزادی نہ ہوگی بوجہ ہیآت اعمال و آثار افعال کے غلبہ اور ان کے لزوم کے اسی وجہ سے انہیں چھٹکارا نہ ہوگا سوائے اصحاب الیمین کے یعنی وہ سعادتمند حضرات جو دنیا میں ہیآت جسدانیہ سے مجرد اور مقام فطرت میں خالص رہے اسی لئے ان کی گردنیں رہن سے آزاد ہوں گی۔

تفسیر عالمانہ فِیۡ جَنّٰتٍ وہ باغات میں ہوں گے۔ یہ سوال کا جواب ہے۔ گویا کسی نے پوچھا کہ اصحاب الیمین کا کیا حال ہوگا تو فرمایا کہ وہ ایسے باغات میں ہونگے جنکی کنہ کو کوئی نہیں جانتا اور نہ ہی کوئی اس کی وسعت بیان کر سکتا ہے جیسے اس کی تنکیر دلالت کرتی ہے مراد یہ ہے کہ ان کا ہر ایک بہشت کے باغات میں ہوگا۔ یَتَسَآءَلُوۡنَ عَنِ الۡمُجۡرِمِیۡنَ وہ مجرموں سے پوچھتے ہوں گے۔ تفاعل بمعنی فعل ہے یعنی اصحاب یمین مجرموں سے ان کا حال پوچھیں گے۔ مسئول یہاں محذوف ہے اس لئے وہی سوال مسئول عنہ کا عین ہے اور پھر اس کا مابعد بھی اس پر دلالت کرتا ہے۔

فائدہ مروی ہے کہ اہل الجنۃ جنت میں کبھی جھانک کر نیچے دیکھیں گے تو اہل نار کو دیکھیں گے حالانکہ وہ نار میں ہوں گے تو اصحاب الیمین مجرموں سے پوچھیں گے مَا سَلَکَکُمۡ فِیۡ سَقَرَ تمہیں دوزخ میں کس

شے نے داخل کیا۔

یہاں قول مقدر ہے اور وہ یتسآءلون سے حال ہے دراصل عبارت یوں تھی قائلین ای شیِ الخ درانحالیکہ وہ کہیں گے کہ تمہیں کونسی شے نے دوزخ میں کیا یعنی کونسی شے تمہارے دوزخ کے داخلہ کا سبب بنی۔

حل لغات سلک (سلکت الخیط فی الابرۃ) (میں نے سوئی میں دھاگہ داخل کیا) سے ہے اور وہ سلک سے ہے بمعنی ادخال یہ سلوک سے نہیں بمعنی ذہاب (جانا)۔

سوال وہ ان سے کیوں پوچھیں گے حالانکہ انہیں اس کا علم تو تھا۔

جواب ان پر توبیخ کرنے اور حسرت دلانے کے لئے تاکہ یہ حکایۃ اللہ کتاب میں درج ہو کر سامعین کے لئے نصیحت بنے۔

فائدہ ابوعمرو نے سلکم بادغام الکاف فی الکاف (کاف کو کاف میں ادغام کرکے) پڑھا ہے باقی قراء نے اظہار

قَالُوْا مجرمین سائلین کو جواباً کہیں گے **لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ** ہم نماز نہیں ادا کرتے تھے جبکہ وہ ہم پر فرض تھیں ہم ان کی فرضیت کے عدم اقرار و عدم ادائیگی کی وجہ سے دوزخ میں ہیں۔

فائدہ **نَكُ** دراصل نکن تھا دوسرے نون کثرت استعمال کی وجہ تخفیفاً حذف کیا گیا۔

وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ اور ہم مسکینوں کو طعام نہیں کھلاتے تھے الاطعام کے معنی استمرار کی نفی ہے استمرار الاطعام کی نفی نہیں۔ یہاں بھی اطعام سے وجوب کا انکار مراد ہے ورنہ وہ نماز یا اطعام جو واجب ہی نہیں تو اس کے ترک پر عذاب کیا)۔ اور وہ (کفار) کہا کرتے تھے انطعم من لو یشاء اللہ اطعمہ کیا ہم انہیں کیسے طعام کھلائیں جسے اللہ تعالیٰ نے نہیں کھلایا اسی لئے وہ مساکین پر رحم نہ کرتے کہ انہیں طعام کھلائیں اور نہ ہی اس پر کسی کو ترغیب دلاتے جیسے کہ گذرا۔

مسئلہ اس میں بخل کی مذمت ہے اور یہی آیت دلیل ہے کہ کفار حق مؤاخذہ میں فروع (احکام) کے مخاطب توضیح (کتاب) میں ہے کہ کفار ایمان کے مخاطب ہیں ایسے ہی عقوبات و معاملات کے۔ اس پر اجماع ہے ہاں عبادات میں بھی باعتبار مؤاخذہ کے آخرت میں بھی بالاتفاق (مخاطب ہیں) اللہ تعالیٰ نے فرمایا **مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ** (الآیات)۔

مسئلہ وجوب الاداء میں وہ مخاطب ہیں یا نہ اس میں اختلاف ہے ہمارے عراقی مشائخ کہتے ہیں کہ وہ مخاطب ہیں اور ہمارے مشائخ ہماری دیار (روم) کے کہتے ہیں مخاطب نہیں۔

فائدہ بعض تفاسیر میں ہے کہ حنفی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ کہے کہ یہ جواب میں کہے کہ وہ کسب خیر میں کوتاہی اور محرومی پر اظہار افسوس کریں گے جب دیکھیں گے کہ نمازیوں اور زکوٰۃ ادا کرنے والے مؤمنوں کو

بڑے درجات و انعامات نصیب ہوں گے (تو کفار افسوس کریں گے۔

فائدہ یوں کہا جائے تو کوئی حرج نہیں کہ وہ ایمان سے قبل احکام کے مامور ہوں۔

وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ اور بے ہودہ فکر والوں کے ساتھ بے ہودہ فکریں کرتے تھے یعنی ہم باطل باتوں میں شروع ہونے والوں کے ساتھ شروع ہو جاتے تھے۔

فائدہ یہاں باطل سے مراد نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مذمت و غیبت اور یہ کہنا کہ وہ (نبی علیہ السلام) شاعر و ساحر و کاہن ہے وغیرہ وغیرہ۔

حل لغات اَلخَوضُ بمعنی الشروع مطلقاً جس شے میں ہو پھر عرف میں شروع فی الباطل والقبیح اور مالا یعنی میں غالب ہو گیا۔

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت میں سب سے سبے ہودہ گناہ اس کے ہوں گے جو معصیت الٰہی میں غور و خوض کرتا ہوگا۔

وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ اور ہم انصاف کے دن کو جھٹلاتے تھے۔ یوم الدین سے یوم الجزاء مراد ہے۔ یوم کو جزا کی طرف مضاف کیا کیونکہ وہ دن دہشتناکیوں اور ہولناکیوں میں انتہائی دن ہوگا کیونکہ سب سے زیادہ دہشت و ہولناکی یہاں ہوگی اور آج وہ ان چیزوں کو پائیں گے جن سے انہیں دنیا میں ڈرایا گیا تھا، علاوہ ازیں آج کی دہشت سے پہلے جو انہوں نے دیکھا وہ تو گذر گیا لیکن اس دن میں سخت سزا دینے کے لئے یہ دن ان کے لئے سخت سے سخت تر ہوگا۔

مسئلہ قیامت کی تکذیب و انکار کفر ہے اور دیگر دینی امور کا انکار فسق عدم تعمیل فسق ہے اس کے باوجود ترقی من القبیح الی الاقبح (قبیح سے قبیح کی طرف ترقی) کرتے تھے اس میں اس کا بیان بھی ہے کہ ان کی تکذیب مذکور بالا ان کے ساتھ دائماً ان کے مرتے دم تک مقترن رہی جیسا کہ ان کے قول کو یوں بیان کیا گیا۔

حَتّٰى أَتَانَا الْيَقِينُ یہاں تک کہ ہمیں موت آئی اور اس کے مقدمات حالانکہ وہ امر یقینی ہے اور اس کے آنے میں کسی قسم کا شک نہیں خلاصہ یہ کہ وہ اب اعتراف کریں گے کہ ہم پر موت اور ان کے مقدمات آ گئے اور اس وقت ہم مر گئے۔

سوال کیا ان کا ہر ایک ان جملہ امور اربعہ کی وجہ سے دوزخ میں جائے گا یا کچھ ان کے بعض اور بعض دوسرے سے بعض!

جواب دونوں امر محتمل ہیں۔ (الکشاف)

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ وہ طبیعت کی دوزخ میں انہی رذائل و ذمائم کی وجہ سے داخل ہونے۔

تفسیر عالمانہ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ (تو انہیں سفارشیوں کی سفارش کام نہ دے گی (نہ انبیاء علیہم السلام کی اور نہ ملائکہ کی (کیونکہ کافر کی شفاعت کیسی) اگرچہ وہ سب مل کر اس کے لئے (بالفرض محال) سفارش کریں تو بھی ان کا کوئی کام نہ بنے گا۔ اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ وہ سفارش تو کریں گے لیکن قبول نہ ہوگی (یہی مطلب ہے ان روایات کا ہے جو میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شفاعت کا انکار فرمایا ہے)۔

مسئلہ آیت سے ثابت ہوا کہ گنہگار مؤمن کی شفاعت ہوگی اور اس سے نفع بھی ہوگا ورنہ کافروں کے لئے شفاعت کے نفع کی تخصیص کا کوئی فائدہ نہیں۔

رد وہابیہ و خوارج حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ملائکہ کرام و انبیاء عظام علیہم السلام اور شہداء و صالحین (اولیاء کرام) اور جملہ اہل ایمان (نیک لوگ) شفاعت کریں گے دوزخ میں کوئی باقی نہ رہے گا۔ سوائے مذکورہ آیات میں بیان کردہ لوگوں کے اس کے بعد آپ نے یہی آیات یعنی لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ تا بِيَوْمِ الدِّيْنِ تلاوت فرمائی۔

شفاعت کا منظر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین بار شفاعت فرمائیں گے اس کے بعد ملائکہ کرام اس کے بعد انبیاء علیہم السلام اس کے بعد آباء پھر ابناء اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرمائے گا میری رحمت باقی رہ گئی دوزخ میں کوئی باقی نہ رہے گا سوائے اس کے کہ جس پر میں نے جنت حرام کی۔ اہل نار سے ایک شخص کسی ایک جنتی کو کہے گا کہ اے فلاں تمہیں یاد ہے میں نے پانی کا گھونٹ دیا تھا۔ دوسرا کہے گا میں نے تجھے وضو کا پانی دیا تھا ایک اور کہے گا میں نے تجھے کپڑا پہنایا (ایسے ہی میں نے تجھے سواری پر سوار کیا تھا۔ بس پر بیٹھے تیرے لئے سیٹ چھوڑ دی۔ گاڑی کے ڈبے میں جگہ دیدی وغیرہ وغیرہ)۔ اس کے لئے وہ بندہ شفاعت کر کے اسے بہشت میں داخل کرے گا یہ دخول نار کے بعد ہوگا یا پہلے۔

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ (تو انہیں کیا ہوا نصیحت سے منہ پھیرتے ہیں) فاء بغیر سبب کے قرآن سے منہ پھیرنے کے عذاب کو مرتب کرتا ہے ماقبل کے موجبات کی طرف متوجہ ہونے پر کہ اس سے نصیحت حاصل کرتے اسمیں مکذبین کے برے حال کو بیان کرتا ہے مُعْرِضِيْنَ اس جار مجرور سے حال ہے جو ما کی خبر ہے اور عن اسی کے متعلق ہے یعنی جب قرآن کے مکذبین کا یہ حال ہے جو مذکور ہوا پھر انہیں کونسی شے حاصل ہوئی جو

قرآن سے منہ پھیرتے تھے حالانکہ اس کی طرف متوجہ ہونے کے موجبات ان کی قوت کو بڑھانے اور اس پر ایمان لانے کے اسباب کی تائید موجود تھی (کشف الاسرار) میں ہے کہ پھر کونسا سبب انہیں مانع تھا کہ ہر ایسی پند و نصیحت سے منہ پھیرا بعض مشائخ نے فرمایا کہ قرآن سے اعراض کا مطلب ہے اس کا انکار اور اس کی اتباع کا ترک۔ کَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ گویا وہ بھڑکے ہوئے گدھے ہیں۔ یہ بطریق تداخل معرضین کی ضمیر سے حال ہے۔

حل لغات حمر حمار (گدھا) کی جمع ہے وہ معروف ہے یہ وحشی بھی ہوتا ہے یہاں یہی مراد ہے مستنفرۃ نفرت الدواب (جانور بھاگے) سے ہے نہ کہ نفر الحاج (حاجی گیا) سے اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ بھڑکے ہوئے گدھوں کی طرح ہیں۔ استنفر بمعنی نفر ہے۔

فائدہ زمخشری نے کہا کہ گویا وہ گدھے ہیں جو بھڑکنا طلب کرتے ہیں اپنے نفوس سے بایں سبب کہ انہوں نے اپنے نفوس کی ہمتوں کو بھڑکنے کے لئے جمع کیا اور اس پر ابھارا اس تقریر پر سین اپنے معنیٰ پر ہے یعنی طلب کے معنی میں باقی ہے۔

امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مستنفرۃ بفتح الفاء والکسرہ ہر دونوں طرح پڑھا گیا ہے اگر بکسر الفاء ہو تو بمعنی نافرہ ہوگا اگر بفتح الفاء ہو تو بمعنی منفرہ (بھڑکائے ہوئے) ہوگا۔

فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ (کہ شیر سے بھاگے ہوں) (قسورۃ بمعنی شیر) اس لئے ہے کہ جب وحشی گدھا شیر کو دیکھ لیتا ہے تو خوب تیز دوڑتا ہے۔

حل لغات قسورۃ ہمچوں حیدرہ لفظاً و معنی بروزن فعولۃ از القسر بمعنی القہر والغلبہ اس لئے کہ وہ تمام درندے پر غالب قاہر ہے۔

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا قسورۃ زبان حبشہ میں اسد (شیر) کو کہا جاتا ہے بعض نے کہا کہ وہ تیر مارنے والی جماعت جو شیر کا شکار کریں۔

فائدہ الکاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ بھاگے شیر یا شکاری یا دام کی رسی یا تیر اندازوں یا مختلف آوازوں سے۔

فائدہ انہیں قرآن اور اس کے مواعظ سے روگردانی اور اس سے بدکنے میں ان گدھوں سے تشبیہ دی ہے جو ڈراؤنی چیز سے بھاگنے میں جدوجہد کرے جیسے جنگلی گدھے ڈر کر بھاگتے ہیں یہ بھی قرآن کے سننے سے بھاگتے ہیں اس لئے کہ سننے والے کان اور نصیحت پذیر دل نہیں رکھتے اس کی طرف مثنوی شریف میں اشارہ فرمایا۔

① از کجا ایں قوم و پیغام از کجا
از جمادی جان کجا باشد نجا

② فہمہائے کج مج کوتہ نظر
صد خیال بد در آرد در نگر

راز جز با رازداں انباز نیست
راز اندر گوش منکر راز نیست

ترجمہ ① کہاں یہ قوم پیغام ربانی کہاں ایسے ڈھیلے جیسے روح سے امید کیسی۔
② ٹیڑھے فہم اور کوتاہ نظر والے سو برے خیال لاتا ہے نگاہ میں۔
③ راز میں سوائے رازداں کے کوئی شریک نہیں۔ برے کان میں راز کوئی راز نہیں۔

فائدہ اسمیں ان کی مذمت اور ان کے حال کی شناعت ہے جو کسی سے مخفی نہیں یعنی انہیں گدھوں سے تشبیہ دینا ان کی بے عقلی کی شہادت ہے اور دنیا میں وحشی گدھوں کا بھڑکنا ضرب المثل ہے جیسے وہ دشمن سے بھاگتے ہے کہ اس کا مثال لانا مشکل ہے جب وہ خوفزدہ ہو کر بھاگتا ہے۔ عرب کا قاعدہ ہے کہ جب کسی کی سخت سے سخت اہانت کا ارادہ کرتے ہیں تو اسے گدھا سے تشبیہ دیتے ہیں۔

حکایت ایک عالم دین جامع مسجد میں بڑے مجمع میں تقریر (وعظ) کر رہے تھے ایک بے وقوف نے (جس کا گدھا گم ہو گیا تھا) مولانا صاحب سے کہا کہ اس جماعت میں اعلان فرما دیں کہ کسی نے میرا گدھا دیکھا ہو تو مجھے خبر دے۔ مولانا صاحب نے فرمایا بیٹھ جائیے میں تمہیں اس کا پتہ دوں گا جسے تیرے گدھا کا علم ہوگا اچانک مجلس وعظ سے ایک شخص اٹھ کر جانے لگا مولانا صاحب نے فرمایا اسے پکڑ لے یہی تیرا گدھا ہے۔

فائدہ شاید مولانا صاحب نے اس شخص کی مثال اس آیت سے قائم فرمائی کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے کلام جلیل سے روگردانی کی۔

بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً (بلکہ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ کھلے صحیفے اس کے ہاتھ میں دیئے جائیں) اس کا عطف مقدر پر ہے جو اس مقام کا تقاضا ہے گویا کہا گیا ہے کہ اس تذکرہ پر اکتفا نہیں کرتے اور نہ ہی عناد و مکابرہ سے اس سے راضی ہیں بلکہ ان کا ہر ایک چاہتا ہے کہ ان کے لئے کھلے اور پڑھے جانے کے لائق کاغذات ہاتھ میں دیئے جائیں۔

شان نزول ابو جہل بن ہشام اور عبداللہ بن امیہ اور ان کے ساتھیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا تھا کہ ہم ہرگز آپ کا اتباع نہ کریں گے کہ جب تک ہم میں ہر ایک کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف

ے ایک ایک کے نام بنام علیحدہ کتابیں آسمانے جن میں لکھا ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے فلاں بن فلاں کے نام ہم انہیں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع کا حکم دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ تمہاری طرف میرے رسول بن کر آئے ہیں جیسے انہوں نے کہا۔ لَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ہم تیرے آسمان پر چڑھ جانے (معراج) کی تصدیق نہیں کرتے جبتک کہ تم ہم پر کتاب نہ اتارو جسے ہم پڑھیں۔

حل لغات امرأ کے متعلق القاموس میں ہے کہ امرؤ میم کی تینوں حرکات کے بمعنی انسان یا رجل اس کی اپنے لفظ سے جمع نہیں آتی اور الف وصل کے ساتھ بھی تینوں حرکتیں جائز ہیں لیکن رأ ہمیشہ مفتوح رہے گی اور یہ اسم ہمیشہ معرب رہے گا اور لفظ اِن اپنے جملہ سے ملکر یرید کا مفعول ہے اور صُحُفًا یُؤْتٰی کا مفعول ثانی ہے اس کا مفعول اول لفظ کل کا ضمیر ہے اور منشرۃ صحف کی صفت ہے بمعنی الکتاب۔

فائدہ تاج المصادر میں فرمایا کہ منشرۃ کو شد دلایا گیا اسی کی کثرت کی طرف اشارہ ہے یعنی بہت بہت سی کتابیں کھلی ہوئی۔

كَلَّا ہرگز نہیں۔ انہیں طلب آیات اور غلط ارادے سے روکنا اور زجر و توبیخ ہے کیونکہ ان کی یہ طلب محض سرکشی و عناد پر مبنی تھی نہ کہ ہدایت اور رہبری حاصل کرنے کے لئے۔

بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ (بلکہ انہیں آخرت کا ڈر نہیں) بوجہ دنیا کی محبت میں غرق ہونے کے چونکہ انہیں آخرت کا ڈر نہیں اسی لئے وہ پند و نصیحت سے روگرداں ہیں نہ اس لئے کہ ان کے ہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحیفے کیوں نہیں آئے۔ كَلَّا (ہاں ہاں) یہ اُن کی قرآنی پند و نصیحت سے روگردانی پر زجر و توبیخ اور روکنا ہے۔

اِنَّهٗ (بے شک وہ) یہ ضمیر تذکرہ کے ذکر کی طرف راجع ہے کیونکہ وہ تذکرہ بمعنی ذکر یا قرآن ہے جیسے الموعظۃ بمعنی الوعظ اور الصیحۃ بمعنی الصوت ہے۔ تَذْكِرَةٌ نصیحت ہے اس کی تنوین تعظیم کی ہے یعنی وہ تذکرہ بلیغ اور کافی ہے۔

فائدہ برہان القرآن میں ہے یعنی حق کی تذکیر اس کی طرف عدول فاصلہ کے لئے ہے۔

فَمَنْ شَآءَ تو جو چاہے قبر میں داخل ہونے سے پہلے نصیحت حاصل کرنا۔ ذَكَرَهٗ اس سے نصیحت لے اسے اپنا نصب العین بنائے اور اس کے سبب سے سعادۃ دارین جمع کرلے کیونکہ وہ اس سے ہی ممکن ہے۔ وَمَا يَذْكُرُوْنَ اور کیا وہ نصیحت مانیں۔ محض اپنی مشیت پر نصیحت حاصل کرنا جیسا کہ فمن شاء کے ظاہر قول سے مفہوم ہوتا ہے اس لئے کہ بندے کی مشیت و ارادۃ سے اس کے افعال میں کوئی تاثیر نہیں۔

فائدہ جمع کی ضمیر یا تو کافروں کی طرف راجع ہے کیونکہ گفتگو انہی کی ہو رہی ہے یا جو بھی اس کے عموم المعنی کو دیکھے کیونکہ یہ تمام مکلفین کو شامل ہے اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (مگر وہ جو اللہ چاہے) اعم العلل یا اعم الاحوال

سے استثناءِ مفرغ ہے یعنی وہ کیا نصیحت مانیں علل میں سے کسی علت پر یا احوال میں سے کسی حال میں مگر بسبب اس کے کہ اللہ تعالیٰ چاہے یا اس حال میں کہ اللہ (تعالیٰ) انکی نصیحت چاہے۔

مسئلہ یہ آیت صریح ہے اسمیں کہ بندے کے افعال اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہیں نہ کہ بندے کے اپنے ذاتی ارادہ پر۔

فائدہ عین المعانی میں ہے کہ فمن شاء الخ میں تخییر باعطاء المکنۃ تحقیق العبودیت کے لئے ہے۔

اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ مگر یہ کہ اللہ چاہے تخییر بامضاء القدرۃ الوہیت کی تحقیق کے لئے ہے۔ ھُوَ وہ اللہ تعالیٰ اَھْلُ التَّقْوٰی اہل تقویٰ ہے یعنی لائق ہے کہ اس کے عذاب سے خوف کھایا جائے اور اس کی اطاعت کی جائے اور اس پر ایمان لایا جائے پس تقویٰ مصدر مبنی للمفعول کا ہے۔ وَاَھْلُ الْمَغْفِرَۃِ اور مغفرت والا ہے۔ لائق ہے کہ وہ اسے بخشے جو اس پر ایمان لائے اور اس کی اطاعت کرے۔ بعض نے کہا التقویٰ بمعنیٰ التبری ہے یعنی اللہ (تعالیٰ) کے سوا ہر شے سے بیزاری اس معنی پر ثابت ہوا کہ جو تقویٰ میں آداب التزام کرتا ہے وہی اہل مغفرت ہے۔

فراغت صاحب روح البیان قدس سرہٗ سورۃ المدثر کی تفسیر سنہ ۱۱۱۶ھ کے ذی الحجہ کے اوائل میں ختم ہوئی۔

الحمد للہ فقیر اُویسی غفرلہٗ المدثر کی تفسیر کے ترجمہ سے ۲ ج ۲ سنہ ۱۴۰۹ھ شب بدھ ۹ بجے کو فارغ ہوا
فصلی اللہ (تعالیٰ) عَلٰی حبیبہ الکریم الامین وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین
الفقیر القادری ابوالصالح محمد فیض احمد اُویسی رضوی غفرلہٗ
بہاولپور۔ پاکستان
۱۰ر جنوری سنہ ۱۹۸۹ء

سُوْرَةُ الْقِيٰمَةِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اٰيَاتُهَا ٤٠ رُكُوْعَاتُهَا ٢

سورہ قیامہ مکیہ ہے اس میں اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا چالیس آیتیں اور دو رکوع

لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ﴿١﴾ وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ﴿٢﴾ أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ

روزِ قیامت کی قسم یاد فرماتا ہوں اور اس جان کی قسم جو اپنے اوپر بہت ملامت کرے کیا آدمی یہ سمجھتا ہے کہ ہم

أَلَّنْ نَجْمَعَ عِظَامَهُ ﴿٣﴾ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰى أَنْ نُسَوِّيَ بَنَانَهُ ﴿٤﴾ بَلْ يُرِيْدُ

ہرگز اس کی ہڈیاں جمع نہ فرمائیں گے کیوں نہیں ہم قادر ہیں کہ اس کے پور ٹھیک بنادیں بلکہ آدمی چاہتا ہے

الْإِنْسَانُ لِيَفْجُرَ أَمَامَهُ ﴿٥﴾ يَسْئَلُ أَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ﴿٦﴾ فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ﴿٧﴾

کہ اس کی نگاہ کے سامنے بدی کرے پوچھتا ہے قیامت کا دن کب ہوگا پھر جس دن آنکھ چوندھیائے گی

وَخَسَفَ الْقَمَرُ ﴿٨﴾ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ﴿٩﴾ يَقُوْلُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ

اور چاند گہے گا اور سورج اور چاند ملا دیئے جائیں گے اس دن آدمی کہے گا کدھر بھاگ کر جاؤں

الْمَفَرُّ ﴿١٠﴾ كَلَّا لَا وَزَرَ ﴿١١﴾ إِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ الْمُسْتَقَرُّ ﴿١٢﴾ يُنَبَّؤُا الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۭ

ہرگز نہیں کوئی پناہ نہیں اس دن تیرے رب ہی کی طرف جاکر ٹھہرنا ہے اس دن آدمی کو اس کا سب اگلا پچھلا جتا دیا

مَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ ﴿١٣﴾ بَلِ الْإِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ﴿١٤﴾ وَّلَوْ أَلْقٰى مَعَاذِيْرَهُ ﴿١٥﴾

جائے گا بلکہ آدمی خود ہی اپنے حال پر پوری نگاہ رکھتا ہے اور اگر اس کے پاس جتنے بہانے ہوں

تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿١٦﴾ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْاٰنَهُ ﴿١٧﴾ فَإِذَا قَرَأْنٰهُ

ـسننے والے جب یہ سنا جائیگا تم یاد کرنے کی جلدی میں قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دو بیشک اسکا محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے

اتَّبِعْ قُرْاٰنَهُ ﴿١٨﴾ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ﴿١٩﴾ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿٢٠﴾ وَ

ـے تو جب ہم اسے پڑھ چکیں اس وقت اس پڑھے ہوئے کی اتباع کرو پھر بیشک اس کی باریکیوں کا تم پر ظاہر فرمانا ہمارے ذمہ ہے کوئی نہیں بلکہ

ـرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿٢١﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿٢٢﴾ إِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿٢٣﴾ وَوُجُوْهٌ

ـعزیز ہوں تلے کی دوست رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ بیٹھے ہو کچھ منہ اس دن تروتازہ ہوں گے اپنے رب کو دیکھتے اور کچھ منہ اس دن

ـوْمَئِذٍۭ بَاسِرَةٌ ﴿٢٤﴾ تَظُنُّ أَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿٢٥﴾ كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿٢٦﴾

ـے ہوئے ہوں گے سمجھتے ہوں گے کہ ان کے ساتھ وہ کی جائے گی جو کمر کو توڑ دے ہاں ہاں جب جان گلے کو پہنچ جائے گی

وَقِيْلَ مَنْ ۜ رَاقٍ (۲۷) وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ (۲۸) وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ (۲۹)
اور کہیں گے کہ ہے کوئی جھاڑ پھونک کرے اور وہ سمجھ لے گا کہ یہ جدائی کی گھڑی ہے اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی
اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ۨالْمَسَاقُ (۳۰) فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى (۳۱) وَلٰكِنْ كَذَّبَ
اس دن تیرے رب ہی کی طرف ہانکنا ہے اس نے نہ تو سچ مانا اور نہ نماز پڑھی ہاں جھٹلایا اور منہ
وَتَوَلّٰى (۳۲) ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى (۳۳) اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى (۳۴) ثُمَّ اَوْلٰى
پھیرا پھر اپنے گھر کو اکڑتا چلا تیری خرابی آلگی اب آلگی پھر تیری خرابی آلگی
لَكَ فَاَوْلٰى (۳۵) اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى (۳۶) اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ
اب آلگی کیا آدمی اس گھمنڈ میں ہے کہ آزاد چھوڑ دیا جائے گا کیا وہ ایک بوند نہ تھا
مَّنِيٍّ يُّمْنٰى (۳۷) ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى (۳۸) فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ
اس منی کا کہ گرائی جائے پھر خون کی پھٹک ہوا تو اس نے پیدا فرمایا پھر ٹھیک بنایا تو اس سے دو جوڑ بنائے
الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى (۳۹) اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ يُّحْیِۦَ الْمَوْتٰى (۴۰)
مرد اور عورت کیا جس نے یہ کچھ کیا وہ مردے نہ جلا سکے گا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان اور رحم والا۔

تفسیر عالمانہ لَاۤ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ روز قیامت کی قسم یاد فرماتا ہوں۔ لا تاکید قسم کا صلہ ہے۔

قاعدہ جو اپنے مدخول کی تاکید کے لئے ہو وہ نفی پر دلالت نہیں کرتا اگرچہ اس کا اصل نفی ہے شاعر نے کہا۔

تذکرت لیلی فاعترتنی صبابة
وکاد ضمیر القلب لا یتقطع (یعنی یتقطع)

ترجمہ مجھے عشق کی وجہ سے جرات عارض ہوئی یاد ہے وہ تھی دل کے گوشے کاٹتی تھی۔

اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ میں قسم یاد کرتا ہوں قیامت کی یا لا نافیہ ہے لیکن نفی نفس اقسام (یاد کرنے کیلئے) نہیں بلکہ اس نفی کے لئے جو مقسم بہ کے اعظام و تفخیم کی خبر دیتا ہے گویا معنیٰ یہ ہے کہ میں ایسے قسم نہیں یاد فرماتا نہ ہی قسم یاد کر کے اس کی عظمت ظاہر کر رہا ہوں کیونکہ وہ تو کہلاتی ہے کہ اس شان سے بھی اور زیادہ ہو یا کلام معود کی نفی ہے جو قسم سے پہلے ہے جس سے انکار کرنا مطلوب ہے (مثلاً) گویا انہوں نے مرنے کے بعد اٹھنے کا انکار

کیا تو انہیں (کافروں) کو کہا گیا لَا یعنی امر ایسا نہیں پھر کہا گیا اُقْسِمُ الخ (قسم یاد فرماتا ہوں روز قیامت کی) جیسے تم کہتے ہو لا واللہ ان البعث حق یوں ہی ہو قسم یاد کرنے کی نفی اس لئے کہ وہ ایسا امر واضح ہے کہ قسم یاد کرنے کی ضرورت نہیں اس تقریر کو مقسم بہ کی تعیین قبول نہیں کرتی اور نہ ہی اس کی قسم کے شان کی عظمت کا تقاضا ہے جو قائل مذکور نے کہا۔

لطیفہ حضرت المغیرہ بن شعبہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لوگ کہتے ہیں قیامت قیامت۔ ہر بندے کی موت ہی اس کے لئے قیامت ہے۔

حکایت حضرت علقمہ رحمہ اللہ تعالیٰ کسی کی نماز جنازہ میں شریک حاضر ہوئے جب اسے دفنایا گیا تو آپ نے فرمایا اس کے لئے قیامت قائم ہوگئی۔ کسی شاعر نے کہا ؎

خرجت من الدنیا وقامت قیامتی
غداۃ اقل الحاملون جنازتی

ترجمہ: میں دنیا سے رخصت ہوا میرے لئے قیامت قائم ہوگئی اسی صبح کو جب اٹھانے والوں نے میرا جنازہ اٹھایا۔

وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ (اور اس جان کی قسم جو خود کو ملامت کرے) عین المعانی میں ہے کہ جس شے کی قسم ہو اس کی اور جو اس میں ہے اس کی عظمت شان کا اظہار ہے اس کی لطف صنعت اور عظمت نعمت سے اور قسم کے تکرار میں تنبیہ ہے کہ ہر دو نوں مقسم بہ مقصود اور مستقل بالقسم ہیں اس لئے کہ انمیں ایک قسم کی فضیلت ہے (جو اللہ تعالیٰ سے عطا ہوئی)۔

حل لغات اللوم انسان کا اس نسبت سے علیحدہ ہونا جس میں ملامت ہو۔

نفس لوامہ کیا ہے نفس لوامہ امارہ و مطمئنہ کے درمیان واقع ہے ایک کی دو جہتیں ہیں۔

① ایک جہت نفس امارہ کے متصل ہے وہ جہۃ الاسلام جب اس جہت امارہ کی طرف دیکھتا ہے تو وہ اسے ترک متابعۃ اور اقدام مخالفت پر ملامت کرتا ہے اور وہ اسے اس پر بھی ملامت کرتا ہے جو اس سے ایام ماضی میں اعمال و طاعت نہ ہو سکے اور وہ اسے حیوانیہ ظلمانیہ چراگاہوں میں چرنے (میلان) سے روکتا ہے۔

② دوسری جہت نفس مطمئنہ کے متصل ہے یہ جہت الایمان ہے جب وہ اس جہت سے مطمئنہ کی طرف دیکھتا ہے تو اس کی نورانیت سے منور اور اس کے رنگ میں رنگا جاتا ہے تو بھی وہ اسے ملامت کرتا ہے الا تقصیرات سے جو اس سے سرزد ہوئیں اور ان عذرات پر جو اس سے صادر ہوئیں وہ ہمیشہ اس پر اسے ملامت کرتا رہتا ہے اور اس ملامت پر قائم رہتا ہے

یہاں تک کہ اسے مقام اطمینان نصیب ہوتا ہے اس لئے کہ وہ اس مستحق ہے کہ اس کی قسم یاد فرمائی جائے اس پر کہ بعث ونشر حشر حق ہے۔

قیامت ونفس لوامہ میں مناسبت

حضرت کاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت اور نفس لوامہ دونوں کو قسم میں جمع کرنے کی ایک وجہ تو ان کی تعظیم (عظمت شان) ہے دوسرا ان دونوں کو آپس میں گہری مناسبت ہے وہ اس طرح کہ نفس لوامہ قیامت کے وقوع کی تصدیق اور اقرار کرتا اور اس کے لئے اسباب تیار کرتا ہے اور اس کے اسباب یعنی خیرات (نیکیوں کی کوتاہی اور سستی پر ملامت کرتا ہے اور نفس کا زیادۃ فی الخیر واعمال البر میں تحسین کرتا ہے کیونکہ اسے یقین ہے کہ اس کی جزا نصیب ہوگی اور کوتاہی پر ملامت کرتا ہے کہ اس طرح سے تو بلند مراتب سے گر جائے گا فلہذا غفلت ونسیان کو دور کر دے وغیرہ وغیرہ (اسے یاد کرلے اور فضول باتوں کو چھوڑ) قسم کا جواب محذوف ہے جس پر دلالت کرتا ہے۔

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَہٗ (کیا آدمی یہ سمجھتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں ہرگز جمع نہ کریں گے) وہ یہی ہے کہ مرنے کے بعد اسے اٹھایا جائے گا الانسان سے جنسی آدمی مراد ہے۔ کل کی طرف اسناد لیکن اس سے بعض مراد ہوں یہ استعمال بکثرت ہے ہمزہ واقع کے انکار اور استبعاح (قبیح سمجھنا) کے لئے ہے اور مخففہ از ثقیلہ ہے اور ضمیر شان کی ہے اس کا اسم محذوف ہے۔

حل لغات عظام عظم کی جمع ہے حیوان کلی وہ شے جس پر گوشت ہو یعنی ہڈی یہ عظیم کی جمع بمعنی ہے جیسے کریم کی کرام اور کبیر کی کبار اسی سے الموالی العظام (عظیم کی جمع)۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ انسان جو بعث (ح کے بعد اٹھنا) کے منکر ہیں انہیں گمان ہے یہ شان (بات) کہ ہم بوسیدہ ہڈیاں ہرگز جمع نہ کریں گے یا ان کا گمان باطل ہے ہم ان کے بوسیدہ ہونے اور متفرق ہونے اور چورہ چورہ ہونے اور مٹی میں مل جانے اور انہیں ہو سے اڑا کر لے جانے اور زمین کے کناروں میں ذرہ ذرہ پھیل جانے اور دریاؤں میں بکھر جانے کے بعد الاعما کی جزا وسزا کے لئے ضرور جمع کریں گے جو انہوں نے دنیا میں کئے۔

شان نزول بعض نے کہا کہ یہ آیت اخنس بن شریق کے داماد عدی بن ربیعہ (یہی وہ دونوں ہیں جن کے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ جَارَیِ السُّوْءِ (اے میرے اللہ دو مجھے ہمسایوں سے کفایت فرما) کے حق میں نازل ہوئی جس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا تھا کہ قیامت کا کوئی حا تو سناؤ کہ کب ہوگی اور اس کا معاملہ کیسا ہے آپ نے اس کی خبر سنائی تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہا کہ اگر میں قیامت کا دن دیکھ بھی لوں جب بھی نہ مانوں اور آپ پر ایمان نہ لاؤں کیا اللہ تعالیٰ بکھری ہوئی جمع کردے گا اس پر یہ آیت نازل ہوئی (جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ کیا اس کافر کا یہ گمان ہے کہ ہڈیاں بکھرنے اور گل

اور ریزہ ریزہ ہونے کے بعد نہیں اٹھنا (یہ اس کا گمان غلط ہے) اس معنیٰ پر یہ کلام منکر کے منہ سے نکلی ہوئی ہوگی من یحیی العظام وھی رمیم ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا جب وہ ریزہ ریزہ ہو جائیں گی۔

فائدہ بعض نے کہا کہ العظام کہہ کر اس نے اپنی ذات مراد لی کیونکہ ہڈیاں ہی تو انسان کا ڈھانچہ ہیں اس کی صورت انہی ہڈیوں کے استوا پر موقوف ہے یہ ان کا یہ دال ہے کہ وہ شک و شبہ سے کہتا تھا اور اس سے مراد بھی بعض انسان ہیں بہر حال اللہ تعالیٰ ہر مردے کو زندہ کرے گا اس میں کسی عاقل متفکر مستدل (دلیل پکڑنے والا) کو انکار نہیں۔

بَلٰی (کیوں نہیں) نفی کے بعد مذکور کے لئے ایجاب ہے یعنی جمع کرنا اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہاں ہم جمع کریں گے ہڈیاں کو قٰدِرِیْنَ ہم قادر ہیں۔ یہ ضمیر مستکن سے جو نجمع میں ہے سے حال مؤکدہ ہے اور نجمع بلٰی کے بعد مقدر ہے عَلٰٓی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ اس پر کہ ہم اس کے پور ٹھیک بنا دیں اور پہلے کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیں باوجودیکہ وہ چھوٹے اور باریک ہیں جب ہم ان کو جوڑ سکتے ہیں تو پھر بڑی ہڈیوں کا کام کونسا مشکل ہے۔

حل لغات سُلامیات سلامی کی جمع ہے حباری کی طرح بمعنی وہ چھوٹی اور باریک ہڈیاں جو ہاتھ اور پاؤں میں ہیں۔

حدیث شریف لوگوں کے ہر جوڑ پر ہر دن جو سورج طلوع کرتا ہے صدقہ ہے یعنی اس کے ہر جوڑ پر صدقہ ہے جس طرح کا ہو قول سے فعل سے یا مال سے۔

القاموس میں ہے کہ البنان انگلیاں یا ان کے اطراف امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ البنان الاصابع (انگلیاں) بعض نے کہا یہ اس نام سے اس لئے موسوم ہوئیں کہ ان سے انسان کے ان احوال کی اصلاح ہے جن سے وہ اپنے ارادہ کے مطابق قائم رہ سکے۔ بنٌ بمعنیٰ یقیم کہا جاتا ہے (ابن بالمکان یبن لذلک) اسی لئے ان کا نام سلہ کر اللہ نے فرمایا بَلٰی قٰدِرِیْنَ عَلٰٓی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ اور وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ (ان کے ہر پور کو مارو) میں ان کی تخصیص اسی لئے ہے کہ انہی کے ذریعے جنگ اور دفاع کیا جا سکتا ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم ان کی انگلیاں یعنی اطراف ٹھیک کریں گے اور اس کا آخری حصہ جس سے وہ مکمل ہوتا ہے کو بھی۔ اس تقریر پر البنان التمر کی طرح مفرد اللفظ اور مجموع المعنیٰ ہے اور اس میں دو جہتیں ہیں۔

① صغر

② طرف پر ہونا اس کی جس طرف دیکھا جائے بطریق اولیٰ مطلوب ثابت ہوتا ہے اسی لئے اسے خصوصیت سے ذکر فرمایا اور العظام میں بڑے اعمال صالحہ و سیئہ کی طرف اور البنان میں چھوٹی نیکیوں اور برائیوں کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ہماری ہر نیکی و برائی کو جمع کر کے ہمیں جزا و سزا دے گا۔

بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ بلکہ آدمی چاہتا ہے کہ اس کی نگاہ کے سامنے برائی کرے۔

حل لغات الفجر بمعنی شئے کا بہت اور واسع طور پھٹنا الفجور بمعنی دیانت کا ستر (ڈھانپنا) بعض نے کہا الفجور بمعنی المیل اس معنی پر الکاذب المکذب الفاسق فاجر ہیں اس لئے کہ وہ حق سے مائل ہیں اسی سے اعرابی کا قول سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے اغفرله اللّٰهُمَّ ان کان فجر ای کذب اے اللہ تعالیٰ بخش دے اسے اگر اس نے جھوٹ بولا۔ اور لام تاکید کی ہے جیسے النصح لکم میں کہ دراصل انصحکم ہونا تھا (ان یفجر) یرید کا مفعول ہے بعض کہتے ہیں کہ اس کا مفعول محذوف ہے اس پر لیفجر امامہ دلالت کرتا ہے مطلب یہ کہ آدمی شہوات و معاصی کا ارادہ کرتا ہے۔

فائدہ حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ظاہر یہ ہے کہ یہاں یرید بمنزلہ فعل لازم کے ہے اس کا معمو
مقدر ہے لام استغراق سے بوجہ مقام کے تقاضا کے ہے یہاں انسان کے حال کی قباحت کا اظہار
یعنی آدمی اپنے جمیع ارادے اسمیں واقع کرتا ہے کہ وہ برائی کرے۔

فائدہ ابوحیان نے بل کو کلام اوّل سے اعراض کا بنایا ہے یعنی بلیٰ قادرین سے بغیر ابطال مضمون کے اور
ہوتے اس بیان کے جس پر انسان ہے یعنی فجور کے انہماک میں بغیر عطف ڈالنے کے دوسروں نے اسے
عطف کا بنایا ہے اس کا عطف اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ الخ پر ڈالا ہے یا تو اس لئے کہ وہ استفہام ہے جیسے اضرب عن
التوبیخ بذلک الی التوبیخ بھٰذا اس وجہ سے اس توبیخ سے منہ پھیرتا ہوں اسی دوسری وجہ سے دوسری توبی
کی طرف یا یہ ایجاب ہے کہ استفہام سے اس طرف منتقل ہوا ہے یہی بلیغ تر اور اولیٰ ہے۔ اب معنیٰ یہ ہو کہ بلکہ انسا
کا ارادہ ہے کہ وہ ماضی اور مستقبل کے تمام اوقات میں معصیت پر مداومت کرے اس سے کسی بھی وقت نہ ہٹے اس تقریر پر ام
یہاں ہر مکان سے زمان کے لئے مستعار ہے۔

امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آدمی زندگی بھر گناہ میں گذارنا چاہتا ہے۔ بعض نے کہا اس کا معا
یہ ہے کہ انسان چاہتا ہے گناہ کر لوں کل توبہ کر لوں گا لیکن توبہ نہیں کرتا اسی طرح زندگی بھر گناہوں میں مبتلا رہتا ہے
توبہ کا قلبی وعدہ پورا نہیں کرتا۔

فائدہ حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آدمی چاہتا ہے کہ آنے والے بعث و حساب کی تکذیب کرے

فائدہ اس میں اشارہ ہے کہ محجوب کا ارادہ ہے کہ وہ اپنی نگاہ کے سامنے برائی کرے بحسب الاعتقا
والنیۃ کے قبل اس کے کہ وہ معصیت عمل میں لائے لیکن مواخذہ ہوگا۔ عزم کے پختہ ارادہ پر جیسا
کہ اپنے مقام پر اس کا بیان گذرا ہے۔

یَسْئَلُ پوچھتا ہے، یہ سوال استبعاداً و استہزاءً ہے اَیَّانَ کب ہے یہ دراصل ای آن تھ

خبر مقدم ہے يَوْمُ الْقِيٰمَةِ (قیامت کا دن) مبتدأ مؤخر ہے یعنی یہ دن کب ہے جملہ مستانفہ تعلیلیہ ہے سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ گویا کہا گیا کہ جب وہ گناہ کا ارادہ کرتا ہے تو کیا کرتا ہے تو اس کے جواب میں فرمایا کہ وہ استہزا کرتا ہوا کہتا ہے کہ قیامت کا دن کب ہے یا حال ہے انسان سے جو بل یرید الانسان میں ہے یعنی اسے بعث کا انکار اشتباہ الامر اور صحۃ البعث پر دلیل قائم نہ ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کا ازالہ ہے کہ وہ ہمیشہ گناہوں میں زندگی بسر کرے اس حال میں ہے کہ وہ سوال کرتا ہے کہ قیامت کب ہے۔

فائدہ یہ انکار دلیل ہے اس کی کہ انسان طبعی طور شہوات کی طرف مائل ہے لیکن قیامت کی خبر اور مرنے کے بعد اٹھنے کی منغص کرتا ہے اسی لئے اس کا اظہار کرتا ہے اور اس کے اقرار سے کتراتا ہے۔

فائدہ ایحسب الانسان دلیل ہے ایسے انسان کے شبہ و جہل کی اور بل یرید الانسان اس کی شہوت و تجاہل کی دلیل ہے گویا دونوں آیتیں دو شخصوں کی فطرت کا حال بیان کرتی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ محجوب انسان اپنے نفس ظلمانی کے حجاب کی وجہ سے سوال کرتا ہے کہ قیامت کب ہے ہر لحظہ و ہر گھڑی افنائی و ابقائی تجلیات کے آگے پیچھے آنے کی وجہ سے اسے قیامت کا مشاہدہ نہیں ہوتا یعنی آنکھ جھپکنے کے برابر بھی اسے اس کا مشاہدہ نصیب نہیں ہوتا۔ جیسے اللہ نے فرمایا بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ۔ بحر

تفسیر عالمانہ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ پھر جس دن آنکھ چندھیائے گی، حیران و مضطرب اور ادھر ادھر پھرے گی قیامت کی ہولناکیوں سے گھبرا کر۔

حل لغات برق الرجل یعنی بجلی کی طرف دیکھ کر دہشت میں آگیا پھر حیرت میں مستعمل ہونے لگا اگرچہ بوقت بجلی کی طرف دیکھنا نہ بھی ہو۔ بروق السحاب و المعامات بادل کی چمکیں اور روشنائیاں کا واحد ہے۔

وَخَسَفَ الْقَمَرُ اور چاند بے نور ہوگا، اس کی روشنی چلی جائے گی۔

حل لغات خسف لازم و متعدی ہر دونوں طرح مستعمل ہوتا ہے کہا جاتا ہے خسف القمر چاند بے نور ہوگا خَسَفَهُ اللهُ اسے اللہ تعالیٰ نے بے نور کیا یا اسے مٹا دیا خسف المکان سے ہے بمعنی زمین میں دھنس گیا لیکن یہ معنی آنے والی آیت کے مناسب نہیں بعض نے کہا خسف بمعنی نقصان ہے اس کا استعمال وصف و ذات ہر دونوں میں ہوتا ہے۔

چاند کے پجاری اس میں چاند کے پجاریوں کا رد ہے کیونکہ اگر چاند معبود ہوتا تو خود کو بے نوری سے بچا لیتا اور نہ ہی اس سے نور چھینا جاتا۔

فائدہ فتح الرحمٰن میں ہے کہ الخسوف والکسوف ایک شے ہے یعنی سورج و چاند کے کسی ایک سے کل یا بعض کا نور چلا جانا۔

مسئلہ صلاۃ الکسوف سنت مؤکدہ ہے جب سورج یا چاند گرہن ہو تو لوگ نماز کے لئے جمع ہوں سورج گرہن ہو تو دو رکعت نفل پڑھیں امام الجمعہ ہی پڑھائے اس میں طویل قرأت کرے لیکن جہر نہ کرے اور نہ ہی خطبہ پڑھے۔ لیکن چاند گرہن کے لئے نفل کے لئے کوئی اجتماع نہیں ہر ایک اپنے گھر یا جہاں چاہے دوگانہ پڑھے عام نوافل کی طرح۔

وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ اور سورج و چاند ملا دیئے جائیں گے روشنی چلے جانے میں یا طلوع از مغرب میں نار میں ڈالنے میں تاکہ پجاریوں کو عبرت ہو اور تکرار القمر جائز ہے کیونکہ جواب خبر دی گئی ہے وہ پہلے نہ تھی۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کہ خسف القمر یعنی آنکھ حیران ہوگی اور دہشت کے طور موت کی گھبراہٹ سے ثانی جلائے گی اور قلب کا چاند نور عقل سے تاریک ہو جائے گا اور شمس روح و قمر قلب جمع ہو جائیں گے یا بایں طور دونوں کو مغرب بدن سے اکٹھے طلوع کریں گے اب ان کا کوئی اعتبار نہ ہوگا جیسے زندگی میں تھا بلکہ اب وہ روح بن کر متحد ہو جائیں گے۔

تفسیر عالمانہ یَقُوْلُ الْاِنْسَانُ (منکر قیامت انسان کہے گا) یہ یَوْمَئِذٍ کا عامل ہے یعنی اس روز جب یہ امور واقع ہوں گے تو نا امید انسان کہے گا کیونکہ اس وقت بھاگنے کے علامات ممکنہ کہیں سے نظر نہیں آئیں گے جیسے زید کا متلاشی اس کے نہ ملنے کے امکانات ختم ہونے پر کہتا ہے این زید (یہ اس وقت کہتا ہے جب زید کے ملنے کی علامات ختم ہوں) اَیْنَ الْمَفَرُّ (کدھر بھاگ کر جاؤں)۔ مفر بمعنی فرار ہے۔ حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ (تعالیٰ) نے فرمایا کہ اسے اپنے حقیقی معنیٰ میں لینے سے کوئی مانع نہیں۔ یہ کلام اس کے تحیر سے ہوگا۔ کَلَّا (ہرگز نہیں) یہ بھاگنے کی طلب و تمنا سے روکنا اور زجر و توبیخ ہے حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ (تعالیٰ) نے فرمایا کہ مناسب ہے کہ مایوس کے لئے یہ قول نہ ہو کیونکہ اس وقت اسے کوئی طلب نہ ہوگی۔ ہاں (کَلَّا) اللہ (تعالیٰ) کا قول ہے اور جائز ہے کہ یہ مایوس انسان کے اپنے لئے ہو اور پھر وہ اپنے قول کو لوٹے گا کہ لَا وَزَرَ کوئی پناہ نہیں۔ کافروں کو کوئی جائے پناہ نہیں یہ الجبل (پہاڑ) سے مستعار ہے اس لئے کہ اَلْوَزَرُ (محرکۃ) بمعنی مضبوط پہاڑ پھر ہر اس کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جس سے پناہ لی جائے اور اس میں جا کر محفوظ ہو جائے اسی پہاڑ سے تشبیہ دے کر مطلق جائے پناہ کو وَزَر کہا جاتا ہے لَا کی خبر محذوف ہے در اصل لا ملجا ثمہ تھا وہاں کوئی جائے پناہ نہ ہوگی۔

فائدہ بلاغات الزمخشری سے ہے اتل علے من وَزَرَ کلا لا وَزَرَ جس نے گناہ کیا اسے پڑھ کر سناؤ۔

لَا وَزَرَ یعنی اس کے سامنے یہی آیت پڑھو۔ پہلے وَزَرٌ بمعنی گناہ ہے اس لئے الوزر بالکسر بمعنی الاثم ہے کسی شاعر نے کہا ہے۔ لعمرک ما فی الغنیٰ من وزر

من الموت یدرکہ والکبر

ترجمہ: تیری بقا کی قسم نوجوان کی کوئی موت اور بڑھاپے سے جا پناہ نہیں۔ یعنی موت اور بڑھاپے سے کوئی نہیں بھاگ سکتا کیونکہ یہ امر الٰہی اور قضا کا اٹل فیصلہ ہے قضا مبرم کسی کو نہیں چھوڑے گی۔

اِلٰی رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ِالْمُسْتَقَرُّ اس دن تیرے رب کی طرف جا کر ٹھہرنا ہے یعنی صرف اسی کی طرف ہی بندوں کو ٹھہرنا ہے وہاں کسی طرف متوجہ نہ ہوں گے سوائے اس طرف کے جہاں اسی کا حکم ہوگا یعنی حساب کے مقام پر یا اس کے حکم کی طرف ان کے معاملات کو ٹھہرنا ہے کیونکہ آج کے دن صرف اسی کا حکم ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا ان الی ربک الرجعی (بے شک تیرے رب کی طرف لوٹنا ہے) اور فرمایا وان الی رَبِّكَ المنتہٰی بے شک تیرے رب کی طرف ہے منتہیٰ سب کا) اور فرمایا والیہ ترجعون (اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے) یعنی کوئی حاکم و مالک نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے سوا یا اس کی مشیت کی طرف ہے ٹھہرنے کی جگہ جسے چاہے بہشت میں داخل کرے جسے چاہے دوزخ میں۔ اس تقریر پر المستقر اسم مکان ہے اور مرفوع بالابتدا ہے اور اِلٰی رَبِّكَ اس کی خبر ہے یَوْمَئِذٍ اِلٰی ربک کا معمول ہے یہ المستقر کا معمول نہیں اس لئے کہ اگر وہ مصدر بمعنی الاستقرار ہو تو اس پر اس کا معمول مقدم نہیں ہو سکتا اگر وہ اسم مکان ہے تو سرے سے وہ عامل نہیں ایسے ہی اِلٰی ربک یومئذ المساق کی تقریر ہے (آگے آرہا ہے) وغیرہ وغیرہ۔

يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ (اس دن آدمی کو جتا دیا جائے گا) ہر ایک کو خبر دی جائیگی نیک ہو یا بد۔ اعمال وزن اور بارگاہ حق کی پیشی اور محاسبہ کے وقت یہ خبر دینے والا اللہ تعالیٰ ہے یا فرشتے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے خبر دے گا یا اس کا اپنا عملنامہ جب کھل کر اس کے سامنے آجائے گا بِمَا قَدَّمَ (جو اس نے آگے کیا) جیسا عمل بھی نیکی یا برائی۔ نیکی پر جزا برائی پر سزا دیا جائے گا وَاَخَّرَ اور جو پیچھے چھوڑا یعنی کوئی عمل نیک یا برا نہ کیا کہ جس پر اسے جزا یا سزا ہو یا بِمَا قَدَّمَ سے نیکی یا برائی اور وَاَخَّرَ سے بھی نیکی یا برائی مراد ہے یعنی وہ عمل اس کے بعد کیا گیا۔ یا بِمَا قَدَّمَ سے وہ مال مراد ہے جو اس نے زندگی میں خود کیا وَبِمَا اَخَّرَ سے وہ جو اس نے مال چھوڑا یا وقف کیا یا اس کی وصیت کی یا بما قَدَّمَ وَاَخَّرَ سے مراد اس کے اگلے پچھلے اعمال مراد ہیں۔

فائدہ شیخ الاسلام انصاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ گناہ جو تو نے جرأت کر کے آگے بھیجے اور مال جو تو نے پیچھے چھوڑا تیرے۔ لئے رب کی حسرت توبہ سے گناہ مٹا دے تاکہ تیرا کوئی گناہ نہ رہے اور مال للہ خدا میں لٹا تاکہ کچھ بھی تیرے پاس نہ رہے۔

گر فرستی زپیش بہ باشد
کہ بحسرت زپس نگاہ کنی

ترجمہ: مرنے سے پہلے جو کچھ مال خرچ کرے گا تیرے لئے بہتر ہے ورنہ پیچھے رہنے والے مال کو حسرت سے دیکھے گا۔

حدیث شریف میں ہے کہ تمہارا کوئی بھی ایسا نہ ہوگا جس سے اللہ تعالیٰ کلام نہ کرے اس کے درمیا کوئی ترجمان اور حجاب نہ ہوگا جو بندے اور اس کے درمیان حائل ہو بندہ اپ دائیں جانب دیکھے گا تو وہ عمل دیکھے گا جو اس نے پہلے کئے پھر بائیں جانب دیکھے گا تو وہ عمل پائے گا جو اس عمل کئے آگے منہ کرے گا سامنے دوزخ دیکھے گا اسی لئے اے میرے امتیو! دوزخ سے بچو اگرچہ کھجو ایک ٹکڑا سے۔

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ" بلکہ انسان خود ہی اپنے حال پر پوری نگاہ رکھتا ہے اَلْاِنْسَا مبتدا بصیرۃ اس کی خبر ہے عَلٰی نَفْسِہٖ بصیرۃ کے متعلق ہے اعلیٰ اعمال نفسہٖ یہاں مقدر (یعنی وہ اپنے اعمال پر خود نگاہ رکھتا ہے) موصوف محذوف ہے کہ دراصل بل ھو حجۃ بصیرۃ و بین واضحۃ الخ بل وہ خود حجۃ بصیرہ اور بینہ واضح ہے اپنے اعمال کا اور اپنے اعضاء وغیرہ کا شاہد ہے جا اعمال سیئہ صادر ہوئے۔

سوال تم نے صرف اعمال سیئہ کی قید کیوں لگائی؟

جواب لفظ علیٰ سے یہی مفہوم نکلتا ہے اور آنے والا جملہ بھی اس کی وضاحت کرتا ہے اور بصارۃ کو کے اسناد سے موصوف کرنا مجاز ہے جیسے آیات کو ابصار سے موصوف کیا جاتا ہے تو وہ مجاز ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَلَمَّا جَاءَتْھُمْ اٰیٰتُنَا مُبْصِرَۃً جب ان کے پاس ہماری آیا مبصرہ آئیں، یا بصیرۃ بمعنی ذو بصیرۃ ہے یا تا مبالغہ کی ہے جیسے علامۃ انسابہ میں اس معنی پر بل ترقی کا یعنی انسان کو اعمال سے باخبر کیا جائے گا بلکہ وہ اس خبر میں کسی دوسرے کا محتاج نہ ہوگا کیونکہ وہ اس وقت اپ احوال کی تفاصیل کا خود عالم اور اپنے نفس کا خود شاہد ہوگا کیونکہ اس کے جوارح و اعضا خود بول پڑیں گے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بلکہ انسان خود حجۃ شاہد ہے جو اپنے علم خود شاہد ہے کیونکہ اس کے اعمال کی ہیئت اس کے نفس میں لکھی ہوئی باقی ہوگی بلکہ اس ذات میں راسخ ہوگی اور اس کی صفات اس کے اعضا کی صورتوں میں ہوں گے اسی لئے اسے خارج کسی دوسرے کی خبر کی محتاجی نہ ہوگی۔

باش تا از صدمۂ صور سرافیلی شود
صورت خوبت نہان و سیرت زشت آشکار

ترجمہ: صبر کرتا کہ اسرافیلی صور کے صدمہ سے تیری حسین صورت چھپ جائے گی اور سیرت زشت ظاہر ہو جائے گی۔

تفسیر عالمانہ وَلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَہٗ (اور اگر اس کے پاس جتنے بہانے ہوں)۔ یہ بصیرۃ کی ضمیر سے حال یا بناً سے مرفوع ہے یعنی وہ خود نگاہ رکھنے والا ہے کہ اس کے اعضا اس پر گواہی دیں گے جن کی گواہی قبول ہوگی اگرچہ یہ کتنے بہلانے بنائے۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ اعضا کی گواہی پر معذرداری کرے اور ان سے جھگڑا کرے کہ میں نے یہ فعل کیا ہی نہیں یا کیا تھا تو فلاں وجہ تھی یا یہ عمل میں نے نہیں کیا یا اس کا مانع موجود تھا یا میں فقیر تھا عیالدار تھا یا مجھے فلاں سے خوف تھا یا مجھے اس کی عطا کا طمع تھا وغیرہ وغیرہ غرضیکہ بے سود بہانے بنائے گا۔

چہ چندیں عذر انگیزی و چندیں حیلہ ہا سازی
چو میدانی کہ میدانم و میدانم کہ میدانی

ترجمہ: کتنا عذر کھڑے کرو گے کتنا حیلے بناؤ جب میں اس راز کو جانتا ہوں اور یہ بھی تمہیں معلوم ہے کہ میں جانتا ہوں۔

ائدہ یا یہ معنی ہے کہ اسے اس کے اعمال جتلائے جائیں گے اگرچہ وہ ان کے دفیعہ اور دور ہونے کے کتنے حیلے بنائے وہاں دفع اور دوری کے اظہار کا کوئی رواج نہ ہوگا کیوں کہ اس دن حق نے حقیقت کے ساتھ ظاہر ہونا ہے۔

ل لغات المعاذیر المعذرۃ کی جمع ہے جیسے مناکیر منکر کی بعض نے کہا معذار کی جمع ہے اہل یمن کی لغت میں بمعنی الستر ہے یعنی اگرچہ وہ کتنا ہی پردے لٹکائے یعنی دنیا میں گناہ کے ارتکاب پر لوگوں کی نگاہوں سے چھپنا اور پوشیدہ ہونا کوئی کام نہ دے گا کیونکہ اس پر اس کا اپنا نفس خود نگاہ رکھنے والا ہے اور فرشتے بھی شاہد ہیں۔

ائدہ الکشاف میں ہے کہ جیسے محتجب کے دیکھنے سے جیسے وہ خود روکتا ہے ایسے معذرت مذنب کی عقوبت کو روکتی ہے۔

لَا تُحَرِّکْ بِہٖ اس کے ساتھ حرکت نہ دو یعنی قرآن کے ساتھ۔ لِسَانَکَ اپنی زبان کو جب جبریل علیہ السلام پڑھتے اور آپ پر القا کرتے رہیں لِتَعْجَلَ بِہٖ (اس کے یاد کرنے کی جلدی میں)۔ اس کے حاصل کرنے میں کہ اسے جلدی حاصل کرو اس خوف سے کوئی حرف رہ نہ جائے۔ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ بے شک ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کرنا تمہارے سینہ مبارک میں یہ وعدہ ہے کہ کوئی معنی بھی آپ پر مخفی نہ رہے گا وَقُرْاٰنَہٗ اور اس کا

پڑھنا۔ یہاں مضاف محذوف ہے یعنی اس کی قرأۃ کا اثبات آپ کی زبان مبارک سے کہ اسے جب چاہو پڑھو۔

حل لغات القرآن مصدر ہے بمعنی القرأۃ جیسے الغفران بمعنی المغفرۃ اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے القرأۃ بمعنی حروف و کلمات کو ایک دوسرے سے ملانا ترتیل میں اور یہ ہر جمع کے لئے مستعمل نہیں کہا جاتا۔ قرات القوم جمعتہم میں نے انہیں جمع کیا۔ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ تو جب ہم پڑھ چکیں۔ یعنی جب قرأۃ قرأۃ کی تکمیل کر لیں بواسطہ جبریل علیہ السلام آپ کی زبان مبارک پر۔

فائدہ نون عظمت یعنی جمع متکلم برائے اللہ تعالیٰ کی طرف فعل (قراءۃ) کا اسناد ایجاب تاخیر میں مبالغہ کے لئے ہے۔

فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ تو اس وقت پڑھے ہوئے کی اتباع کرو۔ یعنی جبریل علیہ السلام کی فراغت کے بعد بلا تاخیر پڑھنا شروع کر دیجئے۔

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب ہم اسے جمع اور ثابت کر لیں تمہارے سینے میں پھر اس پر عمل کیجئے۔

حضرت الواسطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جمع کا تعلق سر سے اور قرأۃ کا تعلق علانیہ سے ہے۔

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ پھر ہمارے ذمہ ہے اس کا بیان۔ یعنی وہ جو آپ کو اس کے معانی و احکام مشکل محسوس ہوں گے ہم بیان کر دیں گے۔ کلام کے مجمل و مبہم کی شرح کا نام بیان اس لئے ہے کہ وہ معنی مقصود کشف مکمل طور کھولتا ہے۔

مسئلہ ثُمَّ میں دلیل ہے کہ خطاب کے وقت سے بیان کی تاخیر تو جائز ہے لیکن وقت حاجۃ الی العمل سے تاخیر جائز نہیں کیونکہ پہلی صورت میں تکلیف مالا یطاق ہے (وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جائز نہیں)۔

فائدہ اہل التفسیر نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جب نزول وحی ہوتا تو آپ جبریل علیہ السلام کے ساتھ کے ساتھ پڑھنا شروع فرما دیتے ان کے اتمام کا انتظار نہ فرماتے حفظ میں جلدی کرتے اس خوف سے کہیں کوئی مضمون رہ نہ جائے۔ آپ کو حکم ہوا کہ خاموشی سے سنیں جب تک آپ کے دل میں وحی کا القاء و سمع مکمل نہ ہو آپ جلدیں نہ کریں جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ولا تعجل بالقرآن من قبل ان یقضیٰ الیک وحیہ آپ قرآن میں جلدیں نہ کریں قبل اس کے کہ آپ پر وحی کا القاء پورا نہ ہو جائے پھر آپ اسے پڑھتے جائیے یہاں تک کہ آپ کے دل میں راسخ ہو جائے۔

فلاسفہ و وہابیہ کا رد بعض عارفین نے فرمایا کہ اس میں اشارہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ علم کا حصول صحیح ہے یہاں پر گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے حبیب

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ جبریل علیہ السلام سے قرآن لیجئے ایسے طور کہ گویا آپ نے اسی سے ہی لیا ہے۔

ولا سابق بما عندك منا من غير واسطة بر المحققين يسمون هذه الجهة التي عدم الوسائط الوجه الخاص والفلاسفة ينكرون هذا الوجه ويقولون لا ارتباط بين الحق والموجودات الا من جهة الاسباب والوسائط فليس عندهم ان يقول الانسان اخبرني ربي اي بلا واسطة يخلطون هذا الحكم فانه كان ارتباط كل ممكن بالحق من حيث الممكن من جهتين جهة الواحدة وجهة الكثرة بواسطه و هو الوجه ولما كان نبينا عليه السلام اكمل الخلق تكون احكام كثرته وامكانه مستهلكة بالكلية في وحدة الحق واحكام وجوبه كان ياخذ عن الله بلا واسطه اي من الوجه الخاص وكان ينصبغ في قلبه ما يريد الحق ان يخبره فاذا جاءه الكلام من جهة الوسائط اي من الوجه العام لصور الالفاظ والعبارات التي استدعتها احوال المخاطبين كان يبادر اليه بالنطق به لعلمه بمعناه بسبب تلقيه اياه من حيث الا واسطة لينفس عن نفسه ما يجده من الكربة والشدة التي يلقاها من التنزل الروحاني فان الطبيعة تنزعج من ذلك للمباينة الثابتة بين المزاج وبين الروح

ترجمہ۔ جو کچھ آپ کے پاس ہے آپ سے کوئی سبقت کرنے والا نہیں کہ اس نے آپ سے پہلے کسی سے سیکھ لیا ہو اور محققین اکابر اس عدم وسائط کی جہت کو وجہ خاص سے موسوم کرتے ہیں اور اس وجہ خاص کے فلاسفہ منکر ہیں (ایسے ہی وہابی دیوبندی نجدی بھی) ان کی دلیل یہ ہے کہ موجودات میں اسباب کے بغیر حق کے درمیان میں اور کوئی رابطہ نہیں وہ کہتے ہیں یہ کہنا غلط ہے کہ کوئی کہے کہ مجھے میرے رب تعالیٰ نے بلا واسطہ ملک خبر دی ہے ان (فلاسفہ اور وہابیہ وغیرہ) کی دلیل و دعویٰ غلط ہے کیونکہ ہر ممکن کا رابطہ حق سے دو طرح ہوتا ہے۔ (۱) جہتہ الواحدہ (۲) جہتہ الکثرۃ اور یہ وجہ عوام کے لئے ہے اور ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو خاص اور تمام مخلوق سے اکمل ہیں۔ اور کثرت کے تمام احکام اور جملہ ممکنات وحدۃ حق میں فنا پانے والی ہے اور حضور علیہ السلام کے جواب کے احکام اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ حاصل ہوتے ہیں بوجہ خاص اور آپ کے قلب اطہر پر اترتا تھا وہ علم جس کی اللہ تعالیٰ خبر دینا چاہتا جب آپ کے ہاں کلام آتا وسائط سے اور جہت عام سے صور الفاظ اور ان عبارات میں مخاطبین کے احوال کے داعی ہیں تو آپ ان الفاظ سے گفتگو فرماتے اور انکے معانی کا آپ کو علم بھی ہوتا۔ اس سبب سے جو آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلا واسطہ حاصل تھا تاکہ آپ اس کربت و شدت سے آسانی پاتے جو آپ کے مزاج اقدس

الملکی فعرف الحق نبینا علیه السلام القرآن وان اخذته عنا من حیث معناه بلا واسطه فان انزلنا ایاه مرة اخری من جهة الوسائط یتضمن فوائد زائدة منا مراعاة افهام المخاطبین به لان الخلق المخاطبین بالقرآن حکم ارتباطهم بالحق انما هو من جهة سلسلة الترتیب والوسائط کما هو الظاهر بالنسبة الی اکثرهم فلا یفهمون عن الله الا من تلک الجهة ومنها معرفة اکتساء تلک المعانی العبارة الکاملة وتجلی فی مظاهرها من الحروف فتجمع بین کمالاته الباطنة والظاهرة فیتجلی بها روحانیته وجسمانیته ثم یتعدی الامر منک الی امتک فیاخذ منهم حصة منه علما وعملا (روح البیان ص۲۴۹ ج۹)

کو تنزل روحانی کی وجہ سے ہوتی اس لئے کہ آپ کو اس تنزل سے پریشانی لاحق ہوتی اس لئے کہ مزاج اقدس اور روح ملکی کے درمیان مباینت ہے خلاصہ کلام اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن کا علم خود عطا فرمایا ہے اور فرمایا کہ اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے مجھ سے قرآن من حیث المعنیٰ بلا واسطہ حاصل کیا پھر اگر ہم نے اسے دوبارہ نازل کیا وسائط سے تو اسمیں مزید فوائد ہیں جو مخاطبین کے افہام کی رعایت پر مبنی ہیں اس لئے کہ قرآن کے مخاطبین کے ربط بالحق کے احکام ترتیب و وسائط کے سلسلہ سے ہوتا ہے جیسے کہ ان کے اکثر کے لئے ظاہر ہے کیونکہ ان کے اللہ تعالیٰ سے اسی سلسلہ کے بغیر سمجھ نہیں سکتے کہ ان معانی کو عبارت کاملہ کی پوشاک سے سمجھا جاتا ہے اور حروف و کلمات کے مظاہر میں روشن ہو سکتے ہیں اسی لئے آپ میں کمالات باطنہ و ظاہرہ کا اجتماع ہوا اسی وجہ سے آپ کی روحانیت و جسمانیت ہر دونوں متجلی ہوئیں جو متجاوز ہو کر امت میں مؤثر ہوئیں آپ سے امت کا ہر فرد علم و عمل اپنا حصہ حاصل کرتا ہے۔

فائدہ: لاتحرک بہ لسانک الخ میں تعلیم وتادیب ہے تعلیم تو یہ ہے کہ اس طرف اشارہ ہے جہۃ الوحدۃ کا باب اکثر لوگوں پر بند ہے وہ اللہ تعالیٰ سے اسی طرح سمجھ سکتے ہیں جو ان کے حال کے مناسب ہے یعنی وسائط و کثرت امکانیہ کی جہت سے اور تادیب یہ ہے کہ جب وحی لانے والے جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے وحی لاتے ہیں تو اسمیں جو سبقت کرے گا تو تعجیل سمجھی جائے گی اور ظاہر ہوگا کہ وحی لانے والے کی کوئی ضرورت نہیں اور یہ یقیناً ادب کے خلاف ہے بالخصوص معلم ومرشد کے سامنے اس سے معلوم ہوا کہ لاتحرک بہ لسانک الخ درمیان میں بطریق استطراد واقع ہے اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استعجال طریق اول (وحی) بلا واسطہ کے اعتبار سے ہر نزول وحی کے وقت واقع ہوتا تھا اور چونکہ آپ کو اس سورۃ کے نزول تک روکا نہ گیا تھا اسی لئے

اسی لئے آپ وحی کے ہر نزول کے وقت عجلت کرتے تھے اسی لئے آپ کو روکا گیا لاتحرک الخ یعنی ہم آپکو اسی طرح مامور کیا گیا جیسے لوگوں سے خطاب عام ہوتا ہے[1] اس کی مثال یہ ہے کہ مدرس و معلم جب شاگرد کو جیسے کوئی مسئلہ سمجھانے شروع ہو لیکن شاگرد ویسے کام میں مشغول ہو جائے جو درس کے لائق نہ ہو تو معلم اسے فرمائے گا کہ اس مشغولی کو چھوڑ اور اس طرف متوجہ ہو جو میں کہہ رہا ہوں جب شاگرد مکمل طور متوجہ ہوگا تو معلم مسئلہ کی تکمیل فرمائے گا۔

ربط آیات فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ مجھے یہاں ایک ازالقا ہوا ہے جو آیات کے ربط میں لطیف وجہ ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ لاتحرک بہ الخ سے پہلے ہڈیوں اور متفرق عناصر جو ظاہری وجود کے ارکان ہیں کے جمع کرنے کا بیان فرمایا اب جمع القرآن اور ان اجزا کے جمع کرنے کا ذکر ہے جو باطن الوجود کے ارکان ہیں اسی لئے ایحسب الانسان الخ کے بعد ان علینا جمعہ الخ اس بیان معنی پر الجمع الظاہر والجمع الباطن کا اجتماع ہوا اس راز کے القا پر اللہ تعالیٰ کی ہزار حمد۔

تردید روافض از صاحب روح البیان قدس سرہٗ

وقد تحیر طائفۃ من قدماء الروافض (خذلہم اللہ تعالیٰ) حیث لم یجدوا المناسبۃ فزعموا ان ھذا القرآن غیر و بدل و زید فیہ ونقص۔ (روح البیان صـ۲۴۹)

ترجمہ: شیعہ کے قدما (اللہ تعالیٰ انہیں رسوا کرے) آیت کے درمیان ربط نہ سمجھ سکے گمان کیا کہ یہ قرآن متغیر و متبدل ہے اس میں کمی بیشی کی گئی ہے (معاذ اللہ)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ ہر وہ شیئت کے اطلاق کی استعداد رکھتی ہے اس کا ایک ظاہر ملک ہے اور ایک ملکوت (باطن) جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بیدہٖ ملکوت کل شیئ

---

[1] اس قاعدہ کے مطابق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب تک صراحۃً کسی امر سے روکا نہ جاتا آپ اپنے مناسب حال پر عمل فرماتے یہاں بھی ایسے ہوا کہ آپ چونکہ علم لدنی سے قرآن مجید کے پہلے سے عالم تھے اسی لئے آپ جبریل علیہ السلام کے ساتھ ساتھ پڑھ لیتے تھے جسے بظاہر حضور علیہ السلام کے بھول جانے کے خطرہ پر محمول کیا گیا حالانکہ یہ بات نہ تھی جیسے ہم نے تفصیل سے عرض کر دیا ہے۔

(اویسی غفرلہٗ)

اللہ تعالیٰ کے ہاتھ (قدرت) میں ہے ہر شے کا ملکوت (باطن) اور قرآن اشرف الاشیاء ہے بلکہ سب سے مکمل ترین تو اس کا ملک (ظاہر) بھی ہے اور ملکوت (باطن) بھی۔ اس کا ملک تو احکام و شرائع ظاہرہ ہیں کہ جن سے امت کے مصالح متعلق ہیں جیسے عبادات مالیہ و عبادات بدنیہ اور جنایات و وصایات وغیرہ وغیرہ اور اس کا ملکوت و اسرار الہیہ و حقائق لاہوتیہ ہیں جن سے خواص امت اور اس کے اخص الخواص بلکہ خلاصۃ اخص الخواص کے بواطن متعلق ہیں جیسے مکاشفات و مشاہدات سریہ و معانیات روحیہ اور ان ہر دونوں ملک و ملکوت کے مدرکات ہیں جن سے ان کا ادراک کیا جا سکتا ہے ان کے سوا ان کا ادراک مشکل ہے اس لئے کہ وجدانیات و ذوقیات کے لئے فرمان کی عبارات کو گنجائش نہیں کیونکہ وہ منقطع الاشارات ہیں پس لاتحرک الخ میں اس کے لسان ظاہر سے عدم تعبیر کی طرف اشارہ ہے کہ وہ کہ اسرار البواطن و الحقائق تصرف عبارات کو قبول نہیں کرتے ہاں یہ یقین کرنا لازم ہے کہ اس کا جامع مظہر قرآن کے ملک (ظاہر) و ملکوت (باطن) کا جامع ہے وہ ہیں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ آپ کا ظاہر قرآن کے ملک (ظاہر) کی اتباع کرتا ہے اور آپ کا باطن اس کے ملکوت (باطن) کا ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ہر لحظہ قرآن مجید کے متبعین سے بنائے (آمین)۔

تفسیر عالمانہ کَلَّا (کوئی نہیں) جس سے کلام کا ابتدا کیا گیا تھا اب اس کی تکمیل کی جا رہی ہے یعنی ایسے نہیں جیسے آدمیوں نے عقبیٰ کے بارے میں گمان کر رکھا ہے بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ (بلکہ تم عجلت والی (دنیا) کو دُرست رکھتے ہو جو جلدی والی ہے (یعنی نقد سودا ہے) وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ (اور تم آخرت کو چھوڑتے ہو) اس کے لئے عمل نہیں کرتے بلکہ اس کا انکار کرتے ہو۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ تم شہوت دنیا کی نعمت کو دوست رکھتے ہو اور آخرت کی نعمتوں کو چھوڑتے ہو اس معنٰی پر یہ خطاب امت کو ہے۔

تفسیر عالمانہ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ (کچھ منہ اس دن تروتازہ ہوں گے)۔

حل لغات النضرۃ بمعنی ظاہری جسم اور کا تروتازہ اور باجمال ہونا اور یہ تنعم (نعمتوں کے حصول) کے اثر سے ہوگا الناضر تروتازہ اور ہر شے سے نرم یعنی بہت سے چہرے ایسے ہوں گے اور ان سے اہل ایمان مخلصین کے چہرے مراد ہیں اس دن کہ قیامت قائم ہوگی تو ان کے چہرے تروتازہ۔ چمکدار ہونگے ان پر نعمت کے اثرات کا نظارہ کیا جائے گا اور بارونق چہرے نظر آئیں گے جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں فرمایا تعرف فی وجوھھم نضرۃ النعیم ان کے چہروں میں نعمتوں کی تروتازگی محسوس کی جائے گی۔ وجوہ مبتدا ناضرۃ اس کی خبر ہے اور یومئذ ناضرۃ سے منصوب ہے اور یہاں نکرہ کا مبتدا ہونا جائز ہے اس لئے

ریہ تفصیل کا مقام ہے۔ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (اپنے رب کو دیکھتے) ناظرہ مبتدا کی دوسری خبر ہے اِلٰی ربہا ناظرہ کے متعلق ہے۔

حل لغات النظر بمعنی شے کے ادراک و رؤیت کے لئے بصر و بصیرت کو پھیرنا وجود سے دیکھنے سے آنکھوں سے دیکھنا مراد ہے ذکر المحل وارادۃ الحال کے قبیل سے ہے یہ اہل قال کے نزدیک ہے اور اہل حال کے نزدیک نظر فی البصر سے منحصر نہیں اسی سے اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہوتی ہے اور وہ اس سے منزہ ہے بلکہ اس وقت باطن ظاہر سے تبدیل ہوگا اور تمام ظاہر بعہ بکر جمیع اجزائے دیکھے گا اس طرح سے حق کا مشاہدہ ہوگا جیسے دنیا میں بصیرت سے مشاہدہ (دیدار الٰہی) ہوتا ہے اور آخرت تو ویسے ہی لطافت کا لم ہے اسی لئے یہاں قالب اور ظاہری جسم کا یہاں کوئی حکم باقی نہ رہے گا بلکہ یہاں قلب و روح کا حکم ہوگا ظاہر یہی ہے کہ آخرت میں اعضا کی صورتیں بھی روح و قلب کی طرح ہوں گی اسے اچھی طرح سمجھ لو (ورنہ ابی ہو جاؤ گے)۔

فائدہ کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ

راہ از کدام جانب است گفت از جانب تو نیست
چو از تو گذشتی از ہمہ جانبہا راہست
چوں بصدیقاں بیا کردند وزاں راہ ساختند
جز بدل رفتن دراں رہ یک قدم را بار نیست

ترجمہ: وصال حق کا، راہ کس جانب سے ہے فرمایا تیری جانب سے وہاں کوئی راہ نہیں جب تم توئی سے گئے تو پھر ہر جانب سے راہ ہے جب سے صدیق کھڑے کئے ان سے ہی راہ بنائے وہاں پاؤں سے چلنے کا راہ نہیں دل کے ساتھ چلنا پڑتا ہے۔

فائدہ آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ کچھ منہ اللہ (تعالیٰ) کو عیاناً دیکھیں گے اور وہ اس کے جمال کے مطالعہ میں ایسے مستغرق ہوں گے کہ انہیں ماسوائے اللہ تعالیٰ کی بالکل باخبر نہ ہوگی۔

سئلہ اللہ تعالیٰ کا دیدار بلاکیف اور بلاجہت ہوگا ایسے منہ اس لائق ہیں کہ وہ تر و تازہ ہوں کیوں نہ جبکہ وہ اپنے خالق کے دیدار سے سرشار ہوں گے۔

باز کی تربیت مومن کی مثال باز کی ہے کہ باز کو جب پکڑ لیتے ہیں پھر چاہتے ہیں کہ اسے بادشاہ کو ہدیہ پیش کریں تاکہ وہ بادشاہ کے ہاتھ پر بیٹھنے کے لائق ہو تو ایک عرصہ تک اس کی آنکھیں بند رکھتے ہیں اور اس کے پاؤں بیڑیوں میں باندھتے ہیں اور تاریک مکان میں ٹھہراتے ہیں اسے اپنے جوتے

سے بھی دور اور بھوکا پیاسہ رکھتے ہیں تاکہ ضعیف اور لاغر ہو اور اپنے وطن کو بھول جائے اور یہاں سے بھاگنے نہ پائے پھر جب اس کی آنکھیں کھولتے ہیں تو اس کے سامنے شمع رکھتے ہیں اور طبلہ کی آواز سناتے اور تھوڑا سا پرندے کا گوشت کھلا کر بادشاہ کے ہاتھ پر بٹھا دیتے ہیں باز اپنے دل میں سوچتا ہے کہ اس جہاں میں میرے جیسا خوش قسمت کون ہوگا کہ شمع میرے آگے اور طبل کی آواز میرے کانوں میں اور کھانے کے لئے پرندے کا گوشت اور میری قرارگاہ بادشاہ کا ہاتھ ہے۔

مؤمن قبر میں کیوں یہی مؤمن کا حال ہے جب اسے خلعت کی پوشاک پہناتے اور شراب محبت پلاتے ہیں تو اس کے ساتھ بھی باز کا معاملہ کرتے ہیں کہ اسے ایک مدت تک قبر میں مقید رکھتے ہیں گویا ہاتھوں پر بیڑیاں پاؤں پر زنجیر ڈالتے ہیں اور آنکھوں کی بینائی بند کر دیتے ہیں (یہ جسم کے ساتھ ہو رہا ہے کہ وہ کہیں آنے جانے کا نہیں روح کی بات نہیں)، ایک عرصہ تک قبر (عالم برزخ) میں گذارتا ہے پھر اسے اچانک قیامت کا طبل (نفخ صور) سنائیں گے اس سے بندہ قبر کی مٹی سے سر اٹھا کر آنکھ کھولے گا تو بہشت کا نور دیکھے گا اس وقت اسے دنیا (پرانا وطن) بھول چکا ہوگا۔ پھر اسے شراب وصال پلا کر جنت کے دسترخوان پر بٹھائیں گے پھر جب آنکھ کھولے گا تو خود کو بادشاہ کے ہاتھ پر بیٹھا ہوا دیکھے گا اور بندہ کامل آنکھ کھولے گا تو خود کو مقعد صدق میں پائے گا ملک کا سلام سنے گا ملک کا دیدار کرے گا طوبیٰ و زلفیٰ وحسنیٰ میں شاداں و فرحاں چل کر بارگاہ حق میں پہنچ کر جلال و جمال حق سے سرشار ہوگا۔ یہی ہے معنیٰ قول وجوہ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ۔

فائدہ اور یہ ہر وقت نہ ہوگا کہ کسی دوسری بہت سی اشیاء دیکھنے منافی نہیں اور اولیٰ یہ ہے کہ تقدیم اہتمام اور رعایۃ الفاصلہ کے لئے ہے کیونکہ اسے مقید کرنا بعض احوال کے ساتھ تقیید بلا دلیل اور مقام مدح کے منافی ہے اور مقام مدح عموم الاحوال کا مقتضی ہے اور غیر مناسب ہے۔ وجوہ یومئذ ناظرۃ۔ یہ احوال میں عموم کے لئے ہے اور اگر مان لیا جائے تو یہ اختصاص ادعائی ہے کہ اس کے سوا دوسروں کے دیکھنا کالعدم ہے کہ اس کی نظر کے بالمقابل وہ کچھ نہیں جیسے کہا جاتا ہے زید الجواد ھکذا زید ہی ہے ایسا سخی ہے (اس میں دوسروں کی سخاوت کالعدم قرار دی گئی ہے)۔

تفسیر صوفیانہ جو اہل جنت میں تجلی ذاتی ابدی سے فائز ہوگا اس کے لئے اس کے بعد حجاب نہ ہوگا بلکہ کاملین کو اس کے دیدار کے سوا قرار ہی نہ ہوگا اسی طرف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ اہل جنت کا ایک گروہ وہ ہوگا جس سے اللہ تعالیٰ کسی وقت مستور و محجوب نہ ہوگا اور آپ خود اپنی دعائیں پڑھتے تھے۔

واسئلك لذة النظر الى وجهك الكريم   اے اللہ تجھ سے تیرے وجہ کریم کی نظر کی لذت کا

ابدا دائما سرمدا ودون ضراء مضرة سوال کرتا ہوں ہمیشہ دائمی سرمدانہ ایسے ضرر سے
ولا فتنة مضلة ۔ جو ضرر رساں اور فتنے جو گمراہ کن ہے ۔

فائدہ الضرآء المضرہ سے تجلی کے بعد حصول حجاب اور وہ تجلی جو حجاب لگنے کو مستلزم ہو اور الفتنۃ المضلہ سے ہر وہ شبہ جو خلل ونقص فی العلم والشہود کا موجب ہو مراد ہے ۔

اوتاد کا ورد صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اوتاد کا ورد یہ ہے **اللھم انی اسئلک النظرۃ الی وجھک الکریم** اے اللہ تیرے کریم چہرے دیکھنے کا سوال کرتا ہوں ۔

فائدہ ہر کس بہشت کی آرزو رکھتا ہے لیکن عاشق کو دیدار الٰہی کے سوا اور کوئی آرزو نہیں اور پیر طریقت نے فرمایا کہ عارف کو بہشت میں تین نصیب ہوں گی

① سماع
② شراب
③ دیدار

سماع کے لئے فرمایا فھم فی روضۃ یحبرون اور شراب کے لئے فرمایا وسقاھم ربھم شرابا طھورًا اور دیدار کے لئے فرمایا وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ سماع کان کا اور شراب لب کا دیدار آنکھ کا حصہ ہے ۔ سماع واجدان کا شراب عاشقوں کا دیدار مجنون کا حصہ ہے ۔ سماع طرب (سرور) بڑھاتا ہے شراب زبان کھولتا ہے دیدار صفت لے جاتا (محویت بخشتا) ہے ۔ سماع مطلوب کو کھرا کرتا ہے ۔ شراب راز کا جلوہ دکھاتا ہے دیدار عارف کو فرد بناتا ہے ۔ سماع کو ہفت اندام چاہئیں لیکن ان کا ساقی کان ہے شراب بہمہ وجوہ نوش اور دیدار ہر موئے تن کو روشن کرتا ہے ۔

مسئلہ تمام اہلسنت وجماعت نے اس آیت کو حقیقت پر محمول کرتے ہوئے فرمایا کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار بلا کیف وتحدید نصیب ہوگا جس نے تاویل کی وہ تاویل حقیقی معنیٰ کو قادح نہیں ۔

تاویل المعتزلہ معتزلہ کا علامہ زمخشری کہتا ہے کہ آیت میں توقع ورجا سے کنایہ ہے جس کا مطلب ہے کہ بندے کرامت ونعمت کی توقع اور امید نہ رکھیں گے سوائے اللہ تعالیٰ کے جیسے دنیا میں سوائے اس کے کسی سے ڈرتے نہ امید رکھتے ۔

جواب اہلسنت علمائے اہلسنت نے فرمایا کہ کنایہ کی طرف بلا ضرورت داعیہ عدول کرنا ہے اور یہاں کوئی ایسی ضرورت نہیں کہ حقیقت کو چھوڑ کر مجاز کا ارتکاب کیا جائے بلکہ احادیث صحیحہ رویت باری تعالیٰ کے حقیقی معنیٰ کا تعین کرتی ہیں ۔

سوال حدیث شریف میں ہے کہ چاندی کی دو بہشتیں ہیں اور انمیں جو کچھ ہے اور ان کے برتن بھی چاندی کے ہیں اور سونے کی دو بہشتیں ہیں اور ان میں جو کچھ ہے اور ان کے برتن بھی سونے کے ہیں ان کے بندوں اور اللہ تعالیٰ کے درمیان سوائے کبریائی کے اور کوئی شے حائل نہیں اور وہ ردا اس کے چہرے پر ہے بند اسی ردا کو دیکھتے ہیں۔

فائدہ معتزلہ کہتے ہیں کہ یہی ردا ردا والے اور بندوں کے درمیان حجاب ہے فلہٰذا قیامت میں بھی رویت باری تعالیٰ ممکن نہیں۔

جواب ردا والا محجوب نہ ہوگا کیونکہ وجہ (چہرہ) سے اس کی ذات اور ردا سے مراد وہ عبد کامل المخلوق ج جامع للحقائق الامکانیہ والالٰہیہ ہے یعنی ردائے کبریا نفس مظہر ہے اور ذات کا مشاہدہ مظہر بغیر محال ہے۔

فائدہ رداؔ وہی خود کبریا ہے اور یہ اضافت بیانیہ ہے الکبریا سے وہ رداؔ مراد ہے جو عارف باللہ کے عقول کا لباس ہے اور اسے ردا افہام و تفہیم کے طور کہا گیا ہے ورنہ وہاں درحقیقت کوئی ر نہیں ہاں رتبہ حجابیہ ہمیشہ باقی رہے گا اور یہ رتبہ حجابیہ مظہر ہے کیونکہ وہ آئینہ کی طرح ہے۔

سوال حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا آپ نے شب معراج اپنے رب کو دیکھا۔ آپ نے فرمایا نورٌ انّی اراہ وہ نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا تھا یعنی وہ مجرد نور ہے اس کا دیکھنا ناممکن ہے

جواب باعتبار تجرد الذات علی الذات عن المظاہر والنسب والاضافات (مظاہر و نسبتوں سے مجرد ذات کا دیکھ ناممکن و متعذر ہے ہاں مظاہر میں اور حجابیۃ المراتب کے وراء اس کا ادراک ممکن ہے۔

معتزلہ کی عجیب تفسیر بعض معتزلہ نے ناظرہ میں نظر سے انتظار مراد لی ہے اور لفظ الیٰ کو اسم مفرد بنا کر بمع نعمت کیا جو رب کی طرف مضاف ہے (اس کی جمع آلاء ہے) اس معنیٰ پر الیٰ (بمعنی نعمة ناظرہ کا مفعول مقدم اور ناظرہ یعنی منتظر ہے اب عبارت یوں ہوگی یومئذ منتظرة نعمة ربہا (بعض چہر اس دن اس کی نعمت کا انتظار کرنے والے ہوں گے)۔

تردید از اہلسنت ① انتظار کا اسناد وجوہ کی طرف نہیں ہوتا خواہ وہ حقیقی معنیٰ میں ہو یا بمعنیٰ نظر کہ محل بولکر حال مراد ہو۔

② وجہ سے ذات اور انسان (شخص) مراد لینا ظاہر کے خلاف ہے

③ الانتظار الیٰ کی طرف متعدی نہیں ہوتا اگر اس سے حرف مراد ہو۔

④ یہاں الیٰ بمعنیٰ نعمة عقلاً خلاف ہے کیونکہ انتظار تو تکلیف کا اور دکھ کا نام ہے (اسی لئے کہا جاتا

ہے الانتظار اشد من الموت انتظار موت سے زیادہ سخت ہے! بہشت میں تو نقد نعمتیں ہیں وہاں انتظار کیا اور نقلاً بھی خلاف ہے

حدیث شریف نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بہشت میں ادنیٰ درجہ کا بندہ وہ ہوگا جو جناب الٰہی اور اپنی ازواج (حوران بہشت وغیرہ) اور بہشت کی نعمتوں اور اپنے خدام اور اپنے تخت ہزاروں سال کی مسافت سے دیکھے گا یعنی ہزار سال کی مسافت سے دور سے دیکھے گا اور جو اعلیٰ درجہ کا ہوگا جسے اللہ تعالیٰ اعزاز بخشے گا وہ اس کے چہرے کو روزانہ اسی مقدار پر صبح وشام دیکھے گا اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پڑھا، وجوہ یومئذ ناضرۃ الیٰ ربہا ناظرۃ اس کے بعد آپ نے نظر کو نظر عین اور آنکھ سے دیکھنے سے تفسیر فرمائی۔

فائدہ اس سے ظاہر ہوا کہ مخالف معتزلہ نے اپنی رائے اور خواہش کا اتباع کیا ہے۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چودھویں کے چاند کو دیکھ کر فرمایا کہ تم اپنے رب تعالیٰ کو ایسے دیکھو گے جیسے چاند کو دیکھ رہے ہو۔ کیا چاند کو دیکھنے میں ایک دوسرے کو رکاوٹ محسوس کرتے ہو۔

فائدہ لاتضامّون فی رؤیتہ بفتح التاء وتشدید المیم از الضم دراصل لاتتضامون یعنی تم ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں ہوگے کہ کہو کہ دکھاؤ یار وہ چاند کہاں ہے بلکہ ہر ایک مستقل طور دیکھے گا اور یہ روایت بتخفیف المیم بھی آئی ہے از الضیم بمعنی الظلم اس وقت تم مظلوم ہوگے یعنی اس وقت دیکھنے میں کسی پر ظلم نہ ہوگا کہ کوئی دیکھے کوئی نہ دیکھے بلکہ تم سب برابر طور دیکھو گے یہ حدیث مشہور ہے اسے تمام امت نے قبول کیا ہے اور یہاں تشبیہ رؤیۃ برؤیت ہے واضح ہونے کی وجہ سے نہ مرئی (دیکھے ہوئے چاند) کی مرئی (اللہ تعالیٰ) سے۔

مسئلہ اس سے ثابت ہوا کہ قیامت میں بندے اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے بغیر کیف وکم کے یا کسی اور مثال سے جب بندے اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے تو بہشت کی تمام نعمتیں بھول جائیں گے۔

افسوس بر معتزلہ معتزلہ پر سخت افسوس کہ وہ اس بڑی نعمت کا انکار کر رہے ہیں اور ان کی محرومی پر بھی افسوس۔

فائدہ حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہما سے آیت الیٰ ربہا ناظرہ کے بارے میں سوال ہوا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس سے ثواب مراد ہے (دیدار الٰہی مراد نہیں) آپ نے فرمایا وہ لوگ جھوٹے ہیں وہ آیت لاانہم عن ربہم لمحجوبون خبردار وہ اپنے رب تعالیٰ سے محجوب ہوں گے سے کیوں غافل ہیں پھر فرمایا کہ اہل جنت اپنے رب تعالیٰ کو قیامت میں آنکھوں سے دیکھیں گے اگر اللہ تعالیٰ کو اہل ایمان

نہ دیکھیں گے تو اس کا کفار سے حجاب کیا معنیٰ اور یہ حجاب ان کے لئے عذاب کہنے کا کیا مطلب ۔

بدعتی کون صاحب العقد الفرید رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو اس کے خلاف اعتقاد رکھتا ہے وہ مبتدع (بدعتی) اور زندیق ہے حالانکہ اس مطلوب کا شاہد موجود ہے اور اہل بدعت کا رد آسان ہے وہ یہ کہ دیدار الٰہی (نعمت (لذت) کبریٰ تو اہل ایمان ایسی لذت سے کیسے محروم رہیں گے اور جنت تو ہے ہی دار اللذۃ ۔

سبق مؤمن پر لازم ہے کہ اس کی نعمت کی لذت کا آرزو مند رہے بالخصوص لذت دیدار کا کیونکہ دوسری نعمتیں بہیمہ اور مشترک ہیں لیکن دیدار الٰہی ایک مخصوص نعمت ہے جس میں اشتراک نہیں ۔

فائدہ آیت میں دلیل ہے کہ ایک گروہ اللہ تعالیٰ کا دیدار بحالت صحو و سبط کریں گے اس لئے کہ نضارۃ سبط کی علامات سے ہے کہ اس وقت نہ حیا حائل ہوگا نہ دہشت (ہیبت) ورنہ عیش منغص ہو جائے گا اگر وہ اسے بوصف جلال دیکھیں تو پہلے سطوہ وجلوۂ جلال سے ہلاک ہو جائیں اسی لئے وہ اس کے نور بحالت انس دیکھیں گے بلکہ اسی سے اسے دیکھیں گے ۔

فائدہ اس وقت عارف کی وجود کل کا کل آنکھ ہو جائے گا جو اپنے حبیب حقیقی کو اپنے جملہ وجود سے دیکھے گا اور تمام عیون (آنکھیں) تجلی حق سے استفادہ کریں گی ۔

فائدہ ایک گروہ اپنے نفس سے اس کے نفس (ذات) کو دیکھے گا اس وقت عاشق و معشوق کے درمیان سرِّ ملا کا راز عیاں ہوگا ۔ رؤیت کا تقاضا ہے رائی (دیکھنے والا) کی بقا کیونکہ وہ عالم صفات کے مقتضیات سے ہے اور عبد کا وجود حق میں اتم ہے جیسے کہ عالم ذات کا تقاضا ہے ۔

فائدہ حضرت نصر آبادی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ بعض لوگ دیدار کے طالب ہیں بعض مشتاق ہیں بعض عارفین ایسے صرف رؤیت پر اکتفا کئے ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں اس کا دیدار کافی ہے اور ہمارا اسے دیکھنا معلل ہے لیکن اس کی نظر رؤیت بلا علت ہے اور اس کی برکت اتم اور نفع کے لحاظ اشمل ہے ۔

فائدہ بعض نے کہا کہ نحن اقرب الیہ من حبل الورید میں قرب سے قریب مراد یہ ہے کہ مخلوق کو ادراک حق سے منع کیا گیا ہے یعنی اس کا احاطہ کوئی نہیں کر سکتا ۔ جیسے ہوا حاستہ بصر کو گھیرے تو وہ بصر دیکھنے کا ادراک نہیں کر سکتی ایسے ہی جب پانی میں غوطہ لگانے والا کچھ نہیں دیکھ سکتا اگرچہ آنکھ کھولے تب بھی پانی کا قرب اسے کچھ دیکھنے نہیں دیتا ایسے ہی حق تعالیٰ تو بندے کو اس کے نفس سے قریب تر ہے لیکن وہ اس کی اقربیت کی وجہ سے اسے نہیں دیکھ سکتا جیسے بندہ اپنے بُعد اور ذات حق کے علو کی وجہ سے ذات حق کو نہیں دیکھ پاتا کیونکہ یہ مٹی کا پتلا کہاں وہ رب الارباب لیکن جب اس کا اپنا ارادہ ہو گا اس کا بندہ اسے دیکھے تو پھر اپنے علو (اپنی شان کے لائق) سے تنزل (اپنی شان کے لائق) فرماتا ہے اور اپنے بندے کو رؤیت کے لئے رفعت دیتا ہے تو پھر بندہ اس کے دیدار سے مستفید ہو سکتا ہے ۔ اسی لئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے رب کو

تعالیٰ کو ایسے دیکھو گے جیسے سورج اور چاند کو دیکھتے ہو حالانکہ وہ دونوں قرب و بُعد میں متوسط ہیں خلاصہ یہ کہ نے کا انتہائی قرب بھی حجاب ہے تو انتہائی بعد بھی۔

فائدہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کو ہر ایک دیکھ رہا ہے لیکن چونکہ بندے کو اس کا عرفان نہیں اسی لئے کہتا ہے کہ میں اسے نہیں دیکھ سکتا اسی لئے عام آدمی اور عارف میں فرق ہے اس کی مثال یوں سمجھئے کہ کسی کو کسی کے دیدار کا دل میں بہت زیادہ شوق ہو لیکن اس کی اس کے ساتھ جان پہچان نہیں پھر وہ اسے کہیں ملے اور علیک سلیک ہو لیکن اسے یہ معلوم نہ ہو کہ یہ وہی ہے جس کے دیدار کا اس کے دل میں اشتیاق ہے تو اس کا یہ ملنا اور دیکھنا نہ ملنے اور نہ دیکھنے جیسا ہے دوسری مثال یوں سمجھئے کہ بادشاہ بھیس بدل کر شہروں میں پھرتے رہتے ہیں لیکن عوام نے چونکہ اسے نہیں دیکھا ہوتا اسی لئے اسے دیکھتے رہتے ہیں لیکن چونکہ پہچانتے نہیں اسی لئے ان کا دیکھنا نہ دیکھنے کے برابر ہے حالانکہ وہ اسے بار بار دیکھ چکے ہوتے ہیں تب بھی ان سے کوئی بادشاہ کے متعلق پوچھے گا تو یہی کہیں گے کہ ہم نے بادشاہ کو نہیں دیکھا ایسا آدمی آنکھ کے باوجود بھی بادشاہ کی ذات کے متعلق اندھا ہے تو اس جیسا بڑھ کر اور محجوب کون ہوگا اگرچہ اس کی بادشاہ پر نظر پڑے تب بھی اسے گہرائی سے نہ دیکھے گا کیونکہ اسے اس کی شناسائی نہیں۔

فائدہ ان دونوں مثالوں سے عارف و غیر عارف کا فرق معلوم ہوگیا ہوگا علاوہ ازیں نظر نظر میں بھی فرق ہے بعض تیز بینائی کے مالک ہیں بعض کمزور نگاہ والے اسی لئے صوفیائے کرام نے فرمایا کہ شہود حق والوں میں بھی فرق ہے اگرچہ ان سب کو بساط حق پر رسائی ہے لیکن بعض زیادہ شہود رکھتے ہیں بعض بہت کم یہ فرق بھی حقائق میں شہود کی وجہ سے ہے ورنہ اگر عین ذات کا مشاہدہ کریں تو وہ فضیلت میں سب برابر ہوں۔

فائدہ بعض عارفین نے فرمایا کہ مخلوق حق تعالیٰ کے قریب تر اور اس کی ہمسائیگی میں ہے اس طرح سے انہیں بہت بڑی بشارت اور مبارک ہو کیونکہ ہمسایہ کا حق ہوتا ہے لیکن اسے عارف باللہ ہی سمجھتے ہیں۔

تبلیغ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اس ہمسائیگی کا کم از کم موت کے وقت تو تصور میں لائے پھر حق تعالیٰ سے مطالبہ کرے کہ حضور ہمسایہ کا بھی حق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خود فرمایا رب احکم بالحق اے رب تعالیٰ حق کا فیصلہ فرمایئے یعنی وہ حق جو تو نے ہمارے لئے مشروع فرمایا اور ہمارے ساتھ وہ معاملہ فرما جس سے ہمارے لئے کوئی انکار نہ ہو یعنی وہ جو تیرے کرم کا تقاضا ہے اور یہ اختصار اور خشوع و خضوع اور ذلت کی دعا ہے۔

حکایت حجاج (ابن یوسف ظالم) نے ایک شخص کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اس نے کہا میرا آپ سے ایک کام ہے کہا وہ کیا عرض کی وہ یہ کہ میرے پنجہ میں پنجہ ملا کر صرف تین قدم میرے ساتھ چلئے حجاج نے ویسے ہی کیا جیسے اس نے کہا جب تین قدم چل کر قتل کا ارادہ کیا تو اس شخص نے عرض کی اس حق صحبت (رفاقت) کے صدقے مجھے

معاف کر دے حجاج نے اسے معاف کر دیا (اسی طرح ہارون الرشید کا قصہ بھی نفحۃ الیمن میں مذکور ہے)۔

تفسیر عالمانہ وَوُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ اور بعض منہ اس روز ہوں گے بَاسِرَۃٌ (بگڑے ہوئے) یومئذ باسرۃ متعلق ہے باسرۃ بمعنی سخت تیوری والے۔ کہ ان پر ذرا خوشی، کا ہرگز کوئی نشان نہ ہوگا اور یہ کافروں و منافقوں کے منہ ہوں گے۔

حل لغات امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا البسر بمعنی شے کا وقت سے پہلے جلدی آنا۔

سوال وُجُوْہٌ یومئذ باسرۃ موت سے تو وہ پہلے منہ نہیں بنائیں گے پھر انہیں باسرہ کیسے کہا گیا؟

جواب یہ محاورہ اس کے لیے ہے جو وقت سے پہلے ہو اور یہ ان کے لئے اس لئے کہا گیا ہے کہ نار جہنم میں داخل ہونے سے پہلے ان کے منہ ایسے ہو جائیں گے اور ان کے لئے لفظ بُسر اسی لئے خاص کیا گیا کہ گویا تنبیہ ہے کہ جو کچھ انہیں بعد کو پہنچے گا وہ بمنزلہ تکلف کے ہے اور اس کے قائم مقام ہے کہ ان کے منہ کا ہونا وقت سے پہلے ہے اس پر اگلا مضمون دلالت کرتا ہے۔

تَظُنُّ کہتے ہوں گے۔ وہی سیاہ منہ والے بسبب علامات توقع رکھیں گے اور یہ جملہ خبر ہے بعد خبر کے اور ابو حیان وطسی نے ترجیح دی ہے کہ ظن بمعنی یقین ہے اور ان مصدریہ اس کے منافی نہیں جیسے بعض کا گمان ہے کہ وہ فعل تحقیق صرف کے بعد واقع نہیں ہوتا لیکن ظن اور وہ جو علم کا معنیٰ دے اس کے بعد ان مصدریہ اور مشددہ و مخففہ تینوں واقع ہوتے اس پر رضی نے نص کی ہے۔

اَنْ یُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ان کے ساتھ وہ کی جائے گی جو کمر کو توڑے) سخت اور عظیم مصیبت جو کمر توڑ دیگی

حل لغات فاقرہ سے ہی فقیر بمعنی مفقور وہ جس کی فقر کمر توڑ ڈالے گویا وہ سخت شدت میں ہے اور اسے تحمل (بوجھ اٹھانے) کی قدرت نہیں ان مومنوں کی طرح جو ہر خیر و بھلائی کی امید رکھتے ہوں گے کہ ہر خیر سرور کے امور پیش ہوں گے اور یہ مصیبت و شدت کی توقع میں ہوں گے کیونکہ دو آیتوں کا مقابلہ کا تقاضا یونہی ہے۔

فائدہ بعض نے کہا کہ یہ ان کے لئے ہوگا جو رؤیت باری تعالیٰ سے محجوب ہوں گے ؎

فراق بتر در جہاں بلائے نیست

ترجمہ: فراق سے بڑھ کر جہاں میں اور کوئی بلا و مصیبت نہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰی رَبِّهَا ایسے مسرور چہرے صرف اپنے رب کی طرف دیکھیں گے نہ کہ اس کے غیر کی طرف اعراض از دنیا اور اقبال علی اللہ کے ایام دنیا میں دنیا کی طرف متوجہ اور اللہ تعالیٰ سے روگرداں رہے اسی لئے قیامت میں ہر دونوں کو پوری جز

ملے گی بعض نے کہا کہ آخرت میں بعض منہ بارونق ہونگے نور قدس سے منور ہونے اور عالم نور و سرور اور دائمی نعمت سے اتصال کی وجہ سے اور بعض منہ بگڑے ہوئے اور سیاہ ہونگے جو وجہ تیوری چڑھانے اور اس تاریکی سے جو انہیں دوزخ سے پہنچیگی اور وہ میت جو قیامت کی ہولناکیوں اور جہنم کی شدت سے دیکھیں گے۔

تفسیر عالمانہ کَلَّا (ہاں ہاں)۔ یہ دنیا کو آخرت پر ترجیح پر زجر و توبیخ ہے یعنی اس سے ہٹ جاؤ اور متنبہ ہو جاؤ اپنے سے آگے والی موت سے جس سے منقطع ہو جائے گا وہ جو تمہارے اور دنیا کے درمیان تعلق ہے اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِیَ (جب جان گلے کو پہنچ جائے گی) ضمیر نفس کی ہے اگرچہ اس کا پہلے ذکر نہیں کیونکہ گفتگو اس کے بارے میں ہو رہی ہے یہ اس کے وجود کی دلیل کافی ہے مثلاً عرب کہتے ہیں ارسلت ان کا مطلب ہوتا ہے آئی بارش حالانکہ اس سے قبل آسمان وغیرہ کا ذکر ان سے نہیں سنا جاتا تو ارسلت کی ضمیر السماء کی طرف لوٹاتے ہیں اب معنیٰ یہ ہوا کہ نفس ناطقہ پہنچ جائے گا اس سے روح مراد ہے سینہ کے اوپر کے حصہ تک اعالی الصدر سے وہ ہڈیاں مراد ہیں جو سینہ کی سرحد پر دائیں بائیں واقع ہیں جب روح اس مقام تک پہنچتی ہے تو غرغرہ اسکرات کی آواز شروع ہو جاتا ہے یعنی جب روح سینہ اور گردن کی ہڈیوں تک پہنچتی ہے (کشف الاسرار) میں ہے کہ جب روح گردن کے چنبر تک پہنچتی ہے۔

حل لغات تراقی ترقوہ کی جمع ہے (ترقوہ، بفتح الفاتھا والواو وسکون الراء وضم القاف) القاموس میں ہے ا ترقوہ کی تا مضموم نہ پڑھی جائے وہ ہڈی جو سینے اور کاندھے کی سرحد کے درمیان واقع ہے العاتق کاندھے پر چادر ڈالنے کی جگہ۔ بعض نے ان ہر دونوں کو ترقوتان کہا ہے لیکن باعتبار افراد اس کی جمع تراقی ہے تراقی تک روح کا پہنچنا عدم اشفاء سے کنایہ ہے۔ اشفاء یعنی اس کے کنارہ تک پہنچنا اور نزدیک ہونا اذا بلغت میں عامل اِلٰی رَبِّکَ یَوْمَئِذِ الْمَسَاقُ کا معنیٰ ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب روح حلقوم تک پہنچ جائے گی اور اسے اللہ (تعالیٰ) یعنی جہاں اللہ تعالیٰ کا امر ہے کی طرف اٹھایا جائے گا۔

وَقِیْلَ مَنْ سکتہ رَاقٍ اور کہا جائے ہے کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا۔ اس کا عطف بلغت پر ہے حضرت حفص (قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے مَن سانس توڑے بغیر تھوڑا سا وقفہ (سکتہ) کیا ہے بعض نے اس کی وجہ بتائی ہے کہ سکتہ نہ ہو تو نون ساکن راء میں مدغم ہوگا اور راء ثقیلہ کے بعد قاف کا آنا مکروہ ہے کہ ادغام میں اس کا تلفظ غلیظ (سخت) ہو جاتا ہے علاوہ ازیں مبتدا و خبر قطع تام اور استفہام اور مستفہم عنہ فی النفس کے درمیان تام اور قرار اور اظہار مکروہ ہے اور سکتہ میں یہ خرابیاں نہیں ہیں اس لئے کہ قراء (مجودین) کے نزدیک اتصال نون ساکن بالراء لحن شمار ہوتا ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ جو میت کے سرہانے ہو وہ کہتا ہے کوئی ہے جو اس پر جھاڑ پھونک کرے تاکہ اس کی جان بچ جائے کہ عموماً جھاڑ پھونک یعنی تعویذ وغیرہ سے (اگر موت کا وقت نہ پہنچا ہو) شفا مل جاتی ہے جھاڑ پھونک ہیں کہا جاتا ہے

بسم اللہ ارقیک میں تجھے اللہ تعالیٰ کے نام سے جھاڑ پھونک کرتا ہوں۔ (از باب ضرب) اس معنیٰ پر یہ استفہام بھی ہے یعنی جو لوگ میت کے سرہانے ہوتے ہیں وہ تلاش میں ہوں کہ کوئی (طبیب ڈاکٹر، حکیم) ایسا ہے جو اس کا علاج کرے یا جھاڑ پھونک کرے (تاکہ اسے شفا مل جائے) یا یہ استفہام انکاری ہے گویا موت کے وقت ناامید ہو کر کہتے ہیں کہ اسے موت نے دبوچ لیا ہے اب کوئی ہے جو اسے موت کے پنجہ سے بچالے۔ یہی معنیٰ ظاہر ہے (اب اسے کوئی نہیں بچا سکتا)۔

فائدہ امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ من راق میں تنبیہ ہے کہ موت جب دبوچ لے تو پھر اس وقت کسی کی جھاڑ پھونک تعویذ وغیرہ کام نہیں دیتا اسی طرف اشارہ ہے شعر ذیل کا۔ ؎

وإذا المنية انشبت اظفارها
الفيت كل تميمة لا تنفع

ترجمہ: جب موت اپنے پنجے گاڑ دے تو تم جتنا تمیمہ ڈالو کوئی کام نہ دیں گے۔

تحقیق تمیمہ چند کوڑیاں ہوتیں جو عربی لوگ اپنے بچوں کے گلے میں ڈالتے تاکہ نظر بد سے حفاظت ہو یہ باطل ہے۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے تمیمہ ڈالا اس نے شرک کیا۔[1]

فائدہ شعر مذکور میں شاعر نے بھی اس قسم کا تمیمہ مراد لیا ہے۔

فائدہ بعض نے کہا کہ یہ (من راق) ان فرشتوں کا کلام ہے جو اس کی روح قبض کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ اب کون اٹھا کر لے جاتا ہے ملائکہ رحمت یا ملائکہ عذاب (کیونکہ ہم تو اپنی ڈیوٹی سے فارغ ہوگئے (یاد رہے کہ روح نکالنے والے ملائکہ اور ہیں اور روح کو آسمان پر لے جانے والے اور) اس وقت راق الرقی سے ہوگا از باب علم۔

سوال تم نے راق سے اٹھا کر لے جانے والے فرشتے مراد لئے ہیں یہ تو آنے والے مضمون سے مناسبت نہیں رکھتا کیونکہ آنے والا مضمون فلا صدق فلا صلی میں معذب لوگوں کا بیان ہے اور اٹھا کر لے جانے والے

---

[1] ہم بھی اس قسم کے توہمات کو برا سمجھتے ہیں جو عوام نے از خود بنا رکھے ہیں لیکن وہ تعویذات اور جھاڑ پھونک جن کا ثبوت احادیث مبارکہ سے ثابت ہے انہیں بھی شرک کے کھاتہ میں ڈال دینا وہابیوں نجدیوں کا کارنامہ ہے ورنہ اسلام نے مسلمانوں کے غلط طریقوں کے استعمال کو کفر و شرک نہیں کہا گناہ کہا ہے۔ ۱۲۔
(اویسی غفرلہ)

فرشتے عذاب والے ہوں گے تو رحمت والے بھی!

جواب ضمیر جنس انسان کی طرف راجع ہے اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا کہ جس پر موت طاری ہے وہ اہل نار ہے یا اہل جنت۔

موت کے فرشتے کتنے ہیں کلبی نے کہا کہ موت کے وقت سات فرشتے حاضر ہوتے ہیں رحمت کے اور سات عذاب کے انکا افسر ملک الموت (عزرائیل علیہ السلام) بھی ہوتا ہے جب بندے کی روح حلقوم تک لاتے ہیں تو ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں کہ اب اسے کون لے جائے رحمت کے فرشتے یا عذاب کے اسی معنی پر من راق ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ملائکہ کافر کی روح سے کراہت کرتے ہیں کہ اس کے قریب جائیں، تو انہیں حضرت ملک الموت (عزرائیل علیہ السلام) فرماتے ہیں کہ اس کافر کی روح کون اٹھا کر لے جائے گا۔

وَظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ اور سمجھے گا کہ یہ جدائی کی گھڑی ہے۔ مرنے والا جب موت کے فرشتوں کو دیکھتا ہے تو اسے یقین ہو جاتا ہے کہ یہ تشریف لائے ہیں۔ اب میرا محبوب دنیا سے جدائی کا وقت آگیا ہے اور اس کی نعمتیں مجھ سے چھوٹنے والی ہیں جس کے خسیس متاع کے حاصل کرنے میں میں نے اپنی نفیس اور قیمتی عمر ضائع کی۔

سوال اس وقت تو یقینی امر ہوتا ہے قرآن نے اسے الظن سے کیوں تعبیر کیا؟

جواب چونکہ انسان ظاہری زندگی کے لمحات میں دنیا سے شدید محبت کی وجہ سے آگے بڑھنے کی طمع میں ہوتا ہے اس سے اس کی امید منقطع بھی نہیں ہوتی اسی لئے اسے گویا موت کا یقین ہی نہیں ہوتا بلکہ غالب ہوتا ہے محض اسی حیاۃ دنیا میں رہنے کی امید کی وجہ سے۔

نکتہ لرد وہابیہ امام (رازی رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ روح جوہر قائم بنفسہ اور باقی رہنے والی ہے موت کے بعد ایک خاص معدن میں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے موت کو فراق سے تعبیر کیا ہے اور فراق تب ہو سکتا ہے جب تسلیم کرنا پڑے گا کہ روح باقی رہنے والی ہے کیونکہ فراق و وصال صفت ہیں ان کا موصوف نہ ہو تو یہ صفت نہیں بن سکتیں تو الفراق والوصال کے تقاضا پر روح کو باقی رہنے والا ماننے پڑے گا۔

حکایت حضرت مزنی نے فرمایا کہ امام شافعی رحمہا اللہ تعالیٰ کے مرض الموت کے وقت میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے عرض کی حضرت کیا حال ہے فرمایا میں دنیا سے کوچ کر رہا ہوں دوستوں سے جدا ہو رہا ہوں (واللہ اعلم) برے اعمال سے ملوں گا (کسر نفسی سے فرمایا) اور موت کے گھونٹ پی رہا ہوں اللہ کے ہاں

ہاں حاضر ہوں گا نامعلوم میری روح جنت میں جائے گی کہ جس پر خوش آمدید کہا جاؤں گا یا دوزخ کی طرف کہ میرے لئے افسوس کہا جائے گا اس کے بعد یہ اشعار پڑھے ؎

① ولما قسا قلبی وضاقت مذاھبی
جعلت رجائی عفوک سلما

② تعاظمنی ذنبی فلما قرنته
بعفوک ربی کان عفوک اعظما

ترجمہ ① میرا دل قساوۃ اور میرے زندگی کے لمحات گناہوں سے تنگ ہیں تو میں نے اپنی رضا تیری عفو کی طرف سپرد کردی۔
② میرے گناہ بڑے ہیں میں اسے تیری عفو سے ملاتا ہوں تو اے میرے رب معافی وعفو میں عظیم تر ہے۔
اور بعض نے کہا ؎

فراق لیس یشبہ فراق
قد انقطع الرجاء عن التلاق

ترجمہ: یہ فراق عام فراق جیسا نہیں اب تو ملاقات کی امیدیں بھی منقطع ہوگئیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب بندے پر سکرات طاری ہوتی ہے کہ اس کے جوڑ ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ السلام علیکم یارو! اب ہم ایک دوسرے سے جدا ہو رہے ہیں اور قیامت میں ملیں گے (خداحافظ)۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

① کوس رحلت بکوفت دست اجل
اے دو چشم وداع سر بکنید

② دسے کف ودست وساعد وبازو
ہمہ تودیع یکدگر بکنید

③ برمن افتادہ مرگ دشمن کام
آخر اے دوستاں گذر بکنید

④ وائے روزگارم بشد بنادانی
من نکردم شما حذر بکنید

ترجمہ ① کوچ کا نقارہ بجایا اجل نے اے میری دو آنکھوں سر سے الوداع کرلو۔
② اے ہاتھ اور ہتھیلیو اور کہنیو اور بازو۔ تم سب ایک دوسرے سے الوداع کہو۔

③ مجھ پر موت آئی دشمن کی مراد پوری ہوئی آؤ دوستو آخری بار مجھ سے گذر جاؤ۔

④ افسوس زندگی نادانی میں گذر گئی میں نہ کر سکا تم ذر کرو۔

قبر پر چار فرشتے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قبر میں جب بندہ داخل ہوتا ہے تو اس کی قبر کے کنارے پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

① سر کی جانب

② پاؤں کی جانب

③ دائیں جانب

④ بائیں جانب

جو سر کی جانب ہوتا ہے وہ کہتا ہے کہ اے ابن آدم ترے اجل متفرق ہو گئے آمال کمزور پڑ گئے وہ جو دائیں جانب ہے وہ کہتا ہے ترے مال گئے تیرے اعمال تیرے ساتھ باقی ہیں اور وہ جو بائیں انب ہے وہ کہتا ہے اشغل گئے اور وبال باقی رہ گیا اور وہ جو پاؤں کی جانب ہے وہ کہتا ہے تجھے مبارک ہوا کہ تیری روزی (کمائی) حلال کی رہی اور تو خدمت (عبادت ذوالجلال) میں رہا۔

وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ اور پنڈلی پنڈلی سے لپٹ جائیگی۔

ل لغات التفات بمعنی ایک دوسرے پر لپٹنا یعنی ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے لپٹ جائے گی موت کی پریشانی کے وقت۔ الساق عضو مخصوص (پنڈلی) ہے التفات بھی لپٹنا ایک دوسری پر چڑھنا یا اس سے فراق دنیا کی شدت کا آخرت کے آنے کی شدت کا ایک دوسری سے لپٹنا مراد ہے الساق کے لپٹنے شدت کی مثال دی گئی ہے اور مجاز معنیٰ کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ جب انسان کو کوئی شے دہشت میں ڈالتی ہے تو وہ پنڈلی کو دوسری سے ملاتا ہے اور شدید معاملہ کو بھی ساق سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ اس کا امر کا اس کے لئے ظہور ہے اور مزید تفصیل و تحقیق یوم یکشف عن الساق الخ میں گذری ہے۔

ائدہ حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے میت کی پنڈلیاں مراد ہیں جب اسے کفن میں ان کو آپس میں ملایا جاتا ہے۔

الیٰ ربک یومئذن المساق تیرے رب کی طرف ہانکنا ہے۔ اس کے حکم کی طرف نہ اس کے غیر کی طرف کہ اس وقت اس کے سوا اور کوئی حکم نہ ہوگا۔

ائدہ حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی جزا کی طرف کہ پھر ہر انسان کی واپسی دنیا کی آرزو کرے گا اس معنی پر المساق کا میم مصدری ہے اور یہ بھی السوق ہے بمعنیٰ چلانا ہانکنا اور الف لام مضاف ہ محذوف کا عوض ہے کہ دراصل کہ سوق الانسان تھا۔

تفسیر عالمانہ فَلَا صَدَّقَ (اس نے نہ تو سچ مانا)۔ انسان نے اسے جسکی تصدیق اس پر واجب ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن کی جو آپ نازل ہوا۔ یہاں پر لا صدّق بمعنی لم یصدّق ہے یہ ماضی داخل ہوئی تکرار قوت کی وجہ سے۔

قاعدہ لَا کا اس ماضی پر داخل ہونا حسن ہے جب ماضی کا تکرار ہو جیسے لا قام ولا قعد عرب صرف ماضی پر لَا داخل نہیں کرتے جب تک اس کے بعد لا کا تکرار نہ ہو جیسے لا زید فی الدار ولا عمرو یا اس کا معنیٰ یوں ہے کہ اس نے نہ مال صدقہ کیا یعنی زکوٰۃ نہ دی لیکن یہاں زکوٰۃ کے معنی کی ترجیح تلاش کرنی پڑے گی کہ وہ صلوٰۃ سے مقدم کیوں ورنہ قرآن کا دستور ہے کہ ہر جگہ پہلے نماز کا ذکر کرتا ہے بعد کو زکوٰۃ کا۔ ممکن ہے یہ وجہ ہو کہ کفار مکہ کی عادت تھی کہ مساکین پر خرچ نہ کرنا مسکینوں کے طعام پر کسی کو برانگیختہ نہ کرنا شدید اور قوی ضرورت کے بعد کرتے تھے ورنہ عموماً ان کی ایسی عادت نہ تھ یہ بھی ہے کہ صلّٰی کی تاخیر محض فواصل سے ہو جیسا کہ اہل فن پر مخفی نہیں۔

وَلَا صَلّٰی اور نہ نماز پڑھی۔ اپنے اوپر فرض نہ سمجھی۔

مسئلہ اس میں دلالت ہے کہ حق مؤاخذہ میں کفار بھی فروع شرعیہ کے مخاطب ہیں یعنی کفار بھی ایمان کے ترک کی طرح نماز وغیرہ کے ترک پر مذمت اور عتاب کے مستحق ہیں اگرچہ دنیا میں اس پر ادائیگی واجب نہیں۔

وَلٰكِنْ كَذَّبَ (ہاں جھٹلایا) وہ جو مذکور ہوا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن کو اور استدراک احتمال کے دفع کے لئے ہے کیونکہ تصدیق کی نفی اثبات تکذیب کو مستلزم نہیں۔ اس لئے کہ شک تصدیق و تکذیب کے درمیان ہے اس معنیٰ پر آیت میں تکرار بھی نہیں وَتَوَلّٰی (اور منہ پھیرا) طاعت الٰہی و طاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روگردانی کی۔

ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓی اَهْلِهٖ (پھر اپنے گھر کو چلا) یعنی گھر والوں اور دوستوں کی طرف۔ يَتَمَطّٰى (اکڑتا ہوا فخر) سے اپنے چلنے میں فخر کا تصور کر کے یعنی لوگوں کی طرف چلا تو دل میں فخر کہ میں ایسا ویسا ہوں اور ایسے کارنامے سرانجام دیئے یعنی تکذیب اور منہ پھیرنا۔

حل لغات المط بمعنی المدّ اس لئے فخر کرنے والا پاؤں دراز کر کے چلتا ہے یعنی قدم بڑھا کر چلنا تبختر (فخر وغیرہ) لوازم سے ہے اس چلنے کو فخر و کبر سے کنایہ کیا گیا ہے یتمطّٰی دراصل یتمطّطُ تھا بمعنی یتمدد۔ طأ آخری یاء سے تبدیل ہوئی تاکہ دو ہمجنس یکجا نہ آئیں جیسے تقضّی البازی ہیں کہ دراصل تقضّضَ تھا یا المطا سے ہے (بالمقصور) بمعنی پیٹھ اس لئے کہ ایسا شخص تبختر (فخر و کبر تکبر) میں پیٹھ مروڑ کر چلتا ہے اس کا الف واؤ سے تبدیل ہوا ہے اور یتمطّٰی ذَهَبَ کے فاعل سے حال ہے۔

غیب دانی رسول خدا کی غیبی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب میری امت فخر و ناز کی چال چلے گی اور ان کے فارس و روم خادم ہوں گے تو ان کی آپس میں خانہ جنگی شروع ہو جائے گی۔

فائدہ المطیطاً بروز حمیرا بمعنی تبختر (فخر و ناز کی چال اور ہاتھ کھینچکر چلنا) باس بمعنی سخت قسم کی جنگ۔ اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی اے مکذب انسان (تیری خرابی آگئی اب آگئی) (ثُمَّ اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی) پھر تیری خرابی آگئی اب آگئی بتکرار تاکید کے لئے ہے۔

حل لغات ویل، لک کی جگہ پر مستعمل ہوا ہے الولی سے ہے بمعنی قرب اس سے اس پر بددعا ہے کہ اسے عنقریب خرابی آسکے گی در اصل اولاک اللہ ما تکرھہ اللہ تعالیٰ تیرے قریب کر دے وہ خرابی جو تجھے ناگوار ہے اس کی لام زائدہ ہے جیسے ردف لکم میں (لام زائدہ ہے ثلاثی کا باب (افعل) مزید کی طرف نقل کر کے اسے متعدی بدو مفعول بنایا گیا۔ القاموس میں ہے کہ اولی لک تہدید و وعید ہے یعنی اسے قریب ہوئی وہ جو اسے ہلاک کرے گی یا ہلاکت تیرے قریب ہے اس معنیٰ پر اولیٰ اسم ہے بمعنی احری، یعنی تجھے ہلاکت زیادہ لائق ہے ہر شے سے اس تقریر پر یہ خبر ہے اس کا مبتدا محذوف ہے۔

فائدہ حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (اے مکذب) تجھے مرگ سخت لائق ہے پھر عذاب دردناک قبر میں پھر ہول قیامت کا پھر دائمًا دوزخ میں رہنے کا سخت عذاب تیرے لائق ہے۔

ابوجہل ضدی تھا مروی ہے کہ آیت ہذا کے نزول کے بعد حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ معظمہ کی ایک وادی میں ابوجہل کو کپڑوں سے پکڑ کر ایک بار یا دو بار کھینچا اور اس کے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی الخ ابوجہل نے کہا اے (حضرت) محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم مجھے ڈراتے ہو تم اور تمہارا خدا جو چاہو کر دو میں اس وادی (مکہ معظمہ) کا سردار اور معزز ترین شخصیت ہوں تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے جب بدر کے دن اسے اللہ تعالیٰ نے بری طرح پچھاڑا بلکہ بری طرح اسے قتل کرایا کہ اسے عفرا کے دو چھوٹے بچوں نے ذبح کیا ابھی مکمل طور جان نہ نکلی تھی تو اس پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ چڑھ گئے اور سر کاٹ کر اس کا کام تمام کیا حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ ہر امت کا فرعون ہوتا ہے میری امت کا فرعون ابوجہل تھا۔

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَکَ سُدًی کیا انسان اس گھمنڈ میں ہے کہ وہ آزاد چھوڑ دیا جائے گا۔ یہ بیکار زندہ رہے گا اسے کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی اور نہ اس کو سزا ہوگی بعض نے کہا کیا اس کا خیال ہے کہ وہ قبر میں جانے کے بعد نہیں اٹھایا جائے گا۔

حل لغات سدیً بمعنی مہمل (بے کار۔ کہا جاتا ہے اَسْدَیْتُ ابلی اسداءً (میں نے اونٹ کو آزاد چھوڑ دیا) اور کہتے ہیں اسدیتُ حاجتی وسدیتہا میں نے اپنی حاجت کو چھوڑا اسے پورا نہ کیا اور انکار کا تکرار اس کے گمان کو توڑنے کے لئے ہے کہ جیسے وہ حشر کا انکار بار بار کرتا ہے ایسے اس کی سزا کی خبر میں تکرار کیا گیا۔

فائدہ اسی سے مرنے کے بعد اُٹھنے (حشر) کا استدلال بھی ہو سکتا ہے وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کو قدرت و آلہ و فعل کی عطا بغیر کسی عمل کے مکلف بنانے اور بغیر کسی نیک عمل کے امر اور قبائح سے نہی کے تقاضا کرے گا کہ اللہ تعالیٰ (معاذ اللہ) بندے کے قبیح اعمال سے راضی ہے اور وہ اس کی حکمت بالغہ کے لائق نہیں اسی لئے دنیا میں بندوں کا مکلف بنانا ضروری ہوا اور اللہ (تعالیٰ) کی طرف سے بلا وجہ مکلف بنانا بھی نا مناسب ہے کیونکہ رحیم و کریم ہے سوائے اس کے کہ اسمیں یہ حکمت ہو کہ اعمال صالحہ سے امتیاز ہو جائے کہ زمین پر مفسد کون ہیں اور اس کے بعد واضح ہو کہ متقین کون ہیں اور فجار کون پھر ہر نفس کو اس کے عمل کے مطابق جزا و سزا ہو اور مکمل جزا و سزا دنیا میں نا مناسب ہے اسی لئے ضروری ہوا کہ بندوں کو مرنے کے بعد اٹھنا ہو اور قیامت برپا کی جائے۔

سوال عالم دنیا کو دار الجزا کیوں نہ بنایا گیا؟

جواب دار دنیا نہایت تنگ حویلی ہے یہ جزا و سزا کے لائق نہیں ہو سکتی اسی لئے مشائخ کبار نے فرمایا کہ جو اپنے اعمال و احوال کے نتائج اس دار دنیا میں مانگتا ہے وہ بہت بڑا بے ادب اور ایسے کام کو ہاتھ لگا رہا ہے جو حقیقت کے سراسر خلاف ہے۔

اَلَمْ یَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِیٍّ یُّمْنٰى (کیا وہ ایک بوند نہ تھا اس منی کا کہ گرائی جائے) جملہ مستانفہ ان کے گمان مذکور کے ابطال کے لئے ہے اس کا دار و مدار اس پر ہے کہ ایسا نہیں ہوگا کہ مرنے کے بعد اُٹھنا ہے اسی آیت سے اس کی ابتدائی تخلیق سے استدلال کیا گیا ہے۔

فائدہ حضرت ابن الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس آیت سے مرنے کے بعد اُٹھنے کا استدلال صحیح ہے اور یہ دوسری دلیل ہے استفہام بھی توبیخ ہے۔

حل لغات النطفہ بالضم صاف پانی قلیل ہو یا کثیر المنی مرد ہو یا عورت کا وہ پانی جس سے بچے پیدا ہوں اور الحمل (حمل) دونوں سے مل کر ہوتا ہے یُمْنٰی (بالیا) منی کی صفت ہے اور بالتا نطفہ کی بمعنی صب (گرائی جائے) رحم میں بہائی جائے مِنیٰ ہیجوں الیٰ (مکہ معظمہ کے قریب جگہ) کا نام رکھا گیا کہ اسمیں قربانیوں کے خون بہائے جاتے ہیں۔

فائدہ اب معنیٰ یہ ہوا کہ انسان ایک تھوڑا سا پانی نہ تھا وہ معروف پانی جو نہایت خسیس القدر اور جس سے طبع کو نفرت ہے سے پیدا ہوا اسی لئے ان کو نکرہ لایا گیا اور رحم میں ڈالا جاتا ہے اسمیں پہلے اللہ تعالیٰ نے انسان کو خسہ قدر اور پھر اپنی کامل قدرت پر متنبہ فرمایا کہ ایک ایسی خسیس شے سے کامل انسان بن گیا۔

فائدہ بعض نے کہا کہ منی میں اس کے حقیر حال کی طرف اشارہ ہے گویا کہا گیا کہ انسان اس منی سے پیدا ہے جو نجاست کا مخرج ہے پھر اسے کب لائق ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طاعت سے سرکشی کرے کہ جو اسے حکم فرمائے اور اس امر سے روکے تو وہ روگردانی کرے۔

نکتہ اسی معنیٰ علیٰ سبیل الرمز عیسیٰ و مریم (علیہما السلام) کے لئے بیان فرمایا کانَ یا کلان الطعام اس سے مراد قضا حاجت ہے۔

ثُمَّ کَانَ عَلَقَۃً (پھر وہ ہوا علقہ) چالیس دن کے بعد وہ نطفہ خون جامد کا لوتھڑا بنا غلیظا و سرخ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعد اس کے وہ سفید پانی تھا جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا ثُمَّ خلقنا النطفۃ علقہ (پھر ہم نے نطفہ کو علقہ (خون کی پھٹک) بنایا۔ اس کا عطف الم یک الخ پر ہے اس لئے عدم کون کا انکار کون کہے؟ فافہم و تدبر ہے اصل عبارت یوں ہے کان الانسان نطفۃ ثم کان علقۃ انسان نطفہ تھا پھر خون کی پھٹک ہوا۔ فَخَلَقَ پھر اسے مقدر فرمایا یعنی چالیس دن کے بعد وہ ٹکڑا گوشت کا بنا جو تفریق الاعضاً اور ایک دوسرے سے امتیاز کے قابل تھا اس کے بعد اس گوشت کو ہڈیاں بنائیں جن سے اعضاً کی تمیز ہو سکے یعنی گوشت کو سخت بنا کر ان ہڈیوں کو گوشت کا لباس پہنایا تاکہ اس کی تخلیق و تصویر حسین و جمیل ہو کر قویٰ کے افاضہ اور نفخ روح کے لئے مستعد ہو جائے۔ فَسَوّٰی پھر ٹھیک بنایا یعنی برابر بنا کر اس کی تخلیق مکمل کی۔

فائدہ حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا کہ پھر اس کی صورت اور اعضاً درست کر کے اس میں روح پھونکی۔

حل لغات جعل بمعنیٰ اسے پیدا کیا اسی طرح جیسے حکمت الٰہیہ کا تقاضا تھا یعنی اسے دُرست بنایا اپنی حکمت کے مقتضیٰ پر بعض نے کہا کہ تسویۃ و تعدیل کا معنیٰ ہے ہر عضو کو ایسا جوڑا بنایا جو اپنے دوسرے کے برابر ہے۔ فَجَعَلَ مِنْہُ (تو اس سے بنائے) انسان سے باعتبار جنس کے یا منی سے جَعَلَ بمعنیٰ خَلَقَ ہے اسی لئے ایک مفعول پر اکتفا کیا گیا اور وہ ہے؛

الزَّوْجَیْنِ دو جوڑے۔ دو صنف الذَّکَرَ وَالْاُنْثٰی مرد اور عورت۔ الزوجین سے بدل ہے اور جائز ہے کہ یہ اُلمنی سے منصوب ہوں اور سب کو معلوم ہے کہ فا تعقیب کا فائدہ دیتی ہے تو پھر ضروری ہے کہ اس کا ما قبل و مابعد آپس میں متباین ہوں اس معنیٰ پر یکن ہے خلق فسوّٰی مقدار مقدر پر خلق کے معنیٰ میں محمول ہوں وہ خلق کے جو زوجین کے تفرقہ کی صلاحیت رکھے اور فجعل منہ الزوجین تفرقہ پر محمول ہو (۳۹) اَلَیْسَ ذٰلِکَ کیا نہیں

ہے وہ) عظیم الشان جس نے یہ انشا بدیع کی۔ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْیِۦَ الْمَوْتٰى قادر کہ وہ مُردے زندہ کرے۔ حالانکہ یہ ابتدائی تخلیق سے (بہ نسبت تمہارے) زیادہ آسان ہے عقل کے قیاس میں کیونکہ اب مادہ تو ہے یعنی ریزہ کی ہڈی۔

سورۃ قیامہ کے اختتام پر مروی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب یہ سورۃ پڑھتے تو اختتام پر پڑھتے۔

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ بَلٰى تیری پاکی اے اللہ ہاں۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی تنزیہ بیان فرماتے کہ احیاء پر وہ عدم قدرت سے منزہ و مقدس ہے اور اقرار فرماتے ہیں اس کی قدرت احیاءِ الموتیٰ کے لئے ثابت ہے ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اختتام سورۃ قیامۃ پر فرماتے۔ بَلٰى واللہ بَلٰى واللہ (ہاں بخدا ہاں بخدا)۔

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جو سورۃ سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھے امام ہو یا غیر امام تو چاہیئے کہے سبحان ربی الاعلیٰ اور جو سورۃ قیامۃ پڑھے اور آخر تک پہنچے تو کہے سبحانک اللّٰھمّ بلیٰ امام ہو یا غیر امام۔

حدیث شریف میں ہے جو تم میں سورۃ والتین والزیتون پڑھے اور اس کے الیس اللہ باحکم الحاکمین تک پہنچے تو کہے۔ بلیٰ و انا علیٰ ذلک من الشاھدین (ہاں میں اس پر شاہدین سے ہوں) جو سورۃ لا اقسم بیوم القیٰمۃ پڑھے اور آخر الیس ذٰلک بِقٰدِرٍ الخ تو کہے سبحانک اللّٰھم بلیٰ اور جو سورۃ والمرسلات عرفا پڑھے اور فبای حدیثٍ کے آخر تک پہنچے تو کہے آمنا باللہ (ہم ایمان لے آئے)۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اہل دنیا مُردوں کو اعراض از دنیا اور اقبال علی الآخرۃ والمولیٰ سے زندہ کرتا ہے نیز وہی نفوس مُردوں کو اس پر قلوب کے انوار کی چمک سے زندہ کرتا ہے وہی مردہ قلوب تحت ظلمۃ نفوس کافرہ ظالمہ کو نور روح و سر خفی سے زندہ کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف عجز کی نسبت کرتا ہے وہ اس کے ساتھ کفر کرتا ہے ہم اللہ تعالیٰ سے رحمت اور حسن خاتمہ کا سوال کرتے ہیں۔

تاریخ اختتام سورہ القیامہ صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ سورہ قیامت کی تفسیر سے اس کی مدد سے جسکی رحمت عام ہے ۲۱ ذی الحجہ ۱۱۱۶ھ میں فراغت ہوئی۔

فقیر اُویسی غفرلہٗ نے سورۃ القیامۃ کی تفسیر کے ترجمہ سے شب سوموار مبارک ساڑھے آٹھ بجے ۱۹ ج ۲ ۱۴۰۱ھ جنوری ۱۹۸۱ میں فراغت پائی۔

انا الفقیر القادری ابو الصالح محمد فیض احمد اُویسی رضوی غفرلہٗ
بہاولپور۔ پاکستان

سُوْرَةُ الدَّهْرِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اٰيَاتُهَا ٣١ رُكُوْعَاتُهَا ٢

سورۂ دہر مکیہ ہے اس میں اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا اکتیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ①

بے شک آدمی پر ایک وقت وہ گزرا کہ کہیں اس کا نام بھی نہ تھا

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ②

بے شک ہم نے آدمی کو پیدا کیا ملی ہوئی منی سے کہ وہ اسے جانچیں تو اسے سنتا دیکھتا

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ③ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ

کردیا بے شک ہم نے اسے راہ بتائی یا حق مانتا یا ناشکری کرتا بے شک ہم نے کافروں کے لیے تیار کر رکھی

سَلٰسِلَا۟ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ④ اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ

ہیں زنجیریں اور طوق اور بھڑکتی آگ بے شک نیک پئیں گے اس جام میں سے جس کی ملونی کافور ہے وہ کافور

مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ⑤ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ⑥

کیا ایک چشمہ ہے جس میں سے اللہ کے نہایت خاص بندے پئیں گے اپنے محلوں میں اسے جہاں چاہیں بہا کر لے جائیں گے

يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ⑦ وَيُطْعِمُوْنَ

اپنی منتیں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی برائی پھیلی ہوئی ہے اور کھانا

الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ⑧ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ

کھلاتے ہیں اس کی محبت پر مسکین اور یتیم اور اسیر کو ان سے کہتے ہیں ہم تمہیں خاص اللہ کے

لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ⑨ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ⑩

لیے کھانا دیتے ہیں تم سے کوئی بدلہ یا شکر گزاری نہیں مانگتے بے شک ہمیں اپنے رب سے ایک ایسے دن کا ڈر ہے جو بہت ترش

فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ⑪ وَجَزٰىهُمْ

نہایت سخت ہے تو انہیں اللہ نے اس دن کے شر سے بچا لیا اور انہیں تازگی اور شادمانی دی اور ان کے صبر پر

بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ⑫ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآىِٕكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا

انہیں جنت اور ریشمی کپڑے صلہ میں دیئے۔ جنت میں تختوں پر تکیہ لگائے ہوں گے نہ اس میں دھوپ دیکھیں گے

شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ⑬ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ⑭

نہ ٹھٹھر اور اس کے سائے ان پر جھکے ہوں گے اور اس کے گچھے جھکا کر نیچے کر دیئے گئے ہوں گے

وَيُطَافُ عَلَيۡهِمۡ بِاٰنِيَةٍ مِّنۡ فِضَّةٍ وَّاَكۡوَابٍ كَانَتۡ قَوَارِيۡرَا ۝١٥ قَوَارِيۡرَا

اور ان پر چاندی کے برتنوں اور کوزوں کا دور ہوگا جو شیشے کے مثل ہو رہے ہوں گے کیسے شیشے

مِنۡ فِضَّةٍ قَدَّرُوۡهَا تَقۡدِيۡرًا ۝١٦ وَيُسۡقَوۡنَ فِيۡهَا كَاۡسًا كَانَ مِزَاجُهَا

چاندی کے ساقیوں نے انہیں پورے انداز پر رکھا ہوگا اور اس میں وہ جام پلائے جائیں گے جس کی ملونی

زَنۡجَبِيۡلًا ۝١٧ عَيۡنًا فِيۡهَا تُسَمّٰى سَلۡسَبِيۡلًا ۝١٨ وَيَطُوۡفُ عَلَيۡهِمۡ وِلۡدَانٌ

ادرک ہوگی وہ ادرک کیا ہے جنت میں ایک چشمہ ہے جسے سلسبیل کہتے ہیں اور ان کے آس پاس خدمت میں پھریں گے

مُّخَلَّدُوۡنَ اِذَا رَاَيۡتَهُمۡ حَسِبۡتَهُمۡ لُؤۡلُؤًا مَّنۡثُوۡرًا ۝١٩ وَاِذَا رَاَيۡتَ ثَمَّ رَاَيۡتَ

ہمیشہ رہنے والے لڑکے جب تو انہیں دیکھے تو انہیں سمجھے کہ موتی ہیں بکھیرے ہوئے اور جب تو ادھر نظر اٹھائے ایک چین

نَعِيۡمًا وَّمُلۡكًا كَبِيۡرًا ۝٢٠ عٰلِيَهُمۡ ثِيَابُ سُنۡدُسٍ خُضۡرٌ وَّاِسۡتَبۡرَقٌ وَّحُلُّوۡ

دیکھے اور بڑی سلطنت ان کے بدن پر ہیں کریب کے سبز کپڑے اور قنادیز کے اور انہیں چاندی کے

اَسَاوِرَ مِنۡ فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰهُمۡ رَبُّهُمۡ شَرَابًا طَهُوۡرًا ۝٢١ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمۡ

کنگن پہنائے گئے اور انہیں ان کے رب نے ستھری شراب پلائی ان سے فرمایا جائے گا یہ تمہارا صلہ

جَزَآءً وَّكَانَ سَعۡيُكُمۡ مَّشۡكُوۡرًا ۝٢٢ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ تَنۡزِيۡلًا ۝٢٣

اور تمہاری محنت ٹھکانے لگی بے شک ہم نے تم پر قرآن بتدریج اتارا

فَاصۡبِرۡ لِحُكۡمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعۡ مِنۡهُمۡ اٰثِمًا اَوۡ كَفُوۡرًا ۝٢٤ وَاذۡكُرِ اسۡمَ رَبِّكَ

تو اپنے رب کے حکم پر صابر رہو اور ان میں کسی گنہگار یا ناشکرے کی بات نہ سنو اور اپنے رب کا نام صبح و شام

بُكۡرَةً وَّاَصِيۡلًا ۝٢٥ وَمِنَ الَّيۡلِ فَاسۡجُدۡ لَهٗ وَسَبِّحۡهُ لَيۡلًا طَوِيۡلًا ۝٢٦ اِنَّ

یاد کرو اور کچھ رات میں اسے سجدہ کرو اور بڑی رات تک اس کی پاکی بولو بے شک

هٰۤؤُلَآءِ يُحِبُّوۡنَ الۡعَاجِلَةَ وَيَذَرُوۡنَ وَرَآءَهُمۡ يَوۡمًا ثَقِيۡلًا ۝٢٧ نَحۡنُ

یہ لوگ پاؤں تلے کی عزیز رکھتے ہیں اور اپنے پیچھے ایک بھاری دن کو چھوڑ بیٹھے ہیں ہم نے

خَلَقۡنٰهُمۡ وَشَدَدۡنَاۤ اَسۡرَهُمۡ ۚ وَاِذَا شِئۡنَا بَدَّلۡنَاۤ اَمۡثَالَهُمۡ تَبۡدِيۡلًا ۝٢٨

انہیں پیدا کیا اور ان کے جوڑ بند مضبوط کئے اور ہم جب چاہیں ان جیسے اور بدل دیں

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۲۹﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ
بے شک یہ نصیحت ہے تو جو چاہے اپنے رب کی طرف راہ لے اور تم کیا چاہو مگر یہ کہ
اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۳۰﴾ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ
اللہ چاہے بے شک وہ علم و حکمت والا ہے اپنی رحمت میں لیتا ہے
فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۱﴾
جسے چاہے اور ظالموں کے لیے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔

تفسیر عالمانہ هَلْ اَتٰى بے شک گزرا۔ استفہام تقریری و تقریبی ہے کیونکہ هَلْ بمعنی قَدْ ہے یہ دراصل اَهَلْ اَتٰى تھا بمعنی قَدْ اَتٰى تحقیق آیا (تھا) یعنی گزرا۔ هَلْ سے پہلے الف چھوڑ دیا گیا کیونکہ وہ استفہام میں ہی واقع ہوتا ہے اور اس کا لزوم استفہام کو ہے ملفوظ ہو یا مقدر حسب معنیٰ قد ہوتا کہ ہمزہ سے استفہام سے تقرر و تقریب ثابت ہو اس لئے کہ وہ ماضی کو حال کے ماضی کے قریب کرنے کے لئے موضوع ہے اس پر دلیل یہی ملتی ہے کہ یہاں معنیٰ مراد نہیں کیونکہ اللہ (تعالیٰ) کے لئے استفہام محال ہے تو ضروری ہوا کہ اسے خبر کے معنی پر محمول کیا جائے جیسے تم کہتے ہو هل وعظتك اس سے مقصود یہ ہے کہ تم اپنے مخاطب سے اقرار کراؤ کہ واقعی تم نے اُسے نصیحت کی اور یہ کبھی انکار کے لئے بھی آتا ہے مثلاً هل يقدر احد على مثل هذا تو اس سے تمہاری مراد یہی ہے کہ تیرے سوا اور کوئی قادر نہیں۔ عَلَى الْاِنْسَانِ انسان پر زمانہ قریب ماضی میں اس سے انسان کی جنس مراد ہے نطفہ کے قرینہ سے اس لئے کہ آدم علیہ السلام تو نطفے سے پیدا نہیں ہوتے یا جنس سے مراد بنو آدم ہیں یا عام ہے کہ وہ خود اور ان کی جملہ اولاد بطریق تغلیب کے یا لبعض کی حال کی نسبت مجازًا کی طرف ہے۔ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ ایک وقت دہر سے۔

حل لغات الحين مطلق وقت اور ایسا مبہم وقت جو تمام زمانوں کی صلاحیت رکھے تھوڑا ہو یا زیادہ المفردات میں ہے کہ حین شے کا بلوغ و حصول اور وہ مبہم ہے مضاف الیہ سے مخصوص ہوتا ہے جیسے ولات حين مناص جس نے کہا کہ حین چند معانی میں آتا ہے اجل۔ موت۔ ساعت۔ زمانہ مطلق تو اس نے وہ تفسیر کی جو اسے معنی ملا اسکے اسے متعلق کر دیا الدھر طویل زمانہ اب معنی یہ ہوا کہ اس پر ممتد زمانے کا ایک حصہ محدود آیا اس سے انسان کا ماں کے پیٹ میں نو ماہ گذارنا مراد ہے کہ اس کے بعد ہی مذکور ہونے لگا (یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب ہے)

لَمْ يَكُنْ نہ تھا اس میں۔ یہ حین کی دوسری صفت ہے بحذف الضمیر شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا کوئی شے مذکور) بلکہ تھا بھولا بسرا اس کا نام و نشان تک نہ تھا انسانیت کا تو اس پر اطلاق تھا ہی نہیں کیونکہ وہ اس وقت اصلاب آباء میں نطفہ تھا تو نطفے اور انسانیت میں شے مذکور ہونے کے درمیان کی مدت نہایت محدود ہے۔

سوال عالم ارواح میں تھا پھر اسے کیسے کہا جا سکتا ہے لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا۔

جواب انسانیت سے اس وقت مذکور شے ہوا جب روح بدن سے ہوا اس سے قبل عالم ارواح میں انسانیت سے کیسے مذکور ہو سکتا تھا انسانیت سے تب مذکور ہوا جب عالم اجسام سے متعلق ہوا۔

حکایت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ کسی نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سامنے یہی آیت پڑھی تو آپ رو پڑے اور فرمایا لیتها تمت آپ نے اس سے یہی شے غیر مذکور مراد لی کہ نہ ہم پیدا ہوتے اور نہ ہی مکلف ہوتے (عین المعانی) آیت میں استفہام تقریری ہو تو منکر بعث (مرنے کے بعد اٹھنا) کو برانگیختہ کیا جائے کہ وہ اس کا اقرار کرتے ہوئے کہے (نعم) ہاں کہ اس پر زمانہ قریب میں اس پر ایک تھوڑا سا وقت گذرا ہے کہ وہ اس وقت مذکور تک نہ تھا پھر اس سے پوچھا جائے کہ پھر اسے کس نے پیدا کیا جبکہ وہ نہ تھا جب وہ اس کا اقرار کر لے تو پھر اسے کہا جائے کہ جس نے تجھے عدم سے پیدا کیا اس پر کونسا امتناع ہے کہ تجھے مرنے کے بعد زندہ اٹھائے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ انسان اللہ تعالیٰ کے علم میں شے تھا اگرچہ فی نفس الامر مذکور نہ تھا اس لئے روح قدیم الایام شے ہے لیکن وہ عام مذکور نہ تھا کیونکہ وہ عالم غیب میں تھا لیکن عالم شہادت سے لاشعور تھا اور تاویلات نجمیہ میں ہے کہ انسان کی ایک صورت علمیہ غیبیہ ہے دوسری صورت عینیہ شہادیہ ہے اور وہ ہر دونوں صورتوں کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کے علم ازلی ابدی میں مذکور ہے کیونکہ اس کے علم سے کوئی شے پوشیدہ نہیں اس لئے کہ اشیاء کے ساتھ اس کا علم ایجاد سے پہلے ہی ازلی ابدی ہے ان کے وجود سے پہلے انہیں پیدا کیا حالانکہ وہ معدوم تھے کتم عدم میں اور اس کا علم بنفسہ مستلزم ہے اس کے علم کو اعیان اشیاء سے کیونکہ اشیاء اس کے اسماء و صفات کی مظاہر ہیں اور اسماء و صفات عین ذات ہیں (اسے اچھی طرح سمجھ لے) یعنی انسان پر جو وقت گذرا وہ بہ نسبت حق کے بھولا بسرا تھا اور وہ کیوں نہ ہو جب اپنی صورت پر پیدا شدہ تھا اور اس کی صورت حق تعالیٰ کے ہاں حاضر و مشہود تھی اور استفہام انکاری ہے بخلاف محجوبین از علم المعرفۃ والحکمۃ الالہیہ کے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے انسان تجھ پر ایک ایسا وقت آیا جب اس میں اللہ تعالیٰ تیرا ذکر (نام) تک نہیں کرتا تھا

تفسیر عالمانہ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا یعنی اس کے جسم کو ضمیر کے بجائے الانسان کا اظہار زیادہ تقریر کے لئے ہے۔ مِنْ نُّطْفَةٍ نطفہ (منی) سے یہاں تک کہ چالیس دن تک

خون کی پھٹک ہوگیا اسی دن تک گوشت کی بوٹی پھر ۱۲۰ دن کے بعد اس میں روح پھونکی گئی جیسے ابوالانسان آدم علیہ السلام کو گارے سے بنایا گیا پھر انہیں مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان چالیس سال تک ٹھہرایا گیا تب وہ حمأ مسنون (بودار سیاہ مٹی کی طرح) انکا ڈھانچہ ہوا اس پر بھی آپ کے ڈھانچہ پر چالیس سال گذرے تب بھی بجتی مٹی کی طرح ہو گئے اس پر بھی چالیس سال گذرے ایک سو بیس سال میں ڈھانچے کی تکمیل ہوئی تو روح پھونکی گئی جیسا کہ ضحاک کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اولاد آدم میں ایک دن کے برابر آدم علیہ السلام پر ایک سال گذرتا تھا۔

فائدہ بعض نے پہلے لفظ انسان سے آدم علیہ السلام سے اور دوسرے سے آپ کی اولاد مراد لی ہے یہ اس وقت ہے کہ حین زمانہ طویل اور دراز کہ جس کی مقدار معلوم نہ ہو لیکن ہر دونوں میں جنس انسان مراد لینا موزوں اور زیادہ ظاہر بھی یہی ہے اس لئے اس سے مقصود ہے انسان کو اس کی تخلیق ظاہر کر کے پند و نصیحت کرنا کہ وہ بالکل نہ تھا لیکن کیا ہے اس سے جب سنے گا کہ وہ کوئی شے ہی نہ تھا اور نہ کہیں اس کا ذکر تھا۔ پھر وہ مذکور ہوا لیکن پیدا ہوا کہ ایک حقیر و خسیس پانی سے اس طرح سے وہ بعث (مرنے کے بعد اٹھنے) کو بعید نہ سمجھیگا (اور نہ ہی اس کا انکار کر سکے گا)۔

اَمْشَاج ملی ہوئی۔

حل لغات اَمشاج مشیج کی جمع ہے جیسے سبب کی اسباب یا کتف کی اکتاف دونوں لغتیں ہیں یا یہ مشجت الشیٔ (خلطہٗ) میں نے شے کو ملایا۔

سوال نطفہ واحد امشاج جمع پھر موصوف وصفت کیسے؟

جواب نطفہ مفرد سے مرد و عورت کے ہر دونوں کا مجموعہ پانی مراد ہیں اور ان کی جمع مختلف اوصاف کی وجہ سے ہے اور رقت غلاظت (گاڑھا ہونا) اور ان کے مختلف خواص کی وجہ سے بھی کہ مرد کی منی سفید غلیظ اور اسمیں عقد کی قوت ہوتی ہے اور عورت کی زرد اور رقیق اور اسمیں انعقاد کی قوت ہوتی انہی دونوں سے بچہ بچی پیدا ہوتے ہیں جس کا پانی اوپر آئے گا بچہ، بچی اسی کے مشابہ (ہمشکل) ہوں گے اور بچہ۔ بچی میں جوڑ۔ ہڈی۔ قوت مرد کے پانی سے اور گوشت۔ خون۔ بال عورت کے پانی سے (جیسا کہ حدیث مرفوع میں ہے)۔

اجوبہ خبر میں ہے کہ ہر انسان نطفہ پر اس کی قبر کی مٹی چھڑکی جاتی ہے ان دونوں کے مختلف پانیوں اور مختلف جگہوں کی مٹی کی ملاوٹ کی وجہ سے نطفہ امشاج سے موصوف ہوا۔

فائدہ حضرت حسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نطفہ ملایا ہوا حیض کے خون سے اس لئے کہ جب حمل ٹھہرتا ہے تو حیض اٹھ (ختم ہو) جاتا ہے صاحب قاموس اسی طرح گئے ہیں چنانچہ فرمایا نطفہ امشاج وہ ہے جو عورت کے پانی اور خون سے ملایا ہوا ہے۔ اسی تقریر پر امشاج جمع ہے کہ اسمیں دو نطفے (مرد و عورت کے) اور خون عورت کا ہے خلاصہ یہ کہ امشاج کا معنیٰ یہ ہے کہ نطفے کے مختلف الوان و اطوار ہیں ایسے ہی قتادہ نے فرمایا اور امام راغب نے فرمایا کہ

امشاج سے مراد وہ قوی مختلف ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے نطفہ سے پیدا فرمایا جن کی طرف اشارہ ہے وَلَقَدْ خلقنا الانسان من سلالۃ من طین ثم جعلناہ نطفۃ فی قرار مکین ثم خلقنا النطفۃ علقۃ الآیۃ[1]۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ نطفہ سے مراد وہ قوت قابلیہ متجشمہ ہے جو قوت کے فاعلیہ کے نطفہ سے مل ہوئے ہے یعنی ہم نے اسے فیض الٰہی کی قوت سے پیدا کیا جو فاعل سے متعلق ہے اور فیض مقدس کی قوت سے جو قابل سے متعلق ہے پس فیض اقدس ذاتی بمنزلہ مرد کے پانی کے ہے اور فیض اسما بمنزلہ عورت کے پانی کے ہے۔

نَّبۡتَلِيۡهِ کہ ہم اسے جانچیں یہ خلقنا کے فاعل سے حال مقدرہ ہے کہ دراصل مریدین نبتلیہ تھا اور اسکا معنیٰ یہ کہ ہم اس کی آزمائش رکھتے ہیں تاکہ اسے مکلف بنائیں (جس کا بیان آئے گا) تاکہ اس کے حال سے ہمارا تفصیلی علم فی العین ہو اور اس کے احوال کے تعلق فی العلم اجمالاً تھا تاکہ اس کے احوال ظاہر ہوں کہ کون قبول کرتا ہے اور کون رد کرتا ہے اور اہل سعادت کون ہے اور اہل شقاوت کون۔

فَجَعَلۡنٰهُ سَمِيۡعًۢا بَصِيۡرًا پھر ہم نے اسے سمیع و بصیر بنایا تاکہ آیات تنزیلیہ سن سکے اور آیات تکوینیہ کا مشاہدہ کر سکے گویا وہ ابتلاء (آزمائش) کا مسبب ہے اسی لئے اس کا عطف خلق مقیدہ پر فا کے ساتھ ہے گویا کہا گیا ہے انا خلقناہ مریدین الخ بے شک ہم نے اسے مکلف بنانے کے لئے پیدا کر کے اسے ایسے امور دیئے جن کی وجہ سے اسے مکلف اور اس سے امتحان (آزمائش) لیا جا سکے جیسے سمع و بصر اور جملہ آلات تفہیم و تمیز۔

سوال عقل کا ذکر کیوں نہیں حالانکہ وہ بھی آلات تفہیم و تمیز سے ہے۔

جواب منجملہ اسباب و آلات کا ذکر کر دیا گیا یہ ضروری نہیں کہ جملہ آلات و اسباب یہاں مذکور ہوں ویسے یہاں ان آلات کا ذکر مطلوب ہے جس مخلوق کے سعداکی تکمیل ہو اور وہ پہلے نمبر پر سمع ہے پھر بصر اس کے بعد ہی عقل کو سمجھنے کا موقعہ ملتا ہے۔

فائدہ صیغۂ مبالغہ کے اختیار میں اشارہ ہے اس پر کمال احسان و اتمام انعام کی طرف اور بصیراً جعلنا کا مفعول ثانی ہے ثانی کے بعد۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہم نے انسان کو جمیع مسموعات کا سمیع اور جمیع مبصرات کا بصیر بنایا جیسے حدیث قدسی میں فرمایا کنت سمعہ و بصرہ الخ میں اس کی سمع و بصر ہو جاتا ہوں مجھ سے سنتا دیکھتا ہے اسی لئے مسموعات اور مبصرات میں دیکھنے سننے میں کوئی شے رہ نہیں جاتی (اے مسکین اسے اچھی طرح سمجھ لے)۔

---

[1] جس کی تشریح و تفسیر پ۱۸ ع اول میں گذری ہے ۱۲ اُویسی غفرلہٗ۔

فائدہ حضرت عثمان مغربی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ملی ہوئی نو اشیاء سے آزمائش فرمائی ہے تین فتان (فتنہ میں ڈالنے والی) ہیں،

① سمع ۔ ⑤ خواہشات نفسانی ۔
② بصر ۔ ⑥ اس کا دشمن شیطان ۔
③ لسان ۔ تین مومن ہیں،
تین کافرات ہیں؛ ⑦ عقل ۔
④ نفس ۔ ⑧ روح ۔ ⑨ قلب ۔

جب اللہ تعالیٰ بندے کی مدد فرماتا ہے تو عقل کو قلب پر غلبہ بخشتا ہے تو عقل قلب پر شاہی کرتا ہوا نفس اور اس کی خواہشات کو قیدی بنا لیتا ہے اسی لئے اسے کسی قسم کی حرکت کا چارہ نہیں رہتا اس وقت نفس روح سے مانوس اور خواہشات نفسانی عقل کی جنس سے ہو جاتی ہیں اور اس کے لئے کلمۃ اللہ بلند ہوتا ہے اللہ (تعالیٰ) نے فرمایا قاتلوھم حَتّٰی لا تکون ان سے لڑو یہاں تک فتنہ نہ ہو۔

تفسیر عالمانہ اِنَّا ھَدَیْنٰہُ السَّبِیْلَ بے شک ہم نے اسے راہ بتائی۔ ماقبل پر مرتب ہے یعنی اعطائے حواس پر تو یہ جملہ مستانفہ تعلیلیہ ہے اسے سمیع و بصیر بنانے میں یعنی اعطاء الحواس الظاہرہ والباطنۃ اور ان سے متجلی ہونا ہدایت پر مقدم ہے اب معنٰی یہ ہوا کہ ہم نے اسے خیر و شر نجات و ہلاکت دکھائی سمجھائی آیات کے انزال اور نصب دلائل سے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا وھدینہ النجدین اور ہم نے اسے دو راہوں کی رہبری کی یعنی اسے خیر و شر کا راستہ بیان کیا اس لئے کہ واضح اور اونچے راستہ کو کہا جاتا ہے۔

فائدہ یہاں ہدایت محض دلالت مراد ہے نہ کہ وہ دلالت جو مطلوب تک پہنچائے (کذا فی بعض التفاسیر)۔

اِمَّا شَاکِرًا وَّ اِمَّا کَفُوْرًا یا حق مانتا یا ناشکر کرتا۔ یہ دونوں ھدینہ کے مفعول سے حال ہیں الاشکلو میں ہے کہ ہم نے اسے دونوں حالتوں میں ایسے راہ پر چلنے کی قدرت دی جو مطلوب تک پہنچا دے۔ اِمّا ذی الحال کی تفصیل کے لئے ہے کیونکہ وہ احوال پر دلالت کے لحاظ سے مجمل ہے مراد معلوم نہ ہوتی تھی کہ یہ دلالت اسے حالت کفر میں ہوئی یا حالت ایمان میں تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ اس کا تعلق ہر دونوں حالتوں سے ہے شاکر موحد (مومن سعادتمند) کفور ملحد۔ اس لئے شکر منعم کا اقرار اور ناشکری کی جڑ منعم کا انکار ہے اسی لئے اہل عرب کہتے ہیں فلاں شاکر النعمۃ یا کفور النعمۃ ہے۔

حل لغات امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا الکفور کافر النعمۃ اور کافر الدین ہر دونوں کو کہا جاتا ہے یہ بھی جائز ہے کہ اِمّا تقسیم کے لئے ہو بایں حیثیت کہ ذوالحال کو مطلق اعتبار کیا جائے یعنی وہ

جو ماہیّۃ من حیث ہی ہی پر دال ہے اور اِمّا کے ہر دونوں کو اس کی قید بنایا جائے تو ان ہر دونوں کو مقید کرنے سے ایک قسم حاصل ہوا جو ان دونوں کی تقسیم کردہ شدہ ہے کہ بعض ان میں بالاهتدا اس کے حصول میں شاکر ہیں اور بعض انمیں اهتدا سے روگردانی کرتے کافر ہیں۔

فائدہ کفورًا کو شاکر کے بعد لانے میں فواصل کی رعایت کی وجہ سے ہے یعنی رؤوس الآیات کی وجہ سے اور اسمیں آگاہ کرنا ہے کہ بہت قلیل انسان ہیں جو ناشکرے نہ ہوں ہاں مواخذہ کفران مغلو (حد سے زائد) پہ ہے اور شکر گذار نہایت قلیل ہیں اسی لئے نہیں فرمایا اِمّا شکورًا وَاِمّا کفورًا۔ یا اِمّا شاکرًا وَاِمّا کافرا خلاصہ یہ کہ شاکرا ور مُثاب (ثواب دیا ہوا) اور معاقب (عذاب دیا ہوا) سے کنایہ ہے اور چونکہ صرف کفران مؤاخذہ کو مستلزم نہیں اسی لئے صرف اس سے کنایہ نہیں کیا گیا بخلاف مجرد شکر کے کہ وہ اثابۃ (ثواب دینا) کو مستلزم ہے وعدۂ کریم کے مقتضیٰ کے۔ اسی لئے مطلق شکر پر اثابت دائر ہے اسی لئے اسمیں مبالغہ نہیں کیا گیا لیکن کفران مطلق پر مواخذہ نہیں بلکہ اسمیں افراط (حد سے زائد) میں مواخذہ دائر ہے اسی لئے اسمیں مبالغہ کا صیغہ لایا گیا ہر دونوں میں وسعت رحمت کے تقاضے ہیں اور اشارہ ہے کہ اس کے غضب پر رحمت کو سبقت ہے۔

فائدہ حضرت ابو السماک نے اَمّا میں بفتح الہمزہ پڑھا ہے اور یہ حسن قرأت ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ بہر حال وہ جو شاکر ہے تو بھی ہماری توفیق سے اور وہ جو کفور (ناشکرا) ہے تو اپنے سوء اختیار سے ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہم نے انسان کو اهتدا میں اس شکر کے سبیل کی طرف جو دائیں ہاتھ جمالیہ سے متعلق ہے یا سبیل کفر کی طرف جو بائیں ہاتھ جلالیہ سے متعلق ہے بعض نے اپنے مقتضائے حقائق استعدادات ازلیہ سے سبیل شکر اختیار کیا اور بعض نے اپنے مقتضائے حقائق اور قابلیات ازلیہ سے سبیل کفر اختیار کیا۔ جیسا کہ اللہ (تعالیٰ) نے حدیث قدسی میں فرمایا کہ یہ اہل جنت ہیں مجھے کوئی پرواہ نہیں اور اہل نار ہیں مجھے کوئی پرواہ نہیں مدح وذم کی اگر مدح وذم متعلق ہوں گی تو ان سے نہ کہ مجھ سے۔

ربط جب دونوں گروہوں کے ذکر کے بعد اب ان کے وعدو وعید کا بیان فرمایا چنانچہ فرمایا اِنَّآ اَعْتَدْنَا بے شک ہم نے آخرت میں تیار کی۔

حل لغات اعتداد بمعنی شے کو ایسا تیار کرنا کہ بوقت ضرورت حاضر و موجود ہو لِلْكٰفِرِيْنَ کافروں کے لئے افراد ان سے جسے ہم نے راہ دکھایا سَلٰسِلَاْ (زنجیریں) جن سے انہیں جہنم کی طرف کھینچ کر لے جایا جائے گا۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ ہم نے جہنم میں کافروں کے لئے زنجیریں تیار کی ہیں ستر ہاتھ کی وہ تنوین کے بغیر ہے حضرت حفص (قاری رحمہ اللہ تعالیٰ) کی قراءۃ میں ہاں وقف کو تو کبھی الف سے پڑھا جاتا ہے کبھی الف کے بغیر۔

حل لغات کہا جاتا ہے تسلسل الشئ اضطرب (متحرک ہوا) اسی سے مقصود ہے تسلسل و تردد اس کے لفظی تردد سے اس کے معنوی تردد پر تنبیہ ہے اسی سے ہے سلسلہ ، القاموس میں ہے بالفتح ایک شے کو دوسرے تک پہنچانا (اسی سے ہے سلسلہ قادریہ، اویسیہ، چشتیہ، سہروردیہ، نقشبندیہ) اور بالکسر دائرہ از حدید (لوہا) وغیرہ ۔

وَاَغْلٰلًا اور طوق ۔ جن سے انہیں اہانت اور عذاب کے کھینچکر جہنم کی طرف لے جایا جائے گا یہ طوق حق کو قبول نہ کرنے کی بے فرمانی سے نہیں ہوگا بلکہ ان کی تحقیر کے طور ان کے گلے میں زنجیریں ڈالکر کھینچا جائے گا کہ انہوں نے اللہ کے سامنے طوق نیاز نہ جھکائی تو یہ سزا پا رہے ہیں اس طرح سے انہیں جہنم کی آگ سے جلایا جائے گا کہ وہ دنیا میں خوف خدا کی آگ سے نہ ڈرتے تھے ۔

(**فائدہ**) یاد رہے کہ کافروں کے گلے میں طوق ڈالنا ان کے جاگنے کے خوف سے بھی نہ ہوگا ۔

حل لغات اغلال غل (بالضم) کی جمع ہے وہ شے جو عذاب دینے کے طور کسی کو کوئی شے گلے میں ڈالی جائے ۔ وَسَعِیْرًا بھڑکتی آگ ۔ وہ آگ جس سے جلائے جائیں گے جس میں وہ ہمیشہ جلتے رہیں گے اور زنجیروں سے کھینچکر جہنم کی طرف اس لئے لے جلائے جائیں گے کہ وہ حق کے نافرمان رہے (باقی وجوہ اوپر مذکور ہو گئے) ۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ (تعالیٰ) نے حق سے محجوب اور خلق میں مشغول لوگوں کے لئے حب دنیا اور اس کی طلب میں تعلقات ظاہرہ کی زنجیریں اور ان کے دنیا کی طرف رغبت اور اسمیں رغبت کی وجہ سے عوائق باطنہ کے طوق اور بعد و طرد و لعن کی نار جہنم تیار کی ہے ۔

سوال کافروں کی وعید کی تقدیم کیوں حالانکہ وہ مقام اجمال میں مؤخر تھے ؟

جواب ① تاکہ ذکر دونوں اکٹھے ہوں ۔

جواب ② ان کے لئے انذار اہم وانفع ہے ۔

جواب ③ تاکہ جس کا کلام کا آغاز اہل ایمان سے ہوا اس کا اختتام بھی ان کے ذکر سے ہو ۔

جواب ④ ان کے اوصاف تفصیل ہے اور تفصیل کا ذکر تقدیم چاہتا ہے ۔

جواب ⑤ نظم کریم یعنی عبارات کلام الٰہی کے اطراف کے تجاذب کی وجہ سے کبھی اس کی تقدیم خلل کا سبب بنتی ہے اسی لئے اسے یہاں مؤخر کیا گیا ۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الْاَبْرَارَ بے شک نیک لوگ ۔

ربط شاکرین کے حسن حال کا بیان شروع ہو رہا ہے جبکہ اس سے پہلے کافرین کے سوء الحال کا بیان تھا ۔

نکتہ بر کی صفت میں آگاہی بخشی کہ یہ جو ان لوگوں کو کرامات و انعامات نصیب ہوئے ۔ اس بر (نیکی) کی برکت سے ہے ۔

حل لغات ابرار برّ کی جمع ہے جیسے برّ کی جمع ابرار ہے یا بارّ کی جمع ہے جیسے شاہد کی اشہاد برّ و بارّ اسے کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کا مطیع ہے کہا جاتا ہے برّاتہ (میں نے اس کی اطاعت کی) ابرّہ میں اس کی اطاعت کرتا ہوں جیسے علمتہ وضربتہ (میں نے اسے جانا۔ میں نے اسے مارا)۔

فائدہ حضرت حسن (بصری) رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا البر من لا یؤذی الذر ولا یضمر الشر وہ جو چیونٹی تک کسی کو نہ ستائے اور نہ ہی دل میں کسی کے لئے شر چھپائے۔ ؎

لا تؤذ نملا ان اردت کمالکا

فان لہا نفسہا تطیب کمالکا

ترجمہ: چیونٹی کو اذیت نہ دے اگر تو کمال چاہتا ہے کیونکہ اس کا جی بھی تیری طرح خوش ہوتا ہے۔
المفردات میں ہے البر البحر کی نقیض ہے اس سے وسعت کا تصور ہوتا ہے اسی سے البر (نیکی) مشتق ہے کیونکہ اس سے بندے کا اپنے رب سے خیر کی وسعت کا تصور ہے کہ وہ اس کی بے حد حساب اطاعت کرے گا یہ اعتقاد و اعمال فرائض و نوافل کو شامل ہے۔

فائدہ حضرت سہل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ ابرار وہ ہیں جن میں عشرہ مبشرہ (جن دس صحابہ رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ نے زندگی میں بہشت کی خوشخبری سنائی) کے عادات میں سے کوئی عادت رکھتا ہو۔

فضیلت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے تین سو ساٹھ اخلاق ہیں جو توحید کے عقیدہ کے ساتھ انہیں کسی ایک سے ملقب ہو وہ بہشت میں داخل ہوگا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں کوئی ایک مجھ میں ہے یا نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا آپ میں وہ تمام ہیں ان سب سے اللہ کو محبوب تر سخاوت ہے۔

یَشْرَبُوْنَ (جنت) میں پیئں گے۔

حل لغات الشرب بمعنی بہنے والی شے کا تناول (منہ میں لینا) پانی ہو یا کوئی شے۔

فائدہ یہ پینا مطیعین کے لئے ابتدا ہوگا اور معذبین کو (خدا نہ کرے کسی کو) دوزخ کے عذاب سے فارغ کر کے بحکم عدل بہشت میں داخلہ کے بعد مِنْ کَاْسٍ اس جام میں سے شیشے کا پیالہ جس میں شراب ہو اور خود شراب پر بھی مستعمل ہوتا ہے علیٰ طریق المحل بارادۃ الحال اکثر کے نزدیک یہی مراد ہے۔

قاعدہ حضرت ضحاک رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ قرآن مجید میں ہر جگہ کاس سے شراب مراد ہے پہلی تقریر پر میں مِنْ ابتدائیہ اور دوسری تقریر میں مِنْ تبعیضیہ یا بیانیہ ہے۔
کَانَ ہے اللہ تعالیٰ کی تکوین ہے۔ مِزَاجُهَا اس کی ملونی۔ وہ شے جو اس جام میں ملائی جائے گی۔

حل لغات کہا جاتا ہے مزج الشراب غلطہ (شراب ملایا) مزاج العبدان (بدن میں صفرا اور بلغم وخون اور ان ہر ایک کی کیفیات کا ملنا۔

کَافُوْرًا کافور۔ کافور کا پانی۔

فائدہ مقام محمدیہ میں ایک چشمہ کا نام ہے اسی طرح تمام چشموں کا پانی سفیدی میں کافوری سفیدی کی طرح ہوگا ایسے ہی خوشبو اور ٹھنڈک میں مزہ میں تیں اسی لئے خود کافور تو نہیں پیا جاتا۔ ایسے ہی اس کے ہم مثل یہاں تک کہ جب اسے آگ جیسا بنائے گا یعنی اسے کسی دوسری شے میں ملایا جائے۔

تحقیق کافور وہ مشہور خوشبو ہے اس سے اکفان (مردوں کے کفن) کو خوشبوناک کیا جاتا ہے اس کی اچھی خوشبو کی وجہ سے۔

حل لغات کافور کفر سے بمعنی الستر (ڈھانپنا) سے مشتق ہے کیونکہ وہ اپنی خوشبو سے اشیاء کو ڈھانپ لیتا ہے القاموس میں ہے کافور ایک مشہور خوشبو ہے درخت سے لیا جاتا ہے بحر الہند اور چین میں ہوتا ہے اس کے سایہ کے نیچے بکثرت لوگ سما سکتے ہیں۔ اس کی لکڑی سفید اور نرم ہوتی ہے اس کے اندر ہی کافور ہوتا ہے وہ کئی قسم ہے اس کا رنگ سرخ ہوتا ہے مٹی ڈالنے سے سفید ہو جاتا ہے اور بہشت میں ایک چشمہ ہے یہ جملہ کاس کی صفت ہے۔ عَیْنًا (چشمہ) کاس سے بدل ہے یعنی کافور چشمہ ہے۔ العین بمعنی چشمہ پانی کے چشمے کو عین سے تشبیہ محض ہیئت اور اس میں سے پانی بہنے کی وجہ سے ہے۔ یَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ (جس میں سے اللہ کے نہایت خاص بندے پئیں گے)۔ عین کی صفت عِبَادُ اللّٰهِ سے مومن ابرار مراد ہیں اس لئے عباد کی اضافت الی اللہ تحریمی اکثر عبد مومن کو خاص کرتی ہے ایسے ہی یائے متکلم کی طرف اضافت سے عبد مومن مراد ہوتا ہے جیسے یٰعِبَادِیَ کیونکہ یہی حقیقی مومن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے حقوق کی رعایت کرتے ہیں اس لئے کہ جو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے حقوق کی رعایت کرتے ہیں کہ اس لئے کہ جو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے حقوق کی رعایت نہیں کرتا وہ گویا عبد ہی نہیں اب معنی یہ ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نہایت خاص مومن بندے جام کے ساتھ شراب طہور پئیں گے اس لئے کہ وہ اس میں ملا ہوا ہوگا جیسے تم کہتے ہو شربت الماء بالعسل۔ میں نے پانی کو شہد میں ملا کر پیا اس میں لذت کی قوت کی طرف اشارہ ہے۔

فائدہ اسمیں اشارہ ہے کہ مقربین قوت والے ہی کافوری شراب پئیں گے جو خالص شراب طہور ہی ہوگا جس میں اور کسی شے کی ملاوٹ نہ ہوگی۔ ظاہر ہے کہ یشرب منہا ہو یعنی با بمعنی من ہے لیکن با لانا جائز ہے اس لئے کہ حروف جارہ ایک دوسرے کے قائم مقام آتے رہتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا فانزلنا بہ الماء (اس سے ہم نے پانی اتارا) اسمیں با بمعنی من ہے۔ یعنی انزلنا من السحاب الماء (ہم نے بادل سے پانی

آتارا۔ اس کی شیخ (ابو طالب رحمہ اللہ تعالیٰ) مکی نے قوت قلوب میں تصریح فرمائی۔

یُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِیْرًا اپنے ٹھکانوں میں جہاں چاہیں گے لے جائیں گے۔

حل لغات التفجیر والفجر (پانی بہانا) المفردات میں ہے الفجر بمعنی شے کو وسیع کر کے چیرنا جیسے فجر الانسان السکر فلاں انسان نے سکر کو چیرا۔ فجرتہ الفجر، میں نے اسے چیرا وہ چر گیا۔ فجرتہ فتفجر، میں نے اسے چیرا وہ چر گیا۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ انہیں اپنے ٹھکانوں میں جہاں بہا کر لے جائیں جیسا کہ تفصیل کی بنا (مصدر) سے معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ تشدید کثرت کا فائدہ دیتی ہے اور وہ جاری کرنا آسان ہوگا انہیں کوئی رکاوٹ نہ ہوگی بلکہ وہ اپنی قوت و اندفاع سے جاری ہوں گی اسی لئے کہ انہار اشجار وغیرہ کی طرح اہل جنت کے تابع ہوں گی پس مصدر تفجیر اس فعل کا مؤکد ہے جو سہولت کے معنیٰ کو متضمن ہے اور یہ جملہ عینًا کی دوسری صفت ہے۔

تفسیر صوفیانہ ① تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ابرار میں ان بندگان خدا کی طرف اشارہ ہے جو مخلصین اور اس اسم اعظم کے فیض سے مخصوص ہیں جو ان جمیع اسما کو شامل ہے یعنی وہ لوگ جنہیں ان کا رب اسم باسطہ سے متجلی ہو کر پلائے گا محبت کے جام سے شراب طہور عشق جس میں کافور یقین کی ٹھنڈک ملائی ہوئی ہے اور وہ جاری ہونے والا ہے ان کے ارواح و اسرار و قلوب کی انہار میں وفور رحمت و شمول نعمت کے ساتھ۔

تفسیر صوفیانہ ② حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابرار سے وہ سعادتمند لوگ مراد ہیں جو حجاب آثار و افعال سے بروز اور حجب صفات سے محجوب اور وہ ان کے ساتھ واقف نہیں بلکہ عین الذات کی طرف سے بقائے عالم الصفات کے متوجہ ہیں اور وہی متوسط فی السلوک ہیں وہ محبت حسن الصفات کے جام پیتے ہیں نہ صرف محبت حسن الصفات بلکہ ان کے شراب محبت ذات کی لذت بھی ملاوٹ ہے اور یہ چشمہ کافوری لذت برد (ٹھنڈک) یقین کی لذت اور بیاض نوری و تفریح قلبی کا فائدہ بخشتا ہے اس قلب کو حرارت شوق اور تقویت سے جلا ہوا ہے اس لئے کہ کافور میں تبرید و تفریح و خاصیت ہے اور کافور ایک چشمہ ہے جس سے صرف وہ بندگان خدا پیتے ہیں جو اس کے خاص ہیں وہ اہل وحدۂ ذاتیہ ہیں جن کی محبت صرف ذات سے ہے نہ کہ اہل صفات سے ان کے نزدیک قہر و لطف اور نرمی و سختی اور نعمت و بلا اور شدۃ و رضا کا کوئی فرق نہیں بلکہ ان کے دلوں میں محبت مع الاضداد قرار پکڑ چکی ہے انہیں نعمتوں اور مصیبتوں اور رحمت و زحمت سے برابر طور لذت محسوس ہوتی ہے ان کے ایک نے فرمایا ؎

هوای لهٗ فرض تعطف ام جفا
ومشربه عذب تکدر ام صفا
وکلت الی المحبوب امری کله
فان شاء احیانی وان شاء اتلفا

ترجمہ: اس کی محبت میرے لئے فرض ہے لطف فرمائے یا جفا اس کا گھاٹ میٹھا ہے میلا ہو یا صاف میں نے اپنے تمام امور محبوب کو سپرد کر دیئے اس کی مرضی چاہے زندہ رکھے چاہے موت دے۔

فائدہ ہاں ابرار چونکہ منعم ولطیف ورحیم سے محبت کرتے ہیں اسی لئے ان کی محبت قہار و مبتلی و منتقم کی تجلی سے برقرار نہ ہو سکی اور نہ ہی اس سے انہیں لذت محسوس ہوتی ہے بلکہ وہ اس سے کراہت کرتے ہیں اسے بہا کر دئے جاتے ہیں کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان کے چشمے ہیں وہاں نہ دوئی ہے نہ غیریت ورنہ کا نور ظلمت و حجاب انانیۃ اور دوئی اور سیاہی نہ بنتی۔

فائدہ بعض نے کہا کہ جیسے دنیا میں ان کے احوال مختلف تھے ایسے ہی آخرت میں ان کے گھاٹ مختلف ہوں گے پھر ہر ایک اپنے حال کی مناسبت سے پئے گا مثلاً وہاں مختلف چشمے ہوں گے حیا کے صبر کے وفا کے وغیرہ وغیرہ۔

شراب کی اقسام شراب یا نفسانی شیطانی یہ جو دنیا میں اہل فسق پیتے ہیں اور یہ حرام ہے۔

حدیث شریف میں ہے جب بندہ شراب (دنیوی) ہاتھ میں لیتا ہے اسے ایمان قسم دے کر کہتا ہے کہ اسے مجھ میں داخل نہ کر ہم اور یہ ایک برتن میں نہ ٹھہر سکیں گے اگر وہ بندہ (منحوس) شراب پی لیتا ہے تو ایمان (اس کا نور) اس سے بھاگ جاتا ہے چالیس دن اس کے ہاں واپس نہیں لوٹتا اگر وہ توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے لیکن شراب پینے سے عقل کا تھوڑا سا حصہ اس سے نکل جاتا ہے جو مرتے دم تک اس کے پاس واپس نہ لوٹے گا۔

① جسمانی رحمانی یہ آخرت میں اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔

② روحانی ربانی یہ دارین (دنیا و آخرت) میں اہل محبت اور اہل شوق کو نصیب ہوتا ہے یہ تمام شرابوں (دنیوی ۔ اخروی) سے لذیذ تر ہے حضرت مولانا جلال الدین قدس سرہ نے فرمایا ؎

الا ساقیا انی لظمان و مشتاق

ادر کاسًا ولا تنکر فان القوم قد ذاقوم

خذ الدنیا و ما فیہا فلی العشق یکفینا

لنا فی العشق ضات وبلدان واسواق"

ترجمہ: اے ساقی میں پیاسا اور مشتاق ہوں ایک جام پلا اور انکار نہ کر کیونکہ اسے اور لوگوں نے بھی چکھی ہے دنیا و ما فیہا مجھ سے لے لے ہمیں عشق کافی ہے کیونکہ عشق میں ہمارے لئے باغات اور شہر اور بازار یہ ہیں۔

تفسیر عالمانہ یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ (منتیں پوری کرتی ہیں)۔ جملہ مستانفہ ہے گویا کہا گیا ان حضرات کو یہ بلند مرتبہ مل جاتا ہے تو پھر کیا کرتے ہیں اس کے جواب میں کہا گیا یوفون الخ یعنی جب انہوں نے اپنے اوپر جو واجب کیا تھا اسے پورا کیا تو پھر جو ان پر اللہ تعالیٰ نے واجب کیا وہ کیوں نہ پورا کرتے جیسے نماز۔ زکوٰۃ۔ روزہ حج وغیرہ یہ ان کے ادائے واجب کو زیادہ سے زیادہ پورا کرنے میں مبالغہ ہے۔

حل لغات ایفاً بمعنی شے کو پورا اور مکمل طور ادا کرنا۔ النذر (منت) یہ ہے کہ جو چیز آدمی پر واجب نہیں ہے وہ کسی شرط سے اپنے اوپر واجب کرے مثلاً اگر یہ کہے کہ اگر میرا مریض اچھا ہو یا میرا مسافر بخیر واپس آئے تو میں راہِ خدا میں اس قدر صدقہ دوں گا یا اتنی رکعتیں نماز پڑھوں گا محض اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے پیش نظر۔

مسئلہ اس نذر کی وفا واجب ہوتی ہے معنٰی یہ ہیں کہ وہ لوگ طاعت و عبادت اور شرع کے واجبات کے عامل ہیں حتیٰ کہ جو طاعات غیر واجبہ اپنے اوپر نذر سے واجب کر لیتے ہیں اس کو بھی ادا کرتے ہیں۔

مسئلہ اس نذر میں اختلاف ہے جو وہ نیکی کو خود پر واجب کر دیتے ہیں مثلاً کہا کہ اگر فلاں دار میں داخل ہوا تو اس پر یہ ہوگا اور وہ ہوگا وغیرہ۔ بعض علماً نے کہا کہ یہ یمین کی طرح ہے بعض علماً نے اسے نذر میں داخل کیا ہے۔

مسئلہ : کہا گیا ہے کہ نذر وعدہ کی طرح ہے اگر وہ بندے سے ہے تو اس کا نام نذر ہے اگر اللہ تعالیٰ سے ہے تو وہ وعدہ کریمہ ہے۔

مسئلہ نذر (منت) قربت مشروعہ ہے یہ صرف طاعت میں صحیح ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جس نے منت مانی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا تو چاہیئے اطاعت کرے (یہ واجب ہے) اگر کہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بے فرمانی کرے گا تو نافرمانی نہ کرے بلکہ اس کا کفارہ دے)۔

حکایت حضرت ہارون بن معروف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے پاس ایک نوجوان آیا اور کہا کہ میرے باپ نے قسم کھائی ہے کہ اپنی عورت کو طلاق اگر میں کوئی دوا مع مسکر (نشہ والی شے) پیوں میں اسے ابی عبداللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس لے گیا کہ اس کا فتویٰ کیا ہے فرمایا انہوں نے اس کی رخصت نہیں اور فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کل مسکر حرام (ہر نشہ والی شے حرام ہے)

مسئلہ جملہ اطباً ملکر کہیں کہ اس مریض کی شفا شراب پینے میں ہے تو نہ پیئے جب تک اس کے لئے اور دوائی سے علاج ہو سکتا ہے اگر اس کے سوا اور کوئی دوائی نہ ہو تو ایک قول میں ہے کہ پی لے (صحیح یہ ہے

کرتے تھے۔

فائدہ جو واجب اللہ تعالیٰ کا ہے اس میں زیادہ اہتمام ہونا چاہیئے بہ نسبت اس کے جو بندہ نے اپنے اوپر خود کیا ہے لیکن بعض لوگ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے واجب کی تو کوئی پرواہ نہیں کرتے اور خود کردہ واجب کا خوب اہتمام کرتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی پنجوقتہ نماز فرض ہے اس کی پرواہ نہیں لیکن منت مانیں کہ فلاں مشکل آسان ہو گئی یا کوئی کام نہ ہوتا تھا منت ماننے پر ہو گیا تو اب اس منت کو پورا کرنے کے لئے جلدی اور خوب اہتمام کرتے ہیں یہ حماقت و جہالت ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابرار وہ ہیں اس عہد کو پورا کرتے ہیں جو ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان میں ہے جب صبح ازل میں ہوا کہ جب انہیں آلات و اسباب پر قدرت ملی تو وہ اپنی استعدادات کی کمین گاہوں اور فطرت کے غیوب سے حقائق و معارف و علوم و فضائل ظاہر کریں گے اور تزکیہ و تصفیہ کر کے انہیں قوت سے فعل کی طرف نکالیں گے۔

تفسیر عالمانہ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا اور ڈرتے ہیں اس دن سے (قیامت کے دن سے)۔ كَانَ شَرُّهٗ (جس کی برائی، شدت اور سختی اور عذاب۔ مُسْتَطِيْرًا (پھیلی ہوئی ہے) کھلم کھلا مکمل طور ہر طرف پھیلی ہوئی ہے یعنی ہر کس اس سے متاثر ہوگا۔

حل لغات (الاستعار یعنی جلانے والی آگ اور الغبار المستطیر پھیلنے والی گرد) القاموس میں ہے المستطیر بمعنی الساطع المنتشر۔ استطار الفجر (انتشر الفجر) پھیل گئی۔ یہ طار سے زیادہ بلیغ ہے جیسے نفر سے استنفر اور قیامت کی ہولناکیوں اور اس کے شدائد منتشرہ کو شر کہا گیا کہ وہ ایسے خوب پھیلے گا کہ آسمانوں اور زمینوں کو بھر دے گا یہ اس کی عین حکمت و صواب ہے لیکن اس کے لئے ضرر رساں ہوگا جس پر نازل ہوگا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہاں خیر و بھلائی (پھیلائی ہوئی) نہیں ہو گی کیونکہ قیامت کا دن جیسے ضرر رساں ہے ایسے ہی وہ راحت رساں بھی ہے۔

فائدہ حضرت سہل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بلایا و شدائد آخرت میں عام ہوں گے عوام کے لئے اور ملامہ خاص ہوں گی خواص کے لئے۔

فائدہ یوفون بالنذر الخ ان کے اعمال اور جمیع واجب کی ادائیگی کا بیان ہے اور یخافون الخ ان کی نیات کا بیان ہے کہ انہیں یوم البعث (مرنے کے بعد اٹھنے) والجزاء پر اعتقاد تھا اسی لئے وہ اللہ سے ڈرتے تھے کیونکہ طاعات کا اتمام اعتقادیات پر موقوف ہے جن میں یہ دونوں ہوں گے ان کا نام اللہ نے ابرار رکھا ہے۔

تفسیر صوفیانہ بعض عارفین نے فرمایا کہ ارباب سلوک فی طریق الحق کی طرف اشارہ ہے جو اس کی طلب و سلوک میں اپنے نفسوں پر گوناگوں ریاضت اور قسم قسم کے مجاہدات واجب کرتے ہیں اور آرام و نیند

چھوڑ دیتے ہیں وہ اپنے اجسام کو بھوک کی سزا اور پیاس سے جگر کو جلاتے ہیں اور کلام اغیار کو سننے سے کان کو بند رکھتے اور آنکھوں کو محبوب حقیقی کے سوا کو دیکھنے سے بند رکھتے اور دلوں پر مطلوب ازلی کے محبت کے سوا ج لگاتے اور اپنے نفسوں کو اس دن سے ڈراتے ہیں جبیں صفت قہر اور غضب کی تجلی کا ظہور ہو جو قلب پر ہیبات مظلم سے تسلط کرے اور تمام شرور سے بڑا شر ہے ایسے لوگ ایسے شر سے بچنے کی جدوجہد کرتے ہیں یہاں تک کہ اللہ ایسے شر سے خلاص بخشکر اپنے حرم آمن میں داخل فرماتا ہے ۔

تفسیر عالمانہ

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ اور کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت پر، یعنی باوجودیکہ انہیں طعا کی خود بھی خواہش اور ضرورت وغیرہ ہوتی ہے جیسے اللہ نے دوسری جگہ پر فرمایا لَنْ تَنَالُو البر حتی تنفقوا مِمَّا تحبون نیکی کو ہرگز نہ پہنچو گے یہاں تک وہ خرچ کرو جس سے محبت کرتے ہو یا اطعام (اطعام کھا کی محبت میں تو وہ بطیب خاطر طعام کھلاتے ہیں اس معنیٰ پر ضمیر فعل کے مصدر کی طرف راجع ہوگی جیسے اعد ھو اقرب للتقوی میں اعدلوا کے عدل کی طرف ضمیر ھُوَ راجع ہے یا اللہ تعالیٰ کی محبت میں یا اطعام اللہ ت کی محبت کے لئے یہی زیادہ مناسب ہے (لوجہ اللہ) کی وجہ سے جس کا بیان آتے گا اس معنی پر مصدر مفعول ک طرف مضاف ہے اور فاعل متروک ہے کہ دراصل علی حبہم للہ تھا اور جائز ہے کہ فاعل کی طرف مضاف اور مفعول متروک ہو یعنی علی حب اللہ الاطعام ۔

حل لغات

طعام شراب (پینے) کے خلاف اسے کبھی شراب (پینے) پر بھی استعمال کرتے ہیں اسکے ط الشیٔ بمعنی اس کا چکھنا وہ ماکول (کھائی ہوئی) ہو یا مشروب (پی ہوئی) ظاہر یہ ہے کہ یہا خصوص ہے یعنی کھانا مراد ہے نہ کہ عموم ۔

جملہ طاعات دو قسم

جان اے جان من کہ جملہ طاعات کا مجموعہ دو امروں میں محصور ہے ۔

(۱) طاعات امر اللہ اس کا اشارہ یوفون بالنذر الخ میں ہے ۔

(۲) شفقت علی خلق اللہ اس کا اشارہ ویطعمون الطعام الخ میں ہے اطعام کنایہ ہے محتاجوں احسان اور ان کے ساتھ پیار و محبت جس رنگ میں ہو اگرچہ وہ بعینہٖ طعام سے بھی نہ ہو اور چونکہ طعام انواع احسا اشرف نوع ہے اسی لئے جنس احسان کو اسی نوع سے تعبیر کیا گیا ۔ (حواشی ابن الشیخ)

تفسیر صوفیانہ

بعض اہل معرفت نے فرمایا کہ وہ لوگ منافع مالیہ سے خالی ہو کر رذائل سے اپنے نفوس کا تزکیہ کر ہیں بالخصوص بخل سے اس لئے کہ حب المال کثیف ترین حجابات سے ہے ایسے لوگ ایثار کی صف سے موصوف ہوتے یہ لوگ دوسروں کی محتاجی دور کرتے ہیں جان کی بازی لگاتے ہیں اور اپنے نفوس جہالت رذیل صفت سے پاک کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی محبت میں حکم و شرائع کا روحانی طعام ان لوگوں کو نوازتے ہیں جن کا ذ

ابھی ہوتا ہے ۔

تفسیر عالمانہ مِسْكِينًا مسکین کو۔ وہ فقیر جس کو کوئی شے نہ ہو اور کمانے سے عاجز یعنی درویش بے مایہ ۔ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مسکین وہ جو تہاب البدن کیجانب دائم السکون ہو وَّيَتِيمًا اور یتیم کو وہ بچہ جس کا باپ نہ ہو ۔ وَّأَسِيرًا اور قیدی کو۔

ل لغات الاسر یعنی چمڑے کے لمبے تسمہ سے باندھنا قیدی کو بھی اسی لئے اسیر کہا جاتا ہے کہ اسے ایسی رسّی سے باندھا جاتا ہے پھر ہر گرفتار مقید کو کہا جانے لگا اگرچہ اسی چمڑے کی رسّی سے باندھا ہوا بھی نہ ہواب معنٰی یہ ہوا کہ اس قیدی کو جو گرفتار ہے اور کسی کی مدد اور قید سے آزادی کا کوئی حیلہ اور سبب نہ رکھتا ہو خوا ہو ۔ اس لئے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم قیدیوں کی طرف بعض مسلمانوں کے ذریعے طعام بھیجتے تھے اور فرماتے کہ یدی کو طعام کھلانا واجب ہے ۔ اگرچہ کافر ہو۔

سئلہ دارالسلام میں اسیر احسان ضروری ہے عام علماء کے نزدیک اگرچہ وہ حاکم وقت کے نزدیک واجب القتل یا منت لگا کر چھوڑنا ہو یا فدیہ لینا ہو یا غلام بنانا ہو کسی حال میں اس کا قتل اس کے دوسرے ال کی وجہ سے اطعام کے وجوب کے منافی نہیں جیسے کسی ایک کو ایک وجہ سے سزا دینی ہے تو اس کے منافی نہیں اسے دوسری وجہ سے سزا دی جائے اسی لئے یہ نامناسب ہے کہ کسی پر قصاص لازم ہے تو قتل کے سوالے ی اور سزا بھی دی جائے ۔

ائدہ یا معنٰی یہ ہے کہ مومن قیدی کو طعام کھلاتے ہیں اسیر میں مملوک اور عبد اور کنیز اور مسجون داخل ہے یعنی وہ مسجون فقیر جو کسی مسلمان کے حق ادا نہ کرنے پر قیدی کا ہے ۔

ائدہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرضدار کو بھی اسیر سے موسوم فرمایا چنانچہ فرمایا غریمک اسیرک (تیرا قرضدار تیرا قیدی ہے) فاحسن الی اسیرک (تو اپنے قیدی پر احسان کر) یعنی اسے مہلت دے یا اسے ی معاف کردے سالم یا کچھ یہ کامل احسان ہے ۔

دیث شریف میں ہے جو تنگدست (مقروض) کو مہلت دیتا ہے یا اس سے قرض معاف کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ عرش کے تلے جگہ دے گا کہ جہاں اس کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہو گا یعنی اسے مت کی گرمی سے بچائے گا ۔

تجربہ بعض نے کہا عورتیں منکوحہ اپنے شوہروں کی قیدی ہیں ۔

دیث شریف نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عورتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو وہ تمہارے ہاں قیدی ہیں ۔

حل لغات حدیث شریف میں عوانی فرمایا یہ العانی بمعنی الاسیر کی جمع ہے القاموس میں ہے العوانی بمعنی النسا اس لئے کہ ان پر ظلم ہوتا ہے جس کا وہ بدلہ نہیں لے سکتیں۔

صوفی قیدی حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک الاسیر وہ ہے جو طبیعت اور صفات النفس کی قید میں ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ حضرات حکم الہیہ جو ان کے ہاں محبوب ہیں طعام کھلاتے ہیں مسکین سر کو جو کہ وہ سر روح کے حکم ماتحت اس کی فرمانبرداری کے قرب میں ہے اور اس کی ذلت روح کے حکم کی عزت میں ہے اور یتیم قلب کو کہ وہ اپنے رب روح سے بعد جسد و بعد مکان کی وجہ سے یتیم ہے۔ اور قیدی اعضا کو کہ وہ قیود احکام و شریعت و آثار طریقت کی رسیوں میں مقید ہیں۔

تفسیر عالمانہ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ (ان سے کہتے ہیں) ہم تمہیں خاص اللہ تعالیٰ کے لئے کھانا دیتے ہیں یعنی اس کی رضا کے لئے ہم تمہیں طعام کھلاتے ہیں یہ ارادۂ قول بر یطعمون کے فاعل سے حال ہے کہ در اصل قائلین اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ الخ تھا ان کا یہ کہنا زبان قال سے ہو یا حال سے تاکہ اس منت کا وہم جو صدقات خیرات کو ضائع کر دیتی ہے اور جزا کے بدلہ کی توقع جو اجر کو نقصان پہنچاتی ہے زائل ہو

ہر چہ دہی می دہ و منت منہ
و آنچہ بمنت دہی آں خود مدہ
منت و مزدیکہ در احسان بود
وقت جزا موجب نقصان بود

ترجمہ: جتنا جی چاہے راہ خدا میں دے لیکن کسی کو احسان نہ جتلا ورنہ منت جتلانے کے لئے دیتا ہے تو بہتر ہے دے ہی نہ۔ منت اور مزدوری کا خیال ہو تو وہ جزا کے وقت نقصان کا موجب ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا عجیب صدقہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کسی کے گھر میں صدقہ بھیجتیں تو قاصد سے سوال کرتیں کہ صدقہ لے کر گھر والے کیا کہتے قاصد عرض کرتا آپ کو یہ دعا دیتے آپ ان کے لئے دعا فرماتیں تاکہ صدقہ کا ثواب ضائع نہ جائے بلکہ خالص ذات الٰہی کے لئے ہو اور کسی پر احسان کا اظہار نہ ہو۔

وجہ اللہ کی تحقیق وجہ عضو معروف ہے اسے ذات سے تعبیر کیا جاتا ہے کیونکہ یہ اشرف الاعضا ہے بعض نے کہا کہ وَجْهِ سے مجازاً رضائے الٰہی مراد ہے کیونکہ رضا اور غضب کے آثار چہرے

معلوم ہوتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ لَا نُرِیْدُ مِنْکُمْ جَزَآءً (تم سے بدلہ نہیں مانگتے۔ اس پر مال اور نفس کا

جزاؤ اجر میں فرق اجر وہ جو عمل کا ثواب لوٹایا جائے دنیوی ہو یا اخروی اسمیں کہا جاتا ہے جو عقد سے ہو عقد کے قائم مقام اور اس کا اطلاق صرف نافع (نفع والی شے) میں ہوتا ہے بخلاف جزا کے کہ اس میں بولی جاتی ہو جو عقد سے ہو یا غیر عقد سے ہو مفید ہو یا ضرر رساں۔

(المجانۃ برابر کا بدلہ دینا یعنی نعمت کا بدلہ نعمت سے دینا۔ وَّلَا شُکُوْرًا (اور نہ شکر گذاری، یعنی تم سے زبان کا شکریہ کہنا مدح کرنا۔ دعا دینا نہیں چاہتے وہ مصدر ہے بر وزن دخول اور جملہ ماقبل کی تقریر وتاکید ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم سے ہم بدلہ وثنا نہیں چاہتے کہ ہم اعراض واعواض سے محجوب نہیں اور تاویلات نجمیہ میں ہے کہ تم سے ہم نہیں چاہتے کہ تم دنیا میں ہماری تعریف کرو اور نہ ہی عذاب آخرت کی شکر گذاری دعا کے طور اس لئے کہ جو ثواب آخرت کی نیت پر کوئی عمل کرتا ہے تو وہ لوجہ اللہ نہیں بلکہ حظ نفس کے لئے ہے جیسے اللہ نے فرمایا۔ فمن کان یرجو لقاء ربہ فلیعمل عملا صالحا ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا جو دیدار الٰہی کا امیدوار ہے اسے چاہیئے کہ نیک عمل کرے اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں شرکا کی شرکت سے مستغنی ہوں جو نیک عمل کرے میرے ساتھ میرے غیر کو شریک کر دے میں اسے اور اس کی شرکت کو چھوڑ دیتا ہوں۔

فائدہ خلاصہ یہ کہ عبد مخلص کا معاملہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے کیونکہ غیر اللہ کے پاس تو اس کا حق ہے ہی نہیں تو پھر اس سے کیا وہ طلب کرے گا۔

سبق اسمیں اسے نصیحت ہے جو نصیحت کا خواہاں ہے وہ یہ کہ اطعام (طعام کھلانا) وغیرہ حرام ہے جب اسمیں غیر کا لحاظ اور نفس کا حظ ہو اسی لئے کہ واجب ہے کہ ہر عبادت خالص لوجہ اللہ ہو اسمیں معمولی طور بھی ریا کی ملاوٹ نہ ہو نہ ہی اپنا کوئی ذاتی فائدہ مدنظر ہو۔

ز عمرو اے پسر چشم اجرت مدار
چو در خانۂ زید باشی بکار

ترجمہ: اے عزیز عمرو سے اجر کی امید نہ رکھ جب تو زید کے گھر میں کام میں مشغول ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا یَوْمًا بے شک ہمیں اپنے رب سے ایسے دن کا ڈر ہے۔ یعنی اس دن

کے عذاب سے وہ نخاف کا مفعول ہے اسی تقدیر پر مِنْ رَّبِّنَا اس سے حال مقدم ہے اگر اسے مقدم کیا جائے تو وہ اس کی صفت ہو جائے گا یا اس کا مفعول مِنْ رَّبِّنَا ہے بواسطہ حرف جر کے جیسا کہ اس کے متعدی ہونے کا قاعدہ ہے کیونکہ کہا جاتا ہے خاف منہ (وہ اس سے ڈرا) اس معنیٰ پر یوماً اس سے محلاً بدل ہے یہاں کوئی مقدر نہ ہوگا اس لئے کہ وہ متعدی بنفسہٖ ہے یا یہاں دوسرا نخاف مقدر ہوگا۔ عَبُوْسًا (جو بہت ترش) یہ اسناد الفعل الی زمانہ کے قبیل سے ہے معنیٰ یہ ہے اس دن چہرے ترش ہوں گے ہولناکیوں کی شدت سے۔ جیسا کہ مروی ہے کہ قیامت کے دن میں کافر اپنا ترش رو ہوگا کہ اس کی دونوں آنکھوں سے گندے بدبودار تیل کی طرح پسینہ بہے گا۔

حل لغات العبوس بمعنی سینے کی تنگی سے چہرے کا سکڑنا یا عبوس کو اسد عبوس سے تشبیہ ہے کہ وہ شدت اور حملہ کے وقت ایسے ہی ہوتا ہے یعنی جب کسی شے کو دیکھتا ہے تو ضرر رسانی کے اقسام کے وقت سختی اور تیزی سے چہرہ ترش کر لیتا ہے تو یہ تشبیہ میں مبالغہ کے قبیل سے ہے العبوس الاسد بمعنی العباس یعنی خوب تیوری چڑھانے والا شیر۔ قَمْطَرِيْرًا (نہایت سخت ہے) سخت تیوری والا۔ الکشاف میں ہے کہ وہ تیوری جو دونوں آنکھوں کے درمیان جمع ہو جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے وجہ قمطر میں تیوری کی شدت سے منقبض چہرہ۔

فائدہ حضرت امام حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے سوال ہوا کہ قطریر کیا ہے فرمایا کہ وہ کیسا سخت نام ہے سبحان اللہ وہ کیسا سخت نام ہے یعنی قیامت کا دن اور وہ اپنے نام سے بھی زیادہ سخت ہے یہ جملہ معترض تعلیل میں ہے ان کے اطعام کے لئے۔

فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ (تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس دن کے شر سے بچا لیا) ان کے خوف اور اس سے انکے تحفظ کی وجہ سے یعنی اس روز کی سختی سے انہیں اللہ تعالیٰ نے بچا لیا شر ذلک الیوم وقٰی کا دوسرا مفعول ہے اس لئے کہ وہ متعدی بدر مفعول ہے۔

حدیث شریف صحیح (بخاری) میں ہے کہ ایک شخص زندگی میں کوئی نیکی نہ کر سکا مرتے وقت گھر والوں کو وصیت کی کہ مرنے کے بعد اسے کر اس کی راکھ کا ایک حصہ ہوا میں اُڑا دینا ایک حصہ دریا میں پھینک دینا کیونکہ بخدا اگر اللہ تعالیٰ اس کے عذاب دینے پر قادر رہا کہ جیسے اسے عذاب کرے گا ایسے جملہ عالم میں کسی کو نہ کیا ہوگا جب مر گیا گھر والوں نے اس کی وصیت پر عمل کیا اللہ تعالیٰ نے جنگل کو حکم فرمایا کہ اس کے ذرات جمع کرے اور دریا کو بھی حکم فرمایا کہ اس کے ذرات جمع کرے جب وہ بارگاہ حق میں پیش ہوا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو نے ایسا کیوں کیا۔ عرض کی تیرے ڈر سے اے میرے پروزگار اور تو خوب جانتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے سبب سے۔

حل لغات حدیث شریف میں ہے لئن قدر اللہ بتخفیف الدال از قدرت یعنی یوم القیامت اس کی قدرت کا تعلق اس کے جسم سے عذاب کرنے پر ہوا۔ اس مسکین نے گمان کیا کہ فنا علی الوجہ المذکور ملحق بالمحال ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت محال سے متعلق نہیں اسی لئے اس پر کفر لازم نہ ہوا اور بر و بحر سے اس کے ذرات جمع کرنے سے مراد اس کے اجزاءِ اصلیہ ہیں جو قیامت میں سب کے جمع کئے جائیں گے یہ بھی جائز ہے کہ یہ برزخ کے حال پر محمول ہو کیونکہ برزخ میں سوال روح و جسد دونوں سے ہوگا جیسا کہ مذہب حق (اہلسنت) کا عقیدہ ہے۔ وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّ سُرُوْرًا (اور انہیں تازگی اور شادمانی دی) یعنی کفار کے عبوس و حزن کے بجائے ان کے چہروں میں تازگی و خوروئی اور قلوب میں شادی و فرحت بخشی یہ دونوں ثانی دو مفعول ہیں۔

حل لغات تاج المصادر میں ہے کہ التلقیہ یعنی کسی کے آگے کوئی شے لانا المفردات میں ہے کہ لقیتہ، استقبلتہ میں نے اس کا استقبال کیا (آگے آیا) اسی سے ہے اللہ تعالیٰ کا قول وَلَقّٰهُمْ ا ⑫ وَجَزٰهُمْ اور ان کے ہر ایک کو بطریق اجر و عوض کے دیئے۔ بِمَا صَبَرُوْا (صلہ ان کے صبر کا۔ ما مصدریہ ہے یعنی طاعات کی مشقات اور اجتناب محرمات میں خواہشات نفسانی اور اموال کے ایثار کے ترک پر۔

صبر کی قسمیں حدیث شریف میں ہے کہ صبر چار قسم ہے۔

① صدمۂ اولیٰ پر
② ادائے فرض پر
③ محارم کے اجتناب پر
④ مصائب پر

جَنَّةً جنت جَزٰهُمْ کا مفعول ثانی ہے یعنی باغات کہ جو چاہیں کھائیں وَّحَرِيْرًا (اور ریشمی کپڑے (جنہیں پہنیں اور آرائش کریں۔

فائدہ یہاں جنت سے دار السعادۃ جو جمیع عطایا و کرامات پر مشتمل ہے مراد نہیں ورنہ ذکر حریر کی ضرورت نہیں کیونکہ جنت کی نعمتوں میں یہ بھی شامل ہے بلکہ یہاں جنت سے صرف باغ مراد ہے جیسے ہم نے اوپر ذکر کیا اس لئے کہ اس کا ذکر حریر کے لباس کو مانع نہیں علاوہ ازیں باغ اطعام کا صلہ اور قہر جوع (بھوک کا صلہ اور حریر صبر بر ننگا از لباس کا صلہ ہے اس لئے کہ مال کا ایثار بھوک اور کپڑے سے ننگا ہونے تک پہنچاتا ہے۔

ایثار اہل بیت رضی اللہ عنہم کا واقعہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے کہ یہ آیت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کی کنیز فضہ کے حق میں نازل ہوئی۔ حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیمار ہوئے ان حضرات کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر

منت مانو تو صاحبزادے شفایاب ہو جائیں گے ان حضرات نے ان کی صحت پر تین روزوں کی نذر مانی اللہ تعالیٰ کے تقرب اور اس کی رضا جوئی اور صاحبزادوں کی صحت و شکر میں اللہ تعالیٰ نے شہزادگان کو صحت دی نذر کی وفا کا وقت آیا سب صاحبوں نے روزے رکھے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک یہودی شمعون خیبری سے تین صاع (صاع ایک پیمانہ ہے) جو لائے۔ صاع چار مد کا ہے ہر مد رطل اور تہائی رطل کا ہے۔ حضرت داؤدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کا معیار مرد کے چار چلوؤں سے مختلف نہیں لیکن مرد نہ تو بڑی ہتھیلی والا ہو نہ چھوٹی کا درمیانہ ہو اس لئے کہ ہر جگہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صاع نہیں ملتا۔ بہر حال خاتون جنت نے ایک صاع ایک دن پکایا جب افطار کا وقت آیا اور روٹیاں سامنے رکھیں تو ایک سائل آیا عرض کی اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر والو میں ایک مسکین مسلمان بھوکا ہوں مجھے طعام کھلاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں جنت کے دسترخوان عطا فرمائے چونکہ بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے پانچ ٹکڑے ہر ایک کے لئے علیحدہ پکا کر ہر ایک کے آگے رکھا تھا اسی لئے سب نے اپنا اپنا حصہ اٹھا کر مسکین کو دے دیا۔ مروی ہے کہ جب مسکین کی آواز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کان مبارک میں گونجی تو بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا ؎

فاطم ذات المجد والیقین
یا بنت خیر الناس اجمعین
اما ترین البائس المسکین
قد قام بالباب لہ حنین
یشکو الی اللہ و یستکین
یشکو الینا جائعاجزین

ترجمہ: اے فاطمہ بزرگی اور یقین والی۔ اے تمام لوگوں سے بہتر شخصیت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صاحبزادی۔
کیا کمزور مسکین کو نہیں دیکھ رہی ہو جو ہمارے دروازے پر کھڑا زاریاں کر رہا ہے۔
اللہ تعالیٰ کے ہاں شکایت اور عاجزی کر رہا ہے غمگین ہو کر ہمیں بھوک کا شکوہ سنا رہا ہے۔

بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جواب میں فرمایا ؎

امرك یا ابن عم سمع طاعة
ما بی من نوم ولا فزاعہ
ارجو اذا اشبعت ذا مجاعہ
الحق بالاخیار والجماعہ
وادخل الخلد ولی شفاعہ

ترجمہ: تیرا حکم اے چچازاد سر آنکھوں پر مجھے اس سے نہ ملامت ہے نہ زاری۔

جب تم بھوکے کا پیٹ بھرو گے تو میں حق کی امید رکھتی ہوں ایسے اخبار میں ہے اور سب کا اتفاق ہے۔

اور بہشت میں داخل ہوگی اور مجھے شفاعت (ابا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نصیب ہوگی۔

تمام طعام اٹھا کر مسکین کو دے دیا اور خود بھوک پر صبر کیا اور رات بسر کی اور صرف پانی پر گذارہ کیا اور دن کو پھر شام کو بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دوسرا صاع پیس کر پکایا اور افطار کے وقت تمام جمع ہوئے طعام سامنے تھا ابھی افطار کرنے والے ہی تھے کہ باہر سے کسی نے آواز دی السلام علیکم اے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھرانے والو میں مہاجرین کا ایک یتیم ہوں میرا باپ یوم العقبہ میں شہید ہوا براہِ کرم مجھے طعام کھلاؤ اللہ تمہیں جنت کے دسترخوان عطا فرمائے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جب یتیم کی آواز سنی تو حضرت خاتون جنت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا ؎

انی لاعطیہ ولا ابالی

واوثر اللہ علی عیالی

جیاعاً وھم اشبالی

اصغرھم لیقتل فی القتال

ترجمہ: میں اپنا طعام یتیم کو دیتا ہوں اور اس کی مجھے پرواہ نہیں اور میں اپنے بچوں پر یتیم کو ترجیح دیتا ہوں اور وہ بھوکے رہیں لیکن طعام اس بچے کو دوں گا جس کا باپ جنگ میں شہید ہوا۔

چنانچہ تمام صاحبان نے جو تمام طعام آگے رکھا تھا یتیم کو دے دیا اور خود بھوکے سو گئے تیسرے روز حسب سابق بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ایک صاع جو کا آٹا پیس کر پکایا۔ شام کو افطار کے لئے تمام اکٹھے ہوئے طعام سامنے رکھا ابھی افطار کرنے والے ہی تھے تو باہر سے آواز آئی السلام علیکم اے اہل بیت نبوت! میں قیدی ہوں مجھے طعام کھلاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں جنت کے دسترخوان سے کھلائے سب نے اپنا طعام اٹھا کر قیدی کو دے دیا۔

بھوک سے نڈھال کنبہ

چوتھے روز شہزادے حسنین رضی اللہ عنہما ہاتھ میں ہاتھ ملا کر بارگاہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ شہزادے بھوک سے چوزہ کی طرح ہیں اور کانپ رہے ہیں پوچھا شہزادے یہ کیا ہے شہزادوں نے ماجرا سنایا تو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھ کر فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا وہ محراب میں بیٹھی ہیں لیکن بھوک کی وجہ سے پیٹ پیٹھ سے لگ چکا ہے اور آنکھیں دھنس گئی ہیں آپ کو یہ معاملہ ناگوار گذرا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور عرض کی اے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ نے آپ کو اہل بیت کے بارہ میں خوشگوار فرمائے لیجئے یہ سورۃ (ہل اتیٰ) اور یہ انہیں پڑھ کر سنائیے۔

تردید شیعہ

① اس واقعہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ابرار صرف اہل بیت ہیں اور کوئی نہیں کیونکہ قاعدہ تفسیر مسلم جانبین ہے کہ آیت خصوص عموم کے منافی نہیں ہوتی فلہذا مورد خاص ہے تو حکم عام ہے یعنی عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ خصوصی سبب کا اسی لئے اسمیں بحسب اشتراک عمل اہل بیت کے سوا اور حضرات صحابہ واولیاً داخل ہیں۔

② راوی کے ضعف سے قصہ ضعیف ہو جاتا ہے یہ بھی قصہ ایسا ہی ہے لیکن چونکہ علمأ کرام میں یہ قصہ مشہور ہے اور کتب میں مسطور ہے اس لئے اہل بیت کی فضیلت سے انکار نہیں لیکن عقیدہ کی بنیاد یا کوئی حکم شرعی اس سے مستنبط نہیں ہوگا۔

③ حضرت حکیم ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ (باوجودیکہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کے عشاق سے ہیں وہ بھی) فرماتے کہ "ہٰذا حدیث مفتعل" یہ حدیث موضوع من گھڑت ہے اسے رواج نہیں دے گا سوائے احمق اور جاہل کے اور ابن الجوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے موضوع کہا ہے اور روایت سے ثابت کیا کہ اس روایت کے موضوع ہونے میں ذرہ برابر بھی شک نہیں۔

تحقیق صاحب روح البیان

صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ صحت روایت کا تقاضا یوں ہو سکتا ہے کہ آیت مدنیہ ہو کیونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ احد کے بعد ہی بی بی فاطم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا اور جمہور مفسرین نے فرمایا کہ سورۃ ہل اتیٰ مکیہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ان سے مسامحت فرمائے۔

تحقیق سورۃ دہر مدنیہ ہونے کی

علامہ فناری رحمہ اللہ الباری نے سورۃ الفاتحہ کی تفسیر میں فرمایا اور بہت بڑے اکابر علمأ سے نقل کیا کہ سورۃ ہل اتیٰ علی الانسان (الدہر) مدینہ پاک میں نازل ہوئی ایسے ہی مجاہد وقتادہ (رضی اللہ عنہما) نے فرمایا سوائے ایک آیت کے وہ ہے وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا کہ یہ مکیہ ہے۔ ایسے ہی حضرت حسن وعکرمہ (رضی اللہ عنہما) اور الماوردی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ سورۃ مدنیہ ہے سوائے آیت فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ الخ کے یہ مکیہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیدی کی حاضری مدینہ پاک میں ہوگی کیونکہ آیۃ قتال کے بعد ہی قیدی کا سوال ثابت ہو سکتا ہے کیونکہ قتال سے پہلے قیدی کہاں) اور سب کو معلوم ہے کہ جہاد کا حکم مدینہ پاک میں ہوا اور یہ بھی ہے آیات مکیہ کو آیات مدنیہ ملایا جاتا ہے اسی لئے ایسی سورۃ کے لئے تم کہہ سکتے ہو کہ وہ سورۃ مکیہ ہے یا وہ سورۃ مدنیہ ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس سورۃ (دہر) کی آیات زیادہ مدنیہ ہیں اور اہل تفسیر کا قاعدہ ہے کہ جس سورۃ کی آیات جس طرح کی زائدہ ہوں اسی نام سے موسوم ہوتی ہیں اسی لئے یہ سورۃ مدنیہ ہونے کی حقدار ہے نہ کہ مکیہ کی۔

ایمان افروز فیصلہ صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ نحن لا نشک فی صحة القصة (واللہ اعلم)[1] ہم قصہ کی صحت میں شک نہیں کرتے۔

مُتَّكِئِيْنَ فِيْهَا جنت میں تکیہ لگائے ہوں گے۔ عَلَى الْاَرَآئِكِ آراستہ و پیراستہ تختوں پر۔ جزاہم کی ھم ضمیر سے متکئین حال ہے اور اس کا عامل جزا ہے اور جزا کو متکئین سے اس لئے مقید کیا گیا ہے کہ وہ آسائش و آرائش کے لحاظ سے بہترین حالت ہے اس کے بالمقابل اس کا غیر۔ گویا جزا میں داخل نہیں۔

حل لغات آرائک مجلہ میں تختے جو موتیوں اور یاقوت کے جڑاؤ سے مزین اور اس کی لکڑیاں سونے اور چاندی کی ہونگی اور موتیوں کے مختلف رنگ ہوں گے۔ اریکہ کی جمع ہیچوں سفینہ اور مجلہ میں ہی اریکہ ہوتا ہے مجلہ (بحر یک) مجال کا واحد ہے۔ مجال دلہنوں کی پالکیاں جو کپڑوں اور پردوں سے مزین کی جاتی ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ علی الارائک متکئین کے متعلق ہے اس لئے کہ اتکا علی سے متعدی ہوتا ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ ٹھہرے ہوئے اور تکیہ لگائے ہوئے تختوں پر ہوں گے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا متکئین علی فرش فرش پر تکیہ لگائے ہوئے اور یہ بھی جائز ہے مقدر کے متعلق ہو اور وہ متکئین کی ضمیر سے حال ہو یعنی بہشت میں تکیوں وغیرہ پر تکیے لگا کر تختوں میں قرار پکڑے ہوں گے اس تقدیر پر اتکا بمعنی اعتماد ہوگا لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا (اس میں نہ دیکھیں گے دھوپ نہ ٹھٹھر) یعنی نہ حرارت نہ برودت جیسے دنیا میں دیکھتے تھے اس لئے کہ حرارت دیار عرب پر غالب ہے اور برودت (ٹھٹھر) دیار عجم اور روم پر یہ ضمیر سے دوسرا حال ہے یعنی ان پر معتدل ہوا گزرے گی اس میں گرمی ہوگی نہ سردی جو کسی کو ایذا دے۔

فائدہ لَا يَرَوْنَ الخ میں کنایہ اسی معنیٰ سے ہے۔

حل لغات الزمہریر، بمعنی سخت سردی مشتق از زمہر الیوم ای اشتد بردہ۔ آج کی سردی سخت ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جنت کی ہوا ایسی ہے کہ اسمیں سردی نہ گرمی یعنی معتدل گرم نہ سرد القر بالقم بمعنی البرد (سردی)۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ نے اللہ تعالیٰ کو شکایت کی کہ میرے حصے ایک دوسرے کو کھا رہے ہیں مجھے سانس نکالنے کی اجازت بخشیے اللہ نے سال میں دو سانس نکالنے کی اجازت بخشی ایک موسم سرما میں ایک موسم گرما میں۔ یہ جو تم موسم سرما میں سخت سردی

---

[1] تبصرہ اُویسی غفرلہٗ: قصہ صحیح ہے تو اس سے روافض اہلبیت کرام کی فضیلت سے خلافت بلا فصل یا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر فضیلت کا ثبوت پیش نہیں کر سکتے کیونکہ اول کے لئے نص قطعی ضروری دوسرے کے لئے جزی فضیلت کلی فضیلت پر ترجیح کیوں۔

محسوس کرتے ہو اسی جہنم کا سرد سانس ہے اور گرما میں جو گرمی محسوس کرتے ہو اس کا گرم سانس ہے۔

علی وفاطمہ رضی اللہ عنہا کا نور جنت میں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اہل جنت نے جنت میں ایک روشنی دیکھی جو سورج کی روشنی کی طرح تھی اس سے تمام جنتیں روشن ہوگئیں اہل جنت حضرت رضوان (علی نبینا علیہ السلام) بہشت کے داروغہ سے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا کہ بہشت میں دھوپ ہوگی نہ ٹھٹھر اور یہ روشنی کہاں سے آگئی۔ رضوان (علی نبینا علیہ السلام) فرمائیں گے کہ یہ روشنی سورج کی ہے نہ چاند کی بلکہ حضرت فاطمہ و حضرت علی رضی اللہ عنہما کی ہے کہ وہ دونوں ہنسے تو ان کے ہنسنے سے جنتیں روشن ہوگئی ہیں انہیں کے حق میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ۔ الی ان قال کان سعیکم مشکورًا۔

تفسیر صوفیانہ ۱

حضرت قاشانی رحمہ اللہ (تعالیٰ) نے فرمایا کہ نہ دیکھیں گے جنت الذات میں نہ دھوپ یعنی اس کی طرف حرارۃ الشوق مع الحرمان اور نہ ٹھٹھر یعنی الوقوف مع الاکوان اسی لئے وقوف مع الاکوان کم تر ولعمرے

تفسیر صوفیانہ ۲

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جنت الوصال شمس مشاہدہ کی وہ گرمی نہ دیکھیں گے جو مشاہدہ کو ایسا متاذے کہ لذت مشہود نہ پاسکیں کیونکہ مشاہدہ کا حملہ مشاہد مشاہدہ کرنے والوں کو بالکل ایسا فنا کر دیتی ہے کہ وہ محبوب معبود کے شہود کی لذت کو محسوس ہی نہیں کرتا۔ اسی معنیٰ کی طرف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی دعا میں ارشاد فرمایا:

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا مُشَاھَدَتَكَ اے اللہ ہمیں اپنے مشاہدہ کی لذت نصیب فرما۔

اور نہ دیکھیں گے زمہریر یعنی حجاب اور پردہ کی ٹھٹھر۔

تفسیر عالمانہ

وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا اور اس کے سائے اس پر جھکے ہوں گے، اس کا عطف ماقبل پر اور اس کی طرح حال ہے۔

حل لغات

ظلال ظل (بالکسر) کی جمع ہے الفتح (کشادگی) کی نقیض ظلالها دانیة کا فاعل ہے از الدنو بمعنی القرب بحسب الجانب یا بحسب السمک (بلندی) ضمیر جنت یا اشجار کی طرف راجع ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ جنت میں درختوں کے سائے ان کے ہر حالت سے قریب ہوں گے یہاں تک کہ خود سائے سایہ کرنے والی اشیا محسوس ہونگے اگرچہ دھوپ نہ ہوگی تب بھی سائے کا ہونا ان کے لئے زیادتی نعمت کا سبب ہوں گے اور راحت رسانی کا موجب اس لئے کہ دنیا میں سایہ بھی راحت سمجھا جاتا تھا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا اور اس کے گچھے جھکا کر نیچے کر دیئے جائیں گے۔ یعنی میوے لینے والے کے لئے اشجار کے اثمار (پھل) ان کے لئے نیچے کر دیئے جائیں گے تاکہ آسانی سے حاصل کریں بیٹھے ہوں یا کھڑے ہوں یا لیٹے ہوں پورے طریق سے ان کے لئے تابع اور آسان ہوں گے۔

حل لغات ذُلِّلَتْ الذلل (بالکسر) سے ہے الصعوبت (سختی) کی نقیض ہے جملہ دانیۃ سے حال ہے یعنی ان کے قریب اور ان کے گچھے ان کے تابع ہوں گے القطوف قطف (بکسر القاف) کی جمع بمعنی العنقود (گچھے) وقطفت العنب (میں نے انگور کا گچھا علیحدہ کیا)۔ عنقود کو قطف اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ لیتے وقت علیحدہ علیحدہ صحرا حاصل ہوتا ہے۔ وَيُطَافُ (اور دور ہو گا)

حل لغات اَطَافَ بمعنی دار۔ چکر لگایا الطواف والطافہ ہر دونوں لازم ہیں بمعنی کسی شے کے اردگرد چکر لگانا۔ یہاں بانیۃ کی باء سے متعدی ہے عَلَيْهِمْ (ان پر) ابرار پر جب شراب طہور اور اپنے اردگرد چکر لگانے والے خدام کو دیکھیں گے (تفصیل آتی ہے)۔ بِاٰنِيَةٍ (برتنوں کا)

حل لغات اناء کی جمع ہے جیسے اکسیۃ کساء کی۔ الاوانی جمع الجمع ہے (المفردات) آنیہ دراصل آنیۃ تھا (دو ہمزوں سے) بروزن افعلۃ بعض تفاسیر میں ہے کہ اگرچہ اسمیں باء تعدیہ کی ہے لیکن فاعل کے قائم مقام ہے کیونکہ یطاف کا معنی مفعول ہے ورنہ ظاہر یہ ہے کہ نائب فاعل علیہم ہو۔ مِنْ فِضَّةٍ چاندی سے (برتن) وَّاَكْوَابٍ (اور کوزوں کا)

حل لغات کوب کی جمع ہے بڑا کوزہ جس کا سر مدور (دائرہ دار) ہو اور اس کا دستہ وغیرہ نہ ہو کیونکہ اس سے پانی وغیرہ پینا آسان اور ہر طرف سے پیا جا سکتا ہے۔ اسے پیتے وقت کی طرف پھیرنے کی ضرورت نہیں ہوتی آج بھی وہ بلاد عرب میں مستعمل ہے۔

ربط جب اللہ تعالیٰ نے ابرار کے طعام ولباس ومسکن کی وصف بیان فرمائی تو ان کے شراب (پینے) کی وصف بھی بتائی تو اس پر ان برتنوں کی وصف مقدم فرمائی جن سے وہ شراب طہور پئیں گے لیکن اسے لفظ مجہول سے بتایا کیونکہ مقصود مایطاف (وہ شے جو ان کے اردگرد پھیری جائے گی) نہ کہ چکر لگانے والے اس کے بعد چکر لگانے والوں کو وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ الخ سے بیان فرمایا كَانَتْ قَوَارِيرَا ۙ قَوَارِيرَا مثل ہو رہے ہوں گے کیسے شیشے۔

حل لغات قارورۃ سے ہے القاموس میں ہے القارورۃ وہ جس میں شراب اور اس کی مثل قرار پکڑے یعنی آبگینہ۔ مِنْ فِضَّةٍ چاندی کے' ہوں گے ایسے کہ وہ جامع ہوں گے درمیان شیشے کی صفائی اور شفاف ہونے اور چاندی کی نرمی اور اس کی سفیدی کی کہ وہ جو ان کے اندر ہو گا وہ باہر سے نظر آئے گا اس معنی پر کان تامہ ہے اور قواریرا اول کانت کے فاعل سے حال ہے تشبیہ میں مبالغہ کے طور یعنی آبگینے شیشے کے ہونگے نہ کہ چاندی کے اس کا یہ معنی نہیں کہ وہ آبگینے شیشے کے ہوں گے جو چاندی سے تیار کئے گئے بلکہ ان پر یہی حکم ہے کہ وہ آبگینے ہیں اور وہ چاندی سے یہ بلیغ تشبیہ کے باب سے ہے کیونکہ وہ فی نفسہا شیشے کے نہیں ہوں گے اور نہ ہی چاندی کے۔

فائدہ وہ چیزیں جو بہشت میں ہیں وہ دنیا میں نہیں سوائے ایک نام کے[1]

فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ بہشت کے آبگینے کی حقیقت دنیا کے شیشے اور چاندی کے مباین (مخالف) جمع ہوں گے کہ یہاں کا شیشہ اور چاندی کثیف الجوہر اس میں کسی قسم کی لطافت نہیں اور بہشت کے آبگینے میں کثافت کیا وہاں تو لطافت ہی لطافت ہے کیونکہ دنیا کے آبگینے جلد ٹوٹ اور خراب اور ختم ہو جاتے ہیں۔ لیکن جنت کے آبگینے نہ ٹوٹنے کے نہ خراب ہونے نہ مٹنے کے۔ ثابت ہوا کہ ان دونوں کو صرف اسمی مشارکت ہے بعض اوصاف میں مثلاً چاندی سے سفیدی اور صفائی اور بقاءً ہیں اور شیشے سے شفاف وصاف ہونے میں مشابہ ہے ورنہ درحقیقت وہ دنیوی آبگینوں کے مغایر لیکن ان کے اوصاف کے جامع اس معنی پر قارورہ (شیشہ) فضہ چاندی کا ان پر اسمی اطلاق صحت کے لئے کافی ہے[2]

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جنت کی ارض (زمین) چاندی کی اور اس کی ہر زمیں کے برتن اسی کی چاندی سے تیار کئے جائیں گے۔

---

[1] اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بشریت ہے لیکن صرف نام کہ ہماری بشریت کے متعلقات ولوازمات اور ان کی بشریت کے متعلقات ولوازمات کا نام ایک ہے ورنہ فرقیت از کجا تا کجا مثلاً ان کے بال ہمارے بال بیکار لیکن ان کے بالوں میں شفا' ہمارے بالوں میں دائمی بیماری۔ ان کی لب اطہر ہماری تھوک لیکن ان کی لب اطہر میں شفاً ہماری تھوک میں بیماری ان کا پسینہ اقدس ہمارا پسینہ' لیکن ان کا پسینہ معطر' ہمارا بدبودار بول وبراز اقدس پاک اور شفاً اور ہم سراپا بدبو گندگی کا ڈھیر۔ ان کا خون اقدس پاک اور بہشت کا تحفہ دینے وال ہمارا خوں پلید اور ان کی آنکھ دیکھے تو عرش کے پار اور اندھیرے اجالے میں اور آگے پیچھے دیکھنے میں برابر اور ہم خود سے ان کے کان سنیں تو عرش تا تحت الثریٰ کی باتیں اور ہم .... (فقیر اویسی غفرلہ)

[2] سمجھانے کے لئے بشریت کا مسئلہ عرض کر دیا ہے کیونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہم معاشر الانبیاء کے خمیر نسیم جنت سے ہیں (خصائص کبریٰ) جب ان کے خمیر اقدس جنت سے ہے تو جنت کی ہر شے نور وہاں ظلمات وکثافت کا تصور کسی ظالم دماغ اور کثیف ذہن کو ہوگا اور یہ کہنا کہ اہلسنت انبیاء علیہم السلام کی بشریت کے قائل ہی نہیں یہ سراسر بہتان ہے بشریت کے قائل ہی نہیں بشریت کے ہم قائل ہیں لیکن اپنی بشریت کثیف ہے اور ان کی لطیف اور نورانی لیکن جس کا مادہ ہی ضد ہے وہ نہیں مانتا۔ (اویسی غفرلہ)

ایک اور تقریر اس سے ایک اور طریقہ سے تقریر کی جا سکتی ہے وہ یہ کہ بہشت کے برتن چاندی اور شیشہ کے ہوں گے اور دنیا کے شیشہ کی اصل ریت اور بہشت کے قارورہ (شیشہ) کی اصل جنت کی چاندی ہے تو جیسے وہ اللہ تعالیٰ قادر ریت کثیف کو صاف شیشہ لطیف سے تبدیل کر سکتا ہے ایسے ہی قادر ہے کہ وہ جنت کی چاندی کو شیشہ کی طرح صاف و شفاف بنا دے۔

سبق اس میں تنبیہ ہے کہ جنت کے قارورہ کو دنیا کے قارورہ سے وہی نسبت ہے جو ریت کو چاندی سے یعنی انہیں آپس میں کیا نسبت تو پھر دنیا کے قارورہ کو جنت کے قارورہ سے کیا نسبت (حواشی ابی الشیخ)

فائدہ کان تامہ اعتبار کرنے میں ایک نکتہ ہے اگرچہ ناقصہ بھی ہو سکتا ہے وہ یہ کہ قواریرا اول تکوین الٰہی کی خبر ہے اس سے آیت کی اہمیت کا اظہار ہے کہ یہ قدرت ایزدی کے نشان کا پتہ دیتا ہے قواریر ثانی پہلے قواریر کا بدل ہے علی سبیل الایضاح والتبیین یعنی وہ آبگینے چاندی سے تیار شدہ ہیں اور جملہ اکواب کی صفت ہے۔

فائدہ قواریر ثانی تنوین ثانیہ سے پڑھا گیا ہے اور دونوں بغیر تنوین کے پڑھے گئے ہیں اور دوسرا قواریر رفع پڑھا گیا ہے اس وقت وہ مبتدا ای محذوف کی خبر ہے (قال ابن الجوزی رحمہ اللہ تعالیٰ)۔

مسئلہ سب نے وقف کے وقت الف پڑھا ہے سوائے حمزہ (قاری) اور ورش قاری رحمہما اللہ تعالیٰ کے۔

فائدہ بعض نے اسے منصرف پڑھا ہے اس لئے کہ مصحف امام میں الف کے ساتھ واقع ہے اور مصحف میں الف کے ساتھ اس لئے مکتوب ہے کہ وہ آیت کا ابتدا ہے گویا وہ قوافی و فواصل کے مشابہ ہے کہ انہیں وقف بحالت الف کیا جاتا ہے۔

قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا انہوں نے انہیں اندازوں پر رکھا ہوگا۔ یہ قواریر کی صفت ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ جن پر خدام شراب پلانے کے لئے چکر لگا رہے ہوں گے ان پینے والوں نے ان برتنوں کو اپنے انداز پر رکھا ہوگا ان کا یہ ارادہ ہوگا کہ وہ مقدار و شکل معین پر ہوں جیسے ان کی خواہش ہوگی تو ان کی خواہش کی مقدار پر آئیں گے اور انسان جسے چاہتا ہے اس کا منتہائے مراد یہی ہوتا ہے کہ وہ صاف و شفاف ہو اسے اللہ تعالیٰ نے قواریر میں بیان فرمایا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ ستھرا ہو اسے اللہ نے مِنْ فِضَّةٍ میں بیان فرمایا ہے اور مخصوص شکل و مقدار چاہتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ نے قدروہا تقدیرا میں بیان کیا ہے۔

فائدہ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ اپنے اعمال حسنہ پر انہیں اندازہ کریں گے تو انہی کے اندازہ پر آئیں گے۔

فائدہ بعض علماء نے فرمایا کہ قدروہا کی ضمیر چکر لگانے والے خدام کی طرف راجع ہے جیسا کہ "یطاف علیہم" سے مفہوم ہوتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ وہ خدام ان کے پینے کا اندازہ کریں گے یہاں مضاف محذوف ہوگا کہ دراصل قدرا سقیہم یعنی ان کی پیاس بجھانے اور سیر ہو کر پینے کا اندازہ کہ اس سے کم ہو نہ زائد ہو۔ اور وہی پینے

والے کے لئے لذیذ تر ہوتا ہے کہ اسے اس کی ضرورت کی مقدار پر ملا - اس لئے کہ اعتدال کی دونوں طرفین (النقصان و زیادہ) مذموم ہیں جیسا کہ امام مجاہد (مفسر رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ لاَ یفیض فیہا ولاَ یغیض (نہ زائد نہ کم) اور الضحاک (مفسر رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ وہ خدام کی ہتھیلیوں کی مقدار میں ہوں گے۔

وَیُسْقَوْنَ فِیْهَا اور وہ بہشت میں پلائے جائیں گے۔ انہیں اللہ تعالیٰ پلائے گا یا چکر لگنے والے خدام اللہ تعالیٰ کے حکم سے پلائیں گے اور اسمیں ان کی زیادہ تعظیم مراد ہے جو یشربون من کاس بصیغہ معلوم میں نہیں کَاْسًا شراب (طہور) کے جام کَانَ مِزَاجُهَا جس کی ملونی۔ یعنی وہ شے جو دوسری شے میں ملائی جائے۔ زَنْجَبِیْلًا ادرک (وہ ایک جڑ ہے جو زمین میں ہوتی ہے۔ نرکل کی طرح اس کی انگوری اور سرد ہے۔

فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ جس میں کافور کی ملونی ہے وہ ادرک کی ملونی کا غیر ہے یا معنیٰ یہ ہے کہ وہ پینے کی شے ادرک کے مشابہ ہوگی یعنی وہ جس میں ادرک کی ملونی ہو کیونکہ عرب میں وہ پینے کی شے لذیذ سمجھی جاتی ہے جس میں ادرک ملی ہو کیونکہ وہ زبان کو صاف کرتا اور طعام کو ہضم کرتا ہے۔

فائدہ جبکہ اس چشمہ کو ادرک کا نام دیا گیا اس سے وہم پیدا ہوا کہ وہ حلق میں آسانی سے نہ اتر سکے گا نہ ہی اس کے پینے سے سہولت ہوگی جبکہ جلانے والی شے کا تقاضا ہے اس وہم کو دور کیا کہ

عَیْنًا یہ زنجبیل سے بدل ہے یعنی وہ ادرک چشمہ ہے فِیْهَا تُسَمّٰی سَلْسَبِیْلًا بہشت میں اس کا نام ہے سلسبیل۔ ان فرشتوں کے نزدیک جو بہشت کے خازن (علیہ السلام) اور ان کے خدام ہیں کیونکہ حلق میں اترنے میں اسمیں سہولت اور اس کے اتارنے میں آسانی ہے تو وہ چشمہ ہے جس کے یہ صفات ہیں۔

تحقیق سلسبیل بعض نے کہا کہ اس پر یہی نام بولا جاتا ہے اور وہ اس صفت سے موصوف ہے یہ نہیں کہ اس چشمہ کا یہی علم نام ہے یعنی سلسبیل صفت ہے علم نہیں ورنہ وہ علمیت و تانیث کی وجہ سے غیر منصرف ہوتا اور قرأ عشرہ میں کسی نے بھی غیر منصرف نہیں پڑھا بعض نے کہا کہ یہ باوجودیکہ غیر منصرف ہے کہ اس میں علم و تانیث معنوی ہے لیکن منصرف پڑھا جاتا ہے رؤس الآیات کی رعایت کی وجہ سے۔

فائدہ الکواشی (تفسیر) میں ہے کہ یہ لفظ مفرد بروزن فعلیل ہمچون درد میں کہا جاتا ہے شراب سلسل و سلسال و سلسبیل وہ شراب جو حلق سے آسانی سے اترے خوشگواری اور صفائی کی وجہ سے اسی لئے با پر زائدہ ہونے کا حکم ہے یعنی اس کے ہونے اور نہ ہونے سے معنیٰ میں کوئی فرق نہیں پڑتا ورنہ با حروف زائدہ سے نہیں (کیونکہ حروف زائدہ کا مجموعہ الیوم تنساہ ہے اسمیں با نہیں ہے) بعض نے کہا کہ با زائد لائی گئی سلسال پر تاکہ خماسی ہو کر غایۃ سلاست و حلاوۃ پر دلالت کرے ابن المبارک نے ازراہ اشارہ فرمایا کہ یہ سل من اللہ الیہ سبیلا سے ہے (کو اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی طرف راستہ)۔

نکتہ ابن الشیخ نے فرمایا کہ ابرار کے شراب کی ملونی سے پہلے کافور سے پھر ادرک سے بنائی کہ اہم مقصود ہے (حلق میں دخول کے وقت) برودت محسوس ہو کر میدان حشر کی گرمی اور ٹمپریچر اعلی سے جو اور گوناگوں نعمتوں کے کھانے پلانے اور کھانے والی اشیا کھانے کے بعد پیاس محسوس کریں گے اور انہیں پینے کی چیزوں کی ضرورت ہوگی جو ان کے پینے سے کھانے کی اشیا کی خواہش میں اضافہ کرے پھر انہیں کھانے پر مدد دے اسی لئے ان کے پینے سے لذت محسوس کریں گے اسی لئے ادرک کی ملونی کا ذکر سب سے مؤخر ہے کہ وہ ان کے معقولات و مشروبات کو ہضم کرے ۔

تفسیر صوفیانہ ۱ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ادرک میں شراب وحدت کی طرف اشارہ ہے جیسے ادرک کی ملونی ہے جو مفہوم توحید سے سمجھی جاتی ہے اور سلسبیل میں اس شراب وحدۃ کی طرف اشارہ ہے جو امتزاج زنجبیل کثرت سے صاف ہے اسے سلسبیل اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ آسانی سے حلق میں اترنے والی شراب ہے اپنی بساطت و صرافت کی وجہ سے ۔

تفسیر صوفیانہ ۲ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ اس کا مزاج ادرک ہے لذت اشتیاق کا کیونکہ انہیں شوق نہ تھا تاکہ ان کا شراب ادرک خالص ہو جو کہ وہ نہایت حرارت طلب ہے ان کے وصول کے لئے لیکن انہیں اشتیاق فی الصفات کی سیر کا اور تمام صفات کا حصول ان کے لئے امتناع ہے اسی لئے حرارت طلب کی لذت سے ان کی محبت اس طرح صاف نہ ہوگی جیسے عین جمع ذات میں مستغرقین کی لذت محبت صاف ہے اس لئے ان کا شراب عین کافوریہ صاف مقرر ہوا اور زنجبیل ایک چشمہ ہے جنت میں اس لئے حرارت میں اس محبت کا جو منبع الوحدۃ سے مع الہجران اُٹھتی ہے اس کا نام سلسبیل اس لئے ہے کہ وہ حلق سے آسانی سے اترتا ہے اور اس کا ذائقہ حلق میں محسوس ہوتا ہے اور عشاق مہجورین طالبین سالکین کا سبیل وصال ذوق و سکر میں ہے جو انہیں عشق سے وہ حرارت نصیب ہوتی ہے کہ جس کے ذوق کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔

تفسیر عالمانہ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ اور ان کے آس پاس پھریں گے۔ ابرار کے وِلْدَانٌ لڑکے، کیونکہ وہ خدمت میں پھرتیلے ہوتے ہیں ولید کی جمع ہے مدت ولادت کے قریب زمانہ والا مُخَلَّدُوْنَ ہمیشہ رہنے والے، ہمیشہ ہوں گے اپنی طفولیت اور رونق میں ہمیشہ تک متغیر نہ ہوں گے یعنی وہ بچے جو ابرار کی خدمت میں ہوں گے ان کا سن تبدیل نہ ہوگا۔ المخلد بچپنے میں ہمیشہ۔ التاج میں ہے المخلد از روح یعنی وہ روحانی ہوں گے ان کا کوئی جسم نہ ہوگا۔ اِذَا رَاَيْتَهُمْ جب تو انہیں دیکھے، یا وہ جس کی شان ہے دیکھنا یعنی یہ خطاب عام ہے حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا تو انہیں سمجھے کہ موتی ہیں۔ اس کی جمع اللآلی ہے تلالا الشی (لمع المعان اللؤلؤ۔ وہ تھے موتی کی طرح چمکی مَنْثُوْرًا بکھرے ہوئے ان کے حسن اور صاف رنگ اور چہروں کی چمک مجلس خدمت میں گوناگوں خدمات میں مشغولی کے وقت اپنے

اپنے مخادمین کے ہاں بکھرے ہوئے موتی محسوس ہوں گے اور خدمت میں جلد باز ہوں گے اگر انہیں ایک صف میں کھڑا کر دیا جائے تو پروئے ہوئے موتیوں کا ہار گمان ہوگا اگر وہ متفرق ہو جائیں تو پروئے موتی کے ہار سے زیادہ حسین منظر نظر آئے گا تو ایک دوسرے پر نورانی شعاع پڑنے کی وجہ سے کیونکہ حد درجہ کے سفید اور چمکیلے جسم والے ہیں گویا صف بستگی کی کیفیت سے منتشر ہونے کی کیفیت مختلف ہوں گی اور ان کا یہی منظر خوب ہوگا۔ ظاہر یہ ہے کہ ان کا ایک جگہ مقید ہونے کے بجائے منتشر ہونا جنت میں ان کے لئے منثور و موزوں ہے اور حوروں کے لئے "لؤلؤ مکنون" کہا گیا یعنی پوشیدہ خزانہ وہ ان کے لئے موزوں ہے کیونکہ وہ بچوں کی طرح منتشر (پھیلی ہوئی) نہیں ہوں گی بلکہ وہ خیموں میں پردہ نشین ہوں گی۔

فائدہ اسمیں اشارہ ہے کہ ولدان کے ظواہر سے نفع اٹھانا ہونا بخلاف سفید رنگ کی حوروں کے وہ تمام رنگوں کا جامع ہے لذۃ طعم کے لئے۔

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ جنت میں لواطت نہ ہوگی جس نے ایسا قول کیا وہ باطل مردود ہے جیسا کہ بارہا اس کی تحقیق کی ہے۔

فائدہ بعض نے کہا کہ ایسے ہوں گے جیسے فرش معنی پہ گوہر آبدار غلطاں ہوں۔

حکایت مامون (رشید خلیفہ عباسی) کا نکاح بوران بنت حسن بن سہل سے ہوا پہلی رات اس کے ہاں بھیجی گئی وہ ایسے فرش پر تھا جو سونے کی تاروں سے بنا ہوا تھا اس پر دار الخلافہ کی عورتوں نے موتی نچھاور کئے ہوئے تھے

مامون نے اس منظر کو دیکھ کر تحسین کی اور کہا کہ کیا خوب کہا ابو نواس نے گویا اس نے یہ منظر دیکھ کہا ہے ؎

کان صغری وکبری من فقاقعها
حصباء در علی ارض من الذهب

ترجمہ: اس کے میدان کی چھوٹی بڑی کنکریاں ایسے موتی پڑے نظر آتے ہیں جو گویا سونے کی زمین ہے۔

فائدہ بعض نے کہا ان بکھرے موتی سے تشبیہ دی گئی ہے جو صدف سے تازہ نکلے ہوئے ہوں جن میں ابھی سوراخ نہ کیا گیا ہو یعنی گویا وہ صدف کے تازہ مروارید ہوں گے کہ تا حال انہیں کسی کے ہاتھ نے مس نہیں کیا اور نہ کسی کے ہاں رونق کا سبب بن کر انمیں کمی واقع نہیں ہوئی۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ ولدان مخلدون ای بچے جنہیں اللہ تعالیٰ نے صرف اہل ایمان کی خدمت کے لئے پیدا فرمایا غلمان کو ولدان اس لئے کہا کہ انہیں ان کی شکل وصورت سے مشابہت کے علاوہ جنت میں انہیں اسی طرح خطاب ہوگا جیسے دنیا میں بڑے بچوں کو بھی پیار سے چھوٹے بچوں کی طرح خطاب کیا جاتا ہے۔

ازالۂ وہم ولدان کے لفظ سے وہم نہ ہو کہ ان کی ولادت بہشت میں ہوگی بلکہ یہ خدام بچے کفار کی چھوٹی اولاد ہوگی، جنہیں اہل جنت کی خدمت کے لئے بہشت میں داخل کیا جائے گا انہیں عرفی پیار سے ولدان (بچے) کہا جائے گا۔

ولدان کی تحقیق مزید اللباب میں ہے کہ ولدان کے متعلق اختلاف ہے بعض نے کہا کہ انہیں بہشت میں بغیر ولادت کے اہل جنت کے لئے پیدا فرمائے گا کیونکہ بہشت میں سلسلۂ ولادت نہ ہوگا یہی وہ ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُونٌ ان کے آس پاس بچے پھریں گے گویا وہ پوشیدہ موتی ہیں یعنی ایسے چھپے ہوئے جنہیں لوگوں کے ہاتھوں نے نہ چھوا ہوگا

ہزار خدام ایک مخدوم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہر ایک بہشتی کے ایک ایک ہزار غلام ہوں گے اس کی خدمت میں ہوں گے جہاں کا مخدوم چاہے گا۔

مخدوم کا حسن و جمال حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے جب یہ آیت تلاوت کی تو فرمایا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سوال ہوا کہ یہ حسن و جمال تو خدام کا ہے ان کے مخدوم کا حسن و جمال کیسے ہوگا آپ نے فرمایا مخدوم خدام میں حسن و جمال و جمال کے لحاظ سے ایسے ہوگا جیسے چودھویں کا چاند ستاروں میں۔

ولدان کہاں سے آئیں گے ① حضرت علی و حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ ولدان ان مسلمانوں کے بچے ہوں گے جو بچپن میں فوت ہوئے جن کے عملنامہ میں نہ نیکیاں ہوں گی نہ برائیاں۔

② حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اطفال المشرکین بہشت میں خدام المسلمین ہوں گے۔

③ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ مسلمانوں کے وہ بچے (خدام) ہوں گے کہ جن کی نہ نیکیاں کہ جن پر انہیں جزا نصیب ہو اور نہ برائیاں کہ جن پر انہیں سزا ہو اسی لئے وہ یہاں خدمت کے لئے رکھے جائیں گے۔

فائدہ اللہ تعالیٰ قادر ہے اس پر کہ ان اموات کفار کو جو دنیا میں خدمت کے لائق نہ تھے صغیر (بچپن کی وجہ سے) اب انہیں خدمت کے لائق بنا دے اپنی کمال قدرت و تمام رحمت سے۔

فیصلہ از امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بہتر تحقیق وہ ہے جو محققین نے فرمایا کہ اطفال المشرکین اہل بہشت سے ہوں گے۔

فائدہ شرح المشکوٰۃ میں امام طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسمیں توقف بہتر ہے یہ حکم نہ دیا جائے کہ وہ اہل جنت ہیں جیسے بعض کا مذہب ہے اور نہ یہ کہا جائے کہ وہ اپنے آبا کے ساتھ ہوں گے جیسے بعض کا مذہب ہے۔

اطفال المشرکین کے مذاہب اس مسئلہ پر تین مذہب ہیں:

① وہ بہشتی ہیں۔
② وہ دوزخی ہیں۔
③ توقف بہتر ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ولدان سے مراد تجلیات ذاتیہ ہیں مقرط ہوں گے قرطہ اسماؤ صفات سے جو ابرار کے آس پاس پھریں گے تو جب اسے دیکھے گا تو سمجھیگا کہ وہ انوار ذات کے شعاعوں اور انوار صفات و اسماء کی چمک سے بکھرے موتی ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا رَاَیْتَ ثَمَّ اور جب ادھر تو نظر اٹھائے (بہشت میں الارشاد میں ہے کہ یہاں مفعول ملفوظ نہیں اور نہ مقدر ہے اور نہ منوی بلکہ اس کا معنیٰ ہے جس کا مقصد یہی ہے بہشت میں جدھر دیکھو گے رَاَیْتَ نَعِیْمًا نعمتیں ہی نعمتیں دیکھو گے بے شمار۔ جن کا شمار نہیں ہو سکتا نعیم جس سے چین و آرام حاصل کیا جائے۔ وَّمُلْکًا کَبِیْرًا اور بڑا ملک۔ وسیع اور خوشگوار

حدیث شریف میں ہے کہ اہل جنت کا ادنیٰ مرتبہ والا وہ ہوگا کہ جب اپنے ملک میں نظر کرے گا تو ہزار برس کی راہ تک ایسے ہی دیکھے گا جیسے اپنے قریب کی جگہ دیکھتا ہو (شوکت و شکوہ یہ ہوگا کہ ملائکہ بلا اجازت نہ آئیں گے)۔

فائدہ آیت میں ترقی و تعمیم ہے یعنی وہاں اور امور دیگر اعلیٰ و اعظم ہوں گے قدر مذکور کے علاوہ۔

تفسیر صوفیانہ ۱ فصول میں ہے کہ نعیم راحت اشباح (اجسام وغیرہ) ملک کبیر لذت ارواح اور نعیم ملاحظہ دار اور ملک کبیر مشاہدہ دیدار ہے اور دار دیدار کے بغیر بےکار ہے عربی مقولہ مشہور ہے الجار ثم الدار پہلے ہمسایہ پھر دار۔

فائدہ زاہد فردوس کی تلاش میں اور ہم دیدار کی طلب میں ہیں۔

تفسیر صوفیانہ ۲ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب تم کو مقام توحید وصال و مدۃ تحقق ہوگا تو پھر تم نعیم شہود و ملک شہود اور کبیریٰ ذاتہ والصفات والاسماء والافعال تک پہنچو گے۔ اس معنیٰ پر ملک کبیر سے مراد دنیا میں وہ شہود جو معنوی جنت کو حاصل ہوتا ہے یعنی انبیاء و اولیاء کو اور ملک (بالضم) فارسی میں بمعنی پادشاہ اور معرفت و دیدار سے بڑھ کر اور کوئی بادشاہی نہیں (مُلک (بالضم و بالکسر) میں فرق) بعض تفاسیر میں ہے کہ ملک (بالضم) مامورین میں امر و نہی سے تصرف کرنا اسی سے مَلِک ہے اور بالکسر اعیان المملوکہ اپنی مشیت پر تصرف کرنا اسی سے مالک ہے پہلا دوسرے کو جامع ہے اس لئے ہر مَلِک مالک ہے لیکن ہر مالک مَلِک نہیں۔

تفسیر عالمانہ عٰلِیَهُمْ ثِیَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ ان کے بدن پر ہیں کریب (باریک ریشم) کے سبز کپڑے۔ علیہم ظرف خبر مقدم ہے اور ثیاب مبتدأ مؤخر ہے اور جملہ علیہم یطوف علیہم کی ضمیر سے حال ہے یعنی مطوف علیہم کے بدن پر کپڑے ہوں گے الخ عالی بمعنی فوق وظہر یعنی سر اور جسم پر۔

حل لغات سندس باریک ریشم خوش منظر اور سندس کی اضافت ثیاب خاتم فضہ کی اضافت کی طرح ہے یعنی بہشتیوں کا لباس جسمانی باریک ریشم کا ہوگا۔

حل لغات زجاج عالیہم کی نصب علی الظرفیۃ پر راضی نہیں (پسند نہیں کرتا) بمعنی فوقہم اس لئے کہ ظروف میں یہ اسم معروف نہیں خضر اخضر کی جمع ثیاب صفت ہے جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا ویلبسون ثیابا خضرا وہ سبز لباس پہنیں گے۔ ضمیر مطوف علیہم کے لئے ہے اس لئے کہ یہ ان کی نعمتوں اور کرامتوں کی تعداد کا مقام ہے اس معنی پر ثیاب ان کی صفت ہو نہ کہ ولدان جو ان کے آس پاس پھریں گے۔

فائدہ امام رازی نے فرمایا کہ اس سے ان کے وہ خیمے مراد ہیں جو ان کے اوپر تانے جائیں گے اب معنی یہ ہوگا کہ ان کے آراستہ کمروں کے اوپر ریشم اور باریک کپڑے ہوں گے کیونکہ یہ بادشاہی کی علامات میں سے ہے۔

وَاِسْتَبْرَقٌ اور دبیز (موٹے ریشم کے) مرفوع ثیاب پر اس کا عطف ہے بحذف المضاف یعنی کپڑے استبرق کے۔ استبرق استبرہ کا معرب ہے بمعنی الغلیظ (گاڑھا موٹا) اس کی تشریح سورۃ الرحمٰن میں گذری ہے یہ بفتح الہمزہ ہے اس لئے کہ اس دیباج غلیظ (موٹا ریشم) کا اسم ہے جو چمکدار ہے۔ وَحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اس کا عطف ویطوف علیہم پر ہے یہ لفظاً ماضی اور معنی مستقبل ہے اساور حلوا کا مفعول ثانی ہے بمعنی یحلون (پہنائے جائیں گے) تحلیۃ بمعنی زیوروں سے آراستہ کرنا۔ اسمیں ان کی تعظیم ہے ورنہ کہا جاتا وتحلوا اساور۔ اسورۃ کی اور سوار کی جمع ہے عورت کا کنگن وہ اس لئے کہ سابق زمانہ میں کنگن پہنتے تھے ویسے جس کی تعظیم و تکریم مطلوب ہوتی اسے کنگن پہناتے۔

سوال کہف وحج (سورتوں) میں من اساور من ذہب (سونے کے کنگن) ہے اور یہاں چاندی کے؟

جواب ممکن ہے کہ انہیں ایک ہاتھ میں سونے کا کنگن پہنایا جائے دوسرے میں چاندی کا جیسے بعض عورتیں دنیا میں قسمیں بدل کر زیورات پہنتی ہیں اور بہترین ہاتھ کے زیورات (کنگن وغیرہ) وہی سمجھے جاتے ہیں جو جنسوں کے ہوں بلکہ اس سے زائد بھی ہوں (جیسے غرباء و مساکین عورتوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ دونوں ہاتھوں میں رنگا رنگ چوڑیاں پہنتی ہیں)، ایسے ہی ان بہشتیوں کا حال ہوگا کہ سونے چاندی۔ موتی۔ جواہرات وغیرہ ہاتھوں

میں پہنیں ۔

جواب ۲ مختلف اوقات میں تبدیلی کریں کہ کبھی چاندی کے پہنیں تو کبھی سونے کے ۔

جواب ۳ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک ہی کنگن میں دونوں جنسوں کی ملاوٹ ہو کیونکہ اہل جنت کے زیورات ان کے اعمال اختلاف کی وجہ سے مختلف ہوں گے خلا مقربین کے سونے کے ابرار کے چاندی کے

جواب ۴ جو جسکی رغبت ہوگی اور طبیعت چاہے گی وہی پہنائے جائیں گے کیونکہ انسان طبائع میں مختلف ہوتے ہیں کوئی سفیدی کو پسند کریں گے تو ان کے کنگن چاندی کے ہوں گے کوئی زرد رنگ پسند کریں گے تو ان کے کنگن سونے کے ہوں گے ۔

وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا اور انہیں ان کے رب نے ستھری شراب پلائی ۔

شراب طہور کی قسمیں مذکور سابقاً دو قسموں کے علاوہ ایک قسم شراب طہور کی اور ہے جیسا کہ سقی کا اسناد رب تعالیٰ کی طرف بتاتا ہے اور اسے طہور اس لئے کہتے ہیں کہ وہ باطن کو پاک کرتا ہے اخلاق ذمیمہ اور اشیائے موذیہ جیسے غل وغش اور حسد وغیرہ اور جو پیٹ میں ناپسندیدہ مکروہ اور اذیت والی ہیں پیٹ سے نکالتا ہے اسی سے حاصل ہوتی ہے وہ صفائی جس سے اس کا باطن نور الٰہی کے انعکاس کے لئے تیار ہو سکے یہ صدیقین کے منازل کی انتہائی منزل ہے اسی لئے اسی پر ثواب ابرار کا اختتام فرمایا۔

حل لغات اس معنی پر طہور بمعنی مطہر بصیغۂ اسم فاعل ہے بعض نے کہا یہ طاہر کا مبالغہ ہے اسی طرف اشارہ ہے کہ وہ دنیوی شراب کی طرح نجس نہیں ۔ اور نہ ہی اسے پلید ہاتھ لگے ہیں اور نہ ہی غلیظ پاؤں پہنچے ہیں! اور نہ ہی اس کا مآل نجس ہے بلکہ اس سے جو پسینہ آئے گا تو ان کے جسموں سے مشک سی خوشبو مہکے گی۔

چار نہریں حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حوض کوثر تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخصوص ہے اس کا ذکر خیر سورہ کوثر میں آئے گا (ان شاء اللہ) اس کے علاوہ چار نہریں اور ہیں جو متقیوں کے لئے ہیں ۔

① پانی
② دودھ
③ شراب (طہور)
④ شہد

تھوڑا سی جھلک اس کی محمد (شریف) میں مرقوم ہے اس سے دو چشمیں خدا تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے ہیں جو دائماً جاری ہیں اس سے دو چشمیں اہل یمین کے ہیں دو چشمیں وہ ہیں جو ہر وقت چھلک رہے ہیں یہ چار

چشمے سورۃ رحمٰن (شریف) میں بیان ہو چکے ہیں۔

فائدہ ایک چشمہ رحیق ہے وہ بھی ابرار کے لئے ہے ایک چشمہ تسنیم ہے وہ مقربین کے لئے ان ہر دونوں کا بیان سورۃ المطففین میں آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

شان اہلبیت کرام دو چشمے صرف اہلبیت کرام رضی اللہ عنہم کے لئے ہیں وہ ہیں کافور اور زنجبیل ان دونوں کو سلسبیل کہا جاتا ہے شراب طہور بھی انہیں سے ہے محققین (صوفیہ کرام) اسے شراب شہود سے تعبیر کرتے ہیں وہ دل کے آئینہ کو انوار قدم کے لمعات سے روشن کر کے اسے نقوش عکوسی ازل و ابد کے لائق بناتا ہے اور اس کے وقت و مال کو ایسے صاف کرتا ہے کہ غیریت کے شوائب وحدت کے شوارع میں نہیں رہتے اور دوئی کا رنگ تبدیل ہو کر شراب کے جام یکرنگ ہو جاتا ہے۔

ہمہ جامست و نیست گوئی می
یا مدامست و نیست گوئی جام

ترجمہ: تمام جام ہے اسے نہ کہہ کہ شراب بھی ہے یا وہ تمام شراب ہے تو پھر اسے جام نہ کہو۔

ملفوظ عارف باللہ ایک عارف باللہ نے فرمایا کہ اگر کل (قیامت) میں دارالبقاء کے بزم نشینوں کو شراب طہور پلائیں گے تو آج خمخانۂ افضال کے بادہ خواروں (عرفاء) کو اسی شراب طہور کا کامل حصہ نقد عطا فرمایا گیا ہے ؎

از سقاہم ربہم بین جملہ ابرار مست
در جمال لایزالے ہفت و پنج و چار مست

ترجمہ: سقاہم ربہم کو دیکھ کہ تمام ابرار مست ہیں لیکن لم یزل کے جمال سے سارے کے سارے عشاق مست ہیں۔

یعنی اے جوانمرد حقیقی شراب تو وہ ہے جو دست غیب سے دل کے جام میں پہنچے اور عارف باللہ اسے نوش فرماتا ہے لیکن کسی کو شراب مست کرتا ہے کسی کو دیدار۔

واسکر القوم دور کاس
وکان سکری من المدیر

ترجمہ: لوگوں کو تو مَے کا دور بے ہوش کر رہا تھا لیکن میں ساقی کے دیدار سے سرمست تھا۔

حکایت کسی بزرگ نے خواب میں سیدنا معروف کرخی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ عرش معلیٰ کے طواف میں مست ہیں اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے پوچھا یہ کون ہے عرض کی معلوم نہیں فرمایا یہ معروف کرخی ہے (رضی اللہ عنہ) کہ

ہمارے عشق (محبت) میں مست ہے جب تک میرے دیدار سے سرشار نہ ہوگا ہوش میں نہیں آئے گا۔

قاعدہ صوفیانہ جو اس دنیا میں شراب طہور سے محروم ہے وہ آخرت میں بھی محروم رہے گا۔

حکایت کسی نے حضرت سہل تستری (رضی اللہ عنہ) کے اقتدا میں نماز پڑھی جب آپ نے وسقاھم ربھم شرابا طھورا تلاوت فرمائی تو آپ کے ہونٹ متحرک نظر آئے گویا آپ کسی چیز کو چوس رہے رہے ہیں جب آپ نے نماز سے فراغت پائی تو آپ سے کسی نے سوال کیا کہ کیا آپ قرآن پڑھ رہے تھے یا کچھ پی رہے تھے فرمایا بخدا جب تک میں نے شراب طہور کی لذت محسوس نہیں کی میں نے گویا تلاوت کی ہی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ عالیھم میں اشارہ ہے کہ اہل جنت وہ جو ملابس صفات الٰہیہ و اخلاق ربانیہ سے ملبوس ہیں وہ سبز رنگ کے ہیں یعنی صفات ذاتیہ اور استبرق یعنی صفات اسمائیہ اور ان کے اساور (کنگن) میں اشارہ ہے ان کے اسماء ذاتیہ و صفاتیہ کے کنگن جو بارونق اور چمکدار ہیں اور وَسَقٰھُم رَبُّھُم الخ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں شراب طہور پلاتا کاسہ ربوبیت سے اور ان کی تربیت کرتا ہے شراب محبت ذاتیہ سے جو وہ رقبہ اغیار کی کدورت (میل کچیل) سے پاک ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ ھٰذَا (بے شک یہ)۔ یہاں قول مضمر ہے یعنی انہیں کہا جائے گا بے شک وہ جو تم گونا گوں کرامات و انعامات دیکھ رہے ہو۔

فائدہ ممکن ہے یہ خطاب منجانب اللہ ابرار کو دنیا میں ہو کہ وہ جو انواع عطایا سے مذکور ہوا ہے۔ کَانَ لَکُمْ جَزَآءً تمہارا صلہ ہے بدلہ ہے تمہارے اعمال حسنہ کا۔

سوال اعمال حسنہ کا صلہ کیسے حالانکہ اہلسنت کا مذہب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں (جب بندوں کا اس میں دخل ہی نہیں تو صلہ و بدلہ کیا؟)۔

جواب بندوں کو کسب کا اختیار تھا اور اللہ تعالیٰ کی تخلیق اسی کسب کی وجہ سے یہ صلہ و بدلہ نصیب ہوگا۔ وَکَانَ سَعْیُکُمْ (اور تمہاری محنت) تمہاری دوڑ دھوپ دنیا میں کار خیر میں۔ مَّشْکُوْرًا (ٹھکانے لگی) اللہ تعالیٰ کو پسند آئی اور مقبول ہوئی۔ ثواب کے لائق ہوئی تمہارے خلوص نیت کی وجہ سے اس سے ان کے سرور و فرحت میں اضافہ ہوگا جیسے سزا یافتہ لوگوں کو غم و حزن میں اضافہ ہوگا جب انہیں کہا جائے گا یہ بدلہ ہے تمہارے ردی اعمال اور برے کردار کا اور شکر یہاں مجازاً اس معنیٰ میں مستعمل ہے اور اس شکر سے تشبیہ دے کر کہ وہ ایک عمل کے بدلہ میں ہے

نکتہ بعض نے کہا کہ قیامت میں بندے کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس سے وہ اپنے رب سے راضی ہو اسی میں اشارہ ہے کَانَ لَکُمْ جَزَآءً کا۔ اور اعلیٰ درجہ ہے کہ اللہ بندے سے راضی ہو اسی طرف اشارہ ہے وَکَانَ سَعْیُکُمْ مَّشْکُوْرًا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ تمہاری جزا ہے بوجہ تمہاری استعدادات فطریہ کے وَکَانَ سَعْیُکُمْ مَّشْکُوْرًا یعنی تمہاری جزا ضائع نہیں ہوئی بسبب یا سہو کے ۔

تفسیر عالمانہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِیْلًا ۔ بے شک ہم نے تم پر قرآن تدریجاً اتارا، جدا جدا قسطوار اتارا حکم بالغہ سے جیسا اس کا تقاضہ تھا نہ اس کے سوا اور کوئی وجہ جیسا کہ ضمیر کا تکرار مع اِنَّ سے ثابت ہوتا ہے گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ کافر کہتے ہیں کہ میرا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لایا ہوا قرآن کہانت اور جادو ہے جھوٹ بولتے ہیں کیونکہ میں ملک حق ہو کر بنہایت تاکید فرماتا وہ وحی حق اور تنزیل صدق ہے میری طرف سے ہے فلہذا اے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے طعن سے ملال نہ کیجئے اس لئے کہ آپ برنبی صادق برحق ہیں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، فَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّکَ اپنے پروردگار کے حکم پر صبر دو۔ کافرین پر مدد کی تاخیر سے اس لئے کہ اس کا انجام محمود ہے مقابلہ وانتقام کے متعلق عجلت نہ کیجئے کیونکہ جملہ امور اپنے اوقات سے مرہون ہیں اور ہر آنے والا آئے گا۔ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اور ان میں سے نہ سنو کافروں میں سے ۔ اٰثِمًا اَوْ کَفُوْرًا کسی گنہگار اور ناشکرے کی کوئی بات یا دونوں اٰثما میں سے کوئی ایک بات ان کو برابر رہنے دو۔

سوال لفظ اَوْ تخییر کے لئے ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے جالس الحسن او ابن سیرین حضرت حسن بصری کے پاس بیٹھو یا ابن سیرین کے پاس (رحمہما اللہ)، یا انہیں سے کسی ایک ساتھ تو یہاں بھی اَوْ ہے (تو اس کا معنی یہ ہو کہ آثم کی بات سنو یا کفور کی)۔

جواب وہ قاعدہ امر کا ہے یہاں نہی ہے اور نہی میں اختیار نہیں ہوتا مثلاً لا تکلم زیدًا او عمرًا زید یا عمرو سے نہ بولے تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ کسی سے نہ بول اسی قاعدہ پر آیت کا مطلب بھی یہی ہے کہ تم کسی گناہ کے مرتکب اور کسی کفر کے غالی کی بات نہ سنو اس لئے کہ مجموعی طور اس کا معنی کل واحدہ منہا ہو جاتا ہے کیونکہ اَوْ سے انقسام (تقسیم ہونا) کفر کی دعوت کا ہے نہ ان کی ذات کا اور کفر کی دعوت دونوں ایک کی ہے ۔ اثم بھی کفر کی ایک نوع ہے علیحدہ بات ہے کہ کفر اخبث الانواع ہے اور کفر قابل تقسیم نہیں فلہذا وہی مطلب ہوا کہ کسی کی ایک بات نہ سنو۔

امر ونہی کے ردّ کا فرق دراصل نہی علی الوصفین اس کی علیت کی آگاہی کرتی ہے تو مطلب یہ ہے کہ یہاں اثم و کفر میں اطاعت کی نہی ہے اس سے معلوم ہوا کہ جب اس آیت میں کفر میں اطاعت کی نہی ہے اس سے معلوم ہوا کہ جب اس آیت میں کفر میں اطاعت کی نہی مراد ہے تو اس سے وہ مفہوم نہ ہوگا کہ اثم و کفر کی بات نہ سنو اور ان کی وہ سنو جو نہ اثم ہے نہ کفر ۔ بلکہ ان کی کسی بات میں اطاعت سے (مطلق) نہی ہے ۔

فائدہ اثم سے بھی کفر کی بات مراد ہے اس لئے کہ اصول کا قاعدہ ہے کہ جب عام خاص کے بالمقابل ہو تو وہ عام خاص کے سوا تمام اقسام مراد ہوتے ہیں پھر کفر کا علیحدہ ذکر کرنا محض اس اخبث الانواع کی وجہ سے

تاکہ تنبیہ ہو کہ کفر انتہائی خبیث گناہ ہے اسی معنیٰ پر ہر کفور آثم ہے لیکن ہر آثم کفور نہیں اس تقریر سے ثابت ہوا کہ یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ آثم تابع ہے اور کفور متبوع۔

فائدہ حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آثم وہ ہے جو اثم کی دعوت دے جیسے عتبہ بن ربیعہ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ آپ اپنی دعوت اسلام ترک کردیں تو میں آپ سے اپنی لڑکی بیاہ دوں گا ایسے ہی کفور وہ ناشکرا جو کفر کی دعوت دے جیسے ولید بن مغیرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی آپ دعوت اسلام چھوڑ دیں میں آپ کو دولتمند بنا دوں گا۔

سوال حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کفار و آثمین کی دعوت سے نہی کا کیا معنیٰ جبکہ آپ تو معصوم محض (خالص) ہیں آپ سے ان کی قبولیت دعوت کا تصور نہیں ہو سکتا۔

جواب تاکہ تنبیہ ہو اشارہ ہے کہ انسان من حیث الانسان شہوات سے مرکب ہے وہ اس کے غلبے سے ہو غفلت کا شکار ہو سکتا ہے اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق و امداد سے مستغنی ہو اس میں سب سے بڑھ کر رسول معصوم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں لیکن اس کے باوجود آپ کو بھی تنبیہ کی گئی۔

سبق ہر مسلم پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت اور تضرع و زاری کرے تاکہ جمیع امور میں فتنوں اور آفتوں سے وہ اس کی حفاظت فرمائے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کی بات نہ سنو جو صفات و احوال سے یا اپنی ذات حق سے یا اپنی صفات نفس اور اس کی ہیآت سے محجوب ہے یا افعال و آثار تک ٹھہرا ہوا ہے یا اپنے افعال اور کرتوتوں افعال الٰہی سے محجوب ہے تو تم بھی ان کی موافقت میں محجوب ہو جاؤ گے۔

تفسیر عالمانہ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا اور صبح و شام اللہ تعالیٰ کے نام کو یاد کرو بکرۃ اول النہار اصیلا آخر النہار۔ اس سے اللہ تعالیٰ کے ذکر پر مداومت مراد ہے جمیع اوقات میں کیونکہ بکرۃ و اصیل سے دوام مراد ہوتا ہے۔

پاس انفاس کا ثبوت حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذکر مامور بہ کو ہر سانس آتے جاتے وقتاً ادا فرماتے تھے پاس انفاس جو صوفیہ کرام میں مشہور ہے اس کی دلیل حدیث شریف یہی ہے۔

فائدہ اس کا منصوب ہونا علی الظرفیۃ ہے یا معنیٰ یہ ہے کہ نماز صبح و ظہر و عصر پر مداومت کرو اس لئے کہ اصیل کا اطلاق مابعد عصر تا مغرب پر ہوتا ہے ایسے ہی مابعد زوال پر بھی اس معنیٰ پر یہ ظہر و عصر کو شامل ہے۔

فائدہ حضرت سعدی مجددی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ملتزم پر مداومت کا ثبوت اور وقت ہو گئے جب ثابت ہو جائے گی تب ترتیب مصحف کے مطابق پڑھے ہو اور قائم ہو [illegible] قطعاً ہو گئے [illegible] ترتیب [illegible] ہو۔

فائدہ [illegible] ہو گی کہ اگر [illegible] ترتیب [illegible] ہو [illegible] ہو گیا [illegible] کا [illegible] ہو [illegible] اگر [illegible] تو [illegible] بات [illegible] ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت [illegible] رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ [illegible] کو [illegible] کے [illegible] حالات ظاہر [illegible] حضرت [illegible] کے [illegible] وقت [illegible] کے حالات [illegible] کے وقت۔

تفسیر عالمانہ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ اور کچھ رات میں سے اس سے بیدار رہو۔ شاید آپ [illegible] کا مطلب [illegible] پر مداومت کرو [illegible] قرب [illegible] کی [illegible] رات [illegible] وقت [illegible] اوقات ہیں۔

تفسیر صوفیانہ [illegible] کی [illegible] کرو [illegible] سے [illegible] حضرت [illegible] ہے۔

تفسیر عالمانہ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا اور لمبی رات تک اس کی پاکی بیان کرو [illegible] کرم صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب تھی کہ آپ رات کے اوقات میں [illegible] لَيْلًا طَوِيْلًا منصوب ہے ظرف ہے۔

حل لَيْلًا منصوب ہے ظرف [illegible] کی صفت ہو [illegible] رات [illegible] تسبیح بیان کرو [illegible] سے نکال دیا۔

مطلب یہ تو ہم [illegible] رات [illegible] تسبیح [illegible] رات طویل [illegible] تسبیح کا طول [illegible] رات طویل [illegible]۔

سوال تم نے تہجد کا معنیٰ کہاں سے سمجھا؟

جواب تسبیح کے لفظ اور اس کی ظرف کی تاخیر سے یہ دونوں دلالت کرتی ہیں کہ یہ حکم ماقبل سے دوسرا ہے اور وہ تہجد ہی ہے۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ بے شک یہ کفار مکہ۔

ربط احوال کفار کی طرف عود فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شرح صدر مبارک کے بعد کہ اِنَّا نَحْنُ نزلنا الذکر الخ میں ہے۔

یُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ جلدی والی کو دوست رکھتے ہیں۔ جلدی والی سرائے کو یعنی دنیا کو اسی لئے اس کی فانی لذات میں منہمک رہتے ہیں انہیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اشارہ ہے کہ وہ کفر پر تُلے پڑے ہیں اسی لئے وہ کسی حیثیت سے بھی اتباع کے لائق نہیں کیونکہ ان سے حق کا معمولی شائبہ بھی نہیں ہیں وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ اور چھوڑتے ہیں اسے جان کے آگے ان کے لئے تیار ہیں ہی نہیں۔ یہ یومًا حال ہے یا اپنے پیچھے چھوڑتے ہیں اس معنیٰ پر یذرون کی ظرف ہے۔

حل لغات وراء آگے پیچھے ہر دونوں کے لئے مستعمل ہوتا ہے ظاہر یہ ہے کہ دونوں استعمالوں میں یہ جہۃ متواری کا اسم ہے یعنی وہ جہت جو چھپی ہوئی اور تجھ سے پوشیدہ ہے اور جو شے پیٹھ کے پیچھے ہو اس کا چھپا ہونا تو ظاہر ہے لیکن کبھی منہ سامنے والی شے بھی چھپی ہوتی ہے وہ مشاہدہ و معائنہ میں نہیں آسکتی اسی معنی پر وہ پیچھے والی جہت کے مشابہ ہوگی اسی لئے اس کے لئے آگے والی جہت کے لئے اسے استعارۃً بولتے ہیں۔

یَوْمًا ثَقِيْلًا بھاری دن کو۔ اس کا کوئی اعتبار نہیں کرتے۔ یومًا یذرون کا مفعول ہے ثقیلًا یوم کی صفت ہے۔

سوال ثقیل تو اعیان جسمیہ کی صفت ہوتی ہے امتدادات وہمیہ کی صفت نہیں ہوتی امتدادات سے ہے تو پھر ثقیلًا اس کی صفت کیسی۔

جواب اس کی شدت سے تشبیہ دے کر کہ گویا وہ بھی ایک بوجھل شے ہے اس معنیٰ پر یہ استعارہ تخییلیہ ہوگا۔

سبق آیت میں دنیاداروں نعمت کے پالوں کو وعید ہے جو دنیا و دولت کے نشہ میں ظلم و رشوت کا بازار گرم رکھتے ہیں۔

نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ صرف ہم نے ہی انہیں نطفہ سے پیدا کیا۔ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ اور ہم نے ان کے جوڑ بند مضبوط کئے اعصاب سے تاکہ وہ ان سے اٹھ بیٹھ، پکڑ، دفع، حرکت کر سکیں۔ پھر خالق منعم کا حق یہ ہے کہ اس کا شکر کیا جائے نہ کہ اس سے کفر کیا جائے۔

سبق اسمیں ترغیب ہے کہ بندہ اپنے مالک کے آگے سر جھکائے۔

حل لغات الاسر بمعنی مضبوط کرنا اسی سے ہے۔ آسر الرجل ای اوثق بالقد (اس نے رسی سے مضبوط کیا) یہاں مضاف مقدر ہے یعنی المفاصل (جوڑ)

فائدہ کشف الاسرار میں معنیٰ لکھا کہ ہم نے انسان کی تخلیق مضبوط کی کہ وہ اپنی خلقت اور اعضا میں محکم رہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے اسے مضبوط پیدا فرمایا۔

فائدہ حضرت امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کہ اسمیں ترکیب انسانی کی حکمت کی طرف اشارہ فرمایا کہ جس کے تامل میں ہم مامور ہیں چنانچہ فرمایا وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ اور کیا اپنے نفسوں میں نہیں دیکھتے ہو۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم نے اس کے مخرج بول و غائط کو مضبوط بنایا کہ جب بول و غائط خارج ہو جاتے ہیں تو وہ مخرج بول و غائط پہلے کی طرح منقبض ہو جاتے ہیں۔ یا معنیٰ یہ ہے کہ وہ مخارج ارادہ سے پہلے ڈھیلے نہیں ہوتے وَاِذَا شِئْنَا اور جب ہم چاہیں ان کی تبدیلی۔ بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ ان جیسے اور بدل دیں۔ یعنی ان کے مرنے کے بعد ان جیسے اور بدل دیں تبدیل اکثر دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یبدل اللہ سیاٰتہم حسنات ان کی برائیوں کو نیکیوں سے اللہ تعالیٰ تبدیل کرے گا یعنی برائیاں مٹا کر ان کے بدلے نیکیاں لائے۔ تَبْدِیْلًا عجیب تبدیلی جس میں کوئی شک نہیں یعنی مرنے کے بعد اٹھانا۔ جیسا کہ لفظ اذا اسی کی خبر دیتا ہے۔ اس معنیٰ پر نشاۃ آخری میں مثلیۃ ہے یعنی شدید مضبوطی میں اور باعتبار اجزاء اصلیہ کے۔

سوال اس تقریر پر امثالہم کا مطلب صحیح نہیں رہتا کہ اس میں غیریت ضروری ہے اور بعث میں انسان کے اجزاء اصلیہ میں غیریت کیسی؟

جواب یہاں غیریت کثافت ولطافت کے اعتبار سے ہے یعنی دنیا میں کثیف تھے تو بعث پر اجزاء لطیف ہونگے تو غیریت بحیثیت عوارض کے ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب ہم چاہیں تو ہم امثال سے انہیں تبدیل کریں خلقت میں یعنی انہیں موت دے کر دوسری نشاۃ میں اسی طرح کی صورت و ہیئت میں زندہ کریں پہلی تقریر پر معنیٰ ہو کہ جب ہم چاہیں تو ان کے غیر پیدا کریں جو کہ وہ ہماری اطاعت کریں جیسا کہ دوسرے مقام پہ فرمایا یستبدل قوما غیرکم تبدیل کرے دوسری قوم جو تمہاری غیر ہو۔

فائدہ اس میں ترہیب ہے اس معنیٰ پر مثلیت باعتبار صورت کے ہے لیکن ان کے اعمال و طاعت کی غیریت اس کے منافی نہیں اور لفظ اذا تحقق قدرت و قوت داعیہ کی دلالت کے لئے ہے ورنہ لفظ اِنْ مناسب تھا کیونکہ اسمیں تبدیل کے لئے تحقق نہیں۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے انکی تعیین استعدادات کے ساتھ پیدا فرمایا اور میثاق ازلی و اتصال حقیقی سے قوت بخشی۔ ہم چاہیں ان جیسے اور بدلیں کہ ان سے اپنے افعال

سے ان کے افعال سلب کرلیں اور اپنی صفات سے ان کی صفات محو کردیں اور ان کی ذوات اپنی ذات میں فانی کردیں تو وہ ابدال بن جائیں ۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ (بے شک یہ نصیحت ہے) یہ اشارہ سورۃ یا آیات قریبہ کی طرف ہے یعنی نصیحت ہے یاد دلانے والی جو ضروری ہے تحصیل سعادۃ ابدیہ میں اسے نصیحت کا عین بنانے میں مبالغہ ہے ۔

فائدہ عین المعانی میں ہے کہ یہ نصیحتیں ہیں جن سے عقول غافل ہیں۔

شان اہلبیت رضی اللہ عنہم حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کا معاملہ ایثار اہل ایمان کو نصیحت ہے تاکہ ان جیسا عمل کرکے ان جیسی جزا پائیں ۔

فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا۔ تو چاہے اپنے رب (تعالیٰ) کی طرف راہ لے) وہ وسیلہ بنائے جو اس کے ثواب تک اسے پہنچاوے یعنی عمل صالح کے ساتھ اس کا قرب پائے دوگنے اجر و ثواب پا کر۔

فائدہ ابن الشیخ نے فرمایا کہ جو اس دن کے ہول اور شدت سے نجات چاہے تو وہ راستہ اختیار کرے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے قریب کرنے والا ہو یعنی طاعت (اختیار کرے)۔

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (تم کیا چاہو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے) یہ تحقیق حق اور بیان ہے کہ بندوں کو اپنی مشیت غیر کافی ہے اس کی طرف راہ اختیار کرنے میں جیسا کہ حرف شرط کے ظاہر سے مفہوم ہوتا ہے کیونکہ اپنے فعل مدخول کو مصدر صریح کے معنیٰ میں لا کر ظرف کے قائمقام ہوتا ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ تمہارا اپنا راستہ اختیار کرنا کچھ نہیں اور نہ ہی تم کسی وقت اس کی تحصیل میں قدرت پا سکتے ہو جب تک تمہارے لئے اللہ کی مشیت نہ ہو کیونکہ بندے کی مشیت صرف کسب تک محدود ہے ورنہ تاثیر و تخلیق مشیت الٰہی پر موقوف ہے کیونکہ علم کلام کا قانون ہے کہ مشیت بندے کے لئے افعال اختیاریہ سے نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے اور یہ اس کے منافی نہیں کہ بندے کے فعل کا اس سے تعلق ہو وہ مشیت بندے کے اختیاری ہے اور فعل اس کی اس مشیت اختیاری سے واقع ہو اگرچہ مشیت مستقلاً اسمیں نہیں ایسے جبر متوسط کہا جاتا ہے۔ یہ جبر متوسط اہلسنت کے نزدیک صحیح ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اہلسنت کا امر قدر و جبر کے مابین ہے ۔

فائدہ عین المعانی میں ہے کہ فَمَنْ شَآءَ الخ تکلیف العبودیت کی حجت ہے اور وما تشاءون الخ قہر الوہیۃ کا اظہار ہے ۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا (بے شک اللہ تعالیٰ علم و حکمت والا ہے)۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی مشیت کا بیان ہے جو اساس علم و حکمت پر مبنی ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ علم و حکمت میں بڑا ہے ہر ایک کے

ساتھ اس کی اہلیت کے مطابق کرتا ہے ان کے لئے وہی چاہتا ہے جو اس کے علم و حکمت کا تقاضا ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم وہی چاہتے ہو جو میں چاہتا ہوں کہ میرے ارادہ پر تمہارا ارادہ ہوتا ہے اس لئے کہ تمہارے ارادہ سے میرا ارادہ فائق ہے بلکہ میرے ارادے کا عین ہے کیونکہ میرے ارادے کے تمہارے ارادے مظاہر ہیں بے شک اللہ تعالیٰ علیم ہے ساتھ اس کے جو انہیں علوم ودیعت فرمائے اور حکیم ہے ان کی ابداع کی کیفیت کا اور ان کا انمیں ظاہر کرنے کا ساتھ انکے کمال کے اظہار کے۔

تفسیر عالمانہ يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهٖ اپنی رحمت میں لیتا ہے جسے چاہتا ہے۔ اپنی اس کی اس مشیت کے احکام کا بیان ہے جو کہ علم و حکمت پر مرتب ہے یعنی اپنی رحمت میں اسے داخل کرتا ہے جس کے لئے چاہتا ہے کہ وہ اسمیں داخل ہو اس سے وہ مراد ہے جو اپنی مشیت کو اللہ تعالیٰ کے راستہ اختیار کرنے میں صرف کرتا ہے یعنی اسے ان اعمال کی توفیق دیتا ہے جو دخول جنت کا موجب ہیں یعنی ایمان و طاعت وَالظّٰلِمِيْنَ اور ظالمین کے لئے یعنی ان لوگوں کے لئے جنہوں نے اپنی خشیت کو منکر مشیت کے خلاف پھیرا۔ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے درد پہنچانے میں اور انتہائی دردناک ہے۔

فائدہ زجاج نے کہا ظالمین منصوب ہے ماقبل کی وجہ سے اصل میں یوں ہے یدخل من یشاء فی رحمتہ ویعذب الظّٰلمین الا معنی پر اَعَدَّ لَهُمْ اس مضمیر فعل کی تفسیر ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو اپنی رحمت معرفت میں داخل کرتا ہے لیکن اس کے بعض بندے ظالم ہیں کہ ہدایت کی جگہ ضلالت اور معرفت کی جگہ پر جہالت رکھ دیتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے حجاب کا عذاب تیار کر رکھا ہے جو کہ وہ روح و جسم دونوں کو درد پہنچائیگا نیز انہیں یہ عذاب بھی ہوگا کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کے سامنے غیر کے ساتھ کھڑے کئے جائیں گے اپنے آثار کے ساتھ۔

فائدہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ کو اس عذاب پر ختم کیا جو یوم البعث والحشر میں تیار کر رکھا ہے سورۃ کا حسن الفاتحہ (آغاز) کی طرح حسن الخاتمہ (اختتام) ہے جیسا کہ اہل نظر و اہل فہم سے مخفی نہیں۔

اختتام از صاحب روح البیان قدس سرہٗ اس سورۃ انسان کی تفسیر ذوالاحسان کی مدد سے مکمل کے دن ۴ محرم ۱۱۱۷ھ کو ختم ہوئی۔

فقیر اویسی غفرلہٗ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے پیارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہربانی سے تفسیر انسان دوہرا کے ترجمہ سے ۱۱ ج ۲ ۱۴۰۹ھ ۲۶ جنوری ۱۹۸۹ء بروز اتوار قبل صلوٰۃ العصر فارغ ہوا۔

محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ
بہاولپور۔ پاکستان

سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰتِ مَكِّيَّةٌ ﴿۷۷﴾ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۰﴾ اٰيَاتُهَا ۵۰ رُكُوْعَاتُهَا ۲

سورۂ مرسلات مکیہ ہے اس میں اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا پچاس آیتیں اور دو رکوع ہیں

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۙ﴿۱﴾ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۙ﴿۲﴾ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۙ﴿۳﴾ فَالْفٰرِقٰتِ

قسم ان کی جو بھیجی جاتی ہیں لگاتار پھر زور سے جھونکا دینے والیاں پھر ابھار کر اٹھانے والیاں پھر حق ناحق کو خوب جدا

فَرْقًا ۙ﴿۴﴾ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۙ﴿۵﴾ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۙ﴿۶﴾ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ؕ﴿۷﴾ فَاِذَا

کرنے والیاں پھر ان کی قسم جو ذکر کا القا کرتی ہیں حجت تمام کرنے یا ڈرانے کو بیشک جس بات کا تم وعدہ دیے جاتے ہو ضرور

النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ۙ﴿۸﴾ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ۙ﴿۹﴾ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۙ﴿۱۰﴾ وَاِذَا

ہونی ہے پھر جب تارے محو کر دیے جائیں اور جب آسمان میں رخنے پڑیں اور جب پہاڑ غبار کر کے اڑا دیے جائیں اور

الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ؕ﴿۱۱﴾ لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ ؕ﴿۱۲﴾ لِيَوْمِ الْفَصْلِ ۚ﴿۱۳﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا

جب رسولوں کا وقت آئے کس دن کے لیے ٹھہرائے گئے تھے روز فیصلہ کے لیے اور تو کیا جانے وہ روز

يَوْمُ الْفَصْلِ ؕ﴿۱۴﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۵﴾ اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ؕ﴿۱۶﴾ ثُمَّ

فیصلہ کیا ہے جھٹلانے والوں کی اس دن خرابی کیا ہم نے اگلوں کو ہلاک نہ فرمایا پھر

نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۹﴾

پچھلوں کو ان کے پیچھے پہنچائیں گے مجرموں کے ساتھ ہم ایسا ہی کرتے ہیں اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی

اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۙ﴿۲۰﴾ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۙ﴿۲۱﴾ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۙ﴿۲۲﴾

کیا ہم نے تمہیں ایک بے قدر پانی سے پیدا نہ فرمایا پھر اسے ایک محفوظ جگہ میں رکھا ایک معلوم اندازہ تک

فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَمْ نَجْعَلِ

پھر ہم نے اندازہ فرمایا تو ہم کیا ہی اچھے قادر اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی کیا ہم نے زمین کو

الْاَرْضَ كِفَاتًا ۙ﴿۲۵﴾ اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ۙ﴿۲۶﴾ وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَيْنٰكُمْ

جمع کرنے والی نہ کیا تمہارے زندوں اور مردوں کی اور ہم نے اس میں اونچے اونچے لنگر ڈالے اور ہم نے تمہیں خوب

مَّآءً فُرَاتًا ؕ﴿۲۷﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۚ﴿۲۹﴾

میٹھا پانی پلایا اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی چلو اس کی طرف جسے جھٹلاتے تھے

انْطَلِقُوا إِلَىٰ ظِلٍّ ذِي ثَلَاثِ شُعَبٍ (۳۰) لَا ظَلِيلٍ وَلَا يُغْنِي مِنَ اللَّهَبِ (۳۱)
چلو اس دھوئیں کے سائے کی طرف جس کی تین شاخیں نہ سایہ دے نہ لپٹ سے بچائے
إِنَّهَا تَرْمِي بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ (۳۲) كَأَنَّهُ جِمَالَتٌ صُفْرٌ (۳۳) وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ (۳۴)
بیشک دوزخ چنگاریاں اڑاتی ہے جیسے اونچے محل گویا وہ زرد رنگ کے اونٹ ہیں اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی
هَٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُونَ (۳۵) وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُونَ (۳۶) وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ
یہ دن ہے کہ وہ نہ بول سکیں گے اور نہ انہیں اجازت ملے کہ عذر کریں اس دن جھٹلانے والوں
لِلْمُكَذِّبِينَ (۳۷) هَٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۖ جَمَعْنَاكُمْ وَالْأَوَّلِينَ (۳۸) فَإِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ
کی خرابی یہ ہے فیصلہ کا دن ہم نے تمہیں جمع کیا اور سب اگلوں کو اب اگر تمہارا کوئی داؤں ہو تو
فَكِيدُونِ (۳۹) وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ (۴۰) إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي ظِلَالٍ وَعُيُونٍ (۴۱) ع
مجھ پر چل لو اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی بے شک ڈر والے سایوں اور چشموں میں ہیں
وَفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُونَ (۴۲) كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (۴۳) إِنَّا
اور میووں میں جو ان کا جی چاہے کھاؤ اور پیو رچتا ہوا اپنے اعمال کا صلہ بیشک
كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ (۴۴) وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ (۴۵) كُلُوا وَتَمَتَّعُوا قَلِيلًا
نیکوں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی کچھ دن کھالو اور برت لو
إِنَّكُمْ مُجْرِمُونَ (۴۶) وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ (۴۷) وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ارْكَعُوا لَا
ضرور تم مجرم ہو اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی اور جب ان سے کہا جائے کہ نماز پڑھو تو
يَرْكَعُونَ (۴۸) وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ (۴۹) فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ (۵۰)
نہیں پڑھتے اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی پھر اس کے بعد کون سی بات پر ایمان لائیں گے

تفسیر عالمانہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔

وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا ۙ فَالْعَاصِفَاتِ عَصْفًا ۙ وَالنَّاشِرَاتِ نَشْرًا ۙ فَالْفَارِقَاتِ فَرْقًا ۙ فَالْمُلْقِيَاتِ ذِكْرًا ۙ قسم ان کی جو بھیجی جاتی ہیں لگاتار پھر زور سے جھونکا دینے والیاں پھر ابھار کر اٹھانے والیاں پھر حق ناحق کو خوب جدا کرنے والیاں پھر ان کی قسم جو ذکر کا القا کرتی ہیں) واؤ قسمیہ ہے المرسلات بمعنی الطوائف المرسلہ کی جمع ہے بمعنی ایک گروہ بھیجا ہوا اس لئے کہ ملائکہ کرام ہر دن یا ہر سال یا ہر حادثہ میں ایک گروہ کی صورت

میں بھیجے جاتے ہیں عرفاً بمعنی متابعۃ از عرف الفرس گھوڑے کے وہ بال جو گردن کے اوپر متابع ہوتے ہیں یہ تشبیہ بلیغ ہے کہ ملائکہ مرسلہ کو ان کے تتابع میں گھوڑے کے بالوں سے تشبیہ دی گئی ہے عرفاً منصوب علی الحالیۃ ہے یعنی وہ ملائکہ ایک دوسرے کے پیچھے گھوڑے کے بالوں کی طرح آتے ہیں یا عرف بمعنی معروف نُکر یعنی (غیر معروف بمعنی المنکر یعنی الشی القبیح) کی نقیض وہ اس لئے کہ ملائکہ کرام اگر رحمت کے بھیجے جاتے ہیں تو ظاہر ہے اگر عذاب لے کر آتے ہیں تب بھی انبیاء علیہم السلام اور مومنین کے نزدیک معروف ہوتے ہیں اور وہ اس لئے کہ اعداء پر عذاب اہل ایمان اولیا پر احسان ہے اس المعنی پر اس کی نصب علی العلیۃ (مفعول لہٗ) ہے ۔

حل لغات

عصفت الریح سے ہے بمعنی ہوا سخت ہوئی عصفاً مصدر مؤکد (مفعول مطلق) ہے ایسے ہی نشراً و فرقاً اور فاً دلالت کرتی ہے کہ وہ نزول کے وقت بڑی تیزی سے آتے ہیں کہ حکم ہوتے ہی بلا تاخیر زمین پر پہنچ جاتے ہیں یہ عطف الصفۃ علی الصفۃ کے قبیل سے ہے کیونکہ سب کا موصوف ایک ہے النشر بمعنی البسط میں واؤ کی طرف عدول اس لئے ہے کہ وہ مرسلات نہیں قسم اول کو اللہ تعالیٰ نے انہیں دو صفتوں سے موصوف فرمایا ایک دوسری کے آگے پیچھے وارد ہوتی ہیں۔ قسم ثانی کو تین اوصاف سے موصوف فرمایا الفرق بمعنی الفصل الالقا بمعنی الایصال والانزال ذکر بمعنی الطرح (پھینکنا) ذکراً بمعنی الوحی الملقیات کا مفعول ہے القاء کو ماقبل سے فاً کے ساتھ مرتب کرنے میں لائق ہے اسی بارادہ نشر و فرق تاویل کی جائے اس کی مکمل بحث آئے گی (انشاء اللہ تعالیٰ)۔

دنیوی امور پر مامور ملائکہ کرام

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے ان ملائکہ کرام کی قسم یاد فرمائی جو اس کے اوامر کی تعمیل کے لئے بھیجے جاتے ہیں مثلاً تدبیر اور ایصال ارزاق ہواؤں اور بارشوں میں تصرف کرکے اور بندوں کے دن رات کے اعمال کی کتابت وقبض الارواح انکی صفت عصف ان کی تیز رفتاری کی وجہ سے ہے عصف الریاح کی طرح کہ تعمیل حکم میں اور دوسرے گروہوں کے پہنچنے سے بہت تیز ہیں وحی لے کر نیچے آتے ہوئے اپنے پر پھیلاتے ہیں یا زمین کے کونے کونے میں شرائع پھیلاتے ہیں یا مُردے نفوس کے کفر و جہل کو ہیں یعنی وحی لاکر انہیں زندہ کرتے ہیں کہ حق و باطل کا فرق کرتے ہیں کہ ذکر وحی الٰہی انبیاء علیہم السلام کی طرف لاتے ہیں ۔

عُذْرًا حجت تمام کرنے کو اہل حق کے لئے دنیا و آخرت میں ان سے معذرت کرتے ہوئے ان کی اتباع حق کی وجہ سے ۔ اَوْ نُذْرًا یا ڈرانے کو اہل باطل کے لئے ۔

حل لغات

عذر مصدر ہے از عذر بمعنی محا الاساءۃ، برائی مٹائی ۔ نذر اسم مصدر ہے اور انذر بمعنی خوف دلایا یہ مصدر ہے کیونکہ کوئی ایسا مصدر مجرد مسموع نہیں جس کا وزن فعل ہو اور اس کی ماضی افعل مزید ہو

ہی کی نصب علی سبیل البدلیۃ از ذکراً ہے ۔

فائدہ ابن الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر مبدل منہ بمعنی جمیع الوحی ہو تو عذراً او نذراً بدل البعض من الکل ہونگے اس لئے کہ معطلین کی مغفرت اور معاندین کی تخویف کے متعلق جملہ الوحی کا بعض ہے اگر ذکر مبدل منہ سے صرف وہ مراد ہو جو مؤمن کی سعادۃ دکافر کی شقاوۃ سے خاص ہے تو پھر بدل الکل من الکل ہوگا اس لئے کہ القاء سعادۃ مؤمن کے متعلق مع القاء ا[illegible]ر ومحو الاساۃ کا متعلق متحد بالذات ہیں ایسے القاء شقاوۃ الکافر کا متعلق مع القاء انذار الکافر متحد بالذات ہیں یا انکی نصب صفات مذکورہ کی علیۃ (مفعول) کی وجہ سے ہے یہ صرف صفت اخیرہ کی علیۃ کی وجہ سے ہے یہی اولیٰ ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ وہ ملائکہ کرام وحی القاء کرتے ہیں تاکہ معتذرین الی اللہ یا توبہ والاستغفار کے گناہ مٹ جائیں تاکہ باطل والوں اور گناہ پر اصرار کرنے والوں کو ڈرائیں ۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے تاکہ اعذار منجانب اللہ کے لئے مخلوق کی طرف سے کسی کو حجت بازی کا موقعہ نہ ہو مثلاً کہے کہ میرے پاس تو کوئی رسول نہیں آیا تھا اور کافروں کو عذاب الٰہی کے ڈرانے کے لئے ۔

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ عذراً او نذراً کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے بندو میں تمہیں بیدار کرتا ہوں تاکہ میں تمہیں یاد کروں اور تمہارے گناہ معاف کروں اور تمہاری خطائیں مٹاؤں ۔

فائدہ بعض نے کہا کہ یہاں مضاف محذوف ہے کہ دراصل ورب المرسلات الخ المرسلات کے رب کی قسم ۔

سوال الارشاد میں ہے کہ نشر الشرائع ونشر النفوس والفرق کو القاء کی تقدیم کیوں حالانکہ ظاہر یہ ہے کہ فرق بین الحق والباطل نشر کے ساتھ ہو نہ کہ بعد کو علاوہ ازیں القاء الذکر (وحی وغیرہ) علی الانبیاء نشر الشرائع فی الارض واحیاء النفوس الموتی اور فرق بین الحق والباطل مقدم ہوتا ہے پھر بھی تقدیم ۔

جواب تاکہ معلوم ہو کہ القاء کی اصلی غایۃ یہی ہے اور اسی کی سب سے زیادہ اہمیت ہے یا اس لئے تاکہ معلوم ہو کہ ہر اوصاف مذکورہ مستقبل بالدلالۃ ہیں اس پر کہ ملائکہ کا ہر گروہ اپنی اسی صفت کا تعظیم کا استحقاق رکھتا ہے اور اس لائق ہے کہ اس کی قسم یاد کی جائے اگر انہیں ان کے وقوع پر ترتیب وار ذکر کیا جاتا تو یہ سمجھا جاتا کہ یہ سب مل کر ہی تفخیم اور قسم کے لائق ہیں ۔

فائدہ ان آیات میں ملائکہ کرام کے علاوہ اور اشیاء بھی مراد لی گئی ہیں لیکن محققین کے نزدیک مستند یہی ہے جو ہم نے بیان کیا اور ہم نے سورۃ المدثر کی تفسیر میں کہا کہ المرسلات ناشرات ملقیات ملائکہ وغیرہ ہیں ۔

وہابی دیوبندی مارِ حکایت کشف الاسرار میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں صبیغ نامی نے عراق سے آکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے آیات ذاریات و مرسلات کا مطلب پوچھا اس کی ویسے بھی عادت تھی کہ وہ لوگوں سے مشکل آیات کے مطالب پوچھتا تاکہ اس کی علمی دھاک عوام کے ذہنوں میں بیٹھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے درہ مار کر فرمایا لو وجدتک محلوق الراس لضربت الذی عیناک (روح البیان پ ۲۶) اگر تو سر کے بال منڈوا آتا (سر منڈا) ہوتا تو میں تیرا سر اڑا دیتا (قتل کر دیتا)۔

نشانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ عالم دین اور قرآن مجید کے مفسر اور قاری کو کیوں قتل کرتے اس کی وجہ بھی روح البیان رحمہ اللہ سے سنیئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عالم دین کو اس لئے قتل کی دھمکی کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا تھا کہ خوارج کی یہ نشانی ہے سیماهم التحلیق وہ سر منڈے (گنجے) ہوں گے کہ میری امت میں پیدا ہوں گے خوارج کی یہی نشانی ہے کہ وہ سر کے بال منڈوائیں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سخت کاروائی سیدنا فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو خط لکھا تھا اس وقت آپ ہی عراق کے گورنر تھے کہ ایک سال تک اس سے دور رہو اسے قریب نہ بھٹکنے دو بلکہ بات تک نہ کرو۔ سال کے بعد اس صبیغ نامی (مولوی) نے توبہ کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں معذرت کی کہ وہ ایسا ہرگز نہ کرے گا۔

مسئلہ تشدد از زبان حضرت امام شافعی حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اب بھی اہل کلام (بدمذہب) کا وہی حکم ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صبیغ کے لئے فرمایا۱؎

بدمذہب کی شہر بدری کا حکم قاموس میں ہے الصبیغ بروزن امیر بن حسیل یہ شخص لوگوں کو آیات مشکلہ کے سوالات میں پریشان کرتا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق سے بصرہ

---

[1] (گردن زدنی) لیکن یہ کام حکومت وقت کا ہے عوام کے لئے نہیں لیکن اس سے صلح کلیوں کے منہ پر طمانچہ ہے کہ وہ بدمذہب کے ساتھ رواداری اور مروت کا درس دیتے ہیں ان شاء اللہ قیامت میں یہ بھی سزا میں اپنے یاروں (بدمذاہب) کے ساتھ نتھی کئے جائیں گے یاد رہے کہ دور حاضرہ میں بدمذاہب سے صلح کلی قسم کے لوگ زیادہ خطرناک ہیں اس لئے کہ دور حاضرہ جمہوریت کا ڈھنڈورہ پیٹتا ہے اور بدمذاہب عیار و چالاک ہوتے ہیں وہ عوام کو پھنسانے کے استاد ہیں عوام بے چارے جب اپنے مسلک اہلسنت کے سرکردہ مولویوں و پیروں اور لیڈروں کو بدمذاہب کے ساتھ رواداری اور مروت دیکھتے ہیں تو آسانی سے ان کے دام تزویر سے پھنسکر اپنا دین و ایمان گنوا بیٹھتے ہیں ان کے دین و ایمان کا بربادی کا موجب یہی صلح کلی بنے اسی لئے بہ نسبت اصلی بدمذاہب کے انہیں زیادہ سزا ملے گی۔

کی طرف ایک سال تک شہر بدر کر دیا[1]۔

اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ بے شک وہ جو تم وعدے دیئے جاتے ہو واقع ہو گا۔ یہ قسم کا جواب ہے یعنی جس قیامت کے آنے کا وعدہ دیئے جاتے ہو وہ ضرور واقع ہو گی کیونکہ انما حصریہ نہیں بلکہ اس کا ما موصولہ اگرچہ اِنَّ کے ساتھ متصل ہو کر لکھا گیا ہے اسی طرح مصحف میں ہے وہ وعدہ دی ہوئی وہی قیامت کا آنا ہے اس لئے کہ اس کے بعد جو علامات مذکور ہیں وہ قیامت کی ہیں لیکن کلبی نے اس کا معنیٰ کیا ہے کہ تم جو وعدہ دیئے جاتے ہو خیر و شر سے وہ ضرور بالضرور واقع ہوں گے اس نے موصول کے عموم لفظ کا اعتبار کیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ الخ وہ جو تم کلی فنا فی اللہ کا وعدہ دیئے جاتے ہو وہ واقع ہو گا یعنی اہل معرفت شہود اور ارباب ذوق و وجود کو حاصل ہو گا اور اہل حجاب و احتجاب کے لئے بھی اگر رفع الحجاب وکشف النقاب کے لئے مستعد ہوں گے تو اسی وقوع محقق کی طرف اشارہ ہے۔

کل شیءٍ ھالکٌ اِلَّا وجھہٗ ہر شے ہلاک ہونے والی ہے سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے۔ یعنی ابھی اور آیت کُلُّ مَنْ علیھا فانٍ میں یعنی ہر شے مین بقاء میں فنا پائے گی کیونکہ ہر مقید مطلق کے اطلاق میں ایسے گم ہو گا جیسے ستاروں کا نور سورج کے نور میں اور جیسے تثنیہ (دو ہونا) تثلیثہ (تین) میں اور اربعیۃ (چار ہونا) کے اعتبارات کا دو تین چار میں۔

تفسیر عالمانہ ربط: اس کے بعد آثار قیامت کے ظہور اور اس کے دلائل کے حصول کی اہل شقاوت کو یوں خبر دی کہ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ (جب ستارے محو کر دیئے جائیں گے) یعنی ختم کئے جائیں گے۔

حل لغات طمس یعنی شے کے وہ آثار مٹانا جو اس کی ذات پر دلالت کریں یہ واذا الکواکب انتثرت کے موافق ہے (اور جب ستارے جھڑ پڑیں) یا ان کا نور ختم ہو جائے گا لیکن پہلا معنیٰ اولیٰ ہے کیونکہ اس میں اضمار کی حاجت نہیں النجوم مرفوع ہے محذوف کا جس کی تفسیر ما بعد کرتا ہے یا مرفوع بالابتداء ہے اور طمست اس کی خبر ہے لیکن پہلا اولیٰ ہے کیونکہ اذا شرط کا معنیٰ ہے اور شرط بالفعل اولیٰ ہوتی ہے اور دونوں جملے محلاً مجرور ہیں جارہ اذا ہے اس کا جواب محذوف ہے اصل عبارت یوں ہے فاذا طمست النجوم وقع ما توعدون او جوزیتم علی اعمالکم جب ستارے محو کئے جائیں گے تو واقع ہو گی وہ جو وعدہ دیئے

---

[1] اللہ تعالیٰ کوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا اسلام کا عاشق پیدا فرمائے تا کہ تمام بدمذاہب کو شہر بدر کر دے کم از کم پاکستان میں تو کوئی ایسی سبیل ہو کر وہابی دیوبندی کانگرسی گاندھی کے دیس کو، شیعہ کو ایران مرزائیوں کو لندن۔ ہماری جان چھوٹے۔ آمین،

(فقیر اویسی غفرلہٗ)

جلتے ہو یا اپنے اعمال کی جزا دیئے جاؤ گے اور محذوف پر ما توعدون لواقع دلالت کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں حواس عشرہ ظاہرہ و باطنہ کے ادراک الحقائق سے طلوع شمس حقیقت کے وقت مٹائے جانے کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ اور جب آسمان میں رخنے پڑیں گے خوف رحمٰن سے اسمیں رخنے پڑ جائیں گے اور پھٹ جائیں گے جس کی وما لہا من فروج اس کے لئے کوئی سوراخ (رخنہ) نہیں کی نفی تھی آسمان کے پھٹنے سے دروازے کھل جائیں گے الفرج بمعنی الشق (پھٹنا) کیونکہ ہر مشقوق کو فرج (کھلا) کہہ سکتے ہیں یعنی وہ وقت جب آسمان میں سوراخ ہو جائیں گے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں ارواح کے آسمان کے پھٹنے کی طرف اشارہ ہے جب ان پر تجلیات جلالیہ کے نورانی شعلے پڑیں گے۔

تفسیر عالمانہ فَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ اور جب پہاڑ غبار کر کے اڑا دیئے جائیں گے۔ دانوں کی طرح ریزہ ریزہ جیسے منسف سے دانے ریزہ ریزہ کئے جاتے ہیں منسف وہ آلہ جس سے دانے بھوسے سے توڑے اور صاف کئے جائیں۔ ایسے ہی دوسرے مقام پہ فرمایا وبست الجبال بسًّا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔

حل لغات نسف و بسّ بمعنی پراگندہ کرنا اور بکھیرنا۔

تفسیر عالمانہ اسمیں خیالات فاسدہ اور اوہام کاسدہ کے پہاڑوں کا مشاہدات و بوادی المعانیات کے وقت لاشے ہو جانے کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ اور جب رسولوں کا وقت آئے گا۔ ان کے لئے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے تاکہ وہ تشریف لا کر اپنی امتوں کی گواہی دیں گے اور یہ قیامت کے آنے پر ہوگا اس کے وقوع سے پہلے رُسل کرام علیہم السلام تشریف نہیں لائیں گے اور اس کا علم ان کی طرف مسلم ہے یعنی رسل کرام علیہم السلام کا، ران کی گواہی کے لئے تشریف لانا علامات قیامت سے ہے اور وہ تعیین و تبیین دنیا میں حاصل نہ تھی اس لئے کہ اس کا وقت آخرت ہے جب قیامت آئے گی تو انہیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ گواہی کے لئے تشریف لاؤ کہ اب گواہی کا وقت آگیا ہے۔

فائدہ یا اس کا معنی یہ ہے کہ جب رُسل کرام علیہم السلام اس وقت پہنچیں گے جس کے وہ منتظر تھے یعنی یوم القیمۃ کے اس لئے کہ جیسے توقیت بمعنی تحدید الشئ و تعیین الوقت کے لئے آتا ہے ایسے ہی کسی شے کو کسی کے لئے ایک وقت محدود میں مقصد مقرر کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے پہلا معنی ذوات میں مستعمل نہیں ہوتا جب تک احداث ہیں جثث (جثے) نہیں زید موقت نہیں جا سکتا جب تک اضمار نہ ہو اس لئے کہ موقت

اس میں کوئی شے مضمر نہ ہو۔ زید موقت حضور زید کی حاضری کا وقت مقرر ہے تو رسل کرام کے لئے بھی یہاں ہے کہ ان کی تشریف آوری مقرر ہے نہ کہ ان کی ذوات مقدسہ موقت و مقرب ہیں اس لئے ذوات خود قائم ہیں ان میں تعیین کا کیا اعتبار ہاں زمانیات متجددہ انتہیٰ) ہیں (اسی لئے ان میں تعیین کا اعتبار ضروری ہے کہا لیسے مفسرین نے فرمایا۔

فائدہ حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کے وقوع معنی ثانی میں حیثیت پر بلا اضمار الشئی بحث ظاہر ہے تو اس قول کی طرف صاحب کشف وغیرہ گئے ہیں (انہوں نے مجاز کا اعتبار کیا ہوگا)۔

فائدہ ابو عمرو (قاری رحمہ اللہ تعالیٰ) نے وقتت اصل پر پڑھا ہے کیونکہ اس کا مادہ وقت ہے باقی قراء رحمہم اللہ نے واؤ کو ہمزہ سے تبدیل کر کے پڑھا ہے اس لئے کہ ضمہ واؤ کی جنس سے ہے ان دونوں کو جمع کرنا دو مثلوں کے جمع کرنے کے مترادف ہے اور وہ ثقیل ہے اسی لئے تو کسرہ یا پر ثقیل ہے اسی لئے تو ولا تنسوا الفضل میں واؤ کو الف سے تبدیل نہیں کیا گیا کیونکہ واؤ کا ضمہ اس کو لازم نہیں۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ الف واؤ دو لغتیں ہیں اسی لئے عرب واؤ کو الف سے تبدیل کرتے ہیں مثلاً کہتے ہیں وسادۃ سے اسادۃ اور کتاب مؤرخ سے مورخ اور قوس موتر سے مؤتر۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں رسل قلب و سر کی طرف اشارہ ہے اور ان کی گواہی کی تعیین امت اعضاء و جوارح پر کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر عالمانہ لِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْ اسی دن کے لئے ٹھہرائے گئے تھے۔ یہاں فعل مقدر ہے یعنی انہیں کہا جائے گا واذا الرسل الخ کا جواب ہے یعنی کہا جائے گا کہ اس دن کے لئے امور مؤخر ہوئے رسل کرام علیہم السلام کے متعلق تھے۔ یعنی ان کا جمع ہونا اور تشریف لانا جیسے دوسرے مقام پر فرمایا یوم یجمع اللہ الرسل الخ اس سے اس دن کی عظمت اور اسی سے تعجب دلانا مطلوب ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب رسل یعنی ثواب و عقاب کے ملائکہ مقرر ہوں گے اور اس میقات پر پہنچیں گے جو ان کے لئے مقرر ہے یا خوشخبری سنانا راحت و فرحت سنانا یا کہ عذاب و عقاب اور کرب و ذلت پہنچانا اس دن کے لئے جو بہت بڑا ہے جسے مؤخر کیا گیا ہے اعمال کے وقت ثواب و عقاب کی جلت سے اور رسل بشر علیہم السلام بھی یعنی انبیاء علیہم السلام تشریف لائیں گے ان کے لئے وقت مقرر ہے اور میقات میں بھی تشریف لا کر مطیع و عاصی اور سعید و شقی کے درمیان فرق بتائیں گے کیونکہ وہ اپنی امتوں کو انکی علامت سے پہچانیں گے۔

لِیَوْمِ الْفَصْلِ روز فیصلہ کے لئے۔ یوم تاجیل کا بیان ہے یعنی وہ دن جس دن مخلوق کے درمیان فیصلہ

ہوگا اور ہر ایک حقوق پورے کئے جائیں گے نیک اور بُرے کے لئے حکم کیا جائے گا ارباب شہود الوحدۃ الذاتیہ اور اصحاب شہود کثرۃ اسمائیہ وصفاتیہ کے درمیان امتیاز ہوگا۔

فائدہ بعض نے کہا کہ اس دن محبوب کو محبوب سے جدا کیا جائے گا سوائے اس کے کہ جس کا معاملہ للہ فی اللہ ہوگا اور درمیان رسولوں علیہم السلام اور ان کی امتوں کے اور درمیان بندے کے اور اس کے ماں باپ اور بھائی کے مگر یہ کہ وہ حق وعدل میں متفق ہوں تو پھر نہیں۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ اور تو کیا جانے وہ روز فیصلہ کیا ہے۔ ما مبتدا ادراک اس کی خبر ہے یعنی تجھے کس نے عالم اور از خود جاننے والا بنایا کہ وہ کیا ہے اور اس کی کنہ ایسی ہے کہ اس کی مثل نہ دیکھی گئی اور اس جیسی شدت پہلے کسی نے دیکھی نہ سنی۔

فائدہ حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہیں کونسی شے نے جاننے والا بنایا کہ وہ کیا دن ہے فیصلہ کا کیونکہ اس کی کنہ کو کوئی نہیں جانتا اضمیر کے بجائے اسم مظہر یعنی یوم الفصل لایا گیا اس کی زیادہ گھبراہٹ اور ہولناکی کے اظہار کے لئے۔

سوال ما کو مبتدا اور یوم الفصل کو خبر کیوں بنایا جاتا ہے اس کے برعکس کیوں نہیں جیسے سیبویہ نے اختیار کیا ہے۔

جواب یہاں اہم مقصد ہے یوم الفصل کو امر بدیع اور اس کی ہولناکی کا اظہار کہ اس کا نہ کسی کو اندازہ ہو سکتا ہے اور نہ اس کی کنہ معلوم ہو سکتی ہے جیسے ما کی خبریت سے معلوم ہوتا ہے نہ یہ کہ یہ بھی امر بدیع ہے ایک یوم الفصل بھی ہے جیسے اس کے برعکس کرنے سے ہوتا ہے۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ اس ہولناک دن میں خرابی ہے لِّلْمُكَذِّبِيْنَ جھٹلانے والوں کی، کیونکہ اسی دن رب تعالیٰ مخلوق کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ اسی دن خرابی ان (کافروں یکذبون) کے لئے ثابت ہے۔

حل لغات دراصل الویل مصدر منصوب فعل کے قائم مقام ہے دراصل اھلکہ اللہ اھلاکا یا ھلک ھلاکا (اسے اللہ تعالیٰ خوب ہلاک کرے یا وہ خوب ہلاک ہوا)۔ اس سے عدول کر کے مرفوع کیا گیا تاکہ ہلاکت کے ثبات و دوام پر دلالت ہو کہ جس پر خرابی ہے وہ دائمی ہے یومئذ ظرف یا صفت ہے ویل اہلاک یا ہلاک کے قائم مقام ہے اسی لئے اس کا مرفوع واقع ہونا جائز ہے ورنہ نکرہ مبتدا واقع نہیں ہو سکتا اور وہ چونکہ مصدر اس فعل کے قائم مقام ہے جو فاعل معین مخصوص سے صادر ہوگا اسی لئے وہ نکرہ بھی اسی فاعل تخصص کی وجہ سے مبتدا بننے کے لائق ہے جیسے نحویوں نے سلامٌ علیک میں سلام نکرہ کو مبتدا مانا ہے تو اسی تخصیص فاعل کی وجہ سے۔

فائدہ بعض نے کہا الویل جہنم میں ایک وادی ہے کہ اگر اس میں پہاڑ ڈالے جائیں تو پگھل جائیں۔

ملفوظ جنید بغدادی رضی اللہ عنہ سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس دن اس شخص کے لئے بہت بڑی خرابی ہے جس نے دنیا میں باطل دعوے بلند کر رکھے تھے۔

اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ کیا ہم نے اگلوں کو ہلاک نہیں فرمایا جیسے قوم نوح و عاد و ثمود وغیرہم وہ جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت مبارکہ سے پہلے ہلاک ہوئے اور ان کی ہلاکت یوم الفصل کی تکذیب کی وجہ سے تھی یہ جملہ مستانفہ: انکار ہے عدم اہلاک کے انکار میں اس کا اثبات و تقریر ہے کیونکہ نفی کی نفی میں اثبات اور تحقق ہوتا ہے گویا کہا گیا کہ عدم اہلاک نہ ہوا بلکہ ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ پھر پچھلوں کو ان کے پیچھے لگائیں گے ان سے وہ کفار مراد ہیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت مبارکہ کے بعد تھے یہ مرفوع ہے اس کا عطف ثم کے ساتھ نحن محذوف پر ہے یعنی پھر ہم ان کے پیچھے لگائیں گے انہیں جو ان کی طرح کفر و تکذیب میں ان کے طریقہ پر چلتے ہیں۔ یعنی اہلاک میں ہم انہیں اولین کے پیچھے لگا دیں گے اس معنیٰ پر یہ کلام ماقبل معطوف پر نہیں اس لئے کہ عطف واجب کرتا ہے کہ معنیٰ یوں ہو اھلکنا الاولین ثم اتبعناھم الآخرین فی الاھلاک کیونکہ اولین کا اہلاک تو واقع ہو چکا اور آخرین کا ابھی نہیں ہوا اسی لئے ماننا پڑے گا کہ نتبع مرفوع ہے لیکن ماقبل سے مقطوع ہے بلکہ جملہ مستانفہ ہے علی وجہ الاخبار از وقوع زمانہ مستقبل میں مبتدا کو محذوف مان کہ دراصل ثم نحن نتبعھم الآخرین تھا۔

فائدہ اس میں کفار مکہ کو وعید ہے۔

كَذٰلِكَ ایسا ہی۔ اس کام کی طرح جس کی خبر اوپر مذکور ہوئی کاف محلاً منصوب ہے اس لئے کہ مصدر موصوف محذوف کی ہے دراصل فعلاً ذالک الفعل الا تھا۔

نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ہم مجرمین کے ساتھ کرتے ہیں۔ یعنی ہمارا طریقہ ایسے ہی جاری ہے کہ مجرم کو یونہی سزا دیتے ہیں اس میں جرم کے انجام اور اس کے برے اثر کے ترتب سے ڈرانا ہے۔ وَيْلٌ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ اس دن کے جھٹلانے والوں کے لئے خرابی ہے یعنی جب آیات الٰہی و انبیاء علیہم السلام کی انہوں نے تکذیب کی تو ہم نے ہلاک کیا تو ان کے لئے خرابی ہے۔

جواب [1] اس میں تکرار نہیں اس لئے کہ پہلا ویل آخرت کے عذاب کا ہے اور یہ دنیا کے عذاب کا۔
۲؎ برہان القرآن میں ہے کہ اس سورۃ میں ویل کا دس بار تکرار ہے لیکن محال ہے کہ ہر ایک لئے

---

[1] یہ سوال مقدر کے جوابات ہیں۔ سوال مشہور ہے جسے منکرین بار بار دہراتے ہیں کہ قرآن میں تکرار فصاحت و بلاغت کے خلاف ہے۔ صرف اس اعتراض کے جواب میں فقیر نے ایک کتاب لکھی ہے قہر الدیان علی منکر تکرار القرآن۔
اویسی غفرلہٗ

دوسرے کا غیر ہے اسی لئے یہ تکرار مستہجن (مکروہ) نہیں بلکہ مستحسن ہے کیونکہ اگر ذیل کا تکرار نہ ہو تو معنی یہ ہوتا ہے کہ ان کے بعض امور سے تو ڈرایا جا رہا ہے اور بعض سے نہیں۔

جواب ۳ بعض نے کہا کہ عرب کی عادت ہے کہ وہ جس طرح اقتصار و ایجاز کو مستحسن سمجھتے ہیں ایسے ہی تکرار و اطناب کو بعض مواقع میں مستحسن سمجھتے ہیں اور سب کو معلوم ہے کہ ترغیب و ترہیب میں بجائے ایجاز کے کلام کی طوالت مطلب کے ادراک میں زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔

جواب ۴ کبھی تکرار میں بھی وہ ذوق حاصل ہوتا ہے جو صاحب ذوق کو معلوم ہے اور یہ امر کوئی مخفی نہیں

اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ (کیا ہم نے تمہیں پیدا نہیں کیا۔

قاعدہ تجوید تمام قرآنے قاف کو کاف میں ادغام کیا ہے اور نقاش رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابن کثیر (قاری صاحب تجوید نہ کہ یہ ابن کثیر جو صاحب تفسیر ہے) اور نافع کی قرأت میں بروایت قالون و عاصم (قاری رحمہم اللہ) میں اسی طرح ہے اور ایک روایت حفص (قاری رحمہ اللہ تعالیٰ) میں اظہار ہے (الایضاح)

مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ (ایک بے قدر پانی سے یعنی نطفے گندے ذلیل سے یعنی خوار و بے مقدار میم اصلی ہے از مہانۃ بمعنی قلت اور خست۔ اور ہر وہ شے جس کی قدر نہ ہو کہ اس کی پرواہ کی جائے بلکہ اسے بے کار سمجھ کر پھینک دیا جائے (۲۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا" تو ہم نے تمہیں ایسے پانی سے پیدا کیا۔ اسی لئے آنے والے جملہ کو اس پر عطف فرمایا فَجَعَلْنٰهُ تو ہم نے اسے رکھا، اس کی پانی کو فِیْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ایک محفوظ جگہ میں۔ رحم میں بجسر الحا المہملہ بچہ دانی جو ماں کے پیٹ میں ہوتی ہے قرار بمعنی استقرار (نطفہ) کی جگہ المکین بمعنی الحصین (محفوظ یعنی ہم نے پانی کی قدرت پا گیا اور ہر طرح کے تعرض سے صحیح سالم اور محفوظ رہا۔

حل لغات المکین از مکانۃ ہے بمعنی المکمن یہ بمعنی منزل و مرتبہ از کون سے نہیں مثلاً کہا جاتا ہے اہل مکین فی مکۃ یعنے وہ مکہ معظمہ میں متمکن ہے اور کہا جاتا ہے مکین عند الامیر فلاں امیر کے ہاں ذو مرتبہ اور ذو منزلۃ ہے تو اس وقت یہ فعیل ہو گا نہ کہ مفعل۔

اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ (ایک معلوم اندازہ تک) ایک مقرر وقت تک جو اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمایا ولادت کے لئے جو کہ نو ماہ مشہور ہیں یا اس سے کم و بیش یہ فجعلنا کی ضمیر سے محلاً منصوب حال ہے یعنی مؤخراً الی مقدار معلوم من الزمان یعنی زمانہ کی ایک مقدار معلوم مؤخر کر کے (۲۳) فَقَدَرْنَا پھر ہم نے اندازہ فرمایا یہاں اندازہ سے تقدیر الخلق مراد ہے یعنی اس کی خلقت اور اس کے جوارح و اعضاً اور الوان (رنگ) اور مدت حمل و حیات کا اندازہ (تقدیر) جیسا کہ قدر مخفف (لغۃ) اسپر دلالت کرتا ہے بمعنی قدر (مشدد) مخفف نافع (قاری رحمہ اللہ) کی قرأۃ ہے اور مشدد کسائی کی۔ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ (تو ہم کیا ہی اچھے قادر ہیں)۔ اور قادرین بمعنی المقدرون بھی ہے اسی

معنی کی طرف حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ گئے ہیں اور جائز ہے کہ یہ فقدرنا از قدرۃ ہو یعنی ہم اس پر قادر ہیں اس کی تخلیق و تصویر میں جیسے ہم چاہیں یا اعادہ کریں ایسے ہی حقیر و ذلیل مادہ سے اور قدرت سے مراد وہ ہے جو وجود مقدور سے بالفعل مقارن ہو ہے اس کی تائید و تقویت فنعم القادرون سے ہوتی ہے کہ ہم نے اسے پیدا کیا اور اسے احسن صور و ہیات میں بنایا۔ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ خرابی ہے اس دن کے جھٹلانے والوں کے لئے ہماری قدرت کو اس پر یا اعادہ پر۔

فائدہ امام ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شدت عذاب سے اس کے لئے جو خلق اول کو ماننے کے باوجود خلق ثانی یعنی اعادہ کا منکر ہے۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا کیا ہم نے زمین کو نہیں بنایا جمع کرنے والی۔

ربط پہلے اللہ تعالیٰ نے انہیں وہ نعمتیں جتلائیں جو انفسی تھیں کیونکہ وہ اصل کی مانند ہیں اب وہ نعمتیں جتلاتا ہے جو آفاقی ہیں۔

حل لغات کفاتًا از کفت جمع کرنا کفات اسم ہے جو جمع کرے یکفت ملائے جمع کرے از کفت الشیٔ، ضمہ وجمعہ، اسے ملایا۔ جمع کیا ضمام و جماع کی طرح وہ شے جو ملائے اور جمع کرے جیسے تقویٰ جماع کل خیر یعنی تقویٰ ہر خیر و بھلائی کو جمع کرنے والا ہے۔ الخمر جماع کل شر، شراب ہر گناہ اور برائی کو جمع کرنے والا ہے۔ کفاتا نجعل کا مفعول ثانی ہے اس لئے کہ وہ اسم تضییق ہا کفاتا کے معنی میں ہے وہ جمع کرتی ہے۔ اَحْيَاۤءً بہت سے زندوں کو اپنی پیٹھ پر یہ منصوب فعل مضمر سے جس پر کفاتا دلالت کرتا ہے وتکفت یعنی تجمع ہے ورنہ اسما جامدہ ایسے ہی اسم مکان و اسم زمان غیر عاملہ ہیں اگرچہ مشتقہ ہوں اور اسم مصدر میں اختلاف ہے ہاں مصدر اور اسم فاعل اسمائے عاملہ ہیں جو اسے من یکفت (وہ جو جمع کرے) کا اسم بناتا ہے یا کفت کی جمع بمعنی الوعاء (برتن) سمجھتا ہے تو وہ (سوائے زمخشری کے) اس کے عمل سے منع کرتا ہے اور زمخشری نے کہا کہ کفات اسم ہے اور حال ہے اسی لئے اس غلطی کی وجہ سے اس پر طعن و تشنیع کی گئی ہے۔ وَّاَمْوَاتًا اور مُردوں بے شمار کو ماں پیٹ میں اسی لئے زمین کو ماں سے تشبیہ دیتے ہیں کہ جیسے وہ اولاد کو گلے لگاتی ہے اور بھینچتی ہے ایسے ہی زمین زندوں اور مُردوں کو جمع کرتی اور گلے لگاتی ہے۔ یا اس لئے کہ لوگ زمین میں جمع ہوتے ہیں نیز اس لئے کہ لوگوں کو باہمی جمع کرتی ہے کہ وہ اس میں سکونت رکھتے ہیں ایسے ہی زمین زندوں کے لئے وہ چیزیں اپنے اندر جمع کر لیتی یعنی چھپا لیتی ہے جو ان سے گندگیاں خارج ہوتی ہیں احیاء و اموات کی تنکیر تعریف استغراقی کے معنی میں ہے کہ تعریف افرادی و نوعی نہیں۔

فائدہ یہ بھی جائز ہے کہ کہا جائے کہ زمین تمام مردہ و زندہ انسانوں کو جمع کرتی ہے لیکن سب زندہ مُردے اسی میں منحصر نہیں بلکہ بعض حیوان کو ہوا جمع کرتی ہے بعض اور ہیں جو پانی میں ہیں اس معنیٰ پر یہ سب کے لئے کفات جمع کرنے

کرنے والی نہ ہوئی بلکہ بعض کی ہے اس تقریر پر احیا اموات کی تعبیرا پنے معنی پر ہے ۔

مسئلہ قفال (رحمہ اللہ تعالیٰ) سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ نباش کی قطع ید (ہاتھ کاٹنا) واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو کفات بنایا اور وہ میت کے لئے محافظ ہوئی اور سارق وہی ہے جو مال محفوظ کو چرائے نباش (کفن چور) نے بھی گویا محفوظ کو چرایا اس لئے اس لئے اس کی قطع ید ضروری ہوئی (اس پر فتویٰ نہیں یہ صرف حضرت قفال رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا اجتہاد ہے)۔

وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ (اور ہم نے اس میں لگر ڈالے) پہاڑ ایک جگہ ثابت کھڑے ہونے والے اور بلندی میں جبلنا کا مفعول مقدر ہے اور رواسی اس کی صفت ہے (اور وہ محذوف (جبالا) ہے)۔

حل لغات رَوَاسِيَ ، رسا الشئ یرسو (وہ شے ثابت ہے)۔ اور پہاڑ بھی زمین پر ثابت ہیں کہ کبھی زائل نہیں ہوتے ۔

شٰمِخٰتٍ (اونچے اونچے) یہ صفت کے بعد صفت ہے ۔

حل لغات الشامخ بمعنی عالی ۔ مرتفع یعنی اونچے بہت اونچے اسی سے ہے ۔ شمخ انفہ (اس کی ناک اونچی ہے) اس کے لئے بولتے ہیں کہ جبین کبر (تکبر) ہو مبین المعانی میں ہے کہ شامخات ثوابت الاصول ورواسخ العروق اور شامخات بمعنی مرتفع الفروع ۔

فائدہ نحویہ غیر ذوی العقول کی جمع مذکر یعنی شامخات لانا عام اور مطرد ہے جیسے اشہر معلومات وغیرہ وغیرہ اور تنکیر تفخیم کی ہے یا خبر دینا ہے کہ وہ جو زمین پر پہاڑ نظر آتے ہیں یہ اس کے بعض ہیں ورنہ پہاڑوں کی گنتی غیر معروف اور نامعلوم ہے اور نہ ہی دیکھے جا سکتے ہیں اس لئے کہ آسمان میں بھی پہاڑ ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا من جبال فیہا برد آسمان میں بعض ٹھنڈے پہاڑ ہیں ۔

وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا اور ہم نے تمہیں خوب میٹھا پانی پلایا ۔ کہ زمین میں نہریں اور چشمے پیدا کئے یا یہ کہ ہم نے انہیں پینے کے لئے پیدا کئے اور ان سے پانی پینے کی قدرت بھی دی ایسے ان سے تمہارے جانور اور کھیتیاں پانی پیتی ہیں اور کوفہ کی نہر (دریا) کا نام فرات ہے کہ اس کا پانی لذیذ ہے ۔

فائدہ حضرت ابو اللیث رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میٹھا پانی زمین اور آسمان سے ہے ۔

فائدہ فرات واحد و جمع ہر دونوں کے لئے آتا ہے اس کی تا اصلی ہے اور تنکیر تفخیم کی ہے یا تبعیض پر دال ہے اس لئے کہ آسمان پر بھی میٹھا پانی بلکہ آسمان میں ہی زمین کا پانی جمع اور وہاں سے ہی زمین پر آتا ہے ۔

وَيْلٌ خرابی ہے (وادی ہے جہنم میں) يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ اس دن جھٹلانے والوں کی کہ ایسی عظیم نعمتوں

کو جھٹلاتا ہے۔ اِنْطَلِقُوْٓا اس دن مکذبین کو کہا جائے گا تو بطریق توبیخ و زجر کے چلو یا جاؤ اور قائل جہنم کے خازن (داروغہ) ہوں گے اور جہنم کے نگران اِلٰی مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ اس کی طرف جسے تم جھٹلاتے تھے دنیا میں عذاب سے اور بہ مکذبون کے متعلق ہے اسے نظم رعایت کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے۔

اِنْطَلِقُوْٓا بالخصوص چلو اِلٰی ظِلٍّ سایہ کی طرف جہنم کی آگ کے دھوئیں کی طرف جیسے دوسرے مقام پر فرمایا وَظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ یعنی دھواں غلیظ سیاہ۔ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ تین شاخوں والا موٹے پن کی وجہ سے اس کی تین شاخیں ہوں گی جیسے تم بڑے دھوئیں کو دیکھتے ہو کہ وہ شاخیں بن کر اٹھتا ہے اس میں اشارہ ہے کہ وہ بہت بڑا دھواں ہوگا تو اس سے شاخوں کا متفرق ہونا لازمی امر ہے۔

اعجوبہ بعض نے کہا کہ جہنم کی آگ سے ایک زبان ظاہر ہوگی جو کفار کو خیمہ کی طرح گھیر لے گی۔ سرادق وہ خیمہ جو گھر کے صحن میں تانا جاتا ہے اس جہنم کی نار کی زبان سے تین شاخیں پھیلیں گی جو کفار پہ سایہ کریں گی حساب سے فراغت تک وہ دھواں کافروں پہ سایہ کی طرح رہے گا لیکن اہل ایمان پر عرش کا سایہ ہوگا۔ (الحمد علی ذالک)

نکتہ (۱) قاضی (بیضاوی) تفسیر کبیر سے اخذ کر کے لکھتے ہیں کہ اس دھوئیں کی تین خصوصیت اس لئے کہ انوار القدس سے نفس کو حجاب (۱) حس (۲) خیال (۳) وہم سے ہوتا ہے اسی لئے اس دھوئیں کی شاخیں تین ہوں گی۔

(۲) اس عذاب تک انسان کو تین چیزوں نے پہنچایا۔

(۱) قوت وہمیہ شیطانیہ جو دماغ میں حلول کرتی ہے جو نفس کو مشوش کر کے اسے ادراک حقائق سے دفع کرتی ہے۔

(۲) قوت شہویہ بہیمیہ جو قلب کے بائیں جانب ہے جو نفس کو اوصاف الٰہیہ سے موصوف نہیں ہونے دیتی۔

(۳) قوت غضبیہ سبعیہ یہ قلب کے دائیں جانب ہے جو نفس کو حق اعتدال کو قائم کرنے سے دفع کرتی ہے اسی لئے قیامت میں اس دھوئیں کا ایک ٹکڑا کافروں کے سروں پہ ہوگا اور دوسرا دائیں جانب تیسرا بائیں جانب اور یہ صحیح ہے کہ انسان عقائد فاسدہ اور اعمال باطلہ اپنی قویٰ ثلاثہ (واہمہ وغضبیہ وشہویہ) سے صادر ہوتے ہیں چونکہ یہ تینوں قویٰ ان جملہ آفات کا سرچشمہ ہیں جو انسان سے صادر ہوتے ہیں اس لئے دھوئیں کی تین شاخیں ہو جائیں گی۔

سبق جو چاہتا ہے کہ کل قیامت میں اس سیاہ عذاب رساں دھوئیں سے محفوظ رہے اسے چاہیئے کہ نور عقل سے تمسک کر کے صفت شیطانی و طبعی و بہیمی کی تاریکی سے گذر جائے ؎

تاریکی خشم و شہوت حذر کن
کہ از دود آں چشم دل تیرہ گردد

غضب چوں در آمد رود عقل بیروں
ہوی چوں شود چیرہ جاں خیرہ گردد

ترجمہ: غصہ شہوت کی تاریکی سے خطرہ کر۔ اس لئے کہ دھوئیں سے دل کی آنکھ اندھی ہو جاتی ہے۔
جب غصہ آتا ہے تو عقل باہر آجاتی ہے خواہش نفسانی جب پیدا ہوتی تو مضبوط جان بھی کمزور ہو جاتی ہے۔

فائدہ

ممکن ہے کہ انہیں ایسے دھوئیں سے عذاب دینے کا موجب یہ ہوا کہ انہوں نے قویٰ ثلاثہ۔

(۱) سمع

(۲) بصر

(۳) فواد کو ضائع کر دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وجعل لکم السمع والابصار والافئدہ قلیلا ما تشکرون اور تمہارے لئے سمع ابصار اور افئدہ (دل) بنائے تم میں بہت تھوڑے ہیں جو شکرگزار ہوں کیونکہ ان کا شکر اور رعایت تمام سعادات کا سرچشمہ ہے اور ان کی تضییع تمام بدبختیوں کا سرچشمہ۔

صاحب روح البیان قدس سرہٗ کی تحقیق

فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ میرے نزدیک ایک اور وجہ ہے وہ یہ کہ ایمان تین امور کا نام ہے۔

(۱) تصدیق۔

(۲) اقرار۔

(۳) عمل صالح۔

ان تینوں کے ضائع کرنے پر تین شاخیں مسلط کی گئیں اس کی دلیل آیات مذکورہ میں مثلاً انطلقوا الی ما کنتم به تکذبون اس آیت میں تکذیب کو سبب بتایا تو تکذیب قلب کی صفت ہے اور قلب پر تمام قویٰ دماغیہ کا دار و مدار ہے یہ فاسد تو زبان بلکہ تمام ارکان فاسد تو زبان بلکہ تمام ارکان فاسد۔ اس سے معلوم ہوا کہ تکذیب قلب کے لئے ظلمۃ باطنہ ہے ترک الاقرار و ترک عمل صالح سے اس کی ظلمت دوگنی ہو جاتی ہے تو دنیا میں جتنا ظلمات باطنہ دوگنی ہوں گی اتنا ہی آخرت میں وہ ظلمات ظاہر ہو کر دوگنی ہوں گی اس لئے کہ ہر عمل کی آخرت میں صورۃ شخصیہ جسدانیہ (جسمانی) ہوگی۔ لَا ظَلِيْلٍ نہ سایہ دے اخذ از ظل تاکید کے لئے جیسے نوم" نائم" یعنی وہ دھواں کافر کو گرمی دوزخ سے سایہ کر کے فائدہ نہ دے گا ظل کو ظلیل سے موصوف کرنے میں اشارہ ہے کہ اس دن دوزخ کی گرمی سے بچاؤ کا کوئی سایہ نہ ہوگا بلکہ وہ دھواں خود جہنم کی آگ ہوگی اور اسے سایہ سے تعبیر کرنا کفار سے استہزاء ہے کیونکہ سایہ کا کام تو یہ ہوتا ہے کہ جس پر پڑے اسے گرمی سے بچائے یہاں الٹا ان کے لئے عذاب بنے گا اسی لئے اسے سایہ کہہ کر کفار سے استہزا کیا گیا۔

نکتہ سایہ کی طرف چلنے کے حکم میں ان کے عذاب کو دوبرا کرنے کے لئے ہوگا کہ پہلے بھی وہ عذاب میں مبتلا ہوں گے پھر انہیں دھوئیں کے سایہ میں مزید عذاب ہوگا کہ اس سے بجائے اس کے کہ راحت پاتے عذاب پاکر مزید دکھ اور تکلیف پائیں گے ورنہ بظاہر وہ سایہ کو دیکھ کر پہلے تو خوش ہوں گے کہ سایہ سے کچھ تو سکون ملے گا لیکن اس کے برعکس سایہ سے عذاب میں اضافہ پائیں گے جیسے سورۃ الواقعہ میں گزرا۔

وَلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ اور نہ ہی آگ کی لپیٹ سے بچائے یعنی جیسے دنیا میں سایہ دھوپ کی گرمی سے بچاتا ہے وہ دھوئیں کا سایہ انہیں جہنم کی گرمی سے نہ بچائے گا۔

فائدہ لا ظلیل مجرور ہو کر محلاً ظل کی صفت ہے اور غیر لفظ اس کے موصوف ہونے سے مانع نہیں اب معنیٰ ہوا ظل غیر ظلیل وغیر مغنٍ یُغْنِیْ کا مفعول محذوف ہے اور وہ شیئًا ہے اور مِن بیانیہ ہے یعنی از اغنیٰ وعنّی وجہہ اس کا نے مجھ سے اپنا چہرہ دور کیا اس لئے کہ کسی شے سے غنا اس سے بُعد (دوری) ہی ہے جیسا کہ اس کا محتاج اس کی قربت کی کوشش کرتا ہے اسی لئے اغناء سے اس کا ابعاد مراد ہوتا ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ یہ سایہ دھوپ کی گرمی سے ٹھنڈک نہ دے گا اور نہ ہی آگ کی لپیٹ سے بچائے گا۔

حل لغات اللھب ہر وہ شے جو آگ کے اوپر ہو سرخ ہو یا زرد یا سبز جب آگ بھڑکے (یعنی شعلہ)۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے ظل روح وظل قلب ایسے سائے ہیں کہ ان کے منافع واثرات دراز ہیں اور نفس وہویٰ کے کوئی سائے نہیں بعض نے کہا کہ خبیثہ کا شجر نور وحدت سے منقطع ہے بوجہ اس کی ذاتی ظلمت کے وہ سایہ طوبیٰ کے شجر کی طرح سایہ دار نہیں اسی لئے وہ راحت وفرحت کا فائدہ نہیں دیتا بخلاف اس نفس طیبہ کے شجرہ کے جو نور وحدت سے منور ہے لیکن وہ شعب (شاخیں) مختلفہ متضادم جیسے شیطانیہ، سبعیہ، بہیمیہ سے غیر متشعب ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ بے شک وہ چنگاریاں اڑاتی ہے اس لئے وہ شاخیں ایسی ہیں کہ یوم قیامت میں چنگاریاں اڑ جائیں گی اس کی ہر ایک چنگاری كَالْقَصْرِ اونچے محل کی طرح ہوگی یعنی وہ اپنے عظم میں اونچے محل کی طرح ہوگی جیسا کہ اس پر كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ کی تفسیر دلالت کرتی ہے۔

حل لغات شرر شرارۃ کی جمع ہے وہ شے جو آگ سے متفرق ہو کر ستاروں کی طرح اڑے جیسا کہ قاموس میں ہے کہ الشرار والشرر ہمچوں کتاب وجبل وہ جو آگ سے اڑے اس کا واحد تا سے ہے یعنی شررۃ" کالقصر صفت کی جمع ہے شرر کے لئے القصر مفرد ہے بمعنی بلند مکان اسے جمع کی صفت اس لئے لایا کہ اس کا ہر ایک گویا ایک علیحدہ مکان ہے بعض نے کہا کہ بمعنی بڑی لکڑیاں اسی لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر فرمایا بمعنی الخشب العظام المقطعہ بڑی بڑی لکڑیاں جو ٹکڑے ٹکڑے ہوں اور فرماتے ہیں کہ ہم موٹی اور بڑی لکڑی

کو تین تین ہاتھ یا اس سے چھوٹی بڑی کاٹ کر سردیوں میں آگ جلانے کے لئے رکھ چھوڑتے تھے انکو ہم القصر کہا کرتے تھے اس لئے کہ ممدودہ (دراز) سے کٹ کر مقصورہ (چھوٹی) کر دی گئیں۔

سبق غور کیجئے کہ یہ تو دھوئیں کے انگاروں کا حال ہے پھر جہنم کی آگ کے انگارے جیسے ہوں گے (خدا نہ کرے) اسمیں داخل ہونا پڑا تو پھر تمہارا کیا حال ہوگا۔

کَاَنَّہٗ گویا وہ چنگاریاں۔ فتح الرحمٰن میں ہے کہ گویا وہ آگ اس کے بعد ضمیر لفظ نار کی طرف لوٹائی گئی ہے نہ کہ اس کے معنیٰ کی طرف اسی لئے فرمایا کَاَنَّہٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ وہ زرد رنگ کے اونٹ ہیں۔

حل لغات جمل کی جمع ہے جیسے حجارۃ حجر کی جمع تا جمع کی تانیث کی ہے اسم جمع ہے الجمل نر اونٹ ناقہ (اونٹنی مادہ) جب اونٹوں میں اونٹنی نہ ہو تو انہیں جمالۃ (بالکسر) کہتے ہیں الصفر اصفر کی جمع ہے الصفرۃ اس رنگ کا نام ہے جو سواد و بیاض کے درمیان ہو اور یہ ابیض کو قریب تر ہے اسی (سواد) کی ملاوٹ کی وجہ سے کبھی اسے سواد (سیاہ) سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ گویا ہر شرارہ زرد رنگ کے اونٹ ہوں گے یا سیاہ اونٹوں کی طرح ہوں گے۔ اس لئے کہ اونٹ کی سیاہی کو زرد سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسے ہرن کو آدم سے تشبیہ دی جاتی ہے اس لئے کہ اس کی سفیدی موتی کی طرح اس کے اوپر ہوتی ہے یا اس لئے اونٹ کی زردی بالوں کے سروں میں ملکر سیاہ ہو جاتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جہنم کی چنگاریاں قیر (تارکول، تیل) کی طرح سیاہ ہوں گی پہلے اسے قصر سے تشبیہ ہے عظم میں پھر اونٹ سے تشبیہ رنگ اور کثرت ایک دوسرے کے آگے پیچھے آنے اور رل ملکر آنے اور حرکت میں۔

المفردات میں ہے کہ کَاَنَّہٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ میں صفر سے مراد وہ زرد جو معادن (کان) سے نکلتا ہے اسلئے تانبہ کو صفر کہا جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہر وہ صفت جو اوصاف بہیمیہ و سبعیہ و شیطانیہ بحسب غلظۃ و شدۃ کے اونچے محلات و بروج مضبوط کی طرح ہیں یا گویا وہ عظیم الہیکل زرد اونٹوں کی طرح ہیں۔

اور وہ طویل شرارے ہیں انمیں نار کی قوت کی شدت ہے یعنی قوت غضبیہ ہے۔

تفسیر عالمانہ وَیْلٌ بڑی مشقت ہے یَوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ اس دن جھٹلانے والوں کو قیامت کے ہولناک اور گنہگاروں کے احوال کی وجہ سے۔

اور کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ویل ہے مکذبین کو جو مشقت دوزخ اور اس کے شراروں کا یقین نہیں کرتے تھے۔

تفسیر عالمانہ ھٰذَا یَوْمُ لَا یَنْطِقُوْنَ یہ وہ دن ہے کہ وہ نہ بول سکیں گے ۔ یہ ان کے جہنم میں داخلے کے وقت اشارہ ہے یوم مرفوع خبر ہے ہذا مبتدا کی یہ وہ دن جس میں مکذبین کوئی بات نہ کرسکیں گے اس لئے کہ سوال وجواب اور حساب اس سے پہلے ختم ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں قیامت کا دن طویل ہوگا اس کے کئی مواطن و مواقیت ہیں بعض مواطن و مواقیت میں بولیں گے ۔ بعض میں نہیں ان ہر ایک کو یوم سے تعبیر کیا گیا ہے یا کوئی ایسی بات نہ کریں گے جو انہیں فائدہ دے ایسا بولنا بھی نہ بولنے کے برابر ہے ۔

فائدہ حضرت کاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہ بولیں گے بوجہ فقدان آلات نطق اور عدم اجازت کے کہ ان کے منہ پر مہر لگادی جائے گی بعض نے کہا کہ تحیر کی شدت اور دہشت کی قوت کی وجہ سے نہ بولیں گے حضرت ابو عثمان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہیں ربوبیت کی ہیبت اور گناہوں کا حیا نہ بولنے دے گا حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

سرماز جیب غفلت برآور کنوں
کہ فردا نماند بخجلت نگوں

ترجمہ: سر غفلت کے گریبان سے باہر لا تاکہ کل قیامت میں شرمساری سے تیرا سر نگوں نہ ہو ۔

وَلَا یُؤْذَنُ لَهُمْ اور نہ انہیں اجازت ملے گی ۔ یعنی انہیں عذر کرنے کی اجازت نہ ملے گی فَیَعْتَذِرُوْنَ اس کا عذر کریں ۔ اس کا عطف یؤذن پر ہے یہ بھی نفی کے سلک میں منتظم ہے یعنی نہ انہیں اجازت ہوگی نہ اس کے بعد عذر اسے اذن کا سبب نہیں بنایا جاسکتا ورنہ یہ منصوب ہوتا اور منصوب ہوتا تو وہم گذرتا کہ انہیں عذر کی گنجائش ہے حالانکہ اس سے وہ ممنوع ہوں گے کہ اس کا ذکر کرسکیں اور یہ واقع کے خلاف ہوتا کہ اگر انہیں عذر کی گنجائش ہوتی تو پھر انہیں روکا کیوں گیا یعنی اسے کوئی عذر کی گنجائش نہ ہوگی جس نے منعم سے منہ موڑا اور اس کی نعمتوں اور احسانات سے کفر کیا۔ وَیْلٌ خرابی اور رحم یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ جھٹلانے الوں کی ۔ ان اخبار کو اور اسے جو حق واقع ہونے والے کو لایا ھٰذَا یہ وہ دن ہے جس کے احوال اہو تاکریں نما احوال کا مشاہدہ آنکھوں سے دیکھا یَوْمُ الْفَصْلِ فیصلہ کا دن ہے کہ اس میں حق و باطل کا فیصلہ ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ حضرت البقلی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ یہ نفس و شیطان کی عارف کے قلب کے جوار سے جدائی اور ہر محب کا غیر محبوب سے علیحدگی کا دن ہے ۔ اس میں عارف و محب محبوب کے شہود و وجود میں کلی طور مستغرق ہوگا۔

تفسیر عالمانہ جَمَعْنٰكُمْ اے امت محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے تمہیں جمع کیا وَالْاَوَّلِیْنَ اور تمام اگلوں کو امتوں میں سے یہ فیصلے کی تقریر و بیان ہے اس لئے حق و باطل اور حق و باطل نے

کے درمیان فیصلہ نہیں ہو سکتا جب تک سب ایک جگہ پر نہ ہوں اس لئے ان کا جمع کرنا ضروری ہوا بالخصوص اس مذہب کے قاعدہ پر کہ غائب پر کوئی فیصلہ قائم نہیں ہوتا (٣٩) فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ اگر تمہارا کوئی داؤ ہے ۔ حیلہ وغیرہ کہ جس سے تم اپنے سے عذاب دفع کر سکو ۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ خطاب منجانب اللہ کفار کو ہے فَكِيْدُوْنِ تو مجھ پر چلاؤ ۔ دراصل فکیدونی تھا یا متکلم محذوف ہوئی کسرہ و نون کا یہ پر اکتفا کیا گیا ہے وہ امر ہے یکید و بمعنی مکر و حیلہ اور دھوکہ کرنا اب معنیٰ یہ ہوا کہ اپنے لئے کوئی حیلہ بناؤ میرے عذاب سے چھٹکارا پاؤ اگر تمہیں امکان ہے کیونکہ جن کی تم دنیا میں تعلید و اقتدا کرتے تھے اور تم سب یہاں حاضر موجود ہو یعنی اللہ کے سامنے کونسا حیلہ یا مکر چل سکے گا اسی لئے وہ اپنے سے عذاب دفع نہ کر سکیں گے ۔ ع

بمکر و حیلہ عذابِ خدا رد نہ شود

نیاز باید و اخلاص و نالۂ سحری

تواں خرید بیک آہ ملک ہر دو جہاں

ازاں معاملہ غافل مشو کہ حیف خوری

ترجمہ : مکر و حیلہ سے عذابِ خدا رد نہ ہوگا ۔ نیاز و اخلاص اور نالہ سحری چاہیئے ۔ ایک ہی آہ سے دونوں جہاں خریدے جا سکتے ہیں اس معاملہ سے غافل نہ ہو ورنہ افسوس کرے گا ۔

فائدہ یہ اہانۃ کا امر ہے اور خطاب تعجیز و تقریع کا ہے ورنہ ان کا مکر و فریب اہل ایمان کے ساتھ صرف دنیا میں تھا ۔ اس سے کفار کو شرمسار کرنا مطلوب ہے کیونکہ دنیا میں وہ لوگوں کے حقوق کھاتے اور ان سے لوٹتے تو کئی حیلے و فریب کر کے دنیا میں ایسے چکر و مکر اور دھوکے ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا تب اللہ نے ان سے خطاب فرمایا کہ اب تمہارے حیلے مکر و فریب دیکھے سب جواب دے گئے یہاں مکر و فریب ممکن ہی نہ تو گویا ان کی عاجزی کا اظہار اور زجر و توبیخ اور رسوا کرنا مطلوب ہے کیونکہ ایسا خطاب ان سے ہوتا ہے جن کا عجز یقینی ہے ۔

فائدہ بعض تفاسیر میں ہے کہ اگر مکر و فریب موجود ہے تو تمہیں نفع نہ دے گا ۔ لَكُمْ كَانَ کے متعلق ہے باعتبار یوں ہو فان وجد نافعا لکمْ تو اس وقت نافعا حال ہوگا ۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ، کہ یہاں ظاہر ہو گیا ہے کہ عذاب سے بچاؤ کا ان کے پاس کوئی حیلہ نہیں ۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ بے شک کفر و تکذیب سے ڈر والے اس لئے کہ یہی مکذبین کے بالمقابل ہیں۔ آیۃ معتزلہ کا رد ہے فِیْ ظِلٰلٍ سایوں میں جمع ظل جیسے شعاب شعب یا قلۃ کی جیسے قباب قبۃ کی یعنی وہ لمبے چوڑے حقیقی سایوں کے تلے ہوں گے جیسے جملہ کا اطلاق دلالت کرتا ہے نہ کہ مکذبین کے ظلال سائے کہ وہاں مجاز تھا یعنی متقین بہشت میں سایہ دار درختوں کے نیچے ہوں گے۔

فائدہ بعض نے کہا کہ ظاہر یہ ہے کہ ان کی خبر دیتا ہے کہ وہ باغات میں پھلدار درختوں کے سایوں تلے ہوں گے۔

فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ اس سے ان کی راحت عظمیٰ سے کنایہ ہے اس لئے کہ ظل راحت کے لئے بھی آتا ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ کے قول وندخلہم ظلاً ظلیلاً وغیرہ میں۔

نکتہ ظل اس لئے ذکر فرمایا تاکہ قلوب کو اس کا شوق ہو کیونکہ بعض بلاد سخت گرم اور قلیل الماء والاشجار والظلال ہوتے ہیں ان کو ایسے سایہ دار درختوں میں جانے کا قلبی شوق ہوتا ہے۔

وَّعُیُوْنٍ اور چشموں میں ہیں۔ میٹھے پانی کے کہ ان سے پیاس دور ہو ﴿۴۲﴾ وَّفَوَاکِهَ اور میووں میں یعنی رنگا رنگ میووں کے درمیان مِمَّا یَشْتَهُوْنَ جو ان کا جی چاہے یعنی تمنا آرزو کریں انہیں حاصل کریں نہ کہ بھوک اور پیٹ بھرنے کے لئے بلکہ شہوت و تلذذ کے لئے خلاصہ یہ کہ وہ گوناں گوں نعمتوں اور قسم و قسم تنعم میں ہوں گے اپنے مخالفین کے برعکس ﴿۴۳﴾ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓئًا بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ کھاؤ پیو رچتا پچتا صلہ اپنے اعمال کا۔ یہاں یہ قول مقدر ہے اور وہ متقین سے حال ہے یعنی انہیں کہا جائے گا جنت کی نعمتیں اور اس کے ثمرات کھاؤ اور اس کا پانی اور شراباً طہوراً پیو رچتا پچتا مام بغیر بیماری اور بدہضمی کے اس کا صلہ ہے جو تم دنیا میں اعمال صالحہ کرتے تھے بالخصوص روزہ جیسا کہ سورہ الحاقہ میں گذرا یہ امر اکرام ہے ان سے رضا و رغبت اور محبت کا اظہار ہے یہاں سے ان قائلین سے تمسک پکڑا ہے جو کہتے ہیں عمل صالحہ کی جزا واجب ہے جیسا کہ باسببیہ سے ظاہر ہے ہم انہیں جواب میں کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کے وعدے سے جس کا خلف نہیں ہوتا نہ بالذات کہ اس کا عدم ممتنع یا نقض ظلم کا موجب ہو۔

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ایسے ہی یہ بڑی جزا ہم محسنین کو دیتے ہیں کہ جن کے عقائد اور اعمال اچھے ہیں نہ کہ معمولی جزا۔

وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ خرابی اس دن مکذبین کو ہے کہ ان کے مخالفین تو ایسے جیسے بڑے ثواب کو پہنچے اور وہ رہے دردناک شدید عذاب دائمی میں ہاتھ ملتے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ متقین باللہ ماسوا سے یعنی نور وحدۃ کے ساتھ ظلمت کثرۃ سے اور نور معرفت کے ساتھ ظلمۃ النکرۃ سے ڈر والے ظلال اوصاف الٰہیہ و اخلاق ربانیہ میں اور میاہ

العلوم والحکم کے چشموں میں اور وہ میوے جو ان کا جی چاہے تجلیات روحانیہ و تنزلات نورانیہ سے انہیں کہا جائے گا کھاؤ مواہب ھنیہ (خوشگوار) کے طعام اور پیو مشارب توحیدیہ کا شراب رچتا پچتا صلہ ہے اس کا جو تم اعمال صالحہ بخلوص کرتے ہو ہم اسی طرح محسنین یعنی ہمارے حال مطلق کے مشاہدین کو جزا دیتے ہیں احسان الجزاً وجزا الاحسان کے مکذبین کو خرابی ہے۔

تفسیر عالمانہ كُلُوْا کھاؤ، دنیا کی فانی نعمتوں سے وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا نفع اٹھاؤ تھوڑا یا تھوڑے زمانہ میں یعنی اپنے آجال کے انتہا تک تھوڑا سا نفع اٹھالو کیونکہ دنیا کا زمانہ اس کے متاع کی طرح تھوڑا ہے۔

اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ بے شک تم مجرم ہو، کافر ہو عذاب کے مستحق ہو بالآخر تمہارے لئے دائمی عذاب ہے۔

فائدہ فعل مقدر قول سے متعلق ہے اور مکذبین سے حال ہے اسی لئے کواشی میں ہے کہ میں مکذبین پر وقف اچھا نہیں سمجھتا اگر اس سے کلوا منصوب ہو یعنی مقول سے حال ہونے کی حیثیت سے اب معنی یہ ہوا کہ خرابی ان کے لئے ثابت ہے جنہیں کہا جائے گا ان کو نصیحت دے کر کہ دنیا کے اسباب کچھ نہیں جبھی تم گناہ کر رہے ہو اور اس کی ابتاع کو دائمی نعمت والی پر ترجیح دے رہے ہو یہاں یہ سوال وارد نہ ہو کہ انہیں یہ کیسے کہا جائے گا جبکہ وہاں آخرت میں تمتع کیا اس لئے کہ آخرت میں انہیں طلب اکل وتمتع بہ بنعیم" دنیا کا امر حقیقۃ نہ ہوگا کیونکہ وہاں دنیا کی نعمتیں ممکن ہی نہیں بلکہ یہ امر تذکیر مذکورا دنیا، کے لئے ہوگا اس معنیٰ پر یہ توبیخ و تحسیر (حسرت دلانا) تحضرین (حزن میں ڈالنا) امر ہوگا۔

فائدہ ان کے اجرام (جرم کرنا) کو علت بنانے میں دلیل ہے کہ مجرم کا انجام یہی ہے کہ اس کا دنیا میں کھانا اور نفع اٹھانا تھوڑے دنوں کے لئے پھر دائمی ہلاکت میں رہنا ہوگا (معاذ اللہ)

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ خرابی ہے اس دن میں مکذبین کو کہ دنیا کے تھوڑے سے اسباب سے نفع اٹھا کر خود کو عذاب دائمی کے آگے لگا دیا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ تم مجرم ہو کہ ہیآت ردیہ و ملکات غیر مرضیہ (ناپسندیدہ) کو عمل میں لاتے ہو خرابی ہے اس دن مکذبین کے لئے کہ انہوں نے اخلاق ذمیمہ کو افضل سمجھ کر اوصاف حمیدہ کی تکذیب کی۔

تفسیر عالمانہ (۴۸) وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اور جب مکذبین کو کہا جائے کہ ارْكَعُوْا نماز پڑھو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اس سے ڈرو اس کے وحی کو قبول کر کے اور دین کی اتباع کر کے سر جھکاؤ اور اس تکبر و نخوت کو چھوڑو اسی لئے رکوع اور کسی کے سامنے سر جھکانا اس کی تعظیم و تواضع ہے اور سجدہ سب سے بڑھ کر تعظیم و تواضع میں اسی لئے کہا جاتا ہے کہ غیر اللہ کے سجدہ کفر ہے اگر عبادۃ کا ہو اگر تعظیم کا ہو تو خطرۂ عظیم سے خالی نہیں۔ (حاشیہ ملے آگے)

فائدہ حواشی ابن الشیخ میں ہے کہ رکوع لغت میں حقیقۃً مطلق انحناء حسی کو کہا جاتا ہے اور نماز کا رکوع بھی منجملہ اس کے افراد کے ہے اس کی اطاعت و خضوع سے تعبیر کرنا مجاز لغوی ہے اسے انحناء حسی سے تشبیہ کی وجہ سے۔

لَا یَرْکَعُوْنَ تو نہیں پڑھتے نہ ڈرتے اور نہ اسے قبول کرتے بلکہ جس عادت پر تھے اپنے تکبر پر ڈٹ جاتے بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جب انہیں نماز کا حکم کیا جائے یا رکوع کا تو نہ کرتے۔

شانِ نزول مروی ہے یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثقیف والوں کو نماز کا حکم فرمایا تو کہا ہم نہ جھکتے ہیں نہ ہی کبڑے ہوتے ہیں یعنی رکوع والے کی طرح کمر ٹیڑھے نہیں ہوتے کیونکہ ہمارے لئے ذلت ہے اس لئے کہ رکوع کی حالت میں پیٹھ سیدھی کرکے دبر کو پیچھے کی طرف کر اکرنا پڑتا ہے اور یہ ہمارے لئے عیب اور عار ہے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس دین میں خیر و بھلائی نہیں جس میں رکوع و سجود نہ ہو۔

فائدہ بعض تفاسیر میں ہے کہ جاہلیت میں بتوں کو سجدہ تو کرتے لیکن رکوع نہیں کرتے تھے اسی لئے رکوع اہل اسلام کی نماز علامت ہو گیا۔

فائدہ اسمیں دلیل ہے کہ کفار بھی فروع کے مخاطب ہیں آخرت میں مواخذہ کے حق میں (جیسے بار بار گذرا)۔

فائدہ حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کی مراد یہ ہے کہ وہ کفار مسلمان نہیں ہوں گے اس لیے کہ اسلام کا رکن اعظم نماز ہے شہادتین کے بعد۔

تارکِ نماز کی مذمت: اس میں تارک نماز کی مذمت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے داعی کی دعوت قبول نہیں کرتا جبکہ مؤذن پانچ وقت اسے اللہ تعالیٰ کے گھر اور نماز قائم کرنے کے لئے بلاتا ہے ایسے ہی تمام داعین الی اللہ تعالیٰ کا قیاس کیجئے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب اُن سے کہا جاتا ارکعو یعنی لذاتیہ حیوانیہ سے فنا پاکر لذاتیہ روحانیہ میں بقا پاؤ اس لئے کہ نماز اللہ تعالیٰ کے ساتھ روح و سر کی مناجات ہے اور اس مناجات سے بڑھ کر اور کوئی شے لذیذ تر نہیں۔

تفسیر عالمانہ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ خرابی ہے اس دن مکذبین کی۔ لعنت ہے اس دن ان لوگوں پر جو نماز کے رکوع و سجود کی تکذیب کرتا ہے اور شرف اسلام کو نہیں پاتا۔

فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ اِبر کونسی بات پر) یہ اس خبر پر جو حق کی خبر دیتی ہے اور ماکان و مایکون کے صدق کو بیان

له اسی لئے ہم اہلسنت کے نزدیک سجدہ تعظیم حرام (مکروہ) تحریمی۔

کرتی ہے ۔ بَعْدَہٗ اس کے بعد یعنی قرآن مجید جو دارین کی باتیں بوتا اور دونوں جہانوں کی خبریں عجیب طریقے اور معجزے کے طور پر بتاتا ہے ۔ اور حجج قاطعہ و براہین ساطعہ پر اس کی مضبوط بنیاد ہے یُؤْمِنُوْنَ (ایمان لائیں گے) جب قرآن مجید پر ایمان نہیں لاتے جو کہ یہ جمیع احادیث (باتوں) کا جامع ہے

فائدہ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ الخ شرط محذوف کا جواب اور کلمہ بعد بمنزلہ ثُمَّ کے ہے افادۂ تراخی رتبی کا یعنی جب وہ قرآن پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ وہ مذکورہ امور سے موصوف ہے تو پھر کونسی کتاب پر ایمان لائیں گے ۔

نکتہ سورۃ کو کفار پر تعجب دلانے پر ختم فرمایا کیونکہ استفہام تعجیب کے لئے آتا ہے اس سے واضح فرمایا کہ یہ کفار مکہ انتہائی درجہ کے تمرد و عناد میں ہیں کہ وہ ایسے برہان روشن اور دلیل قاطع پر ایمان نہیں لاتے اور دین مضبوط کی حقیقت (حق ہونا) کو نہیں مانتے کہ یہ قرآن انتہائی درجہ کی فصاحت و بلاغت اور اعجاز انتہائی طبقہ میں ہے ۔

فائدہ خبر میں ہے کہ ان آیات کے پڑھنے کے بعد کہا (آمَنَّا) ہم ایمان لائے ۔

استدلال معتزلہ بعض معتزلہ نے اس سے دلیل پکڑی ہے کہ قرآن قدیم نہیں کیونکہ آیت لفظ حدیث ہے اور وہ قدیم کی نقیض ہے اس لئے کہ قدم و حدوث ایک شے میں جمع نہیں ہوسکتے ۔

جواب از اہلسنت ۱ ہم کہتے ہیں کہ لفظ حدیث سے ثابت نہیں ہوسکتا کہ قرآن حادث ہے کیونکہ یہاں حدیث بمعنی خبر ہے نہ کہ محدث (پیدا شدہ)

جواب ۲ اگر مان لیں کہ حدیث بمعنی محدث ہے تو بھی ان کا دعویٰ صحیح نہیں ہوسکتا اس لئے کہ عبارت قرآن میں کوئی ایسی تصریح نہیں جس میں ہو کہ قرآن محدث ہے صرف حدیث سے حدوث سمجھنا جہالت ہے اس لئے کہ آیت کا مطلب تو یہ ہے کہ بعد قدیم کلام کے کونسی بات پر ایمان لاؤ گے ۔

جواب ۳ مان لیا کہ حدیث سے حدوث کی دلیل ہے تو اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوگا کہ جو الفاظ ہم پڑھتے ہیں وہ معانی پر دلالت کرتے ہیں وہ حادث ہیں اور اس میں تو ہمارا بھی اختلاف نہیں خلاف اس معنیٰ کے جو بذاتہ اللہ تعالیٰ ہے وہ ہمارے نزدیک قدیم ہے ۔

شان نزول حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ والمرسلات شب جن میں نازل ہوئی ہم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رکاب سعادت میں تھے جب منیٰ کی غار (جو مسجد خیف کے ملحقہ ہے) میں پہنچے والمرسلات نازل ہوئی ہم حضور سے اس کو پڑھتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی تلاوت فرماتے تھے اچانک ایک سانپ نے جست کی ہم اس کو مارنے کے لئے لپکے وہ بھاگ گیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم اس کی برائی سے بچائے گئے وہ تمہاری برائی سے ۔ یہ غار منیٰ میں غار والمرسلات کے نام سے مشہور ہے

غارحن کی زیارت فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ میں نے اس غار مبارک کی زیارت کی اور اس میں سورۃ والمرسلات بھی تلاوت کی اور وہ غار ایک اونچی پہاڑی کے اندر کے حصہ میں اس غار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کا نشان پاک ہے یتبرک بہ الی الآن اب بھی اس سے تبرک حاصل کیا جاتا ہے اس کے فضل کرنے اور کثرۃ انعامات دینے اور زیارت حرم خود اور حرم مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت کی توفیق بخشنے ہر وہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو اس کے نور جمال و کمال کے مظہر اتم ہیں۔

فراغت از صاحب روح البیان سورۃ والمرسلات کی تفسیر خالق کائنات کی مدد سے عاشورہ محرم کی عصر ۱۱۱۱ھ یعنی پارہ ۲۹ کی تفسیر اسی تاریخ کو ختم ہوئی

اور فقیر اویسی غفرلہٗ پارہ ۲۹ کی تفسیر سے ۱۵ ج ۲ ۱۴۰۹ھ ۲۳ جنوری ۱۹۸۹ء شب بدھ ساڑھے آٹھ بجے کو فارغ ہوا۔ بہاولپور (پاکستان)۔

سُوْرَةُ النَّبَا مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ — اٰيَاتُهَا ۴۰ رُكُوْعُهَا ۲

سورۂ نبا مکی ہے اس میں — اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا — چالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ (۱) عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ (۲) الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ (۳) كَلَّا

یہ آپس میں کاہے کی پوچھ گچھ کر رہے ہیں بڑی خبر کی جس میں وہ کئی راہ ہیں ہاں ہاں

سَيَعْلَمُوْنَ (۴) ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ (۵) اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا (۶) وَّالْجِبَالَ

اب جان جائیں گے پھر ہاں ہاں جان جائیں گے کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہ کیا اور پہاڑوں کو

اَوْتَادًا (۷) وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا (۸) وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا (۹) وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ

میخیں اور تمہیں جوڑے بنایا اور تمہاری نیند کو آرام کیا اور رات کو پردہ پوش

لِبَاسًا (۱۰) وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا (۱۱) وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا (۱۲) وَّجَعَلْنَا

کیا اور دن کو روزگار کے لیے بنایا اور تمہارے اوپر سات مضبوط چنائیاں چنیں اور ان میں ایک

سِرَاجًا وَّهَّاجًا (۱۳) وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا (۱۴) لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا

نہایت چمکتا چراغ رکھا اور پھر بدلیوں سے زور کا پانی اتارا کہ اس سے پیدا فرمائیں

وَّنَبَاتًا (۱۵) وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا (۱۶) اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا (۱۷) يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ

اناج اور سبزہ اور گھنے باغ بے شک فیصلہ کا دن ٹھہرا ہوا وقت ہے جس دن صور پھونکا جائے گا

فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا (۱۸) وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا (۱۹) وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ

تو تم چلے آؤ گے فوجوں کی فوجیں اور آسمان کھولا جائے گا کہ دروازے ہو جائے گا اور پہاڑ چلائے جائیں گے کہ ہو جائیں گے

سَرَابًا (۲۰) اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا (۲۱) لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا (۲۲) لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا (۲۳)

جیسے چمکتا ریتا دور سے پانی کا دھوکا دیتا بے شک جہنم تاک میں ہے سرکشوں کا ٹھکانا اس میں قرنوں رہیں گے

لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا (۲۴) اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا (۲۵) جَزَآءً وِّفَاقًا (۲۶) اِنَّهُمْ

اس میں کسی طرح کی ٹھنڈک کا مزہ نہ پائیں گے اور نہ کچھ پینے کو مگر کھولتا پانی اور دوزخیوں کا جلتا پیپ جیسے کو تیسا بدلہ بے شک

كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا (۲۷) وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا (۲۸) وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا (۲۹)

انہیں حساب کا خوف نہ تھا اور انہوں نے ہماری آیتیں حد بھر جھٹلائیں اور ہم نے ہر چیز لکھ کر شمار کر رکھی ہے

فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا (۳۰) اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا (۳۱) حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا (۳۲)

اب چکھو کہ ہم تمہیں نہ بڑھائیں گے مگر عذاب بے شک ڈر والوں کو کامیابی کی جگہ ہے باغ ہیں اور انگور

وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ۙ وَّكَاْسًا دِهَاقًا ؕ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ۚ جَزَآءً
اور اٹھے جوبن والیاں ایک عمر کی اور چھلکتا جام جس میں نہ کوئی بیہودہ بات سنیں نہ جھٹلانا صلہ تمہارے
مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ۙ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا
رب کی طرف سے نہایت کافی عطا وہ جو رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے رحمن کہ اس سے
يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ۚ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙۗ لَا يَتَكَلَّمُوْنَ
بات کرنے کا اختیار نہ رکھیں گے جس دن جبریل کھڑا ہوگا اور سب فرشتے پرا باندھے کوئی نہ بول سکے گا
اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۚ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ
مگر جسے رحمن نے اذن دیا اور اس نے ٹھیک بات کہی وہ سچا دن ہے اب جو چاہے اپنے
اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ۚ اِنَّاۤ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۖۚ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا
رب کی طرف راہ بنالے ہم تمہیں ایک عذاب سے ڈراتے ہیں کہ نزدیک آگیا جس دن آدمی دیکھے گا جو
قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ۠
کچھ اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور کافر کہے گا ہائے میں کسی طرح خاک ہو جاتا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان رحم والا ہے

تفسیر عالمانہ

عَمَّ (کاہے کی) یہ دراصل عَنْ مَا تھا، نون میم میں مدغم ہوا کیونکہ یہ غُنّہ میں مشترک ہیں عَمَّا ہوا پھر الف لِمَ، بِمَ، فِيْمَ، اِلَامَ و عَلَامَ کی طرح الف بھی گر گیا کیونکہ یہ بھی دراصل لِمَا، بِمَا، فِيمَا، اِلٰى مَا، عَلٰى مَا تھے استفہامیہ وغیرہ کے درمیان فرق کے لیے یا کثرتِ استعمال کی وجہ سے تخفیفاً۔ العشر میں غیر محذوف میں لکھا ہے جیسے ابو البقاء نے کہا مبہم اس لیے ہے تاکہ مسئول عنہ (جس کے بارے میں کفار کرتے تھے) کی شانِ فخیم معلوم ہو کہ وہ کیسی ہے اور اجناس معہودہ سے خارج ہے گویا وہ اپنا مبہم جنس سے خارج ہے اسی لیے اس کے متعلق پوچھ گچھ ہو رہی ہے۔ یہ استفہام اپنے حقیقی معنی میں نہیں بلکہ محض تفخیم کے لیے ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ (مسئول عنہ) مجہول نہیں کیونکہ اس سے کون سی شے مخفی

ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ کتنی عظیم الشان شے سے سوال کرتے ہیں۔ يَتَسَآءَلُوْنَ ایک دوسرے سے پوچھ گچھ کر رہے ہیں یعنی اہلِ مکہ مرنے کے بعد اٹھنے اور حشرِ جسمانی کے متعلق آپس میں پوچھ گچھ کرتے اور گفتگو کرتے اور انکار و استہزاء کے پیرایہ میں ایک دوسرے سے سوال کرتے یعنی وہ آپس میں اس کی حقیقت اور مسمّٰی سے سوال نہیں کرتے تھے بلکہ اس کے وقوع سے جو اس کے احوال میں سے ایک حال اور اس کے اوصاف میں سے ایک وصف کے متعلق پوچھ گچھ کرتے اگرچہ ما کی وضع حقائق الاشیاء واسماء کے مسمیات کی طلب کے لیے ہے جیسے ما الملک، ما الروح (فرشتہ و روح کیا ہے) یعنی ان کی حقیقت اور ان کے مسمّٰی کیا ہیں لیکن کبھی شے کا حال و وصف کے متعلق بھی آتا ہے جیسے ما زید۔ زید (کی وصف) کیا ہے؟ اس کے جواب میں کہا جاتا ہے عالمٌ یا طبیبٌ۔ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِیْمِ (بڑی خبر کی) النبا وہ خبر جو بڑی شان و خطر بھری ہو۔ یہ مسئول عنہ کے شان کا بیان اور جواب ہے۔ گویا کہا گیا ہے کہ کاہے کی پوچھ گچھ کرتے ہیں، کیا میں تمہیں اس کی خبر دوں۔ اس کے بعد بطریقِ جواب کے کہا گیا عن النبا العظیم اس بڑی خبر سے جو دائرۂ خلق کے علوم سے خارج ہے، پوچھ گچھ کرتے ہیں یہ لمن الملک الیوم للہ الواحد القہار (آج شاہی کس کی؟ اللہ واحد قہار کی) کے طریق پر ہے۔

ف : اس طریق سے سوال و جواب کا ایک فائدہ ان کے سمجھانے اور وضاحت کے زیادہ قریب ہے عن اس مدلول کے متعلق ہے جس پر مذکور دلالت کرتا ہے وہ مضمر ہے اور اس کا حق ہے کہ وہ مقدر ہو سکے، اس کے بعد بیان میں جلدی اور سوال کی ترتیب کے لیے۔ اس لیے جار اپنے متعلق سے مقدم ہے۔

ف : بعض نے کہا کہ عن النبا العظیم ایک دوسرا استفہام ہے کہ دراصل اعن النبا العظیم، ام وغیرہ تھا (کیا بڑی خبر سے یا اس کے غیر سے) مذکور (استفہام) کی وجہ سے دوسرا استفہام محذوف ہو گیا اس کی نظیر قرآن مجید میں دوسرے مقام پر ہے : افان مت فہم الخالدون۔ دراصل افہم الخالدون تھا (کیا اگر میں مرجاؤں تو کیا وہ دنیا میں ہمیشہ رہیں گے)۔

الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ مُخْتَلِفُوْنَ (جس میں وہ کئی راہ ہیں) یہ نبا کی صفت کے بعد صفت ہے۔ پہلی صفت عظیم ہے اس کے خطرناک ہونے کی تاکید کے بعد تاکید ہے اور آگاہ کرنا ہے کہ ان کی پوچھ گچھ کا مدار یہی ہے فیہ مختلفون کے متعلق ہے اس پر مقدم ہے اس کے اہتمام اور فواصل کی رعایت کی وجہ سے

اور صلہ جملہ اسمیہ ثبات کی دلالت کے لیے ہے یعنی وہ اختلاف میں راسخ (پختے) ہیں کیونکہ ان کے بعض جو قیامت کے انکار اور اسے محال سمجھنے میں راسخ اور پختہ یقین رکھتا ہے وہ کہتا ہے بس یہی حیات دنیا ہی ہے مریں گے جئیں گے اور ہمیں دہر ہی ہلاک کرے گا پھر ہم نہیں اٹھائے جائیں گے۔ اور ان کے بعض اقراری ہیں لیکن ان کا گمان ہے کہ ان کے بُت ان کی سفارش کریں گے۔ چنانچہ کہتے ہیں:

هٰؤلاء شفعاؤنا عند الله۔ (اللہ کے ہاں یہی بُت ہماری سفارش کریں گے)

ان کے بعض شک میں تھے، چنانچہ کہتے:

ما ندری ما الساعة ان نظن الا ظنا و ما نحن بمستقنین (ہمیں معلوم نہیں کہ قیامت کیا ہے ہمیں تو صرف اس کا گمان ہی ہے ہمیں اس کا کوئی یقین نہیں)

تفسیر صوفیانہ

اس میں قیامت کبریٰ کی طرف اشارہ ہے اور وہ ہے فناء کے بعد بقاء، یا بعث انقلب کی طرف جو نفس کی موت کے بعد ہوتا ہے رُوح اور اس کے قُویٰ تو اس کا اقرار کرتے ہیں لیکن نفس اور اس کی صفات انکاری ہیں کیونکہ یہ جاہل ہیں چہ جائیکہ انھیں اس کا کوئی ذوق نصیب ہو جو جس کا ذائقہ نہیں چکھتا وہ اس سے انکار کرتا ہے۔ حضرت کمال خجندی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

زاہد تعجب گر کند از عشق تو پرہیز
لیکن لذت ایں بادہ چہ داند کہ نخورداست

ترجمہ: زاہد اگر تعجب کرتا ہے عشق سے، تو تو اس سے دُور رہ کیونکہ جو اس شراب کی لذت نہ جانے وہ کیا پئے گا۔

حقیقت کے بادہ خوروں کو مبارک اور محروموں کو حسرت ہی حسرت۔

تفسیر عالمانہ

كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ (ہاں ہاں اب جان جائیں گے) کلّا کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں انہیں زجر ہے اور وعید ہے جیسے سیعلمون سے ثابت ہوتا ہے یعنی بعث (مرنے کے بعد اٹھنا) کوئی امر نہیں کہ اس کے انکار یا شک کرنے سے نہ ہو کہ اس سے انکار یا شک کرکے پوچھ گچھ کرتے ہیں اس لیے کہ جس کی پُوچھ گچھ کر رہے ہیں وہ حق ہے اُسے کوئی دفع نہیں کر سکتا اس نے واقع ہونا ہے لاریب۔ یقیناً اس میں کسی قسم کا شک نہیں ہے ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ (پھر ہاں ہاں جان جائیں گے) زجر و وعید کا تکرار تاکید و تشدید میں مبالغہ کے لئے ثُمَّ میں دلیل ہے کہ وعید ثانی شدید تر ہے یعنی ثم کی وضع تراخی زمانی کے لئے ہے لیکن مجازاً کبھی تراخی رتبی کے لیے استعمال ہوتا ہے یعنی شدۃ و فظاعۃ میں معطوفین کے درمیان تباعد کے لئے، اس میں تباعد رتبی کو تراخی زمانی سے تشبیہ کی وجہ سے کہ وہ مطلق

تباعد بین الامرین پر مشتمل ہیں اور یہاں مجازی معنٰی مراد ہے کیونکہ تشدید و تہدید کا مقام ہے اور اس پر محمول کرنے میں زیادہ تاکید ہے اگرچہ بعض نے اسے حقیقی معنی پر محمول کیا ہے اور یہ کہا کہ تم اس کی حقیقت نزع روح کے وقت جانو گے پھر مدتِ مدیدہ کے بعد یوم قیامت میں' اور ظاہر ہے کہ یوم القیٰمۃ نزع روح کے بڑی مدت کے بعد واقع ہوگا یا یہ معنی ہے کہ تم جانو گے بعث (مرنے کے بعد اٹھنا) کی حقیقت' جب قبروں سے اٹھو گے پھر بحسب العمل جزا ر کی حقیقت (حق ہونا)۔

ف : بعض نے ان کے اختلاف کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختلاف پر محمول کیا ہے پھر اختلاف میں صدور الفعل از متعدد کا اعتبار ہے نہ کہ ان کی آپس میں مخالفت جانبین سے اس لیے کہ وہ سارے کے سارے اگرچہ زجر و وعید کے مستحق تھے لیکن یہ استحقاق ہر دو جانب کی وجہ سے جانب آخر سے مخالفت کے لیے نہیں اس لیے کہ ان کی مخالفت میں حقیقت تو ہے نہیں، یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے کی مخالفت سے مواخذہ ہو بلکہ مواخذہ ہے تو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مخالفت کی وجہ سے۔ اس تقریر پر کلّا کی زجر انہیں پوچھ گچھ اور دونوں معنٰی مذکورہ سے اختلاف کی وجہ سے ہے، اور سیعلمون بطریق استیناف انہیں وعید اور زجر کی تعلیل ہے اور سین تقریب و تاکید کا ہے اس کا کوئی مفعول نہیں جیسا کہ مقام کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی پوچھ گچھ والی شے کے وقوع اور جس میں اختلاف کر رہے ہیں کے وقوع میں نہیں بلکہ یہ تو وہ ہے کہ جو اس کی گوناگوں ہولناکیاں اور عقوبات پائیں گے اور تساءل و اختلاف کے بالمقابل اس کے وقوع کے پانے کو علم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ انہیں چاہیئے کہ ایسے غلط سوال سے باز آجائیں کیونکہ عنقریب وہ جو حلول کرنے والی ہے اسے جان لیں گے جب ان پر عذاب وعقاب نازل ہوا۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا (کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہیں بنایا) جملہ مستانفہ ہے نبأ اور متساءل عنہ کی تحقیق ہے بعض متعدد ایسے شواہد سے جو اس کی حقیقت پر ناطق ہیں اور اس کے کہ اس پر زجر و وعید سے متنبہ فرمایا۔ یہاں سے واضح ہوگیا کہ متساءل عنہ بعث (مرنے کے بعد اٹھنا) ہے نہ کہ قرآن و نبوت النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جیسا کہ بعض مفسرین نے کہا۔ ہمزہ تقریر کے لیے ہے۔ المھاد یعنی بچھونا و فرش، جیسے دوسری آیت میں فرمایا: جعل لکم الارض فراشا (تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا)

حلِ لغات

ابن الشیخ نے فرمایا المھاد مصدر ہے ماھدت بمعنی مھدتُ، جیسے سافرت بمعنی سفرت ہے۔ اس کا اطلاق زمین ممہود (بچھائی ہوئی) پر ہوتا ہے یعنی کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہیں بنایا کہ اس پر تم چلتے پھرتے ہو جیسے کوئی اپنے بچھونے پر چلتا پھرتا ہے تاکہ وہ زمین تمہاری قرارگاہ اور چلنے پھرنے کی جگہ ہو۔ مھادًا' جَعَلَ کا مفعول ثانی ہے اگر جعل بمعنی تصییر ہو، اس کا حال

مقدر ہے اگر بمعنی غلق ہو، یہ بھی ہے کہ مہد کی جمع ہے جیسے کعب کی جمع کعاب ہے اس کی جمعیت (جمع ہونا) زمین کے مختلف اماکن کی وجہ سے، جیسے بستیاں، بلاد (شہر) وغیرہ یا اس میں تصرف کی وجہ سے کہ اس کے بعض کھیتی کے لئے، بعض سکونت کے لئے وغیرہ وغیرہ۔

ف: اسے مہد بھی پڑھا گیا ہے بچے کے گہوارے سے تشبیہ دے کر یعنی بچے کا وہ بچھونا جس پر وہ نیند کرتا ہے۔ تسمیۃ المفعول بالمصدر کے قبیل سے ہے یعنی مہد بمعنی ممہود۔

وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا (اور پہاڑوں کو میخیں) اوتاد سے اس کے لنگر مراد ہیں تاکہ ساکن ہو اور اپنے اوپر مقیمین کو کہیں نہ لے جائے جیسے وہ پانی پر جھکولے کھا رہی تھی، جیسے گھر کو میخوں سے مضبوط کیا جاتا ہے تشبیہ بلیغ کے قبیل سے ہے۔

حل لغات

اوتاد، وتد کی جمع ہے۔ وہ شے جو گاڑی جائے اور اس سے متزلزل و متحرک شے کو مضبوط کیا جائے، جیسے تختہ وغیرہ کو مضبوط کیا جاتا ہے۔ یعنی میخ (کیل)۔

سوال: اللہ تعالیٰ کا ارادہ و قدرت زمین کو روکنے کے لیے کافی نہ تھی کہ اس نے پہاڑوں سے زمین کو ہلنے سے روکا؟

جواب: ضرور تھی لیکن وہ مسبب الاسباب ہے، اور یہ بھی اس کی کمال قدرت کی دلیل ہے۔

اولیاء کرام کی شان

ہم اہلسنت والجماعت کہتے ہیں کہ دنیا اللہ والوں کے طفیل بس رہی ہے اسے ہمارے دور کے معتزلہ (وہابی، نجدی، دیوبندی) شرک و بدعت سے تعبیر کرتے ہیں۔ دو صدی پہلے یہی عقیدہ صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ نے بیان فرمایا، ان کی عبارت ملاحظہ ہو:

قال بعضهم الاوتاد على الحقيقة سادات الاولياء وخواص الاصفياء فانهم جبال ثابتة وبهم تثبت ارض الوجود۔ (روح البیان ۱۵، ص ۲۹۶)[1]	بعض نے کہا کہ اوتاد درحقیقت سادات اولیاء اور خواص اصفیاء ہیں، اس لیے کہ وہ جبال ثابتہ ہیں کہ ان سے ہی ارض الوجود ثابت ہے۔

اوتاد و ابدال میں فرق

حضرت ابوسعید خراز قدس سرہٗ سے اوتاد و ابدال کے متعلق سوال ہوا کہ ان میں کون افضل ہے؟ فرمایا: اوتاد۔ عرض کی گئی، وہ کیسے؟ فرمایا کہ

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

ابدال، ایک سے دوسرے حال کی طرف بدلتے رہتے ہیں۔ اور اوتاد ان تک انتہا، اور ان سے ارکان ثابت ہیں ان پر ہی خلق کا قوام (دار و مدار) ہے۔

ف: حضرت ابنِ عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اوتاد اہلِ استقامت اور اہلِ صدق ہیں ان کے متغیر نہیں ہوتے وہ مقامِ تمکین میں ہوتے ہیں۔

اوتاد کی تعداد

دنیا میں کل چار اوتاد ہوتے ہیں:

(۱) مشرق کی حفاظت کرتا ہے اس کا اسم گرامی عبدالحی ہے۔

(۲) مغرب کا محافظ ہے اس کا اسم گرامی عبدالعلیم ہے۔

(۳) شمال کی نگرانی کرتا ہے اس کا نام عبدالمرید ہے۔

(۴) جنوب کی حفاظت کرتا ہے اس کا نام عبدالقادر ہے۔

ابدال کی ڈیوٹی

ابدال سات ہیں، وہ ہفت اقلیم کے کُرہ کی علواً و سفلاً حفاظت کرتے ہیں۔ ان کی بھی یہی ہے کہ جب ان میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے تو چہل تن میں سے ایک کی جگہ پر لایا جاتا ہے وہ چہل تن نجباء ہیں اور نجباء کی تکمیل سی صد (۳۰۰) نقباء میں سے ایک سے ہوتی نقباء کی تکمیل صلحاء سے کی جاتی ہے۔ ابدال ایک جگہ پر مقیم نہیں رہتے مگر وہ کمزور ہوتے ہیں علاج معالجہ کھاتے پیتے ہیں، کپڑے پہنتے ہیں، ابدال بننے سے پہلے نکاح کرتے ہیں، قطب الابدال کی نظیر سہیل ایسے ہی قطب الارشاد کی نظیر جدی (ستارہ) ہے۔

ابدال زمانہ سابق کے

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانۂ اقدس میں حضرت عصام قرنی حضرت سیدنا اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا تھے ان کے بعد حضرت ابن عطاء احمد رضی اللہ عنہ جو کہ معظمہ و یمن کے درمیان کسی گاؤں میں رہتے تھے سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانۂ اقدس میں ابدالِ سبعہ میں سے ایک اور سیدنا امام شافعی رضی اللہ عنہ اوتادِ اربعہ میں سے ایک تھے۔[1]

---

[1] ہمارے دور میں بعض بدقسمت فرقے "ابدال" کے وجود اور ان کی اس اصطلاح اور ان کے تصرفا کمالات و کرامات کے منکر ہیں۔ امام اجل جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس پر ایک بہترین لکھی ہے۔ فقیر (محمد فیض احمد اویسی) نے بھی ان کے فیض سے ایک کتاب تحریر کی، اس کا خلاصہ نذرِ قارئین ہے:

(باقی برصفحہ آئن

تفسیر عالمانہ وَخَلَقْنٰکُمْ (اور ہم نے تمہیں پیدا کیا) اس کا عطف مضارع بکم پر ہے اور اسی کے حکم میں ہے کیونکہ یہ بھی انا جعلنکم کی قوۃ میں ہے یا اس پر جو انکار تقریر کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تحقیق ابدال ابدال دراصل رجال اللہ میں سے ایک مخصوص مقام پر فائز ہوتے ہیں ان کے متعلق احادیث مبارکہ میں بکثرت ارشادات وارد ہیں قرآن مجید میں انھیں رجال اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا ہے:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ وہ مردانِ حق جنہیں تجارت اور خرید و فروخت یادِ خداوندی سے غافل نہیں کرتی۔

ان کا وجودِ مسعود حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر نبیِ آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تک رہا ہے اور حضور کے عہدِ مبارک سے لے کر ظہورِ مہدی اور نزولِ عیسیٰ علیہ السلام تک رہے گا۔ کائنات کے قیام اور نظام کا دارومدار انہی مردانِ خدا پر ہے۔ عبد و معبود کے درمیان کا رشتہ انہی کی تعلیمات و ہدایات پر قایم ہے۔ امورِ تکوینی کے انصرام اور تصرفات کونیہ کی قدرت سے مشرف ہوتے ہیں ان کی برکات سے بارشیں برستی ہیں۔ نباتات پر سرسبزی آتی ہے کائنات ارضی پر مختلف قسم کے حیوانات کی زندگی انہی کی نگاہِ کرم کی مرہونِ منت ہے۔ شہری آبادیاں تقلب احوال و تحوّل اقبال، سلاطین کے عروج و زوال، انقلابات زمانہ اغنیاء و مساکین کے حالات میں ردّ و بدل، اصاغر و اکابر کی ترقی و تنزّل جنود و عساکر کا اجتماع و انتشار، بلاؤں اور وباؤں کا رفع و دفع ہونا۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی کروڑوں طاقتوں کا مظاہرہ انہی کے اختیار میں ہے۔ آفتاب عالم تاب خداوند تعالیٰ کے عطا کردہ نور سے تمام کائنات کو روشن رکھتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے غیب الغیب سے ایک نور ان حضرات پر وارد کرتا ہے جس سے وہ بنی آدم کے نظام کی اصلاح کرتے رہتے ہیں۔ ان حضرات کو دو قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

۱ - اولیائے ظاہرین

۲ - اولیائے مستورین

(۱) اولیائے ظاہرین کے سپرد مخلوقِ خدا کی ہدایت و اصلاح ہوتی ہے۔ یہ لوگ مخلوقِ خدا کی ہدایت اور اصلاح کے لئے زندگیاں وقف کر دیتے ہیں اور اپنے فرائض سے کبھی غافل نہیں ہوتے۔ وہ دشوار ترین حالات کے سامنے بھی اپنے کام میں لگے رہتے ہیں۔

(۲) اولیائے مستورین کے سپرد انصرامِ تکوینی ہوتا ہے۔ یہ اغیار کی نگاہوں (نگاہِ ظاہرین) سے مستور

(باقی اگلے صفحہ

مقتضی ہے ۔ کیونکہ وہ اس قوت میں ہے کہ کہا جائے قد جعلنا کم ازواجا ۔ جوڑے در انحالیکہ تم کئی قسم ہو یعنی نر و مادہ ، تاکہ ہر صنف اپنی دوسری صنف سے تسکین پائے اور معاشرہ و معاش کا معاملہ منتظم ہو اور نسل کا سلسلہ بڑھے ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور پوشیدہ ہوتے ہیں ، مگر یہ بھی صاحب خدمت ہوتے ہیں ۔ انہیں اپنے انصرامی امور کی سرانجام دہی کے سلسلے میں اظہار کی ضرورت نہیں ہوتی ، انھیں اصطلاحِ صوفیہ میں رجال الغیب اور مردانِ غیب کہا جاتا ہے ۔ ان میں سے ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی اتباع میں ان کے قدم بہ قدم چل کر عالم شہادت تک رسائی حاصل کرتے ہیں اور مستوی الرحمٰن کا مقام پاتے ہیں ، وہ نہ تو پہچانے جا سکتے ہیں اور نہ ہی ان کے اوصاف بیان کئے جاتے ہیں حالانکہ وہ عام انسانی شکل میں رہتے ہیں اور عام انسانوں میں صبح و شام مصروفِ کار رہتے ہیں ۔ انہی کے بارے میں حدیثِ قدسی میں ہے :

أَوْلِيَائِيْ تحت قبائی لا یعرفهم سوائی ۔ میرے ولی میری قدرت کی قبا میں ہیں انہیں میرے سوا کوئی نہیں جانتا ۔

(روح البیان)

ان میں سے ایسے حضرات بھی ہیں جو اپنے اپنے مقامات پر متعین ہیں ۔ عالمِ احساس میں جس انسان کی شکل چاہیں اختیار کر سکتے ہیں لوگوں کو پردۂ غیب سے پیچھے کی خبریں دیتے ہیں ۔ پوشیدہ امور سے بعض اوقات پردہ اٹھا دیتے ہیں اور پھر ان میں سے ایسے حضرات بھی ہیں جو تمام کائناتِ ارضی پر پھرتے ہیں ، لوگوں سے اپنا تعارف کراتے ہیں اور پھر آناً فاناً غیب ہو جاتے ہیں ، ان سے باتیں کرتے ہیں ، ان کی مشکلات کا حل بتاتے ہیں ان کے مسائل کا جواب دیتے ہیں اور جنگلوں ، پہاڑوں ، صحراؤں اور سمندروں میں قیام کرتے ہیں ایسے حضرات میں سے کوئی تر حضرات شہروں میں بھی قیام کرتے ہیں معاشرتِ بشری کے ساتھ صبح و شام بسر اوقات کرتے ہیں ، آبادیوں میں اعلیٰ مکانات میں رہائش پذیر ہوتے ہیں ۔ احباب کی خوشی اور غمی میں شریک ہوتے ہیں ۔ لوگوں کو اپنے معاملات میں شریک کرتے ہیں ، بیمار پڑتے ہیں تو اپنے حلقۂ احباب سے عیادت کرواتے ہیں ، علاج کراتے ہیں ، اولاد و اسباب ، اموال و املاک رکھتے ہیں ۔ لوگوں کی دشمنیوں ، بدگمانیوں ، ایذارسانیوں اور حسد و بغض کے اثرات برداشت کرتے ہیں ۔ مگر اللہ تعالیٰ ان کے حسنِ احوال اور کمالاتِ باطنی کو اغیار کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھتا ہے ۔ صاحبانِ نظر ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں ، صاحبانِ احوال ان کی زیارت کو آتے ہیں ۔ انہی میں سے تھے سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ جن کی زیارت کے لئے سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ یمن کی بستی قرن میں تشریف لے گئے تھے ۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

ل لغات زوج دونوں جوڑوں کی ہر دوسری قسم کو کہا جاتا ہے وہ حیوان ہو یا غیر حیوان ، جیسے موزہ ، جوتا ۔ اسی لئے دو کو زوج نہیں کہا جا سکتا بلکہ زوجین کہا جا سکتا ہے ۔ اسی لیے لائق ہے کہ کہا جائے قرضۂ

قیہ حاشیہ صفحہ ۱۱)

جال اللہ کے اقسام

رجال اللہ (مردانِ خدا) کو بارہ۱۲ اقسام میں منقسم کیا گیا ہے :

(۱) اقطاب
(۲) غوث
(۳) امامان
(۴) اوتاد
(۵) ابدال
(۶) اخیار
(۷) ابرار
(۸) نُقبا
(۹) نُجبا
(۱۰) عمد
(۱۱) مکتوبان
(۱۲) مفردان

قطاب : ہرزمانہ میں صرف ایک قطب ہوتا ہے ۔ یہ قطب سب سے بڑا ہوتا ہے ، اسے مختلف ناموں سے را جاتا ہے ۔ قطب عالم ، قطب کبریٰ ، قطب الارشاد ، قطب مدار ، قطب الاقطاب ، قطبِ جہاں اور انگیر عالم ، عالم علوی اور عالم سفل میں اسی کا تصرف ہوتا ہے اور سارا عالم اسی کے فیض و ہمت سے قائم ہوتا ہے قطبِ عالم کا وجود درمیان سے ہٹا دیا جائے تو سارا عالم درہم برہم ہو کر رہ جائے ۔ قطب عالم براہِ راست ہ تعالیٰ سے احکام و فیض حاصل کرتا ہے اور ان فیوض کو اپنے ماتحت اقطاب میں تقسیم کرتا ہے ۔ وہ دنیا کے ی بڑے شہر میں سکونت رکھتا ہے ، بڑی عمر پاتا ہے ۔ نورِ خاص مصطفوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی برکات ہر سمت سے صل کرتا ہے ۔ وہ اپنے ماتحت اقطاب کے تقرر ، تنزل اور ترقی کے اختیار کا مالک ہوتا ہے ۔ ولی کو معزول کرنا ، یت کو سلب کرنا ، ولی کو مقرر کرنا ، اس کے درجات میں ترقی دینا اسی کے فرائض میں ہے ۔ وہ ولایت شمس پر ز ہوتا ہے لیکن اس کے ماتحت اقطاب کو ولایت قمر میں جگہ ملتی ہے ۔ قطب عالم اللہ تعالیٰ کے اسم رحمٰن کی تجلی کا ہر ہوتا ہے ۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مظہر خاص تجلی الولایت ہیں ۔ قطب عالم سالک بھی ہوتا ہے اس کا مقام ترقی پذیر ہوتا ہے ۔ حتیٰ کہ وہ مقامِ فردانیت تک پہنچ جاتا ہے ۔ یہ مقام محبوبیت ہے ، رجال اللہ اس قطب عالم کا نام عبد اللہ بھی ہے ۔

طاب کی قسمیں

اقطاب کی کئی قسمیں ہیں ۔ یہ اقطاب تمام کے تمام قطب عالم کے ماتحت ہوتے ہیں ۔ قطب ابدال ، قطب اقالیم ، قطبِ ولایت وغیرہ وغیرہ ۔ بعض اوقات مختلف اد کی تربیت کے لیے ایک ایک قطب کا تعین کیا جاتا ہے ۔ قطب زہاد ، قطب عباد ، قطب عرفا ، قطب کلاں ۔ یہ اقطاب شہروں ، قصبوں ، گاؤں غرضیکہ جہاں جہاں انسانی معاشرہ ہے وہاں وہاں ایک ب مقرر ہے جو اس کی حفاظت اور اصلاح کا ذمہ دار ہوتا ہے ۔ وہ بستی مومنوں سے آباد ہو خواہ کافروں سے

باقی اگلے صفحہ

بالمقراضین (میں نے اسے دو قینچیوں سے کاٹا) وقصصته بالمقصین (میں نے اسے دو قینچیوں سے کاٹا)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مگر قطب اپنے فرائض سرانجام دیتا رہتا ہے۔ مومنوں کی بستیوں میں اسم ہادی کی تجلی سے کام لیا جاتا ہے اور کافروں کی پرورش یا نگرانی اسم مضل کے ماتحت ہوتی ہے۔

غوث بعض صوفیہ نے غوث اور قطب ایک ہی شخصیت کو قرار دیا ہے، مگر حضرت محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ کے نزدیک قطب الاقطاب اور غوث میں بڑا فرق ہے۔ بعض اوقات قطب اور غوث کے اوصاف ایک ہی شخصیت میں جمع ہو جاتے ہیں۔ قطبیت کی وجہ سے قطب الاقطاب اور غوث غوثیت کے اعتبار سے غوث العالم کہلاتا ہے۔

امامان قطب الاقطاب کے دو وزیر ہوتے ہیں جنہیں امامان کہتے ہیں۔ ایک قطب کے داہنے ہاتھ رہتا ہے جس کا نام عبدالملک ہے۔ اور دوسرا بائیں ہاتھ بیٹھتا ہے، اس کا نام عبدالرب ہے۔ داہنے ہاتھ والا قطب مدار سے پاتا ہے اور عالمِ علوی سے افاضہ کرتا ہے۔ بائیں ہاتھ والا قطب مدار سے فیض حاصل کرتا ہے مگر عالم سفلی پر افاضہ کرتا ہے۔ صوفیہ کے نزدیک بائیں ہاتھ والے امام کا رتبہ دائیں ہاتھ والے امام سے بلند تر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قطب الاقطاب کی جگہ خالی ہوتی ہے تو بائیں ہاتھ والا ترقی پاتا ہے اور اس کی جگہ دائیں ہاتھ والا مقرر ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عالمِ کون و فساد میں انتظام کرنا اور امن برقرار رکھنا زیادہ مشکل ہے۔ اس عالم میں معاشرہ اپنی خواہشات غیظ و غضب اور فساد و شر کی وجہ سے سخت انصرام و انتظام کی ضرورت کا تقاضا کرتا ہے اس لیے یہ وزیر زیادہ مستعد، تجربہ کار اور مضبوط رکھا جاتا ہے۔ اس کی نسبت عالم علوی کے احوال زیادہ اصلاح یافتہ ہیں جہاں مشکلات کا سامنا کم ہوتا ہے۔

اوتاد دنیا میں چار اوتاد ہوتے ہیں یہ عالم کے چاروں آفاق (گوشوں) پر متعین ہیں۔

١۔ مغربی افق والے اوتاد کا نام عبدالودود،
٢۔ مشرقی افق والے کا نام عبدالرحمٰن،
٣۔ جنوبی افق والے کا نام عبدالرحیم،
۴۔ شمالی افق والے کا نام عبدالقدوس ہوتا ہے۔

قیام عالم میں یہ اوتاد میخوں کا کام دیتا ہے اور پہاڑوں کی طرح زمین پر امن برقرار رکھنے کا کام دیتے ہیں۔

الم نجعل الارض مھاداً والجبال اوتاداً۔ کیا ہم نے زمین کو بچھونا اور پہاڑوں کو اوتاد نہیں بنایا؟

(باقی اگلے صفحہ پر)

اس لیے کہ وہ دو ہیں ، اسی لیے صرف المقراض و المقص نہ کہا جائے گا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اسس آیہ کریمہ کی تفسیر میں صوفیا ِکرام نے اوتاد حضرات کے مقامات ، فرائض ، مراتب اور قیام امن میں ان کے کردار کو تفصیل طور پر بیان فرمایا ہے۔

ابدال انھیں بدلا ء بھی کہا جاتا ہے۔ یہ دنیا میں بیک وقت سات ہوتے ہیں اور سات اقالیم پر متعین ہوتے ہیں۔ یہ سات انبیاء کے مشرب پر کام کرتے ہیں ، یہ لوگوں کی روحانی امداد کرتے ہیں اور عاجزوں اور بیکسوں کی فریاد رسی پر مامور ہیں ؛

۱۔ ابدال اقلیم اول	بر قلبِ ابراہیم علیہ السلام	نام عبد الحی
۲۔ ابدال اقلیم دوم	بر قلبِ موسیٰ علیہ السلام	نام عبد العلیم
۳۔ ابدال اقلیم سوم	بر قلبِ ہارون علیہ السلام	نام عبد المرید
۴۔ ابدال اقلیم چہارم	بر قلبِ ادریس علیہ السلام	نام عبد القادر
۵۔ ابدال اقلیم پنجم	بر قلبِ یوسف علیہ السلام	نام عبد القاہر
۶۔ ابدال اقلیم ششم	بر قلبِ عیسیٰ علیہ السلام	نام عبد السمیع
۷۔ ابدال اقلیم ہفتم	بر قلبِ آدم علیہ السلام	نام عبد البصیر

مندرجہ بالا سات ابدالوں میں سے عبد القادر اور عبد القاہر کو ان مقامات ، ممالک اور اقوام پر مسلط کیا جاتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ کا قہر نازل ہونا ہوتا ہے ، یہ مقہوری بنتے ہیں۔ ان سات ابدالوں کو قطب اقلیم بھی کہتے ہیں۔

مندرجہ بالا ابدال کے علاوہ پانچ ابدال اور بھی ہوتے ہیں جو یمن میں رہتے ہیں ، اور پورے شام پر ان کی حکومت ہوتی ہے انہیں قطبِ ولایت کہتے ہیں۔ قطب عالم کا فیض قطب اقالیم پر اور قطب اقالیم کا فیض قطب ولایت پر ، اور قطبِ ولایت کا فیض تمام اولیائے جہاں پر وارد ہوتا رہتا ہے۔

علاوہ ازیں تین سو پچاس (۳۵۰) ابدال اور بھی ہوتے ہیں جن میں سے تین سو (۳۰۰) قلبِ آدم علیہ السلام پر ہیں۔ میر سید محمد جعفر مکی نے چار سو چار (۴۰۴) تعداد بتائی ہے ، جو مختلف انبیاء علیہم السلام کے مشرب پر ہوتے ہیں اور مختلف خدمات سرانجام دیتے رہتے ہیں۔

مفردان افراد کو کہتے ہیں جو قطب عالم ترقی کرتا ہے وہ فرد ہو جاتا ہے۔ مقام فردانیت پر پہنچ کر تصرفات سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔ قطب مدار عرش سے تحت الثریٰ تک متصرف ہوتا ہے۔

(باقی بر صفحہ آئندہ)

ف : الجوہری نے درۃ الغواص میں اور صاحبِ قاموس نے فرمایا کہ دوؔ کے لیے کہا جاتا ہے زوجان وعممان وحج۔ جم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور فرد متحقق ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ تصرف اور تحقق میں بڑا فرق ہے۔ قطب مدار تو علی الدوا تجلی صفات میں رہتا ہے مگر خود تجلی ذات میں ہوتا ہے۔ قطب مدار خاص ہے فرد اخص ہے۔ فردانیت مقامِ انبسا محبت ہے۔ یہاں پہنچ کر مراد باقی نہیں رہتی۔ بعض اولیاء کو تجلی افعالی ہوتی ہے بعض کو تجلی اسمائی بعض کو تجلی آثاری۔ بعض مقامِ صحو میں ہوتے ہیں بعض مقامِ سکر میں، بعض بیک وقت دونوں مقامات پر۔ مقاماتِ اولیاء اللہ خار از حد وحصر ہوتے ہیں مگر اہلِ فردانیت تمام مقامات سے برتر ہوتے ہیں۔ تنزل کی ایک ہے مگر عروج وترقی حدود و انتہا سے مبرّا ہے۔ افراد ترقی کر کے جب فردانیت میں کامل ہوتے جاتے ہیں تو ان کا رتبہ محبوبیت آجاتا ہے، پھ محبوبیت بھی مقبولانِ بارگاہ میں خاص امتیاز ذات کے ہوتی ہے۔ حضرت غوث الثقلین سید عبدالقادر جیلانی سلطان المشائخ حضرت محبوبِ الٰہی دہلوی رحمۃ اللہ علیہما اسی مقامِ محبوبیت کے مالک تھے۔ بحر المعانی میں لکھا ہے

"روزے ایں فقیر در کشتی دریائے نیل مصر با حضرت خضر علیہ السلام مصاحب بود۔ سخن درمیان شاہدان لایزالی می رفت۔ خضر علیہ السلام می فرمود کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی، شیخ نظام الدین بدایونی در مقام معشوقی بودند کہ امثالِ ایشاں دیگرے نہ رسید۔"[۱]

ایک دن یہ فقیر دریائے نیل مصر میں کشتی میں حضرت خ علیہ السلام سے رفاقت پذیر ہوا، شاہدان لایزا کے متعلق گفتگو شروع ہوئی۔ فرمایا کہ شیخ عبدالقا جیلانی اور شیخ نظام الدین بدایونی مقامِ معشوقی می تھے ان کے سوا اور کوئی اس مقام پر نہ پہنچ سکا۔

اخیار : ابدال میں سے چالیسؔ اخیار کہلاتے ہیں۔

نقباء : یہ تین سوؔ ہیں سب کا نام علیؔ ہے۔

نجباء : یہ تعداد میں سترؔ ہیں، نام حسنؔ ہے اور مصر میں رہتے ہیں۔

عمد : یہ چار ہیں، محمدؔ ان کا نام ہے، زمین کے مختلف زاویوں میں کام کرتے ہیں۔

مکتوبان : یہ حضرات چار ہزار کی تعداد میں ہوتے ہیں، ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں، ملتے ہیں، لیکن یہ لو اپنے آپ کو نہیں پہچان سکتے۔ ان پر اپنا حال آشکار نہیں ہوتا۔ ایسے لباس میں ہوتے ہیں کہ اغیار پہچاننے عاجز ہوتے ہیں۔ یہ اپنے مقام سے خود ناآشنا ہوتے ہیں، یا یوں کہیے کہ حالت اخفا میں ہوتے ہیں۔

---

[۱] اسی سے بعض غلط کار چشتیہ کو غلط فہمی ہوئی تو حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی قدس سرہٗ نے ان کا خوب فرمایا۔ اس کی تفصیل فقیر کی کتاب "قدمی علیٰ رقبۃ کل ولی" میں ہے۔ اویسی غفرلہٗ

(باقی اگلے صفحہ پر)

کہ یہ دو شقوں میں سے ایک پر اکتفا کے قبیل سے ہو۔ اور زوجہ عورت کے لیے کنایہ لغت ردیّہ ہے اس لیے کہ قرآن مجید میں ہے، اسکن انت وزوجک الجنۃ (تم اور تمہاری جورو جنت میں ٹھہرو) جو کسی کا قرین ہو اسے بھی زوج کہا جاتا ہے اس کے موافق ہو یا مخالف اسی لیے بعض نے یہاں یہ معنی کیا کہ ہم نے تمہیں پیدا کیا درانحالیکہ تم ہر ایک دوسرے کے بالمقابل اوصاف والے ہو جیسے فقر و غنا (دولت مندی) اور صحت و مرض اور علم و جہل اور قوت و ضعف اور ذکورۃ و انوثۃ (نر و مادہ) طول قصر وغیرہ اور اسی سے ہی آزمائش ہوگی کہ فضیلت والا شکر کرے اور جسے وہ فضیلت نہ ملے وہ صبر کرے اور اس سے نعمت کی قدر معلوم ہوگی کہ صبر سے شکر کا موقع ملے گا اور یہ سب کی سب کمال قدرتِ الٰہی اور اس کی نہایت حکمت کی دلیل ہے۔ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ (اور ہم نے تمہاری نیند کو کیا) اس بخار کی رطوبات سے جو دماغ کو چڑھتے ہیں کی وجہ سے دماغ کے اعصاب کا ڈھیلا ہونا اسی لیے اہلِ ریاضت کو نیند کم آتی ہے کیونکہ ان کے دماغ کی رطوبت کم ہو جاتی ہے سُبَاتًا (آرام) موت یعنی موت کی مانند، کیونکہ نیند والا میّت کی طرح ہوتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) **ف**: مندرجہ بالا تشریحات کے علاوہ ان رجال اللہ (مردانِ خدا) میں سے بہت سے اور اقسام ایسے ہیں جو کائنات کے انتظامات و انصرامات میں مصروف ہیں۔ یہ لوگ بھی رجال الغیب کی صفت میں آتے ہیں مگر ان کے صحیح مقامات سے اہلِ خرد پوری طرح آگاہ و آشنا نہیں اور نہ ہی ان کے احوال و مقامات کا ادراک ان کی عقل و وسعتوں میں سما سکتا ہے۔ یہ حضرات اپنے فرائض میں اس قدر مربوط اور مستعد ہوتے ہیں کہ ہم ظاہر بیں اندازہ نہیں کر سکتے۔

گذشتہ صفحات میں جہاں ہم نے قارئین کو رجال اللہ (مردانِ خدا) سے آشنا کرنے کے لیے ایک حقیر سی کوشش کی ہے وہاں ان حضرات کا مختصر سا ذکر دور از موضوع نہ ہوگا جو ہمارے ظاہری احوال و معاملات کی روحانی اصلاح اور نگرانی فرماتے ہیں۔ ان میں علماء، مشایخ، صوفیہ، صلحاء، اتقیا اور مجدد شامل ہیں۔ علماء و مشائخ کے ہزاروں مقامات و مراتب ہیں۔ وہ معاشرۂ انسانی کی ظاہری باطنی اصلاح کے لیے مختلف انداز رشد و ہدایت پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ ان کے اثرات خصوصیت کے ساتھ مسلم معاشرے پر مرتسم ہوئے ہیں۔ اگرچہ ان کی اصلاحی کوششیں غیر مسلموں پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں، مگر تاریخ عالم نے عالمِ اسلام کے اذہان و افکار میں جن انقلابات کی نشان دہی کی ہے وہ ان علماء و مشایخ کی شبانہ روز کاوشوں کے رہینِ منت ہیں۔ ان میں صوفیہ بالخصوص روحانی اور قلبی اصلاح میں مصروف ہے۔ ان کی اس مساعیِ جمیلہ نے اسلامی معاشرے کی اخلاقی نشو و نما میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے احکامِ الٰہیہ اور مقامِ مصطفےٰ کی عظمت کو لوگوں کے دلوں میں نقش کرنے میں گرانقدر کام کیا، انہوں نے مُردہ دلوں کو حیاتِ تازہ بخشی، اور مردہ نفسوں کو ونفخت فیہ من روحی کے پیغام سے زندہ کر دیا۔ مزید تفصیل فقیر کی کتاب "ابدال کے احوال" میں ملاحظہ ہو۔ اویسی غفرلہٗ

حلِ لغات

السبات از سبتٌ ہے بمعنی القطع (کاٹنا) کیونکہ نیند والا حرکت سے کٹا ہوا ہے۔ اسی سے یوم السبت (ہفتہ کا دن)۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی پیدا کا سلسلہ اتوار کو شروع کرکے چھ دنوں میں (یعنی جمعہ کو) ختم کر دیا اور ہفتہ کا دن کام سے خالی رہا، اسی لیے اس کا نام یوم السبت رکھا گیا اور اس لیے کہ اسی دن (سنیچر) کو اہلِ کتاب کاروبار کو منقطع کر دیتے ہیں یعنی چھٹی کرتے ہیں۔ النوم دو توفیوں کی ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

الله یتوفی الانفس حین موتها والتی لم تمت فی منامها۔ — اللہ تعالیٰ نفسوں کو موت کے وقت فوت کرتا ہے اور وہ جو اپنی نیند میں نہیں مرتا۔

یعنی اسے فوت کرتا ہے جو نیند میں نہیں مرا، وہ اس لیے کہ دونوں کو اس میں مشارکۃ تامہ ہے کہ حیاۃِ دنیوی کے کام نیند والے سے منقطع ہو جاتے ہیں۔ اس معنی پر اس کی تنوین نوعی ہے۔ یعنی ہم نے تمہاری نیند کو ایک قسم کی موت بنا دیا، یعنی وہ موت کہ منقطع ہو جائے اور دائمی نہ ہو، اس لیے کہ نیند کے وقت روح کی روشنی صرف ظاہری بدن سے منقطع ہوتی ہے، اسی لیے کہا جاتا ہے:

النوم اخ الموت (نیند موت کی مانند ہے)

ف: نیند بقدرِ ضرورت ہو تو نعمتِ جلیلہ ہے۔ بعض نے کہا کہ نوم سبات ہے یعنی قطع کرنا احساس و حرکت سے، تاکہ قویٰ حیوانیہ کو راحت ملے اور تھکان دُور ہو۔ لیکن مقام کے مطابق پہلا معنی لائق ہے۔

وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ (اور رات کو بنایا) وہ رات کہ اس میں نیند واقع ہوتی ہے **لِبَاسًا** پردہ پوش۔

حلِ لغات

کہا جاتا ہے: لبس الثوب بمعنی استتربه (کپڑے میں چھپا)۔ ہر وہ شے جو انسان کے قبح کو چھپائے اسے لباس کہا جاتا ہے۔ مرد کو عورت کا (عورت کو مرد کا) لباس کہا گیا کہ وہ قبح کے ارتکاب سے ایک دوسرے کو روکتے (اور اس کا سبب ہیں)، ایسے ہی البعل (شوہر) اور وہ چونکہ ایک دوسرے پر مشتمل ہیں اسی لئے ایک دوسرے کا لباس ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

هُنَّ لباسٌ لکم و انتم لباسٌ لهن (وہ تمہارا لباس ہیں تم ان کے لباس ہو)

تقویٰ کو بھی لباس کہا جاتا ہے بطریقِ تمثیل و تشبیہ۔ اسی طرح خوف و جُوع کو بھی تمثیل و تشبیہ کے طریق سے لباس کہا گیا ہے اور اس کا صاحبِ خوف و جُوع پر تصور کرکے مثلاً کہتے ہیں:

تدرع فلان الفقر (فلاں نے فقر کا قمیض پہنا)

ولبس الجوع (اس نے بھوک کا لباس پہنا)۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ رات تمہارے لیے لباس ہے کہ وہ اپنی تاریکی سے تمہیں ڈھانپ لیتی ہے جیسے تمہیں

لباس ڈھانپ لیتا ہے۔ امید ہے اس سے وُہ ڈھانپنا مراد ہے جو نیند کا وقت طاری ہوتا ہے اور سردیوں میں اپنے اوپر لحاف وغیرہ اوڑھ لیا جاتا ہے۔ رات کو اسی نوعیت سے لباس سے تشبیہ زیادہ مکمل ہے اور اعتبار مقصد میں زیادہ دخیل ہے۔

صُوفیہ کرام کی شب

حضرت شیخ اکبر رضی اللہ عنہ کی فتوحات میں ہے کہ رات اصحاب اللیل کی لباس ہے کہ وُہ انھیں اغیاری نظروں سے چُھپا لیتی ہے تاکہ خلوۃ میں لذت مکالمہ (گفتگو) یا محاضرہ (حضوری)، مشاہدہ (دیدار کا جلوہ) سے ہر ایک استعداد کے مطابق پھل کھائیں۔

ف: حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ نے فرمایا کہ شب راہِ سلوک پر چلنے والوں کے لیے پردہ اور دن سحر گاہ کے بیداروں کا بازار ہے ؎

اللیل للعاشقین ستر
یالیت اوقاتہ قد دم

ترجمہ: رات عشاق کے لیے پردہ ہے۔ کاش وہ ہمیشہ رہتی!

؎

چوں دردل شب خیال او یار منست
من بندۂ شب کہ روز بازار منست

ترجمہ: جب دل میں شب خیال میرا یار ہے اسی لیے میں شب کا غلام ہوں کہ دن میرا بازار ہے۔

ربط: اللہ تعالیٰ نے رات کو نیند کا محل بنایا اور وُہ موت کی مانند ہے، اور دن کو بیداری کا محل بنایا' اسے حیاۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا (اور دن کو معاش کے لیے بنایا) یعنی معیشت کا وقت یعنی حیات کہ تم اپنی نیند سے بیدار ہو جاؤ جو کہ وہ موت کی مانند ہے' جیسے اس کے لیے فرمایا: وھوالذی جعل لکم الیل لباسا۔ اور نوم کو سباتاً فرمایا اور دن کو نشور بنایا۔

سوال: جعل یقظتکم حیاۃ (اور تمہارے لیے بیداری کو حیات بنایا) کیوں نہیں فرمایا؟

جواب: تاکہ اس کے اور وجعلنا نومکم سباتاً کے درمیان مطابقت ہو۔ بلکہ اس یقظۃ کو نہار سے تعبیر فرمایا کیونکہ اکثر نہار (دن) یقظہ (بیداری) کو مستلزم ہے تاکہ وجعلنا الیل سے جعلنا النہار کی مطابقت ہو اور اس سے معلوم ہو کہ رات ہمیشہ نہ رہے گی، اس کے درمیان میں جو ذکر نوم ہے وُہ

اس کے دوام کے لیے قرینہ تھا۔

حلِ لغات معاش مصدر ہے از عاش یعیش عیشاً و معاشاً و معیشۃً و عیشۃً۔ اس تقدیر پر مضاف کا مقدر کرنا ضروری ہے اور اس کی تفسیر وقت سے ہو (جیسے ہم نے ابتدا میں لکھا) یا یہ اسمِ زمان بروزن مفعل تو اس وقت مضاف کے حذف کی ضرورت نہیں کیونکہ ظرف زمان وقت کے معنی و مفہوم کرتا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے الم نجعل الارض الخ کیا ہم نے ارضِ بشریہ کو تمہارے استراحت اور انواع منافع بشریہ میں انتشار کے لیے تمہارا بچھونا نہیں بنایا اور تمہارے نفوس قالبیہ جبال کو ارض بشریہ کے قوائم نہیں بنائے، اور تمہیں جوڑے جوڑے نہیں بنایا ایک روح دوسرا نفس یا قلب (مذکر) اور نفس (مؤنث)، اور تمہاری نیند کو غفلت نہیں بنایا کہ لذات اور شہوات کو پورا کرنے کے لیے تمہیں راحت و استراحت ملے، کیا تمہاری طبیعت رات کو تمہاری روحانیت کے دن کا پردہ پوشش نہیں بنایا کیا تمہاری روحانیت کو معاش کا وقت نہیں بنایا کہ اس میں تم اپنی طاعات و عبادات کی روزی کما سکو، اور یہی بعث (مرنے کے بعد جی اُٹھنے) کی صورتیں ہیں۔

تفسیرِ عالمانہ وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا (اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط چنائیں چُنیں)

حلِ لغات شداد، شدید کی جمع ہے یعنی سات آسمان قویۃ الخلق اور محکمۃ البناء ہیں کہ ان میں دہور کا مکرات و مرات آنا اور عصور (زمانوں) کا بار بار گزرنا مؤثر نہیں۔

آسمانوں کی موٹائی اور مسافت حضرت ابو اللیث رحمہ اللہ نے فرمایا کہ شداد بمعنی غلاظ ہے یعنی گاڑھے اور موٹے۔ ہر آسمان پانچ سو سال کی مسافت کے برابر موٹا ہوتا ہے۔

نکتہ: ان کی تخلیق کو بناء سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ وہ بمنزلہ قُبّاب (قبوں) کے ہیں کہ مخلوق کے اوپر کھڑے کیے گئے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ اس میں قلب کے سات طبقات کی طرف اشارہ ہے:

(۱) طبقۂ صدر، یہ جوہرِ اسلام کا معدن ہے۔

(۲) طبقۂ قلب، یہ جوہرِ ایمان کا معدن ہے۔

(۳) شغاف (پردہ)، یہ عشق و محبت اور شفقت کا معدن ہے۔

(۴) فؤاد ، یہ مکاشفہ ومشاہدہ اور رؤیۃ کا معدن ہے ۔

(۵) حبۃ القلب ، یہ حُبِ الٰہی کے ساتھ مخصوص ہے اسے محبۃ کونیہ سے کوئی تعلق نہیں ، نہ ہی عشقِ عالمین سے اسے کوئی واسطہ ہے ۔

(۶) سویدار ، یہ علم لدنی کا معدن اور حکمت کا گھر ہے ۔

(۷) بیت العزۃ ، یہ کاملترین کا قلب ہے ، یہی اسرار الٰہیہ کا گھر ہے جو کبھی باطن سے ظاہر کی طرف خارج نہیں ہوتا اور نہ ہی کبھی اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے ۔

تفسیر عالمانہ وَجَعَلْنَا سِرَاجًا (اور ہم نے رکھا چراغ) سورج ، اسے چراغ سے تعبیر کرنا مترادفات سے ہے ، جیسے خلقنا کو بنینا سے تعبیر کیا گیا

حلِ لغات امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ السراج وہ چراغ روشن جو فتیلہ (بٹ) اور تیل سے روشن کیا جائے ۔ پھر ہر روشن شے کو سراج (چراغ) سے تعبیر کیا جاتا ہے اور سراج (چراغ) کو مصباح (دیا) بھی کہا جاتا ہے ۔

وَّهَّاجًا (نہایت چمکتا) وقادا ، متلالا ۔

حلِ لغات وھجت النار ، اضاءت آگ روشن ہوئی ، یا حرارت میں انتہاء کو پہنچنے والا چراغ (سورج) از الوھج بمعنی الحر (گرمی) دری جو مفسرین نے فرمایا کہ سراجًا وہاجًا وہ چمکنے والا جو نور و حرارت کا جامع ہے یعنی چراغ افروختہ و تاباں ۔ یہ لفظ سورج و چاند کو کہا جاتا ہے کہ دونوں ابتداءً نورِ عرش سے پیدا کئے گئے اور قیامت میں بھی ان کا نورِ عرش میں لوٹایا جائے گا ۔

سورج اور چاند کی روشنی میں فرق کیوں

حضرت عکرمہ نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا کہ میں تمہیں ایسی حدیث شریف نہ سناؤں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنی کہ آپ سورج اور چاند کی ابتدائی تخلیق اور پھر موجودہ صورت میں ہونے کے متعلق فرمایا کرتے تھے ؟ ہم نے عرض کی فرمائیے ۔ فرمایا کہ اس بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو احکام صادر فرمائے تو آدم علیہ السلام کے لیے کوئی حکم باقی نہ رہا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے شمسین (سورج اور چاند) کو نورِ عرش سے پیدا فرمایا ان دونوں (شمسین) کے بارے میں اس کے علم میں تھا کہ یہ سورج رہے گا تو اسے دنیا کے برابر پیدا فرمایا جس کا نور مشارق ومغارب تک پھیلا ہوا تھا اور جس کے متعلق علم تھا کہ اسے چاند بنایا جائے گا تو اسے سورج سے عظم (موٹائی) میں چھوٹا بنایا ۔ یہ دونوں اس لیے چھوٹے نظر آتے ہیں کہ بہت زیادہ بلندی پر اور بہت

دُور ہیں۔ پھر سورج اور چاند کو اسی طرح چھوڑا جاتا جیسے ابتدائی تخلیق میں تھے تو رات اور دن کا فرق معلوم نہ ہوتا اور نہ مزدور کو علم ہوتا کہ وہ کب کام کرے اور کب نہ کرے، اور نہ ہی روزے دار کو معلوم ہوتا کہ کب روزہ رکھے اور کب افطار کرے، اور عورت کو معلوم نہ ہوتا کہ کب عدت گزارے، اور نہ ہی اہلِ اسلام کو نماز کے اوقات معلوم ہوتے، اور نہ ہی حج کا وقت معلوم ہوتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر نظرِ شفقت کرتے ہوئے رحم فرمایا اور جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا کہ اپنا پَر چاند کے چہرے پر مارے تاکہ اس سے حرارت مٹ جائے اور اس کا نور باقی رہے، اسی لیے فرمایا:

وجعلنا الیل والنھار اٰیتین فمحونا اٰیۃ الیل وجعلنا النھار مبصرا۔

اور ہم نے رات اور دن کو دو آیتیں بنایا، پھر ہم نے رات کی آیت کو مٹا کر دن کو راہ دکھانیوالا بنایا۔

یہ جھائیاں جو تم چاند پر دیکھتے ہو (لکیروں کی طرح) یہ وہی جبریل علیہ السلام کے پروں سے مٹانے کے نشانات ہیں جب قیامت قائم ہوگی اور اللہ تعالیٰ مخلوق کے درمیان فیصلہ فرمائے گا تو دوزخیوں اور بہشتیوں کے درمیان امتیاز ہو جائے گا۔ لیکن ابھی جنّت وجہنّم میں داخل نہیں ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ سُورج اور چاند کو بلائے گا، انہیں جب بلایا جائیگا تو وہ سیاہ ہوں گے ان میں نور نہ ہوگا اور ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کئے جائیں گے نہایت غمگین، آہستہ رفتار سے کاندھے کانپتے ہوئے آئیں گے اس دن کی ہولناکیوں اور رب رحمان کے خوف سے۔ جب عرشِ الٰہی کے سامنے آئیں گے تو عرشِ الٰہی کے بالمقابل سجدہ ریز ہو جائیں گے اور عرض کریں گے اے اللہ! تُو ہماری طاعت بجا لانے اور ادائیگیِ عبادت اور حکم کی تعمیل کو خوب جانتا ہے اسی لیے ہمیں ان کی وجہ سے عذاب میں مبتلا نہ فرمانا، جنہوں نے ہماری پرستش کی تُو خُوب جانتا ہے کہ ہم نے انہیں اپنی پرستش کی دعوت نہیں دی تھی، اور نہ ہی ہم نے کبھی تیری عبادت سے سُستی اور غفلت برتی ہل کی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیگا تم سچ کہہ رہے ہو اور میں نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ مخلوق کو پیدا کر کے لوٹاؤں، میں نے ہی تمہیں اسی طرف لوٹایا جہاں سے میں نے تمہیں پیدا کیا، اس لیے اب ادھر لوٹو جہاں سے تم پیدا ہوئے۔ عرض کریں گے: یا اللہ! تُو نے ہمیں کہاں سے پیدا فرمایا؟ فرمایا جائے گا: عرش کے نُور سے، اسی لیے ادھر جاؤ۔ (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے) فرمایا: سورج اور چاند سے نور کی ایک ایسی چمک اُٹھے گی جس سے آنکھوں کے نور اُچک لیے جائیں گے، اس کے بعد سورج اور چاند نورِ عرش میں مل جائیں گے۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یبدیٔ و یعید وہی ابتداءً پیدا کرتا ہے وہی سب کو لوٹائے گا۔ (کشف الاسرار)

ردایت دیگر الشیخ رضی اللہ عنہ نے الفتح المکی میں لکھا کہ ستارے سب کے سب جہنم میں سیاہ اجسام اور عظیم الخلقت ہوکر داخل ہوں گے، ایسے ہی سورج اور چاند، ان کا ہمیشہ طلوع و غروب جہنم میں ہے۔

تطبیق از صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ فقیر (صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ خبر سابق اور اس خبر میں تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ سورج اور چاند دو چیزوں کے حامل ہیں،

۱۔ نور

۲۔ حرارت

جو نور کے قبیل سے ہے وہ عرش میں بغیر جسم کے داخل ہو گی، اس لیے کہ جسم غلظ (کثافت) سے خالی نہیں، اور وہ جو حرارت کے قبیل سے ہو گی وہ اپنے اجسام کے ساتھ نار میں جائے گی۔ اسی طرح سے ہر شئے اپنے اصل کی طرف رجوع کرے گی۔

(وہابی کُش سوال صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ ہر شے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے پیدا کی گئی، اسے سوال کے پیرایہ میں بیان کرتے ہیں۔ اویسی غفرلہ)[1]

فان قلت الظاهر ان یتصل نورهما بنور النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لانهما مخلوقان من نوره۔

اگر تم کہو کہ ظاہر یہ ہے کہ سورج و چاند دونوں کا نور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوٹایا جاتا کیونکہ وہ دونوں آپ کے نور سے پیدا ہوئے۔

(روح البیان ج ۱ ص ۲۹۷)

(وہابی کُش جواب اس کا جواب وہی دیا کہ گستاخِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وہابی نجدی، دیوبندی کا کلیجہ جل کر راکھ ہو جائے اور عشاق نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جان وجگر راحت و سرور سے مسرور ہو۔ اویسی غفرلہ)[2]

قلت ان العرش والکرسی خلقا من نوره وخلق القمران من نور العرش فهما فی الحقیقة

میں کہتا ہوں کہ عرش و کرسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے پیدا کیے گئے اور سورج و چاند

---

[1] و [2] اضافہ از اویسی غفرلہ

مخلوقان من نور النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم و متصل نورھما بنورہ والکل نورہ[1] و الحمد للہ۔

عرش کے نور سے تو درحقیقت سورج و چاند رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نور سے پیدا ہوئے اور ان کا نور آپ سے ہی متصل ہوا بلکہ کل کائنات آپ کے نور سے ہی ہے، والحمد للہ۔

۵

شمسۂ نُہ مسند و ہفت اختران
ختمِ رسل خواجۂ پیغمبران

ترجمہ: شمس نُہ مسند اور ہفت ستاروں کا، وہ ختمِ رسل اور خواجۂ پیغمبراں ہیں (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) (روح البیان مطبوعہ استنبول ج ۱۰ ص ۲۹۰)

الحمد للہ علیٰ ذٰلک (اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں نیک عقیدہ بخشا)

وَّ اَنْزَلْنَا (اور ہم نے اتارا) نون عظمہ کا ہے اور جمعیۃ الذات والاسماء والافعال کی طرف اشارہ ہے۔ مِنَ الْمُعْصِرٰتِ (نچوڑنے والیوں سے) بدلیوں (بادلوں) سے جب نچوڑی جاتی ہیں۔ یعنی نچوڑے جانے کے قریب بدلیاں ہوتی ہیں تو انھیں ہوائیں نچوڑتی ہیں تو بارش ہوتی ہے۔ یہ اُس وقت کا حال ہے جب کہ ابھی نچوڑی نہ جائیں، انزال از استعداد والے سے نہ کہ واقع ہونے والے سے' ورنہ تحصیل حاصل لازم آئے گی' اور ہمزہ حینونۃ (وقت بتانے) کا ہے۔

حل لغات: المعصرات اسم فاعل اس کا ہمزہ احصد الزرع کی طرح ہے یعنی کھیتی کاٹنے کا وقت

---

[1] اس مسئلہ کو دورِ حاضرہ میں وہابیوں نجدیوں معہم دیوبندیوں نے الجھا دیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بشر ہیں تو محض ہمارے جیسے' فرق ہے تو صرف نبوت کا۔ پھر یہ تاثر دیتے ہیں کہ جیسے ہماری بشریت خاک محض ہے ایسے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشریت بھی خاک محض ہے انہیں نور ماننا شرک ہے ہاں نورِ ہدایت مراد ہو سکتا ہے یہ تمام ان کے ڈھکوسلے اور عقلی باتیں ہیں ورنہ درحقیقت بات وہی حق ہے جو ہم اہلسنت کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کا بشری شکل میں ہونا حق ہے لیکن حقیقت نور ہے اور بشریت بھی نوری ہے کیونکہ احادیثِ مبارکہ کی تصریحات پھر ان کی تشریحات سے ثابت ہے کہ آپ اوّل المخلوق ہیں اور وہ اولیتِ حقیقتِ محمدیہ کی بحث سے قطع نظر آپ کا مادۂ بشری اصلی بھی اول المخلوق ہے جسے احادیثِ مبارکہ میں اوّل تخلیق کا ذکر ہے۔ مثلاً حدیثِ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیکھ لیجئے۔ اویسی غفرلہٗ

آگیا۔ والمعصرات الجاریۃ یعنی لڑکی کا وقت آگیا ہے کہ اس کی طبیعت رحم کو نچوڑے تو حیض کرے۔ المفردات میں ہے کہ المعصر وہ عورت جو حیض کرے اور داخل ہو عصرِ شباب (جوانی کے زمانہ) میں۔ اگر یہ ہمزہ حینونۃ کا نہ ہو تو لائق ہے کہ اسے معصرات (بفتح الصاد) پڑھا جائے کہ یہ صیغۂ اسم مفعول ہے کیونکہ ہوائیں بادلوں کو نچوڑتی ہیں، اور یہ بھی جائز ہے کہ معصرات سے خود وہ ہوائیں مراد ہوں جن کا وقت آگیا ہو کہ وہ بادلوں کو نچوڑیں تو بادل برسیں۔ اس معنی پر بصیغۂ اسم فاعل ہے اور ہمزہ حینونۃ کا ہے۔

سوال: کیوں نہ یہ ہمزہ تعدیہ کا ہو؟

جواب: اس لیے کہ ہوائیں عاصرہ ہیں معصرہ نہیں اگر ہمزہ تعدیہ کا مانیں تو ہواؤں کو معصرہ ماننا پڑے گا اور یہ صحیح نہیں۔

مَآءً ثَجَّاجًا پانی بہتا ہوا بکثرت یعنی بارش موسلا دھار (پے در پے) کہ پانی بہت زیادہ ہو جائے تو اس سے عظیم نفع ہو۔

حل لغات کہا جاتا ہے: ثج الماء، سال بکثرۃ وانصب پانی بہت زیادہ بہا وثجہ غیرہ اپنے غیر کو بہایا اسے انڈیلا۔ یہ لازم و متعدی دونوں کی طرح ہے اسی دوسرے متعدی سے ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے؛

افضل الحج العج والثج۔ (بہترین حج عج و ثج ہے)

العج بمعنی تلبیہ (لبیک کہنا) سے آواز بلند کرنا، الثج بمعنی ھدی (قربانی) کا خون بہانا، اسے زجاج نے الصباب سے تعبیر کیا ہے بمعنی گویا وہ خود بہا ہے بطور مبالغہ کے ہے۔ گویا یہ بھی متعدی ہے اس کے وانزلنا من السماء ماء کے مابین کوئی منافات نہیں اس لیے کہ ابتدائی انزال آسمان سے ہوتا ہے پھر بادل سے زمین کی طرف آتا ہے یہ حقیقی طور پر تو بارش بنتی ہے کہ اس کے اسباب آسمان میں تیار ہوتے ہیں منجملہ ان کے سورج کی گرمی بھی ہے کہ وہ حرارتِ شمس اجزاء مائیہ تو زمین تر کی گہرائیوں یا دریاؤں اور ندیوں سے ہوا کے خلاء کی طرف ابھارتی اور چڑھاتی ہے اس سے بادل بن کر بارش ہوتی ہے اس معنی پر حقیقۃً بارش بادلوں سے ہوگی اور آسمان سے مجازاً باعتبار سبب کے، اور مسبب الاسباب صرف اللہ ہی ہے۔

لِنُخْرِجَ بِهٖ تاکہ ہم نکالیں پانی کے سبب یعنی اس کے زمین تک پہنچے اور پانی کے زمین میں اختلاط (ملنا) سے اور اس کے ساتھ جو اس میں ہے یہ لام مصلحت کی ہے نہ کہ غرض سے، جیسے معتزلہ کہتے ہیں **حَبًّا** (اناج) بہت جسے قُوت بنایا جائے انسان کے لئے۔ وہ کہ جس سے بدن کا قوام ہو جیسے گندم اور جو وغیرہ۔

حلِ لغات عین المعانی میں ہے الحب اسم جنس ہے اس سے مراد جمع ہے۔ امام راغب نے فرمایا الحب والحبة (بالفتح) گندم اور جَو وغیرہ جو کھانے کے لائق ہوں۔ الحب و الحبة (بالکسر) خوشبُو والی چیزوں کے بیج، اور حبة القلب کو دانے سے مشابہت کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔

وَّ نَبَاتًا اور سبزہ بہت یعنی جانوروں کا چارہ۔ یعنی بارش سے جانوروں کا چارہ جیسے گھاس وغیرہ۔ جیسے اللہ تعا

نے فرمایا؛

کُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَکُمْ۔ (کھاؤ اور جانوروں کو چراؤ)

نکتہ : حب (دانہ) کی تقدیم باوجودیکہ وُہ وجود میں آنے میں نبات (سبزہ) سے بعد میں ہوتا ہے، اس کی اصالت و شرافت کی وجہ سے۔ کیونکہ انسان کی اکثر اغذیہ کا تعلق دانے سے ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے تاکہ ہم نکالیں (بارش سے) موتی اور چارہ (جانوروں کے لئے)۔

ف : حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، بارش کا جو قطرہ زمین پر گرتا ہے اس سے سبزہ اگتا ہے، جو قطرہ دریا میں گرتا ہے اس سے موتی بنتا ہے۔ یہ اس کے خلاف ہے جو مشہور ہے کہ ہر قطرہ موتی نہیں بنتا بلکہ بارش کا وہ قطرہ موتی بنتا ہے جو خاص موسم میں دریا میں گرے۔ ہاں حضرت عکرمہ کے قول کو عام کہا جائے کہ وُہ موتی ہوں یا کوئی اور شے جیسے کوڑیاں وغیرہ۔

وَّ جَنّٰتٍ (اور باغات) تاکہ ان سے انسان میوے حاصل کرے۔

حلِ لغات الجنة دراصل سترہ (ڈھانپنے) کو کہا جاتا ہے مصدر بنے از جنة یعنی سترہ (اسے ڈھانپا)، پھر اس کا اطلاق کھجور اور ایسے درخت پر ہوتا ہے جو گھنا ہو اور اس کی ٹہنیاں آپس میں ایک دوسری سے لپٹی ہوئی ہوں۔ اور جو زمین درختوں والی ہو اسے بھی جنّت کہا جاتا ہے۔

ف : الفرّاء نے کہا، جنّة وہ باغ ہے جس میں کھجور اور انگور ہوں۔ لیکن اس آیت میں اس سے مراد درخت ہیں نہ کہ زمین۔

اَلْفَافًا (گھنے لپٹے ہوئے) کہ آپس میں ایک دوسرے سے لپٹے ہُوئے ہوں۔ ایسے اچھے باغا سمجھے جاتے ہیں جیسے دنیا میں باغات کو دیکھا جاتا ہے یعنی بہت زیادہ اور ایک دوسرے کے نزدیک۔

حلِ لغات بعض نے کہا الفاف وہ جمع ہے کہ اس کا کوئی واحد نہیں جیسے اوزاع و اخیاف (خیف بہن بھائی یعنی ماں ایک اور باپ مختلف)، یا اس کا واحد لفّ ہے جیسے کنّ کی جمع اکناز، یا لفیف کی جمع ہے جیسے شریف کی اشراف۔ وہ لف کی جمع لفّاء (جیسے خضر کی جمع خضو کی جمع الفاف ہے۔ اس معنی پر الفاف جمع الجمع ہے، یا ملتفہ کی جمع ہے بحذف الزوائد۔

وَّخَلَقْنٰكُمْ (اور ہم نے تمہیں پیدا کیا) اس کا عطف مضارع بکم پر ہے اور اسی کے حکم میں ہے کیونکہ یہ بھی انا جعلنکم کی قوۃ میں ہے یا اس پر جو انکار تقریر کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تحقیق ابدال ابدال در اصل رجال اللہ میں سے ایک مخصوص مقام پر فائز ہوتے ہیں ان کے متعلق احادیث مبارکہ میں بکثرت ارشادات وارد ہیں قرآن مجید میں انھیں رجال اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالٰی نے ان کے متعلق فرمایا ہے:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ وہ مردانِ حق جنہیں تجارت اور خرید و فروخت یادِ خداوندی سے غافل نہیں کرتی۔

ان کا وجودِ مسعود حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم تک رہا ہے اور حضور کے عہدِ مبارک سے لے کر ظہورِ مہدی اور نزولِ عیسٰی علیہ السلام تک رہے گا۔ کائنات کے قیام اور نظم کا دارومدار انہی مردانِ خدا پر ہے۔ عبد و معبود کے درمیان کا رشتہ انہی کی تعلیمات و ہدایات پر قایم ہے۔ امورِ تکوینی کے انصرام اور تصرفاتِ کونیہ کی قدرت سے مشرف ہوتے ہیں ان کی برکات سے بارشیں برستی ہیں۔ نباتات پر سرسبزی آتی ہے کائنات ارضی پر مختلف قسم کے حیوانات کی زندگی انہی کی نگاہِ کرم کی مرہونِ منت ہے۔ شہری آبادیاں تقلب احوال و تحول اقبال، سلاطین کے عروج و زوال، انقلاباتِ زمانہ اغنیاء و مساکین کے حالات میں ردّ و بدل، اصاغر و اکابر کی ترقی و تنزل جنود و عساکر کا اجتماع و انتشار، بلاؤں اور وباؤں کا رفع و دفع ہونا۔ غرضیکہ اللہ تعالٰی کی دی ہوئی کروڑوں طاقتوں کا مظاہرہ انہی کے اختیار میں ہے۔ آفتاب عالم تاب خداوند تعالٰی کے عطا کردہ نور سے تمام کائنات کو روشن رکھتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالٰی اپنے غیب الغیب سے ایک نور ان حضرات پر وارد کرتا ہے جس سے وہ بنی آدم کے نظام کی اصلاح کرتے رہتے ہیں۔ ان حضرات کو دو قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

۱۔ اولیائے ظاہرین
۲۔ اولیائے مستورین

(۱) اولیائے ظاہرین کے سپرد مخلوقِ خدا کی ہدایت واصلات ہوتی ہے۔ یہ لوگ مخلوقِ خدا کی ہدایت اور اصلاح کے لئے زندگیاں وقف کر دیتے ہیں اور اپنے فرائض سے کبھی غافل نہیں ہوتے۔ وہ دشوار ترین حالات کے سامنے بھی اپنے کام میں لگے رہتے ہیں۔

(۲) اولیائے مستورین کے سپرد انصرامِ تکوینی ہوتا ہے۔ یہ اغیار کی نگاہوں (نگاہِ ظاہرین) سے مستور

(باقی اگلے صفحہ)

مقتضی ہے۔ کیونکہ وہ اس قوت میں ہے کہ کہا جائے قد جعلنا کم ازواجا۔ جوڑے در انحالیکہ تم کئی قسم ہو یعنی نر و مادہ، تاکہ ہر صنف اپنی دوسری صنف سے تسکین پائے اور معاشرہ و معاش کا معاملہ منتظم ہو اور نسل کا سلسلہ بڑھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور پوشیدہ ہوتے ہیں، مگر یہ بھی صاحب خدمت ہوتے ہیں۔ انہیں اپنے انصرامی امور کی سرانجام دہی کے سلسلے میں اظہار کی ضرورت نہیں ہوتی، انہیں اصطلاحِ صوفیہ میں رجال الغیب اور مردانِ غیب کہا جاتا ہے۔ ان میں سے ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی اتباع میں ان کے قدم بہ قدم چل کر عالمِ شہادت تک رسائی حاصل کرتے ہیں اور مستوی الرحمن کا مقام پاتے ہیں، وہ نہ تو پہچانے جا سکتے ہیں اور نہ ہی ان کے اوصاف بیان کئے جاتے ہیں حالانکہ وہ عام انسانی شکل میں رہتے ہیں اور عام انسانوں میں صبح و شام معروفِ کار رہتے ہیں۔ انہی کے بارے میں حدیثِ قدسی میں ہے:

اَوْلِیَائِیْ تحت قبائی لا یعرفھم سوائی۔ (روح البیان)

میرے ولی میری قدرت کی قبا میں ہیں انہیں میرے سوا کوئی نہیں جانتا۔

ان میں سے ایسے حضرات بھی ہیں جو اپنے اپنے مقامات پر متعین ہیں۔ عالمِ احساس میں جس انسان کی شکل چاہیں اختیار کر سکتے ہیں لوگوں کو پردۂ غیب سے پیچھے کی خبریں دیتے ہیں۔ پوشیدہ امور سے بعض اوقات پردہ اٹھا دیتے ہیں اور پھر ان میں سے ایسے حضرات بھی ہیں جو تمام کائناتِ ارضی پر پھرتے ہیں، لوگوں سے اپنا تعارف کراتے ہیں اور پھر آناً فاناً غیب ہو جاتے ہیں، ان سے باتیں کرتے ہیں، ان کی مشکلات کا حل بتاتے ہیں ان کے مسائل کا جواب دیتے ہیں (جنگلوں، پہاڑوں، صحراؤں اور سمندروں میں قیام کرتے ہیں ایسے حضرات میں سے قوی تر حضرات شہروں میں بھی قیام کرتے ہیں صفاتِ بشری کے ساتھ صبح و شام بسر اوقات کرتے ہیں، آبادیوں میں اعلیٰ مکانات میں رہائش پذیر ہوتے ہیں۔ احباب کی خوشی اور غمی میں شریک ہوتے ہیں۔ لوگوں کو اپنے معاملات میں شریک کرتے ہیں، بیمار پڑتے ہیں تو اپنے حلقۂ احباب سے عیادت کرواتے ہیں، علاج کرواتے ہیں، اولاد و اسباب، اموال و املاک رکھتے ہیں۔ لوگوں کی دشمنیوں، بدگمانیوں، ایذا رسانیوں اور حسد و بغض کے اثرات برداشت کرتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ ان کے حسنِ احوال اور کمالاتِ باطنی کو اغیار کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھتا ہے۔ صاحبانِ نظر ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں، صاحبانِ احوال ان کی زیارت کو آتے ہیں۔ انہی میں سے تھے سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ جن کی زیارت کے لئے سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ یمن کی بستی قرن میں تشریف لے گئے تھے۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

حل لغات زوج دونوں جوڑوں کی ہر دوسری قسم کو کہا جاتا ہے وہ حیوان ہو یا غیر حیوان، جیسے موزہ ، جوتا ۔ اسی لئے دو کو زوج نہیں کہا جاسکتا بلکہ زوجین کہا جا سکتا ہے ۔ اسی لیے لائق ہے کہ کہا جائے قرضتہٗ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱)

رجال اللہ کے اقسام

رجال اللہ (مردانِ خدا) کو بارہ۱۲ اقسام میں منقسم کیا گیا ہے :

(۱) اقطاب (۲) غوث (۳) امامان

(۴) اوتاد (۵) ابدال (۶) اخیار (۷) ابرار

(۸) نقبا (۹) نجبا (۱۰) عمد (۱۱) مکتوبان

(۱۲) مفردان

اقطاب : ہر زمانہ میں صرف ایک قطب ہوتا ہے ۔ یہ قطب سب سے بڑا ہوتا ہے ، اسے مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے ۔ قطب عالم ، قطب کبرٰی ، قطب الارشاد ، قطبِ مدار ، قطب الاقطاب ، قطبِ جہاں اور جہانگیر عالم ، عالم علوی اور عالم سفلی میں اسی کا تصرف ہوتا ہے اور سارا عالم اسی کے فیض و برکت سے قائم ہوتا ہے ۔ اگر قطبِ عالم کا وجود درمیان سے ہٹا دیا جائے تو سارا عالم درہم برہم ہو کر رہ جائے ۔ قطب عالم براہِ راست اللہ تعالیٰ سے احکام و فیض حاصل کرتا ہے اور ان فیوض کو اپنے ماتحت اقطاب میں تقسیم کرتا ہے ۔ وہ دنیا کے کسی بڑے شہر میں سکونت رکھتا ہے ، بڑی عمر پاتا ہے ۔ نورِ خاص مصطفوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی برکات ہر سمت سے حاصل کرتا ہے ۔ وہ اپنے ماتحت اقطاب کے تقرر ، تنزل اور ترقی کے اختیار کا مالک ہوتا ہے ، ولی کو معزول کرنا ، ولایت کو سلب کرنا ، ولی کو مقرر کرنا ، اس کے درجات میں ترقی دینا اسی کے فرائض میں ہے ۔ وہ ولایت شمس پر فائز ہوتا ہے لیکن اس کے ماتحت اقطاب کو ولایت قمر میں جگہ ملتی ہے ۔ قطب عالم اللہ تعالیٰ کے اسم رحمٰن کی تجلی کا مظہر ہوتا ہے ۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مظہر خاص تجلی الولایت ہیں ۔ قطب عالم سالک بھی ہوتا ہے اور اس کا مقام ترقی پذیر ہوتا ہے ۔ حتیٰ کہ وہ مقامِ فردانیت تک پہنچ جاتا ہے ۔ یہ مقامِ محبوبیت ہے ، رجال اللہ میں اس قطب عالم کا نام عبد اللہ بھی ہے ۔

اقطاب کی قسمیں اقطاب کی کئی قسمیں ہیں ۔ یہ اقطاب تمام کے تمام قطب عالم کے ماتحت ہوتے ہیں ، قطب ابدال ، قطب اقالیم ، قطبِ ولایت وغیرہ وغیرہ ۔ بعض اوقات مختلف افراد کی تربیت کے لیے ایک ایک قطب کا تعین کیا جاتا ہے ۔ قطب زہاد ، قطب عباد ، قطب عرفا ، قطب متوکلان ۔ یہ اقطاب شہروں ، قصبوں ، گاؤں غرضیکہ جہاں جہاں انسانی معاشرہ ہے وہاں وہاں ایک قطب مقرر ہے جو اس کی محافظت اور اصلاح کا ذمہ دار ہوتا ہے ۔ وہ بستی مومنوں سے آباد ہو تو اد کافروں سے

(باقی اگلے صفحہ پر)

بالمقراضین (میں نے اسے دو قینچیوں سے کاٹا) وقصصته بالمقصین (میں نے اسے دو قینچیوں سے کاٹا)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مگر قطب اپنے فرائض سر انجام دیتا رہتا ہے۔ مومنوں کی بستیوں میں اسم ہادی کی تجلی سے کام لیا جاتا ہے اور کافروں کی پرورش یا نگرانی اسم مضل کے ماتحت ہوتی ہے۔

غوث بعض صوفیہ نے غوث اور قطب ایک ہی شخصیت کو قرار دیا ہے، مگر حضرت محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قطب الاقطاب اور غوث میں بڑا فرق ہے۔ بعض اوقات قطب اور غوث کے اوصاف ایک ہی شخصیت میں جمع ہو جاتے ہیں۔ قطبیت کی وجہ سے قطب الاقطاب اور غوث غوثیت کے اعتبار سے غوث العالم کہلاتا ہے۔

امامان قطب الاقطاب کے دو وزیر ہوتے ہیں جنہیں امامان کہتے ہیں۔ ایک قطب کے داہنے ہاتھ رہتا ہے جس کا نام عبدالملک ہے۔ اور دوسرا بائیں ہاتھ بیٹھتا ہے، اس کا نام عبدالرب ہے۔ داہنے ہاتھ والا قطب مدار سے پاتا ہے اور عالم علوی سے افاضہ کرتا ہے۔ بائیں ہاتھ والا قطب مدار سے فیض حاصل کرتا ہے مگر عالم سفلی پر افاضہ کرتا ہے۔ صوفیہ کے نزدیک بائیں ہاتھ والے امام کا رتبہ دائیں ہاتھ والے امام سے بلند تر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قطب الاقطاب کی جگہ خالی ہوتی ہے تو بائیں ہاتھ والا ترقی پاتا ہے اور اس کی جگہ دائیں ہاتھ والا مقرر ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عالم کون و فساد میں انتظام کرنا اور امن برقرار رکھنا زیادہ مشکل ہے۔ اس عالم میں معاشرہ اپنی خواہشات غیظ و غضب اور فساد و شر کی وجہ سے سخت انصرام و انتظام کی ضرورت کا تقاضا کرتا ہے اس لیے یہ وزیر زیادہ مستعد، تجربہ کار اور مضبوط رکھا جاتا ہے۔ اس کی نسبت عالم علوی کے احوال زیادہ اصلاح یافتہ ہیں جہاں مشکلات کا سامنا کم ہوتا ہے۔

اوتاد دنیا میں چار اوتاد ہوتے ہیں یہ عالم کے چاروں آفاق (گوشوں) پر متعین ہیں۔

۱۔ مغربی افق والے اوتاد کا نام عبدالودود،

۲۔ مشرقی افق والے کا نام عبدالرحمٰن،

۳۔ جنوبی افق والے کا نام عبدالرحیم،

۴۔ شمالی افق والے کا نام عبدالقدوس ہوتا ہے۔

قیام عالم میں یہ اوتاد میخوں کا کام دیتا ہے اور پہاڑوں کی طرح زمین پر امن برقرار رکھنے کا کام دیتے ہیں۔

الم نجعل الارض مہادًا والجبال اوتادًا۔	کیا ہم نے زمین کو بچھونا اور پہاڑوں کو اوتاد نہیں بنایا؟

(باقی اگلے صفحہ پر)

اس لیے کہ وہ دو ہیں ، اسی لیے صرف المعقی اضد و المنقص نہ کہا جائے گا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں صوفیاء کرام نے اوتاد حضرات کے مقامات ، فرائض ، مراتب اور قیام امن میں ان کے کردار کو تفصیل طور پر بیان فرمایا ہے۔

ابدال انھیں بدلاء بھی کہا جاتا ہے۔ یہ دنیا میں بیک وقت سات ہوتے ہیں اور سات اقالیم پر متعین ہوتے ہیں۔ یہ سات انبیاء کے مشرب پر کام کرتے ہیں ، یہ لوگوں کی روحانی امداد کرتے ہیں اور عاجزوں اور بیکسوں کی فریادرسی پر مامور ہیں ،

۱۔ ابدال اقلیم اول	برقلب ابراہیم علیہ السلام	نام عبدالحیؔ
۲۔ ابدال اقلیم دوم	برقلب موسیٰ علیہ السلام	نام عبدالعلیم
۳۔ ابدال اقلیم سوم	برقلب ہارون علیہ السلام	نام عبدالمرید
۴۔ ابدال اقلیم چہارم	برقلب ادریس علیہ السلام	نام عبدالقادر
۵۔ ابدال اقلیم پنجم	برقلب یوسف علیہ السلام	نام عبدالقاہر
۶۔ ابدال اقلیم ششم	برقلب عیسیٰ علیہ السلام	نام عبدالسمیع
۷۔ ابدال اقلیم ہفتم	برقلب آدم علیہ السلام	نام عبدالبصیر

مندرجہ بالا سات ابدالوں میں سے عبدالقادر اور عبدالقاہر کو ان مقامات ، ممالک اور اقوام پر مسلط کیا جاتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ کا قہر نازل ہونا ہوتا ہے ، یہ مقہوری بنتے ہیں ۔ ان سات ابدالوں کو قطب اقلیم بھی کہتے ہیں۔

مندرجہ بالا ابدال کے علاوہ پانچ ابدال اور بھی ہوتے ہیں جو یمن میں رہتے ہیں ، اور پورے شام ران کی حکومت ہوتی ہے انہیں قطب ولایت کہتے ہیں۔ قطب عالم کا فیض قطب اقالیم پر اور قطب اقالیم کا فیض قطب ولایت پر ، اور قطب ولایت کا فیض تمام اولیائے جہاں پر وارد ہوتا رہتا ہے۔

علاوہ ازیں تین سو پچاس (۳۵۰) ابدال اور بھی ہوتے ہیں جن میں سے تین سو (۳۰۰) قلب آدم علیہ السلام پر ہیں۔ میر سید محمد جعفر مکی نے چار سو چار (۴۰۴) تعداد بتائی ہے ، جو مختلف انبیاء علیہم السلام کے مشرب پر ہوتے ہیں اور مختلف خدمات سرانجام دیتے رہتے ہیں۔

مفردان افراد کو کہتے ہیں جو قطب عالم ترقی کرتا ہے وہ فرد ہو جاتا ہے۔ مقام فردانیت پر پہنچ کر تصرفات سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔ قطب مدار عرش سے تحت الثریٰ تک متصرف ہوتا ہے۔

(باقی برصفحہ آئندہ)

ف : الجوہری نے درۃ الغواص میں اور صاحبِ قاموس نے فرمایا کہ ذُو کے لیے کہا جاتا ہے ذوجان وعماخورج۔ لکن ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور فرد متحقق ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ تصرف اور تحقق میں بڑا فرق ہے۔ قطب مدار تو علی الدوام تجلی صفات میں رہتا ہے مگر خود تجلی ذات میں ہوتا ہے۔ قطب مدار خاص ہے فرد اخص ہے۔ فردانیت مقامِ انبساطِ محبت ہے۔ یہاں پہنچ کر مراد باقی نہیں رہتی۔ بعض اولیاء کو تجلی افعالی ہوتی ہے بعض کو تجلی اسمائی بعض کو تجلی آثاری۔ بعض مقامِ صحو میں ہوتے ہیں بعض مقامِ سُکر میں، بعض بیک وقت دونوں مقامات پر۔ مقاماتِ اولیاء اللہ خارج از حد و حصر ہوتے ہیں مگر اہلِ فردانیت تمام مقامات سے برتر ہوتے ہیں۔ تنزل کی ایک ہے مگر عروج و ترقی حدود و انتہا سے مبرا ہے۔ افراد ترقی کرکے جب فردانیت میں کامل ہوتے جاتے ہیں تو ان کا رتبہ محبوبیت آجاتا ہے، پھر محبوبیت بھی مقبولانِ بارگاہ میں خاص امتیاز ذات کے ہوتی ہے۔ حضرت غوث الثقلین سید عبدالقادر جیلانی، سلطان المشائخ حضرت محبوبِ الٰہی دہلوی رحمۃ اللہ علیہما اسی مقامِ محبوبیت کے مالک تھے۔ بحر المعانی میں لکھا ہے:

"روزے ایں فقیر در کشتی دریائے نیل مصر با حضرت خضر علیہ السلام مصاحب بود۔ سخن درمیان شاہدان لایزالی می رفت۔ خضر علیہ السلام می فرمود کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی، شیخ نظام الدین بدایونی در مقام معشوقی بودند کہ امثالِ ایشاں دیگرے نرسیدہ۔"[1]

ایک دن یہ فقیر دریائے نیل مصر میں کشتی میں حضرت خضر علیہ السلام سے رفاقت پذیر ہوا، شاہدان لایزالی کے متعلق گفتگو شروع ہوئی۔ فرمایا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی اور شیخ نظام الدین بدایونی مقامِ معشوقی میں تھے ان کے سوا اور کوئی اس مقام پر نہ پہنچ سکا۔

اخیار : ابدال میں سے چالیس اخیار کہلاتے ہیں۔
نقباء : یہ تین سَو ہیں سب کا نام علی ہے۔
نجباء : یہ تعداد میں ستر ہیں، نام حسن ہے اور مصر میں رہتے ہیں۔
عمد : یہ چار ہیں، محمد ان کا نام ہے، زمین کے مختلف زاویوں میں کام کرتے ہیں۔
مکتوبان : یہ حضرات چار ہزار کی تعداد میں ہوتے ہیں، ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں، ملتے ہیں، لیکن یہ لوگ اپنے آپ کو نہیں پہچان سکتے۔ ان پر اپنا حال آشکار نہیں ہوتا۔ ایسے لباس میں ہوتے ہیں کہ اغیار پہچاننے سے عاجز ہوتے ہیں۔ یہ اپنے مقام سے خود ناآشنا ہوتے ہیں، یا یوں کہئے کہ حالت اخفا میں ہوتے ہیں۔

---

[1] اسی سے بعض غلط کار چشتیہ کو غلط فہمی ہوئی تو حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی قدس سرہٗ نے ان کا خوب رد فرمایا۔ اس کی تفصیل فقیر کی کتاب "قدمی علیٰ رقبۃ کل ولی" میں ہے۔ اویسی غفرلہٗ

(باقی اگلے صفحہ پر)

کہ یہ دو شقوں میں سے ایک پر اکتفا کے قبیل سے ہو۔ اور زوجہ عورت کے لیے کنایہ لغت ردیّہ ہے اس لیے کہ قرآن مجید میں ہے، اسکن انت وزوجک الجنۃ (تم اور تمہاری جورو جنت میں ٹھہرو) جو کسی کا قرین ہو اسے بھی زوج کہا جاتا ہے اس کے موافق ہو یا مخالف اسی لیے بعض نے یہاں یہ معنی کیا کہ ہم نے تمہیں پیدا کیا درانحالیکہ تم ہر ایک دوسرے کے بالمقابل اوصاف والے ہو جیسے فقر و غنا (دولت مندی) اور صحت و مرض اور علم و جہل اور قوت و ضعف اور ذکورۃ و انوثۃ (نر و مادہ) طول قصر وغیرہ اور اسی سے ہی آزمائش ہوگی کہ فضیلت والا شکر کرے اور جسے وہ فضیلت نہ ملے وہ صبر کرے اور اس سے نعمت کی قدر معلوم ہوگی کہ صبر سے شکر کا موقع ملے گا اور یہ سب کی سب کمال قدرتِ الٰہی اور اس کی نہایت حکمت کی دلیل ہے۔ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ (اور ہم نے تمہاری نیند کو کیا) اس بخار کی رطوبات سے جو دماغ کو چڑھتے ہیں کی وجہ دماغ کے اعصاب کا ڈھیلا ہونا اسی لیے اہلِ ریاضت کو نیند کم آتی ہے کیونکہ ان کے دماغ کی رطوبت کم ہو جاتی ہے سُبَاتًا (آرام) موت یعنی موت کی مانند، کیونکہ نیند والا میّت کی طرح ہوتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) **ف**: مندرجہ بالا تشریحات کے علاوہ ان رجال اللہ (مردانِ خدا) میں سے بہت سے اور اقسام ایسے ہیں جو کائنات کے انتظامات و انصرامات میں مصروف ہیں۔ یہ لوگ بھی رجال الغیب کی صفت میں آتے ہیں مگر ان کے صحیح مقامات سے اہلِ خرد پوری طرح آگاہ و آشنا نہیں اور نہ ہی ان کے احوال و مقامات کا ادراک ان کی عقل وسعتوں میں سما سکتا ہے۔ یہ حضرات اپنے فرائض میں اس قدر مربوط اور مستعد ہوتے ہیں کہ ہم ظاہر بیں انداز نہیں کر سکتے۔

گزشتہ صفحات میں جہاں ہم نے قارئین کو رجال اللہ (مردانِ خدا) سے آشنا کرنے کے لیے ایک حقیر سی کوشش کی ہے وہاں ان حضرات کا مختصر سا ذکر دور از موضوع نہ ہوگا جو ہمارے ظاہری احوال و معاملات کی روحانی اصلاح اور نگرانی فرماتے ہیں۔ ان میں علماء، مشایخ، صوفیہ، صلحاء، اتقیا اور مجدد شامل ہیں۔ علماء و مشائخ کے ہزاروں مقامات و مراتب ہیں۔ وہ معاشرۂ انسانی کی ظاہری باطنی اصلاح کے لیے مختلف اندازِ رشد و ہدایت پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ ان کے اثرات خصوصیت کے ساتھ مسلم معاشرے پر مرتسم ہوئے ہیں۔ اگرچہ ان کی اصلاحی کوششیں غیر مسلموں پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں، مگر تاریخِ عالم نے عالمِ اسلام کے اذہان و افکار میں جن انقلابات کی نشان دہی کی ہے وہ ان علماء و مشایخ کی شبانہ روز کاوشوں کے رہینِ منت ہیں۔ ان میں صوفیہ بالخصوص روحانی اور قلبی اصلاح میں مصروف ہے۔ ان کی اس مساعیِ جمیلہ نے اسلامی معاشرے کی اخلاقی نشو و نما میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے احکامِ الٰہیہ اور مقامِ مصطفیٰ کی عظمت کو لوگوں کے دلوں میں نقش کرنے میں گرانقدر کام کیا، انہوں نے مُردہ دلوں کو حیاتِ تازہ بخشی، اور مردہ نفسوں کو ونفخت فیہ من روحی کے پیغام سے زندہ کر دیا۔ مزید تفصیل فقیر کی کتاب "ابدال کے احوال" میں ملاحظہ ہو۔ اویسی غفرلہ

حلِ لغات السبات از سبتٌ ہے بمعنی القطع (کاٹنا) کیونکہ نیند والا حرکت سے کٹا ہوا ہے۔ اسی سے یوم السبت (ہفتہ کا دن)۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی پیدا کا سلسلہ اتوار کو شروع کرکے چھ دنوں میں (یعنی جمعہ کو) ختم کر دیا اور ہفتہ کا دن کام سے خالی رہا، اسی لیے اس کا نام یوم السبت رکھا گیا اور اس لیے کہ اسی دن (سنیچر) کو اہلِ کتاب کاروبار کو منقطع کر دیتے ہیں یعنی چھٹی کرتے ہیں۔ النوم دو توفیوں کی ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا۔

اللہ تعالیٰ نفسوں کو موت کے وقت فوت کرتا ہے اور وُہ جو اپنی نیند میں نہیں مرتا۔

یعنی اسے فوت کرتا ہے جو نیند میں نہیں مرا، وہ اس لیے کہ دونوں کو اس میں مشارکۃ تامہ ہے کہ حیاۃ دنیوی کے کام نیند والے سے منقطع ہو جاتے ہیں۔ اس معنی پر اس کی تنوین نوعی ہے۔ یعنی ہم نے تمہاری نیند کو ایک قسم کی موت بنا دیا، یعنی وہ موت کہ منقطع ہو جائے اور دائمی نہ ہو، اس لیے کہ نیند کے وقت روح کی روشنی صرف ظاہری بدن سے منقطع ہوتی ہے، اسی لیے کہا جاتا ہے:

النوم اخ الموت (نیند موت کی مانند ہے)

ف: نیند بقدرِ ضرورت ہو تو نعمتِ جلیلہ ہے۔ بعض نے کہا کہ نوم سبات ہے یعنی قطع کرنا احساس و حرکت سے تاکہ قویٰ حیوانیہ کو راحت ملے اور تھکان دُور ہو۔ لیکن مقام کے مطابق پہلا معنی لائق ہے۔

وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ (اور رات کو بنایا) وہ رات کہ اس میں نیند واقع ہوتی ہے **لِبَاسًا** پردہ پوش۔

حلِ لغات کہا جاتا ہے: لبس الثوب بمعنی استتر بہ (کپڑے میں چھپا)۔ ہر وہ شے جو انسان کے قبح کو چھپائے اسے لباس کہا جاتا ہے۔ مرد کو عورت کا (عورت کو مرد کا) لباس کہا گیا کہ وہ قبح کے ارتکاب سے ایک دوسرے کو رد کتے (اور اس کا سبب ہیں)، ایسے ہی البعل (شوہر) اور وہ چونکہ ایک دوسرے پر مشتمل ہیں اسی لئے ایک دوسرے کا لباس ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

هُنَّ لباسٌ لکم وانتم لباسٌ لهن (وہ تمہارا لباس ہیں تم ان کے لباس ہو)

تقویٰ کو بھی لباس کہا جاتا ہے بطریق تمثیل و تشبیہ۔ اسی طرح خوف و جُوع کو بھی تمثیل و تشبیہ کے طریق سے لباس کہا گیا ہے اور اس کا صاحبِ خوف و جُوع پر تصور کر کے مثلاً کہتے ہیں:

تدرع فلان الفقر (فلاں نے فقر کا قمیض پہنا)

ولبس الجوع (اس نے بھُوک کا لباس پہنا)۔

اب معنی یہ ہُوا کہ رات تمہارے لیے لباس ہے کہ وہ اپنی تاریکی سے تمہیں ڈھانپ لیتی ہے جیسے تمہیں

لباس ڈھانپ لیتا ہے۔ امید ہے اس سے وُہ ڈھانپنا مراد ہے جو نیند کا وقت طاری ہوتا ہے اور سردیوں میں اپنے اوپر لحاف وغیرہ اوڑھ لیا جاتا ہے۔ رات کو اس نوعیت سے لباس سے تشبیہ زیادہ مکمل ہے اور اعتبار مقصد میں زیادہ دخیل ہے۔

صُوفیہ کرام کی شب

حضرت شیخ اکبر رضی اللہ عنہ کی فتوحات میں ہے کہ رات اصحاب اللیل کی لباس ہے کہ وُہ انھیں اغیاری نظروں سے چھپالیتی ہے تاکہ خلوۃ میں لذت مکالمہ (گفتگو) یا محاضرہ (حضوری)، مشاہدہ (دیدار کا جلوہ) سے ہر ایک استعداد کے مطابق پھل کھائیں۔

ف: حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ نے فرمایا کہ شب راہِ سلوک پر چلنے والوں کے لیے پردہ اور دن سحر گاہ کے بیداروں کا بازار ہے ؎

اللیل للعاشقین ستر
یالیت اوقاتہ قدوم

ترجمہ: رات عشاق کے لیے پردہ ہے، کاش وہ ہمیشہ رہتی!

؎

چوں در دل شب خیال او یار منست
من بندۂ شب کہ روز بازار منست

ترجمہ: جب دل میں شب خیال میرا یار ہے اسی لیے میں شب کا غلام ہوں کہ دن میرا بازار ہے۔

ربط: اللہ تعالیٰ نے رات کو نیند کا محل بنایا اور وُہ موت کی مانند ہے، اور دن کو بیداری کا محل بنایا' اسے حیاۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا (اور دن کو معاش کے لیے بنایا) یعنی معیشت کا وقت یعنی حیات کہ تم اپنی نیند سے بیدار ہو جاؤ جو کہ وہ موت کی مانند ہے' جیسے اس کے لیے فرمایا: وھو الذی جعل لکم الیل لباسا۔ اور نوم کو سباتاً فرمایا اور دن کو نشور بنایا۔

سوال: جعل یقظتکم حیاۃ (اور تمہارے لیے بیداری کو حیات بنایا) کیوں نہیں فرمایا؟

جواب: تاکہ اس کے اور وجعلنا نومکم سباتاً کے درمیان مطابقت ہو۔ بلکہ اس یقظۃ کو نہار سے تعبیر فرمایا کیونکہ اکثر نہار (دن) یقظہ (بیداری) کو مستلزم ہے تاکہ وجعلنا الیل سے جعلنا النہار کی مطابقت ہو اور اس سے معلوم ہو کہ رات ہمیشہ نہ رہے گی، اس کے درمیان میں جو ذکرِ نوم ہے وُہ

اس کے دوام کے لیے قرینہ تھا۔

حلِ لغات

معاش مصدر ہے از عاش یعیش عیشاً و معاشاً و معیشۃً و عیشۃً۔ اس تقدیر پر مضاف کا مقدر کرنا ضروری ہے اور اس کی تفسیر وقت سے ہو (جیسے ہم نے ابتدا میں لکھا ہے) یا یہ اسمِ زمان بروزن مفعل تو اس وقت مضاف کے حذف کی ضرورت نہیں کیونکہ ظرف زمان وقت کے معنی و مفہوم کرتا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے **الم نجعل الارض** الخ کیا ہم نے ارضِ بشریہ کو تمہاری استراحت اور انواع منافع بشریہ میں انتشار کے لیے تمہارا بچھونا نہیں بنایا اور تمہارے نفوس قالبیہ جبال کو ارض بشریہ کے قوائم نہیں بنائے، اور تمہیں جوڑے جوڑے نہیں بنایا ایک روح دوسرا نفس یا قلب (مذکر) اور نفس (مؤنث)، اور تمہاری نیند کو غفلت نہیں بنایا کہ لذات اور شہوات کو پورا کرنے کے لیے تمہیں راحت و استراحت ملے، کیا تمہاری طبیعت رات کو تمہاری روحانیت کے دن کا پردہ پوش نہیں بنایا، کیا تمہاری روحانیت کو معاش کا وقت نہیں بنایا کہ اس میں تم اپنی طاعات و عبادات کی روزی کما سکو، اور یہی بعث (مرنے کے بعد جی اُٹھنے) کی صورتیں ہیں۔

تفسیر عالمانہ

وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا (اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط چنائیں چُنیں)

حلِ لغات

شِدَاد، شدید کی جمع ہے یعنی سات آسمان قویۃ الخلق اور محکمۃ البناء ہیں کہ ان میں دُہُور کا مکرات و مرات آنا اور عصور (زمانوں) کا بار بار گزرنا مؤثر نہیں۔

آسمانوں کی موٹائی اور مسافت

حضرت ابو اللیث رحمہ اللہ نے فرمایا کہ شداد بمعنی غلاظ ہے یعنی گاڑھے اور موٹے۔ ہر آسمان پانچ سو سال کی مسافت کے برابر موٹا ہوتا ہے۔

نکتہ: ان کی تخلیق کو بناء سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ وہ بمنزلہ قُبَاب (قبوں) کے ہیں کہ مخلوق کے اوپر کھڑے کیے گئے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

اس میں قلب کے سات طبقات کی طرف اشارہ ہے:

(۱) طبقۂ صدر، یہ جوہرِ اسلام کا معدن ہے۔

(۲) طبقۂ قلب، یہ جوہرِ ایمان کا معدن ہے۔

(۳) شغاف (پردہ)، یہ عشق و محبت اور شفقت کا معدن ہے۔

(۴) فؤاد ، یہ مکاشفہ و مشاہدہ اور رؤیۃ کا معدن ہے ۔

(۵) جبۃ القلب ، یہ حُبِ الٰہی کے ساتھ مخصوص ہے اسے محبۃ کونیہ سے کوئی تعلق نہیں ، نہ ہی عشقِ عالمین سے اسے کوئی واسطہ ہے ۔

(۶) سویدار ، یہ علم لدنی کا معدن اور حکمت کا گھر ہے ۔

(۷) بیت العزۃ ، یہ کامل ترین کا قلب ہے ، یہی اسرار الٰہیہ کا گھر ہے جو کبھی باطن سے ظاہر کی طرف خارج نہیں ہوتا اور نہ ہی کبھی اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے ۔

تفسیر عالمانہ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا (اور ہم نے رکھا چراغ) سورج ، اسے چراغ سے تعبیر کرنا مترادفات سے ہے ، جیسے خلقنا کو بنینا سے تعبیر کیا گیا ۔

حلِ لغات امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ السراج وہ چراغ روشن جو فتیلہ (بٹ) اور تیل سے روشن کیا جائے ۔ پھر ہر روشن شے کو سراج (چراغ) سے تعبیر کیا جاتا ہے اور سراج (چراغ) کو مصباح (دِیا) بھی کہا جاتا ہے ۔

وَّهَّاجًا (نہایت چمکتا) و قاد اسے متلالا ۔

حلِ لغات وھجت النار ، اضاءت آگ روشن ہوئی ، یا حرارت میں انتہا کو پہنچنے والا چراغ (سورج) از الوھج بمعنی الحر (گرمی) وہی جو مفسرین نے فرمایا کہ سراجًا وھاجًا وہ چمکنے والا جو نور و حرارت کا جامع ہے یعنی چراغ افروختہ و تاباں ۔ یہ لفظ سورج و چاند کو کہا جاتا ہے کہ دونوں ابتداءً نورِ عرش سے پیدا کئے گئے اور قیامت میں بھی ان کا نور عرش میں لوٹایا جائے گا ۔

سورج اور چاند کی روشنی میں فرق کیوں

حضرت عکرمہ نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا کہ میں تمہیں ایسی حدیث شریف نہ سناؤں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سنی کہ آپ سورج اور چاند کی ابتدائی تخلیق اور پھر موجودہ صورت میں ہونے کے متعلق فرمایا کرتے تھے ؟ ہم نے عرض کی فرمائیے ۔ فرمایا کہ اس بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو احکام صادر فرمائے تو آدم علیہ السلام کے لیے کوئی حکم باقی نہ رہا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے شمسین (سورج اور چاند) کو نورِ عرش سے پیدا فرمایا ان دونوں (شمسین) کے بارے میں اس کے علم میں تھا کہ یہ سورج رہے گا تو اسے دنیا کے برابر پیدا فرمایا جس کا نور مشارق و مغارب تک پھیلا ہوا تھا اور جس کے متعلق علم تھا کہ اسے چاند بنایا جائے گا تو اسے سورج سے عظم (موٹائی) میں چھوٹا بنایا ۔ یہ دونوں اس لیے چھوٹے نظر آتے ہیں کہ بہت زیادہ بلندی پر اور بہت

دُور ہیں۔ پھر سورج اور چاند کو اسی طرح چھوڑا جاتا جیسے ابتدائی تخلیق میں تھے تو رات اور دن کا فرق معلوم نہ ہوتا اور نہ مزدور کو علم ہوتا کہ وہ کب کام کرے اور کب نہ کرے، اور نہ ہی روزے دار کو معلوم ہوتا کہ کب روزہ رکھے اور کب افطار کرے، اور عورت کو معلوم نہ ہوتا کہ کب عدت گزارے، اور نہ ہی اہلِ اسلام کو نماز کے اوقات معلوم ہوتے، اور نہ ہی حج کا وقت معلوم ہوتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر نظرِ شفقت کرتے ہوئے رحم فرمایا اور جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا کہ اپنا پَر چاند کے چہرے پر مارے تاکہ اس سے حرارت مٹ جائے اور اس کا نور باقی رہے، اسی لیے فرمایا:

وجعلنا الیل والنہار ایتین فمحونا ایۃ الیل   اور ہم نے رات اور دن کو دو آیتیں بنایا، پھر
وجعلنا النہار مبصرا۔   ہم نے رات کی آیت کو مٹا کر دن کو راہ دکھانیوالا بنایا

یہ جھائیاں جو تم چاند پر دیکھتے ہو (لکیروں کی طرح) یہ وہی جبریل علیہ السلام کے پروں سے مٹانے کے نشانات ہیں جب قیامت قائم ہوگی اور اللہ تعالیٰ مخلوق کے درمیان فیصلہ فرمائے گا تو دوزخیوں اور بہشتیوں کے درمیان امتیاز ہو جائے گا۔ لیکن ابھی جنت و جہنم میں داخل نہیں ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ سُورج اور چاند کو بلائے گا، انہیں جب بلایا جائیگا تو وہ سیاہ ہوں گے ان میں نور نہ ہوگا اور ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کئے جائیں گے نہایت غمگین، آہستہ رفتار سے کاندھے کانپتے ہوئے آئیں گے اس دن کی ہولناکیوں اور رب رحمان کے خوف سے۔ جب عرشِ الٰہی کے سامنے آئیں گے تو عرشِ الٰہی کے بالمقابل سجدہ ریز ہو جائیں گے اور عرض کریں گے اے اللہ! تُو ہماری طاعت بجا لانے اور ادائیگی عبادت اور حکم کی تعمیل کو خوب جانتا ہے اسی لیے ہمیں ان کی وجہ سے عذاب میں مبتلا نہ فرمانا، جنہوں نے ہماری پرستش کی تُو خُوب جانتا ہے کہ ہم نے انہیں اپنی پرستش کی دعوت نہیں دی تھی اور نہ ہی ہم نے کبھی تیری عبادت سے سُستی اور غفلت برتی ہل کی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیگا تم سچ کہہ رہے ہو اور میں نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ مخلوق کو پیدا کر کے لوٹاؤں، میں نے ہی تمہیں اسی طرف لوٹایا جہاں سے میں نے تمہیں پیدا کیا، اس لیے اب ادھر لوٹو جہاں سے تم پیدا ہوئے۔ عرض کریں گے: یا اللہ! تُو نے ہمیں کہاں سے پیدا فرمایا؟ فرمایا جائے گا: عرش کے نُور سے، اسی لیے ادھر جاؤ۔ (حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے) فرمایا: سورج اور چاند سے نور کی ایک ایسی چمک اُٹھے گی جس سے آنکھوں کے نور اُچک لیے جائیں گے، اس کے بعد سورج اور چاند نورِ عرش میں مل جائیں گے۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یبدئُ و یعید وہی ابتداءً پیدا کرتا ہے وہی سب کو لوٹائے گا۔ (کشف الاسرار)

روایت دیگر الشیخ رضی اللہ عنہ نے الفتح المکی میں لکھا کہ ستارے سب کے سب جہنم میں سیاہ اجسام اور عظیم الخلقت ہو کر داخل ہوں گے، ایسے ہی سورج اور چاند، ان کا ہمیشہ طلوع و غروب جہنم میں ہے۔

تطبیق از صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ فقیر (صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ خبر سابق اور اس خبر میں تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ سورج اور چاند دو چیزوں کے حامل ہیں۔

۱۔ نور

۲۔ حرارت

جو نور کے قبیل سے ہے وہ عرش میں بغیر جسم کے داخل ہوگی، اس لیے کہ جسم غلظ (کثافت) سے خالی نہیں، اور وہ جو حرارت کے قبیل سے ہوگی وہ اپنے اجسام کے ساتھ نار میں جائے گی۔ اسی طرح ہر شے اپنے اصل کی طرف رجوع کرے گی۔

(وہابی کُش سوال صاحب روح البیان قدس سرہٗ اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ ہر شے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے پیدا کی گئی، اسے سوال کے پیرایہ میں بیان کرتے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ)[1]

فان قلت الظاهر ان يتصل نورهما بنور النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم لانهما مخلوقان من نوره۔	اگر تم کہو کہ ظاہر یہ ہے کہ سورج و چاند دونوں کا نور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوٹایا جاتا کیونکہ وہ دونوں آپ کے نور سے پیدا ہوئے۔

(روح البیان ج ۱ ص ۲۹۷)

(وہابی کُش جواب اس کا جواب وہی دیا کہ گستاخ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وہابی نجدی، دیوبندی کا کلیجہ جل کر راکھ ہو جائے اور عشاق نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جان و جگر راحت و سرور سے مسرور ہو۔ اویسی غفرلہٗ)[2]

قلت ان العرش والكرسي خُلقا من نوره وخلق القمران من نور العرش فهما في الحقيقة	میں کہتا ہوں کہ عرش و کرسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے پیدا کیے گئے اور سورج و چاند

---

[1] و [2] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

مخلوقان من نور النبی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ومتصل نورھما بنورہ والکل نورہ[1] و الحمد للہ۔

عرش کے نور سے تو درحقیقت سورج وچاند رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے نور سے پیدا ہوئے اور ان کا نور آپ سے ہی متصل ہوا بلکہ کل کائنات آپ کے نور سے ہی ہے، والحمد للہ۔

۵

شمسۂ نہ مسند و ہفت اختران
ختم رسل خواجۂ پیغمبران

ترجمہ، شمس نہ مسند اور ہفت ستاروں کا، وہ ختم رسل اور خواجۂ پیغمبران ہیں (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) (روح البیان مطبوعہ استنبول ج ۱۰ ص ۲۹۰)

الحمد للہ علیٰ ذلک (اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں نیک عقیدہ بخشا)

وَ اَنْزَلْنَا (اور ہم نے اتارا) نون عظمت کا ہے اور جمعیۃ الذات والاسماء والافعال کی طرف اشارہ ہے **مِنَ الْمُعْصِرَاتِ** (نچوڑنے والیوں سے) بدلیوں (بادلوں) سے جب نچوڑی جاتی ہیں۔ یعنی نچوڑے جانے کے قریب بدلیاں ہوتی ہیں تو انھیں ہوائیں نچوڑتی ہیں تو بارش ہوتی ہے۔ یہ اُس وقت کا حال ہے جب کہ ابھی نچوڑی نہ جائیں، انزال از استعداد والے سے نہ کہ واقع ہونے والے سے، ورنہ تحصیل حاصل لازم آئے گی، اور ہمزہ حینونۃ (وقت بتانے) کا ہے۔

حل لغات: المعصرات اسم فاعل اس کا ہمزہ احصد الزرع کی طرح ہے یعنی کھیتی کاٹنے کا وقت

---

[1] اس مسئلہ کو دورِ حاضرہ میں وہابیوں نجدیوں معہم دیوبندیوں نے الجھا دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں تو محض ہمارے جیسے، فرق ہے تو صرف نبوت کا۔ پھر یہ تأثر دیتے ہیں کہ جیسے ہماری بشریت خاک محض ہے ایسے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشریت بھی خاک محض ہے انہیں نور ماننا شرک ہے ہاں نورِ ہدایت مراد ہو سکتا ہے یہ تمام ان کے ڈھکوسلے اور عقلی باتیں ہیں ورنہ درحقیقت بات وہی حق ہے جو ہم اہلسنت کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کا بشری شکل میں ہونا حق ہے لیکن حقیقت نور ہے اور بشریت بھی نوری ہے کیونکہ احادیثِ مبارکہ کی تصریحات پھر ان کی تشریحات سے ثابت ہے کہ آپ اول المخلوق ہیں اور وہ اولیت حقیقتِ محمدیہ کی بحث سے قطع نظر آپ کا مادہ بشری اصلی بھی اول المخلوق ہے جیسے احادیثِ مبارکہ میں اول تخلیق کا ذکر ہے۔ مثلاً حدیثِ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیکھ لیجئے۔ اویسی غفرلہٗ

آگیا۔ والمعصرات الجاریۃ یعنی لڑکی کا وقت آگیا ہے کہ اس کی طبیعت رحم کو نچوڑے تو حیض کرے۔ المفردات میں ہے کہ المعصرہ وہ عورت جو حیض کرے اور داخل ہو عصرِ شباب (جوانی کے زمانہ) میں۔ اگر یہ ہمزہ حینونۃ کا ہو تو لائق ہے کہ اسے معصرات (بفتح الصاد) پڑھا جائے کہ یہ صیغۂ اسم مفعول ہے کیونکہ ہوائیں بادلوں کو نچوڑتی ہیں، اور یہ بھی جائز ہے کہ معصرات سے خود وہ ہوائیں مراد ہوں جن کا وقت آگیا ہو کہ وہ بادلوں کو نچوڑیں تو بادل برسیں۔ اس معنی پر بصیغۂ اسم فاعل ہے اور ہمزہ حینونۃ کا ہے۔

سوال : کیوں نہ یہ ہمزہ تعدیہ کا ہو؟

جواب : اس لیے کہ ہوائیں عاصرہ ہیں معصورہ نہیں اگر ہمزہ تعدیہ کا مانیں تو ہواؤں کو معصورہ ماننا پڑے گا اور یہ صحیح نہیں۔

مَآءً ثَجَّاجًا پانی بہتا ہوا بکثرت یعنی بارش موسلا دھار (پے در پے) کہ پانی بہت زیادہ ہو جائے تو اس سے عظیم نفع ہو۔

حل لغات کہا جاتا ہے : ثجّ الماءُ، سال بکثرۃ وانصب پانی بہت زیادہ بہا وثجّہ غیرہ اپنے غیر کو بہایا اسے انڈیلا۔ یہ لازم و متعدی دونوں کی طرح ہے اسی دوسرے متعدی سے ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے،

افضل الحج العجّ والثجّ۔ (بہترین حج عج وثج ہے)

العج بمعنی تلبیہ (لبیک کہنا) سے آواز بلند کرنا، الثج بمعنی ھدی (قربانی) کا خون بہانا، اسے زجاج نے الصباب سے تعبیر کیا ہے بمعنی گویا وہ خود بہا ہے بطور مبالغہ کے ہے، گویا یہ بھی متعدی ہے اس کے وانزلنا من السماء ماء کے مابین کوئی منافات نہیں اس لیے کہ ابتدائی انزال آسمان سے ہوتا ہے پھر بادل سے زمین کی طرف آتا ہے یہ حقیقی طور پر تو بارش بنتی ہے کہ اس کے اسباب آسمان میں تیار ہوتے ہیں منجملہ ان کے سورج کی گرمی بھی ہے کہ وہ حرارت شمس اجزاء مائیہ تو زمین تر کی گہرائیوں یا دریاؤں اور ندیوں سے ہوا کے خلاء کی طرف ابھارتی اور چڑھاتی ہے اس سے بادل بن کر بارش ہوتی ہے اس معنی پر حقیقۃً بارش بادلوں سے ہوگی اور آسمان سے مجازاً باعتبار سبب کے، اور مسبب الاسباب صرف اللہ ہی ہے۔

لِنُخْرِجَ بِهٖ تاکہ ہم نکالیں پانی کے سبب یعنی اس کے زمین تک پہنچے اور پانی کے زمین میں اختلاط (ملنا) سے اور اس کے ساتھ جو اس میں ہے یہ لام مصلحت کی ہے نہ کہ غرض سے، جیسے معتزلہ کہتے ہیں **حَبًّا** (اناج) بہت جسے قوت بنایا جائے انسان کے لئے، وہ کہ جس سے بدن کا قوام ہو جیسے گندم اور جو وغیرہ۔

حلِ لغات عین المعانی میں ہے الحب اسم جنس ہے اس سے مراد جمع ہے۔ امام راغب نے فرمایا الحب و الحبۃ (بالفتح) گندم اور جو وغیرہ جو کھانے کے لائق ہوں۔ الحب و الحبۃ (بالکسر) خوشبو والی چیزوں کے بیج، اور حبۃ القلب کو دانے سے مشابہت کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔

وَّ نَبَاتًا اور سبزہ بہت یعنی جانوروں کا چارہ۔ یعنی بارش سے جانوروں کا چارہ جیسے گھاس وغیرہ۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ۔ (کھاؤ اور جانوروں کو چراؤ)

نکتہ: حب (دانہ) کی تقدیم باوجودیکہ وُہ وجود میں آنے میں نبات (سبزہ) سے بعد میں ہوتا ہے، اس کی اصالت و شرافت کی وجہ سے۔ کیونکہ انسان کی اکثر اغذیہ کا تعلق دانے سے ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے تاکہ ہم نکالیں (بارش سے) موتی اور چارہ (جانوروں کے لئے)۔

ف: حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، بارش کا جو قطرہ زمین پر گرتا ہے اس سے سبزہ اگتا ہے، جو قطرہ دریا میں گرتا ہے اس سے موتی بنتا ہے۔ یہ اس کے خلاف ہے جو مشہور ہے کہ ہر قطرہ موتی نہیں بنتا بلکہ بارش کا وہ قطرہ موتی بنتا ہے جو خاص موسم میں دریا میں گرے۔ ہاں حضرت عکرمہ کے قول کو عام کہا جائے کہ وُہ موتی ہوں یا کوئی اور شَے جیسے کوڑیاں وغیرہ۔

وَّ جَنّٰتٍ (اور باغات) تاکہ ان سے انسان میوے حاصل کرے۔

حلِ لغات الجنۃ دراصل سترہ (ڈھانپنے) کو کہا جاتا ہے مصدر ہے از جنّہ یعنی سترہ (اسے ڈھانپا)، پھر اس کا اطلاق کھجور اور ایسے درخت پر ہوتا ہے جو گھنا ہو اور اس کی ٹہنیاں آپس میں ایک دوسری سے لپٹی ہوئی ہوں۔ اور جو زمین درختوں والی ہو اسے بھی جنّت کہا جاتا ہے۔

ف: الفرّاء نے کہا، جنّۃ وہ باغ ہے جس میں کھجور اور انگور ہوں۔ لیکن اس آیت میں اس سے مراد درخت ہیں نہ کہ زمین۔

اَلْفَافًا (گھنے لپٹے ہوئے) کہ آپس میں ایک دوسرے سے لپٹے ہُوئے ہوں۔ ایسے اچھے باغات سمجھے جاتے ہیں جیسے دنیا میں باغات کو دیکھا جاتا ہے یعنی بہت زیادہ اور ایک دوسرے کے نزدیک۔

حلِ لغات بعض نے کہا الفاف وہ جمع ہے کہ اس کا کوئی واحد نہیں جیسے اوزاع و اخیاف (خیفی بہن بھائی یعنی ماں ایک اور باپ مختلف)، یا اس کا واحد لفّ ہے جیسے کنّ کی جمع اکنان، یا لفیف کی جمع ہے جیسے شریف کی اشراف۔ وہ لفّ کی جمع لفّاء (جیسے خضر کی جمع خضراء کی جمع الفاف ہے۔ اس معنی پر الفاف جمع الجمع ہے، یا ملتفہ کی جمع ہے بحذف الزوائد۔

نکتہ: ابن الشیخ نے فرمایا، الحب (دانہ) کو مقدم کیا گیا کہ وہ انسان کی غذاؤں میں اصل ہے، دوسرے نمبر پر نبات کا ذکر ہے کہ تمام حیوانات اس کے محتاج ہیں اور آخر میں جنّات کو لایا گیا اس لیے کہ میوہ جات ایسی ضوریات میں شامل نہیں کہ اس کے بغیر چارہ نہ ہو۔

مرنے کے بعد جی اُٹھنے کے دلائل

جان اے جانِ من کہ جتنے اللہ تعالیٰ کے افعال مذکور ہوئے ان سب میں مرنے کے بعد جی اُٹھنے کی حقیقت اور اس کی حقانیت کی دلیل ہے۔ اس کے تین وجوہ ہیں،

(۱) اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید نہیں، کیونکہ جو ذات ایسے افعال بدیعہ وعجیب وغریب بلا مثال سابق (کہ جس سے دوسری شے تیار کی جاسکے اور بلا قانون اس پر دوسری شے بنائی جا سکے) پر قادر ہے، وہ اس کے اعادہ پر زیادہ قادر و قوی ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے علم وحکمت کا تقاضا یہی ہے کیونکہ جس ذات نے ایسی مصنوعات کو (عجیب وغریب طریقہ پر جو غایات جلیلہ ومنافع جمیلہ سے بھرپور ہیں اور وہ بھی صرف مخلوق کے لیے۔ اسے اپنی کوئی غرض نہیں وہ ہر غرض وغایت سے منزّہ ومقدّس ہے) پیدا فرمایا تو اس کے علم وحکمت کے منافی ہے کہ وہ انھیں بالکل فنا کردے کہ پھر ان کی عاقبت باقی نہ رہے۔

(۳) خود نفسِ فعل بھی یہی بتاتا ہے کیونکہ نیند کے بعد جاگنا یہ نمونہ ہے مرنے کے بعد جی اُٹھنے کا جس کا ہم روزانہ مشاہدہ کرتے ہیں ایسے ہی دانے کا مٹی سے اور سبزے کا زمین سے نکالنا، ہم اس کا بار بار معائنہ کر رہے ہیں، تو گویا ان آیات میں اللہ تعالیٰ بندوں کو فرماتا ہے کہ کیا یہ افعال آفاقیہ وانفسیہ گوناگوں دلائل سے دلالت نہیں کر رہے ہیں کہ مرنے کے بعد اٹھنا حق ہے اور اس پر یقین کرنا ایمان باللہ کا موجب ہے۔ تو پھر اے میرے بندو! اس میں انکار واستہزار کے طور پر باتیں کیوں بنا رہے ہو، کیوں آپس میں اس کے متعلق پوچھ گچھ کر رہے ہو؟

تفسیر صُوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ **وانزلنا من المعصرات ماء ثجّاجًا** یعنی ارواح کے آسمانوں سے نفحات الالطاف کو متحرک کر کے علوم ذاتیہ وحکم ربانیہ کا پانی انڈیل کر، تاکہ نکالیں اس کے ذریعہ سے دانے اور سبزہ یعنی تمہارے ارواح کے آسمانوں کے بادلوں سے تمہارے قلوب کی زمین پر نازل علوم وحکم کا پانی تاکہ اس سے نکالیں محبت ذاتیہ کے دانے اور شوق و اشتیاق و وُدّ، انزعاج (بے قراری) وعشق (اور ان جیسے اور امور) کا سبزہ اور باغات گھنے یعنی محبت و مودّت اور عشق کے باغات جو آپس میں ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے ہیں۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ یَوۡمَ الۡفَصۡلِ (بے شک فیصلوں کا دن) وُہ دن کہ اللہ تعالیٰ مخلوق اور سعادتمندوں اور بدبختوں کے درمیان فیصلے فرمائے گا باعتبار ہیأت وصور و اخلاق و اعمال کے تفاوت و تناسب کے کَانَ (ہے) اللہ تعالیٰ کے علم و تقدیر ازلی ہیں، ورنہ یہاں یوم الفصل غیر مقید ہے زمانہ ما کی قید نہیں کیونکہ یہ امر تو حدوث زمان سے پہلے مقدر ہو چکا مِیۡقَاتًا (ٹھہرا ہوا وقت) اولین و آخرین کا مرنے کے بعد جی اٹھنا۔ اور وہ جو اس پر جزا مرتب ہو گی ثواب و عقاب کی، یہ نہیں کہ اس میں آگے پیچھے کیا جائے۔ اس تقریر پر میقات بمعنی وقتِ معیّن جو مطلق سے مخصوص ہے، تو یہاں وہ وقت مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے بعث و جزا کے وقت کا وعدہ کر رکھا ہے۔

یَوۡمَ یُنۡفَخُ فِی الصُّوۡرِ (جس دن صور پھونکا جائے گا) یہ یوم الفصل سے بدل یا عطف بیان ہے اس کی تفخیم و تہویل میں مزید فائدہ دینے کے لیے ہے اور نفخ کے فصل میں تاخر میں کوئی حرج نہیں اس لئے وُہ دن دراز ہے جس کے آغاز میں نفخ ہو گا۔ پھر فصل (فیصلے ہی فیصلے) اور مبادی و آثار وغیرہ۔

حلِ لغات النفخ بمعنے کسی شے میں ہوا پھونکنا، اسی سے نشأۃ اولیٰ کا نفخ روح جیسے اللہ تعالےٰ نے فرمایا، و نفخت فیہ من روحی (اور میں نے اس میں اپنی روح پھونکی) کہا جاتا ہے انتفخ بطنہ (اس کا پیٹ پھول گیا)۔ جب دن چڑھ آئے یا کوئی آدمی موٹا ہو جائے تو استعارۃً کہتے ہیں انتفخ النہار (دن چڑھا)، رجل منفوخ (موٹا آدمی)۔ الصور ایک نورانی قرن ہے اس میں پھونکنے والے حضرت اسرافیل علیہ السلام ہیں۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اس دن کہ بوقتِ بعث (مرنے کے بعد جی اٹھنے کے وقت) دوسرا نفخ پھونکا جائے گا یہاں تک کہ ارواح اجسام میں حل جائیں گی اور زندگی دوبارہ لوٹ آئے گی۔

فَتَاۡتُوۡنَ (تو تم چلے آؤ گے) یہ خطاب عام ہے اور فاء فصیحیہ ہے اس جملہ کی وضاحت کرتی ہے جو محذوف ہے اسے دلالۃ الحال کے بھروسہ پر محذوف کر دیا گیا اس لیے کہ معلوم ہو کہ وہ آنا نہایت ہی جلد تر ہو گا جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا:

فقلنا اضرب بعصاك الحجر۔

(تو ہم نے کہا اپنا عصا پتھر پر مارو)

فانفلق (تو وہ پانی بہ نکلا)۔ ایسے ہی نفخ صور ہوتے ہی تو تم قبروں سے نکل کر موقف کی طرف بلا تاخیر چلے آؤ گے

اَفۡوَاجًا (فوجوں کی فوجیں)

حلِ لغات افواج، فوج کی جمع ہے یعنی لوگوں کی جماعت۔ المفردات میں ہے فوج وہ جماعت جو جلدی

اور تیزی سے گزرے یعنی قبور سے نکلتے ہی تمہارا حال یہ ہوگا کہ تم امم (ٹولے) ہو جاؤ گے، ہر امت (ٹولہ) اپنے امام (نبی علیہ السلام) کے ساتھ ہوگی۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یوم ندعو کل اناس بامامهم (اس دن بلائیں گے ہم تمام لوگوں کو ان کے امام (نبی علیہ السلام) کے ساتھ)

یا یہ معنی ہے کہ تم گروہ در گروہ آؤ گے اور جماعتیں مختلفۃ الاحوال اور متباینۃ الاوضاع میں اپنے اعمال کے اختلاف و تباین کے حسب حال پر۔

قبور سے میدانِ حشر تک کا منظر

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قبور سے نکل کر میدانِ حشر تک پہنچنے کے منظر کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: اے معاذ (رضی اللہ عنہ)! تُو نے بہت بڑے امر کا سوال کیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے اپنی چشمانِ مبارک نیچے کر لیں اور فرمایا: میری اُمت کے اس وقت دس گروہ ہوں گے:

۱۔ بندروں کی صورت میں۔

۲۔ خنزیروں کی شکل میں۔

۳۔ پاؤں اُوپر، سر نیچے اوندھے ہو کر چلنے والے۔

۴۔ اندھے

۵۔ گونگے بہرے

۶۔ زبانوں کو منہ میں لوٹانے والے جبکہ ان کی زبانیں سینے پر لٹکی ہوں گی، ان کے مونہوں سے پیپ بہ رہی ہوگی، ان کی بدبُو سب لوگوں کو ناگوار ہوگی۔

۷۔ ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے

۸۔ آگ کے ٹُنڈوں پر سُولی چڑھاتے ہوئے۔

۹۔ بعض کی مردار سے بھی زیادہ بدبُو ہوگی۔

۱۰۔ بعض کو کالے تیل کے جُبّے پہنائے ہوں گے جو اُن کے جسموں سے چمٹے ہوئے ہوں گے۔

چغلخوروں کا عذاب

وہ جو قبور سے حشر کے میدان میں بندروں کی صورت میں ہوں گے وہ چغلخور ہوں گے۔ القتات بالضم قات (بالتشدید) کی جمع بمعنی نمّام (سخن چین یعنی چغلخور)

چغلخور کی کہانی

کسی نے غلام خریدا، بیچنے والے نے کہا اس میں اور تو کوئی عیب نہیں صرف چغلخور ہے۔ مشتری نے کہا کوئی حرج نہیں۔ غلام کو مشتری گھر لے گیا۔ چند

روز گزرے ایک دن مشتری کی عورت کو کہا کہ تیرا شوہر تجھے نہیں چاہتا بلکہ وہ تجھ پر ایک سوکن لانے والا ہے میرا مشورہ ہے کہ تو اُسترا لے کر اُس کے سوتے وقت اس کی گُدّی کے بال مُونڈ کر مجھے دے میں تیرے لیے اس پر جادو کر دوں تاکہ وہ صرف تجھ سے ہی محبت کرے (عورت کو یہ پٹّی پڑھا کر مرد کے پاس گیا) مرد سے کہا تیری عورت نے کسی اور سے یارانہ کر لیا ہے اور وہ تجھے ٹھکانے لگانے کا پروگرام بنا چکی ہے، اس کا تجربہ کرنا ہے تو جھوٹی نیند سو جا پھر دیکھ تماشا۔ چنانچہ عورت نے رات کے وقت اپنے شوہر کو سوتا دیکھ کر استرہ گردن پر رکھا ہی تھا کہ مرنے عورت سے وہ اُسترہ چھین کر اسے قتل کر دیا، صبح عورت نے رشتہ داروں نے طیش میں آکر مرد کو قتل کر دیا۔ اس طرح دو قبیلوں میں جنگ چھڑ گئی اور معاملہ طول پکڑ گیا۔ (دورِ حاضر میں اس قسم کے چغل خوروں کی کمی نہیں، اللہ تعالیٰ ہر بندۂ خدا کو اپنے انجام کی بھلائی کے سوچنے کی توفیق دے اور اس فقیر بے نوا کو بھی۔ آمین! اویسی غفرلہٗ)

حرام خور خنزیر کی شکل میں

وہ جو قبور سے خنزیر کی شکل میں اُٹھ کر میدانِ حشر میں آئیں گے وہ اہل السحت یعنی حرام خور ہوں گے اس لیے کہ حرام دین و مروّت کی جڑ کاٹتا ہے۔

سُود خور کا عذاب

جن کے سر نیچے اور پاؤں اوپر یعنی اوندھے قبور سے نکل کر حشر کے میدان میں چلیں گے و سُود خور ہوں گے۔

مختلف اعمالِ بد پر سزا

(۱) فیصلہ میں ظلم کرنے والے اندھے ہو کر قبور سے نکلیں گے۔

(۲) اپنے اعمالِ صالحہ پر عُجب کرنیوالے گُونگے بہرے اُٹھیں گے۔

(۳) زبانوں کو منہ میں لوٹانے والے جبکہ اُن کی زبانیں سینے تک لٹک جائیں گی، وہ مولوی اور واعظ (متق ہوں گے جن کے افعال اقوال کے خلاف ہوں گے۔

(۴) جن کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوں گے وہ ہمسایوں کو ایذاء دینے والے ہوں گے۔

(۵) جو آگ کی سُولی پر چڑھائے جائیں گے وہ جو عوام کو ظلم و ستم کے طور پر حکام کے ہاں گرفتار کراتے، چغلی کھاتے ناجائز طور پر جاسوسی کرتے۔

(۶) وہ لوگ جن میں مردار سے بھی زیادہ بدبُو ہو گی وہ ہوں گے جو شہوات و لذات کے در پے رہتے اور حقوق ادا نہ کرتے۔

(۷) اور وہ جو تارکول کے جُبّے پہنائے جاتے وہ اہلِ کبر (متکبر) اور خود خیالی پر خود کو بلند مرتبہ سمجھنے وا

ف: جباب، جبّہ کی جمع ہے یعنی معروف لباس۔

حدیث شریف میں نشر علی ترتیب لف ہے اور ہر عمل والے کا حال اس کے گناہ کے مناسب بیا کیا گیا ہے اور ان صورتوں پر قبور سے اُٹھنے کا مطلب اہلِ تعبیر کو معلوم ہے اس کے بعد ہر اہلِ معاصی کی ہیئ

میں ان اسباب کے مذکور ہوئیں جو انہیں ان معاصی کی طرف لے گئیں اور یہ اہم ہے اس لیے کہ تخلیہ کے بعد تجلیہ ہوتا ہے (صفائی کے بعد سنگار) لیکن ہیئات الصالحین کی طرف اجمالی طور پر اشارہ کیا گیا ہے، چنانچہ من امتی میں من تبعیضیہ ہے اور وہ اشارہ کرتا ہے ان کی طرف جن کی شکلیں تبدیل ہوں گی یہ میری اُمت کے بعض ہیں اور ان کے دیگر بعض صالحین ہوں گے (اللھم اجعلنا منھم)۔

سعادت مندوں کا قبور سے اُٹھنے کا حسین منظر خلاصہ یہ کہ جیسے اشقیاء اپنے اعمالِ قبیحہ کی صورتوں پر اٹھیں گے، ایسے ہی سعید (نیک بخت) لوگ اپنے اچھے اعمال پر حسین صورتوں پر اٹھیں گے یہاں تک کہ بعض کے چہرے چودھویں رات کے چاند یا سورج کی طرح چمکتے ہوں گے، جیسا کہ صحیح روایات میں آیا ہے، ذکرہ الثعلبی ونحوہ فی التفاسیر۔

ف : اس حدیث کو اہلِ ظرفین (علمائے ظواہر) نے قبول کیا۔ ابنِ حجر (رحمہ اللہ) نے فرمایا کہ اس کا ظاہر خود شاہد ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے، یہ جہل ہے، حقیقت امر سے بے خبری کا ثبوت ہے اس لیے کہ قیامت ظہور الصفات کا دن ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

یوم تبلی السرائر (اس دن چھپی باتوں کی جانچ ہو گی)

اور اس میں شک نہیں کہ ہر صفت کی صورت مناسب ہے اس کے جو اس کا عمل ہے۔ نیک ہے تو نیک صورت، بُرا ہے تو بُری صورت، اور اس کا کسی عاقل نے انکار نہیں کیا۔

حدیث موضوع معنیً صحیح ہم نے مانا کہ حدیث لفظاً موضوع ہو گی لیکن معنیً صحیح ہے جو احادیثِ کثیرہ سے مؤید ہے (یہی قاعدہ دورِ حاضرہ کے خوارج کے اعتراضات کیلئے مناسب ہے کہ اول ما خلق اللّٰہ نوری، لولاک لما خلقت الافلاک وغیرہ شانِ رسالت کے متعلق روایات کو موضوع یا ضعیف کہہ دیتے ہیں حالانکہ نہ وہ موضوع ہوتی ہیں نہ ضعیف، وہ اپنے ضعفِ ایمانی سے ایسے کہہ دیتے ہیں۔ اہلِ سنت کو اور دلائل یاد نہ ہوں تو اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ یہ روایات معنیً صحیح ہیں، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ عاشقاں را بدلیل چہ کار۔ اویسی غفرلہٗ)

سبق اے مومن برادر! سنگدل نہ ہو کا پتھر نہ بن ان لوگوں سے جن کے دلوں سے فیوض کی نہریں اور حکمتوں کے چشمے بہتے ہیں، اور جدوجہد کر اور اس کی طرح نہ ہو جس کے متعلق کہا جاتا ہے :

حفظت شیئا وغابت عنک اشیاء۔ (تو نے ایک شے بچائی لیکن تجھ سے بہت سی اشیاء ضائع ہو گئیں) بعض ایسے بندگانِ خدا بھی دنیا میں ہیں جو اللہ تعالیٰ سے کتاب (حکم) بلاواسطہ حاصل کرتے ہیں اسی لیے ان کے درمیان میں کوئی سند نہیں اور وہ ہر بات براہِ راست اللہ تعالیٰ سے کرتے ہیں اور یہ سلسلہ ترتیب تا قیامت

---

[1] اس کا جواب آنے والے مضمون میں ہے۔

باقی ہے (لیکن وہ نبی نہ ہوگا بلکہ ولی ہوگا اس سے کہیں دجّال قادیانی کی تائید نہ سمجھ لیں۔ اویسی غفرلہٗ)

لیکن ایسے لوگ بہت کم ہیں اسی لیے کہیں ایسا بندہ دعویٰ کرتا ہے تو اکثر لوگ اس کا انکار کر دیتے ہیں بلکہ عوام تو اپنے رسوم پر اوندھے پڑے ہوتے ہیں اور ظواہر کے پابند، انہیں حقائق سے آگاہی نہیں اور نہ ہی بواطن کی خبر (ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں اہلِ معرفت سے بنائے، آمین۔ اویسی غفرلہٗ)

وَفُتِحَتِ السَّمَآءُ (اور آسمان کھولا جائے گا) اس کا عطف ینفخ پر ہے بمعنی الفتح اور اسے ماضی کے ساتھ لانے میں تحقیق پر دلالت کے لیے ہے کہ گویا آسمان اللہ تعالیٰ کی ہیبت سے پھٹ گئے اور ریزہ ریزہ ہو گئے، جبکہ اس سے قبل ان میں کسی قسم کا رخنہ نہ تھا فَكَانَتْ (تو ہو جائیگا) بسیار سوراخوں کی وجہ سے اَبْوَابًا (دروازے) بہت سے دروازوں والا فرشتوں کے نزول کے لیے جو آج غیر عادت اتریں گے یہی مراد ہے اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی کی کہ یوم تشقق السماء بالغمام (اس دن آسمان پھٹ جائے گا بادل سے) اور غمام سے وہی مراد ہے جو دوسری جگہ فرمایا:

هل ينظرون الا ان يأتيهم الله۔	نہیں دیکھیں گے مگر یہ کہ ان کے ہاں آئے گا اللہ تعالیٰ۔

یعنی اس کا امر اور خوف بادلوں کے سایوں میں اور فرشتے۔

ف: بعض نے کہا الفتح بمعنی الکشف ہے کہ اپنی جگہ سے ہٹ جائیگا۔ جیسے دوسری جگہ فرمایا: واذا السماء کشطت (اور جب آسمان جگہ سے کھینچ لیا جائے) ابواب سے راستے مراد ہیں یعنی جب آسمان اپنی جگہ سے ہٹ جائیگا تو وہ جگہ راستے ہی ہو جائیں گے جہاں کوئی رکاوٹ نہ ہوگی۔

وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ (اور پہاڑ چلائے جائیں گے) چلانے والا خود اللہ تعالیٰ ہے، فرمایا:

یوم نسیر الجبال و تری الارض بارزۃ۔	اس دن کہ ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور دیکھو گے زمین صاف کھلی ہوئی۔

یعنی پہاڑ خلا میں اُڑیں گے اللہ تعالیٰ کے اڑانے اور اس کی تسخیر سے اپنی ہیئت پر ان کو اپنی جگہ سے اکھاڑنے کے بعد اور ہوا میں چلائے جائیں گے یہ نفخۂ ثانیہ کے بعد مخلوق کے قبروں سے اُٹھنے کے وقت ہوگا تاکہ وہ اس کا مشاہدہ کریں پھر انہیں ہوا اڑا دے گی۔ چنانچہ فرمایا: فَكَانَتْ سَرَابًا (جیسے چمکتا ریت دُور سے پانی کا دھوکا دیتا)

حلِ لغات السراب وُہ جو دوپہر کے وقت دیکھا جاتا ہے کہ گویا وُہ پانی ہے۔ امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ جنگلوں میں پانی کی طرح چمکتا نظر آتا ہے اسے سراب اس لیے کہا جاتا ہے کہ آنکھوں کی

نی اُڑتی جاتی محسوس ہوتی ہے ۔ گویا سراب وُہ ہے جس کی کوئی حقیقت نہ ہو اور شراب جس کی کوئی حقیقت ہو ، ین پھر وہ پہاڑ چلانے کے ساتھ سراب کی طرح (یعنی لاشیٔ) ہو جائیں گے اجزاء کے تفرق اور جواہر کے ذرہ ذرہ ہو جانے کی وجہ سے ' جیسے فرمایا :

وبست الجبال بسا (اور ہو جائیں گے پہاڑ ریزہ ریزہ)

اس کے بعد وُہ اڑتی ہُوئی غبار کی طرح ہو جائیں گے اگرچہ نفخۂ اولیٰ سے ہی ان کی ٹوٹ پھوٹ ہو جائے گی لیکن بادل ل طرح ' اور زمین کا برابر ہو جانا نفخۂ ثانیہ سے ہوگا۔

ف : بعض نے کہا کہ جبال کا بارِ اوّل حال توڑ پھوڑ ہے ' جیسے فرمایا :

وحملت الارض والجبال فدکتا دکۃ واحدۃ۔
اور زمین اور پہاڑ اٹھائے جائیں گے تو یکبارگی توڑ پھوڑ ہو گی۔

اردوم دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہوں گے ۔ بارسوم غبار جیسے ہو جائیں گے اس وقت ٹکڑے ٹکڑے ہوکر علیحدہ علیحدہ جیسے ہوکر غبار کی طرح پھیلائے جائیں گے ۔ چوتھی بار جڑوں سے نکل کر ریزہ ریزہ ہو کر اڑیں گے پہلی تینوں بار میں اپنی جگہ پر پڑے رہیں گے زمین ان کے نیچے دبی ہوگی ظاہر نہ تھی جب ہوا انہیں پھیلائے گی تو ب زمین نظر آئے گی یہی مراد ہے :

فقل ینسفھا ربی نسفا ۔ (تو فرمایئے انہیں ریزہ ریزہ کرکے پھیلائے گا میرا پروردگار) سے ۔ انچویں بار انہیں ہوائیں زمین سے اٹھا کر خلاء میں اڑائیں گی ۔ اب یوں محسوس ہوگا کہ گویا وہ پہاڑ غبار ہیں یہی مراد اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہے :

وتری الجبال تحسبھا جامدۃ وھی تمر مر السحاب ۔
اور تم دیکھتے ہو پہاڑوں کو تمہارا گمان ہے کہ یہ خوب جمے ہوئے ہیں حالانکہ یہ بادل کی طرح اڑیں گے ۔

یعنی اب تو تمہاری نظروں میں پہاڑ اپنی جگہوں میں ساکن محسوس ہوتے ہیں حالانکہ قیامت میں یہ پہاڑ بادلوں کی طرح چلیں گے انہیں ہوائیں چلائیں گی ذرہ ذرہ غبار کی طرح کرکے ۔ اس کی وجہ یہ ہے جسم والی ے کسی طرف متحرک ہو تو اس کا تحرک محسوس نہیں ہوتا جب کہ تیز ہو بالخصوص جب دُور ہو ۔ چھٹی بار سراب ہو جائیں گے ۔

تفسیر صوفیانہ فقیر (علامہ اسمٰعیل حقی علیہ الرحمۃ) کہتا ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ قیامت کبریٰ کے وقت جسے فنا فی اللہ کہا جاتا ہے نفوس کی انانیت اور اس کے تعینات ایسے زائل ہو جائیں گے کہ گویا وہ سراب ہیں یہاں تک کہ انھیں دیکھو گے تو وہ لاشیٔ محسوس ہوں گے لیکن

عوام محجوب لوگ جب اہلِ فنا، کو اپنی طرح کھاتا پیتا دیکھتے ہیں انہیں گمان ہوتا ہے کہ ان کے نفوس باقی ہیں کیونکہ وہ باقی باللہ ہوتے ہیں اسی پر وہ ان سے بدگمانی کرتے ہیں حالانکہ ان کے اور ان باقی باللہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے، اتنا بڑا فرق کہ اس کا وہم و گمان نہیں ہو سکتا اس لیے کہ ان کے جبالِ نفوس کو بشریت کی زمین سے عنایتِ الٰہی و توفیقِ ایزدی کی ہوائیں اڑا کر لے گئی ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ نے لاشیٔ بنا دیا ہے اور ان کے آسمانِ ارواح کھولے گئے ہیں تو اب وہ دروازے ہی دروازے ہیں یعنی سر و خفی و اخفیٰ کے دروازے یہ حضرات ان دروازوں سے داخل ہو کر مقامِ اَو ادنیٰ تک پہنچ کر حق کے ساتھ مل جاتے ہیں پھر ان بلند حقیقت والے دروازوں سے اتر کر عالمِ ولایت کی طرف دیکھتے ہیں تو پھر ابوابِ عقل و قلب میں داخل ہوتے ہیں یہ ابواب متخیلہ مفکرہ و حافظہ و ذاکرہ ہیں ان سے دروازوں سے مقامِ قاب قوسین میں مع الخلق ہوتے ہیں اسی حیثیت سے کہ مخلوق ان کے ساتھ ہوتی ہے اس مقام پر وہ مخلوق کے ساتھ رہ کر حق سے محجوب نہیں ہوتے ان کی یہ جانب ولایت ہے اور نہ محجوب ہوتے ہیں حق کے ساتھ مخلوق سے اور ان کی یہ جانب نبوت ہے۔ ایسے حضرات بہ ظاہر اسی قول کے مصداق ہوتے ہیں کہ یوحی الیّ الخ۔

سبق : جو لوگ ان کے مقام سے محجوب ہیں وہ انہیں کیا جانیں اور انہیں ان کے شان کا ادراک کہاں اور ان کے امر کی حقیقت کی انہیں کیا خبر۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا (بیشک جہنم تاک میں ہے) وہ حکم و قضاءِ الٰہی کی انتظارگاہ میں انتظار کر رہی ہے اور جہنم کے داروغے بھی کفار کا انتظار کر رہے ہیں جو انہیں اس میں عذاب کریں گے۔

حلِ لغات

مرصاد اسم مکان ہے بمعنی انتظارگاہ جیسے منہاج وہ جگہ جہاں راستہ طے کیا جائے۔ امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ المرصاد ' موضع الرصد (انتظارگاہ) ہے مرصد لیکن مرصاد وہی جگہ جو صرف انتظار کے لیے مقرر ہو۔

ف : ان جہنم کانت مرصادًا میں تنبیہ ہے کہ اس پر سب کا گزر ہوگا، گو مرصاد کو عام رکھا گیا کیونکہ پل صراط اعداء کی مجلس ہے لیکن اولیاء کی صرف گزرگاہ ہے۔ لیکن پہلا معنیٰ اولیٰ ہے اس لیے کہ ایسے مکان کا انتظار ہولناک ہے اور عذاب کرنے کے لیے ہے اور صرف کافروں اور اشقیاءؔ کے لیے ہے۔

لِلطَّاغِيْنَ (سرکشوں کے لیے) یہ محذوف کے متعلق ہے وہ یا تو مرصاد کی صفت ہے کہ در اصل مرصادًا کائنًا للطاغین ہے اور مَاٰبًا (ٹھکانا) اس سے بدل ہے بمعنی مرجعًا وہ جگہ جہاں وہ رجوع کریں گے یا حال ہے مآبًا سے حال اس لیے مقدم ہوا کہ ذوالحال نکرہ ہے اگر مؤخر ہوتا تو اس کی صفت ہوتی

حل لغات طاغین از طغی الخ اس نے دین حق سے کفر کر کے سرکشی کی اور دنیا میں کفر کر کے کلفت ہیں، وہ اصل حد سے بڑھ جانا، یہاں مشرکین مراد ہیں۔ جیسا کہ مابعد کی آیات اس پر دلالت کرتی ہیں۔ ایسے لوگوں کا عذاب غیر متناہی ہے ان کے باطل اعتقاد کی وجہ سے ایسے ہی ان لوگوں کا جن کا کوئی اعتقاد نہ تھا۔

ف : جن کا اعتقاد صحیح تھا جیسے وہ مسلمان (سُنّی) مومن اگرچہ گنہ گار، ایسے کو عذاب (اگر ہوا) تو متناہی ہوگا۔

لٰبِثِیْنَ فِیْهَا (اس میں رہیں گے) حال مقدرہ ہے ضمیر سے جو طاغین میں مضمر ہے یعنی درانحالیکہ جہنم میں رہیں گے۔

حلِ لغات اللبث مکان میں ٹھہرنا، کبھی اس سے نہ نکلنا کہا جاتا ہے لبث بالمکان فلاں لازمی طور پر مکان میں ٹھہرا۔

اَحْقَابًا (قرنوں) ان کے لبث کی ظرف ہے۔

حلِ لغات احقاب، حقب کی جمع ہے اسّی سال یا زمانہ بمعنی الدھر بمعنی ایک سال بمعنی کئی سال (القاموس) دراصل الحقب بمعنی ترادف و تتابع ہے احقب بمعنی اردف اسی سے ہے الحقبی بمعنی الرفادۃ فی القتب یعنی ہر وہ شے جو کجاوے میں رکھی جائے، اور المحقب بمعنی المردف. تاج المصادر میں ہے الاحقاب حقیبہ (ایک مدت) میں رکھنا اسی سے ہے حدیث شریف فاحقبها علیٰ ناقۃ یعنی اسے اونٹنی پر کجاوے کے حقیبہ (ایک حصہ) پر بٹھایا، اور بمعنی الارداف ذینی یعنی سواری پر پیچھے بٹھانا، کسی کے پیچھے بیٹھنا بٹھانا، یہاں احقاباً بمعنی دھوراً متتابعاً ہے کہ ایک حقب (زمانہ) گزرنے کے بعد دوسرا اس کے ساتھ متصلاً شروع ہو جائے الیٰ غیر نہایۃ اس لیے کہ حقب پے در پے زمانوں کے لیے ہی استعمال ہوتا ہے۔

نکتہ : حضرت ابواللیث رحمہ اللہ نے فرمایا کہ احقاب اس لیے فرمایا کہ کفار کے نزدیک یہ نہ ہونے والی بات سمجھی جاتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے بھی وُہ فرمایا جو ان کے وہم کم کر دے، اور اس سے ہمیشگی ہے یعنی وہ دوزخ میں ہمیشہ ٹھہریں گے۔

حکایت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ہجر کے مرد سے پوچھا کہ حقب کیا ہے؟ کہا اسّی سال جس کا ہر دن ہزار سال کا ہوتا ہے۔

ف : اس سے ان کی مراد تابید و دوام ہوتی ہے۔

ف : ایسے ہی حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ احقاب تینتالیس حقب کا، ہر حقب ستر خریف کا اور ہر خریف سات سو سال کا، ہر سال تین سو ساٹھ دن کا، ہر دن دنیا کے ایک ہزار سال کا۔ ایسے ہی حضرت

ابن عباس و ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ ایسے ہی اگر ایک حقب سے ستر ہزار سال مراد ہوں جن کا ہر دن دنیا کے ایک ہزار سال کے برابر ہو جیسا کہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

ف : امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ صحیح یہ ہے کہ حقب زمانہ کی ایک مبہم مدت کا نام ہے محض اسی سال کی کوئی قید نہیں۔ ایسے ہی قاموس میں ہے الحقبد (بالکسر) الدھر کی ایک مدت جس کا کوئی وقت مقرر نہیں۔

خلاصہ یہ کہ احقاب کا کوئی معنی ہو لیکن یہ تناہی پر دلالت کرتا ہے اگرچہ وہ جمع قلت ہے لیکن بمنزلہ جمع کثرت کے ہے یعنی احقاب بمعنی حقوب ہے یا بمنزلہ الاحقاب کے ہے معرف بلام الاستغراق۔ پھر اس سے اگرچہ دلیل ملتی ہے کہ دوزخی سے طویل مدت کے بعد دوزخ سے نکالے جائیں گے لیکن یہ لفظ کے مفہوم سے ہے تو مفہوم کا منطوق سے کیا مقابلہ کیونکہ آیت میں تصریح ہے،

یریدون ان یخرجوا من النار وما ھم بخارجین منھا ولھم عذاب مقیم۔	کافر ارادہ کریں گے کہ وہ دوزخ سے نکلیں لیکن وہ دوزخ سے نہ نکل سکیں گے اور ان کیلئے ہمیشہ کا عذاب ہے۔

اور قاعدہ ہے کہ منطوق مفہوم سے راجح ہوتا ہے اس لیے اس احقاب کا منطوق سے معارضہ نہ ہوگا بلکہ اس سے مراد ان کا ہمیشہ دوزخ میں رہنا ہے۔

ناسخ و منسوخ

ابوحیان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ احقاب کا مفہوم فلن نزیدکم الا عذابا (تو ہم تمہارا نہیں بڑھائیں گے مگر عذاب) ہے۔ اس کے دیگر وجوہ آئیں گے (ان شاء اللہ تعالیٰ)

لَا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ۝ اِلَّا حَمِيمًا وَّغَسَّاقًا (اس میں کسی طرح کی ٹھنڈک کا مزہ نہ پائیں گے اور نہ ہی کچھ پینے کو مگر کھولتا پانی اور دوزخیوں کا جلتا پیپ) یہ نیا جملہ ہے لایذوقون کا معنی لا یحسون (محسوس نہ کریں گے) نہ پائیں گے ورنہ ذوق اصل معنی ہے وجود طعم یعنی نہیں پائیں گے ہاں اسے شراب کی مناسبت سے یہاں لایا گیا ہے ویسے عرف میں اگرچہ تھوڑی سی شے کو کہا جاتا ہے لیکن کثیر کے لیے بھی صلاحیت رکھتا ہے کیونکہ ذوق کا مفہوم کثیر میں ہوگا۔ برد سے مراد وہ شے ہے جو انہیں راحت پہنچائے اور ان سے آگ کی گرمی دور کرے ورنہ وہ جہنم میں زمہریر کا مزہ تو چکھیں گے ہی، یعنی ایسی ٹھنڈک نہیں پائیں گے جس سے وہ نفع پا سکیں گے یا اس طرف مائل ہو سکیں، اس کی تنکیر نوعیۃ کی ہے۔

ف : قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ برد سے راحت پانا مراد ہے کیونکہ عرب گرم علاقہ ہے اسی لیے وہ کہتے ہیں،

برد اللہ عیشک (اللہ تعالیٰ تیرا عیش راحت والا بنائے)

اس اعتبار کو سامنے رکھ کر انسان گرمی میں ٹھنڈک سے راحت پاتا ہے۔ البرد، حرارۃ کی نقیض ہے اور

کہا جاتا ہے برد، یہ اس وقت بولتے ہیں جب ٹھنڈک ثابت ہو جائے اور برد کا ثبوت ایسے ہے جیسے حرکۃ کا حو (گرمی) سے، و برد الانسان (انسان ٹھنڈا ہو گیا، یعنی مرگیا) و بردہ 'قتلہ (اسے قتل کیا) اسی سے ہے، السیوف البوارد (قتل کرنے والی تلواریں) اس لیے کہ میّت میں روح کے فقدان سے گرمی نہ ہونے سے برد کہا گیا یا سکون کی وجہ سے' اور نوم (نیند) کو بھی برد کہتے ہیں اس لیے کہ نائم کے ظاہر بدن کو ٹھنڈک عارض ہوتی ہے۔ یا اس لیے کہ نیند نائم کو ٹھنڈا کر دیتی ہے۔ کیا نہیں معلوم کہ جب پیاسے کو نیند آجائے تو اس کی پیاس کو سکون مل جاتا ہے' یا اس لیے کہ اسے سکون عارض ہوتا ہے۔ اور ہم پہلے کہہ آئے ہیں کہ نوم موت کی جنس سے ہے۔

لایذوقون فیہا بردا کا معنی ہے کہ دوزخ میں نیند نہ کر سکیں گے کہ جس سے راحت پائیں۔

خلاصہ یہ کہ دوزخ میں آسائش ہوگی نہ آرام کہ جس سے ٹھنڈک پائیں۔ الشراب سے مراد وہ شے ہے جو ان کی پیاس بجھائے اور الا بمعنی لکن ہے۔ الحمیم بمعنی گرم پانی، وہ پانی کہ جونہی اسے منہ کے قریب لائیں گے ان کے چہرے کا چمڑا اُدھڑ جائے گا، جب اسے پئیں گے تو آنتیں پاش پاش ہو جائیں گی۔ الغساق وہ پیپ جو دوزخیوں کے چمڑے سے بہے گی اور ان کے پیٹ سے گندے قطرے بن بن کر گرے گی۔ اللہ تعالیٰ نے طاغین کے لیے خبر دی ہے کہ وہ جہنم میں کوئی ٹھنڈی چیز نہ پائیں گے جو انہیں جہنم کی گرمی سے سکون دے اور نہ ہی پینے کی کوئی شے کہ جس سے پیاس بجھائیں، ہاں چکھیں گے تو گرم پانی اور بدبودار پیپ۔ اس معنی پر یہ استثنار منقطع ہے۔

ف: الزجاج نے فرمایا کہ وہ جہنم میں نہ پائیں گے سایہ کی ٹھنڈک اور نہ نیند کی ٹھنڈک۔ غرضیکہ برد سے مراد وہ شے ہے جس سے راحت و سکون پا سکیں۔ اس معنی پر ولا شرابا بمعنے ولا بارداً ہے تعمیم کے بعد تخصیص ہے راحت پہنچانے میں کمال کی وجہ سے' جس سے مجموعی طور پر معنی ہوگا راحت پہنچانے والی شے، اس تقریر پر بھی مستثنیٰ منقطع ہوگا البرد والشراب سے۔

اگر غساق کی تفسیر زمہریر سے کی جائے تو استثنار فقط البرد سے ہوگا نہ کہ الشراب سے، کیونکہ زمہریر وہ شے نہیں جسے پیا جائے' جیسے استثنار حمیما کا الشراب سے ہے اس کی تاخیر محض آیات کے رؤس کی وجہ سے ہے۔ پہلی تقریر کی تائید حدیث شریف سے ہوتی ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”اگر غساق کی بدبو کا ایک قطرہ دنیا میں انڈیلا جائے تو اس کی بدبو تمام اہلِ دنیا کو پہنچے گی۔“

اگر اس کی تفسیر اس پیپ سے کی جائے جو دوزخیوں سے بہے گی تو استثنار الشراب سے ہوگا۔

غساق کی تحقیق

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ غساق عذاب کے رنگوں میں سے ایک رنگ ہے جو سخت ٹھنڈا ہے یہاں تک کہ اگر جہنمی اس میں ڈالے جائیں تو اللہ تعالیٰ سے

سوال کریں گے کہ انھیں دوزخ میں ہزار سال رہنا منظور ہے وہ ہمارے لیے آسان ہے مگر یہ ٹھنڈک ہماری برداشت سے باہر ہے کہ اس میں صرف ایک دن ٹھہرایا جائے ۔

شہر بن حوشب نے کہا کہ غسّاق جہنّم میں ایک وادی ہے جس میں تین سو تینتیس (۳۳۳) غاریں ہیں ہر غار میں تین سو تینتیس (۳۳۳) گھر ہیں ، ہر گھر میں چار کونے ہیں ، ہر کونے میں ایک گنجہ (زہریلا) سانپ ہے اتنا بڑا کہ دنیا میں اس سے بڑی اور کوئی مخلوق نہ ہوگی اس کے ہر سانپ کے سر میں زہر ہوگی ۔ الشجاع بمعنی الحیۃ (سانپ) ۔

ف : بعض نے کہا لایذوقون لٰبثین کی ضمیر منوی ہے حال ہے ، یہ جملہ مستانفہ نہیں یعنی وہ دوزخ میں احقاب (مدۃ معلومہ) تک ٹھہریں گے اس میں اس مدت تک سوائے حمیم و غسّاق کے اور کچھ نہ پئیں گے ، پھر دوسرے احقاب سے حمیم و غسّاق کی دیگر جنس عذاب کی بدلیں گے ۔ اس تقریر پر یہ حال متداخلہ ہوگا اور احقاباً ، لٰبثین کی ظرف ہے جو لایذوقون کے مضمون سے متقید ہے ۔ اس مقید کی انتہاء مطلق لبث کی انتہاء کو مستلزم نہیں ، اس معنیٰ پر عذاب کا وقت مقرر کرنا ہے نہ کہ ان کے جہنم میں ٹھہرنے کو ۔

ف : حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر اہلِ نار کو معلوم ہو جائے کہ وہ دنیا کی عمر برابر دوزخ میں ٹھہریں گے تو یہ سُن کر خوش ہوں گے ، اگر اہلِ جنت سُن پائیں کہ وُہ جنّت میں صرف دنیا کی عمر برابر ٹھہرینگے تو غمگین ہوں گے ۔

ف : یہ بھی ہو سکتا ہے کہ احقاباً ' لایذوقون کی ظرف ہو ، یہ اس کے مذہب پر ہوگا جو ما بعد لا کے عامل کے معمول کی تقدیم جائز سمجھتا ہے اس کے نزدیک یہ لٰبثین کی ظرف نہیں اس تقریر پر لبث و خروج کی تناہی (متناہی ہونا) ثابت نہ ہوگی کیونکہ اس وقت احقاباً ' لبث کی ظرف نہیں ۔

ف : یہ بھی ہے کہ احقاباً سرے سے ظرف نہ ہو بلکہ وہ لٰبثین کی ضمیر متسکن سے حال ہو اور لٰبثین بمعنی حقبین یعنی نکدین بمعنی محروم از خیر و برکۃ سکون و حرکۃ میں اس وقت احقابا حقب (بفتح الحاء وکسر القاف) ہوگا ۔

ازحقب الرجل بمعنی حرم الرزق (فلاں رزق سے محروم ہوگیا) حقب العام (یہ سال خیر اور بارش سے محروم ہوگیا) اس وقت لایذوقون فیہا برداً ان کے لبث کی تفسیر ہوگی اس سے ان کے احقاب میں ٹھہرنے کی مدت کی تناہی (متناہی ہونا) کا توہم نہیں ہوگا جس کی توجیہ کی ضرورت ہو ، یہ خلاصہ اس کا جو مفسرینؒ نے یہاں فرمایا ۔

دوزخ کا منظر

حضرت عبداللہ ابن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جہنم پر ایک دن آئے گا جس میں اس کے دروازے ایک دوسرے پر مارے جائیں گے۔ اس روایت کی سند عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے (العرائس) اور انہی سے مروی ہے کہ جہنم پر ایک وقت آئیگا کہ جہنم کے دروازے ایک دوسرے سے لگ کر بجیں گے یعنی دوزخ میں کوئی بھی نہ ہوگا۔

ف : یہ احقاب کی مدت گزرنے کے بعد ہوگا۔

ف : عرائس میں ہے کہ الشعبی نے فرمایا کہ جہنم دارین کی آبادیوں میں جلد تر ختم اور ویران ہونے والی ہے۔

حدیث صحیح میں ہے :

> جرجیر جہنم کی گہرائی میں پیدا ہوگی بوجہ آگ کے بجھ جانے اور عذاب کے مرتفع ہونے کے جیسا کہ سبقت رحمتی علی غضبی (میری رحمت میرے غضب پر سابق ہے) کا تقاضا ہے (شرح الفصوص از داؤد القیصری رحمہ اللہ)

ف : جرجیر ایک مشہور سبزی ہے۔

حضرت عارف جامی قدس سرہٗ کی عارفانہ تقریر

حضرت عبدالرحمان جامی قدس سرہٗ نے شرح الفصوص الحکم میں فرمایا کہ جان اے جانِ من! کہ وہ دوزخی جن کے لیے فرمایا گیا ہے، خالدین فیھا (اس میں ہمیشہ رہیں گے) (جیسا کہ شیخ اکبر قدس سرہٗ اور آپ کے متبعین کے کلام سے ظاہر ہے) کے تین حالات ہیں :

(۱) جب دوزخ میں داخل ہوں گے ان کے ظواہر و بواطن پر عذاب مسلط کر دیا جائے گا اور ان پر جزع و اضطراب کا غلبہ ہوگا تو عرض کریں گے کہ یا تو ان سے عذاب کی تخفیف ہو یا ان کا فیصلہ کیا جائے یا اجازت دی جائے تاکہ واپس دنیا میں چلے جائیں۔ ان کی اس استدعا کی کوئی شنوائی نہ ہوگی۔

(۲) جب دوزخی دیکھیں گے کہ ان کی شنوائی نہیں ہوئی خود کو عذاب پر طفل تسلیوں میں مشغول رکھیں گے حتی کہ ان کے بواطن سے عذاب اٹھا لیا جائے گا اور اللہ کی وہ آگ بجھ جائے گی جو اُن کے دلوں پر جھانک رہی تھی۔

(۳) جب احقاب کا عرصہ گزرے گا تو عذاب سے مانوس ہو جائیں گے، عذاب ان کی عادت بن جائے گا اس لئے باوجود طویل مدت کے عذاب کے شدت محسوس نہ کریں گے اور نہ ہی درد و الم۔ یہاں کہ الٹا عذاب سے لذت پائیں گے اور جامِ شیریں محسوس کریں گے بلکہ ان پر اگر نسیم جنت کا جھونکا آگیا تو اس سے کراہت نفرت کریں گے بلکہ نسیم جنت کی راحت کو عذاب سمجھیں گے جیسے جُعل (سیاہ بھنورا)۔ گندگی کے کیڑے

کو گندگی کی بدبُو بُوئے گلاب ہے (اور بُوئے گلاب ان کے لیے بدبُو) ۔ اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو عذابِ نار سے بچائے ۔ آمین !

ف : الجُعل (بضم الجیم و فتح العین) چھوٹا کیڑا جو گوبر وغیرہ میں ہوتا ہے ، اس کی جمع جعلان (بالکسر) ہے۔

شرح عقائد سے تائید

حضرت مولانا رمضان اور مولانا صلاح الدین رحمہم اللہ تعالیٰ شرح العقائد میں رقمطراز ہیں ، بعض اہلِ اسلام نے فرمایا کہ وہ جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خبر دی ہے کہ جنّتی جنّت میں اور دوزخی دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے' حق ہے ۔ لیکن جب موت کا مینڈھا اہلِ جنّت و اہلِ نار کے درمیان ذبح کیا جائیگا اور ندا دی جائے گی کہ بہشتی بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے (ابداً ، ابدًا) اس کے بعد اہلِ نار نجات سے مایوس ہوکر عذاب کی عادت بنالیں گے ، اسی لیے اس سے درد محسوس نہ کریں گے یہاں تک کہ الٹا اس سے لذّت پائیں گے ، اگر ان پر بادِ نسیم بھی گزرے گی اس سے نہ صرف کراہت و نفرت کریں گے بلکہ اسے عذابِ جان محسوس کرینگے' جیسے سیاہ بھنورا کہ گندگی سے مشکِ گلاب کی لذّت اور بُوئے گلاب سے اذیت و تکلیف محسوس کرتا ہے ۔

اس تقریر پر ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً (بیشک اللہ تعالیٰ تمام گناہ بخش دیتا ہے) اپنے عموم پر ہوگا ان سے عذاب کے ارتفاع کی وجہ سے اور لا یخفف عنھم العذاب (ان سے عذاب کی تخفیف نہ ہوگی) بھی اپنے معنی میں صحیح ہے کہ ان سے اس عذاب کی تخفیف نہیں ہوگی جو ان کے لیے مقدر ہے

تفسیر صوفیانہ

بعض کاملین نے فرمایا کہ جب اہلِ جمال دار الجمال میں قرار پکڑیں گے تو اس میں ان پر جمال کا اثر ظاہر ہوگا جس سے وہ ہمیشہ ہمیشہ ذوق حاصل کرتے رہیں گے لیکن ان سے جمال کا جلال ہمیشہ پوشیدہ رہے گا لیکن اسے محسوس ضرور کریں گے اگرچہ اسے دیکھ نہ سکیں گے اور نہ ہی اس سے ہمیشہ تک درد والم پائیں گے ۔ ایسے ہی جب دار الجلال میں جلال کی دار والے ٹھہریں گے تو احقاب کے بعد ان کے بواطن جلال کا جمال اثر انداز ہوگا جس سے وہ ہمیشہ ہمیشہ ذوق پائیں گے لیکن ان پر نار الجلال کا اثر پوشیدہ رہے گا کہ نہ تو وہ اسے محسوس کریں گے اور نہ ہی دیکھیں گے اور نہ ہی ہمیشہ ہمیشہ اس سے درد والم پائیں گے لیکن یہ سب کچھ مرورِ احقاب پر ان کے ظواہر و بواطن کو نار کے جلانے کے بعد ہوگا ، اور ان کے ہر ایک کو آخرت کے سالوں میں ایک ہزار سال تک نار جلاتی رہے گی دنیا کے صرف ایک دن کے شرک کے عوض میں پھر اسی طرح اور ظاہر یہ ہے کہ یہ عذاب ان پر ہر احقاب کے مرور کے بعد ہوگا اور یہ وہی حال ہے کہ ان پر دائمی طور پر عذاب ہی عذاب یعنی وہ حال کہ جس پر وہ ازل میں تھے درمیان میں ابتلاآت رحمانیہ آئے اور ابتلاء حادث ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

ونبلوکم بالشر والخیر فتنۃ والینا ترجعون۔	ہم تمہیں خیر و شر سے امتحان کے طور پر آزمائینگے پھر تم ہماری طرف لوٹ کر آؤ گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دار البوار (ہلاکت کے گھر دوزخ) سے بچائے (آمین)۔

فیصلہ از صاحب روح البیان قدس سرہٗ

یہ تو تقریریں ہیں جو صوفیہ کرام اور مفسرین عظام نے بیان فرمائیں جو اس آیت کے متعلق آرار کا اظہار فرمایا نقل فرمانے میں حرج نہیں صرف عقیدے کی بات ہے تو اس میں ہم سب کا عقیدہ ہونا ضروری ہے کہ خلود الکفار فی النار اور ان پر عذاب ابداً ہے اگر احقاب کے مرور کے بعد بھی اسی طرح ہو تو بھی حق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

وبدالھم من اللہ مالم یکونوا یحتسبون۔	اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے وہ ظاہر ہوگا جس کا وہ وہم و گمان نہ کرتے تھے۔

اب انہیں یقین ہوگا کہ ہاں یہ عذاب ہے اور دائمی ہے۔

معتزلہ کا رد

جیسے معتزلہ سمجھتے تھے اور دنیا میں ان کا یہی عقیدہ تھا کہ غیر تائب گنہ گار پر عذاب کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے (معاذ اللہ) پھر آخرت میں جب وہ دیکھے گا جس کا اسے وہم و گمان نہ تھا کہ ایسے گنہگار کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا (تو پھر معتزلی افسوس کرے گا لیکن اس وقت کا افسوس اسے کوئی کام نہ دے گا)

میت کے ایصالِ ثواب کا منکر مرنے کے بعد افسوس کرتا تھا

الشیخ الامام المفتی عزالدین بن عبد السلام کو مرنے کے بعد خواب میں دیکھا گیا ان سے سائل نے سوال کیا کہ آپ تو ان ہدایا (خیرات و صدقات) کے پہنچنے کے منکر تھے جو مرنے کے بعد میت کو بھیجے جاتے (مثلاً اہلِ اموات کو طعام اور قرآن مجید وغیرہ پڑھ کر بخشا جاتا) تو آپ نے جواب دیا:

ھیھات ھیھات وجدت الامر بخلاف ماکنت اظن۔ (روح البیان، جلد ۱۰ صفحہ ۳۰۵)	افسوس صد افسوس! میں نے اس امر کے خلاف پایا جس کا مجھے گمان یہ تھا[1]

---

[1] یہ کہ مُردوں (اہلِ اموات) کو کوئی ثواب نہیں پہنچتا لیکن یہاں تو پہنچ رہا ہے اور میں محروم ہوں۔ ایسے ہی وہابی دیوبندی مرنے کے بعد حسرت کرینگے لیکن کیا فائدہ! ایصالِ ثواب کے متعلق بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اویسی غفرلہٗ

سوال : اہلِ کبائر کے لیے خلود ہو گا جیسا کہ بعض مقامات سے ثابت ہوتا ہے اور یہ اہلسنت کے مذہب کے خلاف ہے ۔

جواب : اہلِ کبائر کے لیے جہاں خلود کا لفظ آیا ہے وہاں طویل المکث یعنی جہنم میں کافی مدت تک ٹھہرنا مراد ہے ۔

خلاصہ اہلِ ظاہر و اہلِ باطن (صوفیہ کرام) متفق ہیں کہ کفار کے لیے نار میں ٹھہرنا خلود دائمی (حقیقی) ہے وہ فرعون ہو، ہامان ہو، نمرود ہو، کوئی ہو ۔ البتہ اختلاف اس میں ہے کہ احقاب کے گزرنے کے بعد ان کے ظواہر سے عذاب کا ارتفاع ہو گا یا کیونکر ہر ایک نے اپنے مبلغ علم پر تاویل کی ہے لیکن زیادہ حق نص قرآنی کا ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے وہ وہی ہے خالدین فیہا ابداً (ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے) واللہ اعلم بحقیقۃ الحال ۔

کفار کے اقسام حجۃ الاسلام رحمہ اللہ نے فرمایا کہ کفار تین قسم ہیں :

(۱) وہ جسے ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی پہنچا، آپ کے صفاتِ مبارکہ بھی اور آپ کی دعوتِ کریمہ (اسلامیہ) بھی ۔ اس نے دار الاسلام میں کھلم کھلا انکار کر دیا ۔ یہ تو ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا اس کا کوئی عذر مسموع نہ ہو گا ۔

(۲) جسے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم پاک تو پہنچا لیکن صفات کا علم اسے نہ ہوا، مثلاً سنا کہ معاذ اللہ وہ کذاب ہیں اسلام کی دعوت دیتے ہیں، ان کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے، وہ نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں ۔

(۳) جسے نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم مبارک پہنچا نہ آپ کی کوئی رسم تو یہ پچھلے دو گروہ کفر میں معذور ہیں ایسے ہی اشعری رحمہ اللہ سے بھی نقل ملتا ہے (شرح العقاید لمصلح الدین رحمہ اللہ) ۔

مومن کے اقسام حضرت مولانا داؤد قیصری رحمہ اللہ نے شرح الفصوص میں لکھا کہ وعید وہ عذاب ہے جو اسم منتقم (صفت الٰہی) سے متعلق ہے اس کے احکام پانچ گروہ میں ظاہر، مومن ہیں اور یہ دو قسموں میں منقسم ہیں :

(۱) موحد (اہلِ توحید) عارف عامل (اہل عمل صالح) ۔

(۲) محجوب، جب ان پر سلطان المنتقم کا تسلط ہوتا ہے تو یہ نیران الجحیم اور گوناگوں عذابوں میں عذاب پاتے ہیں لیکن ہمیشہ تک ان کے لیے نہیں جو خلود کے اہل نہیں کیونکہ ان سے یہ عذاب شافعین کی شفاعت سے دور ہو گا ۔ اور سب سے آخری شافع خود اللہ تعالیٰ ہے اور وہ ارحم الراحمین ہے ۔

تفسیر عالمانہ

جَزَآءً وِّفَاقًا جیسے کو تیسا بدلہ جزا دیے جائیں گے پوری ان کے اعمال و اخلاق کے موافق، گویا وہ وفاق کی عین ہے۔ یہ مبالغہ ہے یا جزاءً ذا وفاق تھا مضاف کو حذف کیا گیا یا دراصل وافقہا وفاقاً تھا اس معنی پر وفاق مصدر اپنے فعل کا مؤکد ہے جزاء کی طرح اور جملہ جزاء کی صفت ہے ان کے مابین موافقت کی وجہ یہ ہے کہ وہ دنیا میں گناہ عظیم یعنی کفر کے مرتکب ہوئے تو اسی لیے سزا بھی عظیم دئے گئے یعنی جہنم کے عذاب سے عذاب کئے گئے۔ اور قاعدہ ہے کہ جزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا (برائی کی سزا اس جیسی برائی) اس معنی پر وہ موافق ہو گئے۔ بعض نے کہا وہ سزا وفاق (موافق) اس لیے ہے کہ ان کے استحقاق میں اضافہ نہ کیا گیا اور نہ اس میں کمی کی گئی۔

ف : حضرت سعدی مفتی رحمہ اللہ نے فرمایا چونکہ کفار کی نیت اور ارادہ کفر پر دائمی تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

انہم کانوا لایرجون حسابا (بیشک وہ حساب کی توقع نہیں رکھتے تھے) اس لیے کہ اس کا معنیٰ ہے کہ وہ کفر پر مداومت کا ارادہ رکھتے تو انہیں حساب کی توقع نہ تھی اسی لئے ان کا عذاب غیر متناہی اور دوزخ میں احقاب بعد احقاب ٹھہرنا ان کے ارادہ کے موافق ہے اور پھر انہوں نے اس تصدیق کو جو راحت و سرور کا موجب تھی خود تکذیب سے بدل دیا جو اس کی نقیض ہے یعنی گرم پانی اور بدبودار پیپ سے جزاء دیے گئے اس کے بدلے جو تصدیق کرنے والے اہلِ ایمان کو نصیب ہوا جنت کی ٹھنڈی ہوائیں اور شراباً طہورا۔

ف : علم و پانی کو چونکہ گہری مناسبت ہے اسی لیے خواب میں پانی دیکھنے کو علم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

بعض محققین نے فرمایا کہ طبیعۃ حیوانیہ کا جہنم میں قوائے بشریہ انتظار کرتے ہیں، یہی ارباب نفوس امارہ کی طبیعۃ اور ان ظالموں جو اپنے نفوس پر خواہشات نفسانی اور بدعات سیئہ (بُرے عقیدوں جیسے رفض، مرزائیت، وہابیت، دیوبندیت، اباحۃ، زندقہ، الحاد، حلول، فضول) سے ظلم کرتے ہیں کی ہوائے نفسانی کی جہنم کے داروغے ہیں۔ یہ ان کا انجام ہے کہ وہ اس جہنم میں احقاب کے عرصہ تک ٹھہریں گے یعنی حکم بشریت کے نکلنے اور ملابس شریعت میں ملبوس ہونے اور طریقت و حقیقت کی خلعت پہننے تک اس میں برد یقین نہ چکھیں گے بوجہ ان کی بشریت کے چہرے پر رفع حجاب کے شراب محبت نہ پئیں گے حُبّ دنیا میں انہماک کی وجہ سے سبب طبیعت کی جہنم کے مگر گرم پانی اور وہ پیپ جو ان کی طبیعت کے چمڑے سے بہتا ہے۔

ف : حضرت قاشانی نے فرمایا کہ حمیم (گرم پانی) جہل مرکب کے اثر سے ہوگا اور غساق (پیپ) جواہر فاسقہ کی محبت کی ہیأت اور اس کی طرف میلان کی ظلمت سے ہوگا۔ یہ جزاء ان کے ان اعمال کے موافق ہوگی جن کا انہوں نے ارتکاب کیا اور وہ عقاید و اخلاق جن پر وہ تھے اور یہ عذاب ان کے علم و عمل کے فساد کی وجہ سے ہے انہوں نے

جزار کی امید پر صالح عمل نہ کیے اور نہ ہی صالح علم سیکھے جن سے آیات کی تصدیق کرتے ۔

تفسیر عالمانہ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا (بے شک انہیں حساب کا خوف نہ تھا) ان کے استحقاق کی جزار مذکور کی تعلیل اور ان کی قوت عملیہ کے فساد کا بیان ہے یعنی وہ انگ آخرت کا انکار کرتے اور انہیں یہ خوف نہ تھا کہ ان کے اعمال کا حساب ہوگا اسی لیے وہ ہر برائی کو کر گزرتے ، اور طاعات میں معمولی طور پر بھی راغب نہ تھے ۔

سوال : تم نے رجار کی تفسیر و ترجمہ خوف سے کیوں کیا ؟

جواب : چونکہ انسان پر حساب کا سخت ترین معاملہ ہے اور جو معاملہ سخت ہے اس کی امید نہیں رکھی جاتی بلکہ اس سے خوف اور ڈر ہوتا ہے ۔

وَكَذَّبُوْا (اور انہوں نے جھٹلائیں) اس میں ان کی قوتِ نظریہ کے فساد کا بیان ہے بِاٰيٰتِنَا (ہماری آیات) جو اس پر ناطق تھیں ۔ بعض تفاسیر میں ہے کہ اس سے آیات قولیہ و فعلیہ مراد ہیں جو رسل کرام علیہم السلام کی زبانوں اور ہاتھوں سے ظاہر ہوئیں كِذَّابًا (حد سے بڑھ کر جھٹلائیں) اسی لیے وہ گناہوں کا اصرار (بار بار) کرتے تھے اور کفر بھی اور گوناگوں معاصی ۔ اسی لیے ہولناک عذابوں میں مبتلا کئے گئے یہ انھیں اس کے موافق سزا ملی جو ان کے اعمال و کردار تھے ۔

ف : یہ فعال از باب تفعیل اسی فعل کا شائع ہے فصحاء کے درمیان مشہور اور جاری ہے جیسے كَلَّمَ كِلَامًا ۔

حکایت زمخشری کہتا ہے کہ میں اسی آیت کی تفسیر کر رہا تھا مجھ سے سُن کر ایک فصیح عربی نے کہا ، فسرتها فسارا (تو نے بہترین تفسیر بیان کی) اس سے قبل ایسا نہیں سُنا گیا تھا ۔

قاعدہ بعض علمار نے فرمایا بعض اسمائے کے دو حروف تضعیف میں سے ایک کو یار سے تبدیل کرنا جائز ہے جیسے دینار کہ دراصل دنّار تھا تاکہ ہم وزن مصدر سے ملتبس نہ ہو ۔ اور جیسے سینات حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے ارشاد میں جو کہ آپ نے اپنے کاتب کو فرمایا ؛

طوِّل الباء و اظهر السینات و دوّر المیم ۔
بار کو لمبا کر کے لکھ ، سینات کو کھول کر لکھ اور میم کا دائرہ کھینچ کر ۔

یہ سینات دراصل سننات تھا ، پہلا نون یار سے تبدیل ہُوا ، سنّ کی جمع نہ کہ سین کی ، اس لیے کہ بسم اللہ میں تو صرف ایک سین ہے نہ کہ بہت سین ۔

ف : یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے مبالغہ کے طور پر سین کو سینن سے تعبیر کیا ہو گویا آپ نے فرمایا سین کے سنّ (دانت) کو اظہار میں سین کی طرح بنا (اس کے بعد دو دانت اور ہیں اسی لیے سینات فرمایا) اسی طرح

سید میر شریف نے فرمایا۔

وَكُلَّ شَيْءٍ (اور ہر شے کو) یعنی اشیاء میں سے کوئی شے منجملہ ان کے اعمال بھی ہیں۔ اس کا منصوب ہونا فعل مضمر میں سے جس کی تفسیر فرمائی اَحْصَيْنٰهُ (ہم نے شمار کر رکھی ہے محفوظ و مضبوط کر رکھا ہے)، یہ انتصاب (منصوب ہونا) علی شریطۃ التفسیر ہے (علم نحو کی مشہور بحث ہے تفصیل و تحقیق فقیر کی کتاب نعم الحامی میں ہے۔ اویسی غفرلہٗ)

یہی راجح ہے اپنے فعل سے جملہ کے تقدم کی وجہ سے اور اس جملہ کا معترضہ ہونا کوئی نقصان نہیں دیتا جیسے کہ بحث آئے گی (ان شاء اللہ تعالیٰ) یا اس لیے کہ یہاں اہم مقصود احصاء (شمار کر رکھنے) کی اخبار (خبر دینا) از کل شیءٍ ہے۔

كِتٰبًا (لکھ کر) یہ مصدر مؤکد ہے احصینٰہ بغیر لفظ اس لیے کہ احصاء و کتابۃ ایک ہی شے ہیں یعنی ضبط کے معنیٰ میں شریک ہیں، گویا فرمایا کہ ہر شے کو ہم نے خوب شمار کر رکھا ہے یعنی احصاء کو کتابت ثبات بالعلم اور قوت میں مساوی ہیں یا معنی یہ ہے کہ ہم نے خوب لکھا اور اسے خوب ثابت رکھا۔ ممکن ہے یہ احتباک سے ہے یعنی فعل ثانی فعل اول کے قرینہ کی وجہ سے اور پہلے کا مصدر دوسرے کے قرینہ سے حذف کرنا کہ دراصل احصینٰہ احصاءً تھا، یا کتاباً حال بمعنی مکتوباً فی اللوح و فی صحف الحفظۃ (لکھی ہوئی لوح محفوظ میں اور فرشتوں کے حفظ صحیفوں میں) اور جملہ معترضہ ان کے کفر بالحساب اور تکذیب بالآیات کی تاکید کے لیے ہے یعنی وہ دونوں جزاء و سزا کے لیے محفوظ ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہر شے جو تمہارے اعمال صورتیں اور تمہارے عقاید کی ہیئتیں ہیں ہم نے انہیں خوب مضبوط کر رکھا ہے ان کے نفوس اور نفوس سماویہ کے صحیفوں میں لکھے ہوئے ہیں۔

تفسیر عالمانہ

فَذُوقُوا (تو چکھو) دوزخ کا عذاب۔ فَلَنْ نَّزِيدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا (تمہارا نہیں بڑھائیں گے عذاب پر عذاب) فذوقوا کی فاء جزائیہ ہے جو دلالت کرتی ہے کہ امر بالذوق ان کے حساب سے کفر و آیات سے تکذیب کا سبب ہے اور اس سے معلل ہے اس تقریر پر وکل شیءٍ الخ معترضہ ہے سبب و مسبب کے درمیان جو دونوں اطراف کی تاکید کرتا ہے کیونکہ یہ جیسے دلالت کرتا ہے کہ ان کے معاصی مضبوط و محفوظ ہیں ایسے ہی جو اس پر متفرع ہے یعنی عذاب کی بھی تاکید کرتا ہے کہ اس نے لامحالہ واقع ہونا ہے اور وہ ان کے استحقاق پر مقدر ہو چکا ہے۔

ف: التفات تشدید فی التہدید کی خبر دیتا ہے اور لفظ لَنْ اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ ترک زیادہ اس قبیل سے ہے

جو تحت صوت داخل نہ ہو یعنی غضب کے اظہار میں مبالغہ ہے جیسا کہ مخفی نہیں۔

حدیث شریف

مروی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
قرآن مجید میں غضب بر اہل نار کی وعید میں یہی آیت سخت تر ہے اس لیے کہ عذاب سے نکلنے سے مایوسی کا سخت بیان ہے کہ جوں ہی وہ دردناک عذاب سے فریاد کریں گے انہیں سخت تر عذاب میں مبتلا کیا جائیگا اس لحاظ سے ان کا ہر عذاب سخت سے سخت تر ہوگا اور شدت میں انتہا تک پہنچے گا اگرچہ بحسب عدد و مدت ان کے عذاب کے مراتب غیر متناہی ہوں گے۔

سوال: یہاں اللہ تعالیٰ کا ان سے کلام کا بیان ہے حالانکہ دوسری جگہ پر ہے ولا یکلمھم اللہ الخ (ان سے اللہ تعالیٰ کلام نہ کرے گا)

جواب: کلام سے لطف و شفقت مراد ہے یعنی ان سے لطف و شفقت نہ ہوگی بلکہ قہر و جلال ہوگا۔

سوال: آیت میں جس زیادہ عذاب کا ذکر ہے یا ان کے استحقاق سے نہ ہوگا تو ظلم ہے اگر ان کے استحقاق سے ہوگا تو پہلے انہیں عذاب نہ کرنا ان سے احسان ہے اور جو احسان کیا جائے اس سے رجوع کریم کے لائق نہیں ہوتا۔

جواب ۱: وہ اس کے مستحق تھے اور اس کے دوام ہی کو زیادہ کہا گیا ان کے تعلق عذاب کی وجہ سے اور بعض اوقات مستحق سے ترک عذاب اسے بری کر دینے اور عذاب معاف کر دینے کا موجب نہیں ہوتا کہ اسے رجوع فی الاحسان کہا جاسکے۔

جواب ۲: وہ دنیا میں کفر و تکذیب اور اذیت الرسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اذیتِ صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) میں بڑھتے تھے۔ اسی استحقاق پر اللہ تعالیٰ نے ان کے عذاب کو بڑھایا تو یہ ظلم نہ ہوا۔

سوال: فذوقوا الخ میں تکرار ہے کیونکہ پہلے کہا گیا لا یذوقون فیھا الخ

جواب: یہ تکرار تقریر دعویٰ میں (یعنی یہ دعویٰ کہ عذاب جزاء وفاق ہے) زیادہ مبالغہ کے لیے ہے۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ مَفَازًا (بے شک ڈر والوں کو کامیابی کی جگہ ہے)

ربط: کافروں کے بُرے انجام کو بیان کرنے کے بعد اہلِ ایمان کے محاسن احوال میں شروع ہیں جیسے قرآنی عادت ہے اور ان کے بیان کی تقدیم کی وجہ بتانے کی ضرورت نہیں یعنی وہ جو کفر اور کفار کے اعمال کے جملہ قبائح سے بچے ان کے لیے بڑی کامیابی ہے اپنے مقاصد میں، اس معنی پر اس کے مابعد کی تفسیر بتاتی ہے حدائق الخ سے یا مفازا بمعنی کامیابی کی جگہ، پہلے معنی پر مفازا مصدر میمی دوسرے پر اسم مکان ہے۔

سوال: ہلاکت سے خلاصی ظفر (فتحیابی) بالذات سے اہم ہے تو اہم کو چھوڑ کر غیر اہم کا ذکر کیوں؟

جواب: ہلاکت سے خلاصی نعمتوں کی کامیابی کو مستلزم نہیں اس لیے کہ خلاصی از ہلاکت تو اعراف والوں کو

حاصل ہے لیکن وہ جنت کی نعمتوں سے کامیاب نہیں بخلاف نعمتوں سے کامیابی کے کہ وہ خلاصی از ہلاکت کو مستلزم ہے اسی لیے اس کا ذکر اولیٰ ہوا۔

حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا (باغ ہیں اور انگور) یعنی وُہ باغات جن میں گوناگوں پھلدار درخت اور انگور ہوں گے۔ اعناباً کا تعیم کے بعد تخصیص ہے اس کی شرافت کی وجہ سے حدائق ' مفازاً سے بدل الاشتمال ہے اگر مصدر میمی ہو اس لیے کہ اس پر فوز بطور دلالت التزامی دلالت کرتی ہے یا بدل البعض ہے اگر وہ اسم مکان ہو۔

حل لغات حدائق ' حدیقۃ کی جمع ہے ، وہ باغ جس میں اشجار بکثرت ہوں۔ اور اس باغ کو بھی حدیقۃ کہا جاتا ہے جس کے ارد گرد دیوار ہو اور اس میں کھجوریں اور پھل ہوں۔

المفردات میں ہے کہ الحدیقۃ زمین کا وہ ٹکڑا جس میں پانی بھی ہو اسے ہیئت میں آنکھ کے حدقہ ور پانی کے حصول سے تشبیہ دی گئی ہے۔

الاعناب ' عنب کی جمع ہے بمعنی انگور۔ بعض نے کہا کہ اس سے اس کا میوہ مراد ہے نہ کہ درخت، س لیے شرافت اس کے میوے میں ہے نہ کہ اس کے درخت میں۔

وَّكَوَاعِبَ (اور اُٹھتے جوبن والیاں)

ل لغات کواعب' کاعب کی جمع ہے۔ کہا جاتا ہے کعبت المرأۃ کعوبا (عورت کے پستان ظاہر ہوئے ایسے جیسے گٹہ اٹھتا ہے) یعنی نوجوان عورتیں جن کے پستان دائرہ دار ہوں یعنی ب پستان ظاہر ہوں تو گٹے کی طرح دائرہ دار اُبھریں اور اونچے ہوں یا مغزل کے فلکہ کی طرح انھیں اهد ' ناهدۃ و ناهد کی جمع بھی کہا جاتا ہے بمعنی وہ عورت جس کا پستان گٹے کی طرح ہو اور ابھرنے ے لیے ظاہر ہو۔

اَتْرَابًا (ایک عمر کی)

ل لغات کہا جاتا ہے ,لدۃ الرجل اس کا ساتھی اور اس کا ہم سن اور ولادت میں برابر ہو ، واؤ کی عوض ہے یعنی نوجوان' یہ الولادۃ سے ہے۔

امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ لدات وہ عورتیں جن کی نشوونما اکٹھے ہو تساوی میں تشبیہ کی وجہ سے' اور ٹب سے تماثل ہے (وہ پسلیاں جو سینے میں ہوتی ہیں) اور ان کے اکٹھے زمین پر وقوع کی وجہ سے۔

ن : تفسیر زاہدی میں ہے کہ عورتیں سولہ سالہ اور مرد تینتیس ۳۳ سالہ ہوں گے اور وہ جو تفسیر زاہدی میں ہے ں کا ظاہر یہ ہے کہ سولہ سالہ اس لیے ہوں گی کہ یہی مرد کے سن کا نصف سن ہے اور کعوب کی وصف بھی

imarfat.com

اس کی دلیل ہے یعنی پستانوں کا اُبھرنا، مطلب یہ کہ وہ بالغ ہوں گی اور عورتوں کے مکمل سن میں ہوں گی حسن و لطافت و مصاحبت و معاشرۃ کی صلاحیت میں، اس لیے کہ صغر سنی میں ایسی بات نہیں ہوتی۔ مطلب یہ کہ صغر سن نہیں ہوں گی کہ صغر سنی میں شہوت کی کمزوری ہوتی ہے، اور بوڑھی نہیں ہوں گی کہ اس سن میں شہوت ٹوٹ جاتی ہے اس کے درمیانہ سن میں ہوں گی، جیسے شباب کا زور کہا جاتا ہے یعنی ان میں مرد کا پانی جاری ہو سکے گا بُوڑھی نہیں ہوں گی اور نہ ہی حدِ حسن سے ان کا حسن متغیر ہو گا۔

نکتہ: یہاں ایسی عورتوں کا ذکر اس لیے کہ تنعم جسمانی کی وجہ سے مرد کا دنیوی نظام اور آخرت کی لطافت انہی پر موقوف ہے۔

وَّ كَاْسًا دِهَاقًا (اور چھلکتا جام) وہ جام جو شراباً طہورا سے پُر ہو۔

حل لغات دھاقاً بمعنے دھقۃ مبالغہ کے طور پر جام کو اس صفت سے موصوف کیا گیا ہے کہ وہ اتنا پُر ہو گا۔ کہا جاتا ہے: ادھق الحوض و دھقہ بمعنی ملأہ (حوض کو پُر کیا)

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا (اس میں نہیں سنیں گے) متقی لوگ باغات میں نہیں سنیں گے **لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا** (بیہودہ بات اور نہ جھٹلانا) یعنی لغوبات نہ بولیں گے۔

حلِ لغات لغو بمعنی وہ شے جو بیکار سمجھ کر پھینک دی جائے اور اسے بے فائدہ بنا کر چھوڑ دیا جائے، اور نہ ہی ایک دوسرے کو جھٹلائیں گے کہ کسی سے کوئی بات اپنے خلاف نہ سنیں گے بخلاف اہلِ دنیا کے کہ اپنی مجلسوں میں بالخصوص شراب کی مجلس میں ایک دوسرے کے خلاف بولتے ہیں۔

تفسیر صُوفیانہ بعض اہلِ معرفۃ نے فرمایا کہ باغات سے حق سے ہی باتیں سنیں گے اس لیے جو حق سے حق ہو گیا تو اسے حق حق ہی سنائی دے گا اور دنیا و آخرت میں صرف اسی کا ہی مشاہدہ کرے گا۔

تفسیر عالمانہ **جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ** (صلہ تیرے رب کی طرف سے) جزاء مصدر مؤکد منصوب ہے یہ اس قوت میں ہے کہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ متقین کو جزاء دے گا مفازہ (کامیابی کی جگہ) پر عظیم جزاء جو تیرے رب کی جانب سے ہے تنوین تعظیم کی ہے **عَطَآءً** (صلہ) عطاء محض اس کا فضل و احسان اس لیے کہ اس پر کوئی شے واجب نہیں۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے ایک ہی شے کو جزاء و عطاء کیسے بتایا، یہ مطلب تو غیر ظاہر ہے۔

جواب: ٹھیک ہے کہ جزاء میں ثبوت الاستحقاق کی دلیل ہے اور عطاء میں بلا استحقاق کی اس طرح

ہے دو نقیضوں کو جمع کرنا ہے لیکن غور سے دیکھا جائے تو سوال وارد نہیں ہوتا وہ یہ کہ استحقاق کا ثبوت بلکہ وعدہ ہے کہ اس نے ایسے وعدہ فرمایا کہ نیک کام کرو نیک جزا ملے گی۔

لیکن اس کا یہ معنی نہیں کہ یہ کام کرو گے تو اس کا ثواب دینا اللہ پر واجب ہے نیکی کا ثواب محض اس کا وعدہ ہے جو طاعت کے مقابلہ میں نصیب ہوگا اسی کو ہم جزا سے تعبیر کرتے ہیں اور اسی صلہ کو اس نظر سے دیکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا صلہ دینا واجب تو ہے نہیں پھر بھی دے رہا ہے تو یہ اس کا فضل اور احسان ہے اور عطاء ہے یہ کفار کے لیے جزاء وفاقا کے مقابلہ میں ہے یہ عطاء اس لیے کہ اہل ایمان کی جزاء ازقبیل فضل ہے کہ عمل کی بہ نسبت بے پایاں ہے اور کافروں کی جزا (سزا) اس کا عدل ہے اور یہ یہاں معنی میں جزا ہے کہ بدل المثل من المثل ہے۔ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ یہاں جزاء اور عطاء درحقیقت ذاتاً ایک ہیں اگرچہ مفہوماً ایک دوسرے کی غیر ہیں۔

نکتہ عطاء جزاء کا بدل بنانے میں یہ لطیف نکتہ ہے کہ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ جزاء محض اس کی عطاء اور فضل ہے اور یہی مقصود ہے اور بیان کرتا ہے کہ یہی جزاء تمہاری اللہ تعالیٰ کے ہاں وسیلہ ہے اور بدل کا حق بھی یہ ہے کہ وہی مقصود بالنسبۃ ہوتا ہے اور مبدل منہ کا ذکر تو محض وسیلہ ہوتا ہے (جیسے فن نحو میں مفصلاً مذکور ہے)

حِسَابًا (نہایت کافی) یہ عطاء کی صفت ہے بمعنی کافی۔ یہ مصدر وصف کے قائم مقام ہے بمعنی حسب۔ بعض نے کہا بحسب الاعمال یعنی وعدہ مطابق ہر ایک کو اس کے عمل کی جزا ملے گی دگنی کئی گنی اس سے سات سو تک، بلکہ کسی کو بلا حساب (ان گنت) اور وہ جو اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے وہ بھی حسب ں داخل ہے یعنی مقدار میں اس لیے کہ حسب (بفتح السین وسکونہا) بمعنی القدر والتقدیر، اس تقریر پر اس کا اصل ہوگا عطاء بحساب، جار حذف کرکے اسم کو منصوب کیا گیا۔

فائدہ صوفیانہ بعض اہل معرفت نے کہا کہ جب جزاء اللہ تعالیٰ سے ہوگی تو اس کی تو کوئی انتہاء نہ ہوگی کیونکہ وہ اعواض (بدلوں) کی حد پر نہ ہوگی بلکہ حد سے زیادہ ہوگی کیونکہ جس کی لو انتہاء نہ ہو تو اس کی عطاء بھی لاحد ولانہایۃ ہوگی۔ بعض نے کہا کہ عطاء من اللہ فضل الٰہی کی جگہ ہے ذکر جزاء کی جگہ پر، جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ جزاء علی الاعمال اور فضل من اللہ اللہ تعالیٰ کی محبت والے اص سے مخصوص ہے۔

فسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ متقین سے وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے نفوس مظلمہ اور تاریکی میں پھینکنے والوں سے ڈرتے ہیں تو ان

کے لیے مفاز ہے یعنی ذاتِ الٰہی اور اس کی صفات کے حدائق یعنی باغات قلوب کے جو منزہ اور ارضیہ ہیں، اور اعناب یعنی اشجار المعانی والحقایق، ثمرزار یعنی محبت ذاتیہ کا شراب جو عقل کی آنکھ شہود غیرہ غیریت سے مخمور کر دے اور ان کے لیے کواعب واتراب ہیں یعنی لطائف و معارف کے ابکار اور چھلکتا جام شرابِ محبت و خمرِ معرفت سے پُر، اس میں نہ سنیں گے لغو یعنی ہواجس نفسانیہ اور نہ کذاباً (جھٹلانا) یعنی وساوس شیطانیہ جزاء من ربک یعنی فضل تام اور کافی بغیر عمل کے۔

ف : حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ متقین سے وہ حضرات مراد ہیں جو بالمقابل ہیں طاغین کے اور وہ حد عدالت جو شرع وعقل نے متعین کی ہے سے اپنے افعال میں تجاوز کرنے والے ہیں اور وہ رذائل اور افعال کی ہیأت سوء سے متنزل ہیں وہ بڑی کامیابی میں اور اس نار سے نجات میں ہیں جو طاغین کا ٹھکانا ہے، اور وہ باغات ہیں جنان اخلاق سے، اور اعناب ہیں ثمراتِ افعال اور ان کے ہیأت سے، اور کواعب ہیں جنت افعال میں آثار اسمار کی صورتوں سے، اتراب یعنی متساوی ترتیب میں، اور محبت الآثار کی لذت کا جام چھلکتا ہوا جس کی ملونی زنجبیل وکافور ہے اس لیے کہ جنۃ الآثار والافعال والوں کا مطمحِ نظر اس کے ماوراء میں نہیں یہ آثار کے ساتھ مؤثر سے اور عطار کے ساتھ معطی سے محجوب ہیں ان کو وہ عطار کافی ہے ان کی ہمتوں اور ان کے مطمحِ نظر کے مطابق ان کی کفایت کرے گی اس لیے کہ وہ اپنی ہمتوں کے قصور کی وجہ سے اس کے ماورا کا اشتیاق نہیں ان کے لیے جس لذت میں ہے اس سے بڑھ کر اور کوئی شے ذوق والی نہیں۔

تفسیر عالمانہ

رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا (وہ جو رب ہے آسمانوں کا اور زمینوں کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے) یہ ایک سے بدل ہے اس سے ہر شے کا رب اور خالق مراد ہے الرَّحْمٰنِ (رحمٰن) ہر موجود شے پر اپنی حکمت سے اور بقدر استعداد مرحوم (جس پر رحم کیا جائے) خیر وبرکت سے فیض یاب فرماتا ہے یہ مجرور ہے کہ رب کی صفت ہے بعض نے کہا کہ پہلے رب کی صفت ہے جو بھی ہو اس میں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ یہاں سب کے لیے ربوبیت اور رحمت واسعہ کاملہ کے ذکر میں انتباہ ہے کہ جزاء مذکور کا دار و مدار اسی پر ہے۔

فائدہ صوفیانہ

حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ان کا رب تعالیٰ جو انہیں وہ عطار بخشتا ہے وہ رحمٰن ہے اس لیے ان کی عطائیں ظاہری بڑی نعمتوں میں سے ہیں نہ کہ باطنی، ان کا مشرب اسم رحمٰن سے ہے نہ کہ کسی اور اسم سے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ رب ہے آسمانوں کا یعنی ارواح کا اور زمینوں کا یعنی نفوس کا اور جو ان کے مابین ہیں سر اور قلب اور ان کے قوائے روحانیہ، اور وہ رحمٰن ہے

یعنی موصوف ہے یہ جمیع اسماء و صفات جمالیہ و جلالیہ اس لیے کہ یہ اللہ جو جامع ہے کے اور رحیم کے درمیان ہے اس کی ایک جانب الوہیت کی طرف ہے جو مشتمل ہے قہر پر اور دوسری جانب رحیم کی طرف جو کہ جمالی محض ہے۔

تفسیر عالمانہ

لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا (اس سے بات کرنے کا اختیار نہ رکھیں گے) جملہ مستانفہ تقریر کرتا ہے اس کی کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عامہ سے ثابت ہوتا ہے وہ غایۃ عظمت و کبریائی کا مالک اور جزاء و عطاء مذکورہ دینے میں وہ مستقل بالذات ہے کسی کو اس پر قدرت نہیں وہ سب پر قادر ہے اور لا یملکون کی ضمیر اھل السمٰوٰت والارض کی طرف راجع ہے منه کا مِن تاکید کا صلہ ہے جیسے بعت منك میں جس کا معنیٰ ہے بعتك اور خطابا کا صلہ ہے اس پر مقدم ہے اس طرح بیان منقلب ہو گیا۔ اب معنیٰ یہ ہے کہ مالک نہیں ہوں گے اس کے، وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی طرف سے کوئی بات کر سکیں جیسے مِلک کا لفظ بناتا ہے اس لیے کہ مملوک اپنے مالک پر کسی سے گفتگو کا حق نہیں رکھتا کیونکہ اللہ تعالیٰ عظمت و کبریائی میں متفرد اور امر و نہی اور خطاب کے ملک میں متوحد ہے۔

خلاصہ یہ کہ وہ اپنے عذاب کی کمی اور ثواب کے اضافے میں اس کے اذن کے بغیر کسی قسم کی گفتگو نہ کر سکیں گے یہ زیادہ بلیغ اور زیادہ مؤکد وجہ ہے گویا یوں ہی کہا گیا کہ جس عذاب و ثواب کا ذکر ہو چکا ہے اس کے بارے میں کوئی گفتگو نہ کر سکیں گے اس سے اس آیت اور ماقبل کے مضمون وعید کفار و وعدہ مومنین کے درمیان رابطہ بھی حاصل ہوا اس گفتگو کی نفی سے شفاعت باذنہ تعالیٰ کی نفی نہیں ہو سکتی۔

تفسیر صوفیانہ

حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ چونکہ اہل الافعال ہیں اسی لیے وہ مقام صفات تک نہیں پہنچ سکتے اسی لیے انہیں گفتگو سے کوئی حصہ نصیب نہ ہو گا۔

تفسیر عالمانہ

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا (جس دن کھڑے ہوں گے جبریل (علیہ السلام) اور فرشتے پرا باندھے) ملائکہ کے تاخیر یہاں تعمیم بعد تخصیص کے قبیل سے ہے اور سورۃ القدر میں روح کی تاخیر تخصیص بعد تعمیم کے قبیل سے ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ روح ملائکہ کی جنس سے ہے لیکن وہ دوسرے ملائکہ سے خلقت اور رتبہ و شرف میں عظیم تر ہے اس لیے کہ وہ انسانی روح کے بالمقابل ہے اور دیگر ملائکہ بمقابلہ قوائے روحانیہ کے ہیں اور ظاہر ہے کہ روح اپنے قویٰ سے اعظم ہے کیونکہ وہ اس کے ایسے تابع ہیں جیسے سلطان کے امراء اور لشکر و رعایا

ف : روح کی تفسیر جبریل علیہ السلام سے کرنا ضعیف ہے۔ اگرچہ وہ روح القدس والروح الامین سے مشہور ہیں اس لیے کہ روح بہ نسبت ان کی ذات کے نہیں پھر ان کی کیا تخصیص ہے کیونکہ کل ملائکہ روحانیون ہیں اگرچہ وہ اجسام لطیفہ ہیں اور ان ارواح معروفہ کا غیر ہیں اگر جبریل علیہ السلام کو روح اس نسبت سے کہا گیا ہے کہ وہ نافخ الروح اور حامل الوحی ہیں، اور وحی بھی بمنزلہ روح کے ہے کہ وہ روح کی طرح معنوی زندگی بخشتی ہے لیکن

یہ بھی جبریل علیہ السلام کے لیے تخصیص کا سبب نہیں اس لیے کہ ان سے شان و مرتبہ میں اسرافیل علیہ السلام عظیم تر ہیں بلکہ دوسروں سے بھی اگر صف باندھنے میں ایک کو علیحدہ نمایاں کرنا تھا تو وہ اس کے زیادہ حقدار اسرافیل علیہ السلام ہیں نہ کہ جبریل علیہ السلام ۔ بس یہی کہا جائے ، یہاں رُوح کی مراد کو اللہ ہی خوب جانتا ہے ۔

تحقیق صاحبِ روح البیان رحمۃ اللہ علیہ

فقیر (صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ یہاں اگرچہ روایات کا اختلاف ہے لیکن ملک علام تعالیٰ کی مدد سے کہتا ہوں کہ صفاً حال ہے بمعنی مصطفین کیونکہ وہ بکثرت ہیں اور بہ نسبت بندوں کے امرِ الٰہی کے قائم ہونے میں بھی اسی لیے میرے دل میں تو یہی معنیٰ آیا ہے ۔ بعض نے کہا وہ دو صفیں ہوں گی :

(۱) روح کی

(۲) ملائکہ کی

بعض نے کہا کہ بہت زیادہ صفیں ہوں گی یہی زیادہ موافق اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی وَالْمَلٰٓئِکَۃُ صَفًّا صَفًّا کے اور یوم ظرف ہے اس کے قول لَا یَتَکَلَّمُوْنَ (کوئی نہ بول سکے گا) کے اور اس کا قول اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَہُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا (مگر جسے رحمٰن نے اذن دیا اور اس نے ٹھیک بات کہی) لا یتکلمون سے ضمیر سے بدل ہے اور اس کی ضمیر اھل السمٰوٰت والارض کی طرف راجع ہے جن میں سے ملائکہ اور روح بھی ہے اور یہی زیادہ راجح ہے کیونکہ کلام غیر موجب اور مستثنیٰ منہ مذکور ہے اس جیسی ترکیب میں بدل علی الاستثناء مختار ہوتا ہے ۔

ف : اُن کا قیام اور صف بندی اللہ تعالیٰ کی عظمۃ سلطانی اور ربوبیت کی کبریائی اور یومِ بعث کی ہولناکی کہ کہ جس پر سورۃ کے اول و آخر تک مضمون کا مدار ہے کی تحقیق کے لئے ہے اور جملہ مستانفہ ماقبل لا یتکلمون الخ کے مضمون کی تقریر اور تاکید کے لئے ہے ۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اھل السمٰوٰت والارض جب اس دن جنس کلام میں سے کوئی بات نہ کر سکیں گے مگر وہ بول سکے گا ان میں سے جسے بولنے کی اجازت ہوگی اور جسے اجازت ہوگی وُہ ٹھیک بات کرے گا یعنی حق اور سچ اور واقع فی المحل جس میں کسی قسم کی خطا کا شائبہ نہ ہوگا ، اور انہیں اس رب العزت سے گفتگو کا موقعہ ہی کیا ہو جبکہ اس کا کلام مطلق گفتگو سے اخص و اعز ہے ۔

ف : بعض نے کہا کہ الّا من اذن لہ الرحمٰن الخ منصوب ہے اور اصل استثناء ہے (بدل کے طور نہیں) اب معنیٰ یہ ہوگا کہ وہ گفتگو نہ کر سکیں گے مگر اس شخص کے حق میں جس کے لیے رحمٰن نے اجازت دی ہو ، اور وہ شخص کہ جس نے دنیا میں حق بات کہی ہوگی یعنی کلمۂ توحید اور کلمۂ شہادت نہ کہ اس کا غیر یعنی مشرک وغیرہ اس نے

دنیا میں کلمۂ حق نہ کہا تھا بلکہ کلمۂ کفر و شرک کہتا رہا۔ اور ضمیر کے بجائے الرحمٰن کا اظہار اس تنبیہ کے لیے کہ کلام کا اذن پر دار و مدار بھی اس کی انتہائی رحمت ہے نہ یہ کہ کسی کا اللہ تعالیٰ پر کوئی حق ہے۔

تفسیر صوفیانہ

عرائس (البیان) للبقلی رحمہ اللہ میں ہے کہ دنیا میں جس کا کلام من حیث الاحوال اور احوال من حیث الوجد اور وجد من حیث الکشف اور کشف من حیث المشاہدہ اور مشاہدہ من حیث المعاینہ ہوگا، وہ دنیا و آخرت میں ماذون ہے کہ وہ بساط حرمۃ و ہیبۃ پر حق تعالیٰ سے گفتگو کرے اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے مخلوق کو ورطۂ ہلاکت سے بچاتا ہے۔

ف: حضرت ابن عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خالص وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہو اور صواب وہ ہے جو علیٰ وجہ السنۃ ہو۔

ف: اسی دن علی العموم ہیبت اہل الجمع کے لیے ظاہر ہوگی ورنہ خواص و اصحاب الحضور وہ تو ہمیشہ مشہد العز میں ہیبت کی صفت میں ہیں۔

تفسیر صوفیانہ ۲

اس میں اشارہ ہے کہ وہ اسرار و قلوب اور ان کے قویٰ ارواح کے آسمانوں اور نفوس کی زمین کے درمیان ہیں نفسِ امارہ اور ہوائے نفسانی کے بارے میں گفتگو نہ کر سکیں گے بوجہ ان کے اس خونی رشتے کی جو ان کے درمیان ہے کیونکہ سب کے سب روح کی اولاد اور جسم کی اولاد ہیں جیسے نوح علیہ السلام کو اپنے بیٹے کنعان کے بارے میں اجازت نہ ملی یعنی انہیں اس کی نجات کی قدرت نہ تھی کہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ گفتگو کر سکتے ہیں جب ان کے ہاں خطاب ربی پہنچا کہ لا تسئلن ما لیس لك به علم (مجھ سے اس کا سوال نہ کرو جس کا تمہیں علم نہیں)۔

تفسیر عالمانہ

ذٰلِكَ یہ وجہ مذکور پر ان کے قیام کی طرف اشارہ ہے وہ علی الابتداء محلاً مرفوع اور اس کی خبر اس کا مابعد ہے یعنی وہ عظیم الشان دن کہ جس میں روح اور فرشتے پرا باندھ کر کھڑے ہوں گے نہ وہ اور نہ اور کوئی اللہ تعالیٰ کی ہیبت و جلال سے گفتگو نہ کر سکے گا الْيَوْمُ الْحَقُّ (سچا دن ہے) لامحالہ ثابت اور متحقق ہے اسے کوئی پھیرنے والا نہیں جو کسی دوسرے وقت میں تبدیل کر دے اور نہ کوئی موڑنے والا ہے کہ اس کے بجائے کوئی اور دن مقرر کر سکے۔ اس لیے سب کو معلوم ہے کہ وہ متحقق ہے تو وقوع کے لحاظ سے بھی متحقق ہے صبح کی طرف کہ رات گزرنے کے بعد اس کے وقوع کا یقین ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

اس میں اشارہ ہے کہ وہ جمیع اوقات اور ہر گھڑی واقع اور ثابت ہے لیکن وہ اسے دیکھ نہیں سکتا کیونکہ وہ اس نفس میں مشغول ہے جو اسے غافل کئے ہوئے ہے اور اس کی خواہشات میں شاغل ہے۔

تفسیرِ عالمانہ

فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ مَاٰبًا (اب جو چاہے اپنے رب کی طرف راہ بنالے) فار فصیحیہ ہے جو شرط محذوف کی خبر دیتی ہے اور شاء کا مفعول محذوف ہے کیونکہ یہ مشیت شرط واقع ہے اور اس کا مفعول مضمون الجزاء ہے و الٰی ربہ ماٰبا بعد سے متعلق ہے اس کی تقدیم محض اہمیت دینے اور فواصل کی رعایت کی وجہ سے گویا کہا گیا کہ اگر ایسا معاملہ ہے جیسے مذکور ہوا کہ یوم مذکور لامحالہ متحقق ہوگا تو پھر جو چاہے اپنے رب کے ثواب کو مرجع بنائے وہ رب تعالیٰ جس کا شانِ عظیم مذکور ہوا کہ اس پر ایمان لائے اور اس کی اطاعت کرے۔

ف : حضرت قتادہ نے فرمایا کہ ماٰبا بمعنی سبیلاً او رجارہ اسی سے متعلق ہے اس لیے کہ اس میں اقتضاء وایصال کا معنیٰ ہے۔

تفسیرِ صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ماٰب بمعنی مرجع در جوع دنیا سے آخرت کی طرف پھر آخرت سے رب دنیا و آخرت کی طرف اس لئے اہل اللہ پر یہ دونوں (دنیا و آخرت) حرام ہیں۔

تفسیرِ عالمانہ

اِنَّاۤ اَنْذَرْنٰكُمْ (بے شک ہم تمہیں ڈراتے ہیں) اس کے ساتھ جو سورۃ میں آیات ناطقہ مذکور ہوئیں مرنے کے بعد اُٹھنے کے متعلق اور اس کے متعلق جو اس کے بعد ہوگا (یعنی آخرت کی ہولناکیاں وغیرہ) یا ان آیات کے علاوہ جملہ مضامین ڈرانے والے جو قرآن مجید میں وارد ہیں اور یہ خطاب مشرکینِ عرب اور کفارِ قریش کو ہے کیونکہ وہی مرنے کے بعد اُٹھنے کے منکر تھے۔

بعض تفاسیر میں ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ خطاب عام ہے مَن کے عموم کی طرح، اس لیے کہ انذار میں ہر گروہ کو فائدہ ہے (کفار ہوں یا اہلِ ایمان)

عَذَابًا قَرِیْبًا (ایک عذاب سے کہ نزدیک آگیا) وہ ہے عذابِ آخرت، اور قرب سے اس کے یقینی طور پر آنے کا تحقق مراد ہے اور اس لیے کہ وہ بہ نسبت اللہ تعالیٰ کے قریب ہے اور ممکن ہے۔ اگرچہ یہ اسے بعید اور غیر ممکن سمجھتے ہیں۔ لیکن عنقریب وہ اسے قریب دیکھیں گے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

کانهم یوم یرونها لم یلبثوا الا عشیة او ضحٰها۔

گویا وہ اس دن دیکھیں گے کہ وہ تو نہیں ٹھہرے مگر شام کی چند گھڑیاں یا صبح کی۔

تفسیرِ صوفیانہ

بعض اہلِ معرفت نے فرمایا کہ عذابِ قریب سے نفس اور دنیا اور خواہشات کی طرف التفات مراد ہے، اور حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اعمال فاسدہ کی ہیأتِ فاسقہ کا عذاب مراد ہے اور عذاب القہر والسخط کے بہ نسبت انہیں قریب ہے، یہ وہ ہے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا یعنی ان کے خود کردہ کردار۔

تفسیر عالمانہ یَوْمَ یَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ یَدٰهُ (اس دن کہ آدمی دیکھے گا وہ جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا) یداہ تثنیہ ہے کہ دراصل یدان تھا اس کا نون اضافت سے گر گیا یوم 'عذاباً' سے بدل ہے یا مضمر محذوف کی ظرف' اور وہ عذاباً کی صفت ہے یعنی وہ عذاب جو ہوگا اس دن کہ آدمی مشاہدہ کرے گا اس کا جو اس نے آگے بھیجا' بھلائی یا برائی، یعنی پائیگا اپنے کردار اچھے یا بُرے۔ ما موصولہ منصوب ہے ینظر سے کیونکہ وہ متعدی بنفسہٖ ہوتی ہے اور الیٰ سے بھی اور عائد محذوف ہے کہ دراصل قدمتہ ہے یا معنیٰ یہ ہے کہ اس دن دیکھے گا کہ اس نے کیا شے آگے بھیجی۔ اس معنیٰ پر ما استفہامیہ منصوب قدمت سے اور ینظر سے متعلق ہے المرء عام ہے مومن و کافر، کیونکہ اس دن ہر ایک اپنے اعمال دیکھے گا جو اعمال ناموں میں ثبت ہوں اچھے یا بُرے۔ مومن تو اپنے نیک اعمال کی اللہ تعالیٰ سے ثواب کی اُمید رکھے گا لیکن اپنے بُرے عمل سے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرے گا اور کافر کے لیے اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرمایا کہ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ (اور کافر کہے گا ہائے میں) یعنی اے میری برادری اس معنی پر منادی محذوف ہے یہ بھی ہے کہ محض تحسر اور محض تنبہ ہے اس میں منبہ کی تعیین کا کوئی ارادہ نہیں یعنی کافر کہے گا کاش میں كُنْتُ تُرٰبًا (کسی طرح خاک ہو جاتا) دنیا میں نہ پیدا ہوتا نہ مکلف ہوتا یہ محلاً مرفوع ہے کہ لیت کی خبر ہے۔ یا یہ معنیٰ ہے کہ کافر کہے گا اس دن میں مٹی ہوتا اور اُس دن نہ اُٹھایا جاتا جیسے پہلے گزرا ہے کہ کہے گا یا لیتی لم اوت کتابیہ (کاش میں آج کتاب (علامہ) نہ دیا جاتا) یہاں تک کہ یلیتہا کانت القاضیۃ (کاش کوئی فیصلہ ہوتا)۔

ف: بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ حیوانات کو بھی اس دن اٹھائے گا تو وہ جانور جو سینگ نہیں رکھتا اور اسے سینگ والے جانور نے مارا ہوگا تو سینگ والے جانور سے بھی قصاص لیا جائے گا یعنی مقابلہ کا قصاص نہ کہ تکلیف کا پھر اسے اللہ تعالیٰ مٹی بنائے گا تو کافر آرزو کرے گا: کاش! میں مٹی ہوتا۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا:

قیامت میں ہر حق والے کو حق ادا کیا جائے گا' یہاں تک کہ سینگ والی بکری سے وہ بکری حق لے گی جس کے سینگ نہیں۔

ف: یہ حدیث شریف صریح ہے اس میں کہ جانور بھی مرنے کے بعد اٹھیں گے اور انھیں بھی مقابلہ کے قصاص کے لیے اٹھایا جائیگا نہ کہ جزاء و سزاء اور عذاب کے لیے۔

ابلیس کے لیے حسرت کا مقام بعض نے کہا کہ الکافر سے یہاں ابلیس مراد ہے کہ جب وہ آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد اور ان کے ثواب کو دیکھے گا تو آرزو

کرے گا کہ کاش! میں مٹّی ہوتا۔ یعنی وہی جسے میں نے حقارت کی نظر سے دیکھ کر کہا تھا،

خلقتنی من نار و خلقتہ من طین۔ مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹّی سے۔

یعنی ابلیس آدم علیہ السلام کے عیب نکالتا تھا کہ وہ مٹّی سے پیدا ہوئے ہیں اور خود کے لیے کہتا تھا کہ وہ نار سے پیدا کیا گیا ہے، یوں وہ اپنی تعریف کرتا تھا لیکن بروزِ قیامت اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کو کرامت سے اور آپ کی اولاد مومن کو ثواب سے نوازے گا، اس کا مشاہدہ کرے گا ادھر اپنا عذاب دیکھے گا، اس کی شدت پر کہے گا، کاش! میں بھی مٹّی ہوتا اور آدم علیہ السلام سے کوئی نسبت رکھتا کیونکہ اس درویش کو جو دبدبہ اور شان و شوکت نصیب ہو رہی ہے جس سے دیگر مخلوق محروم ہے ؎

۱ خاک را خوار و تیرہ دید ابلیس
کرد انکارش آن حسود خسیس

۲ ماند غافل ز نور باطن او
نشد آگہ ز سر کامل او

۳ بہر گنجے کہ ہست در دل خاک
این صدا دادہ اند در افلاک

۴ کہ بجز خاک نیست مظہر گل
خاک شو خاک تا بروید گل

ترجمہ: (۱) خاک کو ابلیس نے خوار اور بیکار سمجھا اسی لیے اس حاسد کمینے نے انکار کر دیا۔

(۲) اس کے نورِ باطن سے غافل رہا، اس کے راز کامل سے آگاہ نہ ہوا۔

(۳) وہ خزانہ جو خاک کے دل میں ہے یہی صدا دی جا رہی ہے افلاک میں

(۴) کہ خاک کے سوا گل کا مظہر اور کوئی شے نہیں، خاک ہو خاک تاکہ تجھ سے گُل پیدا ہوں۔

مسئلہ: مومن جن ثواب پائیں گے سزا بھی، لیکن مٹّی نہیں ہوں گے، یہی اصح ہے ان کے اہل ایمان جنّۃ میں انسان مومنوں کے ساتھ ہوں گے یا اعراف میں انہیں نعمتیں ان کے مناسب حال پر ملیں گی ان کے کفار انسان کفار کے ساتھ دوزخ میں ہوں گے۔ ان کا عذاب ان کے حال کے مناسب ہو گا۔

ف: بعض نے کہا کنت ترابا میں تراب سے مؤمن کے سجدہ کی مٹّی مراد ہے جس سے دوزخ کی آگ بجھائی جائے گی اور مؤمن کے پاؤں کی وہ مٹّی جو نماز کی ادائیگی کے وقت پاؤں سے لگتی ہے قیامت میں کافر آرزو کرے گا کاش میں مومن کے قدموں کی خاک ہوتا!

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یوم ینظر المرء ، ما قدمت ید قلبہ الخ اس دن مرد دیکھے گا وہ جو آگے کیا اس کے قلب و نفس کے ہاتھوں نے نیکی اور برائی کو اور کافر نفس جو حق کو چھپاتا رہتا ہے کاش میں ہوتا روح و سر و قلب کے قدموں کی خاک، ان کے آگے عاجز اور ان کے اوامر و نواہی پہ قائم ہوتا۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ اس دن کی عظمت کا یہ حال ہوگا کہ دنیا کے شب و روز کے چوبیس گھنٹوں کے مطابق چوبیس خزانے لائے جائیں گے اور میدانِ قیامت میں ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ کھولیں گے اور بندے کے پیش کریں گے اس میں رونق اور جمال و نور و ضیاء ہوگا۔ دنیا میں بندہ جن گھڑیوں میں عبادت میں مصروف رہا حسنات و خیرات و طاعات میں وہ اوقات بسر ہوئے تھے انہی اوقات کے مطابق حسن و نور اور رونق دیکھے گا اسے ان اوقات سے اتنی خوشی و راحت اور سرور و فرحت نصیب ہوگی کہ اگر اس کی خوشی اور فرحت دوزخیوں میں بانٹ دی جائے تو دوزخ کی دہشت کو بھول جائیں۔ پھر دوسرا خزانہ کھولیں گے وہ تاریکی، ظلمت، بدبو اور وحشت سے پُر ہوگا۔ دنیا کی جن گھڑیوں میں انسان برائیوں میں معروف رہا ہوگا بجذاہ ظلمت و وحشت اس کی بداعمالیوں کی ہوگی ان سے وہ انسان مغموم و محزون بلکہ جزع فزع اور رنج والم پائے گا، اگر وہ تمام اہلِ جنت پر تقسیم ہو تو اس سے ان پر بہشت کی تمام نعمتیں کھٹی ہو جائیں پھر اور خزانہ کھولیں گے دنیا کی جن گھڑیوں میں طاعت کی ہوگی نہ گناہ (چونکہ طاعت خوشی کا موجب ہے اور معصیت ملال اور رنج والم کا) اس لیے اس پر یہ خزانہ محض حسرت کا موجب بنے گا۔ ایسے ہی وہ اوقات جن میں سوتا رہا، غافل رہا، مباحاتِ دنیا میں مشغول رہا، یہ بھی اس کے لیے حسرت اور افسوس کا سبب بنے گا۔ اسی طرح اس کے سامنے ایک اور خزانہ کھولا جائے گا اور اس کے پیش کیا جائے گا جو اوقات کسی طاعت و عبادت میں گزرے اس سے اسے خوشی اور راحت نصیب ہوگی اور جو اوقات کسی معصیت میں گزرے اس سے اسے رنج اور غم والم ہوگا اور جو اوقات بیکار بسر ہوئے ان سے حسرت اور افسوس ہوگا۔

سبق : جب کوتاہی کرنے والے مومن کا یہ حال ہوگا اس وقت نہ معلوم کافر پہ کیا گزرے گی، اسے حسرت و افسوس، آہ و زاری اور فریاد کے سوا کیا حاصل ہوگا!

فضائل سورۃ نباء (۱) حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے سورۃ نباء پڑھی اسے قیامت میں شراباً طہورا پلائی جائے گی۔

(۲) حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ سورۃ نباء ، سورۃ قٓ ، سورۃ النجم ، سورۃ بروج اور سورۃ طارق سیکھو ، اس لیے کہ اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ ان کی کیا برکتیں ہیں تم اپنے جملہ کاروبار چھوڑ کر ان کی تلاوت میں معروف رہو ۔ ان کی تلاوت کرو اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جاؤ گے ، بے شک اللہ تعالیٰ ان کے صدقے سوائے شرک کے تمام گناہ بخشتا ہے ۔

(۳) سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے پوچھا کہ آپ کو بڑھاپا اتنی جلدی کیوں آگیا ؟ آپ نے فرمایا ، مجھے سورۃ ہود ، واقعہ ، المرسلات ، عم یتساءلون ، اذا الشمس کورت نے بوڑھا کر دیا ہے ۔

ف : اس میں اشارہ ہے کہ جو تلاوتِ قرآن کرے وہ اسے سمجھے بھی ، معانی پر بھی توجہ دے اس لیے کہ مقصد معنیٰ سے حاصل ہوتا ہے نیز اس سے معلوم ہوا کہ آخرت کا غم اور وعید کا مطالعہ اور اسے ہر وقت سامنے رکھے ۔ اس کا غم بڑھاپا لاتا ہے (اور یہ اللہ کے نزدیک محبوب ہے) کیونکہ فربہ مولوی[1] اور قاری (بسیار خور شہوت پرست) کی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مذمت فرمائی ہے اس لیے کہ بسیار خوری انسان پر غفلت طاری کرتی ہے جو کچھ پڑھتا ہے اس طرف توجہ نہیں کرنے دیتی ، ورنہ اگر وہ پڑھنے کے ساتھ اس کے معانی کی طرف توجہ دیتا پھر ان سے عبرت حاصل کرتا تو ضعیف و نحیف اور کمزور رہتا بلکہ غم سے پگھل جاتا اس لیے کہ غم کے ہوتے چربی جسم میں قرار نہیں پکڑتی ۔

حکایت سیدنا امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا : کوئی موٹا مولوی (عالم) فلاح نہ پائے گا سوائے محمد بن الحسن کے ۔

---

[1] ایسے ہی دین و اسلام کے جملہ میں کام کرنے والے علماء و مولویوں کے علاوہ قُراء اور شعراء اور نعت خوان حضرات پر لازم ہے کہ وہ نفس پرستی اور شہوت پرستی کو مدِ نظر نہ رکھیں بلکہ صرف اور صرف رضائے الٰہی اور رضائے حبیبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پیشِ نظر رکھیں ورنہ انجام برباد ہوگا ۔ عیش کے چند روز آرام سے تو گزریں گے لیکن بعد کو پریشانی اور ذلت کا سامنا ہوگا ۔ ہم نے بچپن سے ایسے حضرات کو دیکھا جن کا ان شعبوں میں کام کرنے سے شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ تھے لیکن مرے تو برے حال میں ؎

خدایا بحقِ بنی فاطمہ
کہ بر قولِ ایماں کنی خاتمہ

(اویسی غفرلہٗ)

عرض کی گئی ، وہ کیوں ؟

فرمایا : اس لیے کہ عقلمند دوٗ حالتوں سے خالی نہیں :

۱ ۔ اسے آخرت اور مرنے کے بعد کے سرمایہ کا غم ہوگا ۔

۲ ۔ دنیا کا خیال اور تصور اس کی معاش کا ؛ اور چربی جسم میں غم کے ساتھ نہیں ٹھہر سکتی ۔

اگر وہ ان دونوں سے خالی ہے تو اس میں اور بہائم (جانوروں) میں کوئی فرق نہیں ہے کہ جانور کا جسم بھی خوراک وغیرہ سے موٹا ہو جاتا ہے اور اس (موٹے آدمی) کا مشغلہ بھی صرف خورد و نوش ہے تو ان دونوں (جانور و آدمی) میں کیا فرق رہا !

فراغتِ صاحبِ رُوح البیان رحمۃ اللہ علیہ

(صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ) بعونِ الٰہی تفسیر سُورۃ النباء سے ۲۲ محرم ، ۱۱۱۷ھ کو فراغت ہوئی ۔

فراغتِ مترجم فقیر اویسی غفرلہٗ نے ۲۱ جمادی الثانی ۱۴۰۹ھ / ۳۰ جنوری ۱۹۸۹ء کو بروز سوموار مبارک صبح ۹ بجے فراغت پائی ۔ بہاول پور ، پاکستان ۔

سُوْرَةُ النّٰزِعٰتِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ (٤٦) اٰیَاتُهَا ٤٦ رُكُوْعَاتُهَا ٢

سورہ النازعات مکیہ ہے اس میں اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا چھیالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۝١ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۝٢ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۝٣ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۝٤
قسم ان کی کہ سختی سے جان کھینچیں اور نرمی سے بند کھولیں اور آسانی سے پیریں پھر آگے بڑھ کر جلد پہنچیں
فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝٥ یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝٦ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝٧ قُلُوْبٌ
پھر کام کی تدبیر کریں کہ کافروں پر ضرور عذاب ہوگا جس دن تھرتھرائے گی تھرتھرانے والی اس کے پیچھے آئے گی پیچھے آنے والی کتنے دل
یَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ۝٨ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۝٩ یَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِی
اس دن دھڑکتے ہونگے آنکھ اوپر نہ اٹھا سکیں گے کافر کہتے ہیں کیا ہم پھر الٹے پاؤں پلٹیں گے
الْحَافِرَةِ ۝١٠ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۝١١ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۝١٢ فَاِنَّمَا هِیَ
کیا ہم جب گلی ہڈیاں ہوجائیں گے بولے یوں تو یہ پلٹنا تو نرا نقصان ہے تو وہ نہیں مگر
زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝١٣ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ۝١٤ هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ
ایک جھڑکی جبھی وہ کھلے میدان میں آپڑے ہونگے کیا تمہیں موسیٰ کی
مُوْسٰی ۝١٥ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی ۝١٦ اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ
خبر آئی جب اسے اس کے رب نے پاک جنگل طویٰ میں ندا فرمائی کہ فرعون کے پاس جا اس نے سر
طَغٰی ۝١٧ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰۤی اَنْ تَزَكّٰی ۝١٨ وَاَهْدِیَكَ اِلٰی رَبِّكَ فَتَخْشٰی ۝١٩ فَاَرٰىهُ
اٹھایا اس سے کہہ کیا تجھے رغبت اس طرف ہے کہ ستھرا ہو اور تجھے تیرے رب کی طرف راہ بتاؤں کہ تو ڈرے پھر
الْاٰیَةَ الْكُبْرٰی ۝٢٠ فَكَذَّبَ وَعَصٰی ۝٢١ ثُمَّ اَدْبَرَ یَسْعٰی ۝٢٢ فَحَشَرَ فَنَادٰی ۝٢٣ فَقَالَ
موسیٰ نے اسے بہت بڑی نشانی دکھائی اس پر اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی پھر پیٹھ دی اپنی کوشش میں لگا تو لوگوں کو جمع کیا پھر پکارا پھر
اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی ۝٢٤ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰی ۝٢٥ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ
بولا میں تمہارا سب سے اونچا رب ہوں تو اللہ نے اسے دنیا و آخرت دونوں کے عذاب میں پکڑا بے شک اس میں سیکھ ملتا ہے
لَعِبْرَةً لِّمَنْ یَّخْشٰی ۝٢٦ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰىهَا ۝٢٧ رَفَعَ سَمْكَهَا
اسے جو ڈرے کیا تمہاری سمجھ کے مطابق تمہارا بنانا مشکل یا آسمان کا اللہ نے اسے بنایا اس کی چھت
فَسَوّٰىهَا ۝٢٨ وَاَغْطَشَ لَیْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ۝٢٩ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ۝٣٠
اونچی کی پھر اسے ٹھیک کیا اس کی رات اندھیری کی اور اس کی روشنی چمکائی اور اس کے بعد زمین پھیلائی

اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا ㉛ وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا ㉜ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ㉝

اس میں سے اس کا پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑوں کو جمایا تمہارے اور تمہارے چوپاؤں کے فائدہ کو

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ㉞ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ㉟ وَبُرِّزَتِ

پھر جب آئے گی وہ عام مصیبت سب سے بڑی اس دن آدمی یاد کرے گا جو کوشش کی تھی اور جہنم ہر دیکھنے

الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ㊱ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ㊲ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ㊳ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ

والے پر ظاہر کی جائے گی تو وہ جس نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی تو بے شک جہنم ہی اس کا

هِيَ الْمَاْوٰى ㊴ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ㊵

ٹھکانا ہے اور وہ جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا

فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ㊶ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ㊷ فِيْمَ اَنْتَ

تو بے شک جنت ہی ٹھکانا ہے تم سے قیامت کو پوچھتے ہیں کہ وہ کب کے لیے ٹھہری ہوئی ہے تمہیں اس کے

مِنْ ذِكْرٰهَا ㊸ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا ㊹ اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا ㊺ كَاَنَّهُمْ

بیان سے کیا تعلق تمہارے رب ہی تک اس کی انتہا ہے تم تو فقط اسے ڈرانے والے ہو جو اس سے ڈرے گویا جس

يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْۤا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا ㊻

دن وہ اسے دیکھیں گے دنیا میں نہ رہے تھے مگر ایک شام یا اس کے دن چڑھے

تفسیر عالمانہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔ وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا (قسم ان کی کہ سختی سے جان کھینچیں) واؤ قسمیہ اور قسم مقسم بہ کی عظمت شان پر دلالت کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ مخلوق میں جس کی چاہے قسم یاد فرمائے تنبیہ ہے اس کی عظمت پر۔

حل لغات

النازعات، نازعۃ کی جمع ہے بمعنی ملائکہ کی جماعت نازعۃ بطور ملائکہ کی صفت مؤنث باعتبار ان کے طائفہ کے ہے پھر اس طائفہ کے اعتبار سے نازعات جمع مؤنث لائی گئی بمعنی طوائف (گروہ در گروہ) ملائکہ نازعات اسی پر ناشطات وغیرہ کا قیاس کر۔ ورنہ ظاہر ہے کہ نازعین ناشطین وغیرہ کہا جاتا النزع بمعنی شدت سے شے کو اپنی مقر (جگہ) سے کھینچنا۔ الغرق بحذف الزوائد مصدر ہے بمعنی اغراق یعنی غرق کرنا' اور کمان کو زور سے کھینچنا۔ اور غرق بمعنی پانی میں ڈوبنا اور بلا میں۔ یہ مفعول مطلق ہے نازعات کا' کیونکہ یہ بھی نزع کی ایک نوع ہے اس کی شرط ہے کہ وہ موجود ہو یعنی مصدر کا عامل کے ساتھ متفق ہونا۔ اور الاغراق فی النزع بمعنی اس میں خوب غوطہ لگانا اور اس کے درجات کے انتہا کو پہنچنا کہا جاتا ہے۔ اغرق النازع

فی النفوس یہ اس وقت بولتے ہیں کہ جب کمان کھینچنے میں اتنا زور لگایا جائے کہ فصل تک کمان پہنچے۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے ان گروہوں کی قسم یاد فرمائی جو کفار کے اجسام سے ارواح کو سختی سے نکالتے ہیں نیز ارواح کو ان کی انگلیوں اور ناخنوں کی الٹی طرف سے اور ہر بال کے نیچے سے، جیسے درخت کی جڑیں زمین کے اطراف میں پھیل ہوں تو ان جڑوں کو ہر طرف سے سمیٹا جاتے یا جیسے سفود کی زیادہ شاخوں والے کو تراؤن سے اور جیسے زندہ حیوانوں کی کھال ادھیڑنا یا جیسے انسان کو تلوار کی ہزار ضربیں لگانا یا اس سے بھی زیادہ سخت۔

ملائکہ سے ملک الموت اور اس کے اعوان (مددگار) عذاب کے فرشتے مراد ہیں جو انہیں جہنم کی زہر سے بجھے ہوئے جربے چبھوتے ہیں، میت سمجھتی ہے کہ اس کا پیٹ کانٹوں سے بھر گیا ہے گویا اس کا سانس سوئی کے سوراخ سے نکالا جا رہا ہے گویا زمین پر آسمان ٹوٹ پڑا ہے اور وہ ان دونوں کے درمیان پسا جا رہا ہے۔ جب کافر کی روح نکالی جائے گی تو کانپ رہی ہوگی اور کالے تیل کی طرح سیاہ شہد کی مکھی کی مقدار میں ہوگی اس کے عمل کے مطابق اسے زبانیہ (ملائکۂ عذاب) لے کر قبر اور سجین میں عذاب کرتے ہیں، یہ روحانی عذاب ہے جب قیامت قائم ہوگی تو جسمانی عذاب روحانی عذاب کے ساتھ ملایا جائیگا۔ النازعات غرقاً ارواحِ کفار کے قبض کی کیفیت کی طرف اشارہ ہے جس پر لفظ کا مدلول شاہد ہے۔

وَالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا[1] (اور نرمی سے بند کھولیں) یہ معنیٰ دوسری قسم ہے بطریق عطف کے۔

حلِ لغات النشط شے کو اپنی مقر (جگہ) سے نرمی سے کھینچنا۔ اس کی نصب علی المصدریہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان ملائکہ کے گروہ کی قسم یاد فرمائی ہے جو اہلِ ایمان کی ارواح کو نہایت نرمی اور آرام سے نکالتے ہیں جیسے بوکا کنویں سے نکالا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے، نشط الدلو من البئر (فلاں نے بوکا کنویں سے نکالا) جیسے بال مکھن سے یا جیسے قطرہ مشک سے۔ یہ بھی ملک الموت اور ان کے مددگار ملائکۂ رحمت ہیں اہلِ ایمان کی روح اگرچہ پیروں اور انگلیوں کے سروں سے نکالی جائے گی لیکن وہ درد محسوس نہ کرے گا، جیسے کافر درد والم محسوس کریگا۔ اور مومن کے نفس کو بدل کے ساتھ شدید تعلق نہیں جیسے کافر کے نفس کو تھا کیوں کہ مومن کا نفس عالم قدس سے متعلق ہے اور درد و الم اسے ہوتا ہے جس کا دنیا سے تعلق ہو، اور جس کا دنیا سے تعلق ہی نہ ہو اسے درد والم کیسا! بالخصوص وہ جو موت سے پہلے اختیاری موت سے فوت ہو (محبوبانِ خدا)

---

[1] والناشطات نشطاً میں اہلِ ایمان اور اعمالِ صالحہ والوں کے لیے خوشخبری ہے ان کی ارواح ان کے اجسام سے بآسانی نکل جاتی ہیں، اس کیفیت کو جانوں کے کھولنے سے تشبیہ دی گئی ہے کہ وہ بندھن کھلے اچھل کود شروع کر دیتا ہے۔ پس اسی طرح فرشتے بعض ارواح کو نکالتے ہیں تو وہ آسانی سے نکل آتی ہیں قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مومنین صالحین کی ارواح خداوند قدوس کی ملاقات کے

مومن کی روح کو چند لمحات کے لیے چھوڑیں گے تاکہ سکون پا لے اور کفار کے لیے ایسا نہ ہوگا۔

مومن اور شیطان

سکرات کے وقت مومن ضعیف الیقین اور قاصر فی العمل کے پاس شیطان اُس وقت آتا ہے جب رُوح حلقوم تک پہنچتی ہے اس کے ماں باپ، بہن بھائی یا پیارے دوست کی شکل میں آ کر ایسے کہتا ہے: یہودیت اختیار کر لے، نصرانی ہو جا یا اس کی مثل اور مذہب بھی[1] ہم اللہ تعالیٰ سے سلامتی کا سوال کرتے ہیں۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں شیطان ابلیس کی حاضری

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک دن ابلیس شکل بدل کر حاضر ہوا اس کے ہاتھ میں پانی کی شیشی تھی عرض کی: میں اسے بحالتِ نزع لوگوں کو ان کے ایمان کے بدلے بیچا کرتا ہوں۔

اس سے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت روئے اور اہلبیت کو بھی رُلایا، اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! غم نہ کھائیے میں اپنے بندوں کو اس سے محفوظ رکھتا ہوں بحالتِ نزع انہیں شیطان ابلیس کے مکر سے بچاتا ہوں۔

موت کے وقت دیدارِ ملائکہ

موت کے وقت میت ملائکہ کو اپنے اعمال کی حیثیت پر دیکھتی ہے، اعمال نیک ہوں تو ملائکہ اچھی صورت میں نظر آتے ہیں، اگر اعمال بُرے ہوں تو ملائکہ قبیح شکل میں دکھائی دیتے ہیں۔ ملائکہ کرام مومن کی رُوح کو جو شہد کی مکھی کے برابر ہوتی ہے جنت کے ریشم میں لپیٹتے ہیں، اور وہ اس کے عمل کے حسن صورت کے مطابق ہوتا ہے۔ اس کی نہ عقل گُم ہوتی ہے اور نہ وہ علم جو اس نے دنیا میں حاصل کیا۔

اہلِ علم کا علم موت کے وقت

حضرت حبیب نجار رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ بتاتا ہے کہ موت کے بعد اہلِ علم کا علم اس کے پاس محفوظ رہتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا جب وہ انطاکیہ میں شہید ہوئے تو فرمایا،

یالیت قومی یعلمون بما غفر لی ربی — کاش! میری قوم جانتی جو اللہ تعالےٰ نے میری عزت افزائی فرمائی۔

اس کے بعد مومن کی روح ہوا (خلاء) اڑتے ہیں اور اس کی قبر میں اس کے تنعم (آرام و راحت) کے اسباب تیار کرتے ہیں اور رُوح کے لیے علیین میں روحانی نعمتیں تیار کرتے ہیں۔ پھر جب مومن قبور سے اٹھیں گے تو جسمانی و روحانی نعمتیں جمع ہو کر اس کی نعمتوں میں اضافہ ہو جائے گا۔

---

[1] مرزائی ہو جا، شیعہ ہو جا، وہابی ہو جا، دیو بندی ہو جا، مودودی ہو جا وغیرہ نعوذ باللہ من ذٰلک۔ اویسی غفرلہ

ف : النٰشطات نشطاً میں ارواحِ مومنین کے قبض کی طرف اشارہ ہے جس پر کہ لفظ اور مدلول کی شہادة شاہد ہیں ۔

سوال : مؤمن کی کیفیتِ قبضِ روح تم نے نہایت شاندار بیان فرمائی ہے حالانکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے متعلق حدیث شریف میں ہے جب آپ کی رُوحِ اقدس قبض ہُوئی تو آپ کے لیے شدید تکلیف کا ذ ہے ، چنانچہ آپ فرماتے تھے :

واکرباہ ' اے تکلیف

اور فرماتے : لا الٰہ الا اللہ   اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ۔

اور فرماتے :

اللھم اعنی سکرات الموت (اے اللہ سکرات الموت میں میری مدد فرما)

اور ہاتھ مبارک پانی کے پیالے میں ڈال کر چہرۂ منور پر ملتے تھے جب بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی یہ کیفی کہ آپ سکرات کے گھیرے میں ہیں تو بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا :

یا اکرب ابتاہ (اے ابّا کی تکلیف)

یہ سُن کر حضور علیہ السلام نے فرمایا :

اے فاطمہ ! (رضی اللہ عنہا) تیرے باپ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) پر آج جیسی اور کوئی تکلی نہ ہو گی ۔

جب سکرات کے وقت خود نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا یہ حال ہے تو پھر دوسرا کون ہے ج نرمی کی بات کی جائے ؟

(یہ سوال عموماً رسولِ پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اپنے جیسا بشر سمجھنے والے بے ادب اور گست کرتے ہیں اور سادہ لوح عوام کو الجھا دیتے ہیں ۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صل علیہ و آلہ وسلم بشری لباس میں ضرور ہیں اور آپ پر بشریت کے تمام متعلقات لاحق ہوتے ہیں لیکن ان حقیقت ہماری بشریت جیسی نہیں ، آپ کی حقیقت بلکہ آپ کے ہر امر کی حقیقت نور ہے ، ظاہری ا میں بشری امور صحیح ہیں لیکن ان اطوار کو اپنے اوپر قیاس کرنا گمراہی اور بے دینی ہے ۔ اس کی مثال ۔ سکرات سمجھ لیجئے کہ آپ کی سکرات کی کیفیت سخت سہی لیکن بخدا وہ بشر کی حقیقت کی حیثیت سے نہیں صورۃً سکرات ہے لیکن درحقیقت وہ تجلیاتِ ربانیہ و انوارِ حقّانیہ کا پرتو ہے اسی لیے اس کا نام ہما سکرات جیسا ہے لیکن ہماری سکرات اور ہے آپ کی سکرات اور ۔ اس لیے اب سمجھ لیں کہ آپ بشر عزو

لیکن آپ کی حقیقت اور ہے اور ہماری اور۔ یہی تقریر[1] صاحب روح البیان قدس سرہٗ سے سوال مذکور کے جواب میں سُنیے۔ اویسی غفرلہٗ)

جواب ۱ : اجیب بان مزاجہ الشریف کان اعدل الامزجۃ فاحس بالالم اکثر من غیرہ اذا الخفیف علی الاخف ثقیل۔	آپ کا مزاج شریف اعدل الامزجہ تھا اسی لیے درد کو غیروں سے زیادہ محسوس فرمایا کیونکہ خفیف اخف پر ثقیل ہوتا ہے۔
جواب ۲ : ان یبتلیہ اللہ تعالیٰ بذلک لیدعوا اللہ ان یجعل لامتہ سہلا یسیرا۔	اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس درد میں مبتلا کیا تاکہ آپ امت کے لیے سہولت کی دعا مانگیں۔
جواب ۳ : قد روی انہ طلب من اللہ ان یحمل علیہ بعض صعوبۃ الموت تخفیفا علیٰ امتہ فانہ بالمؤمنین رؤف رحیم۔	روایت کیا گیا کہ آپ نے خود دعا مانگی کہ آپ پر بوجھ ڈالا جائے تاکہ امت پر تخفیف ہو کیونکہ آپ اہل ایمان کے لیے رؤف و رحیم تھے۔
جواب ۴ : وایضاً فیہ تسلیۃ امتہ اذا وقع لاحد منہم شئ من ذلک الکرب عند الموت۔	اس میں امت کو تسلی ہے کہ اگر موت کے وقت تکلیف ہو تو آپ کی تکلیف یاد کرے۔
جواب ۵ : وایضاً لکی یحصل من شاھد من اھلہ ومن غیرھم من المسلمین الثواب لما یلحقہم علیہ من المشقۃ کما قیل بمثل ذلک فی حکمۃ ما یشاھد من حال الاطفال عند الموت من الکرب الشدید۔	تاکہ آپ کے اہل میں سے مشاہدہ والوں اور دوسرے مسلمانوں کو ثواب ملے جب وہ آپ کا درد سُن کر پریشان ہوں جیسے بچوں کی تکلیف عند الموت سے اوپر والوں کو پریشانی ہوتی ہے۔
جواب ۶ : وایضاً راحۃ الکمل فی الشدۃ لانہا من باب الترقی فی العلوم و	کاملین کو شدۃ میں راحت ہوتی ہے کیونکہ یہ علوم و درجات میں ترقی کے باب

---

[1] میری تقریر کا تعلق اگرچہ تمام جوابات سے ہے لیکن آسان اور عام فہم جواب ۶ کے فاھل الحقیقۃ ا لم میں ہے اگرچہ صاحب روح البیان کا یہ جواب مجمل ہے تفصیل ہماری کتاب "سیرۃ حبیب کبریا" میں ملاحظہ ہو۔ اویسی غفرلہٗ

الدرجات واقل الامر للنا قصین کفارۃ الذنوب فاھل الحقیقۃ لا شدۃ علیھم فی الحقیقۃ لاستغراقھم فی بحرالشھود وانما الشدۃ لظواھرھم والحاصل کما ان الناس لا ترفع عن الدنیا قائم فکذا الشدۃ لا ترفع عن الظواھر فی ھذا المواطن ۔

سے ہے اور دوسروں کو اس سے کفارہ ذنوب ہوتا ہے درحقیقت اہلِ حقیقت کو تکلیف ہوتی ہی نہیں کیونکہ وہ بحرِ شہود میں مستغرق ہوتے ہیں ہاں ان کے ظواہر کو شدت ہوتی ہے جیسے دنیا سے نہیں اٹھ جائیگی دنیا قائم تو شدۃ بھی قائم ہے وہ ظواہر سے اس دنیا میں نہ اُٹھے گی ۔

(روح البیان ج ۱۰ ص ۳۱۵)

وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا (اور آسانی سے پیریں) یہ اور قسم ہے معنیً بطریقِ عطف کے ۔

حلِ لغات السبح بمعنی ہوا یا پانی میں تیز تیز پیرنا سبحًا نصب علی المصدریہ ہے ، اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے اس گروہ کی قسم یاد فرمائی ہے جو اڑنے میں تیز ہیں آسمان سے زمین کی طرف اُترتے ہیں انہیں پیراک سے تشبیہ دی گئی ہے ، نہ تعمیم بعد تخصیص کے قبیل سے ہے کیونکہ نزول اولین مطلقۃً قبض الارواح کے لیے ہے اور ان دوسروں کا نزول عامہ امور و احوال کے لیے ہے ۔

فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا (پھر آگے بڑھ کر جلد پہنچیں)

حلِ لغات اس کا السّٰبحٰت پر عطف بالفاء ہے تاکہ دلیل ہو کہ سبق سبح پر بغیر مُہلۃ کے مرتب ہے ان کا موصوف ایک ہے سبقا کی نصیب علی المصدریہ ہے یعنی ان کے لیے سبقت کرتے ہیں جس کے وُہ مامور ہیں اور جو خدمت ان کے ذمہ ہے اس کی سرانجام دہی کے لیے بہت جلد پہنچتے ہیں السبق الرواع سے کنایہ ہے کہ جو ان کی خدمت مقرر ہے اس کی سرانجام دہی میں پھرتیلے ہیں اس لیے سبقت یعنی تقدم فی السیر الرواع کے لوازم سے ہے ۔ لیکن سبقت یہاں پر مسبوق کے وجود کو مستلزم نہیں اس لئے کہ ان کے بالمقابل کوئی مسبوق نہیں ۔

فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا (پھر کام کی تدبیر کریں) اس کا عطف السابقات پر بالفاء ہے اس لیے کہ تدبیر کا ترتّب سبقؔ پر ہے بغیر تراخی کے ۔

حلِ لغات التدبیر بمعنی تفکر ، امور کے پیچھے امراً مفعول ہے مدبرات کا ۔ امامِ راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس سے وُہ ملائکہ مراد ہیں جو تدبیر امور میں مؤکل ہیں یعنی وہ فرشتے جو بندوں کے لیے دینوی اخروی امور کی تدبیر کرتے ہیں جیسے انہیں کیا گیا ہے بغیر کمی بیشی کی

اور مقسم علیہ محذوف ہے وہ ہے لتبعثن (تم ضرور ضرور مرنے کے بعد زندہ اٹھائے جاؤ گے) جس پر مابعد کا مضمون دلالت کرتا ہے یعنی قیامت کا ذکر بعث کی وجہ یہ ہے کہ موت داعی ہے اجر و جزاء کی تاکہ عالمِ وجود میں جور و ظلم ہمیشہ نہ رہے اور ہمارا رب بندوں کے لیے ظالم نہیں، تو گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ملائکہ قبضِ ارواح کے لیے تمہارے آجال ختم ہونے پر تمہارے ہاں اُتریں گے پھر معاملہ بعث تک چلے گا اس کے بعد وہی ہوگا جو مذکور ہوگا تو جو موت کا اقرار کرتا ہے اسے بعث کا بھی اقرار کرنا ہوگا اسی لیے نازعات کی قسم اور بعث کو جمع فرمایا جو کہ وُہ جواب قسم ہے۔

ف: اس سورۃ کے عنوان کے وجوہ ہیں ہم انہیں ذکر نہیں کرتے وہی طریقہ اختیار کرتے ہیں جو کشاف میں ہے اگرچہ یہ ذکر تنزیل کے جزیل (عظیم الشان) ہونے پر دلالت کرتا ہے (لیکن طوالت کے پیشِ نظر اسے چھوڑا جا رہا ہے)

تفسیر صُوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ قسم ان نفوس مشتاقہ کی یاد فرمائی جا رہی جن پر نزوع (ترک ماسوی اللہ) طاری اور جناب حق کی طرف متوجہ اور بحارِ شوق و محبت (عشق) میں غرق ہیں وہ جو نفس کے مکر اور طبیعت کی قید سے آزاد ہیں یعنی وہ نفوس کی صفات کی قیود اور علائق بدن سے فارغ ہیں۔

حلِ لغات یہ ثور ناشط سے ہے وُہ بیل جو ایک شہر سے دوسرے شہر جا پہنچے، یا ان کے قول "نشط من عقالہ" سے ہے (وہ پاؤں کی رسّی کی قید سے نجات پا گیا) یا اس سے وہ نفوس مراد ہیں جو بحارِ صفات میں پیرتے ہوئے عین ذات اور مقام الفناء فی الوحدۃ کی طرف سبقت کر جاتے ہیں پھر وُہ تدبیر کرتے ہیں کثرت کی طرف رجوع کرنے کی تاکہ دعوۃ الی الحق والھدایۃ اور نظام فی مقام التفصیل بعد الجمع کے امر کی تکمیل کر سکیں۔

مدبّرات اولیاءِ کرام ہیں نفوس شریفہ (اولیاء کرام) کے لیے بعید نہیں کہ ان سے اس عالم میں آثار کا ظہور ہو وہ ابدان سے مفارقت (وصال، وفات) کر گئے ہوں یا ابدان میں ہوں اس کی دلیل انسان کے خواب کی ہے کہ وہ خواب میں بہت سے بندگانِ خدا کی زیارت کرتا ہے تو وہ اسے اس کے مطلوب کی رہبری کرتے ہیں، بہت سے شاگرد خواب میں مسائل کا حل پُوچھتے ہیں تو وہ خواب میں ہی ان کے مسائل کا حل بتا دیتے ہیں۔

حکایت حضرت زرارہ رضی اللہ عنہ سے بعد وصال خواب میں سوال ہُوا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ فرمایا: طلبِ رضائے الٰہی اور آرزو کی کمی۔

حکایت ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے ورقا بن بشر رحمہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا، پُوچھا کہ آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا کیا؟ فرمایا: میں مشکل سے نجات پا گیا۔ میں نے پوچھا: آپ نے کون سا عمل افضل پایا؟ فرمایا: خشیتِ الٰہی سے رونا۔

حکایت ایک نوجوان لڑکی طاعون سے مر گئی اس کے والد نے اسے خواب میں دیکھ کر پُوچھا: بیٹی! آخرت کا حال سنائیے۔ کہا: ابا جی! ہم ایک امرِ عظیم میں ہیں جانتے ہیں لیکن ہم عمل نہیں کر سکتے، تم عمل تو کرتے ہو لیکن جانتے نہیں ہو بخدا صرف ایک دو تسبیح (سبحان اللہ کہنا ایک یا دو بار) ایک رکعت یا دو رکعتیں میرے اعمال نامے میں دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہیں۔

اس طرح کی حکایات بے شمار ہیں۔

کرامت بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ کسی کی دیوار میں سے ہی داخل ہو کر اس کی حاجت پُوری کر دیتے ہیں یہ خرقِ عادت کے طور ہوتا ہے[1]

(تصرفاتِ اولیاءِ کرام ہمارے دور کے معتزلہ (وہابی نجدی، دیوبندی، مودودی) اولیاءِ کرام کے تصرفات کے نہ زندگی میں قائل ہیں نہ برزخی زندگی میں، اگرچہ زبان سے صرف کرامت حق کہہ دیتے ہیں، لیکن اگر کسی کامل ولی کا کوئی تصرف بیان کرو تو شرک کے فتوے سے رُکتے نہیں۔ صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ صدیوں پہلے یہی عقیدہ لکھ گئے جو اس صدی میں ہمارا ہے و الحمد للہ علی ذالک۔ وہ لکھتے ہیں:[2]

فاذا کان للتدبیر بید الروح و ھو　　　جب تدبیر روح کے ہاتھ میں ہے اور وہ

---

[1] ہمارے پیرو مرشد حضرت خواجہ محمد محکم الدین سیرانی اویسی حنفی رضی اللہ عنہ دہلی کی کسی مسجد میں دوگانہ پڑھ رہے تھے استاد و شاگرد مسئلہ معراج پر بحث کر رہے تھے شاگرد کو اشکال تھا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بجسدِ عنصری کس طرح آسمانوں کو چیر کر عرش پر پہنچے حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے نماز سے فراغت کے بعد شاگرد کا ہاتھ پکڑا اور مسجد کی دیوار پار کر کے واپس استاد کے سامنے کھڑا کر دیا، فرمایا، اس طرح تشریف لے گئے تھے۔ پھر واپس تشریف لائے۔ مزید تفصیل فقیر کی کتاب "ذکرِ سیرانی" میں ہے۔ فقیر اسے عقلی دلیل سے عرض کرتا ہے کہ اولیاءِ کرام ریاضت و عبادت سے کثافتِ بشری سے ایسے لطیف ہو جاتے ہیں جیسے رُوح یا آنکھ کی بینائی۔ تو پھر لطیف اشیاء کو کثافتیں حائل نہیں ہوتیں جیسے عینک سے دیکھیں تو بینائی کو آنے جانے میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔

اویسی غفرلہٗ

[2] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

فی هذا الموطن فکذا اذا انتقل منه	اسی وطن دنیا میں ہے ایسے ہی جب دنیا سے
الی البرزخ بل هو بعد مفارقته	رخصت ہو کر برزخ میں منتقل ہوتا ہے بلکہ
البدن اشد تاثیرا وتدبیرا لان الجسد	وہ تو بدن سے جدائی کے بعد زیادہ تاثیر و
حجاب فی الجملة الا تری ان الشمس	تدبیر رکھتا ہے اس لیے کہ جسد حجاب ہے
اشد احراقا اذا لم یحجبها غمام	کیا نہیں دیکھتے ہو کہ سورج جب بادل وغیرہ
او نحوه۔ (روح البیان ج ۱ ص ۳۱۶)	سے محجوب نہ ہو تو زیادہ گرم ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ (جس دن تھرتھرائے گی تھرتھرانے والی) یہ منصوب ہے جواب مضمر سے وہ ہے لتبعثن (مرنے کے بعد زندہ اٹھائے جاؤ گے)۔

حلِ لغات الراجفة سے واقع ہونے والی مراد ہے کہ جس میں اجسام ساکنہ جیسے زمین و پہاڑ تھرتھرائیں گے یعنی سخت ترمتحرک ہوں گے اور بہت زیادہ تھرتھرائیں گے اس دن کے ہول سے، یہ ہے نفخۂ اولیٰ فعل کا اسناد مجازاً جیسے فعل کا اسناد سبب کی طرف مجازاً ہوتا ہے اس لیے کہ نفخۂ اولیٰ کا حدوث ہی اجرام ساکنہ کے تھرتھرانے کا سبب ہے۔ الرجفان سے ہے یعنی تھرتھرانا۔ اسی لیے زلزلہ کو رجفہ کہا جاتا ہے کہ اس میں سخت تھرتھرانا اور کثرت القلب ہے۔ اس میں تنبیہ ہے تغیر سفلی تغیر علوی پر مقدم ہے، اگرچہ یہ کوئی قطعی فیصلہ نہیں۔

تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ (اس کے پیچھے آئے گی پیچھے آنے والی) واقع ہوئی پہلی کے وقوع کے بعد، یعنی اس کے بعد آئے گی۔ یہ نفخۂ ثانیہ ہے کیونکہ پہلے کے بعد ہوگا۔

حلِ لغات کہا جاتا ہے ردفہ کسمعہ و نصرہ اس کے پیچھے لگا جیسے اردفہ وارتدفہ معہ میں نے اسے اس کے ساتھ سوار کیا (قاموس) یہ حال مقدرہ ہے الراجفة سے وقوع کی صحت ثابت کرنے والا ہے بعث کی طرف ہے یعنی تم پہلے نفخہ سے اٹھائے جاؤ گے درانحالیکہ نفخۂ ثانیہ اس کے پیچھے آنے والا ہے اس سے پہلے نہیں کیونکہ وہ اس ممتد زمانہ کے لیے ہے جس میں دونوں نفخے واقع ہوں گے ان کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہوگا (کشاف)

اب معنیٰ ہوگا کہ تم اٹھائے جاؤ گے اس واسع وقت میں جس میں دونوں نفخے واقع ہوں گے اور وہ اس کے بعض وقت میں اٹھائے جائیں گے یعنی نفخۂ ثانیہ کے وقت۔

سوال: الارشاد میں ہے کہ اس کا امتداد کیسا جبکہ وہ تو نفخۂ ثانیہ کے وقت اٹھ کھڑے ہوں گے۔

جواب: اس کا امتداد محض اس کی تہویل (ہولناکی) کی وجہ سے ہے یعنی وہ دن بڑا ہولناک ہے

کہ اس میں ایسے دو عظیم حادثے واقع ہوں گے کہ پہلے کے وقوع سے کوئی زندہ باقی نہ رہے گا سب کے سب مرجائیں گے۔ دوسرے کے وقوع سے تمام مردے اٹھ کھڑے ہوں گے۔

قُلُوْبٌ (کتنے دل) مبتدا ہے اس کی تنکیر وصف محض کے قائم مقام ہے خواہ اسے تنویع پر محمول کیا جائے اگرچہ اس کے بالمقابل کوئی نوع مذکور نہیں اس لیے کہ معنیٰ اس کی خانہ پُری کر دیتا ہے یا یہ تنکیر تکثیر پر محمول کی جائے جیسے شر اہر ذا ناب میں اس لیے کہ تفخیم جیسے کیفیت میں ہوتی ہے کمیت میں بھی ہوتی ہے۔ گویا کہا گیا بہت سے دل یا گنہ گار دل۔

تفسیر صوفیانہ جیسے تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قلوب ان نفوس کے جو متمردہ اور سرکش اور حق سے نفرت کرنے والے ہیں۔

تفسیر عالمانہ یَوْمَئِذٍ (اس دن جب دونوں نفخے واقع ہوں گے) وَّاجِفَةٌ (دھڑکتے ہوں گے) کے متعلق ہے یعنی سخت اضطراب میں ہوں گے اپنے بُرے اعمال اور قبیح افعال کی وجہ سے اس لیے کہ وجیف سے قلب کا شدید اضطراب مراد ہے اور اس کی پریشانی خوف و خطر سے۔

ف: اس سے معلوم ہُوا کہ تمام قلوب نہیں دھڑکیں گے بلکہ کفار کے قلوب، اس لیے کہ اہلِ ایمان تو بےخوف ہوں گے۔

اَبْصَارُهَا (ان کی آنکھیں) جیسا کہ یقولون دلالت کرتا ہے، ورنہ قلوب کی کوئی آنکھیں نہیں، ہاں قلوب کی طرف ابصار کا اسناد اس لئے ہے کہ قلوب ہی خوف کا محل ہے اور وہ ہے بھی انہی کی صفات سے۔ خَاشِعَةٌ (ذلیل ہوں گی خوف سے) کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ سے رُوگردانی کرتے اور ماسوی اللہ کی طرف متوجہ رہتے تھے اس انتظار میں ہوں گے کہ نہ معلوم اب ان پر کیا مصیبتیں نازل ہوں گی خشوع کا اسناد ابصار کی طرف مجازاً ہے اس لیے کہ خشوع کا ظہور آنکھوں سے ہی ہوتا ہے یَقُوْلُوْنَ (کہتے ہیں) جملہ مستانفہ بیانیہ ہے یعنی کفار کہتے ہیں اب یعنی وہ جو بعث (مرنے کے بعد جی اُٹھنے) کے منکر اور اس پر آیات ناطقہ کی تکذیب کرتے تھے جب انھیں کہا جاتا کہ بے شک مرنے کے بعد تم جی اُٹھو گے، تو انکار و تعجب کرکے کہتے ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ (کیا ہم پھر اُلٹے پاؤں پلٹیں گے) مرنے کے بعد۔ پہلی حالت میں اس سے مرنے کے بعد زندہ ہونا مراد لیتے۔

حلِ لغات حافرۃ ان کے قول سے ہے رجع فلان فی حافرتہ (فلاں لوٹا اپنے اس طریقہ پر جس میں وہ آیا) فحفرها یعنی جس راستہ سے آیا اسی پر واپس گیا۔

سوال: اسے حافرۃ کیوں کہا گیا حالانکہ وہ تو مذکورہ معنی پر محفورہ ہے حافر تو وہ ہے جو اس راستہ پر چل رہا ہے۔

جواب: یہ مجاز ہے عیشۃ راضیۃ کے قبیل سے ہے یعنی حافرۃ بمعنی منسوب الی الحفر، جیسے عیشۃ۔ وہ بھی منسوب الی الرضا۔ یا قابل کو فاعل سے تشبیہ دی گئی ہے کہ اس کا دونوں سے تعلق ہے، تو مشابہت کی وجہ سے ثانی کا اول پر اطلاق کیا گیا ہے، جیسے کہتے ہیں، صام نہارہ۔ زمان فعل کو فاعل سے تشبیہ کی وجہ سے، اور مجاہد اور خلیل بن احمد نے فرمایا، حافرہ وہ زمین کہ جس میں قبور کھودی جاتی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے، زمین ہمارے اجسام کا گڑھا اور ہمارے سینوں کی قبر ہے۔

تفسیر عالمانہ

ءَاِذَا (کیا جب) اس کا عامل مضمر ہے جس پر مردودون دلالت کرتا ہے یعنی کیا جب كُنَّا (ہو جائیں گے) عِظَامًا نَّخِرَةً (گلی ہڈیاں) پھر لوٹائے اور اٹھائے جائیں گے۔ یہ تو زندہ ہونے کے لیے بہت دُور کی بات ہے یہ ان کا رد (مرنے کے بعد جی اٹھنے کا) اور اس کی نفی کی تاکید ہے یعنی انہیں انکار تھا کہ مرنے کے بعد اٹھنا ایک ایسی حالت ہے جو بدن کی توڑ پھوڑ کے بعد صحیح ہو کر پھر زندہ ہو جانا ناممکن سا ہے ان کا گمان تھا کہ یہ توڑ پھوڑ جسمانی حقیقۃً انسان کے مٹنے کا نام ہے (جیسے وہابیہ نجدیہ اور ان کی ایک شاخ (غلام خانی دیوبندی فرقہ) کا خیال ہے حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے، اگر ہم ان کی بات تسلیم کریں کہ انسان صرف اسی ہیکل مخصوص (ظاہری جسم) کا نام ہے تو بھی ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ معدوم کا اعادہ ممتنع ہو، اس لیے کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جملہ ممکنات پر قادر ہے وہ جمیع اجزائے عنصریہ اور حیات کے اس کی طرف اعادے پر قادر ہے کیونکہ تمام اجزاء اس کے علم میں متمیز ہیں اگرچہ مخلوق کے علم میں غیر متمیز ہے جیسے پانی اور دودھ آپس میں مل جائیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ دودھ کہاں اور پانی کہاں، لیکن مخلوق کی عقل اس کے ادراک سے عاجز ہے)[1]

حل لغات

النخر بمعنی ہڈیوں کا گل جانا اور خشب بمعنی لکڑیوں کا گل جانا۔ عِظم (بکسر العین) بمعنی ہڈیاں۔ یعنی بلی واسترخاء (ہڈیوں اور لکڑیوں کا ایسی حالت میں ہو جانا کہ اگر انہیں ہاتھ وغیرہ لگ جائے تو ریزہ ریزہ ہو کر علیحدہ علیحدہ ہو جائیں) نخرۃ ناخرۃ سے ابلغ ہے کیونکہ وہ مبالغہ یا صفت مشبہ ہے جو ثبوت (دوام) پر دال ہے اسی لیے اکثر نے اسی کو اختیار کیا لیکن ناخرہ رؤس قریات

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

کے لحاظ سے اشبہ ہے۔ اسی لئے بعض نے اسی کو اختیار کیا۔ بعض نے کہا کہ نخرۃ، ناخرۃ کا غیر ہے اس لیے کہ نخرۃ گلی ہڈیاں اور ناخرۃ وہ ہڈیاں جو فارغ اور کھوکھلی ہوں جن سے ہوا کے جھونکوں سے آواز سنائی دے، یہ نخیر، النائم والمجنون سے ہے (نیند والے اور مجنون کے خراٹے) نہ کہ النخر بمعنی البلی سے۔ امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ النخر ناک کی آواز اور ناک کے جس سوراخ سے آواز نکلے اسے منخران کہا جاتا ہے یعنی ناک کے دو سوراخ۔

قَالُوْا (بولے) ماضی کا صیغہ اس لیے ہے کہ ان کے اس کفر کا صدور بطریق استمرار نہیں سابق کفر کی طرح کہ جسے مضارع سے تعبیر کیا گیا (کہ اس میں استمرار تھا) یعنی استہزاء کے طور پر بولے تِلْكَ (لوٹنا) اور اُلٹے پاؤں پلٹنا۔ اس میں تنبیہ ہے کہ ان کے اعتقاد سے اس کا وقوع نہایت بعید تھا اِذًا (اس وقت) اور اس تقریر پر كَرَّةٌ (لوٹنا) رجوع الکرۃ بمعنی رجوع کیا ایک بار، اس کی جمع کرات ہے —— خَاسِرَةٌ (گھاٹے کا سودا ہے) صاحبِ خسارہ ہے اسم فاعل کی نسبت کرارادہ پر یا وہ لوگ خسارہ والے ہیں بطریق اسناد مجازی کے، یعنی فعل کا اسناد اس طرف جو اسے وجود میں مقارن ہے جیسے تجارۃ رابحۃ (نفع کی تجارت والے) الربح تُجّار کا نفع کا فعل تجارۃ بمعنی عقد المبادلہ، نفع اور تجارت وجود میں متقارن ہیں ورنہ وہ تو خسارہ والے تھے ہی۔ الکرۃ اس میں لوٹنا خسارہ ہی خسارہ ہے یعنی اگر لوٹنا ہُوا تو ہم اس وقت گھاٹے میں ہوں گے کیونکہ ہم تو اس کی تکذیب کرتے ہیں اس معنی کا فائدہ اذا سے حاصل ہوا اس لیے کہ یہ صرف جواب وجزا کا ہے عند الجمہور۔ اور اسے استہزاء پر اس لیے محمول کیا گیا ہے کہ انہوں نے قطعی طور پر اس کی نفی کی اور مشکوک محتمل الوقوع کی صورت میں اسے محال سمجھا۔ فَاِنَّمَا هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ (تو وہ نہیں مگر ایک جھڑکی) یہ ان کے انکار کی گفتگو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب اور مقدر کی تعلیل ہے، یعنی اسے کافرو! پلٹنا مشکل امر نہ سمجھو اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آگے معمولی امر ہے کیونکہ یہ تو محض ایک آواز ہے یعنی وہ ایک آواز سے حاصل ہو جائے گی اس میں دوبارہ آواز کی ضرورت ہی نہیں ہوگی جسے وہ سنیں گے حالانکہ وہ ابھی زمین کے پیٹ (قبور) میں ہوں گے۔ اس سے نفخۂ ثانیہ مراد ہے لوگوں کے صور میں ایک ہی پھونکا ہوگا تاکہ ان کا قافلہ اٹھ کھڑا ہو۔ کرہ کو زجرہ سے تعبیر کرنے میں تنبیہ ہے کہ وہ دونوں ایسے متصل ہیں گویا ایک دوسرے کے عین ہیں۔ کہا جاتا ہے زجر البعیر (اس کے اونٹ کو جھڑکا) یہ اس وقت بولتے ہیں جب اس پر زیادہ زجر کریں فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ (جبھی وہ کھلے میدان میں آپڑے ہوں گے) تمام مخلوق کا میدان میں آپڑنا اچانک ہوگا اس میں پلٹنے کے فوراً بعد میدانِ حشر میں حاضری کا بیان ہے یعنی وہ پلٹنا جسے زجرہ سے تعبیر کیا گیا ہے اذا مفاجاتیہ ہے

فائدہ دیتا ہے کہ جن کا انہیں انکار تھا وہ اچانک اور نہایت تیزی سے ہوگا۔

حلِ لغات الساھرۃ چٹیل اور ہموار زمین۔ واضح ساہرہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ سُراب (چمکتا ریت) کا اجرا ایسے میدان پر ہوتا ہے۔ اہلِ عرب کہتے ہیں: عین ساہرہ (چشمہ جاری پانی والا) اس کی نقیض نائمۃ (چشمہ پانی نہ بہنے والا) ہے بیاض الارض (زمین کی سفیدی) اس کو پانی اور گھاس سے خالی ہونے سے تعبیر کیا گیا ہے جریان السراب (چمکتے ریت کا بہنا) سے تشبیہ دے کر ریت کے بہنے کو پانی کے بہنے سے تشبیہ دی گئی ہے، اسی لیے اسے ساہرہ کہا گیا' یا اس لیے کہ اس پر چلنے والا ہلاکت کے خوف سے اس میں نہیں سوتا، اسی وجہ سے تشبیہ ہے۔ سہر بجوں فرح (وہ رات کو نہیں سویا) یا اس سے جہنم مراد ہے کہ اس میں جہنمی نہیں سوتے۔ یا یہ کہ اس کا سین صاد کا مقلوب ہے صَھَرَتْہُ الشمس (اسے سورج نے جلایا) سے ہے۔ اور امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کی اصل حقیقت وہ زمین ہے جو بار بار روندی جائے، تو گویا وہ اس روندنے سے ویران و بیکار رہے۔

ساھرۃ کی تفاسیر (۱) حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: الساھرۃ وہ چاندی کی زمین جس سے کبھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو، لہٰذا اسے اللہ تعالیٰ نے اسی وقت پیدا کرنا ہے۔

(۲) حضرت ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا: شام کی زمین ساہرہ ہے۔

(۳) حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ نے فرمایا: بیت المقدس کا پہاڑ ساہرہ ہے۔

(۴) بعض نے کہا کہ ساہرہ ایک زمین کا نام ہے جو بیت المقدس کے نزدیک جبلِ اریحا کے نواح میں ہے وہاں حشر بپا ہوگا اس وقت اسے اللہ تعالیٰ فراخ فرما دے گا جتنی ضرورت ہوگی۔

حدیث شریف میں ہے: بیت المقدس ارض المحشر والنشر ہے۔

ف: حضرت مولانا فناری تفسیر الفاتحہ میں لکھتے ہیں کہ لوگ جب قبور سے اٹھیں گے اور اللہ تعالے ارادہ فرمائے گا کہ اس زمین کو بدل دے جو اس کی غیر ہو تو زمین اللہ تعالیٰ کے اذن سے دراز ہو جائیگی اور حشر اسی پر ہوگا تو مخلوق اسی پر جمع ہوگی جسے اللہ تعالیٰ نے تبدیل کر دیا ہوگا جیسے وہ چاہے گا یا اس کی صورت بدل دے گا، یا اس کے سوا کوئی اور ہوگی۔ اسی کو ساہرہ کہا گیا ہے۔ اسے اللہ ایسے دراز فرمائیگا جیسے کو دراز کیا جاتا ہے اور وہ وسیع ہوتی جائے گی۔ اس کے اکیس اجزاء کو اکانوے اجزاء تک بڑھا دیا جائیگا یہاں تک کہ نہ اس میں ٹیڑھا پن ہوگا اور نہ اونچ نیچ۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ فاذا ھم بِالسَّاھِرَۃِ یعنی ارض الحیاۃ ظاہر ہوگی جیسے وہ اس سے پہلے ممات کی زمین کے پیٹ میں تھے۔

تفسیر عالمانہ

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى (کیا تمہیں موسٰی (علیہ السلام) کی خبر نہیں آئی) یہ جملہ مستانفہ ہے اس سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی ہے آپ کی قوم کی تکذیب سے کہ انھیں بھی تکالیف پہنچتی رہیں حالانکہ وہ آپ کی قوم سے زیادہ قوی اور بڑے عظیم القدر (دنیوی) تھے یعنی فرعون وغیرہ۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ تمہارے پاس آیا وہ جو اس سے عبرت حاصل کی جائے یا وہ جو ان کی بات آپ کے پاس آئی ہے اس میں ترغیب ہے اس کے سننے کی اور اس کی طلب میں برانگیختہ کرتا ہے گویا کہا گیا: کیا تمہارے پاس موسٰی علیہ السلام کی بات آئی ہے جو آپ سے پہلے گزرے ہیں یا میں آپ کو اس کی خبر دوں، جیسے حضرت حسن (بصری) رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو موسٰی علیہ السلام کی خبر دینا ہے یہ ایسے ہے جیسے کوئی اپنے دوست کو کہتا ہے کیا تمہیں معلوم ہے کہ شہر والوں پر کیا گزری حالانکہ اسے معلوم ہے کہ اسے اس شہر کے حالات سے بے خبری ہے اور اللہ تعالیٰ نے (بلا تمثیل ایسے فرمایا تاکہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر دے، اگر یہ تقریر ہو کہ آپ کو اس کی پہلے خبر ہے جیسا کہ قصہ کے ایجاز (اختصار) سے بیان کرنے سے معلوم ہوتا ہے تو یہ استفہام تقریری ہے کہ اسے اقرار پر محمول کیا جائے کہ اسے آپ اس سے قبل جانتے ہیں۔

تو اب معنیٰ یہ ہوا کہ کیا ایسے نہیں کہ تمہیں موسٰی علیہ السلام کے حالات معلوم ہیں تو پھر آپ اپنے دل کو تسلی دیجئے قوم کی تکذیب سے، اور اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وعدو وعید کے حالات سنا کر انہیں تسلی دیجئے جیسے وُہ صبر کرتے تھے تم بھی صبر کرو پھر جیسے وُہ فرعون اور اس کی قوم پر غالب ہوئے تم بھی اہلِ مکہ پر غلبہ پاؤ گے۔

خلاصہ یہ کہ تمہیں ابھی موسٰی علیہ السلام اور ان کی قوم کی خبر پہنچے گی گویا اس سے قبل آپ موسٰی علیہ السلام کی خبر نہ رکھتے تھے اور نہ ہی (تفصیل حالات) آپ کے پاس پہنچے تھے ورنہ آپ کفار کے انکار بر بعث اور ان کے استہزاء سے محزون نہ ہوتے بلکہ اس سے تسلی پاتے۔ اس تقریر پر ھل بمعنی قد کے ہے جو حکم کو حال کے قریب کرتا ہے اور اس سے پہلے ہمزہ استفہامیہ محذوف ہے اور یہ تقریر کے لیے ہے اور زائد اس لیے کہا گیا تاکہ تسلی ہو کیونکہ یہی اِس معنی پر زیادہ ظاہر ہے نہ اس لیے کہ یہ نظم (عبارت) میں مقدر ہے۔

اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ (جب اُس کے رب نے اسے ندا دی) حدیث کی ظرف ہے۔

حلِ لغات

المناداة والنداء (پکارنا) القاموس میں ہے النداء بمعنی الصوت (آواز) اب معنیٰ یہ ہُوا کہ کیا تمہارے ہاں موسیٰ علیہ السلام کی خبر آئی جس وقت انھیں اس کے رب نے ندا دی کیونکہ اس نے اس کی خبر حادث مراد ہے تو ضروری ہے کہ اس کا ایک زمانہ ہو جس میں وہ حادث ہو یہ اتیان کی ظرف نہیں کیونکہ اتیان اور نداء کا وقت علیحدہ علیحدہ ہے اس لیے اتیان نداء کے وقت نہیں ہوا تھا یا یہ اذکر مقدر کا مفعول ہے اسی لیے موسیٰ پر سجاوندی علیہ الرحمۃ نے علامتِ وقف لازم فرمائی ہے۔ اور فرمایا اگر وصل ہو تو اذ اتیان الحدیث کی ظرف ہو گی اور وہ محال ہے شاید وہ حدیث (لفظ) کے عامل ہونے کی طرف متوجہ نہ ہو سکے یا اس لیے کہ حدیث (لفظ) بمعنی خبر (اسم) ہے لیکن اس سے زیادہ قوی عامل پہلے موجود ہے بہرحال ابہام سے خالی نہیں بہرحال مُوسیٰ[لہ] پر وقف کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ (لبعض التفاسیر)

بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ (پاک جنگل میں) مبارک مطہر جس کی اللہ تعالیٰ نے تطہیر فرمائی اس سے جو اس کے لائق نہیں گفتگو کرنے کے وقت، یا اس لیے مقدس کہا کہ ارض مقدسہ مطہرہ از شرک وغیرہ کے حدود میں ہے دراصل وادی اس جگہ کو کہا جاتا ہے جس پر پانی بہتا ہو، اسی لیے دو جبلوں کے درمیانی راستہ کو وادی کہا جاتا ہے، اس کی جگہ اودیہ ہے استعارۃً طریقہ کو کہا جاتا ہے یعنی مذہب و اسلوب کے لیے، مثلاً کہتے ہیں،

فلان فی واد غیر وادیك۔ فلاں تیرے مذہب کے خلاف دوسرے مذہب و اسلوب پر ہے۔

طُوًی (طوٰی میں) بضم الطاء والتنوین مکان سے تاویل کر یا بغیر تنوین کے بقعۃ (مطلق جگہ) کی تاویل سے فرّا نے کہا میرے نزدیک اس کا منصرف ہونا احب ہے کیونکہ مجھے معدول (طوٰی) کی کوئی نظیر نہیں ملی، یعنی اس طوٰی (وادی) میں کوئی اسم نہیں ملا کہ جو اس سے یہ عدول کر کے آیا ہو، وہ ایک وادی ہے جو مدینہ طیبہ اور مصر کے درمیان میں واقع ہے۔ اس معنی پر وادِ کا عطف بیان ہے۔

تفسیر صوفیانہ

حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ طوٰی مجرد عالم ارواح ہے اس لیے کہ وہ مواد (کثرت) کے تعلق سے مقدس ہے اس کا طوٰی نام اس لیے ہے کہ اس نے تمام موجودات اجسام و نفوس کو لپیٹ کر اپنے تحت رکھا ہُوا تھا اور وہ سب اس کے قبضہ و قہر میں تھے

[لہ] آیت کے اختتام پر ہے مُوسیٰ ۵ اویسی غفرلہٗ

دراصل یہ عالم الصفات ہے اور مقام مکالمہ ہے صفات کی تجلیات کا، اسی لیے اسے اللہ تعالیٰ نے اس وادی میں ندا دی اس عالم کی نہایت وُہ افقِ اعلیٰ ہے جہاں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جبریل علیہ السلام کو اصلی صورت میں دیکھا تھا۔

تفسیر عالمانہ

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ (فرعون کے پاس جاؤ) یہاں قول محذوف ہے یعنی پھر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ فرعون کے پاس جاؤ اِنَّهٗ طَغٰى (اس نے سر اٹھایا) امر کی تعلیل یا اس لیے کہ اس کی تعمیل ضروری ہے۔

حلِ لغات

طغیٰ، الطغیان سے ہے بمعنی حد سے متجاوز ہونا یعنی اس نے اپنے خالق کے آگے سر اٹھایا یعنی کفر کیا اور مخلوق پر سر اٹھایا کہ ان پر تکبر کیا اور انہیں عبد بنایا تو جیسے عبودیت میں کمال صدق مع الحق اور حسن الخلق مع الخلق کے بغیر نہیں ہو سکتا، ایسے ہی طغیان میں کمال یہی ہے کہ خالق و مخلوق دونوں سے بُرا معاملہ ہو۔

تفسیر صُوفیانہ

حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وُہ اپنی انانیت سے ظاہر ہُوا اس لیے کہ فرعون نفس قوی رکھتا تھا حکیم (دانشور) اور وادیٔ افعال میں چلنا خوب جانتا تھا اس نے صفات کے تمام جنگلات طے کر لیے تھے اور اپنی انانیت کی وجہ سے محجوب ہو گیا اور صفاتِ ربوبیت سے منسوب تھا لیکن اس نے انہیں اپنی طرف منسوب کر لیا' اپنی فرعونیت اور جبروتیت اور طغیان کی وجہ سے ان لوگوں سے ہو گیا جن کے متعلق حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

شریر ترین وہ لوگ ہیں جن پر جیتے جی قیامت قائم ہو جائے وہ جو توحید الصفات کے بجائے نفس میں نفس اور اس کی خواہشات کو قائم کر دے اور جملہ حجابات میں سے یہی بڑھ کر حجاب ہے۔

تفسیر عالمانہ

فَقُلْ هَلْ لَّكَ (اس سے کہہ کیا تجھے رغبت و توجہ ہے) اِلٰٓى (اس طرف) اَنْ تَزَكّٰى (کہ تُو ستھرا ہو) ایک تاء حذف کر کے کہ دراصل تتزکّٰی تھا بمعنی تتطہر پاک ہو کفر و طغیان کی غبار اور کدورت بشریہ و قاذورات (گندگیاں) طبعیۃ کی میل کچیل سے۔ لك مبتدا، محذوف کی خبر ہے الی ان اسی کے مبتدا مضمر کے متعلق ہے۔ بعض نے کہا ھل لك، اجذبك وادعوك سے مجاز ہے (میں تجھے جذبہ دلاتا اور دعوت دیتا ہوں) اس کا قرینہ یہی قرب و مجاورت والا مضمون ہے وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ (اور میں تجھے رب تعالیٰ کی طرف راہ بتاؤں) اور معرفۃ کا راستہ بتاؤں تو تو اس کا عرفان حاصل کرے، اس میں اشارہ ہے کہ عبارت میں مضاف مضمر ہے تزکیہ کی تقدیم تقدیم التخلیہ علی التحلیہ کے قبیل سے ہے (پہلے صفائی پھر سنگار) فَتَخْشٰى (کہ تو ڈرے

کیونکہ خشیت معرفت کے بعد حاصل ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء۔ بیشک اللہ تعالیٰ سے اس کے بندے علماء ڈرتے ہیں۔

علم و لاعلمی بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آخر میں فرمایا لن افعل (فرعون ماننے والا نہیں) موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی جب وہ نہیں مانے گا تو میرا اس کے پاس جانے کا کیا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ تم جاؤ ضرور، جیسا کہ تمہیں حکم ہے (اس کی حکمت میں جانتا ہوں) آسمان میں بارہ ہزار ملائکہ علم القدر کے طالب ہیں لیکن اسے حاصل نہیں کر سکے۔

نکتہ: ہدایت کی غایت خشیت اس لیے ہے کہ خشیت جملہ امور کی اصل ہے، اسی سے ہر خیر آتی ہے۔ جو بیخوف ہے وہی برائی پر جرأت کرتا ہے۔

حدیث شریف: جو خائف ہوتا ہے وہ اوّل شب کو چل پڑتا ہے تو وہ منزلِ مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔

حل لغات کہا جاتا ہے: ادلج القوم (قوم اول رات کو چلی) جب آخر شب کو چلیں تو کہا جاتا ہے ادلجوا (بالتشدید)۔

ف: اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ فرعون کے ساتھ استفہام کے لہجہ میں بات کریں کیونکہ اس طرح سے اس پر تلطف فی القول (نرم لہجہ میں گفتگو) اور خاطر و مدارات اثر کرے گا، اس کی سرکشی کی بنا پر یہی اس کا تقاضا ہے یہ اجمال ہے اس کی تفصیل دوسرے مقام پر فرمائی، فقولا لہ قولا لینا لعلہ یتذکر او یخشی (اس سے نرم لہجے گفتگو کرو ممکن ہے وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈرے) یا اس لیے کہ یہ موقعہ صرف دعوتِ توحید پیش کرنے کا تھا نہ کہ امر صریح کا، نیز اس میں تزکی کے متعلقات جیسے شرک، جہل، کفران کا ذکر بھی نہیں۔ ہاں بعض تفصیل پر مضمون کے اشتمال کی وجہ ظاہر ہے۔

فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى (پھر اسے موسیٰ علیہ السلام نے بہت بڑی نشانی دکھائی) فاء فصیحہ ہے خبر دیتی ہے ان جملوں کی جو دوسری صورتوں میں مفصل مذکور ہیں جس میں تفصیل بتائی گئی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان کیا کیا باتیں ہوئیں یہاں تک کہ فرعون نے کہہ ڈالا لائیے جو تم لائے ہو یعنی موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو امر الٰہی سنایا اور توحید و طاعت کی دعوت دی تو فرعون نے آپ سے معجزہ طلب کیا جو آپ کی دعوت کے صدق پر دلالت کرے۔

حل لغات اراءۃ تبصیر و تعریف سے ہے اس لیے کہ اس لعین (فرعون) نے جب معجزہ دیکھا اور اسے پہچانا تو کہا یہ تو سحر (جادو) ہے۔

ف: دکھانے کی بات موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے ہے، ان کی جرأت کا اظہار ہے اور ان کی طرف منسوب کرنا بطور ظاہر کے ہے جیسے اس کی نسبت اپنی طرف نون عظمت سے ہے۔ چنانچہ فرمایا:

ولقد اریناہ اٰیاتنا (بے شک ہم نے اسے اپنی آیات دکھائیں) تو مبنی برحقیقت ہے۔

ف : آیۃ کبریٰ سے ڈنڈے کا سانپ مراد ہے اور آیۂ صغریٰ سے اس کے سوا دیگر معجزے مراد ہیں۔ وہ اس لیے کہ ڈنڈے کا سانپ بن جانا تمام معجزات سے پہلے دکھایا گیا، اسی لیے لائق ہے کہ اس سے یہی مراد ہے جیسا کہ فاء تعقیب کا تقاضا ہے۔

فَكَذَّبَ (اس پر اس نے جھٹلایا) فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو اور آپ کے معجزے کو جادو کہا معجزے کو دیکھ کر بلا سوچے سمجھے، اور عقل و ناصح اور قلب کی شہادت لیے بغیر کہہ دیا محض تکبر و تمرد کی بناء پر۔

وَعَصٰى (اور نافرمانی کی) اللہ تعالیٰ کی سرکشی سے بعد معلوم کرنے صحت امر و وجوب طاعت سخت اور قبیح ترین نافرمانی کو سرے سے رب العالمین کے وجود کے انکار پر جرأت کی۔ عطف سے معلوم ہوا کہ ارادۃ الکبریٰ پر وہ تکذیب مترتب ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ یعنی تکذیب لسانی باوجودیکہ اسے حق کا جزم (یقین) حاصل ہوا۔ وہ یہ کہ اسے یقین تھا کہ جس کی تصدیق واجب ہو اس کی تصدیق نہ کرنا تکذیب ہے اور یہی نافرمانی ہے ورنہ جس کی تصدیق واجب نہیں اس کی تکذیب نافرمانی نہیں۔

ف : یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ معنیٰ ہو کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی اس امر میں جس کا وہ مامور تھا لیکن اس کی مذمت اور تقبیح حال میں، پہلا معنیٰ زیادہ موزوں ہے اس لیے کہ وہ ملعون اور اس کی قوم اس کے مامور تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور وہ (فرعون) ربوبیت کا دعویٰ ترک کر دے نہ کہ صرف بنی اسرائیل کو قید و بند اور ان کو صعوبتوں کا چھوڑ دینا۔

تفسیر صوفیانہ

بعض اہلِ معرفت نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو صرف آیۃ دکھائی۔ اگر آپ اسے انوار الصفات فی الآیات دکھاتے تو نہ وہ (فرعون) کفر کرتا اور نہ ربوبیت کا دعویٰ کرتا کیونکہ وہ مقامِ محبت و عشق و اذعان ہے اس لیے کہ رؤیۃ الصفات تواضع کی مقتضی ہیں اور رؤیۃ الذات جنگ کی لیکن چونکہ اس کے ساتھ نور صفۃ کے شہود کا نصیب نہ تھا اسی لیے وہ ان کے رؤیۃ کے وقت حظِ محبت نہ پا سکا۔ اسی لیے اس سے انقیاد (فرمانبرداری) و اذعان (یقین) نہ ہو سکا اسی لیے اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فکذّب وعصٰی۔

تفسیر عالمانہ

ثُمَّ اَدْبَرَ (پھر پیٹھ دی) روگردانی کی طاعت سے۔ کلمہ ثمّ اس معنیٰ کا مقتضی ہے کیونکہ اس کا معنیٰ تراخی زمانی کے لیے ہے اور اس کی ابطال الامر میں سعی مہلت کی مقتضی ہے یا اس سے اس کا مجلس سے انصراف (پھرنا) مراد ہے۔

حلِ لغات : امام راغب نے فرمایا ادبر بمعنیٰ اعرض (رُوگردانی کی) وولّی دبرہ (اور اس

نے پیٹھ پھیری) ہے۔

یَسْعٰی (اپنی کوشش میں لگا) سرکشی وعناد سے نہ کہ اعتقاد سے، معارضۂ آیت میں کوشش کرنے لگا کہ ممکن ہے اس کا معارضہ ہو جائے۔ یہ باطل سے طفل تسلی ہے مجلس سے دفع وقتی کے طور۔ یہ ادبر کے فاعل سے حال ہے یعنی مسرعا مجتہدا (جلدی سے کوشش میں لگ گیا)

ف: کشاف میں ہے کہ جب فرعون نے اژدہا کو دیکھا تو مرعوب ہو کر جلدی سے بھاگا اور تیز تیز قدم اٹھانے لگا حضرت حسن رحمہ اللہ نے فرمایا کہ فرعون طیش بھرا آدمی تھا۔

فَحَشَرَ (تو لوگوں (جادوگروں) کو جمع کیا) جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا:

فارسل فرعون فی المدائن حاشرین۔ فرعون نے شہروں میں جمع کرنے والوں کو بھیجا۔

اور فرمایا:

فتولی فرعون فجمع کیدہ۔ تو فرعون نے پیٹھ پھیر کر اپنے مکر کو جمع کیا۔

یعنی وہ جو جس سے تدبیر مکر کی جائے یعنی جادوگروں کو اور ان کے آلات کو، اور یہ بھی جائز ہے کہ اس نے تمام لوگوں کو جمع کیا۔

فَنَادٰی (پھر پکارا) خود اسی جگہ پر جہاں اس کے ساتھ جمع ہوئے، یا منادی کے ذریعے پکارا

فَقَالَ (پھر کہا) اپنی حکومت وسلطنت کے بل بوتے پر بولا اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی (میں تمہارا سب سے اونچا رب ہوں) کہ میرے اوپر اور کوئی رب نہیں یعنی میں ان سب سے اونچا ہوں جو امورِ سلطنت کے والی ہیں اور اعلیٰ افعل التفضیل کا صیغہ بہ نسبت ان کے ہے جو اس کے ماتحت امراء وملوک تھے۔

ف: حضرت کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ اصنام جو میری صورت پر ہیں وہ تمام خدا (رب) ہیں لیکن میں سب سے برتر ہوں۔

نکتہ: اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:

انک انت الاعلیٰ (بے شک تو ہی (اے موسیٰ) اعلیٰ ہے)

کیونکہ تیرا فرعون کے جادوگروں پر غلبہ ہے تو گویا فرعون پر غلبہ ہے۔

ف: فرعون کا اس دعویٰ سے یہ ارادہ نہ تھا کہ وہ آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں اور انگوریوں کا خالق ہے کیونکہ اس کے فساد میں بدیہی امر ہے، اور جو اس میں شک کرے کہ ان کا خالق اللہ تعالیٰ نہیں تو وہ مجنون (پاگل) ہے۔ اگر فرعون پاگل ہوتا تو اس کی طرف رسول (علیہ السلام) نہ بھیجا جاتا بلکہ وہ ایک دہریہ (کمیونسٹ) صانع وحشر ونشر کا منکر تھا۔

فرعون کا دعویٰ

فرعون اپنی قوم سے کہتا تھا کہ عالم کا کوئی معبود نہیں کہ جس کا تم پر امر و نہی ہو یا وہ تمہارے پاس رسول بھیجے بلکہ تمہارا مربی و محسن صرف اور صرف میں ہوں میرے سوا اور کوئی نہیں ۔

ف : بعض نے کہا کہ جب فرعون نے دیکھا کہ ڈنڈا سانپ بن گیا ہے اور یہ اعلیٰ معجزہ ہے ، اس سے اسے اپنے عجز و ذلت کا یقین ہو گیا تو اسے لائق نہ تھا کہ انا ربکم الاعلیٰ کا دعویٰ کرتا ۔ ہاں اس وقت اس کا حال پاگلوں جیسا ہو گیا تھا ' اسے خود خبر نہ رہی کہ وہ کیا بک رہا ہے ۔

ابلیس کا دعویٰ

حضرت امام قشیری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ لطائف (کتاب) میں ہے کہ جب ابلیس نے فرعون کا دعویٰ سُنا تو کہا ، مجھے ایسے دعویٰ کی طاقت نہیں ، میں نے تو آدم (علیہ السلام) کو دیکھ کر صرف انا خیر منہ (میں اس سے بہتر ہوں) کہا تھا تو اتنی بڑی مصیبت میں گرفتار ہوں اور فرعون نے اتنا بڑا دعویٰ (انا ربکم الاعلیٰ) کیا ہے تو نہ معلوم اس پر کیا گزرے گی ۔

ف : بعض عارفین نے فرمایا کہ مخلوق (جملہ خلائق) میں اتنا بڑا دعویٰ کسی نے نہیں کیا جیسے انسان (فرعون وغیرہ) نے ربوبیت کا دعویٰ کیا (انا ربکم الاعلیٰ کہہ دیا) ابلیس جیسے بڑے خبیث نے بھی اس سے بیزاری ظاہر کی اور کہا میں ایسے دعوے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں کیونکہ میں اس مرتبہ کا ہرگز نہیں ۔ میرا ایک ہی گناہ کافی ہے ۔

ف : شیطان صرف جلال ہے اور ملک (فرشتہ) جمال محض ہے ۔ لیکن انسان دونوں ہاتھوں (جلال و جمال) سے پیدا شدہ ہے ۔

فرعون و منصور رحمہ اللہ کا فرق

حضرت شیخ رکن الدین علاءُ الدولہ سمنانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں ایک دفعہ میرا خیال ہوا کہ میں حضرت حسین منصور حلاج کی زیارت کروں ، مراقبہ کیا تو ان کی روح کو علیین کے عالی مقام میں پایا ، میں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی : یا الٰہ العٰلمین ! یہ کیا قصہ ہے کہ فرعون انا ربکم الاعلیٰ کہے اور منصور انا الحق کہے ، دعویٰ دونوں کا ایک ہے لیکن حسین (منصور) کی رُوح علیین میں اور فرعون کی روح سجین میں ، ایسا کیوں ہے ؟ جواب ملا کہ فرعون خود بینی سے مارا گیا ' دیکھا تو خود کو دیکھا اور مجھے اس نے بھلا دیا اور حسین (منصور) نے فقط مجھے دیکھا اور خود کو بھلا دیا ۔ ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے ؎

۱ گفت فرعونے انا الحق گشت پست
گفت منصورے انا الحق و برست

۲ آں انا را لعنت اللہ در عقب
و ایں انا را رحمت اللہ اے محب

۳ زانکہ او سیسہ سنگ بود اے عقیق
آں عدوے نور بود و ایں عشیق

۴ ایں انا ھُو بود در سرائے فضول
نہ از رائے اتحاد و از حلول

ترجمہ : (۱) فرعون نے انا الحق کہا تو ذلیل ہوا، منصور نے انا الحق کہا تو نجات پائی۔

(۲) فرعون کی انا سے لعنت اس کے گلے کا ہار بنی، منصور کو انا سے رحمتِ الٰہی نصیب ہوئی۔

(۳) اس لیے کہ فرعون پتھر تھا اور منصور عقیق، فرعون نور کا دشمن تھا منصور عاشق تھا۔

(۴) منصور کا انا ھو تھا سرائے فضول (دُنیا) میں اتحاد و حلول سے نہ تھا۔

سوال : کیا وجہ ہے کہ ابلیس نے ربوبیت کا بھی دعویٰ نہ کیا لیکن طوقِ لعنت پہنا، فرعون کے ربوبیت کے دعویٰ کے باوجود اسے ملعون نہیں کہا گیا (اگرچہ ملعون ہے) یعنی ابلیس کی طرح مخصوص اور معین کر کے لعنتی نہیں کہا گیا۔

جواب : (۱) ابلیس کی نیت فرعون کی نیت سے بد تر تھی۔

(۲) بعض نے کہا قولاً و فعلاً و قصداً سب سے پہلے مخالفت کی بنیاد ابلیس نے رکھی باقی مخلوق اس مخالفت میں اس کی تابع ہے۔ اور فرعون کا دعویٰ ربوبیت کا تھا۔ جو بھی بغاوت کرتا ہے ان سب کے دل میں وسوسہ ڈالنے والا ابلیس ہے اور مخالفتِ ربانی میں ان سب کا پیشرو اور مقتدا ہے۔

(۳) ابلیس خود براہِ راست اللہ تعالیٰ کا بالمقابل ہوا اور دوسرے لوگ انبیاء کے بالمقابل ہو کر بالواسطہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں اُترے۔

(۴) یہ لوگ کبھی اپنی غلطی پر زاری اور کبھی اپنے گناہوں کا مخلوق کے ہاں اعتراف کر لیتے ہیں بخلاف ابلیس کے کہ وہ اتنا ڈھیٹ ہے کہ اس نے کبھی اپنی غلطی کا اعتراف نہیں کیا، نہ کبھی اس نے عجز و نیاز اور زاری و انکساری کی۔

(۵) یہی کفر کی بنیاد رکھنے والا ہے تو اس کے بعد والوں کے گناہ بھی اس کے سر ہو رہے ہیں۔ تا قیامت جتنا فسق و فجور ہو گا پہلے اس کے کھاتے میں لکھا جائے گا۔

(۶) ابلیس بلاواسطہ ذاتی طور پر مظہرِ ضلالۃ و غوایۃ (گمراہی) ہے۔

فَاَخَذَهُ اللّٰهُ تو اللہ تعالیٰ نے اس سبب مذکور سے اسے پکڑا نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَ الْاُوْلٰى دنیا و آخرت کے عذاب میں۔

حلِ لغات

النکال بمعنی التنکیل جیسے السلام بمعنی التسلیم ۔ یعنی عذاب کرنا ۔ یعنی وہ جو اسے دیکھے یا سنے یا عمل میں لائے ، وہ جو اسے عذاب میں مبتلا کر دے ۔ یہ محلاً منصوب ہے اس لئے کہ یہ مصدر مؤکد ہے جیسے وَعْدَ اللّٰہِ اور صبغۃ اللّٰہ ۔ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

نکل اللہ بہ نکال الاٰخرۃ والاولی ۔ یعنی آخرت میں دوزخ میں جلانا اور دنیا میں دریا میں ڈبونا ۔

اور اخذ معنیٰ مجازی میں ہے جو دنیا و آخرت دونوں کی گرفت عام ہے ورنہ جمع بین الحقیقۃ والمجاز لازم آئیگا ' اس لیے دنیوی گرفت میں اس کا حقیقی معنی ہے اور آخرت کی گرفت میں مجازی ۔ یہ معنیٰ عام اس لیے کیا گیا کہ آخرت کا عذاب بھی وقوع میں متحقق ہے اور نکال کی دنیا و آخرت کی طرف اضافۃ میں باعتبار وقوع نفس الاخذ کے ہے ، نہ اس لیے کہ اس میں کہ منع کا معنی دونوں میں ہے بلکہ اس لیے کہ یہ آخرت میں تو اس کا تصور نہیں ہاں دنیا میں ہے اس لیے کہ اخرویہ عقوبت کو دیکھا نہیں لیکن سننے سے اس کے عذاب سے اس سے رُک جائے گا ۔

تفسیر صُوفیانہ

تاویلات قاشانیہ میں ہے کہ حق نے ردائے کبریائی میں ظہور انانیت کی شدت کے ساتھ منازعت فرمائی تو بالمقابل کو حق نے قہر و جبر سے ملعون کر کے دوزخ میں پھینکا اور اس کی توڑ پھوڑ کر دی اس قہر کا ذکر ہے فاخذہ اللہ الخ میں ۔

اور حضرت البقلی قدس سرہٗ نے فرمایا چونکہ فرعون اپنے دعوے میں صادق نہ تھا اسی لیے دنیا و آخرت میں رُسوا ہُوا ایسے ہی اس کا حشر ہوگا جو مقامات عالیہ کے دعاوی تو کرتا ہے لیکن ہے خالی ہاتھ ۔

حضرت بشر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کی زبان سے لمبے چوڑے دعاوی کروائے لیکن اسے حقائق سے خالی رکھا ۔

حضرت سرّی سقطی قدس سرہٗ نے فرمایا جو کسی اعلیٰ مرتبہ کے لباس میں خود کو دکھاتا ہے وہ لباس اس کا عذاب بنے گا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرعون کے قصہ میں بیان فرمایا کہ جب اس نے ربوبیت کا دعویٰ کیا تو اسے اللہ نے دنیا و آخرت کے عذاب میں پکڑا ، اللہ تعالیٰ نے اس کے ہر دعویٰ کو بلکہ خود اسے بھی جھوٹا کہا ۔

فرعون کے چار سو سال

الوسیط میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا : موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ اے اللہ تعالیٰ ! تُو نے فرعون کو چار سو سال کی مہلت دی اور وہ انا ربکم الاعلیٰ کا دعویٰ کرتا اور تیری آیات کو جُھٹلاتا اور تیرے رسولوں (علیہم السلام) کو مشقت میں ڈالتا جا رہا ہے ۔ تو اللہ تعالیٰ نے انھیں بذریعہ وحی فرمایا ، اے موسیٰ (علیہ السلام) ! وہ میری مخلوق کے ساتھ حسنِ خلق اور نرمی سے پیش آتا ہے اسی لیے دُنیا میں اُسے اس کا بدلہ دے رہا ہُوں ۔

ف : ہر کافر کی ہر نیکی کا یہی حال ہے ، بہر حال مؤمن کی نیکی کا ثواب آخرت میں بہت زیادہ ہوگا ۔

فرعون کافر مرا آیت دلالت کرتی ہے کہ فرعون کافر ہو کر مرا۔ فتوحاتِ مکیہ شریف میں ہے،
فرعون ونمرود مؤید ان فی النار (فرعون ونمرود ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے)[1]

ازالۂ وہم وہ اقوال جو اس تصریح کے برعکس شیخ اکبر قدس سرہٗ کی طرف منسوب ہیں وہ محض بطور مباحثہ مذکور ہیں بطورِ فیصلہ ونظریہ نہیں۔ مباحثہ ونظریہ (عقیدہ) اور تصریح اور ظنیات میں فرق ہے لیکن افسوس جاہل صوفیوں اور پاگل نجدیوں وہابیوں نے شیخ اکبر قدس سرہٗ کی تصریح سے آنکھ چرا کر مباحثات کی عبارات لے لیتے ہیں۔

سبق: (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ اس مقام پہ شیخ اکبر قدس سرہٗ کے حق میں ادب کا سبق دیکھتے ہوئے لکھتے ہیں:)

فصن لسانك من الاطالة فانها من	طوالت کرنے سے زبان کو روک، اس لیے کہ
اشد ضلالة۔ (روح البیان ج ۱۰ ص ۳۲۳)	یہ سخت ترین گمراہی ہے۔

(مولوی اشرف علی تھانوی نے امام شعرانی قدس سرہٗ کی تحقیق کی چوری کر کے ثابت کیا کہ شیخ اکبر قدس سرہٗ تمام اتہامات وبہتانات سے بری ہے مستقل تصنیف صرف اسی موضوع پر ہے بنام التنبیہ الطربی امام شعرانی قدس سرہٗ کی کتاب کا ایک باب ہے "الجواهر والیواقیت" میں۔ فقیر اویسی پ ۱۱ میں تفصیل لکھ آیا ہے اور علیحدہ تصنیف بھی لکھی ہے الورد الاعطر فی آراء الشیخ الاکبر)

صاحب روح البیان کی تحقیق دربارہ فرعون: فقیر (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ فرعون سے دو کلمے صادر ہوئے: (۱) انا ربکم الاعلیٰ (۲) ما علمت لکم من الٰہ غیری۔

ان دونوں کے درمیان کا فاصلہ بعض کے نزدیک چالیس سال ہے بظاہر فرعونی ربوبیت دعویٰ الوہیت پر محمول ہے اور اعلیٰ کی تفسیر میں کہنا کہ جتنا صاحبِ ولایت (حکومت اور بادشاہت) ہیں پر غالب اور بلند و بالا ہوں، اس کا کوئی فائدہ نہیں اس لیے حکومت کے دعوے سے دعویٰ الوہیت ثابت نہیں ہوتا جیسے دوسرے دہریے اور فرقہ معطلہ کے لوگوں کا حال ہے کہ الوہیت کے مدعی نہیں اگرچہ وہ اپنے دور کے رئیس اعظم تھے۔ (اس مقام میں گہرا غور وفکر کر)

---

[1] اس تصریح سے وہ جاہل صوفی عبرت حاصل کریں جو سیدنا محی الدین شیخ اکبر پہ بہتان لگاتے ہیں کہ ان کے نزدیک فرعون مومن ہے اور وہ بہشت میں جائیگا، اور نجدی وہابی بھی شیخ مکرم کو اس پر موردِ الزام ٹھہراتے ہیں اور طعن وتشنیع کرتے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ بیشک اس میں جو فرعون کا قصہ اور جو اس کے ساتھ ہوا مذکور ہوا لَعِبْرَةً لِّمَنْ یَّخْشٰی اس کے لیے عبرت ہے جو (اللہ سے) ڈرتا ہے۔ بڑی عبرت اور وعظ اس کے لیے کہ جس کی شان ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے یعنی جسے معرفت حق نصیب ہے کیونکہ عارف باللہ اور اس کی شئون کا عالم اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے سرکشی نہیں کرتا اور نہ ہی انبیائے کرام کا مقابلہ کرتا ہے کیونکہ نزول عذاب سے ڈرتا ہے اور عقلمند وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے ؎

۱ چو برگشتہ بختے در افتد بہ بند — از و نیک بختان بگیرند پند
۲ تو پیش از عقوبت در عفو کوب — کہ سودے ندارد فغان زیر چوب
۳ بر آر از گریبان غفلت سرت — کہ فردا نماند خجل در برت

ترجمہ: (۱) اگر کوئی بدبخت کسی گناہ کی قید میں پھنس گیا ہے اس سے نیک بخت لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

(۲) تو سزا سے پہلے ہی معافی کا دروازہ کھٹکا اس لیے کہ اس وقت زیادہ فائدہ نہ دے گی جب ڈنڈے سر پر برسے۔

(۳) گریبان غفلت سے سر باہر لا تاکہ کل ندامت سے تیرا سر سینہ میں نہ ہو۔

ف: بر بمعنی سینہ۔

تفسیر عالمانہ

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا (کیا تمہاری سمجھ کے مطابق تمہارا بنانا مشکل ہے) ۱۱ اہل مکہ کو خطاب ہے جو بعث (مرنے کے بعد جی اٹھنے) کے منکر تھے، وہ اپنے گمان پر اسے سخت سمجھتے تھے یہ استفہام بطور توبیخ و تبکیت کے ہے اس کے بعد اس کا ہونا قدرت الٰہی کے لیے آسان سے آسان تر ہے چنانچہ فرمایا: فانما ھی زجرة واحدة (بیشک وہ ایک ہی جھڑکی ہے)

شدّة یہاں بمعنی صعوبة (مشکل) ہے نہ کہ بمعنی صلابة۔ کیونکہ یہ معنی مقام کے مناسب نہیں۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ کیا تمہارے مرنے کے بعد تمہیں پیدا کرنا تمہارے اندازہ اور گمان پر زیادہ مشکل اور سخت ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے لیے دونوں برابر ہیں۔

اَمِ السَّمَآءُ (یا آسمان) پیدا کرنا بغیر مادہ کے اس کی عظمت و قوت ترکیب انطوار کے باوجود ایسے عجیب طریقوں سے عقول حیران ہیں یہ استفہام تقریری ہے تاکہ اقرار کریں کہ آسمان کا پیدا کرنا زیادہ سخت ہے پھر ان پر لازم ہو جائے کہ کوئی انہیں کہے کہ اے بے وقوفو! جو ذات سخت سے سخت مشکل سے مشکل پر قادر ہے

تو پھر وہ تمہارے میدانِ حشر میں لوٹانے اور اٹھانے پر کیوں قادر نہیں یہ تو (تمہارے اندازے کے مطابق) زیادہ آسان اور سہل تر ہے بطریقِ اعادہ کے تمہارا پیدا کرنا زیادہ اولیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہو تو پھر تم کیسے انکار کرتے ہو۔ انتم مبتدا اور اشد اس کی خبر ہے اور خلقاً تمیز ہے و السماء کا انتم پر عطف ہے اس کی خبر محذوف، اس لیے کہ اس پر انتم کی خبر دلالت کرتی ہے کہ دراصل ام السماء اشد خلقاً **بَنٰىهَا** (اسے بنایا) اللہ تعالیٰ نے، یہ جملہ مستانفہ ہے آسمان کی پیدائش کی کیفیت ہے جو ام السماء سے معلوم ہوتی ام السماء پر کلام مکمل ہوتی ہے اور بنٰھا سے نیا کلام شروع ہوتا ہے اور ام متصلہ ہے۔

ف: بناء سقف کی جگہ پر مستعمل ہے اس لیے کہ آسمان بلند چھت ہے اور بناء کا استعمال اسافل (نیچی چھت والوں) پر ہوتا ہے نہ کہ بلند چھت والوں کے لیے، لیکن یہاں اس لیے اعالی (بلند چھت والوں) پر اس لیے ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اگرچہ وہ چھت ہے لیکن وہ اختلال و انحلال (خلل پڑنے) سے دور ہے بناء (تیار شدہ مضبوط مکان) کی طرح ہے اس لیے کہ بناء (تیار شدہ مکان) بہ نسبت چھت کے اختلال سے بعید تر ہوتا ہے۔

رَفَعَ سَمْكَهَا (اس کی چھت اونچی کی) بناء کا بیان ہے یعنی اس کے ارتفاع کی مقدار زمین سے اونچی بنائی کہ یہاں سے اُوپر جانا دراز اور بلند ہے جس کی پانچسو سال کی مسافت ہے اور یہ قاعدہ ہے جس شے کو نیچے سے اُوپر اندازہ کیا جائے تو اس کا نام سمک ہے اور اوپر سے نیچے اندازہ کیا جائے تو اس کا نام عمق ہے۔

ف: بعض نے کہا کہ وہ نچلی سطح جو آسمان سے متصل ہے اور آسمان کی وُہ سطحِ اعلیٰ جو اس کے اوپر والے سے متصل ہے کا نام ارتفاع ہے گویا ارتفاع آسمان کی موٹائی کا نام ہے۔ اس کی مسافت بھی پانچسو سال ہے۔

فَسَوّٰىهَا (پھر اسے ٹھیک کیا) **وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا** (اور اس کی رات اندھیری کی)

حل لغات الغطش بمعنی ظلمت (تاریکی) امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کا اصل اغطش ہے وہ شخص جس کی آنکھ میں تھوڑی سی دُھند (تاریکی) ہو کہا جاتا ہے اغطشہ اللہ (اسے اللہ تعالیٰ نے تاریک کیا) و اغطش اللیل (رات تاریک ہوگئی) وہ لازم و متعدی ہے۔ یہاں پہلا معنی مراد ہے یعنی اسے اللہ تعالیٰ نے اندھیری رات بنایا اس کا نُور لے لیا۔

سوال: اللیل زمانۂ ظلمت کا نام ہے جو غروب الشمس سے حاصل ہوتا ہے، اور اغطش لیلھا کا معنیٰ ہے کہ کوئی مظلم (تاریک کرنے والا) اسے تاریک کرتا ہے، یہ تو قیاس سے بعید ہے۔

جواب: اس وقت غروب الشمس میں جو تاریکی رات کو حاصل ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر و تقدیر سے ہوتی ہے اب اشکال نہ رہا۔

وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا (اور اس کی روشنی چمکائی) اس سے دن کو نکالا، اسے ضُحٰی سے تعبیر کیا یعنی سورج کی روشنی اور ضحٰی کا وہی وقت ہے جس میں سورج چمکتا ہے اور اس کی تابانی مکمل ہوتی ہے کیونکہ یہ وقت نہایت پاکیزہ اور برگزیدہ ہے محل کو اسم اشرف نام سے جو اس میں حلول کرے اسی لیے یہ وقت ذکر و فکر کے زیادہ لائق ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے امتنان (منت و احسان) کا وقت ہے اسے اللیل کے ذکر کو مؤخر کرنے میں بھی یہی راز ہے۔

نکتہ: اسے احداث کی بجائے اخراج میں بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ تاریکی کے بعد روشنی چمکانا انعام میں اتم اور احسان میں اکمل ہے اور لیل و ضحٰی کی اضافت آسمان کی طرف محض اس کی حرکت اور اس کے حدوث دوران کی وجہ سے ہے۔ اور اضافت کے لیے معمولی ملابست کافی ہوتی ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ضُحٰی کی اضافت اس کی طرف شمس کے واسطہ سے ہو، یعنی سورج کی روشنی سے ظاہر کیا، یہاں مضاف محذوف ماننا پڑے گا اور اسے ضحٰی اس لیے کہا کہ یہی وقت سورج کی تابانی اور کمال اشراق (چمکنے) کا ہے۔

ف: امام زاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ دنیا کے شب و روز آسمان میں پیدا ہوتے ہیں اس لیے کہ سورج اور چاند اس میں ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

بعض عارفین نے فرمایا کہ اللیل (رات) نر ہے اور النہار (دن) مادہ، جب رات دن کو ڈھانپتی ہے تو دن حاملہ ہو کر نیچے جنتا ہے تو اس سے زمانہ کے ڈھانپنے سے کائنات ظاہر ہو جاتی ہے۔ بایں معنٰی تمام کائنات اولاد الزمان ہے۔ اور دن کا رات سے نکلنا ایسے ہے جیسے بی بی حوّا آدم (علیہ السلام) سے ظاہر ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وآیۃ لھم الیل نسلخ منہ النھار فاذاھم مظلمون۔	اور ان کی آیت رات ہے کہ ہم اس سے دن کھینچ لیتے ہیں تو اچانک وہ تاریکی میں ہوتے ہیں۔

اور فرمایا:

یولج الیل فی النھار و یولج النھار فی الیل۔	وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں۔

جیسے عیسٰی علیہ السلام بی بی مریم میں اور بی بی حوّا آدم (علیہ السلام) میں، جب ابناء النہار کو خطاب فرمایا تو کہا: یولج الیل، اور جب ابناء الیل کو خطاب فرمایا تو کہا: یولج النھار۔

بعض اہلِ حقائق نے فرمایا کہ رات کا دن میں اور دن کا رات میں آنے جانے سے اشارہ ہے بُرائیوں اور نیکیوں کے ایک دوسرے میں داخل ہونے میں کہ جیسے دنیا ہمیشہ رات میں نہیں رہتی اور نہ ہی ہمیشہ دن میں رہتی ہے۔ بلکہ دن اور رات ایک دوسرے کے پیچھے رہتے ہیں، ایسے ہی مومن نور ایمان و عمل صالح سے

خالی نہیں ہوتا اور نہ ہی عمل فاسد و فکر کاسد سے۔

خطابِ نبی بہ علی (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم و رضی اللہ عنہ) حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ اگر بُرائی ہو جائے تو متصلاً نیکی کر لیا کرو کیونکہ یوم قیامت میں اللہ تعالیٰ رات کو جہنم میں ڈالے گا اور دن کو جنت میں۔ اسی لیے بہشت میں رات نہ ہو گی جیسے (آج دنیا میں)، دن میں رات نہیں ہوتی ایسے ہی جہنم میں دن نہ ہو گا یعنی جنت میں دن ایمان اور عمل صالح کا نور ہے بحسب المراتب، اور جہنم میں رات کافر کا کفر اور بُرا عمل ہے تو جیسے کفر ایمان نہیں ہو سکتا ایسے ہی رات دن نہیں ہو سکتی، ایسے ہی نار نور نہیں ہوتا تو اہل نور اپنی صفت کے غلبہ سے نوری رہیں گے۔ اور قلب اور تجلیات کے مطابق یہ قالب کے حال کے برعکس ہے اس کے نہار معنوی پر لیل تعاقب نہیں کرتی اگرچہ بعض اوقات نورانیت اس پر چمک اُٹھتی ہے۔

تفسیر عالمانہ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا اور اس کے بعد زمین پھیلائی) یہاں بعد بمعنی قبل ہے جیسے اسی کے قول بعد الذکر بمعنی قبل الذکر ہے یعنی قبل القرآن (نازل ہوئی زبور) یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے بچھایا اس کے اہل کی سکونت کے لیے اور اس کے اطراف میں چلنے پھرنے کے لیے۔ بعض نے کہا کہ یہاں پر بعد اپنے معنی میں ہے یعنی تاخر کے معنی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو آسمان سے پہلے پیدا فرمایا لیکن بچھایا آسمان کے استواء کے بعد، جیسا کہ فرمایا:

ثم استوٰی الی السمآء فسوّٰهن سبع سمٰوٰت۔

پھر استواء فرمایا اپنی شان کے لائق پھر انھیں سات آسمان بنائے۔

پھر زمین بچھائی۔

ف: الارشاد میں ہے کہ الارض کا منصوب ہونا فعل مضمر سے ہے جو مقدم ہے وہ شریطۃ التفسیر کے قاعدہ پر محذوف ہے جس کی تفسیر دحٰہا کرتی ہے۔ اس میں اشارہ ہے اس طرف جو مذکور ہوا آسمانوں کی بنا اور ان کی بلندی کی رفعت اور تسویہ وغیرہ نہ کہ خود آسمانوں کی طرف اور اس کے بچھنے کی بعدیت سے مراد اس کے ذکر بعدیت ہے جیسا کہ لسانِ عرب و لسانِ عجم میں مروج ہے۔ اس لیے کہ اکثر کا اتفاق ہے کہ زمین اور اس کا مافیہا آسمان اور مافیہا کی تخلیق سے پہلے ہے اور تقدیم الارض قصر کا فائدہ نہیں دیتی اور نہ ہی اس سے تعیین البعدیہ فی الوجود ثابت ہوتا ہے جیسے ابھی ہم اس کا انتصاب علیٰ شریطۃ التفسیر میں بیان کر آئے ہیں، اور نہ ہی بعد کا بیان اس کا فائدہ دے گا۔

نکتہ: البتہ اس کے ذکر کی تاکید میں تنبیہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ میں مقصور ہے کہ احوال آسمان میں دلیل ہے کہ وہ بڑی قدرت کا مالک ہے یا اس میں آگاہی ہے کہ زمین کے ذکر کی تاخیر میں انسان پر

لازم کرنا ہے کہ وہ قدرت کا اقرار کرے کیونکہ اس کے منافع زیادہ تر اور کثر ما فی الارض سے متعلق ہیں بلکہ لوگوں کے مصالح اسی میں اظہر ہیں، اس کے تفصیلی احوال کا احاطہ کرنا اس کے لیے سمجھنے کا مکمل سامان ہے۔ اس کی مزید تحقیق اسی مضمون کے مطابق حم السجدہ میں گزری ہے۔

اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا (اس سے اس کا پانی نکالا) کہ اس سے چشمے بہائے اور نہریں جاری کیں **وَمَرْعٰهَا** اور اس کا چارہ۔

حلِ لغات: مرعٰی بمعنے رعی (بالکسر) چارہ۔ یہ دراصل چراگاہ کے معنٰی میں ہے از الرعی (بالفتح) پانی۔ اور مرعٰی (چراگاہ) زمین کی طرف منسوب ہوتا ہے اس لحاظ سے کہ یہ اس سے ظاہر ہوتے ہیں۔

سوال: حرفِ عاطف کیوں نہیں لایا گیا؟

جوابِ۱: یہ دحٰھا کا بیان و تفسیر ہے (بیان و تفسیر میں حرفِ عطف نہیں لایا جاتا)

جوابِ۲: دحٰھا کا تکملہ ہے اس لیے سکونت صرف بسط (بچھونا) اور تمہید (دراز کرنا) وغیرہ سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ امرِ معاش مآکل و مشارب (کھانے پینے کی اشیاء) برابر میسر نہ ہوں۔

وَالْجِبَالَ (پہاڑوں کو) فعل مضمر سے منصوب ہے جس کی تفسیر ہے **اَرْسٰهَا** (جمایا) انہیں ثابت کیا اور زمین کو دراز ہو جانے سے جمایا۔ یہ حق کی تحقیق و تنبیہ کے کہ زمین کا جمنا جو پہاڑوں کی طرف ہے اور قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آیا ہے کہ انھیں رواسی سے تعبیر کیا گیا ہے وہ پہاڑوں کا ذاتی تقاضا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے جمانے سے ہے اگر وہ نہ ہو تو وہ خود بھی جم نہیں سکتے چہ جائیکہ زمین کو جما سکیں **مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ** (تمہارے اور تمہارے جانوروں کے فائدے کے لئے) مفعول لہٗ بمعنی تمتیعا یعنی فائدہ دینا

حلِ لغات انعام، نعم (بفتحتین) کی جمع ہے یعنی چرنے والا مال یعنی چوپایہ۔ الصحاح (لغت) میں ہے کہ یہ لفظ اکثر اونٹوں کے لیے آتا ہے، لیکن یہاں مراد عام ہے اونٹ، گائیں بھیڑ بکریاں وغیرہ۔ یعنی یہ تمہارے چوپایوں کے نفع کے لیے کیا گیا ہے کیونکہ زمین بچھانا اور پانی اور چارہ کا نکالنا انھیں اور ان کے جانوروں کو پہنچتا ہے۔ اور مرعٰی سے عام ہے اسے انسان وغیرہ کھائیں مراعی (چرنا) سے استعارہ ہے علی الاطلاق ماکول (کھائی ہوئی شے کے تناول کی وجہ سے) جیسے مرسن کا استعارہ ناک کے لیے (مرسن بمعنی رسّی باندھنے کی جگہ) (المنجد) اسی لیے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پانی اور چارہ کا ذکر کر کے اسی طرف رہبری فرمائی ہے جو زمین سے نکلنے والی شے ہے اس سے تم فائدہ اٹھاؤ یہاں تک کہ نمک سے، کیونکہ وہ پانی سے ہے۔

ف: عتبی نے فرمایا کہ اخرج منها ماءها و مرعاها جوامع الکلم سے ہے کہ دو چیزوں کا ذکر ان تمام اشیاء کو حاوی ہے جو زمین کے لوگوں اور جانوروں کے کھانے اور چارے کے لیے خارج ہوتی ہیں جیسے سبز گھاس

اور درخت، دانے، ثمر، نمک، آگ۔ اس لیے آگ سبز درخت سے ہے اور نمک پانی سے ہے۔

نکتہ : اس استعارہ میں بعث کے منکرین مخاطبین اہلِ مکہ کو تنبیہ اور انہیں دنیا سے نفع اٹھانے اور آخرت سے غفلت برتنے میں جانوروں کے ساتھ تشبیہ فرمایا ہے۔

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى پھر جب آئے گی وہ عام مصیبت سب سے بڑی)

حلِ لغات : الصحاح (کتاب لغت) میں فرمایا کہ جو شے بکثرت ہو کر غلبہ پائے تو اس کے لیے کہا جاتا ہے: طمّ، عام ہو گئی۔ الکبریٰ، اکبر کی تانیث از کَبُرَ بمعنی عَظُمَ، کَبِر (بالکسر) سے نہیں بمعنی اسنّ (بوڑھا) ہو گیا۔

ربط : ان کے معاد (انجام آخرت) میں شروع ہیں بعد بیان ان کی معاش کے فاء ما بعد کے ماقبل پر ترتب پر دلالت کے لیے ہے کہ دنیوی معاش نہایت معمولی شے ہے جیسا کہ اس پر لفظ متاع دلالت کرتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب آیا وقت بڑی مصیبت دہشتناک کے طلوع کا جو تمام بڑی بڑی عام مصیبتوں سے بڑی اور غالب ہے اسے کبریٰ کی صفت سے موصوف کرنا تاکید کے لیے ہے اگر اس کی صرف مخلوق پر بڑی اور غالب ہونے کی تفسیر کی جائے تو یہ صفت مخصصہ ہو گی اس سے مراد قیامت کے خلاف ہو گی کہ جنہیں دیکھ کر ہر ہولناک شے بھول جائیگی اور نفخۂ ثانیہ سے ہی تمام مخلوق قبور سے نکل کر میدانِ حشر میں جمع ہو گی۔

ف : سورۃ النازعات میں طامّۃ کی اور سورہ عبس میں صاخہ کی تخصیص اس لیے ہے کہ طم عام مصیبت کا غلبہ، اگرچہ نفخۂ اولیٰ سے بوقتِ ہلاکت (فنا) ہو ہی جائیگا لیکن یہ صخّ یعنی اس سخت آواز سے پہلے ہو جائیگا جس کے لیے لوگ زندہ قبور سے اٹھیں گے اور اس کے لیے چیخیں گے جیسے آواز سخت سے نائم سے جاگ اٹھتا ہے۔ اس معنی پر اس سے نفخۂ ثانیہ مراد ہے۔ اس لیے پہلا (طامّہ) پہلی سورت نازعات میں دوسرا (صاخہ)، دوسری سورت (عبس) میں اگر اس سے نفخۂ ثانیہ مراد ہو تو دونوں کے لیے احسن موقعہ ہے اس لیے طم و ر د تتبعها الرادفة کے بعد ہے اور الصخ تو اس کے بعد ہے جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو آواز دینا (جھڑکنا) چھوڑ دیا تھا (واقعہ کی تفصیل سورۂ عبس میں آتی ہے)

يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى (اس دن آدمی یاد کرے گا جو کوشش کی تھی) یوم اعنی سے منصوب ہے الطامۃ الکبریٰ کی یاد دہانی کے لیے ہے ما موصولہ ہے سعی بمعنی عمل (عمل کیا ہے) ہے، یعنی انسان یاد کرے گا ہر وہ عمل جو اس نے دنیا میں کیا تھا نیکی یا برائی کر اسے صحیفۂ اعمال (عملنامہ) میں مرتب (تیار) دیکھے گا حالانکہ وہ اس سے زیادہ غفلت اور درازیِ زمانہ کی وجہ سے بھول گیا ہو گا جیسے اللہ تعالے نے فرمایا : احصاه الله ونسوه (اللہ تعالیٰ نے تیار کر رکھا ہے جو وہ بھول گئے ہیں)

وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ (اور جہنّم ظاہر کی جائے گی) اس کا عطف جاءت پر ہے یعنی پُورے طور پر کہ کسی سے مخفی نہ ہو ظاہر کی جائے گی بعد اس کے کہ پہلے اس کا صرف نام سنتے تھے اس سے مطلق نار مراد ہے جسے جہنّم کہا جاتا ہے نہ یہ کہ اس کے سات طبقات (درکات) میں سے ایک طبقہ (درکہ) **لِمَنْ يَّرٰى** (دیکھنے والے کے لئے) جو بھی ہو جیسا کہ لفظ مَنْ دلالت کرتا ہے کیونکہ عموم الفاظ سے ہے۔

ف: مروی ہے کہ اس سے جب پردے ہٹائے جائیں گے تو جوش مارے گی جسے ہر دیکھنے والا دیکھے گا مومن ہو یا کافر۔ و برزت الجحیم للغاوین (اور گمراہوں (کافروں) کے لیے دوزخ ظاہر کی جائے گی) سے اس کی نفی نہیں کہ اسے مومن نہیں دیکھیں گے کیونکہ خاص کی نفی سے عام کی نفی نہیں ہوتی (جیسے اصول کا قاعدہ ہے) غرضیکہ دوزخ کو کافر تو دیکھیں گے ہی مومن بھی دیکھیں گے جب پل صراط کو عبور کرینگے۔

اعجوبہ: بعض نے کہا کہ یہاں صرف کفار کا مراد ہے کیونکہ مومن پُوچھتے رہیں گے کہ دوزخ کہاں ہے جس سے ہمیں ڈرایا جا رہا تھا، فرمایا جائے گا جب تم نے پُل صراط کو عبور کیا تو وہ بجھی رہی۔

فَاَمَّا مَنْ طَغٰى (اور وہ جس نے سرکشی کی) فاذا جاءت الخ کا جواب ہے، آیت فاما یاتینکم منی ھدًی فمن تبع ھدای الخ کے طریق پر اہلِ عرب کہتے ہیں:

ان جئتنی فان قدرت احسنت الیك۔	اگر تم میرے پاس آئے اگر مجھے قدرت ہوئی تو تیرے ساتھ احسان کروں گا۔

اور کہا جاتا ہے:

اذا کانت الدعوۃ فاما من کان جاھلا فھناك مقامہ۔	جب دعوت ہوگی تو جاہل آئے گا تو اس کی یہ جگہ ہے اگر عالم آئے گا تو اس کی وہ جگہ ہے۔

اب مطلب یہ ہوا کہ بہرحال وہ جو سرکش اور متمرد از طاعۃ اور نافرمانی میں حد سے متجاوز ہے جیسے نضر اور اس کا باپ حارث جو طغیان و کفر کے غلو میں مشہور تھے۔

وَاٰثَرَ (اور اختیار کی) **الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا** (دنیوی زندگی) فانی جو ٹلنے والی ہے اور جس میں نفع اٹھا رہا ہے اس میں منہمک ہے اور ایمان و طاعت سے حیات اُخروی ابدی کے لیے تیاری نہیں کی۔

فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى (بے شک وہ جہنم (جس کا ذکر اوپر ہوا) اس کا ٹھکانا ہے) اس نار سے خارج نہ ہو گا جیسے مؤمن عاصی (گنہ گار) کو نکال لیا جائے گا کیونکہ یہاں کافر کی گفتگو ہو رہی ہے۔

ف: اس میں نصیحت اور خوب وعظ و پند ہے، اور لام اضافۃ کے قائم مقام ہے اور مضاف کا سب کو معلوم ہے یعنی ٹھکانے والا یعنی سرکش۔ جیسے کہا جاتا ہے: غض الطرف (مرد نے آنکھ بند کی) تو یہاں مرد کا معنی معلوم ہے کیونکہ آنکھ مرد ہی بند کرتا ہے، وہ اس لیے کہ جب خبر جملہ ہو تو اس میں ایک ضمیر کا ہونا ضروری ہے جو اس کا رابطہ بمبتدا سے کرے۔ اسی لیے لام کو عائد کے قائم مقام کھڑا کیا عدم التباس کی وجہ سے اسی لیے ایسے مقام پر رابطہ کی

ضرورت نہیں ہوتی۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ (اور وہ جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا) یعنی عام مصیبت سب سے بڑی کے دن جب انسان اپنے اعمال یاد کرے گا اپنے مالک کے سامنے کھڑے ہونے کے وقت، کیونکہ سب کے مبدأ و معاد کا علم ہے اس لیے کہ اس کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف حساب کے لیے ہوگا۔ اسی لیے اس کی حاضری سے پہلے اسے اس کا پورا علم ہو۔

ف: بعض تفاسیر میں ہے کہ مقام یا مصدر میمی ہے بمعنی القیام یا اسم مکان ہے بمعنی موضع القیام یعنی وہ جگہ جسے اللہ تعالیٰ نے بندوں کے حساب و جزا کے لیے متعین فرمایا ہے۔ بعض نے کہا مقام زائد تاکید کے لیے ہے

نکتہ: خوف کو طغیان کے بالمقابل لایا گیا ہے ورنہ ظاہر یہ ہے کہ انقیاد و طاعت اس کے بالمقابل ہیں اس میں اشارہ ہے کہ خوف ہی اطاعت کے اسباب میں سے پہلا سبب ہے پھر رجاء، پھر محبت، تو پہلا عوام کے لیے، دوسرا خواص کے لیے، تیسرا اخص الخواص کے لیے۔

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى (اور نفس کو وہ خواہش سے) اس کی جبلۃ بشریہ کے حکم کی طرف مائل ہونے سے متاع حیات دنیا اور اس کی زینت کا اعتبار نہ کیا اور نہ ہی اس کے نقش و نگار سے دھوکا کھایا اور نہ ہی اس کی زیب و زینت کو اچھا سمجھا کیونکہ اسے معلوم ہے کہ اس کا انجام برا ہے۔ اور الهوی نفس کا اس طرف مائل ہونا جو وہ چاہتا ہے اور اس سے لذت پاتا ہے بغیر اسباب شرع کے۔

حدیث شریف میں ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ان اخوف ما اتخوف علی امتی الهوی وطول الامل اما الهوٰی فیصد عن الحق واما طول الامل فینسی الآخرۃ۔

مجھے اپنی امت پر ہوی اور طول امل کا بہت زیادہ خوف ہے جس سے وہ آخرت کو بھلا دے گی۔

ف: بعض اکابر نے فرمایا کہ ہوی سے مراد وہ سات شہوات ہیں جن کا ذکر اس آیت میں ہے،

زین للناس حب الشهوات من النساء والبنین والقناطیر المقنطرة من الذهب والفضة والخیل المسومة والانعام والحرث۔

لوگوں کے لیے سنگاری گئی ہے شہوات کی محبت عورتوں اولاد اور ڈھیروں کے ڈھیر سونے اور چاندی کے اور گھوڑے نشان دار اور چوپائے اور کھیتیاں۔

انھیں صرف دو چیزوں میں درج فرمایا، چنانچہ فرمایا:

انما هذه الحیوٰة الدنیا لهو ولعب۔ بے شک یہ حیاتِ دنیا لہو ولعب ہے

پھر اسے صرف ایک شے میں درج فرمایا وہ ہے ہوٰی جو اسی آیت میں مذکور ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہوٰی جمیع شہوات کی جامع ہے، جو ہوٰی سے نجات پا گیا وُہ جمیع قیود و برازخ سے چھُوٹ گیا۔

انبیاء و صدّیقین کی شان

حضرت سہل رحمہ اللہ نے فرمایا: ہوٰی (خواہشِ نفسانی) سے کوئی نہیں بچ سکتا سوائے انبیاء اور بعض صدّیقین کے۔

نسخۂ روحانی

خواہشاتِ نفسانی سے بچنے کا بہترین نسخہ ادب ہے جو اس پر مداومت کرتا ہے وُہ خواہشاتِ نفسانی سے بچ جاتا ہے۔

ف: بعض نے فرمایا: انسان کی حقیقت ہی خواہشِ نفسانی ہے اس پر اور کوئی شے زائد نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا و نہی النفس عن الھوی۔ تو اس کا ناہی کون ہو سکتا ہے، اس میں تامّل کر۔

تفسیر صوفیانہ

فقیر (اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ انسان حقیقتِ الٰہیہ، حقیقتِ کونیہ، حقیقتِ ملکیہ اور حقیقتِ حیوانیہ کا برزخ ہے تو بحیثیت حقیقتِ الٰہیہ و ملکیہ کے نفس کو کونیہ و حیوانیہ سے روکتا ہے جیسے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے خود کو مخاطب ہو کر فرمایا السلام علیك ایھا النبی۔ تو جانب ملکیہ سے جانب بشریہ کی طرف یا مقام جمع سے مقام فرق کی طرف۔

تفسیر عالمانہ

فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی (بیشک جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے) نہ کہ اس کا غیر۔ نہی النفس عن الھوٰی کا معنٰی ہے اسے تمام خواہشات سے روکنا۔ اس معنی پر اس کی لام استغراق کی ہے ورنہ حصر کا کوئی معنی نہیں اس لیے مومن فاسق اگر دوزخ میں داخل ہوگا تو بہشت میں ضرور داخل ہوگا اسی لیے اس کے لیے حصر نہ ہوئی۔ ہاں یہ مطلب ہو کہ حصر کا معنٰی یہ ہے کہ جو داخل ہو جائیگا پھر اس سے نہ نکلے گا۔

ف: بعض تفاسیر میں ہے کہ جنّۃ سے مطلق دار الثواب مراد ہے۔ یہ "و لمن خاف مقام ربہ جنتان" کے خلاف نہیں اس لیے کہ اس کے لیے دُو جنتیں محض فضلِ الٰہی سے دار الثواب میں نصیب ہوں گی، ایک جنۃ النعیم جسمانی نعمتوں سے پُر اور دُوسری جنۃ التلذذ لذاتِ روحانیہ سے پُر۔

ف: فصول میں ہے کہ یہ آیت اُس شخص کے حق میں ہے جو گناہ کرنے کی قدرت رکھتا ہے اس کا ارادہ کر کے اس سے باز آ جائے، اللہ تعالیٰ کے خوف سے اس معصیت کا ارتکاب نہ کرے ؎

۱ گر نفسے نفس بفرمان تست — شبہ میاور کہ بہشت آں تست
۲ نفس کشد ہر نفسے سوئے پست — ہر کہ خلافش نفسے زبردست

ترجمہ: (۱) اگر ایک لمحہ بھی نفس تیرے حکم میں ہے اس میں شک نہ کر کہ یہی تیری بہشت ہے۔

(۲) نفس ہر آن تمہیں پستی کی طرف لے جانا چاہتا ہے جو اس کے خلاف کرے گا وہ نجات پا جائے گا۔

حکایت محمد بن الحسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں سو رہا تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی میں نے کہا دیکھو کون ہے؟ کہا گیا کہ ہارون الرشید خلیفہ کا قاصد۔ کہا خلیفہ آپ کو بلاتا ہے۔ میں گھبرا گیا کہ نہ معلوم کیا حکم شاہی ہے۔ میں قاصد کے ساتھ بادشاہ کے پاس گیا تو کہا کہ میں نے آپ کو ایک مسئلہ سمجھنے کے لیے تکلیف دی ہے، وہ یہ کہ میں نے امّ محمد یعنی زبیدہ کو کہا ہے کہ میں امام العدل ہوں اور امام العدل لازماً بہشت میں جائیگا، زبیدہ نے جواباً کہا ہے تو ظالم عاصی (گنہ گار) ہے اس لیے کہ تُو نے اپنے لیے از خود بہشت کی شہادت دی اس سے تُو نے اللہ تعالیٰ پر افتراء کیا ہے، لہذا تُو نے اپنے اوپر بہشت حرام کر ڈالی۔ میں نے کہا اے امیر المومنین! جب تُو نے کسی گناہ میں مبتلا ہو کر اس وقت یا بعد میں خوف کیا یا نہ۔ کہا بخدا! میں تو اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ ڈرتا رہتا ہوں۔ میں نے کہا تیرے لیے ایک نہیں دو جنتیں ہیں (ان شاء اللہ) کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ولمن خاف مقام ربہ جنتان۔ خلیفہ خوش ہو گیا اور کہا آپ تشریف لے جایئے۔ جب میں گھر پہنچا تو روپوں کی تھیلی مجھ سے پہلے پہنچ چکی تھی۔

حکایت عبد الملک بن مروان وقت کا بادشاہ تھا اور ابو حازم امام و زاہد تھے۔ عبد الملک نے آپ سے پوچھا کہ کل قیامت میں میرا اور آپ کا کیا ہوگا؟ حضرت ابو حازم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر تم قرآن پڑھتے تو تمہیں قرآن جواب دیتا، کہا کیسے؟ فرمایا قرآن کہتا ہے، فاما من طغٰی تا فان الجنۃ ھی الماوٰی۔

فائدہ صوفیانہ دنیا میں ہر نفس میں شہوت کی آگ ہے اور آخرت میں اس کے لیے عقوبت کی آگ ہو گی جو آج اپنی آگِ شہوت میں جلا کل قیامت میں عقوبت کی آگ میں جلے گا۔ جو آج اپنی شہوت کی آگ کو ریاضت و مجاہدہ سے ٹھنڈا کرتا ہے وہ آخرت کی آتشِ عقوبت سے بچ جائے گا۔ اسی طرح ہر مومن کے ل میں بہشت ہے جسے جنتِ عرفان کہا جاتا ہے اور آخرت کی بہشت کا نام رضوان ہے، جو آج دنیا میں عرفان کی جنت کو طاعت سے آراستہ کرتا ہے کل قیامت میں جنتِ عرفان میں پہنچ جائے گا۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا، فاما من طغٰی یعنی جو فطرتِ انسانیہ کے طور طریقہ سے بڑھا اور حدِ عدالت شریعت سے رتبۂ بہیمیہ یا سبعیہ تک پہنچا اور اپنے تجاوز میں زیادتی کر کے نیاتِ حسیہ کو محبت لذاتِ سفلیہ سے حقیقت پر ترجیح دی تو اس کا مرجع جحیم اور جہنم کا ٹھکانا ہے اور جو اپنے

رب تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا یعنی ترقی کر کے مقامِ قلب اور مشاہدۂ قبولیت الٰہی تک نفس کو پہنچا اور نفس کو خوفِ عقاب اور قہر کی وجہ سے خواہش سے روکا تو بحسبِ درجات اس کے لیے جنّت ٹھکانا ہے۔

ف : بعض نے کہا کہ آیت میں مبتدی (صوفی) کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ اس کے قصد الی اللہ کے وقت اسے رخصت و رفاہیت جائز نہیں ہوتی حجاب کے خوف سے جب وہ مقام تصفیہ و معرفۃ تک پہنچ جاتا ہے تو پھر اسے نفس کو خواہش سے روکنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس لیے کہ اس وقت اس کا نفس و جسم و شیطان روحانی ہو جاتے ہیں، سب کی ایک خواہش ہو جاتی ہے یعنی جو روح کی چاہت ہوتی ہے ان سب کی چاہت وہی ہوتی ہے بالخصوص نفس کی۔ اسی لیے یہ اس میں اہلِ فُہٰی و منتہٰی مع الرب ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے جس کے ساتھ رب تعالیٰ ہو اس کی شہوت لذتِ حقیقیہ مقبولہ سے تبدیل ہو جاتی ہے۔

تفسیر عالمانہ یَسْئَلُوْنَكَ (تم سے پوچھتے ہیں) اے محبوب محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) آپ سے پُوچھتے ہیں عَنِ السَّاعَةِ (قیامت کے بارے میں) اَیَّانَ مُرْسٰهَا (کہ وہ کب کے لیے ٹھہری ہوتی ہے) اس کا ٹھہرنا، قیام (قائم ہونا) ان کی مراد یہ تھی کہ اسے اللہ تعالیٰ کب قائم اور ثابت اور ظاہر کرے گا۔ ایّان ظرف ہے بمعنی متٰی (کب) دراصل آن وقت کو کہا جاتا ہے۔

حلِ لغات المرُسٰی مصدر میمی ہے بمعنی الارساء بمعنی للاثبات، اور وُہ مبتدا ایّان اس کی خبر بتقدیر المضاف ہے اس لئے زمانہ کے ساتھ حدث کی خبر نہیں دی جاتی دراصل متی وقت ارساتھا تھا۔

ف : مشرکین جب قیامت کی خبریں اور ان کے ہولناک اوصاف سُنتے، مثلاً کہا گیا کہ وہ طامہ کبریٰ اور صاخہ اور قارعہ ہے، تو بطریق استہزاء کہتے، ایان مرسٰہا کب ٹھہری ہوئی ہے وہ قیامت۔

فِیْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا (تمہیں اس کے بیان سے کیا تعلق) مشرکین کے سوال از قیامت سے انکار اور رد ہے۔

حلِ لغات فیم دراصل فیما تھا جیسے عم دراصل عما تھا اس کا بیان گزرا۔ الذکرٰی بمعنی الذکر جیسے البشرٰی بمعنے البشارۃ۔ یعنی تم کس خیال میں ہو کہ تم اس کا وقت بتاؤ اور انھیں اس کے متعلق بتا دو، یہاں تک کہ وہ آپ سے اس کے بیان کا سوال کرتے ہیں۔ یہ ایسے ہے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا:

یسئلونک کانک حفی عنہا (آپ سے سوال کرتے ہیں گویا اس کی تفتیش میں لگے ہوئے ہیں)

آپ اس کا وقت بتانے کے لیے نہیں آئے ہیں (بلکہ آپ توحید سکھانے کے لیے تشریف لائے ہیں) کیونکہ

یہ تو آپ کے علم کی ایک فرع (شاخ) ہے اور آپ کے لیے وہ کیا شے ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے مخفی رکھا ہے۔

ذکرٰیہا میں مضاف اور اس کا محذوف وہ ہے (وقت) اور استفہام انکاری ہے انت مبتدا اور فیم اس کی خبر اس پر مقدم ہے من ذکرٰیہا اس کے متعلق ہے جس کے متعلق خبر ہے۔

اِلٰی رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا (تمہارے رب ہی تک اس کی انتہا ہے) اس کے علم کی انتہا کسی کو معلوم نہیں تو پھر ان کے سوال کرنے کا کیا معنیٰ!

حدیث شریف سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے چاہا کہ قیامت کے متعلق اللہ تعالیٰ سے سوال کریں، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے حبیب! اس کے علم سے آپ کو کیا (یعنی اس سوال سے روک دیا، فرمایا: جب میں خود ہی اس کا علم عطا کروں گا تو پوچھنے کا کیا مطلب۔ تفصیل گزر چکی ہے۔ اویسی غفرلہٗ) اسی لیے اس کے پُوچھنے سے احتراز کیجئے کیونکہ اس کے علم کی انتہا تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ کسی کو اس کی خبر نہیں دیتا اس لیے کہ اس کی اطلاع و آگاہی خاصۂ خدا ہے (اس کا علم حضور علیہ السلام کو بعد میں عطا ہُوا جیسے اوپر گزرا۔ اویسی غفرلہٗ)

ف: حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تم اس کے علم میں کون سا فکر کرتے ہو یا اس کے ذکر میں خیال کرتے ہو اس کے علم کی انتہا تو اللہ تعالیٰ تک ہے کیونکہ جو علمِ قیامت کو جانتا ہے اس کا علم محو ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے علم میں پھر اس کی ذات اس کی ذات میں فنا ہو جاتی ہے تو پھر وہ قیامت کو کیا جانے کیونکہ اب نہ اس کی ذات نہ علم بلکہ وہاں تو اور تیرا علم کہاں، بلکہ اسے اللہ واحد ہی جانتا ہے۔

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا (تم تو فقط اسے ڈرانے والے ہو جو اس سے ڈرے) تمہارا کام ہے اس کی تعمیل جس کا تمہیں حکم ہے کہ بس اتنا کہہ دو کہ وہ قریب ہے اور یہ تفصیل کہ اس میں گوناگوں ہولناکیاں ہیں، باقی رہی تعیینِ وقت، وہ سپرد نہیں کی گئی کہ جس کی وجہ سے آپ سے اس کا سوال کریں جب یہ آپ کے وظائف میں شامل نہیں تو پھر وہ آپ سے سوال ہی کیوں کرتے ہیں، آپ کا تو وظیفہ ہے کہ آپ اسے ڈرائیں جو اسے نہیں جانتا۔ یہ قصر الصفۃ علی الموصوف کے قبیل سے ہے۔

سوال: تخصیص اس سے کہ جو ڈرے اُسے ڈراؤ، یہ کیوں؟ حالانکہ آپ تو عوام کے لیے مبعوث ہوئے ہیں کوئی ڈرے یا نہ۔

---

[1] اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اس کے علم سے بھی نوازا ہے۔ تفصیل کے لیے فقیر کی کتاب طلوع الشمس فی علوم الخمس ملاحظہ ہو۔ اویسی غفرلہٗ

جواب : کیونکہ ڈرنے والے ہی نفع حاصل کرتے ہیں اسی لیے ان کا نام لیا گیا اور سنانا صرف انہی کے لیے مؤثر ہوگا۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا : فذکر بالقراٰن من یخاف وعید (قرآن یاد دلاؤ اسے جو میری وعید سے ڈرتا ہے)

ف : جمہور کا خیال ہے کہ منذر من یخشاھا اضافۃ الصفۃ الی المعمول کے قبیل سے تخفیف علی الاصل کے لیے ہے اس لیے اصل اسما میں اضافت ہے ان میں عمل بوجہ شبہ بالفعل کے ہوتا ہے اور جس نے اسے تنوین سے پڑھا اس نے یہ اعتبار کیا کہ ان میں اصل عمل کرنا ہے ان میں اضافت صرف تخفیف کے لیے ہے۔

كَاَنَّهُمْ (گویا وہ) منکرین یعنی کفارِ مکہ **يَوْمَ يَرَوْنَهَا** (اس دن کہ قیامت کو دیکھیں گے) جس کے آنے کے متعلق پوچھ رہے ہیں **لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا** (دنیا میں نہ رہے تھے مگر ایک شام یا اس کے دن چڑھے۔ اَلضُّحٰی اشراق الشمس سے استوار تک کا نام ہے پھر یہی صبح تک عَشِیٌّ ہے (کشف الاسرار) جملہ اسم موصول سے حال ہے علی تقدیر الاضافۃ، ورنہ منذر کا مفعول ہے، گویا کہا گیا ہے کہ انہیں ڈراؤ درانحالیکہ وہ تشبیہ دیے ہوئے ہیں اس کے ساتھ جو انذار کے بعد اس میں نہیں ٹھہرا مگر مدتِ قلیل یعنی ایک دن کی شام کی چند ساعات یا صبح کی' نہ کہ کامل دن۔ تنوین مضاف الیہ کا عوض ہے جب مضاف محذوف ہوا تو اس کے ضحیٰ کو اسی کے عشی کی طرف مضاف کیا گیا، چونکہ ضحٰی اور عشی ایک ہی دن کے ہیں اسی لیے ان کے درمیان ملابست محقق اور ایک دوسرے کی طرف اضافت صحیح ہوگئی۔

سوال : الا عشیۃ اور ضُحٰی کیوں نہ فرمایا اضافۃ میں کون سا فائدہ ہے؟

جواب : اگر کہا جاتا لم یلبثوا الا عشیۃ او ضحیٰ، تو احتمال ہوتا کہ عشیۃ کسی دن کا اور ضحٰی کسی اور دن کا' پھر وہم پیدا ہوتا کہ وہ اول یوم میں ٹھہرے رہے دوسرے یوم کے آخری زمانہ تک، جب لم یلبثوا الا عشیۃ او ضحاھا کہا گیا تو وہ احتمال نہ رہا صرف یہی مطلب ہوا کہ وہ اسی دن کی صبح و شام کے چند لمحات۔

ف : الارشاد میں ہے کہ ان کا دنیا میں ٹھہرنا یا قبور میں قیام کا مقتضی نہیں' ہاں وہ اس کا مقتضی ہے کہ انذار کے یا وعید کے بعد ان کا آنا دیر ٹھہرنا تاکہ انذار کا محقق ہو اور ان کا رد ہو کہ وہ اسے دیر تک کا زمانہ سمجھتے تھے۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں فناً فی اللہ کی طرف اشارہ ہے کہ وہ وجدانی امر ہے اسے نہیں پہچانا جا سکتا وہی جانتا ہے جسے نصیب ہو اور وہ حضرات جنہیں یہ دولت نصیب ہے وہ اپنے نفوس غلیظہ کے ساتھ باقی ہوتے ہیں ایسے وہ زبان قال سے کیسے سمجھیں یا سمجھائیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے جو نہیں چکھتا وہ کیا جانے وہ کیا ہے۔ کانھم یوم یرونھا الخ کا مطلب یہ ہے کہ یہ سمجھیں گے کہ نہیں ٹھہرے مگر ایک شام یا اس کے دن چڑھے بوجہ آخر الفناء کے اتصال کے آخر بقاء سے۔

حضرت عارف عطار قدس سرہٗ نے فرمایا، ؎

گر بقا خواہی فنائے خود گزیں
اولیں چیزے کہ می زاید بقاست

ترجمہ، اگر بقاء چاہتا ہے تو فنا اختیار کر سب سے پہلی چیز جو بڑھتی ہے وہ بقاء ہے۔

فضائل نازعات

حدیث شریف میں ہے،

من قرأۃ سورۃ النازعات کان ممن حبسہ اللہ فی القبر والقیامۃ حتی یدخل الجنۃ قدر صلاۃ مکتوبۃ وھو عبارۃ من استقصار مدۃ اللبث فیما یلق من البشری والکرامۃ فی البرزخ والموقف۔ (حواشی ابن الشیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

جو سورۂ نازعات پڑھتا ہے اسے اللہ تعالیٰ قبر اور قیامت میں اتنی دیر ٹھہرائے گا جتنی دیر اس نے فرض نماز ادا کی یہاں تک کہ بہشت میں داخل ہو جائے اس سے تھوڑی مدت گزرنا مراد ہے اور ساتھ ہی خوشخبری اور پڑھنے والے کی کرامت کا بیان ہے کہ اسے برزخ اور موقف میں ایسی کرامت نصیب ہوگی۔

فراغت صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ

خالق البریات کی مدد سے پیر کے دن ۲ صفر الخیر سنہ ۱۱۱۷ھ کو سورہ نازعات کی تفسیر سے فراغت پائی۔

فراغتِ اویسی

فقیر اویسی غفرلہٗ نے سورہ نازعات کی تفسیر کے ترجمہ سے ۲۴ جمادی الثانی سنہ ۱۴۰۹ھ/ ۲ فروری ۱۹۸۹ء بروز جمعرات شام تین بجے فراغت پائی۔ الحمد للہ علی ذالک و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الکریم۔ بہاول پور

سُوْرَۃُ عَبَسَ مَکِّیَّۃٌ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اٰیَاتُہَا ۴۲ رُکُوْعُہَا ۱
سورہ عبس مکیہ ہے اس میں اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا بیالیس آیتیں اور ایک رکوع ہے

عَبَسَ وَتَوَلّٰۤی ① اَنْ جَآءَہُ الْاَعْمٰی ② وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّہٗ یَزَّکّٰۤی ③ اَوْ یَذَّکَّرُ
تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا اس پر کہ اس کے پاس وہ نابینا حاضر ہوا اور تمہیں کیا معلوم شاید وہ ستھرا ہو یا نصیحت لے تو اسے

فَتَنْفَعَہُ الذِّکْرٰی ④ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی ⑤ فَاَنْتَ لَہٗ تَصَدّٰی ⑥ وَمَا عَلَیْکَ اَلَّا
نصیحت فائدہ دے وہ جو بے پروا بنتا ہے تم اس کے تو پیچھے پڑتے ہو اور تمہارا کچھ زیاں نہیں اس

یَزَّکّٰی ⑦ وَاَمَّا مَنْ جَآءَکَ یَسْعٰی ⑧ وَہُوَ یَخْشٰی ⑨ فَاَنْتَ عَنْہُ تَلَہّٰی ⑩ کَلَّآ
میں کہ وہ ستھرا نہ ہو اور وہ جو تمہارے حضور ملکتا آیا اور وہ ڈر رہا ہے تو اسے چھوڑ کر اور طرف مشغول ہوتے ہو یوں نہیں یہ تو

اِنَّہَا تَذْکِرَۃٌ ⑪ فَمَنْ شَآءَ ذَکَرَہٗ ⑫ فِیْ صُحُفٍ مُّکَرَّمَۃٍ ⑬ مَّرْفُوْعَۃٍ مُّطَہَّرَۃٍۭ ⑭
سمجھانا ہے تو جو چاہے اسے یاد کرے ان صحیفوں میں کہ عزت والے ہیں بلندی والے پاکی والے

بِاَیْدِیْ سَفَرَۃٍ ⑮ کِرَامٍۭ بَرَرَۃٍ ⑯ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَاۤ اَکْفَرَہٗ ⑰ مِنْ اَیِّ شَیْءٍ
ایسوں کے ہاتھ لکھے ہوئے جو کرم والے نکوئی والے آدمی مارا جائیو کیا ناشکر ہے اسے کاہے سے بنایا

خَلَقَہٗ ⑱ مِنْ نُّطْفَۃٍ ؕ خَلَقَہٗ فَقَدَّرَہٗ ⑲ ثُمَّ السَّبِیْلَ یَسَّرَہٗ ⑳ ثُمَّ اَمَاتَہٗ فَاَقْبَرَہٗ ㉑
پانی کی بوند سے اسے پیدا فرمایا پھر اسے طرح طرح کے اندازوں پر رکھا پھر اسے راستہ آسان کیا پھر اسے موت دی پھر قبر میں رکھوایا

ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَہٗ ㉒ کَلَّا لَمَّا یَقْضِ مَاۤ اَمَرَہٗ ㉓ فَلْیَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰی طَعَامِہٖۤ ㉔
پھر جب چاہا اسے باہر نکالا کوئی نہیں اس نے اب تک پورا نہ کیا جو اسے حکم ہوا تھا تو آدمی کو چاہیے اپنے کھانوں کو دیکھے کہ

اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ㉕ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ㉖ فَاَنْۢبَتْنَا فِیْہَا حَبًّا ㉗
ہم نے اچھی طرح پانی ڈالا پھر زمین کو خوب چیرا تو اس میں اُگایا اناج

وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ㉘ وَّزَیْتُوْنًا وَّنَخْلًا ㉙ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ㉚ وَّفَاکِہَۃً وَّاَبًّا ㉛ مَّتَاعًا
اور انگور اور چارہ اور زیتون اور کھجور اور گھنے باغیچے اور میوے اور دوب تمہارے

لَّکُمْ وَلِاَنْعَامِکُمْ ㉜ فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّۃُ ㉝ یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْہِ ㉞
فائدے کو اور تمہارے چوپایوں کے پھر جب آئے گی وہ کان پھاڑنے والی چنگھاڑ اس دن آدمی بھاگے گا اپنے بھائی

وَاُمِّہٖ وَاَبِیْہِ ㉟ وَصَاحِبَتِہٖ وَبَنِیْہِ ㊱ لِکُلِّ امْرِیٴٍ مِّنْہُمْ یَوْمَئِذٍ شَاْنٌ
اور ماں اور باپ اور جورو اور بیٹوں سے ان میں سے ہر ایک کو اس دن ایک فکر ہے کہ وہی اسے بس

يُغْنِيهِ ﴿٣٧﴾ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿٣٨﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿٣٩﴾ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ
ہے کتنے منہ اس دن روشن ہوں گے ہنستے خوشیاں مناتے اور کتنے مونہوں پر اس دن
عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿٤٠﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿٤١﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿٤٢﴾
گرد پڑی ہوگی ان پر سیاہی چڑھ رہی ہے یہ وہی ہیں کافر بدکار

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا

تفسیر عالمانہ

عَبَسَ (تیوری چڑھائی) دوسرے باب سے ہے۔

حلِ لغات: العبس والعبوس ترشرو ہونا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تیوری چڑھائی۔

وَتَوَلّٰی (اور منہ پھیرا) اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی (اس پر کہ اس کے پاس نابینا آیا) ضمیر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف راجع ہے، اور یہ آپ کے منہ پھیرنے کی علت ہے یہ بصریوں کی رائے ہے کیونکہ یہ آپ کے زیادہ قریب ہے۔ یعنی آپ نے منہ پھیرا اس لیے کہ آپ کے پاس نابینا آیا۔

تعارف ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا سے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دوسرے مؤذن تھے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

ان بلالا یؤذن بلیل فکلوا واشربوا حتی یؤذن ابن ام مکتوم۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ رات کو اذان دیں تو کھاؤ پیو یہاں تک کہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اذان دیں۔

آپ اولین مہاجرین سے ہیں آپ کو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں دو بار نماز کا خلیفہ بنایا جب آپ جنگ کے لیے تشریف لے جاتے۔ بعض نے تین بار کا بھی کہا ہے، آپ کا مدینہ میں وصال ہوا۔

بعض نے کہا آپ (جنگ) قادسیہ میں شہید ہوئے۔ قادسیہ ایک گاؤں کوفہ کے فوق میں ہے۔ حضرتؓ انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو قادسیہ کی جنگ میں دیکھا کہ آپ نے زِرہ پہنی ہوئی تھی اور آپ کے پاس سیاہ جھنڈا تھا۔

مروی ہے کہ جس دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فتح ہوئی اس روز کو یوم القادسیہ کہا جاتا ہے۔ آپ نے عجم پر اسی جگہ فتح پائی اور اس میں بہت مالِ غنیمت حاصل ہوا۔

حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے نام میں اختلاف ہے، بعض نے کہا عبداللہ بن شریح بن مالک بن ربیعہ فہری بنو عامر ابن لوئی سے۔ بعض نے کہا عمرو بن قیس بن زائدہ بن الاصم بنو عامر بن ہلال سے۔

آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ماموں زاد ہیں۔ ام مکتوم آپ کی دادی کا نام ہے۔ (کشاف) حضرت سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا (اور یہ ان کا وہم ہے) اور یہ ابن عبد البر وغیرہ نے صراحۃً لکھ دیا کہ ام مکتوم آپ کی ماں کا نام ہے اس کا اصلی نام عاتکہ بنت عامر بن مخزوم ہے۔

شانِ نزول

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفارِ مکہ کے بڑے بڑے لیڈروں شیبہ کے بھائی عتبہ بن ربیعہ، ابو جہل بن ہشام، عباس بن عبد المطلب، اُبَیّ بن خلف اور اُمیہ بن خلف، ولید بن مغیرہ کو دعوتِ اسلام دے رہے تھے اس اُمید پر کہ یہ اسلام قبول کرلیں کیونکہ عوام کی عادت ہے کہ ان کے بڑے مان جائیں تو چھوٹے بھی مان جاتے ہیں۔ جیسے مشہور ہے: الناس علی دین ملوکہم (عوام اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں)۔ اس دوران میں عبداللہ ابنِ اُم مکتوم نابینا حاضر ہوئے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بار بار ندا کرکے عرض کیا کہ جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھایا ہے مجھے بھی تعلیم فرمائیے۔ ابنِ مکتوم نے یہ نہ سمجھا کہ حضور دوسروں سے گفتگو فرما رہے ہیں۔ صرف کوئی بات سننے سے لازم نہیں آتا کہ آپ مشغول ہیں کیونکہ اس کا دیکھنا بھی ضروری ہے علاوہ ازیں حضور گفتگو بھی آہستہ آہستہ کر رہے تھے ابنِ ام مکتوم درمیان میں بولنا شروع ہو گئے، یہ معلوم نہ تھا کہ اس سے قطع کلام ہوگا۔ یہ بات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر گراں گزری اور آثارِ ناگواری چہرۂ اقدس پر نمایاں ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی دولت سرائے اقدس کی طرف واپس ہوئے۔ اس سے ابن ام مکتوم محزون و ملول ہوئے، اس خیال سے گھر چلے گئے کہ مبادا اللہ تعالیٰ مجھ پر ناراض ہو جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرفداری میں آیات نازل فرما دیں۔

نکتہ: نابینا فرمانے میں عبداللہ بن ام مکتوم کی معذوری کی طرف اشارہ ہے کہ قطع کلام ان سے اسی وجہ سے واقع ہو۔

ف : آیت کے نزول کے بعد سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبداللہ بن ام مکتوم کا اکرام فرماتے تھے۔

امام زاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آیت ہذا کے نزول کے بعد سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بُلایا اور اپنی چادر مبارک بچھا کر اس کے اُوپر بٹھایا۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آپ کی تکریم کرتے تھے۔ جب آپ ابن ام مکتوم کو دیکھتے تو فرماتے: مرحبا بمن عاتبني فيه ربي (مرحبا یہ وہ ہیں جن کی وجہ سے مجھے اللہ تعالیٰ نے (محبوبانہ) عتاب فرمایا) یعنی بغایۃ المحبۃ۔ (میں نے اسے محبوبانہ عتاب سے تعبیر کیا ہے۔ اویسی غفرلہٗ) اور فرماتے: هل لك من حاجة (کوئی حاجت ہو تو بتاؤ)

ف : کہا جاتا ہے کہ آپ عمر بھر اتنے مغموم نہ ہوئے جتنا اس سورۃ عبس کے نزول سے ہوئے کیونکہ اس میں عتاب محبوبانہ ہے اس لیے کہ شانِ محبوبی کے خلاف گفتگو فرمائی اور ساتھ ہی خطاب کو چھوڑ کر صیغۂ خطاب سے گفتگو فرمائی۔ یہ عتاب بظاہر معمولی ہے (لیکن محبوبوں کے لیے بہت زیادہ) بلکہ دیکھا جائے تو یہ اہلِ ایمان کے لیے ایک عقدہ کا حل ہے اور اس میں متقین کو تنبیہ ہے۔

گستاخ و منافق امام مسجد کی حضرت عمر رضی اللہ نے گردن اڑا دی

اس ظاہری عتاب کی کیفیت کی وجہ سے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک منافق امام مسجد کی گردن اڑا دی جب آپ کو معلوم ہوا کہ وہ اپنی امامت کی قرأت میں صرف سورۃ عبس ہی پڑھتا ہے۔ صرف اس بات پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس امام مسجد کے کفر پر استدلال[1] کیا اور اس کی قوم کے سامنے اس کی اوقات واضح کر دی کہ یہ ہے رسول کے گستاخ کا انجام۔

ف : حضرت ابن زید نے فرمایا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وحی کی کوئی شے چھپاتے تو یہی واقعہ چھپانے کا تھا لیکن چھپایا نہیں اور نہ ہی آپ کا یہ منصب تھا ایسے ہی چھپاتے تو آیت تحریم (لم تحرم ما احل الله لك ۔ پ ۲۸) چھپاتے، اور چھپانا ہوتا تو امسك عليك زوجك والله احق ان تخشاه (پ ۲) چھپاتے۔

---

[1] اس سے اندازہ کرنا مشکل نہ ہوگا کہ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت بڑی دولت ہے۔ جتنا عشق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نصیب ہوا باقی عشاقِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان حضرات کے ریزہ خوار ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عشق کے تفصیل واقعات فقیر کی کتاب 'الاصابہ' کے باب عشق الصحابہ میں ملاحظہ ہوں۔ اویسی غفرلہٗ

ازالۂ وہم حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ فعل ترک اولیٰ کے قبیل سے ہے اسی لیے اسے گناہ کہنا بدقسمتی کی دلیل ہے کیونکہ آپ کا اس وقت کا اجتہاد طلب الاولیٰ (اسلام صنادید قریش) کے لیے تھا۔

سوال، حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اعمیٰ (نابینا) سے یاد کرنا ان کی تحقیر ہے۔

جواب، (۱) یہ عنوان تحقیر کی علامت ہے ان کی تعظیم کی عتابِ محبوبانہ کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ان سے تیوری چڑھانے سے روکا۔

(۲) یہ عنوان حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے اقدامِ بیجا سے معذرت کا رنگ بھی ہے کہ اگرچہ اس نے محبوب علیہ السلام کی گفتگو میں مداخلت کی کہ آپ صنادید قریش سے گفتگو فرما رہے تھے۔

(۳) یہ عنوان ان پر نرمی کے استحقاق کے لیے ہے کہ وہ اس معذوری کی وجہ سے سختی کی بجائے نرمی کے مستحق ہیں۔

(۴) یہ آپ کے زیادۃ انکار کی دلیل کا اظہار ہے جو مقام کے اقتضاء معلوم ہوتی کہ محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اس نابینا سے رُوگردانی کرنا نامناسب ہے کیونکہ یہ آپ کے خلقِ کریم کے خلاف ہے۔

وَمَا يُدْرِيكَ (اور تمہیں کیا معلوم) یہ التفات بھی اسی لیے ہے کہ اسی عتاب کی تشدید کے لیے ہے کیونکہ عتاب مشافہہ آیا وہ دخیل ہے عام عادت میں کہ عتاب کرتے ہوئے پہلے لوگوں (عوام) کو مخاطب کیا جاتا ہے پھر جس کو عتاب کرنا ہے اس سے بالمشافہہ گفتگو کی جاتی ہے بلا تمثیل یہاں بھی ہے اب معنیٰ یہ ہوا ک
اے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! آپ کو اس کے متعلق کس نے بتایا ہے آپ نے اس کے باطن کو کس طر
معلوم کر لیا کہ اس سے (ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ سے) منہ پھیرا۔ یہاں کلام ختم ہوا اسی لیے یہاں وقف کیا جاتا ہے اس کے مابعد مفعول نہیں بلکہ جملہ مستانفہ ہے۔

ف: امام سہیلی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: غور کیجئے کہ کلام میں کس طرح نزاکت ہے کہ پہلے صیغۂ غائب ہے عب
وتولّٰی ورنہ کہا جاتا عبست وتولیت، یہ کلام اس طرح ہے جیسے ایسے غائب سے گفتگو ہو جس سے روگردا
کی گئی ہو پھر بطور عتاب بالمشافہہ گفتگو ہو، چنانچہ فرمایا وما یدریک (اور تمہیں کیا معلوم) کیونکہ اللہ تعالیٰ
علم تھا کہ محبوب علیہ السلام کی یہ بے توجہی صرف رغبت فی الخیر کے ارادہ پر تھی اور آپ چاہتے تھے کہ شا
بڑے مشرک مسلمان ہو جائیں یعنی ولید یا امیہ وغیرہ۔ ان جیسے مشرکوں کے مسلمان ہونے پر اور بھی بکثرت لوگ
مسلمان ہو جاتے پہلے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے معرض وعاتب (عتاب کر
والے) کی طرح کلام کیا، پھر خطاب کے صیغہ سے گفتگو کی تاکہ محبوب (علیہ السلام) کو ایحاش (وحش

دلانے) کے بعد تانیس (اُنس دلانا) ہو۔

سوال: ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ مسلمان ہو چکے تھے اور بقدرِ ضرورت مسائل و احکام سے بھی واقف تھے اور کافر ابھی اسلام نہیں لائے تھے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو کفار کی بہت بڑی جماعت کے اسلام قبول کر لینے کی امید تھی، حضرت ابن ام مکتوم (رضی اللہ عنہ) کا مداخلت فی الکلام کرنا بہت بڑی خیر و بھلائی کے انقطاع کا موجب تھا اور یہ بظاہر حرام ہے کفار کا اسلام لے آنا اہم امر تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو کچھ ابن ام مکتوم نے کیا وہ بظاہر گناہ و معصیت تھا اور جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا وہ واجب اور ضروری تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کیوں عتاب کیا (اگرچہ وہ عتاب محبوبانہ تھا)۔

جواب: بظاہر تو معاملہ یوں ہی ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فعل اغنیاء کو فقراء پر مقدم کرنے کا وہم ہوتا ہے اور ان سے لاپروائی سے ان کے قلوب کو ٹھیس پہنچنے کا اندیشہ ہے اور یہ منصبِ نبوت کے لائق نہیں، کیونکہ اس سے ترکِ افضل لازم آتا ہے جس کی تفصیل پہلے گزری ہے اسی لیے عتاب فرمایا۔

لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰى شاید وہ نابینا (ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ) پاک ہو (بتشدید ین) دراصل یتزکّی تھا بمعنی یتطہر پاک اس سے جو آپ سے انوار حاصل کرتا ہے گناہوں کی آلائشوں سے۔

سوال: لعلّ میں تو شک کا احتمال ہے یہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں کیوں؟

جواب: تحقق التزکی کے لیے تحقق کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ عظمت و کبریائی والوں کی عادت ہے کہ ایسے الفاظ بول کر یقینی امر کی طرف اشارہ کرتے ہیں، یا یہ لعلّ کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے ہے کہ آپ اس کے پاک ہونے کی امید رکھیں اس میں تنبیہ ہے کہ نابینا (ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ) سے اعراض کر کے ایسے لوگوں سے تزکّی کی امید رکھنا جس سے تزکّی کا یقین ہے یہ ایسے ہے جیسے کہا جاتا ہے:

لعلك ستندم على ما فعلت (امید ہے کہ تم عنقریب اپنے فعل سے ندامت اٹھاؤ گے)

یعنی یقیناً ندامت ہوگی)

أَوْ يَذَّكَّرُ (یا نصیحت پائے) (بتشدید ین) کہ دراصل یتذکر تھا از التذکر بمعنی الاتعاظ یعنی نصیحت حاصل کرنا **فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى** (تو اسے نصیحت نفع دیتی) یعنی تمہاری نصیحت اسے فائدہ دیتی اگرچہ وہ تزکّی کے درجے تک نہ بھی پہنچتا۔

ف: کشاف میں ہے معنی یہ ہے کہ تم نہیں جانتے کہ جس سے تزکی و تذکر کی امید ہے اور اگر تمہیں معلوم ہوتا جو تم سے زیادتی ہوئی ہے الخ اسی طرف اشارہ ہے قول یزکی میں یعنی گناہوں سے پاک اور صاف ہونے کی طرف اشارہ ہے اور اویذکر میں تحلیہ کی طرف بعض طاعات سے اسی لیے ان کے درمیان کلمہ تردیدیہ ہے،

او یذکر کا عطف یزکّی پر ہے۔

ف : اس میں اشارہ ہے کہ جو کافروں کے تزکیہ کے درپے ہوتا ہے قرآن سے کسی قسم کی تذکیہ و تذکر حاصل نہ ہوگا اور اس میں تنبیہ ہے کہ علم کے لیے لائق ہے کہ متعلم کی تعلیم سے تزکیہ مطلوب ہو اس کے جسم اور صورت کو نہ دیکھے جیسے عوام کا نظریہ ہے کہ متعلم کو بھی لازم ہے کہ وہ بھی اہل تعلیم کے حصول میں ضلالت کی پلیدیوں سے پاک اور قلب کی تطہیر از ادناس جہالت جہالت کا ارادہ ہو نہ کہ دنیا کے بیکار امور۔

اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى (اور وہ جو بے پروا بنتا ہے) امّا تفصیلیہ ہے یعنی وہ جو ایمان سے بے پروا ہے اور اس سے جو تمہارے پاس علوم و معارف ہیں سب کو قرآن مجید حاوی ہے۔

فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى (تم اس کے تو پیچھے پڑتے ہو) اس میں ایک تاء محذوف ہے تخفیفاً کہ دراصل تتصدّی تھا یعنی درپے ہو اس کی طرف متوجہ ہونے کو اور اس کی رہبری اور اصلاح کرنے کا اہتمام کرتے ہو اور نابینا سے اعراض اور بے پروائی۔

ف : اس میں کفار سے مزید نفرت دلانا ہے اور ان کی سنگت اس لیے کہ جس سے رُوگردانی کرنی ہے اس کی طرف متوجہ ہونا اچھے لوگوں کا کام نہیں۔

حلِ لغات التصدّی بمعنی کسی شے کے پیچھے لگنا اس کے ساتھ مقید ہونا اور اس کے لیے اہتمام کرنا اس کی نقیض التشاغل عنہ ہے اس سے رُوگردانی کرنا۔

المفردات میں ہے التصدی یعنی شے کے بالمقابل ہونا صدائے بازگشت کی طرح صدی بمعنی پہاڑ کی بازگشت۔

کشف الاسرار میں ہے حرص کر کے شے کے ایسے پیچھے لگنا جیسے پیاسا پانی کے پیچھے لگتا ہے۔

بعض نے کہا تصدّی دراصل تصدّد ہے از الصدد بمعنی وہ شے جو تیرے سامنے ہو اور چہرہ کے برابر آگے ہو۔ ایک دال کو حرکت کے موافق الف کے ساتھ تبدیل کیا گیا۔

وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى (اور تمہارا اس میں زیاں نہیں کہ وہ سُتھرا نہ ہو) تم پر کوئی گناہ اور زیاں نہیں اس میں کہ وُہ پاک اور ستھرا نہ ہو وہ جو اسلام سے بے پروا ہے یہاں تک کہ تم اس کے لیے اہتمام کرو اور اعراض کرو جو مسلمان ہے تمہارے ذمہ تو صرف پیغام پہنچانا ہے پھر اس کے لیے تمہارا اہتمام کیسا؛ جیسے اسلام کی قابلیت نہیں کیونکہ وہ تو حبِ دنیا کے لیے ہی پیدا ہوا ہے اور آخرت سے روگردانی پر اس کی پیدائش ہوئی ہے۔

ف : اس میں اس کی اہانت ہے جو اسلام سے رُوگردانی کرتا ہے۔ ما نافیہ ہے اور کلمہ فی المقدار ہے

ما کے اسم سے متعلق ہے اور وہ بھی محذوف ہے اور جملہ تصدی کی ضمیر سے حال ہے جو جہت انکار کا مقرر ہے۔

وَ اَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى (اور وہ جو تمہارے حضور بلکتا آیا) درانحالیکہ وہ دوڑتا اور الب ہے اس کا جو تمہارے پاس رشد و ہدایت اور نیک خصلتیں ہیں وَهُوَ يَخْشٰى درانحالیکہ وہ ڈرتا ہے ہ تعالیٰ سے یا کفار سے اور ان کے آنے پر آپ کو اذیت پہنچانے سے۔

ف : حضرت سعدی المفتی نے فرمایا کہ یہ عبارت از قبیل احتباک ہے کہ غنا کا ذکر فقر پر دلالت کرنے ے لیے اولاً و ثانیاً اور جاء، اور یخشیٰ کا ان کی نقیضین کے لیے ثانیاً و اولاً۔

فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى (تو اسے چھوڑ کر اور طرف مشغول ہوتے ہو) یہاں بھی تخفیفاً ایک تار ذوف ہے کہ دراصل تتلهى تھا بمعنی تتشاغل۔

ل لغات : تلہّٰی از لَہِیَ عن الشیٔ (بکسر الهاء) يلهى لهيًا بمعنى اعرض عنه یعنی س سے روگرداں ہوا نہ از لهوتُ بالشیٔ (بالفتح) اَلْهُوْ، لهواً بمعنی میں اس سے کھیلا۔

سر کا ادب تلہّٰی کا مادہ لہو اس لیے نہیں کہ یہ ضمیر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف راجع ہے اور یہ آپ کی شان کے لائق نہیں کہ آپ میں لہو ہو (معاذ اللہ) بخلاف شتغال عن الشیٔ، کسی سے روگردانی کرنا یہ آپ سے ممکن ہے بوجہ مصلحت (دین) کے۔ اگر بقول بعض سیر اسے لہو سے مان لیا جائے اور یہ ترجمہ ہو کہ آپ کا اہلِ تغافل کے ساتھ مشغول ہونا لہو کی جنس ہے فلہٰذا کیا حرج ہے کہ لہو کی نسبت ہو لیکن یہ ایسا مطلب ہے کہ اس سے کوئی فائدہ مرتب ں ہو سکتا اور خلل من وجہ سے خالی بھی نہیں (اور وہ شانِ رسالت کے لائق نہیں) اس میں ایک اور خرابی لازم آتی ہے وہ یہ کہ حضور علیہ السلام تو دعوتِ اسلام دے رہے تھے اور اسے لہو و لعب کہنا ایک ت امر ہے کوئی بھی اہلِ ایمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ماننے کے لیے تیار نہیں (اسے ی بے ایمان مراد لیتا ہے تو بے ایمان کا کیا اعتبار) کیونکہ یہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلِ تغافل تشاغل کا کیا معنی، اگر تبلیغ و ارشاد کے لیے تھا تو پھر وہ لہو کہاں، تو یہ بے نفع کیسا۔

تہ : دونوں جملوں میں انت (ضمیر) کی تقدیم دلیل ہے اس کی کہ انکار کا دارومدار حضور علیہ السلام ہے کہ آپ جیسے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو لائق نہیں کہ ایسے مستغنی اسلام کے درپے ہوں اور فقیر طالب ر (ابن ام مکتوم) سے منہ موڑیں۔

تہ : لَہٗ اور عنہٗ کی تقدیم میں تعریض ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں مضمونوں کا م فرمایا اس میں تنبیہ ہے کہ یہ قصہ ارواح و احوال کے لیے عبرت ہے نہ کہ اجسام و اموال کے لیے۔

اور اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزیز وہ ہے جو ایمان و طاعت سے مالا مال ہے اگرچہ وہ لوگوں کی نظر میں حقیر و ذلیل ہے، بلکہ ذلیل وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ اس کے کفر و معصیت کی وجہ سے ذلیل کرے اگرچہ لوگوں کے ہاں عزیز (معزز) ہو (جیسے ہم کہتے ہیں بدمذہب اور بدعقیدہ آدمی اگرچہ کتنا ہی معزز کیوں نہ ہو وہ ہمارے نزدیک جوتے کی نوک کے برابر بھی نہیں اور صحیح العقیدہ کتنا ہی غریب کیوں نہ ہو وہ ہمارے سر کا تاج ہے۔ لیکن اس پر عمل کرنا کانٹوں کی سیج پر بیٹھنے اور آگ کی مالا گلے میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ اویسی غفرلہٗ)

ف ؛ عبس و تولیٰ کے نزول کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کبھی کسی فقیر (مسکین) کے سامنے تیوری نہ چڑھائی اور نہ ہی کبھی رُوگردانی فرمائی اور نہ ہی کبھی کسی دولت مند کے لیے اہتمام فرمایا، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مجلس مبارک میں فقراء اور امراء سب ہوتے[1] یعنی درگاہِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) میں ہی فقراء کو کامل و مکمل احترام نصیب ہوتا ہے۔

مسئلہ ؛ اس میں چھوٹے کو بڑے کا ادب سکھایا ہے، بلکہ اس میں تمام حاملینِ شرع و علم و احکام کو سبق ہے کہ اہلِ خیر کو مقدم رکھیں خواہ وہ کتنا ضعیف (کم مرتبہ) اور شریف (سید) کتنا ہی اونچا کیوں نہ ہو، اگر علم و عمل کی دولت سے عاری ہو تو اس پر اہلِ علم اور اہلِ خیر کو تقدیم دیں (مجھے دورِ حاضرہ کے علماء کرام پر تعجب ہے کہ وہ جاہل، بے عمل پیروں (اہلِ دنیا) کو اہلِ علم اور نیک سیرت اشخاص پر ترجیح دیتے ہیں صرف ان جاہل پیروں (اہلِ دنیا) کو خوش کرنے کے لیے، ایسے علماء کے منہ میں جہنم کی لگام دی جائے گی)[2] اگرچہ یہ خطاب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے لیے ہے لیکن حکم عام تا یوم القیام ہے۔

تفسیر صُوفیانہ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے درجۂ فقر اور اس کے اہل کی تعظیم اور دنیا کی خست اور اس کے اہل کی تحقیر بیان کی ہے اسی لیے فقراء (صلحاء و اولیاء اللہ) کی صحبت میں مشغول ہونا چاہیے کیونکہ انہی سے صدق و تجرد کی خوشبو آتی ہے ان کی صحبت بابرکت سے فائدہ نصیب ہوتا ہے بخلاف صحبت اہلِ دنیا کے کہ اس سے زیاں ہی زیاں ہے بلکہ صحبت میں ضیاع ہے۔

حدیث شریف میں ہے ؛

من تحامل علی فقیر لغنی جس نے فقیر پر غنی کے لیے بوجھ ڈالا

---

[1] بلکہ آج تک ہے کہ گنبد خضراء کے خواجہ سراؤں کو فقیر نے آنکھوں سے بڑے بڑے امیروں کو دھکیلتا دیکھا۔ وہاں پتا چلتا ہے کہ دربارِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے فقیر ہی درحقیقت امیر ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

[2] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

فقد ھدم ثلث دینه۔	(یا اس کے ساتھ انصاف نہ کیا) اس نے دین کا تہائی حصہ منہدم کر دیا۔

حل لغات

تحامل از تحاملت علی الشیٔ ہے بمعنی تکلفت الشیٔ علی مشقة و تحامل فلان علی فلان (میں نے کسی کو مشقت کا مکلف بنایا، فلاں نے فلاں کے ساتھ انصاف نہ کیا)

تفسیر صوفیانہ

۲ بعض اکابر نے فرمایا کہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اکابر قریش کی عزت افزائی اس لیے فرمائی کہ اعوار از مخلوق مظاہر العزة الالٰہیہ ہیں ان کی تقدیم علی الفقراء اہل الصفة کی عادت سے ہے تاکہ صفتِ کبریائی کا حق ادا ہو سکے جب اس میں اس کو صفت کبریائی مشارکاً نہ سمجھے بلکہ مظہر سمجھے لیکن اس سے بڑھ کر اور مرتبہ ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰة والسلام کے بعد حکم فرمایا جو کہ یہ سورہ عبس کے مطابق حکم ہوا کہ:

واصبر نفسك مع الذین یدعون ربھم بالغداة والعشی (الاٰیة)	خود کو ان کے ساتھ لازم پکڑو جو صبح و شام رب تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔

اس میں اشارہ ہے کہ آپ ہر شے میں مشاہدۂ حق کریں کسی کی تخصیص نہیں علی الاطلاق مشاہدہ ہو جو کہ وہی حق ہے جیسے فرمایا:

جعت فلم تطعمنی و ظمئت فلم تسقنی (الحدیث کما فی الجواھر للشعرانی)۔	میں بھوکا رہا مجھے کسی نے کھانا نہ کھلایا، میں پیاسا رہا مجھے کسی نے پانی نہ پلایا۔ (الحدیث، الجواہر للشعرانی رحمہ اللہ)

تفسیر عالمانہ

کَلَّآ (یوں نہیں) مستغنی از اسلام کے درپے ہونے سے اور مسترشد کے ارشاد سے اعراض سے جھڑکا ہے۔

ف: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب یہ آیات حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو سنائیں تو خوفِ خدا سے آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا، ایسے محسوس ہوا کہ خشکی سے آپ کا چہرۂ اقدس راکھ کی طرح خشک ہو گیا ہے اس خوف سے کہ نہ معلوم اللہ تعالیٰ اس پر کیا حکم صادر فرماتا ہے۔

جب جبریل علیہ السلام نے عرض کی کلّا۔ اس سے آپ کے چہرۂ اقدس پر مسرت ظاہر ہوئی اور تسریہ۔ التسریة بمعنی غم ہٹا دینا۔ یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم! آئندہ ایسا نہ کرنا کیونکہ یہ آپ کے شایانِ شان نہیں۔

اِنَّهَا (بیشک قرآن) ضمیر مؤنث باعتبار خبر کے ہے جو کہ مؤنث ہے **تَذْكِرَةٌ** (سمجھانا ہے) پند و نصیحت ہے اس سے نصیحت حاصل کرنا واجب اور اس کے موجب پر عمل کرنا ضروری **فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ** (تو جو چاہے اسے یاد کرے) قرآن کو حفظ کرے اسے نہ بھلائے یا اس سے نصیحت حاصل کرے اس لیے کہ جو اس سے رُوگردان ہے وہ اسلام سے رُوگردان ہے اس کے معاملہ میں کسی قسم کا اہتمام نہیں چاہیے **فِيْ صُحُفٍ** (ان صحیفوں میں)

حلِ لغات صحف صحیفہ کی جمع ہے۔ عرب کے نزدیک ہر مکتوب (لکھا ہوا) صحیفہ ہے اور یہ مضمر کے متعلق ہے اور وہ تذکرۃ کی صفت ہے اور موصوف کے صفت کے درمیان جملہ معترضہ اس میں ترغیب اور اس کی حفظ کی تحریص کے لیے لایا گیا ہے یعنی وہ ان صحیفوں میں ہے جو لوحِ محفوظ سے لکھے گئے ہیں یا یہ ان کی دُوسری صفت ہے اور دو خبروں کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

ف : سجاوندی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ محذوف کی خبر ہے کہ دراصل "هی فی صحف" تھا، یہاں پر وقف لازم کی علامت رکھی گئی تاکہ وہم نہ ہو کہ اس کا تعلق اسی کے ماقبل سے ہے اور اس سے متعلق ہو تو وہ ناجائز ہے مثلاً عبارت ہوگی من شاء ذکرہ فی صحف۔ (یہ اس لیے کہ من شاء کا ذکر صحیفوں میں نہیں)

مُّكَرَّمَةٍ (عزّت والے ہیں) اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرّم ہیں کیونکہ وہ قرآن کریم کے صحیفے ہیں **مَّرْفُوْعَةٍ** (بلندی والے) اٹھائے ہُوئے ساتویں آسمان میں یا مرفوع المقدار والذکر (بلند قدر اور بلند ذکر والے) ہیں کیونکہ مشہور ہے کہ وہ آسمانِ دُنیا کے بیت العزت میں رکھے ہوئے ہیں **مُّطَهَّرَةٍ** (پاکی والے) شیاطین کے ہاتھوں کے چھُونے سے منزّہ اور پاک ہیں **بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ** (ایسوں کے ہاتھوں لکھے ہوئے) ان لکھنے والے ملائکہ کے ہاتھوں سے جو اسے لوحِ محفوظ سے لکھتے ہیں۔

حلِ لغات سفرۃ، سافر کی جمع از سفرٌ ہے بمعنی لکھنا، اس لیے کہ لکھنے میں سَفر کا معنی ہے سفر بمعنی کشف، توضیح۔ اور کاتب سافر ہے یعنی وہ شے کو بیان اور واضح کرتا ہے السفر (بفتحتین) کو اس لیے سفر کہا جاتا ہے کہ وہ انسان کے اخلاق کو بیان اور واضح کرتا ہے۔

ف : علماءِ کرام نے فرمایا کہ سفرۃ کا لفظ انہی ملائکہ سے خاص ہے ان کے ماسوا دیگر پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا اگرچہ لغت کی رُو سے جائز ہے اور باء مطہرۃ کے متعلق ہے۔

نکتہ : قفال رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ چونکہ اسے صرف مطہر ملائکہ کرام کا ہاتھ لگتا ہے تو اس کی طرف تطہیر کا اسناد ہُوا کہ اسے صرف مطہر ملائکہ کا ہی ہاتھ لگتا ہے۔

ف : قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا لا یمسّہ الّا المطھرون میں بھی یہی ملائکہ کرام مراد ہیں اسی لیے یہ مسئلہ

مجرور ہے کہ صحف کی صفت ہے کہ دراصل عبارت یوں ہے فی صحف کائنة بایدی یا مکتوبة بایدی سفرة اسی لیے بعض نے وقف لازم مطہرۃ پر کیا ہے تاکہ وہم نہ ہو کہ باء کا تعلق اسی سے ہے۔

کِرَامٍ قرب و شرافت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں مکرم ہیں از کرامت۔ کریم کی جمع ہے یا اہلِ ایمان پر مہربان ہیں کہ ان کے لیے استغفار کرتے ہیں از کرم جو لؤم کی نقیض ہے۔

ف: ابن عطاء نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ابن آدم کے ساتھ والے (کراماً کاتبین) فرشتے ہیں خواہ وہ اپنی زوجہ سے جماع کرے یا قضائے حاجت کو جائے، اس کی مراد وہی کراماً کاتبین ہیں اس میں سوچ بچار کر۔

بَرَرَةٍ (پاکیزہ) بوجہ ان کے تقدس عن المواد کے، اور ان کے جواہر کا تعلقات سے تنزہ کا، یا وہ اللہ کے مطیع ہیں ان کے قول فلان یبر خالقہ (فلاں اپنے خالق کی اطاعت کرتا ہے) کے، یا سچے ہیں بر فی یمینہ سے۔ یعنی وہ اپنی قسم میں سچا ہے، بارّ کی جمع ہے جیسے فاجر کی جمع فَجَرَۃٌ ہے۔

قُتِلَ الْاِنْسَانُ (آدمی مارا جائیو) شنیع تر دعا ہے انسان کے لیے، کیونکہ قتل دنیا کے شدید فظیع ترین امور سے ہے۔ اس کی تفسیر لعنت سے بھی ہے یعنی کافر لعنتی ہو جائیو، عین المعانی میں بمعنی عُذِّبَ (عذاب کیا جائیو) ہے۔ **مَآ اَكْفَرَهٗ** (کیا ناشکر ہے) باوجودیکہ اس پر اللہ تعالیٰ کے ان گنت احسانات ہیں لیکن پھر بھی ناشکر ہے کیونکہ مخلوق میں بڑا کافر ہے اُس کے کُفران میں حد سے بڑھ جانے سے فعل تعجب لایا گیا ہے ظاہر کے اعتبار سے، کیونکہ حقیقی تعجب کا معنی ہے کہ اس شخص سے تعجب کا صدور ہو جو جاہل ہو اس وجہ سے کہ اس پر شے کا سبب مخفی ہے اور وہ ذات کہ جس کا علم جمیع علوم کو محیط ہے اس سے خفار کا تصور توبہ توبہ، تو اسی معنی پر یہ دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو تعجب دلانا اور جن پر لعنت و بُری دُعا استعمال ہوئی اس کے استحقاق کا اظہار ہے۔ اب معنی ہوگا کہ اے بندو! اس سے تعجب کرو جو اللہ تعالیٰ سے کفر کر رہا ہے اور باوجودیکہ وہ اس کے احسانات کو جانتا ہے تب بھی ناشکری کر رہا ہے بلکہ تم بھی اس پر بددعا کرو قتل اور لعنت وغیرہ کی کہ وہ اس کا مستحق ہے۔

تفسیر صُوفیانہ

بعض مشایخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے کافر کو لعنت فرمائی اور اس کے کفر کو عظیم کفر بنایا جو اپنے صانع کی معرفت حاصل نہ کر سکا اور نہ ہی اپنے نفس کو پہچان سکا اگر وہ نفس کو پہچان لیتا تو صانع کی معرفت حاصل کر لیتا۔

ف: ابن الشیخ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ دُعا عرب کے اسلوب پر ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ عاجز ہے تو ایسی بددُعائیں کر رہا ہے ورنہ وہ دشمنوں سے انتقام لیتا ایسے ہی یہ تعجب بھی حقیقی معنی میں نہیں بلکہ اس کے عظیم اور شدید ترین غضب و غصہ کا اظہار ہے ورنہ وہ عجز و جہل سے منزہ و

مقدس ہے بلکہ اس سے مقصود (یعنی اسے دعا کے طرز پر لانا) دلیل ہے اس کے غضب اور غصے کی، اور تنبیہ ہے کہ ایسا کافر سخت ترین عقوبات اور شنیع ترین سزا کا مستحق ہے اور صیغۂ تعجب سے اس کی بلیغ مذمت ہے کہ وہ قبیح ترین فعل کا مرتکب ہُوا ہے اور غصہ اور غضب اللہ تعالیٰ کے لیے جائز ہے ایسے ہی اس کا کسی کی مذمت کرنا بھی۔

ف: ما اکفرہ کو استفہام بنانا بھی جائز ہے اور انسان سے من استغنیٰ عن القرآن یعنی وہ جو قرآن سے لاپرواہ ہے جس کے اوصاف مذکور ہوئے، یا اس سے انسان کی جنس مراد ہے جو اسے اور اس کے ہم مثل اور کو بھی شامل ہے نہ کہ باعتبار جمیع افراد کے۔

تفسیر عالمانہ

مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ (اسے کاہے سے بنایا) کیسی حقیر ذلیل شے سے اسے بنایا یعنی فکر بھی نہیں کرتا، سوچتا بھی نہیں کہ اسے اللہ تعالیٰ نے کس شے سے پیدا کیا، اسے خود بیان فرمایا **مِنْ نُّطْفَةٍ** (پانی کی بوند سے) (یعنی منی پلید سے) **خَلَقَهٗ** (اسے پیدا کیا) تو جس کی اصل ایسی حقیر و ذلیل شے ہو اسے تکبر و تجبر و کفران کب لائق ہے اس منعم کے ساتھ جس نے ایسی حقیر و ذلیل شے کو ایسی قیمتی اور حسین و جمیل اور بارونق صورت بخشی۔

ف: حضرت سجاوندی رحمہ اللہ نے من نطفۃ پر وقف مطلق کی علامت وضع فرمائی دوسرے خلقہ کو مقدر مان کر، جس پر ماقبل دلالت کرتا ہے اور اس نے خلقہ فقدرہ دوسرا جملہ مستانفہ مانا ہے بوجہ انسان کی تخلیق اور اس پر انعام کے اتمام کے، اور جس نے اس کا متعلق مابعد بنایا ہے جیسا کہ ظاہر ہے اس نے وقف نہیں کیا۔

فَقَدَّرَهٗ (پھر اسے طرح طرح کے اندازوں پر رکھا) اسے جو اس کی صلاحیت پر اور اس کے لائق اعضاء و جوارح اور اشکال اور کمیت و کیفیت پر اسے تیار کیا، یعنی مقدار معلوم پر اعضاء و اشکال اور کمیت و کیفیت سے اسے مستعد بنایا اس کے لیے کہ وہ اس میں قدر لائق تک پہنچے اپنی مصلحت کے ساتھ اس سے عطف الشیٔ علیٰ نفسہٖ لازم نہیں آیا اس لیے کہ خلق ماخوذ ہے التقدیر سے بمعنی اللہ تعالیٰ نے اسے مقدر فرمایا تقدیر اولیٰ پر، پھر اسے طرح طرح سے مقدر فرمایا علقہ سے مضغہ سے وغیرہ وغیرہ، پھر مذکر یا مؤنث، بدبخت یا نیک بخت۔ بعض نے کہا دونوں وجہوں پر فاء تفصیلیہ ہے اس لیے کہ تقدیر دونوں معنوں کو متضمن ہے۔

ثُمَّ السَّبِیْلَ یَسَّرَهٗ (پھر اس کا راستہ آسان کیا) منصوب ہے مضمر سے، ظاہر اس کی تفسیر کرتا ہے یعنی اس کا ماں کے پیٹ سے نکلنے کا راستہ آسان کیا کہ رحم کا منہ کھولا حالانکہ وہ تنگ تھا ولادت سے پہلے، اور اسے الہام کیا کہ اوندھا ہو جا یعنی اُلٹا کہ پاؤں اُوپر اور سر نیچے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کی ولادت ممکن نہ ہوتی، اور اس کا دین و دنیا کا راستہ آسان کیا خیر و شر کے لیے، اور ان دونوں میں چلنے کی آسانی دی اس پر اسے قدرت اور

پہچان بھی دی کہ اس کے لیے نافع کیا ہے اور ضار (ضرر رساں) کیا اور انبیاء علیہم السلام بھیجے اور کتابیں نازل کیں وغیرہ وغیرہ۔

سوال : السبیل معرفہ باللام کیوں بالاضافۃ کیوں سبیلہ ہونا چاہیئے۔

جواب : عموم کے لیے ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ عام انس وجن کے لیے بمعنی ثانی اور حیوانات کے لیے بمعنی اوّل۔

حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس کے لیے مقدر ہے توفیق اس کے رُشد و ہدایت اور اتباع نجات آسان کی۔

اور حضرت ابوبکر بن طاہر رحمہ اللہ نے فرمایا : آسان کی ہر وُہ سے جو اس کے لیے پیدا کی گئی اور مقدر کی۔

ثُمَّ اَمَاتَهٗ (پھر اُسے موت دی) اس کی رُوح قبض کی اس کے اجل مقدر مسمی کے وقت **فَاَقْبَرَهٗ** (پھر اسے قبر میں مدفون کرایا) قبر میں مدفون ہو تاکہ پوشیدہ ہو، اس کی تعظیم و تکریم کے لیے، اسے زمین پر سے پردہ ایسے ہی درندوں اور پرندوں کے لیے دوسرے حیوانات کی طرح۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ اسے درندوں کے لیے ایسے آوارہ نہیں پھینکا یا پھینکا جاتا تو نوادیس (   ) کے لیے، یہ قبر میں دفنانا مسلمانوں کا اکرام ہے۔

حلِ لغات کہا جاتا ہے ، قبر المیت دفنہ بید (اسے اپنے ہاتھ سے دفنایا) القابر بمعنی الدافن (اپنے ہاتھ سے دفنانے والا) القبر بمعنی میّت کی قرارگاہ۔ اقبرہ ، امر بدفنہ (اس کے دفنانے کا حکم دیا یا مکنہ منہ اس کے دفنانے پر قدرت تھی ، ورنہ حقیقی قبر میں داخل کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ وہی قبور میں دفن کرنے کا حکم دیتا ہے۔

المفردات میں ہے اقبرتہ (میں نے وہ جگہ تیار کی جس میں وہ دفنایا گیا) جیسے اسقیتہ (میں نے اس کے لیے پانی تیار کیا تاکہ وہ پیئے)

بعض نے کہا اس کا معنی ہے اس نے اسے الہام کیا کہ کیسے دفنایا جائے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

کندن گورے کہ کمتر پیشہ بود　　کے زکر وحیلہ و اندیشہ بود
جملہ حرفتہا یقین از وحی بود　　اول او لیک عقل آزا فزود

ترجمہ : قبر کا کھودنا کہ بڑا کمتر پیشہ ہے یہ مکر وحیلہ و اندیشہ سے کیسے ہو تمام صنعتیں یقینی طور پر وحی سے حاصل ہوتی ہیں پہلے وحی پھر عقل سے اضافہ ہوتا ہے۔

موت بھی نعمت ہے اماتۃ (موت دینا) کو اللہ تعالیٰ نے نعمت کہا ہے لیکن یہ صرف اہلِ ایمان کے لیے ہے کیونکہ وُہ دنیا کی قید سے چھوٹ جاتا ہے اور اس کے لیے موت

شان یہ ہے کہ وہ تحفہ اور دائمی زندگی اور ہمیشہ کی نعمتوں کی طرف پہنچانے والی ہے لیکن یہ کافر اور بد مذہب (گندے عقیدے اور بُرے اعمال والے) کے لیے دُکھ درد اور بلاء و مصیبت کی کنجی ہے۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ اماتت کا ذکر اقبار (قبر کا ادخال) کا مقدمہ ہے یا تخویف و تذکیر کے لیے ہے کہ حیوٰۃ دنیوی فانی اور اس کا انجام موت ہے۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے منقول ہے : ؎

فلا تمشين فی منکب الارض فاخرا

فعما قليل يحتويك ترابها

ترجمہ : زمین کے کاندھے پر فخر و ناز (اکڑ کر) نہ چل، بہت تھوڑے عرصہ کے بعد اس کی مٹی تجھے گھیر لے گی۔

یا موت کی استعداد کے لیے اس کا ذکر کیا گیا ہے یا اس کے بالمقابل انشرہ کی رعایت کے لیے ہے۔ اس میں تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کمال قدرت اور کامل حکمت کا مالک ہے۔

ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ (پھر جب وُہ چاہے گا اسے منتشر کرے گا) اس کا انشار و احیاء و بعث (مرنے کے بعد اٹھانا) اس کی مشیت پر ہے کہ جب چاہے گا قبور سے زندہ کرکے اُٹھائے گا۔

نکتہ : انشار کو اس کی مشیت سے متعلق کرنے میں تنبیہ ہے کہ اس کا کوئی وقت مقرر نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہے۔

ف : موت کا وقت مقرر ہے کیونکہ ہم یقین کرتے ہیں کہ مثلاً ہمارے زمانے کے لوگ ڈیڑھ صدی سے تجاوز نہیں کرتے لیکن ایسا حتمی اندازہ انشار کے لیے نہیں (ایسے ہی مفسرین نے فرمایا۔

ف : موت کا سن معلوم اور اصل محدود ہے کہ اسے صرف اور صرف مشیت کے سپرد نہیں کیا جاتا اور انشار کو مشیت سے مقید کرنا ضروری نہیں کہ موت بھی مقید بہ مشیت ہو اس کے لیے کہ انشار وہ دور ہے کہ اس میں زمانے کا اجرار ہوتا ہی نہیں یا اس لیے کہ وہ زمانۂ قیامت کا مقدمہ بلکہ قیامتِ صغریٰ قیامتِ کبریٰ کی طرح مجہولہ ہے۔

ف : اس میں اشارہ ہے کہ میّت اگر اہلِ سعادت ہو تو اس کا انشار (قبور سے اٹھایا جانا) اہلِ سعادت سے ہو گا اگرچہ وُہ اہلِ شقاوت کے ساتھ مدفون ہو۔ ایسے ہی اہلِ شقاوت کا اہلِ شقاوت کے ساتھ انشار ہو گا چاہے اس کا مدفون اہلِ سعادت کے ساتھ ہو۔

اسی لیے صاحب المشارق رحمہ اللہ نے اپنی کتاب کے خطبہ میں فرمایا :

اعجوبہ ثم اذا شاء منها انشره ای من مكة پھر جب چاہے اس سے یعنی مکہ سے مرنے

فان من دفن بمکة ولم یکن لائقا بها تنقله الملائکة الی موضع آخر۔
(روح البیان ج-۱ ص ۲۲۴)

کے بعد اٹھائے اس لیے کہ وہ جو مکہ معظمہ کے گورستان (جنۃ المعلیٰ) میں مدفون ہو لیکن وہاں کے لائق نہ ہو تو اسے ملائکہ دوسری جگہ منتقل کر دیتے ہیں۔

حدیث شریف ۱ میں ہے:

من مات من امتی یعمل عمل قوم لوط نقله الله الیهم حتی یحشر معهم۔

میرا امتی جہاں مرے بدقسمتی سے وہ قوم لوط کا عمل کرتا ہے (یعنی لواطت کا ارتکاب کرتا ہے) تو اسے اس کی قبر سے نقل کر کے لوطیوں کے ساتھ پہنچایا جاتا ہے تاکہ قیامت میں ان کے ساتھ اس کا حشر (اٹھنا) ہو۔
(معاذ اللہ)

حدیث شریف ۲ میں ہے:

من مات وهو یعمل عمل قوم لوط سار به قبره حتی یصیر معهم و یحشر یوم القیامة معهم۔
(الدر المنثرة للامام السیوطی رحمه الله تعالیٰ)

جو شخص قوم لوط کا عمل کرتا مرے (یعنی اس بُرے عمل سے اسے توبہ نصیب ہوئی) تو اس کی قبر چل کر وہاں پہنچتی ہے جہاں لوط کی قوم ہے وہ ان میں مل جاتا ہے یہاں تک کہ قیامت میں وہ ان کے ساتھ اُٹھے گا۔
(معاذ اللہ)

شیعہ کا انجام بد

ایک شخص مسمی بہ ابن ہیلان سخت شیعہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جی بھر کر گالیاں بکتا تھا ایک دن ایک دیوار ڈھا رہا تھا، دیوار اس پر گری اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا، اسے جنۃ البقیع (مدینہ طیبہ کے گورستان) میں دفنایا گیا۔ جس قبر میں دفنایا گیا دوسرے روز وہ وہاں نہ ملا، نہ وہ مٹی ملی جو اس کی قبر کے اندر ڈالی گئی لیکن قبر اوپر سے صحیح و سالم تھی تاکہ وہم نہ ہو کہ کسی نے اس کی قبر کو کھود کر کہیں بہا پھینکا ہو گا جسے جم غفیر نے دیکھا۔ یہاں تک کہ حضرت قاضی جمال الدین رحمہ اللہ وہاں تشریف لے گئے اور لوگ اس قبر دیکھنے کے لیے دُور دُور سے آئے اور یہ قصہ دور دور تک پھیل گیا اور یہ واقعہ بھی عجوبۂ روزگار سے شمار ہوا اور جس اس سے عبرت حاصل کی اللہ تعالیٰ نے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت وسلا

کا سوال کرتے ہیں۔

حکایت حضرت محمد بن ابراہیم مؤذن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ موسم حج میں میں نے ایک شخص کو مُردہ پایا اُسے اٹھا کر قبر تک لے جانے کے لیے کوئی آدمی نہ ملا، میں اکیلا نہ اٹھا سکتا تھا، ایک آدمی نے میری مدد کی، ہم نے اس کی قبر کھود کر اسے قبر میں رکھا تو دوسرا شخص چلا گیا۔ میں اس کی لحد کے لیے اینٹیں لینے گیا واپس آیا تو مُردہ موجود نہ تھا، اس کی قبر ایسے ہی کھلی چھوڑ دی۔

حکایت دیگر بعض بزرگوں کا فرمان ہے کہ ہم نے بہت سے دوستوں کو دیکھا کہ وہ مدینہ منورہ کے باہر مرے لیکن خواب میں دیکھے گئے انہوں نے دیکھنے والے سے کہا کہ ہماری اولاد سے سلام کہہ دینا کہ ہم اپنی قبر سے اٹھوا کر جنۃ البقیع میں پہنچا دئے گئے ہیں اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار کے قریب ہی مدفون ہیں، اگر وہ ہماری قبر کی زیارت کو آئیں تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مزار کے فلاں طرف ہماری قبر ہے، وہاں آ کر ٹھہریں اور السلامُ علیکم کہہ کر دُعا کریں۔ (المقاصد الحسنہ للسخاوی)

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ انسان کو لائق نہیں کہ وہ کفر پر مرے اس لیے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے نطفۂ وجود مطلق سے بنا کر اسے اپنی ذات وصفات کی مظہریت کے لیے تیار فرمایا پھر اس کے لیے ظہور بمظاہر اسمائے جمالیہ وجلالیہ کا راستہ آسان فرمایا پھر اسے اس کی انانیت سے موت دی، پھر فنا از رؤیتِ فنا کی قبر میں دفنایا، پھر جب چاہے گا تو فنا کے بعد بقا کی صورت میں اٹھائے گا۔

سبق انسان پر لازم ہے کہ وہ نعمت کی قدر پہچانے، عُجب وغرور ظاہر نہ کرے یعنی وہ کمالاتِ الٰہیہ ہیں ان کا اپنے لیے دعویٰ نہ کرے یعنی علم وقدرت وارادہ وغیرہ کا مدعی نہ ہو۔

تفسیر عالمانہ **کَلَّا** (کوئی نہیں) یہ انسان کو زجر اور رکاوٹ ہے اس سے جس پر وہ ہے۔

ف: حضرت سجاوندی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ کَلَّا بمعنی حقًّا ہے اسی لیے انہوں نے یہاں وقف نہیں کیا بلکہ اَمَرَہٗ پر وقف فرمایا ہے اس لیے کہ کَلَّا جب بمعنی حقًّا ہو تو وہ ماقبل کا تابع ہوتا ہے۔

لَمَّا یَقْضِ مَآ اَمَرَہٗ (ابھی پُورا نہیں کیا جو اسے حکم ہوا ہے) بعض تفاسیر میں ہے کہ یہ ما صلہ کا ہے تاکید کے لیے فعل پر داخل ہُوا جیسے فبما رحمۃ من اللہ۔ اور لَمَّا بمعنی لَمْ ہے اس میں توقع کا معنیٰ نہیں اور ما امرہٗ کا ما موصولہ ہے عائد اس کا محذوف ہے کہ دراصل ما امرہ بہ ہے پہلے حرف جارہ محذوف ہُوا ما امرہ ھُوَ بچا پھر ھُوَ عائد بھی حذف کر دیا گیا نیز یہ کہ عائد باقی رہ جائے، بوقتِ حذف محذوفہ ضمیر ھُوَ انسان کی طرف عائد ہو اور جو ضمیر باقی ہے وہ ما موصولہ کی طرف راجع ہو گی،

(اسے اچھی طرح سمجھ لے اور اس جیسے اوروں کا بھی یہی قاعدہ ہے ۔)

اب معنٰی یہ ہُوا کہ انسان نے پُورا نہیں کیا وُہ جو اسے اللہ تعالیٰ نے ایمان و طاعت کا حکم فرمایا یعنی ایمان لایا نہ طاعت کی ، عرفان حاصل کیا نہ نیکی کمائی ۔

ف : عدم القضاء عموم النفی پر محمول ہے ، ہاں محکوم علیہ ہی مستغنی ہے یعنی حق سے رُوگردانی والا یا اس کی جنس کے لوگ ۔ لیکن نہ مطلقاً بلکہ وہ جن پر عدم القضاء کا اطلاق ہو سکے ۔ یعنی بعض افراد ۔

سوال : اگر بعض افراد مراد ہیں تو فعل کا اسناد کُل کی طرف کیوں ؟

جواب : تاکہ ملامت خوب پھیلے اور اس قسم کے لوگ ایسی غلطی کے ارتکاب سے باز آجائیں یا یہ کہ اس کا مصداق کل من حیث ھو کل بطریق رفع ایجاب کل ' نہ کہ سلب کلی کے ۔

اب معنٰی یہ ہوا کہ جمیع افراد انسان نے پُورا نہ کیا وُہ جو انھیں حکم تھا بلکہ خلل ڈالا بعض نے کفر کر کے بعض نے عصیان سے ، اس لیے کہ فنونِ نعماءِ شاملہ کی تفصیل کُل کے لیے ہے تو یہ بھی من حیث الکل کے لیے ہے کہ کوئی بھی اس سے مختلف نہ ہو (لیکن انبیاء و اولیاء کاملین کا استثناء اپنے مقام پر حق)

ف : بعض علماء نے فرمایا کہ یہاں جملہ بنو آدم مراد ہیں کیونکہ کوئی بھی اوامرِ الٰہی کے حقوق کی ادائیگی میں کما حقہٗ عہدہ برآ نہیں ہو سکتا (جیسا کہ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا :) ؎

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش   عذر بدرگاہ خدا ے آورد
ورنہ سزاوار خداوندیش   کس نتواند کہ بجاے آورد

ترجمہ : وہ بندہ بہتر ہے جو اپنی کوتاہی کا عذر بارگاہِ خداوندی میں لائے ورنہ اس کے خداوند ہونے کے لائق کسی کو کیا امکان کہ عبادت بجا لائے ۔

تفسیر صُوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہرگز کوئی بھی ادا نہ کر سکا وہ جو ہمیں حکم ہوا مواجب الحقوق کو حقائق اسماء کے ظہور اور فضائل صفات قیام سے ۔

تفسیر عالمانہ

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖ (تو آدمی کو چاہیے کہ وہ اپنے کھانوں کو دیکھے)

ربط : ان نعمتوں کی گنتی میں شروع ہیں جو انسان سے متعلق ہیں بعد ان کی نعمتوں کی تفصیل کے ' جو اس کی تخلیق سے متعلق تھیں ، فرمایا کہ انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے کھانے کو دیکھے کہ اس کی معاش میں کتنے امور گردش کرتے ہیں ' ہم نے اس کے طعام میں کیا کیا تدبیریں کی ہیں ۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ انسان اپنے طعام کو دیکھ کر اپنی قدر و منزلت کی خست

اور اپنی زندگی کی فنا پر غور کرے۔

حدیث شریف میں ہے،

ان مطعم ابن آدم جعل
اللہ مثلا للدنیا وان قزحہ وملحہ
فانظر الی ماذا یصیر۔

اللہ تعالیٰ نے آدمی کے کھانے کو دنیا سے
مثال دی ہے کہ اس کے مصالحہ اور نمک
کا انجام بالآخر وہی ہے جو اسے معلوم ہے
(یعنی گندگی)

حلِ لغات کہا جاتا ہے قزح القدر (ہنڈیا کا مصالحہ) یعنی اس میں کھانے کے لیے مصالحہ ڈالنا' قابل بروزن صاحب وھا جزا بزار الطعام طعام کا مصالحہ۔ اور ملحہ بمعنی اسے نمکین بنانا۔

اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ (کہ ہم نے اچھی طرح پانی ڈالا) یعنی غیث بمعنی وہ بارش جس کی ضرورت ہو۔ یہ طعامہ سے بدل الاشتمال ہے کیونکہ پانی طعام کے حدوث کا سبب ہے دوسرا پہلے پر مشتمل ہے اور یہ بھی ضروری ہے مبدل منہ بدل پر مشتمل ہو اس وقت عائد محذوف ہے۔ دراصل صببنالہ تھا، صبًّا ڈالنا عجیب **ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ** (پھر زمین کو خوب چیرا) انگوری سے **شَقًّا** عجیب اور لائق اس کے ساتھ جو زمین کو چیرتا ہے انگوری سے چھوٹی بڑی اور اس کی شکل وہیئت **فَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا** (تو اس میں اگایا ہم نے) اس زمین میں جو انگوری سے چیری گئی، فا رتعقیب کی ہے **حَبًّا** (اناج) کیونکہ زمین چرنے کے بعد انگوری بڑھتی اور پھیلتی رہتی ہے حتی کہ اس کی مکمل نشوونما کے بعد اس سے اناج برآمد ہوتا ہے

حلِ لغات الحب ہر وہ کھیتی جو درانتی سے کاٹی جائے جیسے گندم اور جَو وغیرہ، اور وہ حبہ (اناج) کی جنس سے ہے جیسے تمر وتمرۃ، یہ قلیل وکثیر کو شامل ہے اس کی تقدیم اس لیے ہے کہ وہ کھانوں (اغذیہ) میں اصل ہے۔

وَّعِنَبًا (اور انگور) اس کا عطف حبًّا پر ہے اور عطف کے لوازم سے نہیں کہ معطوف ان تمام امور سے مقید ہو جن سے معطوف علیہ مقید ہے اس میں اعتراض وارد نہ ہو کہ انگور تو زمین چیر کر نہیں نکلتا ایسے ہی اس کے اور ہم مثل اشیاء (الارشاد) نیز اس کا جواب یہ بھی دیا جا سکتا ہے کہ انگور میں خرزمین کا چرنا ہوتا ہے وہ یوں ہے کہ اس کے اول خروج میں باعتبار اصل کے چرنا ہوتا ہے۔ اور یہاں درخت مراد ہے نہ کہ ثمر۔

سوال: ثمرات میں صرف انگور اور زیتون کا ذکر کیوں؟

جواب: چونکہ انگور اور زیتون ثمرات میں زیادہ مشہور ہیں اور عموماً طعام کے کھانے کے بعد دسترخوان کی زینت بنتے ہیں۔ اس لیے ان کا ذکر خصوصیت سے ہُوا۔

سوال: انگور کا الگ ذکر کیوں!

جواب: انگور ایسی شے ہے کہ اسے میوہ کے طور پر لذّت حاصل کرنے کے لیے بھی کھایا جاتا ہے اور غذا کے طور بھی، بلکہ غذا کے لیے زیادہ صلاحیت رکھتا ہے۔

وَّقَضۡبًا (اور چارہ) تر و تازہ گھاس جسے فصفصہ (جانوروں کا گھاس) کہا جاتا ہے، فارسی میں اسپست۔ اس کا معرب اصفست (اردو میں چارہ) ہے۔ اپنے مصدر قَضۡبٌ کے نام سے موسوم ہے یعنی بہت زیادہ کاٹنا (چبانا) اس کے کٹنے کے تکرار و تکثر کی وجہ سے کیونکہ سال میں اسے متعدد بار کاٹا جاتا ہے۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے، فرمایا، وہ چارہ جو کھجور سے ٹکڑے کر کے کاٹا جائے، اسے بعض نے ترجیح دی ہے انگور کے ساتھ مذکور ہونے کی وجہ سے، بعض نے کہا وہ پودینہ اور گرفہ ہے اور گندنا کی طرح کا گھاس کھانے کے لیے، جس کی ٹہنی اصل سے کاٹی جائے۔ بعض نے کہا کہ جو سبز۔

نکتہ: بعض نے کہا اسے علیحدہ ذکر کرنے میں نباتات کے مختلف ہونے پر تنبیہ ہے کیونکہ بعض وُہ ہیں جنہیں کاٹا جائے تو پھر اسی طرح لوٹ آتی ہیں بعض نہیں لوٹتیں اور القت کپڑے دھونے والی یعنی اشنان[1] کا دانہ۔ بعض نے کہا وہ سیاہ خشک دانہ جسے زمین میں دفن کرنے پر اس کا چھلکا نرم ہو جاتا ہے پھر اسے پیس کر روٹی پکائی جاتی ہے عام طور پر قبیلہ طے کے دیہاتیوں کی غذا ہے۔ بعض نے کہا وہ شے جو تر کھائی جائے جیسے تربوز، کھیرا، بینگن، کدو وغیرہ۔

وَّزَيۡتُوۡنًا (اور زیتون) اسس کا نچوڑ (تیل)۔ اس سے مراد اس کا درخت ہے، اسس کی عمر تین ہزار سال بھی ہوتی ہے۔ اسے علیحدہ ذکر اس لیے فرمایا کہ یہ کثیر الفوائد ہے بالخصوص اہلِ عرب کے لیے۔ اس لیے کہ وہ اسے ہر طرح سے استعمال کرتے ہیں، کھانے میں، تیل نکال کر سالن میں، اس کے تیل سے روشنی حاصل کی جاتی ہے، صفائیِ بدن کے لیے، کیونکہ یہ صابن میں ملا کر بدن پر ملنے سے بدن خوب صاف ہوتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اسے خوشبو کے طور پر استعمال فرماتے تھے **وَّنَخۡلًا** (اور کھجور) یعنی کھجور کا درخت۔ نخلة کی جمع ہے۔ تر اور خشک ہر طرح کام دیتی ہے، یہ نافع تر غذا ہے، عجوہ (کھجور) میں زہر و سحر (جادو) اتارنے کی خصوصیت ہے۔ اس کے درخت کی تخلیق آدم علیہ السلام کی مٹی مبارک کا

---

[1] ایک قسم کی بوٹی جس سے ہاتھ دھوئے جاتے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

بقیہ ہے (جیسے تفصیلاً گزرا) وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا (اور گھنے باغیچے) حدیقۃ کی جمع ہے۔ باغات درختو
والے اور کھجوروں اور درختوں کے باغات، یا ہر وہ جو چاردیواری میں ہو اور کھجور کا باغیچہ (قاموس) یہاں تخصیص
کے بعد تعمیم کے قبیل سے ہے۔

حلِ لغات غلب' اغلب کی جمع ہے' جیسے حمر احمر یا حمراء کی جمع ہے وصف الرقاب سے مستعار ہے، کہا جاتا ہے: الرجل اغلب واسد اغلب (سخت گردن والا مرد اور شیر
اب معنیٰ یہ ہُوا کہ عظیم باغیچے۔ اور حدائق کو غلب سے موصوف کرنا ان کے گھنے ہونے اور زیادہ درختو
والے ہونے کی وجہ سے یا اس لیے کہ وہ گھنے درختوں والے باغیچے ہیں۔ پہلے معنیٰ پر استعارہ معنویہ ہے دوسر
پر مجاز مرسل ہے، جیسے مرسن کا اطلاق ناک پر ہوتا ہے، اور حدائق پر ان کی وصف کا اطلاق اس کے متعلقا
یعنی اشجار کی وجہ سے ہے۔ اسے لغت کی بنا پر استعارہ سے موسوم کیا گیا۔

کشف الاسرار میں ہے کہ الغلب وہ درخت جو پھل نہ دیں جیسے شمار (ایک قسم کا پودا ۔ المنجد)) او
چاول اور عرعر (سرو کی مانند درخت (المنجد)) اور دردار (زرد پھولوں اور خاردار پتوں والا درخت (المنج

وَّفَاكِهَةً (اور میوے) بہت، مذکورہ میوہ جات کے علاوہ۔

مسئلہ: انگور اور اناج اور کھجور میوے ہیں صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک، امام اعظم رضی اللہ عنہ کے
نزدیک نہیں اس لیے کہ عطف مغایرت کا مقتضی ہے اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ظاہر ہے یہ مراد ہے کہ
انگور اور کھجور نز ان چیزوں سے ہیں جنہیں غذا کے طور پر کھایا جاتا ہے۔ جب یہ بات پائی گئی تو اس کے میوہ ک
معنی میں قصور متحقق ہو گیا یعنی وہ شے جس سے طعام سے قبل یا بعد صرف لذت حاصل کی جائے۔ اس معنی پر ان پ
علی الاطلاق میوہ کا معنیٰ نہ پایا گیا یہاں تک کہ اگر کوئی قسم کھائے کہ وہ میوہ نہ کھائے گا تو اس کے کھانے س
حانث نہ ہو گا کیونکہ یہ من وجہ غذا ہیں اور من وجہ میوے ہیں، اور اس کا عطف فاکہۃ (میوہ) پر ہے اس کے من وج
فاکہہ (میوہ) ہونے کے منافی نہیں اس لیے کہ فاکہہ معطوفہ سے مراد من کل الوجوہ میوہ ہو اور یہ ظاہر ہے ک
فاکہہ من کل الوجوہ اور فاکہہ من وجہ میں فرق اور مغایرت ہے اسی لیے اس کا یا اس پر ایک دوسرے کا عطف
جائز ہے جیسے قرآن مجید میں متعدد مقامات پہ وارد ہے۔

وَّاَبًّا (اور دوب) یعنی چراگاہ۔

حل لغات از أبه بمعنى امّه (قصده، اس کا ارادہ کیا) اس لیے اس کا ارادہ کیا جاتا ہے، جانوروں کے چارہ کے لیے کاٹنے یا از ابّ لکذا ہے جب جانور کے لیے اسے تیار کر
کیونکہ وہ چرانے کے لیے تیار ہوتی ہے اور ابّ لوطنہ، جب وہ وطن جانے کی تیاری کرے تو کہتے ہیں

اَبَّ لوطنہ (اس نے وطن جانے کی تیاری کی) ایسے ہی اَبَّ سیفہ (اس نے تلوار کھڑی کرنے اور ظاہر کرنے کا ارادہ کیا) وہ زمانہ جس میں فصل کی تیاری اور اس کے آنے کا وقت ہو ' یا اَبّ خشک میوہ جو موسم سرما کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ یہی معنیٰ ماقبل کو مناسب ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

خلقتم من سبع و رزقتم من سبع فاسجدوا الله علی سبع۔	تم سات چیزوں سے پیدا کیے گئے ہو اور سات چیزوں سے رزق دیے جاتے ہو، فلہذا اللہ تعالیٰ کو سات اعضاء سے سجدہ کرو۔

ف: جن سات چیزوں سے ہم پیدا کیے گئے ہیں وہ ہیں:

نطفہ اور علقہ الخ جن کا ذکر بار بار گزرا، اور سورۃ مومنون کے پہلے رکوع میں تفصیل سے مذکور ہیں۔ اس سات اطوار ہیں یعنی نطفہ وغیرہ جیسا کہ مذکور ہوا۔ اور وہ سات جو ہمیں رزق میں عطا ہوئی ہیں وہ یہی ہیں حبًّا' عنبًا تا اَبًّا اور حدائق حساب سے اس لیے خارج ہیں کہ وہ ان مذکورہ اشیاء کے اصول و منابت ہیں' اور جن سات اعضاء پر سجدہ کا حکم ہے وہ یہ ہیں:

۱۔ چہرہ (۲ و ۳) دونوں ہاتھ (۴ و ۵) دونوں پاؤں
(۶ و ۷) دونوں گھٹنے

مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ (تمہارے لیے اور تمہارے جانوروں کے فائدے کے لیے)

مفعول لہ یہ تمہارے اور تمہارے مویشی (جانوروں) کے فائدے کے لیے ہیں اس لیے مذکورہ نعمتوں میں سے بعض انسانوں کا طعام ہیں بعض جانوروں کا چارہ ہیں۔ صیغۂ خطاب کے التفات میں امتنان (منت لگانا) کی تکمیل ہے۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں محبِ ذاتیہ کے حَب (دانہ) اور خمیر محبت صافیہ جو صفات کے انگور سے تیار کی گئی ہے اور خمر محبت افعالیہ جو رطب سے تیار کی گئی ہے اور زیتون معرفت اور نخل توحید جو کہ بلند ہے کہ اس پر مدعی کذاب چھلانگ لگا سکے اور فاکہہ وجدانیات و ذوقیات اور حدائق شوق و اشتیاق اور وجد و تجرید وغیرہ اور اَبّ چراگاہ شہوات حیوانیہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ بعض ان برگزیدہ نعمتوں میں سے خواص جیسے ارواح و اسرار و قلوب کے لیے مخصوص ہیں اور بعض عوام جیسے نفوس بشریہ قوائے طبعیہ و عنصریہ کے لیے۔

تفسیر عالمانہ

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ (پھر وہ آئے گی جب وہ کان پھاڑنے والی چنگھاڑ)

ربط : انسان کے مبدا، خلق و معاش کے ذکر کے بعد اب اس کے احوال معاد میں شروع ہو رہے ہیں فا، مابعد کے ماقبل پر مرتب ہونے کی دلالت کے لیے ہے کہ یہ نعمتیں دنیویہ عنقریب مٹنے والی ہیں جیسے اس پر لفظ دلالت کرتا ہے یعنی ان کا مٹنا نہایت جلدی اور ان کا مضمحل (خراب ہو جانا) بعجلت ہو گا اذا کا جواب محذوف ہے جس پر یوم یفر الخ دلالت کرتا ہے یعنی ہر ایک اپنے آپ میں مصروف ہو گا۔

حلِ لغات الصّاخۃ وہ ہولناک آواز جس کے لیے لوگ چیخیں گے، از صخ لحدیثہ (اس کی بات سے چیخا اور سنا) یہ نفخۂ ثانیہ کی صفت ہے، اس لیے کہ قبور میں لوگ اس کی آواز سے چیخیں گے، استماع کا اسناد مسموع کی طرف مجازاً ہے۔ بعض نے کہا کہ وہ آواز جس سے کان بہرے ہو جائیں اس کی شدت کے وقوع کی وجہ سے۔ بعض نے کہا کہ یہ صخہ بالحجر (اسے پتھر سے توڑا) سے ماخوذ ہے۔ اور یہ کان چیرنے والی آواز نفخہ میں حقیقۃً ہو گی (یہاں کوئی مجازی معنیٰ نہیں)۔

یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ (اس دن آدمی بھاگے گا اپنے بھائی سے) باوجودیکہ ان میں سے دُنیا میں آپس میں موانست اور مہربانی تھی **وَاُمِّهٖ** (اور اپنی ماں سے) باوجودیکہ جانتا ہے کہ اس کے اس پر بے شمار حقوق (واحسانات) ہیں **وَاَبِیْهِ** (اور اپنے باپ سے) باوجودیکہ دنیا میں اس سے بے شمار شفقتیں اور مہربانیاں دیکھیں **وَصَاحِبَتِهٖ** (اور اپنی جورو سے) باوجودیکہ دنیا میں یہی اس کی سب سے بڑی مونس اور غمگسار تھی **وَبَنِیْهِ** (اور اپنی بیٹیوں سے) باوجودیکہ دنیا میں اُن کا ہر وقت خیال رکھتا تھا لیکن یہاں ان سب سے مُنہ پھیرے گا اور انہیں اپنے قریب نہیں پھٹکنے دے گا اور نہ اُن کا حال پُوچھے گا جیسے دُنیا میں ان کے معاملات میں لگا رہتا تھا کیونکہ اس وقت اپنی پڑی ہو گی اور اسے معلوم ہو گا کہ اب یہ میرے کام نہیں آئیں گے یوم اعنی فعل سے منصوب ہے الصاخہ کی تفسیر کر رہا ہے اور بنیہ محبوب ترین کی تاخیر مبالغہ کے لیے ہے کیونکہ ماں باپ بھائی سے اقرب ہیں اور دنیا میں زیادہ قلبی لگاؤ جورو سے تھا اور بہ نسبت ماں باپ کے اولاد سے تعلق شدید تر تھا، لیکن محبت کے یہ تمام رشتے ٹوٹ جائیں گے۔

مسئلہ : جیسے یہ آیت مردوں کے لیے ہے ویسے ہی عورتوں کے لیے بھی ہے۔ یہ عرب کے دستور کے مطابق ہے کہ اکثر مسائل عورت کے مرد کے ماتحت مندرج ہوئے۔

ف : حضرت عبداللہ بن طاہر ابہری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جب انسان اپنے مذکورہ بالا رشتوں کا عجز دیکھے گا اور تمام تدبیریں ٹوٹتی ہوئی ملاحظہ فرمائے گا تو اس کی طرف بھاگے گا جو یہ تمام دُکھ درد اور غم و الم دُور کرے گا اگر اسے دنیا میں ایسا کرتا یعنی ماسوی اللہ پر اعتماد نہ کرتا تو اسے کوئی شے عاجز نہ کرتی ایسے ہی وہ فسحۃ توکّل میں آجاتا اور تفویض کے سایہ تلے آرام کرتا (تو اب اسے یہ وقت نہ دیکھنا پڑتا)۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں مرد کے قلب کے فرار کا اپنے بھائی سر سے اور اپنی ماں نفس سے اور اپنے باپ رُوح سے اور اپنی جورو قوائے بشریہ سے اور اپنے بیٹوں اعمال و احوال سے فرار کی طرف اشارہ ہے، اس لیے کہا کہ اس دن کوئی بھی اپنے عمل سے نہ چھوٹ سکے گا بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور ہربانی سے ہی نجات ملے گی۔

حدیث شریف میں ہے،

لن یدخل احدکم الجنۃ بعملہ	کوئی بھی جنت میں اپنے عمل سے داخل نہ ہوگا۔

رض کی گئی،

ولا انت یا رسول اللہ۔	یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ بھی؟

آپ نے فرمایا،

ولا انا الا ان یتغمدنی اللہ۔	میں بھی، مگر یہ کہ مجھے اللہ تعالیٰ غفران میں ڈھانپ لے گا۔

فسیر عالمانہ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُّغْنِيْهِ (ہر ایک کو اس دن میں ایک فکر ہے کہ وہی اسے بس ہے) جملہ مستانفہ ہے سبب فرار کے بیان کے لیے ارد ہے۔

لِ لغات شأن ان امور و احوال کے لیے بولا جاتا ہے جو عظمت والے ہوں یعنی مذکورین میں سے ہر ایک کو ایک شغل ہوگا جس نے اسے مشغول کر رکھا ہوگا اور ایک ہولناک حادثہ ہوگا جو اس کے مام میں پھنسا ہوگا وہی اسے کافی ہوگا۔

ت : حضرت ابن الشیخ رحمہا اللہ نے فرمایا کہ وہ غم اور الم جس نے اس کے سینہ کو بھر دیا ہوگا اس میں اتنی ائش نہ ہوگی کہ وہ کسی دوسرے کو جگہ دے سکے۔ اسے غنیٰ سے تشبیہ دی گئی ہے کہ وہ بہت سی چیزوں کا ک ہوتا ہے ایسے اس کا ہم و الم بھی گویا اس کے بہت سے امور کا مالک ہے۔

کایت حضرت شیخ فریدالدین عطار قدس سرہٗ نے قیامت کے منظر کی ایک کہانی منظوم فرمائی ہے

؎

۱ کشتی آورد در دریا شکست — تختۂ زاں جملہ بر بالا نشست
۲ گربہ و موشے دراں تختہ بماند — کارشاں بایکدگر پختہ بماند

۳ نہ ذکر بہ موشش را روے گریز   نہ بموشش آں گربہ را چنگال تیز
۴ ہر دو شاں از ہول دریاے عجب   در تحیر باز ماندہ خشک لب
۵ در قیامت تیز ایں غوغا بود   یعنی آنجا نفے تو و نفے ما بود

ترجمہ: (۱) کشتی دریا میں لایا، وہ ٹوٹ گئی، ایک تختہ ملا جس پر بیٹھا۔

(۲) ایک بلی اور ایک چوہا بھی تختے پر آگئے، ان دونوں کا کام بچتہ رہا۔

(۳) نہ چوہے کو بھاگنے کا تصور، نہ بلی کو چوہے کو پکڑنے کا خیال۔

(۴) دریا کے ہول سے دونوں حیران اور خشک لب تھے۔

(۵) قیامت میں بھی یہی غوغا اور شور ہوگا یعنی وہاں میں اور تو کی گنجائش نہیں۔

حدیث شریف ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! قیامت میں لوگ کیسے اُٹھیں گے؟ آپ نے فرمایا: ننگے پاؤں اور ننگے جسم۔ عرض کی، تو عورتیں؟ آپ نے فرمایا، وُہ بھی۔ عرض کی، عورتیں اور مرد ایک جگہ کیسے ننگے پھریں گے؟ اس پر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

ف: ہاں ایک دوسرے سے اس خوف و خطر سے بھاگنا ہوگا کہ وُہ اپنے مطالبہ کے لیے پیچھے پڑ جائیں گے۔ مثلاً بھائی کہے گا تُو نے مجھے اچھے آداب نہ سکھائے۔ ماں باپ کہیں گے: تُو نے ہمارے حقوق ادا نہ کئے۔ زوجہ کہے گی: تُو نے مجھے حرام کا مال کھلایا، اور یہ کیا وہ کیا۔ بیٹے کہیں گے: تُو نے ہماری اچھی تربیت نہ کی اور نہ ہی ہمیں صحیح راہ بتلائی۔ یا بھاگنے کا سبب ان سے بغض ہوگا۔

قولِ ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ قابیل اپنے بھائی ہابیل سے اور نبی علیہ السلام اپنی ماں سے اور ابراہیم علیہ السلام اپنے اَب سے اور نوح علیہ السلام اپنے بیٹے سے اور لُوط علیہ السلام اپنی جورو سے فرار اختیار کریں گے۔ لیکن یہ فرار فرار مذکور کے قبیل سے نہیں۔

ف: ایسے ہی مروی ہے کہ مرد اپنے دوستوں اور رشتہ داروں سے بھاگے گا کہ وہ اسے اس بُری حالت میں نہ دیکھ پائیں۔

تفسیر صوفیانہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ جو شخص آج دنیا میں نفس پروری میں مشغول ہے کل بھی اسی نفس کے شغل میں مشغول ہوگا۔ جو آج دنیا میں اپنے رب تعالیٰ سے مشغول ہے کل قیامت میں بھی اسی کے ساتھ مشغول ہوگا۔

ف: حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب تیرا نفس دنیا و عقبیٰ میں تیرے رب تعالیٰ سے مشغول کردے

جو دنیا میں نفس کی خواہش پوری کرے اور شہوات کی اتباع کرے آخرت میں اس کے نفس کی مشغولی کی خبر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمائی ہے ، یوم یفر المرء الخ تو اے عزیز! جب تم دنیا و آخرت میں نفس کے ساتھ ایسے مشغول ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کی معرفت اور طاعت کے لیے کب فراغت پاؤ گے۔

ف : بعض عارفین نے فرمایا کہ عارف وہ ہے جو بظاہر تو ہے مخلوق کے ساتھ لیکن اس کا دل ان سے جدا اور خدا تعالیٰ سے مشغول ہے ؎

ولقد جعلتك فی الفؤاد محدثی
وابحت جسمی من اراد جلوسی

ترجمہ : میں نے تجھے دل میں تو بٹھا لیا ہے اگر جسم میں بیٹھنا چاہتا ہے تو میرا جسم بھی حاضر ہے۔

تفسیر عالمانہ وُجُوْہٌ یَّوْمَىِٕذٍ مُّسْفِرَۃٌ (اور کتنے منہ اس دن روشن ہوں گے) مذکور لوگوں کے انجام اور ان کی تقسیم کا بیان شروع ہے کہ ان میں کچھ سعادتمند ہوں گے اور کچھ شقی اور اس وحشت والی میں داخل کے کہ جس کا نام سُن کر دل دہل جاتا ہے۔ جبتدا اگرچہ نکرہ ہے مسفرۃ اس کی خبر ہے، یومئذ دراصل اذ یفر المرء تھا مسفرۃ کے متعلق ہے یعنی ان کے چہرے اور ذوات و صفات چمکتی ہوں گی نور سے۔

حلِ لغات اسفر الصبح سے ہے اضاء (اسے چمکایا) یہ لوازم الابواب سے ہے۔ المفردات میں ہے لون (رنگ) سے ہے یعنی ان کے رنگ چمکدار ہوں گے۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے کہ یہ شب بیداری کی وجہ سے ہوگا۔ (اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے)

حدیث شریف میں ہے :

من کثرت صلاتہ باللیل حسن وجھہ بالنھار۔

جو رات کو کثرت سے نماز پڑھتا ہے دن کو اس کا چہرہ روشن ہوگا۔

ف : حضرت ضحاک نے فرمایا، آثارِ وضوء سے چہرے چمکدار ہوں گے۔

ف : بعض نے کہا کہ راہِ خدا میں جو بہت زیادہ غبار آلود ہوتا ہے اس کا چہرہ چمکدار ہوگا۔

ضَاحِكَۃٌ مُّسْتَبْشِرَۃٌ (ہنستے خوشیاں مناتے) اس سے جو دائمی نعمتوں اور دائمی رونق کا مشاہدہ کریں گے۔

ف : حضرت کاشفی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ضاحکۃ بمعنی خندان (ہنستا) مستبشرۃ (شادمان، فرحناک بسبب نجات از نیران و وصول بروضۂ جنان ۔

بعض تفاسیر میں ہے ضاحکۃ بمعنی مسرور اور شادماں، خیر و برکت سے اشارات دیے ہوئے، گویا وہ ضاحکۃ کا بیان ہے ۔

ف : عین المعانی میں ہے کہ ضاحکہ ہوں گے بوجہ آنکھوں کی ٹھنڈک کے، اور مستبشرہ ہوں گے قلب کے سرور سے ۔ بعض نے کہا خوش ہوں گے کفار کی گالیوں سے بچاؤ کی وجہ سے اور اپنے نفوس کے فرحت میں ہونے ۔

ف : ابنِ طاہر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے غفلت کے پردے ہٹائے تو اللہ تعالیٰ کے قرب سے ہنس پڑے اور خوش ہوئے اس کے مشاہدہ سے ۔

حضرت ابن عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے چہرے خوش ہوں گے اپنے مولیٰ پر نظر کرنے سے، اور اللہ تعالیٰ انہیں ہنسائے گا اپنی خوشنودی سے ۔

حضرت سہل قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ان کے چہرے منور ہوں گے نورِ توحید اور اتباعِ سنت سے ۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ منور ہوں گے چہرے اربابِ ارواح و اسرار کے، اور عارفین کے قلوب معارفِ الٰہیہ اور حقائقِ لاہوتیہ سے چمکیں گے اور علوم و حِکَم سے ہنسیں گے اور خوش ہوں گے مکاشفات کی نعمتوں اور مشاہدات کے عطیوں سے ۔

ف : فقیر (صاحبِ رُوح البیان حضرت علامہ اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اس دن چہرے روشن ہوں گے دُنیا میں تزکیہ و تصفیہ اور کدورت کے زوال سے سفید ہونے کی وجہ سے، اور ہنسیں گے اس لیے وہ دنیا میں زندگی بھر اللہ تعالیٰ کے خوف سے روتے رہے یہاں تک کہ ان کی آنکھیں ماسوی اللہ کے دیکھنے سے مطلقاً اندھی ہوجائیں گی جیسے شعیب و یعقوب علیٰ نبیّنا و علیہما السلام کے لیے ہوا ۔ وہ خوش ہوں گے اس خوف کے بدلے سے امن میں جو انہیں دنیا میں تھا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

لہم البشریٰ فی الحیٰوۃِ الدنیا و فی الاٰخرۃ ۔

انہیں حیاتِ دنیا اور آخرت میں بشارت ہے ۔

کہ انہیں ملائکہ کہیں گے خوف نہ کھاؤ اور جنّت و رؤیت سے خوش ہوجاؤ ۔

حلِ لغات

الضحك بمعنی چہرے کے انبساط اور سرورِ نفس کی وجہ سے دانتوں کا کُھل جانا اور ظاہر ہوجانا ۔ دانتوں کے مقدمات (اگلے حصوں) کا نام ضواحک ہے، اور یہ صرف اور صرف سرور میں استعمال ہوتا ہے جیسے آیت میں ہے ۔ امام راغب نے فرمایا استبشر بمعنی فرحت سے ایک

کیفیت پائی۔ بشوتہ میں نے خوش کن خبر دی جس سے اس کے چہرے کا چہرا کھل گیا، وہ اس لیے کہ جب جی خوش ہوتا ہے تو خون جسم میں ایسے پھیل جاتا ہے جیسے درخت میں پانی۔

تفسیر عالمانہ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ (اور کچھ چہرے ایسے ہوں گے جن پر غبار اور گرد ہوگی اس دن)

حدیث شریف میں ہے:

یلجم الکافر العرق ثم تقع الغبرۃ علی وجوھھم۔

کافر کو پسینے کی لگام دی جائیگی اس وجہ سے ان کے چہرے غبار آلود ہو جائیں گے۔

بعض نے اس سے فراق اور ذلت کی غبار مراد لی ہے۔

تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ (ان پر سیاہی چڑھ جائے گی) اور ظلمت لپیٹ لے گی دھوئیں کی طرح چہرے میں اس جیسی سیاہی اور غبار کے اجتماع سے کوئی قبیح ترین چہرہ نہ دیکھا جائے گا جیسے زنگی کا سیاہ اور غبار آلود چہرہ ہوتا ہے۔

ف: امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا، القترۃ وہ دھواں جو گوشت وغیرہ بھوننے سے اور اگر بتّی کے جلنے سے اٹھتا ہے۔ قترۃ غبرۃ کی طرح ہے اور اسے کاذب دھوئیں سے مشابہت ہے۔

فائدہ صوفیانہ: حضرت سری سقطی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ان پر ظاہر ہوگا بُعد و فراق کا حُزن، اس لیے کہ وہ محجوب رہے اور دروازۂ حق سے ہٹائے جائیں گے۔

حضرت سہل قدس سرہٗ نے فرمایا ان پر اعراض اللہ اور غضب اللہ کا غلبہ ہوگا، اسی وجہ سے ہر آن اور ہر لحظہ ظلمت اور گرد و غبار میں اضافہ ہوتا رہے گا۔

أُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ (یہ وہی ہیں کافر بدکار) یعنی وہ جن کے چہرے سواد اور غبار سے موصوف ہیں وہ کفر و فجور کے جامع ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے چہروں پر سیاہی اور غبار کو جمع فرمایا۔

حدیث شریف میں ہے:

ان البھائم اذا صارت ترابا یوم القیامۃ حول ذلك التراب فی وجوه الکفار۔

بیشک جب قیامت میں جانور مٹی ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ اس مٹی کو کفار کے چہروں کی غبار بنا دے گا۔

ف: عین المعانی میں ہے کہ وہ کافر ہیں حقوق اللہ (نہ ادا کرنے) کی وجہ سے اور فاجر ہیں حقوق العباد

(نہ ادا کرنے) کی وجہ سے۔

تفسیر صوفیانہ

اس میں اشارہ ہے کہ فجور وہ ہے جو کفر سے غیر مقارن ہو وہ مذمومیۃ اور سببیۃ خسارت و خذلان کے درجہ میں مقارن نہیں اس لیے کہ اصل فجور کذب اور میل از حق ہے اسے گناہِ کبیرہ میں بھی استعمال کیا جاتا ہے اور اکثر اس کا استعمال مومن عاصی پر بھی ہوتا ہے لیکن لائق ہے کہ اس سے خوف و خطرہ کیا جائے۔ اس لیے کہ کبیرہ گناہ کفر کی طرف کھینچ کر لے جاتے ہیں، جیسے صغیرہ گناہ کبیرہ کی طرف لے جاتے ہیں۔

ف: کسی بزرگ نے فرمایا کہ زر و سیم اور ہر قسم کے اموال عین دنیا نہیں ہاں دنیا کے ظروف اور برتن ضرور ہیں۔

ف: دین سوز اور درد، اور دنیا حسرت و باد سرد ہے۔ قارون کی تمام دنیا زر و سیم اور جملہ اموال مکروہ نہ تھے، ہاں جب اس سے حقوق اللہ کا مطالبہ ہوا تو اس نے ان کی ادائیگی سے انکار کر دیا، اس کی دنیا کی طرف کشش اور زر و سیم سے محبت مکروہ تھی، جس نے خواب میں ایک پیسہ تک نہ دیکھا ہو پھر لمحوں میں فرعون (دنیا دار) بن جاتے، پھر جب دنیا کی وجہ سے اہلِ دنیا ہی ہوگا کیونکہ اس کا دل حرصِ دنیا میں آلودہ ہو جائیگا ایسے ہی بہت سے دنیا دار جن کی دُنیا و دولت شمار سے باہر ہو لیکن وہ اپنا دل دنیا سے کھینچ لے اور اپنے اوپر دنیا کا معمولی داغ بھی نہ آنے دے اور اسی حالت میں مر جائے تو اسے کہا جائے گا دیندار دنیا گزار۔ ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے سورۂ عبس کے آخر میں فرمایا، وجوہ یومئذ مسفرۃ ضاحکۃ مستبشرۃ۔ اور جو دین گزار (دین چھوڑنے والا) دنیا دار ہے اس کے لیے بھی فرمایا وجوہ یومئذ علیہا غبرۃ الخ۔

تفسیر صوفیانہ ۲

بعض مشائخ نے فرمایا کہ اصحاب نفوس متمردہ و ارباب ہوائے نفسانی کے چہروں پر غبار انانیت اور غبار انیت ہے انہیں دُوئی کی سیاہی اور ثنویۃ (غیریت) کی ظلمت ڈھانپ لے گی۔ یہ وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے وجودِ حق کو اپنے وجود کی غبار سے چھپایا اور اپنے ظلمانی نفوس کو منقطع کیا ہوگا ارواحِ منورہ کی متابعت سے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے بچائے (آمین)

فراغت صاحب روح البیان قدس سرہٗ: (صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا) سورہ عبس کی تفسیر اللہ تعالیٰ کے فضل سے ۸ صفر الخیر ۱۱۱۷ھ بروز سوموار مبارک مکمل ہوئی۔

فقیر اویسی غفرلہٗ نے سورۃ عبس کے اردو ترجمہ سے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے پیارے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہربانی سے ۲۸ جمادی الآخرہ ۱۴۰۹ھ / ۶ فروری ۱۹۸۹ء بروز سوموار مبارک فراغت پائی ❖

سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اٰيَاتُهَا ٢٩ رُكُوْعُهَا ١
سورہ تکویر مکیہ ہے اور اس میں اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا انتیس آیتیں اور ایک رکوع

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝١ وَإِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝٢ وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝٣
جب دھوپ لپیٹی جائے اور جب تارے جھڑ پڑیں اور جب پہاڑ چلائے جائیں

وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝٤ وَإِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝٥ وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝٦
اور جب تھلکی اونٹنیاں چھوٹی پھریں اور جب وحشی جانور جمع کیے جائیں اور جب سمندر سلگائے جائیں

وَإِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝٧ وَإِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝٨ بِأَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝٩
اور جب جانوں کے جوڑ بنیں اور جب زندہ دبائی ہوئی سے پوچھا جائے کس خطا پر ماری گئی

وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝١٠ وَإِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ۝١١ وَإِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ۝١٢ وَإِذَا
اور جب نامۂ اعمال کھولے جائیں اور جب آسمان جگہ سے کھینچ لیا جائے اور جب جہنم بھڑکایا جائے اور جب

الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ ۝١٣ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ أَحْضَرَتْ ۝١٤ فَلَآ أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۝١٥ الْجَوَارِ
جنت پاس لائی جائے ہر جان کو معلوم ہو جائے گا جو حاضر لائی تو قسم ہے ان کی جو الٹے پھریں سیدھے چلیں

الْكُنَّسِ ۝١٦ وَالَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ۝١٧ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ۝١٨ إِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ
تھم رہیں اور رات کی جب پیٹھ دے اور صبح کی جب دم لے بے شک یہ عزت والے رسول

كَرِيْمٍ ۝١٩ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۝٢٠ مُّطَاعٍ ثَمَّ أَمِيْنٍ ۝٢١ وَمَا
کا پڑھنا ہے جو قوت والا ہے مالک عرش کے حضور عزت والا وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے امانت دار ہے اور

صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ۝٢٢ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِيْنِ ۝٢٣ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ
تمہارے صاحب مجنون نہیں اور بے شک انہوں نے اسے روشن کنارہ پر دیکھا اور یہ نبی غیب بتانے میں

بِضَنِيْنٍ ۝٢٤ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۝٢٥ فَأَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ۝٢٦ إِنْ هُوَ إِلَّا
بخیل نہیں اور قرآن مردود شیطان کا پڑھا ہوا نہیں پھر کدھر جاتے ہو وہ تو نصیحت ہی ہے

ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝٢٧ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ أَنْ يَّسْتَقِيْمَ ۝٢٨ وَمَا تَشَآءُوْنَ إِلَّآ أَنْ يَّشَآءَ
سارے جہان کے لیے اس کے لیے جو تم میں سیدھا ہونا چاہے اور تم کیا چاہو مگر یہ کہ چاہے

اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٢٩
اللہ سارے جہان کا رب

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا

تفسیر عالمانہ اِذَا الشَّمۡسُ كُوِّرَتۡ (جب دھوپ لپیٹی جائے) شمس کا مرفوع ہونا فعل مضمر کا فاعل ہے جس کی تفصیل فعل مذکور کرتا ہے کوّرت مذکور کا فاعل نہیں اس لیے کہ فاعل مقدم نہیں ہوتا اور بعض کے نزدیک الشمس مرفوع بالابتداء ہے کیونکہ مقدر کرنا اصل کے خلاف ہے۔ لیکن ترکیب اول اولیٰ ہے کیونکہ اذا میں شرط کا معنی ہے اور شرط فعل سے مخصوص ہے بہرحال دونوں وجوہ کے لحاظ سے جملہ محلاً مجرور ہے باضافۃ اذا۔

حل لغات کوّرت بمعنی لُفّت (لپیٹی گئی) کوّرت العمامۃ (میں نے عمامہ کو لپیٹا) یعنی بعض اجزاء کو دوسرے اجزاء پر لپیٹا بطریق دائرہ کے۔

ف : اس سے سورج کا اٹھا لینا اسے اپنی جگہ سے ہٹا لینا مراد ہے کیونکہ جب کپڑا اپنی جگہ سے ہٹایا جائے یا چھپایا جائے یعنی صندوق وغیرہ میں رکھا جائے تو کہا جاتا ہے یلف لفا و یطوی۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا یوم نطوی السماء اس دن کہ ہم آسمان کو لپیٹیں گے تو گویا آسمان اور رفع میں علاقۂ لزوم ہے تو اس لیے اس کی تکویر سے اس کا رفع مراد ہے۔ حضرت مفتی سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کا معنی مراد ہو تو کوئی حرج نہیں اس لیے کہ اس روایت کو صحیح مان لینے سے ثابت ہے کہ سورج کُرہ مضبوط ہے تو جائز ہے کہ تکویر کا حقیقی معنیٰ مراد ہو کہ اللہ تعالیٰ اس میں تکویر کی قابلیت فرما دے کہ اسے منبسطہ (دراز) کر کے پھر اسے لپیٹے۔ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔

ف : سورج کی روشنی جو آفاق میں پھیلی ہوئی ہے اس کا لپیٹنا مراد ہو تو کوّرت کی ضمیر کا اسناد سورج کی طرف مجازی ہوگا یا مضاف محذوف ہوگا اس سے مراد یہی ہے کہ سورج زائل ہو جائے گا

اس کے ساتھ اس کی دھوپ (روشنی) بھی کیونکہ لازم کا زوال ملزوم کے زوال کو مستلزم ہے یہاں بھی لف (لپیٹنا) اعدام (مٹانا) سے مجاز ہوگا کیونکہ حقیقی معنی مراد لینے کا کوئی جواز نہیں کیونکہ ضوء (روشنی) اعراض میں سے ہے اس میں لپیٹنے کا کیا معنی۔

ف : بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ سورج کے وجود کو باقی رکھ کر اس کی دھوپ (روشنی) مٹا دے۔
احبِ کشاف کا کہنا ہے کہ سورج جب تک باقی ہے اس کی روشنی پھیلی رہے گی اس کا لپٹنا محل نظر ہے۔ اس کا
یک جواب تو وہی ہے جس کا اشارہ کیا گیا کہ لازم کے مٹنے سے ملزوم مٹ جاتا ہے، دوسرا یہ کہ سورج آسمان سے
مین پر پھینکا جائیگا جیسے ستاروں کو انکدار (گدلا ہونا) سے موصوف کیا گیا ہے اس کے طعن پر بھی یہی جواب
یا گیا۔

ف : کورہ بمعنی القاہ علی الارض (اسے زمین پر ڈالا گیا)

دیث شریف میں ہے :

ان الشمس والقمر نوران مکوران فی النار یوم القیامة۔	بیشک سورج اور چاند دونوں نور ہیں قیامت کے دن انہیں جہنم میں پھینکا جائے گا۔

وال : اس حدیث شریف کے متعلق حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے سوال کیا کہ سورج اور چاند کا کون سا
ناہ ہے کہ انھیں دوزخ میں پھینکا جائے گا۔

واب : امام فخرالدین رازی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ —————— امام حسن بصری کا سوال
اقع ہے اس لیے کہ سورج اور چاند دونوں جمادہیں ان کا آگ میں پھینکا جانا انکے ضرر کے سبب نہیں بلکہ الٹا ان کے
الے جانے سے جہنم کی آگ کو زیادہ کرنا ہے۔

ایسے ہی امام طیبی نے فرمایا کہ ان دونوں کو جہنم میں ڈالا جانا محض اس لیے ہوگا کہ اس کے سبب سے
ل نار کے عذاب میں اضافہ ہو، بالخصوص ان کی روشنی کے پجاریوں کو، نہ اس لیے کہ خود ان (سورج وچاند)
عذاب ہو۔ کیونکہ وہ دونوں تکلیف سے فارغ ہیں انھیں دوزخ میں ڈالنا آگ کو آگ میں ڈالنا ہے۔ یہ
ہے کہ جیسے ملائکہ مؤکل دوزخ میں ہیں۔

ت : ایسے ہی تفسیر الفاتحہ للفناری رحمہ اللہ میں ہے کہ جب آسمان ایک ایک ہو کر لپیٹا جائے گا تو
کے ستارے دوزخ میں پھینکے جائیں گے۔

لامہ اسمٰعیل حقی علیہ الرحمۃ کی امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کی طرفداری

فقیر (اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ حضرت
بصری رضی اللہ عنہ کا قول اوق (دقیق تر) ہے اس لیے کہ نور (شمس و قمر) کو نار میں نہیں پھینکا جاتا،

ہاں وہ مادہ شمسی جو ناری ہے اسے آگ میں پھینکا جائے گا ورنہ اس کا جو مادہ نوری ہے وہ عرش سے ملحق ہو گا اور اس کا ناری مادہ نار میں ۔ جیسے سورۂ نباء میں تحقیق گزری ہے اس میں رجوع کیجئے ۔

سوال : سورج اور چاند کا دوزخ میں ڈالنا کیسا جبکہ علم ہندسہ سے ثابت ہو چکا کہ سورج کا کرۂ عظم زمین سے کئی گنا زیادہ ہے علم ہندسہ کی تحقیق پر سورج زمین سے ایک سو ساٹھ بار اور اس کی چوتھائ اور اس کا آٹھواں بار زائد دوہرا ہے ۔

جواب : (۱) اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ وہ سُورج کو ایک اخروٹ کے چھلکے میں داخل کر دے اس کی قدرت کو ماننے کے باوجود انکار کیوں ؟

(۲) حدیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین کو قیامت میں کئی گنا دراز کر دے گا کہ دارین کی وسعت اس کے تابع ہو گی باوجودیکہ اس کے اہل کی کثرت اور وسعت کے کہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک کافر جہنمی ک ڈاڑھ اُحد (جبل) کے برابر ہو گی اور اس کا جسم تین سو دنوں کی راہ کے برابر ہو گا ۔ جب ہر کافر کی اتنی موٹائی لمبائی ہو گی تو پھر اندازہ کیجئے کہ جہنم کتنی وسیع ہو گی ۔ اس معنی پر سُورج کا کُرہ تو وہاں ایسے پڑا ہو گا جیسے کس گھر میں اخروٹ کا دانہ ۔ اور دارین کی حد اللہ ہی جانے ۔

وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ (اور جب تارے جھڑ پڑیں)

حلِ لغات النجوم نجم کی جمع ہے ۔ طلوع کرنے والا ستارہ ۔ اسی سے انگوری کے زمین سے نکل اور رائے سے تشبیہ دی جاتی ہے ۔ مثلاً کہا جاتا ہے ،

نجم النبت والرائی ۔ (انگوری اور رائے ظاہر ہوئی)

نجم دراصل مرۃ (باری) کو کہا جاتا ہے اور کبھی مصدر کے معنی میں بھی آتا ہے ۔ انکدرت جھڑ پڑیں ، بکھریں اور گریں جلدی سے ۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ، واذا الکواکب انتثرت (اور جب تارے جھڑ

لہ صاحبِ روح البیان جناب علامہ اسمٰعیل حقی علیہ الرحمۃ امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کی طرفداری فقیر اویسی غفرلہٗ کو محبوب لگ رہی ہے اس لیے کہ امام فخر الدین رحمہ اللہ کے اعتراض سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا علمی وقا گر رہا تھا اور حسن بصری جمیع سلاسل روحانیہ کے پیرانِ پیر ہیں ہم لوگ ان کا وقار علمی بلند دیکھنا چاہتے ہیں صاحب روح البیا قدس سرہٗ نے بہترین توجیہ کر کے سلاسل طیبہ کے پیرانِ پیر پر بدگمانی سے کم فہم لوگوں کو بچا لیا اسی لیے فقیر کی گزارش ہے کہ پیر فقیروں کے ماننے والے صرف اور صرف تفسیر رُوح البیان سے ہی اپنی علمی پیاس بجھائیں ۔ اویسی غفرلہٗ

الانکدار الانصباب (پانی گرانا) اس لیے کہ قیامت میں آسمان بارش کی طرح ستارے برسائے گا یہاں تک کہ آسمان پر ایک ستارہ بھی باقی نہ رہے گا تمام ستارے آسمان سے زمین پر گر پڑیں گے۔

ستاروں کی تحقیق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ستارے آسمان وزمین کے درمیان قنادیل سے نور کی زنجیروں سے لٹکے ہوئے ہیں اور وہ زنجیریں نورانی فرشتوں کے ہاتھوں میں ہیں جب تمام آسمان وزمین والے مر جائیں گے تو وہ ستارے ان نورانی فرشتوں کے ہاتھوں سے گر پڑیں گے کیونکہ ان ستاروں کے روکنے والے ہی نہ رہیں گے تو پھر ستارے آسمان پر کیسے رہیں گے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اس روحانی سورج کی روشنی کے لپٹنے کی طرف اشارہ ہے جو حیات کا سبب ہے اور زائل ہونے اور حواس عشر (ظاہرہ و باطنہ) کے ستاروں کے جھڑ جانے کی طرف اشارہ ہے نیز اس وجود اضافی کی طرف جو وجود مطلق حقیقی کے ظہور حقیقۃ۔ کے وقت کا عکس ہے کے مٹنے اور نجوم ہویات وہیاکل ماہیات کے مضمحل (لاشیٔ) ہو جانے کی طرف اشارہ ہے کہ ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہے گا کیونکہ یہ تو نسب (نسبتیں) عدمیہ و اعتبارات محضہ ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا الْجِبَالُ سُیِّرَتْ (اور جب پہاڑ چلائے جائیں) روئے زمین سے اٹھائے جائیں۔ پہلے نفخ صور کی چنگھاڑ سے اپنی جگہوں سے دور کیے جائیں نہ کہ بادلوں کی طرح پھیلائے جائیں، اس لیے یہ نفخہ ثانیہ کے بعد ہوگا۔

حلِ لغات۔ السیر بمعنے زمین پر چلنا۔

ف: چلانا دو قسم ہے:

۱۔ چلنے والے کا بالاختیار والارادہ چلنا، جیسے هو الذی یسیرکم (وہ اللہ تعالےٰ جو تمہیں چلاتا ہے)

۲۔ قہر و تسخیر سے، جیسے پہاڑوں کا (قیامت میں)۔

تفسیر صوفیانہ اس میں بلند اعضاء وجوارح کی طرف اشارہ ہے جو تعینات کی زمین سے چلے جائیں نیز انواع واجناس کے جبال جو عالم تعینات میں واقع ہیں کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ (اور جب تھلکی اونٹنیاں چھوٹی پھریں)

حلِ لغات: العطل بمعنی زینت وشغل کا فقدان (نہ ہونا) ہر اس شخص کو معطل کہا جاتا ہے جو بزعم خویش سمجھتا ہے کہ عالم (جہان) کو صانع سے فارغ ہے کہ اب وہ اسے مضبوط و مزین و مرتب کرے۔ اور کہا جاتا ہے: عطل الدار عن ساکنیها والابل عن راعیها

(دار ساکنین سے اور اُونٹ چرانے والوں سے فارغ ہے)

اب معنی یہ ہُوا کہ جب اونٹنیاں بیکار ضائع مہمل چھوڑ دی جائیں گی ان کی طرف کوئی توجہ نہ دی جائیگی حالانکہ وہ اپنے مالکوں کی محبوب و مرغوب تھیں اور وہ اس سے پہلے یعنی دنیا میں ان کی دیکھ بھال میں ہر وقت مشغول رہتے تھے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یوم لا ینفع مال و لا بنون ۔ (اس دن مال نفع دے گا نہ بیٹے)

ف : حضرت امام ابو اللیث رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ بطریق مثل فرمایا ہے اس لیے کہ قیامت میں بھلا کہاں اونٹنیاں کہاں۔ یعنی قیامت کی ہولناکی کا یہ منظر ہوگا کہ اگر اس وقت اس کے پاس حملکی اونٹنیاں ہوں تب بھی انہیں چھوڑ دے گا اور اسے اپنی پڑی ہوگی۔ یہاں یوم القیامۃ سے نفخۂ ثانیہ کے بعد کا وقت مراد ہے یا قیامت کے مبادی کا وقت مراد ہے پھر ممکن ہے کہ بوقت مبادی اونٹنیاں ہوں اس تقریر پر یہ تمثیل نہیں بلکہ حقیقت ہے۔

وَاِذَا الْوُحُوْشُ (اور جب وحشی جانور)

حلِ لغات

القاموس میں ہے کہ الوحش بمعنی جنگل کا جانور۔ الوحیش کی طرح اس کی جمع وحوش و وحشان آتی ہے اس کا واحد وحشی ہے۔

ابن الشیخ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وحشی اس جنگلی جانور کا نام ہے جو انسان سے مانوس نہ ہو، اور وہ مکان جو انسان سے خالی ہو۔ گھریلو جانور کی نقیض۔

حُشِرَتْ (جمع کئے جائیں) ہر جانب سے اور ایک دوسرے سے اور انسان سے نفرت اور جنگلوں اور ویرانوں میں متفرق ہونے کے باوجود ایک جگہ جمع ہو جائیں گے اور ان کا یہ جمع ہونا اس دن کی ہولناکی کی وجہ سے ہوگا۔

ف : بعض نے کہا کہ جانور اظہارِ عدل کے لیے قصاص کے طور پر اٹھائے جائیں گے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قیامت میں ہر شے اٹھائی جائے گی یہاں تک کہ مکھیاں بھی قصاص کے لیے مابین فیصلہ کے بعد انہیں مٹی بنا دیا جائے گا صرف وہ چیزیں رہ جائیں گی جو بنو آدم کے سرور کا موجب ہوں اور ان کی صورت سے فرحت حاصل ہو جیسے طاؤس (مور) اور بلبل وغیرہ۔ جب قصاص کے لیے حیوانات کو اٹھایا جائیگا تاکہ عدل کا تقاضا پُورا ہو تو پھر انس و جن مکلفین کے لیے کسی کو کیا وہم و گمان ہو سکتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

اس میں ان قویٰ بشریہ طبعیہ کی طرف اشارہ ہے جو جناب حق اور باب القدس سے متنفر ہیں کہ وہ ہلاکت کے بعد اس کی طرف جمع کئے جائیں جہاں ان سے وہ ظاہر ہو جو ان سے صادر ہوا۔

تفسیر عالمانہ وَ اِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ؕ (اور جب سمندر سلگائے جائیں) یعنی گرم کئے جائیں یا بھر جائیں ایک دوسرے میں جاری ہونے سے یہاں تک کہ ایک سمندر بن جائیں جن میں کڑوے اور میٹھے کی ملاوٹ ہو اور وہ تمام روئے زمین پر پھیل جائیں۔

حل لغات سجر التنور (تنور سلگانا) سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ لکڑیوں سے بھر دیا جائے یہاں تک کہ اس کا اوپر کا حصہ گرم ہو جائے اس لیے کہ جہنم دریاؤں کی گہرائیوں میں ہے لیکن اب وہ اوپر سے بند ہے اس کی حرارت کا اثر دریاؤں کے اوپر نہیں پہنچتا تاکہ زمین والوں ے لیے اس کا انتفاع آسان ہو جب دنیا کی مدت انتہا کو پہنچے گی تو پردہ اُٹھ جائے گا پھر جہنم کی گرمی کی تاثیر دریاؤں میں پہنچے گی اس سے دریاؤں کا پانی گرم ہو کر اہلِ نار کے لیے حمیم بن جائے گا یا ان کے پیچھے دبور کی ہوا کھول دی جائیگی اس کے جھونکوں سے آگ کی گرمی میں تیزی آجائے گی اس سے وہ پانی آگ بن جائیگا جیسا کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا

حکایت فتوحاتِ مکیہ میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب دریا کو دیکھتے تو فرماتے کہ اے دریا! تو کب آگ بنے گا۔

ف : دریاؤں کے پُر ہونے کی وجہ ہے کہ جب پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر اُڑتی غبار کی طرح ہو جائیں گے تو پھر وہ اپنی جگہ پر نہ ٹھہر سکیں گے اسی لیے لامحالہ ان کے اجزاء زمین پر پھیل کر اُن جگہوں کو پُر کریں گے جو زمین کی کھائیاں ہیں اس طرح سے زمین برابر ہو جائے گی تمام دریا مل کر پانی سے بھرپور ہو کر ایک سمندر بن جائیں گے۔

العجوبہ بعض نے کہا میٹھے پانی کو نمکین پر غلبہ دیا جائیگا پھر سیلاب بن کر ثور (بیل جو زمین کے نیچے کھڑا ہے) تک پہنچ جائے گا وہ سب کو نگل لے گا تمام پانی وہ بیل اپنے پیٹ میں جمع کر لے گا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس وقت پانی کا ایک قطرہ بھی باقی نہ رہے گا۔

حضرت امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ اس لیے کہ تمام پانی آگ بن جائے گا۔ ایسے افعال میں تشدید کبھی تکثیر کا فائدہ دیتی ہے اور تکرار کا بھی، اور فعل کی تخفیف دونوں (کثیر و قلیل) کا احتمال رکھتی ہے۔

نکتہ : اس سورۃ میں سجرت کی تخصیص سعرت کی وجہ سے ہے اس لیے کہ اکثر مفسرین کے نزدیک سجرت کا معنیٰ اوقدت (آگ جلائی جائے گی) ہے۔ یعنی وہ دریا آگ بن جائیں گے۔ اس معنیٰ پر تسعیر النار (آگ جلانا) اور تسجیر البحار (دریاؤں کا آگ بن جانا) دونوں وعیدیں ہیں۔

نکتہ : سورۃ الانفطار میں فُجِّرَتْ، الکواکب انتثرت کے موافق ہے اس لیے کہ ستاروں کے گرنے اور روئے زمین پر پانی کے بہنے اور قبور کے کریدنے سے ہر ایک اپنے قرین کو ملے گا۔

ف : بعثرۃ یعنی مٹی کا الٹنا (کریدنا) یعنی شے کو اپنی جگہ سے ہٹانا۔

تفسیر صوفیانہ

اس میں اشارہ ہے بحار معرفۃ ذاتیہ وحکم صفاتیہ وعلوم اسمائیہ کی طرف اس لیے کہ جب وہ تجلی وحدانی سے ایک دریا ہو جائیں گے یعنی بحر الذات جو جمیع مراتب پر مشتمل ہے، نیز اشارہ ہے ان بحار کی طرف جو اعتبارات الوجود اور اس کے شئون کلیہ سے ظاہراً و باطناً اور غیباً و شہادۃً دنیا و آخرت میں واصلِ حق ہوئے۔ کیونکہ وہ جمع ہو کر واحد ہوئے اس سے بحر الوجود ایک بحرِ ذخار ہو گیا کہ جس کا ساحل (کنارہ) نہ قعر (گہرائی کی انتہا) اور اشارہ ہے بحر عناصر کی طرف کہ وہ ایک دوسرے کی طرف بہتے ہوئے ہر ایک کے اجزا اصل سے مل کر ایک دریا بنے۔

تفسیر عالمانہ

وَاِذَا النُّفُوْسُ (اور جب جانوں کے) ظاہر یہ ہے کہ اس سے انسان کے نفوس مراد ہیں اور یہ بھی ہے کہ یہ عام ہے جو جنات کو بھی شامل ہے (کذا فی بعض التفاسیر) زُوِّجَتْ (جوڑ بنیں)

حلِ لغات

التزویج ایک دوسرے کا جوڑا بنانا۔ اور یہ مقارنت کا مقتضی ہے، یعنی اپنے اجساد سے ملائے جائیں یعنی نفوس کو اجسام میں رد کیا جائے اور ہر نفس کو اپنے ہم شکل اور اس طبقہ میں ملایا جائے جس طبقہ کا وہ تھا خیر سے یا شر سے یعنی نیک کو نیک سے برے کو برے سے یا ملائے جائیں اپنی کتاب (عمل نامہ) یا عمل سے مثلاً نفوس متمردہ اپنے اعمال سیئہ سے اور مطمئنہ اپنے اعمال صالحہ سے یا اہلِ ایمان کے نفوس حور سے اور کافروں کے شیطانوں سے۔

تفسیر صوفیانہ

اس میں اشارہ ان ارواح کی طرف ہے جو اشباح کی ہیاکل (شکلوں) کو فیض بخشنے والے ہیں عالمِ امر سے، تو وہ ملائے گئے اپنے بواعث و موجبات سے یعنی اسماء و صفات الٰہیہ اور اسباب لاہوتیہ سے۔

تفسیر عالمانہ

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ (اور جب زندہ دبائی ہوئی سے) یعنی زندہ قبر میں دفنائی ہوئی سے۔

حلِ لغات

کہا جاتا ہے وئد یئد بنتہ (اس نے اپنی بچی کو زندہ دفنایا یا وہ زندہ دفناتا ہے) وأداً (زندہ دفنانا) الموؤدۃ (وہ بچی جسے زندہ قبر میں دفنایا گیا)

جاہلیت کے عرب

جاہلیت کے عربوں کی عادت تھی کہ وہ بچیوں کو قبروں میں زندہ دفن کر دیتے یا افلاس (تنگ دستی) کے خوف سے یا لونڈی بننے کے خطرہ سے یا یا ان کی وجہ سے عار کے لحوق کے ڈر سے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ چونکہ ملائکہ بنات اللہ (اللہ کی لڑکیاں)

ہیں (معاذ اللہ) فلہذا لڑکیاں اپنے واسطے وہ وہی ان کا زیادہ مستحق ہے۔

لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کا طریقہ

کشاف میں ہے کہ جب کسی کے ہاں بچی پیدا ہوتی اور وہ اسے زندہ درگور کرنا چاہتا تو اسے اُون یا اُن بکریوں اور اونٹوں کے بالوں کا جُبّہ پہناتا جو اونٹ بکریاں جنگل میں چرتی تھیں۔ اگر وہ بچی کو جان سے مار ڈالنا چاہتا تو اُسے چھوڑے رکھتا یہاں تک کہ وہ چھ سال کی ہو جاتی، پھر اس کی ماں سے کہتا کہ اسے سنگار کر خوشبو وغیرہ لگا دے میں اسے سُسرال لے جاؤں گا۔ اور وہ پہلے ہی جنگل میں اس کے لیے گڑھا کھود چکا ہوتا۔ جب بچی کو اُس گڑھے پر لے جاتا تو اسے کہتا کہ اس کے اندر جھانک۔ جب وہ بچی اُس گڑھے کے اندر جھانکتی تو وہ (ظالم باپ) اُسے پیچھے سے دھکا دے دیتا وہ بچی اس میں گر پڑتی، پھر وہ اس پر مٹی ڈال دیتا، یہاں تک کہ اسے زمین کے برابر کر کے لَوٹتا۔

ف: بعض نے کہا کہ حاملہ عورت وضعِ حمل کے قریب ہوتی تو اُسے اُس کھودے ہوئے گڑھے پر لے جاتا اگر وہ بچی جنتی تو اسے گڑھے میں پھینک کر گڑھے کو مٹی سے بھر دیتا۔ اگر وہ عورت بچہ جنتی تو اسے اٹھا کر گھر لے جاتا۔

سُئِلَتْ (پوچھا جائے گا) اس سے اللہ تعالیٰ پوچھے گا عدل کے اظہار کے لیے، یا فرشتہ پوچھے گا اللہ تعالیٰ کے حکم سے **بِاَیِّ ذَنْۢبٍ** (کس خطا پر) ان خطاؤں پر جو قتل کے موجب ہیں عقلاً و نقلاً **قُتِلَتْ** (ماری گئی)، جیسے باپ نے قتل کر کے خود زندہ درگور کیا یا اس پر راضی تھا اور سوال لڑکی کی طرف متوجہ کرنے میں بچی کی قتل اور زندہ درگور کرنے والے پر کمالِ غیظ و غضب اور اسے درجۂ خطاب سے گرا دینے کا اظہار اور اس کی رسوائی و ذلت میں مبالغہ جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا،

اانت قلت للناس اتخذونی وامی الٰہین۔ کیا تو نے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں دونوں کو معبود بناؤ۔

اسی لیے زندہ درگور کرنے والے سے بچی کے قتل کرنے کے سبب کا سوال نہیں ہوا اور ذلت و رسوائی کی وجہ یہ ہے کہ جب جنایت کرنے والے کے سامنے سوال کر کے جنایت کو اس کی طرف منسوب کیا جائے تو جنایت کرنے والے کو اپنے اور جس پر جنایت کی، کے حال پر غور و فکر اُبھارنا ہوتا ہے اس پر سمجھتا ہے کہ جس کے ساتھ میں نے یہ غلطی کی وہ تو بالکل بری الذمہ اور جس کی جتنی سزا مقرر ہو اس کا میں مستحق ہوں اس سے وہ اپنے غلط فعل پر بڑا یقین کرتا ہے یہ بھی ایک قسم کا استدراج ہے جو علی طریق التعریض واقع ہے اور یہ زیادہ بلیغ ہوتا ہے سی لیے تصریح کے بجائے اسے اختیار کیا گیا۔

سوال: زندہ درگور بچی کے لیے صیغہ غائب کیوں، اس کے لیے تو صیغۂ خطاب موزوں تھا۔

جواب: زندہ درگور لڑکی کی خبر دینا مطلوب ہے، نہ اس سے حکایت کہ اس سے سوال ہوا تو اس نے

جواب میں کچھ کہا ہو تو نقل کے طور صیغۂ خطاب لایا جاتا یہاں چونکہ اس کے متعلق صرف خبر دینا مطلوب ہے اسی لیے صیغۂ غائب لانا موزونیت رکھتا ہے۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مشرکین کے چھوٹے بچوں کے عذاب جہنم کا سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ ان کو عذابِ جہنم نہ ہوگا۔ آپ نے اس کا استدلال اسی آیت سے فرمایا کہ ذنب (گناہ) کے بغیر کسی پر عذاب نہیں ہوتا۔

ف : حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ الوائد (زندہ درگور کرنے والا) اور موؤدہ (زندہ درگور کی ہوئی) جہنم میں ہوں گے جب موؤدہ بالغہ ہو۔

تفسیرِ صوفیانہ

اس میں اشارہ ہے کہ جن اعمال میں ریاء و سُمعہ (شہرت پسندی) اور خواہش نفسانی کی ملاوٹ ہو تو ان سے سوال ہوگا کہ کس سبب سے تمہاری نورانیت و روحانیت باطل ہوئی نیز نفس ناطقہ موؤدہ (زندہ درگور کیا ہوا) جسے نفس حیوانیہ وائد (زندہ درگور کرنے والا) نے قبر میں دبایا سے سوال ہوگا کہ کس گناہ میں مارا گیا یعنی اس گناہ کے اظہار کی طلب میں کہ جس سے نفس حیوانیہ نے نفس ناطقہ پر غلبہ پایا کہ اس پر غضب یا شہوت یا ان کے غیر کو مسلط کرکے اسے اس کے خواص و افعال سے روک کر اسے ہلاک کر دیا اس کے طلب اظہار کو سوال سے کنایہ کیا گیا۔

حدیث شریف

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

الوائدۃ والموؤدۃ فی النار لان النفس الناطقۃ فی النار مقارنۃ للنفس الحیوانیۃ۔ کذا قال القاشانی۔

الوائد اور الموؤدہ جہنم میں ہیں اس لیے کہ نفس ناطقہ نفس حیوانیہ کا قرین (مقارن) ہے۔ کذا قال القاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

تفسیرِ عالمانہ

وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ (اور جب نامۂ اعمال کھولے جائیں) اس لیے کہ وہ موت کے وقت لپیٹ لیے جاتے ہیں حساب کے وقت کھولے جائیں گے پھر ہر نامۂ اعمال والے کے ہاتھ میں بکھیر کر دئے جائیں گے جو تمام انسانوں کے نامہ ہائے اعمال ان کے دائیں بائیں بکھرے پڑے ہوں گے ہر ایک ان کے لکھے ہوئے مضامین سے آگاہی پائیگا اور سب کے اعمال اس میں موجود و محفوظ ہوں گے اسی لیے انسان کہے گا :

مال ہذا الکتاب لا یغادر صغیرۃ ولا کبیرۃ الا احصاھا۔

اس کتاب کو کیا ہے کہ وہ نہ چھوٹا گناہ چھوڑتی ہے نہ بڑا مگر اس نے گن لیا (محفوظ کر لیا)

حدیث شریف میں ہے کہ لوگ ننگے جسم اور ننگے پاؤں قبور سے اٹھائے جائیں گے۔ اس پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! وہاں عورتوں کے ساتھ کیا کیا جائیگا؟ (کیا وہ بھی ننگے بدن ہوں گی اور مرد بھی؟) آپ نے فرمایا: مشغولی سے ایک دوسرے سے بے خبر ہوں گے۔ بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی، وہ مشغولی کیا ہوگی؟ فرمایا، صحیفوں (نامہ ہائے اعمال) کا کھلنا کہ اس میں جوار اور رائی کے دانوں کے برابر ہوں گے۔

ف: بعض نے نشرت کا معنی بیان فرمایا کہ اعمال والوں کے آگے نامہ ہائے اعمال متفرق ہوں گے۔

ف: حضرت مرثد بن وداعہ نے فرمایا کہ قیامت میں صحیفے عرش کے نیچے سے اڑ کر اہلِ ایمان کے (بلند باغ کے اندر) دائیں ہاتھ پر واقع ہوں گے اور کفار کے صحیفے بائیں ہاتھ پر، جب وہ سموم اور کھولتے پانی میں ہوں گے اور ان میں ان کے اعمال لکھے ہوں گے۔ لیکن یہ صحیفے نامہائے اعمال کے علاوہ ہوں گے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ان قویٰ و نفوس کے صحیفوں کی طرف ہے جن میں اعمال کی ہیآت مندرج ہیں جو موت اور شمس روح کے لپیٹے جانے کے وقت انہیں بعث اور بدن میں لوٹنے کے وقت کھولا جائے گا۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ (اور جب آسمان جگہ سے کھینچ لیا جائے) اکھاڑا اور ہٹایا جائے کہ اس کا ماوراء ظاہر ہو جائے یعنی بہشت و عرش جیسے ذبیحہ (جانور) سے کھال اتار لی جاتی ہے اور وہ پردہ کہ جس سے کوئی شے چھپی ہو دُور کر لی جائے۔

حل لغات امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ کشط الناقۃ سے ہے بمعنی اس کا چمڑا اس سے کھینچا اسی سے استعارہ ہے الکشط روعہ بمعنی زال (اس کی گھبراہٹ دُور ہوئی)۔

تفسیر صوفیانہ اس میں سماء ارواح کا ارض اشباح سے علیحدہ ہونے اور ظہور اسماء و صفات کے بطون و خفاء کی طرف کھنچ جانے کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ (اور جب جہنم بھڑکایا جائے) کافروں کے لیے ایسا سلگایا جائے کہ انہیں ہمیشہ کے لیے جلا کر راکھ بنا دے۔

ف: سعر یعنی غضب الٰہی اور بنی آدم کی خطائیں، اور اسعار سے جہنم کے شعلوں کا بھڑکنا مراد ہے، نہ ابھی ان کا حدوث اس سے اس کا اعتراض دفع ہو گیا جو کہتا ہے کہ جہنم غیر مخلوق ہے یعنی وہ اب موجود نہیں، اس لیے کہ اس میں دلیل ہے کہ اس کا بھڑکنا قیامت کے دن سے متعلق ہے وہ اس لیے کہ اس میں زیادتی اور اشتداد ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ

اس میں خسران وخذلان کی جحیم کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ اسے اعمال سیئۃ کی لکڑیوں اور احوال قبیحہ کے پتھروں سے بھڑکایا ہے بالخصوص غضب وشہوت کی آگ جس پر وہ دنیا میں زندگی بسر کرتے رہے۔

تفسیر عالمانہ

وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ (اور جب جنت پاس لائی جائے)

حلِ لغات : الازلاف بمعنی قریب کرنا یعنی متقین کے قریب کی جائے گی تاکہ وہ اس میں داخل ہوں، جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمایا :

وازلفت الجنۃ للمتقین غیر بعید۔ اور جنت متقیوں کے قریب لائی جائے گی وہ ان سے دُور نہ ہوگی۔

ف : حضرت حسن رحمہ اللہ نے فرمایا کہ متقیوں کو جنت کے قریب پہنچایا جائے گا نہ کہ بہشت کو اپنی جگہ سے ہٹا کر لایا جائے گا۔

ف : تقریب سے مراد تعکیس ہے مبالغہ کے طور کیا گیا ہے یعنی جنت کو قریب لانے سے متقین کا قریب لانا مراد ہے، اسے برعکس کر کے جنت کو قریب لانا کہا گیا ہے، جیسے دوزخیوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

ویوم یعرض الذین کفروا علی النار۔ اور اس دن کافروں کو دوزخ پر پیش کیا جائیگا

یہ ان کافروں کی تحقیر اور انہیں حسرت میں ڈالنے کا مبالغہ ہے۔ یا اس سے تقریب معنوی مراد ہے۔ یعنی انہیں جنت کے داخلے کا مستحق بنانا اور باعزت بہشت میں داخل کرنا۔

تفسیر صوفیانہ

اس میں آثار رضا ولطف کی نعمتیں متقیوں کے قریب کرنے کی طرف اشارہ ہے، ایسی ہی جنۃ الوصول والوصال جمال وکمال کے عُشّاق کے قریب کرنے کی طرف اشارہ ہے اور وہ بارہ خصلتیں ہیں، جیساکہ صوفیہ کرام نے فرمایا وہ چھ دنیا میں یعنی نفختین کے درمیان وہی جن کا ذکر اسی سورۃ کے اوّل میں مذکور ہیں واذا البحار سجرت تک صرف الوحوش حشرت سے مراد یہ ہے کہ انہیں ہر طرف سے صرف قصاص کے لیے جمع کیا جائے گا، اور چھ آخرت میں یعنی نفخۂ ثانیہ کے بعد۔

ف : حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے چھ علامات ظاہر ہوں گی یہاں تک کہ لوگ بازاروں میں کاروبار میں مصروف ہوں گے کہ سورج بے نور ہوگا ابھی اس حالت سے گھبراہٹ میں ہوں گے کہ اچانک ستارے آسمان سے جھڑنے شروع ہو جائیں گے ابھی اس کی پریشانی دُور نہ ہوگی تو پہاڑ زمین پر گرنے شروع ہو جائیں گے اور زمین تھرتھرائے گی اس پر انس وجن گھبرا کر ایک دوسرے کے پاس جمع ہونے لگیں گے تو ان کے ہاں دنیا بھر کے جانور اور پرندے اور وحشی اکٹھے ہو جائیں گے اور

اور ان تمام کا ایک دوسرے سے خلط ملط ہو گا تو جن انسانوں سے کہیں گے ٹھہرو ہم تمہیں اس کی اصل حقیقت سے آگاہ کریں۔ جنات دریاؤں پر جائیں گے تو وہ آگ ہو چکے ہوں گے اور ان سے آگ کے شعلے نکل رہے ہونگے وہ اسی حالت میں ہوں گے تو ساتوں زمینیں اور ساتوں آسمان یکبارگی پھٹ جائیں گے، اس کے بعد اچانک آندھی چلے گی جو ان سب کو نیست و نابود کر دے گی (معالم)۔

تفسیر عالمانہ

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ (ہر جان کو معلوم ہو جائے گا جو حاضر لائی) یہاں عائد الی الموصول محذوف ہے کہ در اصل ما احضرتہ تھا نفس عام ہے جیسے دوسری جگہ مصرح ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یوم تجد کل نفس ما علمت من خیر محضرا۔	اس دن ہر نفس جان لے گا بھلائی کو جو اس کے آگے حاضر ہو گی۔

اور فرمایا:

هنالك تبلو كل نفس ما اسلفت۔	اور وہاں ہر نفس نے جو کچھ بھیجا ہو گا پائیگا۔

سوال: نکرہ سیاق الاثبات میں عام نہیں ہوتا بلکہ افراد نوعیہ کے لیے ہوتا ہے۔

جواب: یہ قانون مطرد (جاری۔ دائمی) نہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تنوین افراد شخصیہ کے لیے ہو، اس میں تنبیہ ہے کہ نفوس میں چند ایسے ہوں گے جو کچھ انہوں نے آگے بھیجا ہو گا اسے دیکھ لیں گے۔

سبق: ہر نفس پر لازم ہے کہ وہ اپنی اصلاح کرے تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہی نفس اس کا ہو۔

سوال: صرف ایک نفس کا اس وقت ہر نفس کو ایک دوسرے کا علم ہو جائیگا۔

جواب: یہ محض تنبیہ کے لیے ہے جیسے تم کسی کو نصیحت کرو تو ایسے کہو گے، لعلك ستندم علی ما فعلت (عنقریب تم اپنے کئے پر ملامت اٹھاؤ گے) بہت تھوڑے لوگ اپنے کئے پر نادم ہوتے ہیں اس سے تمہاری مراد ہرگز نہیں ہو گی کہ یقیناً اسے ندامت ہو گی یا ممکن ہے کہ نہ ہو یا شاید ہو بلکہ تمہاری مراد یہ ہے کہ عاقل پر لازم ہے کہ جس پر ندامت کی امید ہو یا ممکن ہے وہ ندامت اس پر واقع ہو تو اس سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

سبق یہ حال تو ہے نادر الوقوع یا ممکن الوقوع یا مرجو الوقوع کا اور جس کا وقوع یقیناً ہو اس سے کیوں نہ اجتناب کیا جائے۔

ف: مَآ اُحضرت سے ان کے اعمال نیک اور بُرے پیش ہوں گے اس سے یا تو ان اعمال کے صحیفے مراد ہیں، جیسے نشر سے ظاہر ہوتا ہے یا خود صاحبانِ اعمال۔ اس لیے کہ یہاں (دُنیا میں) جو اعمال ظاہرہ صور عرضیہ میں ہوتے رہے وُہ آخرت میں صور جوہریہ میں ظاہر ہوں گے ان کی مناسبت سے نیک اعمال کی

حسین صورتیں بُرے اعمال کی قبیح صورتیں (معاذاللہ) اعمال کی آخرت میں کیفیاتِ مخصوصہ و ہیأت معینہ ہوں گی۔

سوال : صلہ کا اسناد نفوس کی طرف کیوں؟ ایسے ہی احضار کی طرف حالانکہ حاضری کا حکم تو اللہ تعالیٰ کا ہوگا۔

جواب : چونکہ دنیا میں ان کا عامل وہی تھا گویا اس نے ہی انہیں موقف میں حاضر کیا اور اس کے علم کا معنی یہ ہے کہ وہ ان اعمال کا آخرت میں مشاہدہ کرے گا جیسے ان کی حقیقت ہے اگر اچھے اعمال ہیں تو اچھی صورت میں مشاہدہ کرے گا اس سے بڑھ کر جنہیں دنیا میں (اعمال کو اچھا سمجھ کر) عمل کرتا تھا اس لیے کہ طاعات کا ارتکاب دنیا میں مشقت سے خالی نہیں اور احادیث مبارکہ میں وارد ہے کہ جنت مکارہ (تکالیف) کے گھیرے میں ہے اور اگر وہ اعمال برے ہیں تو ان کا بُری صورتوں میں مشاہدہ ہوگا کیونکہ وہ اس کی خواہش نفسانی کے موافق اسے دنیا میں مزین (زینت والی) محسوس ہوتیں جیسے احادیث میں وارد ہے کہ دوزخ شہوات کے گھیرے میں ہے۔

ف : بعض نے کہا کہ علم بالاعمال کنایہ ہے ان اعمال کی جزا ہے اس لیے کہ جزاء کو علم لازم ہے۔

سوال : علمت اذا کا جواب ہے حالانکہ موقف کے مناظر اور اس علم کا ایک ہی زمانہ ہے حالانکہ شرط و جزا کے زمانے ایک دوسرے کے غیر ہوتے ہیں۔

جواب (۱) : وہ وقت (موقف) وسیع ہوگا اس کی وسعت کے لمحات گویا ایک دوسرے کے غیر ہیں۔

(۲) بارہ امور جو مذکور ہوئے وہ اول وقت یعنی نفخۂ اولیٰ میں ہوگا اور یہ جزاء آخر میں اس معنی پر دونوں وقت متغایر ہو گئے۔

(۳) اس کا یہ مطلب نہیں کہ اپنے اعمال کو تمام جملہ اوقات میں دیکھتا رہے گا بلکہ اس دراز کے اوقات میں کسی وقت میں ہوگا۔

(۴) یا اس وقت ان کی صورتوں کو جانے گا جب امور مذکورہ واقع ہوں گے بلکہ اس وقت دیکھے گا اور جانے گا جب صحائف (نامۂ اعمال) کھولے جائیں گے۔

(۵) بعض ہولناکیاں اس دن کے مبادی ہیں بعض روادف ہیں لیکن پھر ان سب کی طرف علم کی نسبت کر دینا ان کی ہولناکی کی عظمت کے پیش نظر ہے۔

ف : حضرت عمر و ابن عباس رضی اللہ عنہما اس سورۃ کو پڑھتے پڑھتے جب علمت نفس ما احضرت الخ تک پہنچے تو فرمایا سورۃ کو اسی مضمون کے لیے جاری کیا گیا ہے۔

ف : حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے سامنے کسی نے یہ سورت پڑھی جب وہ علمت نفس ما احضرت تک پہنچا تو فرمایا : ہائے پشت کا ٹوٹنا۔ آپ کا یہ فرمانا قیامت کے خوف اور اعمال کی جزا کے لیے تھا کیونکہ اُس دن ہر نیک اپنی خیر و بھلائی کے بدلے میں کرامت اور عطا دیکھے گا اور ہر بُرا ملامت

دیکھے گا۔ نیک نیکی دیکھ کر حسرت کرے گا اور کہے گا کاش اس سے زیادہ نیکی کر لیتا اور بُرا غم و اندوہ میں مبتلا ہو کر کفِ افسوس ملے گا کہ میں نے اتنا بُرا کام کیوں کیا، لیکن اس وقت اس کی حسرت اور افسوس کوئی کام نہ دے گا۔

(۱) تو امروز فرصت غنیمت شمار   کہ فردا ندامت نیاید بکار
(۲) بکوش اے توانا کہ فرمان بری   کہ ورنا توانی بسے غم خوری

ترجمہ: (۱) آج فرصت کو غنیمت شمار کر، کل (بروزِ قیامت) ندامت کام نہ آئے گی۔
(۲) اے طاقت ور! آج ہی فرمانِ (خدا) کی تعمیل میں کوشاں رہ، ورنہ ناتوانی (بڑھاپے) میں بہت پچھتائے گا۔

حدیث شریف میں ہے:

العبد المؤمن بین مخافتین عمر قد مضی لا یدری ما اللّٰہ صانع فیہ و اجل قد بقی لا یدری ما اللّٰہ قاض فیہ فلیتزود العبد لنفسہ من نفسہ و من دنیاہ لآخرتہ و من الشیبۃ قبل الکبر و من الحیاۃ قبل الممات فواللّٰہ ما بعد الموت من مستعتب وما بعد الدنیا الا الجنۃ او النار۔

بندۂ مومن دو خوفوں کے درمیان ہے:

(۱) گزری زندگی سے خائف ہے کہ نہ معلوم اس سے کیا سرزد ہوا کہ جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوا۔

(۲) باقی عمر گزرے گی تو نہ معلوم اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پابندی ہو سکے گی یا نہ۔

عقلمند پر لازم ہے کہ وہ اپنے لیے اپنے آپ سے ہی کام لے اور دنیا میں آخرت کا سامان تیار کرے اور بڑھاپے سے پہلے ہی جوانی میں کمالے مرنے سے پہلے دنیوی زندگی میں اعمال صالحہ جمع کر لے بخدا موت کے بعد کوئی عذر قابلِ قبول نہ ہوگا اور دنیا سے کُوچ کے بعد جنّت ہے یا دوزخ۔

ف: حضرت الواسلی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آیت علمت کل نفس الخ میں ہے کہ ہر جی کو معلوم ہے اور یقین ہے کہ جو کچھ عمل کیا اور جد وجہد کی وہ اس مشہد (یوم القیامۃ) میں کام نہ آئے گی ہاں وہ نجات یافتہ ہوگا جسے فضلِ الٰہی کی خلعت نصیب ہوگی اور جو اعمال کی جزاء کے انتظار میں رہا وہ ہلاک ہوا۔ (یعنی انسان

کو صرف فضلِ خداوندی پر بھروسا کرنا چاہئے نہ کہ اعمال پر)

ف : برہان القرآن میں ہے کہ اس سورۃ میں نفس ما احضرت اور انفطار میں وما قدمت وما اخرت ہے اس لیے کہ یہ جملہ واذا القبور بعثرت کے قریب ہے اور قبور دنیا سے متعلق ہیں وہ ایسے یاد دلاتی ہیں جو دنیا میں تھا وہ آخرت میں کام آئے گا اس لیے کہ ہر خاتمہ اپنے مرتبہ و مکان کے لائق ہے اور یہ سورۃ از اول تا آخر شرط و جزا اور قسم و جواب پر مشتمل ہے ۔

فَلَآ اُقْسِمُ (تو قسم ہے) لا صلہ کی ہے جو سابق کلام کے لیے وارد کی گئی ہے یعنی امر اس طرح نہیں جیسے تم سمجھتے ہو اے کافرو ! کہ قرآن سحر یا شعر یا بناوٹی قصے کہانیاں ہے ، پھر اقسم سے قسم کا آغاز فرمایا **بِالْخُنَّسِ** (ان کی جو اُلٹی پھریں)

حل لغات

الخنس ، خانس کی جمع ہے بمعنی متأخر (الٹا پھرنے والا) از خنس الرجل عن القوم خنوسا (فلاں قوم سے پیچھے ہٹنا) از باب دخل بمعنی تأخر ۔ الخنوس کا اصل ہے الرجوع الی خلف (پیچھے کی طرف لوٹنا) الخناس وہ شیطان جو انسان کے قلب پر سونڈ رکھتا ہے جب بندہ ذکر کرتا ہے تو شیطان ہٹ جاتا ہے جب غافل ہوتا ہے وسوسہ کے لیے لوٹ آتا ہے ۔

اب معنی یہ ہوا کہ قسم ہے اُن ستاروں کی جو الٹے پھرتے ہیں یہ وہ ہیں ان پانچ چمکیلے ستاروں کے نام یہ ہیں

(۱) مریخ (بالکسر) اس کا نام بہرام بھی ہے ۔

(۲) زحل ، اس کا نام کیوان بھی ہے ۔

(۳) عطارد ، اس کا نام کاتب بھی ہے ۔

(۴) زہرہ ، اس کا نام اناہید بھی ہے ۔

(۵) مشتری ، اس کا نام وادیس اور برجیس بھی ہے ۔

ہر ستارہ مجرہ کو قطع کرتا ہے سوائے ان پانچوں کے ۔ بعض نے ان پانچوں اور نیرین (سورج ، چاند) کو نظم میں بیان کیا ہے : ؎

ہفت کوکب ہست گیتی را   گاہ از ایشاں مدار و گاہ خلل
قمر ست و عطارد و زہرہ   شمس و مریخ و مشتری و زحل

ترجمہ : سات ستارے ہیں کہ جن کی وجہ سے زمانے کا مدار اور خلل بھی ،

(۱) قمر (۲) عطارد (۳) زہرہ (۴) شمس (۵) مریخ (۶) مشتری (۷) زحل ۔

ف : یہ وہ سات ستارے ہیں جن میں سے ہر ایک اپنے فلک میں پیرتا ہے چاند اول فلک میں ا

قریب والا اس کے متصل، اسی طرح علی الترتیب۔

اَلْجَوَارِ الْكُنَّسِ (سیدھے چلیں تھم رہیں)[1]

حل لغات الجواری، جاریۃ کی جمع ہے بمعنی سائرۃ۔ الکنس، کانس کی جمع ہے پناہ گاہ مستترہ میں داخل ہونے والا۔ یہ دونوں خُنّس کی صفت ہیں کیونکہ وہ ستارے اپنے افلاک میں پھرتے ہیں یا وہ سورج یا چاند کے ساتھ خود بخود پھرتے ہیں اور پھر لوٹ کر سورج کی روشنی میں چھپ جاتے ہیں جیسا کہ اہل ظاہر کا خیال ہے اور ظاہر ہے کہ ستارے کو جب آخر برج میں دیکھا جاتا ہے تو اپنے اول مقام کی طرف لوٹتا ہے اسی کا نام خنوس ہے اور کنوس کا مطلب ہے ستارے کا سورج کی روشنی میں چھپ جانا۔ لیکن قران (سورج، چاند) میں یہ معنیٰ نہیں۔

ف: عین المعانی میں ہے کہ ان کا خنس ہونا اس معنیٰ پر ہے کہ وہ اپنے مجریٰ میں چلتے اور اپنی پناہ گاہ میں چھپتے ہیں۔ کناس بمعنی ان کے چھپنے کی جگہ، جیسے ہرنی اپنی پناہ گاہ میں چھپتی ہے۔

حل لغات یہ کنس الوحش سے ہے از باب جلس یعنی وحشی (جانور) اپنی پناہ گاہ میں چھپا، یعنی اس کا وہ گھر جس میں وہ رہتا ہے جسے اس نے درخت کی ٹہنیوں سے تیار کیا ہے۔

ف: بعض نے کہا کہ تمام ستارے لوگوں کی نگاہوں سے چھپ جاتے ہیں اور رات کو طلوع کرتے ہیں اپنی جگہوں سے، جیسے وحشی جانور اپنی کمین گاہوں (بسیروں) میں دن کو چھپ جاتے ہیں لیکن رات کو باہر نکلتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں حواس خمسہ باطنہ کی طرف اشارہ ہے جو شمس روح اور قمر قلب کے ساتھ اپنے بروج کی طرف چھپ کر بحسب شمس و قمر قلب کی شعاعوں کے چلتے ہیں کیونکہ ان دونوں (روح و قلب) کی شعاعوں کا ان پر غلبہ ہے۔ اور چمکیلے ستارے پانچ ہیں:

(۱) زہرہ (۲) عطارد (۳) مشتری (۴) بہرام (۵) زحل

یہ حواس خمس ہیں اور شمس مظہر رُوح اور چاند مظہر قلب ہے۔

تفسیر عالمانہ وَالَّيْلِ (اور قسم ہے رات کی) اس کا عطف الخنس پر ہے۔ إِذَا عَسْعَسَ (جب پیٹھ دے) پیچھے ہٹ جائے اس کی تاریکی کیونکہ

---

[1] حضرت صدر الافاضل مراد آبادی قدس سرہٗ نے فرمایا یہ پانچ ستارے ہیں جنہیں خمسہ متحیرہ کہتے ہیں:
(۱) زحل (۲) مشتری (۳) مریخ (۴) زہرہ (۵) عطارد (کذا روی عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ) (خزائن العرفان)
اویسی غفرلہٗ

صبح کی آمد سے رات کی تاریکی پیٹھ پھیر جاتی ہے، جیسے الوسیط میں فرمایا جب طلوع صبح کو ہوتا ہے تو متصلاً ادبار اللیل ہو جاتا ہے تو مناسب یہ ہے کہ عسعس کی تفسیر ادبر سے کی جائے تاکہ وجود کے تعاقب کی طرح ذکر میں بھی تعاقب ہو یا اقبل از قبیل اضداد ہے ایسے ہی سعسع۔ اور یہ رات کے مبدا میں ہوتا ہے، یہی معنی رعایت مقابلہ مع قرینہ کے زیادہ مناسب ہے وَالصُّبْحِ (اور قسم ہے صبح کی) اس کا بھی الخنس پر عطف ہے اِذَا تَنَفَّسَ (جب دم لے) یعنی طلوع کرے یا اس سے مبدأ طلوع مراد ہے اذا کا عامل قسم کا معنیٰ ہے اذا اور اس کا مابعد محلاً حال ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ قسم ہے رات کی درانحالیکہ پیٹھ پھیرے اور صبح کی قسم درانحالیکہ وہ روشن ہو۔

حل لغات تنفس الصبح، تبلج یعنی اضاء واشرق (صبح چمکی) اور تنفس الصبح عبارت طلوع وانبساط سے اپنی روشنی کے تحت اس اعتبار سے کہ اس سے رات کی تاریکی ذائل ہو جاتی ہے عسعسۃ بمعنی وہ تاریکی جو رات کے آخری حصہ سے حاصل ہوتی ہے۔ النفس دراصل ریح مخصوص جس سے قلب کو راحت حاصل ہو اور اس کے چلنے سے اسے فرحت پہنچے۔

حدیث شریف میں ہے:

لا تسبوا الریح فانہا من نفس الرحمٰن۔

ہوا کو گالی مت دو اس لیے کہ وہ رحمان کا نفس ہے (یعنی اس کی شان کے لائق ہے، اس سے دکھ ٹلتا ہے)

ف: صبح کی آمد کی وجہ سے وہ جو راحت اور بادِ نسیم سے خوشی ہوتی ہے کو تشبیہ اس مخصوص ہوا سے دی گئی ہے اس ریح مخصوص کا نام نفس ہے پھر استعارۃً اس پھونکے کو نفس کہا جاتا ہے اسی لیے صبح کو متنفس کہا گیا پھر اس کے تنفس سے اقبال و طلوع صبح اور تاریکی سے روشنی کا آنا کنایہ ہے کیونکہ تنفس بمعنی مذکور اسے لازم ہے استعارہ کے طور کنایہ متفرعہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نور حیات سے تعلق روح اور طلوع نور شمس کے وقت جسمیت کی شب ظلمت کی قسم جب پیٹھ پھیرے ظلمت کے جانے کی ابتداء کے ساتھ اور صبح کی یعنی اسی طرح شمس کے نور کے اثر کی جب افادۂ حیاۃ کے لیے بدن میں پھیلے۔

اور تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں لیلۂ طبعیہ کی طرف اشارہ ہے کہ اتباع احکام شرعیہ اور مخالفات آثار طبعیہ کی وجہ سے غیب بشریہ کی اندھیروں میں شعاع رکھتی ہے اور نہار روحانیہ کی صبح کی طرف جب آداب طریقت کو کھولے اور ظاہر کرے یہی سب سے اعظم اور افضل قسم ہے۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّهٗ (بیشک وہ) یہ ضمیر قرآن مجید کی طرف راجع ہے یعنی وہ قرآن کریم جو اس مذکور ہولناک اور ڈراؤنی خبروں کا ناطق ہے اور قسم کا جواب ہے۔

ف: ان اشیاء مذکورہ کا قسم کی وجہ یہ ہے کہ ان میں کمال حکمت اور جلال قدرت کا ظہور ہے۔ فقیر (صاحب رُوح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ ان کی قسموں کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی جانب سے نور ہے اسی لیے قلب نورانی پر ہی وارد ہوتا ہے کیونکہ قلب بمنزلہ قمر کے ہے اور روح پر جو بمنزلہ سورج کے ہے اور قوائے روحانیہ پر جو بمنزلہ باقی تمام چمکیلے ستاروں کے ہیں اور یہ انوار وجود انسانی میں ظاہر نہیں ہوتے جب تک آثار طبعیہ کے آثار اور آثار نفس اور آثار قلب و رُوح زائل نہ ہوں جب انوار رُوح اور اس کے قوئی لیلۂ وجود میں چمکتے ہیں تو جو کچھ وجود میں ہوتا ہے وہ تمام چمک اٹھتا ہے اور تاریکیاں دُور ہو جاتی ہیں۔

لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ (عزت والے رسول کا پڑھنا ہے) اس سے جبریل علیہ السلام مراد ہیں آپ نے قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی جانب سے پڑھا ہے سہیلی نے کہا یہ جائز نہیں کہ کہا جائے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے اگرچہ آپ بھی عزت والے رسول ہیں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس لیے کہ کفار کے اس مقالہ کے رد و تکذیب میں یہ آیۃ نازل ہوئی۔ جنہوں نے کہا تھا کہ یہ قرآن نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازخود فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں فرمایا کہ انه لقول رسول كريم ۔ اور جبریل علیہ السلام کو امین اس لیے فرمایا ہے کہ وحی کے امین ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ قول (قرآن) اللہ تعالیٰ کا ہی تو ہے لیکن اسے جبریل علیہ السلام کی طرف منسوب کرنا اس لیے ہے کہ اسے (قرآن کو) وہی لے کر آئے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ اس معنیٰ پر اس کا اسناد جبریل علیہ السلام کی طرف باعتبار سبب ظاہری انزال و ایصال کے ہے جس پر یہ دلیل قوی موجود ہے کہ رسول سے حضرت جبریل علیہ السلام مراد ہیں وہ یہ کہ بعد کو فرمایا کہ وہ بڑی قوت والا ہے وغیرہ وغیرہ جو یہ تمام صفات صرف اور صرف جبریل علیہ السلام کی ہیں یعنی قرآن لانے والا وہ اللہ تعالےٰ کی جانب سے انبیاء علیہم السلام کی طرف اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز و معظم ہے ایسے ہی لوگوں کے نزدیک بھی کیونکہ وہ افضل العطایا لاتا ہے یعنی معرفت و ہدایت اور وہ اہلِ ایمان پر مہربان اور کفار پر اور اعداء پر قہر برساتا ہے۔ ذِيْ قُوَّةٍ (قوت والا ہے) یعنی سخت قوت والا جیسے ان کے لیے فرمایا ہے، شدید القوی جس امر کے لیے انہیں مقرر کیا جائے اس پر بڑی قوت رکھتا ہے اسی سے عاجز ہوتے ہیں نہ کمزور۔

جبریلی قوت و طاقت

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری قوت بیان فرمائی مجھے کچھ نمونے سنائیے۔ عرض کی کہ میں نے لُوط علیہ السلام کی چار بستیاں پانی کی تہ سے اپنے پروں کے اگلے حصے سے اٹھائیں آسمان

تک لے گیا جن کے کتّوں کے بھونکنے اور مُرغوں کی آواز آسمان والوں نے سُنی پھر میں نے انہیں الٹ دیا (جن کی تفصیل قرآن میں ہے)

ثمود کی قوم کا انجام

حضرت جبریل علیہ السلام کی قوت تھی کہ ثمود کی قوم پر صبح کے وقت ایک چیخ ماری تو سب کے سب گھٹنوں کے بل زمین پر ڈھیر ہو گئے۔

جبریل علیہ السلام کی پرواز

سیّدنا جبریل علیہ السلام آسمان سے زمین پر پھر زمین سے آسمان پر آنکھ جھپکنے سے پہلے آجاتے ہیں۔

شیطان کو ہندوستان دھکیل دیا

حضرت جبریل علیہ السلام نے شیطان ابیض کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اردگرد پھرتا دیکھا (یہ وہ شیطان ہے جو انبیاء علیہم السلام کے درپے آزار رہتا ہے) اسے ایک معمولی سا دھکا دیا تو مکہ معظمہ سے ہندوستان کے آخری کونے میں جاگرا۔ اسی شیطان کو عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ باتیں کرتا دیکھ کر اسے پھونک ماری تو اُسے بیت المقدس سے ہندوستان کے آخری کونے کے جبل (پہاڑ) پر پہنچادیا۔

ف : بعض نے کہا کہ قوت سے ادائیگی طاعتِ الٰہی مراد ہے کہ وہ اول خلق سے لے کر آخر زمانہ تکلیف تک معمولی طور بھی خلل و نقصان نہیں کر پاتے۔

تفسیر صُوفیانہ

اس میں صفت رُوح کی طرف اشارہ ہے کیونکہ وہ ذو سلطنت ہے مملکت انسانیہ کی جمیع حقائق کائنہ پر اس کی شاہی ہے۔

تفسیر عالمانہ

عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ (مالک عرش کے حضور) اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔ ذی العرش اس لیے ہے کہ قلوب پر اس کی انتہائی کبریائی ہے عند ظرف ہے اس کے مابعد کے لیے، یعنی **مَکِیْنٍ** (عزت والا) مرتبہ بلند والا اکرام و تشریف کی عندیت کے نزدیک نہ کہ مکانی عندیۃ کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسی امثال سے بلند و بالا ہے، مثلاً فرمایا، انا عند المنکسرۃ قلوبہم (میں منکسر المزاج کے قلوب کے نزدیک ہوں) ایسے مقامات پر اس کا قرب و اکرام مراد ہے جبریل علیہ السلام کے ہاں مراتب کا ایک مرتبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر آیۃ فان اللہ ھو مولاہ و جبریل (اللہ اس کا مولیٰ ہے اور جبریل) اپنے بعد فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ انھیں اللہ کے عندیہ کے مرتبہ سے وافر حصہ عطا ہوا ہے، مثلاً اس ملازم کے درمیان جو بادشاہ کے تخت کے نزدیک ہو دوسرا وہ جو وضوء کے لیے وضوء کی جگہ وغیرہ پر ہو۔ **مُّطَاعٍ** (وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے) ملائکہ مقربین کے مابین کہ اس کے ان احکامات کی قدر کرتے اور اس کی رائے کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ ان کا

اللہ تعالیٰ کے ہاں کتنا بلند مرتبہ ہے ۔ اسی مرتبہ عالی کی وجہ تھی کہ آسمان والوں نے شب معراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلیے آسمان کے دروازے کھولے تو جبریل علیہ السلام کے کہنے پر ۔ اہلِ سماء پر جبریل علیہ السلام کی طاعت ایسے ضروری ہے جیسے اہلِ ارض پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ۔

ف : اس میں اشارہ ہے کہ روح مطاع قوی کا بہ نسبت طرف سر و قلب کے ۔

ثَمَّ اَمِیۡنٍ (امانت دار ہے) وحی پر ، انھیں اللہ تعالیٰ نے خیانت اور خطاؤں سے معصوم فرمایا ہے ۔

حلِ لغات ثم (بضم الثاء) وصف امانت کی تعظیم اور باقی تمام صفات سے اس کی تفضیل ہے ۔ اس معنی پر یہ تراخی علی طریق الرتبی ہے کہ فاضل سے افضل و اعظم کی طرف یعنی امانت کی طرف ترقی ہے ۔

فضائلِ حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر رسول سے حضور محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہوں تو ذوالقوۃ آپ کے لیے یہ ہے کہ آپ طاعت میں صاحبِ قوت اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک صاحبِ قدر و صاحبِ مرتبہ اور صاحبِ مطاع ہیں یعنی آپ مستجاب الدعوۃ ہیں اسی لیے آپ کے چچا ابو طالب نے آپ سے عرض کی :

ما اطوعك ربك یا محمد ۔	اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالیٰ آپ کا کتنا جلدی کہا مانتا ہے ؟

آپ نے اسے فرمایا :

وانت یا عم لو اطعته اطاعك ۔	اے چچا ! اگر تم بھی اس کی اطاعت کرو تو تمہاری بات بھی مانے گا ۔

(رد وہابیہ دیوبندیہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو امین کہا تو امین کا معنی صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے وہی لکھا جو آج ہم اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کہتے ہیں تو دیوبندی وہابی اس پر شرک کا فتویٰ دیتے ہیں صاحب روح البیان قدس سرہٗ کی مندرجہ ذیل عبارت پڑھ کر ان پر بھی یہی فتویٰ جاری کر کے دکھائیں یا پھر آپکے علم غیب مانیں (**ف :** اہلِ اسلام کو مطمئن ہونا چاہیے کہ عقاید و مسائل وہی حق ہیں جو امام اہلسنت احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ بیان فرماتے ہیں ۔ صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ کی عبارت یہ ہے جو انہوں نے امین کے ترجمہ میں لکھی :)[1]

امین یعنی بر اسرار غیب ۔ (امانت دار غیب کے اسرار و رموز کے)

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

صوفیانہ معنی اس میں اشارہ ہے کہ افاضۂ فیض روحی ہر ایک پر بحسب استعداد فطری روح امین ہے۔

وَمَا صَاحِبُكُمْ (اور نہیں تمہارے صاحب) اے اہلِ مکہ اور صاحبکم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں اس کا جواب قسم پر عطف ہے اسی لیے فتح الرحمٰن میں فرمایا اور یہ بھی جواب قسم ہے۔

بِمَجْنُوْنٍ (مجنون) جیسے تم کہتے ہو۔

نکتہ: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کفار کے صاحب کہنے میں گویا انہیں چیلنج ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہارے ساتھ طویل زندگی بسر کر چکے ہیں تم نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عقل مبارک کو آزمایا اور تم نے حضورِ اکرم کو جملہ مخلوق سے بہتر پایا۔ تمہارا اقرار ہے کہ آپ امین اور صادق ہیں بلکہ تم نے خود آپ کو الامین الصادق کا لقب دیا ہے۔

جبریل علیہ السلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل ماننے والوں کے دلائل

جن لوگوں نے حضرت جبریل علیہ السلام کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فضیلت دی ہے (اگرچہ یہ مذہب کسی نے بھی قبول نہیں کیا لیکن چونکہ انہوں نے دلائل دیئے ہیں اس لیے نقل کر رہا ہوں ان کی تردید اس کے بعد آئے گی۔ اویسی غفرلہٗ) جبریل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہاں پر چھ خصائل سے موصوف فرمایا ہے جو ہر ایک کمالِ شرافت اور بلندیٔ شان پر دلالت کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صرف جنون کی نفی کی ہے اور ان دونوں میں تفاوت عظیم ہے۔

مذہب مذکور کی تردید (۱) یہ استدلال ضعیف ہے۔ اس لیے کہ یہاں صرف کفار کی تکذیب مطلوب تھی جو وہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کہا:

یا ایہا الذی نزل علیہ الذکر انک لمجنونؔ۔ اے وہ جس پر ذکر نازل کیا تو تو مجنون ہے۔

(معاذ اللہ)

نہ کہ یہاں آپ کے فضائل کی گنتی مطلوب ہے نہ جبریل اور اُن کے مرشد سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان فضائل کا موازنہ۔

(۲) حقیقت بین نگاہ سے دیکھا جائے تو جبریل علیہ السلام کا ان صفات سے موصوف ہونا بھی سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرافت اور بزرگی کے طفیل ہے کہ ان کو یہ فضائل و کمالات حضور نبی پاک (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نسبت سے نصیب ہوئے۔

(٣) علاوہ ازیں حیثیت جبریل علیہ السلام باجملہ صفات سے موصوف بھی رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مؤید اور آپ کی طرف پیغاماتِ الٰہیہ پہنچانے والے ہیں اس سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بلند مرتبہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ جبریل علیہ السلام جیسا آپ کا پیغام رساں ہے۔

(٤) جبریل علیہ السلام تو سفیر محض ہے کہ ذی العرش سے حکم لاتا ہے اگرچہ یہ بلند شان فرشتہ اور ملک مقرب ہے لیکن وہ تو مرسل الیہ کے ہاں سفیر کی حیثیت سے حاضر ہوتا ہے۔

تردید از مفتی سعدی قدس سرہٗ

حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ نے فرمایا کلام صرف اس لیے چلائی گئی منزل (نازل کردہ کتاب) کی حقیقت چلائی گئی ہے تاکہ دلالت ہو کہ قیامت کی ہولناکیاں کتنی سخت ہیں جیسا کہ فلا اقسم الخ کی فاء سببیہ دلالت کرتی ہے ں کا تقاضا یہی تھا کہ لانے والے کے اوصاف بیان کئے جائیں اسی لیے جبریل علیہ السلام کی صفات بیان نے پر زور دیا گیا نہ کہ اس کی جس ذات پر یہ کتاب نازل ہوئی اسی لیے اس ذات سے صرف ان کے بہتان ازالہ پر اکتفا کیا۔

فسیر صوفیانہ

اس میں اشارہ ہے کہ روح مجنون نہیں یعنی حقائق القرآن اور اس کے دقائق و احکام و شرائع اور وعدہ و وعید سے مستور نہیں بلکہ اس پر اس کے اسرار منکشوف ہیں۔

فسیر عالمانہ

وَلَقَدْ رَاٰہُ (اور بیشک اس نے اسے دیکھا) بحذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا۔ عین المعانی میں ہے کہ رسول اللہ لی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا نہ کہ جن کو۔ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ (آسمان کی ایک طرف میں)

ل لغات

مبین، ابان سے ہے لازم بمعنی ظاہر یعنی روشن، مشرق کی جانب شمس کے مطلع اعلیٰ میں یہاں پر افق بمعنی وہ جگہ جہاں سے سورج طلوع کرتا ہے اس پر المبین سے موصوف کرنا ل ہے اس لیے کہ خود افق کو تو شے کے تبین و ظہور سے کوئی دخل نہیں، ہاں اس اعتبار سے دخل ہے کہ وہاں سے ستاروں کا طلوع ہوتا ہے اور ظاہر ہے الکوکب المبین (روشن ستارہ) سورج ہی ہے اور ابانۃ

مذہب ہذا معتزلہ کی اڑائی ہوئی غبار تھی جو اعتزال کے مرٹنے کے بعد اس مذہب کا نام و نشان تک نہیں رہا اینہمہ اس موضوع پر فقیر کی کتاب "جبریل امین خادم دربانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم" کا مطالعہ کیجیے۔

اویسی غفرلہٗ

(ظہور) کا اسناد اس کے مطلع کی طرف مجاز ہے باعتبار اس کے کہ وہ اس کے لیے سبب ہے اس لیے کہ یہاں صرف بیان ہے کہ جو اس سے طلوع کرتا ہے وہ روشن ہے پھر اس سے مخصوص ہوا جو روشن ہے وہ ہے سورج تمام مطالع سے اعلیٰ و ارفع ہے اور وہ مطلع ہے جس سے سورج طلوع کرتا ہے کیونکہ وہ سب سے اونچا ہے اور نہار (دن) نہایت طویل اور ممتد (دراز) ہے اور یہ مطلع اس وقت ہوتا ہے جب سورج بُرج اسد میں پھرنے سے پہلے راس سرطان میں ہوتا ہے اور دن انتقاص (گھٹنا) کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور یہ تمام لفظ مبین کی صفت سے معلوم ہُوا اس لیے کہ جُونہی کوکب ستارہ (سورج) ارفع و اعلیٰ ہوگا اور جونہی دن طویل تر ہوگا جب بیانؒ اظہار و اتم و اکمل ہوگا۔

جبریل علیہ السلام کی اصلی صورت

مروی ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے چاہا کہ آپ انہیں اصلی صورت میں دیکھیں جس پر وہ پیدا ہوئے۔ عرض کی میں اس پر از خود کوئی قدرت نہیں رکھتا اور نہ ہی مجھے اجازت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ملی تو اصلی صورت میں حاضر ہُوئے غار حرا میں بعثت کے اوائل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ انہوں نے تمام آفاق کو سینہ سے بھر دیا ہے دونوں پاؤں زمین پر ہیں سر مبارک آسمان سے لگ رہا ہے، ایک پَر مشرق میں اور دوسرا مغرب میں ہے ان کے چھ سو پر ہیں جو زبرجد اخضر کے ہیں، انھیں دیکھتے ہی آپ پر غشی طاری ہوگئی۔ جبریل علیہ السلام بنو آدم کی صورت میں تبدیل ہو کر آئے اور آپ کو گلے لگایا اور آپ کے چہرہ مبارک سے غبار صاف کی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی گئی کہ آپ کی بعثت کے بعد آپ جیسا حسین چہرہ نہیں دیکھا گیا، اس کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا میرے پاس جبریل علیہ السلام اصلی صورت میں آئے اور مجھے گلے لگا کر اپنا حسن میرے حسن (بشری) میں ملا دیا۔

مسئلہ: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کسی اور نبی علیہ السلام نے جبریل علیہ السلام کو اس کی اصلی (پیدائشی) صورت میں نہیں دیکھا۔ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خصائص سے ہے۔

سوال: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جبریل علیہ السلام کی اصلی (پیدائشی) صورت کے دیکھنے سے غشی کیوں؟

جواب: یہ بھی آپ کے کمال علم و اکمل آگاہی کی دلیل ہے اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی میں دوسرے مقام پر ہے:

لو اطلعت علیھم لولیت منھم فرارا و لملئت منھم رعبا۔	اگر تم ان (اصحاب کہف) سے آگاہ ہو جاؤ تو ان سے پیٹھ پھیر کر بھاگو اور ان سے رعب میں بھر جاؤ۔

ان سے پیٹھ پھیرنا اور رعب سے بھر جانا صرف ان کے جسم سے دیکھنے سے نہیں۔ کیونکہ ان کے ظاہری جسم تو ان جیسے تھے بلکہ یہ رُعب اور ہیبت اس علم سے تھی جو ان کے دیکھنے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو آگاہی ہوئی۔ اور اس کی دوسری نظیر خود جبریل علیہ السلام ہیں کہ شبِ معراج رفرف کے دیکھنے سے ان پر غشی طاری ہوئی حالانکہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر کسی قسم کی غشی طاری نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ مروی ہے کہ جب جبریل علیہ السلام پر غشی طاری ہوئی تھی تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ مجھے جبریل علیہ السلام کی فضیلتِ علمی معلوم ہوئی۔ اس نظیر جبریل (علیہ السلام) سے ثابت ہوئی کہ غشی علم کی دلیل ہے جیسا کہ غشی جبریل علیہ السلام کے بعد ان کی علمی فضیلت کا اظہار گویا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی غشی سے اپنی علمی فضیلت کا اظہار فرمایا۔

فیصلہ حتمی رفرف کو دیکھ کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر غشی کا طاری نہ ہونا اور جبریل علیہ السلام پر غشی کا طاری ہونا، ادھر جبریل علیہ السلام کی اصلی شکل کو دیکھ کر حضور علیہ السلام پر غشی کا طاری ہونا عجیب امر ہے[1] (صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:)

لانه اذ ذاك فى نهاية التمكين وفرق بين البداية والنهاية والله تعالىٰ اعلم۔ (روح البیان، ج ١٠، ص ٣٥٣)	اس لیے کہ رفرف کی آمد کے وقت حضور علیہ السلام پر غشی کا طاری نہ ہونا تمکین کی نہایت کی وجہ سے ہے۔ اور ابتدا و انتہا میں بہت بڑا فرق ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اسے افق میں دیکھا یعنی نہایت طورِ قلب کو جو روح کے قریب ہے وہی نافثِ قدسی کے القا کا مکان ہے۔ علاوہ ازیں رسول سے مراد روح قدس ہے جو انسان کے روح میں وحی پھونکتا ہے۔ (روح سے مطلق القاء مراد ہے نہ کہ وحی اصطلاحی۔ اویسی غفرلہٗ) اور تاویلات نجمیہ میں ہے کہ دیکھا جبریل روح کو اپنے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں فناء کے بعد بقاء کے افق

---

[1] اس کا فیصلہ اسی طرح ہوگا جس طرح ہم دیوبندی وہابی گروہ کو علمِ غیب اور اختیار کی نفی کی آیات کا ایک جواب دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شریعت چونکہ تدریجی احکام پر مشتمل ہے اسی لیے آپ کے احوال بھی تدریجاً ظہور پذیر ہوئے، جو آیات نفی کی ہیں وہ ابتدائی احوال کی ہیں اور جو اثبات کی آیات ہیں وہ احوال دیگر کی ہیں۔ یہی قاعدہ صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے رقم کیا ہے۔

اویسی غفرلہٗ

کے نزدیک۔

تفسیر عالمانہ وَمَا هُوَ (اور وہ نہیں) عَلَى الْغَيْبِ (غیب بتانے میں) وہ جو وحی سے خبر دیتے ہیں اس کے علاوہ دیگر غیوب بِضَنِينٍ (بخیل) یعنی وہ وحی کے اظہار سے بخل نہیں کرتے کہ بعض وحی کو روک کر چھپا دیں، نہ پہنچائیں اور اسے چھپائے نہیں رکھتے جیسے کاہن چھپائے رکھتا ہے اس وقت تک ظاہر نہیں کرتا جب تک اُجرت وصول نہ کرے یا اس سے تعلیم کا سوال کیا جائے تو وہ تعلیم نہ دے۔

مسئلہ: اہلِ علم سے کوئی مسئلہ (پوچھنے پر) چھپانا بخل (اور گناہ) ہے۔

حلِ لغات ضَنَّ بالشئ یضن (بالفتح) ضَنًّا (بالکسر) وضنانۃً (بالفتح) یعنی بخل کیا فھو ضنین یہ بمعنی بخیل، یضن (بالکسر) ایک لغت ہے لیکن بالفتح افصح ہے (ذکرہ البیہقی فی تہذیب المصادر فی باب ضرب) چنانچہ فرمایا: الضن والضنانۃ بخیلی کرنا، اس کا مضارع یضن اس کی فتح افصح ہے اس معنی پر از باب علم ہے جیسے بعض نے تصریح کی، چنانچہ فرمایا ھو من ضننت بالشئ (بکسر النون) وہ ضِنْتُ الخ (میں نے کسی شے کا بخل کیا) سے ہے اور یہی قراءۃ نافع وعاصم وحمزہ وابن عامر کی نشر میں فرمایا اسی طرح ہے وہ تمام ان مصاحف میں جو تمام لوگوں کے ہاں مروج ہیں، ورنہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءۃ میں ظاء کے ساتھ ہے یعنی اسے الظنین پڑھا گیا ہے بروزن فعیل بمعنی مفعول یعنی متہم۔

الظنین کی تحقیق الظنین کی قراءۃ مطابق معنیٰ ہوگا وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متہم نہیں بلکہ وہ ثقہ معتبر (قابلِ اعتماد) ہیں ہر اس بات میں جس کی خبر دیتے ہیں اس میں کسی قسم کا وہم نہیں کیا جا سکتا کہ وہ جو بات کرتے ہیں ظن (گمان) سے کرتے ہیں الظنۃ بمعنی تہمۃ کہا جاتا ہے: اتھمت فلانا بکذا (میں نے فلاں پر ایسے ایسے تہمت لگائی) اس قراءۃ کو ابو عبیدہ نے اختیار کیا ہے اس لیے کہ کفار آپ کو بخیل نہیں کہتے تھے بلکہ متہم کرتے تھے اسی لیے بخل کی نفی سے تہمت کی نفی اولیٰ ہے علاوہ ازیں بخل متعدی بالباء ہوتا ہے نہ کہ بعلیٰ (اور یہاں علی الغیب میں علیٰ ہے)۔

ف: الکشاف میں ہے کہ یہی عبد اللہ (بن مسعود رضی اللہ عنہ) کے مصحف میں ہے اور حضرت اُبی (بن کعب رضی اللہ عنہ) کے مصحف میں بالضاد ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں طریقوں سے پڑھتے تھے۔

مسئلہ: قرآن کی تلاوت کرنے والے پر مخرج ظاء و ضاد کا فرق سمجھنا ضروری ہے (اس کے لیے فقیر اویسی

غزالیؒ کی کتاب رفع الفساد فی مخرج الظاء والضاد پڑھئے اس لیے کہ ضاد کا مخرج حافۂ لسان اور داڑھوں سے زبان کے دائیں طرف جو زبان کے متصل ہے زبان کی بائیں جانب سے بھی اس کا مخرج ہو سکتا ہے اور ظاء کا مخرج زبان کے کنارے سے ہے اور ثنایا علیا کے اصول سے ہے۔

مخرج ضاد وظاء میں وہابیوں کا رد[1]

(صاحب روح البیان جناب علامہ اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ نے فرمایا:)

فان قیل فان وضع المصلی احد	اگر سوال ہو کہ اگر نمازی ایک حرف دوسرے
الحرفین مکان الآخر قلنا قال فی	کی جگہ پڑھے اس کا کیا حکم ہے، محیط برہانی
المحیط البرھانی اذا اُتی بالظاء مکان	میں ہے جب ظاء ضاد کے بجائے پڑھے
الضاد او علی العکس فالقیاس أن	یا برعکس تو قیاس یہ ہے کہ نماز فاسد ہے
تفسد صلاتہ وھو قول عامۃ	یہی عام مشائخ کا قول ہے ہمارے

---

[1] ہمارے دور میں بعض دیوبندی اور غیر مقلد وہابی اور شیعہ ضاد کو ظاء مخرج میں پڑھتے ہیں حالانکہ وہابیوں اور دیوبندیوں کے مرکز کے پناہ گزیں نجدی بھی ضاد کو ظاء پڑھنے والے کے سخت مخالف ہیں لیکن چونکہ غیر مقلد بدعتی ہیں اس لیے یہ بدعت میاں نذیر حسین دہلوی نے نکالی، محض اہلسنت کی مخالفت میں بعض دیوبندی بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔ اس مسئلہ میں دونوں وہابی اور دیوبندی بدعتی ہیں۔ تفصیل فقیر کی کتاب "رفع الفساد" میں پڑھئے یہاں یہ بتانا ہے کہ ضاد کو ظاء پڑھنا کفر ہے اور نماز فاسد ہو جاتی ہے خطاءً و سہواً ایسا کرنا گمراہی ہے۔ اس کے بکثرت حوالہ جات "رفع الفساد" اور "احسن التحریر تحت ولا الضالین" میں فقیر نے لکھے ہیں یہاں طوالت کے خوف سے چند ضروری حوالوں پر اکتفا کرتا ہوں۔

دیوبندی وہابی بدعتی ہیں ضاد کو ظاء پڑھنے کی بدعت ہندوستان میں میاں نذیر حسین دہلوی نے نکالی اور اس سے پہلے شیعوں نے فتنہ برپا کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ دونوں فرقے نمازوں میں ضاد کو ظاء لازمی طور پر پڑھتے ہیں۔ اور دیوبندی چونکہ وہابی مذہب کی شاخ ہے اسی لیے وہابیوں کی دیکھا دیکھی اور صرف اہلسنت کی مخالفت میں ضاد کو ظاء پڑھتے ہیں ورنہ ان کے اکابر مولوی تھانوی اور مولوی گنگوہی ہماری طرح ضاد کو ظاء پڑھنے پر فسادِ نماز کا فتویٰ دیتے ہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ و فتاویٰ امدادیہ)

اعجوبہ مخالفین ہر بات کو نجدیوں (حرم مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ) کے موافق ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن افسوس کہ ضاد کو ظاء کے مخرج میں اُن کے خلاف کر رہے ہیں کیونکہ حرمین شریفین کے (باقی برصفحۂ آئندہ)

الشایخ وقال مشائخنا بعدم الفساد للضرورة وفی حق العامة خصوصا العجم فان اکثرهم لا یفرقون بین الحرفین وان فرقوا فرقا غیر صواب وفی الخلاصه لو قرأ بالظاء مکان الضاد او بالضاد مکان الظاء تفسد صلاته عند ابی حنیفة ومحمد واما عند عامة المشایخ کابی مطیع البلخی و محمد بن سلمة لا تفسد صلاته۔

مشایخ نے عدم فساد کا کہا ہے عوام کے حق میں بالخصوص عجم کے لیے' اس لیے کہ ان کے اکثر دو حروف کے مخارج نہیں جانتے اگر فرق کریں بھی تو صحیح نہیں ہوتا۔ خلاصہ میں ہے کہ اگر ضاد کے بجائے ظاء پڑھے تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک نماز فاسد ہے، لیکن عام مشایخ جیسے ابو مطیع بلخی و محمد بن مسلمہ کے نزدیک فاسد نہ ہو گی۔

(روح البیان ج ۱۰ ص ۳۵۳)

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ (اور قرآن مردود شیطان کا پڑھا ہوا نہیں) یعنی بعض سمع کے چرانے والے، اس پر رجیم دلالت کرتا ہے کیونکہ رجیم یعنی جو چنگاریوں سے مار بھگایا جائے، اور یہ نفی ہے ان کے قول کی جو انہوں نے کہا کہ یہ کہانت یا سحر ہے جیسا کہ فرمایا: وما تنزلت به الشیاطین (اور نہیں نازل کیا اسے شیاطین نے)

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ بیشک وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مواہب غیبیہ الہامات سریہ خبر دینے کے وقت کذب و افترائے سے متہم نہیں اور نہ ہی وہ بعض قوائے بشریہ کا قول ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) امام ضاد کو ظاء بالکل نہیں پڑھتے بلکہ ضاد ہی پڑھتے ہیں جیسا کہ حجاج و زائرین مدینہ طیبہ کو معلوم ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ لوگ محض بہ بنائے ضد ضاد کو ظاء پڑھتے ہیں۔

ازالہ وہم فیض، حوض، ریاض وغیرہ کو ظاء پڑھنا یہ عجمی لفظ کی وجہ سے ہے ضاد عجمی الفاظ میں نہیں بلکہ قرآن مجید کا لفظ ہے یہ ایسے ہے جیسے اب عربی لوگ ق کو گ بولتے ہیں مثلاً موقف کو موگف (اڈہ) قریب کو گریب وغیرہ لیکن جب قرآن کی تلاوت کرتے ہیں تو صحیح قاف پڑھتے ہیں ایسے ہم عجمی ضاد اپنی عجمیت میں پڑھیں گے تو ظاد، لیکن جب قرآن مجید پڑھتے ہیں تو ضاد کو اس کے مخرج سے پڑھتے ہیں۔ اویسی غفرلہ

تفسیر عالمانہ فَاَیْنَ تَذْهَبُوْنَ (تو کہاں جا رہے ہو؟) امر قرآن میں جس راہ پر چل رہے ہیں اس کی گمراہی کا اظہار ہے فاء مابعد کی ماقبل کے ساتھ ترتیب کے لیے ہے اس بارے میں کہ وحی بالکل ظاہر اور وہ نہیں جو تم کہہ رہے ہو، یہ ایسے ہے جیسے تم اسے کہتے ہو جو اس سیدھے راستے کو چھوڑ دے جو سب سے بڑا ہو اور اس کے آگے بہت ظاہر ہو لیکن وہ بھٹک کر دوسرا راستہ اختیار کرے کہ کہاں جا رہے ہو۔ اس سے اس کی گمراہی کا اظہار اور اس کے تعسف سے انکار ہے۔ اسی طریقہ پر قرآن مجید کے حق میں ایسی باتیں جو اس کے لائق نہیں جبکہ واضح ہے کہ وہ وحی ہے حق ہے، کہنے والوں کو کہا گیا کون سے طریقے پر چل رہے ہو؟ کیا وہ اس سے زیادہ امن والا ہے کہ جس کی حقیقت ظاہر اور جس کی استقامت واضح ہے۔

ف: این ظرف مکان مبہم تذھبون سے منصوب ہے۔ ابوالبقاء نے کہا کہ اس کا اصل الی این تذھبون تھا حرف جر حذف کر دیا گیا ہے یہ بھی ہے کہ الیٰ کے حذف کا قول نہ کیا جائے بلکہ کہا جائے تذھبون تؤمّون کے معنی کو متضمن ہے یعنی کہاں کا ارادہ کر رہے ہو۔

ملفوظ جنید قدس سرہٗ حضرت جنید قدس سرہٗ نے فرمایا، اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ ہم سے نکل کر کہاں جاؤ گے۔ کوئی شے ایسی نہیں جو ہمارے ہاں نہ ہو۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں کہ طریق حق سے طریق باطل کی طرف سے کیوں جا رہے ہو اور دوسرے کی اقتدا چھوڑ کر اتباع نفس اختیار کر رہے ہو۔

تفسیر عالمانہ اِنْ هُوَ (نہیں وہ) ان نافیہ ہے ھو (ضمیر) قرآن کی طرف راجع ہے اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ (مگر عالمین کے لیے ذکر (نصیحت) ہے) اور ان کے لیے تذکیر، اس سے انس و جن مراد ہیں جس پر عقل دلالت کرتی ہے اس لیے کہ وہی وعظ و تذکیر کے محتاج ہیں لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ (اس کے لیے جو تم میں سے چاہے) اے طاعت و ایمان کے مکلّفو یہ عالمین سے بدل البعض من الکل ہے اعادہ جار ہے اور اصل متبوع اور فرع تابع کے درمیان تخالف نہیں کیونکہ پہلا باعتبار ذات کے ہے دوسرا باعتبار تبع کے ہے اَنْ یَّسْتَقِیْمَ (اس کے لیے کہ جو تم میں سیدھا ہونا چاہے) ان یستقیم لمن شاء کا مفعول ہے اس کے لیے جو تم میں سے حق کی تلاش و صواب کے لزوم کی استقامت چاہے اسے العٰلمین سے بدل بنانے میں باوجودیکہ وہ جمیع مکلّفین کو شامل ہے یہ نکتہ ہے کہ وہی تذکیر سے نفع اٹھانے والے ہیں نہ کہ ان کے غیر گویا وہ اس سے نصیحت حاصل کرنے کے لیے یہی مخصوص ہیں نہ کہ ان کے غیر وَمَا تَشَآءُوْنَ (اور تم کیا چاہو) استقامت تمہاری ایسی مشیت جو استقامت کو مکمل طور پا لے کسی نہ کسی وقت اسے وہ جو

استقامت کو چاہے وُہ اس لیے کہ لمن شاء منکم دلالت کرتا ہے کہ ان میں بعض وُہ تھے جو استقامت چاہتے اور ان کے بعض نہ چاہتے اور یہ خطاب انہیں سے ہے جو استقامت کو چاہتے تھے۔

ابوجہل کی ہٹ

مروی ہے کہ جب لمن شاء منکم ان یستقیم نازل ہُوئی تو ابوجہل نے کہا اس کا ہمیں اختیار دیا گیا ہے اگر چاہیں گے تو سیدھے رہیں گے، نہیں چاہیں گے تو نہیں۔ قدریہ' مذہب کا سر (اصل) یہی ابوجہل ہے اس پر نازل ہُوئی وما تشاء ون الخ۔

اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (مگر یہ کہ چاہے اللہ تعالیٰ) یہ اقامۃ المصدر موقع الزمان کے قبیل سے ہے یعنی مگر اس وقت جب استقامت کو اللہ تعالیٰ چاہے جو کامل استقامت پر مشتمل ہو تمہاری مشیت کامل استقامت کو حاصل نہیں کر سکتی اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر اس لیے کہ مشیت اختیاریہ حادثہ مشیت ہوتی ہے اس کے لیے مُحدِث ہونا ضروری ہے اور اس کا حدوث موقوف ہوتا ہے کہ اس کا محدث اس کی ایجاد چاہے تو۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہُوا کہ فعل الاستقامۃ استقامت پر موقوف ہے اور یہ ارادہ موقوفۃ الحصول ہے اس پر کہ اسے اللہ تعالیٰ ارادہ عطا فرمائے۔ اور قاعدہ ہے کہ موقوف علی الموقوف علی الشیٔ موقوف ہے اسی شیٔ پر تو اہلسنت کے مذہب پر واضح ہوا کہ افعال العباد ثبوتاً و نفیاً موقوفۃ الحصول ہیں مشیتِ الٰہی پر۔

رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (سارے جہان کا رب) تمام مخلوق کا مالک اور تمام ارزاق جسمانیہ و روحانیہ کا مربی۔

حدیثِ قدسی میں ہے:

یا ابن آدم ترید و اُرید فتعب فیما ترید و لا یکون الا ما اُرید۔	اے ابن آدم! تیرا بھی ارادہ ہے اور میرا بھی تُو اپنے ارادہ پر بڑی مشقت اٹھاتا ہے لیکن ہوتا وہی ہے جو میرا ارادہ ہوتا ہے۔

مسئلہ: حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے انبیاء علیہم السلام پر نازل کردہ بکثرت کتب میں دیکھا ہے کہ جو بھی کسی کام کو اپنی مشیئت کی طرف منسوب کرتا ہے وہ کافر ہے۔

ملفوظ ابوبکر واسطی رحمہ اللہ

حضرت ابوبکر واسطی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اپنی جمیع صفات میں اپنا عجز تصور کرو وہ چاہو جو اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے تو کوئی کام نہیں کرتا سوائے اس کی قوت کے اور کوئی اطاعت نہیں کرتا سوائے اس کے فضل کے اور کوئی بے فرمانی نہیں کرتا سوائے اس کے رسوا کرنے کے، اب بتا تیرے لیے کیا باقی رہا جس پر تُو فخر کرتا ہے اپنے اعمال پر اور تجھے تو سوائے اس کی توفیق کے کچھ حاصل نہیں۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے ہر صفت میں عاجز بنایا ہے تو اس کی مشیت

کے سوا کچھ چاہتا ہی نہیں اور تو جو کام کرتا ہے اسی کی قوت سے ہی اور تو کوئی فرمان بجالاتا ہے تو اسی کے فضل سے ہی، نافرمان ہوتا ہے تو اس کے رُسوا کرنے سے۔ پھر تیرا کیا ہے کہ جس پر تُو فخر کرتا ہے اور نازاں ہے کہ میرے پاس بھی اعمال ہیں۔ خلاصہ یہ کہ تیرا کچھ ہے ہی نہیں ؎

ز سر تا پا ہمہ در ہیچم ہیچ
چہ پا چہ سر ہمہ ہیچم در ہیچ

ترجمہ: سر سے پاؤں تک تمام کچھ بھی نہیں پاؤں ہوں یا سر بس نام ہی ہے باقی کچھ بھی نہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ جسے پسند ہو کہ روزِ قیامت کو ایسا دیکھے گویا کہ وہ نظر کے سامنے ہے تو چاہیے کہ سورۃ اذا الشمس کورت اور سورہ اذا السماء انفطرت اور سورہ اذا السماء انشقت پڑھے (ترمذی)

ف: اس لیے کہ ان سورتوں میں قیامت کے ہولناک احوال کا تفصیل سے بیان ہے۔

فراغتِ صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ تفسیر سورۃ التکویر ملک قدیر کی مدد سے وسط صفر الخیر ۱۱۱۷ھ میں مکمل ہوئی۔

فراغتِ مترجم اللہ تعالیٰ کی مدد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظرِ کرم سے فقیر اویسی غفرلہٗ نے سورۃ التکویر کی تفسیر کے ترجمہ سے ۳ رجب المرجب ۱۴۰۹ھ / ۱۰ فروری ۱۹۸۹ء شبِ ہفتہ قبل صلوٰۃ العشاء فراغت پائی۔ بہاولپور، پاکستان۔

سُوْرَةُ الْاِنْفِطَارِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ (۱) اٰيَاتُهَا ۱۹ رُكُوْعُهَا ۱

سورہ انفطار مکیہ ہے اور اس میں اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا انیس آیتیں ہیں

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۝۱ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۝۲ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۝۳

جب آسمان پھٹ پڑے اور جب تارے جھڑ پڑیں اور جب سمندر بہادیئے جائیں

وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ۝۴ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ۝۵ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ

اور جب قبریں کریدی جائیں ہر جان جان لے گی جو اس نے آگے بھیجا اور جو پیچھے اے آدمی تجھے کس چیز نے

مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۝۶ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۝۷ فِيْۤ اَيِّ صُوْرَةٍ

فریب دیا اپنے کرم والے رب سے جس نے تجھے پیدا کیا پھر ٹھیک بنایا پھر ہموار فرمایا جس صورت میں چاہا تجھے

مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝۸ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ۝۹ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝۱۰

ترکیب دیا کوئی نہیں بلکہ تم انصاف ہونے کو جھٹلاتے ہو اور بے شک تم پر کچھ نگہبان ہیں

كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝۱۱ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝۱۲ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝۱۳ وَاِنَّ

معزز لکھنے والے جانتے ہیں جو کچھ تم کرو بے شک نکوکار ضرور چین میں ہیں اور بے شک

الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ۝۱۴ يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ ۝۱۵ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ ۝۱۶

بدکار ضرور دوزخ میں ہیں انصاف کے دن اس میں جائیں گے اور اس سے کہیں چھپ نہ سکیں گے

وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝۱۷ ثُمَّ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝۱۸ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ

اور تو کیا جانے کیسا انصاف کا دن پھر تو کیا جانے کیسا انصاف کا دن جس دن کوئی جان کسی

نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ۭ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۝۱۹

جان کا کچھ اختیار نہ رکھے گی اور سارا حکم اس دن اللہ کا ہے

تفسیر عالمانہ

سورہ الانفطار مکیۃ ہے اس کی ۱۹ آیات ہیں۔ ایک رکوع ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ (اللہ کے نام سے شروع وہ مہربان رحم والا)

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ (جب آسمان پھٹ پڑے) ملائکہ کے نزول سے، جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا:

یوم تشقق السماء بالغمام ونزل الملٰئکۃ تنزیلا۔ اس دن کہ بادلوں پر آسمان پھٹ پڑیں گے اور ملائکہ خوب اتارے جائیں گے۔

یا اللہ تعالیٰ کی ہیبت سے، اور فتح الرحمٰن میں ہے کہ غیر نظام مقصود پر آسمان کا پھٹنا ہوگا اور یہ پھٹنا اس کی بنیاد کے نزول کی وجہ سے ہوگا، اس کا اعراب اذا الشمس کوّرت کی طرح ہے۔

تفسیر صوفیانہ سماء الارواح والقلوب والاسرار کے تعینات مرتفع اور ان کے تشخصات زائل ہو جائیں گے اور حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب سماء روح حیوانی روح انسانی کے انفراج (کشادگی) سے اور موت کی وجہ سے پھٹ پڑے۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ (اور جب ستارے جھڑ پڑیں) یعنی سیاہ اور متفرق ہو کر اپنی جگہوں سے ایسے بکھر پڑیں جیسے موتی ہار کے ٹوٹنے سے بکھر جاتے ہیں۔

ف : یہ دونوں قیامت کی نشانیوں میں سے ہیں جو عالم علوی سے متعلق ہیں اس لیے کہ آسمان اس عالم میں زمین پر ایسے ہے جیسے مکان کی چھت۔ قاعدہ ہے کہ جو کسی مکان کو ڈھانا چاہتا ہے تو پہلے چھت کو توڑنا شروع کرتا ہے۔ اسی قاعدہ پر ہے اذا السماء انفطرت، پھر آسمان کے ڈھانے پر ستاروں کا جھڑنا لازمی امر ہے۔

تفسیر صوفیانہ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ (اور جب سمندر بہا دئے جائیں) مانع کے زوال اور زمین کے تزلزل اور اس کے پھٹنے اور برابر ہونے سے دریا ایک دوسرے سے مل کر (بڑے) ساتوں دریا ایک سمندر کی صورت اختیار کریں گے، وہ سات دریا یہ ہیں،

(۱) بحر الروم (۲) بحر الصقالبہ (۳) بحر جرجان (۴) بحر القلزم (۵) بحر فارس
(۶) بحر چین (۷) بحر الہند

ان تمام دریاؤں کو ایک کرکے اس مچھلی کے پیٹ میں ڈالا جائے گا جس پر ساتوں زمینیں قائم ہیں۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ جب زمین پانی چوس لے گی تو برابر ہو جائے گی، اس کو حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ تسجیر (آگ سے سلگنا) سے تعبیر کرتے ہیں پھر ان تمام دریاؤں میں بحر محیط داخل ہو جائے گا یعنی سب بحر محیط میں مل جائیں گے کیونکہ یہی ان سب کا اصل ہے اور وہ سب اسی کی شاخیں ہیں ایسے ہی بڑی نہریں بھی۔ کیونکہ وہ اپنی وسعت کی وجہ سے بحار ہیں۔

تفسیر صوفیانہ اس میں بحار ارواح و اسرار و قلوب کی طرف اشارہ ہے کہ تجلی احدی سے یہ سب ایک دوسرے میں جاری ہیں لیکن پھر یہ سب ایک ہو جائیں نیز اشارہ بحار اجسام عنصریہ کی طرف کہ وہ بھی ایک دوسرے میں جاری ہیں لیکن زوال برازخ حاجزہ از ذہاب کے بعد اپنے اصل کی طرف چلے جائیں گے یعنی ارواح حیوانیہ کی طرف جو خرابیِ بدن سے مانع ہے نیز اس کے اجزاء کا رجوع اپنے اصل کی جانب اشارہ ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ (اور جب قبریں کریدی جائیں گی) مٹی ہٹا کر مُردوں کو نکالا جائے گا اور وہ سورۃ العادیات میں آرہا ہے اس کے منافی نہیں۔

حل لغات

البعثرۃ بمعنی استخراج (نکالنا) قلب کی طرح۔ اور تاج المصادر میں ہے البعثرۃ بمعنی اِدھر اُدھر کرنا اور ظاہر کرنا۔ اسی لیے بعض علماء نے کہا کہ جب قبریں زیر و زبر ہوں گی یعنی مٹی ہٹائی جائے گی تاکہ ان کے مُردے مدفون اور خزانے ظاہر اور! ۔ زندہ ہوں اس کی نظیر بحثر ہے لفظاً ومعناً کہا جاتا ہے، بحثرت المتاع و بحثرتہ یعنی میں نے سامان کو اُوپر نیچے کیا۔ اس وقت قبور کے نچلے حصوں کو اوپر کیا جائے گا ان کے اموات کو نکالنے کے لیے، اسی لیے سورۃ البراۃ کو سورۃ المبعثرۃ کہا جاتا ہے کہ اس نے منافقین کے اسرار آشکار کر دئیے ہیں ان دونوں (بعثر و بحثر) بعث و بحث سے مرکب ہیں راء کے ساتھ جو دونوں سے ملائی گئی ہے۔ امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا جو اس قسم کی ترکیب رباعی و خماسی کو جائز سمجھتا ہے جیسے ھلّل و بسمل (لا الٰہ الا اللہ اور بسم اللہ کہا) وہ کہتا ہے کہ بعثر مرکب از بعث و اثیر ہے یعنی اس کی مٹی الٹی اور اس کے اندر جو کچھ ہے اسے بکھیرا، اور یہ اس حرف سے بعید بھی نہیں اس لیے کہ بعثر بعث و اثر کے معنی کو متضمن ہے اور یہ دونوں علامات قیامت سے اور عالم سفلی سے متعلق ہیں اس لیے کہ آسمان اور تاروں کی تخریب کے بعد دریاؤں کے ایک دوسرے میں نفوذ سے جو کچھ زمین پر ہوگا تمام کا ویران ہونا لازمی امر ہے کیونکہ یہ بمنزلہ ایک مکان کے ہے پھر اس کا نچلا حصہ اوپر کو اور اوپر کا نیچے ہو جائے گا۔

تفسیر صُوفیانہ

اس میں قبور تعینات کے خراب اور متعین کے تعینات سے مطلق ہو جانے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ تعینات حقائق مطلقہ کی قبریں ہیں اور قبور الابدان کی طرف اشارہ ہے کیونکہ موت سے ان کے اندر سے ارواح و قویٰ نکلتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ

عَلِمَتْ نَفْسٌ (ہر جان جان لے گی) نیک یا بد سب کو اپنا کردار معلوم ہو جائے گا جس کی تفصیل گزری ہے پہلی سورۃ (التکویر) میں۔

ف : فتح الرحمن میں ہے کہ نفس سے یہاں پر اسم جنس اور اس کے افراد مراد ہیں تاکہ سامع کا ذہن اس کی حقارت اور اس کے قلت وضعف منافع ذاتی کو سمجھے ہاں جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے وہ مستثنیٰ ہے مَّا قَدَّمَتْ (جو اس نے آگے بھیجا) دنیوی حیات میں کار خیر یا شر، اس لیے کہ لفظ ما الفاظ عموم میں سے ہے وَاَخَّرَتْ (اور جو پیچھے) اچھے یا بُرے طریقہ کو جو اس کے بعد عمل ہوتا رہے گا۔

حدیث شریف

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

جو شخص نیکی کی دعوت دیتا ہے اور اس کی دعوت قبول کر لی جاتی ہے تو اس کا اجر اسے

بھی ملتا رہے گا اور عمل کرنے والوں کی نیکی میں کمی نہ ہوگی اور جو بُرائی کی دعوت دیتا ہے اور اس کی دعوت قبول کر لی جاتی ہے جو اس بُرائی پر عمل کرے گا تو اس کا گناہ دعوت دینے والے کے لیے بھی لکھا جائے گا اور برائی والوں کی بُرائی میں کمی نہ آئے گی۔

ف : یا ماقدم سے گناہ اور ماأخر سے طاعت مراد ہے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ علمت نفس ماقدمت وما اخرت کا مطلب یہ ہے کہ نفس قوت کو فعل کی طرف نکالے اعمال حسنہ یا اعمال سیئہ کی طرف، اور وما اخرت وہ جو باقی ہے قوت میں بحسبِ نیت۔

ف : علمت الخ اذا کا جواب ہے یعنی جب یہ امور واقع ہوں گے اور دنیا خراب ہو جائے گی تو ہر جی جان لے گا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ قبور سے اُٹھتے ہی جان لے گا بلکہ جب نامہ ہائے اعمال کھلیں گے۔ جیسا کہ سابقہ سورۃ التکویر میں گزرا۔

ف : اس سے ایک ہی زمانہ مراد ہے جس کا آغاز نفخۂ اولیٰ اور منتہیٰ مخلوق کے فیصلہ تک نہ کہ متعدد زمانے بحسب تعدد لفظ اذا کے اسے بار بار لانا تہویل (ہولناکی) کی وجہ سے ہے جو اس میں دہشت ناک امور واقع ہوں گے اور علم سے علم تفصیلی مراد ہے جو نامۂ اعمال کے پڑھنے اور محاسبہ کے وقت معلوم ہو گا ورنہ علم اجمالی تو بعث و حشر کے ابتدائی زمانہ میں معلوم ہو جائے گا اس لیے کہ مطیع سعادت اور عاصی شقاوت کے آثار ابتداء میں ہی جان جائے گا۔

ف : ابن الشیخ رحمہ اللہ نے اپنے حواشی میں لکھا کہ ان جملہ امور کو جاننا اس کی جزا سے کنایہ ہے کیونکہ کلام سے مقصود زجر از معصیت اور ترغیب بر اطاعت ہے۔

تفسیر عالمانہ **یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ** (اے انسان) تمام عاصیوں کو خطاب عام ہے بالخصوص کفار کو، کیونکہ وہ مجمل و مفصل کے درمیان واقع ہے یعنی علمت الخ اور ان الابرار کے درمیان، اور بل تکذبون بالدین الخ بنو فلان قتلوا زیدا کے قبیل سے ہے جب اس کا ان کا کوئی ایک ہو۔

ف : امام سہیلی علیہ الرحمۃ نے فرمایا، اس سے امیہ بن خلف مراد ہے لیکن لفظ عام ہے اس کے اور اس کے غیر سب کے لیے صلاحیت رکھتا ہے۔

شانِ نزول بعض نے کہا اس سے ولید بن مغیرہ یا اسود بن کلدۃ الجمحی مراد ہے اس نے بلائے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے کا پروگرام بنایا لیکن کامیاب

نہ ہو سکا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت اور رحم وکرم کا مظاہرہ

زہرۃ الریاض میں ہے اس (اسود بن کلدۃ) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرِ اقدس پر ضرب لگائی لیکن کامیاب نہ ہوا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے پکڑ کر زمین پر پٹخ دیا، وہ شدتِ درد سے کہنے لگا:

یا محمد الامان الامان منی الجفاء	یا محمد! امان، امان۔ مجھ سے جفاء آپ
و منك الكرم فانی لا أوذيك ابدًا۔	سے کرم۔ میں آپ کو کبھی ایذا نہ دوں گا۔

(روح البیان ج ١٠ ص ٣٥٧)

پس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چھوڑ دیا۔

مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ (تجھے کس چیز نے فریب دیا کرم والے رب سے) ما استفہامیہ مبتدا کی جگہ میں ہے غرّك اس کی خبر ہے استفہام استعجاب و توبیخ کا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ تجھے کون سی شَے نے گناہ کرنے پر ابھارا اور عذابِ الٰہی سے بے خوف کر کے دھوکا اور جرأت دی، اور دہشتناک امور کو تُو نے جان لیا جو تیرے سامنے ہیں اور عنقریب اپنے اعمال کا مشاہدہ کرے گا۔

حلِ لغات کہا جاتا ہے غرّہ بفلان اذا اجراہ علیہ و امنہ المحذور من جہتہ مع انہ غیر مأمون (اس نے فلاں چیز پر جرأت کی اور اس کے خوف سے بے خوف وخطر ہوا حالانکہ وہ مأمون نہ ہو)

نکتہ: اس عنوان کو کریم سے بیان میں آگاہ کرنا ہے کہ وہ ایسی ذات نہیں کہ اس سے فریب کاری کی جائے کہ جیسے شیطان گمراہ کرے اور کہے کہ یہ کر، وہ کر، کچھ نہ ہوگا کیونکہ تیرا رب کریم ہے جس نے تجھ پر دنیا میں کرم فرمایا ایسے ہی آخرت میں لطف وکرم فرمائے گا، یہ قیاس بیکار اور تمنّا باطل ہے بلکہ اس امر میں مبالغہ ہے جو ایمان و طاعت پر توجہ اور کفر وعصیان سے اجتناب کا موجب بنے۔ گویا کہا گیا ہے کہ تجھے تیرے ربِ تعالیٰ کے عصیان پر کس چیز نے برانگیختہ کیا تیرا رب جو ایسے صفات سے موصوف ہے جو ایسی غلط کاریوں سے روکنے والی ہیں۔

حدیث شریف میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہی آیت کریمہ پڑھی تو فرمایا: اسے فریب دیا اس کے جہل نے۔

ف: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: بخدا اس کے شیطان نے اسے فریب دیا۔

نکتہ : اس سے ثابت ہوا کہ کریم کے فضل و کرم کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے فریب نہ کھایا جائے ایسے ہو کیوں جب اس کی صفات قہریہ بھی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ اس کے دوسرے کے متقابل ہیں اسی لئے فرمایا :

نبّئ عبادی انی انا الغفور الرحیم — خبر دیجئے میرے بندوں کو کہ میں غفور رحیم ہوں
وان عذابی ھو العذاب الالیم۔ — اور بیشک میرا عذاب دردناک ہے ۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہونا اس کا کریم اس سے غرّہ ہونا جائز بلکہ آسان کرتا ہے کیونکہ اس کی کثیر نعمتیں اور عظیم منن اور قدرت کاملہ اس سے نہیں روک سکتیں بلکہ اس سے اکثر ہے کہ اس سے کرم ہی کرم نصیب ہو۔

حکایت حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ اگر آپ کو قیامت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کرے پوچھیں کہ ما غرك بربك الكريم ، تو آپ کیا کہیں گے ؟ فرمایا : میں کہوں گا مجھے تیرے لٹکے ہوئے پردوں نے مغرور کیا ۔ اسے ابن السماک نے نظم میں کہا : ؎

یاکاسب الذنب اَما تستحی — واللہ فی الخلوۃ ثانیکا
غرك من ربك امهالہ — وستره طول مساویکا

ترجمہ : اے گناہ کرنے والے ! تجھے حیا نہیں آتی ، خلوت میں تیرا دوسرا رب ہی تو ہے ۔ تجھے دھوکا دیا رب تعالیٰ کے مہلت دینے نے اور اس کے طویل ستر نے تیرے گناہوں کو۔

نکتہ : صاحب الکشاف نے کہا کہ فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کے قول میں ایک طرف گناہوں کا اعتراف اور دوسری طرف اس کی ستّاری سے اغترار کا اظہار ہے ۔

ف : یہ اعتذار نہیں جیسے طماع[1] (رحمت کی امید رکھنے والا) کہتا ہے اور نہ ہی قصاص ہے جیسے حشویہ کا گناہ ہے ۔ یہ دونوں حضرت فضیل کو اپنے ائمہ میں شمار کرتے ہیں (وہ اپنے گمان پر ایسے کہتے ہوں گے ورنہ درحقیقت آپ تو اہلسنت والجماعت کے نہ صرف امام بلکہ شیخ المشایخ ہیں رحمہ اللہ تعالیٰ)

نکتہ : فقیر (علامہ اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اس باب میں حق یہ ہے کہ یہ اختلاف احوال الناس پر مبنی ہے کیونکہ جو صرف اشارہ کو سمجھتا ہے اس جیسا وہ کہاں جو ایسے اشارات سمجھتا ہی نہیں ۔ اور گناہ گناہ میں بھی فرق ہے ایسے ہی گمان گمان میں ۔ اسی لیے اہل اشارہ یعنی صوفیہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ

---

[1] طماع یعنی مرجئہ اویسی غفرلہٗ

نے فرمایا کہ بجائے دوسرے اسماء کے اسم کریم کا لانا اس لیے ہے کہ کہ یہ اسم گویا از جہۃ الثقلین ہے، ؎

خود تو دادی مژدۂ لاتقنطوا   من چرا ترسم زعصیان و عتو
چوں تو ہر شکستہ را سازی درست   پس خطاہا بر امید عفو تست

ترجمہ : خود تو تُو لاتقنطوا (نا امید نہ ہو) کا مژدہ سناتا ہے، پھر میں گناہ و خطا سے کیوں ڈروں، جب تُو ہر ٹوٹے دل کو جوڑتا ہے تو پھر میری خطائیں تیری عفو کی اُمید پر ہیں۔

ف : حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے تیرے احسانات نے مغرور کیا جو تُو نے مجھ پر زمانہ سابق میں کئے اور اب تک ہو رہے ہیں ؎

يقول مولاى اما تستحى   مما أرى من سوء أفعالك
فقلت يا مولاى رفقا فقد   افسدنى كثرة أفضالك

ترجمہ : اے میرے مالک! مجھے تو کہتا ہے تُو حیاء نہیں کرتا اس سے جو میں تیرے بُرے افعال دیکھتا ہُوں۔ مَیں نے عرض کی، میرے مالک! نرمی فرمائیو، مجھے تیرے فضل وکرم نے بگاڑ دیا ہے (اسی امید پر ایسے ہو جاتا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی سیرت کا نمونہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنے ایک غلام کو بار بار پکارا لیکن اس نے جواب نہ دیا حالانکہ وہ دروازے پر ہی موجود تھا۔ جب حاضر ہُوا تو آپ نے فرمایا: تُو نے میرے بار بار پکارنے پر جواب کیوں نہ دیا؟ اس نے عرض کی: آپ کے حلم کے بھروسے پر اور آپ کی سزا سے امن کی وجہ سے۔ آپ نے اس کے بہتر جواب پر احساناً اسے آزاد کر دیا۔

صُوفیانہ نکتہ بعض اہلِ اشارہ نے فرمایا کہ اس خطاب میں مخالف کو تہدید اور موافق سے پیار ہے، بھلا مخالف ایسا خطاب کیسے کرتا ہے جس سے موافق جیسا پیار جھلکتا ہو۔ اس میں وہ راز ہے جسے صرف اہلِ اشارہ ہی سمجھتے ہیں۔

حکایت ایک ولی کامل کا بیان ہے کہ میں نے بصرہ کے بازار میں ایک جنازہ دیکھا جسے صرف چار آدمی اٹھا کر دفنانے جا رہے تھے ان کے ساتھ اور کوئی نہ تھا۔ میں نے کہا عجیب بات ہے بصرہ کے بھرے بازار میں مسلمان کے جنازہ کے ساتھ کوئی بھی ساتھ نہیں۔ میں جنازہ کے ساتھ ہو لیا، اس کی نماز پڑھائی اور دفنانے میں شریک رہا۔ ان چاروں آدمیوں سے اس کے متعلق پُوچھا تو کہا ہم کچھ نہیں جانتے

ہیں تو یہ عورت کرایہ پر لے آئی ہے جو قبر کے سرہانے کھڑی ہے۔ جب وہ چاروں آدمی چلے گئے تو وہ عورت ہاتھ اٹھا کر دیر تک وہاں دُعا مانگتی رہی، فراغت پر ہنسی، جب وہ جانے لگی تو میں نے پُوچھا، بی بی! مجھے اس از سے آگاہ فرمائیے۔ فرمایا، یہ مُردہ میرا بیٹا ہے، اُس نے زندگی میں کوئی گناہ نہ چھوڑا آج سے تین روز پہلے یہ بیمار ہُوا اور مجھے کہا، امّی! جب میں مر جاؤں تو ہمسایوں کو میری موت کی خبر تک نہ دینا، وُہ میری موت سے خوش ہوں گے اور میرے جنازہ کے لیے بھی نہیں آئیں گے لیکن تم ایسے کرنا کہ میری انگوٹھی پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھوا کر میری انگلی میں پہنا دینا اور مرنے کے بعد اپنا پاؤں میرے چہرے پر رکھ کر کہنا کہ یہ ہے سزا اس کی جو خدا کا نافرمان ہو، جب تم مجھے دفنا چکو تو ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگنا کہ یا الٰہی! میں اپنے بیٹے سے راضی ہوں تُو بھی اس سے راضی ہو جا۔ اب میں نے اس کی تمام وصیتیں پُوری کر دی ہیں ور اب جیسا کہ آپ نے دیکھا ہے میں نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی ہے تو میں نے قبر کے اندر سے بیٹے کی آواز سُنی وُہ فصیح الفاظ میں کہہ رہا تھا، امّی جان! آتشریف لے جائیے میں اپنے رب کے ہاں حاضر ہُوا تو سے رحیم و کریم پایا وُہ مجھ سے راضی ہے۔ میں نے جب اس کی یہ بات سنی تو میں ہنس پڑی اس کے حال کے سرور سے۔ (شرح الاسماء للامام القشیری رحمہ اللہ تعالیٰ)

حدیث شریف

صحیح حدیث میں ہے:

ان اللہ یدنی المؤمن فیضع علیہ کنفہ وسترہ فیقول أتعرف ذنب کذا فیقول نعم ای رب حتی قررہ بذنوبہ ورأی فی نفسہ انہ ھلک قال سترتھا علیک فی الدنیا وأنا أغفر لک الیوم۔

بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو قریب کر کے اس پر اپنا پردہ ڈال کر فرمائیگا کیا تُو نے فلاں گناہ کیا تھا؟ کہے گا ہاں میرے پروردگار۔ یہاں تک کہ وُہ اپنے تمام گناہوں کا اقرار کرے گا اور اپنے دل میں یقین کرے گا کہ بس اب میں مارا گیا لیکن اللہ تعالیٰ اسے فرمائیگا کہ دنیا میں مَیں نے تیرے گناہ چھپائے تھے آج بھی تیرے گناہ بخش رہا ہُوں۔

فسیر عالمانہ

الَّذِیْ خَلَقَکَ (جس نے تجھے پیدا کیا) یہ دوسری صفت ربوبیت کے لیے مقررہ اور کرم کی مبینہ ہے اس لیے کہ خَلق بمعنی اعطاء الوجود ہے اور وہ عدم سے بہتر ہے اس میں تنبیہ ہے کہ جو خلق (تخلیق) اور وہ جو اس کے قریب ہیں پر قادر ہے کہ اسے ابتداءً پیدا کیا تو

وہ اس کے اعادہ پر بھی قادر ہے۔ یعنی اے انسان! تُو نہ تھا تو تجھے پیدا کیا فَسَوّٰىكَ (پھر ٹھیک بنایا) تیرے اعضاء صحیح وسالم ٹھیک ٹھاک منافع کے لیے مستعد بنائے یعنی ہر ایک عضو کو ایسا مرتب فرمایا کہ جس منفعت کے لیے پیدا کیا اس میں وُہ استعداد موجود ہے مثلاً پکڑنا ہاتھ کے لیے، چلنا پاؤں کے لیے، بولنا زبان کے لیے، دیکھنا آنکھ کے لیے، سُننا کان کے لیے وغیرہ وغیرہ فَعَدَلَكَ (پھر ہموار فرمایا) ہر ایک کو دوسرے کے ساتھ ہموار کیا ایسے ہموار کہ کسی ایک میں کوئی تفاوت نہیں مثلاً دو ہاتھوں یا پاؤں یا کانوں میں کوئی ایک لمبا ہو دوسرا چھوٹا ہو یا دو آنکھوں میں ایک بڑی ہو اور دوسری چھوٹی یا بعض اعضاء سفید ہوں اور بعض سیاہ یا بعض بال کالے ہوں یا بعض سُرخ۔

ف: بعض علماءِ تشریح نے فرمایا کہ اللہ نے آدمی کے جُثہ کو دونوں جانبوں سے برابر بنایا یہاں تک کہ اس کے کسی حصہ میں تفاوت نہیں، نہ ہڈیوں نہ شکلوں میں نہ اوردہ (رگوں) میں نہ شریانوں میں نہ اُن اعصاب میں جو ان میں نافذ اور ان سے خارج ہیں غرضیکہ دونوں جانبوں میں جو کچھ ہے وُہ اپنی دوسری جانب کے برابر ہے۔

حلِ لغات کہا جاتا ہے: عدلہ عن الطریق (اسے راستہ سے پھیرا) اب معنٰی یہ ہُوا کہ اے انسان! تجھے خِلقت (تخلیق) کی وجہ سے وُہ باقی حیوانات میں ہے سے پھیرا اور تجھے بہترین تخلیق میں بہترین اور دوسری مخلوق سے ممتاز بنایا جیسے دوسری جگہ پر فرمایا: فی احسن تقویم۔

ف: فعدلك بھی ایک قرأت میں ہے یعنی اے انسان! تجھے معتدل متناسب الخلق بنایا کہ اس میں کسی قسم کا تفاوت نہیں اس کا مطلب بھی وہی ہے جو مخفف کا ہے (فعدلك)۔

صوفیانہ معنیٰ حضرت جنید قدس سرہٗ نے فرمایا کہ تجھے تسویۃ الخلقۃ۔ بالمعرفۃ اور ایمان کے لیے ٹھیک ٹھاک بنایا۔ حضرت ذوالنون قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اے انسان! تجھے ایجاد کیا پھر جملہ کائنات کو تیرا مسخر کیا لیکن تجھے کسی کی تسخیر میں نہیں دیا۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اے وُہ انسان جو اس کی صورت میں پیدا ہوا، گویا تجھے کمال مظہریت اور تمام مشابہت بہ احسن صورت کی وجہ سے غرور ہے تجھے احسن تقویم میں ٹھیک ٹھاک بنایا اور تیری ظاہری اور معنوی شکل وصورت صحیح سالم اور معتدل اور جمیع کمالاتِ الٰہیہ وکیانیہ کے قبول کا مستعد بنایا جیسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اوتیت جوامع الکلم (میں جوامع الکلم عطا کیا گیا ہُوں) یعنی کلم الٰہیہ وکیانیہ۔

تفسیر عالمانہ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ (جس صورت میں چاہا ترکیب دیا) جار رکبك کے متعلق ہے اور ما زائدہ نکرہ کو عام کرنے کے لیے ہے، شآء صورت کی صفت اور عائد محذوف ہے۔

سوال: جملہ کا عطف ماقبل پر کیوں نہیں؟

جواب: یہ عدلك کے بیان کے لیے ہے۔ اب معنیٰ یہ ہے کہ اے انسان! تجھے اللہ تعالیٰ صورِ عجیبہ حسنہ میں سے چاہا اور اس کی مشیّت و حکمت کا تقاضا ہوا یا صورِ مختلفہ حسن و قبح میں اور طول و قصر میں اور نر و مادہ میں شبیہ بعض اوقات کے ساتھ یا خلاف الشبہ ترکیب دیا۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب نطفہ رحم میں ٹھہرتا ہے اللہ تعالیٰ ہر وہ نسب جو اس کے اور آدم کے درمیان ہے اس کو جس شبیہ میں چاہتا ہے اس کی صورت بناتا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ

حضرت الواسطی رحمہ اللہ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے مطیعین اور عاصین (گنہگاروں) کی صورتیں بنائیں جسے صورتِ ولایت میں بنایا وہ اس جیسا نہیں جسے عداوت کی صورت پر بنایا یعنی بعض صورتیں صورۃ جمالیہ لطیفہ پر ہیں بعض صورۃ جلالیہ قہریہ پر۔

صاحبِ روح البیان کے پیرو مرشد کی صوفیانہ تقریر

میرے شیخ و سند قدس سرہٗ نے اپنی کتاب اللائحات البرقیات میں فرمایا کہ میرے دل میں یہ القاء ہُوا کہ صورۃ ترکیبیہ صورۃ علمیہ و صورۃ روحیہ و صورۃ مثالیہ و صورۃ جسمیہ اور دیگران صورتوں کو شامل ہے جو صورتیں اطوار میں مرکب ہیں لیکن مقصود بالذات یہی چار صورتیں ہیں، اور صورۃ علمیہ و رُوحیہ میں ترکیب عقلی و معنوی ہے اور صورۃ مثالیہ و جسمیہ حِسّی و روحی ہے اور صورۃ علمیہ میں ترکیب سے مراد ظہور الذات اور صورۃ روحیہ میں ظہور الصفات اور صورۃ مثالیہ میں ظہور الافعال اور صورۃ جسمیہ میں ظہور الآثار ہے اور ظہورات ان ترکیبات بمنزلہ نتائج کے ہیں قیاسات سے اور بمنزلہ مجموع کے اجتماعات سے اور ان کا اجزاء بس یہی احکام الوجوب و احکام الامکان ہیں اور احکام الوجوب سے مراد اسماء الٰہیہ فاعلہ مؤثرہ ہیں اور احکام الامکان سے حقائق کونیہ قابلہ متاثرہ ہیں اور ان اجزاء سے ترکیب جس صورت میں ہو تو ظہور محل کے لیے ہے وہ محل جو اس کے آثار و خواص مجتمعہ کے ظہور کا مظہر ہے اور اس محل جامع (جیسے نشأۃ انسانیہ میں یہاں خطاب ہے) میں اس ظہور اجتماعی کے وقت اگر اجزائے احکام الوجوب کا غلبہ ہو تو وہ نشأۃ (انسانیہ) علویہ ہوتی ہے یعنی اس کا میلان علو و حق کی جانب ہوتا ہے یہی فطرۃ اصلیہ الٰہیہ پر باقی اور فیض و تجلی اور وصول الی عالم القدس کے لیے مستعد و قابل ہوتی ہے اگر اس وقت احکام الامکان کے اجزاء کا غلبہ ہو تو وہ نشأۃ (انسانیہ) بجانب سفل و خلق مائل اور فطرۃ اصلیہ ازلیہ سے خارج اور فیض و تجلی اور وصول الیٰ عالم القدس کے قابل اور مستعد نہیں ہوتی بلکہ وہ عالم دنس میں جہالتُ غفلت و نسیان کی گرد و غبار میں پڑی رہتی ہے اسے نہ اپنی خبر ہوتی ہے نہ رب تعالیٰ کی، اور وہ اندھی گونگی بہری ہوتی ہے اسے دائیں کی خبر نہ بائیں کی ایسی فطرت والے لوگ جانوروں جیسے بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہوتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ كَلَّا (کوئی نہیں) اس پر وقف ہے ردع (زجر) کا کلمہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے کرم پر مغروری سے باز آجاؤ اور کرمِ الٰہی کو کفر و معاصی کا ذریعہ نہ بناؤ کیونکہ وہ شکر و طاعت کا موجب ہے۔ بعض نے کہا اس کا وقف ر کبک پر ہے جیسے سجاوندی نے علامت مطلق ر کبک پر وضع فرمائی اور كَلَّا بمعنی حقًا ہے اور یہ مابعد کی تحقیق کی تاکید کے لیے ہے بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ (بلکہ تم انصاف ہونے کو جھٹلاتے ہو) الارشاد میں ہے کہ اس کا عطف جملہ پر ہے جو کلام کا سیاق ہے گویا زجر کے بعد جملہ معترضہ لایا گیا اور کہا گیا تم اس سے باز نہیں آؤ گے بلکہ اس سے بڑھ کر جرأت کرو گے کہ مرنے سے جزاء و بعث کا انکار کرو گے اس لیے کہ یہاں دین سے جزاء اور بدلہ دینا (انصاف کرنا) مراد ہے اسی سے ہے الدّیان فی صفۃ اللہ (اللہ تعالیٰ کی صفت میں انصاف) یا تم تکذیب کرو گے دین و اسلام کی، یہ دونوں اس کے منجملہ احکام سے ہیں تم نہ سوال و جواب کی تصدیق کرو گے نہ ثواب و عذاب کی وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ (اور تم پر کچھ نگہبان ہیں) یہ تکذبون سے حال ہے اور حافظین کی جمع محافظین کی کثرت سے ہے یا باعتبار اس کے کہ ان کا ہر ایک ملائکہ کی گویا ایک جماعت ہے جیسا کہ منقول ہے کہ ہر انسان کے دو فرشتے رات کو ہوتے ہیں دو دن کو۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ تم جزاء کی تکذیب کرتے ہو حالانکہ اے مکلف انسانو! تم پر ہماری طرف سے تمہارے اعمال کے نگہبان ملائکہ ہیں كِرَامًا (معزز) کریم کی جمع ہے یعنی وہ ہمارے معزز اس لئے ہیں کہ وہ ہماری طاعت کے پابند اور ادائے امانت میں بے مثال ہیں اس لیے کہ کریم خائن نہیں ہوتا۔

ف: فتح الرحمٰن میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کرم کی صفت موصوف کر کے ان سے مذمت کی نفی فرمائی ہے بعض نے کہا وہ کِرام اس معنیٰ پر ہیں کہ حسنات کے لکھنے میں جلدی اور برائیوں کے لکھنے میں توقف کرتے ہیں، اس امید پر کہ ممکن ہے خطاکار استغفار اور توبہ کرے تاکہ اس کا گناہ اور توبہ یکجا لکھیں۔

ف: زہرۃ الریاض میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام کِرام اس لیے فرمایا کہ جب نیکی لکھتے ہیں تو اسے فوراً بارگاہِ رب العزت میں لے جاتے ہیں اور حضوری کے بعد گواہی دیتے ہیں کہ اے اللہ تعالیٰ! تیرے فلاں بندے نے نیکی کی ہے لیکن برائی سے خاموش رہ کر عرض کرتے ہیں، الٰہی! تُو ستّار العیوب ہے یہ تیرے فلاں فلاں بندے روزانہ تیری کتاب پڑھتے اور مدح کرتے ہیں ہم ان کی پردہ دری نہیں کرنا چاہتے۔ اس میں تعطف (مہربانی کرنا) کا معنیٰ ہے جیسے سورۃ عبس میں گزرا لیکن وہ یہاں مناسب نہیں، جیسے بعض تفاسیر میں ہے۔

كَاتِبِيْنَ (لکھنے والے ہیں) اعمال کے يَعْلَمُوْنَ (جانتے ہیں) اس لیے کہ وہ تم پر حاضر ہیں اور تم سے جدا نہیں ہوتے مَا تَفْعَلُوْنَ (جو کچھ تم کرو) افعال میں سے قلیل و کثیر اور تھوڑا اور بہت، اس سے

تجاوز نہیں کرتے۔

حدیث شریف میں ہے:
کراماً کاتبین کی تعظیم و تکریم کرو، وہ تم سے جُدا نہیں ہوتے سوائے دو حالتوں کے:

۱۔ جنابت کے وقت

۲۔ بیت الخلاء میں جانے کے وقت

مسئلہ : عین المعانی میں ہے کہ یعلمون دلالت کرتا ہے کہ سہو و خطاء اور اس غلطی کو نہیں لکھتے جس پر عتاب نہیں، ایسے ہی وہ گناہ جس پر فوراً استغفار کر لیا جائے اسی لیے یکتبون نہیں فرمایا۔

قاعدہ : ما تفعلون اگرچہ افعال قلوب و جوارح سب کو عام ہے لیکن یہ مخصوص عنہ البعض ہے کہ اس سے صرف افعال الجوارح مراد ہیں اس لیے کہ اس کا ماسوا مغیبات (غیب) سے ہے اور مغیباتِ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا ہاں جسے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے بتلا دے۔ یہی وجہ ہے کہ قلوب کا عمل غیب ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کی اُمت کے بہت سے اولیاءِ کرام قلوب و صدور کے علوم کو جان لیتے تھے (تفصیل کے لیے دیکھیے فقیر کی کتاب فیض الغفور فی علم مافی الصدور۔ اویسی غفرلہٗ)

کراماً کاتبین کا علم

کشف الاسرار میں ہے کہ کراماً کاتبین کا علم دو قسم ہے:

(۱) وہ جو ظاہر ہے قول یا حرکتِ جوارح انہیں وہ کراماً کاتبین جانتے ہیں اس کے ظاہر کی وجہ سے اور لکھتے بھی ہیں اس کے ظاہر کی حیثیت سے۔

(۲) وہ جو باطن ہے دل میں، بعض علماء کہتے ہیں کہ انہیں باطن کے نیک عمل کی خوشبو اور بُرے کی باطنی بُرائی کی بدبو محسوس ہوتی ہے تو عمل صالح کو مجمل صالح اور برائی کو مطلق بُرائی لکھ دیتے ہیں۔ اس کی تحقیق سورۃ الزخرف اور سورۃ قٓ میں اسی مضمون کے مطابق تفصیلاً لکھی جا چکی ہے۔

سوال : فعل کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا لیکن قول کی تصریح نہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب : (۱) فعل قول سے اکثر واقع ہوتا ہے۔

(۲) کبھی قول سے فعل بھی مراد ہوتا ہے۔

ملفوظِ فضیل رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت فضیل رحمہ اللہ تعالیٰ جب یہ آیت قرآنی پڑھتے تو فرمایا کرتے کہ یہ آیت غافلین پر کتنی سخت ہے لیکن مطیعین کے لیے مژدۂ بہار اور عاصیوں کے لیے تہویل و تشدید و انذار۔

نکتہ : کراماً کاتبین کے لیے عظیم ثنا رکا اظہار جزا ر کے معاملہ میں تفخیم مطلوب ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جلیل القدر امور میں سے ہیں کہ ایسے عظیم القدر اور کریم المنزلۃ اس کے لیے مقرر ہوئے تعظیم ان کی صفت کرام سے ظاہر ہے نہ کہ کتابت وحفظ سے۔

کراماً کاتبین کے وجود کا منکر فرقہ

کراماً کاتبین کے وجود کے منکرین کا کہنا ہے کہ اگر وہ ہمارے پاس ہیں اور ان کی کتابیں (صحیفے) اور قلمیں بھی ہیں تو پھر ہمیں نظر کیوں نہیں آتے۔ اس طرح کا دعویٰ تو ہم بھی کر سکتے ہیں کہ ہمارے ساتھ پہاڑ ہیں اور بہت اور لوگ لیکن نظر نہیں آتے یہ تو جہالات میں داخل ہونا ہے (اسی طرح وہابی دیوبندی فرقہ کا سوال کیجئے یہ کہتے ہیں کہ اگر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم حاضر و ناظر ہیں اور نور بھی، تو پھر نظر کیوں نہیں آتے! پھر اہلسنت کو طنزاً کہتے ہیں کہ حضور حاضر ہیں تو پھر تم مصلّے پر کیوں چڑھ جاتے ہو؟ وغیرہ وغیرہ۔ میں سمجھتا ہوں یہ سوال انہوں نے مذکورہ بالا فرقہ سے سرقہ کیا ہے تو جو جواب صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے اس فرقہ کو دیا ہے وہی جواب ہم دیوبندیوں وہابیوں کو دیں تو ہمارا حق ہے، صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ کا جواب پڑھیے۔ اضافہ از اویسی غفرلہٗ)

وجوابه ان الملائكة من قبيل الاجسام اللطيفة فحضورهم لا يستلزم الرؤية الاترى ان الله امد المؤمنين فى بدر بالملائكة وكانوا لا يرونهم الا من شاء الله رؤيته وكذا الجن من هذا القبيل ولذا قال تعالىٰ انه يراكم هو وقبيله من حيث لا ترونهم فكما ان الهواء لا يرى للطافته فكذا غيره من اهل اللطافة۔[1]

(روح البیان ج ١٠ ص ٣٦١)

اس کا جواب یہ ہے کہ ملائکہ اجسام لطیفہ کے قبیل سے ہیں ان کا حاضر ہونا رؤیت کو مستلزم نہیں کیا نہیں دیکھتے ہو بیشک اللہ تعالیٰ نے مومنین کی (غزوہ) بدر میں ملائکہ سے مدد کی اس وقت وہ لوگ ملائکہ کو نہیں دیکھتے تھے مگر جنہیں اللہ تعالیٰ نے چاہا دیکھ لیا ایسے ہی جنات اسی قبیل سے ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابلیس اور اس کا قبیلہ تمہیں دیکھتا ہے لیکن تم انہیں نہیں دیکھتے ایسے ہی ہوا لطافت کی وجہ سے نہیں دیکھی جاتی لیکن اہلِ لطافت کا علم اور ہے۔

---

[1] اس جواب کی تین تقریریں ہیں لہٰذا تینوں حاضر و ناظر کے منکر کے جوابات سمجھیے؛

(۱) ملائکہ اجسامِ لطیفہ ہیں اور یہ مسلّم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم جملہ ملکوت و قدس ولاہوت سے لطیف تر ہیں آپ کی روحانیت سے قطع نظر آپ کی بشریت بھی لطیف سے لطیف تر ہے اسی لیے آپ کا سایہ

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

یہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ہ تھا جیسا کہ سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے مکتوبات مبارکہ میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی لطافت پر ایک یہی دلیل قائم فرمائی ہے۔ اگر کوئی خوش نصیب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی لطافت کو ہی سمجھ لے تو بھی حاضر و ناظر اور نور و بشر کا مسئلہ کسی اُلجھن میں نہ رہے گا لیکن جس بدقسمت کے ذہن سے یہ خناس دُور ہی نہ ہو کہ بس وہ ہم جیسے بشر ہیں تو اسے قیامت تک یہ مسئلہ سمجھ نہ آئے گا۔

(۲) دوسری دلیل یہ ہے کہ ملائکہ غزوۂ بدر میں موجود و حاضر تھے، بدقسمت کفار کو کیا نظر آتے تھے لیکن بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ملائکہ کرام کو دیکھا لیکن بشری لباس میں۔ بہرحال یہ دلیل بھی ہماری مؤید ہے اس لیے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم بہت سے خوش بختوں کو بیداری میں اور بےشمار سعادتمندوں کو خواب میں نظر آتے ہیں اور خواب میں آپ کا دیکھنا عین ذات کو دیکھنا ہے، اگرچہ یہ مسلم مسئلہ ہے لیکن منکرین کی تسلی کے لیے صرف ایک دلیل معراج کا واقعہ عرض ہے اور وُہ یہ کہ تمام منکرین مانتے ہیں کہ رسالتمآب کی ملاقات بیداری میں اور عالمِ شہادت میں انبیاءِ کرام سے ہوئی ہے۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ انبیاءِ کرام کسی عالم میں ہوں رسالتمآب کو بیداری اور عالمِ جسمانی میں بیت المقدس اور آسمانوں میں ان کا مشاہدہ ہوا ہے چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تشریعی حیثیت اور آپ کے اسوۂ حسنہ کی تابعداری کے پیشِ نظر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ عالمِ برزخ اور عالمِ ارواح کے واقعات اور امور کا مشاہدہ کرامت اور خرقِ عادت کے طور پر اربابِ احوال کو کسی خاص حال اور مقام میں ہونا ممکن اور جائز ہے اور یہ ممکنات میں سے ہے کہ بیداری میں کوئی صاحبِ حال اپنے مقام سے عالمِ برزخ اور عالمِ ارواح میں رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور صحابہ کرام کا مشاہدہ کرے۔ افسوس ہے کہ مخالفین ایسی پختہ اور مضبوط دلیل ماننے کے باوجود بھی انھیں مسئلہ حاضر و ناظر اور مسئلہ نور سمجھ نہیں آیا۔ اسے کہتے ہیں ضد، ورنہ مسئلہ اتنا مشکل اور پیچیدہ نہیں کہ سمجھ نہ آسکے۔

بہرحال خواب میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت حق ہے، اس کے دلائل اور شواہد فقیر نے اپنی کتاب "زیارتِ رسول" اور "حاضر و ناظر" اور "تفسیر اویسی" میں تفصیل سے لکھے ہیں۔ یہاں تبرکاً ایک خواب اور ایک حوالہ عرض ہے؛

> عبد الواحد ابن آدم فرماتے ہیں میں نے حضور اور آپ کے ہمراہ صحابہ کی ایک جماعت کو خواب میں دیکھا کہ آپ انتظار میں کھڑے ہیں میں نے اس کا سبب پُوچھا۔ حضور نے ارشاد فرمایا: میں محمد بن اسمٰعیل (بخاری) کو ساتھ لے جانے کے انتظار میں کھڑا ہُوں۔ چند دنوں کے بعد مجھے بخاری (رحمہ اللہ تعالیٰ) کی وفات کی خبر مل گئی۔ میں نے سوچا تو بخاری کی وفات کا وہی وقت تھا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کے ہمراہ صحابہ کی جماعت کو میں نے انتظار میں کھڑے دیکھا تھا۔" (مقدمہ فتح الباری ص ۱۰)

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

کراماً کاتبین کے منکرین کا دوسرا سوال

کراماً کاتبین کا لکھنا اور ضبط کرنا اگر کسی فائدہ کے لیے نہیں تو عبث ہے اور اللہ تعالیٰ عبث فعل سے بلند و بالا ہے تو اس سے بندے کو ہی کوئی فائدہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی فعل نہ نافع ہے نہ ضرر رساں، بلکہ وہ اس سے بلند و بالا ہے۔ لکھائی تو بھولنے کی وجہ سے ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اس سے منزہ اور مقدس ہے، زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے لیے نہیں لکھواتا بلکہ قیامت میں بندوں پر اتمامِ حجت کے لیے لکھواتا ہے (جیسے حکومتی ادارہ سی آئی ڈی) لیکن یہ جواب ضعیف ہے کیونکہ جس کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جور و ظلم نہیں کرتا تو اس کے لیے تو ایسی حجت کے اثبات کی ضرورت ہی نہیں اگر اس کا یہ عقیدہ نہیں تو اس کے لیے لکھوانے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ ممکن ہے وہ کہہ دے کہ یہ لکھنے والے بھی تمہارے ہیں فلہٰذا ان سے ظلم و جَور کے لیے لکھوایا گیا ہے۔ (معاذ اللہ)

جوابِ حق از اہلسنّت

اللہ تعالیٰ کا ہر فعل دنیا میں بندوں کے دستور و رواج کے مطابق ہوتا ہے تاکہ معنیٰ کی تقریر ذہنوں میں مضبوط سے مضبوط تر طریق سے راسخ ہو اور دنیا میں اہلِ دنیا کا دستور ہے کہ مُجرم کا جرم اس کے اپنے اقرار سے جو تحریر میں ہے یا گواہ عادل حاکم کے حضور میں گواہی دیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قیامت میں ہر امت کے نبی علیہ السلام سے گواہی لینی ہے اور مجرم کے جرم کے اقرار میں اس کا نامۂ اعمال دکھانا ہے تاکہ مجرم کو جرائم کی سزا پر کامل حجت ہو۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

حضور غوثِ اعظم رضی اللہ

انتباہ : دیدارِ رسول عوام کو خواب میں اور خواص کو بیداری میں ہوتا ہے جیسے
میں بیداری میں۔ تو خواب میں دیکھ رہا تھا، کو فرمایا کہ
عنہ نے اپنے مرید علی ہیتی رحمہ اللہ کو فرمایا کہ
وہ ہر جگہ موجود ہوتا ہے لیکن نظر
(۳) تیسری دلیل صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے ابلیس کی دی کہ
رامپوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے
نہیں آتا، یہی دلیل حضرت مولانا عبدالسمیع انصاری
کے حاضر و ناظر کے متعلق دی
اپنے پیر بھائی دیوبندیوں کو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم
تو مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی خلیل احمد انبیٹھوی (اور ان کے بعد تمام دیوبندی تا حال) اُلجھ کر شیطان
اس حیثیت سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے زیادہ علم و طاقت رکھتا ہے اسی کلمۂ کفر پر دیوبند کے فضلاء
کو علمائے عرب و عجم نے مرتد اور خارج از اسلام لکھا اور اب بھی ہمارا ان سے سوال ہے کہ "براہین قاطعہ"
کے مذکورہ بیان کو یا قرآن و حدیث سے ثابت کرو یا اپنے بڑوں کی غلطی اور خطا اور پھر ان کے ارتداد کا اقرار
کرو ورنہ قیامت میں ہی فیصلہ ہوگا (ان شاء اللہ تعالیٰ)

اویسی غفرلہٗ

علاوہ ازیں جب بندے کو یقین ہوگا کہ اللہ تعالیٰ میرا رقیب و نگہبان اور حفظہ فرشتے اس کے اعمال کی حفاظت اور کتابت کرکے نامۂ اعمال تیار کر رہے ہیں اور یہی میرا نامۂ اعمال قیامت میں بھرے مجمع میں پیش ہوگا تو یہی تصور بندے کو بہت سے جرائم و معاصی سے بچائے گا اور بہت سی برائیوں سے مانع ہوگا (تو اس سے بندے کا فائدہ مطلوب ہے)

سوال منکرین

افعال القلوب نظر نہیں آسکتے، نہ ہی انہیں ملائکہ لکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ ما فی الضمائر کا بھی حساب لے گا۔ چنانچہ فرمایا،

وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ۔	اور اگر ظاہر کرو جو تمہارے دلوں میں ہے یا پوشیدہ رکھو اللہ تعالیٰ تم سے حساب لے گا۔

جواب ۱ از اہلسنت

: پہلے گزر چکا ہے کہ آیت عام مخصوص عنہ البعض ہے تو پھر سوال کیسا!

جواب ۲ از امام غزالی قدس سرہٗ

سیدنا امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہر وہ ذکر جسے تیرا قلب سمجھتا ہے اسے حفظہ ملائکہ سنتے ہیں کیونکہ ان کا شعور تیرے شعور کے بالکل قریب ہے (اگرچہ پوشیدہ ہے) ہاں جب تیرا شعور تیرے ہاتھ سے نکل جائے وہ اس وقت ہوتا ہے جب تو (ذاکر) مذکور میں بالکل گم ہو جاتا ہے تو پھر تیرے شعور سے حفظہ غائب ہو جاتے ہیں اور یہ صوفیہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا قاعدہ ہے کہ جب تک قلب ذکر کی طرف التفات رکھتا ہے اس وقت تک وہ اللہ تعالیٰ سے روگرداں ہے۔

جواب ۳

اسے یوں سمجھیے کہ ملائکہ کرام کی اطلاع علی الوقائع کا قیاس عام لوگوں پر اطلاع پر کرنا صحیح نہیں اس لیے کہ ان کی شانیں علماً و عملاً عام لوگوں سے مختلف ہوتی ہیں[۱]

دیوبندی وہابی کُش حوالہ

(کراماً کاتبین کے کمالات کے منکرین کو جواب دیتے ہوئے صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے لکھا)

علیٰ ان من اصلح من الناس سریرتہ قد یکشف الضمائر و یطلع علی الغیوب باطلاع اللہ فما ظنک بالملائکۃ	علاوہ ازیں جو اپنے باطن کی اصلاح کرتا ہے تو ضمائر کھولا جاتا ہے اور غیوب پر اطلاع بخشی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کی اطلاع سے

---

[۱] یہی جواب دشمنانِ انبیاء بالخصوص امام الانبیاء والمرسلین کے کمالات کے اور اولیاء کرام کے کمالات کے منکرین کو سمجھنا چاہیے کہ وہ ہر بات میں انہیں اپنے اوپر اور عامیانہ حیثیت پر قیاس کرتے ہیں ؎

کافراں دیدند احمد را بشر
ایں نمی دانند کان شق القمر

اویسی غفرلہٗ

الذین ھم الطف جسما واخف روحاً۔
(روح البیان ج ۱ ص ۳٦۱)

تو تیرا ملائکہ کے متعلق کیا خیال ہے جو کہ جسم کے اعتبار سے لطیف تر اور روح کے لحاظ سے زیادہ خفیف ہیں۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّ الْاَبْرَارَ (بیشک نیکوکار) وہ جنہوں نے نیکی کی اور اپنے ایمان میں سچے ہیں کہ فرائض کی ادائیگی کرتے اور معاصی سے اجتناب کرتے ہیں۔

حلِ لغات: ابرار، بَرّ (بالفتح) کی جمع بمعنی صادق، مطیع، محسن۔

مسئلہ: حسنات میں بہتر نیکی لا الٰہ الا اللہ (محمد رسول اللہ) ہے پھر والدین کی خدمت پھر شاگردوں کو اساتذہ کی نیازمندی[1] خدمت اور مریدین کو اپنے مرشدین کی غلامی (خدمت گزاری) (لیکن مرشد بھی وہی ہو جسے شرع مطہرہ شریف کہے اگر نفس پرور مرشد بن بیٹھا ہے تو اس سے کوسوں دور بھاگنا عین اسلام ہے اویسی غفرلہٗ)

ف: فتح الرحمٰن میں ہے کہ ابرار وہ ہیں جو اپنی نیکی و احسانات و خدمات عام رکھتے ہیں مثلاً اپنے رب تعالیٰ کی عبادت و اطاعت اور لوگوں کو حتی الامکان نفع رسانی وغیرہ۔

حدیث شریف میں ہے:

بروا اٰباءھم کما بروا ابناءھم۔

اپنے والدین سے اس طرح احسان کرو جس طرح انہوں نے اپنی اولاد سے کیا۔

لَفِیْ نَعِیْمٍ (نعمتوں میں ہیں) جنت کی نعمتیں اور ثواب۔ تنوین تعظیم کا ہے **وَاِنَّ الْفُجَّارَ** (اور بے شک بدکار) دروغ گو (جھوٹے) اور منکرین حشر، فاجر کی جمع ہے اور فجور بمعنی دیانت کی پردہ دری **لَفِیْ جَحِیْمٍ** (ضرور دوزخ میں ہیں) اور جہنم اور اس کے عذاب میں۔ تنوین تہویل (ہولناکی کے اظہار) کے لیے ہے اور دونوں یکتبون کا بیان ہیں کہ وہ لکھتے کیوں ہیں یا ان کی غایت یا نعمتیں ہیں یا جہنم۔

تفسیر صوفیانہ

اس میں ذکر و طاعت و معرفت اور شہود و حضور و وصال کی نعمتوں اور غفلت و معصیت جہل و اجتناب اور غیبوبۃ و فراق کی جحیم کی طرف اشارہ ہے۔

ف: حضرت الخواص رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ نعیم بھلی جو اس سے ہو اور جحیم اچھی جو اس کے ساتھ ہو۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

---

[1] اہلِ مغرب کی دیکھا دیکھی نئی پود کو نہ ماں باپ کی قدر رہی نہ اساتذہ کی، یہاں تک کہ بعض علماء و پیر کہلوانے بھی اپنے اساتذہ کے دشمن بن گئے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

(۱) ہرکجا باشد شہ مارا بساط ہست صحرا اگر بود سم الخیاط
(۲) ہر کجا کہ یوسفی باشد چو ماہ جنت است اوارچہ باشد قعرچاہ

ترجمہ : (۱) جہاں بادشاہ کی رہائش ہے وہ صحرا (فراخ جگہ) ہے اگرچہ سوئی کے سوراخ کے برابر ہے۔

(۲) جہاں یوسف جیسا حسین ہو وہ جگہ بہشت ہے اگرچہ کنویں کی گہرائی ہو۔

تفسیر عالمانہ يَصْلَوْنَهَا (اس میں جائیں گے) جحیم کی صفت ہے یا جملہ مستانفہ ہے سوال پر مبنی ہے دوزخ کی ہولناکی سے اٹھا گویا کہا گیا کہ ان کا کیا حال ہوگا؟ جواب دیا کہ جہنم کی گرمی میں داخل ہوں گے جیسے خلیل نے کہا، صلی الکافر النار بمعنی قاسیٰ حرھا و باشرہ بدنہ (اس کی گرمی اس کے بدن کو چھو گئی) نعیم کا وصف اس کے لائق بیان نہ کرنا اس لیے ہے کہ کلام مکذبین کے لیے بیان ہو رہا ہے اور فاجروں کی سزا کا ذکر ہے اور یہ مقام تخویف ہے علاوہ ازیں جب فجار کی سزا معلوم ہو جائے گی تو ابرار کی تبشیر کی خبر خود بخود ہو جائے گی اس لیے کہ تعرف الاشیاء باضدادھا (اشیاء اپنی اضداد سے پہچانی جاتی ہیں) يَوْمَ الدِّيْنِ (انصاف کے دن) وہ جزا کا دن جس کی کفار فجار تکذیب کرتے تھے وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِيْنَ (اور نہیں ہوں گے وہ (کفار و فجار) جحیم سے آنکھ جھپکنے کی دیر غائب) ہمیشہ اس میں رہیں گے کسی وقت بھی اس سے باہر نہ نکل سکیں گے۔ اس سے نفی الغیبۃ یعنی غائب ہونے کی نفی ہے نہ کہ نفی دوام الغیبۃ۔

ف : بعض نے کہا کہ وہ اس سے پہلے بھی بالکل چھپے ہوئے نہ تھے بلکہ قبور میں اس کی لُو سے جلتے رہے۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

القبر روضۃ من ریاض الجنۃ او حفرۃ من حفر النیران۔

مومن کی قبر بہشت کے باغیچوں میں ایک باغیچہ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

وَمَا أَدْرٰىكَ (اور تو کیا جانے) یہ خطاب ہر اس سے ہے جسے درایۃ (جاننا) حاصل ہو (یعنی عام ہے تا قیامت) ما مبتدا اور ادراک اس کی خبر ہے مَا يَوْمُ الدِّيْنِ (کیسا انصاف کا دن) ما خبر ہے یوم الدین کی۔ ما وصف کی طلب کے لیے ہے اگرچہ اس کی وضع طلب الحقیقۃ و شرح الاسم کے لیے ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ کس نے تجھے داری و عالم بنایا کہ انصاف کا دن کیسا ہے یعنی وہ عجیب شے ہے ہول اور گھبراہٹ میں۔ یعنی اس وقت تک اس کی کُنہ کو کوئی معلوم نہیں کر سکا

کیونکہ وہ مخلوق کے علم سے خارج ہے جونسی صورت تصور میں لائیں گے وہ اس سے فوق اور کئی گنا ورار ہے ، ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ (پھر تو کیا جانے کیسا انصاف کا دن ہے) ثم کے ساتھ تکرار ترقی فی الرتبہ کے لیے مفید ہے تاکید اور زیادتی تخویف کے لیے ہے مجموعی طور پر مخاطبین کی تعجیب اور شانِ یوم کی تفخیم کے لیے ہے اور یوم الدین کا اظہار بجائے اضمار کے یوم کے ہول و فخامتہ کی تاکید ہے يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ (جس دن کوئی جان کسی جان کے لیے اختیار نہ رکھے گی) اس میں اس دن کا اجمال حال ہے پہلے اس میں ابہام تھا اور یہ بتایا گیا کہ اس کا علم علوم خلائق کے دائرہ سے خارج ہے اور ایک وعدہ پورا کرنے کی خبر تھی اس لیے کہ ان کے ادراء (جاننا) کی نفی سے ادراء (جاننا) میں اس وعدہ کریمہ کی خبر دی گئی ہے ۔

قاعدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ، قرآن میں جہاں بھی ما ادرٰىك ہے وہاں اس کا علم ظاہر فرمایا اور جہاں وما یدریك ہے وہاں (عوام سے) اس کی نفی ہے

ف : یوم مرفوع خبر ہے مبتدا محذوف کی اور اس کی نصب اسم غیر متمکن کی طرف اضافت کی وجہ سے ہے گویا کہا گیا هو یوم لا یملك فیه الخ وہ دن ہے کوئی نفس نفوس میں کسی نفس نفوس کا مالک نہ ہوگا یا منصوب فعل اُذکر محذوف سے گویا یوم الدین کے تفخیم اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کی معرفت کا شوق دلانے کے بعد فرمایا کہ اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس دن کو یاد کرو الخ اس لیے کہ تمہیں کیا معلوم کہ وہ کیسا ہے ۔

ف : نفس میں نفس ملکیہ ، بشریہ ، جنیہ سب شامل ہیں اور شے میں ہر وہ شے شامل ہے جو تحصیلِ منفعت اور دفع ضرر کے قبیل سے ہے ۔

وَالْاَمْرُ اور جملہ امور يَوْمَئِذٍ اس دن کہ کوئی نفس کسی نفس کے لیے مالک نہ ہوگا ۔ لِّلّٰهِ اللہ وحدہٗ کے لیے ہیں ۔ الامر اوامر کا واحد ہے اس لیے کہ امر و حکم و قضاء ملک مطاع کی شان کے لائق ہے اور تمام مخلوق اس کی ربوبیت کے غلبہ اور حکم کے ماتحت ہے اور یہ امور کا واحد ہو تو بھی جائز ہے کیونکہ محشر میں جملہ امور اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہوں گے اس میں اس کے سوا اور کوئی تصرف نہ کرسکے گا

ف : اس میں اللہ تعالیٰ نے اس دن انسان کے ضعف کی خبر دی ہے اس دن نہ انہیں اموال نفع دیں گے نہ اولاد نہ اعوان (مددگار) نہ شفعاء (سفارش کرنے والے) جیسے دنیا میں ہوتا تھا ، بلکہ نفع دیگا تو ایمان ، نیکی و طاعت ، اور نہ ہی کسی کو طاقت ہو گی کہ وہ اللہ کے اذن و امر کے بغیر بول سکے کیونکہ جیتے دنیا و آخرت میں اسی کا ہی امر ہے لیکن محجوب کو آخرت میں ہی اس کا غلبہ ظاہر ہوگا اس لیے کہ محجوب سمجھتا ہے کہ دنیا میں اسے اللہ تعالیٰ نے مالک بنا دیا ہے اور کوئی نہ کوئی شے امور و اوامر کی دی ہے لیکن

جب قیامت کا دن ہوگا تو اسے یقین ہوگا کہ ہر امر و ملک تو اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اس میں اس کا نہ کوئی مزاحم نہ شریک، اگرچہ صورۃً۔

ف: اس میں ارباب دعاوی اور اصحاب المخالفۃ کو تہدید اور اس کی سخت گرفت اور عظیم غلبہ پر تنبیہ ہے۔

فضیلت سورۃ الانفطار حدیث شریف میں ہے کہ جو سورۃ اذا السماء انفطرت پڑھے گا اسے اللہ تعالےٰ ہر قبر اور پانی کے ہر قطرہ کے برابر اجر عطا فرمائے گا اور قیامت میں اس کا حال اچھا بنائے گا۔

فراغتِ صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ مالک الاقطار کی مدد سے سورۃ الانفطار کی تفسیر ۲۲ صفر الخیر ۱۱۱۷ھ کو مکمل ہوئی۔

فراغتِ مترجم فقیر اویسی غفرلہٗ نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مہربانی سے تفسیر سورۃ الانفطار کی تفسیر کے ترجمہ سے ۱۲ رجب ۱۴۰۹ھ بروز اتوار ظہر کی نماز سے قبل فراغت پائی۔ (الحمد للہ علیٰ ذالک) بہاولپور۔ پاکستان۔

سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اٰيَاتُهَا ٣٦ رُكُوْعُهَا ١

سورۂ مطففین مکیہ ہے اس میں اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا چھتیس آیتیں ہیں

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ (١) الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ (٢) وَاِذَا كَالُوْهُمْ
کم تولنے والوں کی خرابی ہے وہ کہ جب اوروں سے ماپ لیں پورا لیں اور جب انہیں
اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ (٣) اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ (٤) لِيَوْمٍ
ماپ تول کردیں کم کردیں کیا ان لوگوں کو گمان نہیں کہ انہیں اٹھنا ہے ایک عظمت
عَظِيْمٍ (٥) يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (٦) كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ
والے دن کے لیے جس دن سب لوگ رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے بیشک کافروں کی لکھت سب سے نیچی جگہ سجین میں
سِجِّيْنٍ (٧) وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ (٨) كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ (٩) وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ (١٠)
ہے اور تو کیا جانے سجین کیسی ہے وہ لکھت ایک مہر کیا نوشتہ ہے اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے
الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ (١١) وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ (١٢) اِذَا
جو انصاف کے دن کو جھٹلاتے ہیں اور اسے نہ جھٹلائے گا مگر ہر سرکش جب
تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ (١٣) كَلَّا بَلْ سكتة رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ
اس پر ہماری آیتیں پڑھی جائیں کہے اگلوں کی کہانیاں ہیں کوئی نہیں بلکہ ان کے دلوں پر زنگ
مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (١٤) كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ (١٥) ثُمَّ اِنَّهُمْ
چڑھا دیا ہے ان کی کمائیوں نے ہاں ہاں بیشک وہ اس دن اپنے رب کے دیدار سے محروم ہیں پھر بیشک انہیں
لَصَالُوا الْجَحِيْمِ (١٦) ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ (١٧) كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ
جہنم میں داخل ہونا پھر کہا جائے گا یہ ہے وہ جسے تم جھٹلاتے تھے ہاں ہاں بیشک نیکوں کی
لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ (١٨) وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ (١٩) كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ (٢٠) يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ (٢١)
لکھت سب سے اونچی محل علیین میں ہے اور تو کیا جانے علیین کیسی ہے وہ لکھت ایک مہر کیا نوشتہ ہے کہ مقرب جس کی زیارت کرتے ہیں
اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ (٢٢) عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ (٢٣) تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ
بیشک نکوکار ضرور چین میں ہیں تختوں پر دیکھتے ہیں تو ان کے چہروں میں چین کی تازگی
النَّعِيْمِ (٢٤) يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ (٢٥) خِتٰمُهٗ مِسْكٌ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ
پہچانے ستھری شراب پلائے جائیں گے جو مہر کی ہوئی رکھی ہے اس کی مہر مشک پر ہے اور اسی پر چاہیے کہ للچائیں

الْمُتَنَافِسُونَ ﴿۲۶﴾ وَمِزَاجُهُ مِنْ تَسْنِيمٍ ﴿۲۷﴾ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ ﴿۲۸﴾ إِنَّ الَّذِينَ
للچانے والے اور اس کی ملونی تسنیم سے ہے وہ چشمہ جس سے مقربانِ بارگاہ پیتے ہیں بے شک
أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ ﴿۲۹﴾ وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ ﴿۳۰﴾
مجرم لوگ ایمان والوں سے ہنسا کرتے تھے اور جب وہ ان پر گزرتے تو یہ آپس میں ان پر آنکھوں سے
وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمُ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ ﴿۳۱﴾ وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَٰؤُلَاءِ
اشارے کرتے اور جب اپنے گھر پلٹتے خوشیاں کرتے پلٹتے اور جب مسلمانوں کو دیکھتے کہتے بے شک یہ لوگ بہکے
لَضَالُّونَ ﴿۳۲﴾ وَمَا أُرْسِلُوا عَلَيْهِمْ حَافِظِينَ ﴿۳۳﴾ فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ
ہوئے ہیں اور یہ کچھ ان پر نگہبان بنا کر نہ بھیجے گئے تو آج ایمان والے کافروں سے
يَضْحَكُونَ ﴿۳۴﴾ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنْظُرُونَ ﴿۳۵﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿۳۶﴾
ہنستے ہیں تختوں پر بیٹھے دیکھتے ہیں کیوں کچھ بدلا ملا کافروں کو اپنے کیے کا

سورہ مطففین میں اختلاف ہے مکیہ ہے یا مدنیہ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(اللہ کے نام سے شروع وہ مہربان رحم والا)

تفسیر عالمانہ

وَيْلٌ" (خرابی ہے) سخت شر یا ہلاکت یا دردناک عذاب۔

ابن کیسان نے کہا کہ یہ ہر کرب کے لیے ہے، بلاء و مصیبت میں واقع ہوتا ہے جب تم نے کسی کے لیے کہا ویل، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمہارا مخاطب نزول البلاء اور وقوع المحنۃ کا مستحق ہے اور وہ اس لائق ہے کہ کہے واویلاہ۔

بعض نے کہا کہ اس کا اصل وی لفلان (اسے حزن ہو) تخفیفًا اس کے ساتھ ملائی گئی۔ فارسی میں بمعنی وائے۔ وہ مبتدا ہے اگرچہ نکرہ ہے اس لیے کہ یہ دعا کے موقعہ پر ہے جیسا کہ اس کی تفصیل سورۃ والمرسلات میں گزری ہے۔

لِّلْمُطَفِّفِينَ (کم تولنے والوں کی) بھر تول میں لوگوں کے حقوق گھٹانے والوں کی۔

حل لغات : التطفیف بمعنی کیل و وزن میں کمی کرنا اور ان میں نقص و خیانت کرنا کہ مشتری کو حق کامل تام نہ دے اس لئے کہ جو شے گھٹائی جائے وہ طفیف حقیر ہے جو خفیہ طور کیال (بھرنے والا) وزان (وزن کرنیوالا) سے یہ فعل ہوتا ہے جو اس کی دنارۃ وخساسۃ (حقارت) کی نشانی ہے کیونکہ زیادہ گھٹائے تو وہ ظاہر ہو جائیگا پھر اس سے روکا جائے گا (کیونکہ عوام میں اس کا کھوٹ مشہور ہوگا تو اس سے لین دین نہ کریں گے) اسی خساسۃ و دنارۃ کی وجہ سے اس کا نام مطفف ہے۔

امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کہا جاتا ہے : طفف الکیل قلل نصیب المکیل لہ فی ایفائہ واستیفائہ (اس نے حق والے کا حصہ لینے دینے میں گھٹایا)

ف : حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ظاہر ہے اس تفعیل کی بنا تکثیر کے لیے ہے اس لیے کہ گھٹانا ان کی عادت بن گئی تھی کہ بھر تول میں گھاٹا کرتے تھے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ تعدیۃ کا ہو۔

شانِ نزول مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو لوگوں کی عادت دیکھی کہ وہ بھر تول میں گھٹاتے بڑھاتے تھے۔

(صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے شانِ نزول مختصر لکھا ہے حضرت صدر الافاضل مولانا سید علامہ محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ خزائن العرفان میں رقمطراز ہیں :

رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم جب مدینہ طیبہ تشریف فرما ہوئے تو یہاں کے لوگ پیمانہ میں خیانت کرتے تھے بالخصوص ایک شخص ابو جُہینہ ایسا تھا کہ وہ دو پیمانے رکھتا تھا، لینے کا اَور دینے کا اَور۔ اُن لوگوں کے حق میں یہ آیتیں نازل ہُوئیں اور اُنھیں پیمانے میں عدل کرنے کا حکم دیا گیا۔ اضافہ از اویسی غفرلہٗ)

پانچ کے بدلے میں پانچ آیات کے نزول کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ان لوگوں کے پاس تشریف لائے، ان کو آیات سُنائیں اور فرمایا : پانچ پانچ کی وجہ سے :

(۱) کوئی قوم عہد توڑتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان پر دشمن کو مسلط کرتا ہے۔

(۲) کوئی قوم منزل من اللہ احکام کے مطابق فیصلے نہیں کرتی گمران میں فقر و فاقہ (تنگدستی) پھیل جاتی ہے۔

(۳) کسی قوم میں فاحشہ زنا وغیرہ ظاہر ہو تو اس میں موت عام ہو جاتی ہے۔

(۴) بھر تول میں کمی بیشی کرتے ہیں تو بگوریوں سے روکے جاتے اور قحط میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

(۵) زکوٰۃ روکتے ہیں تو ان سے بارش بند ہو جاتی ہے ۔

واہ اہلِ مدینہ اہلِ مدینہ نے جب سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی سنا ہے تا حال بھر تول میں کمی نہیں کرتے (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ کے زمانہ گیارھویں صدی کی تخصیص نہیں بلکہ ہمارے زمانہ (پندرھویں صدی) تک بدستور اسی طرح ہے ۔ اویسی غفرلہٗ)

حکایت: سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ ایک شخص کے پاس سے گزرے جو زعفران تول رہا تھا اور ترازو کے ایک پلڑے کو جھکائے ہوئے تھا ۔ فرمایا، ترازو کے دونوں پلڑے برابر کرلے اس کے بعد جتنا جی چاہیے جھکا دے ۔

ف: گویا آپ نے اُسے یہ فرمایا کہ ابتداءً دونوں پلڑے برابر ہوں، جیسے عادۃً برابر ہوتے ہیں پھر جتنی جس سے مروت کرنی ہے کرے ۔

عجمیوں کو پند و نصیحت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اے عجمیو! تمہارے دونوں امر مکمل ہونے چاہئیں (یعنی بھر تول) کیونکہ تم سے پہلے لوگ انہی کی وجہ سے ہلاک ہوئے ۔ عجمیوں کی تخصیص اس لیے ہے کہ یہ دونوں ان میں برابر طور پر رائج تھے لیکن حرمین طیبین میں متفرق طور مروّج تھے مکہ معظمہ میں وزن مروج تھا اور مدینہ طیبہ میں ماپ ۔

غلط بھر تول پر وعیدیں (۱) حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں ہر (غلط) وزن اور ماپ والا دوزخ میں ہوگا ۔ عرض کی گئی: اگرچہ آپ کا بیٹا ہو؟ فرمایا: وہ بھی اس میں غلطی کرے گا تو وہ بھی جہنم میں ہوگا ۔

(۲) حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے ہمسایہ کے ہاں تشریف لے گئے جس پر نزع طاری تھی اور کہہ رہا تھا، اے مالک! میرے آگے آگ کے دو پہاڑ ہیں مجھے ان پر چڑھنے پر مجبور کیا جا رہا ہے ۔ آپ نے اس کے گھر والوں سے پوچھا: یہ ایسے کیوں کہتا ہے؟ عرض کی گئی: اس کے ماپ کے دو پیمانے تھے ایک سے لیتا تھا دوسرے سے دیتا تھا ۔ یعنی ان کے درمیان کچھ فرق تھا ۔ فرمایا کہ میں نے وہ دونوں پیمانے منگوا کر توڑ ڈالے ۔ اس کے بعد میں نے اس سے پوچھا تو کہا کہ اب مجھ میں وہ عادت نہیں (نزع سے بچ گیا ہوگا پھر یہ کام شروع ہوا اور پہلے والی غلط نہ کرتا ہوگا)

(۳) حضرت فضیل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ، ترازو میں کمی کرنے والا کا منہ قیامت میں کالا ہوگا۔

(۴) فصول سبعین میں ہے کہ جو کیل و وزن میں خیانت کرتا ہے کل قیامت میں اسے دوزخ کے گڑھے میں پھینک کر اسے آگ کے دو پہاڑوں کے درمیان بٹھایا جائیگا اور کہا جائیگا کہ ان دونوں پہاڑوں کو ماپ اور تول ۔ لیکن وہ اسے جلائیں گے ۔

تو کم دہی و بیش ستانی بکیل و وزن
روزے بود کہ از کم و بیشت خبر کنند

ترجمہ : تو ماپ تول میں کم دیتا اور زیادہ لیتا ہے ۔ ایک دن آئے گا کہ تجھ سے کمی و بیشی کی خبر لیں گے ۔

اَلَّذِیْنَ (وہ) الخ یہ مطففین کی صفت کاشفہ ہے اور اس تطفیف کی کیفیت کی شرح کرتی ہے جس سے ان کی مذمت کی جارہی ہے اور انہیں وَیل کی دُعا کی گئی **اِذَا اکْتَالُوْا عَلَی النَّاسِ** (جب اوروں سے ماپ میں) یعنی خرید وغیرہ کریں ۔

حلِ لغات : اکتیال بمعنی ماپ سے لینا اتزان کی طرح بمعنی وزن سے لینا۔

یَسْتَوْفُوْنَ (پورا لیں)

حلِ لغات : الاستیفاء بمعنی پورا لینا یعنی وافی اور وافر لیتے ہیں۔

سوال : استیفاء کا صلہ عن آتا ہے یہاں علیٰ کیوں ؟

جواب : استیفاء استیلاء کے معنی کو متضمن ہے یا اس طرف اشارہ ہے کہ ایسی ماپ انہیں مضر ہے لیکن حیز الشرط کہ جسے کلمۂ اذا متضمن ہے میں علی اعتبار الضرر نہیں کیونکہ اس سے معنیٰ میں خلل آتا ہے بلکہ فی نفس الامر بموجب الجواب اس لیے استیفاء سے پورا حق لینا بغیر نقص کے مراد نہیں بلکہ صرف وافی وافر لینا جیسے اور جس جہت سے حیلے بہانے کر کے لیں مثلاً وہ ترازو کو دبا کر اور حرکت دے کر اور اس کے پُر کرنے کا حیلہ کر کے پیمانوں اور ترازوؤں کے ذریعے سے بہت کچھ کما لیتے تھے ۔

وَاِذَا کَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ (اور جب ماپ تول کر دیں)

حلِ لغات الکیل پیمانہ سے ماپنا تاکہ مکیل (ماپی ہوئی) کی مقدار معلوم ہو۔ الوزن الزنۃ (تولنا) تاکہ موزون (تولی ہوئی شے) کی مقدار معلوم ہو۔ یعنی جب وہ لوگوں کو مبیع وغیرہ ماپ تول کر دیں ان کے حقوق ادا کریں ، یہاں حرف جار محذوف ہے فعل کو بلا واسطہ معمول تک پہنچایا گیا جیسا کہ تاج المصادر میں ہے وزنت فلانا درھماً و وزنت لفلان (میں نے

فلان کو درم وزن کرکے دیا) کا ایک معنی ہے اصل لام جارہ کے ساتھ ہے حذف کرکے فعل تک پہنچانا بھی جائز ہے اسی سے یہ آیت ہے۔ اس معنی پر ھُم منصوب المحل علی المفعولیۃ ہے نہ کہ مرفوع جو کالُوا کی تاکید ہو اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ جب واؤ ضمیر کے بعد ضمیر ہو تو درمیان میں الف خالی نہیں لکھا جاتا جیسے نَصَرُوْكَ میں اور اسی قاعدہ پر آیت ہذا ہے کیونکہ مصحف میں خالی الف لکھا ہوا نہیں اور جب ضمیر ظرف میں ہو یعنی مرفوع اور تاکید کے لیے ہو تو اس وقت واؤ کے بعد الف خالی لکھا جاتا ہے اس لیے کہ موکد ماقبل کا کالجزء نہیں ہوتا بخلاف مفعول کے (کہ وہ کالجزء ہوتا ہے) اور شاہ بوالماء میں اکثر الف حذف کرتے ہیں کیونکہ واو الجمع کو اسم سے بہت قلیل اتصال ہوتا ہے۔

سوال: مصحف کا خط قیاس سے ورائے ہے پھر اس پر قیاس کیوں؟

جواب: اس جیسی مثالوں میں مصحف میں الف نہیں لکھا گیا تو پھر اس سے عدول نہیں ہو سکتا۔

یُخْسِرُوْنَ (کم کردیں) ان کے حقوق کم کردیں حالانکہ کیل و وزن کی وضع بھی تعدیل و تسویہ (برابر کرنا) کے لیے ہے۔

حلِ لغات: کہا جاتا ہے خسر المیزان واخسرہ ترازو کو کم کیا، گھٹایا۔

سوال: یخسرون میں کیل و وزن دونوں اور یستوفون میں صرف اکتیال، ورنہ کہا جاتا ہے اذا اکتالوا علی الناس او اتزنوا یہ کیوں؟

جواب: کیل و وزن کے وقت جتنی قدرت مطففین کو اکتیال میں حاصل تھی اتنی اتزان میں نہ تھی (کشاف)

گویا مطففین وزن و کیل والی اشیاء کو مکیال (ماپ کے پیمانے) سے لیتے تھے اور حق پورا کرنے اور چوری میں انہیں اکتیال (ماپنا) میں ہی آسانی و سہولت حاصل تھی اس لیے کہ پیمانے کو جھٹکا دے کر یا کوئی حیلہ بہانہ کرکے بہت کچھ کما لیتے تھے اور جب دیتے تو ماپ اور وزن کرکے دیتے تو وزن و کیل دونوں میں گھٹانے میں اچھا خاصا ہاتھ پاؤں مار لیتے اسی لیے پہلے میں صرف اذا اکتالوا اور دوسرے میں کالوھم او وزنوھم فرمایا۔ اس کی تائید مذکور حدیث مبارک سے ہوتی ہے کہ اس میں کیل میں اقتصار علی التطفیف ہے۔ اس میں دونوں صورتوں میں موزون و مکیل کے درپے نہیں ہوئے، اس لیے کہ کلام اس میں ہے کہ وہ لین دین کے معاملہ میں بُرے تھے مخصوص ماخوذ و معطی کی بات نہیں۔

ف: ابو عثمان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آیت کا حقیقی مطلب میرے نزدیک یہ ہے کہ لوگوں کے دکھاوے پر تو بہت عبادت کرے لیکن اُن سے اوجھل ہو تو بُرائی میں لگ جائے یا عبادت اچھی طرح نہ کرے۔

تفسیر صُوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں عبادت و طاعت میں کوتاہی کرنے والے لیکن کمال رافت و رحمت کے طالبین کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے

ارزاق کا پیمانہ پورا کرنا چاہتے ہیں اور اسے طاعت وعبادت کا پیمانہ کم کر کے اور گھٹا کر دیتے ہیں یہی بیّن خسارہ ہے۔

ف : حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تطفیف فی المیزان حقیقی یعنی عدل کی طرف اشارہ ہے اور اس کے موزونات یعنی اخلاق واعمال کی طرف ، اور مطففین وہی ہیں جو اپنے نفوس کے کمالات کو معتبر سمجھے اور خود کو لوگوں سے افضل گمان کرتے ہیں۔ **یستوفون** انہیں کثیر سمجھتے ہیں اور اپنے حقوق میں زیادتی کرتے ہیں یعنی فضائل علمیہ وعملیہ کا اظہار اپنی حد سے زیادہ کرتے ہیں بوجہ عُجب اور تکبّر کے جو اُن میں ہے اور جیب اپنے کمالات لوگوں کے کمالات سے زائد معتبر سمجھ کر اُن کی قدرومنزلت گھٹاتے اور انہیں حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اپنی رعونت نفسانی اور لوگوں پر اپنی افضلیت کے گھمنڈ میں دوتوں میں عدالت کی رعایت نہیں کرسکتے جیسے اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لیے فرمایا ، یحبون ان یحمدوا بما لم یفعلوا (جو عمل کیا ہی نہیں اس کے لیے چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے)

ف : فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اس میں نفس قاصر فی التوحید الحقیقی کے حال کی طرف اشارہ ہے اس لیے جب اسے روح نے اس کا خسارہ دیا اس کے نقصان وقصور کی وجہ سے جو اس میں ہے تو میزان میں کچھ داخل نہیں کیونکہ کچھ ہو تو داخل ہو اور اسے داخل بھی کون کرے ، اس اعتبار سے اس کی اور اس کے نفس کی شان گھٹ گئی باقی توحید رسمی اس کی طلب روح سے پورا کرنا چاہتی کیونکہ اس کا اس سے طلب کرنا حق ہے اور اسے سوائے طلب کے اور کچھ حاصل نہیں۔

تفسیر عالمانہ

اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِکَ (کیا ان لوگوں کو گمان نہیں) یعنی ان مطففین کو جو مذکورہ بالا ہولناک اور وصف شنیع سے موصوف ہیں۔

ف : اَلَا تنبیہ کا نہیں اس لیے کہ تنبیہ کا ہوتا تو اس کا مابعد مثبت ہوتا اور یہاں منفی ہے علاوہ ازیں الا تنبیہیہ کا قاعدہ ہے کہ اگر اسے حذف کر دیا جائے تو معنیٰ میں فرق نہیں پڑتا۔ جیسے الا انھم لفی سکرتھم یعمھون (خبردار بیشک وہ نشہ میں حیران پھر رہے ہیں) لیکن یہاں یہ بات نہیں اس لیے کہ اگر الا حذف کر دیا جائے تو معنیٰ میں خلل پڑتا ہے ، بلکہ یہ ہمزہ استفہامیہ انکاریہ داخل ہے لا نافیہ پر ، اور جائز ہے کہ یہ اَلا عرض وتحضیض علی الظن کا ہو۔

اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ (بے شک انہیں اٹھنا ہے ایک عظمت والے دن کے لیے) جس کی عظمت کا اندازہ نہیں ہوسکتا اور اس کی ہولناکیاں بے انتہا ہیں اور اس میں ان سے ذرہ ذرہ کا حساب ہوگا اس لیے کہ جو اس کا گمان کرتا ہے اگرچہ گمان ضعیف ہی سہی یعنی وہ شک ووہم کی حد تک ہو

تب بھی ایسے قبائح کے ارتکاب کی جُرأت نہ کرتا پھر جو اس کا یقین کرتا ہے وہ کیسے جرأت کر سکتا ہے۔ ظن کا ذکر مبالغہ کے لیے ہے تاکہ تطفیف سے رُک جائیں ورنہ مؤمن کو بعث و محاسبہ کا گمان کیسا بلکہ اس کا تو اعتقاد جازم ہے۔ یَوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (جس دن سب لوگ رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے) یوم منصوب ہے اَعنی محذوف سے۔ لرب العٰلمین سے پہلے مضاف امر محذوف ہے یعنی محض رب العالمین کا حکم ہوگا تو سب حاضر ہو جائیں گے کوئی اور شے انہیں لائے گی یا رب العالمین محاسبہ کے لیے حاضر ہوں گے وہاں ان کی تطفیف ظاہر ہوگی اور اس کی سزا وغیرہ یا وہ رب العالمین کے ردکرنے ارواح الی الاجساد کی وجہ سے حاضر ہوں گے۔

ف: مروی ہے کہ وہ قبور سے اُٹھ کر چالیس سال اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے رہیں گے۔ ایک روایت میں ہے دنیا کے تین سال کے برابر۔ ان کے پسینے ان کے آدھے کانوں تک ہوں گے۔ ان کے ہاں کوئی خبر آئے گی نہ امر، وہ مقامِ ہیبت ہوگا کہ کسی کو سخن کی ہمت نہ ہو گی پھر ان کے لیے حکم ہو گا کہ انہیں مقامِ ہیبت سے مقامِ محاسبہ میں لاؤ۔

کامل مومن کی شان کامل مومن کی شان یہ ہو گی کہ اسے صرف اتنا ٹھہرنا ہو گا جتنا وہ فرض نماز کی ادائیگی سے واپسی تک دیر لگاتا ہے۔

سوال: رب العٰلمین لانے کی تخصیص کیوں جبکہ اس کی اور صفات بھی تو ہیں؟

جواب: مالکیۃ و تربیۃ کی طرف اشارہ ہے کتنا ظالم و قوی ہو اس کے سامنے حاضری سے نہ بچ سکے گا کیونکہ سب اس کے مملوک ہیں اور اس کی قدرت کے قبضہ میں مسخر ہیں اور وہ کسی کو نہ چھوڑے گا یہاں تک کہ مظلوم عاجز تک۔ کیونکہ تربیت کا تقاضا یہی ہے کہ کسی کے حقوق ضائع نہ ہوں۔

ف: ان تشدیدات میں اشارہ ہے کہ تطفیف اگرچہ شے حقیر سے متعلق ہو لیکن اس کا گناہ کبیرہ (بڑا) ہے۔

مسئلہ: بعض نے کہا آیت میں ہر وہ شخص بھی شامل ہے جو حقوقِ الٰہی میں کمی کرتا ہے زکوٰۃ میں، نماز میں، روزہ میں، وہ سب اس وعید میں داخل ہیں۔

حکایت حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سورت پڑھی جب یوم یقوم الناس لرب العٰلمین تک پہنچے تو زور زور سے رونے لگے یہاں تک کہ آپ سے آگے پڑھا نہ جا سکا غلبۂ گریہ اور حساب و جزا کے تصور سے۔

حکایت دیگر ایک اعرابی نے عبدالملک بن مروان (اموی خلیفہ) کو کہا تُو نے اللہ تعالیٰ کا فرمان نہیں سُنا کہ اللہ تعالیٰ نے مطففین کے حق میں کیا فرمایا ہے۔ اس کا مقصد یہ تھا

کہ مطفف کو اللہ تعالیٰ نے عظیم وعید سنائی ہے حالانکہ وہ قلیل مال لیتا ہے لیکن اے عبد الملک! تیرا کیا حال ہوگا کہ تُو مسلمانوں کا مال بغیر وزن وکیل کے دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہا ہے۔

كَلَّآ (بیشک) یہ حرف ردع (زجر و توبیخ) کا ہے اس سے منع کرنا ہے جس پر وُہ تھے یعنی تطفیف و غفلت از بعث وحساب اس معنیٰ پر یہاں وقف مستحسن ہے اگر بمعنی حقا ہو تو نہ۔ کیونکہ اس وقت یہ ما بعد سے متصل ہے۔ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِیْ سِجِّیْنٍ (بیشک کافروں کی لکھت سب سے نیچی جگہ سجّین میں ہے) ردع کی تعلیل ہے۔

حلِ لغات

الکتٰب مصدر بمعنی مکتوب، جیسے لباس بمعنی ملبوس ہے یا اپنے حال پر ہے بمعنی کتابت۔ لام تاکید کی ہے، اور سجّین جامع کتاب کا علم (نام) ہے، وُہ شر کا دفتر ہے ثقلین (جن و انس) کے کفّار و فسّاق اور شیاطین کے اعمال کا مرکز ہے۔ یہ وصف سے منقول ہے حاتم کی طرح اور منصرف ہے کیونکہ اس میں ایک سبب ہے یعنی تعریف۔ اس کا اصل فعیل از سجن ساجن کا مبالغہ ہے یا اس لیے کہ وہ مطروح ہے جیسا کہ کہا گیا ہے کہ وہ ساتوں زمینوں کے نیچے ایک اندھیرے اور وحشت والی جگہ میں ہے وہی ابلیس اور اس کی ذرّیت کا مسکن ہے انہیں ذلیل کرنے اور ان کی شان کی تحقیر کے لیے۔ وہاں راندۂ درگاہ شیاطین حاضر ہوتے ہیں جیسے ابرار کے دفتر میں مقرب فرشتے تشریف لاتے ہیں۔ اس معنیٰ پر سجّین مسجون کا مبالغہ ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ فجار منجملہ ان کے مطففین ہیں ان کی کتاب (وہ جس پر ان کے اعمال لکھے جاتے رہے) یا نامۂ اعمال اسی مدوّن کتاب میں ہے اس میں مذکور لوگوں کے اعمال کے قبائح ہیں۔

تفسیرِ صُوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ان کی استعداد فطری کی کتاب ان کی طبیعت (جو فسق و فجور کی خوگر ہے) کی سجّین میں لکھی ہوئی ہے بائیں ہاتھ کی قلم سے ان کی پیشانیوں کے صفحات کے اوراق پر، جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

السعید من سعد فی بطن امہ و الشقی من شقی فی بطن امہ۔	سعید وہ ہے جو اپنی ماں کے پیٹ سے سعادتمند ہو کر آیا اور شقی وہ ہے جو اپنی ماں کے پیٹ سے شقی بن کر آیا۔

تفسیرِ عالمانہ

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّیْنٌ (اور تُو کیا جانے سجّین کیسی ہے) اس کے معاملہ کی ہولناکی کا اظہار ہے یعنی جیسے کہ وُہ ہے وہاں کسی کا علم نہیں پہنچ سکتا كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ (وہ لکھت ایک مہر کا نوشتہ ہے)

امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رقم بمعنی موٹا خط۔

حل لغات

بعض نے کہا کہ رقم بمعنی تعجیم الکتاب (کتاب پر نقطہ لگانا)۔ کتاب مرقوم کو دونوں معنوں پر محمول کیا جا سکتا ہے یعنی وہ لکھی ہوئی اور اس کی لکھت واضح اور روشن ہے اس حیثیت سے کہ جو بھی اسے دیکھتا ہے اس سے بلا دقت مطلع ہو جاتا ہے اس میں غور و خوض نہیں کرنا پڑتا اور نہ ہی خصوصی توجہ دینی پڑتی ہے۔ یا وہ کتاب کھلے الفاظ سے ہے ہر ایک اسے جان سکتا ہے لیکن کتاب والوں کے لیے اس میں کوئی خیر و بھلائی نہیں یعنی وہ کتاب ایسی علامات پر مشتمل ہے جو کتاب والے کی شقاوت پر دلالت کرتی ہے کہ وہ دوزخی ہیں اور ان کے شر کی علامت ہے جیسا کہ مقام مضمون سے واضح ہے کیونکہ یہ تہویل کا مقام ہے۔

ف: القفال نے فرمایا کہ کتاب مرقوم سجین کی تفسیر نہیں بلکہ وہ انّ کی خبر ہے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ فجار کی کتاب سجین میں ہے اور بیشک وہ لکھی ہوئی کتاب ہے اور وما ادراك ما سجين دو خبروں کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ

حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کتاب الفجار یعنی وہ جو رذائل کے مرتکبین کے جو اعمال لکھے گئے جنہوں نے عقل و شرع کی متفقہ حدِ عدالت سے نکلنے میں زیادتی کی وہ سجین میں ہیں وہ وجود میں سے ایک مرتبہ ہے اس کے قیدی تنگ و تاریک اور اندھیری قید میں مقید ہیں کچھوؤں سانپوں اور بچھوؤں کی طرح پیٹ کے بل چلتے اور وہ طبیعت کے نچلے مراتب و درکات میں ہیں۔ وہ اہل شر کے اعمال کا دفتر ہے اسی لیے اس کی تفسیر میں فرمایا کتاب مرقوم یعنی وُہ جگہ ہے جہاں ان کے اعمال لکھے ہوئے ہیں۔ ان کے رذائل و شرور کی ہیأت کے نقوش ہیں۔

تفسیر عالمانہ

وَيْلٌ (خرابی ہے) يَّوْمَئِذٍ (اس دن) کہ لوگ رب العٰلمین کے سامنے اٹھیں گے اور یہ اسی کے متصل ہے اور ان کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

بعض نے کہا کہ اس دن کہ جب کتاب (نامۂ اعمال) دیے جائیں گے لِّلْمُكَذِّبِيْنَ (جھٹلانے والوں کے لیے)

کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ویل یہ کلمہ تمام برائیوں کا جامع ہے یعنی عذاب و عقاب اور شدّتِ محنت اسی دن مکذبین کو ہے۔

الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ (جو انصاف کے دن کو جھٹلاتے ہیں) یہ مکذبین کی صفت ذامّہ (مذمت کرنے والی) ہے یہ ایسے ہے جیسے تم کہتے ہو فعل ذلك فلان الفاسق الخبيث (اسے فلاں فاسق خبیث نے کیا) اس لیے کہ ان کی تکذیب اَلا یظن اولٰئك الخ سے معلوم ہوتی۔

تفسیر صوفیانہ

بعض اہلِ اشارہ (صوفیہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ وُہ جو حق اور اس کی آیات کی تکذیب کرتے ہیں یعنی وہ اہلِ نفوس جو دُنیا کی طرف متوجہ اور حق سے رُوگردانی کرتے ہیں اور دین سے، جو وہی دین اسلام ہے اور ہر ایک کو اس کے دین کے مطابق جزاء و سزا ہوگی جس کا کوئی دین نہ ہوگا اس کی بُری جزاء ہے اور بہت بڑی خرابی ہے اور جس کا دین ہے اس کی احسن جزاء ہے اور کریم کا دیدار نصیب ہوگا۔ اے عزیز! تصدیق کو لازم پکڑ۔

تفسیر عالمانہ

وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ (اور اسے نہ جھٹلائیگا مگر سرکش) نظر و اعتبار کی حدود سے تجاوز کرنے والا، تقلید میں غلو کرنے والا، جو سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مرنے کے بعد زندہ اٹھانے کی قدرت نہیں حالانکہ وہ مشاہدہ کر چکا ہے کہ وُہ جب ابتدائی تخلیق پر قادر ہے تو پھر اعادہ پر کیوں قادر نہیں! اس سے ولید بن مغیرہ اور نضر بن حارث وغیرہما جیسے مشرکین مراد ہیں۔ اَثِيْمٍ بکثرت گناہ کرنے والا۔ شہوات ناقصہ فانیہ میں منہمک کہ انہوں نے اسے لذات تامہ باقیہ میں مشغول کر رکھا ہے بلکہ ان کے انکار سے برانگیختہ کیا ہوا ہے۔

ف: اعتداء سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے قوۃ نظریہ کو بالکل بیکار کر رکھا ہے جس کا کمال یہ ہے کہ اس سے ہی انسان کو وحدۃ صانع اور اس کی جملہ صفات کمالیہ سے موصوف ہونے کا عرفان حاصل ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمالیہ علم و ارادہ و قدرۃ وغیرہ۔ اور اثم سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے اپنی قوتِ علیہ کو ضائع کر دیا کہ جس سے انسان خیر و بھلائی کو جانتا ہے کہ کون سے اعمال سے یہ حاصل ہوتی ہے۔

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا (جب اس پر ہماری آیاتِ ناطقہ پڑھی جائیں) قَالَ (کہے) فرطِ جہالت اور اعراضِ حق کی وجہ سے حالانکہ حق کے سوا کہیں پناہ نہیں اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ (اگلوں کی کہانیاں ہیں) پہلے لوگوں کی حکایات اور اخبار باطلہ۔ فتح الرحمٰن میں ہے کہ یہ وہ حکایات ہیں جو قدیم سے لکھی چلی آ رہی ہیں۔

حلِ لغات

اساطیر اسطور (بالضم) و اسطارہ (بالکسر) وُہ بات جس کا کوئی نظم و ضبط نہ ہو۔

كَلَّا (کوئی نہیں) یہ حد سے بڑھنے والے کو قول باطل اور آیات کی تکذیب سے روکنا ہے ممکن ہے یہ مجموعی طور اور قول سے منع کرنا ہے بَلْ سکتہ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (بلکہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا ہے ان کی کمائیوں نے) حفص نے عاصم (رحمہما اللہ تعالیٰ) سے بَل کو باظہار اللام مع سکتہ خفیفہ بغیر قطع کے پڑھا ہے اور رَانَ سے ابتدا کیا ہے اور باقیوں نے بَل کی لام کو را میں

ادغام کیا ہے اور حمزہ، کسائی، خلف و ابوبکر عن عاصم (رحمہم اللہ تعالیٰ) فتح راء کا امالہ کرتے ہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ حفص نے دو ثقلتوں سے فرار کیا،

(۱) راء مفخمہ (پر)

(۲) ادغام ″

اس پر بل ران کا اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس میں دو متقارب المخرج میں ادغام کیا گیا ہے اس میں کوئی سکتہ نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ حفص (رحمہ اللہ) نے بل کی لام اور من راق کی راء پر سکتہ کیا ہے کہ کہیں بل ران میں ادغام سے بران صیغۂ تثنیہ سے اور من راق میں مرّاق (تثنیہ) سے اشتباہ نہ ہو کر بر صیغۂ صفت اور مرّاق مارق کا مبالغہ ہے۔ ما کانوا میں ما موصولہ اور عائد محذوف ہے اور یہ محلاً مرفوع الفاعلیۃ ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہماری آیات اس لائق نہیں کہ ان کے بارے میں ایسے باطل مقولے کہے جائیں بلکہ ان کے قلوب پر زنگ چڑھ گیا ہے اور ان پر غلبہ ہے ان کے کفر و عصیان کی کمائیوں کا اب ان کے قلوب ایسے ہیں جیسے آئینہ پر زنگ، وہی ان کے اور معرفتِ الٰہی کے درمیان حائل ہے۔

حدیث شریف

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ان العبد کلما اذنب ذنبا حصل فی قلبہ نقطۃ سوداء حتی یسود قلبہ و لذلک قالوا ما قالوا والرین صدأ یعلو الشیٔ الجلی والطبع و الدنس۔

(ترمذی)

جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے جب اس گناہ سے باز آجاتا ہے اور توبہ و استغفار کرتا ہے تو دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر پھر گناہ کرتا ہے تو وہ نقطہ بڑھتا ہے یہاں تک کہ تمام قلب سیاہ ہو جاتا ہے۔ اور یہی رَین یعنی وہ زنگ ہے جس کا آیت میں ذکر ہوا۔

حلِ لغات

ران وہ زنگ جو روشن شیٔ پر چڑھ جائے۔ مُنہ کا دھبّہ اور گرد۔ کہا جاتا ہے:

ران ذنبہ علی قلبہ رینا و ریونا غلب (اس کے دل پر گناہ غالب ہو گیا) کوئی کسی پر غالب ہو جائے تو کہتے ہیں، رانک و بک وعلیک کما فی القاموس۔ یعنی بلاواسطہ و بواسطہ باء و علیٰ متعدی ہوتا ہے اور کہا جاتا ہے، ران فیہ النوم (اس میں نیند راسخ ہو گئی) التعریفات

میں ہے کہ ران وُہ حجاب جو کسی قلب اور عالمِ قدس کے درمیان حائل ہو جائے استیلائے ہیأت نفسانیہ اور رسوخ ظلمانیہ جسمانیہ سے یہاں تک کہ وہ قلب انوارِ ربوبیت سے بالکل محجوب ہو جائے اور غین (معجمہ) رَین سے کم درجہ ہے ۔

تحقیق الغین والرین

غین ایک باریک پردہ ہوتا ہے جو تصفیہ اور تجلی کے نور سے ہٹ جاتا ہے اس لیے اس میں ایمان باقی ہوتا ہے اور رَین کثیف پردہ ہوتا ہے جو قلب و ایمان کے درمیان حائل ہو جاتا ہے ۔ الاقفال سے دل پر تالے پڑ جاتے ہیں ۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ طبع سے اقفال سخت تر ہے ایسے ہی طبع رَین سے ۔

تفسیرِ صوفیانہ

حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ دل پہ زنگ راسخ ہو جاتا ہے جس سے اس کا جوہر گدلا پڑ جاتا ہے زنگ کے چمٹنے سے دل بے رونق ہو جاتا ہے اور دل پر گناہوں کے پے در پے ہونے ان کے راسخ ہونے سے رَین (زنگ) تیز ہوتا ہے دل کے نزدیک ایک پردہ متحقق ہو جاتا ہے تو اس کے لیے مغفرت کے دروازے بند ہو جاتے ہیں (نعوذ باللہ منہ) ۔

ف : حضرت ابو سلیمان دارانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ران و قسوۃ دونوں غفلت کی باگیں ہیں جو ہوشیار اور بیدار ہے تو وہ قسوۃ و رَین سے محفوظ و مامون ہے ۔

دل (روحانی) کا علاج

جو چاہے کہ اس کے دل پہ ران و قسوۃ نہ ہو تو وہ روزوں پہ مداومت کرے اگر اس کے باوجود بھی قسوۃ نہ جائے تو سالن کھانا چھوڑ دے ۔

روحانی دل کیا ہے

بعض اکابر صوفیہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دل سارے کا سارا شیشہ ہے وہ ہمیشہ زنگ آلود نہیں رہتا اگرچہ حدیث شریف میں مطلقاً فرمایا گیا ہے :

ان القلوب لتصدأ کما یصدأ الحدید	قلوب زنگ آلُود ہو جاتے ہیں جیسے لوہا،
و ان جلاءھا ذکر اللہ و تلاوۃ القراٰن ۔	اس کی روشنی ذکرِ الٰہی و تلاوتِ قرآن سے ہوتی ہے ۔

ف : اس صدأ سے یہ مراد نہیں کہ وہ طخاء ہے جو قلب کے مُنہ پہ اُبھرا ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ قلب جب غیر سے متعلق ہُوا یعنی وہ بجائے مسبب کے جاننے کے اسباب کے علم میں مشغول ہوا تو دل کا

تعلق غیر اللہ سے ہوگیا وُہ قلب کا زنگ بن گیا وہ تجلیٔ حق قلب تک پہنچنے سے مانع ہُوا ورنہ حضرۃ الٰہیہ تو ہمیشہ متجلّی ہے اس کے حق میں کسی قسم کے حجاب کا تصور نہیں ہوسکتا پھر جب اس قلب نے جہت خطاب شرعی محمود سے اس تجلی کو قبول نہ کیا اس کے غیر کو قبول کرنے کا نام صداً (زنگ) اور کن اور قفل وغیرہ رکھا گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس پر یُوں تنبیہ فرمائی ؛

وقالوا قلوبنا فی اکنة مما تدعونا الیه ۔	اور کافروں نے کہا کہ ہمارے قلوب پردوں میں ہیں اس سے جس طرف تم ہمیں دعوت دیتے ہو۔

تو اس کا معنیٰ یہ ہُوا کہ ان کے قلوب اس دعوت سے پردے میں ہیں جس طرف انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دعوت دیتے ہیں نہ مطلقاً کِنّ (پردہ) میں ۔ چونکہ ان کے دل غیر کی طرف لٹکے ہوئے ہیں اس لیے جس طرف انہیں دعوت دی جاتی ہے اس سے وہ اندھے ہیں اسی لیے وہ کوئی شے نہیں دیکھ سکتے ورنہ قلوب ہمیشہ فطری روشنی پر ہیں صیقل کئے ہوئے صاف شفاف ہیں۔ حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؛ ؎

مسکین فقیہ میکند انکار حُسن دوست
با او بگو کہ دیدۂ جاں را جلی کند

ترجمہ ؛ مسکین فقیہ ظاہر میں دوست کے حُسن کا انکار کرتا ہے اسے کہو کہ وہ جان کی آنکھ روشن کرے (پھر حُسنِ یار دیکھے)

تفسیر عالمانہ

كَلَّآ (ہاں ہاں) زجر اور رکاوٹ ہے اس عمل سے جو رین میں ڈالے **اِنَّهُمْ** : بیشک وہ مکذبین **عَنْ رَّبِّهِمْ** اپنے پروردگار سے **يَوْمَئِذٍ** (اس دن) یہ اور یوم یقوم الناس لرب العٰلمین (دونوں) **لَّمَحْجُوْبُوْنَ** (دیدار سے محروم ہیں) کے متعلق ہیں ۔ یہ لوگ دیدارِ الٰہی سے اپنے قبیح کرتوتوں کی وجہ سے محروم ہوں گے اس لیے کہ ان کے قلوب کے آئینے زنگ آلود ہیں اور زنگ کی ظلمت قلوب سے اجسام پر سرایت کرچکی ہے اسی لیے وہ نورِ تجلّی کا محل نہیں رہے بخلاف اہلِ ایمان کے کہ وہ اللہ کے دیدار سے سرشار ہوں گے اس لیے کہ ان کے نیک اعمال کی وجہ سے ان کے قلوب کے آئینے صیقل کئے ہوئے صاف اور شفاف ہیں اور صقالۃ اور صفائی کا نور ان کے قلوب سے ان کے اجسام پر سرایت کرگیا ہے اسی لیے وُہ ذی استعداد ہیں کیونکہ نور التجلی کا عکس ان کے قلوب وقوالب (اجسام) پر پڑ رہا ہے اور ان کے قلوب جمیع جہات سے چہرے بن گئے ہیں

وجہ باقی کے چہرے کی طرح بلکہ وہ بالکلیہ آنکھیں ہی آنکھیں بن گئے ہیں۔

ف : حضرت مالک بن انس رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس آیت کے بارے میں سوال ہُوا تو آپ نے فرمایا جب اللہ کے دشمن اس کے دیدار سے محجوب ہوں گے اور اُسے نہ دیکھ سکیں گے تو لامحالہ وُہ اپنے اولیاءِ کرام کو جلوہ سے نوازے گا اور وہ اس کے دیدار سے سرشار ہوں گے۔

ف : امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے مسئلہ رؤیت پر استدلال فرمایا ہے کہ خطاب کی دلیل سے اہلِ ایمان کو رؤیۃ نصیب ہوگی۔ اگر سب کے سب دیدار سے محجوب ہوں تو خطاب بے معنی ہو جاتا ہے اور خطابِ خداوندی بے معنیٰ نہیں ہو سکتا ورنہ پھر دوست و دشمن میں کیا فرق ہوگا! اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ بہشت گویا اہلِ ایمان کے لیے مہمانی کا مقام ہے ؎

بے دیدن میزبان چہ باشد
چون دشمن و دوست را چہ باشد

ترجمہ : میزبان کے دیدار کے بغیر مہمانی نہ ہوگی بلکہ وہ مہمان بھی دشمن کی طرح کنویں میں ہے۔

ع پس فرق دران میان چہ باشد

ترجمہ : پھر دشمن اور دوست کے درمیان کیا فرق ہوا!

ملفوظاتِ اولیاءِ کرام

(۱) حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ جب ایک قوم (کفار) غضب کی وجہ سے محجوب از رؤیت ہوگی تو دوسری قوم کو (اہلِ ایمان) اس کی رضا سے دیدار نصیب ہوگا۔

(۲) حضرت شیخ الاسلام عبداللہ انصاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وُہ (کفار) رؤیۃ رضا سے محجوب ہوگی اس لیے کہ شقی (بدبخت کافر) جب اسے محشر میں جلوہ گر دیکھے گا تو اسے غضبناک کیفیت میں دیکھے گا یہ دخولِ جنّت سے پہلے کا حال ہے۔

(۳) حضرت حسین بن الفضل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جیسے وُہ (کافر) دنیا میں اللہ تعالےٰ کی توحید سے محجوب رہے ایسے ہی آخرت میں اس کے دیدار سے محروم رہیں گے۔ خلاصہ یہ کہ موحّد (مومن) دیدار سے محجوب نہ ہوگا۔

(۴) دُنیا میں کافروں کو قسوۃِ قلبی اور اس شقاوۃ نے محجوب رکھا جو ازل میں ان پر سبقت کر گئی اسی لیے وہ قرب و مشاہدہ کے بساط (فرش) پر نہ آسکے۔ اسی لیے وُہ بعید اور محجوب رہے۔ خلا

یہ کہ حجاب وہی انتہائی بُعد و طرد (دھتکار) ہے۔

(۵) حضرت ابن عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حجاب دو ہیں:

(۱) بُعد

(۲) ابعاد

حجاب بُعد میں تو کبھی قریب نہیں ہونے دے گا اور حجاب ابعاد میں تادیب کے بعد قُرب حاصل ہو گا جیسے آدم علیہ السلام کے لیے ہوا۔

تفسیر صوفیانہ

حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ **انھم عن ربھم لمحجوبون** بیشک وہ اپنے رب سے محجوب ہوں گے اس لیے کہ ان کے قلوب نے نور کو قبول نہ کیا تھا اور صفاءِ اول فطری کی طرف عود کرنے سے رُکے رہے جیسے ماءِ کبریتی مثلاً جب وہ کسی شے میں مخلوط ہو جائے یا بھاپ بن کر اوپر کو چڑھ جائے تو پھر وہ ٹھنڈے پانی کی طبیعت میں نہ لوٹ سکے گا کیونکہ اب اس کا جوہر دوسری شے میں حلول کر گیا ہے بخلاف گرم پانی کے کہ اس کی صرف کیفیت بدل گئی تھی طبیعت نہیں بدلی تھی اسی لیے گرمی ہٹنے کے بعد وہ اپنی اصلی حالت میں عود کرے گا۔ اسی لیے کافر دائمی عذاب کے مستحق ٹھہرے (کہ ان میں جوہر ہی مٹ گیا تھا)

حلِ لغات

المفردات میں ہے کہ الحجب، المنع (روکنا) پہنچنے سے۔ آیت میں اشارہ ہے کہ پردے انہیں دیدارِ الٰہی سے مانع ہیں جس کا اشارہ فضرب بینھم بسور ای حجاب ان کے درمیان پردے لٹکائے جائیں گے جو انہیں لذتِ جنت سے روکیں گے وہ لذت اہلِ جنت تک محدود رہے گی اہلِ نار تک وہ پردے نہیں پہنچنے دیں گے، ایسے ہی اہلِ نار کی اذیت ان تک محدود رہے گی وہ پردے اہلِ جنت تک نہیں پہنچنے دیں گے۔

صاحبِ کشاف کی معتزلانہ تقریر

صاحبِ کشاف نے کہا دوزخیوں کا دیدار محجوب ہونا (حقیقی نہیں) بلکہ یہ ایک تمثیل ہے ان کے استخفاف و اہانت کے لیے ایسا فرمایا ہے اس لیے کہ شہنشاہ کے دربار میں ذوالوجاہت اور مکرم لوگ ہی حاضر ہو سکتے ہیں اور کمینے اور رذیل لوگ اس کی حاضری سے محجوب رہتے ہیں، چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں:

اذا اعتروا باب ذی مهابة رجبوا۔	جب ذو ہیبت و شوکت کے دروازے پر
والناس مابین مرجوب و محجوب	حاضر ہوتے ہیں تو ان کی عزت ہوتی ہے اس
انتھی ای مابین معظم و مھان۔	لیے کہ لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں بعض کی

عزت ہوتی ہے بعض کے آگے پردے لٹکائے
جاتے ہیں یعنی بعض معظم ہوتے ہیں بعض ذلیل۔

معتزلی کا پردہ چاک (صاحبِ کشاف خود کو سُنّی حنفی کہلاتا ہے جیسے ہمارے دور میں دیو بندی وہابی ہو کر خود کو سُنّی حنفی کہلاتے ہیں اسی لیے اہلسنت مذاق کے خلاف معتزلیہ کے پردے میں قرآن کا مفہوم بیان کیا تو تاڑنے والوں نے تاڑ لیا اور واشگاف الفاظ میں کہہ دیا کہ یہ صاحب کشاف کا سنّیت حنفیت سے انحراف اور اعتزال کو فروغ دینا ہے۔ اسی طرح دیو بندیوں کے وہابیانہ پروگرام کا ہم اپنے دَور میں پردہ چاک کر کے عوام پر واضح کر دیتے ہیں کہ دیو بندیوں کا سُنّی حنفی کہلانا صرف نام ہی ہے ورنہ درحقیقت یہ بھی وہابیت کو فروغ دے رہے ہیں۔ چنانچہ صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ کشاف کی مذکورہ بالا تقریر لکھ کر اس کا پردہ یُوں چاک کرتے ہیں:)[1]

وانما جعله تمثیلا لا کنایة اذ لا یمکن	اسے تمثیل بنایا ہے نہ کہ کنایہ کیونکہ حقیقی معنیٰ
ارادة المعنی الحقیقی علی زعمه	کا مراد ممکن نہیں، یہ اس کا گمان ہے
من حیث انه معتزلی۔ (ص ٣٦٩)	کیونکہ وُہ معتزلہ ہے۔

معتزلہ کا رد بعض مفسرین نے فرمایا کہ آیت کو تمثیل کہنا ظاہر معنیٰ سے عدول ہے حالانکہ وہ مکشوف ہے کیونکہ اِن کے قول ھو محجوب عن الامیر کا ظاہر معنی یہ فائدہ دیتا ہے کہ وہ بادشاہ کے دیدار سے ممنوع ہے اور یہی اس کی اہانت کا سب سے بڑا سبب ہے۔ (اسی لیے صاحبِ کشاف کا اسے تمثیل میں داخل کرنا اسے مفید نہ ہوا[2])

سوال معتزلی: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ لمحجوبون کا معنی ہے وہ (کفار) اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محجوب ہوں گے۔ اور ابن کیسان سے منقول ہے کہ وہ کرامت سے محجوب ہوں گے۔ (ان دونوں حوالوں سے ثابت ہُوا کہ یہاں دیدارِ الٰہی کا اثبات اہلِ ایمان کے لیے نہیں ہو سکتا)

جوابِ سُنّی: اِن دونوں حضرات نے حاصلِ معنیٰ مراد لیا ہے اس لیے کہ جو محجوب از رؤیۃ ہے وہ لازماً معظم الرحمۃ والکرامۃ (سب سے بڑی رحمت اور کرامت) سے ممنوع ہے اور آخرت میں اہلِ ایمان کے لیے سب سے بڑی رحمت وکرامت دیدارِ الٰہی ہی ہے۔ آیت سے تو الٹی رؤیۃ ثابت ہوئی الحمد للہ تعالیٰ علی بذلہ

---

[1] و [2] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

نوالہ وعطائہ وعلیٰ شہود جمالہ ولقائہ (سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اس کی رحمت کی بخشش و عطاء پر اور اس کے شہود جمال ولقاء پر)

تفسیر عالمانہ

ثُمَّ اِنَّهُمْ (پھر بیشک انہیں) باوجودیکہ وہ رؤیتِ الٰہی سے محجوب ہیں لَصَالُوا الْجَحِیْمِ (جہنم میں داخل ہونا ہے) اور اس کی گرمی میں گزر اوقات کرنی ہے بغیر حائل کے۔ یہ دراصل صالون (الجحیم) تھا، نون اضافت کی وجہ سے محذوف ہوا اور ثُمَّ رتبہ کی تراخی کے لیے ہے اس لیے کہ ان کے لیے جہنم کے داخلے کا عذاب حجاب واہانت اور حرمان از رحمت وکرامت کا عذاب سخت تر ہوگا۔ اس لیے کہ حجاب اگرچہ عذاب روحانی ہے تاہم جسمانی عذاب سے سخت تر ہے۔ لیکن نار سے محض نجات عذاب سے آسان ہے اس لیے حسی عذاب میں دو عذاب ہیں (جیسا کہ مخفی نہیں) ثُمَّ یُقَالُ پھر کہا جائے گا انہیں توبیخ و تقریع کے طور پر از جہۃ الزبانیہ (نار کے داروغے) ان کی تصریح اس لئے نہیں کہ مقصود قائل کا ذکر نہیں بلکہ قول ہے نیز اس میں تعمیم ہے قائل کے احتمال کو کہ نہ معلوم کہنے والا کون اس سے خوف میں اور سختی کا اضافہ ہے هٰذَا (یہ) عذاب، یہ مبتداء ہے اس کی خبر اَلَّذِیْ کُنْتُمْ (وہ جو تھے تم) دنیا میں بِهٖ (جیسے) تُکَذِّبُوْنَ کے متعلق ہے (تم جھٹلاتے تھے) اسے بِہٖ کی تقدیم فاصلہ کی رعایت کے لیے ہے نہ کہ حصر کے لئے، اس لیے کہ وہ اس کے بہت سے دیگر احکام کی بھی تکذیب کرتے تھے۔ کَلَّآ (ہاں، ہاں) یہ زجر و توبیخ ہے دوبارہ اِنَّ کِتٰبَ الْاَبْرَارِ (بے شک نیکوں کی لکھت) ان کے وہ اعمال جو لکھے ہوئے ہیں کتٰب مضاف مصدر ہے مقدر کی طرف لَفِیْ عِلِّیِّیْنَ اونچے محل علیین میں ہے، یعنی دفتر جو جملہ اعمال الابرار کا جامع ہے۔

عِلِّیِّیْن کی تحقیق

علیّون علو (اسم) ہے دفتر خیر کے لیے جس کی ملائکہ اور صلحاء ثقلین (جنّ انس) کے اعمال کے لیے مدوّن کیا گیا علی بروزن فعیل کی جمع سے منقول ہے از علو مبالغہ کے لیے اس نام سے موسوم کرنے کے وجوہ ہیں:

(۱) چونکہ یہ جنّت میں اعلیٰ درجات کی بلندی کا سبب ہے۔

(۲) یہ ساتویں آسمان میں ہے اس کی بلندی کی وجہ سے اس کا یہ نام ہوا اور اس میں کروبیین رہتے ہیں ان کی وجہ سے اس نام سے اس کی تکریم و تعظیم ہوئی۔

عمل میں اخلاص ضروری ہے

مروی ہے کہ ملائکہ بندے کے اعمال لے کر اوپر کو جاتے ہیں تو سمجھتے ہیں یہ تو کچھ نہیں لیکن جب اوپر پہنچ جاتے ہیں جہاں تک اللہ چاہتا ہے اپنی سلطنت میں، انہیں اللہ تعالیٰ وحی فرماتا ہے کہ تم میرے بندے کے نگران تھے میں اس کا

رقیب ہوں اس کے قلب کا، چونکہ اس نے خلوص سے عمل کیا ہے اسی لیے اسے علیین میں پہنچا دو اور میں نے اسے بخش دیا۔ ایک دوسرے بندے کا عمل لے کر اُوپر جاتے ہیں سمجھتے ہیں کہ یہ اس کا بہتر عمل ہے جب وہ وہاں تک پہنچتے ہیں جہاں تک اللہ چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ ملائکہ کو وحی فرماتا ہے کہ تم میرے بندے کے نگران ہو اور میں اس کے دل کا رقیب ہوں اس نے چونکہ عمل میں خلوص نہیں کیا اس لیے اسے سجّین میں پھینکو۔

مسئلہ: اس میں اشارہ ہے کہ کراماً کاتبین (نگران فرشتے) بندے کے اخلاص اور ریاء پر مطلع نہیں ہو سکتے جب تک انہیں اللہ تعالیٰ آگاہ نہ فرمائے۔

وَمَا أَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ (اور تو کیا جانے علیین کیسی ہے) یعنی وہ خلق کے دائرۂ درایۃ سے خارج ہے۔ **كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ** (وہ نکمت مہر کیا نوشتہ ہے) وہ لکھا ہوا بین الکتابۃ (کھلم کھلا) ہے جسے آسانی سے (بلا تکلف) پڑھا جا سکتا ہے یا نشان دار ہے ایک ایسی علامت ہے جس سے ہر سعادتمند کی سعادت اور اس کی دائمی نعمتوں اور لازوال ملک سے کامیابی پر دلالت کرتی ہے۔

ف: چونکہ علیّون علم منقول از جمع ہے اسی لیے اس پر مفرد کے احکام جاری ہیں یعنی کتاب مرقوم۔ لیکن اس پر اعراب جمع کا ہے جیسا کہ اس پر فی (جارہ) داخل ہے تو جمع کے صیغہ کے مطابق مجرور ہے اور یہ علیّون مرفوع بالخبریہ ہے ما استفہامیہ مبتدا ہے یہاں صورۃ جمع پر ہے بعض نے کہا کہ اسم مفرد علی لفظ الجمع ہے عشرین اور اس کے ہم جنسوں کی طرح لیکن اس کا واحد نہیں۔

يَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ (مقرب فرشتے اس کی زیارت کرتے ہیں) وہ فرشتے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں مکرّم و مقرب ہیں یعنی حاضر ہوتے ہیں اور ضیاع سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔

مقرب فرشتوں کی تعداد

فتح الرحمٰن میں ہے کہ تمام آسمانی فرشتوں سے یہ فرشتے مقرب ہیں اور کل سات ہیں۔ یہاں مقرب فرشتہ حاضر ہو کر اس کی مشایعت کرتا ہے اور اسے وہاں تک آگے (اوپر) لے جاتا ہے جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ قیامت میں برسرِ میدان گواہی دیں گے جو اس میں ہے۔

نکتہ اس سے ظاہر ہوا کہ یہاں ویل یومئذ للمکذبین کے بالمقابل طوبیٰ کیوں ترک کیا گیا حالانکہ یہاں بھی طوبیٰ یومئذ للمصدقین کہا جاتا اس لیے کہ ملائکہ مقربین کی یہاں کی حاضری سے اس کی تعظیم و جلالت معلوم ہوئی اسی لیے ذکر کی بجائے ترک میں فائدہ ہے۔ علاوہ ازیں اس سے اس کی تفخیم شان بھی معلوم ہوئی کہ یہ جگہ دوسرے مقامات سے عظیم الشان ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سعادت مندوں کے اعمال کی صورتیں اور ان کے نفوس نورانیہ کی ہیآت اور ان کے ملکات فاضلہ علیین میں ہیں، اور وہ سجّین کے بالمقابل ہے۔ بلندی اور ارتفاع درجات؛ اور اس معنی پر کہ یہ اہلِ خیر کے اعمال کا دفتر ہے جیسے فرمایا کتاب مرقوم یعنی محل شریف (شرافت اور بزرگی والی جگہ) ہے جرم سماوی سے اہلِ خیر کے اعمال کی صورتیں منقوش ہیں یا وہ عنصر انسانی مراد ہے جس جگہ خواص اہل اللہ جو اہلِ توحید ذاتی ہیں حاضری دیتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الۡاَبۡرَارَ (بیشک نکوکار) سعادت مند جو نفس کی صفات کی خرابی سے ڈرنے والے ہیں لَفِیۡ نَعِیۡمٍ (البتہ نعمتوں میں ہیں)

ربط: اس کے بعد ان نعمتوں کی تین کیفیات بتائیں:

(۱) اس کا قول عَلَى الۡاَرَآئِكِ یعنی تختوں پر جو آراستہ و پیراستہ ہیں اریکۃ کا اطلاق اہلِ عرب کے نزدیک فقط تختہ پر نہیں ہوتا جب تک کہ وہ آراستہ و پیراستہ نہ ہو۔

ف: الحجلۃ (بالتحریک) دلہن کا وہ کمرہ جسے کپڑوں اور پردوں اور دیگر آرائش کی چیزوں سے مزین کیا جائے۔

یَنۡظُرُوۡنَ (دیکھتے ہیں) جو چاہیں، جہاں تک آنکھ کھول کر دیکھیں جنت کے عجیب و غریب مناظر یا وہ نعمتیں و کرامتیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جنت میں ان کے مناسب تیار فرمائی ہیں کہ انہیں دیکھ کر شاداں و فرحاں ہوتے ہیں کہ وہ حسین صورتیں اور بہترین اور بارونق چیزیں ہیں۔

ف: اسی طرح اعدائے خدا کا حال ہوگا کہ وہ دوزخ میں عذاب کئے جائیں گے۔

ف: بہشتیوں کے تخت کچھ اس طریقے کے ہوں گے کہ ان کی صفائی اور لطافت ان کے مناظر دیکھنے میں حائل نہ ہوگی مفعول کا حذف تعمیم کے لیے ہے اور علی الارائك خبر کے بعد خبر ہے یا خبر میں منوی ہے یا ینظرون کے فاعل سے حال ہے اور تقدیم فواصل الآی کی رعایت کی وجہ سے ہے اور ینظرون جملہ مستانفہ ہے یا منوی فی الخبر یا فی الظرف سے حال ہے، بمعنی ناظرین۔

ف: ابن عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ علی الارائك کا مطلب ہے کہ وہ معرفت کے تختوں پر معروف کا نظارہ کریں گے یا قربت کے تختوں پر رؤف کا دیدار کریں گے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اربابِ مقاماتِ عالیہ کی طرف اشارہ ہے وہ دیکھتے ہیں جمیع مراتب وجود کو ان کے مطالعہ سے کوئی شے حاجب نہیں ہوتی بخلاف اغیار کے کہ وہ مطالعۂ احوال ملکوت سے محجوب ہیں اور اس میں رمز ہے ہر ایک اہلِ درجات کے لیے اسماء و صفات

ایک مخصوص باغ ہے بعض ان میں وہ ہیں جنہیں یہ دیکھتے ہیں بعض ان میں اُونچے اور اعلیٰ ہیں ان میں سے کوئی اور برگزیدہ نہیں سوائے اشرف (زیادہ برگزیدہ) کے، وہ ہے قطب الاقطاب۔

تفسیر عالمانہ

(۲) تَعۡرِفُ فِیۡ وُجُوۡهِهِمۡ نَضۡرَةَ النَّعِیۡمِ (تو ان کے چہروں پر چین کی تازگی پہچانے) نعمتوں کی کیفیات سے یہ دوسری کیفیت ہے وہ یہ کہ نعمتوں کی رونق اور تازگی ان کے چہروں پر جھلکتی صاف نظر آئے گی جب بھی ان پر نگاہ پڑے گی تو یقین ہو جائیگا کہ یہی اہلِ نعمت ہیں بوجہ اس کے کہ اِن کے چہروں پر ایسے قرائن ہوں گے جو دلالت کرینگے کہ یہ وہی ہیں مثلاً تبسم اور خوشی کے آثار ان کے چہروں پر نمودار ہوں گے، جیسے اغنیاء اور پُرسکون اہلِ دولت کے چہروں سے ان کی دولت وغناء کا پتا چلتا ہے اسی لیے تُریٰ کے بجائے تَعۡرِفُ کہا گیا ہے اس لیے کہ معرفۃ کو اکثر پوشیدہ امور سے تعلق ہوتا ہے اور رؤیۃ کو ظاہر سے، اور خطاب عام ہر اسے جو خطاب کے لائق ہے تاکہ معلوم ہو کہ اس وقت ان کے آثار نعمت اور احکام بہجۃ (رونق) کسی خاص دیکھنے والے سے مخصوص نہ ہوگا۔

ف : حضرت امام جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لذۃ النظر سورج کی طرح ان کے چہروں پر چمکے گی جب وہ زیارتِ الٰہی سے فراغت پا کر اپنی جگہوں کی طرف لوٹیں گے۔ بعض نے کہا کہ ان کے چہروں پر محبوب کی خوشنودی کے آثار پہچانے جائیں گے۔

(۳) یُسۡقَوۡنَ مِنۡ رَّحِیۡقٍ (شراب خالص پلائے جائیں گے) یہ ان تینوں اوصاف میں سے ایک ہے۔ سقی متعدی بدو مفعول ہے۔ پہلا وہی نائب فاعل ہے ثانی من رحیق ہے اس لیے کہ مِن تبعیضیہ ہے گویا کہا گیا ہے کہ بعض شراب مقدر معلوم ہے یعنی وہ شراب جو رحیق سے ابتداء کی گئی ہے اس معنی پر مِن ابتدائیہ ہے۔ الرحیق صاف شراب یا خالص شراب۔ اب معنی یہ ہوا کہ جنت میں شراب خالص پلائے جائیں گے جس میں کھوٹ ایسی شے نہ ہوگی جو طبع کو ناگوار ہو، نہ ایسی کہ اسے فساد میں ڈالے تیز وہ شراب خمار کی کدورت (میل کچیل) اور مزے کی تبدیلی اور سر کا درد پیدا کرنے کی خرابیوں سے پاک ہوگا۔ مَّخۡتُوۡمٍ مُہر لگایا ہوا خِتٰمُهٗ (جس کی مُہر) وہ شے جس سے مُہر لگائی جائے اور اسے غیر کے تصرف میں آنے پر پابندی لگائی جائے۔ مِسۡكٌ مشک خالص ہوگی۔ مِسک مشہور خوشبو یعنی اس کے برتنوں اور پیالوں پر گارے کی بجائے مُشک لگائی جائے گی۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ وہ جو مُہر لگائی جائے گی وہ تر مشک ہوگی جس سے مُہر کو تر کرکے اللہ تعالیٰ کا حکم مکتوب ہوگا کہ اسے کوئی ہاتھ نہ لگائے نہ اُسے کھولے سوائے ابرار کے، یہ ان کی تعظیم و تکریم کے لیے ہوگا۔ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس کی کمالِ نفاست کی تمثیل ہے کیونکہ نفیس شے پر ہی مُہر لگائی جاتی ہے

گارے کی بجائے مُشک کا لگایا جانا اس کی نفاست کی دلیل ہے۔

ف: بعض نے ختام الشئ بمعنی خاتم اور آخری کہا ہے۔

اب معنی یہ ہُوا کہ اس کی مہر مشک ہوگی کہ جب پینے والا اس سے پینے کے اختتام پر منہ ہٹائے گا تو اس سے مشک سی خوشبو محسوس کرے گا اس لیے کہ اس میں مشک کی ملاوٹ ہوگی جیسے دنیا میں بعض پینے کی چیزوں میں ہوتا ہے کہ پینے سے فراغت کے بعد خوشبو محسوس ہوتی ہے جو ابتداء میں محسوس نہیں ہوتی۔

ف: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا، الرحیق چاندی سا سفید شراب جس کے آخر میں پینے پر مُہر لگائیں اگر اس سے دنیا کا کوئی آدمی ہاتھ ڈبو کر نکالے تو دنیا بھر کا ہر ذی رُوح اس کی خوشبو سُونگھے۔

وَفِيْ ذٰلِكَ اور اس میں خاص اسی شراب میں نہ دنیا کی کسی اور نعمت میں جنھیں میل کچیل کے علاوہ جلد تر فنا ہونے والی ہیں یا جن لوگوں کے احوال مذکور ہوئے نہ کہ ان کے غیر جو اصحاب الشمال (دوزخی) ہیں فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ (چاہیے للچائیں للچانے والے) رغبت کریں رغبت کرنے والے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں جلد بازی کر کے یعنی وُہ نیک عمل کریں تاکہ ایسے شراب خالص کے حقدار بن جائیں۔

ف: یہ امر تحضیض و ترغیب کا ظاہراً اور وجوب کا ہے باطناً ایمان و اطاعت کے واجب ہونے سے۔

حلِ لغات التنافس شے مرغوب (نفیس) میں تغالب (ایک دوسرے پر غلبہ پانا) گویا دو میں سے ہر ایک کا ارادہ ہو کہ وُہ خالص اس کے لیے ہو دراصل یہ النفس سے ہے بوجہ نفس کے عزیز ہونے کے۔

ف: امام بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دراصل یہ اس نفیس شے سے ہے جس پر لوگوں کے نفوس حرص کریں اور ہر ایک اسے اپنے لیے چاہے اور خود کو دوسرے پر ترجیح دے۔

المفردات میں ہے کہ المنافسة بمعنی نفس کی کوشش کرنا افاضل سے تشابہ اور کسی کو ضرر نہ دے کر ان سے لاحق ہونا۔

فائدہ صوفیانہ حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تنافس کی علامت یہ ہے کہ شئے سے دل کا لٹک جانا اور دل کا اس کی طرف پہنچنے کا تصور اور اس کے ذکر سے دل کا متحرک ہونا اور لوگوں سے دُور ہونا اور تنہائی سے انس اور گزشتہ زمانہ کے ضیاع سے رونا اور اس کا ذکر سُن کر حلاوت (لذت) پانا اور کلامِ رحمٰن میں تدبر اور نعمتوں کے حصول کی خوشی و شکر اور مناجات کے درپے رہنا۔

وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ اور اس کی ملونی تسنیم سے ہوگی۔ اس کا عطف خِتٰمُهٗ

پر ہے یہ رحیق کی دوسری صفت ہے ان کے درمیان جملہ معترضہ اس کی نفاست کا مقررہ ہے یعنی جو ملونی شراب خالص میں ہوگی وہ تسنیم کا پانی ہوگا اور یہ چشمے کا علم (نام) معیّن ہے جو جنۃ عدن کے نیچے جاری ہے اور اسے تسنیم اس لیے کہتے ہیں کہ مصدر کے نام سے موسوم ہے بمعنی بلند اس لیے کہ یہ جنّت کے تمام شرابوں سے بلند قدر ہے گویا یہ علوالمکانۃ سے ہے یا اس لیے کہ یہ اہلِ جنۃ کو اُوپر آئے گا۔ اس معنیٰ پر یہ علوالمکان سے ہے۔

ف : مروی ہے کہ ہوائیں تسنیم چلے گی تو ان کے برتنوں میں شراب خود بخود آجائے گا۔ جب برتن لبریز ہوجائیں گے تو خود بخود رُک جائے گا یہاں تک کہ اس کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہ گرے گا۔ اس طرح وہ اسے لینے کے لیے کہیں نہ جائیں گے۔

عَيْنًا منصوب علی المدح والاختصاص ہے بتقدیر اُعنی **يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ** اسے مقربینِ جنابِ الٰہی پئیں گے یعنی جنہیں معنوی رُوحانی قُرب نصیب ہو گا یعنی وُہ خالص پانی پئیں گے جو تمام اہلِ جنّت کو ملے گا۔ اس سے اصحاب الیمین مراد ہیں، اس معنیٰ پر باء زائدہ ہے یا بمعنی مِن ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اس تسنیم کی طرف اشارہ ہے کہ جنّت روحانیہ میں ہے یعنی معرفت و محبّتِ الٰہی اور وُہ لذّت جو ذاتِ کریم کے دیدار سے نصیب ہوگی۔ الرحیق وُہ رونق، تازگی جو دیدارِ الٰہی کی زیارت سے تو کبھی اس کی مخلوقات کے نظاروں سے۔

ف : مقربین ابرار سے افضل ہیں یہ حضرات محبتِ غیر میں نہ تھے اسی لیے ان کا شراب بھی خالص ہوگا جن کی محبتِ الٰہی میں غیر کی محبّت کی ملاوٹ ہو گی ان کے شراب میں بھی ملونی ہو گی ؎

ما شراب عیش مے خواہیم بے دردیٔ غم
صاف نوشان دیگر و دردے فروشان دیگرند

ترجمہ : ہم شراب خالص چاہتے ہیں جس میں غم کی ملاوٹ نہ ہو، صاف نوش اور ہیں ملاوٹ والا شراب فروش اور۔

کسی اور نے فرمایا : ؎

(۱) تسبیح زہی وصف جمال تو بست   وز ہر دو جہان ورا وصال تو بست
(۲) اندر دل ہر کسے ذکر مقصود یست   مقصود دل زہی خیال تو بست

ترجمہ : (۱) تسبیح وعبادت خُوب لیکن مجھے تو تیرے جمال کا وصف کافی ہے

ہر دو جہان کی تمام نعمتوں سے میرے لیے تیرا وصال کافی ہے۔

(۲) ہر دل میں ہر ایک کا مقصود تیرا ذکر ہے لیکن میرا مقصود تو یہ ہے کہ میرے دل میں صرف تیرا ہی خیال ہو۔

ف : بحر المعانی میں ہے کہ رحیق اس شراب خالص کی طرف اشارہ ہے جو خار کونین کی کدورت سے مبرا ہو۔ اور مہر شدہ برتنوں سے قلوبِ اولیاء و اصفیاء مراد ہیں جن کی مُہر بُوئے محبت ہے ان برتنوں سے شراب نہیں پیتے سوائے سلوک الی اللہ کے طریق پر چلنے والے طالبین صادقین کے ؎

علی نفسہ فلیبك من ضاع عمرہ
ولیس لہ منہا نصیب ولا سہم

ترجمہ : وہ اپنا ماتم کرے جس کی عمر ضائع ہو گئی جسے اس سے نہ کچھ ملا نہ اس کا حصہ مقرر ہوا۔

تسنیم وہ اعلیٰ مراتب ہیں محبت ذاتیہ کے جن میں صفات و افعال تک کی ملونی نہ ہو، اور مقربین سے فانی فی اللہ اور باقی باللہ حضرات مراد ہیں جن کے متعلق کسی عارف باللہ نے کہا کہ وہ شرابِ محبت خالص سے سرشار ہیں جس میں کسی دوسری شے کی ملونی نہیں ؎

علیك بہا صرفا فان شئت مزجہا
فعدلك عن ظلم الحبیب ہو الظلم

شرح البیت مع ترجمہ

العدل بمعنی عدول الظلم بالفتح، دانتوں کا پانی اور ان کی چمک، و بالضم بمعنی جور۔ اب ترجمہ یُوں ہُوا کہ اگر تم محبت سے کچھ ملانا چاہتے ہو تو محبوب کے منہ کا پانی اور اس کی چمک ملاؤ۔ اگر تم خالص محبت حاصل نہیں کر سکے تو محبوب کے منہ کے صاف پانی کو ملا کر پینے سے منہ نہ پھیرو۔

ف : جب تک بساطِ قرب پر مجلسِ اُنس اور ریاضِ قدس میں ساقی رضا کے ہاتھ اس خالص شراب کا گھونٹ نہ پیئے گا ان سخنوں کے اسرار کی خوشبو اس کی جان کے دماغ تک نہ پہنچے گی ؎

سرمایۂ ذوق دو جہان مستی عشقست
آنہا کہ ازیں مے نچشیدند چہ دانند

ترجمہ : دونوں جہانوں میں ذوق کا سرمایہ عشق کی مستی ہے، جنہوں نے چکھا ہی نہیں وہ کیا جانیں۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا (بیشک وہ جو مجرم ہیں) جُرم و ذنب والے۔

ف : کفر اور اہلِ ایمان کی ایذاء سے بڑھ کر کون سا گناہ ہے کہ انہیں صرف ایمان لانے پر اذیت و تکلیف پہنچائی جاتی ہے، اس سے قریش کے رؤسا مراد ہیں اور ان کے بڑے مجرم مشرکین جیسے ابوجہل، ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل اور ان جیسے دیگر کَانُوْا تھے وہ دنیا میں مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ایمان والوں سے یعنی سچے ایمان والوں سے يَضْحَكُوْنَ ہنسی مذاق کرتے ان کے فقراء کے ساتھ، جیسے عمار و صہیب و بلال و خبیب وغیرہم (رضی اللہ عنہم) جار مجرور کی تقدیم فواصل کی رعایت کے لیے ہے۔

وَاِذَا مَرُّوْا اور جب فقراء مومنین گزرتے ہیں بِهِمْ مشرکین کے قریب سے، اور وہ اپنی مجلسوں میں ہوتے ہیں۔ یہی زیادہ ظاہر ہے اگرچہ اس کا برعکس بھی جائز ہے۔

حلِ لغات

کہا جاتا ہے مرّ، مرًّا، مرورًا بمعنی گزرا، گیا۔ جیسے استمر و مرہ و بہ بمعنی اس پر گزرا۔ (القاموس)

تاج المصادر میں ہے المر بمعنی کسی کے پاس سے گزرنا۔

ف : یہ باء اور علیٰ دونوں سے متعدی ہوتا ہے۔

يَتَغَامَزُوْنَ ایک دوسرے کو آنکھوں سے اشارہ کرتے ہوئے، ان کے عیوب کا اظہار کرتے ہوئے کہتے کہ ان کو دیکھو کہ خود کو دکھ میں ڈالتے اور لذات کا ترک کرتے اور مشقات اٹھاتے ہیں اس امید پر کہ آخرت میں انہیں بہت بڑا اجر و ثواب ملے گا حالانکہ مرنے کے بعد اٹھنا نہیں اور نہ کوئی سزا و جزا، کیونکہ اس کا کوئی یقین نہیں اور یہ بالکل بعید از عقل ہے۔

حلِ لغات

التغامز تفاعل از غمز بمعنی آنکھوں کی پلکوں اور ابروؤں سے اشارہ کرنا، مراد اس سے یہ ہے کہ کسی کو عیب دار ظاہر کرنا۔

تاج (المصادر) میں ہے التغامز بمعنی کسی کو آنکھ سے اشارہ کرنا۔

وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ اور جب وہ اپنی مجالس سے اپنے گھروں اور ان ساتھیوں کے پاس لوٹتے ہیں جو ان جیسے جاہل گمراہ اور ان کے تابع ہیں۔ انقلاب بمعنی انصراف، تحول، رجوع (لوٹنا) انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ لوٹتے ہیں درانحالیکہ وہ ان کی برائی اور مذاق سے لذت حاصل کرنے والے ہوتے ہیں۔

ف : اس میں اشارہ ہے کہ وہ صرف آنکھوں کے اشارے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ گھروں اور دوستوں میں ان کے عیوب و نقائص بیان کر کے لذت محسوس کرتے۔

وَاِذَا رَاَوْهُمْ اور جب وہ مجرمین کو دیکھتے جہاں بھی ہوتے قَالُوْٓا کہتے اہلِ ایمان کی طرف تحقیر کے طور اشارہ کرتے ہوئے اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ بے شک یہ گمراہ ہیں، اہلِ اسلام میں سے جسے دیکھتے تو انہیں گمراہی کی طرف منسوب کرتے بطریق تاکید کے۔ اور کہتے کہ انہوں نے اپنے آباء کا دین قدیم چھوڑا اور جدید دین میں داخل ہوئے اور کہتے ہیں کہ حاضر نفعوں کو چھوڑ کر طلب ثواب کے سبب سے ان غریبوں یہ بھی خبر نہیں کہ وہ ہوگا یا نہیں۔

صوفیہ پر طنز کرنے والے نجدی وہابی

مذکورہ بالا طریقہ کی طرح بعض غافل (جاہل) علماء (نام کے) ان فقراء پر طنز کرتے ہیں جو سالکین ہیں کہ وہ گمراہ ہیں اور مجنون ہیں بالخصوص جب اہل سلوک کسی مدرسہ (خانقاہ) سے تعلق رکھتا ہوا سے بہ نسبت دوسروں کے زیادہ گمراہ سمجھتے ہیں ؎

منعم کنی ز عشق وے اے زاہد زمان
معذور دارمت کہ تو او را ندیدۂ

ترجمہ: افسوس اے زاہدِ زمان تجھ پر کہ تُو مجھے عشق سے منع کرتا ہے میں تجھے معذور سمجھتا ہوں کہ تُو نے اُسے دیکھا نہیں۔

وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ (اور یہ کچھ ان پر نگہبان بنا کر نہ بھیجے گئے) مجرمین مسلمین پر، جملہ قالوا سے حال ہے، معنیٰ یہ ہے وہ جو انہوں نے کہا درانحالیکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف ان کے موکل بنا کر نہیں بھیجے گئے کہ وہ ان کے امور کی نگرانی اور ان کے اعمال کی محافظت کریں اور گواہی دیں ان کے رشد و گمراہی کی، بلکہ وہ تو مامور ہیں کہ وہ خود اپنے نفوس کی اصلاح کریں انہیں دوسروں کے احوال کے پیچھے لگنے کا کیا فائدہ، ان پر تحکم اور خبر دینا ہے کہ جن باتوں کی انہوں نے جرأت کی یہ تو وہ کہہ سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رسول بنا کر بھیجا جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ قول مجرمین کے منجملہ اقوال سے ایک ہے گویا انہوں نے کہا کہ یہ مسلمان گمراہ ہیں اور وہ ہم پر نگران بنا کر نہیں بھیجے گئے۔ یہ انکار ہے اس سے جو اہل اسلام انہیں شرک سے روکتے اور اسلام کی دعوت دیتے تھے یہ ان سے بطور معنی نقل کیا گیا ہے۔

فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (تو آج ایمان والے) معہود فقراء مِنَ الْكُفَّارِ (کافروں سے) معہودین ہی زیادہ ظاہر ہے کہ اگرچہ دونوں جانبوں سے تعمیم ممکن ہے۔ يَضْحَكُوْنَ (ہنستے ہیں) جب انہیں ذلیل اور زنجیروں سے جکڑے ہوئے دیکھتے ہیں اور ان پر گوناگوں ذلت و خواری چھائی ہوئی ہے بعد اس کے کہ وہ عزت و کبر میں تھے اور ان پر طرح طرح کے عذاب چڑھ دوڑے ہیں بعد اس کے کہ وہ نعمتوں اور آسائشوں میں تھے۔

ف : بعض تفاسیر میں ہے کہ امید ہے کہ فا، شرط مقدر کا جواب ہے گویا کہا گیا ہے کہ جب تم نے جان لیا ذُو جو مذکور ہُوا تو یقین کرو کہ آج قیامت کے دن، اس معنی پر لام عہد کی ہے اور الذین مبتدار، اور من الکفار یضحکون کے متعلق ہے یہاں یہ وہم نہ ہو کہ یہ موصول کا بیان ہے ظاہری اتصال کو دیکھ کر، کیونکہ یہ وہم بغیر تفکر فی المعنی سے ہوگا اور یضحکون مبتدار کی خبر ہے اور یہی الیوم کا ناصب ہے۔ اس طرح سے معنی صحیح ہے۔

عَلَى الْاَرَآئِكِ (تختوں پر بیٹھے) موتیوں اور یاقوت سے آراستہ و پیراستہ تخت۔ **يَنْظُرُوْنَ** (دیکھتے ہیں) یعنی کافروں پر ہنستے ہیں در انحالیکہ وُہ انہیں اور ان کے بُرے حال کو دیکھتے ہیں یہ یضحکون سے حال ہے **هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ** (کیوں کچھ بدلہ ملا کافروں کو اپنے کیے کا) اللہ تعالیٰ کی طرف یہ کلام مستانفہ ہے یا ملائکہ سے یہ استفہام تقریر کا ہے۔ **ثُوِّبَ** ماضی بمعنی یثوب مضارع ہے ماضی سے تعبیر کرنا اس کے تحقق کی وجہ سے ہے۔

حلِ لغات تثویب اور اثابۃ بمعنی بدلہ دینا، بُرائی کے بدلہ دینے پر استعمال ہوتا ہے۔ امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اثابۃ محبوب بدلہ میں مستعمل ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

فاثابهم الله بما قالوا جنّات تجری۔ تو انہیں اللہ تعالیٰ ان کی باتوں کا بدلہ جنات دے گا جس کے نیچے نہریں جاری ہیں۔

بعض نے کہا مکروہ کے بدلہ میں بھی مستعمل ہے جیسے فرمایا :

فاثابكم غما بغم (تو انہیں غم کا بدلہ غم دیا) یہ بطور استعارہ ہے۔

قاعدہ قرآن کریم میں جہاں بھی تثوب آیا ہے بُرائی کے بدلہ میں آیا ہے جیسے هل ثوب الخ اور تاج المصادر میں ہے : التثویب بمعنی سزا دینا۔ تہذیب المصادر میں تثویب بمعنی ثواب دینا۔ القاموس میں ہے۔ التثویب بمعنی بدلہ دینا۔ یہ تاج المصادر کے موافق ہے۔ اس سے وہ بدلہ مراد ہے جو اہلِ ایمان سے ٹھٹھا کرتے تھے۔ آیت میں صراحت ہے کہ وہ آخرت میں ہوگا اور یہ کافروں کے اس ٹھٹھے کا بدلہ ہے جو وہ دنیا میں مسلمانوں سے کرتے تھے۔

(چنانچہ صدر الافاضل مولانا مراد آبادی قدس سرہٗ لکھتے ہیں : منقول ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کی ایک جماعت میں تشریف لے جا رہے تھے منافقین نے انھیں دیکھ کر آنکھوں سے اشارے کیے اور مسخرگی سے ہنسے اور آپس میں ان حضرات کے حق میں بیہودہ کلمات کہے تو اس سے پہلے کہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں پہنچیں وہ آیتیں نازل ہوئیں جو اوپر مذکور ہوئیں ——

خزائن العرفان ۔ اضافہ از اویسی غفرلہٗ)

ف: اس میں اہلِ ایمان کو تسلی ہے کہ حال الٹ ہوگا کہ آخرت میں کافروں پر مسلمان ہنسیں گے کہ ان کی غلطی ہے کیونکہ اعداء کی اہانت سے اولیاء کی تعظیم ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کرام کے لیے ان کے اعداء سے بدلہ لیتا رہتا ہے[1] جیسے شیر اپنے بچے کے لیے (بلا تمثیل) ہم اللہ تعالیٰ سے عصمت کا سوال کرتے ہیں۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ ضحک اور استہزاء اور مسخری کرنا اور عیب کے اظہار کے لیے آنکھوں سے اشارہ کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ اور ان میں انہماک و مشغولی مجرمین کا کام ہے یا ان کا جو مشرکین سے ملحق ہیں ہم اللہ تعالیٰ سے سلامتی کا سوال کرتے ہیں۔

فراغتِ صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ اللہ مددگار کی مدد سے سورۃ المطففین کی تفسیر سے ۲۶ صفر الخیر ۱۱۱۷ھ کو فراغت ہوئی۔

فراغتِ مترجم فقیر اویسی غفرلہٗ نے سورۃ المطففین کی تفسیر کے ترجمہ سے بفضلہٖ تعالیٰ و بوسیلہ حبیبہٖ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ۸ رجب المکرم ۱۴۰۹ھ / ۱۴ فروری ۱۹۸۹ء شب بدھ فراغت پائی، فللہ الحمد علیٰ ذٰلک۔

---

[1] جیسے غلام اللہ خان (راولپنڈی) سے بدلہ لیا کیونکہ وہ اولیاء کرام کی کھلم کھلا گستاخیاں کیا کرتا تھا، موت بھی آئی تو ذلت کی۔ تفصیل کے لیے دیکھیے فقیر کی کتاب "گستاخوں کا بُرا انجام"۔ اویسی غفرلہٗ

سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اٰيَاتُهَا ٢٥ رُكُوْعُهَا ١
سورۂ انشقاق مکیہ ہے اور اس میں اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا پچیس آیتیں ہیں

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴿١﴾ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿٢﴾ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ﴿٣﴾
جب آسمان شق ہو اور اپنے رب کا حکم سنے اور اسے سزاوار ہی یہ ہے اور جب زمین دراز کی جائے
وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ﴿٤﴾ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿٥﴾ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ
اور جو کچھ اس میں ہے ڈال دے اور خالی ہو جائے اور اپنے رب کا حکم سنے اور اسے سزاوار ہی یہ ہے اے آدمی بیشک تجھے
كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ﴿٦﴾ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ﴿٧﴾ فَسَوْفَ
اپنے رب کی طرف ضرور دوڑنا ہے پھر اس سے ملنا تو وہ جو اپنا نامۂ اعمال دہنے ہاتھ میں دیا جائے اس سے
يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ﴿٨﴾ وَّيَنْقَلِبُ اِلٰۤى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ﴿٩﴾ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ
عنقریب سہل حساب لیا جائے گا اور اپنے گھر والوں کی طرف شاد شاد پلٹے گا اور وہ جس کا نامۂ اعمال اس کی پیٹھ کے
وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ﴿١٠﴾ فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ﴿١١﴾ وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ﴿١٢﴾ اِنَّهٗ كَانَ فِيْۤ اَهْلِهٖ
پیچھے دیا جائے وہ عنقریب موت مانگے گا اور بھڑکتی آگ میں جائے گا بے شک وہ اپنے گھر میں خوش
مَسْرُوْرًا ﴿١٣﴾ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ﴿١٤﴾ بَلٰۤى ۚ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ﴿١٥﴾ فَلَاۤ اُقْسِمُ
تھا وہ سمجھا کہ اسے پھرنا نہیں ہاں کیوں نہیں بے شک اس کا رب اسے دیکھ رہا ہے تو مجھے قسم
بِالشَّفَقِ ﴿١٦﴾ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿١٧﴾ وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿١٨﴾ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿١٩﴾
ہے شام کے اجالے کی اور رات کی اور جو چیزیں اس میں جمع ہوتی ہیں اور چاند کی جب پورا ہو ضرور تم منزل بہ منزل چڑھو گے
فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٢٠﴾ وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ ﴿٢١﴾ السجدة بَلِ
تو کیا ہوا انہیں ایمان نہیں لاتے اور جب قرآن پڑھا جائے سجدہ نہیں کرتے بلکہ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ﴿٢٢﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ﴿٢٣﴾ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ
کافر جھٹلا رہے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو اپنے جی میں رکھتے ہیں تو تم انہیں دردناک عذاب کی
اَلِيْمٍ ﴿٢٤﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿٢٥﴾
بشارت دو مگر جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے ان کے لیے وہ ثواب ہے جو کبھی ختم نہ ہو گا

بسم اللہ الرحمن الرحیم (اللہ کے نام سے شروع وہ مہربان اور رحم والا)

تفسیر عالمانہ

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ (جب آسمان شق ہو) اس کا اعراب اذا السماء انفطرت کی طرح ہے یعنی آسمان شق ہو گا سفید بادل سے جو اس سے نکلے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ

نے فرمایا :

یوم تشقق السماء بالغمام ۔ جس دن آسمان شق ہوگا بادل سے ۔

بار آلہ کی ہے جیسے کہتے ہو : انشقت الارض بالنبات (زمین شق ہوئی انگوری سے)

ف : اس بادل میں ملائکہ کرام ہوں گے اُتریں گے تو ان کے ہاتھوں میں نامہائے اعمال ہوں گے یا وہ عذاب کے فرشتے ہوں گے اور یہ سخت اور ڈرو الا وقت ہوگا کہ جہاں سے خیر اترتی تھی اس روز وہاں سے عذاب اتر رہا ہوگا تو آسمان کا شق ہونا اوامر الٰہی سے ملائکہ کے نزول سے ہوگا۔ بعض نے فرمایا آسمان کے گرنے اور ٹوٹنے سے شق ہوگا۔ بعض نے کہا : قیامت کے ہول سے' اور وہ کیوں نہ ٹوٹے جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قہر میں ہے اس کے لیے یہ تو رائی کے دانے سے بھی کم قدر ہے ۔

تطبیق الاقوال مذکورہ اقوال مختلفۃ الالفاظ ہیں ان کی تطبیق یُوں ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کی ہیبت سے آسمان پھٹے گا پھر اس سے ملائکہ کا نزول ہوگا پھر ویرانی ، اور اس کا فساد و اختلال ہو جائے گا۔

ف : حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا : آسمان کا پھٹنا مجرہ سے ہوگا۔ مجرہ (بفتح المیم) آسمان کا دروازہ ۔ آسمان کے درمیان سفید مستطیل ہے اس نام سے اس لیے موسوم ہے کہ اس میں مجر کا اثر ہے یعنی حاجیان وکہکشاں کا راستہ ، اس جگہ سے آسمان شق ہوگا تو گویا وُہ جوڑ لگی ہُوئی اور ایک دوسرے کے ملنے کی جگہ ہے تو وہاں پھٹ جائے گا۔

اَذِنَتۡ لِرَبِّهَا (اور اپنے رب کا حکم سُنے) اور فرمانبرداری کرے اور اس کی قدرت کی تاثیر کا یقین کرے جب اس کے شق ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور قدرت کے تعلق کے وقت مامور و مُطاع کی طرح فرمانبرداری کرے جیسے ماموروہ مطواع (فرمانبردار) کی طرح آمر و مطاع کی فرماں برداری کرتا ہے ۔

ف : یہ استعارہ تمثیلیہ ہے مجاز مرسل پر متفرع ہے کیونکہ جب اذن (سننا) کا اطلاق اس کے لیے کیا گیا جس میں حاسۂ سمع و استماع ہو تو اس سے اجابت و انقیاد (فرمانبرداری) کا معنی مجازاً ہوگا اور جب اذن یعنی استماع آسمان جیسے کے لیے جبکہ اس کی شان استماع و قبول نہیں یہ استعارہ تمثیلیہ ہوگا۔

ف : اللہ تعالیٰ کا قول اتینا طائعین (ہم خود بخود آئے) قدرت ایجاد و ابداع میں نفوذ قدرت بغیر ممانعت کے دلالت کرتا ہے ، ایسے ہی واذنت لربہا تفریق و اعدام میں نفوذ قدرت بغیر کسی ممانعت کے دلالت کرتا ہے ۔

ف : رب کی اضافت ارض کی طرف کے عنوان سے علت حکم سے آگاہ کرنا ہے ۔

تفسیر صوفیانہ زمین کا یہ انقیاد ارباب الحقائق کے نزدیک اس عقیدہ پر محمول ہے کہ زمین میں باقی حیوانات کی طرح حیاۃ و ادراک ہے اس لیے کہ صوفیہ کرام اور اہلسنت کا مذہب ہے کہ

ما من شئ الا ولہ نصیب من تجلی الاسم الحیّ۔ (ص ۳۷۵)

کوئی ایسی شے نہیں جس میں اسم حیّ (تعالیٰ) کی تجلی نہ ہو۔

اور اس کا بارہا گزر ہو چکا۔

(فلاسفہ اور عقل کے بندے تو پہلے سے اس عقیدہ کے منکر ہیں، اب ہمارے دور میں وہابی دیوبندی مرزائی وغیرہ بھی عمداً یا لاشعوری سے منکر ہیں۔ اضافہ از اویسی غفرلہٗ)

وَحُقَّتْ (اور اسے لائق بھی یہی ہے)

تفسیر عالمانہ

حلِ لغات : یہ ان کے قول ھو محقوق بکذا و حقیق بہ سے وہ اس کے لائق ہے یعنی وہ اس لائق بنائی گئی ہے کہ وہ سُنے کیونکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی مربوبہ و مصنوعہ ہے یعنی اس کی شان ہے بہ نسبت قدرت قاہرہ ربانیہ کے کہ وہ ہر وہ امر پورا کرے جو اس کے مقدور میں ہے اور خلاف نہ کرے کسی امر میں بھی۔

ف : جملہ کا حق یہ ہے کہ یہ معترضہ ماقبل کی تقریر کرے نہ کہ معطوفہ کی۔

وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ (اور جب زمین دراز کی جائے) اس کے جبال اور ٹیلے زائل کرنے اپنی جگہوں سے اور اسے برابر کرنے سے یہاں تک کہ صاف ستھرے صحیفے کی طرح ہو جائے، یا یہ کہ اس کے اجزا کے ننانوے اجزاء بنائے جائیں تاکہ تمام مخلوق حساب کے لیے ٹھہر سکے ورنہ اس تھوڑی سی زمین پہ وہ سب کے سب سمانہ سکیں گے۔

حل لغات : مدہ بمعنی امدہ یعنی زادہ (اسے بڑھایا)

حدیث شریف میں ہے :

اذا کان یوم القیامة مد اللہ الارض مد الادیم حتی لایکون لبشر من الناس الا موضع قدمیه۔

جب قیامت کا دن ہوگا اللہ تعالیٰ زمین کو ادھوڑی کی طرح پھیلائے گا یہاں تک کہ وہاں کسی فردِ بشر کو سوائے دو قدم رکھنے سے زیادہ جگہ نہ ملے گی (بوجہ مخلوق کی کثرت کے)

شرح حدیث جب ادھوڑی کو بڑھانے کے لیے کھینچا جائے تو کہتے ہیں مد الادیم (اس نے ادھوڑی کو بڑھانے کے لیے کھینچا اور برابر کیا۔ بعض روایات میں ہے مد الادیم العکاظی۔ قاموس میں ہے کہ عکاظ بروزن غراب ایک بازار ہے جنگل میں نخلہ و طائف کے درمیان۔ رب کی عادت تھی کہ ذیقعدہ کی پہلی سے بیس تک قبائل جمع ہو کر ایک دوسرے پر فخر کا اظہار کرتے تھے ور اشعار پڑھتے تھے، اسی سے ہے الادیم العکاظی۔

وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا (اور جو کچھ اس میں ہے ڈال دے) پھینک اپنے پیٹ والے مُردے ور خزینے اپنے ظاہر پر، جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا:

واخرجت الارض اثقالها۔ اور نکال دے گی زمین اپنے تمام بوجھ۔

ت: یہ اسناد مجازی ہے ورنہ پھینکنا اور نکالنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

سوال: خزائن کا نکلنا تو دجال کے وقت ہوگا نہ کہ قیامت میں۔

جواب: کیونکہ قیامت کا وقت وسیع ہے اسی لیے اس کا اعتبار ابتداء سے ہے کہ خروج دجال کے وقت کنوز کا نکالنا محمول پر مجاز ہے کیونکہ وہ اس کی بڑی علامات سے ہے اسی لیے مطلب یہ ہوگا ر قرب قیامت میں اخراج الکنوز ہوگا اور بعث کے وقت اخراج الموتیٰ (مُردوں کا نکالنا)۔

وَتَخَلَّتْ (اور خالی ہو جائے) بالکل اس سے جو کچھ اس میں ہے یہاں تک کہ کوئی شے اس کے اندر نہ بچے ویا وہ بہ تکلف اپنی اندرونی اشیاء کو باہر کرے گی۔ جیسے تکرّم الکریم اور ترحم الرحیم۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کا کرم اور رحمت انتہا کو پہنچے اور اپنی طبع پر زور دے کر اس سے بڑھ کر کرم اور رحمت کرے۔

وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا اور القاء و تخلی میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرے وَحُقَّتْ اور یہ اسے لائق ہے اور س کی حقیقت ہے، یعنی اس کی شان ہے بہ نسبت قدرت ربانیہ کے۔

سوال: اسے دوبارہ کیوں لائے؟

جواب: پہلا آسمان کے لئے ہے اور یہ زمین کے لیے ہے۔ جب یہ دونوں اپنے متعلق کے متصل ہیں تو کرار کیسا!

ت: اذا کا جواب محذوف ہے یعنی اذا وقعت هذه الامور الخ جب یہ امور واقع ہوں گے تو ایسے ناک مناظر سامنے ہوں گے جن کا بیان نہیں کیا جا سکتا۔ کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اذا کا جواب یہ ہے کہ انسان ا عذاب و ثواب دیکھے گا۔

فسیر صوفیانہ (۱) اس میں اشارہ ہے سماء روح حیوانیہ کے انشقاق کی طرف رُوح انسانی سے علیحدگی اور زوال کی طرف اور ارض بدن کے بسط کی طرف نزع روح سے اور اس کے

القار ما فیہا یعنی روح و قویٰ کو اور اس کے خالی ہونے کا کل ما فیہا یعنی آثار و اعراض بالحیٰوۃ و المزاج و الترکیب والشکل اور اس کے ساتھ رُوح سے خالی ہونے کی طرف۔

(۲) تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے انشقاق سمار روح کا از ظلمۃ غیم نفس امارہ اور اس کے انقیاد فیض ربانی کے لیے ساتھ تیاری استعداد اس کے کہ اس میں تصرف کرے بغیر منع و انکار کے اور اشارہ ہے ارض نفوس کی طرف جو اپنے ارباب کے لیے بسط اور احکام بشریہ سے خالی ہے۔

تفسیر عالمانہ یٰٓاَیُّهَا الْاِنْسَانُ (اے انسان) جنس انسان جو مؤمن اور کافر اور عاصی کو شامل ہے اور خطاب علی سبیل البدل ہر مکلف کو عام ہے اور کہتے ہیں یہ عموم سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ ندا میں نص کے قائم مقام ہے گویا ہر شخص کو علٰحدہ علٰحدہ خطاب ہے۔ گویا کہا گیا ہے یا فلاں یا فلاں وغیرہ وغیرہ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا (تجھے اپنے رب تعالیٰ کی طرف ضرور ضرور دوڑنا ہے)۔

حلِ لغات: الکدح نفس کا عمل میں جد و جہد کرنا۔ الکد نفس کا ایسی جد و جہد کرنا کہ اس میں مؤثر ہو جائے الجہد (بالفتح) بمعنی مشقت اور تکلیف کرنا۔ الکد عمل اور طلب کسب میں سخت کوشش کرنا' از کدح جلدہ۔

اب معنی یہ ہُوا کہ اے انسان! تُو اپنے رب کے ملنے کے لیے جد و جہد اور مشقت اور سعی کرنے والا ہے یعنی اس کے ملنے کے وقت کی طرف یعنی موت اور اس کے مابعد کے احوال کی طرف جنہیں ملاقات سے تمثیل دی گئی، گویا وہ اس کے لیے خُوب کوشش کر رہا ہے۔

حدیث شریف صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! ہم اعمال کے لیے کیسے جد و جہد کریں حالانکہ قلم خشک ہو گیا اور تقدیریں لکھی جا چکیں۔ آپ نے فرمایا:

اعملوا فکل میسر لما خلق لہ۔ عمل کرو ہر بندے کو اس کی آسانی دی جاتی ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا۔

فَمُلٰقِيْهِ پھر اس سے ملنا ہے اعمالِ خیر و شر کی جزاء کے لیے، اس کے بعد لامحالہ اس سے کوئی گریز نہیں، نہ ہی بھاگنے کی راہ۔ اسی لیے کہا جاتا ہے اپنے رب تعالیٰ کے لیے عمل کر لے، جو تیرا عمل ہو گا وہ تجھے ضرور ملے گا یعنی دنیا میں جن اعمال کی سعی کی جا رہی ہے وُہ دراصل آخرت میں جزاء کی صورت میں ملیں گے اگر جد و جہد اور سعی نیک ہے تو نیک جزاء ملے گی ورنہ بُری۔

سبق اے عزیز! دُنیا میں اس کام کی سعی کر جو تجھے آخرت میں نجات دے، اور اس سے دُور بھاگ جو تجھے ہلاکت و تباہی اور خجالت و رُسوائی میں ڈالے اور تیرا معاملہ خراب ہو جائے۔

حدیث شریف میں ہے :

النادم ینتظر الرحمۃ والمعجب ینتظر المقت وکل عامل سیقدم الی ما اسلف۔

نادم کو رحمت کا انتظار کرنا چاہیے ، اور مُعجب (عُجب والے) کو عذاب کا، اور ہر عامل کو اپنے اسلاف کی پیروی کرنی چاہیے۔

ف : حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہر انسان اپنی موت کے لیے سعی کر رہا ہے یعنی سانسوں کے ساتھ چل رہا ہے۔ جیسے کہا گیا ہے کہ تیرے سانس تیرے قدم ہیں ان کے اختتام پر موت سے ملاقات ہو گی۔

ف : فملٰقیہ کی ضمیر رب کی طرف راجع ہے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ انسان اپنے رب کی صورت میں پیدا ہُوا ہے، اس کی جد و جہد اسماء الٰہیہ و صفات لاہوتیہ میں تحقق ہونے پر جد و جہد کے مطابق اپنی استعداد پر اس کی ملاقات کرے گا۔

تفسیر عالمانہ فَاَمَّا مَنْ (تو وہ جو) (مؤمن سعید) من موصولہ، یہ تفصیل اس کی ہے جو پہلے اجمال تھا اُوْتِیَ (دیا جائے گا) ماضی بمعنی مضارع ہے بوجہ تحقق کے ماضی لائی گئی۔ کِتٰبَہٗ اپنا نامۂ اعمال جس میں وہ اعمال لکھے ہوں گے جن کے لیے اس نے دنیا میں جد و جہد کی بِیَمِیْنِہٖ (داہنے ہاتھ میں) اس لیے کہ جو اعمال صالحہ کرتا تھا اس کا کاتب دہنی جانب میں لکھتا تھا۔

نکتہ اعمال کے لکھنے میں ایک حکمت یہ ہے کہ عبد مکلف جب سمجھے گا کہ اس کے اعمال لکھے جا رہے ہیں اور یہ بھرے مجمعے میں پیش ہوں گے تو یہ تصور اسے ارتکاب سے زجر و توبیخ کا سبب بنے گا، جب کسی کو اپنے سردار کے لُطف و کرم پر بھروسا ہو اور اس کے عفو و ستر پر اعتماد ہو تو اس پر اس کے خدام کی آگاہی اس کے اعمال پر کوئی رعب و ہیبت نہ ڈالے گی۔

فَسَوْفَ یُحَاسَبُ (تو عنقریب اس سے حساب لیا جائے گا) قیامت میں بعد مدت کے جتنا اس کی حکمت کے تقاضا سے مقدر ہے حِسَابًا یَّسِیْرًا (حساب آسان) جس میں نہ مناقشہ نہ ایسا اعتراض جو اسے بُرا لگے یا اس سے مشقت اٹھائے جیسے اصحاب شمال سے سخت حساب ہو گا۔

حِل لغات حساب بمعنی محاسبہ یعنی کسی کی گنتی کرنا۔ اس سے بندے کے اعمال کی گنتی اور ان کا اظہار جزاء و سزا کے لیے۔

تفسیر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اُمّ المؤمنین صدیقہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آسان حساب یہ ہے کہ بندے کے گناہ کا اس سے اعتراف کرا کر اسے معاف کر دینا یعنی اس کے اعمال اس کے سامنے پیش کیے جائیں جنہیں وہ جانے کہ نیکیاں یہ ہیں اور برائیاں

یہ پھر نیکیوں کا ثواب عطا کیا جائے اور گناہوں سے درگزر۔

یہ حساب اس معنیٰ پر آسان ہے کہ حساب سے اس پر نہ شدّت ہو نہ مناقشہ یہاں تک کہ یہ بھی نہ کہا جائے کہ یہ تُو نے کیوں کیا اور اس سے عذر کا مطالبہ کیا جائے یا اس سے اس کی حجت طلب کی جائے کیونکہ عذر کا مطالبہ ہو تو کوئی عذر پیش نہ کرے گا تو شرمسار ہو گا (اسی لیے سرے سے اس سے عذر داری کا موقعہ ہی نہ دیا جائیگا

ے

برادر زکار بدان شرم دار که در روے نیکان شوی شرمسار
بجاے کہ دہشت خورد انبیاء تو عذر گنہ را چہ داری بیا

ترجمہ: اے بھائی! بُرے کاموں سے شرم کر، کہ نیک لوگوں کے سامنے شرمساری ہو گی جہاں انبیاء علیہم السلام دہشت میں ہوں گے تو جو بھی عذر گناہ رکھتا ہے آج کر لے (توبہ کر لے)

حدیث شریف

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:

عرض الجیش أعنی عرض الاعمال لانھا نزی اھل الموقف واللہ الملک فیعرفون بسیماھم کما یعرف الاجنادھنا۔

عرض الجیش یعنی اعمال کا لشکر پیش ہو گا اس لیے کہ اعمال اہلِ مواقف کی ایک ہیئت ہے اللہ تعالیٰ کے سامنے، تو انہیں ایسے پہچانا جائے گا جیسے لشکر پہچانے جاتے ہیں اپنی صورت و ہیئت سے۔

ف: کہا گیا ہے اس قسم میں عاصی مؤمن داخل ہیں۔ یحاسب حسابا یسیرا وصف الکل بوصف الجزء کے قبیل سے ہے اگرچہ عاصیوں کا حساب مطیعین کی طرح آسان نہ ہو گا لیکن کالعرض ہو گا (جس کا ذکر پہلے ہوا) مناقشہ نہ ہو گا جیسے اصحاب شمال سے مناقشہ ہو گا لیکن اس قسم میں کل مومن مطیعین بھی شامل ہیں۔

ف: بعض نے کہا کہ عاصی مومن کو نامۂ اعمال دوزخ سے نکلنے کے بعد دیا جائے گا۔ بعض نے کہا انہیں نامہ ہائے اعمال بائیں جانب سے دیے جائیں گے لیکن پیچھے سے نہیں لیکن یہ قول صحیح نہیں اس لئے کہ بائیں جانب اور پیٹھ کے پیچھے سے دیے جانے کا ایک ہی مطلب ہے۔ بعض نے کہا کہ آیت میں اس عاصی مومن کا ذکر نہیں جنہیں اللہ تعالیٰ دوزخ میں ضرور داخل کرے گا سزا کے بعد نکالا جائے گا۔ یہی قول ظاہر ہے۔

دُعائے نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم

حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم اپنی دعا میں کہتے، اللھم حاسبنی حسابا یسیرا (اے اللہ! میرا حساب آسان فرما)

ازالۂ وہم اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بھی نامۂ اعمال ہوں گے لیکن ظاہر یہ ہے کہ اُمت کی رہبری اور تعلیم کے لیے ہوگا ورنہ وہ تو معصوم ہیں اور بہشت میں بلا حساب و کتاب داخل ہوں گے لہ

وَّيَنْقَلِبُ اور پلٹے گا حساب یسیر کے مقام سے اِلٰٓى اَهْلِهٖ اپنے گھر والوں اہلِ ایمان کی طرف یا اہلِ ایمان کے گروہ جو اس کے طریق سعادۃ وکرامت کے رفقاء ہوں گے مَسْرُوْرًا (شاد شاد) اپنے حالی پر فرحاں وشاداں کر وہ اہلِ نجات سے ہے درانحالیکہ وہ کہے گا ھَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ (لو یہ میری کتاب پڑھو) ۔

ف ، یہ پلٹنا دخولِ جنت سے پہلے میدانِ حشر میں ہوگا نہ کہ جیسے عین المعانی میں لکھا کہ یہ دلیل ہے کہ اس کے عام اہل (گھر والے) بہشت اس سے پہلے بہشت میں ہوں گے تو یہ ان کے پاس پلٹے گا ۔

فسیر صوفیانہ اس میں اشارہ اس کی کتاب استعداد فطری کی طرف جو دیوان ازل میں لکھی ہوئی ہے اسمائے جمالیہ کے کاتبین کے قلم سے کہ جو یہی کتاب دیا گیا اس کے ساتھ اسمائے جلالیہ مناقشہ نہ کریں گے اور وہ پلٹے گا اپنے اہل کے ہاں مسرور ہو کر فیض تجلّی جمال اور لطف کے ساتھ ۔

فسیر عالمانہ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ (اور جس کا نامۂ اعمال دیا جائے گا) سوال ، کتاب کا تکرار کیوں؟ اس میں ضمیر پہ اکتفاء کیا جا سکتا تھا ۔

واب ، دونوں کتابوں کے اختلاف اور اشتمال کی تفاسیر کی وجہ سے (کہ وہ اہل سعادت کی کتاب یا اہلِ شقاوت ل) اور مآل کے حکم میں بھی دونوں کتابیں ایک دوسری کے مخالف ہیں ۔

بہرحال نامۂ اعمال دیا جائے گا وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۙ اس کی پیٹھ کے پیچھے سے ، اس کی جانب سے ، اوق کا ظرف ہے جو ظرف مکان میں مستعمل ہے ۔

ف ، کلبی نے کہا کہ اس کا دایاں ہاتھ باندھ کر بایاں اُلٹا کر کے پیٹھ کے پیچھے سے بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال اجائے گا سورۃ الحاقہ اور مضمون میں منافات نہیں کہ وہاں پیٹھ کا ذکر نہیں صرف شمال (بائیں ہاتھ کا) ذکر ہ ۔ حضرت امام (فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ یہ احتمال بھی ہے کہ بعض کو نامۂ اعمال بائیں ہاتھ

لہ یہی قاعدہ ہر قول وعمل میں جاری سمجھیں اس سے بے شمار مسائل حل ہو جائیں گے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ہر قول وفعل من حیث الارشاد والتعلیم ہوتا ہے جسے وہابیہ دیوبندیہ من حیث البشریۃ ہو کر آپ پر طرح طرح کے الزامات واتہامات تراشتے ہیں کبھی لاعلمی کبھی عدم اختیار، کبھی کچھ ۔ سچ ہے وہابیۃ قوم لا یعقلون ۔ اویسی غفرلہٗ

میں بعض پیٹھ کے پیچھے دئے جائیں گے۔

ف : تفسیر الفاتحہ للفناری رحمہ اللہ الباری میں ہے کہ بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال منافقین کو دیا جائیگا اس لیے کہ کافر کے لیے تو کوئی نامۂ اعمال نہیں کیونکہ صرف کفر ہی اس کے مواخذہ کے لیے کافی ہے اور وہ فروع کے مکلّفین بھی نہیں ہیں اور جنہیں پیٹھ کے پیچھے نامۂ اعمال دیا جائے گا وہ لوگ جنہوں نے کتاب اللہ کو پیٹھ کے پیچھے ڈالا تھا اور اس کے عوض ثمن قلیل حاصل کیا جب قیامت کا دن ہوگا ان سے حکم ہو گا کہ تُو اپنا نامۂ اعمال پیٹھ کے پیچھے سے لے یعنی ان جگہوں سے جہاں تُو نے زندگی (دنیا) میں کتاب اللہ کو پھینکا تھا یعنی وُہ کتابِ الٰہی جو آسمان سے نازل ہوئی تھی نہ کہ نامۂ اعمال، اس لیے کہ اس نے جب کتاب اللہ کو پیٹھ کے پیچھے ڈالا تھا تو اس کا گمان تھا کہ مرنے کے بعد اٹھنا نہیں ہے۔

مسئلہ : حضرت ابو اللیث رحمہ اللہ نے "البستان" میں لکھا کہ کفار کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ کیا ان پر نگران فرشتے (کراماً کاتبین) مقرر ہیں یا نہیں۔ بعض نے کہا نہیں ہیں اس لیے کہ ان کا امر (کفر) ظاہر ہے اور وہی ان کا ایک عمل سزا کے لیے کافی ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یعرف المجرمون بسیماھم۔ (مجرمین اپنی نشانی سے پہچانے جائیں گے)

تردید قول مذکور ہم اس قول کے قائل نہیں، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ کفار کے لیے بھی نگران فرشتے (کراماً کاتبین) کے لیے بھی آیت کا نزول ہے۔ کیا اس کے قول کو نہیں دیکھتے ہو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

بل تکذبون بالدین و ان علیکم لحافظین کراماً کاتبین یعلمون ما تفعلون۔	بلکہ تم جزا کی تکذیب کرتے ہو اور تم پر نگران فرشتے کراماً کاتبین ہیں جانتے ہو جو تم عمل کرتے ہو۔

اور دوسری آیت میں فرمایا:

واما من اوتی کتابہ بشمالہ۔	اور وہ جو نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔

اور فرمایا:

واما من اوتی کتابہ وراء ظھرہ۔	اور وُہ جو نامۂ اعمال پیٹھ کے پیچھے دیا جائیگا۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ کفار کے لیے نامہ ہائے اعمال اور نگران فرشتے (کراماً کاتبین) ہیں۔

سوال : کفار کی کوئی نیکی تو ہوتی نہیں پھر داہنا فرشتہ کیا لکھتا ہوگا؟

جواب: جو بائیں طرف فرشتہ لکھتا ہے وہ دائیں طرف والے سے اجازت لے کر لکھتا ہے اس معنی پہ یہ گواہ ہے اگرچہ کچھ نہ بھی لکھے۔

فَسَوۡفَ یَدۡعُوۡا (وہ عنقریب مانگے گا) بعد مدت مدید کے عذاب شدید سے جس کی برداشت نہ کرتے ہوئے طلب کرے گا ثُبُوۡرًا (موت) اپنے لیے موت کی تمنا کرے گا یعنی ہلاکت و تباہی کی اور کہے گا یا ثبوراہ تعال (ہائے موت آجا) فہذا اوانک (یہ تیرا آنے کا وقت ہے) لیکن اس وقت موت کہاں، یعنی جب اسے دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال نہ ملے گا تو یقین کرے گا کہ وہ دوزخی ہے تو اس کی گفتار یہی ہوگی واثبوراہ الخ

حلِ لغات الفراء نے کہا کہ اہلِ عرب کہتے ہیں، فلان یدعو لہفہ فلاں افسوس پکارتا ہے یعنی کہتا ہے والھفاہ ہائے افسوس! بعض نے کہا الثبور مشتق ہے المثابرہ علی الشئ یعنی شے پر مداومت کرنا۔ اور آخرت کی ثبور کو اس لیے ثبور کہا گیا کہ وہ کافر کو لازم ہوگی اس سے کبھی زائل نہ ہوگی، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لا تدعوا الیوم ثبورا واحدا وادعوا ثبورا کثیرا۔	آج ایک ہلاکت نہیں بلکہ بیشمار ہلاکتیں مانگو۔

حکایت کشف الاسرار میں ہے کہ پیر بو علی سیاہ بازار سے گزر رہے تھے کہ سائل کہہ رہا تھا بڑے دن کے صدقے مجھے کچھ دو۔ پیر بو علی سیاہ سنتے ہی بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو پوچھا گیا کہ اس وقت بیہوشی کیوں؟ فرمایا: اس دن (قیامت) کی عظمت و ہیبت سے کہ اس سے بڑھ کر بڑا دن اور کون ہے[1]۔ پھر فرمایا:

واحزناہ علی قلۃ الحزن واحسرتاہ علی قلۃ التحسر۔	افسوس قلتِ حزن پر افسوس قلتِ حسرت پر۔

یعنی جیسے اس دن کا حزن اور حسرت نہیں اس پر افسوس صد افسوس۔

وَّ یَصۡلٰی سَعِیۡرًا (اور بھڑکتی آگ میں جائیگا) اس میں داخل ہو کر اس کی گرمی میں جلے گا اس پر عذاب ہوگا بغیر کسی حائل کے اس کے جسم کو جہنم کی آگ جلائے گی۔

ف: اس میں دلیل ہے کہ ان کا ثبور (ہلاکت) کا پکارنا جہنم میں داخل ہونے سے پہلے ہوگا اس کی

---

[1] بزرگوں کی باتیں عجیب ہوتی ہیں ایک دفعہ ہمارے شیخ خواجہ محکم الدین سیرانی قدس سرہٗ نے ایک دکاندار سبزی فروش کو یہ کہتے سنا، سوئے، پالک، چُوکا (یہ تینوں سبزیاں ہیں) آپ کو وجد آگیا۔ کسی نے پوچھا: ایسا کیوں؟ فرمایا: وہ نصیحت کر رہا تھا کہ جو ایک پل سوئے وہ چُوک گیا۔ اویسی غفرلہٗ

امام (فخرالدین رازی رحمہ اللہ) نے تصریح فرمائی ہے۔

سوال: قرآن مجید میں ہے:

فاذا ألقوا منها مكانا ضيقا دعوا هنالك ثبورا۔	جب جہنم میں ڈالے جائیں گے تو ثبور (ہلاکت) پکاریں گے۔

یہ آیت صریح ہے کہ ثبور کا پکارنا جہنم میں داخل ہونے کے بعد ہوگا اور تم کہتے ہو پہلے ہوگا۔

جواب: ان میں منافات نہیں اس لیے کہ ان کا ہائے ہائے پکارنا جہنم میں داخل ہونے سے پہلے بھی ہوگا بعد میں بھی، بلکہ ہمیشہ ہوگا۔ علاوہ ازیں واؤ مطلق جمع کے لیے ہے نہ کہ ترتیب کے لیے۔

تفسیر صوفیانہ

اس میں اشارہ ہے اس شخص کی طرف جس کی کتاب استعداد فطری دیوان ازل میں اسمائے جلیلہ کے کاتبین کے قلم سے لکھی ہوئی ہے وہ دنیا میں آرزو کرتا ہے کہ کاش وہ فانی فی الحق ہوتا اور اپنی انیت سے ہلاک (فناء) ہو جاتا اور وہ جلے گا نارِ ریاضت ومجاہدہ میں، یہ اس کی پوری سزا ہے اس کی جو اس نے اپنے رب تعالیٰ کے امر کی مخالفت کی اس کے حکم ولیس البر بأن تأتوا البیوت من ظہورھا (یہ نیکی نہیں کہ تم گھروں کو ان کی پشتوں سے آؤ) کی، یعنی ان کے غیر مدخل یعنی ظواہر اعمال پر محافظت کرنا اور ان کے بواطن کے حقوق کی رعایت نہ کرنا یعنی احوال میں تقویٰ نہ کرنا کیونکہ حضرت ربوبیت تک پہنچنا اور اس میں داخلے کا سبب تقویٰ ہے اور تقویٰ تمام نیکیوں کا جامع اسم ہے اعمالِ ظاہرہ یا احوال باطنہ ایسے ہی اتباع الموافقات اور اجتناب المخالفات پر قائم رہنا بھی ضروری ہے۔ حضرت قاشانی علیہ الرحمۃ نے فرمایا واما من اوتی کتابہ وراء ظہرہ (جو نامۂ عمل پیٹھ کی جہت سے دیا گیا) یعنی اس جہت سے جو روح وجسم کی ظلمت سے متصل ہے اس لیے کہ انسان کا چہرہ وہ جہت ہے جو بدن ظلمانی کی جانب ہے۔ بائیں ہاتھ دیے جانے کا مطلب یہ ہے کہ ایسا انسان صور الحیوانات میں ظلمات کی طرف لوٹایا جائے گا عنقریب وہ ثبور (موت) کو پکارے گا اس لیے کہ وہ ورطۂ ہلاکت روحا عذاب ابدی میں مبتلا ہو جائے گا اور مہاوی الطبیعۃ کی نار آثار کی جہنم میں داخل ہوگا۔

تفسیر عالمانہ

إِنَّهُ (بے شک وہ) یعنی اس لیے کہ یہ جملہ مستانفہ ما قبل کی علت بیان کرنے کے لیے ہے كَانَ فِي أَهْلِهِ (تھا دنیا میں اپنے گھر والوں میں) یعنی اپنے اہل وعیال اور قبیلہ میں یا اپنے ان ساتھیوں سے جو اس کے ساتھ مسرور تھے، جیسے کہا جاتا ہے، جاء نی فلان فی جماعۃ (وہ میرے پاس آیا جماعت میں) یعنی ان کے ساتھ مَسْرُوْرًا (خوش) دولتمند اور اکڑ باز خوش حال یعنی فانی مال پر نازاں وشاداں اور ناپائدار جاہ ومرتبہ پر خوش اور منعم کی

نعمتوں سے محجوب، جیسے اہلِ دُنیا فجار کا طریقہ ہے کہ امورِ آخرت میں سے کوئی امر بھی ان کے دل میں نہیں کھٹکتا اور نہ ہی اپنے انجام پر معمولی طور پر غور و فکر کرتے ہیں جیسے صلحا متقین کا طریقہ ہے کہ وہ ہر وقت متفکر رہتے اور انجام سے ڈرتے رہتے ہیں، جیسے ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انا کنا فی اھلنا مشفقین (ہم اپنے گھر والوں میں ڈرنے والے تھے) خلاصہ یہ کہ کافر تھا فارغ تھا آخرت کے غم سے اس کے دل میں گھمنڈ تھا اس کی سزا دیا گیا غم سے جو باقی و دائمی ہے بخلاف مومن کے کہ اس کا دل دنیا میں گریہ زاری میں رہتا تھا اس کی اسے سزا ملی کہ وہ ہمیشہ مسرور رہے۔

تفسیر صُوفیانہ

اس میں اشارہ ہے کہ رُوح علوی وہ جسے دائیں ہاتھ میں کتاب دی گئی اور نفس سفلی کی طرف اشارہ ہے جسے پیٹھ کے پیچھے کتاب دی گئی اور اس کے اہل سے مراد انسان کے قوائے جسمانیہ ظلمانیہ ہیں۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّہٗ ظَنَّ بیشک اس نے گمان کیا یعنی یقین کیا (تفسیر الفاتحہ للفناری) اور فتح الرحمٰن میں لکھا کہ ظن یہاں پر اپنے معنیٰ پر ہے حسبان نہ کہ وہ ظن جو بمعنی یقین ہے یہ اس کے سرور کی تعلیل ہے جو اسے دُنیا میں تھا یعنی اس کافر نے دنیا میں گمان کر رکھا تھا اَنۡ لَّنۡ یَّحُوۡرَ (کہ اسے پھرنا نہیں) اللہ تعالیٰ کی طرف ہرگز نہیں لوٹے گا تکذیب کے طور گمان کرتا تھا کہ مرنے کے بعد اُٹھنا ہے ہی نہیں۔

حل لغات

الحور الرجوع (لوٹنا) المحار المرجع والمصیر (لوٹنے کی جگہ) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں یحور کا معنیٰ نہیں جانتا تھا یہاں تک کہ میں نے ایک اعرابی عورت (دیہاتی) سے سنا وہ اپنی لڑکی کو کہتی تھی حوری، حوری ارجعی (لوٹ آ)۔ اور کہا جاتا ہے حر الی اھلک (اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ)۔ حدیث شریف اسی محاورہ سے ہے نعوذ باللہ من الحور بعد الکور یعنی الرجوع عن حالۃ جمیلۃ (ہم پناہ مانگتے ہیں اچھی حالت سے بُری حالت کی طرف لوٹنے سے)

ف: الحواری اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ کپڑے کو سفیدی کی طرف لوٹاتا ہے۔

بَلٰی (ہاں کیوں نہیں) ما بعد لفظ لَنۡ کے لیے ایجاب ہے یعنی ہاں ضرور لوٹو گے اس طرح نہیں جیسے کافر کا گمان ہے اِنَّ رَبَّہٗ (بیشک اس کا رب) جس نے اُسے پیدا کیا کَانَ بِہٖ اس کے اعمال جو جزاء کا موجب ہیں کو جار بَصِیۡرًا (دیکھ رہا ہے) کے متعلق ہے یعنی اس سے کوئی شے مخفی نہیں، تو لوٹنا اور اعمال کا حساب و جزاء حتمی اور لازمی ہے اس لیے کہ اس کی حکمت

کے لیے ناجائز ہے کہ اسے مہمل (بیکار) چھوڑ دے اور اسے بُرے اعمال کی سزا نہ دے۔ یہ تمام مکلفین کو معاصی سے زجر ہے۔

ف : حضرت واسطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ دیکھ رہا ہے کہ اس نے پیدا کیا اور کیوں پیدا کیا اور کس شئے سے پیدا کیا اور اس کے لیے سعادت مقدر فرمائی یا شقاوت اور اس کے لیے اجل و رزق کیا لکھا۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ (قسم ہے شفق کی) شفق سے مراد ہے وہ سرخی جو غروبِ شمس اور اس کی غیبوبۃ کے بعد افقِ مغرب میں دیکھی جاتی ہے اس میں مغرب کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے، یہ عامہ علماء کا مذہب ہے۔ یا وہ سفیدی جو اسی سرخی کے اختتام پر شروع ہوتی ہے اس میں عشاء کا وقت داخل نہیں ہوتا۔ بعض نے کہا کہ وہ سفیدی بالکل غائب نہیں ہوتی بلکہ وہ ایک افق سے دوسرے افق کی طرف چلی جاتی ہے (اس کی تحقیق سورۂ مزمل شریف میں گزری ہے)

ف : سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی روایات میں ایک یہی روایت ہے اور مروی ہے کہ آپ نے اس قول سے رجوع فرما لیا تھا اسی لیے فتویٰ قول اول پر ہے وہی قول امامین (امام ابویوسف و امام محمد رحمہم اللہ) وغیرہما کا ہے۔

ف : اسے اس نام سے (دونوں معنوں پر) اس کی رقت کی وجہ سے موسوم کیا گیا لیکن اسے سفیدی کے معنی سے زیادہ مناسبت ہے اس لیے کہ وہ شفقت سے ہے اور شفقت یہی رقت قلبی ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ شمس یعنی دھوپ (روشنی) رقت و ضعف میں اس وقت شروع ہوتی ہے جب سورج غائب ہو جائے یہاں تک کہ اس پر رات کی سیاہی آفاق (تمام کناروں) پر غالب ہو جائے۔

ف : حضرت عکرمہ و مجاہد رضی اللہ عنہما نے فرمایا: شفق دن کو کہتے ہیں کیونکہ شفق شمس (سورج) کا اثر ہے اور سورج دن کا ستارہ ہے اس کا اثر نہار (دن) ہے۔ اس تقریر پر قسم (والشفق میں) رات اور دن دونوں پر واقع ہو گی اس لیے کہ ایک میں معاش ہے دوسرے میں مساکن (سکون) ہے اور دونوں سے امورِ عالم کو قیام ہے۔

حل لغات

المفردات میں ہے کہ الشفق بمعنی غروبِ شمس کے وقت دن کی روشنی کا رات کی سیاہی سے اختلاط۔

تفسیر صوفیانہ

(۱) امام قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فلا اقسم بالشفق قسم ہے اس نوریۃ کی جو فطرت انسانی سے افق بدن میں غروب و محجوب کے بعد جو ظلمت نفس سے مل گئی ہے اس کی قسم سے اس کی عظمت کا اظہار ہے اس سے کسب کمال اور درجات میں ترقی کا امکان ہے۔

(۲) تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شفق کی قسم یاد فرمائی اس لیے کہ وحدت حقیقیہ ذاتیہ اور کثرۃ نسبیہ اسمائیہ کی مظہر ہے کیونکہ درحقیقت شفق لیل وحدۃ کے سواد اور کثرت نہار کے بیاض کے درمیان برزخ ہے اسی لیے وہ اس لائق ہے کہ اس کی قسم یاد کی جائے۔

نکتہ اللیل وحدت کی مظہر اس لیے کہ اشیاء محسوسہ اس میں ایسے فنا ہو جاتی ہیں جیسے تعینات حقیقۃ الوحدۃ میں اس پر آیت وجعلنا اللیل لباسًا (ہم نے رات کو لباس بنایا) دلالت کرتی ہے کیونکہ اشیاء رات کی سیاہی میں چھپ جاتی ہیں اور فرمایا، وجعلنا النہار معاشًا (اور ہم نے دن کو معاش کا سبب بنایا) دلیل ہے کہ نہار کثرت کا مظہر ہے کیونکہ اس میں اشیاء کا ظہور ہوتا ہے اور امورِ کثیرہ کی معاش اسی پر مشتمل ہے۔

تفسیر عالمانہ وَالَّیْلِ وَمَا وَسَقَ اور قسم ہے رات کی اور جو چیزیں اس میں جمع ہوتی ہیں۔

حل لغات امام راغب نے فرمایا کہ الوسق بمعنی متفرق کو جمع کرنا۔ اب معنیٰ ہوا قسم ہے رات کی اور اس کی جسے اس نے جمع کیا اور اپنے میں ملایا اور اسے اپنی ظلمت میں چھپایا۔ اس معنی پر ما موصولہ ہے۔ کہا جاتا ہے وسقہ فاتسق واستوسق (اس نے اسے جمع کیا تو وہ جمع ہو گیا) اور دونوں (اتساق واستیساق) وسق کے مطاوع ہیں اور ما سے مراد وہ چیزیں ہیں جو رات میں جمع ہو جاتی ہیں اور اس میں پناہ لیتی اور گزارتی ہیں اپنے مکان میں، جیسے جانور و حشرات و ہوام و سباع (درندے) وغیرہ، وہ اس لیے کہ جب رات ہوتی ہے تو ہر شے اپنے ٹھہرنے کی جگہ میں جمع ہو جاتی ہے ورنہ اس سے قبل دن میں سب کے سب منتشر تھے۔

تہجد گزاروں کی قسم آیت میں تہجد گزار حضرات بھی مراد ہو سکتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صبح کو اٹھ کر استغفار کرنے والوں کی مدح فرمائی ہے تو ما وسق سے وہی لوگ مراد ہوں تو جائز ہے اور انکی قسم یاد کرنا موزوں ہے۔

تفسیر صوفیانہ (۱) حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قسم ہے ظلمت بدن کی رات کی اور وہ جو اس میں جمع ہیں قویٰ و آلات و استعدادات جن سے اکتساب علوم و فضائل اور ترقی فی المقامات اور مواہب و کمالات حاصل کرنا ممکن ہے۔

(۲) تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قسم نفس مطمئنہ کی جو نفس امارۃ کی تاریکی میں پوشیدہ ہے اور پہنچنے مقام مامول کے اور یہ نفس حکم نفس امارہ کی طرف رجوع سے مطمئنہ ہے اور اس کے لیے تلوین فی التکوین باقی ہے یعنی ان کاملین کے اوصاف اس میں باقی ہیں جو فدیۃ محمدیین کہلاتے ہیں اسی لیے اسے اپنے رب تعالیٰ کی طرف رجوع کا حکم ہے۔ چنانچہ فرمایا:

یا ایتہا النفس المطمئنۃ ارجعی اے نفس مطمئنہ اپنے رب تعالیٰ کی طرف
الیٰ ربک۔ رجوع کر۔

اس رجوع سے مقصود ذاتی نفس رجوع نہیں بلکہ مقصود کل ہے یعنی مرجوع الیہ سے اتصال اور وما وسق کا معنی ہے وہ جو جمع ہیں اس میں قوائے روحانیہ جو نفس امارہ کے ید تصرف سے نجات پا چکے ہیں۔

تفسیر عالمانہ

وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ (اور قسم ہے چاند کی جب پورا ہو) مجتمع اور کامل ہو یعنی چودھویں شب کو۔

ف: فتح الرحمٰن میں ہے پُر ہو چاندنی راتوں میں۔

حل لغات

کہا جاتا ہے: امور فلاں متسقۃ۔ اس کے جملہ امور صلاح پر مجتمع ہیں جیسے اس کے لئے کہا جائے منتظمۃ۔ قاموس میں فرمایا کہ وسقہ یسقہ بمعنی جمعہ وجلہ، اسے جمع کیا اور اٹھایا۔ اسی سے ہے واللیل وما وسق واتسق انتظم۔

نکتہ

اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء کی قسم اس لیے یاد فرمائی کہ ان میں ایک حال سے دوسرے حال میں پھرنا ہوتا ہے اسی لیے قسم یاد کرنے کے لیے مناسب ٹھہرے یعنی اللہ تعالیٰ نے قسم یاد فرمائی ان تغیّرات کی جو افلاک و عناصر میں ہیں احوال خلق کے تغیّر پر، مثلاً شفق کی حالت اپنے ماقبل یعنی ضوء نہار (دھوپ) کے اور اپنے مابعد یعنی رات کی تاریکی کے مخالف ہے ایسے ہی واللیل وما وسق دلالت کرتا ہے نور کے بعد ظلمت کے حدوث پر ایسے ہی احوال حیوانات کے تغیر کا حال ہے کہ بیداری سے نوم کی طرف تبدیل ہوتے ہیں ایسے ہی والقمر اذا اتسق دلالت کرتا ہے کمال قمر پر بعد اس کے کہ وُہ ناقص تھا۔

تفسیر صُوفیانہ

(۱) حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قسم ہے قمر قلب صاف کی خسوف نفس سے جب جمع ہوں اور قلب کا قمر مکمل ہو کر کامل ہو جائے۔

(۲) تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قمر کی قسم میں عارف کے قلب کی طرف اشارہ ہے جب دائرہ کی شکل میں ہو کر چودھویں کے چاند کی طرح ہو جائے۔

تفسیر عالمانہ

لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ (ضرور تم منزل بہ منزل چڑھو گے) طبقًا لترکبن کا مفعول ہے یعنی تم ملو گے ایک حال سے دوسرے حال کو یعنی پہنچو اور تلاش کرو ایک حال کو دوسرے حال کے بعد جو دونوں شدت و فظاعت میں ایک دوسرے کے مطابق ہوں۔

حلِ لغات

کہا جاتا ہے ما ھذا بطبق ھذا (یہ فلاں کے مطابق نہیں) یعنی لا یطابقہ امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مطابقۃ اسمائے متضایفہ میں سے ہے وہ یہ کہ شے کو دوسری پر اس کی قدر کے مطابق کیا جائے جیسے طابقت النعل بالنعل (میں نے جوتے کو دوسرے جوتے کے مطابق کیا) اور کبھی اس کا اطلاق اس شے میں ہوتا ہے جو ایک شے کے کبھی موافق ہو کبھی دوسری شے کے۔ بعض نے کہا طبق طبقۃ کی جمع ہے بمعنی مرتبہ' وہی زیادہ موافق ہے رکوب کو جو اعتلاء کے معنیٰ کی خبر دیتا ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ تم احوال پر چڑھو گے احوال کے بعد یعنی طبقات پر جو شدۃ میں بعض اپنے دوسرے سے سخت تر ہوگا مثلاً موت اور اس کے مابعد کے قیامت کے مواطن اور اس کے ہولناک مناظر یہاں تک کہ دارین کی ایک دار میں ٹھہرنا نصیب ہو۔

ف: اسے مفرد کے صیغہ سے پڑھا گیا ہے یہ انسان کو خطاب ہے باعتبار لفظ کے نہ اعتبار اس کے شمول کے تمام افراد کو' جیسے پہلی قراۃ میں تھا اور عن طبق محلاً منصوب ہے اس لیے کہ طبقاً کی صفت ہے یعنی ایک طبق سے تجاوز کرکے دوسرے طبق پر' یا مشرکین کی ضمیر سے حال ہے یعنی درانحالیکہ تم تجاوز کرنے والے ہو طبق کے لیے' یا تو تجاوز کرنے والا ہو' اے انسان علی قراۃ ثانیہ' اس تقریر پر عن اپنے مشہور معنیٰ میں ہے یعنی المجاوزۃ اسے کلمہ بعد کے معنی میں کہنا حاصل معنی کی تفسیر ہے نہ یہ کہ عن بمعنی بعد ہے۔

ف: ابن الشیخ نے فرمایا کہ عن بمعنی بعد اس لیے کہ انسان جب ایک شے سے دوسری شے کی طرف پہنچتا ہے تو وہ پہلی حالت کے بعد ہوا اسی لیے اس کے لیے جائز ہے کہ وہ بعد کے معنی میں ہو نیز عن مجاوزہ و بُعد کا معنی دیتا ہے اور لفظ بُعد کے مشابہ ہے اسی لفظی مناسبت سے عن بُعد کے معنی میں آیا ہے ایسے ہی ایک دوسرے میں آتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہاں اس قلب انسانی کو خطاب ہے جو گوناگوں ریاضات اور طرح طرح کے مجاہدات اور تقلبات سے ان احوال سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہے جو شدۃ و مشقۃ میں جیسے بھوک شب بیداری اور خاموشی اور عزلت (گوشہ نشینی) وغیرہ ایک دوسرے کے مطابق ہیں۔

تفسیر عالمانہ

فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (تو کیا ہوا کہ ایمان نہیں لاتے) یعنی جب ان کا یہ حال ہوگا قیامت میں' جیسے مذکور ہوا تو پھر ان کا کیا حال ہے کہ وہ جو ایمان نہیں لاتے یعنی انہیں ایمان لانے سے کون سی شے مانع ہے جبکہ اس کے موجبات کی تائیدات ان کے ہاں بہت زیادہ ہیں۔

تفسیر صوفیانہ اس میں نفس و ہوٰی و قوائے بشریہ طبعیہ کی طرف اشارہ ہے اور ان کا ایمان نہ لانا قلب کی طرف ایسے ہی اس کے امر کی احکام شریعۃ و آدابِ طریقت و آثار حقیقت میں اتباع نہ کرنا۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا قُرِئَ عَلَيۡهِمُ الۡقُرۡاٰنُ لَا يَسۡجُدُوۡنَ (اور جب ان پر قرآن پڑھا جائے سجدہ نہیں کرتے) جملہ شرطیہ محلاً منصوب علی الحالیۃ ہے ماقبل سے منسلک ہے، یعنی انہیں کون روکتا ہے ان کے حال عدم سجود و خضوع اور عاجزی سے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم قرآن پاک پڑھتے ہیں یا آپ کا کوئی صحابی یا اُمتی، تو یہ بھی اہلِ زبان ہیں ان پر واجب ہے کہ وہ اعجازِ قرآن پر جزم کریں جب اسے سنیں اور عقیدہ رکھیں کہ یہ کلامِ الٰہی ہے اور یقین کریں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم دعوٰئ نبوت میں سچے ہیں پھر جملہ اوامر و نواہی میں ان کی اطاعت کریں۔

مسئلہ : ممکن ہے اس سے تلاوت القرآن کا نفس سجدہ مراد ہو اور القرآن سے خصوصیت سے یہی آیتِ سجدہ مراد ہو نہ کہ مطلق قرآن۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے مروی ہے کہ ایک دفعہ آپ نے پڑھا واسجد واقترب (سجدہ کر اور قریب ہو) آپ نے اور آپ کے تمام اصحاب رضی اللہ عنہم نے سجدہ کیا، اس پر قریش (کے مشرکین) تالیاں اور سیٹیاں بجانے لگے۔

مسئلہ : اسی سے امامِ ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سجدۂ تلاوت کے وجوب کا استدلال فرمایا ہے۔

قاعدۂ اصول فقہ : جس فعل کے ترک پر مذمت کی جائے وہ فعل واجب ہوتا ہے۔

حدیث شریف : حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدۂ آیت کی تلاوت پر سجدہ فرمایا ایسے ہی خلفاءِ راشدین نے۔ اور کل سجدے چودہ ۱۴ ہیں یہ ان کا تیرھواں ہے۔

مسئلہ : ہمارے ائمہ (احناف) کے نزدیک سجدۂ تلاوت پڑھنے سننے والے دونوں پر واجب ہے اس کا ارادہ ہو یا نہ ہو۔

ف حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ مفصل (سورتوں) میں کوئی سجدہ نہیں۔ ایسے ہی حضرت حسن (بصری رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ یہ سجدہ غیر واجب ہے۔

مسئلہ : ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک یہ سجدہ لا یسجدون پر ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سورۃ کے اختتام پر۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب پڑھا جاتا ہے نفس و ہوٰی اور قوٰی بشریہ طبعیہ پر مواعظ الٰہیہ قرآنیہ جو رسول قلب پر نازل ہوئے ہیں پڑھے جاتے ہیں تو سُن کر یہ عجز و نیاز اور انقیاد (فرمانبرداری) نہیں کرتے اور نہ ہی اس کے اوامر ادا کرتے اور نہ ہی اس کے نواہی سے رُکتے اور نہ ہی دیگر احکام بجا لاتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُکَذِّبُوْنَ (بلکہ کافر جھٹلا رہے ہیں) قرآن ناطق کو جو مذکور ہوئے قیامت احوال و اہوال کو باوجودیکہ اس کے موجبات تصدیق متحقق ہیں اسی لیے اس کی تلاوت کے وقت خشوع و خضوع نہیں کرتے یہ وضع الظاہر موضع المضمر کے قبیل سے ہے تاکہ ان کے کفر پر مُہر ثبت ہو، اور آگاہ کرنا ہے کہ یہی ان کے عدم خضوع کی علت ہے۔

ف : سورۃ البروج میں فی تکذیب الخ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ دونوں سورتوں (انشقاق و بروج) کے فواصل آیات کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے اور اس طرح معنیٰ و لفظ میں بھی تغیر نہیں آیا اور معنیٰ کی جودت بھی بحال رہی ہے۔

ف : بعض تفاسیر میں ہے کہ تکذیب کا معنیٰ ہے قلبی طور تکذیب کرنا اور یہی ظاہر یعنی عدم تصدیق اور یہ اضراب (رُوگردانی) میں ترقی ہے اس لیے کہ عدم ایمان شک سے بھی ہوتا ہے اور تکذیب شدۃ الکفر سے اور قاعدہ ہے کہ قوت انکار اضراب (روگردانی) پر اُبھارتی ہے۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا یُوْعُوْنَ (اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو اپنے جی میں رکھتے ہو) جو اپنے قلوب میں چھپاتے اور اپنے سینوں میں جمع کرتے ہو کفر و حسد اور بغی و بغض، اللہ تعالیٰ اس پر تمہیں دُنیا و آخرت میں سزا دے گا۔ اس معنیٰ پر ما موصولہ ہے۔

حل لغات کہتے ہیں : اوعیت الشیٔ (میں نے شے کو برتن میں رکھا) پھر وہ، اور الوعی استعارہ کیا گیا ہے حفظ کے معنیٰ کے لیے، یا یہ کہ وہ خود اپنے نامۂ اعمال میں جمع کر رہے ہیں اور بُرائیوں کا ذخیرہ بنا رہے ہیں اپنے لیے گوناگوں عذاب سے جنہیں قیامت میں انہیں تفصیل سے معلوم ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ خوب جانتا ہے وہ جو اپنے نفوس اور بواطن کے برتنوں میں محفوظ کر رہے ہیں اعتقادات فاسدہ اور ہیأت فاسقہ سے۔

اور حضرت نجم الدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے ان کا شہواتِ دنیا میں غرق کرنا اور میزان عذاب اُخرویہ میں جلانا مراد ہے۔

تفسیر عالمانہ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ (تو کافروں کو دردناک عذاب کی خوشخبری دو) انتہائی دردناک عذاب، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا علم مذکور یقینی طور ان کے عذاب کرنے کا

موجب ہے یعنی ان کے ساتھ بھی استہزاء و تہکم ہوگا جیسے یہ آج اہلِ اسلام فقراء و مساکین کر رہے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ یستھزئ بھم (اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ اپنی شان کے لائق استہزاء فرمائے گا) کیونکہ خوشخبری کو ان کی دردناک خبر کے بجائے استعمال کرنا اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔

ف: حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کافروں کو خبر دو دردناک عذاب کی۔ اس میں اہلِ ایمان کو خوش کرنے کی خبر ہے کہ انہیں ثواب خوش کُن عطا ہوگا جس سے انہیں راحتِ جسمانیہ و روحانیہ نصیب ہوگی اس لیے کہ تخصیص فضول نہیں (بلکہ کسی خاص اشارہ کے لیے ہے)

اسی لیے فرمایا اِلَّا الَّذِیْنَ (مگر جو) یہ استثناء منقطع ضمیر منصوب سے ہے جو کہ فبشرھم میں الذین کفروا کی طرف راجع ہے اور مستثنیٰ وہی اہلِ ایمان ہیں جو اُن سے خارج ہیں یعنی وہ جو اٰمَنُوْا (ایمان لائے) سچّا اور پکّا، اور ایمان علی، اپنے قلوب کو کدورتِ نفس سے صاف کر کے وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (اور اچھے کام کئے) طاعات مامور بہا سے اور اکتساب فضائل سے لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ (ان کے لئے وہ ثواب ہے کہ کبھی ختم نہ ہوگا) غیر ممنون بمعنی غیر مقطوع بلکہ متصل (مسلسل) دائم۔

حلِ لغات

مَنّ مَنًّا سے ہے بمعنی قطعہ قطعا اسے کاٹا کاٹنا یا بمعنی ممنون بہ علیھم ان پر منّت لگایا ہوا۔ اس لیے کہ منت نعمت کو مکدر کر دیتی ہے از من علیہ منّۃ لیکن پہلا معنی ظاہر ہے، دوسرا معنی تحقیق الاجر کے لیے بھی ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ ماجور اپنے عملِ طاعت لربہ کی وجہ سے اجر کا مستحق ہے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جیسے اس کا فضل ہُوا کہ اس نے عمل پر قدرت عطا فرمائی اور اپنے فضل و کرم سے ہدایت بخشی۔

ملفوظِ حسن بصری رضی اللہ عنہ

سیّدنا حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ دنیا میں بڑے جوانمرد و سخی کہ تمام مال و دولت لٹا کر بھی کسی پر منّت و احسان نہ جتلاتے اور اپنی ذات کے لیے سخت بخیل کہ ایک لمحہ ضائع نہ کرتے نہ باپ کے لیے نہ بیٹے کے لیے۔

تفسیر صوفیانہ

حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ان کے لیے اجر ہے آثار و صفات کے ثواب سے جنۃ نفس و قلب میں غیر مقطوع کیونکہ وہ کون و فساد سے بیزار اور مواد سے متجرد تھے۔

اور تاویلات نجمیہ میں ہے کہ الا الذین اٰمنوا الخ وہ جو ایمان لائے روح و سر و قلب اور ان کے قوائے روحانیہ سے وعملوا الصّٰلحٰت (اچھے اعمال کیے) دنیا سے روگردانی اور ماسوا اللہ تعالیٰ

کی طرف توجہ کی لھم اجر غیر ممنون ان کے لیے اجر ہے نفوس و اجتہاد و اکتساب کی منت سے نہیں بلکہ فضلِ ربانی و رحمتِ یزدانی ہے۔

نکتہ بعض علماءِ کرام نے فرمایا کہ ان سورتوں کی ترتیب میں نکتہ یہ ہے سورۃ انفطار میں نگران ملائکہ (کراماً کاتبین) کی تعریف تھی سورۃ مطففین میں نامہ ہائے اعمال کے مستقر کی تعریف تھی اس سورۃ انشقاق میں وہی نامہ ہائے اعمال بارگاہِ حق میں پیش ہوئے، ہر وقت عطا کا بیان ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

فراغت صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ تفسیر سورۃ الانشقاق کی تفسیر ملک خلاق کی مدد سے صفر الخیر کی آخری تاریخ ۱۱۱۷ھ میں مکمل ہوئی۔

فراغت مترجم فقیر اویسی غفرلہٗ سورۃ الانشقاق کی تفسیر کے ترجمہ سے ۹ رجب المکرم ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۶ فروری ۱۹۸۹ء بروز جمعرات فارغ ہوا۔ الحمد للہ علی ذلک۔

سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ مَكِّيَّةٌ　بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ　اٰيَاتُهَا ۲۲ رُكُوْعُهَا ۱

سورہ بروج مکیہ ہے اس میں　اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا　بائیس آیتیں ہیں

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۱ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۲ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ۳ قُتِلَ اَصْحٰبُ
قسم آسمان کی جس میں برج ہیں　اور اس دن کی جس کا وعدہ ہے　اور اس دن کی جو گواہ ہے اور اس دن کی جس میں حاضر

الْاُخْدُوْدِ ۴ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۵ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۶ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ
ہوتے ہیں کھائی والوں پر لعنت ہو اس بھڑکتی آگ والے جب وہ اس کے کناروں پر بیٹھے تھے اور وہ خود گواہ ہیں جو کچھ مسلمانوں

بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ۷ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۸
کے ساتھ کر رہے تھے　اور انہیں مسلمانوں کا کیا برا لگا یہی نہ کہ وہ ایمان لائے اللہ عزت والے سب خوبیوں سراہے پر

الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۹ اِنَّ الَّذِيْنَ
کہ اسی کے لیے آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے　اور اللہ ہر چیز پر گواہ ہے　بے شک جنہوں

فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ
نے ایذا دی مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو پھر توبہ نہ کی ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لیے آگ

الْحَرِيْقِ ۱۰ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
کا عذاب　بے شک جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے　ان کے لیے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں

الْاَنْهٰرُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ۱۱ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ۱۲ اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ
رواں، یہی بڑی کامیابی ہے　بے شک تیرے رب کی گرفت بہت سخت ہے　بے شک وہ پہلے کرے، اور

وَيُعِيْدُ ۱۳ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ۱۴ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ۱۵ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ۱۶ هَلْ
پھر کرے　اور وہی ہے بخشنے والا اپنے نیک بندوں پر پیارا عزت والے عرش کا مالک ہمیشہ جو چاہے کر لینے والا کیا تمہارے

اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ۱۷ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ۱۸ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ۱۹
پاس لشکروں کی بات آئی　وہ لشکر کون فرعون اور ثمود　بلکہ کافر جھٹلانے میں ہیں

وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ ۲۰ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۲۱ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۲۲
اور اللہ ان کے پیچھے سے انہیں گھیرے ہوئے ہے بلکہ وہ کمال شرف والا قرآن ہے　لوح محفوظ میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (اللہ کے نام سے شروع وہ مہربان رحم والا)

تفسیر عالمانہ

وَالسَّمَآءِ (قسم آسمان کی) جو علوی جرم والا ہے وہ آسمان ہے اس میں عرش داخل ہے ذَاتِ الْبُرُوْجِ جس میں بُرج ہیں، بُرج کی جمع بمعنی القصر (محل) بروج سے وہ بارہ ۱۲ ستارے مراد ہیں جو فلک اعلیٰ میں ہیں۔ السّماء سے فلک الافلاک مراد ہے۔ لیکن سعدی المفتی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ شرع میں فلک الافلاک کا اطلاق عرش پر ہوتا ہے نہ کہ آسمان پر۔ یہ بھی جائز ہے اس سے وہ فلک مراد ہو جو ہمیں قریب تر ہے۔ یہ آیت ولقد زینا السماء الدنیا بمصابیح (بیشک ہم نے آسمان کو مصابیح سے سنگارا) کی طرح ہے۔ سعدی مفتی کے جواب میں وہی کافی ہے جو ہم نے کہا کہ آسمان سے مراد علوی جرم والا ہے۔

نکتہ: آسمان کو قصور (محلات) سے اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ اس میں اکابر و اشراف مخلوق نازل ہوتی ہے کیونکہ وہ سیارات کی منازل و ثوابت کی قرارگاہیں ہیں۔

ف: حضرت امام سہیلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بروج کے اسماء یہ ہیں:

(۱) الحمل اس سے ابتدا ہوتی ہے اس لیے استدارۃ الافلاک کا مبدار برج حمل ہے جیسا کہ علم الافلاک میں ہے اسی برج میں نیسان ہے اسی میں عشرون تمام ہوتے ہیں۔

ولادت النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وقت

اسی سے ہے ولادت النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، اسی سے نبی علیہ السلام کی ولادت طلوع الغفر کے وقت ہوئی۔ الغفر بفتح الغین المعجمہ وسکون الغار قمر کی منزل ہے یہ تین چھوٹے ستارے ہیں اور غفر ماہ کے ظاہر میں پہلی رات کو طلوع کرتا ہے کیونکہ اس کا وقت النطح سے نطح شرطان کو کہا جاتا ہے الشرطان بالمعجمہ وبفتحتین یہ حمل کے دو ستارے ہیں یہ دونوں اس کے قرن ہیں ان کی جنوبی جانب میں، اور قاموس میں ان دونوں کی جانب شمالی میں ایک چھوٹا سا ستارہ ہے۔ بعض نے کہا یہ اس کو ان دونوں سے ملا کر تین سمجھا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے ان تینوں چھوٹے ستاروں کی منزل ایک ہے۔ گویا وہ چولھے کا پایہ ہیں وہی بطن الحمل ہے۔

(۲) حمل کے بعد ثور ہے۔

(۳) پھر جوزاء ہے اسے نسر بھی کہا جاتا ہے اور جبار اور توأمان بھی۔ اور قاموس میں ہے کہ توأم جوزاء کی منزل ہے اور جوزاء کا سر ھقعۃ ہے یہ تین ستارے ہیں جوزاء کے دو کاندھوں کے اوپر۔ جونہی یہ فجر کے وقت طلوع کرتا ہے موسم گرما کی گرمی سخت ہو جاتی ہے۔

(۴) السرطان (المھملہ) (۵) اسد (۶) سنبلہ (۷) میزان ، (۸) عقرب

عقرب میں سے دو زبانین ہیں وہ دونوں اس کے قرن ہیں اور دونوں چمکیلے ستارے ہیں کما فی القاموس زبانیین اور اسد کے دو سرینوں اور پاؤں کے درمیان سماک ہے وہ دو ستارے ہیں، سماک بروزن کتاب اس کے ساتھ ہی غفر طلوع کرتا ہے یہی انبیاء علیہم السلام کی ولادت کا وقت ہے اسی کے بارے میں کہا ہے : ~

خیرالمنازل فی الأبد
بین الزبانی و الأسد

ترجمہ : ہمیشہ بہترین منزل ہے زبانیین و اسد کے درمیان۔

کیونکہ اسد سے اس کی ذنب (دُم) متصل ہے اور اس میں کوئی ضرر نہیں اور عقرب سے اس کے دو زبانیین ہیں ان میں کوئی ضرر نہیں ضرر اس کی ذنب (دُم) سے ہے جب وہ اسے اوپر کرے یعنی ضرر شولۃ سے ہے اور منازل میں شولۃ وہ ہے جو عقرب اپنی دُم اونچی کرے۔ وہ دو ستارے چمکیلے ہیں انہیں چاند نورانی کرتا ہے انہیں حمۃ العقرب (عقرب کا ڈنک اور زہر) کہا جاتا ہے۔

(۹) قوس (۱۰) جدی (۱۱) دلو

(۱۲) حوت وہ دلو کی رسّی ہے یہی قمر کی منزل ہے جسے بروج اور منازل میں شمار کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہی بارہ برجوں پر مہینے مقرر فرمائے۔ چنانچہ فرمایا :

ان عدة الشھور عند اللہ اثنا عشر شھرا۔

بیشک اللہ تعالیٰ کے نزدیک مہینوں کی گنتی بارہ ماہ ہے۔

فصول اربع کی تفصیل

کشف الاسرار میں ہے کہ یہ بروج چار فصلوں پر مشتمل ہیں ان میں ایک فصل بہار کا ہے تین ماہ کا سورج ان تینوں مہینوں میں حمل و ثور و جوزاء میں ہوتا ہے :

فصل دوم گرمیوں کا ہوتا ہے، اس کے بھی تین ماہ ہیں ان تینوں مہینوں میں سورج سرطان و اسد و سنبلہ میں رہتا ہے۔

تیسرا فصل خریف کا ہے اس میں سورج تین مہینے تین ستاروں میزان و عقرب و قوس میں ہوتا ہے۔

چوتھا فصل سرما کا ہے تین ماہ سورج جدی و دلو و حوت میں ہوتا ہے۔

ان چاروں فصلوں کی ہر ایک کی اپنی اپنی طبیعت ہے اور ان چاروں میں سورج کی گردش بھی مختلف ہے۔

تحقیق مزید از صاحب روح البیان قدس سرہٗ

فقیر (صاحب روح البیان) کہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرمائے، فصل ربیعی عبارت ہے تین ماہ سے: (۱) آذار (۲) نیسان (۳) ایار

جب پہلے ماہ کی سترہ راتیں گزرتی ہیں تو دن رات برابر ہو جاتے ہیں یعنی ہر ایک بارہ بارہ گھنٹے کا ہوتا ہے پھر ہر دن رات سے ایک جَو کے برابر بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ سترہ دن حزیران کے گزرتے ہیں تو فصل صیف موسم گرما) شروع ہو جاتا ہے اس کے بعد تموز ہے اس کے بعد اغستوس ہے اس میں دن پندرہ گھنٹے اور ات نو گھنٹے کی ہوتی ہے یہی دن سال کے تمام دنوں سے بڑا ہوتا ہے اور رات سارے سال کی راتوں میں سب سے چھوٹی ہوتی ہے، پھر رات بڑھنے لگتی ہے اسی طریقے سے جیسے دن ایک جَو کی مقدار بڑھتا تھا یہاں تک کہ سترہ ن ایلول کے گزرتے ہیں تو فصل خریف شروع ہو جاتا ہے اس کے بعد تشرین اول ہے جو خریف کا وسط ہے پھر تشرین ثانی ہے یعنی فصل خریف کا آخری ہے اس میں دن اور رات برابر ہو جاتے ہیں اس کے بعد ور رات بقدر جَو بڑھنے لگتی ہے یہاں تک کہ سترہ دن کانون اول کے گزرتے ہیں یہی اول فصل شتاء ہے ہر کانون ثانی ہے پھر شباط ہے اس میں طول اللیل انتہاء کو پہنچتا ہے کہ رات پندرہ گھنٹے کی اور دن نو گھنٹے ا ہوتا ہے یہی سال کے تمام دنوں میں سب سے چھوٹا دن ہے یہی حساب سالانہ قیامت تک جاری ہے گا اللہ تعالیٰ یہی دن میں رات کو داخل کرتا ہے کہ رات کی ساعات گھٹا کر دن کی ساعات بڑھاتا ہے ر کہ جب کانون اول کے سترہ دن گزرتے ہیں تو پھر یہی گنتی حزیران کی گزرتی ہے تو چھ ماہ ختم ہوتے ہیں یعنی:

(۱) کانون اول (۲) کانون ثانی (۳) شباط (۴) اذار (۵) نیسان (۶) ایار

پھر دن کو رات میں داخل کرتا ہے یعنی دن کی ساعات گھٹا کر رات کی ساعات بڑھاتا ہے اور یہ بھی چھ ماہ میں:

(۱) حزیران
(۲) تموز
(۳) اغستوس
(۴) ایلول
(۵) تشرین اول
(۶) تشرین ثانی

یہ سب عزیز علیم کے اندازے اور اس کے پھیرے پر ہے اجرام علویہ کو نہج مستقیم پر۔

ف: بروج سے مراد نجوم ہیں جو کہ قمر کی منزل ہے اور یہ اٹھائیس ہیں جن کے ہر ایک میں ایک منزل طے کرتا ہے کہ نہ اس میں خطا کرتا ہے اور نہ کم ہوتا ہے جب چاند آخری منزل پہ پہنچتا ہے تو باریک ہو کر

قوس کی شکل اختیار کر کے دو راتیں چھپ جاتا ہے اگر ماہ تیس دنوں کا ہو۔ اگر انتیس کا ہو تو صرف ایک رات چھپتا ہے۔

نکتہ: نجوم کو بروج کہنا قصور سے تشبیہ کی وجہ سے ہے کہ قمر اس میں نزول فرماتا ہے گویا وہ برج اس کے لیے بمنزلہ قصر (محل) کے ہے اور ان سے ظاہر ہونے کی وجہ سے بہ نسبت بعض لوگوں کے' جیسے عرب' اس لیے کہ بُرج اس کے ظہور سے خبر دیتا ہے اور ساتھ ساتھ اس کے محاسن پر مشتمل ہونے کے۔ مثلاً کہا جاتا ہے: تبوجت المرأۃ (عورت بُرج کے مشابہ ہوئی) محاسن کے اظہار میں۔ ہاں بارہ بروج کو ظہور نہیں یعنی محسوس نہیں کیا جا سکتا اور بروج بارہ ہیں انہی اٹھائیس منازل پر منقسم ہیں اور سورج ان تمام بروج بارہ میں سال بھر چلتا ہے اور چاند صرف ایک ماہ میں اور ان سے بندگانِ خدا کے لیے منافع و مصالح متعلق ہیں ان کی اللہ تعالیٰ نے قسم یاد فرمائی ان کے قدر و شرف کے اظہار کے لیے۔

تفسیر صُوفیانہ اس میں رُوح انسانی کی طرف اشارہ ہے کہ وُہ ترقی و درجات میں صاحب مقامات ہے۔

تفسیر عالمانہ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ اور قسم ہے اس دن جس کا وعدہ ہے یعنی یوم القیامۃ کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی قسم یاد فرمائی، تنبیہ ہے اس کی قدر و شرف پر اس حیثیت سے کہ وُہ فیصلے اور جزا کا دن ہے وہ دن ہے جس میں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ملک اور حکم ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے روح کے آخری درجات کی طرف کشف توحید ذاتی کے اور وہ ہے قیامت کبریٰ۔

تفسیر عالمانہ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ (اور قسم ہے اس دن کی جو گواہ ہے) اس دن تمام اولین و آخرین حاضر ہوں گے اور انسان اور جن اور ملائکہ کرام و انبیاء عظام (علیٰ نبینا وعلیہم السلام) اور حاضر ہوں گے اس میں عجائب و غرائب۔

ردِّ وہابیہ دیوبندیہ (صاحبِ رُوح البیان قدس سرہ العزیز صفحہ ۳۸۵ پر رقمطراز ہیں:)

فالشاہد[1] بمعنی الحاضر من الشہود شاہد بمعنی حاضر ہے از شہود بمعنی

---

[1] اس پر فقیر اویسی غفرلہٗ پارہ ۲۲ میں بہت کچھ لکھ چکا ہے مزید ضرورت نہیں لیکن وہابی دیوبندی فرقہ کے لیے سامانِ عبرت کافی ہے جبکہ وہ شاہد بمعنی حاضر ماننے کے لیے کبھی تیار (باقی صفحہ آئندہ پر)

بمعنی الحضور لا بمعنی الشاھد	الحضور نہ کہ وہ شاہد (گواہ) جس سے
الذی یثبت بہ الدعاوی والحقوق۔	دعاوی اور حقوق ثابت کئے جاتے ہیں۔

ف : شاھد و مشھود کی تنکیر ابہام فی الوصف کے لیے ہے یعنی وہ شاہد و مشہود جن کی کُنہ کو کوئی نہیں جانتا۔ بعض نے کہا مشھود سے یوم الجمعہ مراد ہے اور شاھد سے وہ لوگ جو اس میں حاضر ہوتے ہیں نماز اور ذکر کے لیے۔ جمعہ وہ دن ہے کہ سورج کسی دن پر طلوع و غروب نہیں کرتا جو یوم الجمعہ سے افضل ہو اس میں ایک ایسی ساعت ہے جس میں کوئی بھی مؤمن کوئی دُعا مانگے تو ضرور مستجاب ہوتی ہے اور کوئی پناہ مانگے تو اسے ضرور پناہ ملتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے :

اکثروا علی من	جمعہ کے دن مجھ پر درود شریف کی کثرت
الصلوٰۃ یوم الجمعۃ فانہ یوم	کیا کرو اس لیے کہ یہ دن مشہود ہے کہ
مشہود تشہدہ الملٰئکۃ۔	اس میں ملائکہ حاضر ہوتے ہیں۔

ف : بعض نے کہا مشہود یوم عرفہ ہے اور شاہد وُہ لوگ جو حج کے لیے اس میں حاضر ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے یہ قسم یاد فرمائی ہے حج کی عظمت کے لیے جن کی گنتی ستّر ہزار ہے (کشف الاسرار)

ف : بعض نے کہا شاھد سے ہر دن مراد ہے اور مشھود سے وُہ لوگ جو اس دن میں موجود ہیں اس معنی پر مشہود بمعنی مشہود علیہ ہوگا اور شاہد از شہادت ہے۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر دن آتے ہی اعلان کرتا ہے کہ میں نیا دن ہُوں جو بھی مجھ میں کوئی کام کرے گا میں اس کی گواہی دُوں گا، مجھے غنیمت سمجھو جب سورج ڈوب جائے گا پھر مجھے قیامت تک نہ پا سکو گے ؎

دریغا کہ بگزشت عمر عزیز   بخواہد گزشت ایں دمے چند نیز
گزشت آنچہ در ناصوابی گزشت   دراین نیز ہم در نیابی گزشت

ترجمۃ : افسوس کہ عمر عزیز گزر گئی۔ یہ چند لمحات بھی گزر جائیں گے وہ وقت جو خطاؤں میں گزرا یہ بھی نہ پائے گا جب گزر گیا۔

تفسیر صوفیانہ بعض صوفیہ کرام نے فرمایا کہ الشاھد وہی حق ہے من حیث الجمعیۃ، وہی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) نہیں ہوتے جب یہ معنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بیان کیا جائے۔ ہاں ضد بری بلا ہے اللہ تعالیٰ ضد سے بچائے اسی ضد نے ابلیس کو مروا ڈالا۔ اویسی غفرلہٗ

مشہود بھی ہے من حیث التفرقہ (کثرت) یا چاہو تو کہو من حیث الاجمال و من حیث التفصیل در حقیقت اسے کوئی نہیں دیکھتا اس کے سوا۔ بعض نے کہا الشاھد نفس الروح اور المشھود نفس الطبع۔ حضرت حسین رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ آیت علامت ہے اس کی کہ کون مکوّن سے نہ منفصل ہے نہ مقترن۔

تفسیر عالمانہ

قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ (کھائی والوں پر لعنت ہو) قسم کا جواب ہے بحذف اللام المؤکدہ یہ خبر ہے دعا نہیں۔ اب معنیٰ یہ ہے کہ کھائی والے ہلاک ہوئے اللہ تعالیٰ کے غضب و لعنت سے۔ لیکن زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ دعائیہ جواب پر دلالت کرتا ہے خبر یہ نہیں۔ القتل کنایہ از لعنت ہے اس حیثیت سے کہ قتل غلیظ ترین عقوبات سے ہے یہ ایسے سخت غصہ سے ہی واقع ہوتا ہے جو خیر اور اس رحمت سے بعید کرنے کا موجب ہے جس میں لعنت کا معنیٰ ہے گویا قتل لعنت کے لوازم سے ہے گویا کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان اشیار کی قسم یاد فرمائی کہ کفارِ مکہ ملعون ہیں کھائی والوں کی طرح۔ اظہریت کی وجہ یہ ہے کہ سورۃ وارد ہوئی اہلِ ایمان کی تثبت کے لیے کہ جس پر وہ ہیں وہ اس پر ثابت قدم رہیں اور کفار کی اذیتوں پر صبر کریں اور انہیں یاد دلایا گیا ہے کہ اہلِ ایمان کو پہلے بھی اسی طرح اذیتیں پہنچی رہیں وہ صبر کرتے تھے تم بھی صبر کرو اس طرح سے انہیں اس سے مانوس کرنا ہے اور صبر کی تلقین ہے کہ کفارِ مکہ سے جتنی بھی اذیتیں پہنچیں گھبراؤ نہیں اور یقین کرو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان ہے اور اذیت رساں کھائی والوں کی طرح ملعون ہیں اور اسی کے حقدار ہیں جو انہیں ملا۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ جملہ دعائیہ نہیں کیونکہ قسم یاد کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور دعا، عاجز کرتا ہے اور وہ عجز سے پاک ہے۔ اس کی تشریح سورۃ عبس میں گزری۔

حلِ لغات

الاخدود زمین میں شگاف ڈالنا۔ اور شق مستطیل جیسے نہر گہرائی والی یعنی عمیق القرار۔ یہ در اصل انسان کے خدین سے ہے یعنی وہ دو رخسار جو ناک کو دائیں بائیں گلے لگائے ہوئے ہیں۔ اور عین المعانی میں ہے کہ اسی سے ہے المجاری الدموع علیہ وہ جگہیں آنکھوں سے آنسو بہہ کر جاری ہوتے ہیں۔

شمار اصحاب الاخدود

وہ تین تھے،

(۱) انطیانوس رومی شام میں

(۲) بخت نصر فارس میں

(۳) یوسف ذونواس نجران میں۔ نجران (بتقدیم النون و تاخیر الجیم) یمن میں ایک جگہ ہے جو

؁۱۰ھ میں فتح ہوئی۔ نجران بن زیدان بن سبا، کے نام سے موسوم ہے۔

اصحاب الاُخدود کی وجہ تسمیہ

ان میں سے ہر ایک نے گڑھا کھودا جس کا طول چالیس گز اور عرض بارہ گز، اس گڑھے کو خدود کہا گیا اسے آگ سے پُر کر کے ان لوگوں کو اس میں ڈالا جاتا جو اہلِ ایمان اپنے دینِ حق کو نہ چھوڑتے اور مرتد ہو کر ان کے دین کو قبول نہ کرتے۔

ف : مفسرین فرماتے ہیں قرآن ان لوگوں کے حق میں نازل ہُوا جو نجران میں تھے یعنی اصحاب الاخدود، جو یہ ہیں:

ذو نواس الحمیرِی الیہودی اور اس کا لشکر۔

عبداللہ بن ثامر اور اس کے ساتھی

عبداللہ بن ثامر رضی اللہ عنہ ایک صالح انسان تھا نجران میں آیا وہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے دین پر تھا، نجران میں اس نے دین حق کی دعوت دی، بہت سے لوگوں نے ان کی دعوت (دین حق کی) قبول کی۔ ذو نواس مذکور (یہودی) لشکر لے کر ان کے ہاں پہنچ کر کہنے لگا نصرانیت ترک کر کے یہودیت (باطل اور منسوخ شدہ) قبول کر دیا پھر آگ میں جلنے کے لیے تیار ہو جاؤ، انہوں نے کہا کہ آگ میں جلنا منظور ہے لیکن دینِ حق چھوڑنا گوارا نہیں۔ ابو نواس نے خندقیں مذکورہ کھدوائیں اور انھیں آگ سے پُر کروا کر حضرت عبداللہ بن ثامر رضی اللہ عنہ کے ایک فرمانبردار (مرید) کو خندق میں ڈالنے کا حکم دیا یہاں تک کہ بارہ ہزار یا بیس ہزار یا ستر ہزار بندگانِ خدا کو آگ نے پھونک دیا۔

ف : ذو نواس کا نام زرعہ بن حسان تھا حمیر اور گرد و نواح کا بادشاہ تھا اسے یُوسف بھی کہا کرتے تھے اس کی زلفوں کی دو گرهیں ہر وقت متحرک رہتیں تنوس بمعنی تضطرب' نواس اس کے ساتھ ذو نسبت کا ہے۔

حکایت

مروی ہے کہ اہلِ نجران سے ایک شخص ایک جنگل میں گھوم رہا تھا اس کا نام تھا دوس ذو ثعلبانؔ، اس کو انجیل کا ایک جلا ہوا ورق کہیں سے ملا اسے حبشہ کے بادشاہ کے پاس لایا اور وہ نصرانی تھا کہا تیرے دین والوں کو آگ میں جلا دیا گیا اور ان کی بابت اگر یقین نہ آئے تو لو یہ جلا ہوا ایک ورق دیکھ لیجئے، اس سے بادشاہ گھبرایا اور روم کے بادشاہ کو لکھا کہ اس کی مدد کیجئے اور حبشہ ترکھان بھیجئے تاکہ اس کے لیے کشتیاں تیار کریں، بادشاہ روم نے اس کے لیے ترکھان بھیجے تاکہ کشتیاں تیار کریں، کشتیوں کی تیاری کے بعد وہ کشتیوں پر سوار ہو کر ساحل تک پہنچے ان کے مقابلہ میں اہلِ یمن بھی جنگ کے لیے نکلے۔ تہامہ میں خونریز جنگ ہوئی، حمیر بادشاہ مقابلہ کی تاب نہ لا کر گھبرایا کہ مبادا اسے گرفتار نہ کر لیں گھوڑے سمیت دریا میں چھلانگ لگا دی اور دریا میں ڈوب کر مر گیا۔

تو حبشہ نے حمیر پر غلبہ پالیا اور اس پر قابض ہوئے یہاں تک ظہورِ اسلام کے وقت ان کی بادشاہی بدستور رہتی۔[1]

مزید واقعات اصحاب الاخدود مع تبصرات

ننھے ولی اور بُت پرست کا مقابلہ

(یہ واقعہ صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ کے حوالہ سے اور فقیر ان کی عبارت کے ترجمہ کے ساتھ تفسیر عزیزی پارہ ۳۰ سورۃ البروج کے علاوہ صحیح مسلم و جامع ترمذی اور مسند احمد وغیرہ سے درج کرتا ہے۔ اویسی غفرلہٗ)

کشف الاسرار میں ہے کہ اصحاب الاخدود بُت پرست تھے از اصحاب ذونواس یمنی اس کے زمانہ میں ایک جادوگر تھا شعبدہ باز کاہن، اور بادشاہی کا دارومدار اسی کے شعبدوں اور جادو پر سمجھا جاتا تھا ایک دن کہا کہ بادشاہ سلامت! میں بوڑھا ہوگیا ہوں اور میرے قوٰی مجھے جواب دے گئے ؎

دیدہ از ہر شعاع تیرہ شود　　گوش وقت سماع خیرہ شود
نہ زباں را مجال گویائی　　نہ تن خستہ را توانائی

ترجمہ، آنکھیں ہر شعاع سے سیاہ ہوگئیں، کان سننے کے وقت بیکار ہو گئے نہ زبان کو بولنے کی طاقت نہ خستہ تن کو چلنے کی طاقت۔

بہتر ہے مجھے ایک نوجوان ہونہار ہوشیار دے دیا جائے، میں اسے جادو سکھادوں تاکہ بادشاہی امور میں خلل نہ آئے۔ چنانچہ مشارق الانوار میں ہے کہ دورِ سابق میں ایک بادشاہ تھا اس کا ایک جادوگر تھا جب وہ بوڑھا ہوگیا اور اس کے دانت گرنے لگے بادشاہ سے کہا میں بوڑھا ہوگیا ہوں میرے سپرد ایک نوجوان کیجئے تاکہ میں اسے جادو سکھاؤں۔ بادشاہ نے اس کے پاس ایک نوجوان بھیجا اس سے جادو سیکھنے کے لیے۔ راستے میں ایک راہب تھا، جب لڑکا جادوگر کے پاس جاتا تھوڑی دیر راہب کے پاس بیٹھ جاتا اور اس کی باتیں سنتا اس کی باتیں لڑکے کو بھاگئیں۔ اس طرح جادوگر کے پاس پہنچنے میں دیر ہو جاتی۔ ایک دن جادوگر نے لڑکے کو

---

[1] مفسرین کرام نے اصحاب الاخدود کے واقعات مختلف اور مختلف تبصروں کے ساتھ نقل فرمائے ہیں فقیر نے تفسیر عزیزی کے حوالہ سے صدائے نوی شرح مثنوی معنوی میں نقل کئے ان میں سے کچھ صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے نقل فرمائے ہیں کچھ فقیر کے اضافے ہیں اور کچھ تبصرے۔

اویسی غفرلہٗ

مارا پیٹا کر وہ دیر سے کیوں آتا ہے۔ لڑکے نے راہب سے شکایت کر دی۔ راہب نے کہا پھر تو پوچھے تو کہنا مجھے اور لوگوں کو ایک بلا نے روک لیا تھا، وہ شیر تھا یا اژدہا۔ چنانچہ واقعی دوسرے روز راستے میں اژدہا یا شیر کھڑا تھا، لوگ آنے جانے سے رکے ہوئے تھے۔ لڑکے نے کہا آج میں آزماتا ہوں کہ راہب افضل ہے یا جادوگر۔ چنانچہ دعا مانگی اور ایک ہاتھ میں لے کر کہا:

اللھم ان کان أمر الراهب أحب اليك	اے اللہ! اگر تیرے ہاں راہب کا معاملہ
من أمر الساحر فاقتل هذه الدابة	جادوگر سے محبوب تر ہے تو اس جانور
حتى يمضي الناس۔	(بلا) کو قتل کر دے تاکہ لوگ راستہ طے کریں۔

یہ کہہ کر پتھر جانور کو مارا، وہ جانور وہیں ڈھیر ہو گیا اور لوگ بآسانی راستہ طے کرنے لگے۔ لڑکا راہب کے پاس آیا اور تمام ماجرا کہہ سنایا۔ راہب نے کہا تیرا معاملہ مجھ سے بڑھ گیا تو مجھ سے افضل ہو گیا ہے، اب تیرے مرتبہ کو میں خوب پہچان گیا لیکن یاد رکھ عنقریب تیرا امتحان ہو گا مگر میرا نام نہ بتانا۔

اب لڑکے کی یہ شان ہو گئی کہ مادر زاد اندھوں کو انکھیارا کر دیتا، برص والے کو شفاء دیتا، بیماروں کو دعاؤں سے تندرست بنا دیتا۔ بادشاہ کے ایک ہم نشین نے جو اندھا تھا یہ سب کچھ سنا تو لڑکے کے پاس چلا آیا لڑکے کو بے شمار ہدایا و تحفے پیش کئے اور کہا اگر تو نے شفاء دے دی تو یہ سب ہدایا اور تحفے تیرے۔ لڑکے نے کہا میں کون ہوں شفاء دینے والا، شفاء تو اللہ تعالیٰ دے گا اگر تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے گا تو تیرے لیے دعا مانگوں شفاء وہی دے گا، وہ ایمان لے آیا اللہ تعالیٰ نے اسے شفاء دی۔ وہ سیدھا بادشاہ کے پاس چلا گیا اور وہ عہدہ سنبھال لیا جس پر وہ پہلے فائز تھا۔ بادشاہ نے پوچھا تو بینا کیسے ہو گیا کہا: اللہ تعالیٰ نے شفا دی۔ بادشاہ نے کہا: میرے سوا بھی کوئی اللہ ہے؟ کہا ہاں میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔ بادشاہ نے اسے سخت عذاب میں مبتلا کر دیا یہاں تک کہ اسے اس لڑکے کا نام بتانا پڑا۔ لڑکا بادشاہ کے پاس گرفتار کر کے لایا گیا۔ بادشاہ نے کہا: بیٹے! تیرا جادو بہت چل گیا تو مادر زاد اندھوں کو شفا دیتا اور برص والوں کو تندرست کرتا ہے۔ کہا میں نہیں میرا رب شفاء دیتا ہے۔ بادشاہ نے اسے بھی سخت عذاب میں مبتلا کر دیا یہاں تک کہ اسے راہب کا نام بتانا پڑا۔ راہب گرفتار کر کے لایا گیا اسے کہا کہ اپنا دین حق چھوڑ دے۔ راہب نے کہا: جان تو دے سکتا ہوں ایمان نہیں دے سکتا۔ بادشاہ نے آرہ منگوا کر اس کے سر پر رکھ کر اسے چیر دیا، دو ٹکڑے کر دیا۔ پھر لڑکے کو لایا گیا اسے کہا دین حق چھوڑ دے اس نے انکار کیا تو بادشاہ نے چند آدمی بلوائے اور حکم دیا کہ اسے پہاڑ پر لے جاؤ اور پہاڑ کی چوٹی پر سے اسے نیچے گرا دو۔ جب پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے تو لڑکے نے دعا مانگی:

اللّٰھم اکفنیھم بما شئت ۔ (اے اللہ! تو مجھے ان سے کافی ہو جیسے تُو چاہے)

یعنی ان کے شر سے بچا جس سبب سے تو چاہے ۔ چنانچہ پہاڑ متحرک ہُوا اور وہ سارے کے سارے پہاڑ سے نیچے لڑھک گئے (اور پاش پاش ہو گئے ۔ لڑکا بادشاہ کے پاس پہنچ گیا بادشاہ نے کہا وہ جو تیرے ساتھ گئے تھے ان کا کیا ہوا ؟ لڑکے نے کہا میرا رب تعالیٰ انہیں کافی ہُوا ۔ بادشاہ نے چند اور آدمیوں کو حکم دیا کہ اسے کشتی میں سوار کر کے دریا میں لے جاؤ اور درمیان میں جا کر اسے دریا میں پھینک دو اگر اپنے دین سے نہیں ہٹتا ۔ اسے دریا میں لے گئے ، اس نے پہلے کی طرح دعا مانگی ،

اللھم اکفنیھم بما شئت (اے اللہ! جیسے تُو چاہے ان سے مجھے کفایت فرما) یعنی بچا ۔ اس کی دُعا سے کشتی الٹی اور وہ سارے کے سارے غرق ہو گئے اور وہ لڑکا پھر بادشاہ کے پاس آ گیا بادشاہ نے پُوچھا ساتھیوں کا کیا ہوا ؟ کہا : میرا رب تعالیٰ ان کو کافی ہوا (یعنی وہ سب دریا میں غرق ہو گئے) لڑکے نے کہا اے بادشاہ ! تو مجھے ہرگز نہیں مار سکتا جب تک کہ جس طرح میں کہوں اس طرح نہ کرو ، بادشاہ نے کہا ، وہ کیا ؟ کہا : تمام لوگوں کو ایک میدان میں جمع کرو اور مجھے سُولی پر لٹکا دو ، پھر میرے کشکول سے تیر لے کر یہ لفظ کہہ کر مجھے تیر ماریں بسم اللہ رب الغلام (اس اللہ کے نام سے جو اس لڑکے کا رب ہے) چنانچہ بادشاہ نے اسی طرح کیا اور تیر پھینکا اور تیر کنپٹی لگا یعنی آنکھ اور کان کی جگہ ۔ لڑکا اپنا ہاتھ تیر والی جگہ (کنپٹی) پر رکھ کر فوت ہو گیا ۔ لوگوں نے یہ منظر دیکھ کر دینِ حق قبول کر لیا اور ایک زوردار نعرہ بلند ہُوا اٰمنّا بربّ الغلام (ہم سب اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے) ۔ لوگوں نے بادشاہ سے کہا کہ لیجئے جس چیز کی روک تھام کر رہے تھے وہی پیش آئی ۔ پہلے تو کوئی اِکّا دُکّا مسلمان ہوتا تھا اب خلقِ کثیر نے دینِ حق قبول کر لیا ۔ بادشاہ نے غصّہ میں آ کر بڑی بڑی خندقیں کُھدوائیں (یہ خندقیں چالیس چالیس گز طول میں اور بارہ بارہ گز عرض میں تھیں) اور ان کو خوب آگ سے بھروا کر اعلان کر دیا کہ جو شخص اپنے دین سے نہ پھرے گا اسے ان خندقوں میں جھونک دیا جائے گا ۔ لوگ آگ میں ڈالے جا رہے تھے لیکن دینِ حق سے نہیں ہٹتے تھے ۔ ایک مومنہ عورت لائی گئی جس کے پاس شیر خوار بچہ تھا ، شاید بچے کی وجہ سے آگ میں گرنے سے گھبرائی ۔ بچے نے خدا کے حکم سے آواز دی اماں صبر کر تو دین حق پر ہے ۔ بعض روایات میں ہے کہ اس بی بی کے تین بیٹے تھے ، ان میں ایک شیر خوار ، دو بڑے تھے ۔ بادشاہ نے اس بی بی سے کہا کہ اپنا دین ترک کر دے ورنہ تجھے بمع لڑکوں کے آگ میں جھونک دوں گا ۔ بی بی نے کہا ہم جان تو دے سکتے ہیں مگر دینِ حق نہیں چھوڑ سکتے ۔ اس کے انکار پر اس کے بڑے لڑکے کو آگ میں ڈال دیا گیا ، پھر کہا اے عورت ! اپنا دین چھوڑ دے لیکن عورت دینِ حق پر ڈٹی رہی ۔ بادشاہ نے اس کے دوسرے بیٹے کو بھی آگ میں جھونک دیا پھر عورت سے

کہا کہ اپنا دین ترک کر دے۔ کہا میں دینِ حق نہیں چھوڑ سکتی۔ پھر اس کے شیرخوار بچے کو اس سے چھین کر آگ میں پھینک دیا، اس پر عورت کا دل لرز گیا لیکن بچے نے مرنے کے بعد کہا امّاں! مت گھبرا تو دینِ حق پر ہے، تجھے کوئی خطرہ نہیں[لہ]۔

[لہ] بادشاہ اور اس کے وزیر خندقوں کے آس پاس بیٹھے نہایت سنگدلی سے مسلمانوں کے جلنے کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ بدبختوں کو ذرا رحم نہ آتا تھا ان مسلمانوں کا صرف یہ قصور تھا کہ کفر کی ظلمت سے نکل کر ایک زبردست اور ہر طرح کی تعریف کے لائق خدا پر ایمان لائے تھے جس کی بادشاہت سے زمین و آسمان کا کوئی گوشہ باہر نہیں، جو ہر چیز کے ذرہ ذرہ احوال سے باخبر ہے۔ جب ایسے خدا کے پرستاروں کو محض اس جرم پر کہ وہ کیوں اس اکیلے کو پوجتے ہیں آگ میں جلایا جائے تو کیا یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ ایسا ظلم و ستم یونہی چلتا رہے گا اور وہ خداوند قہار ظالموں کو سخت ترین سزا نہ دے گا!

مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا غضب آیا، وہی آگ پھیل گئی اس نے بادشاہوں اور امیروں کے سارے گھر جلا ڈالے۔

یاد رکھیے کہ یہ بات کچھ اصحابِ اُخدود پر منحصر نہیں جو لوگ ایمان داروں کو دینِ حق سے برگشتہ کرنے کی کوشش کریں گے جیسے کفارِ مکہ کر رہے تھے پھر اپنی ان نالائق حرکات سے تائب نہیں ہوں گے ان سب کے لیے دوزخ کا عذاب تیار ہے جس میں بے شمار قسم کی تکلیفیں ہوں گی اور بڑی تکلیف آگ لگنے کی ہو گی جس میں دوزخی کا تن من سب گرفتار ہو گا۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفسیر میں بیان فرمایا ایک قصہ نجران کی سرزمین میں ہوا یہ شہر ملک یمن میں واقع ہے۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ ایک شخص مسلمانوں میں سے (اس وقت مسلمان انجیل ہی کے تابعدار تھے) ایک شخص کے مکان پر آ کر نوکر ہوا اور رات دن اس کے دروازے پر بیٹھا رہتا تھا تاکہ جس کام کا حکم ہو بجا لاؤں اس مسلمان شخص کو انجیل مقدس یاد تھی ہمیشہ اس کو پڑھتا رہتا تھا۔ اس مذکورہ شخص کی بیٹی کو ایسا نظر آیا کہ انجیل پڑھنے کے وقت ایک نورِ عظیم اس کے سینے سے نکلتا ہے اور جہان میں پھیل جاتا ہے۔ لڑکی نے اپنے باپ کے پاس اس عجیب بات کا ذکر کیا تو اس کے باپ نے بھی اس کے انجیل پڑھنے کے وقت ایک سوراخ سے جھانکا کہ فی الواقع ایک نورِ عظیم ظاہر ہوتا ہے اُس نوکر سے پُوچھا کہ یہ کیا کلام ہے؟ اور اس کی تاثیر کیا ہے؟ کہ تجھ سے سُنتے ہیں اور دیکھتے ہیں۔ وہ مسلمان

(باقی صفحہ آیندہ پر)

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ بادشاہ نے شیر خوار بچّے کی ماں کو کہا کہ آگ تیرے سامنے ہے جو بجھنے والی نہیں، یہ کہہ ماں بیٹے کو آگ میں جھونک دیا اور یہ شیر خوار بچہ وہ ہے جو گہوارے میں بولا تھا وہ شیر خوار دوسرے ان بچوں میں سے تھا جنہوں نے شیر خوارگی میں گہوارہ میں کلام کیا، ان سب کی تفسیر سورۂ یوسف میں گزری ہے۔

۹۰ سال پہلے یہ قصہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادتِ اقدس سے نوّے سال پہلے ہُوا۔

مسئلہ : اس حدیث شریف میں کراماتِ اولیاء کا اثبات ہے۔

مسئلہ : اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جان بچانے کے وقت جھُوٹ بولنا جائز ہے خواہ جان کا خطرہ اپنے لیے ہو یا دوسرے کے لیے۔

واہ ننّھا ولی مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ایک ویران جگہ کو کھودا گیا تو وہ ننّھا ولی جس کا قصہ اوپر مذکور ہُوا جسے بادشاہ نے شہید کیا تھا، اُسے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) وہاں کے بادشاہ کے خوف سے اور رؤسا کے ڈر سے اس بھید کو چھپاتا تھا۔ لیکن وہ گھر والا اس کا پیچھا نہ چھوڑتا تھا اور تنگ کرتا تھا، یہاں تک کہ ناچار ہو کر دین اسلام اور انجیل مقدس کا احوال اس سے بیان کیا، پس وہ اہل خانہ اور اس کی بیٹی (دونوں) فی الفور مسلمان ہو گئے اور انجیل پڑھ اس کی تلاوت میں مشغول رہنے لگے۔ رفتہ رفتہ یہ بات اس شہر میں مشہور ہوئی تو ستّاسی آدمی مشرف بہ اسلام ہوئے یہاں تک کہ یوسف نواس حمیری کے بیٹے نے جو اس شہر کا بادشاہ تھا اور بت پرستی میں مستغرق تھا ان سب مسلمانوں کو (جو نوّے آدمی تھے) اپنے حضور میں بلایا اور ایک خندق کھدوائی اور خوب آگ سے بھڑکائی اور حکم دیا کہ تم لوگ اگر عیسٰی کے دین سے نہ پھرو گے تو تم کو اس میں جلا ڈالوں گا۔ اس جماعت میں بھی ایک عورت بچّے والی تھی دُودھ پیتا بچّہ اس کی گود میں تھا۔ اس شیر خوار بچّے نے بلند آواز سے کہا کہ ماں بسم اللہ اس آگ میں گھُسو اس کا بدلہ ہمیشہ رہنے کی بہشت ہے۔ پھر جب مسلمان ہلاک ہو چکے بادشاہ اور اس کے صاحب خندق کے پاس کُرسیوں پر بیٹھے تھے کہ یکایک اس آگ کے شعلے ایسے بھڑکے کہ ان سب کو جلا کر خاکستر کر دیا اور قصہ حضرت عیسٰی کے آسمان پر اُٹھ جانے کے بعد واقع ہُوا تھا۔ اُس روز سے نجران کے لوگوں نے دین نصرانی کو حق جان کر قبول کر لیا۔ چنانچہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے تک اُسی دین پر تھے۔ ان کے سردار سیّد اور عاقب وغیرہ تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت کو مدینہ منورہ میں آ کر حضرت عیسیٰ کے متعلق بحث و تکرار کی تھی اور آیتِ مباہلہ انہی کے جواب میں نازل ہوئی تھی۔

اویسی غفرلہٗ

دیکھا گیا کہ وہ بدستور اپنی انگلی کنپٹی پر رکھے ہوئے ہے۔ جب انگلی کنپٹی سے ہٹائی گئی تو خون بہنے لگا، جب انگلی کنپٹی پر پھر رکھی گئی تو خون رُک گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک انگشتری تھی جس پر لکھا تھا، ربی اللہ (میرا رب اللہ تعالیٰ ہے) اس کی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کو اطلاع دی گئی آپ نے جواب لکھا کہ اسے چھپا کر اوپر مٹی ڈال دو۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھا کہ اس صاحب الاخدود بچے کو اپنے حال پر چھوڑ دو یہاں تک کہ اسے اللہ تعالیٰ قبر سے بعث و نشور کے لیے اٹھائے۔

آخری قصہ از اصحاب الاُخدود

فارس کی زمین میں واقع ہوا تھا اس کی کیفیت حضرت امیر المومنین علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے منقول ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ مجوسی بھی اصل میں کتاب آسمانی رکھتے تھے اور ایک پیغمبر کے دین کے تابع تھے اور شراب ان کے دین میں بدن کے نفع کے واسطے اس قدر حلال تھی جو بے ہوش نہ کرے۔ ایک روز مجوسیوں کے بادشاہ نے شراب بہت زیادہ پی لی اور اس مستی کی حالت میں اپنی بہن سے صحبت کی، جب ہوش آیا تو نہایت نادم اور پشیمان ہوا اور اپنی بہن سے اس عار کی تدبیر پوچھی۔ بہن نے کہا کہ اس کی تدبیر یہ ہے کہ تو بہن کے حلال ہونے کا دعویٰ کر، اور کہہ کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں بھی بہن بھائی کا نکاح ہوتا تھا میں بھی اُسی وضع پر قائم ہوں۔ بادشاہ نے لوگوں کو جمع کر کے اس مذہب اور مسئلہ کو بیان کیا، لوگوں نے ہرگز قبول نہ کیا پھر بادشاہ کی بہن نے کہا کہ ان کو کوڑوں سے مارو۔ اس نے ایسے ہی کیا۔ لیکن لوگوں نے قبول نہ کیا۔ پھر اس کی بہن نے کہا کہ ان کی گردن مار۔ اُس نے ویسے ہی کیا۔ لیکن لوگوں نے اسے بھی قبول نہ کیا۔ پھر اس نے کہا کہ خندقیں کھدواؤ اور ان پر ایندھن بھروا کر آگ ڈلوا دے، جب آگ خوب دہک جائے تو حکم کر کہ جو کوئی اس مسئلہ سے انکار کرے اس کو آگ میں پھینک دو۔[1] انہی لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قتل اصحب الخدود الخ

---

[1] قدرتِ الٰہی سے عین لوگوں کے جلانے کی حالت میں خود بھی جل گیا، اس روز سے مجوس کے مذہب میں آتش پرستی اور بہن کا حلال ہونا جائز ہوا۔

ولیہ کاملہ کی کرامت

اس قسم کا واقعہ تفسیر زاہدی میں منقول ہے کہ بنی اسرائیل میں مسلمانوں کا ایک شہر تھا اس میں قحط پڑا تو مسلمان اس شہر کے غول کے غول حبش کی طرف بھاگ گئے حبش کے کافروں نے اپنے بادشاہ سے عرض کی کہ اگر یہ قحط زدہ مسلمان اس شہر میں آئیں گے تو

(باقی صفحہ آیندہ پر)

النَّارِ اخدود سے بدل الاشتمال ہے کیونکہ اخدود نار (آگ) پر مشتمل تھی اور اخدود آگ سے ہی زیادہ ہیبت ناک ہوئی اور سخت ہولناک۔ گویا معنٰی یہ ہے کہ آگ اخدود میں۔ یا ال ضمیر کے قائم مقام ہے جیسا کہ

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) ہم پر غلّہ کی تنگی ہو جائے گی اور یہاں بھی قحط پڑ جائے گا۔ بادشاہ نے حکم دیا تو شہر کے دروازہ پر ایک خندق کھودی گئی اور اس کو آگ سے بھر دیا گیا اور بادشاہ خود بھی اپنا تخت بچھا کر وہاں بیٹھا اور ایک ہاتھی کے برابر (بڑا) بُت وہاں کھڑا کیا اور شہر میں منادی کرا دی کہ ان غریب الوطن اور باہر سے آئے ہوؤں میں سے جو کوئی بُت کو سجدہ نہ کرے تو اس کو آگ میں جھونک دو۔ اتفاقاً ایک مسکین عورت کہ اس کی گود میں بچّہ تھا پکڑ کر لائے اور اس سے کہنے لگے کہ اس بت کو سجدہ کر۔ اس نے کہا معاذ اللہ۔ بادشاہ نے خفا ہو کر کہا کہ اس کے بچّے کو اس سے چھین کر آگ میں ڈال دو۔ جب بچّہ اس سے چھین کر آگ مین ڈال دیا گیا تو وہ ماں نہایت بیقرار ہو گئی، تب اس بچّہ نے آگ کے اندر سے آواز دی کہ اے امّاں! کچھ خوف نہ کر، بے دھڑک چلی آ کہ یہ آگ نہیں ہے پھول ہے۔ اس عورت نے ہاتھ اٹھا کر جنابِ باری میں دُعا کی "یا رب! تُو دیکھتا ہے اور جانتا ہے تیرے رُوبرو بیان کرنے کی حاجت نہیں"۔ فی الفور اس آگ سے ایک شعلہ چالیس گز اونچا اُٹھا اور ان پر قنات کی مانند ہو کر سب کو گھیر لیا اور ایک ایک کو جلا دیا۔

ف: ان ظالموں کو دنیا میں ہی ہاتھوں ہاتھ صلہ ملا، انھیں ذرا مہلت نہ ملی اور ان کا کام الٹا ہو گیا۔ یعنی جو آگ اہلِ ایمان کے لیے تیار کی تھی اس میں خود ہی جل گئے۔

ف: ان کافروں کو مسلمانوں کے ایمان لانے پر عداوت تھی برخلاف اور کافروں کے کہ باوجود مسلمان کے ایذا دینے کے سالہا سال مہلت پائی اور وجہ صرف یہی تھی کہ ان کی عداوت ایمان کی وجہ سے نہ تھی بلکہ ریاست کی طمع اور مال وجاہ کی امید اُس میں ملی ہوئی تھی اور ان لوگوں کو عداوت خالص ایمان کے لیے تھی حالانکہ وہی ایمان صحیح تھا۔

فی الواقع اُس جماعت نے ظلم میں کمال درجے کی زیادتی کی تھی کہ ایسی جلد سزا کو پہنچی کیونکہ دوسرے ظالم جو کسی پر ظلم کرتے ہیں اپنے رُوبرو مار دھاڑ نہیں کرتے بلکہ ملازموں کو حکم دیتے ہیں کہ مجرموں کو سزا دیں اور یہ ظالم جو خندق والے تھے ایمان والوں سے ظلم اپنے روبرو کرواتے تھے۔

حجاز کے ملک کے قریب چار بستیوں میں جیسا کہ اوپر بیان ہوا یہ واقع ہُوا۔ ان چاروں قصّوں سے مراد اہلِ مکّہ کو ڈرانا ہے تاکہ وہ عبرت پکڑیں۔ پہلا قصّہ ملک شام میں ہُوا جس کو صہیب رومی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، دوسرا یمن کے ملک میں، تیسرا فارس کے ملک، چوتھا بنی اسرائیل قوم کے علاقہ میں۔

(تفسیر عزیزی از حضرت شاہ عبدالعزیز) اویسی غفرلہٗ

maarfat.com

اہلِ بصرہ و کوفہ کے مذہب کا اختلاف ہے ذَاتِ الْوَقُوْدِ (بھڑکتی آگ والی) صاحبِ آتش، ایندھن سے جلائی ہوئی۔

حلِ لغات الوقود وہ شے جس سے آگ جلائی جائے یعنی ایندھن، اس میں آگ غایۃ عظمت اور شعلوں والی ہے اور ان کی کثرت پر دلالت کرتی ہے جو اس میں شعلوں کے ارتفاع اور غایۃ عظمت پر دلالت کرتی ہے یعنی لکڑیوں اور لوگوں کے بدن میں سے (جو اس میں جلائے جا رہے تھے) اسی معنیٰ پر اس کی ام استغراقی دلالت کرتی ہے۔ اگر یہ معنیٰ نہ لیا جائے تو اسے ایسی توصیف کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ نار لکڑیوں کے بغیر نہیں جلتی اُس آگ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور وُہ جو کچھ مسلمانوں کے ساتھ ظلم و ستم کر رہے تھے اس کو دیکھ رہے تھے ان کے ملعون ہونے کی خبر دینے سے مومنین کو تسلی دینا ظاہر ہے کہ اس طرح جو کافر اس وقت مسلمانوں پر ظلم کر رہے ہیں وہ بھی گرفتارِ لعنت ہوں گے جس کا اثر خواہ دنیا میں مرتب ہو جیسے بدر وغیرہ میں مقتول و مخذول ہوئے یا صرف آخرت میں، جیسا کہ عام کفار کے لیے یقینی ہے اور دشمن کے عذاب کی خبر سے تسلی ہونا امرِ طبعی ہے اور ان لوگوں کا بیٹھنا اُس ظلم و ستم کے انتظام اور نگرانی کے لیے تھا اور شہود میں علاوہ نگرانی کے اُن لوگوں کی سنگدلی کی طرف اشارہ ہے کہ دیکھ کر بھی رحم نہ آتا تھا اور اس کو حکم باللعن میں خاص دخل ہے کہ یہ سنگدلی عللِ لعنت سے ہے اور ان کافروں نے اُن مسلمانوں میں اور کوئی عیب نہیں پایا تھا سوائے اس کے کہ وہ خدا پر ایمان لے آئے تھے۔

اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ (جب وہ اس پر بیٹھے تھے) اذ ظرف قُتل کے متعلق ہے اور ضمیر اصحٰب الاخدود کی طرف راجع ہے۔ قعود 'قاعد کی جمع ہے یعنی ملعون ہوئے جب اہلِ ایمان کو آگ سے جلایا درانحالیکہ وہ آگ کے ارد گرد بیٹھے ہوئے تھے اونچے مکانوں پر جو آگ کے کناروں پر تھے۔

ف : لفظ علیٰ اس معنیٰ کا مشعر ہے جیسے کہا جاتا ہے مررت علیہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے اونچے مکان سے گزرا جو اس کے قریب ہے۔

بعض تفاسیر میں ہے کہ وہ تختوں اور کرسیوں پر بیٹھ کر آگ میں پھینکے جانے والوں کا تماشا دیکھ رہے تھے کیونکہ اگر وُہ آگ پر بیٹھتے تو جل جاتے۔

خلاصہ یہ کہ قاتلین اونچے مکان وغیرہ پر بیٹھ کر تماشا دیکھتے تھے۔ اہلِ ایمان کو آگ پر لایا جاتا اگر وہ دینِ حق کو چھوڑ دیتا تو اسے چھوڑ دیتے ورنہ اسے آگ میں ڈال دیتے اور وہ جل جاتا۔

حدیث شریف : وکان علیہ السلام اذا ذکر اصحٰب الاخدود تعوذ باللہ من جہد البلاء (حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب اصحاب الاخدود کا ذکر فرماتے تو سخت ترین بلاء سے

پناہ مانگتے)

ف : جهد البلاء سے مراد وہ حالت ہے جس سے موت اختیار کرنی پڑے یا کثرۃ عیال اور فقر کما فی القاموس، اور الجهد (بالفتح) بمعنی مشقت اور جهد عیشہ جیسے فرح بمعنی نکد و اشتد (یعنی سخت ہوا)

وَهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ (اور وہ خود گواہ ہیں جو کچھ مسلمانوں کے ساتھ کر رہے تھے) یعنی ہر ایک بادشاہ کو گواہی دیتا کہ ہم نے آپ کے حکم کی تعمیل میں کوتاہی نہیں کی کہ مومن کو آگ میں ڈالنے پر کوئی رحم نہیں کیا اور نہ ہی شفقت کی۔ یا قیامت میں گواہی دیں گے کہ اہلِ ایمان کے ساتھ کیا کیا، یعنی ان کی زبانیں اور ہاتھ اور پاؤں ان کے کرتوت کی گواہی دیں گے اسی معنی پر مضمون قصہ آنی کا یہی تقاضا ہے اور روایات اسی پر ناطق ہیں۔

ف : بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ وہ سرکش لوگ جنھوں نے اہلِ ایمان کو آگ میں ڈالا تھا وہ آگ کے ارد گرد تماشائی بنے بیٹھے تھے۔

کرامت اہلِ ایمان

ایک روایت میں ہے کہ وہ آگ چالیس گز اونچی ہوئی اور ان سرکشوں کو جلا دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو نجات دی اور وہ صحیح و سالم رہے۔ اور برا مکر (تدبیر) خود اہلِ مکر ہی کو گھیرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کی ارواح آگ میں جلنے سے پہلے ہی قبض کر لی، جیسے بی بی آسیہ رضی اللہ عنہا زوجۂ فرعون سے کیا جیسے گزرا (پ ۲۸ آخری رکوع میں) اسی پر محمول کیا ہے۔ ولهم عذاب الحريق في الدنيا (اور ان کے لیے دنیا میں جلا دینے والا عذاب ہے) (یعنی ان کے لیے دنیا میں آگ کا اور آخرت میں جہنم کا عذاب ہے۔ اویسی غفرلہٗ)

تفسیر صوفیانہ

اس میں اشارہ ہے کہ نفوس متمردہ متکبرہ اور جناب حق سے روگردانی اور دائمی عذاب نیران کے مستحق اور رسوائی اور خسران کے مارے ہوئے ہیں اور جلے ہوئے ہیں اخلاق ردیئہ کے آگ سے سنگار کئے ہوئے ہیں اوصاف خبیثہ نفسیہ ہوائیہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ وہ بیٹھے ہوئے ہیں ارتکابِ شہوات اور لذات کے انہماک میں اور نفس اور خواہشات نفسانیہ اور ان کے قوائے طبیعیہ ان کے بعض بعض پر گواہی دیں گے اپنے ان کرتوتوں کی جو مومنین یعنی روح و سر و قلب کے ساتھ کرتے تھے یعنی اُن کی مخالفت و مجادلہ و مخاصمہ کرتے تھے۔

تفسیر عالمانہ

وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ (اور انہیں مسلمانوں کا کیا برا لگا) اور کون سے عیوب تھے۔

حلِ لغات : کہا جاتا ہے نقم الامر اذا عابه وكرهه (کوئی امر عیب کیا اور اس سے ہے

کراہت کی) المفردات میں ہے ، نقمت الشئ اذا انکرتہ اما باللسان و اما بالعقوبة (میں نے شے سے کراہت کی زبان سے یا سزا سے)

اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ (یہی ناکہ وہ ایمان لائے اللہ عزت والے تمام خوبیوں والے پر)

سوال : لفظ مضارع سے کیوں ، حالانکہ ان سے تو ایمان زمانۂ ماضی میں پایا گیا تھا۔

جواب : اس پر استمرار و دوام کی وجہ سے جو آنے والے زمانوں میں انہوں نے استقلال کا عزم بالجزم ظاہر کیا کیونکہ اگر وہ مستقبل میں کفر کرتے تو پھر ان پر گذشتہ کفر پر عذاب کیسا ، گویا کہا گیا کہ یہی نا کہ وہ اپنے ایمان پر استمرار اور مداومت کر رہے ہیں۔

سوال : حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمعصر جادوگروں نے مضارع کا صیغہ کیوں کہا جب ایمان لائے تو فرعون نے ان کو عذاب دیا تو کہا وما تنقم منا الا ان اٰمنا بایٰات ربنا (اور تو ہم پر عذاب نہیں کرتا مگر اس لیے کہ ہم ایمان لائے اپنے رب تعالیٰ کی آیات پر)

جواب : کیونکہ ان کا موسیٰ پر ایمان لانا فرعون کے نزدیک بُرا تھا اس کے نزدیک ان سے بدلہ لینا واجب تھا (اسی لیے وہ صیغہ مضارع بول رہے تھے)

ف : استثنا مفرغ ان کی برأت کی خبر دیتا ہے کہ ان پر جس طرح کا الزام لگایا جا رہا ہے وہ اس سے بیزار ہیں ، جیسے کسی شاعر نے کہا : ؎

ولا عیب فیہم غیر ان سیوفہم
تلام بنسان الاحبة والوطن

ترجمہ : ان میں کوئی عیب نہیں سوائے اس کے ان کی تلواریں کند ہیں محبوبوں کے تیروں اور وطن کی وجہ سے۔

یعنی جسے یہ لوگ عیب سمجھ رہے ہیں درحقیقت عیب نہیں ، جیسے شاعر نے جس شے کو عیب بتایا ہے وہ درحقیقت عیب نہیں اور نہ ہی اس لائق ہے کہ اسے عیب شمار کیا جائے قول شاعر میں استثنا ہمارے مسئلہ کے منافی نہیں کیونکہ شاعر اگرچہ محض دعویٰ کر رہا ہے اور ہمارا مسئلہ تو تحقیقی ہے (محض شعر کی تمثیل سمجھانے کیلئے ہے)

ف : اللہ تعالیٰ کی صفتِ عزیز کا معنیٰ ہے وہ ذات جس کے عذاب کا خوف ہو ، اور حمید کا معنیٰ ہے منعم جس سے ثواب کی امید ہو ، اس کی تاکید کی اگلے ارشاد سے الذی ملک السمٰوٰت والارض (اسی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی سلطنت) اس میں آگاہ کرنا ہے کہ ان (اہلِ ایمان) کے ایمان کا تعلق

کیسی ذات سے ہے۔ ملک بمعنی بادشاہی، اور اس صفت کو مؤخر کیا اس لیے ملک تام حاصل نہیں ہوتا جب تک قدرت کامل حاصل نہ ہو، اس پر لفظ عزیز دلالت کرتا ہے، ایسے ہی جب تک اسے علم کامل حاصل نہ ہو وہ افعالِ حمیدہ پر قدرت نہیں رکھتا۔

نکتہ: کشف الاسرار میں ہے کہ ذاتِ الٰہی کو ان صفات سے اس لیے موصوف کیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ وہ کفار کی چند روز کی مہلت اس لیے نہیں دیتا کہ وہ کفار پر عذاب کرنے پر قادر نہیں بلکہ اس کا ارادہ یہ ہے کہ جن اہلِ ایمان کو کفار اذیتیں دے رہے ہیں وہ کمال ثواب کو پہنچ جائیں جو اس کے بغیر وہ کسی دوسرے عمل سے نہیں پہنچ سکتے علاوہ ازیں اسی طرح اس کی سابق قضاء و قدر میں لکھا جا چکا ہے۔

ف: اس میں کفار کی مذمت ہے ان کی انتہائی جہالت پر کہ وہ اپنے ایسے برے افعال کو اپنی مدح اور تعریف سمجھتے ہیں بلکہ وہ مدح کے سبب کو عیب اور عیب کے سبب کو مدح خیال کرتے ہیں۔

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر گواہ ہے) یعنی خدا مومن و کافر کے جملہ اقوال و افعال پر گواہ ہے اور جانتا ہے۔

ف: اس میں اہلِ ایمان کے لیے وعدہ کریمہ اور کفار عذاب کرنے والے کے لیے وعید شدید ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا علم جملہ اشیاء کو تفصیلی ہے منجملہ ان کے فریقین (کافر و مومن) کے اعمال ہیں جو جزا اور سزا کامل کا سبب ہے۔

حاضر و ناظر کی تحقیق

حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

الشهيد العليم ومنه قوله تعالىٰ شهد الله اى علم الله والشهيد الحاضر وحضوره بمعنى علمه ورؤيته وقدرته والشهيد مبالغة من الشاهد. و اذا علم العبد أن الله تعالىٰ شهيد يعلم أفعاله و يرى أحواله سهل عليه ما يقاسيه لاجله.

(ص ۲۹۰)

شہید بمعنی علیم ہے اسی سے ہے شہد اللہ بمعنی علم اللہ، شہید بمعنی حاضر ہے اور اس کا حضور بمعنی علم و رؤیۃ و قدرت اور شہید شاہد کا مبالغہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے جب کسی کا عقیدہ ہو کہ وہ شہید ہے یعنی اس کے جملہ افعال کو جانتا ہے اور تمام احوال کو دیکھتا ہے تو جو گناہ اس سے سرزد ہونے کا امکان ہے وہ اس قیاس سے صادر نہ ہوگا۔

(یہی الفاظ حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے مستعمل ہیں یعنی شاہد و شہید،

اور ان دونوں کا معنی حاضر و ناظر ہے ولکن الوہابیۃ قوم لا یعقلون ۔ اویسی غفرلہٗ)

حکایت

ایک شخص برائیوں کے ارتکاب پر خوب مارا جاتا ہے لیکن وہ صبر کرتا ہے یہاں تک کہ اس سے کسی قسم کی چیخ و پکار نہ سنی جاتی ۔ کسی نے پوچھا ، اتنی شدید مار پر اتنا صبر کیوں ! کیا تجھے اس سے درد محسوس نہیں ہوتا ؟ کہا کیوں نہیں ہوتا لیکن میں چیختا چلاتا اس لیے نہیں کہ مجلس میں میرا ایک محبوب موجود ہوتا ہے ، اگر میں چیخوں چلاؤں اس سے میرے چہرے کی رونق بگڑ جائے گی اور وہ مجھے دیکھ رہا ہوتا ہے میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے منغص نہ ہو ۔

سبق : جو اللہ تعالیٰ کی محبت کا دم بھرتا ہے پھر چیونٹی یا مچھر کی یا کسی ادنیٰ کی اذیت پر صبر نہیں کرتا تو پھر وہ اپنی محبت میں کیسے سچا ہو سکتا ہے اسی لیے کہا جاتا ہے کہ قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کفر پر اکراہ سے صبر اولیٰ ہے اگرچہ کتنا ہی عذاب ہو صرف اللہ تعالیٰ کے خوف سے ، لیکن شرع میں زبان کفر کے اجرا کی رخصت بھی ہے ۔

حکایت مسیلمۃ الکذاب

مسیلمۃ الکذاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دو صحابیوں کو گرفتار کر کے ایک سے پوچھا ، کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں خدا کا رسول ہوں (معاذ اللہ) اس نے اقرار کیا تو اُسے چھوڑ دیا ، دوسرے سے کہا تو اس نے کہا ، تو جھوٹا ہے ۔ اسے شہید کر دیا ۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اما الذی ترکہ فاخذ بالرخصۃ فلا تبعۃ علیہ و اما الذی صبر فاخذ بالفضل فھنیئا ۔	جس نے مسیلمۃ الکذاب کی رسالت کی گواہی دی اس نے رخصت پر عمل کیا اس پر کوئی باز پرس نہیں اور جس نے صبر کیا اور شہید ہو گیا اس نے فضیلت پر عمل کیا اسے مبارک ہو ۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات النجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے یعنی سماوات الارواح و ارض الاشباح والاجساد پر شہید یعنی حاضر ہے اس لیے کہ وہ سب اسی کے مظہر ہیں اور ذاتاً و صفاتاً و اسماءً کا ظہور انہی میں ہے اس لیے کہ ذات جمیع توابع وجودیہ کو مستلزم ہے ۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّ الَّذِیْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (بے شک جنہوں نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو ایذا دی)

حل لغات : الفتن سے مراد ان کا آگ میں جلانا مراد ہے اور فتنہ بمعنی ایذا دینا یعنی انہیں ان کے

دین کے بارے میں آزمایا اور ایذار اور عذاب کیا جس طرح ان سے ہوسکا تاکہ وہ دین حق کو چھوڑ دیں، جیسے اصحاب الاُخدود اور دوسرے ظالموں نے کیا جیسے کفار سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ پر عذاب کرتے تھے وغیرہ۔ اس معنیٰ پر موصول جنس کے لیے ہے۔

نکتہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ابتلار سے بلار پہلے کیوں دفع نہ کی وہ اس لیے کہ اہل الولار کوئی محبوبِ خدا ابتلار سے خالی نہیں ہوتا سہ

وھیھات ھیھات الصفاء لعاشق
وجنۃ عدن بالمکارہ حفت

ترجمہ ، عاشق سے آرام وقرار بہت دُور ہے اس لیے کہ جنت عدن تکالیف وغیرہ کے گھیرے میں ہے۔

ثُمَّ بعد اس کے کہ کیا جو کچھ کیا **لَمْ يَتُوبُوا** پھر توبہ نہ کی اپنے کفر وفتنہ سے اس لیے کہ وہ جو مذکور ہوا فتنہ فی الدین سے وہ کافر کے دین سے بھی متصور نہیں ہوسکتا۔

نکتہ لفظ ثم لانے میں آگاہ کرنا ہے کہ وُہ کریم کیسا حلیم ہے کہ قہر میں جلدی نہیں کرتا بلکہ توبہ قبول کرلیتا ہے خواہ کتنا ہی عرصہ گناہ میں گزر جائے۔

مسئلہ : امام (فخر الدین رازی رحمہ اللہ) نے فرمایا کہ اس (اہلسنت) کی دلیل ہے کہ قاتل کی توبہ قبول ہے۔

فَلَهُمْ (تو ان کے لیے) آخرت میں ان کے کفر کے سبب سے **عَذَابُ جَهَنَّمَ** جہنم کا عذاب ہے جو ہمیشہ عذاب میں رہیں گے **وَلَهُمْ** (اور ان کے لیے) بسبب ان کے اہلِ ایمان کے فتنہ کے **عَذَابُ الْحَرِيقِ** آگ کا عذاب یا عظیم عذاب جو ان کے جلانے میں دوسرے جہنمیوں کے عذاب سے زائد ہو، اس سے دونوں معطوفوں کی مغایرت ظاہر ہوگئی اگرچہ وہ ایک دوسرے میں سے ظاہر ہیں اور یہ بھی ہے کہ عذاب جہنم سے سردی یعنی زمہریر کا عذاب اور عذاب الحریق سے جلانے کا عذاب مراد ہو کیونکہ جزار از جنس عمل ہوتی ہے۔

حل لغات الحریق اسم بمعنی احتراق حرقۃ کی طرح۔ اور علامہ کاشفی رحمہ اللہ کا کہنا کہ عذاب الحریق بمعنی آتش سوزاں کا عذاب اشارہ کرتا ہے کہ حریق بمعنی نار محرقہ ہے جیساکہ المفردات میں فرمایا کہ الحریق بمعنی النار۔ ایسے الحرق (بالتحریک، نار یا اس کا شعلہ (القاموس) اور حرق الشئ بمعنی بغیر شعلے کے شے میں حرارت واقع کرنا جیسے کپڑے کو کوٹ کر جلانا، اور احراق بمعنی کسی شے میں

ایسی آگ واقع کرنا جو شعلے والی ہو اسی سے استعارہ ہے ۔

احرقنی بلومه (اس نے مجھے اپنی ملامت سے جلایا)

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی ایذا رسانی میں حد کرے ۔

ف : فقیر (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ الحریق اضافۃ الموصوف الی الصفۃ کے قبیل سے ہے اور اس کا مقابلہ میں آنا زیادہ جلانے کا معنیٰ دیتا ہے اس لیے کہ عطف ترقی کے قبیل سے ہے کہ جس طرح ان کے قبائح میں ترقی ہوئی عذاب میں بھی ویسے ہی ہوئی ۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (بیشک جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے) یہاں علی الاطلاق اہلِ ایمان مراد ہیں وہ ایذاء دیئے ہوئے ہوں یا اور **لَهُمْ** (ان کے لیے) بسبب ایمان و عمل صالح کے منجملہ اس کے صبر علی ایذاء الکفار اور ان کا جلانا بھی ہے ۔

ف : پہلے جملہ میں فاء لانا اور دوسرے میں جواز الامرین کی دلیل ہے ۔

جَنّٰتٌ باغ ہیں جو ان کے ایمان و عمل صالح کی جزاء ہے کفار کے مقابلہ میں کہ ان کی جزاء جہنم وغیرہ ہے **تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ** (جن کے نیچے نہریں جاری ہیں) ان کی جزاء ہے احتراق و حرارت کے مقابلہ میں ۔

ف : الارشاد (تفسیر) میں ہے کہ اگر جنّات سے مراد اشجار (درخت) ہیں تو ان کے پانی کا جاری ہونا ظاہر ہونا ظاہر ہے اگر اس سے وہ زمین مراد ہو جس پر اشجار مشتمل ہیں تو ان کے نیچے اس کے ظاہر پر جاری ہونے کے اعتبار سے ہے، اس لیے کہ اشجار زمین کے میدان کو چھپا دیتے ہیں جیسے انھیں اسم جنۃ کہنا بجا ہے ۔

ذٰلِكَ وہ مذکور عظیم الشان یعنی حصول الجنان **اَلْفَوْزُ الْكَبِیْرُ** (بڑی کامیابی ہے) جس کے سامنے دنیا و مافیہا ہیچ ہے اس لیے کہ اس میں گوناگوں اور عجیب و غریب مرغوب اشیاء ہیں اس معنیٰ پر یہ حصر اضافی ہے ۔

ف : برہان القرآن میں ہے کہ ذٰلک مبتداء الفوز اس کی خبر الکبیر اس کی صفت ہے اور اس کی نظیر قرآن میں نہیں ۔

حلِ لغات الفوز بمعنی نجات از شر اور خیر کی کامیابی ۔ اگر اس میں اشارہ جنّات کی طرف ہے تو یہ مصدر بمعنی مفعول ہے بطور مبالغہ ورنہ اپنے حال پر مصدر ہے ۔

نکتہ : امام (فخر الدین رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ ذٰلک فرمایا تلك نہیں ۔ اس میں ایک باریک نکتہ ہے :

وہ یہ کہ ذٰلک میں اللہ تعالیٰ کے ان جنّات کے حصول کی خبر دینے کی طرف اگر تلک ہوتا وہ اشارہ صرف جنّات کی طرف ہوتا اور یہ چنداں خوش کُن نہیں جتنا کہ اللہ تعالیٰ کی خبر دینے میں مسرت ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی خبر دے رہا ہے اپنی رضا کے اظہار پر اور مومن کے لیے سب سے بڑی خوشی ہے کہ اس کا رب اس سے راضی ہو الفوز الکبیر سے بھی رضائے الٰہی مراد ہے نہ کہ حصولِ جنّت۔

ف : فقیر (صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ میرے نزدیک حصولِ جنّت فوزِ کبیر ہے اور رضائے الٰہی فوزِ اکبر ہے۔ ہاں تلک نہ کہنے کی ایک وجہ اور ہے وُہ یہ کہ جنّات من حیث الجنات کامیابی نہیں کامیابی بایں معنیٰ ہے کہ وہ حاصل ہوں اور ان کا داخلہ نصیب ہو (اور وہ رضائے الٰہی سے ہوگا)

اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ (بیشک تیرے رب تعالیٰ کی گرفت بہت سخت ہے) جملہ مستانفہ ہے اور یہ خطاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہے کہ کفارِ مکہ کو بھی اس مضمون میں عذاب کی وعید سے وافر حصہ ہے جیسا کہ عنوانِ ربوبیت پھر اس کی اضافت طرف ضمیر راجع بہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ظاہر ہے۔

حلِ لغات

البطش شے کو حملہ کر کے لینا اور سختی سے حاصل کرنا۔ کہا جاتا ہے، یدٌ باطشۃ (گرفت والا ہاتھ)

اسے شدۃ سے موصوف کرنے میں اس کے وہ گُنے کئی گنے شدۃ کی طرف اشارہ ہے کہ جبابرہ وظالمین کی گرفت تم نے دیکھی ہے کہ وہ کبھی انتقام اور بدلہ دیر کے بعد لیتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ اس سے قبل انتقام و بدلہ سے عاجز تھے بلکہ اس میں ان کی اپنی کوئی مصلحت وحکمت ہوگی۔

اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ بیشک وہ پہلے کرے اور پھر کرے مخلوق کو لوٹائے گا۔ انہیں عدم سے وجود میں لاتا ہے پھر انہیں مارے گا اور خیر و شر کی جزاء کے لیے بغیر کسی کے دخل کے (ان دونوں امور میں) ان سب کو لوٹائے گا۔

ف : اس میں مزید تقدیرِ شدّۃ ہے اس کی گرفت کے لیے' یا معنیٰ یہ ہے کہ کافروں کے لیے دنیا میں گرفت کرتا ہے اور آخرت میں پھر اپنی گرفت لوٹائے گا یعنی دنیا میں کافروں پر اپنی گرفت ظاہر کرتا ہے اور آخرت میں پھر ان پر گرفت ظاہر فرمائے گا، یہ اس کے عدل کا نشان ہے یعنی گرفت کرتا ہے اور آخرت میں عذاب کی ابتداء کر کے پھر اسی میں عذاب لوٹائے گا' جیسے فرمایا،

وبدلناھم جلوداً غیرھا۔ ہم ان کے چمڑے تبدیل کریں گے سوائے ان کے جو پہلے تھے۔

حدیث شریف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ دوزخیوں کو آگ کھائے گی یہاں تک

کو کوئلہ ہو جائیں گے پھر ان کی تخلیق جدید ہوگی، یہی آیت ہٰذا کی مراد ہے۔

رازدانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیان

سیّدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دوزخ کے متعلق راز کی بات پُوچھی تو فرمایا:

یاحذیفۃ ان فی جہنم لسباعا من نار و کلابا من النار و سیوفا من نار و کلالیب من نار وانہ یبعث ملائکۃ یعلقون اھل النار بتلک الکلالیب باحناکھم ویقطعونھم بتلک السیوف عضوا عضوا ویلقونھا الی تلک السباع و الکلاب کلما قطعوا عضوا عاد اٰخر مکانہ غضا طریا۔

اے حذیفہ! جہنم میں درندے ہیں آگ کے اور کُتّے ہیں نار کے اور تلواریں نار کی اور آگ کے لوہے کے کُنڈے ہوں گے اور ملائکہ کرام بھیجے جائیں گے جو اِن کُنڈوں کو اہلِ نار کے حلقوم میں ڈال کر انہیں لٹکا کر ان تلواروں سے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے انہیں درندوں اور کُتّوں کے آگے ڈال دیں گے جب ایک ٹکڑا کاٹا جائیگا تو اسی جگہ پر اور تر و تازہ ٹکڑا پیدا ہو جائے گا۔

ف: یا معنیٰ یہ ہے کہ وُہ انسان کو مٹّی سے پیدا کر کے پھر اسے مٹّی میں لوٹائیگا یا اسے نطفہ سے ابتدار کر کے اسے آخرت میں لوٹائے گا۔

حلِ لغات

کہا جاتا ہے: بدأ اللہ الخلق و أبدأھم فھو بادئھم و مبدئھم۔ ان سب کا ایک ہی معنی ہے المبدئ بمعنی ابتدار ظاہر کرنے والا ہے۔ المعید بمعنی عدم سے بعد وجود میں لانے والا، گویا اعادہ بدأ ثانی ہے۔

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ المبدئ بمعنی المعید یعنی موجد، لیکن وہ ایجاد جس کی مثل پہلے نہ ہو اس کا نام ابدار ہے، اس کی مثل پہلے ہو تو اس کا نام اعادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ابتدائً تخلیق فرمائی پھر وہی انہیں لوٹائیگا یعنی قیامت میں اٹھایا جائے گا اس معنیٰ پر تمام اشیار کی ابتدار اسی سے ہوئی اور اسی کی طرف لوٹیں گے۔

المفردات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی المبدئُ والمعید ہے یعنی سب کے مبدا و نہایت وہی سبب ہے۔ بعض نے کہا کہ ابدار بمعنے شے کا ایسے طریقے سے ظاہر کرنا جسے اسی طرح پھر لوٹایا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے مخلوق کی اس حکم پر ابتدار کی کہ وہ اسے لوٹائے گا، ایسے مبدئ کو معید کہا جاتا ہے۔ اسی لیے

کہا جاتا ہے کہ یہ دو اسم ایسے ہیں کہ دراصل ایک ہیں، یُوں کہ پہلے معنی کی تکمیل دوسرے سے ہوتی ہے۔ ایسے ہی ہر اسم کا معنیٰ تمام نہیں ہوتا، اس میں جو اسمائے الٰہیہ کے کمال کی طرف اس کا معنیٰ لوٹتا ہے سوائے اس اسم کے کہ جس میں اس کے معنیٰ کی تکمیل ہے۔

ف : حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و احسان کی ابتدا کرتا ہے اپنے بندوں کے لیے، پھر اسے لوٹاتا ہے اور بار بار لوٹاتا ہے کیونکہ کریم وُہ ہے جو اپنی صنائع کی تربیت کرے۔

خاصیۃ المبدیٔ حاملہ کے پیٹ پر بوقتِ سحر انتیس بار پڑھنے سے حمل ساقط نہیں ہوتا (ثابت رہ کر) پُورے وقت کا بچہ پیدا ہوتا ہے۔

خاصیۃ المعید اسم معید کو بار بار پڑھا جائے تو بھُولی ہوئی یاد آجاتی ہے بالخصوص جس وقت اس کے ساتھ المبدیٔ بھی ملایا جائے۔

هُوَ الْغَفُوْرُ (اور وہی بخشنے والا) اس کے لیے جو کفر سے توبہ کرے اور ایمان لائے، ایسے ہی اس کے غیر کی بھی توبہ قبول کرتا ہے، ایسے ہی جو معاصی (گناہوں) سے تائب ہو اور جو گناہوں سے توبہ کر کے نہ مرے چاہے تو اسے بھی بخش دے **اَلْوَدُوْدُ** (اپنے بندوں کو پیارا) اور جو اس کی اطاعت کرے اُس کا مُحب ایسے ہی جو توبہ کرے۔ جیسے فرمایا، ان اللہ یحب التوابین (بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے پیار کرتا ہے)

ف : یہ بھی اس کے فضل بعدل کا نشان ہے ایسے ہی انسان کو رد اور نابود فرمائے گا اور پھر اسے اپنے فضل سے نواز کر بلند قدر بنائے گا۔

فضلِ او دلنواز غمخواراں
عدلِ او سینہ سوز جباراں

ترجمہ: اس کا فضل غمخواروں کا دلنواز ہے اس کا عدل جبار و سرکشوں کا سینہ سوز ہے۔

لطیفہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بُت خانہ (مشرکین کے گروہ) میں سے نکل کر مقبول بن گئے اور ان کی سابقہ خطائیں بخشی گئیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ غفور و ودود ہے اور عبد اللہ بن اُبی (رئیس المنافقین) کی مسجد نبوی شریف میں زندگی بسر کرنے کے باوجود تمام نیکیاں مردود۔ اس لیے کہ اللہ کی گرفت بہت سخت ہے۔

حلِ لغات الودود یہاں پر فعول بمعنی فاعل ہے یہی مقام کا تقاضا ہے۔ اور حضرت سہل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: الودود بمعنی بندوں سے پیار کرنے والا کہ ان کو کامل نعمتوں سے

نوازتا اور دائمی عافیت بخشتا ہے۔ اس معنیٰ پر فعول بمعنی مفعول ہے اس لیے کہ صالح بندے کرتے ہیں۔

ف: اللہ تعالیٰ کی محبت کا نام اس کی اطاعت کرنے اور اس کے امر کی موافقت کرنے اور اس کی تعظیم اور اس کی ہیبت دل میں رکھنے کا۔

تفسیر صوفیانہ (۱) اہلِ حقیقت کا اتفاق ہے کہ جو محبت عوض کی منتظر ہے یہ معلولہ (بیمارِ محبت) ہے حقیقی محبت یہ ہے کہ ہر طمع و لالچ اور راشے سے صاف ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے محبوب ترین محب وہ ہیں جو میری عبادت کرتے ہیں بغیر کسی طمع اور لالچ کے، اور ربوبیت بھی ان کا حق کامل ادا کرتی ہے۔

بعض اکابرین نے فرمایا کہ عشق کا معنیٰ ہے دو روحوں کا آپس میں لپٹنا، اور محبت کا معنیٰ ہے اس لپٹنے سے صاف اور خالص ہونا اور ودّ کا معنیٰ ہے اس پر ثابت رہنا اور اسے قلب میں رکھنا۔ الھویٰ حُبّ کا قلب میں پہلا وقوع۔

(۲) تاویلات النجمیہ میں ہے کہ وہ (اللہ تعالیٰ) ودود اس کے لیے ہے جو اس کی طرف اس محبت سے متوجہ ہے جس کا اشارہ یتقرب الخ میں ہے یعنی جو ایک بالشت بھر میرے قریب ہوتا ہے میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہو جاتا ہوں۔ جو محبت سے اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے تو وہ ودّ سے اس کے قریب ہو جاتا ہے اس لیے کہ ودّ بہ نسبت محبت کے قلب میں زیادہ مضبوط ہو کر ثابت ہونے والی ہے کیونکہ یہ الوتد سے ہے بمعنی میخ۔ القاموس میں ہے کہ الود، الوتد بمعنی میخ۔

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا الودود وہ ہے جو جمیع خلائق کے لیے بھلائی چاہے اور ان پر احسان فرمائے اور دُگنا فضل و کرم فرمائے۔ یہ الرحیم کے معنیٰ کے قریب ہے لیکن رحمت مرحوم کی طرف اضافت کا نام ہے اور مرحوم محتاج و مضطر ہوتا ہے اور رحیم کے افعال مرحوم ضعیف مستدعی ہیں اور ودود کے افعال اس کے مستدعی نہیں بلکہ وہ ودّ کے تقاضا سے ابتداءً احسان کرتا ہے جیسے مرحمۃ کا معنیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مرحوم کے لیے خیر و بھلائی کا ارادہ کرنا اور اس کی کفایت کرنا اور وہ رقت سے منزہ ہے، ایسے ہی الرحمۃ کا معنیٰ ہے یعنی اس کا کرامت و نعمت کا ارادہ کرنا اور وہ (اللہ تعالیٰ) میل المودۃ سے منزہ ہے۔

بندۂ ودود بندہ ودود وہ ہے جو خلقِ خدا کے لیے وہی چاہے جو وہ خود اپنے لیے چاہتا ہے اور اس سے بلند تر وہ ہے جو دوسروں کو خود پہ ترجیح دے۔ جیسے کسی نے کہا کہ کاش میں دوزخ پر پُل بن جاؤں اور لوگ اس پر سے گزریں تاکہ دوزخ کی اذیت سے بچ جائیں اور اس سے

بڑھ کر باکمال وہ ہے جو ایسے ایثار کے باوجود کسی سے حسد اور بغض وکینہ نہ رکھے اور اگر کسی سے اذیت پہنچے اس پر خفا نہ ہو، جیسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کمال ہے کہ غزوۂ اُحد میں آپ کے دانت مبارک شہید ہوئے اور چہرۂ اقدس خُون آلود ہوا، تب بھی کہہ رہے تھے :

اللھم اغفر لقومی فانھم لایعلمون۔ اے اللہ! میری قوم کو بخش دے اس لیے کہ وہ جانتے نہیں۔

کفار کا دکھ پہنچانا آپ کے ارادۂ خیر میں مانع نہ ہُوا۔

وصیۃ النبی صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لعلی رضی اللہ عنہٗ

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے استدعا کی کہ میں مقربین سے سبقت لے جاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ جو قطع کرے آپ اس کو صلہ دیں اور جو آپ کو اپنی دَین سے محروم کرے آپ اسے عطیات سے نوازیں، جو آپ پر ظلم کرے آپ اُسے معاف فرمادیں۔

خاصیۃ الودود

الحب کے لیے، بالخصوص زن وشوہر کے لیے، جو اسم یاودود کو ہزار بار پڑھ کر کسی کھانے کی چیز (میٹھی وغیرہ) پر پڑھ کر دم کرے پھر زن وشوہر اکٹھے مل کر کھائیں تو عورت مرد کے تابع ہوگی، یہاں تک کہ عورت کو مرد کی اطاعت کے بغیر چین نہ آئے گا۔

تجارت میں برکت

مروی ہے کہ یہ اسم اعظم ہے تاجر کی دعائیں، ان الفاظ کا ورد کرے :
یا ودود یا ذا العرش المجید یا مبدئ یا معید أسألك بنور وجهك الذی ملأ ارکان عرشك وبقدرتك التی قدرت بها علیٰ جمیع خلقك وبرحمتك الـ وسعت کل شیٔ لا اله الا أنت یا مغیث اغثنی یا مغیث اغثنی یا مغیث اغثنی۔ (الحدیث)

ف : اس حدیث کا بہت سے ائمہ نے ذکر کیا ہے۔

ف : فقیر (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ میں سحرِ اعلیٰ کے وقت لسانِ قلب سے کہتا رہا یا ودود، پھر میری زبان سے بے اختیار نکلا کہ میں کہہ رہا تھا یا رب اجعلنی محیطا (اے رب! مجھے محیط بنا دے) اس سے میں سمجھا کہ اسم مذکور میں عظیم تاثیر ہے احاطہ کے بارے میں، اس لیے کہ الودود بمعنی المحبوب ہے [illegible] ہے کہ جمیع اسماء الٰہیہ اسم اعظم سے محبت اور اس کی طرف میلان رکھتے ہیں اس سے ثابت ہُوا کہ اسم اعظم الودود ہے بمعنی المودود، دوسروں کے لیے ودود بمعنی اسم الفاعل۔

وظیفہ یاودود : جو شخص اسم ودود کا ورد بکثرت کرتا ہے بمعنی المودود تو اس سے جمیع مخ

محبت کرینگے اور اسے جمیع اسرار کا احاطہ نصیب ہوگا اور وہ تمام توجہات تک پہنچ جائیگا۔

تفسیر عالمانہ

ذُوالْعَرْشِ (عرش کا مالک) اس کا خالق۔ بعض نے کہا عرش سے مجازاً ملک مراد ہے یعنی مخلوقات سفلیہ اور مخترعات علویہ پر سلطنت قاہرہ والا۔ اگرچہ وہ تخت پر نہ ہو۔ جیسے کہا جاتا ہے ، ثل عرش فلان (فلاں کی سلطنت گئی)، الْمَجِيْدُ (بزرگی والا) یعنی وہ جس کی ذات شرافت والی اور اس کے افعال جمیل اور اس کی عطاء جزیل ہو گویا جس کی ذات سے احسن فعال کا اقتران ہو وہ مجید ہے وہی ماجد ہے لیکن ان کا ایک (مجید) مبالغہ پر دلالت کرتا ہے گویا یہ اسم جلیل و اسم وہاب اور اسم کریم کا جامع ہے۔

حلِ لغات

القاموس میں ہے: المجید بمعنی الرفیع، العالی، الکریم شریف الفعال (شریف فعال والا) کہا جاتا ہے ، مجدہ بمعنی عظمہ و اثنی علیہ (اس کی عظمت و ثناء بیان کی) اور اس کی عطائیں کثیر ہیں۔ التمجید بمعنی کسی کی اچھی صفات بیان کرنا اور اسے العرش کی صفت سے بھی پڑھا گیا ہے اور عرش کا مجد یعنی اس کی بلندی اور عظیم المقدار اور حسن الصورة والترکیب اس لیے کہ عرش احسن الاجسام ہے باعتبار ترکیب و صورة کے۔

عرش کی پہنائی

عرشِ الٰہی کے مقابلہ میں کرسی ایسے ہے جیسے ایک حلقہ زمین کے جنگل۔

ف: جب کرسی کا یہ حال ہے جو اپنی وسعت کے باوجود کوئی حیثیت نہیں رکھتی تو باقی اجرام علویہ و سفلیہ اس کے سامنے کیا ہیں۔

مسئلہ: حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے عرش کو اپنی قدرتِ کاملہ کا اظہار فرمایا نہ یہ کہ کوئی مکان ہے اس کی ذات کا (معاذ اللہ) وہ مکین ہے (جیسے ابنِ تیمیہ اور اس کے مقلد نجدی اور وہابی دیوبندی کہتے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ)

درسِ عبرت

بعض علماء کرام نے فرمایا کہ تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ اتنی بڑی وسعت والے عرش کو دانوں سے بھر دے اور پرندہ پیدا کردے جو ایک دانہ ایک ہزار سال تک کھاتا رہے پھر یہ تمام دانے ختم کرے، دانے ختم ہو جائیں گے لیکن آخرت کی مدت ختم نہ ہوگی، اس کے باوجود آدم زادہ اس مدت کے عذاب سے نہیں ڈرتا۔ یہ آدم زادے کیسے نڈر ہو گئے ہیں کہ عمر ایک حقیر شے (دنیا کی لذت اور گناہوں) میں ضائع کر رہے ہیں جو یہ لذات سریع الزوال (بہت جلد مٹنے والی) ہیں۔

عارف باللہ کا مرتبہ

اس میں قلبِ اشارہ کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے استواء (اس کی شان کے لائق) کی جگہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

قلب العارف عرش اللہ ۔ (عارف کا دل عرشِ اللہ ہے)

عارف باللہ کی مجد اور شرافت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سوائے قلب العرش کے اور کسی جگہ نہیں سماتا۔

خاصیّتِ اسمِ ذُوالعرش اس اسم مبارک (ذوالعرش) کی خاصیت یہ ہے کہ اس سے بزرگی اور شرافت اور طہارۃ ظاہرًا و باطنًا نصیب ہوتی ہے، یہاں تک کہ عالم الابدان والصور میں۔

برص کا علاج برص والا بکثرت (بہت دنوں تک) روزے رکھے اور افطار کے وقت اسی اسم (ذوالعرش) کو کثرت سے پڑھے، اللہ تعالیٰ کے حکم سے کسی سبب سے یا بلاسبب برص دفع ہو جائے گی۔

فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ (ہمیشہ جو چاہے کر لینے والا ہے) کہ اس کا ارادہ اس کی مراد کے خلاف نہیں ہوتا اس کے اپنے افعال سے اور اپنے غیر کے افعال سے یہ اہلِ حق (اہلسنّت) کی دلیل ہے کہ کوئی شے اس کے ارادہ کے بغیر نہیں ہوتی (خلافًا للمعتزلہ) یہ خبر مبتدا محذوف ہے۔

نکتہ فعال بصیغۂ مبالغہ (فاعل کا مبالغہ) اس لئے کہا کہ احیاء (زندہ کرنا) و اماتۃ (مارنا) اعزاز، اذلال (ذلیل کرنا) اغناء (غنی کرنا) اقتار (تنگدست کرنا) شفاء، امراض (مریض کرنا) تقریب (قریب کرنا) تبعید (بعید کرنا) عمارہ (آباد کرنا)، تخریب (خراب کرنا) وصل، فرق، کشف، حجاب و دیگر شئون کی کثرت کی وجہ سے ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ کرتا ہے جو ارادہ کرتا ہے اہلِ ایمان اور کافروں سے اور اربابِ ارواح و اسرار و قلوب و اصحابِ نفوس و اہلِ ہوٰی سے کہ اگر ارادہ کرے کہ وہ اربابِ نفوس کو اربابِ ارواح بنا دے تو وہ اس پر قادر ہے اور وہ عادل بھی ہے اور اگر وہ اس کے برعکس کرے تو بھی کر سکتا ہے اور یہ اس کا اس میں فضل ہوگا اور چاہے تو کسی کو اپنے جلال سے محجوب کرئے جیسے منکرین سے کرتا ہے اور چاہے تو اپنے جمال کے جلووں سے جلوہ گر فرمائے جیسے مقربین کو اور چاہے تو کسی کو اپنے فیض سے فیضیاب فرما دے جیسے عارفین کو۔

ف : حضرت قفال رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اپنے اولیاء کو جنّت میں داخل کر دے گا تو اسے کوئی نہیں روک سکتا اور اعداء کو جہنم میں داخل کرے گا تو اعداء کی کوئی مدد نہ کر سکے گا اور بعض عاصیوں کو مہلت دیتا ہے جتنی دیر چاہے یہاں تک کہ اسے سزا دینا چاہے تو بعض کو جلد سے جلد سزا دے جو چاہے کرے (مالک ہے)۔

حکایت : سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیمار ہوئے تو چند لوگ طبع پرسی کے لیے حاضر ہوئے

عرض کی، حکم ہو تو طبیب کو بلایا جائے۔ فرمایا، مجھے اس نے دیکھا ہے، عرض کی گئی پھر اس نے کیا کہا؟ فرمایا، اس نے کہا ہے فعال لما یرید۔

تفسیر عالمانہ هَلْ اَتٰىكَ (کیا تمہارے پاس آئی ہے) یعنی بیشک آئی ہے کیونکہ یہ استفہام تقریر ہے حَدِیْثُ الْجُنُوْدِ (لشکروں کی بات) وہ کافروں کی جماعتیں جنہوں نے انبیاء علیہم السلام پر لشکر کشی کی زمانۂ ماضی میں اور ان کی خبر سب کو معلوم ہے کہ ان سے کیا صادر ہوا کفر و گمراہی میں سرکشی کی تو پھر سب کو خبر ہے کہ ان کے لیے کیسے کیسے سنگین عذاب نازل ہوئے فِرْعَوْنَ وَ ثَمُوْدَ (فرعون وثمود) الجنود سے بدل ہے اگرچہ بظاہر یہ مبدل منہ کے مطابق نہیں کہ وہ جمع ہے اور یہ واحد لیکن معنیً مطابق ہے کہ اس سے فرعون کا لشکر مراد ہے یہاں مضاف محذوف ہے یعنی فرعون کے لشکر کی بات تمہارے پاس آئی اور وہ حالات بھی جو انہوں نے تکذیب کی اور وہ خبریں بھی کہ ان کا کیا حشر ہوا فرعون کے قصے اور اس کے لشکر کا ڈوبنا اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کا معاملہ بالکل واضح اور روشن ہے ایسے ہی صالح علیہ السلام کی قوم ثمود کی ہلاکت بھی سب کو معلوم ہے کیونکہ یہ اہلِ عرب کی گزرگاہ تھی اور ان کے شہروں میں ان کا آنا جانا تھا۔

ف: ثمود کا ذکر فرعون سے موخر اس لیے کیا حالانکہ قوم ثمود پہلے گزری ہے صرف رعایت الفواصل کی وجہ سے ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تیرے پاس محجوبین کی بات نہیں آئی کہ وہ انانیت میں کیسے مارے گئے جیسے فرعون اور اس کے طور کے دوسرے لوگ یا آثار و اغیار سے تباہ ہوئے جیسے قوم ثمود اور جو ان کے ساتھ متصل ہوئے۔

تفسیر عالمانہ بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ تَكْذِیْبٍ بلکہ کافر یعنی کفار مکہ جھٹلانے میں ہیں، یہ ان کی مماثلت سے اضراب ہے اور بیان ہے کہ یہ کفر اور سرکشی میں بڑھ کر ہیں اور تکذیب کی تنکیر تعظیم کی ہے گویا یہ ان کی مثل نہیں ہیں کفر و تکذیب میں بلکہ ان سے سخت تر ہیں استحقاقِ عذاب و استیجابِ عتاب میں کیونکہ وہ قرآن ناطق کی تکذیب میں سخت ڈٹے ہوئے ہیں لیکن وہ بھی اس لیے نہیں کہ قوعِ حدوث کی تکذیب کر رہے ہیں بلکہ اس لیے کہ قرآن کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے کو جھٹلاتے ہیں باوجودیکہ اس کا امر واضح اور اس کا حال دلائل بینات سے ظاہر ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ تکذیب میں ہیں کہ ان کی عادت و جبلت صفت و تکذیب پر ہے یا ان کی جبلت ہی ایسی ہے کہ اس سے ان کا جدا ہو جانا ان کے لیے مشکل ہے سوائے چند ایک کے، وہ ہیں کاملین جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، فمن لم یجعل اللہ لہ نورا فمالہ

من نور تو جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے یعنی اس کی استعداد میں نور بنایا ہی نہیں تو اس کے لیے نور نہیں ہے۔

خوے بد در طبیعتے کہ نشست
زہد جز بوقت مرگ از دست

ترجمہ : بُری عادت جس طبیعت میں بیٹھ گئی وُہ موت سے پہلے ہاتھ سے نہ جائے گی۔

ف : اس میں اہلِ حق کے منکرین کی تکذیب کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اُن کے ساتھ رہنے کے حالات سے تو ان سے باخبر ہیں لیکن انھیں واردات اوپر سے وارد ہوتے ہیں ان کے ایسے حالات سے بے خبر ہیں۔

تفسیرِ عالمانہ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ (اور اللہ تعالیٰ ان کے پیچھے سے انھیں گھیرے ہوئے ہے) قدرت سے یہ تمثیل ہے ان کے عدمِ نجات سے عذابِ الٰہی سے کہ محیط سے محاط فوت نہیں ہو سکتا کیونکہ اس پر ہر طرف سے راہ بند ہوتے ہیں کہ جہاں سے وہ نکل کر بھاگ سکے۔

تفسیرِ صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ محیط وُہ ہے جس سے محاط فوت نہ ہو اور اللہ تعالیٰ محیط سے کوئی شے کیسے فوت ہو جائے جب وہ اللہ تعالیٰ عارفین کے نزدیک کافرین کو بلکہ جملہ موجودات کو محیط ہے بایں معنیٰ کہ صورِ موجودات میں اسی کا جلوہ ہے۔ پس وہ سبحانہٗ تعالیٰ جمیع اسمار کی احدیت سے تمام موجودات میں ساری ہے ذاتاً وحیاۃً وعلماً و قدرۃً ایسے ہی دیگر صفات سے، اور احاطہ سے مراد یہی سرایت ہے یعنی آسمانوں اور زمینوں کا کوئی ذرہ اس سے غائب نہیں اور ہر وہ جو اس سے غائب ہے وہ عدم سے لاحق ہے اور اہلِ حق نے کہا کہ یہ احاطہ وہ نہیں جو ظرف کا مظروف کے لیے ہوتا ہے نہ ہی کل کا اجزاء پر اور نہ ہی احاطہ کلی کا جزئیات پر بلکہ یہ احاطہ ایسے ہے جیسے ملزوم کا لازم سے اس لیے کہ تعینات لاحقہ ذاتِ مطلقہ کیلئے لازم ہیں بالواسطہ یا بلاواسطہ بالشرط یا بلا شرط اور وحدتِ ملزوم میں کثرۃ لوازم قادح نہیں اور اس کے منافی ہے واللّٰہ تعالیٰ اعلم بالحقائق (اللہ تعالیٰ حقائق کو خوب جانتا ہے)

تفسیرِ عالمانہ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ (بلکہ وُہ قرآن شرف والا ہے) اس طرح نہیں جیسے کافروں نے کہا بلکہ جس کی انھوں نے تکذیب کی یہ قرآن شرافت والا اور اعلیٰ قدر ہے تمام کتبِ الٰہیہ سے نظم و معنیٰ میں اور مکارمِ دنیویہ و مکارمِ اخرویہ کو متضمن ہے فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ (لوحِ محفوظ میں) یعنی محفوظ ہے تحریف سے اور شیطان کی پہنچ سے۔

حلِ لغات لوح وہ صحیفہ (کتاب جس کی لمبائی چوڑائی ہو لکڑی کی' یا عظمت والی ہے) (قاموس) امامِ راغب نے فرمایا ، لوح ' الواح کا واحد ہے بمعنی سفینہ ، اور وہ شے جس پر لکھا جائے ، لکڑی کی ہو یا کسی اور شے کی۔ یہاں پر یہی مراد ہے۔

لوحِ محفوظ کیا ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ کو سفید موتیوں سے بنایا اس کے دونوں کنارے سُرخ رنگ کے ہیں اور اس کا طول آسمان و زمین کی درمیانی مسافت کے برابر، اور عرض مابین المشرق والمغرب کے برابر۔ اللہ تعالیٰ اسے ہر روز تین سو ساٹھ نگاہِ کرم سے نوازتا ہے وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے اور وہی عزّت و ذلّت دیتا ہے، جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

لوحِ[1] محفوظ پر نامِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

صدرِ لوحِ محفوظ پر لکھا ہے ؛

لا الٰه الا الله وحده ودينه الاسلام ومحمد عبده ورسوله فمن آمن به وصدق وعده واتبع رسله أدخله الجنة ۔ (ص ۳۹۶)	اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا دین اسلام ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کا عبد اور رسول ہے جو اس پر ایمان لائے اور اس کا وعدہ سچا کیا اور اس کے رسولوں کی اتباع کی اللہ تعالیٰ نے اسے بہشت میں داخل کیا۔

تفسیرِ صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے بلکہ وہ جو تلاوت کیا اور پڑھا گیا ہے کافروں و منافقوں کے سامنے، وہ قرآن عظیم مجید شریف ہے جو ثبوت ہے لوحِ قلبِ محمدی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) میں اور ان کے وارثین اولیاء، عارفین محبین عاشقین کے الواحِ قلوب میں وہ محفوظ ہے نفس امارہ کافرہ کے ہاتھوں کی تحریف اور ہوائے ماکر اور تمام قوائے بشریہ سے جو ساری ہیں اقطار وجودِ انسانی میں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، وانا لهٗ لحافظون (اور ہم ہیں اس کی حفاظت کرنیوالے) یعنی حفاظ کے سینوں اور مومنین کے قلوب میں۔

فراغت صاحبِ رُوح البیان قدّس سرّہٗ

سورۃ البروج (اللہ تعالیٰ کی ذات سے وہی ہے جو اس کی طرف رجوع و عروج ہے، کی تفسیر سے عصر کے وقت ۶ ماہِ مولد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱۱۱۷ھ میں فراغت پائی۔

فراغتِ مترجم

فقیر اویسی غفرلہٗ نے بعد مغرب ۱۱ رجب المکرم ۱۴۰۶ھ میں شبِ پیر کو تفسیر سورۃ البروج کے ترجمہ سے فراغت پائی الحمد للہ علی ذلک۔

---

[1] درود تاج میں ہے اسمہ مکتوب ..... منقوش فی اللوح والقلم ۔ اس کی دلیل یہی حدیث ہے ۔ اویسی غفرلہ ۔

سُوْرَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اٰيَاتُهَا ١٧ رُكُوْعُهَا ١
سورۃ الطارق مکیۃ ہے اس میں اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا سترہ آیتیں ہیں

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۝١ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۝٢ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۝٣ اِنْ
آسمان کی قسم اور رات کو آنے والے کی اور کچھ تم نے جانا وہ رات کو آنے والا کیا ہے خوب چمکتا تارا کوئی

كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ۝٤ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝٥ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ
جان نہیں جس پر نگہبان نہ ہو تو چاہیے کہ آدمی غور کرے کہ کس چیز سے بنایا گیا بنایا گیا جست کرتے پانی

دَافِقٍ ۝٦ يَّخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ۝٧ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ۝٨ يَوْمَ
سے جو نکلتا ہے پیٹھ اور سینوں کے بیچ سے بے شک اللہ اس کے واپس کر دینے پر قادر ہے

تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۝٩ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ۝١٠ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۝١١ وَالْاَرْضِ
جس دن چھپی باتوں کی جانچ ہوگی تو آدمی کے پاس نہ کچھ زور ہوگا نہ کوئی مددگار آسمان کی قسم جس سے مینہ اترتا ہے اور زمین کی جو

ذَاتِ الصَّدْعِ ۝١٢ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۝١٣ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ۝١٤ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ
اس سے کھلتی ہے بے شک قرآن ضرور فیصلہ کی بات ہے اور کوئی ہنسی کی بات نہیں بے شک کافر اپنا سا داؤں چلتے ہیں

كَيْدًا ۝١٥ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ۝١٦ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ۝١٧
اور میں اپنی خفیہ تدبیر فرماتا ہوں تو تم کافروں کو ڈھیل دو انہیں کچھ تھوڑی مہلت دو

سورۃ الطارق[1] بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان اور رحم والا)

تفسیر عالمانہ

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ (آسمان کی قسم اور رات کو آنے والے کی)

حل لغات: دراصل طارق اسم فاعل از طرق طرقاً، طروقاً سے ہے بمعنی رات کو آیا۔

امام الماوردی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، الطرق کا اصل الدق (کوٹنا) ہے، اسی سے مطرقۃ (ہتھوڑا) ہے کیونکہ وہ لوہا کوٹتا ہے۔ الطریق (راستہ) کیونکہ وہ پاؤں سے روندا جاتا ہے۔ رات کے قاصد کو طارق اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ دروازے کھٹکھٹانے کا محتاج ہے کیونکہ رات کو اکثر دروازے بند ہوتے ہیں، پھر وسعت دے کر ہر وہ جو رات کو آئے (ظاہر ہو) اسے طارق کہتے ہیں چاہے کوئی ہو اسس

---

[1] اس سورۂ مبارکہ میں کائنات کے حسین وجمیل مظاہر کی طرف انسان کو متوجہ کیا گیا ہے تاکہ وہ ان مظاہر کو دیکھ کر قیامت کے وجود کا یقین کر سکے۔ اویسی غفرلہٗ

توسیع میں اور وسعت دے کر عام کر دیا گیا یہاں تک کہ ان صُورِ خیالیہ کو جو رات کو ظاہر ہوں ان بھی طارق کہتے ہیں لیکن یہاں ستارہ مراد ہے جو رات کو ظاہر ہوتا ہے۔

امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نجم کو طارق اسی لیے کہا گیا کہ اس کا ظہور رات کو ہوتا ہے۔

ہند بن عتبہ نے غزوۂ اُحد میں کہا ؎

نحن بنات طارق
نمشی علی النمارق

ترجمہ: ہم طارق کی بیٹیاں ہیں ہم گدیلوں پر چلتی ہیں۔

یعنی ہمارے باپ ستاروں کی طرح ہیں بزرگی و بلندی میں۔

ایک دوسرے شاعر نے کہا: ؎

یا راقد اللیل مسرورا باوّله — ان الحوادث قد یطرقن اسحارا
لا تفرحن بلیل طاب اوله — فرب آخر اللیل أجج النارا

ترجمہ: اے اول رات کو سونے والا! حوادث تو سحروں کے وقت ظاہر ہوتے ہیں رات کے پچھلے حصے کی خوشی سے خوش نہ ہو۔ بسا اوقات رات کے آخری حصے میں آگ بھڑکائی گئی۔

قلبِ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم: حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

وما طرق علی قلب محمد من فوائد البیان والانعام۔ (ص ۲۹۶)

قسم ان زوائد بیانات اور انعامات کی جو قلبِ سیدِ عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے نمودار ہوئے۔

تفسیرِ صُوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ سماءِ قلب و کواکبِ وارداتِ قلبیہ والہامات غیبیہ عظیمۃ الشان وقوی البرہان کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیرِ عالمانہ

ربط: اس کے فخامتِ امر و شہامتِ قدر کی وجہ سے اس کے بعد فرمایا:

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ (اور کچھ تم نے جانا کہ رات کو آنے والا کیا ہے)

یعنی کس نے طارق کا علم دیا، اس لیے اس کا علم مخلوق سے حاصل نہیں ہو سکتا جب تک خلّاقِ علیم نہ بتلائے۔ گویا سوال ہوا کہ وہ ہے کیا؟ تو فرمایا اَلنَّجْمُ الثَّاقِبُ خوب چمکدار تارا۔

حلِ لغات

النجم ستارہ طلوع کرنے والا۔ الثقب بمعنی سوراخ کرنا۔ الثقوب و الثقابۃ آگ کا روشن ہونا۔ کہا جاتا ہے ثقبہ ثقبا اس میں منفذا و مسلکا بنایا اور سوراخ کیا۔

ثقبت النار تثقب ثقوبا (آگ روشن ہُوئی اور شعلہ نکالا) و ثقب النجم (ستارہ چمکا) شہاب ثاقب بمعنی چمکتا ستارہ ۔ پہلے اُسے طارق کے وصفِ عام سے متصف کیا گیا پھر اس کی مخصوص صفت سے تفسیر فرمائی تاکہ اس کی شان کی عظمت کا اظہار ہو ۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ وہ خوب چمکتا ستارہ ہے یعنی درخشندہ و فروزاں ' جیسے شعلۂ آتش ۔ اس لئے وہ اپنے نور سے روشن کرتا ہے اور اسے بھی جس پر تاریکیاں واقع ہوں یا افلاک کو ' اور انھیں راستہ بناتا ہے ۔

تفاسیر نجم ثاقب

(۱) بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ اس سے مراد ایک ہی ستارہ نہیں بلکہ تمام ستارے ہیں کیونکہ طارق اسم جنس ہے ۔ چنانچہ حضرت حسن کا ہی قول ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ ہر ستارہ چمکتا ہے اگرچہ ان کی چمک چمک میں فرق ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان اور ستاروں کی قسم یاد فرمائی اس لیے کہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت پر دلالت کرتے ہیں یا معہود ستارہ اس کی تیزیٔ چمک کی وجہ سے یہ رکب السلطان کے قبیل سے ہے ۔

(۲) حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ، طارق جدی ہے ۔

(۳) اور زحل کے متعلق ابن زید نے کہا ، یہ ساتویں آسمان پر چمکتا ہے وہ اپنی نورانیت سے ساتوں آسمانوں پر روشنی پھیلاتا ہے ۔

(۴) بعض نے کہا ، وہ صبح کا ستارہ ثریا ہے ، کیونکہ اہلِ عرب اسی کو ہی النجم کہتے ہیں ۔

شانِ نزول

ایک شب سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں ابو طالب کچھ ہدیہ لائے حضورِ اکرم اس کو تناول فرما رہے تھے اس دوران میں ایک تارا ٹوٹا اور تمام فضا اس سے بھر گئی ؛ ابو طالب گھبرا کر کہنے لگے ، یہ کیا ہے ؟ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ؛ یہ ہے جس سے شیطان مارے جاتے ہیں اور یہ قدرتِ الٰہی کی نشانیوں میں سے ہے ابو طالب کو اس سے تعجب ہوا ، اُسی وقت جبریل علیہ السلام نازل ہُوئے اور یہ آیت لائے والسماء و الطارق الخ

تفسیرِ صُوفیانہ

اس میں اشارہ ہے کوکبِ اسم جمال کی طرف جو چمکتا ستارہ ہے اور کوکب اسم جلال کی طرف ۔ امام قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے روحِ انسانی اور وہ عقل مراد ہے جو ظلمتِ نفس میں ظاہر ہوتی ہے ۔ یہ وہ ستارہ ہے جس سے نفس کی ظلمت روشن ہوتی ہے اور وہ اس میں چلتا ہے اور اسی کے نور سے دمکتا اور ہدایت پاتا ہے ' جیسے فرمایا ، وبالنجم ھم یھتدون (اور وہ ستارے سے ہی راہ پاتے ہیں)

تفسیر عالمانہ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ (کوئی جان نہیں جس پر نگہبان نہ ہو) یہ جواب قسم اور اس کے درمیان جملہ معترضہ ہے جملہ مقسم بہ کی فخامت کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے جو جملہ مقسم علیہا کے مضمون کی تاکید کے تابع ہے۔ اِن نافیہ ہے لَمَّا بمعنی اِلّا ہے۔

قاعدہ زجاج نے کہا کہ لمّا بمعنی اِلّا دو جگہوں پر استعمال ہوتا ہے،

(۱) اِن نافیہ کے بعد (جیسے یہاں ہے)

(۲) باب قسم میں، جیسے تم کہتے ہو، سالتک لما فعلت بمعنی الا فعلت، اور حفظ کا باب متعدی بعلی ہے مھیمنۃ کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے۔

اب معنی یہ ہوا کہ کوئی نفس ہو طیبہ یا خبیثہ، انسیہ یا جنیہ نہیں ہے مگر اس پر حافظ نگران رقیب ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جیسے فرمایا،

وکان اللہ علیٰ کل شیٔ رقیبا۔ (اللہ ہر شے پر رقیب ہے)

حکایت ایک عورت مکہ معظمہ میں فاسقہ و فاجرہ تھی اس نے دعویٰ کیا کہ طاؤس یمانی کو طاعت الٰہی سے پھیر لوں گی اور اسے معصیت میں مبتلا کروں گی۔ طاؤس یمانی نیک مرد، خوش خلق اور خوش طبع انسان تھا وہ عورت طاؤس یمانی کے پاس آئی اور اِدھر اُدھر کی باتیں کیں اور اشارہ کنایہ سے اپنا مطلب بیان کر گئی۔ طاؤس یمانی بھی اس کا مقصد سمجھ گئے ازراہِ مزاح فرمایا کہ آج صبر کر کل فلاں جگہ آجانا۔

کل دونوں اس معہود جگہ پر پہنچ گئے وہاں تو مجمع کثیر تھا طاؤس یمانی نے کہا اب اپنا مقصد پورا کر لے۔ اس عورت نے کہا یہاں تو لوگ بکثرت ہیں ہماری بُرائی کو دیکھیں گے تو کیا کہیں گے۔ طاؤس یمانی نے کہا خدا کی بندی! لوگوں کے دیکھنے سے تُو شرما رہی ہے اس ذات سے نہیں شرماتی جو سب کو اور ہر جگہ دیکھتا ہے۔ کیا تو انہی سے ہے جو لوگوں سے تو ڈرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے۔ طاؤس یمانی کا یہ قول عورت کے دل پر اثر کر گیا وہ اُسی وقت تائب ہوئی اور اولیاء کی صف میں شامل ہوگئی۔

حکایت سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک چرواہے غلام کے پاس سے گزرے، فرمایا ایک بکری کی ضرورت ہے بیچو گے؟ عرض کی: بکریاں میری نہیں میرے مالک کی ہیں، میں نہیں بیچ سکتا۔ آپ نے فرمایا مالک سے کہہ دینا ایک بکری بھیڑیا کھا گیا ہے۔ عرض کی مالک سے تو کہہ دوں گا لیکن اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دوں گا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو اس کا جواب پسند آیا آپ نے بکریاں غلام سمیت خرید کر غلام کو آزاد کر دیا اور بکریاں اسی غلام کو عطا کر دیں۔ اس کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما غلام کے مقولہ "این اللہ" یعنی مذکورہ بالا جواب کو یاد فرماتے تھے۔

سبق : بہت سے لوگ (صاحب المراقبہ) ترکِ معصیت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے حیاء اور اس کی ہیبت کی وجہ سے یہ بات ان پر زیادہ مؤثر ہوتی ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ اس کے عذاب کے ڈر سے ترکِ معصیت کریں۔

ف : بعض نے کہا کہ حافظ سے مراد فرشتہ ہے جو اس کے اعمال کی نگہبانی کرتا اور جو بھلائی برائی کرتا ہے تو وہ اسے لکھ لیتا ہے جیسے فرمایا :

وان علیکم لحافظین (اور بیشک تم پر نگران فرشتے ہیں)۔

ہمارے اعمال کے نگرانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں ہمارے اعمال پیش ہوتے ہیں، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

تعرض علی اعمالکم فما کان من	میرے سامنے تمہارے اعمال پیش کیے جاتے
حسنۃ حمدت اللہ علیہ وما کان	ہیں جو نیکی ہے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں
من سیئۃ استغفرت اللہ لکم (ص ۲۹۸)	برائی ہو تو تمہارے لیے استغفار کرتا ہوں۔

مومن کے ایک سوبیس ۱۲۰ نگران فرشتے

نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ ہر مومن کے ساتھ ایک سو بیس فرشتے نگران ہیں جو اس سے شیاطین کو ایسے ہٹاتے ہیں جیسے شہد کے پیالے سے مکھیاں ہٹائی جاتی ہیں اگر مومن کو اس کے نفس کے آنکھ جھپکنے کی دیر سپرد کیا جائے تو اسے شیاطین اُچک کے لے جائیں (گمراہ کردیں)

ف : لمّا کو مخففہ بھی پڑھا گیا ہے اس وقت ان مخففہ اور ما زائدہ اور لام فاصلہ کی ہوگی درمیان مخففہ اور نافیہ کے۔

اب معنیٰ یہ ہوگا کہ شان یہ ہے کہ ہر نفس اس پر نگران ہے۔

ف : آیت میں نفوس کی تخویف (ڈرانا) ہے ان امور سے جو ضارہ (ضرر رسان) ہیں اور ترغیب ہے ان شئون میں جو نافعہ ہیں۔

ف : بعض تفاسیر میں ہے کہ نفس سے عام نفس مکلّف مراد ہے انسان ہو یا جن، اور نفس المکلّف بھی عموم الحفظ کے لیے بعض وجوہ سے ایسے ہی کل نفس مراد ہو سکتے ہیں اس میں نفوس حیوانیہ مطلقاً شامل ہیں بلکہ ہر شے ماسوی اللہ اس لیے کہ نفس سے ذات مراد ہے اس لیے کہ ہر شے کا نفس اس کی ذات ہے اور اس کی ذات اس کا نفس ہے اور حافظ سے خود اللہ تعالیٰ کی ذات مراد ہے اس لیے کہ وہ شے کے احوال کو جانتا ہے اور اس تک اس کے منافع پہنچاتا اور اس سے ضرر رساں چیزوں کو دفع کرتا ہے۔

ف : بندہ حافظ ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے جوارح و قلب اور اپنے دین کی حفاظت کرتا ہے

غضب کے حملہ اور علاوہ شہوت اور نفس کے دھوکا اور غرور شیطان سے اس لیے کہ وہ گرنے والی دیوار کے کنارے پر ہے اور اسے یہی ملکات گلے پڑے ہوئے ہیں جو اسے ہلاکت تک پہنچاتے ہیں۔

خاصیۃ الحفیظ اسم حفیظ کے خواص میں سے ایک یہ ہے کہ اسے لکھ کر گلے میں ڈال دو اگرچہ درندوں کے درمیان سوتے رہو، درندوں سے اور ہر موذی شے سے حفاظت رہے گی۔

تفسیر صوفیانہ حافظ اللہ ہے اگر نفس سے تمام نفوس مراد ہوں اگر اس سے وہی اصطلاحی نفس مراد ہے یعنی قوتِ حیوانیہ تو اس کا حافظ روحِ انسانی ہے۔

تفسیر عالمانہ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ تو چاہیے انسان غور کرے فکر کرے انسان جو جہل و نسیان کا مرکب ہے اور نشور و حشر و میزان کا منکر ہے مِمَّ خُلِقَ کہ کس چیز سے بنایا گیا ہے مِمَّ دراصل مِمَّا تھا الف تخفیفاً محذوف ہوا جیسے عَمَّ میں گزرا۔ یعنی غور کرنے پر اسے واضح ہوگا کہ کن مراد سے اسی کی پیدائش مقدر ہوئی جبکہ اس نے حیات کی بو بھی نہ سونگھی تھی پھر وہی رب تعالیٰ اس کے اعادہ پر قادر ہے بلکہ زیادہ قادر ہے اگر عقل سے کام لیا جائے تو پھر یہ یوم اعادہ و جزاء کے لیے وہ عمل کرے جو اسے اسی دن نفع دے اور محنت کرے اور ایسے کام نہ کرے جو اس کا نگران فرشتہ لکھ لے تو اسے ہلاکت میں ڈالے خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ (جست کرتے پانی سے) جملہ مستانفہ ہے، استفہام مقدر کا جواب ہے گویا کہا گیا کہ کس شے سے پیدا ہوا تو جواب ملا ایسے پانی سے جو جست والا ہے وہ پانی جس میں دفع کے ساتھ گرنا اور تیزی سے بہنا ہو یعنی دفق بمعنی پانی کا گرانا از باب نصر۔

سوال: اسے نسبت کے معنیٰ سے کیوں تاویل کیا گیا ہے؟

جواب: اس لیے ٹپکنا سے متصور نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ تو ٹپکایا ہوا ہے نہ کہ ٹپکنے والا، پھر اسے دافق سے موصوف کیا گیا اس سے قطع نظر کرکے کہ وہ اسی سے صادر ہو۔

ف: بعض نے فرمایا کہ ماء مصبوب یعنی وہ پانی جو رحم میں گرایا ہوا، جیسے کہا جاتا ہے سرٌّ کاتمٌ یعنی راز چھپایا ہوا اور عیشۃ راضیۃ اور عیش پسندیدہ بمعنی مرضیۃ، اس تقریر پر یہ فاعل بمعنی مفعول ہوگا۔ اس سے مراد وہ پانی ہے جو رحم میں دو پانیوں سے مل کر ایک ہو جائے، جیسے اگلا مضمون بتاتا ہے اور چونکہ وہ دونوں مل کر ایک ہو گئے ہیں اسی لیے اسے مفرد سے تعبیر کیا گیا ہے ایسے ہی اسی ممتزج کو دافق کی صفت دی گئی یہ توصیف المجموع بوصف بعض اجزائہ کے قبیل سے ہے۔

يَّخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ (نکلتا ہے وہ جست والا پانی پیٹھ اور سینوں کے

بیچ سے) صلب شدید ہے، اسی اعتبار سے پیٹھ کو صُلب کہا جاتا ہے، یعنی مرد کی پیٹھ اور عورت کے سینے کے بیچ سے۔

حلِ لغات الترائب عورت کے سینے کی پسلیاں اور ہڈیاں جہاں ہار ٹھہرا رہتا ہے، اس کی ہر ہڈی کو تریبۃ کہا جاتا ہے۔ حضرت علی و حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا پستانوں کے درمیان۔ القاموس میں ہے کہ سینہ کی ہڈیاں یا وہ جو اس کی دونوں ہنسلیوں کے ساتھ متصل ہے یا چار پسلیاں ہیں سینے کی دائیں اور چار اس کے بائیں جانب یا دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں اور دونوں آنکھیں یا ہار کے ٹھہرنے کی جگہ۔ اسی لیے باپ بچے کی معاش کے مصالح کا حامل ہوتا ہے اور ماں کو بچے سے رقّتِ قلبی اور محبت زیادہ ہوتی ہے۔

نکتہ بَیْنَ کے لفظ میں اشارہ ہے کہ نطفہ زن و شوہر کے جملہ اجزاء بدن سے تیار ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اولاد اکثر ماں کے مشابہ ہوتی ہے کیونکہ نطفہ کا پانی مرد کی صُلب میں اور عورت کے سینہ میں جمع ہوتا ہے پھر اس کے بعد جاری ہو کر رحم میں ایک ہو کر جمع ہو جاتے ہیں۔

منی کی تحقیق قُوتُ القلوب میں ہے کہ منی در اصل خُون ہے جو صُلب کے جوڑوں پر چڑھتا ہے اور وہی اس کا مسکن ہوتا ہے پھر اسے حرارت جسمانی پکاتی ہے یہاں تک کہ وہ سفید ہو جاتا ہے (یہی منی ہے) جب صُلب کے جوڑ منی سے بھر جاتے ہیں تو پھر وُہ اپنی جگہ سے نکلنا چاہتی ہے اور اس کے نکلنے کا مسلک دو رگیں ہیں جو مرد و عورت کے فرج سے متصل ہیں انہی سے منی گرتی ہے۔

ف: اسئلۃ الحکم (ایک کتاب) میں ہے وہ طریق بول سے نکلتی ہے اور طریق بول ایک رقیق چمڑا ہے جس کی تشخیص مشکل سے ہوتی ہے تاکہ منی پیشاب کے پانی سے نہ مل جائے جس سے اس کے جوہر کی حرارت فاسد ہو جائے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ انسان پیدا کیا گیا ہے رطوبت رحمانی کے پانی سے جس کی طرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ:

انہ أجد نفس الرحمٰن من قبل — میں نفس رحمٰن کی خوشبو یمن سے پاتا ہوں۔
الیمن۔ (ص ۳۹۹)

وُہ پانی فوارۂ محبت کے منہ سے نکلتا ہے جس کی طرف حدیث قدسی شریف میں اشارہ ہے:

کنت کنزا مخفیا فاجبت ان اعرف } میں مخفی خزانہ تھا میرا ارادہ ہوا کہ پہچانا
فخلقت الخلق الخارج من بین الصلب۔ } جاؤں تو مخلوق کو پیدا کیا جو صلب کے درمیان سے پیدا ہوتی ہے۔

وہ پانی صلب مرد یعنی قوۃ فاعلیہ الٰہیہ سے، جس کا نام الید الیمنی ہے جسے حدیث شریف میں بیان کیا گیا کہ

ثم مسح یدہ الیمنی علی جانب الظھر الایمن فاستخرج منہ ذریۃ بیضاء کالفضۃ البیضاء و الترائب و ترآئب امرأۃ القابلیۃ ۔	پھر دایاں ہاتھ صلب کی دائیں جانب پھیرا تو اس سے چاندی جیسے سفید ذرات نکلے اور عورت قابلیۃ کے سینے سے پیدا کیا ۔

اور اس سے وہ قابلیت مراد ہے جس کا نام الید الیسریٰ ہے جس کا ذکر حدیث شریف میں ہے ،

ثم مسح یدہ الیسری علی جانب الظھر الایسر فاستخرج منہ ذراری حماء سوداء ۔	پھر بایاں ہاتھ بائیں طرف پیٹھ کے اوپر پھیرا تو اس سے کوئلہ کی طرح سیاہ ذریت نکالی ۔

یہی وہ انسان ہے جو اپنے رب خالق عزّ اسمہٗ کی صورت (جو اس کی شان کے لائق ہے) سے پیدا ہوا فیض و قبول کے پانی سے جو فاعلیۃ و قابلیۃ کے دونوں ہاتھوں سے گوندھا گیا ، جس کا اشارہ حدیث قدسی شریف میں ہے ، (اللہ تعالیٰ نے فرمایا) ۔

خمّرت طینۃ اٰدم بیدی اربعین صباحًا ۔	میں نے آدم (علیہ السلام) کا گارا چالیس دنوں تک اپنے ہاتھ (قدرت) سے گوندھا ۔

تفسیر عالمانہ اِنَّہٗ (بیشک اللہ تعالیٰ) ضمیر خالق کی طرف لوٹتی ہے اس کا قول خلق دلالت کرتا ہے اس پر کہ انسان ابتداءً مذکور شے سے پیدا کیا گیا ہے عَلٰی رَجْعِہٖ لَقَادِرٌ (اس کی موت کے بعد اس کے اعادہ پر قادر ہے) بین القدرۃ ہے کہ اس کے متعلق عجز کا تصور بھی نہیں ہو سکتا اور عامل یعنی لقادر پر جار و مجرور کی تقدیم اس کے اہتمام کی وجہ سے ہے اسی حیثیت سے کہ خصوصیت سے اسی میں گفتگو ہے اور وہ اس کے منافی نہیں کہ وہ اس کے سوا اور چیزوں پر قادر نہیں ۔

ف : بعض نے کہا کہ انسان کو پیدا کیا اپنی قدرت کے اظہار کے لیے اور اسے رزق سے نوازا اپنے کرم کے اظہار کے لیے، اور اسے موت دے گا جبروت کے اظہار کے لیے، پھر اسے زندہ کرے گا ثواب و عقاب کے اظہار کے لیے ۔

یَوْمَ تُبْلَی السَّرَآئِرُ (جس دن چھپی باتوں کی جانچ ہوگی) رجعہ کی ظرف ہے اور اجنبی کا فاصل ہونا اسے مضر نہیں اس لیے کہ ظرف میں توسع ہوتا ہے ۔

حلِ لغات السرائر، سریرۃ کی جمع بمعنی السّر یعنی وُہ شے جو چھپائی اور مخفی رکھی جائے یعنی وہ امور جو معلوم اور واضح لیکن چھپے ہوئے ہیں قلوب میں عقاید و نیّات وغیرہا سے ایسے ہی اعمال میں سے قیامت میں ان کا امتیاز ہوگا اچھے ہیں یا بُرے یعنی اللہ تعالیٰ ضمائر (قلوب) کے مخفیات (پوشیدہ امور) اور مخفی اعمال کر طیّب وخبیث کا امتیاز ہو ہے

گر پردہ ز روے کار ما بردارند
آن کیست کہ رسوائے دو عالم نشود

ترجمہ: اگر پردہ ہمارے اعمال سے اٹھایا جائے تو وُہ کون ہے جو دونوں عالم میں رُسوا نہ ہو۔

الابلاء بمعنی الابتلاء والاختبار (آزمائش، جانچ) اس کا اطلاق کشف وتمیز پر بھی ہوتا ہے اسم السبب علی المسبب کے قبیل سے ہے اس لیے کہ اختبار (جانچ) تعریف وتمیز کے لیے ہی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو امر و نہی سے آزمانا اس علم سے ہے جو اس نے انہیں ازل سے جانا۔

ف: بعض نے کہا سرائر سے فرائض جیسے روزہ، نماز، زکوٰۃ، غسل از جنابت مراد ہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان اسرار و رموز ہیں کیونکہ اگر بندہ کہے کہ یہ میں نے کیا حالانکہ کیا نہ ہو تب بھی ہم تو سمجھیں گے کہ ممکن ہے اس نے کیا ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ ہی جانے اور اس کا بندہ۔ ہاں یہ اسرار (پوشیدہ امور) کی صحت قیامت میں ظاہر ہو گی۔

ف: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت میں ہر راز ظاہر کرے گا تو بعض بندوں کے لیے زینت ہوگا اور بعض کے لیے عیب، یعنی جس نے امانات الٰہیہ ادا کی ہوں گی اس کا چہرہ چمکدار ہوگا اور جس نے ضائع کی ہوں گی اس کا چہرہ غبار آلود ہوگا۔

فَمَا لَهٗ (تو آدمی کے پاس نہ ہوگا) ہٗ ضمیر انسان کی طرف راجع ہے اور ما نافیہ **مِنْ قُوَّةٍ** زور اس کے نفس میں کہ اپنے نفس سے وُہ عذاب دفع کر سکے جو اس پر نازل ہوگا **وَّلَا نَاصِرٍ** اور کوئی مددگار خارج سے جو اس کی مدد کر سکے کیونکہ اس دن ہر ایک اپنے عمل میں گروی ہوگا اور جو اس پر گزرا خیر یا شر اس کی جزاء و سزا میں مشغول ہوگا۔

ف: قوت منفیہ وُہ قوت ہے جو اس کے اندر ذاتی طور پر رکھی گئی نہ کہ مطلقاً ورنہ عطف کا کوئی فائدہ نہ ہوگا اس لیے جو دوسرے سے فائدہ اٹھایا جا سکے وہ بھی قوت ہوتی ہے پھر جب اس کی نفی ہو چکی تو پھر عطف کا کیا فائدہ۔

ف: قوۃ عبارت ہے انسان کے اندر رکھی ہوئی اس کے جسم کی طاقت سے، اور اس کی وُہ طاقت ہ

ضعف (کمزوری) کی نقیض ہے التعریفات میں ہے قوۃ حیوان کی وُہ طاقت جو اعمال شاقہ پر رکھتا ہے۔

حلِ لغات نصر المظلوم بمعنی اعانہ (اس کی مدد کی) نصرہ منہ نجاہ وخلصہ (اسے نجات دی اور اسے چھٹکارا دیا)

تفسیر صُوفیانہ اس میں اشارہ ہے اس قوۃ کی طرف جو بسبب نیۃ الباطن وعمل الظاہر ہے اوُر نیت خالص جو عمل سے خالی ہو کبھی نیت والے کو فائدہ دیتی ہے لیکن جب ساتھ عمل بھی ہو تو سونے پر سہاگہ۔

تفسیر عالمانہ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ (آسمان کی قسم جس سے مینہ اُترتا ہے)

حلِ لغات ؛ ذات مؤنث ہے ذو کی، بمعنی صاحب۔ الرجع (مینہ) اس نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ عرب کا خیال تھا کہ بادل زمین کے دریاؤں سے پانی لے جاتا ہے پھر اسے زمین کی طرف لوٹاتا ہے۔ یا وہ اس سے نیک فالی کرتے تاکہ بارش لے کر لوٹے، اسی لیے اسے اَوْبٌ بھی کہتے ہیں اسی نیک فال پر (میثوب) تاکر لوٹے۔ اس معنی پر رجع مصدر لازم ہے بمعنی رجوع ذکر متعدی سے۔ ایسے ہی بعض علماء نے فرمایا۔ یا اس لیے کہ وہ اسے وقتاً فوقتاً لوٹاتا ہے اس کے ایجادُ احداث کے بعد۔

امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ رجع مینہ کو اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ لوٹاتی ہے وُہ پانی جو اس نے پانی سے حاصل کیا۔

کشف الاسرار میں ہے کہ وہ ہر سال لوٹتا ہے اور بار بار لوٹتا ہے۔

عبدالقادر جُرجانی نے کتاب الاعجاز میں لکھا کہ آسمان کو ذات الرجع اس لیے کہا کہ سورج اور چاند غائب ہو کر طلوع کرتے ہیں اور بعض ستارے لوٹتے ہیں۔

وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ (اور زمین کی جو اس سے کُھلتی ہے) وُہ شے جو زمین سے ظاہر ہوتی ہے جیسے انگوری، اس لیے کہ نشور کے لیے حکایت کی گئی ہے یعنی زمین کا پھٹنا اور نبات کا ظاہر ہونا عیون کے اظہار کے لیے، بہرحال صدع سے مراد نبات الارض ہے اس لیے کہ وہ زمین چیر کر نکلتی ہے اور اس سے زمین کھلتی ہے۔

حلِ لغات لغت میں الصدع بمعنی الشق (پھٹنا) ہے۔ المفردات میں ہے کہ اجسام صلبہ (سخت) کا پھٹنا صدع ہے جیسے شیشہ، لوہا، ان کی طرح دیگر اشیاء۔

ف ؛ آیت میں آسمان مینہ والا جیسے باپ اور زمین کھلنے والی جیسے ماں اور وہ جو ان سے ظاہر ہوتے ہیں جیسے اولاد، کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اوّلاً آسمان کی یاد فرمائی اسے صفت سے خالی

کر کے دوبارہ اسے متقید کر کے کر وہ مینہ والا ہے ایسے ہی زمین کھلنے والی ۔ اشارہ فرمایا اپنی منت کا انسان پر کہ اس کے لیے کیسی منافع والی چیزیں بنائیں اور یہ دلیل ہے ان میں اس کے علم تام و قدرت کاملہ پر۔

تفسیر صوفیانہ

اس میں آسمانِ روح کی طرف اشارہ ہے کہ بارش والا ہے نشأۃ ثانیہ میں اور ارضِ بدن کی طرف کہ پھٹنے سے کھلنے والی ہے روح سے اس کے نکلنے کے وقت یا اس کے نکلنے کے وقت یا اس کا کھلنا ہے اس کے اتصال کے بعد۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّهٗ (بے شک وہ) قرآن جو منجملہ اس کے یہ آیات تلاوت کردہ جو مبدائے حال انسان اور اس کے معاد پر ناطق ہیں لَقَوْلٌ ضرور بات ہے (کلام کیلئے جو گفتگو والی ہے اس لیے قول بمعنی مقول بکثرت استعمال ہوتا ہے فَصْلٌ (فیصلہ کی) حق و باطل کے درمیان فیصلہ کن ہے اور انتہائی بات کمال کے ساتھ، گویا وہ نفس فیصلہ ہی ہے جیسے اسے فرقان کہا جاتا ہے بمعنی فارق۔ وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ (اور وہ کوئی ہنسی کی بات نہیں)

حلِ لغات

الھزل بمعنی لعب۔ اور فتح الرحمٰن میں ہے وہ جو مستعمل غیر موضوع لہ میں بغیر مناسبت کے جِدّ کی نقیض، یعنی وہ بات جس کی حقیقت کا معنی قصد کر کے بیان کی جائے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ قرآن میں ہنسی مذاق کا شائبہ تک نہیں سارے کا سارا جِدّ ہے ہنسی نہیں، اس کا حق یہ ہے کہ اس سے گمراہ ہدایت پائیں اور سرکش گردنیں اس کے سامنے جھک جائیں۔ خلاصہ یہ کہ قرآن کھیل اور باطل میں ہنسی نہیں۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ جو اس سے ہنسی کرتا ہے یا مزاح کے طور اسے سامنے لاتا ہے کافر ہو جائے گا۔

مسئلہ: ہدیۃ المھدیین میں ہے جو کوئی قرآن کا انکار کرے یا اس سے مسخری کرے یا عیب لگائے کافر ہو جائے گا۔

الم نشرح سا کا گریبان چاک کر دیا۔ یا کہا قل ھو اللہ کا چڑا اوھیڑا۔ یا یہ کہ تو انا اعطینٰک الکوثر سے بھی چھوٹا ہے۔ یا کسی کو کہا گیا کہ تو قرآن کیوں نہیں پڑھتا وہ جواب میں کہے میں قرآن سے سیر ہو گیا۔ یہ اور اس طرح کے دیگر کلمات و امثال کفر ہیں۔

سبق: مومن پر لازم ہے کہ وہ ایسی باتوں سے احتراز و اجتناب کرے۔

اِنَّهُمْ (بیشک وہ) اہل مکہ اور معاندینِ قریش يَكِيدُونَ كَيْدًا (اپنا سا داؤں چلتے ہیں)

قرآن کے امور کے ابطال اور اس کے نور بجھانے میں یعنی مکروفریب کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن شریف کے بارے میں اپنی قدرت وطاقت کے مطابق وَّ اَكِيْدُ كَيْدًا (اور میں اپنی خفیہ تدبیر فرماتا ہوں) ان کا مقابلہ کرتا ہوں تدبیر مضبوط سے کہ جس کا رد ممکن نہیں اس حیثیت سے کہ میں انہیں ایسی مہلت دیتا ہوں جسے وہ نہیں جانتے مخلوق عاجز ضعیف کا مکر قدیم قادر قوی (رب تعالیٰ) کی تدبیر کا کیا مقابلہ کرے گا۔ دنیا میں تلوار سے انتقام اور آخرت میں عذاب نار کو استدراج کہنا مشاکلۃ سے ہے کہ ان کے عمل وکسب کے مقابلہ میں واقع ہوا کروہ ان کی جزاء ہے۔ ورنہ کید بمعنی مکر وحیلہ سازی ہے اور اس کا اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف اس کا حقیقی معنیٰ مراد لے کر منسوب کرنا ناجائز ہے اور شے کی جزاء اسی اسم سے علی سبیل المشاکلۃ (عرب وغیرہ میں) بکثرت شائع ذائع ہے فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ (تو تم کافروں کو ڈھیل دو) ان سے انتقام کے درپے نہ ہو اور نہ ہی ان پر ہلاکت کی دعا مانگو اور نہ ہی ان کی ہلاکت میں جلدی کرو اَمْهِلْهُمْ (انہیں مہلت دو)

حلِ لغات یہ مھّل سے بدل ہے، وہ دونوں یعنی تمہیل و امہال لغاتِ عرب میں مستعمل ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ومھلھم قلیلا (اور انہیں تھوڑی سی مہلت دو)

حکایت حضرت ہمام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غلام سے مروی ہے فرمایا کہ جب مصحف لکھا گیا تو تین آیات پر شک گزرا انہیں بکری کی ران کی ہڈی پر لکھ کر مجھے حضرت ابی بن کعب اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کے پاس بھیجا گیا۔ میں نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر وہی لکھی ہوئی آیات پیش کیں انہوں نے پڑھیں تو اس میں لکھا تھا:

(۱) لاتبدیل للخلق۔

آپ (ابی بن کعب) نے لکھا: لاتبدیل لخلق اللّٰہ۔

(۲) اور لکھا تھا لَم یَتَسَنّ۔

آپ نے لکھا: لم یَتَسَنَّہْ۔

(۳) اور لکھا تھا فَاُمھل الکافرین۔

آپ نے الف مٹا کر لکھا: فمھل الکافرین۔

اسے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ نے بھی پڑھ کر تصدیق فرمائی، اسے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور دیگر (قرآن کمیٹی کے) ممبران کے ہاں لے گیا تب انہوں نے اسی طرح مصحف میں درج فرمایا۔

مسئلہ: اس میں اشارہ ہے کہ قرآن کا محافظ خود اللہ تعالیٰ ہے وہ اسے تحریف وتبدیل سے محفوظ

رکھتا ہے کیونکہ اس نے اسے حفاظ القرآن کے سینوں میں محفوظ رکھا ہے۔[1]

مسئلہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مشکلات کے وقت اہل الحل (حل المشکلات حضرات) کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

رُوَیْدًا (تھوڑی سی) مہلت۔

حل لغات: کہا جاتا ہے ارود، یرود بمعنی نرمی کی، دیر کی، اسی سے ہے بنی رُوید (المفردات) الارشاد (تفسیر) میں ہے کہ وہ دراصل رود (بالضم) کی تصغیر ہے بمعنی المهل (مہلت) یا ارواد مصدر ہے اور رد کا بمعنی ترخیم (دُم بریدہ کرنا) وہ یا مصدر مؤکد ہے عامل کے معنیٰ کا، یا نعت ہے مصدر محذوف کی یعنی امهلهم امهالا رویدا بمعنی قریب یا قلیل یسیر (معمولی) اس لیے کہ ہر آنے والا زمانہ قریب ہے جیسے کہا جاتا ہے: گرچہ قیامت دیر آید ولے می آید (اگرچہ قیامت دیر سے آئیگی لیکن آئیگی ضرور)

ف: اس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تسلی ہے رمز و اشارہ سے کہ قیامت میں ان سے مکمل طور بدلہ لیا جائے گا۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ اس آیت کے نزول اور واقعہ بدر میں تھوڑا سا وقفہ ہے۔

حکایت ہارون الرشید کے ہاں ابن السماک تشریف لے گئے ہارون الرشید نے آپ سے نصیحت چاہی، اس وقت وہ چٹائی پر بیٹھا تھا۔ حضرت ابن السماک نے فرمایا کہ اے امیرالمومنین تیری تواضع تیرے شرف بیں تیرے شرف سے افضل ہے۔ ہارون الرشید نے کہا: ایسا بہتر جواب میں نے کسی سے نہیں سُنا۔ حضرت ابن السماک نے فرمایا: ہاں امیرالمومنین سُن لیں کہ جسے مال وجمال اور شاہی سلطنت اور شرافت نصیب ہو اسے چاہیے کہ وہ اپنے شرف میں تواضع کرے اور جمال میں عفت (پاکدامنی) کرے اور اپنے مال سے راہِ خدا میں دے اور اپنی سلطنت میں عدل و انصاف کرے تو اُسے مخلصین کے دفتر میں لکھ دیا جاتا ہے۔ ہارون الرشید نے کاغذ منگوا کر اسے لکھ لیا اور عرض کی، اور فرمائیے۔ فرمایا: اے امیرالمومنین! اللہ تعالیٰ نے مہلت دی تو گویا اس نے مہلت دے دی اور عیب چھپائے تو گویا اس نے بخش دیا پھر کہا اے امیرالمومنین! یوں سمجھ لو کہ گویا ساری دنیا تیرے آگے ہے اسی طرح کی اور دنیا تیرے لیے ہو اور مانا کہ مشرق و مغرب تیرے قبضے میں آجائے لیکن ملک الموت تشریف لائیں گے تو تیرے

---

[1] اس میں شیعہ و روافض کا رَدّ ہے کہ ان کا گمان ہے کہ قرآنِ مجید میں (معاذاللہ) تبدیلی ہوئی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی مرضی سے اسے جمع کیا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے فقیر کی کتاب "شیعہ اور قرآن"۔ اویسی غفرلہٗ

تیرے سامنے (آگے) کیا ہوگا (کچھ نہ ہوگا خالی ہاتھ دنیا سے جاؤ گے) عرض کی، اور فرمائیے۔ فرمایا، آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک ہر ایک نے موت کا ذائقہ چکھا (تو بھی چکھے گا) عرض کی، اور فرمائیے۔ فرمایا (مرنے کے بعد) صرف دو مقام ہیں جنت اور دوزخ (اب سوچ لے کہ تو کس مقام کے لائق ہے) یہ سن کر ہارون الرشید پر غشی طاری ہوگئی اور اتنا کہا حسبی (مجھے اتنا کافی ہے) حضرت ابن السماک نے فرمایا، اسے چھوڑ دیہاں تک کہ مر جائے، جب ہارون الرشید نے ہوش سنبھالا تو اسے حضرت ابن السماک کا مقولہ سنایا تو ہارون الرشید نے ابن السماک سے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کہا، فرمایا، اے امیر المومنین! تیرے لیے یہ اعزاز کچھ کم تھا اگر تو اس وقت مر جاتا تو لوگ کہتے کہ امیر المومنین خوفِ خداوندی سے مر گیا۔ ہارون الرشید نے فرمایا، آپ نے خوب فرمایا اس پر عزت و احترام سے آپ کو روانہ کیا۔ حضرت حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ؎

بمہلتے کہ سپہرت دہد ز راہ مرو
ترا کہ گفت ایں زال ترک دستان کرد

ترجمہ، وہ مہلت جو تجھے دورِ زمانہ نے دی راہِ حق سے نہ ہٹ۔ تجھے کس نے کہا کہ اس بوڑھی (دنیا) نے مکر کرنا چھوڑ دیا ہے۔

سبق: اسے مبارک ہو جس کے ارادے کم اور عمر لمبی اور اعمال صالحہ کثیر ہوں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں دھوکا میں آنے والوں سے نہ بنائے۔

فراغت صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ: سورۃ الطلاق کی تفسیر سے چمکنے والے ستاروں کے خالق کی مدد سے اتوار کے دن ۱۲ ربیع الاول ۱۱۱۷ھ میں فراغت ہوئی۔

فراغتِ مترجم فقیر اویسی غفرلہٗ نے تفسیر سورۃ طارق کے ترجمہ سے ۱۲ رجب المکرم بروز سوموار ۱۴۰۹ھ مطابق ۲۰ فروری ۱۹۸۹ء فراغت پائی (الحمد للہ علیٰ ذٰلک)۔

سُوْرَةُ الْاَعْلٰى مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اٰيَاتُهَا ١٩ رُكُوْعُهَا ١

سورۃ الاعلیٰ مکیۃ ہے اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا اس میں انیس آیتیں ہیں

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ① الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰى ② وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰى ③
اپنے رب کے نام کی پاکی بولو جو سب سے بلند ہے جس نے بنا کر ٹھیک کیا اور جس نے اندازہ پر رکھ کر راہ دی

وَالَّذِیْۤ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ④ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ⑤ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰۤى ⑥
اور جس نے چارا نکالا پھر اسے خشک سیاہ کر دیا اب ہم تمہیں پڑھائیں گے کہ تم نہ بھولو گے

اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا یَخْفٰى ⑦ وَنُیَسِّرُكَ لِلْیُسْرٰى ⑧ فَذَكِّرْ اِنْ
مگر جو اللہ چاہے بے شک وہ جانتا ہے ہر کھلے اور چھپے کو اور ہم تمہارے لیے آسانی کا سامان کر دیں گے تو تم نصیحت

نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ⑨ سَیَذَّكَّرُ مَنْ یَّخْشٰى ⑩ وَیَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ⑪ الَّذِیْ
فرماؤ اگر نصیحت کام دے عنقریب نصیحت مانے گا جو ڈرتا ہے اور اس سے وہ بڑا بدبخت دور رہے گا جو سب سے

یَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ⑫ ثُمَّ لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَلَا یَحْیٰى ⑬ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ⑭
بڑی آگ میں جائے گا پھر نہ اس میں مرے اور نہ جیے بے شک مراد کو پہنچا جو ستھرا ہوا

وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ⑮ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ⑯ وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّ
اور اپنے رب کا نام لے کر نماز پڑھی بلکہ تم جیتی دنیا کو ترجیح دیتے ہو اور آخرت بہتر اور باقی رہنے

اَبْقٰى ⑰ اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ⑱ صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰى ⑲
والی بے شک یہ اگلے صحیفوں میں ہے ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں

سورۃ الاعلیٰ جمہور کے نزدیک مکیّہ ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا)

تفسیر عالمانہ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى (اپنے رب کے نام کی پاکی بولو جو سب سے بلند ہے)

حلِ لغات: التسبیح بمعنی التنزیہ، اور اللہ کا اسم ہے اسے اللہ تعالیٰ کی ذات کے پیش نظر اس کے سوا کسی دوسرے پر اس کا اطلاق جائز نہیں یا اس کی صفات سلبیہ کے اعتبار سے اس کی صفت ہے قدوس کی طرح یا صفات ثبوتیہ کے اعتبار سے علیم کی طرح یا باعتبار اس کے افعال کے ایک فعل ہے خالق کی طرح لیکن اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات بعض علماء کے نزدیک

تو تفسیر میں اس کی تحقیق گزر چکی ہے الاعلیٰ رب کی صفت ہے یہ بھی جائز ہے کہ وہ اسم کی صفت ہو لیکن پہلا زیادہ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کے لیے علوٗ کا یہ مطلب ہے کہ وہ بلند ہے اس سے کہ اسے محیط ہو سکے واصفین کا وصف، بلکہ عارفین کا علم بھی اسے محیط نہیں ہو سکتا۔ اور اعلویۃ کا مطلب یہ ہے کہ وہ مطلق زیادہ علو والا ہے۔

ف : اس کے لیے علو اور کبر کا معنی یہ نہیں کہ اس کی کوئی جہت ہے یا کبر جسمانی لحاظ سے ہے کیونکہ وہ ایسے اوصاف سے بلند و بالا ہے، بلکہ اس کے علو کا یہ مطلب ہے کہ وہ نعوتِ جلال و کبریائی میں بلندی کے لائق ہے۔ جس نے اس کی بلندی و کبریائی کو جانا وہ اس کے لیے تواضع و تذلل کرتا ہے جیسے اس کے صالحین بندوں کا طریقہ ہے۔

ف : اب معنیٰ یہ ہوا کہ اس کا اسم منزہ ہے اس میں الحاد اور ٹیڑھی تاویلات سے، مثلاً اس کیلئے علو فی المکان کا قول کرے[1] اس کے علو فی المکان کا معنیٰ نہ کرے اور استواء سے استقرار کا معنیٰ بتائے نہ کہ استیلاء۔ (جیسے ابن تیمیہ اور اس کے ہم نواؤں کے متعلق حاشیہ پر فقیر اویسی غفرلہٗ نے عرض کر دیا ہے) ایسے ہی اس کے اطلاق میں کہ معرفی ساشت بہ بھی اس کے لیے تشارک (مشارکۃ) کا نہ ہو' جیسے کافروں مشرکوں کا طریقہ تھا کہ وہ صنم و وثن (بُت) کو رب و الٰہ کہا کرتے، ایسے ہی بعض اہلِ عرب مسیلمۃ الکذاب کو "رحمان الیمامہ" کہتے، ایسے ہی اس کے ذکر کی تنزیہ کہ اسے علی طریق الاعظام والاجلال یاد کیا جائے اسی میں داخل ہے کہ انگڑائی کے وقت اس کا نام لیا جائے یا عین قضائے حاجت کے وقت ایسے ہی غفلت میں ایسے ہی اس کے معنی اور حقیقت کو سمجھے بغیر ایسے ہی اس کا نام قسم میں بکثرت لینا کہ اس کے اجلال و اکرام کا خیال تک ہو۔

ف : جریر نے کہا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ارفع صوتک بذکرہ (اس کا ذکر کر بلند آواز سے) یعنی اس کے اسم کا ذکر، اس لیے کہ مدلول کا ذکر اس کے اسم کی دلالت سے ہو۔ اس سے معلوم ہوا

---

[1] جیسے ابن تیمیہ اور اس کے معتقدین نجدی وہابی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہے اور پاؤں لٹکاتا ہے تو کرسی چرچر کرتی ہے (ترجمہ قرآن وحید الزمان تحت آیۃ الکرسی) اور مولوی اسمٰعیل دہلوی نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ کا عرش پر بیٹھنا نہ ماننا بدعت ہے (ایضاح الحق الصریح) ہندو پاک میں اسی موضوع پر اہلسنت اور وہابیوں کے کئی رسائل و کتب شائع ہوئے اور نجدی اور ابنِ تیمیہ کے متعلق تو پہلے ہی مشہور ہے۔ اویسی غفرلہٗ

کہ لفظ اسم آیت میں زائد نہیں ۔

ف : بعض نے کہا کہ اسم اور مسمّٰی یہاں پر ایک ہے بمعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کی تنزیہ کہ وہ وہم و خیال میں آسکے ۔

حدیث شریف حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

لما نزلت فسبح باسم ربك العظيم قال عليه السلام اجعلوها فی رکوعکم فلما نزل سبح اسم ربك الاعلیٰ قال اجعلوها فی سجودکم وکانوا يقولون فی الرکوع اللهم لك رکعت وفی السجود اللهم لك سجدت ۔	جب فسبح باسم ربك العظيم نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ اسے رکوع میں پڑھا کرو اور جب سبح اسم ربك الاعلیٰ نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا اسے سجدہ میں پڑھا کرو ۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رکوع میں پڑھا کرتے تھے اللهم لك رکعت (اے اللہ! ہم نے تیرے لیے رکوع کیا) اور سجدہ میں کہا کرتے اللهم لك سجدت (اے اللہ! ہم نے تیرے لیے سجدہ کیا)

ف : حدیث شریف (مذکورہ بالا) سے ثابت ہوتا ہے کہ لفظ اسم یہاں پر زائد ہے یہ سعدی المفتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا۔ علاوہ ازیں امر کی تعمیل بھی یوں ہوا کرتی ہے کہ کہا جاتا ہے سبحان ربی العظیم، یعنی اس میں لفظ اسم نہیں کہا جاتا، ورنہ قرآن مجید میں تو فسبح باسم ربك العظيم ہے اسی لیے حضرت علی و حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم نے سبحان ربی الاعلی الذی الخ پڑھا اس لئے کہ سبح ' تسبیح کا امر ہے تو ضروری تھا کہ کہا جاتا تسبیح ربی الاعلیٰ، ایسے ہی تسبیح ربی العظیم۔ لیکن کہا جاتا ہے سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلیٰ ۔ علاوہ ازیں آیت سبحان ربك العزة الخ میں اسم نہیں اس کا معنیٰ ہے اپنے رب کی عزت کی تنزیہ کرو۔ اس کی تعمیل سبحان ربنا رب العزة کہنے سے ہو جاتی ہے اس کا معنیٰ بھی یہی ہے کہ ہمارے رب کی تنزیہ جو ہمارا رب بڑی عزت والا ہے (اس میں لفظ اسم نہیں) ایسے ہی جملہ مامور بہا مواقع کا قیاس کرو ۔

نکتہ سبحان ربی العظیم کی تخصیص رکوع میں اور سبحان ربی الاعلیٰ سجود میں اس لئے ہے کہ اس کا مرتبہ حیوان کی طرف اشارہ ہے اور دوسرا مرتبہ نبات و جماد کی طرف تو ضروری ہوا تنزیہ میں بھی ترقی ہو ۔

حدیث شریف

حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عادت کریمہ تھی ایسے ہی آپ کے صحابہ کی، بلندی پر چڑھتے تو اللہ اکبر کہتے اور نیچے اترتے تو سبحان اللہ کہتے۔ اسی ترتیب کو نماز میں ملحوظ رکھا گیا۔

شرح الحدیث

حضرت شیخ صدرالدین القنوی قدس سرہٗ نے اس حدیث شریف کی شرح میں لکھا کہ رفعت وارتفاع استعلاء ہے اور یہ تکبر کی علامت ہے اگر ظاہری استعلاء ہے تو بھی تکبر کی ایک صورت ہے اگر باطنی طور استعلاء ہے تو حقیقی تکبر ہے اور کبریائی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی شان ہے اس تمہید کے بعد اب اوپر کو چڑھنے کی صورت بھی ایک قسم کا استعلاء ہے تو تکبر کے مشابہ اور ظاہری طور اس کا وجود ہے اسی لیے اس وقت اللہ اکبر کہنا مسنون ٹھہرا یعنی اللہ تعالیٰ ہی اکبر اور اعلیٰ ہے اس سے کہ اس کے ساتھ کوئی کبریائی میں شریک ہو اور اوپر کو چڑھنا بظاہر اشتراک کا وہم پیدا کرتا ہے۔ اور نیچے اترتے وقت تسبیح بھی اسی راز پر مبنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت بندے کے ساتھ ہے جیسا کہ فرمایا:

وھو معکم اینما کنتم (جہاں تم ہو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے)

جب ہمارا ایمان ہے کہ وہ ہمارے ساتھ ہے ہم جہاں بھی ہیں تو لامحالہ ہمارے نیچے اترنے کے وقت بھی ساتھ ہے لیکن نیچے کو ہونے سے وہ منزہ ومقدس ہے کیونکہ وہ سبحان ہے تحت اس کی شان نہیں بلکہ فوق ہے لیکن فوق از جہت نہیں کیونکہ جہات کی نسبتوں سے وہ پاک ہے بلکہ ہر قید سے منزہ ہے بلکہ وہ خود جہات کو محیط ہے اسی لیے چڑھنے اترنے کے وقت اس کی تکبیر وتسبیح چاہیئے (تاکہ اس کی آقائی اور بندے کی بندگی کی طرف اشارہ ہو)

سُبحان ربّی الاعلیٰ سب سے پہلے کس نے کہا

سب سے پہلے سبحان ربی الاعلیٰ میکائیل علیہ السلام نے کہا اس لیے کہ ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت آئی تو عرض کی: اے اللہ! مجھے ایسی قوت دے کہ میں تیری عظمت و سلطنت کو دیکھ سکوں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام آسمان والوں کی قوت اس اکیلے کو دے دی تو پانچ ہزار سال اڑتے رہے یہاں تک کہ ان کے پَر نورِ عرش سے جل گئے۔ پھر قوت کا سوال کیا اللہ تعالیٰ نے پہلے سے دُگنی قوت عطا فرمائی تو پھر اُڑنا شروع کر دیا، دس ہزار سال اُڑتے رہے اس پر اُن کے پَر جل گئے یہاں تک کہ چُوزہ نما ہو گئے وہاں سے دیکھا تو حجاب اور عرش کو اسی حال میں دیکھا جیسے ابتداء میں دیکھا تھا یہ کیفیت دیکھ سر سجدہ میں رکھ دیا اور کہا سبحان ربی الاعلیٰ۔ اس کے بعد قوت کا سوال کیا کہ مجھے اپنے مکان اور پہلی حالت میں لوٹا دے (ذکرہ ابو اللیث رحمہ اللہ فی تفسیرہ)۔

سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کے ثواب کا بیان

حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے جبریل (علیہ السلام)! مجھے سبحان ربی الاعلیٰ کے ثواب کی خبر دیجئے۔ یعنی نماز اور غیر نماز میں اس کے پڑھنے کا کتنا ثواب ہے! عرض کی: اے محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! جو مرد یا عورت اسے سجدے یا غیر سجدے میں کہے گا اس کا ترازو عرش و کرسی اور دنیا کے پہاڑوں سے زیادہ بوجھل ہوگا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرا بندہ سچ کہتا ہے میں اعلیٰ اور ہر شے سے بلند و بالا ہوں اے میرے فرشتو! گواہ ہو جاؤ میں نے اپنے اس بندے کو بخش دیا اور اسے جنت میں داخل کر دیا (داخلے کا مستحق بنا دیا) جب وہ شخص مرے گا تو میکائیل علیہ السلام اس کی زیارت کے لیے روزانہ تشریف لایا کریں گے جب قیامت کا دن ہوگا اسے اپنے پروں پر بٹھا کر اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے لائیں گے اور عرض کریں گے اے میرے رب تعالیٰ! اس کے بارے میں میری شفاعت قبول فرما۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے میکائیل (علیہ السلام)! میں نے تیری شفاعت قبول کی اسے بہشت میں لے جا۔ (ذکرہ ابن الشیخ فی حواشیہ)

حدیث شریف میں ہے:

سبحان اللہ والحمد للہ یملآن ما بین السمٰوٰت والارض ۔	سبحان اللہ والحمد للہ آسمانوں اور زمین کے درمیان کو بھر دیتے ہیں۔

یعنی یہ دونوں کلمے اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتیہ و فعلیہ جن کے آثار آسمانوں اور زمین کے درمیان ہیں کے کمال ثنا و تعریف پر مشتمل ہیں۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کا اسم اعلیٰ و اعظم اس کی ذات مع جمیع الصفات ہے یعنی اس کی ذات کی تنزیہ ہے ساتھ تجرد کے از ماسوائے حق اور قطع نظر از غیر کے تاکہ ان پر تمام کمالات حقانیہ ظاہر ہوں اور یہ اس کی تسبیح خاص ہے مقامِ فنا میں۔ کیونکہ استعداد تام جمیع صفاتِ الٰہیہ کے قابل ہے اس کی استعداد صرف اسی کے لئے ہے تو ذاتِ الٰہی وہی اسم اعلیٰ ہے اس کے کمال تک پہنچنے کے وقت۔

ف: ہر شے کی خاص تسبیح ہے جس سے وہ اسمائے ربانی میں سے کسی اسم خاص کی تسبیح کرتی ہے۔

تفسیر عالمانہ اَلَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی (جس نے بنا کر ٹھیک کیا) یہ رب کی دوسری صفت بطریق اوّل از منصوب علی المدح علی الثانی ہے تاکہ لازم نہ آئے فاصلہ درمیان

موصوف وصفت کے اس کے غیر کا۔ اب معنی یہ ہوا کہ اس نے پیدا کیا ہر شے کو اور اسے ٹھیک کیا بایں طور کہ اس کے لیے وہ بنایا جس سے اسے اس کا کمال حاصل ہوگا اور اس کی معاش درست ہو۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے انسان! اللہ تعالیٰ نے تیرا ظاہر بنا کر تیرے جسم کی عمارت ٹھیک کی ایسے طریق سے جسے وہ قبول کرے اس کے مزاج خاص کے ساتھ روح اتم کو جو جمیع کمالات کے لیے مستعد ہے۔

ف : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہر شے کو پیدا کیا بحسب الوجود پھر اسے ٹھیک بنایا کہ جس سے فیض الٰہی پہنچے برابر طور بحسب اس کی استعداد فطری کے۔ بعض نے کہا مخلوق کو پیدا کیا پھر اس کی خلقت میں درستی فرمائی اور ان میں سے مخصوص لوگوں کو ہدایت سے ممتاز فرمایا۔

تفسیر عالمانہ وَالَّذِیْ قَدَّرَ (اور جس نے اندازہ پر رکھا) اس کا عطف موصول اول پر ہے یعنی تمام اشیاء کی اجناس و انواع و افراد اور مقادیر و صفات و افعال و آجال کا اندازہ رکھا جیسا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ قدر مقادیر الخلق قبل ان یخلق السمٰوٰت والارض بخمسین الف سنة۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے خلق کی مقادیر آسمانوں اور زمین کی پیدا سے پچاس ہزار سال پہلے اندازہ کر رکھا تھا۔

یعنی ایسے ہی ہر نوع کے اشخاص کو مقدار معلوم پر اور ایسے ہی ہر شخص کی مقدار اس کے جثہ و اوضاع رجمیع صفات میں جیسے حُسن و قبح اور سعادۃ و شقاوۃ اور ہدایۃ و ضلالت اور الوان و اشکال اور طعوم و ائحہ (خوشبوئیں)، اور ارزاق و آجال وغیرہ وغیرہ سب مقدار معلوم پر مقدر فرمائے، جیسا کہ فرمایا:

وان من شئ الا عندنا خزائنه وما ننزله الا بقدر معلوم۔

ہر شے کے خزانے ہمارے پاس ہیں معلوم ہیں اور اسے قدر معلوم پر ہی نازل کرتے ہیں۔

فَهَدٰی راہ دی یعنی ہر ایک کو اس طرف متوجہ فرمایا جو اس سے صادر اور اس کے طبعاً و اختیاراً لی ہو اور آسان فرمایا جو اس کے لیے پیدا فرمایا ساتھ پیدا فرمانے میلان اور الہامات اور دلائل کھڑے کے اور آیات نازل کر کے۔ اگر تم نباتات و حیوانات کے احوال کا تجسس و تتبع کرو۔ تو تم ان کے حالات زگے جن میں عقل دنگ اور حیران رہ جاتی ہے۔

حکایات عجائبات المخلوقات

(۱) سانپ کی دانشمندی

سانپ جب ایک ہزار سال کا ہو جاتا ہے تو اندھا ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ القا کرتا ہے کہ آنکھوں پر سبز دھانے کے پتے پھیرے بسا اوقات اس کے ہزار سال گزارنے کے بعد آنکھیں جنگل میں ہی اندھی ہوتی ہیں جہاں آبادی سرسبز علاقہ ہے اس کے درمیان بڑی دُور کی مسافت ہوتی ہے لیکن ہمت نہیں ہارتا وہ اتنی طویل مسافت کو طے کرتا ہے باوجودیکہ اندھا ہے لیکن باغات کی تلاش کر ہی لیتا ہے یہاں تک کہ دھانے کے پودے تک پہنچ کر اس کے پتے آنکھوں پر پھیرتا ہے تو باذن اللہ تعالیٰ بینا ہو جاتا ہے (اور اسی بینائی سے واپس جاتا ہے)۔

(۲) مگرمچھ کی کارروائی

مگرمچھ کی دُبر نہیں ہوتی جو کچھ کھاتا ہے اس کے فضلات پھر منہ سے ہی نکالتا ہے اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک پرندہ روزانہ کی غذا بنائی ہے جب مگرمچھ اس پرندے کو دیکھتا ہے تو منہ کھول دیتا ہے اور وہ پرندہ اس کے منہ میں داخل ہو جاتا ہے اور مگرمچھ اُسے کھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پرندے کی چونچ کے اوپر اور نیچے دو سینگ بنا دیئے تاکہ جب تک پرندہ مکمل طور پر اس کے اندر نہ چلا جائے مگرمچھ کا منہ بند نہ ہو۔

(۳) کچھوا مصر اور سندھ میں

مگرمچھ کچھوا کی طرح موٹا جانور ہے وہ مصر کے دریائے نیل اور سندھ کے دریائے مہران میں ہوتا ہے (القاموس) وہ کچھوا جانوروں اور آدمیوں پر جھپٹتا ہے اس کا طول بیس ہاتھ ہوتا ہے وہ جنگل میں انڈے دیتا ہے ان میں جو دریا میں واقع ہو تو مگرمچھ بنتا ہے کچھ بچ جائے تو اس سے سقنقور (ریت کی مچھلی۔ المنجد) بنتی ہے۔

(۴) ریت کی مچھلی شاہانِ ہند کا تحفہ

سقنقور (ریگ ماہی، ریت کی مچھلی) یہ ایک جانور ہے جو مصر میں ہوتا ہے چھپکلی کی صورت میں۔ لیکن یہ وہ نفیس ترین جانور ہے جسے شاہانِ ہند کی طرف تحفہ کے طور پر بھیجا جاتا ہے وہ اسے سونے کی چھُری سے ذبح کر کے اسے نمک مصری سے پُر کر کے اپنے ملک میں لاتے ہیں اس سے ایک مثقال کی مقدار انڈے یا گوشت یا کھانے پر رکھیں تو بڑا مفید ثابت ہوتا ہے۔

(۵) دُو ذَکر اور دُو رحم والے جانور

ریگ ماہی اور گوہ اور کچھوے نر کے دو ذکر اور مادہ کے دو رحم ہوتے ہیں۔

(۶) ریگستانی پرندہ بھٹ تیتر

قطا ریگستانی پرندہ بھٹ تیتر ہے (المنجد) یہ ایک ایسا پرندہ ہے جو اپنے بچوں کو چھوڑ کر دس دن کی مسافت پانی کی تلاش میں نکلتا ہے کبھی اس سے زائد بھی۔ پانی پر طلوع الفجر تا طلوع الشمس گزار کر وطن واپس

آتا ہے وہیں پہنچ جاتا ہے جہاں اس کے بچے ہوتے ہیں۔ آتے جاتے راستہ نہیں بھولتا۔

(۷) اُونٹ اور گدھے کی سمجھداری اُونٹ اور گدھا اندھیری رات میں جس راستہ سے ایک بار گزر جائیں اُسے کبھی نہیں بھولتے۔

(۸) ریچھ کی دانائی مادہ ریچھ جب بچہ جنتی ہے تو اسے دو دن ہوا میں لیے کھڑی رہتی ہے چیونٹی کے خوف سے، کیونکہ جب وہ بچہ جنتی ہے تو وہ گوشت کے ایک ٹکڑے کی طرح ہوتا ہے اعضاء میں امتیاز نہیں ہوتا پھر آہستہ آہستہ ظاہر ہوتے ہیں۔

(۹) بچھو اور چوہے کا قصہ بچھو اور چوہا ایک شیشی میں جمع ہو گئے، چوہے نے جلدی سے بچھو کی سونڈ (جس میں زہر ہوتا ہے) کاٹ لی۔ اس کارروائی سے چوہا بچھو کی ایذا رسانی سے بچ گیا۔

(۱۰) بندر اور چوہا بندر ایک چوہے کے پیچھے اسے کھانے کے لیے بھاگا، چوہا درخت پر چڑھ گیا، بندر بھی درخت پر چڑھ گیا۔ چوہے نے ایک ٹہنی پر پناہ لے لی۔ لیکن بندر نے ٹہنی کو بھی نہ چھوڑا۔ چوہے نے دیکھا کہ اب بھاگنے کی کوئی راہ نہیں رہی تو اس نے ایک پتے پر پناہ لے لی، یعنی اس کے ایک حصہ کو چیر کر اس پر لٹک گیا۔ بندر نے چیخ ماری تاکہ اس کی مادہ (بندریا) وہاں پہنچ جائے۔ چنانچہ بندریا درخت کے نیچے آگئی تو بندر نے اس پتے کو کاٹا جس پر چوہا لٹکا ہوا تھا۔ جب چوہا نیچے گرا تو بندریا نے فوراً اچک لیا۔

(۱۱) چُوہے کی کارستانی چُوہا گھی کے مٹکے میں اپنی دُم ڈال کر گھی سے تر کر لیتا ہے پھر اسے چاٹتا ہے (اس میں منہ نہیں ڈالتا کہ کہیں پیچھے سے پکڑا نہ جائے)

(۱۲) لومڑی کی دانائی لومڑی کی کھال پر جب مچھر اور پسو جمع ہو جائیں تو منہ میں کسی جانور کا چمڑا لے کر پانی میں ڈوبتی ہے جب مچھر اور پسو اس چمڑے پر جمع ہو جاتے ہیں تو اسے پانی میں ڈال دیتی ہے تاکہ سب مر جائیں، پھر بآرام چلی جاتی ہے۔

(۱۳) مکڑی کا تانا جس طرح مکڑی گھر بناتی ہے اس طرح بڑے سے بڑا کاریگر بھی نہیں بنا سکتا بلکہ کاریگر تو پرکار اور مسطر سے مکان تیار کرتا ہے اور مکڑی ایسے اوزار کی بھی محتاج نہیں۔

(۱۴) شہد کی مکھی کا کمال شہد کی مکھی آلات کے بغیر ایسا مکان تیار کرتی ہے جس سے انسان کی عقل و فکر دنگ رہ جاتی ہے۔

(۱۵) چیونٹی کی عقلمندی

چیونٹی کتنی محنت کرتی ہے ذخیرہ اندوزی میں۔ جب دیکھتی ہے کہ اس کے ذخیرے کے اردگرد نمی کا اثر ہے تو دانوں کو توڑ کر نصف نصف کر لیتی ہے تاکہ پانی کی نمی سے دانہ پھوٹ کر انگوری نہ بن جائے (کیونکہ علم زراعت کا قانون ہے کہ جب دانے پر پانی کی نمی کا اثر پڑے تو دانہ پھوٹ کر انگوری بن جاتا ہے) اگر کسی دانے پر پانی کا اثر پہنچ بھی جائے تو اسے دھوپ میں سُکھا کر خشک کر لیتی ہے (یہ بھی علم زراعت کا قانون ہے کہ جن دانوں پر دُھوپ پڑتی ہے وہ نہیں پھوٹتے، اس لیے جب دانہ زمین میں ڈالا جاتا ہے تو اسے چھپایا جاتا ہے تاکہ اس پر دُھوپ نہ پڑے اور پھوٹ کر انگوری بن جائے)

غوّاص پرندہ کوّے کا اُستاد نکلا

ایک شخص نے کہا کہ میں نے غوّاص (پرندہ) کو دیکھا کہ اس نے مچھلی کا شکار کیا لیکن کوّے نے اس سے چھین لی۔ پھر اس نے دوبارہ پانی میں غوطہ لگا کر اور مچھلی پکڑی تو وہ بھی کوّے نے اُچک لی۔ تیسری مرتبہ بھی ایسے ہی ہُوا۔ غواص نے جب دیکھا کہ کوّا مچھلی کھانے میں مصروف ہے تو غواص کوّے کو ٹانگ سے پکڑ کر دریا میں لے گیا اور غوطہ لگا کر پانی کی تہ میں چلا گیا یہاں تک کہ کوّا مر گیا، تب غواص باہر نکلا۔

(۱۶) دُودھ میں پانی ملانے والے کو تنبیہ

حدیث شریف میں ہے کہ "دودھ میں پانی نہ ملاؤ۔" گزشتہ زمانے میں ایک شخص تھا جو دودھ میں پانی ملا کر بیچا کرتا تھا، اس نے ایک بندر خریدا اور اسے دریا کے سفر میں کشتی پر بٹھایا، جب پانی کی موجوں تک پہنچا تو اس کی ہمیانی بندر کے ہاتھ لگ گئی، اٹھا کر کشتی کے بادبان پر جا بیٹھا اس نے ہمیانی کھولی جسے مالک دیکھ رہا تھا کہ نہ معلوم یہ اس کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ اس نے ہمیانی سے ایک دینار دریا میں، پھینکا ایک کشتی میں۔ اسی طرح ایک ایک کر کے گراتا رہا۔ (کشتی والا اس کا مالک اٹھا لیتا) اسی طرح تمام دینار نصف نصف کر دیئے۔

سبق : دُودھ والے کو سبق ملا کہ پانی دُودھ میں ڈالتا تھا تو پانی کا حصہ پانی میں اور اصل دودھ کا حصہ اسے ملا۔ (لیکن ہمارے دور کے دودھ فروشوں کو کب سبق ملے گا، قبر میں یا حشر میں جب دودھ میں پانی ملانے کی سزا کے طور پر اسے جہنم میں انگاروں میں جلایا جائے گا اس وقت رو کر کہے گا کہ دودھ میں پانی ملایا تھا کنبہ پروری کے لیے لیکن اب سزا بھگت رہا ہوں اکیلا۔ اضافہ از اویسی غفرلہٗ)

(۱۷) کتّے کی وفاداری

عجائبات المخلوقات (نام کتاب) میں ہے کہ اصفہان میں کسی نے ایک شخص کو قتل کر کے ایک گڑھے میں دبا دیا۔ مقتول کا کتّا

دیکھ رہا تھا۔ اب وہ روز گڑھے سے مٹی ہٹاتا جب قاتل کو دیکھتا تو اُسے بھونکتا۔ جب کُتّے کی یہ کارروائی عوام نے دیکھی تو سمجھے اس گڑھے میں کچھ ہے۔ چنانچہ اُنھوں نے کدال سے کر گڑھے کو کھودا تو مقتول کی لاش مل گئی (جبکہ اس سے پہلے مقتول کا سراغ نہیں مل رہا تھا اور نہ ہی قاتل کا علم ہو رہا تھا) کُتّے کو اس شخص کے بھونکنے پر اسے گرفتار کیا گیا اس سے قتل کے متعلق پُوچھا گیا تو اس نے قتل کا اور اسے گڑھے میں چھپانے کا اقرار کر لیا۔ اس کے قصاص میں اُسے قتل کیا گیا۔

(۱۸) کھجور کے عشق کی داستان

کھجور کا عجیب و غریب معاملہ ہے کہ اسے بھی عشق عارض ہوتا ہے اس کی علامت یہ ہے جس کھجور سے اسے عشق ہوتا ہے وہ کھجور اس کھجور کی طرف جھکی ہوتی ہے۔ عشق کے بعد اس کا پھل کم ہو جاتا ہے اور خشک ہو جاتی ہے اس کا علاج یہ ہے کہ اسے اور اس کی معشوق کھجور کو ایک رسّی سے اکٹھا باندھ دیا جائے یا معشوق کھجور کی ایک شاخ عاشق کھجور پر لٹکائی جائے یا معشوق کا گابھہ نکال کر اس میں رکھا جائے۔

ف: اس جیسی ان گنت حکایات اور بے شمار عجائبات ہیں جو تحریر و تقریر کے احاطہ سے خارج ہیں۔

وَالَّذِیْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی (اور جس نے چارا نکالا) اپنی قدرت کے کمال سے نرم اور تر و تازہ چارا جسے جانور کھاتے ہیں رنگ برنگ سبز زرد سرخ سفید۔

حلِ لغات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ المرعٰی چارہ سبز۔ الصحاح (لغت کی کتاب) میں ہے کہ الرعی بالکسر چارا، اور بالفتح مصدر۔ المرعٰی الرعی مصدر ہیں۔

فَجَعَلَهٗ (پھر اسے کیا) اس کے بعد **غُثَآءً** خشک۔

حلِ لغات غثاء (خشک) بمعنی یبیسا بروزن امیر خشک ہونا پودوں کا یا درختوں کا یا سبزیوں کا۔ الجوہری نے فرمایا: الغثاء (بالضم والمد) جسے سیلاب بہا کر لے جائے، تنکے وغیرہ۔ القماش شے کا ادھر ادھر سے جمع ہونا اور وہی جمع شدہ شے تنکے ہیں جو زمین پر اشیاء کے ٹکڑے وغیرہ بکھرے پڑے ہوتے ہیں، اسی لیے نکمے اور بیکار (رذیل) لوگوں کو قماش کہا جاتا ہے۔

اَحْوٰی سیاہ۔ از حوۃ بمعنی سیاہی۔ وہ اس لیے کہ گھاس جب خشک ہوتا ہے خواہ سورج کی حرارت کے اثر سے خواہ برودۃ ہوا سے، فاء تعقیبیہ۔ یہ اشارہ ہے قصر مدۃ الخضرۃ کے اور رمز قصر مۃ العمر اور سرعۃ زوال اور اس کی نعمتوں کے یعنی محققین اس آیت سے سمجھتے ہیں کہ دُنیا کی چراگاہ کے چرنے والوں کے لیے اگرچہ یہ دنیا ادہ تازہ اور سیراب اور سرسبز اور خوش نظر آتی ہے پھر چند روز کے بعد حوادث کے

خزاں کے جھونکوں سے سیاہ اور ویران سی ہو جاتی ہے ؎

اگرچہ خرم و تازہ است گلبن دنیا   ولے بنکبت باد خزاں نمی ارزد
بگردہ خوری و قرص قمر زجاے مرو   کہ خوان چرخ بیکتائے تاں نمی ارزد

ترجمہ : اگرچہ دنیا کا باغ خرم و تازہ ہے لیکن انجام یہ ہے کہ وہ بادِ خزاں سے بھی کم قیمت ہے اگرچہ سورج و چاند کو تُو نے قبضے میں لے لیا تو کیا ہوا (اس سے مغرور نہ ہو) اس لیے کہ چرخ کے دسترخوان کے بالمقابل یہ ایک ذرّے کی قیمت بھی نہیں۔

تفسیر صُوفیانہ

اس میں اشارہ ہے کہ حیاۃِ دنیا کی زینت اور اس کے منافع اور ماکل و مشارب۔ کیونکہ وُہ نفس حیوانیہ اور بہائم قویٰ کی چراگاہ اور اسے اللہ تعالیٰ نے سریع الفناء والزوال بنایا ہے بھُوسے اور پُرانے سیاہ گھاس اور تنکے کی طرح اس لیے لازم ہے کہ اس کی طرف توجہ ہی نہ ہو اور نہ اس میں مشغولی ہو کیونکہ وہ تسبیح خاص سے مانع ہے یعنی ذاتِ الٰہی کی علائق سے تنزیہ و تجرید علاوہ ازیں اس سے وہ کمال جو ہر ایک کے لیے مقدّر ہے سے حجاب حائل ہو جاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى (اب ہم تمہیں پڑھائیں گے کہ تم نہ بھُولو گے) یہ اس ہدایتِ خاص کا بیان ہے جو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے خاص ہے بعد اس ہدایت کے بیان کے جو عام اور تمام مخلوقات کے لیے تھی اور یہ ہدایت حصولِ وحی اور حفظ القرآن جو جملہ عالمین کی ہدایت اور توفیق ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم تمام لوگوں کو ہدایت دینے کے لیے۔

حلِ لغات

امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے المفردات میں فرمایا کہ اس میں خبر اور ضمانت ہے اللہ تعالیٰ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم پر ایسا کرم فرمائے گا کہ آپ جو کچھ حق سے سنیں کبھی نہ بھُولیں۔ اور سین تاکید کا ہے اس لیے کہ مراد یہ ہے کہ جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے یا کی جائے گی اس کے متعلق آپ کو اللہ تعالیٰ کے خود پڑھانے کا وعدہ کریمہ ہے ضمناً اور دائمی وحی کا بھی۔ اقرأ از قراۃ ہے کہا جاتا ہے قرأ القرآن فھو قاریٔ و اُقرأہ غیرہ فھو مقریٔ یعنی وہ اسے پڑھایا یعنی اسے اس کا علم دیا۔

تاج المصادر میں ہے کہ الاقراء بمعنی قرآن پڑھانا اور اسے کان تک پہنچانا، اسی سے ہے سنقرئک۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم آپ کو وُہ پڑھاتے ہیں جو ابھی آپ کو وحی کی گئی یا وُہ جو آپ پر آئندہ وحی کی جائے گی جبریل علیہ السلام کی زبان کے واسطہ سے پھر بوجہ قوت حفظ و اتقان سے آپ نہ بھُولیں گے۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ ہم جمع کر دیں گے قرآن کے حفظ کو آپ کے قلب اقدس اور اس کی قراۃ آپ کی زبان پاک پر یہاں تک کہ آپ کبھی نہ بھُولیں گے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا : ان علینا جمعہ و

حوانه (بیشک ہم پر اس کا جمع کرنا اور پڑھنا)

اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ (مگر وہ جو اللہ تعالیٰ چاہے) استثنا، مفرغ ہے از اعم المفاعیل یعنی آپ جو کچھ پڑھیں گے اس کی کوئی شئے نہ بھولیں گے مگر وہ جو اللہ تعالیٰ اس کا بھلانا خود چاہے گا کہ اس کی تلاوت منسوخ کر دے گا کیونکہ فسخ بھی انساء (بھلانا) کی ایک قسم ہے اور اس کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے گویا منسوخ کو صحیفوں اور دلوں سے مٹا دیا گیا۔ اس تقریر پر یہاں نسیان سے نسیان کلی مراد ہے جو دائمی ہو کر اس کے بعد اس کا یاد ہونا ختم ہو جائے۔

ف : یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں نسیان سے وہی متعارف معنیٰ مراد ہو جو بھولنے کے بعد پھر وہ شے یاد آجاتی ہے یعنی نسیان فی الجملہ قلیل ہو یا کثیر۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ آپ نہ بھولیں گے مگر جب نسیان کو چاہے، پھر وہ بھولی ہوئی بات ہمیشہ بھولی ہوئی نہ رہے گی بلکہ بعد میں یاد آجائے گی جیسا کہ اس مقام سے مفہوم ہوتا ہے۔

حدیث شریف ۱

اس معنیٰ کی تائید ایک حدیث شریف سے ہوتی ہے جیسا کہ مروی ہے کہ نماز میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ایک آیت[1] چھوڑ گئے، حضرت اُبیؓ بن کعب رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ شاید منسوخ ہو گئی۔ آپ سے عرض کیا تو آپ نے فرمایا میں بھول گیا تھا (منسوخ نہیں ہوئی)

حدیث شریف ۲

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رات کو قرآن پاک پڑھا تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے مجھے ایک آیت دلا دی جسے میں بھول گیا تھا۔

دُعاءِ ختم القرآن

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ختم قرآن کے وقت یہ دعاء پڑھتے تھے۔

اللھم اٰنس وحشتی فی قبری اللھم	اے اللہ! میری قبر کی وحشت کا مانوس بنا۔
ارحمنی بالقرآن العظیم ۝ واجعلہ	اے اللہ! قرآن عظیم کے طفیل مجھ پر رحم فرما
لی اماما ونورا وھدًی ورحمۃ ۝	اور اسے امام اور نور بنا اور ہدایت ورحمۃ
اللھم ذکرنی منہ مانسیت وعلمنی منہ	اے اللہ! مجھے یاد دلا میں بھول گیا اور
ماجھلت وارزقنی تلاوتہ اٰناء الیل	مجھے علم دے جس سے میں بے خبر ہوں اور

---

[1] مفسرین کرام نے فرمایا کہ آیت میں جس نسیان کا استثناء ہے وہ اللہ تعالیٰ نے نہ چاہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ بھولیں۔ (خازن) اویسی غفرلہٗ

و آناء النهار واجعله لی حجة یا	اس کی تلاوت کی توفیق عطا فرمارات اور
رب العالمین ٥	دن کی گھڑیوں میں اور اے رب العالمین
	اسے میرے لیے حجت بنا۔

حدیثِ نسیان

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

انما أنا بشر انسی کما تنسون فاذا	میں بشر ہوں میں بھولتا ہوں جیسے تم بھولتے
نسیت فاذکرونی۔	ہو، جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلاؤ۔

ف: اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا:

واذکر ربك اذا نسیت۔ (یاد کرو اپنے رب تعالیٰ کو)

مسئلہ: یہ دلائل واضح کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر نسیان طاری ہو جاتا تھا۔

ازالۂ وہم (ایسی دلیلیں دیکھ کر دیوبندی وہابی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے جیسا بشر ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے مذکورہ بالا مسئلہ لکھ کر یوں ازالہ فرمایا:)

وان لم یکن سهوه ونسیانه من	اگرچہ آپ کا سہو ونسیان امت کے سہو و
قبیل سهو الامة ونسیانهم فانه	نسیان کے قبیل سے نہ تھا کیونکہ آپ
اهل الحضور الدائم۔	دائم حضوری تھے۔

(ص ۳۰۶)

معجزۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کان یقرأ من الکتاب وان کان لایکتب	نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کتاب
وفیه معجزة له علیه السلام فانه	سے پڑھتے تھے اگرچہ لکھتے نہ تھے یہ آپ
کان أمیا وقد جعله اللہ قارئا ثم	کا معجزہ تھا کیونکہ آپ اُمّی تھے اور آپ
انه کان یقرأ من الحفظ ومن الصحیفة	کو اللہ تعالیٰ نے پڑھنے والا بنایا تھا پھر
ایضا من غیر تعلم الخط وکان منبع	آپ حفظ اور صحیفہ سے بھی پڑھتے، خط
الکمالات کلها حتی انه علم الکتاب	سیکھے بغیر آپ کل کمالات کے سرچشمہ تھے

الخط وقوانینه واصحاب الحرف ودقائق حرفهم۔ (ص ۲۰۰)

یہاں تک کہ آپ نے کتاب اور خط اور اس کے قوانین اور تمام حرفتیں اور ان حرفتوں کے دقائق کو بھی جان لیا۔[1]

إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى (بیشک وہ جانتا ہے ہر کھلے اور چھپے کو) ما قبل کی تعلیل ہے ما موصولہ ہے اور یہ تمام کھلے اور چھپے کو شامل ہے از قبیل قول و عمل ہو اور اخفاء اور اخفاء، وہ ہے جو ضمائر میں نیات وغیرہ چھپی ہوئی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ جانتا ہے وہ جو ظاہر ہے اور وہ جو چھپا ہے منجملہ اس کے وہ ہے جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے پس تمہیں بھلائے جس کا بھلانا وہ چاہے اور محفوظ رکھے جس کا باقی رکھنا چاہے کیونکہ دونوں میں تمہارے دین کے مصالح ہیں وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى (اور ہم تمہارے لیے آسانی کا سامان کر دینگے) اس کا عطف نقرئك پر ہے۔

حلِ لغات الیسرٰی بروزن فعلٰی از یُسر بمعنی سہولت (آسانی) کہا جاتا ہے یسّرت کذا سہلت وھیأت (میں نے آسانی کا سامان تیار کیا) یسرك توفیق کے معنی کو متضمن ہے اسی لیے بغیر لام کے متعدی ہے ورنہ عبارت معتادہ یوں ہوتی جعل الفعل الفلانی میسرا لفلان (اس نے فلاں کام فلاں کے لیے آسان کیا) کہا جاتا ہے جعل فلان میسراً للفعل الفلانی۔ جیسا کہ آیت میں ہے نیسرك للیسری کہا گیا نہ کہ نیسر الیسری لك۔

نکتہ: نونِ عظمۃ (جمع متکلم) سے عظمۂ معطی کی دلیل ہے اس کی عظیم عطا پر۔

سوال: الارشاد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے یُسرٰی کی تیسیر کا کیا معنیٰ جبکہ تیسیر تو امور کے لیے ہوتی ہے مثلاً موسٰی علیہ السلام کے لیے ہے ویسّرلی امری (میرے لیے میرا معاملہ آسان فرما) خلاصہ یہ کہ تیسیر کی تعلیق بالامور المسنوۃ فاعل کے لیے ہوتی ہے یہاں مفعول کے لیے۔

جواب: تاکہ معلوم ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یُسرٰی پر قدرت و اختیار دیا گیا کہ اس

---

[1] **ردِ وہابیہ و دیوبند اور مودودیہ** ہمارے دور میں نجدی وہابی اور اس کی تمام شاخیں منکر ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ یہ ان کا کمالاتِ مصطفوی سے حسبِ عادت انکار ہے ورنہ اہلِ اسلام کا اتفاق ہے کہ یہ دونوں آپ کے معجزے ہیں اور معجزات کا منکر ملحد و بے دین ہوتا ہے جیسے نیچری، چکڑالوی اور تمام فلاسفہ۔ سب سے پہلے تو یہ سمجھ لیں کہ یہ دونوں معجزات میں شامل ہیں اور سابقین علماءِ کرام معجزات میں لکھتے چلے آئے جیسا کہ مذکورہ بالا تحریر سے واضح ہے۔ اویسی غفرلہٗ

میں جس طرح چاہیں تصرف کریں یہاں تک کہ وہ یُسریٰ آپ کے لیے ملکہ راسخہ کی طرح ہے گویا آپ کا وہ جبلی امر ہے جیسے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

اعملوا فکل میسر لما خلق لہ ۔ عمل کرو پس ہر انسان اس پر آسانی دیا جاتا ہے جس کے لیے وہ پیدا ہوا ہے ۔

اب معنیٰ یہ ہوا ہم آپ کو ہمیشہ ایسے آسان طریقہ کی توفیق دیتے ہیں جو ابواب دین میں علماً و تعلیماً و اہتداءً وہدایۃً آپ کے لیے آسان سے آسان تر ہے اس میں طریقہ وحی حاصل کرنے اور احاطہ اس کا جو اس میں احکام شریعت اور وہ نور معین الٰہیہ داخل ہیں جو رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی ذات اقدس سے متعلق ہیں جیسے آنے والے جملہ کی فاء سے ظاہر ہوتا ہے فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى (تو تم نصیحت فرماؤ اگر نصیحت کام دے) یعنی لوگوں کو اس کے موافق جو ہم نے آپ کے لیے آسان کیا ہے اس سے جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے اور انہیں ہدایت دیں ان احکام شرعیہ کی جیسے آپ کہتے ہیں اگر انھیں تذکیر و نصیحت اور وعظ فائدہ دے ۔

ف : تذکیر کو نفع الذکریٰ سے مقید کرنا اس لیے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت زیادہ وعظ و نصیحت فرماتے یہاں تک کہ اپنی تمام جدوجہد اسی پر صرف کر دیتے اس حرص میں کفار مسلمان ہو جائیں لیکن اس سے بعض کفار کے کفر و عناد میں اضافہ ہو جاتا اسی لیے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وعظ و نصیحت اسے فرمائیں جس سے نفع کی امید ہو یعنی جسے نصیحت کی جائے اس سے کُلی یا جُزوی طور پر اسے فائدہ کی امید ہو تو نصیحت کرو ورنہ خود کو تکالیف اور مشقت میں ڈالو بالخصوص اس کے بارے میں جو کفر و سرکشی اور لذات میں بڑھتا ہے کہ جس کے دل پر مُہر لگ چکی ہے جیسے قرآن مجید میں ہے ، فذکر بالقراٰن من یخاف وعید (قرآن کے ساتھ اسے نصیحت کیجئے جو میرے وعید سے ڈرتا ہے) حرف شک راجع بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ۔

قاعدہ کشف الاسرار میں ہے کہ حرف ان عربیۃ میں مشبّہ ہے نہ کہ شرطیہ ۔ اس معنیٰ پر یہ قد سے بدل ہے یہ اس آیت کی طرح ہو جائے گا جیسے فرمایا :

فذکر فان الذکریٰ تنفع المؤمنین ۔ نصیحت کیجئے اس لیے کہ اہلِ ایمان کو نصیحت نفع مند ہے ۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم تھا کہ نصیحت ضرور نفع دے گی کہ یا کفر کا ترک ہوگا یا ترکِ معصیۃ ہوگی یا طاعت میں کثرت کی خواہش پیدا ہوگی ۔ اس معنیٰ پر الٹا نصیحت کی ترغیب اور تنبیہ ہوگی کہ نصیحت ضرور نفع دیتی ہے سوائے اس کے کہ جن کے دل پر مہر لگ چکی یا قبول کرنے کی استعداد نہیں رکھتا کیونکہ

نفع مشروط بہ شرط استعداد ہے ؎

زمین شورہ سنبل بر نیارد
درو تخم عمل ضائع مگرداں

ترجمہ ، زمین شورے سنبل پیدا نہ ہوگی اس میں عمل کا بیج ضائع نہ کر۔

ف : خلاصہ یہ کہ تذکیر (نصیحت) خاص اس سے جو اس سے نفع اٹھائے اور یہ انجام کے اعتبار سے ہے ورنہ ابتداء تو عام ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذمہ صرف اور صرف احکام کی تبلیغ ہے ؎

من آنچہ شرط بلاغست با تو میگویم
تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

ترجمہ ، وہ جو شرط تبلیغ کی تھی میں نے تجھے کر دی تو سخن سے نصیحت حاصل کر یا ملال کر۔

ربط : حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان نفعت الذکرٰی میں اجمال تھا اب اس کی تفصیل شروع ہے **سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى** (عنقریب نصیحت مانے گا جو ڈرتا ہے) یعنی جس کی شان ہے خدا تعالیٰ سے ڈرنا یا اس کے حق میں جو اللہ تعالیٰ سے کچھ تو ڈرتا ہے آپ کی نصیحت سے بڑھے گا اور جس بارے میں نصیحت کی گئی ہے اس میں غور و فکر کر کے حقیقت سے واقف ہو کر اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے گا۔

نصیحت پذیر لوگوں کی اقسام

تفسیر کبیر میں ہے کہ امر معاد (آخرت) میں لوگ تین قسم ہیں :

(۱) جسے اس کے متعلق یقین ہے۔

(۲) اس کے وجود کا تو قائل ہے لیکن اسے مکمل یقین نہیں ، نہ نفی میں نہ اثبات میں۔

(۳) اس کا مکمل طور منکر ہے۔

پہلے دو قسم نصیحت سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور تیسرا محروم رہتا ہے۔

وَيَتَجَنَّبُهَا (اور اس سے دور رہے گا) نصیحت سے اور سماع قبول کے طور نہ سنے گا **الْاَشْقَى** (بڑا بدبخت) کافروں میں سے شقاوت میں نہایہ ، کیونکہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی عداوت میں بہت زیادہ خبط ہے جیسے ولید بن مغیرہ و ابو جہل اور ان جیسے اور ۔ یا اشقٰی سے مطلق کا فر مراد ہے اس لیے کہ وہ فاسق سے زیادہ بدبخت ہے۔

ف : بعض نے کہا کہ من یخشٰی سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور اشقٰی سے ایک منافق مراد ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جاں نثاری اور منافق کی منافقت

مروی ہے کہ ایک منافق کی کھجور ایک انصاری کے گھر کی طرف مائل تھی اس کا ثمر انصاری کے گھر میں گرتا تھا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا کہ یہ کھجور انصاری کو بطور عطیہ دے دے اس کے عوض میں تجھے بہشت کی کھجور دے دوں گا (اس سے قبل منافقت معلوم نہ تھی اب ظاہر ہوئی) چنانچہ کہنے لگا کہ نقد کو ادھار پہ بیچوں، میں ایسا نہیں کرسکتا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک باغ اس انصاری کو دے دیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(تکملہ) عجوز موسیٰ علیہ السلام کا قصہ

کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی کام کر دیا آپ نے اسے فرمایا مدینہ طیبہ آنا (تجھے انعام سے نوازا جائیگا) وہ مدینہ طیبہ حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا، اسّی (۸۰) بھیڑیں چاہئیں یا تیرے لئے دعا مانگوں تجھے اللہ تعالیٰ میرے ساتھ بہشت میں جگہ دے۔ عرض کی، مجھے اسّی (۸۰) بھیڑیں چاہئیں۔ آپ نے فرمایا، دے دو۔ اس کے بعد فرمایا کہ تجھ سے تو موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کی بڑھیا زیادہ سمجھدار نکلی، وہ یوں کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کے جسم اطہر (مزار) کی جگہ بتائی تو اسے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تیرے لیے دعا کروں کہ میرے ساتھ بہشت میں تیری جگہ ہو یا سو بکریاں چاہئیں۔ عرض کی، مجھے بہشت چاہیئے ؎

(۱) ہر کہ بیند مر عطا را صد عوض   زود در بازد عطا و ازین غرض
(۲) آرزوئے گل بود گل خوارہ را   گلشکر نگوارد آن بیچارہ را

ترجمہ: (۱) جو عطا کے عوض سو عوض طلب کرتا ہے جلد تر ہوگا کہ اس غرض کا دروازہ کھلے گا۔

(۲) گل کی آرزو گل کے چاہنے والے کو ہوتی ہے بیچارے بجز کو گلقند اچھی نہیں لگتی۔

اَلَّذِیْ یَصْلَی النَّارَ الْکُبْرٰی (جو سب سے بڑی آگ میں جائے گا) طبقات النار کے نچلے طبقہ میں داخل ہوگا کیونکہ وہ بہ نسبت دیگر طبقات زیادہ تیز ہے اور وہ آل فرعون اور منافقین اور مائدہ عیسیٰ علیہ السلام کے منکرین کی جگہ ہے اور نار صغریٰ جو نار کا اوپر والا طبقہ ہے اس میں امت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گنہ گار ہوں گے۔

حلِ لغات

کُبریٰ اسم تفضیل ہے کیونکہ اکبر کی تانیث ہے اور مفضل وہ جو دوزخ کے طبقات میں سب سے نیچے ہے اور وہ کفار کا حصہ ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

ان المنافقین فی الدرك الاسفل من النار۔

بیشک منافقین آگ کے درک اسفل میں ہوں گے۔

اور مفضل علیہ وہ طبقہ ہے جو جہنم کے دوسرے طبقات سے سب سے اُوپر ہے اس لیے کہ جہنم کی آگ جلانے والی کی کئی قسمیں اور درکات ہیں ایک دوسرے میں مرتبے میں بڑے اور چھوٹے ہیں جیسے دنیا میں گناہ کبیرہ اور صغیرہ ہیں تو ایسے ہی کفار میں زیادہ بدبخت نیران کے سب سے بڑے درجے میں ہوں گے۔

ف : بعض نے کہا کہ کبریٰ نارِ جہنم اور نارِ صغریٰ نارِ دنیا ہے یعنی نار الآخرۃ مفضل اور نارِ دنیا مفضل علیہ ہے۔

حدیث شریف : حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

نارکم ھذہ جزء من سبعین جزءاً من نار جہنم وقد غمست فی ماء البحر مرتین لیدنی منھا وینتفع بھا ولولا ذلك مادنوتم منھا۔

تمہاری آگ نارِ جہنم کا سترواں حصہ ہے اسے دریا کے پانی میں دو بار ڈبو دیا گیا تاکہ اس کے قریب جایا جا سکے اور نفع اٹھایا جا سکے اگر اسے ڈبویا نہ جاتا تو تم اس کے قریب نہ جا سکتے۔

ف : کہا گیا ہے کہ نارِ دُنیا نارِ آخرت سے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتی ہے کہ اسے پھر اس میں نہ لوٹایا جائے۔

ف : فقیر (صاحب رُوح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ نارِ کُبریٰ سے وہ عذاب اکبر مراد ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

فیعذبہ اللہ العذاب الاکبر۔

تو اسے اللہ تعالیٰ عذابِ اکبر میں مبتلا کرے گا۔

اور عذابِ اکبر عذابِ آخرت ہی ہے اور عذابِ اصغر وہ عذابِ دنیا اور عذابِ برزخ ہے کیونکہ یہ بہ نسبت عذابِ آخرت کے اصغر ہیں۔

بدبختوں کے علامات

بعض دانشوروں نے فرمایا کہ شقاوت کے چند علامات ہیں :

(۱) بکثرت اکل

(۲) بکثرت شرب

(۳) بکثرت نوم

(۴) گناہ پر اصرار

(۵) قساوتِ قلب

(۶) کثرت گناہ

(۷) رب تعالیٰ کو بھول جانا

(۸) بادشاہ سرکش کے سامنے ہروقت خوشامد و چاپلوسی میں رہنا۔ یہی سب سے زیادہ بدبخت ہے جو بڑی نار میں داخل ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ (۱) تاویلات نجمیہ میں ہے کہ نار دو ہیں:

(i) نارِ حجاب الدنیا یعنی شہوات و لذات میں مشغول رہنا، یہ نارِ صغریٰ ہے۔

(ii) نارِ حجاب الآخرۃ یعنی خذلان و خسران اور طرد و ہجران میں مبتلا ہونا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ومن کان فی ھذہ اعمٰی فھو فی الآخرۃ اعمٰی و اضل سبیلا۔	اور جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور یہ راستہ حقیقی سے بہت زیادہ گمراہ ہے۔

کیونکہ اس سے استعداد فوت ہو چکی ہے۔

(۲) حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نارِ کبریٰ یہی نارِ حجاب ہے رب تعالیٰ سے شرک کرکے اور غیر سے تعلق جوڑنے سے اور نار القہر ہے مقام صفات میں اور نار الغضب والسخط ہے مقام افعال میں اور نار جہنم الآثار ہے موقف اربعہ میں، یعنی:

۱۔ موقف الملک

۲۔ موقف الملکوت

۳۔ موقف الجبروت

۴۔ حضرۃ اللاہوت ہمیشہ ہمیشہ تک اور اس سے بڑھ کر اور کوئی نار نہیں۔

تفسیر عالمانہ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا (پھر اس میں نہ مرے) کہ راحت پائے وَلَا يَحْيٰى (اور نہ جئے) ایسی زندگی کہ اسے نفع دے جیسے کوئی سخت بلا میں مبتلا ہو جائے تو اسے کہتے ہیں نہ مرتا ہے نہ جیتا ہے۔ ثُمَّ تراخی مراتب شدۃ کے لیے ہے اس لیے کہ تردد درمیان موت و حیات کے زیادہ خطرناک ہے دوزخ میں داخل ہونے سے۔

فائدہ صوفیانہ حضرت ابن عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ نہ مرے گا کہ قطعیۃ کے عذاب سے راحت پائے اور نہ جئے گا کہ روح وصال تک پہنچ سکے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے نہ اس کا نفس مرے گا تاکہ عقوبات حجاب و احتجاب سے راحت پاسکے اور نہ اس کا قلب زندہ ہوسکے حیاتِ ایمان سے اس لیے کہ

نہ وہ دار الجزاء میں ہے نہ دار التکلیف میں ہے۔

اور حضرت قاشانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نہ مرے گا انعدام کے امتناع کی وجہ سے اور نہ زندہ ہوگا حقیقت سے اس لیے کہ وہ روحانی طور پر ہلاک ہو چکا ہے یعنی وہ ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہے گا ایسی حالت میں ہوگا کہ وہ اس وقت موت کی آرزو کرے گا جب وہ ہلاک ہوگا اور جل جائے گا تو پھر اسے حیاۃ بچائے گی تاکہ عذاب میں مبتلا ہو اسی طرح اس کے لیے ہوتا رہے گا۔ ایسا شخص نہ مطلقاً مردہ ہوگا نہ مطلقاً زندہ۔

فقیر (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ مرےگا تو اس لیے نہیں کہ موت کو تو ذبح کیا جا چکا ہوگا، اس لیے اسے موت کہاں سے، اور نہ زندہ ہوگا کیونکہ مغموم انسان میت کی مانند ہوتا ہے وہ ہمیشہ روحانی عذاب میں ہوتا ہے، اسی طرح اسے ایسے عذاب میں مبتلا کیا جاتا رہے گا جیسے جسمانی عذاب میں ہمیشہ مبتلا ہوگا۔

ف: بعض اکابر نے فرمایا کہ اس کی حیات موت سے نہیں ہوگی اور نہ ہی موت سوائے رؤیت حق تعالیٰ کی محرومی ہی ہوگی اس لیے کہ اس موت کے بغیر کوئی دوسری موت مرا تو وہ زندہ نہ ہوگا اور جو حیات کے بغیر زندہ ہے تو اس کی حیاۃ حیوانی ہے نہ کہ حیاۃ انسانی۔

تفسیر عالمانہ

قَدْ اَفْلَحَ (بیشک مراد کو پہنچا) یعنی تکالیف سے نجات پاگیا اور کامیاب ہوا اس سے جو اس کی امید ہے مَنْ تَزَکّٰی (وہ جو پاک ہوا) یعنی پاک ہوا کفر و معاصی سے، ذِکرٰی سے نصیحت و وعظ حاصل کرنے یا زیادہ تقویٰ و خشیت الٰہی سے۔

حل لغات

الزکاء، النماء (بڑھنا) لفظ قد اس لیے ہے کہ برے حال (جو ذکرٰی کے ذریعہ آخرت کے خوف سے بچنے کی خبر دینا) سے اجتناب کرتا ہے کہ جس نے نصیحت حاصل کی اس کے حسنِ حال کے متعلق سامع امید کرتا ہے اس کے لیے لفظ قد لایا گیا۔

وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى (اور اپنے رب کا نام لے کر نماز پڑھی) اور اپنے ربّ کا نام (دل اور زبان سے) لے کر نماز پڑھی۔ پانچ نمازیں قائم کیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

واقم الصلوٰۃ لذکری۔ (اور میری نماز میرے ذکر کے لیے قائم کیجئے)

مسئلہ: آیت میں ذکر سے تکبیرِ افتتاح مراد ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ وہ نماز کا جزو نہیں ہے کیونکہ نماز کا اس پر عطف کیا گیا ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ افتتاح نماز کا اللہ تعالیٰ کے ہر نام سے جائز ہے کیونکہ حنفیوں کے نزدیک ضروری ہے کہ کہا جائے اللہ اکبر، ذکر سے عام ہے جو بھی ہو (اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تزکّٰی سے صدقۂ فطر دینا اور رب کا نام لینے سے عیدگاہ کے راستہ میں تکبیریں کہنا اور نماز سے نمازِ عید مراد ہے۔ تفسیر مدارک و احمدی)

ف : امام (فخرالدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ اعمال کے تین مراتب ہیں ؛

(۱) قلب سے عقایدِ فاسدہ کا ازالہ یہی تزکّٰی سے مراد ہے ۔

(۲) اللہ کی ذات و صفات و افعال کی معرفت کا استحضار، ذکر سے یہی مراد ہے کیونکہ ذکر قلبی معرفت کے بغیر نہیں ہوتا ۔

(۳) طاعت و خدمت میں مشغول رہنا، الصلوٰۃ سے یہی مراد ہے اس لیے کہ نماز تواضع و خشوع کا نام ہے اس لیے کہ جو اپنے قلب کو معرفتِ جلالِ الٰہی سے چھپاتا ہے اس پر لازم ہے کہ جوارح و اعضاء پر خضوع و خشوع کے اثرات ظاہر کرے ۔

اعضاء کی تخلیق کی غرض و غایت بعض علماءِ کرام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے چہرہ سجدہ کے لیے، آنکھ عبرت کے لیے، بدن عبادت خدمت کے لیے، قلب معرفت کے لیے سِرّ عشق و محبت (الٰہی) کے لیے بنائے ہیں پس اے اللہ تعالیٰ کے بندو! اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو کہ اس نے تمہاری زبانیں شہادت کے لیے اور قلوب معرفت کے لیے اور ابدان عبادت کے لیے مزیّن فرمائے ۔

حدیث قدسی شریف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے روایت فرمائی کہ میری نمازیوں کے ساتھ تین شرطیں ہیں ؛

(۱) آسمان کے عنان سے اس کی چوٹی سر پر رحمت کی بارش کا نزول جب تک نماز میں ہے ۔

(۲) اسے ملائکہ اپنے پروں سے گھیر لیں ۔

(۳) میں خود اس سے گفتگو کروں کہ جب کہے یا رب ۔ میں کہوں لبّیک ۔

ف : اسی لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اگر نمازی کو معلوم ہو جائے کہ وہ کس سے گفتگو کر رہا ہے تو وہ کسی طرف توجّہ ہی نہ کرے ۔

مسئلہ : حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ تزکّٰی سے مراد صدقۂ فطر ہے جو نمازِ عید ادا کرنے سے پہلے ادا کیا جائے اور ذکر سے وہ تکبیر مراد ہے جو نماز ادا کرنے کے لیے جاتے (اور واپس ہوتے ہوئے) کہتا ہے اور صلوٰۃ سے مراد نمازِ عید ہے جو امام کے ساتھ ادا کرتا ہے ۔

ازالہ وہم یہ سورۃ مکیّہ ہے بالاجماع، اور مکہ معظمہ میں عید کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اور نہ ہی صدقۂ فطر کا حکم، لیکن حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے سچّے دوست فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو معلوم ہو گیا تھا کہ ایسا ہو گا کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایسے عمل والے کی تعریف فرمائی ہے ۔

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ احکام کے نزول سے پہلے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو خبر دیتا تھا کہ ایسے ہوگا اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے آپ سے سُن کر ایسے کہا ہو تو ہو سکتا ہے ۔

تفسیر صُوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ نفس کو مخالفاتِ شرعیہ سے پاک کرنے اور قلب کو حُبِّ دُنیا سے نہ صرف پاک کرنے بلکہ اسے ملاحظہ غیر سے پاک کرنے اور صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف بقدرِ استعداد متوجہ کرنے کی طرف اشارہ ہے اسی لیے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو وسعت سے بڑھ کر مکلف نہیں کرتا ۔

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا (بلکہ تم حیاتِ دنیا کو پسند کرتے ہو) مقدر سے اعراض ہے جس کی طرف کلام چلا گیا ہے گویا ایسی شے کے (جو فلاح تک پہنچائے) بیان کے بعد فرمایا تم یہ نہیں کرتے بلکہ تم لذاتِ عاجلہ فانیہ کو پسند کرتے ہو اور ان کی تحصیل کے لیے کوشاں ہو اور یہ خطاب کفار کو ہے تو اس سے مراد ان کی ایثار دنیا سے خوشنودی اور اطمینان اور اعراض از آخرت بالکلیہ ہے ۔ جیسے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ؛

وان الذین لایرجون لقاءنا ورضوا	اور وہ جو ہمارے دیدار کی امید نہیں رکھتے
بالحیٰوۃ الدنیا واطمأنوا بہا الآیۃ	اور حیوٰۃِ دنیا سے خوش اور اس سے مطمئن ہیں ۔

یا عام خطاب ہے تو پھر ایثار سے مراد بھی اعم ہے اس سے جو مذکور ہوا اور ہر اس امر سے کہ جس سے کوئی بھی خالی نہیں اکثر لوگ ایسے ہیں جو سعی اور ترتیب مبادی میں دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں اول معنیٰ پر التفات توبیخ تشدید کے لیے ہے دوسرے معنیٰ پر کافروں کے حق میں ، اور تشدید عقاب ہے مسلمانوں کے لیے ۔

ف ؛ فتح الرحمٰن میں ہے کہ کافر تو حیاتِ دنیا کو کفر کی حیثیت سے ترجیح دیتا ہے کیونکہ اس کا عقیدہ ہے کہ آخرت ہے ہی نہیں اور مومن اسے بحیثیت معصیت اور غلبۂ نفس سے ترجیح دیتا ہے ، ہاں جسے اللہ تعالیٰ بچائے (جیسے انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا وعلیہم السلام)

ف ؛ عین المعانی میں ہے کہ یہ خطاب تمام امت کو ہے اس لیے کہ ہر کس حُبِّ دنیا کو ترجیح دیتا ہے یا اس میں رغبت سے یا اس میں آخرت کے ثواب کے ذخیرہ جمع کرنے میں ۔

ف ؛ کشف الاسرار میں ہے کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے دنیا کے متعلق سب سے پہلے یہی فتویٰ جاری کیا کہ اس کے حلال کا حساب ہوگا اور اس کے حرام سے عذاب ، اور آپ نے دنیا اور اہلِ دنیا کو ملعون فرمایا ۔ چنانچہ فرمایا ؛

الدنیا ملعونة ملعون ما فیہا الا ذکر اللہ۔	دنیا ملعونہ ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ بھی ملعون ہے سوائے ذکرِ الٰہی کے۔

؎

(۱) اگر دینت ہمی باید ز دنیا دار پے بگسل
ورت دنیا ہمی باید بدہ دین و ببر دنیا

(۲) ور از دوزخ ہمی ترسی بمالے پس مشو غرہ
کہ اینجا صورتش مالست و آنجا شکلش اژدہا

(۳) چہ مانی بہر مردارے چو زاغاں اندریں پستی
قفس بشکن چو طاؤساں یکے بر پر بزین بالا

ترجمہ: (۱) اگر دین چاہیئے تو دنیا دار سے ہاتھ دھو، اگر تجھے دنیا چاہیے تو دین دے دنیا لے۔

(۲) اگر دوزخ کا ڈر ہے تو دنیا سے دھوکا نہ کھا کیونکہ یہاں تو دنیا کی صورت مال کی سی ہے اور وہاں یعنی آخرت میں اژدہا کی شکل کی ہوگی۔

(۳) کوّوں کی طرح مردار (دنیا) پر کیوں لٹو ہے، پنجرہ توڑ مور کی طرح ایک پر زمین سے آسمان تک پھیلا دے۔

وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى (اور آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے) یہ تؤثرون کے فاعل سے حال ہے توبیخ و عتاب کا مؤکد ہے یعنی تم دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت فی نفسہا بہتر ہے اس لئے کہ اس کی نعمتیں انتہائی لذیذ اور خرابی کے شائبہ سے خالص ہیں اور ہمیشہ ہیں ان کے ختم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس میں دنیوی نعمتوں کے تکدر و تنغص کے ذکر کے درپے نہیں ہوئے اور نہ ہی یہ بتایا کہ یہ نہایت قلیل اور ختم ہونے والی ہیں اس لیے کہ ان باتوں میں دنیوی نعمتیں ظاہر ہیں کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں۔

تفسیر صُوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ ظواہر الاشیاء بہ نسبت ان کے حقائق کے ایسے ہیں جیسے چھلکا مغز پر۔ اور ظاہر ہے کہ مغز چھلکے سے بہتر ہے اور زیادہ باقی رہنے والا ہے اس لئے کہ مغز (دانہ وغیرہ) زمانہ دراز تک باقی اور محفوظ رکھا جاتا ہے بخلاف چھلکے کے کہ وہ مغز سے اتار کر عموماً ضائع کر دیا جاتا ہے یا آگ میں جھونکا جاتا ہے یا کوڑے کرکٹ پر پھینک دیا جاتا ہے پھر وہ ایک دو روز میں گل سڑ کر مٹی میں مل جاتا ہے۔ تو جو چھلکے کے عاشق ہیں وہ امور ظاہر خسیسہ اور دنیۃ فانیہ کو امور باطنہ معنویہ شریفہ عزیزہ باقیہ پر ترجیح دیتے ہیں اس لیے کہ ایسے لوگ آخرت سے محجوب ہیں اور مغز والے آخرت کو ترجیح دیتے ہیں بلکہ (اللہ کی ذات) آخر کو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

قل اللہ ثم ذرھم (اللہ کے سوا سب کو چھوڑیئے)

بعض نے کہا قد افلح من تزکّٰی کامیاب ہے جو گناہوں سے تائب ہوا اور اللہ تعالیٰ کو یاد کیا یعنی جب اذان سُنی تو نماز کی طرف اُٹھ کھڑا ہُوا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے تارک الصلوٰۃ کی مذمت فرمائی کہ ایسے لوگ حیاۃ دنیا کو پسند کرتے ہیں یعنی دنیوی کاموں کو آخرت کے امور پر ترجیح دیتے ہیں حالانکہ آخرت کے امور بہتر اور باقی رہنے والے ہیں بخلاف امورِ دنیا کے اور اس میں مشغول ہونے اور اس کی زینت کے۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّ هٰذَا (بیشک یہ) اس طرف اشارہ ہے جو مذکور ہوا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی البتہ وُہ پہلے صحیفوں میں ہے۔

حل لغات

صُحُف صحیفۃ کی جمع ہے یعنی کتاب۔ امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صحیفۃ وہ جو ہر شے سے مبسوط ہو، جیسے صحیفۃ الوجہ۔ اور صحیفۃ وُہ شے جس میں لکھا جائے مصحف جو جامع ہو تمام صحیفوں کا۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ وہ ثابت ان میں یعنی نفس کو پاک کرنا ان امور سے جو اس کے لائق نہیں اور معارف سے روح کی اور عبادت سے جوارح کی تکمیل اور اس میں ہے زجر از التفات الی الدنیا اور آخرت اور ثوابِ الٰہی کی ترغیب کہ دارِ آخرت میں کیا کرامات نصیب ہوں گی اور یہ کہ پچھلی اُمتوں کے اختلاف الشرائع کو اختلاف نہیں کہا جا سکتا صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی (ابراہیم و موسٰی (علیہما السلام) کے صحیفے) یعنی ابراہیم خلیل اللہ اور موسیٰ کلیم اللہ علیٰ نبینا وعلیہما السلام کے صحیفے۔ یہ بدل ہے از الصحف الاولیٰ۔

صحیفوں کی تعداد

مروی ہے کہ کل ایک سو چار کتابیں تھیں۔ آدم علیہ السلام پر دس صحیفے اترے ایک صحیفہ صرف حروفِ تہجی پر مشتمل تھا، اور شیث علیہ السلام پر پچاس، اوریس علیہ السلام پر تیس اور ابراہیم علیہ السلام پر دس، اور توراۃ و انجیل و زبور و فرقان۔

صحیفۂ ابراہیم علیہ السلام

عاقل کو لائق ہے کہ وہ عقل سے مغلوب نہ ہو اور اپنی زبان کی نگرانی کرے زمانے کا عارف اپنی شان کی طرف متوجہ ہو نیز یہ بھی تھا کہ صفت تجرید سے موصوف ہو کر ماسِری اللہ سے نکلنا، جیسے فرمایا،

انی بریٔ مما تشرکون (بیشک میں اس سے بیزار ہوں جس کے ساتھ تم شرک کرتے ہو)

اور متوجہ الی اللہ ہو۔ جیسے فرمایا،

انی وجّہت وجہی للذی فطر السمٰوٰت والارض۔

بے شک میں نے اپنا چہرہ پھیرا اس ذات کے لیے جس نے آسمان و زمین پیدا کیا۔

صحیفۂ موسیٰ علیہ السلام کا مضمون

موسیٰ علیہ السلام کے صحیفہ میں لکھا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ابن آدم! اپنے لیے نیک عمل کر نزولِ موت سے

پہلے، اور تجھے مہلت دھوکا نہ دے اس لیے اس آثار میں تیرا سفر ہے اور تجھے توبہ سے زندگی اور طولِ امل غافل نہ کردیں، اس تاخیر پر تو ندامت اٹھائے گا جب تجھے ندامت فائدہ نہ دے گی۔ اے ابنِ آدم! اگر تُو نے میرا حق نہ دیا اپنے اس مال سے جو میں نے تجھے دیا ہے تُو نے اسے فقرائے سے روک لیا تو میں تجھ پر جبّار مسلّط کردُوں گا جو تجھ سے میرے حقوق چھین لے گا۔ اس پر میری طرف سے تجھے کوئی ثواب نہ ہوگا نیز یہ بھی ہے کہ اس کے جمال کے شوق میں سرعت ہو تعریفِ الصفات کے وقوف مقامات پر ندامت ہو، جیسے فرمایا: انی تبت الیک وانا اول المؤمنین۔ بیشک میں نے تیری طرف توبہ کی، اور مؤمنین میں سے پہلا مومن ہُوں۔

مسئلہ: تیسیر میں ہے کہ اس سے معلوم ہُوا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک نماز میں قرأۃ بالفارسیہ جائز ہے (یہ قول مرجوح ہے اس پر فتویٰ نہیں) یعنی جس زبان میں قرأۃ ہو جائز ہے کیونکہ قرآن کا مضمون صحیفوں میں تھا اور اسی لیے فرمایا،

لفی زبر الاولین (بیشک وہ پہلے صحیفوں میں ہے)

اور اس میں شک نہیں کہ پہلے صحیفوں میں یہ قرآنی مضمون اسی نظم (عربی) میں نہ تھا اور نہ ہی یہ لغت تھی لیکن تھا وہ قرآن، اور دار و مدار معانی پر ہے اور الفاظ ان کے ظروف و قوالب ہیں۔ اس میں تائید ہے اس کی جو حدیث بالمعنیٰ نقل کرتا ہے۔

حدیث شریف اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وتروں کی پہلی دو رکعتوں میں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور قل یاایھا الکافرون اور پچھلی رکعت میں قل ھو اللّٰہ احد اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھتے تھے۔

اسی پر امام شافعی و امام مالک رحمہما اللّٰہ تعالیٰ کا عمل تھا اور امام ابوحنیفہ و امام محمد رحمہما اللّٰہ تعالیٰ کا عمل نہ تھا البتہ ان کے نزدیک وتر کی تیسری رکعت میں سورۃ الاخلاص پڑھنا مستحب ہے۔

فراغتِ صاحبِ رُوح البیان قدس سرّہٗ تفسیر سورۃ الاعلیٰ سے سوموار کے دن ۱۵ ربیع الاول شریف ۱۱۱۷ھ میں فراغت ہوئی۔

فراغتِ مترجم فقیر اویسی غفرلہٗ نے بفضلہٖ تعالیٰ اور ببرکۃ رسول اکرم صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم ۱۵ رجب المکرم ۱۴۰۹ھ بروز بدھ فراغت پائی۔ (الحمدللّٰہ علی ذٰلک)

سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اٰيَاتُهَا ٢٦ رُكُوْعُهَا ١

سورۃ الغاشیہ مکیہ ہے اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا اس میں چھبیس آیتیں ہیں

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ① وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ② عَامِلَةٌ
بے شک تمہارے پاس اس مصیبت کی خبر آئی جو چھا جائے گی کتنے ہی منہ اس دن ذلیل ہوں گے کام کریں
نَّاصِبَةٌ ③ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ④ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ⑤ لَيْسَ لَهُمْ
مشقت جھیلیں جائیں بھڑکتی آگ میں نہایت جلتے چشمہ کا پانی پلائے جائیں ان کے لیے کچھ کھانا نہیں
طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ⑥ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ⑦ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ
مگر آگ کے کانٹے کہ نہ فربہی لائیں اور نہ بھوک میں کام دیں کتنے ہی منہ اس دن چین میں ہیں
نَّاعِمَةٌ ⑧ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ⑨ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ⑩ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ⑪
ہیں اپنی کوشش پر راضی بلند باغ میں کہ اس میں کوئی بیہودہ بات نہ سنیں گے
فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ⑫ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ⑬ وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ⑭ وَّ
س میں رواں چشمہ ہے اس میں بلند تخت ہیں اور چنے ہوئے کوزے اور
نَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ⑮ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ⑯ اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ
برابر برابر بچھے ہوئے قالین اور پھیلی ہوئی چاندنیاں تو کیا اونٹ کو نہیں دیکھتے کیسا
كَيْفَ خُلِقَتْ ⑰ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ⑱ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ⑲
نایا گیا اور آسمان کو کیسا اونچا کیا گیا اور پہاڑوں کو کیسے قائم کئے گئے
وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ⑳ فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ㉑ لَسْتَ
اور زمین کو کیسے بچھائی گئی تو تم نصیحت سناؤ تم تو یہی نصیحت سنانے والے ہو تم کچھ ان
عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ㉒ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ ㉓ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ
کروڑا نہیں ہاں جو منہ پھیرے اور کفر کرے تو اسے اللہ بڑا عذاب دے گا
الْاَكْبَرَ ㉔ اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ㉕ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ㉖
بے شک ہماری ہی طرف ان کا پھرنا ہے پھر بے شک ہماری ہی طرف ان کا حساب ہے

سورۃ الغاشیہ مکیہ اور اس کی چھبیس آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا

تفسیر عالمانہ

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ (بیشک تمہارے پاس مصیبت چھا جانے والی خبر آئی) امام النحو قطرب نے کہا اس کا معنی ہے بیشک تمہارے پاس لے محبوب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم! چھا جانے والی خبر آئی۔ حضرت مولانا ابو السعود نے الارشاد میں لکھا کہ یہ معنی نہیں بلکہ یہ ھَل استفہامیہ ہے اس سے تعجب مراد ہے اس سے جو اس میں ہے، اور اس کے سننے کا شوق دلانا ہے اور آگاہ کرنا ہے کہ یہ ان عجیب خبروں میں جن کا حق یہ ہے کہ ان کو راوی نقل کریں اور اس کے حاصل کرنے میں محفوظ کرنے والے ہر شہری اور دیہاتی حاصل کرے۔

حل لغات

الغاشیۃ وہ دہشت ناک خبر جو سخت ہو جو اپنے شدائد سے لوگوں کو چھپا لے اور اپنی ہولناکیوں سے گھیر لے۔ اس سے قیامت مراد ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ دن جس دن ان پر عذاب چھا جائیگا اوپر سے نیچے۔ اور فرمایا: وہ دن جس کا شر پھیلا ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے: غشیۃ یغشاہ یعنی غطاہ وکل ما احاط بالشئ من جمیع جہاتہ فھو غاش لہ ہر وہ جو شے کو جملہ جہات سے گھیر لے اور وہ اس پر چھا جانے والا ہے۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ (کتنے ہی منہ اس دن ذلیل ہوں گے) جملہ مستانفہ اس سوال سے جو استفہام تشویقی سے اٹھا گویا حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی جانب سے کہا گیا کہ کون سی خبر آئی اور وہ ہے کیا، جواب ملا وجوہ یومئذ مابعد اخبار ثلاثہ کی ظرف ہے یعنی اس دن کو وہ دہشت خبر لوگوں پر چھا جائے گی اس لیے کہ خشوع و خضوع اور تطامن و تواضع سب کا ایک ہی معنیٰ ہے اور سب سے کنایہ ہے اس کیفیت سے جو انسان کو ذلت و رسوائی اور خواری طاری ہوتی ہے اس معنیٰ پر وجوہ مبتدا ہے اس کا کوئی حرج نہیں کہ یہ نکرہ ہے اس لیے کہ موقع التنویع میں ہے اور

خاشعۃ اس کی خبر ہے۔

اور ابن الشیخ نے فرمایا کہ اس کا نکرہ ہونا بحذف المضاف ہے یعنی اصحاب الوجوہ ۔ اور خشوع و
ت کے ذکر سے اصحاب کے حذف کا قرینہ بن گیا کیونکہ یہ وجوہ میں ہی ظاہر ہوتے ہیں تو اصحاب کے بغیر
وہ کیسے، اس معنیٰ پر مضاف الیہ مضاف کے قائم ہو کر مبتدا ہو گیا اور ہم نے خشوع و ذلت کو چہرہ میں ظاہر
نا اس لیے کہا کہ تکبر کا ظہور سر اور دماغ میں ہوتا ہے ۔ اور اصحاب الوجوہ سے کفار مراد ہیں جیسا کہ
س کے مابعد کے اوصاف بتاتے ہیں۔

عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ (کام کریں مشقت جھیلیں) وُہ وجوہ کی دوسری دو خبریں ہیں اس لیے
ان سے بھی مراد وہی اصحاب الوجوہ ہیں جس کا ابھی اشارہ کیا گیا ۔

ل لغات

النصب بمعنی التعب (تھکان) الناصبة المتعبة تھکنے والی ۔ کہا جاتا ہے
نصب نصباً بمعنی تھکنا از علم، اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کام کرتے تھک جائے

اس آیت کا معنی یہ ہُوا کہ وہ چہرے والے اعمال شاقہ (سخت) کر کے تھک جاتے ہیں کیونکہ
اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کرنے سے (دنیا میں) کتراتے تھے اسی لیے انہیں اللہ تعالیٰ نے اعمال شاقہ
بتلا کرنا ہے یعنی لوہے کے زنجیر کھینچنے اور بوجھل لوہے کے طوق گلے میں ڈال کر جلانا، جیسے اللہ تعالےٰ
فرمایا:

فی سلسلة ذرعها سبعون ذراعا	بیڑی لوہے کی کہ جس کی لمبائی ستر ہاتھ ہوگی
والخوض فی النار خوض الابل	اور آگ میں اونٹ کی طرح غوطے
فی الوحل۔	لگائیں گے۔

جیسے وہ رقیق گارے میں غوطہ لگاتا ہے، اور آگ کے اُونچے ٹیلوں پر چڑھنا اور گہرے گڑھوں میں اترنا۔

سئلہ: ظاہری خشوع اور ابدان کو قیام عبادت میں کھڑا کرنا کسی کام کا نہیں، نہ ہی وہ اللہ کے
ب کرتے ہیں بلکہ سعادت ازلی اور باطنی (سِرّ) کا خوف خشیة اللہ تعالیٰ کی ہیبت سے اللہ تعالےٰ
قریب کرتا ہے اور وہی اپنے عامل کو جمیع مخالفت شرعیہ سے روکتا ہے ۔

مذہبی کا رد

رہبانیة اور فلاسفہ اور ان جیسے دیگر اہلِ کفر و البدعة و اہلِ ضلال بہت بڑی
کوفت اٹھاتے اور نفسوں کو مشقتوں میں ڈالتے ہیں اور حد سے زیادہ کوشش
تے ہیں لیکن بے سُود۔

تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً (داخل ہوں گے بھڑکتی آگ میں) اس کا درد چکھیں گے ۔

حامیۃ انتہائی گرم آگ ۔ وہ تین ہزار سال بھڑکائی گئی یہاں تک کہ سیاہ ہوگئی، اب وہ سیاہ آگ ہے یہ وجوہ کی دیگر خبر ہے ۔

حل لغات

قاموس میں ہے کہ حمی الشمس والنار حمیا و حمیا و حموا سورج اور آگ کی گرمی بڑھی ۔

السجاوندی نے فرمایا کہ حامیۃ بمعنی ہمیشہ گرمی والی، ورنہ نار ہوتی ہی گرم ہے ۔

تُسْقٰی (پلائے جائیں گے) مدت دراز کے بعد وہ بھی سخت زاری اور فریاد کے بعد پیاس اور نہایت جلن سے پانی مانگیں گے انہیں اللہ تعالیٰ یا ملائکہ پانی پلائیں گے مِنْ عَيْنٍ (چشمے سے) پانی اٰنِيَةٍ (جلتا ہوا) نہایت درجہ کا گرم ۔ انی بمعنی الحر (گرمی) آگ میں گرم ہونے کی وجہ سے ج ان کے چہروں کے چمڑے ادھیڑ لے گا، جب پئیں گے تو ان کی آنتیں کاٹ دے گا، جیسے اللہ تعالیٰ نے فر بین حمیم آن (درمیان گرم پانی کے) ۔

حل لغات

اہل لغت کہتے ہیں، انی الحمیم انتہٰی حرہ اس کی گرمی انتہا کو پہنچی فھو ان وہ گرمی میں انتہاء کو پہنچنے والا ہے بلغ ھذا انا یہ اپنی گرمی میں انتہاء کو پہنچا ۔

تفسیر صوفیانہ

اس میں اشارہ ہے کہ نار طبعیہ اور عین الجہل المرکب وہی ان لوگوں کا گھا ہے اور اعتقاد فاسد موذی بھی ۔

تفسیر عالمانہ

لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِنْ ضَرِيعٍ (ان کے لیے کچھ کھانا نہیں ج آگ کے کانٹے) کفار کے پینے کی چیز کے بیان کے بعد ان کے جہنم میں طعام بیان ہے اور عقلاء کی ضمیر لائی گئی تاکہ اشارہ ہو کہ وجوہ سے ان کے اصحاب مراد ہیں اور افعا اسناد وجوہ کی طرف اس لیے ہے کہ وہی مظہر ہیں ان میں وہ ظاہر ہوتا ہے جو ان کے باطن میں ورنہ بہت سے مواقع پر ان کی ذوات سے بھی کنایہ کیا گیا ہے ۔

حل لغات

ضریع خشک کانٹا الشبرق وہ کانٹا جسے اونٹ چرتے ہیں جب تک تر ہو جب خشک ہو جاتا ہے تو اسے باہر پھینک دیتے ہیں، نہایت زہریلا اور قاتل ہو اور فتح الرحمٰن میں ہے کہ اس شوک (کانٹا) کو ضریع اس لیے کہتے ہیں کہ وہ جسم کو کمزور اور د خستہ بناتا ہے، کہا جاتا ہے، ضرع الرجل ضراعۃ ضعف و ذل فلاں شخص دبلا خستہ او کمزور ہوگیا ۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ ضریع کوئی شے ہے جہنم میں کانٹے کے مشابہ ہے وہ صبر سے زیادہ کڑوی اور مردار سے زیادہ بدبُودار اور آگ سے زیادہ گرم ہے اور یہ بعض دوزخیوں کی خوراک ہوگا اور زقوم و غسلین دوسروں کی ، یہ بحسب جرائم ہوگا ۔ اور اس آیت اور آیت الحاقہ و لاطعام الا من غسلین اور نہ ہوگا ان کا طعام مگر غسلین (پیپ) کا تعارض اُٹھ گیا ۔

ف : حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے کہ غسلین جب اہلِ نار کے ابدان سے جدا ہو تو وہ ضریع کی شکل و ہیئت میں ہو جائے اور کفار کا طعام وہی غسلین ہو جس کا اب ضریع نام ہے ۔

ف : فقیر (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ میرے نزدیک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہی تینوں (ضریع ، غسلین ، زقوم) ایک ہی شخص کی غذا بنائے گا بوجہ اس کے مختلف جرائم و معاصی کے اس لیے کہ ہر عمل کا اپنا اثر ہے جو دوسرے سے مختلف ہے اور وہ اسی سے مخصوص ہے اور جزاء تمیں ہے اسی لیے یہ حصر صحیح ہے ۔

علم بے عمل اور غیر نافع

اس کی تحقیق یہ ہے کہ ضریع شبہ اور علوم غیر منتفع بہ اور موذی (علم) کی طرف اشارہ ہے جیسے مغالطات و خلافیات و سفسطہ (فلسفہ غیر اسلامی) اور وہ جو ان جیسے علوم و فنون ہیں جیسے حضرت قاشانی نے فرمایا) اور غسلین شہوات طبعیہ کی طرف اشارہ ہے اسی لیے کہ وہ ابدان سے بہہ کر نکلے گا اس لیے کہ ہر شہوت کا اپنا ایک قسم کا نچوڑ اور پسینہ ہوگا اور قاعدہ ہے کہ برتن سے وہی ظاہر ہوتا ہے جو اس میں ہے ۔

انبیاء و اولیاء کے اعداء و گستاخ کا بُرا حال

زقوم اشارہ ہے اعدائے اسلام کے اس غور و خوض میں جو وہ انبیاء علیہم السلام و اولیاء علیہم الرحمۃ و الغفران کے بارے میں کرتے ہیں اور ان کے طعن و تشنیع میں لگے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کا کیا دین و طریقہ ہے اور ان کا مذاق اڑاتے اور مزے لے کر بکواس کرتے ہیں ، اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا :

و اذا انقلبوا الیٰ اھلھم فکہین ۔

اور جب وہ اپنے اہل کی طرف لوٹتے ہیں تو ان (انبیاء و اولیاء) پر ہنسی مذاق کرتے رہتے ہیں ۔

یعنی اس سے متلذذ ہوتے ہیں جو ٹھٹھا مخول اور ان کی طرف اشارے کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ اور الزقمۃ بمعنی طاعون بھی ہے اور اس کی ایک اور وجہ بھی ہے وہ یہ کہ ممکن ہے کہ یہ ترتیب بہ نسبت ایک شخص کے ہو مثلاً زقوم اس کی مہمانی اور ضریع اس کی غذا اور غسلین اس کا پینا گرم پانی کی طرح (و اللہ

تعالیٰ اعلم)

لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ (نہ فربہی لائیں اور نہ بھوک میں کام دیں) اس کا کام ہی نہیں موٹا کرنا اور بھوک مٹانا جیسے دنیوی طعام کا ہوتا تھا بلکہ وہ تو ایسی شے ہے کہ الٹا اس سے وہ اس کے کھانے کے لیے مجبور ہو جائیں گے نہ یہ کہ وہ ان کی ضرورت کو پورا کرے اور نہ یہ کہ اس کے کھانے سے اس میں سیر ہونا ہو یا موٹا ہونا ان دونوں باتوں کے لیے وہ انہیں کوئی کام نہ دے گا۔ بہرحال نہ یہ اس کے لیے مستعد ہوں گے اور نہ یہ طعام ان کے لیے کھانے کے لیے ہو گا۔

تحقیقی مقالہ کفار کی بھوک و پیاس اس معہود طریق پر نہ ہو گی جو اس دنیا میں معروف ہے کہ وہ ایک حالت ہے جو انسان کو عارض ہوتی ہے جب طبیعت اس بدل کی داعی ہوتی ہے جو بدن میں حلول کرے اسے شوق ہوتا ہے مطعوم و مشروب کا کہ جس سے وہ کھانے پینے کے وقت لذت پائے اور ان کے معدہ میں استقرار کے بعد وہ ان کے غیر سے مستغنی ہو جائے پھر ان دونوں سے قوت حاصل ہو اور ان کے ہضم ہونے کے بعد موٹاپن جسم کا ہو لیکن آخرت میں بھوک و پیاس کا دوسرا طریقہ ہو گا وہ یوں کہ جب آگ ان کی آنتوں میں جوش مارے انہیں اس طرف کا اضطرار ہو کہ کوئی کثیف شے پیٹ میں داخل ہو تاکہ آنتیں بھر جائیں اور جو ان میں آگ کے شعلے ہیں وہ نکل جائیں یہاں یہ تصور کہ کھانے پینے کے بعد انہیں کسی مطعوم کا شوق ہو یا کھانے کے وقت انہیں کسی قسم کی لذت حاصل ہو یا کھانے کے بعد انہیں غیر سے استغناء ہو گا یا قوت حاصل ہو گی یہ دور از قیاس ہے، ایسے ہی ان کی پیاس کا حال ہے کہ ضریع (کانٹا) کھانے کے بعد ان کے پیٹ میں ایک شعلہ اٹھے گا اور اضطرار پیدا ہو گا کہ کوئی پانی جیسی شے ہو جو آگ کے جوش کو بجھائے نہ یہ کہ اس سے انہیں کسی قسم کی لذت حاصل ہو گی یا کچھ قوت میں اضافہ ہو گا یہی معنیٰ ہے اس روایت کا کہ کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر ایسی بھوک مسلط کرے گا جو انہیں ضریع (کانٹا) کھانے پر مجبور کر دے گی جب وہ اسے کھائیں گے تو ان پر پیاس کا غلبہ ہو گا جو اسے گرم پانی پینے پر مجبور کر دے گا پانی گرم ان کے چہروں کے چمڑے ادھیڑ دے گا اور آنتیں کاٹ دے گا اور جُوع کی تنکیر تحقیر کے لیے ہے یعنی ان کی بھوک کو کچھ بھی فائدہ نہ ہو گا اور اغناء کی تاخیر فواصل کی رعایت اور اس کو سبب بنانا ہے دونوں امروں کی نفی کا اس لیے کہ اگر اسے مقدم کیا جاتا تو نفی الاسمان (موٹا ہونا) کی محتاجی نہ ہوتی کیونکہ اغناء عن الجوع کی نفی اسمان کی نفی کو مستلزم ہے بخلاف برعکس کے، اسی لیے نفی کی تاکید کو مقرر لایا گیا ہے۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ (کتنے ہی منہ اس دن چین میں ہیں، رونق و حسن و ضیاء والے چودھویں رات جیسے

حل لغات : ناعمۃ نعم الشئ (بالضم) نعومۃ (یعنی وہ شے نرم و نازک ہو گئی) سے ہے۔ ناعمۃ بمعنی متنعمۃ ہو تو بھی جائز ہے یعنی وہ چہرے جسمانیہ و روحانیہ نعمتوں سے سرشار ہوں گے اس سے اہلِ ایمان مراد ہیں اور نعمۃ سے نعمت حقیقی مراد ہے اور ماقبل پر عطف اس لیے نہیں تاکہ آگاہی ہو کہ ان دونوں جملوں میں کمال درجہ کا تباین ہے اور اہلِ نار کی تقدیم اس لیے کہ غاشیۃ کی ہولناکی اس طرح سے زیادہ موثر اور معلوم ہو کہ اس کی خبر بہت بڑی ہے۔

تفسیر صُوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ دیدار کی نعمت وہ جو لطافت و نوریت کا ثمرہ ہے اور وہ تجرد کا نتیجہ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ،

وجوہ یومئذ ناضرۃ الیٰ ربھا ناظرۃ۔	بعض چہرے اس دن بارونق اور اپنے رب تعالیٰ کے دیدار سے سرشار ہونگے۔

کیونکہ رب تعالیٰ کے دیدار سے تو رونق نصیب ہو گی۔

تفسیر عالمانہ لِسَعْیِھَا رَاضِیَۃٌ (اپنی کوشش پر راضی ہوں گے) ان اعمال صالحہ سے جو دنیا میں کیے چونکہ معمول عامل ضعیف پر تقدیم ہو گئی ہے اسی لیے اس کے عمل کی تقویۃ کے لیے لام لائی گئی اور لام راضیۃ سے متعلق ہے اور یہ بھی ہے کہ لام تعلیل کی ہو یعنی اپنی اس سعی کی وجہ سے جو طاعتِ الٰہی میں کی راضی ہوں گے اس کی جزاء و ثواب پر۔

مسئلہ صوفیانہ اس میں ریاضات و مجاہدات و خلوات (صوفیانہ) داخل ہیں۔

فِیْ جَنَّۃٍ عَالِیَۃٍ (بلند باغ میں) جو جنت میں اُونچی جگہ پر ہیں اس لیے کہ جنّات آسمانوں سے اُوپر ہیں جیسے دوزخ کے طبقات ساتوں زمینوں سے نیچے ہیں نیز جنت کے بعض درجات بعض دوسروں سے اتنے بلند ہیں جیسے آسمانوں اور زمین کے درمیان خلا ہے اس معنی پر علو سے علو فی المکان مراد ہے۔

حدیث شریف میں ہے ،

ان المتحابین فی اللہ فی غرف ینظر الیھم اھل الجنۃ کما ینظر اھل الدنیا الی کواکب السماء۔	آپس میں محبت کرنے والے دو بندگان خدا ایسے بالاخانوں میں ہوں گے جنھیں اہلِ جنّت اتنی بلندی میں دیکھیں گے جیسے اہلِ دنیا آسمان کے ستاروں کو بلند و بالا دیکھتے ہیں۔

ف : یہ بھی جائز ہے کہ عالیۃ بمعنیٰ بلند قدر ہو اس معنیٰ پر علو فی القدر والشرف مراد ہوگا ان میں جو نعمتیں ہیں ان کے کمال کی وجہ سے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں مقاماتِ عالیہ معنویہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ وہ مقامات اہلِ وجاہت والشرف المعنوی کے ہیں وہاں صرف آرزو اور دعویٰ کرنیوالے نہیں پہنچ سکتے۔

تفسیر عالمانہ لَا تَسْمَعُ (تو نہ سُنے گا) اے مخاطب یہ خطاب عام ہے ہر اس کے لیے جو اس کی صلاحیت رکھتا ہے یا وجوہ نہ سنیں گے اس معنیٰ پر تا رِ تانیث کی ہوگی نہ کہ خطاب کی فِیْهَا (ان میں) جنت عالیہ میں لَاغِیَۃً (کوئی بیہودہ بات ہے) وہ بات جس کا کوئی اعتبار نہ ہو۔

حلِ لغات لاغیۃ مصدر ہے عافیۃ کی طرح یعنی کلمہ ذات لغو اس میں نسبت کا معنیٰ ہے یا کلمہ لغو والا اس معنیٰ پر یہ اسم فاعل صفت ہے موصوف محذوف کی جو نفس ہے۔

ف : اس لیے کہ اہلِ جنت کی ہر بات از کار و حکم ہوں گی اس لیے کہ وہاں ہر مومن مرتبۂ روح وقلب کو پہنچ جائیگا اس کے نفس وطبیعت کو جہنم میں پھینک دیا جائیگا اور رُوح وقلب کی شان ذکر ہی ہے جیسے نفس وطبیعت کی شان لغو (بیہودہ بات) ہے "جیسے جنت صوریہ میں لغو نہیں ہوگی ایسے ہی دنیا میں جنت معنویہ میں بھی لغو نہیں ہوتی کیونکہ ایسے حضرات ہر وقت ذکر اور خطاب حق کے سماع میں مستغرق ہوتے ہیں اسی لیے ان کی مجالس میں ہر وقت معارف ربانیہ وحکم ربانیہ کی قیل وقال سُنی جاتی ہے (بخلاف دنیا دار پیروں کے کہ ان کی مجالس میں دنیا کی باتیں اور لغویات کی بھرمار ہوتی ہے، ایسے پیروں سے دُور رہنا ہی بہتر ہے۔ اولیسی غفرلہٗ)

حدیث شریف میں ہے :

اہل جنت کھائیں پیئں گے لیکن نہ تھوکیں گے نہ پیشاب کرینگے نہ قضاءِ حاجت کی ضرورت ہوگی اور نہ کھنکاریں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی : تو پھر جو کھائیں پیئں گے اس کا کیا حال ہوگا ؟ فرمایا : وہ پسینہ بن کر نکل جائے گا اور پسینے کی خوشبو عطر و مشک جیسی ہوگی نفوس میں تسبیح وتہلیل القاء کیے جائیں گے جیسے دُنیا میں نفس کے تصورات وخیالات ہوں گے۔

ف : دنیا اور اہلِ دنیا لغو اور بیہودہ باتوں سے خالی نہیں ہوتے اس لیے حضور علیہ السلام نے اہلِ دنیا کی مجالس میں بیٹھنے سے روکا ہے "

حدیث شریف میں ہے :

من جلس مجلسا فکثر فیہ لغطہ ۔	جو ایسی مجلس میں بیٹھا اس کے لغویات میں اضافہ ہوگا ۔

ف : لغط بمعنی ردی قبیح بات ۔ اور جنجنہ و اصوات (آوازیں) مختلفہ جن کے معانی ومفہوم نہ ہوں ۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا :

ایسی مجلس سے اُٹھنے سے پہلے پڑھ لے :

سبحانك اللھم وبحمدك اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرك و اتوب الیك ۔	تیری پاکی اے اللہ تیری حمد کے ساتھ میں ، گواہی دیتا ہوں تیرے سوا کوئی معبود نہیں تجھ سے بخشش مانگتا ہوں اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں ۔

اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اُٹھنے سے پہلے اس کی بخشش ہو جائیگی ۔

یعنی بشرطیکہ اس میں کسی قسم کا حق متعلق نہ ہو یعنی غیبت ۔

فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ (اس میں چشمہ جاری ہے) تنوین تکثیر کا ہے یعنی کثیر چشمے ، ان کے پانی ہمیشہ جاری رہیں گے وہاں پہنچیں گے جہاں بہشتی چاہے گا ، اور یہ دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھے ہوں گے ، جو ان سے کچھ پیئے گا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا اور اس کے دل سے غل وغش اور حسد وعداوت اور بغض دُھل جائیں گے ۔

تفسیر صُوفیانہ

اس میں عیون الذوق والکشف والوجدان والتوحید کی طرف اشارہ ہے کہ ان سے شفاء وصحت وبقاء حاصل ہوتی ہے اہلِ قلوب واصحابِ ارواح کو ۔

تفسیر عالمانہ

فِيهَا سُرُرٌ (اس میں تخت ہیں) اس پر بیٹھیں گے سرر ، سریر کی جمع ہے وہ مشہور ہے یعنی وہاں تخت ہیں پھر ان پر تخت ، ہر تخت پر ستر بستر اور ہر بستر پر ماہ انور جیسی حور ہوگی مَّرْفُوعَةٌ (بلند) رفیعۃ السمک یعنی بلندی والے ہوا میں لمبے ستونوں پر اس لیے کہ سمک وہ درازی ہے جو شے کے اسفل سے شروع ہو کر بلندی کی طرف چلی جائے اس سے اوپر کی طرف ہوا میں سخت بلندی جسے مؤمن جب اس پر بیٹھے گا تو وہ تمام نعمتیں دیکھے گا جو اسے اس کے رب تعالیٰ نے عطا فرمائی ہوں گی یعنی بڑی بڑی نعمتیں اور عظیم شاہی جو اسے عطا ہو گی ۔

حدیث شریف : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی اونچائی آسمان وزمین

کے درمیانی خلا کے برابر ہوگی اور وہ پانچ سو سال ہے۔

اعجوبہ جب ولی اللہ (اہلسنت) اس تخت پر بیٹھنا چاہے گا تو وہ نیچے ہو جائے گا اور جب اطمینان سے بیٹھ جائے گا تو وہ آرام سے اُوپر ہو جائے گا (جیسے دورِ حاضرہ میں لفٹ سسٹم ہے)

ف : یہ بھی ہے کہ اس سے رفیع المقدار مراد ہو کہ اسے از جمیع جہات حسن و کمال ہو گا ان کی ذوات میں اور صفات ہیں۔ دراصل وہ ستاری تخت ہے جس پر زبرجد و جواہر ہوں۔

ف ؛ حضرت خراز قدس سرہٗ نے فرمایا کہ وہ تخت بلند ہیں اعراض و اکوان کی نظروں سے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے ان اسماءِ الٰہیہ کے مراتب کی طرف جن پر اہلِ سلوک انعا تخلق کے ذریعے پہنچے اس لیے کہ وہ مراتب جسمانیات سے بلند قدر ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَّ اَكْوَابٌ (اور کوزے) ان میں شراباً طہوراً پئیں گے۔

حل لغات : کوب کی جمع (بالضم) وہ برتن جس کا دستہ وغیرہ نہ ہو ا وہ مدوّر ہوتا ہے، اس کی ہر طرف سے پانی پیا جا سکتا ہے بخلاف ابریق کے، اور وہ اب بھی بلادِ عر میں مستعمل ہے اسی لیے اس سے شوق دلایا گیا۔

مَّوْضُوْعَةٌ (چنے ہوئے) ان کے سامنے ہر وقت حاضر چاہے اس کی ضرورت نہ ہو کہ خود طلب کریں، یہ اس کے منافی نہیں کہ بعض کوزے خدام (غلمان) کے پاس ہوں گے جیسے (سورۃ) ہل اتٰی میں گزرا۔

تفسیر صوفیانہ اس میں خمور المحبت کے ظروف (برتن، اور جو ان میں ہے وہ ا کے حال میں ثبات کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر عالمانہ وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ اور قالین (گدیلے وغیرہ) برابر، برابر جیسے امراء کے بنگلوں او کوٹھیوں میں دیکھے جاتے ہیں۔ مومن جہاں چاہے گا وہاں بچھالے گا، تک کبھی جن پر سہارا کر کے بیٹھے اور اس کے سامنے حسین و جمیل غلام یاقوت و مرجان کی طرح ہر وقت خدمت کے لیے حاضر رہیں گے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں تجرید و تفرید اور جمع و توحید کی طرف اشارہ ہے کہ وہ جہاں چاہی بیٹھیں اور ان کی طرف استناد کریں۔

تفسیر عالمانہ وَّزَرَابِيُّ (اور چاندنیاں) قیمتی چاندنیاں۔

حل لغات ؛ زربی کی جمع ہے۔ امام راغب رحمہ اللہ تعالےٰ نے

فرمایا، وہ ایک قسم کا کپڑا چادر (چاندنی) ایک جگہ کی طرف منسوب ہے جو تشبیہ و استعارہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔

مَبْثُوْثَةٌ (پھیلی ہوئی) تختوں پر زینت کے طور (جیسے پلنگ پوش وغیرہ)

تفسیر صوفیانہ

اس میں ان کی ارواح کے انبساط اور صدور کے انشراح اور قلوب کے انفتاح کی طرف اشارہ ہے کہ وہ بساطِ قدس و انس میں ہے اور اشارہ ہے مقامات تجلیات افعال کی طرف وہ جو مقامات صفات کے تحت ہیں جیسے توکل رضا کے تحت ہے۔ مبثوثة یعنی ان کے نیچے بچھے ہوئے ہیں البث افضل شے کو بکھیرنا اور جدا جدا کرنا' جیسے ہوا مٹی کو بکھیرتی ہے۔

تفسیر عالمانہ

اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ (تو کیا اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کیسا بنایا گیا)[1] ہمزہ انکار و توبیخ کا ہے اور فاء عطف کی اس کا عطف مقدر پر ہے جیسے مقام کا تقاضا ہے۔

اِبِل (اونٹ) کی تحقیق

ابل (بکسرتین) و تسکین والباء (بمعنی اونٹ) واحد، اس کا اطلاق جمع پر بھی ہوتا ہے حالانکہ صیغہ جمع نہیں اور نہ ہی اسم جمع ہے بلکہ اس کی جمع آبال ہے (القاموس)

بعض نے کہا اسم جمع ہے اس کا واحد اس کے لفظ سے نہیں اس کا واحد بعیر و ناقہ و جمل آتا ہے۔

---

[1] حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین قدس سرہ نے فرمایا کہ اس سورۃ میں جنت کی نعمتوں کا ذکر سن کر کفار نے تعجب کیا اور جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنے عجائبِ صنعت میں نظر کرنے کی ہدایت فرماتا ہے تاکہ وہ سمجھیں کہ جس قادر حکیم نے دنیا میں ایسی عجیب و غریب چیزیں پیدا کی ہیں اس کی قدرت سے جنتی نعمتوں کا پیدا فرمانا کس طرح قابلِ توجہ و لائق انکار ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے افلا ینظرون الی الابل۔ فقیر اویسی غفرلہ کہتا ہے کہ اس میں ان منکرینِ اسلام کا رد ہے جنہوں نے کہا کہ جب اتنا بلند و بالا تخت ہوں گے وہاں بہشتی کیسے پہنچ سکیں گے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ کی مثال اونٹ کی قائم فرمائی کہ یہ کتنا لمبا جانور ہے لیکن اس پر نیچے بھی سوار نظر آتے ہیں تو جیسے یہ اونٹ اپنی سواری کے لیے جھک جاتا ہے اور سوار کو اطمینان اور آرام اٹھا کر چلتا ہے تو یونہی بہشت کے تختوں کو نیچا اونچا کرنا بھی اسی قادر کا کام ہے جس نے اونٹ کو بیٹھنے اٹھنے کا طریقہ بتایا یہ اس وقت تھا جب لفٹ سسٹم نہ تھا لیکن اب کوئی انکار کرے تو اسے سوائے ضد اور ہٹ دھرمی کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اویسی غفرلہ

اور کلمۂ کیف ما بعد سے منصوب اور ینظرون کے متعلق ہے اور جملہ محلاً مجرور اور الابل سے بدل الاشتمال ہے۔ معنیٰ یہ ہے کیا انہیں بعث (مرنے کے بعد جی اٹھنا) سے اور اس کے احکام سے انکار ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید سمجھتے ہیں کیا اونٹ کو دیکھ کر عبرت حاصل نہیں کرتے جو کہ ہر وقت ان کی آنکھوں کے سامنے ہے بلکہ اسے اپنے کاروبار میں ہر وقت عمل میں لاتے ہیں یہ کیسے عجیب و غریب پیدا کیا گیا ہے جو دوسرے حیوانات سے (عظم جثہ اور شدۃ قوت اور عجب ہیئت اور لائق ہے) اس کی تخلیق مختلف ہے اور پھر اس شے سخت سے سخت کام لیا جاتا ہے۔ مثلاً بڑے بڑے بوجھ اٹھا کر زمین پر چلتا ہے اور ایسے بڑے بوجھ کھینچ بھی سکتا ہے (جیسے آج کل ریڑھے پر کئی من بوجھ لاد کر اونٹ کو گدھے کی طرح جوتتے ہیں، ایسے ہی اونٹ راہٹ چلا رہے ہیں۔ ہل چلاتے ہیں، کھیتی باڑی کا کام اور سامان کھینچنے کا کام کرتے ہیں) اور بہت بڑے بوجھ اٹھا کر دور دور تک پہنچاتا ہے اور بھوک اور پیاس پر صبر کرتا ہے دس دس دن تک بھوک و پیاس پر صبر کر سکتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ، تھوڑے چارہ اور پانی پر اکتفا کرتا ہے کھانے کی جو شے مل جاتی ہے مثلاً کانٹے دار چارہ اور درخت کے پتے شاخیں وغیرہ کھا جاتا ہے۔ جو دوسرے حیوانات نہیں کھا سکتے یہ کھا جاتا ہے اور حرکت و سکون، بیٹھنے اُٹھنے میں انسان کا ایسا فرمانبردار ہے کہ انسان جیسے چاہے حکم کرے سرِ مُو انکار نہیں کرتا قطار میں لگا دو چل پڑے گا بچے نکیل پکڑ لیں جیسے چاہیں کریں سرِ تسلیم خم کر دیتا ہے پیچھے کی طرف پیشاب کرتا ہے اپنے قائد (کھینچنے والے) کے ادب سے کہ وہ آگے ہے مبادا اس پر پیشاب کا کوئی چھینٹا پڑ جائے اور وہ بے ادب ہو جائے۔ اس کی گردن اس کے لیے سیڑھی کا کام دیتی ہے۔

اُونٹ میں عشق کا مادہ

اُونٹ میں عشق و مستی کا مادہ بھی ہے کبھی اس سے اتنا متاثر ہوتا ہے کہ کھانا پینا ایک عرصہ تک بند کر دیتا ہے خوش آوازی اور حُدا خوانی پر مست ہو جاتا ہے اس کمال تاثر پر صبر کرتا ہے اور ایسا تیز دوڑتا ہے کہ جان کی پروا تک نہیں کرتا بلکہ ہلاکت کے گھاٹ اتر پڑتا ہے اور عشق و مستی میں اور دُوسرے کے دُکھ درد پر آنسو بھی بہاتا ہے۔ حضرت پیر رومی قدس سرہٗ نے فرمایا؛ ؎

برخوان افلا ینظر تا قدرت ما بینی یکرہ بشتر بنگر تا صنع خدا بینی
درخار خوری قانع در بار بری راضی این وصف اگر جوئی در اہلِ صفا بینی

ترجمہ: (۱) افلا ینظر پڑھ کر میری قدرت دیکھ۔ ایک بار اونٹ کو دیکھ کر صنعتِ خدا دیکھ۔
(۲) وُہ کانٹے کھا کر بوجھ اٹھانے پر راضی ہے ویسا وصف تجھ میں ہو تو خود کو اہلِ صفا میں دیکھو گے۔

ہاتھی کا ذکر کیوں نہیں

یہاں اللہ تعالیٰ نے ہاتھی کا ذکر نہیں کیا حالانکہ وہ اونٹ سے جُثّہ میں بڑا ہے اس لیے کہ ہاتھی عرب میں ہوتا ہی نہیں، نہ ہی وہ اسے جانتے ہیں اور نہ ہی وہ اتنا بوجھ عادتاً اٹھاتا ہے، نہ ہی اس سے دودھ دوہا جاتا ہے اور اس کے ضرر سے امن بھی نہیں بخلاف اونٹ کے کہ جو کچھ حیوان سے مطلوب ہے وہ اس سے حاصل ہے مثلاً نسل، حمل (بار برداری) دودھ، گوشت اور سواری بھی اس سے حاصل ہوتی ہے۔

ف : بعض علماء کرام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت اور اس کی نعمتوں اور اونچی اور بہترین منازل کا ذکر فرمایا ایسے ہی اس کے اونچے محلات اتنے بڑے بڑے کہ کفار و مشرکین نے کہا کہ اتنی بلند چھتوں والے مکانات پر یہ چھوٹے قد والے کیسے چڑھ سکیں گے اور حضرت بلال و خباب رضی اللہ عنہما جیسے غریب مسکین لوگوں کی حالت پر ٹھٹھا مخول کرتے کہ اتنے اُونچے مکانات پر چڑھنے کے لیے مدت چاہیے ایسے ہی اُترنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے رَد میں یہ آیت نازل فرمائی کہ اونٹ کو دیکھو کتنا اونچا ہے لیکن اس پر بچے بھی سوار ہو جاتے ہیں پھر دیکھو اس پر کیسی پھرتی سے چڑھ جاتے ہیں اور کیسی پھرتی سے نیچے اترتے ہیں تو پھر بہشت کے اُونچے محلات سے تمہیں تعجب کیوں ؟

وَاِلَى السَّمَآءِ اور یہ آسمان جسے تم رات دن ہر لمحہ دیکھتے ہو كَيْفَ رُفِعَتْ کیسے اونچا کیا گیا جس کی اونچائی بہت دُور دراز ہے اور بغیر ستون اور بغیر سہارا کے کہ جس میں فہم و ادراک عاجز ہے وَاِلَى الْجِبَالِ اور پہاڑوں کو کہ جن کے کناروں پر آتے جاتے اُترتے ہیں اور ان کے پانیوں اور درختوں سے نفع اٹھاتے ہیں كَيْفَ نُصِبَتْ کیسے کھڑے کیے گئے ہیں مضبوط طریق سے کہ نہ جھکتے ہیں اور اپنی جگہ سے ہٹتے ہیں۔ حضرت ابو اللیث رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ کیسے زمین پر میخ کی طرح کھڑے ہیں۔

تفسیر صُوفیانہ

اس میں عالمِ مثال کی طرف اشارہ ہے کہ وُہ پہاڑوں کی طرح آسمان روحانیات اور ارض جسمانیات کے درمیان واسطہ ہیں۔

تفسیر عالمانہ

وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ (اور زمین کو کہ وہ کیسے بچھائی گئی ہے) کہ جس پر وُہ چلتے پھرتے آتے جاتے ہیں کہ وُہ پانی پر کیسے بچھائی گئی ہے۔ جیسا کہ اس پر خلائق کے امور کا تقاضا ہے۔

سوال ، سطحت سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کرہ (گیند کی شکل نہیں حالانکہ سب متفق ہیں کہ زمین کروی الشکل (گیند کی شکل) ہے۔

جواب !! کرہ (گیند کی طرح) جب بڑا ہو تو اس کا ہر ٹکڑا مسطح کی طرح ہوتا ہے اسی لیے اس پر

بسط (بچھانا) کا اطلاق جائز ہے۔

(۲) کرہ کرہ میں فرق ہے جیسے کبوتر اور شتر مرغ کے انڈے میں فرق ظاہر ہے۔

ف : اب معنی یہ ہوا کہ تدبر و عبرت سے نہیں دیکھتے اللہ تعالیٰ کی ایسی پیدا کردہ اشیاء کو جو بعث و نشور کے حق ہونے کی شہادت دیتی ہیں اور اس میں انتباہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صفاتِ کمالیہ سے موصوف ہے جیسے قدرت و قوۃ و حکمت اور وہ صفات نقص سے منزہ ہے جیسے عجز و ضعف و جہل سے ان سے عبرت پکڑ کر ان گندے عقائد سے باز آجائیں یعنی انکار و نفور سے اور آپ کا انذار و ڈرانا، وعظ و پند سن کر لقائے الٰہی کے لیے تیار رہوں اس پر ایمان لاکر اور طاعت کر کے۔

ف : تبیان میں ہے کہ چونکہ مخاطب اہلِ عرب ہیں اور ان کے اکثر بادیہ نشین تھے اور ان کا مال مویشی اونٹ تھے اور وہ ہر طرف دیکھنے کے عادی تھے لیکن آسمان و زمین اور پہاڑوں کو غور و فکر کی نگاہ سے نہ دیکھتے۔ اسی لیے انہیں دعوتِ غور و فکر دی گئی ہے یعنی اونٹوں کے دیکھنے کے ساتھ ساتھ آسمان و زمین کو عبرت کی نگاہ کے ساتھ دیکھنے میں ملایا گیا کہ آیت کا نزول استدلال کے طریق سے ہے اور وہ ان اشیاء سے بہ نسبت دوسروں کے زیادہ ملابست رکھتے تھے اسی لیے ان سب کو جمع کر کے بیان کیا گیا۔

نکتہ از امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ یہاں اونٹ کے ذکر میں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ اس مقام کے لائق اسی کا ذکر موزوں تھا اس لیے کہ آسمان سایہ دار اور زمین بوجھ اٹھانے والی اور پہاڑ ثقیل ہیں اور یہ تینوں باتیں اونٹ میں موجود ہیں کہ یہ زمین کی طرح فرش اور بوجھ اٹھاتا ہے اور آسمان کے بادل جو صاف پانی اٹھاتے ہیں، اور وہ اونٹ بوجھ اُٹھانے میں مشہور ہے اور زمین اور پہاڑ بلکہ ہر شے اللہ تعالیٰ کے امر سے مسخر ہے اور اونٹ اپنے مالک کے پابندِ حکم میں ضرب المثل ہے۔

ف : امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اونٹ کا ذکر پہلے ہے اگر مؤخر ہوتا تب بھی مقصد میں کمی نہ آتی۔

مسئلہ : امام قشیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس کی حکمت تقدیم و تاخیر در پے ہونے کا خاص شرعی فائدہ کوئی نہیں۔

سوال : اگر اونٹ کا ذکر الارض (زمین) کے ساتھ ہوتا تو بہتر تھا کیونکہ یہ زمین کی کشتی ہے۔

جواب : فقیر (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اگرچہ بظاہر سوال والی بات بھی درست ہے لیکن یہاں اسے مناسبت بوجہ بلندی کے ہے اسی کی ترقی سے آسمان کی بلندی کا پتا چلے گا

اور یہاں یہی مقصود ہے۔

تفسیر صوفیانہ فقیر (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اس مقام پر یہاں لمبی چوڑی تقریر ہے جسے میں نے اپنی تصنیف "الواردات الحقیہ" میں درج کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِبل (اونٹ) میں نفوس کی طرف اشارہ اشارہ فرمایا ہے کہ وہ موٹے اور جسیم ہیں اونٹ کی طرح۔ اور آیت میں نفوس کی طرف اشارہ کی ابتداء اس لیے کی کہ وہ اصل ہیں بمنزلہ امّ (ماں) کے اور اگرچہ صورۃً مؤخر ہے جیسے بی بی حوا بہ نسبت آدم (علیٰ نبینا وعلیہما السلام) کے کہ ان سے بی بی حوا مؤخر لیکن اولاد کے لحاظ سے مقدم ہے اور آسمان میں ارواح کی طرف اونچے اور بمنزلہ اَب (باپ) کے ہیں اسی لیے اِبل کے ساتھ انہی کا ذکر فرمایا اور جبال میں قلوب کی طرف اشارہ فرمایا کیونکہ وہ لنگروں سے زیادہ سخت ہیں اور یہ رُوح و نفس کے بعد پیدا کیے گئے جیسے پہاڑ آسماں و زمین کے بعد پیدا ہُوئے تو یہ رُوح و نفس کے لیے بمنزلہ اولاد کے ہیں اسی لیے ان کا ذکر ان دونوں کے بعد ہوا۔

پہاڑ کو خواب میں دیکھنے کی تعبیر اسی لیے پہاڑ کو خواب میں دیکھنا اولیاء اہلِ قلوب کی زیارت کی بشارت ہے کیونکہ اولیاء اللہ زمین کی حقیقی اوتاد (میخیں) اور عمد (ستون) معنوی ہیں جیسے جبال زمین صوری اوتاد (میخیں) ہیں۔ اس کے قول خلقت کی بجائے نصبت میں اشارہ ہے کہ قلوب درحقیقت امر ملکوتی ہیں اگرچہ بظاہر ابوین سے اولاد کی طرح ظاہر ہوئیں اور ارض میں اجساد سافلہ کی طرف اشارہ ہے اور مرتبہ میں مؤخر ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ارض بشریہ و جسدانیہ بچھائی تاکہ وہ نفوس کی قرارگاہ ہو اور نفوس کو پیدا کیا تاکہ قلوب کی قیام گاہ ہوں اور قلوب کو پیدا فرمایا تاکہ رُوح بلکہ سر بلکہ اخفیٰ کا عرش (تخت) ہو۔

سبق: آیۃ میں کیسی بہترین ترتیب اور حسین مناسبت ہے ایسے ہی جیسے کاتب و قلم و قرطاس اور دوات کے مابین ہے (واللہ تعالیٰ اعلم)۔

تفسیر عالمانہ فَذَكِّرْ (پس نصیحت فرمائیے) فاء امر بالتذکیر کی ترتیب کے لیے ہے اس مضمون میں جو ان کے انکار سابق کی خبر دیتا ہے کہ یہ ان امور کو دیکھتے ہی نہیں تو مانیں گے کیا لیکن آپ صرف تذکیر (نصیحت) پر قناعت کیجئے اور اس پر مزید جد وجہد نہ فرمایئے اور نہ ہی فکر کیجیے کہ یہ کیوں نہیں دیکھتے اور نہ نصیحت حاصل کرتے ہیں إِنَّمَآ أَنتَ مُذَكِّرٌ بیشک تم نصیحت حاصل کرنے والے ہو، اسی امر پر محدود کرنا ہے جس کا حکم فرمایا گیا یعنی آپ کی ذمہ داری صرف تبلیغ تک ہے باقی ہدایت (کی تخلیق اور) توفیق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

لَسْتَ عَلَیْھِمْ بِمُصَیْطِرٍ (تم ان پر کچھ کرڑوڑا نہیں) فلہذا آپ انہیں اپنے ارادہ پر مجبور نہ کریں جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا ؛

وما انت علیھم بجبار ۔ (اور تم ان کو مجبور نہ کریں)

قاعدۂ تجوید اکثر قُرّار (مجودین) نے بمصیطر بالصاد یعنی سین کو صاد سے تبدیل کرکے طار کی مناسبت سے جو اس کے بعد ہے اور سین کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اصل کا اعتبار کرکے اور اشمام سے بھی یعنی صاد کی آواز کو ' زار ' کے ساتھ ملاکر کہ دونوں آپس میں مل جائیں تو ان سے ایسی آواز نکلے جو صاد ہو نہ زار ، ایک حرف کی آواز کو دوسرے کی آواز سے ملاکر پڑھنا قُرّار کے نزدیک اشمام ہے ۔

حلِ لغات کہا جاتا ہے سطر یسطر سطراً فلان علی کذا فلان ایسی شے پر لکھا اور المسیطر والمصیطر بمعنی کسی پر مسلط تاکہ اس پر غلبہ پالے اور اس کے موال کی نگرانی کرے اور اس کا عمل لکھے ۔ یا کہا جاتا ہے تسلط علیہ کسی شے پر سطر کی طرح قائم ہوا ۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ تم ان پر قائم و حافظ نہیں ہو یہاں پر مسیطر کو قائم کے معنی میں لینا اسی طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؛

افمن ھو قائم علیھا علیٰ کل نفس بما کسبت ۔	تو کیا وہ قائم ہے اس پر جو ہر نفس نے عمل کیا ۔

اور حفیظ کا معنیٰ بھی فرمایا ؛

وما انت علیھم بحفیظ (اور تم اس پر محافظ نہیں ہو)

اِلَّامَنْ تَوَلّٰی (ہاں جو منہ پھیرے) حق سے یا داعی الیہ سے نصیحت کے بعد وَکَفَرَ (اور کفر کرے) کفر پر ثابت رہے یا اسے ظاہر کرے ۔ فتح الرحمٰن میں ہے کہ ہاں وُہ جو ایمان سے منہ پھیرے اور قرآن یا نعمت سے کفر کرے ۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہاں وہ جو حق سے منہ پھیرے دنیا کی طرف متوجہ ہو اور کفر کرے حق کو خلق سے چھپائے یہ استثنار منقطع اور من موصولہ ہے نہ کہ شرطیہ جیسا کہ فار اور فعل کا مرفوع ہونا بتاتا ہے یعنی لیکن جس نے منہ پھیرا اور کفر کیا تو ملک و سلطنت اور قہر اللہ تعالیٰ کا ہے وہی ان پر محافظ ہے ، یہاں استثنار متصل نہیں ہو سکتا جیسے عندی مائتان الا درھما (میرے پاس دو سو نہیں مگر ایک درہم ہے)

تفسیر عالمانہ

فَیُعَذِّبُهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ (تو اسے اللہ تعالیٰ بڑا عذاب دے گا) یعنی جہنم کا عذاب جس کی گرمی سخت اور گہرائی بعید اور اس کے چابک لوہے کے۔ فتح الرحمٰن میں ہے کہ اکبرِ عذاب جہنم کا عذاب اور اصغر وہ جو دنیا میں عذاب دے گئے، جیسے بھوک (قحط میں مبتلا ہوئے) قید (بدر وغیرہ میں اور قتل (ایضاً)، اس کی تائید اس سے ہوتی ہے جو امام راغب نے یوم نبطش البطشۃ الکبرٰی (اس دن ہم ان کی بڑی گرفت کریں گے) میں بیان فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ کفار کو قیامت کے عذاب سے پہلے جو عذاب پہنچے اور قبور میں عذاب میں مبتلا ہوئے وہ تمام چھوٹے عذاب تھے (بڑا عذاب یہی ہے جو آخرت میں ہوگا) نیز آیت سے بھی کہ فرمایا ولنذیقنھم من العذاب الادنیٰ دون العذاب الاکبر (اور ہم انہیں عذاب اکبر سے پہلے کم درجہ کا عذاب دیں گے) عذاب ادنیٰ سے چھوٹا عذاب ہے یعنی دنیوی نہ کہ برزخی کیونکہ اس کے بعد فرمایا لعلھم یرجعون (تاکہ لوٹ آئیں) رجوع دنیا میں ہی معتبر ہو سکتا ہے برزخ رجوع کہاں ایسے ہی مابعد الموت کے رجوع کدھر ثابت ہوا کہ عذاب اکبر سے اخروی عذاب مراد ہے اس کی تائید یصلی النار الکبرٰی (بڑی آگ میں داخل ہوگا) سے بھی ہوتی ہے جیسے گزرا۔

تفسیر صوفیانہ

عذاب اکبر وہ عذاب ہے جو دنیا میں حجابات کے عذاب میں ہے اور آخرت میں نارِ ہجراں (یعنی مفارقت اور جدائی از محبوبِ حقیقی)

تفسیر عالمانہ

اِنَّ اِلَیْنَآ اِیَابَهُمْ (بیشک ہماری ہی طرف پھرنا ہے) عذاب اکبر دینے کی تعذیب کی تعلیل ہے۔

حلِ لغات

کہا جاتا ہے آب یئوب اوباً بمعنی رجع (لوٹا) یعنی ان کا رجوع موت و بعث سے ہماری طرف ہے نہ کہ ہمارے غیر کی طرف نہ بالاستقلال نہ بالاشتراک، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

الا الی اللہ تصیر الامور۔ خبردار اللہ تعالیٰ کی طرف امور لوٹتے ہیں۔

اور فرمایا:

والیہ یرجع الامر کلہ۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف کُل امور لوٹائے جائیں گے۔

خبر کی تقدیم تخصیص و مبالغہ کے لیے ہے کیونکہ اس سے یہ معنی ثابت ہوتا ہے کہ کہا جائے:

ان ایابھم لیس الا الی الجبار المقتدر علی الانتقام۔ ان کا رجوع نہیں مگر جبار کی طرف جو ان سے انتقام لینے پہ قادر ہے۔

جیسے ان کا مبدار و صدور اللہ تعالیٰ سے تھا۔

ف : اس میں تخویف شدید ہے کہ عبد بے فرمان اور گناہوں پر اصرار کرنے والے کا رجوع اپنے مالک غضب والے کی طرف ہو جو وہ سخت سزا اور عذاب میں مبتلا کر سکتا ہے بہت زیادہ سخت پریشان کن ہوتا ہے۔

ف : جملے کی ضمیر اس میں اور ما بعد میں اس لیے ہے کہ من معنًا جمع اور لفظاً مفرد ہے جیسے بارہا گزرا۔

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ (پھر بیشک ہماری ہی طرف ان کا حساب ہے) محشر میں ہمارے غیر کی طرف ہم ہی اس سے چھوٹے سے چھوٹے عمل کا حساب لیں گے نیات و اعمال کا۔

ف : ثمّ رتبہ کے اعتبار سے تراخی کے لیے ہے نہ کہ زمانہ کے لحاظ سے یعنی ترتیب زمانی جوان کے آنے اور حساب کی ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضری اور حساب لینے میں، کیونکہ وہ دونوں امر مستمر ہیں۔

ف : حضرت ابوبکر طاہر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہماری طرف آنا ہمارے فضل میں پھر ہمارا حساب لینا ہوگا عدل سے' اور حضرت البقلی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے وعید کے بعد کیسے فضل فرمایا کہ اپنی ذات کی طرف رجوع کی نوید سنائی اور ان کے حساب کا خود ہی کفیل بنا اسی لیے بندوں کو لائق ہے کہ ان دونوں فضلوں کی امید پر ہی بہتر عیش حاصل کریں دونوں جہانوں میں اور ان دونوں خطابوں (حکموں) پر جتنا فخر کریں تھوڑا ہے۔

صوفیانہ نکتہ

فقیر (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ جو حضرت البقلی قدس سرہٗ نے فرمایا یہ وہ ذوق ہے جو مکاشفین حضرات کو نصیب ہوا ہے لیکن اس سے عوام کو دھوکا نہ ہو کہ وہ بھی اسی گھمنڈ میں آکر خوفِ خدا ترک کر دیں۔

ملفوظ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اپنا محاسبہ اس سے قبل خود کرو جب تمہارا محاسبہ ہو اور اپنے اعمال کا وزن خود کرو اس سے قبل کہ تمہارے اعمال کا وزن ہو اللہ تعالیٰ کی حاضری کے لئے مزیّن ہو جاؤ کہ اس دن اس کے ہاں پیش ہو گے تم سے کوئی پوشیدہ نہ رہے گی۔

ف : قیامت میں ان لوگوں کا حساب ہلکا ہوگا جنہوں نے دنیا میں اپنا محاسبہ خود کیا ہوگا اور آخرت میں ان لوگوں کے اوزان بوجھل ہوں گے جنہوں نے دنیا میں اپنے اعمال کا وزن کر لیا ہوگا۔

محاسبۂ نفس کیا ہے

محاسبۂ نفس یہ ہے کہ نفس کو ورع سے مزین کرے اور اعمال کے وزن کا مطلب یہ ہے کہ عین الیقین کے مشاہدہ سے نفس کو آراستہ کرے اور بارگاہِ الٰہی کی حاضری کے لیے مزیّن ہونا یہ ہے اپنے مالک اکبر کے خوف

میں رہے۔

ملفوظ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سیدنا علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ، امّا بعد انسان کو وہ چیز خوش کرے گی کہ جس کے حصول کے لیے جد وجہد کی کہ اس سے چوک نہ جائے اور غم میں ڈالے گی وہ چیز کہ اس سے فوت ہونے والی نہ تھی لیکن غفلت سے اسے ترک کیا اور جو تمہیں دنیا میں حاصل ہوا اس سے خوش نہ ہو جاؤ اور جو نہ ملا اس کے لیے غم نہ کھاؤ وہاں سرور ہو اس سے جو نیکی تم نے آگے بھیجی ، اس پر افسوس ہو جو چھوڑ کر جاؤ گے ۔ تیرا مشغلہ صرف آخرت ہو اور خیالات صرف ما بعد الموت کے ساتھ منسلک ہوں ۔

حدیث شریف میں ہے ،

ثلاث من کن فیہ استکمل ایمانہ لا یخاف فی اللہ لومۃ لائم ولا یرائی بشئ من عملہ واذ عرض لہ أمران احدھما للدنیا ولآخر للآخرۃ آثر الآخرۃ علی الدنیا۔

تین ایسے ہیں جن کے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے ،
(۱) کسی ملامت گر کی ملامت سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں خوف نہیں کرتا ۔
(۲) اپنے عمل میں ریا نہیں کرتا ۔
(۳) جس کے سامنے دنیا و آخرت کے امور آتے ہیں تو وہ دنیا کے امور پر آخرت کے امور کو ترجیح دیتا ہے ۔

حدیث شریف : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مجھ پر سوائے اس آیت کے اور کچھ نہ اُترتا تو یہی آیت کافی تھی پھر آپ نے سورۂ کہف کا آخری پڑھا کہ فمن کان یرجو لقاء ربہ الخ

یہی فصل الخطاب یہی اولی الالباب کے لیے بلاغ ہے عمل صالح یہی ہے کہ عبادت میں اخلاص ہو اور خلق کے ساتھ شرک کی نفی وہ یقین کرنا خالق کی توحید کے ساتھ وہ عمل جو خالص اللہ کے لیے اور اس کے ساتھ یعنی اس کے مشاہدۂ قرب سے ہو میں اپنے نفس کو معاون نہ بنائے اور خواہش کو دخیل نہ ہونے دے اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اور اس کی طلب میں جو اس کے ہاں ہے نہ کہ اس کے لیے جس کا حظ جلدی کا ہے تو وہ شخص مقبول ہے اور ایسا عامل مقربین میں سے ہے ان کا حساب آسان بلکہ ہوگا ہی نہیں ۔

فراغت صاحب روح البیان قدس سرہٗ : اللہ تعالیٰ ذی العطایا الغاشیہ کی مدد سے تفسیر سورہ غاشیہ سے ۱۷ ربیع الاول شریف ۱۱۱۷ھ میں فراغت پائی ۔

فراغت مترجم فقیر اویسی غفرلہٗ نے بعون اللہ تعالیٰ ، ۱۷ رجب المکرم ۱۴۰۹ھ / ۲۲ فروری ۱۹۸۹ء ، شب جمعۃ المبارک تفسیر سورۂ غاشیہ کے ترجمہ سے فراغت پائی ۔ (الحمد للہ علیٰ ذلک) ☆

سُوْرَۃُ الْفَجْرِ مَکِّیَّۃٌ ﴿٨٩﴾ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ اٰیَاتُہَا ٣٠ رُکُوْعُہَا ١

سورۂ فجر مکیہ ہے — اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا — اس میں تیس آیتیں ہیں

وَالْفَجْرِ ۝١ وَلَیَالٍ عَشْرٍ ۝٢ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝٣ وَالَّیْلِ اِذَا یَسْرِ ۝٤ هَلْ فِیْ ذٰلِكَ
اس صبح کی قسم اور دس راتوں کی اور جفت اور طاق کی اور رات کی جب چل دے کیوں اس میں عقلمند کے

قَسَمٌ لِّذِیْ حِجْرٍ ۝٥ اَلَمْ تَرَ كَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝٦ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝٧
لیے قسم ہوئی کیا تم نے نہ دیکھا تمہارے رب نے عاد کے ساتھ کیسا کیا وہ ارم حد سے زیادہ طول والے

الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ ۝٨ وَثَمُوْدَ الَّذِیْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝٩
کہ ان جیسا شہروں میں پیدا نہ ہوا اور ثمود جنہوں نے وادی میں پتھر کی چٹانیں کاٹیں

وَفِرْعَوْنَ ذِی الْاَوْتَادِ ۝١٠ الَّذِیْنَ طَغَوْا فِی الْبِلَادِ ۝١١ فَاَكْثَرُوْا فِیْهَا الْفَسَادَ ۝١٢
اور فرعون کہ چومیخا کرتا جنہوں نے شہروں میں سرکشی کی پھر ان میں بہت فساد پھیلایا

فَصَبَّ عَلَیْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝١٣ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝١٤ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ
تو ان پر تمہارے رب نے عذاب کا کوڑا بقوت مارا بے شک تمہارے رب کی نظر سے کچھ غائب نہیں لیکن آدمی تو جب

اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَیَقُوْلُ رَبِّیْۤ اَكْرَمَنِ ۝١٥ وَاَمَّاۤ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ
اسے اس کا رب آزمائے کہ اس کو جاہ اور نعمت دے جب تو کہتا ہے میرے رب نے مجھے عزت دی اور اگر آزمائے

فَقَدَرَ عَلَیْهِ رِزْقَهٗ فَیَقُوْلُ رَبِّیْۤ اَهَانَنِ ۝١٦ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْیَتِیْمَ ۝١٧
اور اس کا رزق اس پر تنگ کرے تو کہتا ہے میرے رب نے مجھے خوار کیا یوں نہیں بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے

وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِیْنِ ۝١٨ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ۝١٩ وَّ
اور آپس میں ایک دوسرے کو مسکین کے کھلانے کی رغبت نہیں دیتے اور میراث کا مال ہپ ہپ کھاتے ہو اور

تُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۝٢٠ كَلَّاۤ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۝٢١ وَّجَآءَ رَبُّكَ
مال کی نہایت محبت رکھتے ہو ہاں ہاں جب زمین ٹکرا کر پاش پاش کر دی جائے اور تمہارے رب

وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝٢٢ وَجِایْٓءَ یَوْمَىِٕذٍۭ بِجَهَنَّمَ یَوْمَىِٕذٍ یَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَ
کا حکم آئے اور فرشتے قطار قطار اور اس دن جہنم لائی جائے اس دن آدمی سوچے گا اور اب اسے سوچنے کا

اَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ۝٢٣ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ قَدَّمْتُ لِحَیَاتِیْ ۝٢٤ فَیَوْمَىِٕذٍ لَّا یُعَذِّبُ
وقت کہاں کہے گا ہائے کسی طرح میں نے جیتے جی نیکی آگے بھیجی ہوتی تو اس دن اس کا سا عذاب

عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۵﴾ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۶﴾ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِيْٓ
کوئی نہیں کرتا اور اس کا سا باندھنا کوئی نہیں باندھتا اے اطمینان والی جان اپنے رب
اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿۳۰﴾
کی طرف واپس ہو یوں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی پھر میرے خاص بندوں میں داخل ہو اور میری جنت میں آ

سورۃ الفجر مکیہ اس کی انتیس ۲۹ یا بتیس ۳۲ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا)

تفسیر عالمانہ

وَالْفَجْرِ (اس صبح کی قسم) کشف الاسرار میں ہے کہ عرب کے تمام لوگ قسمیں کھانے کے عادی تھے، بات بات پر قسم کھا جاتے تھے، اسی لیے قرآن مجید انہی کے دستور کے مطابق نازل ہوا۔ فجر دو ہیں،

(۱) کاذب، وہ بھیڑیے کی دُم کی طرح مستطیل ہے۔ اس سے کوئی حکم متعلق نہیں۔

(۲) صادق، وہ مستطیر ہے اس سے روزہ و نماز کا حکم متعلق ہے۔

ف : اللہ تعالیٰ نے فجر کی قسم یاد فرمائی وہی ضوء سورج کا مشرق سے طلوع کا پہلا وقت ہے جیسے صبح کی قسم یاد فرمائی۔ چنانچہ فرمایا ؛

والصبح اذا تنفس (قسم ہے صبح کی جب سانس نکالے)

اس لیے اس وقت رات کے وقت کا انقضاء ہوتا ہے اور صبح کی روشنی کا آغاز۔ اور لوگوں اور حیوانوں اور وحوش و طیور کے طلب رزق کے انتشار کا وقت ہے اور یہ مُردوں کے قبور سے اُٹھنے اور منتشر ہونے کے ہمشکل ہے۔ اور جو غور و فکر کرے اس کے لیے اس میں بہت بڑی عبرت ہے۔

فجر سے کیا مراد ہے

حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؛

(۱) اس سے ہر صبح مراد ہے کیونکہ یہ دوستانِ خدا کی مناجات کا وقت ہے۔

(۲) صبح عرفہ مراد ہے کیونکہ وہ شرافت والا وقت ہے کہ اس وقت حجاج عرفات کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے،

الحج عرفۃ (حج عرفہ ہے)

یعنی حجاج کی زاری اور وظائف و دعا اور نیاز کا وقت ہے۔

(۳) دسویں ذوالحج کی صبح، کیونکہ یہ بھی بہت بڑا دن ہے کیونکہ اس میں طواف فرض اور حلق (سر منڈوانا) اور رمی (شیطان کو کنکریاں مارنا) ہوتا ہے۔ اور مروی ہے کہ دسویں ذوالحج حج اکبر کا دن ہے۔

(۴) ایک قول محرم شریف کی پہلی تاریخ ہے کہ سال کا آغاز اسی سے ہوتا ہے۔

(۵) ہر جمعہ کی صبح، کیونکہ یہ غرباء و مساکین کا حج ہے۔

(۶) فجر بمعنی انفجار، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس پانی کی طرف اشارہ ہے جو طائف وغیرہ میں آپ کی انگشتانِ مبارک سے جاری ہوا تھا۔

(۷) وہ انفجار جو ناقہ کا صخرہ سے ہوا مراد ہے۔

(۸) مطلق ہر چشمہ وغیرہ کا انفجار۔

(۹) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پتھر کا انفجار۔

(۱۰) مطلق بادل سے پانی کا انفجار۔

(۱۱) گنہ گاروں کی آنکھوں سے ندامت کے آنسو بہنا ؎

بران از دو سر چشمۂ دیدہ جوی
ور آلائشے داری از خود بشوی

ترجمہ، سر کی دونوں آنکھوں سے چشمہ اور نہر آنسوؤں کی جاری کر اگر گناہوں کی آلائش رکھتا ہے تو انہیں خود دھو ڈال۔

وَلَيَالٍ عَشْرٍ (اور دس راتوں کی)

(۱) یہ ذوالحج کی دس راتیں ہیں۔ عربوں کی عادت ہے کہ راتوں کا نام لے کر اہم دن مراد لیتے ہیں مثلاً:

بنی ھذا البناء لیالی السامانیۃ۔ یہ عمارت سامانیوں کے دنوں تیار ہوئی۔

(یہاں لیالی سے ایام مراد ہیں)

(۲) اس سے رمضان المبارک کے پچھلے دس دن راتیں مراد ہیں ۔

ف : اس کی تنکیر تعظیم کی ہے کیونکہ ان دن راتوں کے مخصوص فضائل ہیں جو دوسروں میں نہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی قسم یاد فرمائی ہے عبادت کا اشتغال اعمال حج کی طرح ہے جو دس دن ذوالحج میں عبادت کی مشغولی ہوتی ہے ۔

حدیث شریف میں ہے ، ان دنوں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے نزدیک پاکیزہ تر اور اجر و ثواب کے لحاظ سے بڑھ کر کوئی دن نہیں جو اضحیٰ کے ان دس دنوں کا اجر و ثواب ہے ۔ عرض کی گئی ، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! مجاہد فی سبیل اللہ سے بھی بڑھ کر ۔ فرمایا ، ہاں ' سوائے اس کے جس نے مال و جان جہاد میں قربان کر دیا اس کا ثواب اس سے بڑھ کر ہے ۔

مسئلہ : اس میں اشارہ ہے کہ غازی جنگ کو روانہ ہو تو گھر سے ہی ارادہ کر لے کہ جنگ سے واپس نہیں آئے گا (وہیں شہید ہوگا) پھر اللہ تعالیٰ کی مرضی جو چاہے کرے ۔

ف : رمضان المبارک کی پچھلی دس راتوں کی فضیلت سے یہ کچھ کم ہے کہ اس میں لیلۃ القدر ہے جو ہزار سال سے بہتر ہے اور انہی دس راتوں میں لیلۃ القدر کو تلاش کیا جاتا ہے ۔

(۳) اس سے محرم کے دس دن راتیں مراد ہیں کہ انہی میں عاشورا ہے ۔

(۴) اس میں نصف شعبان المعظم کے ساتھ درمیانی دس راتیں مراد ہیں کیونکہ اسی میں شب برات ہے ۔

حضرت البقلی قدس سرہٗ نے فرمایا ان راتوں سے یہ راتیں مراد ہیں :

(۵) وہ کہ جن دنوں میں آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا گیا ۔

(۶) وہ رات جس دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے ۔

(۷) وہ رات جس دن قیامت قائم ہوگی ۔

(۸) وہ رات جس میں موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف پایا ۔

(۹) شبِ معراجِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۔

صوفیانہ معنیٰ : حضرت قاشانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قسم یاد فرمائی اس فجر کی جس دن نور روح نے مادۂ بدن پر ظہور کی ابتدا کی اس کے ساتھ اثر تعلق کے وقت ، اور دس راتوں سے مراد جو اس عشرہ ظاہرہ و باطنہ وہ کہ جس وقت روح ان سے متعلق ہوا اس لیے کہ یہی حواس کمال کی تحصیل

کے اسباب و آلات ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

انفجار حسنہ واحدہ از ارض قلب مومن کی قسم ہے اور عشرہ لیالٍ سے وہ حسنات مراد ہیں جن کی طرف اشارہ ہے:

من جاء بالحسنة فله عشر امثالها۔ جو ایک نیکی لائے اس کے لیے دس نیکیاں ان جیسی ہیں

اور انہیں لیال (راتیں) اس لیے کہا گیا کہ وہ حسنۃ نہارِ عمل سے بغیر اکتساب کے مرتبۂ احدیہ حسنہ واحدہ کے غیب سے ظاہر ہوئیں، بلکہ محض عطائے الٰہی سے عالمِ غیب سے ظاہر ہوئیں۔

تفسیر عالمانہ

وَالشَّفْعِ (اور جفت کی) اس لیے جفت کا معنی ہے شئے کو اسی کے ہم مثل سے ملانا

وَالْوَتْرِ (اور طاق کی) (بفتح الواو و کسرہا) یعنی ان راتوں کے جفت و طاق کی اس میں ظاہر تعمیم ہے اس لیے کہ الف لام استغراق کا ہے یعنی جملہ اشیاء کے جفت و طاق کی قسم کیونکہ تمام اشیاء یا تو جفت ہوتی ہیں یا طاق۔

حلِ لغات

امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مخلوقات کل یا اس لحاظ سے کہ وہ مرکب ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ومن كل شئ خلقنا زوجين۔ اور ہر شے سے ہم نے پیدا کیے جوڑے جوڑے۔

زوجین سے الشفع مراد ہے اور الوتر اللہ تعالیٰ ہے اس اعتبار سے کہ اسے ہر لحاظ سے وحدۃ ہے، اور بعض کبار مشائخ نے جو فرمایا اس کا مرجع بھی یہی ہے مثلاً فرمایا کہ شفع کی قسم سے کثرت اسمائیہ اور وتر سے وحدت ذاتیہ حقیقیہ مراد ہے ان میں عناصر اربعہ اور افلاک تسعہ اور بروج بارہ اور سیارات سات اور نماز مغرب اور باقی تمام نمازیں اور یوم النحر اس لیے قربانی کا دن عاشر اور عرفہ کا دن تاسع ہے ان دس دنوں (ذوالحج) کا اور دو دن دسویں دن ذوالحج کے بعد اور یوم ثالث اسی کا اور آدم و حوا (علیٰ نبینا وعلیہما السلام) زوجین ہیں۔ اور بی بی مریم وتر ہیں۔ اور چشمے بارہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جاری کیے اور آیات تسع جو انہیں عطا ہوئیں اور ایام عاد شفع اور اس کی راتیں وتر ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

سبع لیال و ثمانیۃ ایام (سات راتیں اور آٹھ دن) اور وہ مہینہ جو تیس دنوں کا کامل ہو اور

وہ مہینہ جو انتیس دنوں کا ہو اور اعضاء جیسے قلب اور دو ہونٹ اور زبان اور ریہ جیسے اور رکوع اور ابواب الجنۃ و ابواب النار اور درجات الجنۃ و درکات النار و صفات الخلق جیسے علم و جہل اور قدرۃ و عجز اور ارادہ و کراہت اور حیات و موت اور [illegible] ([illegible]) جیسے خفت و ثقالت لوازم ایام و لیالی اور وہ دن کہ جس کے بعد رات نہیں یعنی یوم القیامۃ اور وہ نبی جن کے دو نام ہیں جیسے سیدنا محمد و احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور مسیح و عیسیٰ، اور یونس و ذوالنون (علیہم السلام) اور وہ نبی علیہ السلام جن کا ایک نام ہے جیسے آدم و نوح و ابراہیم (علیہم السلام)، اسی طرح مسجد مکہ و مسجد مدینہ دونوں کو ملا کر کہا جاتا ہے حرمین الشریفین، یہ شفع ہیں اور مسجد اقصیٰ وتر ہے۔ اور دو جبل صفا و مروہ شفع ہیں اور بیت الحرام (وتر ہے) اور نفس مع الروح حالۃ الجمع میں شفع ہے اور وہ دونوں حالۃ الافتراق (وتر ہیں)۔

حضرت [illegible] قدس سرہ

فجر حضور علیہ السلام اور دس راتیں عشرہ مبشرہ ہیں

نے فرمایا:

فجر حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم	الفجر محمد علیہ السلام منہ
ہیں جن سے انوار پھوٹے اور لیالی عشر	تفجرت الانوار ولیالی عشر العشرۃ
سے عشرہ مبشرہ بالجنۃ ہیں	المبشرۃ بالجنۃ (ص ۴۲۱)

وَالَّيْلِ (اور قسم ہے رات کی) جنس لیل مراد ہے اِذَا يَسْرِ (جب گزر جائے) یہ ایسے ہے جیسے فرمایا: واللیل اذ ادبر (اور قسم رات کی جب پیٹھ پھیرے)۔

حل لغات السری یعنی رات کی سیر۔ کہا جاتا ہے سری یسری سریا و مسری جب کوئی عام راتوں کو چلے اور سار یسیر سیرا، ذھب (گیا)

ف: رات کو چلنے سے مقید کرنے میں اس کی کمالِ قدرت کی طرف اشارہ ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ اس میں دوسرے حیوانات کی طرح حیات ڈالتا ہے تو رات مرنے کے بعد جی اٹھتی ہے تاکہ اسے لوگ طلبِ ارزاق کا سبب بنائیں جو ان کی دنیوی زندگی کو مدد دیتے ہیں اور وہ سعادت دارین کا سبب ہے۔

سوال: لیالی عشر میں تو رات کی قسم کا ذکر ہو چکا پھر دوبارہ اس کی قسم کا کیا معنیٰ؟

جواب: یہاں لیل کے چلنے اور گزرنے کی قسم ہے اور وہاں مطلق بلا قید راتوں کی قسم ہے ان میں ایسی خصوصیت ہے جو ایک دوسرے سے مستغنی نہیں کرتی۔

ف: ہاں یہ بھی ہے کہ اس کا معنیٰ ہے قسم رات کی جس میں چلنے والا چلتا ہے اور گزرنے والا گزرتا ہے اور اس کا اسناد لیل کی طرف مجاز ہے جیسے نہارہ صائم یعنی روزہ رکھنے والا دن میں، اور راے اس

قید سے اس لیے مقید کیا کہ چلنے والے کو رات شمس کی گرمی سے محفوظ کر لیتی ہے اور گرمی کا سفر انسان کے لئے تکلیف دہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

بالدلجة فان الارض تطوی فی اللیل۔ لازم پکڑو راتوں کو اس لیے کہ رات زمین کو سمیٹ لیتی ہے (سفر کے لیے، یعنی برکت ہوتی ہے)

ف: اور رات ڈاکوؤں کے شر سے محافظ ہے اس لیے کہ رات کو عموماً ڈاکو تھکان اتارنے کے لیے نیند میں ہوتے ہیں۔ یسر کی یاء حذف کی گئی محض کسرہ پر اکتفاء کر کے اور مصحف مقدس کے خط مبارک میں اسی طرح ہے اور اس سے آیات کی موافقت بھی ہے اگرچہ اس کا اصل یہ ہے کہ وہ ثابت رکھی جائے کیونکہ یہ مضارع مرفوع کی لام کے بالمقابل ہے۔

ف: حضرت حفص (رحمہ اللہ تعالیٰ) سے سوال ہوا تو آپ نے فرمایا:

اللیل یسری فیه ولا یُسریٰ۔ رات میں یُسر ہوتی ہے نہ کہ سیر کرتی ہے۔

لیکن چونکہ اس کے معنیٰ سے عدول کیا گیا ہے اسی لیے اس کے لفظ سے بھی عدول ہونا چاہیئے کہ یاء گرادی جائے تاکہ دلیل ہو اس کے اصل معنیٰ پر کہ سقوط الیاء بتاتی ہے کہ فعل کا اصلی معنیٰ اللیل سے منفی ہے اگرچہ فعل کا اسناد اسی کی طرف ہے کہ حیوان کی حرکت معنیٰ حرکت پر دلالت کرتی ہے حیوان میں کیونکہ ترتیب کا اختلاف خاصیت میں اختلاف کرتا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ

اس میں ظلمۃ بدن کی طرف اشارہ ہے کہ جب چل جائے اور تجرد روح سے زائل ہو جائے ایسے ہی اس کی قسم میں اشارہ ہے کہ لیل ہوتے مطلقہ نہار مقید میں چلے جانے کی طرف اشارہ ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یولج اللیل فی النهار ویولج النهار فی اللیل۔ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں۔

مقیدات کو اٹھا کر سطوات انوار مطلق سے نیز لیلۃ المعراج کی قسم کی طرف اشارہ ہے کہ اس شب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے عبد مقدس کو سیر کرائی اسی لیے کہ یہ تمام راتوں سے زیادہ برگزیدہ ہے کیونکہ وہی القدر والشرف والوصال والخطاب ورؤیة الجمال کی شب ہے۔

تفسیر عالمانہ

هَلْ فِیْ ذٰلِكَ (کیوں اس میں)

مقسم بہا کی شان کی فخامت کی تقریر و تحقیق ہے کہ وہ جلیل القدر امور ہیں اور اعظام و اجلال کے لائق ہیں ارباب العقول کے نزدیک۔ اور تنبیہ ہے کہ ان کی قسم یاد کرنا معتد بہ امر ہے اور وہ اس لائق ہیں کہ ان کے ساتھ اخبار کو مؤکد کیا جائے بر طریقہ قولہ تعالیٰ وانہ لقسم لو تعلمون (اور بیشک وہ بڑی قسم ہے اگر تم جانتے) یہ ایسے ہے جیسے کہ بہت بڑی حجت قائم کر کے کہتا ہے،

هل فیما ذکرتہ حجۃ (کیا میں نے جو بیان کیا ہے وہ حجت ہے؟)

اب معنٰی یہ ہوا کہ جو اشیاء مقسم بہا مذکور ہوئیں قَسَمٌ (قسم ہوئی) یعنی مقسم بہ ہے۔ فتح الرحمٰن میں ہے کہ وہ مقنع و مکتفی (کافی) ہے لِّذِیْ حِجْرٍ (عقل والوں کے لیے) وہ عقل جو نورِ معرفت حقیقت سے منور ہے اور اسے اس لائق دیکھتا ہے کہ وہ اجلال و اعظام کے پیشِ نظر اس لائق ہے کہ اس کی قسم یاد کی جائے۔ اور مراد یہ تمام مقسم بہا ایسے ہی ہیں اور یہ طریقہ اس لیے اختیار کیا گیا ہے تاکہ مخلوق کو انکسار کا موقعہ نصیب ہو اور خبر دی گئی ہے کہ یہ امر ظاہر و باہر ہے یا هَل ان قسموں پر دخل ہوگا یہ صرف عقل والوں کے لیے قسم ہے اور یہ طریقہ ان کے نزدیک مقبول اور معتد بہ ہے اور ان جیسوں کی یاد کی جا سکتی ہے اور مقسم علیہ کو ان سے مؤکد کیا جا سکتا ہے یعنی بیشک ان اشیاء کی قسم ہم نے یاد کی ہے اور یہ پسندیدہ قسم ہے عاقل کے نزدیک تاکہ وہ اعتبار کرے کہ واقعی یہ قسم محقق و مؤکد ہے۔

حلِ لغات

الحِجر بمعنی عقل، کیونکہ وہ عقل والے کو اس سے منع کرتی اور روکتی ہے ایسے امر میں گرنے سے جو اسے نقصان دے ایسی عقل کو عقل کہا جاتا ہے ایسے ہی نُھٰی (بالضم النون) کیونکہ وہ منع کرتا اور روکتا ہے، ایسے ہی حصاۃ از احصاء بمعنی ضبط۔

ف: فراء نے کہا: کہا جاتا ہے ذو حِجر وہ جو اپنے نفس پر قاہر و ضابط ہو، اور حجرٍ میں تنوین تعظیم کی ہے۔ بعض حکماء نے فرمایا کہ عقل قلب کے لیے ایسے ہے جیسے جسم کے لیے روح، جس قلب میں عقل نہ ہو وہ مردہ ہے جانوروں کے قلب کی طرح (بیکار) ہے اور مقسم علیہ محذوف ہے وہ ہے لیعذبن الخ اس پر خبر دیتا ہے اَلَمْ تَرَ كَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ (کیا تم نے نہ دیکھا تمہارے رب نے عاد کے ساتھ کیسا کیا) ہمزہ انکار کا اور قوۃ نفی میں ہے اور قاعدہ ہے نفی کی نفی سے اثبات ہوتا ہے اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! کیا تمہیں علم یقینی نہیں جو رؤیۃ کے قائم مقام ہے جلاء میں۔ یعنی تُو نے جانا اللہ تعالیٰ کے اعلام سے اور متواتر خبروں سے بھی کہ کیسے عذاب کیا تیرے رب نے عاد اور ان جیسے کافروں سے اور عنقریب تمہاری قوم کے کفار

کو بھی عذاب کرے گا۔ کیونکہ یہ دونوں اس میں شریک ہیں جو کفر و معاصی کے موجبات ہیں۔

عاد کا تعارف عاد سے عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد مراد ہے اور ہود علیہ السلام کی قوم ہے جو اپنے دادا کے نام سے موسوم ہے جیسے بنو ہاشم حضرت ہاشم (رضی اللہ عنہ) کی وجہ سے موسوم ہیں اور بنو تمیم تمیم سے، اس معنی پر تیم اس قبیلہ کا نام ہے جو عاد کی طرف منسوب ہے ان کے اوائل کو عادِ اُولیٰ اور اواخر کو عاد اخیرہ کہا جاتا ہے۔

قاعدہ عماد الدین ابن کثیر نے کہا کہ قرآن مجید میں ہر جگہ خبر عاد سے عادِ اولیٰ مراد ہے سوائے سورۂ احقاف کے۔

اِرَمَ عطف بیان ہے عاد سے تاکہ معلوم ہو کہ اس سے عاد اولیٰ مراد ہیں بحذف المضاف یعنی سبط ارم اور اہلِ ارم، یہ اس قول پر ہے کہ ارم ان کے شہر یا علاقہ کا نام ہے جس میں وہ آباد تھے اور ان کی آبادی عمان سے حضر موت تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ ریتلے اور پتھریلے علاقے ہیں اس کی تائید قرأت بالا بھی ہوتی ہے جو بھی ہو اس کا غیر منصرف ہونا تعریف و تانیث سے ہے۔

حلِ لغات المفردات میں ہے کہ الآرام وہ قلعے جو پتھروں سے تیار کئے گئے تھے اور ارم ذات العماد میں اشارہ ہے ان کے قلعوں کی طرف جو بلند و بالا اور منقش منارہ کے طریقہ پر یا قبور کی ہیئت پر تھے اس میں بھی مضاف محذوف ہے یعنی اہل الاعلام۔

ذَاتِ الْعِمَادِ (حد سے زیادہ طول والے) صفت ہے ارم کی اور لام جنس کی ہے جو قلیل و کثیر کو شامل ہے عماد عمود کی ہے ان کی جمع عمد (بفتحتین) و عمد (بضمتین) و اعمدۃ آتی ہے بہت زیادہ قد والے، ان کے قدوں کو ستون سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یا خیموں اور ستونوں والے اس لیے کہ وہ بدوی تھے ستونوں والے کہ جہاں گھاس ہوتی اس کی طلب میں چلے جاتے، جب گھاس وغیرہ سوکھ جاتی گھروں کو لوٹ جاتے اور ستونوں کو کام میں لاتے جہاں ڈیرہ جاتے ستون کھڑے کرتے ان کے اوپر محلات قصور (گھر) تیار کرتے اور ان کے یہ قصور دور سے نظر آتے تھے یا صاحب اساطین (کھمبے) تھے اس لیے کہ ان کا شہر اونچے کھمبوں کی عمارتوں والا تھا اور ارم ان کے ہی شہر کا نام ہے۔

ف: حضرت سہیل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ارم ذات العماد وہ جیرون بن سعد بن ارم کے نام سے ہے اسی نے ہی دمشق میں یہ شہر آباد کیا سنگِ مرمر کے ستون تیار کرکے مکانات تیار کئے تھے۔ چنانچہ منقول ہے کہ اس نے شہر میں چار لاکھ ستون اور چار لاکھ سنگِ مرمر کے رکھوا کر مکانات بنوائے۔ العماد سے وہی مراد ہے جس پر اس شہر کی تعمیر کی گئی اس کا نام جیرون تھا اسی نام سے معروف تھا اور دمشق، دمشق بن فرود کے

لہ نام سے ہے ، وہ نمرود حضرت خلیل اللہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا دشمن تھا لیکن دمشق مسلمان ہو گیا اس نے ن شام کے ملک میں جامع ابراہیم تعمیر کی تھی ۔ غالباً یہی روایت صحیح تر ہے ۔ (اس میں تامل اور غور و فکر چاہیے)

الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ (کہ ان جیسا شہروں میں پیدا نہ ہوا) یہ ارم کی وسری صفت ہے اور ضمیر ارم کی ہے کیونکہ اس سے قبیلہ مراد ہے

رم والوں کی طاقت کا مظاہرہ

ان جیسا عظیم الاجسام اور شدید القوۃ آفاق و نواحی میں کہیں نہ تھا ان کے ایک مرد کا قد چار سو ہاتھ تھا اور ایک پتھر ٹھا کر تا اور ایک قبیلے پہ گرا کر انھیں ہلاک کر دیتا اسی لیے ان کا دعویٰ تھا کہ ہم سے بڑھ کر بڑی قوت و طاقت لا اور کون ہو سکتا ہے (رخ جانور) ان کی نظیر رخ پرندہ ہے جو چین کے جزیروں میں ہوتا ہے (المنجد یں ہے کہ وہ ایک خیالی جانور ہے یا اولیس غیرک) جس کا ایک پر دس ہزار ہاتھ ہے ایک بڑا پتھر پاؤں میں ٹھاتا ہے جو ایک بڑے گھر کے برابر ہوتا ہے وہ پتھر اوپر سے کشتی پر پھینکتا ہے ۔ یا دنیا بھر کے شہروں میں ان جیسا شہر کہیں نہیں تھا ۔ یہ ضمیر مونث اسی کی طرف راجع ہے بتاویل البلدۃ

شداد کا شہر اور امیر معاویہ کا لشکر

حضرت امیر معاویہ کے عہد میں حضرت عبد اللہ بن قلابہ صحرائے عدن میں اپنے گم شدہ اونٹ کو تلاش کرتے ہوئے اس شہر میں پہنچے اور اس کی تمام زیب و زینت دیکھی کہ اس کی بنیادیں مضبوط جزع یمانی سے تھیں بے شمار محلات تھے ادھر ادھر پھرا کوئی رہنے بسنے والا نہ پایا تھوڑے سے فاصلے پر دروازے کو دیکھا جواہر سے مکلل ، تھوڑے سے جواہرات وہاں سے لے کر چلے آئے ، یہ خبر امیر معاویہ تک پہنچی انھوں نے بلا کر حال دریافت کیا انھوں نے تمام قصہ سنایا تو حضرت امیر معاویہ نے کعب احبار کو بلا کر دریافت کیا کہ کیا کوئی ایسا شہر ہے جو سرخ رنگ کبود ہے ؟ انھوں نے فرمایا ہاں جس کا ذکر قرآن پاک میں بھی آیا ہے یہ شہر شداد بن عاد نے بنایا تھا وہ سب عذاب الٰہی سے ہلاک ہو گئے ان میں سے کوئی باقی نہ رہا اور آپ کے زمانے میں ایک مسلمان سرخ چشم قصیر القامت جس کے ابرو پر ایک تل ہو گا اپنے اونٹ کی تلاش میں اس شہر میں داخل ہو گا ۔ پھر عبد اللہ بن قلابہ کو دیکھ کر فرمایا بخدا وہ شخص یہی ہے ۔

ف : (صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا) اس شہر کے اندر حضرت ابن قلابہ نے شہر کے ستون زبرجد و یاقوت کے دیکھے اس کی اینٹیں ایک سونے اور ایک چاندی کی تھیں ، ایسے ہی اس کے فرش کا حال تھا اور اس میں بجائے سنگریزوں کے مروارید آبدار بچھائے گئے تھے ہر محل کے گرد ب رواں لؤلؤ و مرجان پر جاری تھا بہت بڑے درخت جن کے تنے سونے کے اور پتے زبرجد کے

شگوفے سیم کے تھے۔ دل میں کہا ؛

هذه الجنة التی وعد المتقون۔ یہ وہی جنّت ہے جس کے لیے متقیوں کو وعدہ
دیا گیا ہے۔

ع این چہ منزل چہ بہشت این چہ مقامست اینجا
(یہ کیسی منزل ہے کیسی بہشت ہے کیسا مقام ہے اس جگہ)

اور کہا ؛

والذی بعث محمدا ما خلق اللّٰہ مثل هذا فی الدنیا۔ اس کی قسم جس نے محمد عربی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو مبعوث فرمایا دنیا میں اللہ تعا
نے ان کی مثل پیدا ہی نہیں کیا۔

جب جواہر موتی لے کر واپس آئے تو لوگ ان جواہرات کو دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے۔ لوگوں کی زبا
قصہ مشہور ہُوا، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا۔ اس کی تفصیل ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔

فائدہ از اویسی غفرلہٗ (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور کا واقعہ حضرت کعب الا
کے درج ہونا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقبولِ خدا ہو
زبردست دلیل ہے ان منکرین کو سوچنا چاہیے جو ان سے دشمنی رکھتے تھے اور جو لوگ کہتے ہیں کہ کسی
کہ کل کیا ہوگا۔ لیکن یہاں تو حضور علیہ السلام کے ادنیٰ خدام کے لیے ثابت ہے)

زور و قوت اور طول قامت میں عاد کے بیٹوں میں سے شداد بھی ہے جس نے دنیا پر بادشاہ
اور تمام بادشاہ اس کے مطیع ہو گئے اور اس نے جنت کا ذکر سُن کر براہِ سرکشی دنیا میں جنّت بنانا چا
اسی ارادہ سے ایک شہر عظیم بنایا جس کے محل سونے چاندی کی اینٹوں سے تعمیر کئے گئے اور زبرجد
کے ستون اس کی عمارتوں میں نصب ہوئے اور ایسے ہی فرش مکانوں اور رستوں میں بنائے گئے
کی جگہ آبدار موتی بچھائے گئے ہر محل کے گرد جواہرات پر نہریں جاری کی گئیں قسم قسم کے درخت حُسنِ
ساتھ لگائے گئے۔ جب یہ شہر مکمل ہُوا تو شداد بادشاہ اپنے اعیانِ سلطنت کے ساتھ اس کی طرف رو
جب ایک منزل فاصلہ باقی رہا تو آسمان سے ایک ہولناک آواز آئی جس سے اللہ تعالیٰ نے اس
ہلاک کر دیا۔

شداد کی شاہی پر تبصرہ (واقعہ کے اختصار کے بعد اب اس کی تفصیل از صاحبِ
قدس سرہ پڑھیے) (۱) شداد نے نو سو سال عمر پائی۔

(۲) اس شہر کی تیاری میں رُوئے زمین کے خزانے جمع کرائے۔

(۳) اس کی تیاری پر ایک سو کاریگر مقرر کئے، ہر کاریگر کے ساتھ ایک ہزار نوکر تھا۔

(۴) تین سو سال میں یہ بہشت تیار کرائی۔

(۵) شداد کے مرنے کے بعد یہ بہشت اصحابِ کہف کی طرح پوشیدہ ہو گئی۔

ی قصہ اُوپر مذکور ہو چکا۔

ال : ابن الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حواشی میں فرمایا کہ اس میں اعتراض ہے وہ یہ کہ قومِ عاد آندھی ، تباہ ہوئی اور قومِ صالح چنگھاڑ سے، تو تم نے کہا شداد چنگھاڑ سے تباہ ہوا، یہ کیسے؟

اب : یہاں چنگھاڑ سے آندھی مراد ہے جس کے اندر سخت آوازیں تھیں۔

شداد کی قبر کا کتبہ

شداد کے بیٹے نے ایک تختی پر ذیل کے اشعار لکھ کر اس کے سرہانے لٹکائے جو شداد کی اپنی زبان سے کہے ہوئے تھے جب اس کے بیٹے نے اسی راہ تباہ شدہ باپ کا ڈھانچہ اٹھا کر دفنایا تو لکھوایا ؎

اناشداد بن عاد صاحب الحصن العمید
واخو القوۃ والباساء والملک المشید

دان اھل الارض لی من خوف وعدی وعیدی
وملکت الشرق والغرب بسلطان شدید

فاتتنا صیحۃ تھوی من الافق البعید
فتوفتنا کزرع وسط بیداء حصید

ترجمہ : (۱) میں شداد بن عاد ہوں مضبوط قلعوں والا قوت والا اور جنگجو اور مضبوط بادشاہ۔

(۲) اہلِ زمین کو میرا خوف معلوم ہے میرا وعدہ بھی وعید ہے اور میں مشرق و مغرب میں سلطنت شدیدے مالک ہوا ہوں۔

(۳) ہم پر ایک چنگھاڑ افق بعید سے آیا اور فنا کر دیا کھیتی کی طرح جنگل کے درمیان میں۔

یدبسطامی قدس سرہٗ نے شہروں کو دیکھا

قوت القلوب تصنیف عالم ربانی ابوطالب مکی قدس سرہٗ میں ہے کہ حضرت بایزید می قدس سرہٗ سے عرض کیا گیا کہ آپ کبھی ارم ذات العماد میں بھی تشریف لے گئے ہیں؟ فرمایا:

میں تو اللہ کے ملک میں ایسے ہزار شہروں میں گیا ہوں جن کے بالمقابل ذات العماد ایک معمولی شہر ہے اس کے بعد آپ نے چند شہروں کے نام گنے منجملہ ان کے جابلق، جابلص بھی تھا۔

سوال: حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ کا قول کہ میں نے جو شہر دیکھے ان کے بالمقابل ذات العماد ا معمولی شہر ہے یہ لم یخلق مثلها فی البلاد کے منافی ہے۔

جواب: (۱) لم یخلق ماضی ہے اور حضرت بایزید بسطامی مستقبل کے شہروں کی بات فرمار ہے ہیں نزول القرآن کے بعد تیار ہوئے ہوں۔

(۲) مثل کی نفی ہے نہ کہ شہروں کے وجود کی اور مثل سے مراد ذات العماد کی زیب و زینت مراد ہے لمبائی چوڑائی وغیرہ اپنی جگہ پر حق ہے۔

(۳) اسی قوت القلوب کے بعض نسخوں میں یہ بھی ہے کہ آیت کا معنیٰ ہے کہ بلاد یمن میں اس جیسا شہر نہی کیونکہ مخاطب وہی ہیں جو ان کے بلاد کے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں ہے او ینفوا من الارض (نفی کئے جائیں گے زمین سے) یعنی شہروں سے۔ ان جوابات سے اشکال مندفع ہوگیا (شرح ال لابن الشیخ)

وَثَمُوْدَ (اور قوم ثمود سے) اس کا عطف عاد پر ہے ثمود قبیلہ اپنے جد کے نام سے موسوم ثمود جدیس کا بھائی تھا اور وہ دونوں عامر بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام کے بیٹے تھے اور اصنام پر تھے عاد کی طرح، اور صالح علیہ السلام کی قوم ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

والی ثمود اخاهم صالحا۔ اور ثمود کی طرف ہم نے صالح علیہ السلام کو بھیجا۔

الَّذِیْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ (جنہوں نے وادی میں پتھر کی چٹانیں کاٹیں)

حل لغات: الجوب القطع (کاٹنا) کہا جاتا ہے جبت البلاد، اجوبها، جوباً۔ اور فرا بڑھایا جبت البلاد اجیبها جیباً جب تم ان شہروں کی سیر کرو اور ان کا سفر طے کرو۔ اور جبت القمیص میں نے قمیص کاٹا۔ اسی سے ہے الجیب (گریبان)۔ الصّخر سخت شدید پتھر۔ الوا در اصل الوادی تھا وہ جس میں پانی جاری ہو۔ اسی سے ہے وہ کھلا راستہ دو پہاڑوں کے درمیان اسے بھی وادی کہتے ہیں۔ یہی مراد ہے وادیٔ القریٰ سے، جو مدینہ طیبہ کے قریب ملک شام کی جانب

وادیٔ مذکور میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ورود مسعود

سیدنا ابو نضرة رضی اللہ تعالیٰ ع نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی ا تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ تبوک کے موقعہ پر اس وادیٔ ثمود سے گزرے اور آپ اشقر گھوڑے پر سوار تھ

تو فرمایا، تیز چلو تم ملعون وادی میں ہو۔

ف : آیت کا معنی یہ ہے کہ انھوں نے پتھر تراش کر پہاڑوں پر گھر بنائے ہوئے تھے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

وتنحتون الجبال بیوتا (اور وہ پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے تھے)۔

بعض نے کہا کہ سب سے پہلے پتھروں کو تراش کر گھر بنانے والے یہی ہیں پتھر عام اور چٹانیں اور سنگ مرمر وغیرہ، ایک ہزار سات سو شہر بنائے اور سب کے سب پتھروں کو تراش کر۔

وَفِرْعَوْنَ اور موسیٰ علیہ السلام کے فرعون کے ساتھ کیا کیا اللہ تعالیٰ نے۔ اس فرعون کا نام ولید بن مصعب بن ریان بن ثروان ابو العباس قبطی تھا، اسی کی طرف الاقداس العباسیہ (عباسی پیالے) منسوب ہیں فرعون اس کا لقب تھا اسے علیحدہ اس لیے ذکر کیا گیا کہ وہ تکبر اور رعونت میں بے نظیر تھا، یہاں تک کہ اس نے ربوبیت والوہیت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ **ذِی الْاَوْتَادِ** اور فرعون کہ جو میخا کرتا۔

حلِ لغات

الوتد (بالتحریک وبکسر التاء ایضا بالفارسیة) بمعنی میخ۔ سورۃ النباء میں اس کی تحریک گزری ہے۔ فرعون اس صفت سے اس لیے موصوف ہوا کہ اس کا لشکر اور وہ خیمے جو اپنے گھروں میں لگاتے اور انھیں میخیں گاڑ کر مضبوط کرتے ان کی کثرت کی وجہ سے جیسے آج بھی ہے کہ خیمے اور طنابیں گاڑی جائیں تو ان کے لیے بکثرت میخوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

ف : اور فرعون لوگوں کو میخوں سے عذاب دیتا تھا جیسا کہ کشف الاسرار میں ہے کہ فرعون میخ بند سے عذاب دیتا تھا۔ یعنی چار میخوں سے عذاب کرنے والا۔

مشاطہ بنتِ فرعون کا قصہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ فرعون ذی الاوتاد اس لیے تھا کہ اس کے خزانچی خربیل کی اہلیہ ہیجل بنتِ فرعون کی ماشطہ (ہار سنگار کرنے والی) خادمہ تھی۔ فرعون کا خزانچی مومن تھا ایک سو سال سے اس نے ایمان کو چھپا رکھا تھا ایسے ہی اس کی بیوی نے ایک دن وہ فرعون کی لڑکی کا سر سنوار رہی تھی یعنی کنگھا کر رہی تھی تو کنگھا ہاتھ سے گرا تو کہا تعس من کفر باللہ تعالیٰ (وہ ہلاک ہو جو اللہ تعالیٰ سے کفر کرتا ہے) فرعون کی لڑکی نے کہا: کیا میرے باپ کے سوا کوئی اور تیرا معبود ہے؟ کہا ہاں میرا اور تیرے باپ کا اور تمام آسمانوں اور زمین کا صرف ایک معبود ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ فرعون کی بیٹی باپ کے پاس روتی ہوئی پہنچی فرعون نے بیٹی سے رونے کا سبب دریافت کیا، کہا میری ماشطہ تیرے خزانچی کی بیوی نے کہا ہے کہ تیرا اور اس کا اور آسمان و زمین کا صرف ایک معبود ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ فرعون نے ماشطہ کو

بلوایا اس سے پوچھا تو اس نے کہا یہ سچ ہے۔ فرعون نے کہا: تجھ پر افسوس تُو میرے ساتھ کفر کر رہی ہے جس خدا کو تُو مانتی ہے اس سے کفر کر ورنہ تجھے چومیخا عذاب دُوں گا۔ بی بی اپنے ایمان پر ڈٹ گئی۔ اس نے اسے چومیخا کر کے ابسے باندھ کر اس پر سانپ اور بچھو چھوڑ دیئے۔ پھر کہا اپنے خدا سے کفر کر ورنہ تجھے اسی عذاب میں دو ماہ تک مبتلا رکھوں گا۔ اس نے کہا مجھے کوئی پروا نہیں خواہ تُو مجھے ستّر ماہ تک عذاب دے میں اپنے خدا تعالیٰ کو نہیں چھوڑ سکتی، اس کی دو بیٹیاں تھیں بڑی بیٹی کو لا کر اس کے سامنے ذبح کرا دیا اور کہا اب بھی وقت ہے مان جا ورنہ تیری شیر خوار بچّی سے بھی ایسا ہی کروں گا۔ بی بی نے کہا پروا نہیں اگر تُو رُوئے زمین کے لوگوں کو اسی طرح میرے سامنے ذبح کرا دے تب بھی اپنے معبودِ حقیقی کو نہیں چھوڑوں گی۔ اس نے اس کی شیر خوار لڑکی کو اس کے سینے پر لٹا دیا اور ذبح کرنے کا حکم دے دیا تو بی بی گھبرائی شیر خوار بچّی کو اللہ تعالیٰ نے بولنے کی طاقت دے دی اور کہا امّی مت گھبرا اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے بہشت میں بہترین مکان تیار کر رکھا ہے صبر کر ابھی تو اس میں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و کرامت میں پہنچ جائے گی فرعون نے بچّی کو ذبح کرا دیا، بی بی تھوڑی مدّت کے بعد فوت ہو گئی، اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دی۔

بی بی آسیہ رضی اللہ عنہا کی جرأتمندی

فرعون نے بنی اسرائیل کی حسین ترین بی بی سے نکاح کیا جن کا اسمِ گرامی آسیہ بنت مزاحم (رضی اللہ عنہا) تھا

بی بی آسیہ نے جب ماشطہ کا حال دیکھا کہ فرعون نے اس پر کیا ظلم و ستم ڈھایا ہے تو دل میں سوچ رہی تھیں کہ میں فرعون کے ساتھ گزراوقات کیسے کر سکوں گی وہ کافر میں مسلمان۔ یہی تصوّرات دل و دماغ میں گردش کر رہے تھے کہ فرعون اُن کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ بی بی نے کہا اے فرعون! تو تمام مخلوق سے شریر اور خبیث ترین ہے تُو نے ایک غریب ماشطہ کو بلا وجہ بُری طرح قتل کرا دیا فرعون نے کہا معلوم ہوتا ہے تجھے بھی وہی جنون ہے جو اسے تھا۔ بی بی آسیہ نے کہا مجھے کوئی جنون نہیں مجنون (پاگل) وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتا ہے وہ جس کے ملک میں آسمان اور زمین اور جو ان کے درمیان ہے وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور وہ ہر شے پر قادر ہے فرعون سُن کر آگ بگولہ ہو گیا اور بی بی آسیہ کو چار میخوں سے باندھ دیا تاکہ اسے عذاب دے۔ اللہ تعالیٰ نے بی بی آسیہ کے لیے بہشت کا دروازہ کھول دیا تاکہ اس پر فرعون کا عذاب محسوس نہ ہو۔ اسی لیے بی بی نے کہا تھا:

• رب ابن لی عندك بیتاً فی الجنة و
نجنی من فرعون و عمله۔

اے اللہ! میرے لیے اپنے نزدیک جنت میں گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات دے۔

اسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے بی بی آسیہ کی رُوح قبض کر لی اور اسے جنۃ عالیہ میں ٹھہرایا۔ اس کا یہ قصہ تھوڑا سا سورۃ التحریم کے آخر میں گزرا ہے وہاں دیکھئے۔

تفسیر صوفیانہ عاد میں اشارہ ہے طبیعۃ بشریہ کی طرف اور ثمود میں قوت شہویہ کی طرف اور فرعون میں قوتِ غضبیہ کی طرف۔ سالک پر لازم ہے ان کا تزکیہ اور ان کے آثار کا ازالہ۔

تفسیر عالمانہ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ (جنھوں نے شہروں میں سرکشی کی) یہ تین گروہوں مذکورہ کی صفت ہے اس معنیٰ پر یہ جملہ محلاً مجرور ہے اور بعض بحروں میں بائے اور بعض اس پر معطوف ہیں اور یہ بحسب اللفظ احسن ہے اس لیے کہ اس میں کوئی شے حذف نہیں کرنا پڑتی اور صاحبِ کشاف نے اسے منصوب کہا علی الطریق الذم اعنی کو مقدر رکھ کے کیونکہ یہ ذم میں صریح اور مقام بھی ذم کا ہے اور یہ معنیٰ کے اعتبار سے احسن ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ مذکورہ گروہوں میں ہر ایک گروہ نے اپنے شہروں میں سرکشی کی اور حد سے متجاوز ہوئے یعنی عاد نے یمن میں اور ثمود نے ارضِ شام میں اور قبط نے مصر میں جیسے فرود نے سرکشی کی سواد میں ایسے ہی ان کے باقیوں کا قیاس کیجئے فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ (پھر ان میں بہت فساد پھیلایا) کفر و معاصی سے کیونکہ فساد گناہوں کے تمام اقسام کو شامل ہے پس جو امرِ الٰہی اور اس کے حکم کے خلاف بندوں پر ظلم کا حکم کرتا ہے وہ مفسد اور اس حد سے متجاوز ہے جو اس کے لیے مقرر ہے۔ اس میں شدید خوف ہے زمانہ کے حکّام کے لیے فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ (تو ان پر تمہارے رب نے بقوت مارا)۔

حلِ لغات: صب بمعنی اُوپر سے نیچے پانی بہانا۔ یعنی فساد کا صدور ہوا۔

سَوْطَ عَذَابٍ (عذاب کا کوڑا)

حلِ لغات السوط چمڑے کا بٹا ہوا کوڑا جس سے کسی کو سزا دی جائے یعنی سخت عذاب جس کی غایت کا ادراک نہیں ہو سکتا۔ اس سے ان کو گوناگوں عذاب میں مبتلا کرنا مراد ہے وہ جو سورۃ کریمہ میں مشرحاً مذکور ہے وہ یہ کہ ریح عاد کے لیے اور صیحہ ثمود کے لیے اور غرق قبط کیلیے۔ اس کا سوط نام اس لیے ہے تاکہ اشارہ ہو کہ جو ان کے لیے عذاب تیار ہے وہ کوڑے کی طرح ہے جو تلوار کے ساتھ تیار رکھا ہوتا ہے۔

نکتہ: عذاب کا سوط سے استعارہ اس لیے ہے کہ اس سے مارنے میں تکرار اور بار بار کام لیا جاتا ہے بخلاف تلوار وغیرہ کے کہ وہ ایک بار مارنے سے کام تمام ہو جاتا ہے۔

ف : کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ چونکہ عرب کوڑے کی مار کو سخت عذاب سمجھتے تھے اس لیے اس کا ذکر فرمایا یعنی عرب والے کوڑے کو انتہائی عذاب سمجھتے تھے۔ ویسے وہ ہر قسم کے عذاب کو کوڑے سے تعبیر کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے عرب کے اسلوب پر فرمایا ہے۔ شاعر نے کہا ہے ؎

الم تران اللہ اظھر دینہ
وصب علی الکفار سوط عذاب

ترجمہ : کیا نہیں دیکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا دین غالب فرمایا اور کافروں پر کوڑے کا عذاب برسایا۔

نکتہ : اسے صب (بارش برسنا) سے تعبیر فرمایا تاکہ اس کے بکثرت اور استمرار اور پے در پے ہونے پر دلالت کرے کیونکہ صَبّ بمعنی بہنے والی شے یا جو بہنے میں اس جیسی ہو، جیسے ریت، دانے کو بہانا، اور شدۃ وکثرت اور مسلسل۔

سوال : عذاب کی نسبت کوڑے کی طرف ہے حالانکہ وہ اس قبیل سے نہیں۔

جواب : اس کے نزول اور مسلسل اور پے در پے مضروب پر برسنے کی تشبیہ کی وجہ سے ہے کہ جیسے بارش وغیرہ کے قطرات بکثرت اور مسلسل پے در پے شے پر برستے ہیں ایسے ہی عذاب کے کوڑے ان مذکورہ بالا کفار پر برسائے جائیں گے۔

سوال : اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے ولو یؤاخذ اللہ الناس بظلمھم ما ترک علی ظھرھا من دابۃ ولکن یؤخرھم (اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے ظلم کی وجہ سے ان کا مؤاخذہ کرے تو زمین پر کسی چلنے والے کو نہ چھوڑے لیکن ان کے عذاب میں تاخیر کرتا ہے) اس آیت میں تاخیر کا بیان ہے اور آیت مذکورہ بالا میں نقد عذاب کا بیان ہے تو ان دونوں میں تطبیق کیسی؟

جواب : (۱) تاخیر العذاب کا بیان اس عذاب کا ہے جو مکمل طور ہو اور وہ آخرت میں ہوگا اور یہ دنیا میں ہوا تو یہ اس کا ایک معمولی نمونہ ہے (حواشی ابن الشیخ)

(۲) فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ اس کی ایک وجہ اور بھی ہے اور وہی وجہ تر ہے، وہ یہ کہ آیت مؤاخذہ (جو اوپر سوال میں درج ہے) میں وہ عذاب مراد ہے جو تمام کفار کو ہو اور یہاں دنیا میں بعض کو ہوا تو کل کے منافی نہیں ہے جیسا کہ بعض کو ایسا عذاب ہوا کہ ان کی جڑیں اکھاڑ کر رکھ دیں جیسے بعض قوموں کی تباہی کے حالات قرآن مجید میں مذکور ہیں

اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ (بیشک تمہارے رب [illegible]) ماقبل کی تعلیل ہے

اور آگاہ کرنا ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قوم کے کفار کو بھی عنقریب ان کی طرح عذاب واقع ہوگا جیسے گزشتہ اقوام پر واقع ہوا جیسے آیت کے عنوان ربوبیت مع اضافۃ الضمیر المخاطب (علیہ السلام) سے معلوم ہوتا ہے۔

حل لغات المرصاد وہ مکان جس میں اہلِ انتظار انتظار کرتے ہیں مفعال از رصدہ جیسے میقات از وقتہ ہے۔ بار ظرفیہ کی ہے یعنی بیشک وہ اس جگہ پر ہے جس میں مسافر (منتظرین) انتظار کرتے ہیں، اور جائز ہے کہ یہ صیغہ مبالغہ ہو جیسے مطعان (طعنہ زن) بار تجریدیہ ہے یعنی اس میں تمثیل ہے اللہ تعالیٰ کے مجرمین کے انتظار کی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے چُوک نہیں جائیں گے اور تشبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال کا نگران ہے ان پر تھوڑے اور زیادہ پر جزاء وسزا دے گا اور بندوں کو اس سے کہیں جاگنا نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی جگہ بھاگ کر نکل جائیں یہ ایسے ہے جیسے کوئی نگران مسافرین کے راستہ پر بیٹھ کر ان کا انتظار کرے تاکہ معصیت کے مرتکب کو پکڑنے میں کامیاب ہو یا جیسے محصول لینے کے لیے جو نگران مقرر ہیں کہ ان سے کوئی بچ کر نہیں نکل سکتا (ایسے ہی بلا تمثیل، اللہ تعالیٰ کے محاسبہ اور گرفت سے کوئی بھی بچ کر نہ نکلے گا، یہاں یہ مثالیں محض مقاصد سمجھانے کے لیے دی گئی ہیں۔

ف : حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ سب کو دیکھتا ہے سب کی سنتا ہے اس سے کوئی شے مخفی نہیں ؎

ہم نہاں داند و ہم آنچہ نہاں تر باشد
یعلم السر و اخفیٰ صفت حضرت اوست

ترجمہ : وہ پوشیدہ بلکہ پوشیدہ سے پوشیدہ تر جانتا ہے سر و اخفیٰ جاننا اس کی صفت ہے۔

سات چوکیدار بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے پل صراط کے راستے میں سات جگہوں پر چوکیدار لگائے کھڑے ہوں گے :

(۱) ایمان کا پوچھیں گے اگر [illegible] میں [illegible] ہوئی یعنی نفاق وریاء نہ ہوا تو نجات پا جائے گا ورنہ جہنم میں دھکیلا جائے گا۔

(۲) نماز کا پوچھیں گے اگر [illegible] وضو [illegible] اور صحیح اوقات میں ادا کی ہیں تو نجات پا جائے گا ورنہ جہنم میں دھکیلا جائے گا۔

(۳) زکوٰۃ کے بارے میں سوال ہوگا۔

(۴) ماہِ صیام کے روزوں کے متعلق ۔
(۵) حج و عمرہ کے بارے میں ۔
(۶) وضو اور غسلِ جنابت کے بارے میں ۔
(۷) والدین کے ساتھ احسان اور صلہ رحمی کے بارے میں ۔

اگر ان ساٹ چوکیوں سے بچ نکلا تو جنت میں جائے گا ورنہ جہنم میں ۔ (پناہ بخدا)

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ (لیکن آدمی تو) ان ربك لبالمرصاد سے متصل ہے گویا کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال کی نگرانی کے درپے اور ان کے اعمال کی جزا و سزا کے دینے کے انتظار میں ہے لیکن انسان کو اس کا خیال نہیں اس کا مطمحِ نظر اور فکر و تصور دنیا اور اس کی لذآت ہیں ۔

ف : سُہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ انسان سے مراد عتبہ بن ربیعہ ہے ۔ اور اس آیت کا سببِ نزول بھی وہی ہے جیسے مفسرین نے فرمایا ۔ اگرچہ یہ صفت عام ہے ۔

اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ (جب اسے اس کا رب تعالیٰ آزمائے) اس کے ساتھ وہ معاملہ کرے جو آزمانے والا کرتا ہے مثلاً اسے غنی بنا دے آسانیاں پیدا کر دے ، آرام و آسائش سے زندگی بسر کرنے کا موقعہ عطا فرمائے فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ (کہ اسے جاہ و نعمت دے) یعنی اسے گرامی قدر بنا دے جاہ و اقتدار (کرسی) بخش دے اور نعمتوں سے نوازے اور اس پر معاش فراخ کر دے اور اس کا ہر کام آسان بنا دے ۔ فاء تفسیریہ ہے اس لیے کہ اکرام و تنعیم عین الابتلاء ہیں ۔ فَيَقُوْلُ تو فخراً کہتا ہے رَبِّیْٓ اَكْرَمَنِ میرے رب تعالیٰ نے مجھے عزت دی اس کے ساتھ جو عطا فرمایا جاہ و مال اس کے موافق جس کا وہ مستحق تھا اس کے دل میں خیال تک نہیں ہوتا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے تاکہ وہ اسے آزمائے کہ اس پر شکر کرتا ہے یا ناشکری ۔ یہ خبر ہے مبتداء کی یعنی الانسان کی اور فاء اَمّا یا شرط و ظرف کے معنیٰ میں ہے نیت تاخیر پر گویا کہا گیا لیکن انسان کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے میری تکریم کی ابتلاء کے وقت انعام کے ساتھ اور اس کی تقدیم اس کی آگاہی کے لیے ہے کہ یہ اکرام و تکریم بطریقِ ابتلاء کے ہے تاکہ واضح ہو اس کا قول جس کی حکایت کی گئی معلوم ہوا کہ اذا محض ظرفیہ ہے اور یہ فاء مانع نہیں کہ اس کا مابعد ماقبل پر عمل کرے وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ (اور اگر آزمائے) یہاں ھو مقدر ہے اصل عبارت یوں ہے واما ھو اذا ما ابتلٰہ دونوں فقروں میں اما کا بعد اسم ہو تاکہ دونوں جملے برابر ہو جائیں فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ (اور اس کا رزق اس پر تنگ کرے) یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مشیت پر باقتضائے حکمتِ بالغہ اس کی روزی تنگ کر دے اور صرف اتنا عطا فرمائے جو اسے کفایت کرے فَيَقُوْلُ رَبِّیْٓ اَهَانَنِ

تو (اضطراب و پریشانی میں) کہتا ہے میرے پروردگار نے مجھے خوار کیا فقر و فاقہ سے، اور اس کے دل میں یہ تصور تک نہیں ہوتا کہ اس میں اس کی آزمائش ہے کہ وہ اس پر شکر کرتا ہے یا جزع فزع، حالانکہ یہ اس کی کوئی اہانت نہیں (بلکہ امتحان ہے) اسی لیے اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا کہ اھانہ فقدر علیہ رزقہ (اسے خوار کیا اور اس کی روزی تنگ کی) جیسے پہلے اس کے بالمقابل کہا اکرمہ ونعمہ بلکہ اسے یاد رہنا چاہیے کہ کبھی تنگ دستی سعادتِ دارین تک پہنچاتی ہے اس تنگ دست کو جو تنگ دستی پر صبر کرتا ہے اس کا آخرت میں تنگدستی سے مکرم ہونا تو ظاہر ہے اور دنیا میں اس لیے کہ دشمن اس کی ایذار کے طمع سے باز رہیں گے اور دنیا و ثروت والے (اہلِ دنیا) اسے اللہ والا سمجھ کر اس کے پاس آئیں گے اور دعار کے طالب ہوں گے ورنہ کا رو بلہ کی وسعت کبھی ناشکری کی وجہ سے دارین کے گھاٹے تک پہنچاتی ہے یہ اس کے لیے استدراج ہے (کہ مال و دولت کے گھمنڈ میں ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر نہیں کرتا) ؎

اے دل اگر بدیدۂ تحقیق بنگری
درویشی اختیار کنی بر توانگری

ترجمہ: اے دل! اگر تُو تحقیق کی نگاہ سے دیکھتا ہے تو درویشی کو تونگری (دولتمندی) پر ترجیح دے۔

ف: کبھی تنگدستی انسان کے تعظیم و اکرام کا موجب بنتی ہے وہ اس طرح کہ نعمت (دولت) میں مشغول ہو کر منعم کی یاد سے محروم نہیں، یہی توجہ الی الحق اور سلوک الی اللہ کا وسیلہ ہے کہ کسی شے سے متعلق نہیں صرف اللہ تعالیٰ سے لَو لگائے ہُوئے ہے۔

اصحابِ صُفّہ کا حال

سیّدنا ابُوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ستر (صحابہ) اصحابِ صُفّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا ہے کہ کسی کو صرف تہبند میسر ہے کسی کو فقط چادر۔ کسی کے پاس صرف اتنا کپڑا ہے کہ گردن میں باندھ کر نیچے اپنا ستر چھپائے ہوئے ہے، کسی کا تہبند صرف نصف پنڈلی تک ہے وہ بھی اتنا چھوٹا ہے کہ ہاتھ سے پکڑ کر چلتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ستر کھُل جائے۔

سبق: اس پر غور کرو کہ کیا یہ ان لوگوں کی اہانت ہے، حالانکہ یہ خاصانِ خدا حضرات تھے۔

ف: مومن یا مقامِ شکر میں ہے یا مقامِ صبر میں۔

حدیث شریف: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

الایمان نصفان نصف صبر و نصف شکر۔

ایمان دو نصف ہے ایک نصف صبر اور دوسرا نصف شکر۔

(۱) صوفی از فقر چون در غم شود   عین فقرش دایہ و مطعم شود
(۲) زانکہ جنّت از مکارہ رستہ است   رحم قسم عاجز اشکستہ است
(۳) آنکہ سرہا بشکند او از علو   رحم حق و خلق ناید سوئے او

ترجمہ : (۱) صوفی جب فقر سے غمگین ہوتا ہے وہی فقر اس کا مربّی اور طعام کھلانے والا ہوتا ہے۔

(۲) اس لیے کہ جنت بھی تکالیف میں پیدا ہے رحم بھی قسم عاجز اور شکستہ ہے۔

(۳) جس کا سر اُوپر سے ٹوٹتا ہے رحم حق و خلق اس کی طرف نہیں آتا۔

تفسیر صُوفیانہ بعض اکابر نے فرمایا کہ فیقول ربی اھانن کا مطلب ہے کہ نالائق انسان کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ذلیل و خوار کر کے چھوڑا لیکن وہ مجوب مسکین یہ نہیں جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے رحمت و شفقت سے نوازتا ہے اس لیے کہ اسے عالمِ طبیعی سے عالمِ روحانی کی طرف جذبۂ رحمانیہ اور عالمِ نفس سے عالمِ قلب کی طرف اور عالمِ فرق سے عالمِ جمع کی طرف اور عالمِ فراق سے عالمِ وصال کی طرف کھینچا۔

تفسیر عالمانہ کَلَّا (یوں نہیں) زجر و توبیخ انسان کو اس کلام سے جو اس سے صادر ہوا اور اس کی دونوں کی تکذیب ہے۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہ میں نے اسے غنی کیا اس کی کرامت سے اور نہ ہی فقیر بنایا اس کی ذلت سے، بلکہ یہ محض قضاء و قدر ہے۔ یہ تعلیل بلا علل ہے۔

بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ (بلکہ تم یتیم کا اکرام نہیں کرتے)

ربط : انسان کے بُرے اقوال سے انتقال کر کے اس کے بُرے افعال کے بیان کی طرف اور غیب سے خطاب کی طرف التفات ہے تاکہ آگاہی ہو کہ انسان کی گزشتہ بری عادت کا تقاضا ہے کہ اسے سامنے کر کے توبیخ کی جائے تاکہ اس کی جھڑک تشدید اور اس کی تشنیع میں تاکید ہو اور جمع کا صیغہ انسان کے معنیٰ سے ہے کیونکہ مراد جنس ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ بلکہ تمہارے لیے شر کے لحاظ سے احوال سخت تر ہیں اور تمہارا مال پر لٹو ہونا زیادہ ذلیل امر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال دے کر مکرم کیا لیکن اس میں جو تم پر حق لازم ہے وہ ادا نہیں کرتے یعنی یتامیٰ وغیرہ کو خوراک و پوشاک وغیرہ نہیں دیتے ہو وہ بھی بنی آدم (اور تمہارے بھائی) ہیں۔

ف : یتیم وہ ہے جس کا باپ فوت ہو جائے جبکہ وہ ابھی نابالغ ہے اور جانوروں میں وہ جس کی ماں مر جائے۔

حدیث شریف: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

احب البیوت الی اللہ بیت فیہ یتیم مکرم۔

اللہ تعالیٰ کو اس گھر سے بہت محبت ہوتی ہے جس میں یتیم کی عزت کی جاتی ہو۔

؎

برحمت بکن آبش از دیدہ پاک
بشفقت بیفشانش از چہرہ خاک

ترجمہ: رحمت سے آنکھوں سے پانی صاف کر۔ شفقت سے اس کے چہرے سے چہرہ صاف کر۔

مسئلہ: الاشباہ میں ہے کہ یتیم سے بلا اجرت استخدام (خدمت کرانا) حرام ہے اگرچہ بھائی خدمت کرائے یا معلم (استاد)، سوائے ماں کے۔ ہاں معلم صرف اتنا کام کرا سکتا ہے کہ اسے کہے کہ اپنے ہم سبق بلا لائے۔ کما فی القنیہ۔

وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ (اور رغبت نہیں دیتے ہو) ایک تار محذوف ہے دراصل تتحاضون تھا

حلِ لغات: الحض، الحث (رغبت دلانا، برانگیختہ کرنا) التحریض، الحض کا ایک معنیٰ ہے اور بعض تمہارا دوسرے بعض کو برانگیختہ نہیں کرتا اور اس پر ترغیب دلاتا ہے نہ اپنے اہل کے لیے نہ دوسروں کے لیے اللہ تعالیٰ کے انعام کے شکر میں۔

عَلٰی طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ (مسکین کے کھلانے کی) یعنی جنس مسکین کو کھلانے کی، جب وہ دوسروں کو مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا خود کیا کھلائے گا۔ خلاصہ یہ ہوا کہ تم نہ خود مسکینوں کو کھلاتے ہو نہ دوسروں کو ترغیب دیتے ہو۔ اس میں بخیل کو شدید مذمت ہے۔

شانِ نزول مقاتل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ قدامہ بن مظعون یتیم امیہ بن خلف کی زیرِ نگرانی تھا، وہ اس کے حقوق ادا نہ کرتا تھا اس پر نازل ہوا۔

وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ (اور میراث کا مال کھاتے ہو)

حلِ لغات: تراث دراصل وراث تھا، واؤ تار سے تبدیل ہوئی۔ میراث وہ مال جو میت سے منتقل ہو۔

اَكْلًا لَّمًّا (ہپ ہپ کرکے)

حلِ لغات: لمّ بمعنی جمع، کہا جاتا ہے کتیبۃ ملمومۃ مجتمعۃ بمعنی ایک دوسرے پر مجتمع۔ اب

معنیٰ یہ ہُوا کہ کھانا جمع والا یہاں مضاف محذوف ہے یعنی حلال و حرام کو جمع کرکے اس لیے کہ وہ بچّوں اور عورتوں کو وراثت نہیں دیتے تھے ان کے حصص خود کھا جاتے تھے۔

ف : اس میں اشارہ ہے کہ اہلِ عرب کے پاس ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی میراث (دین) تھی انہوں نے اسے اور اس کے علاوہ دوسرے اسلامی شعار کو تبدیل کر دیا ' یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کے مورث نے جو حلال و حرام جمع کرکے چھوڑا اب یہ جانتے ہیں کہ وہ مشتبہ مال ہے تب بھی کھا رہے ہیں۔

وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا اور مال کی نہایت محبت رکھتے ہو بہت زیادہ حرص و طمع سے اور حقوق منع کرکے اور ان کو نفع نہ دے کر۔

حلِ لغات : جمّ الماء فی الحوض (حوض میں پانی جمع اور بہت زیادہ ہوگیا)

ف : اس سے ان کی مذمت بیان کرنا مطلوب ہے کہ وہ مالِ دنیا کے کتنے حریص ہیں بلکہ وہ ایسے نالائق ہیں کہ وہ آخرت سے بھی رُوگردان ہیں۔

فائدہ صُوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ ہر انسان کی حُبِ دنیا طبعی ہے اس سے کلی طور کوئی چھٹکارا نہیں پا سکتا ہاں مگر اقویاء (انبیاء و اولیاء)۔

مسئلہ : اشارہ ہے کہ حُبِ دنیا میں شدّۃ نہ ہو تو مذموم نہیں۔

تفسیر صُوفیانہ بعض اکابر نے فرمایا کہ وہ اعمال سیئہ نفسانیہ اور احوال قبیحہ ہوائیہ کے مال میں نہایت محبت کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ **کَلَّآ** (ہاں ہاں) افعال و تروک مذکورہ سے انہیں زجر و توبیخ اور انکار ہے یعنی حرص علی الدنیا و قصر ہمت اس کی تحصیل و جمع میں حرص اچھی نہیں جب کہ وُہ حلال و حرام سے جمع کیا گیا ہے اس سے انس و پیار ترک کرنا ضروری ہے اور اس خیال میں نہیں رہنا چاہیئے کہ اس کا کوئی حساب نہ ہوگا اسے معلوم ہو کہ اس کا انجام حسرت و ندامت ہے کہ حیاتِ دنیویہ فانیہ کو حیات اخرویہ باقیہ پر ترجیح دی جائے **اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا** (جب زمین ٹکرا کر پاش پاش کر دی جائے گی) جملہ مستانفہ بطریق وعید اور زجر و توبیخ کی تعلیل ہے۔

حلِ لغات : دَكٌّ (الدق) کُوٹنا۔ کہا جاتا ہے دککت الشئ ادکہ دکًّا میں نے اسے کوٹ کر زمین کے برابر کر دیا۔ الخلیل[1] نے کہا الدّک دیوار اور پہاڑ توڑنا و دکتہ الحمّٰی دکًّا اسے بخار نے خوب جھنجھوڑا۔ اور المبرد نے کہا کہ الدّک اونچی جگہ کو دراز کرکے بچھانا یعنی کُوٹ کُوٹ کر برابر کر دینا۔

ف : دوسرا دکًّا پہلے کی تاکید نہیں بلکہ وُہ پہلے کا غیر ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ جب زمین مسلسل ایک دوسری

---

[1] الخلیل، لغت کا امام ہے۔ اویسی غفرلہٗ

سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائیگی اور جو اس کے اوپر ہو گا وہ سب چلا جائے گا یعنی نہ پہاڑ رہیں گے نہ محلات (مکانات) وغیرہ جب پے در پے بار بار ٹکرائے گی اور اڑتی غبار کی طرح ہو جائیگی یہ وہ وقت ہے جب نفخ ثانی ہو گا۔

وَّمَا جَآءَ رَبُّكَ (اور تمہارے رب کا حکم آئے) اور اس کی قدرت کی آیات اور اس کے قہر کے آثار ظاہر ہوں گے جیسے بادشاہ کے سامنے ظاہر ہو جاتا ہے جو ظاہر ہونے کے لائق ہے جب اس کے قہر و جلال اور دبدبہ و ہیبت کے احکام جاری ہوتے ہیں کہ اس وقت دوسروں کے سامنے ظاہر نہ ہونیوالی باتیں بھی ظاہر ہو جاتی ہیں۔

ف : امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہاں مضاف محذوف ہے یعنی جاء امرہ وقضاؤہ یعنی تہویل (ہولناکی) کے لیے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ مظہر جلالی قہری میں جلوہ گر ہو گا۔

تفسیر عالمانہ وَّالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا اور میدانِ حشر میں فرشتے آئیں گے قطار قطار، درانحالیکہ صف باندھے ہوں گے یا صفوں والے ہوں گے کیونکہ اس وقت تمام آسمانوں کے فرشتے قطار قطار ہو کر اتریں گے اپنی منازل و مراتب کے اعتبار سے پھر ایسے صف بستہ ہوں گے جیسے دنیا میں انس و جن نماز کی صفیں بناتے ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

والملك على ارجائها فهم سبعة
صفوف عدد السموٰت السبع۔

اور فرشتے زمین کے کناروں پر ہونگے اور
وہ سات صفیں ہوں گی آسمانوں کی گنتی
کے برابر۔

وَجِآئَ یَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ (اس دن جہنم لائی جائے) یہ ایسے ہے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا : وبرزت الجحيم (اور دوزخ ظاہر کی جائے) اس کا آنے سے اظہار مراد ہے یہاں تک کہ اس کے اپنی جگہ پہ ثابت ہونے کے باوجود تمام مخلوق دیکھے گی کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ وہ اپنی جگہ سے نہیں ہٹے گی۔ باء تعدیہ کی ہے اور جہنم نائب فاعل ہے جیء کا۔

جہنم کی ستر باگیں حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مقاتل نے فرمایا کہ جہنم کو ستر ہزار فرشتے ستر ہزار باگوں سے کھینچ کر عرشِ الٰہی کے بائیں جانب کھڑا کر دینگے اس سے چنگھاڑ اور سخت آوازیں ہوں گی، جو کفار کو دیکھ کر جوش و خروش کرے گی۔ اس میں سرکش کفار

ڈالے جائیں گے ورنہ تمام مجمع کو جلا دے گی اور حضرات انبیاءِ کرام علیہم السلام گھٹنوں کے بل پڑے ہوں گے اور کہیں گے نفسی نفسی، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لائیں گے اور فرمائیں گے امتی امتی۔ دوزخ عرض کرے گی:

• مالی ومالک یا محمد (صلی اللہ تعالیٰ	آپ اور میں (ایک دوسرے سے دور) اس
علیہ وآلہ وسلم) لقد حرم لحمك	لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کا جسمِ اطہر مجھ پر
علیّ۔ (ص۴۳۰)	حرام فرمایا ہے۔

ف: اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ جہنم اپنی جگہ سے ہٹائی جائیگی کیونکہ کھینچنا اپنی جگہ سے ہٹ جانے کی دلیل ہے۔ اس کی تاویل متقدمین نے یہ بتائی ہے کہ کھینچنا مجازی معنیٰ ہے اس سے کہ اس کے ظہور کے اسباب تیار کریں گے۔

کعبہ معظمہ کا اولیاءِ کرام کی زیارت کے لیے جانا[1]

فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اسے مجاز پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ

فان بعض الامکنة کالکعبة تزور بعض	بعض جگہیں جیسے کعبہ بعض خواص (اولیاء)
الخواص بالایجاد والاعدام اللذین	کی زیارت کرتی ہیں اللہ تعالیٰ کی ایجاد و اعدام
هما اسرع شئ من طرفة العین (ص۴۳)	سے وہ آنکھ جھپکنے سے بھی تیز تر ہیں۔

اس دلیل سے ثابت ہوا کہ دوزخ کا اپنی جگہ سے ہٹ جانا بعید از قیاس و شروع نہیں وہ بھی اسی قبیل سے ہو کیونکہ اس دن زمین وسیع تر ہو گی جیسے گزرا کہ اتنا وسیع کہ اس میں دوزخ بھی سما جائے گی اور تمام اہلِ محشر بھی، نیز اس کا آنا صورۃ مثالیہ سے ہو اور اس میں اختلاف نہیں جیسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو لیے کعبہ معظمہ میں بیٹھنے کے وقت سامنے بیت المقدس کو دیکھ کر کفارِ قریش کے سوالات کے جوابات دیئے جب معراج کی واپسی پر آپ سے کفارِ قریش نے بیت المقدس کی نشانیاں پوچھیں

یَوْمَئِذٍ (اس دن) اذا دکت الخ سے بدل ہے اس میں عامل ہے یَتَذَکَّرُ الْاِنْسَانُ (آدمی سوچے گا) کہ اس سے کتنی کوتاہیاں ہوئیں تفصیل سامنے آجائے گی تمام کوتاہیوں کے آثار و احکام کا مشاہدہ کرے گا یا آنکھوں سے معائنہ کرے گا کیونکہ آخرت میں اعمال جسمانی شکل اختیار کرلیں گے تو

---

[1] کعبہ معظمہ کا اولیاءِ کرام کی زیارت کو جانا حق اور ثابت ہے اس میں شرعی ثبوت بے شمار ہیں فقیر اویسی غفرلہٗ کی کتاب "القول الجلی فی ان الزیارۃ الی زیارۃ الولی" کا مطالعہ کیجئے۔ اویسی غفرلہٗ

حسنات وسیئات کی مناسبت سے شکلیں نظر آئیں گی یا یہ کہ نصیحت اور وہ ارشادات قبول کرے گا جو اس نے دنیا میں قبول نہ کئے اس وقت (آخرت میں) قبول کرکے کہے گا،

یا لیتنا یرد ولا نکذب بآیات ربنا۔ کاش ہم دنیا میں لوٹائے جائیں اور ہم اپنے رب کی آیات کی تکذیب نہ کرینگے۔

اس وقت کا نصیحت قبول کرنا ندامت کو مستلزم ہے کہ وہ اپنی کوتاہیوں پر نادم ہوگا اور ندامت کا نام توبہ ہے لیکن اس وقت توبہ قبول نہ ہوگی کیونکہ وہ وقت توبہ کا نہیں۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ انسان یاد کرے گا وہ غلط اعتقاد جو اس نے دنیا میں اپنا رکھے تھے اور وہ اس ہیئت میں ہو جائیں گے جو ان سے فطری مقتضیات پر ہیں اس لیے کہ ظہور الباری صفۃ قہر سے اور ملائکہ صفتِ عذاب سے اس کے لیے ظاہر ہونگے جس نے اپنے ظہور کے خلاف اعتقاد رکھا ہوگا جیسے منکر نکیر اسی صورت میں نظر آئیں گے جو اس کے اعتقادیات کی صورتیں ہوں گی۔

تفسیر عالمانہ وَاَنّٰی لَہُ الذِّکْرٰی (اور اب اسے سوچنے کا وقت کہاں) جملہ معترضہ ہے اس لیے لایا گیا ہے کہ یہ وقت درحقیقت نصیحت حاصل کرنے اور سوچنے کا نہیں کیونکہ اب کوشش کو یہی وقت حائل ہے اس لیے کہ یہ کوشش کا وقت نہیں اَنّٰی خبر مقدم الذکرٰی مبتدا مؤخر ہے اور لہٗ کا وہی متعلق ہے جو خبر کا ہے یعنی قد فات بعض نے کہا ھنالک محذوف ہے اور لام نفع کی ہے یعنی وہاں اس کے لیے ذکرٰی کا نفع کہاں۔ اس سے وہ تناقض مرتفع ہوا جو کہا گیا ہے کہ پہلے تذکر کا اثبات، اس کے بعد اس کی نفی۔

ف: اللہ تعالیٰ نے ایسے ذکرٰی اور توبہ کی نفی فرمائی ہے جو نافع ہو جیسا کہ انّٰی لہ الذکرٰی سے واضح ہے تو اس سے ہم نے یقین کر لیا کہ ایسے لوگوں کی توبہ قبول کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے واجب نہیں جیسا کہ معتزلہ کا مذہب ہے (معاذ اللہ، کہ اللہ تعالیٰ کو ان کی توبہ قبول کرنا واجب ہے)

ف: الارشاد میں ہے کہ اس آیت سے دار التکلیف میں عدم وجوب قبول التوبہ عقلاً جیسے معتزلہ کا گمان ہے استدلال کی کوئی وجہ نہیں کہ نصیحت حاصل کرنا توبہ کے کسی شمار میں نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ توبہ صرف دنیا میں، جیسے اگلا قول خبر دیتا ہے،

یَقُوْلُ کہے گا یٰا ہائے اے حاضرین لَیْتَنِیْ کسی طرح (کاش کہ میں) قَدَّمْتُ لِحَیَاتِیْ (میں نے جیتے جی نیکی آگے بھیجی ہوتی) یہ یتذکر سے بدل الاشتمال یا جملہ مستانفہ ہے جو اس سوال کے

جواب میں واقع ہُوا کہ جو گزشتہ مضمون سے پیدا ہوا گویا کسی نے کہا کہ کافر تذکر کے وقت کیا کہے گا تو اس کے جواب میں کہا گیا یقول الخ کاش کہ میں نے حیاتِ دنیا میں حیات اخرویہ کی تحصیل کے لیے عمل کئے ہوتے جو کہ یہی حیات نافعہ دائمہ غیر منقطعہ ہے ایسے اعمال صالحہ جن سے آج میں نفع پاتا یا اپنی حیاۃ کے وقت میں۔ لام بمعنی فی للتوقیت ہے یا یہ معنیٰ ہے کاش کہ میں نے اعمال آگے بھیجے ہوتے جو مجھے عذاب سے نجات دیتے اور میں بھی احیاء میں شمار ہوتا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کا حال ہو گا لایموت ولا یحییٰ (نہ مرے گا نہ جئے گا)۔

ردّ المعتزلہ اہلِ حق انسان سے بالکلیہ سلب الاختیار کے قائل نہیں اور اس تمنا میں اس کا شائبہ بھی نہیں کہ اس پر استدلال کیا جاسکے جیسے معتزلہ نے کہا کہ بندہ اپنے فعل میں مستقل طور تخلیق کا مختار ہے اس میں تو صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ وہ آرزو کرے گا کہ کاش میں بھی اس اُخروی زندگی کیلئے کوئی نیک عمل آگے بھیجتا اور تو محض اللہ تعالیٰ کی قدرت پر منحصر ہے یا اللہ تعالیٰ بندے کے ارادہ کرنے پر کہ وہ اپنی قدرت کاسبہ کو عمل میں لائے تو وہ اسے پیدا کرے ورنہ بندے کا تخلیق افعال سے کیا کام۔

سوال : کبھی فعل سے مجبور آرزو کرتا ہے کہ اگر اسے اس فعل کی قدرت ہوتی یا اس کی توفیق نصیب ہوتی تو ضرور کر گزرتا۔

جواب : یہ بھی ایک اہم ہے کیونکہ متعدد بار انسان فعل کی دو طرفوں میں سے ایک طرف کی جانب اپنی قدرت صرف کر کے خیال کرے کہ وہ فعل کی دوسری طرف سے بھی مجبور ہے تو وہ اس کا وہم و گمان ہے کیونکہ ہر ایک کو یقین ہے کہ اگر کوئی اپنی قدرت کو جس طرف بھی افعال اختیاریہ میں صرف کرے تو اسے ضرور حاصل ہو جاتا ہے، اسی پر تو فلک التکلیف والزام حجۃ گھوم رہے ہیں۔

فَیَوْمَئِذٍ (تو اس دن) جس دن کہ اقوال و افعال مذکورہ ہوں گے لَّا یُعَذِّبُ عَذَابَهٗۤ اَحَدٌ وَّ لَا یُوْثِقُ وَثَاقَهٗۤ اَحَدٌ (اس کا سا عذاب کوئی نہیں کرتا اور اس کا سا باندھنا کوئی نہیں باندھتا) ہٗ کا مرجع اللہ ہے اور عذاب بمعنی تعذیب ہے جیسے سلام بمعنی تسلیم۔ ایسے ہی وثاق (بالفتح) بمعنی ایثاق (بیڑیوں سے باندھنا) وثاق بمعنی وہ شے کہ جس سے باندھا جائے، لوہا رسی وغیرہ۔ ایثاق بمعنی بند کرنا سلاسل و اغلال سے اور ان میں قید کرنا۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کے باندھنے کا کوئی متولی نہیں ہو گا سوائے اللہ تعالیٰ کے، کیونکہ تمام حکم اسی کے ہیں اس میں وہم تک نہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور عذاب دینے والا ہو، لیکن یہ ہے کہ اس جیسا اور کوئی عذاب دینے والا نہیں۔

ف : غیل المعانی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرح کوئی اور عذاب نہیں دے سکتا نہ دنیا میں نہ آخرت میں،

اور یہ بھی جائز ہے کہ ہٗ ضمیر انسان کی طرف لوٹے ۔ اب معنٰی یہ ہوگا کہ انسان کو زبانیہ (دوزخ کے فرشتے) جیسا اور کوئی عذاب نہ دے گا ۔ یہ دونوں قرأتیں کسائی کی ہیں اور یعقوب نے اسے بہ بنا ر مفعول پڑھا ہے ، اور کشاف میں ہے کہ یہ قرأت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے اور عن ابی عمرو کہ آخری عمر میں اسی طرف رجوع کر لیا تھا ۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ انسان کو عذاب کرنے جیسا اور کسی کو نہ ہوگا ۔

ف : اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ ابلیس سے بھی انسان کو سخت تر عذاب ہو لیکن اس کا جواب یہ ہو کہ یہ بہ نسبت عاصی مومن کے ہے (ہم اللہ تعالیٰ سے دارین کی سلامتی اور عافیت کا سوال کرتے ہیں)

یَاۤ اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۖ (اے اطمینان والی جان)

ربط : جب اللہ تعالیٰ نے نفس امارہ کی شقاوت بیان فرمائی تو اب نفس مطمئنہ کی سعادت کا ذکر فرمایا ۔

حلِ لغات : الاطمینان بمعنٰی اضطراب کے بعد سکون) اور نفس کو سکون اس وقت نصیب ہوتا ہے جب یقین و معرفت و شہود کی آخری منزل تک پہنچے الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب (خبردار ذکرِ الٰہی سے دل مطمئن ہوتے ہیں) میں تنبیہ ہے کہ وہ عبادت الٰہی کی کثرت سے حاصل ہوتا ہے ۔ جب ذکرِ الٰہی سے دل مقامِ اطمینان تک پہنچتا ہے تو وہ شخص مقام تلوین فی التشکرین میں احکام طبعیہ و آثار بشریہ کی طرف رجوع سے امن والا ہو جاتا ہے اس لیے خانی اپنے اوصاف کی طرف نہیں لوٹتا جو مقام ترقی میں متمکن ہو وہ مقام نفس امارہ کی طرف تنزل سے چھوٹ جاتا ہے ۔

ف : التعریفات میں ہے کہ نفس مطمئنہ وہ ہے جو نورِ قلب سے منور ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ صفاتِ ذمیمہ سے خالی ہو کر اخلاقِ حمیدہ سے آراستہ ہوتا ہے ۔

حضرت کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ نفس جو میرے ذکر میں آرام گرفتہ اور میری نعمتوں پر شاکر اور میری تکلیف پر صابر تھا ۔

اب معنٰی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کے اکرام میں اس سے خود ہمکلام ہو کر فرمائیگا جیسے موسٰی علیہ السلام کو ہمکلامی کا شرف بخشا یا فرشتے کے ذریعے فرمائے گا ، حساب کی تکمیل کے بعد فرمائے گا اے نفس مطمئنہ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ (اپنے رب تعالیٰ کی طرف واپس ہو) اس کی طرف جس کا تجھے وعدہ دیا گیا کرامتِ رب کا ، کیونکہ انسان کی منتہائے غایت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اور وہ اسی اعتبار سے ہے اس سے مجسمہ (فرقہ) تمسک (استدلال) ساقط (بے اعتبار) ہے ۔

صوفیانہ استدلال اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ روح کی تخلیق مقدم ہے ۔ رجوع بمعنٰی عود سے ہی صوفیہ کرام رحمہم اللہ کا استدلال ہے ۔

رَّاضِيَةً یوں کہ تو اس سے راضی (دائمی نعمتوں کے دئے جانے پر) مَّرْضِيَّةً وہ تجھ سے راضی تو اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہے فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ میرے خاص بندوں میں داخل ہو، میرے مخلص مخصوص بندوں کے زمرہ میں وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ (اور میری جنت میں آ) ان کے ساتھ، جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا؛

وادخلنی برحمتك فی عبادك الصالحین۔ اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے صالحین بندوں میں داخل فرما۔

ان کے ساتھ جنت میں اور ان کے درجات میں داخل ہو اور یہ سعادت جسمانیہ ہے۔

ف؛ بعض نے کہا نفس سے روح مراد ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ میرے بندوں کے ان اجسام میں داخل ہو جن سے تو جدا ہوئی اور میری دار الثواب میں داخل ہو۔ اس کی تائید اس قول سے ہوتی ہے جس نے کہا کہ یہ خطاب قبور میں سے اٹھنے کے وقت ہوگا۔

ف؛ بعض اس طرف گئے ہیں کہ یہ موت کے وقت ہوگا جیسا کہ مروی ہے کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا مطلب پوچھا تو آپ نے فرمایا؛ اے ابو بکر (رضی اللہ عنہ) عنقریب یہی کلمات تمہیں موت کے وقت فرشتہ کہے گا۔

ف؛ حضرت حسن (بصری رحمہ اللہ) نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ بندے کی روح قبض کرنے کا ارادہ فرمائیگا تو وہ بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف مطمئن ہو کر حاضر ہوگا اور اللہ تعالیٰ سے راضی ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس سے راضی۔

مومن کی موت

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب بندۂ مومن فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس دو فرشتے بھیجتا ہے جو اس کے لیے جنت کا تحفہ لاتے ہیں اسے کہا جاتا ہے اے نفس مطمئنہ چل روح و ریحان کی طرف اور تجھ سے تیرا رب راضی ہے۔ تو وہ نہایت اچھی خوشبو سونگھ کر نکلتا ہے جیسے تم میں سے کوئی ناک سے خوشبو سونگھ کر محسوس کرتا ہے۔ اور آسمان کے کناروں سے فرشتے کہتے ہیں کہ زمین سے روح طیبہ اور نسمہ طیبہ آ رہا ہے جس دروازے سے گزرتا ہے وہ اس کیلئے کھول دیا جاتا ہے کسی فرشتے کے پاس سے گزرتا ہے تو وہ اسے دعائیں دیتا ہے یہاں تک کہ اسے رب رحمٰن تعالیٰ کے ہاں پیش کرتے ہیں اور اسے ایک مقام مخصوص پر پہنچاتے ہیں جو کرامات کے مقامات میں سے ایک ہے وہ روح اللہ کو سجدہ کرتی ہے پھر میکائیل علیہ السلام کو کہا جاتا ہے کہ اسے نفیس ترین اہل ایمان میں شامل کر دے اس کے بعد اس کے لیے حکم ہوتا ہے کہ اس کی قبر وسیع تر کر دو اس کی قبر ستر ہاتھ عرض میں ستر ہاتھ طول میں وسیع ہو جاتی ہے اس کی قبر میں ریحان ڈالی جاتی ہے اگر اس کے پاس کچھ قرآن کا حصہ ہے یعنی دنیا میں

اسے حفظ کیا تھا تو اس کا نور ہی اس کے لیے کافی ہے ورنہ اس کی قبر میں سورج جیسا نور پیدا کیا جاتا ہے اس کی مثال اس دلہن کی سی ہوتی ہے جو دولہا کے انتظار میں سوتی ہے جسے اس کا محبوب ہی آکر جگاتا ہے۔

کافر کی موت

جب کافر مرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس دو فرشتے بھیجتا ہے اور اس کے لیے آگ کا ایک ٹکڑا بھی بھیجا جاتا ہے جو ہر بدبودار شے سے زیادہ بدبودار اور سخت شے سے سخت تر، اسے کہا جاتا ہے اے خبیث! نفس جہنم کے دردناک عذاب کی طرف چل اور تجھ پر تیرا رب تعالیٰ ناراض ہے۔

ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی موت کا منظر

حضرت سعید بن جبیر (تابعی، رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی موت طائف میں واقع ہوئی اور میں بھی ان کے جنازہ کے وقت موجود تھا، دیکھا کہ ایک پرندہ آیا اور آپ کے کفن میں داخل ہوا لیکن باہر نہ نکلا پھر جب ہم نے انہیں قبرِ انور میں داخل کیا تو آواز آرہی تھی لیکن نظر کوئی نہیں آتا تھا وہ آواز یہی تھی یٰایتھا النفس ارجعی الخ۔

ف: اللہ یتوفی الانفس حین موتہا (نفسوں کو اللہ تعالیٰ خود فوت کرتا ہے اس کی موت کے وقت) سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض خوش بختوں کی روحیں اللہ تعالیٰ خود قبض کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

(۱) بعض اہلِ اشارہ (صوفیہ کرام) نے فرمایا کہ وہ نفس جو دنیا میں مطمئن تھا اب اسے چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر اور آخرت کے راستہ پر چل کر میرے اُخروی بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت صوریہ و معنویہ میں آ ؎

اے باز ہوا گرفتہ باز آی و مرد
کہ رشتۂ تو سری در انگشت منست

ترجمہ: اے باز خواہشات کا گرفتار لوٹ آ ادھر نہ جا کہ تیرے دھاگے کا سرا میرے قبضے میں ہے۔

(۲) حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اے وہ نفس کہ جس پر سکینہ کا نزول ہوتا ہے اور جو نورِ یقین سے منور ہے اور وہ اضطراب سے اللہ تعالیٰ کی طرف مطمئن ہے اپنے رب تعالیٰ کی طرف لوٹ حالت رضا میں یعنی جب تیرے لیے صفات کا کمال مکمل ہو جائے تو اس پر نہ ٹھہر بلکہ ذات کی طرف رجوع کر حال رضا میں کہ وہی مقام صفات کا کمال ہے اور اللہ تعالیٰ سے راضی ہونا نہیں ہوتا جب تک اللہ بندے سے راضی نہ ہو جیسے فرمایا: رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ (اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے) پھر داخل ہو جا میرے ان بندوں میں جو میرے مخصوص ہیں یعنی توحید ذاتی والوں میں اور میری جنت خاص میں آ وہ ہے جنۃ الذات۔

(۳) تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اپنے رب تعالیٰ کی طرف رجوع اس میں فنا پا کر منازل و مقامات طے کر کے راضی ہو نتائج السلوک الی اللہ اور سیر فی اللہ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہو کر بقاء کی خلعت پہن کر داخل میرے ان بندوں میں جو میرے ہیں اور میری صفات میں بقاء والے ہیں اور میری ذات کی جنت میں آ اپنی ذات و انانیت کو فنا کر کے۔

فراغت صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ

سورۃ والفجر کی تفسیر سے ذوالمنن والحجر کی مدد سے مولد نبوی کے اواخر میں ۱۱۱۷ھ میں فراغت ہوئی۔

فراغت مترجم

فقیر اویسی غفرلہٗ نے سورہ والفجر کی تفسیر کے ترجمہ سے ۱۸ رجب المکرم ۱۴۰۹ھ مطابق ۲۵ فروری ۱۹۸۹ء شب اتوار فراغت پائی۔ (الحمد للہ علیٰ ذلک)

سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اٰيَاتُهَا ۲۰ رُكُوْعُهَا ۱
سورۂ بلد مکیۃ ہے اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا اس میں بیس آیتیں ہیں

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ① وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ② وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ③ لَقَدْ
مجھے اس شہر کی قسم کہ اے محبوب تم اس شہر میں تشریف فرما ہو اور تمہارے باپ ابراہیم کی قسم اور اس کی اولاد
خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ ④ اَیَحْسَبُ اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ عَلَیْهِ اَحَدٌ ⑤ یَقُوْلُ
کی کہ بیشک ہم نے آدمی کو مشقت میں رہتا پیدا کیا کیا آدمی یہ سمجھتا ہے کہ ہرگز اس پر کوئی قدرت نہیں پائے گا کہتا ہے میں نے
اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ⑥ اَیَحْسَبُ اَنْ لَّمْ یَرَهٗۤ اَحَدٌ ⑦ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَیْنَیْنِ ⑧
ڈھیروں مال فنا کر دیا کیا آدمی یہ سمجھتا ہے کہ اسے کسی نے نہ دیکھا کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہ بنائیں
وَلِسَانًا وَّشَفَتَیْنِ ⑨ وَهَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ ⑩ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ⑪ وَمَآ
اور زبان اور دو ہونٹ اور اسے دو ابھری چیزوں کی راہ بتائی پھر بے تامل گھاٹی میں نہ کودا اور تو نے
اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ⑫ فَكُّ رَقَبَةٍ ⑬ اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ ⑭
کیا جانا وہ گھاٹی کیا ہے کسی بندے کی گردن چھڑانا یا بھوک کے دن کھانا دینا
یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ⑮ اَوْ مِسْكِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ⑯ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا
رشتہ دار یتیم کو یا خاک نشین مسکین کو پھر ہو ان سے جو ایمان لائے اور انہوں
بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ⑰ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ ⑱ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا
نے آپس میں صبر کی وصیتیں کیں اور آپس میں مہربانی کی وصیتیں کیں یہ دہنی طرف والے ہیں اور جنھوں نے ہماری
بِاٰیٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ⑲ عَلَیْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ⑳ ع
آیتوں سے کفر کیا وہ بائیں طرف والے ان پر آگ ہے کہ اس میں ڈال کر اوپر سے بند کر دی گئی

سورۃ البلد کی بیس آیات ہیں مکیہ یا مدنیہ ہے سوائے پہلی چار آیات کے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور رحم والا)

تفسیر عالمانہ

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ (مجھے اس شہر کی قسم) بلد الحرام کی قسم یاد فرمائی یعنی مکہ معظمہ کی۔ لا صلہ کا کلمہ ہے اس پر دلیل ہے وہ آیت جو سورۃ التین میں البلد الامین کی قسم یاد فرمائی ہے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ لا قسم کی تاکید کے لیے ہے، جیسے اہل عرب کہتے ہیں۔

لا واللہ مافعلت کذا الا واللہ لا فعلن کذا۔ بخدا ایسا کام میں ہرگز نہ کروں گا۔

حل لغات : البلد مکان محدود ساکنین کے اجتماع سے متاثر اور ان کا اس میں مقیم ہونا۔ اس کی جمع بلاد و بلدان آتی ہے مکہ معظمہ کی اللہ تعالیٰ نے قسم یاد فرمائی اس کی فضیلت کی وجہ سے، کیونکہ حرم امن اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت گاہ اور آپ کے اب گرامی سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے جدِ امجد سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کا بسیرہ ہے اور اسے مشرق و مغرب (شمال و جنوب) کا قبلہ بنایا، اور بیت ہے حج کا اور عمر بھر کے گناہوں کا کفارہ، اور بیت المعمور اس کے مقابل ہے۔

وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ کہ اے محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) تم اس شہر میں تشریف فرما ہو۔ یہ مقسم بہ سے حال ہے اور انت کا خطاب نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قرآن مجید میں چار ہزار نام پاک مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے چار ہزار نام گنائے ہیں کہیں صراحۃً کہیں کنایۃً۔

حلِ لغات الحل بمعنی الحال (مقیم) از حُلُول (نزول) یعنی در انحالیکہ اے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! آپ تشریف فرما ہیں مکہ معظمہ میں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مکہ معظمہ میں رونق افروز ہونے کی قسم یاد فرمانا آپ کی فضیلت کا اظہار ہے کہ وہ خود بھی شرافت والا ہے لیکن حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تشریف فرما ہونے سے اسے اور چار چاند لگ گئے۔

قاعدہ کسی مکان کی شرافت (بزرگی) ذاتی نہیں ہوتی مکین کی وجہ سے ہوتی ہے، مکہ معظمہ ہو یا کوئی اور مکان۔ اس کی اگر کوئی شرافت ہو تو مکین کی وجہ سے، اور مزید مشرف ہو جانا۔

قدم النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شرافت نبی پاک شہ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قدم مبارک جہاں پہنچے جیسے مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ وغیرہما اس مکان و جگہ کی حرمت و عظمت کی محافظت کی جائے۔[1]

ف : اسی لیے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مدینہ طیبہ کا نام طابہ رکھا کہ وہ آپ کی وجہ سے طیبؐ اطیب ہوا اور اس میں آپ اقامت پذیر ہوئے، اس میں اہلِ مکہ کو تعریض ہے کہ وہ اپنی جہالت سے کہتے

---

[1] ترک بادشاہوں نے اس پر خوب عمل فرمایا حرمین طیبین میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جملہ آثار و تبرکات کی خوب حفاظت کی لیکن جب سے نجدیوں نے وہاں قدم جمایا ہے تمام تبرکات کو مٹا دیا ہے۔ فقیر نے "قدم النبی" پر ایک رسالہ لکھا ہے وہ ملاحظہ ہو۔ اویسی غفرلہٗ

یں کہ (معاذ اللہ) وہ یہاں سے اسے نکال دیتے ہیں جو اس میں مزید شرافت رکھتا ہو اور اسے ایذا دیتے ہیں

اے کعبہ را ز یمن قدوم تو صد شرف　　وے مروہ را ز مقدم پاک تو صد صفا
بطحا ز نور طلعت تو یافتہ فروغ　　یثرب ز خاک تو با رونق و نوا

ترجمہ: اے محبوب مدینہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) آپ کی تشریف آوری سے کعبہ کو صدہا شرافتیں نصیب ہوئیں اور مروے کو آپ کی آمد پاک سے ہزار صفائی (زندگی) ملی آپ کی طلعت نورانی سے بطحا کو فروغ ملا۔ یثرب (مدینہ کا پہلا نام) کو آپ کی خاکِ پا سے رونق و عزت ملی۔

فسیر صوفیانہ اس میں وجودِ انسانی کے مکہ شہر اور اس میں مقیم بجانب بائیں رسول قلب کی طرف اشارہ ہے۔

فسیر عالمانہ وَوَالِدٍ تمہارے باپ کی قسم، اس کا عطف ھذا البلد پر ہے۔ اس سے ابراہیم علیہ السلام مراد ہیں اور تنکیر تعظیم کی ہے وَّمَا وَلَدَ اور اس کی اولاد کی، اور وہ د جنا۔ یعنی اسماعیل علیہ السلام، کیونکہ وہی آپ کے صاحبزادہ ہیں بلاواسطہ اور حضور محمد عربی صلی اللہ لیہ وآلہ وسلم مراد ہیں کیونکہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں بواسطہ اسماعیل علیہ السلام ہیں س معنیٰ پر دو جگہوں میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم ہے۔

تہ: من کی بجائے ما فرمایا کہ اس میں تعجب کا معنیٰ ہوتا ہے، اس پر تعجب دلانا ہے جو اللہ تعالیٰ نے پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کمال بخشا ہے جیسے تعجب کے معنیٰ کو واللہ اعلم بما وضعت (اللہ خوب تا ہے اس کو جسے جنا) میں بیان فرمایا کمال کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ نے بی بی مریم کو بخشا۔ یا والد سے حضرت یم علیہ السلام مراد ہیں اور ما ولد سے آپ کی اولاد، یہی زیادہ موزوں ہے مضمون جواب کے لیے تفخیم جو ماسے حاصل ہے اس میں تغلیب کا اعتبار ضروری ہے یہ وصف الکل بوصف البعض کے قبیل سے ہے س معاملہ سے تعجب دلانے کے لیے سب جس میں تمام شریک ہیں جیسے نطق و بیان اور صورت بدلیعہ (عجیبہ) وغیرہ

ملہ امت کے باپ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم[1] بعض نے کہا کہ والد نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ما ولد سے پ کی امتِ مرحومہ مراد ہے۔

(۲) خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فرمایا کہ،

انما انا لکم مثل الوالد أعلمکم امر دینکم۔　　میں تمہارے لیے باپ کی مانند ہوں میں تمہارے دینی معاملات خوب جانتا ہوں۔

(۳) آپ نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے فرمایا،

انا و انت ابوا ھذہ الامۃ۔ میں اور تم اس اُمت کے باپ ہیں۔

(۴) اسی طرف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

کل سبب ونسب ینقطع یوم القیامۃ ہر سبب ونسب قیامت میں منقطع ہو جائیگا
الا سببی ونسبی۔ سوائے میرے سبب ونسب کے۔

ف: سبب سے دین اور نسب سے تقویٰ مراد ہے۔

(۵) خود اللہ تعالیٰ نے بھی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اہلِ ایمان کا باپ فرمایا
چنانچہ فرمایا:

النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم نبی علیہ السلام اہلِ ایمان کے قریب ترین
وازواجہ امہاتھم۔ ان کی جانوں سے، اور آپ کی ازواج مطہرات
ان کی مائیں ہیں۔

اور بعض قرأت میں ہے:

وھواب لھم (اور آپ ان کے باپ ہیں)

اور ظاہر ہے کہ ازواجِ مطہرات کا مائیں ہونا آپ کے باپ ہونے کو مستلزم ہے۔

(۶) قاعدہ ہے کہ جو کسی شے کی ایجاد و اصلاح یا ظہور کا سبب ہو وہ اس شے کا اب کہلاتا ہے
حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

انا من اللہ والمؤمنون من میں اللہ سے ہوں اور مومنین میرے
فیض نوری۔ (ج ۱۰، ص ۴۳۴) فیض نور سے ہیں۔

ف: اللہ تعالیٰ نے امت کی قسم یاد فرمائی مگر اس کی فضیلت کی وجہ سے، اور اس کی فضیلت میں فرمایا
وکذٰلک جعلناکم امۃ وسطاً۔ اور ہم نے تمہیں امتِ وسط (فضیلت وال

---

[1] اسے خوارج تو شاید نہ مانیں لیکن روافض سے خلافت بلافصل کی دلیل بنالیں تو اس کا مفہوم ظاہر ہے کہ یہاں ابوّت سے تربیت مراد ہے اور ظاہر ہے کہ حضور علیہ السلام کے بعد خلافت ثلاثہ تک صحابہ کی جماعت بکثرت رہی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ولایت کی تربیت کا سلسلہ جاری ہوا اور اسی سلسلۂ ولایت کی تربیت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی ابو الامۃ ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

سیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے ابراہیم روح کی طرف اور اسمٰعیل سر کی طرف، یا رُوح (آدم) اور سر (ابراہیم) کی طرف اشارہ ہے یا روح القدس جو نفوس انسانیہ قیقی اَب ہے کی طرف اشارہ ہے، جیسے عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

انی ذاھب الی ابی وابیکم السماوی۔ میں اپنے اَب اور تمہارے سماوی اَب کی طرف جانے والا ہوں۔

فرمایا:

تشبھوا بابیکم السماوی۔ اپنے آسمانی باپ سے مشابہت اختیار کرو۔

اور ما ولد سے نفس مراد ہے جو روح القدس کا مولود ہے۔ یا اللہ تعالیٰ نے روح قدس نس ناطقہ کی قسم یاد فرمائی ہے۔

سیر عالمانہ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ بیشک ہم نے انسان کو مشقت میں رہتا پیدا کیا) جواب قسم ہے۔

ل لغات: کہا جاتا ہے، کبد الرجل کبدا (مرد کے جگر میں درد ہوا اور سوج گیا) جب جگر کو، جیسے کہا جاتا ہے، ذکوتہ (میں نے اس کا ذکر کاٹا) اور رأیتہ (میں نے اس کا پھیپھڑا کاٹا) پھر جانے کو ہر دکھ درد اور مشقت میں اس کا استعمال ہوتا ہے اسی سے مکابدۃ ہے بمعنی شدت و مشقت کا ہونا اور مبتلا ہونا۔ فی کبد الانسان سے حال ہے بمعنی مکابد، اور حرف فی و لام متقارب ہیں۔ جیسے جاتا ہے، انما انت للعناء والنصب (تو دکھ درد اور مشقت کے لیے ہے) وانما انت فی العناء والنصب دکھ درد اور مشقت میں ہے) (ایک ہی مطلب ہے)، اس کی ایک اور وجہ بھی ہے وہ یہ کہ فی کبد دلالت ہے کہ اسے دکھ درد ایسے محیط ہے جیسے ظرف مظروف کو۔ اب معنی یہ ہوا کہ بیشک ہم نے انسان کو دُکھ اور اور مشقت میں پیدا کیا باوجودیکہ وہ ضعیف ترین مخلوق ہے اور یہ کہ ہمیشہ گوناگوں تکالیف اور مشقتوں کا نہ بنا رہتا ہے اس کا مبدا رحم کی ظلمت اور تنگی اور منتہیٰ موت اور اس کے مابعد کے شدائد و تکالیف۔ ابن آدم بلایا و مصائب و تکالیف میں گھرا رہتا ہے اتنا اور کوئی نہیں۔

خلاصہ یہ کہ لفظ کبد میں تمام دنیا کے شدائد شامل ہیں انسان کی پیدائش کے وقت ناف کاٹنے سے کفن میں محبوس ہونے تک، ایسے ہی ختنہ کی تکلیف اور اس کے درد اور تکلیف، ایسے ہی معلم (استاد:

• حلقوم کا نچلا حصہ۔

کی مار اور اس کی ہیبت، اور ایسے ہی تزوج (نکاح و بیاہ) اور اولاد اور خدام اور گھریلو مشاغل، پھر بڑھاپا اور زندگی کے لمحات بڑھاپے کی منزل میں یہ جملہ مصائب و مصائب ہی ہیں اور زندگی میں کتنے مصائب و مشکلات ہوتے ہیں جن کا شمار نا ممکن ہے مثلاً دردِ سر، داڑھوں کا درد، موسم کے لحاظ سے آنکھوں کی دردوں میں مبتلا ہونا بیٹن کا غم اور الم وغیرہ وغیرہ۔ ایسے ہی شدائد و تکالیف میں شامل ہے نعمتوں پر شکر تکالیف میں صبر ایسے ہی ادائے عبادات پر مشقت اور تکلیف جیسے روزہ۔ نماز۔ زکوٰۃ، حج و جہاد اس کے بعد رو کی شدت اور نکرین کے سوالات وظلمۃ القبر، پھر قبر سے اٹھنا، محاسب فرشتے کے سامنے پیش ہونا یہاں تک کہ قرارگاہ تک پہنچے بہشت یا دوزخ میں، جیسے فرمایا :

لترکبن طبقاً عن طبقٍ (ضرور تم منزل بہ منزل چڑھو گے)

ف : امام (فخرالدین رازی رحمہ اللہ) نے فرمایا دنیا میں لذت کا کوئی تصور نہیں جسے لوگ لذت تصور کرتے ہیں وہ دراصل دُکھ درد سے خلاصی ہے۔ مثلاً کھانے میں لذت بھوک کے درد والم سے اور لباس پہننے میں گرمی و سردی سے چھٹکارا پانا ہے کیونکہ انسان کو یا درد والم ہے یا اس سے چھٹکارا۔

ف : اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو تسلی ہے اس سے جو آپ کو کفارِ مکہ سے تکالیف وغیرہ پہنچتی تھیں۔

تفسیر صوفیانہ

اس میں اشارہ ہے کہ انسان تعین وجودی کی قید میں مقید ہے تعین و تقیید کے دکھوں میں پیدا کیا گیا ہے اور اس سے مطلق اور نورِ مطلق سے محرومی ہے اور یہی سب سے بڑا دُکھ اور تکلیف ہے اس لیے کہ تعین کی قید کا قیدی حرمان مطلق کے عذاب میں مبتلا ہے۔

(۲) حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے انسان کو اس دُکھ اور تکلیف میں مبتلا فرمایا جو اسے نفس و ہوا اور مرض باطن اور فساد قلب اور غلیظ حجاب سے پہنچے گا اس لیے کہ کبد دراصل جگر کا وہ گاڑھا پن ہے جو قوتِ طبیعیہ کے مبدا میں ہے اور اس کا فساد اور فساد القلب اور اس کا حجاب اسی قوت سے ہے۔ غلظ الکبد حجاب القلب کے گاڑھے پن (غلظ) اور مرض الجہل کے لیے استعارہ کیا گیا ہے۔

تفسیر عالمانہ

اَيَحْسَبُ (کیا انسان گمان میں ہے) یہ ضمیر ان قریشِ مکہ کے سرداروں کی طرف راجع ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو تکالیف اور مشقتیں پہنچی تھیں جیسے ولید بن مغیرہ اور اس جیسے دوسرے۔ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ (کہ ہرگز اس پر کوئی قدرت نہیں پائے گا) ان مخففہ از ثقیلہ ہے اپنے اسم و خبر سے مل کر حسبان کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے یعنی انسان کا خیال ہے کہ امر اور شان یہ ہے کہ اس پر کوئی قدرت نہیں رکھتا کہ اس سے بدلہ لے سکے

اس کا یہ گمان حجاب کے غلظ (گاڑھے پن) سے اُٹھ رہا ہے اور مرض قلبی سے، اور یہ اس کا خیال و گمان فاسد ہے اس لیے کہ اللہ احد۔ (جل جلالہٗ) اس پر قادر اور غالب ہے اور انتقام لے سکتا ہے۔

یَقُوْلُ کہتا ہے وہی گمان کرنے والا رعونت اور غلط خیالی سے **اَھْلَکْتُ** میں نے فنا کر دیا، خرچ کیا۔ یہ عرب کے اس محاورے سے ہے، خسرت علیہ کذا۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی پر خرچ کرے۔ **مَالًا لُّبَدًا** ڈھیروں مال۔

حلِ لغات: تلبد الشیٔ بمعنی اجتمع (جمع ہوئی) سے ہے اس سے اس کی مراد بکثرت فخر و ریاء و شہرت کے ارادہ سے خرچ کرنا ہوتی اور اہلِ جاہلیت ایسے خرچ کرنے کو مکارم (اچھی عادات) سمجھتے بلکہ اسے معالی (بلند ہمتی اور رفیع القدر) و مفاخر (قابلِ فخر امر) کہتے۔

ف: لفظ اھلاک میں درحقیقت اس کے ضائع ہونے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ایسے خرچ کا آخرت میں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

عبد اللہ بن جدعان کے متعلق فتویٰ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ عبد اللہ بن جدعان دورِ جاہلیت میں صلہ رحمی کرتا مساکین کو کھانا کھلاتا۔ میں نے اس کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا تو فرمایا کہ اسے کوئی نفع نہ ہوگا اس لیے کہ اس نے کبھی نہ کہا:

رب اغفرلی خطیئتی یوم الدین۔ اے اللہ! قیامت میں میرے گناہ بخش دینا۔

اَیَحْسَبُ (کیا انسان سمجھتا ہے) وہ احمق فخر و ناز کرنے والا **اَنْ** کہ بات یہ ہے کہ **لَّمْ یَرَہٗٓ اَحَدٌ** (اسے کسی نے نہ دیکھا) جب وہ خرچ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے سوال نہ کرے گا اور نہ اسے سزا و جزا ہوگی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے دیکھا اور اس کی خباثت نیت کو اور اس کی اندرونی بدباطنی کو جانا اور وہ اس پر اسے سزا دے گا۔

مسئلہ: مذکورہ بالا قسم کے اخراجات اور جو فخر و مباہات سے ہو رذیل و خبیث اخراجات ہیں تو پھر انھیں جاہل کافر کیسے فضیلت دیتا۔

حدیث شریف میں ہے:

لاتزول قدما العبد یوم القیامة حتی یسأل عن اربع عن عمره فیم افناه وعن ماله من این کسبه وفیم انفقه وعن عمله ماذا اعمل وعن حب أهل البیت۔

(بندے کے قدم قیامت میں نہ جم سکیں گے جب تک اس سے (مندرجہ ذیل) چار سوال نہ ہوں گے :

(۱) عمر کہاں خرچ کی ،

(۲) مال کہاں سے کمایا کہاں خرچ کیا ،

(۳) عمل کے بارے میں کہ کیسے عمل کئے (نیک یا بد)

(۴) اہلبیتِ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے محبت کی یا نہ[1]

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ (کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہ بنائیں)

آنکھوں کے فوائد

(۱) ان سے انسان آسمان تک دیکھتا ہے یہاں تک کہ آنکھ جھپکنے سے پہلے ان نجوم عالیہ کو دیکھتا ہے جو یہاں سے ہزاروں میل دُور ہیں۔

(۲) ان سے نفع و نقصان کا امتیاز کرتا ہے ۔

(۳) ان سے چہرۂ عالم دین (اہلسنت) کی زیارت کر کے شرفیاب ہوتا ہے۔

(۴) ان سے مصحف کی زیارت سے مشرف ہوتا ہے ۔

(۵) ان سے شواہد کا نظارہ کرتا ہے ۔

(۶) اسئلۃ الحکم میں ہے کہ آنکھ بدن کو آفات سے بچاتی ہے ۔

(۷) یہ آئینہ کی طرح روشن ہے کہ جو شے بھی اس کے بالمقابل ہو گی اس کی صورت اس میں مرتسم (منقوش) ہو جائیگی باوجودیکہ وہ دیکھنے والا حصہ نہایت چھوٹا ہے یعنی وہ محض حدقہ (پتلی) شحمہ (چربی) ہے۔

(۸) اللہ تعالیٰ نے آنکھ کو سریع الحرکۃ (تیز رفتار) بنا کر اس کے اوپر اجفان (پردے) اور اہداب

---

[1] یہ جملہ خوارجِ زمانہ (وہابی ، نجدی ، دیوبندی ، مودودی) کے لیے تیغ براں ہے کہ انھیں اہلبیت کرام سے ایسے ہی بغض ہے جیسے عبد الرحمٰن ابن ملجم اور شمر وغیرہ کو تھا (الا ماشاء اللہ) اور روافض اس سے خوش تو ہوں گے لیکن وہ خوشی غلط ہے کہ کہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت غیر ضروری ہے (لاحول ولا قوۃ) حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اہلبیت کی تخصیص کرنا صرف خوارج کے رد میں ہے کیونکہ آپ کے علم میں تھا کہ اہلبیت کرام سے بغض کرنے والے پیدا ہوں گے اور وہ ان کی محبت کو شرک اور بدعت کہیں گے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہلبیت کرام کی طرح صحابہ عظام کی محبت کو بھی ضروری قرار دیا ہے۔ اویسی غفرلہٗ

(پلکیں) بالوں کی بنا دیں تاکہ اسے چھپائے رکھیں، جیسے پرندوں کے پر کہ ان کے کھلنے اور بند ہونے کے وقت کیموں اور ہوام (چھوٹے چھوٹے موذی پرندے، پتنگے وغیرہ) سے محفوظ رکھیں۔

(۹) آنکھ سر میں ایک جلیل القدر عضو ہے کیونکہ وہ چراغ ہے جو منارہ پر ہوتا ہے اسے دو بنایا ایک سورج ہے تو دوسری چاند۔ کیونکہ یہ دونوں تعین دنیوی کی دو آنکھیں ہیں ان کے اوپر دو ابر سیاہ (اور سفید) رکھے ہیں تاکہ آنکھ کی روشنی کو نقصان نہ ہو اسی لئے طبی اصول ہے کہ سیاہی میں سفیدی کو دیکھا جائے تو بینائی تیز ہوجاتی ہے۔

حکایت ذوالقرنین نے اسکندریہ (شہر) تیار کیا تو اس کا فرش سفید سنگِ مرمر کا بچھوایا بلکہ اس کی دیواریں بھی۔ لیکن وہاں کے مکینوں کو سیاہ لباس پہننے کا حکم تھا تاکہ سنگِ مرمر کی چمک آنکھ کی روشنی کو نقصان نہ کرے۔

ف: اسی لیے راہبوں کا لباس سفید ہوتا ہے اس لیے کہ سفیدی کی طرف دیکھنا (ہر وقت) آنکھ کی بینائی کو کمزور کرتا ہے۔

سیاہ سُرمہ کا فائدہ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اثمد (سیاہ سُرمہ) آنکھ میں لگانے کا حکم فرمایا ہے کہ وہ بینائی کو تیز کرتا ہے اور حدقہ اپنی جگہ پر متحرک بنایا گیا تاکہ دائیں بائیں متحرک ہوکر گردن موڑے بغیر دیکھا جا سکے، دونوں آنکھوں کی بینائی کو عرضاً خط مستقیم پر رکھا گیا ہے ان میں نہ اُونچ ہے نہ نیچ، تاکہ دیکھتے وقت دونوں برابر دیکھیں تاکہ اسے نظر آئے ایک شے دو نظر نہ آئیں، دو آنکھیں رکھنے میں دلالت ہو کہ ان ظاہری آنکھوں کی طرح ایک باطنی آنکھ بھی ہے اس لیے لازم ہے کہ دونوں کی محافظت کی جائے کیونکہ دونوں آنکھوں سے دیکھنا ایک کے دیکھنے کو مکمل تر ہے۔

وَّلِسَانًا (اور زبان) جس سے دل کی بات بتاتا ہے، اسی سے معاملات منعقد ہوتے اور شہادت حاصل ہوتی ہے اور طعوم کا ادراک ہوتا ہے کہ میٹھے ہیں یا کڑوے۔ اگر زبان نہ ہوتی تو انسان اشاروں کنایوں سے کام لیتا یا لکھنے سے، تو کام مشکل ہوجاتا۔

نکتہ: کان، آنکھ دو دو اور زبان ایک۔ اس لیے کہ بولنے کی بہ نسبت دیکھنا سننا انسان کا زیادہ ہوتا ہے علاوہ ازیں اس میں تنبیہ ہے کہ انسان بہت کم بولے سوائے خیر و بھلائی کے زبان نہ کھولے اور نہ ہی فضول بات کرے اس میں راز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زبان منہ کے اندر بنائی اور ہونٹ کہ جن کے کھولے بغیر کلام نہیں ہوسکتا باہر بنائے تاکہ انسان کلام کے جواب میں ہونٹ بند کرسکے۔

حکایت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ آپ منہ میں کنکری رکھتے تھے تاکہ فضول کلام نہ کریں۔ (امام شعرانی قدس سرہٗ نے یہ روایت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف

منسوب فرمائی ہے (تنبیہ المفسرین ۔ اضافہ از اویسی غفرلہٗ)

تفسیر صوفیانہ اس میں لسانِ قلب کی طرف اشارہ ہے کہ وہ معاوضہ قلبیہ سے بولتا ہے انسان جیسے باطنی آنکھ کو باطل کر دیتا ہے ایسے ہی تکلم باطنی قلبی استعداد کو بھی۔

تفسیر عالمانہ وَّشَفَتَيْنِ (اور دو ہونٹ) جن سے منہ کو چھپاتا ہے جب بولنے کا ارادہ کرتا ہے پھر جب بولنا، کھانا پینا اور پھونکنا چاہتا ہے تو ان سے مدد لیتا ہے۔

ف : سجاوندی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہونٹ اکثر حروف کا مخرج ہے۔

ف : دُعا میں ہے ؛

الحمد لله الذی جعلنا ننطق بلحم و نبصر بشحم ونسمع بعظم۔	تمام تعریفیں اس کے لیے جس نے ہمیں ایسا بنایا کہ گوشت سے بولیں اور چربی سے بولیں اور ہڈیوں سے سُنیں۔

ف : ایک اور صاحب نے اسے یُوں ادا کیا ہے کہ صانع حکیم نے منہ پر ہونٹوں کا پردہ دو طرفہ ایسا لٹکایا جو ضرورت کے وقت بند ہو جاتے ہیں اور ان سے مشروب کو چوسا جاتا ہے اور اوپر ہونٹ کو محیط بنایا تاکہ اس شے کو دور رکھے جو پینے کی شے میں ہو جیسے چھلکا اور خس وغیرہ کہ کہیں پینے کی شے کے ساتھ منہ میں نہ جائے۔

قدسی حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ،

ابن آدم ان نازعك لسانك فيما حرمت عليك فقد اعنتك بطبقتين فاطبق وان نازعك بصرك الى بعض ما حرمت عليك فقد اعنتك عليه بطبقتين فاطبق وان نازعك فرجك الى ما حرمت عليك فقد اعنتك عليه بطبقتين فاطبق۔	اے ابن آدم ! اگر تیرے ساتھ تیری زبان جھگڑے اس امر میں کہ جس سے میں نے منع فرمایا تو اسے دو ہونٹوں سے بند کر دے اگر تیرے ساتھ تیری آنکھ جھگڑے اس امر میں جو میں نے تجھ پر اس کا دیکھنا حرام کیا ہے تو میں نے تیری مدد کے لیے دو پردے عطا کیے ہیں ان سے آنکھ بند کر لے اگر تیرے ساتھ فرج جھگڑا کرے تو میں نے دو طبقوں سے تیری مدد کی ہے ان سے اسے بند کر دے۔

ف: اخبار میں ہے کہ فرج اور کان اور ہاتھ اور پاؤں امانت ہیں اور لا ایمان[1] لمن لا امانۃ لہ اسے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے بندہ! میں نے تجھے دو آنکھیں پاک امانت دے رکھی ہیں تو انہیں ناپاکی میں ملوث کرتا ہے اس کے آثار کے تقدس اس سے اُٹھ جائیں اور خبیث ہو گئیں اس کے بعد کیا تو چاہتا ہے کہ تو میرے مقدس دیدار سے سرشار ہو یہ بعید از قیاس ہے ہم پاک ہیں اور پاک کو پاک نگاہ چاہیے کیونکہ الطیبات للطیبین میرا فیصلہ ہے۔ اور تجھے دو کان عطا فرمائے تاکہ تو اس سے دو خزانے بنا سکے اور آثار وحی کے مرتی اس میں محفوظ کر سکے اور کل مجھے پاک وصاف کر کے سپرد کر سکے لیکن تو نے انہیں جھوٹ کا مرکز اور اصوات خبیثہ کا رہگزر بنا دیا اور ہماری ندا تو پاک ہے سوائے پاک کان کے نہیں سنتا آج قیامت میں پاک کان لا اور پھر ندا سن۔ اسی طرح تجھے میں نے زبان دی تاکہ تو میرے ساتھ راز کی باتیں کر سکے خلوت میں، اور قرآن پڑھے عبادت میں اور اس پر صدق کی باتیں بولے اور میرے دوستوں سے گفتگو کرے لیکن تو نے زبان کو غیبت کا بچھونا اور روزمرہ جنگ وجدل اور خصومت کا دفتر بنا لیا آج قیامت میں تو میرے ساتھ کس زبان سے بات کرے گا؎

(۱) زبان آمد از بہر شکر و سپاس — بغیبت نگرداندش حق شناس
(۲) گذرگاہ قرآن و پندست گوش — بہ بہتان و باطل شنیدن مکوش
(۳) دو چشم از پے صنع باری نکوست — ز عیب برادر فروگیر و دوست

ترجمہ: (۱) زبان شکر وسپاس کے لیے ہے تو غیبت میں اسے حق شناس! صرف نہ کر۔

(۲) قرآن ونصیحت کی گزرگاہ کان ہیں تو بہتان اور باطل سننے کی کوشش نہ کر۔

(۳) دو آنکھیں صنعتِ باری تعالیٰ کے دیکھنے کے لیے ہیں کسی کے عیب دیکھنے میں ضائع نہ کر انھیں ہمیشہ نیچی رکھ۔

تفسیر صوفیانہ اس میں لسان قلب ولسان سر کے دو ہونٹوں کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر عالمانہ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ (اور ہم نے اسے دو ابھری چیزوں کی راہ بتائی) اس کا عطف الم نجعل پر ہے کیونکہ وہ مآل کے لحاظ سے جملہ مثبتہ ہے یعنی اسے تمہارے لیے بنایا اور ہم نے ہدایت دی خیر و شر کی۔

---

[1] اس کا ایمان جسے امانت کا پاس نہیں۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا :

هما النجدان نجد الخير و نجد   نجدان سے نجد الخیر و نجد الشر مراد ہے تمہیں
الشر فلا یکن نجد الشر أحب   نجد خیر کے بجائے نجد شر سے محبت
الیکم من نجد الخیر۔   نہ ہو۔

ف : یا نجدین سے مراد پستانوں کے دو راستے مراد ہیں کیونکہ وہ دو راستے اُبھرے ہوئے ہیں دُودھ کیلئے اور بچّے کی زندگی کے دو اسباب ہیں اور عاجز بچّے ماں کے دودھ پینے پر قدرت پانے کے موجب ہیں کہ پیدا ہوتے ہی اسے ان پر قدرت دی جاتی ہے اور یہی اس کے لیے سب سے روشن نعمت ہے ؎

نہ طفل بستہ بودے زلاف   ہمی روزے آمد بجوفت زناف
چو نافش بریدند روزی گسست   بہ پستان مادر در آویخت دست

ترجمہ ، لاف (گفتگو سے) تو بند تھا جب تک تو بچہ تھا تجھے روزی بھی پیٹ میں ناف سے پہنچتی تھی جب تیری ناف کٹی تو تیری روزی ختم ہوئی ، پھر تو نے پستان کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

حل لغات دراصل نجد اونچے مکان کو کہا جاتا ہے۔ خیر بمنزلہ اونچے مکان کے ہے بخلاف شر کے کہ وہ ذروۂ فطرت سے حضیض الشقاوۃ کو مستلزم ہے لیکن یہاں کا استعمال بطریق تغلیب کے ہے یا اس لیے کہ شر قوت واہمہ میں مکان مرتفع کی صورت میں مصوّر ہے اسی لیے اسے ہر شئے کے ترقی تک پہنچنے کے لیے نجد استعمال ہوتا ہے۔

ف : ابن الشیخ نے فرمایا چونکہ دلائل خیر و شر کے ہر ایک کے سامنے واضح ہو چکے ہیں اسی لیے ان دونوں کو نجدین کہا گیا بسبب ان کی وضاحت کے عقول میں اس واضح راستے کی طرح جو آنکھوں کے لیے ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں نجد روح وقلب کی طرف اشارہ ہے کہ انسان نے دونوں راستوں کو غلبۂ نفس علی الروح اور غلبۂ ہوٰی علی القلب سے باطل کر دیا۔

تفسیر عالمانہ فَلَا اقۡتَحَمَ الۡعَقَبَةَ (پھر بے تامل گھاٹی میں نہ کُودا)

حلِ لغات : الاقتحام امر شدید میں داخل ہونا اور سختی کے ساتھ اس سے گزر جانا۔ قاموس میں ہے کہ قحم فی الامر (امر میں داخل ہوا) از باب نصر۔ یہ اس کے لیے بولتے ہیں جو بغیر سوچے کسی معاملہ میں اچانک خود کو پھینک دے۔ العقبۃ (گھاٹی) یعنی پہاڑوں میں دشوار گزار راستہ : یعنی ان نعم جلیلہ کے بدلے میں اعمال صالحہ کر کے شکر نہیں کرتا اس کے دشوار گزار کے اعتبار سے چلنے کو عقبہ سے تعبیر کیا۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ (اور تُو نے کیا جانا کہ وہ گھاٹی کیا ہے) اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! تمہیں کس نے بتلایا کہ گھاٹی میں داخل ہونا کیا ہے اس لیے کہ اس سے نہ گھاٹی کا ظاہری معنی مراد ہے اور نہ اس کا داخل ہونا لغۃً مراد ہے۔ **فَكُّ رَقَبَةٍ** (کسی غلام کی گردن چھڑانا)

حلِ لغات

فک بمعنی ایک شے کو دوسری شے سے چھڑا کر دونوں میں جُدائی ڈالنا، جیسے فك الحديد والغل وہا چھڑانا اور بیڑی چھڑانا اور غلام آزاد کرنا بھی، اسی لیے کہ اسے غلامی کی زنجیر سے چھڑا کر آزاد کرنا ہے۔ الرقبة (گردن) عضو مخصوص کا نام ہے، پھر سارے جسم کی آزادی مراد لی جاتی ہے اور عرف میں غلاموں پر اطلاق ہوتا ہے جیسے سر، اور اظہر بول کر مرکوب (سواری) مراد لی جاتی ہے، جیسے کہا جاتا ہے، فلان يربط كذا راساً وكذا ظهراً۔ اب معنی یہ ہوا کہ اقتحام العقبة (گھاٹی میں داخل ہونا) گردن آزاد کرنا ہے اس معنیٰ پر الفك کی تفسیر نہیں بلکہ اقتحام کی بحذف المضاف ہے اس لیے کہ عقبۃ عین ہے اور فک فعل، اور فعل کی تفسیر نہیں ہوتی، علاوہ ازیں فک الرقبۃ کبھی انسان تنہا آزاد ہوتا ہے کبھی یہ کہ مکاتب کچھ مال آزاد کرانے کے لیے دے ایسے ہی قصاص یا تاوان کی ادائیگی میں تعاون کرے یہ سب کے سب فک کو تو عام ہیں لیکن ان میں اعتاق نہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ بندہ خود کو عذابِ الٰہی سے آزاد کرائے کہ اعمال صالحہ میں مشغول رہے یہاں تک کہ ان کے ذریعے سے جنت کا مستحق ہو اور دوزخ سے نجات پا جائے یہ حریۃ وسطیٰ ہے۔

تفسیرِ صوفیانہ

فک رقبۃ سے مراد یہ ہے کہ قلب کو نفس و ہوا اور تعلق ما سوی اللہ سے چھڑائے۔ یہ حریۃ کبریٰ ہے اس کے بعد او اطعام الخ از قبیل تخصیص بعد التعمیم ہے اور مزید اشارہ ہے اس خاص فضل کی طرف اس حیثیت سے کہ یہ لفظ اس میں شامل نہ تھا باوجود اس کے عموم کے۔

مسئلہ: بعض فقہاء نے فرمایا کہ عتق کی صدقہ پر تقدیم اس کی افضلیت کی دلیل ہے۔ جیسا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔

حدیث شریف میں ہے،

من فك رقبة فك الله بكل عضو منها عضوا منه من النار۔	جس نے غلام آزاد کیا اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے بدلے میں اس کا عضو جہنم سے آزاد فرمائے گا۔

ف: امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان کا کسی دوسرے کو عذاب سے بچانا اس کو مستلزم ہے کہ پہلے خود کو بچائے کیونکہ جو خود ہدایت یافتہ نہیں وہ دوسرے کو کیسے ہدایت دے سکتا ہے،

اور فك الرقبة میں فک النفس کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہ ان اعمال صالحہ میں سے ہے جنہیں نفس کو عذاب سے چھڑانے میں بڑا دخل ہے۔

تفسیر عالمانہ اَوۡ اِطۡعٰمٌ فِیۡ یَوۡمٍ ذِیۡ مَسۡغَبَةٍ (یا بھوک کے دن کھانا دینا) قحط سے بھوک میں یا مہنگائی میں۔

حلِ لغات مسغب سے ہے بمعنی جاع (بھوکا ہوا)۔ امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ السغب بمعنی بھوک مع تھکان، بسا اوقات اس کا اطلاق پیاس مع تھکان پر بھی ہوتا ہے۔ اس معنی پر مسغبة مصدر میمی ہے ایسے ہی مقربة و متربة، اطعم کو یوم مجاعہ (بھوک کے دن) کی قید اس لیے ہے کہ اس وقت مال خرچ کرنا نفس پر گراں اور اجر کے اعتبار سے بہت بڑا ہوتا ہے۔

یَّتِیۡمًا (یتیم کو) مفعول ہے اطعم کا ذَا مَقۡرَبَةٍ (رشتہ دار کو) قرابت دار وہ جو نسب کو قریب ہے۔ قرب و مقربة ایک شے ہے۔

ف : حضرت سجاوندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قرابت رشتہ کی ہو یا ہمسایگی کی، یتیم کی قید اس لیے ہے کہ اس کی اور طعام کھلانے والے کی رشتہ داری نسبی ہو تاکہ اس کے اندر دو جہتیں جمع ہوں ؛

(۱) یتیمی کا استحقاق

(۲) رشتہ داری کا حق۔ اسے طعام کھلانا افضل ہے بہ نسبت دوسروں کے طعام کھلانے کے، صدقہ اور صلہ رحمی پر مشتمل ہے۔

اَوۡ مِسۡکِیۡنًا ذَا مَتۡرَبَةٍ (یا خاک نشین مسکین کو) محتاجی کی وجہ سے۔

حلِ لغات ترب (بالکسر) تربًا (بفتحتین) و متربا بمعنی افتقر، محتاج ہوا، جیسے لصق بالتراب من فقرہ و ضرہ فلیس فوقه ما یستره ولا تحته ما یوطئه ویفرشه (گویا اس نے مٹی چاٹی فقر اور تکلیف سے، کپڑا نہیں کہ جسم ڈھانپے، بستر نہیں کہ بچھائے بیٹھے یا سوئے) اترب کا معنی ہے صاحبِ مال ہو گیا مٹی کی طرح صرف کثرت کی مناسبت سے یہی معنی لیا گیا، جیسے کہا جاتا ہے ؛ اثری (صاحبِ ثروت ہو گیا)۔

حدیث شریف : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا،

ذامتربة الذی مأواه المزابل۔ ذامتربة وہ ہے جس کا ٹھکانا کوڑا کرکٹ ہو۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، البعید التربة یعنی الغریب۔ ذامتربة

بمعنی بعید التربة (غریب الدار، مسافر) (کما قال الکاشفی) ذا متربة وہ جو عیالدار یا قرضدار یا بیمار یا بے یار یا مسافر دُور از دیار ہو۔

حدیث شریف میں ہے؛

الساعی علی الارملة والمسکین کالساعی فی سبیل اللہ وکالقائم لا یفتر و الصائم لا یفطر۔	بیوگان اور مساکین کی خبر گیری اور مدد کرنیوالا جہاد فی سبیل اللہ میں جدوجہد کرنیوالے اور قائم اللیل نہ تھکنے والے اور صائم الدہر کی طرح ہے۔

نکتہ : فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ گردن آزاد کرنے اور طعام کھلانے کو خاص کرنا اس لیے کہ ان کا عمل میں لانا مشکل کام ہے۔

نکتہ : فقیر و مساکین کو طعام کھلانے کی خصوصیت بھی اسی لیے ہے کہ یہ دونوں کام نفس کے لیے مشکل اور سخت ہیں۔

کمینے دنیا دار کی نشانی کمینے دنیادار کی علامت یہ ہے کہ اپنی خواہش نفسانی پر ہزاروں روپے خرچ کرے، کوٹھیاں بنگلے تیار کرے اور ضرورت سے زیادہ، اور ایسے کچھ پرواہ نہ ہو لیکن فقیر و مسکین کو آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے اگر کوئی مانگنے آئے تو اسے ایک دو درم دینا یا ایک دو لقمے کھلانا اس کے لیے مشکل ہو جائے۔

ف : سیدنا امام شافعی رضی اللہ عنہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ مسکین کبھی کسی شے کا مالک ہوتا ہے ورنہ اس کے لیے بھی ذا متربة کی قید (مکرراً) ہوتی اور وہ تکرار ناجائز ہے لیکن اس میں بحث ہے، وہ یہ کہ ذا متربة کی صفت کاشفہ ہے مسکین کے لیے، اور اس کا فائدہ تصریح ہے از رُوئے محتاجی، تاکہ واضح ہو کہ محتاج تر ہی کو طعام کھلانا افضل ہے اور تکرار بھی وہ ناجائز ہے جو فائدہ سے خالی ہو اور یہ اس قبیل سے نہیں۔

تفسیر صُوفیانہ اس میں قلب یتیم جو نفس و ہوا کے ہاتھوں مغلوب ہے اور سرّ مسکین جو قہر النفس اور اس کے غلبہ کے تحت ذلیل ہے کی طرف اشارہ ہے۔

ف : الارشاد میں ہے کہ اقتحام العقبة سے یہی امور مراد لینا اور اس پر دلیل قائم کرنا کہ ماضی پر لا داخل ہے یہ کوئی شرط نہیں کہ اس کے سوا اور کوئی مطلب نہ ہو کیونکہ ممکن ہے کہ اس کے خلاف ہو کیونکہ یہ کبھی لم کے معنی میں بھی آتی ہے۔ اب عبارت یوں ہوئی فلم یقتحم العقبة الخ۔

تفسیر عالمانہ

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ اٰمَنُوْا (پھر ہو ان سے جو ایمان لائے) پس آزاد کنندہ اور طعام دہندہ سے ہو جا۔ اس کا عطف منفی پر ہے ذکر نفی پر اور ثم عتق و صدقہ سے ایمان کی تراخی رتبہ و رفعۃ محل پر دلیل ہے کیونکہ جمیع اعمال صالحہ کا دار و مدار اس پر ہے ورنہ وہ تو زمانہ میں مقدم ہے جملہ طاعات پر۔ اب معنی یہ ہوا کہ اس طریق سے انفاق پسندیدہ انفاق ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک نافع ہے ضائع ہونے والے ڈھیر سارے مال کی طرح نہیں جو ریاء و فخر کے طور ہوتا ہے اس کی مثال تو آندھی کی ہے جو قوم کی کھیتی کو پہنچ کر ضائع کر دے۔

تفسیر صوفیانہ

عقبۃ میں اشارہ ہے کہ عقبۂ آخرت سے وہ تجاوز کر سکے گا جو اہلِ حق سے ہوا اور محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ تجاوز کرے گا جس نے پیٹ کو حرام و شبہات مال سے بچایا ہو گا اور حلال بھی محض اتنا ہی کھایا ہو گا جس سے بھوک مٹ سکے۔ اور حضرت قاسم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عقبۃ خود اپنا نفس ہے اس پر دلیل فك رقبة الخ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو مخلوق کی غلامی سے آزاد کر کے اسے عبادتِ الٰہی میں مشغول رکھے۔

تفسیر عالمانہ

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (اور انہوں نے آپس میں صبر کی وصیتیں کیں) اس کا عطف اٰمنوا پر ہے یعنی ایک دوسرے کو طاعتِ الٰہی پر اور معاصی سے اور مصائب پر وصیت کی وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ (اور آپس میں مہربانی کی وصیتیں کیں) مرحمۃ رحمۃ کا مصدر ہے یعنی ایک دوسرے کو اللہ تعالیٰ کے بندوں پر مہربانی کی یا رحمتِ الٰہی کے موجبات کی یعنی خیرات کی وصیتیں کیں بخلاف المضاف' یا مسبب کا ذکر کر کے سبب مراد لیا گیا ہے اس کے کمال فی السببیۃ پر تنبیہ کی وجہ سے۔ اس معنیٰ پر رحمۃ اعم ہے پہلے معنیٰ سے' یعنی بندوں میں ان پر شفقت جو اس کا مستحق ہے یتیمی یا فقیری یا کسی دوسری وجہ سے۔

حدیث شریف میں ہے:

لایرحم اللہ من لایرحم الناس۔ اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔

تفسیر صوفیانہ

تواصوا بالصبر میں تعظیم لامر اللہ کی طرف و تواصوا بالمرحمۃ میں شفقت علی الخلق کی طرف اور تکمیل بعد الکمال کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ ایمان خود کمال ہے ایسے ہی صبر و مرحمۃ اور اعمال صالحہ اور تواصی (دوسرے کو وصیت کرنا) تکمیل الغیر کے باب سے ہے۔

مسئلہ: بعض نے فرمایا کہ طعام کھلانا بالخصوص شدید ضرورت کے وقت عفۃ کے افضل انواع سے

اور ایمان اجل انواع حکمت سے ہے لیکن ایمان علی الیقین ہو اس میں شتہ اسی لیے لایا گیا ہے کہ اس کا رتبہ ارتفاع و علو میں کم ہے اس لیے کہ یہ بمنزلہ اساس کے ہے۔ اور شدائد و تکالیف و مصائب میں انواع شجاعت میں اعظم ہے اور اسے ایمان سے اس لیے مؤخر فرمایا کہ فضیلت شجاعت کا حصول یقین کے بغیر نہیں ہو سکتا اور متراحم و تعاطف انواع عدالت سے افضل ہے۔

تفسیر عالمانہ اُولٰٓئِکَ (یہ) وہ لوگ جو صفاتِ جلیلہ سے موصوف ہیں اور اسم اشارہ میں دلیل ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں مقام کرامت میں اور بلند مراتب اور اعلیٰ درجات میں ہیں اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ (دہنی طرف والے) وہ جو نامہ ہائے اعمال دہنی جانب سے دیے جائینگے اور انہیں جنت کی دہنی جانب سے لیجایا جائیگا یا وہ لوگ خیر و برکت اور سعادت والے ہیں اس لیے کہ صلحاء خیر و برکت والے ہوتے ہیں طاعتِ الٰہی کی وجہ سے اپنے لیے بھی اور اپنے غیروں کے لیے بھی' یا وہ دائیں ہاتھ والے وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا (اور جنہوں نے ہماری آیات سے کفر کیا) وہ جو ہم نے حق پر دلائل قایم کیے کتاب وحجۃ یا قرآن سے هُمْ (وہ) ضمیر لائی گئی تاکہ ان کی فضیلت و شرف حضور سے سقوط کی دلیل ہو اور وہ اس لائق ہیں کہ ان کی خفت و حقارت ہو۔ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ (بائیں جانب والے) وہ جو بائیں ہاتھ میں نامہ ہائے اعمال دیے جائیں گے اور پیٹھوں کے پیچھے' اور انہیں جہنّم میں بائیں جانب سے لیجایا جائیگا یا وہ نحوست و شر و شقاوت والے ہیں کیونکہ فساق معیت کی وجہ سے اپنے لیے اور اپنے غیروں کے لیے منحوس ہیں۔

ردِّ وہابیہ نجدیہ اس میں سے وسیلہ کی دلیل صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ سے سنیے)

ویجب التوسل بالصلحاء و	صلحاء سے توسّل واجب ہے اور فاسقوں
الاجتناب عن الفسقاء و اصحاب	اور دنیا داروں سے اجتناب ضروری ہے۔
الید الیسری۔ (ج ۱۰، ص ۳۳۹)	

عَلَیْهِمْ (ان پر) خبر مقدم نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ (آگ ہے جس میں انہیں ڈال کر بند کر دی گئی) مبتدا، مؤخر ہے یعنی وہ نار جس کے دروازے بند کر دیے جائیں گے کوئی دروازہ نہ کھلے گا جس سے نہ کوئی شے باہر نکل سکے گی اور نہ اس میں کبھی ہوا داخل ہو سکے گی۔ مؤصدۃ نار کی صفت میں تنبیہ ہے کہ وہ انہیں محیط ہوگی۔ یہ اصل میں مؤصدۃ الابواب تھا اضافت ترک کر دی گئی تو اس پر تنوین آ گئی کیونکہ یہ ایک دوسرے کے آگے پیچھے رہتی ہیں۔

حلِ لغات اوصدت الباب سے ہے معتل الفاء (مثال واوی) آصدتہ سے بھی ہوسکتا ہے بالمد من المھموز آمن کی طرح جس نے مہموز نہیں کہا اس نے اوصد سے مانا ہے اوعد کی طرح از افعال' یہ بھی ہے کہ یہ آصد بچوں آمن ہو ہمزہ ساکنہ واؤ سے تبدیل ہوا یعنی مؤصدۃ سے مُؤصدۃ ، کیونکہ ہمزہ کا ماقبل مضموم ہو تو واؤ سے تبدیل ہو جاتا ہے تخفیفاً۔

ف : حضرت ابوبکر بن عباس عاصم رحمہم اللہ تعالیٰ کے راوی یہاں پر ہمزہ کی واؤ سے تبدیلی کو مکروہ کہتے ہیں اور فرماتے ہیں :

لنا امام یهمز مؤصدة فاشتهی ان
اسد اُذنی اذا اسمعته ۔

ہمارے ہاں مصحف میں ہمزہ کے ساتھ
بلکہ میں تو کان بند کرلیتا ہوں جب اسے
واؤ کے ساتھ پڑھتے سنتا ہوں۔

گویا انہوں نے اپنے شیخ سے ترکِ ہمزہ والی قرآت ہی سُنی تھی اور حفص رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے ہمزہ سے پڑھا ہے یہ ابوبکر سے حروف کو زیادہ یاد رکھنے والے تھے جیسے قُرّاء نے نقل کیا اگرچہ ابوبکر حفص سے سن میں بڑے' زیادہ مضبوط اور زیادہ ثقہ تھے عند اہلحدیث۔ (اہلحدیث سے مراد محدثین کرام ہیں نہ کہ موجودہ نام نہاد اہلحدیث وہابی)

تفسیر صوفیانہ اس میں نار سے حجاب وخذلان وخسران کی طرف اشارہ ہے کہ وہ نفس امارہ پر بند کی گئی ہے۔

فراغتِ صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ سُورۃ البلد کی تفسیر سے اللہ تعالیٰ کی مدد سے ۵ ربیع الآخر ،۱۱۱۷ ہجری میں فراغت ہوئی۔

فراغتِ مترجم فقیر اویسی غفرلہٗ نے سُورۃ البلد کی تفسیر کے ترجمہ سے ۲۰ رجب المرجب ۱۴۰۹ھ مطابق ،۲۷ فروری ۱۹۸۹ء بروز ایمان افروز پیر فراغت پائی۔ (الحمد للہ علیٰ ذلک)۔

سُوْرَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اٰيَاتُهَا ۱۵ رُكُوْعُهَا ۱
سورۃ الشمس مکیہ ہے اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا اس میں پندرہ آیتیں ہیں

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ① وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ② وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ③ وَالَّيْلِ
سورج اور اس کی روشنی کی قسم اور چاند کی جب اس کے پیچھے آئے اور دن کی جب اسے چمکائے اور رات کی جب
اِذَا يَغْشٰهَا ④ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ⑤ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ⑥ وَنَفْسٍ وَّمَا
اسے چھپائے اور آسمان اور اس کے بنانے والے کی قسم اور زمین اور اس کے پھیلانے والے کی قسم اور جان کی اور اس کی جس نے
سَوّٰىهَا ⑦ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ⑧ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ⑨ وَقَدْ خَابَ
اسے ٹھیک بنایا پھر اس کی بدکاری اور اس کی پرہیزگاری دل میں ڈالی بے شک مراد کو پہنچا جس نے اسے ستھرا کیا اور نامراد ہوا جس
مَنْ دَسّٰىهَا ⑩ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ⑪ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ⑫ فَقَالَ لَهُمْ
نے اسے معصیت میں چھپایا ثمود نے اپنی سرکشی سے جھٹلایا جب کہ اس کا سب سے بدبخت اٹھ کھڑا ہوا تو ان سے اللہ کے
رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ⑬ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ
رسول نے فرمایا اللہ کے ناقہ اور اس کی پینے کی باری سے بچو تو انہوں نے اسے جھٹلایا پھر ناقہ کی کوچیں کاٹ دیں تو ان پر ان کے رب نے
رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ⑭ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ⑮
ان کے گناہوں کے سبب تباہی ڈال کر وہ بستی برابر کر دی اور اس کے پیچھا کرنے کا اسے خوف نہیں

سورۃ الشمس مکیہ اس کی ۱۵ یا ۱۶ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا)

تفسیر عالمانہ وَالشَّمْسِ قسم ہے سورج کی وَضُحٰهَا اور اس کی روشنی کی جب طلوع کرے اور پوری تابانی میں آجائے اور اس کی روشنی پھیل جائے۔

حلِ لغات: کہا جاتا ہے: وقت الضحی یعنی روشنی کے چمکنے کا وقت۔ الضحی والضحوۃ الضح سے مشتق ہیں یعنی سورج کا نور جو زمین پر پھیلے، سایہ کی نقیض۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے شمس روح اور اس کے نور کی قسم کی طرف اشارہ ہے جب وہ نفس میں پھیل جاتا ہے اور وہ روح نفس پر چمکتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا قسم ہے چاند کی جب وہ سورج کے پیچھے آتا ہے اس کے غروب کے بعد اس سے روشنی لے کر، اور یہ نصف اول میں ہوتا ہے۔

حلِ لغات امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا تلاہ بمعنی تبعہ وہ اس کے تابع ہوا اور وہ ایسی متابعة ہے کہ ان کے درمیان کوئی شے حائل نہیں ہوتی، یہ متابعت کسی جسم سے ہوتی ہے کبھی اقتدار فی الحکم میں، اس کا مصدر تلو آتا ہے، کبھی یہ قرآن کے پڑھنے اور اس کے معنی کے تدبر میں بھی استعمال ہوتا ہے اس کا مصدر تلاوۃ ہے اور (اذا تلٰھا میں معنی اتباع علی سبیل الاقتدار والمرتبہ کا ہے۔

چاند سورج کا خلیفہ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ چاند سورج سے نور حاصل کرتا ہے اور وہ اس کے بمنزلہ خلیفہ کے ہے۔ اسی قاعدہ پر کہا جاتا ہے ؛ جعل الشمس ضیاء و القمر نوراً (سورج کے لیے ضیاء اور چاند کے لیے نور بنایا) اسی لیے ہے کہ ضیاء نور کے مرتبہ میں آسکتا ہے۔ کیونکہ ہر ضیاء نور ہے لیکن ہر نور ضیاء نہیں۔

تفسیر صوفیانہ اس میں قمر قلب کی طرف اشارہ ہے جب وہ رُوح کے تابع ہوتا ہے اس سے منور ہونے اور اس کی طرف متوجہ ہونے اور روشنی حاصل کرنے میں قلب نفس کے تابع نہ ہوئی کیونکہ وہ اس کی طرح ظلمت سے تاریک ہو جاتا۔

صاحبِ رُوح البیان کے پیر و مرشد کی عجیب و غریب تقریرِ صُوفیانہ میرے شیخ روح اللہ روحہ (اللہ تعالیٰ ان کی روح کو شاد و آباد رکھے) نے کتاب اللائحات البرقیات میں لکھا کہ سورج حقیقۃِ الٰہیہ کمالیہ اکملیہ کی علامت ہے اور اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور چاند حقیقۃِ انسانیہ کمالیہ اکملیہ کی علامت اور اس کی طرف اشارہ کرتا ہے تو جیسے چاند جب سے پیدا ہوا ہے قیامت تک روشن اور نورِ شمس کی جلوہ گاہ، اور اس کا رات کو ظہور ہوتا ہے یہاں تک کہ اس سے ارباب اللیل ظلماتِ لیلیہ میں راہ پاتے ہیں اپنی سیر و سلوک میں تحصیل مقاصد کے لیے، ایسے ہی حقیقۃِ انسانیہ کمالیہ اکملیہ جب پیدا ہوئی ہے ہمیشہ تک روشن اور نور حقیقۃِ الٰہیہ کمالیہ اکملیہ

کی تجلی کی جلوہ گاہ ہے اور اس کا ظہور عالم کون میں ہے کہ اس سے ارباب عالم کون ظلمات کون میں اپنے سلوک میں عالم امکان کی طرف اور سیر کے وقت عوالم و اطوار کونیہ میں نزولاً اور عروجاً عالم وجوب کی طرف ہدایت پاسکیں تو پھر جس طرح چاند اپنی ذات اور اپنے نور سے مکمل طور سورج کے نفس و نور میں خالی ہو جاتا ہے کہ سورج سے مقارنت و مواصلت کے وقت زوجہ شمس قابض سے اور اقبال جاذب سے اس کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے اور نور شمس اور اس کے نفس میں چاند فنا پاتا ہے لیکن اس کا نفس و نور فانی نہیں ہوتا مقابلہ و مفارقہ کاملہ کے وقت جو درمیان حاصل ہے اس کے نفس کے ارسال سے اور بسط سے اس کے نور کی طرف اگرچہ بار بار اور باتکرار تاقیامت وہ باقی ہے ایسے ہی حقیقت انسانیہ کمالیہ الکلیہ اپنے نور اور تعین سے نور حقیقیہ الہیہ کمالیہ الکلیہ اور اس کے تعین میں مکمل طور ایسا فانی ہو جاتا ہے کہ اس کا اثر بالکل باقی نہیں رہتا وصلہ الہیہ کے وقت حاصل ہوا مرتبۂ ذاتِ احدیہ جمعیہ مطلقہ کے درمیان قبض و جذب کے ساتھ اپنے نور و تعین سے اس کے نور و تعین ازلی ابدی سرمدی کی طرف اور وہ باقی رہتا ہے اس کے نور و تعین کے ساتھ اس اعتبار سے کہ اس کا اثر بالکل فانی نہیں ہوتا فرقہ کونیہ کے وقت جو حاصل ہوا مرتبہ مظہریہ کثرتیہ فرقیہ میں جو مقید ہے بسط و ارسال سے اس کی تعین و نور کی طرف بار بار باتکرار ہمیشہ ہمیشہ تک۔ اور بوجہ تجلی نور شمسی و الٰہی اور اس کے ظہور کے قمر و انسان کامل میں تدریجاً حدِ کمال تک ان کی بقاء کامل ہوتی ہے اور اس کے استتار اور اس کے احتفار سے ان سے تدریجاً بھی حد تمام ہوتی ہے ان کی فناء۔ اور ان کی اس وجہ پر قبض جلال الحق سبحانہٗ سے اور ان کا بقاء اسی طریق پر ہے بسط جمال الٰہی سے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ قبض و بسط کرتا رہتا ہے اپنے کمال ذاتی کے مرتبہ سے اس کے دونوں ہاتھوں جلال و کمال میں بلکہ اس کے دونوں ہاتھ قدرت کھلے ہوئے ہیں ہر ایک کو ہم دراز کرتے ہیں ان کو اور ان کو یہ رب تعالیٰ کی عطاء ہے اور تیرے رب کی عطا روکی ہوئی نہیں۔

سوال ، اذا شرطیہ نہیں کیونکہ اس کی جزاء جواب واقع نہیں ہوا نہ لفظاً نہ تقدیراً جو اس میں عمل کرے تو ظرف مطلقہ ہوگا اور ظرف کے لیے عامل چاہیے اور وہ مشہور ہے کہ اس کا عامل اقسم مقدر ہے اور وہ انشاء ہے اور انشاء حال ہوتا ہے حالانکہ اذا استقبال کے لیے ہوتا ہے اور ان دونوں کا اجتماع بھی نہیں ہو سکتا اس معنی پر اس کے لیے نہ ظرف ہے نہ وقت۔

جواب ، اذا ایسے مقامات پر تعلیلیہ ہوتا ہے یعنی چاند کی قسم یاد فرمائی باعتبار اس کے کہ وہ سورج کے پیچھے آتا ہے اور دن کی اس اعتبار سے کہ وہ سورج کی روشنی ہے اور اللیل کی اس اعتبار سے کہ وہ ڈھانپتی ہے جب تم کہتے ہو اشہدلک علی ھذا حیث کنت صالحا متدینا (میں تجھے گواہ بناتا ہوں اس لیے کہ تو

صالح اور دیندار ہے) یعنی اس صلاحیت و دینداری کی وجہ سے۔ بعض التفاسیر۔

ف : قاموس میں ہے کہ اذا حال کے لیے ہوتا ہے اور یہ بعض قسموں میں ہے جیسے والیل اذا یغشیٰ والنجم اذا ھوٰی۔ اس وقت اذا بمعنی حین ہوگا، اسے اچھی طرح سمجھ لو۔

تفسیر عالمانہ

وَالنَّهَارِ (اور قسم ہے دن کی) نور الشمس جو ظلمتِ لیل کو مٹا کر زمین کے سائے ختم کرتا ہے اِذَا جَلّٰىهَا (جب اسے چمکائے) سورج کو، کیونکہ وہ روشن ہوتا ہے دن کے پھیلنے سے اور مکمل طور روشنی کی تکمیل سے، گویا اسے دن نے روشن کیا ہے حالانکہ سورج ہی دن کو پھیلاتا ہے کیونکہ انتشار اثر کا یعنی نہار کا ایک زمانہ تک مرتفع ہونا سورج کی روشنی کی وجہ سے ہے اور سورج کی روشنی دن میں واقع ہے اسی لیے تجلیہ (فعل) کا اسناد نہار کی طرف ہے مجازاً نہارہٗ صائمٌ کی طرح، یا معنیٰ یہ ہے کہ ظلمت کو روشنی دی یا دنیا کو یا زمین کو اگرچہ اس کا ذکر نہیں (لیکن چونکہ وہ سب کو معلوم ہے اسی لیے وہ مراد ہو تو کوئی حرج نہیں)

تفسیر صوفیانہ

استیلاء نور روح کے نہار اور اس کے سلطان کے قیام اور اس کے نور کے استواء کی طرف اشارہ ہے جب اس نے اسے روشن کیا اور غایۃ ظہور میں ایسے ظاہر کیا جیسے سورج کے روشن کرنے سے استواء کے وقت دن میں روشن ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَالَّيْلِ اور رات کی قسم، اس سے زمین کا سایہ مراد ہے جو سورج اور اس کے مابین حائل ہے جو اس پر رات کی تاریکی واقع ہوتی ہے اِذَا يَغْشٰىهَا (جب اسے چھپائے) سُورج کو یعنی اس کی روشنی کو ڈھانپے اور اسے گم کر کے آفاق میں تاریکی پیدا کر دے چُونکہ سورج کا ہمارے اور زمین کے درمیان محجوب ہو جانا رات میں ہے اسی لیے گویا اسے رات نے ہی چھپایا اور غائب کیا ہے اسی لیے تغطیہ و تغشیہ (چھپانا) کا اسنا دلیل کی طرف سے، یا معنیٰ یہ ہے کہ وُہ رات آفاق و زمین کو چھپاتی ہے۔

ف : یہاں ماضی کے بجائے مضارع کا اختیار اس دلالت کے لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ پر زمانے کا اجراء نہیں وہ اس سے منزہ و مقدس ہے اس کے نزدیک ماضی و مستقبل برابر ہیں نیز رعایۃ فواصل بھی ملحوظ تھی اسی لیے غشاھا از تغشیۃ نہیں لایا گیا کیونکہ وہ متعدی بدو مفعول ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ واوات عاطفہ واو کی قسمیہ کی نائب ہیں اور وہی فعل کے قائم مقام ہیں اور وہ بار دونوں کے

قائم مقام ہوجاتی ہیں مثلاً اقسم باللہ ، از قرآن کا حق ہے کہ وہ فعل کا اور جار دونوں کا اکٹھے عمل کریں ، جیسے کہا جاتا ہے وضرب زید عمرو وبکر خالدا ۔ یہاں اسم مرفوع واو اور منصوب ہے کہ وہ اس ضرب کے قائم مقام ہے جو دونوں کا عامل ہے ۔ اس تقریر سے وہ سوال اُٹھ گیا کہ یہ واوات اگر عاطفہ ہیں تو عطف علی معمولی عاملین مختلفین لازم آتا ہے اگر واوات قسمیہ ہیں تو ایک جواب کے لیے تعداد القسم لازم آتا ہے خلاصہ جواب کا یہ ہے کہ ہم نے شق اول اختیار کی ہے اس طرح سے لزوم المحذور منع ہوگیا ۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ لیل نفس کی طرف جب اس کی ظلمت کو شمس نہار رُوح ڈھانپ لیتا ہے اور وُہ بھی اللہ تعالیٰ کی آیاتِ کبریٰ میں سے ایک ہے کیونکہ لیل اسم مضل کی مظہر ہے تو اس سے قسم یاد کرنا جائز ہے ۔ نہار کی قسم کی طرح اس اعتبار سے کہ وہ اسم ہادی کا مظہر ہے ۔

تفسیر عالمانہ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا (اور قسم ہے آسمان اور اس کے بنانے والے کی) ما بمعنی مَن ہے ، نہایت عظیم اور نہایت اونچا بنایا اور وہ ہے اللہ تعالیٰ ۔

نکتہ : مَن کی بجائے ما کا اختیار وصفیۃ کے ارادہ پر تعجب پیدا کرنے کے لیے کیونکہ ما سے ذوی العقول کی صفات کا سوال ہوتا ہے گویا کہا گیا ہے :

والقادر العظیم الشان الذی بناھا۔ قسم ہے قادر عظیم الشان کی جس نے آسمان بنایا ۔

ایسے ہی تقریر ہوگی آنے والے جملہ کی وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا (اور قسم ہے زمین کی اور جس نے اسے پھیلایا) ہر جانب سے پانی پر ، تاکہ اہلِ ارض اس پر زندگی بسر کریں ۔

حلِ لغات الطحو بمعنی البسط (بچھانا) اور طاء کو دال سے تبدیل کرنا جائز ہے یعنی طحو سے دحو ۔

نکتہ : مخلوق کا ذکر کرکے اس پر خالق کا عطف اور دونوں کی قسم ملا کر یاد کرنے میں استحقاق تعظیم میں استوار (برابری) مراد نہیں بلکہ اس میں ایک لطیف وجہ ہے وہ یہ کہ اس ترتیب کو معلوم کرنے سے عالم (جہان) کے صانع کے وجود اور اس کی کمال قدرت کا علم ہوگا اور عقل کو جلالِ الٰہی اور اس کی عظمت شان کے سمجھنے میں مدد ملے گی جتنی اس کے بس میں ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے سورج کی قسم یاد فرمائی اور یہ بات سمجھ میں آجائیگی کہ یہ سورج جو تمام محسوسات میں عظیم تر مخلوق ہے اور ذی شرف ہے اور اس میں بے بہا منافع ہیں سمجھے گا کہ اس کا صانع کتنا عظیم ہوگا ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے چار اوصاف بیان فرمائے :

(۱) روشن ہونا ،
(۲) چاند کا اس کے تابع ہونا ،
(۳) نہار کی بلندی روشن تر ہونا ،
(۴) رات کے چھپانے سے چھپ جانا ۔
(یہ بھی صانع کی کمال قدرت پر دلالت کرینگے)

پھر آسمان کی قسم یاد فرمائی کیونکہ یہ سورج کی سیرگاہ ہے پھر وہ اس سے بھی بڑا ہے اس سے ان کی تنبیہ ہو گی ان کی عظمت پر کیونکہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ کسی کی قسم اس کی تعظیم (عظمت شان) کی دلیل ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ ان دونوں کی حرکات وضعیہ اور ان کا تغیر الاحوال اجسام ممکنہ سے ہیں اور وہ صانع کی محتاج ہیں اور وہ صانع مدبر کامل القدرۃ اور انتہائی حکمت والا ہے عقل ان کے احوال و اوصاف کی معرفت کو صانع کی کبریائی کی معرفت کا وسیلہ بنائے گا گویا ترتیب مذکور عقل کو عالم حضیضات (سفلیات) سے کھینچ کر عالم ربوبیت کے آنگن اور اس کی کبریائی صمدیہ کے صحن میں پہنچا دے گی۔

تفسیر صوفیانہ اس میں سماء ارواح وارض اجساد کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر عالمانہ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا (اور قسم ہے نفس کی اور جس نے اسے ٹھیک بنایا) جس نے اسے پیدا کیا اور ایسے نئے طرز سے کہ اس کے کمالات کا مستعد ہو تنکیر تفخیم کی ہے اس سے مراد نفسِ آدم علیہ السلام ہے یا تکثیر کی ہے ، یہی زیادہ مناسب ہے جواب کے لیے ۔

نکتہ : اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت کے لیے آسمان وزمین و نفس کا ذکر اس لیے ہوا کہ غائب پر استدلال شاہد سے ہی ہوتا ہے اور یہاں شاہد عالم جسمانی ہے اور وہ علوی بسیط ہے جیسے آسمان یا سفلی ہے جیسے زمین' یا مرکب ہے وہ کئی قسم ہے ان سب میں اشرف ذوات الانفس ہے اور مابعد کے عطف سے ماقبل پر استدلال سے تقدیر مضاف کے عدم جواز صحیح نہیں مثلاً کہا جائے ورب الشمس وغیرہ۔

قاعدہ : اس لیے کہ قاعدہ ہے جو مقدر معطوف علیہ میں ہوگا وہی معطوف میں ہو گا تو عبارت ورب ما بناھا ورب ما طحاھا ورب ما سوّاھا تسلیم کرنی پڑے گی ، اور اس کا بطلان ظاہر ہے کیونکہ ہم کہہ آئے ہیں کہ ما بمعنی مَن سے مراد اللہ تعالیٰ ہے اور اس پر رب کا دخول ایسا

غلط معنیٰ پیدا کرے گا کہ جس کے بطلان سے انکار جہنم کا ایندھن بننا ہوگا اور نفس اور اسے ٹھیک بنانے کا معنیٰ و تفسیر آئے گی اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا (پھر اس کی بدکاری اور اس کی پرہیزگاری دل میں ڈالی) فاء اگر تسویۃ کی سببیت کے لیے تو امر ظاہر ہے اگر تعقیب کے لیے ہے تو اس سے مراد وہ ہے جس پر الہام موقوف ہے یعنی قوائے ظاہرہ و باطنہ۔

تحقیق الالہام

الہام بمعنیٰ القاء الشیٔ فی الروح (دل میں کسی شے کا ڈالنا) وہ دو قسم ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ سے۔

۲۔ ملاءِ اعلیٰ سے۔

دراصل الہام کا معنیٰ ہے شے کا نگلنا۔

الفجور بمعنیٰ دیانت کا چھپانا۔ اس کی تقویٰ پر تقدیم فواصل کی رعایت کی وجہ سے ہے یا اس کی نفی میں شدۃ اہتمام کی وجہ سے کیونکہ فجور کے استغفار کا نام تقویٰ ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے نفس کو فجور و تقویٰ کی سمجھ دی اور ان کا حال بتلایا حسن و قبح سے اور وہ جو ان دونوں تک پہنچائے اور یہ بھی قدرت دی کہ ان میں جس کو اختیار کرے۔

ف: بعض اکابر نے فرمایا کہ الہام صرف خیر و بھلائی میں ہوتا ہے شر میں نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ فی الشر الہمنی اللہ کذا (معاذ اللہ) (برائی میں مجھے اللہ تعالیٰ نے الہام کیا)

سوال: اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا فالہمہا فجورھا (اللہ تعالیٰ نے نفس کو فجور الہام کیا)

جواب: اس الہام سے مراد یہ ہے کہ فجور سے اجتناب کرے نہ کہ اس پر عمل کرے اور تقویٰ کا الہام کیا تاکہ اس پر عمل کرے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہمیشہ تناقض سے پاک ہے۔

ف: بعض علماء نے فرمایا کہ الہام کا محل نفس ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، فالہمہا فجورھا وتقواھا۔ اس میں ہمیں اس نے خود بتایا کہ الہام میں فاعل اللہ تعالیٰ کی ہویۃ ہے نہ کوئی اور لیکن نفس کو فجور کا الہام کیا تاکہ معلوم کرے کہ اس پر عمل نہیں کرنا اور تقویٰ کا الہام کیا تاکہ اس پر عمل کرے اس سے ثابت ہوا کہ فجور میں الہام اعلام (بتانا) کا ہے نہ کہ عمل کا کیونکہ اللہ تعالیٰ فحشاء کا حکم نہیں فرماتا تو جب فحشاء کا حکم نہیں تو فجور کا الہام کیسے فرمائیگا۔ اگر (معاذ اللہ) وہ فجور کا الہام بھی کرے تو پھر بندے پر اس کی حجت کیسی، بلکہ یہ الہام وہی ہے جس کا بیان وھدینٰہ النجدین (ہم نے انسان کو دو راہ بتا دیے) میں فرمایا۔

ف : بعض علماء نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نفس کی طرف خاطر المباح کو منسوب نہیں فرمایا نہ ہی الہام کو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مباح نفس کے لیے ذاتی ہے کہ اس کی تخلیق کے ساتھ مباح بھی ظاہر ہوا تو مباح نفس صفات نفسیہ ہے جیسے نفس صرف اپنی صفات سے ہی سمجھتا ہے۔ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ خاطر المباح نفس کی نعت خاص ہے جیسے ضحک انسان کے لیے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت دلالت کرتی ہے اس پر کہ سب نفوس کی ایک حقیقت ہے اور وہ سب متحد ہیں، مختلف ہیں تو احوال و اسمائے واردات مختلف ہونے کی وجہ سے، کیونکہ نفس مطلقہ (قطع نظر اس کے ساتھ کسی حکم کے) جب وہ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کلی کرے گا تو اس کا نام مطمئنہ ہے اور جب اس کی توجہ طبیعت کی طرف ہوگی تو اس کا نام امارہ ہے اور جب کبھی تقویٰ سے حق کی طرف متوجہ ہو تو کبھی فجور سے طبیعہ بشریہ کی طرف تو لوامہ ہے۔

حدیث شریف

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جُہَینہ یا مزینہ (قبیلہ) سے کسی شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ لوگ جو عمل کر رہے ہیں اور اس میں جد و جہد کرتے ہیں یہ سب کچھ تقدیر میں لکھا جا چکا ہے؟ آپ نے فرمایا، لکھا جا چکا ہے۔ عرض کی، تو پھر عمل کا کیا فائدہ؟ آپ نے فرمایا، جسے اللہ تعالیٰ نے جس منزل (بہشت یا دوزخ) کے لیے پیدا فرمایا اس کے لیے وہ اسباب تیار کرے گا جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے آیت تلاوت کی۔

دعائے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دعا کرتے،

اللھم آت نفسی تقواھا وزکھا انت خیر	اے اللہ تعالیٰ! میرے نفس کو تقویٰ دے
من زکاھا انت ولیھا و مولاھا۔	اور اس کا تزکیہ فرما تو اس کا ولی و مولیٰ ہے۔

تفسیر عالمانہ

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (بیشک وہ مراد کو پہنچا جس نے اسے ستھرا کیا) جواب قسم ہے اور لام محذوف ہے طول کلام کی وجہ سے۔ زجاج نے کہا کلام کی طوالت لام کا عوض ہے۔ اور کشاف وغیرہ نے اسے ترک کیا کیونکہ وہ حذف کو واجب کرتا ہے اور حذف مع طول واجب نہیں اس کا جواب کذبت نہیں بنایا گیا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا قسم یاد فرمانا وعدہ و وعید یا ظفر اور مقصد کے ادراک کو مؤکد کرتا ہے وہ دو قسم ہے،

(۱) دنیوی جیسے سعادات پر کامیابی کہ جس سے زندگی اچھی بسر ہو جیسے دولتمندی، عزت، صحت، عافیت وغیرہ سے وقت بسر ہو۔

(۲) اُخروی، وہ بقا، کہ جس میں فنا نہ ہو اور غناء کہ جس میں فقر نہ ہو اور عزت ہو جس میں ذلت نہ ہو اور علم جس میں جہل نہ ہو۔ اسی لیے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، لاعیش الاعیش الآخرۃ (نہیں عیش سوائے آخرت کے عیش کے)

حلِ لغات الزکوٰۃ کا اصل معنیٰ زیادتی و نمو ہے، اسی سے زکاء الزرع ہے جب اس میں نمو کثیر حاصل ہو تو یہی کہتے ہیں، اسی سے ہے قاضی (حاکمِ وقت) کا شاہد (گواہ) کا تزکیہ، اس لیے کہ تزکیہ سے اس کی قدر و منزلت بڑھ جاتی ہے۔ زکوٰۃ کو اسی لیے زکوٰۃ کہا جاتا ہے کہ اسے نکال کر انسان سمجھتا ہے کہ میں نے حقِ الٰہی فقراء کو دے دیا تو میرے مال میں خیر و برکت ہو گی۔ اور تزکیۃ النفس بھی اسی لیے کہ اس سے خیرات و برکات کی تمنا ہوتی ہے کیونکہ یہ دونوں نفس میں موجود ہیں۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ ایسا انسان ہر مطلوب پر کامیاب ہوا اور ہر مکروہ سے نجات پا گیا انمی النفس واعلاھا بالتقویٰ سے ہے یعنی تقویٰ سے نفس کو بلند و بالا اور ظاہر اور مشہور کیا اس لیے کہ اہلِ صلاح نفس کو ظاہر کرتے اور مشہور کرتے ہیں اس سے کہ ان کے تقویٰ کے انوار ملاءِ اعلیٰ کی طرف جھکیں اور خود کو مواضع الطاعات و محافل الخیرات کا پابند کریں بخلاف اہلِ فسق کے کہ وہ خود کو چھپاتے اور مواضع خفیہ میں نفس کو دھنساتے ہیں کہ ان پر سعادت کا نشان ظاہر نہ ہو کہ جس سے وہ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں کے ہاں مشہور ہوں۔

عرب کی عادت دراصل اجواد العرب کی عادت تھی کہ وہ بلند ترین جگہوں پر اُترتے اور خوب آگ روشن کرتے رات کو آنے والے مہمانوں کے لیے، تاکہ اس طرح سے وہ زیادہ شہرت پائیں بخلاف بخیلوں اور نالائقوں کے کہ وہ پوشیدہ اور غیر معروف جگہوں پر اترتے تاکہ طلب کرنے والوں سے ان کی جگہیں مخفی ہوں اس لیے وہ خود کو چھپاتے۔ اسی لیے نیک نیکی کے لیے خود کو ظاہر کرتا اور فاجر خود کو چھپاتا ہے۔

ف: تزکیہ تطہیر کے معنیٰ میں مستعمل ہے جیسے قاموس میں ہے کہ الزکوۃ بمعنی صفوۃ الشیٔ (صاف ستھری شے) اور وہ زکوٰۃ کے لیے مال نکالا جاتا ہے تو اسی لیے کہ مال پاک اور ستھرا ہو۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ کامیاب ہوا جس نے نفس کو مخالفاتِ شرعیہ سے عقلاً و خلقاً و علاً و قولاً پاک و صاف کیا۔

ف: اللہ تعالیٰ نے تزکیۂ نفس کی ترغیب کے لیے سات قسمیں یاد فرمائیں۔

درسِ تصوف از رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس آیت کی تلاوت پر فرماتے کہ تزکیۂ نفس تزکیۂ قلب کا موجب ہے۔ جب نفس خواہشات کی ملاوٹ سے صاف ستھرا ہو جائیگا دل اسی وقت تعلق ماسوی اللہ سے صاف وشفاف ہو جائے گا ؎

تا نفس مبرا از مناہی نشود
دل آئینۂ نور الٰہی نشود

ترجمہ: جب تک نفس مناہی سے پاک نہ ہو دل نورِ الٰہی کا آئینہ نہ ہو سکے گا۔

ازالۂ وہم افعال العبد کا بتقدیر الٰہی اور اس کی تخلیق ہونا اس کے منافی نہیں کہ افعال بندے کی طرف اسناد صحیح نہیں مثلاً ضرب زید میں یہ نہیں کہا جاتا کہ ضرب اللہ حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ اس ضرب کا خالق اللہ اور کاسب بندہ ہے اسی لیے ضرب زید میں فعل ضرب کی نسبت زید کی طرف ہے کہ وہ کاسب ہے۔

رفع التناقض برائے معتزلہ امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نفس کے تزکیہ وطہارۃ سے انسان دنیا میں اوصاف محمودہ کا اور آخرت میں اجر وثواب کا مستحق ہو جاتا ہے اسی لیے انسان کوشش کرتا ہے نفس کے تزکیہ وتطہیر کے لیے، پھر تزکیہ وتطہیر وغیرہ کا اسناد کبھی عبد کی طرف ہوتا ہے تو بوجہ کسب کے، جیسے قد افلح من زکٰها، اور کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف، کیونکہ وہ حقیقی فاعل (اور خالق) ہے، جیسے فرمایا: بل اللہ یزکی من یشاء (بلکہ اللہ تعالیٰ جس کا چاہتا ہے تزکیہ کرتا ہے) اور کبھی اس کا اسناد شے کی طرف ہوتا ہے کیونکہ وہ شے وسیلہ وواسطہ ہے وصول کا' جیسے فرمایا: خذ من اموالہم صدقۃ تطہرہم وتزکیہم (ان سے ان کے اموال صدقہ کے طور لو جو وہ ان کی تطہیر وتزکیہ کرینگے) اور کبھی اس کا اسناد عبادت کی طرف ہوتا ہے اس لیے کہ وہ اس میں آلہ کی طرح ہے جیسے فرمایا: وحنانا من لدنا وزکاۃ (ہماری طرف سے شفقت اور صفائی)

تفسیر عالمانہ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا (اور نامراد ہوا جس نے اسے معصیت میں چھپایا)

حل لغات: القاموس میں ہے: خاب یخیب خیبۃ حرم وخسر وکفر ولم ینل ما طلب (محروم ہو گیا، گھاٹا پایا، کافر ہوا، مطلوب کو نہ پہنچا) دسّی دراصل دسّس تھا تقضّی البازی کی طرح کہ دراصل تقضّض تھا از تدسیس بمعنی اخفاء، دسّ کا مبالغہ ہے چونکہ ایک قسم کے حروف کا اجتماع ہو گیا ہے اور وہ ثقل کا موجب ہے اسی لیے آخری سین کو یاء سے تبدیل کیا گیا۔

امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ الدس ایک طرح کے اکراہ واجبار سے ایک شے کو دوسری شے میں اخل کرنا، دستاھا یعنی اس نفس کو معاصی میں داخل کیا، بیشک گھاٹا پایا جس نے اسے فجور اور اسے شتبہات طبیعیہ میں چھپایا۔

فسیر صوفیانہ

میرے شیخ و مرشد قدس سرہٗ نے فرمایا کہ نفس سے یہاں (ونفس وما سوّاھا میں) ذات اور حقیقت جمعیہ انسانیہ کمالیہ جو صورۃ الٰہیہ جمعیہ کمالیہ پر یدا کی گئی ہے مراد ہے، جیسے وارد ہے۔

خلق اللہ آدم علی صورتہ۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔

راسے نفس ناطقہ اور بدن کے لیے مدبرہ کہا جاتا ہے۔ وما سوّاھا سے مراد یہ ہے کہ نفس مستویہ و قابلہ بنایا کہ تعینات کمال وجلال وجمال کی تجلیات کی جلوہ گاہ ہو اور اسے متوسطہ ممکنہ بنا دیا تاکہ ذات وصفات و عال کے ظہورات کا مظہر ہو اور اسے معتدلہ صالحہ بنایا تاکہ آثار اسماء و مراتب و احوال کے مشاہدات کا شہد ہو اسی قابلیت جامعہ مابین قبضتین یعنی جمال وجلال کی وجہ سے انسان ہر موجود سے اتم ہے فالھمہا ی پھر اس پر افاضہ فرمایا بوساطۃ جلال کے خدام سے فجورھا یعنی اس کے فجور کا یعنی آثار جلال جو ندرج ہیں اس کی حقیقت برزخیہ کی جمعیۃ میں اور اس کے احکام و احوال بھی یعنی عقائد وعلوم و اعمال و مذاہب ر وہ امور جو اس میں مائل کراتے ہیں حق سے باطل کی طرف، پھر اسے اس خسران کی سزا دی جائے گی و تقواھا ر اس پر افاضہ فرمائے جمال کے کارندوں سے جمال کے آثار و احکام و امور یعنی توحید علمی رسمی جو شرک و کفر و ہوائے ی اور تمام فساد جو مرتبہ شریعت وطریقت میں پیدا ہوتے ہیں کے منافی ہیں اور کلمۂ توحید عینی حقیقی جو شرک و فرو ہو اخفی ایسے دیگر خرابیاں جو مرتبۂ معرفت وحقیقت وغیرہا میں ہوتی ہیں، جیسے علوم و معارف و محاسن عال و احوال و مکارم اخلاق و صفات سے زائل کرتی ہیں قد افلح فلاح میں داخل ہوا تمام مراتب میں رۃ وحقیقۃً من زکاھا جو اسے پاک کرے آثار جلال کے رذائل سے جمیع اطوار میں وقد خاب لاح سے محروم ہوا من دسّاھا جس نے اس میں چھپائے آثار جلالیہ وصفات نفسانیہ اور اس میں چھپائے ب و قبائح شیطانیہ و اہواء و شہوات بہیمیہ اور اعمال و اخلاق ردئیہ اور اس کا اس کی اضداد سے اج نہ کیا بلکہ اسے مرتبہ شریعت میں تقوٰی و صلاح کی تربیت سے اور مرتبۂ طریقت میں مجاہدہ و اصلاح تزکیہ سے بیکار رکھا بلکہ الٹا اس کا نیات ومقصود و اعمال و اقوال کی شہوات و ہوا میں اس کی موافقت یہاں تک کہ اس کی تمام حرکات و سکنات خواہشات نفسانی بن گئیں۔ میرے (صاحب روح البیان کے) کی یہ تفسیر (آیت ہٰذا کی) نصف جز کے قریب ہے۔ ہم نے بطریق اختصار چند جملے لکھے ہیں۔

تفسیر عالمانہ

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ ثمود (قبیلے) نے تکذیب کی بِطَغْوٰهَآ (اپنی سرکشی سے) یہ جو مستانفہ ہے وقد خاب من دسّٰهَا کے مضمون کی تقریر ہے، اسی لیے کہ طغیان انواع تدسیسیہ سے عظیم تر نوع ہے۔

حل لغات

الطغوی (بالفتح) طغیان کا مصدر ہے چونکہ رؤوس الآیات اسی وزن کے ساتھ آ رہے تھے اسی لیے طغیان کی بجائے طغوٰی فرمایا (معنیٰ کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں)

الکشف میں ہے کہ الطغوی الطغیان سے ہے صفت و اسم کے درمیان فرق کے لیے طغوٰی اور طغیان میں یاء ہے یعنی اسم میں یاء کو واوٗ سے تبدیل کیا گیا اور صفت میں تبدیل نہیں کیا گیا۔ مثلاً کہا جاتا ہے امرأۃ خزیا وصدیا من الخزی (بالفتح والقصر) بمعنی الاسحیاء اور از الصدی بمعنی العطش (پیاس) یعنی عورت حیاء والی اور پیاسی۔ باء سببیہ ہے۔ یعنی ثمود نے جھٹلایا بسبب طغیان کے جیسے کہا جاتا ہے ظلمنی بجرأته علی اللہ (مجھ پر ظلم کیا اللہ تعالیٰ پر جرأت کے سبب سے) فعل بمنزلہ فعل لازم کے ہے اور اس میں مفعول مقدر بھی نہیں یہی مشہور ہے یا در اصل کذبت ثمود بینہا صالحا علیہ السلام الخ یعنی ثمود نے اپنے نبی صالح علیہ السلام کو جھٹلایا مفعول مقدر ہے کہ وہ سب کو معلوم ہے (یعنی صالح علیہ السلام)

تفسیر صوفیانہ

اس میں اشارہ ہے کہ جب عصیان کی شدت ہو تو وہ کفر بن جاتا ہے اور جائز ہے کہ باء تکذیب کا صلہ ہو یعنی جھٹلایا ثمود نے اُسے کہ جس سے انہیں ڈرایا گیا یعنی عذاب کو وہ صاحب طغوٰی اور تجاوز از حد تھا یعنی چنگھاڑ، جیسے دوسری جگہ پر فرمایا فاهلکوا بالطاغية یعنی طاغیہ سے ہلاک کیے گئے، یعنی ایسی آواز سے جو حد سے متجاوز تھی۔

تفسیر عالمانہ

اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰهَا (جب اس کا سب سے زیادہ بدبخت اٹھ کھڑا ہوا) یہ کذبت یا طغوٰی سے منصوب ہے یعنی اُٹھ کھڑا ہوا ثمود کی قوم سے سب سے زیادہ بدبخت یعنی قدار بن سالف اس کے حکم کی تعمیل میں جس نے اسے اس کام کے لیے مقرر کیا اس لیے کہ انبعث بعث کے مطاوع ہو کر آتا ہے۔ کہا جاتا ہے، بعث فلان فانبعث له اس نے اسے کھڑا کیا تو وہ اس کے لیے کھڑا ہوا اور اس کے حکم کی تعمیل کی۔

حل لغات

کشف الاسرار میں ہے کہ انبعاث بمعنی باعث (آمر) کی طاعت میں جلدی کرنا یا جب قدار کھڑا ہوا اور اس کے ساتھ لگا تا کہ اشقیاء اونٹنی کو ذبح کریں اس لیے کہ افعل التفضیل جب مضاف ہو تو واحد و متعدد کی صلاحیت رکھتا ہے اور مذکر و مؤنث کی بھی۔ پہلے

قاعدہ پر دلیل سورۃ القمر کی آیت ہے فنادوا صاحبھم فتعاطی فعقر (پس پکارا اپنے ساتھی کو تو اس کی کوچیں کاٹنے لگے) یہ دلالت کرتا ہے کہ کوچیں کاٹنے والا ایک معین شخص تھا اور اس کی شقاوت دوسروں سے زیادہ تھی اگرچہ وہ شامل نہ ہوں تب بھی وہ اس شقاوت میں مشترک ہیں کیونکہ وہ اس پر راضی تھے۔

فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ تو انہیں اللہ تعالیٰ کے رسول نے فرمایا، ثمود کو، جب معلوم کیا کہ ان کا عزم بُرا ہے۔ اس سے مراد صالح علیہ السلام بن عبید بن جابر بن ثمود بن عوص بن ارم ہیں۔ یہ اضافت عہد کی ہے کہ رسول کے لفظ میں انتباہ ہے کہ ثمود پر ان کی طاعت ضروری تھی اور بیان ہے ان کی انتہائی سرکشی اور حد سے تجاوز فی الطغیان کا۔ **نَاقَةَ اللّٰهِ** اللہ کی اونٹنی۔ تحذیر پر منصوب ہے اگرچہ ان صورتوں میں سے نہیں جہاں عامل کا حذف کرنا واجب ہے ناقۃ (اونٹنی) اضافہ تشریفی ہے، جیسے بیت اللہ (محمد نور اللہ، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔ یعنی اونٹنی کو چھوڑو کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے کمال قدرت اور میری نبوت کی دلیل ہے اس کی کوچیں نہ کاٹو۔ **وَسُقْيٰهَا** (اور اس کے پانی پینے کو) اس کا حصہ، اسے اس کی باری سے نہ ہٹاؤ، کیونکہ اس کی باری پانی پینے کی سب کو معلوم ہے اور ان کی بھی باری مقرر تھی اور ان کے جانوروں کے لیے بھی، لیکن اس کی وجہ سے اپنے جانوروں کے لیے پانی کی وجہ سے تنگ تھے اسی لیے ارادہ کیا کہ اسے قتل کر ڈالیں **فَكَذَّبُوْهُ** پھر انہوں نے اسے جھٹلایا اس کی وعید میں کہ فرمایا: ولا تمسوھا بسوء فیأخذکم عذاب قریب (اُسے برائی سے نہ چھوؤ تمہیں قریب کا عذاب پکڑے گا) **فَعَقَرُوْهَا** تو اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں، سب سے بڑے بدبخت نے۔ جمع کا صیغہ بوجہ ان کی رضا کے ہے کہ اُس نے جو کیا تھا خوب کیا، حالانکہ صیغہ واحد ہونا چاہیے تھا (کیونکہ کونچیں کاٹنے والا ایک تھا یعنی قدار بن سالف)

ف : امام سہل علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ کاٹنے والی ایک جماعت تھی یعنی قدار بن سالف اس کی ماں قدیرہ اس کا ایک ساتھی جس کا نام مصدع بن دہر او ابن جہم تھا جس نے اونٹنی کے قتل میں اس کی مدد کی۔

حلِ لغات : العقر بمعنی النحر (ذبح کرنا) تکذیب کی تقدم عقر پر اس لیے کہ وہی عقر کا سبب تھا۔

قاتلِ علی رضی اللہ عنہ

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یا علی اتدری من اشقی الاولین (اے علی! کیا تمہیں معلوم ہے کہ اولین میں سب سے بڑا بدبخت کون تھا؟)

عرض کی: اللہ ورسولہ اعلم (اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

ہی جانتے ہیں)

فرمایا : عاقرالناقة (جس نے (حضرت صالح علیہ السلام) کی ناقہ کی کونچیں کاٹیں ،

پھر فرمایا :

اندری من اشقی الآخرین ۔ (کیا تم جانتے ہو کہ آخر میں سب سے بڑا بدبخت کون ہے)

عرض کی : اللہ ورسولہ اعلم (اللہ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خوب جانتے ہیں)

فرمایا : قاتلك (تمہارا قاتل)

(یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ما فی الغد ہے کہ قبل از وقت جیسے آپ نے فرمایا ویسے ہی ہوا)

تفسیر صوفیانہ

اس میں ناقہ روح کی طرف اشارہ ہے کہ اسے ظلماتِ نفسانیہ وشہواتِ حیوانیہ سے نفس کا قتل کرنا اس کی سب سے بڑی بدبختی ہے ۔ اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت بھی قاتل کی سب سے بڑی بدبختی ہے کہ اس نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو شہید کیا کہ آپ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانیت کے مظہر تھے اور مقامِ حقیقت میں آپ ہی سب سے بڑے وارث تھے (یہ جزوی فضیلت انہیں سیدنا ابوبکر وعمر وعثمان سے افضل نہیں بناتی ، فافہم ولاتکن من الرفضہ) اور علی الولی رضی اللہ عنہ کی طرف قصد محمد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف قصد کرنا ہے ، اس سے بڑھ کر اور کوئی بدبخت نہ ہوگا جو مظہر رحمۃ کلیہ کا غضب وانتقام سے مقابلہ کرے ۔

تفسیر عالمانہ

فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ ان پر عذاب کامل چھا گیا یعنی چنگھاڑ ۔

حلِ لغات : یہ تکرار کے قبیل سے ہے کہا جاتا ہے ، ناقة مدمومة وہ اونٹنی جسے چربی سے طلاء کیا جائے اسے ایسے گھیرا جائے کہ کوئی ایسی جگہ نہ رہ جائے کہ جس پر طلاء نہ ہو دم الشیٔ کا مطلب ہے کہ اسے کالے تیل سے لیپ دیا ۔ اور کہا جاتا ہے دممت علی القبر میں نے قبر پر مکمل طور پر لیپ کر دیا ۔ دال مکرر لائی گئی احاطہ میں مبالغہ کے لیے ۔ دمدمة دمدم سے ہے ، جیسے کبکبۃ از کب ہے ۔

کشف الاسرار میں ہے کہ اہلِ عرب کہتے ہیں دممت علی فلان ۔ پھر مبالغہ کر کے بولتے ہیں دمّمت (بالتشدید) پھر اس کا اور مبالغہ کرتے ہیں کہ دمدمت بہ ترکیب غشیان الشیٔ الشیٔ (شے کو دوسری شے سے ڈھانپنا) سے ہے ۔

بِذَنْبِهِمْ ان کے گناہوں کے سبب سے جو مذکور ہوا اور تصریح ہو چکی اور اس پر فاء بھی دلیل ہے کہ ان کے گناہوں پر برے انجام سے ڈرایا گیا ہے تاکہ وہ اپنے تمام گناہوں سے عبرت پکڑیں ۔

فَسَوّٰىهَا (پھر اسے برابر کر دیا) ہا، دمدمۃ کی طرف راجع ہے۔ یعنی ان سب کو ہلاک و تباہ کر دیا کوئی نہ بچا، نہ چھوٹا نہ بڑا، یعنی ثمود کو زمین کے برابر کر دیا۔ مروی ہے کہ جب قوم ثمود نے عذاب کے آثار دیکھے تو ارادہ کیا کہ انہیں شہید کر ڈالیں لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں نجات دی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ ہود میں فرمایا:

فلما جاء امرنا نجینا صالحا والذین امنوا	جب ہمارا امر آیا تو ہم نے صالح علیہ السلام
معه برحمة منا۔	اور اہلِ ایمان کو اپنی رحمت سے نجات دی۔

وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا (اور اس کے انجام سے نہیں ڈرتا) واوٴ استئنافیہ ہے یا حالیہ ہے منوی سے جو سوّاھا میں ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے یعنی اسے اللہ تعالیٰ نے برابر کیا وہ دمدمہ کی عاقبت سے خائف نہ تھا اور نہ ہی اس کی تباہی اور ثمود کی عاقبت سے، جیسے دوسرے عذاب دینے والوں کو دوسرے بادشاہوں اور امراء کا خوف ہوتا ہے اسی لیے کچھ رحم کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ (جو کچھ کرتا ہے حق کرتا ہے اسے عاقبت کا کیا خوف اور اس کے انجام کا کیا خطرہ۔

ف: بعض نے اس سے قدار اور اس کے ساتھی مراد لیے ہیں کہ انہیں باوجودیکہ صالح علیہ السلام نے عذاب کی خبر دی لیکن انہیں اس کا خطرہ محسوس نہ ہوا کہ اونٹنی کے قتل کے بعد ان کا کیا انجام ہوگا اور کن مصائب اور بلاؤں اور عذاب میں وہ گھر جائیں گے۔

(صاحب روح البیان رحمہ اللہ نے فرمایا) تفسیر سورۃ الشمس ربیع الآخر ۱۱۱۷ھ میں مکمل ہوئی۔

فقیر اویسی غفرلہٗ ترجمہ تفسیر سورۃ الشمس سے ۲۱ رجب المکرم ۱۴۰۹ھ / ۲۸ فروری ۱۹۸۹ء بروز منگل فارغ ہوا۔ الحمد للہ علی ذلک۔

سُوْرَةُ الَّيْلِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اٰيَاتُهَا ۲۱ رُكُوْعُهَا ۱
سورۃ الیل مکیہ ہے اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا اس میں اکیس آیتیں ہیں

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۝۱ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۝۲ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰۤى ۝۳
اور رات کی قسم جب چھائے اور دن کی جب چمکے اور اس کی جس نے نر و مادہ بنائے

اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ۝۴ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝۵ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝۶
بے شک تمہاری کوشش مختلف ہے تو وہ جس نے دیا اور پرہیزگاری کی اور سب سے اچھی کو سچ مانا

فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝۷ وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۝۸ وَكَذَّبَ
تو بہت جلد ہم اُسے آسانی مہیا کر دیں گے اور وہ جس نے بخل کیا اور بے پروا بنا اور سب سے

بِالْحُسْنٰى ۝۹ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۝۱۰ وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰى ۝۱۱ اِنَّ
اچھی کو جھٹلایا تو بہت جلد ہم اسے دشواری مہیا کر دیں گے اور اس کا مال اُسے کام نہ آئے گا جب ہلاکت میں پڑے گا بیشک

عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ۝۱۲ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ۝۱۳ فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ۝۱۴
ہدایت فرمانا ہمارے ذمہ ہے اور بیشک آخرت اور دنیا دونوں کے ہمیں مالک ہیں تو میں تمہیں ڈراتا ہوں اس آگ سے جو بھڑک رہی ہے

لَا يَصْلٰىهَاۤ اِلَّا الْاَشْقٰى ۝۱۵ الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝۱۶ وَسَيُجَنَّبُهَا
نہ جائے گا اس میں مگر بڑا بدبخت جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا اور بہت اس سے دُور رکھا جائے گا جو سب سے

الْاَتْقٰى ۝۱۷ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۝۱۸ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ
بڑا پرہیزگار جو اپنا مال دیتا ہے کہ ستھرا ہو اور کسی کا اس پر کچھ احسان نہیں جس کا بدلہ دیا

تُجْزٰۤى ۝۱۹ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۝۲۰ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ۝۲۱
جائے صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے جو سب سے بلند ہے اور بیشک قریب ہے کہ وہ راضی ہوگا

سورۃ الیل مکیہ ہے اس کی اکیس آیات ہیں۔ بعض نے کہا یہ مکی و مدنی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا)

تفسیر عالمانہ

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى (اور رات کی قسم جب چھا جائے) اِذَا حال کے لیے ہے اس لیے کہ قسم کے بعد ہے جیسے سورۃ سابقہ میں گزرا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے رات کی قسم یاد فرمائی کہ وہ سورج کو ڈھانپتی ہے مفعول کا عدم ذکر اس سے علم کی وجہ سے ہے۔ یا نہار کو، یا ہر اس کو جو اس کی ظلمت

میں چھپ جاتا ہے۔

مسئلہ: شرع میں مابین غروب شمس وطلوع الفجر الصادق کا نام رات ہے۔ یہاں شاید یہی مراد ہے کہ اس کے بالمقابل نہار ہے۔

شب کے فضائل کشف الاسرار میں ہے کہ رات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرتبہ وشرف حاصل ہے کہ اسے قسم کا محل بنایا۔ اور یہ شرف اس لیے ہے کہ دوستانِ خدا رات کو ہی مناجات میں مشغول ہوتے ہیں اور تمام رات شرابِ صفا پیتے رہتے ہیں اور خلعتِ رضا پہنتے ہیں اور عتاب محبوب سنتے ہیں جب سحر ہوتی ہے فرمان ہوتا ہے کہ اس قبہ فیروزی کے دروازے کھول دو اور عرش مجید کے پردوں کے دامن چھوڑ دو اس پر بارگاہِ حق کے مقرب خاموش ہو جاتے ہیں کیونکہ جبار کائنات اپنی کبریائی اور بلندی سے خطاب فرمایا کہ ہر محبوب محبوب کے ساتھ ہوتا ہے میرے احبار کہاں ہیں ؎

اللیل داج والعصاۃ نیام
والعابدون لذی الجلال قیام

ترجمہ: رات آئی اور گنہگار سو گئے لیکن عابد لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں قائم ہو جاتے ہیں۔

وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّىٰ (اور قسم دن کی جب چمکے) ظلمۃ اللیل کے زوال پر ظاہر ہوا کہ اس سے پہلے سورج چھپا ہوا تھا فاصلتین کا اختلاف آنے جانے کی وجہ سے ہے، جیسے ہم نے سورۂ سابقہ میں بیان کیا۔

تفسیر صوفیانہ (۱) اس میں اشارہ ہے غیب ہویہ مطلقہ کی قسم کی طرف جو تعینات اعتباریہ کے دن کو ڈھانپتا ہے اہلِ ذوق وشہود پر اور قسم ہے نور نہار وجودات مقیدہ کی جب جلوہ گر ہوتا ہے بسبب تعینات عقلیہ کے ساتھ نسبت کے طرف اہلِ حجاب واحتجاب کے۔

(۲) حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قسم ظلمت نفس کی رات کی جب وہ نور روح کو چھپاتا ہے جب جلوہ گر ہوتا اور ظاہر ہوتا ہے ان دونوں کے اجتماع سے وجود قلب کا جو عرش رحمٰن ہے کیونکہ قلب کا جوہر یہ دونوں کے اجتماع سے رُوح کی طرف ظاہر ہوتا ہے اس کا نام فؤاد ہے یہی معارف وحقائق حاصل کرتا ہے۔ اور قلب کا دوسرا رُخ نفس کی طرف ہے اس کا نام صدر (سینہ) ہے اس سے وہ پوشیدہ باتیں ملحوظ کرتا ہے اور اسی میں معانی متشکل ہوتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ (اور قسم ہے اس کی جس نے نر و مادہ پیدا کیا) ما عالم کی صفت ہے جیسے وما بناھا میں چونکہ اس میں بہت زیادہ ابہام ہے اسی لیے ایسے وصف میں استعمال ہوتا ہے جس میں قوت وکمال کا انتہائی درجہ ہو کر کوئی بھی اس کی

کُنہہ تک نہ پہنچ سکے اور نہ ہی وہاں عقل کی رسائی ہو کہ اس کا ادراک کر سکے کیونکہ ملکن کا ادراک امر عام سے صادق ہے ورنہ حقیقت تک پہنچنے کا کوئی امکان نہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ دونوں استغراق کے لیے ہوں، یعنی قسم ہے قادر عظیم القدرۃ کی جس نے دونوں صنف نر و مادہ پیدا کیے دونوں سے توالد کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اس سے بغل و بغلہ خارج ہو گئے (کیونکہ ان سے توالد جانبین سے نہیں) بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ذوی الارواح کی کوئی مخلوق پیدا نہیں فرمائی جس میں نر و مادہ نہ ہو اگرچہ اس سے خنثیٰ کے لیے اشکال ہے لیکن وہ صرف ہمارے لیے ہے ورنہ اس کے لیے مشکل نہیں کہ اس کے ہاں وہ نر ہے یا مادہ۔

مسئلہ : اگر کوئی قسم کھائے کہ آج نہ کسی مرد سے ملوں گا نہ عورت سے، اندریں اثنا خنثیٰ مشکل کو ملا تو حانث ہو جائیگا کیونکہ درحقیقت مرد ہے یا عورت ہے اگرچہ ہمارے نزدیک خنثیٰ مشکل ہے کما فی الکشاف بعض نے آیت میں الذکر والانثیٰ سے آدم و حوا علیہما السلام مراد ہیں اس وقت لام عہد کی ہو گی، جیسے فرمایا :

یاایہا الناس انا خلقنکم من ذکر وانثیٰ۔	اے لوگو! ہم نے تمہیں پیدا کیا نر و مادہ سے۔

قرأۃ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہٗ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والذکر والانثیٰ پڑھتے تھے۔ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم ملک شام میں آئے تو ہمارے ہاں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور فرمایا تم میں کوئی ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت کے مطابق پڑھتا ہو میں نے کہا میں پڑھ سکتا ہوں، فرمایا یہ آیت کیسے ہے میں کہا والذکر والانثیٰ فرمایا بخدا میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایسے سنا کرتا تھا لوگوں کا خیال تھا کہ میں بھی وما خلق الذکر والانثیٰ پڑھوں لیکن میں ان کی اتباع نہیں کرتا۔

تفسیر صوفیانہ

اس میں اشارہ ہے کہ ذکر روح اور انثیٰ نفس ہے ان کے اجتماع سے قلب پیدا ہوا۔

ف : بعض عارفین نے فرمایا کہ لیل نر نہار مادہ ہے، جیسے سورۃ النازعات میں گزرا۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّ سَعۡیَکُمۡ لَشَتّٰی (بیشک تمہاری کوشش مختلف ہے) جواب قسم ہے مصدر بمعنی جمع ہے قاعدہ سب کو معلوم ہے کہ مصدر مضاف سے عموم ہوتا ہے اسی لیے اس کی خبر صیغۂ جمع ہے۔

حل لغات

شتّٰی شتیت کی جمع ہے جیسے مرضیٰ، مریض یعنی متفرق و مختلف۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ تمہاری مساعی یعنی اعمال مختلفہ بوجہ اختلافات استعدادات ازلیہ کے ہے بعض حسن، نافع، خیر،

صالح اور بعض قبیح ، ضار ، شر ، فاسد ہوتی ہیں ۔

حدیث شریف میں ہے :

الناس غادیان فمبتاع نفسه فمعتقها او بائع نفسه فموبقها۔

(لوگ دو قسم کے ہوتے ہیں :

(۱) اپنے نفس کو خریدنے والے اور آزاد کرنے والے ۔

(۲) بیچنے والے بہتر آزاد کرنے والے ہیں)

تفسیرِ صوفیانہ

حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہاری مساعی مختلف ہیں غلبۂ نور یہ سے جانب روح کی طرف انجذاب اور توجہ الی الخیر کی وجہ سے (بعض کا) اور غلبۂ ظلمت سے جانب نفس کی طرف اور شر میں انہماک کی وجہ سے (بعض کا) ۔

ف : بعض نے کہا اس آیت کا باطل یہ ہے کہ اپنی سعی کو عطیۂ حق سمجھے کہ اسی طرح ہُوا تکوین و تخلیق سے پہلے ۔ جیسے فرمایا :

نحن قسمنا بینهم ۔ (ہم نے ہی ان کے درمیان تقسیم فرمائی)

مراتبِ سعی

سعی کے کئی مراتب ہیں سلطان سے متصلین کے مراتب کی طرح کہ اس کے کوئی ندیم ہوتے ہیں کوئی جلیس (ہم نشین) اور کوئی اصحاب الاسرار (ہمراز) ہوتے ہیں ، ایسے بندگانِ خدا کا حال ہے کہ کئی نفوس سے سعی کرتے طلبِ درجات کے لیے ، کوئی عقول سے طلبِ کرامات کے لیے ، کوئی قلوب سے طلبِ مشاہدات کے لئے ، کوئی ارواح سے طلبِ مدارات کے لیے ، کوئی اسرار سے انوار اللذات میں فناء و انوار الصفات میں بقاء کے لیے ، کوئی ارادہ و محبت و شوق و عشق و معرفۃ سے وغیرہ ۔

تفسیرِ عالمانہ

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی (اور وہ جس نے دیا اور پرہیزگاری کی) ان مساعی شتّٰی کی تفصیل ہے اور ان کے احکام کا بیان ہے کہ جس نے مال کے حقوق ادا کئے اور محارم الٰہی سے رکا منجملہ ان کے منّ (احسان جتلانا) اور اذٰی (اذیت دینا) ہے وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی (اور سب سے اچھی کو سچ مانا) یعنی اچھی خصلت کو اس سے ملۃ الاسلام یا ثواب اچھا مراد ہے یعنی جنت کو یا ایمان یا کلمۂ حسنٰی یعنی کلمۂ توحید یا اچھی ملت یعنی اسلام ۔ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی (تو بہت جلد ہم اُسے آسانی مہیا کریں گے)

حلِ لغات

التیسیر بمعنی مہیا کرنا ، نہ وہ جو تعسیر کے بالمقابل ہے اسی سے ہے ، کل میسر لما خلق له (اسے وہ سب کچھ دیا جاتا ہے جس کے لیے وہ پیدا ہوا ہے) اب وہ ضرورت

ہی نہیں کہ کہا جائے کہ عُسریٰ کی مشاکلت پر یُسریٰ لایا گیا ہے جزاء سیئۃ الخ یا فبشرھم بعذاب الیم کی طرح۔ کہا جاتا ہے :

یسر الفرس للرکوب (گھوڑا سواری کے لیے مہیا کیا)

جب اسے زین اور لگام وغیرہ سے تیار کر کے کسی کو دیا جائے۔ یُسریٰ الیسر کی تانیث ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ہم اسے تیار کر دیں گے اور توفیق دینگے اس اچھی خصلت کے لیے جو اُسے آسانی و راحت دے، جیسے بہشت میں داخلہ اور اس کے مبادی، یعنی ایسے اعمال صالحہ کی توفیق جو اسے بہشت میں لے جائیں۔

نکتہ خصلت کو یُسریٰ سے موصوف کرنا مجاز باعتبار اس کے ہے کہ وہ یُسریٰ تک پہنچاتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ جس نے نفس کو طاعات سے پاک کیا اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کے لیے، اور اعراض از دنیا سے اور پرہیزگاری کی عین اسی طاعت میں اسے اپنی طرف منسوب کرنے سے اور اپنے باطن کو کلمۂ حُسنیٰ سے سچا بنایا تو ہم اسے اچھی خصلت کی توفیق دیں گے یعنی اپنے حضور اور اپنے بڑے لٹکے ہُوئے پردوں تک پہنچنے کے لیے۔

تفسیر عالمانہ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ (اور وہ جس نے بخل کیا) اپنے مال سے اور اسے کار خیر میں خرچ کیا۔ البخل یعنی وہ مال روکنا جسے روکنے کا کوئی حق نہیں اس کے بالمقابل جُود ہے وَاسْتَغْنٰى (اور بے پروا بنا) اس سے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے یعنی اس میں رغبت نہ کی، گویا وہ اس سے بے پروا ہے، اسی لیے پرہیزگاری نہ کی یا بے پروا ہوا شہواتِ دنیا میں منہمک ہوکر آخرت کی نعمتوں سے اسی لیے پرہیزگاری نہ کی بہرحال بے پروائی عدم اتقار کے پیچھے ہے اس اتقار کے جو پہلی آیت میں ہے اس معنیٰ پر ان دونوں کے درمیان تقابل حاصل ہو گیا وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى (اور سب سے اچھی کو جھٹلایا) اچھی خصلت مراد ہے اس کی تفصیل پہلے گزری ہے فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى (تو بہت جلد ہم اس کے لیے دشواری مہیا کریں گے) وہ خصلت و عادت جو اسے دشواری و شدّت تک پہنچا دے یعنی دخولِ نار اور اس کے مقدمات اس کے اپنے اختیار پر۔

نکتہ دونوں قسموں کو پہلے بیان کیا گیا حالانکہ آنے والی قسمیں ان سے مرتبہ میں بڑھ کر ہیں صرف تیسیر للیسریٰ اور تیسر للعسریٰ کی وجہ سے تاکہ تنبیہ ہو کہ یہ دونوں اپنے طور اصل اصیل ہیں کی تصدیق و تقویٰ و تکذیب و استغنار کا تتمہ نہیں۔

ف : ظاہر یہ ہے کہ سین اس جزار کی دلالت کے لیے ہے جو طاعت و معصیت میں کسی کو ملے گی اور وہ

آخرت میں ہوگی کہ یہ امر متراخی منتظر (انتظار کردہ) ہے اسی لیے اس پر سین داخل ہے اور یہ تراخی کا حرف ہے تاکہ دلیل ہو کہ سودا ادھار کا ہے نقد نہیں (کذا فی التفاسیر)۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ جس نے طاعت وعبادات روحیہ وسریہ قلبیہ میں بخل کیا اور ہماری طرف متوجہ ہونے سے بے پروا ہوا اور اس حسنیٰ کی تکذیب کی جو ہم نے اسے عطا کی سلامتی، اعضاء وجوارح اور جاہ ومال تو بہت جلد ہم اس کے لیے دشواری مہیا کریں گے اپنے سے بُعد اور طرد ولعن اور نارِ حجاب کے دخول سے۔

تفسیر عالمانہ وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ (اور اس کا مال اسے کام نہ آئے گا) عذاب سے بچانے میں۔ یہاں مفعول محذوف ہے یعنی کون سی شے مال میں سے جس کے لیے بخل کرتا ہے کچھ کام نہ آئے گی ما یغنی کا مفعول اور استفہام انکار کا ہے اِذَا تَرَدّٰی جب ہلاک ہوگا اور مر جائے گا۔

حلِ لغات تردّٰی از ردٰی بمعنی ہلاکت، مبالغہ کے لیے ہے ردٰی ہمچوں عصا بمعنی الہلاک۔ امام راغب علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ الردی بمعنی الہلاک، اور التردی بمعنی تعرض للہلاک (ہلاک کے درپے ہونا) یا تردی بمعنی گڑھے میں گرا، یعنی قبر داخل ہوا یا جہنم کے گڑھے میں گرا۔

مسئلہ: وہ مال جس سے انسان آخرت میں بوقتِ حاجت نفع پائیگا وہ ہے جس کے حقوق ادا کئے ہونگے اور آگے بھیجا نہ وہ جس میں بخل کر کے وارثین کے لیے چھوڑا۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ جب ہلاک ہوا ہماری مخالفت اور طبیعۃ بشریہ کی موافقت میں تو پھر ہمارے غضب وقہر سے اسے کون چھڑائے گا جب ہم بصورۃ القہر والنقمہ جلوہ گر ہوئے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى (بیشک ہدایت فرمانا ہمارے ذمہ ہے) جملہ مستانفہ ماقبل کی تقریر کرتا ہے یعنی بیشک ہماری قضائے بموجب جو مبنی بر حکم بالغہ ہے باعتبار اس کے کہ ہم نے مخلوق کو عبادت کے لیے پیدا فرمایا تو ہم انھیں ہدایت کا راستہ اور وہ راستہ جو گمراہی تک پہنچائے بیان کریں اور یہ ہم کرچکے اس سے بڑھ کر اور کچھ نہ ہوگا کیونکہ ترغیب وترہیب سنائی ہے اس کے حال کی جو ان دونوں راہوں پر چلے۔

ردِ معتزلہ اس سے معلوم ہوا کہ ہدایت کا معنیٰ ہے وہ دلالت اس راہ کی جو مقصد تک پہنچائے نہ وہ دلالت جو خود مقصد تک یقیناً پہنچائے اسی لیے آیت کے ظاہر سے یہ نہ سمجھا جائے کہ لفظ علیٰ سے

ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بہتر راہ کی راہبری واجب ہے۔ جیسا کہ معتزلہ کا مذہب ہے۔ بلکہ یہاں علیٰ اپنے معنی پر سہی لیکن مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے مقتضا اور موجب قضا کے اصول پر اس کے ذمہ کرم ہے (نہ کہ وجوب معروف)

تفسیر صوفیانہ

حضرت قاشانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہمارے ذمہ کرم ہے کہ ہم تمہارے عقل کے نور و حس و ادلۂ عقلیہ و سمعیہ کو جمع کر کے اور استدلال و استبصار پر قدرت دے کر اپنی طرف راہ دکھائیں۔

تفسیر عالمانہ

وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى (اور بیشک دنیا و آخرت کے ہمیں مالک ہیں) دونوں میں تصرفِ کُلّی ہمیں ہے افعال میں، جیسے ہم چاہیں منجملہ ان کے ایک یہی ہے یسرٰی کے لیے آسانی اور عسرٰی کے لیے دشواری مہیا کرنا فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى (تو میں تمہیں اس آگ سے ڈراتا ہوں جو بھڑک رہی ہے) ایک تار حذف کی گئی ہے کہ دراصل تتلظّٰی تھا بمعنی تتلہب بھڑک رہی ہے نار مؤنث ہے اور تلظّٰی اس کی صفت ہے اگر ماضی ہوتی تو تلظّت ہوتا۔ علاوہ ازیں اس وصف سے بالفعل بالاستمرار بھڑکنا مراد ہے۔

ف : بعض تفاسیر میں ہے کہ انذرتکم میں انشاء الانذار مراد ہے بعت و اشتریت کی طرح۔ یا اخبار ہے تو اس سے انذار سابق مراد ہے سورۃ المدثر کی طرح فرمایا:

ساصلیه سقر وما ادراک ما سقر	عنقریب انہیں سقر میں داخل کرینگے تمہیں کیا معلوم
لا تبقی ولا تذر لواحة البشر۔	سقر کیا ہے نہ باقی رکھے گی اور نہ چھوڑے گی
	اور چمڑے ادھیڑنے والی ہے۔

کیونکہ مدثر پہلی سورۃ ہے نزول کے لحاظ سے اکثر علماء کے نزدیک۔ یہ ڈرانے میں اس سے زیادہ سخت ہے کہ کہا جاتا ہے:

خافوا اتقوا نارًا تلظّٰی۔ (خوف کرو اور ڈرو اس نار سے جو بھڑک رہی ہے)

لَا يَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى (نہ جائے گا اس میں مگر بڑا بدبخت) داخل ہونا لازمی طور کہ جس کی گرمی کی سختی برداشت کرنے کی نہیں۔

حل لغات

الاشقی شقاوت میں زیادہ۔ یعنی کافر۔ کیونکہ وہ فاسق سے زیادہ بدبخت ہے۔ کشف الاسرار میں ہے، اشقی بمعنی شقی ہے اور اہل عرب فاعل کو افعل میں استعمال کرتے ہیں، اسی سے قول الٰہی وانتم الاعلون (اور تم ہی بلند ہو) اور اتبعک الارذلون (اور رذیل لوگوں نے تیری تابعداری کی)

مسئلہ : فاسق کا دوزخ میں داخل ہونا لازم نہیں (کیونکہ اللہ تعالیٰ اسے بخش دے تو) اور نہ ہی دائماً دوزخ میں رہے گا جس کی اللہ نے تصریح فرمائی ہے کہ الَّذِیْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی (جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا) یعنی حق کی تکذیب کی اور اطاعت سے منہ پھیرا۔ اور یہ صرف کافر ہی کر سکتا ہے وَسَيُجَنَّبُهَا (اور بہت اس سے دُور رکھا جائیگا) کہ اس کی آواز بھی نہ سنے سیجنب کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے یعنی یہ کام کرنیوالا دور رکھنے والا اور بعید کرنے والا وہی ہے۔ الْاَتْقَى (جو سب سے بڑا پرہیزگار ہے) کفر و معاصی سے بہت بچنے والا، وہ دوزخ کے قریب بھی نہ ہوگا چہ جائیکہ اس میں داخل ہو یا دائماً اس میں رہے۔

ف : وہ جو اس سے مرتبہ میں کم ہے کہ وہ کفر سے تو بچتا ہے لیکن معاصی سے نہیں یعنی مومن شقی فاسق غیر تائب، اس کے لیے ایسا دُور رکھنا نہیں بلکہ (ممکن ہے) وہ داخل ہو لیکن اس کی گرمی کی شدت کافر کی طرح نہ چکھے گا کیونکہ وہ دوزخ فوقانی (اوپر والے طبقہ) میں ہوگا اسی لیے وہ معنی مذکور کی طرح دوزخ میں نہ ہوگا اسی لیے حصر اس کے خلاف نہیں۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ اتقیٰ بمعنی تقی ہے اشقیٰ بمعنی شقی کی طرح۔ شاعر نے کہا : ؎

تمنی رجال ان اموت وان امت
فتلك سبيل لست فيها باُوحد

ترجمہ : لوگوں نے میرے مرنے کی آرزو کی، اگر مر بھی جاؤں تو یہ وہ راہ ہے کہ میں اس میں تنہا نہیں۔

ف : اوحد بمعنی واحد ہے۔

الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ (جو اپنا مال دیتا ہے) خرچ کرتا ہے نیکی و حسنات کے وجوہ میں۔ یَتَزَكّٰی (کہ ستھرا ہو) یہ یؤتی سے بدل ہے صلہ کے حکم میں داخل ہے اس کے اعراب کا کوئی محل نہیں یا محلاً منصوب ہے کہ یؤتی کی ضمیر سے حال ہے یعنی وہ خرچ کرنے کے بعد طالب ہے اللہ تعالیٰ کا کہ اس کا مال ستھرا ہو اور بڑھے اس سے اس کا ریاء و شہرت کا ارادہ نہیں، یا درانحالیکہ وہ پاک ہونے والا اور گناہوں اور بخل کی غبار اور امساک کی گرد سے صاف ہونے والا ہے۔ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰی (کسی کا اس پر کچھ احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے) جملہ مستانفہ مقررہ ہے اس کا کہ اس کا مال دینا محض تزکی کی نیت پر ہے خالص رضائے الٰہی کے لیے ہے یعنی کسی کی اس پر نعمت نہیں اور نہ ہی احسان ہے جس کا بدلہ دیا جائے کہ وہ خرچ کرنے سے بدلہ اتارنے کا ارادہ کرتا ہے اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی (صرف

اپنے رب تعالیٰ کی رضا چاہتا ہے جو سب سے بلند ہے) استثناء منقطع ہے نعمۃ سے کیونکہ رضائے الٰہی کی طلب نعمۃ کی جنس سے نہیں۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ یہ رضائے رب کی خاطر ہے یعنی اس کی ذات اور رضا کی طلب کے لیے وہ حقیقت میں مفعول لہ ہے اور اس نے کسی گزشتہ نعمت کا بدلہ اتارنے کے لیے مال نہیں دیا جو وہ ادائے دین کے طور ہو اس کے تو مزید ثواب کے استحقاق میں دخل نہ ہوگا بلکہ ثواب کا مستحق وہ ہے جب اس کا فعل اس ارادہ پر ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم فرمایا اور اس کی ترغیب دی ہے وہ اس نے حکم کی تعمیل اور اسے راضی کرنے کے لیے خرچ کر رہا ہے۔

ف : الاعلیٰ بمعنی علی رفیع ہے جو تمام مخلوق سے قہر و غلبہ میں بلند (کذا قال ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ)

تفسیر صوفیانہ

حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وجہ کی وصف سے وہی ذات موجودہ مع جمیع الصفات مراد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا بحسب ہر اسم ایک وجہ ہے جس سے وہ جلوہ گر ہوتا ہے اس کے لیے جو اسے پکارتا ہے زبان حال سے اسی اسم کے ساتھ اور اس کی عبادت کرتا ہے اپنی استعداد پر اور الوجہ الاعلیٰ وہ ہے کہ اس کے لیے بحسب اسم اعلیٰ وجہ ہے جو جمیع اسماء کو شامل ہے اگر اسے رب کی صفت بنایا جائے تو رب سے مراد وہی اسم ہے۔

شانِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

(دراصل یہ سورۃ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل و کمالات پر مشتمل ہے اسی لیے فقیر اس کے متعلق صاحب روح البیان قدس سرہٗ کے مضامین ملا کر عرض کرتا ہے۔

شان نزول : جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بہت گراں قیمت پر خرید کر آزاد کیا تو کفار کو حیرت ہوئی اور انہوں نے کہا کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ایسا کیوں کیا شاید بلال کا ان پر کوئی احسان ہوگا جو انہوں نے اتنی بڑی قیمت دے کر خریدا اور آزاد کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ظاہر فرما دیا گیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فعل محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہے کسی کے احسان کا بدلہ نہیں اور نہ ان پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا کوئی احسان ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بہت سے لوگوں کو ان کے اسلام کے سبب خرید کر آزاد فرمایا۔ صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا[1]؛) سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے علاوہ مندرجہ ذیل دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی خرید کر آزاد فرمایا ان کے نام یہ ہیں،

(۱) عامر بن فہیرہ

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

(۲) اُن کا بھائی

(۳) عبید

(۴) بی بی زنیرہ بچوں سکینہ۔ یہ مملوکہ (کنیز) رومیہ تھیں۔

(۵) ان کی بیٹی ام عمیس

(۶) بنی المؤمل کی کنیز

(۷) ان کی بیٹی نہدیہ۔

بی بی زنیرہ کی کرامت یہ بی بی ضعیف البصر تھیں۔ انہیں مشرکین نے طعنہ مارا کہ ان کی آنکھیں لات و عزیٰ نے چھین لی ہیں جب سے زنیرہ نے ان کے دین کی مخالفت کی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھیں روشن فرما دیں۔

ف : مشرکین مذکورہ حضرات کو اذیتیں پہنچاتے تاکہ اسلام سے پھر جائیں، انہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خرید کر آزاد کر دیا اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اشقیٰ سے ابوجہل یا امیہ بن خلف مراد ہے۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ یہ سورۃ دو شخصوں کے بارے میں ہے:

(۱) سب سے بڑا متقی جو صدیقوں کا امام ہے یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔

(۲) سب سے بڑا شقی جو زندیقوں کا سردار ہے یعنی ابوجہل۔

ف : سورۃ کے ابتداء میں لیل و نہار کی قسم یاد فرمائی ہے اس میں اشارہ ہے ایک کی ظلمت کی طرف اور دوسرے کی نورانیت کی طرف، یعنی شبِ ضلالت میں اس جیسا بڑا اور کوئی گمراہ نہ تھا وہ ہے ابوجہل شقی، اور دعوت کے دن جیسا نورِ ہدایت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوا اس سے بڑھ کر اور کون ہے

(۱) سر روشندلان صدیق اعظم — کہ شد اقلیم تصدیقش مسلم
(۲) زمہرش روز دین را روشنائی — بدو اہل الیقین را آشنائی

ترجمہ : (۱) روشن دل حضرات کا سردار صدیق اعظم ہے کہ اس کی تصدیق کی شاہی مسلم ہے۔

(۲) ان کی مہر محبت سے دین کو روشنی ملی اور انہی کی بدولت اہلِ یقین کو آشنائی۔

(حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہٗ خزائن العرفان میں میں رقمطراز ہیں کہ

یہ آیتیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور امیہ بن خلف کے حق میں نازل ہوئیں، جن میں سے ایک حضرت صدیق الاتقیٰ ہیں اور دوسرا امیہ الاشقیٰ۔ امیہ بن خلف حضرت بلال کو جو اس کی ملک میں تھے دین سے منحرف کرنے کیلئے طرح طرح کی تکلیفیں دیتا تھا اور انتہائی ظلم اور سختیاں کرتا تھا۔ ایک روز حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ اُمیہ نے حضرت بلال کو گرم زمین پر ڈال کر تپتے ہوئے پتھر ان کے سینہ پر رکھے ہیں اور اس حال میں کلمۂ ایمان ان کی زبان پر جاری ہے۔ آپ نے امیہ سے فرمایا، اے بدنصیب! ایک خدا پرست پر یہ سختیاں۔ اس نے کہا آپ کو اس کی تکلیف ناگوار ہے تو خرید لیجئے۔ آپ نے گراں قیمت پر انھیں خرید کر آزاد کر دیا۔ اس پر یہ سورۃ نازل ہوئی اس میں بیان فرمایا گیا کہ تمہاری کوششیں مختلف ہیں یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کوشش اور اُمیہ کی اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ رضائے الٰہی کے طالب ہیں امیہ حق کی دشمنی میں۔

ف : اس شانِ نزول کے مطابق صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ کے مضامین ملاحظہ ہوں)[1]

حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر ظلم و ستم کا ایک نمونہ

منقول ہے کہ امیہ بن خلف کے حضرت بلال (رضی اللہ عنہ) غلام تھے اس نے آپ کو گوناگوں عذاب میں مبتلا کر رکھا تھا تاکہ آپ دینِ حق سے پھر جائیں۔ لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے دل میں آتشِ حُبِ ربانی اور زیادہ شعلہ زن ہوتی ؎

آنجا کہ منتہائے کمال ارادتست
ہر چند جور بیش محبت زیادتست

ترجمہ : جہاں کمالِ ارادت انتہا پر ہو وہاں جتنا ظلم ہوگا اُتنا ہی محبت میں اضافہ ہوگا۔

ایک دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اُدھر سے گزر ہُوا دیکھا کہ گرم پتھر آپ کے سینے پر تھا لیکن آپ کی زبان پر جاری تھا، احد احد (اللہ اللہ)۔ امیہ کہتا تھا کہ اے بلال! تُو اسی حال میں مر جائیگا یا یہ کہ (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا دامن چھوڑ دے اس سے کفر کر۔ لیکن حضرت بلال اسی دھن میں کہتے رہتے احد احد (اللہ اللہ) حضرت بلال کا یہ حال دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دل پگھل گیا اور امیہ کو فرمایا: افسوس ہے تجھ پر، تُو ایسے محبوبِ خدا پر ستم ڈھا رہا ہے۔ امیہ نے کہا، اگر تیرا دل اس کا حال دیکھ کر پسیجتا ہے تو اسے خرید لے۔

بلال کو مژدۂ جانفزا

ایک روایت میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر امیہ ظلم کر رہا تھا اور حضرت بلال احد احد کہہ رہے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُدھر سے

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

گزر ہوا آپ نے حضرت بلال بن رباح حبشی رضی اللہ عنہ کو مژدۂ جانفزا سنایا کہ ،

اللہ الاحد ینجیک (خدائے واحد تجھے نجات دے گا)

بلال کی خریداری

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ بلال کو عذاب دیا جا رہا ہے ۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کی مراد سمجھ گئے ، فوراً گھر پہنچے اور گھر سے ایک رطل سونا لے کر امیہ بن خلف کے پاس پہنچ کر فرمایا کہ اے امیہ ! بلال کو بیچے گا ؛ امیہ نے کہا ہاں ۔ آپ نے بلال کو خرید کر اس کے سامنے آزاد کر دیا ۔ مشرکین نے کہا کہ ابوبکر نے بلال کو خرید کر اس لیے آزاد کیا ہے کہ بلال کا ان پر کوئی احسان ہو گا جس کا ابوبکر بدلہ چکا رہے ہیں ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔

مہنگا بلال رَضِیَ اللہُ عَنْہُ

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کو ایک چادر اور دس اواق دے کر خریدا ، اور ایک اوقیہ چالیس درم کا ہوتا ہے ۔ یہ اواق آپ نے ایک پتھر کے نیچے چھپا رکھے تھے ۔ کفار نے کہا ، اے ابوبکر ! (رضی اللہ عنہ) اگر تو اسے ایک اوقیہ قیمت بتاتا تب بھی اسے بیچنے کو تیار تھا ۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم اس کی قیمت یک صد اوقیہ بتاتے تب بھی میں اسے ضرور خریدتا ۔

وہ غلام

بعض نے کہا کہ عبد اللہ بن جدعان کا غلام تھا اس نے بُتوں پر ٹٹی کر دی اس کی شکایت عبد اللہ کو پہنچی تو عبد اللہ بن جدعان نے وہ غلام کفار کو ہبہ کر دیا اور ساتھ سو اونٹ بھی بتوں پر قربان کر دئے ۔ وہ کفار اس غلام کو گرم ریت پر لٹا کر عذاب دیتے تھے ۔

حبشی کے بدلے رومی

ابن المسیب کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو امیہ سے ایک غلام نسطاس (بکسر النون) کے بدلے میں خریدا جسے آپ نے دس ہزار دینار میں خریدا تھا لیکن تھا مشرک ۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے اسلام کی دعوت دی اور فرمایا ، تجھے بہت سا مال دُوں گا اور آزادی بھی ۔ لیکن اس نے انکار کر دیا ۔

حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے امیہ کو لکھا کہ بلال کی قیمت کیا ہے ! کہا ، رومی نسطاس غلام مجھے دے دو ، اور یہ غلام (نسطاس) قیمتی تھا دس ہزار دینار میں بک سکتا تھا اور اس کے پاس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بہت سا مال تھا اسے فرمایا کہ مسلمان ہو جا وہ تمام مال میں تجھے دے دُوں گا ، اس نے انکار کر دیا ۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دل اس سے کھٹا ہو گیا ۔ جب امیہ سے سُنا کہ وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے بدلے میں وہی غلام (نسطاس) مانگتا ہے اسے غنیمت جان کر فوراً ملا

امیہ کے حوالے کر دیا اور بلال کو لے کر ثواب اُخروی کی نیت پر فوراً آزاد کر دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دعائیں

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اللہ تعالیٰ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے اس نے اپنی صاحبزادی مجھے بیاہ دی اور مجھے دار الہجرۃ میں لے آیا اور مال دے کر بلال کو آزاد کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بلال کو ”سیدنا“ پکارنا

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ”سیدنا“ کہہ کر پکارتے تھے اور فرماتے ،

بلال سیّدنا و مولیٰ سیّدنا (بلال ہمارا سردار ہے اور ہمارے سردار (ابوبکر رضی اللہ عنہ) کا غلام آزاد شدہ ہے)

سلمان فارسی کو اہلبیت ہونے کا شرف

اس کی نظیر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہیں کہ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

سلمان منّا اهل البیت (سلمان ہمارے اہلبیت میں سے ہے)

سبق شرفِ تقویٰ پر غور کرو کہ کیسے کیسے غلاموں کو سیادت و شرافت نصیب ہو رہی ہے ۔ اس میں سبق ہے کہ کوئی بھی اپنے نسب سے دھوکا نہ کھائے ۔ کیونکہ یہ حد انصاف سے خارج ہے ۔

نصیحتِ پدر با ابوبکر رضی اللہ عنہ

سُہیل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کے والد ماجد (ابو قحافہ رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ قوت و طاقت والے غلام خریدو تاکہ وہ تمھیں فائدہ و نفع پہنچائیں ، یہ بہتر ہے اس سے کہ تم کمزور اور ضعیف غلام خرید کر آزاد کرو ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔

مسئلہ : گزشتہ مضامین سے ثابت ہوا کہ فضیلت اس خرچ کرنے میں ہے جو رضائے الٰہی میں ہو ، اس کا درمیانی مرتبہ یہ ہے کہ آخرت سنور جائے ، اس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس سے دنیوی مباح فائدہ مطلوب ہو ۔

مسئلہ : ریاء و سمعۃ (شہرت) سے ہو وہ مباح کے حکم میں نہیں ہے بلکہ وہ خسیس و قبیح تر ہے ۔

حدیث شریف : نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

من صنع الیکم معروفا فکافئوہ — جو تمہارے ساتھ بھلائی کرے اسے بدلہ دو اور کچھ نہ ہو تو اسے دُعا دو۔

ف: اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ بدلہ دینا مشروع و محمود ہے لیکن وہ ابتغاء وجہ اللہ میں داخل نہیں (اگر صرف بدلہ اتارنا مطلوب ہے تو)

تفسیر عالمانہ وَلَسَوْفَ یَرْضٰی (اور بیشک قریب ہے کہ وہ راضی ہو) یہ مضمر قسم کا جواب ہے کہ دراصل و باللہ ولسوف یرضی تھا یعنی عنقریب وہ اتقیٰ جو مذکورہ اوصاف سے موصوف ہے راضی ہو گا۔

ف: اس میں وعدہ کریمہ ہے جو ان مقاصد کا جن وہ طالب ہے کہ وہ اسے ضرور نصیب ہوں گے اکمل و اجمل وجہ سے۔ کیونکہ خوشی اسی سے ہی متحقق ہو گی۔

ف: بعض نے کہا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو گا اور وہ اللہ تعالیٰ سے جب وہ اسے جنّت میں کرامت اور قُرب عطا فرمائے گا اس کے فعل و عمل کی جزاء۔

نکتہ ایسا وعدہ صرف رسل کرام علیہم السلام کے لیے نازل ہوا جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم کے لیے فرمایا:

ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ۔ — عنقریب تمہیں تمہارا رب تعالیٰ وہ دے گا جس سے تم راضی ہو گے۔

یا پھر یہ آیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے نازل ہوئی۔

تفسیر صوفیانہ حضرت البقلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ رضا عارف کو نصیب نہیں ہوتی جب تک وہ معروف میں فنا نہ ہو جائے اور یہاں تک کہ وہ اس کی صفات سے موصوف ہو تاکہ اس کی رضا میں اس کی نعت نعتِ حق سبحانہٗ ہو۔

فقیر اویسی غفرلہٗ تفسیر آتیل کے ترجمہ سے ۲۱ رجب المرجب ۱۴۰۹ھ بروز بدھ فارغ ہوا۔
(الحمد للہ علیٰ ذلک)

سُوْرَةُ الضُّحٰى مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ (اٰيَاتُهَا ۱۱ رُكُوْعُهَا ۱)

سورۂ ضحیٰ مکیہ ہے اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا اس میں گیارہ آیتیں ہیں

وَالضُّحٰى ۝۱ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝۲ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝۳ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ

چاشت کی قسم اور رات کی جب پردہ ڈالے کہ تمہیں تمہارے رب نے نہ چھوڑا اور نہ مکروہ جانا اور بے شک پچھلی تمہارے

مِنَ الْاُوْلٰى ۝۴ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝۵ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۝۶

لیے پہلی سے بہتر ہے اور بیشک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے کیا اس نے تمہیں یتیم نہ پایا پھر جگہ دی

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝۷ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ۝۸ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ

اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی اور تمہیں حاجت مند پایا پھر غنی کر دیا تو یتیم پر دباؤ نہ

فَلَا تَقْهَرْ ۝۹ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝۱۰ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝۱۱

ڈالو اور منگتا کو نہ جھڑکو اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو

سورۃ الضحیٰ مکیہ ہے اس کی گیارہ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا)

تفسیر عالمانہ وَالضُّحٰى (چاشت کی قسم) وہ سورج کے ارتفاع اور چاشت یعنی صدر النہار کا وقت ہے۔ الضحیٰ سے یہی مراد ہے صرف حلول ظرفیۃ کے علاقہ کی وجہ سے اس لیے کہ زمانہ ظرف ہے اس کے لیے جو وہ اس میں واقع ہے یا مضاف محذوف ہے اور وہ مجاز یا حذف اس لیے ہے تاکہ رات کے ساتھ مناسبت ہو جائے۔

بعض نے کہا کہ ان کی قسم کی وجہ یہ ہے کہ یہ وہ وقت ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کلام سے مشرف فرمایا اور جادوگر سجدہ میں گرے۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا:

وان یحشر الناس ضحیٰ (چاشت کے وقت لوگ جمع کیے جائیں گے)

گویا اسے اسی وقت کی وجہ سے شرافت اور مقسم سے مناسبت ہے کہ اس کی قسم اسی لیے یاد فرمائی گئی ہے۔

مسئلہ: چاشت کی نماز زوال سے پہلے بالاتفاق سنّت ہے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ دو یا چار رکعت ہے ایک سلام سے۔ اور امام مالک کے نزدیک کوئی حصر ہے۔ امام شافعی و امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک کم از کم دو رکعت ہیں اس سے زائد میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بارہ رکعات ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آٹھ رکعت۔ اسی پر اکثر اصحابِ شافعی ہیں امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق میں یہی صحیح ہے۔

حدیث شریف حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فتح مکہ کے دن آٹھ رکعات پڑھی تھیں جب آپ بی بی اُم ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے۔ اس سے قبل بھی پڑھا کرتے تھے۔

وَالَّيْلِ (اور رات کی)، اس سے جنس لیل مراد ہے۔ ابن خالویہ نے فرمایا کہ اس کا عطف الضحیٰ پر ہے مستقل قسم نہیں کیونکہ واؤ کی جگہ پر ثمّ اور فاء واقع ہو سکتے ہیں۔ مثلاً کہا جائے ثم اللیل اور ثم لا لیکن یہ قسم نہ ہوگی **إِذَا سَجٰی** (جب پردہ ڈالے) جب اس کے اہل ساکن ہوں یہ مجاز ہے اسناد الفعل الی الزمان کے قبیل سے ہے۔ یا یہ معنیٰ ہے کہ ٹھہرے اس کی تاریکی اور استقرار کرے اور انتہار کو پہنچے اس سے آگے نہ بڑھے اور رات کی تاریکی کا سکون عبارت ہے عدم تغیر بالاشتداد والتنزل ہے اور وہ یہ کہ جب ظلام (تاریکی) سخت اور مکمل ہو جاتی ہے تو زمانہ مستقر ہو جاتا ہے اس کے بعد تنزل شروع ہو جاتا ہے تو اسناد سکون ظلمت کا لیل کی طرف مجازی ہے۔

حلِ لغات کہا جاتا ہے سجا البحر (دریا ٹھہر گیا) یہ اس وقت بولتے ہیں جب اس کی موجیں ٹھہر جائیں۔ اور لیلۃ ساجیۃ ساکنۃ الریح (رات ٹھہرنے والی ہے اس کی ہوا) بعض نے کہا سجٰی کا معنیٰ ہے لوگ اور ان کی آوازیں ساکن ہوگئیں۔

تفسیر حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ آپ نے فرمایا کہ الضحیٰ سے مراد وہ وقت ہے جس میں موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ہمکلامی کا شرف بخشا، اور لیل سے شبِ معراج۔

تفسیر صوفیانہ صاحبِ کشف الاسرار نے فرمایا کہ روز و شب سے مراد وہ کشف و حجاب ہیں جو نشانہٗ نسیم لطیف اور سموم قہر اور علامت انوار جمال و جلال ہے جیسے سیدنا جنید (بغدادی

رضی اللہ عنہ) نے فرمایا، والضحیٰ مقام شہود اور واللیل اذا سجیٰ وہ مقام الغین ہے جس کے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا،

انہ لیغان علیٰ قلبی۔ (بیشک میرے قلب اقدس پر ایک غین (غبار) سا آجاتا ہے)

رُخِ مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہ عَلَیہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ و زلفِ عنبرین کی قسم

ضحیٰ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ اقدس کی روشنی اور لیل سے زلفِ عنبرین کی سیاہی مراد ہے ؎

والضحیٰ رمزے ز روئے ہمچو ماہِ مصطفیٰ
معنیٔ واللیل گیسوئے سیاہِ مصطفیٰ

ترجمہ: والضحیٰ سے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ اقدس کی طرف اور واللیل سے گیسوئے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاہی کی طرف اشارہ ہے۔

نکتہ: اللیل کی تقدیم سورۂ واللیل میں اشارہ ہے کہ رات اصل ہے اس لئے کہ دن طلوعِ شمس سے ہی آتا ہے اور اس کے غروب سے ہوا اپنی اصلیہ کی طرف آجاتی ہے اسی لیے آیت وجعل الظلمات والنور میں ظلمۃ کی تقدیم ہے اور یہاں سورہ والضحیٰ میں نہار کی تقدیم ذاتی وعارضی شرافت کی وجہ سے ہے۔

سوال: اس کی کیا وجہ ہے کہ دن کا تو ایک حصہ مذکور ہوا اور رات تمام۔

جواب: یہ اگرچہ دن کا ایک حصّہ ہے لیکن تمام رات کے شان کے برابر ہے جیسے حضور امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جملہ انبیاء علیہم السلام کے شان کے برابر (بلکہ افضل) ہیں۔

(۲) دن سرور وراحت کا وقت ہے اور رات وحشت وغم کا وقت۔ اور اس میں اشارہ ہے کہ ہمومِ دنیا سرور سے زیادہ ہیں اس لیے کہ ضُحیٰ ایک ساعت ہے اور لیل ساعات۔

غم اور ملال کی بارش

مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے عرش کو پیدا فرمایا تو اس کے بائیں جانب سیاہ بادل چھا گیا اس سے آواز آئی کہ کیا برسوں حکم ہوا ہموم واحزان برس ایک صدی مکمل جب سو سال کے بعد بادل چھٹ گیا پھر پکارا کہ کیا برسوں حکم ہوا ایسی ہی ہموم واحزان تین صدیاں برس اس کے بعد دہنی جانب بادل آکر پکارا کیا برسوں جواب ملا، سرور برس لیکن صرف ایک ساعت۔ اسی وجہ سے عموماً انسان ہموم واحزان کے گھیرے میں ہے اور سرور وراحت بہت کم ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ (کہ تمہیں تمہارے رب نے نہ چھوڑا) جواب قسم ہے تودیع وداع کا مبالغہ ہے بمعنی الترك، کیونکہ جس نے الوداع کیا وہ جدا ہوا اور چھوڑ گیا یعنی تمہارے رب تعالیٰ نے تجھے چھوڑنے میں مبالغہ نہیں کیا الوداع بمعنی جدائی کا اعلام (آگاہ کرنا)

حلِ لغات

امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تودیع کا اصل الدعۃ ہے یعنی مسافر کے لیے دعا کرنا کہ اس سے اللہ تعالیٰ سفر کی مشکلات آسان فرمائے اور اسے دعۃ وخفض میں پہنچائے جیسے تسلیم سلامتی کی دعا ہے۔ اب یہ مسافر کی مشایعت (روانگی) اور چھوڑنے میں متعارف ہے۔ آیت میں اسی ترک کو تودیع سے تعبیر کیا ہے۔ اب معنی یہ

اب معنی یہ ہوا کہ اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کے رب نے مسافر کو چھوڑنے طرح آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ ہی درجۂ وحی اور مرتبۂ قُرب وکرامت سے گرایا ہے۔ اس میں استعارہ تبعیہ ہے اور لفظ ربّ میں اشارہ ہے کہ جیسے مُرَبّی مَربُوب کو نہیں چھوڑتا تو (بلا تمثیل) آپ کا رب بھی آپ کو نہ چھوڑیگا۔ وَمَا قَلٰی (اور نہ مکروہ جانا) اور آپ سے بغض کیسا (جبکہ آپ محبوب ہیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

حلِ لغات

القلی بمعنی شدۃ البغض۔ کہا جاتا ہے، قلا زیدا یقلوہ ابغضہ زید سے سخت بغض کیا از قلو بمعنی پھینکنا۔ جیسے کہتے ہیں، قلت الناقۃ براکبھا اونٹنی نے سوار کو گرا دیا (پھینک دیا) اس معنی پر گویا مغضوب کو غاضب نے اپنے قلب سے ایسا باہر پھینک دیا کہ گویا اسے کبھی قبول نہ کرے گا۔ ایسے ہی قلاہ یقلیہ ویقلاہ بمعنی ابغضہ یعنی اس سے سخت کراہت کرکے اسے اچھی طرح چھوڑ دیا یا اسے ہجر میں پھینک دیا۔ اس کا اس کے دل میں بغض بیٹھ گیا (قاموس) جس نے اسے یائی سے بنایا تو اس نے قلیت البسر والسویق علی المقلی سے لیا (المفردات) اور شاید وما قلی عطف السبب علی المسبب کے قبیل سے ہے کیونکہ اس میں تعلیل ہے اور قلاك سے کاف محذوف ہے کیونکہ کلام دلیل کافی ہے اور فواصل کی رعایت بھی ضروری ہے۔

شانِ نزول

مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے چند روز (دس سے بھی زیادہ ایام) وحی نہ آئی جب آپ نے مشرکین کے سوال پر اِن شاء اللہ تعالیٰ نہ کہا۔ اس کا قصہ یوں ہے کہ مشرکین یعنی قریشِ مکہ نے یہودِ مدینہ کی طرف پیغام بھیجا کہ کوئی ایسی تجویز بتائیں

لہ یعنی انسان کی آخری بار سرور اخوشی کی باری آئی اور وہ بھی ایک ساعت ۱۲۰

جس سے محمد عربی کو لاجواب کر سکیں۔ یہود نے پٹی پڑھائی کہ ان سے اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کے قصّے اور روح کی حقیقت کا سوال کرو اگر وہ اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کے قصّے بتا دیں اور روح کی حقیقت بتانے معذوری کا اظہار کر دیں تو یقین کرو کہ وہ نبی صادق ہیں۔ آپ کے پاس مشرکین آئے اور یہ تینوں سوال کیے۔ آپ نے فرمایا، کل آنا۔ آپ نے اِن شاء اللہ نہ کہا، اس پر چند روز وحی رُک گئی۔ مشرکین نے کہا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رب نے ان کو چھوڑ دیا ہے اور ان سے ناراض ہو گیا ہے۔

شانِ نزول ۲

جبریل علیہ السلام نے وحی لانے میں تاخیر کی تو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شکوہ کیا تو بی بی نے کہہ دیا کہ آپ کو آپ کا رب چھوڑ تو نہیں گیا یا ناراض تو نہیں ہو گیا۔ اس پر جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور آیت لائے،

ولا تقولن لشیٔ انی فاعل ذلك غدا الّا ان یشاء اللہ فاخبرہ بما سئل عنہ۔	اور یہ نہ کہو کہ فلاں کام کل کر دوں گا مگر یہ کہ اللہ چاہے، پھر یہود کے سوالات کے جوابات عرض کر۔

اس کی تحقیق سورۂ کہف میں گزری ہے۔ اس کے ساتھ یہ آیت بھی لائے،

ما ودعك ربك وما قلیٰ۔

مشرکین کے رد میں، اور آپ کو نویدِ مسرت سنائی کہ حبیب حبیب کو کیسے چھوڑ سکتا ہے ان کا آپس میں بغض کیسا اور کہاں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دنیا میں وحی و کرامت سے نوازتا ہے اور آخرت کے درجات و کرامات تو اس سے بزرگ تر اور عظیم تر ہیں آنے والی آیت سے معلوم ہوتا ہے۔

شانِ نزول ۳

کُتیا کا بچّہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دولت کدہ میں داخل ہو کر آپ کی چارپائی کے نیچے مر گیا، آپ پر چند روز کے لیے وحی نہ آئی، ایک دن آپ نے اپنی خادمہ خولہ کو فرمایا کہ میرے گھر پہ کیا حادثہ گزرا کہ جبریل علیہ السلام نہیں آ رہے۔ بی بی خولہ رضی اللہ عنہا نے جھاڑو دیا تو چارپائی کے نیچے کتیا کا بچّہ مرا ہوا پایا اُسے جھاڑو سے باہر نکالا۔ بی بی نے اسے دیوار سے باہر پھینک دیا۔ اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حیا سے کانپنے لگے اور کاندھا مبارک تھرتھرایا اندریں اثنا آپ پر وحی کا نزول ہُوا۔ اس سے آپ کی کپکپی بدستور رہی اور حضرت خولہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا، اے خولہ! مجھے کمبل اُڑھا دے۔ اس کے بعد آپ پر اللہ تعالیٰ نے یہی سورۃ اتاری۔ جب جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے آپ نے اُن سے تاخیر کا سبب پُوچھا تو عرض کی کہ ہم اس گھر میں نہیں آتے جس میں کُتّا یا تصویر (فوٹو) وغیرہ ہو۔

ف : اس سے معلوم ہوا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خلافِ اولیٰ کا صدور ہوتا تھا لیکن نہ تو آپ (معاذاللہ) اللہ تعالیٰ کے ممقوت تھے نہ مبغوض۔ ہاں وحی کی تاخیر و احتباس صرف اور صرف تربیت و ارشاد اور تعلیمِ اُمت کے لئے تھا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ آپ کے رب تعالیٰ نے آپ کو نہیں چھوڑا کہ فیضِ نبوت و رسالت آپ کے ظاہر سے منقطع کر دیا ہو، اور نہ ہی آپ کے باطن سے فیض و ولایت رک کیا ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى (اور بیشک پچھلی تمہارے لیے بہتر ہے) اس لیے کہ آخرت علی الاطلاق شوائب سے صاف اور باقی ہے۔ اور الاولیٰ سے مراد دنیا ہے یونکہ وہ آخرت سے پہلے پیدا کی گئی ہے اور مضرتوں اور نقصانوں سے بھرپور ہے اور دنیا و آخرت دونوں کی کرامات ہیں اور لام وللاٰخرۃ میں ابتداء کی ہے مضمونِ جملہ کی مؤکد ہے۔

فسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کے نہایت کے احوال آپ کے بداہتہ (ابتداء) کے افعال سے افضل و اکمل ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ نے مایا الیوم اکملت لکم علیکم دینکم (آج ہم نے تمہارا دین مکمل تر کر دیا کیونکہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ لم ہمیشہ شریعت و طریقت کے دو پروں سے آسمان سیر میں پرواز فرماتے رہے اور مقاماتِ قرب و کرامت میں قی فرماتے رہے، یہی حال آپ کے وارثین کاملین اولیاء (رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین) کا ہے۔

فسیر عالمانہ

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ (اور بیشک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا)

لام ابتداء کی ہے اور مبتداء محذوف ہے دراصل ولانت سوف یعطیك الخ کا اس لیے لام الابتداء صرف اور صرف جملہ اسمیہ پر داخل ہوتی ہے۔ اور یہ لام قسم کی نہیں کیونکہ وہ مضارع نہیں داخل ہوتی جب تک مضارع میں نون مؤکدہ (ثقیلہ یا خفیفہ) نہ ہو اور مضارع کے سوف کے ساتھ کا اجتماع دلیل ہے کہ اعطاء لازمی امر ہے اگرچہ دیر سے سہی اور دیر میں (خیر اور) حکمت ہے اور لام ابتدا جب موجود ہوتی تاکید پر دلالت کے لیے، اور سین تاخیر پر دلالت کرتا ہے ان دونوں اجتماع سے تنفیس ماست) ثابت ہوئی کہ عطاء کی تاخیر میں کوئی حکمت ضرور ہے اور لام اس حکم کی تاکید ہے جو زمانہ مستقبل مقترن ہے فَتَرْضٰى (تم راضی ہو جاؤ گے) جو جو کچھ عطا کیے جاؤ گے اور اس سے آپ کا دل مطمئن کا یعنی اتنا عطا ہوگا کہ پھر آپ خود کہیں گے میں اب راضی ہو گیا۔ یہ فاء کے ساتھ ماقبل پر عطف ہے یت میں وعدہ کریمہ شامل ہے آپ کو جو اللہ تعالیٰ نے دنیا عطا فرمائی کمال نفس مبارک اور علوم اولین و

آخرین عطا فرمائے (جسے ہم اہل سنّت علمِ غیب کل اور ما کان وما یکون اور کائنات کے ذرہ ذرہ کے علم سے تعبیر کرتے ہیں ۔ اویسی غفرلہٗ) اور ظہور امر اور وہ فتوحات جو آپ کے زمانۂ اقدس اور زمانۂ خلفاء راشدین اور ملوک اسلامیہ میں ہوتیں اور اس ذریعہ سے دعوتِ اسلام اعلائے دین مشارق ومغارب میں ہُوا اور وہ جو آپ کے لیے ذخیرہ کے طور کرامات وکمالات ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا چند ایک کی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی ہے وُہ یہ ہیں ؛

آخرت میں شہنشاہِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر انعامات کا نمونہ

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں میرے لیے ایک ہزار محل تیار فرمائے جو خالص موتیوں کے ہیں اور اس کی مٹی مشک (کستوری) ہے اور ہر محل میں خدام حُوریں نعمتیں اور سامان ان کے لائق ہے۔

خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کی دنیوی زندگی کا نمونہ

ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بی بی فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے گئے ، دیکھا کہ بی بی نے اونٹ کی اُون کا کمبل اوڑھ رکھا ہے اور چکی پیس رہی ہیں اور صاحبزادہ کو چھاتی سے لگا کر دُودھ پلا رہی ہیں ۔ یہ حالت دیکھ کر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنسو بہہ نکلے اور فرمایا ؛

پیاری بیٹی ! آخرت سے پہلے دنیا کے کڑوے گھونٹ پی لے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ آیت نازل فرمائی ہے ولسوف یعطیك ربك فترضیٰ ۔ عنقریب تمہارا رب اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے ۔

امام باقر رضی اللہ عنہ کی قرآن فہمی

سیدنا امام باقر رضی اللہ عنہ کوفہ میں فرما رہے تھے کہ اے عراقیو ! تمہیں لوگ کہتے ہیں کہ رحمت سے پُر امید ہونے پر آیت لاتقنطوا من رحمۃ اللہ زیادہ امید دلاتی ہے لیکن ہم اہلبیت کہتے ہیں کہ آیت ولسوف یعطیك ربك فترضیٰ زیادہ امید دلاتی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے جب تک آپ کا ایک اُمتی بھی دوزخ میں ہُوا ؎

نماند بدوزخ کسے در گرو کہ دارد چو تو سید پیشرو
عطائے شفاعت چنانش دہند کرامت تمامی ز دوزخ رہند

ترجمہ ؛ دوزخ میں کوئی بھی مقید نہ ہوگا جب آپ جیسا سردار امام رکھتا ہے آپ کو شفاعت کی عطا اتنی حاصل ہوگی کہ آپ کی تمام اُمت دوزخ سے نجات پا جائے گی۔

maniat.com

شفاعتِ کُل نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

اشفع لامتی حتی ینادی لی ارضیت یا محمد فاقول رب قد رضیت۔

میں اپنی اُمت کی شفاعت کروں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے آواز آئے گی اے محبوب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اب راضی ہو میں کہوں گا میرے رب! میں راضی ہو گیا۔

رَدِ وہابی درحق ابوینِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (وہابی اور بعض دیوبندی اس مسئلہ میں اُلجھے ہوئے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے والدین (معاذ اللہ) کافر تھے یا دوزخی۔ فقیر نے ان کے رد میں ایک ضخیم کتاب ابوینِ مصطفےٰ لکھی ہے صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ کا حوالہ بھی ملاحظہ ہو۔)

قال الفهری و مما یرضیه فیه بعد اخراج کل مؤمن ان لا یسوءه فی امه و ابیه و ان منع الاستغفار لهما واذن له فی زیارة قبرهما فی وقت دون وقت لانهما من أهل الفترة وقال سبحانه وما كنا معذبین حتی نبعث رسولا ومن لم یقنعه هذا فحظ المؤمن منهما الوقف فیهما وان لا یحکم علیهما بنار الا بنص کتاب او سنة او اجماع الامة بخلاف ما ثبت فی عمه ابی طالب۔

(تفسیر فتح الرحمان)

(روح البیان ج ١٠ ص ٤٥٥)

فہری نے کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اس پر کب راضی ہوں گے کہ مومن کو تو دوزخ سے نکالیں اور والدین دوزخ میں رہیں (معاذ اللہ) ان کے استغفار سے ممانعت ان کے کفر کی دلیل نہیں کیونکہ ایک وقت میں زیارتِ قبر کی اجازت دی تو دوسرے وقت میں استغفار کی اس لیے کہ وہ اہلِ فترت سے تھے اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ ہم کسی کو عذاب نہیں دیتے یہاں تک کہ رسول بھیجیں اگر کسی کو یہ دلیل بھی مطمئن نہیں کرتی تو اس کی نجات میں ہے کہ وہ اس مسئلہ میں توقف کرے کیونکہ کسی کو ناری نہ کہا جائے جب تک نص نہ ہو کتاب و سنت یا اجماعِ اُمت بخلاف اس کے جو آپ کے چچا ابو طالب کیلئے ہے کہ اس کے لیے ناری ہونے کی نص ہے۔

منصورِ حلّاج رحمہ اللہ سُولی پر کیوں

حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر فرماتے ہیں کہ میں شہر قرطبہ میں تھا تو مجھے چند مخصوص انبیاء علیہم السلام کی زیارت نصیب ہُوئی ان میں سے میرے ساتھ حضرت ہود علیہ السلام مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ معلوم ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا یہ اجتماع کیسا ہے وہ منصور حلاج کے سفارشی ہیں جو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس کی بھول بخشوانے آئے ہیں اس سے یہ غلطی ہوئی بلکہ بے ادبی اور گستاخی یہ کہہ دیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ولسوف یعطیک ربک فترضٰی میں شفاعت کی عام اجازت دے دی تو پھر آپ کا حق تھا کہ آپ راضی نہ ہوتے جب تک تمام کا فر و مؤمن بخشے نہ جاتے آپ صرف مؤمن اہلِ کبائر کی شفاعت پر راضی ہو گئے جب اس سے یہ قول صادر ہُوا تو حضور رسولِ اکرم شفیعِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منصور کے پاس تشریف لائے اور فرمایا۔

یا منصور أنت الذی انکرت علی فی الشفاعۃ فقال یا رسول اللہ قد کان ذلک قال الم تسمع انی قد حکیت عن ربی عزو جل اذا احببت عبدا کنت لہ سمعا و بصرا ولسانا و یدا فقال بلی یا رسول اللہ قال فاذا کنت حبیب اللہ کان ھو لسانی القائل فاذا ھو الشافع والمشفوع الیہ وانا عدم فی وجودہ فای عتاب علی یا منصور فقال یا رسول اللہ انا تائب من قولی ھذا فما کفارۃ ذنبی قال قرب نفسک للہ قربانا قال فکیف قال اقتل نفسک بسیف شریعتی۔

(روح البیان ج ١٠ ص ٥٦ - ٤٥٥)

اے منصور! تُو ہے جو مجھ پر شفاعت کا انکار کرتا ہے۔ عرض کی: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہی کہا ہے کہ آپ کافروں کی شفاعت بھی کرتے۔ فرمایا کیا تُو نے نہیں سُنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں جب کسی بندے سے محبت کرتا ہُوں تو میں اس کے کان، آنکھ اور زبان ہو جاتا ہُوں اور ہاتھ بھی۔ عرض کی: ہاں۔ آپ نے فرمایا، جب میں اُس کا حبیب ہُوں تو میں اس کی صرف زبان ہُوں بولنے والا تو وہ ہے پھر شافع و مشفوع الیہ خود وہی ہُوا میں تو درمیان عدم ہوا تو اے منصور! مجھ پر تیری جھڑک کیسی؟ عرض کی: یا رسول اللہ! میری توبہ، اب اس کا کفارہ کیا ہے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ کے لیے نفس قربان کرے۔ عرض کی: کیسے؟ فرمایا: خود کو قتل کرے میری تلوار سے۔

اس کے بعد منصور رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو ہوا سو ہوا۔ پھر ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ منصور (رحمہ اللہ تعالیٰ) جب دنیا سے رخصت ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محجوب ہو گیا اور آج تک محجوب و مہجور رہے۔ یہ اجتماع اس کی سفارش کے لیے ہوا کہ حضور علیہ السلام اس کی خطا معاف فرمائیں اب سے اس کے دنیا سے رخصت ہوئے تین سو سال سے بھی زیادہ وقت گزر گیا ہے۔

جملہ موجودات کی اصل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں

(ایسے عقائد و مسائل سے وہابی اور دیوبندی نہ صرف کوسوں دور بلکہ جانی دشمن اور ایسے عقائد والے ان کے نزدیک کافر و مشرک لیکن الحمد للہ ہم اہل سنت کو ایسے عقائد و مسائل پر فخر اور ناز ہے۔ یہی عقائد نجدی تحریک سے پہلے تھے اور آج بھی انہیں نصیب ہیں جو اسلاف صالحین کو حق مانتے ہیں۔ چنانچہ صاحب روح البیان جلد ۱ صفحہ ۴۵۶ کی عبارت ملاخطہ ہو:)

قال بعض العارفین الحقیقة	عارفین نے فرمایا حقیقت محمدیہ ہر شے
المحمدیة اصل مادة کل حقیقة	کی اصل و مادہ ہے اور ہر شے کا ظہور
ظهرت ومظهرها اصل مادة	آپ سے ہے۔ اسی لیے ہر امر آپ کی
کل حقیقة تکونت والیه ترجع الامر کله۔	طرف لوٹتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ولسوف یعطیك ربك فترضیٰ۔

اور آپ راضی نہ ہوں گے جب تک آپ سے جو کچھ جدا ہو گیا وہ واپس نہ آئے۔ اسی لیے جمال والے آپ کے جمال کے نزدیک اور اہل جلال آپ کے جلال کے نزدیک جمع ہوں گے۔

اور حضرت ابن عطار رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ گویا اللہ تعالیٰ اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتا ہے کہ تو کیا آپ معطی کی عطا سے راضی ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، مجھے تو معطی چاہیے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

انك لعلیٰ خلق عظیم (بیشک آپ خلق عظیم والے ہیں)

یعنی ہمت جلیلہ والے کہ آپ پر اکوان کی کوئی شے اثر انداز نہ ہو گی اور نہ ہی اللہ تعالیٰ آپ کے لیے کوئی اور شے پسند کرے گا۔

ف: بعض نے کہا کہ اس بندۂ خدا میں جو کوشش میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو تو اسے کچھ عطا کرے اور اس میں کہ اللہ تعالیٰ خود اس کے لیے راضی ہو کر خود عطا کرے۔

اگر میں کہوں کہ اسی جبل کے پیچھے بڑا لشکر ہے جو تمہارے ساتھ جنگ کرے گا، مانو گے ؟

سب نے کہا :

کیوں نہیں، پہلے آپ نے کبھی جھوٹ نہیں کہا۔

اس پر ابولہب نے حضور سے کہا کہ تم تباہ ہو جاؤ کیا تم نے ہمیں اس لیے جمع کیا تھا۔ اس پر یہ سورۃ شریف نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے جواب دیا۔

ف : ابولہب نے صرف وہی بکواس نہیں کی بلکہ پتھر اٹھا کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پھینکنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے اسے روک لیا۔ چونکہ اس نے پتھر دونوں ہاتھوں سے اٹھایا تھا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے تبت یدا ابی لہب فرمایا اور ان کی ہلاکت صفت کا لانا تو ظاہر ہے لیکن انہیں خسارہ کے معنی میں لینے میں اس کے غلط اعتقاد کی تردید ہے کہ اس کا خیال تھا کہ اذیتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس کا کوئی نفع اور فائدہ ہے، ایسے ہی پتھر پھینکنے میں۔

نکتہ عجیبہ "تاویلات ماتریدیہ میں ہے ابولہب کثیر الاحسان تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی بہت خدمت کی تھی۔ لیکن بد قسمت نکلا۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلانِ نبوت کے بعد آپ کا سخت ترین دشمن بن گیا اور کہتا تھا کہ اگر (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا کوئی معاملہ ہے تو میرا بھی ان پر ید (ہاتھ) احسان ہے اگر ان کا قریش پر کوئی احسان ہے تو میں بھی اس سے کچھ کم نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے خبر دی کہ جو کچھ تُو نے احسانات کے سب رائیگاں گئے وہ جو تیرا (حضرت) محمد (مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) پر ید (ہاتھ یعنی احسان) ہے تو وہ ان سے تیرے عناد سے ضائع ہو گیا اور وہ جو تیرا ید (ہاتھ یعنی احسان) قریش پر تھا وہ قریش کی ہلاکت سے (جو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخالفت سے نصیب ہوئی تھی) ضائع کیا۔

وَّ تَبَّ (اور تباہ ہی ہو گیا) سارے کا سارا، یہ اخبار بعد اخبار ہے اور اسے ماضی سے تعبیر کرنا اس کے وقوع کے تحقق کی وجہ سے ہے۔

ف : بعض نے کہا کہ پہلے سے مراد ہے اس کا تمام کا تمام ہلاک ہونا، جیسے اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی میں ہے :

ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ ۔ اور نہ ڈالو اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں۔

علاوہ ازیں ید نفس اور اس کے تمام وجود سے کنایہ ہے، اس کا معنیٰ و تبّ یعنی وہ ہلاکت واقع ہو گئی اس کی تائید قرأۃ وقد تبّ سے ہوتی ہے اس لیے کہ کلمہ قد جملہ دعائیہ پر داخل نہیں ہوتا۔ بعض نے دونوں میں

اس پر ہلاکت کے لیے بددعا ہے اور اس سے مراد اس کے استحقاق کا بیان ہے کہ وہ اس لائق ہے کہ اس پر بددعا ہو کیونکہ دعا کی حقیقت عاجز کی شان ہے۔

سوال: اسے کنیت سے کیوں یاد فرمایا حالانکہ کنیت میں اس کی تکریم ہوتی ہے۔

جواب: یہاں کنیت تکریم کے لیے نہیں بلکہ اس کی اس کنیت سے شہرت کی وجہ سے ہے یا اس کے نام لینے سے اظہار کراہت ہے کیونکہ اس کا نام قبیح ہے کیونکہ وہ بت کی طرف مضاف ہے یا اس میں تعریض ہے کہ وہ جہنمی ہے اس لیے کہ وہ عنقریب شعلہ والی آگ میں داخل ہوگا یعنی ابولہب باعتبار اپنے معنی اضافی کی وجہ سے صلاحیت رکھتا ہے کہ وہ اس کے حال سے کنایہ ہو یعنی اس کا جہنمی ہونا اس لیے کہ اس کا معنی باعتبار اضافت کے لہب (شعلہ آگ) کا ملابس ہے جیسے اسی کنایہ سے کسی کو ابوالخیر و ابوالحرب کہا جاتا ہے کہ وہ ملابس الخیر والحرب ہے۔ اور لہب حقیقی بھی وہی جہنم کا شعلہ ہے یہ معنی اس کو لازم ہے کہ وہ جہنمی ہے اس میں ملزوم سے لازم کی طرف منتقل ہوتا ہے۔

ف: اس سے ثابت ہوا کہ یہ کنیت مذمت کے لیے ہے اس سے وہ سوال دفع ہوگیا جس میں کہا گیا ہے کہ یہ (ابولہب، قرآن مجید میں ہونا) اس کے خلاف ہے کہ کافر و فاسق اور مبتدع کو کنیت سے نہ پکارا جائے۔ ہاں فتنہ کا خوف ہو یا وہ صرف اسی سے ہی معروف ہو کیونکہ کنیت سے ہی خاص ہے وہ مدح والی کنیت سے پکارا گیا کہ وہ دوسرے نام سے معروف نہیں۔

فائدہ: اتقان میں ہے کہ قرآن مجید میں صرف یہی ابولہب کنیت کے ساتھ مذکور ہوا ہے۔

مسئلہ: اس کا نام نہ لینا اس لیے ہے کہ اس کا نام عبدالعزّٰی ہے اور عزّٰی بت کا نام ہے اور وہ نام حرام ہے، اور یہ نام اس کی وضع ہے نہ کہ اس کا استعمال۔ بعض نے کہا کہ مذموم نام کا استعمال بھی حرام ہے ہاں اگر وہ اسی سے معروف ہو تو پھر جائز ہے جیسے اعمش ایسی ناقص صفات بوجہ ضرورت ان کے لیے جائز ہے کہ وہ ایسی صفات سے ہی معروف تھے۔

ف: سورۂ تبت کے نزول کے بعد ابولہب کے جہنمی ہونے میں کسی مسلمان کو شک بھی نہ تھا بخلاف دیگر کفار کے کہ ان کے لیے نام لے کر جہنمی نہ کہا گیا تو ان کے لیے ایسا یقین نہ تھا (ممکن ہے کہ وہ اسلام قبول کرلیں)

تعلیم ادب قل تبت نہ فرمایا کیونکہ اس طرح سے ابولہب کے ساتھ بالمشافہ کہنا پڑتا اور وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا چچا تھا اور چچا کو بالمشافہ گالی دینا مناسب نہیں اگرچہ

چچا سو بار گالی دے، اس لیے کہ چچا کی تعظیم باپ جیسی ہے علاوہ ازیں آپ رحمۃ للعالمین بن کر مبعوث ہوئے اور آپ کا خلقِ عظیم بھی ضرب المثل ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہی آپ کی طرف سے جواب دیا۔

اعجوبۂ لغت و نحو ابولہب بھی پڑھا گیا ہے یعنی واؤ کے ساتھ۔ جیسے کہا جاتا ہے: علی بن ابو طالب و معاویہ بن ابوسفیان (رضی اللہ عنہم) حالانکہ قیاس یاء کے ساتھ ہے کیونکہ مضاف الیہ ہے صرف اسی لیے کہ اسم اصل متغیر نہ ہو اور سامع پر اشکال نہ ہو۔ خلاصہ یہ کہ کنیت بمنزلہ علم کے ہوتی ہے اور اعلام متغیر نہیں ہوتے کسی حالت میں بھی۔

اعجوبۂ اسمائے عرب ایک شخص کے دو بیٹے تھے دونوں کا نام عبداللہ تھا لیکن فرق یہ تھا کہ ایک کو دال مفتوح سے پکارا جاتا اور دوسرے کو دال مکسور سے۔

مَآ اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ (اسے کچھ کام نہ آیا اس کا مال اور یہ جو کمایا) نہ بچایا اسے جب ہلاکت نازل ہوئی اور اسے بالکل کوئی نفع نہ دیا، جب ما نافیہ ہو اگر موصولہ ہو تو معنیٰ ہے کسی شے نے اسے نہ بچایا، یہ معنی انکار میں ہے اور منصوب ہے ما بعد سے مفعول بہ ہے یا مطلق ہے کہ دراصل ای اغناء اغناہ یعنی نہ مال نے بچایا کہ اس سے منافع کمائے نہ وجاہت کام آئی نہ ذکر بچا سکے، قارون سے بڑھ کر اور کوئی مالدار نہ تھا لیکن اسے بھی مال نے موت سے نہ بچایا نہ عذابِ الٰہی سے اور سلیمان علیہ السلام سے بڑھ کر کوئی بادشاہ نہیں گزرا لیکن آپ بھی دنیا سے رخصت ہوئے۔ کسی نے آپ کے بارے میں کہا ہے

(١) نہ برباد رفتی سحرگاہ و شام سریر سلیمان علیہ السلام

(٢) باآخر ندیدیکہ برباد رفت خنک آنکہ با دانش و داد رفت

ترجمہ: (١) کیا صبح و شام تختِ سلیمانی ہوا پر نہ اڑتا تھا،

(٢) بالآخر تو نے دیکھا کہ وہ مٹ گیا مبارک ہو اسے جو دانش و انصاف سے دنیا سے رخصت ہوا۔

ف: یا مال سے اس کا وہ مال مراد ہے جو اسے باپ سے وراثت میں ملا اور خود کمایا، یا اس کا وہ عمل مراد ہے جو اس سے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی عداوت سرزد ہوئی، یا اس کا وہ عمل مراد ہے جس کے متعلق اس کا گمان تھا کہ یہ نیک عمل اسے کام دیں گے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

وقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلناہ اور ہم نے اس کے اعمال کو آگے کر کے
ھباءً منثورا۔ انہیں اڑتی ہوئی غبار کی طرح بنا دیا۔

بعض نے کہا اس سے اس کے مال کے منافع مراد ہیں۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ماکسب سے اس کی اولاد مراد ہے۔

ابولہب کی ڈینگیں

ابولہب نے جب پہلی آیت سُنی تو کہنے لگا کہ جو کچھ میرا بھتیجا کہتا ہے اگر سچ ہو تو میں اپنی جان کے لیے اپنے مال و اولاد کو فدیہ کر دُوں گا اُس آیت میں اس کا رد فرمایا گیا کہ یہ خیال غلط ہے اس وقت کوئی چیز کام آنے والی نہیں۔ چنانچہ اس کے بیٹے عتبہ کی شام کے راستہ میں شیر نے جان لے لی۔

منہ سے جو نکلی بات وہ ہو کے رہی

عتبہ بن ابی لہب کے نکاح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صاحبزادی تھیں جب شام جانے لگا تو کہا کہ میں (حضرت) محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے پاس جا کر انہیں سخت ستاؤں گا۔ چنانچہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ اے (حضرت) محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) میں (عتبہ) النجم اذاھوی اور دنا فتدلّٰی کو نہیں مانتا۔ پھر رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف تھوکا اور آپ کی صاحبزادی کو طلاق دے کر آپ کے پاس واپس کر دی۔ اس پر آپ نے فرمایا:

اللھم سلط علیہ کلباً من کلابک۔	اے اللہ! اس پر اپنے کتوں میں سے ایک کتا مسلط فرما۔

عتبہ نے گھر آکر ابولہب کو سارا واقعہ سُنایا۔ اس کے بعد ابولہب اور اس کا وہی گستاخ رسول بیٹا ایک قافلے کے ساتھ ملک شام کو روانہ ہو گئے۔ ایک جگہ شب باشی کی تو وہاں ایک راہب نے اپنی عبادت گاہ سے آواز دی لوگو! رات کو ہوشیار رہنا اس جگہ پر درندے بکثرت ہیں۔

ابولہب کا عقیدہ

ابولہب نے راہب کی آواز سُن کر کہا:

اعینونی یا معشر قریش ھذہ اللیلۃ فانی اخاف علی ابنی دعوۃ محمد۔	اے قریش کے لوگو! میری مدد کرو، میں اپنے بیٹے پر (حضرت) محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی دُعا سے ڈرتا ہوں[1]۔

---

[1] غور کیجئے ایک بد کا فر کو یقین ہے کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے منہ سے جو بات نکلتی ہے وہ ہو کر رہتی ہے لیکن ایک بدبخت قوم کا پیشوا اسمٰعیل دہلوی کہتا ہے، محمد کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا (تقویۃ الایمان) انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اویسی غفرلہٗ

عُتبہ کو کوئی نہ بچا سکا ابولہب کی اپیل پر قریش یعنی اہلِ قافلہ نے تمام اونٹ عتبہ کے ارد گرد بٹھائے اور عتبہ کو ہر طرف سے محفوظ کیا۔ لیکن رات کو شیر آیا اور تمام اہلِ قافلہ اور اونٹوں کی قطار کو چیرتا ہوا سب کے چہروں کو سونگھ کر آگے چلتا گیا یہاں تک کہ عتبہ تک پہنچ کر اس کا کام تمام کر دیا۔

- **ابولہب کا انجام بد** غزوہ بدر کے بعد ابولہب سات راتوں کے اندر پھنسیوں کی بیماری سے مرا۔ العدسہ پھنسیاں جو بدن پر ظاہر ہوتی ہیں مسور کی دال کے برابر، یہ بھی طاعون کی جنس ہے اکثر کو زندہ نہیں چھوڑتی، ابولہب کے مرنے کے بعد اس کے اہلِ خانہ اسے ہاتھ نہ لگاتے کہ یہ وبائی بیماری ہے مبادا ہم اس میں مبتلا ہو جائیں۔ عرب اس بیماری کو طاعون کی طرح سمجھتے تھے۔ اسی طرح گھر میں بے یار و مددگار پڑا رہا یہاں تک کہ بدبو پھیل گئی۔ گھر والوں نے سوڈانیوں کو مزدوری دے کر اسے اٹھوا کر باہر گڑھے میں پھنکوا دیا جیسا کہ اس کی موت کی (اجمالی) خبر دی۔

ف : انسان العیون میں ہے کہ اس کے لیے گڑھا نہ کھودا گیا بلکہ دیوار کے ساتھ سہارا دے کر اسے بٹھا دیا پھر دیوار کے پیچھے سے پتھر پھینکے یہاں تک کہ پتھروں سے چھپا دیا۔

ف : سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جوں ہی اس جگہ سے گزرتیں چہرہ مبارک ڈھانپ لیتیں۔

ازالہ وہم وہ قبر جو آج کل (اس دور میں غالباً اب وہ قبر موجود نہیں) باب الشبیکہ کے باہر ہے اور اس جگہ پتھر مارے جاتے ہیں ابولہب کی قبر نہیں بلکہ ان دو مردوں کی ہے جنہوں نے بنو العباس کے دورِ خلافت میں کعبہ معظمہ پر گندگی پھینکی اور بھاگ گئے۔ تلاش بسیار کے بعد اسی جگہ پہ ملے جنہیں سولی پر چڑھایا گیا اور آج تک ان کی قبروں پر پتھر پھینکے جا رہے ہیں۔

سَيَصْلٰى (اب دھنستا ہے) وہ عذاب جو مذکور ہوا وہ عذاب دنیا میں ہے اور آخرت کا عذاب یہ ہے کہ وہ داخل ہوگا نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ (لپٹ مارتی آگ میں) عظیم آگ جو لپٹ مارتی ہے اور جلاتی ہے۔ اس سے جہنم کی نار مراد ہے اور یہ اس میں نص نہیں کہ وہ ایمان نہ لائے گا تاکہ اس کی تکلیف الایمان بالقرآن لازم آئے کہ وہ مکلف ہو اس کا کہ اس کے لیے کہا جائے کہ وہ ہمیشہ ایمان نہ لائے گا بلکہ وہ جمع نقیضین کا مکلف ہے جیسا کہ مشہور ہے کیونکہ دوزخ میں داخل ہونا صرف کافروں سے مخصوص نہیں اس لیے کہ اس کا جہنم میں داخل ہونا اس کے فسق و معاصی کی وجہ سے ہو نہ کہ کفر سے، اسی لیے اس جواب پہ مجبور ہو جانے کی ضرورت نہیں کہ کہا جائے کہ وہ جملہ ما جاء بہ النبی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم پر اجمالاً ایمان لانے کا مکلف تھا نہ کہ جملہ تفصیل پر جس کا قرآن ناطق ہے کہ مثلاً ایمان لایا جائے کہ ابولہب ہمیشہ تک ایمان نہ لائیگا

وَامْرَاَتُهٗ (اور اس کی جورو) اس کا سیصلیٰ کی ضمیر مستکن پر عطف ہے اور یہ جائز ہے اس لیے کہ درمیان میں مفعول کا فاصلہ ہے یعنی اس کی عورت بھی اس کے ساتھ دوزخ میں داخل ہو گی۔

ابولہب کی جُورو کا تعارف

اس کا نام اُمِّ جمیل بنت حرب بن امیہ تھا، حضرت ابوسفیان کی بہن اور حضرت معاویہ کی پھوپھی تھی اس کا نام عورا تھا۔

کانٹے بچھانے والی عورت

یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پڑوس میں تھی کانٹے دار (کیکر وغیرہ) لکڑیوں کا گٹھا اٹھا کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں بکھیر دیتی تاکہ (نعوذ باللہ) آپ کو کانٹے چُبھیں یا آپ کے دامن سے چمٹیں تو آپ کو تکلیف ہو۔

کانٹے پھول گلاب یا ریشم کا گچھہ

اُمِّ جمیل ملعونہ کانٹے بچھاتی نہ تھکتی لیکن اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے وہ کانٹے (پھول یا) ریشم کی طرح نرم بنا دیتا جس پر سے آپ آرام سے گزر جاتے۔

ف : تفسیر ابواللیث میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کفار کی اذیتوں اور تکلیفوں میں عرصہ تک سخت مبتلا رہے اور تفسیر الکاشفی میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نماز کے لیے تشریف لے جاتے تو راستہ میں آپ کو کفار گھیر لیتے آپ انہیں فرماتے کہ ہمسائیگی کا یہی حق ہے جو تم میرے ساتھ کر رہے ہو ؎

میریختند در رہ تو خار باہمہ
چوں گُل شگفتہ بود رُخِ گلستانِ تو

ترجمہ : ہم نے تو تیری راہ میں کانٹے بکھیرے تھے لیکن تیرا چہرہ گُلِ شگفتہ کی طرح کھلا ہوا تھا۔

حَمَّالَةَ الْحَطَبِ (لکڑیوں کا گٹھا سر پر اٹھاتی)

حلِ لغات : الحطب وہ جو لکڑیوں کا گٹھا تیار کیا جائے (قاموس) حمالۃ الحطب کی نصب شتم و ذم کے طور ہے دراصل اُذم حمالۃ الحطب تھا (میں مذمت کرتا ہوں حمالۃ الحطب کی)۔

ف : زمخشری نے کہا کہ میں اسی قراءۃ سے محبت کرتا ہوں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف اچھا وسیلہ لے گیا جس نے ام جمیل کو گالی دی۔

بعض نے کہا اس کی نصب علی الحالیۃ ہے اس لیے کہ اس کی اضافت غیر حقیقی ہے کیونکہ مراد یہ ہے کہ وہ قیامت میں لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے گی یعنی زقوم اور ضریع کی لکڑیاں۔ اور اس کے گلے میں آگ کی زنجیریں

ہوں گی جیسے مجرم کو اس کے جرُم کے مناسب عذاب کیا جاتا ہے۔

ف : قتادہ نے فرمایا کہ لکڑیاں چُن کر سر پر اٹھا کر لاتی باوجودیکہ مالدار تھی اس کے بخل پر عار دلانے کے لیے اسے حمالۃ الحطب کہا گیا۔ اب اس کی نصب یقیناً شتم کے طور ہے۔ بعض نے کہا کہ وہ لوگوں کی غیبت اور چغلخوری میں لگی رہتی اسے لکڑیوں کے گٹھے سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی وہ ان کے درمیان آگ سلگاتی اور شر ابھارتی تھی۔

ف : لکڑیاں اٹھانے سے مراد چغلی ہے اس لیے کہ وہ دو کے درمیان آتشِ عداوت بھڑکاتی ہے سہ

۱ میان دو کس جنگ چوں آتش است سخن چین بدبخت ہیزم کش است
۲ کنند این و آن خوش دگر بارہ دل وے اندر میان کور بخت و خجل
۳ میان دو کس آتش افروختن نہ عقلست خود درمیان سوختن

ترجمہ : (۱) دو کے درمیان جنگ (جھگڑا) آگ کی طرح ہے چغلخور بدبخت لکڑیاں ڈالنے والے کی طرح ہے۔

(۲) یہ اور وہ ایک دن ایک دوسرے سے راضی خوش ہو جائیں گے اور یہ درمیان بدبختی اور رسوائی اٹھائیگا۔

(۳) دو کے درمیان آگ بھڑکانا عقل مندی نہیں بلکہ خود کو جلانا ہے۔

فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ (اس کے گلے میں کھجور کی چھال کا رسّا) خبر مقدم اور مبتدا مؤخر ہے اور جملہ حالیہ ہے۔

حلِ لغات : الجید (بالکسر) العنق (گلا، گردن) رسّی باندھنے کی جگہ یا اس کا اگلا حصہ (الصحاح) المسد وہ رسّی جو بانٹی جائے سخت طریق سے، لیف (چھال) کی ہو یا چمڑے وغیرہ کی۔ کہا جاتا ہے، دابۃ ممسودۃ شدیدۃ الاسر (جانور چھال کی رسّی سے سخت مضبوط باندھا ہوا ہے)

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اس کے گلے میں وہ رسّی ہے جو چھال کی رسّیوں سے ہے اس کی عادت تھی کہ لکڑیوں کی گٹھڑی سر پر رکھ کر رسّی گلے میں باندھ دیتی جیسے لکڑیاں چننے والوں کا طریقہ ہے اس سے اس کے حال کی خساست کا اظہار ہے تاکہ اس کی تحقیر ہو اور اس کی وہ صورت بتائی گئی ہے جو لکڑیاں اٹھانے والی عورتیں چھال کی رسیوں سے لکڑیاں باندھ کر باہر سے لکڑیوں کی گٹھڑیاں لاتی ہیں تاکہ اس طرح سے اپنا غصّہ اتارے اور اس کا شوہر بھی، حالانکہ وہ عزّ و شرافت گھرانے والے اور ثروت اور بزرگی کے منصب پر فائز تھے۔

گلے کی رسّی میں لٹک گئی

مروۃ الہدانی فرماتے ہیں کہ اُم جمیل روزانہ کانٹے دار لکڑیاں چُن کر گٹھڑی لاتی اور انہیں مسلمانوں کے راستہ پر بکھیر دیتی تا کہ انھیں کانٹے چُبھیں، ایک رات حسب دستور لکڑیاں لا رہی تھی تھک گئی تو سستانے کے لیے ایک پتھر پر بیٹھی تو ایک فرشتے نے اسے پیچھے سے کھینچ کر نیچے گرا دیا، گٹھڑی کی رسّی گلے میں پھانسی کا کام کر گئی اسی طرح اس کی جان نکلی اور مرتے ہی جہنم میں پہنچی۔

ابوسفیان پر اژدہا کا حملہ اور معجزۂ رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

مروی ہے کہ جب یہ آیت اُتری تو اُم جمیل آگ بگولہ ہو کر اپنے بھائی ابوسفیان کے پاس پہنچی اور کہا، اے احمس (شیر، بہادر) تمہیں غیرت نہیں کہ (حضرت) محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے مجھے گالیاں دی ہیں۔ ابوسفیان نے کہا، ابھی اس کا سر کاٹ لاتا ہوں۔ تلوار اٹھائی اور چل دیا، لیکن فوراً واپس آگیا۔ ام جمیل نے پوچھا، میرے دشمن کا کام تمام کیا یا نہ (معاذ اللہ) ابوسفیان نے کہا، بہن! کیا تُو چاہتی ہے کہ تیرے بھائی کا سر اژدہا کا لقمہ ہو جائے۔ کہا بخدا! میں ایسا نہیں چاہتی۔ ابوسفیان نے کہا، ابھی کی بات ہے کہ میں باہر نکلا تو ایک اژدہا دیکھا جس کا مُنہ کھلا ہوا ہے اگر میں (حضرت) محمد (مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کے قریب ہوتا تو وہ اژدہا مجھے اپنا لقمہ بنا لیتا۔

سبق وہ ابوسفیان جو بعد میں مسلمان ہو گیا اور صحابیت کا درجہ پایا، اور اس کی بہن کی موت کفر پر ہوئی (ع

عجب رنگ ہیں زمانے کے)

یہ سب تقدیر ربانی کے کرشمے ہیں۔

سگِ اصحابِ کہف اور بلعم باعورا

کشف الاسرار میں ہے کہ کتا رنگ کا کالا تھا اور بلعم باعورا دین کے لباس سے مزین تھا لیکن شقاوۃ وسعادۃ ازلی اپنا کام کر گئی جو دونوں کے اندر چُھپی بیٹھی تھی، کُتے کی سعادت چمکی تو اس کی کھال اتار کر بلعم کو پہنائی گئی فمثلہ کمثل الکلب میں اسی طرف اشارہ ہے اور بلعم کی گُدڑی (ولایت کا لباس) کتے کو پہنائی گئی۔ قرآن مجید میں اسی کتے کے لیے ہے ثلاثۃ رابعھم کلبھم (تین اور چوتھا ان کا کتا)

مسئلہ: مسد پر وقف کیا جائے پھر کہا جائے اللہ اکبر۔ جیسے اس مسئلہ کے متعلق ہم کہہ آئے ہیں۔

الحمد للہ فقیر اویسی غفرلہٗ سورہ المسد کی تفسیر کے ترجمہ سے ۸ شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ بروز جمعۃ المبارک فارغ ہوا۔

سُوْرَةُ الْاِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اٰيَاتُهَا ۴ رُكُوْعُهَا ۱
سورۂ اخلاص مکی ہے اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا اس میں چار آیتیں ہیں
قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝۱ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝۲ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝۳ وَلَمْ
تم فرماؤ وہ اللہ ہے وہ ایک ہے اللہ بے نیاز ہے نہ اس کی کوئی اولاد اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ اس
يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝۴
کے جوڑ کا کوئی

سورۃ الاخلاص مکیہ ہے یا مدنیہ ہے اس کی چار یا پانچ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان اور رحم والا)

تفسیر عالمانہ

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (تم فرماؤ وہ اللہ ہے وہ ایک ہے) ضمیر شان کی ہے جیسے ھو زید منطلق۔ اس کا مرفوع ہونا مبتدا ہونے کی وجہ سے ہے، اس کی خبر جملہ خبریہ ہے اس میں عائد کی ضرورت نہیں کیونکہ وہی جملہ عین ضمیر شان کا ہے کیونکہ معنی ہے اللہ احد اس کی شان یہ ہے یا وہ یہ کہ بیشک اللہ ایک ہے۔

ف: اسے اول میں لانے میں تنبیہ ہے مضمون کی فخامۃ کی وجہ سے، علاوہ ازیں ابہام کے بعد تفسیر مزید تقریر ہے یا ضمیر اس کے لیے ہے جس سے سوال کیا گیا ہے یعنی جس کے متعلق تمہارا سوال ہے وہ اللہ ایک ہے۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ مشرکین نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ ہمیں اپنے معبود کی صفات بتائیے جس کی آپ ہمیں دعوت دیتے ہیں اور اس کی کوئی نسبت بھی بیان کیجئے۔ اس پر یہ سورۃ نازل ہوئی، یعنی بیان فرمائیے کہ وہ نسب سے منزہ ہے اسی لیے اس سے والدین کی نفی فرمائی اور مولودیۃ اور کفاوت کی، اس وقت ضمیر مبتدا اور اللہ اس کی خبر ہے احد اس سے بدل ہے خالص نکرہ کو معرفہ بدل بنانا جائز ہے جب اس سے کوئی فائدہ حاصل ہو جیسا کہ ابو علی کا مذہب ہے اور وہی مختار ہے۔ اللہ علم ہے الٰہ حق پر ایسی دلالت کرتا ہے جو جمیع اسمائے حسنیٰ معانی کا جامع ہے۔

صوفیانہ معنیٰ

حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہمارے (صوفیہ کرام کے) نزدیک ذاتِ الٰہیہ من حیث ھی ھی کا اسم ہے یعنی وہ ذات مطلقہ جس پر ادل ہیں مع جمیعہا یا بعضہا کوئی ایک میں صادق آئے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول قل ھو اللہ احد۔

عبد اللہ کون

عبداللہ وہ بندہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے جمیع اسماء سے متجلّی ہو اس سے بڑھ کر ارفع اور کوئی مقام نہیں اور نہ ہی شان سے بڑھ کر اعلیٰ اور کوئی ہے کیونکہ وہ اسم اعظم سے متحقق اور موصوف جمیع صفات الٰہیہ ہے اسی لیے یہ نام صرف اور صرف نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ فرمایا:

وانہ لما قام عبد اللہ یدعوہ ۔ جب کھڑا ہوا اللہ تعالیٰ کا بندہ جو اسے پکارتا تھا۔

درحقیقت یہ اسم ہے ہی صرف رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اور آپ کی اتباع میں اقطاب کے لیے جو آپ کے وارث کامل ہیں اگرچہ دوسروں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے تو مجازاً، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہر اسم موصوف ہے بجمیع الحکم الواحدیۃ واحدیۃ جمیع الاسماء ۔ احد اسم ہے اس کا جس کا کوئی شریک نہ ہو صفات میں جیسے واحد اسم ہے اس کا جس کا کوئی شریک نہ ہو صفات میں، یعنی احد وہ ذات واحد ہے جس میں کثرت کا اعتبار نہ ہو اللہ تعالیٰ کے لیے وہ احدیت ثابت کی گئی جو اپنے جملہ ماعدا سے غنی ہو، اور یہ من حیث العین والذات ہے بغیر اعتبار دوسرے امر کے۔ الواحد وہ ذات ہے جس میں کثرتِ صفات کا اعتبار ہو اور وہ حضرتِ الٰہیہ ہے اسی لیے فرمایا:

ان الٰھکم الٰہ واحد۔ (بیشک تمہارا معبود ایک ہے)

احد نہیں فرمایا اس لیے کہ واحدیت اسماء التقیید سے ہے واحدیۃ اور خلق کے درمیان ارتباط ہے من حیث الالٰہ والمالوہیۃ کے بخلاف احدیت کے کہ اس کا کسی سے ارتباط صحیح نہیں پس ان کا قول علم الالٰہی وہ علم بالحق ہے من حیث الارتباط بینہ وبین الخلق اور عالم کی انتشائے اسی سے ہے بقدر طاقت بشریہ کیونکہ اس کے آگے طاقتِ بشریہ وفا نہیں کر سکتی۔ یہ وہی مقام ہے جہاں کاملین ورطۂ حیرت میں پڑ جاتے ہیں اور حقِ معرفت سے اپنے عجز کا اقرار کرتے ہیں۔

ف: اس سے ثابت ہوا کہ توحید الذات کی الحقیقۃ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔

عبد الاحد کون

عبد الاحد وہ وحید الوقت اور صاحب الزمان ہے جس کو قطبیۃ کبریٰ اور قیام بالاحدیۃ الاولیٰ نصیب ہوتی ہے۔

عبد الواحد کون

وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ حضرۃ واحدیۃ تک پہنچائے اور اپنے جمیع اسماء کی احدیۃ مکشوف فرما دے پھر وہ اس کا ادراک کرے جس کا ادراک ہو سکتا ہے اور وہ کر سکتا ہے جو وہ اپنے اسماء سے کرتا ہے اور اسمائے حسنیٰ کا مشاہدہ کرتا ہے۔

سیرالی اللہ کے تین مقامات

حضرت ابن الشیخ نے اپنے حواشی میں لکھا کہ ھو اللہ احد کے تین الفاظ ہیں، ہر ایک میں سائرین الی اللہ کے مقام کی طرف اشارہ ہے :

(١) مقام اول مقربین کا مقام ہے یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ماہیات الاشیاء اور ان کے حقائق کو من حیث حیث دیکھا اسی لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو موجود نہیں مانا کیونکہ حق وہ ذات ہے جو واجب الوجود ہے اس کا ماسوا کا نام ممکن ہے اور ممکن وُہ ہے کہ جب اسے من حیث من حیث ہو ہو دیکھا جائے تو وہ معدوم ہو جائے اسی لیے ان حضرات نے ماسوی الحق کے کسی کو موجود دیکھا ہی نہیں اور کلمہ ھُوَ اگرچہ وہ اشارہ مطلقہ کے لیے ہے تعین المراد میں مفتقرہ (محتاج) ہے صرف سبقت ذکر باحد الوجوہ کی یا اس کے بعد کوئی شے آئے جو اس کی تفسیر کرے لیکن اس کا اشارہ حق کی طرف کرتے ہیں اس اشارہ میں اور کسی کی طرف محتاج نہیں ہمکہ مگر کوئی ایسی شے موجود ہو تو اس کی مراد کو غیر سے ممتاز کر دے کیونکہ تمیز کی محتاجی اس وقت ہے جب ابہام واقع ہو جائے بایں طور کہ متعدد ہو جائیں وہ اشیاء جن میں اشارہ کی صلاحیت ہو اور ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ مقربین اپنے عقول کی عیون سے سوائے واحد کے کسی اور شے کا مشاہدہ کرتے ہی نہیں۔ اسی لیے حصول العرفان التام کے لیے مقربین کو یہی ھُوَ کافی ہے۔

(٢) مقام اصحاب الیمین، وہ مقام اول سے مرتبہ میں کم ہے اس لیے کہ وہ حق کو موجود کا بھی مشاہدہ کرتے ہیں اور خلق کو بھی موجود پاتے ہیں اس معنیٰ پر موجودات میں کثرت حاصل ہُوئی اسی لیے ایسے لوگوں کے لیے اشارہ میں حق کی طرف لفظ ھو کافی نہیں ہوتا بلکہ ان کے لیے کوئی اور شے ضرور ہو جو حق کو خلق سے متمیز کرے ایسے لوگ محتاج ہوتے ہیں کہ لفظ ھُوَ کے ساتھ اللہ مقترن ہو، ان کے لیے فرمایا ھو اللہ۔ اس لیے کہ لفظ اللہ اسم ہے موجود کے لیے جس کا ماسوا محتاج ہے اور وہ تمام ماسوا سے مستغنی ہے اسی لیے اس کی ذات کو لفظ اللہ سے متمیز کیا جاتا ہے۔

(٣) مقام اصحاب الشمال، یہ مقام تمام مقامات سے خسیس ترین ہے وہ قائل ہیں کہ واجب الوجود ایک نہیں بلکہ بکثرت ہیں ان کے لیے لفظ احد ملایا پہلے اسماء کے ساتھ ان کے رد و ابطال کے لیے کہا قل ھو اللہ احد۔

ف : اس سے معلوم ہوا کہ صوفیہ کرام کا عقیدہ صحیح ہے وہ فرماتے ہیں اس کا ذکر صرف لفظ ھُوَ سے ہو اس لیے کہ ان کو وجود میں سوائے اللہ تعالےٰ کے غیر کا مشاہدہ ہی نہیں اللہ ان کے نزدیک اپنی ہویۃ مطلقہ ساریہ سے متعین ہے اس کے لیے تعیین (معین کرنا) کی ضرورت ہی نہیں اور ضمیر ھو صرف اسی کی طرف راجع

ہے جیسے انا انزلناہ کی ضمیر ہُ قرآن کی طرف راجع ہے اس کے تعین اور حضور فی الذہن کی وجہ سے (تعیین کی ضرورت نہیں) اس سے طعن کرنے والوں کا اعتراض مندفع ہوگیا کہ ضمیر ھُوَ کا کوئی مرجع متعین نہیں تو پھر ان صوفیہ کرام کے نزدیک صرف ذکر اللہ کیسے مردود ہے (ہم نے پہلے عرض کر دیا ہے کہ ھُوَ کا مرجع خود متعین ہے اسے متعین کرنے کی ضرورت نہیں) علاوہ ازیں ضمائر بھی اسماء ہیں اور تمام اسماء ذکر ہیں ان کے مظہریت (اسم کا مظہر ہونا) اور مضمریت (مضمر ہونا) میں کوئی فرق نہیں اس تقریر سے ثابت ہوا کہ ھُوَ پر الف ولام کا دخول صوفیہ کرام کے نزدیک جائز ہے اور یہ صرف صوفیہ کی اصطلاح[1] میں ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ اشارہ (ھُوَ) ہویۃ کی طرف ہے اور اصطلاح (صوفیہ) کی کسی کو مناقشہ (جھگڑا) نہیں۔

صوفیہ کا قُل

قُل عین الجمع سے امر ہے وارد ہے مظہر التفصیل پر۔ اس میں اشارہ ہے شھد اللہ انہ لا الٰہ الا ھو والملٰئکۃ واولوا العلم کے سر کی طرف۔ گویا وہ کہتا ہے میں نے گواہی دی وحدۃ الھویۃ کی مقام الجمع میں تو تم بھی گواہی دو اسی وحدۃ مقام الفرق میں تاکہ احدیۃ والالٰھیۃ کا راز ظاہر ہو اور ان کے مابین جمعاً وتفصیلاً کا تطابق حاصل ہو (ایسے ہی میرے دل پر یہ تحقیق ظاہر ہوئی واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال)

ف: اسے قُل کے بغیر اللہُ بھی پڑھا گیا ہے۔ ایسے ہی معوذتین میں بھی قُل نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ توحید ہے اور معوذتین میں تعوذ ہے اور ان دونوں کے سبب سے دُعا مانگنا اور ان کی تبلیغ کا حکم دینا مناسب ہے (سورۃ الاعلیٰ میں بقدرِ ضرورت بیان ہو چکا ہے اس میں تکرار کی ضرورت نہیں)

سوال: مصحف میں قُل ثابت کیوں رکھا گیا ہے اور تلاوت کا التزام بھی اسی پر ہے حالانکہ قاعدہ ہے کہ مامور بقُل کے طریقے سے نہیں کہ وہ مقام ائتمار (تعمیل فرمان) میں مقول کے بغیر قُل کو زبان پر لائے اس لیے کہ مامور صرف قُل سے مامور نہیں بلکہ اس میں مخاطب کی طرح دوسرے لوگ بھی اس امتحان میں داخل ہیں۔

جواب: قیامت تک بندوں پر باقی رکھنے کے لیے قُل کو ثابت رکھا گیا ہے۔

---

[1] صوفیہ کی اصطلاحات علیحدہ ہیں جو ہم ظاہر بینوں کو غلط فہمی میں ڈال دیتے ہیں بالخصوص آج کل کے جاہل دیوبندی وہابی اور ان کے دیگر ہمنوا فرقے ان اصطلاحات کی آڑ میں ہم اہلسنت کو کافر و مشرک بناتے پھرتے ہیں حالانکہ دیوبندی فرقہ کے اکابر کی تصریحات موجود ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم بھی صوفی ہیں اور صوفیہ کرام کی اصطلاحات پر ایمان ہے یہاں تک کہ وحدۃ الوجود کی اصطلاح تک کو صحیح مانتے ہیں بلکہ اس اصطلاح کی حقانیت پر اکابر دیوبند کی تصنیفات بھی ہیں لیکن ان کے جاہلوں کو کون سمجھائے۔ اویسی غفرلہٗ

اَللّٰهُ الصَّمَدُ (اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے) مبتدا و خبر ہے فعل بمعنی مفعول ہے جیسے قبض بمعنی مقبوض صمد الیہ از باب نصر سے ہے بمعنی قصدہ (اس کا ارادہ کیا) الصمد بمعنی السید المصمود الیہ فی الحوائج الخ (وہ آقا جس کی طرف حوائج کے وقت قصد کیا جائے ، اور وہ خود بذاتہٖ مستغنی ہو اور ماسوا تمام جملہ جہات سے اس کے محتاج ہوں اسی لیے کہا جا سکتا ہے کہ عالمِ وجود میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی صمد نہیں ، یہ ایسے ہے جیسے ہم مثال میں کہہ سکتے ہیں کہ زید الامیر یہ قصر الجنس علی زید کا فائدہ دیتا ہے جب وہ ایسا صمد ہے تو جس سے صمدیت کی نفی ہو گی تو لازماً صرف وہی ذات الوہیت کی مستحق ہو گی۔ اس کا معرفہ ہونا اس لیے کہ وہ اس کی صمدیت کو جانتے ہیں بخلاف اس کی احدیت کے (کہ اس کو بہت کم جانتے ہیں) اور اسم جلیل (اللہ) کا تکرار میں اشعار ہے کہ وہ جو موصوف ہے اس صفت سے تو وہ استحقاق الوہیت سے علیحدہ کیسے ہو سکتا ہے جس کا ابھی اشارہ گزرا ہے۔

ف : جملہ کو حرف عطف سے خالی رکھنا اس لیے کہ دوسرا جملہ پہلے جملہ کا نتیجہ ہے اور ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ الوہیت جملہ نعوت کمالیہ کی جامع ہے پھر احدیۃ ہر وجہ سے تعدد و ترکب کے شائبہ کے لیے اور مشارکۃ فی الحقیقۃ اور اس کے خواص کے توہم سے تنزہ کی موجب ہے پھر اس کی صمدیۃ مقتضی ہے اس کے استغناء ذاتی عما سواہ اور جملہ مخلوقات اپنے وجود اور بقاء اور اپنے احوال میں اسی کے محتاج ہیں حق کی تحقیق اور ان کے ارشاد واضح الی السنن کے لیے۔

ف : صمدیت کا اثبات اللہ تعالیٰ کے لیے اس اعتبار سے ہے کہ ہم وجود و کمالات میں اس کی طرف منسوب ہیں اور وہ کمالات وجود کے تابع ہیں ورنہ وہ اپنی ذاتی احدیۃ کے اعتبار سے اس صفت سے مستغنی ہے خلاصہ یہ کہ صمدیۃ اللہ تعالیٰ میں اعتبار کثرۃ اسماء و صفات کی مقتضی ہے (بخلاف احدیۃ کے کہ وہ کثرت اسماء و صفات کی مقتضی ہے (بخلاف احدیۃ کے کہ وہ کثرت اسماء و صفات کی مقتضی نہیں)

عبدالصمد کون

وہ ہے جو اس صمدیۃ کا مظہر ہے جس کی طرف قصد کیا جاتا ہے دفع بلیات اور امداد الخیرات کے لیے اور اسے دفعِ عذاب اور اعطائے ثواب کے اللہ تعالیٰ کے حضور میں شفیع بنایا جائے اللہ تعالیٰ جو ربوبیت کی نظرِ کرم عالم کی طرف فرماتا ہے تو اس کا مطمحِ نظر وہی عبدالصمد ہوتا ہے۔

صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ پر واردات

فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ میری باطن کی زبان پر بلا اختیار مندرج ذیل کلمات جاری ہو گئے اور یہ اشراق کے بعد ہوا۔ وہ کلمات یہ ہیں جن کے لیے میرا جی چاہتا کہ میں انہیں پڑھوں :

ازلی ابدی احدی صمدی۔ وہ ازلی ابدی احدی صمدی ہے۔

یعنی میرا رب تو ازلی ابدی احدی صمدی ہے ازلیۃ احدیۃ کی طرف ناظر ہے جیسے ابدیۃ صمدیۃ کی طرف ، یہ باعتبار تحلیل و تعقید کے ہے کیونکہ احدیۃ کا جلوہ نہیں ہوتا جب تک ازالۂ کثرات نہ ہو پس مقام غنی جو کہ غیب مطلق ہے تک پہنچنے سے کثرت زائل ہو جاتی ہے اور زوال ازلاً ہوتا ہے اور یہ تحلیل و فنا اور عبور منازل سے اور عروج مرصد اعلیٰ و مقصد اقصیٰ یمناً و علاً ہے بہرحال صمدیۃ باعتبار اس ابدیۃ کے ہے جسے بقا کہا جاتا ہے اور یہ تعقید بعد تحلیل کی مقتضی ہے اور یہ نزول مقام الیمین (بالمطلہ) کی طرف سے ہے یعنی عین خارجی اور عالم شہادت کی طرف اور یہ عالم ناسوت کی سب سے نچلی منزل ہے۔ خلاصہ یہ کہ احدیت جمع اور صمدیۃ فرق ہے خلاصہ یہ کہ مقام احدیۃ یہ وہ لفظ ہے جو غیر منقسم ہے جس سے جملہ تراکیب واحدیۃ منضبط ہوتی ہیں اس کے تعینات میں پہلا مرتبہ حضرت آدم پھر بی بی حوا (علی نبینا وعلیہما السلام) اس لیے کہ حوا اس ہوا کے بعد ظاہر ہوئیں جو آدم حقیقی کے تعین سے اٹھی، اسی لیے اس کی ہاء حاء سے تبدیل ہوئی۔

خواص احد وصمد اسم احد کی خاصیت ہے ظہور عالم قدرت اور اس کے آثار یہی وجہ ہے جو طہارت سے خلوت میں اسم احد کا ورد کرے تو اس کے لیے اس کی قوت وضعف کے مطابق عجائب وغرائب ظاہر ہوں گے اور اسم الصمد کی خاصیت حصول الخیر والصلاح ہے جو اسے سحر کے ایک سو پچیس بار پڑھے تو اس پر صدق وصدیقیۃ کے آثار ظاہر ہوں گے۔

ف : اللمعہ میں ہے کہ اس کا ورد کرنے والا جب تک اس کے ذکر سے سرشار رہے گا وہ بھوک کا درد نہ دیکھے گا۔

مسئلہ : ایک قراۃ میں احد کو منون و مکسور کر کے اللہ الصمد سے متصل ہے التقاء ساکنین کی وجہ سے اور ابو عمرو اکثر روایات میں ھو اللہ احد پر سکوت فرماتے تھے ، اور عرب کا گمان ہے کہ اس جیسی قراۃ میں وصل نہ ہو ان سے مروی ہے انہوں نے فرمایا اس کا وصل قراۃ محدثہ (بدعت) ہے۔ انہی سے مروی ہے کہ میں نے اسی طرح قراۃ پائی ہے جیسے عرب پڑھتے تھے قل ھو اللہ احد ۔ اگر تم اسے آگے وصل کرو تو اسے منون پڑھو۔ انہی سے مروی ہے انہوں نے فرمایا میرے نزدیک مستحب ہے کہ جب آیت کا مضمون ختم ہو تو اس پر سکوت کرنا چاہیے اس لیے کہ آیت مابعد سے منقطع ہے اور وہ اپنے معنیٰ پر اکتفا کرنے والی ہے اسی لیے یہ خود فاصلہ ہے اسی لیے اس کا نام آیۃ ہے ، ہاں وقف کے وقت سب کے سب احد اور الصمد کی دال کو ساکن پڑھتے ہیں۔

ربط : اس کے بعد بعض احکام جزئیہ کی تصریح فرمائی وہ احکام سابقہ میں مندرج ہیں۔

لَمْ یَلِدْ (کسی کو نہیں جنا) ملائکہ اور حضرت مسیح علیٰ نبینا وعلیہما السلام کو اللہ تعالیٰ کی اولاد کہنے

والوں کا منصوصاً رد ہے اسی لیے ماضی پر نفی وارد ہے لَنْ یَّلِدَ وَ لَا یَلِدُ نہیں فرمایا یعنی اس سے اولاد کا صدور نہیں ہوا کیونکہ وہ کسی کا ہم جنس نہیں تاکہ اس کی ہم جنس جورو ہو تاکہ بچے پیدا ہو سکیں یا یہ کہ وہ کسی کا محتاج نہیں جو اس کی مدد کرے یا اس کا جانشین ہو کیونکہ اسے کسی کی حاجت نہیں اور نہ اس پر فنا ہے۔

سوال : یہاں لَمْ یَلِدْ اور بنی اسرائیل میں فرمایا لَمْ یَتَّخِذْ۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب : نصاریٰ کے دو گروہ ہیں :

(۱) حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) خدا تعالیٰ کا حقیقی بیٹا ہے۔

لَمْ یَلِدْ میں انہی کا رد ہے۔

(۲) عیسیٰ (علیہ السلام) کو اللہ تعالیٰ نے (منہ بولا) بیٹا بنا رکھا ہے ان کی شرافت اور بزرگی کی وجہ سے، جیسے ابراہیم علیہ السلام کی شرافت پر انہیں خلیل بنایا۔

ان کے رد میں فرمایا :

لم یتخذ ولداً۔

وَلَمْ یُوْلَدْ (اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا) اس کی کسی سے ولادت کی نسبت نہیں کیونکہ اس پر عدم کی سبقت کی نسبت محال ہے۔

ف : بعض نے کہا کہ والدیۃ و مولودیۃ کی نسبت میں مثلیت ہی ہوتی ہے کیونکہ مولود کو ضروری ہے کہ وہ والد کے مثل ہو اور ہویۃ واجبہ اور ہویات ممکنہ کو آپس میں کوئی نسبت نہیں۔

تفسیر صوفیانہ

حضرت البقلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لم یلد و لم یولد کا مطلب یہ ہے کہ وہ حوادث کا محل نہیں اور حوادث اس کا محل ہیں اور تصریح ہے کہ وہ کسی سے پیدا نہیں ہوا باوجودیکہ وہ اس کے مضمون کے معترف ہیں ماقبل کی تقریر سے اور اس کی تحقیق بالاشارہ سے کہ وہ دونوں لازم و ملزوم ہیں کہ جو دوسرے کو جنتا ہے وہ کسی دوسرے سے پیدا ہوتا ہے اور وہ جو کسی کو نہ جنے وہ کسی سے پیدا نہیں ہوتا اس سے لازماً ثابت ہوا کہ اس نے کسی کو نہیں جنا تو وہ بھی کسی سے پیدا نہیں ہوا۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ لم یلد کا ذکر مقدم اس لیے فرمایا کہ کفار کا دعویٰ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے لیکن ان کا یہ دعویٰ نہ تھا کہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے۔

ف : تفسیر فارسی میں ہے کہ لم یلد میں یہود کا رد ہے وہ قائل تھے کہ عزیر علیہ السلام (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے و لم یولد میں نصاریٰ کا رد ہے وہ قائل تھے کہ (معاذ اللہ) عیسیٰ علیہ السلام خدا (معبود) ہے۔

ف : حضرت ابو اللیث نے فرمایا کہ لم یلد یعنی اس کی اولاد نہیں کہ اس کی وارث ہو و لم یولد اور اس کا

کوئی والد نہیں کہ یہ اس کا وارث ہو۔

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (اور نہ اس کے جوڑ کا کوئی)

تفسیر عالمانہ

حلِ لغات: کہا جاتا ہے ھذا کفاءُہٗ و کفوءُہٗ یعنی یہ اس کی مثل ہے کافأ فلاناً ماثلہ وہ اس کا ہم مثل ہے لہٗ اس کا صلہ ہے اس پر مقدم ہے باوجودیکہ اس کا حق ہے کہ وہ مؤخر ہو اس کے مہتم ہونے کی وجہ سے مقدم کیا گیا اس لیے مقصود ہے اللہ تعالیٰ کی ذات سے کفو کی نفی، یعنی نہ اس کا کوئی ہم کفو ہے نہ ہم مثل ہے نہ ہم شکل بلکہ تمام اکفاء (امثال) کا خالق وہی ہے۔

ف: یہ بھی جائز ہے کہ اس سے کفو فی النکاح مراد ہو، اس سے کسی سے نکاح کی نفی مراد ہے۔

ف: اسم کان کی نفی کی تاخیر رعایت فواصل کی وجہ سے ہے۔

ربط جمل ثلاث

ان تینوں جملوں کا رابطہ بالعطف یُوں ہوگا کہ ان سے تینوں اقسام کی نفی مراد ہے، درحقیقت یہ ایک جملہ ہے صرف تنبیہ کی خاطر انہیں علیحدہ علیحدہ ذکر کیا گیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہویۃ احدیۃ کثرت و انقسام کو قبول نہیں کرتی اور نہ ہی وحدۃ ذاتیہ غیر کو مقارن ہے اس لیے کہ وجود مطلق کے سوا باقی سب عدم محض ہے اسی لیے اس کا کوئی ہم مثل نہیں ہو سکتا کیونکہ عدم محض وجود محض کا مثل کہاں۔

ف: کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس میں مجوس و مشرکینِ عرب کا رد ہے انہوں نے کہا کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کی کفو ہے۔ اور مفسرین نے فرمایا کہ اس سورۃ کی ہر ایک آیت اپنی پہلی آیت کی تفسیر ہے مثلاً کوئی کہے ھُوَ کون ہے؟ تم کہو احد۔ پھر کہے کہ احد کون ہے؟ تم کہو صمد۔ پھر وہ پوچھے صمد کون ہے؟ تم کہو لم یلد و لم یولد۔ وہ سوال کرے کہ لم یلد و لم یولد کون ہے؟ تم کہو لم یکن لہٗ کفوا احد۔

عجائبات التفاسیر

بعض نے فرمایا کہ والہین کا کاشف ھُوَ اور موحدین کا کاشف اللہ اور عارفین کا کاشف احد اور علماء کا کاشف الصمد اور عقلاء کا لم یلد یعنی لم یلد میں توحید العوام کی طرف اشارہ ہے کہ وہ صانع پر شواہد و دلائل سے استدلال کرتے ہیں۔

(۲) بعض اکابر نے فرمایا کہ سورۂ اخلاص میں حال النزول کی طرف اشارہ ہے اور وُہ مجذوب کا حال ہے کہ وہ سب سے پہلے کہے ھو اللہ احد اللہ الصمد الخ اور صعود کا حال آخر سے معتبر ہے ھو کی جانب، مثلاً

پہلے کہے لم یکن لہٗ کفواً احد پھر ترقی کرتا ہُوا آخر میں کہے ھُوَ۔ لیکن سالک کو لائق نہیں کہ وہ قرآن میں صرف ھُوَ کے وجدان پر اکتفا ر نہ کرے بلکہ اسے لازم ہے کہ وہ قرآن فعلی کی طرف ترقی کرے پھر وہ قرآن کے ھُوَ کا مشاہدہ کرے اور ھُوَ تمام عوالم کو محیط ہے، یہی وُہ پہلا مکاشفہ ہے جو سالک کو منکشف پر ہوتا ہے اور یہ سورۃ باوجودیکہ چھوٹی ہے لیکن جمیع معارفِ الٰہیہ پر مشتمل ہے، اور اس میں ان ملحدین کا رد ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات میں الحاد کرتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

سُورۃ اخلاص تہائی قرآن کے برابر ہے۔

ف: اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کے مضامین عقائد و احکام و قصص پر مشتمل ہیں اور مقصود بالذات اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہ علم ابتداً اور اس کی صفات سے حاصل ہوتا ہے باقی اس کے ذرائع و وسائل و اسباب ہیں۔

فضائل سورۃ اخلاص

(۱) نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کی بنیاد سورۃ اخلاص پر ہے یعنی ان کی تخلیق توحیدِ الٰہی اور اس کی معرفت و صفات کے دلائل کے لیے ہے اور وہ سب کے سب اسی میں ہیں۔

(۲) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے ایک آدمی کو یہ سورہ قل ھو اللّٰہ پڑھتے ہوئے سُنا آپ نے فرمایا: وَجَبَت (واجب ہوگئی) پوچھا گیا: کیا واجب ہوگئی؟ فرمایا: وجبت لہ الجنۃ (اس کے لیے جنّت واجب ہوگئی)۔

(۳) حضرت سُہیل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک شخص حاضر ہُوا' فقر و فاقہ کی شکایت کی۔ فرمایا: جب گھر میں داخل ہو تو اگر کوئی گھر میں ہے تو اسے السلام علیکم کہو، اگر کوئی نہ ہو تو خود پر سلام کہو پھر قل ھو اللّٰہ احد الخ ایک بار پڑھو۔

اس شخص نے اس پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے رزق کی فراوانی کر دی یہاں تک کہ وہ اپنے ہمسائیگان پر بھی خرچ کرنے لگا۔

وظیفہ سورۃ الاخلاص

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

من قرأ قل ھو اللّٰہ احد بعد صلاۃ الفجر احدی عشرۃ مرۃ لم یلحقہ ذنب یومئذ و لو اجتھد الشیطان (جو صبح کی نماز کے بعد گیارہ مرتبہ سورہ اخلاص پڑھ لے اسے گناہ لاحق نہ ہوگا اگر شیطان کوشش کرے)

حدیث شریف میں ہے،

ایعجز احدکم ان یقرأ القرآن فی لیلۃ واحدۃ فقیل یا رسول اللہ من یطیق ذلک قال ان یقرأ قل ھو اللہ احد ثلاث مرات۔

کیا تمہارا ایک اس سے عاجز ہے کہ وہ ایک رات میں پورے قرآن مجید کی تلاوت کرے۔ عرض کی گئی، اس کی طاقت کس کو۔ فرمایا صرف قل ھو اللہ احد تین بار پڑھ لیا کرے۔

(۵) معاویہ کا جنازہ مدینہ میں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تبوک میں

مروی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام تبوک میں حاضر ہوئے، عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! معاویہ بن المزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ میں فوت ہو گیا ہے حکم ہو تو میں زمین لپیٹ کر آپ کے آگے رکھ دوں اور آپ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں۔ آپ نے فرمایا، کیوں نہیں! حضرت جبریل علیہ السلام نے زمین پر پر مارے تو معاویہ بن مزنی کا جنازہ آپ کے سامنے لایا گیا آپ نے ان پر نماز جنازہ پڑھائی آپ کے پیچھے دو صفیں ملائکہ کرام کی تھیں ہر صف میں ستر ہزار فرشتہ تھا۔ وہ لوٹ گئے تو آپ نے فرمایا اے جبریل (علیہ السلام) معاویہ بن المزنی نے یہ مرتبہ کہاں سے پایا؟ عرض کی قل ھو اللہ احد سے محبت کی وجہ سے کہ وہ آتے جاتے اُٹھتے بیٹھتے اور ہر حال میں اسے پڑھتا رہتا تھا۔ (رواہ الطبرانی)

(۶) جب سورۃ الاخلاص نازل ہوئی تو اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتہ آیا، جب بھی وہ آسمان والوں کے پاس سے گزرتے تو وہ ان سے پوچھتے کہ تمہارے ساتھ کیا ہے؟ تو وہ کہتے نسبۃ الرب۔ اسی لیے اس سورۃ کا نام نسبۃ الرب ہے۔ (کشف الاسرار)

اس کا نام سورۃ الاخلاص بھی ہے اس لیے کہ یہ شرک سے اخلاص اور عذاب سے خلاصی بخشتی ہے یا توحید میں خالص ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ؎

بعفو ربی وثیقتی یا لخلاص
واعتصامی بسورۃ الاخلاص

ترجمہ: میرے رب تعالیٰ کا عفو میرے چھٹکارے کا وثیقہ ہے اور میرا اعتصام سورۃ الاخلاص سے ہے۔

اس لیے کہ یہ سورۃ خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہے کہ اس میں سوائے اس کے اور کسی شے کا ذکر نہیں، نہ

دنیا کا نہ آخرت کا۔

حنفی نے کہا کہ یہ اپنے پڑھنے والے شدائد آخرت اور سکرات الموت اور ظلمات القبر اور اہوال القیامۃ سے نجات بخشتی ہے۔

حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اخلاص اس لیے کہ اس میں حقیقۃ احدیۃ کو شائبہ کثرت سے خالص کرنا ہے۔

(صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا) سورۃ الاخلاص کی تفسیر سے پیر کے دن ۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۱۱۷ھ کو فراغت ہوئی۔

اور فقیر اویسی غفرلہ، تفسیر سورۃ الاخلاص کے ترجمہ سے ۹ شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ بروز ہفتہ فارغ ہوا۔ (الحمد للہ علی ذلک)

سُوْرَۃُ الْفَلَقِ مَکِّیَّۃٌ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ اٰیَاتُہَا ۵ رُکُوْعُہَا ۱

سورۃ الفلق مکی ہے اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا اس میں پانچ آیتیں ہیں

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝١ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝٢ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا

تم فرماؤ میں اس کی پناہ لیتا ہوں جو صبح کا پیدا کرنے والا ہے اس کی سب مخلوق کی شر سے اور اندھیری ڈالنے والے کے شر سے

وَقَبَ ۝٣ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ۝٤ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ۝٥

جب وہ ڈوبے اور ان عورتوں کے شر سے جو گرہوں میں پھونکتی ہیں اور حسد والے کے شر سے جب وہ مجھ سے جلے۔

سورۃ الفلق مدنیہ ہے اور اس کی پانچ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ (اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان اور رحم والا)

تفسیر عالمانہ

قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (تم فرماؤ میں اس کی پناہ لیتا ہوں جو صبح کا پیدا کرنے والا ہے)

حلِ لغات: الفلق بمعنی الصبح اس لیے کہ اس سے رات جدا ہوتی ہے یہ باب الحذف و الایصال کے باب سے ہے فعل بمعنی مفعول ہے اور یہ اس وقت متحقق ہو سکتا ہے جبکہ شے پوشیدہ اور محجوب ہو کسی دوسری شے سے پھر حجاب ساتر کو مستور سے ہٹایا جائے اور زائل کیا جائے تو اس سے مستور ظاہر ہو جائے اس کے زوال سے وہ شے منکشف ہو جائے اور وہ حجاب جو ہٹایا گیا ہے وہ مفلوق ہے اور وہ جو محجوب و منکشف حجاب کے ہٹنے سے ہے وہ مفلوق عنہ ہے اور وہ صبح مفلوق عنہ ہوئی اس ظلمت کے زوال سے جو ظلمت لیل سے محجوب تھی اسی لیے جو شے زیادہ روشن ہو اسے کہا جاتا ہے: ھو ابین من فلق الصبح (وہ صبح کے کھلنے سے زیادہ واضح ہے)

تفسیر صوفیانہ

تمام خلق بمعنی فلق ہے اس لیے کہ تمام ممکنات یعنی اعیان ثابتہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ظلمۃ العدم کے تحت مستور و محجوب تھے اللہ تعالیٰ نے ان ظلمات کو نورِ تکوین و ایجاد سے روشن کر کے ظاہر فرمایا ان مکونات کو جو اس کے علم میں تھا اسی لیے وہ مکونات مفلوق عنہا ہوئیں

نکتہ

عیاذ (پناہ مانگنا) کو اسم رب سے جو مضاف ہے فلق کی طرف وہ جو اس نور کی خبر دیتا ہے جو ظلمت کے بعد نور اور تنگی کے بعد وسعت اور بندش کے بعد کھلنا کا وعدہ کریمہ ہے کہ جو پناہ مانگنے والے کو جس سے پناہ مانگ رہا ہے سے ضرور پناہ اور اس سے نجات اور ان کی امید کو تقویت بخشی جائے گی جیسا کہ

اس کے بعض نظائر کی تذکیر اور اس کی جدوجہد کی مزید ترغیب اور اس کی طرف التجا اور رب سے پناہ مانگنے سے معلوم ہوتا ہے۔

نکتہ: علماءِ کرام نے فرمایا کہ طلوعِ صبح پر ثقالت خفت سے اور غم فرحت سے بدل جاتا ہے۔

جبریل و یوسف علیہما السلام کا قصہ مروی ہے کہ جب یوسف علیہ السلام کنویں میں گرائے گئے تو آپ کے گھٹنوں پر چوٹ آئی جس کے درد سے ساری رات آرام نہ فرمایا، صبح سے پہلے حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا اے یوسف (علیہ السلام) اللہ سے دعا کیجئے تاکہ آپ کو شفاء ہو۔ آپ نے فرمایا اے جبریل علیہ السلام! آپ دعا فرمائیں اور میں آمین کہوں۔ جبریل علیہ السلام نے دعا مانگی اور یوسف علیہ السلام نے آمین کہی۔ اس سے اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو شفاء بخشی۔ پھر یوسف علیہ السلام نے جبریل علیہ السلام کو فرمایا اب میں دعا مانگوں آپ آمین کہیں۔ یوسف علیہ السلام نے عرض کی: یا اللہ! اس وقت جتنے درد میں مبتلا ہیں سب کے درد دور فرما دے۔

ف: تجربہ شاہد ہے کہ اول اللیل میں درد اور مرض میں مبتلا آخر شب میں آرام پاتا ہے۔

حکایت ایک صحابی رضی اللہ عنہ ملک شام سے تشریف لائے تو راستہ میں اہلِ ذمہ (ذمی کافروں) کے جھونپڑے دیکھے جن میں سے کسی قسم کے عیش و آرام کے آثار نظر نہ آتے تھے فرمایا کیا ان کے پیچھے الفلق نہیں۔ پوچھا گیا الفلق کیا ہے؟ فرمایا: جہنم میں ایک گھر ہے کہ جب اس کا دروازہ کھلے گا تو تمام اہلِ جہنم کی چیخیں نکل جائیں گی۔

تفسیر عالمانہ مِن شَرِّ مَا خَلَقَ (اس کی تمام مخلوق کے شر سے) اس کے شر سے جو ثقلین (جن و انس) وغیرہ کی مخلوق ہے جو بھی اہلِ طبائع و صاحبانِ اختیار ہیں یعنی ان کے موذیوں میں سے انس و جن ہیں یا درندے ہیں یا موذی کیڑے مکوڑے۔ اس میں جمیع شرور و مضار (ضرر رساں اشیاء) بدنیہ ہوں یا ان کی غیر، سب شامل ہیں ضرب ہو یا قتل اور شتم، اور دانت چبانا ہو یا ڈسنا اور جادو ہو وغیرہ وغیرہ۔ اور شر کی اضافت مخلوق کی طرف میں اشارہ ہے کہ یہ شر عالمِ خلق سے متعلق جن میں متباین (مختلف) مواد کے امتزاج کی بنیاد رکھی گئی ہے اور ان میں متضادہ اور ایک دوسرے کے آگے پیچھے کیفیات رکھی گئی ہیں اس لیے کہ عالمِ کون و فساد کا یہی تقاضا ہے ورنہ عالمِ آخرت وہ تو خیر محض ہے وہ شوائب شر سے بالکل منزہ ہے۔

معتزلہ کی توحید پرستی کا نمونہ چونکہ معتزلہ شر کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے کو ناجائز سمجھتے ہیں کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شر کا خالق نہیں اسی لیے وہ شیئٍ کو منون پڑھتے

ہیں اور ما خلق کا ما نافیہ مانتے ہیں یہ قراۃ بالکل مردود ہے کیونکہ اس کی بنا باطل مذہب پر ہے جو قرآن مجید کی نص صریح کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اللہ خالق کل شئ۔ (اللہ تعالیٰ ہر شے کا خالق ہے)

وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ (اور اندھیری ڈالنے والے کے شر سے) یعنی شر کو خصوصیت سے ذکر فرمایا ہے حالانکہ یہ ماقبل شر میں مندرج ہیں اس لیے کہ اس سے پناہ مانگنے کی بار بار ضرورت پڑتی ہے کیونکہ یہ کثیر الوقوع ہیں اور استعاذ کی تعیین اس سے استعاذہ زیادہ ضروری ہے اور رات کے شر سے جو سخت اندھیریوں میں لپٹی ہوتی ہے اور شفق کے غائب ہونے کے بعد ہے الیل۔

حل لغات: اللہ تعالیٰ کے قول الیٰ غسق اللیل سے ہے یعنی اس کی اندھیریوں کے اجتماع تک۔ القاموس میں ہے: الغسق (محرکۃ) اول شب کی تاریکی۔ وغسق اللیل غسقاً (حرکت کے ساتھ) یعنی اس کی تاریکی سخت ہوگئی۔ غاسق اللیل بمعنی اندھیرا ڈالنے والی رات کما فی المفردات دراصل الغسق بمعنی امتلاء (پُر ہونا) کہا جاتا ہے، غسقت العین (آنکھ آنسوؤں سے پُر ہوگئی)۔ دمع (آنسوؤں کا بہنا) اور غسق العین (آنکھ سے آنسوؤں کا بہنا) اور شر کی لیل کی طرف اضافت ملابست کی وجہ سے ہے کہ وہ شرارت میں حادث ہوتا ہے اور اس کی تنکیر اپنے جمیع افراد کے شامل ہونے کی وجہ سے ہے نہ کہ اس کے تمام اجزاء کی وجہ سے۔

إِذَا وَقَبَ (جب وہ ڈوبے)

حلِ لغات: الوقب بمعنی کسی شے کا چھپنا، جیسے پتھر کا چھپنا کہ اس میں پانی جمع ہوتا ہے۔ وقب بمعنی دخل فی وقب۔ اسی سے ہے وقبت الشمس بمعنی غابت (سورج غائب ہوگیا) وقب الظلام (تاریکی داخل ہوگئی)

اب معنی یہ ہوا کہ جب اندھیرا ہر شے میں داخل ہو جائے اس سے مقید کیا گیا اس لیے اکثر شر اس وقت میں واقع ہوتا ہے اور اس سے بچنا سخت مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے،

اللیل اخفیٰ للویل (خرابی کے لیے رات مخفی ہے)

اور کہا جاتا ہے: اغدر اللیل کیونکہ جب اندھیرا تیز ہو جاتا ہے تو اس میں شر کا غلبہ زیادہ ہوتا ہے لیکن فریادرس بہت کم ہوتے ہیں۔

مسئلہ: اگر کوئی رات کے وقت ہتھیار اٹھا کر چلتا ہے اور کوئی اس سے ہتھیار چھین کر اس کو قتل کر دے تو قصاص نہیں۔ اگر دن کو ایسے ہوا تو قصاص واجب ہے اس لیے کہ دن میں فریاد رس بکثرت ہوتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ جنگجو لوگ رات کو آتے ہیں اور شریر جنات اور موذی درندے اور دیگر ضرر رساں کیڑے مکوڑے رات کو نکلتے ہیں ۔

حدیث شریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے رات کے اول وقت میں سفر سے روکا ہے اور برتنوں کو چھپانے اور دروازوں کو بند کرنے اور مشکیزوں کے باندھنے اور بچوں کو گھر سے باہر نہ جانے کا حکم فرمایا ہے ۔

ف : یہ صرف شر و بلا سے بچنے بچانے کی وجہ سے ہے ۔

ف : بعض نے کہا الغاسق سے القمر مراد ہے جب پُر ہو جائے اور وقوب بمعنی دخول فی الخسوف ہے اور اس کا سیاہ ہونا ۔

حدیث شریف اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے ایک شب میرے دونوں ہاتھوں کو پکڑ کر چاند کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے اس چاند کے شر سے پناہ مانگ، کیونکہ یہ غاسق (اندھیری ڈالنے والا) ہے جب وہ ڈوب جائے اور اس کا شر یہ ہے جس سے بچنا ہوتا ہے جو کہ ابدان میں سرایت کر جاتا ہے یعنی وہ آفات جو اس کے سبب سے پیدا ہوتی ہیں، اور ادیان میں بھی اس کا شر سرایت کرتا ہے جیسے وُہ فتنہ جس میں اس کے پجاری اور سورج کے پجاری مبتلا ہُوئے ۔

ف : بعض نے کہا کہ غاسق سے چاند سے تعبیر کرنا اس لیے کہ چاند کا جرم (جسم) اندھیرے والا ہے اور اس کی روشنی سورج کے نُور کی مرہُونِ منت ہے اور اس کا وقوب اس کا وہ چھپنا ہے جو آخری راتوں (۲۷ ، ۲۸ ، ۲۹ تاریخ) میں ہوتا ہے ۔ منجمین ان تواریخ کو منحوس سمجھتے ہیں اسی لیے ان تواریخ میں جادوگر کسی کو مریض کرنے کے لیے جادو کا عمل نہیں کرتے ۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ اسے منحوس نہ سمجھا جائے تو کم از کم چاند کے چھپ جانے کی وجہ سے یہی مراد ہو اور سببِ نزول بھی اس کا مؤید ہے ۔

ف : بعض نے کہا غاسق سے مراد ثریا (کہکشاں) مراد ہے اور اس کے وقوب سے اس کا سقوط مراد ہے کیونکہ جب یہ ساقط ہوتی ہے تو امراض کی کثرت ہو جاتی ہے اور طاعون اور وبا ، جیسی بیماریاں انہی ایام میں پھیلتی ہیں اور جب یہ ظاہر ہوتی ہے تو بیماریاں اور درد و آلام کم ہو جاتے ہیں ۔

ف : بعض نے کہا غاسق سے مراد وہ شر ہے جو انسان کو عارض ہوتا ہے اور وقوب سے اس کا ہجوم (غلبہ) اور یہ بھی ہے کہ غاسق سے کالا سانپ اور وقوب سے اس کا ڈسنا اور زہر پھیلانا مراد ہے ۔

القاموس میں ہے کہ غاسق ذکر ہے اور وقب سے بندے کا عبادت کے لیے قیام کرنا مراد ہے۔ یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور ایک بڑی جماعت سے منقول ہے۔

وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ (اور عورتوں کے شر سے جو پھونکتی ہیں) یعنی پھونک مارنے والیوں کے شر سے۔

حل لغات: النفث 'النفخ' کے مشابہ ہے۔ وہ پھونک جو منتر کے وقت ماری جاتی ہے اس میں تھوک نہیں نکالی جاتی۔ اگر تھوک بھی جائے تو اسے تفل کہا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے نفث الراقی ینفث (بالضم و بالکسر) (منتری نے منتر پھونکا) النفّاثات (بالتشدید) اس سے فعل کا تکرار مراد ہے اور اسے کارگزاری (عادت) کے طور پر عمل کرنا۔ النفّاثات فعل کر دفعۃ واحدۃ اور اس کا تکرار دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔

فِی الْعُقَدِ (گرہوں میں)

حلِ لغات عقدہ کی جمع ہے، وہ جو وتر[1] یا رسی یا بال پر گرہ لگائی جائے، یعنی وہ جو پھونکتا اور منتر پڑھتا ہے اس کا اصل عزیمۃ (منتر) سے ہے اسی لیے اسے منتر کہا جاتا ہے جیسے عزیمہ کو عقدہ۔ اسی سے ساحر معقد (جادوگر سحر پھینکنے والا) ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ نفوس یا ان جادوگر عورتوں کے شر سے جو گرہ لگاتی ہیں تاگوں میں اور ان پر پھونکتی ہیں۔

ف: اس کا حرف تعریف عہد کے لیے یا اس آگاہی کے لیے ہے کہ یہ ان کے جمیع شرور کو شامل ہے اور وہ جو خالص اسی کا' یہ لگی ہوئی ہیں اور عورتوں کی تخصیص ایک وجہ سے ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جادو حضرت ابن عباس و سیدہ صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ ایک یہودی لڑکا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کرتا تھا اس کے پاس حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کنگھا مبارک کے چند دندانے تھے اس نے وہ یہود کو دے دیے جنہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جادو کر دیا۔

حکمت کی باتیں ناخن کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کرکے زمین میں دفن کیے جائیں ایسے ہی سر اور داڑھی کے بال کل یا بعض بھی زمین میں دفنائے جائیں تاکہ ان سے فائدہ اٹھا کر کوئی کسی پر جادو نہ کرے۔

لبید کا جادو لبید بن عاصم یہودی اور اس کی لڑکیوں نے گرہوں میں پھونکا تھا، پھر انہیں بئر اریس میں دفن کر دیا۔

ف: عین المعانی میں ہے کہ وہ بئر زریق میں دفنائے گئے تھے۔ اس کا نام ذروان بھی ہے۔ اس کے بعد حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیمار ہو گئے تھے۔

---

[1] چمڑے کی باریک رسی۔

شانِ نزول مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم چھ ماہ بیمار رہے تو حضرت جبریل علیہ السلام معوذتین (سورہ فلق و سورہ الناس) لائے۔

حلِ لغات : المعوذتین (بکسر الواو) (القاموس) جبریل علیہ السلام نے جادو کی جگہ اور جس نے جادو کیا اور کیوں کیا خبر دی تو حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت زبیر اور حضرت عمار رضی اللہ عنہم کو بلا بھیجا انہوں نے کنواں کھودا تو اس کنویں سے پتھر نکلا وہ پتھر اٹھایا جو کنویں کی تہ میں تھا اس کے نیچے سے کنگھا کے دندانے اور ان کے ساتھ تاگے تھے جن پر گیارہ گرہیں تھیں جن پر سوئیاں جڑی تھیں انھیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں لے آئے۔

اس کے بعد حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معوذتین پڑھتے تو ایک گرہ کھل جاتی تھی اس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آرام محسوس کرتے، یہاں تک کہ سورتوں کی آخری آیت تک حضور علیہ السلام کو کلی طور پر آرام ہو گیا۔ حضرت جبریل علیہ السلام پڑھتے تھے:

بسم اللہ ارقیک واللہ یشفیک من کل
شئ یؤذیک من عین وحاسد۔

اللہ تعالیٰ کے نام سے پھونکتا ہوں اللہ تعالیٰ
ہی آپ کو شفاء دے گا ہر اس شئے سے
جو آپ کو اذیت پہنچائے۔

ردِ وہابیہ اسی لیے کچھ پڑھ کر دم کرنا پھونکنا شرعاً جائز ہے جب وہ کلامِ الٰہی و کلامِ نبوی ہو، وہ کلام ناجائز ہے جو سریانی، عبرانی، ہندی میں ہو (جبکہ اس کا معنی معلوم نہ ہو یا وہ کلمات شرکیہ ہوں) اور نہ ہی ان پر کوئی اعتقاد ہو۔

جادوگر کو معاف فرمایا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا ہم اس خبیث کو قتل نہ کر دیں؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے صحت بخشی ہے اب میں نہیں چاہتا کہ لوگوں میں شر پھیلاؤں۔

سیرۃ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ام المومنین سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ اپنے لیے بدلہ لینے کے طور کسی پر ناراض نہ ہوئے ہاں اگر ناراض ہوئے تو اللہ تعالیٰ کے لیے، تو اللہ اس پر ناراض ہو کر اس سے بدلہ لیا۔

ف : بعض نے کہا کہ نفث فی العقد سے مراد ہے لوگوں کے وہ عزائم باطل کر دینا جن سے وہ حیلہ و مکر کر کے لوگوں کو نقصان پہنچائیں یہ مستعار ہیں تھوک کے ساتھ گرہوں کو آسانی سے کھولنے سے۔ اس تقریر پر نفاثات

پر عورتوں کی جنس ہے جن کا طریقہ ہے جو اپنے شوہروں پر غلبہ پاکر ان کے نیک ارادے پھیر لیتی ہیں گوناگوں حیلوں اور مکروں سے (نہ وہ عورتیں جو اپنے شوہروں کی دینی امور کی معاون ہیں)

اب آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ مردوں کے دلوں میں عورتوں کی محبت کے استقرار سے وہ عورتیں مردوں پر تصرف کرتی ہیں اور انہیں نیک آراء سے ہٹا کر اپنے بُرے عزائم و مقاصد کی طرف پھیر دیتی ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ایسی عورتوں سے پناہ مانگنے کا حکم فرمایا ہے (تاکہ امت کو آگاہی ہو)

سحر کیا ہے ؟ معتزلہ کہتے ہیں سحر کچھ نہیں یہ ایک خیالی بات ہے (اسی لیے آج کل کے بعض بدمذاہب سحر کے منکر ہیں اور بعض سحر علی النبی کی احادیث کے بھی منکر ہیں، تفصیل آگے آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ)

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ایک ایسی بیماری ہے جیسے انگڑائی لینے والے کے منہ سے ایک قسم کی ہوا خارج ہوتی ہے اور وہ پھونک بالمقابل (جس پر سحر انداز) پر اثر انداز ہوتی ہے ہمارے نزدیک وہ سرعۃ الحرکۃ اور لطافت الفعل ہے جس کا فہم مشکل ہے۔

مسئلہ: بعض نے کہا طلسم کی بناء تاثیر خصائص کواکب پر ہے جیسے سورج کی تاثیر فرعون کے جادوگروں کی لاٹھیوں کے تیل میں اثر انداز ہوئی۔

معتزلہ اور پرویزی بھائی بھائی معتزلہ ایسے ہی پرویزی چکڑالوی یعنی منکرینِ قدرت سحر علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی روایات کے منکر ہیں اس کا بھی انہیں انکار ہے کہ سحر کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اثر انداز ہوتا۔

سوال معتزلہ اور پرویز ان احادیث کو ہم کیسے تسلیم کریں جو قرآن مجید کی نص کے خلاف ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

واللہ یعصمک من الناس (اللہ تعالیٰ تمہیں لوگوں سے بچائے گا)

اور فرمایا:

فلا یفلح الساحر حیث اتی (اور جادوگر فلاح نہ پائے گا)

اس لیے کہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جادو کا اثر مان لیں تو نبوت میں قدح لازم آئے گی نیز کفار حضور علیہ السلام کو جادوگر کہتے تھے اگر آپ پر جادو کا اثر مان لیا جائے تو کفار کا دعویٰ سچا ہو جائے گا نیز وہ آپ کو مسحور یعنی مجنون کہتے تھے۔ اور آپ پر جس حیثیت سے سحر کی روایات ہیں اس سے آپ پر جنون کا شائبہ ہوتا ہے کیونکہ سحر سے عقل زائل ہو جاتی ہے اور یہ نبوت میں عیب و نقص ہے اس لیے ان روایات کے مطابق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ا۔

پر سحر دیکھ کر بہت سے لوگوں نے آپ کا دین چھوڑ دیا۔

جوابات از اہلسنّت

(۱) نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جادو ہُوا اور آپ کے بدن مبارک میں جادو سے درد محسوس ہوتا اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا اور یہ بھی مخالفین مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر نہ شیطان مسلط کرنا تھا نہ کوئی انسان اور نہ کوئی جن جو آپ کو ان امور میں ایذار کا موجب بنے جو نبوت اور آپ کی عقل مبارک سے متعلق ہیں، ہاں بشریت مبارکہ اور بدن اقدس کو ضرر پہنچنا من حیث الانسان والبشر حق ہے کیونکہ آپ کو من حیث البشریۃ والانسانیۃ ضرر پہنچتا تھا دوسرے بشروں اور انسانوں کی طرح، جیسے صحت و مرض اور موت اور اکل و شرب اور دفع الفضلات ایسے ہی تاثیر السحر بھی آپ کی نبوت کریمہ کو قادح نہیں، ہاں یہ تاثیر اسں وقت قادح ہوتی جب اس کی تاثیر کا معاملہ نبوت کی طرف راجع ہوتا اور یہ مخالفین بھی مانتے ہیں کہ سحر کو امورِ نبوت سے کوئی تعلق نہ تھا۔

(۲) واللہ یعصمك من الناس کا مطلب بھی ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچاتا ان امور میں جو نبوت کی طرف راجع ہیں ورنہ بدن مبارک کو لوگوں نے تکلیف پہنچائی مثلاً غزوۂ احد میں آپ کی رُباعی (دانت مبارک) کو کفار و مشرکین نے ضرر پہنچایا (حالانکہ واللہ یعصمك من الناس کی آیت مبارکہ اس واقعہ سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔

سوال: کشف الاسرار میں ہے کہ اسں کی کیا حکمت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں سحر کا اثر و غلبہ ہوا اور اللہ تعالیٰ نے مکار کے مکر کو آپ کے اندر کیسے اثر ڈالنے دیا اس کے مکر و حیلہ و سحر کو باطل کیوں نہ کر دیا۔

جواب: اس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت اور معجزات کی صحت کا اظہار مطلوب تھا، کیونکہ کافرین و مشرکین آپ کی طرف سحر و کہانت منسوب کرتے تھے اور پھر وہی سحر جس کی طرف آپ منسوب تھے تو وہ آپ میں اثر کر گیا اور ساحر کا عمل اپنا کام کر گیا یہاں تک کہ آپ پر بعض امور ملتبس ہو گئے اور گوناگوں درد جسم مبارک میں عارض ہوا، اس کا علم حضور علیہ السلام کو نہ ہوا یعنی لتفات نہ فرمایا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا مستجاب فرمائی اور سحر کا معاملہ واضح کیا اگر بقول کفار و مشرکین آپ کے معجزات و خوارق عادات بطور سحر ظاہر ہوتے تھے (معاذ اللہ) تو آپ پر سحر کا اثر معلوم ہو جاتا (ہر ماہر فن اپنے فن کو خوب جانتا ہے) بنا بریں آپ اسں کے دفاع کے لیے جدوجہد فرماتے اور یہی آپ کی نبوت کے مضبوط ترین براہین و دلائل سے ہے۔

نکتہ: حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بجائے دیگر ازواج رضی اللہ عنہن کے سب سے پہلے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اس لیے خبر دی کہ بعض لوگوں کو گمان تھا کہ یہ جادو بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی

طرف سے ہوا ہے (معاذ اللہ)

سحر کی اطلاع یحییٰ بن یعمر سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے چند روز رو کے گئے ایک شب کو خواب یا خواب و بیداری کے مابین دیکھا کہ آپ کے پاس دو فرشتے آئے ایک سر مبارک کی طرف دوسرا پاؤں اقدس کی جانب بیٹھ گیا جو سر مبارک کی جانب سے بیٹھا تھا اس نے پاؤں اقدس کی جانب والے سے پوچھا کہ آپ کو کیا شکایت ہے؟ اس نے کہا جادو ہے۔ پوچھا، کس نے کیا ہے؟ کہا، لبید اعلم الیہودی نے۔ کہا سحر کا عمل کہاں ہے؟ کہا فلاں کنوئیں میں۔ پوچھا اس کا علاج؟ کہا، اس کنوئیں کا پانی نکالا جائے، اس کی تہ میں ایک پتھر ہے جب وہ مل جائے تو اسے اُلٹا دیا جائے کیونکہ اس کے نیچے پیالہ ہے اور اس کی گردن کا حصہ نیچے گاڑ دیا گیا ہے اور پیالہ میں وتر[1] ہے جس میں گیارہ گرہیں لہدا ان میں سوئیاں چبھوئی گئی ہیں انہیں نکلوا کر آگ لگا دیں تو آپ کو شفا ہو جائے گی (ان شاء اللہ تعالیٰ) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے جو کچھ انہوں نے کہا مکمل طور پر سمجھ لیا تھا، اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کے نکالنے کے لیے بھیجا۔ (اس کی تفصیل پہلے گزری ہے)

حدیث شریف سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے جسم میں کوئی تکلیف محسوس فرماتے تو قل ھو اللہ احد اور معوذتین پڑھ کر دائیں ہاتھ پر دم کر کے اسی جگہ پر ہاتھ پھیرتے جہاں تکلیف ہوتی۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے ہواجس نفسانیہ و خواطر شیطانیہ نفاثات ساحرات کی طرف جو عقائد القلوب الصافیۃ الطاہرۃ پر سیئات عقلیہ کی خباثتیں اور شکوک وہمیہ کی نوشیں پھونکتے ہیں (العیاذ باللہ)

تفسیر عالمانہ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ (اور حاسد کے شر سے جب وہ مجھ سے جلے) حسد پر وقف ہے اس کے بعد اللہ اکبر کہا جائے اس لیے کہ وصل ایہام سے خالی نہیں یعنی جب وہ جو اس کے کینہ سے ظاہر ہو جائے حسد سے، اور وہ عمل جو حسد کے مقتضا سے اور محسود کو قوۃً و فعلاً ضرر دینے کے مقدمات کی ترتیب سے (پناہ مانگتا ہوں)۔

نکتہ: اس سے مقید کرنے میں اشارہ ہے کہ حسد کا ضرر خود حاسد کو گھیر لیتا ہے نہ کہ کسی اور کو۔

سوال، الکشاف میں ہے کہ آیت میں بعض مستعاذ منہ معرفہ ہیں بعض نکرہ، اس کی کیا وجہ ہے؟

---

[1] زہ یعنی چمڑے کی باریک رستی۔

جواب : النفاثات کو تو معرفہ اس لیے لایا گیا کہ ہر نفاثہ (پھونکنے والی) شریر ہوتی ہے اور غاسق کو نکرہ اس لیے کہ ہر غاسق میں شر نہیں ہوتا بعض میں ہوتا ہے بعض میں نہیں۔ ایسے ہی ہر حاسد نقصان نہیں پہنچاتا بلکہ بعض حسد میں تو خیر و بھلائی ہوتی ہے، جیسے اچھے امور میں حصول کا قصد کرنا۔

ف : حاسد سے قابیل مراد لینا بھی جائز ہے اس لیے کہ اس نے اپنے بھائی ہابیل پر حسد کیا۔

مسئلہ : کسی دوسرے کی خیر و بھلائی دیکھ کر اس پر افسوس کرنا حسد ہے۔ اور فتح الرحمٰن میں ہے کہ کسی کی زوال نعمت کی تمنا کرنا جبکہ وہ اہل نعمت اس کا مستحق ہے، کا نام حسد ہے خواہ وہ نعمت دینی ہو یا دُنیوی۔

حدیث شریف ۱ میں ہے :

مومن رشک کرتا ہے اور منافق حسد۔

حدیث شریف ۲ میں ہے :

حسد نیکیوں کو ایسے کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑیوں کو۔

ف : پہلا گناہ جو آسمان پر ہُوا وہ یہی حسد ہے جو ابلیس نے آدم علیہ السلام پر کیا اور انھیں بہشت سے نکالا تو خود مطرود ہو کر شیطانِ رجیم بنا اور زمین پر یہ گناہ قابیل نے اپنے بھائی کے لیے کیا کہ اسے اس حسد پر قتل کر دیا۔

ف : حضرت حسین بن الفضل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں شرور کا ذکر فرما کر آخر میں حسد کا ذکر کیا تاکہ ظاہر ہو کہ یہ اخبث الطبائع ہے جیسے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ؏

(۱) اگر در عالم از حسد بدتر بودے　　ختم ایں سورہ بدان کردے
(۲) حسد آتشی دان کہ چُون بر فروخت　　حسود لعیں را ہمان لحظہ سوخت
(۳) گرفتم بصورت ہمہ دین شوے　　حسد کے گزارد کہ حق بین شوے

ترجمہ : (۱) اگر عالمِ دنیا میں حسد سے بدتر اور کوئی مرض ہوتا تو اس سورۃ کو اسی پر ختم کیا جاتا۔

(۲) حسد آگ ہے کہ جب روشن ہُوئی حاسد ملعون کو اسی وقت جلا کر رکھ دیا۔

(۳) میں نے مانا کہ بظاہر اگرچہ کوئی سراپا دین ہو لیکن اسے حسد کب چھوڑتا ہے کہ تو حق بین ہو سکے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں نفس امارہ کے حسد کی طرف اشارہ ہے کہ جب وہ قلب پر کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کا نور جل جائے اور اسے تلوین میں واقع کرنے اور اس کفرانِ نعمت کی کوشش کرتا ہے جو زوال نعمت کا موجب ہے۔

فضیلت معوّذتین

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو فرمایا : کیا تم نے نہیں دیکھا کہ آج رات چند ایسی آیات نازل ہوئیں کہ ان جیسی دیکھی نہیں گئیں ، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس ۔

ف : الم تر (کیا تُو نے نہیں دیکھا) کا لفظ تعجب کے لیے ہے اس کا مابعد تعجب کے سبب کا بیان ہے وہ یہ کہ ان دونوں سورتوں کی ہر آیت تعویذ ہے جو ان دو سورتوں کے سوا کسی اور میں ایسا نہیں ۔

ف : حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ معوذتین قرآن کا جزو ہیں اس میں حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کا رد ہے جو ان کی طرف منسوب ہے کہ یہ قرآن کا جزو نہیں ۔

مسئلہ : مبین المعانی میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ معوذتین قرآن مجید کا جزو ہے ۔

سوال ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے ان کے جزو ہونے کا انکار کیوں ؟

جواب ، ان کی طرف یہ نسبت غلط ہے صرف ان کے مصحف میں نہ ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اس کے جزو ہونے کے قائل نہیں ۔ یہ غلط ہے ، اس لیے کہ انہوں نے مصحف میں وہ سورتیں درج کیں جن کے لیے اذہان سے بھُول جانے کا خطرہ تھا اور یہ ان دونوں سورتوں کے اذہان سے اترنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ وہ تو بچہ بچہ کی زبان پر ہر وقت جاری رہتی تھیں ۔

ابنِ مسعود کی قرأۃ کے جوابات

(۱) مصاحفِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں مختلف طریقے مروّج تھے ، مثلاً عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں اُمّ الکتاب و معوذتین نہ تھیں اور مصحف اُبَی بن کعب رضی اللہ عنہ کے مصحف میں سورۃ القنوت درج تھی اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا مصحف ان دونوں باتوں سے پاک تھا ۔

(۲) ابن مسعود و ابی بن کعب دونوں کے مصحف منسوخ ہیں اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا مصحف معمول بہ ۔

(۳) وہ اس لیے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہر سال حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ قرآن مجید کا دورہ فرماتے اور وصال کے سال دو دفعہ دورہ ہوا ۔

(۴) حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم وصال تک زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا مصحف تلاوت فرماتے تھے اور اسی کے مطابق نماز پڑھاتے تھے ۔

(۵) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قرآن مجید کی ایک سو بارہ سُورتیں ہیں ۔ اس کے جواب میں الفقیہ نے البستان میں فرمایا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس لیے ایک سو بارہ سورتیں بتائیں کہ وہ معوذتین کو قرآن مجید سے شمار نہیں کرتے تھے اسی لیے وہ مصحف میں نہیں لکھتے تھے لیکن وہ فرماتے تھے کہ یہ دونوں سورتیں

کلامِ رب العالمین ہیں لیکن نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس سے دم پھونک مارتے اور انہیں تعویذ کے طور پر استعمال فرماتے انھیں اپنے اجتہاد سے اشتباہ ہوگیا کہ یہ دونوں سُورتیں کلامِ الٰہی تو ہیں لیکن قرآن کا جُز و نہیں اسی لیے اپنے مصحف میں نہ لکھا (لیکن یہ ان کا اپنا اجتہاد ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع کے بالمقابل ایک صحابی کا اجتہاد قابلِ قبول نہیں ہوتا)

ایک اور قول اور اس کا جواب

سوال: حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قرآن مجید کی کُل ایک سو تیرہ سورتیں ہیں۔

جواب: انہوں نے اس لیے فرمایا کہ وہ انفال و سورۃ توبہ کو ایک سورۃ تصوّر فرماتے۔

ایک اور قول

حضرت اُبَی ابن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے کہ قرآن مجید کی کل ایک سو سولہ سورتیں ہیں۔

جواب: وہ دعائے قنوت کو دو سورتیں سمجھتے رہے،

(۱) اللّٰھم انا نستعینك سے من یفجرك تک۔

(۲) اللھم ایاك نعبد تا آخر۔

یہ بھی ان کا اپنا اجتہاد تھا جسے صحابہ کرام نے قبول نہیں کیا۔

صحیح قول

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قرآن مجید کی کل ایک سو چودہ سورتیں ہیں، یہی عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قول ہے اور اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصحف میں بھی ایک سو چودہ سُورتیں ہیں اور جملہ امصار (شہروں) کے مصاحف میں یہی ہے۔

تحقیقی قول

معوذتین قرآن کی سورتیں ہیں مروی ہے کہ حضرت ابو معاویہ سے وہ راوی ہیں حضرت عثمان بن واقد سے فرمایا کہ مجھے محمد بن المنکدر نے بھیج کر ان سے سوال کیا کہ کیا معوذتین کتاب اللہ سے ہیں آپ نے فرمایا، جو ان دونوں سورتوں کو کتاب اللہ سے نہیں مانتا اس پر اللہ اور ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔

مسئلہ: نصاب الاحتساب میں ہے کہ اگر کوئی قرآن کی کسی ایک آیت کا منکر ہو سوائے معوذتین کے، وہ کافر ہے۔

مسئلہ: سفیان بن سخنان نے فرمایا کہ جو کہے معوذتین قرآن مجید سے نہیں اسے کافر نہ کہو کیونکہ ممکن ہے وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرح تاویل کرتا ہو (المغرب للمطرزی)

مسئلہ: ہدیۃ المھدیین میں ہے کہ معوذتین کی قرآنیۃ میں مشائخ کا اختلاف ہے، صحیح یہ ہے کہ اس کا منکر کافر ہے۔

فقیر اویسی غفرلہٗ نے سورۃ الفلق کی تفسیر کے ترجمہ سے ۱۰ شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ شب اتوار میں فراغت پائی۔

سُوْرَةُ النَّاسِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اٰيَاتُهَا ٦ رُكُوْعُهَا ١

سورۂ ناس مدنی ہے اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا اس میں چھ آیتیں ہیں

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴿١﴾ مَلِكِ النَّاسِ ﴿٢﴾ اِلٰهِ النَّاسِ ﴿٣﴾ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ

تم کہو میں اس کی پناہ میں آیا جو سب لوگوں کا رب سب لوگوں کا بادشاہ سب لوگوں کا خدا اس کے شر سے جو دل میں برے

الْخَنَّاسِ ﴿٤﴾ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ﴿٥﴾ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ﴿٦﴾

خطرے ڈالے اور دبک رہے وہ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں جن اور آدمی

سورۃ الناس مکیہ ہے اس کی چھ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان اور رحم والا)

تفسیر عالمانہ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ (تم کہو میں اس کی پناہ میں آیا جو سب لوگوں کا رب) یعنی ان کے جملہ امور کا مالک اور ان کا مربی ہے کہ ان کی مصلحت کے مطابق فیض پہنچاتا اور ان سے ضرر دفع فرماتا ہے۔

ف: قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رب الناس سے ذات مع جمیع الصفات مراد ہے کیونکہ انسان وہ مخلوق ہے جو جمیع مراتب وجود کی جامع وحاصر ہے، اسی لیے اس کا رب بھی جامع جمیع الصفات ہے جس نے پیدا کیا اسی نے اس کمال تک پہنچایا اسی ذات کے ساتھ باعتبار اسماء جلالیہ وجمالیہ کے پناہ مانگی جارہی ہے بعد اس کے پہلے اس کی صفات سے پناہ مانگی گئی اسی لیے یہ سورۃ پہلی معوذہ (سورۃ) سے مؤخر کی گئی کیونکہ اس میں تعوذ بے مقامات میں اسم ہادی کے ساتھ اس سے اسے ذات کی طرف ہدایت دی۔

حدیث شریف میں ہے،

اعوذ برضاك من سخطك وبمعافاتك من عقوبتك واعوذبك منك۔	میں پناہ مانگتا ہوں تیری رضا کے ساتھ تیرے غصے سے اور تیری معافی کے ساتھ تیری سزا سے اور تیرے ساتھ تجھ سے۔

شرح الحدیث

حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے رضائے الٰہی سے تعوذ کا اس لیے آغاز فرمایا کہ رضا صفات سے ہے اور صفات کو ذات کا قرب ہے اس کے بعد عفو کا ذکر فرمایا کیونکہ یہ صفات الافعال سے ہے پھر جب یقین میں اضافہ ہوا تو صفات کو ترک کرکے کہا اعوذ منك صرف ذات پر نظر رکھ کر بعض علمائنے معافات کو رضا سے پہلے ذکر کیا ہے بوجہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کرنے کے

کیونکہ معافات صفات الافعال اور رضا صفات الذات سے ہے۔

ف : بعض مشایخ نے فرمایا کہ جو غیر اللہ کی طرف التفات میں مبتلا ہوا سے افعال اللہ وصفاتہ تعالیٰ کے ساتھ استعاذہ کرنا چاہیے اور جو بحر توحید میں ایسا غرق ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا غیر کو موجود نہیں سمجھتا تو وہ سوائے اللہ تعالیٰ کے نہ کسی کے ساتھ استعاذہ کرے اور نہ کسی سے التجا۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ اس مقام سے گزر کر آگے نکل چکے تھے اسے مقام اول کہا جاتا ہے اسی لیے آپ نے کہا اعوذ بك منك تیرے سے تجھ سے پناہ مانگتا ہوں۔

نکتہ : فقیر (صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ اس سورۃ میں التجار الی اللہ میں سورۃ کے ختم کرنے کی دلیل ہے اس بات پر کہ وہی اول وہی آخر ہے اسی کی طرف تمام امور کا رجوع ومنتہیٰ ہے۔

ف : اس میں یومِ ازل میں میثاق کے نسیان کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اگر انسان نے اسے نہ بھلایا ہوتا تو اس کی طرف عود اور رجوع کی ضرورت نہ ہوتی بلکہ وُہ تو دائماً اللہ تعالیٰ کے قرب میں ہوتا۔

مَلِكِ النَّاسِ (سب لوگوں کا بادشاہ) عطف بیان ہے اس لیے لایا گیا تاکہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کی تربیت دوسرے مالکوں کی طرح نہیں بلکہ وہ کامل مالک ہے اور اس کا تصرف سب کو شامل اور اس کا قبضہ سب پر ہے۔

ازالۂ وہم : وہ جو بعض لوگوں نے مالک وملک میں فرق کیا ہے اور کہا کہ مالک کو ملک پر ترجیح ہے بایں معنیٰ کہ وہ مالک العبد ہے اور اس میں وہ مطلق تصرف رکھتا ہے بخلاف ملک کے کہ وہ اس پر قہراً وسیاستہً ملک رکھتا ہے اس کے علاوہ اور وجوہ ہیں یہ قیاس اللہ تعالیٰ کے لیے صحیح نہیں اور نہ ہی یہ قیاس اس کے لیے جاری ہو سکتا ہے کیونکہ یہ فرق مخلوق کے لیے ہے اور وُہ تو بجمیع وجوہ سب کا مالک ہے بلکہ اس کی جمیع نعوت واسماء اپنے مکمل ترین مفہوم کے ساتھ اس کے لیے ماننا لازم ہیں۔

ملک کی مالک پر ترجیح احادیث نبویہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ملک کو مالک پر ترجیح ہے لیکن وہ اسرار القرآن کے مبنیات اور اس پر تنبیہات کے لیے ہے مثلاً حدیث شریف میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ادعیہ کریمہ میں وارد ہے کہ،

لك الحمد لا اله الا انت رب كل شئ ومليكه۔

تیرے لیے حمد ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تُو ہر شے کا رب اور ملیک ہے۔

اس دعا میں و مالکہ نہیں اگر اسی کو ترجیح ہوتی تو و مالکہ ہوتا۔ علاوہ ازیں قاعدہ ہے کہ اسماء مستقلہ کو اسماء مضافہ پر ترجیح ہے اور ملك اسماء مستقلہ سے ہے اور مالك اسماء مضافہ سے۔ اس کی تائید یُوں بھی ہو سکتی ہے کہ

اسماء مضافہ اللہ تعالیٰ کے ان اسماء میں نہیں جو منقول ہو کر شمار کیے گئے ہیں جیسے فالق الاصباح، جاعل اللیل و ذی المعارج اور ان جیسے اور نیز چوتھی وجہ ترجیح یہ بھی ہے کہ قیامت کبریٰ میں یا ان قیامات صغریٰ میں جو سالکین کو وصول کے تحقق اور انتہاء سیر اور حالِ انسلاخ کے بعد غلبۂ احدیۃ علی الکثرۃ کے ظہور کے وقت اللہ تعالیٰ کہتا ہے تو لمن الملک الیوم للہ الواحد القہار (ملک) کہتا ہے (نہ کہ مالک) اور ملک کے حاکم کو بھی ملک کہا جاتا ہے، نہ کہ مالک، ان وجوہ سے ثابت ہوا کہ ملک کو مالک پر ترجیح ہے۔

ازالۂ وہم سورۃ فاتحہ میں مالک و ملک دونوں قرأتیں جائز ہیں نہ کہ اس سورۃ میں تاکہ تکرار نہ ہو کیونکہ رب کا ایک معنیٰ مالک بھی ہے اسی لیے فاتحہ میں بھی مالک پر ملک کو محققین نے ترجیح دی ہے۔

اِلٰہِ النَّاسِ (لوگوں کا معبود ہے) اس میں بیان ہے کہ اس کی ملکیت محض ان پر استیلاء اور ان کے سیاسی امور کی تدبیر کے قیام اور ان کی حفاظت و حمایت کے مبادی کی ترتیب کی تولیت سے نہیں جیسے دنیوی کمزور بادشاہوں کی ملکیت ہوتی ہے بلکہ بطریق معبودیت کے ہے جو الوہیت کے تقاضا سے ہے جیسے ان میں تصرف کلی پر قدرت تامہ ہے اور اماتۃً بھی اور ایجاداً بھی اور اعداماً بھی۔

تفسیر صوفیانہ ملک الناس میں فناء فی اللہ کے حال کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ ہم نے پہلے اشارہ کیا اور الٰہ الناس میں بقاء باللہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اللہ وہی معبود مطلق ہے یعنی وہ ذات جو جمیع صفات سے موصوف ہے جب بندہ اس میں فنا پاتا ہے تو اس پر اس کا مالک ہونا ظاہر ہو جاتا ہے پھر اسے اللہ تعالیٰ مقامِ عبودیت کے لیے وجود کی طرف لوٹاتا ہے اسی لیے اس وقت اسے وسواس (شیطان) کے شر سے پناہ مانگتی ہوتی ہے کیونکہ وسوسہ محل وجود کا مقتضی ہے اور حالِ فناء میں کوئی وجود نہیں، نہ وہاں سینہ ہے نہ وسوسہ بلکہ اگر وہاں تلوین کا ظہور ہوتا ہے تو بھی کہا اٹھتا ہے اعوذ بک منک جو معبود بوجود عابد میں ہوگا تو شیطان بھی عابد میں ظاہر ہوگا جیسے وہ پہلے اپنے وجود میں موجود تھا نیز یاد رہے کہ مقامِ ربوبیت ناس سے مقید ہے اور وہ عالمِ ملکوت کے باب کے آگے والے مقام میں ہے اور اسی میں مشاہدہ ہوتا ہے اور یہی اس کی نظر کی جگہ ہے کیونکہ تین حضرات تین اسماء سے مخصوص ہیں جسے صرف تین اشخاص حاصل کر سکتے ہیں:

(۱) حضرت الرب
(۲) حضرت الملک
(۳) حضرت الالٰہ، اس کے رجال تین ہیں:
(i) قطب

(ii و iii) وہ دو امام جو صاحبِ وقت قطب کے وزیر ہوتے ہیں۔ قطب کشفِ ذاتی مطلق میں منفرد ہوتا ہے، ایسے وہ وزیر قطب کے یسار کی جانب ہے وہ بابِ عالمِ شہادت پر ہے اس باب تک اس امام ثانی کی رسائی نہیں جو دائیں جانب میں ہے امام ربوبیت کی اضافت الناس کی طرف کیوں، حالانکہ وہ ملکوتیات کی معیت میں ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ امام ثانی جس کا نام ملک ہے کی موت کے وقت امام الربوبیۃ کو اس کے مقام کا وارث ہونا ضروری ہے بخلاف غیر کے کہ اور کو یہ مرتبہ نہیں ملتا۔

نکتہ : الارشاد میں ہے کہ رب کی اضافت الناس کی طرف کیوں، حالانکہ وہ تو جملہ عالمین کا تعلق اس کی ربوبیت و ملکوت و الوہیت سے ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں مستعاذ منہ شر الشیطان ہے اور وہ لوگوں کی عداوت میں مشہور ہے نص کر کے فرمایا کہ میری ربوبیت و ملکوت کی اضافت میں اشارہ ہے کہ میں اپنے بندوں کو شیطان کے شر سے نجات دوں گا اور اس کے تسلط سے محفوظ رکھوں گا، جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا:

ان عبادی لیس لک علیہم سلطان۔ میرے بندوں پر اے شیطان! تیرا کوئی تسلط نہ ہوگا۔

نکتہ : مضاف الیہ کا تکرار مزید کشف اور اضافت کے ساتھ اس کی تقریر ہے کیونکہ جسے یہ شرف نصیب نہیں اس کا کوئی اعتبار نہیں اور اس کے ذکر کا اعادہ تو کجا ایسے کا ذکر متروک ہونا لازمی ہے بلکہ اسے بیکار چھوڑا جائے کسی نے کیا خوب کہا: ؎

اعد ذکر نعمان لنا ان ذکرہ   ہو المسک ما کررتہ یتضوع

ترجمہ، نعمان کا ذکر بار بار کرو کیونکہ ان کا ذکر وہ خوشبو ہے کہ جس کا جوں جوں تکرار ہوگا خوشبو بڑھتی جائے گی۔

ف : التضوع بمعنی خوشبو مہکنا۔

نکتہ : اگر الناس اللہ تعالیٰ کے ہاں اشرف نہ ہوتا اللہ تعالیٰ اپنی کتاب اس کے ذکر پر ختم نہ فرماتا

تفسیر عالمانہ

مِنۡ شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ (اس کے شر سے بُرے خطرے ڈالے)

حلِ لغات : الوسواس بمعنی الوسوسہ ہے وہ صوتِ خفی جو محسوس نہ ہو کہ جس سے احتراز نہ کیا جا سکے۔ جیسے زلزال بمعنی تزلزلہ وہ مصدر (بالکسر) ہے مصدر اور اسم مصدر میں فرق یہ ہے کہ اس حدث کا صدور اگر فاعل سے اور وقوع مفعول پر ہے تو وہ مصدر ہے اگر اس میں یہ حیثیت نہ ہو تو وہ اسم مصدر ہے۔

نکتہ : چونکہ وسوسہ وہ کلام ہے جسے موسوس بار بار کرتا اور مؤکد کرتا ہے اس کے ہاں جس کے اندر وہ وسوسہ ڈال رہا ہے تو اس کے لفظ کے تکرار کو اس کے معنیٰ کے تکرار کا بالمقابل بنایا گیا۔

ف : الوسواس سے شیطان مراد ہے کیونکہ وہ کلام خفی کہ جسے قلب سمجھتا ہے بغیر اس کے کہ اس کی آواز سنی جا سکے سے انسان کو معصیت کی طرف بلاتا ہے اور اپنے فعل سے شیطان کو موسوم کرنا مبالغہ ہے کہ گویا وہ نفس وسوسہ ہے کہ وہ دائمی طور وسوسہ کے عمل میں لگا رہتا ہے اس کے دفعیہ کے لیے استعاذہ بتایا کہ اس سے شیطان کو دفع کرو کہ اگرچہ وہ وسوسہ میں اونچا ہے تو استعاذہ اس کی سرکوبی کے لیے کافی ہے۔

نکتہ : من شر وسوسۃ نہیں فرمایا تاکہ استعاذہ اس کے جملہ شرور کو عام ہو۔

نکتہ : شیطان اعظم کی سخت ترصفات اور اس کی قوی تر تاثیر اور عام فساد سے ذکر فرمایا تو استعاذہ کا ذکر بھی الٰہ سے بنے جو نہ کہ دوسرے بعض اسماء جیسے پہلی سورۃ میں اسی لیے کہ شیطان وہ ہے جو رحمٰن کا بالمقابل ہے اور وہ جمعیۃ انسانیہ پر مسلط ہے اور جمیع اسماء کی صورتوں میں ظاہر ہو سکتا ہے اور ہر ایک کے متمثل ہو سکتا ہے سوائے اللہ تعالیٰ اور رحمان کے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ اللہ تعالیٰ کے مظہر اتم ہیں اسی لیے آپ کی صورت میں متمثل نہیں ہو سکتا) اسی لیے اسم ہادی وعلیم وقدیر وغیرہ کے ساتھ استعاذہ نہیں۔

فائدہ صوفیانہ

رب الفلق کے ساتھ احتجاب وضلالۃ سے پناہ مانگی تو یہاں رب الناس کے ساتھ پناہ مانگی۔ اسی سے من رآنی فقد رآنی فان الشیطان لا یتمثل بی (جس نے مجھے دیکھا بیشک اس نے مجھے دیکھا اس لیے کہ شیطان میری مثل نہیں ہو سکتا) کا راز ظاہر ہوا۔

ف : ایسے ہی اُمتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاملین کی صورتوں میں شیطان متمثل نہیں ہو سکتا اس لیے کہ وہ ہدایت مطلقہ کے مظہر ہیں۔

مسئلہ : وسواس سے شیطان مراد ہے کیونکہ وہ معصیت کی دعوت کلام خفی سے دینا۔

القاء کی اقسام

القاء دو قسم ہے :

(۱) صحیح / (۲) فاسد

صحیح الٰہی دو قسم ہے :

(۱) ربانی ، یہ علوم ومعارف سے متعلق ہے۔

(۲) ملکی روحانی ، یہ طاعت اور ہر وہ عمل جس میں صلاح وخیر کا باعث ہے۔ اسے الہام بھی کہا جاتا ہے۔

اور القاء فاسد دو قسم ہے :

(۱) نفسانی وہ ہے جس میں حظ النفس ہو ، اس کا نام ہاجس ہے۔

(۲) شیطانی وہ ہے جو معصیت کی دعوت دیتا ہے اس کا نام وسواس ہے۔

وساوس شیطانی کے مراتب

آکام المرجان میں ہے کہ جس کی دعوت دیتا ہے اس کے چھ مراتب ہیں،

(۱) کفر و شرک و عداوۃ اللہ و رسولہ جب انسان پر اس میں فتح پاتا ہے تو اس کی دوڑ دھوپ کم ہو جاتی ہے بلکہ تھکان اتارنے کے لیے اس سے آرام پاتا ہے۔ یہی وہ پہلا امر ہے جو شیطان انسان سے چاہتا ہے۔

(۲) بدعت (سیئہ) ہے، یہی شیطان کو محبوب تر ہے ہر گناہ سے، اس لیے کہ عام گناہ سے تو انسان توبہ کر لیتا ہے تو وہ کالعدم ہو جاتا ہے بخلاف بدعت کے کہ اس کے متعلق انسان کا یقین ہوتا ہے کہ وہ صحیح (اور شرعی عمل) ہے اسی لیے اس سے توبہ نہیں کرتا، جب کسی مردِ خدا سے اس امر میں شیطان عاجز ہو جاتا ہے تو پھر تیسرے مرتبہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔

(۳) کبائر (کبیرہ گناہ) علیٰ اختلاف الانواع (اس کی جتنی قسمیں ہیں کسی ایک کا انسان سے ارتکاب کراتا ہے) جب اس سے شیطان عاجز آ جاتا ہے تو مرتبہ چہارم کی طرف رجوع کرتا ہے۔

(۴) صغائر (صغیرہ گناہ) جب زیادہ ہو جائیں تو انسان کو تباہ کر دیتے ہیں جیسے لکڑیوں میں چھوٹی چھوٹی چنگاریاں (اگرچہ وہ چنگاریاں معمولی ہیں لیکن جب آپس میں مل جاتی ہیں تو لکڑیوں کے ڈھیروں کو جلا کر راکھ بنا دیتی ہیں) جب انسان اس سے عاجز آ جاتا ہے تو مرتبہ پنجم کی طرف رجوع کرتا ہے۔

(۵) مباحات کا اشتغال جس کا نہ ثواب نہ عذاب بلکہ عقاب ہی سمجھو کہ جب مباح کی مشغولی سے اس سے ثواب ہو جائیگا۔ شیطان جب اس سے عاجز آ جاتا ہے تو وہ مرتبہ سادسہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔

(۶) یہ کہ مفضول عمل میں مشغول کر کے افضل سے محروم کر دے تاکہ اس سے زائد ثواب ضائع ہو جائے۔

شیطان کے اقسام

(۱) شیطان الوضوء ولہان (بفتحتین) وہ ہے جو انسان کو وضو میں زیادہ پانی خرچ کرنے پر ابھارتا ہے۔

حدیث شریف: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

تعوذوا باللہ من وسوسۃ الوضوء۔ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو وضو کے وسوسہ سے۔

(۲) خنزب وہ ہے جو نمازی کو نماز اور اس کی قرأۃ میں التباس پیدا کرتا ہے۔

وسوسہ کی اصل (جڑ) کی قسمیں

دس چیزیں وسوسہ کی اصل اور نتیجہ ہیں،

(۱) حرص، اس کا بالمقابل توکل و قناعت ہے۔

(۲) امل (آرزو وغیرہ) اسے اچانک موت ہی توڑتی ہے۔

(۳) شہوات الدنیا سے نفع پانا، اس کا بالمقابل زوالِ نعمت وطویل حساب ہے۔

(۴) حسد، اسے رؤیتِ عدل کا تصور ہی ختم کرسکتا ہے۔

(۵) بلاء، اللہ تعالیٰ کی منّت واحسان ہی سے مٹ سکتی ہے۔

(۶) کبر، تواضع سے ختم ہوگا۔

(۷) اہلِ ایمان کی حرمت (عزت واحترام) کو حقارت سے دیکھنا۔ ان کی تعظیم واحترام سے ختم کیا جاسکتا ہے۔

(۸) حُبِ دُنیا اور اسے اچھی نگاہ سے دیکھنا، اسے اخلاص باللہ ختم کرے گا۔

(۹) علو ورفعۃ (اونچے مرتبہ کا خواہاں ہونا) خشوع وذلت سے مٹے گا۔

(۱۰) منع وبخل، یہ جُود وسخا سے ختم ہوگا۔

اَلْخَنَّاسِ (جو دل میں بڑے خطرے ڈالے)

حلِ لغات: یخنس سے ہے بمعنی یتاخر یعنی جب انسان اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو وہ پیچھے ہٹ جائے۔

حکایت کسی ولی اللہ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ وہ شیطان کو دیکھیں کہ وہ کس طرح آکر وسوسہ ڈالتا ہے۔ انھیں اللہ تعالیٰ نے ہیکل (شکل انسانی) بلور کی صورت میں دکھائی جس کے دونوں کاندھوں کے درمیان سیاہ تل ہے پرندے کے گھونسلے کی طرح، خناس (شیطان) پہلے تو جمیع جانب سے انسان کو سونگھتا ہے اس کی صورت خنزیر جیسی ہوتی ہے اور اس کی ایک سونڈ ہے ہاتھی کی سونڈ کی طرح، پھر دونوں کاندھوں کے درمیان میں آتا ہے تو اپنی سونڈ انسان کے قلب کی طرف بڑھا کر اس میں وسوسہ ڈالتا ہے بندہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے اسی لیے اس کا نام خناس ہے اس لیے کہ وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے جب اسے ذکرِ الٰہی کا نور قلب میں نظر آتا ہے۔

حدیث شریف اسی رازِ الٰہی کی وجہ سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کاندھوں کے درمیان پچھنے لگواتے تھے بلکہ اس کا حکم فرماتے اور اسی کی آپ کو حضرت جبریل علیہ السلام نے وصیت (تاکید) کی تاکہ شیطان کا مادہ کمزور رہے اور اس کے اندر جانے کا راستہ تنگ ہو اس لیے کہ اس کا وسوسہ ایسے تیز دوڑتا ہے جیسے انسان کے جسم میں خون۔

نکتہ: مذکورہ بالا وجہ سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مُہرِ نبوت دونوں کاندھوں کے درمیان میں تھی اس میں اشارہ تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وسوسہ شیطانی سے معصوم ہیں۔

حدیث شریف: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی ہے۔ وہ (شیطان) مسلمان ہوگیا" ختم (مہر) الہی و شرح صدر سے آپ کو اللہ تعالیٰ کی تائید نصیب ہوئی اور عصمتِ کلی کی وجہ سے آپ کا قرین مسلمان ہوا۔

ف: آدم علیہ السلام کے قرین نے ان پر وسوسہ ڈالا۔

مسئلہ: شیطان انسان کے جسم میں داخل ہو سکتا ہے اس لیے کہ وہ لطیف جسم والا ہے اگرچہ وہ دراصل نار سے پیدا شدہ ہے لیکن آگ کی طرح جلاتا نہیں اس لیے نار و ہوا کے امتزاج سے ایک خاص ترکیب اختیار کر لی انسان کی ترکیب کی طرح۔

تفسیر صوفیانہ

الوسواس میں اشارہ ہے اس وسواس کی طرف جو قوتِ حسیہ و خیالیہ سے حاصل ہوتا ہے الخناس میں قوتِ وہمیہ کی طرف اشارہ ہے جو ان دونوں قوتوں سے متاخر ہے اس لیے کہ مقدمات میں یہ عقل کی موافقت کرتی ہے جب امر نتیجہ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اس کا وسوسہ اور شک ڈالنے کا معاملہ متاخر ہو جاتا ہے جیسے موتیٰ سے خوف کرنا وہم کا حکم ہے حالانکہ یہ وہم عقل کی بھی موافقت کرتا ہے کہ میت ایک جماد ہے اور جماد سے کیا خوف۔ قضیہ منطقیہ کا تقاضا بھی یہی ہے جو وہم و عقل دونوں صحیح نتیجے پر پہنچیں گے تو وہم بھی پیچھے ہٹ جائیگا اور اس کا انکار کرے گا یعنی میت سے نہیں ڈرنا۔

تفسیر عالمانہ

الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ (وہ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں) جب وہ ذکرِ الٰہی سے غافل ہوں۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے وہ جو بھولنے والا ہے ذکرِ الٰہی کو قلب و سر و روح سے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، یوم یدعوا الداع (بحذف الیاء) اس دن بلانے والا بلائے گا۔

ف: موصول محلاً مجرور وصف ہے۔

مسئلہ: الخناس پر وقف نہیں یا منصوب یا مرفوع علی النصب ہے اس وقت وقف مستحسن ہے۔

ف: پہلے اللہ تعالیٰ نے شیطان کے وسوسہ کا ذکر فرمایا پھر اس کے وسوسہ کے محل کو، وہ ہے صدور الناس۔ یوسوس فی صدور الناس پر غور کیجئے کہ فی قلوبھم نہیں فرمایا اس لیے کہ صدر قلب کی دہلیز (دالان) اور گھر ہے اسی سے واردات داخل ہوتے ہیں یعنی سینہ میں جمع ہو کر قلب میں داخل ہوتے ہیں اسی لیے وہ بمنزلہ دالان کے ہے۔ دہلیز (بالکسر) وہ جو دروازہ سے دار تک کے درمیان کا حصہ ہے اور قلب سے ارادات و اوامر نکل کر سینہ تک پہنچتے ہیں پھر جنود پر متفرق ہوتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ شیطان قلب کے دالان اور گھر میں داخل ہو کر اس کا جو جی چاہتا ہے قلب پر ڈالتا ہے اور سینہ میں وسوسہ ڈالتا ہے وہ وسوسہ قلب تک پہنچتا ہے۔

قلب کے پانچ اُمرا

بعض ارباب الحقائق نے فرمایا کہ قلب کے پانچ امرا ملکیہ ہیں انھیں حواس کہا جاتا ہے،

(۱) حاسۂ بصر

(۲) حاسۂ سمع

(۳) حاسۂ شم (سونگھنا)

(۴) حاسۂ ذوق

(۵) حاسۂ لمس

اور پانچ امر ملکوتیہ ہیں، ان کا نام ارواح ہے:

(۱) حیوانی

(۲) خیالی

(۳) فکری

(۴) عقلی

(۵) قدسی

جب امرِ الٰہی ان امرا میں کسی ایک امیر پر نافذ ہوتا ہے تو قلب اس ورود علی حسب الحقیقۃ کے مطابق امرِ الٰہی کی تعمیل میں لگ جاتا ہے اسی پر خواطر وساوس کا قیاس کیجئے اس لیے کہ عزم انسان ان ہر ایک میں سے خارج کی طرف خارج ہوتا ہے اور حواس و قویٰ کے طرق سے اسے جاری کرتا ہے۔

ف: فی صدور الناس دلالت کرتا ہے کہ شیطان صدور الجن میں وسوسہ نہیں ڈالتا۔ آکام المرجان میں ہے کہ کوئی دلیل دلالت نہیں کرتی کہ جنی جن میں وسوسہ ڈالے اور وہ اسی طرح جنی میں داخل ہوتا یا اس میں اسی طرح جاری ہوتا ہو جیسے انسان میں۔

تفسیر عالمانہ

مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ (جن اور آدمی)

حل لغات: الجنۃ (بالکسر) جن کی جماعت من الذی یوسوس کا بیان ہے۔

ف: وسوسہ ڈالنے والے دو قسم ہیں:

(۱) جن

(۲) انس

جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: شیاطین الانس والجن۔ اور جس میں وسوسہ ڈالا جائے وہ صرف ایک نوع ہے

یعنی انسان ۔ تو جیسے جن شیاطین وسوسہ ڈال کر پیچھے ہٹ جاتا ہے وہ اس لیے کہ وہ اباطیل (غلط عقیدے اور بُرے اعمال) کا وسوسہ ڈالتا ہے اور وہ ناصح مشفق کی شکل میں ہوتا ہے (جیسے دورِ حاضرہ میں تبلیغی جماعت، بستر اٹھانے والی جماعت کا حال ہے) اگر اسے سامع جھڑکے تو پیچھے ہٹ کر وسوسہ ترک کر دیتا ہے اگر سامع اس کی بات مان جائے تو وہ اپنی کارروائی میں مبالغہ کرتا ہے (جیسے دیوبندی تبلیغی جماعت والوں کا طریقہ ہے کہ جب ان کی بات کوئی مان لیتا ہے تو پھر اسے چلہ کی دعوت دیتے ہیں)

ف : الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ جو کسی دوسرے کو (باطل عقیدہ یا عمل صالح کی دعوت دے اور وہ وسوسہ کا تصور اس کے دل پر جما دے تو اس کا نام وسوسہ ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

ونعلم ما توسوس بہ نفسہ ۔ ہم جانتے ہیں جو اس کا نفس وسوسہ کرتا ہے۔

جب وہ اپنے نفس میں وسوسہ ڈال سکتا ہے تو وہ دوسرے کو بھی اس میں مبتلا کر سکتا ہے اور اشخاص کے مختلف ہونے سے وسوا اس کی حقیقت مختلف نہیں ہو سکتی اور یہ بھی جائز ہے کہ من کا تعلق یوسوس سے ہو تو یہ ابتداء الغایۃ کے لیے یعنی وسوسہ ڈالتا ہے از جہت جن کیونکہ وہ غیب جانتے اور نفع وضرر پہنچاتے یا انسان کی جہت سے جیسے کاہن ومنجم۔

تفسیر صوفیانہ

من الجنۃ میں اشارہ ہے کہ قوائے باطنہ کی طرف جو وہ پوشیدہ ومستور ہیں اسی لیے جن کو جن کہا جاتا ہے کہ وہ پوشیدہ ہوتے ہیں اور الناس میں قوائے ظاہرہ کی طرف، اس لیے کہ الناس' الایناس سے ہے بمعنی الظہور، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا : آنست نارا۔

نکتہ : یہاں ایک لطیف اشارہ جس کا بیان ضروری ہے وہ یہ کہ پہلی سورۃ میں مستعاذ بہ (جس کے ساتھ استعاذہ کیا گیا) ایک صفت ہے یعنی برب الفلق اور مستعاذ منہ (جس سے پناہ کی طلب کی گئی) کی تین آیات :

(۱) غاسق

(۲) نفاثات

(۳) حاسد

اور اس سورۃ (والناس) میں مستعاذ کی تین صفات ہیں :

(۱) الرب

(۲) الملك

(۳) الالٰہ

اور مستعاذ منہ صرف ایک آفت ہے یعنی وسوسہ ، اور سب کو معلوم ہے جتنا مطلوب زیادہ اہمیت کا حامل ہو اس کی

رعایت وحفاظت زیادہ کامل اور اکثر ہو تو طالب کی شمار اس کی طلب سے پہلے بھی اکثر وافر ہوتی ہے۔ پہلی سورۃ میں مطلوب سلامۃ البدن ہے کہ وہ آفات مذکورہ سے محفوظ رہے اور اس سورۃ (والناس) میں سلامۃ الدین مطلوب ہے وسوسۂ شیطان سے۔

ف: ان دونوں سورتوں کے نظم میں تنبیہ ہے کہ سلامۃ الدین از وسوسۂ شیطان اگرچہ امر واحد ہے مگر مراد کے اعتبار سے اعظم اور مطلوب کے لحاظ سے اہم ہے اور پہلی سورۃ میں آفات سے سلامۃ البدن مطلوب ہے اگرچہ وہ امور متعدد ہیں لیکن ان کا وہ مرتبہ نہیں جو سلامتیٔ دین کا مرتبہ ہے۔

ف: آکام المرجان میں ہے کہ سورۃ الناس اس شر سے استعاذہ پر مشتمل ہے جو تمام ذنوب ومعاصی کا سبب ہے اور وہ شر انسان کے اندر ہے اور انسان ہی دنیا و آخرت عقوبات کا نشا ہے اور سورۃ الفلق اس شر سے استعاذہ پر مشتمل ہے جو بندے کا اپنے نفس پر ظلم کا سبب ہے اور وہ شر خارج سے پہلا شر تکلیف میں داخل نہیں اور نہ اُن سے رُکنے کا مطالبہ ہے کیونکہ وہ بندے کے کسب میں داخل نہیں اور شر ثانی تحت التکلیف ہے اور اس کے ساتھ نہی کا تعلق ہے۔

حدیث شریف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے بستر مبارک پر آرام کے لیے تشریف لاتے تو ہر رات کو ہی آپ کا معمول تھا کہ اپنی دونوں مبارک ہتھیلیاں آپس میں ملا کر ان پر پھونک مارتے اور پڑھتے قل ھو اللہ احد اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس۔ پھر اپنے جسم مبارک پر جہاں تک ہو سکتا ہاتھ مبارک پھیرتے۔ اس کی ابتداء سر مبارک اور چہرۂ اقدس سے فرماتے اور جسم کے آگے کے حصہ پر پہلے ہاتھ پھیرتے پھر پچھلے حصہ پر۔ اس طرح تین بار ہاتھ پھیرتے۔

مسئلہ: قوت القلوب للشیخ ابی طالب المکی قدس سرہٗ میں ہے کہ انسان جب درس (یا کوئی اور قراءۃ و تلاوت وغیرہ) کا آغاز کرتے تو سب سے پہلے پڑھتے، اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم رب اعوذ بک من ھمزات الشیاطین واعوذ بک رب ان یحضرون۔ اور چاہیے یہ بھی پڑھے قل اعوذ برب الناس و سورۃ الحمد پھر ہر سورت سے فراغت کے بعد کہے:

صدق اللہ تعالیٰ وبلغ رسولہ	اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا اس کے رسول صلی
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللھم	اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہم تک پہنچایا
انفعنا وبارک لنا فیہ الحمد للہ	اے اللہ! ہمیں نفع دے اور ہمارے لیے

رب العلمین واستغفر اللہ الحی
القیوم ۔

اس میں برکت نازل فرما تمام تعریفیں اللہ
رب العالمین کے لیے ہیں میں اللہ تعالےٰ
حی القیوم سے استغفار کرتا ہوں ۔

ف : اسئلہ عبد اللہ بن سلام (رضی اللہ عنہ) میں ہے کہ انہوں نے عرض کی، یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجھے خبر دو کہ قرآن مجید کی ابتدا کیسے ہو؟ اور ختم کیسے؟

آپ نے فرمایا کہ ابتداء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ہو اور ختم صدق اللہ العظیم سے ہو ۔

عرض کی، صدقت (یا رسول اللہ) (آپ نے سچ فرمایا)

مسئلہ : خریدۃ العجائب میں ہے کہ قاری (تلاوت کرنے والے) پر واجب ہے کہ وہ ختم قرآن مجید پر اوپر والے کلمات پڑھے ورنہ قرآن تو والناس کے سین تک ختم ہوگیا ۔

نکتہ : قرآن مجید کو بسم اللہ کی باء سے شروع کرنے اور والناس کے سین پر ختم کرنے میں 'بس' کی طرف اشارہ ہے (بس یعنی کافی) یعنی تجھے کونین میں وہی کافی ہے جو ہم نے تمہیں دو حرف عطا فرمائے ہیں، جیسے حکیم سنائی رحمہ اللہ نے فرمایا : ؎

از اول و آخر قرآن زچہ با آمد و سین
یعنی اندر رہ دین رہبر تو قرآن بس

(ترجمہ ، قرآن کا اول و آخر باء و سین سے ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ رہِ دین میں تجھے قرآن مجید کافی ہے)

تفسیر صوفیانہ

فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) ایدہ اللہ القدیر (اللہ القدیر اس کی تائید کرے) کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قرآن مجید کو باءِ بسم اللہ سے شروع کرنے اور والناس کے سین پر ختم کرنے میں اشارہ ہے کہ انسان مراتب کونیہ کا آخری مرتبہ ہے جیسے کلام مراتبِ الٰہیہ سے آخری ہے وہ اس لیے کہ مراتب کونیہ کی ابتداء عقل اول اور اس کی انتہاء انسان ہے اس کا مجموعہ قرآن مجید کے حروف تہجی ہیں اور مراتب الٰہیہ کا پہلا مرتبہ حیاۃ اور آخری مرتبہ کلام ہے اسی سے سب سے پہلے جو مولود سے ظاہر ہوتا ہے وہ ہے حیاۃ اور اس کا آخر میں ظاہر ہوتا ہے کلام اور یہی موضوع ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پہ پیدا فرمایا اور کلامِ قرآنی کا اوّل اسم الٰہی سے ہے کیونکہ وہی مبدا اول ہے اور اس کا آخر الناس ہے کیونکہ انسان ہی اللہ تعالیٰ کا مظہرِ آخر ہے اور مبتدیٔ تعلّم میں عروج کرتا ہوا مبداء اول اور اس کے اسم عالی تک پہنچتا ہے اور منتہی (سالک) تلاوت میں نزول کرتا ہے تو یہاں تک کہ انس سافل کے ذکر اور اس کی حقیقت تک پہنچتا ہے اور جلاءً مبداء اللہ تعالیٰ ہے اور استجلاءً منتہی وہی ہے ۔ خلاصہ یہ کہ اول (بلا بدایۃ) وہی ہے اور

آخر (بلا نہایۃ) وہی ہے۔

مسئلہ: ابن کثیر رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ جب وہ سورۃ والناس کے آخر تک پہنچتے تو پڑھتے الحمد للہ الیٰ آخرہ پھر سورۃ البقرہ کی پانچ آیات تا المفلحون پڑھتے، اس کا نام ہے حال المرتحل۔

حال المرتحل کی تشریح حال یعنی حلول کرنے والا یعنی تلاوت کرنے والا اپنی قرآت میں قرآن کے ختم تک پہنچ کر آگے مرتحل (یعنی کوچ کرنے والا) ہے دوسرے ختم کی طرف شیطان کی ناک کاٹ کر (بدعت حسنہ) مذکورہ بالا طریقہ بدعت ہے لیکن تمام مسلمانوں کے بلاد میں مشہور ہے اور ابن کثیر کی قراۃ معمول بہ ہے[1]۔

بدعات القرآن امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآن مجید کا والناس تک پڑھنے کے بعد دعا مانگنا مستحب ہے (لیکن ہے یہ بھی بدعت) اس کے سوا اور کوئی شے نہ پڑھے۔

تین بار قل: انہی سے مروی ہے کہ یہ مستحب ہے اور اسی کو مشائخ عراق نے مستحسن فرمایا کہ سورۃ الاخلاص کو ختم پر تین بار پڑھنا چاہیے۔ ہاں اگر اس ختم کو نمازِ فرض میں پڑھے تو پھر سورۃ اخلاص کا تکرار نہ کرے (یہ طریقہ بدعت ہے جیسے آج کل عموماً تراویح کے ختم پر اکثر لوگوں میں مروج ہے)

ختم کی مجلس میں حاضری حدیث شریف میں ہے جو قرآن مجید کے ختم کی مجلس و محفل میں حاضر ہوتا ہے ان مغانم میں حاضری کے برابر ہے جو مجاہدین میں تقسیم کیے جاتے ہیں؛ اور جو اس کے آغاز میں حاضر ہو تو وہ ایسے ہے جیسے فتح فی سبیل اللہ میں حاضر ہوا۔

ختم القرآن کا فائدہ (۱) امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر ختمِ قرآن پر دعا مستجاب ہوتی ہے۔

(۲) جب کوئی قرآن مجید ختم کرتا ہے تو فرشتہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان میں بوسہ

---

[1] جس سے نہ وہابیوں کو انکار ہے نہ دیوبندیوں نہ مرزائیوں کو، نہ دوسرے گمراہ فرقوں کو۔ لیکن افسوس ہے کہ نہ صرف اس بدعت بلکہ بہت سے بدعات پر یہ فرقے عمل کرتے ہیں لیکن جوں ہی میلاد، عرس، گیارھویں اور اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام کا نام لو تو یہ گمراہ فرقے جل بھن جاتے ہیں۔ اس کی وجہ وہی ہے کہ یہ فرقے تحریک وہابیت کی شاخیں ہیں۔ اس سے اہلسنت کو آگاہ ہونا ضروری ہے۔

(اویسی غفرلہٗ)

دیتا ہے۔

(۴) جو ختم قرآن کے وقت اپنی بخشش میں شک کرتا ہے اس کے لیے بخشش ہے ہی نہیں۔

مسئلہ: امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے ختم القرآن کے وقت دعا کے استحباب پر نص فرمائی ایسے ہی اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کی جماعت نے بھی۔

مسئلہ: جو جی چاہے دعا مانگے لیکن دُعا کے وقت قبلہ رُخ ہو، ہاتھ اٹھا کر دعا مانگے، اللہ تعالیٰ کے سامنے خشوع و خضوع اور اجابتِ دعا پر یقین کرنے والا ہو۔

مسئلہ: دعا میں سجع (بہ تکلّف) کی کوشش نہ کرے بلکہ ہو سکے تو اس سے اجتناب کرے۔

مسئلہ: دُعا کے وقت پہلے اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے پھر حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم پر درود شریف پڑھے۔

مسئلہ: دُعا سے فراغت پر منہ پر دونوں ہاتھ پھیرے۔

دُعا ختم القرآن

حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ ختم القرآن پر مندرجہ ذیل دعا مانگیں،

اللهم انی اسألك اخبات المخبتین
و اخلاص الموقنین و مرافقة الابرار
واستحقاق حقائق الایمان والغنیمة
من کل بر والسلامة من کل اثم ورجوب
رحمتك وعزائم مغفرتك والفوز
بالجنة والخلاص من النار۔

اے اللہ میں تیرے چھپ کر عبادت کرنے والوں کی سی عبادت کرنے کا اور یقین والوں کے اخلاص اور ابرار کی رفاقت اور حقائق الایمان کا استحقاق اور ہر غنیمت سے حصہ اور ہر گناہ سے سلامتی کا سوال کرتا ہوں اور میں نے تیری رحمت کی امید کی ہے اور تیری مغفرت کے عزائم اور جنت کی کامیابی اور جہنم سے چھٹکارا کی۔

مسئلہ: شرح الجزری لابن المصنف میں ہے کہ دُعا میں نہایت ہی عاجزی ضروری ہے اور دُعا بہت ضروری اور اہم امور کے لیے کرے اور کلماتِ جامعہ استعمال کرے یا وہ کلمہ جو سب سے معظم ہو یا بہتر ہے کہ دعا میں جملہ امور آخرت اور امورِ مسلمین سے متعلق ہوں۔ ایسے ہی سلاطین کی اصلاح کی دعا بھی ہونی چاہیے بلکہ تمام امور سلطنت کے اراکین کے لیے کہ اللہ تعالیٰ انہیں طاعات کی توفیق دے اور انہیں مخالفاتِ اسلام سے محفوظ رکھے اور ان کا تعاون علی البر والتقوی کرے اور انہیں حق پہ قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور انھیں اعداءِ اسلام پر غلبہ بلکہ تمام مخالفین پر فتح و نصرت بخشے۔

نبوی دُعاءِ ختم القرآن

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ختمِ قرآن پر (مندرجہ ذیل دعا) پڑھا کرتے تھے،

اللهم آنس وحشتي في قبري اللهم ارحمني بالقرآن العظيم واجعله لي اماما ونورا وهدى ورحمة اللهم ذكرني منه ما نسيت وعلمني منه ما جهلت وارزقني تلاوته آناء الليل واطراف النهار واجعله حجة لي يا رب العالمين۔

اے اللہ! قبر کی وحشت میں اسے میرا مانوس بنا اور قرآن عظیم کے طفیل مجھ پر رحم فرما اور اسے میرا امام و نور اور ہدایت اور رحمت بنا اے اللہ مجھے یاد دلا جو کچھ میں اس سے بھولا اور جو اس سے میں بے خبر رہا مجھے اس کا علم دے اور دن رات کی گھڑیوں میں مجھے اس کی تلاوت کی توفیق دے، اور اے رب العالمین اسے میرے لیے حجت بنا۔

ایک اور دعاءِ ختم القرآن

حضرت ابوالقاسم شاطبی رحمہ اللہ تعالیٰ ختمِ قرآن پر مندرجہ ذیل دُعا مانگا کرتے تھے،

اللهم انا عبيدك وأبناء عبيدك وابناء امائك ماض فينا حكمك عدل فينا قضاؤك نسألك اللهم بكل اسم هو لك سميت به نفسك او علمته احدا من خلقك او نزلته في شيء من كتابك او استأثرت به في علم الغيب عندك أن تجعل القرآن ربيع قلوبنا وشفاء صدورنا وجلاء احزاننا وهمومنا وسائقنا وقائدنا اليك والى جناتك جنات النعيم ودارك دار السلام مع الذين انعمت عليهم من

اے اللہ! میں تیرا بندہ اور تیرے بندوں اور تیری کنیزوں کی اولاد ہیں ہمارے میں تیرا حکم جاری اور تیری قضاء ہمارے میں عدل ہے اے اللہ! ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں ہر اسم کے واسطہ سے وہ اسم جو صرف تیرے لیے ہے، جسے تُو نے اپنے لیے خود مقرر فرمایا ہے یا اپنی مخلوق میں کسی کو بتایا ہے یا اپنی کسی ایک کتاب میں اسے نازل فرمایا ہے یا اسے خاص اپنے علمِ غیب میں پوشیدہ رکھا ہے یہ کہ بنا دے قرآن ہمارے قلوب کی بہار اور ہمارے صدور کی شفاء اور ہمارے احزان وہموم کی جلاء اور اسے جناتِ نعیم اور اپنی دار اور دار السلام

النبيين و الصديقين و الشهداء و الصالحين برحمتك يا ارحم الراحمين۔

کی طرف قائد و سائق بنا دے ان حضرات کے ساتھ جن پر تیرا انعام ہے انبیاء علیہم السلام اور صدیقین اور شہداء و صالحین میں سے اپنی رحمت کے ساتھ اے ارحم الراحمین۔

دعاءِ ختم تفسیر القرآن

فقیر (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ) اپنے ربِ قدیر کے حضور میں ہاتھ اٹھا کر عرض کرتا ہے:

اللهم انی اعوذ بمعافاتك من عقوبتك واعوذ برضاك من سخطك واعوذ بك منك لا احصی ثناء عليك انت كما اثنت على نفسك فقد انجزت لی ما وعدتنی انك لا تخلف الميعاد وجعلت رؤیای حقا واحسنت بی اذ اُخرجتنی من سجن الهم وخاطبتنی عند ذلك بقولك سل تعط فجعلت منتهی سؤلی رضاك وبشرتنی بقبول خدمتی هذه حيث قلت فتقبلها ربها بقبول حسن وكنت ادعوك باتمام النعمة و اكمال المنة فلم اكن بدعائك رب شقيا فانعم علی فيما بقی من عمری القليل باضعاف ما عودتنی به قبل هذا من انواع آلائك واصناف نعمائك واختم لی بخير وهدی ونور، وبكل بر و سعادة و سرور، وصل على

اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں تیری معافاۃ کے طفیل تیرے عذاب سے اور تیری رضا کے طفیل تیرے غضب سے اور تیرے کرم سے تجھ سے میں تیری ثناء شمار نہیں کر سکتا تو نے اپنی ثناء جس طرح کی وہی تیرے لائق ہے اور تو نے میرے ساتھ وعدہ پورا فرمایا جیسے تُو نے وعدہ کیا بیشک تُو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا تُو نے میرے خواب کو اچھا کیا اور تُو نے میرے ساتھ احسان فرمایا جب تُو نے مجھے غم و ہَم سے نکالا اور اس وقت تُو نے میرے ساتھ خطاب کر کے فرمایا کہ مانگ تجھے دیا جائے گا میں نے اپنے مقصد کا منتہیٰ تیری رضا کو بنایا اور تُو نے میری خدمت قبول کرنے کی بشارت سے مجھے نوازا کر فرمایا اسے اس کے رب تعالیٰ نے قبول فرما لیا قبول حسن سے اور میں دعا مانگتا تھا کہ مجھ پر اتمام نعمت و اکمال منت ہو، اے میرے رب تعالیٰ میں تجھ سے دعا مانگنے سے نا امید نہیں ہوں۔ تو مجھ پر انعام فرما جتنا میری قلیل عمر باقی رہ گئی اس سے کئی گنا زیادہ جو

نبیك النبیه الذی هو مفتاح الخیرات ، ومصباح السائرین الی منازل القربات فی جنح الاوقات ، وعلی اٰله واصحابه القادة ، ومن تبعهم من السادة ۔

تُو نے میری گزشتہ عمر میں عطا فرمایا کہ گوناگوں نعمتوں اور قسم قسم کی نعمتوں سے نوازا میرا خاتمہ خیر و ہدایت نور اور ہر یہ و سعادت دستور پر فرمایا اور درود بھیج اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر جو کہ آپ ہی مفتاح الخیرات و سائرین الیٰ منازل القربات کا چراغ ہیں ہر آن اور ہر گھڑی میں ، اور آپ کی آل و اصحاب پر جو کہ ہمارے قائدین ہیں اور آپ کے تابعین پر جو ہمارے سردار ہیں ۔

فراغت از تفسیر رُوح البیان

تفسیر روح البیان فی تفسیر القرآن کی تحریر ختم ہو گئی اس کے لکھنے میں تقریباً مدت الوحی (تئیس سال) گزری باوجودیکہ اندر دوران مجھے تقدیر و قضائے کئی مشکلات پیش آئیں اور دور دراز کے سفر طے کیے اور بہت دور کے شہروں تک پہنچایا گیا اور ملک کے طول و عرض تک جانا ہوا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مقام اتمام (تکمیل تفسیر) تک پہنچا دیا اور وہ یوم الخمیس ۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۱۱۷ھ اس ذات کی ہجرت سے جو آگے پیچھے برابر دیکھتے تھے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم)

قطعۂ تاریخ اختتام از مصنف رُوح البیان قدس سرہٗ

(صاحب روح البیان قدس سرہٗ خود فرماتے ہیں کہ) میں نے مندرجہ ذیل قطعہ نظم کے طور پر لکھا :-

ان من من جناب ذی المنن   ختم تفسیر الکتاب المستطاب
قال فی تاریخه حقی الفقیر   حامداً لله قد تم الکتاب
وقلت بحساب الحروف المنقوطة   ~ وقع الختم بجود الباری ۱۱۱۷

ترجمہ :(۱) بیشک جناب ذی المنن کے احسان سے کتاب مستطاب (قرآن مجید) کی تفسیر ختم ہوئی ۔

(۲) فقیر حقی (اسمٰعیل حقی صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اس کی تاریخ میں الحمد للہ کہ کتاب (تفسیر روح البیان) مکمل ہو گئی ۔

(۳) میں نے حروف منقوطہ (نقطہ والے حروف) کے حساب سے کہا کہ ختم واقع ہوا باری تعالیٰ

کے جود (وکرم) پر۔

توضیح از اویسی غفرلہٗ (حروفِ منقوطہ "وقع الختم بجود الباری" میں یہ ہیں، ق، خ، ت، ب، ج، ب، ی۔ اور ان کا حساب مندرجہ ذیل ہے،

ق	۱۰۰
خ	۶۰۰
ت	۴۰۰
ب	۲
ج	۳
ب	۲
ی	۱۰
میزان کل	۱۱۱۷

اور یہی سن ہے تفسیر روح البیان کا)

و اٰخر دعواھم ان الحمد للہ رب العالمین[۱۱۱۴]۔ ان کا آخری کلمہ یہ ہے کہ الحمد للہ رب العالمین۔

فراغت از ترجمہ تفسیر روح البیان

فقیر اویسی غفرلہٗ نے ترجمہ تفسیر روح البیان سے ۱۰ شعبان ۱۴۰۹ھ / ۱۹ مارچ ۱۹۸۹ء بروز اتوار ساڑھے چار بجے بعد دوپہر فراغت پائی۔ الحمد للہ علی ذلک۔

آغاز و اختتام

فقیر اویسی غفرلہٗ نے ۲۵ جمادی الثانی ۱۳۷۱ھ / ۲۲ مارچ ۱۹۵۲ء کو لائل پور کے جامعہ رضویہ سے علمی تکمیل کے بعد اپنے آبائی گاؤں حامد آباد ضلع رحیم یار خان میں سلسلۂ تدریس جاری کیا اور ساتھ ہی تصنیف و تالیف بھی شروع کر دی۔ شرح ایساغوجی، شرح ابواب الصرف، شرح صرف بہائی، نعم الحامی شرح جامی حصہ اول کی اشاعت کے بعد ۱۹۵۶ء میں روح البیان کے ترجمہ کا مستقل طور پر آغاز کر دیا۔ اس کے ابتدائی مضامین ماہ طیبہ کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ میں قسط وار شائع ہوئے۔ چونکہ فقیر خود کو ترجمہ کے اہل نہ سمجھتا تھا اس لیے طوعاً و کرہاً کبھی کبھار کچھ نہ کچھ لکھ دیا لیکن مایوس بھی نہ ہوا۔ پھر محض فضلِ ربانی ہی ہے کہ دیکھتے دیکھتے تفسیر مکمل ہو گئی۔ اس میں نہ فقیر کی محنت کو دخل ہے نہ اس کی کارگزاری کو۔ بس کریم کی کریمی ہے کہ مجھ جیسے نکمے سے ہزاروں صفحات لکھوا لیے۔ مجھے خود بھی حیرانی ہے کہ یہ ہزاروں صفحات مجھ سے کیسے معرضِ وجود میں آ گئے۔ یہ اس کا احسان و کرم ہے کہ جب سے یہ کام شروع ہوا درمیان میں سینکڑوں تصانیف (کتب و رسائل) تحریر ہوئے لیکن تفسیر کے کام میں رکاوٹ نہ بنے، اور یہ تفسیر گویا میری زندگی کے لمحات کی رفیق رہی۔ یہ کام زیادہ تر سفروں میں ہی ہوا، حضر میں تدریس و تعلیم و دیگر تصانیف کا کام ہوتا رہا۔ اس کی اشاعت بھی میری زندگی کا سرمایہ ہی سمجھیے کیونکہ مالی لحاظ سے فقیر صفر بٹا صفر ہے۔ یہ بھی اس کریم کا کرم ہے کہ مجھ جیسے بے مایہ روزگار سے تفسیر شائع کرا لی ورنہ اس کی اشاعت کا نہ کوئی فنڈ نہ کسی کی حصہ داری نہ کسی دوست کی حمایت، بلکہ مکتبہ کے کارندوں کی ناتجربہ کاری نقصان کے بوجھ تلے دبا دیتی، مہینوں تک اشاعت رک جاتی، سالوں تک قرضوں کی ادائیگی آگے نہ بڑھنے دیتی، لیکن بزرگوں کے ارشاد پر ؎

مرد باید کہ ہراساں نشود
مشکلے نیست کہ آساں نشود

ہمت نہ ہاری اور آج بفضلہ تعالیٰ مکمل تفسیر فیوض الرحمان (اردو ترجمہ روح البیان) اہلِ اسلام کی خدمت میں حاضر ہے۔

امتنان و تشکر

فقیر اُویسی غفرلہٗ نے اگرچہ تعلیم سے فراغت کے بعد فوراً نشر و اشاعت کا کام شروع کر دیا لیکن فیوض الرحمٰن ترجمہ تفسیر روح البیان کی اشاعت ایک غیر امکانی صورت محسوس ہوئی کیونکہ ہزاروں صفحات کی تفسیر مہنگائی کے دور میں کس طرح اور کیسے معرض وجود میں آئے کئی سُنّی اداروں سے رابطہ کیا اہل سنت کے بڑے اہل ثروت کو دعوت دی لیکن ۔۔

قسمت آزمائی کے طور پر حامد آباد اپنے گاؤں سے سورۃ الفاتحہ شائع کی تو عوام اہلسنت نے ہاتھوں ہاتھ لی اور آگے کی اشاعت کے تقاضے شروع ہو گئے ۔ (۱) اللہ میاں گلشن رقم کاتب گجرات کو خوش رکھے انہوں نے مکمل تفسیر کی کتابت کی حامی بھری چنانچہ دس پارے اشاعت اوّل انہوں نے لکھے اور نہ صرف سستے دام بلکہ اکثر کتابت مفت ۔ لیکن افسوس کہ لیتھو دور کا خاتمہ ہو کر عکسی کتابت کا سلسلہ شروع ہوا اس کے بعد ان سے رابطہ ٹوٹ گیا اللہ انہیں اس تعاون کا اجرِ عظیم بخشے (آمین) (۲) الحاج چودھری مشتاق محمد خان صاحب بی اے لاہور نہ صرف شکریہ کے مستحق ہیں بلکہ محسن عظیم ہیں اور مجھے یہ لکھنے میں کوئی باک نہیں کہ اگر وہ فقیر کے ساتھ دستِ تعاون نہ بڑھاتے تو ممکن ہے کہ تفسیر کا کام نامکمل رہ جاتا ۔ اللہ اس بندۂ خدا کو دارین میں شاد رکھے کہ امراض و مشکلات اور ذہنی خلفشار کے شکار ہونے کے باوجود شب و روز تفسیر کی تصحیح و تزئین و اشاعت میں فقیر سے دو قدم آگے رہے یوں سمجھ لیجئے کہ تفسیری امور میں نام میرا کام ان کا ۔ ان کے علاوہ فقیر کے چاروں بیٹوں (مفتی محمد صالح اُویسی، حاجی محمد عطاء الرسول اُویسی، حافظ محمد فیاض احمد اُویسی، قاری محمد ریاض احمد اُویسی) اور فقیر کے چند تلامذہ مولوی محمد قمر الدین سعیدی، مولوی غلام مرتضیٰ سعیدی، حافظ احمد بخش سعیدی، مولوی محمد بلال اُویسی، مولوی بشیر احمد سعیدی، اور چند مریدین حافظ رحیم بخش اُویسی قادری، حافظ عاشق رسول اُویسی قادری اور صوفی قادر بخش باروی ناظم مکتبہ صوفی مختار احمد اُویسی قادری کو دعائیں ہیں جنہوں نے فقیر کا ہاتھ بٹایا بلکہ صوفی محمد مختار احمد اُویسی تو تاحال پاکستان کے کونہ کونہ میں دورے کر کے اس کی اشاعت میں کوشاں ہیں نیز وہ عوام سنی برادری بھی شکریہ کی مستحق ہے جنہوں نے پارہ اوّل سے آخر تک وی پی کا بوجھ برداشت کیا اور اس کی اشاعت کا سبب بنے اور ان تلامذہ و احباب کے لئے دعا گو ہوں جنہوں نے تفسیر کی طباعت کے دوران ممبر بنائے ۔

آخر میں عبد الحمید صاحب لاہور کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے طباعت مجلد سازی میں تعاون کیا اور چودھری محمد شریف گل صاحب بھی شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے اکثر پارے کتابت فرمائے ۔

فقیر قادری ابو الصالح محمد فیض احمد اُویسی رضوی غفرلہٗ

بہاولپور ۔ پاکستان
۳ محرم ۱۴۱۲ھ بروز شنبہ مطابق ۱۶ جولائی ۱۹۹۱ء

آغاز و اختتام فقیر اویسی غفرلہٗ نے ۲۵ جمادی الثانی ۱۳۷۱ھ / ۲۲ مارچ ۱۹۵۲ء کو لائل پور کے جامعہ رضویہ سے علمی تکمیل کے بعد اپنے آبائی گاؤں حامد آباد ضلع رحیم یار خان میں سلسلۂ تدریس جاری کیا اور ساتھ ہی تصنیف و تالیف بھی شروع کر دی۔ شرح ایساغوجی، شرح ابواب الصرف، شرح صرف بہائی، نعم الحامی شرح جامی حصہ اول کی اشاعت کے بعد ۱۹۵۶ء میں روح البیان کے ترجمہ کا مستقل طور پر آغاز کر دیا۔ اس کے ابتدائی مضامین ماہ طیبہ کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ میں قسط وار شائع ہوئے۔ چونکہ فقیر خود کو ترجمہ کے اہل نہ سمجھتا تھا اس لیے طوعاً و کرہاً کبھی کبھار کچھ نہ کچھ لکھ دیا لیکن مایوس بھی نہ ہوا۔ پھر محض فضلِ ربانی ہی ہے کہ دیکھتے دیکھتے تفسیر مکمل ہو گئی۔ اس میں نہ فقیر کی محنت کو دخل ہے نہ اس کی کارگزاری کو۔ بس کریم کی کریمی ہے کہ مجھ جیسے نکمے سے ہزاروں صفحات لکھوا لیے۔ مجھے خود بھی حیرانی ہے کہ یہ ہزاروں صفحات مجھ سے کیسے معرضِ وجود میں آ گئے۔ یہ اس کا احسان و کرم ہے کہ جب سے یہ کام شروع ہوا درمیان میں سیکڑوں تصانیف (کتب و رسائل) تحریر ہوئے لیکن تفسیر کے کام میں رکاوٹ نہ بنے، اور یہ تفسیر گویا میری زندگی کے لمحات کی رفیق رہی۔ یہ کام زیادہ تر سفروں میں ہی ہوا، حضر میں تدریس و تعلیم و دیگر تصانیف کا کام ہوتا رہا۔ اس کی اشاعت بھی میری زندگی کا سرمایہ ہی سمجھیے کیونکہ مالی لحاظ سے فقیر صفر بٹا صفر ہے۔ یہ بھی اس کریم کا کرم ہے کہ مجھ جیسے بے مایہ روزگار سے تفسیر شائع کرا لی ورنہ اس کی اشاعت کا نہ کوئی فنڈ نہ کسی کی حصہ داری نہ کسی دوست کی حمایت، بلکہ مکتبہ کے کارندوں کی ناتجربہ کاری نقصان کے بوجھ تلے دبا دیتی، مہینوں تک اشاعت رک جاتی، سالوں تک قرضوں کی ادائیگی آگے نہ بڑھنے دیتی، لیکن بزرگوں کے ارشاد پر ؎

مرد باید کہ ہراساں نشود
مشکلے نیست کہ آساں نشود

ہمت نہ ہاری اور آج بفضلہٖ تعالیٰ مکمل تفسیر فیوض الرحمان (اردو ترجمہ روح البیان) اہلِ اسلام کی خدمت میں حاضر ہے۔

نصیحت پذیر لوگوں کی اقسام 789
حضرت عثمان غنی کی جان نثاری 790
اور منافق کی منافقت
بدبختوں کی علامت 791
اعضاء کی تخلیق کی غرض و
غایت 794
صحیفوں کی تعداد 79
صحیفہ ابراہیم 797
صحیفہ موسیٰ کا مضمون 797
سورۃ ھَلْ اَتَاکَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَۃ 799
عربی معہ ترجمہ
بدمذہبی کا رد 801
ابل اونٹ کی تحقیق 809
اونٹ میں عشق کا مادہ 810
ہاتھی کا ذکر کیوں نہیں 811
پہاڑ کو خواب میں دیکھنے کی تعبیر 813
ملفوظ فاروق اعظمؓ 816
محاسبہ نفس کیا ہے 816
ملفوظ علیؓ 817
سورۃ وَالْفَجْرِ وَلَیَالٍ عَشْر 818تا819
عربی معہ ترجمہ
فجر سے کیا مراد ہے 819
شداد کا شہر اور امیر معاویہ کا قتل 827
شداد کی قبر کا کتبہ 829
بایزید بسطامی نے شیطان کو دیکھا 829
مشاطہ بنت فرعون کا قصہ 831
بی بی آسیہ کی جرات مندی 832
سات چوکیاں 835
جنت کی ستر گیں 841
مومن کی موت 846
کافر کی موت 847
مسلمان کی موت کا منظر 847
سورۃ لَا اُقْسِمُ بِھٰذَا الْبَلَد 849
عربی مع ترجمہ
حضور اکرم کے قرآن مجید میں 850
چار ہزار نام کے متعلق
عبداللہ بن جرعان کا فتوی 855
آنکھوں کے فوائد 856
کمینے دنیادار کی نشانی 863
سورۃ والشمس وضحھا 867
عربی معہ ترجمہ
چاند سورج کا خلیفہ 868
تحقیق الہام 873
عرب کی عادت 875
قاتل علیؓ 879
سورۃ وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی 882
عربی مع ترجمہ
شب کے فضائل 885
شان صدیق اکبرؓ 890
بی بی زنیرہ کی کرامت 891
حضرت بلالؓ پر ظلم و ستم کا نمونہ 892
سورۃ وَالضُّحٰی وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی 896
عربی معہ ترجمہ
غم اور ملال کی بارش 898
آخرت میں شہنشاہ دو عالم پر
کا نمونہ 902
منصور حلاج سولی پر کیوں 904
محمد عربی ابو جہل کے ہاتھوں میں 909
ملفوظات اولیاء 912
سورۃ اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَک 918
عربی مع ترجمہ
شق صدر مبارک 919
عظمت نبوت 921
ملفوظ فاروق اعظمؓ 925
عطیہ معراج 927
سورۃ وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْن 929
عربی مع ترجمہ
انجیر کے پتے لباس آدم 930
مچھر مکھی بھگانے کے دوا 931
مسواک انبیاء 933
مکہ امین کیوں 933
مکینوں کے طفیل 933
سورۃ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ 940
عربی مع ترجمہ
ابتداء وحی کا بیان 941
نداء یا محمد ﷺ 942
حرا کا ادب غذائے محمدی
سب سے پہلے عابد قریشی
غار حرا میں ورقہ بن نوفل کا تعارف
رمضان المبارک کی [illegible]
غار حرا سے باہر کی آواز یا محمد ﷺ 943

فہرست تفسیر فیوض الرحمٰن ترجمہ روح البیان پارہ ۳۰

سورۃ عم یتساءلون عربی معہ ترجمہ 506 تا 507
اوتاد وابدال میں فرق 511
اقطاب کی قسمیں 515
سورج اور چاند کی روشنی میں فرق کیوں 523
مرنے کے بعد جی اٹھنے کے دلائل 529
دوزخ کا منظر 541
ابلیس کے لئے حسرت کا مقام 558
سورۃ النزعت غرقا عربی معہ ترجمہ 562 تا 563
نبی پاک ﷺ کے حضور میں ابلیس کی حاضری 565
فرعون کا دعویٰ 582
ابلیس کا دعویٰ 582
فرعون و منصور کا فرق 582
انبیاء و صدیقین کی شان 594
سورۃ عبس و تولی عربی معہ ترجمہ 600 تا 601
گستاخ و منافق امام مسجد کی حضرت عمر نے گردن اڑا دی 603
موت بھی نعمت ہے 613
شیعہ کا انجام بد 615
سورۃ اذا الشمس کورت عربی معہ ترجمہ 629
ستاروں کی تحقیق 633
جاہلیت کے عرب 636
لڑکیوں کو زندہ در گور کرنا 637
جبریل قوت و طاقت 647
شیطان کو ہندوستان دھکیل دیا 648
حضرت جبرئیل کی اصلی صورت 652
ملفوظ جنید قدس سرہ 657
ابو جاہل کی ہٹ دھرمی 658
ملفوظ ابو بکر واسطی 658
سورۃ اذا السماء انفطرت عربی معہ ترجمہ 660
حضرت علی کی سیرت کا نمونہ 666
کراماً کاتبین کا علم 671
ملفوظ فضیل 671
دیوبندی وہابی کش حوالہ 675
سورۃ ویل للمطففین عربی و ترجمہ 680 تا 681
پانی کے بدلے میں پانی 682
کامل مومن کی شان 687
روحانی دل کیا ہے 692
ملفوظات اولیاء اکرام 694
علیین کی تحقیق 697
عمل میں اخلاص ضروری ہے 697
سورۃ اذا السماء انشقت و ترجمہ 708
دعائے نبوی ﷺ 714
تہجد گزاروں کی قسم 721
ملفوظات حضرت حسن بصریؒ 726
سورۃ والسماء ذات البروج و ترجمہ 728
ولادت حضور ﷺ کا وقت 729
ننھے ولی اور مست بدمست کا مقابلہ 736
کرامت اہل ایمان 744
حاضر و ناظر کی تحقیق 746
رازدان حضور ﷺ کا بیان 751
تجارت میں برکت 754
برص کا علاج 756
لوح محفوظ کیا ہے 759
لوح محفوظ پر نام محمد 759
سورۃ والسماء والطارق عربی مع ترجمہ 760
ہمارے اعمال کے نگران مصطفیٰ 764
مومن کے ۱۲۰ نگران فرشتے 764
سورۃ سبح اسم ربک الاعلیٰ عربی معہ ترجمہ 774
سبحان ربی الاعلیٰ سب سے پہلے کس نے کہا 777
حکایات عجائب المخلوقات 779

قصہ ذونواس یہودی 1044
یمن میں ابرہہ کی شاہی کا آغاز 1045
ارباط اور ابرہہ کا تعارف
ابرہہ کا کوفیہ ڈھانے کا عزم 1046
کعبہ کی بجائے کنیسہ کی تعمیر
کنیسہ ابرہہ پر گندگی 1047
محمود ہاشمی کا ادب
محمود ہاشمی تعارف 1048
ابرہہ کے دل پر کعبے کا اثر 1050
نور مصطفیٰ ﷺ کی چمک حضرت عبدالمطلب کی پیشانی میں
ابرہہ سے جبراً حضرت عبدالمطلب کی تعظیم کرائی گئی 1051
حضرت عبدالمطلب کی تقریر کا اضافہ
شرح دعائے عبدالمطلب 1053
دعائے مستجاب
ابابیل کا تعارف
کنکریاں ام ہانی کے گھر میں 1054
قوم ابرہہ کے مر مٹنے کے بعد 1055
ابرہہ کا انجام بد
ابراکا پرندہ 1056
حجر اسود کی قیمت 1059
سورۃ قریش عربی مع ترجمہ 1063
حضرت ہاشم کا کارنامہ 1064
قریش کا تعارف و تفصیل
سورۃ الماعون عربی مع ترجمہ 1069
سہو کی اقسام 1071
سورۃ الکوثر عربی مع ترجمہ 1076
تفسیر ابن عباس 1077
کوثر کی آواز اب بھی اور ہر وقت سنی جارہی ہے
حوض کوثر کی وجہ تسمیہ
چار یار کے عاشق کو انعام 1078
بہترین فیصلہ دربارۂ کوثر
شکر کی قسمیں 1079
ساتھ قربانی کا مفت ثواب
رد شیعہ برائے نماز
سادات میں برکت 1081
سورۃ الکافرون عربی مع ترجمہ 1083
فضائل سورۃ الکافرون 1086
مسافر کو امان و سلامتی
سورۃ النصر عربی مع ترجمہ 1087
ثبوت علم غائب رسول ﷺ
فضیلت اویس قرنی 1091
اہل علم کی تعظیم 1094
مباہلہ کی اقسام 1096
سورۃ اللہب عربی مع ترجمہ 1097
اعجوبہ نعت و نحو 1100
ابولہب کی ڈینگیں 1101
منہ سے جو نکلی بات وہ ہو کے گلے کی رسی میں لٹک گئی 1105
سگ اصحاب کہف اور بلعم باعورا
سورۃ اخلاص عربی معہ ترجمہ 1106
عبداللہ کون 1107
سیر الی اللہ کے تین مقامات 1108
خواص احد صمد 1111
معاویہ کا جنازہ مدینہ میں اور حضور ﷺ تبوک میں 1115
سورۃ الفلق عربی معہ ترجمہ 1117
جبرائیل و یوسفؑ کا قصہ 1118
حضور ﷺ پر جادو 1121
سحر کیا ہے 1123
معتزلہ اور پرویزی بھائی بھائی
فضیلت معوذتین 1127
سورۃ الناس عربی مع ترجمہ 1129
وسواس شیطانی کے مراتب 1134
قلب کے پانچ امراء 1137
حالالمرتحل کی تشریح 1141
بدعات القرآن و تین بار قل
ختم مجلس میں حاضری
ختم قرآن کا فائدہ
دعائے ختم قرآن 1142
نبوی دعائے ختم قرآن 1143
فراغت از تفسیر روح البیان 1145
فراغت ترجمہ تفسیر روح البیان 1146
آغاز و اختتام 1147
امتنان و تشکر 1148

فترۃ الوحی 944
ورقہ بن نوفل اور ان کا مزار
بسم اللہ کی برکت 945
قلم روح مصطفیٰ آمد سے پہلے
کاتب کون 949
کاغذ کا موجد
کل کائنات کا علم قلم کو
شان مصطفیٰ 950
فضیلت امت حبیب
دعائے نبوی ﷺ 952
ابن مسعود سے پہلے کیوں 958
تیس آیات قرآنی کا قاعدہ 960
تحقیق الترجیہ
سجدہ کی اقسام 962
سورۃ انا انزلنٰہ فی لیلۃ 963
عربی مع ترجمہ
سورتیں لمبی چھوٹی 964
مکی و مدنی سورتیں 965
شان مصطفیٰ کا نکتہ 966
کلام الٰہی دو قسمیں 967
حضرت انسان کامل (نبی اللہ) 967
لوح محفوظ سے مدد کرے
نزول قرآن فی شہر رمضان 968
لیلۃ المبارک ہی لیلۃ القدر ہے
لیلۃ کے فضائل 969
[illegible] کا ثبوت
لیلۃ القدر [illegible] 970
تجلی اسرار 973
لیلۃ القدر [illegible]
حضرت میکائیل رزق کے چیف 974
آفیسر
حضرت اسرافیل کی ڈیوٹی
حضرت جبرائیل کا فرض
بنی اسرائیل کا ایک عابد 975
امت پر شفقت
تردید منکرین لیلۃ القدر 976
ملائکہ کے نزول کے بعد اقوال 978
فرشتہ کی جسامت و قد و قامت
روح سے مراد کون
زیارت حضور ﷺ اور شہادت 979
حضرت امام حسینؓ
سدرۃ المنتہیٰ کے فرشتے 980
ملائکہ ہمارے مشتاق ہیں
واہ انسان تیری شان
واہ کریم تیری شان 981
محبوبان خدا
حضرت جبرائیل ملائکہ کے 982
جھرمٹ میں
علامت لیلۃ القدر 983
سورۃ لم یکن الذین کفروا 984
عربی مع ترجمہ
دلیل قدما اہل سنت 988
عالم بد اعتقاد اور بے عمل 993
فضائل علماء باعمل 996
سورۃ اذا زلزلت الارض 998
عربی مع ترجمہ
رد ابن الحاجب 1000
اذان کا فائدہ
اللہ تعالیٰ کے ساتھ گواہ
حضرت جبرائیل نے دو مردے 1002
زندہ کیے
سورۃ والعٰدیٰت ضبحا 1008
عربی مع ترجمہ
ماتحتوں پر ظلم کرنے والوں کی 1012
مذمت
حاتم طائی کے ہم زماں دو اور اجوبہ
دوران
سورۃ القارعہ عربی مع ترجمہ 1018
رد سعدی المفتیؒ کا 1019
سورۃ الہٰکم التکاثر عربی مع ترجمہ 1022
مذموم فخر و تکاثر 1023
تفسیر علی المرتضیٰؓ 1025
تندرست اور فارغ انسان سے 1028
سخت حساب
ملفوظ حسن بصری
ٹھنڈا پانی سبحان اللہ
پانچ نعمتیں
نعمت ذات مصطفیٰ ﷺ 1029
ہزار آیات کی ایک سورۃ
سورۃ والعصر عربی مع ترجمہ 1031
نبوت حبیب ﷺ کے زمانہ کی قسم 1033
رد معتزلہ و خوارج 1035
حق چار یار 1036
سورۃ ویل لکل عربی مع ترجمہ 1037
منصور حلاجؒ 1041
سورۃ الفیل عربی مع ترجمہ 1043
[illegible]